فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

مکمل تیس جلدیں

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

فتاوی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱

(حصّہ اوّل)

رضا فاؤنڈیشنؒ

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
محترم قارئین عظام! 9
کلماتِ آغاز 11
امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ 12
رضا فاؤنڈیشن ______ عظیم اشاعتی منصوبہ 27
فتاوی رضویہ جلد اوّل 28
فتاوی رضویہ کا اجمالی خاکہ 32
امام احمد رضا بریلوی سے 35
استفتاء کرنے والے عالمِ اسلام کے معروف علماء اور دانشور 35
مآخذ 62
فہرست جلد اوّل ابواب ومسائل 63
فہرست ضمنی مسائل 73
فتاوی میں مصنّفین اور کتب سے متعلق بعض رموز 88
خطبةُ الکتاب 89
صفة الکتاب 91
سند الفقیر فی الفقه المنیر مسلسلا بالحنفیة الکرام 97
والمفتین والمصنّفین والمشائخ الاعلام 97
رساله 103
اجلَی الاعلام انّ الفتوٰی مطلقًا علٰی قول الإمام ۱۳۳۴ھ 103
(روشن تر آگاہی کہ فتوٰی قولِ امام پر ہے) 103
کتاب الطّھارة 239
باب الوضوء 239

رسالہ اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّفِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ ۱۳۲۴ھ (باران شیریں،ارکان وضو کے بیان میں) 239

رسالہ تَنْوِیرُ الْقِنْدِیلِ فِیْ اَوْصَافِ الْمِنْدِیلِ ۱۳۲۴ھ (رومال کے اوصاف بیان کرنے میں قندیل کا روشن کرنا۔ت) 313

رسالہ لمع الاحکام ان لاوضوء من الزکام ۱۳۲۴ھ (روشن احکام کہ زکام سے وضو نہیں) 347

رسالہ 369

الطراز المعلم فیما ھو حدث من احوال الدم ۱۳۲۴ھ (نشان زدہ نقش اس بیان میں کہ خون کس حال میں ناقضِ وضو ہے) . 369

رسالہ نبہ القوم ان الوضوء من ایّ نوم ۱۳۲۵ھ (قوم کو تنبیہ کہ کس نیند سے وضوء فرض ہوتا ہے) 487

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد اوّل (حصّہ اوّل)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ______ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ______ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوھاری دروازہ، لاھور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون ۷۶۶۵۷۷۲   ۷۶۵۷۳۱۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد اول (حصّہ اول)

تصنیف ____________ اعلیحضرت شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

فیضانِ کرامت ____________ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرستی ____________ صاحبزادہ مولانا محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

ترجمہ عربی و فارسی عبارات ____ مولانا محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

پیش لفظ ____________ علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

کلمات آغاز ____________ محمد عبد الحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ علامہ حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا سردار احمد حسن سعیدی، مولانا حافظ محمد شہزاد ہاشمی

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

صفحات ____________ ۱۱۵۲

اشاعت ____________ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ/اپریل ۲۰۰۶ء

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مطبع ____________

قیمت ____________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اجمالی فہرست

* پیش لفظ ____ ۵
* کلماتِ آغاز ____ ۱۱
* مرجع العلماء (مقالہ) ____ ۳۱
* خطبۃ الکتاب ____ ۸۹
* رسم المفتی (اجلی الاعلام) ____ ۱۰۳
* کتاب الطہارۃ ____ ۲۳۹
* مآخذ و مراجع ____ ۱۱۲۱

فہرست رسائل

* اجلی الاعلام ____ ۱۰۳
* الجود الحلو ____ ۲۳۹
* تنویر القندیل ____ ۳۱۳
* لمع الاحکام ____ ۳۴۷
* الطراز المعلم ____ ۳۶۹
* نبہ القوم ____ ۴۸۷
* تبیان الوضو ____ ۵۹۱
* الاحکام والعلل ____ ۶۲۳
* بارق النور ____ ۷۷۵
* برکات السماء ____ ۸۷۵
* ارتفاع الحجب ____ ۱۰۷۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمدللہ ! اعلٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے مفتی اعظم ۲۶ اگست ۲۰۰۳ء) کی زیر سرپرستی دارالعلوم جامعہ نظامیہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولة المکیّة بالمادة الغیبیة (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیة لمحب الدولة المکیّة (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامه المصون تبیان لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورة الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیة بالشاة الھندیة (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (۱۳۲۴ھ)

(۸)حسام الحرمین علی منحر الکفر و المین (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارہ کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ المعروف بہ فتاویٰ رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاویٰ مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہٗ وبعنایۃ رسولہ الکریم تقریباً پندرہ ۱۵ سال کے مختصر عرصہ میں وہ تیس ۳۰ جلدوں میں مکمل ہو کر منظر عام پر آچکا ہے جن کے مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب و ابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات و جوابات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد نمبر	عنوانات	جواباتِ اسئلۃ	رسائل تعداد	سنین اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطھارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰__مارچ ۱۹۹۰ء	۱۱۵۲
۲	کتاب الطھارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲__نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	کتاب الطھارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲__فروری ۱۹۹۲ء	۷۵۶
۴	کتاب الطھارۃ	۱۲۵	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳__جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴__ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاول ۱۴۱۵__اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵__دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶__جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶__اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الجنائز، کتاب الصوم کتاب الحج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷__اپریل ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸__اگست ۱۹۹۶	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح، کتاب الطلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸__مئی ۱۹۱۷	۶۵۶
۱۳	کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود و التعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸__نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹__ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰__اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴

۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ_ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ_فروری ۲۰۰۰	۷۱۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ_جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبۃ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر،	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ_فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیۃ	۲۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲ھ_مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۹۱	۹	ربیع الاول ۱۴۲۳ھ_مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۴۱	۶	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ_اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر والاباحۃ	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ_فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ_فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرہن، کتاب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب ۱۴۲۴ھ_ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اول	۳۲۵	۸	محرم الحرام ۱۴۲۵ھ_مارچ ۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ_اگست ۲۰۰۴	۶۸۳
۲۸	کتاب الشتی حصہ سوم	۲۲	۶	ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ_جنوری ۲۰۰۳	۶۸۴
۲۹	کتاب الشتی حصہ چہارم	۲۱۵	۱۱	رجب المرجب ۱۴۲۶ھ_اگست ۲۰۰۵	۷۵۲
۳۰	کتاب الشتی حصہ پنجم	۴۴		رجب المرجب ۱۴۲۶ھ_اگست ۲۰۰۵	۷۷۲

فتاوی رضویہ (قدیم) کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی تھی جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس ۲۰ جلدوں میں اسی ترتیب کو

ملحوظ رکھا گیا ہے مگر فتاویٰ رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ جلدوں (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابوابِ فقہ سے عدمِ مطابقت کی وجہ سے محلِ نظر تھی۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرستِ اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ و استفسار کے بعد اراکینِ ادارہ نے فیصلہ کیا تھا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاویٰ رضویہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیقِ انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ و فتاوی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتاہ اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں [20] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوا تھا لہذا اکیسویں [21] جلد سے مسائلِ حظر و اباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مدینات، اشربہ، رہن، قسم، وصایا اور فرائض پر مشتمل پچیسیوں [25]، چھبیسویں [26] جلد منصّہ شہود پر آئی باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلحضرت جو فتاویٰ رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوّب و غیر مترتب طور پر مندرج ہیں ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلحضرت اور مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم حقیر نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے کو ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پروکر مرتبط و منضبط کردیا ہے۔ وللہ الحمد

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا ہے۔

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب میں تقسیم کردیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال و استفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے نہ کہ جوابات میں مذکور مباحث کا۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر سوال کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم و دوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء اور انتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلحضرت کے بعض رسائل جو فتاویٰ رضویہ قدیم میں شامل

نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کردیا گیا ہے۔
(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا پڑی۔
(ح) کتاب الشتّٰی میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

محترم قارئین عظام!

یہ خبر آپ کے لئے یقیناً خوش کن ہوگی کہ الحمد للہ رضا فاؤنڈیشن کے تحت فتاویٰ رضویہ شریف کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ جدید انداز میں اشاعت پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے ، بلا مبالغہ ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ تیس جلدوں پر مشتمل یہ دنیا کا ضخیم ترین فتاویٰ ہے۔یہ بلند فقہی شاہکار مجموعی طور پر ۲۱۹۷۰ صفحات،۶۸۴۷ سوالوں کے جوابات اور ۲۰۶ رسائل پر مشتمل ہے جبکہ ہزاروں مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں۔

اس عظیم کارنامے کی تکمیل پر رضا فاؤنڈیشن کے بانی اور اس بے مثال اشاعتی منصوبے کا آغاز فرمانے والے مرد کامل استاذنا الکریم مخدوم ملت شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی نوراللہ مرقدہٗ کی روح پُر فتوح انتہائی مسرور ہو رہی ہوگی،اللہ تعالٰی ان کے درجات بلند فرمائے اور اس عظیم فتاویٰ کی بین الاقوامی اشات جدیدہ کو ان کے لئے قیامت تک صدقہ جاریہ بنائے۔

رضا فاؤنڈیشن سے وابسطہ تمام حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں خصوصاً ادارے کے سرپرست جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ مولانہ صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰے قادری ہزاروی ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ ، فتاویٰ رضویہ کے مترجمین، مخرّجین، مصححین،کاتب اورناظمِ نشرو اشاعت جگر گوشہ مفتی اعظم مولانا قاری نصیر احمد ہزاروی لائق صد تحسین و تبریک ہیں۔ پروردگار عالم ان تمام حضرات کو اجرِ جزیل و ثوابِ عظیم عطا فرمائے ، آمین بجاہِ سیّد المرسلین۔

نوٹ:

رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام فتاوی رضویہ کی جلد اول (مطبوعہ مارچ ۱۹۹۰ء)

کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی سید شجاعت علی قادری رحمۃاللہ تعالٰی علیہ بانی دارالعلوم نعیمیہ کراچی نے فرمایا تھا جس میں کافی حد تک اجمال و اختصار کے باعث سقم محسوس کیا گیا ،لہٰذا حضرت علامہ مولانا مفتی محمد احمد مصباحی بھیروی دامت برکاتہم العالیہ ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور سے نئے ترجمہ کی درخواست کی گئی اور ترجمہ تفصیلی ہونے کی وجہ سے ضخامت پہلے کی بنسبت بڑھ گئی لہٰذا اس جلد کو اب دو۲ حصوں میں پیش کیا جارہا ہے، تاہم دونوں حصوں کی فہرست یکجا حصہ اول تیس۳۰ جلدوں کی فہارس پر مشتمل ایک الگ جلد تیار ہو کر چھپ چکی ہے اور مسائل کے اشاریہ پر مشتمل بھی ایک جلد شائع کی جارہی ہے۔اس طرح اس ذخیرہ کو مجموعی طور پر اب تینتیس۳۳ مجلدات میں پیش کیا جارہا ہے۔

ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

اپریل ۲۰۰۶ء

حافظ عبد الستار سعیدی

ناظمِ تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ، پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

کلماتِ آغاز

سرزمین پاک وہند پر تقریباً ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت رہی، اس عرصے میں غیر مسلموں کو مکمل شہری حقوق حاصل رہے، ہر شخص کو اپنے دین پر عمل کرنے کی آزادی تھی، بلکہ بعض مواقع تو ایسے بھی آئے کہ غیر مسلموں کو ترجیحی مراعات حاصل رہیں، انگریز تاجر بن کر آئے اور سازشوں کے بل بوتے پر حکمران بن بیٹھے، ان کی حکومت کو سب سے زیادہ خطرہ مسلمانوں سے تھا، ایک تو اس لئے کہ مسلمان عرصہ دراز تک یہاں حکومت کرچکے تھے، دوسرا اس لئے کہ ان کی ایمانی حرارت انہیں کسی بھی وقت آمادہ جہاد کرسکتی تھی، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کی قوت کو پامال کرنے اور ان کی وحدتِ ملّی کو پارہ پارہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

وہ اس حقیقت سے پوری طرح باخبر تھے کہ مسلمانوں کی بقااور ترقی کا راز ایمان اور اتحاد میں مضمر ہے، اسی لئے انہوں نے اپنی تمام تر توانائیاں اسی بنیاد کو کمزور اور ختم کرنے پر صرف کردیں، دینی مدارس کو بے اثر بنانے کے لئے سکول اور کالج کھولے اور وہاں تعلیم پانے والے بچّوں کے ذہنوں کو الحاد اور بے دینی کے زہر سے مسموم کیا، اتحادِ ملّت کو ختم کرنے کے لئے نئے نئے پیدا ہونے والے فرقوں کی حوصلہ افزائی کی، اسی دورِ بلاخیز میں اس قسم کے مباحث پھیلے کہ اللہ تعالٰی جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کے خاتم النبیین ہونے میں فرق آئے گا یا نہیں؟ بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے تو نبی ہونے کا دعوٰی ہی کردیا، اللہ تعالٰی کے حبیب صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور دیگر محبوبانِ خدا کی شان میں توہین وتنقیص کی زبان دراز کی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اُمّتِ مُسلمہ کئی فرقوں میں بٹ گئی اور متحدہ پاک وہند میں اتنے فرقے پیدا ہوئے کہ دوسرے کسی بھی اسلامی ملک میں اتنے فرقے نہیں ملیں گے۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرقہ بندی کی بھرپور حوصلہ شکنی کی اور وحدتِ ملّی پر زور دیا ان کی علمی اور تحقیقی مساعی کا محور ہی ملّی اتحاد تھا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

ولادت ـــ تعلیم

یہ وہ ماحول تھا کہ ۱۰/ شوال ۱۴/جون ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کو بریلی شریف، یوپی، انڈیا میں امام احمد رضا قادری بریلوی پیدا ہوئے، آپ کے والد ماجد غزالیِ زماں مولانا نقی علی خاں اور جدِّ امجد مولانا رضا علی خاں قدس سرہما اپنے دور کے اکابر علماء اور اولیاء میں سے تھے، آپ کے آباء واجداد قندھار، افغانستان سے ہجرت کرکے پہلے لاہور پھر بریلی میں قیام پذیر ہوگئے۔

فاضل بریلوی قدس سرہ نے تمام مروّجہ علوم وفنون اپنے والد ماجد سے پڑھ کر تقریبًا چودہ ۱۴ سال کی عمر میں سندِ فضیلت حاصل کی اور مسندِ تدریس وافتاء کو زینت بخشی، والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی، علامہ احمد بن زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ، علامہ عبدالرحمٰن مکی، علامہ حسین بن صالح مکی اور حضرت مولانا شاہ ابوالحسین احمد نوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی استفادہ کیا، امام احمد رضا بریلوی نے کچھ علوم تو اپنے زمانے کے متبحر علماء سے پڑھے، باقی علوم خداداد قابلیت کی بناپر مطالعہ کے ذریعے حل کئے اور نہ صرف پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں محیر العقول مہارت حاصل کی بلکہ ہر فن میں تصانیف بھی یادگار چھوڑیں۔

امام احمد رضا بریلوی ۱۴/رمضان المبارک ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء کو پونے چودہ سال کی عمر میں علومِ دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے، اسی دن رضاعت کے ایک مسئلے کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا، اسی دن سے فتوٰی نویسی کا کام آپ کے سپرد کردیا گیا[1]۔ اس دن سے آخر عمر تک مسلسل فتوٰی نویسی کا فریضہ انجام دیتے رہے، اور فتاوٰی رضویہ کی ضخیم بارہ جلدوں کا گراں قدر سرمایہ اُمتِ مسلمہ کو دے گئے۔ ردالمحتار علامہ شامی پر پانچ جلدوں میں حاشیہ لکھا، قرآن پاک کا مقبول انام ترجمہ لکھا جو کنزالایمان کے نام سے معروف ومشہور ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلالت کے خلاف لب کشائی کرنے پر بھرپور تنقید کی، سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح (اللہ تعالیٰ جھوٹ ایسے قبیح عیب سے پاک ہے) کے علاوہ امکان کذب

[1] محمد صابر نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۳۔۲۲

کے رد پر پانچ رسالے لکھے، اللہ تعالٰی کو جسم ماننے والوں کے رد میں رسالہ مبارکہ قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار تحریر کیا، دین اسلام کے مخالف، قدیم فلاسفہ کے عقائد پر رد کرتے ہوئے مبسوط رسالہ الکلمۃ الملہمۃ رقم فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم، صحابہ کرام، اہل بیتِ عظام، آئمہ مجتہدین اور اولیاء کاملین کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت محاسبہ کیا، قادیان میں انگریز کے کاشتہ پودے کی بیخ کنی کی اور اس کے خلاف متعدد رسائل لکھے، مثلاً

۱_ جزاء اللّٰہ عدوّہ لابائہ ختم النبوۃ

۲_ قہر الدیان علی مرتد بقادیان

۳_ المبین معنی ختم النبیین

۴_ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب

۵_ الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی

امام احمد رضا نے اس دور میں پائی جانے والی بدعتوں کے خلاف جہاد کیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی سازشوں کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیئے۔ مختصر یہ کہ انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ کی خاطر ہر محاذ پر جہاد کیا اور تمام عمر اس کام میں صرف کردی۔

امام احمد رضا بریلوی مروّجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، سیرت، معانی، بیان، بدیع، عروض، ریاضی، توقیت، منطق، فلسفہ، وغیرہ کے یکتائے زمانہ فاضل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ طب، علمِ جفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے عام طور پر علماء تعلق ہی نہیں رکھتے۔ انہوں نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا، غرض یہ کہ ایک فقیہ کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا بریلوی کو حاصل تھے۔

عبقری فقیہ

امام احمد رضا بریلوی مروّجہ علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، تصوف، تاریخ، سیرت، معانی، بیان، بدیع، عروض، ریاضی، توقیت، منطق، فلسفہ، وغیرہ کے یکتائے زمانہ فاضل تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ طب، علمِ جفر، تکسیر، جبر و مقابلہ، لوگارثم، جیومیٹری، مثلث کروی وغیرہ علوم میں بھی کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ وہ علوم ہیں جن سے عام طور پر علماء تعلق ہی نہیں رکھتے۔ انہوں نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون میں تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا اور ہر فن میں قیمتی تحقیقات کا اضافہ کیا، غرض یہ کہ ایک فقیہ کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب امام احمد رضا بریلوی کو حاصل تھے۔

علومِ قرآن

انہوں نے قرآن کریم کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا، قرآن فہمی کے لئے جن علوم کی ضرورت ہوتی ہے ان پر انہیں گہرا عبور حاصل تھا، شانِ نزول، ناسخ و منسوخ، تفسیر بالحدیث، تفسیرِ صحابہ اور استنباطِ احکام

کے اصول سے پوری طرح باخبر تھے۔ یہی سبب ہے کہ اگر قرآنِ پاک کے مختلف تراجم کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے تو ہر انصاف پسند کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ امام احمد رضا کا ترجمہ کنزالایمان، سب سے بہتر ترجمہ ہے جس میں شان الوہیّت کا احترام بھی ملحوظ ہے اور عظمت نبوت و رسالت کا تقدس بھی پیش نظر ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہونے کے باوجود عموماً مسائل پر مجتہدانہ انداز میں گفتگو کرتے ہیں۔ پہلے قرآن کریم سے، پھر حدیث شریف سے، پھر سلف صالحین اور اس کے بعد فقہائے متاخرین کے ارشادات سے استدلال اور استناد کرتے ہیں۔

قرآن کریم سے اچھوتا استدلال

حضرت علامہ مولانا محمد وصی احمد محدّث سورتی نے ایک استفتاء بھجوایا جس میں سوال یہ تھا کہ کیا مشرقی افق سے سیاہی نمودار ہوتے ہی مغرب کا وقت ہو جاتا ہے، یا سیاہی کے بلند ہونے پر مغرب کا وقت ہوگا؟ امام احمد رضا نے جواب دیا کہ سورج کی ٹکیہ کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہی سیاہی مشرقی افق سے کئی گز بلند ہو جاتی ہے۔ اس مسئلے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اس پر عیان و بیان و برہان سب شاہد عدل ہیں..... الحمد للہ! عجائبِ قرآن منتہی نہیں... ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ "تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ" مطالعِ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں چمک رہی ہیں۔ رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عزجلالہ دن میں داخل فرماتا ہے، ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی، اور دن کو سوادِ مذکور میں لاتا ہے، ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی"۔[1]

تحریک پاکستان کے قافلہ سالار محدّث اعظم ہند مولانا سیّد محمد محدّث کچھوچھوی فرماتے ہیں:

"علمِ قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں اور نہ اردو میں، اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا نہیں جا سکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں (روح) قرآن ہے[2]۔"

---

[1] امام احمد رضا بریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ (طبع مراد آباد) ج ۲ ص ۴۔ ۲۶۳

[2] عبدالنبی کوکب، مولانا: مقالاتِ یوم رضا ج ۱ ص ۴۱

علوم حدیث

امام احمد رضا بریلوی علمِ حدیث اور اس کے متعلقات پر وسیع اور گہری نظر رکھتے تھے۔ طرقِ حدیث، مشکلاتِ حدیث، ناسخ و منسوخ، راجح و مرجوح، طُرقِ تطبیق، وجوہِ استدلال اور اسماءِ رجال یہ سب امور انہیں مستحضر رہتے تھے۔ محدّث کچھوچھوی فرماتے ہیں:

"علم الحدیث کااندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی مآخذ ہیں، ہر وقت پیشِ نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے اس کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت ازبر، علم الحدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سندپڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیاجاتا تو ہر راوی کی جرح وتعدیل کے جوالفاظ فرمادیتے تھے اٹھاکر دیکھاجاتا تو تقریب وتہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا، اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت [1]۔"

امام احمد رضا بریلوی جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں دلائل وبراہین کے انبار لگادیتے ہیں، وہ کسی بھی مسئلے پر طائرانہ نظر ڈالنے کی بجائے بحث و تحقیق کی انتہا کو پہنچتے ہیں۔ مسائل کی تنقیح اور تفصیل پر آتے ہیں تو دریا کی روانی اور سمندر کی وسعت کا نقشہ نظر آتا ہے، متقدمین فقہاء کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دیتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اختلاف تھا ہی نہیں۔

طُرقِ حدیث

بنگال سے ایک سوال آیا کہ ہمارے علاقے میں ہیضہ، چیچک، قحط سالی وغیرہ آجائے تو لوگ بلا کے دفع کے لئے چاول، گیہوں وغیرہ جمع کرکے پکاتے ہیں، علماء کو بلا کر کھلاتے ہیں اور خود محلّے والے بھی کھاتے ہیں، کیا یہ طعام ان کے لئے کھانا جائز ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے جواب دیا کہ یہ طریقہ اور اہلِ دعوت کے لئے اس طعام کا کھانا جائز ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کی ہرگز ممانعت نہیں ہے۔ اس دعوے پر ساٹھ حدیثیں بطور دلیل پیش کیں، یہ حدیث بھی پیش کی:

الدرجات افشاء السلام و اطعام الطعام و الصلوۃ باللیل و الناس	اللہ تعالیٰ کے ہاں درجہ بلند کرنے والے امور ہیں سلام کا پھیلانا اور ہر طرح کے لوگوں کو

[1] عبدالنبی کوکب، مولانا: ،مقالاتِ یومِ رضا ج ۱، ص ۴۱

نیامٌ۔	کھانا کھلانا اور رات کا نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔

پھر جو اس کی تخریج کی طرف توجہ ہوئی تو فرمایا کہ یہ حدیث مشہور و مستفیض کا ایک حصہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت اپنی شان کے مطابق آپ کے کندھوں کے درمیان رکھا، حضور صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم فرماتے ہیں:

فَتَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ وَعَرَفْتُ۔	ہر چیز مجھ پر منکشف ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔

اب اس حدیث کے حوالے ملاحظہ ہوں:

○ رواہ امام الائمۃ ابو حنیفۃ والامام احمد وعبد الرزاق فی مصنفہ والترمذی والطبرانی عن ابن عباس۔

○ واحمد والطبرانی وابن مردویہ عن معاذ بن جبل۔

○ وابن خزیمۃ والدارمی والبغوی وابن السکن وابو نعیم وابن بسطۃ عن عبد الرحمن بن عایش والطبرانی عنہ عن صحابی۔

○ والبزار عن ابن عمر وعن صحابی

○ والطبرانی عن ابی امامۃ۔

○ وابن قانع عن ابی عبیدۃ بن الجراح۔

○ والدارقطنی وابو بکر النیسابوری فی الزیادات عن انس۔

○ وابو الفرج تعلیقا عن ابی ھریرۃ۔

○ وابن ابی شیبۃ مرسلا عن عبد الرحمن بن سابط۔ (رضی اللہ تعالی عنھم)

آخر میں فرماتے ہیں کہ ہم نے اس حدیث کے طرق کی تفصیلات اور کلمات کا اختلاف اپنی بابرکت کتاب سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی میں بیان کیا ہے[1]۔ قلم برداشتہ کسی حدیث کے اتنے مآخذ کا بیان کر دینا معمولی بات نہیں۔

امام احمد رضا بریلوی نے یہ فتوی راد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء کے نام سے ماہ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ میں مکمل کیا۔

[1] احمد رضا بریلوی، امام: رادّ القحط والوباء (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۱

احمد رضا بریلوی نے تخریج احادیث کے آداب پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے: **الروض البهيج فی آداب التخريج۔**
مولوی رحمٰن علی اس رسالہ مبارکہ کے بارے میں لکھتے ہیں: "اگر اس سے قبل اس فن میں کوئی کتاب نہیں ملتی تو مصنف کو اس فن کا موجد کہہ سکتے ہیں۔"[1]

فن اسماء الرجال

ایک سوال پیش ہوا کہ سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس موضوع پر غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی، معیار الحق میں کلام کر چکے تھے، اس لئے امام احمد رضا بریلوی نے اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی اور ۱۳۴ صفحات پر مشتمل رسالہ حاجز البحرین تصنیف فرمایا۔ رسالہ کیا ہے علمِ حدیث اور علمِ اسماء الرجال کا بحرِ مواج ہے، اس کا مطالعہ کرتے وقت غیر مقلدین کے شیخ الکل علم حدیث میں طفلِ مکتب نظر آتے ہیں، آج تک غیر مقلدین کو علمِ حدیث کے مدعی ہونے کے باوجود اس کا جواب دینے کی جرات نہیں ہو سکی۔

امام نسائی حضرت نافع سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک سفر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ تھا وہ تیزی کے ساتھ سفر کر رہے تھے، شفق غروب ہونے والی تھی کہ اتر کر نمازِ مغرب ادا کی پھر عشاء کی تکبیر اس وقت کہی جب شفق غروب ہو چکی تھی۔ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دو نمازیں ایک وقت میں جمع نہیں کیں، بلکہ صورۃً اور عملاً جمع کیں۔ یہ بات میاں صاحب کے موقف کے خلاف تھی انہوں نے اس پر اعتراض کیا کہ امام نسائی کی روایت میں ایک راوی ولید بن قاسم ہیں اور ان سے روایت میں خطا ہوتی تھی تقریب میں ہے: صَدُوْقٌ يُّخْطِئُ۔

اس اعتراض پر امام احمد رضا بریلوی نے متعدد وجوہ سے گرفت فرمائی:

۱۔ یہ تحریف ہے، امام نسائی نے ولید کا فقط نام ذکر کیا تھا، میاں صاحب نے ازراہِ چالاکی اسی نام اور اسی طبقے کا ایک راوی متعین کر لیا جو امام نسائی کے راویوں میں سے ہے اور جس پر کسی قدر تنقید بھی کی گئی ہے حالانکہ یہ راوی ولید بن قاسم نہیں بلکہ ولید بن مسلم ہیں جو صحیح مسلم کے رجال اور ائمہ ثقات اور حفاظ اعلام میں سے ہیں، ہاں وہ تدلیس کرتے ہیں، لیکن اس کا کیا نقصان کہ اس جگہ وہ صاف حَدَّثَنِیْ نَافِعٌ فرما رہے ہیں۔

۲۔ اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ ابن قاسم ہی ہیں تاہم وہ مستحقِ رد نہیں امام احمد نے ان کی توثیق کی ہے، ان سے روایت کی، محدثین کو ان سے حدیث لکھنے کا حکم دیا۔ ابن عدی نے کہا جب وہ کسی ثقہ سے روایت

---

[1] رحمٰن علی، مولوی: تذکرہ علمائے ہند اردو (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی) ص ۱۰۰

کریں تو ان میں کوئی عیب نہیں ہے۔
۳۔ صحیح بخاری و مسلم میں کتنے راوی وہ ہیں جن کے بارے میں تقریب میں فرمایا صَدُوْق یُخْطِئ، کیا آپ قسم کھائے بیٹھے ہیں کہ صحیحین کی روایات کو بھی رد کردوگے؟
پھر امام احمد رضا بریلوی نے حاشیہ میں قلم برداشتہ صحیحین کے ۱۳۱ ایسے راویوں کے نام گنوادیئے جن کے بارے میں اسماء رجال کی کتابوں میں اَخْطَأَ یا کَثِیْرُ الْخَطَاءِ کے الفاظ وارد ہیں۔
۴۔ حسان بن حسان بصری، صحیح بخاری کے راوی ہیں ان کے بارے میں تقریب میں ہے صَدُوْق یخْطِی، ان کے بعد حسان بن حسان واسطی کے بارے میں لکھا ابن مندہ نے انہیں وہم کی بناپر حسان بصری سمجھ لیا حالانکہ حسان واسطی ضعیف ہیں۔ دیکھئے پہلے حسان بصری کو صدوق یخطئ کے باوجود واضح طور پر کہہ دیا کہ وہ ضعیف نہیں ہیں۔

مطالبِ حدیث

مرزائیوں نے حدیث شریف لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسَاجِدَ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات پر اس طرح استدلال کیا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصارٰی نے اپنے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنایا، اس سے ظاہر ہوا کہ نبی یہود حضرت موسی اور نبی نصارٰی حضرت عیسی علی نبینا و علیہم الصلاۃ والسلام کی قبریں تھیں جن کی عبادت کی جاتی تھی۔ امام احمد رضا بریلوی حدیث مذکور سے استدلال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:
۱۔ اَنْبِیَائِهِمْ میں اضافت استغراق کے لئے نہیں ہے حتی کہ اس کا یہ معنی ہو، کہ حضرت موسی سے یحیٰی علیہم الصلوۃ والسلام تک ہر نبی کی قبر کو تمام یہود و نصاری نے مسجد بنالیا ہو، یہ یقینا غلط ہے، اور جب استغراق مراد نہیں تو بعض میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو داخل کرلینا باطل اور مردود ہے۔ یہود و نصارٰی کا بعض انبیاء کی قبور کریمہ کو مسجد بنالینا صدقِ حدیث کے لئے کافی ہے۔
علّامہ ابن حجر نے فتح الباری میں یہ سوال اٹھایا کہ نصارٰی کے انبیاء کہاں ہیں؟ ان کے نبی تو صرف حضرت عیسٰی علیہ السلام تھے، ان کی قبر نہیں ہے۔ اس سوال کا ایک جواب یہ دیا:
"انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانا عام ہے کہ ابتداءً ہو یا کسی کی پیروی میں، یہودیوں نے ابتداء کی اور عیسائیوں نے ان کی پیروی کی اور اس میں شک نہیں کہ نصارٰی بہت سے ان انبیاء کی قبور کی تعظیم کرتے ہیں جن کی یہودی تعظیم کرتے ہیں۔" (ترجمہ)

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے دوسرا جواب یہ دیا کہ اس حدیث میں اقتصار واقع ہوا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہود اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے اور نصاریٰ اپنے صالحین کی قبروں کو۔ صحیح بخاری، حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں قبورِ انبیاء کے بارے میں صرف یہودیوں کا ذکر ہے اور ان کے ساتھ ان کے انبیاء کا ذکر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے فرمایا: **قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ**۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک فرمائے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

صحیح بخاری، حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں صرف نصاریٰ کا ذکر تھا ان کے ساتھ صرف صالحین کا ذکر ہے، انبیاء کرام کا ذکر نہیں ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ: **اُولٰئِكَ قَوْمٌ اِذَا مَاتَ فِيْهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰى قَبْرِهٖ مَسْجِدًا وَّصَوَّرُوْا فِيْهِ تِلْكَ الصُّوَرَ**۔ نصاریٰ وہ قوم ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں وہ تصویریں بنالیتے۔ اور صحیح مسلم حضرت جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہود ونصاریٰ دونوں کا ذکر تھا اس میں انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا: **اَلَا وَمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ**۔

خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے تھے۔ اسی حدیث کا مطلب اسی وقت واضح ہوتا ہے جب اس کے متعدد طرق کو جمع کرلیا جائے۔[1]

دین کے اصول وقواعد

ایک متبحر فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین کے اصول وقواعد کا وسیع علم رکھتا ہو تاکہ کسی نئے مسئلے کا حکم پورے وثوق کے ساتھ بیان کرسکے، امام احمد رضا بریلوی سے سوال کیا گیا کہ روسر[2] کی شکر ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والے اس بات کی احتیاط نہیں کرتے کہ وہ ہڈیاں پاک ہیں یا ناپاک، حلال جانور کی یا حرام کی۔ اس

1 احمد رضا بریلوی، امام: مجموعہ رسائل ردّ مرزائیت (رضا فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۹۰۔۸۷

2 روسر انگریزی تاجروں کی ایک جماعت کا نام ہے جس نے شاہجہاں پور میں شکّر کا کارخانہ لگایا تھا اور وہ حیوانوں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں سے شکر صاف کرتی تھی۔ (تذکرہ علمائے ہند اردو از رحمٰن علی ص ۱۰۰)

شکر کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے جواب سے پہلے دس مقامات بیان کئے جن میں شرعی اصول وضوابط پیش کئے، ان ہی مقدمات میں ایک ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ بیان فرمایا:

" فعلِ فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اتیانِ مستحب وترک غیر اولیٰ پر مداراتِ خلق ومُراعاتِ قلوب کو اہم جانے اور فتنہ، ونفرت وایذاو وحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع وتنزُّہ کے لئے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں وہاں! ہوشیاو گوش دار! کہ ہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادہ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تقشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصودِ شریعت سے دور پڑتے ہیں، خبر دار ومحکم گیر، یہ چند سطروں میں علم غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر [1]"۔

عربی لغات

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لفظ طَفَّ بَہٖ پڑنے کے معنی میں استعمال کیا اور فرمایا: حَتی طَفَّ مِنْ جَوَانِبِھَا۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا: " مجھے یہ فعل اور اس کا مصدر ۱صحاح، ۲صراح، ۳مختار، ۴قاموس، ۵تاج العروس، ۶مفردات، ۷نہایہ، ۸درنثیر، ۹مجمع البحار اور ۱۰مصباح میں نہیں ملا، ہاں قاموس میں صرف اتنا ہے کہ طف المکوك والاناء وطففہ و طِفافہ وہ چیز جو اس برتن کے کناروں کو بھردے [2]"۔

امام احمد رضا بریلوی کو عربی زبان پر اس قدر عبور تھا کہ ایک نامانوس لفظ دیکھتے ہی اسے غریب سمجھا اور اس کی غرابت پر لغات کی دس مستند کتابوں کا حوالہ پیش کیا، ان مآخذ میں عربی لغات بھی ہیں اور لغاتِ حدیث بھی۔

امام احمد رضا بریلوی اپنی اکثر وبیشتر تصنیفات کے خطبوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ ساتھ وہ مسئلہ بھی بیان فرمادیتے ہیں جسے بعد ازاں تفصیلی دلائل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ صرف یہی نہیں

---

[1] امام احمد رضا بریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ (مکتبہ نعیمیہ، مرادآباد) ج۲ ص۱۲۷

[2] احمد رضا بریلوی، امام: جدالممتار (مطبوعہ عزیزیہ، حیدرآباد دکن) ج۱ ص۱۲۹

بلکہ اکثر رسائل وتصنیفات کاایسا حسین نام تجویز فرماتے ہیں جس سے نہ صرف واضح طور پر موضوع کی نشاندہی ہوتی ہے بلااکہ حروف ابجد کے حساب سے سالِ تصنیف بھی معلوم کیاجاسکتاہے۔

علّامہ ابن کمال باشا نے فقہاکے سات طبقے بیان کئے جن میں سے تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل کاہے، یہ وہ فقہاء ہیں جو اصول وفروع میں اپنے امام کے پابند ہیں اور امام کے غیر منصوص احکام کااستنباط کرنے کی قدرت رکھتے ہیں، امام احمد رضابریلوی کے فتاوٰی اور تحقیقات جلیلہ کامطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ وہ مجتہدین کے اسی طبقے میں شامل ہیں، چنانچہ آپ نے نوٹ کے احکام پر مبسوط رسالہ **كفل الفقيه الفاهم** میں لکھ کر عرب وعجم کے علماء کو خوشگوار حیرت میں مبتلا کردیا۔اسی طرح انگریزوں کی ایک کمپنی روسر جانوروں کی ہڈیاں جلاکران کی راکھ سے شکر صاف کرتی تھی، یہ ایک نیامسئلہ تھاجسے آپ نے اصول دینیہ کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا، اسی طرح جنسِ ارض کی تہتّر قسمیں علماء متقدمین نے بیان کی تھیں جن میں آپ نے ایک سو سات "۱۰۷" چیزوں کااضافہ کیا،اور جن چیزوں سے تیمّم نہیں ہوسکتافقہاء متقدمین نے سینتالیس چیزیں گنوائی تھیں جبکہ آپ نے ان میں تہتّر چیزوں کااضافہ کیا، فتاوٰی رضویہ جلد اوّل کے بارے میں خود فرماتے ہیں:

"بظاہر اس (پہلی جلد) میں ۱۱۴فتوے اور ۲۸ رسالے ہیں مگر بحمداللہ تعالٰی ہزارہامسائل پر مشتمل ہے جن میں صدہاوہ ہیں کہ اس کتاب کے سوا کہیں نہ ملیں گے۔"[1]

حکیم محمد سعید دہلوی، چیئرمین ہمدرد ٹرسٹ، پاکستان رقمطراز ہیں: "میرے نزدیک ان کے فتاوٰی کی اہمیت اس لئے نہیں ہے کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کاخاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کاوہ اسلوب ومعیار نظر آتاہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہاء میں نظر آتی ہیں، میرا مطلب ہے کہ قرآنی نصوص اور سننِ نبویہ کی تشریح وتعبیر اور ان سے احکام کے استنباط کے لئے قدیم فقہاء جملہ علوم ووسائل سے کام لیتے تھے اور یہ خصوصیت مولاناکے فتاوٰی میں موجود ہے۔"[2]

علمِ طب

امام احمد رضابریلوی وہ بالغ نظر مفتی ہیں جواحکامِ شرعیہ معلوم کرنے کے لئے تمام امکانی مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ایک ماہر طبیب جب فتاوٰی رضویہ کامطالعہ کرتاہے توبیش بہاطبّی معلومات دیکھ کراسے حیرت

---

[1] احمد رضابریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ (طبع بمبئی) ج ا ص ۸۵۰

[2] محمد سعید دہلوی، حکیم: معارفِ رضا، کراچی، شمارہ نہم ۱۹۸۹ء ص ۹۹)

ہوتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مفتی کی تصنیف پڑھ رہا ہے یا ماہر طبیب کی، چنانچہ جناب حکیم سعید دہلوی لکھتے ہیں: "فاضل بریلوی کے فتاوٰی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لئے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس لئے ان کے فتاوٰی میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقّتِ نظر اور طبّی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔"[1]

مرجع العلماء

یہ پہلو بھی لائق توجہ ہے کہ عام طور پر مفتیان کرام کی طرف عوام الناس رجوع کرتے ہیں اور احکام شرعیہ دریافت کرتے ہیں، فتاوٰی رضویہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی طرف رجوع کرنے والوں میں بڑی تعداد اُن حضرات کی ہے جو بجائے خود مفتی تھے، مصنّف تھے، جج تھے یا وکیل تھے، مولانا خادم حسین فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے:

"امام احمد رضا بریلوی بحیثیت مرجع العلماء"

اس مقالہ میں انہوں نے فتاوٰی رضویہ کی نو جلدوں (پہلی سے ساتویں اور دسویں گیارہویں جلد) کا مطالعہ پیش کیا ہے، ان کے فراہم کردہ اعداد و شمار کے مطابق ان جلدوں میں چار ہزار پچانوے (۴۰۹۵) استفتا ہیں، جن میں سے تین ہزار چونتیس (۳۰۳۴) عوام الناس کے استفتاء ہیں اور ایک ہزار اکسٹھ (۱۰۶۱) استفتاء علماء اور دانشوروں کے پیش کردہ ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ استفتاء کرنے والوں میں ایک چوتھائی تعداد علماء اور دانشوروں کی ہے، یہی وجہ ہے کہ عموماً امام احمد رضا بریلوی جواب دیتے وقت ہاں یا نہیں میں نہیں کرتے بلکہ دلائل و براہین کے انبار لگا دیتے ہیں۔ مولانا خادم حسین کا یہ مقالہ فتاوٰی رضویہ کی پیشِ نظر جلد ثانی میں شائع کیا جا رہا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی کی جلالت علمی کا یہ عالم تھا کہ انہیں جو عالم بھی ملا عقیدت و احترام سے ملا اور ہمیشہ کے لئے

[1] محمد سعید دہلوی، حکیم: معارف رضا، کراچی، شمارہ نہم ۱۹۸۹ء ص ۱۰۰

ان کامدّاح بن گیا، حضرت علامہ مولاناوصی احمد محدث سورتی، عظیم محدث اور عمر میں بڑے ہونے کے باوجود امام احمد رضابریلوی سے اس قدر والہانہ تعلق رکھتے تھے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔ حضرت علامہ مولانا سراج احمد خانپوری اپنے دور کے جلیل القدر فاضل تھے اور علم میراث میں توانہیں تخصّص حاصل تھا، الزبدۃ السراجیہ لکھتے وقت ذوی الارحام کی صنف رابع کے بارے میں مفتٰی بہ قول دریافت کرنے کے لئے دیوبند، سہارنپور اور دیگر علمی مراکز کی طرف رجوع کیا، کہیں سے تسلی بخش جواب نہ آیا، پھرانہوں نے وہی سوال بریلوی بھجوادیا، ایک ہفتے میں انہیں جواب موصول ہوگیا جسے دیکھ کران کادماغ روشن ہوگیااور وہ تازیست امام احمد رضابریلوی کے فضل و کمال اور تبحر علمی کے گن گاتے رہے۔لطف کی بات یہ ہے کہ امام احمد رضابریلوی سے شدید اختلاف رکھنے والے بھی انکی فقاہت اور تبحر علمی کے قائل ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ امام احمد رضابریلوی نے ندوۃ العلماء کی صلح کلیت کا سخت تعاقب اور رد کیاتھا، اس کے باوجود ندوہ کے ناظم اعلیٰ علامہ ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں؛

"ان کے زمانے میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو،اس حقیقت پر ان کافتاوٰی اور ان کی کتاب کفل الفقیہ شاہد ہے جوانہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظّمہ میں لکھی۔"[1]

گزشتہ سال مولانا کوثر نیازی ہندوستان گئے تو ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی گئے واپسی پر انہوں نے اپنے تاثرات میں ندوہ کے بارے میں لکھاکہ اس کے ہال میں ہندوستان کے ممتاز علماء کاامتیازی مقام واضح کرنے کے لئے چارٹس آویزاں کئے گئے تھے، چنانچہ علمِ فقہ میں ممتاز شخصیت کی حیثیت سے حضرت مولانااحمد رضاخاں کانام لکھاہواتھا[2]۔تذکرہ وتاریخ کی کتابوں کامطالعہ کئے بغیر یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ اس دور میں بڑے بڑے فقہاء ہو گزرے ہیں ان سب میں ممتاز فقیہ کے طور پر امام احمد رضابریلوی کانام منتخب کرنااور وہ بھی ان کے مخالفین کی طرف سے، ان کے فضل و کمال کی بہت بڑی دلیل ہے۔ ع

اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

(فضیلت وہ ہے جس کی گواہی مخالفین بھی دیں)

امام احمد رضابریلوی میں بہت سی مجتہدانہ خصوصیات پائی جاتی ہیں اور ان کے بیان واستدلال میں واضح طور پر اجتہاد کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔اس کے باوجود وہ تکبّر اور عُجب کی زد میں نہیں آتے، وہ یہ دعوی نہیں کرتے

---

[1] ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر (نور محمد کراچی) ج ۸، ص ۴۱

[2] کوثر نیازی: مشاہدات وتاثرات، روزنامہ جنگ، لاہور، ۱۱دسمبر ۱۹۸۹ء

کہ میں مجتہد ہوں اور براہ راست کتاب وسنت سے استدلال کرتا ہوں، بلکہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد کی حیثیت سے فتوی دیتے ہیں اور مذہب حنفی کی تائید وحمایت میں ہی دلائل فراہم کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ فرمائیں وہ اپنے فتاوٰی کی حیثیت کا تعین کس انداز میں کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"فتوے کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقیہ (۲) عرفیہ، فتوائے حقیقیہ تو یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی معرفت کی بنا پر فتوی دیا جائے، ایسے حضرات کو اصحابِ فتوی کہا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابواللیث اور ان جیسے دیگر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ فتاوٰی دیا، فتوائے عرفیہ یہ ہے کہ ایک عالم امام کی تقلید کرتے ہوئے اس کے اقوال بیان کرے اور اسے تفصیلی دلیل کا علم نہ ہو، جیسے کہ کہا جاتا ہے ابن نجیم، غزی، طوری کے فتاوٰی اور فتاوٰی خیریہ، اسی طرح زمانے اور مرتبے میں مؤخر فتاوٰی کو فتاوٰی رضویہ تک گنتے چلے جایئے، اللہ تعالیٰ اس فتاوٰی کو باعثِ خوشنودی اور پسندیدہ بنائے۔ آمین۔[1] (ترجمہ)

انہوں نے کثیر مقامات میں اکابر فقہاء متقدمین سے اختلاف کیا ہے لیکن کیا مجال ہے کہ ان کی شان میں بے ادبی کا کوئی کلمہ کہہ دیں یا ایسا کلمہ کہہ دیں جو ان کے شایان شان نہ ہو، وہ اپنی تنقید اور گرفت کو معروضہ یا تطفّل (بچپنے) سے تعبیر کرتے ہیں، آج بعض علماء کو اللہ تعالیٰ نے وسعتِ علمی عطا فرمائی ہے تو وہ بزرگوں کے بارے میں ایسا لب ولہجہ اختیار کرتے ہیں جیسے کسی طفلِ مکتب سے ہم کلام ہوں، یہ رویہ کسی طرح بھی قابل تحسین نہیں ہے۔

ذوقِ شعروسخن

تحقیقات علمیہ میں امام احمد رضا بریلوی کا بلند ترین مقام تو اہل علم کے نزدیک مسلّم ہی ہے شعروادب میں بھی وہ قادر الکلام اساتذہ کی صف میں شامل ہیں۔ جامعہ ازہر مصر کے ڈاکٹر محی الدین الوائی نے اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ علمی موشگافیاں کرنے والا محقق نازک خیال ادیب اور شاعر بھی ہو سکتا ہے!

متنبّی ادب عربی کا مسلّم اور نامور شاعر ہے، وہ کہتا ہے:

أَزُوْرُهُمْ وَسَوَادُ اللَّيْلِ يَشْفَعُ لِيْ وَأَنْثَنِيْ وَبَيَاضُ الصُّبْحِ يُغْرِيْ بِيْ

(میں اس حال میں محبوبوں کی زیارت کرتا ہوں کہ رات کی سیاہی میری سفارش کرتی ہے اور اس حال میں لوٹتا ہوں کہ صبح کی سفیدی میرے خلاف برانگیختہ کرتی ہے۔)

کہتے ہیں کہ یہ شعر متنبّی کے اشعار کا امیر ہے کیونکہ اس کے پہلے مصرعے میں پانچ چیزوں کا ذکر ہے اور دوسرے مصرعے میں ان کے مقابل پانچ چیزوں کا اسی ترتیب سے ذکر ہے۔

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ (رضا اکیڈمی، بمبئی) ج ا ص ۳۸۵

پہلا مصرع: ا۔ زیارت ۲۔ سیاہی ۳۔ رات ۴۔ سفارش کرنا ۵۔ لی (میرے حق میں)

دوسرا مصرع: ا۔ واپسی ۲۔ سفیدی ۳۔ صبح ۴۔ برانگیختہ کرنا ۵۔ پی (میرے خلاف)

رضا بریلوی کا شعر ملاحظہ ہو، معنوی بلندی اور پاکیزگی کے ساتھ ساتھ شاعرانہ نقطہ نظر سے کتنا زوردار ہے!

پہلے مصرعے میں بجائے پانچ کے چھ چیزوں کا ذکر ہے اور ان کے مقابل دوسرے مصرعے میں بھی چھ چیزیں ہی مذکور ہیں اور لطف یہ ہے کہ غزل نہیں بلکہ نعت ہے جہاں قدم قدم پر احتیاط لازم ہے۔

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں

سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب

مصرع ۱: ا۔ حسن ۲۔ انگشت ۳۔ کٹیں (غیر اختیاری عمل تھا) ۴۔ عورتیں ۵۔ مصر ۶۔ "کٹیں" سے ایک بار کا پتا چلتا ہے۔

مصرع ۲: ا۔ نام ۲۔ سر ۳۔ کٹاتے (اختیاری عمل ہے) ۴۔ مرد ۵۔ عرب ۶۔ "کٹاتے ہیں" سے استمرار معلوم ہوتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے اصناف شعر و سخن میں سے حمد باری تعالیٰ، نعت اور منقبت کو منتخب کیا، قصیدہ معراجیہ، قصیدہ نور اور مقبولیتِ عامہ حاصل کرنے والا سلام ع مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ایسے ادب پارے پیش کئے۔ ان کی تمام تصانیف کی بنیاد اسلام اور داعیِ اسلام سید الانام صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے گہری وابستگی پر ہے، اسلامیانِ پاک وہند کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کی عقیدت و محبت تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ بسانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔

دوقومی نظریہ:

۲۰۔ ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات شروع ہوئی پہلی تحریک کا مقصد سلطنت عثمانیہ ترکی کی حفاظت اور امداد تھا جبکہ دوسری تحریک کا مقصد ہندوستان کی آزادی کے لئے بائیکاٹ کے ذریعے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنا بتایا گیا، مسٹر گاندھی کمالِ عیاری سے دونوں تحریکوں کا قائد اور امام بن گیا، حالات اس نہج پر پہنچ گئے کہ قریب تھا کہ مسلمان اپنا ملی تشخص کھو کر ہندومت میں مدغم ہو جاتے، اس ماحول میں امام احمد رضا بریلوی نے المحجة المؤتمنه اور انفس الفکر ایسے رسائل لکھ کر دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنادیا اور

دلائل سے ثابت کیا کہ ہندو نہ تو مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور نہ ہی وہ مسلمانوں کا امام بن سکتا ہے،ان کی دور بیں نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ مسلمان انگریزوں کے چنگل سے رہا ہو کر ہندوؤں کے محکوم اور غلام بن کر رہ جائیں گے،اس لئے مسلمانوں کو وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو دونوں سے گلو خلاصی کرائے۔یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جس کی بناء پر پاکستان کا قیام عمل میں آیا،امام احمد رضا بریلوی کے تلامذہ، خلفاء اور تمام ہم مسلک علماء و مشائخ نے نظریہ پاکستان کی حمایت کی اور ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں متفقہ طور پر قیامِ پاکستان کے حق میں قرار دادیں پاس کی گئیں اور اپیل کی گئی کہ اپنے اپنے علاقوں میں مسلم لیگ کے نمائندوں کو کامیاب کرایا جائے حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ حضرات حمایت نہ کرتے تو پاکستان کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔

امام احمد رضا کی سیاسی فکر کی بنیاد قرآن وحدیث پر تھی،ان کے نزدیک کسی بھی کافر سے محبت کی گنجائش نہیں ہے خواہ وہ ہندو ہو یا انگریز۔چنانچہ فرماتے ہیں: "قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی، مجوس ہوں خواہ یہود ونصارٰی ہوں، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدان ہنود[1]۔"

پٹنہ، عظیم آباد کی ۱۳۱۸ھ /۱۹۰۰ء میں منعقد ہونے والی کانفرنس میں ارشاد فرمایا:

"سب کلمہ گو حق پر ہیں،خدا سب سے راضی ہے،سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے، گورنمنٹ انگریز کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے،اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے..... یہ کلمات اور ان کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو روداد ہے،جو مقال ہے ایسی باتوں سے مالامال ہے،سب صریح وشدید نقال وعظیم وبال موجب غضب ذی الجلال ہیں[2]۔"

اسرارِ شریعت وطریقت کا اُجالا پھیلا کر ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء بروز جمعہ عین اس وقت عبقریِ اسلام امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی جب مؤذن اذانِ جمعہ میں کہہ رہا تھا حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ——— رحمہ اللّٰہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ واسکنہ فی اعلٰی علیین ونفعنا وجمیع المسلمین بعلومہ ومعارفہ

---

[1] احمد رضا بریلوی، امام: فتاوی رضویہ (طبع مبارک پور) ج ۶ ص ۱۹۲

[2] محمد ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلٰی حضرت ج ا ص ۱۲۷

رضا فاؤنڈیشن ــــــ عظیم اشاعتی منصوبہ

یوں تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور/ شیخوپورہ پاکستان کا ایک اہم مرکزی ادارہ ہے جہاں تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام ہے، ملک بھر کے سنّی مدارس کی تنظیم " تنظیم المدارس (اہلسنت) " کا مرکزی دفتر بھی یہیں قائم ہے، طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر شیخوپورہ میں چالیس کنال پر مشتمل وسیع خطّہ اراضی حاصل کیا گیا ہے جہاں جامعہ نظامیہ رضویہ کی بنیاد رکھی جاچکی ہے۔

۱۹۷۴ء سے جامعہ میں مکتبہ قادریہ قائم ہے جس کی طرف سے اسلامی، تاریخی اور اعتقادی موضوعات اور درسِ نظامی سے متعلق مطبوعات کا قابلِ قدر ذخیرہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاچکا ہے جسے اندرونِ ملک اور بیرون ملک پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ یہ سب کام استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہ کی نگرانی اور سرپرستی میں انجام دیئے جارہے ہیں، جامعہ میں شعبہ تحقیق وتصنیف بھی قائم ہے

جس کے ناظم مولانا محمد منشاتابش قصوری ہیں۔ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ ہمیں پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ کی سرپرستی حاصل ہے، آج پوری دنیا کے علمی حلقوں میں امام احمد رضا بریلوی کا جو تعارف ہے اس میں پروفیسر صاحب کا سب سے زیادہ حصّہ ہے اور وہ اس موضوع پر سند کا درجہ رکھتے ہیں۔

جامعہ نظامیہ رضویہ میں طلباء کو مقالہ نویسی کی ترغیب اور تربیت دی جاتی ہے خصوصاً تنظیم المدارس کے امتحانات درجہ عالمیہ کا مقالہ لکھنے کے لئے اساتذہ، طلباء کی راہنمائی کرتے ہیں اور طلباء جامعہ کی وسیع لائبریری کے علاوہ دیگر لائبریریوں سے بھی استفادہ کرتے ہیں، اس طرح ایک عمدہ تصنیف تیار ہوجاتی ہے۔ کوئی ادارہ یا خود تنظیم درجہ عالمیہ کے طلباء کے منتخب مقالات، اصحاب علم وتحقیق کی نظر ثانی کے بعد شائع کرنے کا اہتمام کرے تو مختلف موضوعات پر اچھی کتابوں کا بڑا ذخیرہ مارکیٹ میں آجائے گا۔ اس میں تنظیم اور مسلک کی نیک نامی بھی ہوگی اور لکھنے والے علماء کے لئے مزید لکھنے کی تحریک بھی ہوگی۔

یہ غالباً ۱۹۸۵ء کی بات ہے کہ بے سروسامانی کے باوجود جامعہ میں فتاوٰی رضویہ کی تخریج کا کام شروع ہوا، مولانا اظہار اللہ ہزاروی، مولانا مظفر خاں نیازی، مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد عمر ہزاروی اور مولانا محمد یٰسین اس شعبے میں کام کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے تمام مدارس کو اس اہم ترین شعبے کی طرف توجہ دینی چاہیے جہاں متعدد مدرسین کام کر رہے ہوں وہاں ایک مصنّف اور محقق کے لئے بھی جگہ نکالی جاسکتی ہے اور اس کے مشاہرے کا انتظام بھی کیا جاسکتا ہے، یہ امر واقع ہے کہ ایک مصنّف کے کام کی افادیت کئی مدرسین سے

زیادہ ہے، مدرس تو صرف ان طلبہ کو فائدہ پہنچائے گا جو کلاس میں حاضر ہوں جبکہ اللہ تعالٰی کو منظور ہو تو تصنیف کا فائدہ ملک کے گوشے گوشے بلکہ دوسرے ممالک تک پہنچ سکتا ہے، اس سے وہ تشنگی بھی دور ہو سکتی ہے جو کئی موضوعات کے بارے میں شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

مارچ ۱۹۸۸ء میں جناب مولانا احمد نثار بیگ (مانچسٹر، انگلینڈ) جامعہ میں تشریف لائے انہوں نے فتاوٰی رضویہ کی تخریج کا کام دیکھا تو پرزور سفارش کی کہ امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفات خصوصاً فتاوٰی رضویہ کی اشاعت کے لئے ایک ادارہ "رضا فاؤنڈیشن" قائم کیا جائے اور انگلینڈ کے احباب سے بھی رابطہ قائم کیا جائے۔ وہ بڑی سعید ساعت تھی کہ حضرت مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی مدظلہ کی سرپرستی میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم ہو گیا اور انگلینڈ کے علماء سے رابطہ بھی قائم کیا گیا اور انہوں نے بھرپور دلچسپی لی اور مالی تعاون بھی کیا، **فجزاھم اللہ تعالٰی احسن الجزاء**۔

حوالوں کی تخریج کے بعد عربی عبارات کے ترجمے کا کام مولانا علّامہ مفتی سیّد شجاعت علی قادری (رُکن اسلامی نظریاتی کونسل (سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت) کے سپرد کیا گیا جسے انہوں نے بڑی عمدگی اور دلجمعی سے انجام دیا، پہلے دو رسالوں کی عربی عبارات کا ترجمہ راقم نے کیا، کتاب کے لئے راسخ العقیدہ اور وسیع مذہبی معلومات رکھنے والے خوش نویس جناب محمد شریف گل کا انتخاب کیا گیا۔ پیش نظر کتابت کے مطابق فہرست مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی نے تیار کی۔ اس طرح جلد اوّل تیار ہو کر قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔

فتاوٰی رضویہ جلد اوّل

فتاوٰی رضویہ کہ پہلی، دوسری اور پانچویں جلد بریلی شریف سے طبع ہوئی تھی۔ تیسری، چوتھی اور پانچویں جلد حضرت مولانا علامہ عبدالرؤف رحمہ اللہ تعالٰی (متوفی شوال ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) نے سُنّی دارالاشاعت مبارک پور سے شائع کیں، چھٹی اور ساتویں جلد بحر العلوم حضرت مولانا علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی مدظلہ العالی کی محنت اور کوشش سے منظر عام پر آئی ہیں اور آٹھویں جلد کتابت کے مراحل سے گزر رہی ہے، دسویں جلد مکتبہ رضا بیلپور نے شائع کی اور گیارہویں جلد ادارہ اشاعتِ تصنیفاتِ رضا بریلی نے شائع کی۔ سچی بات یہ ہے کہ ان حضرات نے جتنی محنت ان غیر مطبوعہ جلدوں کو شائع کرنے پر صرف کی ہے اتنی محنت سے وہ نئی کتابیں لکھ سکتے تھے، لیکن آفرین ہے ان کی ہمّت مردانہ پر کہ انہوں نے اپنی توانائیاں اور علمی صلاحیتیں دورِ حاضر کے اس عظیم فتاوٰی کی اشاعت پر صرف کر دیں، یقیناً وہ تمام علمی دنیا کے شکریئے کے مستحق ہیں، اللہ تعالٰی انہیں اجر جزیل عطا فرمائے۔

شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور نے جلد اول دوبارہ شائع کی، سنّی دارالاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد کے مالک مولانا حافظ محمد اسلم قادری نے نابینا ہونے کے باوجود پانچ جلدیں شائع کیں (افسوس کہ حافظ صاحب ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء میں رحلت فرماگئے رحمہ اللہ تعالٰی)، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی، مکتبہ رضویہ کراچی، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی، مکتبہ نعیمیہ اور مکتبہ فاروقیہ دیپاسرائے، سنبھل (انڈیا) نے بھی بعض جلدیں دوبارہ شائع کیں، اس تفصیل سے فتاوٰی رضویہ کی مقبولیت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

رضافاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے پہلی جلد ہدیہ قارئین ہے، اس ایڈیشن کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ عربی اور فارسی عبارات ایک کالم میں اور ان کا ترجمہ دوسرے کالم میں شامل کیا گیا ہے۔

۲۔ حاشیہ میں حوالوں کی تخریج کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ عبارت کس جلد کے کس صفحہ پر ہے اور ایڈیشن کون سا ہے، اور جہاں مصنف کی اپنی عبارت ہے وہاں (م) اور ترجمہ کی جگہ (ت) لکھا گیا ہے۔

۳۔ نئی اور دلکش کتابت کروائی گئی ہے۔

۴۔ پیرابندی کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۵۔ سائز درمیانہ تجویز کیا گیا ہے، اور یہ بھی کوشش ہوگی کہ جلد زیادہ ضخیم نہ ہو تاکہ قاری کو دقّت نہ ہو۔

اس انداز میں ایڈٹ کرنے کا نتیجہ ہوگا کہ جلدوں کی تعداد میں اضافہ ہوجائے گا، چنانچہ پہلی جلد، تین جلدوں میں پیش کی جائے گی۔ کتاب الطہارۃ کا کچھ حصہ جو دوسری جلد میں شامل کردیا گیا تھا اسے بھی انہی جلدوں میں شامل کردیا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

پیش نظر جلد اول، سابقہ جلد اول کے صفحہ ۲۳۴ "باب المیاہ" تک ہے۔ ترتیب میں ایک تبدیلی یہ بھی کی گئی ہے کہ اصولِ افتاء سے متعلق رسالہ مبارکہ "اجلی الاعلام" ابتداء میں لگادیا گیا ہے، اسی طرح رسالہ "باب العقائد والکلام" کو عقائد سے متعلق جلد میں پیش کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

پیش نظر جلد میں ۲۲ سوالات کے جوابات ہیں، اس حصے میں ۸۱۰ مقامات پر امام احمد رضا نے اقول کہہ کر فوائد بیان کئے ہیں یا فقہائے متقدمین کی خدمت میں معروضات وتطفلات پیش کیے ہیں۔ گیارہ مستقل رسالے ہیں جن کے اسماء درج ذیل ہیں:

۱۔ اَجْلَی الْاِعْلَامِ اَنَّ الْفَتْوٰی مُطْلَقًا عَلٰی قَوْلِ الْاِمَامِ۔ فتوٰی مطلقاً امام اعظم کے قول پر ہوتا ہے۔

۲۔ اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّ فِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ۔ وضو کے اعتقادی اور عملی فرائض و واجبات کا بیان (جو اس رسالے کے علاوہ کہیں نہ ملے گا۔)

۳۔ تَنْوِیْرُ الْقِنْدِیْلِ فِیْ اَوْصَافِ الْمِنْدِیْلِ۔	طہارت کے بعد بدن کے پونچھنے کا بیان
۴۔ لَمْعُ الْاَحْکَامِ اَنْ لَّاوُضُوْءَ مِنَ الزُّکَامِ	زکام ناقض وضو نہیں
۵۔ اَلطِّرَازُ الْمُعْلِمُ فِیْمَا هُوَ حَدَثٌ مِّنْ اَحْوَالِ الدَّمِ۔	جسم سے خون نکلنے کے مسائل اور دلائل کی بے مثال تنقیح
۶۔ نَبْهُ الْقَوْمِ اَنَّ الْوُضُوْءَ مِنْ اَیِّ نَوْمٍ۔	سونے سے وضو ٹوٹنے کے مسائل
۷۔ خُلَاصَةُ تِبْیَانِ الْوُضُوْءِ۔	وضو اور غسل کی احتیاطوں کا بیان
۸۔ اَلْاَحْکَامُ وَالْعِلَلُ فِیْ اَشْکَالِ الْاِحْتِلَامِ وَالْبَلَلِ۔	احتلام کے متعلق تمام مسائل کی منفرد تحقیق
۹۔ بَارِقُ النُّوْرِ فِیْ مَقَادِیْرِ مَاءِ الطُّهُوْرِ۔	وضو اور غسل میں پانی کی مقدار پر بحث
۱۰۔ بَرَکَاتُ السَّمَاءِ فِیْ حُکْمِ اِسْرَافِ الْمَاءِ۔	پانی کے غیر ضروری خرچ کرنے کا حکم

۱۱۔ اِرْتِفَاعُ الْحُجُبِ عَنْ وُجُوْهِ قِرَاءَةِ الْجُنُبِ۔ جنبی کی قراءت سے متعلق وہ تحقیقات جو دوسری جگہ نہیں ملیں گی۔

اللہ تعالٰی رضا فاؤنڈیشن، لاہور کو بہتر سے بہتر انداز میں مکمل فتاوٰی رضویہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ادارے کا یہ پروگرام بھی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے جو رسائل عربی میں ہیں یا ان میں کہیں کہیں اردو عبارات ہیں انہیں عربی زبان میں جدید انداز میں ٹائپ پر کمپوز کروا کر شائع کیا جائے تاکہ علمی دنیا میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔

الحمدللہ تعالٰی! اس وقت تک چار کتابیں دیدہ زیب انداز میں شائع کرکے ہدیہ قارئین کی جاچکی ہیں:

۱۔ کفل الفقیه الفاهم (عربی)	مصری ٹائپ میں
۲۔ کفل الفقیه الفاهم (اردو)	نئی کتابت اور تخریج کے ساتھ
۳۔ مجموعہ رسائل نور وسایہ	نئی کتابت اور تخریج کے ساتھ
۴۔ مجموعہ رسائل ردّ مرزائیت	نئی کتابت اور تخریج کے ساتھ

برادرانِ اہلِ سنّت اور قدر شناسانِ اعلٰی حضرت کا کام ہے کہ آگے بڑھیں، رضا فاؤنڈیشن کے خود ممبر بنیں اور اپنے دوستوں کو ممبر بنائیں تاکہ یہ پروگرام تیزی کے ساتھ تکمیل کی طرف گامزن ہوسکے۔

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

۱۴ مارچ ۱۹۹۰ء — محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

فقیہِ اسلام امام احمد رضا خاں بریلوی

بحیثیت

مرجع العلماء

خادم حسین، فاضل جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فتاوٰی رضویہ کا اجمالی خاکہ

O فتاوٰی رضویہ کے مطبوعہ حصص میں دریافت کئے گئے کل استفتاء کی تعداد	۴۴۹۴
O علماء ودانشور حضرات کے کل استفتاء کی تعداد	۱۰۶۱

جلد اوّل

کل استفتاء کی تعداد	۱۸۱
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۴۹
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۱۳۲

جلد دوم

کل استفتاء کی تعداد	۲۵۶
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۷۳
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۱۸۳

جلد سوم

کل استفتاء کی تعداد	۸۳۲
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۲۰۰
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۶۳۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

جلد چہارم

کل استفتاء کی تعداد	۴۴۰
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۱۱۳
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۳۲۷

جلد پنجم

کل استفتاء کی تعداد	۹۲۰
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۱۶۲
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۷۴۸

جلد ششم

کل استفتاء کی تعداد	۴۹۹
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۱۰۳
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۳۹۶

جلد ہفتم

کل استفتاء کی تعداد	۳۷۶
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۸۰
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۲۹۶

جلد دہم

کل استفتاء کی تعداد	۸۲۴
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۲۵۱
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۵۷۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

جلد یازدہم

کل استفتاء کی تعداد	۱۶۶
علماء ودانشور حضرات کے استفتاء کی تعداد	۳۰
غیر علماء کے استفتاء کی تعداد	۱۳۶

امام احمد رضا بریلوی سے
استفتاء کرنے والے عالمِ اسلام کے معروف علماء اور دانشور

نمبر شمار	اسماء	حوالہ
	ا	
۱	ابوالحسن مولانا ضلع ارکان	ج۴ص۲۰۴
۲	اشرف علی مولانا بریلی	ج۴ص۴۱۲؛ ج۱۰ نصف ثانی ص۱۲۰
۳	ایوب علی سیّد مولانا =	ج۴ص۴۱۴
۴	امیر اللہ حافظ مدرس مولانا =	ج۳ص۱۰۲، ۱۸۴، ۶۵۳، ۶۷۰؛ ج۴ص۴۷۸، ۴۸۵؛ ج۵ص۱۶۹؛ ج۱۰ نصف اول ص۱۳۸، ۲۳۰۔
۵	احسان علی مولانا =	ج۳ص۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵؛ ج ص۳۵۵، ۴۱۶، ۶۴۵؛ ج۵ص۲۹۹؛ ج۱۰ نصف ثانی ص۲۸۱
۶	امام الدین مولانا =	ج۵ص۶۷۴
۷	اظہر الدین بنگالی مولانا سہارن پور	ج۴ص۴۹۳
۸	انوار الدین مولانا ضلع سلہٹ	ج۴ص۲۰۴، ۱۶۳، ۱۰۸
۹	امیر یار مولانا سہارن پور	ج۴ص۱۱۰
۱۰	اسمٰعیل میاں حاجی مولانا جنوبی افریقہ	ج۲ص۴، ۲۶، ۱۱۷؛ ج۵ص۱۰۳؛ ج۲ص۱۳۷، ۱۲۵
۱۱	انوار الحق مولانا ضلع لاہور	ج۳ص۲۶؛ ج۵ص۷۵، ۷۹۵ ج۴ص۱۲۴

۱۲	احمد الدین مولانا بیگم شاہی مسجد لاہور	ج۷ص۹۲، ج۱۰ نصف ثانی ص۳۱۲
۱۳	اکرم علی سیّد عرف مطلوب شاہ، مولانا، مدرس حیدرآباد دکن	ج۵ص۲۷۵
۱۴	ابوالحسن احمد نوری، سید مولانا بدایوں	ج۳ص۱۷۵؛ ج۵ص۵۳۰؛ ج۱۱ص۹۳
۱۵	امداد علی مدرس، مولانا ضلع علی گڑھ	ج۵ص۷۲۲، ۷۲۷
۱۶	انعام الحق مولانا بریلی	ج۵ص۷۳۶
۱۷	احمد بخش مولانا ڈیرہ غازیخان	ج۳ص۶۳۹؛ ج۵ص۷۸۶
۱۸	احمد حسین مولانا ضلع رہتک	ج۳ص۷۲۳
۱۹	امیر اللہ مدرس مولانا ضلع ایٹہ	ج۴ص۴۷۸، ۴۸۵؛ ج۱۰ نصف اول ص۱۷۹
۲۰	امام علی شاہ مولانا پاکپتن ساہیوال	ج۳ص۴۱۹
۲۱	اولاد علی سید مولانا مرادآباد	ج۴ص۸۳
۲۲	امجد علی اعظمی صدر الشریعۃ مصنف بہارِ شریعت	ج۳ص۴۸
۲۳	احمد مختار میرٹھی مولانا شہر مانڈے	ج۲ص۴۸۳؛ ج۵ص۱۹۷
۲۴	اللہ یار مولانا نماڑ	ج۱ص۵۷۹؛ ج۲ص۱۲۸، ۱۸۲؛ ج۳ص۶۷۵، ۶۸۴
۲۵	احسان حسین مولانا بریلی	ج۵ص۴۲؛ ج۷ص۲۵۱، ۲۶۲
۲۶	امداد حسین مولانا رامپور	ج۳ص۱۶۸
۲۷	احمد بخش مولانا شہر تکیہ	ج۳ص۳۷۳
۲۸	احمد مختار صدیقی مولانا ملک برھما (برما)	ج۶ص۲۵
۲۹	اختر حسین مولانا بریلی	ج۶ص۱۷۴؛ ج۷ص۹۳؛ ج۵ص۷۸۲؛ ج۱۱ص۹۰
۳۰	آدم شاہ مولانا کولھاپور	ج۶ص۷۷
۳۱	احمد صدیقی مولانا کراچی بندرگاہ	ج۶ص۱۱۴
۳۲	امیر حسین مولانا ضلع پٹنہ	ج۶ص۳۴۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۳۳	احمد حسن مولانا کانپور	ج۱۰ نصف اول ص ۷۷
۳۴	امیر حسن مولانا بلند شہر	ج۴ ص ۷۱،۴؛ ج۷ ص ۲۶۱؛ ج۱۰ نصف ثانی ص ۲۰۳
۳۵	احمد علی مولانا کانپور	ج۱۰ نصف اول ص ۱۵۴
۳۶	احسان علی مدرس مولانا علی گڑھ	ج۱۱ ص ۷۳، ۲۷۵
۳۷	احمد حسین مولانا رام پور	ج۱۱ ص ۲۹۱
۳۸	امجد علی خان صاحبزادہ مولانا رام پور	ج۷ ص ۳۸۴
۳۹	احمد علی سیّد مولانا اودے پور	ج۶ ص ۳۳۵
۴۰	اکرام الدین شیخ مولانا لکھنؤ	ج۷ ص ۴۱
۴۱	ابراہیم شیخ مدرس مولانا ملک آباد گجرات	ج۱ ص ۳۱۸ رضا اکیڈمی بمبئی
۴۲	احمد خان وکیل مولانا اودے پور	ج۱۱ ص ۱۲ ۳
۴۳	اسمٰعیل حسن میاں سیّد مولانا ضلع ایٹہ	ج۱۰ نصف اول ص ۶، ۸۷
۴۴	احمد علی سیّد مدنی مولانا بمبئی	ج۶ ص ۴۲۸
۴۵	احمد میاں سید زادہ مولانا رام پور	جلد۱۱ ص ۳۶
۴۶	ابوسعید مولانا کانپور	ج۱۱ ص ۲۹۵
۴۷	امیر عالم حسن عرف نوشہ میاں مولانا بریلی	ج۱۰ نصف ثانی ص ۱۴۵
۴۸	ابراہیم مدرس مولانا الہ آباد	ج۱۰ نصف ثانی ص ۲۶۲
۴۹	آفتاب الدین مولانا بریلی شریف	ج۱۰ = ص ۲۸۲
۵۰	احمد مختار مولانا میرٹھ	ج۱۰ نصف ثانی ص ۳۱۲
۵۱	الطاف الرحمٰن مولانا مرادآباد	صلوٰۃ
۵۲	احمداللہ مولانا کانپور	رادالقحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء
۵۳	ارشد علی مولانا رام پور	ج۷ ص ۲۹۱
۵۴	ابراہیم گیلانی، سید، قادری بغدادی مولانا کراچی	ج۱۰ نصف ثانی ص ۲۰۴
۵۵	ابراہیم مولانا بنارس	ج۱۰ نصف ثانی ص ۲۶۰، ۳۰۸
۵۶	امیر الدین مولانا گنج گیا	ج۵ ص ۲۴۷

۵۶	امیر الدین مولانا گنج گیا	ج۵ص ۲۴۷
۵۷	امیر الدین مولانا جوناگڑھ	ج۲ص ۱۷۲

ب

۵۸	باسط احمد مولانا لکھنؤ	ج۴ص ۴۹۴
۵۹	بدر الدین مولانا بنارس	ج۱۱ص ۳۱
۶۰	بدیع الزمان مولانا بریلی شریف	ج۳ص ۵۹۴
۶۱	برکات احمد وکیل مولانا بریلی شریف	ج۵ص ۳۲۰
۶۲	بشیر احمد مدرس علی گڑھی مولانا بریلی شریف	ج۳ص ۱۵؛ ج۵ص ۱۶۷
۶۳	بشیر الدین وکیل مولانا =	ج۵ص ۶۱۳
۶۴	بندہ علی مولانا =	ج۱۰ثانی ص ۳۲

ت

۶۵	تلن خان قاضی، مدرس مولانا شہر کہنہ بریلی	ج۶ص ۳۴۰
۶۶	عرف میزان اللہ شاہ مولانا =	ج۶ص ۳۴۰
۶۷	تمیز الدین مولانا نصیر آباد	ج۷ص ۱۱۹
۶۸	تاج الدین مولانا گوجر خان ضلع راولپنڈی	ج۶ص ۱۴۰

ج

۶۹	جمال الدین مولانا ضلع چاٹگام	ج۵ص ۴۷۴
۷۰	جمیل الدین رضوی مولانا چیت پور کاٹھیاواڑ	ج۵ص ۵۵۲
۷۱	جمیل الدین احمد مولانا مراد آباد	ج۴ص ۵۲

ح

۷۲	حاکم علی پروفیسر بی، اے مولانا موتی بازار لاہور	ج۱۰ثانی ۲۷۹
۷۳	حامد بخش مولانا بدایوں	ج۷ص ۹۶،۲۴۸

۷۴	حامد حسن، سید مولانا مارہرہ مطہرہ شریف	ج۴ص ۶۶۴
۷۵	حامد علی مولانا الہ آباد	ج۱۰ص ۲۱۰
۷۶	حامد علی مولانا بریلی شریف	ج۱۰ثانی ص۲۱۱
۷۷	حبیب اللہ، سیّد، دمشقی =	ج۱۰ثانی ص۱
۷۸	حبیب اللہ بیگ مولانا ریاست رام پور	ج۵ص۱۰۱؛ ج۳ص۶۲۹
۷۹	حسن رضا خان مولانا ریاست ٹونک	ج۷ص۲۹۵
۸۰	حشمت علی مولانا شہر گڈھیا	ج۳ص ۷۳؛ ج۶ص۵۰۶
۸۱	حضور احمد مولانا بریلی شریف	ج۴ص ۱۱۴
۸۲	حفیظ الرحمٰن، مدرس مولانا ضلع رہتک	ج۲ص ۳۲
۸۳	حفیظ الرشید مولانا مراد آباد	ج۷ص۲۷۷
۸۴	حمد اللہ قادری مولانا ضلع پشاور	ج۷ص ۵۴۳؛ ج۱۰ثانی ص۳۰۷
۸۵	حمید الرحمٰن مولانا ضلع نواکھالی	ج۱۰ثانی ص۳۱۰
۸۶	حمید اللہ پیر المعروف نعمان ملّا مولانا گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی،	ج۳ص۶۶
۸۷	حسن حیدر میاں مولانا مارہرہ مطہرہ	ج۴ص۴۸۶
۸۸	حسن بخش رضوی مولانا خیر آباد	ج۱ص۵۵۹

خ

۸۹	خدا بخش مولانا ضلع کھیری	ج۳ص ۲۴۰
۹۰	خدا یار خان مولانا شہر کہنہ	ج۷ص ۳۵
۹۱	خلیل الرحمٰن مولانا بنارس	ج۱۰ثانی ص ۱۳۳، ۷۷، ۲۶۹؛ ج۷ص ۵۳
۹۲	خلیل اللہ، مدرس مولانا ریاست کوچ بہار ملک بنگالہ	ج۱۰اوّل ص۱۸۰
۹۳	خلیل اللہ خان مولانا پشاوری	ج۱۰اوّل ص۱۴۰
۹۴	خورشید، سیّد مولانا بہیڑی	ج۱ص۵۷۹
۹۵	خلیل اللہ مولانا کوہ الموڑہ	ج۴ص۶۴۸، ۶۴۹
۹۶	خلیل اللہ خان مولانا کھیری	ج۵ص۲۵۱

ر

۹۷	رضی الدین مولانا ضلع گیا	ج۳ص۷۰۱
۹۸	رحیم اللہ مولانا بریلی	ج۳ص۸۷، ۲۲۹؛ ج۱۰ص۹۲
۹۹	رحمت اللہ مولانا شہر کہنہ	ج۵ص۱۵۴
۱۰۰	رمضان علی بنگالی مولانا بریلی	ج۳ص۷۴۶؛ ج۶ص۴۸۴؛ ج۱۰ثانی ص۲۵۴
۱۰۱	رحیم بخش مولانا میرٹھ	ج۶ص۱۵۰
۱۰۲	راحت اللہ مولانا بلب لند شہر	ج۳ص۱۳۳، ۶۰۲؛ ج۵ص۴۳۸؛ ج۶ص۷۸
۱۰۳	ریاست علی خان مولانا شاہجہان پور	ج۵ص۴۶۷؛ ج۱۰اوّل ص۲۲۱، ۲۳۲
۱۰۴	رحیم بخش بنگالی مولانا بریلی	ج۳ص۵۹۸، ۸۰۸؛ ج۱۰ثانی ص۲۵۴؛ ج۱۱ص۳۲۰
۱۰۵	رجب الدین مولانا =	ج۴ص۹۹
۱۰۶	رحیم بخش، مدرس مولانا آرہ شاہ آباد	ج۳ص۷۹۹؛ ج۴ص۸۶
۱۰۷	ریاست حسین مولانا رام پور	ج۳ص۶۸۸، ۸۰۲؛ ج۵ص۴۴۴، ۶۱۹
۱۰۸	رسول بخش مولانا گورکھپور گھوسی پور	ج۱۰ثانی ص۴۵
۱۰۹	رحیم بخش مولانا شیر کوٹ	ج۵ص۴۸۹

س

۱۱۰	سلامت اللہ شاہ مولانا رام پور	ج۳ص۴۳۹؛ ج۷ص۵۹۸
۱۱۱	سکندر علی بنگالی مولانا خیر آباد	ج۵ص۱۸۶
۱۱۲	سراج الحق شاہ مولانا دہلی	ج۳ص۵۲۰
۱۱۳	سلیم اللہ مولانا لاہور	ج۲ص۱۱۵
۱۱۴	سید احمد مولانا کاٹھیاواڑ	ج۲ص۱۳۷
۱۱۵	سلطان احمد، نواب مولانا بریلی	ج۱ص۳۱۶؛ ج۲ص۳۱، ۱۸؛ ج۳ص۴۵۳، ۶۵۴، ۸۶، ۹۸، ۳۲۲، ۷۲۳؛ ج۴ص۱۸، ۶۶۳؛ ج۵ص۱۰۰، ۳۱۷؛ ج۱۱ص۱۱۷

۱۱۶	سعید الحسن مولانا کانپور	ج۵ص۵۱۹
۱۱۷	سیف اللہ مولانا کاٹھیاواڑ	ج۴ص۴۷۵
۱۱۸	سراج الحق، جج مولانا بہاولپور	ج۷ص۳۰۳
۱۱۹	سعید احمد لکھنوی مولانا علی گڑھ	ج۱۰ثانی ص۱۶۵
۱۲۰	سعید الرحمٰن مولانا ضلع میمن سنگھ	ج۱۰ثانی ص۳۰۶
۱۲۱	سید حسین مولانا گونڈہ	ج۴ص۴۶۴
۱۲۲	سلیمان مولانا اکبر آباد	ج۶ص۵۰۵
۱۲۳	سرور شاہ، ابوالنصر مولانا ضلع سکھر چونڈی شریف	ج۵ص۲۷۷
۱۲۴	سیّد حسین نائب قاضی مولانا بمبئی	ج۵ص۶۱۷
۱۲۵	سیّد احمد مولانا مراد آباد	ج۲ص۳۵۳
۱۲۶	سلیمان، مدرس مولانا کانپور	ج۱۰ثانی ص۱۸۷
۱۲۷	سید دیدار علی الوری مولانا اکبر آباد	ج۶ص۱۲۶

ش

۱۲۸	شجاعت علی مولانا شہر کہنہ	ج۳ص۷۷۴؛ ج۴ص۵۴۱
۱۲۹	شریف الرحمٰن مولانا ضلع مظفر پور	ج۵ص۲۹۸
۱۳۰	شفاعت رسول مولانا رام پور	ج۵ص۵۸
۱۳۱	شفاعت اللہ مولانا بریلی محلّہ ملوک پور	ج۶ص۱۲۹؛ ج۴ ص۴۰۶
۱۳۲	شفیع احمد مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص۱۵۴
۱۳۳	شمس الدین مولانا =	ج۱۰ثانی ص۲۷۹
۱۳۴	شفیع الدین مولانا کانپوری	ج۳ص۳۲۴
۱۳۵	شمس الدین مولانا ضلع پیلی بھیت	ج۱۰ثانی ص۲۷۸

۱۳۶	شیر علی مولانا ضلع در بھنگہ	ج۵ص۱۱۴
۱۳۷	شمس الدین مولانا نصیر آباد ضلع اجمیر شریف	ج۷ص۵۲۳
۱۳۸	شیر محمد مولانا میرٹھ	ج۶ص۱۵۱
۱۳۹	شیر محمد مولانا کوٹ نجیب اللہ ہری پور ہزارہ	ج۱ص۵۶۴؛ج۲ص۳۴۲؛ج۳ص۴۶۰، ۶۲۶، ۱۵۸؛ ج۴ص۳۰، ۳۳، ۱۸۰، ۳۷۷، ۴۷۴؛ج۵ص۳۸۴
۱۴۰	شمس الہدیٰ مولانا بریلی	ج۳ص۳۷۴

ص

۱۴۱	صابر علی مولانا لکھنؤ	ج۶ص۴۲۸
۱۴۲	صالح محمد خان، مدرس مولانا ضلع بلند شہر	ج۱۰ثانی ص۱۳۶
۱۴۳	صلاح الدین مولانا ضلع پشاور	ج۶ص۴۱۴

ض

۱۴۴	ضیاء الدین = لکھنؤ	ج۲ص۲۷
۱۴۵	ضیاء الدین مولانا پٹنہ	ج۲ص۱۲۹؛ج۳ص۴۷؛ج۴ص۱۶۵
۱۴۶	ضیاء الدین مولانا پرتگال	ج۲ص۳۷۲؛ج۳ص۴۸۹، ۸۱۰
۱۴۷	ضیاء الدین مولانا ضلع شاہجہان پور	ج۶ص۱۰۲
۱۴۸	ضیاء الاسلام مولانا آگرہ	ج۵ص۶۲۷

ظ

۱۴۹	ظفر الدین، مدرس مولانا شہرام مدرسہ عربیہ	ج۴ص۵۶۴؛ج۲ص۳۰۶
۱۵۰	ظفر الدین، مدرس مولانا ضلع شاہ آباد	ج۱۰نصف آخر ص۳۷، ۴۱
۱۵۱	ظفر الدین، مدرس مولانا پانکی ڈاکخانہ سند	ج۱۰نصف آخر ص۱۳۰

۱۵۲	ظہور احمد، سید مولانا بیٹھو شریف ضلع گیا	ج۵ص۴۷، ۴۸، ۴۹
۱۵۳	ظہور الحسن، سیّد مولانا رام پور	ج۷ص۲۹۱
۱۵۴	ظہور حسین مولانا بریلی	ج۶ص۳۴۷
۱۵۵	ظہور اللہ مولانا ریاست ٹونک	ج۷ص۳۵۴
۱۵۶	ظہیر الدین مولانا مظفر پوری	ج۱۰نصف اول ص۲۴۰
۱۵۷	ظہور الحسین حسنی مولانا بنگالہ	ج۱۰نصف آخر ص۱۸۵

ع

۱۵۸	عبد العزیز، مدرس مولانا گوندہ ملک	ج۳ص۴۷، ۵۷، ۳۸۳؛ ج۱۰ج۳ص۳۸۳
۱۵۹	عبد الحمید مولانا =	ج۱ص۵۵۴
۱۶۰	عبد اللطیف مولانا بمبئی	ج۶ص۳۵۶
۱۶۱	عبد القادر مفتی، صدر الصدور مولانا رام پور	ج۶ص۳۹۲؛ ج۷ص۵۵۹؛ ج۱۱ص۳۱۹
۱۶۲	عبد العلی مولانا ضلع نواکھالی	ج۶ص۳۹۶
۱۶۳	عبید اللہ مولانا کان پور	ج۶ص۳۹۷
۱۶۴	عبد المطلب مولانا کاٹھیاواڑ	ج۴ص۸۲؛ ج۶ص۴۳۱
۱۶۵	عبد الحمید مولانا مارہرہ مطہرہ ایٹہ	ج۶ص۴۹۶
۱۶۶	عبد العزیز خان قادری مولانا ملک برھما	ج۶ص۴۹۶
۱۶۷	عبد الرحیم، مدرس مولانا ریاست بہاولپور	ج۶ص۱۵۸، ۱۷۱
۱۶۸	علی رضا خان مولانا بغداد شریف	ج۶ص۱۸۳
۱۶۹	عبد الرحمٰن قادری (مصنف فوائد مکیہ) مولانا گولڑہ شریف راولپنڈی	ج۷ص۴۸۹؛ ج۱۰نصف آخر ص۳۲
۱۷۰	عبد العزیز مولانا ضلع اورنگ آباد	ج۷ص۲۸
۱۷۱	عبد الحمید مولانا بنارس	ج۵ص۱۵۵؛ ج۱۰ثانی ص۷۱۴؛ ج۱۱ص۲؛ ج۲ص۴۴؛ ج۶ص۳۲

۱۷۲	عبدالرزاق مولانا مدراس	ج ۳ ص ۲۳۰؛ ج ۵ ص ۲۹؛ ج ۵ ص ۵۷۱
۱۷۳	عبدالحکیم مولانا ضلع سلہٹ	ج ۵ ص ۴۰۲، ۵۶۳
۱۷۴	عبدالوحید، قاضی مولانا عظیم آباد پٹنہ	ج ۳ ص ۶۱۸؛ ج ۴ ص ۶۰۲؛ ج ۵ ص ۲۴۰، ۱۲۵؛ ج ۱۱ ص ۱۶۷
۱۷۵	عابد حسین مولانا لکھنؤ	ج ۵ ص ۳۷۷
۱۷۶	عزیزالحسن مولانا ضلع ٹاوہ	ج ۵ ص ۸۲؛ ج ۶ ص ۳۳۳
۱۷۷	عبدالقادر مولانا سرہند شریف	ج ۵ ص ۱۹۳
۱۷۸	عبداللہ ٹونکی مولانا لاہور	ج ۵ ص ۳۳۲؛ ج ۷ ص ۴۱۹
۱۷۹	عبدالغنی مولانا ضلع سلہٹ	ج ۳ ص ۶۲۵؛ ج ۵ ص ۱۵۵، ۵۵۸، ۵۵۹، ۶۴۳
۱۸۰	عبدالغفور مولانا الہ آباد	ج ۵ ص ۲۹۱
۱۸۱	عبدالرسول مولانا بدایوں	ج ۵ ص ۲۹۷
۱۸۲	عبدالمقتقدر مولانا بدایوں	ج ۲ ص ۳۶۴
۱۸۳	عبدالحمید مولانا بدایوں	ج ۳ ص ۸
۱۸۴	عبدالغنی مولانا ضلع بلاسپور	ج ۲ ص ۳۷۹
۱۸۵	عبدالرحمٰن، وکیل مولانا میٹر تاعلاقہ جودھ پور	ج ۳ ص ۶۰۹
۱۸۶	عبدالرحمٰن، مدرس مولانا مرادآباد	ج ۳ ص ۲۶۳؛ ج ۱۰ ثانی ص ۲۶۵، ۳۱۳
۱۸۷	عبدالغنی مولانا مرادآباد	ج ۵ ص ۳۳۲
۱۸۸	عبدالحفیظ، مدرس مولانا ٹونڈہ۔ بریلی شریف	ج ۳ ص ۲۰۹؛ ج ۱۰ ص ۲۷۴
۱۸۹	عبدالعلٰی مولانا فیض آباد	ج ۳ ص ۳۷۹، ۵۹۴، ۶۰۰؛ ج ۱۰ ثانی ص ۱۶۸
۱۹۰	عبداللہ، مدرس مولانا فیض آباد	ج ۳ ص ۲۰۹، ۲۷۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۹۱	عبداللہ بہاری، مدرس مولانا بریلی شریف	ج۲ص۱۲؛ ج۳ص۶۶، ۷۲؛ ج۲ص ۱۴۳؛ ج۳ ص۳۷۴، ج۳ص۳۷۴، ۳۷۶، ۶۲۲، ۶۴۷؛ ج۳ص۲۵۰، ۴۸۸؛ ج۵ص۱۹۵؛ ج۱۰ثانی ص۲۷۶
۱۹۲	عبدالعزیز مولانا بریلی شریف	ج۶ص۳۷۹
۱۹۳	عبدالرشید، مدرس مولانا بریلی شریف	ج۳ص۳۹۴؛ ج۵ص۶۴۵؛ ج۲ص۲۰۵
۱۹۴	عبیداللہ مولانا بریلی شریف	ج۱۰ثانی ص۲۵۳
۱۹۵	عبدالمنان مولانا دہلی	ج۳ص۲۴۱
۱۹۶	عبدالمنان مولانا بنگالہ	ج۱۰ثانی ص۷۰
۱۹۷	عبدالقادر، مدرس مولانا بمبئی	ج۱۰ثانی ص۲۹
۱۹۸	عزیزالحسن مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص۱۲۶
۱۹۹	عبدالمجید خان حنفی مولانا بلند شہر	ج۱۰ثانی ۱۳۷
۲۰۰	عبدالقوی بنگالی مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص۱۲۶
۲۰۱	عبدالرحیم بیگ مولانا کراچی	ج۱۰ثانی ص۱۴۴
۲۰۲	عبدالرحمٰن، مدرس مولانا گودھرہ	ج۱۰ثانی ص۱۷۵
۲۰۳	عبدالعلیم صدیقی قادری مولانا بمبئی، کلکتہ، جنوبی افریقہ	ج۷ص۱۲۵؛ ج۱۰ثانی ص۱۶۱، ۱۹۶
۲۰۴	عطاء حسین مولانا گوالیار	ج۱۰ثانی ص۱۹۶
۲۰۵	عین الیقین مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص۳۷۸
۲۰۶	عابد علی مولانا ضلع سلطان پور	ج۱۰ثانی ص۳۲۰
۲۰۷	عبداللہ قادری مولانا ضلع سکھر	ج۱۰ثانی ص۳۱۵
۲۰۸	عبدالرشید مولانا دہلی	ج۴ص۱۱۶؛ ج۱۰ص۲۶۶
۲۰۹	عبدالواحد متھراوی مولانا شہر کہنہ	ج۵ص۱۷۷
۲۱۰	عبدالرحیم مولانا بریلی شریف	ج۷ص۳۹۰
۲۱۱	عبدالباری مولانا ضلع نواکھالی	ج۱۱اوّل ص۲۱۱
۲۱۲	عبدالحمید مولانا ضلع کمرلہ	ج۱۱اوّل ص۱۹۱

۲۱۳	عبدالجبار، سید مولانا حیدر آباد دکن	ج۱۱ص۳۰۰
۲۱۴	عبداللطیف مولانا ضلع رنگ پور	ج۱۰اول ص۲۱۱
۲۱۵	عبدالرحیم خان مولانا ریاست دیوان	ج۱۰اول ص۱۴۳
۲۱۶	عبدالسلام مولانا جبل پور	ج۳ص۴۲۸
۲۱۷	عظیم الدین، مدرس مولانا خیر آباد	ج۴ص۶۳؛ ج۱۱ص۲۷۲
۲۱۹	عبداللطیف مولانا سہسوان	ج۱۰ثانی ص۷۲
۲۲۰	علی بن زید، سیّد مولانا ضلع سورت	ج۶ص۳۳۸، ۳۷۰
۲۲۱	عبدالسمیع مولانا میرٹھ	ج۱۱ص۱۱۷
۲۲۲	عظیم اللہ مولانا شیر گڑھ	ج۱۰ثانی ص۱۰۰
۲۲۳	عبدالاول، سید مولانا کاٹھیاواڑ	ج۱۰ثانی ص۲۸۷
۲۲۴	عبدالعزیز، میاں، مدرس مولانا ضلع سارن	ج۱۰ثانی ص۳۰۴
۲۲۵	عبدالشکور مولانا بلیا	ج۵ص۲۷۲
۲۲۶	عبدالرب مولانا رانچی	ج۵ص۶۵۱
۲۲۷	عبدالجلیل مولانا بریلی	ج۵ص۱۷۵
۲۲۸	عنایت حسین، وکیل مولانا ضلع ہردوائی	ج۵ص۱۷
۲۲۹	عبدالنبی قادری مولانا	ج۴ص۵۸۷
۲۳۰	عبدالرحیم مولانا ضلع علی گڑھ	ج۴ص۱۱۷
۲۳۱	عبدالحمید مولانا ضلع سلہٹ	ج۴ص۵۵
۲۳۲	عبدالحمید، قاضی مولانا ککڑی	
۲۳۳	عبداللہ مولانا علی گڑھ	ج۵ص۱۷
۲۳۴	عبداللہ مولانا گورکھ پور	ج۴ص۶۷۳
۲۳۵	عبداللہ مولانا بہار شریف	ج۴ص۴۵۳
۲۳۶	علی حبیب علوی مولانا ضلع ٹاوہ	ج۵ص۳۱۵
۲۳۷	عبدالکریم مولانا احمد آباد گجرات	ج۵ص۱۲۶

۲۳۸	عبدالرحیم مولانا احمد آباد گجرات	ج۳ص۷۳۱؛ ج۴ص۱۶۶، ۱۸۱؛ ج۵ص۶۵۵، ۷۹۲؛ ج۶ص۴۷۲؛ ج۱۰ثانی ص۴۶، ۲۸۲
۲۳۹	عبدالرحمٰن مولانا احمد آباد گجرات	ج۶ص۱۹۵
۲۴۰	عزیزالرحمٰن مولانا کلکتہ	ج۵ص۴۳۰
۲۴۱	عبدالعزیز مولانا کلکتہ	ج۵ص۶۰۷
۲۴۲	عبدالمطلب مولانا کلکتہ	ج۳ص۷۳۸
۲۴۳	عبیداللہ مولانا الہ آباد	ج۵ص۱۱۹
۲۴۴	عبدالغفور مولانا آرہ	ج۵ص۵۲۶
۲۴۵	عبدالمجید شنوپوری مولانا ریاست رام پور	ج۵ص۵۷۳، ۵۹۰؛ ج۱۰ثانی ص۱۱۹، ۳۸۳
۲۴۶	عبدالرؤف مولانا ریاست رام پور	ج۳ص۶۸۹
۲۴۷	علیم الدین مولانا ریاست رام پور	ج۲ص۳۴۴؛ ج۵ص۱۸
۲۴۸	عبدالحق مولانا کلکتہ	ج۴ص۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۶
۲۴۹	عباس علی میاں مولانا پھڑوچ	ج۲ص۳۵۳؛ ج۴ص۱۸۰؛ ج۶ص۱۴۶
۲۵۰	عبدالرحیم مکرانی مولانا کراچی	ج۴ص۲۰۰
۲۵۱	علی احمد مولانا ضلع گیا	ج۴ص۲۰۹
۲۵۲	عبدالرحمٰن حبشانی مولانا کانپور	ج۱ص۳۳۴؛ ج۱ص۳۳۶؛ ج۴ص۳۱، ۴۰۵؛ ج۵ص۴۸۰؛ ج۱۰اوّل ص، ۷۵، ۹۸
۲۵۳	عبدالرحیم مدارسی مولانا بنگلور	ج۴ص۵۸
۲۵۴	عبدالصمد مولانا رام پور	ج۴ص۵۰۱
۲۵۵	عبدالکریم، سیّد مولانا	ج۴ص۸۸؛ ج۵ص۶۸
۲۵۶	عبداللہ، مدرس مولانا گونده ملک	ج۴ص۱۴۱، ۴۵۳
۲۵۷	عبدالکریم مولانا نواکھائی	ج۴ص۸۶
۲۵۸	عطاء الحق، سیّد مولانا مونگیر	ج۴ص۱۱۳
۲۵۹	عبدالواحد مولانا بریلی	ج۴ص۳۸۰

۲۶۰	عبدالودود رضوی مولانا مرادآباد	ج ۲ص ۲۷۳؛ ج ۴ص ۲۱۵؛ ج ۱۰ ثانی ص ۱۷۶
۲۶۱	عمرالدین مولانا بمبئی	ج ۳ص ۴۰۰؛ ج ۴ص ۱۸
۲۶۲	عبدالحیٔ مولانا ضلع ٹاوہ	ج ۲ص ۲۷۳؛ ج ۱۰ ثانی ص ۱۵۳؛ ج ۱ص ۵۵۴
۲۶۳	عبدالحمید چودھری مولانا ضلع ایٹہ	ج ۲ص ۳۶۷؛ ج ۱۰ ثانی ص ۱۵۳؛ ج ۱ص ۵۵۴
۲۶۴	عبدالکریم، مدرس مولانا علی گڑھ	ج ۲ص ۲۰۳؛ ج ۳ص ۷۳، ۴۳۸، ۶۳۸؛ ج ۵ص ۱۶۳
۲۶۵	عبدالخالق مولانا حیدرآباد دکن	ج ۲ص ۱۸۷
۲۶۶	عبدالغفار، سید، قادری، مدرس، مولانا بنگلور	ج ۲ص ۱۱۹، ۳۲۲
۲۶۷	عبدالکریم مولانا چتوڑ گڑھ ادی پور	ج ۱ص ۳۱۹؛ ج ۲ص ۳۲۷
۲۶۸	عبدالجلیل مولانا بنگال	ج ۳ص ۱۳۸
۲۶۹	عبدالشکور ارکانی مولانا امروہہ	ج ۱ص ۵۵۳، ۵۷۴؛ ج ۳ص ۱۴۷
۲۷۰	علی احمد مولانا ج ۱ص ۹۴؛	ج ۴ص ۹۷۳؛ ج ۱۰ اول ص ۱۶۴
۲۷۱	عباس علی عرف مولانا عبدالسلام نواکھالی	ج ۱ص ۲۲۰؛ ج ۵ص ۵۹۹؛ ج ۷ص ۲۵۱
۲۷۲	عبداللہ مولانا ضلع پنج محل گجرات	ج ۱ص ۵۵۶
۲۷۳	عبداللہ حکیم مولانا گورکھپور	ج ۴ص ۶۷۳؛ ج ۵ص ۲۵۱
۲۷۴	عبدالاحد مولانا پیلی بھیت	ج ۵ص ۵۹۹؛ ج ۷ص ۵۳
۲۷۵	عبدالسبحان مولانا پیلی بھیت	ج ۳ص ۲۵۵
۲۷۶	عرفان علی رضوی مولانا پیلی بھیت	ج ۱ص ۵۸۶؛ ج ۶ص ۴۸۵؛ ج ۴ص ۵۱۸؛ ج ۱۰ ثانی ص ۹۸، ۳۱۱
۲۷۷	عبدالرب مولانا پیلی بھیت	ج ۱۱ص ۱۹۰
۲۷۸	عبدالاول مولانا جون پور	ج ۵ص ۶۱۷؛ ج ۶ص ۳۷
۲۷۹	عبدالغفور مولانا ملک بنگالہ	ج ۵ص ۶۳۶

۲۸۰	عبدالمجید مولانا ضلع کمرلہ	ج۳ص۸۱۳
۲۸۱	عبدالمجید مولانا چاٹگام	ج۵ص۱۲۸
۲۸۲	عبدالغفور مولانا چاٹگام	ج۳ص۷۰۶
۲۸۳	عبدالحق، مدرس مولانا ضلع سورت	ج۳ص۵۷۵، ۷۶۲؛ج۴ص۱۲۰؛ج۵ص۲۶؛ج۱۰اوّل ص۴۰
۲۸۴	عبدالغفور مولانا بنارس ج۳ص۱۸۶، ۷۹۷؛	ج۴ص۴۳۹، ۶۵۱؛ج۷ص۳۳۰؛ج۱۱ص۲
۲۸۵	عبدالوہاب مولانا بنارس	ج۶ص۱۱۴
۲۸۶	عبدالغفور مولانا بنارس	ج۳ص۷۶۱
۲۸۷	عبدالسمیع، مدرس مولانا بنارس	ج۷ص۲۱۲
۲۸۸	عبدالحمید مولانا بنارس	ج۵ص۱۵۵؛ج۱۰ثانی ص۱۴۷
۲۸۹	عبدالحمید حافظ مولانا سلہٹ	ج۴ص۵۵
۲۹۰	عبدالرزاق مولانا	ج۱۱ص۲

غ

۲۹۱	غلام قادر مرزا، بیگ مولانا کلکتہ	ج۱ص۲۲۰؛ج۲ص۳۵، ۴۲، ۴۳، ۶۸، ۳۴۰، ۱۸۸، ج۳ص۱، ۸، ۹۴، ۱۵۸، ۱۶۳، ۳۱۴، ۳۲۰، ۳۲۲، ۳۸۱، ۴۱۴، ۴۲۲، ۴۵۳، ۶۷۷، ۶۸۴؛ج۴ص۵۱۶، ۵۳۶؛ ج۳ص۴۰۲، ۴۰۷، ج۷ص۳۱، ۳۴۳؛ج۱۰ص۲۳، ۵۶؛ ج۱۰اول ص۶۴، ۶۵
۲۹۲	غلام رسول، سید، وکیل مولانا صوبہ اورنگ آباد	ج۷ص۳۳
۲۹۳	غلام گیلانی، قاضی مولانا شمس آباد اٹک	ج۵ص۱۰۴، ۱۷۹، ۷۴۰، ۷۶۰؛ج۶ص۴۱۶، ۷۴۰؛ ج۷ص۵۲۳

۲۹۴	غلام محی الدین مولانا ضلع سورت	ج۴ص ۴۹۲؛ ج۶ص ۴۸۰؛ ج۱۰ثانی ص ۳۰۵
۲۹۵	غلام فرید مولانا محمد پور وڈیرہ والا احمد پور	ج۶ص ۴۸۵
۲۹۶	غلام امام، سیّد	ج۳ص ۷۳
۲۹۷	غلام ربانی مولانا اٹک	ج۶ص ۱۷۵؛ ج۴ص ۱۲۱
۲۹۸	غلام صدیق مولانا بیرم نگر	ج۷ص ۲۴۸
۲۹۹	غلام محمد پیرزادہ مولانا احمد آباد گجرات	ج۷ص ۳۱۰؛ ج۱۰ثانی ص ۳۰۴
۳۰۰	غلام حیدر مولانا ریاست رام پور	ج۵ص ۴۶۱
۳۰۱	غلام نبی، سید مولانا کاٹھیاواڑ ضلع راجکوٹ	ج۲ص ۱۲؛ ج۳ص ۷۵۷
۳۰۲	غلام گیلانی، قاضی مولانا لاہور	ج۵ص ۲۶۷
۳۰۳	غلام محی الدین مولانا اٹک	ج۵ص ۷۴
۳۰۴	غلام کبریا مولانا ضلع گڑگاواں	ج۵ص ۷۶۷
۳۰۵	غلام گیلانی قاضی مولانا کاٹھیاواڑ	ج۳ص ۶۹
۳۰۶	غلام مصطفیٰ پنجابی مولانا بریلی	ج۳ص ۱۷۰
۳۰۷	غلام جان مولانا بریلی	ج۳ص ۶۰۳، ۶۶۷؛ ج۴ص ۱۱۰
۳۰۸	غلام محی الدین مولانا احمد آباد گجرات	ج۱۰ص ۱۲۹
۳۰۹	غلام مصطفیٰ مولانا بجنور	ج۷ص ۲۵۷

ف

۳۱۰	فضل احمد بدایونی مولانا سہسوان	ج۶ص ۳۷۱
۳۱۱	فخر الحسن، سید، مدرس مولانا خیر آباد ضلع سیتاپور	ج۲ص ۳۳۱؛ ج۴ص ۷۷، ۱۲۳؛ ج۵ص ۵۱، ۵۶۵؛ ج ۷ص ۲۸۴و۲۸۵؛ ج۱۰ثانی ص ۶۳
۳۱۲	فضل قدیر مولانا ضلع کرنالہ	ج۷ص ۱۰۰
۳۱۳	فضل حق مولانا پیلی بھیت	ج۵ص ۵۲۴
۳۱۴	فیض محمد مولانا ضلع اجمیر شریف	ج۵ص ۶۷۵

۳۱۵	فیض الحق مولانا ضلع حرولہ	ج ۱۰ثانی ص ۱۰۳
۳۱۶	فضل امیر مولانا کنوٹوڑہ	ج ۱۰ثانی ص ۱۱۱
۳۱۷	فاضل مولانا	ج ۵ ص ۱۱۷

ق

۳۱۸	قاسم علی مولانا شہر کمرلہ	ج ۱۰ثانی ص ۹۷
۳۱۹	قمر الحسن مولانا رائے بریلی	ج ۱۰ثانی ص ۱۵۲

ک

۳۲۰	کمال الدین جعفری، سید، وکیل، مولانا الہ آباد	ج ۶ ص ۴۲۶
۳۲۱	کریم بخش مولانا پیلی بھیت	ج ۵ ص ۶۸۷
۳۲۲	کریم بخش مولانا بلند شہر	ج ۵ ص ۴۶۰
۳۲۳	کریم رضا، سیّد مولانا ضلع گنج گیا	ج ۳ ص ۷۷۴، ۷۰۰؛ ج ۴ ص ۳۴؛ ج ۵ ص ۳۲۷، ۴۶۰؛ ج ۱۰اول ص ۸۱، ۸۳، ۱۰۳، ۱۶۹
۳۲۴	کاظم الدین مولانا شہر کمرلہ	ج ۱۰اول ص ۲۴۰

ل

۳۲۴	(ا) لعل نور مولانا وزیر آباد (گوجرانوالہ)	ج ۶ ص ۴۴۴
۳۲۴	(ب) لطف اللہ، مفتی خلف مفتی سعد اللہ مولانا رامپور	ج ۷ ص ۴۴۰

م

۳۲۵	محمد صاحب محمدی برادر مفتی اسد اللہ خان، مولانا الہ آباد	ج ۷ ص ۷۶، ۷۹
۳۲۶	محمد عنایت صابری مولانا ضلع امر تسر	ج ۷ ص ۷۶، ۷۹
۳۲۷	محمد احمد، سیّد، محدّث کچھوچھوی مولانا کچھوچھہ شریف	ج ۷ ص ۲۳۸
۳۲۸	محمد رضا خان مولانا بدایوں	ج ۷ ص ۲۳۹
۳۲۹	محمد علیم الدین مولانا رام پور	ج ۷ ص ۲۶۰
۳۳۰	محمد زاہد، سیّد مولانا بلاگرام شریف ہردوئی	ج ۷ ص ۳۲۵
۳۳۱	محمد عبد اللہ مولانا الہ آباد	ج ۷ ص ۳۳۲

۳۳۲	محمد منور، سیّد مولانا رامپور	ج۷ص۳۳۸
۳۳۳	محمد عنایت اللہ، حافظ مولانا رامپور	ج۷ص۳۵۷، ۵۴۵
۳۳۴	محمد نفیس مولانا لکھنؤ	ج۱۰اول ص۲۵۷
۳۳۵	محمد عمرالدین مولانا بمبئی	ج۱۰اول ص۱۱۰
۳۳۶	محمد اسرار الحق مولانا بڑودہ گجرات	ج۱۰اول ص۱۶۹
۳۳۷	محمد عبدالسمیع مولانا میرٹھ	ج۱۱ص۱۱۷
۳۳۸	مختار علی وکیل مولانا اوجین حویلی میرٹھ	ج۵ص۲۳۸
۳۳۹	مہدی حسن شاہ مولانا مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ	ج۲ص۱۳۰؛ ج۱۰اول ص۱۵۸
۳۴۰	محمد افضل کابلالی مولانا بریلی	ج۲ص۴۷، ۳۰۷، ۱۷۷؛ ج۳ص۲۷۲، ۱۲۹؛ ج۵ص۶۷؛ ج۶ص۱۳۱؛ ج۱۰ثانی ص۱۵۶، ۱۶۳، ۲۵۴
۳۴۱	محمد حبیب اللہ قادری رضوی، مولانا میرٹھ	ج۳ص۳۱۳، ج۱۰ ثانی ص۲۰۹
۳۴۲	محمود حسین مولانا بریلی ج۳ص۲۶۰؛	ج۱۰اول ص۱۶۳؛ ج۱۰ثانی ص۱۴۷
۳۴۳	محمد حیات، مدرس مولانا کوٹ ڈسکہ	ج۳ص۶۰
۳۴۴	محمد ابراہیم احمد آبادی مولانا مدرسہ نعمانیہ دہلی	ج۳ص۶۰
۳۴۵	محمد حبیب علی علوی مولانا ضلع ٹاوہ	ج۳ص۵۴
۳۴۶	مظہر حسین مولانا بلاسپور	ج۳ص۶۰
۳۴۷	مقبول حسن، مدرس مولانا شاہجہانپور	ج۳ص۲۵۵
۳۴۸	محمد یٰسین مولانا در بھنگہ	ج۳ص۱۱۰
۳۴۹	محمد احسان مولانا	ج۳ص۳۵۵
۳۵۰	محمد احسان الحق مولانا میرٹھ	ج۳ص۴۰۹، ۴۷۹
۳۵۱	محمد اسمٰعیل مولانا چاٹگام	ج۳ص۴۳۶
۳۵۲	محمد رکن الدین نقشبندی مولانا ریاست راجپوتانہ	ج۳ص۳۵۶، ۴۶۱
۳۵۳	محمد علی، سید، مدرس مولانا سنبھل مراد آباد	ج۳ص۳۶۲

۳۵۴	محمد عبد العلی مدراسی مولانا لکھنؤ	ج۱۱ص۱۲۴؛ ج۵ص۳۲۲
۳۵۵	محمد عبد الحلیم مولانا کانپور	ج۵ص۲۴۰
۳۵۶	محمد اسمٰعیل مولانا شہر پوربندر	ج۵ص۳۴۴
۳۵۷	محمد علی ارم، مدرس مولانا ضلع شیخاوائی	ج۵ص۳۴۴
۳۵۸	محمد یار علی، مدرس مولانا بستی	ج۵ص۳۴۸؛ ج۳ص۳۷۷
۳۵۹	محمد امانت رسول مولانا رام پور	ج۵ص۱۶۹
۳۶۰	مشتاق احمد مدرس مولانا اجمیر شریف	ج۵ص۲۷۰
۳۶۱	محمد عظیم مولانا کلکتہ دھرم تلا	ج۳ص۱۸۱؛ ج۵ص۲۳۸؛ ج۱۰ثانی ص۱۴۰
۳۶۲	محمد یعقوب علی خان مولانا اوجین گوالیار	ج۲ص۱۷، ۱۴۶؛ ج۳ص۵۰، ۱۵۲، ۴۶۲، ۴۷۶، ۵۱۴، ۵۵۵، ۶۱۰، ۶۱۳، ۶۲۰، ۷۶۰، ۸۰۹؛ ج۵ص۲۱۲، ۲۸۷، ۳۱۳، ۳۸۷، ۴۰۱، ۷۳۳؛ ج۶ص۳۱۶؛ ج۷ص۳۲۹، ۹۱؛ ج۱۰اول ص۳۸، ۴۰، ۴۴، ۶۶، ۲۲۸؛ ج۱۱ص او۶
۳۶۳	محمد حبیب الرحمٰن سلہٹی مولانا مراد آباد	ج۳ص۳۳۹
۳۶۴	محمد بیگ مرزا مولانا سنگڑہ	ج۳ص۶۳
۳۶۵	محمد نور ولایتی مولانا سہسرام	ج۳ص۹۶
۳۶۶	محمد مہدی مولانا چاٹگام	ج۳ص۴۸۸
۳۶۷	محمد سعد اللہ مولانا بمبئی	ج۳ص۵۰۸
۳۶۸	محمد رمضان مولانا اکبر آباد	ج۶ص۳۸۵
۳۶۹	محمد صابر مدرس مولانا اعظم گڑھ	ج۶ص۴۳۲
۳۷۰	محمود حسین مولانا شہر آگرہ	ج۶ص۵۱۰
۳۷۱	محمد طاہر مولانا ملیسار	ج۶ص۱۵۷

۳۷۲	محمد بخش حنفی چشتی مولانا لاہور	ج۶ص۱۰۱
۳۷۳	محمد میاں، سیّد مولانا مارہرہ مطہرہ	ج۶ص۱۱۳، ۲۱۱؛ ج۲ص۱۱۵
۳۷۴	محمد قاسم، مدرس مولانا	ج۶ص۱۱۸
۳۷۵	محمد امان اللہ مدرس مولانا بنارس	ج۶ص۲۱، ۴۳۸
۳۷۶	محمد ادریس مولانا کانپور	ج۷ص۴۴
۳۷۷	محمد امام الدین مولانا رامپور	ج۷ص۷۰
۳۷۸	محمد صدیق مولانا پیلی بھیت	ج۲ص۳۸۵
۳۷۹	محمد برہان الحق، مفتی مولانا جبل پور	ج۲ص۳۰۵
۳۸۰	محمد افضل بخاری مولانا	
۳۸۱	محمد الدین مجددی مولانا گجرات بھڑوچ	ج۲ص۳۵۲
۳۸۲	محمد عبدالباری مولانا مراد آباد	ج۲ص۳۱۴؛ ج۳ص۲۷۸، ۵۸۴، ۶۴۷؛ ج۱۰ثانی ص ۲۵۲
۳۸۳	محمد رضا علی مولانا بنارس	ج۲ص۱۶۵
۳۸۴	محمد عبدالحمید پانی پتی، چشتی فریدی، مولانا بنارس	ج۲ص۴۴؛ ج۴ص۶۵۲؛ ج۶ص۳۲
۳۸۵	مودود الحسن شہسوانی مولانا	ج۲ص۲۸
۳۸۶	محمد رضا خان عرف ننھے میاں مولانا بریلی	ج۲ص۱۸۰
۳۸۷	محمد یحیٰی مولانا رامپور	ج۲ص۲۰۱؛ ج۳ص۱۰۵
۳۸۸	محمد اسمٰعیل، قاضی مولانا ضلع اودے پور	ج۱ص۵۷۰، ۵۷۷
۳۸۹	محمد یقین الدین مولانا ناگپور	ج۳ص۱۴۸
۳۹۰	محمد محسن مولانا جونپور	ج۱ص۵۸۱
۳۹۱	محمد یعقوب ارکانی مولانا رامپور	ج۱ص۳۲
۳۹۲	محمد اسمٰعیل مولانا شہر پور بندر	ج۵ص۴۲۹
۳۹۳	محمد فضل قادری فاروقی مولانا	
۳۹۴	ممنون حسن مولانا بنارس	ج۱۰ثانی ص ۴۳
۳۹۵	محمد معصوم شاہ پیرزادہ مولانا ملک گجرات	ج۱۰ثانی ص ۶۵

۳۹۶	محمد عبدالمجید خان یوسف زئی وکیل علی گڑھ	ج۱۰ثانی ص ۷۳
۳۹۷	معظم علی مولانا حیدرآباد دکن	ج۱۰ثانی ص ۷۳
۳۹۸	محمد علی، سیّد مولانا کانپور	
۳۹۹	محمد عبدالحمید مولانا بنارس	ج۱۰ثانی ص ۷۷
۴۰۰	محمد میاں مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص ۱۰۲
۴۰۱	محمد طاہر رضوی مولانا	ج۱ص ۳۱۵
۴۰۲	محمد ظہورالحق مولانا	ج۳ص ۲۵۷
۴۰۳	میر احمد بنگالی مولانا	ج۶ص ۱۱۹؛ ج۱۱ص ۳۲۴
۴۰۵	محمد میاں، سیّد، صاحبزادہ مولانا ضلع سیتاپور	ج۱ص ۵۷۲
۴۰۶	محمد الہ مولانا ضلع پیرہ	ج۶ص ۲۷
۴۰۷	محمد سلیم خان، مدرس مولانا ضلع ہگلی	ج۶ص ۷۲
۴۰۸	محمد رمضان مولانا ریاست راجپوتانہ	ج۶ص ۴۴، ۴۵
۴۰۹	محمد حسین شاہ، مدرس مولانا مدراس	ج۶ص ۱۸۴
۴۱۰	محمد عبدالرحمٰن مولانا جودھپور	ج۶ص ۲۰۸
۴۱۱	محمد عبدالغنی مولانا امرتسر	ج۶ص ۲۹۷
۴۱۲	محمد سلیمان مولانا کانپور	ج۷ص ۵۲۴
۴۱۳	محمد یار مولانا بہاولپور	ج۷ص ۵۲۹
۴۱۴	محمد عبداللہ، مدرس مولانا علی گڑھ	ج۷ص ۵۳۷
۴۱۵	میاں جان شاہ مولانا رام پور	ج۷ص ۴۷۹
۴۱۶	میر غلام، مدرس مولانا گوجر خان ضلع راولپنڈی	ج۷ص ۵۴۰
۴۱۷	محمود بیگ، مرزا، وکیل مولانا شہر گونڈہ	ج۷ص ۴
۴۱۸	محمد بشیر الدین مولانا کانپور	ج۷ص ۳۶؛ ج۱۰ثانی ص ۳۹
۴۱۹	محمد حشمت علی رضوی، مدرس مولانا بریلی	ج۲، ص ۱۳۹؛ ج۳، ص ۴۰۹؛ ج۵ص ۵۵۳، ۶۶۳۸؛ ج ص ۱۴۰، ۷۰؛ ج۷ص ۴۰، ۱۰۳

۴۲۰	محمود الحسن مولانا گوالیار	ج۴ص۸۷،۱۶۵؛ ج۷ص۵۲۱؛ ج۱۰ثانی ص۱۰۸
۴۲۱	محمود حسن شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی، مولانا	ج۴ص۴۷۴؛ ج۱۰اول ص۵۷،۷۳؛ ج۱۱ص۱۵۵
۴۲۲	محمد اسحاق مولانا ایٹہ	ج۴ص۶۶۱
۴۲۳	محمد عبداللہ میرپوری مولانا میرپور آزاد کشمیر	ج۴ص۴۹۶
۴۲۴	محمد اسمٰعیل محمود آبادی مولانا بریلی	ج۴ص۴۹۸؛ ج۵ص۸۷، ۴۵۳؛ ج۱۰ثانی ص۱۱۹
۴۲۵	محمد سجاد ابوالمحاسن، مدرس، مولانا شہر گیا	ج۴ص۶۸۶
۴۲۶	محمد اقبال مولانا سیالکوٹ	ج۵ص۹۶
۴۲۷	مفیض الرحمٰن، سید، مدرس مولانا ضلع چٹاگانگ	ج۲ص۶،۱۱۹؛ ج۳ص۸۶؛ ج۵ص۴۳۴؛ ج۱۰ثانی ص۱۸۶
۴۲۸	محمد عمر مولانا رائے بریلی	ج۵ص۵۲
۴۲۹	محمد عبدالمجید، مدرس مولانا ریاست گوالیار	ج۵ص۱۹۴
۴۳۰	محمد ابراہیم قادری حنفی مولانا احمد نگر دکن	ج۵ص۱۹۴
۴۳۱	محمد علاء الدین مولانا ضلع ماں بھوم	ج۵ص۱۹۹؛ ج۶ص۳۰
۴۳۲	محمد وصی احمد محدّث سورتی مولانا پیلی بھیت	ج۱ص۳۱۵؛ ج۲ص۱۹۵؛ ج۳ص۲۰۴،۱۷۷،۶۷، ۳۵۲،۵۱۱،۷۱۸،۸۰۵؛ ج۴ص۶۶۹؛ ج۵ص۲۲۸تا ۲۳۸؛ ج۶ص۲۳،۳۶۹،۵۳۱؛ ج۱۰اول ص۳۸،۶۵،
۴۳۳	مظفر علی، سید، مدرس مولانا ضلع رائے پور	ج۶ص۴۹۱
۴۳۴	محمد احسان مولانا پیلی بھیت	ج۳ص۱۴۹
۴۳۵	محمد عبدالعزیز، ابوالرشید مولانا مزنگ لاہور	ج۲ص۳۱۴

۴۳۶	ملا حسن پشاوری مولانا پشاور	ج ۱۰ اول ص ۷۱
۴۳۷	محمد شاہد، سیّد مولانا امروہہ	ج ۱۰ اول ص ۶۰
۴۳۸	مظفر، سیّد، مدرس مولانا لکھنؤ	ج ۷ ص ۱۲۳
۴۳۹	محمد احمد مولانا لکھنؤ	ج ۴ ص ۱۴۲
۴۴۰	محمد اکرم مولانا سلہٹ	ج ۴ ص ۵۳؛ ج ۱۰ اول ص ۱۸۹
۴۴۱	محمد ابراہیم مولانا بنارس	ج ۴ ص ۸۴، ۲۲۱؛ ج ۵ ص ۷۷ ۳؛ ج ۶ ص ۳۳۹
۴۴۲	محمد عمر، ولایتی مولانا مونگیر ملک بہار	ج ۴ ص ۵۲۰
۴۴۳	محمد عارف، ابوسعید مولانا ضلع پیڑا بنگال	ج ۳ ص ۶۰۰
۴۴۴	محمد عبدالجلیل مولانا حیدر آباد دکن	ج ۳ ص ۲۲۷
۴۴۵	محمد ابراہیم شافعی مولانا افریقہ	ج ۳ ص ۲۲۷
۴۴۶	محمد فضل الرحمٰن مولانا فیروز پور پنجاب	ج ۳ ص ۲۸۳، ۷۲۷؛ ج ۵ ص ۴
۴۴۷	محمد دین، جج مولانا چیف کورٹ بہاولپور	ج ۱۱ ص ۱۹۵
۴۴۸	محمد ابراہیم مولانا رنگون سکی	ج ۱۱ ص ۳۲۴
۴۴۹	محمد جمال مولانا ضلع رہتک	ج ۱۱ ص ۳۲۴
۴۵۰	محمد شریف، ابویوسف مولانا سیالکوٹ	ج ۶ ص ۳۱۹
۴۵۱	محمد سلیمان اشرف، سیّد، بہاری، مولانا علی گڑھ	ج ۳ ص ۵۹۹؛ ج ۵ ص ۶۴۸؛ ج ۶ ص ۱۱۰
۴۵۲	محمد عبدالرشید مولانا حصار	ج ۲ ص ۷۵ ۳
۴۵۳	محمد احسان الحق مولانا	جواب رسالہ تجلیۃ السلم فی مسائل من وصف العلم ص ۳
۴۵۴	محمد عبدالکریم مولانا کلکتہ	جواب رسالہ تجلیۃ السلم فی مسائل من وصف العلم ص ۴۱
۴۵۵	محمد سلطان الدین مولانا بنگال	ج ۳ ص ۵۷
۴۵۶	محمد عمر مولانا رام پور	جواب رسالہ فضل الموہبی ص ۲۶
۴۵۷	میر احسان علی مولانا ہوڑہ	ج ۵ ص ۱۷۷
۴۵۸	نور خاں محرر مولانا فتح پور	ج ۵ ص ۱۸۱

۴۵۹	محمد ابراہیم خان وکیل مولانا راجپوتانہ	ج۵ص۴۵۸
۴۶۰	محمد آصف، سیّد مولانا کان پور	ج۵ص۹۷۴؛ج۶ص۴، ۶۸، ۱۴۱، ۱۸۰؛ ج۳ص۵۱۰
۴۶۱	محمد فاضل مولانا پنجاب	ج۵ص۱۱۷
۴۶۲	محمد حسین مولانا میرٹھ	ج۲ص۲؛ج۴ص۸۶، ۳۸۰، ۴۲۳
۴۶۳	محمد ابراہیم، سیّد، مدنی مولانا کلکتہ	ج۵ص۲۸۷؛ج۴ص۵۹۹، ۶۱۳
۴۶۴	محمد سلیم مولانا رائے پور	ج۵ص۳۹۷
۴۶۵	محمد اسمٰعیل، مدرس مولانا ضلع گیا	ج۳ص۲۵۸، ۸۱۴
۴۶۶	محمد عبدالحافظ، مدرس مولانا میمن سنگھ	ج۳ص۸۰۸
۴۶۷	محمد جہانگیر مولانا اسٹیشن باندرہ	ج۳ص۱۴۷
۴۶۸	محمد واحد مولانا برھما	ج۳ص۶۴۷؛ج۱۰ثانی ص ۱۴۴، ۱۴۶
۴۶۹	ممتاز الدین مولانا ضلع سلہٹ	ج۳ص۷۰۷
۴۷۰	محمد عبدالرؤف مولانا بریلی	ج۳ص۵۹۰
۴۷۱	محمد حیات مولانا سلیپور	ج۷ص۴۱
۴۷۲	محمد ابوذر مولانا مرادآباد	ج۱۰ثانی ص۱۰۱
۴۷۳	محمود حسن مولانا مراد آباد	ج۱۰ثانی ص۱۱۷
۴۷۴	میاں محمد، سید مولانا لکھنؤ	ج۱۰ثانی ص۱۲۰
۴۷۵	محمد بہاء الدین مولانا غازی پور	ج۱۰ثانی ص۱۴۱
۴۷۶	محمد قاسم قریشی مولانا ڈسکہ سیالکوٹ	ج۱۰ثانی ص۱۵۸، ۲۰۶
۴۷۷	محمد حسین مولانا جوناگڑھ	ج۱۰ثانی ص۱۷۰
۴۷۸	محمد سلیمان، مدرس مولانا کانپور	ج۱۰ثانی ص۱۸۷
۴۷۹	محمد عبدالقادر، مدرس مولانا ضلع پاپنہ	ج۱۰ثانی ص۱۷۹
۴۸۰	منیر الدین بنگالی مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص۱۸۶
۴۸۱	محمد اکبر علی مولانا حیدرآباد دکن	ج۱۰ثانی ص۱۹۵
۴۸۲	محمد جعفر مولانا مبارک پور	ج۱۰ثانی ص۲۰۲

۴۸۳	محمد عین اللہ مولانا بلرام پور گونڈہ	ج۱۰ثانی ص ۲۰۴
۴۸۴	محمد فیض اللہ مولانا ضلع سیتاپور	ج۱۰ثانی ص ۲۰۰
۴۸۵	محمد ارشاد مولانا مہرام ضلع ہوگلی	ج۵ص ۴۶۶
۴۸۶	محمد سراج الحق	ج۵ص ۳۷۸، ۴۱۹
۴۸۷	محمد حسین مولانا بمبئی	ج۵ص ۴۸۷
۴۸۸	محمد سلیم مولانا مارہرہ مطہرہ	ج۵ص ۲۰۰
۴۸۹	محبوب علی شاہ مولانا	ج۵ص ۷۷۷
۴۹۰	محمد آصف، وکیل مولانا	ج۵ص ۷۱۲
۴۹۱	محمد صدیق مولانا پیلی بھیت	ج۲ص ۳۶۶
۴۹۲	محمد تقی قادری مولانا ضلع ہردوئی	ج۴ص ۱۹۸
۴۹۳	محمد نوراللہ اشرفی مولانا شہر کہنہ	ج۴ص ۶۶۲
۴۹۴	محمد عبدالقادر بدایونی مولانا مرزاپور	ج۴ص ۴۷۶
۴۹۶	محمد طاہر، مدرس مولانا ضلع پورینہ	ج۳ص ۷۵۴
۴۹۷	محمد ظہورالحسن مولانا	ج۳ص ۱۳۰
۴۹۸	محمد احمد مفتی مولانا	ج۱۰ثانی ص ۲۶۴
۴۹۹	مقیم الدین دامانی مولانا ضلع ہردوئی	ج۱۰ثانی ص ۲۸۲
۵۰۰	محمد ثناء اللہ مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ص ۲۸۴
۵۰۱	محمد احمد، حکیم، علوی مولانا مین پوری	ج۱۰ثانی ص ۲۹۲
۵۰۲	محمد حبیب اللہ مولانا دہلی	ج۱۰ثانی ص ۳۰۲
۵۰۳	محمد اسحاق مولانا سہارن پور	ج۱۰ثانی ص ۳۰۵
۵۰۴	محمد عمر، قادری مولانا بنارس	ج۱۰ثانی ص ۲۹۳
۵۰۵	میر اللہ مولانا بریلی	ج۵ص ۱۶۹

ن

۵۰۶	نذر امام، مدرس مولانا سہسوان	ج۱ص ۳۰۵

٥٠٧	نذیر احمد مولانا پیگا	ج۷ص۱۷
٥٠٨	نبی بخش، ابوطاہر مولانا بہار شریف	ج۶ص۵۵
٥٠٩	نور احمد ہزاروی مولانا کانپور	ج۶ص۴۲۷
٥١٠	نظام الدین مولانا چک	۲۲۴ج۶ص۷۲
٥١١	نور احمد فریدی مولانا بہاولپور	ج۵ص۱۷۱؛ ج۶ص۱۳۲
٥١٢	نذیر احمد، سید مولانا الہ آباد	ج۶ص۱۴۹، ۴۷۴
٥١٣	نذر محمد خان مولانا رہتک	ج۵ص۳۷۶؛ ج۶ص۳۱۸
٥١٤	نجم النبی، حکیم مولانا رامپور	ج۷ص۳۴۴
٥١٥	نوشہ علی مولانا	ج۱۰اول ص۱۶۴
٥١٦	نور الدین احمد مولانا گوالیار	ج۳ص۳۹۳، ۴۵۹، ۶۸۷؛ ج۱۰اول ص۸۶
٥١٧	نثار احمد مولانا کانپور	ج۳ص۳۶۷
٥١٨	نور محمد مولانا بہاولپور	ج۷ص۴۴۳
٥١٩	نعیم الدین، صدر الافاضل مولانا مراد آباد	ج۳ص۷۲۸
٥٢٠	نور الہدیٰ مولانا پٹنہ	ج۳ص۷۰۳
٥٢١	نور اللہ مولانا پیلی بھیت	ج۱۰ثانی ص۸۷
٥٢٢	نذیر احمد مولانا بریلی	ج۱۰ثانی ۱۶۰، ۱۶۱
٥٢٣	نبی محمد مولانا گوالیار	ج۱۰ثانی ص۲۷۲
٥٢٤	نجف خان مولانا	ج۱۰ثانی ۸۸
٥٢٥	نیاز محمد خان بدایوں مولانا مانوگاچہ پیراک	ج۴ص۴۷۵
٥٢٦	نعیم اللہ فخری چشتی نظامی قادری، مولانا لکھنؤ	ج۵ص۴۴۲
٥٢٧	نور خان مولانا	ج۵ص۱۸۱

و

٥٢٨	وصی علی مولانا ٹاوہ کچہری	ج۴ص۴۱۲؛ ج۵ص۱۲۲؛ ج۱۰اول ص۸۳، ۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۵۲۹	ولی اللہ، سید مولانا ٹونک	ج۵ص ۶۹۵
۵۳۰	وزیر احمد مولانا اودے پور راجپوتانہ	ج۳ص۱۴۱؛ ج۶ص ۴۸۴؛ ج۷، ص۳۹؛ ج۱۰ثانی ص ۱۹۳، ۲۶۱
۵۳۱	ولایت حسین مولانا بریلی	ج۷ص ۱۰۳
۵۳۲	ولی الحسن، مدرس مولانا دار جلنگ	ج۱۰ثانی ۳۰۳
۵۳۳	وکیل الدین مولانا بریلی	ج۲ص ۶۷۳؛ ج۳ص ۶۴۶
۵۳۴	ولی اللہ مولانا کلکتہ	ج۶ص ۱۹۵
۵۳۵	ولی محمد مولانا ہلکر اندور بازار بمبئی	ج۵ص ۸۵

ہ

۵۳۶	ہدایت اللہ خان مولانا ہلکر اندور بازار بمبئی	ج۷ص ۳۰۰
۵۳۷	ہدایت رسول مولانا ہلکر اندور بازار بمبئی	ج۷ص ۴۸۵
۵۳۸	ہدایت رسول مولانا بمبئی ج۱۰اول ص ۲۰۷	

ی

۵۳۹	یقین الدین مولانا نرسنگھ پور کندیلی	ج۵ص ۱۰۸
۵۴۰	یعقوب علی مولانا	ج۶ص ۴۱۶
۵۴۱	یقین الدین مولانا اکولہ	ج۱۰اول ص ۴۱

مآخذ

اس مقالے کی تیاری میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی درج ذیل تصانیف کو پیش نظر رکھا گیا:

- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۱ ________ رضا اکیڈمی
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۲۱ ________ سُنّی دار الاشاعت، فیصل آباد
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۳۱ ________ سُنّی دار الاشاعت، فیصل آباد
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۴۱ ________ سُنّی دار الاشاعت، فیصل آباد
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۵۱ ________ سُنّی دار الاشاعت، فیصل آباد
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۶۱ ________ سُنّی دار الاشاعت، مبارک پور اعظم گڑھ
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۷ ________ سُنّی دار الاشاعت، مبارک پور اعظم گڑھ
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۱۰ ________ مکتبہ رضا ایوان عرفان ضلع پیلی بھیت
- العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ۱۱ ________ ادارہ اشاعت تصنیفاتِ رضا، بریلی شریف
- رسائل رضویہ ________ جلد ۱ ________ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- رسائل رضویہ ________ جلد ۲ ________ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- رسائل رضویہ ________ جلد ۳ ________ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- معین مبین بہر دور شمس و سکون زمین ________ مرکزی مجلس رضا، لاہور
- تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم ________ مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر
- الفضل الموہبی اذا صح الحدیث فہو مذہبی ________ مرکزی مجلس رضا، لاہور
- فتاوٰی افریقہ ________ مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی
- ملفوظات شریف ________ حامد اینڈ کمپنی، لاہور

فہرست جلد اوّل [1]

ابواب و مسائل

کلماتِ آغاز		اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام [2]	١٠٣
مرجع العلماء		بے مثال تحقیقات سے اس کا ثبوت کہ ہمیشہ ہر مسئلہ میں قولِ امام ہی پر فتوی ہے۔	
خطبہ کتاب (نوے اسماءِ ائمہ وکتبِ فقہ پر مشتمل)	٨٩		
فقہ حنفی میں حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم تک مصنّف کی سند	٩٧		

www.dawateislami.net

[1] امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ اپنے دور کے عظیم عبقری مفکر اور مفتی تھے۔ انہوں نے آج سے پچھتّر سال پہلے جلد اول کی ترتیب دیتے وقت بھی عالی فکری کا ثبوت دیا، وہ یوں کہ تین فہرستیں تیار کیں: (۱) مضامینِ کتاب (۲) ضمنی مسائل (۳) رسائل۔ جبکہ اس دور میں اتنی فہرستیں تیار کرنے کا رواج نہ تھا، جلد اول کی فہرست کے ابتداء میں انہوں نے ایک نوٹ لکھا تھا جو ذیل میں بلفظہٖ نقل کیا جارہا ہے۔ (مرتّب)
"یہ جلد صرف باب التیمّم تک ہے، خیال تھا کہ بارہ جلدوں میں ہر جلد ٨٠٠ صفحوں کی کی جائے پہلی جلد میں پوری کتاب الطہارۃ ہو مگر فقط باب التیمم تک ساڑھے آٹھ سو صفحے ہوگئے لہٰذا یہ جلد اسی قدر پر ختم کی۔ بظاہر اس میں صرف ١١٤ فتوے اور ٢٨ رسالے ہیں مگر بحمد اللہ تعالٰی ہزارہا مسائل پر مشتمل ہے جن میں صدہا وہ ہیں کہ اس کتاب کے سوا کہیں نہ ملیں گے۔ ہم اوّلًا ان مسائل کی مجمل فہرست دیں جو اس جلد میں مذکور ہیں پھر اجمالًا فہرستِ رسائل۔

فہرست رسائل: باب تیمّم تک جو مسائل ہیں وہ اصالۃً ان ابواب کے ہیں اور ضمناً تحقیق مسائل وبیان دلائل میں باب التیمم سے آگے ابواب طہارت پھر نماز سے فرائض تک ابوابِ فقہ کے مختلف مسئلے پھر علم فقہ کے علاوہ اور علوم مثل علم عقائد وعلمِ حدیث و علم اصول وعلمِ ہندسہ وریاضی وغیرہا کے مسائل ہیں لہٰذا مناسب ہوا کہ فہرستِ مسائل دو حصے ہو ـــــــ مسائل ابواب جلد کہ باب التیمم تک ہیں پھر مسائل ضمنیہ کہ دیگر ابوابِ طہارت ونماز وغیرہ ابوابِ فقہ ودیگر علوم کے ضمناً مذکور ہوئے۔"

[2] یہ رسالہ چونکہ رسم المفتی (قواعد افتاء) سے متعلق ہے اس لئے جلد اول کی ابتدا میں درج کیا جارہا ہے۔ (مرتّب)

کتاب الطہارۃ	۲۳۹	مواضع ضرورت میں کسی سخت چیز کا لگارہ جانا	۲۸۹
باب الوضوء	۲۳۹	وضو و غسل میں واجب اصطلاحی کوئی نہیں	۲۹۳
فتوٰی نمبر ۱ تفصیل فرائض وواجبات وضو	۲۳۹	وضو کی ابتدا میں بسم اللہ صرف سنّت ہے	۲۹۳
وضو میں چار فرض اعتقادی ہیں۔	۲۴۶	**فتوٰی نمبر ۲** مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو۔	۳۰۹
وضو میں آنکھیں زور سے نہ بند کرے مگر وضو ہو جائے گا۔	۲۶۵	**فتوٰی نمبر ۳** وضو کے بعد کپڑے سے اعضاء پونچھنے کا حکم	۳۱۳
کن چیزوں کا بدن پر لگارہ جانا وضو و غسل کا مانع نہیں۔	۲۶۹	وضو کا پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا۔	۳۱۴
عورت کے بدن پر مہندی کا جرم لگارہ گیا۔	۲۷۰	وضو و غسل میں ہاتھ جھٹکنے کا کیا حکم ہے؟	۳۲۲
وضو کیا اور آنکھ کے کوئے میں سرمہ رہ گیا۔	۲۷۰	تنبیہ آنچل اور دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا کیسا ہے۔	۳۳۱
کاتب کے ناخن پر روشنائی رہ گئی۔	۲۷۱	**فتوٰی ۴** تانبے کے برتن سے وضو کیسا ہے؟	۳۳۶
بے اپنے قصد کے بدن پر پانی پہنچ گیا طہارت ہو گئی۔	۲۷۵	وضو کے وقت ناف سے زانو کے نیچے تک بدن چھپا ہونا چاہئے بلکہ بلاضرورت کسی وقت بھی نہ کھلے۔	۴۷۰
تحقیق ان غسل الرجلین مجمع علیه	۲۷۹	وضو میں پچیس جگہ ہیں جن کی خاص احتیاط مرد و عورت سب پر لازم ہے۔	۵۹۸
وضو میں بارہ فرض عملی ہیں۔	۲۸۱	وضو میں پانچ مواقع اور ہیں جن کی احتیاط خاص مردوں پر لازم ہے۔	۵۹۹
لب خوب زور سے بند کر لیے اور کلّی نہ کی وضو نہ ہوگا۔	۲۸۱	وضو کے لئے پانی لے کر بیٹھنا یاد ہے اور وضو کرنا یاد نہیں تو وضو سمجھا جائے گا۔	۷۴۹
بھووں اور مونچھوں اور بچّی کے بالوں کا حکم۔	۲۸۱	وضو میں منہ کے بعد دونوں ہاتھ سرِ ناخن سے کہنیوں تک تین بار دھوئے۔	۷۹۹
کتنی داڑھی کا دھونا وضو میں فرض ہے اور کتنی کا مستحب؟	۲۸۲	وضو سے پہلے گٹّوں تک تین بار ہاتھ دھونا مطلقاً سنّت ہے اور کسی نجاست تک پہنچنے کا احتمال ہو تو سنت مؤکدہ۔	۸۰۰
وضو میں کنپٹیوں پر بھی پانی بہانا فرض ہے۔	۲۸۴		
وضو میں انگوٹھی وغیرہ گہنوں کا حکم۔	۲۸۵		
سر کے نیچے جو بال لٹکتے ہیں ان کا مسح کافی نہیں۔	۲۸۵		
ٹوپی اور دوپٹّے پر سے مسح میں کیا حکم ہے؟	۲۸۵		
کتنا پانی بہنے میں دھونا صادق آئے گا۔	۲۸۷		

اس کا بیان کہ مسواک وضو کی سنّت ہے یا نماز کی؟	۸۰۴	وضو میں انگوٹھی اور غسل میں بالی کا حکم	۸۹۸
اس امر کی تحقیق کہ مسواک قبل وضو ہے یا کلی کرتے میں؟	۸۰۴	وضو میں پانی زور سے ڈالنا مکروہ ہے۔	۸۹۸
مسواک ہوتے ہوئے انگلی سے مانجھنا کافی نہیں، مگر عورتوں کو مسی کفایت کرتی ہے۔	۸۱۰	اعضاء کامل مل کر دھونا وضو اور غسل میں سنت ہے۔	۸۹۸
اس امر کی تحقیق کہ وضو میں مسواک سنت ہے، یا مستحب؟	۸۱۳	اعضائے وضو دھونے میں حدِ شرعی پوری ہونے میں شبہ نہ رہے واجب ہے۔	۸۹۹
وضو سے گناہ دُھلنے کی حدیثیں	۸۲۸	وضو میں داہنے سے ابتدا کرنا سنّت ہے	۹۰۰
مسواک پہلے اور بعد تین تین بار دھوئیں	۸۳۷	وضو میں ترتیب سنّت ہے یہاں تک کہ کُلّی کرنے ناک میں پانی ڈالنے کی کیا حد ہے کہ وضو میں جس کے ترک سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں اور غسل میں ترک سے نماز ہی نہیں ہوتی؟	۹۰۴
تمباکو کھانے پینے والوں کے لئے کہاں تک مسواک واجب ہے اور ان کے امتحان کا طریقہ	۸۳۸	وضو میں ترکِ نیّت کی عادت گناہ ہے۔	۹۱۴
پان کے عادیوں کو کلّیوں میں کتنی احتیاط لازم	۸۳۸	طہارت میں ہر عضو پورا تین بار دھونا سنتِ مؤکدہ ہے ترک کی عادت سے گنہگار ہوگا۔	۹۱۵
نماز میں منہ کی کمال صفائی کرے ورنہ فرشتوں کو ایذا ہوتی ہے۔	۸۳۹	اعضا میں تین بار دھونے کے معنی جس کے ترک کی عادت سے لوگ گنہگار ہوتے ہیں اور بہت کی نماز ہی نہیں ہوتی۔	۹۱۵
وہ پانی جو مقدارِ وضو بتایا گیا ہے ہاتھ دھونا کلی کرنا ناک میں ڈالنا اسی میں محسوب ہے یا الگ؟	۸۴۱	ضرورت کے لئے اعضا ایک ایک بار دھونا جائز ہے۔	۹۱۶
اجماع ہے کہ وضو و غسل میں پانی کی کوئی حد مقرر نہیں۔	۸۴۲	اُن صحیح فرضوں کا بیان جن کی وجہ سے اعضاء کا تین تین بار سے زیادہ دھونا جائز یا محمود ہے۔	۹۲۱
وضو میں غرہ و تحجیل کا بڑھانا مستحب ہے اور اس کے معنی کا بیان	۸۴۷	تجدید وضو کے استحباب میں مصنف کی تحقیق	۹۲۴
سب کے لئے وضو و غسل میں پانی کی ایک مقدار مقرر ہونا محض باطل ہے۔	۸۵۵		
وضو یا غسل میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنے کا کیا حکم ہے اور اس باب میں مصنّف کی تحقیق مفرد۔	۸۵۷		

ہر وقت باوضو رہنے کی فضیلتیں	۹۴۴	ہر عضو دھو کر اس کا پانی ہاتھ سے صاف کردیں۔	۱۰۳۷
تازہ وضو کی فضیلت	۹۴۵	وضو میں پانی ناخنوں کی طرف سے ڈالا جائے نہ اُدھر سے۔	۱۰۴۲
مصنّف کی تحقیق وضو و غسلِ مستحب مقصود بالذات بھی ہیں	۹۵۰	دفعِ وسواس کی دُعائیں اور علاج	۱۰۴۲
وضوئے مستحب بے نیت ادا نہ ہوگا۔	۹۵۱	وضو کے بعد رومالی پر چھینٹا دینا سنّت ہے۔	۱۰۴۹
مصنف کی تحقیق کہ وضوئے تازہ کے لئے مجلس بدلنے کی بھی حاجت نہیں۔	۹۵۷	رومالی پر چھینٹا دینے میں چند باتیں ملحوظ رہیں۔	۱۰۵۵
اُن صورتوں کا بیان جن میں تازہ وضو کرنا مطلقاً بالاتفاق مستحب ہے۔	۹۶۳	وضو میں دستہ دار لوٹے کا دستہ تھامے اُس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھے۔	۱۰۵۵
بغل میں بدبو ہو تو اس کے کھجانے سے وضو مستحب ہے۔	۹۷۲	وضو سے پہلے تین بار دستہ دھونا مستحب ہے۔	۱۰۵۶
جذامی اور برص والے سے مس کرنے میں جدید وضو مستحب ہے۔	۹۷۲	مستحب ہے کہ وضو مٹی کے برتن سے کرے	۱۰۵۶
معبودانِ کفّار کے چُھونے سے نیا وضو چاہیے۔	۹۷۲	منہ دھونے میں پانی کہاں سے ڈالا جائے؟	۱۰۶۸
جن باتوں سے اعادہ وضو مستحب ہے وضو کرتے میں ہوں تو سرے سے وضو مستحب ہوگا۔	۹۷۶	پانی خود بہنا ضروری ہے ہاتھ کے ذریعہ سے پہنچانا کافی نہیں۔	۱۰۶۹
وضو میں ممانعتِ اسراف کی حدیثیں	۹۸۶	**فصل فی النواقض**	
وضو میں مقدار سے زیادت کے بارے میں مصنّف کی تحقیق۔	۹۸۸	**فتوی ۵** وضو کرتے میں ناقضِ وضوء واقع ہو تو سرے سے وضو کرے۔	۳۳۷
وہ باتیں جن کے لحاظ سے وضو میں پانی کم خرچ ہو۔	۱۰۳۴	پانی چلّو میں لیا اور حدث واقع ہوا۔	۳۳۸
وضو احتیاط کے ساتھ کیا جائے عوام میں جو مشہور ہے کہ وضو جوانوں کا سا کرے غلط ہے۔	۱۰۳۴	**فتوی ۶** تھوک میں خون کا اثر ظاہر ہونا	۳۴۱
عضو دھونے سے پہلے بھیگا ہاتھ پھیرنا مستحب ہے خصوصاً جاڑوں میں۔	۱۰۳۵	**فتوی ۷** زکام بہنے سے وضو نہیں جاتا	۳۴۷
		بلغم کی قے سے وضو نہیں جاتا	۳۴۸
		مرض سے جو پانی آنکھ وغیرہ سے بہے وضو نہ رہے گا۔	۳۴۹
		رال بہنے سے وضو نہیں جاتا	۳۵۰
		بدن سے کسی پاک رطوبت کا نکلنا ناقضِ وضو نہیں	۳۵۱

حدث ونجس کی نسبتوں میں مصنّف کی تحقیق	۳۵۴	خون یاریم آبلے کے منہ تک آیا اور نہ بہا	۳۷۱
شراب کی قے کا حکم	۳۵۵	دانوں کی چپک یا چھنکے ہوئے خون سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا نہ وضو جائے۔	۳۷۱
مرض سے جو رطوبت بہے اگر اس میں خون وغیرہ نجس کی آمیزش کا احتمال نہیں تو پاک ہے اس سے وضو نہ جائے گا۔	۳۵۶	بہنے قابل خون یاریم کپڑے میں لگ لگ کر بہ نہ سکا تو کیا حکم ہے؟	۳۷۱
ناف سے زرد پانی بہا۔	۳۵۷	جو خون اُبھر کر رہ جائے پاک ہے اور ناقضِ وضو نہیں۔	۳۷۱
دانے کا پانی اگر نتھرا ہو ناقضِ وضو ہے۔	۳۵۷	خون یاریم بار بار پونچھ لیا تو وضو اور کپڑے کا کیا حکم ہے؟	۳۷۱
اندھے کی آنکھ سے جو رطوبت بہے ناقضِ وضو ہے۔	۳۵۸	خون بار بار اُبھرا اور مٹی ڈال دی تو وضو کا کیا حکم ہے؟	۳۷۱
دانے کھجلی سے نتھرا پانی اگر بکثرت نکلے تو ضرورت کے لیے اس قول پر عمل کرسکتے ہیں کہ وضو نہ جائے گا جبکہ بالکل صاف ہو۔	۳۶۳	ایک جلسہ میں جتنا خون بار بار نکلا وہ بہتا یا نہیں یہ اندازہ پر ہے۔	۳۷۲
نارو کا ڈورا نکلنے سے وضو نہ جائے گا۔	۳۶۴	جو خون یا پیپ آنکھ سے بہ کر آنکھ سے نہ نکلے نہ ناپاک ہے نہ ناقضِ وضو۔	۳۷۲
نارو سے رطوبت بہے تو وضو جاتا رہے گا۔	۳۶۴	ناک کی ہڈی تک خون اُترا اور نرم حصے تک نہ آیا تو وضو نہ جائے گا۔	۳۷۲
بحران کے پسینہ سے وضو نہیں جاتا	۳۶۴	پٹی کے اندر جو خون نکلا اس کا کیا حکم ہے۔	۳۷۳
جسے نکسیر کا عارضہ ہوا کرتا ہے اس کی ناک سے ریزش سرخی لئے آئے وضو نہ رہے گا۔	۳۶۵	قطرہ اگر عضوِ تناسل کے اندر بہے اور منہ پر نہ آئے تو وضو نہ جائے گا اور خون میں یہ بھی شرط ہے کہ باہر نکل کر بہے۔	۳۷۴
مصنف کی تحقیق کہ جو پاک رطوبتیں بدن سے عادۃً نکلتی ہیں وہ اگر بطورِ مرض بھی بہیں وضو نہ جائے گا۔	۳۶۷	ناک یا دانت سے انگلی پر بار بار خون لگ آیا تو وضو گیا یا نہیں۔	۳۷۷
خون چھنکنے اُبھرنے بہنے کے فرق واحکام	۳۶۹	قے منہ بھر کر ناقضِ وضو ہے اور تھوڑی تھوڑی آئے تو کیا حکم ہے؟	۳۷۹
فتوٰی ۸ خون چھنکنا اور کپڑے میں لگنا اور دانے کی چپک	۳۶۹		
ناک سے انگلی یا دانتوں سے مسواک میں خون لگ آیا یا چھنکا ہوا خون ہاتھ یا کپڑے میں لگ گیا تو کیا حکم ہے؟	۳۷۰		

حیض وغیرہ نجاست جب تک فرج داخل سے باہر نہ ہو اُس سے وضو وغسل کچھ نہیں۔	۴۲۱	**فتوٰی ۱۰** پھڑیا اچھی ہوگئی اس کے خلا میں پانی بھر کے نکل جانا ناقضِ وضو نہیں۔	۴۷۴
بول وبراز جب تک سوراخ کے منہ پر ظاہر نہ ہو وضو نہ جائے گا۔	۴۲۶	پھڑیا میں ابھی رطوبت باقی ہے اُس کے خلا میں پانی بھر کر نکلا تو وضو جاتا رہا۔	۴۷۶
وضو کے بعد پانی سے استنجا کس صورت میں ناقضِ وضو ہے؟	۴۲۷	معدہ میں جاکر پانی اگرچہ اسی وقت لوٹ آئے ناپاک وناقضِ وضو ہے جبکہ منہ بھر کر ہو۔	۴۷۶
کھٹمل مچھر پسّو کے کاٹے سے وضو نہیں جاتا جونک اور کلّی میں تفصیل ہے۔	۴۲۹	پانی معدہ تک نہ پہنچا تھا کہ اُچّھو سے نکل گیا پاک ہے اور وضو نہ جائے گا۔	۴۷۷
ورم سے خون وغیرہ نکلا اسی پر بہا صحیح بدن تک نہ پہنچا وضو جاتا رہے گا اگرچہ موضع ورم پر مسح نہ کرسکے	۴۳۴	کیڑے اور سانپ کی قے ناقضِ وضو نہیں اگرچہ منہ بھر کر ہو۔	۴۸۰
زخم کے اندر اندر خون کا بہنا ناقضِ وضو نہیں جب تک منہ پر آکر نہ ڈھلکے۔	۴۵۱	**فتوٰی ۱۱** کس طرح سونے سے وضو جاتا ہے۔	۴۸۷
ایک زخم لمبا اور باریک ہے خون اس میں دورہ کرے اور اس کے لبوں سے ابھر کر نہ ڈھلکے ظاہراً وضو نہ جائے گا۔	۴۵۲	نیند دو شرطوں سے ناقض ہوتی ہے۔	۴۸۸
چوڑے زخم کا بھی یہی حکم ہے	۴۵۳	سونے کی دس صورتیں جن سے وضو نہیں جاتا۔	۴۸۸
جو خون تھوڑا تھوڑا بار بار نکلے اس میں وقتِ ضرورت کے لئے ایک آسان فتوٰی	۴۵۶	کرسی مونڈھے پر پاؤں لٹکائے ہوئے بیٹھا سو گیا وضو نہ جائے گا جبکہ کرسی انگریزی ساخت کی نہ ہو۔	۴۸۸
فتوٰی ۹ دوڑنے یا کُودنے یا اپنا یا پرایا ستّر دیکھنے سے وضو نہیں جاتا۔	۴۷۰	زین سواری کا سونا ناقضِ وضو نہیں۔	۴۸۹
بلندی سے گرنے میں وضو نہ جائے گا۔	۴۷۲	ننگی پیٹھ پر سوار کا سونا۔	۴۸۹
کسی کام میں مستغرق ہوجانے سے وضو نہیں جاتا۔	۴۷۲	تکیہ لگائے سونے کا حکم	۴۸۹
منی کہ بے شہوت جُدا ہوئی تھی اس کا نکلنا وضو واجب کرتا ہے غسل نہیں۔	۴۷۳	کھڑے بیٹھے رکوع سجود کی ہیأت پر سونے کا حکم۔	۴۸۹
		سونے کی دس ۱۰ صورتیں جن سے وضو جاتا ہے۔	۴۹۰
		کاٹھی پر سواری میں سونے کا حکم	۴۹۰
		سجدہ زنانہ میں سونا ناقضِ وضو ہے سجدہ مردانہ نہیں	۴۹۰

گرم تنور کے کنارے سونے کا حکم	۴۹۰	قطرے یا ریح کے شبہ سے وضو نہیں جاتا۔	۱۰۴۹
نیند کی سب صورتوں میں نماز و غیرِ نماز کا ایک حکم ہے۔	۴۹۱	غسل میں عورت کو چوٹی کھولنا ضرور ہے یا نہیں؟	۲۷۳
بیمار لیٹ کر نماز پڑھتا تھا نیند آگئی وضو نہ رہا	۴۹۱	غسل کے بعد اعضا پونچھنے کا حکم	۳۱۸
نماز میں سو جانے کے احکام	۴۹۱	نہ پونچھنا ضرر دے تو پونچھنا ضرور ہے	۳۱۸
اونگھنے کا حکم	۴۹۱	غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلّے میں رکھا جانا ظاہر ہے	۳۲۸
بیٹھے بیٹھے جھونکے لینے سے وضو نہیں جاتا	۴۹۱	غسل میں فرج داخل اندر سے دھونا فقط مستحب ہے واجب نہیں۔	۴۲۴
جھوم کر گر پڑا معاً آنکھ کھل گئی وضو نہ گیا	۴۹۲	**فتوٰی ۱۲ فرائضِ غسل**	۵۹۱
سوتے میں اس شکل پر سو گیا جس سے وضو جاتا ہے مگر فوراً آنکھ کھل گئی وضو نہ گیا۔	۴۹۲	دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں میں سخت چیز جمی ہو تو چھڑانا یا مسی کی ریخیں جن کے چھڑانے میں ضرر ہو معاف ہیں۔	۵۹۳
کبھی آدمی سو جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ نہیں سویا اس کا ضروری بیان	۴۹۲	وضو و غسل میں غرغرہ سنّت ہے مگر روزہ دار کو مکروہ۔	۵۹۴
نیند بوجہ ظنِ ریح ناقض ہے نہ خود	۵۷۲	غسل میں منہ اور ناک کا کتنا دھونا فرض ہے؟	۵۹۵
قہقہہ سے وضو جانے کا بیان	۵۷۹	ناک میں جو کثافت جمی ہو اس کا چھڑانا غسل میں فرض ہے اور وضو میں سنّت۔	۵۹۶
جنون ناقضِ وضو ہے	۵۷۹	ناک میں کہاں تک پانی چڑھانے کا حکم ہے وضو و غسل کی بے احتیاطیاں جن سے نماز نہیں ہوتی۔	۵۹۶
بوہرا ہو جانے سے وضو نہیں جاتا	۵۷۹	غسل میں بائیس ۲۲ جگہ اور ہیں جن کی احتیاط مرد و عورت سب پر لازم۔	۶۰۲
غشی و بیہوشی بوجہ ظنِ ریح ناقض ہیں	۵۸۲		
جسے ریح کا عارضہ حدِ معذوری تک ہو اس کا وضو سونے سے نہ جانا چاہئے۔	۵۸۵		
بیت الخلا میں جانا یاد ہے اور پیشاب کرنا یاد نہیں وضو واجب ہے۔	۷۴۸		
عورت کے دونوں مقام پر وہ شق ہونے سے ایک ہو گئے تو ریح آنے سے اس پر بھی وضو واجب ہے۔	۷۴۹		
سوتے میں دونوں سرین جمے ہوں جب بھی وضو مستحب ہے۔	۹۷۲		

آٹھ مواقعِ احتیاط خاص مردوں کے لئے	۶۰۳	احتلام خوب یاد ہے اور تری نہ دیکھی پھر مذی نکلی غسل نہیں۔	۶۸۶
دس۱۰ مواقع احتیاط خاص عورتوں کے لئے	۶۰۴	جو منی مرد کی پشت اور عورت کے سینہ سے بشہوت جدا ہوئی اس کا نکلنا غسل واجب کرے گا اگرچہ بے شہوت نکلے۔ اس بارے میں مذہب امام ابو یوسف پر عمل کی ایک صورت۔	۶۸۹
احتیاط کی جگہوں میں پانی پہنچنے کا کیسا ظن درکار ہے	۶۰۶	انزال کے بعد پیشاب کرلیا یا سورہا یا بقدرِ کافی چلا پھر منی بے شہوت نکلی دوبارہ غسل نہ ہوگا۔	۶۹۹
اکیس۲۱ مواضع جو پانی بہانے سے بوجہ حرج معاف ہیں۔	۶۰۶	بعد انزال پیشاب وغیرہ کرکے نہالیا پھر کچھ منی بشہوت نکلی دوبارہ نہانا ہوگا۔	۷۰۰
تار سے اگر دانت بندھے ہوں تو ظاہراً اُن پر سے پانی بہادینا کافی ہے۔	۶۰۷	**بحث تعریف الجنابۃ**	۷۰۵
حرج تین قسم ہے	۶۱۰	زوج کی منی عورت کے بدن سے نکلے تو اس پر وضو واجب ہوگا غسل نہیں۔	۷۰۶
فتوٰی ۱۳ گلے سے نہانا اور سر کا مسح	۶۱۱	عورت کو اگر احتلام یاد ہو اور تری نہ پائے تو کیا حکم ہے؟	۷۱۷
بدن کے بعض حصہ کو پانی مضر ہو تو اکثر کا اعتبار ہے۔	۶۱۲	حشفہ غائب نہ ہوا اور منی عورت کے بدن میں چلی جائے تو اس پر غسل نہ ہوگا جب تک حمل رہ جانا ثابت نہ ہو۔	۷۳۹
توجیہ نفیس لمافی غریب الروایۃ	۶۱۴	بکارت زائل نہ ہونا اس پر دلیل ہے کہ حشفہ غائب نہ ہوا	۷۳۹
فتوٰی ۱۴ نہانا مضر ہونے کی مختلف صورتیں اور اُن کے احکام	۶۱۷	سونے سے پہلے شہوت تھی اور جاگ کر تری دیکھی اور احتلام یاد نہیں تو غسل نہ ہوگا جب تک منی ہونا ثابت نہ ہو۔	۷۶۳
فتوٰی ۱۵ ران میں پُھڑیا ہونے کے سبب تیمّم نہیں کرسکتا۔	۶۱۷	جاگ کر تری دیکھنے کے جملہ مسائل میں برابر ہے کہ لیٹا سویا ہو خواہ کھڑا بیٹھا چلتا۔	۷۶۸
فتوٰی ۱۶ تری دیکھی اور خواب یاد نہیں یا خواب یاد ہے اور تری نہ پائی اور ان کے سوا تمام صورتوں کی تفاصیل واحکام۔	۶۲۳		
بیہوشی یا نشہ کے بعد کپڑے پر مذی پانے کا حکم۔	۶۴۳		
تری کپڑے یا ران یا سرِ ذکر میں یکساں ہے	۶۸۳		
نہانے کے بعد بقیہ منی خارج ہو تو کیا حکم ہے؟	۶۸۴		
نماز میں احتلام ہوا اور سلام پھیرنے تک منی نہ نکلی نماز ہوگئی۔	۶۸۵		
احتلام یاد تھا اور اُٹھ کر تری نہ پائی نماز کے بعد تری نکلی نماز ہوگئی غسل اب واجب ہوا۔	۶۸۶		

فتوٰی ۱۷ وضو و غسل میں پانی کی مقدار	۷۷۵	کتب حدیث و تفسیر وفقہ کا باوضو چھونا افضل ہے مگر جہاں آیت لکھی ہو اسے بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے۔	۱۰۷۵
زن و شو باہم ایک برتن سے غسل کرسکتے ہیں اگرچہ برہنہ ہوں اور اس کے متعلق ضروری بات بھی۔	۷۸۳	فتوٰی ۲۲ جنب کو قرآن مجید کی نیت سے آیت کا کوئی ٹکڑا پڑھنا بھی جائز نہیں۔	۱۰۷۷
آبِ غسل و وضو کا اندازہ	۷۹۷	جو آیت یا سورت خالص دعا و ثنا ہو جنب وحائض اسے بہ نیتِ دعا بے نیت قرآن پڑھ سکتے ہیں۔	۱۰۷۸
اس سے علاوہ اور بھی پانی درکار ہیں	۷۹۸	کسی آیت کا اتنا ٹکڑا کہ ایک چھوٹی آیت کے برابر ہو بہ نیت قرآن پڑھنا جنب وحائض کو بالاتفاق ممنوع ہے۔	۱۰۸۰
اسراف ووسوسہ نہ ہو تو ایک صاع سے زیادہ غسل میں خرچ کرنا افضل ہے۔	۸۴۳	صحیح یہ ہے کہ بہ نیتِ قرآن ایک حرف کی بھی جنب وحائض کو اجازت نہیں۔	۱۰۸۲
غسل کہاں کہاں مستحب ہے۔	۹۴۶	جنب وحائض تعلیم کی نیت سے بھی آیت کا کوئی کلمہ نہیں کہہ سکتے۔	۱۰۹۴
گُندھی چوٹی میں تین بار پانی ڈالنے سے جڑوں تک پہنچنے میں شبہ رہے تو زیادہ ڈالے۔	۹۸۱	قراءت جنب کی صورتوں میں مصنف کی تحقیق جلیل مفرد۔	۱۱۰۴
فتوٰی ۱۸ قبل غسل جنب کے کھانے کا حکم۔	۱۰۷۱	ان مسائل کا خلاصہ حکم	۱۱۱۳
فتوٰی ۱۹ حالتِ ناپاکی میں مسجد میں جانا حرام ہے۔	۱۰۷۲	جُنب کو وہ آیات ثنا بہ نیت ثنا بھی پڑھنا حرام ہیں جن میں رب عزوجل نے اپنے لیے متکلم کی ضمیریں ذکر فرمائیں۔	۱۱۱۳
فتوٰی ۲۰ حالتِ جنابت میں مسجد کے لوٹے چھونے کیسا ہے۔	۱۰۷۳	جن آیات دعا و ثنا کے اول میں لفظ قُل ہے اُن میں جنب یہ لفظ چھوڑ کر بہ نیت دعا پڑھے ورنہ جائز نہیں۔	۱۱۱۳
فتوٰی ۲۱ بے وضو مصحف شریف کا چُھونا مطلقاً حرام ہے اگرچہ مع ترجمہ ہو اور اس پر کتنے ہی فوائد و تفسیر لکھی ہوں۔	۱۰۷۳	اُسے حروفِ مقطعات والی دعا کی بھی اجازت نہیں	۱۱۱۴
بیوضو خود آیت کو ہاتھ لگانا مطلقاً حرام ہے اگرچہ کسی کتاب میں لکھی ہو اور قرآن مجید کے پٹھے بلکہ چولی کو بھی نہیں چُھوسکتا ہاں جُزدان کے اندر ہو تو اٹھاسکتا ہے۔	۱۰۷۴		
قرآن مجید کا خالی ترجمہ اگر جُدا لکھا ہو اُسے بھی بے وضو چُھونا منع ہے۔	۱۰۷۴		

جن آیات میں خالص دعا و ثنا نہیں انہیں جنب وحائض بہ نیت عمل بھی نہیں پڑھ سکتے۔	۱۱۱۴	**باب المیاہ**	
صرف عمل میں لانے کی نیت سے جنب وحائض خالص آیاتِ دعا و ثنا بھی نہیں پڑھ سکتے۔	۱۱۱۵	پانی کس طرح مستعمل ہوتا ہے۔	۳۴۰
دم کرنے کی نیت سے بھی صرف بہ نیت دعا پڑھنا جائز ہے۔	۱۱۱۵	نجس پانی سے وضو کیا پھر تین وضو اور کیے اور ہر بار وضو سے پہلے برتن میں بوند ٹپکی تو کیا حکم ہے۔	۳۴۱
فقط شفا لینے کی نیت سے قرآن مجید کو قرآنیت سے خارج نہیں کر سکتی۔	۱۱۱۶	**باب التیمّم**	
لکھی ہوئی آیت کو جنب اپنی نیت سے بدل نہیں سکتا۔	۱۱۱۸	تیمّم کے لیے ضرب کی اور حدث ہوا۔	۳۵۸
آیاتِ دعا بہ نیتِ دعا بھی لکھنے کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔	۱۱۱۸	ماٰخذ و مراجع	۱۱۲۱

فہرست ضمنی مسائل

رسم المفتی		القاعدة العمل بما علیه الاکثر من ائمة المذهب۔	۵۲۷
عادة الفقهاء البناء علی المظنة و المراد المناط۔	۲۸۶	عادة الاوائل السذاجة فی البیان و عدم التدنق فی العبارات۔	۵۲۹
مذہب کے خلاف کوئی بحث معتبر نہیں	۲۹۵	منازع اختلاف عبارات العلماء مع کون المقصود واحدا۔	۵۳۰
مستحب کے ترک سے کراہت تنزیہ لازم نہیں آتی۔	۳۱۵	الامام قاضیخان انما یقدم الاظهر الاشهر۔	۵۴۰
الاحتیاط هو العمل باقوی الدلیلین۔	۳۸۲	اذا جاء قید فی المسألة عن احد الائمة ولم یصرح غیره منهم بخلافه وجب قبوله۔	
صاحب الهدایة امام جلیل من ائمة التخریج والترجیح یجوز تقلیده۔	۴۵۷	المراد بالمحیط المطلق البرهانی۔ هذاقول بعض المشایخ مفاده ان اکثرهم علی خلافه۔	
الخصاف کبیر فی العلم یجوز اقتداؤه۔	۴۵۸	نسبة قول الی البعض تفید ان المعتمد خلافه۔	
العمل بماهو المختار فی المذهب وان کان قائل خلافه اماما کبیرا۔	۴۵۸	المفاهیم معتبرة فی الکتب بالاتفاق۔	
تقلید الغیر عند الضرورة وان جاز بشروطه فالعمل نفسه اما الافتاء فلایکون الا بالراجح فی المذهب۔	۴۵۸	کتب شروح حدیث میں جومسئلہ کتب فقہ کے خلاف ہو معتبر نہیں۔	
عند الضرورة تقلید قیل فی المذهب احسن من تقلید مذهب الغیر۔	۴۵۹		

I.T. Majlis of Dawateislami

كلمة لاباس لماتركه اولی وقد تستعمل فی المندوب۔	۹۵۹	امام سے احکام منقول ہیں دلائل استنباط مشائخ ہیں ان کے ضعف سے قولِ امام ضعیف نہیں ہوتا۔	۱۴۳
شیئ اگرچہ مطلق ذکر کی جائے اپنے اسباب وشروط واحکام وآثار پر خود ہی دلالت کرے گی۔	۹۶۲	معنی کلام العلامة قاسم علینا اتباع مارجحوہ۔	۱۵۱
تحقیق مفاد قولھم لاخیر فیه	۹۸۲	حیث لاتصحیح لایعدل عن قول الامام۔	۱۵۹
شرعی کے دو معنے ہیں مقبول فی الشرع، مطلوب فی الشرع۔	۱۰۰۲	مشی متون علی خلاف قول الامام لایقبل۔	۱۶۰
فتوٰی ہمیشہ بلااستثناء قولِ امام پر ہے	۱۰۳	حدوث حکم ضروری لاحدی الحوامل الست لایتقید بزمان۔	۱۶۳
القول قولان صوری وضروری وھو یقضی علی الصوری وله ستة وجوہ۔	۱۲۵	ماخرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنه۔	۱۶۹
چھ باتیں ہیں جن کے سبب بظاہر قول امام کے خلاف پر عمل ہوتا ہے اور حقیقۃً قول امام ہی پر ہے۔	۱۲۶	لیجتنب النقل بالواسطة مھما امکن۔	۱۸۵
انہیں وجوہ سے صحیح ومؤکد احادیث کاخلاف کیاجاتاہے اور وہ خلاف نہیں ہوتا۔	۱۲۸	الترجیح لقول الامام ای بلاخلاف اذا خالفا وتخالفا۔	۱۸۶
العدول عن قوله بدعوی ضعف دلیله خاص بالمجتھدین فی المذھب وھم لایخرجون به عن المذھب۔	۱۳۱	توفیق نفیس من المصنّف بین عبارات الائمة فی تقدیم قول الامام المختلفة ظاھرا۔	۱۹۵
معنی قوله اذا صح الحدیث فھو مذھبی۔	۱۳۲	قولِ امام کے بعد کس کے قول پر عمل ہو اس کی ترتیب۔	۲۰۴
لایتبدل المذھب بتصحیحات المرجحین خلافه۔	۱۳۴	العمل بماعلیه الاکثر۔	۲۰۴
عند اختلاف التصحیح یقدم قول الامام۔	۱۳۶	قول البحر الفتوی علی قول الامام وان افتوا بخلافه وتوجیه مانازعه فیه الشامی۔	۲۱۴
ہم صرف امام اعظم کے مقلّد ہیں	۱۴۱		

ربما لایکون قول الفقهاء هذا اصح ومثله من باب التفضیل۔	۲۱۸	قول الامام المذکور فی المتون مقدم علی ما صححه قاضی خان باکد الفاظ الفتوی۔	۲۳۱
اذا ثبت الاصح لایعدل عنه اذالم یوجد اقوی منه۔	۲۱۸	لایعدل عن تصحیح قاضی خان فانه فقیه النفس۔	۲۳۱
الصحیح والاصح متقاربان۔	۲۲۰	تنبیهان جلیلان یتبین بهما مایعمل به المقلد فی امثال المقام۔	۲۳۶
لایعتمد علی النقل عن مجهول وان کان الناقل ثقة۔	۲۲۱	**حیض**	
تحقیق قول الدرر ان الفتوی مطلقا علی قول الامام ولایخیر الا اذاکان مجتهدا۔	۲۲۲	بعد فراغ حیض پرانے کپڑے سے خون کااثر صاف کرنا مستحب ہے۔	۳۲۲
ذکر عشر مرجحات لاحد القولین علی الاخر۔	۲۲۳	**انجاس**	
ذکر ثلث مرجحات اخر۔	۲۲۴	پانی کے برتن کے اوپر یااندر مگر پانی سے اوپر نجاست کی بوند گرے توکیاحکم ہے؟	۳۴۴
الترجیح بکونه قول الامام ارجح من کل مایوجد معارضاله۔	۲۲۴	جن تین پانیوں سے نجاست دھوئی گئی وہ پانی کسی چیز کو لگیں تو ان میں کیا تفصیل ہے؟	۳۴۴
الاستحسان لغیر نحو ضرورة وتعامل لایقدم علی قول الامام۔	۲۲۵	رال مطلقاً پاک ہے	۳۵۰
ماعلیه الفتوی مقدم علی الاستحسان۔	۲۲۷	بدن سے جس چیز کے نکلنے سے وضو نہ جائے ناپاک نہیں۔	۳۵۱
عند قول الامام لاینظر الی کثرة الترجیح فی الجانب الاخر۔	۲۲۷	ریح پاک ہے۔	۳۵۱
اذا رجح قول الامام وقول خلافه کان العمل بقول الامام وان قالوا لغیره علیه الفتوی۔	۲۲۸	آب بینی پاک ہے۔	۳۵۲
تاخیر الهدایة دلیل قول دلیل اعتماده۔	۲۳۱	خون پیشاب وغیرہ فضلات جب تک بدن سے باہر نہ نکلیں ناپاک نہیں۔	۳۵۴
		میت کے منہ سے جو پانی نکلتا ہے ناپاک ہے۔	۳۵۵

نجس چیز دوبارہ نجس ہوسکتی ہے ولہذا اگر شراب پیشاب میں پڑجائے پھر سرکہ ہوجائے پاک نہ ہوگی۔	۳۵۵	استنجے سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا مطلقًا سنّت ہے۔	۷۹۹
آنکھوں کے اندر اگر کوئی نجاست لگے اس کا دھونا معاف ہے۔	۳۷۲	جس انگشتری پر متبرک نام لکھا ہو وقت استنجا اس کا اتارنا بہت ضرور ہے۔	۸۹۶
بچے کے معدہ تک دودھ پہنچ کر لوٹا اگر منہ بھر کر نکلا ناپاک ہے۔	۴۷۶	جس انگشتری پر کچھ لکھا ہو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ ہے۔	۸۹۶
ہر جاندار کا پِتّا اس کے پیشاب کے حکم میں ہے۔	۴۷۸	غلاف کے اندر تعویذ ہو تو بیت الخلا جاسکتا ہے اور بچنا بہتر۔	۸۹۶
ہر جاندار کی جگالی اس کے گوبر مینگنی کے حکم میں ہے۔	۴۷۸	**مسائل نماز**	
سوئی کی نوک برابر پیشاب کی باریک باریک بندکیاں بدن یا کپڑا ناپاک نہیں کرتیں مگر وہ کپڑا پانی میں گرا تو اسے ناپاک کردے گا۔	۷۶۲	صرف ایک جُبّہ پہن کر جس سے سجدہ میں بھی زانوؤں کے نیچے تک بدن چھپا رہے نماز ہوسکتی ہے۔	۴۷۰
استنجا		اگر گریبان اتنا وسیع ہے کہ اس سے ستر تک اپنی نگاہ پڑسکتی ہے تو حرج نہیں ہاں قصدًا دیکھنا مکروہ ہے۔	۴۷۱
بعد استنجا پانی صاف کرلیا جائے	۳۳۱	نماز میں اپنی مطلقہ رجعیہ کی فرج داخل پر نظر بشہوت طلاق سے رجعت کردے گی اور نماز و وضو میں خلل نہ آئے گا مگر بالقصد کراہت ہے۔	۴۷۱
جس کپڑے سے استنجے کا پانی خشک کرے اس سے باقی اعضاء کو نہ پونچھے	۳۳۱	مرد نماز میں ہو اور عورت بوسہ لے اور اس سے مرد کو خواہش پیدا ہو نماز جاتی رہے گی اور عورت نماز میں ہو اور مرد بوسہ لے نماز نہ جائے گی۔	۴۷۱
بڑے استنجے کا مسنون طریقہ۔	۴۲۶		
یہ مسنون طریقہ روزہ دار کے لئے نہیں۔	۴۲۶		
پیشاب کے بعد مرد پر استبرا واجب ہے یعنی وہ افعال جن سے قطرہ نہ آنے کا اطمینان کافی ہوجائے۔	۷۰۰		
مقدارِ آبِ استنجا و وضو میں اختلاف حالت سے پانی کی مقدار مختلف ہونا۔	۷۹۸		

بیگانہ عورت کے ستر پر نماز میں نظر اور بھی سخت حرام ہے مگر نماز و وضو میں خلل نہ آئے گا۔	۴۷۲	یہ نماز میں تھا کسی نے کہا فلاں سورت پڑھ اس نے اس کا کہنا ماننے کو پڑھی نماز نہ ہوئی۔	۱۰۹۵
خالی پاجامہ سے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۸۴۴	قیام نماز میں قرآن مجید اگرچہ بہ نیتِ دعا پڑھے نماز ہو جائے گی۔	۱۱۰۰
نماز میں کنکھیوں سے دیکھنے کا حکم۔	۸۹۴	آیت سے اگر کسی کی بات کا جواب دینا مقصود ہو نماز نہ ہوگی ہاں کسی پر یہ ظاہر کرنے کو کہ نماز پڑھتا ہوں سبحان اللہ وغیرہ آواز سے کہا جائز ہے صرف یہی صورت مستثنیٰ ہے۔	۱۱۰۹
تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کا ترک مکروہ ہے اور ترک کی عادت گناہ۔	۹۱۳	**احکام مسجد**	
سجدہ بے سبب کا حکم۔	۹۵۲	مسجد میں مسواک نہ چاہئے اور کُلّی حرام مگر ایک صورت میں۔	۸۳۶
صبح ہونے سے طلوعِ آفتاب تک دنیوی کلام مکروہ ہے۔	۹۸۶	منہ میں بدبو ہو تو مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا منع ہے۔	۸۳۸
نمازِ عشاء کے بعد دنیا کی باتیں مکروہ ہیں۔	۹۸۶	**مسائلِ زکوٰۃ**	
نماز میں مٹی سے بچانے کے لیے دامن اٹھانا مکروہ ہے۔	۱۰۰۴	اس کی تحقیق کہ مصرفِ خیر میں اپنا کل مال دے دینا کیسا ہے؟	۹۲۷
نماز میں پسینہ پونچھنے کا حکم۔	۱۰۰۴	اپنے محتاج عزیزوں کو چھوڑ کر اوروں کو صدقہ دینا قبول نہیں۔	۹۳۲
نماز میں دامن جھٹکنا ایک صورت میں مطلوب ہے اور بلاحاجت مکروہ۔	۱۰۰۵	عزیزوں سے سلوک اس وقت ثواب ہے جبکہ بوجہ اللہ ہونہ فقط خون کے جوش سے۔	۱۰۰۱
اس کا کلیہ کہ نماز میں کیا عمل مکروہ ہے کیا نہیں؟	۱۰۰۶		
سجدہ میں جو مٹی ماتھے کو لگی نماز میں یا بعد نماز اس کے چھڑانے کی تفصیلیں۔	۱۰۰۶		
نماز میں مٹی سے کپڑا بچانے کی ایک صورت جواز	۱۰۱۱		
مستحب ہے کہ سجدہ میں سر خاک پر بلاحائل ہو۔	۱۰۱۱		
نماز وغیرہ نماز میں انگلیاں چٹخانے کے احکام۔	۱۰۲۱		
ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کے احکام۔	۱۰۲۱		
نمازی اگر اپنے امام کے سوا کسی کو قرآن مجید میں لقمہ دے گا نماز جاتی رہے گی۔	۱۰۹۵		

مسائل روزہ		جھوٹ اور غیبت کی برائی قابلِ حفظ	۹۶۹
صدقہ فطرہ وکفارہ روزہ کی مقدار ایک سو پچھتّر روپے آٹھ آنے بھر ہے۔	۷۹۶	دینی محنت کی تکان دفع کرنے کو کسی مباح کام سے دل بہلانا جائز بلکہ مطلوب ہے۔	۹۶۹
مسائل وقف		عبث کے معنی وحکم	۹۹۰
جس ویران مسجد کی آبادی ناممکن ہو اس کی اینٹ کڑی دوسری مسجد میں بشرط کمال احتیاط لے جاسکتے ہیں۔	۱۶۶	عبث کی بارہ تعریفیں اور مصنّف کی تحقیق	۹۹۷
مسائل شہادت		لعب ولہو وہزل ولغو وباطل وعبث متقارب المعنٰی ہیں۔	۹۹۷
تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ ہے۔	۸۴۵	حکم عبث کی تنقیح	۱۰۱۲
مسائل حظر واباحت		لایعنی کسے کہتے ہیں اور اس کے ترک کی ہدایتیں	۱۰۲۸
کھانے کے بعد کاغذ سے منہ پونچھنا کیسا؟	۳۳۴	ہاتھ پاؤں سینہ پشت پر بال ہوں تو نورہ سے دور کرنا بہتر ہے اور موئے زیر ناف پر بھی استعمالِ نورہ آیا ہے۔	۱۰۴۱
کھانے کے بعد عمامہ وغیرہ سے ہاتھ منہ پونچھنا کیسا؟	۳۳۴	دس باتیں قدیم سے سنّتِ انبیا علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔	۱۰۵۰
مٹی کے برتن افضل ہیں اور تانبے پیتل میں حرج نہیں۔	۳۳۶	بلاضرورت پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے۔	۱۰۷۳
چاندی کے تار سے دانت باندھنا جائز ہے۔	۶۰۷	جمعہ عید وعظ کسی میں کسی عورت کو کبھی جانے کی اجازت نہیں	۱۲۹
مطلقًا حروف کی تعظیم چاہئے	۸۹۷	**فوائد فقہیہ**	
اسراف کے معنی کی تفصیل وتحقیق	۹۲۶	اختلافِ علما سے بچنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے۔	۶۰۱
فرقِ تبذیر واسراف	۹۳۷	معانی العلم والظن والاحتمال فی اصطلاح الفقه	۶۵۵
اسراف کس صورت میں گناہ ہے۔	۹۴۰		

مثقال واستار ورطل ومد وصاع کا بیان	۷۷۵	**ردِّ بدمذہباں**	
مکوک اور کیلہ کا بیان	۷۸۱	امام اعمش کا ارشاد کہ ہم محدثین عطار ہیں اور فقہا طبیب اور اے ابو حنیفہ! تم دونوں باتوں کے جامع ہو۔	۱۴۶
مقدار ظرف فرق کا بیان	۷۸۶	اکابر ائمہ تو یہ کہیں کہ ہمیں کچھ اختیار ہوتا تو یوں کہتے اور آج کل جاہلانِ بے تمیز امام کے مقابلہ کو طیار	۱۹۳
شیئ کے پانچ مرتبے ہیں ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول اور ان کی تحقیق اور مکان وطعام ولباس وطہارت میں ان کی مثالیں	۸۴۳	تقلید شخصی واجب ہے غیر مقلدین دین میں فتنہ ہیں۔	۲۰۶
عقائد		مذہب کی پابندی لازم ہے اس کے خلاف جنہوں نے لکھا وہ بھی پابند ہی رہے۔	۲۰۶
معنی اذعان	۲۴۰	**فوائد حدیثیہ**	
معنی اعتقاد	۲۴۱	المعلق عندنا کالموصول۔	۳۱۴
معنی ضروریاتِ دین	۲۴۲	مالایقال بالرأی یحمل علی الرفع اذالم یکن صاحبہ اُخذ اعن الاسرائیلیات۔	۳۱۴
اُن دس فرقوں کا بیان جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور شرعاً مرتد ہیں۔	۹۳۶	حدیث ضعیف استحباب واباحت میں بالاجماع مقبول ہے۔	۳۱۷
اُن نفیس کتابوں کا پتا جن سے مرتدین حال کا حال کھلے	۹۶۷	قول المحدثین لایصح لاینفی الحسن	۳۱۷
آریوں پادریوں کے لکچر ندائیں سننا سخت حرام ہے۔	۱۰۵۷	**اسماء الرجال**	
اللہ ورسول وقرآنِ عظیم کی جتنی توہین آریہ پادری اپنے لکچروں میں کرتے ہیں اُس سب کا وبال شرعاً ان پر ہے جو سننے جاتے اور ایسے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔	۱۰۲۶	طرح مہدی بن ہلال	۵۴۴
قرآن مجید فرماتا ہے جو ایسے جلسوں میں جائے ایسی جگہ کھڑا ہو وہ بھی اُنہیں کافروں کی مثل ہے۔	۱۰۳۶		
تلاوتِ قرآن یا قراءت حدیث کے سوا اپنی طرف سے کسی نبی کی طرف نسبت معصیت سخت حرام ہے۔	۱۱۱۹		

جرح بحر بن کنیز السقاء	۵۴۵	امام اجل سفیٰن ثوری نے ہمارے امام سے کہا آپ کو وہ علم کھلتا ہے جس سے ہم سب غافل ہوتے ہیں اور فرمایا ابوحنیفہ کاخلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ ان سے مرتبہ میں بڑا ہو اور علم میں زیادہ اور ایسا ہونا دور ہے۔	۱۴۷
تمشیۃ یزید بن عبدالرحمٰن الدالانی	۵۴۵	امام اعظم کی عقل کی نسبت امام شافعی وغیرہ اکابر کی شہادت کہ تمام ائمہ کی عقول پر غالب ہے۔	۱۴۷
قالوا لم یسمع قتادۃ من ابی العالیۃ الاربعۃ اوثلثۃ۔	۵۴۶	امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ من التابعین وقد زاحم ائمتھم فی الفتوی۔	۱۷۳
لم تقبل شھادۃ نفی سماع ابن اسحٰق من فاطمۃ بن المنذر من ائمۃ اجلۃ۔	۵۴۸	**فوائد اصولیہ**	
تمشیۃ عبداللہ العمری المکبر	۷۵۶	فرض اعتقادی وفرض عملی وواجب اعتقادی وواجب عملی کی تعریفیں اور مصنف کی جمیل تحقیقیں۔	۲۴۰
تاریخ وفات امام ابراہیم نخعی وامیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۸۷۴	کبھی مجتہد کو اپنی رائے پر یقین حاصل ہوجاتا ہے باآنکہ خلاف پر مطلع ہے۔	۲۴۴
تضعیف البختری بن عبید	۳۲۴	اس کی تحقیق کہ جو دلیل ثبوت واثبات ہوگا یا سنیت۔	۲۵۴
فضائل ومناقب		نحو لاصلاۃ ظاہرہ نفی الصحۃ لاالکمال۔	۲۵۷
انبیاء علیہم السلام کا وضو سونے سے نہ جاتا۔	۵۷۲	التحقیق الاجمالی للمصنف ان الادلۃ فی اثبات الفرض ومادونہ تسعۃ اقسام۔	۲۵۹
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل کبھی نہیں سوتا۔	۵۷۳	بالحدیث الضعیف یثبت الاستحباب دون الاستنان۔	۲۶۰
حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ واکابر اولیاء کی نسبت ظاہر یہی ہے کہ سونے سے ان کا وضو نہ جاتا دل ان کا کبھی نہیں سوتا۔	۵۷۴		
انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام کا وضو نواقضِ وضو سے جاتا ہے یانہیں اوراس میں مصنف کی تحقیق	۵۷۸		
بعض نواقضِ وضو انبیاء علیہم السلام پر محال ہیں	۵۷۹		
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا دل غشی میں بھی بیدار رہتا	۵۸۲		
فضلاتِ شریفہ طیب وطاہر ہیں ان کا کھانا حلال وباعث برکت	۵۸۲		
اجلہ ائمہ کی تصریح کہ امام اعظم کے علم وعقل کو اوروں کے علم وعقل نہیں پہنچتے۔	۱۴۵		

التحقیق التفصیلی للمصنف ان الادلة فی اثبات الفرض ومادونه علی سبعة وعشرین قسماً۔	۲۶۲	سنّت ہدٰی سنّتِ مؤکدہ کا نام ہے اور سنّت زائدہ غیر مؤکدہ کا۔	۹۰۵
فرض وواجب اعتقادی وعملی چاروں کی نسبتیں	۲۶۳	احکامِ شرعیہ فرض سے حرام تک گیارہ ہیں۔	۹۰۷
الفرض یطلق علی الرکن والشرط وماسواھما۔	۲۶۴	سنّت مؤکدہ کے ترک کا کیا حکم ہے؟	۹۰۹
لااجمال فی نحو "لاصلاۃ الابطھور"۔	۳۰۴	مطلق کراہت میں اصل تحریم ہے۔	۹۱۸
حکایۃ وقائع الحال لاتدل علی العموم	۳۱۹	مکروہ تنزیہی منع نہیں۔	۹۲۲
ترک الاولی احیاناً لبیان الجواز	۳۲۵	مستحب سنّت کی تکمیل ہے سنّت واجب کی، واجب فرض کی، فرض ایمان کی۔	۹۵۰
لایقبل حدیث الاحاد فی موضع عموم البلوی فکیف رأی عالم متاخر؟	۳۶۷	الندب لاینافی الکراھۃ	۹۶۰
کل مادل علی العموم کما ومن فھو سور الکلیۃ۔	۴۶۲	تحقیق المصنف فی ان تقسیم الشیئ بحسب المجاور لایسری حکم القسم الی المقسم	۱۰۱۹
نقیض مدخول لووان للوصلیۃ یکون اولی بالحکم منه۔	۵۱۴	معنی الافتاء وانه لیس حکایۃ محضۃ وانه لا یجوز الا عن دلیل۔	۱۱۴
المطلق مطلق مطلقاً الالضرورۃ۔	۵۵۷	الدلیل دلیلان تفصیلی خاص معرفته بالمجتھد واجمالی لابد منه حتی للمقلد۔	۱۱۴
سنّت مؤکدہ کے ترک کی عادت گناہ واستحقاق عذاب ہے۔	۵۹۶	ائمہ مجتہدین کی تقلید عرفاً تقلید ہے شرعاً دلیل پر عمل ہے جس تقلید کی مذمت ہے وہ وہ ہے جو غیر مقلدین کرتے ہیں اپنے غیر مجتہد استادوں کی۔	۱۱۶
بیان مفاد عند۔	۵۲۸	الفتوی قسمان حقیقیۃ مختصۃ بالمجتھد وعرفیۃ۔	۱۲۴
تعریف مکروہ تنزیہی کی بحث۔	۸۸۸		
دربارہ مکروہ تنزیہی وتحریمی واساءت وخلاف اولٰی مصنّف کی تحقیق نفیس فوائد کثیرہ پر مشتمل اور واجب اور سنّتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ کے فرق احکام۔	۹۰۱		

قد ينهى زيد والمقصود نهى غيره۔	۱۹۴	حروف ہجا کلام منزل من اللہ ہے۔	۸۹۷
متفرقات		ایڈیٹر اہل حدیث کی گریزیں اور چالیں۔	۵۹۵
الفرق بين العكس المنطقي والعرفي وان العرفي معروف حتى في الكتب العقلية والمنطقية۔	۴۶۰	بلاؤں سے محفوظی کی دعا۔	۱۱۱۴
		آسیب زدہ ومصروع ومجنون کا علاج	

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مجمل فہرست مضامینِ رسائل

رسالہ۱: اجلی الاعلام ان الفتوی مطلقاً علی قول الامام بے نظیر تحقیقات سے اس کا ثبوت کہ ہمیشہ ہر مسئلہ میں قولِ امام ہی پر فتوی ہے۔ والکلام مع العلامۃ الخیر الرملی بثمانیۃ وجوہ ومع العلامۃ الشامی بسبعۃ وستین وجہاً (علامہ خیر الدین رملی سے آٹھ وجوہ علامہ شامی سے سڑسٹھ وجوہ) و وضع سبع مقدمات۔	۱۰۳	فرائض اربعہ وضو سے ہر فرض میں کیا کیا مستثنٰی ہیں کہ وہ فرض اعتقادی نہیں والکلام مع الغنیۃ والشامی والامام الشعرانی مجمل فہرست مضامینِ رسائل	۲۶۴
معنی التقلید والکلام مع بحر العلوم باثنی عشر وجہاً	۱۱۸	وضو کے بارہ واجب اعتقادی کا بیان	
		والکلام مع البحر والغنیۃ والدر والشامی	۲۸۱
تحقیق المصنف الحکم فی ذلک	۱۳۳	بحث الواجب العملی فی الوضوء۔والکلام مع الامام ابن الہمام والمحقق البحر صاحب البحر والشامی رحمہم اللہ تعالٰی۔	۲۹۳
		رسالہ۳: تنویر القندیل فی اوصاف المندیل طہارت کے بعد بدن پونچھنے کا بیان۔	۳۱۳
خمسۃ واربعون نصاً علی المدعی والکلام مع الدر والنہر وح وط۔	۱۳۳	الکلام مع علی القاری۔	۳۲۲
السعی الجمیل فی توجیہ کلام العلامۃ الشامی	۲۶۳	رسالہ۴: لمع الاحکام ان لاوضوء من الزکام۔اس کی تحقیق کہ زکام ناقضِ وضو نہیں۔	۳۴۷
رسالہ۲: الجود الحلو فی ارکان الوضوء وضو کے فرائض عملی واعتقادی کا بیان یکتا کہ اس رسالہ کے سوا کہیں نہ ملے گا۔	۲۳۹	الکلام مع العلامتین الطحطاوی والشامی	۳۴۸
فرض وواجب اعتقادی وعملی وغیرہا احکام اور ان کے دلائل کا بیان کہ کون حکم کیسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے والکلام مع السید الطحطاوی والبحر والشامی وکثیرین	۲۴۰		

بیان النسبة بین الحدث والنجس	۳۵۴	الخامس **تحقیق شریف** فی المراد بمایلحقه حکم التطهیر والکلام مع ابی السعود والحلیة وبحرالعلوم وابن ملک وابن کمال وغیرهم۔	۴۳۱
رسالہ۵: الطراز المعلم فیما هو حدث من احوال الدم۔ *بدن سے خون نکلنے کے مسائل ودلائل کی تنقیح یکتا۔*	۳۶۹	ت**حقیق** المعنی المؤثر فی الحدث و وجه اشتراط السیلان فی الخارج من غیر السبیلین۔	۴۳۷
خروج دم کی تین حالتیں اور ان کے احکام	۳۷۰	**حکمة** الفرق بین السائل والبادی۔	
سبعة تنبیهات من المصنّف	۳۸۵	تحقیق المصنّف فی اقسام الجرح المنبسط واحکامها۔	۴۵۰
الاول فی حد السیلان والکلام مع الامام الزیلعی رحمه الله تعالٰی الثانی فی ترجیح اشتراط السیلان۔	۳۷۷	السادس ان الدم فی مجلس یجمع وذکر ماوقع من خلافه فی مختارات النوازل۔	۴۵۶
والکلام مع البحر والکفایة والبزازیة۔	۳۸۲	السابع تحقیق قولهم مالیس بحدث لیس نجس قضیة وعکسا والکلام مع العلامة الشامی وسیدی النابلسی والبرجندی۔	۴۵۹
الثالث **تحقیق المصنّف** فی اعتبار الامام محمد المجلس لجمع الدم والسبب لجمع القیئ۔	۳۹۳	**رسالہ۶:** نبه القوم ان الوضوء من ای نوم سونے سے *نقض وضوء کے مسائل میں بے نظیر تحقیقیں۔*	۴۸۷
الرابع تحقیق شریف ان النقض بالخروج الی مایجب تطهیره لامایندب **والکلام** مع الامام ابن الهمام والحلیة والبحر وغیرهم۔	۳۹۶	فرق الاتکاء والاستناد	۴۹۲
بحث نزول الدم الی مالان من الانف والکلام مع البحر والنهر والشامی والعنایة والغایة والشرنبلالی وغیرهم۔	۴۰۱	للتورک معنیان	۴۹۳
فصل النزاع فی قولهم سال الی مایطهر۔	۴۲۹	مسألة تعمد النوم فی الصلاة۔	۴۹۵
افادة المصنّف عبارة حسنة فی بیان الناقض من غیر السبیلین۔	۴۳۰	**تحقیق شریف للمصنّف** ان الصلاة وغیرها فی نقض الطهارة بالنوم سواء۔	۴۹۹

خمس افادات من المصنّف	۵۰۲	رسالہ ۸: الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام و البلل احتلام کے متعلق جملہ مسائل کی یکتا تحقیق۔	۶۲۳
الاولی تلخیص الاقوال فی النوم علی وضع السجود والکلام مع العلامۃ الشامی والبحر۔	۵۰۲	صورتوں کا احاطہ اور ان کے احکام۔	۶۲۴
الثانیۃ فی استخراج القول الراجح منہا والکلام مع العلامۃ الشامی۔	۵۲۷	ذکر اضطراب شدید فی بیان مذہب الطرفین فی رؤیۃ ماعلم انہ مذی مع عدم تذکر الاحتلام۔	۶۲۹
اقامۃ المصنّف الدلیل علی ارجح الاقاویل والکلام مع الامام صاحب البدائع والغنیۃ والبحر۔	۵۳۹	الترجیح فی ذلک والتطبیق	۶۴۰
الثالثۃ تعمد النوم فی الصلاۃ لایفسدہا الا اذاکان حدثا والکلام مع العلامۃ الشامی والعلامۃ اسمٰعیل شرح الدرر۔	۵۹۲	**تحقیق المصنّف** ان الراجح فیہ وجوب الغسل والکلام مع العلامتین ش وط۔	۶۵۵
الرابعۃ، **تحقیق** مسألۃ النوم علی رأس التنور **والکلام** مع الفتح والحلیۃ۔	۵۶۶	**تقریر المصنّف** علل جمیع الاحکام فی ہذہ الاقسام۔	۶۶۶
تحقیق المصنّف مناط النقض بالنوم علی مختار صاحب الہدایۃ۔		خمسۃ عشر تنبیہا من المصنّف	۶۷۲
الخامسۃ النوم لیس بنفسہ حدثا وذکر وضوء الانبیاء علیہم الصلاۃ والسّلام۔	۵۷۲	تحقیق المصنّف ان الرؤیۃ علی الفراش وفی الاحلیل سواء **والکلام** مع الغنیۃ	۶۸۳
رسالہ ۷: خلاصۃ تبیان الوضوء وضوو غسل کی احتیاطوں کا مشرح بیان۔	۵۹۱	لایتغیر المنی فی الباطن وتحقیق المصنّف ان من استیقظ ذا کر حلم ولم یر بللاثم خرج مذی لایجب الغسل	۶۸۶
		تحقیق ایجاب الغسل بخروج منی بعد البول منتشرا۔	۷۰۰
		تحقیق المصنّف فی تعریف الجنابۃ والکلام الفتح والبحر والحلیۃ۔	۷۰۵

تحقیق المصنّف ان المنی النازل من دون شھوۃ من حقیقۃ والکلام مع المصفی والفتح والبحر۔	۷۱۱	**تحقیق المصنف** ان السواک قبل الوضوء لافیہ والکلام مع الائمۃ الزیلعی والعینی وابن الھمام۔	۸۰۴
تحقیق الکلام فی ان المرأۃ کالرجل فی الاحتلام والکلام مع الشامی والغنیۃ والاختیار والحلیۃ وغیرھم۔	۷۱۷	**تحقیق المصنف** انہ لم یثبت حدیث یفید الاستیاک فی الوضوء والجواب عن احادیث توھمہ۔	۸۱۷
تحقیق عدم وجوب الغسل اذا رأی بللا یحتمل انہ منی ولایذکر الحلم وکان منتشرا عند النوم والکلام مع الحلیۃ۔	۷۵۴	**تنقیح ۴** یہ مقداریں حدبندی نہیں مصنف کی اس میں تحقیقات رائقہ والکلام مع الحلیۃ۔	۸۴۲
تحقیق المصنّف عموم ھذا الحکم کل نوم ولو مستلقیا والکلام مع المنیۃ ومسکین والدرر ومجمع الانھر والغنیۃ والطحطاوی والشامی۔	۷۶۶	اشکال فی حدیث البخاری اخذ غرفۃ فغسل بھا وجھہ والمقال فیہ حسب الاستطاعۃ **والکلام** مع الکرمانی والعینی والفتح والغنیۃ۔	۸۵۸
رسالہ ۹: بارق النور فی مقادیر ماء الطھور وضوو غسل میں پانی کی مقدار پر بحث۔	۷۷۵	**تنقیح ۵** پانی زیادہ خرچ کرنے میں علماء کے چار قول اور تحقیق مصنف۔	۸۷۵
ان مقداروں کے بیان میں حدیثیں	۷۷۶	**رسالہ ۱۰:** ضمنیہ برکات السماء فی حکم اسراف الماء۔	۸۷۵
تنقیحاتِ مصنّف	۷۹۱	**سبعۃ تنبیھات** من المصنّف	۸۸۱
تنقیح ۱۔ ان مقداروں سے پانی کا وزن مراد ہے۔	۷۹۱	تنبیھان والکلام مع العلامۃ الشامی انتصارا للبحر والدر فی جعلھما الاسراف مکروھا تحریما وبیان معنی التوضئ من النھر والکلام مع الحلیۃ۔	۸۸۱
تنقیح ۲۔ مقدار آب غسل میں اس کا وضو شامل نہیں۔	۷۹۵	**التنبیہ ۳** فی الکلام مع النھر والشامی فی ارجاعھما کون الاسراف ترک ادب الی کراھۃ التنزیہ وفی جعلھما الاسراف مکروہ تنزیہ لکونہ ترک ادب وتحقیق معنے ھذہ الکراھۃ وان لیست فی ترک المستحب مع افادات کثیرۃ والکلام مع الحلیۃ والغنیۃ والفتح والشامی والبحر۔	۸۸۸
تنقیح ۳۔ یہ صاع جو کا تھا جس سے آب غسل کا وزن اتنا آتا ہے۔	۷۹۶		

تنویر فی سبع افادات جلیلة والکلام مع الحلیة والشامی ومسلم الثبوت والتوضیح ومولٰی خسرو والفناری۔	٩٠٣	تحقیق مصنف کہ فرق نہیں۔	٩٣٧
التنبیه۴: فی الکلام مع النهر وجعله الاسراف مکروه تحریم وتحقیق حکم السنة المؤکدة۔	٩٠٩	**التنبیه ۷** تحقیق المصنف الحکم والتوفیق بین الاقوال	٩٨٢
التنبیه۵ فی الکلام مع الشامی فی رده علی النهر کراهة التحریم۔	٩١٧	اثنا عشر تعریفاً للعبث وتحقیق المصنّف فیه والکلام مع السید الشریف وغیره۔	٩٩٠
التنبیه۶ فی تحقیق معنی الاسراف والتبذیر والکلام مع الحلیة والبحر وابن جریر وابن اثیر والسیّد الشریف والشامی والغنیة والقاری والدرر النهر والسراج الوهاج وغیرهم۔	٩٢٦	تحقیق المصنّف حکم العبث والکلام مع العلامة الخفاجی والامام الرازی والبیضاوی وابی السعود ومع السروجی والبحر والشرنبلالی والشامی انتصار اللهدایة۔	١٠١٢
اسراف کے ۱۱ معنے اور تحقیق مصنف کہ ان میں اصح کیا ہے۔	٩٢٦	**رسالہ۱۱**: ارتفاع الحُجب عن وجوه قراءة الجنب قراءتِ جنب کے متعلق وہ جلیل تحقیقیں کہ اس رسالہ کے غیر میں نہ ملیں گی **والکلام** مع الامام فخر الاسلام والرضی السرخسی والفتح والحلیة والبحر والدرر والشامی۔	١٠٧٧
اسراف وتبذیر میں کیافرق ہے؟	٩٣٧	**ثمانیة تنبیهات** من المصنف و الکلام مع النهر و الشامی وسیدی اسماعیل النابلسی والغنیة والحلیة و سیدی عبدالغنی النابلسی رحمة الله تعالٰی بهم۔	١١٠١

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی میں مصنّفین اور کتب سے متعلق بعض رموز

ح__________علامہ حلبی

ش__________علامہ شامی

ط__________علامہ طحطاوی

محقق__________علامہ محقق علی الاطلاق ابن ہمام

بحر__________بحر الرائق

حلیہ__________حلیۃ المحلی

دُر__________الدر المختار

دُرر__________الدرر والغرر

غنیہ__________غنیۃ المستملی

فتح__________فتح القدیر

نہر__________نہر الفائق

ہندیہ__________فتاوٰی عالمگیری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

نَحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

خطبۃُ الکتاب

الحمد للّٰہ هو [1]الفقه الاکبر* و[2]الجامع الکبیر [3]لزیادات [4]فیضه [5]المبسوط [6]الدرر و[7]الغرر* به [8]الهدایة *ومنه [9]البدایة* والیه [10]النهایة* بحمده [11]الوقایة* و[12]نقایة [13]الدرایة* وعین [14]العنایة * وحسن [15]الکفایة* والصّلاۃ والسلام علی [16]الامام الاعظم للرسل الکرام *

ترجمہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

ہم اس کی حمد کرتے اور اس کے کرم والے رسول پر درود بھیجتے ہیں سب خوبیاں خدا کو ہیں یہی سب سے بڑی فقہ ودانشمندی ہے اور اللہ تعالٰی کے فیض کشادہ کی افزائشیں کہ نہایت روشن موتی ہیں اُن کے لیے بڑی جامع ہے، اللہ ہی سے آغاز ہے اور اسی کی طرف انتہا، اسی کی حمد سے حفظ ہے اور عقل کی پاکیزگی اور عنایت کی نگاہ اور کفایت کی خوبی، اور درود وسلام ان پر جو تمام معزز رسولوں کے امام اعظم ہیں،

[17] مالکی و[18] شافعی [19] احمد الکرام *یقول الحسن بلاتوقف*[20] محمد [21] الحَسَنُ [22] ابویوسف *فانہ [23] الاصل [24] المحیط *لکل فضل [25] بسیط* و[26] وجیز و[27] وسیط*[28] البحرالزخار* و[29] الدر المختار* و[30] خزائن الاسرار* و[31] تنویر الابصار* و[32] ردالمحتار* علٰی [33] منح الغفار* و[34] فتح القدیر* و[35] زاد الفقیر* و[36] ملتقی الابحر* و[37] مجمع الانھر* و[38] کنز الدقائق* و[39] تبیین الحقائق* و[40] البحرالرائق* منہ یستمد کل [41] نھرفائق* فیہ [42] المنیۃ* وبہ [43] الغنیۃ* و[44] مراقی الفلاح* و[45] امداد الفتاح* و[46] ایضاح [47] الاصلاح* و[48] نور الایضاح* و[49] کشف [50] المضمرات* وحل [51] المشکلات* و[52] الدرر المنتقی* و[53] ینابیع [54] المبتغی* و[55] تنویر البصائر* و [56] زواھر الجواھر*[57] البدائع [58] النوادر *المنزہ وجوبا عن [59] الاشباہ والنظائر*[60] مغنی السائلین* و[61] نصاب المساکین*[62] الحاوی القدسی* لکل کمال قدسی وانسی*[63] الکافی [64] الوافی [65] الشافی*[66] المصفی المصطفی [67] المستصفی [68] المجتبی [69] المنتقی الصافی*[70] عُدۃ [71] النوازل* و[72] انفع الوسائل*[73] لاسعاف السائل* [74] بعیون المسائل*[75] عمدۃ الاواخر و[76] خلاصۃ الاوائل*

میرے مالک اور میرے شافع احمد کمال کرم والے، حسن بے توقف کہتا ہے کہ حسن والے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے والد ہیں کیونکہ وہی اصل ہیں جو ہر فضیلت کبیرہ وصغیرہ ومتوسط کو محیط ہیں، نہایت چھلکتے دریا ہیں اور چُنے ہوئے موتی، اور رازوں کے خزانے، اور آنکھیں روشن کرنے والے، اور حیران کو اللہ غفار کی عطاؤں کی طرف پلٹانے والے، قادر مطلق کی کشائش ہیں، اور محتاجوں کے توشے، تمام کمالات کے سمندر انہیں میں جاکر ملتے ہیں اور سب خوبیوں کی نہریں انہیں میں جمع ہیں، باریکیوں کے خزانے ہیں، اور تمام حقائق کے روشن بیان، اور خوشنما صاف شفاف سمندر کہ ہر فوقیت والی نہر انہیں سے مدد لیتی ہے، انہیں میں آرزو ہے اور انہیں کے سبب باقی سب سے بے نیازی، اور مراد پانے کے زینے اور تمام ابواب خیر کھولنے والے کی مدد، اور آراستگی کی روشنی، اور اس روشنی کے لئے نور، اور غیبوں کا کھلنا، اور مشکلوں کا حل ہونا، اور چُنا ہُوا موتی، اور مراد کے چشمے، اور دلوں کی روشنیاں، اور نہایت چمکتے جواہر عجب ونادر، وہ مثل ونظیر سے ایسے پاک ہیں کہ ان کا مثل ممکن نہیں، سائلوں کو غنی فرمانے والے ہیں، اور مسکینوں کی تونگری، ہر کمال ملکوتی وانسانی کے پاک جامع ہیں، تمام مہمات میں کافی ہیں، بھرپور بخشنے والے، سب بیماریوں سے شفا دینے والے، مصفّٰی برگزیدہ پاکیزہ چُنے ہوئے، ستھرے صاف، سب سختیوں کی دقت کے لئے سازوسامان ہیں، سائل کو نہایت عمدہ منہ مانگی مرادیں ملنے کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش وسیلے ہیں، پچھلوں کے تکیہ گاہ

وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ*وحزبہ*[77]مصابیح الدّجی*[78]ومفاتیح الھدی*لاسیما [79]الشیخین [80]الصاحبین* الاٰخذین من الشریعة والحقیقة بکلا [81]الطرفین*والختنین الکریمین*کل منھا [82]نورالعین* و[83]مجمع البحرین*وعلٰی مجتھدی ملتہ*وائمة امتہ*خصوصا [84]الارکان الاربعة*و[85]الانوار اللامعة* وابنہ الاکرم*الغوث الاعظم*[86]ذخیرة الاولیاء*و[87]تحفة الفقھاء*و[88]جامع الفصولین*[89]فصول الحقائق و[90]الشرع المھذب بکل زین*وعلینا معھم*وبھم ولھم*یاارحم الرحمین*اٰمین اٰمین* والحمدللہ رب العٰلمین*

صفة الکتاب

امابعد! فھذہ بحمداللہ *ورفداللہ *وعون اللہ *وصون اللہ *تبارك اللہ *وبارك اللہ تعالٰی*ماشاء اللہ * لاقوّة الاباللہ *وحسبنااللہ ونعم الوکیل*نعم المولٰی ونعم النصیر*جنات عالیة* قطوفھا دانیة* فیھا سررمرفوعة*واکواب موضوعة*ونمارق مصفوفة*وزرابی مبثوثة*من مسائل الدین الحنیفی* والفقہ الحنفی*تجدفیھا ان شاء اللہ عینا

اور اگلوں کے خلاصے، اور ان کے آل واصحاب اور ازواج و گروہ پر درود وسلام جو ظلمتوں کے چراغ اور ہدایت کی کنجیاں ہیں، خصوصًا اسلام کے دونوں بزرگ مصطفٰی کے دونوں یار کہ شریعت وحقیقت دونوں کناروں کے حاوی ہیں، اور دونوں کرم والے شادیوں کے سبب فرزندی اقدس سے مشرف کہ اُن میں ہر ایک آنکھ کی روشنی اور دونوں سمندروں کا مجمع ہے، اور ان کے دین کے مجتہد ولی امت کے اماموں پر خصوصًا شریعت کے چاروں رکن چمکتے نور، اور ان کے نہایت کریم بیٹے غوثِ اعظم پر کہ اولیاء کے لئے ذخیرہ ہیں، اور فقہاکے لئے تحفہ، اور حقیقت اور وہ شریعت کہ ہر زینت سے آراستہ ہے دونوں کی فصول کے جامع، اور ہم سب پر اُن کے ساتھ ان کے صدقہ میں اُن کے طفیل اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان سن لے قبول کر۔

(**صفة الکتاب**) بعدازاں یہ اللہ کی حمد اللہ کی عطااللہ کی مدد اللہ کی حفاظت سے (بڑی برکت والا ہے اللہ، اور برکت دے اللہ، جو چاہے اللہ، قوت نہیں مگر منجانب اللہ، ہمیں اللہ کافی ہے اور اچھا کام بنانے والا، کیا اچھا مولا اور کیا اچھا مددگار) بلند باغ ہیں جن کے انگوروں کے گچھے بوجھ کے سبب جُھک کر نزدیک آگئے ہیں اُن میں بلند تخت ہیں، اور رکھے ہوئے کوزے، اور قالینوں کی قطاریں، اور جابجار کھی ہوئی مسندیں دین ابراہیمی اور فقہ حنفی کے مسائل سے، اللہ چاہے توتُواس میں بہتا چشمہ

جارية من عيون تحقيقات السلف الكرام *مع رفرف خضروعبقری حسان من تمهيدات الخلف الاعلام *وعرائس نفائس كانهن الياقوت والمرجان *لم يطمثهن قبلی انس ولاجان *من احكام حوادث جديدة *وتحقيقات مديدة *وتنقيحات سديدة *وتدقيقات مجيدة *وتوثيقات فريدة *و اِحكام الاَحكام *والنقض والابرام *مماالهمنی الملك العلام *ببركة خدمة علوم الاعلام *مع الوف التبری *من حولی وقدری *وصنوف الالتجاء الی الحول العظيم *والطول القديم *والف الف شهادة ان لاحول ولاقوة الا بالله العزيز الحكيم *ومآابرئ نفسی ان النفس لكثيرة الخُطأ *الی الزلة والخطأ *فكيف مثلی *فی ظلمی وجهلی *وقلة الطاعة *وذلة البضاعة *و كثرة الذنوب *وسورة العيوب *ولكن الله يفعل مايريد *فضله اوسع ولديه المزيد ليس علی الله بمستنكر *ان يلحق العاجز بالقادر *فما كان فيها من الصواب *وهوالرجاء من الوهاب *فمن ربّی وحده وانا احمده عليه *وماكان فيها من الخطأ فمنی ومن الشيطان وانا اعوذ بربی واعود اليه *اَلاَ وَاَنا احمدُ رِضًا

پائے گا اگلے کریموں کی عمدہ تحقیقات سے، اور اُن کے ساتھ سبز غالیچے، اور منقش رنگین خوب صورت فرش پچھلے مشاہیر کی آرائشوں سے، اور ستھری دُلہنیں گویا وہ یاقوت و مرجان ہیں جن کو مجھ سے پہلے کسی آدمی یا جن نے ہاتھ نہ لگایا، نو پیدا چیزوں کے احکام، اور مفصل تحقیقوں، اور صحیح تنقیحوں، اور شاندار تدقیقوں، اور یکتا تائیدوں، اور احکام کی مضبوطیوں، اور اعتراضوں جوابوں سے جو بڑے علم والے بادشاہ نے مجھے الہام کیے علوم اکابر کی خدماگاری کی برکت سے، یہ جو میں کہہ رہاہوں اس کے ساتھ ہزاروں بیزاریاں ہیں اپنی قوت وطاقت سے، اور قسم قسم کی التجائیں ہیں عظمت والی قوت اور ازلی فضل ومنت کی طرف، اور ہزارہزار گواہیاں کہ قوت وقدرت نہیں مگر اللہ غالب والے کی عطا سے اور میں اپنے نفس کو بری نہیں بتاتا بیشک نفس لغزش وخطا کی طرف بکثرت گامزن ہوتا ہے تواس کا کیا پوچھنا جو مجھ جیسا ہو میرے ظلم وجہل وکمی طاعت وخواری مایہ وکثرت گناہ، اور غلبہ عیوب میں مگر ہے یہ کہ اللہ جو چاہے کرتا ہے اس کا فضل بڑی گنجائش والا اور اس کے پاس زیادہ ہے، اللہ سے کچھ دور نہیں کہ عاجز کو قادر سے ملادے، توجو کچھ ان میں ٹھیک ہے (اور بڑے بخشنے والے سے اسی کی امید ہے) وہ صرف میرے رب کی طرف سے ہے اور میں اس پر اس کی حمد کرتا ہوں اور جو غلطی ہو وہ مجھ سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اور میں اپنے رب کی پناہ مانگتا اور اس کی طرف رجوع لاتا ہوں ہاں ہاں مَیں اپنے رب کی رضا کے لئے

لربّی*وھو حسبی*ان لم یخطر ببالی قط انی من العلماء*اوزمرۃ الفقھاء*اوان لی بجنب الائمۃ مقالا*اوفی الحُکم و الحِکَم معھم مجالا*وانما انا منتم الیھم*متطفل علیھم*فعنھم اٰخذومنھم استفیض*ومنھم یفیض علی مایفیض*فببرکۃ ھذا فتح المولٰی علیّ الابواب*ویسرالاسباب وھدی للصواب*ان شاء اللہ فی کل باب*وانا اعرف حیث یحل للمقلدان یقول اقول*ففی میدانی اجول*والیہ احول*وما عونی وصونی الاباللہ ثم بالرسول*ثم بالسادۃ القادۃ الفحول*علیہ وعلیھم صلوات لاتزول*فھاك بحمداللہ تعالٰی جناتٍ لاولی الاباب*مفتحۃ لھم الابواب*حتی اذاجاؤھا وفتحت ابوابھا وقال لھم خزنتھا سلٰم علیکم طبتم فادخلوھا اٰمنین*ومن کِرامِ کُروم ریاضھا مجتنین*ومن بلال زُلال حیاضھا مرتوین*وفی ظلال جلال غیاضھا ساکنین*فقد رتبت علی الکتب والابواب*فسھل التناول وحق التداول بین الاصحاب*وستراھا محذوفۃ

اس کی حمد کرتاہوں (اور وُہ مجھے کافی ہے) کہ کبھی میرے دل میں یہ خطرہ نہ گزراکہ میں عالم ہوں یا فقہاء کے گروہ سے ہوں یا اماموں کے مقابل مجھے کوئی لفظ کہنا پہنچتاہے یا حکم وحکمت شرع میں مجھے ان کے ساتھ کچھ مجال ہے میں توان کانام لیواہوں اور ان کا طفیلی، انہیں سے لیتا اور فائدے پاتاہوں مجھ پر جو فیض آتاہے انہیں سے آتاہے۔ اس کی برکت سے مولانے مجھ پر دروازے کھول دیئے اور اسباب آسان کیے اور خداچاہے توہر مسئلہ میں حق کی طرف ہدایت فرمائے اور میں پہچانتاہوں کہ مقلد کو کس جگہ اقول کہنا رواہے تو میں اپنے ہی میدان میں جولان کرتا اور اُسی کی طرف پھرتاہوں اور میری مدد اور میری حفاظت نہیں مگر اللہ سے پھر نبی سے پھر ہمارے اماموں سرداروں مردان میدان علم سے، نبی پر اور ان پر وہ درودیں کہ کبھی زائل نہ ہوں توتواللہ تعالٰی کے شکر کے ساتھ وہ بہشتیں لے جن کے دروازے عقل والوں کے لئے کشادہ ہیں یہاں تک کہ جب وہ اُن تک آئے اور ان کے دروازے کھولے گئے اور ان سے ان بہشتوں کے خزانچیوں نے کہاتم پر سلامتی تم خوش رہو ان جنتوں میں آؤ امن پاتے، اور ان کے باغوں کے معزز انگور چُنتے، اور ان کے حوضوں کے نتھرے پانیوں سے سیراب ہوتے، اور ان کے گنجان درختوں کے سایہ عزت میں راحت لیتے اس وقت اُن اربابِ دانش کی خوشی بیان سے باہر ہے، بات یہ ہے کہ یہ فتاوے فقہ کی کتابوں اور بابوں پر مرتب کردیئے گئے ہیں توان سے مسئلہ نکالنا آسان اور احباب میں ان کا دست بدست دورہ رکھنا سزاوار ہوا، اور عنقریب توانھیں دیکھے گا کہ مکرر فتوے ان میں

الکتار*محفوظۃ الذمار*عن الاکثار والاکبار*بنقل فتاوٰی بنی الاعصار*بل ماھی من فتاوی الفقیر*الاالنصف اوازید بیسیر*اوقلت الثلث والثلث کثیر*وذٰلك ان سیّدی وابی*وظل رحمۃ ربّی*ختام المحققین و امام المدققین*ماحی الفتن*وحامی السنن*سیدنا ومولٰینا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی*امطراللہ تعالٰی علٰی مرقدہ الکریم شاٰبیب رضوانہ فی الحاضر والاٰتی*اقامنی فی الافتاء للرابع عشر*من شعبان الخیر والبُشر*۱۲۸۶ھ ست وثمانین والف ومائتین*من ھجرۃ سیدالثقلین*علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوات من رب المشرقین*ولم تتم لی اذا ذاك اربعۃ عشرعا مامن العُمُر*لان ولادتی عاشر شوال ۱۲۷۲ھ اثنتین وسبعین من سنی الھجرۃ الاطائب الغُر*فجعلت اُفتی*ویھدینی قدس سرہ فیما اُخطی*فبعد سبع سنین اذن لی*عطر اللہ تعالٰی مرقدہ النقی العلی*ان اُفتی واعطی ولا اعرض علیہ*ولکن لم اجترئ بذلك حتّی قبضہ الرحمٰن الیہ*سلخ ذی القعدہ عام سبع وتسعین ۱۲۹۷ھ*فلم الق بالی الی جمع ماافتیت فی تلك السنین*نحو

نہیں اُن کی حریم اس سے محفوظ رکھی گئی ہے کہ اور اہل زمانہ کے فتوے نقل کرکے گنتی اور کتاب کا حجم بڑھائیں بلکہ اُن میں خود میرے ہی فتوے پورے درج نہ ہو پائے آدھے ہوں گے یا کچھ زیادہ یا تہائی کم ہوگئے اور تہائی بہت ہوتی ہے، اور اُس کا سبب یہ ہے کہ میرے آقا اور والد سایہ رحمت الٰہی، خاتمہ محققین، امام مدققین، فتنوں کے مٹانے والے، سنتوں کی حمایت فرمانے والے، ہمارے سردار و مولٰی حضرت مولوی محمد نقی علیخان صاحب قادری برکاتی نے (کہ اللہ عزوجل اُن کے مرقد کریم پر اب سے ہمیشہ تک اپنی رضا کے مینہ برسائے) مجھے چاردہم شعبان خیر وبشارت کو فتوے لکھنے پر مامور فرمایا جب کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے ۱۲۸۶ھ سال تھے اور اس وقت میری عمر کے چودہ برس پورے نہ ہوتے تھے کہ میری پیدائش ہجرت کے پاکیزہ روشن برسوں سے دہم شوال ۱۲۷۲ھ میں ہے تو میں نے فتوے دینا شروع کیا اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے اللہ عزوجل اُن کے مرقد پاکیزہ بلند کو معطر فرمائے، سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتوے لکھو اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں، مگر میں نے اس پر جرات نہ کی یہاں تک کہ رحمٰن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی القعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلالیا تو ان برسوں میں جو فتوے تقریباً ایک قرن کامل یعنی

اثنتی عشرة سنة*قرنا کاملا فی الازمنة*وبعد ذلك ان اتی السؤال من بلاد قریبة دانیة*ومما لك بعیدةقاصیة*عشر مرات فصاعدا*لم اثبت فی الکتاب الاجوابا واحدا*الا لفائدة*اوعائدة زائدة*اوطروء نسیان*وقلما یسلم منه انسان*ومع فوات الکثیرة وروم الاختصار*قد بلغت الی الان سبع مجلدات کبار*کل مجلد مابین سبعین*کُرّاسا کبیرا الیٰ ثمانین*والاٰن ھی فی ازدیاد*الی مایشاء الکریم الجواد فاستثقل الاحباب حجم المجلدات وجزّؤھا علی اثنی عشر*ومایرزق المولی من بعد ذٰلك فسیکون ذیلا بعونه الاکبر*وسمیتھا بالعطایا النبویة*فی الفتاوی الرضویة*جعلھا اللہ *وسیلة لرضاہ*ونافعة فی الدارین لی ولعبادہ*وجَوداجائدا علیٰ جمیع بلادہ*واھب واھُب المراد قبول القبول*علیھا وصانھا من کل لدود جھول*فقد عذت برب الفلق*من شرماخلق*ومن شرّحاسد اذاحسد*ومن ضرحاقداذ احقد*اللھم من استعاذ بك فقد استعاذ بعظیم *عزّجارك وجل ثناؤوجھك الکریم *صل وسلم

بارہ سال تک لکھے اُن کے جمع کرنے کا خیال نہ آیا اور اُس کے بعد پاس پاس کے شہروں اور دُور دراز کے ملکوں سے اگر سوال دس یازیادہ بار آیا تو کتاب میں ایک ہی بار کا جواب درج کیا مگر کسی فائدے یا زیادہ نفع کے لئے یا بھول کر کہ آدمی بھول سے کم خالی ہوتا ہے، اور باآنکہ اتنے کثیر فتاوے جاتے رہے اور باقیوں میں اس قدر اختصار منظور رہا اب تک میرے فتاوے سات مجلد کبیر تک پہنچ گئے ہر جلد چودہ سو صفحہ کلاں سے سولہ سو کے اندر تک اور ہنوز جہاں تک وہ جُود و کرم والا چاہے افزائش ہی ہے، پس احباب نے مجلدات کا حجم بھاری دیکھ کر فتاوے کو بارہ جلدوں پر تقسیم کیا اور جو کچھ مولا تعالیٰ اس کے بعد عطافرمائے گا وہ اس کی مدد اکبر سے عنقریب ذیل فتاوٰی ہوجائے گا اور میں نے اس کا نام العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ رکھا اللہ اسے اپنی رضا کا وسیلہ بنائے اور دونوں جہان میں مجھے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے اور اسے اپنے سب شہروں پر نفع رسانی کے لئے برسنے والے عظیم باران بنائے، مرادیں دینے والا، اس پر قبول کی نسیم چلائے اور ہر سخت جاہل جھگڑالو سے اسے بچائے، اس لئے کہ میں پروردگار صبح کی پناہ میں آیا اس کی تمام مخلوقات کے شر سے حاسد کی برائی سے جب وہ حسد کرے اور کینہ پرور کے ضرر سے جب وہ کینہ رکھے، اے اللہ! جس نے تیری پناہ لی اُس نے بڑی عظمت والے کی پناہ لی، عزّت والا وہ ہے جسے تو پناہ بخشے تیرے وجہ کریم کی تعریف کمال بزرگ ہے اس

وبارك علی هذا الحبیب الرؤف الرحیم *وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ واولیائہٖ وعلمائہٖ بالوف التکریم *واشهد ان لاالٰه الا الله وحده لاشریك له*واشهد ان سیّدنا وموٰلینا محمدًا عبده ورسوله بالهدیٰ ودین الحق ارسله*صلی الله علیه وسلّم علیه*وعلٰی کل من هو مرضی لدیه*وعلٰی کل مسلم ملتجیئ الیه*فی کل اٰن دائما ابدا*مالایحصیه احد عددا اٰمین۔

رافت ورحمت والے پیارے پر درود وسلام وبرکت اتار اور ان کے آل واصحاب اور ان کے اولیاء وعلماء پر ہزاروں تعظیم کے ساتھ ، اور میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی سچّا معبود نہیں، ایک اکیلا کوئی اس کا ساجھی نہیں، اور میں گواہی دیتاہوں کہ ہمارے مالک ہمارے مولٰی محمد اس کے بندے اُس کے رسول ہیں کہ اس نے انہیں رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام نازل فرمائے اور اُن سب پر جو اُن کو پسند ہیں اور ہر اس مسلمان پر جو اُن کی طرف التجالے جائے ہر آن ہمیشہ ہمیشہ اتنی کہ کوئی گن نہ سکے الٰہی قبول کر۔

سند الفقیر فی الفقه المنیر مسلسلا بالحنفیة الکرام والمفتین والمصنّفین والمشائخ الاعلام

بحمدالله تعالٰی طرق کثیرة من اجلّها انی ارویه عن سراج البلاد الحرمیة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة مولٰینا الشیخ عبدالرحمٰن السراج ابن المفتی الاجل مولٰینا عبدالله السراج **عن** مفتی مکّة سیّدی جمال بن عبدالله بن عمر **عن** الشیخ الجلیل محمد عابدالانصاری المدنی **عن** الشیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین المزجاجی **عن** الشیخ عبدالقادر بن خلیل **عن** الشیخ اسمٰعیل بن عبدالله الشهیر بعلی زاده البخاری **عن** العارف بالله تعالٰی الشیخ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی (وهو صاحب الحدیقة الندیة والمطالب الوفیة والتصانیف الجلیلة الزکیة) **عن** والده مؤلف شرح الدرر والغرر **عن** شیخین جلیلین احمد الشوبری وحسن الشرنبلالی

فقہ روشن میں میری سند کہ معزز حنفیّہ اور مشہور مفتیوں مصنفوں اماموں سے مسلسل ہے خدا کا شکر اس کے بہت سے طریق ہیں اُن میں نہایت عظمت والے طرق سے یہ ہے کہ میں فقہ روایت کرتا ہوں شمع حرم مفتی مکہ معظّمہ مولانا عبدالرحمٰن سراج ابن مفتی اجل مولانا عبداللہ سراج مکی سے، وہ ستائیس واسطوں سے امام اعظم تک، وہ چار واسطوں سے حضُور پر نور سیّد المرسلین تک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم۔

محشی الدرر والغرر (وھوصاحب نورالایضاح وشرحیہ مراقی الفلاح وامداد الفتاح والتصانیف الملاح) بروایۃ الاول **عن** الشیخ عمر بن نجیم صاحب النھر الفائق والشمس الحانوتی صاحب الفتاوٰی والشیخ علی المقدسی شارح نظم الکنز وروایۃ الثانی **عن** الشیخ عبداللّٰہ النحریری والشیخ محمد بن عبدالرحمٰن المسیری والشیخ محمد بن احمد الحموی والشیخ احمد المحبی سبعتھم **عن** الشیخ احمد بن یونس الشلبی صاحب الفتاوٰی عن سری الدین عبدالبربن الشحنۃ شارح الوھبانیۃ **عن** الکمال بن الھمام (وھو المحقق حیث اطلق صاحب فتح القدیر **عن** السراج قارئ الھدایۃ**عن** علاء الدین السیرافی عــہ۱ **عن** السیّد جلال الدین عــہ۲ الخبازی شارح

عــہ۱: ھکذا ھو فی روایاتی بالفاء وھوالاشھر ویقال سیرامی بالمیم وھو الواقع فی فتح القدیر و الطحطاوی ورد المحتار وسیراف بالفاء کشیر از بلدۃ بفارس علی ساحل البحر ممایلی کرمان منھا ابو سعید النحوی المشھور وبالمیم مدینۃ بالروم منھا النظام یحیی بن یوسف بن فھد النحوی تلمیذ التفتازانی منہ دام فیضہ۔

عــہ۲: ھکذا فی روایتی ھذہ وفی روایتی الاخری من طریق السراج الحانوتی عن ابراہیم الکرکی صاحب الفیض عن الشیخ محب الدین الاقصرائی عن قارئ الھدایۃ عن السیرافی بلفظ عن السید

میری روایات میں اسی طرح ہے فاء کے ساتھ اور یہی زیادہ مشہور ہے، سرامی بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ فتح القدیر، طحطاوی اور ردالمحتار میں ہے۔ سیراف فاء کے ساتھ، شیراز کے وزن پر فارس میں سمندر کے کنارے، کرمان کے پاس ایک گاؤں ہے۔ مشہور نحوی ابوسعید یہیں کے رہنے والے تھے، اور میم کے ساتھ (سیرام) روم کا ایک شہر ہے، علامہ تفتازانی کے شاگرد نظام یحیٰی بن یوسف بن فہد نحوی اسی جگہ کے رہنے والے تھے۔

میری اس روایت میں اسی طرح ہے اور میری دوسری روایت یہ ہے کہ سراج حانوتی نے روایت کی صاحب الفیض ابراہیم کرکی سے، انہوں نے شیخ محب الدین اقصرائی سے، انہوں نے قارئ الہدایہ سے، انہوں نے سیرافی سے، ان کے الفاظ یہ ہیں: میں روایت کرتا ہوں سید (باقی برصفحہ آئندہ)

الهداية **عن** الشيخ عبدالعزيز البخاری صاحب الکشف والتحقيق، **عن** الامام عبدالستار بن محمد ن الکردری **عن** الامام برهان الدين صاحب الهداية **عن** الامام فخر الاسلام البزدوی **عن** عــہ شمس الائمة الحلوانی **عن** القاضی ابی علی النسفی **عن** ابی بکر محمد بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جلال الدين بن شمس الدين الکرلانی عن عبد العزيز بن محمد بن احمد البخاری الخ والسيد جلال الدين هذا هو صاحب الکفاية شرح الهداية تلميذ حسام الدين السغناق صاحب النهاية اول شروح الهداية والخبازی صاحب المغنی فی الاصول عمر بن محمد بن عمروهو ايضا شرح الهداية وکلاهما من تلامذة صاحب الکشف والتحقيق، والله تعالٰی اعلم ۱۲منه دام فيضه

عــہ: هکذا هوفی روايتی ووقع فی اسانيد السيد الطحطاوی والسيد الشامی عن فخرالاسلام وعن شمس الائمة السرخسی عن شمس الائمة الحلوانی الخ **اقول**: وهذا من المزيد فی متصل الاسانيد فان الامام فخر الاسلام قداخذ عن شمس الائمة الحلوانی بلاواسطة قال الذهبی فی سيراعلام النبلاء فی ترجمة

جلال الدین بن شمس الدین الکرلانی سے، وہ عبدالعزیز بن محمد بن احمد بخاری سے الخ۔ یہ سید جلال الدین صاحبِ کفایہ، شرح ہدایہ ہیں، اور ہدایہ کے پہلے شارح حسام الدین سغناقی صاحبِ نہایہ کے شاگرد ہیں اور خبازی علمِ اصول کی کتاب المغنی کے مصنف، عمر بن محمد بن عمر ہیں، انہوں نے بھی ہدایہ کی شرح لکھی ہے اور یہ دونوں صاحب الکشف والتحقیق (علامہ عبدالعزیز بخاری) کے شاگرد ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲منہ دام فیضہ (ت)

میری روایت میں اسی طرح ہے، سید طحطاوی اور سید شامی کی سندوں میں ہے: فخرالاسلام روایت کرتے ہیں شمس الائمہ سرخسی سے اور وہ شمس الائمہ حلوانی سے الخ میں کہتاہوں کہ یہ سند متصل میں اضافہ ہے کیونکہ امام فخرالاسلام نے علم فقہ شمس الائمہ حلوانی سے بلاواسطہ حاصل کیا ہے۔ علامہ ذہبی، سیر اعلام النبلا میں امام حلوانی کاتذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان سے (باقی بر صفحہ آئندہ)

الفضل البخاری **عن** الامام ابی عـــہ عبداللہ السبذ مونی، **عن** عبداللہ بن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الامام الحلوانی اخذعنہ شمس الائمۃ السرخسی وفخرالاسلام البزدوی واخوہ صدرالاسلام الخ وارخ وفاتہ ببخارا ۴۵۶ھ اربعمائۃ وست وخمسین ووفاۃ فخر الاسلام بکش فی رجب ۴۸۲ھ اربعمائۃ واثنتین وثمانین قال وولد فی حدود ۴۰۰ھ اربعمائۃ فیکون عمرہ عند وفاۃ الحلوانی نحوست وخمسین سنۃ۔ منہ دام فیضہ۔	شمس الائمہ سرخسی، فخرالاسلام بزدوی اور ان کے بھائی صدرالاسلام نے علم حاصل کیا (سیر اعلام النبلا) ذہبی نے بیان کیا کہ ان کا وصال ۴۵۶ھ میں بخارا میں ہوا، اور فخرالاسلام کاوصال ماہِ رجب ۴۸۲ھ میں کش میں ہوا، اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ فخرالاسلام کی پیدائش ۴۰۰ھ کے لگ بھگ ہوئی۔اس طرح شمس الائمہ کے وصال کے وقت ان کی عمر چھپن ۵۶ (برس) ہوگی۔ ۱۲منہ دام فیضہ۔(ت)
عـــہ: ھکذا ھو فی روایتی ھذہ وکذا فی سند الطحطاوی والشامی وثبت شیخ الشامی والمشھور ان کنیتہ ابومحمد واسمہ عبداللہ بن محمد وھو الواقع فی روایتی الاخری من طریق عزالدین احمد بن المظفر وعبدالعزیز المذکور البخاری کلیھما عن حافظ الدین البخاری عن شمس الائمۃ الکردری عن بدر الائمۃ عمر الورسکی عن الامام رکن الدین عبدالرحمٰن الکھانی عن فخر القضاۃ الارسابندی عن عماد الاسلام عبدالرحیم الزوزنی عن القاضی الامام	میری اس روایت میں اسی طرح ہے اور اسی طرح علامہ طحطاوی اور شامی کی سند اور علامہ شامی کے شیخ کی تحریر میں ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ان کی کنیت ابومحمد اور نام عبداللہ بن محمد ہے، اور یہی میری دوسری روایت میں واقع ہے جو عزالدین احمد بن مظفر اور عبدالعزیز بخاری (جو پہلی روایت میں مذکور ہیں) سے مروی ہے، وہ دونوں حافظ الدین بخاری سے، وہ شمس الائمہ کردری سے، وہ بدرالائمہ عمرورسکی سے، وہ امام رکن الدین عبدالرحمٰن کہانی سے، وہ فخر القضاۃ ارسابندی سے، وہ عماد الاسلام عبدالرحیم زوزنی سے، وہ قاضی امام ابوزید دبوسی سے، وہ استاد (باقی برصفحہ آئندہ)

ابی حفص البخاری **عن** ابیہ احمد بن حفص (وھو الامام الشھیر بابی حفص الکبیر) **عن** الامام الحجۃ ابی عبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی **عن** الامام الاعظم ابی حنیفۃ **عن** حماد عن ابراھیم **عن** علقمۃ والاسود **عن** عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ **عن** النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابی زید الدبوسی عن الاستاذابی جعفر الاستروشنی عن ابی الحسن علی النسفی عن الامام الفضلی قال اخبرنا الامام ابومحمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب السبذمونی الحارثی الخ فلعل لہ کنیتین ابومحمد وابو عبد اللہ، واللہ تعالٰی اعلم منہ دام فیضہ

ابو جعفر استروشنی سے، وہ ابوالحسن علی نسفی سے، وہ امام فضلی سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں امام ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب سبذمونی حارثی نے بیان کیا الخ۔ ہوسکتا ہے کہ ان کی دو کنیتیں ہوں: (۱) ابو محمد (۲) ابوعبداللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲منہ دام فیضہ۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ

اجلَی الاعلام انّ الفتوٰی مطلقًا علی قول الاِمام ۱۳۳۴ھ

(روشن تر آگاہی کہ فتوٰی قولِ امام پر ہے)

ف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الحفی، علی دینہ الحنفی، الذی ایدنا بائمۃ یقیمون الاود، ویدیمون المدد، باذن الجواد الصمد، وجعل من بینھم امامنا الاعظم کالقلب فی الجسد، والصّلوۃ والسلام علی الامام الاعظم للرسل الکرام الذی	ہر ستائش خدا کے لئے جو دین حنفی پر نہایت مہربان ہے، جس نے ہمیں ایسے ائمہ سے قوت دی جو جود وسخا والے بے نیاز رب کے اذن سے کجی درست کرنے والے اور ہمیشہ مدد پہنچانے والے ہیں، اور ان کے درمیان ہمارے امام اعظم کو یوں رکھا جیسے جسم میں قلب کو رکھا، اور درود وسلام ہو معزز رسولوں کے امام اعظم پر جن کا یہ

ف : **رسالہ جلیلہ** اس امر کی تحقیق عظیم میں کہ فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ خلاف پر فتوٰی دیا گیا ہو، اختلاف زمانہ ضرورت وتعامل وغیرہا جن وجوہ سے قول دیگر پر فتوٰی مانا جاتا ہے وہ در حقیقت قول امام ہی ہوتا ہے۔

جاء نا حقا من قوله المأمون، استفت عــه قلبك وان افتاك المفتون،وعليهم وعلى اٰله واٰلهم وصحبه وصحبهم وفئامه و	ارشاد گرامی بجاطور پر ہمیں ملا، کہ اپنے قلب سے فتوٰی دریافت کرا گرچہ مفتیوں کا فتوٰی تجھے مل چکا ہے۔ اور (درود وسلام ہو) ان رسولوں پر یوں ہی سرکار کے آل واصحاب وجماعت پر اور حضرات رسل کے

عــه: جعل الامام الاعظم كالقلب ثم ذكر هذا الحديث (استفت قلبك وان افتاك المفتون. فاكرم به من براعة استهلال. والحديث رواه الامام[1] احمد والبخاري في تاريخه عن وابصة بن معبد الجهني رضي الله تعالى عنه بسند حسن بلفظ استفت نفسك[2] وروى احمد بسند صحيح عن ابي ثعلبة الخشني رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم البر ما سكنت اليه النفس واطمأن اليه القلب والاثم مالم تسكن اليه النفس ولم يطمئن اليه القلب وان افتاك المفتون[3] ا ھ منه غفرله۔

پہلے امام اعظم کو قلب کی طرح قرار دیا پھر یہ حدیث ذکر کی "اپنے قلب سے فتوٰی طلب کر اگرچہ مفتیوں کا فتوٰی تجھے مل چکا ہو" اس میں کیا ہی عمدہ براعت استہلال ہے (یعنی یہ اشارہ ہو جاتا ہے کہ قلب امام اعظم کا فتوٰی راجح ہوگا اگرچہ دوسرے فتوے اس کے بر خلاف ہوں حدیث مذکور امام احمد نے مسند میں اور امام بخاری نے تاریخ میں وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کی ہے اس کے الفاظ میں "استفت نفسک" ہے یعنی خود اپنی ذات سے فتوٰی طلب کر اور امام احمد نے بسند صحیح ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے یوں روایت کی ہے نیکی وہ ہے جس میں نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان ملے اور گناہ وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان نہ ہو اگرچہ فتوٰی دینے والے (اس کی درستی کا) فتوٰی دے دیں) (ت)

[1] مسند احمد بن حنبل عن وابصۃ بن معبد رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ / ۲۸۸
(اتحاف السادۃ المتقین الباب الثانی دار الفکر بیروت ۱/۱۶۰)

[2] التاریخ البخاری ترجمہ ۴۳۲ محمد ابو عبداللہ الاسدی دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱/۱۴۵، الجامع الصغیر حدیث ۹۹۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ / ۶۶)

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی المکتب الاسلامی بیروت ۴ / ۱۹۴)

فئامهم، الی یوم ندعو کل اناس بامامهم، اٰمین اعلم رحمنی الله تعالٰی وایاک، وتولی بفضله هدای وهداک، انه قال العلامة المحقق البحر فی صدر قضاء البحر بعد ما ذکر تصحیح السراجیة ان المفتی یفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق [1] وتصحیح حاوی القدسی، اذاکان الامام فی جانب وهما فی جانب ان الاعتبار لقوة المدرك [2] مانصه فان قلت کیف جاز للمشائخ الافتاء بغیر قول الامام الاعظم مع انهم مقلدون قلت قد اشکل علی ذلك مدة طویلة ولم ارفیه جوابا الاما فهمته الاٰن من کلامهم وهو انهم نقلوا عن اصحابنا عــہ انه لایحل	آل واصحاب وجماعت پر اور حضرات رسل کے آل واصحاب اور جماعت پر بھی اس روز تک جبکہ ہر گروہ کو اس کے امام و پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا الٰہی! قبول فرما، آپ کو معلوم ہو، خدا مجھ پر اور آپ پر رحم فرمائے، اور اپنے فضل سے مجھے اور آپ کو راہ راست پر چلائے، کہ علامہ محقق صاحب بحر رائق نے البحر الرائق کتاب القضاء کے شروع میں پہلے یہ دو تصحیحین ذکر کیں (۱) تصحیح سراجیہ، مفتی کو مطلقاً قول امام پر فتوی دینا ہے۔(۲) تصحیح حاوی قدسی اگر امام اعظم ایک جانب ہوں اور صاحبین دوسری جانب تو قوت دلیل کا اعتبار ہوگا، اس کے بعد وہ یوں رقم طراز ہیں: اگر یہ سوال ہو کہ مشائخ کو یہ جواز کیسے ملا کہ وہ امام اعظم کے مقلد ہوتے ہوئے ان کا قول چھوڑ کر دوسرے کے قول پر فتویٰ دیں؟ تو میں کہوں گا کہ یہ اشکال عرصہ دراز تک مجھے درپیش رہا اور اس کا کوئی جواب نظر نہ آیا، مگر اس وقت ان حضرات کے کلام سے اس اشکال کا یہ حل سمجھ میں آیا کہ حضرات مشائخ نے ہمارے اصحاب سے یہ ارشاد نقل

عــہ: قال الرملی هذا مروی عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه وکلامه هنا موهم ان ذلك مروی عن المشائخ کما هو	یہاں خیر الدین رملی اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ بات امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، اور کلام بحر سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ یہ بات حضرات مشائخ سے مروی ہے جیسا کہ اس کے سیاق (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

[2] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶)

لاحد ان یفتی بقولنا حتی	فرمایا ہے کہ کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظاهر من سیاقه [1] اھ **اقول:** ای ف۱ حرف فی کلامه یوهم روایته عن المشائخ وای سیاق یظهره انما جعل خلاف المشائخ لانهم منهیون عن الافتاء بقول الاصحاب مالم یعرفوا دلیله فهم منهیون لاناهون اما الاصحاب ف۲ فنعم روی عنهم کما روی عن الامام رضی الله تعالی عنهم فی مناقب الامام للامام الکردری عن عاصم بن یوسف لم یر مجلس انبل من مجلس الامام وکان انبل اصحابه اربعة زفرو ابو یوسف وعافیة واسد بن عمرو وقالوا لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من

سے ظاہر ہے

اقول: میں کہتا ہوں کلام بحر کے کس حرف سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے اور کس سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قول حضرات مشائخ سے مروی ہے؟ بحر نے تو بس یہ بتایا ہے کہ مخالفت مشائخ کی وجہ یہ ہے کہ انہیں معرفت دلیل کے بغیر قول اصحاب پر فتوی دینے سے ممانعت تھی جس سے معلوم ہوا کہ مشائخ اس کام سے ممنوع تھے نہ یہ کہ وہ خود مانع تھے اب رہی یہ بات کہ قول مذکور نہ صرف امام اعظم بلکہ ان کے اصحاب سے بھی منقول ہے تو ہاں واقعہ یہی ہے حضرات اصحاب سے بھی اسی طرح منقول ہے جیسے حضرت امام سے منقول ہے رضی اللہ تعالی عنہم، امام کردری کی تصنیف مناقب امام اعظم میں عاصم بن یوسف سے یہ روایت ہے کہ امام اعظم کی مجلس سے زیادہ معزز کوئی مجلس دیکھنے میں نہ آئی، اور ان کے اصحاب میں زیادہ معزز وبزرگ چار حضرات تھے (۱) زفر (۲) ابویوسف (۳) عافیہ (۴) اسد بن عمرو (باقی بر صفحہ آئندہ)

ف۱: تطفل علی العلامه الرملی والشامی

ف۲: تطفل علیهما

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق فصل یجوز تقلید من شاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

یعلم من این قلنا حتی نقل فی السراجیة ان ھذا سبب مخالفة عصام للامام وکان یفتی بخلاف قولہ کثیرا لانہ لم یعلم الدلیل وکان یظھرلہ دلیل غیرہ فیفتی بہ. فاقول ان ھذا الشرط کان فی زمانھم اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کمافی القنیہ وغیرھا فیحل الافتاء بقول الامام بل یجب

دینارو انہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہمارا ماخذ اور ہمارے قول کی دلیل کیا ہے، یہاں تک کہ سراجیہ میں منقول ہے کہ اسی وجہ سے شیخ عصام سے امام اعظم کی مخالفت عمل میں آئی، ایسا بہت ہوتا کہ وہ قول امام کے بر خلاف فتوٰی دیتے کیونکہ انہیں دلیل امام معلوم نہ ہوتی اور دوسرے کی دلیل ان کے سامنے ظاہر ہوتی تو اسی پر فتوٰی دیتے، (صاحب بحر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں یہ شرط حضرات مشائخ کے زمانے میں تھی لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں جیساکہ قنیہ وغیرہ میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

این قلنا ولا ان یروی عنا شیئا لم یسمعہ منا[1] وفیھا عن ابن جبلة سمعت محمدا یقول لایحل لاحد ان یروی عن کتبنا الا ما سمع اویعلم مثل علمنا[2] ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)

ان حضرات نے فرمایا: کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا اس وقت تک روانہیں جب تک اسے یہ نہ معلوم ہوجائے کہ ہم نے کہا ں سے کہا ہے، نہ ہی اس کے لئے یہ روا ہے کہ ہم سے کوئی ایسی بات روایت کرے جو ہم سے سنی نہ ہو اسی کتاب میں ابن جبلہ کا یہ بیان مروی ہے کہ میں نے امام محمد کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی کے لئے ہماری کتابوں سے روایت کرنا روانہیں مگر وہ جو خود اس نے سنا ہو یا وہ جو ہماری طرح علم رکھتا ہو ۱۲منہ (ت)

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] المناقب الکردری ذکر عافیۃ بن یزید الاودی الکوفی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲ / ۲۱۴

[2] المناقب الکردری اقوال الامام الشافعی فی تعظیم الامام محمد بن الحسن مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۲ / ۱۵۲

وان لم نعلم من این قال وعلی هذا فما صححه فی الحاوی مبنی علی ذلك الشرط وقد صححوا ان الافتاء بقول الامام فینتج من هذا انه یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه لانهم انما افتوا بخلافه لفقد شرطه فی حقهم وهوالوقوف علی دلیله واما نحن قلنا الافتاء وان لم نقف علی دلیله. وقد وقع للمحقق ابن الهمام فی مواضع الرد علی المشائخ فی الافتاء بقولهما بانه لا یعدل عن قوله الا لضعف دلیله وهو قوی فی وقت العشاء لکونه الاحوط وفی تکبیر التشریق فی اٰخر وقته الی اٰخرها ذکره فی فتح القدیر ولکن هو اهل للنظر فی الدلیل ومن لیس باهل للنظر فیه فعلیه الافتاء بقول الامام والمراد بالاهلیة هنا ان	تو اب اگرچہ ہمیں قول امام کی دلیل معلوم نہ ہو، قول امام پر فتوی دینا جائز بلکہ واجب ہے اس تفصیل کے پیش نظر تصحیح حاوی کی بنیاد وہی شرط ہے جو حضرات مشائخ کے لئے اس زمانے میں تھی اور اب علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا کہ قول امام پر ہی فتویٰ ہوگا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم پر یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتویٰ دیں اگرچہ مشائخ اس کے پر خلاف فتوی دے چکے ہوں اس لئے کہ اس کے خلاف افتائے مشائخ کی وجہ یہ ہے کہ خود قول امام پر فتویٰ دینے کے لئے اس کی دلیل سے باخبر ہونے کی جو شرط ان کے حق میں تھی وہ مفقود تھی (وہ اس کی دلیل سے باخبر نہ ہوسکے اس لئے اس پر فتویٰ نہ دے سکے) اور ہمارے لئے یہ شرط نہیں، ہمیں قول امام پر ہی فتوی دینا ہے اگرچہ اسکی دلیل سے آگاہی نہ ہو، اور محقق ابن ہمام نے تو متعدد جگہ قول صاحبین پر فتویٰ دینے سے متعلق مشائخ پر رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ قول امام سے بجز اس کے اس کی دلیل ضعیف ہو انحراف نہ ہوگا اور وقت عشا سے متعلق قول امام کی دلیل قوی ہے اس لئے کہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ اسی طرح تکبیر تشریق کے آخری وقت کی تعیین میں بھی قوت دلیل اس طرف ہے اس کے آگے فتح القدیر میں مزید بھی ہے لیکن امام ابن الہمام کو دلیل میں نظر وفکر کی اہلیت حاصل تھی، جو دلیل میں نظر کی اہلیت نہیں

یکون عارفا ممیزا بین الاقاویل له قدرة علی ترجیح بعضها علی بعض [1] اھ

وتعقبه العلامة ش فی شرح عقودہ بقوله لایخفی علیك مافی هذا الکلام من عدم الانتظام ولهذا اعترضه محشیه الخیر الرملی بأن قوله یجب علینا الافتاء بقول الامام وان لم نعلم من این قال مضاد لقول الامام لا یحل لاحد ان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا اذھو صریح فی عدم جواز الافتاء بغیر اهل الاجتهاد فکیف یستدل به علی وجوبه فنقول مایصدر من غیر الاهل لیس بافتاء حقیقة وانما هو حکایة عن المجتهد انه قائل بکذا واعتبار هذا الملحظ تجوز حکایة قول غیرالامام فکیف یجب علینا الافتاء بقول الامام وان

رکھتا اس پر تو یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتوی دے۔ یہاں اہلیت کا مطلب یہ ہے کہ اقوال کی معرفت اور ان کے مراتب میں امتیاز کی لیاقت کے ساتھ ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کی قدرت حاصل ہو۔ اھ اس کلام بحر پر علامہ شامی نے شرح عقود میں یوں تنقید کی ہے اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔ اسی لئے اس کے محشیٰ خیر الدین رملی نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ ایک طرف ان کا کہنا یہ ہے کہ "ہمیں قول امام پر فتویٰ دینا واجب ہے اگرچہ اس قول کی دلیل او رماخذ ہمارے علم میں نہ ہو" دوسری طرف امام کا ارشاد یہ ہے کہ "کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا حلال نہیں جب تک اسے یہ علم نہ ہو جائے کہ ہم نے کہاں سے کہا۔" یہ دونوں میں تضاد ہے اس لئے کہ قول امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ پھر اس سے اس شرط کے بغیر وجوب افتاء پر استدلال کیسے ہو سکتا ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتاء نہیں، وہ تو امام مجتہد سے صرف اس بات کی نقل و حکایت ہے کہ وہ اس حکم کے قائل ہیں جب حقیقت یہ ہے تو غیر امام کے قول کی نقل وحکایت بھی جائز ہے پھر ہم پر یہ واجب کیسے رہا کہ قول امام ہی پر

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ۶/۲۶۹ و ۲۷۵

افتی المشائخ بخلافه ونحن انما نحکی فتوٰی هم لاغیر فلیتأمل انتهی ،(وتوضیحه) ان المشائخ اطلعوا علی دلیل الامام وعرفوا من این قال و اطلعو اعلی دلیل اصحابه فیرجحون دلیل اصحابه علی دلیله فیفتون به ولا یظّن بهم انهم عدلوا عن قوله لجهلهم بدلیله فانا نرٰہم قدشحنو اکتبهم بنصب الادلة ثم یقولون الفتوی علی قول ابی یوسف مثلا وحیث لم نکن اهلا للنظر فی الدلیل ولم نصل الی رتبتهم فی حصول شرائط التفریع والتاصیل فعلینا حکایة ما یقولونه لانهم هم اتباع المذهب الذین نصبوا انفسهم لتقریره وتحریره باجتهادهم (وانظر) الی ما قدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدین لم یفقدوا حتی نظروا فی المختلف

فتوٰی دیں اگرچہ مشائخ نے اس کے بر خلاف فتوٰی دیا ہو، حالانکہ کہ ہم تو صرف فتوائے مشائخ کے ناقل ہیں اور کچھ نہیں یہاں تامل کی ضرورت ہے۔انتھی ،(کلام رملی ختم ہوا) علامہ شامی فرماتے ہیں: اس کی توضیح یہ ہے کہ مشائخ کو دلیل امام سے آگاہی حاصل ہوئی ،انھیں علم ہواکہ امام نے کہاں سے فرمایا، ساتھ ہی اصحاب امام کی دلیل سے بھی وہ آگاہ ہوئے ،اس لیے وہ دلیل اصحاب کو دلیل امام پر ترجیح دیتے ہوئے فتوی دیتے ہیں۔اور ان کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے قول امام سے انحراف اس لیے اختیار فرمایاکہ انھیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔اس لیے کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ حضرات مشائخ نے دلائل قائم کرکے اپنی کتابیں بھر دی ہیں اس کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتوی مثلا امام ابو یوسف کے قول پر ہے۔اور ہمارا حال یہ ہے کہ نہ دلیل میں نظر کی اہلیت ،نہ تاسیس اصول وتخریج فروع کی شرائط کے حصول میں رتبہ مشائخ تک رسائی، تو ہمارے ذمہ یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کر دیں اس لیے کہ یہی حضرات مذہب کے ایسے متبع ہیں جنھوں نے اپنے اجتہاد کی قوت سے مذہب کی تقریر و تحریر (اثبات وتوضیح) کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔ملاحظہ ہو علامہ قاسم کی عبارت جو ہم پہلے پیش کر آئے ،وہ فرماتے ہیں: مجتہدین پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے

ورجعوا وصححوا الی ان قال فعلینا اتباع الراجع والعمل بہ کما لو افتوا فی حیاتھم (وفی) فتاوی العلامۃ ابن الشلبی لیس للقاضی ولا للمفتی العدول عن قول الامام الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوی علی قول غیرہ فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیر ابی حنیفۃ فی مسئلۃ لم یرجح فیھا قول غیرہ ورجحوا فیھا دلیل ابی حنیفۃ علی دلیلہ فان حکم فیھا فحکمہ غیر ماض لیس لہ غیر الانتقاض انتہٰی[1] اھ کلامہ فی الرسالۃ۔ وذکر نحوہ فی ردالمحتار من القضاء وزاد فی المعتمدۃ قد یمشون علی غیر مذھب الامام و اذا افتی المشائخ بخلاف قولہ لفقد الدلیل فی حقھم	مقام اختلاف میں نظر فرما کر ترجیح و تصحیح کا کام سر انجام دیا تو ہمارے اوپر اسی کی پیروی اور اسی پر عمل لازم ہے جو راجح قرار پایا جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا علامہ ابن شلبی کے فتاوی میں مرقوم ہے کہ : قاضی یا مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو کہ فتوی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے ۔تو قاضی کو امام کے سوا دوسرے کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں دوسرے کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو،اگر ایسے مسئلہ میں قاضی نے خلاف امام فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا بے ثباتی کی وجہ سے آپ ہی ختم ہو جائے گا۔انتہی کلام ابن الشلبی اھ رسالہ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ اسی طرح کی بات علامہ شامی نے رد المحتار کتاب القضاء میں ذکر کی ہے اور منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق میں مزید بر آں یہ بھی لکھا ہے کہ : آپ دیکھتے ہیں کہ متونِ مذہب کے مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی اور اختیار کرتے ہیں اور جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

فنحن نتبعهم اذ هم اعلم وكيف يقال يجب علينا الافتاء بقول الامام لفقد الشرط وقد اقر انه قد فقد الشرط ايضا في حق المشائخ فهل تراهم ارتكبوا منكرا والحاصل ان الانصاف الذي يقبله الطبع السليم ان المفتى في زماننا ينقل ما اختاره المشائخ وهو الذي مشى عليه العلامة ابن الشلبي في فتاواه حيث قال الاصل ان العمل على قول ابي حنيفة رضي الله تعالى عنه ولذا ترجح المشائخ دليله في الاغلب على دليل من خالفه من اصحابه ويجيبون عما استدل به مخالفه وهذا امارة العمل بقوله وان لم يصرحوا بالفتوى عليه اذا الترجيح كصريح التصحيح لان المرجوع طائح بمقابلته بالراجح وحينئذ فلا يعدل المفتي ولا القاضي عن قوله الا اذا صرح[1] الى اٰخر	میں شرط ہے، قول امام کے خلاف فتوی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انہیں زیادہ علم ہے یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قول امام پر ہی فتوی دینا واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتاکی) شرط مفقود ہے، حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟ حاصل یہ کہ طبع سلیم کے لئے انصاف کی قابل قبول بات یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے مفتی کا کام یہی ہے کہ مشائخ نے جو فتوی دیا ہے اسے نقل کردے۔اسی بات پر علامہ ابن شلبی اپنے فتاوی میں گام زن ہیں، وہ فرماتے ہیں، اصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قول پر عمل کیا جائے اسی لئے مشائخ اکثر ان ہی کی دلیل کو ان کے مخالف کی دلیل پر ترجیح دیتے ہیں اور مخالف کے استدلال کا جواب بھی پیش کرتے، یہ اس بات کی علامت ہے کہ عمل قول امام پر ہوگا اگرچہ ایسی جگہ حضرات مشائخ نے یہ صراحت نہ فرمائی ہو کہ فتوی قول امام پر ہے، اس لئے کہ ترجیح خود صراحۃ تصحیح کا حکم رکھتی ہے، کیونکہ مرجوع راجح کے مقابلے میں بے ثبات ہوتا ہے۔جب معاملہ یہ ہے تو قاضی یا مفتی کو قول امام سے انحراف کی گنجائش نہیں مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

ما مر، قال وھو الذی مشی علیہ الشیخ علاء الدین الحصکفی ایضا فی صدر شرحہ علی التنویر حیث قال واما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما افتوا فی حیاتھم فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح وقد یختلفون فی التصحیح قلت یعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغیر العرف واحوال الناس وما ھو الارفق وما ظھر علیہ التعامل وما قوی وجھہ ولا یخلو الوجد ممن یمیز ھذا حقیقۃ لا ظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ اھ واللہ تعالی اعلم اھ[1]۔ **اقول:** وتلك شكاة	کسی نے یہ صراحت فرمائی ہو (آخر عبارت تک جو فتاوی ابن شلبی کے حوالے سے پہلے گزری) آگے علامہ شامی لکھتے ہیں، یہ ہی وہ ہے جس پر شرح تنویر کے شروع میں شیخ علاء الدین حصکفی بھی گام زن ہیں، وہ رقم طراز ہیں، لیکن ہم پر تو اسی کی پیروی لازم ہے جسے حضرات مشائخ نے راجح و صحیح قرار دیا جیسے وہ اپنی حیات میں اگر فتوی دیتے تو ہم اسی کی پیروی کرتے۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرات مشائخ کہیں متعدد اقوال بلا ترجیح نقل کر دیتے ہیں اور کبھی تصحیح کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، ان مسائل میں ہم کیا کریں؟ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ جیسے ان حضرات نے عمل کیا ویسے ہی ہمارا عمل ہوگا یعنی لوگوں کے حالات اور عرف کی تبدیلی کا اعتبار ہوگا، یوں ہی اس کا اعتبار ہوگا جس میں زیادہ آسانی اور فائدہ ہو یا جس پر لوگوں کا عمل درآمد نمایاں ہو یا جس کی دلیل قوی ہو، اور بزم وجود کبھی ایسے افراد سے خالی نہ ہوگی جو محض گمان سے نہیں بلکہ واقعی طور پر اقوال کے درمیان اتنی تمیز رکھنے والے ہوں گے اور جس میں تمیز کی لیاقت نہ ہو اس پر عہدہ برآ ہونے کے لئے یہ لازم ہے کہ صاحب تمیز کی جانب رجوع کرے، **واللہ تعالی اعلم** **اقول:** یہ ایسی شکایت ہے جس کا

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

طاهر عنك عارها، ولنقدم لبيان الصواب مقدمات تكشف الحجاب

الاولى ف۔۱ ليس حكاية قول افتاء به فانا نحكى اقوالا خارجة عن المذهب ولا يتوهم احد انا نفتى بها، انما الافتاء ان تعتمد على شيئ وتبين لسائلك ان هذا حكم الشرع فى ما سألت وهذا لا يحل لاحد من دون ان يعرفه عن دليل شرعى و الاكان جزافا وافتراء على الشرع ودخولا تحت قوله عزوجل اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ [1] وقوله تعالى قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ [2]

الثانية ف۔۲ الدليل على وجهين اما تفصيلى و معرفته خاصة باهل النظر

عار آپ سے دور ہے بیان حق کے لئے ہم پہلے چند مقامات پیش کرتے ہیں جن کے باعث حقیقت کے رخ سے پردہ اٹھ جائے گا۔

مقدمہ اول: کسی قول کی نقل وحکایت اور کسی قول پر افتا دونوں ایک نہیں، ہم ایسے بہت سے اقوال بیان کرتے ہیں جو ہمارے مذہب سے باہر کے ہیں اور کسی کو یہ وہم نہیں ہوتا کہ ہم ان اقوال پر فتوی دے رہے ہیں افتا یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کرکے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکم شریعت یہ ہے۔ یہ کام کسی کے لئے بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک اسے کسی دلیل شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہوجائے، ورنہ جزاف (اٹکل سے بتانا) اور شریعت پر افترا ہوگا اور ان ارشادات کا مصداق بھی بننا ہوگا (۱) کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں (۲) فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا یا تم خدا پر افترا کرتے ہو۔ **مقدمہ دوم:** دلیل دو طرح کی ہوتی ہے (۱) تفصیلی اس سے آگاہی اہل نظر و

ف۔۱: معنى الافتا وانه ليس حكاية محضة وانه لايجوز الا عن دليل

ف۔۲: الدليل دليلان تفصيلى خاص معرفته بالمجتهد واجمالى الابد منه حتى للمقلد

[1] القرآن ۲/۸۰

[2] القرآن ۱۰/۵۹

و الاجتهاد فان غيره وان علم دليل المجتهد فى مسألة لا يعلمه الا تقليدا كما يظهر مما بيناه فى رسالتنا المباركة ان شاء الله تعالٰى "الفضل الموهبى ف في معنى اذا صح الحديث فهو مذهبى" فان قطع تلك المنازل التى بينا فيها لا يمكن الا لمجتهد و اشارالى بعض قليل منه فى عقود رسم المفتى اذنقل فيها ان معرفة الدليل انما تكون للمجتهد لتوقفها على معرفة سلامته من المعارض وهى متوقفة على استقراء الادلة كلها و لا يقدر على ذلك الاالمجتهد اما مجرد معرفة ان المجتهد الفلانى اخذ الحكم الفلانى من الدليل الفلانى فلا فائدة فيها [1] اھ او اجمالى كقوله سجنه

فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [2] وقوله تعالٰى اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ [3] فانهم العلماء على الاصح و

اجتہاد کا خاص حصہ ہے دوسرے کو اگر کسی مسئلے میں دلیل مجتہد کا علم ہوتا بھی ہے تو تقلیدا ہوتا ہے، جیسا کہ یہ اس سے ظاہر ہے جو ہم نے اپنے رسالہ "الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی" میں بیان کیا (خدانے چاہاتو یہ رسالہ بابرکت ثابت ہوگا) اس لئے کہ اس رسالہ میں جو منزلیں ہم نے بتائی ہیں انہیں طے کرنا سوائے مجتہد کے اور کسی کے بس کی بات نہیں، اس میں سے کچھ تھوڑی سی مقدار کی جانب "عقود رسم المفتی" میں بھی اشارہ ہے اس میں یہ نقل کیا ہے کہ دلیل کی معرفت مجتہد ہی کو ہوتی ہے اس لئے کہ یہ اس امر کی معرفت پر موقوف ہے کہ دلیل ہر معارض سے محفوظ ہے اور یہ معرفت تمام دلائل کے استقراء اور چھان بین پر موقوف ہے جس پر بجز مجتہد کسی کو قدرت نہیں ہوتی، اور صرف اتنی واقفیت کہ فلاں مجتہد نے فلاں حکم فلاں دلیل سے اخذ کیا ہے تو اتنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اھ

(۲) اجمالی، جیسے باری تعالٰی کا ارشاد ہے ذکر والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں اور ارشاد ہے، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں صاحب امر ہیں، یہ اصحاب امر بر قول اصح حضرات علماء کرام

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰

[2] القرآن ۱۶/ ۴۳

[3] القرآن ۴/ ۵۹

ف : رسالہ الفضل الموہبی فتاوی رضویہ مطبوعہ رضافاونڈیشن جلد ۲۷ ص ۶۱ پر ملاحظہ ہو۔

و قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الا سألوا اذلم یعلموا فانما شفاء العی السؤال [1]

وعن ف هذا نقول ان اخذنا باقوال امامنا لیس تقلیدا شرعیا لکونه عن دلیل شرعی انما هو تقلید عرفی لعدم معرفتنا بالدلیل التفصیلی اما التقلید الحقیقی فلا مساغ له فی الشرع وهو المراد فی کل ماورد فی ذم التقلید والجهال الضلّال یلبسّون علی العوام فیحملونه علی التقلید العرفی الذی هو فرض شرعی علی کل من لم یبلغ رتبة الاجتهاد۔

قال المدقق البهاری فی مسلم الثبوت التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة کاخذ العامی والمجتهد من مثله فالرجوع الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم او الی الاجماع لیس منه وکذا العامی الی المفتی والقاضی الی العدول

ہیں، اور سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "جب انہیں معلوم نہ تھا تو پوچھا کیوں نہیں، عاجز کا علاج یہی ہے کہ سوال کرے۔" اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ اپنے امام کے اقوال کو تسلیم وقبول کرنا تقلید شرعی نہیں، بس تقلید عرفی ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی کی ہمیں معرفت نہیں، اور تقلید حقیقی کی تو شریعت میں کوئی گنجائش ہی نہیں اور مذمت تقلید میں جو کچھ وارد ہے اس میں تقلید حقیقی ہی مراد ہے اہل جہالت وضلالت عوام پر تلبیس کرکے اسے تقلید عرفی پر محمول کرتے ہیں جب کہ یہ ہر اس شخص پر فرض شرعی ہے جو رتبہ اجتہاد تک نہ پہنچا ہو۔ مدقق بہاری مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں تقلید یہ ہے کہ دوسرے کے قول پر بغیر کسی دلیل کے عمل ہو، جیسے عامی اور مجتہد کا اپنے جیسے سے اخذ کرنا تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی جانب یا اجماع کی جانب رجوع لانا تقلید نہیں اسی طرح عامی کا مفتی کی جانب اور قاضی کا گواہان عادل

ف: الفرق بین التقلید الشرعی المذموم والعرفی الواجب وبیان ان اخذنا باقوال امامنا لیس تقلید فی الشرع بل بحسب العرف وهو عمل بالدلیل حقیقة وبیان تلبیس الوهابیه فی ذالک۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب المجذور یتیم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۴۹

لا یجاب النص ذلك علیهما لکن العرف علی ان العامی مقلد للمجتهد قال الامام وعلیه معظم الاصولیین [1] اھ وشرحه المولی بحر العلوم فی فواتح الرحموت هکذا (التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة) متعلق بالعمل والمراد بالحجة حجة من الحجج الاربع والا فقول المجتهد دلیله وحجة (کاخذ العامی) من المجتهد (و) اخذ (المجتهد من مثله فالرجوع الی النبی علیه) واٰله واصحابه (الصّلٰوة والسّلام والی الاجماع لیس منه) فانه رجوع الی الدلیل (وکذا) رجوع (العامی الی المفتی والقاضی الی العدول) لیس هذا الرجوع نفسه تقلیدا وان کان العمل بما اخذ وابعده تقلیدا (لا یجاب النص ذالك علیهما) فهو عمل بحجة لا بقول الغیر فقط (لکن العرف) دل (علی ان العامی مقلد للمجتهد) بالرجوع الیه (قال	کی جانب رجوع، اس لئے کہ یہ ان دونوں پر نص نے واجب کیا ہے، لیکن عرف یہ ہے کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے، امام نے فرمایا اسی پر بیشتر اہل اصول ہیں۔اھ مولانا بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس کی شرح یوں کی ہے، (قوسین کے درمیان متن کے الفاظ ہیں) تقلید، دوسرے کے قول پر عمل، بغیر کسی دلیل کے یہ عمل سے متعلق ہے اور دلیل سے مراد ادلہ اربعہ (کتاب سنت، اجماع، قیاس) میں سے کوئی دلیل ہے، ورنہ مجتہد کا قول ہی اس کی دلیل اور حجت ہے (جیسے عامی کا اخذ کرنا) مجتہد سے (اور مجتہد کا اپنے مثل سے) اخذ کرنا (تو نبی علیہ) وآلہ واصحابہ (الصلوۃ والسلام یا اجماع کی جانب رجوع تقلید نہیں) اس لئے کہ یہ تو دلیل کی جانب رجوع ہے، (اور اسی طرح عامی کا مفتی، اور قاضی کا گواہان عادل کی جانب) رجوع کرنا، کہ خود یہ رجوع تقلید نہیں اگرچہ بعد رجوع جو اخذ کیا اس پر عمل، تقلید ہے (کیونکہ یہ دونوں پر خود نص نے واجب کیا ہے) تو یہ ایک دلیل پر عمل ہے (لیکن عرف اس پر دلالت کرتی ہے) کہ عامی مجتہد کا مقلد ہے کیونکہ وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے (امام نے

[1] مسلم الثبوت الاصل الرابع القیاس فصل فی التعریف التقلید الخ مطبع انصاری دہلی ۲۸۹

الامام) امام الحرمین (وعلیه معظم الاصولیین) وھوالمشتھر المعتمد علیه[1] اھ **اقول :** فیه نظر من وجوہ : **فاولا** ف۱ لافرق فی الحکم بین الاخذ والرجوع حیث لا رجوع الا للاخذ اذلم یوجبه الشرع الا له ولو سأل العامی امامه ولم یعمل به کان عابثا متلا عباوالشرع متعال عن الامر بالعبث فان لم یکن الرجوع تقلید الوجوبه بالنص لم یکن الاخذ ایضا من التقلید قطعا لوجوبه بعین النص، **وثانیا** ف۲: الأیة الاولی اوجبت الرجوع والثانیة الاخذ فطاح الفرق **وثالثا:** ف۳:حیث اتحد مآل الرجوع والاخذ فعلی تقریر الشارح یتناقض قوله التقلید اخذ العامی	فرمایا) امام الحرمین نے (اوراسی پر اکثر اہل اصول ہیں) اور یہی مشہور ہے جس پر اعتماد ہے۔ **اقول:** یہ شرح چند وجہوں سے محل نظر ہے :**اولا :** اخذ اور رجوع کے حکم میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ رجوع اخذ ہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ شریعت نے اخذ ہی کے لئے رجوع واجب کیا ہے اگر عامی اپنے امام سے پوچھے اور اس پر عمل نہ کرے تو عبث اور کھیل کرنے والا قرار پائے گا اور شریعت اس سے برتر ہے کہ عبث کا حکم فرمائے۔ تو رجوع اگر اس وجہ سے تقلید نہیں کہ وہ نص سے واجب ہے تو اخذ بھی ہر گز تقلید نہیں کیونکہ یہ بھی بعینہٖ اسی نص سے واجب ہے ،**ثانیا:** پہلی آیت "فَسۡـَٔلُوۡۤا" نے رجوع وجواب کیا ، اور دوسری "اَطِیۡعُوا" نے اخذ واجب کیا، تواخذ ورجوع کے حکم میں فرق بیکار ہوا، **ثالثا:** جب رجوع اور اخذ دونوں کا مآل ایک ہے تو بر تقریر شارح متن کی ان دونوں عبارتوں میں تناقض لازم آئے گا (ا) عامی کا

ف۱: معروضۃ علی العلامۃ بحرالعلوم

ف۲: معروضۃ علیه

ف۳: معروضۃ علیه

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الاصل الرابع فصل فی تعریف التقلید الخ مطبعۃ منشورات الرضی قم ایران

من المجتهد وقوله ليس منه رجوع العامی الی المفتی فان المفتی هو المجتهد كما فی المتن متصلا بما مر۔

ورابعا: ان اريد [ف۱] بحجة من الاربع التفصيلية اعنی الخاصة بالجزئية النازلة بطل قوله فالرجوع الی النبی صلی الله عليه وسلم اوالاجماع ليس منه فانه لايكون عن ادراك الدليل التفصيلی وان اريد الاجمالية كالعمومات الشرعية بطل جعله اخذ العامی من المجتهد تقليدا فانه ايضا عن دليل شرعی،

خامسا: اذقد حكم [ف۲] اولا ان اخذ العامی عن المجتهد تقليد فما معنی الاستدراك عليه بقوله لكن العرف الخ

وسادسا: ليس [ف۳]: نفس الرجوع

مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے (۲) عامی کا مفتی کی جانب رجوع کرنا تقلید نہیں، اس لئے کہ مفتی وہی ہے جو مجتہد ہو جیسا کہ متن میں عبارت مذکورہ سے متصل ہی گزرچکا ہے۔

رابعا: حجت ودلیل کی توضیح میں شارح نے "ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل" کہا اگر اس سے مراد دلیل تفصیلی ہے یعنی وہ خاص دلیل جو پیش آمدہ جزئیہ ومسئلہ سے متعلق ہے (اسے جانے بغیر دوسرے کا قول لے لینے کا نام تقلید ہے) تو یہ کہنا باطل ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع تقلید نہیں، اس لئے کہ یہ رجوع دلیل تفصیلی کا علم اور اک نہیں، اور اگر اس سے مراد دلیل اجمالی ہے جیسے عام ارشادات شرعیہ تو مجتہد سے عامی کے اخذ کو تقلید کہنا باطل ہے کیوں کہ یہ بھی ایک دلیل شرعی کے تحت ہے۔

خامسا: جب ابتداء یہ فیصلہ کردیا کہ عامی کا مجتہد سے اخذ کرنا تقلید ہے تو بعد میں بطور استدراک یہ عبارت لانے کا کیا معنی؟ "لیکن عرف اس پر ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے۔"

سادسا: نفس رجوع تقلید ہرگز نہیں،

ف۱: معروضة علی المولی بحرالعلوم

ف۲: معروضة عليه

ف۳: معروضة عليه

تقلیدا قط والا لکان رجوعنا الی کتب الشافعیه لنعلم ما مذهب الامام المطلبی فی المسألة تقلید اله ولا یتوهمه احد، وسابعا: مثله ف۱ اوا عجب منه جعل اخذ القاضی بشهادة الشهود تقلیدا منه لهم فانه تقلید لا یعرفه عرف ولا شرع ومن یتجاسر ف۲ ان یسمی قاضی الاسلام ولوایا یوسف عہ مقلد ذمیین اذا قضی بشهادتهما علی ذمی	ورنہ کسی مسئلے میں امام شافعی مطلبی علیہ الرحمہ کا مذہب معلوم کرنے کے لئے کتب شافعیہ کی جانب ہمارا رجوع کرنا امام شافعی کی تقلید ٹھہرے، حالانکہ کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ **سابعا:** اسی کے مثل یا اس سے بھی زیادہ حیرت خیز بات یہ ہوئی کہ اگر قاضی نے گواہوں کی شہادت لے لی تو اسے یہ ٹھہرایا کہ قاضی نے گواہوں کی تقلید کرلی، ایسی تقلید سے نہ کوئی عرف آشنا ہے نہ شریعت میں کہیں اس کا نام ونشان کسے جرات ہے کہ قاضی اسلام کو خواہ وہ امام ابو یوسف ہی ہوں ایسے دو ذمیوں کا مقلد کہہ دے

عہ بل وامراء المؤمنین الخلفاء الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم وانت تعلم ف۳ انه لیس الاثقة بقول الشهود فیما اخبروا به عن واقعة حسیة شهدوها ولو کان هذا تقلیدا لم یسلم من تقلید احادالناس امام ولا صحابی ولا نبی وفی مسلم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حدثنا تمیم الداری [1] اھ منه غفرله۔ (م)	بلکہ کوئی شخص جرات کرسکتا ہے کہ خلفائے راشدین کو ذمیوں کا مقلد کہے؟ اور آپ جانتے ہیں کہ قاضی تو صرف گواہوں کے اس قول سے وثوق حاصل کرتا ہے اس معاملہ میں جس واقعہ حسیہ کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہوا گر اس چیز کا نام تقلید ہے تو کوئی امام صحابی اور نبی تقلید سے سالم نہ رہے گا اور مسلم شریف میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا قول ہے کہ ہمیں تمیم داری نے حدیث بیان کی اھ منہ غفرلہ (ت)۔

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

ف۳: معروضة علیه

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفتن باب قصۃ الجساسۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۴ و ۴۰۵

بل الحق فی حل المتن مارأیتنی کتبت علیه هکذا (التقلید)الحقیقی هو (العمل بقول الغیر من غیر حجة) اصلا (کاخذ العامی) من مثله وهذا بالا جماع اذلیس قول العامی حجة اصلا لا نفسه ولا لغیره (و) کذا اخذ (المجتهد من مثله) علی مذهب الجمهور من عدم جواز تقلید مجتهد مجتهدا اٰخر وذلك لانه لما کان قادرا علی الاخذ عن الاصل فالحجة فی حقه هوا لاصل وعدوله عنه الی ظن مثله عدول الی مالیس حجة فی حقه فیکون تقلیدا حقیقیا فالضمیر فی مثله الی کل من العامی والمجتهد ؏ لا الی المجتهد خاصة۔

جن کی شہادت پر اس نے کسی ذمی کے خلاف فیصلہ کر دیا ہو ؟ بلکہ متن مذکور کے حل میں حق وہ ہے جو اس عبارت پر خود میں نے کبھی لکھا تھا وہ اس طرح ہے (قوسین میں متن کے الفاظ ہیں ۱۲م) (تقلید) حقیقی (دوسرے کے قول پر) اصلا کسی بھی (دلیل کے بغیر عمل کرنا ، جیسے عامی کا اخذ کرنا) اپنے ہی جیسے عامی سے ، یہ بالاجماع ہے ، اس لئے کہ عامی کا قول سرے سے دلیل ہی نہیں ، نہ خود اس کے لئے نہ کسی اور کے لئے (اور) اسی طرح (مجتہد کا اپنے ہی جیسے شخص سے) اخذ کرنا۔ یہ حکم اس مذہب جمہور پر ہے کہ ایک مجتہد کے لئے دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں ، یہ اس لئے کہ جب وہ اصل سے اخذ کرنے پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے ، اسے چھوڑ کر اپنے ہی جیسے شخص کے گمان کی جانب رجوع کرنا ایسی چیز کی طرف رجوع ہے جو اس کے حق میں حجت نہیں ، تو یہ بھی تقلید حقیقی ہو گی ، اس سے معلوم ہوا کہ "مثلہ" میں ضمیر عامی اور مجتہد ہر ایک کی جانب راجع ہے ، صرف مجتہد کی طرف نہیں ،

؏ کما لا یخفی ف علی کل ذی ذوق فضلا عن النظر الی ما یلزم ۱۲ منه۔ (م)

جیسا کہ ہر صاحب ذوق پر ظاہر ہے ، قطع نظر اس خرابی سے جو صرف مجتہد کی جانب راجع ٹھہرانے میں لازم آتی ہے ، ۱۲ منہ (ت)

ف : معروضة علیه۔

واذا عرفت ان التقليد الحقيقي يعتمد انتفاء الحجة رأسا (فالرجوع الى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم اوالى الاجماع) وان لم نعرف دليل ماقاله صلى الله تعالى عليه وسلم اوقاله اهل الاجماع تفصيلا (ليس منه) اى من التقليد الحقيقي لوجود الحجة الشرعية ولو اجمالا (وكذا) رجوع (العامي) من ليس مجتهدا (الى المفتي) وهوالمجتهد (و)رجوع القاضي الى الشهود (العدول) واخذهما بقولهم ليس من التقليد في شيئ لانفس الرجوع ولاالعمل بعده (لا يجاب النص) ذلك الرجوع والعمل (عليها) فيكون عملا بحجة ولو اجمالية كما عرفت هذا هو حقيقة التقليد (لكن العرف) عـــه مضى (على ان العامي مقلد للمجتهد فجعل عمله بقول من دون معرفة دليله التفصيلي تقليدا له وان كان انما	جب یہ معلوم ہو گیا کہ تقلید حقیقی کا مدار اس پر ہے کہ سرے سے کوئی دلیل نہ ہو (تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یا اجماع کی طرف رجوع) اگرچہ ہمیں تفصیلی طور پر اس کی دلیل معلوم نہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا جو اہل اجماع نے کہا (اس سے نہیں) یعنی تقلید حقیقی نہیں اسلئے کہ حجت شرعیہ موجود ہے اگرچہ اجمالا ہے (اسی طرح عامی) جو مجتہد نہیں (کا مفتی) مفتی، وہی ہے جو مجتہد ہو (کی طرف) رجوع (اور قاضی کا عادل) گواہوں (کی طرف) رجوع، اور ان کا قول لینا کسی طرح تقلید نہیں، نہ ہی نفس رجوع اور نہ ہی اس کے بعد عمل، کوئی بھی تقلید نہیں، (اس لئے کہ ان دونوں پر) یہ رجوع و عمل (نص نے واجب کیا ہے) تو یہ ایک دلیل پر عمل ہوگا اگرچہ اجمالی دلیل پر جیسا کہ معلوم ہوا تقلید کی حقیقت تو یہی ہے (لیکن عرف اس پر) جاری (ہے کہ عامی، مجتہد کا مقلد ہے) قول مجتہد کی دلیل تفصیلی سے آشنائی کے بغیر اس پر عامی کے عمل کو اس کی تقلید قرار دیا گیا ہے، اگرچہ مجتہد کی طرف عامی

عـــه تقديره اولى من تقدير دل كمالا يخفى اهمنه غفرله۔ (م)	یہ لفظ مقدر ماننا لفظ دلالت مقدر ماننے سے اولی ہے جیسا کہ ظاہر ہے ۱۲منہ (ت)

فـــ: معروضة عليه۔

یرجع الیه لانه مأمور شرعاً بالرجوع الیه و الاخذ بقوله فکان عن حجة لابغیرها وهذا اصطلاح خاص بهذه الصورة فالعمل بقول النبی صلی تعالٰی علیه وسلم وبقول اهل الاجماع لا یسمیه العرف ایضا تقلیدا (قال الامام) هذا عرف العامة (و) مشی (علیه معظم الاصولیین) والاصطلاحات سائغة لا محل فیها للتذییل بان هذا ضعیف وذاك معتمد کمالا یخفی هذا هو التقریر الصحیح لهذا الکلام واللّٰه تعالٰی ولی الانعام۔	اسی لئے رجوع کرتا ہے کہ اسے شرعاً اس کی جانب رجوع کرنے اور اس کا قول لینے کا حکم دیا گیا ہے، تو یہ رجوع دلیل کے تحت ہے بلا دلیل نہیں، یہ ایک اصلاح ہے جو اسی صورت سے خاص ہے اور قول رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور قول اہل اجماع پر عمل کو تو عرف میں بھی تقلید نہیں کہا جاتا (امام نے فرمایا) یہ عرف عام ہے (اور اسی پر اکثر اہل اصول گام زن (میں) اصطلاح کوئی بھی قائم کرنے لگے گنجائش ہوتی ہے تو سبھی اصطلاحیں روا ہوتی ہیں ان سے متعلق یہ نوٹ لگانا بے محل ہے کہ فلاں اصطلاح ضعیف ہے اور فلاں معتمد ہے، جیسا کہ مخفی نہیں، یہ ہے کلام مذکور کی صحیح تقریر، اور خدائے تعالٰی ہی فضل وانعام کا مالک ہے۔
الثالثة اقول: حیث علمت ان الجمهور علی منع اهل النظر من تقلید غیره وعندهم اخذه بقوله من دون معرفة دلیله التفصیلی یرجع الی التقلید الحقیقی المحظور اجماعا بخلاف العامی فان عدم معرفته الدلیل التفصیلی یوجب علیه تقلید (المجتهد والالزم	**مقدمہ سوم: اقول:** معلوم ہوچکا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اہل نظر واجتہاد کے لئے یہ جائز نہیں کہ دوسرے کسی مجتہد کی تقلید کرے اور وہ اگر دوسرے کا قول اس کی دلیل تفصیلی سے آگاہی کے بغیر لے لیتا ہے تو جمہور کے نزدیک یہ تقلید حقیقی میں شامل ہے جو بالاجماع حرام ہے، عامی کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی اس پر واجب کرتی ہے کہ وہ مجتہد کی تقلید کرے ورنہ لازم آئیگا

ف: معروضة علیه۔

التکلیف بما لیس فی الواسع او ترکہ سدی ظهران عدم معرفة الدلیل التفصیلی له اثران تحریم التقلید فی حق اهل النظر وایجابه فی حق غیرهم ولا غر وان یکون شیئ واحد موجبا ومحرما معالشیئ اٰخر با ختلاف الوجه فعدم المعرفة لعدم الاهلية موجب للتقليد ومعها محرم له۔ **الرابعة** ف الفتوی حقیقة وعرفیة فالحقیقة هو الافتاء عن معرفة الدلیل التفصیلی واولٰئك الذین یقال لهم اصحاب الفتوی ویقال بهذا افتی الفقیه ابو جعفر والفقیه ابو اللیث و اضرابهما رحمهم الله تعالٰی والعرفیة اخبار العالم با قوال الامام جاهلا عنها تقلیدا له من دون تلك المعرفة کما یقال فتاوی ابن نجیم والغزی والطوری والفتاوی الخیریة وهلم	کہ اسے ایسے امر (دلیل تفصیلی سے آگاہی) کا مکلّف کیا جائے جو اس کے بس میں نہیں یا یہ کہ اسے بیکار چھوڑ دیا جائے ، اس سے ظاہر ہوا کہ دلیل تفصیلی سے ناآشنائی کے دو اثر ہیں (۱) صاحب نظر کے لئے وہ تقلید کو حرام ٹھہراتی ہے (۲) اور غیر اہل نظر کے لئے وہ ہی ناآشنائی تقلید کو واجب قرار دیتی ہے ، اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک ہی چیز کسی دوسری چیز کو الگ الگ وجهوں کے تحت واجب بھی ٹھہرائے اور حرام بھی ، تو یہی ناآشنائی فقدان اہلیت کے باعث تقلید کو واجب قرار دیتی ہے ۔ اور اہلیت ہوتے ہوئے تقلید کو حرام قرار دیتی ہے۔ **مقدمہ چہارم:** ایک حقیقی فتوٰی ہوتا ہے ، ایک عرفی فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیل تفصیلی کی آشنائی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے۔ ایسے ہی حضرات کو اصحاب فتوٰی کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر ، فقیہ ابو اللیث اور ان جیسے حضرات رحمہم اللہ تعالٰی نے فتوٰی دیا ، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اقوال امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔ جیسے کہا جاتا ہے فتاوی ابن نجیم ، فتاوی غزی ، فتاوی طوری ، فتاوی خیریہ ، اسی طرح زمانہ و

ف : الفتوٰی قسمان حقیقة مختصة بالمجتهد و عرفیة۔

تنزلازمانا ورتبة الى الفتاوى الرضوية جعلها الله تعالى مُرضية مرضية اٰمين **الخامسة** ف **اقول:** وبالله التوفيق القول قولان صورى وضرورى فالصورى هو المقول المنقول والضرورى مالم يقله القائل نصابالخصوص لكنه قائل به فى ضمن العموم الحاكم ضرورة بان لو تكلم فى هذا الخصوص لتكلم كذا و ربما يخالف الحكم الضرورى الحكم الصورى وح يقضى عليه الضرورى حتى ان الاخذ بالصورى يعد مخالفة للقائل والعدول عنه الى الضرورى موافقة او اتباعا له كأن كان زيد صالحا فامر عمرو خدامه باكرامه نصاجها راوكرر ذلك عليهم مرارا، وقد كان قال لهم اياكم ان تكرموا فاسقا ابدا فبعد	رتبہ میں ان سے فروتر فتاوٰی رضویہ تک چلے آئیے، اللہ تعالٰی اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے، آمین! **مقدمہ پنجم: اقول: وبالله التوفيق،** قول کی دو قسمیں ہیں (۱) قول صوری (۲) قول ضروری-- قول صوری وہ جو کسی نے صراحۃً کہا اور اس سے نقل ہوا، اور قول ضروری وہ ہے جسے قائل نے صراحۃً اور خاص طور پر نہ کہا ہو مگر وہ کسی ایسے عموم کے ضمن میں اس کا قائل ہو جس سے ضروری طور پر یہ حکم برآمد ہوتا ہے کہ اگر وہ اس خصوص میں کلام کرتا تو اس کا کلام ایسا ہی ہوتا، کبھی حکم ضروری، حکم صوری کے خلاف بھی ہوتا ہے، ایسی صورت میں حکم صوری کے خلاف حکم ضروری راجح وحاکم ہوتا ہے یہاں تک کہ صوری کو لینا قائل کی مخالفت شمار ہوتا ہے اور حکم صوری چھوڑ کر حکم ضروری کی طرف رجوع کو قائل کی موافقت یا اس کی پیروی کہا جاتا ہے، مثلاً زید نیک اور صالح تھا تو عمرو نے اپنے خادموں کو صراحۃً علانیۃً زید کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار ان کے سامنے اس حکم کی تکرار بھی کی، اور اس سے ایک زمانہ پہلے ان خدام کو ہمیشہ کیلئے کسی فاسق کی تکریم سے ممانعت بھی کرچکا تھا۔ پھر

ف: القول قولان صوری و ضروری وھو یقتضی علی الصوری و لہ ستۃ وجوہ۔

زمان فسق زید علانیة فان اکرمه بعده خدامه عملا بنصه المکرر المقرر کانوا عاصین وان ترکوا اکرامه کانوا مطیعین

ومثل ذلك یقع ف فی اقوال الائمة اما لحدوث ضرورة او حرج اوعرف او تعامل او مصلحة مهمة تُجلب اومفسدة ملمة تُسلب وذلك لان استثناء الضرورات ورفع الحرج ومراعاة المصالح الدینیة الخالیة عن مفسدة تربو علیها ودرء المفاسد والاخذ بالعرف والعمل با لتعامل کل ذلك قواعد کلیة معلومة من الشرع لیس احد من الائمة الا مائلا الیها و قائلا بها ومعولا علیها فاذا کان فی مسألة نص الامام ثم حدث احد تلك المغیرات علمنا قطعا ان لوحدث علی عهده

کچھ دنوں بعد زید فاسق معلن ہوگیا، اب اگر عمرو کے خدام اس کے مکرر ثابت شدہ صریح حکم پر عمل کرتے ہوئے زید کی تعظیم کریں تو عمرو کے نافرمان شمار ہوں گے اور اگر اس کی تعظیم ترک کردیں تو اطاعت گزار ٹھہریں گے۔

اسی طرح اقوال ائمہ میں بھی ہوتا ہے (کہ ان کے حکم صوری کے خلاف کوئی حکم ضروری پالیا جاتا ہے) اس کے درج ذیل اسباب پیدا ہوتے ہیں (۱) ضرورت (۲) حرج (۳) عرف (۴) تعامل (۵) کوئی اہم مصلحت جس کی تحصیل مطلوب ہے (٦) کوئی بڑا مفسدہ جس کا ازالہ مطلوب ہے، یہ اس لئے کہ صورتوں کا استثنا، حرج کا دفعیہ، ایسی دینی مصلحتوں کی رعایت جو کسی ایسی خرابی سے خالی ہوں جو ان سے بڑھی ہوئی ہے، مفاسد کو دور کرنا، عرف کا لحاظ کرنا، اور تعامل پر کاربند ہونا یہ سب ایسے قواعد کلیہ ہیں جو شریعت سے معلوم ہیں، ہر امام ان کی جانب مائل ان کا قائل اور ان پر اعتماد کرنے والا ہی ہے۔ اب اگر کسی مسئلے میں امام کا کوئی صریح حکم رہا ہو پھر حکم تبدیل کرنے والے مذکورہ امور میں سے کوئی ایک پیدا ہو تو ہمیں قطعاً یہ یقین ہوگا کہ یہ

ف: چھ[۲] باتیں ہیں جن کے سبب قول امام بدل جاتا ہے لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں: ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہوتا ہے۔

لکان قوله علی مقتضاہ لا علی خلافه و ردہ ، فالعمل بقوله الضروری الغیر المنقول عنه هو العمل بقوله لا الجمود علی المأثور من لفظه، وقد عد فی العقود مسائل کثیرۃ من هذا الجنس ثم احال بیان کثیر اُخر علی الاشباہ ثم قال (فهذہ) کلها قد تغیرت احکامها لتغیر الزمان اما للضرورۃ واما للعرف واما لقرائن الاحوال قال وکل ذلك غیر خارج عن المذهب لان صاحب المذهب لو کان فی هذا الزمان لقال بها ولحدث هذا التغیر فی زمانه لم ینص علی خلافها، قال و هذا الذی جرأ المجتهدین فی المذهب واهل النظر الصحیح من المتأخرین علی مخالفة المنصوص علیه من صاحب المذهب فی کتب ظاهر الروایة بناء علی ماکان فی زمنه کما تصریحهم به [1] الخ	امر اگر ان کے زمانے میں پیدا ہوتا توان کا قول اس کے تقاضے کے مطابق ہی ہوتا اسے رد نہ کرتا اور اس کے بر خلاف نہ ہوتاایسی صورت میں ان سے غیر منقول قول ضروری پر عمل کرنا ہی در اصل ان کے قول پر عمل ہے، ان سے نقل شدہ الفاظ پر جم جانا ان کی پیروی نہیں، عقود میں ایسے بہت سے مسائل شمار کرائے اور بکثرت دیگر مسائل کے لئے اشباہ کا حوالہ دیا، پھر یہ لکھاکہ یہ سارے مسائل ایسے ہیں جن کے احکام تغیر زمان کی وجہ سے بدل گئے یا تو ضرورت کے تحت، یا عرف کی وجہ سے، یا قرائن احوال کے سبب، فرمایا: اور یہ سب مذہب سے باہر نہیں، اس لئے کہ صاحب مذہب اگر اس دور میں ہوتے توان ہی کے قائل ہوتے، اور اگر یہ تبدیلی ان کے وقت میں رونما ہوتی توان احکام کے بر خلاف صراحت نہ فرماتے، فرمایا، اسی بات نے حضرات مجتہدین فی المذہب اور متاخرین میں سے اصحاب نظر صحیح کے اندر یہ جرات پیدا کی کہ وہ اس حکم کی مخالفت کریں جس کی تصریح خود صاحب مذہب سے کتب ظاہر الروایہ میں موجود ہے، یہ تصریح ان کے زمانے کے حالات کی بنیاد پر ہے جیساکہ اس سے متعلق ان کی تصریح گزر چکی ہے الخ۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۵

اقول: بل ربما یقع نظیر ذلك فی نص الشارع صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقد ف قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا استأذنت احدکم امرأته الی المسجد فلا یمنعنها رواہ احمد والبخاری [1] ومسلم والنسائی وفی لفظ لاتمنعوا اماء الله مساجد الله رواہ احمد [2] ومسلم کلھم عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما وبالثانی رواہ احمد وابو داود وعن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بزیادۃ و لیخرجن تفلات [3]	**اقول:** بلکہ اس کی نظیر خود نص شارع علیہ الصلوۃ والسلام میں بھی ملتی ہے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد جانے کی اجازت مانگے تو وہ ہر گزاسے نہ روکے ، (احمد، بخاری، مسلم، نسائی)اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں : اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے نہ روکو ،اس کے راوی امام احمد و مسلم ہیں اور یہ سبھی حضرات ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں ،اور بلفظ دوم : **ولیخرجن تفلات** (اور وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں)کے اضافے کے ساتھ امام احمد وابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

ف: انہیں وجوہ صحیح اور مؤکد احادیث کا خلاف کیا جاتا ہے اور وہ خلاف نہیں ہوتا جیسے عورتوں کا جماعت اور جمعہ و عیدین میں حاضر ہونا کہ زمانہ رسالت میں حکم تھااور اب مطلّقا منع ہے ۔

---

1 صحیح للبخاری کتاب الاذان باب الاستیذان المرأۃ لزوجہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۰، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب خروج النساء الی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲ / ۷، سنن النسائی کتاب المساجد النہی عن منع النساء الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ / ۱۱۵

2 صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۱۸۳، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب لاسلامی بیروت ۲ / ۱۶

3 سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب ماجاء خروج النساء الی المساجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱ / ۸۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ مکتب الاسلامی ۲ / ۴۳۸، ۴۷۵، ۵۲۸

وقد امر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باخراج الحیض وذوات الخدور یوم العیدین فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم وتعتزل الحیض المصلی قالت امرأۃ یا رسول اللہ احدٰنا لیس لھا جلباب قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تلبسھا صاحبتھا من جلبا بھا [1] رواہ البخاری ومسلم واٰخرون عن ام عطیۃ رضی اللہ عنھا ۔ ومع ف ذلك نھی الائمۃ الشواب مطلقا والعجائز نھارا ثم عمموا النھی عملا بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الضروری المستفاد من قول ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا لو ان رسول اللہ	تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی حکم دیا کہ روز عیدین حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو باہر لائیں تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت ودعا میں شریک ہوں اور حیض والی عورتیں عید گاہ سے الگ رہیں ، ایک خاتون نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ہماری بعض عورتوں کے پاس چادر نہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ساتھ والی عورت اسے اپنی چادر کا ایک حصہ اڑھادے ، اسے بخاری ومسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اس کے باوجود ائمہ کرام نے جوان عورتوں کو مطلقًا اور بوڑھی عورتوں کو صرف دن میں مسجد جانے سے منع فرمایا، پھر سب کے لئے ممانعت عام کردی، یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ضروری پر عمل کے تحت کیا جو ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے درج ذیل بیان سے مستفاد ہے: اگر رسول اللہ

ف : مسئلہ رات ہو یا دن، عورت جوان ہو یا بوڑھی، جمعہ ہو یا عید، یا جماعت پنجگانہ یا مجلس وعظ مطلقًا عورت کا جانا منع ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۴۶، صحیح مسلم کتاب العیدین فصل فی اخراج العواتق وذوات الخدور الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ / ۲۹۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی من النساء مارأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنو اسرائیل نساء ھارواہ احمد والبخاری [1] ومسلم ،قال فی التنویر والدر (یکرہ حضور ھن الجماعۃ) ولو لجمعۃ وعید وعظ (مطلقا) ولو عجوز الیلا (علی المذھب) المفتی بہ لفساد الزمان واستثنی الکمال بحثا العجائز المتفانیۃ [2]اھ والمراد بالمذھب مذھب المتاخرین ولمارد علیہ البحر بان ھذہ الفتوی مخالفۃ لمذھب الامام وصاحبیہ جمیعا فانھما اباحا للعجائز الحضور مطلقا والامام فی غیر الظھر والعصر و الجمعۃ فالافتاء بمنع العاجز فی الکل مخالف	صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ان عورتوں کا وہ حال مشاہدہ کر تے جو ہم نے مشاہدہ کیا تو انہیں مسجد سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو روک دیا۔ (احمد، بخاری، مسلم) تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے (قوسین میں متن کے الفاظ ہیں ۱۲م) (جماعت) اگرچہ جمعہ یا عید اور وعظ کی ہو (عورتوں کی حاضری مطلّقا) اگرچہ بڑھیا ہو اگرچہ رات ہو (مکروہ ہے ہمارے مذہب پر) اس مذہب پر جس پر فساد زمان کی وجہ سے فتوٰی ہے اور کمال ابن الہمام نے بطور بحث فنا کے قریب پہنچنے والی بوڑھی عورتوں کا استثنا کیا ہے اھ۔ مذہب سے مراد مذہب متاخرین ہے اس پر صاحب بحر نے یوں رد کیا ہے کہ یہ فتوی حضرات امام وصاحبین سبھی کے مذہب کے خلاف ہے اس لئے کہ صاحبین نے بوڑھی عورتوں کے لے مطلّقا جواز رکھا ہے اور امام نے ظہر، عصر اور جمعہ کے علاوہ میں جائز کہا ہے، تو بوڑھی عورتوں کے لئے بھی نمازوں میں ممانعت کا

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان باب خروج النساء الی المساجد باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب خروج النساء الی المساجد باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۹۱، ۱۹۳، ۲۳۵

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۸۳

للکل فالمعتمد مذھب الامام اھ بمعناہ اجاب عنه فی النھر قائلا فیه نظر بل ھو ماخوذ من قول الامام وذلك انه انما منعھا لقیام الحامل وھو فرط الشھوۃ بناء علی ان الفسقة لا ینتشرون فی المغرب لانھم بالطعام مشغولون وفی الفجر والعشاء نائمون فاذا فرض انتشارھم فی ھذہ الاوقات لغلبة فسقھم کما فی زماننا بل تحریھم ایاھا کان المنع فیھا اظھر من الظھر اھ قال الشیخ اسمٰعیل وھو کلام حسن الی الغایة اھ ش[1] **السادسة** ف حامل اُخر علی العدول عن قول الامام مختص باصحاب النظر وھو ضعف دلیله **اقول:** ای فی نظرھم وذلك لانھم	فتوٰی دینا سبھی کے خلاف ہے معتمد مذہب امام ہے اھ، نہر میں اس تردید پر جوابا یہ تحریر ہے، یہ محل نظر ہے اس لئے کہ زیر بحث فتوٰی قول امام سے ہی ماخوذ ہے وہ اس لئے کہ امام نے جن اوقات میں منع فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ باعث منع موجود ہے وہ ہے زیادتی شہوت، اس لئے کہ فساق کھانے میں مشغولیت کی وجہ سے مغرب کے وقت راہوں میں منتشر نہیں رہتے اور فجر وعشا کے وقت سوئے ہوتے (اور دیگر اوقات میں منتشر رہتے ہیں) توجب فرض کیا جائے کہ وہ غلبہ فسق کی وجہ سے ان تینوں اوقات میں بھی منتشر رہتے ہیں جیسے ہمارے زمانے کا حال ہے بلکہ وہ خاص ان ہی اوقات میں نکلنے کی تاک میں رہتے ہیں، توان اوقات میں عورتوں کے لئے ممانعت، ظہر کی ممانعت سے زیادہ ظاہر وواضح ہوگی، اھ شیخ اسمٰعیل فرماتے ہیں، یہ نہایت عمدہ کلام ہے اھ۔(شامی) **مقدمہ ششم:** قول امام چھوڑنے کا ایک اور باعث ہے جو اصحاب نظر کے لئے خاص ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی دلیل کمزور ہو، **اقول:** یعنی ان حضرات کی نظر میں کمزور، ان کے لئے

ف: العدول عن قوله بدعوی ضعف دلیله خاص بالمجتھدین فی المذھب و ھم لایخرجون به عن المذھب۔

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۳۸۰، البحر الرائق باب الامامۃ ۱ / ۳۵۹ و نہر الفائق باب الامۃ الخ ۱ / ۲۵۱ قدیمی کتب خانہ کراچی

مأمورون باتباع مایظهر لهم قال تعالٰی "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝۲"[1] "ولا تکلیف الا بالوسع فلا یسعهم الا العدول ولا یخرجون بذلك عن اتباع الامام بل متبوعون لمثل قوله العام اذا صح الحدیث فهو مذهبی. ففی شرح الهدایة لابن الشحنة ثم شرح الاشباہ لبیری ثم ردالمحتار "اذا صح الحدیث وکان علی خلاف المذهب عمل بالحدیث ویکون ذلك مذهبه ولا یخرج مقلده عن کونه حنفیا بالعمل به فقد صح عنه انه قال اذا صح الحدیث فهو مذهبی[2] ھ **اقول:** یرید ف الصحة فقها ویستحیل معرفتها الا للمجتهد	یہاں قول امام چھوڑنے کا جواز اس لئے ہے کہ انہیں اسی کی اتباع کا حکم ہے جو ان پر ظاہر ہو، باری تعالٰی کا ارشاد ہے: اے بصیرت والو! نظر واعتبار سے کام لو۔ اور تکلیف بقدر وسعت ہی ہوتی ہے، تو ان کے لئے چھوڑنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں۔ اور وہ اس کے باعث اتباع امام سے باہر نہ ہونگے، بلکہ امام کے اس طرح کے قول عام کے متبع رہیں گے، اذا صح الحدیث فهو مذهبی جب حدیث صحیح ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے ابن شحنہ کی شرح ہدایہ، پھر بیری کی شرح اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے جب حدیث صحیح ہو اور مذہب کے خلاف ہو تو حدیث پر عمل ہوگا اور وہی امام کا بھی مذہب ہوگا اس پر عمل کی وجہ سے ان کا مقلد حنفیت سے باہر نہ ہوگا اس لئے کہ خود امام سے بروایت صحیح یہ ارشاد ثابت ہیں کہ جب حدیث صحیح مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اھ، **اقول:** یہاں صحت سے صحت فقہی مراد ہے جس کی معرفت غیر مجتہد کے لئے محال ہے

ف: المراد فی اذا صح الحدیث فهو مذهبی هی الحجة الفقهیة و لاتکفی الاثریة

[1] القرآن ۲/۵۹

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶

لاالصحة المصطلحة عندالمحد ثين كما بينته فی الفضل الموھبی بدلائل قاھرة يتعين استفادتها قال ش فاذا نظر اھل المذھب فی الدليل و عملوا به صح نسبته الی المذھب لكونه صادرا باذن صاحب المذھب اذ لا شك انه لو علم ضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الاقوی ولذارد المحقق ابن الھمام علی بعض المشائخ (حيث) افتوا بقول الامامين بانه لايعدل عن قول الامام الالضعف دليله اھ[1]

فاقول: ھذا ف غير معقول ولا مقبول وكيف يظھر ضعف دليله فی الواقع لضعفه فی نظر بعض مقلديه وھؤلاء اجلة ائمة الاجتھاد المطلق مالك والشافعی واحمد ونظراؤھم رضی الله تعالی عنھم

اصطلاح محدثین والی صحت مراد نہیں، جیسا کہ میں نے الفضل الموھبی میں اسے ایسے قاہر دلائل سے بیان کیا ہے جن سے آگاہی ضروری ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، جب اہل مذہب نے دلیل میں نظر کی اور اس پر کاربند ہوئے تو مذہب کی جانب اسے منسوب کرنا بجا ہے اس لئے کہ یہ صاحب مذہب کے اذن ہی سے ہوا کیونکہ انہیں اگر اپنی دلیل کی کمزوری معلوم ہوتی تو یقینا وہ اس سے رجوع کرکے اس سے زیادہ قوی دلیل کی پیروی کرتے اسی لئے جب بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتوی دیا تو محقق ابن الہمام نے ان کی تردید فرمائی کہ امام کے قول سے انحراف نہ ہوگا سوااس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔

اقول: یہ ناقابل فہم اور ناقابل قبول ہے بعض مقلدین کی نظر میں دلیل کے کمزور ہونے سے دلیل امام کا فی الواقع کمزور ہونا کیسے ظاہر ہوسکتا ہے؟ اجتہاد مطلق کے حامل یہ بزرگ ائمہ مالک، شافعی، احمد اور ان کے ہم پایہ حضرات رضی اللہ تعالی عنہم

ف: معروضة علی العلامة ش

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطلب صح عن الامام انہ قال اذا صح الحدیث الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۴۶

يطبقون كثيرا على خلاف الامام وهو اجماع منهم على ضعف دليله ثم لا يظهر بهذا ضعفه ولا ان مذهب هؤلاء مذهبه فكيف بمن دونهم ممن لم يبلغ رتبتهم نعم هم عاملون فی نظرهم بقوله العام فمعذرون بل ماجورون ولا يتبدل ف بذلك المذهب الاثرى ان تحديدا الرضاع بثلثين شهرا دليله ضعيف بل ساقط عند اكثر المرجحين ولا يجوز لاحدان يقول الاقتصار على عامين مذهب الامام وتحريم حليلة الاب والابن رضاعا نظر فيه الامام البالغ رتبة الاجتهاد المحقق على الاطلاق وزعم ان لا دليل عليه بل الدليل قاض بحلهما ولم ارمن اجاب عنه وقد تبعه عليه ش فهل يقال ان تحليلهما مذهب الامام

بار ہا مخالفت امام پر متفق نظر آتے ہیں یہ ان حضرات کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس جگہ دلیل امام کمزور ہے، پھر بھی اس سے واقعۃً اس کا کمزور ہونا ثابت نہیں ہوتا، نہ ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کا جو مذہب ہے وہی امام کا بھی مذہب ہے، جب ان کا یہ معاملہ ہے تو ان کا کیا حکم ہوگا جو ان سے فروتر ہیں جنہیں ان کے منصب تک رسائی حاصل نہیں؟ ہاں وہ اپنی نظر میں امام کے قول عام پر عامل ہیں اس لئے معذور بلکہ ماجور اور مستحق ثواب ہیں مگر اس وجہ سے مذہب امام بدل نہ جائے گا، دیکھئے مدت رضاعت تیس ماہ ٹھہرانے کی دلیل اکثر مرجحین کے نزدیک ضعیف بلکہ ساقط ہے پھر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو سال پر اکتفا کرنا ہی مذہب امام ہے، یوں ہی رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کے حرام ہونے کے حکم میں رتبہ اجتہاد تک رسائی پانے والے امام محقق علی الاطلاق کو کلام ہے، ان کا خیال ہے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں بلکہ دلیل یہ حکم کرتی ہے کہ دونوں حلال ہیں، میں نے اس کلام کا جواب کسی کتاب میں نہ دیکھا، علامہ شامی نے بھی انہی کی پیروی کی ہے، پھر بھی کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان دونوں کی حلت ہی مذہب امام

ف: لايتبدل المذهب بتصحيحات المرجحين خلافه۔

کلا بل بحث من ابن الهمام ، ولیس ف۱ فیما ذکر عن ابن الهمام الامام الی ما ادعی من صحة جعله مذهب الامام انما فیه جواز العدول لهم اذا استضعفوا دلیله واین هذا من ذاک۔ نعم فی الوجوه السابقة تصح النسبة الی المذهب لاحاطة العلم بانه لو وقع فی زمنه لقال به کما قال فی التنویر لمسألة نهی النساء مطلقا عن حضور المساجد علی المذهب وهذه نکتة غفل ف۲ منها المحقق ش ففسر المذهب مذهب المتأخرین هذا واما نحن فلم نؤمر لا با عتبار کاولی الابصار	ہے ؟ ہر گز نہیں ! بلکہ یہ صرف ابن الہمام کی ایک بحث ہے۔ علامہ شامی نے جو دعوی کیا کہ صاحب نظر جس پر عمل کرلے اسے مذہب امام قرار دینا بجا ہوگا اس کا امام ابن الہمام سے نقل کردہ کلام میں کوئی اشارہ بھی نہیں اس میں تو بس اس قدر ہے کہ اہل نظر کو جب قول امام کی دلیل کمزور معلوم ہو تو ان کے لئے اس سے انحراف جائز ہے، کہاں یہ، اور کہاں وہ؟ ہاں سابقہ چھ ۶ صورتوں میں مذہب امام کی طرف انتساب بجا ہے اس لئے کہ وہاں اس بات کو پورے طور سے یقین ہے کہ وہ حالت اگر ان کے زمانے میں واقع ہوتی تو وہ بھی اسی کے قائل ہوتے ، جیسا کہ تنویر الابصار میں مسجدوں کی حاضری سے عورتوں کی مطلقًا ممانعت کے مسئلے میں "علی المذہب" (بر بنائے مذہب) فرمایا محقق شامی کو اس نکتے سے غفلت ہوئی اس لئے انہوں نے مذہب کی تفسیر میں "مذہب متاخرین" لکھ دیا، یہ ذہن نشین رہے۔ اوپر کی گفتگو اہل نظر سے متعلق تھی، رہے ہم لوگ تو ہمیں اہل نظر کی طرح نظر واعتبار کا

ف : معروضة علیه

ف : معروضة علیه

بل بالسؤال والعمل بما يقوله الامام غير باحثين عن دليل سوى الاحكام فان كان العدول للوجوه السابقة اشترك فيه الخواص و العوام اذ لا عدول حقيقة بل عمل بقول الامام وانكان لدعوى ضعف الدليل اختص بمن يعرفه و لذا قال فى البحر قد وقع للمحقق ابن الهمام فى مواضع الرد على المشائخ فى الافتاء بقولهما بانه لايعدل عن قوله الا لضعف دليله لكن هو (اى المحقق) اهل للنظر فى الدليل ومن ليس باهل للنظر فيه فعليه الافتاء بقول الامام اھ [1]

السابعة ف اذا اختلف التصحيح تقدم قول الامام الاقدم فى ردالمحتار قبل ما يدخل فى البيع تبعا اذا اختلف

حکم نہیں بلکہ ہم اس کے مامور ہیں کہ احکام کے سوا کسی دلیل کی جستجو اور چھان بین میں نہ جاکر صرف قول امام دریافت کریں اور اس پر کاربند ہوجائیں، اب اگر قول امام سے عدول و انحراف سابقہ چھ وجہوں کے تحت ہے تو اس میں خواص و عوام سب شریک ہیں کیونکہ حقیقۃً یہاں انحراف نہیں بلکہ قول امام پر عمل ہے اور اگر ضعف دلیل کے دعوے کی وجہ سے انحراف ہو تو یہ اہل معرفت سے خاص ہے، اسی لئے بحر میں رقم طراز ہیں کہ محقق ابن الہمام کے قلم سے متعدد مقامات پر قول صاحبین پر فتوی دینے کی وجہ سے مشائخ کا رد ہوا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قول امام سے انحراف نہ ہوگا بجز اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو، لیکن وہ محقق موصوف دلیل میں نظر کی اہلیت رکھتے ہیں، جو اس کا اہل نہ ہو اس پر تو یہی لازم ہے کہ قول امام پر فتوے دے اھ۔

مقدمۂ ہفتم: جب تصحیح میں اختلاف ہو تو امام اعظم کا قول مقدم ہوگا "ردالمحتار" "مایدخل فی البیع تبعا" (بیع میں تبعاً داخل ہونے والی چیزوں کا بیان) سے

ف: عند اختلاف تصحيح يقدم قول الامام

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰

التصحیح اخذ بما ھو قول الامام لانه صاحب المذھب [1] اھ وقال فی الدر فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألة قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما [2] اھ فقال العلامة ش لا تخییر لوکان احدھما قول الامام والاٰخر قول غیرہ لانه لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام بل فی شھادات الفتاوی الخیریة المقرر عندنا انه لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنه الی قولھما او قول احدھما او غیرھما الالضرورۃ کمسألة المزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما لانه صاحب المذھب والامام المقدم [3] اھ ومثله فی البحر	پہلے یہ تحریر ہے: جب تصحیح میں اختلاف ہو تو اسی کو لیا جائے گا جو امام کا قول ہے اس لئے کہ صاحب مذہب وہی ہے اھ۔ درمختار میں ہے کہ البحر الرائق کتاب الوقف وغیرہ میں لکھا ہوا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں دو قول تصحیح یافتہ ہوں تو دونوں میں سے کسی پر بھی قضا وافتا جائز ہے اھ، اس پر علامہ شامی نے لکھا کہ یہ تخییر اس صورت میں نہیں جب دونوں قولوں میں ایک قول امام ہو اور دوسرا کسی اور کا قول ہو۔ اسلئے کہ جب دونوں تصحیحوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہوگئیں اب ہم نے اصل کی جانب رجوع کیا، اصل یہ ہے کہ قول امام مقدم ہوگا بلکہ فتاوی خیریہ کتاب الشھادات میں ہے کہ ہمارے نزدیک طے شدہ امر یہ ہے کہ فتوی اور عمل امام اعظم ہی کے قول پر ہوگا اسے چھوڑ کر صاحبین یا ان میں سے کسی ایک، یا کسی اور کا قول اختیار نہ کیا جائے گا بجز صورت ضرورت کے، جیسے مسئلہ مزارعت میں ہے، اگرچہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوی قول صاحبین پر ہے، اس لئے کہ وہی صاحب مذہب اور امام مقدم ہیں اھ، اسی کے مثل بحر میں

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ / ۳۳

[2] الدرالمختار رسم المفتی مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱ / ۱۴

[3] الدرالمختار رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۴۹

وفیہ یحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم یعلم من این قال[1] اھ	بھی ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ قول امام پر افتا جائز بلکہ واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کی دلیل اور ماخذ کیا ہے اھ
اذا عرفت ھذا وضح لك کلام البحر وطاح کل ما ردبہ علیہ وان شئت التفصیل المزید، فالق السمع وانت شھید	ان مقدمات وتفصیلات سے آگاہی کے بعد آغاز رسالہ میں نقل شدہ کلام بحر کا مطلب روشن وواضح ہوگیا اور جو کچھ اس کی تردید میں لکھا گیا بیکار و بے ثبات ٹھہرا مزید تفصیل کا اشتیاق ہے تو بگوش ہوش سماعت ہو۔علامہ شامی رحمہ اللہ
قول ش رحمہ اللہ تعالٰی لا یخفی علیك مافی ھذا الکلام من عدم الانتظام[2]	تعالٰی کے اس کلام کی بے نظمی ناظرین پر مخفی نہیں۔
اقول: بل ھو متسق النظام اٰخذ بعضہ بحجز بعض کما ستری،	**اقول:** نہیں بلکہ پورا کلام مربوط و مبسوط، ایک دوسرے کی گرہ تھامے ہوئے ہے جیسا کہ ابھی عیاں ہوگا قول علامہ خیر رملی،
قول العلامۃ الخیر قولہ مضاد لقول الامام[3]	اس کلام اور کلام امام میں تضاد ہے۔
اقول: تعرف ف بالرابعۃ ان قول الامام فی الفتوی الحقیقۃ فیختص باھل النظر لامحمل لہ غیرہ والا کان تحریما للفتوی العرفیۃ مع	**اقول:** مقدمہ چہارم سے معلوم ہوا کہ قول امام فتوے حقیقی کے متعلق ہے، تو وہ قول صرف اہل نظر کے حق میں ہے، اس کے سوا ان کے کلام کا اور کوئی معنی و محمل نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ امام نے فتوے عرفی کو حرام کہا، حالاں کہ وہ

ف: تطفل علی العلامۃ الخیر الرملی وعلی ش۔

1البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ / ۲۶۹
2البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ / ۲۹
3شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

حلها بالاجماع وفی قضاء منحة الخالق عن الفتاوی الظهيرية روی عن ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه انه قال لا يحل لاحد ان يفتی بقولنا مالم يعلم من اين قلنا وان لم يكن من اهل الاجتهاد لايحل له ان يفتی الابطريق الحكاية [1] اھ وقول البحر فی الفتوی العرفية لامحمل له سواه لقوله امافی زماننا فيكتفی بالحفظ وقوله وان لم نعلم وقوله يجب علينا الافتاء بقول الامام وقوله اما نحن فلنا الافتاء فاين التضاد ولم يردا موردا واحدا۔ **قوله** هو صريح فی عدم جوازالافتاء لغير اهل الاجتهاد فكيف يستدل به علی وجوبه [2] **اقول:** نعم صريح ؏ فی	بالاجماع جائز وحلال ہے، منحۃ الخالق کتاب القضاء میں فتاوی ظہیریہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا روانہیں جب تک یہ نہ جان لے کہ ہم نے کہاں سے کہا، اور اگر اہل اجتہاد نہ ہو اس کے لئے فتوی دینا جائز نہیں مگر نقل وحکایت کے طور پر فتوی دے سکتا ہے۔ اور بحر کا کلام فتوائے عرفی سے متعلق ہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور معنی ومحمل نہیں، دلیل میں ان کے یہ الفاظ دیکھیں (ا) لیکن ہمارے زمانے میں بس یہی کافی ہے کہ ہمیں امام کے اقوال حفظ ہوں (ب) اگرچہ ہمیں دلیل معلوم نہ ہو (ج) قول امام پر فتوی دینا ہم پر واجب ہے (د) امانحن فلنا الافتاء، مگر ہم فتوے دے سکتے ہیں الخ، اب بتائے جب دونوں کلام کا مورد ومحل ایک نہیں ہے تو تضاد کہاں سے ہوا؟ خیر رملی، قول امام سے صراحۃً واضح ہے کہ اہلیت اجتہاد کے بغیر فتوی دینا ناجائز ہے، پھر اس سے وجوب افتاء پر استدلال کیسے؟ **اقول:** ہاں اس سے فتوے حقیقی کا

؏: تطفل علی الخیر وعلی ش

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۶۹

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ /۲۹

عدم جواز الحقیقی ونشوء الحرمة والجواز معاً عن شیئ واحد فرغنا عنه فی الثالثه۔	عدم جواز صراحۃً واضح ہے (اور بحر میں فتوائے عرف کا وجوب مذکور ہے) اب رہا یہ کہ ایک ہی چیز سے دوسری چیز کی حرمت وحلت دونوں کیسے پیدا ہوسکتی ہیں؟ اس کی تحقیق ہم مقدمہ سوم میں کرآئے ہیں۔
قوله فنقول مایصدر من غیر الاهل لیس بافتاء حقیقة [1]	خیر رملی: ہم یہ کہتے ہیں کہ غیر اہل اجتہاد سے جو حکم صادر ہوتا ہے وہ حقیقۃً افتا نہیں۔
اقول: ف۱ فیه کان الجواب عن التضاد لو التفتم الیه	**اقول:** آپ کی اسی عبارت میں اعتراض کا جواب بھی تھا، اگر آپ نے التفات فرمایا ہوتا،
قوله وانما هو حکایة عن المجتهد [2]	خیر رملی، وہ تو امام مجتہد سے صرف نقل وحکایت ہے۔
اقول: ف۲ لاوانظر الاولی	**اقول:** ایسا نہیں ملاحظہ ہو مقدمہ اول
قوله تجوز حکایة قول غیر الامام [3]	خیر رملی: غیر امام کے قول کی نقل وحکایت بھی جائز ہے۔
اقول: ف۳ لاحجر فی الحکایة ولو قولا خارجا عن المذهب انما الکلام فی التقلید والمجتهد	**اقول:** نقل وحکایت سے کوئی رکاوٹ نہیں اگرچہ مذہب سے باہر کسی کا قول ہو، یہاں گفتگو تقلید سے متعلق ہے، اور مجتہد مطلق

ف۱: تطفل علی الخیر وعلی ش

ف۲: تطفل علی الخیر وعلی ش

ف۳: تطفل علی الخیر وعلی ش

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

[3] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

المطلق احق به ممن دونه فلم لا تجیزون الافتاء باقوال الائمة الثلثة بل ومن سوی الاربعة رضی الله تعالٰی عنهم فان اجزتم ففیم التمذهب وتلك المشاجرات بل سقط المبحث رأسا وانهدام النزاع بنفس النزاع کما سیأتی بیانه ان شاء الله تعالٰی۔ **قوله** فکیف یجب علینا الافتاء بقول الامام۔ **اقول:** لانا ف۱ قلدناه لامن سواه وقد اعترف ف۲ به السید الناقل فی عدة مواضع منها صدر ردالمحتار قبیل رسم المفتی [1] انا التزمنا تقلید	اپنے سے فروتر حضرات سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی تقلید کی جائے، پھر آپ ائمہ ثلاثہ (مالک وشافعی واحمد رحمہم اللہ تعالٰی) بلکہ ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے علاوہ دیگر ائمہ کے اقوال پر فتوٰی دینے کو جائز کیوں نہیں کہتے؟ اگر آپ اجازت دیتے ہیں تو مذہب امام کی پابندی کس بات میں؟ اور یہ سارے اختلافات کیسے؟ بلکہ صرف اس نزاع ہی سے سارا نزاع ختم اور وہ پوری بحث ہی سرے سے ساقط ہو گئی، جیسا کہ اس کی وضاحت ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گی۔ خیر رملی تو قول امام پر فتوٰی دینا ہم پر واجب کیسے؟ **اقول:** اس لئے کہ تقلید ہم نے انہی کی کی ہے دوسرے کی نہیں، اور سید ناقل (علامہ شامی) نے تو متعدد مقامات پر خود اس کا اعتراف کیا ہے، ان میں دو مقام یہ ہیں، (۱) رسم المفتی سے ذرا پہلے شروع ردالمحتار میں لکھتے ہیں، ہم

ف۱: تطفل علی الخیر وعلی ش

ف۲: علامہ شامی فرماتے ہیں ہم نے صرف تقلید امام اعظم اپنے اوپر لازم کی ہے، نہ کسی اور کی ولہذا ہمارا مذہب حنفی کہا جاتا ہے نہ یوسفی وغیرہ امام ابویوسف کی نسبت وغیرہ سے۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

مذھبه دون مذھب غیرہ ولذا نقول ان مذھبنا حنفی لایوسفی ونحوہ [1] اھ ای الشیبانی نسبة الی ابی یوسف او محمد رضی اللہ تعالی عنھم وقال فی شرح العقود الحنفی انما قلد ابا حنیفة ولذا نسب الیه دون غیرہ [2] اھ **قوله وانما نحکی فتواھم لاغیر** [3]۔ **اقول:** سبحن اللہ ف۱ بل انما نقلد امامنا لاغیر ثم ف۲ لیس افتاؤنا عندکم الاحکایة قول غیرنا فمن ذالذی حرم علینا حکایة قول امامنا و اوجب حکایة قول غیرہ من اھل مذھبنا	نے انہی کے مذہب کی تقلید کا التزام کیا ہے دوسرے کے مذہب کا نہیں۔اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ ہمارامذہب حنفی ہے، یوسفی وغیرہ نہیں،یعنی شیبانی بھی نہیں، یہ امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالی عنہما کی طرف نسبت ہے، (۲) شرح عقود میں لکھتے ہیں، حنفی نے بس امام ابوحنیفہ کی تقلید کی ہے، اسی لئے وہ انہی کی طرف منسوب ہوتا ہے کسی اور کی طرف نہیں، خیر رملی حالاں کہ ہم توصرف فتوائے مشائخ کے ناقل ہیں کچھ اور نہیں۔ **اقول:** سبحان اللہ! بلکہ ہم صرف امام اعظم کے مقلد ہیں کچھ اور نہیں، پھر آپ کے نزدیک ہمارے افتاء کی حقیقت کیا ہے؟ صرف دوسروں کے اقوال کی نقل و حکایت! تووہ کون ہے جس نے ہم پر اپنے امام کے قول کی حکایت حرام کردی اور اہل مذہب میں سے دیگر حضرات کے قول کی حکایت واجب کردی؟

ف۱: تطفل علی الخیر وعلی ش

ف۲: تطفل علی الخیر وعلی ش

1 ردالمحتار مطلب صح عن الامام اذاصح الحدیث الی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۴۶

2 شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۴

3 شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۴

فانکانوا مرجحین بالکسر فلیسوا مرجحین علی الامام بالفتح قول ش المشائخ اطلعوا علی دلیل الامام وعرفوا من این قال۔[1] **اقول:** ف۱ من این عرفتم ھذا وبای دلیل اطلعتم علیه انما المنقول ف۲ عن الامام المسائل دون الدلائل واجتھد الاصحاب فاستخرجوا لھا دلائل کل حسب مبلغ علمه ومنتھی فھمه ولم یدرکو اشاوه ولا معشاره ولربما لم یلحقوا غباره فان قلتم فقولوا اطلعوا علی دلیل قول الامام ولا تقولوا علی دلیل الامام و رحم اللہ سیدی ط اذقال فی قضاء حواشی الدر قد یظھر قوة قوله رای لاھل النظر	اگر وہ ترجیح دینے والے حضرات ہیں تو وہ امام پر ترجیح یافتہ نہیں ہوسکتے۔علامہ شامی، مشائخ کو "دلیل امام" سے آگاہی ہوئی اور انہیں یہ معرفت حاصل ہوئی کہ قول امام کا ماخذ کیا ہے! **اقول:** یہ آپ کو کہاں سے معلوم ہوا؟اور کس دلیل سے آپ کو اس کی دریافت ہوئی؟امام سے تو صرف مسائل منقول ہیں دلائل منقول نہیں اصحاب نے اجتہاد کرکے ان مسائل کی دلیلوں کا استخراج کیا، یہ بھی ہر ایک نے اپنے مبلغ علم اور منتہائے فہم کے اعتبار سے کیا اور کوئی بھی امام کی منزل کو نہ پاسکا بلکہ ان کے دسویں حصے کو بھی نہ پہنچا، اور زیادہ تر تو یہ ہے کہ یہ حضرات ان کی گرد پا کو بھی نہ پاسکے۔اگر کہنا ہے تو یوں کہئے کہ ہاں مشائخ کو "قول امام کی دلیل" سے آگاہی ملی یہ نہ کہئے کہ "امام کی دلیل" سے آگاہ ہوئے سیدی طحطاوی پر خدا کی رحمت ہو وہ حواشی درمختار کتاب القضاء میں رقم طراز ہیں قول امام کے خلاف کسی قول

ف۱: معروضة علی العلامة ش۔

ف۲: فائدہ: امام سے مسائل منقول ہیں دلائل مشائخ نے استنباط کیے ہیں ان کا ضعف اگر ثابت بھی ہو تو قول امام کا ضعف لازم آنا در کنار دلیل امام کا بھی ضعف ثابت نہیں ہوتا، ممکن کہ امام نے اور دلیل سے فرمایا ہو۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

فی قول خلاف قول الامام بحسب ادراکہ ویکون الواقع بخلافہ اوبحسب دلیل ویکون لصاحب المذھب دلیل اٰخر لم یطلع علیہ [1] اھ	میں اہل نظر کو کبھی قوت نظر آتی ہے، یہ اس صاحب نظر کے علم وادراک کے لحاظ سے ہوتا ہے اور واقع میں اس کے بر خلاف ہوتا ہے، یا کسی ایک دلیل کے لحاظ سے اسے ایسا معلوم ہوتا ہے جبکہ صاحب مذہب کے پاس کوئی اور دلیل ہوتی ہے جس سے یہ آگاہ نہیں۔ اھ
قولہ ولا یظن بھم انھم عدلوا عن قولہ لجھلھم بدلیلہ [2]	علامہ شامی: حضرات مشائخ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے قول امام سے انحراف اس لئے اختیار کیا کہ انہیں ان کی دلیل کا علم نہ تھا۔
اقول: اولا ف۱ افیظن بہ انہ لم یدرك ما ادرکوا فاعتمد شیئا اسقطوہ لضعفہ فیا للانصاف ای الظنین ابعد۔	**اقول اولا:** تو کیا حضرت امام کے متعلق یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہیں وہ دلیل نہ مل سکی جو مشائخ کو مل گئی، اس لئے انہوں نے ایک ایسی چیز پر اعتماد کرلیا جسے مشائخ نے ضعیف ہونے کی وجہ سے ساقط کردیا؟ خدارا انصاف! دونوں میں سے کون سا گمان زیادہ بعید ہے؟
ثانیا: لیس فیہ ف۲ ازراء بھم ان لم یبلغوا مبلغ امامھم	یہ مشائخ اگر اپنے امام کے مبلغ علم کو نہ پاسکے تو اس میں ان کی کوئی بے عزتی نہیں

ف۱: معروضۃ علیہ

ف۲: معروضۃ علیہ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء، المکتبۃ العربیۃ بیروت ۱۷۶/۳

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

وقد ثبت ف ذلك عن اعظم المجتهدين فى المذهب الامام الثانى فضلا عن غيره فى [1]الخيرات الحسان للامام ابن حجرا لمكى الشافعى روى الخطيب عن ابى يوسف مارأيت احدا اعلم بتفسيرا لحديث ومواضع النكت التى فيه من الفقه من ابى حنيفة وقال[2] ايضا ماخالفته فى شيئ قط فتدبرته الارأيت مذهبه الذى ذهب اليه انجى فى الأخرة وكنت ربما ملت الى الحديث فكان هو ابصر بالحديث الصحيح منى [3]وقال كان اذا صمم على قول درت على مشائخ الكوفة هل اجد فى تقوية قوله حديثا او اثرا ؟ فر بما وجدت الحديثين والثلثة فاتيته بها فمنها ما يقول فيه هذا غير صحيح او غير معروف فاقول

اس پایہ بلند تک نارسائی تو مجتہدین فی المذہب میں سب سے عظیم شخصیت امام ثانی قاضی ابو یوسف سے ثابت ہے، کسی اور کا کیا ذکر وشمار ؟ امام ابن حجر مکی شافعی کی کتاب "الخیرات الحسان" میں ہے۔

(۱) خطیب امام ابو یوسف سے روای ہیں کہ مجھے کوئی ایسا شخص نظر نہ آیا جو ابو حنیفہ سے زیادہ حدیث کی تفسیر، اور اس میں پائے جانے والے فقہی نکات کی جگہوں کا علم رکھتا ہو۔

(۲) یہ بھی فرمایا کسی بھی مسئلے میں جب میں نے ان کی مخالفت کی پھر اس میں غور کیا تو مجھے یہی نظر آیا کہ امام نے جو مذہب اختیار کیا وہی آخرت میں زیادہ نجات بخش ہے، بعض اوقات میرا میلان حدیث کی طرف ہوتا تو بعد میں یہی نظر آتا کہ امام کو حدیث کی بصیرت مجھ سے زیادہ ہے۔

(۳) یہ بھی فرمایا جب امام کسی قول پر پختہ حکم کر دیتے تو میں مشائخ کوفہ کے پاس دورہ کرتا کہ دیکھوں ان کے قول کی تائید میں کوئی حدیث یا کوئی اثر ملتا ہے یا نہیں ؟ بعض مرتبہ دو تین حدیثیں مل جاتیں، میں لے کر امام کے پاس آتا تو ان میں سے کسی حدیث کے بارے میں وہ فرماتے کہ یہ صحیح نہیں یا غیر معروف ہے، میں عرض

ف : **فائدہ جلیلہ** : اجلہ اکابر ائمہ دین معاصران امام اعظم وغیرہم رضی اللہ تعالی عنہ وعنھم کی تصریحات کہ امام ابو حنیفہ کے علم و عقل کو اوروں کا علم وعقل نہیں پہنچتا، جس نے ان کا خلاف کیا ان کے مدارک تک نارسائی سے کیا۔

له وما علمك بذلك مع انه يوافق قولک؟ فيقول انا عالم بعلم اهل الكوفة،وكان عند الاعمشف فسئل عن مسائل فقال لابی حنيفة ماتقول فيها؟ فاجابه قال من اين لك هذا؟ قال من احاديثك التی رديتها عنك وسرد له عدة احاديث بطرقها فقال الاعمش حسبك ماحدثتك به فی مائة يوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ما علمت انك تعمل بهذه الاحاديث يا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصيادلة وانت ايها الرجل اخذت بكلا الطرفين [1] اھ **اقول:** وانما قال ما علمت الخ لانه لم یر فی تلك الاحاديث موضعا لتلك الاحكام التی استنبطها منها الامام فقال ما علمت	کرتا یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا، یہ تو آپ کے قول کے موافق بھی ہے؟ وہ فرماتے میں اہل کوفہ کے علم سے اچھی طرح باخبر ہوں۔(۴) امام اعمش کے پاس حاضر تھے، حضرت اعمش سے کچھ مسائل دریافت کئے گئے، انہوں نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا، تم ان مسائل میں کیا کہتے ہو؟ امام نے جواب دیا، حضرت اعمش نے فرمایا، یہ جواب کہاں سے اخذ کیا؟ عرض کیا آپ کی انہی احادیث سے جو آپ سے میں نے روایت کیں، اور متعدد حدیثیں مع سندوں کے پیش کردیں، اس پر حضرت اعمش نے فرمایا کافی ہے، میں نے سو دنوں میں تم سے جو حدیثیں بیان کیں وہ تم ایک ساعت میں مجھے سنائے دے رہے ہو، مجھے علم نہ تھا کہ ان احادیث پر تمہارا عمل بھی ہے، اے فقہا! تم طبیب ہو اور ہم عطار ہیں، اور اے مرد کمال! تم نے تو دونوں کنارے لئے۔ **اقول** "مجھے معلوم نہ تھا کہ ان احادیث پر تمہارا عمل بھی ہے" امام اعمش نے یہ اس لئے فرمایا کہ احادیث میں انہیں امام کے استنباط کردہ احکام کی کوئی جگہ نظر نہ آئی تو فرمایا کہ مجھے علم نہ تھا

ف: استاذ المحدثین امام اعمش شاگرد حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ واستاذ امام اعظم نے امام سے کہا: اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار، اور اے ابو حنیفہ تم نے دونوں کنارے لئے۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳ اور ۱۴۴

انك تاخذ هذه من هذه [5] وقد قال الامام الاجل ف۱ سفیٰن الثوری لامامنا رضی الله تعالٰی عنهما انه لیکشف لك من العلم عن شیئ کنا عنه غافلون [1] [6] وقال ایضا ان الذی یخالف ابا حنیفة یحتاج الی ان یکون اعلی منه قدرا واوفر علما وبعید مایوجد ذلك [2] [7] وقال له ابن شبرمة عجزت النساء ان یلدن مثلك ماعلیك فی العلم کلفة [3] [8] وقال ابو سلیمٰن کان ابو حنیفة رضی الله تعالٰی عنه عجبا من العجب وانما یرغب عن کلامه من لم یقو علیه [4] [9] وعن علی بن ف۲ عاصم	کہ یہ احکام تم ان احادیث سے اخذ کرتے ہو۔ (۵) امام اجل حضرت سفیان ثوری نے ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا آپ پر تو وہ علم منکشف ہوتا ہے جس سے ہم سبھی غافل ہوتے ہیں۔ (۶) یہ بھی فرمایا جو ابو حنیفہ کی مخالفت کرے اسے اس کی ضرورت ہوگی کہ مرتبہ میں ابو حنیفہ سے بلند اور علم میں ان سے زیادہ ہو، اور ایسا ہونا بہت بعید ہے، (۷) ابن شبرمہ نے امام سے کہا، عورتیں آپ کا مثل پیدا کرنے سے عاجز ہیں، آپ کو علم میں ذرا بھی تکلف نہیں (۸) ابو سلیمان نے فرمایا: ابو حنیفہ ایک حیرت انگیز شخصیت تھے، ان کے کلام سے وہی اعراض کرتا ہے جسے اس کی قدرت نہیں ہوتی۔ اور علی (۹) بن عاصم نے

ف۱: امام اجل سفین ثوری نے ہمارے امام سے کہا آپ کو وہ علم کھلتا ہے جس سے ہم سب غافل ہوتے ہیں اور فرمایا ابو حنیفہ ک خلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ ان سے مرتبہ میں بڑا اور علم میں زیادہ ہو اور ایسا ہونا دور ہے۔

ف۲: امام شافعی نے فرمایا تمام جہاں میں کسی کی عقل ابو حنیفہ کے مثل نہیں۔ امام علی بن عاصم نے کہا" اگر ابو حنیفہ کی عقل تمام روئے زمین کے نصف آدمیوں کی عقلوں سے تولی جائے ابو حنیفہ کی عقل غالب آئے۔ امام بکر بن حبیش نے کہا: اگر ان کے تمام اھل زمانہ کی مجموع عقلوں کے ساتھ وزن کریں تو ایک ابو حنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ واکابر و مجتہدین و محدثین و عارفین سب کی عقل پر غالب آئے۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثانی ایچ ایم سعید کمپنی ص ۱۱۴
[2] الخیرات الحسان الفصل الثالث مطبع استنبول ترکیہ ص ۱۶۰
[3] الخیرات الحسان الفصل الثانی ایچ ایم سعید کمپنی ص ۱۰۹
[4] الخیرات الحسان الفصل الثالث ایچ ایم سعید کمپنی ص ۸۲

قال لووزن عقل ابی حنیفة بعقل نصف اھل الارض لرجح بھم [1]۔

"وقال الشافعی رضی اللہ تعالی عنه ماقامت النساء عن رجل اعقل من ابی حنیفة [2] "وقال بکر بن حبیش لوجمع عقله وعقل اھل زمنه لرجح عقله علی عقولھم [3]الکل من الخیرات الحسان۔"وعن محمد بن رافع عن یحیی بن ادم قال ماکان شریك و داؤد الا اصغر غلمان ابی حنیفة ولیتھم کانوا یفقھون مایقول[4] "وعن سھل بن مزاحم وکان من ائمة مرو انما خالفه من خالفه لانه لم یفھم [5] قوله ھذان عن مناقب الامام الکردری، "وفی میزان الشریعة الکبری لسیدی العارف

فرمایا: اگر نصف اہل زمین کی عقلوں کے مقابلے میں امام ابو حنیفہ کی عقل تولی جائے تو یہ ان سب پر بھاری پڑ جائے۔

(۱۰) امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا، ابو حنیفہ سے زیادہ صاحب عقل عورتوں کی گود میں نہ آیا یعنی جہاں میں کسی کی عقل ان کے مثل نہیں بکر (۱۱) بن حبیش نے کہا: اگر ابو حنیفہ کی عقل او ران کے زمانے والوں کی عقل جمع کی جائے تو ان سب کی عقلوں کے مجموعہ پر ان کی عقل غالب آجائے یہ سبھی اقوال الخیرات الحسان سے نقل ہوئے۔

(۱۲) محمد بن رافع راوی ہیں کہ یحیٰی بن آدم فرماتے ہیں، شریک اور دواؤد حضرت ابو حنیفہ کی بارگاہ کے سب سے کمسن طفل مکتب ہی تو تھے، کاش لوگ ان کے اقوال کو سمجھ پاتے،

(۱۳) مرو کے امام بزرگ سہل بن مزاحم فرماتے ہیں جس نے بھی ان کی مخالفت کی، اس کا سبب یہی ہے کہ ان کے اقوال کو سمجھ نہ سکا، یہ دونوں قول مناقب امام کردری سے منقول ہیں، سیدی (۱۴) عارف باللہ امام شعرانی کی میزان الشریعۃ الکبری

---

1 الخیرات الحسان الفصل العشرون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۲

2 الخیرات الحسان، الفصل العشرون، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۰۳

3 الخیرات الحسان، الفصل العشرون، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۱۰۳

4 مناقب الامام اعظم للکردری مقولہ الامام جعفر الصادق الخ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱ / ۹۸

5 مناقب الامام اعظم للکردری مقولہ الامام جعفر الصادق الخ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱ / ۱۰۸

الامام الشعرانی سمعت سیدی ف۱ علیا الخواص رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول مدارك الامام ابی حنیفۃ دقیقۃ لایکاد یطلع علیھا الا اھل الکشف من اکابر الاولیاء اھ [1]	میں ہے، میں نے سیدی علی خواص کو فرماتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیا میں سے اہل کشف کے سوا کسی کو ان کی اطلاع نہیں ہو پاتی، اھ۔
قولہ شحنوا کتبھم بنصب الادلۃ [2]	علامہ شامی: حضرات مشائخ نے دلائل قائم کرکے اپنی کتابیں بھر دی ہیں۔
اقول: درایۃ ف۲ لاروایۃ واین الدرایۃ من الدرایۃ۔	**اقول:** ساری دلیلیں درایۃ قائم کی ہیں، روایۃ نہیں، اب ان کی درایت کو امام کی درایت سے کیا نسبت؟
قولہ ثم یقولون الفتوی علی قول ابی یوسف مثلا [3]	علامہ شامی: اس کے بعد بھی یہ لکھتے ہیں کہ فتوٰی مثلاً امام ابو یوسف کے قول پر ہے
اقول: لانھم ف۳ لم یظھر لھم ما ظھر للامام وھم اھل النظر فلم یسعھم الا اتباع ماعن لھم وذلك قول الامام لایحل لاحد ان یفتی الخ	**اقول:** یہ اس لئے کہ ان پر وہ دلیل ظاہر نہ ہوئی جو امام پر ظاہر تھی، اور یہ حضرات اہل نظر ہیں اس لئے انہیں اسی دلیل کی پیروی کرنی تھی جو ان پر ظاہر ہوئی، کیونکہ خود امام کا ارشاد ہے

ف۱: امام شعرانی شافعی اپنے پیرو مرشد حضرت سیدی علی خواص شافعی سے راوی کہ امام ابو حنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیاء کے کشف کے سوا کسی کے علم کی وہاں تک رسائی معلوم نہیں ہوتی۔

ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ش

ف۳: معروضۃ علیہ

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل فیما نقل عن الامام احمد من ذمۃ الرای الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱ / ۷۶

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

[3] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱ / ۲۹

ولو ظهر لهم ما ظهر له لاتوا اليه مذعنين	کہ ہمارے ماخذ کی دریافت کے بغیر کسی کو ہمارے قول پر افتاء روا نہیں۔ اگر ان مشائخ پر بھی وہ دلیل ظاہر ہوتی جو امام پر ظاہر ہوئی تو بلاشبہ یہ تابعدار ہو کر حاضر ہوتے۔
قوله فعلينا حكاية ما يقولونه [1]	علامہ شامی: تو ہمارے ذمے یہی ہے کہ حضرات مشائخ کے اقوال نقل کردیں۔
اقول: ف۱ هذا على من ترك تقليده الى تقليدهم اما من قلده فعليه حكاية ما قاله والاخذ به۔	**اقول:** یہ اس کے ذمے ہوگا جس نے امام کی تقلید چھوڑ کر مشائخ کی تقلید اختیار کرلی ہو، مقلد امام کے ذمے تو وہی نقل کرنا اور اسی کو لینا ہے جو امام نے فرمایا۔
قوله لانهم هم اتباع المذهب [2]	علامہ شامی: اس لئے کہ یہی حضرات مذہب کے متبع ہیں۔
اقول: فالمتبوع ف۲ احق بالاتباع من الاتباع	**اقول:** ایسا ہے تو متبوع، تابع سے زیادہ مستحق اتباع ہے۔
قوله نصبوا انفسهم لتقريره [3]	علامہ شامی: ان حضرات نے مذہب کے اثبات و تقریر کی ذمہ داری اٹھا رکھی ہے۔
اقول على الرأس ف۳ والعين وانما الكلام فى تغييره۔	**اقول:** بہ سرو چشم! یہاں تو کلام تغییر مذہب سے متعلق ہے۔

ف۱: معروضة عليه

ف۲: معروضة عليه

ف۳: معروضة عليه

1شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

2شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

3شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

قولہ عن العلامۃ قاسم کما لو افتوا فی حیاتھم [1] **اقول : اولا** رحمك الله ف۱ ارأیت انکان الامام حیا فی الدنیا وھؤلاء احیاء وافتی وافتوا ایا کنت تقلد **وثانیا** ف۲ انما کلام العلامۃ فیما فیه الرجوع الی فتوی المشائخ حیث لارواية عن الامام اواختلف الرواية عنه او وجد شیئ من الحوامل الست المذکورۃ فی الخامسۃ فانه عین تقلید الامام۔ وانا آت ف۳ علیه ببینة عادلة منکم ومن نفس العلامۃ قاسم فھو اعلم بمرادہ قلتم فی شرح ف۴ عقودکم قال العلامۃ المحقق الشیخ قاسم فی تصحیحه ان المجتھدین لم یفقدوا حتی	علامہ شامی: بقول علامہ قاسم جیسے ان حضرات کی اپنی حیات میں فتوی دینے کی صورت میں ہوتا۔ **اقول : اولا** خدا آپ پر رحم فرمائے، بتائے اگر امام دنیا میں باحیات ہوتے اور یہ حضرات بھی باحیات ہوتے، پھر امام بھی فتوی دیتے اور یہ بھی فتوی دیتے تو آپ کس کی تقلید کرتے؟ **ثانیا:** علامہ قاسم کا کلام صرف ان مسائل سے متعلق ہے جن میں فتوے مشائخ کی جانب ہی رجوع کرنا ہے اس لئے کہ ان مسائل میں امام سے کوئی روایت ہی نہیں، یا امام سے روایت مختلف آئی ہے، یا ان چھ اسباب میں سے کوئی سبب موجود ہے جن کا ذکر مقدمہ پنجم میں گزرا کہ یہ تو خود امام ہی کی تقلید ہے۔ میں اس پر آپ ہی کی اور خود علامہ قاسم کی شہادت عادلہ پیش کرتا ہوں انہیں اپنی مراد کا زیادہ علم ہے شرح عقود میں آپ رقم طراز ہیں کہ علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا ہے مجتہدین ہمیشہ ہوتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

ف۳: معروضة علیه

ف۴: معنی کلام العلامۃ قاسم علینا اتباع ما رجحوہ

1 شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹

نظر وافی المختلف و رجحو او صححوا فشهدت مصنفاتهم بترجيح قول ابی حنيفة والاخذ بقوله الافی مسائل يسيرة اختاروا الفتوى فيها على قولهما او قول احدهما وانكان الأخر مع الامام كما اختاروا قول احدهما فيما لانص فيه للامام للمعانی التی اشار اليها القاضی بل اختاروا قول زفر فی مقابلة قول الكل لنحو ذلك وترجيحا تهم وتصحيحا تهم باقية فعلينا اتباع الراجح والعمل به كما لوافتوافی حياتهم [1] اه وكلام الامام القاضی سيأتی عند سرد النقول بتوفيق الله تعالٰى صرح فيه ان العمل بقوله رضی الله تعالٰى عنه وان خالفاه الالتعامل بخلافه او تغير الحكم بتغير الزمان	مقام اختلاف میں نظر کرکے ترجیح و تصحیح کاکام سرانجام دیا، ان کی تصنیفات شاہد ہیں کہ ترجیح امام ابو حنیفہ ہی کے قول کو حاصل ہے اور ان ہی کا قول ہر جگہ لیا گیا ہے؛ مگر صرف چند مسائل ہیں جن میں ان حضرات نے صاحبین کے قول پر، یا صاحبین میں سے کسی ایک کے قول پر، اگرچہ دوسرے صاحب امام کے ساتھ ہوں فتوٰی اختیار کیا ہے جیسے انہوں نے صاحبین میں سے کسی ایک کا قول اس مسئلے میں اختیار کیا ہے جس میں امام سے کوئی صراحت وارد نہیں، اس اختیار کے اسباب وہی ہیں جن کی جانب قاضی نے اشارہ کیا، بلکہ کسی ایسی ہی وجہ کے تحت انہوں نے سب کے قول کے مقابلہ میں امام زفر کا قول اختیار کیا ہے، ان حضرات کی ترجیحیں اور تصحیحیں آج بھی باقی ہیں تو ہمارے ذمے یہی ہے کہ راجح کی پیروی کریں اور اسی پر کاربند ہوں جیسے ان حضرات کے اپنی حیات میں ہمیں فتوے دینے کی صورت میں ہوتا، اھ۔ امام قاضی کا کلام جلد ہی بیان نقول کے سلسلے میں بتوفیقہ تعالٰی آرہا ہے، اس میں یہ تصریح ہے کہ عمل قول امام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر ہوگا اگرچہ صاحبین ان کے خلاف ہوں مگر اس صورت میں جب کہ تعامل اس کے برخلاف ہو یا تغیر زمان کی وجہ سے حکم بدل گیا ہو

[1] شرح عقود رسم المفتی، رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

فتبین وللہ الحمد ان قول العلامۃ قاسم علینا اتباع مارجحوہ انما ھو فیما لانص فیہ للامام ویلحق بہ ما اختلف فیہ الروایۃ عنہ اوفی احدی الحوامل الست فاحفظہ حفظا جیدا ففیہ ارتفاع الحجب عن آخرھا وللہ الحمد حمدا کثیرا طیبامبارکا فیہ ابدا وھذہ عبارۃ العلامۃ قاسم التی اوردھا السید ھھنا ملتقطا من اولھا واُخر ھا لو تأملھا تما مالما کان لیخفی علیہ الامر وکثیرا ما تحدث امثال الامور لاجل الاقتصار وباللہ العصمۃ۔

وثالثا علی ^ف^ فرض الغلط لواراد العلامۃ قاسم ما تریدون لکان محجوجا بقول شیخہ المحقق حیث اطلق الذی نقلتموہ وقبلتموہ من ردہ مرارا وعلی

توبحمدہ تعالٰی یہ روشن ہوگیا کہ علامہ قاسم کا ارشاد (ہمارے ذمہ اسی کی پیروی ہے جسے ان حضرات نے راجح قرار دے دیا) صرف اس صورت سے متعلق ہے جس میں امام سے کوئی صراحت وارد نہ ہو، اور اسی سے ملحق وہ صورت بھی ہے جس میں امام سے روایت مختلف آئی ہو یا ان چھ اسباب میں سے کوئی ایک موجود ہو اسے خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے اس لئے کہ اس سے سارے پردے بالکل اٹھ جاتے ہیں، اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر، پاکیزہ، بابرکت، دائمی حمد۔ علامہ قاسم کی عبارت جو علامہ شامی نے اس مقام پر اول اقتصار کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے، وباللہ العصمۃ، اور محفوظ رکھنا خدا ہی سے ہے۔

ثالثا: بفرض غلط اگر علامہ قاسم کا مقصود وہی ہوتا جو آپ مراد لے رہے ہیں تو یہ ان کے استاد محقق علی الاطلاق کے اس ارشاد کے مقابلہ میں مرجوع ہوتا جسے آپ نے بھی نقل کیا او رقبول کیا کہ انہوں نے قول صاحبین پر افتا کے

فـــ۱: معروضۃ علی العلامۃ ش

I.T. Majlis of DawateIslami

المشائخ افتاء هم بقولها قائلا انه لایعدل عن قوله الا لضعف دلیله۔ **قوله** عن العلامة ابن الشلبی الا اذا صرح احد من المشائخ بأن الفتوی علی قول غیره [1] **اقول:اولا** ف سائرهم موافقون لهذا المفتی اومخالفون له اوساکتون فلم یرجحوا شیئا حتی فی التعلیل والجدل ولا بوضعه متنا اوالاقتصار اوالتقدیم او غیر ذلك من وجوه الاختیار۔ الثالث لم یقع والثانی ظاهر المنع وکیف یعدل عن قول الامام المرجح من عامة اصحاب الترجیح بفتوی رجل واحد قال فی الدر فی تنجس البئر قالا من وقت العلم فلا یلزمهم	باعث بارہا مشائخ کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ: قول امام سے عدول نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔ قولہ علامہ شامی: علامہ ابن شلبی سے نقل کرتے ہوئے مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ صراحت کردی ہو کہ فتوی امام کے سوا کسی اور کے قول پر ہے، **اقول اولا:** (۱) دیگر مشائخ اس مفتی کے موافق ہیں (۲) یا اس کے مخالف ہیں (۳) یا ساکت ہیں کہ انہوں نے کسی قول کو ترجیح نہ دی، یہاں تک کہ کسی قول کی نہ علت پیش کی، نہ اس پر بحث کی، نہ اسے اپنی تصنیف میں متن بنایا، نہ کسی ایک پر اقتصار کیا، نہ وجوہ اختیار وترجیح میں سے کوئی اور صورت اپنائی، یہ تیسری صورت (سکوت) واقع ہی نہیں اور دوسری صورت میں کلام ابن شلبی پر منع ظاہر ہے (یہ وہ صورت ہے کہ ایک شخص نے قول امام کے بجائے قول دیگر پر فتوی دیا باقی تمام حضرات قول امام ہی پر فتوے دیتے ہیں اور اس مفتی کے مخالف ہیں) تمام اصحاب ترجیح کی جانب سے ترجیح یافتہ قول امام سے محض ایک شخص کے

ف۱: معروضة علی العلامة ش

[1] شرح عقود رسم المفتی رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۷

شیئ قبلہ قیل وبہ یفتی [1] اھ	فتوے کے باعث انحراف کیوں ہوگا؟ در مختار کے اندر کنواں ناپاک ہونے کے مسئلے میں صاحبین فرماتے ہیں جب سے علم ہوااس وقت سے ناپاک مانا جائے گاتواس سے قبل لوگوں کو کچھ لازم نہ ہوگا کہا گیا: اسی پر فتوی ہے۔اھ
قال ش قائلہ صاحب عـــہ الجوھرۃ وفی فتاوی العتابی قولھما ھو المختار اھ[2] قال ط وانما عبر بقیل لرد العلامۃ قاسم لہ لمخالفتہ لعامۃ الکتب فقد رجح دلیلہ فی کثیر منھا وھو الاحوط نھر [3] اھ	علامہ شامی فرماتے ہیں، اس کے قائل صاحب جوھرہ ہیں، فتاوی عتابی میں ہے قول صاحبین ہی مختار ہے۔اھ طحطاوی فرماتے ہیں: قیل (کہا گیا) سے تعبیر اس لئے فرمائی کہ علامہ قاسم نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ یہ عامہ کتب کے خلاف ہے کثیر کتابوں میں دلیل امام کو ترجیح دی گئی ہے وہی احوط بھی ہے، نہر،اھ
بل قال فی الدر لاحد بشبھۃ العقد عندالامام کوطء محرم نکحھا وقالا ان علم الحرمۃ حد وعلیہ الفتوی	بلکہ درمختار میں ہے: امام کے نزدیک شبہ عقد کی وجہ سے حد نہیں جیسے اس محرم سے وطی کی صورت میں جس سے نکاح کرلیا ہو، صاحبین فرماتے ہیں اگر حرمت سے آگاہ ہے

عـــہ: **اقول** لم ارہ فیھا لعلہ فی سراجہ الوھاج، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

اقول: میں نے جوہرہ میں اسے نہ دیکھا، شاید یہ ان کی سراج وہاج میں ہو ۱۲ منہ

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۱۴۶

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ فصل فی البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۱۴۶

[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار فصل فی البئر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱ / ۱۴۹

خلاصة لكن المرجح فی جميع الشروح قول الامام فكان الفتوى عليه اولى قاله قاسم فی تصحيحه لكن فی القهستانی عن المضمرات علی قولهما الفتوی [1] اھ قال ش استدراك علی قوله فی جميع الشروح فان المضمرات من الشروح وفيه ان مافی عامة الشروح مقدم [2] اھ فهھنا جعلت الفتاوی علی قولهما الفتوی و وافقها بعض الشروح المعتمدة ولم يقبل لان عامة الشروح رجحت دليله بقی الاول وهو مسلم ولا شك ولا يوجد الا فی احدی الصور الست وح يكون عدولا الی قوله لاعنه كما علمت **وثانیا** بوجه ^ف اٰخر ارأيت ان قال	توحد ہوگی، اسی پر فتوی ہے، خلاصہ لیکن تمام شروح میں ترجیح یافتہ قول امام ہی ہے تواس پر فتوی اولی ہے، یہ علامہ قاسم نے اپنی تصحیح میں لکھا لیکن قہستانی میں مضمرات سے نقل ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے۔اھ علامہ شامی فرماتے ہیں انکے لفظ "تمام شروح" پر یہ استدارک ہے اس لئے کہ مضمرات بھی شروح میں سے ہے، اس پر کلام یہ ہے کہ جو عامہ شروح میں ہے مقدم وہی ہوگا۔ یہاں کتب فتاوی نے فتوی قول صاحبین پر رکھا، بعض معتمد شروح نے بھی ان کی موافقت کی مگر اسے قبول نہ کیا گیااس لئے کہ عامہ شروح نے دلیل امام کو ترجیح دی۔ رہ گئی پہلی صورت (کہ دیگر مشائخ بھی اس مفتی کے ہم نوا ہیں جس نے بتایا کہ فتوی امام کے علاوہ کسی اور کے قول پر ہے) یہ بلا شبہ مسلم ہے، اور اس کا وجود ان ہی چھ صورتوں میں سے کسی ایک میں ہوگا، اس صورت میں خود قول امام کی جانب رجوع ہوتا ہے، اس سے انحراف نہیں ہوتا جیسا کہ معلوم ہوا۔ **ثانیا:** بطرز دیگر، بتائے کہ اگر امام نے کوئی

ف ۱: معروضة عليه

[1] کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۳۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۱۵۴

الامام قولا وخالفه احد صاحبيه ولا رواية عن الأخر فافتى احد من المشائخ بقول الصاحب فان وافقه الباقون فقد مر اوخالفوه فظاهر وكذا ان خالف بعضهم ووافق بعضهم لما مر فى السابعة اما ان لم يرد عن الباقيين شيئ وهى الصورة التى انكرنا وقوعها فهل يجب ح اتباع تلك الفتوى ام لا على الثانى اين قولكم علينا اتباع ما صححوه كما لو افتوا فى حياتهم فان فتوى الحياة واجبة العمل على المستفتى وانكان المفتى واحدا لم يخالفه غيره وليس له التوقف عن قبولها حتى يجتمعوا اويكثروا وعلى الاول لم يجب العدول عن قول الامام الى قول صاحبه الا لترجح رأى صاحبه بانضمام رأى	بات کہی اور صاحبین میں سے ایک نے ان کی مخالفت کی، دوسرے سے کوئی روایت نہ آئی اب مشائخ میں سے کسی نے اس ایک صاحب کے قول پر فتوی دیا، تواگر باقی مشائخ نے بھی موافقت فرمائی تو اس کا بیان گزرا یا دیگر حضرات نے مخالفت فرمائی تو اس کا حال ظاہر ہے۔ یوں ہی اگر بعض نے مخالفت کی اور بعض نے موافقت کی، وجہ مقدمہ سابعہ میں بیان ہوئی، لیکن اگر باقی حضرات سے کچھ وارد ہی نہ ہوا یہی وہ صورت ہے جس کے وقوع سے ہم نے انکار کیا، تواس وقت اس فتوے کا اتباع واجب ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی آپ کا وہ قول کہاں گیا کہ ہمارے ذمہ اسی کی پیروی ہے جسے مشائخ نے صحیح قرار دے دیا جیسے اس صورت میں ہوتا جب وہ ہمیں اپنی حیات میں فتوی دیتے اس لئے کہ زندگی کا فتوی مستفتی پر واجب العمل ہے اگرچہ مفتی ایک ہی ہو، جس کا دوسرا کوئی مخالف نہ ہو، اور مستفتی کو یہ حق حاصل نہیں کہ اس فتوے کو قبول کرنے سے توقف کرے یہاں تک کہ سب فتوی دینے والے مجتمع ہوجائیں یا کثیر ہوجائیں تب مانے۔ بر تقدیر اول (یعنی قول امام کو چھوڑ کر دیگر کو ترجیح دینے والے فتوے کی اتباع واجب ہے) قول امام چھوڑ کر ان کے شاگرد کے قول کو لینا کیوں واجب ہوا؟ صرف اس لئے کہ

هذا المفتی الیه اذلیس هذا الافتاء قضاء یرفع الخلاف بل ولا افتاء مفت لمن اتاہ من مستفت انما حاصله ان الرأی الفلانی ارجح عندی، فاذن ترجح رأی احد الصاحبین بانضمام رأی الأخرا علی واعظم لان کلامنهما اعلم واقدم من جمیع من جاء بعدهما من المرجحین فکل ما خالف فیه الامام صاحباہ وجب فیه ترك قوله الی قولهما وهو خلاف الاجماع،

وثالثا علی ؎ التسلیم معکم ابن الشلبی وانظروا من معنا اٰخر الکلام

قوله فلیس للقاضی ان یحکم بقول غیرا بی حنیفة فی مسألة لم یرجح فیها قول غیرہ ورجحوا فیها دلیل ابی حنیفة علی دلیله[1]۔

ان کے شاگرد کی رائے اس مفتی کی رائے سے مل کر راجح ہو گئی، کیونکہ یہ فتوی کوئی اختلاف ختم کرنے والا فیصلہ قاضی نہیں، بلکہ اس کی حیثیت اس افتا کی بھی نہیں جو آ کر سوال کرنے والے کسی مستفتی کے لئے کسی مفتی سے صادر ہوا، اس فتوے کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ فلاں رائے میرے نزدیک زیادہ راجح ہے جب ایسا ہے تو اگر صاحبین میں سے ایک صاحب کی رائے کے ساتھ دوسرے صاحب کی رائے بھی مل جائے تو اس کا راجح ہونا (کسی بعد کے مفتی کی رائے ملنے والی صورت کی بہ نسبت) زیادہ بالاتر اور عظیم تر ہوگا، اس لئے کہ صاحبین میں سے ہر ایک اپنے بعد آنے والے تمام مرجحین سے زیادہ علم والے اور زیادہ مقدم ہیں تو یہ کہئے کہ جہاں بھی صاحبین نے امام کی مخالفت کی ہو وہاں امام کا قول چھوڑ کر صاحبین کا قول لینا واجب ہے، یہ خلاف اجماع ہے (کوئی اس کا قائل نہیں)

ثالثا: بر تقدیر تسلیم آپ کے ساتھ صرف ابن الشلبی ہیں، او رآخر کلام میں دیکھئے ہمارے ساتھ کون لوگ ہیں۔

علامہ شامی: قاضی کو غیر امام کے قول پر کسی ایسے مسئلہ میں فیصلہ کرنے کا حق نہیں جس میں غیر امام کے قول کو ترجیح نہ دی گئی ہو اور خود امام ابو حنیفہ کی دلیل کو دوسرے کی دلیل پر ترجیح ہو۔

ف: معروضة علیه

[1] شرح عقود رسم المفتی، رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۳۹

اقــول : فــ۱ هذا تعد فوق مامر فان مفاده ان مالم یرجح فیه دلیل الامام فللقاضی ومثله المفتی العدول عنه الی قول غیره وان لم یذیل ایضا بترجیح فانه بنی الحکم بعدم العدول علی وجود وعدم وجود ترجیح دلیله وعدم ترجیح قول غیره فمالم یجتمعا حل العدول ولم یقل باطلاقة الثقات العدول فانه یشمل ماذا رجعا اولم یرجع شیئ منهما والعمل فیهما بقول الامام لاشك مر الاول فی السابعة وقال فــ۲ سیدی ط فی زکاة الغنم مسألة صرف الهالك الی العفو من المعلوم انه عند عدم التصحیح لا یعدل عن قول صاحب المذهب[1]	**اقول:** پہلے جو گزر چکا یہاں اس سے بھی آگے تجاوز کیا، کیوں کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ جہاں دلیل امام کو ترجیح نہ دی گئی وہاں قاضی اور اسی طرح مفتی کو قول امام سے دوسرے کی قول کی طرف عدول جائز ہے اگرچہ اس دوسرے پر بھی ترجیح کا نشان نہ ہو، یہ مفاد اس طرح ہوا کہ انہوں نے عدم عدول کے حکم کی بنیاد ایک وجود اور ایک عدم پر رکھی ہے (۱) دلیل امام کی ترجیح کا وجود ہو (۲) اور قول غیر کی ترجیح کا عدم ہو، تو جب تک دونوں چیزیں جمع نہ ہوں عدول جائز ہوگا، حالانکہ ثقات عدول (معتمد و مستند حضرات) اس اطلاق کے قائل نہیں، کیوں کہ ان دو صورتوں کو بھی شامل ہے (۱) قول امام اور قول غیر دونوں کو ترجیح ملی ہو (۲) دونوں میں سے کسی کو ترجیح نہ دی گئی ہو بلاشبہ ان دونوں صورتوں میں قول امام پر ہی عمل ہوگا، اول کا بیان مقدمہ ہفتم میں گزرا، دوم سے متعلق ملاحظہ ہو، سیدی طحطاوی باب زکاۃ الغنم میں مسئلہ صرف الہالک الی العفو کے تحت رقم طراز ہیں معلوم ہے کہ عدم تصحیح کی صورت میں صاحب مذہب کے قول سے عدول نہ ہوگا،

فــ۱: معروضة علیه و علی العلامة ابن الشلبی

فــ۲: فائدہ: حیث لا تصحیح لایعدل عن قول الامام۔

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار کتاب زکوۃ باب زکوۃ الغنم المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۴۰۲

قوله فی المنحة اصحاب المتون قد یمشون علی غیر مذهب الامام [1]	علامہ شامی: منحۃ الخالق میں متون مذہب کے مصنفین بعض اوقات مذہب امام کے سوا کوئی اور اختیار کرتے ہیں۔
اقول: نعم ف ۱ فی احدی الوجوہ الستة وھو عین قول الامام اما فی غیرھا ف ۲ فان مشی بعضھم لم یقبل کما سیأتی فی مسألة الشفق ومثلھا تفسیرا لمصر کما یعلم من الغنیة شرح المنیة وقد فصلناہ فی فتاونا بما لا مزید علیه اما ان یمشوا قاطبة علی خلاف قوله من دون الحوامل الست فحاشا، ومن ادعی فلیبرز مثالا له ولو واحدا۔	**اقول**: ہاں چھ ۶ صورتوں میں سے کسی ایک میں ایسا کرتے ہیں، یہ بعینہٖ قول امام ہوتا ہے ان کے علاوہ صورتوں میں اگر کوئی مصنف کسی دوسرے مذہب پر چلے تو قبول نہ کیا جائے گا، جیسا کہ مسئلہ شفق میں اس کا بیان آرہا ہے، اسی طرح تفسیر "مصر" کا مسئلہ ہے جیسا کہ غنیہ شرح منیہ سے معلوم ہوتا ہے، اور ہم نے اپنے فتاوی میں اسی کی اتنی تفصیل کی ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں اب رہی یہ صورت کہ ان چھ اسباب کے بغیر تمام اصحاب متون قول امام کی مخالفت پر گامزن ہوں تو ایسا نہیں ہوسکتا، اگر کوئی دعوی رکھتا ہے تو اس کی کوئی ایک ہی مثال پیش کردے،
قوله واذا افتی المشائخ بخلاف قوله لفقد الدلیل فی حقھم فنحن نتبعھم اذھم اعلم [2]۔	علامہ شامی، جب مشائخ مذہب نے اس دلیل کے فقدان کی وجہ سے جو ان کے حق میں شرط ہے، قول امام کے خلاف فتوی دے دیا تو ہم ان ہی کا اتباع کریں گے اس لئے کہ انہیں زیادہ علم ہے

ف ۱: معروضة علیه وعلی العلامة ش

ف ۲: فائدہ مشی متون علی خلاف قول الامام لا یقبل

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

[2] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

اقول: اولا ھو اعلم ف۱ منھم ومن اعلم من اعلم من اعلم منھم فای الفریقین احق بالاتباع۔

وثانیا انظر الثانیة ف۲ الدلیل فی حقھم التفصیلی وقد فقدوہ فی حقنا الاجمالی وقد وجدناہ فکیف نتبعھم ونعدل من الدلیل الی فقدہ۔

قولہ کیف یقال یجب علینا الافتاء بقول الامام لفقد الشرط وقد اقرانہ فقد الشرط ایضا فی حق المشائخ[1]

اقول: شبھة ف۳ کشفناھا فی الثالثة۔

قولہ فھل تراھم ارتکبوا منکرا[2]۔

اقول: ف۴ مبنی علی الذھول عن فرق الموجب فی حقنا وحقھم

اقول اولا: امام کو ان سے بھی زیادہ علم ہے اور ان سے اعلم سے اعلم سے بھی زیادہ، تو زیادہ قابلِ اعتماد کون ہے؟

ثانیا: مقدمہ دوم ملاحظہ ہو، ان کے حق میں دلیل تفصیلی ہے جو انہیں نہ ملی، اور ہمارے حق میں اجمالی ہے جو ہمارے پاس موجود ہے تو کیسے ہم ان کی پیروی کریں اور دلیل چھوڑ کر فقدانِ دلیل کی طرف جائیں؟

علامہ شامی: یہ بات کیسے کہی جاتی ہے کہ ہمارے اوپر قول امام پر ہی فتوی دینا واجب ہے اس لئے کہ ہمارے حق میں (قول امام پر افتاء کی) شرط مفقود ہے حالاں کہ یہ بھی اقرار ہے کہ وہ شرط مشائخ کے حق میں بھی مفقود ہے۔

اقول: یہ محض ایک شبہ ہے جسے ہم مقدمہ سوم میں منکشف کر آئے ہیں۔ علامہ شامی: تو کیا یہ خیال ہے کہ ان حضرات نے کسی ناروا امر کا ارتکاب کیا؟

اقول: واجب کرنے والی چیز ہمارے حق میں اور ہے ان کے حق میں اور، اعتراض مذکور اسی

ف۱: معروضة علیہ

ف۲: معروضة علیہ

ف۳: معروضة علیہ

ف۴: معروضة علیہ

---

[1] منحة الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

[2] منحة الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

وان شئت الجمع مکان الفرق فالجامع ان کل من فارق الدلیل فقد اتی منکرا فدلیلنا قول امامنا وخلافنا له منکر ودلیلهم ماعن لهم فی المسألة فمصیرهم الیه لاینکر۔	فرق سے ذہول پر مبنی ہے، اگر مقام فرق کو جمع کرنا چاہیں تو جامع یہ ہے کہ جو بھی دلیل سے الگ ہوا وہ منکر ونارواکا مرتکب ہوا، اب ہماری دلیل ہمارے امام کا قول ہے او رہمارے لئے اس کی مخالفت ناروا ہے، اور ان حضرات کی دلیل وہ ہے جو کسی مسئلہ میں ان پر منکشف ہو، تو اس دلیل کی طرف ان کا رجوع ناروا نہیں۔
قوله وقد مشی علیه الشیخ علاؤالدین [1]۔	علامہ شامی: اسی پر شیخ علاء الدین گام زن ہیں
اقول: انما ف۱ مشی فی صدر الکتاب وفی کتاب القضاء معا علی ان الفتوی علی قول الامام مطلقا کما سیأتی وقوله اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ فماخوذ من التصحیح کما افدتموہ فی ردالمحتار [2] وقد کان صدر کلام الدر ھذا وحاصل ماذکرہ الشیخ قاسم فی تصحیحه [3] الخ وقد علمت ماھو مراد التصحیح الصحیح والحمد ﷲ علی حسن التنقیح۔	**اقول:** درمختار کے شروع میں اور کتاب القضاء میں دونوں جگہ وہ اسی پر گام زن ہیں کہ فتوی مطلقا قول امام پر ہے جیسا کہ آگے ان کا کلام آرہا ہے، رہی ان کی یہ عبارت "امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ، ہمیں تو اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے راجح قرار دیا" تو یہ تصحیح علامہ قاسم سے ماخوذ ہے جیسا کہ ردالمحتار میں آپ نے افادہ فرمایا خود درمختار ابتدائے کلام اسی طرح ہے اور اس کا حاصل جو شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں بیان کیا الخ عبارت تصحیح کا صحیح مطلب کیا ہے یہ پہلے معلوم ہوچکا ہے، اس خوبی تنقیح پر ساری حمد خدا ہی کے لئے ہے۔

ف۱: معروضة علیه

[1] منحة الخالق علی حاشیہ بحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۶

[2] ردالمحتار خطبة الکتاب احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳

[3] الدرالمختار خطبة الکتاب مطبع مجتبائی دھلی ۱/ ۱۵

اتینا علی ماوعدنا من سرد النقول علی اقصدنا۔ **اقول : وباللّٰه التوفیق**، ما ھوالمقرر عند ناقد ظھر من مباحثنا وتفصیله ان المسألة اما ان یحدث فیھا شیئ من الحوامل الست اولا **علی الاول** الحکم للحامل وھو قول الامام الضروری المعتمد علی الاطلاق سواء کان قوله الصوری بل وقول اصحابه وترجیحات المرجحین موافقاله اولا علما منا ان لوحدث ھذا فی زمانھم لحکموا به فقول الامام الضروری شیئ لانظر معه الی روایة ولا ترجیح بل ھوالقول الضروری للمرجحین ایضا ف ولا یتقید ذلك بزمان دون زمان قال فی شرح العقود فان قلت العرف یتغیر مرة بعد مرة فلو حدث عرف اٰخرلم یقع فی الزمان السابق فھل یسوغ للمفتی مخالفة المنصوص	اب ہم اپنے مقصود وموعود، ذکر نقول ونصوص پر آتے ہیں۔ **اقول : وباللّٰه التوفیق**، ہمارے نزدیک جو مقرراور طے شدہ ہے وہ ہماری بحثوں سے ظاہر ہوگیا،اس کی تفصیل یہ ہے کہ مسئلہ میں ان چھ اسباب تغیر سے کوئی رونما ہے یا نہیں، اور **برتقدیر اول** حکم اس سبب کے تحت ہوگا،اور یہ امام کا قول ضروری ہوگا جس پر مطلقًا اعتماد ہے خواہ ان کا قول صوری، بلکہ ان کے اصحاب کا قول اور مرجحین کی ترجیحات بھی اس کے موافق ہوں یا نہ ہوں کیونکہ ہمیں یہ معلوم ہے اگر یہ سبب ان حضرات کے زمانے میں رونما ہوتا وہ بھی اسی پر حکم دیتے، امام کا قول ضروری ایسا امر ہے جس کے ہوتے ہوئے نہ روایت پر نظر ہوگی نہ ترجیح پر بلکہ وہی مرجحین کا بھی قول ضروری ہے اس میں کسی زمانے کی پابندی بھی نہیں (فلاں زمانے میں سبب رونما ہو تو قول ضروری ہوگااور فلاں زمانے میں نہ ہوگا) علامہ شامی کی شرح عقود میں ہے،اگر یہ سوال ہو کہ عرف باربار بدلتا رہتا ہے، اگر کوئی ایسا عرف پیدا ہو جو زمانہ سابق میں نہ تھا تو کیا مفتی کے لئے یہ رواہے کہ منصوص کی مخالفت کرے

ف : حدث وحکم ضروری لاحدی الحوامل الست لایتقید بزمان۔

واتباع المعروف الحادث؟ قلت نعم فان المتأخرين الذين خالفوا المنصوص فی المسائل المارة لم يخالفوه الا لحدوث عرف بعد زمن الامام فللمفتی اتباع عرفه الحادث فی الالفاظ العرفية وكذا فی الاحكام التی بناها المجتهد علی ما كان فی عرف زمانه وتغير عرفه الی عرف اٰخر اقتداء بهم لكن بعد ان يكون المفتی ممن له رأی ونظر صحيح ومعرفة بقواعد الشرع حتی يميز بين العرف الذی يجوز بناء الاحكام عليه وبين غيره [1] قال وكتبت فی ردالمحتار فی باب القسامة فيما لوادعی الولی علی رجل من غير اهل المحلة وشهد اثنان منهم عليه لم تقبل عنده وقالا تقبل الخ نقل السيد الحموی عن العلامة المقدسی انه قال توقفت عن الفتوی بقول الامام ومنعت من اشاعته لما يترتب عليه من الضرر العام فان من عرفه من المتمردين يتجاسر علی قتل	اور عرف جدید کا اتباع کرے؟ میں جواب دوں گا کہ ہاں اس لئے کہ گزشتہ مسائل میں جن متاخرین نے منصوص کی مخالفت کی ہے ان کی مخالفت کی وجہ یہی ہے کہ زمانہ امام کے بعد کوئی اور عرف رونما ہوگیا، تو ان کی اقتداء میں مفتی کا بھی یہ حق ہے کہ عرفی الفاظ میں اپنے عرف جدید کا اتباع کرے اسی طرح ان احکام میں بھی جن کی بنیاد مجتہد نے اپنے زمانے کے عرف پر رکھی تھی اور وہ عرف کسی اور عرف سے بدل گیا، لیکن یہ حق اس وقت ملے گا جب مفتی صحیح رائے و نظر اور قواعد شرعیہ کی معرفت کا حامل ہو تاکہ یہ تمیز کرسکے کہ کس عرف پر احکام کی بنیاد ہوسکتی ہے اور کس پر نہیں ہوسکتی۔ فرماتے ہیں: میں نے ردالمحتار باب القسامۃ میں، اس مسئلہ کے تحت کہ اگر غیر اہل محلّہ کے کسی شخص پر قتل کا دعوی ہوا اور اہل محلّہ میں سے دو مردوں نے اس پر گواہی دی تو حضرت امام کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی، اور صاحبین فرماتے ہیں کہ قبول کی جائے گی الخ، یہ لکھا ہے کہ سید حموی، علامہ مقدسی سے نقل فرماتے ہیں کہ ان کا بیان ہے کہ میں نے قول امام پر فتوی دینے سے توقف کیا اور اس قول کی اشاعت سے منع کیا، کیوں کہ اس سے عام نقصان وضرر پیدا ہوتا، اس لئے کہ جو سرکش اسے جان لے گا وہ ان محلوں میں جو

[1] شرح عقود رسم المفتی من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۵

النفس فی المحلات الخالیۃ من غیر اھلھا معتمدا علی عدم قبول شھادتھم علیہ حتی قلت ینبغی الفتوی علی قولھما لاسیما والاحکام تختلف باختلاف الایام انتھی [1]

وقالوا اذا زرع صاحب الارض ارضہ ما ھو ادنی مع قدرتہ علی الاعلی وجب علیہ خراج الاعلی قالوا وھذا یعلم ولا یفتی بہ کیلا یتجرأ الظلمۃ علی اخذ اموال الناس قال فی العنایۃ ورد بانہ کیف یجوز الکتمان ولواخذوا کان فی موضعہ لکونہ واجبا، واجیب بانا لوافتینا بذلك لادعٰی کل ظالم فی ارض لیس شأنھا ذلك انھا قبل ھذا کانت تزرع الزعفران مثلا فیاخذ خراج ذلك وھو ظلم وعدوان [2] انتھی

وکذا فی فتح القدیر قالوا لایفتی بھذا لما فیہ من تسلط الظلمۃ علی اموال المسلمین اذ یدعی کل ظالم ان الارض تصلح لزراعۃ الزعفران ونحوہ

غیر اہل محلّہ سے خالی ہوں جان مارنے میں جری اور بے باک ہوجائے گا اس اعتماد پر کہ اس کے خلاف خود اہل محلّہ کی شہادت قبول نہ ہوگی، یہاں تک کہ میں نے یہ کہا کہ فتوی قول صاحبین پر ہونا چاہئے خصوصا جب کہ احکام زمانے کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، انتھی۔

ائمہ نے فرمایا: جب زمین والا اپنی زمین کے اندر اعلٰی چیز کی کاشت پر قدرت رکھنے کے باوجود ادنی چیز کی کاشت کرے تو اس کے اوپر اعلٰی کا خراج واجب ہوگا، علماء نے فرمایا: یہ حکم جاننے کا ہے، فتوی دینے کا نہیں تاکہ ظالم حکام لوگوں کا مال لینے کی جرات نہ کریں عنایہ میں ہے اس قول پر یہ رد کیا گیا ہے کہ علم کا چھپانا کیونکر جائز ہوگا جب کہ وہ اگر لے ہی لیں تو بجا ہوگا کیوں کہ یہی واجب ہے، اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ اگر ہم اس پر فتوی دے دیں تو ہر ظالم ایسی زمین جو اعلی کے قابل نہ ہو یہ دعوی کرتے ہوئے کہ پہلے تو اس میں زعفران وغیرہ کی کاشت ہوتی تھی، زعفران کا خراج وصول کرلے گا اور یہ ظلم وعدوان ہوگا، انتہی۔

اسی طرح فتح القدیر میں ہے کہ اس پر فتوی نہیں دیا جاتا کیونکہ اس کے تحت مسلمانوں کے مال پر ظالموں کی چیرہ دستی ہوگی اس لئے کہ ہر ظالم دعوی کرے گا کہ یہ زمین زعفران وغیرہ بوئے جانے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور اس ظلم کا

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۷

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۶، و ۴۷

وعلاجه صعب انتهى فقد ظهرلك ان جمود المفتى او القاضى على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة والجهل بأحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة وظلم خلق كثيرين [1] اھ	علاج دشوار ہے۔ انتہی اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اگر مفتی یا قاضی عرف اور قرائن واضحہ چھوڑ کر اور لوگوں کے حالات سے بے خبر ہو کر نقل شدہ حکم کے ظاہر پر جمود اختیار کرلے تو اس سے بہت سے حقوق کی بربادی اور بے شمار مخلوق پر ظلم وزیادتی لازم آئے گی اھ۔
اقول: ومن ذلك افتاء ف السيد بنقل انقاض مسجد خرب ما حوله واستغنى عنه الى مسجد اُخر	**اقول**: اسی میں سے یہ بھی ہے کہ علامہ شامی نے فتوی دیا کہ ایسی مسجد جس کے ارد گرد آبادی نہ رہی اور اس کے سامان بے کار ہوگئے جن کی اب ضرورت نہ رہی تو وہ دوسری مسجد میں دی جاسکتے ہیں۔
قال فی ردّالمحتار وقد وقعت حادثة سئلت عنها فی امیر اراد ان ینقل بعض احجار مسجد خراب فی سفح قاسیون بدمشق لیبلط بها صحن الجامع الاموی فافتیت بعدم الجواز متابعة للشر نبلالی ثم بلغنی ان بعض المتغلبین اخذ تلك الاحجار لنفسه	ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ایک نیا مسئلہ درپیش آیا جس سے متعلق مجھ سے یہ استفتا ہوا کہ دمشق کے اندر جبل قاسیون کے دامن میں ایک ویران مسجد ہے جس کے کچھ پتھروں کو امیر جامع اموی کے صحن میں فرش بنانے کی خاطر لے جانا چاہتا ہے میں نے علامہ شرنبلالی کی متابعت میں فتوی دیا کہ ناجائز ہے کچھ دنوں بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک چیرہ دست ظالم ان پتھروں کو اپنے لئے

ف: **مسئلہ**: جو مسجد ویران ہو اور اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہوسکے تو اب فتوی اس پر ہے کہ اس کے کڑی تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جاسکتے ہیں۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۷

فندمت علی ما افتیت به [1] اھ	اٹھالے گیا یہ سن کر اپنے فتوے پر ندامت ہوئی اھ۔
ومن ذلك ف افتاء جد المقدسی بجواز اخذ الحق من خلاف جنسه حذار تضییع الحقوق قال فی ردالمحتار قال القهستانی وفیه ایماء الی ان له ان یأخذ من خلاف جنسه عند المجانسة فی المالیة وهذا اوسع فیجوز الاخذ به وان لم یکن مذهبنا فان الانسان یعذر فی العمل به عندالضرورة کما فی الزاهدی اھ قلت وهذا ما قالوا انه لامستندله لکن رأیت فی شرح نظم الکنز للمقدسی من کتاب الحجر قال ونقل	اسی میں سے یہ بھی ہے کہ علامہ مقدسی کے نانا نے بربادی حقوق سے بچانے کے لئے یہ فتوی دیا کہ صاحب حق اپنا حق خلاف جنس سے لے سکتا ہے (مثلاً کسی ظالم نے کسی کے سو روپے دبالئے اور ملنے کی امید نہیں تو مظلوم بجائے سو روپے کے اتنے ہی کی کوئی اور چیز جو ظالم کے مال سے ہاتھ آئے لے سکتا ہے) ردالمحتار میں ہے، قہستانی نے کہا اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ خلاف جنس سے بھی لے سکتا ہے جب کہ مالیت یکساں ہو، اس حکم میں زیادہ گنجائش ہے تو ہمارے مذہب میں اگرچہ یہ حکم نہیں مگر اسے لیا جاسکتا ہے اس لئے کہ انسان وقت ضرورت اس پر عمل کرلینے میں معذور ہے، جیسا کہ زاہدی میں ہے اھ، میں کہتا ہوں اس حکم سے متعلق لوگوں نے کہا کہ اس کی کوئی سند نہیں، لیکن میں نے علامہ مقدسی کی شرح نظم الکنز، کتاب الحجر میں دیکھا، وہ لکھتے ہیں کہ میرے

ف: مسئلہ: جس کے کسی پر مثلاً سو روپے آتے ہوں اور اس نے دبالئے یا اور کسی وجہ سے ہوئے اور اسے اس سے روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سو روپے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے آج کل اس پر فتوی دیا گیا ہے مگر سچے دل سے، بازار کے بھاؤ سے سو روپے ہی کا مال ہو زیادہ ایک پیسہ کا ہو تو حرام در حرام ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۳۷۲

جد والدی لامه الجمال الاشقر فی شرحه للقدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتوٰی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرة من ای مال کان لا سیما فی دیارنا فی مداومتهم للعقوق [1] اه ومن ذلك ف افتائی مرارًا بعدم انفساخ نکاح امرأة مسلم بارتدادها لما رأیت من تجاسرهن مبادرة الی قطع العصمة مع عدم امکان استرقاقهن فی بلادنا ولا ضربهن وجبرهن علی الاسلام کما بینته فی السیر من فتاوینا وکم له من نظیر **وعلی الثانی** ان لم تکن فیها روایة عن الامام فخارج عما نحن فیه	والد کے نانا جمال اشقر نے اپنی شرح قدوری میں نقل کیا ہے کہ، خلاف جنس سے نہ لینے کا حکم ان حضرات کے دور میں تھا کیوں کہ اس وقت حقوق کے معاملے میں شریعت کی فرمانبرداری ہوتی تھی اور آج فتوی اس پر ہے کہ جب قدرت مل جائے تو کسی بھی مال سے لینا جائز ہے خصوصا ہمارے دیار میں۔ کیونکہ اب پیہم نافرمانی ہو رہی ہے اھ۔ اسی میں سے یہ بھی ہے کہ میں نے بارہا فتوی دیا کہ کسی مسلمان کی بیوی مرتد ہو جائے تو نکاح سے نہ نکلے گی کیوں کہ میں نے یہ دیکھا کہ رشتہ نکاح منقطع کرنے کی جانب پیش قدمی میں ان کے اندر ارتداد کی جسارت پیدا ہو جاتی ہے اور ہمارے بلاد میں نہ انہیں باندی بنایا جاسکتا ہے نہ مار پیٹ کر اسلام لانے پر مجبور کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوی کی کتاب السیر میں بیان کیا ہے، اس کی دوسری بہت سی نظیریں ہیں۔ **برتقدیر ثانی**: (اس مسئلہ میں اسباب ستہ میں سے کوئی سبب نہیں) اگر اس میں امام سے کوئی روایت ہی نہ آئی تو یہ صورت ہمارے

ف: مسئلہ: اب فتوی اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذاللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی وہ بدستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے مسلمان ہو کر یا بلااسلام دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

[1] ردالمحتار کتاب السرقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۰۰

ولا شك ان الرجوع اذ ذاك المجتهدين فی المذهب وانکانت فاما مختلفة عنه اولا على الاول الرجوع اليهم وكيف ماكان لايكون خروجا عن قوله رضی الله تعالى عنه ولا اعنى بالاختلاف مجیئ النوادر على خلاف الظاهر فان ماخرج ف عن ظاهر الرواية مرجوع عنه كما نص عليه البحر والخير والشامی [1] وغيرهم وما رجع عنه لم يبق قولا له فتثبت۔ وعلى الثانی اما وافقه صاحباه اواحدهما اوخالفاه على الاول العمل بقوله قطعا ولا يجوز لمجتهد فی المذهب	مبحث سے خارج ہے، اور بلاشبہ اس صورت میں مجتہدین فی المذہب کی جانب رجوع ہوگا، اگر روایت ہے تو امام سے روایت مختلف آئی ہے یا بلا اختلاف آئی ہے پہلی صورت میں رجوع ان ہی حضرات کی جانب ہوگا، اور جیسے بھی ہو قول امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خروج نہ ہوگا۔ اور اختلاف سے میری مراد یہ نہیں کہ روایات نوادر، ظاہر الروایہ کے خلاف آئی ہو اس لئے کہ جو ظاہر الروایہ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے (اس سے خود امام نے رجوع کرلیا) جیسا کہ بحر، خیر رملی، شامی وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، اور امام نے جس سے رجوع کرلیا وہ ان کا قول نہ رہ گیا، اس تحقیق پر ثابت قدم رہو۔ بصورت دوم (جب کہ روایت، امام سے بلا اختلاف آئی ہے) (۱)— یا تو صاحبین امام کے موافق ہوں گے (۲) یا صرف ایک صاحب موافق ہوں گے (۳) یا دونوں حضرات مخالف ہونگے۔ پہلی صورت میں قطعاً قول امام پر عمل ہوگا اور کسی مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی

ف: ماخرج عن ظاهر الرواية فهو مرجوع عنه

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶

ان یخالفهم الا فی صور الثنیا اعنی الحوامل الست فانه لیس خلافهم بل فی خلافه خلافهم وکذلك علی الثانی کما نصوا علیه ایضاً۔ وعلی الثالث اما ان یتفقا علی شیئ واحد او خالفا وتخالفا۔ علی الثانی العمل بقوله مطلقا وعلی الاول اما ان یتفق المرجحون علی ترجیح قولهما او قوله اولا ولابان یختلفوا فیه اولا یأتی ترجیح شیئ منهما۔ **الاول:** لاکان ولا یکون قط ابدا الا فی احدی الحوامل الست وحینئذ نتبعهم لانه قول امامنا بل ائمتنا الثلثة رضی الله تعالی عنهم صوریا لهما وضروریا له، وان جهد احد غایة جهده ان یستخرج فرعا من غیر الست	مخالفت روا نہیں، مگراستثنا یعنی اسباب ستہ والی صورتوں میں کہ یہ ان حضرات کی مخالفت نہیں، بلکہ اس کے خلاف جانے میں ان کی مخالفت ہے۔یہی حکم دوسری صورت کا بھی ہے، جیسا کہ اس کی بھی مذکورہ حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔ بصورت سوم، (۱) یا تو صاحبین کسی ایک حکم پر متفق ہوں گے (۲) یاامام کے مخالف ہونے کے ساتھ باہم بھی مختلف ہوں گے بصورت دوم، مطلّقا قول امام پر عمل ہوگا، اور بصورت اول (۱) یا تو مرجحین قول صاحبین کی ترجیح پر متفق ہونگے (۲) یا قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں گے (۳) یا یہ دونوں صورتیں نہ ہوں گی، اس طرح کہ ترجیح کے معاملے میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہوں یاسرے سے کسی کی ترجیح ہی نہ آئی ہو۔ **پہلی صورت:** (صاحبین امام کے مخالف، باہم متفق ہوں اور تمام مرجحین بھی ان ہی کی ترجیح پر متفق ہوں) نہ کبھی ہوئی نہ کبھی ہو سکتی ہے مگران ہی چھ اسباب میں سے کسی ایک سبب کی صورت میں اگر ایسا ہے تو ہم مرجحین کا اتباع کریں گے، کیونکہ یہی ہمارے امام کا بلکہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے، صاحبین کا قول صوری بھی ہے، اور امام کا قول ضروری، اور اگر کوئی اپنی انتہائی کوشش اس بات کے لئے

اجمع فیه المرجحون عن اٰخرهم علی ترك قوله واختیار قولهما فلن یجدنه ابدا ولله الحمد۔ **الثانی:** ظاهران العمل بقوله اجماعا لا ینبغی ان ینتطح فیه عنزان فالمسائل الی هنا لا خلاف فیها وفیها جمیعا العمل بقول الامام مهما وجد۔ **بقی الثالث** وهو ثامن ثمانیة من هذه الشقوق فهو الذی اتی فیه الخلاف فقیل هنا ایضا لا تخییر حتی المجتهد بل یتبع قول الامام وان ادی اجتهاده الی ترجیح قولهما وقیل بل یتخیر مطلقا ولو غیر مجتهد والذی اتفقت کلماتهم علی تصحیح التفصیل بان المقلد یتبع قول الامام واهل النظر قوة الدلیل۔	صرف کر ڈالے کہ اسباب ستہ والی صورتوں کے علاوہ کوئی ایک جزئیہ ایسا نکال لے جس میں سب کے سب مرجحین نے قول امام کے ترک اور قول صاحبین کی ترجیح پر اجماع کر رکھا ہو تو ہرگز ہرگز کبھی ایسا کوئی جزئیہ نہ پاسکے گا، وللہ الحمد۔ **دوسری صورت:** (صاحبین مخالف امام ہیں، مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہیں) میں ظاہر ہے کہ قول امام پر عمل ہوگا بالاجماع اس میں کسی دو فرد کا بھی باہم نزاع نہیں ہوسکتا، یہاں تک جو مسائل بیان ہوئے ان میں کوئی اختلاف نہیں اور سب میں یہی ہے کہ عمل قول امام ہی پر ہے جہان بھی قول امام موجود ہو۔ **تیسری صورت** رہ گئی، یہ ان شقوں کی آٹھ صورتوں میں سے آٹھویں صورت ہے، اسی میں اختلاف وارد ہے، ایک قول ہے کہ یہاں بھی کوئی تخییر نہیں یہاں تک کہ مجتہد کے لئے بھی نہیں، بلکہ اسے قول امام ہی کی پیروی کرنا ہے اگرچہ اس کا اجتہاد قول صاحبین کو ترجیح دیتا ہو، ایک قول ہے کہ مطلقًا تخییر ہے اگرچہ غیر مجتہد ہو، اور کلمات علماء جس کی تصحیح پر متفق ہیں وہ یہ ہے کہ مجتہد اور غیر مقلد کا حکم یہاں الگ الگ ہے۔ مقلد قول امام کی پیروی کرے گا، اور صاحب نظر قوت دلیل کی پیروی کرے گا۔

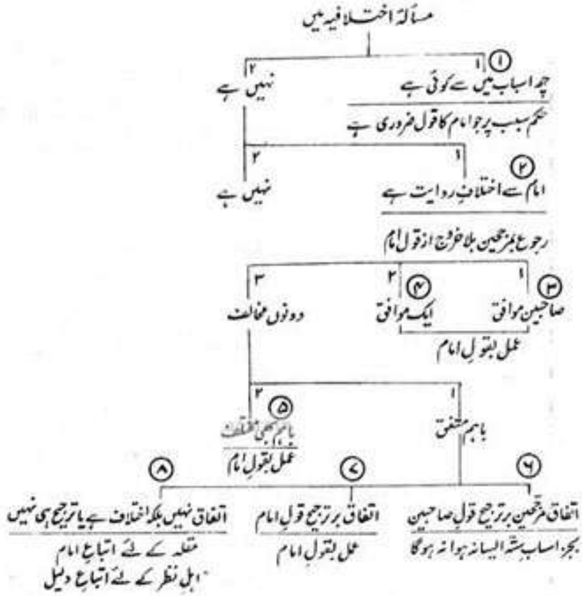

فقد التأمت الكلمات الصحيحة المعتمدة جميعا على ان المقلد ليس له الا تقليد الامام وان افتى بخلافه مفت او مفتون، فان افتاء هم جميعا بخلافه فى غير صور الثنيا ماكان وما يكون۔ والحمد لله رب العٰلمين وصلاته الدائمة على عالم ماكان	تو تمام صحیح معتمد کلمات اس پر متحد ثابت ہوئے کہ مقلد کو بہر صورت امام ہی کی تقلید کرنا ہے اگرچہ کسی ایک مفتی یا چند مفتیوں نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو کیونکہ سب کے سب مفتیوں کا خلاف امام افتا بجز صور استثنا۔۔۔۔۔نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوگا۔ اور تمام تر ستائش خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پرور دگار ہے، اور اس کا دائمی درود

وما یکون وعلی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ افضل ماسأل السائلون۔ ھذا ما تلخص لنا من کلماتھم وھوا المنھل الصافی الذی وردہ البحر فاستمع نصوص العلماء کشف اللہ تعالٰی بھم العماء وجلا بھم عنا کل بلاء وعناء۔

خمسة واربعون نصا علی المدعی

فی [1]محیط الامام السرخسی ثم الفتاوی[2] الھندیة لابد من معرفۃ فصلین احدھما انہ اذا اتفق اصحابنا فی شیئ ابو حنیفۃ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنھم ینبغی للقاضی ان یخالفھم برأیہ والثانی ا ذا اختلفوا فیما بینھم [3] قال عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ تعالٰی یؤخذ بقول ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لانہ [ف] کان من التابعین وزاحمھم فی الفتوی[1] اھ

ہو عالم ماکان ومایکون پر، اور ان کی آل، اصحاب فرزند اور گروہ پر، ان درودوں میں سب سے افضل درود جن کا سائلوں نے سوال کیا یہ ہے وہ جو کلمات علماء کی تلخیص سے ہمیں حاصل ہوا اور یہی وہ چشمہ صافی ہے جس پر "بحر" اترے۔ اب علماء کے نصوص ملاحظہ ہوں، ان حضرات کے طفیل اللہ تعالٰی نابینائی زائل کرے اور ان کے صدقے میں ہم سے ہر تکلیف وبلا دور کرے۔

مدعا پر ۴۵ نصوص

(ا۔۔۳) امام سرخسی کی محیط پھر فتاوی ہندیہ میں ہے، ان دو ضابطوں کی معرفت ضروری ہے اول یہ ہے کہ جب ہمارے اصحاب ابو حنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کسی بات پر متفق ہوں تو قاضی کو یہ نہیں چاہئے کہ اپنی رائے سے ان کی مخالفت کرے، دوم یہ کہ جب ان حضرات میں باہم اختلاف ہو تو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا قول لیا جائے گا، اس لئے کہ وہ تابعین میں سے تھے اور تابعین کے مقابلہ میں فتوی دیا کرتے تھے اھ۔

ف: **فائدہ:** امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ من التابعین وقد زاحم ائمتھم فی الفتوی

---

[1] الفتاوی ہندیہ، بحوالہ محیط السرخسی کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱۲

[4]زاد العلامۃ قاسم فی تصحیحہ [5] ثم الشامی فی ردالمحتار فقولہ اسد واقوی مالم یکن اختلاف عصر وزمان [1] اھ **اقول:** وقول السرخسی برأیہ یدل ان النھی للمجتھد ولا ینبغی ای لا یفعل بدلیل قولہ لابد فلا یقال للمستحب لابد من معرفتہ اذا مالا یحتاج الی فعلہ لا یحتاج الی معرفتہ انما العلم للعمل۔[6]وفی فتاوی الامام الاجل فقیہ النفس قاضی خان المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی فی مسألۃ وسئل عن واقعۃ انکانت المسألۃ مرویۃ عن اصحابنا فی الروایات الظاھرۃ بلا خلاف بینھم فانہ یمیل الیھم ویفتی بقولھم ولا یخالفھم برأیہ وانکان مجتھدا متقنا لان الظاھر ان یکون الحق مع اصحابنا ولا یعدوھم واجتھادہ لایبلغ اجتھادھم و	**(۴---۵)** یہاں علامہ قاسم نے تصحیح میں پھر علامہ شامی نے ردالمحتار میں یہ اضافہ کیا: توان کا قول زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہوگا جب کہ عصر وزمانہ کا اختلاف نہ ہو۔ **اقول:** امام سرخسی کا لفظ "اپنی رائے سے" یہ بتاتا ہے کہ ممانعت مجتہد کے لئے ہے، اور "نہیں چاہئے" کا معنی یہ ہے کہ "نہ کرے" اس کی دلیل ان کا لفظ "لابد ضروری" ہے کیوں کہ مستحب سے متعلق یہ نہ کہا جائے گا کہ "اس کی معرفت ضروری ہے" اس لئے کہ جس کا ذکر کرنا ضروری نہیں اس کا جاننا بھی ضروری نہیں علم تو عمل ہی کے لئے ہوتا ہے۔ (٦) امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں کے فتاوی میں ہے، ہمارے دور میں جب ہمارے مسلک کے مفتی سے کسی مسئلہ میں استفتا اور کسی واقعہ پر سوال ہو تو اگر وہ مسئلہ ہمارے ائمہ سے ظاہر الروایہ میں بلااختلاف باہمی مروی ہے تو ان ہی کی طرف مائل ہو، ان ہی کے قول پر فتوی دے اور اپنی رائے سے ان کی مخالفت نہ کرے، اگرچہ وہ پختہ کار مجتہد کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ حق ہمارے ائمہ کے ساتھ ہے اور ان سے متجاوز نہیں، اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کو نہیں پاسکتا۔ اور ان کے

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطلب رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۴۸

لاینظر الی قول من خالفهم ولاتقبل حجته لانهم عرفوا الا دلّة ومیزوا بین ماصح وثبت وبین ضده ۔فان کانت المسألة مختلفا فیها بین اصحابنا فانکان مع ابی حنیفة رحمه الله تعالی احد صاحبیه یؤخذ بقولهما لوفور الشرائط واستجماع ادلة الصواب فیهما وان خالف ابا حنیفة رحمه الله تعالی صاحباه فی ذلك فانکان اختلافهم اختلاف عصروزمان کا لقضاء بظاهر العدالة یأخذ بقول صاحبیه لتغیر احوال الناس وفی المزارعة والمعاملة ونحو هما یختار قولهما لاجتماع المتاخرین علی ذلك وفیما سوی ذلك قال بعضهم یتخیر المجتهد ویعمل بما افضی الیه رأیه وقال عبدالله بن المبارك یأخذ بقول ابی حنیفة رحمه الله تعالی[1] اھ **اقول** : ولوجه ربنا الحمد اتی بکل ما قصدناه فاستثنی	مخالف کے قول پر نظر نہ کرے نہ اس کی حجت قبول کرے اس لئے کہ وہ دلائل سے آشنا تھے اور انہوں نے ثابت و صحیح اور غیر ثابت و صحیح کے درمیان امتیاز بھی کردیا۔ (۲) اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے تو اگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہیں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور صاحبین میں سے ایک) کا قول لیا جائے گا کیوں کہ ان میں شرطیں فراہم، اور دلائل صواب مجتمع ہیں (۳) اور اگر اس مسئلہ میں صاحبین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے بر خلاف ہیں تو یہ اختلاف اگر عصر و زمان کا اختلاف ہے جیسے گواہ کی ظاہری عدالت پر فیصلہ کا حکم، تو صاحبین کا قول لیا جائے گا کیونکہ لوگوں کے حالات بدل چکے ہیں، اور مزارعت، معاملت اور ایسے ہی دیگر مسائل میں صاحبین کا قول اختیار ہوگا کیونکہ متاخرین اس پر اتفاق کرچکے ہیں، (۴) اور اس کے ماسوا میں بعض نے کہا کہ مجتہد کو اختیار ہوگا اور جس نتیجے تک اس کی رائے پہنچے وہ اس پر عمل کرے گا، اور عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول لے گا۔اھ **اقول:** ہمارے رب ہی کی ذات کے لئے حمد ہے، امام قاضی خاں نے ہمارے

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی رسم المفتی نولکشور لکھنؤ ۲/۱

التعامل وما تغیر فیه الحکم لتغیر الاحوال قد جمع الوجوه الستة التی ذکرناها، ونص ان اهل لنظر لیس لهم خلاف الامام اذا وافقه احد صاحبیه فکیف اذا وافقاه ثم ما ذکر من القولین فیما عداها لاخلف بینهما فی المقلد فالاول بتقیید التخییر بالمجتهد افاد ان لاخیار لغیره والثانی حیث منع المجتهد عن التخییر فهو للمقلد امنع فاتفق القولان علی ان المقلد لایتخیر بل یتبع الامام وهو المرام [7] وفی الفتاوی السرا جیة [8] والنهر الفائق [9] ثم الهندیة [10] و الحموی وکثیر من الکتب واللفظ للسراجیة الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة ثم ابی یوسف ثم محمد ثم زفـــر عـــه والحسن [1] و	مقصود سے متعلق سب کچھ بیان کر دیا، تعامل اور اس مسئلے کا جس میں حالات کے بدلنے سے حکم بدل گیا ہے، استثنا کرکے ہمارے ذکر کردہ اسباب ستہ کو جمع کر دیا، یہ صراحت بھی فرمادی کہ صاحبین میں سے کوئی ایک جب امام کے موافق ہوں تو اصحاب نظر کے لئے امام کی مخالفت روا نہیں، اگر دونوں ہی ان کے موافق ہیں تو کیونکر روا ہوگی؟ پھر ما سوا مسائل میں جو دو قول بیان کئے ہیں ان کے درمیان مقلد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں قول اول میں تخییر کو مجتہد سے مقید کرکے یہ افادہ کر دیا کہ غیر مجتہد کو اختیار نہیں۔ اور قول دوم میں جب مجتہد کو تخییر سے منع کیا تو مقلد کو تو اور زیادہ منع کریں گے، اس طرح دونوں قول اس بات پر متفق ٹھہرے کہ مقلد کو تخییر نہیں بلکہ اسے امام ہی کا اتباع کرنا ہے، یہی مقصود ہے، (۷۔۔۔۱۰) [7] فتاوی سراجیہ، [8] النہر الفائق، پھر [9] ہندیہ و [10] حموی اور بہت سی کتابوں میں ہے الفاظ سراجیہ کے ہیں۔ فتوی مطلقًا قول امام ابو حنیفہ پر ہوگا، پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر اما زفر، اور امام حسن کے قول پر۔

عـــه: هکذا نقل عنها فی شرح العقود وغیره والحسن بالواو وهو مفاد الدر لکن فی نسختی السراجیة ثم الحسن واللہ تعالٰی اعلم منه غفرله۔	سراجیہ سے شرح عقود وغیرہ میں "والحسن" واو کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہی درمختار کا بھی مفاد ہے۔ لیکن میرے نسخے سراجیہ میں ثم الحسن ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم غفر لہ

[1] الفتاوی السراجیہ کتاب ادب المفتی والتنبیہ علی الجواب مطبع نولکشور لکھنو ص ۱۵۷

لفظ النھر ثم الحسن۔[1]	اور نہر میں ثم الحسن ہے (پھر امام حسن)۔
اقول: وھو حسن فان مکانۃ زفر ممالا ینکر لکن قال ش الواوھی المشھورۃ فی الکتب اھ[2] ومعنی الترتیب ای اذ الم یجد قول الامام ثم رأیت "الشامی صرح بہ فی شرح عقودہ حیث قال اذالم یوجد للامام نص یقدم قول ابی یوسف ثم محمد الخ قال والظاھر ان ھذا فی حق غیر المجتھد اما المفتی المجتھد فیتخیر بما یترجع عندہ دلیلہ[3]۔اھ	**اقول:** لفظ نہر "ثم الحسن" عمدہ ہے کیونکہ امام زفر کی ان سے برتری ناقابل انکار ہے لیکن علامہ شامی لکھتے ہیں کہ "واو" ہی کتابوں میں مشہور ہے اھ اور ترتیب مذکور اس صورت میں مقصود ہے جب امام کا قول نہ ملے، (۱۱) پھر میں نے دیکھا کہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اس کی صراحت بھی فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں: جب امام کی کوئی نص نہ ملے تو امام ابو یوسف کا قول مقدم ہوگا پھر امام محمد کا۔ الخ، اور فرماتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہ غیر مجتہد کے حق میں ہے، رہا مفتی مجتہد تو یہ اسے اختیار کرے گا جس کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو اھ
اقول: ای اذالم یجد قول الامام لایتقید بالترتیب فیتبع قول الثانی وان ادی رأیہ الی قول الثالث کما کان لا یتخیر اتفاقا اذا کان مع الامام صاحباہ اواحدھما والذی استظھرہ ظاھر ثم قالا اعنی السراجیۃ	**اقول:** یعنی جب امام کا قول اسے نہ ملے تو وہ ترتیب کا پابند نہیں کہ امام ثانی ہی کے قول کی پیروی کرے اگرچہ اس کا اجتہاد امام ثالث کے قول پر جائے، جیسے اس صورت میں بالاتفاق اسے اختیار نہیں جب امام کے ساتھ صاحبین یا ان میں سے ایک ہوں، اور علامہ شامی نے جس کو ظاہر کہہ کر بیان کیا وہ ظاہر ہے پھر سراجیہ

[1] الدر المختار بحوالہ النہر کتاب القضاء، مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۲، النہر الفائق شرح کنز الدقائق کتاب القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۳/۵۹۹

[2] رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق ۴/۳۰۲

[3] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۷

والنهر وقيل اذاكان ابو حنيفة فى جانب و صاحباه فى جانب فالمفتى بالخيار والاول اصح اذالم يكن المفتى مجتهدا[1] اھ	اور نہر میں یہ بھی ہے: کہا گیا کہ جب امام ابو حنیفہ ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو اختیار ہے اور قول اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو اھ
۱۲وفى التنوير ۱۳والدر (يأخذ) القاضى كالمفتى (بقول ابى حنيفة على الاطلاق) وهو الاصح منية ۱۴وسراجية وصحح فى الحاوى اعتبار قوة المدرك والاوّل اضبط ۱۵نهر (ولا يخير الا اذاكان مجتهدا[2]) اھ ۱۶وفى صدر ط ما ذكره المصنف صححه فى ادب ۱۷اطفال[3] اھ ۱۸وفى البحر كما مرقد صححوا ان الافتاء بقول الامام[4]	**(۱۲۔۔۱۵)** ۱۲تنویر الابصار اور ۱۳درمختار میں ہے (عبارت تنویر قوسین میں ہے ۱۲م) مفتی کی طرح قاضی بھی (مطلقا قول امام کو لے گا) یہی اصح ہے ۱۴منیہ وسراجیہ، اور حاوی میں قوت دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے۔ اور قول اول زیادہ ضبط والا ہے ۱۵نہر (اور تخییر نہ ہوگی مگر جب کہ وہ صاحب اجتہاد ہو) اھ (۱۶۔۔۔۔۱۷) ۱۶طحطاوی کے شروع میں ہے، مصنف نے جو ذکر کیا ہے اسی کو ۱۷ ادب المقال میں صحیح کہا ہے اھ ۱۸بحر میں ہے، جیسا کہ گزرا، علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ فتوی قول امام پر ہوگا، اھ
وقال ش قوله وهو الا صح مقابله مايأتى عن الحاوى ومافى جامع الفصولين من	علامہ شامی لکھتے ہیں عبارت درمختار "وھو الاصح" کا مقابل وہ ہے جو حاوی کے حوالے سے آرہا ہے اور وہ جو جامع الفصولین میں ہے

[1] الفتاوی السراجیۃ کتاب ادب المفتی والتنبیہ علی الجواب مطبع لکنشور لکھنو ص ۱۵۷، النہر الفائق شرح کنز الدقائق کتاب القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۳ / ۵۹۹

[2] الدر المختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۷۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۴۸

[4] البحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء ایچ ایم سعید کمپنی ۱/ ۲۶۹

انه لو معه احد صاحبيه اخذ بقوله وان خالفاه قيل كذلك وقيل يخير الا فيما كان الاختلاف بحسب تغيرالزمان كالحكم بظاهر العدالة وفيما اجمع المتأخرون عليه كالمزارعة والمعاملة فيختارقولهما [1] اه وفى صدر الدر الاصح كما فى السراجية وغيرها انه يفتى بقول الامام على الاطلاق وصحح فى الحاوى القدسى قوة المدرك [2]اه قال ط قوله والاصح مقابله قوله بعد وصحح فى الحاوى [3] اه وقال ش بعد نقل عبارة السراجية مقابل الاصح غير مذكور فى كلام الشارح فافهم [4]اه	کہ اگر صاحبین میں سے کوئی ایک ،امام کے ساتھ ہوں تو قول امام لیا جائے گا، اور اگر صاحبین مخالف امام ہوں تو بھی ایک قول یہی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تخییر ہوگی مگراس مسئلے کے اندر جس میں تبدیلی زمانہ کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہو جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ کرنے کامسئلہ اور مزارعت ومعاملت جیسے وہ مسائل جن میں متاخرین کا اجماع ہوچکاہے کہ ان سب میں قول صاحبین اختیار کیا جائے گا۔درمختار کے شروع میں ہے جیساکہ سراجیہ وغیرہا میں مذکور ہے اصح یہ ہے کہ مطلقًا قول امام پر فتوی دیا جائے گا، اور حاوی قدسی میں قوت دلیل کے اعتبار کو صحیح کہا ہے۔طحطاوی لکھتے ہیں درمختار میں مذکور"اصح"کا مقابل وہ ہے جو بعد میں" صحح فی الحاوی"حاوی نے اعتبار دلیل کو صحیح کہا"لکھ کر بیان کیا ہے۔علامہ شامی سراجیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اصح کا مقابل کلام شارح میں مذکور نہیں،**فافھم** (تو سمجھو) اس لفظ

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] الدرالمختار، رسم المفتی، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[4] ردالمحتار، رسم المفتی، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

یرید بہ التعریض علٰی ط۔ **اقول:** ھھنا امور لا بدمن التنبیہ لھا: **فاولا:** اقحم ف۱ الدر ذکر فی التصحیحین قبل قول المصنّف ولا یخیر الخ فاوھم الاطلاق فی الحکم الاول حتی قال ف۲ قولہ صحح فی الحاوی مقابل الاطلاق الذی فی المصنف[1] اھ مع ان صریح نص المصنف تقییدہ بما اذالم یکن مجتھدا۔ **وثانیا:** ما صححہ فی الحاوی عین ما صححہ فی السراجیۃ والمنیۃ وادب المقال وغیرھا وانما الفرق فی التعبیر فھم قالوا الاصح ان المقلد لا یتخیر بل یتبع قول الامام وھو قال الاصح ان المجتھد	سے طحطاوی پر تعریض مقصود ہے۔ **اقول:** یہاں چند امور پر متنبہ ہونا ضروری ہے، **اولا:** صاحب تنویر کا قول "مطلّقا قول امام کو لے گا" غیر مجتہد سے خاص ہے۔ مگر شارح نے عبارت متن "اور تخییر نہ ہوگی الخ" سے پہلے دونوں تصحیحوں کا تذکرہ درمیان میں رکھ دیا جس سے یہ وہم پیدا ہوا کہ حکم اول (اخذ قول امام) میں اطلاق ہے، یہاں تک کہ سید طحطاوی نے یہ سمجھ لیا کہ شارح کا قول "صحح فی الحاوی" اسی اطلاق کا مقابلہ ہے جو کلام مصنف میں ہے حالاں کہ مصنف کی عبارت میں صراحۃً وہ اس سے مقید ہے کہ "جب کہ وہ صاحب اجتہاد نہ ہو" **ثانیا:** حاوی میں جس قول کو صحیح کہا ہے بعینہٖ وہی ہے جسے سراجیہ، منیہ، ادب المقال وغیرہا میں صحیح کہا ہے، فرق صرف تعبیر کا ہے۔ ان حضرات نے یوں کہا کہ مقلد کو تخییر نہیں بلکہ اسے قول امام ہی کی پیروی کرنی ہے، اور حاوی نے یوں کہا کہ اصح یہ ہے کہ مجتہد کو

ف۱: تطفل علی الدر المختار

ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ط

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب القضاء، المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۳/۱۷۶

يتخير لان قوة الدليل انما يعرفها هو فيستحيل [ف1] ان يكون مقابل الاصح ما صححه فی الحاوی بل مقابله التخيير مطلقا اذا خالفاه معاكما هو مفاد الاطلاق القيل المذكور فی السراجية والتقييد بقول الامام مطلقا وان خالفاه معا والمفتی مجتهد كما هو مفاد اطلاق ماصدر به فيها فلا وجه [ف2] لترجيح الاول عليه بانه	تخییر ہوگی اس لئے کہ دلیل کی قوت سے آشنا وہی ہوگا، جب حقیقت یہ ہے تو محال ہے کہ اصح کا مقابل وہ ہو جسے حاوی میں اصح کہا، بلکہ اس کا مقابل یہ ہے کہ (۱) مطلقاً تخییر ہوگی جب کہ صاحبین مخالف امام ہوں، جیسا کہ سراجیہ میں مذکور قیل، کہا گیا" کا مفاد ہے، (۲) اور یہ کہ مطلقاً قول امام کی پابندی ہے اگرچہ صاحبین ان کے مخالف اور مفتی صاحب اجتہاد ہو، جیسا کہ یہ اس کلام کے اطلاق کا مفاد ہے جسے سراجیہ کے اندر شروع میں ذکر کیا۔[اس میں پہلے یہ کہا کہ "فتوی مطلقاً قول امام پر ہے"۔ پھر یہ لکھا" کہا گیا کہ جب امام ایک جانب اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے"۔ اس کے متصل یہ کہا کہ: "اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو" آغاز کلام سے پتا چلا کہ مجتہد غیر مجتہد سب کے لئے قول امام کی پابندی ہے، درمیانی قول سے معلوم ہوا کہ مخالفت صاحبین کی صورت میں سب کے لئے تخییر ہے آخر والی تصحیح سے معلوم ہوا کہ غیر مجتہد کے لئے تو مطلقاً قول امام کی پابندی ہے اور مجتہد کے لئے مخالفت صاحبین کی صورت میں اختیار ہے۔۱۲م] جب ایسا ہے تو اول کو "زیادہ ضبط والا" کہہ کر

ف۱: معروضة عليه وعلى العلامة ش

ف۲: تطفل على النهر وعلى الدر

اضبط وقد قال ح ط ش فی التوفیق بین ما فی السراجیة والحاوی ان من کان له قوة ادراك قوة المدرك یفتی بالقول القوی المدرك والا فالترتیب [1] اھ قال ش یدل علیه قول السراجیة والاول اصح اذالم تکن المفتی مجتھدا [2] اھ **اقول:** فرق التعبیر ف۱ لایکون خلافا حتی یوفق وبالجملة فتوھم المقابلة بینھما اعجب واعجب منه ف۲ ان العلامة ش تنبه له فی صدر الکتاب ثم وقع فیه فی کتاب القضاء فسبحٰن من لا ینسی۔	تصحیح حاوی پر اسے ترجیح دینے کا کوئی معنی نہیں [تصحیح حاوی اور تصحیح اول تو بعینہ ایک ہیں۔ ۱۲م] **(۱۹۔۔۲۱)** حضرات ۱۹حلبی، ۲۰طحطاوی و ۲۱شامی نے کلام سراجیہ اور کلام حاوی میں تطبیق کے لئے یہ کہا: کہ جس کے پاس مدرک ودلیل کی قوت سے آگاہی کی قدرت ہو وہ اپنے دریافت کردہ قوی قول پر فتوی دے گا ورنہ وہی ترتیب ہوگی ۔شامی فرماتے ہیں، اس پر سراجیہ کی یہ عبارت دلالت کررہی ہے، اور اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو۔ **اقول:** فرق تعبیر کوئی معنوی اختلاف ہے ہی نہیں کہ تطبیق دی جائے الحاصل ان دونوں تصحیحوں میں مقابلہ کا توہم بہت عجیب ہے اور اس سے زیادہ عجیب یہ کہ علامہ شامی شروع کتاب میں اس پر متنبہ ہوئے پھر کتاب القضاء میں جاکر اس وہم میں پڑ گئے۔ تو پاکی اس ذات کے لئے جسے فراموشی و نسیان نہیں۔

ف۱: معروضة علیه وعلی العلامة ح وعلی ط وعلی ش

ف۲: معروضة علی ش

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، رسم المفتی، المکتبة العربیة کوئٹہ، ۱/۴۹، ردالمحتار رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

[2] ردالمحتار رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

ثالثا: کذلك ف۱ لا یقابله ما فی جامع الفصولین فانه عین مافی الخانیة وانما نقله عنها برمز خ وفیه تقیید التخییر بالمجتهد فالکل و ردوا موردا واحدا وانما ینشؤا لتوھم لاقتصار وقع فی النقل عنه (۲۲) فان نصه لو مع ح رضی الله تعالی عنه احد صاحبیه یأخذ بقولهما ولو خالف ح صاحباه فلو کان اختلافهم بحسب الزمان یأخذ بقول صاحبیه وفی المزارعة والمعاملة یختار قولهما لاجماع المتأخرین وفیما عدا ذلك قیل یخیر المجتهد وقیل یأخذ بقول ح رضی الله تعالی عنه [1] اھ فانکشفت الشبھة۔ **و رابعا**: اھم من الکل ف۲ دفع ما اوھمه عبارۃ الدر من ان تصحیح الحاوی اعتبار قوۃ	**ثالثا**: اسی طرح اس کا مقابل وہ بھی نہیں جو جامع الفصولین میں ہے اس لئے کہ اس کا کلام تو بعینہ وہی ہے جو خانیہ کا ہے، اسی سے "**خ**" کا رمز دے کر نقل بھی کیا ہے، اس اختیار کو اس سے مقید کیا ہے کہ مفتی مجتہد ہو تو سب نے ایک موقف اختیار کیا ہے اور وہم اس اختیار سے پیدا ہوا ہے جو نقل میں واقع ہوا ہے۔ جامع کی عبارت اس طرح ہے **(۲۲)** اگر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ ان کے صاحبین میں سے کوئی ایک ہوں تو ان ہی دونوں (امام اور وہ ایک صاحب) کے قول کو لے، اور اگر صاحبین "**ح**" کے مخالف ہو تو اگر ان حضرات کا اختلاف بلحاظ زمان ہے، تو صاحبین ہی کا قول لے۔ اور مزارعت و معاملت میں صاحبین ہی کا قول اختیار کرے کیوں کہ اسی پر اجماع متاخرین ہے، ان صورتوں کے ماسوا میں ایک قول یہ ہے کہ مجتہد کو تخییر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ امام "**ح**" رضی اللہ تعالی عنہ کا ہی قول لینا ہے۔ اس سے شبہہ منکشف ہو گیا۔ **رابعا**: سب سے اہم اس وہم کو دور کرنا ہے جو عبارت در مختار نے پیدا کیا کہ حاوی کے نزدیک قوت دلیل کے اعتبار کو اصح

ف۱: معروضة علیه

ف۲: تطفل علی الدر

[1] جامع الفصولین، الفصل الاول فی القضاء الخ اسلامی کتب خانہ کراچی، ۱/۱۵

المدرك مطلق لا قتصاره من نصه على فصل واحد وليس كذلك ٢٣ ففی الحاوی القدسی متی كان قول ابی یوسف ومحمد موافق قوله لا یتعدی عنه الا فیما مست الیه الضرورة وعلم انه لوكان ابو حنیفة رأی مارأوا لا فتی به وكذا اذا كان احدهما معه فان خالفاه فی الظاهر عــه قال بعض المشائخ یأخذ بظاهر قوله وقال بعضهم المفتی مخیر بینهما ان شاء افتی بظاهر قوله وان شاء افتی بظاهر قولهما والاصح ان العبرة بقوة الدلیل[1] اھ فهذا كما تری عین مافی الخانیة لا یخالفها فی شیئ فقد الزم اتباع قول الامام اذا وافقه	قرار دینا مطلقًا ہے یہ وہم پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ درمختار میں عبارت حاوی کے صرف ایک ٹکڑے پر اقتصار ہے۔ حقیقت یوں نہیں۔ کیوں کہ حاوی قدسی کی پوری عبارت یہ ہے: جب امام کے موافق ہو تو اس سے تجاوز نہ کیا جائے گا مگر اس صورت میں جب کہ ضرورت درپیش ہو اور معلوم ہو کہ اگر امام ابو حنیفہ بھی اسے دیکھتے جو بعد والوں نے دیکھا تو اسی پر فتوی دیتے، یہی حکم اس وقت بھی ہے جب صاحبین میں سے کوئی ایک، امام کے ساتھ ہو، اگر دونوں ہی حضرات ظاہر میں مخالف امام ہوں تو بعض مشائخ نے فرمایا کہ ظاہر قول امام کو لے، اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ مفتی کو دونوں کا اختیار ہے اگر چاہے تو ظاہر قول امام پر فتوی دے، اور اصح یہ ہے کہ اعتبار، قوت دلیل کا ہے اھ، (حاوی قدسی) دیکھئے بعینہٖ وہی بات ہے جو خانیہ میں ہے ذرا بھی اس کے خلاف نہیں کیوں کہ حاوی نے بھی امام کے ساتھ موافقت صاحبین کی صورت

عــه المراد بالظاهر فی المواضع الاربعة ظاهر الروایة منه

چاروں جگہ لفظ "ظاھر" سے مراد ظاہر الروایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶

صاحباه وكذا اذا وافقه احدهما وانما جعل الاصح العبرة بقوة الدليل اذا خالفاه معالا مطلقا كما او همه الدرو معلوم ان معرفة قوة الدليل وضعفه خاص باهل النظر فوافق تقديم الخانية تخيير المجتهد لانه انما ف۱ يقدم الاظهر الاشهر	میں ، اسی طرح صرف ایک صاحب کی موافقت کی صورت میں قول امام ہی کا اتباع لازم کیا ہے ، اور قوت دلیل کے اعتبار کو اصح صرف اس صورت میں قرار دیا ہے جب دونوں ہی حضرات ، مخالف امام ہوں اسے مطلقًا اصح نہ ٹھہرایا جیسا کہ عبارت درمختار نے وہم پیدا کیا اور معلوم ہے کہ دلیل کی قوت اور ضعیف کی معرفت خاص اہل نظر کا حصہ ہے تو یہ تصحیح اسی کے مطابق ہے جسے خانیہ نے مقدم رکھا، یعنی یہ کہ مجتہد کے لئے تخییر ہے اس لئے کہ قاضی خاں اسی کو مقدم کرتے ہیں جو اظہر واشہر ہو۔
وقد علمت ان لا خلف فاحفظ هذا كيلا تزل فی فهم مراده حيث ينقلون عنه القطعة الا خيرة فقط ان العبرة بقوة الدليل فتظن عمومه للصور وانما هو فی ما اذا خالفاه معا.	معلوم ہوچکا کہ دونوں میں کوئی فرق واختلاف نہیں تو اسے یاد رکھنا چاہئے تاکہ مراد حاوی سمجھنے میں لغزش نہ ہو کیوں کہ لوگ ان کا صرف آخری ٹکڑا "اعتبار ، قوت دلیل کا ہے" نقل کرتے ہیں، جس سے خیال ہوتا ہے کہ ان کا یہ حکم تمام ہی صورتوں کے لئے ہے۔ حالاں کہ یہ صرف اس صورت کے لئے ہے جب دونوں حضرات مخالف امام ہوں۔
وبامثال ف۲ ماوقع ههنا فی نقل ش كلام جامع الفصولين ونقل الدر كلام الحاوی وما وقع فيهما من	یہاں علامہ شامی سے کلام جامع الفصولین کی نقل میں اور صاحب در سے کلام حاوی کی نقل میں جو واقع ہوا اور دونوں میں جو اختصار مخل در آیا

ف۱: ما قدم الامام قاضی خان فهو الاظهر الاشهر ۔

ف۲ ليجتنب النقل بالواسطة مهما امكن ۔

الاقتصار المخل یتعین انه ینبغی مراجعة المنقول عنه اذا وجد فربما ظهر شیئ لا یظهر مما نقل وان کانت النقلة ثقات معتمدین فاحفظ وقد قال فی [۲۴] شرح العقود بعد نقله مافی الحاوی الحاصل انه اذا اتفق ابو حنیفة وصاحباه علی جواب لم یجز العدول عنه الا لضرورة وکذا اذا وافقه احدھما واما اذا انفرد عنهما بجواب وخالفاه فیه فان ف انفرد کل منهما بجواب ایضا بان لم یتفقا علی شیئ واحد فالظاھر ترجیح قوله ایضا [1]۔

اقول وھذہ نفیسة افادھا وکم له من فوائد اجادھا والامر کما قال لقول الخانیة یأخذ بقول صاحبیه و

ایسی ہی باتوں کے پیش نظر یہ متعین ہوجاتا ہے کہ منقول عنہ کے موجود اور دستیاب ہونے کی صورت میں اس کی مراجعت کرلینا چاہئے ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات منکشف ہو جو نقل سے ظاہر نہیں ہوتی اگر نقل کرنے والے ثقہ ومعتمد ہیں، اسے یاد رکھیں۔

(۲۴) شرح عقود میں حاوی کا کلام نقل کرنے کے بعد تحریر ہے: حاصل یہ کہ جب امام ابو حنیفہ اور صاحبین کسی حکم پر متفق ہوں تو اس سے عدول جائز نہیں مگر ضرورت کے سبب یوں ہی جب صاحبین میں سے ایک ان کے موافق ہوں ۔لیکن جب امام کسی حکم میں صاحبین سے علیحدہ ہوں اور دونوں حضرات اس میں امام کے بر خلاف ہوں تو اگر یہ بھی الگ الگ ایک ایک حکم رکھتے ہوں اس طرح کہ کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو ظاہر یہی ہے کہ ترجیح قول امام کو ہوگی۔

اقول: یہ ایک نفیس نکتہ ہے جس کا افادہ فرمایا اور ان کے ایسے عمدہ افادات بہت ہیں، اور حقیقت وہی ہے جو انہوں نے بیان کی، اس لئے کہ خانیہ میں ہے، صاحبین کا قول لیا جائے گا، اور یہ بھی ہے صاحبین

ف: الترجیح لقول الامام ای بلا خلاف اذا خالفا وتخالفا۔

1 شرح العقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶

قولها يختار قولهما وقول السراجية وغيرها وصاحباه فی جانب قال واما اذا خالفاه واتفقا علی جواب واحد حتی صار هو فی جانب وهما فی جانب فقیل یترجح قوله ایضا وهذا قول الامام عبدالله بن المبارك وقیل یتخیر المفتی وقول السراجیة والاول اصح اذالم یکن المفتی مجتهدا یفید اختیار القول الثانی ان کان المفتی مجتهدا ومعنی تخییره انه ینظر فی الدلیل فیفتی بما یظهر له ولا یتعین علیه قول الامام وهذا الذی صححه فی الحاوی ایضا بقوله والا صح ان العبرة لقوة الدلیل لان اعتبار قوة	کا قول اختیار ہوگا اور سراجیہ وغیرہا میں ہے کہ اور صاحبین ایک طرف ہوں۔[1] علامہ شامی آگے لکھتے ہیں لیکن جب صاحبین امام کے مخالف ہوں اور باہم ایک حکم پر متفق ہوں یہاں تک کہ امام ایک طرف ہوگئے ہوں اور صاحبین ایک طرف، تو کہا گیا کہ اس صورت میں قول امام کو ہی ترجیح ہوگی، یہ امام عبداللہ بن مبارک کا قول ہے، اور کہا گیا کہ مفتی کو اختیار ہوگا، اور سراجیہ کا کلام "اول اصح ہے جب کہ مفتی صاحب اجتہاد نہ ہو"۔ یہ مفتی کے مجتہد ہونے کی صورت میں قول ثانی کی ترجیح کا افادہ کر رہا ہے، تخییر مفتی کا معنی یہ ہے کہ دلیل میں نظر کرنے کے بعد اس پر جو منکشف ہو اسی پر فتوی دے گا اور اس پر قول امام کی پابندی متعین نہ ہوگی اسی کی حاوی میں تصحیح کی ہے، ان الفاظ سے "اصح یہ ہے کہ اعتبار قوت دلیل کا ہوگا اس لئے کہ قوت دلیل کا اعتبار

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] خانیہ کی دونوں عبارت اس صورت سے مقید ہے جب صاحبین ہم رائے ہونے کے ساتھ خلاف امام ہوں اور ان کا یہ اختلاف اصحاب ستہ کی صورتوں میں سے تغیر زماں وعرف کی حالت میں ہو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اصحاب ستہ کی بناء پر اختلاف نہ ہو اور صاحبین مخالف امام ہونے کے ساتھ ایک رائے پر نہ ہوں تو ان کا قول نہیں لیا جائے گا بلکہ قول امام کا اتباع ہوگا۔ اسی طرح سراجیہ وغیرہ میں تخییر مفتی کا حکم اسی صورت میں مذکور ہے جب صاحبین ایک ساتھ ہوں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر مخالفت امام کے ساتھ ان میں باہم اتفاق نہ ہو تو مفتی کے لئے تخییر نہیں بلکہ قول امام ہی کی پابندی ہے ۱۲م محمد احمد مصباحی۔

الدلیل شأن المفتی المجتھد فصار فیما اذا خالفه صاحباه ثلاثة اقوال(۱) الاول اتباع قول الامام بلا تخییر(۲)الثانی التخییر مطلقا (۳) الثالث وھو الاصح التفصیل بین المجتھد وغیرہ وبه جزم قاضی خان کما یأتی والظاھر ان ھذا توفیق بین القولین بحمل القول باتباع قول الامام علی المفتی الذی ھو غیر مجتھد وحمل القول بالتخییر علی المفتی المجتھد [1]اھ ثم قال وقد علم من ھذا انه لاخلاف فی الاخذ بقول الامام اذا وافقه احدھما ولذا قال الامام قاضی خان وان کانت المسئلة مختلفا فیھا بین اصحابنا [2]الی آخر ماقدمنا عنھا۔ فقد اعترف رحمه الله تعالی بالصواب فی جمیع تلك الابواب غیرانه استدرك علی ھذا الفصل	کرنا مفتی مجتہد ہی کاکام ہے، تو صاحبین کے مخالف امام ہونے کی صورت میں تین قول ہوگئے: **اول** یہ کہ بلاتخییر قول امام ہی کا اتباع ہوگا **دوم** یہ کہ مطلقاً تخییر ہوگی **سوم**، اور وہی اصح ہے، یہ کہ مجتہد اور غیر مجتہد کے درمیان تفریق ہے (مجتہد کے لئے تخییر، غیر کے لئے پابندی امام) اسی پر امام قاضی خاں نے بھی جزم کیا جیساکہ آرہاہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہ پہلے دونوں قولوں میں تطبیق ہے اس طرح کہ اتباع امام والے قول کو اس مفتی پر محمول کیا جو غیر مجتہد ہو اور تخییر والے قول کو اس مفتی پر محمول کیا جو مجتہد ہو، اھ آگے فرمایا، اس سے معلوم ہوگیاکہ صاحبین میں سے کسی ایک کے موافق امام ہونے کی صورت میں قول امام کی پابندی کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں اسی لئے امام قاضی خاں نے فرمایا اگر مسئلہ میں ہمارے ائمہ کے درمیان اختلاف ہے یہاں سے آخر عبارت تک جو ہم پہلے (نص ۶ کے تحت) نقل کرآئے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ ان تمام ابواب و ضوابط میں درستی وصواب کے معترف ہیں سوااس کے کہ اس اخیر حصے پر یوں استدراک

[1] شرح العقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۶،۲۷

[2] شرح العقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۶،۲۷

الاخیر بقولہ لکن قدمنا ان ما نقل عن الامام من قولہ اذا صح الحدیث فھو مذھبی محمول علی مالم یخرج عن المذھب با لکلیۃ کما ظھر لنا من التقریر السابق ومقتضاہ جواز اتباع الدلیل وان خالف ما وافقہ علیہ احد صاحبیہ ولھذا قال فی البحر عن التتارخانیۃ اذاکان الامام فی جانب وھما فی جانب خیر المفتی وان کان احدھما مع الامام اخذ بقو لھما الا اذا اصطلح المشائخ علی القول الاٰخر فیتبعھم کما اختار الفقیہ ابو اللیث قول زفرفی مسائل انتھی۔[1]

و۲۵قال فی رسالتہ المسماۃ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء لایرجح قول صاحبیہ او احدھما علی قولہ الا لموجب وھو ا ما ضعف دلیل الامام واما للضرورۃ والتعامل کترجیح قولھما فی المزارعۃ والمعاملۃ

فرمایا ہے لیکن ہم پہلے بتا چکے کہ امام سے نقل شدہ ان کا ارشاد "جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے" اس پر محمول ہے جو مذہب سے بالکلیہ خارج نہ ہو، جیسا کہ تقریر سابق سے ہم پر منکشف ہوا۔اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ دلیل کا اتباع اس صورت میں بھی جائز ہے جب دلیل امام کے ایسے قول کے مخالف ہو جس پر صاحبین میں سے کوئی ایک، حضرت امام کے موافق ہوں۔اسی لئے بحر میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب امام ایک طرف ہوں اور صاحبین دوسری طرف تو مفتی کو تخییر ہے اور اگر صاحبین میں سے ایک، امام کے ساتھ ہوں تو ان ہی دونوں حضرات (امام اور ایک صاحب) کا قول لیا جائے گا مگر جب کہ قول دیگر پر مشائخ کا اتفاق ہو جائے تو حضرات مشائخ کا اتباع ہوگا۔ جیساکہ فقیہ ابو اللیث نے چند مسائل میں امام زفر کا قول اختیار کیا ہے۔

(۲۵) علامہ شامی اپنے رسالہ "رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء" میں رقم طراز ہیں صاحبین یا ایک کے قول کو قول امام پر ترجیح نہ ہوگی مگر کسی موجب کی وجہ سے۔ وہ یا تو دلیل امام کا ضعف ہے، یا ضرورت اور تعامل جیسے مزارعت ومعاملت میں قول صاحبین

[1] شرح العقود رسم المفتی بحوالہ الحاوی القدسی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

واما لان خلافهما له بسبب اختلاف العصر و الزمان وانه لوشاهد ما وقع فی عصرهما لوافقهما كعدم القضاء بظاهر العدالة ويوافق ذلك ما قاله[٢١] العلامة المحقق الشيخ قاسم فی تصحيحه فذكر ماقدمنا من كلامه فی توضيع مرامه وفيه ان الاخذ بقوله الافی مسائل يسيرة اختار والفتوى فيها على قولهما اوقول احدهما وانكان الأخر مع الامام[1] اهـ وهو محل استشهاده۔ **اقول**: قد علمت ف ان كلام العلامة قاسم فيما يخالف فيه قولهم الصوری جميعا فضلا عما اذا خالف احدهم	کی ترجیح یا یہ ہے کہ صاحبین کی مخالفت عصر و زمان کے اختلاف کے باعث ہے اگر امام بھی اس کا مشاہدہ کرتے جو صاحبین کے دور میں رونما ہوا توان کی موافقت ہی کرتے۔ جیسے ظاہر عدالت پر فیصلہ نہ کرنے کا مسئلہ۔ اسی کے مطابق وہ بھی ہے جو علامہ محقق شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں فرمایا اس کے بعد ان کا وہ کلام ذکر کیا ہے جو ہم مقصود کلام کی توضیح میں پہلے نقل کرآئے ہیں، اس میں یہ عبارت بھی ہے ہر جگہ امام ہی کا قول لیا گیا ہے مگر صرف چند مسائل ہیں جن میں ان حضرات نے صاحبین کے قول پر، یا صاحبین میں سے کسی ایک کے قول پر۔ اگرچہ دوسرے صاحب، امام کے ساتھ ہوں۔ فتوی اختیار کیا ہے اھ۔ یہی حصہ یہاں علامہ شامی کا محل استشہاد ہے (کلام بالا سے مطابقت کے ثبوت میں یہی عبارت وہ پیش کرنا چاہتے ہیں) **اقول**: یہ معلوم ہوچکا کہ علامہ قاسم کا کلام مذکور اس صورت سے متعلق ہے جو ان سبھی حضرات کے قول صوری کے بر خلاف ہو، کسی ایک کے برخلاف ہونا تو در کنار

ف: معروضة على العلامة ش

1 شرح العقود رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۷

وکذاکلام[ف۱] التاترخانیة فانه انما استثنی ماجمع فیه المرجحون علی خلاف الامام ومن معه من صاحبیه ولا یوجد قط الا فی احد الوجوه الستة وح[ف۲] لا یتقید بوفاق احد من الائمة الثلثة رضی الله تعالی عنهم الا تری[ف۳] الی ذکر اختیار قول زفر۔ اما حدیثا اذا صح الحدیث[ف۴] وضعف الدلیل[ف۵] فشاملان ما یخالف الثلثة رضی الله تعالی عنهم الا تری ان الامام الطحاوی خالفهم جمیعا فی عدة مسائل منها تحریم الضب والمحقق حیث اطلق فی تحریم حلیلة الاب والا بن رضاعا فکیف یخص الکلام بما اذا وافقه احدهما دون الأخر۔	یہی حال کلام تاتارخانیہ کا بھی ہے۔ کیوں کہ اس میں استثنا اس صورت کا ہے جس میں امام اور امام کے ساتھ صاحبین میں جو ہیں دونوں کی مخالفت پر مرجحین کا اجماع ہو۔ اور اس صورت کا سوا ان چھ صورتوں کے کبھی وجود ہی نہ ہوگا اس صورت کے لئے یہ قید بھی نہیں کہ تینوں ائمہ میں سے کسی ایک کے موافق ہی ہو دیکھ لیجئے ایسی صورت میں تینون ائمہ کو چھوڑ کر امام زفر کا قول اختیار کرنے کا ذکر گزر چکا ہے۔ اب رہا اذا صح الحدیث اور ضعیف دلیل کا معاملہ تو یہ دونوں بھی اس صورت کو شامل ہیں جو تینوں ہی ائمہ رضی اللہ تعالی عنہم کے برخلاف ہو دیکھئے امام طحاوی نے متعدد مسائل میں ان سبھی حضرات کی مخالفت کی ہے ان ہی میں سے حرمت ضب (ایک جانور) کا مسئلہ ہے۔ اور محقق علی الاطلاق نے رضاعی باپ اور رضاعی بیٹے کی بیوی کی حرمت میں سب کی مخالفت کی ہے۔ تو کلام اسی صورت سے خاص کیوں رکھا جائے جس میں صاحبین میں سے کوئی ایک موافق امام ہوں؟

ف۱: معروضة علیه

ف۲:معروضة علیه

ف۳:معروضة علیه

ف۴:معروضة علیه

ف۵:معروضة علیه

فان قلت اذا وافقاہ فلا خلاف عندنا ان المجتهد فی مذهبهم لایسعه مخالفتهم فلاجل هذا الاجماع یخص الحدیثان بما اذا خالفه احدهما۔ **قلت** کذا لا خلاف فیه عندنا اذا کان معه احد صاحبیه رضی الله تعالیٰ عنهم کما اعترفتم به تصریحا۔	**اگر یہ کہئے**: کہ جب صاحبین موافق امام ہوں تو ہمارے یہاں اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ مجتہد فی المذہب کے لئے ان حضرات کی مخالفت روانہیں اسی اجماع کی وجہ سے اذا صح الحدیث اور ضعیف دلیل کے معاملے کو اس صورت سے خاص رکھا جائے گا جس میں صاحبین میں سے کوئی ایک مخالف امام ہوں۔ **تو میں کہوں گا**: اسی طرح ہمارے یہاں اس بارے میں اس صورت میں بھی کوئی اختلاف نہیں جب صاحبین میں سے کوئی ایک موافق امام ہوں جیسا کہ آپ نے صراحۃ اس کا اعتراف کیا۔

[الحاصل تفصیل بالاسے یہی ثابت ہوا کہ اذا صح الحدیث اور ضعف دلیل والی صورتوں میں مجتہد کے لئے جواز ہے کہ وہ اپنی دستیاب حدیث اور اپنی نظر میں قوی دلیل کی رو سے تینوں ائمہ کے خلاف جاسکتا ہے۔ لیکن اس تحقیق پر یہ اعتراض ضرور پڑے گا کہ اس کے لئے تینوں حضرات کی مخالفت کا جواز کیسے ہو سکتا ہے جبکہ علماء نے بالاتفاق یہ قاعدہ رکھا ہے کہ جب تینوں ائمہ متفق ہوں یا امام کے ساتھ صاحبین میں سے کوئی ایک متفق ہوں تو ان کے اتباع سے قدم باہر نکالنے کی گنجائش نہیں۔ یہ اجماع مطلقا مجتہد اور غیر مجتہد دونوں کے حق میں ہے۔ اختلاف ہے تو اس صورت میں جبکہ صاحبین باہم متفق اور امام کے مخالف ہوں اگر وہ تحقیق درست ہے تو اس اجماعی ممانعت کا معنی کیا ہے؟ اور اس کھلے ہوئے تضاد کا حل کیا ہے؟۔۔۔ اسی کا حل رقم کرتے ہوئے امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ آگے فرماتے ہیں ۱۲ مترجم]

فالاوجه عندی ان معنی نهی المجتهد عنه نهی المقلد ان یتبعه فیه نهیا وفاقیا بخلاف	**تو بہتر جواب اور حل**: میرے نزدیک یہ ہے کہ اس مخالفت سے مجتہد کی ممانعت کا مطلب مقلد کو اس بارے میں مجتہد مخالف کی متابعت سے باز رکھنا ہے (یعنی الفاظ

ما اذا خالفاہ فان فیہ قیلا ان التخییر عام کما سبق فلأن یتبع مرجحا رجح قولھما اولی وربما یلمح الیہ قول المحقق ف حیث اطلق فی مسألۃ الجھر بالتأمین لو کان الی فی ھذا شیئ لوفقت بان روایۃ الخفض یرادبھا عدم القرع العنیف وروایۃ الجھر بمعنی قولھا فی زیر الصوت وذیلہ [1] الخ فلم یمتنع عن ابداء ما عن لہ وعلم انہ لا یتبع علیہ فقال لوکان الی شیئ واللہ تعالی اعلم۔	تو یہ ہیں کہ مجتہد مخالفت نہ کرے مگر مقصود یہ ہے کہ مقلد ایسی مخالفت کی پیروی نہ کرے۔ رہا مجتہد تو جب اس کے خیال میں ائمہ ثلاثہ کے خلاف حدیث صحیح موجود ہے، یا ان کے مذہب کے بر خلاف قوی دلیل عیاں ہے تو اسے اپنے اجتہاد کو کام میں لانے اور ائمہ کے خلاف جانے سے روکا نہیں جاسکتا۔ اگر اسے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود مقلد ہے کہ وہ تینوں یا ان دواماموں کی مخالفت کی صورت میں اس مجتہد کی پیروی نہ کرے ۱۲مترجم) بخلاف اس صورت کے جس میں صاحبین باہم متفق او رامام کے مخالف ہوں (کہ اس میں مقلد کے لئے مجتہد مخالف کی پیروی سے بالاجماع ممانعت نہیں) کیونکہ اس صورت میں ایک قول یہ بھی ہے کہ تخییر عام ہے۔ یعنی مجتہد وغیر مجتہد ہر ایک کو مخالفت کا اختیار ہے، جیسا کہ گزرا، تو اگر مقلد کسی ایسے مرجح کی پیروی کرلے جن نے قول صاحبین کو ترجیح دی ہو تو بدرجہ اولی اس کا اسے اختیار ہوگا۔

اس کا کچھ اشارہ آمین بالجہر کے مسئلے میں محقق علی الاطلاق کے اس کلام میں بھی جھلکتا ہے، وہ فرماتے ہیں: اگر اس بارے میں مجھے کچھ اشارہ ہوتا تو یوں تطبیق دیتا کہ آہستہ کہنے والی روایت سے مراد یہ ہے کہ

ف فائدہ: امام محقق علی الاطلاق نے باوصف مرتبہ اجتہاد مسئلہ جہر آمین میں مخالفت مذہب کی جراءت نہ کی اور فرمایا مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں یوں دونوں قولوں میں اتفاق کراتا کہ نہ زور سے ہو نہ بالکل آہستہ مسلمانو! انصاف، ان اکابر کی تو یہ کیفیت، اور جاہلان بے تمیز کہ ان اکابر کا کلام بھی نہ سمجھ سکیں وہ امام کے مقابلہ کو تیار۔

---

[1] فتح القدیر، کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۵۷

کرخت آواز نہ ہو اور جہر والی کی روایت کا معنی یہ ہے کہ آواز کے انداز اور آواز کے ذیل میں ادا کرے یہاں محقق علیہ الرحمہ اپنی رائے کے اظہار سے باز نہ رہے اور انہیں معلوم تھا کہ اس بارے میں ان کی متابعت نہ ہوگی اس لئے یہ بھی فرمایا کہ "اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا"۔ واللہ تعالٰی اعلم!

ومجیئ النھی علی ھذا ف الاسلوب غیر مستنکر ان یتوجه الی احد والمقصود به غیرہ قال تعالٰی فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا[1] وقال عزوجل وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾[2] ای لا تقبل صدہ و لا تنفعل باستخفافھم واللہ تعالٰی اعلم۔ وفی ۲۷ کتاب التجنیس والمزید للامام الاجل صاحب الھدایة ثم ط من اوقات الصلوۃ الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال[3] اھ	اور اس طرز پر نہیں آنا کہ توجہ کسی کی جانب ہو اور مقصود کوئی اور ہو، کوئی اجنبی ونامعروف چیز نہیں باری تعالٰی کا ارشاد ہے "تو ہرگز تجھے اس کے (قیامت کے) ماننے سے وہ نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا" اور رب عزوجل کا فرمان ہے: "اور تمہیں سبک نہ کردیں وہ جو یقین نہیں رکھتے" پہلی آیت میں نہی ان کے لئے ہے جو ایمان نہیں رکھتے مگر" مقصود یہ ہے کہ ان کی رکاوٹ تم قبول نہ کرو" اسی طرح دوسری آیت میں کہ وہ سبک نہ کریں اور مقصود یہ ہے کہ "تم ان کے استخفاف کا اثر نہ لو" **(۲۷)** امام بزرگ صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید پھر طحطاوی اوقات الصلاۃ میں ہے میرے نزدیک واجب یہ ہے کہ ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیا جائے۔اھ

ف: قد ینھی زید والمقصود نھی عن غیرہ۔

[1] القرآن ۲۰/۱۶

[2] القرآن ۳۰/۶۰

[3] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار بحوالہ التجنیس کتاب الصلوۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۱۷۵

وفی ط منها قد تعقب ۲۸ نوح افندی ماذکر فی الدرر من ان الفتوی علی قولهما (ای فی الشفق) بانه لایجوز ف۱ الاعتماد علیه لانه لایرجع قولهما علی قوله الالموجب من ضعف دلیل او ضرورة او تعامل او اختلاف زمان [1] اھ	(۲۸) طحطاوی اوقات الصلاۃ میں یہ بھی ہے: درر میں جو ذکر کیا ہے کہ شفق کے بارے میں فتوی قول صاحبین پر ہے، کہ اس پر علامہ نوح آفندی نے یہ تعاقب کیا ہے کہ: اس پر اعتماد جائز نہیں اس لئے کہ قول امام پر قول صاحبین کو ترجیح نہیں دی جاسکتی مگر ضعف دلیل، یا ضروت، یا تعامل، یا اختلاف زمان جیسے کسی موجب کے سبب۔ اھ
ومر رد ۲۹ المحقق حیث اطلق علی المشائخ فتوٰهم بقولهما فی مواضع من کتابه وانه قال لا یعدل عن قوله الا لضعف دلیله [2] اھ	(۲۹) یہ گزر چکا کہ محقق علی الاطلاق نے قول صاحبین پر افتا کے باعث مشائخ پر اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر رد کیا ہے اور انہوں نے فرمایا کہ قول امام سے عدول نہ ہوگا سوا اس صورت کے کہ اس کی دلیل کمزور ہو۔ اھ
وقد ۳۰ نقله ش واقره کالبحر ۳۱	(۳۰۔۳۱) اسے علامہ شامی نے بھی بحر کی طرح نقل کیا ہے اور برقرار رکھا ہے۔
اقول ولم یستثن ما سواه لما علمت ان ذلك عین العمل بقول الامام لاعدول عنه فمن ف۲ استثناها	**اقول:** محقق علی الاطلاق نے ضعف دلیل کی صورت کے علاوہ اور کسی صورت کا استثنانہ کیا اس کی وجہ معلوم ہو چکی ہے اور صورتوں میں

ف۱ **مسئلہ:** دربارہ وقت عشاجو قول صاحبین پر بعض نے فتوی دیا علامہ نوح نے فرمایا اس پر اعتماد جائز نہیں۔

ف۲: توفیق نفیس من المصنف بین عبارات الائمة فی تقدیم قول الامام المختلفة ظاهرا۔

[1] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار بحوالہ التجنیس کتاب الصلوۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۱۷۵

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۴

كالخانية والتصحيح وجامع الفصولين والبحر والخير ورفع الغشاء ونوح وغيرهم نظر الى الصورة ومن ترك نظر الى المعنى فان استثنى ضعف الدليل كالمحقق فنظره الى المجتهد وان لم يستثن شيئا كالامام صاحب الهداية والامام الاقدم عبدالله بن المبارك فقوله ماش على ارساله فی حق المقلد۔

فظهر ولله الحمد ان الكل انما يرمون عن قوس واحدة ويرمون جميعا ان المقلد ليس له الا اتباع الامام فی قوله الصوری ان لم يخالفه قوله الضروری والافقی الضروری

وفی [٣٢] شرح العقود رأيت فی [٣٣] بعض كتب المتأخرين نقلا عن [٣٤] ايضاح الاستدلال علی ابطال الا ستبدال لقاضی القضاة شمس الدّين الحريری احد شراح الهداية ان [٣٥] صدر الدين سليمن قال ان هذه الفتاوی هی اختيارات المشائخ فلا تعارض كتب المذهب

در اصل بعینہٖ قول امام پر عمل ہے جس سے عدول نہیں ہوسکتا تو جن حضرات نے استثنا کیا ہے جیسے خانیہ، تصحیح، جامع الفصولین، بحر، خیر، رفع الغشاء، علامہ نوح وغیرہم۔ انہوں نے ظاہر صورت پر نظر کی ہے۔ اور جنہوں نے استثناء نہیں کیا انہوں نے معنی کا لحاظ کیا ہے۔ پھر اگر ضعف دلیل کا استثنا کردیا۔ جیسے محقق علی الاطلاق نے اس میں مجتہد کا اعتبار کیا ہے۔ اور اگر کچھ بھی استثنا نہ کیا جیسے امام صاحب ہدایہ اور امام اقدم عبداللہ بن مبارک تو یہ مقلد کے حق میں حکم اطلاق پر جاری ہے۔

بحمدہ تعالی اس تفصیل و تطبیق سے روشن ہوا کہ سبھی حضرات ایک ہی کمان سے نشانہ لگارہے ہیں اور سب کا یہ مقصود ہے کہ مقلد کے لئے صرف اتباع امام کا حکم ہے یہ اتباع امام کے قول صوری کا ہوگا اگر قول ضروری اس کے خلاف نہ ہو، ورنہ قول ضروری کا اتباع ہوگا۔

(۳۲۔۔۔۔۳۶) [٣٢] شرح عقود میں ہے میں نے [٣٣] بعض کتب متاخرین میں قاضی القضاۃ شمس الدین حریری شارح ہدایہ کی کتاب "[٣٤] ایضاح الاستدلال علی ابطال الاستبدال" سے منقول یہ دیکھا کہ [٣٥] صدر الدین سلیمان نے فرمایا ان فتاوی کی حیثیت یہی ہے کہ یہ مشائخ کی ترجیحات اور ان کے اختیار کردہ اقوال واحکام ہیں تو یہ کتب مذہب کے مقابل نہیں ہوسکتے"

قال وکذا ۳۶ کان یقول غیرہ من مشائخنا وبہ اقول[1] اھ وتقدم قول الخیر ۳۷ ثم ش ۳۸ المقرر عندنا انہ لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم الا لضرورۃ وان صرح المشائخ ان الفتوی علی قولھما[2] اھ	فرماتے ہیں کہ یہی بات ہمارے دوسرے شیوخ بھی فرماتے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں۔ **(۳۷۔۔۳۸)** ۳۷ خیریہ پھر ۳۸ شامی کا کلام گزرچکا کہ ہمارے نزدیک مقرر اور طے شدہ یہی ہے کہ صورت ضرورت کے سوا فتوی اور عمل امام اعظم ہی کے قول پر ہوگا۔ اگرچہ مشائخ تصریح فرمائیں کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔اھ
وایضا قول ۳۹ البحر ثم ش ۴۰ یجب الافتاء بقول الامام وان لم یعلم من این قال[3] اھ	**(۳۹۔۔۴۰)** ۳۹ بحر پھر ۴۰ شامی کا یہ کلام بھی گزرچکا کہ قول امام پر ہی افتا واجب ہے اگرچہ یہ معلوم نہ ہو کہ ان کا ماخذ اور دلیل کیا ہے۔اھ
وفی ۴۱ ردالمحتار قد قال فی ۴۲ البحر لایعدل عن قول الامام الی قولھما او قول احدھما الالضرورۃ من ضعف دلیل او تعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[4] اھ وھکذا اقرہ ۴۳ فی منحۃ الخالق۔	**(۴۱۔۔۴۲)** ۴۱ ردالمحتار میں ۴۲ بحر سے نقل ہے قول امام سے قول صاحبین کی جانب ضعف دلیل یا قول امام کے خلاف صورت مزارعت جیسے تعامل کی ضرورت کے سوا عدول نہ ہوگا اگرچہ مشائخ کی صراحت یہ ہو کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے اھ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں بھی اس کلام بحر کو اسی طرح برقرار رکھا ہے۔

1 شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۶

2 ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹، الفتاوی الخیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

3 البحرالرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹، ردالمحتار اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

4 ردالمحتار کتاب الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۴۰

(۴۴) وفیہ من النکاح قبیل الولی فی مسألة دعوی النکاح منه او منها ببینة الزور وقضاء القاضی بها عند قول الدر تحل له خلافا لهما وفی الشرنبلالیة عن المواهب وبقولهما یفتی[1] ما نصه قال الکمال قول الامام اوجه قلت وحیث کان الاوجه فلا یعدل عنه لما تقرر انه لایعدل عن قول الامام الا لضرورة او ضعف دلیله کما اوضحناه فی منظومة رسم المفتی وشرحها[2] اھ	(۴۴) درمختار کتاب النکاح میں باب الولی سے ذرا پہلے یہ مسئلہ ہے کہ مرد یا عورت نے دعوی کیا کہ اس سے میرا نکاح ہو چکا ہے اس دعوے پر جھوٹے گواہ بھی پیش کردئے اور قاضی نے ثبوت نکاح کا فیصلہ بھی کردیا تو عورت اس مرد کے لئے حلال ہوجائے گی اور صاحبین کے قول پر حلال نہ ہوگی شرنبلالیہ میں مواھب کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ صاحبین ہی کے قول پر فتوی ہے۔ اس کے تحت ردالمحتار میں یہ کلام ہے کمال نے فرمایا قول امام اوجہ ہے (بہتر و بادلیل ہے) میں کہتا ہوں جب قول امام اوجہ ہے تو اس سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ امر طے شدہ ہے کہ ضرورت یا قول امام کی دلیل ضعیف ہونے کے سوا اور کسی حال میں قول امام سے عدول نہ ہوگا جیسا کہ منظومہ رسم المفتی اور اس کی شرح میں ہم واضح کرچکے ہیں۔
(۴۵) وفیہ من هبة المشاع حیث علمت انه ظاهر الروایة ونص علیه محمد و رووه عن ابی حنیفة ظهر انه الذی علیه العمل وان صرح بان المفتی به خلافه[3] اھ	(۴۵) اسی (ردالمحتار) میں ہبہ مشاع کے بیان میں ہے جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہی ظاہر الروایہ ہے، اسی پر امام محمد کا نص ہے اور اسی کو ان حضرات نے امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے تو ظاہر ہوگیا کہ عمل اسی پر ہوگا اگرچہ یہ صراحت کی گئی ہو کہ مفتی بہ اس کے خلاف ہے۔ اھ
ھذہ نصوص العلماء رحمھم اللہ	یہ ہیں علماء کے نصوص اور ان کی تصریحات

[1] الدرالمختار، کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰

[2] ردالمحتار، کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۴

[3] ردالمحتار، کتاب الھبہ مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

تعالٰی و رحمنا بھم وھی کما تری کلھا موافقۃ لما فی البحر ولم یتعقبہ فیما علمت الا عالمان متأخران کل منھما عاب واٰب وانکر واقر وفارق و رافق وخالف و وافق وھما العلامۃ خیر الرملی والسید الشامی رحمھما اللہ تعالٰی ولا عبرۃ بقولٍ مضطرب۔ وقد علمت ان لا نزاع فی سبع صور انما ورد خلاف ضعیف فی الثامن وھی ما اذا خالفہ صاحباہ متوافقین علی قول واحد ولم یتفق المرجحون علی ترجیح شیئ منھما فعند ذاك جاء قیل ضعیف مجھول القائل بل مشکوك الثبوت"ان المقلد یتبع ماشاء منھما"والصحیح المشھور المعتمد المنصور انہ لایتبع الاقول الامام والقولان کما تری مطلقان مرسلا ن لانظر فی شیئ منھما لترجیح	اللہ تعالٰی ان پر رحمت نازل فرمائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت فرمائے۔آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ تمام نصوص کلام بحر کے موافق ہیں اور میرے علم میں کسی نے بھی اس پر کوئی تعاقب نہ کیا سوا دو متاخر عالموں کے، دونوں حضرات میں سے ہر ایک نے عیب بھی لگایا اور رجوع بھی کیا، انکار بھی کیا اور اقرار بھی، مفارقت بھی کی اور مرافقت بھی مخالفت بھی اور موافقت بھی یہ ہیں علامہ خیر الدین رملی اور سید امین الدین شامی رحمہما اللہ تعالٰی، اور کسی مضطرب کلام کا یوں ہی کوئی اعتبار نہیں۔ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ اس مسئلہ کی سات صورتوں میں کوئی نزاع نہیں، ایک ضعیف اختلاف صرف آٹھویں صورت میں آیا ہے۔وہ صورت یہ ہے کہ صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہوتے ہوئے امام کے خلاف ہوں اور مرجحین دونوں قولوں میں سے کسی کی ترجیح پر متفق نہ ہوں، بس اسی صورت میں ایک ضعیف قول آیا ہے جس کے قائل کا پتا نہیں، بلکہ اس کے وجود میں بھی شبہ ہے، وہ قول یہ ہے کہ مقلد دونوں میں سے جس کی چاہے پیروی کرے، صحیح مشہور معتمد منصور قول یہ ہے کہ مقلد قول امام کے سوا کسی کی پیروی نہ کرے، یہ دونوں قول جیسا کہ آپ کے سامنے ہے، مطلق اور ہر طرح کی قید سے آزاد ہیں۔کسی میں ترجیح یا عدم ترجیح کا

او عدمه۔ لکن المحقق الشامی اختار لنفسه مسلکا جدیدا لا اعلم له فیه سندا سدیدا و هو ان المقلد لاله التخییر ولا علیه التقیید بتقلید الامام بل علیه ان یتبع المرجحین۔ قال فی صدر ردالمحتار قول السراجیة الاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهدا فهو صریح فی ان المجتهد یعنی من کان اهلًا للنظر فی الدلیل یتبع من الاقوال ماکان اقوی دلیلا والا اتبع الترتیب السابق وعن هذا تراهم قدیرجحون قول بعض اصحابه علی قوله کما رجحوا قول زفر وحده فی سبع عشرة مسألة فنتبع مارجحوه لانهم اهل النظر فی الدلیل [1]اه وقال فی قضائه لا یجوز له مخالفة الترتیب المذکور	کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے (ضعیف میں مطلقًا اختیار دیا گیا ہے اور صحیح میں مطلقًا پابند امام رکھا گیا ہے) لیکن محقق شامی نے اپنے لئے ایک نیا مسلک اختیار کیا ہے جس کی کوئی صحیح سند میرے علم میں نہیں وہ مسلک یہ ہے کہ مقلد کو نہ اختیار ہے نہ تقلید امام کی پابندی بلکہ اس پر یہ ہے کہ مرجحین کی پیروی کرے ردالمحتار کے شروع میں لکھتے ہیں سراجیہ کی عبارت "اول اصح ہے جب کہ وہ صاحب اجتہاد نہ ہو"، اس بارے میں صریح ہے کہ مجتہد یعنی وہ جو دلیل میں نظر کا اہل ہو، اس قول کی پیروی کرے گا جس کی دلیل زیادہ قوی ہو ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا۔ اسی لئے دیکھتے ہو کہ مرجحین بعض اوقات امام صاحب کے کسی شاگرد کے قول کو ان کے قول پر ترجیح دیتے ہیں جیسے سترہ مسائل میں تنہا امام زفر کے قول کو ترجیح دی ہے تو ہم اسی کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی کیوں کہ وہ دلیل میں نظر کے اہل تھے۔ اھ اور ردالمحتار کتاب القضاء میں لکھا: اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں

[1]ردالمحتار مطلب رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۸

الا اذا کان له ملکة یقتدر بها علی الاطلاع علی قوة المدرك وبهذا رجع القول الاول الی ما فی الحاوی من ان العبرة فی المفتی المجتهد لقوة المدرك نعم فیه زیادة تفصیل سکت عنه الحاوی فقد اتفق القولان علی ان الاصح هو ان المجتهد فی المذهب من المشائخ الذین هم اصحاب الترجیح لایلزمه الاخذ بقول الامام علی الاطلاق بل علیه النظر فی الدلیل وترجیح مارجح عنده دلیله ونحن نتبع ما رجحوه واعتمدوه کمالو افتوا فی حیاتهم کما حققه الشارح فی اول الکتاب نقلا عن العلامة قاسم ویأتی قریبا عن الملتقط انه ان لم یکن مجتهدا فعلیه تقلیدهم واتباع رأیهم فاذا قضی بخلافه لا ینفذ حکمه وفی فتاوٰی ابن الشلبی لایعدل عن قول الامام الا اذا صرح احد من المشائخ بان الفتوی علی قول غیره وبهذا سقط ما بحثه فی البحر من ان علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ	مگر جب کہ اسے ایسا ملکہ ہو جس سے قوت دلیل پر وہ آگاہ ہونے کی قدرت رکھتا ہے، اسی سے پہلے قول کامال وہی ٹھہرا جو حاوی میں ہے کہ صاحب اجتہاد مفتی کے حق میں قوت دلیل کا اعتبار ہے۔ ہاں اس میں کچھ مزید تفصیل ہے جس سے حاوی نے سکوت اختیار کیا۔ تو دونوں قول اس پر متفق ہوگئے کہ اصحاب ترجیح مشائخ میں سے مجتہد فی المذہب پر مطلقًا قول امام لینا ضروری نہیں بلکہ اس کے ذمہ یہ ہے کہ دلیل میں نظر کرے اور جس قول کی دلیل اس کے نزدیک راجح ہو اس سے ترجیح دے، اور ہمیں اس کی پیروی کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی اور جس پر اعتماد کیا جیسے وہ اگر اپنی حیات میں کہیں فتوے دیتے تو یہی ہوتا جیسا کہ شروع کتاب میں علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس کی تحقیق کی ہے، اور آگے ملتقط کے حوالے سے آرہا ہے کہ اگر قاضی صاحب اجتہاد نہ ہو تو اسے مرجحین کی تقلید اور ان کی رائے کا اتباع کرنا ہے اس کے خلاف فیصلہ کردے تو نافذ نہ ہوگا، اور فتاوی ابن الشلبی میں ہے کہ قول امام سے عدول نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ مشائخ میں سے کسی نے یہ تصریح کردی ہو کہ فتوی کسی اور کے قول پر ہے، اسی سے بحر کی یہ بحث ساقط ہوجاتی ہے کہ ہمیں قول امام پر ہی فتوی دینا ہے اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف

بخلافه [1] اھ **اقول اولا** ف۱ هذا كما ترى قول مستحدث۔ **وثانیا** ف۲ زاد احداثا باتباع الترجيح المخالف لاجماع ائمتنا الثلثة رضى الله تعالى عنهم وقد سمعت صرائح النصوص على خلافه نعم نتبع القول الضرورى حيث كان وجد مع ترجيح او لابل ولو وجد الترجيح بخلافه كما علمت فليس الاتباع فيه للترجيح بل لقول الامام۔ **وثالثا** فيه ف۳ ذهول عن محل النزاع كما علمت تحريره بل فوق ذلك لان ف۴ ماخالف فيه صاحباه ينقسم الاٰن الى ستة	فتوی دیا ہو۔اھ **اقول اولا:** یہ جیسا آپ دیکھ رہے ہیں ایک نیا قول ہے۔ **ثانیا:** مزید نئی بات یہ بڑھائی کہ اس ترجیح کا بھی اتباع کرنا ہے جو ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع کے بر خلاف ہو، حالاں کہ صریح نصوص اس کے خلاف ہیں، جیسا کہ ملاحظہ کر چکے، ہاں قول ضروری کا ہم اتباع کریں گے جہاں امام کا قول ضروری ہو، خواہ اس کے ساتھ ترجیح ہو یا نہ ہو، بلکہ ترجیح اس کے بر خلاف ہو جب بھی، جیسا کہ معلوم ہوا تو اس میں ترجیح کی پیروی نہیں بلکہ قول امام کی ہے۔ **ثالثا:** محل نزاع جس کی پوری وضاحت آپ کے سامنے گزری یہاں اس سے بھی ذہول ہے بلکہ اور بھی زیادہ ہے اس لئے کہ (محل نزاع صرف وہ صورت ہے) جس میں صاحبین باہم ایک قول پر متفق ہونے کے ساتھ امام کے

ف۱: معروضة على العلامة ش

ف۲: معروضة عليه

ف۳: معروضة عليه

ف۴: معروضة عليه

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث بیروت ۴/۳۰۲و ۳۰۳

اقسام اما یتفق المرجحون علی ترجیح قوله او قولهما او یکون ارجح الترجحین لکثرة المرجحین او قوة لفظ الترجیح له اولهما او یتساویان فیه او فی عدمه ولا یستا هل لخلاف السید الاالرابع ان یکون ارجح الترجحین لهما فاذن هو عاشر عشرة عــه وقد تعدیٰ الی ماهوا عم من المقسم ایضا وهو اتباع الترجیح سواء خالفه صاحباه او احدهما اولا احد۔

ورابعا: ان کان لهذا القول المحدث اثر فی الزبر کان قول التقلید بتقلید الامام مرجحا علیه و واجب الاتباع بوجوہ۔

مخالف ہوں اب اس کی چھ قسمیں ہوں گی، (۱) مرجحین قول امام کی ترجیح پر متفق ہوں (۲) یا قول صاحبین کی ترجیح پر (گزر چکا کہ یہ صورت نہ کبھی ہوئی نہ ہوگی) (۳) مرجحین کی کثرت یالفظ ترجیح کی قوت کے باعث دونوں ترجیحوں سے ارجح، قول امام کے حق میں ہو (۴) یا قول صاحبین کے حق میں ہو (۵) دونوں قول ترجیح میں برابر ہوں (۶) یا عدم ترجیح میں برابر ہوں، ان میں سے علامہ شامی کے اختلاف کے قابل صرف چوتھی قسم ہے وہ یہ کہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح، قول صاحبین کے حق میں ہو مگر اب یہ دس[۱۰] قسموں میں سے دسویں قسم بن جاتی ہے، اور اس حد تک تعدی ہوجاتی ہے جو مقسم سے بھی اعم ہے وہ یہ کہ بہرحال ترجیح کی پیروی ہوگی خواہ مخالف امام دونوں حضرات ہوں یا ایک ہی ہوں، یا کوئی بھی مخالف نہ ہو۔

رابعا: بالفرض اس نوپیدا قول کا کتابوں میں کوئی نام ونشان ہو جب بھی تقلید امام کی پابندی والا قول اس پر ترجیح یافتہ اور واجب الاتباع ہوگا۔ اس کی چند وجہیں ہیں۔

عــه: وہ اس طرح کہ امام کے مخالف صاحبین ہیں یا ایک یا کوئی نہیں (۱۔۔۔۲) اور ترجیح یا عدم ترجیح میں سب برابر ہیں (۳) اتفاق قول امام کی ترجیح پر ہے (۴) قول صاحبین پر (۵) ایک صاحب کے قول پر (۶) اس پر جو کسی کا قول نہیں (۴۔۔۔۶) کبھی واقع ہوئیں نہ ہونگی (۷) ارجح ترجیحات قول امام کے حق میں ہے۔ (۸) قول صاحبین کے حق میں (۹) ایک صاحب کے حق میں (۱۰) اس کے حق میں جو کسی کا قول نہیں۔ محمد احمد مصباحی

الاول ف۱ انه قول صاحب الامام الاعظم بحر العلم امام الفقهاء والمحدثین والاولیاء سیدنا عبدالله بن المبارك رضی الله تعالٰی عنه ونفعنا ببرکاته العظیمة فی الدین والدنیا والاٰخرہ فقد ف۲ قال فی الحاوی القدسی ونقلتموہ انتم فی شرح العقود متی لم یوجد فی المسألة عن ابی حنیفة روایة یؤخذ بظاهر قول ابی یوسف ثم بظاهر قول محمد ثم بظاهر قول زفر والحسن وغیرهم الاکبر فالاکبر الی اٰخر من کان من کبار الاصحاب[1] اھ **الثانی** ف۳ علیه الجمهور والعمل بما علیه ف۴ الاکثر[2] کما صرحتم به	وجہ اوّل : یہ امام اعظم کے شاگرد ، بحر علم فقہا، محدثین اور اولیا کے امام سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، خدا ہمیں دین، دنیا اور آخرت میں ان کی عظیم برکتوں سے فائدہ پہنچائے ، حاوی قدسی میں ہے : اور آپ نے شرح عقود میں اسے نقل بھی فرمایا ہے کہ جب مسئلہ میں امام ابو حنیفہ سے کوئی روایت نہ ملے تو ظاہر قول امام ابو یوسف ، پھر ظاہر قول امام محمد ، پھر ظاہر قول امام زفر و حسن وغیرہم لیا جائے گا (ظاہر سے مراد وہ جو ظاہر الروایہ میں ہو جیسا کہ حاشیہ مصنف میں گزرا ۱۲م) بزرگ تر پھر بزرگ تر ،یوں ہی کبار اصحاب کے آخری فرد تک ۔) **وجہ دوم :** اسی پر جمہور ہیں ، اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں، جیسا کہ آپ نے

ف۱: معروضة علیه

ف۲ **مسئلہ :** جب کسی مسئلہ میں امام کا قول نہ ملے امام ابو یوسف کے قول پر عمل ہو، ان کے بعد امام محمد، پھر امام زفر، پھر امام حسن بن زیاد وغیرہم مثل امام عبداللہ بن مبارک و امام اسد بن عمرو و امام زاہد ولیث بن سعد و امام عارف داؤد طائی وغیرہم اکابر اصحاب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال پر عمل ہو۔

ف۳: معروضة علیه

ف۴: العمل بما فیه الاکثر

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۶

[2] ردالمحتار باب المیاہ فصل فی البئر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۱۵۱

فی ردالمحتار والعقود الدریة واکثرنا النصوص علیه فی فتاوٰنا وفی فصل القضاء فی رسم الافتاء۔ **الثالث:** ف هوالذی تواردت علیه التصحیحات واتفقت علیه الترجیحات فان وجب اتباعها وجب القول بوجوب تقلید الامام وان خالفه مطلقا وان لم یجب سقط البحث رأسا فانما کان النزاع فی وجوب اتباع الترجیحات فظهر ان نفس النزاع یهدم النزاع وای شیئ اعجب منه۔ **وخامسا:** السید المحقق من الذین زعموا ان العامی لامذهب له وان له ان یقلد من شاء فیما شاء وقد قال فی قضاء المنحة فی نفس هذا البحث نعم ما ذکره المؤلف یظهر بناء علی القول بان من التزم مذهب الامام لایحل له تقلید	خود ردالمحتار اور العقود الدریہ میں اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس پر اپنے فتاوی اور فصل القضاء فی رسم الافتاء میں بکثرت نصوص جمع کر دئے ہیں۔ **وجہ سوم:** یہی وہ قول ہے جس پر تصحیحات کا توارد اور ترجیحات کا اتفاق ہے، تو اگر ترجیحات کا اتباع واجب ہے، تو اس کا قائل ہونا بھی واجب کہ امام کی تقلید ضروری ہے اگرچہ صاحبین مطلقًا ان کے مخالف ہوں۔ اور اگر اتباع ترجیحات واجب نہیں تو سرے سے بحث ہی ساقط ہوگئی، کیونکہ یہ سارا اختلاف، ترجیحات کا اتباع واجب ہونے ہی کے بارے میں تھا، اس سے ظاہر ہوا کہ خود نزاع ہی نزاع کو ختم کر دیتا ہے۔ اس سے زیادہ عجیب بات کیا ہوگی؟ **خامسا:** سید محقق ان لوگوں میں سے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں اور وہ جس بات میں چاہے جس کی چاہے تقلید کر سکتا ہے۔ منحۃ الخالق کی کتاب القضاء میں خود اسی بحث کے تحت لکھتے ہیں، ہاں مولف نے جو ذکر کیا ہے اس قول کی بنیاد پر ظاہر ہے کہ جس نے مذہب امام کا التزام کرلیا اس کے لئے دوسرے کی تقلید جن باتوں پر وہ عمل کر چکا ہے

ف: معروضة علیه

غیرہ فی غیرما عمل بہ وقد علمت ما قدمناہ عن التحریر انہ خلاف المختار [1] اھ۔ **اقول** ف ۱ وھذا وان کان قیلا باطلا مغسولا قد صرح ببطلانہ کبار الائمۃ الناصحین، وصنف فی ابطالہ زبر فی الاولین والاٰخرین، وقد حدثت منہ فتنۃ عظیمۃ فی الدین، من جھۃ الوھابیۃ الغیر المقلدین، واللہ لایصلح عمل المفسدین ۔ ولعمری ھؤلاء المبیحون ف ۲ من	ان کے علاوہ میں بھی جائز نہیں ، اور تمہیں معلوم ہے کہ تحریر کے حوالے سے ہم لکھ آئے ہیں کہ یہ قول مختار کے بر خلاف ہے۔ **اقول:** یہ اگرچہ ایک باطل وپامال قول تھا، بزرگ ، ناصح وخیر خواہ ائمہ نے اس کے بطلان کی تصریح بھی فرمادی ہے اور اس کے ابطال کے لئے اولین وآخرین میں متعدد کتابیں تصنیف ہوئی ہیں، اس کی وجہ سے وہابیہ غیر مقلدین کی جانب سے دین میں عظیم فتنہ بھی پیدا ہوا ہے اور خدا مفسدوں کا کام نہیں بناتا۔ یہ جائز کہنے والے علماء خدائے تعالٰی ان

ف ۱ **مسئلہ :** تقلید شخصی واجب ہے اور یہ بات کہ جس مسئلہ میں جس مذہب پر چاہو عمل کرو باطل ہے، اکابر ائمہ نے اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی اس کے سبب غیر مقلد وہابیوں کا دین میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوا۔

ف ۲ **ترجمہ فائدہ جلیلہ :** بعض علما بحث کی جگہ لکھ تو گئے ہیں کہ آدمی جس قول پر چاہے عمل کرے مگر یہ بحث ہی تک کہنے کی بات ہے، دل ان کے بھی اسے پسند نہیں کرتے بلکہ برا جانتے ہیں جابجا جس کسی مسئلہ میں بے قیدی عوام کا اندیشہ سمجھتے ہیں صاف فرمادیتے ہیں کہ اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مذہب کے گرانے پر جرات نہ کریں پھر یہی علماء اپنے کو حنفی شافعی مالکی اور حنبلی کہلاتے رہے کبھی مذہب سے بے قیدی نہ برتی، عمریں اپنے اپنے مذہب کی تائید میں صرف کیں اور اس میں بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے اور تمام علماء امت نے اس پر اجماع کیا بلکہ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مناظرہ تو زمانہ صحابہ کرام سے چلا آتا ہے، اگر مذہب کوئی چیز نہ ہوتا اور آدمی کو عمل کے لئے سب برابر ہوتے تو یہ سب کچھ مناظرے اور ہزار ہا کتابیں اور ائمہ واکابر کی عمروں کی کارروائیاں سب لغو وفضول میں وقت وعمر ومال برباد کرنا ہوتا اس سے بدتر کون سی شناعت ہے۔

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹

العلماء غفرالله تعالی لنا بهم ان سبرتهم واختبرتهم لوجدت قلوبهم عـــه ابية عما يقولون، وصنيعهم شاهدا انهم لا يحبونه ولا يريدون، ولا يجتنبونه بل يحتنبون، ويقولون فی مسائل هذه تعلم وتكتم كيلا يتجاسر الجهال علی هدم المذهب ثم طول اعمارهم يتمذهبون لامامهم ولايخرجون عن المذهب فی افعالهم واقوالهم ويصرفون العمر فی الانتصار له والذب عنه وهذا فتح القدير لصاحب التحرير ماصنف الاجدلا وكذلك فی مذهبنا و	کے سبب ہماری مغفرت فرمائے، بخدا اگر ان کو جانچا اور آزما یا جائے تو ان کے قلوب ان کے قول سے منکر، اور ان کے اعمال اس پر شاہد ملیں گے کہ وہ اسے نہ پسند کرتے ہیں نہ اس کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ اسے اچھا نہیں جانتے بلکہ اس سے کنارہ کش رہتے ہیں، بس بحث کے طور پر اسے لکھ گئے اور بحث ہی تک بات رہ گئی اعتقاد و عمل کوئی اس کا ہم نوا نہ ہوا بہت سے مسائل میں خود کہتے ہیں کہ یہ بس جاننے کے قابل ہیں بتانے کے لائق نہیں کہیں جاہلوں میں مذہب کے گرانے کی جرات نہ پیدا ہو، پھر یہ زندگی بھر اپنے ایک امام کے مذہب پر رہ گئے اور افعال و اقوال میں سبھی مذہب سے باہر نہ ہوئے۔ اسی کی تائید اور اسی کے دفاع میں عمریں صرف کردیں۔ یہ صاحب تحریر کی فتح القدیر ہی کو دیکھ لیجئے صرف مناظرہ کے طور پر لکھی گئی ہے، اسی طرح ہمارے

عـــه: **اقول:** والوجه فيه ان للشیئ حكما فی نفسه مع قطع النظر عن الخارج وحكما بالنظر الی ما يعرضه عن خارج فالاول هو البحث والثانی عليه العمل عن المفاسد وان لم يكن انبعاثها عن نفس ذات الشیئ كمالا يخفی اھ ۱۲ منه غفرله (م)	**اقول:** اس کا سبب یہ ہے کہ کسی شے کا ایک حکم تو اس کی نفس ذات کے اعتبار سے ہوتا ہے جس میں خارج سے قطع نظر ہوتی ہے، اور ایک حکم ان باتوں کے سبب ہوتا ہے جو خارج سے پیش آتی ہیں، تو ان علماء نے جو بحث میں فرمایا وہ پہلا حکم ہے اور جس پر عمل رکھا وہ دوسرا کہ مفسدوں سے بچنا واجب ہے اگرچہ وہ شے کی نفس ذات سے پیدا نہ ہوں۔ جیسا کہ مخفی نہیں، اھ ۱۲ منہ غفرلہ۔

المذاهب الثلثة الباقية دفاتر ضخام فی هذا المرام فلولا التمذهب لامام بعينه لازما وكان يسوغ ان يتبع من شاء ماشاء لكان هذا كله اضاعة عمر فی فضول واشتغالا بمالا يعنی وقد اجمع عليه علماء المذاهب الاربعة واهلها هم الائمة بل المناظرة فی الفروع وذب كل ذاهب عما ذهب اليه جارية من لدن الصحابة رضی الله تعالی عنهم بدون نكير فاذن يكون الاجماع العملی علی الاهتمام بمالايعنی واستحسان الاشتغال بالفضول وای شناعة اشنع منه۔

لكن سل [ف۱] السيد اذالم يجب التقيد بالمذهب وجاز الخروج عنه بالكلية فمن ذا الذی اوجب اتباع مرجحين فی مذهب معين رجحوا احد قولين فيه

هذا اذا اتفقوا فكيف [ف۲] وقد اختلفوا اوفی احد الجانبين الامام الاعظم المجتهد

مسلک میں اور باقی تینوں مذاہب میں اس مقصد کے تحت بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے ۔ اگر ایک امام معین کے مذہب کی پابندی لازم نہ ہوتی اور یہ روا ہوتا کہ جو چاہے جس کی چاہے پیروی کرے یہ سب ایک لایعنی کارروائی اور فضول چیز میں عمر عزیز کی بربادی ہوتی حالانکہ یہ اس کام پر مذاہب اربع کے علماء اور مذاہب کے ماننے والے ان ہی ائمہ کا اتفاق ہے بلکہ فروع میں مناظرہ اور اپنے اپنے مذہب کی حمایت تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے ہی بلانکیر جاری ہے مذہب کی پابندی کوئی چیز نہ ہو تو لازم آئے گا کہ ایک لایعنی کام کے اہتمام اور فضول قسم کی مشغولیت کو اچھا سمجھنے پر اس وقت سے اب تک کے ائمہ و علماء کا عملی اجماع قائم رہا، اس سے بدتر کون سی شناعت ہوگی؟

لیکن علامہ شامی سے سوال ہوسکتا ہے کہ جب مذہب کی پابندی ضروری نہیں اور اس سے بالکلیہ باہر آنا روا ہے تو کسی معین مذہب کے حضرات مرجحین جنہوں نے اس مذہب کے دو قولوں میں سے ایک کو ترجیح دی ، ان کی پیروی کیسے ضروری ہوگئی؟

یہ کلام تو ان حضرات کے متفق ہونے کی صورت میں ہے۔ پھر اس صورت کا کیا حال ہوگا جب یہ باہم مختلف ہوں اور ایک طرف

ف۱: معروضة علی العلامة ش

ف۲: معروضة عليه

المطلق الذی لم یلحقوا غبارہ ولم یبلغ مجموعھم عشر فضلہ ولا معشارہ ھل ھذا الا جمعا بین الضب والنون اذ حاصلہ ان الامام واصحابہ واصحاب الترجیح: فی مذھبہ اذا اجمعوا کلھم اجمعون علی قول لم یجب علی المقلدین الاخذ بہ بل یأخذون بہ او بما تھوی انفسھم من قیلات خارجۃ عن المذھب لکن اذا قال الامام قولا وخالفہ صاحباہ ورجح مرجحون کلا من القولین وکالترجیح فی جانب الصاحبین اکثر ذاھبا او اکد لفظا فح یجب تقلید ھؤلاء ویمتنع تقلید الامام ومن معہ بل ف ان اجمع الامام وصاحباہ علی شیئ ورجع ناس من ھؤلاء المتأخرین قیلا مخالفا لاجماعھم، وجب ترک	مجتہد مطلق امام اعظم بھی ہوں یہ جن کی گرد پا کو بھی نہ پاسکے اور ان سب حضرات کا مجموعی کمال بھی ان کے فضل وکمال کے دسویں حصے کو نہ پہنچ سکا۔ یہ ضب اور نون[1] کو جمع کرنے کے سوا کیا ہے؟ اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ حضرت امام، ان کے اصحاب اور ان کے مذہب کے اصحاب ترجیح سب کے سب متفقہ طور پر جب کسی قول پر اجماع کرلیں تو مقلدین کے ذمہ اسے لیناضروری نہیں بلکہ انہیں اختیار ہے اسے لے لیں، یا اپنی خواہشات نفس کے مطابق مذہب سے خارج اقوال کو لے لیں، لیکن جب امام کوئی قول ارشاد فرمائیں، اور ان کے صاحبین ان کے خلاف کہیں پھر دونوں قولوں میں سے ہر ایک کو کچھ مرجحین ترجیح دیں اور صاحبین کی جانب ترجیح دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا اس طرف ترجیح کے الفاظ زیادہ موکد ہوں توایسی صورت میں ان مرجحین کی تقلید واجب ہوجائے اور امام اور ان کے موافق حضرات کی تقلید ناجائز ہوجائے، بلکہ اگر امام اور صاحبین کا کسی بات پر اجماع ہو اور ان متاخرین میں سے کچھ افراد ان کے اجماع کے مخالف کسی قول کو ترجیح دے دیں تو ان ائمہ کی

ف۳: معروضۃ علیہ

[1] ضب: گوہ، جو جنگلی جانور ہے اور نون: مچھلی، جو دریائی جانور ہے۔ دونوں میں کیا جوڑ، ایک عربی مثل سے ماخوذ ہے ۱۲

تقلید الائمة الی تقلید ھؤلاء واتباعھم، ھذا ھوالباطل المبین، لادلیل علیه اصل من الشرع المتین، والحمد للہ رب العالمین،	تقلید چھوڑ کر ان افراد کی تقلید اور پیروی واجب ہو جائے، یہی وہ کھلا ہوا باطل خیال ہے جس پر شرع متین سے ہر گز کوئی دلیل نہیں، والحمد للہ رب العالمین۔
و به ظھر ان قول البحر وان کان مبنیا علی ذلك الحق المنصور المعتمد المختار، المأخوذ به قولا عند الائمة الکبار، وفعلا عندھم وعند ھؤلاء المناز عین الاخیار، لکن[ف۱] مازعم السید لایبتغی علیه ولا علی مازعم انه المختار، بل یخالفھما جمیعا بالاعلان والجھار، والحجة للہ العزیز الغفار، والصّلٰوة والسلام علی سید الابرار، وأله الاطھار، وصحبه الکبار، وعلینا معھم فی دارالقرار، آمین	اسی سے ظاہر ہوا کہ بحر کا کلام تو اس قول حق پر مبنی تھا جو منصور، معتمد، مختار ہے، جسے قولا تمام ائمہ کبار نے لیا اور عملا ان کے ساتھ ان بزرگ مخالفین نے بھی لیا لیکن علامہ شامی کے خیال کی بنیاد نہ اس مختار پر قائم ہے نہ اس پر جس کو بزعم خویش مختار سمجھا بلکہ وہ علانیہ و عیاں طور پر دونوں ہی کے خلاف ہے اور حجت خدائے عزیز و غفار ہی کی ہے اور درود و سلام ہو سید ابرار، ان کی آل اطہار، اصحاب کرام پر اور ان کے ساتھ ہم پر بھی دار القرار میں الٰہی قبول فرما! ہم اسی کی پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔
قوله قول السراجیة صریح ان المجتھد یتبع ماکان اقوی الاتبع الترتیب فنتبع مارجحوه[1]۔	علامہ شامی سراجیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ مجتہد اس کی پیروی کرے گا جو زیادہ قوی ہو، ورنہ ترتیب سابق کا اتباع کرے گا،
اقول رحمك اللہ قولك[ف۲]	**اقول:** اللہ آپ پر رحم فرمائے، تو ہم اسی

فـــ۱: معروضة علیه

فـــ۲: معروضة علی العلامه ش

[1] ردالمحتار مطلب رسم المفتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

فنتبع مارجحوه ان كان داخلا فی ما ذکرت من مفاد السراجية فتوجيه القول بضده ورده فان السراجية توجب على غير المجتهد اتباع الترتيب لا الترجيح وان كان زيادة من عندكم فمخالف للمنصوص وتفريع للشیئ على ما هو تفريع له فانك ان كنت اهل النظر فعليك بالنظر المصيب، اولا فعليك بالترتيب، فمن اين هذا الثالث الغريب۔	پیروی کریں گے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی، یہ عبارت اگر آپ نے کلام سراجیہ کے مفاد ومفہوم کے تحت داخل کرکے ذکر کی ہے تو یہ اس کلام کی توجیہ نہیں بلکہ اس کی مخالفت اور تردید ہے کیونکہ سراجیہ تو غیر مجتہد پر ترتیب کی پیروی واجب کرتی ہے نہ کہ ترجیح کی پیروی۔ اور اگر یہ عبارت آپ نے اپنی طرف سے بڑھائی ہے تو یہ منصوص کے برخلاف ہے اور ایک چیز کی تفریع ایسی چیز پر ہے جو دراصل اس کی تردید ہے۔۔۔ کیوں کہ آپ اگر صاحب نظر ہیں تو آپ کے ذمہ نظر صحیح ہے یا آپ اہل نظر نہیں تو آپ کے ذمہ اتباع ترتیب ہے، پھر یہ تیسرا بیگانہ واجنبی کہاں سے آگیا؟
قوله لایجوز له مخالفة الترتيب الا اذاكان له ملكة فعليه ترجيح مارجح عنده و نحن نتبع مارجحوه۔[1]	علامہ شامی: اس کے لئے ترتیب مذکور کی مخالفت جائز نہیں مگر جب اس کے پاس ملکہ ہو تو اس کے ذمہ یہ ہے اس کے نزدیک جو راجح ہو اسے ترجیح دے اور ہمیں اس کی پیروی کرنا ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی۔
اقول: رحمك الله ف هذا كذٰلك فحاصل كلامهم جميعا ما ذکرت الی قولك ونحن اما	**اقول:** اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ یہ بھی اسی کی طرح ہے۔ کیونکہ ان تمام حضرات کے کلام کا حاصل وہی ہے جو آپ نے "اور ہمیں" تک

ف ۱: معروضة على العلامه ش

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

هذا فرد عليه وخروج عنه فان من لاملكة له لا يجوز له عندهم مخالفة الترتيب وانتم او جبتموه عليه ادارة له مع الترجيح۔	ذکر کیا۔۔۔اور یہ اضافہ تو اس کی تردید اور اس کی مخالفت ہے ۔ کیوں کہ جس کے پاس ملکہ نہیں اس کے لئے ان حضرات کے نزدیک ترتیب کی مخالفت روا نہیں اور آپ نے تو اس پر یہ مخالفت واجب کردی ہے کیونکہ اسے آپ نے ترجیح کے ساتھ چکر لگانے کا پابند کردیا ہے۔
قوله كما حققت الشارح عن العلامة قاسم [1]	علامہ شامی، جیسا کہ علامہ قاسم سے نقل کرتے ہوئے شارح نے اس کی تحقیق کی ہے۔
اقول علمت ف ۱ ان لا موافقة فيه لما لديه ولا فيه ميل اليه قوله ويأتي عن الملتقط [2]	**اقول:** معلوم ہوچکا کہ اس میں نہ تو اس خیال کی کوئی ہم نوائی ہے نہ اس کا کوئی میلان۔ علامہ شامی، اور ملتقط کے حوالے سے آرہا ہے۔
اقول: اولا ف ۲ حاصل ما فيه ان القاضى المجتهد يقضى برأى نفسه والمقلد برأى المجتهدين وليس له ان يخالفهم واين فيه ان الذين يفتنونه ان كانوا من مجتهدى مذهب امامه فاختلفوا فى الافتاء بقوله وجب عليه ان يأخذ	**اقول اولا:** اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ قاضی مجتہد خود اپنی رائے پر فیصلہ کرے گا اور قاضی مقلد مجتہدین کی رائے پر فیصلہ کرے گا اسے ان کی مخالفت کا حق نہیں۔ اس میں یہ کہاں ہے کہ جو لوگ اس قاضی مقلد کو فتوی دیں گے اگر وہ اس کے امام کے مذہب کے مجتہدین سے ہوں پھر قول امام پر افتاء میں باہم مختلف ہوں تو اس پر واجب یہ ہے کہ

ف ۱: معروضة على العلامه ش

ف ۲: معروضة عليه

---

[1] ردالمحتار، کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار، کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

بقول الذین خالفوا امامه وامامهم ان کانوا اکثر اولفظهم اکدوانما النزاع فی ھذا۔	ان لوگوں کا قول لے جو اس کے امام اور اپنے امام کے خلاف ہوگئے ہوں بشرطیکہ تعداد میں وہ زیادہ ہوں یا ان کے الفاظ زیادہ موکد ہوں حالاں کہ نزاع تو اسی بارے میں ہے۔
وثانیا المنع ف۱ من ان نخالفهم بارائنا اذ لارأی لنا ونحن لانخالفهم بارائنا بل برأی امامهم وامامنا۔	**ثانیا**: اگر ہم اپنی رائے لے کر ان کی مخالفت کریں تو اس سے ممانعت ہے کیونکہ ہماری کوئی رائے ہی نہیں لیکن ان کی مخالفت ہم اپنی رائے کے مقابل نہیں کرتے بلکہ ان کے امام اور اپنے امام کی رائے کو لے کر ان کی مخالفت کرتے ہیں۔
وقد قال فی الملتقط ف۲ فی تلك العبارة فی القاضی المجتهد قضی بما راہ صوابا لا بغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقه و وجوہ الاجتهاد فیجوز ترك رأیه برأی[1] اھ	اور ملتقط کے اندر تو اسی عبارت میں قاضی مجتہد سے متعلق یہ لکھا ہے کہ خود جسے درست سمجھے اس پر فیصلہ کرے دوسرے کی رائے پر نہیں لیکن دوسرا اگر فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اس سے زیادہ قوی ہو تو اس کی رائے اختیار کرکے اپنی رائے ترک کردینا جائز ہے۔اھ
فاذا جاز للمجتهد ان یترك رأیه برأی من ھو اقوی منه مع انه مأمور باتباع رأیه ولیس له تقلید غیرہ فان ترکنا اراء ھؤلاء المفتین ارأی امامنا و	جب مجتہد کے لئے اپنے سے اقوی کی رائے کو اختیار کرکے اپنی رائے ترک کرنا جائز ہے حالاں کہ اسے حکم یہ ہے کہ اپنی رائے کا اتباع کرے اور دوسرے کی تقلید اس کے لئے روا نہیں ، تو ہمارے اور ان مفتیوں کے امام اعظم

ف۱: معروضة علیه

ف۲: معروضة علیه

[1] الدرالمختار ، بحوالہ الملتقط ،کتاب القضاء ، مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

امامهم الاعظم الذی هو اقوی من مجموعهم فی الفقه ووجوه الاجتهاد بل فضله علیهم کفضلهم علینا اوهو اعظم الاولی بالجواز واجدر ـ **قوله** سقط مابحثه فی البحر [1] ـ	جو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں ان حضرات کی مجموعی قوت سے بھی زیادہ قوت رکھتے ہیں بلکہ ان پر امام کو اسی طرح فوقیت ہے جیسے ہم پر ان حضرات کو فوقیت ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ تو اگر ہم ان کی رائے اختیار کرکے ان مفتیوں کی رائے ترک کریں تو یہ بدرجہ اولٰی جائز اور انسب ہوگا۔
	علامہ شامی: بحر کی بحث ساقط ہوگئی۔
واقول: سبحٰن الله ف۱ هو الحکم الماثور، ومعتمد الجمهور، والمصحح المنصور، فکیف یصح تسمیته بحث البحر هذا۔	**اقول:** سبحان اللہ یہی تو حکم منقول ہے جمہور کا معتمد اور تصحیح وتائید یافتہ بھی، پھر اسے بحر کی بحث کہنا کیوں کر درست ہے؟
واقول: یظهر لی فی توجیه ف۲ کلامه رحمه الله تعالٰی ان مراده اذا اتفق المرجحون علی ترجیح قول غیره رضی الله تعالٰی عنه ذکره ردا لما فهم من اطلاق قول البحر وان افتی المشائخ بخلافه فانه بظاهره یشمل ما اذا اجمع المشائخ علی ترجیح	**اقول:** مجھے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی کے کلام کی توجیہ میں یہ سمجھ آتا ہے کہ ان کی مراد وہ صورت ہے جس میں حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا کسی اور کے قول کی ترجیح پر مرجحین کا اتفاق ہو، اسے اس اطلاق کی تردید میں ذکر کیا جو بحر کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ "اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف فتوی دیا ہو" کیوں کہ بظاہر یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس میں غیر امام کے

ف۱: معروضة علیه

ف۲: السعی الجمیل فی توجیه کلام العلامة الشامی رحمه الله تعالٰی۔

[1] ردالمحتار، کتاب القضاء مطلب یفتی بقول الامام علی الاطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

قول غیرہ۔ والدلیل علی ھذہ العنایة فی کلام ش انہ انما تمسك باتباع المرجحین وانھم اعلم وانھم سبروا الدلائل فحکموا بترجیحہ ولم یلم فی شیئ من الکلام الی صورة اختلاف الترجیح فضلا عن ارجحیة احد الترجیحین ولو کان مرادہ ذلك لم یقتصر علی اتباع المرجحین فانہ حاصل ح فی کلام الجانبین بل ذکر اتباع ارجح الترجیحین۔ ویؤیدہ ایضا ما قدمنا فی السابعة من قولہ رحمہ اللہ تعالٰی لما تعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام[1] اھ وھذا وان کان ظاھرہ فی ما استوی الترجیحان لکن ماذکرہ مترقیا علیہ عن الخیریة و البحر یعین ان الحکم اعم۔	قول کی ترجیح پر اجماع مشائخ ہو۔ یہ مراد ہونے پر کلام شامی میں دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اتباع مرجحین سے استدلال کیا ہے اور اس بات سے کہ وہ زیادہ علم والے ہیں اور انہوں نے دلائل کی جانچ کرکے اس کی ترجیح کا فیصلہ کیا ہے، اور کلام کے کسی حصے میں اختلاف ترجیح کی صورت کو ہاتھ نہ لگایا، دو ترجیحوں میں سے ایک کے ارجح ہونے کا تذکرہ تو در کنار، اختلاف ترجیح کی صورت اگر انہیں مقصود ہوتی تو صرف اتباع مرجحین کے حکم پر اکتفانہ کرتے کیونکہ اس صورت میں اتباع مرجحین تو دونوں ہی جانب موجود ہے، بلکہ اس تقدیر پر وہ دونوں ترجیحوں میں سے ارجح کے اتباع کا ذکر کرتے۔ اس کی تائید ان کے اس کلام سے بھی ہوتی ہے جسے ہم مقدمہ ہفتم میں نقل کر آئے ہیں کہ، جب دونوں تصحیحوں میں تعارض ہوا تو دونوں ساقط ہوگئیں اس لئے ہم نے اصل کی جانب رجوع کیا، وہ یہ ہے کہ امام کا قول مقدم رہے گا اھ۔ یہ اگرچہ بظاہر دنوں ترجیحیں برابر ہونے کی صورت میں ہے لیکن آگے اس پر ترقی کرتے ہوئے خیریہ اور بحر کے حوالے سے جو ذکر کیا ہے وہ تعین کردیتا ہے کہ حکم اعم ہے۔

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۹

ویؤیدہ ایضا ماجعل اٰخرا الکلام محصل جمیع کلام الدر فی المراد اذ قال قوله فلیحفظ ای جمیع ما ذکرناہ وحاصله ان الحکم ان اتفق علیه اصحابنا یفتی به قطعا والا [1]فاما ان یصحح المشائخ احد القولین فیه او [2]کلا منهما [3]اولا ولا ففی الثالث یعتبر الترتیب بان یفتی بقول ابی حنیفة ثم ابی یوسف الخ او قوة الدلیل ومرا لتوفیق وفی الاول ان کان التصحیح بافعل التفضیل خیر المفتی والا فلا بل یفتی بالمصحح فقط وهذا ما نقله عن الرسالة وفی الثانی اما ان یکون احدهما [عــه]	اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جسے آخر کلام میں مقصود سے متعلق پوری عبارت درمختار کا حاصل قرار دیا کہ وہاں یہ لکھاہے، عبارت در "فلیحفظ، تو اسے یاد رکھا جائے" کا معنی یہ ہے کہ وہ سب یاد رکھا جائے جو ہم نے ذکر کیا اور اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کسی حکم پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہو تو قطعاً اسی پر فتوی دیا جائے گا ورنہ تین صورتیں ہوں گی: (۱) مشائخ نے دونوں قولوں میں سے صرف ایک کو صحیح قرار دیا ہو (۲) ہر ایک کی تصحیح ہوئی ہو (۳) مذکورہ دونوں صورتیں نہ ہوں۔ تیسری صورت میں ترتیب کا اعتبار ہوگا اس طرح کہ امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا، پھر امام ابو یوسف کے قول پر الخ، یا قوت دلیل کا اعتبار ہوگا، اور ان دونوں میں تطبیق کا بیان گزر چکا۔ اور پہلی صورت میں اگر تصحیح افعل التفضیل کے صیغے (مثلا لفظ **اصح**) سے ہو تو مفتی کو تخییر ہوگی ورنہ (مثلا صرف لفظ صحیح ہو تو) نہیں،

عــه: **اقول:** [ف] یشمل ما اذا کان کلاهما به ولا یتأتی فیه الخلاف المذکور فکان ینبغی ان یقول احدهما وحدہ لیشمل قوله اولا ما اذا کان بافعل ۱۲منه غفر له (م)	**اقول:** یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس میں دونوں ترجیحیں بلفظ **افعل** ہوں حالانکہ اس میں خلاف مذکور حاصل نہ ہوگا تو انہیں کوئی ایک کے بجائے "احدهما وحدہ" (صرف ایک) کہنا چاہیے تھا، تاکہ ان کا قول "او یا نہ "اس صورت کو بھی شامل ہو جائے جس میں ہر ایک لفظ **افعل** ہو ۱۲منہ

ف: معروضة علی العلامه ش

بافعل التفضیل اولا ففی الاول قیل یفتی بالاصح وھوالمنقول عن الخیریة وقیل بالصحیح وھو المنقول عن شرح المنیة وفی الثانی یخیر المفتی وھو المنقول عن وقف البحر والرسالة افادہ ح [1] اھ فما ذکرہ فی الثالث عین مرادنا وکذا ما ذکرہ فی الاول اما استثناء ما اذاکان التصحیح بافعل **فاقول:** یخالف ف نفسه ولا یخالفنا فان الترجیح اذا لم یوجد الا فی جانب واحد کما جعله محمل الرسالة ومع ذلك خیر المفتی لم یکن علیه اتباع مارجحوہ والتاویل بان افعل افادان الروایة المخالفة صحیحة ایضا کما قالاہ ھما وط۔	بلکہ مفتی کو اسی پر فتوی دینا ہے جسے صحیح کہا گیا، یہ وہ بات ہے جو انہوں نے رسالہ سے نقل کی، اور دوسری صورت میں کوئی ایک ترجیح بلفظ افعل التفضیل ہوگی یا نہ ہوگی، بر تقدیر اول کہا گیا کہ اصح پر فتوی دیا جائے گا، یہ خیر یہ سے منقول ہے، اور کہا گیا کہ صحیح پر فتوی ہوگا، یہ شرح منیہ سے منقول ہے، بر تقدیر دوم مفتی کو تخییر ہوگی یہ بحر کتاب الوقف اور رسالہ سے منقول ہے۔ یہ حلبی نے افادہ فرمایا۔ اھ تو تیسری صورت میں جو ذکر کیا بعینہٖ وہی ہماری مراد ہے، اسی طرح وہ بھی جو پہلی صورت میں ذکر کیا، رہا اس صورت کا استثنا جس میں تصحیح بصیغہ اسم تفضیل ہو **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) وہ خود ان کے خلاف ہے ہمارے خلاف نہیں، کیوں کہ جب ترجیح صرف ایک طرف ہو، جیسا کہ اسے رسالے کا محمل اور معنی مراد ٹھہرایا، اس کے باوجود مفتی کو تخییر ہو تو اس کے ذمہ اس کی پیروی لازم نہ رہی جسے مشائخ نے ترجیح دی، اور یہ تاویل کہ "**افعل**" کا مفاد یہ ہوگا کہ روایت خلاف بھی صحیح ہے، جیسا کہ حلبی وشامی اور طحطاوی نے کہا۔

ف: معروضة علیه

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰و۵۱

فاقول اولا: ہذا ف۱ مسلم اذا قوبل الاصح بالصحیح اما اذا ذکروا قولین وقالوا فی احدھما وحدہ انہ الاصح ولم یلموا ببیان قوۃ مافی الاٰخر اصلا فلایفھم منہ الا ان الاول ھو الراجح المنصور ولا ینقدح فی ذھن احد انھم یریدون بہ تصحیح کلا القولین و ان للاول مزیۃ ما علی الاٰخر فافعل ھھنا من باب اھل الجنۃ خیر مستقرا واحسن مقیلا ولو سبرت کلماتھم ف۲ لوجدتھم یقولون ھذا احوط وھذا ارفق مع ان الاٰخر لارفق فیہ ولا احتیاط وھذا بدیھی عند من خدم کلامھم۔ ولذا ف۳ قال فی الخیریۃ من	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) اولا یہ بات اس صورت میں تسلیم ہے جب اصح کے مقابلے میں صحیح لایا گیا ہو۔ لیکن جب دو قول ذکر کریں اور صرف ایک کے بارے میں کہیں کہ وہ اصح ہے اور دوسرے میں جو قوت ہے اس کے بیان سے کچھ بھی تعرض نہ کرے تو ایسی حالت میں یہ ہی سمجھا جائے گا کہ اول ہی راجح اور تائید یافتہ ہے۔ اور کسی کے ذہن میں یہ خیال نہ گزرے گا کہ وہ اول کو اصح کہہ کر دونوں قولوں کو صحیح کہنا اور یہ بتانا چاہتے کہ اول کو دوسرے پر کچھ فضیلت ہے تو یہ افعل "اھل الجنۃ خیر مستقرا واحسن مقیلا" جنت والے بہتر قرار گاہ اور سب سے اچھی آرام گاہ والے ہیں، کے باب سے ہوگا، اگر کلمات مشائخ کی تفتیش کیجئے تو یہ ملے گا کہ وہ حضرات فرماتے ہیں یہ احوط (زیادہ احتیاط والا) ہے، یہ ارفق (زیادہ نرمی وفائدے والا ہے) باوجودیکہ دوسرے میں کوئی احتیاط اور کوئی آسانی نہیں، یہ ان حضرات کے کلام کے خدمت گزاروں کے نزدیک بدیہی ہے، اھ اسی لئے خیریہ کتاب الطلاق میں فرمایا،

ف۱: معروضۃ علیہ وعلی العلامتین ح و ط

ف۲: ربما لایکون افعل فی قول الفقہاء ھذا اصح احوط ارفق اوفق وامثالہ من باب التفضیل۔

ف۳: اذا ثبت الاصح لایعدل عنہ ای اذا لم یوجد الاقوی منہ۔

الطلاق انت علی علم بانه بعد التنصیص علی اصحیته لایعدل عنه الی غیره [1] اھ بل قال فی صلحها فی مسألة قالوا فیها لقائل ان یقول تجوز وهو الاصح ولقائل ان یقول لاما نصه حیث ثبت الاصح لایعدل عنه [2] اھ وهذا مفاد فـ۱ متنه العقود وان مال فی شرحه الی ما هنا فانه قال: وحیثما وجدت قولین وقد صحح واحد فذاك المعتمد بنحو ذاالفتوی علیه الا شبه والاظهر المختار ذا والاوجه [3] فقد حکم بقصر الاعتماد علی ما قیل فیه افعل ولم یصحّح خلافه۔ ولما قال فـ۲ فی الدر فیمن	تمہیں خبر ہے کہ اس کے اصح ہونے کی تصریح ہوجانے کے بعد اس سے کسی اور کی جانب عدول نہ ہوگا، اھ بلکہ خیریہ کتاب الصلح میں جہاں یہ مسئلہ ہے کہ: لوگوں نے کہا اس میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جائز ہے، اور وہی اصح ہے، اور کہنے والا کہہ سکتا ہے جائز نہیں، وہاں وہ لکھتے ہیں جب اصح ثابت ہوگا تو اس سے عدول نہ ہوگا، یہی ان کے متن عقود کا بھی مفاد ہے اگرچہ اس کی شرح میں وہ اس بات کی طرف مائل ہوگئے جو یہاں زیر بحث ہے کیوں کہ اس میں یہ لکھا ہے، جہاں تم کو دو۲ قول ملیں، جن میں ایک کی تصحیح اس طرح کے الفاظ سے ہو، اسی پر فتوی ہے، یہ اشبہ ہے، اظہر ہے، مختار ہے، اوجہ ہے، تو وہی معتمد ہے اھ۔ تو معتمد ہونے کا حکم اسی پر محدود رکھا جس کی تصحیح میں لفظ افعل آیا ہے اور اس کے مخالف قول کی تصحیح نہیں ہوئی ہے۔ در مختار کے اندر اس شخص سے متعلق جو بائیں جانب

فـ۱: معروضة علی العلامة ش

فـ۲: **مسئلہ:** نماز میں بائیں طرف کا سلام پھیرنا بھول گیا جب تک قبلہ سے نہ پھرا ہو کہہ لے۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

[1] فتاوی خیریۃ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹

[2] فتاوی خیریۃ کتاب الصلح دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۰۴

[3] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/ ۳۷

نسی التسلیم عن یسارہ اتی بہ مالم یستدبر القبلہ[1] فی الاصح۔	سلام پھیرنا بھول گیا یہ لکھا ہے جب تک قبلہ سے پیٹھ نہ پھیری ہو اس کی بجاآوری کرلے اصح مذہب میں،
وکان فی القنیۃ انہ الصحیح[2] قال ش ف۱ عبر الشارح بالاصح بدل الصحیح والخطب فیہ سھل[3] اھ	اسی مسئلے کے تحت قنیہ میں لکھا تھا کہ یہی صحیح ہے، تو اس پر علامہ شامی نے لکھا کہ شارح نے صحیح کی جگہ اصح سے تعبیر کی، اور معاملہ اس میں سہل ہے اھ۔
وکیف یکون سھلا ف۲ وھما عندکم علی طرفی نقیض فان الصحیح کان یفید ان خلافہ فاسد وافاد الاصح عندکم انہ صحیح فقد جعل الفاسد صحیحا۔	سہل کیسے ہوگا جب دونوں آپ کے نزدیک ایک دوسرے کی بالکل نقیض اور ضد ہیں۔ کیوں کہ صحیح کا مفاد یہ تھا کہ اس کا تقابل فاسد ہے۔ اور اصح کا مفاد آپ کے نزدیک یہ ہوا کہ اس کا مقابل صحیح ہے تو آپ کے طور پر تو شارح نے فاسد کو صحیح بنادیا؟
وثانیا: قدقلتم ف۳ علینا اتباع مارجحوہ ولیس بیان قوۃ للشیئ فی نفسہ ترجیحا لہ اذ لابد للترجیح من مرجح	**ثانیا:** آپ نے فرمایا جسے ان حضرات نے ترجیح دے دی ہم پر اسی کی پیروی لازم ہے، اور شے کی ذات میں پائی جانے والی کسی قوت کا بیان، ترجیح نہیں، کیونکہ ترجیح کے لئے مرجح اور

ف۱: الصحیح والاصح متقاربان والخطب فیہ سھل۔

ف۲: معروضۃ علی العلامۃ ش

ف۳: معروضۃ علی العلامۃ ش

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ فصل اذااراد الشروع فی الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۸/۱

[2] القنیۃ المنیہ تتمیم الغنیہ کتاب الصلوۃ باب فی القعدۃ والذکر فیہا کلکتہ انڈیا ص ۳۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ فصل اذااراد الشروع داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۵۲/۱

ومرجح علیه فالمعنی قطعاً ما فضلوہ علی غیرہ فلا شك انهم اذا قالو الاحد قولین انه الاصح وسکتوا عن الاٰخر فقد فضلوہ و رجحوہ علی الاٰخر فوجب اتباعه عندکم وسقط التخییر۔

فالوجه عندی حمل کلام الرسالة علی ماذا ذیلت احدهما بافعل والاخری بغیرہ فیکون ثالث مافی المسألة عن الخیریة والغنیة من اختیار الاصح اوالصحیح وهو التخییر وهذا اولی من حمله علی مایقبل۔

لاسیما والرسالة مجهول لاتدری هی ولامؤلفها والنقل ف عن المجهول لایعتمد وان کان عہ الناقل

مرجح علیہ (جس کو راجح کہا گیا اور جس پر راجح کہا گیا) دونوں ضروری ہیں، تو قطعاً یہ معنی ہوگا کہ جسے ان حضرات نے دوسرے سے افضل قرار دیا اس کی پیروی ضروری ہے، اب یہ قطعی بات ہے کہ جب انہوں نے دو قولوں میں سے ایک کو اصح کہا اور دوسرے سے متعلق سکوت اختیار کیا تو اسے انہوں نے دوسرے سے افضل اور راجح قرار دیا تو آپ کے نزدیک اس کا اتباع واجب ہوا اور تخییر ساقط ہوگئی۔

تو میرے نزدیک مناسب طریقہ یہ ہے کہ رسالہ کا کلام اس صورت پر محمول کیا جائے جس میں ایک کے ذیل میں "افعل" سے ترجیح ہو اور دوسرے میں غیر افعل سے، تو اس مسئلہ میں خیریہ سے اصح کو اور غنیہ سے صحیح کو اختیار کرنے کا جو حکم منقول ہے اس کی یہ تیسری شق ہو جائے گی وہ یہ کہ تخییر ہے (کسی ایک کی پابندی نہیں صحیح یا اصح کسی کو بھی اختیار کرسکتا ہے) یہ معنی لینا اس معنی پر محمول کرنے سے بہتر ہے جو ناقابل قبول ہے۔

خصوصاً جبکہ رسالہ مجہول ہے، نہ اس کا پتا نہ اس کے مؤلف کا پتا، اور مجہول سے نقل قابل اعتماد نہیں اگرچہ ناقل معتمد ہو جیسا کہ یہ ضابطہ

ف: لایعتمد علی النقل عن مجهول وان کان الناقل ثقة۔

عہ: **اقول** وثم تفصیل یعرفه الماهر باسالیب الکلام والمطلع علی مراتب الرجال فافهم اھ منه

اقول: یہاں کچھ تفصیل ہے جس کی معرفت اسالیب کلام کے ماہر اور مراتب رجال سے باخبر شخص سے ہوگی تو اسے سمجھ لیں۔ ۱۲ منہ (ت)

من المعتمدین کما افصح به ش فی مواضع من کتبه وبیناه فی فصل القضاء۔ **وبالجملة** فالثنیا تخالف ماقررہ اما انہا لاتخالفنا فلان ^ف مفادھا اذ ذاك التخییر وھو حاصل ما فی شقی الثانی لانه لما وقع فی شقه الاول الخلاف من دون ترجیح اٰل الی التخییر والتخییر مقید بقیود قد ذکرھا من قبل وذکّرھا ھنا بقوله ولاتنس ماقدمناہ من قیود التخییر [1] اھ من اعظمها ان لایکون احدھما قول الامام فاذا کان فلا تخییر کما اسلفنا اٰنفا نقله، وقد قال فی شرح عقودہ اذ کان احدھما قول الامام الاعظم والاٰخر قول بعض اصحابه عند عدم الترجیح لاحدھما	خود علامہ شامی نے اپنی تصانیف کے متعدد مقامات میں صاف طور پر بیان کیا ہے اور ہم نے بھی فصل القضاء میں اسے واضح کیا ہے۔ الحاصل وہ استثناء ان ہی کے طے کردہ اور مقررہ امر کے خلاف ہے، رہا یہ کہ وہ ہمارے خلاف نہیں تو اس لئے کہ اس وقت اس کا مفاد تخییر ہے اور یہی اس کا حاصل ہے جو صورت دوم کی دونوں شقوں کے تحت مذکور ہے کیونکہ جب اس کی پہلی شق میں اختلاف ہوگیا (کہ اصح کو اختیار کرے، یا صحیح کو اختیار کرے) اور ترجیح کسی کو نہیں تو مال یہ ہوا کہ تخییر ہے، اور تخییر کچھ قیدوں سے مقید ہے جنہیں پہلے ذکر کیا ہے اور یہاں بھی ان کی یاددہانی کی ہے یہ کہہ کر کہ اور تخییر کی ان قیدوں کو فراموش نہ کرنا جو ہم پہلے بیان کرچکے اھ، ان میں سے عظیم ترین قید یہ ہے کہ دونوں میں کوئی ایک، قول امام نہ ہو، اگر ایسا ہو تو تخییر نہ ہوگی جیسا اسے ہم ابھی نقل کرآئے، اور علامہ شامی نے اپنی شرح عقود میں لکھا ہے کہ جب دونوں میں سے ایک، امام اعظم کا قول ہو اور دوسرا ان کے بعض اصحاب کا قول ہو تو کسی کی ترجیح نہ ہونے

ف: تحقیق ان ماذکر من حاصل کلام الدر فانه لایخالفنا۔

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التصحیح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۵۰

یقدم قول الامام فلذا بعده[1] اھ ای بعد ترجیح القولین جمیعا فرجع حاصل القول الی ان قول الامام هو المتبع الا ان یتفق المرجحون علی تصحیح خلافه۔	کے وقت قول امام کو مقدم رکھا جاتا ہے تو ایسے ہی اس کے بعد بھی ہوگا اھ۔ یعنی دونوں قولوں کی ترجیح کے بعد بھی ہوگا تو حاصل کلام یہی نکلا کہ اتباع قول امام ہی کا ہوگا مگر یہ کہ مرجحین اس کے خلاف کی ترجیح پر متفق ہوں۔
فان قلت ف الیس قد ذکر عشر مرجحات اُخر ونفی التخییر مع کل منها: ١ أکدیة التصحیح ٢ کونه فی المتون والاٰخر فی الشروح او ٣ فی الشروح والاٰخر فی الفتاوی او ٤ علله دون الاٰخر او ٥ کونه استحسانا او ٦ ظاهر الروایة او ٧ انفع للوقف او ٨ قول الاکثر او ٩ اوفق باهل الزمان او ١٠ اوجه زاد هذین فی شرح عقوده۔	**اگر سوال ہو** کہ کیا ایسا نہیں کہ اس میں دس مرجح اور بھی ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے ساتھ تخییر کی نفی کی ہے (۱) تصحیح کا زیادہ موکد ہونا (۲) یا اس کا متون میں اور دوسرے کا شروح میں ہونا (۳) اس کا شروح میں اور دوسرے کا فتاوی میں ہونا (۴) ان حضرات نے اس کی تعلیل فرمائی دوسرے کی کوئی علت ودلیل نہ بتائی (۵) اس کا استحسان ہونا (۶) یا ظاہر الروایہ (۷) یا وقف کے لئے زیادہ نفع بخش (۸) یا قول اکثر (۹) یا اہل زمانہ سے زیادہ ہم آہنگ اور موافق (۱۰) یا اوجہ ہونا، ان دونوں کا شرح عقود میں اضافہ ہے۔
قلت بلی ولا ننکرها أفقال ان الترجح بها اٰکد من الترجح بانه قول الامام انما ذکر رحمه الله تعالٰی ان التصحیح اذا اختلف وکان لاحدهما	**میں کہوں گا** کیوں نہیں، ہمیں ان سے انکار نہیں، بتائے کیا یہ بھی کہا ہے کہ ان سب وجہوں سے ترجیح پانا قول امام ہونے کے سبب ترجیح پانے سے زیادہ موکد ہے؟ انہوں نے تو صرف یہ ذکر کیا ہے کہ جب تصحیح میں

ف: ذکر عشر مرجحات لاحد القولین علی الاخر

[1] شرح عقود رسم المفتی، رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۴۰

مرجح من ھذہ ترجح ولا تخییر ولم یذکر ماذا کان لکل منھما مرجح منھا۔

اقول ف۱ وقد بقی من المرجحات کونہ احوط اوارفق اوعلیہ العمل وھذا یقتضی الکلام علی تفاضل ھذہ المرجحات فیما بینھا وکانہ لم یلم بہ لصعوبۃ استقصائہ فلیس فی کلامہ مضادۃ لما ذکرنا۔

وانا اقول : ف۲ الترجح بکونہ مذھب الامام ارجح من الکل التصریحات القاھرۃ الظاھرۃ الباھرۃ المتواترۃ ان الفتوٰی بقول الامام مطلقا وقد صرح الامام الاجل صاحب الھدایۃ بوجوبہ علی کل حال۔

وان بغیت التفصیل وجدت الترجیح بہ ارجح من جل ماذکر مما یوجد معارضالہ

فاقول : القول لایکون

اختلاف ہو اور ایک تصحیح کے ساتھ ان دس میں سے کوئی ایک مرجح ہو تو وہ ترجیح پاجائے گی اور تخییر نہ ہوگی، اس صورت کا تو ذکر ہی نہ فرمایا جس میں ہر ایک تصحیح کے ساتھ ان میں سے کوئی ایک مرجح ہو۔

اقول : اور ابھی یہ مرجحات باقی رہ گئے اس کا احوط، یا ارفق، یا معمول بہ ہونا (علیہ العمل) اور یہ اس کا متقضی ہے کہ ان ترجیحات کے باہمی تفاوت اور فرق مراتب پر کلام کیا جائے، اس کی چھان بین دشوار ہونے کے باعث شاید اسے ہاتھ نہ لگایا، تو ہم نے جو ذکر کیا اس کی کوئی مخالفت ان کے کلام میں نہیں۔

وانا اقول : (اور میں کہتا ہوں) مذہب امام ہونے کے باعث ترجیح پانا سب سے ارجح ہے اس لئے کہ قاہر ظاہر باہر متواتر تصریحات موجود ہیں کہ فتوٰی مطلقاً قول امام پر ہوگا اور امام جلیل صاحب ہدایہ نے ہر حال میں قول امام پر افتاء واجب ہونے کی تصریح فرمائی ہے،

اور اگر تفصیل طلب کرو تو اس کے باعث ترجیح اس کے مقابل پائے جانے والے مذکورہ تقریباً سبھی مرجحات سے زیادہ راجح ملے گی۔

فاقول : تو اس کی تفصیل میں، میں کہتا ہوں)

ف۱: ذکر ثلث مرجحات اخر۔

ف۲: الترجیح بکونہ قول الامام ارجح من کل مایوجد معارضالہ۔

الاظاہر الروایة ومحال ان تمشی المتون قاطبة علی خلاف قوله وانما وضعت لنقل مذهبه وکذا لن تجد ابدا ان المتون سکتت عن قوله والشروح اجمعت علی خلافه ولم یلهج به الا الفتاوٰی و الا نفعیة للوقف من المصالح الجلیلة المهمة وهی احدی الحوامل الست وکذا الاوفقیة لاهل الزمان وکونه علیه العمل وکذا الارفق اذا کان فی محل دفع الحرج والاحوط اذاکان فی خلافه مفسدة والا ستحسان اذا کان لنحو ضرورة او تعامل اما اذاکان ف لدلیل فمختص باهل النظر وکذا کونه اوجه واوضح دلیلا کما اعترف به فی شرح عقوده۔ وقد اعلمناك ان المقلد لا یترك قول امامه لقول غیره ان غیره اقوی دلیلا	(۱) وہ قول جب ہوگا ظاہر الروایہ ہی ہوگا (۲) اور یہ محال ہے کہ تمام متون قول امام کی مخالفت پر گام زن ہوں جب کہ ان کی وضع امام ہی کا مذہب نقل کرنے کے لئے ہوئی ہے (۳۔۴) اسی طرح ہر گز کبھی ایسا نہ ملے گا کہ متون قول امام سے ساکت ہوں اور شروح نے اس کی مخالفت پر اجماع کرلیا ہو، صرف فتاوی نے اسے ذکر کیا ہو۔ (۵) اور وقف کے لئے انفع ہونا عظیم اہم مصالح میں شامل ہے اور یہ اسباب ستہ میں سے ایک ہے (۶) اسی طرح اہل زمان کے زیادہ موافق ہونا (۷) اور اسی پر عمل ہونا (۸) یوں ہی ارفق اور زیادہ آسان ہونا جب کہ دفع حرج کا مقام ہو (۹) اور احوط بھی، جب کہ اس کے خلاف کوئی مفسدہ اور خرابی ہو (۱۰) اور استحسان بھی جب کہ ضرورت یا تعامل جیسی چیز کے باعث ہو، لیکن استحسان اگر دلیل کے باعث ہو تو وہ اہل نظر سے خاص ہے (۱۱۔۔۱۲) یوں ہی اس کا اوجہ اور دلیل کے لحاظ سے زیادہ واضح ہونا اہل نظر کا حصہ ہے جیسا کہ علامہ شامی نے شرح عقود میں اس کا اعتراف کیا ہے اور یہ ہم بتا چکے ہیں کہ مقلد اپنے امام کا قول کسی دوسرے کے قول کی وجہ سے ترک نہ کرے گا، اگر دوسرا قول میری نظر میں دلیل کے

ف:الاستحسان لغیر نحو ضرورة وتعامل لایقدم علی قول الامام۔

فی نظری فاین النظر من النظر وانما یتبعه فی ذلك تارکاتقلید امامه من یسلم ان احدا من مقلدیه ومجتهدی مذهبه ابصر بالدلیل الصحیح منه۔

ولربما یکون قیاس یعارضه استحسان یعارضه استحسان اٰخر ادق منه فکیف یترك القیاس القوی بالا ستحسان الضعیف وهذا هو المرجو فی کل قیاس قال به الامام وقیل لغیره لالمثل ضرورة وتعامل انه استحسان ولنحو هذا ربما قدموا القیاس علی الا ستحسان وقد نقل فی مسألة فی الشرکة الفاسدة ش عن ط عن الحموی عن المفتاح ان قول محمد هوالمختار للفتوی وعن غایة عـــه البیان ان اقول ابی یوسف استحسان اه فقال ش وعلیه فهو من المسائل التی ترجح

لحاظ سے زیادہ قوت رکھتا ہے تو میری نظر کو امام کی نظر سے کیا نسبت؟ اپنے امام کی تقلید چھوڑ کر اس دوسرے کے قول کا اتباع وہی کرے گا جو یہ مانتا ہے کہ امام کے مقلدین اور ان کے مذہب کے مجتہدین میں سے کوئی فرد دلیل صحیح کی ان سے زیادہ بصیرت رکھتا ہے۔

شاید ایسا ہوگا کہ کسی قیاس کے معارض کوئی ایسا استحسان ہو جس کے معارض اس سے زیادہ دقیق دوسرا استحسان موجود ہو تو قیاس قوی کو استحسان ضعیف کے باعث کیسے ترک کردیا جائے گا؟ امید ہے کہ یہی صورت ہر اس قیاس میں پائی جاتی ہوگی جس کے قائل امام ہیں، اور جس کے مقابل دوسرے کو ،ضرورت وتعامل جیسے امور کے ماسوا میں ، استحسان کہا گیا ہو ایسے ہی نکتے کے باعث بعض اوقات قیاس کو استحسان پر مقدم کرتے ہیں ، علامہ شامی نے طحطاوی سے انہوں نے حموی سے ، انہوں نے مفتاح سے، شرکت فاسدہ کے ایک مسئلے میں نقل کیا ہے کہ امام محمد ہی کا قول فتوی کے لئے مختار (ترجیح یافتہ) ہے اور غایۃ البیان سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف کا قول استحسان ہے اس پر علامہ شامی نے فرمایا، اس کے پیش نظر

عـــه: قاله الامام الکرخی فی مختصره وعنه نقل فی غایة البیان ۱۲ منه غفرله۔ (م)

اسے امام کرخی نے اپنی مختصر میں بیان کیا اسی میں غایۃ البیان سے منقول ہے ۱۲منہ۔ (ت)

فیها القیاس علی الاستحسان [1] اھ فافادان ف۱ ما علیه الفتوی مقدم علی الاستحسان وکذا ضرورةً علی ما عُلل فا لتعلیل من امارات الترجیح والفتوی اعظم ترجیح صریح وکذا لاشك فی تقدیمها علی الاوجه والارفق والا حوط کما نصوا علیه فلم یبق من المرجحات المذکورة الا اُکدیة التصحیح واکثریة القائلین ولذا اقتصرنا علی ذکرهما فیما مضی۔ و ای ف۲ اکثریة اکثر مما فی مسألتی وقت العصر والعشاء حتی ادعوا علی خلاف قوله التعامل بل عمل عامة الصحابة فی العشاء ولم یمنع	وہ ان مسائل میں شامل ہے جن میں قیاس کو استحسان پر ترجیح ہوتی ہے، اھ اس بیان سے انہوں نے یہ افادہ کیا کہ (ما علیہ الفتوی) جس قول پر فتوی ہوتا ہے وہ استحسان پر مقدم ہوتا ہے (۱۳) یوں ہی بدیہی وضروری طور پر یہ اس قول سے بھی مقدم ہوگا جس کی تعلیل ہوئی ہو، اس لئے کہ تعلیل ترجیح کی صرف ایک علامت ہے اور فتوی سب سے عظیم ترجیح صریح ہے (۱۴۔۱۶) یوں ہی اوجہ، ارفق اور احوط پر بھی اس کے مقدم ہونے میں کوئی شک نہیں۔اب تصحیح کے زیادہ موکد ہونے اور قائلین کی تعداد زیادہ ہونے کے سوامذکورہ مرجحات سے کوئی مرجح باقی نہ رہا،اسی لئے سابق میں ہم نے صرف ان ہی دونوں کے ذکر پر اکتفا کی۔ اب بتایئے قائلین کی اکثریت کہیں اس سے زیادہ ہوگی جو وقت عصر اور وقت عشاء کے مسئلوں میں امام کے مقابل موجود ہے؟ یہاں تک کہ لوگوں نے قول امام کے بر خلاف تعامل بلکہ عشا میں عامہ صحابہ کا عمل ہونے کا بھی دعوی کیا

ف۱: ماعلیه الفتوی مقدم علی الاستحسان۔

ف۲: عند قول الامام لاینظر الی کثرة الترجیح فی الجانب الاخر۔

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی شرکۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۰

ذلك لاسیما فی العصر عن التعویل علی قول الامام ونقلتم عن البحر واقررتم انه لایعدل عن قول الامام الالضرورة وان صرح المشائخ ان الفتوی علی قولهما کما هنا [1]	پھر بھی یہ اکثریت، خصوصاً عصر میں، قول امام پر اعتماد سے مانع نہ ہوسکی، اور آپ ہی نے بحر سے یہ نقل کیا اور برقرار رکھا کہ قول امام سے بجز ضرورت کے عدول نہ ہوگا اگرچہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہو کہ فتوی قول صاحبین پر ہے، جیسے یہاں ہے اھ۔
وناهیك ف به جوابا عن اکدیة لفظ التصحیح وایضا قدمنا نصوص ش فی ذلك فی سرد النقول عن کتاب النکاح وکتاب الهبة وایضا اکثر فی ردالمحتار من معارضة الفتوی بالمتون وتقدیم ما فیها علی ما علیه الفتوی وما هو الا لان المتون وضعت لنقل مذهب صاحب المذهب رضی الله تعالی عنه۔	اور لفظ تصحیح کے زیادہ موکد ہونے سے متعلق جواب کے لئے بھی یہی کافی ہے اور اس بارے میں علامہ شامی کی صریح عبارتیں ذکر نقول کے تحت کتاب النکاح اور کتاب الھبہ سے ہم پہلے بھی نقل کرچکے ہیں، اور انہوں نے رد المحتار میں بہت سے مقامات پر فتوی کے مقابلہ میں متون کو پیش کیا ہے اور متون میں جو مذکورہ ہے اسے ماعلیہ الفتوی (اور قول جس پر فتوی ہے) پر مقدم قرار دیا ہے، اور یہ اسی لئے کہ متون صاحب مذہب رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب نقل کرنے کے لئے وضع ہوئے ہیں۔
فمنها الاسناد فی البئر الی یوم اوثلثة فی حق الوضوء والغسل والاقتصار فی حق غیرهما	**ان میں سے چند مقامات کی نشان دہی (ا)** کنویں میں کوئی جانور مراد دیکھا گیا اور گرنے کا وقت معلوم نہیں تو اگر پھولا پھٹا نہیں ہے تو ایک دن اور پھولا پھٹا ہے تو تین دن

ف: اذا رجع قول الامام وقول خلافه کان العمل بقول الامام وان قالوا لغیره علیه الفتوی۔

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۶

افتی به الصباغی وصححه فی المحیط والتبیین واقره فی البحر والمنح واعتمده فی التنویر والدر فقلتم مخالف لاطلاق المتون قاطبة (الی قولکم) فلا یعول علیه وان اقره فی البحر والمنح [1]	سے پانی نجس ماناجائے گا وضو اور غسل کے حق میں او ردوسری چیزوں سے متعلق جب سے دیکھا گیا اس وقت سے یعنی اب سے نجس مانا جائے گا پہلے سے نہیں۔ اسی پر صباغی نے فتوی دیا، محیط اور تبیین میں اسی کو صحیح کہا البحر الرائق اور منح الغفار میں اسی پر اعتماد کیا تو آپ نے فرمایا ،یہ تمام متون کے اطلاق کے بر خلاف ہے (یہاں تک کہ فرمایا) تو اس پر اعتماد نہ ہوگا اگرچہ بحر اور منح میں اسے بر قرار رکھا۔
ومنھا وقف صدقةً علی رجل بعینه عاد بعد موته لورثة الواقف قال فی الاجناس ثم فتح القدیر به یفتی [2] فقلتم انه خلاف المعتمد لمخالفته لمانص علیه محققوا المشائخ ولما فی المتون من انه بعدموت الموقوف علیه یعود للفقراء [3]	**(۲)** کوئی صدقہ ایک شخص معین پر وقف کیا تو یہ وقف اس شخص کی موت کے بعد واقف کے ورثہ کی طرف لوٹ آئے گا، اجناس میں پھر فتح القدیر میں کہا بہ یفتی (اسی پر فتوی دیا جاتا ہے آپ نے فرمایا یہ خلاف معتمد ہے کیونکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر محققین مشائخ نے نص فرمایا اور اس کے بھی جو متون میں مذکور ہے، وہ یہ کہ موقوف علیہ کی موت کے بعد وہ فقراء پر لوٹ آئے گا۔
ومنھا مااختار الامامان الجلیلان والکرخی من الغاء طلاق السکران	**(۳)** امام جلیلین طحطاوی و کرخی نے اختیار فرمایا کہ نشہ والے کی طلاق بے کار ہے، اور تفرید

[1] ردالمحتار باب المیاہ فصل فے البئر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۶

[2] الدالمختار بحوالہ الفتح کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[3] ردالمحتار بحوالہ الفتح کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶۶

وفی التفرید ثم التتار خانیہ ثم الدر الفتوی علیہ[1] فقلتم مثل ح قد علمت مخالفتہ لسائر المتون[2]	پھر تاتارخانیہ پھر درمختار میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے آپ نے حلبی کی طرح فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ سارے متون کے خلاف ہے۔
ومنھا قال محمد اذالم یکن عصبۃ فولایۃ النکاح للحاکم دون الام قال فی المضمرات علیہ الفتوی فقلتم کالبحر والنھر غریب للمخالفۃ المتون الموضوعۃ لبیان الفتوی[3]	**(۴)** امام محمد نے فرمایا، جب کوئی عصبہ نہ ہو تو نکاح کی ولایت حاکم کو حاصل ہوگی، ماں کو نہیں مضمرات میں لکھا، اسی پر فتوی ہے آپ نے بحر ونہر کی طرح فرمایا، یہ غریب ہے کیوں کہ بیان فتوی کے لئے وضع شدہ متون کے برخلاف ہے،
ومنھا قال محمد لا تعتبر الکفاءۃ دیانۃ وفی الفتح عن المحیط علیہ الفتوی وصححہ فی المبسوط فقلتم کالبحر تصحیح الھدایۃ معارض لہ فالافتاء بما فی المتون اولی[4]	**(۵)** امام محمد نے فرمایا، دین داری میں کفاءت کا اعتبار نہیں فتح القدیر میں محیط کے حوالے سے لکھا، اسی پر فتوی ہے اور مبسوط میں اسی کو صحیح کہا آپ نے بحر کی طرف فرمایا، ہدایہ کی تصحیح اس کے معارض ہے تو اسی پر افتا اولی ہے جو متون میں مذکور ہے۔
ومنھا قال لھا اختاری اختاری اختاری فقالت اخترت الاولی اوالوسطی اوالاخیرۃ طلقت ثلثا عندہ وواحدۃ بائنۃ عندھما واختارہ الطحاوی قال فی الدر واقرہ الشیخ علی المقدسی وفی	**(٦)** شوہر نے بیوی سے کہا، اختیار کر، اختیار کر، اختیار کر، تو بیوی نے کہا میں نے پہلی یا درمیانی یا آخری اختیار کی، امام صاحب کے نزدیک اس پر تین طلاقیں پڑ گئیں، اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق بائن واقع ہوئی اور اسی کو امام طحاوی نے اختیار کیا، درمختار میں ہے اور اسے شیخ علی مقدسی نے برقرار رکھا، اور

[1] الدرالمختار بحوالہ تاتارخانیہ کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۴و۴۲۵

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[4] ردالمحتار کتاب النکاح باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۰

الحاوی القدسی وبہ نأخذ فقد افاد ان قولهما هو المفتی به کذا یخط الشرف الغزی[1] فقلتم قول الامام مشی علیه المتون واخر دلیله ف۱ فی الهدایة فکان هو المعتمد[2]۔	حاوی قدسی میں ہے، وبہ ناخذ ہم اسی کو لیتے ہیں تو یہ افادہ کیا کہ قول صاحبین ہی مفتی بہ ہے شرف غزی کی قلمی تحریر میں اسی طرح ہے آپ نے فرمایا، قول امام پر متون گام زن ہیں، اور ہدایہ میں اسی کی دلیل موخر رکھی ہے تو وہی معتمد ہوا۔
ومنها طلب القسمة من لا ینتفع بها لقلة حصّته قال شیخ الاسلام خواهر زاده یجاب قال فی الخانیة وعلیه الفتوی فقال فی الدر لکن ف۲ المتون علی الاول فعلیه المعول[3] واقرر تموه انتم وط مع قولکم مرارا منها فی هبة ردالمحتار کن علی ذکر مما قالوا لا یعدل ف۳ عن تصحیح قاضی خان فانه فقیه النفس[4] اھ فقد ظهر ولله الحمد ان	**(۷)** تقسیم کا ایسے شخص نے مطالبہ کیا جو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا کیوں کہ اس کا حصہ بہت کم ہوگا شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا، تقسیم کر دی جائے، خانیہ میں کہا اسی پر فتوی ہے اس پر درمختار میں فرمایا، لیکن متون اول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہے اور اسے آپ نے اور طحطاوی نے برقرار رکھا، باوجودیکہ آپ نے بارہا فرمایا ان میں سے ایک موقع ردالمحتار کتاب الہبہ کا بھی ہے کہ اسے یاد رکھنا جو علماء نے فرمایا ہے کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں ۔اھ **اس تفصیل سے** بحمدہ تعالٰی روشن

ف۱: تاخیر الهدایة دلیل قول دلیل اعتماده

ف۲: قول الامام مذکور فی المتون مقدم علی ما صححه قاضی خان باکد الفاظ الفتوی۔

ف۳: لا یعدل عن تصحیحه قاضی خان فانه فقیه النفس۔

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق باب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۰

[3] الدرالمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ / ۵۱۳

الترجیح بکون القول قول الامام لایوازیه شیئ واذا اختلف الترجیح وکان احدهما قول الامام فعلیه التعویل وکذا اذالم یکن ترجیح فکیف اذا اتفقوا علی ترجیحه فلم یبق الاما اتفقوا فیه علی ترجیح غیرہ۔

فاذا حمل کلامه علی ماوصفنا فلاشك فی صحته اذن بالنظر الی حاصل الحکم فانا نوافقه علی انانا خذ ح بما اتفقوا علی ترجیحه انما یبقی الخلاف بیننا فی الطریق فهو اختاره بناء علی اتباع المرجحین ونحن نقول لایکون هذا الا فی محل احدی الحوامل فیکون هذا هو قول الامام الضروری وان خالف قوله الصوری بل عندنا ایضا مساغ ههنا لتقلید المشائخ فی بعض الصور علی مایأتی بیانها۔

ثم لاشك انه لایتقید ح بکونه قول احد الصاحبین بل ندور مع الحوامل حیث دارت وان

ہوگیا کہ کسی قول کے قول امام ہونے کے باعث ترجیح پانے کے مقابل کوئی چیز نہیں اور جب اختلاف ترجیح کی صورت میں دو قولوں میں سے ایک قول امام ہو تو اسی پر اعتماد ہے اسی طرح اس وقت بھی جب کوئی ترجیح ہی موجود نہ ہو، پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب سب اسی کی ترجیح پر متفق ہوں تو اب کوئی صورت باقی نہ رہی سوا اس کے جس میں دوسرے کی ترجیح پر سب متفق ہوں۔

تو اگر علامہ شامی کا کلام اس پر محمول کرلیا جائے جو ہم نے بیان کیا تو اس صورت میں وہ بلا شبہ حاصل حکم کے لحاظ سے صحیح ہوگا کیونکہ ہم بھی اس پر ان کی موافقت کرتے ہیں کہ ایسی صورت میں ہم اسی کو لیں گے جس کی ترجیح پر مشائخ کا اتفاق ہے البتہ ہمارے اور ان کے درمیان طریقے حکم کا فرق رہ جاتا ہے، انہوں نے اس حکم کو اتباع مرجحین کی بنیاد پر اختیار کیا ہے اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا اسباب ستہ میں سے کسی ایک کے پائے جانے ہی کے موقع پر ہوگا تو یہی امام کا قول ضروری ہوگا اگرچہ وہ ان کے قول صوری کے بر خلاف ہو بلکہ ہمارے نزدیک یہاں بعض صورتوں میں تقلید مشائخ کی بھی گنجائش ہے جیسا کہ ان کا بیان آرہا ہے۔

پھر بلا شبہ ایسے وقت میں اس کی بھی پابندی نہیں کہ وہ دوسرا قول، صاحبین ہی میں سے کسی کا ہو بلکہ مدار حوادث پر ہوگا وہ جہاں

كان قول زفر مثلا على خلاف الائمة الثلثة كما ذكر وما ذكر من سبرهم الدليل وسائر كلامه نشأمن الطريق الذی سلكه وح يبقى الخلاف بينه وبين البحر لفظيا فان البحر ايضا لا يابى عند ئذ العدول عن قول الامام الصوری الى قوله الضروری كيف وقد فعل مثله نفسه والوفاق اولى من الشقاق۔

ولعل مراد ابن الشلبی ان يصرح احد من المشائخ الفتوى على قول غير الامام مع عدم مخالفة الباقين له صراحة ولا دلالة كاقتصارهم على قول الامام او تقديمه او تأخير دليله اوالجواب عن دلائل غيره الى غير ذلك مما يعلم انهم يرجحون قول الامام كما اشار ابن الشلبی الى التصحيح دلالة وح لابد ان يظهر منهم مخايل وفاقهم لذلك المفتی فيدخل فی صورة الثنيا

دائر ہوں اگرچہ تینوں ائمہ کے بر خلاف مثلا امام زفر ہی کا قول ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔اور وہ جو علامہ شامی نے ذکر کیا کہ مشائخ نے دلیل کی جانچ کر رکھی ہے اور باقی کلام، یہ سب اس طریق سے پیدا شدہ ہے جسے انہوں نے اپنایا۔اور اب ان کے اور بحر کے درمیان صرف لفظی اختلاف رہ جائے گا۔ کیونکہ بحر بھی ایسی صورت میں امام کے قول صوری سے ان کے قول ضروری کی جانب عدول کے منکر نہیں۔منکر کیسے ہوں گے ایسا تو انہوں نے خود کیا ہے۔اور اتفاق، اختلاف سے بہتر ہے۔

اور شاید ابن الشلبی کی مراد یہ ہے کہ مشائخ میں سے ایک نے غیر امام کے قول پر فتوی ہونے کی تصریح کی ہو اور دیگر حضرات نے صراحۃ اس کی مخالفت نہ کی ہو اور نہ ہی دلالۃ مثلا یوں کہ قول امام پر اقتصار کریں، یا اسے پہلے بیان کریں، یا اس کی دلیل آخر میں لائیں، یا دوسرے حضرات کی دلیلوں کا جواب دیں، اسی طرح کی اور باتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قول امام کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جیسا کہ ابن الشلبی نے دلالۃ تصحیح کی جانب اشارہ کیا ہے۔اور ایسی صورت میں دیگر حضرات سے اس مفتی کے ساتھ موافقت کے آثار و علامات نمودار ہونا ضروری ہے کلام ابن شلبی کی یہ مراد لی جائے تو یہ بھی استثناء والی صورت میں داخل ہو جائے گا۔

هذا فی جانب الشامی واما جانب البحر فرأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار فی کتاب القضاء مانصه

اقول: محل کلام البحر حیث وجد الترجیح من ائمته فی جانب الامام ایضا کمافی مسألتی العصر والعشاء وان وجد اٰکد الفاظه وهو الفتوی من المشائخ فی جانب الصاحبین ولیس یرید ان المشائخ وان اجمعوا علی ترجیح قولهما لایعبؤ به ویجب علینا الافتاء بقول الامام فان هذا لایقول به احد ممن له مساس بالفقه فکیف بهذا العلامة البحر ولن تری ابدا اجماع الائمة علی ترجیح قول غیره الا لتبدل مصلحة باختلاف الزمان وح لایجوز لنا مخالفة المشائخ (لانها اذن مخالفة الامام عینا کما علمت) واما اذا اختلف الترجیح فرجحان قول الامام لانه قول الامام ارجح من رجحان قول غیره لارجحیة لفظ الافتاء به (او اکثریة المائلین الی ترجیحه) فهذا مایریده

یہ گفتگو رہی شامی کے دفاع میں، اب رہا بحر کا معاملہ تو ردالمحتار پر جو میں نے تعلیقات لکھی ہیں ان ہی میں کتاب القضا کے تحت میں نے دیکھا کہ یہ عبارت رقم کرچکا ہوں۔

اقول: کلام بحر کا محل وہ صورت ہے جس میں ائمہ ترجیح سے جانب امام بھی ترجیح پائی جاتی ہو جیسے عصر وعشاء کے مسئلوں میں ہے اگرچہ موکدترین لفظ ترجیح مشائخ کا فتوی صاحبین کی جانب ہو بحر کی مراد یہ نہیں کہ مشائخ قول صاحبین کی ترجیح پر اجماع کرلیں تو بھی اس کا اعتبار نہیں اور ہم پر قول امام ہی پر فتوی دینا واجب ہے۔ کیوں کہ کوئی بھی شخص جسے فقہ سے کچھ مس ہے ایسی بات نہیں کہہ سکتا تو یہ علامہ بحر اس کے قائل کیسے ہوں گے؟ اور ہرگز کبھی غیر امام کے قول کی ترجیح پر ائمہ ترجیح کا اجماع نظر نہ آئے گا مگر ایسی صورت میں جہاں اختلاف زمانہ کی وجہ سے مصلحت تبدیل ہوگئی ہو۔ اور ایسی صورت میں ہمارے لئے مشائخ کے خلاف جانا روا نہیں (کیوں کہ یہ بعینہٖ امام کے مخالف ہوگی جیسا کہ معلوم ہوا) لیکن جب ترجیح مختلف ہو تو قول امام کا اس وجہ سے رجحان کہ وہ قول امام ہے زیادہ راجح ہوگا اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول کا، لفظ افتاء کی ارجحیت (یا اس کی ترجیح کی طرف مائل ہونے والوں کی اکثریت) کے باعث رجحان اس سے

العلامة صاحب البحر وبه يسقط ايراد العلامتين الرملی والشامی اھ ماکتبت مع زيادات منی الاٰن مابين الاهلة۔

فبهذا تلتئم الكلمات، وتأتلف الاشتات، والحمد لله رب البريات، وافضل الصلوات، واكمل التسليمات، علی الامام الاعظم لجميع الكائنات، واٰله وصحبه وابنه وحزبه اولی الخيرات، والسعود والبركات، عدد كل مامضی وما هو اٰت، آمين والحمد لله رب العٰلمين والله سبحنه وتعالٰی اعلم۔

ورأيت الناس يتحفون كتبهم الی ملوك الدنيا وانا العبد الحقير، خدمت بهذه السطور، ملكا فی الدين، امام ائمة المجتهدين، رضی الله تعالٰی عنه وعنهم اجمعين، فان وقعت موقع القبول، فذاك نهاية المسئول، ومنتهی المأمول، وما ذلك علی الله بعزيز ان ذلك علی الله يسير، ان الله علی كل شيئ قدير،

فروتر ہوگا۔ یہی علامہ صاحب بحر کی مراد ہے اور اسی سے علامہ رملی وعلامہ شامی کا اعتراض ساقط ہوجاتا ہے ۔ اھ حواشی رد المحتار سے متعلق میری عبارت ختم ہوئی ، اور ہلالین کے درمیان کی عبارتیں اس وقت میں نے بڑھائی ہیں۔

تو اس توضیح وتاویل سے تمام کلمات ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوجاتے ہیں اور مختلف باتیں باہم متفق ہوجاتی ہیں۔ اور تمام تر ستائش خدا کے لئے جو مخلوقات کا رب ہے ۔ او ر بہتر درود، کامل ترین تسلیمات ساری کائنات کے امام اعظم اور خیرات ، سعادات ، برکات والے ان کے آل ، اصحاب ، فرزند اور جماعت پر ، ہر گزشتہ وآئندہ کی تعداد میں ۔ الٰہی ! قبول فرما۔ اور تمام تعریف خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور پاکی وبرتری والے خدا کو ہی خوب علم ہے۔

میں نے دیکھا کہ لوگ شاہان دنیا کے دربار میں اپنی کتابوں کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور بندہ حقیر نے توان سطور سے دین کے ایک بادشاہ ، ائمہ مجتہدین کے امام کی خدمت گزاری کی ہے۔ اللہ تعالٰی ان سے اور ان سب مجتہدین سے راضی ہو، تو یہ اگر مقام قبول پاجائیں تو یہی انتہائے مطلوب او رمنتہائے امید ہے اور اللہ پر یہ کچھ دشوار نہیں ، بلاشبہ یہ خدا پر آسان ہے۔ یقینا اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

وللّٰہ الحمد والیہ المصیر، وصلی اللّٰہ تعالٰی علی المولی الاکرم، واٰلہ وصحبہ و بارك وسلّم، اٰمین۔

تنبیہ ف **اقول**: کون المحل محل احدی الحوامل انکان بینا لایلتبس فالعمل علیہ وما عداہ لانظر الیہ وھذا طریق لمی وانکان الامر مشتبھا رجعنا الی ائمۃ الترجیح فان رأیناھم مجمعین علی خلاف قول الامام علمنا ان المحل محلھا وھذا طریق انی وان وجدناھم مختلفین فی الترجیح اولم یرجحوا شیئا عملنا بقول الامام وترکنا ماسنواہ من قول وترجیح لان اختلافھم اما لان المحل لیس محلھا فاذن لاعدول عن قول الامام اولانھم اختلفوا فی المحلیۃ فلا یثبت القول الضروری بالشك فلا یترك قولہ الصوری الثابت بیقین الا اذا تبینت لنا المحلیۃ بالنظر فیما ذکروا من الادلۃ او

اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے اور اسی کی جانب رجوع ہے۔ اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے آقائے اکرم اور ان کی آل اصحاب پر اور برکت وسلامتی بخشے۔ الٰہی! قبول فرما۔

تنبیہ: اقول: چھ[۶] اسباب میں سے کسی ایک کا محل ہونا اگر واضح غیر مشتبہ ہو تو اسی پر عمل ہوگا اور ماسوا پر نظر نہ ہوگی یہ لمی طریقہ ہے اور اگر معاملہ مشتبہ ہو تو ہم ائمہ ترجیح کی جانب رجوع کریں گے۔ اگر قول امام کے برخلاف انہیں اجماع کئے دیکھیں تو یقین کرلیں گے کہ یہ بھی اسباب ستہ میں سے کسی ایک کا موقع ہے یہ انّی طریقہ ہے۔۔۔ اور اگر انہیں ترجیح کے بارے میں مختلف پائیں یا یہ دیکھیں کہ انہوں نے کسی کو ترجیح نہ دی تو ہم قول امام پر عمل کریں گے اور اس کے ماسوا قول وترجیح کو ترک کردیں گے کیوں کہ ان کا اختلاف یا تو اس لئے ہوگا کہ وہ اسباب ستہ کا موقع نہیں۔ جب تو قول امام سے عدول ہی نہیں یا اس لئے ہوگا کہ اسباب ستہ کا محل ہونے میں وہ باہم مختلف ہوگئے۔ تو قول ضروری شک سے ثابت نہ ہو پائے گا۔ اس لئے امام کا قول صوری جو یقین سے ثابت ہے ترک نہ کیا جائے گا لیکن جب ہم پر اسباب ستہ کا محل ہونا ان

ف: تنبیھان جلیلان یتبین بھما ما یعمل بہ المقلد فی امثال المقام۔

بنی العادلون عن قولہ الامر علیھا وکانوا ھم الاکثرین و فنتبعھم ولا نتھمھم اما اذا لم یبنوا الامر علیھا وانما حاموا حول الدلیل فقول الامام علیہ التعویل ھذا ما ظھر لی وارجوا ن یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ اعلم۔

تنبیہ: اقول: ھذا کلہ اذا خالفوا الامام اما اذا فصلوا اجمالا ،او ضحوا اشکالا ، او قیدو ارسالا کداب الشراح مع المتون، وھم فی ذلک علی قولہ ماشون، فھم اعلم منا بمراد الامام فان اتفقوا والا فالترجیح بقواعدہ المعلومۃ۔

وانما قیدنا بانھم فی ذلک علی قولہ ماشون لانہ تقع ھنا صورتان مثلا قال الامام فی مسألۃ باطلاق وصاحباہ بالتقیید فان اثبتوا الخلاف

حضرات کی بیان کردہ دلیلوں میں نظر کرنے سے واضح ہوجائے ، یا قول امام سے عدول کرنے والے حضرات نے اسی محلیت پر بنائے کار رکھی ہو اور وہی تعداد میں زیادہ بھی ہوں تو ہم ان کی پیروی کریں گے اور انہیں متہم نہ کریں گے۔۔۔ لیکن جب انہوں نے بنائے کار محلیت پر نہ رکھی ہو ، بس دلیل کے گرد ان کی گردش ہو تو قول امام پر ہی اعتماد ہے۔۔۔ یہ وہ طریق عمل ہے جو مجھ پر منکشف ہوا اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم

تنبیہ : اقول: یہ سب اس وقت ہے جب وہ واقعی امام کے خلاف گئے ہوں لیکن جب وہ کسی اجمال کی تفصیل یا کسی اشکال کی توضیح ، یا کسی اطلاق کی تقیید کریں جیسے متون میں شارحین کا عمل ہوتا ہے۔ اور وہ ان سب میں قول امام ہی پر گام زن ہوں تو وہ امام کی مراد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اب اگر وہ باہم متفق ہوں تو قطعاً اسی پر عمل ہوگا ورنہ ترجیح کے قواعد معلومہ کے تحت ترجیح دی جائے گی۔ ہم نے یہ قید لگائی کہ "وہ ان سب میں قول امام ہی پر گام زن ہوں" اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ۲ دو صورتیں ہوتی ہیں ، مثلاامام کسی مسئلے میں اطلاق کے قائل ہیں اور صاحبین تقیید کے قائل ہیں ، اب مرجحین اگر اختلاف کا

واختاروا قولهما فهذه مخالفة وان نفوا الخلاف وذكروا ان مراد الامام ايضا التقييد فهذا شرح والله تعالٰی اعلم ولیکن ھذا اٰخر الكلام، وافضل الصلاۃ والسلام، علی اکرم الکرام، واٰله و صحبه وابنه وحزبه الی یوم القیام، والحمد لله ذی الجلال والاکرام۔	اثبات کریں اور صاحبین کا قول اختیار کریں تو یہ مخالفت ہے اور اگر اختلاف کا انکار کریں اور یہ بتائیں کہ امام کی مراد بھی تقیید ہی ہے تو یہ شرح ہے واللہ تعالٰی اعلم ۔ یہی خاتمہ کلام ہونا چاہئے اور بہتر درودو سلام کریموں میں سب سے کریم تر سرکار پر اور ان کی آل ، اصحاب ، فرزند اور جماعت پر تاروز قیام۔ اور ہر ستائش بزرگی واکرام والے خدا کے لئے ہے ۔ (ت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الطّہارۃ

باب الوضوء

رسالہ

اَلْجُوْدُ الْحُلُوُّ فِیْ اَرْکَانِ الْوُضُوْءِ ۱۳۲۴ھ

(باران شیریں، ارکان وضو کے بیان میں)

مسئلہ ۱: مسئولہ مولوی محمد ظفرالدین صاحب بہاری قادری ۱۰ شوال المکرم ۱۳۲۴ھ

بحر العلوم النقلیۃ حبر الفنون العقلیۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ متع اللہ المسلمین بطول بقائکم۔ وضو میں کتنے فرائض اعتقادی اور کتنے فرض عملی اور کے واجب اعتقادی اور کے واجب عملی ہیں؟ اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے؟ مدلل ارشاد ہو۔ جزاکم اللہ تعالٰی من افضل ماجازی علماء امۃ حبیبہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (اللہ تعالٰی آپ کو وہ افضل ترین جزا عطا فرمائے جو اس نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت کے علماء کو عطا فرمائی۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم لك الحمد فرضا لازما صل علی افضل ارکان الایمان وسلّم دائمًا، ایھا السائل الفاضل رزقك اللہ علما نافعا ھذا سوال لا یھتدی الیہ الا من وفقہ اللہ واللہ یختص برحمتہ من یشاء وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ۝[1]۔	اے اللہ! تیرے لیے فرض لازم کے طور پر حمد ہے، ایمان کے سب سے افضل رکن پر ہمیشہ درود وسلام نازل فرما، سائل فاضل! خدا تمہیں علم نافع بخشے. یہ ایسا سوال ہے کہ جس کی ہدایت اسی کو نصیب ہوتی ہے جسے خدا اپنی توفیق سے نوازے اور اللہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے خاص فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے. (ت)

مجتہد ف۱ جس شے کی طلب جزمی حتمی اذعان عہ۱ کرے، اگر وہ اذعان عہ۲ بدرجہ یقین معتبر فی اصول الدین ہو

عہ۱: اقول: والاذعان ف۲ یعم الظن الغالب واکبر الرأی الملتحق فی الفقھیات بالیقین والیقین بالمعنی الاعم والمعنی الاخص المعتبرین فی العقائد۔م عہ۲: اذا اذعنّا بشیئ فان لم یحتمل خلافہ اصلا کوحدانیۃ اللہ تعالٰی وحقانیۃ محمد صلی اللہ تعالٰی	اقول: (میں کہتا ہوں) اذعان درج ذیل چیزوں کو شامل ہے (۱) ظنِ غالب اور راجح رائے جو فقہی مسائل کے اندر یقین میں شامل ہے (۲) یقین بمعنی اعم (۳) یقین بمعنی اخص۔ یہ دونوں باب عقائد میں معتبر ہوتے ہیں (ت) جب ہمیں کسی بات کا اذعان حاصل ہو تو اگر (۱) اس کے خلاف کا بالکل احتمال نہ ہو جیسے اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی (باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: فرض اعتقادی وفرض عملی وواجب اعتقادی وواجب عملی کی تعریفیں جلیل تحقیقیں۔

ف۲: معنی الاذعان۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۴

(اور اس تقدیر پر مسئلہ نہ ہوگا مگر مجمع علیہ ائمہ دین عـــہ۱ تو وہ فرض اعتقادی عـــہ۲ ہے جس کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علیه وسلم فیقین بالمعنی الاخص وان احتمل احتمالا ناشئا لا عن دلیل کامکان ان یکون الذی نراہ زیدا جنّیا تشکل بشکله فبالمعنی الاعم ومثل هذا الاحتمال لانظر الیه اصلا ولا ینزل العلم عن درجة الیقین اما الناشیئ عن دلیل فیجعله ظنا والکل داخل فی الاذعان منه۔

حقانیت. تو یہ یقین بمعنی اخص ہے۔ اور اگر (۲) احتمال ہو مگر ایسا احتمال جو بغیر کسی دلیل کے پیدا ہوا ہو تو یہ یقین بمعنی اعم ہے۔ جیسے وہ جسے ہم زید یقین کر رہے ہیں اس کے بارے میں یہ احتمال ہو سکتا ہے یہ کوئی جن ہو جس نے زید کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ایسا احتمال ذرا بھی قابل لحاظ نہیں ہوتا۔ نہ ہی یہ علم کو درجہ یقین سے نیچے لا سکتا، مگر جو احتمال کسی دلیل سے پیدا ہوا ہو، وہ یقین کو ظن بنا دیتا ہے۔ اور یہ تینوں ہی اذعان کے تحت داخل ہیں (ت)

عـــہ۱: لان مافیه خلاف ولو مرجوحا لا یصل الی درجة هذا الیقین۔

اس لئے کہ جس میں ائمہ دین کا اختلاف ہے، اگرچہ خلافِ مرجوح ہی ہو۔ وہ اس یقین کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ (ت)

عـــہ۲: **اقول:** والاعتقاد ف وان ساوی الاذعان فی اصل وضعه فالمراد به ههنا هو العلم بالمعنی الاخص المختص بالیقین الاعم والاخص ومنه قولهم حدیث الاٰحادلا یفید الاعتماد فی باب الاعتقاد۔

اقول: (میں کہتا ہوں) لفظ اعتقاد اصل وضع کے اعتبار سے اگرچہ اذعان کا مساوی ہے مگر یہاں اس سے مراد علم بمعنی اخص ہے جو یقین بمعنی اعم و یقین بمعنی اخص ہے۔ اس اصطلاح کے تحت علماء کا یہ ارشاد آتا ہے کہ باب "اعتقاد" میں خبر آحاد مفید اعتماد نہیں. (ت)

ف: معنی الاعتقاد۔

منکر عند الفقہاء مطلقاً کافر[عہ۱]، اور متکلمین کے نزدیک (منکر اس وقت کافر ہے) جبکہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو اور یہی عند المحققین احوط واسدّ (زیادہ احتیاط والا اور زیادہ درست۔ت)۔ اور ہمارے اساتذہ کرام کا معول و معتمد (وثوق اور اعتماد والا۔ت) ہے[عہ۲] ورنہ (یعنی اگر اس مسئلہ پر تمام ائمہ کا اتفاق نہیں

عہ۱: [3] **اقول** ای عند عامۃ مصنفیھم من اصحاب الفتاوی وغیرھم من المتاخرین اما ائمتنا الاقدمون فعلی ما علیہ المتکلمون کما حققہ خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی بعض فتاواہ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یعنی فقہائے متاخّرین میں سے اکثر مصنفین، اصحابِ فتاوٰی وغیرہم کے نزدیک (وہ مطلقاً کافر ہے) اور ہمارے ائمہ متقدمین کا مسلک وہی ہے جس پر متکلمین ہیں جیسا کہ خاتم المحققین ہمارے والد ماجد قدس سرہ نے اپنے بعض فتاوٰی میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ (ت)

عہ۲: وفسرت ف الضروریات بما یشترك فی علمہ الخواص والعوام [4] **اقول**: المراد العوام الذین لھم شغل بالدین واختلاف بعلمائہ والا فکثیر من جھلۃ الاعراب لاسیما فی الھند والشرق لایعرفون کثیرا من الضروریات لابمعنی انھم لھا منکرون بل ھم عنھا غافلون فشتان ماعدم المعرفۃ ومعرفۃ العدم وانکان جھلا مرکبا فلا تجھل والتحقیق عندی ان الضرورۃ ھھنا بمعنی البداھۃ وقد تقرر ان البداھۃ

ضروریاتِ دین کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ وہ دینی مسائل جن کو عوام و خواص سب جانتے ہوں **اقول** عوام سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی مسائل سے ذوق و شغل رکھتے ہوں اور علماء کی صحبت سے فیضیاب ہوں... ورنہ بہت سے اعرابی جاہل... خصوصاً ہندوستان اور مشرق میں... ایسے ہیں جو بہت سے ضروریاتِ دین سے آشنا نہیں.. اس معنی میں نہیں کہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں بلکہ وہ ان سے غافل ہیں۔ بڑا فرق ہے عدمِ علم اور علمِ عدم میں۔ خواہ یہ جہلِ مرکب ہی ہو. تو اس فرق سے بے خبری نہ رہے، اور میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ ضرورت یہاں بداہت کے (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: معنی ضروریات الدین۔

ہے تو واجب اعتقادی ہے، پھر اگر مجتہد کو بنظر دلائل شرعیہ جو اس پر ظاہر ہوئے اس طلب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والنظرية تختلف باختلاف الناس فرب مسألة نظرية مبنية على نظرية اخرى اذا تبين المبنى عند قوم حتى صار اصلا مقررا وعلما ظاهرا فالاخرى التى لم تكن تحتاج فى ظهورها الا الى ظهور الاولى تلتحق عندهم بالضروريات وانكانت نظرية فى نفسها الاترى ان كل قوس لم تبلغ ربعا تاما من اربعة ارباع الدور وجود كل من القاطع والظل الاول لها بديهى عندالمهندس لايحتاج اصلا الى اعمال نظر وتحريك فكر بعد ملاحظة المصادرة المشهورة المسلمة المقررة وانكان هو والمصادرة كلاهما نظرمابين فى انفسها هكذا حال ضروريات الدين۔

معنی میں ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ مختلف لوگوں کے اعتبار سے بداہت و نظریت بھی مختلف ہوتی ہے۔ بہت سے نظری مسائل کی بنیاد کسی اور نظری مسئلہ پر ہوتی ہے۔ اگر وہ بنیاد کسی طبقہ کے نزدیک روشن و واضح ہو کر ایک مقررہ قاعدہ اور واضح علم کی حیثیت اختیار کرلے تو دوسرا مسئلہ جس کے واضح ہونے کے لئے بس اسی پہلے مسئلہ کے واضح ہونے کی ضرورت تھی، اس طبقہ کے نزدیک ضروریات کی صف میں آجاتا ہے اگرچہ وُہ بذات خود نظری تھا۔ دیکھیے ہندسہ داں (جیومیٹری والے) کے نزدیک یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ہر وُہ قوس جو دَور کے چار ربع میں سے ایک کامل ربع کے برابر نہ پہنچے اس کے لئے قاطع اور ظل اول ہونا ضروری ہے۔اس میں کسی نظر کے استعمال اور فکر کو حرکت دینے کی ضرورت نہیں جب کہ مشہور مسلّم مقرر مصادرہ ملحوظ ہو اگرچہ یہ کلیہ اور وہ مصادرہ بذاتِ خود دونوں ہی نظری ہیں۔یہی حال ضروریاتِ دین کا ہے (کہ بعض لوگوں کے لئے بدیہی، بعض کے لئے نظری اور بعض کے لئے نامعلوم۔ ۱۲ مترجم) (ت)

جزمی میں اصلا شبہ نہیں عـــہ، بایں وجہ اس کی نظر میں اس شے کا وجود شرط صحت وبراءت ذمہ

عـــہ: وانکان عارفا بخلاف ما فان سطوع ف انوار الحجج الالھیۃ ربما یبلغ عندہ مبلغا یقول اذا جاء نھر اللہ بطل نھر معقل وعن ھذا ربما اول القطعیات الاٰتیۃ علی خلاف ما عن لہ کما وقع لسیدنا ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی مسئلۃ الکنز وقولہ فی سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ ما قال مع القطعیات الواردۃ فی حق بدریین عموما والعشرۃ خصوصا رضی اللہ تعالٰی عنھم احسن الرضا وعن ھذا تری ائمتنا وغیرھم قائلین فی کثیر من الاجتھادیات المختلف فیھا بین الائمۃ ان ھذا مما لایسوغ الاجتھاد فیہ حتی ینقض القضاء بہ کحل

اگرچہ وہ جانتا ہو کہ اس میں کوئی خلاف بھی ہے اس لئے کہ خدا کی حجتوں کے انوار کی تابندگی بعض اوقات اس کی نظر میں اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ وہ کہتا ہے "جب خدا کی نہر آگئی تو معقل کی نہر بیکار ہو گئی" یہی سبب ہوتا ہے کہ بعض اوقات وہ ان قطعیات کی بھی تاویل کرتا ہے جو اس پر ظاہر شدہ مسئلہ کے خلاف آئے ہیں جیسے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مسئلہ کنز میں ہوا (جمہور صحابہ کرام کے نزدیک کنز وہ مال ہے جس میں فرض زکوۃ کی ادائیگی نہ ہوتی ہو، اور حضرت ابوذر کا قول یہ ہے کہ حاجت سے زیادہ جو بھی مال ہے وہ کنز ہے اسے رکھنے پر عذاب ہوگا، اس قول کے خلاف جو قطعیات وارد ہیں وُہ ان کی تاویل کرتے ہیں۔۱۲ مترجم) اور (مالدار صحابی) سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے بہت کچھ کہہ ڈالا باوجودیکہ اصحابِ بدر کے بارے میں عموماً اور عشرہ مبشرہ کے بارے میں خصوصًا بہت سی قطعی احادیث وارد ہیں، انہیں خدا برتر کی بہترین رضا وخوشنودی حاصل ہو۔ اور اسی وجہ سے آپ ہمارے ائمہ اور دوسرے حضرات کو دیکھیں گے (باقی برصفحہ آئندہ)

فـــ: جلیلہ: ربما یحصل للمجتھد القطع بما یری مع علم الخلاف۔

بمعنی عدم بقائے اشتغال قطعی ہے عـــہ، یعنی اگر وہ کسی عمل میں فرض ہو تو بے اس کے وہ عمل باطل محض ہو۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

متروك التسمية عمدا وغير ذلك فهو مع علم الخلاف جازم بالحكم ومع جزمه به منكر للا كفار بالخلاف والانكار وهذا الذى اشرت اليه علم عزيز عليك ان تحتفظ به فانه يحل باذن الله تعالٰى عقد حار فى حلها حائرون وبار بجهلها بائرون وَاللّٰهُ یَهۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾ [1] ۔

عـــہ: **اقول:** وزدت هذا لان قولهم ف مايفوت بفوته الجواز المراد فيه بالجواز الصحة

کہ وہ ائمہ کے درمیان بہت سے اختلافی اجتہادی مسائل میں کہتے ہیں کہ یہ ان احکام میں سے ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں یہاں تک کہ ان کے متعلق قضا باطل ہے جیسے اس مذبوح جانور کی حلت جسے ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا قصداً ترک کر دیا گیا ہو ۔ اور ایسے ہی دیگر مسائل تو مجتہد اختلاف کے باوجود حکم پر جزم رکھتا ہے اور جزم کے باوجود اس کے مخالف اور منکر کی تکفیر سے انکار کرتا ہے. یہ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا بہت نادر اور وقیع علم ہے جسے محفوظ رکھنا ضروری ہے۔ اس سے باذنِ الٰہی ایسے بہت عقدے حل ہو جاتے ہیں جن میں کچھ لوگ حیرت زدہ ہیں اور جن سے ناآشنائی کے باعث کچھ لوگ ہلاکت میں پڑے۔ اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اضافہ میں نے اس لئے کیا کہ علماء کے قول "فرض وہ ہے جس کے نہ ہونے سے جواز نہ ہو" میں جواز سے مراد صحت ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: تطفل على الكافى وغيره كثير من المعتبرات۔

[1] القرآن الكريم ۲/ ۲۱۳

مستقل مطلوب ہے تو بے اس کی براءت ذمہ نہ ہونے پر اسے جزم ہو تو فرض عملی ہے۔ اور اگر خود اس کی رائے میں بھی طلب جزمی جزمی نہیں تو واجب عملی، کہ بغیر اس کے حکم صحت حاصل اور براءت ذمہ محتمل۔ **وقد علم بذلك حد كل واحد منهما** (اس بیان سے ان میں سے ہر ایک کی تعریف معلوم ہو گئی۔ت) بحر الرائق میں ہے:

فی التحریر الفرض ما قطع بلزومه اه وعرفه فی الکافی بما یفوت الجواز بفوته وهو یشمل کل فرض بخلاف الاوّل اذ یخرج عنه المقدار فی مسح الرأس فانه فرض مع انه ثبت بظنی لکنه تعریف بالحکم موجب للدور۔ والظاهر من کلامهم فی الاصول والفروع ان المفروض علی نوعین:	تحریر میں ہے فرض وہ ہے جس کا لازم ہونا قطعی ہو۔اھ اور کافی میں اس کی یہ تعریف کی ہے کہ جس کے نہ ہونے سے عمل کا جواز نہ ہو۔ اور یہ تعریف ہر فرض کو شامل ہے، بخلاف تعریفِ اوّل کے، اس لئے کہ اس تعریف سے مسحِ سر کی مقدار خارج ہو جاتی ہے کیونکہ وہ فرض تو ہے مگر اس کا ثبوت دلیلِ قطعی سے نہیں بلکہ ظنی سے ہے۔ لیکن دوسری تعریف حکم کے ذریعہ تعریف ہے جو دَور کا باعث ہے اور اصول وفروع میں کلامِ عُلماء سے ظاہر یہ ہے کہ فرض کی دو قسمیں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لاالحل لفوته بفوت کل واجب ولو عملیا والشیئ قد یکون فرضا براسه وفوات الصحة انما کان یشمل الاول فزدت الاٰخر وفسرته بما مر لاخراج الواجب العملی فافهم۔

حلّت نہیں کیونکہ حلت تو کسی بھی واجب کے فقدان سے مفقود ہو جاتی ہے خواہ واجب عملی ہی ہو، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ عمل خود مستقلاً فرض ہو جاتا ہے اور یہ کہنا کہ جس کے نہ ہونے سے عمل کی صحت نہ ہو صرف اس فرض کو شامل ہے جو دوسرے عمل میں فرض ہو اس لئے میں نے "برات ذمہ" کا اضافہ کیا (تاکہ فرض مستقل بھی تعریف میں داخل ہو جائے) اور اس کی تفسیر "عدم بقائے اشتغال" سے کی تاکہ واجب عملی اس تعریف سے نکل جائے۔ تو اسے سمجھئے۔ (مزید توضیح آگے خود عبارتِ مصنّف میں موجود ہے۔ ۱۲ مترجم۔(ت)

(۱) قطعی و(۲) ظنّی ھوفی قوۃ القطعی فی العمل بحیث یفوت الجواز بفوتہ فالمقدر فی مسح الرأس من الثانی وعند الاطلاق ینصرف الی الاول لکمالہ والفارق بین الظنی القوی المثبت للفرض والظنی المثبت للواجب خصوص المقام ولیس اکفار جاحدالفرض لازمالہ وانما ھو حکم الفرض القطعی المعلوم من الدین بالضرورۃ۔ وذکر فی النھایۃ انہ یجوزان یکون الفرض فی مقدار المسح بمعنی الواجب لالتقائھما فی معنی اللزوم وتعقب بانہ مخالف لما اتفق علیہ الاصحاب اذ لاواجب فی الوضوء وقد یدفع بان الذی وقع الاتفاق علیہ ھوالواجب الذی لایفوت الجواز بفوتہ بل یحصل بترکہ النقصان والکلام ھنا فی الواجب الذی یفوت الجواز بفوتہ فلا مخالفۃ اھ مختصرا۔[1]

(۱) قطعی (۲) ظنی ایسا ظنی جو عمل میں قطعی کی حیثیت رکھتا ہے اس طرح کہ اس کے نہ ہونے سے بھی جوازِ عمل نہیں ہوتا۔ تو مسحِ سر کی مقررہ مقدار قسمِ دوم کے تحت ہے۔ اور فرضِ مطلق بولا جائے تو قسمِ اوّل کی طرف راجع ہوتا ہے اس لئے کہ کامل وہی ہے۔ اور دلیلِ ظنی قوی جس سے فرض کا ثبوت ہوتا ہے اور دلیلِ ظنی جس سے واجب کا ثبوت ہوتا ہے دونوں میں فرق خصوصیتِ مقام سے ہوتا ہے۔ اور منکر کی تکفیر ہر فرض کا حکمِ لازم نہیں بلکہ یہ صرف فرض قطعی کا حکم ہے جس کا دین میں ہونا بالضرورۃ معلوم ہے۔ نہایہ میں مذکور ہے کہ ہو سکتا ہے مقدار مسح میں فرض بمعنی واجب ہو اس مناسبت سے کہ لزوم کا معنٰی دونوں ہی کو شامل ہے۔ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ بات حنفیّہ کے اس متفقہ قول کے بر خلاف ہے کہ "وضو میں کوئی واجب نہیں" اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے کہ جس کے نہ ہونے پر اتفاق ہے وہ واجب، وہ ہے جس کے فقدان سے صحت وجواز مفقود نہ ہو بلکہ جس کے ترک سے عمل میں نقص و کمی آجائے اور یہاں اس واجب سے متعلق گفتگو ہے جس کے فقدان سے جواز مفقود ہو جائے۔ لہٰذا کلامِ نہایہ اتفاقِ حنفیّہ کے خلاف نہیں اھ مختصرًا۔

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰

علامہ سید طحطاوی نے حاشیہ در مختار میں عبارت مذکور لفظ خصوص المقام تک نقل کرکے فرمایا:

وفی النھر ما یفیدان دلیل الفرض العملی اقوی اھ[1]	اور نہر سے مستفاد ہوتا ہے کہ فرض عملی کی دلیل (واجب کی بہ نسبت) زیادہ قوی ہوتی ہے اھ
اقول؛ ھذا ف مستفاد من البحر ایضا لقولہ و الفارق بین الظنی القوی المثبت للواجب فوصف الاول بالقوی دون الاٰخر ولم یرد ان الدلیلین لایکون الاعلی حد سواء فی القوۃ ثم یظھر افادۃ الافتراض بخصوص المقام وای خصوص یفیدہ بعد مالم یظھر فی الدلیل قوۃ فوق مایفید الوجوب وانما اراد ان بخصوص المقام وحفوف القرائن وامور تظھر للمجتھد یتقوی الظنی قوۃ تکاد تبلغہ درجۃ القطعی فھذا الدلیل الا قوی یثبت الفرض العملی ھذا تقریر کلامہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بھی بحر ہی سے ہی سے مستفاد ہے، اس لئے کہ اس میں لکھا ہے: "فرض کو ثابت کرنے والی دلیل ظنی قوی اور واجب کو ثابت کرنے والی دلیل ظنی میں فرق خصوصیتِ مقام سے ہوتا ہے" تو اوّل کو قوی سے موصوف کیا اور دوم کو نہ کیا۔ اور ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ قوت میں دونوں دلیلیں بالکل برابر ہوں گی پھر مقام کی خصوصیت سے فرضیت مستفاد ہو گی۔ جب دلیل میں افادہ وجوب کرنے والی دلیل سے زیادہ کوئی قوت ہی نہ ہو تو پھر کون سی خصوصیت رہ جاتی ہے جس سے فرضیت مستفاد ہو ان کی مراد یہی ہے کہ مقام کی خصوصیت، قرائن کے ہجوم اور مجتہد پر منکشف ہونے والے امور سے دلیل ظنی کو ایسی قوت مل جاتی ہے کہ وہ تقریبًا قطعی کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ اسی قوی تر دلیل سے فرض عملی کا ثبوت ہوتا ہے۔ یہ کلام بحر کی تقریر ہوئی۔

ف: معروضۃ علی السید الطحطاوی۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطھارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۶۱

وانا [ف ۱] [۹۸] **اقول**: وبالله التوفیق بل القطع [ف ۲] علی ثلثة اوجه:قطع عام یشترك فیه الخواص والعوام وهو الحاصل فی ضروریات الدین۔ وخاص یختص بمن مارس العلم وهو الحاصل فی سائر الفرائض الاعتقادیة المجمع علیها۔ الثالث قطع اخص یختلف فی حصوله العلماء۔کما اختلف فی حصول الثانی العوام والعلماء فربما یؤدی ذهن عالم الی قرائن هجمت وحفت فرفعت عنده الظنی الی منصة الیقین ولا تظهر ذلك لغیره او تظهر فتظهرله معارضات تردها الی المرتبة الاولٰی من الظن واعتبره بمسئلة سمعها صحابی من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم شفاها وبلغ غیره باخباره فهو قطعی عنده ظنی عندهم۔	اور **میں کہتا ہوں**۔ وبالله التوفیق ۔بلکہ قطعیت کی تین صورتیں ہیں (۱)عام قطعیت جس میں عوام و خواص سب شریک ہوں ، یہ ضروریاتِ دین میں ہوتی ہے ۔(۲)خاص قطعیت جو علم سے شغف رکھنے والوں کے ساتھ خاص ہے، یہ وہ ہے جو دیگر اجماعی فرائضِ اعتقادیہ میں ہوتی ہے ۔(۳)اخص قطعیت ، جس کا حصول عُلماء میں کسی کو ہوتا ہے کسی کو نہیں ہوتا ، اس لحاظ سے ان کے درمیان باہم فرق ہوتا ہے ، جیسے قسم دوم کے حاصل ہونے میں عوام اور علماء کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ بارہاایسا ہوتا ہے کہ ایک عالم کا ذہن کچھ ایسے قرائن پالیتا ہے جو دلیل کے گرد احاطہ و ہجوم کئے ہیں جن کے باعث اس کے نزدیک وہ دلیل ظنی درجہ یقین تک پہنچ جاتی ہے اور وہ قرائن دوسرے عالم پر عیاں نہیں ہوتے یا عیاں ہوتے ہیں تو ان کے کچھ معارض قرائن بھی اس کے سامنے جلوہ نما ہوتے ہیں جو دلیل کو پھر اسی درجہ ظن پر لوٹا دیتے ہیں۔اسے یوں سمجھئے کہ ایک مسئلہ ہے جسے کسی صحابی نے خود زبان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنا اور دوسروں کو اس صحابی کے بتانے سے معلوم ہوا تو اس

ف ۱: [۳] تطفل علی الکافی وغیرہ کثیر من المعتبرات۔

ف ۲:تحقیق المصنف ان القطع علی ثلثة اقسام۔

فالمجتھد لایثبت الافتراض الابما حصل له القطع به فانکان العلماء کلھم قاطعین به کان فرضا اعتقادیا وانکان قطعًا خاصًا بھذا المجتھد کان فرضا عملیا ھذا ماظھرلی وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی والیه اشرت فیما قررت فاعرف۔	صحابی کے نزدیک وہ قطعی ہے اور دوسروں کے نزدیک ظنی ہے۔تو مجتہد فرضیت کا اثبات اسی دلیل سے کرتا ہے جس کے متعلق اسے قطعیت حاصل ہو چکی ہے۔اگر یہی قطعیت تمام علماء کے نزدیک حاصل ہے تو وہ فرضِ اعتقادی ہے اور اگر یہ قطعیت خاص اسی مجتہد کو حاصل ہے تو اس کے نزدیک وہ فرضِ عملی ہے۔یہ وہ ہے جو مجھ پر منکشف ہوا،اور امید رکھتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہوگا،اسی کی طرف میں نے اپنی تقریر بالا میں اشارہ کیا ہے۔تو اس سے باخبر رہیے۔(ت)

علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں کلام مذکور بحر کے مؤیدات عبارات نہایہ وشرح قہستانی سے نقل کرکے فرمایا:

ولا یخفی مخالفته لما اطبق علیه الاصولیون من ان الفرض ماثبت بدلیل قطعی لاشبھة فیه [1]	مخفی نہیں کہ یہ اس کے برخلاف ہے جس پر اہلِ اصول کا اتفاق ہے کہ "فرض وُہ ہے جو ایسی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو جس میں کوئی شبہہ نہ ہو۔(ت)

پھر اصول بزدوی کی عبارت ذکر کی اور مغنی ومنتخب وتنقیح وتلویح وتحریر ومنار وغیرہا کا حوالہ دیا ہے۔

۹اقول: وھذا ف بعید من مثله رحمه اللہ تعالٰی فھٰذا اصطلاح فقھی ولایقضی علیه اصطلاح	اقول: ایسا اعتراض علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جیسی شخصیت سے بعید ہے۔کیونکہ یہ ایک فقہی اصطلاح ہے جس کے خلاف خاص اصولی

ف: ۴معروضۃ علی منحۃ الخالق۔

---

1 منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰

خاص اصولی مع انه هوالناقل هٰهناوفی ردالمحتار عن التلویح ان استعمال الفرض فیما ثبت بظنی والواجب فیما ثبت بقطعی شائع مستفیض کقولهم الوتر واجب فرض وتعدیل الارکان فرض ونحو ذلك یسمی فرض عملیا فلفظ الواجب یقع علی ما هو فرض علما وعملا کصلاة الفجر وعلی ظنی هو فی قوة الفرض فی العمل کالوترحتی یمنع تذکره صحة الفجر کتذکر العشاء وعلی ظنی هو دون الفرض فی العمل وفوق السنة کتعیین الفاتحة حتی لا تفسد الصلاة بترکها لکن تجب سجدة السهواه[1] ثم لعله لامساغ للشبهة اصلا فیما قررت فان الفرض لم یثبت عن المجتهد الا بدلیل قطعی عنده وان لم یکن کذلك عند غیره فافهم۔	اصطلاح سے فیصلہ نہیں ہو سکتا، باوجودیکہ خود علامہ شامی ہی یہاں (منحۃ الخالق میں) اور ردالمحتار میں تلویح سے ناقل ہیں کہ دلیل ظنی سے ثابت شدہ میں فرض، اور قطعی سے ثابت شدہ میں واجب کا استعمال رائج اور مشہور ہے جیسے کہتے ہیں: وتر واجب فرض ہے، تعدیلِ ارکان فرض ہے اور اس کے مثل کو فرضِ عملی کہا جاتا ہے۔ تو لفظ واجب کا اطلاق ایک تو اس چیز پر ہوتا ہے۔ جو اعتقاد اور عملا دونوں طرح فرض ہے جیسے نمازِ فجر، اور اس ظنی پر بھی ہوتا ہے جو عمل میں فرض کی حیثیت رکھتا ہے جیسے نمازِ وتر یہاں تک کہ یاد آجائے کہ وتر نہ پڑھے تھے تو اسے ادا کئے بغیر فجر پڑھنا درست نہیں جیسے عشاء نہ پڑھنا یاد آجائے تو فجر نہیں ہو سکتی۔ اور (واجب کا اطلاق) اس ظنی پر بھی ہوتا ہے جو عمل میں فرض سے فروتر اور سنّت سے بالاتر ہے جیسے قرأت نماز میں سورہ فاتحہ کی تعیین کہ اسکے ترک سے نماز فاسد نہیں ہوتی مگر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ اھ علاوہ ازیں امید ہے کہ میری تقریر میں اس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ (تقریر مذکور کے مطابق) مجتہد کے نزدیک فرض کا ثبوت ایسی ہی دلیل سے ہے جو اس کے نزدیک قطعی ہے اگرچہ دوسرے کے نزدیک وہ دلیل ایسی نہ ہو تو اسے سمجھئے۔ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰، ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی الفرض القطعی والظنی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۴

درمختار میں ہے:

الفرض ما قطع بلزومه حتی یکفر جاحده کاصل مسح الرأس وقد یطلق علی العملی وهو ماتفوت الصحة بفواته کالمقدار الاجتهادی فی الفروض فلا یکفر جاحده[1]۔	فرض وہ ہے جس کالازم ہونا قطعی ہو یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہو جائے گا جیسے اصل مسحِ سر اور فرض کبھی عملی کو بھی کہا جاتا ہے اور یہ وہ ہے جس کے نہ ہونے سے صحت نہ ہو جیسے فرائض میں اجتہاد سے مقرر شدہ مقدار میں، تو اس کا منکر کافر نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول: بیان ذلك ان الادلة السمعیة اربعة: ۱الاول قطعی الثبوت والدلالة کنصوص القراٰن المفسرة والمحکمة والسنة المتواترة التی مفهومها قطعی۔ ۲الثانی قطعی الثبوت ظنی الدلالة کالاٰیات المؤولة۔ ۳الثالث عکسه کاخبار الاٰحاد التی مفهومها قطعی۔ ۴الرابع ظنیهما کاخبار الاٰحاد التی مفهومها ظنی۔	**میں کہتا ہوں** اس کا بیان یہ ہے کہ سمعی دلیلیں چار قسم کی ہیں - (۱) وہ دلیل جو ثبوت اور دلالت دونوں میں قطعی ہو (ایک توخود وہ یقینی طور پر ثابت ہو، دوسرے یہ کہ معنی مطلوب پر اس کی دلالت اور اس سے مقصود کا اثبات بھی قطعی و یقینی ہو) جیسے قرآنِ کریم کے مفسَّر محکم نصوص اور وہ حدیث متواتر جس کا معنی قطعی ہے۔ (۲) وہ دلیل جو ثبوت میں قطعی اور دلالت میں ظنی ہو۔ جیسے وہ آیات جن کے معنی میں تاویل کی گئی ہے (۳) اس کے بر عکس (وُہ دلیل جو ثبوت میں ظنی اور دلالت میں قطعی ہو) جیسے وہ احادیثِ آحاد جن کا معنی قطعی ہے۔ (۴) وہ دلیل جو ثبوت و اثبات دونوں میں ظنی ہو، جیسے وہ اخبار آحاد جن کا معنی ظنی ہے۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸

فبالاول یثبت الفرض والحرام، وبالثانی والثالث الواجب وکراهة التحریم وبالرابع السنت والمستحب۔ثم ان المجتهد قد یقوی عنده الدلیل الظنی حتی یصیر قریبا عنده من القطعی فما ثبت به یسمیه فرضا عملیا لانه یعامل معاملة الفرض فی وجوب العمل ویسمی واجبا نظر ا الٰی ظنیة دلیله فهو اقوی نوعی الواجب واضعف نوعی الفرض بل قد یصل خبرالواحد عنده الٰی حد القطعی ولذا قالوا انه اذا کان متلقی بالقبول جاز اثبات الرکن به حتی تثبت رکنیة الوقوف بعرفات بقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الحج عرفة[1]۔	قسم اوّل سے فرض و حرام، دوم و سوم سے واجب و کراہت تحریم اور چہارم سے سنّت و مستحب کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر مجتہد کی نظر میں دلیل ظنی کبھی اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ اس کے نزدیک وہ قطعی کے قریب پہنچ جاتی ہے تو ایسی دلیل سے جو حکم ثابت ہوتا ہے اسے وہ "فرض عملی" کہتا ہے۔ کیونکہ وجوبِ عمل کے بارے میں اس کے ساتھ فرض کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور اسے اس کی دلیل کی ظنیت کا لحاظ کرتے ہوئے واجب بھی کہا جاتا ہے۔ تو یہ واجب کی دونوں قسموں (اعتقادی و عملی) میں سے اقوی اور فرض کی دونوں قسموں (اعتقادی و عملی) میں سے اضعف ہے۔ بلکہ مجتہد کے نزدیک کبھی خبرِ واحد بھی قطعی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ خبرِ واحد جب قبول مجتہدین سے سرفراز ہو تو اس سے رکنیت کا بھی اثبات ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرفات میں وقوف کی رکنیت حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد "الحج عرفة" (حج وقوفِ عرفہ ہے) سے ثابت ہوئی۔ (ت)

اس کے بعد عبارۃ مذکورہ تلویح نقل فرمائی۔

اقول: هذا الکلام کله مذکور فی الطحطاوی عن النهر بمحصله سوی ما افاد بقوله بل قد یصل الخ	**اقول:** اس پورے کلام کا مضمون اور حاصل حاشیہ طحطاوی میں النہر الفائق کے حوالے سے مذکور ہے سوا اس مضمون کے جو آخر میں ان الفاظ

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی الفرض القطعی والظنی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۴

وھو کلام کاف من ابداء الفرق فی الفرض والواجب العملیین وصدرہ وانکان علی سنن ما قالہ البحر حیث قال قریبا من القطعی فاٰخرہ وذکر حدیث عرفۃ ناظر الی التحقیق الذی نحوت الیہ وباللہ التوفیق۔

لکن فی مطاویہ ابحاث طوال یخرج الا ستر سال فیہ عن قصد المقال بیدانہ ف۱ لاینبغی اخلاء المقام عن افادۃ ان ماذکر تبعا للطحطاوی والنھر وکثیرین من الفارق بین الوجوب وبین السنیۃ والاستحباب من ان ثبوت الاول بما فیہ ظنیۃ فی احد طرفی الثبوت والاثبات والاخرین بما فیہ ظنیۃ فی کلیھما غیر مسلم ولا صواب کیف ف۲ وحفوف الظن بکلا الطرفین لاینزل الطلب عن المظنونیۃ

سے بیان کیا ہے کہ "بلکہ مجتہد کے نزدیک کبھی خبر واحد بھی قطعی کی حد تک پہنچ جاتی ہے "الخ۔ یہ کلام فرضِ عملی اور واجبِ عملی کے فرق کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ اور اس کا ابتدائی حصّہ اگرچہ کلامِ بحر ہی کے طرز پر ہے کہ یہ کہا کہ "مجتہد کے نزدیک کبھی دلیل ظنی قطعی کے قریب" پہنچ جاتی ہے مگر آخری حصّہ اور حدیث عرفہ کا تذکرہ اسی تحقیق کی طرف ناظر ہے جو میں نے اختیار کی۔ اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ہے۔

لیکن اس کلام کی تہ میں کچھ ایسی لمبی بحثیں ہیں جن میں عنانِ قلم کو آزادی ملے تو ہم اصل مقصود سے دُور نکل جائیں مگر اس جگہ کم از کم اتنا بتا دینا نا مناسب نہ ہوگا کہ علامہ شامی نے طحطاوی اور صاحبِ نہر کی تبعیت میں وجوب کے درمیان اور سنیت واستحباب کے درمیان جو فرق ذکر کیا ہے کہ وجوب کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں ظنیت ہو اور سنیت واستحباب کا ثبوت ایسی دلیل سے ہوتا ہے جس کے ثبوت اور اثبات دونوں میں ظنیت ہو، یہ فرق نہ تو قابل تسلیم ہے نہ بجائے خود صحیح ودرست ہے اور یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے جب کہ ثبوت واثبات دونوں

ف۱: تطفل علی النھر الفائق والطحطاوی ورد المحتار وکثیرین۔

ف۲: تحقیق ان الدلیل الظنی والاثبات معا ھل یثبت الوجوب ام الاستنان۔

والرجحان وھو ملاك امر الوجوب لاغیر وانما الفرق بین الفریقین بنفس الطلب فقد یکون حتمیا ویفیدا الوجوب عندالظنیة ثبوتا او اثباتا اومعاوقد یکون ندبیا ترغیبیا فیفید السنیة اوالاستحباب ولو کان قطعیا یقینیا ثبوتا واثباتا فان القطع انما حصل علی الترغیب والارشاد دون الطلب الجازم من غیران یبقی فیه للمکلف خیار وھذا ظاھر جدا ھذا ما ظھر للعبد الضعیف۔

ثم رأیت المحقق حیث اطلق افاد فی الفتح ماجنحت الیه واومی الی ماعولت علیه حیث قال بعدما بحث وجوب التسمیة فی الوضوء فان قیل یرد علیه ما قالوہ من ان الادلة السمعیة علٰی اربعة اقسام الرابع ماھو ظنی الثبوت والدلالة وحکمه افادة السنیة والاستحباب

کو اگر ظن نے احاطہ کر رکھا ہے تو اس کی وجہ سے طلب (بجا آوری کا مطالبہ) تو مظنونیت اور رجحان کے درجہ سے فروتر نہیں ہو جاتی۔ اور وجوب کا مدار اسی پر ہے کسی اور پر نہیں۔ دونوں فریقوں (ایک واجب اور دوسرا سنیت و استحباب) میں فرق صرف "طلب" سے ہوتا ہے۔ طلب کبھی حتمی ہوتی ہے اور وجوب کا افادہ کرتی ہے اگر ثبوت یا اثبات دونوں ظنی ہوں اور کبھی ندبی اور ترغیبی ہوتی ہے تو سنیت یا استحباب کا افادہ کرتی ہے اگرچہ ثبوت اور اثبات دونوں میں قطعی و یقینی ہوں۔ اس لئے کہ قطعیت ترغیب و ارشاد ہی سے متعلق حاصل ہوئی ہے۔ طلب جزمی سے متعلق نہیں کہ اس میں مکلّف کے لئے کوئی اختیار باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ بہت واضح ہے۔ یہ بندہ ضعیف پر ظاہر ہوا۔

پھر میں نے دیکھا کہ فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق (علامہ ابن ہمام) نے اس بات کا افادہ فرمایا ہے جس کی طرف میرا رجحان ہوا اور اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جس پر میں نے اعتماد کیا۔ انھوں نے وضو میں وجوبِ تسمیہ کی بحث کرنے کے بعد لکھا ہے: اگر کہا جائے کہ اس پر اس سے اعتراض ہوتا ہے جو علماء نے فرمایا ہے کہ دلائل سمعیہ کی چار قسمیں ہیں، چوتھی قسم وہ دلیل جو ثبوت اور دلالت دونوں میں ظنی ہو اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے سنیت اور استحباب کا

وجعلوا منه خبرالتسمية (يعنى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لاوضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه [1] فانه مع احاديثه يحتمل نفى الفضيلة قال) وصرح بعضهم بان وجوب الفاتحة ليس من قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لاصلاة الا بفاتحة الكتاب بل بالمواظبة من غير ترك لذلك فالجواب ان ارادوا بظنى الدلالة مشتركها سلمنا الاصل المذكور۔	افادہ ہوتا ہے اور علماء نے حدیثِ تسمیہ کو بھی اسی قسم سے قرار دیا ہے (یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اس کا وضو نہیں جس نے وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ اس لئے کہ اس حدیث کا ثبوت ظنی ہے کیونکہ خبر واحد ہے اور وجوب پر اس کی دلالت بھی ظنی ہے اس لئے کہ اس مضمون میں اس معنٰی کا احتمال ہے کہ اس کا وضو کامل وافضل نہیں جس نے تسمیہ نہ پڑھی) اور بعض حضرات نے صراحت کی ہے کہ نماز میں قراتِ فاتحہ کا وجوب سرکارِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد "لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب" (نماز نہیں مگر فاتحۃ الکتاب سے) سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس پر سرکار نے مداومت فرمائی اور نماز میں اس کی قرات کبھی ترک نہ کی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ ہمیں تسلیم ہے اگر ظنی الدلالۃ سے مراد مشترک الدلالۃ ہو۔ (یعنی یہ کہ دلیل میں دو یا زیادہ معانی نکلتے ہیں اور کسی معنی کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک میں شک ہے۔ ۱۲ مترجم)
(اى فان الوجوب لايثبت بالشك) "**اقول:** بل لو كان الشك فى احد طرفى الثبوت و الاثبات لكفى لتنزيله عن	(یعنی اس لئے کہ وجوب شک سے ثابت نہیں ہوتا۔) **اقول:** بلکہ شک اگر ثبوت اور اثبات دونوں میں سے ایک ہی میں ہو تو بھی وہ دلیل کو اثبات وجوب کے درجہ سے نیچے لانے کے لئے

[1] الجامع الترمذی باب ماجاء فی التسمیۃ عندالوضوء حدیث ۲۵ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۰۱

مرتبۃ اثبات الایجاب۔**ثم** [۳]**اقول**: غیر ان ھذا ف[۱] الاحتمال لامساغ لہ فی کلامھم بعد ملاحظۃ المقابلات اعنی ان ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ والعکس یثبتان الوجوب فلیس المراد بالظن الاالمصطلح۔(قال) ومنعنا کون الخبرین من ذلك بل نفی الکمال فیھما احتمال یقابلہ الظھور (ای فلیس مشکوکا بل موھوما قال) فان النفی ف[۲] متسلط علی الوضوء والصلاۃ فیھما فان قلنا النفی لایتلسط علی نفس الجنس بل ینصرف الی حکمہ وجب اعتبارہ فی الحکم الذی ھوالصّحۃ فانہ المجاز الاقرب الی الحقیقۃ وان قلنا یتسلط ھنا علی الجنس لانھا حقائق شرعیۃ فینتفی شرعا بعدم الاعتبار

کافی ہے۔ **ثم اقول**: مگر فقہاء کے کلام میں ظنی الدلالۃ بمعنی مشترک الدلالۃ ہونے کا کوئی احتمال نہیں ہو سکتا جب کہ یہ ملاحظہ کر لیا جائے کہ وہ ظنی بمقابلہ قطعی بول رہے ہیں ۔دیکھئے وہ یوں کہتے ہیں : دلیل ثبوت میں ظنی ، دلالت میں قطعی ہو یااس کے بر عکس ثبوت میں قطعی ، دلالت میں ظنی ہو تواس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظن سے مراد وہی ظنِّ اصطلاحی ہے۔آگے فرماتے ہیں مگر ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ تسمیہ اور فاتحہ سے متعلق دونوں حدیثیں ظنی بمعنی مشترک ہیں (اوران میں نفی صحت اور نفیِ کمال دونوں معنی پر یکساں دلالت ہونے اور کسی کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک میں شک ہے۔ ۱۲م) بلکہ (نفی صحت کا معنی ظاہر و متبادر ہے۔ ۱۲م) نفیِ کمال کا احتمال ایسا ہے کہ ظاہر اس کی مخالفت کر رہا ہے (مقصد یہ ہے کہ اب یہ احتمال مشکوک نہیں بلکہ اس سے بھی فروتر محض موہوم ہو گا) اس لئے کہ حدیث "لا وضوء "اور حدیث "لاصلوٰۃ"میں نفی وضواور نماز پر وارد ہے۔اب اگر ہم یہ کہیں کہ نفی خود جنس کی نہیں ہوتی بلکہ اس کے حکم کی ہوتی ہے تو نفی اس کے حکم یعنی صحّت میں ماننا ہو گا کیونکہ نفی صحت ہی

ف۱: [۶]تطفل علی فتح القدیر۔

ف۲: نحوہ لاصلوٰۃ ظاھرہ نفی الصحۃ لا الکمال۔

شرعاً وان وجدت حسا فاظهر فی المراد فنفی الکمال علی کلا الوجهین احتمال خلاف الظاهر لایصار الیه الابدلیل۔	وہ مجاز ہے جو حقیقت سے قریب تر ہے (اب حاصل یہ ہوگا کہ بغیر تسمیہ وضو نہیں یعنی صحتِ وضو نہیں اور بغیر فاتحہ نماز نہیں یعنی صحتِ نماز نہیں ۱۲م) اور اگر ہم یہ کہیں کہ نفی یہاں خود جنس کی ہو رہی ہے اس لئے کہ وضو اور نماز یہ سب حقائق شرعیہ ہیں اور جب شرعاً ان کا اعتبار نہ ہوگا تو یہ شرعی طور پر بے ثبوت اور معدوم ہونگی اگرچہ حسّی طور پر موجود ہوں (اب معنی یہ ہوگا کہ بے تسمیہ کے وضو کا اور بے فاتحہ کے نماز کا، شریعت میں وجود و ثبوت ہی نہیں ۱۲م) تو اس تقدیر پر مراد اور زیادہ ظاہر واضح ہے۔اور دونوں تقدیروں پر نفی کمال کا احتمال خلافِ ظاہر ہے جس کی طرف بغیر کسی دلیل کے رجوع نہیں کیا جاسکتا۔
وان ارادو به مافیه احتمال ولو مرجوحا منعنا صحة الاصل المذکور (ای اثباته ح السنیة والندب لاالوجوب بل یثبت الوجوب لحصول الترجیح وان تطرق الظن الی الطرفین جمیعا قال) واسندناه بان الظن واجب الاتباع فی الادلة الشرعیة الاجتهادیة وهو متعلق بالاحتمال الراجح فیجب اعتبار متعلقه وعلی هذا	اور اگر ظنی الدلالۃ سے یہ مراد ہے کہ وہ دلیل جس میں کوئی بھی احتمال ہو، خواہ وہ مرجوح ہی ہو تو ہمیں قاعدہ مذکور تسلیم نہیں (یعنی یہ کہ ایسی دلیل سے صرف سنیت اور استحباب کا ثبوت ہوگا، وجوب کا ثبوت نہ ہوگا بلکہ اس سے وجوب ہی کا ثبوت ہوگا کیونکہ ترجیح حاصل ہے اگرچہ ثبوت اور دلالت دونوں میں ظن کا دخل ہوگیا ہے۔آگے فرماتے ہیں:) اور اس کی سند میں ہم یہ کہیں گے کہ شریعت کے اجتہادی دلیلوں میں ظن کا اتباع واجب ہے۔وہ احتمالِ راجح سے متعلق ہوتا ہے تو اس کے متعلق (احتمال راجح) کو ماننا واجب ہے اسی کو

مشی المصنّف رحمہ اللہ تعالٰی فی خبر الفاتحۃ حیث قال بعد ذکرہ من طرف الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی ولنا قولہ تعالٰی فاقرء واما تیسر من القرٰان والزیادۃ علیہ بخبر الواحد لاتجوز لکنہ یوجب العمل فقلنا بوجوبھا وھذا ھو الصواب[1] اھ مزیدا منا مابین الاھلۃ۔	مصنف (صاحبِ ہدایہ) رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حدیث فاتحہ میں اختیار کیا ہے اس طرح کہ اس حدیث کے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے طرق سے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: اور ہماری دلیل باری تعالٰی کا یہ ارشاد ہے کہ "قرآن سے جو میسر آئے پڑھو" اس پر خبرِ واحد سے اضافہ نہیں ہو سکتا لیکن خبرِ واحد سے عمل کا وجوب ثابت ہوتا ہے اس لئے ہم نماز میں قراءتِ فاتحہ کے وجوب کے قائل ہوئے اور یہی صحیح ہے۔اھ۔ فتح القدیر کی عبارت قوسین کے درمیان ہمارے (امام احمد رضا بریلوی) اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔ (اور جہاں مترجم کا اضافہ ہے وہاں یہ علامت بنادی گئی ہے: ۱۲م)
۳ **اقول:** وتحرر ف مما تقرران الادلۃ السمعیۃ تسعۃ اقسام لان لھا طرفین الثبوت والاثبات وکل علی ثلثۃ وجوہ القطع والظن والشک۔	**اقول:** گزشتہ تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دلائل سمعیہ کی نو قسمیں ہیں۔ اس لئے کہ ان میں دو جانب ہیں: ۱ثبوت ۲اثبات۔ اور ہر ایک میں تین صورتیں ہیں: ۱یقین ۲ظن ۳شک۔ (اس طرح کل نو صورتیں ہوئیں۔ ثبوت قطعی ہو اور اثبات قطعی یا ظنی یا شکی۔ ثبوت ظنی ہو اور اثبات قطعی یا ظنی یا شکی۔ ثبوت شکّی ہو اور اثبات قطعی یا ظنی یا شکی۔ ۱۲م)

ف: التحقیق الاجمالی للمصنف ان الادلۃ فی اثبات الفرض ومادونہ تسعۃ اقسام۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۱

خمسة منها وهی ما فی احد طرفیها شك لایثبت فوق سنیة اوندب وان اشتملت علی طلب جازم والاربعة البواقی کذلك ان اشتملت علی طلب غیر جازم و الا فانکان کلا الطرفین قطعیا ثبت الافتراض والا فالوجوب۔	ان میں پانچ صورتیں ہیں جن سے سنّیت یا ندب سے زیادہ ثابت نہیں ہوتا۔ یہ وہ ہیں جن کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں شک ہو اگرچہ وہ طلب جزمی پر مشتمل ہوں۔ اور باقی چار صورتوں کا بھی یہی حال ہے اگر وہ طلب غیر جزمی پر مشتمل ہوں۔ اور اگر ایسا نہ ہو (بلکہ طلب جزمی پر مشتمل ہوں) تو اگر ثبوت واثبات دونوں قطعی ہیں تو اس سے فرضیّت ثابت ہو گی ورنہ وجوب ثابت ہو گا۔
ثم الظاهر ف ان السنیة لاتثبت بالشك بل هو المتعین والالزم التقول علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بمجرد شك واحتمال ولذا افاد المحقق فی الفتح وتلمیذه فی الحلیة ان الاستنان لایثبت بالحدیث الضعیف حیث حقق فی الفتح ان غسل الجمعة مستحب لاسنة ثم قال یقاس علیه باقی الاغتسال (ای غسل العیدین والعرفة والاحرام) وانما یتعدی الی الفرع حکم الاصل وهو الاستحباب اما ماروی ابن ماجة کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغتسل یوم	پھر ظاہر۔ بلکہ متعین۔ یہ ہے کہ سنیت شک سے ثابت نہیں ہوتی، ورنہ محض شک واحتمال کی وجہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف زبردستی کسی قول کا انتساب لازم آئے گا۔ اسی لئے حضرت محقق نے فتح القدیر میں اور ان کے تلمیذ نے حلیہ میں افادہ کیا ہے کہ سنیت حدیث ضعیف سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس طرح کہ فتح القدیر میں یہ تحقیق فرمائی ہے کہ غسل جمعہ مستحب ہے، سُنت نہیں۔ پھر آگے لکھا ہے: اسی پر باقی غسل (یعنی عیدین، عرفہ اور احرام کے غسل کا قیاس ہوگا) اور فرع کی جانب اصل ہی کا حکم آئے گا اور وہ استحباب ہے۔ رہی وہ حدیث جو ابنِ ماجہ نے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید کے دن غسل فرماتے تھے، اور

ف: بالحدیث الضعیف یثبت الاستحباب دون الاستنان۔

العیدین و عن الفاکه بن سعد الصحابی انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان یغتسل یوم عرفة ویوم النحر ویوم الفطر فضعیفان قاله النووی وغیره[1] اھ۔ فافادان ضعفهما یقعدهما عن افادة الاستنان وکذالك قال فی الحلیة بعد ماذکر استنان غسل الجمعة مانصه واستنان غسل العیدین ان قلنا بان تعدد الطرق الواردة فیه تبلغ درجة الحسن والا فالندب[2] اھ وقد الممنا بطرف من تحقیق هذا فی رسالتنا ف الهاد الکاف فی حکم الضعاف وایضًا حققنا فیها بمالا مزید علیه ان الاستحباب یثبت بالحدیث الضعیف۔ **ثم ۱۴ اقول:** الشك فی الاثبات	فاکِہ بن سعد صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روزِ عرفہ، روزِ عید قربان اور روزِ عید الفطر غسل فرماتے تھے۔ تو یہ حدیثیں ضعیف ہیں، جیسا کہ امام نووی وغیرہ نے فرمایا، اھ۔ حضرت محقق کے اس کلام سے مستفاد ہوا کہ دونوں حدیثیں چونکہ ضعیف ہیں اس لئے افادہ سنیت سے قاصر ہیں۔ اسی طرح حلیہ میں غسلِ جمعہ کا مسنون ہونا ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں "اور غسل عیدین کا سنت ہونا ثابت ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ اس بارے میں حدیث کے جو متعدد طرق وارد ہیں وہ اسے درجہ حسن تک پہنچادیتے ہیں ورنہ وہ مندوب ہوگا، اھ۔ ہم نے اس کی کچھ تحقیق اپنے رسالہ "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" میں رقم کی ہے۔ اور اس میں حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہونے کی ایسی تحقیق کی ہے جس پر اضافے کی گنجائش نہیں۔ **ثم اقول:** اثبات میں شک بھی ویسے

ف: رسالہ ہذا فتاوی رضویہ جلد پنجم مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور میں موجود ہے، اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین" میں افادہ شانزدہم سے افادہ بست وسوم (آٹھ افادات) کو "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" سے موسوم کیا ہے۔

[1] فتح القدیر کتاب الطهارۃ فصل فی الغسل دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ / ۷۰

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مثل الشك فی الثبوت فاذن الاوضح ف الاجمع الاشمل الاکمل ان نقول النصوص الطلبية علی ثلثة اقسام:

(۱) مافيه طلب ترغيب مجردًا (۲) اومع تاکيد (۳) اوطلب جازم۔

وکل منها علیٰ تسعة اقسام کما قدمت فھی سبعة وعشرون قسما لا يثبت الافتراض منها الاواحد وھو يقينی الثبوت والاثبات مع الطلب الجازم وثلثة تفيد الوجوب وھو ظنی الثبوت اوالاثبات اوکليهما مع الطلب الجازم فی الکل واربعة تفيد الاستنان وھی نظائر ماتفيد الفرضية والوجوب فی الثبوت والاثبات بيدان الطلب فيها مؤکد غير جازم والبواقی وھی تسعة عشر تفيد الندب وھی التی فی احد طرفيها شك ولوالطلب جازما اوکان الطلب فيها طلب

ہی ہے جیسے ثبوت میں شک۔ تواب زیادہ واضح، جامع، کامل اور ہمہ گیر تقسیم یُوں ہوگی کہ ہم کہیں: وہ نصوص جو کسی عمل کی طلب پر مشتمل ہیں ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) وہ جن میں بلاتاکید صرف ترغیبًا مطالبہ ہو۔ (۲) وہ جن میں ترغیب کے ساتھ تاکید بھی ہو۔ (۳) وہ جن میں طلب جزمی ہو۔ اور ان میں سے ہر ایک کی نو قسمیں ہیں، ایسے ہی جیسے پہلے بیان ہوئیں۔ تو یہ کل ستائیس ۲۷ قسمیں ہوئیں (ہر قسم کی تفصیل یوں کرلیں مثلا (۱) طلب صرف ترغیبی ہے اور ثبوت قطعی ہو، اثبات قطعی یا ظنی یا شکّی۔ یا ثبوت ظنی ہے، اثبات قطعی یا ظنی یا شکی۔ یا ثبوت شکی ہے، اثبات قطعی یا ظنی یا شکی۔ ۱۲م) ان میں صرف ایک قسم وہ ہے جس سے فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ وہ ہے جس میں طلب جزمی ہو اور ثبوت واثبات دونوں قطعی ہوں۔ اور تین قسمیں وہ ہیں جن سے وجوب کا افادہ ہوتا ہے۔ یہ وہ ہیں جن میں طلب جزمی ہو اور ثبوت یا اثبات یا دونوں ظنی ہوں۔ اور چار وہ ہیں جو سنیت کا افادہ کرتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن میں طلب غیر جزمی مؤکد ہے اور ثبوت واثبات کی صورتیں ویسے ہی جیسے فرضیت اور وجوب کا افادہ کرنے والی قسموں میں بیان ہوئیں یعنی دونوں قطعی

ف: التحقيق التفصيلی للمصنف ان الادلة فی اثبات الفرض ومادونه علی سبعة وعشرين قسماً۔

ترغیب مجرد ولو قطعی الطرفین وقس علی ھذا فی جانب الکف الحرام والمکروہ تحریما وتنزیھا وخلاف الاولی ولا تذھلن عن مقام الاحتیاط واللہ الھادی الی سواء الصراط ھذا ھوالتحقیق الساطع اللامع النور فاحفظہ فلعلک لاتجدہ فی غیر ھذہ السطور۔	یا دونوں [2] ظنی یا [3] ایک [4] ظنی۔ اور باقی انیس [19] قسمیں مندوب و مستحب ہونے کا افادہ کرتی ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کے ثبوت یا اثبات کسی ایک میں شک ہو اگرچہ طلب جزمی ہو (یہ دس [10] صورتیں ہوئیں طلب جزمی ہے اور ثبوت شکی ہے، اثبات [1] قطعی یا [2] ظنی یا [3] شکی۔ یا ثبوت ظنی ہے اثبات شکی۔ یا ثبوت قطعی ہے اثبات شکی۔ طلب غیر جزمی مؤکد ہے اور وہی پانچ صورتیں ۱۲م) یا ان میں طلب صرف ترغیبی ہو اگرچہ ثبوت اور اثبات دونوں قطعی ہوں (یہ نو [9] صورتیں ہوئیں وہی جو چند سطور پہلے توضیح میں لکھی گئیں، کُل ۱۹ ہو گئیں۔ ۱۲م) اسی پر جانب کف میں حرام، مکروہ تحریمی اور خلاف اولی اور قیاس کرلیں اور مقام احتیاط سے غفلت ہرگز نہ ہو۔۔۔۔۔اور خدا ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ وہ تابندہ ودرخشندہ تحقیق ہے جو ان سطور کے سوا شائد کہیں نہ ملے ۔۔۔۔تو اسے حفظ رکھئے (ت)

یہاں سے ظاہر ہوا ف کہ فرض اعتقادی سب سے اعظم واعلٰی اور دونوں قسم واجب اعتقادی کا مباین ہے اور فرض عملی واجب اعتقادی سے خاص مطلقًا کہ ہر فرض عملی واجب اعتقادی ہے ولا عکس اور واجب عملی ہر دو قسم فرض کا مباین اور واجب اعتقادی سے خاص مطلقًا ہے کہ ہر فرض عملی واجب اعتقادی ہے ولا عکس۔

ثم [15] اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس تقدیر پر ہے کہ قسمین عملی بشرط لا ہوں **کماھو المتعارف عند علمائنا** (جیسا کہ یہی ہمارے علماء کے ہاں متعارف ہے۔ت) ولا بشرط لیں تو فرض عملی فرض اعتقادی سے عام مطلقًا اور واجب اعتقادی سے عام من وجہ ہوگا کہ فرض اعتقادی فرض عملی ہے نہ واجب اعتقادی، اور واجب عملی بالمعنی الاول واجب اعتقادی ہے نہ فرض عملی، اور فرض عملی بالمعنی الاول میں دونوں مجتمع ہیں۔ اور واجب عملی بالمعنی الثانی واجب اعتقادی کا مساوی کہ اعتقاد وجوب موجب وجوب عمل اور ایجاب عمل بے اعتقاد وجوب نا محتمل کلام آتی میں معنی اولی

ف: فرض واجب اعتقادی و عملی چاروں کی نسبتیں۔

ہی مراد ہونگے کہ وہی شائع بین العلماء ہیں۔ **وباللہ التوفیق۔**

وضو میں ف۱ **فرض اعتقادی** یعنی ارکان اعتقادیہ

فان ف۲ الفرض یطلق علی الرکن وعلی الشرط کما فی الدر [1] وعلی ما لیس برکن ولاشرط کترتیب ما شرع غیر مکرر فی رکعة کترتیب القعدة علی السجود والسجود علی الرکوع والرکوع علی القراءة والقراءة علی القیام فانها فروض لیست بارکان ولا شروط کمافی [2] الشامی عن الغنیة۔ **اقول:** وکانه ف۳ نظر الی انها برزخ بین الدخول والخروج والافقیه کلام لمن تأمل فلیتأمل۔	(اس لئے کہ فرض کا اطلاق رکن پر بھی ہوتا ہے اور شرط پر بھی، جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اور اس پر بھی جو نہ رکن ہے نہ شرط ہے، جیسے ان امور میں ترتیب جو ایک رکعت میں بلا تکرار مشروع ہوئے ہیں جیسے قعدہ کی ترتیب سجدہ پر، سجدہ کی رکوع پر، رکوع کی قرات پر، قرات کی قیام پر۔ کہ یہ سب ترتیبیں فرض ہیں، نہ رکن ہیں نہ شرط۔ جیسا کہ شامی میں غنیہ سے نقل ہے۔ اقول شاید انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ ترتیبیں تو رکن کی طرح داخلِ نماز ہیں نہ شرط کی طرح خارج نماز ہیں بلکہ دونوں کے درمیان برزخ ہیں۔ ورنہ اس میں صاحبِ تامل کے لئے کلام کی گنجائش ہے۔ تو اس میں تامل کرنا چاہیے۔ (ت)

ف۱: وضو میں چار فرض اعتقادی ہیں۔

ف۲: الفرض یطلق علی الرکن والشرط وماسواھما۔

ف۳: تطفل علی الغنیة وردالمحتار

[1] الدر المختار کتاب الطہارة مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱ / ۱۸، ردالمحتار کتاب الطہارة قد یطلق الفرض مالیس برکن ولاشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۶۴

[2] ردالمحتار کتاب الطہارة قد یطلق الفرض مالیس برکن ولاشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۶۴

چار ہیں اول منہ دھونا یعنی علاوہ مستثنیات کے طول میں شروع سطح پیشانی سے نیچے کے دانت جمنے کی جگہ تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں دس استثناء ہیں۔

(۱) آنکھوں کے ڈھیلے (۲) پپوٹوں کی اندرونی سطح کہ ان دونوں مواضع کا دھونا باجماع معتد بہ اصلا فرض کیا مستحب بھی نہیں۔

وبالغ الامامان عبدالله بن عمر وعبدالله بن عباس رضی الله تعالٰی عنهم فکف بصرهما۔ دو اماموں حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ان کے دھونے میں مبالغہ سے کام لیا تو ان کی بینائی جاتی رہی۔ (ت)

(۳) آنکھیں خوب [ف۱] زور سے بند کرنے میں جو حصہ بند ہو جاتا ہے کہ نرم بند کرے تو ظاہر رہتا اتنا حصہ دھلنا مختلف ہی ہے، ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اس کا دھلنا بھی واجب نہیں یہاں تک خوب آنکھیں بند کرکے وضو کیا وضو ہو جائے گا اور بعض نے کہا نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لوغمض عینیه شدیدا لایجوز، بحر، لکن نقل العلامة المقدسی فی شرحه علی نظم الکنز ان ظاهر الروایة الجواز واقره فی الشرنبلالیة تأمل [1] اهکلام الشامی۔	اگر آنکھیں زور سے بند کرکے دھوئیں تو وضو نہ ہوگا۔ بحر۔ لیکن علامہ مقدسی سے نظم کنز پر اپنی شرح میں نقل کیا ہے کہ ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ وضو ہو جائیگا اور شرنبلالیہ میں اسے برقرار رکھا ہے۔ تأمل کرو۔ اھ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔
اقول: [ف۲] رحم الله العلامة السید انما عبارة البحر هکذا ذکر فی المجتبٰی لاتغسل العین بالماء ولا باس بغسل الوجه مغمضا عینیه وقال الفقیه احمد بن ابراهیم ان غمض عینیه شدیدا لایجوز [2] اهفمفاده	**اقول:** علامہ شامی پر خدا کی رحمت ہو، بحر کی عبارت اس طرح ہے: مجتبٰی میں ذکر کیا ہے کہ آنکھ پانی سے نہ دھوئی جائے، اور آنکھیں بند کرکے چہرہ دھونے میں حرج نہیں۔ اور فقیہ احمد بن ابراہیم نے فرمایا کہ۔ اگر آنکھیں زور سے بند کرلیں تو وضو نہ ہوگا اھ۔ تو عبارتِ

ف۱: مسئلہ: وضو میں آنکھیں زور سے نہ بند کرے مگر وضو ہو جائے گا۔

ف۲: معروضة علی رد المحتار

[1] کتاب الطہارۃ مطلب فی معنی الاشتقاق وتسمیہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۶

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱

ایضاً لیس الا ان المذھب الجواز وعدمه قول احمد بن ابرھیم فلیتنبه۔	بحر کا مفاد بھی یہی ہے کہ اس صورت میں وضو ہو جانا ہی مذہب ہے اور نہ ہونا احمد بن ابراہیم کا قول ہے۔ تو اس پر متنبہ رہنا چاہئے (ت)

(۴) دونوں لب کہ بعض نے کہا وہ تابع دہن ہیں اور وضو میں دہن کا دھونا صرف سنت ہے بحر الرائق میں ہے:

اما الشفة فقیل تبع للفم [1]	مگر ہونٹ کے بارے میں کہا گیا کہ وہ منہ کے تابع ہے۔ (ت)

(۵،۶،۷) ابروؤں اور مونچھوں اور اور بچی کے نیچے کی کھال کہ بعض نے کہا کہ اگرچہ بال چھدرے ہوں کھال نظر آتی ہو اس کا دھونا ضرور نہیں۔ درمختار میں ہے:

فی البرھان یجب غسل بشرۃ لم یسترھا الشعر کحاجب وشارب وعنفقة فی المختار۔ [2]	برہان میں ہے کہ قولِ مختار پر اس جلد کا دھونا ضروری ہے جو بالوں مثلاً ابرو، مونچھ، بچّی، سے چھپی ہوئی نہ ہو۔ (ت)

(۸) گھنی داڑھی کے نیچے کی کھال کہ اس کا دھونا اصلاً ضرور نہیں: **(۹)** داڑھی مطلقاً کہ اس کے باب میں نو قول ہیں:

فقیل یفترض مسحه اوغسله کل منھا کلا اوثُلُثا او ربعا اولما یلاقی البشرۃ فقط اولا شیئ کما فی ردالمحتار۔ [3]	کہا گیا کہ پوری داڑھی، یا تہائی، یا چوتھائی یا صرف جلد سے متصل حصہ کا مسح یا دھونا فرض ہے اور نواں قول یہ کہ کسی حصہ کا مسح دھونا کچھ بھی فرض نہیں جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

(۱۰) کنپٹیاں کہ جب داڑھی کے بال ہوں تو امام ابویوسف سے ایک روایت آئی کہ ان کا دھونا ضرور نہیں۔ درمختار میں ہے:

یجب غسل مابین العذار والاُذن	رخسار اور کان کے درمیان والے حصّے کو دھونا

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱ /۱۱

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۹

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۸

بہ یفتی۔[1]	ضروری ہے، اسی پر فتوی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البدائع وعن ابی یوسف عدمہ وظاھرہ ان مذھبہ بخلافہ بحر والخلاف فی الملتحی اما المرأۃ والامرد والکوسج فیفترض الغسل اتفاقا۔[2]	بدائع میں کہا کہ امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اس حصّہ کا دھونا ضروری نہیں۔ اس عبارتِ بدائع کا ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف کا مذہب اس کے بر خلاف ہے (بحر) اور یہ اختلاف داڑھی والے سے متعلق ہے۔ عورت، کم عمر بے ریش، اور وہ سن رسیدہ جسے داڑھی آتی ہی نہیں ان سب پر اس حصہ کو دھونا بالاتفاق فرض ہے۔(ت)

تنبیہ: اس روایت پر خلاف امام ابو یوسف اگرچہ اس صورت سے خاص ہے کہ وہاں داڑھی کے بال ہوں مگر یہ مراد نہیں کہ خاص اُس حصہ بدن پر بال ہوں۔ حتی یدخل فی بشرۃ ماتحت اللحیۃ کماظن۔ (حتی کہ یہ اس جلد کے شمار میں آجائے جو داڑھی کے نیچے ہوتی ہے جیسا کہ بعض کو گمان ہوا ت) بلکہ داڑھی کا بالائی حصہ جو کانوں کے محاذی ہوتا ہے جسے عربی میں عذار کہتے ہیں، اس حصّے اور کان کے بیچ میں جلد کی ایک صاف سطح ہوتی ہے جس پر بال نہیں نکلتے۔ یہاں اس سطح خالی میں خلاف ہے کہ عِذار والے کیلئے اس روایت پر اس کا دھونا ضروری نہیں، اور ظاہر الروایۃ ومذہب معتمد میں مطلقاً فرض ہے۔ امام اجل ابوالبرکات عبداللہ نسفی، کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

البیاض الذی بین العذار وشحمۃ الاذن من الوجہ حتی یجب غسلہ عندھما خلافالا بی یوسف لان البشرۃ التی ینبت	جو سپیدی رخسار اور کان کی لو کے مابین ہوتی ہے وہ چہرے میں شامل ہے، اسی لئے طرفین کے نزدیک اسے دھونا ضروری ہے، اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے، ان کی دلیل

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی معنی الاشتقاق الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۶

علیھا الشعر لایجب ایصال الماء الیھا فما ھوا بعد اولی وقالا انما لم یجب ثم لانہ استتر بالشعر ولا شعر ھنا فبقی علی ماکان اھ۔[1]	یہ ہے کہ وہ جلد جس پر بال اگے ہوئے ہیں اس تک پانی پہنچا ناضروری نہیں تو جو حصہ اس سے دور ہے اس تک پہنچا بدرجہ اولی ضروری نہ ہوگا۔ اور طرفین کہتے ہیں کہ وہاں اس لئے ضروری نہ ہوا کہ وہ جلد بالوں سے چھپی ہوئی ہے اور یہاں بال نہیں ہیں تو اس کا حکم وہی رہا جو پہلے تھا کہ دھونا ضروری ہے اھ۔ (ت)

اور امام دارالہجرہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہوا کہ ان کا دھونا مطلقًا ضرور نہیں میزان الشریعہ الکبری للعارف الربانی سیدی عبدالوھاب الشعرانی میں ہے:

قول الائمۃ الثلثۃ ان البیاض الذی بین الشعرا لاذن واللحیۃ من الوجہ مع قول مالک وابی یوسف انہ لیس من الوجہ فلایجب غسلہ مع الوجہ فی الوضوء[2]۔	تینوں ائمہ کا قول یہ ہے کہ جو سپیدی کان اور داڑھی کے درمیان ہے وہ چہرے میں شامل ہے، اور امام مالک و امام ابویوسف کا قول یہ ہے کہ وہ چہرے میں نہیں ہے تو وضو میں اسے دھونا واجب نہیں۔ (ت)

اسی طرح رحمۃ الامہ میں اختلاف الامہ میں ہے:

[18]**اقول:** اما ابو ف یوسف فقد علمت ان قولہ کقول الجمھور والروایۃ نادرۃ عنہ ایضا مفصلۃ لامرسلۃ واھل البیت ادری بما فی البیت واما مالک فالذی رأیتہ من کتب مذھبہ فی شرح	**اقول:** امام ابو یوسف سے متعلق تو واضح ہو چکا کہ ان کا قول۔ قول جمہور کے مطابق ہے۔ اور ان سے جو روایت نادرہ آئی ہے اس میں بھی تفصیل ہے، اطلاق نہیں اور اہل خانہ کو اشیائے خانہ کا زیادہ علم ہوتا ہے۔ اب رہا امام مالک کا قول تو ان کے مذہب کی کتابوں میں سے ابن ترکی کی شرح

ف: [9]تطفل علی الامام الشعرانی

[1] الکافی شرح الوافی

[2] میزان الشریعہ الکبرٰی کتاب الطھارۃ باب الوضوء دارالکتب العلمیہ بیروت مصر ۱/۱۵۰

المقدمة العشماویة لابن ترکی ان الوجه حده طولا من منابت شعرالراس المعتاد الی اٰخر الذقن وحده عرضا من الاذن الی الاذن [1] اھ وفی حاشیة للسفطی مابین العذارین والاذن وھو البیاض الذی تحت الوتد (ای وتد الاذن) اوالمسامت له یجب غسله لانه من الوجه [2] اھ فاللہ تعالٰی اعلم۔	مقدمہ عشماویہ میں جو حکم میں نے دیکھا وہ یہ ہے کہ طول میں چہرے کی حد عادۃ سر کے بال اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے آخری حصہ تک ہے اور عرض میں اس کی حد ایک کان سے دوسرے کان تک ہے اھ۔ اس شرح کے حاشیہ سفطی میں ہے کہ جو حصہ دونوں رخساروں اور کان کے درمیان ہے یعنی وہ سپیدی جو جان کی ابھری ہوئی لو کے نیچے یا اس کی سمت مقابل میں ہوتی ہے، اسے دھونا واجب ہے اس لئے کہ وہ چہرے میں شامل ہے اھ۔ تو خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

تنبیہ: یہاں ایک استثنائے عام اور بھی ہے کہ فرض دوم کے استثنائے ثانی میں مذکور ہوگا

دوم: دونوں ہاتھ ناخنوں سے کہنیوں تک دھونا، اس میں تین استثناء ہیں

(۱) خود کہنیاں دھونا، امام زفر رحمہ اللہ تعالی کے نزدیک ضرور نہیں۔

(۲) جس ف چیز کی آدمی کو عموما یا خصوصا ضرورت پڑتی رہتی ہے اور اس کے ملاحظہ واحتیاط میں حرج ہے اس کا ناخنوں کے اندر یا اوپر یا اور کہیں لگارہ جانا اگرچہ جرم دار ہو اگرچہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچ سکے، جیسے پکانے گوندھنے والوں کے لئے آٹا، رنگریز کے لئے رنگ کا جرم، عورات کے لئے مہندی کا جرم، کاتب کے لئے روشنائی، مزدور کے لئے گارا مٹی، عام لوگوں کے لئے کوئے یا پلک میں سرمہ کا جرم، بدن کا میل مٹی غبار، مکھی مچھر کی بیٹ وغیرہا کہ ان کا رہ جانا فرض اعتقادی کی ادا کو مانع نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایمنع الطھارۃ خرء ذباب وبرغوث	طہارت سے مانع نہیں مکھی اور پسو کی بیٹ جس کے

ف: مسئلہ: کن چیزوں کا بدن پر لگارہ جانا وضو وغسل کا مانع نہیں

---

[1] شرح المقدمۃ العشماویۃ لابن ترکی

[2] حاشیہ شرح المقدمۃ العشماویہ للسفطی

لم یصل الماء تحتہ وحناء ف۱ ولو جرمہ بہ یفتی ودرن ودھن ودسومۃ وتراب وطین ولو فی ظفر مطلقًا ای قرویا اومدنیا فی الاصح بخلاف نحوعجین ولایمنع ماعلی ظفر صباغ۔[1]	نیچے پانی نہ پہنچا، اور مہندی اگرچہ جرم دار ہو، اسی پر فتوی ہے، اور میل، تیل، چکنائی، مٹی، گارا اگرچہ ناخن میں ہو۔ قول اصح پر مطلقًا یعنی دیہاتی ہو یا شہری، بخلاف گندھے ہوئے آٹے کے، اور رنگریز کے ناخن پر جو رنگ ہوتا ہے وہ مانع نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

لکن فی النھر لوفی اظفارہ عجین فالفتوٰی انہ مغتفر اھ[2]۔ ورأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار علی قولہ وحناء ولوجرمہ بہ یفتی ۱۹ **اقول:** وبہ یظھر بحکم بعض اجزاء فـــ کحل تخرج فی النوم وتلتصق ببعض الجفون اوتستقر فی بعض المأٰق وربما تمر	لیکن النہر الفائق میں ہے کہ اگر ناخنوں کے اندر خمیر رہ گیا ہو تو فتوی اس پر ہے کہ وہ معاف ہے اھ۔ میں نے دیکھا کہ ردالمحتار پر جو حواشی میں نے لکھے ہیں ان میں درمختار کی عبارت اور مہندی اگرچہ جرم دار ہو، اسی پر فتوی ہے پر میں نے یہ لکھا ہے، اقول اس سے سرمہ کے ان ریزوں کا حکم ظاہر ہوجاتا ہے جو سوتے وقت نکل کر پلک میں چپک جاتے ہیں یا آنکھ کے کوئے میں بیٹھ جاتے ہیں اور کبھی وضوو غسل میں ان

فـــ۱: **مسئلہ:** عورت کے ہاتھ پاؤں پر مہندی کا جرم لگا رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو وضوو غسل ہوجائے گا ہاں جب اطلاع ہو چھڑا کر وہاں پانی بہائے۔

فـــ۲: **مسئلہ:** سرمہ آنکھ کے کوئے یا پلک میں رہ گیا اور اطلاع نہ ہوئی تو ظاہر احرج نہیں اور بعد نماز کوئے میں محسوس ہوا تو اصلا باک نہیں۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۱۰۴

الید علیهما فی الوضوء والغسل ولا یعلم بها اصلا فلا یکفی فیه التعاهد المعتاد ایضا الا بتیقظ خاص وتفحص مخصوص فذلك کجرم الحناء لابالقیاس بل بدلالة النص فان الحاجة الی الکحل اشد و اکثر۔ ولیعلم ان ظهوره فی مؤق بعدما یمر علی الطهارة شیئ من زمان کما یراه بعد ما صلی مایلتفت الیه اصلا فانه ربما ینتقل بعد التطهر من داخل العین الی الماق والحادث یضاف الی قرب الاوقات اما الملتزق بالجفن فلعل فیه الوجه الاول لاغیرهذا کله ماظهر لی ولیحرر[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔

و رأیتنی کتبت فیه علی قوله لایمنع ما علی ظفر صباغ ۲۰ **اقول:** ویعلم ف منه حکم المداد

پر ہاتھ بھی گزرتا ہے اور ان کا پتہ نہیں چلتا، کیونکہ اس کے لئے الگ سے خاص دھیان دیئے اور مخصوص جستجو کئے بغیر معمولی توجہ سے کام نہیں بن سکتا۔ تو وہ مہندی کے جرم کا حکم رکھتے ہیں، قیاس سے نہیں بلکہ دلالۃ النص سے اس لئے کہ سرمہ کی حاجت زیادہ شدت وکثرت سے ہوتی ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ طہارت پر کچھ دیر گزر جانے کے بعد اگر سرمہ آنکھ کے کوئے میں نمودار ہوا جیسے اسے نماز پڑھنے کے بعد محسوس ہو تو وہ ذرا بھی قابل التفات نہیں اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ وہ طہارت حاصل کرنے کے بعد آنکھ کے اندر سے کوئے میں آگیا ہو ایسا ہوتا رہتا ہے، اور نو پیدا چیز قریب تر وقت کی جانب منسوب ہوتی ہے لیکن جو پلک سے چپکا ہوا ہو تو امید یہ ہے کہ اس میں مناسب وہی پہلی صورت ہے دوسری نہیں (یعنی وہ وضو کے پہلے سے لگا ہوا ہے اور گرفت میں نہ آیا) یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا، اس کی تنقیح کرلی جائے، واللہ تعالٰی اعلم

اور میں نے دیکھا کہ اس میں درمختار کی عبارت "رنگریز کے ناخن پر جو رنگ ہوتا ہے وہ مانع نہیں" کے تحت میں نے یہ لکھا ہے **اقول:** اس سے اس

ف: **مسئلہ:** کاتب کے ناخن پر روشنائی کا جرم رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو ظاہراً حرج نہیں۔

---

[1] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارت فصل فی الوضوء مکتب المجمع الاسلامی مبارکفور انڈیا ۱/ ۱۱۰

علی ظفر الکاتب فانہ یضع القلم علی ظفر ابھامہ الیسری ویغمزہ لینفتح فیصیب الظفر جرم من المداد و ربما ینسی فیتو ضأ ویمر الماءفوق المداد ولا یزیلہ فمفاد ماھنا الجواز و رأیت التنصیص بہ فی حاشیۃ العشماویۃ من کتب السادۃ المالکیۃ حیث قال تجب ازالۃ مایمنع من وصول الماء کعجین وشمع وکذلك الحبر المتجسد لغیر کاتبہ ونحوہ کبائعہ وصانعہ واما الکاتب ونحوہ ان راٰہ بعد ان صلی فلا یضراذا مریدہ علی المداد لعسر الاحتراز منہ لاان راٰہ قبل الصلاۃ وامکنہ ازالتہ اھ۔۔۔۔۔۔۔۔ وھو کلہ واضح موافق لقواعدنا الا قولہ اذا مریدہ علی المداد فانما شرطہ لان الدلک

روشنائی کا حکم معلوم ہو جاتا ہے جوکاتب کے ناخن پر لگی ہوتی ہے، اس لئے کہ وہ اپنے بائیں انگوٹھے کے ناخن پر قلم رکھ کر دباتا ہے تاکہ اس کا شگاف کشادہ ہوجائے اس طرح سے روشنائی کا جرم ناخن پر لگ جاتا ہے اور بسا اوقات اسے بھول جاتا ہے اور وضو کرتا ہے تو روشنائی کے اوپر سے پانی گزار دیتا ہے اسے چھڑاتا نہیں ہے تو یہاں جو حکم ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ وضو ہو جائے۔ اور اس کی تصریح میں نے حضرات مالکیہ کی کتابوں میں سے حاشیہ عشماویہ میں دیکھی، اس میں لکھا ہے اس چیز کو دور کرنا ضروری ہے جو پانی کے پہنچنے سے مانع ہو جیسے خمیر، موم، اور ایسے ہی جرم دار روشنائی اس کے لئے جو کاتب اور اس کے مثل، جیسے روشنائی بیچنے یا بنانے والا نہ ہو، رہا وہ جو کاتب ہے یا اس کے مثل ہے تو اس نے اگر نماز پڑھ لینے کے بعد دیکھا تو حرج نہیں بشرطیکہ روشنائی پر اس کا ہاتھ پھر گیا ہو اس لئے کہ اس سے بچنا مشکل ہے، اور اس صورت میں یہ حکم نہیں جب کہ اس نے نماز سے پہلے دیکھ لیا ہو اور اسے چھڑا سکتا ہو اھ ۔ یہ سب واضح اور ہمارے قواعد کے مطابق ہے سوا اس بات کے کہ بشرطیکہ روشنائی پر اس کا ہاتھ پھر گیا ہو، یہ شرط اس لئے لگائی کہ مالکیہ

فرض عندھم واما علی مذھبنا فیقال اذا مر الماء علی المداد والذی ذکرہ ھو عین ما کنت بحثتہ فی فتاوی ان الذی لاحرج فی ازالتہ بل فی مقاصدہ اذا اطلع علیہ یجب ازالتہ ولایجوز ترکہ کالحناء والکحل والونیم ونحوھا وللہ الحمد[1]۔	کے نزدیک دلک (ہاتھ پھیرنا) فرض ہے، اور ہمارے مذہب کی روسے یوں کہا جائے گا کہ بشرطیکہ پانی روشنائی پر گزر گیا ہو، اور جوانہوں نے ذکر کیا بعینہٖ یہی میں نے اپنے فتاوی میں بحث کی ہے کہ جس کے چھڑانے میں حرج نہیں بلکہ اس کا دھیان رکھنے میں دشواری ہے جب اس پر مطلع ہو تو اسے چھڑانا ضروری ہے اور چھوڑنا جائز نہیں جیسے مہندی، سرمہ، مکھی کی بیٹ اور ان کے مثل۔ وللہ الحمد۔

(۳) مالکیہ کے نزدیک مرد کے لئے چاندی کی انگوٹھی بقدر جائز کہ ان کے مذہب میں دو درم شرعی ہے اور عورت کے لئے سونے چاندی کے مطلقاً گہنے، چھلے، انگوٹھیاں، علی بند، حسین بند، آرسی، پہنچیاں، کنگن، چھن بتانے، چوہے دتیاں۔ یونہی چوڑیاں اگرچہ کانچ یا لاکھ وغیرہ کی ہوں، اور ریشم کے لچھے، غرض جتنے گہنے سنگار شرعاً جائز ہیں کسی قدر تنگ اور پھنسے ہوئے ہوں کہ پانی بہنے کو روکیں ان کے مذہب میں سب معاف ہیں، ہاں لوہے، تانبے، رانگ وغیرہا کے مکروہ گہنے یا مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی کہ شرعاً جائز نہیں، ان میں وہ بھی اجازت نہیں مانتے۔

[۲۱] **اقول:** وکانھم قاسوہ علی ضفیرۃ المرأۃ حیث لم تؤمر ف بنقضھا فی الغسل عندنا الا اذا لم یصل الماء الی الاصول وفی الغسل والوضوء جمیعا عندھم الا اذا اشتدت اوکانت مفتولۃ بثلثۃ خیوط	**اقول:** شاید اسے ان حضرات نے عورت کی گندھی ہوئی چوٹی پر قیاس کیا ہے کہ ہمارے نزدیک غسل میں اسے چوٹی کھولنے کا حکم نہیں مگر اس صورت میں جب کہ پانی اس کی جڑوں تک نہ پہنچتا ہو اور ان حضرات کے نزدیک غسل اور وضو دونوں میں اسے کھولنے کا حکم نہیں مگر جب کہ سخت بندھی ہو یا دو یا دو سے زیادہ

ف: **مسئلہ:** عورت کو غسل میں گندھی چوٹی کھولنی ضرور نہیں بالوں کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہے ہاں چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ جڑوں تک پانی نہ پہنچے گا تو کھولنا ضرور ہے۔

[1] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارت فصل فی الوضوء مکتب المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۱ / ۱۱۱

فاکثر عندھم۔	دھاگوں سے بٹی ہو، یہ ان کے یہاں ہے۔(ت)

حاشیہ سفطی میں ہے:

لایجب نزع خاتم الفضۃ الماذون فیہ ولا تحریکہ سواء کان واسعا اوضیقا واما المحرم کخاتم الذھب للرجل والمکروہ کخاتم الحدید والنحاس والرصاص فیجب نزعہ اذا کان ضیقا ویکفی تحریکہ ان کان واسعا علی المعتمد وکذا ماتجعلہ الرماۃ فی ایدیھم من عظم ونحوہ ومحل الکراھۃ فی خاتم الحدید مالم یکن لدواء ویدخل فی المأذون فیہ خاتم الذھب بالنسبۃ للمرأۃ والاساور والحدائد التی تلبسھا المرأۃ بمنزلۃ الخاتم علی المعتمد فلا یجب تحریکھا لانھا ماذون لھا فی ذلک کلہ کما فی حاشیۃ الخرشی واعتمدہ شیخنا فی تقریر الخرشی خلافالما فی شرح الاصیلی وزنۃ الخاتم الذی یجوز لبسہ للرجال من الفضۃ درھمان بالدرھم الشرعی اھ[1]۔ [22]**اقول:** وعندنا مادون مثقال لقولہ صلی اللہ تعالٰی	جس انگوٹھی کے پہننے کی اجازت ہے اسے اتارنا یاحرکت دینا واجب نہیں خواہ کشادہ ہو یا تنگ اور جو حرام ہے جیسے مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی، اور جو مکروہ ہے جیسے لوہے، تانبے، رانگ کی انگوٹھی اسے اتارنا واجب ہے جب کہ تنگ ہو اور کشادہ ہو تو قول معتمد پر اسے حرکت دینا کافی ہے، اسی طرح تیرانداز اپنے ہاتھوں میں جوہڈی وغیرہ لگا رکھتے ہیں اس کا بھی یہی حکم ہے، اور لوہے کی انگوٹھی میں کراہت اس وقت ہے جب علاج کے لئے نہ ہو، اور اجازت یافتہ ہی میں عورت کے لئے سونے کی انگوٹھی داخل ہے اور وہ کنگن اور چھلے بھی جنہیں عورت انگوٹھی کی جگہ پہنتی ہے یہی قول معتمد ہے تو ان سب کو حرکت دیناواجب نہیں کیونکہ عورت کے لیے ان سب کی اجازت ہے جیسا کہ حاشیہ خرشی میں ہے اور اسی پر ہمارے شیخ نے تقریر خرشی میں اعتماد کیا ہے اس کے برخلاف جو شرح اصیلی میں ہے اور مرد کے لئے چاندی کی جس انگوٹھی کا پہننا جائز ہے اس کا وزن دو درم شرعی ہے اھ۔ **اقول:** اور ہمارے نزدیک وہ جو ایک مثقال (ساڑھے چار ماشہ) سے کم ہو اس لئے

[1] حاشیہ سفطی علی مقدمہ عشماویہ

علیه وسلم ولا تتمه مثقالا[1]۔ کما بیناہ فی محله من فتاوٰنا۔	کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "اور اسے پورا ایک مثقال نہ کرو" جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کے مقام پر بیان کیا ہے۔(ت)

سوم: سر کا مسح یعنی اس کے کسی جز کھال یا بال یا نائب شرعی پر نم پہنچ جانا، فرض اعتقادی اسی قدر ہے کتاب الانوار لاعمال الابرار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

الفرض الرابع مسح الرأس بما شاء اما علی البشرۃ ولو قدر ابرۃ اوعلی شعر ولو واحد ان لم یخرج الممسوح من حدہ[2]۔	چوتھا: فرض سر کا مسح جس قدر چاہے، یا تو جلد پر ہو اگرچہ سوئی برابر، یا بال پر ہو اگرچہ ایک ہی بال پر بشرطیکہ بال کے جس حصے پر مسح ہو وہ سر کی حد سے باہر نہ ہو۔(ت)

قرۃ العین علامہ زین تلمیذ امام ابن حجر مکی شافعی میں ہے:

ولو شعرۃ واحدۃ اھ[3] ۲۳**اقول:** وعبرت انا بوصول البلل لانه ف الفرض عندنا دون الایصال حتی لواصابه مطر اجزأہ[4] کما فی الدر المختار وزدت النائب الشرعی لقول الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنه	اگرچہ ایک بال کے کسی حصے پر ہو اھ۔ **اقول:** میں نے "نم پہنچ جانا" کہا اس لئے کہ ہمارے نزدیک یہی فرض ہے، پہنچانا فرض نہیں، اگر بارش سے بھیگ گیا تو بھی کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور میں نے "نائب شرعی" کا اضافہ کیا اس لئے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے کہ "عمامہ پر بھی مسح ہوسکتا ہے،

ف: **مسئلہ:** وضو وغسل میں پانی پہنچنا فرض ہے اگرچہ اپنے فعل سے نہ ہو مثلاً پھوہار برسی اور چوتھائی سر کو نم پہنچ گئی مسح سر کا فرض اتر گیا۔

[1] سنن الترمذی کتاب اللباس حدیث ۱۷۹۲ دارالفکر بیروت ۳ / ۳۰۵، سنن ابی داؤد باب ماجاء فی خاتم الحدید آفتاب عالم پریس لاہور ۲ / ۲۲۴

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطہارۃ فصل فروض الوضوء مطبع جمالیہ مصر ۱ / ۲۳

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین فروض الوضوء عامر الاسلام پریس کیبرص ص ۱۴

[4] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۱۹

علی ما فی میزان الشعرانی حیث قال قول الائمۃ الثلثۃ ان المسح علی العمامۃ لایجزیئ مع قول احمد بانہ یجزیئ لکن بشرط ان یکون تحت الحنك منھا شیئ روایۃ واحدۃ وعنہ فی مسح المرأۃ علی قناعھا المستدیر تحت حلقھا روایۃ وھل یشترط ان یکون لبس العمامۃ علی طھرروایتان اھ[1]۔	جیسا کہ میزان امام شعرانی میں یہ لکھا ہے کہ "تینوں ائمہ کا قول ہے کہ عمامہ پر مسح کافی نہیں، جبکہ امام احمد کا قول ہے کہ کافی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس عمامہ کا کچھ حصہ ٹھوڑی کے نیچے بھی ہو۔اس بارے میں ان سے یہی ایک روایت ہے اور عورت کا دوپٹہ جو اس کے گلے کے نیچے گھیرے ہوئے ہو اس پر عورت کے مسح سے متعلق ان سے ایک روایت ہے۔ عمامہ کا طہارت پر پہنے ہونا شرط ہے یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔"
قلت: وکلامہ شیخہ الذی صحبہ الامام الشعرانی عشر سنین وقال لم ارہ یغضب فی سفر ولا حضرا عنی محقق عصرہ العلامۃ زین بن ابراھیم بن نُجَیم المصری رحمھما اللہ تعالٰی فی البحر الرائق اتم وانفع حیث قال اما علی العمامۃ فاجمعوا علی عدم جوازہ الا احمد فانہ اجازہ، بشرط ان تکون ساترۃ لجمیع الرأس الاماجرت العادۃ بکشفہ وان یکون تحت الحنك منھا شیئ سواء کانت لھا ذؤابۃ اولم تکن وان لاتکون عمامۃ محرمۃ فلا یجوز المسح علی	**قلت:** امام شعرانی کے شیخ جن کی صحبت میں وہ دس سال تک رہے اور بتایا کہ میں نے انہیں سفر یا حضر میں کبھی غصہ ہوتے نہ دیکھا یعنی محقق عصر علامہ زین بن ابراہیم بن نجیم مصری رحمہما اللہ تعالٰی، بحر الرائق میں ان کا کلام اس سلسلہ میں زیادہ کامل ونافع ہے وہ فرماتے ہیں اور عمامہ پر مسح کے عدم جواز پر سوا امام احمد کے تمام ائمہ کا اجماع ہے امام احمد نے اسے جائز کہا ہے بشرطیکہ اس سے پورا سر چھپا ہوا ہو مگر اس قدر جو عادۃ کھلا رہتا ہے اور ٹھوڑی کے نیچے بھی اس کا کچھ حصہ ہو خواہ اس میں شملہ ہو یا نہ ہو اور وہ عمامہ حرام نہ ہو تو غصب کئے ہوئے عمامہ پر مسح جائز نہیں، اور عورت اگر مرد کا

[1] المیزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۵

العمامة المغصوبة ولا یجوز للمرأۃ اذا لبست عمامة للرجل ان تمسح علیھا والاظھر عند احمد وجوب استیعابھا والتوقیت فیھا کالخف ویبطل بالنزع والانکشاف الا ان یکون یسیرا مثل ان یحك رأسه اویرفعھا لاجل الوضوء فی اشتراط لبسھا علی طھارۃ روایتان اھ [1]	عمامہ پہنے تو اس کے لئے اس پر مسح جائز نہیں، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا استیعاب (پورے عمامہ پر مسح) واجب ہے اور اس میں مدت مسح کی تجدید موزے کی طرح ہے اور عمامہ اتارنے یا سر کھل جانے سے مسح باطل ہو جاتا ہے مگر یہ کہ تھوڑا سا کھل جائے مثلا سر کھجلائے یا وضو کے لئے کچھ اٹھائے، اور اسے طہارت پر پہننے کی شرط ہونے سے متعلق دو روایتیں ہیں اھ (ت)

چہارم: پاؤں کہ بشرائط شرعیہ موزہ شرعی کے اندر نہ ہوں انہیں ناخنوں سے پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ تک جو وسط قدم میں چار طرف جداگانہ تحریر سے ممتاز ہے جہاں عربی نعال کا دوال باندھا جاتا ہے اور نیچے کروٹوں اور ایڑیوں سب پر پانی پہنچنا فرض اعتقادی اسی قدر ہے اور موزے بشرائط ہوں تو مدت معلوم تک مسح کافی، اور یہاں بھی ہاتھوں کی طرح تین استثناء:

(ا) گٹوں سے تحریر مذکور تک کہ اس قدر کا دھونا بروایت ہشام عن محمد ضرور نہیں اور نفس کعبین مثل مرفقین امام زفر کے نزدیک خارج ہیں کافی میں ہے:

وغسل یدیه مع مرفقیه ورجلیه مع کعبیه خلافالزفر فی الغایتین۔ [2]	اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور دونوں پیروں کو ٹخنوں سمیت دھونا دونوں حدود (کہنیوں اور ٹخنوں) میں امام زفر کا اختلاف ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

الکعبان العظمان الناشزان من جانبی القدم صححه فی الھدایة وغیرھا وروی ھشام عن محمد	کعبین وہ دو ہڈیاں ہیں جو قدم کی دونوں جانب ابھری ہوئی ہیں، اسی کو ہدایہ وغیرہا میں صحیح کہا اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ

---

1 البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب مسح علی الخفین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۴

2 الکافی شرح الوافی

انہ فی ظھر القدم معقد الشراك قالو اھو سھو من ھشام [1] الخ۔	کعب پشت قدم میں عربی جوتوں کے تسمے باندھنے کی جگہ ہے ، مشائخ نے فرمایا یہ ہشام کا سہو ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قدمنا عن شرح المنیۃ ان غسل المرفقین والکعبین لیس بفرض قطعی بل ھو فرض عملی [2]۔	ہم شرح منیہ کے حوالے سے سابقا لکھ آئے ہیں کہ کہنیوں اور ٹخنوں کا دھونا فرض قطعی نہیں بلکہ فرض عملی ہے۔(ت)

(۲) عورتوں کے لئے چھلے وغیرہ جائز گہنوں کے نیچے کہ مالکیہ عفو کرتے ہیں۔

(۳) میل، مکھی مچھر کی بیٹ کہ سارے ہی بدن میں معاف ہیں اور مہندی، مٹی، گارا جس طرح ہاتھوں میں گزرا۔

[۲۵]اقول: وعبرت بوصول الماء لما عبر ولرعایۃ مافی المیزان اتفاق الائمۃ علی ان غسل القدمین فی الطھارۃ مع القدرۃ فرض اذا لم یکن لابسا للخف مع ماحکی احمد والاوزاعی والثوری وابن جریر من جواز مسح جمیع القدمین وان الانسان عندھم مخیر بین الغسل والمسح وقد کان ابن عباس یقول فرض الرجلین المسح لاالغسل اھ [3]	اقول: میں نے "پانی پہنچنا" کہا اس کی وجہ گزر چکی (کہ ہمارے نزدیک پہنچانا فرض نہیں، اور پانی بہہ جانا کے بجائے صرف پہنچنا) اس کی رعایت کے پیش نظر جو میزان میں ہے کہ ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قدرت کی حالت میں وضو کے اندر دونوں پیروں کا دھونا فرض ہے جبکہ موزہ نہ پہنے ہو، اس کے ساتھ امام احمد، اوزاعی، ثوری اور ابن جریر سے حکایت کی گئی ہے کہ پورے دونوں قدموں پر مسح کرنا جائز ہے اور ان کے نزدیک انسان کو اختیار ہے کہ دھوئے یا مسح کرلے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے تھے کہ پیروں پر مسح فرض ہے دھونا نہیں اھ۔

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فی معنی الاجتہاد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۷

[3] المیزان الشریعۃ کتاب الطہارۃ باب الوضوء دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۵۲

واللہ اعلم بصحۃ ھذہ الحکایات فقد ف قال فی البحر الرائق ان الاجماع انعقد علی غسلھما ولا اعتبار بخلاف الروافض اھ[1] وکذا قال الامام النووی اجمع علیہ الصحابۃ والفقہاء اھ۔	خدا جانے یہ حکایات کہاں تک صحیح ہیں۔ البحر الرائق میں تو یہ کہا ہے کہ دونوں پیروں کے دھونے پر اجماع ہوچکا ہے اور روافض کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں اھ، اور اسی طرح امام نووی نے فرمایا ہے کہ اس پر صحابہ اور فقہاء کا اجماع ہے اھ۔
۲۶ **قلت:** واخرج سعید بن منصور فی سننہ عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی قال اجتمع اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی غسل القدمین[2] نعم روی ابن ماجۃ وغیرہ من طریق عبداللہ بن محمد بن عقیل مختلف فیہ کثیرا وقال الحافظ فی التقریب صدوق فی حدیثہ لین ویقال تغیر باٰخرہ[3] عن الربیع رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت اتانی ابن عباس فسألنی عن ھذا الحدیث تعنی	**قلت**: (میں نے کہا) سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، دونوں پیر دھونے پر اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا اجماع ہے ہاں ابن ماجہ وغیرہ نے بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل، روایت کیا کہ ان کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور حافظ ابن حجر نے تقریب میں کہا کہ صدوق (راست گو) ہیں ان کی حدیث میں کچھ لین (نرمی) ہے اور کہا جاتا ہے کہ آخر عمر میں ان کے اندر تغیر آگیا تھا حضرت ربیع رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں میرے یہاں ابن عباس آئے تو میں نے ان سے اس حدیث کے بارے میں

ف: تحقیق ان غسل الرجلین مجمع علیہ وانہ لم یقل بالمسح الا شرذمۃ قلیلۃ قد رجعوا عنہ۔

1 البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۱۴

2 الدر منثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیہ ۵ / ۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۳۰

3 تقریب التہذیب، حرف العین ذکر من اسمہ عبداللہ بن محمد عقیل دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ / ۵۳۰

حدیثھا الذی ذکرت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضّأ وغسل رجلیہ فقال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان الناس ابوا الا الغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الاالمسح[1]۔ [27]**اقول**: وکفٰی حجۃ لنا قول نفسہ ان الناس ابوا الاالغسل فابی الحق الا ان یکون مع الجماعۃ وقد ثبت عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ما یعارضہ اخرج سعید بن منصور وابن ابی شیبۃ و عبدالرزاق وعبد بن حمید والطبرانی فی الکبیر و ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم و النحاس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قرأھا وارجلکم بالنصب یقول رجعت الی الغسل[2] وقد اخرج ابن جریر عن عطاء قال لم ار احدا یمسح علی القدمین[3] فھذا	پوچھا، اس سے اپنی وہ حدیث مراد لے رہی ہیں جس میں انہوں نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے وضو کیا اور دونوں قدم مبارک دھوئے، تو ابن عباس رضی اللہ عالی عنہما نے فرمایا، لوگ تو دھونے کے سوا کچھ مانتے نہیں میں کتاب اللہ میں مسح کے سوا کچھ پاتا نہیں۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) ہماری دلیل کے لئے خود انہی کا یہ کہنا کافی ہے کہ "ان الناس ابواالاالغسل"لوگو ں کو دھونے کے سوا کچھ منظور نہیں"اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کے معارض بھی ثابت ہے سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، عبد بن حمید، معجم کبیر میں طبرانی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور نحاس، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں کہ انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ میں نے دھونے کی جانب رجوع کرلیا، آیت کریمہ میں "وار جلکم" نصب کے ساتھ پڑھا اور ابن جریر نے عطا سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا، میں نے کسی کو پیروں پر مسح

[1] سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ وسننہا باب ماجاء فی غسل القدمین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

[2] الدر منثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیہ ۵ / ۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۲۹، جامع البیان (التفسیر الطبری) بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیہ ۵ / ۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۱۵۴

[3] جامع البیان (التفسیر الطبری) بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیہ ۵ / ۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۱۵۵

من اخص تلامذۃ ابن عباس یقول ماتسمع فلا جرم رجع ابن عباس عن ھذا کما رجع عن قولہ فی المتعۃ وتلا الایۃ الا علی ازواجھم اوما ملکت ایمانھم وقال کل فرج سواھما حرام [1] وکذلك ثبت الرجوع عن کل من نقل عنہ المسح وھم شرذمۃ قلیلۃ فلا شك فی استقرار الاجماع علی الغسل کما قال التابعی الجلیل الکبیر الشان عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنھما واللہ الھادی۔	کرتے نہ دیکھا، یہ حضرت ابن عباس کے مخصوص ترین تلامذہ سے ہو کر یہ بات فرمارہے ہیں تو قطعی بات ہے کہ حضرت ابن عباس قول مسح سے رجوع کر چکے ہیں جیسے متعہ کے بارے میں اپنے قول سے انہوں نے رجوع کرلیا اور آیت کریمہ "اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ (مگر اپنی بیویوں یا اپنی باندیوں پر) "تلاوت کی اور فرمایا: ان دونوں کے سواہر فرج حرام ہے، اسی طرح جن سے بھی مسح منقول ہے ان میں ہر ایک سے رجوع ثابت ہے اور وہ محض چند افراد ہیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ دھونے پر اجماع ہوچکا ہے جیسا کہ جلیل الشان تابعی بزرگ عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہمانے فرمایا اور خدا ہی ہدایت دینے والا ہے۔

فرض عملی: ف۱ ہر مذہب میں جدا ہوتے ہیں، ہمارے مذہب صحیح معتمد مفتی بہ پر وضو میں فرض عملی بمعنی مذکور اعنی ارکان عملیہ کہ یہاں وہی **واجب اعتقادی** ہیں بارہ ۱۲ ہیں جن میں اکثر کا استخراج متامل پر ہمارے بیان سابق سے دشوار نہیں کہ مفتی بہ کی غیر ماخوذ سے تمیز صریح اور اپنے کم علم بھائیوں کی تفہیم کے لئے صاف تصریح بہتر ہے۔

(۱) دونوں لب، حق یہ ہے کہ ان کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ اگر لب ف۲ خوب زور سے بند کرلئے کہ ان کی کچھ تحریر جو عادی طور پر بند کرنے میں کھلی رہتی اب چھپ گئی اور اس پر پانی نہ بہا نہ کلی کی

ف ۱: **مسئلہ:** وضو میں بارہ ۱۲ فرض عملی ہیں۔

ف ۲: **مسئلہ:** اگر لب خوب زور سے بند کرکے وضو کیا اور کلی نہ کی وضو نہ ہوگا۔

[1] الدر منثور بحوالہ ابن عباس تحت الآیہ ۴ / ۲۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ / ۴۵۳

وضو نہ ہوگا، ہاں عادی طور پر خاموش بیٹھنے کی حالت میں لبوں کا جتنا حصہ باہم مل کر چھپ جاتا ہے وہ دہن کا تابع ہے کہ وضو میں اس کا دھونا فرض نہیں، درمختار میں ہے۔

یجب غسل مایظهر من الشفة عند انضمامها[1]۔	لب بند ہونے کے وقت اس کا جو حصّہ کھلا رہتا ہے اسے دھونا واجب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای یفترض کما صححه فی الخلاصة والمراد مایظهر عند انضمامها الطبیعی لاعند انضمامها بشدة وتکلف اھ[2]	یعنی فرض ہے۔ جیسا کہ خلاصہ میں اسے صحیح کہا اور مراد وہ حصہ ہے جو لب کے طبعی طور پر بند ہونے کے وقت کھلا رہتا ہے صرف وہ نہیں جو شدّت اور تکلیف سے بند ہونے کے وقت کھلا رہتا ہے۔اھ حلبی

(۲، ۳، ۴) بھوئیں، ف۱ مونچھیں، بچّی کے نیچے کی کھال جب کہ بال چھدرے ہوں کھال نظر آتی ہو وضو میں دھونا فرض ہے، ہاں گھنے ہوں کہ کھال بالکل نہ دکھائی دے تو وضو میں ضرور نہیں، غسل میں جب بھی ضرور ہے۔

(۵) داڑھی ف۲ چھدری ہو تو اس کے نیچے کی کھال دُھلنا فرض اور گھنی ہو تو جس قدر بال دائرہ رُخ میں داخل ہیں ان سب کا دھونا فرض ہے، یہی صحیح و معتمد ہے، ہاں جو بال نیچے چھوٹے ہوتے ہیں اُن کا مسح سنّت ہے اور دھونا مستحب، اور نیچے ہونے کے یہ معنی کہ داڑھی کو ہاتھ سے ذقن (ٹھوڑی) کی طرف دبائیں تو جتنے بال مُنہ کے دائرہ سے نکل گئے اُن کا دھونا ضروری نہیں باقی کا ضرور ہے، ہاں خاص جڑیں اُن کی بھی دھونی ضرور کہ اُن کا دھونا بعینہٖ کھال کا دھونا ہوگا اور گھنی داڑھی میں اس کا دھونا ساقط ہوچکا ہے۔درمختار میں ہے:

ف۱: **مسئلہ:** بھویں مونچھیں بچی کے بال چھدرے ہوں تو ان کا اور ان کے نیچے کی کھال سب کا دھونا وضو میں فرض ہے

ف۲: **مسئلہ:** کتنی داڑھی کا دھونا وضو میں فرض ہے کتنی کا مستحب۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ / ٦٦

غسل جمیع اللحیة فرض عملیا علی المذھب الصحیح المفتی بہ المرجوع الیہ بدائع ثم لاخلاف ان المسترسل لایجب غسلہ ولا مسحہ بل یسن وان الحنفیة التی تری بشرتھا یجب غسل ماتحتھا نھر [1]۔	پوری داڑھی کا دھونا فرض عملی ہے۔ مذہب صحیح مفتٰی بہ پر جس کی طرف رجوع ہو چکا ہے، بدائع۔ پھر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ داڑھی کے جو بال لٹکے ہوئے ہیں انھیں دھونا ضروری نہیں انکا مسح بھی ضروری نہیں بلکہ مسنون ہے اور اس میں بھی اختلاف نہیں کہ خفیف داڑھی جس کی جلد دکھائی دیتی ہے اس کے نیچے کی جلد دھونا ضروری ہے۔ نہر (ت)

اُسی میں ہے:

لاغسل باطن العینین والانف والفم واصول شعر الحاجبین واللحیة والشارب [2]۔	آنکھ، ناک اور دہن کے اندرونی حصّے اور بھوؤں، داڑھی اور مونچھ کے بالوں کی جڑیں دھونا فرض نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ واصول شعر الحاجبین یحمل علی ما اذا کانا کثیفین اما اذا بدت البشرة فیجب کما یاتی لہ قریبا عن البرھان وکذا یقال فی اللحیہ والشارب ونقلہ ح عن عصام الدین شارح الھدایة ط [3]	شرح کی عبارت "بھوؤں کے بالوں کی جڑیں الخ" اس صورت پر محمول ہے جب بھوؤں کے بال گھنے ہوں اور اگر جِلد دکھائی دیتی ہو تو جِلد دھونا ضروری ہے جیسا کہ آگے شرح ہی میں برہان کے حوالہ سے آرہا ہے۔ اسی طرح داڑھی اور مونچھ کے بارے میں بھی کہا جائے گا اور اسے حلبی نے عصام الدین شارح ہدایہ سے نقل کیا ہے۔ طحطاوی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قولہ لاخلاف ای بین اھل المذھب	عبارت نہر "کوئی اختلاف نہیں" یعنی اہلِ مذہب

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۱۹

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۱۹

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ / ۶۶

علی جمیع الروایات ط اھ[1] ۲۸اقول: فلا ینافی ما قدمنا لثبوت الخلاف من غیرنا۔	کے درمیان تمام روایات پر کوئی اختلاف نہیں، طحطاوی، اھ۔ (ت) **اقول:** تو اس کے منافی نہیں جو پہلے ہم نے ذکر کیا کیونکہ غیر حنفیّہ کا اس میں اختلاف موجود ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قولہ المسترسل ای الخارج عن دائرۃ الوجہ وفسرہ ابن حجر فی شرح المنہاج بما لومد من جھۃ نزولہ لخرج عن دائرۃ الوجہ[2]۔	عبارتِ نہر "داڑھی کے لٹکے ہوئے بال" یعنی وہ جو چہرے کے دائرے سے خارج ہیں اور ابنِ حجر نے شرح منہاج میں اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ وہ حصہ جسے نیچے کو پھیلایا جائے تو دائرہ رخ سے باہر ہو جائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قولہ بل یسن ای المسح لکونہ الاقرب لمرجع الضمیر وعبارۃ المنیۃ صریحۃ فی ذلك ح[3]	عبارتِ نہر "بلکہ مسنون ہے" یعنی مسح، اس لئے کہ ضمیر کا قریب تر مرجع وہی ہے، اور منیہ کی عبارت اس بارے میں صریح ہے۔ حلبی۔ (ت)

(٦) کنپٹیاں ف، کان اور رخسار کے بیچ میں جو حصّہ ہے اس کا دھونا واجب ہے جتنا حصہ داڑھی اور کان کے بیچ میں ہے وہ مطلقًا اور جتنا بالوں کے نیچے ہے اگر بال چھدرے ہوں تو وہ بھی، ہاں گھنے ہوں تو اس کا فرض بالوں کی طرف منتقل ہو جائے گا، وقد تقدم ما یکفی لافادتہ (اس کے افادہ کے لئے بقدرِ کفایت عبارتیں گزر چکی ہیں۔ (ت)

ف: **مسئلہ:** وضو میں کنپٹیوں پر بھی پانی بہانا فرض ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ١ / ٦٨

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ١ / ٦٦

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ١ / ٦٩

(۷) دونوں کہنیاں تمام و کمال۔ **(۸)** انگوٹھی ف۱، چھلّے وغیرہا جائز، ناجائز ہر قسم کے گہنے مرد، عورت سب کے لئے جب کہ تنگ ہوں کہ بے اُتارے اُن کے نیچے پانی نہ بہے گا اُتار کر دھونا فرض ہے ورنہ ہلا ہلا کر پانی ڈالنا کہ ان کے نیچے بہہ جائے مُطلقًا ضرور ہے۔ در مختار میں ہے:

لو خاتمہ ضیقا نزعہ اوحرکہ وجوبا[1]۔	اگر انگوٹھی تنگ ہو تو ضروری ہے کہ اُسے اتار دے یا حرکت دے۔ (ت)

(۹) مسح کی نم سر کی کھال یا خاص سر پر جو بال ہیں (نہ وہ کہ سر ف۲ سے نیچے لٹکے ہیں) اُن پر پہنچنا فرض ہے، عمامے، دوپٹے وغیرہ پر مسح ہر گز کافی نہیں مگر جب کہ کپڑا ف۳ اتنا باریک اور نم اتنی کثیر ہو کہ کپڑے سے پھوٹ کر سر یا بالوں کی مقدار شرعی پر پہنچ جائے۔ بحر میں ہے:

فی معراج الدرایۃ لومسحت علی خمارھا و نفذت البلۃ الی رأسھا حتی ابتل قدر الربع منہ یجوز قال مشائخنا اذا کان الخمار جدیدا یجوز لان ثقوب الجدید لم تسد بالاستعمال فتنفذ البلۃ اما اذا لم یکن جدید الا یجوز لانسداد ثقوبہ[2] اھ۔	معراج الدرایہ میں ہے کہ عورت نے اگر دوپٹے پر مسح کیا اور تری نفوذ کرکے سر تک پہنچی یہاں تک کہ سر کا چوتھائی حصہ نم ہوگیا تو جائز ہے۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں، جب دوپٹہ نیا ہو تو جائز ہے اس لئے کہ نئے کپڑے کے سوراخ استعمال کی وجہ سے بند نہ ہوئے ہوں گے تو تری نفوذ کر جائیگی، لیکن اگر نیا نہ ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس کے سوراخ بند ہوچکے ہوں گے۔ (ت)

ف ۱: مسئلہ: وضو میں انگوٹھی چھلوں چوڑیوں وغیرہ گہنوں کا حکم۔

ف ۲: مسئلہ: سر کے نیچے جو بال لٹکتے ہیں ان کا مسح کافی نہیں۔

ف ۳: مسئلہ: ٹوپی یا دوپٹہ اگر ایسا ہو کہ اس پر سے نم سر کے چوتھائی حصہ پر یقینا پہنچ جائے توکافی ہے ورنہ نہیں۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۹/۱

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۳و ۱۸۴

[۳۹] **اقول:** جرت ف عادتهم رحمهم الله باحالة الامور على مظانها الا غلبية كقولهم فی شرب الجنب ماء یجزیئ عن المضمضة ان جاهلا لعبه لاعالما لمصه وفی عض الکلب علی ثوب ینجس فی الرضا لسیلان لعابه دون الغضب لجفافه ووقوع الفارة حیة فی البئر ینجس لوهاربة من هرة لبوله والا لاونظائره لاتحصی والذی یعرف المناط یعرف المقصود فالمناط نفوذ البلة الی قدر الفرض فان علم اجزأ ولو الثوب خلقا والا لاولو جدیدا کما لایخفی۔	**اقول:** حضرات مشائخ رحمہم اللہ تعالی کی عادت یہ ہے کہ معاملات کو غالب گمان کی جگہوں کے حوالے کرتے ہیں جیسے جنب کے پانی پینے سے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ جاہل ہے تو اس کا پینا کلی کی جگہ کام دے گا کیونکہ وہ منہ بھر کر بڑے بڑے گھونٹ پیئے گا اور عالم ہے تو کافی نہ ہوگا کیونکہ وہ چوس چوس کر پیئے گا، اور کپڑے پر کتے کے دانت کاٹنے سے متعلق کہتے ہیں کہ اگر وہ رضا کی حالت میں ہو تو کپڑا ناپاک ہوجائے گا کیونکہ اس کا لعاب بہتا ہوگا اور غصے میں ہو تو ناپاک نہ ہوگا کیونکہ اس کا تھوک خشک ہوچکا ہوگا اور کنویں میں چوہے کے زندہ گرنے سے متعلق کہتے ہیں اگر بلی سے بھاگتے ہوئے گرا تو کنواں ناپاک ہوجائے گا کیونکہ اس کا پیشاب نکلتا ہوگا، ورنہ ناپاک نہ ہوگا، اور اس کی بے شمار نظیریں ہیں جو مدار کار سے آشنا ہے وہ مقصد پہچان لیتا ہے تو یہاں مدار اس پر ہے کہ تری مقدار فرض تک نفوذ کرجائے اگر نفوذ معلوم ہے تو یہ کافی ہے اگرچہ کپڑا پرانا ہے ورنہ کافی نہیں اگرچہ کپڑا نیا ہو، جیسا کہ واضح ہے۔(ت)

(۱۰) نم کم از کم چوتھائی سر کو استیعاب کرلے

هوا لصحیح المفتی به الماخوذ وان قیل وقیل وقداشتهرت	(یہی صحیح، مفتی بہ، ماخوذ ہے۔ اگرچہ ضعیف اقوال متعدد ہیں اور یہ مسئلہ متون وشروح میں معروف

ف: مسئلہ: عادة الفقهاء بناء الامر على المظنة الغالية ويعرف المراد من عرف المناط۔

المسألة متونا وشروحا	ومشہور ہے (ت)

(۱۱) کعبین گٹوں یعنی ٹخنوں کا نام ہے اُن کے بالائی کناروں سے ناخنوں کے منتہی تک ہر حصے پر زرے ذرّے ذرّے کا دُھلنا فرض ہے اُس میں سے سرِ سوزن برابر اگر کوئی جگہ پانی بہنے سے رہ گئی وضو نہ ہوگا، ہاں پاؤں میں تیسرا استثناء جو گزرا اپنے محل پر مسلم ہے جس کی تحقیق فقیر کے فتاوٰی بیان غسل میں ملے گی، چھلّے اور سب گہنے کہ گٹوں پر یا اُن سے نیچے ہوں اُن کا حکم وہی ہے جو فرض ہشتم میں گزرا۔

(۱۲) مُنہ، ف ہاتھ، پاؤں تینوں عضوؤں کے تمام مذکور ذرّوں پر پانی کا بہنا فرض ہے فقط بھیگ جانا ہاتھ پھر جانا یا تیل کی طرح پانی چُپڑ لینا تو بالاجماع کافی نہیں اللھم الا مامر فی الرجلین (مگر وہ جو پیروں سے متعلق گزرا۔ت) اور صحیح مذہب میں ایک بوند ہر جگہ سے ٹپک جانا بھی کافی نہیں کم سے کم دو بوندیں ہر ذرہ ابدان مذکورہ پر سے بہیں۔ درمختار میں ہے:

غسل الوجه ای اسالة الماء مع التقاطر ولو قطرة وفی الفیض اقله قطرتان فی الاصح اھ[1] قال ح ثم ط ثم ش کلھم فی حواشی الدر یدل علیه صیغة التفاعل اھ[2] اما عن ابی یوسف ان الغسل مجرد بلّ المحل بالماء سال اولم یسل[3] ولاجله جعل فی البحر الاسالة مختلفا فیھا بینه وبین الطرفین و	چہرے کا دھونا یعنی "تقاطر" کے ساتھ پانی بہانا اگرچہ ایک ہی قطرہ ٹپکے، اور فیض میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ کم از کم دو دو قطرے ٹپکیں اھ درمختار کے حواشی میں حلبی پھر طحطاوی پھر شامی لکھتے ہیں، اس پر تفاعل کا صیغہ (تقاطر) دلالت کر رہا ہے اھ لیکن وہ جو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ دھونا، اعضاء وضو کو پانی سے صرف تر کر لینے کا نام ہے پانی بہے یا نہ بہے، اور اسی وجہ سے بحر میں بہانے کو امام ابو یوسف اور طرفین کے درمیان مختلف فیہ ٹھہرایا ہے اور ان کا

ف: **مسئلہ ضروریہ:** منہ، ہاتھ، پاؤں کے ذرے ذرے پر پانی بہنا فرض ہے فقط بھیگا ہاتھ پہنچنا کافی نہیں کم از کم ہر پرزے پر سے دو قطرے ٹپکے۔

[1] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۵

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۵

زعم ان اشتراطها هو ظاهر الرواية فالحق الذی لامحید عنه ولا یحل المصیر الا الیه ان تأویله مافی حلیة عن الذخیرة انه سال من العضو قطرة اوقطرتان ولم یتدارك[1] كیف ولولا ذلك لكان هذا والعیاذ بالله تعالٰی انكار اللنّص وتبدیلا للشرع فان الله تعالٰی امر بالغسل وهذا لیس بغسل لالغة ولا عرفا وقد قال فی البحر نفسه الغسل بفتح الغین ازالة الوسخ عن الشیئ ونحوه باجراء الماء علیه لغة اھ[2] وهل الاجراء الا الاسالة وقد فرق المولی سبحنه وتعالٰی بین الاعضاء فجعل وظیفة بعضها الغسل وبعضها المسح فانه اذالم یسل الماء لم یکن الا اصابة بلل وهو المسح۔ ۳۰ **اقول:** فماکان ف ینبغی لمثل	خیال ہے کہ بہانے کا شرط ہونا یہ ظاہر الروایہ ہے۔ تو حق جس سے انحراف نہیں اور جس کی طرف رجوع کے سوا کچھ روا نہیں وہ یہ ہے کہ اس روایت کی تاویل وہ ہے جو حلیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عضو سے قطرہ دو قطرہ بہ جائے اور تسلسل کے ساتھ نہ گرے۔ یہ حق کیوں نہ ہو اگر اس کا یہ مطلب نہ لیں تو معاذاللہ یہ نص کا انکار اور شرع کی تبدیلی ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے دھونے کا حکم دیا ہے اور یہ لغۃً عرفاً کسی طرح بھی دھونا نہیں۔ اور خود بحر میں لکھا ہے کہ غسل بفتح غین (دھونا) لغت میں کسی پر پانی بہا کر اس سے میل وغیرہ دور کرنے کا نام ہے اھ۔ اجراء، اسالہ، بہنا ایک ہی چیز ہے مولٰی سبحنہ وتعالٰی نے اعضاء کے درمیان فرق رکھا ہے کہ کسی میں دھونے کا عمل مقرر فرمایا ہے اور کسی میں مسح رکھا ہے، اگر یہ مان لیں کہ بہنا ضروری نہیں تو تمام اعضاء میں مسح ہی کا عمل رہ جائے گا، اس لئے کہ پانی جب بہے گا نہیں تو صرف یہ ہوگا کہ تری پہنچ گئی اور یہی مسح ہے **اقول:** تو محقق بحر جیسی شخصیت کو

ف: تطفل علی البحر

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۵
[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱

هذا المحقق البحران یجعله مختلفا فیه کی یجترئ علیه الجاهلون کما نشاهد الاٰن من کثیر منهم انه لایزید فی جبهته وعارضیه وغیرها علی اصابة ید مبتلة من دون سیلان ولا تقاطر اصلا واذا اخبران قد بقی لمعة مثلا فی مرفقه او ا خمصه اوعقبه امر علیه یده الباقی فیهابلل الماء من دون ان یأخذ ماء جدیدا فضلا عن الاسالة فالی الله المشتکی ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	یہ نہ چاہئے تھا کہ اسے مختلف فیہ ٹھہرائیں کہ جاہلوں کو اس کی جسارت ہو جیسا کہ اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں کتنے ایسے ہیں کہ پیشانی اور رخسار وغیرہ میں اس سے زیادہ نہیں کرتے کہ بھیگا ہوا ہاتھ لگادیتے ہیں نہ پانی بہتا ہے نہ کوئی قطرہ ٹپکتا ہے اگر کسی کو بتایا جائے کہ دیکھو کہنی یا تلوے یا ایڑی میں تھوڑی سی جگہ خشک رہ گئی تو بس ہاتھ اس جگہ پھیر دے گا اور اس میں پانی کی باقیماندہ تری کو کافی سمجھے گا از سرنو دوسرا پانی بھی نہ لے گا، پانی بہانا تو دور کی بات ہے، تو خدا ہی کی بارگاہ میں شکایت ہے اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر عظمت والے خدائے برتر ہی سے۔(ت)

تنبیہ جلیل: متعدد کتب ف معتمدہ مثلاً خلاصہ وجوہرہ نیرہ وحلیہ وغنیہ ودر مختار وغیرہا میں وہ استثنا کہ ہاتھوں میں دوسرا اور پاؤں میں تیسرا تھا اس میں یہ قید لگائی کہ وہ چیز ایسی نرم ہو جس میں پانی سرایت کرسکے جیسے مٹی گارا نہ سخت اور نفوذ کو مانع جیسے آٹا، موم، چربی، جما ہوا گھی، مچھلی کا سنا، چبائی ہوئی روٹی، درمختار سے گزرا۔

بخلاف نحو عجین[1]	گندھے ہوئے آٹے جیسی چیز کے برخلاف (ت)

ردالمحتار میں قول شارح لایمنع دھن (مانع نہیں تیل، ت) کے تحت میں ہے:

ای کزیت وشیرج بخلاف نحوشحم وسمن جامد[2]	(یعنی جیسے زیتون کا اور تلوں کا تیل، چربی اور جمے ہوئے گھی کے برخلاف۔ت)

ف: مسئلہ: تحقیق جلیل کہ مواضع ضرورت میں جس طرح بے اطلاع مٹی گارے کا لگا رہ جانا مانع وضو وغسل نہیں، یونہی سب چیزوں مثلاً آٹے وغیرہ کا بھی۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ / ۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث بیروت ۱ / ۱۰۴

اُسی میں بخلاف نحو عجین کے نیچے ہے

ای کعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد جوھرۃ [1]	(یعنی جیسے گوند، موم، مچھلی کا سنا، چبائی ہوئی چپکنے والی روٹی۔ جوہرہ۔ت)

در مختار میں ہے:

لایمنع طعام بین اسنانه اوفی سنه المجوف به یفتی وقیل ان صلبا منع وھو الاصح [2]	کھانے کا ٹکڑا جو دانتوں کے درمیان یا جوف کے اندر رہ جائے وہ مانع نہیں، اسی پر فتوی ہے اور کہا گیا کہ اگر سخت ہو تو مانع ہے، اور وہی اصح ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

صرح به فی الخلاصة وقال لان الماء شیئ لطیف یصل تحته غالبا اھ ومفادہ عدم الجواز اذا علم انه لم یصل الماء تحته قال فی الحلیة وھو اثبت [3] قوله وھو الاصح صرح به فی شرح المنیة وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورۃ والحرج [4]۔	اسی کی تصریح خلاصہ میں فرمائی ہے اور کہا ہے، اس لئے کہ پانی لطیف ہوتا ہے غالب گمان یہی ہے کہ اس کے نیچے پہنچ جائے گا اھ اور اس کا مفاد یہ ہے کہ جائز نہ ہوگا اگر یہ معلوم ہو کہ پانی اس کے نیچے نہ پہنچا حلیہ میں کہا، یہ اثبت ہے قول در مختار وہی اصح ہے منیہ میں اس کی تصریح کی ہے اور کہا ہے، اس لئے کہ پانی نفوذ نہ کرسکے گا اور ضرورت وحرج بھی نہیں۔(ت)

تو اس کا لحاظ مناسب ہے اگرچہ تحقیق ف یہ ہے کہ مدار کار ضرورت وحرج عام یا خاص پر ہے

ف: "تطفل علی الغنیة والدر وغیرھما

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

اگر حرج نہیں طہارت نہ ہوگی اگرچہ پانی سرایت کرے کہ مجرد تری پہنچنا کافی نہیں بہنا شرط ہے، اور وہ قطعاً گارے وغیرہ جرم دار چیزوں میں بھی نہ ہوگا جب تک ان کا جرم زائل نہ ہو تو نرمی وسختی کا فرق بیکار ہے اور حرج وضرورت ہو اور طہارت کرلی اور ایسی چیز لگی رہ گئی اور نماز پڑھ لی تو معافی ہے اگرچہ سخت ومانع نفوذ ہو آخر مکھی مچھر کی بیٹ پر خود درمختار میں **لم یصل الماء تحتہ** (اس کے نیچے پانی نہ پہنچا۔ت) فرما کر حکم دیا کہ **لایمنع الطھارۃ** (طہارت سے مانع نہیں ہے۔ت) اور مہندی کے جرم کو بھی مانع نہ مانا اور فرمایا **بہ یفتی**[1] (اسی پر فتوی ہے۔ت) حالانکہ اس کا جرم خصوصاً بعد خشکی یقیناً نفوذ آب کو مانع ہے ۔ ولہذا ردالمحتار میں فرمایا۔

قولہ بہ یفتی صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرہ فی مسألۃ الحناء والطین والدرن معللا بالضرورۃ قال فی شرحھا لان الماء ینفذ لتخللہ وعدم لزوجتہ وصلابتہ والمعتبر فی جمیع ذلك نفوذ الماء و وصولہ الی البدن اھ لکن یرد علیہ ان الواجب الغسل وھو اسالۃ الماء مع التقاطر کما مرفی ارکان الوضوء والظاھر ان ھذہ الاشیاء تمنع الاسالۃ فالاظھر التعلیل بالضرورۃ[2]۔	اس کی تصریح منیہ میں ذخیرہ کے حوالہ سے مہندی، مٹی، گارے اور میل کے مسئلہ میں ضرورت سے بیان علت کے ساتھ ہے۔ اسی کی شرح میں کہا، اس لئے کہ پانی نفوذ کر جائے گا کیونکہ اس میں تخلل ہوتا ہے اور لزوجت وصلابت نہیں ہوتی۔ اور ان سب میں پانی کے نفوذ کرجانے اور بدن تک پہنچ جانے ہی کا اعتبار ہے اھ، لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ واجب دھونا ہے اور وہ تقاطر کے ساتھ پانی بہانے کا نام ہے جیسا کہ ارکان وضو میں گزرا اور ظاہر یہ ہے کہ یہ چیزیں پانی بہنے سے مانع ہیں تو زیادہ ظاہر ضرورت سے بیان علت ہے۔(ت)

قول مذکور خلاصہ **لان الماء شیئ لطیف الخ** (اس لئے کہ پانی لطیف چیز ہے الخ۔ت) نقل کرکے فرمایا:

یرد علیہ ماقدمناہ اٰنفا[3]	اس پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو ہم ابھی بیان کرچکے ہیں۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۹/۱

[2] ردالمحتار فرائض الغسل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

[3] ردالمحتار فرائض الغسل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

لاجرم بعض مشائخ نے کہ ناخنوں کے میل میں فرق کیا کہ دیہاتی کے لئے اجازت ہے کہ اس کا میل خاک مٹی سے ہوگا اس میں پانی سرایت کرجائے گا اور شہری کو نہیں کہ اس کا میل چکنائی سے ہوگا، انہیں اکابر نے اس تفرقہ کو رد کردیا، اور فرمایا، اصح یہ کہ دنوں یکساں ہیں۔ درمختار سے گزرا

قرویا اومدنیا فی الاصح[1]	خواہ دیہاتی ہو یا شہری، یہی اصح قول ہے۔(ت)

جب یہی قضیہ نظر اور یہی مفتی بہ تو اسی پر عمل اور یہی معول۔

[۳۱]اقول: وکانّ مراد العلامۃ الشامی بقولہ بخلاف نحوشحم وسمن جامد[2] حیث لاحرج ولا ضرورۃ فان مسألۃ الدھن والشبرج عامۃ لاتقتصر علی الضرورۃ فافادان الشحم لیس کمثلہ لکن ف العجب انہ ذکر مامر عن الجوھرۃ ثم استدرك علیہ بالفتوٰی المذکورۃ فی النھر ثم عقبھا بقولہ نعم وذکر الخلاف فی شرح المنیۃ فی العجین واستظھر المنع لان فیہ لزوجۃ وصلابۃ تمنع نفوذ الماء اھ[3] وکانہ سکت علیہ اکتفاء بما قدمہ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقول: "بخلاف چربی اور جمے ہوئے گھی کے مثل" کہنے سے غالباً علامہ شامی کی مراد یہ ہے کہ جہاں حرج اور ضرورت نہ ہو۔ اس لئے کہ روغن اور تلوں کے تیل کا مسئلہ عام ہے صرف ضرورت پر محدود نہیں تو یہ افادہ کیا کہ چربی اس طرح کی نہیں۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ انہوں نے پہلے جوہرہ سے گزشتہ عبارت نقل کی پھر النہر الفائق میں مذکورہ فتوی سے اس پر استدراک کیا (کہ لیکن نہر میں ہے کہ ناخنوں میں خمیر ہو تو فتوی یہ ہے کہ وہ معاف ہے) پھر اس کے بعد یہ لکھا کہ ہاں شرح منیہ میں خمیر سے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے اور مانع ہونے کو ظاہر کیا ہے کیونکہ اس میں لزوجت اور صلابت ہوتی ہے جو پانی کے نفوذ سے مانع ہوتی ہے اھ، شاید انہوں نے ما سبق پر اکتفا کرتے ہوئے یہاں سکوت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)۔

ف: [۳۱]معروضۃ علی ردالمحتار

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۹/۱

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۴

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۴

رہا **واجب عملی** ف۱ وہ وضو میں کوئی نہیں، بحر الرائق سے گزرا

اتفق الاصحاب انہ لاواجب فی الوضوء [1]	(ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ وضو میں کوئی واجب نہیں۔ت)

درمختار میں ہے

افاد انہ لاواجب للوضوء ولا للغسل [2]	(وضو وغسل میں ارکان کے بعد واجب چھوڑ کر سنتوں کا ذکر لاکر یہ افادہ فرمایا کہ وضو وغسل میں کوئی واجب نہیں۔ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے اور خود بعد نقل اتفاق اصحاب کیا حاجت اطناب واسہاب مگر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اپنی بحث سے وضو کیلئے بسم اللہ ف۲ وذکر الٰہی سے ابتدا کرنا برخلاف مذہب واجب ٹھہرایا اور اس مسئلہ متفق علیہا کے جواب میں فرمایا:

ماقیل انہ لامدخل للوجوب فی الوضوء لانہ شرط تابع فلوقلنا بالوجوب فیہ لساوی التبع الاصل غیر لازم اذا شترا کہما بثبوت الواجب فیہما لایقتضیہ لثبوت عدم المساواۃ بوجہ اٰخرنحو انہ لایلزم بالنذر بخلاف الصلاۃ مع انہ لامانع	کہا گیا کہ وضو میں ثبوت واجب کا کوئی دخل نہیں اس لئے کہ وضو نماز کی ایک شرط تابع ہے اگر اس میں بھی ہم وجوب کے قائل ہوں تو تابع واصل میں برابری ہوجائے گی، مگر ہم کہتے ہیں کہ برابر ہونا لازم نہ آئے گا اس لئے کہ اگر نماز و وضو دونوں میں واجب کا ثبوت ہو تو اس کا مقتضایہ نہیں کہ دونوں میں مساوات ہو کیوں کہ عدم مساوات دوسرے طریقہ سے ثابت ہو سکتی

ف۱: **مسئلہ**: وضو وغسل میں ایسا واجب کوئی نہیں جس کے نہ کرنے سے گناہگار ہو مگر طہارت ادا ہوجائے۔

ف۲: **مسئلہ**: ہمارے مذہب میں بسم اللہ سے وضو کی ابتدا صرف سنت ہے واجب نہیں اگرچہ امام ابن الہمام کا خیال وجوب کی طرف گیا۔

[1] بحر الرائق قبیل سنن الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۱

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰

من الحکم بأن واجبه احط رتبة من واجب الصلاۃ کفرضه بالنسبة الی فرضها [1] اھ کلامه الشریف۔ [32] **اقول:** لم یأت ف المستدل بشیئ حتی سمع ماسمع واذا لم یمنع تبعیة الوضوء ثبوت الفرائض فیه فلم یمنع ثبوت الواجبات و الرواتب توابع للفرائض انما شرعت مکملات لا محصلات لھا فلیست فی مرتبة الوضوء ایضا ثم لا یقعدھا ذلك عن ان یکون لھا کل من الفروض والواجبات والسنن والمستحبات کما للاصول۔ولم نعن ان الوضوء لایستاھل فی نفسه ان یکون له واجب حتی نحتاج الی ماذکر المستدل وانما عنینا ان لیس فی مذھبنا واجب فی الوضوء لایجوز ترکه و	ہے مثلاً یہ کہ نذر ماننے سے وضو لازم نہیں اور نماز لازم ہے اور برابری دفع کرنے کے لئے یہ حکم بھی کیا جاسکتا ہے کہ واجب وضو، واجب نماز سے کم رتبہ ہوگا جیسے فرض وضو، فرض نماز سے کم رتبہ ہے اھ ان کا کلام ختم ہوا۔(ت) **اقول:** مستدل نے کوئی مضبوط بات نہ کی جس کے نتیجے میں اسے یہ سب سننا پڑا۔مزید ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جب وضو کا تابع نماز ہونا وضو میں فرائض کے ثبوت سے مانع نہ ہوا تو واجبات ثابت ہونے سے مانع کیوں ہوگا؟ سنن رواتب، فرائض کے تابع ہیں، وہ فرائض کو حاصل کرانے والی اور ان کے وجود و ثبوت کا ذریعہ بھی نہیں صرف ان کی تکمیل کرنے والی ہو کر مشروع ہوئی ہیں تو یہ وضو کے درجہ میں بھی نہیں مگر ان کی یہ تبعیت اس سے مانع نہ ہوئی کہ ان میں بھی فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات ہوں جیسے ان کی اصل یعنی فرائض میں ہیں"وضو میں کوئی واجب نہیں" سے یہ مراد نہیں کہ وضو اس قابل نہیں کہ اس کے اندر کوئی واجب ہو اور ہمیں وہ بات کہنے کی ضرورت ہو جو مستدل نے ذکر کی، اسی سے ہماری مراد صرف یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں وضو کا کوئی

ف: [13] تطفل علی الفتح و علی [14] من نقل عنه فی الفتح۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱

یصح بدونه وهذا ظاهر لایفتاق الی اظهار وثابت لایصلح للانکار۔	واجب نہیں، جس کا ترک جائز نہ ہو اور جس کے بغیر نفس وضو کی صحت حاصل ہو جائے اور یہ بالکل واضح ہو جس کے اظہار کی ضرورت نہیں، اور ثابت ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔ ت)

اور مسئلہ تسمیہ **اولاً** تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمہ مذہب سے منقول نہ محققین مابعد میں مقبول، خود ان کے تلمیذ علّامہ قاسم بن قطلوبغا نے ف فرمایا: ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلافِ مذہب ہیں اُن کا اعتبار نہ ہوگا۔

[۳۳] **اقول:** یعنی جب کہ خلاف، اختلافِ زمانہ سے ناشی نہ ہو،

کماافتو بجواز الا جارة علی التعلیم والاذان والامامة وباخذ صاحب الحق من خلاف جنسه اذظفر الی نظائر کثیرة۔	جیسے علماء نے تعلیم، اذان اور امامت پر اجارہ کے جواز کا فتوی دیا اور یہ فتوی دیا کہ صاحب حق اپنے حق سے مختلف جنس پاجائے تو اسے لے سکتا ہے (یعنی لینے والا مثلا ظالم ہے اور صاحب حق کو اپنی چیز ملنے کی امید نہیں تو اس کی قیمت کے مساوی ظالم کے مال سے جو ہاتھ لگے لے کر رکھ سکتا ہے۔) اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ (ت)

ردالمحتار جنایات الحج میں ہے:

قد قال تلمیذہ العلامة قاسم ان ابحاثه المخالفة للمذهب لاتعتبر[1]	ان کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ حضرت محقق کی خلاف مذہب بحثوں کا اعتبار نہیں (ت)

اور خاص اس مسئلہ میں ان کے تلمیذ ارشد امام محمد محمد ابن امیر الحاج نے بحثِ محقق پر

ف: **ضروریہ** خلاف مذہب بحثیں اگرچہ امام ابن الہمام کی ہوں مقبول نہیں جبکہ خلاف اختلاف زمانہ سے ناشی نہ ہو۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج باب الجنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۰۶

تعویل درکنار سُنّیت بھی نہ مانی، صرف استحباب کو مرجح قرار دیا جسے خلاصہ میں مفاد ظاہر الراویۃ اور ھدایہ میں اصح فرمایا، حلیہ میں فرماتے ہیں:

وانی لمتعجب ممن استدل بہ وحدہ علی الاستنان[1] (یرید حدیث انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل مع احد منکم ماء فوضع یدہ فی الاناء وقال توضوا بسم اللہ قال فرأیت الماء یخرج من بین اصابعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی توضوا من عند اٰخرھم وکانوا نحوا من سبعین اخرجہ النسائی[2] وابن خزیمۃ والبیھقی وقال انہ اصح مافی التسمیۃ[3] وقال النووی اسنادہ جید۔ [34] **اقول:** وضعف دلالتہ علی استنان التسمیۃ لکل وضوء ظاھر فالظاھر انہ ھھنا لاستجلاب البرکۃ فی الماء القلیل واللہ تعالٰی	"مجھے تو اس پر تعجب ہے جس نے صرف اس حدیث سے وضو میں تسمیہ کے مسنون ہونے پر استدلال کیا" (اس سے مراد حضرت انس رضی اللہ علی عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کیا تم میں سے کسی کے پاس کچھ پانی ہے؟ پھر دست مبارک برتن میں رکھا اور فرمایا اللہ کے نام سے وضو کرو، میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پانی نکلنے لگا یہاں تک کہ سب لوگوں نے وضو کرلیا اور یہ ستر کے قریب تھے۔ اسے نسائی، ابن خزیمہ اور بیہقی نے روایت کیا اور بیہقی نے کہا، یہ تسمیہ میں سب سے صحیح حدیث ہے۔ اور نووی نے کہا اس کی سند جید ہے) **اقول:** ہر وضو کے لئے تسمیہ کے مسنون ہونے پر اس حدیث کی دلالت کا کمزور ہونا واضح ہے اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ یہاں پر بسم اللہ تھوڑے پانی میں برکت حاصل کرانے کیلئے ہے

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

2 سنن نسائی باب تسمیۃ عند الوضوء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۵، صحیح ابن خزیمہ باب ذکر تسمیۃ اللہ عزوجل عند وضوء حدیث ۱۴۴ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۷، السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب تسمیۃ علی الوضوء دار صادر بیروت ۱/۴۳

3 السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب تسمیۃ علی الوضوء دار صادر بیروت ۱/۴۳

اعلم۔ قال فی الحلیه وکذلك غایة مایفیده الاستدلال الماضی بقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولا وضوءلمن لم یذکر اسم الله علیه الاستحباب فانه کما یثبت نفی الفضیلة والکمال بترك السنة یثبت بترك المستحب فی الجملة فیترجح بهذا البحث القول بالاستحباب والله سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب اھ[1]	اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔آگے حلیہ میں فرمایا)"اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد"اس کا وضو نہیں جس نے وضو پر خدا کا نام نہ ذکر کیا"سے سابقا جو استدلال ہے اس سے زیادہ سے زیادہ استحباب مستفاد ہوتا ہے اس لئے کہ کامل وافضل وضو ہونے کی نفی جیسے ترک سنت سے ثابت ہوتی ہے فی الجملہ ترک مستحب سے بھی ثابت ہوتی ہے تو اس بحث سے اس کے استحباب ہی کا قول ترجیح پاتا ہے،اور خدائے بزرگ وبرتر ہی صواب ودرستی کو خوب جانتا ہے اھ۔(ت)

ثانیا کہا گیا کہ خود امام محقق علی الاطلاق نے اسی کتاب کے باب شروط الصّلاۃ میں اپنی اس بحث سے رجوع کی اور فرمادیا کہ حق وہی ہے جو ہمارے علماء کامذہب ہے کہ وضو میں بسم اللہ صرف مستحب ہے۔ردالمحتار میں ہے۔

تعجب صاحب البحر من المحقق ابن الهمام حیث رجح هنا وجوبها ثم ذکر فی باب شروط الصلاة ان الحق ما علیه علماؤنا من انها مستحبة کیف وقد قال الامام احمد لااعلم فیها حدیثا ثابتا اھ[2]	صاحب بحر نے محقق ابن ہمام پر تعجب کا اظہار کیا ہے کہ یہاں توانہوں نے وجوب تسمیہ کو ترجیح دی پھر شرائط نماز کے باب میں یہ ذکر کیا کہ حق اس کا استحباب ہی ہے جس پر ہمارے علماء ہیں،اور کیوں نہ ہوجب کہ امام احمد نے فرمایا ہے کہ اس بارے میں کوئی ثابت حدیث میرے علم میں نہیں اھ۔ت)

[۳۵]**اقول:اللھم غفرا** (میں کہتا ہوں اے اللہ! مغفرت فرما۔ت) یہ سخت

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاالتراث العربی بیروت ۷۵/۱

تعجب کا محل ہے فقیر نے ردالمحتار پر جو حواشی لکھے ہیں ان میں اس قول پر لکھا،

[36] **اقول:** سبحن [ف] من تنزہ عن النسیان و الخطأ انما عبارۃ المحقق فی شروط الصلاۃ (فی الکلام علی الاستدلال بقولہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد علی لزوم سترالعورۃ فی الصلاۃ) بھذا القدر الحق ان الاٰیۃ ظنیۃ الدلالۃ فی سترالعورۃ فمقتضاھا الوجوب فی الصلاۃ ومنھم من اخذ منھا قطعیۃ الثبوت ومن حدیث "لاصلاۃ لحائض الابخمار" قطعیۃ الدلالۃ فی سترالعورۃ فیثبت الفرض بالمجوع وفیہ مالایخفی بعد تسلیم قطعیۃ الدلالۃ فی الحدیث والا فھو قداعترف فی نظیرہ من نحو "لاوضوء لمن لم یسم ولاصلاۃ لجار المسجد" انہ ظنی الدلالۃ ولاشك فی ذلك لان احتمال نفی الکمال قائم [1] والاوجہ الاستدلال بالاجماع علی الافتراض فی	**اقول:** پاکی ہے اسے جو خطا ونسیان سے منزہ ہے باری تعالی کا ارشاد ہے، تم ہر نماز کے وقت اپنی آرائش اختیار کرو" اس سے نماز کے اندر ستر عورت کی فرضیت کے استدلال پر، کلام کرتے ہوئے شرائط نماز کی بحث میں محقق علی الاطلاق کی عبارت صرف اس قدر ہے، حق یہ ہے کہ ستر عورت کے بارے میں اس آیت کی دلالت ظنی ہے اس لئے اس کا مقتضا بس وجوب ہوگا نماز میں۔ اور بعض حضرات نے ستر عورت کے بارے میں اس آیت سے قطعیت ثبوت لی اور حدیث "لا صلوۃ الحائض الا بخمار" (بالغہ کے لئے اوڑھنی کے بغیر نماز نہیں) سے قطعیت اثبات ودلالت لی اور دونوں کے مجموعے سے ستر کی فرضیت ثابت کی، حالانکہ حدیث میں ستر پر دلالت کی قطعیت اگر مان لی جائے تب بھی اس استدلال پر جو کلام ہے وہ محتاج بیان نہیں، ورنہ اس مستدل نے تو خود حدیث مذکور کی نظیر "لا وضوء لمن لم یسم" (جس نے بسم اللہ نہ پڑھی اس کا وضو نہیں) اور "لا صلوۃ لجار المسجد الا فی المسجد" (مسجد کے پڑوسی کے لئے نماز نہیں مگر مسجد ہی میں) وغیرہ میں یہ اعتراف کیا ہے کہ وجوب پر ان

ف: [15] معروضۃ علی ردالمحتار

[1] جدالممتار علی ردالمحتار کتاب الطہارۃ المجمع الاسلامی مبارک پور انڈیا ۱/ ۹۶

الصلاۃ کما نقلہ غیر واحد من ائمۃ النقل الی ان حدث بعض المالکیۃ فخالف فیہ کالقاضی اسمٰعیل وھو لایجوز بعد تقرر الاجماع اھ بلفظہ الشریف۔[1]	سب کی دلالت ظنی ہے۔اور واقعۃً وجوب پر ان سب کی دلالت کے ظنی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لئے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان سب میں وضو و نماز کے کامل ہونے کی نفی ہو (اور لاصلوۃ، لاوضوء کہہ کر حقیقت نماز اور حقیقت وضو کی نفی مقصود نہ ہو) اوجہ او رزیادہ مناسب یہ ہے کہ نماز میں فرضیت ستر پر اجماع کو دلیل میں پیش کیا جائے جیسا کہ متعدد ائمہ نقل نے اس پر اجماع نقل کیا ہے یہاں تک کہ مالکیہ میں بعض افراد، جیسے قاضی اسمٰعیل، پیدا ہوئے اور اس اجماع کی مخالفت کی جب کہ اجماع ثابت و مقرر ہو جانے کے بعد اس مخالفت کا کوئی جواز نہیں" اھ بلفظہ الشریف
ولیس فیہ من قولہ فالحق ماعلیہ وعلماؤنا الخ عین ولا اثر وانما ھومن کلام البحر حیث قال والعجب من الکمال ابن الھمام انہ فی ھذا الموضع نفی ظنیۃ الدلالۃ عن حدیث التسمیۃ بمعنی مشترکھا واثبتھا لہ فی باب شروط الصلاۃ بابلغ وجوہ الاثبات بان قال ولا شك فی	اس میں بحر کے حوالے سے شامی کی بیان کردہ عبارت "فالحق ماعلیہ علماء ونا الخ" (تو حق وہی ہے جس پر ہمارے علماء ہیں کہ وضو میں تسمیہ مستحب ہے) کا کوئی نام ونشان نہیں دراصل وہ بحر کی عبارت ہے، ان کے الفاظ اس طرح ہیں" کمال ابن ہمام پر تعجب ہے کہ یہاں تو انہوں نے حدیث تسمیہ کے ظنی الدلالۃ بمعنی مشترک الدلالۃ ہونے کی نفی کی اور شرائط نماز کے باب میں بڑے شدومد کے ساتھ اس کا اثبات کیا اور کہا: ولا شك فی ذالك لان

[1] فتح القدیر باب شروط الصلوۃ التی تتقدمہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۴

ذلك لان احتمال نفی الکمال قائم فالحق ماعلیه علماؤنا الی اٰخر (مانقل الشامی۔ فالعلامة الشامی رحمه الله تعالٰی لم یراجع ھھنا الی الفتح وظن ان الکلام کله منقول عنه "وانما ھو عنه الی قوله قائم وما بعده فمن البحر"۔) **ثم [۳۶] اقول:** العجب ف کل العجب من المحقق صاحب البحر کیف نسب ھھنا الی المحقق مالم یقله ولم یرِده فانه رحمه الله تعالٰی انما نفی ھھنا عن خبر التسمیة الظنیة بمعنی الاشتراك اعنی تساوی الاحتمالین کما یتساوی معنیا المشترك مالم تقم علی احدھما قرینة ولم یقل مکان قوله مشترکھا مشکوکھا اذلا شك فی الدلالة انما الشك فی تعیین	احتمال نفی الکمال قائم۔ "یعنی واقعۃ "ان سب کی دلالت کے ظنی ہونے میں کوئی شک نہیں، اس لئے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ ان سب میں وضو ونماز کے کامل ہونے کی نفی ہو، تو حق وہی ہے جس پر ہمارے علماء ہیں، اس عبارت کے آخر تک جو علامہ شامی نے نقل کی، اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فتح القدیر کی مراجعت نہ کی اور یہ خیال کرلیا کہ بحر کی ساری عبارت فتح ہی سے منقول ہے، حالانکہ اس میں فتح سے صرف لفظ" قائم "تک نقل ہے اس کے بعد کا کلام خود بحر کا ہے، **ثم اقول :** سخت تعجب محقق صاحب بحر پر ہے کہ انہوں نے یہاں محقق علی الاطلاق کی جانب ایک ایسی بات کیسے منسوب کردی جو نہ انہوں نے کہی، نہ ہی وہ ان کا مقصود ہے اس لئے کہ حضرت محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہاں جس بات کا انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث تسمیہ میں ظنیت اثبات بمعنی اشتراک ہو۔ اشتراک کا مطلب یہ کہ دونوں احتمال برابر ہوں جیسے مشترک کے دونوں معنی برابر ہوتے ہیں جب تک کہ کسی ایک پر کوئی قرینہ نہ قائم ہو، اور انہوں نے لفظ مشترک الدلالۃ کے بجائے مشکوک الدلالۃ نہ کہا، اس کی وجہ

ف: تطفل علی البحر الرائق

المدلول ولم یعترف بھذا فی شروط الصّلاۃ انما اعترف بقیام الاحتمال ولم ینکرہ ھھنا بل قدصرح بہ(حیث قال نفی الکمال فیھما احتمال یقابلہ الظھور اھ [1] ولاجل کونہ مرجوحًا لم یستنزل الحدیث عن افادۃ الوجوب کما قدمنا نقل کلامہ وھو بمرأی منك فلاتعارض بین کلامیہ اصلًا وباللہ التوفیق۔[2]

یہ ہے کہ (دلالت تو دونوں معنوں پر موجود ہے ۱۲م) دلالت میں کوئی شک نہیں، صرف مدلول کی تعیین میں شک ہے، اور شرائط نماز میں اعتراف اس بات کا نہیں، وہاں انہوں نے بس احتمال موجود ہونے کا اعتراف کیا ہے اس کا انکار یہاں بھی نہیں، بلکہ اس کی تو صراحت فرمائی ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں "ان دونوں حدیثوں میں نفی کمال ایک ایسا احتمال ہے کہ ظاہر اس کی مخالفت کر رہا ہے اھ" یعنی احتمال ہے مگر چونکہ مرجوح ہے اس لئے وہ حدیث کو افادہ وجوب کے درجے سے نیچے نہ لاسکے گا، جیسا کہ ہم ان کی پوری عبارت پہلے نقل کر آئے ہیں، اور وہ آپ کے سامنے ہے اس سے ثابت ہوا کہ ان کی دونوں مقام کی عبارتوں میں بالکل کوئی تعارض نہیں وباللہ التوفیق۔

ثمّ اشد ف العجب العجب علی العجب ان المحقق صاحب البحر فھم من کلام المحقق حیث اطلق رحمھما اللہ تعالٰی انہ یدعی قطعیۃ دلالۃ الحدیث علی

پھر سخت حیرت بالائے حیرت یہ ہے کہ محقق صاحب بحر نے محقق علی الاطلاق رحمہما اللہ تعالٰی کے کلام سے یہ سمجھ لیا کہ وہ اس بات کے مدعی ہیں کہ وضو کے لئے وجوب تسمیہ پر حدیث

ف: تطفل آخر علی البحر الرائق

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۱/۱

[2] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارۃ المجمع الاسلامی مبارکپور (الہند) ۹۶/۱

ایجاب التسمیۃ للوضوء حیث قال وقد اجاب (ای فی الفتح) عن قولھم لاواجب فی الوضوء بما حاصلہ ان ھذا الحدیث لما کان ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ ولم یصرف صارف افاد الوجوب اھ[1]

۳۷ **اقول:** ھذا نقیض ماصرح بہ المحقق فانہ انما قرر ان الحدیث ظنی الثبوت والدلالۃ جمیعا وحقق ان الثابت بمثلہ الوجوب دون الاستنان اذاکان احتمال الخلاف مرجوحا وقال ان الظن واجب الاتباع فی الادلۃ الشرعیۃ الاجتھادیۃ وھو متعلق بالاحتمال الراجح فیجب اعتبار متعلقہ[2] اھ

کماتقدم وقد نقلہ المحقق صاحب البحر بقولہ ان ارید بظنیھا مافیہ احتمال ولو مرجوحا فلا نسلم انہ لایثبت بہ الوجوب لان الظن

کی دلالت قطعی ہے، بحر کے الفاظ یہ ہیں فقہانے فرمایا کہ وضو میں کوئی واجب نہیں، اس کا فتح القدیر میں جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث جب ثبوت میں ظنی، دلالت میں قطعی ہے اور اسے اس معنی سے پھیرنے والی کوئی چیز نہیں تو وہ وجوب کا افادہ کرے گی اھ (اور وضو میں یہ واجب (تسمیہ) اس حدیث کے پیش نظر ثابت ہوجائے گا ۱۲م)

اقول: یہ اس کے بالکل برعکس ہے جس کی حضرت محقق نے صراحت فرمائی، کیونکہ انہوں نے تو یہی تقریر فرمائی ہے کہ حدیث، ثبوت اور دلالت دونوں میں ظنی ہے اور یہ تحقیق کی ہے کہ ایسی حدیث سے سنیت نہیں، وجوب ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ احتمال مخالف مرجوح ہو۔ اور انہوں نے فرمایا ہے کہ شریعت کی اجتہادی دلیلوں میں ظن کا اتباع واجب ہے اور ظن (احتمال راجح) کو ماننا واجب ہے اھ،

جیسا کہ پہلے ان کی یہ عبارت گزری، اور اسے صاحب بحر نے بھی اپنے ان الفاظ میں نقل کیا ہے اگر ظنی الدلالۃ کا یہ مطلب لیا گیا ہے کہ وہ دلیل جس میں کوئی بھی دوسرا احتمال ہو اگرچہ مرجوح سہی، تو ہم یہ نہیں مانتے کہ ایسی دلیل سے وجوب ثابت

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹

[2] فتح القدیر، کتاب الطہارات، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱

واجب الاتباع وانكان فيه احتمال [1] اھ فسبحن من لايزل ولا ينسٰى۔ ثم حاول المحقق ف صاحب البحر الرد على المحقق حيث اطلق باختيار الشق الاول فقال مرادهم من ظنى الدلالة مشتركها ولا شك انه مشترك شرعى اطلق تارة واريد به نفى الحقيقة نحولا صلوة لحائض الابخمار ولا نكاح الابشهود واطلق تارة مراد به نفى الكمال نحولا صلاة للعبد الأبق ولا صلاة لجار المسجد الافى المسجد [2] اھ ٣٨ **اقول:** المحقق لاينكر انه ياتى لهذا وهذا كيف وقد نص بقيام احتمال نفى الكمال فى الموضعين من	نہ ہوگا، اس لئے کہ ظن کا اتباع واجب ہے اگرچہ اس میں کوئی اور احتمال موجود ہے اھ، تو پاکی ہے اس ذات کے لئے جسے لغزش اور فراموشی نہیں۔ **پھر** محقق صاحب بحر نے پہلی شق اختیار کرکے محقق علی الاطلاق کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے، کہتے ہیں "ظنی الدلالۃ سے علماء کی مراد مشترک الدلالۃ ہے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ مشترک شرعی ہے، کبھی اس کا اطلاق ہوا اور اس سے نفی حقیقت مقصود ہوئی جیسے "بالغہ کے لئے اوڑھنی کے بغیر نماز نہیں" اور گواہوں کے بغیر نکاح نہیں" اور کبھی اس کا اطلاق ہوا اور نفی کمال مقصود رہی جیسے "آقا کے پاس سے بھاگے ہوئے غلام کی نماز نہیں" اور مسجد کے پڑوسی کی نماز نہیں مگر مسجد میں، اھ **اقول:** حضرت محقق کو اس سے انکار نہیں کہ وہ اس کے لئے بھی آتا ہے اور اس کے لئے بھی (یعنی لائے نفی جنس کی نفی حقیقت اور نفی کمال دونوں معنی میں مستعمل ہونے سے

ف: [٣٨] تطفل ثالث علی البحر الرائق وانتصار للامام ابن الهمام

1 بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹

2 بحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹

کلامه انما یقول ان الاصل نفی الاصل ونفی الکمال خلاف الظاھر ولا ینفیه ارادته حیث دعا الیه الدلیل ومجرد استعمال لفظ فی معنیین لایجعله مشترکا فیهما متساوی الدلالة علیهما والا لارتفع المجاز من البین۔	انہیں انکار نہیں ۱۲م) انکار کیسے ہوگا جبکہ اپنے کلام کے دونوں مقام پر انہوں نے نفی کمال کا احتمال موجود ہونے کی تصریح کی ہے۔ اور وہ تو صرف یہ فرمارہے ہیں کہ اصل یہی ہے کہ اصل اور حقیقت کی نفی ہو۔ اور کمال کی نفی خلاف ظاہر ہے اس کی تردید اس سے نہیں ہوسکتی کہ نفی کمال اس سے کسی ایسے مقام میں مراد لی گئی ہے جہاں دلیل اسی کی مقتضی ہے اور دو معنوں میں کسی لفظ کا محض مستعمل ہوجانا اسے ان دونوں میں مشترک اور دونوں پر برابر برابر دلالت کرنے والا نہیں بنادیتا ورنہ مجاز کا وجود ہی ختم ہوجائے۔
والعجب ف۱ من المحقق صاحب البحر نسی ھھنا ان مذھب ف۲ الحنفیة والجمھور ان لا اجمال فی نحو لا صلاۃ الا بطھور انما ادعی الاشتراك القاضی ابو بکر الباقلانی من الشافعیة وقد تکفل بردہ علماؤنا فی کتبھم الزکیة۔	اور محقق صاحب بحر پر تعجب ہے کہ وہ یہاں یہ بھول گئے کہ حنفیہ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ "لاصلوۃ الابطھور" (بغیر طہارت کے نماز نہیں) کے مثل میں کوئی اجمال نہیں (یہاں صرف نفی حقیقت کا معنی ہے، ایسا نہیں کہ دوسرے معنی کا بھی احتمال مساوی موجود ہو اور تعیین کے لئے بیان متکلم کی حاجت ہو ۱۲م) اشتراک کے مدعی تو صرف قاضی ابوبکر باقلانی شافعی ہیں جن کی تردید کی ذمہ داری ہمارے علماء اپنی پاکیزہ کتابوں میں پورے طور سے ادا کرچکے ہیں۔
ثم قال المحقق صاحب البحر	**پھر** محقق صاحب بحر لکھتے ہیں، تو پہلی

ف۱: تطفل رابع علی البحر۔

ف۲: لااجمال فی نحو لا صلوۃ الا بطھور۔

فتعین نفی الحقیقۃ فی الاولیٰ بالاجماع وفی الثانی لانہ مشھور تلقتہ الامۃ بالقبول فتجوز الزیادۃ بمثلہ علی النصوص المطلقۃ کانت الشھادۃ شرطا[1] اھ [39] **اقول اولا** مبنی[ف۱] علی الاشتراك ونفی الحقیقۃ متعین بظھورہ وان اکتسب القطع بالاجماع۔ **وثانیا**[40] [ف۲] ماذکر فی الثانی ان حققت یکن حجۃ علیہ فان تلقی الامۃ بالقبول بمعنی نفی الصحۃ غیر مسلم لخلاف امام دار الھجرۃ	حدیث میں نفی حقیقت اجماع سے متعین ہوئی اور دوسری میں اس لئے کہ یہ حدیث مشہور ہے جو امت کے قبول عام سے سرفراز ہے، ایسی حدیث سے نصوص مطلقہ پر کسی قید کا اضافہ ہوسکتا ہے اس لئے نکاح میں شہادت شرط ہوئی۔" **اقول اولا**: یہ ساری گفتگو (لائے نفی جنس کی مذکورہ دو معنوں میں) مشترک ماننے کی بنیاد پر ہے (حالاں کہ اس کا اصلی معنی صرف ایک ہے نفی حقیقت اور دوسرا معنی مجازی ہے جس کے قرینے کی حاجت ہوتی ہے ۱۲م) اور پہلی حدیث میں نفی حقیقت متعین ہے اس لئے کہ وہی ظاہر ہے اگرچہ اس معنی کو اجماع کے باعث قطعیت بھی حاصل ہوگئی ہے۔ (ورنہ معنی حقیقی متعین ہونے کے لئے ظہور اور تبادر ذہنی کافی ہوتا ہے ۱۲م) **ثانیا**: حدیث ثانی کے بارے میں جو بیان کیا اگر اس کی تحقیق کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ تو ان کے خلاف حجت ہے اس لئے کہ اس سے اگر یہ مراد ہے کہ اس حدیث میں گواہوں کے بغیر نکاح کے عدم جواز کا معنی امت

ف۱: [20] تطفل خامس علی البحر

ف۲: [21] تطفل سادس۔

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹

ومن معه فلم یبق الاتلقی الحدیث بالقبول فیفید قطعیة الثبوت فقط فلوکان مشترك الدلالة تقاعد عن صلوح الزیادة به علی الکتاب من قبل الدلالة وان تکامل من جهة الثبوت۔

و[۱۲] **ثالثا**ف اشتراط الشهادة للصحة لایقضی بنفی الحقیقة بدونها فان الحق کما حققت فیما علقت علی ردالمحتار الفرق بین باطل النکاح وفاسده وقد قال فی الدر المختار یجب مهر المثل فی نکاح فاسد وهوالذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود[1] اھ

به

کے قبول عام سے سرفراز ہے تو یہ تسلیم نہیں اس لئے کہ امام مالک اور ان کے موافق حضرات اس کے خلاف ہیں (وہ بغیر شہادت کے بھی نکاح جائز مانتے ہیں ۱۲م) اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ حدیث قبول عام سے سرفراز ہے یعنی امت نے اسے حدیث رسول مانا ہے اور اس کے ثبوت سے کسی کو انکار نہیں تو اس کا مفاد بس اتنا ہوا کہ حدیث قطعی الثبوت ہے۔ اب اگر (بقول بحر کے) اثبات اور دلالت کے معاملے میں یہ ظنی اور مشترک ہے تو ثبوت کی جہت سے کامل اور بلند پایہ ہو کر بھی دلالت کی جہت سے قاصر اور فروتر ہوگی جس کے باعث وہ اس قابل نہ رہ جائے گی کہ اس سے قرآن پر زیادتی ہوسکے

ثالثا: صحت نکاح کے لئے شرط شہادت کا تقاضا یہ نہیں کہ اس کے بغیر حقیقت نکاح کا وجود ہی نہ ہوسکے، اس لئے کہ حق یہ ہے کہ نکاح باطل اور نکاح فاسد میں فرق ہے جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق ردالمحتار پر اپنے رقم کردہ حواشی میں کی ہے اور درمختار میں ہے نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہے، نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے گواہوں کا ہونا اھ، اور النہر الفائق میں بھی اسی کی

ف: [۲۲]تطفل سابع۔

[1] الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المہر مکتبہ مجتبائی دہلی، ۱/۲۰۱

صرح فی النهر بل قد نقل البحر مقرا ان کل نکاح اختلف العلماء فی جوازه کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه یوجب العدة اما نکاح منکوحة الغیر فلم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلا اھ[1] ثم قال فعند عدم المرجح لاحد المعنیین کان الحدیث ظنیا وبه تثبت السنة ومنه حدیث التسمیة اھ[2] ۴۲ **اقول: اولا** ف۱ ا کفی بالظهور مرجحا۔ **وثانیا:** مبنی ف۲ علی ماسبق الیه ذهنه رحمه الله تعالٰی من ان المحقق یدعی الوجوب بناء علی ادعاء قطعیه الدلالة وقد علمت انه ضد ماصرح	تصریح ہے بلکہ خود صاحب بحر نے درج ذیل عبارت نقل کر کے برقرار رکھی ہے، ہر وہ نکاح جس کے جائز ہونے میں علماء کا اختلاف ہو اس میں مباشرت سے عدت واجب ہوجاتی ہے جیسے بغیر گواہوں کے نکاح لیکن دوسرے کی منکوحہ سے نکاح تو کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں اس لئے تو وہ سرے سے منعقد ہی نہ ہوا۔ اھ۔ پھر فرماتے ہیں توجب دو معنوں میں سے کسی کو ترجیح دینے والا کوئی امر نہ ہو تو حدیث ظنی ہوگی اور اسی سے سنت ہونا ثابت ہوتا ہے حدوضو میں تسمیہ والی حدیث بھی ایسی ہے اھ **اقول اولا** ترجیح کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ معنیٰ ظاہر ہو۔ **ثانیا:** اس گفتگو کی بنیاد بھی اسی خیال پر ہے جس کی طرف صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی کا ذہن پہلے جاچکا کہ حضرت محقق وجوب تسمیہ کے مدعی اس بنیاد پر ہیں کہ وہ وجوب پر دلالت حدیث کے قطعی ہونے کا دعوی رکھتے ہیں، حالاں کہ واضح ہوچکا کہ یہ خیال خود حضرت

ف۱: تطفل ثامن۔

ف۲: تطفل تاسع۔

1 البحر الرائق کتاب الطلاق باب العدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۴/۴

2 البحر الرائق، کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹/۱

المحقق۔ **وثالثا :** ف قوله به تثبت السنة ذهول عما حقق المحقق من ان الظنية ولو فی جانبی الثبوت والاثبات لایقعد الطلب الجازم عن افادة الایجاب کما قدمنا تحقیقه هذا مامست الحاجة الیه للاحقاق والانتصار للمحقق علی الاطلاق ولنرجع الی ما کنا فیه۔	محقق کی تصریحات کے برعکس ہے۔ **ثالثا :** صاحب بحر نے کہا، اس سے (یعنی ظنی الدلالۃ حدیث سے) سنت ہونا ثابت ہوتا ہے اس میں اس تحقیق سے ذہول ہے جو حضرت محقق نے رقم فرمائی کہ ظنیت طلب جزمی کو افادہ وجوب کے مرتبے سے نیچے نہیں لاتی اگرچہ ثبوت اور اثبات دونوں ہی جانب ظنیت ہو، جیسا کہ ہم اس کی تحقیق پہلے بیان کر آئے ہیں۔ یہ وہ کلام تھا جو احقاق حق اور حضرت محقق علی الاطلاق کی حمایت اور دفاع کی حاجت کے باعث قلم بند ہوا۔ اب پھر ہم اپنی سابقہ گفتگو پر لوٹ آئیں۔(ت)

ثالثا: اگر اس بحث محقق پر لحاظ بھی ہو تو بسم اللہ واجب للوضوء ہوگی نہ کہ فی الوضوء، اور ہمارا کلام افعال داخلہ فی الوضوء میں ہے کما علمت (جیسا کہ واضح ہوا۔ت)

هذا والکلام وان افضی الی قلیل تطویل فقد اتی بحمد الله بجزیل تحصیل و الحمد لله علی ما علم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا واٰله وصحبه وسلم والله سبحانه وتعالٰی اعلم ،واذ خرجت العجالة فی صورة الرسالة سمیتها الجود الحلو فی ارکان الوضوء ۱۳۲۴ھ ،والحمد	یہ بحث تمام ہوئی، اور کلام اگرچہ ذرا طویل ہوگیا مگر بحمدہ تعالٰی بہت مفید ہوا ____ اور تمام تعریف خدا ہی کے لئے ہے اس پر جو اس نے علم دیا اور ہمارے آقا اور ان کی آل واصحاب پر خدائے برتر کا درود و سلام ہو ____ اور خدائے پاک وبرتر کو ہی خوب علم ہے ____ اور جب یہ عجالہ (عجلت میں لکھا جانے والا مضمون) ایک رسالہ کی صورت اختیار کرگیا تو میں نے اس کا نام یہ رکھا۔ **الجود الحلو فی ارکان الوضوء** ۱۳۲۴ھ

ف: [25] تطفل عاشر

للّٰہ رب العٰلمین۔	(ارکان وضو کے بیان میں باران شیریں) اور تمام ستائش خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

(رسالہ الجود الحلو فی ارکان الوضوء ختم ہوا)

مسئلہ ۲ف: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب از صاحبزادگان مارہرہ شریف ۸ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ

ماقولکم دام فضلکم (آپ کی فضیلت قائم ودائم رہے آپ کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ مسواک کتنی طول میں ہونا چاہئے؟ "سنا ہے کہ **غایۃ السواک فی مسائل المسواک**" مولفہ مولوی وحافظ شوکت علی سندیلی میں بیان ہے کہ اگر بالشت بھر سے زائد مسواک ہے تو وہ مرکب شیطان (شیطان کی سواری۔ت) ہے، امید کہ اس کی سند لکھی جائے، **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے آپ کو اجر وثواب دیا جائے گا۔ت)

الجواب:

یہ قول امام عارف باللہ حکیم الامہ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہ سے منقول ہے، درمختار میں ہے۔

لایزاد علی الشبر والا فالشیطان یرکب علیه[1]	(مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو ورنہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے۔ت)

حاشیہ طحطاویہ علٰی مراقی الفلاح میں ہے:

یکون طول شبر عہ مستعمله	مسواک جو استعمال کرنے والا ہے اس کی بالشت بھر

ف: **مسئلہ**: مسواک کا طول بالشت بھر سے زیادہ نہ چاہئے۔

عہ: هل المراد شبر المستعمل اوالوسط تردد فیه ط فی	استعمال کرنے والے کی بالشت مراد ہے یا متوسط بالشت؟ اس بارے میں سید طحطاوی نے

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۱/۱

لان الزائد یرکب علیه الشیطان[1]	ہونی چاہئے اس لئے کہ جو زیادہ ہو اس پر شیطان بیٹھتا ہے ۔(ت)

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

قال الحکیم الترمذی لایزاد علی الشبر والا فالشیطان رکب علیه[2]	(حکیم ترمذی نے فرمایا: مسواک ایک بالشت سے زیادہ نہ کی جائے ورنہ اس پر شیطان بیٹھتا ہے)

۴۴ **اقول:** شک نہیں ف۔ کہ ظاہر حقیقت ہے جب تک کوئی صارف نہ ہو ولا مانع منها فالشیطان موجود ورکوبه ممکن واللہ اعلم بحقیقة الحال ۔(اور اس سے کوئی مانع نہیں اس لئے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حاشیة الدرر وقال یحرر[3] اھ وقال ش الظاهر الثانی لانه محمل الاطلاق غالبا[4] اھ	حاشیہ درمختار میں تردد ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی تنقیح کی ضرورت ہے اھ اور علامہ شامی نے کہا ہے کہ ظاہر، ثانی ہے اس لئے کہ مطلق بولنے کے وقت عموماً وہی مراد ہوتا ہے اھ۔
۴۳ **اقول:** نقل العلامة نفسه فی حاشیه المراقی هذا الذی نراه لکنه نسبه الی بعضهم فان کان ذالك البعض ممن یعتمد علی قوله فهذا نص فی الباب والافالظاهر مع ش واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه دام فیضه۔	**اقول:** خود علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں یہ عبارت نقل کی ہے جو پیش نظر ہے لیکن اسے "بعض" کی طرف منسوب کیا ہے اور "بعض" اگر کوئی ایسی شخصیت ہے جس کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے جب تو یہ اس باب میں نص ہے ورنہ ظاہر علامہ شامی کے ساتھ ہے، اور خدائے بزرگ وبرتر ہی کو خوب علم ہے ۱۲منه فیضه (ت)

ف: ۲۶ معروضة علی العلامة ط۔

---

1 حاشیۃ طحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطہارۃ، فصل فی سنن الوضوء، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۴۰

2 جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران ۱/۲۹

3 حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ مکتبہ العربیہ کوئٹہ ۱/۷۰

4 ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸

شیطان موجود ہے اور اس کا بیٹھنا ممکن ہے اور حقیقت حال خدا ہی خوب جانتا ہے۔ت) اگرچہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ در میں فرمایا:

لعل المراد من ذلك انه ینسیه استعماله او یوسوس له اھ[1]	شاید اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اسے استعمال کرنا بھلا دیتا ہے یا اسے وسوسہ میں مبتلا کرتا ہے اھ۔
[۴۵] **اقول:** ظاھرہ ف انه فھم رجوع ضمیر علیه الی المستاك وانما ھو الی السواك کما یفصح عنه مانقل ھو نفسه فی حاشیة المراقی واللّٰه تعالٰی اعلم۔	**اقول:** اس عبارت سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ "**علیه**" (اس پر) کی ضمیر کا مرجع انہوں نے مسواک کرنے والے کو سمجھا ہے حالانکہ وہ ضمیر مسواک کی طرف لوٹ رہی ہے جیسا کہ حاشیہ مراقی کی وہ عبارت اسے صاف بتا رہی ہے جو انہوں نے خود نقل کی ہے۔ اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔ت)

ف: [۲۷] معروضة اخری علیه

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ مکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۷۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

تَنْوِیْرُ الْقِنْدِیْلِ فِیْ اَوْصَافِ الْمِنْدِیْلِ ۱۳۲۴ھ

(رومال کے اوصاف بیان کرنے میں قندیل کا روشن کرنا۔ ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۳ ف: ۶ شعبان معظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بعد وضو منہ کپڑے سے پونچھنا نہیں چاہیے اس میں ثواب وضو کا جاتا رہتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی ثقل میزاننا بالوضوء وجعلنا غرا محجلین من اثار الوضوء والصلوۃ	تمام تعریفیں اللہ کے لئے جس نے ہماری میزانِ عمل، آبِ وضو سے گراں بار فرمائی اور ہمیں آثارِ وضو سے تابندہ رو، روشن دست وپا والا بنایا اور

ف: مسئلہ وضو کے بعد کپڑے سے اعضاء پونچھنے کا حکم

والسلام علی من کان مندیل سعدہ احسن و انفس من کل حریر ماسحین بقبولہ عن وجوھنا و قلوبنا کل درن وسخ للتنویر۔	جن کا رومالِ سعادت ہر ریشم سے زیادہ حسین و نفیس تھا ان پر ایسے درود و سلام جو ان کے قبول کے باعث ہمارے چہروں اور دلوں کو تابندگی بخشنے کے لئے ہر میل کچیل سے صاف کر دیں ۔(ت)

اللہ تعالٰی ثواب عطا فرمائے، وضو کا ثواب جاتا رہنا محض غلط ہے۔ ہاں بہتر ہے کہ بے ضرورت نہ پُونچھے، امراء و متکبرین کی طرح اُس کی عادت نہ ڈالے اور پُونچھے تو بے ضرورت بالکل خشک نہ کرلے قدرے نم باقی رہنے دے کہ حدیث ف۱ میں آیا ہے:

ان الوضوء یوزن رواہ الترمذی [1] عن ابن شہاب الزھری من اواسط التابعین و علقہ عن سعید بن المسیب من اکابرھم و افضلھم۔ اقول: والمعلق ف۲ عندنا فی الاستناد کالموصول وقد وصلہ ابو بکر بن ابی شیبۃ انہ قال اکرہ المندیل بعد الوضوء وقال ھو یوزن [2] ومالا یقال ف۳ بالرأی فعلی	یہ پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلّے میں رکھا جائے گا (اسے ترمذی نے درمیانی طبقہ کے تابعی حضرت ابنِ شہاب زہری سے روایت کیا اور بزرگ طبقہ اور افضل درجہ کے تابعی حضرت سعید بن مسیّب سے تعلیقاً بیان کیا۔ت) اقول: (حدیثِ معلّق بھی ہمارے نزدیک استناد میں موصول ہی کا حکم رکھتی ہے اور اسے تو ابو بکر بن ابی شیبہ نے ان الفاظ میں موصولاً بھی روایت کیا ہے۔ سرکار نے فرمایا: میں وضو کے بعد رومال کا استعمال پسند نہیں کرتا اور فرمایا: وضو کا پانی وزن کیا جائے گا۔ اور

ف۱: وضو کا پانی روز قیامت نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا۔

ف۲: المعلق عندنا کالموصول۔

ف۳: مالا یقال بالرأی یحمل علی الرفع اذا لم یکن صاحبہ اخذا عن الاسرائیلیات۔

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المندیل بعد الوضو حدیث ۵۴ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲۰

[2] المصنف لابن ابی شیبہ، ابواب الطہارۃ باب من کرہ المندیل حدیث ۱۵۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۹

الرفع محمول مالم یکن صاحبہ اُخذ اعن الا سرائیلیات بل قدروی تمام فی فوائدہ وابن عساکر فی تاریخہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم من توضأ فمسح بثوب نظیف فلا باس بہ و من لم یفعل فھو افضل لان الوضوء یوزن یوم القیامۃ مع سائر الاعمال[1]۔

جو بات رائے سے نہ کہی جاسکتی ہو وہ اس پر محمول ہوتی ہے کہ سرکار سے مروی اور مرفوع ہے جب کہ راوی اسرائیلیات سے لے کر بیان کرنے والا نہ ہو بلکہ تمام نے فوائد میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ت) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو وضو کرکے پاکیزہ کپڑے سے بدن پونچھ لے تو کچھ حرج نہیں اور جو ایسانہ کرے تو یہ بہتر ہے اس لئے کہ قیامت کے دن آبِ وضو بھی سب اعمال کے ساتھ تولا جائے گا۔

ف۲ **اقول:** وبہ انتفی الاستدلال بو زنہ علی کراھۃ مسحہ کما قال الترمذی فی جامعہ و من کرھہ انما کرھہ من قبل انہ قیل ان الوضو یوزن[2] الخ فھٰذا الحدیث مع تصریحہ بالوزن نص علی نفی الکراھۃ فان ذلك انما ھواستحباب ومعلوم ف ان ترك المستحب لایوجب

اقول: آب وضو کے وزن کئے جانے سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ اسے پونچھنا مکروہ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں لکھا کہ اس کام کو جس نے مکروہ کہا ہے اسی وجہ سے مکروہ کہا ہے کہ فرمایا گیا ہے: یہ پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلّے میں رکھا جائے گا۔ مذکورہ بالا حدیثِ ابو ھریرہ سے یہ استدلال رَد ہو جاتا ہے کیوں کہ اس میں وزن کئے جانے کی صراحت کے ساتھ کراہت کی نفی، اور اس کے صرف مستحب

ف: ترك المستحب لایوجب کراھۃ تنزیہ۔

---

1 کنزالعمال بحوالہ تمام وابن عساکر عن ابی ھریرۃ حدیث ۲۶۱۳۹ ، موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۰۷

2 سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المندیل الخ بعد الوضوء حدیث ۵۴ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۰

کراهة التنزیه کما حققه فی البحر والشامی و غیرهما۔	ہونے پر نص موجود ہے -----اور یہ معلوم ہے کہ ترک مستحب، کراہتِ تنزیہ کا مُوجب نہیں۔ جیسا کہ محقق بحر اور علامہ شامی وغیرہما نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ (ت)

اس کے سوااس کی ممانعت یا کراہت کے بارے میں اصلًا کوئی حدیث نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد حدیثوں میں اس کا فعل مروی ہوا۔ جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی سے ہے:

قالت کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خرقة یتنشف بها بعد الوضوء[1] ۴۸ **قلت:** ونحوہ للدار قطنی فی الا فراد[2] عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رومال رکھتے کہ وضو کے بعد اُس سے اعضائے منوّر صاف فرماتے۔ **قلت**: اسی طرح امام دار قطنی نے یہ حدیث افراد میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے (ت)

نیز جامع ترمذی میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه[3]	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب وضو فرماتے اپنے آنچل سے روئے مبارک صاف کرتے۔

سُنن ابن ماجہ میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم توضأ فقلب جبة صوف کانت علیه فمسح بها وجهه[4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو فرما کر اُونی کُرتا کہ زیبِ بدن اقدس تھا اُلٹ کر اُس سے چہرہ انور پونچھا۔

---

[1] سنن الترمذی، ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء حدیث ۵۳ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۹

[2] کنز العمال قط فی الافراد عن ابی بکر حدیث ۲۶۹۹۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۴۷۰

[3] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المندیل بعد الوضوء حدیث ۵۳ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲۰

[4] سنن ابن ماجہ، ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المندیل بعد الوضو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۷

[۴۸] **اقول:** یہ چاروں حدیثیں اگرچہ ضعیف ہیں مگر تعددِ طرق سے اس کا انجبار ہوتا ہے معہذا حلیہ میں فرمایا کہ جب حدیث [ف۱] ضعیف بالاجماع فضائل میں مقبول ہے تو اباحت میں بدرجہ اولٰی، علاوہ بریں یہاں ایک حدیث حسن قولی بھی موجود امام ابو المحاسن محمد بن علی رحمہ اللہ تعالٰی کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام میں روایت فرماتے ہیں: اخبرنا محمد بن اسمٰعیل انا ابو اسحٰق الارموی اخبرتنا کریمۃ القرشیۃ انا ابو علی بن المحبوبی انا ابو القاسم المصیصی انا ابو عبدالرحمٰن بن عثمٰن انا ابرٰھیم بن محمد بن احمد بن ابی ثابت ثنا احمد بن بکیر یعلی ثنا سفین عن لیث عن زریق عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاباس بالمندیل بعد الوضوء [1]۔ یعنی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "وضو کے بعد رومال میں کچھ حرج نہیں"۔ امام مذکور اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں ھذا الاسناد لا باس بہ [2] (اس اسناد میں کوئی حرج نہیں ت) حلیہ میں فرمایا:

وقول الترمذی [ف۲] لایصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ھذا الباب شیئ انتھی لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لایتوقف ثبوتہ علی الصحیح بل یثبت بہ کما یثبت بالحسن ایضاً۔ [3]	امام ترمذی کا قول ہے: اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح نہ آئی۔اھ اس قول سے حدیث حسن وغیرہ موجود ہونے کی نفی نہیں ہوتی اور مطلوب کا ثبوت حدیث صحیح پر موقوف نہیں بلکہ اسی کی طرح حدیث حسن سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ (ت)

ف۱: حدیث ضعیف استحباب واباحت میں بالاجماع مقبول ہے۔)

ف۲: قول المحدثین لایصح لاینفی الحسن۔

---

[1] الالمام باداب دخول الحمام

[2] الالمام باداب دخول الحمام

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

لاجرم محرر المذہب امام ربانی سیدنا امام محمد شیبانی قدس سرہ النورانی کتاب الآثار شریف میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرھیم فی الرجل یتوضأ فیمسح وجھه بالثوب قال لاباس به ثم قال ارأیت لواغتسل فی لیلة باردة ایقوم حتی یجف قال محمد وبه ناخذ ولا نری بذلك باساً وھو قول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه۔[1]	یعنی امام اجل ابراہیم نخعی سے اس باب میں استفتاء ہوا کہ آدمی وضو کرکے کپڑے سے منہ پونچھے: فرمایا کچھ حرج نہیں۔ پھر فرمایا: بھلا دیکھ تو اگر ٹھنڈی رات میں نہائے تو کیا یوں ہی کھڑا رہے یہاں تک کہ بدن خشک ہو جائے۔ امام محمد نے فرمایا: ہم اسی کو اختیار فرماتے ہیں ہمارے نزدیک اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی قول امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اور یہیں ف۱ سے ظاہر ہوا کہ وضو و غسل دونوں کا اس باب میں ایک ہی حکم ہے بلکہ بسا اوقات غسل میں کپڑے سے بدن خصوصاً سر پونچھنے کی حاجت بہ نسبت وضو کے زائد ہوتی ہے اور اگر تجربہ ف۲ صحیحہ یا خبر طبیب حاذق مسلم مستور سے معلوم ہو کہ نہ پونچھنا ضرر شدید کا باعث ہوگا تو صاف کرلینا واجب ہو جائیگا اگرچہ وضو میں اگرچہ بنہایت مبالغہ کہ نم کا نام نہ رہے۔ حلیہ میں ہے:

ھذا کله اذالم تکن حاجة الی التنشیف فان کان فالظاھر انه لاینبغی ان یختلف فی جوازہ من غیر کراھة بل فی استحبابه او وجوبه بحسب تلك الحاجة۔[2]	یہ سارا کلام اس صورت میں ہے جب پانی خشک کرنے کی ضرورت نہ ہو اور اگر اس کی ضرورت ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اس ضرورت کے حسبِ حال اس عمل کے بلاکراہت جواز بلکہ استحباب یا وجوب میں، کوئی اختلاف نہ ہونا چاہئے۔ (ت)

ف۱: مسئلہ: غسل کے بعد اعضاء پونچھنے کا حکم۔

ف۲: اگر اعضاء نہ پونچھنے سے ضرر ثابت ہو تو پونچھنا واجب تک ہو سکتا ہے۔

---

[1] کتاب الآثار للامام محمد باب مسح بعد الوضو بالمندیل ادارۃ القرآن کراچی ص ۸

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اور صحیحین کی حدیث جوام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

انها اتت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بخرقه بعد الغسل فلم یردها وجعل ینفض الماء بیده۔[1]	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہائے، یہ کپڑا جسم اقدس کو صاف کرنے کے لئے حاضر لائیں، حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ لیا اور ہاتھ سے پانی پونچھ پونچھ کر جھاڑا۔

اس سے کراہت ثابت نہیں ہوتی لانها واقعة عین ف۱ لا عموم لها (یہ ایک معین واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔ت)

ممکن ہے کہ وہ کپڑا امیلا تھا پسند نہ فرمایا ذکرہ الامام النووی فی شرح المهذب (امام نووی نے یہ وجہ شرح مہذب میں بیان فرمائی۔ت)

۴۹ **اقول:** وفیه بُعد ف۲ ان تکون ام المومنین اختارت له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مثل هذا مع علمها بکمال نزاهته ونظافته ولطافته صلی اللہ علیه وسلم الا ان یقال ظنت الحاجة لبرد ونحوه ولم یجد الاما اتت به۔	**اقول:** اس توجیہ پر اعتراض ہے کہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی پاکیزگی، صفائی اور لطافت معلوم تھی اس لئے یہ بعید ہے کہ انھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا کپڑا پسند کیا ہو مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ٹھنڈک وغیرہ کی وجہ سے یہ سمجھا کہ رومال کی ضرورت ہے اور جو حاضر لائیں اس کے علاوہ دوسرا انھیں دستیاب نہ ہوا۔ (ت)

ممکن ہے کہ نماز کی جلدی تھی اس لئے نہ لیا، ذکرہ ایضك (اسے بھی امام نووی ہی نے ذکر کیا۔ت)

۵۰ **اقول:** ولا یرد علیه انه	**اقول:** اس پر یہ اعتراض نہیں

ف۱: حکایة وقائع الحال لا تدل علی العموم

ف۲: تطفل علی الامام النووی۔

---

[1] صحیح البخاری، کتاب الغسل باب من افرغ بیمینہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۔۴۱، صحیح مسلم، کتاب الحیض باب صفۃ غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

لا یظهر الفرق بین النشف بالثوب و النفض بالید فی الاستعجال لان لفظ البخاری فناولته ثوبا فلم یاخذه فانطلق وهو ینفض یدیه [1] اه فلعله لاجل الاستعجال لم یقم لینتشف بالثوب و لم یرد استصحابه بخلاف النفض بالید فکان یحصل ماشیا کما فعل صلی الله تعالٰی علیه وسلّم۔	ہوسکتا کہ جلدی کے معاملہ میں کپڑے سے سکھانے اور ہاتھ سے جھاڑنے کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں۔(عدمِ اعتراض)اس لئے کہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں : اُم المومنین نے حضور کو کپڑا پیش کیا تو نہ لیا اور ہاتھوں سے پانی جھاڑتے ہوئے چلے گئے اھ ۔ تو ہو سکتا ہے کہ جلدی کی وجہ سے کپڑے سے سکھانے کے لئے ٹھہرے نہ ہوں اور کپڑا ساتھ لے جانا بھی نہ چاہا ہو اور ہاتھ سے پانی جھاڑنے کا کام تو چلتے ہوئے بھی ہو جاتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کیا۔(ت)

ممکن ہے کہ اپنے ربّ عزوجل کے حضور تواضع کے لئے ایسا کیا ذکرہ ایضاً (اسے بھی امام نووی نے ذکر کیا۔ت)

[۵] **اقول:** یعنی رومالوں سے بدن صاف کرنا اربابِ تنعّم کی عادت ہے اور ہاتھ سے پانی پونچھ ڈالنا مساکین کا طریقہ، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضعاً طریقہ مساکین پر اکتفا فرمایا، ممکن ہے کہ وقت گرم تھا اس وقت بقائے تری ہی مطلوب تھی ذکرہ القاری فی المرقاۃ [2] (اسے علامہ علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ت) بلکہ اُم المومنین کا کپڑا پیش کرنا ظاہراً اسی طرف ناظر کہ ایسا ہوتا تھا مگر اس وقت کسی وجہ خاص سے قبول نہ فرمایا:

قاله ابن التین نقله فی ارشاد الساری و لفظه ما اتی بالمندیل الا انه کان یتنشف به ورده لنحو وسخ کان فیه [3] اه	اسے ابن التین نے کہا، ان سے ارشاد الساری میں نقل ہوا، الفاظ یہ ہیں : رومال اسی لئے حاضر کیا گیا کہ حضور رومال سے پانی خشک کیا کرتے تھے اور سرکار کا نہ قبول فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اس میں کچھ مَیل وغیرہ تھا۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل باب نفض الیدین من غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطهارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۶ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/۱۴۰

[3] ارشاد الساری کتاب الغسل باب المضمضۃ الخ تحت الحدیث ۲۵۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۴۹۷

[۵۲]**اقول:** ویتوقف[ف] علی اثبات ان ھذا لم یکن اول غسلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عندھا وانی لہ ذلك۔	**اقول:** اس توجیہ کی تمامیت یہ ثابت کرنے پر موقوف ہے کہ ان کے یہاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا غسل نہ تھا اور یہ کہاں سے ثابت ہو پائے گا۔ (ت)

بالجملہ اس قدر میں شک نہیں کہ ترک احیاناً دلیلِ کراہت نہیں ہو سکتا بلکہ وہ تتمّہ دلیل سنیت ہوتا ہے، اور احسن تاویلات حدیث وہ ہے جو امام اجل ابراہیم نخعی استاذ الاستاذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے افادہ فرمائی کہ سلف کرام کپڑے سے پُونچھنے میں حرج نہ جانتے مگر اس کی عادت ڈالنا پسند نہ فرماتے کہ وہ باب ترفہ وتنعّم سے ہے۔ سنن ابی داؤد میں حدیثِ میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے آخر میں ہے۔

فذکرت ذلك لابرھیم فقال کانوا لایرون با لمندیل بأسا ولکن کانوا یکرھون العادة[1] ولفظ الطبری قال الاعمش فذکرت ذلك لابرھیم فقال انما کانوا یکرھون المندیل بعد الوضو مخافة العادة۔[2]	حضرت ابراہیم سے میں نے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ حضرات رومال سے پونچھنے میں حرج نہ جانتے تھے مگر اس کی عادت ڈالنا پسند نہ فرماتے تھے، طبری کے الفاظ یہ ہیں: امام اعمش نے کہا: پھر میں نے حضرت ابراہیم سے اس کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: وہ حضرات وضو کے بعد رومال استعمال کرنے کو ناپسند فرماتے تھے کہ کہیں عادت نہ پڑ جائے۔ (ت)

پھر نفسِ حدیث میں دلیلِ جواز موجود کہ ہاتھ سے پانی صاف فرمایا اور صاف کرنے میں جیسا کپڑا ویسا ہاتھ،

ذکرہ الامام النووی فی شرح المھذب واوردہ فی شرح مسلم عن بعض العلماء	اسے امام نووی نے شرح مہذب میں ذکر کیا اور شرح مسلم میں بعض علماء سے نقل کیا اور برقرار رکھا

ف: [۲۹]تطفل علی الامام القسطلانی وابن التین۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی غسل من الجنابۃ، آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۳

[2] المواہب اللدنیہ المقصد التاسع النوع الاول الفصل السادس المکتب الاسلامی بیروت ۴/۵۴

مقرا علیه لکن نقل العلامة علی القاری فی المرقاة شرح المشکوٰة عن بعض علمائنا ان معنی قولها رضی الله تعالٰی عنها فانطلق فهو ینفض یدیه یحرکهما کما هو عادة عــه من له رجولیة قال وقیل ینفضهما لازالة الماء المستعمل وهو منهی عنه ف فی الوضوء والغسل لما فیه من اماطة اثر العبادة مع ان الماء مادام علی العضو لایسمی مستعملا فالاول اولی اھ۔[1] ثم نقل عن القاضی الامام عیاض ان من فوائد الحدیث جواز النفض والاولی ترکه لقوله علیه الصلاة والسلام اذا توضأتم فلا تنفضوا ایدیکم ومنهم من حمل النفض علی تحریك الیدین فی المشی	لیکن مُلّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہمارے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ اُمّ المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کے ارشاد مذکور "سرکار ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے چلے گئے" کا معنی یہ ہے کہ مردانگی والوں کے طور پر ہاتھوں کو ہلاتے ہوئے گئے۔ آگے لکھا: اور کہا گیا کہ معنی یہ ہے کہ آب مستعمل بدن سے دور کرنے کے لئے ہاتھوں کو جھاڑتے ہوئے گئے اور اس کام سے وضو و غسل دونوں میں ممانعت آئی ہے کیونکہ اس میں عبادت کا اثر اپنے بدن سے دور کرنا ہے باوجودیکہ پانی جب تک بدن سے لگا ہوا ہے مستعمل نہیں کہلاتا تو پہلا معنی اولٰی ہے۔ پھر امام قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے جو فوائد ملتے ہیں اس میں سے یہ بھی ہے کہ ہاتھ سے پانی پونچھ کر جھاڑنا اولٰی ہے اور بہتر اس کا ترک ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد ہے: جب تم وضو کرو تم اپنے ہاتھ نہ جھاڑو اور کسی نے جھاڑنے کا مطلب یہ بتایا ہے: چلنے میں ہاتھوں کو حرکت

عــه: [53] **اقول:** الاولی ان یقول کتعبیر غیره کما هو عادة الاقویاء منه

عــه: **اقول:** بہتر یوں کہنا ہے کہ "طاقتوروں کے طور پر" جیسے بعض دوسرے حضرات کی تعبیر ۱۲منہ (ت)

ف: مسئلہ وضو یا غسل میں پانی سے ہاتھ نہ جھٹکنا بہتر ہے مگر منع نہیں، اور اس بارے میں جو حدیث آئی کہ "وہ شیطان کا پنکھا ہے" ضعیف ہے۔

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۶ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰

وھو تأویل بعید [1] اھ۔ ثم قال اعنی القاری قلت وانکان التاویل بعیدا فالحمل علیہ جمعا بین الحدیثین اولی من الحمل علی ترك الاولی [2] اھ **اقول: اولا** قد اعترفتم ببعد التاویل وھو کذلك ولم یثبت فی النھی عن النفض حدیث صحیح قال الامام النووی فی المنھاج تحت الحدیث المذکورفیہ دلیل علی ان نفض الید بعد الوضوء والغسل لاباس بہ وقد اختلف اصحابنا فیہ علی اوجہ اشھرھا ان المستحب ترکہ ولایقال انہ مکروہ الثانی انہ مکروہ الثالث انہ مباح یستوی فعلہ وترکہ وھذا ھو الاظھر المختار فقد جاء ھذا الحدیث الصحیح فی الاباحۃ ولم یثبت فی النھی شیئ اصلا اھ [3] و الحدیث	دینااور یہ تاویل بعید ہے۔ اھ اس پر علامہ قاری لکھتے ہیں میں کہتا ہوں اگرچہ یہ تاویل بعید ہو مگر دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دینے کے لئے اس معنٰی پر محمول کرنا ترک اولٰی پر محمول کرنے سے بہتر ہے۔اھ **اقول: اوّلًا** آپ کو اعتراف ہے کہ یہ تاویل، بعید ہے اور یہ واقعۃً وہ ایسی ہی ہے اور ہاتھ سے پانی پونچھ کر جھاڑنے سے ممانعت کے بارے میں کوئی حدیث صحیح ثابت نہیں۔ امام نووی منہاج (شرح مسلم) میں حدیث مذکور کے تحت فرماتے ہیں: اس میں دلیل موجود ہے کہ وضواور غسل کے بعد ہاتھ سے پانی جھاڑنے میں کوئی حرج نہیں اور اس بارے میں ہمارے علماء کے مختلف اقوال ہیں، سب سے مشہور یہ ہے کہ مستحب اس کا ترک ہے اور اسے مکروہ نہ کہا جائے گا، دوسرا یہ مکروہ ہے، تیسرا یہ کہ مباح ہے، کرنا نہ کرنا یکساں اور برابر ہے۔ یہی اظہر اور مختار ہے کیونکہ اباحت کے بارے میں یہ صحیح حدیث موجود ہے اور نہی کے بارے میں سرے سے کچھ ثابت ہی نہیں۔اھ اور جو حدیث ذکر ہوئی

ف: تطفل علی العلامۃ القاری۔

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۶ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۶ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰

[3] شرح صحیح مسلم کتاب الحیض باب صفۃ غسل الجنابۃ تحت الحدیث ۷۱۰ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۳۶۷۔۶۸

المذکور رواہ ابو یعلی فی مسندہ وابن عدی فی الکامل من طریق البختری بن عبید عن ابیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشربوا اعینکم من الماء عند الوضوء ولا تنفضوا ایدیکم فانھا مراوح الشیطان[1] ونحوہ عندالدیلمی فی مسند الفردوس و اخرجه ایضا ابن حبان فی الضعفاء وابن ابی حاتم فی العلل والبختری ف ضعیف متروك کما فی التقریب [2] وقال المناوی فی شرحہ الکبیر للجامع الصغیر المسمّی بفیض القدیر ان البختری ضعفہ ابو حاتم وترکہ غیرہ وقال ابن عدی روی عن ابیہ قدر عشرین حدیثا عامتھا منا کیر ھذا منھا اھ ومن ثم قال العراقی سندہ ضعیف وقال النووی کابن الصلاح لم نجدلہ اصلا اھ[3]	اسے ابو یعلی نے اپنی مسند میں اور ابن عدی نے کامل میں بطریقِ بختری بن عبید عن ابیہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سرکار نے فرمایا: اپنی آنکھوں کو بھی وضو کے وقت کچھ پانی پلاؤ اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو کیوں کہ اس طرح وہ شیطان کے پنکھے ہیں۔اسی کے ہم معنی مسند الفردوس میں دیلمی نے روایت کی اور ابن حبان نے بھی کتاب الضعفاء میں اور ابنِ ابی حاتم نے کتاب العلل میں اس کی تخریج کی اور بختری ضعیف، متروک ہے جیسا کہ تقریب التہذیب میں ہے ۔علامہ مناوی نے جامع صغیر کی شرح کبیر فیض القدیر میں لکھاہے کہ: بختری کو ابو حاتم نے ضعیف کہا اور دوسرے حضرات نے اسے ترک کردیا۔ابنِ عدی فرماتے ہیں کہ اس نے اپنے والد سے بیس حدیثیں روایت کی ہیں جن میں زیادہ تر منکر ہیں یہ بھی انہی میں سے ہے یہی وجہ ہے کہ عراقی نے فرمایا: اس کی سند ضعیف ہے اور ابنِ الصلاح کی طرح امام نووی نے فرمایا: ہمیں اس کی کوئی اصل نہ ملی۔اھ

ف: تضعیف البختری بن عبید

[1] کنزالعمال بحوالہ ع وعد عن ابی ھریرۃ حدیث ۲۶۲۵۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۳۲۶، الجامع الصغیر بحوالہ ع وعد عن ابی ھریرۃ حدیث ۱۰۶۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۷۰

[2] تقریب التہذیب ترجمہ البختری بن عبید ۶۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۲

[3] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ۱۰۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۶۸

[55] **قلت:** وبعض اصحابنا وان عدوا عدم النفض من اٰداب الوضوء كما فی الدر وغیرہ فلا غروفان امثال الحدیث فی امثال المقام تقوم بافادۃ الادبیۃ اما ان ینتهض معارضا لحدیث صحیح فكلا۔

و[56] **ثانیا** ترك الاولی ف۱ لافادۃ ف۲ الجواز واقع عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم بحیث تجاوز حدالاحصاء وذلك هوالاولی منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لكونه من مشارع تبلیغ الشرائع والبیان بالفعل اقوی كما شهد به حدیث ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنها فی واقعۃ الحدیبیۃ۔

و[57] **ثالثا:** لفظ الحدیث ف۳ عند مسلم والنسائی فی طریق اخری عن مخرج الحدیث الاعمش اعنی بطریق عبداللہ بن ادریس عن الاعمش عن سالم هو ابن ابی الجعد عن كریب عن ابن عباس عن میمونۃ رضی اللہ

قلت: ہمارے بعض علماء نے پانی نہ جھاڑنے کو اگرچہ آدابِ وضو سے شمار کیا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ ایسی حدیث ایسی جگہ اتنی صلاحیت رکھتی ہے کہ کسی چیز کے ایک ادب اور مستحب ہونے کا افادہ کردے۔ رہا یہ کہ کسی حدیث صحیح کے معارض ہو جائے تو ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

ثانیاً: کسی چیز کا جواز بتانے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ترک اولٰی بے شمار مقامات میں واقع ہے اور یہ عمل (ترک اولٰی افادہ جواز کے لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہونا اولٰی ہے اس لئے کہ سرکار قوانین واحکام کی تبلیغ کا مصدر و منبع ہیں۔ اور فعل کے ذریعہ بیان زیادہ قوی ہوتا ہے جیسا کہ اس پر واقعہ حدیبیہ میں حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث شاہد ہے۔

ثالثاً: (کچھ اور طرق سے جو الفاظِ حدیث وارد ہیں وہ بالکل فیصلہ کن ہیں) امام مسلم وامام نسائی کے یہاں مخرج حدیث حضرت اعمش سے ایک طریق اور ہے وہ یوں ہے: عبداللہ بن ادریس __ عن الاعمش __ عن سالم __ یہ ابن ابی الجعد ہیں __ عن کریب __ ابن عباس __ عن

ف۱: [31] تطفل اٰخر علی القاری

ف۲: ترك الاولی احیانا لبیان الجواز هو الاولی من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔

ف۳: [32] تطفل ثالث علی علی القاری

تعالٰی عنھم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی بمندیل فلم یمسه وجعل یقول بالماء ھکذا یعنی ینفضه اھ [1] ولفظ ابی داؤد عن الاعمش فناولته المندیل فلم یأخذہ وجعل ینفض الماء عن جسدہ [2] فھذہ نصوص مفسرۃ لاتدع لتاویل ذلك البعض مساغا ولا مجالا فضلا عن ان یکون ھو الاولٰی وانا اتعجب ف۱ من القاضی الامام کیف یقتصر علی تبعیدہ وکذا الشیخ المحقق ف۲ حیث نقل ھذا التاویل فی لمعات التنقیح [3] شرح مشکوٰۃ المصابیح عن بعض الشروح واقرہ، وقال فی اشعۃ اللمعات ف۳	میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ۔ اس طریقِ عبد اللہ بن ادریس میں الفاظِ حدیث یہ ہیں : نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رومال حاضر کیا گیا تو اسے ہاتھ نہ لگایا اور پانی کو یوں کرنے لگے یعنی جھاڑنے لگے ۔ اھ اور بطریق عبداللہ بن داؤد عن الاعمش ، سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں : امّ المومنین نے سرکار کو رومال پیش کیا تو نہ لیا اور بدن مبارک سے پانی جھاڑنے لگے۔ یہ ایسے مفسَّر نصوص ہیں کہ اس تاویل (جھاڑنا یعنی چلنے میں ہاتھ ہلانا) کی کوئی گنجائش اور جگہ ہی نہیں رہ جاتی ، اس تاویل کا اولٰی ہونا تو بہت دور کی بات ہے اور مجھے تو یہ تعجب ہے کہ امام قاضی عیاض نے اسے صرف بعید کہنے پر اکتفاء کیوں کی ؟ اور اسی طرح شیخ محقق پر بھی تعجب ہے کہ انہوں نے لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح میں یہ تاویل بعض شروح کے حوالے سے نقل کی اور برقرار رکھی ، اور اشعۃ اللمعات

ف۱: تطفل علی الامام القاضی عیاض۔

ف۲: تطفل علی الشیخ المحقق عبدالحق الدہلوی۔

ف۳: تطفل اٰخر علیہ۔

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض باب صفۃ غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳۔۳۲

[3] لمعات التنقیح کتاب الطہارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۶ مکتبۃ المعارف النعمانیہ لاہور ۲ / ۱۰۹

ایں معنی بعداست از مقام [1] اھ لم لا یقولون باطل مالہ من مساغ ھذا۔ ثم ان من الناس من یقول بکراھۃ المندیل بعد الوضوء دون الغسل قال فی الحلیۃ روی عن ابن عباس [2] اھ [٥٨] **قلت**: رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ کرہ ان یمسح بالمندیل من الوضوء ولم یکرھہ اذا اغتسل من الجنابۃ [3] اھ وحاول الامام ابن امیر الحاج فی الحلیۃ توجیھہ بان کراھتہ فی الوضوء لما ذکرنا عن الزھری قال ولم ینقل فی الغسل انہ یوزن [4] اھ [٥٩] **اقول**: تقاعد ف کونہ یوزن	میں فرمایا: یہ معنی اس مقام سے بعید ہے۔اھ یہ کیوں نہیں فرماتے کہ باطل ہے اس کی گنجائش ہی نہیں، یہ بحث تمام ہوئی۔اب یہ ہے کہ بعض حضرات اس کے قائل ہیں کہ وضو کے بعد رومال استعمال کرنا مکروہ ہے، غسل کے بعد نہیں۔ حلیہ میں ہے کہ یہ قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔اھ **قلت** اسی عبدالرزاق نے اپنی مصنّف میں حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے وضو کے بعد رومال سے پانی پونچھنے کو ناپسند کیا اور غسلِ جنابت کی صورت میں مکروہ نہ رکھا۔امام ابنِ امیر الحاج نے حلیہ میں اس کی یہ توجیہہ فرمانے کی کوشش کی ہے کہ وضو میں ان کی کراہت کی وجہ وہ حدیث ہے جو ہم نے امام زہری سے نقل کی (کہ یہ پانی روزِ قیامت وزن ہوگا) اور غسل کے بارے میں یہ منقول نہیں کہ اس کا پانی بھی وزن کیا جائے گا۔اھ **اقول**: ہم بتا چکے کہ اس پانی کے وزن

ف: [٣٦] تطفل علی الحلیۃ

1 اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۲
2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
3 المصنف لعبد الرزاق کتاب الطہارۃ بالمندیل حدیث ۷۰۹ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۱/ ۱۸۲
4 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ایراث کراھة المسح قد قدمناہ وان سلم ف۱ فالنقل فی الوضوء نقل فی الغسل بالقیاس الجلی ف۲ بل بدلالة النص، فان الغسل حسنة کالوضوء فان کان یوزن ماء الوضوء فکذا ماؤہ بل ھو اولی لانھا طھارۃ کبرٰی وماؤہ اکثر واوفی، وانما الامر عندی واللہ تعالٰی اعلم ان حبر الامة رضی اللہ تعالٰی عنه رأی فی منعه فی الغسل حرجا کما اسلفنا۔	کئے جانے کی فضیلت اسے پونچھنے میں کراہت لانے سے قاصر ہے----اور اگر اسے مان ہی لیں تو (وہی حکم غسل میں بھی ہونا چاہئے اگرچہ خاص لفظ غسل کے ساتھ حدیث وارد نہیں ہے کیونکہ ۱۲م) وضو میں منقول ہونا قیاس جلی، بلکہ دلالۃ النص کی رُو سے غسل میں بھی منقول ہونا ہے اس لئے کہ وضو کی طرح غسل بھی ایک نیکی ہے تو اگر وضو کا پانی تولا جائے گا تو غسل کا پانی بھی ایسا ہی ہوگا بلکہ وہ بدرجہ اولٰی ہوگا اس لئے کہ وہ طہارتِ کبرٰی ہے اور اس کا پانی زیادہ وافر بھی ہوتا ہے، ------ میرے نزدیک اس کی وجہ----- **واللہ تعالٰی اعلم** ------ یہی ہے کہ حبرامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غسل کے اندر اس سے ممانعت میں حرج دیکھا جیسا کہ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں۔

بالجملہ تحقیق مسئلہ وہی ہے کہ کراہت اصلاً نہیں، ہاں حاجت نہ ہو تو عادت نہ ڈالے اور پُونچھے بھی تو حتی الوسع نم باقی رکھنا افضل ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

لاباس للمتوضئ والمغتسل ان یتمسح بالمندیل روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان یفعل ذلك ومنھم من کرہ ذلك ومنھم من کرہ للمتوضی دون	وضو و غسل کرنے والے کے لئے رومال سے بدن پونچھنے میں حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے۔ بعض نے اسے مکروہ کہا ہے، اور بعض نے وضو کرنے والے کے لئے مکروہ کہا ہے غسل والے

ف۱: تطفل آخر علیھا

ف۲: غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلے میں رکھا جانا ظاہر ہے

المغتسل والصحیح ماقلناہ الاانہ ینبغی ان لایبالغ ولایستقصی فیبقی اثر الوضوء علی اعضائہ۔[1]	کے لئے نہیں اور صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا مگر چاہئے کہ اس میں مبالغہ نہ کرے اور پانی بالکل خشک نہ کردے اعضاء پر کچھ اثر باقی رہنے دے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

وکذا وقع ذکر التنشیف بلفظ لاباس فی خزانۃ الاکمل وغیرہ وعزاہ فی الخلاصۃ الی الاصل بھذا للفظ ایضاً[2] اھ	اسی طرح خزانۃ الاکمل وغیرہ میں پانی سکھانے کا ذکر "لا باس" (حرج نہیں) کے لفظ کے ساتھ آیا ہے اور ان ہی الفاظ کے ساتھ خلاصہ میں اسے اصل (مبسوط) کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔(ت)

یہاں سے ظاہر ہوا^ف^ کہ وہ جو درمختار میں واقع ہوا کہ وضو کے بعد رومال سے اعضاء پونچھنا مستحب ہے۔

حیث قال من الاٰداب التمسح بمندیل وعدم نفض یدہ[3] اھ	اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: آدابِ وضو میں یہ بھی ہے کہ رومال سے پانی پونچھ لے اور ہاتھ سے نہ جھاڑے اھ۔(ت)

اور منیہ میں واقع ہوا کہ غسل کے بعد مستحب ہے حیث قال ویستحب ان یمسح بمندیل بعد الغسل[4] اھ(اس کے الفاظ یہ ہیں: مستحب ہے کہ غسل کے بعد کسی رومال سے بدن پونچھ لے۔ اھ ت) دونوں سہوِ قلم ہیں،

لااعلم لھما سلفا فی ذلک فی المذھب فان الخلاف کما علمت فی الکراھۃ فضلا عن الاستحباب۔	مجھے اس بارے میں علمائے مذہب میں سے کوئی بھی ان دونوں حضرات کا پیش رَو معلوم نہیں اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے کہ مکروہ ہے یا نہیں، مستحب کہاں سے ہوگا(ت)

ف: تنبیہ علی مافی المنیۃ والدر المختار۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ خانیہ کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیۃ کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹

[3] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۲۴

[4] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ فرائض الغسل وسننہا مکتبہ قادریہ لاہور ص ۴۰

وللذاردالمحتار میں قولِ دُر پر فرمایا:

ذکرہ صاحب المنیة فی الغسل وقال فی الحلیة ولم ارمن ذکرہ غیرہ وانما وقع الخلاف فی الکراھة[1] الخ فأشارالی ان نقله الی الوضوء تفرد علی تفرد۔	اسے صاحبِ منیہ نے غسل کے بیان میں ذکر کیااور حلیہ میں اس پر لکھا کہ صاحبِ منیہ کے سوا کسی اور کے یہاں میں نے اس کا ذکر نہ دیکھا بلکہ یہاں تو کراہت میں اختلاف ہے الخ۔ اس سے علامہ شامی نے اشارہ کیاکہ اس استحباب کو غسل سے نکال کر وضو میں لانا صاحب درمختار کا تفرد پر تفرد ہے(ت)

ہاں علامہ طحطاوی نے قولِ دُر کو بعد استنجاء آبِ استنجاء ف رومال سے پونچھنے پر حمل کیااور وہ محمل حسن ہے متعدد کتب میں اس کا استحباب مصرح ہے،

قال ط قوله والتمسح ای مسح موضع الاستنجاء بخرقة کذافی فتح القدیر[2]اھ	سیّد طحطاوی نے کہا: قولہ والتمسح یعنی مقام استنجاء کو کسی کپڑے سے پونچھ لینا، ایساہی فتح القدیر میں ہے اھ(ت)

منیہ کے آداب الوضو میں ہے:

وان یمسح موضع الاستنجاء بالخرقة بعد الغسل قبل ان یقوم وان لم یکن معه خرقة یجففه بیدہ[3]۔	مقام استنجاء کو دھونے کے بعد کھڑے ہونے سے پہلے کپڑے سے پونچھ لے --- اور پاس میں کپڑا نہ ہو تو ہاتھ سے خشک کرلے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

یعنی الیسری مرة بعد اخری حتی لایبقی البلل علی ذلك المحل ومنھم	یعنی بائیں ہاتھ سے بار بارپُونچھ لے کہ اس جگہ تری نہ رہ جائےاور بعض نے استنقاء (صفائی)

ف: مسئلہ پانی سے استنجے کے بعد کپڑے سے خوب صاف کرلینا مستحب ہے کپڑانہ ہو تو بار بار بائیں ہاتھ سے یہاں تک کہ خشک ہو جائے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی التمسح بمندیل داراحیاء التراث العربی بیروت ۸۹/۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۷۶/۱

[3] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ مستحبات الوضوء مکتبہ قادیہ لاہور ص ۲۷

من فسر الاستنقاء بھٰذا[1]۔	کی یہی تفسیر کی ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

لیزول اثر الماء المستعمل بالکلیۃ[2] الخ ثم قال ط وفی الھندیۃ ولایمسح ف۱ سائر اعضائہ بالخرقۃ التی یمسح بھا موضع الاستنجاء فلاینافی انہ یمسح بغیرھا[3] اھ ونحوہ فی ردالمحتار۔ اقول: نعم وکرامۃ ف۲ ولکن لایقتضی ایضا استحباب مسح غیرہ بغیرھا کمالا یخفی فلا یفید کلام الشارح رحمہ اللہ تعالٰی۔	تاکہ ماءِ مستعمل کا اثر بالکل ختم ہو جائے الخ ----آگے سید طحطاوی نے فرمایا: اور ہندیہ میں ہے کہ جس کپڑے سے مقامِ استنجاء کو پونچھے اس سے دیگر اعضائے بدن کو نہ پونچھے تو یہ دوسرے کپڑے سے پُونچھ لینے کے منافی نہیں اھ----اور اسی کے ہم معنی ردالمحتار میں بھی ہے، اقول: ہاں منافی نہیں اور دیگر اعضاء کی عزت کا لحاظ بھی ہے لیکن اس کا تقاضا یہ بھی نہیں کہ باقی بدن کو دوسرے کپڑے سے پونچھ لینا مستحب ہے۔ جیسا کہ واضح ہے۔ تو یہ کلامِ شارح رحمہ اللہ تعالٰی کے لئے مفید بھی نہیں۔(ت)

تنبیہ: علماء میں مشہور ہے کہ اپنے دامن ف۳ آنچل سے بدن نہ پونچھنا چاہئے اور اسے بعض سلف سے نقل کرتے ہیں اور ردالمحتار میں فرمایا: دامن سے ہاتھ منہ پونچھنا بھول پیدا کرتا ہے۔ لمعات باب الغسل میں ہے:

الاولی ان لاینشف بذیلہ وطرف	اولٰی یہ ہے کہ اپنے دامن یا لباس کے کنارے

ف۱: **مسئلہ:** جس کپڑے سے استنجے کا پانی خشک کریں اس سے باقی اعضاء نہ پونچھے

ف۲: ۳۸ معروضۃ علی العلامتین ط وش

ف۳: **مسئلہ:** اپنے دامن یا آنچل سے بدن پونچھنا شرعا منع نہیں مگر دامن سے ہاتھ منہ پونچھنے سے اہل تجربہ منع فرماتے ہیں کہ اس سے بھول پیدا ہوتی ہے۔

---

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

2 غنیۃ المستملی کتاب الطہارۃ آداب الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۱

3 حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۷۶

ثوبہ ونحوهما وحکی ذلك عن بعض السلف [1]۔	یا اور کسی حصہ سے خشک نہ کرے، اور یہ بعض سلف سے بطورِ حکایت منقول ہے۔ (ت)

ارشاد الساری باب المضمضۃ والاستنشاق فی الجنابۃ میں ہے:

قال فی الذخائر واذا تنشف فالاولی ان لایکون بذیلہ وطرف ثوبہ ونحوهما [2]۔	ذخائر میں ہے اور جب خشک کرے تو اولٰی یہ ہے کہ دامن، لباس کے کنارے، اور ان کے مثل سے نہ پونچھے۔ (ت)

ردالمحتار میں قبیلِ تیمّم ہے:

زادبعضھم مما یورث النسیان اشیاء منها مسح وجهه او یدیه بذیله، ولسیدی عبدالغنی فیها رسالة [3]۔	بعض نسیان پیدا کرنے والی چیزوں میں مزید چند باتیں ذکر کی ہیں، ان ہی میں اپنے چہرے یا ہاتھوں کو دامن سے پونچھنا بھی ہے اور سیّدی عبدالغنی رحمہ اللہ کا ان اشیاء کے بارے میں ایک رسالہ بھی ہے۔ (ت)

[۶۱] **اقول:** یہ اہلِ تجربہ کی ارشادی باتیں ہیں کوئی شرعی ممانعت نہیں، جامع ترمذی وسنن ابنِ ماجہ کی حدیثیں گزریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشہ جامہ مبارک سے چہرہ اقدس کا پانی صاف فرمایا،

وذکر فی اشعه اللمعات فی حدیث معاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه انه یحتمل ان یراد بالثوب الخرقة والمندیل [4]۔ [۶۲] **اقول:** مع کونه ف خلاف	اشعۃ اللمعات میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کے تحت ذکر ہے کہ ہو سکتا ہے جامہ سے کپڑے کا کوئی ٹکڑا اور رومال مراد ہو۔ **اقول:** ایک تو یہ خلافِ ظاہر ہے دوسرے

ف: [۳۹] تطفل علی الشیخ المحقق

[1] لمعات التنقیح کتاب الطہارۃ باب الغسل مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۲/ ۱۰۹

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الطہارۃ باب المضمضۃ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۹۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل فی البئر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۰

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب سنن الوضوء الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲۷

الظاھر لایحتملہ حدیث سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں اس کا احتمال نہیں۔ (ت)

ہاں ان کا ضعف اور علماء میں اس کی شہرت اسے مقتضی کہ اس سے احتراز اولٰی ہے،

بل فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی عن شرح الجامع الصغیر للامام الاجل فخر الاسلام ان الخرقۃ التی یمسح بھا الوضوء محدثۃ بدعۃ یجب ان تکرہ لانھا لم تکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولااحد من الصحابۃ والتابعین قبل ذلک وانما کانوا یتمسحون باطراف اردیتھم[1] فھذا النص فی المقصود ثم ماذکر قدس سرہ من الکراھۃ فمحلہ اذا کان بثیاب فاخرۃ کما تعودہ المتجبرون، قال الامام العینی بعد نقلہ "وقال الفقیہ ابو اللیث فی شرح الجامع الصغیر کان الفقیہ ابو جعفر یقول انما یکرہ ذلک اذاکان شیئا نفیسا لان فی ذلک فخرا وتکبرا واما اذالم تکن الخرقۃ نفیسۃ فلا باس بہ لانہ لایکون فیہ کبر وقول المصنف (ای صاحب الھدایۃ) ھو الصحیح ای ھذا	اھ بلکہ امام عینی کی شرح ہدایہ بنایہ میں امام اجل فخر الاسلام کی شرح جامع صغیر سے نقل ہے کہ وضو کا پانی پونچھنے کے لئے یہ جو کپڑے کا ٹکڑا وضع ہوا ہے نوایجاد بدعت ہے جس کا مکروہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ اس سے پہلے یہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا نہ صحابہ وتابعین میں سے کسی کے دور میں تھا، وہ حضرات بس اپنی چادروں کے کناروں سے پونچھ لیا کرتے تھے اھ۔ یہ اس مقصود میں نص ہے ---پھر حضرت موصوف قدس سرہ نے جو کراہت ذکر فرمائی ہے اس کا موقع اس صورت میں ہے جب عمدہ قسم کے کپڑوں سے پونچھا جائے جیسے متکبرین نے عادت بنا رکھی ہے۔ امام عینی نے ارشاد مذکور نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ فقیہ ابواللیث سے شرح جامع صغیر میں فرمایا ہے کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے تھے: یہ مکروہ اسی صورت میں ہے جب وہ نفیس قسم کا ہو کیوں کہ اسی میں فخر وتکبر ہوتا ہے۔ اگر وہ کپڑا عمدہ قسم کا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی تکبر نہیں ہوتا۔ اور مصنف (صاحبِ ہدایہ) کی عبارت "ھو الصحیح" کا معنٰی یہ ہے کہ

[1] البنایۃ فی شرح الہدایہ کتاب الکراھیۃ باب اللبس المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۴/۲۲۱

القول (المذکور عن الفقیھین ابی اللیث وابی جعفر) ھو الصحیح وکذا قال فی جامع قاضی خان والمحبوبی وذلك لان المسلمین قداستعملوا فی عامۃ البلد ان مندیل فی الوضوء کیف وقدروی الترمذی فی جامعہ[1] الخ ذکرھھنا حدیث ام المؤمنین المقدم رضی اللہ تعالٰی عنھا۔

قلت: اما ما وقع فی القنیۃ من عدم جواز المسح بثیابہ والعمامۃ ففی مسح الید بعد الاکل فانہ رمز اولاعس للامام علاء الدین السغدی وذکرانہ یجوز مسح الید علی الکاغذ. ثم ذکر رامزاط للمحیط یکرہ استعمال ف۱ الکاغذ فی ولیمۃ لیمسح بھا الاصابع. ولا یجوز مسح ف۲

یہی قول (جو فقیہ ابو اللیث اور فقیہ ابو جعفر کے حوالے سے مذکور ہے) صحیح ہے------ اور ایسا ہی جامع قاضی خان اور محبوبی میں ہے--- اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اہلِ اسلام عامہ بلاد میں وضو کا پانی پونچھنے کے لئے رومال کا استعمال کر رہے ہیں، کیوں نہ ہو جب کہ ترمذی نے اپنی جامع میں روایت کی ہے الخ۔ یہاں ام المومنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث ذکر کی ہے جو پہلے گزر چکی (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رومال رکھتے تھے کہ وضو کے بعد اس سے اعضائے منّور صاف فرماتے)۔

قلت رہا وہ جو قنیہ میں آیا ہے کہ اپنے کپڑے اور عمامے سے پونچھنا ناجائز ہے، تو یہ کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے سے متعلق ہے، اس لئے کہ اس میں پہلے امام علاؤالدین سغدی کے لئے عس کا رمز دے کر ذکر کیا ہے کہ کاغذ سے ہاتھ پونچھنا جائز ہے۔ پھر محیط کے لئے ط کا رمز دے کر ذکر کیا ہے کہ ولیمہ کے اندر انگلیاں پونچھنے کے لئے کاغذ کا استعمال مکروہ ہے اور

ف۱: مسئلہ کھانے کے بعد کاغذ سے ہاتھ پونچھنا نہ چاہیے۔

ف۲: کھانے کے بعد اپنے عمامے وغیرہ لباس سے ہاتھ پونچھنا منع ہے مصنف کے نزدیک یہ ممانعت اس وقت ہے کہ ابھی ہاتھ نہ دھوئے ہوں یا دھونے کے بعد بھی چکنائی یا بو باقی ہو جس سے کپڑا خراب ہو۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایہ کتاب الکراھیۃ باب اللبس المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۴/۲۲۱

الید علی ثیابه ولا بدستار، ثم نقل عن استاذہ البدیع انه قال فعلی هذا لایجوز علی المندیل الذی یوضع عندالخوان لمسح الایدی به، ثم ردہ بقوله **قلت** لکن تعلیل عس فی بیانه یقتضی جوازہ بالمندیل فانه قال لان الثوب ما ینسج لهذا والمندیل ینسج لهذا [1] اھ فهذا کله فی المسح بعدالاکل۔

۲۳ **اقول:** و انما لم یجز بثیاب اللبس والعمامة لانه یفسدها وافساد المال لایجوز ویتحصل من هذا ان محله ماذا مسح قبل الغسل وکذا بعدہ ان کان فیه دسم اورائحة تکرہ من الثوب وان احبّت فی الطعام والا فلامانع فیما یظهر فلیراجع ولیحرر والله سبحنه وتعالٰی اعلم ولنسم هذا التحریر المنیر تنویر القندیل فی اوصاف المندیل" (۱۳۲۴ھ) والحمد لله رب العٰلمین۔

رسالہ"تنویر القندیل فی اوصاف المندیل" ختم ہوا]

اپنے کپڑے یا دستار سے ہاتھ پونچھنا، ناجائز ہے۔ پھر اپنے استاد بدیع سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: تواس بنیاد پر اُس رومال سے بھی جائز نہ ہوگا جو دستر خوان کے پاس ہاتھ پونچھنے ہی کے لئے رکھا جاتا ہے--- پھر اسے یوں رد کردیا ہے کہ **میں کہتا ہوں:** لیکن علاؤالدین سغدی نے اس کے بیان میں جو علّت پیش کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ رومال سے پونچھنا جائز ہو کیونکہ انہوں نے کہا ہے اس لئے کہ کپڑا اس کام کے لئے تیار نہ کیا گیا اور رومال اُسی کے لئے بُنا جاتا ہے اھ۔ تو یہ سارا کلام کھانے کے بعد پونچھنے سے متعلق ہے۔

اقول: پہننے کے کپڑوں اور عمامہ سے ناجائز اسی لئے ہے کہ پونچھنے سے وہ خراب ہو جائیں گے اور مال خراب کرنا جائز نہیں-----اور اس سے یہ حاصل ہوتا ہے کہ عدمِ جواز اس صورت میں ہے جب کھانے میں چکنائی یا ایسی بو ہو جو کپڑے میں ناپسند ہوتی ہے اگرچہ کھانے میں پسندیدہ ہو ورنہ بظاہر اس سے کوئی مانع نہیں تو اس بارے میں مراجعت اور تنقیح کر لی جائے اور خدائے پاک و برتر ہی خوب جانتا ہے اور چاہئے کہ ہم اس روشن تحریر کا نام یہ رکھیں: "تَنْوِیْرُ الْقِنْدِیْلِ فِیْ اَوْصَافِ الْمِنْدِیْلِ (۱۳۲۴ھ) (رومال کے اوصاف بیان کرنے میں قندیل کی تنویر۔ت) اور تمام ستائش خدا کیلئے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراھیۃ والاحسان مطبوعہ کلکتہ ہند ص ۱۵۸ و ۱۵۹

مسئلہ ۴: مرسلہ شیخ شوکت علی صاحب ۱۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ شرع محمدی فصل بست وہشتم در بیان مکروہات وضو میں ہے ؎

تیسرے تانبے کے برتن سے اگر
ہے وضو ناقص کرے گا جو بشر

یہ نہ معلوم ہوا کہ تانبے کے برتن سے کیوں وضو ناقص ہے آج کل بہت شخص تانبے کے برتن لوٹے سے وضو کرتے ہیں کیا ان سب کا وضو ناقص ہوتا ہے **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تانبے کے برتن سے وضو کرنا، اُس میں کھانا پینا، سب بلا کراہت جائز ہے، وضو میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ ہاں قلعی کے بعد چاہیے بے قلعی برتن میں کھانا پینا مکروہ ہے کہ جسمانی ضرر کا باعث ہے اور مٹی کا برتن تانبے سے افضل ہے۔ علماء نے وضو کے آداب ومستحبات سے شمار فرمایا کہ مٹی کے برتن سے ہو اور اس میں کھانا پینا بھی تواضع سے قریب تر ہے۔ ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

(منھا) ای من اٰداب الوضو (کون اٰنیتہ من خزف)[1]	(ان ہی میں سے) یعنی آدابِ وضو میں سے (یہ ہے کہ وضو کا برتن پکی مٹی کا ہو)۔ (ت)

اُسی میں اختیار شرح مختار سے ہے۔

(اتخاذھا) ای اوانی الاکل والشرب (من الخزف افضل اذلا سرف فیہ ولا مخیلۃ وفی الحدیث من اتخذ اوانی بیتہ خزفا زارتہ الملئکۃ ویجوز اتخاذھا من نحاس او رصاص[2]	کھانے پینے کے برتن مٹی کے ہونا افضل ہے کہ اُس میں نہ اسراف ہے نہ اِترانا، اور حدیث میں ہے: جو اپنے گھر کے برتن مٹی کے رکھے فرشتے اس کی زیارت کریں۔ اور تانبے اور رانگ کے بھی جائز ہیں۔ ۱۲

اُسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

یکرہ الاکل فی النحاس بالغیر المطلی بالرصاص لانہ یدخل الصداء فی الطعام فیورث ضررا عظیما واما بعدہ فلا [1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم	بغیر قلعی کیے ہوئے تانبے کے برتن میں کھانا مکروہ ہے، کیونکہ اُس کازنگ کھانے میں مل کر ضررِ عظیم پیدا کرتا ہے اور قلعی ہو جانے کے بعد ایسا نہیں اھ ملخصاً۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: ف ۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر درمیان وضو کرنے کے ریح خارج ہو جائے یعنی دو عضو یا تین عضو دھولیے ہیں اور ایک یا دو باقی ہیں تو اس شخص کو ازسرِ نو وضو کرنا چاہیے یاجو عضو باقی رہا ہے صرف اسی کو دھولینا کافی ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ازسرِ نو وضو کرے اتنے اعضاء کا غسل باطل ہو گیا مسئلہ بدیہیہ ہے کہ ناقضِ کامل ناقضِ ناقص بدرجہ اولٰی ہے معہذا جزئیہ کی بھی تصریح ہے۔ درمختار میں ہے:

شرط صحتھا ای الطھارۃ (صدور الطھر من اھلہ فی محلہ مع فقد مانعہ) [2]۔	صحتِ طہارت کی شرط یہ ہے کہ طہارت کے اہل سے اس کی جگہ پر واقع ہو اور کوئی مانع طہارت نہ ہو (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مع فقد مانعہ بان لایحصل ناقض فی خلال الطھارۃ لغیر معذور بہ [3]۔	عبارتِ شرح "کوئی مانع طہارت نہ ہو" اس طرح کہ درمیان طہارت کوئی ناقض نہ پیدا ہو یہ اس کے لئے ہے جو اسی ناقض کے عذر میں مبتلانہ ہو۔ (ت)

نیز درمختار میں ہے:۔

ف: **مسئلہ:** وضو کرتے میں ناقض وضو واقع ہو تو سرے سے وضو کرے۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۸

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷ و ردالمحتار

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۰

وشرط لتصحیح الوضوء زوال مایبعد ایصال المیاہ من ادران، کشمع و رمص ثم لم یتخلل الوضوء مناف یا عظیم ذوی الشان [1]۔	ضو درست کرنے کے لئے شرط ہے ایسی آلودگی کا دور ہونا جس کی وجہ سے پانی عضو تک نہ پہنچ سکے جیسے موم اور آنکھ کا کیچڑ۔ پھر یہ کہ وضو کے درمیان کوئی منافی نہ پایا جائے اے اہل شان میں باعظمت! (ت)

حاشیہ علامہ سید احمد مصری طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

قولہ مناف کخروج ریح ودم [2] اھ زادالشامی ای لغیر المعذور بذلك [3]۔اھ	قولہ "کوئی منافی" جیسے ریح یا خون نکلنا، اھ علامہ شامی نے اضافہ کیا یعنی اس کے لئے جو اس میں معذور نہ ہو اھ۔

جواہر الفتاوٰی ف۱ امام اجل صدر شہید رکن الدین ابو بکر محمد بن ابی المفاخر بن عبد الرشید کرمانی کتاب الطہارۃ باب ثالث فتاوائے امام شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سغدی میں ہے:

رجل ضرب الید علی الارض للتیمم و رفعھا وقبل ان یمسح بھاوجھہ وذراعیہ احدث بریح اوصوت قال بعضھم یجوز التیمم بمنزلۃ ف۲ من ملأ کفیہ ماء الوضوء فاحدث ثم استعملہ فی بعض الوضوء فانہ	کسی نے تیمّم کے لئے زمین پر ہاتھ مار کر اٹھایا اور چہرے یا کلائیوں پر ہاتھ پھیرنے سے پہلے بلا آواز یا آواز کے ساتھ ریح نکلنے سے اس کو حدث ہوا تو بعض نے کہا اس ضرب سے تیمّم جائز ہے جیسے کسی نے وضو کا پانی ہتھیلیوں میں لیا کہ اسے حدث ہو گیا پھر اس پانی کو وضو میں استعمال کر لیا تو

ف۱: مسئلہ: تیمّم کے لئے ضرب کی اور ابھی منہ یا ہاتھ پر نہ ملنے پایا تھا کہ حدث واقع ہوا تو از سر نو ضرب کرے۔

ف۲: مسئلہ: پانی چلو میں لیا اور ابھی استعمال نہ کیا تھا کہ حدث واقع ہوا بعض کے نزدیک اس پانی کو وضو میں استعمال کر سکتا ہے اور مصنف کی تحقیق کہ یہ خلاف صحیح ہے وہ چلو وضو میں کام نہیں دے سکتا۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰

یجوز وقال السید الامام ناصر الدین لایجوز وھو اختیار الامام الشجاع بسمرقند لان الضربة من التیمم قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم التیمم ضربتان فقداتی ببعض التیمم ثم احدث فینقض کما اذا حصل الکل وھذہ بمنزلة الوضوء اذاحصل فی خلاله نقض ماوجد کما ینتقض بعد تمامه اذا حصل قال الامام ظھیر الدین المرغینانی ما اختارہ السید الامام حسن به ناخذاھ [1]۔	یہ جائز ہے اور سیدنا امام ناصر الدین نے فرمایا کہ ناجائز ہے اسی کو سمرقند کے امام شجاع الدین نے اختیار کیا اس لئے کہ ضرب بھی تیمّم کا ایک حصہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تیمّم دو ضرب ہے" تو صورت یہ ہوئی کہ کچھ تیمّم اس نے کر لیا پھر اسے حدث ہوا تو یہ ناقض ہوگا جیسے اگر کُل تیمّم ہو چکا ہوتا تو جاتا رہتا اور یہ ایسے ہی ہے جیسے وضو کے درمیان کوئی ناقض پایا گیا تو جتنا وضو ہو چکا ہے وہ جاتا رہے گا جیسے وضو مکمل ہونے کے بعد وہ ناقض پائے جانے کی صورت میں پورا وضو جاتا رہتا۔ امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا: جو سیّد امام ناصر نے اختیار کیا وہ عمدہ ہے اور ہم بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں اھ۔
۷۴ **اقول**: وباللہ التوفیق ف ماذکر ذلك البعض فی الاستشھادله من مسألة من ملاء کفیه وضوء الخ انما یتمشی علی احدی روایتین غیر ماخوذ تین .الاولی قول الامام الثانی ان شرط الاستعمال الصب والنیة وقد فقدافی الصورة المذکورة	**اقول**: وباللہ التوفیق۔ ان بعض نے اپنے قول کی شہادت میں، وضو کے لئے ہتھیلیوں میں جو پانی لینے کا مسئلہ ذکر کیا ہے وہ دو غیر ماخوذ روایتوں میں سے ایک کی بنیاد پر چلنے والا ہے ---- پہلی روایت: امام ابو یوسف کا یہ قول کہ مستعمل ہونے کے لئے بہانا اور نیت شرط ہے اور مذکورہ صورت میں دونوں

ف: ۴۰ تطفل علی جواہر الفتاوی

1 جواہر الفتاوی کتاب الطہارۃ الباب الثالث (قلمی نسخہ) فوٹو کاپی ص ۵

والاخری ماعلیه مشائخ بلخ من اشتراط الاستقرار بعد الانفصال فی موضع مامن بدن اور ثوب او ارض او غیرها ومعلوم انه اذا استعمل مافی کفه فی عضو فالانفصال من الکف وان حصل لکن لم یستقر بعد فلا یکون مستعملا۔

اما علی القول ف الصحیح المعتمد ان مجرد مس الماء بدنا علیه حدث وانفصاله عنه کاف لحکم الاستعمال وان لم یکن هناك صب من المحدث ولانیة ولم یستقر بعدما انفصل فلاشك ان الماء بانفصاله من کفه یصیر مستعملا فلایصح استعماله فی وضوء هذا ماظهر لی وهو واضح جدا وبه تم الرد علی ذلك القول والله تعالٰی اعلم۔

مفقود ہیں، دوسری روایت جو مشائخ بلخ نے اختیار فرمائی کہ پانی مستعمل ہونے کے لئے اس کے جُدا ہونے کے بعد بدن، یا کپڑے یا زمین یا ان کے علاوہ کسی جگہ ٹھرنا شرط ہے۔اور معلوم ہے کہ ہتھیلی کا پانی جب کسی عضو میں استعمال کیا تو ہتھیلی سے جُدائی اگرچہ ہو گئی لیکن ابھی وہ ٹھہرا نہیں تو مستعمل نہ ہوگا

لیکن صحیح معتمد قول یہ ہے کہ حدث والے بدن سے پانی کا محض مس ہو جانا اور اس سے جدا ہو جانا مستعمل ہونے کے لئے کافی ہے اگرچہ محدث کے عمل سے وہاں نہ بہانا ہو، نہ نیت، نہ بعد انفصال کسی جگہ استقرار ---اس قول معتمد کی بنیاد پر اس میں کوئی شک نہیں کہ پانی ہتھیلی سے جدا ہو کر مستعمل ہو جائے گا پھر کسی عضو میں استعمال درست نہ ہوگا، یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور بہت واضح ہے اور اسی سے اس قول پر رد مکمل ہو جاتا ہے اور خدائے برتر ہی خوب جانتا ہے۔ (ت)

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

ف: **مسئلہ:** صحیح یہ ہے کہ جس بدن پر حدث ہو پانی کا اسے چھو کر اس سے جدا ہونا ہی اس کے مستعمل کر دینے کو بس ہے، خود صاحب حدث کا پانی ڈالنا یا اس کی نیت یا اس بدن سے جدا ہو کر دوسرے بدن یا کپڑے یا زمین پر ٹھہر جانا کچھ شرط نہیں

مسئلہ ۶: ف مرسلہ مولوی محمد یعقوب صاحب ارکانی از ریاست رامپور محلّہ پنجابیاں مکان حافظ غلام شاہ صاحب ۴ شوال ۱۳۲۴ھ

بعون من قال

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾

فیامخدومنا الذی فاق فی الاشتهار علی الشمس فی رابعة النهار احتوت فضائله الاقطار احاطت مواهبه الامصار ما قولکم فی ان المتوضیئ رأی اثرا من الدم فی البزاق بعد المضمضة فاخرج مافی الفم من البزاق وغیرہ بالمص لیظهر مساواته ومغلوبیته فی البزاق فرأی بعدما اخرج ان الدم مساو للبزاق ففی هذه هل ینجس فمه ام لا، وماء المضمضة التی وقعت بعد ذلك الاخراج نجس ام لا ففی صورة النجس ان الید التی مضمض بها اخذ بتلك الید الاناء الذی فیه الماء وقعت قطرتها ای قطرة تلك الید فی ذلك الاناء غالبا لان تلك الید کانت مبلولة بماء المضمضة لانه لاشك ان القدر القلیل من ماء المضمضة یصل فی الید عند المضمضة وایضا یبقی شیئ من

اس کی مدد سے جس نے فرمایا: "علم والوں سے پوچھو اگر تم نہ جانتے ہو"۔ تو اے ہمارے وہ مخدوم جو شہرت میں آفتابِ چاشت پر فائق ہیں جن کے فضائل تمام اطرافِ زمین کو حاوی ہیں، جن کی عطائیں شہروں کو محیط ہیں، آپ کا کیا ارشاد ہے اُس شخص کے بارے میں وضو کرتا تھا کلی کے بعد لعابِ دہن میں خون کا اثر دیکھا تو باقی لعاب وغیرہ خوب چُوس کر نکالا کہ ظاہر ہو کہ خون تھوک کے برابر ہے یا مغلوب ہے، نکالنے کے بعد معلوم ہوا کہ خون، برابر ہے، تو اس کا منہ ناپاک ہوا یا نہیں؟ اور اس کے بعد جو کلی کی اس کا پانی ناپاک ہے یا نہیں؟ اگر ناپاک ہے تو جس ہاتھ سے کُلی کی غالباً اس کا قطرہ برتن میں ٹپکا، کہ ہاتھ کلی کے پانی سے تر تھا اور شک نہیں کہ کلی کا کچھ پانی ہاتھ میں رہ جاتا ہے جو ناپاک شدہ ہونٹوں سے مل کر ناپاک ہوگیا تو برتن کا پانی ناپاک ہوا، اسی سے اس نے تمام وضو کیا، پھر دل میں کچھ شک آیا تو دُوسری مسجد میں وضو کیا مگر یہاں بھی برتن

ف: **مسئلہ:** منہ سے خون نکلا کلی کی اس کا پانی ہاتھ سے ٹپک کر برتن میں گرا اس سے وضو کیا پھر تین وضو اور کیے اور ہر بار ہاتھ کی بوند وضو سے پہلے برتن میں ٹپکی اس میں کیا حکم ہے۔

ماء المضمضة فی الید فلا یدخل کل الماء فی الفم وذلك الباق یلاق الشفتین ففی ھذہ ان صارت الشفتان نجستین بورود الدم المساوی للبزاق عند دفع ذلك الدم عن الفم یکون مایلاقیھما ایضا نجسا فتکون الید نجسة وما وقع علیه ماء الید یکون نجسا فیصیر الماء الموضوع فی الاناء الذی اخذہ بتلك الید نجسالان قطرة تلك الید وقعت فی الاناء غالباً فذلك المتوضی غسل یدیه ووجھه ورجلیه بذلك الماء الذی وقعت فیه قطرة تلك الید التی مضمض بھا بعد اخراج الدم المساوی للبزاق ثم وقع فی الشك فتوضا ثانیا فی المسجد الاٰخر لکن وقعت قطرة فی ماء الا ناء الذی یتوضأ به ثم توضأ فی الوقت الاٰخر فوقعت قطرات فی ماء الاناء ثم توضأ فی ماء الاناء عند غسل الیدین وکل قطرات وقعت فی ماء الوضوء انما وقعت فی اول کل مرة عند غسل الیدین فی ھذہ الاوقات الثلثة فبعد ذلك طھرت اعضاء وضوئه ام لایکتب فی ھذہ الباقیة من الصفحة مختصرك، بینوا توجروا۔	میں قطرہ ٹپک گیا، پھر دوبارہ سہ بارہ ایسا ہی ہوا اور ہر بار وضو سے پہلے ہاتھ دھوتے ہی قطرہ، وضو کے برتن میں گرا تو اب اس کے اعضائے وضو پاک ہوگئے یا نہیں؟ بیان کیجئے اجر لیجئے۔(ت)

الجواب:

نعم تنجس فمه وماء المضمضة بعد	ہاں اس کا منہ ناپاک ہوگیا اور اس کے بعد

ذلك الى ثلث نجس وكذلك اليه التى تمضمض بها فان قطرت قطرة من اليد فى الاناء اعنى داخله فى الماء قبل تمام الثلث فقد تنجس ماء الاناء والتمضمض به بعد ذلك لايزيد الفم واليدالا تنجسا ثم اذا توضأ بذلك الماء فقد عمت النجاسة اعضاء الوضوء وكل مااصابه ذلك الماء من بدن اوثوب وكلما توضأ بماء وقعت فيه قبل الوضوء قطرة من يده المتنجسة فانه تنجس والغسل بالنجس لايفيد طهرا ولا خفة وان غسل الف مرة فاعضاؤه وثيابه كلها الى الاٰن على نجاستها فانكانت القطرة التى قطرت اول مرة فى الماء من بقية المضمضة الاولى يجب غسل كل مااصابه ماء شيئ من الوضوءات ثلث مرات وانكانت من المضمضة الثانية فمرتين اوالثالثة فمرة واحدة لان النجاسة تقبل التشكيك فقبل الغسل نجاسة لاتطهر الا بتثليث الغسل وبعد الغسل بمائع طاهر قالع مرة نجاسة تطهر بغسلتين تعد الغسل مرتين نجاسة تطهر بغسلة واحدة والماء المصيب

تین کلیوں تک کلی کا پانی ناپاک ہے، یوں ہی وہ ہاتھ جس سے کلی کی تھی، تو اگر ہاتھ کی بوند برتن میں یعنی اس کے اندر پانی میں تین کلیاں پوری ہونے سے پہلے ٹپکی تو برتن کا پانی ناپاک ہوگیا۔ اور اب اس سے کلی کرنا ہاتھ اور منہ کی نجاست ہی بڑھائے گا، پھر جب اس پانی سے وضو کیا تو اب تمام اعضائے وضو اور جس جس بدن یا کپڑے کو پانی پہنچا سب ناپاک ہوگئے اور جتنی بار ایسے پانی سے وضو کیا جس میں پیش از وضو ناپاک ہاتھ کی بوند گری وہ پانی ناپاک ہوگیا اور ناپاک پانی سے دھونا تو پاک کرے نہ ناپاکی کم ہو اگرچہ ہزار بار دھوئے تو اس کے اعضاء اور کپڑے سب اب تک نجس ہیں، پس اگر وہ قطرہ کہ پہلی بار پانی میں ٹپکا پہلی کلی کے بقیہ سے تھا جب تو کسی بارے میں وضو کا پانی جس چیز کو لگا اُسے تین بار دھونا واجب ہے، اور اگر دوسری کلی کا تھا تو دو بار، اور تیسری کا تو ایک بار، اس لیے کہ نجاست ف کم وبیش ہونے کی قابلیت رکھتی ہے، دھونے سے پہلے تو وہ نجاست ہے کہ بغیر تین بار دھوئے پاک نہ ہوگی، اور جب کسی پاک بہتی چیز سے جو لگی ہوئی چیز کو چھڑانے والی ہے ایک بار دھولیں تو اب وہ نجاست ہے کہ دو بار دھونے سے پاک ہوگی، اور جب دو بار

ف: مسئلہ: نجاست کہ تین پانیوں سے دھوئی جاتی ہے، پہلا پانی جس چیز کو لگے وہ تین بار دھونے سے پاک ہوگی اور دوسرا پانی لگے تو دو بار، اور تیسرا تو ایک ہی بار دھونے سے پاک ہی ہو جائے گی۔

شيئًا نجسا انمايكتسب من النجاسة قدر مافى المصاب فماء الغسلة الا ولى نجس بالنجاسة الكاملة لايطهر مايصيبه الابثلث غسلات وماء الغسلة الثانية نجس بنجاسة تطهرها غسلتان، فما يصيبه يطهر بمرتين وفى ماء الثالثة نجاسة تطهر بغسلة فما اصابه يطهر بمرة هذا كله اذا تحقق وقوع القطرة فى الماء ومجرد بقاء شيئ من ماء المضمضة فى اليد لايقضى به جزما لجواز ان لايقع مافيها الاعلى الاناء من فوق فلا ينجس الاسطحه الفوقانى اوفى الاناء فوق موضع الماء فلا تنجس الماء مالم يصبه ر اكد او حنيئذ يطهره التوضى الثالث ان مر الماء كل

دھولیا تو اب وہ نجاست ہے کہ ایک ہی بار دھونے سے پاک ہو جائیگی اور جو پانی کسی چیز سے ملے اس میں اسی قدر نجاست آئیگی جو اس چیز میں تھی، تو پہلی بار کا دھوون پوری نجاست سے نجس ہے کہ جسے یہ پانی لگے گا وہ بغیر تین دفعہ دھوئے پاک نہ ہوگی، اور دوسرا دھوون اس نجاست سے نجس ہے جسے دوبارہ دھونا پاک کردے گا، تو جس چیز کو یہ دھوون لگے وہ دو دفعہ دھونے سے پاک ہو جائیگی، اور تیسرے دھوون میں وہ ناپاکی ہے جو ایک ہی بار دھونے سے پاک ہو جائیگی تو یہ جس چیز پر پہنچے وہ ایک ہی بار دھونے سے طہارت حاصل کرلے گی، یہ سب اس وقت ہے کہ اس پانی میں بوند کا ٹپکنا تحقیق ہو، فقط اتنی بات کہ کلی کا کچھ پانی ہاتھ میں رہ جاتا ہے پانی میں قطرہ گرنے کو مستلزم نہیں، ممکن ہے کہ ہاتھ کی بوند برتن کے اوپر ف گری ہو تو صرف اس کی سطح بالا ناپاک ہوگی یا برتن کے اندر جہاں تک پانی ہے اُس جگہ سے اوپر گری ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک ٹھہرے ہونے کی حالت میں اس بوند کی جگہ سے نہ ملے، ولہذا اگر صرف پہلی بار

ف: **مسئلہ**: ناپاک بوندیں برتن کے اوپر گریں اور اندر پانی ہے یا اندر ہی بوند گری مگر جہاں پانی تھا اس جگہ سے اوپر گری تو پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک ٹھہرے ہوئے ہونے کی حالت میں اندر کی بوند پر نہ گزرے۔

مرۃ علی کل ما اصابه الماء للمتنجس اذا تحقق وقوع القطرة فی الماء اول مرۃ لافی هذه المرات الثلث وان لم یتحقق حتی فی المرة الاولی فهوطا هر من اول مرۃ کما لایخفی وقس علیه واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ناپاک بوند کا پانی میں گرنا تحقیق ہوااور اسکے بعد جو تین وضو اور کیے ان میں خاص پانی میں گرنا تحقیق نہ ہو تو پچھلا وضو اسے ناپاک کردے گا، اگر تینوں بار آب وضو اس تمام موضع پر گزرا ہو جو اس ناپاک پانی سے نجس ہوا تھا، اور اگر پہلی ہی بار اس بوند کا پانی میں گرنا تحقیق نہ ہو جب تو دوسرے سے پاک ہے کما لا یخفی اور اسی پر اور صورتیں قیاس کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

لمع الاحکام ان لاوضوء من الزکام ۱۳۲۴ھ

(روشن احکام کہ زکام سے وضو نہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۷ ف: غرہ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکام جاری ہونے سے وضو جاتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا (بیان کیجیے اجر لیجیے۔ت)

الجواب:

الحمد للہ الذی حمدہ نور وذکرہ طھور والصلاۃ والسلام علی سید کل طیب طاھر واٰلہ وصحبہ الاطائب الاطاھر	تمام تعریف خدا کے لئے، جس کی حمد نور ہے اور جس کا ذکر، طہور ہے، اور درود وسلام ہو ہر طیب وطاہر کے سردار اور ان کی اطیب واطہر آل واصحاب پر۔ (ت)

زکام کتناہی جاری ہو اس سے وضو نہیں جاتا کہ محض بلغمی رطوبات طاہرہ ہیں جس میں آمیزش

ف: مسئلہ: زکام کتنا ہی بہے وضو نہیں جاتا۔

خون یا ریم کا اصلاً احتمال نہیں۔

۶۵ **اقول:** ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بلغم کی قے ف کسی قدر کثیر ہو، ناقضِ وضو نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاینقصہ قیئ من بلغم علی المعتمد اصلا [1]۔	قولِ معتمد کی بنیاد پر بلغم کی قے اصلاً ناقضِ وضو نہیں۔(ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

شامل للنازل من الرأس والصاعد من الجوف وقوله علی المعتمد راجع الی الثانی لان الاول بالاتفاق علی الصحیح [2]۔	یہ حکم سر سے اترنے والے اور معدہ سے چڑھنے والے دونوں قسم کے بلغم کو شامل ہے اور ان کا قول "علی المعتمد" (قول معتمد کی بنیاد) دوم (معدہ والے) کی طرف راجع ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ اول میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم بالاتفاق ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اصلا ای سواء کان صاعدا من الجوف او نازلا من الراس ح خلافا لا بی یوسف فی الصاعد من الجوف الیہ اشار بقولہ علی المعتمد ولو اخرہ لکان اولی [3] اھ ای لان تقدیمہ یوھم ان فی عدم النقض بالبلغم خلافا مطلقا ولیس کذلک فی الصحیح۔	"اصلاً" یعنی معدہ سے چڑھنے والا ہو یا سر سے اُترنے والا __ ح __ اور معدہ سے چڑھنے والے میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ اس کی طرف لفظ "علی المعتمد" سے اشارہ کیا ہے، اگر اسے "اصلاً" کے بعد رکھتے تو بہتر تھا اھ۔ یعنی اس لئے کہ اسے پہلے رکھ دینے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ بلغم سے وضو ٹوٹنے میں مطلقاً اختلاف ہے حالاں کہ بر قولِ صحیح ایسا نہیں ہے۔(ت)

ف: مسئلہ: بلغم کی قے کتنی ہی کثیر ہو وضو نہ جائے گا۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۶/۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۷۹/۱

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۴/۱

نور الایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

عشرۃ اشیاء لاتنقض الوضوء منہا قیئ بلغم ولوکان کثیرالعدم تخلل النجاسۃ فیہ وھو طاھر۔[1]	دس چیزیں ناقضِ وضو نہیں ہیں ان میں سے ایک بلغم کی قے ہے اگرچہ زیادہ ہو، اس لئے کہ نجاست اس کے اندر نہیں جاتی اور وہ خود پاک ہے۔(ت)

یہ تصریحاتِ جلیہ ہیں کہ بلغم جو دماغ سے اُترے بالاجماع ناقضِ وضو نہیں اور ظاہر ہے کہ زکام کی رطوبتیں دماغ ہی سے نازل ہیں توان سے نقضِ وضو کسی کا قول نہیں ہوسکتا، حکمِ مسئلہ تواسی قدر سے واضح ہے مگر یہاں علامہ سید طحطاوی ف۱ رحمۃ اللہ علیہ کوایک شبہہ عارض ہوا جس کا منشا یہ کہ ہمارے علماء نے فرمایا: جو سائل چیز ف۲ بدن سے بوجہِ علت خارج ہو ناقضِ وضو ہے مثلاً آنکھیں دُکھتی ہیں یا جسے ڈھلکے کا عارضہ ہو یا آنکھ، کان، ناف وغیرہ میں دانہ یا ناسور یا کوئی مرض ہو ان وجوہ سے جو آنسو، پانی بہے وضو کا ناقض ہوگا۔ درمختار باب الحیض میں ہے:

صاحب عذر من بہ سلس بول او استحاضۃ اوبعینہ رمد اوعمش اوغرب وکذا کل مایخرج بوجع ولو من اذن اوثدی وسرۃ[2]۔	عذر والا وہ ہے جسے بار بار پیشاب کا قطرہ آتا ہو یا استحاضہ ہو یا آنکھ میں رمد یا عمش یا غرب ہو (آشوب یا چندھا پن یا کوئی پھنسی ہو) اور اسی طرح ہر وہ چیز جو کسی بیماری کی وجہ سے نکلے اگرچہ کان یا پستان یا ناف سے ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ رمد ای ولیسیل منہ	قولہ "آشوب ہو" یعنی اس سے پانی بھی

ف۱: [۱]معروضۃ علی العلامۃ ط۔

ف۲: **مسئلہ**: آنکھیں دکھنے یا ڈھلکے میں جو آنسو ہے یا آنکھ، کان، چھاتی، ناف وغیرہ سے دانے ناسور خواہ کسی مرض کے سبب پانی بہے وضو جاتا رہے گا۔

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الطہارۃ فصل عشرۃ اشیاء لاتنقض الوضوء، دارالکتب العلمیہ بیروت، ص ۹۳۔ ۹۴

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۳

الدمع قولہ عمش ضعف الرؤیۃ مع سیلان الدمع فی اکثر الاوقات، قولہ غرب،قال المطرزی ھو عرق فی مجری الدمع یسقی فلا ینقطع مثل الباسور عن الاصمعی بعینہ غرب اذا کانت تسیل ولا تنقطع دموعھا والغرب بالتحریك ورم فی المأق اھ[1]	بہتا ہو ----- قولہ عمش یعنی اکثر اوقات پانی بہنے کے ساتھ ، بصارت کی کمزوری ہو----- قولہ غرب-----مطرزی نے کہا: یہ آنسو بہنے کی ایک رگ ہوتی ہے جو بہنے لگتی ہے تو بند نہیں ہوتی جیسے بواسیر---- اصمعی سے منقول ہے :"بعینہٖ غرب"اس وقت بولتے ہیں جب آنکھ بہتی رہتی ہو اور اس کے ساتھ آنسو تھمتے نہ ہوں۔اور غَرب-----را پر حرکت کے ساتھ ----آنکھ کے کویوں میں ایک ورم ہوتا ہے۔(ت)

اس پر علامہ طحطاوی نے فرمایا:

ظاھرہ یعم الانف اذا زکم[2]۔	یعنی ظاہرًا یہ مسئلہ ناک کو بھی شامل ہے جب زکام ہو۔

علامہ شامی نے اُس پر اعتراض کیا کہ ہمارے علماء تصریح ف۱ فرماچکے ہیں کہ سوتے آدمی کے مُنہ سے جو رال بہے اگرچہ پیٹ سے آئے اگرچہ بدبودار ہو پاک ہے، قول سید طحطاوی نقل کرکے فرماتے ہیں:

لکن صرحوا بان ماء فم النائم طاھر ولو منتنا فتأمل۔[3]	لیکن ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ سونے والے کے منہ کی رال اگرچہ بدبودار ہے، پاک ہے۔تو تامل کرو۔(ت)

۶۶**اقول:** علامہ طحطاوی کی طرف سے اس پر دو۲ شبہے وارد ہوسکتے ہیں:

اوّل: کلام ف۲ اس پانی میں ہے کہ مرض سے بہے اور سوتے میں رال نکلنا مرض نہیں، نہ اس کی

ف۱:**مسئلہ:** سوتے میں جو رال بہے اگرچہ پیٹ سے آئے اگرچہ بدبودار ہو پاک ہے۔

ف۲:۴۲ معروضۃ علی العلامۃ ش

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الحیض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب الحیض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۱۵۵

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الحیض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۲

بودلیل علت ہے، جیسے آخر روز میں بوئے دہان صائم کا تغیر۔

دوم: عوارض ف۱ مکلّف میں ادھر سے کلیہ ہے کہ جو حدث ف۲ نہیں نجس نہیں اور اس کا عکس کلی نہیں کہ جو نجس نہ ہو حدث بھی نہ ہو، نیند جنون بیہوشی کو نجس نہیں کہہ سکتے اور ناقض وضو ہیں، اور سب سے بہتر مثال ریح ف۳ ہے کہ صحیح ومعتمد مذہب پر طاہر ہے اور بالاجماع حدث ہے تو آپ دہان نائم کی طہارت سے استدلال جائے مجال مقال ہوگا۔ درمختار میں ہے:

کل مالیس بحدث لیس بنجس وھو الصحیح۔[1]	ہر وہ جو حدث نہیں، نجس بھی نہیں، یہی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں درایہ سے ہے:

انھا لا تنعکس فلا یقال مالا یکون نجسا لایکون حدثا لان النوم والجنون والاغماء وغیرھا حدث ولیست بنجسۃ۔[2]	اس کلیہ کا عکس نہ ہوگا تو یہ نہ کہا جائے گا کہ جو نجس نہ ہوگا وہ حدث بھی نہ ہوگا۔ اس لئے کہ نیند، جنون، بیہوشی وغیرہ حدث ہیں اور نجس نہیں۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

فیلزم من انتفاء کونہ حدثا انتفاء کونہ نجسا ولا ینعکس فلا یقال مالایکون نجسا لا یکون حدثا فان النوم والاغماء والریح لیست بنجسۃ وھی احداث[3] اھ۔	حدث نہ ہونے کو، نجس نہ ہونا لازم ہے اور اسکے برعکس نہیں۔ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو نجس نہ ہوگا وہ حدث بھی نہ ہوگا اس لئے کہ نیند، بیہوشی اور ریح نجس نہیں اور یہ سب حدث ہیں۔ اھ

ف۱: ۴۳ معروضۃ اخرٰی علیہ

ف۲: مسئلہ: بدن مکلّف سے جو چیز نکلے اور وضو نہ جائے وہ ناپاک نہیں مگر یہ ضرور نہیں کہ جو ناپاک نہ ہو اس سے وضو نہ جائے۔

ف۳: مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ ریح جو انسان سے خارج ہوتی ہے پاک ہے۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۸۱

اقول: وھھنا وھم عرض فی فھم القضیۃ وفھم العکس العلامۃ الشامی فی ردالمحتار نبھت علیہ فیما علقت علیہ ولعل لنا فی اٰخر الکلام عودا الیہ۔	**اقول**: اور یہاں قضیہ اور اس کے عکس کو سمجھنے میں علامہ شامی کو ردالمحتار میں ایک وہم در پیش ہوا ہے جس پر میں نے حاشیہ ردالمحتار میں تنبیہ کی ہے۔ اور امید ہے کہ آخر کلام میں ہم اس طرف لوٹیں گے۔ (ت)

اور اگر ثابت کرلیں کہ جو ظاہر رطوبت بدن سے نکلے اگرچہ سائل ہو ناقض نہیں تو اب اس تجشم کی حاجت نہ رہے گی کہ آب دہانِ نائم سے استدلال کیجئے خود آب بینی ف کی طہارت مصرح و منصوص ہے۔ درمختار مسائل قے میں ہے: **المخاط کالبزاق**[1] (ناک کی رینٹھ تھوک کی طرح ہے۔ت) خود علامہ طحطاوی پھر شامی فرماتے ہیں:

ومانقل عن الثانی من نجاسۃ المخاط فضعیف[2]	اور امام ابو یوسف سے جو منقول ہے کہ رینٹھ نجس ہے وہ ضعیف ہے (ت)

تو مسئلہ قے بلغم سے استدلال جس طرح فقیر نے کیا اسلم و احکم ہے جس میں خود علامہ طحطاوی کو اقرار ہے کہ رطوبات بلغمیہ جب دماغ سے اتری ہوں بالاجماع ناقض وضو نہیں۔

ثم ۴۷ اقول: اب یہ نظر کرنی رہی کہ آیا کلیہ مذکورہ ثابت ہے کہ اگر ثابت ہو تو یہاں تک استظہار علامہ طحطاوی کے خلاف دو دلیلیں ہوجائیں گی۔ مسئلہ قے و مسئلہ آب بینی کہ فقیر نے عرض کئے اور علامہ شامی کے طور پر تین، تیسری مسئلہ آبِ دہان نائم کہ وہ مثل بزاق یعنی لعابِ دہن ہے اور لعابِ دہن و بلغم جنس واحد ہیں اور انھیں کی جنس سے آبِ بینی ہے وہی رطوبات ہیں کہ قدرے غلیظ وبستہ ہوں تو بلغم کہلائیں رقیق ہو کہ منہ سے آئیں تو آبِ دہن غلیظ یا رقیق ہو کر ناک سے آئیں تو آبِ بینی۔ حلیہ میں ہے:

ف: مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ آب بینی پاک ہے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۶/۱

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۴/۱، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۸۰/۱

فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں ان قاء بزاقا لاینقض الوضوء بالاجماع والبزاق مالا یکون متجمدا منعقدا و البلغم مایکون متجمدا منعقدا[1]۔	امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے: اگر تھوک کی قے کی تو یہ بالاجماع ناقضِ وضو نہیں ---- تھوک وہ ہے جو جما ہوا اور بستہ نہ ہو، اور بلغم وہ ہے جو جامد اور بندھا ہوا ہو۔ (ت)

ہاں یہ کلیہ ف۱ مذکورہ ضرور ثابت ف۲ ہے ولہذا ایسی اشیاء میں علماء برابر ان کی طہارت سے حدث نہ ہونے پر استدلال فرماتے ہیں۔ حلیہ میں ہے:

ان کان ای القیئ بلغما لاینقض لانه طاهر ذکره فی البدائع وغیره[2] اھ ملتقطا	اگر بلغم کی قے ہو تو ناقضِ وضو نہیں اس لئے کہ وہ پاک ہے، اسے بدائع وغیرہ میں ذکر کیا اھ ملتقطا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ثم فی البدائع وذکر الشیخ ابو منصور ان جوابهما فی الصاعد من حواشی الحلق واطراف الرئة وانه لیس بحدث بالاجماع لانه طاهر فینظران لم یصعد من المعدة لایکون نجسا ولا یکون حدثا[3]۔	پھر بدائع میں ہے اور شیخ ابو منصور نے ذکر کیا ہے کہ طرفین کا جواب حلق کے اطراف اور پھیپھڑے کے کناروں سے چڑھنے والے بلغم کے بارے میں ہے اور یہ کہ وہ بالاجماع حدث نہیں، اس لئے کہ وہ پاک ہے، تو دیکھا جائیگا کہ اگر وہ معدہ سے نہیں اٹھا ہے تو نجس نہ ہوگا تو حدث بھی نہ ہوگا۔ (ت)

اور اس کے نظائر کلامِ علماء میں کثیر ہیں کلیہ کی صریح تصریح لیجئے، خزانۃ المفتین میں ہے:

ف۱: مسئلہ: یہ کلیہ ہے کہ جو رطوبت بدن سے بہے اگر نجس نہیں تو ناقضِ وضو بھی نہیں۔

ف۲: معروضة اخرٰی علی العلامة

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الخارج من البدن علی ضربین طاھر ونجس فبخروج الطاھر لاینتقض الطھارۃ کالدمع والعرق والبزاق والمخاط ولبن بنی اٰدم [1] الخ	بدن سے نکلنے والی چیز دو قسم کی ہے: پاک اور ناپاک، پاک کے نکلنے سے طہارت نہیں جاتی۔ جیسے آنسو، پسینہ، تھوک، رینٹھ، انسان کا دودھ الخ (ت)

الحمدللہ ف۱ اس تقریر فقیر سے ایک تحقیق منیر ہاتھ آئی کہ قابل حفظ ہے۔

۶۸ **فاقول:** حدث ونجس کو اگر مطلق رکھیں تواُن میں نسبت عموم وخصوص من وجہ ہے، نوم حدث ہے اور نجس نہیں، خمر نجس ہے اور حدث نہیں، دم فصد حدث ونجس دونوں ہے اور خارج از بدن مکلّف کی قید لگائیں لامن بدن الانسان فینتقض طردا وعکسا بخارج الجن والصبی (خارج از بدن انسان نہ کہیں کہ جن اور بچہ سے خارج ہونے والی ہر چیز کی وجہ سے کلیہ نہ جامع رہ جائے نہ مانع، یعنی یہ لازم آئے کہ خارج از جن کا یہ حکم نہیں اور خارج از طفل کا بھی یہ حکم ہے حالاں کہ حکم میں جن شامل ہے اور بچہ شامل نہیں۔ ت) اور اس کے ساتھ نجس سے نجس بالخروج لیں یعنی وہ چیز کہ بوجہ خروج اسے حکمِ نجاست دیا جائے اگرچہ اس سے پہلے اسے نجس نہ کہا جاتا (جیسے خون ف۲ وغیرہ فضلات کا یہی حال ہے، پیشاب اگر پیش از خروج ناپاک ہو تو اس کی حاجت میں نماز باطل ہو۔ اور خون تو ہر وقت رگوں میں ساری ہے پھر نماز کیونکر ہوسکے) توان دو۲ قیدوں کے ساتھ حدث عام مطلقا ہے یعنی بدنِ مکلّف سے باہر آنے والا نجس بالخروج حدث ہے اور ہر حدث نجس بالخروج نہیں جیسے ریح فان عینھا طاھرۃ علی الصحیح (اس لئے کہ خود ریح، بر قولِ صحیح، پاک ہے۔ ت) قضیہ مذکورہ میں علمائے کرام نے یہی صورت مراد لی ہے ولہذا عکس کلی نہ مانا، اور اگر قیود مذکورہ کے ساتھ رطوبات کی تخصیص کرلیں تو نسبت تساوی ہے ہر رطوبت کہ بدن مکلّف سے باہر آئے اگر نجس بالخروج ہے ضرور حدث ہے اور اگر حدث ہے ضرور نجس ہے تو یہاں ہر ایک کے انتفاء سے دوسرے کے انتفاء پر استدلال صحیح ہے، لہذا آبِ بینی کہ نجس نہیں ہرگز ناقضِ وضو نہیں ہوسکتا وباللہ

ف۱: حدث ونجس کی نسبتوں میں مصنف کی تحقیق منیر۔

ف۲: خون پیشاب وغیرہ فضلات جب تک باہر نہ نکلیں ناپاک نہیں۔

---

[1] خزانۃ المفتین، کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء، قلمی ۱/۴

التوفیق اور نجس میں نجس بالخروج کی قید ہم نے اس لئے زائد کی کہ اگر یہ نہ ہو اور صرف خروج از بدن مکلّف کی قید رکھیں تو اب بھی نسبت عموم من وجہ ہوگی کہ ریح حدث ہے اور نجس نہیں، اور **معاذ اللہ** ف۱ اگر کسی نے شراب پی اور وہ قے ہوئی مگر تھوڑی کہ منہ بھر کر نہ تھی تو نجس ہے اور حدث نہیں یعنی وضو نہ جائے گا کہ قلیل ہے لیکن یہ اُس کی نجاست اپنی ذات میں تھی خروج کے سبب عارض نہ ہوئی۔ درمختار میں ہے:

ماء فم المیت ف۲ نجس کقیئ عین خمر او بول وان لم ینقض لقلته لنجاسة بالاصالة لابالمجاورة [1]۔	دہنِ میّت کا پانی نجس ہے جیسے عین شراب یا پیشاب کی قے نجس ہے اگرچہ قلیل ہونے کی وجہ سے ناقض نہیں کہ اس کی نجاست اصالۃً ہے کسی نجاست سے اتصال کی وجہ سے نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر رطوبات کی بھی قید بڑھالیں تو اب نجس عام مطلقًا ہو جائے گا کہ مسئلہ ریح داخل نہ رہے گا اور مسئلہ خمر باقی ہوگا اب کہ نجس بالخروج کی قید لگائی مسئلہ خمر بھی خارج ہو گیا اور تساوی رہی۔

فان قلت ترد حینئذ مسألة الخمر علی الکلیة الثانیة القائلة ان کل حدث نجس بالخروج فانه ان قاء الخمر ملاء الفم کان حدثا قطعا ولم یکن نجسا بالخروج فانها نجسة العین۔ ۲۶ **قلت**: لا ف۳ غرو ان یکتسب النجس بنجاسة اخری من خارج	**اگر یہ کہو** کہ اس صورت میں مسئلہ شراب سے کلیہ دوم ----- ہر حدث، نجس بالخروج ہے ----- پر اعتراض وارد ہوگا اس لئے کہ اگر منہ بھر کر شراب کی قے کی تو وہ مطلقًا محدث ہے اور نجس بالخروج نہیں کیوں کہ شراب تو نجس العین ہے۔ **قلت**: (میں کہوں گا) اس میں کوئی عجب نہیں کہ ایک نجس چیز اپنے باہر سے کوئی

ف۱: **مسئلہ**: شراب کی قے بھی اگر منہ بھر نہ ہو ناقض وضو نہیں۔

ف۲: **مسئلہ**: میت کے منہ سے جو پانی نکلتا ہے ناپاک ہے۔

ف۳: نجس چیز دوبارہ نجس ہو سکتی ہے ولہذا اگر شراب پیشاب میں پڑ جائے پھر سرکہ ہو جائے پاک نہ ہوگی۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶

کخمر وقعت فی بول حتی لو تخللت لم تطھر وان ابیت فلیکن النجس اعم مطلقا وانتفاء العام یوجب انتفاء الخاص فبطھارۃ المخاط یثبت انہ لیس بحدث وفیہ المقصود واللہ تعالٰی اعلم۔	اور نجاست حاصل کرلے جیسے شراب جو پیشاب میں پڑ گئی ہو، کہ اگر وہ سرکہ ہو جائے تو بھی پاک نہ ہو گی -----اور اگر اسے نہ مانو تو نجس عام مطلق ہی رہے۔ اور عام کے انتفا سے خاص کا انتفا بھی ضروری ہے تو رینٹھ کے پاک ہونے سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ حدث نہیں۔ اور اسی میں مقصود ہے---واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[۲۷] **ثم اقول:** ف۱ حقیقتِ امر ف۲ یہ ہے کہ درد و مرض سے جو کچھ بہے اسے ناقض ماننا اس بناء پر ہے کہ اس میں آمیزشِ خون وغیرہ نجاسات کا ظن ہے خود محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام مبارک میں اس کی تصریح ہے اور وہی ان فروع کا ماخذ صریح ہے تو زکام اس کے تحت میں آ ہی نہیں سکتا۔ منیہ میں ہے:

عن محمد اذا کان فی عینہ رمد ویسیل الدموع منھا اٰمرہ بالوضوء لانی اخاف ان یکون ما یسیل عنہ صدیدا[1]۔	امام محمد سے منقول ہے کہ فرماتے ہیں: جب آنکھ میں آشوب ہو اور اس سے آنسو بہتا ہو تو میں وضو کا حکم دوں گا اس لئے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اس سے بہنے والا آنسو صدید (زخم کا پانی) ہو۔ (ت)

حلیہ میں ہے: کذا ذکرہ بنحوہ عنہ ھشام[2] (اسی کے ہم معنی امام محمد سے روایت کرتے ہوئے ہشام نے نوادر میں ذکر کیا ہے۔ ت)

ف۱: [۴۵] معروضۃ ثالثۃ علی العلامۃ ط۔

ف۲ مسئلہ: تحقیق یہ ہے کہ درد و مرض سے جو کچھ بہے اس وقت ناقض ہے کہ اس میں آمیزش خون وغیرہ نجاسات کا احتمال ہو۔

---

1 منیۃ المصلی بیان نواقض وضو مکتبہ قادریہ لاہور ص۹۱

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

غنیہ میں ہے:

لافرق فی ذلك بین العین وغیرها بل کل ما یخرج من علة من ای موضع کان کالاذن والثدی و السرة ونحوها فانه ناقض علی الاصح لانه صدید[1]۔	اس بارے میں آنکھ اور آنکھ کے علاوہ میں کوئی فرق نہیں بلکہ جو بھی کسی بیماری کی وجہ سے خارج ہو، کان، پستان، ناف وغیرہ جس جگہ سے بھی ہو وہ اصح قول پر ناقض ہے اس لئے کہ وہ زخم کا پانی ہے۔(ت)

اسی میں مثل فتح القدیر ف۱ تجنیس امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ سے ہے:

لوخرج من سرته ماء اصفر وسال نقض لانه دم قد نضج فاصفر وصار رقیقا[2]۔	اگر ناف سے زرد پانی نکل کر بہے تو وضو جاتا رہے گا اس لئے کہ وہ خون ہے جو پک کر زرد اور رقیق ہو گیا۔(ت)

کافی میں ہے:

عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی اذا خرج ف۲ (ای من النفطة) ماء صاف لاینقض فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان قال الحسن بن زیاد الماء بمنزلة العرق والدمع فلا یکون نجسا وخروجه لایوجب انتقاض الطهارة والصحیح ماقلنا لانه دم رقیق لم یتم نضجه فیصیر لونه لون الماء	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اگر آبلہ سے صاف پانی نکلے تو وہ ناقض نہیں۔ اور قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں ہے کہ حسن بن زیاد نے کہا: یہ پانی پسینہ اور آنسو کی طرح ہے تو وہ نجس نہ ہو گا اور اس کے نکلنے سے طہارت نہ جائے گی۔ اور صحیح وہ ہے جو ہم نے کہا اس لئے کہ وہ رقیق خون ہے جو پورا پکا نہیں تو وہ پانی کے رنگ کا ہو جاتا ہے۔

ف۱: **مسئلہ**: ناف سے زرد پانی بہہ کر نکلے وضو جاتا رہے۔

ف۲: **مسئلہ**: دانے کا پانی اگرچہ صاف نتھرا ہو صحیح یہ ہے کہ وہ بھی ناپاک و ناقض وضو ہے۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۳

واذا کان دما کان نجسا ناقضا للوضوء [1]۔	اور جب وہ خون ہے تو نجس اور ناقضِ وضو ہوگا۔(ت)

بحر میں ہے:

لوکان فی عینیہ رمد یسیل دمعھا یؤمر بالوضوء لکل وقت لاحتمال ان یکون صدیدا [2]	اگر آنکھوں میں آشوب ہو کہ برابر آنسو بہتا رہتا ہے تو ہر وقت کے لئے وضو کا حکم ہوگا اس لئے کہ ہوسکتا ہے وہ زخم کا پانی ہو۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو کان بعینیہ رمد او عمش یسیل منھما الدموع قالوا یؤمر بالوضوء لوقت کل صلٰوۃ لاحتمال ان یکون صدیدا او قیحا۔[3]	اگر آنکھوں میں آشوب یا عمش (چندھا پن) ہو کہ آنسو بہتے رہتے ہوں تو علماء نے فرمایا ہے کہ ہر نماز کے وقت اسے وضو کا حکم ہوگا اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ وہ زخم کا پانی یا پیپ ہو۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

تذکر الاحتلام و رأی بللا ان کان ودیا لایجب الغسل بلا خلاف وان کان منیا او مذیا یجب الغسل بالاجماع ولسنا نوجب الغسل بالمذی لکن المنی یرق باطالۃ المدۃ فکان مرادہ مایکون صورتہ المذی لاحقیقۃ المذی وعلی ھذا ف الاعمی ومن بعینیہ رمد سال الدمع ینبغی ان یتوضأ	احتلام یاد ہے اور تری دیکھی اگر ودی ہو تو بلا اختلاف غسل واجب نہیں اور اگر منی یا مذی ہو تو بالاجماع غسل واجب ہے اور ہم مذی سے غسل واجب نہیں کہتے لیکن منی دیر ہو جانے سے رقیق ہو جاتی ہے تو اس سے مراد وہ ہے جو مذی کی صورت میں ہو، حقیقت مذی مراد نہیں اور اسی بنیاد پر نابینا اور آشوب چشم والے کی آنکھ سے جب آنسو بہتا ہو تو اسے ہر نماز کے وقت

ف: مسئلہ: اندھے کی آنکھ سے جو پانی بہے وہ ناپاک اور ناقض وضو ہے۔

[1] الکافی شرح الوافی

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۹

لوقت کل صلاۃ لاحتمال خروج القیح والصدید [1]۔	کے لئے وضو کرنا چاہئے اس لئے کہ پیپ اور زخم کا پانی نکلنے کا احتمال ہے۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

احتلم ولم یر بللا لاغسل علیه اجماعا ولو منیا او مذیا لزم لان الغالب انه منی رق بمضی الزمان وعن ھذا قالوا ان الاعمی اومن به رمد اذا سال الدمع یتوضؤ لوقت کل صلاۃ لاحتمال کونه قیحا اوصدیدا [2]۔	خواب دیکھااور تری نہ پائی تواس پر بالاجماع غسل نہیں اور اگر منی یا مذی دیکھی تو لازم ہے، اس لئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ وہ منی ہے جو وقت گزرنے سے رقیق ہو گئی، اسی وجہ سے علماء نے فرمایا کہ نابینا اور آشوب والے کا جب آنسو برابر بہے تو وہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ وہ آنسو دراصل پیپ یا زخم کا پانی (صدید) ہو۔(ت)

بالجملہ مجرد رطوبت کہ مرض سے سائل ہو مطلقًا فی نفسہا ہر گز ناقض نہیں بلکہ احتمال خون و ریم کے سبب ولہٰذا امام ابن الہمام کی رائے اس طرف گئی کہ مسائل مذکورہ میں امام محمد کا حکم وضو استحبابی ہے اسلئے کہ خون وغیرہ ہونا محتمل ہے اور احتمال سے وضو نہیں جاتا مگر یہ کہ خبر اطباء یا علامات سے ظنِ غالب ہو کہ یہ خون یا ریم ہے تو ضرور وجوب ہوگا۔ فتح میں قبیل فصل فی النفاس فرمایا:

فی عینه رمد یسیل دمعھا یؤمر بالوضوء لکل وقت لاحتمال کونه صدیدا و **اقول**: ھذا التعلیل یقتضی انه امر استحباب فان الشك والاحتمال فی کونه ناقضا	ایسا آشوب چشم ہو کہ برابر آنسو بہتا رہتا ہو تو ہر وقت کے لئے وضو کا حکم ہوگا اس لئے کہ صدید (زخم کا پانی) ہونے کا احتمال ہے، **میں کہتا ہوں** اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہو اس لئے کہ اس کے ناقض ہونے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۳

[2] الفتاوی البزازیہ علی ھامش الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰ و ۱۱

لا یوجب الحکم بالنقض اذا لیقین لایزول بالشك واللّٰه اعلم نعم اذا علم من طریق غلبة الظن باخبار الاطباء اوعلامات تغلب ظن المبتلی یجب[1]۔	میں شک واحتمال حکم نقض کا موجب نہیں اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا واللہ تعالٰی اعلم ہاں وجوب اس وقت ہوگا جب غلبہ ظن کے طور پر علم ہو جائے اطباء کے بتانے یا ایسی علامات کے ذریعہ جن سے مبتلا کو غلبہ ظن حاصل ہو۔ (ت)

اسی طرف ان کے تلمیذ ارشد امام ابن امیر الحاج نے میل کیااور اس کی تائید میں فرمایا:

یشھد لھذا مافی شرح الزاھدی عقب ھذہ المسئلة وعن ھشام فی جامعه انکان قیحا فکالمستحاضة والافکالصحیح[2]۔	اس پر شاہد وہ ہے جو شرح زاہدی میں اس مسئلہ کے بعد ہےاور ہشام سے ان کی جامع میں روایت ہے کہ اگر پیپ ہو تو مستحاضہ کی طرح ورنہ تندرست کی طرح ہے۔(ت)

یونہی محقق بحر نے بحر الرائق میں کلامِ فتح باب وضو میں بلا عزو ذکر کیااور مقرر رکھااور باب الحیض میں **ھو حسن**[3] فرمایااور تحقیق ف یہی ہے کہ حکم استحبابی نہیں بلکہ احتیاط ایجابی ہے، مشائخ مذہب سے تصریح وجوب منقول ہے۔خود فتح القدیر فصل نواقض الوضوء میں فرمایا:

ثم الجرح والنفطة وماء الثدی والسرة والاذن اذا کان لعلة سواء علی الاصح و علٰی ھذا قالوا من رمدت عینه وسال الماء منھا وجب علیه الوضوء فان استمر فلوقت کل صلاة وفی التجنیس الغرب	پھر زخم وآبلہ اور پستان، ناف اور کان کا پانی جب کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو بر قول اصح سب برابر ہیں، اسی بنیاد پر علماء نے فرمایا: جسے آشوبِ چشم ہواور آنکھ

ف: **مسئلہ:** تحقیق یہ ہے کہ درد یا علت سے جو رطوبت بہے اس میں صرف احتمال خون و ریم ہونا ہی وجوب وضو کو کافی ہے اگرچہ فتح وحلیہ میں استحباب مانا۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الاستحاضۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۶۴

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۱۶

فی العین اذا سال منه ماء نقض لانه کالجرح ولیس بدمع[1] الخ۔	سے پانی بہے تو اس پر وضو واجب ہے اگر برابر بہے تو ہر نماز کے وقت کے لئے واجب ہے اور تجنیس میں ہے : آنکھ کی پھنسی سے جب پانی بہے تو وضو جاتا رہے گا اس لئے کہ وہ زخم کی طرح ہے آنسو نہیں ہے۔ الخ (ت)

اور تقریر محقق علی الاطلاق ف۱ کا جواب ان عباراتِ جلیلہ سے واضح جو ابھی خلاصہ و بزازیہ سے منقول ہوئیں کہ جس طرح احتلام یاد ہونے کی حالت میں صریح مذی کے دیکھنے سے بھی غسل بالاجماع واجب ہے حالانکہ مذی سے بالاجماع غسل واجب نہیں مگر احتیاطًا حکمِ وجوب ہوا۔ خود محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں نقل فرمایا:

النوم مظنة الاحتلام فیحال به علیه ثم یحتمل انه کان منیا فرق بواسطة الهواء[2]۔	نیند گمان احتلام کی جگہ ہے تو اس تری کو اس کے حوالہ کیا جائے گا پھر یہ احتمال بھی ہے کہ وہ منی تھی جو ہوا کی وجہ سے رقیق ہو گئی۔ (ت)

اسی طرح یہاں وجود مرض مظنہ خروج خون وریم ہے تو امر عبادات میں احتیاطًا حکم وجوب ہوا۔ منحۃ الخالق میں ہے:

قوله وهذا التعلیل یقتضی انه امر استحباب الخ رده فی النهر بان الامر للوجوب حقیقة وهذا الاحتمال راجح وبان فی فتح القدیر صرح بالوجوب وکذا فی المجتبی قال یجب علیه الوضوء والناس عنه غافلون[3] اھ مافی المنحة۔ ۱ ؎ **اقول:** والاولی ف۲ ان یقول	قول محقق "اس تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہو" اسے نہر میں یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہے اور یہ احتمال راجح ہے اور یہ کہ خود فتح القدیر میں وجوب کی تصریح ہے اسی طرح مجتبٰی میں ہے کہ اس پر وضو واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں۔ اھ منحہ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت) **اقول:** اولٰی یہ کہنا ہے کہ وجوب پر

ف۱: ۳۶؎ تطفل علی الفتح۔

ف۲: ۳۷؎ تطفل علی النهر۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۴

[2] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۵۴

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۳۔۳۲

ان الوجوب منصوص علیه کما نقله فی فتح القدیر وذلك لما علمت ان المحقق انما نقله فی النواقض بلفظة قالوا وبحث بنفسه فی الحیض ان لاوجوب مالم یغلب علی الظن بامارة او اخبار طبیب۔	نص موجود ہے جیسا کہ اسے فتح القدیر میں نقل کیا ہے اس لئے کہ ناظر کو معلوم ہے کہ حضرت محقق نے تصریح وجوب بلفظ قالوا (مشائخ نے فرمایا) نقل کی ہے اور باب حیض میں خود بحث کی ہے کہ جب تک کسی علامت یا طبیب کے بتانے سے غلبہ ظن نہ حاصل ہو، وجوب نہیں۔ (ت)

اخیر میں صاحبِ بحر نے بھی کلامِ فتح پر استدراک فرما کر مان لیا کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔ باب الحیض میں فرمایا:

وهو حسن لکن صرح فی السراج الوهاج بانه صاحب عذر فکان الامر للایجاب[1]۔	یہ بحث اچھی ہے لیکن سراج وہاج میں تصریح ہے کہ وہ صاحبِ عذر ہے تو امر برائے ایجاب ہے۔ (ت)

غرض فریقین تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ مدار اس رطوبت کے خون وریم ہونے پر ہے قول تحقیق میں احتیاطًا احتمال دم پر ایجاب کیا اور خیال محقق و تلمیذ محقق میں جب تک دم کا غلبہ ظن نہ ہو استحباب رہا۔

ولہٰذا اشک رمد میں محقق ابن امیر الحاج نے بحثًا یہ قید بڑھائی کہ اس کا رنگ متغیر ہو جس سے احتمال خون ظاہر ہو۔ حلیہ میں فرمایا:

وعلی هذا فما فیه (ای فی المجتبی) ان من رمدت عینه فسال منها ماء بسبب رمد ینتقض وضوئه انتهی ینبغی ان یحمل علی ما اذا کان الماء الخارج من العین متغیر بسبب ذلك[2] اهـ مختصرا۔	اس بنیاد پر کلامِ مجتبٰی "جس کی آنکھ میں آشوب ہو اور اس کی وجہ سے آنکھ سے پانی بہے تو وضو جاتا رہے گا" انتہی۔ اس صورت پر محمول ہونا چاہئے جب آنکھ سے نکلنے والا پانی اس کی وجہ سے بدلا ہوا ہو۔ اھ مختصرًا (ت)

۴۷ **اقول:** اور تحقیق ف وہی ہے کہ وجود مرض مظنہ دم ہے اس کے ساتھ شہادت صورت کی

ف: ۴۸ تطفل علی الحلیة

---

1 البحرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۱۶

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

حاجت نہیں جس طرح مسئلہ مذی میں معلوم ہوا۔

ولہذا امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں ناف سے جو پانی نکلے اس کے زرد رنگ ہونے کی شرط لگائی کہ احتمال دمویت ظاہر ہو کما قدمنا نقلہ (جیسا کہ ہم اس کی عبارت پہلے نقل کر چکے۔ ت)

اقول:[۴۳] اور یہ منافی تحقیق نہیں کہ امام ممدوح کا یہاں کلام صورت وجودِ مرض میں نہیں اور بلا مرض بلاشبہ حکمِ دمویت کے لئے شہادت صورت کی حاجت۔

وللہذا امام حسن بن زیاد ف نے فرمایا اور وہ ایک روایت نادرہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی ہے اور جوہرہ و ینابیع وغیرہما بعض کتب میں اُس پر جزم کیا اور امام حلوانی نے خارش اور آبلے والوں کیلئے اُسی میں وسعت بتائی کہ دانوں سے جو صاف ستھرا پانی نکلے نہ ناپاک ہے نہ ناقضِ وضو کہ رنگت کی صفائی احتمالِ خون و ریم کو ضعیف کرتی ہے۔

کما تقدم نقلہ وذکر الطحطاوی نفسہ فی حاشیتہ علی مراقی الفلاح مانصہ عن الحسن ان ماء النفطۃ لاینقض قال الحلوانی وفیہ وسعۃ لمن بہ جرب اوجدری اومجل وفی الجوھرۃ عن الینابیع الماء الصافی اذا خرج من النفطۃ لاینقض (الی قولہ) قال العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی وینبغی ان یحکم بروایۃ عدم النقض بالصافی الذی یخرج من النفطۃ فی الحمصۃ وان مایخرج منھا	جیسا کہ اس کی نقل گزر چکی اور خود سید طحطاوی نے اپنے حاشیہ مراقی الفلاح میں یہ لکھا ہے: حسن بن زیاد سے روایت ہے کہ آبلہ کا پانی ناقضِ وضو نہیں، امام حلوانی نے فرمایا: خارش، چیچک اور آبلے والوں کے لئے اس میں وسعت ہے اور جوہرہ میں ینابیع سے نقل ہے کہ جب آبلے سے صاف پانی نکلے تو ناقض نہیں (الی قولہ) عارف باللہ سیّدی عبدالغنی نابلسی نے فرمایا: کیّ الحمصہ میں آبلے سے نکلنے والے صاف پانی کی وجہ سے عدمِ نقض کی روایت پر حکم ہونا چاہئے اور یہ کہ اس سے جو نکلتا ہے وہ

ف: مسئلہ: دانے سے جو صاف ستھرا پانی نکلے متعدد روایات میں پاک ہے اور اُس سے وضو نہیں جاتا۔ کھجلی والوں کو اس میں بہت وسعت ہے بحال ضرورت اس پر عمل کر سکتے ہیں اگرچہ قول صحیح اس کے خلاف ہے۔

لاینقض اذاکان ماء صافیا [1]۔	ناقض نہیں جب کہ صاف پانی ہو۔(ت)

جوہرہ نیرہ کی عبارت یہ ہے:

العرق المدمی ف۱ اذا خرج من البدن لاینقض لانه خیط لامائع واما الذی ف۲ یسیل منه ان کان صافیا لاینقض قال فی الینابیع الماء الصافی الخ [2]	عرق مدنی (ناروکاڈورا) بدن سے نکلے تو وضو نہ جائے گا اس لئے کہ وہ کوئی سیال چیز نہیں بلکہ ایک دھاگا ہے اور بدن سے جو بہتا ہو اگر صاف ہے تو ناقض نہیں۔ ینابیع میں کہا: صاف پانی الخ۔(ت)

یہاں بھی اگرچہ صحیح وہی ہے کہ صاف پانی بھی ناقض مگر نہ اس لئے کہ مطلقاً جو رطوبت مرض سے نکلے ناقض ہے بلکہ اُسی وجہ سے کہ دانوں آبلوں کے پانی میں ظن راجح یہی ہے کہ خون و ریم رقیق ہو کر پانی ہوگئے کما اسلفنا عن الامام فقیه النفس قاضی خاں (جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضی خان سے نقل گزری۔ت)

بالجملہ اُن کے کلمات قاطبۃً ناطق ہیں کہ حکمِ نقض احتمال وظنِ خون وریم کے ساتھ دائر ہے نہ کہ زکام سے ناک بہی اور وضو گیا بحران ف۳ میں پسینہ آیا اور وضو گیا پستان کی قوت ماسکہ ضعیف ہونے سے دودھ بہا اور وضو گیا ہرگز نہ اسکا کوئی قائل نہ قواعد مذہب اس پر مائل۔

۴۷ **اقول:** ان تمام ف۴ دلائل قاہرہ و حل بازغ کے بعد اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو یہ استظہار آپ ہی واجب الرد تھا، زکام ایک عام چیز ہے غالباً جیسے دنیا بنی کوئی فرد بشر جس نے چند سال عمر پائی ہو اُسے کبھی نہ کبھی اگرچہ جاڑوں ہی کی فصل میں زکام ضرور ہوا ہوگا یقین عادی کی رُو سے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام و

ف۱: بدن سے نارو کا ڈورا نکلنے سے وضو نہ جائے گا۔

ف۲: **مسئلہ:** نارو سے رطوبت بہے تو وضو جاتا رہے اگرچہ صاف سفید پانی ہو۔

ف۳: **مسئلہ:** بحران کے پسینہ سے وضو نہیں جاتا۔

ف۴: ۴۹ معروضۃ رابعۃ علی العلامۃ ط۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فی نواقض الوضوء دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۷ و ۸۸

[2] الجوہرۃ النیرہ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/۱

تابعین اعلام وائمہ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خود بھی عارض ہوا ہو ایسی عموم بلوٰی کی چیز میں اگر نقض وضو کا حکم ہوتا تو ایک جہان اُس سے مطلع ہوتا مشہور و مستفیض حدیثوں میں اس کی تصریح آئی ہوتی، کتب ظاہر الروایۃ سے لے کر متون وشروح وفتاوٰی سب اُس کے حکم سے مملو ہوتے نہ کہ بارہ سو برس کے بعد ایک مصری فاضل سید علامہ طحطاوی بعض عبارات سے اُسے بطور احتمال نکالیں اور خود بھی اُس کے اصل موضع بیان یعنی نواقض وضو کے ذکر تک اُس کی طرف اُن کا ذہن نہ جائے حالانکہ آبِ رمد وغیرہ کا مسئلہ در مختار میں وہاں بھی مذکور تھا، باب الحیض میں جا کر خیال تازہ پیدا ہو ایسا خیال زنہار قابل قبول نہیں ہو سکتا تمام اصول حدیث واصول فقہ اس پر شاہد ہیں ہاں جسے رُعاف ف۔یعنی ناک سے خون جانے کا مرض ہے اور اسی حالت میں اُسے زکام ہوا اور خون نکلنے کے غیر اوقات میں جو ریزش زکام کی آتی ہے سرخی لیے متغیر اللون آتی ہے جس سے آمیزش خون مظنون ہے تو اس صورت میں نقضِ وضو کا حکم ظاہر ہے۔

وانما شرطنا ههنا تغير اللون المذكور لان العلة وان كانت موجودة فالمخاط لايحدث منها اعنى من الرعاف فاذا كان صافيا كان من محض الزكام ، واذا تغير استند تغيره الى الرعاف بناء على الظاهر وان امكن استناده الى اسباب اخر ، هذا ماعندى وارجو ان يكون صوابا ان شاء الله تعالٰى ورأيتنى كتبت على هامش نسختى الغنية عند قوله ناقض على الاصح لانه صديد	یہاں ہم نے رنگ مذکور کے بدل جانے کی شرط رکھی اس لیے کہ بیماری اگرچہ موجود ہے مگر اس سے یعنی نکسیر سے رینٹھ نہیں آتی تو اگر وہ صاف ہے تو خالص زکام سے ہے اور رنگ بدلا ہوا ہے تو ظاہر پر بنا کرتے ہوئے اس کے تغیر کی نسبت نکسیر کی جانب ہوگی، اگرچہ دوسرے اسباب کی جانب بھی استناد ممکن ہے، یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے اور امید رکھتا ہوں کہ درست ہوگا اگر اللہ نے چاہا۔ اور میں نے دیکھا کہ اپنے نسخہ غنیہ کے حاشیہ پر اس کی عبارت "ناقض علی الاصح لانہ صدید" (بر قول اصح وہ ناقض ہے اس لئے کہ وہ زخم کا پانی ہے) کے

ف: مسئلہ: جسے ناک سے خون جاتا ہو اسی حالت میں اُسے زکام ہو اور ریزش سرخی لئے نکلے اگرچہ اس وقت خون بہنا معلوم نہ ہو اس کی یہ ریزش بھی ناقض وضو ہے۔

مانصہ۔

قلت: تعلیلہ النقض بانہ صدید یبعد استظھار الطحطاوی النقض بالزکام لکونہ ماء سال من علۃ وتعقبہ الشامی بما صرحوا بان ماء فم النائم طاھر وان کان منتنا

اقول: لکن فیہ ان النوم یرخی والمکث ینتن فلم یلزم کونہ من علۃ وانما الناقض مامنہا فافھم۔

لکنی **اقول:** الزکام امر عام ولعلہ لم یکن انسان الاابتلی بہ فی عمرہ مرارا ومتیقن انہ وقع فی کل قرن وکل طبقۃ بل کل عام وفی عھد الرسالۃ وزمن الصحابۃ وایام الائمۃ بل لعلھم زکموا بانفسھم ایضا فلوکان ناقضا لوجب ان یشتھر حکمہ ویملأ الاسماع ویعم البقاع، ویتدفق منہ بحار الاسفار قدیما وحدیثا لاان

تحت میں نے یہ لکھا ہے:

قلت: صدید (زخم کا پانی) ہونے سے نقض کی تعلیل علامہ طحطاوی کے اس استظہار کو بعید قرار دیتی ہے جو زکام کے ناقض وضو ہونے سے متعلق انہوں نے لکھا ہے اس لئے کہ وہ ایک بیماری سے بہنے والا پانی ہے اور علامہ شامی نے اس پر علماء کی اس تصریح سے تعاقب کیا ہے کہ سونے والے کے منہ کا پانی پاک ہے اگرچہ بدبودار ہو۔

اقول: لیکن اس پر یہ کلام ہے کہ نیند کی وجہ سے اعضاء ڈھیلے ہو جاتے ہیں (اس لئے منہ کا پانی باہر آ جاتا ہے) اور دیر گزرنے سے بدبو پیدا ہو جاتی ہے تو یہ لازم نہ آیا کہ وہ پانی کسی بیماری کی وجہ سے نکلا ہے اور ناقض وہی ہے جو کسی بیماری سے ہو---تو اسے سمجھو۔

لکنی **اقول** (لیکن میں کہتا ہوں) زکام ایک عام سی چیز ہے، شاید کوئی انسان ایسا نہ گزرا ہو جسے اپنی عمر میں چند بار زکام نہ ہوا ہو اور یقین ہے کہ ہر قرن ہر طبقہ بلکہ ہر سال واقع ہوا ہے اور عہدِ رسالت، زمانہ صحابہ اور دورِ ائمہ میں بھی ہوا ہے بلکہ خود ان حضرات کو بھی زکام ہوا ہو گا، اگر یہ ناقضِ وضو ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کا حکم مشہور ہو، لوگوں کے کان اس سے خوب خوب آشنا ہوں کہ سارے علاقوں میں پھیل جائے اور فقہ و حدیث کی قدیم و جدید کتابیں اس کے ذکر

لایذکر فی شیئ من الکتب ویبقی موقوفا الی ان یستخرجه العلامة الطحطاوی علی وجه الاستظهار فی القرن الثالث عشر. و قد علمت [ف۱] ان ماکان ھذا شانه لایقبل فیه حدیث روی اٰحادا لان الاٰحادیة مع توفر الدواعی امارة الغلط۔	سے لبریز ہوں---نہ یہ کہ کسی کتاب میں اس کا کوئی ذکر نہ ہو اور تمام سابقہ صدیاں یوں ہی گزر جائیں یہاں تک کہ تیرھویں صدی میں علامہ طحطاوی بطورِ استظہار اس کا استخراج کریں، جب کہ معلوم ہے کہ جو ایسا عام معاملہ ہو اس میں بطریق آحاد روایت کی جانے والی حدیث بھی قبول نہیں کی جاتی اس لئے کہ کثرتِ اسباب و دواعی کے باوجود آحاد سے مروی ہونا غلطی کی علامت ہے۔
۴۵والذی یظنه [ف۲] العبد الضعیف ان ماکان خروجه معتادا ولا ینقض لاینقض ایضا اذا فحش وان عد حینئذ علة فیما یعد الاتری ان العرق لاینقض فاذا فحش جدا کما فی بحران المحموم اوبعض الامراض لم ینقض ایضا وکذلك الدمع واللبن والریق فکذا المخاط ومن ادل دلیل علیه ما اجمعوا علیه ان من قاء بلغما فان	اور بندہ ضعیف کا خیال یہ ہے کہ جو چیز عادۃً نکلتی ہے اور ناقض نہیں ہوتی وہ بہت زیادہ نکلے تو بھی ناقض نہ ہوگی اگرچہ ایسی صورت میں اسے کسی بیماری کے دائرے میں شمار کیا جائے۔ دیکھئے پسینہ ناقضِ وضو نہیں اگر یہ بہت زیادہ آئے جیسے بخار کے بحران یا بعض امراض میں ہوتا ہے تو بھی ناقض نہیں۔ اسی طرح آنسو، دودھ، تھوک۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے جس پر اجماع ہے کہ بلغم اگر سر سے آنے والا ہے تو اس

ف۱: لایقبل حدیث الاٰحاد فی موضع عموم البلوی فکیف برأی عالم متأخر۔

ف۲: **مسئلہ:** مصنف کی تحقیق کہ جو چیز عادۃً بدن سے بہا کرتی ہو اور اس سے وضو نہ جاتا ہو جیسے آنسو، پسینہ، دودھ، بلغم، ناک کی ریزش وہ اگرچہ کتنی ہی کثرت سے نکلے ناقض وضو نہیں اگرچہ اس کی کثرت بجائے خود ایک مرض گنی جاتی ہو۔

نازلا لاینقض وان ملأ الفم ومعلوم انه لا اختلاف فی البلغم وماء الزکام فی الحقیقة وما یملؤ الفم کثیر فوجب عدم النقض بالزکام ھذا ماظھرلی واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ ماکتبت علیه ونقلته کما اشتمل علی بعض فوائد واللہ سبحانه ولی التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق والحمد للہ علی ماعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا واٰله وسلم سبحنه وتعالٰی اعلم۔	کی قے منہ بھر کر ہو جب بھی ناقض وضو نہیں۔اور معلوم ہے کہ در حقیقت بلغم اور آب زکام میں کوئی اختلاف نہیں اور اتنی مقدار جس سے منہ بھر جائے، کثیر ہے، تو ضروری ہے کہ زکام سے بھی وضو نہ جائے۔یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا، واللہ تعالٰی اعلم۔ میرا حاشیہ ختم ہوا-----اسے اس وجہ سے میں نے نقل کر دیا کہ بعض فوائد پر مشتمل ہے------اور خدائے پاک ہی مالک توفیق ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق کی بلندی تک رسائی ہے اور خدا ہی کا شکر ہے اس پر جو اس نے تعلیم فرمایا----اور ہمارے آقا اور ان کی آل پر خدائے برتر کا درود وسلام ہو۔واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

---

[1] حواشی امام احمد رضا علی غنیۃ المستملی قلمی ص ۱۴۰ و ۱۴۱

رسالہ

الطراز المعلم فیما ھو حدث من احوال الدم ۱۳۲۴ھ

(نشان زدہ نقش اس بیان میں کہ خون کس حال میں ناقضِ وضو ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۸ ف : دوم ذی القعدۃ الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر خون چھلکا اور باہر نہ آیا تو وضو جائیگا یا نہیں، اور اگر کپڑا اُس خون پر بار بار مختلف جگہ سے لگ کر آلودہ ہوا کہ قدر درم سے زائد ہو گیا تو ناپاک ہوگا یا نہیں اور اگر خارش وغیرہ کے دانوں پر جو چپک پیدا ہوتی ہے اُس سے کپڑا اُسی طرح بھرا تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ شھد بھا لحمی	تمام تعریف خدائے یکتا کے لئے ہے میرے گوشت و

ف: **مسئلہ** : خون چھلکنے، اُبھرنے، بہنے کے فرق واحکام)

ودمی والصلاۃ والسلام علی الطیب الطاھر النبی الامی واٰلہ وصحبہ وسائر حزبہ ومن فی سبیلہ اٰدمٰی اودمی۔	خون نے اس کی شہادت دی اور درود و سلام ہو طیّب و طاہر نبی اُمّی پر اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ساری جماعت اور ہر اس شخص پر جس نے ان کی راہ میں خون بہایا یا خود اس کا خون بہا۔ (ت)

یہاں تین[۳] صورتیں ہیں:

اوّل: چھلکنا یعنی خون و ریم وغیرہ نے اپنی جگہ سے اصلاً تجاوز نہ کیا بلکہ اُس پر جو کھال کا پردہ تھا وہ ہٹ گیا، جس کے سبب وہ شے اپنی جگہ نظر آنے لگی پھر اگر وہ کسی چیز[ف۱] سے مس ہو کر اس میں لگ آئی مثلاً خون چھلکا اُسے انگلی سے چھُوا انگلی پر اس کا داغ آگیا یا خلال کیا یا مسواک کی یا انگلی سے دانت مانجے یا دانت سے کوئی چیز کاٹی ان اشیاء پر خون کی رنگت محسوس ہوئی یا ناک انگلی سے صاف کی اُس پر سُرخی لگ آئی اور ان سب صورتوں میں اُس ملنے والی شے پر اثر آجانے سے زیادہ خود اُس خون کو حرکت نہ ہوئی تو یہ بھی جگہ سے تجاوز نہ کرنا نہ ٹھہرے گا کہ اُس میں آپ تجاوز کی صلاحیت نہ تھی اور اسی حکم[ف۲] میں داخل ہے یہ کہ دانہ آبلہ بدن کی سطح سے اُبھار رکھتا ہو۔ خون وریم اس کے باطن سے تجاوز کرکے اس کے منہ پر رہ جائے منہ سے اصلاً تجاوز نہ کرے کہ وہ جب تک دانوں یا آبلوں کے دائرے میں ہیں اپنی ہی جگہ پر گنے جائیں گے اگرچہ آبلے کے جرم میں حرکت کریں یہ صورت بالاجماع ناقضِ وضو نہیں، نہ اس خون وریم کیلئے حکمِ ناپاکی ہے کہ مذہب صحیح ومعتمد میں جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں، ولہٰذا اگر خارش[ف۳] کے دانوں پر کپڑا مختلف جگہ سے بار بار لگا اور دانوں کے منہ پر جو چیپ پیدا ہوتی ہے جس میں خود باہر آنے اور بہنے کی قوت نہیں ہوتی اگر دیر گزرے تو وہ وہاں کی وہیں رہے گی اُس چیپ سے

ف۱: مسائل: خون چھلکا انگلی سے چھوا اس پر داغ آگیا یا خلال یا مسواک یا دانت مانجھتے وقت انگلی میں لگ آیا یا کوئی چیز دانت سے کاٹی اس پر خون کا اثر پایا یا ناک انگلی سے صاف کی اس پر سرخی آگئی مگر وہ خون آپ جگہ سے ہٹنے کے قابل نہ تھا وضو نہ جائے گا اور وہ خون بھی پاک ہے۔

ف۲: مسئلہ: خون یا ریم آبلے کے اندر سے بہہ کر آبلے کے منہ تک آکر رہ جائے تو وضو نہ جائے گا۔

ف۳: خارش وغیرہ کے دانوں پر خالی چیپ ہے کپڑا اس سے بار بار لگ کر بہت جگہ میں بھر گیا ناپاک نہ ہوا نہ وضو گیا۔

سارا کپڑا ابھر گیا ناپاک نہ ہوگا یہی حالت ف۱ خون کی ہے جبکہ اُس میں قوتِ سیلان نہ ہو یعنی ظنِ غالب سے معلوم ہوا کہ اگر کپڑا نہ لگتا اور اُس کا راستہ کھُلا رہتا جب بھی وہ باہر نہ آتا اپنی جگہ ہی پر رہتا ہاں اگر حالت یہ ہو ف۲ کہ خون بہنا چاہتا ہے اور کپڑا الگ لگ کر اُسے اپنے میں لے لیتا ہے تجاوز نہیں کرنے دیتا یہاں تک کہ جتنا خون قاصدِ سیلان تھا وہ اس کپڑے ہی میں لگ لگ کر پچھ گیا اور بہنے نہ پایا تو ضرور وضو جاتا رہے گا اور قدر درم سے زائد ہوا تو کپڑا بھی ناپاک ہو جائیگا کہ یہ صورت واقع میں بہنے کی تھی کپڑے کے لگنے نے اُسے ظاہر نہ ہونے دیا۔

دوم: ابھرنا ف۳ کہ خون وریم اپنی جگہ سے بڑھ کر جسم کی سطح یا دانے کے منہ سے اوپر ایک ببولے کی صورت ہو کر رہ گیا کہ اس کا جرم سطح جسم وآبلہ سے اُوپر ہے مگر نہ وہاں سے ڈھلکا نہ ڈھلکنے کی قوت رکھتا تھا جیسے سُوئی چبھونے میں ہوتا ہے کہ خون کی خفیف بوند نکلی اور نقطے یا دانے کی شکل پر ہو کر رہ گئی آگے نہ ڈھلکی اور اسی قسم کی اور صُورتیں، ان میں بھی ہمارے علماء کے مذہب اصح میں وضو نہیں جاتا، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی اور اسی حکم ف۴ میں داخل ہے یہ کہ خون یا ریم اُبھرا اور فی الحال اس میں قوتِ سیلان نہیں اُسے کپڑے سے پونچھ ڈالا دوسرے جلسے میں پھر اُبھرا اور صاف کر دیا یوں ہی مختلف جلسوں میں اتنا نکلا کہ اگر ایک بار آتا ضرور بہہ جاتا تو اب بھی نہ وضو جائے نہ کپڑا ناپاک ہو کہ ہر بار اُتنا نکلا ہے جس میں بہنے کی قوت نہ تھی۔ ہاں جلسہ واحدہ میں ایسا ہوا تو وضو جاتا رہے گا کہ مجلس واحد کا نکلا ہوا گویا ایک بار کا نکلا ہوا ہے۔ یوں ہی اگر خون ف۵ اُبھرا اور اُس پر مٹی وغیرہ ڈال دی پھر اُبھرا پھر ڈالی اسی طرح کیا تو وضو نہ رہیگا جب کہ ایک

ف۱: **مسئلہ:** یہی حکم چھلکے ہوئے خون کا ہے کہ نہ اس سے کپڑا نجس ہو نہ وضو ساقط۔

ف۲: **مسئلہ:** خون یا ریم بہنے کے قابل ہو مگر کپڑے میں لگ لگ کر بہنے نہ پائے وضو جاتا رہے گا اور درم بھر سے زائد ہو تو کپڑا بھی نجس ہو جائے گا۔

ف۳: **مسئلہ:** سوئی چبھ کر خواہ کسی طرح خون کی بوند اُبھری اور ببولا سا ہو کر رہ گئی ڈھلکی نہیں تو فتوی اس پر ہے کہ وہ پاک ہے وضو نہ جائے گا۔

ف۴: خون یا ریم اُبھرا اور ڈھلکنے کے قابل نہ تھا اُسے کپڑے سے پونچھ لیا، دیر دیر کے بعد بار بار ایسا ہی ہوا وضو نہ جائے گا اور کپڑا پاک رہا، ہاں اگر ایک ہی جلسے میں بار بار اُبھرا اور پونچھ لیا اور چھوڑ دیتے تو سب مل کر ڈھلک جاتا تو وضو نہ رہا اور وہ ناپاک ہے۔

ف۵: خون ابھرا اس پر مٹی ڈال دی پھر ابھرا پھر ڈالی وضو نہ رہا جبکہ ایک جلسے میں اتنا اُبھرا کہ مل کر بہہ جاتا۔

جلسے میں بقدر سیلان جمع ہو جاتا کہ یہ بہنے ہی کی صورت ہے اگرچہ عارض کے سبب صرف اُبھر ناظاہر ہوااور ایک جلسے ف۱ میں اتنا ہوتا یا نہ ہوتا اس کا مدار ٹھیک اندازے اور غلبہ ظن پر ہے۔

سوم: بہنا کہ اُبھر کر ڈھلک بھی جائے یا کسی مانع کے باعث نہ ڈھلکے تو فی نفسہٖ اتنا ہو کہ مانع نہ ہوتا تو ڈھلک جاتا جس کی صُور تیں اُوپر گزریں یہ شکل ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناقضِ وضو ہے اور کپڑا قدر درم سے زائد بھرے تو ناپاک۔ ہاں وہ بہنا کہ صرف باطنِ بدن میں ہو ناقض نہیں کہ باطن انسان میں تو خون ہر وقت دورہ کرتا ہے آنکھوں کے ڈھیلے بھی شرعًا باطنِ بدن میں داخل ہیں۔ ولہٰذا وضو وغسل کسی میں یہاں تک کہ حقیقی نجاست ف۲ سے بھی اُن کے دھونے کا حکم نہ ہوا تو اگر آنکھ کے ف۳ بالائی حصّے میں کوئی دانہ پھوٹا اور خون وریم اُس کے زیریں حصّے تک بہہ کر آیا مگر آنکھ سے باہر نہ ہوا وضو نہ جائیگا اور حسبِ قاعدہ معلومہ جب وہ حدث نہیں تو نجس بھی نہیں۔ پس اگر کپڑے سے اُسے پُونچھ لیا اور وہ کپڑا پانی میں گرا پانی ناپاک نہ ہوگا اور ناک کے ف۴ سخت بانسے میں اختلاف ہے کہ اگر خون دماغ سے اتر کر اُس میں بہا اور نرم بانسے تک نہ پہنچا تو ناقض وضو ہوگا یا نہیں۔ مشہور تر یہ ہے کہ وضو نہ جائے گا کہ ناک کا سخت حصہ بھی اندر سے یقینا باطنِ بدن میں داخل ہے ولہٰذا وضو وغسل کسی میں اُس کا دھونا واجب نہیں، اور انسب یہ ہے کہ وضو کرلے کہ اس موضع کا دھونا اگرچہ واجب نہیں وضو وغسل دونوں میں سنّت تو ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الخروج فی غیر السبیلین ھو تجاوز النجاسة الی موضع التطھیر فلو خرج من جرح فی العین دم	غیر سبیلین میں خروج یہ ہے کہ نجاست تطہیر کی جگہ تک تجاوز کر جائے تو اگر آنکھ کے اندر کوئی زخم ہے جس سے خون نکل کر آنکھ ہی میں

ف۱: **مسئلہ:** ایک جلسے میں متفرق طور پر جتنا خون ابھرا یہ جمع ہو کر بہہ جاتا یا نہیں اس کا مدار اندازے پر ہے۔

ف۲: **مسئلہ:** ناپاک سرمہ لگایا اور کوئی نجاست آنکھ کے ڈھیلے کو پہنچی اس کا دھونا معاف ہے۔

ف۳: **مسئلہ:** خون یا پیپ آنکھ میں بہا مگر آنکھ سے باہر نہ گیا تو وضو نہ جائے گا اسے کپڑے سے پونچھ کر پانی میں ڈال دیں تو ناپاک نہ ہوگا۔

ف۴: **مسئلہ:** ناک کے سخت بانسے میں خون بہا اور نرم حصے میں نہ آیا تو مشہور تر یہ ہے کہ وضو نہ جائے گا۔

فسال الی الجانب الاخر منها لاینقض لانه لایلحقه حکم هو وجوب التطهیر اوندبه بخلاف مالو نزل من الراس الی مالان من الانف لانه یجب غسله فی الجنابة ومن النجاسة فینقض۔

ولو ف ربط الجرح فنفذت البلة الی طاق لاالی الخارج نقض ویجب ان یکون معناه اذا کان بحیث لولا الربط سال لان القمیص لوتردد علی الجرح فابتل لاینجس مالم یکن کذلك لانه لیس بحدث ولو اخذه من راس الجرح قبل ان یسیل مرة فمرة ان کان بحال لوترکه سال نقض والا لاوفی المحیط حدالسیلان ان یعلو وینحدر عن ابی یوسف وعن محمد اذا انتفخ علی راس الجرح وسار اکبر من راسه نقض والصحیح لاینقض وفی الدرایة جعل قول محمد اصح ومختار السرخسی الاول وهو اولی وفی مبسوط شیخ الاسلام تورم

دوسری جانب کو بہہ گیا تو وہ ناقضِ وضو نہیں اس لئے کہ اسے تطہیر کے وجوب یا استحباب کا کوئی حکم لاحق نہیں ہوتا بخلاف اس کے جو سر سے اتر کر ناک کے نرم بانسے تک آگیا ہو اس لئے کہ غسل جنابت میں اور نجاست لگنے سے اس حصہ کو دھونا واجب ہوتا ہے تو وہ خون ناقضِ وضو ہوگا۔

اور اگر زخم پر پٹی باندھ دی تو تری پٹی کی تہہ تک نفوذ کر آئی باہر نہ نکلی تو بھی وضو جاتا رہا ضروری ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ ایسی صورت رہی ہو کہ اگر بندش نہ ہوتی تو خون بہہ جاتا اس لئے کہ کُرتا اگر زخم پر بار بار لگ کر تر ہوگیا تو نجس نہ ہوگا جب تک بہنے کے قابل نہ رہا ہو کیونکہ وہ حدث نہیں اور اگر بہنے سے پہلے اسے سرِ زخم سے بار بار لے لیا، اگر ایسی حالت رہی ہو کہ چھوڑ دیتا تو بہہ جاتا تو وضو ٹوٹ گیا ورنہ نہیں اور محیط میں ہے کہ امام ابو یوسف سے مروی ہے کہ بہنے کی تعریف یہ ہے کہ اوپر جا کر نیچے ڈھلکے اور امام محمد سے روایت ہے کہ جب سرِ زخم پر پھول جائے اور سرِ زخم سے بڑا ہوجائے تو وضو جاتا رہے گا اور صحیح یہ ہے کہ نہ جائے گا، درایہ میں امام محمد کا قول اصح قرار دیا اور سرخسی کا مختار اول ہے اور وہی اولٰی ہے، مبسوط شیخ الاسلام میں ہے: سرِ زخم

ف: مسئلہ: زخم پر پٹی بندھی ہے اس میں خون وغیرہ لگ گیا اگر اس قابل تھا کہ بندش نہ ہوتی تو بہ جاتا تو وضو گیا ورنہ نہیں، نہ پٹی ناپاک۔

راس الجرح فظهر به قيح ونحوه لاينقض مالم يجاوزا لورم لانه لايجب غسل موضع الورم فلم يتجاوز الى موضع يلحقه حكم التطهير [1]۔	ورم کر آیا اور اس میں پیپ وغیرہ نمودار ہوا تو وضو نہ ٹوٹے گا جب تک ورم سے تجاوز نہ کر جائے اس لئے کہ جائے ورم کو دھونا واجب نہیں ہوتا تو ایسی جگہ تجاوز نہ ہوا جسے تطہیر کا حکم لاحق ہوتا ہے۔(ت)

در مختار میں ہے:

لايجب غسل مافيه حرج كعين وان اكتحل بكحل نجس [2]۔	جس میں حرج ہے اسے دھونا واجب نہیں ہے جیسے آنکھ، اگرچہ اس میں نجس سرمہ لگالیا ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

المراد بالخروج من السبيلين مجرد الظهور وفى غيرهما عين السيلان ولو بالقوة لما قالوا لومسح الدم كلما خرج ولو تركه لسال نقض والا لا كما لو سال فى باطن عين او جرح او ذكر ولم يخرج ف [3]۔	سبیلین سے نکلنے سے مراد محض ظاہر ہونا ہے اور غیر سبیلین میں خود بہنا اگرچہ بالقوۃ ہو اس لئے کہ علماء نے فرمایا ہے جب بھی خون نکلا پونچھ دیا اگر ایسا ہو کہ چھوڑ دیتا تو بہہ جاتا تو وہ ناقض ہے ورنہ نہیں جیسے اس صورت میں جب کہ آنکھ یا زخم یا ذکر کے اندر بہے اور باہر نہ آئے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا وضع عليه قطنة اوشيئا اٰخر حتى ينشف ثم وضعه ثانيا وثالثا فانه	زخم پر روئی یا اور کوئی چیز رکھ دی تاکہ خون جذب کرے پھر دوسری، تیسری بار بھی رکھی تو جتنا

ف: مسئلہ: قطرہ اترآیا خون وغیرہ ذکر کے اندر بہا جب تک اس کے سوراخ سے باہر نہ آئے وضو نہ جائے گا اور پیشاب کا صرف سوراخ کے منہ پر چمکنا کافی ہے۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۴

[2] الدر المختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۸

[3] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵

یجمع جمیع مانشف فان کان بحیث لو ترکہ سال نقض وانما یعرف ھذا بالاجتھاد وغالب الظن وکذا لو القی علیہ رمادا اوترابا ثم ظھر ثانیا فتربہ ثم وثم فانہ یجمع قالوا وانما یجمع اذا کان فی مجلس واحد مرۃ بعد اخری فلو فی مجالس فلا تاترخانیۃ ومثلہ فی البحر اقول وعلیہ فما یخرج من الجرح الذی ینزّ دائما ولیس فیہ قوۃ السیلان ولکنہ اذا ترک یتقوی باجتماعہ ویسیل عن محلہ فاذا انشفہ او ربطہ بخرقۃ وصار کلما خرج منہ شیئ تشربتہ الخرقۃ ینظران کان ماتشربتہ الخرقۃ فی ذلک المجلس شیئا فشیئا بحیث لوترک واجتمع لسال بنفسہ نقض والا لاولا یجمع ما فی مجلس الی مجلس اٰخر [1]۔	جذب ہوا ہے سب جمع کیا جائے گا اگر یہ صورت ہو کہ چھوڑ دیتا تو بہہ جاتا تو وہ ناقضِ وضو ہے۔ اس کی معرفت اجتہاد اور غالب ظن سے ہوتی ہے یوں ہی اگر اس پر راکھ یا مٹی ڈال دی پھر دوسری بار ظاہر ہوا تو اس پر بھی مٹی ڈال دی ایسا ہی متعدد بار ہوا تو وہ سب جمع کیا جائے گا---- علماء نے فرمایا: جمع اسی وقت کیا جائے گا جب ایک مجلس میں بار بار ایسا ہوا ہو۔ اگر چند مجلسوں میں ہوا تو جمع نہ کیا جائے گا، تاتارخانیہ اور اسی کے مثل بحر میں بھی ہے، میں کہتا ہوں: اس کے پیشِ نظر جو برابر رِسنے والے زخم سے نکلتا رہتا ہے اور اس میں بہنے کی قوت نہیں لیکن ایسا ہے کہ اگر چھوڑ دیا جائے تو یکجا ہو کر بہنے کی قوت پا جائے اور اپنی جگہ سے بہہ جائے تو جب اسے جذب کرلے یا کسی پٹی سے باندھ دے اور ایسا ہو کہ جب بھی اس سے کچھ نکلے تو اسے پٹی چوس لے دیکھا جائے گا اس مجلس میں جس قدر پٹی نے بار بار چوس لیا ہے اگر ایسا ہے کہ چھوڑ دیا جاتا اور یکجا ہوتا تو خود بہہ جاتا تو وہ ناقض ہے ورنہ نہیں اور ایک مجلس سے دوسری مجلس میں جو نکلا ہو وہ جمع نہ کیا جائے۔ (ت)

اسی میں ہے:

صرح فی غایۃ البیان بان الروایۃ مسطورۃ فی کتب اصحابنا	غایۃ البیان میں تصریح ہے کہ ہمارے اصحاب کی کتابوں میں یہ روایت لکھی ہوئی ہے کہ جب

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نواقض الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۱

انه اذا وصل الی قصبة الانف ینتقض وان لم یصل الی مالان خلافالزفر وان قول الهدایة ینتقض اذا وصل الی مالان بیان لاتفاق اصحابنا جمیعا ای لتکون المسألة علی قول زفر ایضا لان عنده لاینتقض مالم یصل الی مالان فهذا صریح فی ان المراد بالقصبة ماashtد [1]۔	خون ناک کے بانسے تک پہنچ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ نرم حصہ تک نہ پہنچے بخلاف امام زفر کے اور ہدایہ کی عبارت "وضو ٹوٹ جائے گا جب نرم حصہ تک پہنچ جائے" یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں ہمارے تمام اصحاب کا اتفاق ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مسئلہ امام زفر کے قول پر بھی ہو جائے اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ ہے کہ جب تک نرم حصہ تک نہ پہنچے ناقض نہیں تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ بانسہ سے مراد اس کا سخت حصہ ہے۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

ولیس ذلك الا لکونه یندب تطهیره فی الغسل ونحوه [2]۔	اور وہ اسی لئے ہے کہ غسل وغیرہ میں اس کی تطہیر مندوب ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قالوا لاینقض ماظهر من موضعه ولم یرتق کالنفطة اذا قشرت ولا ماارتقی عن موضعه ولم یسل کالدم المرتقی من مغرز الابرة والحاصل فی الخلال من الاسنان وفی الخبر من العض وفی الاصبع من ادخاله فی الانف [3]۔	علماء نے فرمایا: وہ خون ناقض نہیں جو اپنی جگہ سے ظاہر ہوا اور اوپر نہ چڑھا جیسے آبلہ، جب اس کا پوست ہٹا دیا جائے اور وہ بھی ناقض نہیں جو اوپر چڑھ گیا اور بہا نہیں جیسے سُوئی چبھونے کی جگہ سے چڑھنے والا خون اور وہ بھی نہیں جو خلال میں دانتوں سے اور روٹی میں دانت لگانے سے اور انگلی میں اسے ناک کے اندر ڈالنے سے لگ جاتا ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نواقض الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۱۔۹۲

[2] البحرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[3] البحرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

اسی طرح جامع الرموز میں محیط سے ہے۔عالمگیری میں ہے:

المتوضیئ اذا عض شیئًا فوجد فیه اثر الدم اواستاك بسواك فوجد فیه اثر الدم لا ینتقض مالم یعرف السیلان کذا فی الظهیرة[1] اھ	باوضو نے کسی چیز کو دانت سے کاٹا تو اس چیز میں خون کا نشان لگ گیا یا کسی مسواک سے دانت صاف کیا تو اس میں خون کا اثر دیکھا تو یہ ناقض نہیں جب تک کہ بہنے کا علم نہ ہو، ایسا ہی ظہیریہ میں ہے۔اھ (ت)

تنبیہات عدیدۃ جلیلۃ مفیدۃ
متعدد تنبیہاتِ جلیلہ ومفیدہ

الاوّل: یقول ف العبد الضعیف لطف به المولی اللطیف لقد احسن المحقق البحر صاحب البحر فیما نقلنا عنه انفا فی مسئلة الخلال والخبزاذ جزم بهذا المصرح به المنصوص علیه من غیر واحد من المشائخ العظام ولم یرکن الی مایوهمه ظاهر مافی التبیین حیث قال ذکر الامام علاء الدین ان من اکل خبزا و رأی اثر الدم فیه من اصول اسنانه ینبغی ان یضع اصبعه اوطرف کمه	**تنبیہ اوّل:** بندہ ضعیف، مولائے لطیف اس پر لطف فرمائے، کہتا ہے: صاحبِ بحر سے خلال اور روٹی کا مسئلہ جو ابھی ہم نے نقل کیا اس میں انہوں نے بہت خوب کیا کہ اس تصریح شدہ حکم پر جزم کیا جس پر متعدد مشائخ عظام سے نص موجود ہے اور اس وہم کی طرف مائل نہ ہوئے جو تبیین الحقائق کی ظاہر عبارت سے پیدا ہوتا ہے، تبیین میں لکھا ہے: امام علاء الدین نے ذکر کیا کہ جو روٹی کھا رہا تھا اور اس میں خون کا اثر دیکھا جو اس کے دانتوں کی جڑ سے اس میں لگ آیا تو اسے چاہئے کہ اپنی انگلی یا آستین کا کنارہ

ف:**مسئلہ:** فقط اتنی بات کہ مثلاناک یا دانت سے انگلی پر خون لگ آیا دوبارہ دیکھا پھر اثر پایا وضو جانے کو کافی نہیں جب تک اس میں خود بہنے کی قوت مظنون نہ ہو۔

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱

على ذلك الموضع فان وجد فيه اثر الدم انتقض وضؤوه والافلا[1] اھ

ورأيتنى كتبت عليه مانصه۔

۴۷**اقول:** ف لوكان ظهور اثر الدم على شيئ بالاتصال ناقضا مطلقا فلم لم ينقض حين رأى الدم على الخبز اولا بل الواجب ان تكون فى نفسه قوة التجاوز من محله لاان يمسه شيئ فليتصق به وهذا اظهر من ان يظهر ولعله هو المقصود اى يجرب هل هو سائل ام كان باديا وانتقل الى الخبز بالمساس۔

ولعل ظانا يظن ان البادى لقلته وعدم مدده ينتشف بالمساس الاول فاذا وضع الاصبع او الكم وظهر فيه

اس جگہ رکھ کر دیکھے اگر اس میں بھی خون کا اثر ہے تو اب اس کا وضو ٹوٹ گیا، ورنہ نہیں اھ (ت)

میں نے دیکھا کہ تبیین کے اس مقام پر میں نے یہ حاشیہ لکھا ہے:

اقول: اگر کسی چیز کے مس ہونے کی وجہ سے اس پر خون کا اثر دکھائی دینا مطلقًا ناقضِ وضو ہے تو پہلی بار روٹی پر خون کا اثر دیکھنے ہی کے وقت وضو کیوں نہ ٹوٹا---در اصل یہ بات نہیں بلکہ ضروری یہ ہے کہ خون میں بذاتِ خود اپنی جگہ سے تجاوز کرنے کی قوت ہو، نہ یہ کہ کوئی چیز مس ہونے سے خون اس پر چپک جائے۔ یہ اتنا زیادہ ظاہر کہ اظہار سے بے نیاز ہے---شاید قول مذکور کا مقصود بھی یہی ہے یعنی یہ کہ جانچ کرے کہ وہ لگنے والا خون بہنے والا ہے یا صرف بادی (دکھائی دینے والا) تھا اور مس ہونے کی وجہ سے روٹی پر لگ آیا۔

شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ محض دکھائی دینے والا خون، کم ہونے اور اندر سے اضافہ نہ ملنے کے باعث پہلی بار مس ونے سے ہی خشک ہو جائے گا پھر جب اُنگلی یا آستین رکھی اور

ف ۵۰ تطفل على الامام الزيلعى۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۴۸۔۴۹

ظهر ان له مددا فلا يكون باديا بل خارجا۔	اس میں بھی ظاہر ہوا تو پتہ چل گیا کہ اس میں اندر سے اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے وہ بادی نہیں بلکہ خارج ہے۔
اقول: وليس بشيئ وكفٰى بالمشاهدة ردا عليه وقد تقدم عن الفتح ان القميص لو تردد على الجرح فابتل لاينجس مالم يكن بحيث لو ترك سال لانه ليس بحدث[1] اھ ما كتبت۔	**اقول:** یہ خیال کچھ بھی نہیں، مشاہدہ اس کی تردید کے لئے کافی ہے، اور فتح القدیر کے حوالے سے یہ صراحت بھی گزر چکی ہے کہ: اگر کُرتا زخم پر بار بار لگ کر تر ہو گیا تو نجس نہ ہوگا جب کہ خون اس قابل نہ رہا ہو کہ اگر چھوڑ دیا جاتا تو بہہ نکلتا کیونکہ وہ (صرف لگ جانیوالا خون حدث نہیں اھ، میرا حاشیہ ختم۔
ثم رأيت ولله الحمد ان جنح فى الحلية الى تأويله بما ذكرت وهذا لفظه الشريف م ولو عض شيئا فرأى عليه اثر الدم فلاوضو عليه[2]	**پھر** میں نے دیکھا کہ صاحبِ حلیہ بھی اسی تاویل کی جانب مائل ہیں جو میں نے ذکر کی ولله الحمد، ان کے الفاظ کریمہ یہ ہیں (م کے بعد متن منیہ کی عبارت ہے اور ش کے بعد شرح حلیہ کی عبارت ۱۲م) م: اگر کوئی چیز دانت سے کاٹی پھر اس پر خون کا اثر دیکھا تو اس پر وضو نہیں۔
ش: وكذا لوخلل اسنانه فرأى الدم راس الخلال لاوضوء عليه لانه ليس بدم سائل ذكره قاضى خان وغيره[3]	**ش:** اسی طرح اگر دانتوں میں خلال کیا پھر سرِ خلال پر خون نظر آیا تو اس پر وضو نہیں کیونکہ یہ بہنے والا خون نہیں، یہ امام قاضی خان وغیرہ نے ذکر کیا۔
م: وقال بعض المشائخ ينبغى ان	**م:** اور مشائخ میں سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ اس

[1] حواشی للامام احمد رضا علی تبیین الحقائق)

[2] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۹۰

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

يضع كمه او اصبعه فى ذلك الموضع ان وجد الدم فيه نقض والا فلا [1] ش: هذا هو الشيخ الامام علاء الدين كما فى الذخيرة وغيرها والا حسن لا ينقض مالم يعرف السيلان كما فى الفتاوى الظهيرية والظاهر انه مرادا لكل ومن ثم قال فى خزانة الفتاوٰى عض على شيئ واصابه دم من بين اسنانه او اصاب الخلال ان كان بحيث لوترك لايسيل لاينقض [2] اھ

فالحمد لله على كشف الغمة ثم راجعت الغنية فرأيت ان الترجى الأخر الذى ترجيت بقولى ولعل ظانا يظن قدوقع فانه رحمه الله تعالٰى قال بعد قول بعض المشائخ"وهذا هو الاحوط لانه اذرأى الاثر يجب عليه ان يتعرف هل ذلك عن شيئ سائل بنفسه ام لا فاذا ظهر ثانيا على كمه او اصبعه غلب على

جگہ آستین یا انگلی رکھ کر دیکھنا چاہئے اگر اس میں خون پائے تو اس جسے وضوٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں۔
ش: یہ بزرگ شیخ امام علاء الدین ہیں جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ میں بتایا ہے اور احسن جیسا کہ فتاوٰی ظہیریہ میں کہا یہی ہے کہ جب تک سائل ہونے کا علم نہ ہو ناقض نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مقصود سب کا یہی ہے اسی لئے خزانۃ المفتین میں کہا: کوئی چیز دانت سے کاٹی اس پر دانتوں کے درمیان سے خون لگ گیا یا خلال پر خون لگ گیا اگر وہ اس قابل تھا کہ چھوڑ دیا جاتا تو نہ بہتا تب وہ ناقض نہیں اھ۔
تو اس مشکل دور ہونے پر خدا کا شکر ہے پھر میں نے غنیہ کی مراجعت کی تو دیکھا کہ وہ بعد والی توقع جس کا اظہار میں نے "شاید کسی کو خیال ہو" سے کیا تھا واقع ہو چکی ہے کیونکہ صاحبِ غنیہ نے اس میں بعض مشائخ کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے اور یہی احوط ہے یعنی اس میں زیادہ احتیاط ہے کیونکہ جب اس نے خون کا اثر دیکھ لیا تو اس پر یہ دریافت واجب ہے کہ وہ از خود بہنے والے خون کا اثر ہے یا ایسا نہیں پھر جب اس کی آستین یا

---

[1] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۹۰
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الظن کونه سائلا والا فلاوفی الحاوی سئل ابراهیم عن الدم اذا خرج من بین الاسنان فقال انکان موضعه معلوما وسال نقض وهو نجس وان لم یعلم وخرج مع البزاق فانه ینظر الی الغالب[1] اھ وقد اصاب رحمه الله تعالٰی اولا ان الواجب تعرف سیلانه بنفسه واٰخرا حیث عقبه بقول ابرهیم المدیر للحکم علی السیلان وانما الزلة ف فی زعمه ان بظهوره علی الاصبع ثانیا یغلب علی الظن سیلانه وقد قدمت مایکفی ویشفی۔ وقول الامام الاجل ظهیر الدین المرغینانی لقول الاکثرین انه الاحسن مع ظهور وجهه ومع انه علیه الاکثر	انگلی پر دوسری بار بھی وہ اثر نظر آیا تو غلبہ ظن حاصل ہو گیا کہ وہ بہنے والا ہے ، ورنہ نہیں۔اور حاوی میں لکھا ہے کہ شیخ ابراہیم سے اس خون کے متعلق سوال ہوا جو دانتوں کے درمیان سے نکلے ، انہوں نے جواب دیا کہ اگر معلوم ہے کہ کس جگہ سے نکلا ہے اور بہنے والا ہے تو ناقض وضو اور نجس ہے، اور اگر اس کی جگہ معلوم نہیں تھوک کے ساتھ نکل آیا ہے تو دیکھا جائے گا کہ تھوک اور خون میں زیادہ کون ہے (جو زائد ہو اسی کا حکم ہو گا) اھ۔ صاحبِ غنیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شروع میں صحیح لکھا کہ اس کے سائل ہونے کی دریافت واجب ہے اور آخر میں بھی ٹھیک کیا کہ شیخ ابراہیم کا کلام لائے جس میں سائل ہونے پر حکم کا مدار رکھا ہے لغزش صرف ان کے اس خیال میں ہے کہ دوسری بار انگلی پر اثر ظاہر ہونے سے سائل ہونے کا غلبہ ظن حاصل ہو جائے گا۔اس خیال کے رد میں کافی وشافی گفتگو ابھی ہو چکی ہے۔اب رہا یہ کہ غنیہ نے اسے احوط کہا تو امام جلیل ظہیر الدین مرغینانی نے قولِ جمہور کو احسن کہا ، اس[2] کی وجہ بھی ظاہر ہے، وہی[3] اکثر مشائخ

ف: تطفل علی الغنیة۔

[1] غنیۃ المستملی کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضو سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۲۔۱۳۳

وانه جزم به الاکابر کقاضی خان وصاحب المحیط وغیرهما لایقاومه قول الغنیة لخلافه احوط مع عدم ظهور وجهه بل ظهور وجه عدمه وانما الاحتیاط ف العمل باقوی الدلیلین کما فی الفتح والبحر وغیرهما لاجرم لم یعرج علیه المحقق الشارح نفسه فی شرحه الصغیر الملخص من هذا الکبیر انما اقتصر علی نقل قول ابرهیم ولله الحمد علی تواتر الأنه علی عبده الاثیم۔	کا مذہب بھی ہے، اسی ۴ پر امام قاضی خاں اور صاحبِ محیط وغیرہما جیسے اکابر نے جزم کیا تو اس کے خلاف قول کو صاحبِ غنیہ کا "احوط" کہنا کیا حیثیت رکھتا ہے اجب ۲ کہ اس کی وجہ بھی ظاہر نہیں بلکہ اس ۳ کے عدم کی وجہ ظاہر ہے رہا احتیاط تو احتیاط ۱۴ اسی میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے جو زیادہ قوی ہو اسی پر عمل کیا جائے جیسا کہ فتح القدیر، البحر الرائق وغیرہما میں ہے--- آخر کار خود شارح محقق نے اس شرح کبیر کی تلخیص کرکے جو شرح صغیر لکھی ہے اس میں اس قول پر نہ ٹھہرے بس شیخ ابراہیم کا کلام نقل کرنے پر اکتفا کی--- خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے بندہ گنہگار کو متواتر احسانات سے نوازا۔
الثانی: عامة الرواة فی ماذکرنا من الخلاف فی حد السیلان انه العلو والانحداد معا ام مجرد العلو علی نسبة الاول الی الامام الثانی والثانی الی الامام الشیبانی وقال فی الحلیة ظاهر البدائع انه ای الاول قول علمائنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم[1]	**تنبیہ دوم:** سیلان کی تعریف میں ہم نے اختلاف ذکر کیا، پہلا قول یہ کہ سیلان اوپر چڑھنے پھر نیچے ڈھلکنے کے مجموعے کا نام ہے دوسرا یہ کہ صرف اوپر چڑھنا ہی سیلان ہے، عامہ رواۃ نے قول اول امام ثانی (قاضی ابو یوسف) کی طرف منسوب کیا اور قول دوم امام شیبانی کی طرف منسوب کیا---- حلیہ میں یہ لکھا کہ: بدائع کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اول ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے اھ۔

ف: الاحتیاط هو العمل باقوی الدلیلین۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

وفی الفوائد المخصصۃ لسیدی العلامۃ ابن عابدین"اشتراط السیلان فی نقض الطھارۃ فیہ خلاف وان الصحیح اشتراطہ وان اخذ اکثر من راس الجرح خلافا لمحمد وجعلھا فی الظھیریۃ روایۃ شاذۃ عن محمد وفی التتارخانیۃ عن المحیط شرط السیلان مذھب علمائنا الثلثۃ وانہ استحسان وقال زفر رحمہ اللہ تعالٰی اذا علا فظھر علی رأس الجرح ینتقض وضوؤہ وھو القیاس[1] انتھی۔

سیدی علامہ ابن عابدین کے "فوائد مخصصہ میں ہے: ناقض طہارت ہونے میں خون کا بہہ جانا شرط ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ بہہ جانا شرط ہے اگرچہ خون چڑھ کر سرِ زخم سے زیادہ جگہ لے لے بخلاف مذہب امام محمد کے--- اور اسے ظہیریہ میں امام محمد سے منقول ایک شاذ روایت قرار دیا-- اور تاتارخانیہ میں محیط سے نقل ہے کہ: بہہ جانے کی شرط ہمارے تینوں علماء کے مذہب پر ہے---- یہ استحسان ہے--- اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خون جب اوپر آیا پھر سرِ زخم پر ظاہر ہوا تو وضو ٹوٹ جائے گا---- یہ قیاس ہے انتہی۔

۴۸ **اقول:** قدعرف مذھب زفرفی الھدایۃ وغیرھا النقض بمجرد الظھور فقولہ علا ای من الباطن وقولہ ظھر بمعنی التبیین دون الصعود کیف و زفرلا یشترط الانتفاخ والصعود بعد الوصول الی رأس الجرح فلیعلم ذلک۔

اقول: ہدایہ وغیرہا سے معلوم ہو چکا ہے کہ امام زفر کا مذہب یہ ہے کہ محض ظاہر ہونے ہی سے وضو ٹوٹ جائے گا---- تو کلام بالا میں "اوپر آیا" کا معنی یہ ہوگا کہ اندر سے اوپر آیا اور "ظاہر ہوا" کا معنی چڑھنا نہیں بلکہ "نمایاں ہونا" ہوگا----- وہ ہوگا بھی کیسے جب کہ امام زفر سرِ زخم تک پہنچ جانے کے بعد چڑھنے اور (دائرہ بنا کر) پھول جانے کی شرط نہیں رکھتے----- یہ بات معلوم رہنی چاہیئے۔

ورأیت فی خلاصۃ الامام طاھر بن عبدالرشید والبخاری مانصہ

اور میں نے امام طاہر بن عبدالرشید بخاری کی کتاب خلاصہ میں یہ عبارت دیکھی: جامع صغیر کے

[1] الفوائد المخصّصہ رسالہ من رسائل ابن عابدین الفائدۃ الثانیۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۵۷

فی بعض نسخ الجامع الصغیر الدم اذالم ینحدر عن رأس الجرح لکن علا فصارا اکبر عن رأس الجرح لا ینتقض وضوؤہ[1] ثم رأیت فی وجیز الکردری جزم بعزوہ للجامع الصغیر کما سیاتی فاذن اطلاقہ القول یفید ظاھرا انہ مذھب علمائنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ثم ھوالذی صححہ عامۃ ائمۃ الفتوٰی کقاضی خاں وغیرہ ممن قصصنا اولم نقص علیك۔ ووقع ف ھھنا زلۃ قلم من المحقق البحر تبعہ علیھا العلامہ ط حیث قال فی البحر الرائق فی الدرایۃ جعل قول محمد اصح واختار السرخی وفی فتح القدیر انہ الاولٰی[2] اھ وھو کما تری سھوظاھر وانما اختار السرخسی قول ابی یوسف	بعض نسخوں میں ہے کہ: خون جب سرِ زخم سے ڈھلکے نہیں لیکن چڑھ کر سرِ زخم سے بڑا ہو جائے تو وہ ناقض وضو نہیں۔ پھر میں نے وجیز کردری میں دیکھا کہ عبارتِ بالا سے متعلق بالجزم جامع صغیر کا حوالہ دیا ہے جیسا کہ اس کی عادت آرہی ہے تو یہاں جامع صغیر میں کلام مطلق رکھنے (کسی ایک کا امام کا قول نہ بتانے) سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ یہ ہمارے تینوں علماء رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے----- پھر عامہ ائمہ فتوی نے اسی کو صحیح کہا ہے جیسے امام قاضی خان اور ان کے علاوہ ائمہ جن کے نام ہم نے لئے اور جن کے نام نہ لئے۔ یہاں محقق صاحبِ بحر سے ایک لغزشِ قلم واقع ہوئی ہے جس پر طحطاوی نے بھی ان کا اتباع کر لیا ہے وہ یہ کہ البحر الرائق میں لکھتے ہیں: "درایہ میں امام محمد کے قول کو اصح قرار دیا، اسی کو امام سرخسی نے بھی اختیار کیا ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ وہی اولٰی ہے اھ"۔ یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، کھلا ہوا سہو ہے، امام سرخسی نے تو امام ابو یوسف کا قول اختیار

ف: تنبیہ علی سھو وقع فی البحر وتبعہ ط۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث، المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ، ۱/۱۷

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۳۲

وایاہ جعل فی الفتح اولی کما نقلنا لك نصه رحمهم الله تعالٰی جمیعا ورحمنا بهم اٰمین نبه علیه العلامة ش قائلا فاجتنبه[1] اھ	کیا ہے اور اسی کو فتح القدیر میں بھی اولٰی قرار دیا ہے جیسا کہ فتح کی عبارت ہم نقل کر آئے ہیں، اللہ تعالٰی ان سب حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کے صدقے میں ہم پر بھی رحم فرمائے۔ الٰہی! قبول فرما۔ اس سہو پر علامہ شامی نے متنبہ کیا اور فرمایا: فاجتنبہ (تو اس سے بچنا) اھ۔
۴۹**قلت:** ونسبة تصحیح قول محمد للدرایة منصوص علیها فی الفتح وتبعه ف۱ علیه من بعده حتی العلامة ش اذ نقل کلامه هذا فی ردالمحتار واقره علیه لکنه زعم فی منحة الخالق ف۲ حاشیة البحر الرائق انه ذکر فی الدرایة قول ابی یوسف ثم ذکر قول محمد ثانیا ثم قال والصحیح الاول فلیراجع[2] اھ۔	**قلت** اب بحر کی ایک بات رہ گئی کہ درایہ میں امام محمد کے قول کو اصح قرار دیا ہے۔ اس کی صراحت پہلے فتح القدیر میں ہوئی اور بعد کے علماء نے اسی کا اتباع کیا یہاں تک کہ علامہ شامی نے بھی یہی بات ردالمحتار میں نقل کی اور برقرار رکھی۔ -- لیکن انہوں نے البحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں یہ بتایا کہ: درایہ میں پہلے امام ابو یوسف کا قول ذکر کیا پھر امام محمد کا قول بیان کیا پھر کہا کہ: صحیح اول ہے۔" تو اس کی مراجعت کرنا چاہئے اھ۔
وهذا یقتضی انه انقلب الامر علی الفتح ایضا کما انقلب علی البحر واذا صح هذا بقیت التصحیحات	اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحبِ فتح القدیر نے بھی برعکس بتا دیا جیسا کہ بحر نے الٹا بیان کیا---- اگر علامہ شامی کا بیان صحیح ہے تو تمام تصحیحات قولِ

ف۱: ۵۲معروضة علی ش۔

ف۲: تنبیه علی سهو وقع فی الفتح علی ما زعم العلامة ش۔

[1] ردالمحتار کتاب الطهارة، مطلب نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۱

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطهارة مطلب نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۱

كلها راجعة الى قول ابي وسف وهو اسكن للقلب وامكن فليراجع۔	امام ابو یوسف کی طرف راجع ہو گئیں اور اس میں دل کے لئے زیادہ سکون و قرار زیادہ ہے---- تو اس کی طرف مراجعت ہونا چاہئے۔
والعبد الضعيف لم يرهھنا تصريح احد بتصحيح قول محمد بل ولا ترجيحا ماله واختياره۔	اور بندہ ضعیف نے یہاں قول امام محمد کی تصحیح سے متعلق کسی کی تصریح نہ دیکھی بلکہ اس سے متعلق کسی طرح کی کوئی ترجیح اور کسی کا اسے اختیار کرنا نہ پایا۔
اللھم الامافی الفوائد المخصصة عن الذخيرة عن الفقيه ابن جعفر عن محمد بن عبدالله رحمه الله تعالٰی انه كان يميل فی هذا الی انه ينتقض وضوؤه و راٰه سائلا (قال اعنی صاحب الذخيرة) وفی فتاوٰی النسفی هكذا اھ[1]	ہاں مگر (۱) جو فوائد مخصصہ میں ذخیرہ سے، اس میں بروایتِ فقیہ ابو جعفر محمد بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے کہ اس بارے میں وہ اس جانب مائل تھے کہ وضو ٹوٹ جائے گا اور اسے انہوں نے بہنے والا سمجھا، صاحبِ ذخیرہ نے فرمایا: اور فتاوٰی نسفی میں بھی اسی طرح ہے اھ۔
والا مارأيت فی جواهر الفتاوی من الباب الرابع المعقود لفتاوی الامام الاجل نجم الدين النسفی مانصه رجل توضأ فعض الذباب بعض اعضائه فظهر منه دم لاينتقض الوضوء لقلته ولو غرزفی عضوه شوكا اوابرة فظهر الدم ولم يسل ظاهرا ينتقض وضوؤه لان الظاهر انه سال عن راس الجرح[2] اھ وهذا ماكان اشار	(۲) اور وہ جو جواہر الفتاوی کے باب چہارم میں دیکھا---- یہ باب امام نجم الدین نسفی کے فتاوٰی کے لئے باندھا گیا ہے، اس کی عبارت یہ ہے: ایک شخص باوضو ہے اس کے کسی عضو پر مکھی نے کاٹ لیا جس سے کچھ خون ظاہر ہو گیا تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا کیونکہ یہ خون کم ہی ہو گا------اور اگر اس نے اپنے عضو میں کانٹا یا سوئی چبھولی جس سے خون ظاہر ہوا اور کھل کر بہا نہیں تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ سرِ زخم سے بہہ گیا اھ۔ یہی وہ ہے جس کی طرف ذخیرہ میں

[1] الفوائد المخصصہ رسالۃ من رسائل ابن عابدین الفائدۃ الثامنۃ، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۶۰

[2] جواہر الفتاوٰی

الیه فی الذخیرة ان ھکذا فی الفتاوی النسفی۔ والامشیا علیه فی مجموع النوازل نقله عنه فی الخلاصة ثم عقب بما فی نسخة الجامع الصغیر ثم قال فعلی هذا ینبغی ان لاینتقض اھ[1]	اشارہ کیا کہ فتاوی نسفی میں بھی اسی طرح ہے
	(۳) اور اس قول پر مجموع النوازل میں مشی ہے جسے خلاصہ میں اس سے نقل کیا ہے پھر نسخہ جامع صغیر کی مذکورہ بالاعبارت لکھی ہے پھر فرمایا ہے: تو اس بنیاد پر اسے ناقض نہیں ہونا چاہئے۔
والا ماوقع فی الکفایة من قوله بعض مشائخنا رحمهم الله تعالٰی اخذوا بقول محمد رحمه الله تعالٰی احتیاطا وبعضهم اخذوا بقول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی وهو اختیار المصنف ای (صاحب الهدایة) رحمه الله تعالٰی رفقا بالناس خصوصا فی حق اصحاب القروح[2] اھ	(۴) اور جو کفایہ میں درج ہے کہ: ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے احتیاطًا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول لیا ہے اور بعض نے امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول لیا ہے اور اسی کو لوگوں کی آسانی کے لئے خصوصًا پھوڑے پھنسی والوں کے حق میں نرمی کی خاطر مصنّف یعنی صاحبِ ہدایہ نے بھی اختیار فرمایا ہے اھ۔
^۸۰ **اقول:** وهذا ^ف اغرب من الکل لانه ربما یوهم ان الاختیارین متکافئان۔	**اقول:** یہ سب سے زیادہ غریب ہے کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ دونوں ترجیحیں بالکل ایک دوسرے کے برابر ہیں۔
و الاماوقع فی وجیز الامام الکردری حیث قال نوازل (ای قال فی مجموع النوازل) شاکه شوکة او ابرة فاخرجها وظهر دم ولم یسل نقض و	(۵) اور وہ جو وجیز امام کردری میں واقع ہے وہ لکھتے ہیں: مجموع النوازل میں ہے: کوئی کانٹا یا سوئی چبھو کر نکالا خون ظاہر ہوا اور بہا نہیں، تو یہ ناقض ہے--- اور جامع صغیر میں ہے: سرِ زخم

ف: ^۵۳ تطفل علی الکفایة۔

[1] خلاصۃ الفتاوی، کتاب الطہارۃ الفصل الثالث فی نواقض الوضوء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۷

[2] الکفایہ مع فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۰ و ۴۱

فی الجامع الصغیر لم ینحدر الدم عن راسه لکنه علاوصار اکثر من رأس الجرح لاینقض وھذا خلاف مافی النوازل والاول عن الامام الثانی والثانی عن محمد رحمھما اللہ تعالٰی والنقض اقیس لان مزایلته عن مخرجه سیلان اھ[1]	سے خون ڈھلکا نہیں لیکن اوپر چڑھا اور سرِ زخم سے زیادہ ہوگیا تو ناقض نہیں --- یہ اس کے برخلاف ہے جو مجموع النوازل میں ہے اور اوّل امام ثانی سے مروی ہے اور دوم امام محمد سے روایت ہے--- رحمہما اللہ تعالٰی اور ناقض ہونا زیادہ قرینِ قیاس ہے اس لئے کہ خون کا اپنے مخرج سے جدا ہونا سیلان ہے اھ۔
قلت: و انت تعلم ان قد انقلب علیه الامر فی نسبة المذھبین الی حضرۃ الامامین۔	**قلت** ناظر پر عیاں ہے کہ وجیز میں دونوں مذہب، دونوں اماموں کی جانب منسوب کرنے میں معاملہ اُلٹ گیا ہے۔
۵۲ **اقول:** وعجبا ف منه ان عزاما عزاللجامع الصغیر جاز ماثم قال والثانی ای عدم النقض عن محمد فان مافی الجامع الصغیر مطلقا ان لم یکن ظاھرہ انه قول ائمتنا الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم فلا اقل من ان یکون قول محمد فکیف ینسبه الیه بعن۔ ثم لانظر الی قوله اقیس مع مامر من تصحیحات عامة الائمة قول عدم النقض	**اقول:** اور صاحبِ وجیز پر یہ بھی تعجب ہے کہ جامع صغیر کا حوالہ تو جزم کے ساتھ پیش کیا پھر بھی یہ لکھ دیا کہ "والثانی عن محمد" یعنی ناقض نہ ہونا امام محمد سے ایک روایت ہے حالانکہ جامع صغیر میں جو حکم مطلقاً بیان ہوا ہے ظاہر یہ ہے کہ وہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول اور مذہب ہے اگر ایسا نہ ہو تو بھی کم از کم وہ امام محمد کا قول ضرور ہے پھر امام محمد کی طرف اس کی نسبت بلفظ "عن" کیسے کر رہے ہیں (جس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ یہ ان کا قول اور مذہب نہیں بلکہ ان سے ایک روایت ہے ۱۲م)

ف: ۵۴ تطفل علی البزازیة

[1] الفتاوٰی البزازیہ علی ھامش الفتاوی الھندیہ کتاب الطہارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۲/۴

بلفظ هو الصحیح والاصح والمختار وغیرها ویقطع النزاع مارأیت فی جواهر الاخلاطی وفی الفوائد المخصصة عن الذخیرة والتتارخانیة، ثلثتهم عن فتاوٰی خوارزم وفی الهندیة عن المحیط واللفظ للاولی اذالم ینحدر عن رأس الجرح ولکن علا فصار اکبر من رأس الجرح لا ینتقض وضوءه والفتوی علی عدم النقض فی جنس هذه المسائل [1] اھ والله الموفق۔

الثالث: ابو یوسف یجمع القیئ اذا اتحد المجلس ولا یعتبر السبب وعکس ف محمد وقوله

پھر وجیز نے ناقض ہونے کو جو "اقیس" (زیادہ قرینِ قیاس) کہا قابلِ التفات نہیں کیونکہ اس کے مقابلہ میں ناقض نہ ہونے کے قول کے متعلق، صحیح ---- اصح ---- مختار وغیرہ الفاظ سے عامّہ ائمہ کی تصحیحات موجود ہیں جیسا کہ گزرا----- اور قاطع نزاع وہ ہے جو میں نے جواہر الاخلاطی ۱ میں اور فوائد مخصصہ میں ذخیرہ ۲ و تاتارخانیہ ۳ کے حوالے سے دیکھا، ان تینوں میں فتاوی خوارزم سے نقل ہے اور ہندیہ میں بھی دیکھا کہ محیط سے منقول ہے، الفاظ اول کے ہیں: جب خون سرِ زخم سے نہ ڈھلکے لیکن اوپر چڑھ کر سرِ زخم سے بڑا ہو جائے تو ناقضِ وضو نہیں اور "اس جنس کے مسائل میں فتوی عدمِ نقض پر ہی ہے اھ" واللہ الموفّق۔

تنبیہ سوم: (قے اگر منہ بھر ہو تو ناقضِ وضو ہے لیکن تھوڑی تھوڑی قے چند بار کرکے اتنی مقدار میں آئی کہ اگر سب یکجا ہو تو منہ بھر ہو جائے

ف: مسئلہ: قے اگر منہ بھر کر ہو ناقض وضو ہے، پھر اگر چند بار تھوڑی تھوڑی آئے کہ سب ملانے سے منہ بھر کر ہو جائے تو اگر ایک ہی متلی سے آئی ہے وضو جاتا رہے گا اگرچہ مختلف جلسوں میں آئی ہو، اور اگر متلی تھم گئی تھی پھر دوسری متلی سے اور آئی تو ملائی نہ جائے گی اگرچہ ایک ہی مجلس میں آئی ہو۔

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء (قلمی) ص ۷، الفوائد المخصصۃ رسالۃ من رسائل ابن عابدین الفائدۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۶۰، الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰

الاصح وتطابقت النقول ھھنا علی اعتبار المجلس قال فی الحلیۃ "فعلی ھذا یحتاج محمد رحمہ اللہ تعالٰی الی الفرق واللہ تعالٰی اعلم بذلک اھ[1] واشار فی ردالمحتار الی مایحذ و حذو جوابہ فقال کانھم قاسوھا علی القیئ ولما لم یکن ھنا اختلاف سبب تعین اعتبار المجلس فتنبہ[2] اھ ۸۳**اقول:** ھذا عجیب ف فان من	اسے یکجا مان کر نقضِ وضو کا حکم ہوگا یا نہیں؟) امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ ایک نشست کے اندر چند بار میں جتنی قے آئی ہے سب یکجا مانی جائے گی خواہ ایک سبب یعنی ایک متلی سے آئی ہو یا چند سے اور امام محمد کے نزدیک اس کے برعکس ہے (ایک متلی سے چند بار میں جتنی آئی ہے یکجا نہ مانیں گے اگرچہ کئی مجلس اور کئی نشست میں ہو) ----اصح امام محمد کا قول ہے لیکن یہاں (یعنی چند بار آئے ہوئے خون سے متعلق) ساری روایات اس پر متفق ہیں کہ ایک مجلس کا اعتبار ہوگا (سبب ایک ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر و اعتبار نہیں)----- حلیہ میں فرمایا : اس بنیاد پر امام محمد کو دونوں مقام میں وجہ فرق بیان کرنے کی ضرورت ہوگی واللہ تعالٰی اعلم بذلک اھ ، اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں ایک ایسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس اعتراض کے جواب کے طور پر جاری ہے وہ کہتے ہیں : " گویا ان حضرات نے اسے قے پر قیاس کیا اور چونکہ یہاں اختلاف سبب کا وجود ہی نہیں اس لئے مجلس ہی کا اعتبار متعین ہے---- تو اس پر متنبہ ہونا چاہئے اھ۔ **اقول؛** یہ عجیب ہے۔اس لئے کہ قے

ف : ۵۵معروضۃ علی ش۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار ،کتاب الطہارۃ باب نواقض الوضوء ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۲

یعتبر السبب وھو الامام الربانی اذا وجد ماھو علة حکم الجمع عندہ لم لایحکم بہ ویعدل عنہ الی ماقد سقط اعتبارہ عندہ لاجل ان العلة دائمة ھھنا وان دوام العلة انما یقتضی دوام الحکم لاالغائھا واسنادہ الی غیرھا۔

فان قیل قدیدوم السبب ھھنا شھورا ودھورا فکیف یجمع الاخر الی الاول۔

[۸۴]**قلت**: ھذا اعتراف بان اتحاد السبب لایقوم باقتضائہ حکم الجمع فلم یکن فیہ دفع الایراد بل تسلیمہ۔

لکنی [۸۵]**اقول**: یتخالج [ف] صدری مایدفع ھذا والایراد

میں سبب کا اعتبار کرنے والے---امام ربانی محمد بن شیبانی کو جب وہاں ایک ایسی چیز (یعنی مجلس ونشست) مل رہی ہے جو ان کے نزدیک (ایک جگہ کے مسئلہ میں) یکجائی کا حکم کرنے کی علّت ہے تو اسی پر حکم کیوں نہیں رکھتے اور اسے چھوڑ کر ایک ایسی چیز (سبب اور متلی) کو کیوں لیتے ہیں جس کا اعتبار ان کے نزدیک ساقط ہوچکا ہے (یعنی مسئلہ خون میں ۱۲م)-- (انہیں تو قے میں بھی مجلس کا اعتبار کرنا چاہئے) اس لئے کہ علت یہاں دائمی ہے اور علت کا دائمی ہونا اسی کا مقتضی ہے کہ حکم بھی دائمی ہو، نہ اس کا کہ اسے لغو اور بے اثر ٹھہرا کر حکم کو کسی اور علت سے وابستہ کردیا جائے۔

فان قیل (اگر یہ جواب دیا جائے کہ) یہاں (مسئلہ خون میں) سبب (زخم، پھوڑا وغیرہ) کبھی مہینوں اور زمانوں تک لگاتار رہ جاتا ہے تو آخر کو اول کے ساتھ کیسے یکجا کیا جائیگا؟

قلت: (میں کہوں گا) یہ تو اس بات کا اعتراف ہے کہ سبب کا ایک ہونا اس قابل نہیں کہ حکمِ جمع کا مقتضی ہو تو یہ میرے اعتراض کا جواب نہ ہوا بلکہ اس میں تو اسے تسلیم کرلیا گیا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) میرے دل میں ایک بات گردش کر رہی ہے جو اس جواب اور

ف: [۵۶]تطفل علی الحلیة ومعروضة علی ش۔

جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی وھو انا لاف نسلم ھھنا اتحاد السبب بل الروح اذا احست بالم تتوجہ لدفاعہ فتتبعھا الریح والدم فلاجتماعھا یحدث الورم وتزداد الحرارۃ فیثقل اجتماع الدم ھھنا غیران الطبیعۃ تضن بالدم الصالح ان تدفعہ ولذلک اذا فصد المریض یتقدم الدم الفاسد خروجا وعن ھذا کانت الحجامۃ احب من الفصد لان الفصد یشق العرق فیثج الدم ثجافمع شدۃ تحفظ الطبیعۃ علی الدم الصالح تعجز عن امساکہ کلیا لانہ بانفتاح مجراہ یسیل بطبعہ سیلانا قویا.فمع حجز الطبیعۃ یخرج شیئ من الصالح قھرا علیھا بخلاف الحجامۃ فان الخروج فیھا ضعیف فتتقوی الطبیعۃ علی احراز الصالح

اس اعتراض دونوں ہی کو رفع کر دینے والی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ وہ یہ کہ ہم یہاں (مسئلہ خون میں) اتحادِ سبب نہیں مانتے ۔۔بلکہ حقیقت یہ ہے کہ روح جب کسی تکلیف کا احساس کرتی ہے تو اس کے دفعیہ پر متوجہ ہوتی ہے۔اس میں ہوااور خون بھی ان کے تابع ہو جاتے ہیں تو ان سب کے مجتمع ہونے کی وجہ سے ورم پیدا ہو جاتا ہے اور حرارت بڑھتی ہے تو اس جگہ خون کا اجتماع ثقیل ہو جاتا ہے مگر یہ ہے کہ طبیعت صالح خون کو بچانا چاہتی ہے اور اسے دفع کرنا نہیں چاہتی---۔یہی وجہ ہے کہ جب مریض کو فصد لگائی جاتی ہے (اس کی رگ کھول دی جاتی ہے) تو پہلے فاسد خون باہر آتا ہے اسی لئے سنگی لگانا فصد لگانے سے بہتر ہوتا ہے کیوں کہ فصد رگ کو پھاڑ دیتی ہے جس سے خون تیزی سے اُبل پڑتا ہے اور زور سے بہنے لگتا ہے اس وقت طبیعت صالح خون کے شدید تحفظ کے باوجود اسے کلّی طور پر روکنے سے بے بس ہو جاتی ہے کیوں کہ بہنے کی راہ کھل جانے کی وجہ سے خون طبعًا پوری قوت سے بہنے لگتا ہے اور طبیعت کے روکنے کے باوجود کچھ صالح خون اسے مغلوب کرکے باہر آ جاتا ہے اور سنگی لگانے میں ایسا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ خروج اس میں کمزور ہوتا ہے جس کی وجہ سے طبیعت صالح خون کو مناسب طور پر

ف: تحقیق المصنف فی اعتبار محمد المجلس لجمع الدم والسبب لجمع القیئ۔

كما ينبغي واذا كان الامر كذلك لاتنبعث للطبيعة داعية دفع الدم المنتقل الى هنا مع الروح الا اذا عملت فيه الحرارة الملتهبة من اجتماع الثلاث الحارات فينسفد بنضج يحصل له بعد ببلوغه كمال صلاحه وح تترك الطبيعة الظن به ويزداد التأذى فتحب دفعه فتنفجر القرحة فيجعل الدم يخرج على شاكلته فى الحجامة دون الفصد لان الانفتاح ههنا ايضا فى الجلدلافى العرق فيكون خروجه بضعف لا بدفق شديد غيران القدر المتهيئ منه للخروج وهو الذى تحول مزاجه من الصلاح وعدل قوامه للخروج اذا خرج خرج اعنى تتعاقب اجزاؤه ولا ينبغي لبعضه القعود خلف بعض حتى يحصل بين خروج ابعاضه طفرات وتخللات انقطاع لان المقتضى موجود والمانع مفقود فلا يزال يخرج حتى ينتهى

بچالینے کی قوت پا جاتی ہے۔۔جب معاملہ ایسا ہے تو طبیعت کے لئے یہاں روح کے ساتھ منتقل ہونے والے خون کو دفع کرنے کا کوئی داعیہ نہ پیدا ہوگا مگر جب اس خون میں تینوں حار چیزوں کے مجتمع ہونے سے بھڑک اٹھنے والی حرارت اثر انداز ہوگی تو وہ کچھ پک جانے کی وجہ سے خراب ہو جائے گا یہ پکنا خون کے کمال عمدگی وصلاح کی حد کو پہنچ جانے کے بعد ہو گا۔اب طبیعت اس کا تحفظ چھوڑ دے گی اور تکلیف بڑھے گی تو اسے دفع کرنا چاہے گی، پھوڑا اس وقت پھٹ جائے گا جس کی وجہ سے خون باہر آنے لگا اسی انداز میں جو سنگی لگانے کے وقت ہوتا ہے۔اس تیز روانی کے طور پر نہیں جو فصد لگانے میں ہوتی ہے۔اس لئے کہ یہاں بھی جلد ہی کھلی ہے رگ نہیں کھلی ہے تو خروج آہستگی اور ضعف کے لئے ہوگا ---- شدت سے نہ ہوگا---- ہاں یہ ہے کہ جس خون کا مزاج فاسد ہو چکا ہے اور اس کا قوام باہر آنے پر مائل اور اسی کے لائق ہو گیا ہے، یہ اتنا خون جب نکلے گا تو نکلتا جائے گا یعنی اس کے سارے اجزاء پے در پے باہر نکلتے جائیں گے۔اور طبعًا یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک حصہ نکلنے کے بعد دوسرا حصہ اتنی دیر تھم رہے کہ ان اجزاء کے باہر آنے کی مدت میں متعدد بار انقطاع پیدا ہو اور درمیان میں خاصا توقف ہو جائے، اس لئے کہ (فاسد خون کے سارے اجزاء میں خروج کا) مقتضی موجود ہے اور مانع مفقود ہے

ثم اذا کان الاذی باقیا بعدلا تزال الروح تتوجه الیه فیعقب الخارج دم اٰخر صالح ویمکث حتی یعرض له ماعرض لسالفه فیخرج کما خرج وھکذا۔ فظھران کل خروج بعد انقطاع من دون منع انما ینشؤ من سبب جدید فیجب ان لایجمع الا ماتلا حق شیئا فشیئا کما ذکرنا وھو المعنی ان شاء اللہ تعالٰی باتحاد المجلس لان المجلس معتبر حتی اذا بدأ الدم فانتقل الانسان من فورہ لایجمع ماخرج ھنامع ماخرج اٰنفًا وان بقی جالسا کما ھو طول النھار و خرج دم اول الصبح وانقطع ثم خرج شیئ عندالغروب یجمع ھذا مع الاول فان ھذا بعید من الفقه کل البعد۔ وبالجملة علامة اتحاد	تو یہ خون نکلتا ہی رہے گا یہاں تک کہ ختم ہو جائے۔ پھر اگر تکلیف اب بھی باقی رہ گئی تو روح اس طرف متوجہ ہوتی رہے گی جس کے باعث دوسرا صالح خون اس نکلے ہوئے خون کے بعد مجتمع ہو کر ٹھہرے گا اس پر بھی وہ ساری حالتیں طاری ہوں گی جو اس کے پیش رو پر طاری ہوئی تھیں تو یہ بھی ایک وقت باہر نکلے گا جیسے وہ نکلا تھا اور یوں ہی معاملہ رہے گا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ انقطاع کے بعد بغیر رکاوٹ کے پایا جانے والا ہر خروج کسی سبب جدید ہی سے پیدا ہوتا ہے تو لازم ہے کہ صرف وہ خون جمع کیا جائے جو مسلسل تھوڑا تھوڑا باہر آیا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا---اور اتحاد مجلس سے یہی مقصود و مراد ہے---ان شاء اللہ تعالٰی--- یہ نہیں کہ بذاتِ خود مجلس کا اعتبار ہے یہاں تک کہ جب خون نکلنا شروع ہو اور آدمی فورًا جگہ بدل دے تو دوسری جگہ جو نکلے وہ پہلی جگہ نکلنے والے خون کے ساتھ جمع نہ کیا جائے (اور یہ کہا جائے کہ مجلس ایک نہ رہی)----اور اگر جہاں ہے وہیں دن بھر بیٹھا رہے اور کچھ خون صبح کے اول وقت نکل کر بند ہو جائے۔ پھر کچھ غروب کے وقت نکلے تو اس کو پہلے کے ساتھ جمع کیا جائے (اور کہا جائے کہ مجلس تو ایک ہی رہی لہٰذا دونوں یکجا ہوں گے) یہ تو فقاہت سے بالکل بعید ہے۔ مختصر یہ کہ یہاں اتحاد سبب کی علامت

السبب ههنا هو التلاحق واختلافه هو تخلل الانقطاع طبعا لاقسرا بخلاف القیئ فان الطبیعة تحتاج فیه الی دفع الثقیل الذی میله الطبع الی الاسفل علی خلاف طبعه الی جهة الاعلی فربما لاتقدر علیه الاتدریجا کما هو مرئی مشاهد فمادام الطبیعة فی الهیجان فهو سبب واحد وان تخلل الانقطاع فاذا سکنت ثم هاجت فهو سبب جدید هذا ماظهر لفهمی القاصر فتأمل وتبصر فلعل بعضه یعرف وینکر۔ **الرابع**ف انما المنقول عن ائمة المذهب رضی الله تعالٰی عنهم فی النجس الخارج من غیر السبیلین شرط السیلان لیس الا وفیه خلاف زفر، وخلاف بینهم ان السیلان مجرد العلو اومع الانحدار	یکے بعد دیگرے مسلسل نکلنا ہے---- اور اختلاف سبب کی علامت نہ طبعًا----نہ جبرًا----انقطاع کے درمیان میں حائل ہوتا اور بیچ بیچ میں خون کا خود اپنی طبیعت سے بند ہو جانا ہے----- اور قے میں ایسا نہیں---- کیوں کہ اس میں وہ ثقیل جس کا طبعی میلان نیچے آنے کی طرف ہوتا ہے برخلافِ طبع طبیعت اسے اوپر کی جانب دفع کرنے کی حاجت مند ہوتی ہے طبیعت زیادہ تر اس پر تدریجًا ہی قدرت پاتی ہے جیسا کہ یہ دیکھا اور مشاہدہ کیا ہوا ہے۔ تو جب تک طبیعت ہیجان میں ہو یہ ایک سبب ہے اور اگر بیچ میں انقطاع ہو گیا تو طبیعت میں جب سکون ہو جائے تو یہ سبب جدید ہے---- یہ وہ ہے جو میرے فہم قاصر پر منکشف ہوا تو اس میں تامّل اور نگاہِ غور کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے اس میں کچھ معروف ہو اور کچھ نامعروف۔ **تنبیہ چہارم:** ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سبیلین (پیشاب، پاخانہ کے راستوں) کے علاوہ سے نکلنے والی نجس چیز کے بارے میں صرف سیلان (بہنے) کی شرط منقول ہے اور اس میں صرف امام زفر کا اختلاف ہے اور ان کے درمیان ایک اختلاف یہ ہے کہ سیلان صرف چڑھنے کا نام ہے یا چڑھنے اور ڈھلکنے

ف: **مسئله تحقیق:** شریف ان النقض بالخروج الی مایجب تطهیره لامایندب خلافا للفتح والحلیة والبحر والشرنبلالی والطحطاوی والشامی۔

کما سمعت کل ذلك علی هذا کانت کلماتهم حتی جاء الامام ابو الحسین احمد بن محمد القدوری رحمه الله تعالٰی فزاد فی الکتاب قید التجاوز الی موضع یلحقه حکم التطهیر ثم تظافرت عامة الکتب علی اتباعه متونا وشروحا وفتاوٰی۔	دونوں کے مجموعے کا---- جیسا کہ یہ سب آپ سُن چکے ---- فقہاء کے کلمات اسی حد تک تھے یہاں تک کہ امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آئے توانہوں نے اپنی کتاب میں ایک قید یہ بڑھائی کہ خون ایسی جگہ تجاوز کر جائے جسے (وضو یا غسل میں) پاک کرنے کا حکم ہوتا ہے پھر متون، شروح اور فتاوٰی کی تقریبًا ساری ہی کتابیں ان کے اتباع میں ہم نوا ہو گئیں۔
قال فی المنیة تفسیر السیلان ان ینحدر عن رأس الجرح واما اذا علا عن رأس الجرح ولم ینحدر لایکون سائلا وقال بعضهم اذا خرج وتجاوز الی موضع یلحقه حکم التطهیر فهو سیلان یعنی اذا خرج الدم من راسه الی انفه اواذنه ان سال الی موضع یجب تطهیره عند الاغتسال ینتقض والافلا[1] اھ	منیہ میں ہے: سیلان کی تفسیر یہ ہے کہ خون سرِ زخم سے ڈھلک آئے اور سرِ زخم سے اوپر چڑھے اور نیچے نہ ڈھلکے تو سائل (بہنے والا) نہ ہوگا اور بعض نے کہا جب نکل کر ایسی جگہ تجاوز کر جائے جسے پاک کرنے کا حکم ہوتا ہے تو یہ سیلان ہے- ---یعنی جب خون (مثلًا) اس کے سر سے ناک یا کان کی طرف نکلے اگر وہ ایسی جگہ بہہ جائے جس کو غسل کے وقت پاک کرنا واجب ہوتا ہے تو وہ ناقض ہے ورنہ نہیں اھ۔
قال المولی الحلبی فی شرحه الحلیة هذا البعض هو الشیخ ابو الحسین القدوری ومن حذا حذوه[2] اھ	شیخ حلبی نے اس کی شرح حلیہ میں فرمایا: یہ بعض شیخ ابو الحسین قدوری اور ان کے متبع حضرات ہیں اھ۔
ثم الذی کانت تتوارد علیه کلماتهم من بعد ان المراد بحکم	پھر اس کے بعد سبھی حضرات کے کلمات کا اس پر توارد تھا کہ حکم تطہیر سے مراد وجوب ہے

[1] منیۃ المصلی، کتاب الطہارۃ، بیان نواقض الوضوء، مکتبہ قادریہ لاہور، ص ۹۰

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

التطهير هو الوجوب ولو فی الغسل کما افصح عنه فی [1] المنية

و[2] قال العلامة ابرهيم الحلبی فی شرحها الغنية (الی موضع يلحقه حكم التطهير) ای يجب تطهيره فی الجملة فی الوضوء اوالغسل او ازالة النجاسة الحقيقية [1] اھ

و[3] قال الحدادی فی الجوهرة النيرة شرح مختصر القدوری قوله يلحقه حكم التطهير يعنی يجب تطهيره فی الحدث اوالجنابة حتی لوسال الدم الی مالان من الانف نقض الوضوء [2] اھ

و[4] قال الامام صدر الشريعة فی شرح الوقاية (سال الی مايطهر) ای الی موضع يجب تطهيره فی الجملة اما فی الوضوء او فی الغسل [3] اھ

و[5] قال سلطان الوزراء العلامة ابن كمال باشا فی ايضاح الاصلاح (سال الی مايطهر) ای الی موضع يجب ان يطهر فی الوضوء او فی الغسل بالغسل

اگرچہ غسل ہی میں ہو، (۱) جیسا کہ منیہ میں اسے صاف طور پر کہا،

(۲) علامہ ابراہیم حلبی نے اس کی شرح منیہ میں لکھا: (ایسی جگہ جس کی تطہیر کا حکم ہوتا ہے) یعنی فی الجملہ وضو یا غسل میں اسے پاک کرنا یا نجاست حقیقیہ (اس پر لگ جائے تو اس) کا دور کرنا واجب ہوتا ہے اھ۔

(۳) اور حدادی نے مختصر قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ میں لکھا: عبارت متن: "یلحقہ حکم التطہیر" (اسے تطہیر کا حکم لاحق ہوتا ہے "یعنی اسے حدث یا جنابت میں پاک کرنا واجب ہوتا ہے یہاں تک کہ خون اگر ناک کے نرم حصے تک بہہ آیا تو وضو ٹوٹ جائیگا اھ۔

(۴) امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا: (ایسی جگہ بہہ جائے جسے پاک کیا جاتا ہے) یعنی ایسی جگہ جسے پاک کرنا فی الجملہ وضو یا غسل میں واجب ہوتا ہے اھ۔

(۵) سلطان الوزراء علامہ ابن کمال پاشا نے ایضاح الاصلاح میں لکھا: (ایسی جگہ بہہ جائے جسے پاک کیا جاتا ہے) یعنی ایسی جگہ جسے وضو یا غسل میں دھونے یا مسح کرنے کے ذریعہ پاک کرنا

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۹

[3] شرح الوقایہ، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱/۷۰

او بالمسح[1] اھ

و٦ قال العلامة اکمل الدین البابرتی فی العنایة شرح الهدایة"قوله یلحقه التطهیر المراد ان یجب تطهیره فی الجملة کما فی الجنابة حتی لو سال الدم من الرأس الی قصبة الانف انتقض الوضوء لان الاستنشاق فی الجنابة فرض[2] اھ

و٧ قال الامام فخرالدین الزیلعی فی تبیین الحقائق"غیر السبیلین اذا خرج منها شیئ و وصل الی موضع یجب تطهیره فی الجنابة ونحوه ینقض الوضوء[3] اھ

و٨ قال الامام السید جلال الدین الکرلانی فی الکفایة اذا کان فی عینه قرحة ووصل الدم منها الی جانب اٰخر من عینه فلاینقض وضوئه لانه لم یصل الی موضع یجب غسله[4] اھ

و٩ قال السید برهان الدین ابرهیم بن ابی بکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی فی جواهرة"خروج الدم الی

واجب ہوتا ہے اھ۔

(٦) علامہ اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا: عبارت متن: "اسے تطہیر لاحق ہوتی ہے" مراد یہ ہے کہ اسے پاک کرنا فی الجملہ واجب ہو جیسے جنابت میں۔۔ یہاں تک کہ اگر خون سر سے ناک کے بانسے کی طرف بہہ آیا تو وضو ٹوٹ گیا کیونکہ جنابت میں استنشاق (ناک میں پانی چڑھانا) فرض ہے اھ۔

(٧) امام فخر الدین زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا: "جب غیر سبیلین سے کوئی نجس چیز نکلے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جس کی تطہیر جنابت وغیرہ میں واجب ہوتی ہے تو وضو ٹوٹ جائیگا اھ۔

(٨) امام جلال الدین کرلانی کفایہ میں رقم طراز ہیں: "اگر آنکھ میں پھنسی ہو اور خون اس سے نکل کر آنکھ ہی کی جانب دوسری طرف پہنچ جائے تو وضو نہ ٹوٹے گا کیوں کہ وہ ایسی جگہ نہ پہنچا جسے دھونا واجب ہوا اھ۔

(٩) سیّد برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر محمد بن حسین اخلاطی حسینی جواہر میں لکھتے ہیں: "کان کے وسط میں جس جگہ تک غسل کے اندر پانی

---

[1] فتح المعین بحوالہ ابن کمال باشا کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۰/۱

[2] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۳/۱ و ۳۴

[3] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴۷/۱

[4] الکفایہ شرح الہدایہ کتاب الطہارۃ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳۴/۱

وسط الاذن بحیث یجب ایصال الماء الیه فی الاغتسال ناقض الوضوء[1] اھ	پہنچانا واجب ہوتا ہے وہاں تک خون نکل آنا ناقضِ وضو ہے اھ۔
"وقال العلامة عبدالعلی البرجندی فی شرح النقایة قوله الی مایطهر ای الی موضع یجب تطهیره فی الغسل[2] اھ	(۱۰) علامہ عبد العلی برجندی شرح نقایہ میں فرماتے ہیں: "قولہ الی مایطھر---- یعنی ایسی جگہ جس کی تطہیر غسل میں واجب ہے"۔ اھ
و"قال الامام شیخ الاسلام بکر خواهر زاده فی مبسوطه علی مانقله عنه فی الفتح والبحر و غیرهما تورم رأس الجرح فظهر به قیح ونحوه لاینقض مالم یجاوز الورم لانه لایجب غسل موضع الورم فلم یتجاوز الی موضع یلحقه حکم التطهیر[3] اھ	(۱۱) امام شیخ الاسلام بکر خواہر زادہ اپنی مبسوط میں رقم فرماتے ہیں جیسا کہ اس سے فتح، بحر وغیرہما میں نقل کیا ہے "سرِ زخم ورم کر گیا اس میں پیپ وغیرہ ظاہر ہوا تو جب تک ورم سے وہ تجاوز نہ کرے ناقض نہیں تو ایسی جگہ تجاوز نہ پایا گیا جسے تطہیر کا حکم لاحق ہو" اھ
وقال المولی حسام الدین السغناقی فی النهایة اول شروح الهدایة علی ما اثر عنه فی الحلیة فی شرح قوله الی موضع یلحقه حکم التطهیر المراد ان یجب تطهیره فی الجملة کما فی الجنابة[4] اھ	(۱۲) حسام الدین سغناقی ہدایہ کی سب سے پہلی شرح نہایہ میں جیسا کہ اس سے حلیہ میں نقل کیا ہے عبارت متن "الی موضع یلحقه حکم التطهیر" کی شرح میں لکھتے ہیں: "مراد یہ ہے کہ اس کی تطہیر فی الجملہ واجب ہو جیسے جنابت میں" اھ
"وهذا هو المستفاد من معراج الدرایة شرح الهدایة ومن "الملتقط ومن "الدرر	(۱۳) جیسا کہ معراج الدرایہ شرح ہدایہ (۱۴) ملتقط (۱۵) درر اور ان کے علاوہ کتابوں سے مستفاد ہے

---

[1] جواہر الاخلاطی، تاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء قلمی ص ٦

[2] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الطہارۃ مطبع عالی نولکشور ۱/ ۲۱

[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ بسکھر ۱/ ۳۴

[4] النہایہ

ومن غیرها وسترد علیك نقولها ان شاء الله تعالی۔ [۱۶] وبه جزم العلامة عمر بن نجیم فی النهر الفائق و[۱۷] قال العلامة السید ابو السعود الازهری فی فتح الله المعین [۱۸] نقلا عن ابیه السید علی الحسینی ان المراد بحکم التطهیر وجوبه فی الوضوء والغسل ولو بالمسح[1] اھ فهذا ما ارتکز فی اذهان العامة جیلا فجیلا غیران المحقق علی الاطلاق الامام الهمام کمال الدین محمد بن الهمام زادالندب ایضا حیث یقول لو خرج من جرح فی العین دم فسال الی الجانب الاٰخر منها لاینتقض لانه لایلحقه حکم وجوب التطهیر اوندبه بخلاف مالو نزل من الراس الی مالان من الانف لانه یجب غسله فی الجنابة ومن النجاسة فینتقض[2] اھ۔ وتبعه تلمیذه المحقق فی الحلیة قائلا بعد نقله مایاتی عن	سب کی عبارتیں ان شاء اللہ تعالٰی آگے نقل ہوں گی۔ (۱۶) اسی پر علامہ عمر بن نجیم نے النہر الفائق میں جزم کیا۔ (۱۷) اور علامہ سید ابو السعود ازہری نے فتح اللہ المعین میں ۱۸اپنے والد سید علی حسینی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "حکم تطہیر سے مراد اس کا وضو و غسل میں واجب ہونا ہے اگرچہ مسح ہی کے ذریعے"۔ یہی بات عامہ علماء کے ذہن میں نسل در نسل ثبت رہی مگر محقق علی الاطلاق امام ہمام کمال الدین محمد بن الہمام نے مندوب ہونے کا بھی اضافہ کیا، وہ لکھتے ہیں: "اگر آنکھ کے اندر کسی زخم سے خون نکل کر آنکھ ہی کی دوسری جانب بہا تو وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ اسے تطہیر کے وجوب یا ندب کا حکم لاحق نہیں ہوتا بخلاف اس صورت کے جب خون سر سے ناک کے نرم حصے میں اتر آئے کیوں کہ اسے جنابت میں اور کوئی نجاست لگنے سے دھونا واجب ہوتا ہے تو وہ ناقضِ وضو ہوگا اھ"اور ان کے تلمیذ محقق نے حلیہ میں ان کا اتباع کیا اور اتقانی کے حوالے سے آنے والی

1 فتح اللہ المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱

2 فتح القدیر کتاب الطہارۃ، فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۴

الاتقانی فعلی ھذا المرادان یتجاوز الی موضع یجب طھارتہ او تندب کما اشرنا الیہ آنفا[1] اھ

٨٦ **قلت:** والاشارۃ فی قولہ الی موضع یلحقہ حکم التطھیرای شرع فی حقہ الحکم الذی ھو التطھیر اھ فان المشروع یعم المندوب۔[2]

٨٧ **اقول:** و ربما یترشح ھذا التعمیم من النھایۃ ایضًا فانہ مع تصریحہ بان المراد الوجوب کما تقدم فرع علیہ بقولہ حتی "لوسال الدم الی قصبۃ الانف انتقض الوضوء لان الاستنشاق فی الجنابۃ فرض وفی الوضوء سنۃ وکذلک فی المبسوط[3] اھ" فان الاستنان لو لم یکف لکان ذکرہ عبثًا الاان یقال المراد انہ وان لم یکن فی الوضوء الا سنۃ لکنہ فی الغسل فرض فتحقق التجاوز الی مایجب تطھیرہ فی الجملۃ

عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا: "تو اس بنا پر مراد یہ ہوگی کہ ایسی جگہ تجاوز کر جائے جس کی طہارت واجب یا مندوب ہوتی ہے جیسا کہ اس کی جانب ہم نے اشارہ کیا" اھ

قلت اشارہ الی موضع یلحقہ حکم التطھیر کے تحت ان کی اس عبارت میں ہے یعنی اس کے حق میں مشروع ہے وہ حکم جو تطہیر ہے اھ "اس لئے کہ مشروع، مندوب کو بھی شامل ہے۔

اقول: یہ تعمیم نہایہ سے بھی کچھ مترشح ہوتی ہے کیوں کہ انہوں نے وجوب مراد ہونے کی تصریح مذکور کے باوجود اس پر تفریع میں یہ لکھا ہے: "یہاں تک کہ خون اگر ناک کے بانسے کی طرف بہہ آیا تو وضو ٹوٹ گیا کیونکہ استنشاق جنابت میں فرض اور وضو میں سنت ہے ---- ایسا ہی مبسوط میں ہے" اھ۔ اس لئے کہ سنت ہونا اگر کافی نہ ہوتا تو اس کا تذکرہ عبث ہوتا مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ وضو میں اگرچہ صرف سنّت ہے لیکن غسل میں فرض ہے تو ایسی جگہ تجاوز متحقق ہوگیا جس کی تطہیر فی الجملہ واجب ہے تو اس جملے (وضو میں سنت ہے)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] النہایہ

I.T. Majlis of DawateIslami

فتکون زیادة هذه الجملة تحقیقا لقوله فی ماسبق فی الجملة وهذا هوالذی یتعین حمل کلامه علیه کیلا یخالف اٰخره اوله۔	کا اضافہ دراصل اس لفظ "فی الجملة" کی تحقیق قرار پائے گا جو پہلے ان کی عبارت میں آگیا ہے------اسی معنی پر ان کے کلام کو محمول کرنا متعین ہے تاکہ اس کا آخری حصہ ابتدائی حصے کے مخالف نہ ہو۔
[88] **اقول:** وکذلک ف لظاہر کلام المحقق حیث اطلق تجاذب فی الاول والاٰخر فانه عمم الندب ثم ذکر النزول الی مالان وعلله بوجوب غسله فی الغسل ومعلوم ان المفهوم معتبر فی کلمات العلماء ولو کان الحکم عنده کذلك فی النزول الی مااشتد کان الظاهر ان یذکره ویعلله بندب غسله فی الغسل والوضوء کی یکون مثالا لما زاد من الندب ولایوهم خلاف المرام هلکنه رحمه الله تعالٰی لم یر بُدّا من اتباع العامة فانهم انما صوروا المسألة هکذا کما ستعرفه ان شاء الله تعالٰی۔	**اقول:** اسی طرح محقق علی الاطلاق کے بھی ظاہر کلام کے اندر اول تا آخر کے درمیان کش مکش پائی جاتی ہے کیوں کہ پہلے انہوں نے حکم کو ندب کے لئے بھی عام کردیا پھر ناک کے نرم حصے تک خون اتر آنے کا ذکر کیا اور غسل میں اس کا دھونا واجب ہونے سے علت بیان کی اور معلوم ہے کہ کلماتِ علماء میں مفہوم معتبر ہوتا ہے اگر ان کے نزدیک ناک کے سخت حصے تک اتر آنے کا حکم ایسا ہی ہوتا تو ظاہر یہ تھا کہ اسے ذکر کرتے اور غسل اور وضو میں اسے دھونے کے مندوب ہونے سے اس کی تعلیل فرماتے تاکہ جو لفظ "ندب" انہوں نے بڑھایا اس کی ایک مثال ہوجاتی اور خلاف مقصود کا وہم نہ پیدا ہوتا لیکن حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے عامّہ علماء کے اتباع سے کوئی مفر نہ دیکھا کیونکہ انہوں نے مسئلہ کی صورت اسی طرح رکھی ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی معلوم ہوگا۔

ف: [57] تطفل علی الفتح۔

ثم لم ارمن تبعه بعده غير تلميذه حتى اتى المحقق البحر فشيد اركانه فى بحره قائلا انما فسرنا الحكم بالاعم من الواجب والمندوب لان ماا شتد من الانف لاتجب طهارته اصلا بل تندب لما ان المبالغة فى الاستنشاق لغير الصائم مسنونة وقد صرح فى معراج الدراية وغيره بانه اذا نزل الدم الى قصبة الانف نقض وفى البدائع اذا نزل الدم الى صماخ الاذن يكون حدثا وفى الصحاح صماخ الاذن خرقها وليس ذلك الا لكونه يندب تطهيره فى الغسل ونحوه فقول بعضهم المراد ان يصل الى موضع تجب طهارته محمول على ان المراد بالوجوب الثبوت وقول الحدادى اذا نزل الدم الى قصبة الانف لاينقض محمول على انه لم يصل الى ما يسن ايصال الماء اليه فى الاستنشاق	پھر ان کے بعد ان کی تبعیت کرنے والا ان کے تلمیذ صاحبِ حلیہ کے سوا کسی کو میں نے نہ دیکھا یہاں تک کہ محقق صاحبِ بحر آئے تو انہوں نے البحر الرائق میں اس کے ستون مضبوط کئے اور فرمایا : "ہم نے حکم کی تفسیر اس سے کی جو واجب اور مندوب دونوں کو عام ہے اس لئے کہ ناک سے سخت حصے کی طہارت بالکل (یعنی وضو اور غسل کسی میں بھی) واجب نہیں بلکہ مندوب ہے اس لئے کہ غیر روزہ دار کے لئے اشتنشاق میں مبالغہ (یعنی نرم حصے سے بڑھا کر سخت تک پانی چڑھا دینا) مندوب ہے----اور معراج الدرایہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ خون جب ناک کے بانسے تک اُتر آئے تو ناقضِ وضو ہے اور بدائع میں ہے : خون جب صماخ گوش (کان کے سوراخ) تک اُتر آئے تو حدث ثابت ہو جائے گا، صحاح میں صماخ اذن کا معنی کان کا شگاف لکھا ہے اور یہ اسی لئے ہے کہ اس کی تطہیر غسل وغیرہ میں مندوب ہے تو بعض حضرات کا یہ فرمانا کہ "مراد ایسی جگہ پہنچنا ہے جس کی طہارت واجب ہے"----اس پر محمول ہو گا کہ واجب ہونے کا مطلب ثابت ہونا ہے اور حدادی کی عبارت : "اذا نزل الدم الى قصبة الانف لا ينقض (خون جب ناک کے بانسے تک اتر آئے تو ناقض نہیں)" اس پر محمول ہو گی کہ اس جگہ تک نہ پہنچے جہاں استنشاق میں پانی پہنچانا

توفیقا بین العبارات وقول من قال اذا نزل الدم الی مالان من الانف نقض لایقتضی عدم النقض اذا وصل الی ماشتد منه الا بالمفهوم والصریح بخلافه وقد اوضحه فی غایة البیان والعنایة والمراد بالوصول المذکور سیلانه [1] اھ	مسنون ہے تاکہ عبارتوں میں تطبیق ہو جائے اور بعض حضرات کے کلام میں آیا ہے کہ "جب خون ناک کے نرم حصے تک اتر آئے تو ناقضِ وضو ہے" اس کا تقاضا یہ نہیں کہ جب سخت حصے تک پہنچے تو ناقضِ وضو نہیں مگر یہ کہ اس کا مفہوم لیا جائے حالاں کہ صریح اس کے برخلاف ہے اور غایۃ البیان و عنایہ میں سے واضح طور پر لکھا ہے اور وصول (پہنچنا) جو مذکور ہوا اس سے مراد سیلان (بہنا) ہے اھ۔
۸۹ **اقول:** ف تاویله کلام الحدادی فی السراج الوهاج کانه یرید به ان "الی" فی کلامه لاخراج الغایة ای نزل الدم من الراس وانتهی الی مبدء ماشتد من الانف من دون ان ینزل منه شیئ فیه ،وهذا کان محتملا لولا ان الحدادی صرح فی مختصر سراجه ان المراد بالحکم الوجوب و فرع علیه تقیید الانتقاض بالنزول الی مالان کما تقدم وسیأتی عنها ماهو انص واجلی	**اقول:** حدادی کی عبارتِ سراج وہاج کی جو تاویل کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحبِ بحر یہ مراد لے رہے ہیں کہ عبارت سراج میں لفظ "الی" غایت کو خارج کرنے کے لئے ہے یعنی خون سر سے اُترے اور ناک کے سخت حصے کے شروع تک پہنچے خود اس حصے میں ذرا بھی نہ اُترے، یہ احتمال تو تھا اگر حدادی نے اپنی مختصر سراج میں یہ تصریح نہ کر دی ہوتی کہ حکم سے وجوب مراد ہے اور اس پر تفریع کرتے ہوئے وضو ٹوٹنے کو خون کے نرم حصے تک اُتر آنے سے مقید نہ کیا ہوتا جیسا کہ گزرا اور آگے ان کی اس سے بھی زیادہ صریح اور روشن و

ف: ۸۹ تطفل علی البحر۔

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۔۳۲

وردہ اخوہ وتلمیذہ العلامۃ عمر فی النھر الفائق بقولہ"وھذا وھم وانی یستدل بما فی المعراج وقد علل المسألۃ بما یمنع ھذا الاستخراج فقال مالفظہ لونزل الدم الی قصبۃ الانف انتقض بخلاف البول اذا نزل الی قصبۃ الذکر ولم یظھر فانہ لم یصل الی موضع یلحقہ حکم التطھیر وفی الانف وصل فان الاستنشاق فی الجنابۃ فرض کذا فی المبسوط اھ وقد افصح ھذا التعلیل عن کون المراد بالقصبۃ مالان منھا لانہ الذی یجب غسلہ فی الجنابۃ ولذا قال الشارح (ای شارح الکنز یرید الامام الزیلعی) لو نزل الدم من الانف انتقض وضوؤہ اذا وصل الی مالان منہ لانہ یجب تطھیرہ وحمل الوجوب فی کلامہ عن الثبوت مما لاداعی الیہ وعلی ھذا فیجب ان یراد بالصماخ الخرق الذی یجب ایصال الماء الیہ فی الجنابۃ وبھذا ظھر ان کلامھم مناف لتلک الزیادۃ اھ[1] کلام النھر۔	واضح عبارت آ رہی ہے ، صاحبِ بحر کی تردید میں ان کے برادر اور تلمیذ علامہ عمر نے النہر الفائق میں یہ لکھا ہے : یہ وہم ہے اور معراج کی عبارت سے استدلال کیسا ، جبکہ اس میں مسئلہ کی تعلیل ان الفاظ سے بیان ہوئی ہے جو یہ مطلب لینے سے مانع ہیں ، ان کے الفاظ یہ ہیں : خون اگر ناک کے بانسے تک اُتر آئے تو وضو ٹوٹ جائے گا برخلاف اس صورت کے جب پیشاب ذکر کی نالی تک اُتر آئے اور ظاہر نہ ہو، اس لئے کہ یہ ایسی جگہ نہ پہنچا جسے تطہیر کا حکم ہے اور ناک میں ایسی جگہ پہنچ گیا اس لئے کہ جنابت میں استنشاق فرض ہے، ایسا ہی مبسوط میں ہے اھ۔ اس تعلیل نے تو صاف بتا دیا کہ بانسے سے مراد اس کا نرم حصہ ہے اس لئے کہ یہی وہ ہے جسے جنابت میں دھونا فرض ہے ، اسی لئے شارح فرماتے ہیں (یعنی کنز الدقائق کے شارح مراد ہیں امام زیلعی) : اگر خون ناک سے اترا تو وضو ٹوٹ جائے گا جب اس کے نرم حصے تک پہنچ گیا ہو اس لئے کہ اس کی تطہیر واجب ہے اور ان کے کلام میں لفظ وجوب کو معنی ثبوت پر محمول کرنے کا کوئی داعی نہیں ،اس بنا پر ضروری ہے کہ صماخ سے وہ شگاف مراد ہو جہاں جنابت میں پانی پہنچانا واجب ہے، اسی سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کی عبارتیں اس اضافے (ندب) کے منافی ہیں اھ نہر کی عبارت ختم۔

[1] النہر الفائق کتاب الطہارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۲

[90] **اقول:** کفی بابداء ف[1] التوفیق بین کلماتهم داعیا الیه ان [91] امکن وکلام المعراج ف[2] ان لم یثبت الزیادة فلا ینفیها و [92] کلام الشارح ف[3] انما ینا فی بلحاظ مفهوم المخالفة وقد اجاب عنه البحر بان المفهوم لایعارض الصریح فیجب عنده ان یراد المفهوم غیر مراد کی لاتتعارض کلمات الاسیاد۔ نعم فی الاستناد بالمعراج منع ظاهر فان ظاهر قوله نزل الی قصبة الانف وان کان مفید التعمیم ماشتد وما لان فان بالنزول الی ماشتد یتحقق النزول الی القصبة قطعا وان لم یصل الی المارن لکن یکدره تعلیله اٰخرا بافتراض الاستنشاق کما ذکره فی النہر۔ [93] **اقول:** لا سیما ف[4] وقد ترک	اقول: داعی ہونے کے لئے ان حضرات کی عبارتوں میں بشرطِ امکان تطبیق پیدا کرنے کا مقصد کافی ہے۔ اور معراج کی عبارت اگر اس اضافے کو ثابت نہیں کرتی تو اس کی تردید بھی نہیں کرتی اور شارح (امام زیلعی) کے کلام میں مفہومِ مخالفت کا لحاظ کیا جائے جب ہی وہ اس کے منافی ہوگا۔ صاحبِ بحر اس کا جواب دے چکے ہیں کہ مفہوم، صریح کے معارض و مقابل نہیں ہوتا تو ان کے نزدیک ضروری ہے کہ مفہوم مراد نہ ہو تا کہ ان حضرات کے کلام میں تعارض نہ ہوسکے۔ ہاں معراج سے استناد پر کھلا ہوا منع وارد ہوتا ہے، اس لئے کہ ان کا ظاہر کلام "ناک کے بانسے تک اُترے" اگرچہ سخت و نرم دونوں حصوں کی تعمیم کا افادہ کر رہا ہے کیونکہ سخت حصے میں اُترنے سے بھی بانسے میں اترنا قطعًا متحقق ہو جاتا ہے اگرچہ نرم حصے تک نہ پہنچے لیکن یہ تعمیم مکدّر اور نامعقول ہو جاتی ہے جب آخر میں وہ اس کی علّت استنشاق کی فرضیت سے بیان کرتے ہیں جیسا کہ نہر میں ذکر کیا۔ اقول؛ ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ

ف۱: [59] تطفل علی النہر

ف۲: [60] تطفل اٰخر علیہ

ف۳: [61] تطفل ثالث علیہ

ف۴: [62] تطفل اٰخر علی البحر بتائید کلام ا النہر۔

علی مانقل فی النهر من کلام المبسوط لفظة وفی الوضوء سنة کما تقدم نقله عن الحلیة عن النهایة عن المبسوط فلوکان مراده العموم لما ترك مایفیده واقتصر علی مالا یعطیه۔ وانتصر العلامة الشامی للبحر الرائق فی منحة الخالق فقال یتعین ان یحمل قول المعراج فان الاستنشاق فی الجنابة فرض علی معنی ان اصل الاستنشاق فرض وان یبقی اول کلامه علی ظاهره من غیر تاویل[1] الخ [۹۴] **اقول:** کیف[ف] یخالف بین محملیهما مع ان اخره علی اوله دلیل قال "لما سیأتی قریبا عن غایة البیان عن النقض بالوصول الی قصبة الانف قول اصحابنا وان اشتراط الوصول الی مالان منه قول زفر[2] الخ	مبسوط میں یہ الفاظ بھی تھے کہ "اور وضو میں سنّت ہے" جیسا کہ حلیہ کی عبارت میں بواسطہ نہایہ، مبسوط سے نقل گزری لیکن جیسا کہ نہر نے نقل کیا معراج میں مبسوط کے وہ الفاظ ترک کر دیئے ہیں تو اگر صاحبِ معراج کا مقصود عموم ہوتا تو اس کا افادہ کرنے والے الفاظ وہ ترک کرکے صرف اس قدر پر اکتفانہ کرتے جو عموم کا معنی نہیں دیتی۔ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں البحر الرائق کی حمایت کی ہے اور لکھا ہے کہ: عبارت معراج: استنشاق جنابت میں فرض ہے" کو اصل استنشاق فرض ہونے کے معنی پر محمول کرنا اور اس کی ابتدائی عبارت کو بغیر کسی تاویل کے ظاہر پر باقی رکھنا متعین ہے الخ۔ **اقول:** دونوں کے مطلب میں مخالفت کیسے ہو گی جبکہ آخر کلام کو اول کی دلیل بنایا ہے آگے اپنی تائید میں علامہ شامی یہ لکھتے ہیں: اس لئے کہ آگے غایۃ البیان کے حوالے سے آرہا ہے کہ ناک کے بانسے تک خون پہنچ آنے سے وضو ٹوٹ جانا ہمارے اصحاب کا قول ہے اور نرم حصے تک پہنچنے کی شرط امام زفر کا قول ہے الخ۔

ف: [۶۳] معروضة علی العلامة الشامی

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطھارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱و۳۲

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطھارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[95]**اقول:** هذا [ف۱]كان له محل لو ان المعراج كان هو المتفرد بهذا فكان يجب ردكلامه الى وفاق الجمهورمهما امكن لكن عامة الكتب مصرحة ههنا بتقييد النقض بما لان كما ستسمعه ان شاء الله تعالٰى فجعلهم جميعا غافلين عما حكى الاتقانى فى غاية البيان فى غاية البعد غاية الامر ان يحمل على اختلاف الروايات فانى يجب رد مافى المعراج الى مافى الغاية۔

[96]**ثم:** على [ف۲] هذا ايضا انما كان السبيل ان يحمل كلامه اولا واٰخرا على بيان ماذا نزل الى مالان والسكوت عما نزل الى ماشتد كما اختاره البحرلا ان يجعل اٰخر كلامه مخالفا لاوله مع كونهما مطلبا ودليلا قال۔"وان قول من قال اذا وصل الى مالان منه لبيان الاتفاق وكانّ صاحب النهر لم يطلع على ذلك

اقول: اس کا موقع تھا اگر تنہا صاحبِ معراج اس خصوص کے قائل ہوتے، ایسی صورت میں جہاں تک ہوسکے ان کے کلام کو جمہور کی موافقت کی جانب پھیرنا واجب ہوتا لیکن عامہ کتب نے وضو ٹوٹنے کو نرم حصے تک پہنچنے سے صراحۃً مقید کیا ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آگے ان کی عبارتیں پیش ہوں گی۔---تو اتقانی نے غایۃ البیان میں جو حکایت کی ہے اس سے سب ہی کو غافل ٹھہرانا انتہائی بعید ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اختلافِ روایات مانا جائے پھر عبارتِ معراج کو عبارتِ غایہ کی جانب پھیرنا کیسے ضروری ہوگا۔

پھر اس بنیاد پر بھی راہ یہی تھی کہ کلامِ معراج اوّل وآخر دونوں جگہ نرم حصہ تک خون اترنے سے متعلق حکم کے بیان اور سخت حصے تک اترنے سے متعلق سکوت پر محمول کیا جائے جیسا کہ بحر نے اختیار کیا، نہ یہ کہ آخر کلام کو اول کے خلاف بنایا جائے باوجودیکہ ایک مدعا ہے دوسرا دلیل۔علامہ شامی آگے فرماتے ہیں: اور جس نے یہ لکھا ہے کہ "جب خون نرم حصے تک پہنچ جائے" اس کا مقصد ایسی صورت رکھنا ہے جس پر امام زفر کا بھی اتفاق ہو--------شاید صاحب نہر

ف۱: [64]معروضة اخرى على العلامة ش۔

ف۲: [65]معروضة ثالثة عليه۔

Majlis of Dawateislami

حتی قال ماقال [1] اھ

[٩٧] **اقول:** هذا انما یتمشی فی عبارة الهدایة وفیها كلام الاتقانی دون سائر العبارات المتظافرة الا فی بعضها بتعسف شدید هذا۔

ولنأت علی ماذكر الاتقانی فاعلم ان الامام برهان الدین قال فی الهدایة فی صدر الفصل المعانی النا قضة للوضوء كل مایخرج من السبیلین والدم والقیح اذا خرجا من البدن فتجاوزا الی موضع یلحقه حكم التطهیر [2]۔ثم ذكر مسائل القیئ الی ان ذكر قیئ الدم ثم قال ولو نزل من الرأس الی مالان من الانف نقض بالاتفاق لوصوله الی موضع یلحقه حكم التطهیر فیتحقق الخروج [3] اھ

قال العلامة الاتقانی قوله الی

اس (تصریح غایۃ البیان) سے آگاہ نہ ہوئے اور وہ سب کہہ گئے اھ۔

اقول: یہ توجیہ صرف ہدایہ کی عبارت میں چل سکتی ہے اسی کے بارے میں اتقانی کی گفتگو بھی ہے، دوسری بہت ساری عبارتوں میں یہ توجیہ نہیں ہوسکتی ہاں بعض میں شدید تکلف کے بعد ممکن ہے۔یہ بحث تمام ہوئی۔

اب ہم اس پر آتے ہیں جو اتقانی نے ذکر کیا۔پہلے یہ جان لیجئے کہ امام برہان الدین نے فصل نواقض وضو کے شروع میں فرمایا: ہر وہ چیز جو سبیلین سے خارج ہو----اور خون اور پیپ جب یہ دونوں، بدن سے نکل کر کسی ایسی جگہ تجاوز کر جائیں جسے تطہیر کا حکم لاحق ہے"----پھر قے کے مسائل بیان کئے یہاں تک کہ خون کی قے کا ذکر کیا، پھر فرمایا: "اور اگر سر سے ناک کے اس حصے تک اُتر آئے جو نرم ہے تو بالاتفاق ناقضِ وضو ہے کیونکہ خون ایسی جگہ پہنچ گیا جس کی تطہیر کا حکم ہوتا ہے تو خروج متحقق ہوجائے گا۔"اھ۔

علامہ اتقانی لکھتے ہیں: ان کی عبارت

ف: معروضة رابعة علیه۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

[2] الہدایہ کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۸

[3] الہدایہ کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰

Majlis of Dawatelslami

مالان من الانف ای الی المارن وما بمعنی الذی ،فان قلت لم قید بهذا القید مع ان الروایة مسطورة فی الکتب عن اصحابنا ان الدم اذا نزل الی قصبة الانف ینقض الوضوء ولاحاجة الی ان ینزل الی مالان من الانف فای فائدة فی هذا القید اذن سوی التکرار بلا فائدة لان هذا الحکم قد علم فی اول الفصل من قوله والدم والقیح اذا خرجا من البدن فتجاوزا الی موضع یلحقه حکم التطهیر قلت بیان لاتفاق اصحابنا جمیعا لان عند زفر لاینتقض الوضوء مالم ینزل الدم الی مالان من الانف لعدم الظهور قبل ذلك اھ (قال فی المنحة بعد نقله) وهو شاهد قوی علی ماقاله (ای صاحب البحر) فلا تغتر بتزییف صاحب النهر والله تعالٰی ولی التوفیق [1] اھ وذکر مثل کلامه الذی نقلنا ھھنا مع قلیل زیادة فی رسالة الفوائد المخصصة واورد خلاصته	"الی ما لان من الانف-------ناک کے اس حصے تک اُتر آئے جو نرم ہے"اس سے مراد"مارن"(نرمہ) ہے. اور"ما"بمعنی الذی ہے . اگر اعتراض ہو کہ قید کیوں لگائی جب کہ ہمارے اصحاب کی کتابوں میں روایت یوں لکھی ہوئی ہے کہ خون جب ناک کے بانسے تک اتر آئے تو ناقضِ وضو ہے. اور اس کی ضرورت نہیں کہ ناک کے نرم حصے تک اترے ایسی صورت میں اس قید کا کیا فائدہ ؟. سوا اس کے کہ بے سُود تکرار ہو کیونکہ یہ حکم تو وہیں معلوم ہو گیا جو شروع فصل میں فرمایا : اور خون اور پیپ جب یہ بدن سے نکل کر کسی ایسی جگہ تجاوز کر جائیں جسے تطہیر کا حکم لاحق ہے"----تو میں کہوں گا یہ اس صورت کا بیان ہے جس میں ہمارے تمام اصحاب کا اتفاق ہے اس لئے کہ امام زفر کے نزدیک جب تک نرم حصے تک نہ اترے وضو نہیں ٹوٹتا اس لئے کہ اس سے پہلے ظہور ثابت نہیں ہوتا"اھ ، اسے علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں نقل کرنے کے بعد فرمایا : یہ صاحبِ بحر کے کلام پر قوی شاہد ہے تو صاحبِ نہر کی تردید سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہیے اور خدائے تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اھ۔ اسی طرح کی بات علامہ شامی نے تھوڑے اضافے کے ساتھ اپنے رسالہ "الفوائد المخصصه" میں بھی ذکر کی ہے------اس کا خلاصہ ردالمحتار

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۱

فی ردالمحتار وختمه بقوله"فهذا صریح فی ان المراد بالقصبة مااشتد فاغتنم هذا التحریر المفرد [1] الخ۔

[۹۸]**اقول:** [ف۱] نعم هو صریح فی ان المراد فی تلك الروایة مااشتد اما عبارة المعراج التی فیها کلام البحر والنهر فلا مساغ فیها للحمل علی مااشتد للزوم الاختلاف بین الدلیل والمدعی کما علمت فالحق ان استناد البحر بها لیس فی محله۔

ثم[۹۹]**اقول:**[ف۲]ان کان مراد الهدایة بالحکم الوجوب کما هو المتبادر من کلامه فانه انما جعله واصلا الی مایلحقه حکم التطهیر بعد نزوله الی مالان فمعلوم ان المارن داخل من وجه وخارج من وجه یلحقه حکم التطهیر فی الغسل ولا یلحقه فی الوضوء فالتنصیص علی مثل هذا لایعد عبثا ولا تکرارا فیسقط سؤال الغایة من رأسه۔

میں بھی لکھا ہے اور اسے اس عبارت پر ختم کیا ہے: "تو یہ اس بارے میں صریح ہے کہ بانسے سے مراد اس کا سخت حصہ ہے ۔اس منفرد تحریر کو غنیمت جانو"۔الخ

اقول: ہاں یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس روایت میں سخت حصہ ہی مراد ہے لیکن عبارتِ معراج جس میں بحر و نہر کی گفتگو ہے اسے " سخت حصے "پر محمول کرنے کی گنجائش نہیں اس لئے کہ دلیل اور دعوی کے درمیان اختلاف لازم آتا ہے، جیسا کہ معلوم ہوا تو حق یہی ہے کہ اس سے بحر کا استناد بے جا ہے۔

ثم اقول: اگر حکم سے ہدایہ کی مراد وجوب ہو جیسا کہ اس کی عبارت سے یہی متبادر ہے---- کیونکہ اس میں خون کو نرم حصے تک پہنچنے کے بعد ہی اس جگہ تک پہنچنے والا قرار دیا ہے جسے حکم تطہیر لاحق ہوتا ہے تو یہ معلوم ہے کہ نرمہ ایک طرح سے داخل ہے اور ایک طرح سے خارج ہے، غسل میں اسے تطہیر کا حکم لاحق ہوتا ہے اور وضو میں لاحق نہیں ہوتا اس لئے ایسی چیز سے متعلق تصریح کر دینے کو بے فائدہ اور تکرار شمار نہ کیا جائے گا تو غایۃ البیان کا اعتراض ہی سرے سے ساقط ہے۔

ف۱: [۶۷]معروضة خامسة علیه۔

ف۲: [۶۸]تطفل علی العلامة الاتقانی

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نواقض الوضوء مکتبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۱

وعلی ف۱ هذا فالعجب من العلامة صاحب العناية رحمه الله تعالٰی حیث صرح ان المراد بالحکم الوجوب ثم تبع الغایة فی ایراد هذا السؤال والجواب وزادان"قوله (ای قول الهدایة) لوصوله الی موضع یلحقه حکم التطهیر یعنی بالاتفاق لعدم الظهور قبل ذلك عند زفر [1] اھ واعترضه العلامة سعدی افندی فی حاشیته علیها قائلا"فیه بحث [2] اھ ولم یبین وجهه۔ **اقول:** وجه ف۲ التقریر علی هذا التقدیران ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم یعتبرون السیلان الی مایلحقه حکم التطهیر ولو ندبا و زفر وان اجتزأ بمجردا لظهورلکن یجب عنده الوصول الی ماهو ظاهر البدن اذلا ظهور قبل ذلك فمادام الدم فی ما اشتدت	اس تفصیل کے پیشِ نظر علامہ صاحبِ عنایہ رحمہ اللہ تعالٰی پر تعجب ہے کہ انہوں نے حکم سے وجوب مراد ہونے کی تصریح کی پھر بھی یہ اعتراض وجواب ذکر کرنے میں غایۃ البیان کی پیروی کرلی اور مزید یہ لکھا کہ : عبارت ہدایہ "لوصولہ الخ----کیوں کہ خون ایسی جگہ پہنچ گیا جس کی تطہیر کا حکم ہوتا ہے اس سے مراد کہ ایسی جگہ پہنچ گیا جس کی تطہیر کا حکم بالاتفاق ہے۔ کیونکہ نرم حصے تک پہنچنے سے پہلے امام زفر کے نزدیک ظہور ثابت نہیں ہوتا اھ۔اس پر علامہ سعدی آفندی نے اپنے حاشیہ عنایہ میں یہ کہہ کر اعتراض کیا کہ "اس میں بحث ہے"اور وجہ بحث بیان نہ کی۔ **اقول:** اس تقدیر پر صورت تقریر یہ ہوگی کہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اس جگہ بہنے کا اعتبار کرتے ہیں جسے تطہیر کا حکم ہو اگرچہ بطور ندب ہو۔اور امام زفر نے اگرچہ خون بہنے کے بجائے صرف ظاہر ہونے پر اکتفا کیا ہے لیکن ان کے نزدیک ایسی جگہ پہنچنا واجب ہے جو ظاہر بدن ہو کیونکہ ظہور اس سے پہلے ہوگا ہی نہیں تو خون جب تک

ف۱: تطفل علی العنایة۔

ف۲: تطفل علی العلامة سعدی آفندی

[1] العنایہ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۲

[2] حاشیۃ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۲

من الانف سائلا فیه غیر واصل الی مالان یتحقق الناقض عند الائمة لندب غسله فی الغسل والوضوء لاعندالامام زفر لان ماشتد لیس من ظاهر البدن عند احد فلا یتحقق الظهور اما اذا تجاوز حتی وصل الی الحرف الاول مما لان فقد تحقق الناقض علی القولین اما علی قول الائمة فظاهر واما علی قول زفر فلظهوره علی ظاهر البدن فیتحقق الخروج۔

ناک کے سخت حصے میں بہہ رہا ہے نرم حصے تک پہنچا نہیں ہے اس وقت ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ناقض متحقق ہے اس لئے کہ غسل و وضو میں اس حصے کو دھونا مندوب ہے جبکہ امام زفر کے نزدیک ناقض متحقق نہیں کیونکہ سخت حصہ کسی کے نزدیک ظاہر بدن میں شمار نہیں تو ظہور ثابت نہیں لیکن جب ذرا آگے بڑھ کر نرم حصے کے پہلے کنارے تک پہنچ جائے تو دونوں ہی قول پر ناقض متحقق ہو گیا۔ قولِ ائمہ پر تو ظاہر ہے اور قول امام زفر پر اس لئے کہ خون ظاہر بدن پر ظاہر ہو گیا تو خروج متحقق ہو جائے گا۔

فقوله لوصوله الخ یعنی بالاتفاق فان مراد زفر بالوصول مجرد الظهور وبما یلحقه حکم التطهیر ظاهر البدن ومراد الائمة بالوصول السیلان وبما یلحقه التطهیر ماشرع تطهیره ولو ندبا فاذا وصل الی هنا حصل الوصول بالمعنیین الی مایطهر علی القولین وهذا تقریر صاف واف لابحث فیه ولا غبار علیه۔

اب کلامِ عنایہ میں جو آیا کہ فقولہ لوصولہ الخ یعنی بالاتفاق اس کا مطلب واضح ہے اس لئے کہ پہنچنے سے امام زفر کی مراد محض ظاہر ہونا ہے اور "جسے حکم تطہیر لاحق ہے" سے ان کی مراد ظاہر بدن ہے۔ اور پہنچنے سے ائمہ کی مراد بہنا ہے اور "جسے حکم تطہیر لاحق" سے ان کی مراد وہ جس کی تطہیر مشروع ہے اگرچہ ندب کے طور پر ہو تو خون جب نرم حصے تک پہنچ گیا تو دونوں قول کے مطابق جسے حکمِ تطہیر لاحق ہے اس تک پہنچنے کا دونوں معنی حاصل ہو گیا یہ --- صافی وافی تقریر ہے جس میں نہ کوئی بحث ہے اور نہ اس پر کوئی غبار ہے۔

بقی الفحص عن الروایة

[1] **اقول:** لانمتری ان صاحب الغایة ثقة الی الغایة وقد اعتمد کلامه فی العنایة وجزم به فی الحلیة حتی حکم باعتماده علی صاحب المنیة و

اب رہی روایت کی تفتیش **اقول:** ہم اس میں شک نہیں رکھتے کہ صاحب غایہ نہایت درجہ ثقہ ہیں، ان کے کلام پر صاحبِ عنایہ نے اعتماد کیا اور اس پر صاحبِ حلیہ نے جزم کیا یہاں تک کہ ان پر اعتماد کرکے صاحب منیہ اور

على من هو اجل و اکبر اعنی الامام برهان الدین محمود صاحب الذخیرة انهما مشیا ههنا علی قول زفر۔ لکن الذی رأیته فیما بیدی من الکتب هو المشی علی التقیید والحکم علیهم جمیعاً انهم اغفلوا المذهب ومشوا علی قول زفر فی غایة الاشکال۔

ان سے بھی برتر بزرگ امام برہان الدین محمود صاحبِ ذخیرہ کے خلاف فیصلہ کر دیا کہ یہ دونوں حضرات یہاں امام زفر کے قول پر چلے گئے ہیں۔ لیکن مجھے جو کتابیں دستیاب ہیں ان میں میں نے تقیید ہی پر مشی پائی اور سب کے خلاف یہ فیصلہ کرنا کہ یہ حضرات مذہب کو براہِ غفلت چھوڑ کر امام زفر کے قول پر چلے گئے، انتہائی مشکل امر ہے۔

وقد اسمعناك نصوص [1]المنیة و[2]الجوهرة و[3]التبیین و[4]معراج الدرایة بل و[5]الفتح و[6]العنایة و[7]النهایه وفی الجوهرة ایضاً لو سال الدم الی ما لان من الانف والانف مسدودة نقض اھ[1] وفیها ایضاً احترز بقوله حکم التطهیر عن داخل العین وباطن الجرح وقصبة الانف [2] اھ وفی [8]خزانة المفتین للامام السمعانی رامزا علی مافی نسختی خ للخلاصة اذا دخل اصبعه فی انفه فدمیت اصبعه ان نزل الدم من قصبة الانف نقض وانکان من داخل الانف لا [3] اھ

ہم (۱) منیہ (۲) جوہرہ (۳) تبیین (۴) معراج الدرایہ (۵) بلکہ فتح القدیر (۶) عنایہ (۷) اور نہایہ کی عبارتیں پیش کر چکے ہیں اور جوہرہ میں دو یہ عبارتیں اور ہیں۔: (ا) اگر ناک بند ہے اور خون ناک کے نرم حصے تک بہہ آیا تو وضو ٹوٹ گیا۔ (ب) حکمِ تطہیر کہہ کر آنکھ کے اندونی حصے، زخم کے اندونی حصے اور ناک کے بانسے سے احتراز کیا ہے اھ۔
(۸) امام سمعانی کی خزانۃ المفتین میں جیسا کہ میرے نسخے میں ہے خلاصہ کے حوالہ کے لئے خ کا رمز دے کر نقل کیا ہے" ناک میں انگلی ڈالی، انگلی خون آلود ہو گئی، اگر خون ناک کے بانسے سے اترا ہے تو ناقض اور اگر داخلی حصے سے اُترا ہے تو نہیں" اھ

---

[1] الجوہرۃ النیرہ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۹

[2] الجوہرۃ النیرہ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۹

[3] خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء (قلمی) ۱/ ۴

و۹فیها رامزا ن للنوازل الرعاف اذا نزل الی مالان من الانف نقض [1] اھ

وفی ۱۰جامع الرموز اذ انزل الدم الی الانف فسد مالان منه حتی لاینزل فانه لاینقض [2] اھ

وقال ۱۱"الامام الاجل محمود فی الذخیرة علی ما نقل عنها فی الحلیة وعن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه انه ادخل اصبعه فی انفه فلما اخرجه رأی علی انملته دما فمسح ثم قام فصلی وتاویله عندنا اذا بالغ حتی جاوز مالان من انفه الی ماصلب وکان الدم فیما صلب من انفه وکان قلیلا بحیث لوترکه لاینزل الی موضع اللین فمثله لیس بناقض [3] اھ

و۱۲"کذلك صرح به الامام الشهید ناصر الدین محمدبن یوسف الحسینی فی الملتقط قال فی ۱۳"الهندیة لونزل الدم من الرأس الی موضع یلحقه حکم التطهیر من الانف والاذنین نقض الوضوء کذا فی المحیط

(۹) اور اسی میں نوازل کے لئے ن کا رمز لگا کر نقل کیا ہے "جب نرم حصے تک اترآئے تو ناقض ہے "اھ

(۱۰) اور جامع الرموز میں ہے : "خون ناک کی طرف اترا تو نرم حصے کو کسی چیز سے بند کر دیا تاکہ اس میں نہ اترآئے تو ایسی صورت میں وضو نہ ٹوٹے گا اھ "

(۱۱) امام محمود ذخیرہ میں فرماتے ہیں جیساکہ حلیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے : "حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ناک میں انگلی ڈال کر نکالی تو پَورے پر خون نظر آیا اسے پونچھ دیا پھر اٹھ کر نماز ادا کی ، ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انگلی ناک کے اندر داخل کرنے میں مبالغہ کیا یہاں تک کہ نرم حصے میں خون تھا اور اتنا قلیل تھا کہ چھوڑ دینے پر نرم حصے تک نہ اُترتا تو ایسی صورت میں وہ خون ناقض نہیں "اھ

(۱۲) اسی طرح امام شہید ناصر الدین محمد بن یوسف حسینی نے ملتقط میں اس کی صراحت فرمائی۔

(۱۳) ہندیہ میں ہے "اگر خون سر سے ناک یا کانوں کی ایسی جگہ تک اُترآیا جسے پاک کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وضو ٹوٹ گیا۔ ایسا ہی محیط میں ہے،

[1] خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء (قلمی) ۱/ ۴

[2] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۴

[3] الذخیرۃ

والموضع الذی یلحقه حکم التطهیر من الانف مالان منه کذا فی الملتقط [1] اھ

اور ناک کی وہ جگہ جسے پاک کرنے کا حکم ہوتا ہے اس کا نرم حصہ ہے۔ ایسا ہی ملتقط میں ہے اھ۔

و۱۴قال الامام الاجل فقیه النفس فی الخانیة لو نزل الدم من الرأس الی مالان من الانف ولم یظهر علی الارنبة نقض الوضوء [2] اھ

(۱۴) امام جلیل فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں: خون اگر سر سے ناک کے نرم حصے تک اتر آیا اور بانسے کے اوپر نہ ہوا تو وضو ٹوٹ گیا اھ

۱۵وقال البرجندی مستشکلا عبارة النقایة سال الی مایطهر مانصه یخدشه انه اذا خرج الدم من اقصی الانف وسال حتی بلغ مالان منه ولم یسل علیه ینبغی علی هذا ان یکون ناقضا لانه خرج الی مایطهر وسال ولیس کذلك الا ان یقال المراد من النجس النجس بالفعل ومثل هذا الدم لیس بنجس بالفعل اویقال المراد انه سال بعد الخروج الی مایطهر علی ماهو المتبادر من العبارة [3] اھ

(۱۵) برجندی نے عبارت نقایہ "سال الی مایطھر، ایسی جگہ بہا جس کی تطہیر ہوتی ہے" پر اشکال پیش کرتے ہوئے کہا: یہ اس بات سے مخدوش ہو رہی ہے کہ جب خون ناک کے آخری سرے سے نکلا اور بہہ کر نرم حصے تک پہنچا اور اس پر نہ بہا تو اس بنیاد پر چاہئے کہ وہ ناقض ہو اس لئے کہ وہ ایسی جگہ کی طرف نکلا اور بہا جس کی تطہیر ہوتی ہے حالاں کہ وہ ناقض نہیں ہے مگر یہ کہا جائے کہ نجس سے مراد نجس بالفعل ہے اور ایسا خون بالفعل نجس نہیں یا یہ کہا جائے کہ وہ نکلنے کے بعد ایسی جگہ کی طرف بہا جس کی تطہیر ہوتی ہے جیسا کہ عبارت سے متبادر ہے اھ۔

و۱۶قال العلامة مولی خسرو فی الدرر قوله الی مایطهر احتراز عما اذا سال الدم الی مافوق مارن الانف بخلاف ما اذا سال الی المارن لان الاستنشاق

(۱۶) علامہ مولی خسرو نے درر الحکام میں فرمایا: عبارت متن "الی ما یطھر" میں اس صورت سے احتراز ہے جب کہ خون ناک کے نرمے سے اوپر تک بہہ آئے بخلاف اس صورت کے کہ جب نرمے

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱

[2] فتاوی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فیما ینقض الوضوء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸

[3] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱

فی الجنابۃ فرض[1] اھ "**اقول:** والعجب ف۲ من العلامۃ الجلیل ابی الاخلاص حسن بن عمار الشرنبلالی حیث حاول فی غنیتہ تحویل ھذا التصریح الی مااختارہ تبعا للفتح والبحر من ان الحکم یعم الندب حیث قال فی مراقیہ"السیلان فی غیر السبیلین بتجاوز النجاسۃ الی محل یطلب تطھیرہ ولو ندبا فلا ینقض دم سال داخل العین بخلاف ماصلب من الانف[2] اھ فقال رحمہ اللہ تعالٰی قولہ عما اذا سال الدم الی مافوق مارن الانف یعنی اقصاہ لاماقریب من الارنبۃ فان غسلہ مسنون فینتقض الوضوء بسیلان الدم فیہ[3] اھ	تک بہہ آئے اس لئے کہ استنشاق جنابت میں فرض ہے"اھ **اقول:** علامہ جلیل ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنے حاشیہ غنیہ ذوی الاحکام میں اس کی تصریح کو فتح اور بحر کی تبعیت میں اپنے اختیار کردہ اس مسلک کی طرف پھیرنے کی کوشش کی ہے کہ حکم، ندب کو بھی شامل ہے کیونکہ انہوں نے مراقی الفلاح میں لکھا ہے : "سبیلین کے علاوہ میں سیلان کا معنی یوں ثابت ہو گا کہ نجاست ایسی جگہ تجاوز کر جائے جس کی تطہیر مطلوب ہوتی ہے اگرچہ ندب کے طور پر ہو تو آنکھ کے اندر بہنے والا خون ناقض نہیں بخلاف اس کے جو ناک کے سخت حصے میں بہے اھ تو وہ عبارت درر کے تحت غنیہ میں یوں لکھتے ہیں : "ان کا قول"اس صورت سے احتراز ہے جب خون ناک کے نرمہ سے اوپر تک بہہ آئے"اس سے مراد آخری سرا ہے وہ نہیں جو نرم حصے سے قریب ہے کیونکہ اس کا دھونا مسنون ہے تو اس کے اندر خون بہنے سے وضو ٹوٹ جائیگا"اھ

ف۲: تطفل علی العلامۃ شرنبلالی

[1] الدررالحکام شرح غررالاحکام کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۸۷

[3] غنیۃ ذوی الاحکام علی ہامش دررالحکام کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

وانت تعلم ان هذا تبديل لاتاويل وبالجملة عامة الكتب على ماترى نعم فى الخلاصة ان رعف فنزل الدم الى قصبة انفه نقض وضوءه [1] اه وفى البزازية نزول الرعاف الى قصبة الانف ناقض [2] اه وظاهره كما قدمنا يعم ماصلب لكن البزازية كانها خلاصة الخلاصة كما يظهر على من طالعهما واذا كان فى الخلاصة مانقل عنه فى خزانة المفتين على مافى نسختى ظهر مرادها لكن لم اجده فى نسختى الخلاصة وقد وجدت نسخها مختلفات بنقص و زيادة قليلا وتقديم وتاخير كثير افالله تعالى اعلم۔

ولعلك تقول ماالذى تحصل تلك النقول والام اٰل الامر فى اختلاف البحر والنهر وهل ثمه مايكشف الغمه۔ [۱۰۳] **اقول**: كان باب التوفيق مفتوحا كما اشرنا الى بعضه لولا ان مع البحر رواية الاتقانى

ناظر پر عیاں ہے کہ یہ تبدیل ہے تاویل نہیں ----- الحاصل عامہ کتب تقیید پر ہیں جیسا کہ سامنے ہے، ہاں خلاصہ میں یہ لکھا ہے: "اگر نکسیر پھوٹی اور خون ناک کے بانسے تک اُتر آیا تو وضو ٹوٹ گیا" اھ

اور بزازیہ میں ہے: ناک کے بانسے تک نکسیر اتر آنا ناقض وضو ہے اھ "ان عبارتوں کا ظاہر جیسا کہ ہم نے پہلے بھی کہا سخت حصے کو بھی شامل ہے لیکن بزازیہ، خلاصہ کا گویا خلاصہ ہے جیسا کہ دونوں کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے اور جب خلاصہ میں وہ عبارت ہے جو خزانۃ المفتین میں اس سے نقل ہوئی جیسا کہ خزانہ کے میرے نسخہ میں ہے تو خلاصہ کی مراد ظاہر ہے لیکن یہ عبارت خلاصہ کے میرے نسخے میں نہ ملی اور میں نے اس کے نسخے بہت مختلف پائے ہیں جن میں کہیں کہیں کمی بیشی کا فرق ہوتا ہے اور تقدیم وتاخیر کا فرق تو بہت ملتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

شاید آپ کہیں ان نقول کا حاصل اور بحر ونہر کے اختلاف میں انجام کار کیا ہوا؟ کیا یہاں ایسی کوئی صورت بھی ہے جس سے یہ مشکل حل ہو؟

اقول: تطبیق کا دروازہ تو کھلا ہوا تھا۔۔۔ جیسا کہ ہم نے کچھ تطبیق کا اشارہ بھی کیا۔۔ اگر بحر کی ہم نوائی میں اتقانی کی روایت

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۵

[2] الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۲

مع تبعية العناية وجزم الحلية وهو مفسر لايقبل التاويل ويقرب منه نص الفتح بتعميم الندب ومع النهر مااسلفنا من كثرة النصوص فى كلتا المسألتين القصر على الوجوب والتقييد بالمارن وفيها سبعة نصوص مفسرات اٰبيات عن التاويل كلام الذخيرة والملتقط والخزانة عن الخلاصة وثالث عبارات الجوهرة و البرجندى وجامع الرموز والدررفلا امكان للتطبيق والحمل على اختلاف الرواية ايسر من نسبة احد الفريقين الى الخطاء والغلط والغفلة و الشطط فالذى تحرر عندى ان ههنا عن ائمتنا الثلثة رضى الله تعالٰى عنهم روايتين رواية النقض بالسيلان فى ماصلب وان لم يصل الى مالان وهى التى عرفناهاباعتماد اتقان الاتقانى وعليها يجب تعميم الحكم الندب وهوالذى اختاره فى الفتح والحلية والبحر والمراق وتبعهم الطحطاوى و ردالمحتار والاخرى عدم النقض الا بالسيلان فيما لان وهى الرواية الشهيرة الشائعة فى الكتب الكثيرة وعليها يقتصر

نہ ہوتی جب کہ عنایہ نے بھی اس کی پیروی کی ہے اور حلیہ نے اس پر جزم کیا ہے یہ ایسی مفسَّر ہے جس میں تاویل نہیں ہو سکتی۔۔۔ اس سے قریب ندب کو شامل کرنے میں فتح کی تصریح ہے اور نہر کی موافقت میں وجوب پر اکتفا اور نرمہ کی تقیید دونوں ہی مسئلوں میں نصوص کی وہ کثرت ہے جو ہم پیش کر چکے، ان میں سات نصوص مفسَّر ناقابل تاویل ہیں عبارات [1]ذخیرہ، [2]ملتقط، [3]خزانۃ المفتین عن الخلاصہ، [4]جوہرہ کی تیسری عبارت، [5]برجندی، [6]جامع الرموز، [7]درر کی عبارتیں تو تطبیق کا کوئی امکان نہیں اب ایک فریق کی جانب غلطی وخطا اور زیادتی و غفلت کی نسبت کرنے سے آسان یہ ہے کہ اختلافِ روایت مان لیا جائے تو میرے نزدیک واضح بات یہ ہے کہ یہاں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے دو روایتیں ہیں ایک روایت یہ کہ سخت حصے کے اندر پہنچنے سے وضو ٹوٹ جائیگا اگرچہ نرم حصے تک نہ پہنچے ---- یہ وہ روایت ہے جو اتقانی کے اتقان اور پختہ کاری پر اعتماد سے ہمیں معلوم ہوئی، اس کی بنیاد

الحکم علی الوجوب ولایبقی داع اصلا الی تعمیم الندب وھو الذی مشی علیه الاکثرون فاذن الثانی اکثرو اشھر واظھر وایسر غیر ان مراعاۃ الاول احوط کما قال السید الطحطاوی فی حاشیة الدر بعد نقل کلامی البحر والنھر"اقول مافی البحر احوط فتامل [1] اھ وصورۃ السیلان فیما اشتد مع عدم النزول الی المارن نادرۃ لاعلینا ان نعمل فیھا بالاحوط فلذا جنحت الیه جنوحا ماتبعا لھؤلاء المحققین الجلة الکرام۔

[۱۰۴] **اقول:** والثانی و ان ظھر وجھه فان الخروج الی ظاھر البدن شرط بالاتفاق قال صدرالشریعة المعتبر الخروج الی ما ھو ظاھر شرعا [2] اھ وما صلب من الانف داخل فی الداخل خارج عن الخارج بالاتفاق ولذا لم یجب تطھیرہ فی الغسل ایضا فالاول ایضاله وجه وذلك انا لما رأینا الشرع ندب الی غسله فی الغسل والوضوء

پر حکم میں ندب کو بھی شامل کرنا ضروری ہے اسی کو فتح القدیر، حلیہ، البحرالرائق اور مراقی الفلاح میں اختیار کیا اور ان ہی کا طحطاوی اور ردالمحتار نے اتباع کیا، دوسری روایت یہ کہ جب تک نرم حصے میں نہ بہے وضو نہ ٹوٹے گا یہی روایت کثیر کتابوں میں عام اور مشہور ہے اس کی بنیاد پر حکم وجوب تک محدود رہے گا اور ندب کو شامل کرنے کا بالکل کوئی داعی نہ رہ جائے گا۔ اسی پر اکثر حضرات چلے ہیں، ایسی صورت میں ثانی اکثر، اشہر، اظہر اور ایسر ہے مگر یہ کہ اول کی رعایت احوط ہے جیسا کہ سیّد طحطاوی نے حاشیہ در مختار میں بحر و نہر کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا: میں کہتا ہوں جو بحر میں ہے وہ احوط ہے، تو تاَمّل کرو اھ اور نرمے تک خون آئے بغیر صرف سخت حصے میں بہے یہ صورت بہت کم پیش آنیوالی ہے اس میں احوط پر عمل کرلینا کچھ ضروری نہیں اسی لئے ان بزرگ محققین کی پیروی میں اس کی جانب میرا کچھ میلان ہوا۔

اقول: ثانی کی وجہ تو ظاہر ہے ---- کیونکہ ظاہر بدن کی طرف نکلنا بالاتفاق شرط ہے --- صدر الشریعہ فرماتے ہیں: معتبر اس حصہ بدن کی طرف نکلنا ہے جو شرع میں ظاہر قرار دیا گیا ہے اھ ----- اور ناک کا سخت حصہ بالاتفاق داخلِ بدن میں داخل اور خارج بدن سے خارج ہے اسی لئے غسل میں بھی اسے پاک کرنا واجب نہیں ------ مگر اول کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ جب ہم نے دیکھا کہ شریعت نے غسل اور وضو میں اس کا دھونا مندوب رکھا ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۷۷

[2] شرح الوقایۃ کتاب الطہارۃ کون المسائل الی مایطہر ناقضا مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۷

علمنا ان له وجها الی الظاھر والالم یندب غسله کسائر الداخلات فاذا وجد السیلان فیه اوجبنا الوضوء للاحتیاط نظر الی ذلك الوجه ھذا ماظھر لی۔ واللّٰه تعالٰی اعلم

اور اس کی دعوت وترغیب دی ہے تو اس سے ہمیں علم ہوا کہ اس کا ایک رُخ ظاہر کی جانب بھی ہے ورنہ اس کا دھونا مندوب نہ ہوتا، جیسے دیگر داخلی حصوں کا حال ہے۔ تو جب اس سخت حصے میں سیلان پایا جائے تو اسی پر نظر کرتے ہوئے احتیاطًا ہم نے وضو واجب کہا یہ مجھ پر ظاہر ہوا اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔

وبالجملة انا العبد الضعیف اجدنی امیل الی القول الثانی من حیث الدرایة وشھرة الروایة معالکن لاجل الاحتیاط وتلك الروایة الھائلة القائلة ان الوجوب ثمه باتفاق ائمتنا الثلثة رضی اللّٰه تعالٰی عنھم احببت میلاما الی الاول وعلی توفیق اللّٰه المعول۔

الحاصل میں بندہ ضعیف اپنے کو درایت اور شہرت روایت دونوں کی وجہ سے قول ثانی کی طرف مائل پاتا ہوں لیکن احتیاط کی وجہ سے اور اس عظیم روایت کی وجہ سے، جس میں یہ ہے کہ یہاں وجوب پر ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق ہے میں نے اول کی طرف مائل ہونا پسند کیا اور خدا ہی کی توفیق پر بھروسہ ہے۔

ثم [45] **اقول**: ظھر لی الأن بتوفیق المنان علی تعمیم الحکم للندب نقصان **احدھما** [ف۱] تظافر نصوص المذھب ان نزول [ف۲] شیئ الی الفرج الداخل لاینقض طھرا قط مالم یجاوزه الی الفرج الخارج مع

ثم اقول: ندب کے حکم کو عام کرنے پر خدا کی توفیق سے مجھ پر ابھی دو نقص منکشف ہوئے:

نقصِ اوّل: فرج داخل میں خون حیض وغیرہ کوئی نجاست اُتر آئے تو ناقضِ طہارت نہیں جب تک اس سے بڑھ کر فرج خارج تک نہ آجائے حالانکہ فرج داخل کو بطور ندب تطہیر کا حکم ہوتا ہے۔

ف۱: [45] تطفل علی الفتح والحلیة والبحر والمراقی وط وش۔

ف۲: مسئلہ: فرج داخل میں خون حیض وغیرہ کوئی نجاست اتر آئے جب تک اس کے منہ سے متجاوز کرکے فرج خارج میں نہ آئے گی غسل یا وضو کچھ واجب نہ ہوگا۔

ان الفرج ف الداخل قد لحقه حکم التطهیر ندبا۔ وذلك حدیث ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها فی الصحیحین وغیرهما ان امرأة من الانصار سألت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن غسلها من المحیض فامرها صلی الله تعالٰی علیه وسلم کیف تغتسل ثم قال خذی فرصة من مسك فتطهری بها [1] (وهو بفتح المیم ای من ادیم ورجحوه علی روایة الکسر وفی روایات فرصة ممسکة ای خرقة خلقة قد امسکت کثیرا قال الامام التور پشتی هذا القول امتن واحسن واشبه بصورة الحال ولو کان المعنی علی انها مطیبة لقال فتطیبی ولانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم امرها بذلك لازالة الدم	اس بارے میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث صحیحین اور دوسری کتابوں میں آئی ہے کہ انصار کی ایک عورت نے اپنے غسل حیض کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال کیا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ کس طرح غسل کرے، پھر فرمایا: خذی فرصۃ من مسک فتطہری بہا (مَسک میم کے زبر کے ساتھ یعنی صاف کیا ہوا چمڑا، حضرات علماء نے زیر والی روایت میں فرصۃ ممسکۃ ہے یعنی کوئی پرانا ٹکڑا جو زیادہ دنوں تک روکا گیا ہو امام تورپشتی نے فرمایا: یہ قول زیادہ مضبوط، بہتر اور صورتِ حال سے زیادہ مناسب ہے اگر یہ معنی ہو کہ وہ ٹکڑا خوشبو آلود ہو تو فرماتے فتطیبی اس کے ذریعہ خوشبو مل لو، دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم پاک کرنے کے وقت خون دور کرنے کے لئے دیا، اگر یہ حکم بُو دور کرنے کے لئے ہوتا تو خون صاف

ف: **مسئلہ**: زن حائضہ کو مستحب ہے کہ بعد فراغ حیض جب غسل کرے ایک پرانے کپڑے سے فرج داخل کے اندر سے خون کا اثر صاف کرلے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الحیض باب دلک المراۃ نفسہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵، صحیح مسلم کتاب الحیض باب استحباب استعمال المغتسلۃ من الحیض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰، مشکوۃ المصابیح باب الغسل الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۸

عند التطھیر ولو کان لازالۃ الرائحۃ لامربھا بعد ازالۃ الدم وتمامہ فی المرقاۃ[1] لمولانا علی القاری)۔
فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تطھری بھا قالت کیف اتطھر بھا فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبحان اللہ تطھری بھا ، قالت ام المؤمنین فاجتذبتھا الیّ فقلت تتبغی بھا اثر الدم[2] اھ ای اجعلیھا فی الفرج وحیث اصابہ الدم للتنظیف[3]
فقد امر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المرأۃ تغتسل من محیضھا ان تطھر داخل فرجھا وتزیل عنہ الدم بفرصۃ ومعلوم ان حکم التطھیر یعم التطھیر من النجاسۃ الحقیقیۃ کالحکمیۃ وقد مر التنصیص بہ فی قول الفتح فیما لان من الانف

کر لینے کے بعد اسے کرنے کا حکم دیتے پوری بات مولانا علی قاری کی مرقاۃ میں ہے)۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چمڑے کا کوئی ٹکڑا لے کر اس سے پاکی حاصل کرو، عرض کیا: کیسے پاکی حاصل کروں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سبحان اللہ، اس سے پاکی حاصل کرو۔ امّ المومنین فرماتی ہیں: میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچا اور کہا اس کے ذریعہ خون کے نشان تلاش کروا ھ یعنی اندرون فرج اور دوسری جگہ جہاں خون لگ گیا ہو اس سے صاف کرو،
تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض سے غسل کرنے والی عورت کو یہ حکم دیا کہ داخل فرج کو پاک کرو اور کسی ٹکڑے کے ذریعہ اس سے خون دور کرے اس سے معلوم ہوا کہ تطہیر کا حکم، نجاستِ حکمیہ کی طرح نجاستِ حقیقیہ سے تطہیر کو بھی شامل ہے، اس سے متعلق فتح کی صراحت بھی گزر چکی اس میں ناک کے نرمہ سے

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ التورپشتی تحت الحدیث ۴۳۷ المکتبۃ الحنفیۃ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰، کتاب المیسر شرح مصابیح السنۃ تحت حدیث ۲۸۱ مکتبہ نزار مصطفٰی الباز مکۃ المکرمہ ۱/ ۱۵۲

[2] صحیح البخاری کتاب الحیض باب دلک المرأۃ نفسہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۔ صحیح مسلم کتاب الحیض باب استحباب استعمال للغسلۃ من الحیض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰، مشکوۃ المصابیح باب الغسل قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۸

[3] مرقاۃ المفاتیح باب الغسل تحت الحدیث ۴۳۷ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۲

انه يجب غسله فی الجنابة ومن النجاسة فينقض [1] اھ وفی الغنية او فی ازالة النجاسة الحقيقية [2] اھ۔

فی البحر مرادھم ان يتجاوز الی موضع تجب طھارته اوتندب من بدن وثوب ومكان [3] اھ

ولا شك ان مسح الدم من باطن الفرج لفرصة ليس الا لازالة النجاسة الحقيقية ولذا عبر صلی الله عليه وسلم عنه بالتطهير فحكم التطهير لايختص بالماء علا انا علمنا ان نظر الشارع ھھنا الی ازالة اثر الدم من الباطن فلاشك ان الماء ابلغ فيه لاسيما بعد المسح بالخرقة كما عرف فی الاستنجاء بالماء بعد المسح بالحجر ولذا ف اتت الرواية عن محرر المذهب محمد رحمه الله تعالٰی فی اغتسال المرأة انها ان لم تدخل اصبعها

متعلق ہے کہ اسے جنابت میں اور نجاست سے دھونا واجب ہے تو اس میں خون اتر آنا ناقض وضو ہے اھ۔ غنیہ میں ہے: یا نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں (حکمِ تطہیر ہو) اھ۔

البحر الرائق میں ہے ایسی جگہ تجاوز کر جائے جس کی پاکی واجب یا مندوب ہے وہ جگہ بدن کی ہو یا کپڑے کی یا خارجی جگہ اھ۔

اور اس میں شک نہیں کہ باطن فرج سے کسی ٹکڑے سے خون پونچھنا نجاست حقیقیۃً دور کرنے ہی کے لئے ہے، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تطہیر سے تعبیر فرمائی تو حکم تطہیر پانی ہی سے خاص نہیں علاوہ اس کے کہ جب ہمیں معلوم ہے کہ نظرِ شارع یہاں اندر سے خون کا اثر دور کرنے پر ہے تو پانی یقیناً اس میں زیادہ کارگر ہوگا، خصوصًا پارچہ سے پونچھنے کے بعد، جیسا کہ پتھر سے پونچھنے کے بعد پانی سے استنجاء کے بارے میں معلوم ہے۔ اسی لئے محررِ مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے عورت کے غسل کے بارے میں روایت آئی کہ اگر وہ فرج میں انگلی نہ لے جائے تو تنظیف نہ ہوگی۔

ف: غسل میں عورت کو مستحب ہے کہ فرج داخل کے اندر انگلی ڈال کر دھولے ہاں واجب نہیں بغیر اس کے بھی غسل اتر جائے گا۔

---

1 فتح القدیر کتاب الطہارۃ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۱/ ۳۴

2 غنیۃ المستملی کتاب الطہارۃ فصل فی النواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱

3 البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱

فی فرجہا فلیس بتنظیف کما فی ردالمحتار[1] عن التاترخانیۃ، وفہم منہ الامر بالوجوب فجعل المختار خلافہ قال الشامی وھو بعید[2] اھ قلت: فانہ ان اراد الوجوب قال لیس بطہارۃ ولم یقلہ وانما قال لیس بتنظیف وما فی الدر وغیرہ لاتدخل اصبعہا فی قلبہا بہ یفتی[3] فمرادہ نفی الوجوب کمافی ردالمحتار[4] عن السید الحلبی عن العلامۃ الشرنبلالی لاجرم ان قال فی الفتح تغسل فرجہا الخارج لانہ کالفم ولا یجب ادخالہا الاصبع فی قبلہا وبہ یفتی[5] اھ ونفی الوجوب لاینفی الندب۔ **والاخر وھو الاقوی** ف والاظہر۔	جیسا کہ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے نقل ہے اور صاحبِ تاتارخانیہ نے اس سے وجوب سمجھا اور مختار اس کے خلاف کو بتایا۔علامہ شامی نے کہا: وجوب کا معنی بعید ہے اھ۔ **قلت**:اس لئے کہ اگر وجوب مراد ہوتا تو یہ کہتے کہ طہارت نہ ہوگی۔یہ انہوں نے نہ کہا بلکہ صرف یہ کہا کہ تنظیف نہ ہوگی اور درمختار وغیرہ میں جو لکھا ہے کہ:اپنی شرمگاہ میں انگلی نہ لے جائے گی،اسی پر فتوی ہے اس کا مقصود وجوب کی نفی ہے یعنی اس پر یہ واجب نہیں ہے جیسا کہ ردالمحتار میں سید حلبی سے نقل ہے وہ علامہ شرنبلالی سے ناقل ہیں اسی لئے فتح میں ہے: عورت اپنی فرج خارج کو دھوئے اس لئے کہ اس کا حکم منہ کی طرح ہے اور اس کا شرمگاہ میں انگلی داخل کرنا واجب نہیں اور اسی پر فتوی ہے اھ اور وجوب کی نفی سے مندوبیت کی نفی نہیں ہوتی۔ **نقض دیگر**۔۔۔زیادہ قوی اور زیادہ ظاہر ہے۔

ف: تطفل اخر علی العلماء الستۃ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۳
[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۳
[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۸
[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۳
[5] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۵۰

۲۰۶ **اقول:** اجمعنا ف۱ ان خروج شیئ الی الشرج لاینقض طھرا مالم یبرز وقد لحقہ حکم التطھیر ندبا فان ف۲ السنۃ للمستنجی ان یجلس افرج مایکون ویرخی کی یظھر فیطھر مایبقی کامنا لولا الانفراج والارخاء۔ قال فی الحلیۃ اذا کان الاستنجاء بالماء من الغائط فلیجلس کأفرج مایکون مرخیا نفسہ کل الارخاء لیظھر مابدا خلہ من النجاسۃ فیزیلہ وان کان ف۳ صائما ترك تکلف الارخاء [1] وقد بین المقدمتین معافی الدر المختار باوجز لفظ حیث قال فی اٰخر فصل الاستنجاء	اقول: اس پر ہمارا اجماع ہے کہ مخرج کی اندونی سطح تک نجاست کا آجانا، ناقضِ طہارت نہیں جب تک کنارے پر ظاہر نہ ہو حالاں کہ ندبًا اسے حکمِ تطہیر لاحق ہے اس لئے کہ پاخانے سے استنجا کرنے والے کے لئے سنّت یہ ہے کہ جہاں تک ہوسکے پاؤں کشادہ کرکے اور ڈھیلا ہو کر بیٹھے اور ڈھیلا پن نہ ہونے کی صورت میں جو کچھ چھپا رہتا سب ظاہر ہو کر پاک ہو جائے۔ حلیہ میں ہے: "جب پاخانہ سے استنجاء پانی کے ذریعہ کرنا ہو تو جہاں تک ہوسکے کشادہ ہو کر، اپنے کو پورے طور سے ڈھیلا کرکے بیٹھے تاکہ اندر رہ جانے والی نجاست ظاہر ہو جائے اور اسے زائل کردے، اگر روزہ دار ہو تو ڈھیلا ہونے کا تکلف ترک کردے اھ" ان دونوں باتوں کو در مختار میں مختصر ترین لفظوں میں بیان کیا ہے اس طرح کے کہ فصل استنجاء کے آخر میں کہا: "باوضو

ف۱: **مسئلہ:** نجاست اگر مخرج کی اندرونی سطح تک آجائے وضو نہ جائے گا جب تک کنارے پر ظاہر نہ ہو۔

ف۲: **مسئلہ:** بڑے استنجے میں سنت یہ ہے کہ خوب پاؤں پھیلا کر بیٹھے اور سانس سے نیچے کو زور دے کہ جتنا حصہ مخرج کا ظاہر ہوسکے ظاہر ہو کر سب نجاست دھل جائے۔

ف۳: **مسئلہ:** یہ مسنون طریقہ کہ بڑے استنجے میں مذکور ہوا روزہ دار کے لئے نہیں وہ ایسا نہ کرے۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

استنجی ف المتوضیئ ان علی وجه السنة بان ارخی انتقض والا لا [1] اھ فافاد بالجملة الاولی ان غسل داخل الدبر سنة و بالاخیرة ان النزول الیه غیرناقض مالم یبرز و لا اعلم فی ھاتین خلافا لاحد من علمائنا فاستقر بحمد الله تعالٰی عرش التحقیق علی ماکان علیه الاکثرون کما ھو القاعدة المقررة ان الصواب مع الاکثر وقد تبین لك مما تقرر **فوائد:**	نے استنجاء کیا اگر بطور سنت ہو اس طرح کہ ڈھیلا رہے، تو وضو ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں اھ۔ پہلے جملے سے افادہ کیا کہ مقام کے اندرونی کنارے کو دھولینا سنت ہے اور بعد والے جملے سے یہ بتادیا کہ وہاں نجاست اُتر آنے سے وضو نہ ٹوٹے گا جب تک کہ کنارے پر ظاہر نہ ہو، میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں ہمارے علماء میں سے کسی کا کوئی اختلاف ہے تو بحمدہٖ تعالٰی عرش تحقیق اسی پر مستقر ہوا جس پر اکثر ہیں جیسا کہ مقرر قاعدہ ہے کہ درستی و صواب اکثر کے ساتھ ہے تقریر ماسبق سے چند **فوائد** روشن ہوئے:
(۱) مرادھم بحکم التطھیر ھو الوجوب وکلامھم مناف لزیادة الندب کما افاد فی النھر لالما قال بل لما افاض علی المھیمن المتعال۔	(۱) حکم تطہیر سے ان حضرات کی مراد وجوب ہے اور ان کا کلام اضافہ ندب کے منافی ہے جیسا کہ نہر میں افادہ کیا اسکی وجہ وہ نہیں جو نہر میں بیان ہوئی بلکہ وہ جس کا میرے اوپر رب نگہبان و برتر نے فیضان کیا۔
(۲)لایشترط فی النقض بما من غیر السبیلین الاالخروج بالسیلان علی ظاھر البدن ولو بالقوة فلا یستثنی من	(۲) غیر سبیلین سے نکلنے والی نجاست سے وضو ٹوٹنے میں صرف خروج کی شرط ہے اس طرح کہ ظاہر بدن پر اس کا سیلان ہو اگرچہ بالقوہ ہو، تو بدن کے ظاہر حسّی

ف: **مسئلہ:** بڑا استنجاء ڈھیلوں سے کرکے وضو کرلیا اب یاد آیا کہ پانی سے نہ کیا تھا اگر پانی سے استنجاء اس مسنون طریقہ پر پاؤں پھیلا کر سانس کازور نیچے کو دے کر وضو کرے گا جاتا رہے گا اور ویسے ہی کرے گا تو ہمارے نزدیک نہ جائے گا۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

الظاھر حسا الا داخل عــــه العین لانه	سے صرف اندرونِ چشم کا استثناء ہوگا، کیونکہ

عــــه: والیه یشیر کلام الفاضل یوسف چلپی تلمیذ العلامة مولی خسرو فی ذخیرة العقبی حیث قال الخروج الی مایطهر هو الانتقال من الباطن الی مایجب تطهیرہ وان یصل الیه ولم یتلوث هو به، والمقصود من اعتبار قید الی مایطهر الاحتراز عن الخروج الی مایعد من ظاهر البدن حسا ولا یعد منه شرعا لحکمة شرعیة کداخل العین لانه لایجب تطهیرہ فالذی یخرج من بدن الانسان الی باطن العلقة والقراد خارج الی مایجب تطهیرہ لا بمعنی انه لم یبق فی باطنه الحقیقی الذی هو تحت الجلدة وباطنه الشرعی الذی هو داخل العین [1] اھ فالکان فی قوله اولا کداخل العین کاف الاستقصاء بدلیل اٰخر کلامه وفیه من الفوائد ان المراد الحکم الوجوب منه۔

اسی کی طرف علامہ مولٰی خسرو کے تلمیذ فاضل یوسف چلپی کی عبارت ذخیرۃ العقبٰی سے بھی اشارہ ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں: خروج الٰی مایطہر" یہ ہے کہ اندر سے ایسی جگہ کی طرف منتقل ہو جس کی تطہیر واجب ہے اگرچہ اس جگہ تک نہ پہنچے اور وہ اس سے آلودہ نہ ہو "الٰی مایطہّر" کی قید کے ذریعہ اس جگہ کی طرف خروج سے احتراز مقصود ہے جو حسًّا ظاہر بدن سے شمار ہو اور کسی شرعی حکمت کی وجہ سے ظاہر بدن سے نہ شمار ہو جیسے آنکھ کا اندرونی حصہ کیوں کہ اس کی تطہیر واجب نہیں تو بدن انسان سے نکل کر جونک اور کلّی کے پیٹ تک منتقل ہونے والا خون ایسی چیز کی طرف نکلنے والا ہے جس کی تطہیر واجب ہے نہ اس معنی کے لحاظ سے کہ وہ اپنے حقیقی باطن میں نہ رہا جو زیرِ جلد ہے اور نہ شرعی باطن میں رہا جو داخلِ چشم ہے اھ تو کاف ان کے پہلے لفظ کداخل العین میں کاف استقصا ہے جس پر دلیل ان کا آخر کلام ہے۔ اس کلام سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوتا ہے کہ حکم سے مراد وجوب ہے ۱۲منہ (ت)

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الطہارۃ نولکشور کانپور انڈیا ۱/۲۲

لیس من الظاھر شرعا اصلا ودخل المارن وخرجت القصبة وسیاتیك بعض مایتعلق بھذہ الفائدة فی التنبیه الخامس ان شاء الله تعالٰی وبقید القوة دخل مااذا افتصد فطار الدم ولم یتلوث رأس الجرح وما اذا ترب اواخذ بخرق اومص ف۱ علق اوقراد کبیر من دمه مالو خرج لسال ولم یبق ف۲ حاجة الی زیادة المکان فیما یطھرکما فعل فی الغنیة والبحر لادخال صورة الفصد فورد علیه مالو سال الی نھر او وقع علی عذرة اوجلد خنزیر الی غیر ذلك وسقطت ف۳ المنازعات التی کانت مستمرة من زمن الامام صدرالشریعة الی عھد السید الشامی فی قولھم سال الی مایطھر .و	یہ ظاہر شرعی تو بالکل ہی نہیں اور ناک کا نرم حصہ ظاہر بدن میں داخل رہااور سخت حصہ خارج ٹھہرا،اس فائدہ سے متعلق کچھ باتیں ان شاء اللہ تنبیہ پنجم میں آئیں گی اور بالقوہ کی قید لگانے سے وہ صورت داخل ہوگئی کہ جب فصد لگائی تو خون اُڑا اور سرِزخم آلودہ نہ ہوااور وہ صورت کہ خون پر مٹی ڈال دی یا کسی کپڑے میں جذب کرلیا یا کسی جونک یا بڑی کلّی نے اس کا اتنا خون چوس لیا کہ اگر خود نکلتا تو بہتااور مایطھر کے تحت بیرونی جگہ کا اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہی جیساکہ غنیہ اور بحر میں صورتِ فصد کو داخل کرنے کے لئے اضافہ کیا تھا تو اس پر ان صورتوں سے اعتراض ہوا جن میں خون جا کر کسی دریا میں بہا یا پاخانے پر یا خنزیر کی جلد پر گرایا اور ایسی کسی چیز پر پڑااور وہ سارے نزاعات ساقط ہوگئے جو امام صدر الشریعہ کے زمانے سے علامہ شامی کے زمانے تک لفظ "سال الی مایطھر" کے تحت چلے آرہے تھے۔اور

ف۱:**مسئلہ**:جونک یا بڑی کلّی بدن کو لپٹی،اگراتنا خون چوس لیاکہ خود نکلتا تو بہہ جاتا تو وضو جاتا رہے گااور تھوڑا چوسا یا چھوٹی کلّی تھی تو وضونہ جائے گا،یوں ہی کھٹمل یا مچھر کے کاٹے سے وضو نہیں جاتا۔

ف۲:تطفل علی الغنیة والبحر۔

ف۳:فصل منازعة طالت منذ مئین سنة۔

صارت [ف۱] العبارۃ الحسنة الصافیة الوافیة بحمد اللہ تعالٰی ما [۷۰] **اقول:** ناقضه من غیر السبیلین کل نجس خرج منه وفیه قوۃ سیلانه علی ماھو ظاھر البدن شرعاً۔	عمدہ، بے غبار، مکمل عبارت بحمدہٖ تعالٰی یہ ہوئی جو **میں کہتا ہوں**" ناقض طہارت غیر سبیلین سے ہو وہ نجس ہے جو اس سے نکلے اور اسکے اندر اس پر بہنے کی قوت ہو جو شرعاً ظاہر بدن ہے۔
(۳) [۸۰] لیس [ف۲] فی النزول الی ما صلب النقض روایة واحدۃ کما اوھم الاتقانی وتبعه من تبعه ولا عدم [ف۳] النقض روایة واحدۃ کما زعم النھر بل ھما روایتان والثانی اشھر واظھر۔	(۳) ناک کے سخت حصے کی طرف خون اتر آنے میں صرف یہی ایک روایت نہیں کہ وضو ٹوٹ جائے گا جیسا کہ علامہ اتقانی نے اپنے کلام سے یہ وہم پیدا کیا اور ان کی اتباع کرنے والوں نے ان کا اتباع کیا اور نہ یہی ایک روایت ہے کہ وضو نہ ٹوٹے گا جیسا کہ صاحبِ نہر کا خیال ہے۔ بلکہ یہ دونوں روایتیں ہیں اور ثانی زیادہ مشہور اور ظاہر ہے۔
(۴) [۹۰] لم [ف۴] تمش المنیة ولا الذخیرۃ علی قول زفر کما زعم المحقق فی الحلیة بل مشیا علی الروایة الشھیرۃ۔	(۴) منیہ اور ذخیرہ امام زفر کے قول پر گامزن نہیں جیسا کہ محقق حلبی کا حلیہ میں خیال ہے بلکہ دونوں روایت مشہورہ پر چلے ہیں۔
(۵) لاداعی لحمل الوجوب علی الثبوت کما ارتکب البحر بل ھو المراد علی اشھر الروایات۔	(۵) وجوب کو ثبوت پر محمول کرنے کا کوئی داعی نہیں جیسا کہ بحر نے اس تاویل کا ارتکاب کیا بلکہ اشہر روایات کے مطابق وجوب ہی مراد ہے۔
(۶) لامعنی لحمل القصبة فی کلام المعراج علی ماصلب کما فھم فی	(۶) کلامِ معراج میں "بانسے" کو سخت حصے پر محمول کرنے کا کوئی معنی نہیں جیسا کہ بحر میں

ف۱: افادۃ المصنف عبارۃ حسنة فی بیان الناقض من غیر السبیلین۔

ف۲: [۷۵] تطفل علی الاتقانی و من تبعه۔

ف۳: [۷۶] تطفل علی النھر الفائق۔

ف۴: [۷۷] تطفل علی الحلیة۔

البحر وجزم به فی منحة الخالق و ردالمحتار بل مرادہ ماْلان کما افاد فی النهر۔	سمجھا اور منحۃ الخالق و ردالمحتار میں اس پر جزم کیا بلکہ اس سے مراد نرم حصہ ہے جیسا کہ نہر میں افادہ کیا۔
(۷) وقع الخلط بین القولین والمشی علی روایتین مختلفتین فی العنایة وشیئ منه فی الفتح اما النهایة فاجبنا عنها جوابا نفیسا۔	(۷) عنایہ میں دونوں قولوں کے درمیان تخلیط اور دونوں روایتوں پر مشی واقع ہوئی اور اس میں سے کچھ فتح القدیر میں بھی ہے۔ لیکن نہایہ سے متعلق ہم ایک نفیس جواب دے چکے ہیں۔
(۸) لاوجه لحمل کلام الحدادی علی ماقال فی البحر بل هو ماش علی الروایة الشهیرة کما افصح عنه فی الجوهرة النیرة۔	(۸) حدادی کے کلام کو اس پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں جو بحر میں کہا، بلکہ وہ روایت مشہورہ پر جاری ہے جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں اسے صاف طور پر کہا۔
(۹) نفی ف۱ النقض فیما صلب لیس بمحض المفهوم کما فهم البحر علیه صرائح نصوص لامردلها۔	(۹) سخت حصے میں خون اترنے کی صورت میں وضو ٹوٹنے کی نفی محض مفہوم سے ثابت نہیں جیسا کہ بحر نے سمجھا بلکہ اس پر صریح ناقابل تردید نصوص موجود ہیں۔
(۱۰) لایجب حمل کلام الهدایة علی ما ذکر الاتقانی والعنایة بل له محمل صحیح علی الروایة الشهیرة ایضا من دون لزوم العبث والتکرار ذلك من فضل الله علینا والحمد لله العزیز الغفار۔	(۱۰) ہدایہ کی عبارت کو اتقانی اور عنایہ کے ذکر کردہ معنی پر محمول کرنا لازم نہیں بلکہ روایت مشہورہ پر بھی اس کا ایک صحیح مطلب ہے جس میں نہ عبث لازم آتا ہے نہ تکرار ہوتی ہے۔ یہ ہم پر خدا کا فضل ہے اور خدائے عزیز و غفار کا شکر ہے۔
الخامس ف۲ سبق الی خاطر بعض	**تنبیہ پنجم**: بعض متاخر شارحین و

ف۱: تطفل علی البحر۔

ف۲: تحقیق شریف فی المراد بما یلحقه حکم التطهیر۔

المتأخرین من الشراح والمحشین ان المراد بما یلحقه حکم التطہیر مایؤمر المکلف بایقاع تطہیرہ بالفعل۔

"**قلت**: ای علی فرض وقوع حدث او اصابة خبث اذ لولاہ نقض فصد المتوضئ لعدم خروجه الی ماکان مامورا بتطہیرہ بالفعل، فان جعل مامورا به بہذا الفصل کان دورا کما لا یخفی ویتفرع علیه انه ان تورم موضع من بدنه قدر کف مثلا وکان یضرہ اصابة الماء فانفجر من اعلاہ وسال علی الورم لاینقض مالم یجاوز موضع الورم لانه لایؤمر بایقاع تطہیرہ بالفعل لمکان الضرر۔

فی فتح الله المعین عن حاشیة العلامة نوح افندی "قال بعض الفضلاء فی شرح الوقایة یعنی ابن ملك یفہم من قوله سال الی مایطہر انه اذاکان له جراحة منبسطة بحیث یضر غسلها فان خرج الدم وسال علی الجراحة ولم یتجاوز الی موضع یجب غسله

محشین کو یہ خیال ہوا کہ "جسے حکم تطہیر لاحق ہے" سے مراد یہ ہے کہ مکلّف بالفعل جسے پاک کرنے کا مامور ہے۔

قلت: ان کا مطلب یہ ہے کہ بالفرض اس وقت کوئی حدث واقع ہو یا کوئی نجاست لگ جائے تو اسے بروقت اس کو پاک کرنے کا حکم ہو اس لئے کہ اگر یہ نہ مانیں تو باوضو شخص کا فصد لگوانا ناقضِ وضو نہ ہو کیوں کہ ایسی جگہ کی طرف خون کا نکلنا نہ ہوا جسے پاک کرنے کا بالفعل اسے حکم رہا ہو، اگر اسی فصد کے سبب اسے مامور مانیں تو دور لازم آئے گا جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔اسی خیال پر یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ اگر اس کے بدن کی کسی جگہ مثلاً ہتھیلی برابر ورم ہو اور اس پر پانی لگنا ضرر رساں ہو وہ ورم اوپر سے پھوٹا اور خون یا پیپ ورم پر بہا تو وہ ناقضِ وضو نہ ہو جب تک کہ جائے ورم سے تجاوز نہ کر جائے کیونکہ ضرر کی وجہ سے بروقت اسے اس جگہ کو پاک کرنے کا حکم نہیں ہے

فتح اللہ المعین میں حاشیہ علامہ نوح آفندی کے حوالے سے نقل ہے: "بعض فضلا یعنی ابن ملک نے عبارۃ شرح وقایہ سے متعلق کہا لفظ "سال الی مایطہر" اس جگہ کی طرف بہے جسے پاک کیا جاتا ہے" سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر کسی کو پھیلی ہوئی جراحت ہے جس کا دھونا مضر ہے خون نکلا اور جراحت کے اوپر بہا، کسی ایسی جگہ نہ بڑھا جسے دھونا واجب ہے تو وضو نہ ٹوٹے گا،

لاینقض الوضوء کذا فی المشکلات [1] اھ والیه یشیر کلامه ابیه السید علی حیث قال السید الازهری "المراد بحکم التطهیر وجوبه فی الوضوء والغسل ولو بالمسح لینتظم ما اذا کانت الجراحة منبسطة بحیث یضر غسلها فان خرج الدم وسال علی الجراحة ولم یتجاوزها الی موضع یجب غسله فانه ینقض لانه سال الی موضع یلحقه حکم التطهیر بالمسح علیه للعذر کذا بخط شیخنا وانظر حکم مالوضره المسح ایضا الخ [2] ثم نقل عن العلامة نوح افندی رد ما مر عن المشکلات بما سیاتی ان شاء الله تعالٰی ثم قال "وکلام القهستانی یشیر الی ما فی المشکلات ونصه نزل الدم من الانف فسد ما لان منه ولم ینزل منه شیئ اوتورم رأس الجرح فظهر به قیح اونحوه ولم یتجاوز الورم لم ینقض [3] الخ [۳۳] **اقول:** اولا ف ان کان فی هذا	ایسا ہی مشکلات میں ہے اھ ۔اسی کی طرف ان کے والد سید علی کے کلام سے بھی اشارہ ہو رہا ہے، سید ازہری فرماتے ہیں: حکمِ تطہیر سے مراد وجوبِ تطہیر وضو وغسل ہیں، اگرچہ مسح ہی کے ذریعہ ہو تاکہ اسے بھی شامل ہو جب جراحت پھیلی ہوئی ہو اس کے دھونے میں ضرر ہو اگر خون نکل کر جراحت پر بہا اور ایسی جگہ نہ بڑھا جسے دھونا واجب ہو تو یہ ناقض ہے کیونکہ یہ ایسی جگہ بہا جسے عذر کے باعث مسح کے ذریعہ پاک کرنے کا حکم لاحق ہے ایسا ہی ہمارے شیخ کی تحریر میں مرقوم ہے اس صورت کا حکم قابلِ غور ہے جس میں مسح بھی ضرر دیتا ہو الخ۔ پھر علامہ نوح آفندی سے مشکلات کے سابقہ مضمون کی تردید نقل کی، یہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی آئے گی پھر کہا: قہستانی کا کلام بھی مضمونِ مشکلات کی طرف اشارہ کر رہا ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ: ناک سے خون اُترا تو اس کے نرم حصے کو بند کر دیا اور اس سے کچھ نیچے نہ آیا، یا سرِ زخم میں ورم ہو گیا اس میں پیپ وغیرہ ظاہر ہوئی اور ورم سے آگے نہ بڑھی تو ناقض نہیں الخ۔ **اقول اولاً:** اگر اس کلام میں اس

ف: ۴۹ تطفل علی السید ابی السعود۔

1 فتح المعین کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۴۱

2 فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱

3 فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱ و ۴۲

الکلام اشارۃ الی ذلك فاسنادہ للقھستانی من ابعاد النجعۃ فان الفرع مذکور فی البحر والفتح والمبسوط وغیرھا من جلۃ المعتمد ات وقد قدمنا کلام الفتح ان فی مبسوط شیخ الاسلام تورم رأس الجرح فظھر بہ قیح ونحوہ ولا ینقض مالم یجاوز الورم[1] الخ	طرف اشارہ ہے تو قہستانی کی طرف اس کی اسناد خوراک کی تلاش میں بہت دور نکل جانے کی طرح ہے اس لئے کہ یہ جزئیہ بحر، فتح، مبسوط وغیرہا معتمداتِ جلیلہ میں مذکور ہے۔اور فتح کی یہ عبارت ہم پہلے نقل کرآئے ہیں کہ شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے: سرِ زخم پر ورم ہوگیا اس میں پیپ وغیرہ ظاہر ہوئی تو جب تک ورم سے تجاوز نہ کرے ناقض نہیں الخ۔
و ۳ **ثانیا**: لااشارۃ ف۱ فانھم انما فرضوا تو رم رأس الجرح فالتجاوز عنہ یکون بالانحدار وھو شرط النقض علی الصحیح المفتی بہ ولیس فی کلامھم ذکر ورم بسیط وسیع ینفجر رأسہ فیسیل علی سطحہ ولا یجاوزہ الی الموضع الصحیح نعم انا اسعف ف۲ بذکر ما وقفت علیہ من کلام من یذھب اویمیل الیہ ثم اذکر مایفتح	ثانیًا: اس میں کوئی اشارہ نہیں اس لئے ان حضرات نے سرِ زخم کا ورم کرنا فرض کیا ہے اس سے (خون کا) تجاوز ڈھلکنے سے ہوگا۔اور یہ صحیح مفتٰی بہ قول پر وضو ٹوٹنے کی شرط ہے، ان کے کلام میں ایسے ورم کا ذکر ہی نہیں جو پھیلا ہوا کشادہ ہو جس کا سرا پھٹ جائے پھر خون یا پیپ اس کی سطح پر بہے اور اس سے تجاوز کرکے صحت والی جگہ نہ آئے ہاں میں ان حضرات کا ذکر کروں گا جن کے بارے میں مجھے علم ہوا کہ یہ ان کا مذہب ہے یا اس طرف ان کا میلان ہے اس کے بعد

ف۱: تطفل اُخر علیہ۔

ف۲: **مسئلہ**: ورم زیادہ جگہ میں پھیلا ہے اور اسے مسح بھی نقصان کرتا ہے اور وہ اوپر سے پھوٹا اور خون یا پیپ ورم، ورم پر بہا صحیح بدن کی طرف نہ بڑھا، تو بعض کتب میں فرمایا وضو نہ گیا اور مصنف کی تحقیق کہ جاتا رہے گا اور اگر اس ورم کو غسل یا مسح کرسکتے ہوں تو بالاتفاق ناقض وضو ہوگا۔

[1] فتح القدیر، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۳۴

المولی سبحٰنه من لدیه قال الامام الحلبی فی الحلیة"اذا انحدر الخارج عن رأس الجرح لکنه لم یجاوز المحل المتورم وانما انحدر الی بعض ذلك المحل ومسحه ایضا اما اذاکان لایضره احدهما فینبغی انه ینقض لانه یلحقه حکم التطهیر اذ المسح تطهیر له شرعا کالغسل فلیتنبه لذلك[1] اھ	وہ ذکر کروں گا جو اپنی طرف سے مولٰی تعالٰی منکشف فرمائے گا ، امام حلبی حلیہ میں لکھتے ہیں : سرِ زخم سے نکلنے والا (خون یا پیپ) ڈھلک آئے لیکن ورم کی ہوئی جگہ سے تجاوز نہ کرے بس اسی جگہ کے کسی حصے تک ڈھلک کر آیا ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا جبکہ اس شخص کو اس جگہ کا دھونا اور مسح کرنا ضرر دیتا ہو اور اگر دھونے یا مسح کرنے میں ضرر نہ ہو تو اسے ناقض ہونا چاہئے اس لئے کہ اسے حکم تطہیر لاحق ہے کیونکہ مسح بھی دھونے کی طرح شرعًا اس کی تطہیر ہے تو اس پر متنبہ رہنا چاہئے اھ۔
وفی الفوائد المخصصة للعلامة الشامی عن المقاصد الممحصة فی بیان کی الحمصة لسیدی عبدالغنی انه قال"بعد نقله حد السیلان ومافیه من الخلاف فالمفهوم من هذه العبارات ان الدم والقیح والصدید اذا علا علی الجرح ولم یسل عنه الی موضع صحیح من البدن لاینقض الوضوء سواء کان الجرح کبیرا او صغیرا[2] (ثم قال بعد کلام) ویؤید هذا ما فی خزانة الروایات فی الجراحة البسیطة اذا خرج الدم من جانب وتجاوز الی جانب اٰخر لکن لم یصل الی موضع صحیح فانه	علامہ شامی کی فوائد مخصصہ میں سیدی عبدالغنی کی مقاصد ممحصہ کے حوالے سے آبلوں کے بیان میں ہے کہ انہوں نے سیلان کی تعریف اور اختلاف نقل کرنے کے بعد فرمایا : ان عبارتوں سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ خون، پیپ پانی جب سرِ زخم پر چڑھے اور اس سے ہٹ کر بدن کی کسی صحتمند جگہ نہ بہے تو وضو نہ ٹوٹے گا، خواہ زخم بڑا ہو یا چھوٹا۔ (پھر کچھ عبارت کے بعد لکھا) اس کی تائید پھیلی ہوئی جراحت سے متعلق خزانۃ الروایات کی اس عبارت سے ہوتی ہے : جب خون ایک جانب سے نکلے اور دوسری جانب تجاوز کرے لیکن کسی تندرست جگہ نہ پہنچے تو وہ ناقض وضو نہیں ، اس لئے کہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الفوائد المخصصہ ، رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ، ۱/۶۳

لاینقض الوضوء لانہ لم یصل الی موضع یلحقہ حکم التطہیر [1] اھ

وفی الارکان الاربعۃ للمولٰی ملك العلماء بحر العلوم عبدالعلی اللکنوی اذا خرج القیح من رأس الجرح ولم یتجاوز ورم الجرح لاینتقض الطہارۃ ولا یکون نجسا [2] اھ

وفی رد المحتار عن السراج عن الینابیع الدم السائل علی الجراحۃ اذالم یتجاوز قال بعضہم ھو طاہر حتی لوصلی رجل بجنبہ واصابہ منہ اکثر من قدر الدرہم جازت صلاتہ وبھذا اخذ الکرخی وھو الاظہر وقال بعضہم ھو نجس وھو قول محمد [3] اھ قال الشامی ومقتضاہ انہ غیر ناقض لانہ بقی طاہرا بعد الاصابۃ وان المعتبر خروجہ الی محل یلحقہ حکم التطہیر من بدن صاحبہ فلیتامل [4] اھ

وانا اقول: وباللہ التوفیق

ایسی جگہ نہ پہنچا جسے حکم تطہیر لاحق ہو اھ۔

ملک العلماء بحر العلوم مولٰنا عبد العلی لکھنوی کی ارکان اربعہ میں ہے: "جب سر زخم سے پیپ نکلے اور زخم کے ورم سے تجاوز نہ کرے تو طہارت نہ توڑیگا اور نہ نجس ہوگا۔" اھ

ردالمحتار میں سراج وہاج سے اس میں ینابیع سے نقل ہے: جراحت پر بہنے والا خون جب اس سے تجاوز نہ کرے تو بعض نے کہا وہ پاک ہے یہاں تک کہ اگر اس کے پہلو میں کوئی نماز پڑھ رہا ہے اسے درہم بھر سے زیادہ وہ خون لگ گیا تو اس کی نماز ہو گئی، اسی کو امام کرخی نے اختیار کیا اور یہی امام محمد کا قول ہے اھ، علامہ شامی کہتے ہیں: اس کا مقتضا یہ ہے کہ وہ ناقض بھی نہ ہو اس لئے کہ وہ لگنے کے بعد بھی طاہر رہا اور یہ کہ اعتبار اس کا ہے کہ صاحبِ زخم کے بدن سے ایسی جگہ کی طرف نکلے جسے حکمِ تطہیر لاحق ہے تو اس پر تامل کیا جائے اھ۔

وانا اقول: (اور میں کہتا ہوں)

I.T. Majlis of Dawateislami

---

[1] الفوائد المخصصۃ، رسالہ من رسائل ابن عابدین، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۶۴

[2] رسائل الارکان کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۲

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۲

وبہ استھدی سواء الطریق ھھنا مسئلتان:
مسئلة الورم الغیر المنفجر الامن اعلاہ کما وصفنا۔
ومسئلة الجرح اعنی تفرق الاتصال کما یحصل بالسلاح والانفجار وقد خلطھما ف السید ابو السعود کما رأیت وسیظھر الفرق بعون رب البیت۔
اما الاولی: ففی غایة الاشکال ولا تحضرنی الاٰن مصرحة کذلك الامن الحلیة والارکان الاربعة وکذا ماتبتنی علیه من ارادۃ مایکلف بایقاع تطھیرہ بالفعل وھذا ربما یشم من غیرھما ایضا کابن ملك وخزانة الروایات وردالمحتار۔
"ف **فاقول اولا:** لایذھبن عنك ان المعنی ف المؤثر ف عندنا فی الحدث ھو خروج النجس من باطن البدن الی ظاھرہ لایحتاج معه الی شیئ اٰخر

اور توفیق خدا ہی سے ہے اور اسی سے راہِ راست کی ہدایت طلب کرتا ہوں، یہاں دو مسئلے ہیں:
(۱) مسئلہ ورم: ایسا ورم جو اپنے اوپری حصے سے ہی پھوٹا ہو، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔
(۲) مسئلہ زخم: یعنی اتصال ختم ہو کر جدائی پڑ جانا جیسے ہتھیار سے اور پھٹنے سے ہوتا ہے۔ دونوں مسئلوں میں سید ابوالسعود نے خلط کر دیا جیسا کہ آپ نے دیکھا، دونوں میں فرق بعونہٖ تعالٰی جلد ہی ظاہر ہوگا۔
پہلا مسئلہ ورم: انتہائی مشکل ہے اور اس تصریح کے ساتھ بروقت مجھے صرف حلیہ اور ارکانِ اربعہ سے مستحضر ہے یوں ہی وہ جس پر اس مسئلے کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ وہ بر وقت اس کی تطہیر عمل میں لانے کا مکلّف ہو اور اس کی کچھ بو ان دونوں کے علاوہ ابن ملک، خزانۃ الروایات اور ردالمحتار سے بھی آتی ہے۔
فاقول اولاً: یہ بات ذہن سے نہ نکلے کہ ہمارے نزدیک حدث میں مؤثر معنی شے نجس کا باطن بدن سے ظاہر بدن کی طرف نکلنا ہے۔ مگر یہ ہے کہ غیر سبیلین میں نکلنا بغیر منتقلی کے

ف۱: تطفل ثالث علی السید الازھری۔
ف۲: تطفل علی الحلیة و بحر العلوم فی مسئلة الورم۔
ف۳: تحقیق المعنی المؤثر فی الحدث و وجه اشتراط السیلان فی الخارج من غیر السبیلین۔

غیران الخروج لایتحقق فی غیر السبیلین الا بالانتقال لان تحت کل جلدۃ دما و ھو مادام فی مکانہ لایعطی لہ حکم النجاسۃ۔

متحقق نہیں ہوتا اس لئے کہ ہر جلد کے نیچے خون ہے اور وہ جب تک اپنی جگہ رہے اسے نجاست کا حکم نہ دیا جائے گا۔

[1] قال الامام برھان الملۃ والدین فی الھدایۃ خروج النجاسۃ مؤثر فی زوال الطھارۃ غیر ان الخروج انما یتحقق بالسیلان الی موضع یلحقہ حکم التطھیر لان بزوال القشرۃ تظھر النجاسۃ فی محلھا فتکون بادیۃ لاخارجۃ بخلاف السبیلین لان ذلك الموضع لیس بموضع النجاسۃ فیستدل بالظھور علی الانتقال والخروج[1] اھ

(۱) امام برہان الملۃ والدین ہدایہ میں فرماتے ہیں: خروج نجاست، زوال طہارت میں مؤثر ہے مگر یہ کہ خروج ایسی جگہ جسے حکم تطہیر لاحق ہے بہنے ہی سے متحقق ہوتا ہے اس لئے کہ پوست ہٹنے سے نجاست اپنی جگہ ظاہر ہو جاتی ہے تو وہ بادی (ظاہر ہونے والی) ہوگی خارج نہ ہوگی، سبیلین کا حال اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ جگہ نجاست کی جگہ نہیں تو ظاہر ہونے سے ہی منتقل اور خارج ہونے پر استدلال ہوگا اھ۔

و[2] مثلہ فی المستخلص نقلا عنھا و[3] قال الامام فقیہ النفس فی شرح الجامع الصغیر الحدث للخارج النجس والخروج انما یتحقق بالسیلان[2] الخ

(۲) اسی کی مثل اس سے نقل کرتے ہوئے مستخلص میں ہے۔

(۳) امام فقیہ النفس شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: حدث، خارج نجس کا نام ہے اور خروج سیلان ہی سے متحقق ہوتا ہے۔ الخ۔

و[4] قال الامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر "خروج النجاسۃ مؤثر فی زوال الطھارۃ شرعا وھذا القدر فی الاصل معقول ای عُقل فی الاصل وھو الخارج من السبیلین ان زوال الطھارۃ عندہ انما ھو بسبب انہ نجس

(۴) امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں: خروج نجاست شرعاً زوال طہارت میں مؤثر ہے، اتنی مقدار اصل میں معقول ہے یعنی اصل جو خارج سبیلین ہے اس سے متعلق یہ بات عقل سے سمجھ میں آتی ہے کہ اس کے پائے جانے کے وقت زوال طہارت اسی سبب سے ہے

---

[1] الہدایۃ، کتاب الطہارۃ، فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۳۹

[2] شرح الجامع الصغیر للامام قاضی خان

خارج من البدن اذلم یظھر لکونہ من خصوص السبیلین تاثیر، وقد وجد فی الخارج من غیرھما فیتعدی الحکم الیہ فالاصل الخارج من السبیلین وحکمہ زوال طھارۃ یوجبھا الوضوء وعلتہ خروج النجاسۃ من البدن والفرع الخارج النجس من غیرھما وفیہ المناط فیتعدی الیہ زوال الطھارۃ[1] اھ

کہ وہ بدن سے نکلنے والی ایک نجاست ہے کیونکہ خاص سبیلین سے خارج ہونے کا کوئی اثر کہیں ظاہر نہ ہوا اور یہ سبب غیر سبیل سے نکلنے والی چیز میں بھی موجود ہے تو حکم وہاں بھی پہنچے گا، تو اصل خارج سبیلین ہے، حکم اس طہارت کا ختم ہو جانا جو وضو سے ثابت ہوتی ہے علت، نجاست کا بدن سے نکلنا ،فرع، غیر سبیلین سے نکلنے والی نجس چیز اور اس پر مدار ہے تو زوال طہارت یہاں بھی متعدی ہو جائے گا اھ۔

و٥مثلہ فی البحر الرائق وفیہ ایضا النقض بالخروج وحقیقتہ من الباطن الی الظاھر و ذلک بالظھور فی السبیلین یتحقق[2] وفی غیرھما بالسیلان الی موضع یلحقہ التطھیرلان بزوال القشرۃ تظھر النجاسۃ فی محلھا فتکون بادیۃ لاخارجۃ[3] اھ

(۵) اسی کے مثل البحرالرائق میں بھی ہے اور اس میں یہ بھی ہے: "نقض خروج سے ہوتا ہے اور اس کی حقیقت باطن سے ظاہر کی طرف نکلنا ہے، یہ بات سبیلین کے اندر ظہور سے متحقق ہوتی ہے۔اور غیر سبیلین میں ایسی جگہ بہنے سے جسے حکم تطہیر لاحق ہے اس لئے کہ پوست ہٹنے سے نجاست اپنی جگہ نظر آتی ہے تو وہ ظاہر کہلائے گی خارج نہ ہوگی،اھ۔

وفی الفتح و٦الحلیۃ و٧الغنیۃ والبحر و الطحطاوی والشامی جمیع الادلۃ المو ردۃ من السنۃ والقیاس تفید تعلیق النقض بالخارج النجس[4] اھ

(٦ تا ٩) فتح القدیر، ٦حلیہ، ٧غنیہ، ٨بحر، ٩طحطاوی، اور شامی میں ہے: سنّت اور قیاس سے لائی جانے والی تمام دلیلیں یہی افادہ کرتی ہیں کہ وضو ٹوٹنا خارج نجس سے وابستہ رہے گا اھ۔

---

1 فتح القدیر کتاب الطھارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۹/۱
2 فتح القدیر کتاب الطھارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ، ۳۹/۱
3 فتح القدیر کتاب الطھارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۸/۱و۳۹
4 البحرالرائق کتاب الطھارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ، ۳۳/۱

وفی الغنیۃ اذا زالت بشرۃ کانت الرطوبۃ بادیۃ لامنتقلۃ ولا تکون منتقلۃ الا بالتجاوز والسیلان [1] اھ	غنیہ میں ہے: جب جلد ہٹ جائے تو رطوبت نمایاں ہو گی وہ منتقل ہونے والی نہ ہو گی، منتقل تو تجاوز اور سیلان ہی سے ہو گی اھ۔
وفی ۱۰ "تبیین الامام الزیلعی" الخروج انما یتحقق بوصولہ الی ما ذکرنا لان ماتحت الجلدۃ مملوء دما فبالظھور لایکون خارجا بل بادیا وھو فی موضعہ [2] اھ	(۱۰) امام زیلعی کی تبیین الحقائق میں ہے: خروج اس جگہ پہنچنے ہی سے متحقق ہوگا جو ہم نے بیان کی اس لئے کہ زیر جلد حصہ، خون سے بھرا ہوا ہے تو صرف ظہور سے وہ خارج ہو گا بلکہ اپنی جگہ رہتے ہوئے دکھائی دینے والا ہوگا اھ
وفی ۱۱ "المحیط ثم ۱۲ "الدرر" حد الخروج الانتقال من الباطن الی الظاھر و ذلك یعرف بالسیلان من موضعہ [3] اھ"	(۱۱، ۱۲) محیط پھر درر میں ہے: خروج کی تعریف، باطن سے ظاہر کی طرف منتقل ہونا اور اس کی شناخت اپنی جگہ سے بہہ جانے سے ہو گی اھ۔
وفی ۱۳ "شرح الوقایۃ للامام صدر الشریعۃ المعتبر الخروج الی ماھو ظاھر البدن شرعا [4] اھ	(۱۳) امام صدر الشریعہ کی شرح وقایہ میں ہے: اعتبار اس جگہ نکلنے کا ہے جو شرعاً ظاہر بدن ہے اھ۔
وقال ۱۴ "الامام النسفی فی متن الکنز ینقضہ خروج نجس منہ [5] اھ	(۱۴) امام نسفی، متن کنزالدقائق میں فرماتے ہیں: ینقضہ خروج نجس منہ اھ اس سے کسی نجس کا نکلنا وضو توڑ دے گا۔
واستحسنہ فی ۱۵ "جامع الرموز فقال حق العبارۃ ناقضہ خروج	(۱۵) جامع الرموز میں اسے پسند کیا اور کہا حق عبارت یہ ہے: ناقضہ خروج

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۸
[3] درر الحکام بحوالہ المحیط کتاب الطہارت میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳
[4] شرح الوقایۃ کون السائل الٰی مایطہر ناقصا مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۷
[5] کنز الدقائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷

النجس[1] اھ وقال(۱۶) السید جلال الدین فی الکفایۃ "لایتحقق الخروج الا بالسیلان لان تحت کل جلدۃ رطوبۃ فاذا زالت کانت بادیۃ لاخارجۃ کالبیت اذا انھدم کان الساکن ظاھرا لا منتقلا عن موضعہ[2] اھ وقال(۱۷) العلامۃ الاکمل فی العنایۃ خروج النجس من بدن الانسان الحی ینقض الطھارۃ کیفما کان عندنا وھو مذھب العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم[3] اھ وفیھا ایضا شرط التجاوز الی موضع یلحقہ حکم التطھیر احتراز عما یبدو ولم یخرج ولم یتجاوز فانہ لایسمی خارجا فکان تفسیرا للخروج وردا لما ظن زفر ان البادی خارج[4] اھ وقد(۱۸) صرح المولی بحرالعلوم نفسہ فی ذلک الکتاب انہ ثبت ان علۃ انتقاض الطھارۃ خروج النجاسۃ	النجس، ناقضِ وضو نجس کا نکلنا ہے اھ۔ (۱۶) سید جلال الدین کرلانی کفایہ میں فرماتے ہیں: "خروج بغیر بہنے کے متحقق نہیں ہوتا اس لئے کہ ہر جلد کے نیچے رطوبت ہے جب جلد ہٹ جائے تو رطوبت ظاہر ہوگی خارج نہ ہوگی جیسے گھر گر جائے تو اندر رہنے والا ظاہر ہوگا اپنی جگہ سے منتقل نہ ہوگا" اھ۔ (۱۷) علامہ اکمل الدین بابرتی عنایہ میں فرماتے ہیں: "زندہ انسان کے بدن سے نجس چیز کا نکلنا ہمارے نزدیک جس طرح بھی ہو ناقضِ طہارت ہے اور یہی عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے اھ۔ اس میں یہ بھی ہے: جسے حکمِ تطہیر لاحق ہے اس جگہ تجاوز کی شرط اس صورت سے احتراز ہے جب نجس صرف نمودار ہو، نہ نکلے، نہ آگے بڑھے کیونکہ اسے خارج نہیں کہا جاتا۔ تو یہ شرط خروج کی تفسیر اور امام زفر کے اس گمان کی تردید ہے کہ ظاہر ہونے والا، نکلنے والا ہے اھ۔ (۱۸) خود مولانا بحر العلوم نے اسی کتاب میں صراحت کی ہے کہ ثابت ہو گیا کہ طہارت ٹوٹنے کی علّت خروج نجاست ہے تو جو نجاست بھی خارج ہوگی

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبدِ قاموس ایران ۱/۳۴
[2] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸
[3] العنایۃ شرح الہدایۃ مع فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۳
[4] العنایۃ شرح الہدایۃ مع فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۳

فکلما خرج من النجاسة ینقض الطھارة[1] اھ ومن نظر الی تظافر ھذہ النصوص ایقن ان خروج النجس الی ظاھر البدن اذا تحقق لایتوقف بعدہ ثبوت الحدث وان تحققه فی غیر السبیلین یحصل بانتقال ماعن موضعه لا یشترط فیه ان یکون ذراعا اوشبرا مثلا ،ولذلك لما ظھر لمحمد فیما روی عنه ان بالعلو علی راس الجرح یحصل انتقال الدم من مکانه حکم بالنقض من دون توقیف علی انحدار ایضا فضلا عن اشتراط امتداد مسافة واصحابنا جعلوا رأس الجرح من مکانه فما دام علیه ولم یجاوزہ لم ینتقل من مکانه وان انتقل من تحت۔

قال فی الدرر عن المحیط بعد ما قدمنا وحد السیلان ان یعلو فینحدر عن رأس الجرح ھکذا فسر ابو یوسف لانه مالم ینحدر عن رأس الجرح لم ینتقل عن مکانه فان مایوازی الدم من اعلی الجرح

ناقض طہارت ہو گی اھ۔

جو ان نصوص کی کثرت اور باہمی موافقت دیکھے گا اس بات کا یقین کرے گا کہ ظاہر بدن کی طرف نجس چیز کا خروج جب متحقق ہو جائے تو اس کے بعد حدث کا ثبوت کسی اور بات پر موقوف نہیں رہتا اور یہ بھی یقین کرے گا کہ غیر سبیلین میں خروج کا تحقق اپنی جگہ سے کچھ ہٹ جانے سے ہو جاتا ہے اس میں یہ شرط نہیں کہ ایک ہاتھ یا ایک بالشت ہو مثلاً اسی لئے جیسا کہ روایت ہے جب امام محمد پر ظاہر ہوا کہ سرزخم پر چڑھنے سے خون کا اپنی جگہ سے منتقل ہونا حاصل ہو جاتا ہے تو انہوں نے وضو ٹوٹنے کا حکم کر دیا، نیچے ڈھلکنے پر بھی موقوف نہ رکھا، کسی مسافت میں پھیلنے کی شرط لگانا تو دور کی بات ہے اور ہمارے اصحاب نے سرزخم کو اس کی جگہ قرار دیا ہے جب تک خون اس پر رہے اور تجاوز نہ کرے تو وہ اپنی جگہ سے منتقل نہ ہوا اگرچہ نیچے سے اوپر گیا ہے۔

درر میں محیط کے حوالہ سے سابقاً نقل کردہ عبارت کے بعد ہے: اور سیلان کی حد یہ ہے کہ اوپر جا کر سرزخم سے ڈھلک آئے، امام ابو یوسف نے اسی طرح تفسیر فرمائی۔اس لئے کہ جب تک سرزخم سے نہ اترے وہ اپنی جگہ سے منتقل نہ ہوا اس لئے کہ خون کے مقابل زخم کا بالائی حصہ خون ہی

[1] رسائل الارکان کتاب الطھارۃ بیان نواقض الوضوء مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶

مکانہ [1] اھ فالورم المنبسط المنفجر من اعلاہ اذا انحدر القیح من راسہ تحقق الخروج والانتقال والسیلان قطعا لامحل فیہ لارتیاب فما ھی الا عبارۃ عن معنی واحد ولن یسبقن الی وھم احد ان الورم ان استوعب ید انسان من کتفہ الی رسغہ فانفجر من اعلی الکتف وجعل الدم یثج ثجا حتی ملأ الکتف ثم العضد ثم المرفق ثم الساعد لم یکن کل ھذا خروجا حتی یتجاوز الی الکف۔ و۱۶ عدم لحوق ف حکم التطھیر عند العذر ظاھر المنع بل قد لحق وتاخر طلب ایقاعہ بالفعل حتی یزول ولذا اذا زال ظھر فکان من باب الوجوب لانعقاد السبب وتأخر وجوب الاداء بخلاف داخل العین فانہ من باطن البدن شرعا فی باب التطھیر من کل وجہ لم یلحقہ	کی جگہ ہے اھ۔ تو پھیلا ہوا ورم جو اوپر سے پھوٹ جائے جب پیپ اس کے سر سے نیچے اُتر آئے تو خروج، انتقال اور سیلان قطعًا متحقق ہوگیا جس میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں کہ یہ سب ایک ہی معنی سے عبارت ہیں اور ہر گز کسی کو یہ وہم نہیں ہوسکتا کہ ورم اگر کسی انسان کے ہاتھ میں شانے سے گٹّے تک کے حصے کو گھیر لے پھر شانے کے اوپر سے پھوٹے اور خون تیزی سے بہنے لگے یہاں تک کہ شانہ بھر جائے پھر بازو پھر کہنی پھر کلائی بھی بھر جائے ان سب کے باوجود خروج ثابت نہ ہوگا یہاں تک کہ خون تجاوز کرکے ہتھیلی پر آجائے۔ عذر کے وقت حکمِ تطہیر لاحق نہیں اس پر منع ظاہر ہے۔ یہ ہمیں تسلیم نہیں بلکہ حکم لاحق ہے مگر عذر ختم ہونے تک بالفعل اسے عمل میں لانے کا مطالبہ مؤخر ہوگیا ہے۔ اسی لئے جب عذر ختم ہوجائے تو حکم ظاہر ہوتا ہے تو یہ اس باب سے ہوا کہ سبب متحقق ہونے کی وجہ سے وجوب ثابت ہے اور وجوب ادا مؤخر ہے اور داخل چشم کا معاملہ ایسا نہیں اس لئے کہ باب تطہیر میں وہ ہر طرح شرعًا باطن بدن سے شمار ہے

ف۸۳: تطفل اٰخر علی الحلیۃ و ابن مالك فی اٰخرین۔

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الطہارۃ، بیان نواقض الوضوء، میر محمد کتب خانہ کراچی، ۱/۱۳

قط حکم التطهیر ولن یلحقه ابدا ما بقی فکیف یقاس علیه ماکان ظاهر البدن قطعا حسا وشرعا ثم اعتری معتر اخر عنه حکم اداء التطهیر موقتا لوقت البرء ام کیف یجعل العارض کاللازم والحادث عن قریب الزائل عما قلیل کاللازب المستمر۔

و[۱۱۲]**ثانیا:** انما ف المنقول عن ائمتنا رضی الله تعالٰی عنهم شیئان اما النقض بمجرد العلو علی رأس الجرح وان لم ینحدر کما روی عن محمد والیه مال الامام محمد بن عبدالله وعلیه مشی فی مجموع النوازل والفتاوی النسفیة وجعله فی الوجیز اقیس وفی الدرایة اصح۔

واما بالانحدار عن رأس الجرح وهو المعتمد وعلیه الفتوی ولم ینقل عن احد منهم قط ان الانحدار عن الرأس ایضا لا یکفی للنقض مالم یجاوز سطح ورم

اسے کسی وقت نہ حکمِ تطہیر لاحق ہوا اور نہ ہر گز کبھی لاحق ہوگا جب تک کہ وہ باقی ہے پھر اس پر اس کا قیاس کیسے ہو سکتا ہے جو حِسًّا اور شرعًا قطعی طور پر ظاہر بدن ہے پھر اس پر کوئی عارض در پیش ہوا جس نے اچھے ہونے تک کے لئے عارضی طور پر تطہیر کو عمل میں لانے کا حکم مؤخر کر دیا یا عارض کو لازم کی طرح کیسے قرار دیا جاسکتا ہے اور جلد ہی رونما ہونے والے کچھ دیر بعد زائل ہونے والے کو ہمیشہ لگے رہنے والے کی طرح کیسے کہا جاسکتا ہے!

ثانیًا: ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول دو ہی چیزیں ہیں:

(۱) یا تو محض سرِ زخم پر چڑھ جانے سے وضو ٹوٹ جانا اگرچہ نیچے نہ اُترے جیسا کہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے، اسی کی طرف امام محمد بن عبداللہ مائل ہوئے، اسی پر مجموع النوازل اور فتاوٰی نسفیہ میں چلے ہیں، اسی کو وجیز میں زیادہ قرینِ قیاس اور درایہ میں اصح کہا ہے۔

(۲) یا سرِ زخم سے نیچے اُتر آنے پر وضو ٹوٹنے کا حکم ہے یہی معتمد ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور ان حضرات میں کسی سے یہ کبھی بھی منقول نہیں کہ وضو ٹوٹنے کے لئے سرِ زخم سے نیچے اتر آنا بھی کافی نہیں جب تک کہ ورمِ زخم کی پوری سطح سے

ف: [۸۴]تطفل ثالث علیهم۔

الجرح کله قدر ذراع کان او اکثر۔بل قد نطقت کتب المذھب قاطبة بان مجرد الانحدار عن الرأس کاف فی النقض۔وھذا محرر المذھب محمد رضی الله تعالٰی عنه قائلا فی [۱]جامعه الصغیر"محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی جعنھم فی نفطة قشرت فسال منھا ماء اودم اوغیرہ عن رأس الجرح نقض الوضوء وان لم یسل لم ینقض[1] اھ"۔

[۲]قال الامام الاجل قاضی خان فی شرحه و السیلان ان ینحدر عن رأس الجرح وعن محمد رحمه الله تعالٰی اذا انتفخ علی رأس الجرح وصار اکثر من رأس الجرح انتقض والصحیح ماقلنا[2] اھ

و فی [۳]محیط الامام السرخسی ثم [۴]النھر ثم [۵]الھندیة حدالسیلان ان یعلو فینحدرعن رأس الجرح[3] اھ

وفی [۶]جواھر الفتاوی للامام الکرمانی فی الباب الثانی المعقود لفتاوی الامام جمال الدین البزدوی اما التی تخرج من غیر السبیلین ان جوقفت ولم تتعدعن رأس

تجاوز نہ کر جائے وہ ایک ہاتھ ہو یا زیادہ۔
بلکہ تمام تر کتبِ مذہب ناطق ہیں کہ سر زخم سے محض ڈھلک آنا وضو ٹوٹنے کے لئے کافی ہے۔
(۱) یہ ہیں محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جو جامع صغیر میں فرماتے ہیں: محمد راوی یعقوب سے وہ ابو حنیفہ سے رضی اللہ تعالٰی عنہم اس آبلہ کے بارے میں جس کا پوست ہٹا دیا گیا تو اس سے پانی یا خون یا اور کچھ سرِ زخم سے بہہ گیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور نہ بہا تو نہ ٹوٹے گا اھ۔
(۲) امام اجل قاضی خان اس کی شرح میں فرماتے ہیں: بہنا یہ ہے کہ سرِ زخم سے ڈھلک آئے اور امام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ جب سرِ زخم پھول جائے اور سرِ زخم سے زیادہ ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائیگا۔اور صحیح وہ ہے جو ہم نے بیان کیا اھ۔
(۳تا۵) امام سرخسی کی محیط پھر نہر پھر ہندیہ میں ہے: بہنے کی تعریف یہ ہے کہ اوپر جا کر سرِ زخم سے ڈھلک آئے اھ۔
(۶و۷) امام کرمانی کی جواہر الفتاوٰی کے باب دوم میں ہے جو امام جمال الدین بزدوی کے فتاوٰی کے لئے خاص کیا گیا ہے: "وہ جو غیر سبیلین سے نکلے اگر ٹھہر جائے اور سرِ زخم سے تجاوز نہ کرے

[1] الجامع الصغیر للامام محمد، کتاب الطہارۃ باب ماینقض الوضوء ... الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۷
[2] شرح الجامع الصغیر للامام قاضی خان
[3] الفتاوی الہندیۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰

الجرح فطاھرۃ[1] اھ۔ ثم اطال فی بیان حکمۃ ف الفرق بین الخارج والبادی ملخصہ ان البادی الکائن تحت الجلدۃ ھو الذی انتقل عن طبیعۃ الدم الی طبیعۃ اللحم وانتھی نضجہ غیرانہ لم ینجمد بخلاف السائل۔ وفی شرح ۸ الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم ۹ ایضاح الاصلاح لابن کمال باشا قال اصحابنا اذا خرج وسال عن رأس الجرح نقض الوضوء وقال زفر ینقضہ سال اولم یسل وقال الشافعی لاینقضہ سال اولم یسل[2] اھ وفی ۱۰ الخلاصۃ ان خرج من قرح بہ دم او صدید اوقیح فسال عن رأس الجرح نقض عندنا[3] اھ وفی ۱۱ المنیۃ ان سال عن رأس الجرح ینتقض وان لم یسل لا ینتقض وتفسیر السیلان ان ینحدر عن رأس الجرح[4] اھ	تو پاک ہے" اھ۔ پھر خارج اور ظاہر کے درمیان فرق کی حکمت تفصیل سے بیان کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زیر جلد پایا جانے والا ظاہر وہی ہے جو خون کی طبیعت سے گوشت کی طبیعت کی طرف منتقل ہوگیا اور جس کے پکنے کا عمل پورا ہوگیا ہے مگر وہ ابھی منجمد نہیں ہوا اور سائل ایسا نہیں ہوتا۔ (۸ و ۹) امام اسبیجابی کی شرح طحاوی پھر ابن کمال پاشا کی ایضاح الاصلاح میں ہے: ہمارے اصحاب نے فرمایا: جب خون نکلے اور سرِ زخم سے بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا اور امام زفر فرماتے ہیں وضو ٹوٹ جائے گا بہے نہ بہے اور امام شافعی فرماتے ہیں نہیں ٹوٹے گا بہے یا نہ بہے اھ۔ (۱۰) خلاصہ میں ہے: اگر پھوڑے سے خون، پیپ یا پانی نکل کر سرِ زخم سے بہہ جائے تو ہمارے نزدیک ناقض ہے اھ۔ (۱۱) منیہ میں ہے: اگر سرِ زخم سے بہہ جائے تو ناقض ہے اور نہ بہے تو ناقض نہیں اور بہنے کی تفسیر یہ ہے کہ سرِ زخم سے ڈھلک آئے اھ۔

ف: حکمۃ الفرق بین السائل و البادی۔

[1] جواہر الفتاوی کتاب الطہارۃ، الباب الثانی، (قلمی فوٹو کاپی)، ص ۶

[2] ایضاح الاصلاح

[3] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۵

[4] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ، بیان نواقض الوضوء مکتبہ قادریہ لاہور ص ۹۰

وفی ۲ "صدر الشریعۃ"اذا سال عن رأس الجرح علم انه دم انتقل من العروق فی ھذہ الساعة وھو الدم النجس اما اذا لم یسل علم انه دم العضو [1] اھ"یشیر الی الحکمة التی ذکرھا الامام جمال الدین۔ وفی ۳ "جواھر الاخلاطی ان سال عن رأس الجرح نقض والا لا والسیلان الانحدار عن رأس الجرح [2] اھ وقال ۴ "صاحب السراج نفسه فی الجوھرۃ النیرۃ حد التجاوز ان ینحدر عن رأس الجرح واما اذاعلا ولم ینحدر لاینقض [3] اھ وھذاھو الموافق لما تقدم ان المعنی الخروج وظھورہ بالانتقال فاذن لااری ھذا القیل الا مستحدثا بعد ائمتنا علی خلاف مایعطیه کلامھم جمیعا وعلی خلاف اطلاقات المتون وعامة الکتب المعتمدۃ وعلی خلاف ما ھو قضیة جمیع الادلة الموردۃ من السنة و	(۱۲) صدر الشریعہ کی شرح وقایہ میں ہے: جب سرِ زخم سے بہہ گیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسا خون ہے جو اسی وقت رگوں سے منتقل ہوا اور وہ ناپاک خون ہے لیکن جب نہ بہے تو معلوم ہو گا کہ وہ عضو کا خون ہے اھ اسی حکمت کی طرف اشارہ ہے جو امام جلال الدین (جمال الدین) نے بیان کی۔ (۱۳) جواہر الاخلاطی میں ہے: اگر سرِ زخم سے بہہ جائے تو ناقض ہے ورنہ نہیں۔ اور بہنا سرِ زخم سے نیچے اتر آنا ہے اھ۔ (۱۴) خود صاحبِ سراج وہاج، جوہرہ نیرہ میں لکھتے ہیں: "تجاوز کی حد یہ ہے کہ سر زخم سے نیچے اتر آئے لیکن اوپر چڑھے اور نیچے نہ ڈھلکے تو ناقض نہیں اھ۔ اور یہی اس کے مطابق ہے جو گزرا کہ مقصود خروج ہے اور اس کا ظہور انتقال سے ہوتا ہے تو ان سب کی روشنی میں، میں یہی سمجھتا ہوں کہ یہ قول (پھیلے ہوئے پورے ورم کی حد پار کرنا ضروری ہے) ہمارے ائمہ کے بعد پیدا ہوا ہے جو ان سب حضرات کے مضمون کلام کے برخلاف ہے، متون اور عامہ کتب معتمدہ کے اطلاعات کے خلاف ہے اور سنت و قیاس سے لائی جانے والی تمام دلیلوں

1 شرح الوقایۃ کتاب الطہارۃ، نجاسۃ الدم المسفوح۔۔۔الخ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۷۵

2 جواہر الاخلاطی کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء (قلمی) ص ۷

3 الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۸

القیاس کما علمت۔

و[18] **ثالثا**: مع قطع ف۱ النظر عن کل ذلك هذا یشبه فرض محال فقد قدمنا عن الفتح والبحر والغنیة ان التطهیر یعم الطهارة من الخبث ومعلوم انه یکون بکل مائع طاهر قالع ولا یشترط فیه شدة الاسالة بل تکفی الازالة ولو بثلث خرق مبلولة وفی الدر"تطهر اصبع وثدی تنجس بلحس ثلثا[1] اھ ولا اعلم ورما یضرہ المسح بخرقة بلت بعرق یناسبه بل ربما ینفع فلعله فرض لا یقع۔

و[19] **رابعا**: ان لزم صلوحه لطلب ایقاع التطهیر بالفعل فاذا ف۲ کان بالانسان والعیاذ باللّٰه مایضرہ اصابة الماء فی شیئ من بدنه فهذا ان افتصد لایکون حدثا وان اصابته شجة فی رأسه

کے تقاضے کے خلاف ہے جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔

ثالثًا: ان سب سے قطع نظر یہ گویا فرض محال ہے اس لئے کہ ہم فتح القدیر، البحر الرائق اور قنیہ (غنیہ) کے حوالے سے بیان کر آئے ہیں کہ تطہیر نجاست حقیقیہ سے طہارت کو بھی شامل ہے اور معلوم ہے کہ یہ تطہیر ہر بہنے، پاک اور زائل کرنیوالی چیز ہو جاتی ہے اور اس میں تیزی سے بہانا شرط نہیں بلکہ زائل کرنا کافی ہے اگرچہ تین بھگوئے ہوئے پارچوں ہی سے ہو جائے۔ در مختار میں ہے: "انگلی اور سرپستان جو نجس ہے اسے کسی وجہ سے تین بار چاٹ لینے پر طہارت ہو جاتی ہے اھ "میں نہیں جانتا کہ ایسا کوئی ورم ہو گا جسے اس کے مناسب عرق سے بھگوئے ہوئے پارچے سے پونچھنا ضرر دیتا ہو بلکہ ایسا تو نفع بخش ہی ہو گا تو شاید یہ ایسا مفروضہ ہے جو وقوع میں آنے والا نہیں۔

رابعًا: اگر یہ ضروری ہے کہ اس قابل ہو کہ بالفعل تطہیر کو عمل میں لانے کا مطالبہ ہو تو جب انسان کو، پناہ بخدا ایسی کوئی بیماری ہو جس کی وجہ سے اس کے جسم کے کسی حصے میں پانی لگنا مضر ہو، یہ شخص اگر فصد لگوائے تو حدث نہ ہو اور اگر اس کے سر میں چوٹ

ف۱: [85]تطفل رابع علی الحلیة والارکان۔

ف۲: تطفل خامس علی الحلیة و ابن ملك و من معهما۔

---

[1] الدر المختار باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۳

فسال الدم من قرنه الی قدمه فهو علی وضوئه ولم یتنجس بهٰذه الدماء الفوارة بدنه ولا ثیابه بل لواخذ غیره تلك الدماء ولطخ بها ثوبه کان صیغا طیبا طاهرا لان مالیس یحدث لیس بنجس ولو کان المرض باحد شقیه فان خرج من الشق السلیم دم قدر رأس ذباب بطل وضوؤه وان افتصد من الشق المأوف وخرج الدم ارطالا لم یضر وهو طاهر مع انه هو الدم المسفوح وهذا کله غیر معقول ولا منقول ولا متجه ولا مقبول فلامریة عندی ان المراد کل ماهو ظاهر البدن شرعا وان تأخر طلب ایقاع تطهیره بالفعل الی زوال عذر۔

و رحم الله العلامة ابن کمال باشا حیث قال فی الایضاح سال الی مایطهر ای الی موضع یجب ان یطهر بالغسل او مسح عند عدم عذر شرعی لابد من هذا التعمیم حتی ینتظم الموضع الذی سقط عنه حکم التطهیر بعذر[1] اھ۔وتبعه السید العلامة الطحطاوی فی حاشیة

لگ جائے جس سے خون اس کے سر سے پاؤں تک بہے جب بھی وہ باوضو رہے۔اور اس جوش مارتے ہوئے خون سے نہ اس کا بدن نجس ہو نہ کپڑا بلکہ اگر کوئی دوسرا بھی اسے لے کر اپنے کپڑے میں لگالے تو اچھا خاصا پاک وپاکیزہ رنگ ہو،اس لئے کہ جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں،اگر اس کی دو جانبوں میں سے ایک میں بیماری ہو ایسی صورت میں تندرست جانب میں مکھی کے سر برابر خون نکل آئے تو اس کا وضو باطل ہو جائے اور ماؤف جانب اگر فصد لگوائے اور کئی رطل خون نکل آئے تو کچھ نہ بگڑے وہ پاک ہی رہے جب کہ یہ بہتا ہوا خون ہے،یہ سب نہ معقول ہے نہ منقول،نہ باوجہ نہ مقبول، تو میرے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہر وہ جو شرعًا ظاہر بدن ہو اگرچہ بالفعل زوال عذر تک اس کی تطہیر عمل میں لانے کا مطالبہ مؤخر ہو گیا ہو،

خدا کی رحمت ہو علامہ ابن کمال پاشا پر وہ ایضاح میں فرماتے ہیں:"سال الی مایطھر"یعنی ایسی جگہ بہے جسے دھونا یا مسح کرنا عذر شرعی نہ ہونے کے وقت واجب ہو،یہ تعمیم ضروری ہے تاکہ حکم اس جگہ کو بھی شامل رہے جس سے کسی عذر کی وجہ سے حکم تطہیر ساقط ہو گیا ہے اھ۔ان کی پیروی علامہ سید طحطاوی نے بھی حاشیہ مراقی الفلاح

[1] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۱

مراقی الفلاح والعلامة الفهامة نوح افندی لما نقل ما نقل عن المشکلات عقبه بقوله لکن قال بعض المحققین یرید ابن کمال فنقل کلامه ثم قال وهذا مخالف لما فی المشکلات ولعل الحق هذا [1] اھ	میں کی اور علامہ فہامہ نوح آفندی نے جب منقولہ عبارتِ مشکلات نقل کی تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا: لیکن بعض محققین، مراد ابن کمال پاشا نے فرمایا، پھر ان کی عبارت نقل کی پھر فرمایا یہ اس کے برخلاف ہے جو مشکلات میں ہے اور امید ہے کہ حق یہی ہے اھ۔
اقول: اولا بل لك ف۱ ان تقول فرق بین السقوط والتأخر کما علمت بل ان سقط لعذر فحقیقة عہ السقوط تعقب الثبوت فذلك یقرر اللحوق ویؤکدہ کما لایخفی۔	**اقول**: اولاً بلکہ آپ کو یہ فرمانا چاہئے کہ ساقط ہونے اور مؤخر میں فرق ہے جیسا کہ معلوم ہوا، بلکہ اگر عذر کی وجہ سے ساقط ہوا تو سقوط کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد ثبوت ہو تو یہ حکم طہارت لاحق ہونے کو اور ثابت و مؤکد کرتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔
وثانیا: لعبارة ف۲ المشکلات وجهة تنجیها عن المشکلات فانها فی الجرح وسیاتی بالشرح فلا تتعین للمخالفة۔	**ثانیاً**: عبارتِ مشکلات کی ایک صورت ہے جو اسے مشکلات سے نجات دینے والی ہے کیونکہ وہ زخم سے متعلق ہے اور زخم کی تفصیل آگے آرہی ہے تو اس میں مخالفت متعین نہیں۔
هذا مایتعلق بمسئلة الورم وما بنیت علیه واما مسألة الجرح فاقول یظهر للعبد الضعیف	یہ مسئلہ ورم سے متعلق ہے اور وہ جس پر میں نے بنیاد رکھی تھی۔اب رہا مسئلہ زخم فاقول بندہ ضعیف کو یہ سمجھ میں آتا ہے

ف۱: تطفل علی العلامة ابن کمال باشا۔

ف۲: تطفل علی العلامة نوح افندی۔

عہ: ای حقیقته الرفع وان اطلق علی الدفع ۱۲ منه۔	عہ: یعنی اس کی حقیقت حکم کا اُٹھا لینا ہے اگرچہ دفع کرنے پر بھی اطلاق ہوتا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱

واللہ تعالٰی اعلم ان [ف۱] الجرح المنبسط له ثلث صور:	اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے کہ پھیلے ہوئے زخم کی تین صورتیں ہیں:
الاولی: ان یکون انبساطه فی الباطن فقد تفجر رأسه وعلی سائره جلدة ولو متورمة۔	**پہلی صورت** یہ کہ اس کا پھیلاؤ صرف اندر ہے اس کا سرا پھٹا ہوا ہے اور باقی زخم پر جلد ہے اگرچہ ورم زدہ ہے۔
والثانیة: بسیط منبسط علی ظاهر البدن لکنه دقیق لاعرض له فلا یظهر للنظر الا کخط اوخیط۔	**دوسری صورت** یہ کہ زخم ظاہر بدن پر بسیط اور پھیلا ہوا ہے لیکن پتلا سا ہے جس میں چوڑائی نہیں، نگاہ کو کسی خط یا دھاگے سا معلوم ہوتا ہے۔
والثالثة: بسیط عریض ظاهر غوره مرئی قعره۔	**تیسری صورت** یہ کہ بسیط و عریض ہے جس کا عُمق ظاہر ہے گہرائی نظر آرہی ہے۔
فباطن [ف۲] الاول باطن قطعا حسا وشرعا فان اختلف الدماء فی باطنه لم یضر وکان کنزول البول الی قصبة الذکر وهذا ماقدمنا علی الدر المختار من قوله والا لا کمالو سال فی باطن عین او جرح اوذکر ولم یخرج[1] اھ	تو پہلے زخم کا باطنی حصہ قطعًا باطن ہے حسًّا بھی شرعًا بھی، تو اگر اس کے باطن میں خون آتے جاتے ہوں تو کوئی ضرر نہ ہوگا اور یہ ایسے ہی ہوگا جیسے ذکر کی نالی میں پیشاب اُتر آنا، اسی کو ہم نے پہلے درمختار کے حوالے سے بیان کیا کہ: "ورنہ نہیں جیسے وہ جو آنکھ یا زخم یا ذکر کے اندرونی حصے میں بہے اور باہر نہ آئے" اھ۔
ولا یبعد ان یحمل علیه مامر عن الشامی عن السراج عن الینابیع	اور بعید نہیں کہ اسی پر اسے بھی محمول کرلیا جائے جو شامی کے حوالے سے، سراج پھر ینابیع سے

ف۱: تحقیق المصنف فی اقسام الجرح المنبسط و احکامها۔

ف۲: **مسئلہ**: زخم اگر جسم کے اندر دور تک پھیلا ہو صرف منہ ظاہر ہے تو اس کے گہراؤ میں خون وغیرہ بہتے رہیں کچھ حرج نہیں جب منہ پر آکر ڈھلکے گا وضو جاتا رہے گا اگرچہ زخم کی سطح سے آگے نہ بڑھے۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵

فقوله السائل علی الجراحة اذالم یتجاوز ای الذی فارمن قعرها وسال فی غورها وعلا علی راسها ولم یتجاوز الراس لیوافق السراج خلاصة نفسه الناصة ان حد التجاوز ان ینحدر عن راس الجرح کما تقدم ولا شك ان محمد اروی عنه فی هذه النقض وان الماخوذ عدمه فصح کل ماذکر السراج وان علمت علی رأسه ثم انحدرت فلا شك فی انتقاض الوضوء وان لم یتجاوز سطح الورم لوجود الانحدار من الرأس الذی هونا قض باجماع ائمتنا رضی الله تعالٰی عنهم۔	نقل ہوا، تو ان کی عبارت "السائل علی الجراحۃ اذالم یتجاوز" کا معنی یہ کہ جو جراحت کی تہہ سے اُبلا، اس کی گہرائی میں بہا، اس کے سرے پر چڑھا اور سر سے آگے نہ بڑھا تاکہ سراج اور خود اسی کے خلاصے میں موافقت ہو جائے جس میں یہ صراحت موجود ہے کہ تجاوز کی حد یہ ہے کہ سرِ زخم سے ڈھلک آئے جیساکہ عبارت گزری اور شک نہیں کہ امام محمد سے اس صورت میں ایک روایت وضو ٹوٹنے کی بھی ہے اور مختار نہ ٹوٹنا ہے تو وہ سب درست ہو گیا جو سراج نے ذکر کیا اور اگر خون سرِ زخم کے اوپر جائے پھر ڈھلک آئے تو وضو ٹوٹنے میں مجھے کوئی شک نہیں اگرچہ سطحِ ورم سے تجاوز نہ کرے کیونکہ سر سے ڈھلکنا پا لیا گیا جو ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک بالاجماع ناقض ہے۔
واظن ف الثانی ایضا کذالك فان الاتصال ان تفرق ولم تبق جلدة تستره لکن لدقته لایظهر غوره للنظر الابان یفرق الجانبان بعمل الید بالقبض	میں سمجھتا ہوں دوسری صورت کا حکم بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ ملاپ اگرچہ ختم ہو گیا اور اسے چھپانے والی کوئی جلد نہ رہی لیکن باریک ہونے کی وجہ سے اس کی گہرائی نظر پر ظاہر نہیں ہوتی مگر جب کہ دونوں کناروں کو مثلاً ہاتھ سے

ف: مسئلہ: زخم اگر ظاہر جسم ہی پر دور تک پھیلا ہے مگر ایک خط یا ڈورے کی طرح دراز و باریک ہے کہ اس کی اندونی سطح باہر سے نظر نہیں آتی تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اُسی محض اندرونی زخم کی طرح ہو گا کہ خون اندر دورہ کرے تو مضائقہ نہیں اور اس کے کناروں تک آجائے تو مضائقہ نہیں جب تک ڈھلکے نہیں اور اگر اس کے بالائی کنارے تک اُبل کر بدن کی جلد پر ڈھلکا تو وضو نہ رہے گا اگرچہ زخم کی حد سے آگے نہ بڑھے۔

والجبذ مثلا ومثل هذا لایجعل الباطن ظاهرا کما تقدم فی الفرج والشرح فکان کباطنهما بل باطن صماخ الاذن فی البطون مع عدم غطاء من فوق فما سال فیه ولم یظهر فانما یسیل فی الباطن وما ظهر فان علا ولم ینحدر لم ینقض علی المفتی به ولو علا علی سطح الجرح کله لعدم تحقق الانحدار وھذا المحمل اقرب من الاول لعبارۃ السراج والینابیع.اما اذا نبع الدم علی رأسه فقط ثم انحدر منه سائلا علی سطحه فلاشك انه لعدم العرض فی الجراحة یاخذ شیا من الجسم الصحیح ایضا من جنبیها فیتحقق التجاوز الی البدن الصحیح ایضا ولا یبقی محل للامتراء فی انتقاض الطهر۔ واما الثالث : ف فمجال نظر فان الغور الذی ظهر کان من باطن	سمیٹ کر اور کھینچ کر الگ الگ کیا جائے اور ایسی صورت باطن کو ظاہر نہ کر دے گی جیسا کہ فرج اور کنارہ مقام براز سے متعلق گزرا، تو اس کا باطن ان ہی دونوں کے باطن کی طرح ہے بلکہ اوپر سے کوئی پردہ نہ ہوتے ہوئے چھپا ہوا ہونے میں سوراخ گوش کے باطن کی طرح ہے تو اس میں جو خون بہے اور ظاہر نہ ہو وہ باطن ہی میں بہنے والا ہے اور جو ظاہر ہوا اگرچہ اوپر چڑھا اور نیچے نہ اُترا تو قول مفتی بہ پر ناقض نہیں اگرچہ پوری سطحِ زخم کے اوپر چڑھ جائے کیونکہ نیچے ڈھلکنا متحقق نہ ہوا، سراج اور ینابیع کی عبارت کے لئے یہ محمل پہلے سے زیادہ قریب ہے لیکن جب خون صرف سرِ زخم پر اُبل کر آئے پھر اس سے اسکی سطح پر بہتا ہوا ڈھلکے تو جراحت میں عرض نہ ہونے کی وجہ سے بلاشبہہ وہ اس کے دونوں کناروں سے صحت مند جسم کا کچھ حصہ بھی لے لے گا تو بدنِ صحیح تک بھی تجاوز متحقق ہو جائے گا اور طہارت ٹوٹنے میں کوئی جائے شک باقی نہ رہے گی۔ لیکن تیسری صورت تو وہ جولان گاہِ نظر ہے اس لئے کہ گہرائی جو ظاہر ہو گئی ہے یہ قطعًا پہلے

ف: مسئلہ: کُھلا ہوا چوڑا گھاؤ جس کی اندرونی سطح باہر سے دکھائی دے ظاہر یہ ہے کہ جب تک اچھا نہ ہو باطن بدن کے حکم میں ہے، اگر اس کے اندر خون وغیرہ اُبلے کہ اس کے کناروں تک آجائے اسکے صرف بالائی حصے پر اُبل کر اس کے اندر اندر بہے باہر نہ نکلے تو وضو نہ جائے گا، نہ وہ خون ناپاک ہو کہ ہنوز اپنے مقام ہی میں دورہ کر رہا ہے۔

البدن قطعا واذا ظهر ظهر ولم يتناوله حكم التطهير بعد فعسى ان يكون باقيا على حكمه الاصلى حتى يبرء فينزل عليه حكم التطهير ويلتحق بالظاهر شرعا ايضا كما التحق حسا وحينئذ يكون سيلان الدم فيه سيلانا فى الباطن ويؤيده ماتقدم عن الدرر عن المحيط ان مايوازى الدم من اعلى الجرح مكانه فقضيته ان لونبع الدم فيه حتى يوازى حرفه من كل جانب لم يضر لانه علولا انحدار فيلزمه ان لو نبع فى اعلاه ثم انحدر فيه ولم يجاوزه لم ينقض لانه منتقل فى مكانه لاعن مكانه [1] وكانّ هذا هو ملحظ مافى المشكلات وخزانة الروايات ولا ينافيه مافى النهر والسراج وط على المراقى ان فائدة ذكرالحكم دفع ورود داخل العين وباطن الجرح اذ حقيقة التطهير	باطن بدن میں شامل تھی اور جب ظاہر ہوئی تو اس حالت میں ظاہر ہوئی کہ ابھی اسے حکمِ تطہیر شامل نہیں تو شاید یہ اپنے اصلی حکم پر (باطن بدن ہونے پر) باقی رہے، یہاں تک کہ زخم اچھا ہو جائے تو اس پر حکمِ تطہیر وارد ہو اور یہ ظاہر شرعی میں شامل ہو جائے جیسے بروقت ظاہر حسّی میں شامل ہے ایسی صورت میں اس کے اندر خون بہنا باطن میں بہنا ہے اس کی تائید اس کلام سے ہوتی ہے جو بحوالہ درر محیط سے نقل ہوا کہ زخم کے بالائی حصے سے جو خون کے مقابل ہے وہ خون ہی کی جگہ ہے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر اس میں خون اُبل کر ہر طرف سے اس کے کنارے کے مقابل ہو گیا تو مضر نہ ہو اس لئے کہ یہ چڑھنا ہے ڈھلکنا نہیں، اس پر لازم آتا ہے کہ اگر بالائی حصے میں اُبلے پھر اس کے اندر ہی ڈھلک آئے اور اس سے باہر تجاوز نہ کرے تو ناقض نہ ہو اس لئے کہ وہ اپنی جگہ کے اندر منتقل ہونے والا ہے اپنی جگہ سے منتقل ہونے والا نہیں۔ گویا یہی مشکلات اور خزانۃ الروایات کی عبارت کا مطمع نگاہ ہے اور نہر، سراج اور طحطاوی علی مراقی الفلاح کی عبارت اس کے منافی نہیں: اس حکم کو بیان کرنے کا فائدہ داخل چشم اور باطن زخم سے وارد ہونے والے اعتراض کا دفعیہ ہے اس لئے

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

فیھما ممکنة وانما الساقط حکمه[1] اھ۔ فلیس ظاھرا فی جعله ظاھرا الا ظاھرا وھو ظاھر بخلاف ماکان ظاھرا ثم عرض عارض فانه لایخرجه عن الخروج الی الدخول کما علمت فلیس فیھا ان کل مالایطلب تطھیرہ بالفعل لعذر فالسیلان علیه لایضر کما اوھم بعض وافھم بعض۔

وبالجملة ماکان ظاھرا لایصیر بالعذر باطنا کما افاد ابن الکمال وما کان باطنا لعله لایصیر ظاھرا مالم ینزل علیه حکم التطھیر کما یفھم من المشکلات وخزانة الروایات او النھر والینابیع وطحطاوی المراقی وردالمحتار ایضا۔

فھذا مایترا ای لی ویحتاج الٰی زیادۃ تحریر فمن ظفر به من کلمات العلماء فلیسعفنا بالاطلاع علیه لعل الله یحدث بعد ذلك امرا ولا حول ولا قوۃ الّا بالله العلی العظیم۔

کہ حقیقتِ تطہیر ان دونوں میں ممکن ہے صرف حکمِ تطہیر ساقط ہے اھ۔ یہ عبارت بجز ظاہر حسی کے اُسے ظاہر بدن قرار دینے میں ظاہر نہیں اور ظاہر حسی ہونا توظاہر ہے۔ بخلاف اس کے جو پہلے ظاہر بدن تھا پھر اس پر کوئی عارض در آیا کہ یہ اسے خروج سے نکال کر دخول میں نہ ملادے گا جیسا کہ معلوم ہوا تو مشکلات میں یہ نہیں کہ ہر وہ جس کی تطہیر بالفعل کسی عذر کی وجہ سے مطلوب نہیں تو اس پر خون بہنا مضر نہیں جیسا کہ بعض نے اس کا وہم پیدا کیا اور بعض کی عبارت سے مفہوم ہوا۔

مختصر یہ کہ جو پہلے ظاہر تھا وہ عذر کی وجہ سے باطن نہ ہو جائے گا جیسا کہ ابنِ کمال نے افادہ فرمایا اور جو باطن تھا امید یہی ہے کہ وہ ظاہر نہ ہو جائے گا جب تک کہ اس پر حکم تطہیر وارد نہ ہو۔ جیسا کہ مشکلات اور خزانۃ الروایات سے مفہوم ہوتا ہے یا نہر، ینابیع، طحطاوی علی مراقی الفلاح اور ردالمحتار سے بھی۔

یہ وہ ہے جو مجھے سمجھ میں آیا ہے اور اس میں مزید تنقیح کی ضرورت ہے جسے کلمات علماء سے دستیاب ہو وہ ہمیں مطلع کرکے حاجت روائی کرے، شاید اس کے بعد خدا کوئی اور امر ظاہر فرمائے اور طاقت و قوت نہیں مگر برتری و عظمت والے خدا ہی سے۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطھارۃ نواقض الوضوء، دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۶

السادس: تقدم ان الدم فی مجلس یجمع وھی الروایة الدوارة فی الکتب اجمع لکن قال ف الامام الاجل برھان الملة والدین صاحب الھدایة رحمه الله تعالٰی فی کتابه مختارات النوازل فی فصل النجاسة الدم اذا خرج من القروح قلیلا قلیلا غیر سائل فذاك لیس بمانع وان کثر وقیل لوکان بحال لوترکه لسال یمنع[1] اھ ثم اعاد المسألة فی نواقض الوضوء فقال ولو خرج منه شیئ قلیل ومسحه بخرقة حتی لو ترك یسیل لاینقض وقیل[2] الخ۔ فھذا صریح فی ترجیح عدم الجمع مطلقا لکنه متوغل فی الغرابة	**تنبیہ ششم:** گزر چکا کہ ایک مجلس میں تھوڑا تھوڑا چند بار آنے والا خون جمع کیا جائے گا یہی وہ روایت ہے جو تمام کتابوں میں متداول ہے لیکن امام اجل برہان الملۃ والدین صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ تعالٰی نے مختارات النوازل فصل النجاسۃ میں لکھا ہے: "پھوڑے سے خون جب تھوڑا تھوڑا نکلے، بہنے والا نہ ہو تو وہ مانع نہیں اگرچہ زیادہ ہو جائے اور کہا گیا کہ اگر اس کی یہ حالت رہی ہو کہ چھوڑ دیا جاتا تو بہتا تو وہ مانع ہے" اھ پھر ناقضِ وضو میں یہ مسئلہ دوبارہ لائے تو کہا: "اگر اس سے کچھ تھوڑا نکلے اور اسے کسی کپڑے سے پونچھ دے یہاں تک کہ اگر چھوڑ دیتا تو بہتا تو ایسا خون ناقض نہیں اور کہا گیا الخ۔" تو یہ نہ جمع کئے جانے کے حکم کی مطلقاً ترجیح میں تصریح ہے لیکن یہ قول انتہائی غرابت

ف: **مسئلہ:** صاحبِ ہدایہ نے ایک کتاب میں فرمایا کہ خون جو تھوڑا تھوڑا نکلے کہ کسی دفعہ کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہ ہو اگرچہ جمع کرنے سے کتنا ہی ہو جائے اصلاً ناقضِ وضو نہیں اگرچہ ایک ہی مجلس میں نکلے یہ قول خلاف مشہور و مخالف جمہور ہے بے ضرورت اس پر عمل جائز نہیں، ہاں جو ایسے زخم یا آبلوں میں مبتلا ہو جس سے اکثر خون یا ریم قلیل نکلتا رہتا ہے کہ ایک بار کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہیں ہوتا مگر جلسہ واحدہ کا جمع کئے سے ہو جاتا ہے اور بار بار وضو اور کپڑوں کی تطہیر موجب ضیق کثیر ہے کہ معذوری کی حد تک نہ پہنچا اس کے لئے اس پر عمل میں بہت آسانی ہے۔

[1] الفوائد المخصصہ رسالہ من رسائل ابن عابدین الفائدۃ التاسعۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۶۳

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۴۹

حتی قال العلامة الشامی لم ارمن سبقه الیه ولامن تابعه علیه بعد المراجعة الکثیرة فهو قول شاذ قال ولکن صاحب ف الهدایة امام جلیل من اعظم مشائخ المذهب من طبقة اصحاب التخریج والتصحیح فیجوز للمعذ ورتقلیده فی هذا القول عند الضرورة فان فیه توسعة عظیمة لاهل الاعذار قال وقد کنت ابتلیت مدة بکی الحمصة ولم اجد ماتصح به صلاتی علی مذهبنا بلامشقة الا علی هذا القول فاضطرت الی تقلیده ثم لماعافانی الله تعالٰی منه اعدت صلاة تلك المدة ولله تعالٰی الحمد [1] اه هذا کلامه فی شرح منظومته فی رسم المفتی [2] وقال فی الفوائد المخصصة صاحب الهدایة من اجل اصحاب	رکھتا ہے یہاں تک کہ علامہ شامی نے فرمایا کہ بہت مراجعت اور جستجو کے باوجود مجھے کوئی ایسا نظر نہ آیا جس نے ان سے پہلے یہ قول کیا ہو اور نہ ان کے بعد کوئی ملا جس نے اس قول میں ان کی متابعت کی ہو تو وہ ایک شاذ قول ہے (آگے فرمایا) لیکن صاحبِ ہدایہ عظیم تر مشائخ مذہب میں سے امام جلیل، اصحابِ تخریج و تصحیح کے طبقہ سے ہیں تو وقتِ ضرورت معذور کے لئے اس قول میں ان کی تقلید روا ہے اس لئے کہ عذر والوں کے لئے اس میں بڑی وسعت ہے۔۔۔۔۔۔ کہتے ہیں: میں ایک مدت تک آبلوں کی بیماری میں مبتلا تھا اور ایسی صورت نہ پاتا تھا جس میں ہمارے مذہب کے مطابق میری نماز بلامشقت درست ہوسکے، سوااس قول کے تو مجبورًا میں نے اس کی تقلید کی پھر جب اللہ تعالٰی نے مجھے اس سے عافیت بخشی تو اس مدت کی نمازوں کا میں نے اعادہ کیا ۔۔۔۔۔۔ولله تعالٰی الحمد اھ یہ علامہ شامی کا وہ کلام ہے جو رسم المفتی میں اپنے منظومہ کی شرح میں انہوں نے لکھا ہے اور فوائد مخصصہ میں لکھتے ہیں: صاحبِ ہدایہ بزرگ تر

ف: صاحب الهدایة امام جلیل من ائمة التخریج والترجیح یجوز تقلیده۔

[1] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۹

[2] شرح عقود رسم المفتی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۹و۵۰

الترجیح فیجوز للمبتلی تقلیدہ لان فیما ذکرناہ مشقۃ عظیمۃ فجزاہ اللہ تعالٰی خیر الجزاء حیث اختار التوسیع والتسھیل الذی بنیت علیہ ھذہ الشریعۃ الغراء السھلۃ السمحۃ[1] اھ **اقول:** جوزالامام الکبیر العلم الشھیر الخصاف تزویج الوکیل مؤکلتہ بغیبتھا من دون تسمیتھا قال ف۱ الامام شمس الائمۃ السرخسی الخصاف کان کبیرا فی العلم یجوز الاقتداء بہ فقال فی البحر ف۲ المختار فی المذھب خلاف ما قالہ الخصاف وان کان الخصاف کبیرا[2] اھ وفی الدرعن تصحیح القدوری الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[3] اھ وفی عدۃ رد ف۳ المحتار التقلید	اصحابِ ترجیح سے ہیں تو مبتلا کے لئے ان کی تقلید جائز ہے اس لئے کہ جو ہم نے ذکر کیا اس میں بڑی مشقت ہے تو خدائے تعالٰی انہیں جزائے خیر بخشے کہ وہ توسیع و تسہیل اختیار کی جس پر اس روشن، سہل، آسان شریعت کی بنیاد رکھی گئی۔اھ **اقول:** امام کبیر، علم شہیر خصاف نے جائز قرار دیا ہے کہ وکیل اپنی مؤکلہ کا نکاح اس کی غیر موجودگی میں اس کا نام لئے بغیر کردے، امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: خصاف علم میں بزرگ تھے، ان کی اقتداء ہو سکتی ہے اس پر بحر میں فرمایا: مذہب مختار اس کے برخلاف ہے جو خصاف نے فرمایا اگرچہ خصاف بزرگ ہیں اھ۔ اور درمختار میں تصحیح قدوری کے حوالے سے ہے قول مرجوح پر حکم اور فتوی جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے اھ۔ ردالمحتار کے باب العدۃ میں ہے: تقلید

ف۱: الخصاف کبیر فی العلم یجوز اقتداؤہ۔

ف۲: العلم بما ھو المختار فی المذھب و ان کان قائل خلافہ اماما کبیرا۔

ف۳: تقلید الغیر عند الضرورۃ و ان جاز بشروطہ فلعمل نفسہ اما الافتاء فلایکون الا فی الراجح فی المذھب۔

[1] الفوائد المخصصہ رسالہ من رسائل ابن عابدین الفائدۃ التاسعۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۶۳

[2] البحرالرائق کتاب النکاح فصل لابن العم ان یزوج الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۳۷

[3] الدر المختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

وان جاز بشرطه فهو للعامل لنفسه لاللمفتی لغیرہ فلا یفتی بغیر الراجح فی مذهبه [1] اھ۔	اگرچہ جائز ہے مگر اس کے لئے جو خود عمل کرنے والا ہے اس کے لئے نہیں جو دوسرے کو فتوی دینے والا ہے وہ اس پر فتوی نہ دے گا جو اس کے مذہب میں غیر راجح ہو اھ۔
نعم للمبتلی فیه مافیه من ترفیه وهو ایسر ف۱ له من تقلید الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه فان النجاۃ من التلفیق شأو سحیق وبالله التوفیق۔	ہاں اس میں مبتلا کے لئے راحت وآسانی ہے اور یہ اس کے لئے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تقلید زیادہ سہل ہے اس لئے کہ تلفیق سے نجات حاصل کرنا دور کی راہ ہے، وبالله التوفیق۔
السابع: قولهم ف۲ مالیس بحدث لیس بنجس قضیة نفیسة مفیدۃ افادها الامام قاضی الشرق والغرب سیدنا ابو یوسف رضی الله تعالٰی عنه وهی مذکورۃ کذلك فی متون المذهب وغیرها وزاد الشراح نفی عکسها فقالوا انها لاتنعکس فلا یقال مالایکون نجسا لایکون حدثا کما فی الدرایة وغیرها۔	**تنبیہ ہفتم:** قول علماء: "مالیس بحدث لیس بنجس جو حدث نہیں وہ نجس نہیں" ایک نفیس نفع بخش قاعدہ ہے جس کا افادہ قاضی شرق وغرب سیدنا ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اور متون مذہب وغیرہ میں یہ اسی طرح مذکور ہے شارحین نے اس کے عکس کی نفی کا اضافہ کیا اور فرمایا کہ اس کا عکس نہ ہوگا، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جو نجس نہ ہوگا وہ حدث نہ ہوگا جیسا کہ درایہ وغیرہ میں ہے۔
قال العلامة الشامی یرید به العکس المستوی لانه جعل الجزء الاول ثانیا والثانی اولا مع بقاء الصدق والکیف بحالهما	علامہ شامی نے کہا کہ اس سے عکس مستوی مراد ہے کیونکہ وہ جزاول کو ثانی اور ثانی کو اول کردینے کا نام ہے اس طرح کہ صدق اور کیف اپنی حالت پر

ف۱: عند الضرورۃ تقلید قیل فی المذهب احسن من تقلید مذهب الغیر۔

ف۲: تحقیق قولهم مالیس بحدث لیس بنجس قضیة وعکسا۔

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۲

وعزاہ[1] للشیخ اسمعیل والد سیدی عبدالغنی النابلسی رحمهم اللہ تعالٰی۔ **اقول:** هذه ف۱ زلة واضحة فانهم لوارادوا به العکس المنطقی لکان نفیه نفی الاصل لان العکس من اللوازم ولم ف۲ یلتفت رحمه اللہ تعالٰی الی قول نفسه مع بقاء الصدق فاذا کان الصدق باقیا فکیف یصح بل الحق انهم انما یریدون فی امثال المقام نفی العکس العرفی وهو عکس الموجبة الکلیة کنفسها تقول کل حلال طاهر ولا عکس ای لیس کل طاهر حلالا وهذا معهود متعارف فی الکتب العقلیة ایضا تراهم یقولون ارتفاع العام یستلزم ارتفاع الخاص ولاعکس ونفی اللازم یستلزم نفی الملزوم ولاعکس الی غیر ذلك وهذا اظهر من ان یظهر ثم اختلف نظر الفاضلین	اقی رہیں اور اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی کے والد شیخ اسمعیل رحمہم اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کیا۔ **اقول:** یہ کھلی ہوئی لغزش ہے اس لئے کہ اگر عکس منطقی مراد ہوتا تو اس کی نفی سے اصل ہی کی نفی ہو جاتی اس لئے کہ عکس لازم قضیہ ہوتا ہے (اگر کوئی قضیہ ہے تو اس کا عکس بھی ضرور ہوگا) انہوں نے خود اپنے قول "مع بقاء الصدق، اس طرح کہ صدق باقی رہے" کی طرف التفات نہ کیا جب صدق باقی رہے گا تو اس کی نفی کیسے صحیح ہوگی؟ بلکہ حق یہ ہے کہ اس طرح کے مقامات میں عکس عرفی کی نفی مراد لیتے ہیں وہ یہ کہ موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ ہو آپ کہتے ہیں کل حلال طاہر ولا عکس، ای لیس کل طاہر حلالا ہر حلال پاک ہے اور اس کا عکس نہیں یعنی ہر پاک حلال نہیں، یہ کتب عقلیہ میں بھی معہود و متعارف ہے، آپ دیکھیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ ارتفاعِ عام ارتفاعِ خاص کو مستلزم ہے (عام یہ ہوگا تو خاص بھی نہ ہوگا) اور اس کا عکس نہیں، نفی لازم نفی ملزوم کو مستلزم ہے اور اس کا عکس نہیں، اس کی بہت ساری مثالیں ہیں اور یہ اتنا

ف۱: تطفل علی الشیخ اسمعیل النابلسی والعلامة ش۔

ف۲: تطفل اٰخر علیهما۔

ف۳: الفرق بین العکس المنطقی والعرفی وان العرفی معروف حتی فی الکتب العقلیة والمنطقیة۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵

البر جندی والشیخ اسمٰعیل فی کیف ھذہ القضیة فجعلھا البرجندی موجبة وشارح الدر رسالبة۔ فی شرح النقایة مالیس بحدث لیس بنجس ای کل مالیس بحدث من الاشیاء الخارجة من السبیلین وغیرھما لیس بنجس ھذہ الکلیة السالبة الطرفین تنعکس بعکس النقیض الی قولنا کل نجس من الاشیاء المذکورة حدث ولا یستلزم ذلك ان یکون کل حدث نجسا وھذہ الکلیة لوجعلت متعلقة بمباحث القیئ لکان له وجه وسلمت عن توھم الدور[1] اھ مختصرا۔ **اقول:** ویرد علیه **اولا** ان الاشیاء المذکورة اعنی الخارجة من بدن المکلف انما اریدت بما وھی من الموضوع دون المحمول فمن ان یاتی ھذا التقیید فی موضوع العکس وبدونه یبقی کاذبا فیکذب الاصل۔ **وثانیا:** لیس موضوع الاصل لیس	ظاہر ہے کہ محتاج اظہار نہیں پھر فاضل برجندی اور شیخ اسمٰعیل کے درمیان اس قضیہ کی کیفیت (ایجاب و سلب) میں اختلافِ نظر ہوا، برجندی نے اسے موجبہ قرار دیا اور شارح درر نے سالبہ ٹھہرایا۔ شرح نقایہ میں ہے: مالیس بحدث لیس بنجس، ای کل ما لیس بحدث من الاشیاء الخارجة من السبیلین و غیرھما لیس بنجس یعنی سبیلین اور غیر سبیلین سے نکلنے والی چیزوں میں سے ہر وہ جو حدث نہیں وہ نجس نہیں، اس سالبہ الطرفین کلیہ کا عکس نقیض یہ ہوگا۔ کل نجس من الاشیاء المذکورة حدث۔ مذکورہ اشیاء سے ہر نجس حدث ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر حدث نجس ہو اور یہ کلیہ اگر قے کے مباحث کے متعلق کردیا جاتا تو اس کی ایک صورت ہوتی اور دور کے وہم سے سلامت رہتا اھ مختصرًا۔ **اقول:** اس پر چند اعتراضات وارد ہوں گے **اولًا** اشیائے مذکورہ یعنی خارجہ من البدن المکلف، "ما" سے مراد لی گئیں اور ما موضوع کا جز ہے محمول کا نہیں تو یہ قید عکس کے موضوع میں کہاں سے آجائے گا؟ اور اگر یہ قید نہ ہو تو عکس کاذب ہو جائے گا تو اصل بھی کاذب ہو جائے گی۔ **ثانیًا**: اصل کا موضوع "لیس بحدث"

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۳

بحدث بل ماوالمراد بہا شیئ مخصوص وھو الخارج من بدن المکلف فانما یؤخذ نقیضہ بایراد السلب علی مالا بحذفہ من متعلق الموضوع وانتظر ماسنلقی من التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

نہیں بلکہ "ما" ہے اور اس سے مراد ایک مخصوص چیز ہے یہ وہ ہے جو مکلّف کے بدن سے نکلنے والی ہو تو اس کی نقیض "ما" ہی پر سلب کرلی جائے گی، نہ یوں کہ "ما" کو متعلق موضوع سے حذف کردیا جائے اور اس کا انتظار کیجئے جو تحقیق ہم پیش کر رہے ہیں اور خدائے برتر مالک توفیق ہے۔

وثالثا: تحرر ف۱ ما تقرران السلب لیس جزء الموضوع فکیف تکون سالبۃ الطرفین

ثالثاً: تقریر سابق سے واضح ہوا کہ سلب جزء موضوع نہیں تو یہ سالبۃ الطرفین کیسے ہوگا؟

وقال فی ردالمحتار ماذکرہ المصنف قضیۃ سالبۃ کلیۃ لامھملۃ لان ماللعموم وکل مادل ف۲ علیہ فھو سورا لکلیۃ کما فی المطول وغیرہ فتنعکس بعکس النقیض الی قولنا کل نجس حدث لانہ جعل نقیض الثانی اولا ونقیض الاول ثانیا مع بقاء الکیف والصدق بحالہ وتمامہ فی شرح الشیخ اسمٰعیل[1] اھ۔

علامہ شامی نے ردالمحتار میں کہا: مصنف نے جو ذکر کیا قضیہ سالبہ کلیہ ہے، مہملہ نہیں، اس لئے کہ "ما" عموم کے لئے ہے اور جو بھی عموم پر دلالت کرے وہ کلیہ کا سور ہوجائے گا جیسا کہ مطوّل وغیرہ میں ہے تو اس کا عکس نقیض یہ ہوگا کل نجس حدث ہر نجس حدث ہے اس لئے کہ عکس نقیض کی تعریف یہ ہے: نقیض ثانی کو اول اور نقیض اول کو ثانی کرنا، اس طرح کہ صدق اور کیف اپنے حال پر باقی ہو اس کی تکمیل شیخ اسمٰعیل کی شرح میں ہے اھ۔

اقول: رحمہ اللہ العلا متین

اقول: دونوں حضرات شارح درر اور

ف۱: تطفل علی العلامۃ البرجندی۔

ف۲: کل مادل علی العموم کما و من فھو سور الکلیۃ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ نواقض وضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵

شارحی الدرر والدر لوکانت القضية سالبة۔

فاولا: فـــ۱ لن تظهر كليتها بكون مامن صيغ العموم بل وان كان هناك لفظة كل مكان مافان ماوكلايكون فى الموضوع ويرد السلب على ثبوت المحمول له فيفيد سلب العموم لاعموم السلب ولذا نصوا ان ليس كل سور السالبة الجزئية۔

وثانیا: فـــ على فرض كليتها كيف تنعكس كلية والسوالب انما تنعكس بعكس النقيض جزئية على ديدن الموجبات فى العكس المستقيم۔

وثالثا: فـــ۲ اعجب منه ايراد الموجبة فى عكسها مع انهما رحمهما الله تعالٰى قد ذكرا بانفسهما شرط بقاء الكيف ويخطر ببالى والله تعالٰى اعلم سقوط لفظة المحمول بعد قوله سالبة من قلم احدهما اوقلم الناسخين وكان اصله قضية سالبة المحمول كلية فاذن تكون موجبة وتندفع الايرادات الثلثة جميعا۔

شارح درر پر خدا کی رحمت ہو اس کلام پر چند اعتراض ہیں:

اول: اگر قضیہ سالبہ ہو تو اس کی کلیت "ما" کے صیغہ عموم ہونے سے ہرگز ظاہر نہ ہوگی بلکہ اگر یہاں "ما" کی جگہ لفظِ کل ہو اس لئے کہ ما یا کل موضوع میں ہوگا اور سلب موضوع کیلئے محمول کے ثابت ہونے پر وارد ہو گا تو سلب عموم (نفی کلیت) کا فائدہ دے گا عموم سلب (کلیت نفی) کا نہیں اسی لئے لوگوں نے تصریح کی ہے کہ "لیس کل" سالبہ جزئیہ کا سور ہے۔

دوم: فرض کر لیا جائے کہ وہ کلیہ ہے تو اس کا عکس کلیہ کیسے آئے گا جب کہ سالبات کا عکس نقیض جزئیہ ہوتا ہے جیسے موجبات کا عکس مستوی جزئیہ ہوتا ہے۔

سوم: اس سے عجیب تر یہ کہ سالبہ مان کر اس کا عکس موجبہ لیا باوجودیکہ دونوں حضرات نے کیف باقی رہنے کی شرط خود ہی ذکر کی ہے میرے دل میں خیال آتا ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ لفظ سالبہ کے بعد لفظ محمول دونوں حضرات میں سے کسی کے قلم سے یا نقل کرنے والوں کے قلم سے ساقط ہو گیا ہے، اصل الفاظ یہ تھے: "قضیۃ سالبۃ المحمول کلیہ ہے اس صورت میں یہ موجبہ ہوگا اور تینوں اعتراضات دفع ہو جائیں گے۔

فـــ۱: تطفل ثالث على الشيخ النابلسى و ش۔

فـــ۲: تطفل رابع عليهما۔

فـــ۳: تطفل خامس عليهما۔

اقول : لکن اذن یرد اولا ماورد علی البرجندی ثانیا وثانیا ینازع فی صدق العکس فرب نجس لیس بحدث کالاعیان النجسة الغیر الخارجة من بدن مکلف۔

هذا مایحکم به جلی النظر وعلیه فالوجه۔

ما اقول: تحتمل القضیة الایجاب والسلب الکلیین جمیعا اما الاول فیجعل ماللعموم والسلب الاخیر جزء المحمول والاول جزء متعلق الموضوع لانفسه لما علمت فتکون موجبة کلیة معدولة المحمول فقط لاسالبة الطرفین والمراد بما کما علمت الخارج من بدن المکلف فیکون حاصلها کل خارج من بدن مکلف غیر حدث فهو لانجس وقولنا غیر حدث حال من خارج ای ماخرج منه ولم ینقض طهرا و الان تنعکس بعکس النقیض موجبة کلیة قائلة ان کل نجس فهو لاخارج غیر حدث ای لیس بالخارج الذی لاینتقض به الطهارة ای لایجتمع فیه الوصفان فان خرج نقض ولا بد وان لم ینتقض لم یکن

اقول : لیکن اب اولاً وہ اعتراض وارد ہوگا جو برجندی پر ثانیاً وارد ہوا، ثانیاً عکس کے صادق ہونے میں نزاع ہوگا کہ بہت سے نجس، حدث نہیں ہیں جیسے وہ نجس اعیان جو مکلّف کے بدن سے نکلنے والے نہیں۔

یہ وہ ہے جس کا فیصلہ بہ نظر جلی ہوتا ہے اس بناپر وجہ درست وہ ہے **جو میں کہتا ہوں** قضیہ موجبہ کلیہ اور سالبہ کلیہ دونوں بن سکتا ہے، اول اس طرح کہ "**ما**" عموم کے لئے رکھیں، سلب اخیر کو جز و محمول بنائیں اور سلب **اول** کو بسبب معلوم خود موضوع کا نہیں بلکہ متعلقِ موضوع کا جز بنائیں تو موجبہ کلیہ معدولۃ المحمول ہوگا، سالبۃ الطرفین نہ ہوگا اور جیسا کہ معلوم ہوا "**ما**" سے مراد وہ ہے جو بدن مکلّف سے خارج ہو تو حاصلِ قضیہ یہ ہوگا: کل خارج من بدن مکلّف غیر حدث، فھو لا نجس (ہر وہ جو بدنِ مکلّف سے خارج ہو اس حال میں کہ حدث نہ ہو تو وہ لا نجس ہے) لفظ غیر حدث، لفظ خارج سے حال ہے یعنی جو بدن سے نکلے اس حال میں کہ ناقضِ طہارت نہ ہو اب اس کا عکس نقیض یہ موجبہ کلیہ ہوگا کل نجس فھولا خارج غیر حدث یعنی ہر نجس لاخارج غیر حدث ہے یعنی جو نجس ہے وہ ایسا خارج نہیں جس سے طہارت نہ ٹوٹے یعنی اس میں دونوں وصف جمع نہ ہونگے، اگر خارج ہوگا تو ناقض ہونا ضروری ہے اور اگر

خارجا من بدن المکلف وبالعکس المستوی موجبة جزئیة بعض اللانجس خارج منه غیر حدث وھو ایضا صادق قطعا کالدمع والعرق والدم القلیل۔ **واما الثانی:** فبتحصیل الطرفین وما لیست للعموم بل نکرة بمعنی شیئ دخلت فی حیزالنفی فعمت واذن یکون الحاصل لاشیئ من الخارج منه غیر حدث نجسا وینعکس بعکس النقیض سالبة جزئیة لیس بعض اللانجس لاخارجا منه غیر حدث وبورود السلب علی لاخارج یعود الی الاثبات فیؤل المعنی الی قولنا بعض مالیس نجسا خارج من بدن المکلف غیر حدث وبالمستقیم سالبة کلیة لاشیئ من النجس خارجا منه غیر حدث ووجوہ صدقه ماقدمنا۔ وبالجملة حاصل العکسین	ناقض نہ ہوگا تو بدن مکلّف سے خارج نہ ہوگا اور اس کا عکس مستوی یہ موجبہ جزئیہ ہوگا، **بعض اللانجس، خارج منه غیر حدث** (بعض لانجس، بدن سے اس حال میں خارج ہیں کہ حدث نہیں) یہ بھی قطعًا صادق ہے جیسے آنسو، پسینہ، قلیل خون۔ **دوم:** اس طرح کہ طرفین محصلہ ہوں اور "ما" عموم کے لئے نہیں بلکہ نکرہ بمعنی شیئ ہو حیز نفی میں داخل ہوا تو عام ہو گیا، اس صورت میں حاصل یہ ہوگا: لاشیئ من الخارج منہ غیر حدث، نجسا (بدن سے نکلنے والی اس حال میں کہ حدث نہ ہو کوئی بھی چیز نجس نہیں) اس کا عکس نقیض یہ سالبہ جزئیہ ہوگا، **لیس بعض اللانجس، لا خارجا منه غیر حدث** (بعض لانجس، غیر حدث ہونے کی حالت میں لاخارج نہیں) لاخارج پر سلب وارد ہونے سے اثبات کی طرف لوٹ جائے گا، تو معنی کا مآل یہ ہوگا: **بعض ما لیس نجسا خارج من بدن المکلف غیر حدث** (بعض وہ جو نجس نہیں بدن مکلّف سے غیر حدث ہونے کی حالت میں خارج ہے) اور عکس مستقیم یہ سالبہ کلیہ ہوگا: **لاشی من نجس خارج منه غیر حدث** (کوئی نجس، غیر حدث ہوتے ہوئے بدن سے خارج نہیں) اور اس کے صدق کی صورتیں وہی ہیں جو ہم نے پہلے بیان کیں۔ بالجملہ دونوں وجہوں پر آنے والے دونوں

على الوجهين متعاكس فحاصل عكس النقيض على جعلها موجبة هو حاصل المستوى على جعلها سالبة وبالعكس هذا ما تحتمله العبارة اما علماؤنا فانما ارادوا الوجه الاول اعنى الايجاب ولم يريدوا عكس النقيض بل المستوى لكن لامنطقيا بل عرفيا كما عرفت۔

واما النظر الدقيق **فاقول**: ان كانت القضية موجبة كما ارادوا فقد حكموا كليا على ماليس بحدث بلا نجس فيجب ان يكون اللانجس مساويا للخارج غير حدث اواعم منه مطلقا ونقيض المتساويين متساويان والاعم والاخص مطلقا مثلهما بالتعكيس فيجب ان يكون النجس مساويا للاخارج غير حدث او اخص منه مطلقا واللاخارج غير حدث يصدق بوجهين ان لايكون خارجا اصلا اويكون خارجا حدثا والنجس ان ابقى على ارساله يكون اعم منه

عکسوں کا حاصل ایک دوسرے کا عکس ہوگا، موجبہ بنانے پر جو عکس نقیض کا حاصل ہے وہ سالبہ بنانے پر عکس مستوی کا حاصل ہے اور اس کے برعکس (سالبہ بنانے پر عکس نقیض کا حاصل موجبہ بنانے پر عکس مستوی کا حاصل ہے) یہ وہ ہے جس کا عبارت میں احتمال ہے لیکن ہمارے علماء نے وجہ اول یعنی ایجاب مراد لیا ہے اور عکس نقیض نہیں بلکہ مستوی، وہ بھی منطقی نہیں بلکہ عرفی مراد لیا ہے جیسا کہ معلوم ہوا۔

اب رہی نظر دقیق، فاقول: (تو میں کہتا ہوں) اگر قضیہ کلیہ ہو جیسا کہ علماء نے مراد لیا تو انہوں نے کلی طور پر، اس پر جو حدث نہیں ہے لانجس ہونے کا حکم کیا (اور کہا کہ ہر وہ جو خارج غیر حدث ہے وہ لانجس ہے) تو ضروری ہے کہ لانجس، خارج غیر حدث کا مساوی ہو یا اس سے اعم مطلق ہو اور متساویین کی نقیضیں متساویین ہوتی ہیں مگر برعکس (یعنی اخص اعم مطلق) تو ضروری ہے کہ لانجس کی نقیض نجس، خارج غیر حدث کی نقیض لاخارج غیر حدث کے مساوی ہو یا اس سے اخص ہو اور لاخارج غیر حدث کا صدق دو طرح کا ہوگا، ایک یہ کہ سرے سے خارج ہی نہ ہو، دوسرے یہ کہ خارج ہو مگر حدث ہو اور نجس اگر اپنے اطلاق پر (بلاقید) باقی رکھا جائے

لما بینا فی رسالتنا لمع الاحکام ان قیئ قلیل الخمر والبول لیس بحدث فیصدق علیه النجس ولا یصدق اللاخارج غیر حدث بل هو خارج غیر حدث فوجب ان یراد بالنجس النجس بالخروج کما حققنا ثمه وحینئذ یکون اخص من اللاخارج غیر حدث فان کل نجس بالخروج یصدق علیه انه لیس بخارج غیر حدث بل حدث ولا یصدق علی کل لاخارج غیر حدث انه نجس بالخروج لجواز ان لا یکون خارجا اصلا فاذن تؤل القضیة الی قولنا کل خارج من بدن المکلف غیر حدث فهو لانجس بالخروج وعکس نقیضها کل نجس بالخروج فهو لاخارج منه غیر حدث واذا کان ذلك کذالك انتفی الوجه الاول من مصداق اللاخارج غیر حدث لان النجس بالخروج خارج لاشك فلم یبق الا ان یکون خارجا حدثا والخروج قد اعتبر فی الموضوع فلا حاجة الی عادته فی المحمول

اس سے اعم ہو گا جس کی وجہ ہم نے اپنے رسالہ لمع الاحکام میں بیان کی ہے کہ شراب اور پیشاب کی قے قلیل حدث نہیں تو اس پر نجس صادق ہو گا اور لاخارج غیر حدث صادق نہ ہوگا بلکہ وہ خارج غیر حدث ہے تو ضروری ہے کہ نجس سے نجس بالخروج مراد ہو جیسا کہ وہیں ہم نے تحقیق کی ہے اس صورت میں وہ لا خارج غیر حدث سے اخص ہوگا اس لئے کہ ہر نجس بالخروج پر یہ صادق آئے گا کہ وہ خارج غیر حدث نہیں بلکہ حدث ہے اور ہر لاخارج غیر حدث پر یہ صادق نہ ہو گا کہ وہ نجس بالخروج ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سرے سے خارج ہی نہ ہو تو اب قضیہ کا مآل یہ ہو گا کہ "ہر وہ جو بدن مکلّف سے خارج غیر حدث ہے تو وہ لا نجس بالخروج ہے" اور اس کا عکسِ نقیض یہ ہو گا: ہر وہ جو نجس بالخروج ہے وہ لاخارج غیر حدث ہے اور یہ جب ایسا ہو گا تو لاخارج غیر حدث کے دو مصداقوں میں سے پہلی صورت منتفی ہو گئی اس لئے کہ نجس بالخروج بلاشبہہ خارج ہے تو صرف یہ صورت رہی کہ خارج حدث ہو اور خروج کا اعتبار موضوع میں ہو چکا ہے تو اسے محمول میں دوبارہ لانے کی کوئی ضرورت نہیں تو خلاصہ عکس یہ ہو گا کہ ہر نجس بالخروج حدث ہے

فیخرج فذلکة العکس ان کل نجس بالخروج حدث فتبین ان فیه من این جاء التقیید بالاشیاء الخارجة من بدن المکلف فی موضوعه وکیف خرج السلب الوارد علی ما وعلی الحدث من محموله حتی لم یبق فیه الا لفظة حدث فارتفع الا یراد ان معا عن البر جندی والشیخ اسمعیل جمیعا انما بقی الاخذ علی اخذها سالبة الطرفین وکانه رحمه الله تعالٰی نظر الی وجود السلب ولو فی المتعلق ولیس فیه کبیر مشاحة هکذا ینبغی التحقیق والله تعالٰی ولی التوفیق۔

وکذلك ان کانت سالبة لابد ایضا من الحمل المذکور اذلا شك ان المراد الکلیة لان المقصود اعطاء ضابطة فقد سلبت النجاسه کلیة عن الخارج غیر حدث فیکون النجس مباینا له ولا یباینه الا بارادة النجس بالخروج اذ لولاها لکانت اعم لمسألة قیئ الخمرا لمذکورة لکن مرادهم هوالایجاب کما علمت۔

اما قول البرجندی هذه الکلیة لوجعلت متعلقة بمباحث القیئ

اس سے واضح ہوا کہ اس میں موضوع کے اندر "بدن مکلّف سے نکلنے والی چیزوں" کی قید کہاں سے آئی اور "ما" پر اور "حدث" پر وارد ہونے والا سلب اس کے محمول سے کیسے نکل گیا یہاں تک کہ صرف لفظ حدث رہ گیا تو برجندی اور شیخ اسمٰعیل سے دونوں اعتراض ایک ساتھ اُٹھ گئے، صرف یہ مؤاخذہ رہ گیا کہ اسے سالبۃ الطرفین کیوں مانا، گویا برجندی رحمۃ اللہ تعالٰی نے یہ دیکھا کہ سلب موجود ہے اگرچہ متعلق ہی میں ہے اور اس میں کوئی بڑا حرج نہیں اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور خدائے برتر ہی مالک توفیق ہے۔

یوں ہی اگر سالبہ ہو تو اس میں بھی حمل مذکور ضروری ہے کیونکہ اس میں شک نہیں کہ مراد کلیہ ہے اس لئے کہ مقصود ایک ضابطہ عطا کرنا ہے تو خارج غیر حدث سے نجاست کلی طور پر مسلوب ہوئی تو نجس اس کا مباین ہوگا اور مباین اسی صورت میں ہوگا جب نجس بالخروج مراد ہو اس لئے کہ اگر یہ مراد نہ ہو تو اعم ہو جائے گا جس کا سبب مذکورہ مسئلہ خمر ہے لیکن ان کی مراد ایجاب ہی ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا۔

اب رہا برجندی کا یہ قول کہ اگر یہ کلیہ قے کے مباحث سے متعلق ہو تو اس کی ایک وجہ

لکان له وجه[1]۔

اقول: کیف وانهم جمیعا انما یذکرونها تلو مسائل القیئ وقوله سلمت عن توهم الدور[2]

اقول: وجهه ان اعطاء القضیة انما هو لیکتسب علم عدم النجاسة من علم عدم الحدثیة و علم عدم الحدثیة یتوقف علی علم عدم النجاسة اذ لو کان نجسا لکان حدثا فیدور وانما قال توهم لان العلم بعدم الحدثیة یحصل بتصریح الفقه فالمراد کلما سمعتموه من علمائنا انه لاینقض الطهارة فاعلموا انه لیس بخروجه نجسا فان لم یکن نجسا دخل من خارج فهو طاهر وهذا ظاهر وصلی الله تعالٰی علی اطهر طیب واطیب طاهر وعلی اٰله وصحبه الاطائب الاطاهر والحمدلله رب العٰلمین فی الاول والاٰخر والباطن والظاهر ولنسم هذا التحریر المنیر المنفرد بهذا التحریر والتحبیر "الطراز المعلم فیما هو حدث من احوال الدم (۱۳۲۴)"

ہو گی۔

اقول: اس سے متعلق کیسے نہیں جبکہ سبھی حضرات اسے مسائلِ قے کے بعد متصلاً ہی ذکر کرتے ہیں، قول برجندی: دور کے توہّم سے سلامت رہتا۔

اقول: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ضابطہ اسی لئے ہے کہ حدث نہ ہونے کے علم سے نجس نہ ہونے کا علم حاصل ہو جائے اور حدث نہ ہونے کا علم نجس نہ ہونے کے علم پر موقوف ہے اس لئے کہ اگر نجس ہوگا تو حدث ہوگا تو دور ہوگا، توہّم دور اس لئے کہا کہ حدث نہ ہونے کا علم فقہ کی تصریح سے ہوتا ہے تو مقصد یہ ہے کہ جب ہمارے علماء سے سنو کہ وہ ناقضِ طہارت نہیں تو جان لو کہ وہ اپنے خروج سے نجس نہیں تو اگر وہ ایسا نجس نہیں جو خارج سے داخل ہوا ہو تو وہ طاہر ہے اور یہ ظاہر ہے اور اللہ تعالٰی رحمت نازل فرمائے سب سے پاک طیّب اور سب سے پاکیزہ طاہر پر اور ان کے اطیب و اطہر آل پر اور تمام تر حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، حمد شروع میں بھی آخر میں بھی اور باطن میں بھی اور ظاہر میں بھی۔ اور ہم اس تحریر منیر کو جو اس تنقیح و تزیین میں منفرد ہے **الطراز المعلم فیما هو حدث من الاحوال الدم** (۱۳۲۴ھ)

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳

[2] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳

وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا واٰلہٖ وصحبہ وسلم والحمدللہ علی ما علم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	(نشان زدہ نقش خون کے ان احوال کے بیان میں جو حدث ہیں) سے موسوم کریں اور خدائے برتر کا درود ہو ہمارے آقا، ان کی آل اور ان کے اصحاب پر اور سلامتی ہو اور خدا کا شکر ہے اس پر جو اس نے تعلیم فرمایا اور خدائے پاک برتر ہی کو خوب علم ہے (ت)

(رسالہ الطراز المعلم فیما ہو حدث من احوال الدم ختم ہوا)

مسئلہ ۹: دہم محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ اپنے گھٹنے کھُل جانے یا اپنا پرایا ستر بلا قصد یا بالقصد دیکھنے یا دوڑنے یا بلندی پر سے کُودنے یا گرنے سے وضو جاتا ہے یا نہیں، بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

ان میں کسی بات سے وضو نہیں جاتا۔ ستر ف۱ کھُلنے یا دیکھنے سے وضو جانا کہ عوام کی زبان زد ہے محض بے اصل ہے، علماء ف۲ نے ستر عورت کو آدابِ وضو سے گنا اگر کشف سے وضو جاتا تو فرائض وضو سے ہوتا۔ منیہ وغنیہ میں ہے:

اٰداب الوضوء ان یستر عورتہ حین فرغ من الاستنجاء [1] اھ ملتقطا۔	آدابِ وضو میں ہے کہ استنجاء سے فراغت کے بعد ستر چھپا لے اھ ملتقطا (ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر صرف ف۳ ایک جبہ پہن کر نماز پڑھی جس سے گھٹنوں تک رکوع سجود وغیرہما

ف۱: مسئلہ گھٹنے یا ستر کھلنے یا اپنا یا پرایا ستر دیکھنے سے وضو نہیں جاتا۔

ف۲: مسئلہ وضو کا ادب یہ ہے کہ ناف سے زانو کے نیچے تک سب ستر چھپا کر ہو بلکہ استنجے کے بعد فورًا ہی ستر ہو لینا چاہئے کہ بلا ضرورت برہنگی منع ہے۔

ف۳: صرف ایک جبہ پہن کر نماز پڑھی جس سے رکوع و سجود وغیرہ کسی حالت میں زانو کا حصہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کچھ حرج نہیں۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی آداب الوضو سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۳۱

ہر حال میں ستر حاصل ہے اور اُس کا گریبان ف۱ اتنا کشادہ ہے کہ گریبان سے اپنے ستر تک نظر جاسکتی ہے اور اس نے دیکھا تو کراہت ہے مگر نماز ہو گئی اگر وضو جاتا رہتا نماز کیونکر ہوتی۔ درمختار میں ہے:

الشرط سترھا عن غیرہ لا نفسہ بہ یفتی فلو رأھا من زیقہ لم تفسد وان کرہ[1]۔	اسے دوسرے سے چھپانا شرط ہے خود سے نہیں اسی پر فتوٰی ہے تو اگر گلے کے چاک سے اپنا ستر دیکھا تو نماز نہ جائے گی اگرچہ مکروہ ہے۔(ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر عورت ف۲ کو طلاق رجعی دی تھی ہنوز عدت نہ گزری تھی یہ نماز میں تھا کہ عورت کی فرج پر نظر پڑ گئی اور شہوت پیدا ہوئی رجعت ہو گئی اور نماز میں فساد نہ آیا اور اگر قصداً بھی ایسا کرے تو مکروہ ضرور ہے مگر نماز فاسد نہیں۔ خلاصہ وردالمحتار میں ہے:

لو نظر الی فرج المطلقۃ رجعیا بشھوۃ یصیر مراجعا ولا تفسد صلاتہ فی روایۃ ھو المختار[2] اھ ثم الفساد علی الاخری انما ھو لان النظر الی الفرج بشھوۃ من داعی الجماع فصار کما لو قبلت ف۳ المصلی امرأتہ وھو فی الصلاۃ	جس عورت کو طلاق رجعی دی تھی اگر شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کی طرف دیکھا تو رجعت کرنے والا ہو جائے گا اور اس کی نماز فاسد نہ ہو گی ایک روایت میں جو مختار ہے اھ۔ پھر دوسری روایت پر فساد نماز اسی لئے ہے کہ شرم گاہ کی طرف شہوت سے دیکھنا جماع کے دواعی میں سے ہے تو ایسا ہی ہوا جیسے نماز پڑھنے والے کو جب وہ نماز میں تھا اس کی عورت نے بوسہ دیا

ف۱: مسئلہ: ایسے جبے کا اگر گریبان اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر سے اپنے ستر تک نظر جا پڑی کچھ حرج نہیں، ہاں قصداً دیکھنا مکروہ ہے نماز یا وضو فاسد جب بھی نہ ہوں گے۔

ف۲: مسئلہ: عورت کو رجعی طلاق دی تھی یہ نماز پڑھ رہا تھا اتفاقاً عورت کی فرج داخل پر نظر بشہوت جا پڑی رجعت ہو گئی اور نماز و وضو میں کچھ خلل نہیں ہاں قصداً ایسا کرے گا تو کراہت ہے۔

ف۳: مسئلہ: مرد نماز میں تھا عورت نے اس کا بوسہ لیا اس سے مرد کو خواہش پیدا ہوئی نماز جاتی رہی اگرچہ یہ اس کا اپنا فعل نہ تھا اور عورت نماز پڑھتی ہو مرد بوسہ لے عورت کو خواہش پیدا ہو عورت کی نماز نہ جائے گی۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب شروط الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۲۲

فاشتھی فسدت لصیر ورتہ باشتہائہ فی معنی الجماع والجواب مذکور فیھماان ھذا فی الدواعی التی ھی فعل غیر النظر والفکر لتعذر التحرز عنھما۔	جس سے اس کو شہوت پیدا ہوئی تو اس کی نماز فاسد ہو گئی کیونکہ یہ شہوت کی وجہ سے معنیٰ جماع میں ہو گیا اور ان دونوں میں جواب مذکور ہے کہ یہ ان دواعی میں ہے جو نظر و فکر کے علاوہ کوئی اور عمل ہیں کیونکہ دیکھنے، سوچنے سے بچنا متعذر ہے۔(ت)

اور منکوحہ کی بھی تخصیص نہیں زنِ ف۱ بیگانہ کا بھی یہی حکم ہے، یہاں بجائے رجعت حرمت مصاہرت ثابت ہو گی، مراقی الفلاح میں ہے:

لاتبطل صلاتہ بنظرہ الی فرج المطلقۃ اوالا جنبیۃ یعنی فرجھا الداخل [1]۔ قال ط فی حاشیتھا وتثبت بہ حرمۃ المصاھرۃ فی الاجنبیۃ۔[2]	مطلّقہ یا اجنبیہ کی شرمگاہ یعنی فرج داخل کی طرف دیکھنے سے نماز باطل نہ ہو گی۔ طحطاوی نے حاشیہ مراقی میں لکھا: اور اجنبیہ میں اس کی وجہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی(ت)

دوڑنے ف۲ کودنے گرنے میں بھی کوئی وجہ نقضِ وضو نہیں جب ف۳ تک گرنے سے بیہوشی نہ ہو یا خون نہ نکلے بحال بقائے ف۴ ہوش فقط یہ خیال کہ طبیعت دوسری طرف متوجہ اور اپنے حال سے غافل ہوتی ہے کافی نہیں

ف۱: مسئلہ نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر جا پڑے جب بھی نماز و وضو میں خلل نہیں مگر عورت کی مائیں، بیٹیاں اس پر حرام ہو جائیں گی جب کہ فرج داخل پر نظر بشہوت پڑی ہو اور اگر قصداً ایسا کرے تو سخت گناہ ہے مگر نماز و وضو جب بھی باطل نہ ہوں گے۔

ف۲: دوڑنے یا کودنے سے وضو نہیں جاتا۔

ف۳: مسئلہ کتنی ہی بلندی پر سے گر پڑے وضو نہ جائے گا مگر یہ کہ خون وغیرہ کچھ خارج ہو یا بیہوش ہو جائے۔

ف۴: مسئلہ جب تک ہوش باقی ہیں طبیعت کسی قدر کسی کام میں مشغول ہو وضو نہ جائے گا جیسے کتاب کا مطالعہ یادِ الٰہی کا مراقبہ۔

---

1 مراقی الفلاح کتاب الصلوۃ فصل فیما لایفسد الصلوۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۴۲

2 حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلوۃ فصل فیما لایفسد الصلوۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۴۳

ورنہ مطالعہ کتب بلکہ مراقبہ یادِ الٰہی بھی ناقضِ وضو ہو۔

نعم وقع فی حاشیة السید العلامة ط علی مراقی الفلاح مانصه فی الهندیة عن المحیط عد من النواقض سقوطه من اعلی اھ قال بعض الفضلاء ولعله لعدم خلوه عن خروج خارج غالبا وھو لایشعر[1] اھ۔ **اقول:** ف۱ رحمه الله السید والفاضل انما نص الهندیة هکذا المذی ینقض الوضوء وکذا الودی والمنی اذا خرج من غیر شهوة بان حمل ف۲ شیئا فسبقه المنی اوسقط من مکان مرتفع یوجب الوضوء کذا فی المحیط[2] اھ بلفظھا۔ فقوله المنی مبتدأ خبره یوجب والضمیر فیه للمنی وقوله سقط معطوف علی حمل وھو تصویر اخر لخروج	ہاں علامہ سید طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح میں یہ عبارت ہے: ہندیہ میں محیط سے نقل ہے کہ بلندی سے گرنے کو نواقض میں شمار کیا گیا ہے اھ، بعض فضلاء نے کہا: شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ عموماً یہ اس سے خالی نہیں ہوتا کہ اس کی بے خیالی میں اس سے کچھ نقل کیا جائے اھ۔ **اقول:** سیّد اور فاضل (بعض فضلا) پر خدا کی رحمت ہو۔ ہندیہ کی عبارت اس طرح ہے: مذی ناقضِ وضو ہے، اسی طرح ودی بھی اور منی جب کہ بلاشہوت نکلی ہو اس طرح کہ کوئی وزنی چیز اٹھائی جس کی وجہ سے منی نکل آئی، یا کسی اونچی جگہ سے گر پڑا تو وہ وضو واجب کرتی ہے ایسا ہی محیط میں ہے اھ عبارت انہی الفاظ کے ساتھ ختم ہوئی تو لفظ "المنی" مبتدا ہے جس کی خبر یوجب (واجب کرتی ہے) ہے اور اس میں ضمیر لفظ منی کی طرف راجع ہے اور لفظ "سقط" (گر پڑا) حمل (اٹھانا) پر معطوف ہے اور اس

ف۱: معروضة علی العلامة ط و من نقل عنه۔

ف۲: **مسئلہ:** بوجھ اٹھانے یا گر پڑنے یا کسی وجہ سے منی بے شہوت اپنے محل سے جدا ہو کر نکل گئی وضو واجب ہوگا غسل نہیں۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ فصل نواقض الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۸۶

[2] الفتاوی الھندیہ کتاب الصلوۃ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰

المنی بلاشھوۃ لامعدود فی الموجبات بنفسہ وعبارۃ الامام قاضی خان تزیل الوھم قال فی الخانیۃ"خروج المنی لاعن شھوۃ بان سقط من مکان مرتفع اوماأشبہ ذلك لایوجب الغسل وینقض الوضوء [1] الخ فسبحن من لایزل ولا ینسی واللہ تعالٰی اعلم۔	سے بلاشہوت خروج منی کی ایک اور صورت پیش کی ہے یہ (اونچی جگہ سے گرنا) خود موجباتِ وضو کے شمار میں نہیں ہے اور امام قاضی خاں کی عبارت سے یہ وہم دور ہو جاتا ہے، خانیہ میں ان کے الفاظ یہ ہیں: منی کا بلاشہوت نکلنا اس طرح کہ کسی اونچی جگہ سے گرپڑا یا ایسی کوئی صورت ہو، موجبِ غسل نہیں اور ناقضِ وضو ہے۔ الخ تو پاکی ہے اس ذات کے لئے جسے لغزش اور نسیان نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰: ۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک پھڑیا تھی اُس نے اوپر کی جانب سے منہ کیا اور پھوٹی، بہی، بالکل اچھی ہو گئی، مگر اس کا بالائی پوست اور اس کے نیچے خالی جگہ ہنوز باقی ہے۔ زید نہایا غسل کا پانی کہ اوپر سے بہتا آیا اُس خلا میں بھر گیا، بعد نہانے کے زید نے ہاتھ سے دبادیا کہ وہ پانی بہہ کر نکل گیا، اس صورت میں وضو ساقط ہوا یا نہیں؟ اور جس بدن پر وہ پانی گزرا پاک رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب ف کہ وہ پانی پھڑیا کا نہیں بلکہ خالص غسل کا ہے پھڑیا بالکل صاف ہو گئی تھی کہ اُس میں خون پیپ کچھ نہ رہا تھا تو نہ وضو گیا نہ بدن ناپاک ہوا۔

جواہر الفتاوٰی امام کرمانی باب رابع فتاوائے امام نجم الدین عمر نسفی میں ہے:

جرح لیس فیہ شیئ من قیح اودم او	ایسا زخم جس میں پیپ، خون، صدید کچھ نہیں،

ف: **مسئلہ:** پھڑیا بالکل اچھی ہو گئی اس کا مردہ پوست باقی ہے جس میں اوپر منہ اور اندر خلا ہے نہانے میں اس میں پانی بھر گیا پھر دبا کر نکال دیا وضو نہ جائے گا نہ وہ پانی ناپاک ہوا۔

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلوۃ فصل فیما ینقض الوضوء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸

صدید دخل صاحبه الحمام فدخل ماء الحمام الجرح فلما خرج من الحمام عصر الجرح فخرج ماء الحمام لاینتقض الوضوء لان الخارج ماء الحمام لاما حصل من الجرح[1]۔	زخم والا حمام گیا حمام کا پانی زخم میں چلا گیا، جب وہ حمام سے باہر آیا تو زخم نچوڑا جس سے حمام کا پانی نکل گیا تو وضو نہ جائے گا اس لئے کہ جو نکلا وہ حمام کا پانی ہے وہ نہیں جو زخم سے پیدا ہوا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ میں ہے:

ولفظها فخرج منه الماء وسال لاینقض[2]۔	اس کے الفاظ یہ ہیں: تو اس سے پانی نکلا اور بہا تو اس سے وضو نہ جائے گا۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

دخل الماء جرحه ولادم ولا صدید فیه ثم خرج منه لاینقض[3]۔	زخم میں پانی چلا گیا اور اس میں خون، صدید کچھ نہ تھا وہ پانی اس سے نکلا تو وضو نہ جائیگا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

الماء اذا دخل الجرح ثم خرج لایضر[4] اھ۔ **اقول:** رمزله خ یعنی الخلاصة وقد بالغ ف فی الاختصار حتی بلغ الاقتصاد فانه صور المسألة بقوله جرح لیس فیه شیئ من	پانی زخم میں بھر گیا پھر نکلا تو ضرر نہیں اھ (ت) **اقول:** اس کے لئے خ یعنی خلاصہ کا رمز دیا اور اتنا زیادہ اختصار کر دیا کہ حدِ قصور تک پہنچ گیا اس لئے کہ خلاصہ میں صورتِ مسئلہ اس طرح بیان کی ہے: ایسا زخم ہے جس میں خون،

ف: تطفل علی خزانۃ المفتین۔

---

1 جواہر الفتاوی

2 خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۷

3 الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۲

4 خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ نواقض الوضوء (قلمی) ۱/۵

الدم والقیح[1] الخ کما صور مأخذہ فتاوی الامام النسفی والاٰخذ منه وجیز الکردری۔

ولابد منه لانه لو ف۱ کان فیه ذلك یتنجس الماء بالمجاورۃ فینقض بالمجاوزۃ لان خروج نجس سال ناقض مطلقا وان کان شیئا طاھرا انما اکتسب النجاسة فی الباطن بالجوار الا تری انه اذا شرب ف۲ الماء ووصل معدته ثم خرج بالقیئ من ساعته وکان ملأفیه نقض قال فی الدر وان لم یستقر وھو نجس مغلظ ولو من ف۳ صبی ساعة ارتضاعه ھو الصحیح لمخالطة النجاسة ذکرہ الحلبی[2] اھ

فان قلت ھنا روایة

پیپ کچھ نہیں الخ جیسا کہ اس کے ماخذ فتاوٰی امام نسفی میں بیان کیا ہے اور خلاصہ سے اخذ کرنے والے امام کردری نے وجیز میں بیان کیا ہے۔

اور اسے بیان کرنا بہت ضروری ہے اس لئے کہ اگر زخم میں خون پیپ وغیرہ کچھ رہا ہو تو بعد میں اندر جانے والا پانی اتصال کی وجہ سے نجس ہو جائے گا پھر زخم سے تجاوز کرنے پر وضو توڑ دے گا اس لئے کہ ایسے نجس کا نکلنا جو بہہ جائے مطلقًا ناقضِ وضو ہے اگرچہ وہ پہلے کوئی پاک چیز رہی ہو اندر جا کر صرف اتصال کی وجہ سے نجس ہو گئی ہو دیکھئے جب پانی پیا اور معدہ میں پہنچ گیا پھر فورًا قے کے ساتھ نکل آیا اور قے منہ بھر کر تھی تو وہ ناقضِ وضو ہے، درمختار میں ہے: اگرچہ اندر ٹھہرا نہ ہو اور وہ نجاستِ غلیظہ ہے اگرچہ بچّہ سے دودھ پیتے ہوئے ایسا ہوا ہو یہی صحیح ہے کہ نجاست سے اختلاط ہو گیا اسے حلبی نے ذکر کیا۔اھ

اگر سوال ہو کہ یہاں ایک روایت

ف۱: مسئلہ: پھڑیا میں اگر ابھی خون وغیرہ رطوبت باقی ہے نہانے کا پانی اس میں بھرا اور بہہ کر نکلا وضو جاتا رہے گا کہ وہ پانی نجس ہو گیا۔

ف۲: مسئلہ: پانی پیا اور معدے میں اُتر گیا اور معًا قے ہو کر ویسا ہی صاف ستھرا پانی نکل گیا وضو جاتا رہا جب کہ منہ بھر کر ہو اور وہ پانی بھی ناپاک ہے۔

ف۳: مسئلہ: بچے نے دودھ پیا اور معدے تک پہنچا ہی تھا کہ فورًا اڈال دیا وہ دودھ نجس ہے جبکہ منہ بھر ہو روپے بھر جگہ سے زیادہ جس چیز پر لگ جائے گا ناپاک کر دے گا۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۷

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵ و ۲۶

اخری ان قیئ الماء لاینتقض مالم یستحل وقد صحح ایضا قال فی البحر تحت قول المتن وقیئ ملافاہ ولوطعاما اوماء اطلق فی الطعام والماء قال الحسن اذا تناول طعاما اوماء ثم قاء من ساعتہ لاینقض لانہ طاھر حیث لم یستحل وانما اتصل بہ قلیل القیئ فلا یکون حدثا فلا یکون نجسا وکذا الصبی اذا ارتضع وقاء من ساعتہ وصححہ فی المعراج وغیرہ ومحل الاختلاف اذا وصل الی معدتہ ولم یستقر، امالو قاء قبل ف الوصول الیھا وھو فی المریئ فانہ لاینقض اتفاقا کماذکرہ[1] الزاھدی اھ وقال المحقق فی الفتح تحت قول الھدایۃ ان قاء بلغما فغیرناقض وقال ابو یوسف ناقض لانہ نجس بالمجاورۃ ولھما انہ لزج لاتتخللہ النجاسۃ ومایتصل بہ	اور ہے وہ یہ کہ پانی کی قے ناقضِ وضو نہیں جب تک کہ پانی متغیر نہ ہوا ہو اس روایت کی تصحیح بھی ہوئی ہے کنز میں ہے: اور وہ قے جو منہ بھر ہو اگرچہ کھانے یا پانی کی ہو اس پر بحر میں کہا: کھانے اور پانی میں حکم مطلق بیان کیا حسن بن زیاد نے کہا جب کھانا کھائے یا پانی پیئے پھر فورًا قے کردے اور وہ ناقض نہیں اس لئے کہ وہ پاک ہے کیوں کہ ابھی وہ متغیر نہ ہوا صرف یہ ہے کہ اس سے تھوڑی سی قے کا اتصال ہوا تو یہ حدث نہیں تو نجس بھی نہیں، اسی طرح بچہ جب دودھ پیئے اور فورًا قے کردے، اسے معراج وغیرہ میں صحیح کہا۔ اور محلِ اختلاف وہ صورت ہے جب معدہ تک پہنچ گیا ہو اور ٹھہرا نہ ہو، اور اگر معدہ تک پہنچنے سے پہلے قے کردی جب کہ وہ کھانا پانی گزرنے کی نالی ہی میں تھا تو بالاتفاق ناقضِ وضو نہیں جیسا کہ زاہدی نے ذکر کیا ہے اھ۔ ہدایہ کی عبارت ہے: "اگر بلغم کی قے کی تو وہ ناقض نہیں اور امام ابو یوسف نے فرمایا ناقض ہے اس لئے کہ اتصال کی وجہ سے وہ نجس ہے اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وہ لیس دار ہے جس میں نجاست

ف: مسئلہ: پانی پیا کہ اور ابھی سینے ہی تک پہنچا تھا کہ اُچھو سے نکل گیا وہ ناپاک نہیں، نہ اس سے وضو جائے، یونہی دودھ۔

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴/۱

قليل والقليل فى القيئ غير ناقض مانصه"وعلى هذا يظهر ماء فى المجتبى عن الحسن لوتناول طعاما اوماء ثم قاء من ساعته لاينتقض لانه طاهر [1] الى اٰخر مامر عن البحر الى مسئلة ارتضاع الصبى قال المحقق قيل هو المختار وما فى القنية لو قاء ف۱ دودا كثيرا اوحية ملأت فاه لاينقض [2] اھ"وقال المحقق ايضا فى باب الانجاس مرارة ف۲ كل شيئ كبوله واجتراره ف۳ كسرقنيه قال فى التجنيس لانه و اراه جوفه الاترى ان مايوارى جوف الانسان بان كان ماء ثم قاء فحكمه حكم بوله انتهى۔	سرایت نہیں کر پاتی اور جو کچھ اس سے لگا ہوا ہے وہ قلیل ہے اور قے میں قلیل غیر ناقض ہے"اس کے تحت فتح القدیر میں حضرت محقق یہ لکھتے ہیں : اور اس بنیاد پر وہ ظاہر ہے جو مجتبی میں حسن سے منقول ہے کہ اگر کھانا کھایا یا پانی پیا پھر فورًا قے کر دی تو وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ وہ پاک ہے (اس عبارت کے آخر تک جو بحر کے حوالے سے بچے کے دودھ پینے کے مسئلے تک گزری) حضرت محقق نے فرمایا: وہی مختار ہے۔ اور وہ بھی ظاہر ہے جو قنیہ میں ہے کہ اگر بہت کیڑوں یا سانپوں سے منہ بھری قے کی تو ناقض نہیں اھ اور حضرت محقق ہی نے باب الانجاس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہر جاندار کا پتّہ اس کے پیشاب کے حکم میں ہے اور اس کی جگالی اس کے گوبر ، مینگنی کے حکم میں ہے تجنیس میں کہا اس لئے کہ اسے اس کے جوف نے چھپا رکھا ہے ، دیکھو جسے انسان کے جوف نے

ف۱ : **مسئلہ** : اگر معاذاللہ کیڑے قے ہو گئے یا سانپ ، وضو نہ جائے گا اگرچہ منہ بھر کر ہو۔

ف۲ : **مسئلہ** : ہر جاندار کا پتّہ اس کے پیشاب کے حکم میں ہے مثلاً آدمی کے پت نجاست غلیظہ ہیں گھوڑے گائے کے نجاست خفیفہ۔

ف۳ : **مسئلہ** : ہر جانور کی جگالی اس کے گوبر مینگنی کے حکم میں ہے مثلاً اونٹ ، گائے ، بھینس ، بکری کی نجاست خفیفہ اور جلالہ کی غلیظہ۔

1 فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ سکھر ۴۱/۱

2 فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ سکھر ۴۱/۱

وھو یقتضی انہ کذلك وان قاء من ساعتہ (ای لانہ ایضا واراہ جوفہ قال) وقد منا فی النواقض عن الحسن ماھوالاحسن وقد صححہ (ای صاحب التجنیس) بعد قریب ورقۃ فقال فی الصبی ارتضع ثم قاء فاصاب ثیاب الام ان زاد علی الدرھم منع قال و روی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لایمنع مالم یفحش لانہ لم یتغیر من کل وجہ فکان نجاستہ دون نجاسۃ البول بخلاف المرارۃ لانھا متغیرۃ من کل وجہ کذا فی غریب الروایۃ عن ابی حنیفۃ وھو الصحیح وفیہ ماذکرنا[1] اھ فقد صححہ فی المعراج وغیرہ وقیل ھو المختار واستظھرہ المحقق وجعلہ الاحسن فلعل الی ھذا مال فی خزانۃ المفتین فحذف ذلك القید۔ **قلت اولا**: لو اختار ھذا ماکان لیعزوالی الخلاصۃ	اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر فورًا قے کی ہو تو بھی یہی حکم ہے (یعنی اس لئے کہ اسے بھی اس کے جوف نے چھپالیا تھا۔آگے ہے:) اور ہم نواقض میں حسن سے وہ نقل کرچکے ہیں جو احسن ہے اور تقریبًا ایک ورق کے بعد اسے (صاحبِ تجنیس نے) صحیح بھی کہا ہے وہ فرماتے ہیں: بچہ نے دودھ پیا پھر قے کردی جو ماں کے کپڑے پر لگ گئی اگر وہ ایک درہم سے زیادہ ہے تو ممانعت ہے اور حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ مانع نہیں جب کہ بہت زیادہ نہ ہو، اس لئے کہ وہ پوری طرح متغیر نہ ہوا تو اس کی نجاست پیشاب کی نجاست سے کم ہو گی بخلاف پتّے کے اس لئے کہ وہ ہر طرح بدل چکا ہے، ایسا ہی غریب الروایہ میں امام ابو حنیفہ سے مروی اور وہی صحیح ہے اور اس میں وہ کلام ہے جو ہم نے ذکر کیا اھ تو اسے معراج وغیرہ میں صحیح کہا اور کہا گیا کہ وہی مختار ہے اور حضرت محقق نے اسی کو ظاہر کہا اور احسن قرار دیا تو شاید خزانۃ المفتین کا میلان اسی طرف ہو اس لئے وہ قید حذف کردی۔ **میں جواب دوں گا، اولًا**: اگر اسے اختیار کیا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا کہ خلاصہ کے

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب الانجاس وتطہیرہا المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۱/۱۷۹ و ۱۸۰

مالم تردہ۔ **وثانیا:** قد تبع الخلاصة بعد ھذا بسطرین فاطلق مسألة قیئ الطعام والماء اطلاقا کما ارسلت المتون والعامة۔ **وثالثا:** رأیتنی کتبت علی ھامش الفتح من النواقض مانصه قوله وعلی ھذا یظھر مافی المجتبی الخ۔ **اقول:** وباللّٰه التوفیق فی ھذا ف الظھور خفاء شدید فان الماء والطعام وان لم یستحیلا لکنھما یقبلان النجاسة بالمجاورة فاذا اعادا من معدن النجس کانا متنجسین وان لم یکونا نجسین فیجب النقض بھما کالریح طاھرة عینھا وناقض خروجھا لانبعاثھا من محل النجاسة نعم مسألة الدود والحیة واضحة الوجه فانھما لایتداخلھما النجاسة وما علیھما قلیل فلا ینقضان الا اذا کثر خروجھما من غثیان واحد حتی بلغ ما علیھما الکثیر ان وقع ھذا	چھپا لیا ہو مثلاً پانی تھا پھر اس کی قے کی تو اس کا حکم اس کے پیشاب کا ہے انتہی۔ کے حوالے سے وہ بات بیان کریں جو اس نے مراد نہ لی۔ **ثانیًا**: اس کے دو سطر بعد خلاصہ کی تبعیت کرتے ہوئے کھانے اور پانی کی قے کو مطلق بیان کیا ہے جیسے متون اور عامہ مصنفین نے بغیر قید کے ذکر کیا ہے۔ **ثالثًا**: میں نے دیکھا کہ فتح القدیر باب النواقض کے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا ہے: **قوله** اس بنیاد پر وہ ظاہر ہے جو مجتبی میں ہے الخ۔ **اقول**: **و باللّٰه التوفیق** اس ظہور میں شدید خفا ہے اس لئے کھانا اور پانی اگرچہ متغیر نہ ہوا مگر دونوں اتصال کی وجہ سے نجاست قبول کرلیں گے پھر جب نجاست کے معدن سے لوٹیں گے تو متنجس (ناپاک ہوجانے والے) ہوں گے اگرچہ بذاتِ خود نجس نہ ہوں تو ان سے وضو ٹوٹنا ضروری ہے جیسے ریح خود پاک ہے اور اس کا خروج ناقضِ وضو ہے اس لئے کہ وہ محلِ نجاست سے اٹھتی ہے ہاں کیڑے اور سانپ کے مسئلہ کی وجہ واضح ہے اس لئے کہ ان دونوں کے اندر نجاست داخل نہیں ہوئی اور جو ان کے اوپر لگا ہوا ہے وہ قلیل ہے تو یہ ناقض نہ ہوں گے مگر جب ایک ہی متلی سے زیادہ مقدار میں نکلیں یہاں تک کہ جو نجاست ان کے اوپر لگی ہو وہ کثیر کی حد کو

ف: تطفل علی الفتح۔

والعیاذ باللہ تعالٰی ھذا ما اختلج بقلب العبد الضعیف اول وقوفی علی ھذا الکلام ثم بعد یومین رأیت العلامۃ المحقق ابرھیم الحلبی ذکر فی شرح المنیۃ الکبیر روایۃ المجتبی عن الحسن و انہ قیل ھو المختار ثم عقبہ بقولہ و الصحیح ظاھر الروایۃ انہ نجس لمخالطۃ النجاسۃ و تداخلھا فیہ،بخلاف البلغم و بخلاف دود او حیۃ لانہ طاھر فی نفسہ،و لم تتداخلہ النجاسۃ و ما یستتبعہ قلیل لا یبلغ ملأ الفم اھ فھذا عین ما بحثہ و للہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ اھ [1] ما کتبت علیہ و کتبت علی ھامش باب الانجاس قولہ ما ھو الاحسن [2] **اقول**: ما ھو ف الاحسن لانہ خلاف ظاھر الروایۃ المصححۃ و الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی ظاھر الروایۃ قولہ و قد صححہ	پہنچ جائے ،اگر ایسا وقوع میں آئے والعیاذ باللہ تعالٰی یہ وہ ہے جو اس کلام پر واقف ہوتے ہی بندہ ضعیف کے قلب میں خیال ہوا پھر دو دن بعد میں نے دیکھا کہ علامہ محقق ابراہیم حلبی نے منیہ کی شرح کبیر میں حسن سے مجتبی کی روایت ذکر کی اور یہ کہ کہا گیا وہی مختار ہے ،پھر اس کے بعد یہ لکھا : اور صحیح ظاہر الروایہ ہے کہ وہ نجس ہے اس لئے کہ اس کا نجاست سے اختلاط ہوا اور نجاست اس کے اندر داخل ہوئی بخلاف **بلغم** کے اور بخلاف کیڑے یا سانپ کے اس لئے کہ وہ خود پاک ہے اور اس کے اندر نجاست نہ گئی اور جو اس کے تابع ہے وہ قلیل ہے کہ منہ بھرنے کی حد کو نہ پہنچے گی اھ۔ تو یہ بعینہٖ وہی ہے جو میں نے بحث کی اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر ، پاکیزہ ، بابرکت حمد اھ وہ حاشیہ ختم جو میں نے فتح القدیر پر لکھا تھا اور باب الانجاس کے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا : **قولہ** وہ جو احسن ہے **اقول**: وہ احسن نہیں اس لئے کہ وہ تصحیح یافتہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے،اور فتوی میں جب اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کی طرف رجوع واجب ہے **قولہ** اور اسے تقریبًا

ف: تطفل ثان علیہ

[1] حواشی اعلٰحضرت امام احمد رضا خاں علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ،فصل فی نواقض الوضوء (قلمی) ص ۳۳

[2] حواشی اعلٰحضرت امام احمد رضا خاں علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ،باب الانجاس (قلمی) ص ۳۵

بعد قریب ورقة۔ **اقول:** فرق ف۱ بین ما مر عن الحسن و ھو الطھارۃ بدلیل عدم انتقاض الوضوء و بین ہذا الاٰتی عن الحسن عن الامام وھو کونہ نجاسۃ خفیفۃ و ایاما کان فعلی ظاھر الروایۃ التعویل کیف وھو الذی یقتضی بہ الدلیل و ھو الموافق لاطلاق المتون و عامۃ الشروح والفتاوی فی القییٔ [1] **قولہ** لانہ لم یتغیر من کل وجہ اقول نعم ف۲ لکن او لم یجاور النجاسۃ الغلیظۃ او لیس مما تتداخلہ النجاسۃ واذا کان الامر علی ھذا وجب کونہ نجاسۃ غلیظۃ فان الغلیظۃ انما تورث بجوارھا الغلظۃ دون الخفۃ کما لا یخفی فالصحیح ان القییٔ ناقض مطلقا بشروطہ المعروفۃ وان جرۃ کل شئی کسر قینہ من دون فصل [2]۔ **قولہ** وفیہ ما ذکرنا ای ان	ایک ورق بعد صحیح کہا ہے۔ **اقول:** حسن سے جو روایت گزری کہ وہ پاک ہے اس لئے کہ وضو نہ ٹوٹا اور حسن کے واسطہ سے حضرت امام سے جو روایت ہے کہ وہ نجاست خفیفہ ہے دونوں میں فرق ہے اور جو بھی ہو اعتماد ظاہر الراویہ ہی پر ہوگا اور کیوں نہ ہو جب کہ دلیل بھی اسی کی مقتضی ہے اور قے کے بارے میں وہ متون اور عامہ شروح و فتاوی کے مطابق بھی ہے۔ **قولہ** اس لئے کہ وہ پوری طرح متغیر نہ ہوا اقول یہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا نجاست غلیظہ سے اس کا اتصال بھی نہ ہوا؟ یا یہ اس میں سے ہے جس کے اندر نجاست داخل نہیں ہو پاتی؟ اور جب بنائے کار اس پر ہے تو اس کا نجاست غلیظہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ نجاست غلیظہ اپنے اتصال سے غلظت و شدت ہی پیدا کرتی ہے، خفّت نہیں۔ جیسا کہ واضح ہے تو صحیح یہ ہے کہ قے اپنی معروف شرطوں کے ساتھ مطلقًا ناقض ہے اور یہ کہ ہر جاندار کی جگال اسکے گوبر، مینگنی کی طرح ہونے کا حکم بلا تفریق ہے۔ **قولہ** اور اس میں وہ کلام ہے جو

ف۱: تطفل ثالث علیہ۔

ف۲: تطفل خویدم ذلیل علی خدام الامام الجلیل صاحب الھدایۃ۔

[1] حواشی اعلحضرت امام احمد رضا علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ، باب الانجاس (قلمی) ص ۳۵

[2] حواشی اعلحضرت امام احمد رضا علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب الانجاس (قلمی) ص ۳۵

ما فی المجتبی وغیرہ یقتضی طہارتہ [1]۔ **اقول:** وفیہ ما ذکرنا اھ ما کتبت ثمہ۔ وقد نقل فی رد المحتار قبیل الصلوٰۃ عبارۃ الفتح ھذا الی قول التجنیس و ھو الصحیح و اقرہ علیہ فکتبت علیہ **اقول:** قدم ف الشارح العلامۃ فی النواقض تصحیح کونہ نجسا مغلظاً و قدم المحشی ثمہ انہ حیث صحح القولان فلا یعدل عن ظاھر الروایۃ ولذا جزم بہ الشارح اھ فکان علیہ ان لا یقر علی خلافہ ھھنا [2] ولکن الانسان للنسیان وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ولنرجع الی اول المسئلۃ الحکم الذی قررناہ بنصوص فتاوی النسفی و جواھر الفتاوی و الخلاصۃ و البزازیۃ و الخزانۃ یترا ای خلافہ من الغنیۃ اذ قال (نفطۃ قشرت فسال منہا ماء) خالص اجتذب من الخارج	ہم نے ذکر کیا یعنی یہ کہ جو مجتبی وغیرہ میں ہے وہ اس کی طہارت کا مقتضی ہے **اقول:** اور اس میں وہ کلام ہے جو ہم نے ذکر کیا اھ وہ حاشیہ ختم جو میں نے وہاں لکھا۔ اور ردالمحتار میں کتاب الصلوۃ سے ذرا پہلے فتح القدیر کی یہ عبارت تجنیس کے قول "**و ھو الصحیح**" تک نقل کرکے برقرار رکھی تو اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا: **اقول:** اس سے پہلے نواقضِ وضو میں شارح علامہ اس کے نجاست غلیظہ ہونے کی تصحیح ذکر کرچکے ہیں اور وہاں حضرت محشی نے بھی یہ لکھا ہے کہ: جب دونوں قول تصحیح یافتہ ہیں تو ظاہر الروایہ سے عدول نہ کیا جائے گا اھ اسی لئے شارح نے اس پر جزم فرمایا اھ تو ان پر لازم تھا کہ یہاں اس کے خلاف برقرار نہ رکھیں لیکن انسان نسیان کی وجہ سے ہے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اب ہم اول مسئلہ کی طرف رجوع کریں، فتاوی نسفی، جواہر الفتاوی، خلاصہ، بزازیہ اور خزانہ کی تصریحات سے ہم نے جس حکم کی تقریر کی، غنیہ سے اس کے خلاف کا خیال ہوتا ہے، اس کی عبارت یہ ہے: (کسی آبلے کا پوست ہٹا دیا گیا تو اس سے پانی بہا) خالص پانی جو خارج سے

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

[1] حواشی اعلحضرت امام احمد رضا علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب الانجاس قلمی ص ۳۵

[2] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارۃ فصل فی استنجاء مکتب المجمع الاسلامی مبارکپور ۱/۱۸۶

والتأمت علیه (او دم او صدید ان سال عن رأس الجرح نقض و ان لم یسل لا [1]۔)	جذب ہوااور آبلہ اسے لے کر بند ہو گیا(یاخون یا صدید بہا، اگر سرِ زخم سے بہہ گیاتو وضو جاتا رہا، نہ بہاتو نہیں)
اقول: اصل ف المسألة فی الجامع الصغیر کما تقدم والظاهر المتبادر منه ماء النفطة وهو الدم الذی نضج فرق فاشبه الماء هکذا فهمه العامة قال الامام فقیه النفس فی شرحه تحت هٰذه المسألة قال الحسن بن زیاد الماء بمنزلة العرق والدمع لایکون نجسا وخروجه لایوجب انتقاض الطهارة والصحیح ماقلنا لانه دم رقیق لم یتم نضجه فیصیر لونه لون الماء واذا کان دما کان نجسا ناقضا للوضوء [2] اھ	**اقول:** اس مسئلہ کی اصل جامع صغیر میں ہے جیسا کہ گزرااور اس سے ظاہر متبادر آبلہ کا پانی ہے اور یہ وہ خون ہے جو پک کر رقیق ہو گیا تو پانی جیسا بن گیا۔ عامہ مصنفین نے اسے اچھی طرح سمجھا، امام فقیہ النفس اپنی شرح میں اس مسئلہ کے تحت لکھتے ہیں: حسن بن زیاد نے فرمایا: پانی پسینہ اور آنسو کی طرح نجس نہیں اور اس کا نکلنا طہارت جانے کا موجب نہیں اور صحیح وہ ہے جو ہم نے کہا۔ اس لئے کہ وہ رقیق خون ہے جو پورا نہ پکا تو اس کا رنگ پانی جیسا ہو جاتا ہے اور جب وہ خون ہے تو نجس، ناقضِ وضو ہوگا۔اھ
وقال فی الحلیة تحت عبارة المنیة المذکورة قال فخر الاسلام وغیره قد تکون النفطة اصلهادما ثم ینضج فیصیر قیحا ثم یزداد طبخا فیصیر صدیدا ثم قد یصیر ماء وقد یکون فی الابتداء ماء [3] اھ	حلیہ میں منیہ کی عبارت کے تحت لکھا: فخر الاسلام وغیرہ نے فرمایا: آبلہ کبھی اصل میں خون ہوتا ہے پھر پک کر پیپ ہو جاتا ہے، پھر مزید پک کر صدید بن جاتا ہے پھر کبھی پانی ہو جاتا ہے، اور کبھی شروع ہی میں پانی ہوتا ہے اھ۔

ف: تطفل علی الغنیة۔

[1] غنیۃ المستملی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱

[2] شرح الجامع الصغیر للامام قاضی خان

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

وفی البحرالرائق وعن الحسن ان ماء النفطة لاینقض قال الحلوانی وفیه توسعة لمن به جرب اوجدری کذافی المعراج [1] اھ وفی منحة الخالق قال فی الجمهرة تنفطت ید الرجل اذا رق جلدها من العمل وصار فیها کالماء والکف نفیطة ومنفوطة کذا فی غایة البیان وقال ایضا بعده هذا ای النقض اذا کانت النفطة اصلها دما وقد تکون من الابتداء ماء [2] اھ **ثم اقول:** بعد تسلیمه یجب حمله علی مااذا کان فی النفطة من دم اوقیح ماینجس لاماء والا فالحجة ماقدمنا من النصوص واللہ تعالٰی اعلم۔	البحر الرائق میں ہے: حسن سے روایت ہے کہ آبلہ کا پانی ناقضِ وضو نہیں، امام حلوانی نے فرمایا: اس میں خارش یا چیچک والوں کے لئے وسعت ہے ایسا ہی معراج میں ہے اھ منحۃ الخالق میں ہے: جمہرہ میں کہا: بولا جاتا ہے **تَنَفَّطَتْ یَدُ الرَّجُل**، جب آدمی کے ہاتھ کی جلد کام کی وجہ سے پتلی ہو جائے اور اس میں پانی جیسی چیز پیدا ہو جائے اور بولتے ہیں: **الکف نفیطة و منفوطة** (ہتھیلی آبلہ دار ہو گئی) ایسا ہی غایۃ البیان میں ہے۔ آگے لکھا: وضو ٹوٹنا اس وقت ہے جب آبلہ کی اصل خون ہو اور کبھی شروع ہی سے پانی ہوتا ہے اھ **ثم اقول:** اگر اسے تسلیم کر لیا جائے تو اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب آبلہ میں اتنا خون یا پیپ ہو جو پانی کو ناپاک کر دے ورنہ حجّت وہ نصوص ہیں جو پہلے ہم رقم کر چکے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۱

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
نبه القوم ان الوضوء من ایّ نوم ۱۳۲۵ھ
(قوم کو تنبیہ کہ کس نیند سے وضوء فرض ہوتا ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱: ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کس طرح کے سونے سے وضو جاتا ہے اس میں قول منقح کیا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللّٰه الذی لاتأخذہ سنة ولا نوم وافضل الصلاۃ والسلام بعدد اٰنات کل یوم علی من لا ینام قلبه فماکان وضوؤہ لینتقض	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس پر نیند طاری نہیں ہوتی اور افضل درود وسلام ہر روز آنات کی تعداد کے مطابق اس ذات پر جس کا دل نہیں سوتا اور جس کا وضو نیند سے

بالنوم وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین نبھوا فنبّھوا من نوم الغفلۃ غفلۃ القوم۔	نہیں ٹوٹتا اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر جو بیدار ہوئے اور قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کیا۔ (ت)

امام المدققین سیدی علاء الدین دمشقی حصکفی وعلامہ جلیل ابو الاخلاص حسن شرنبلالی ومحقق بالغ النظر سیدی ابرہیم حلبی ودیگر اکابر اعلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے در مختار ونور الایضاح وغنیہ وصغیری وغیرہا میں بعد احاطہ اقوال جو اس باب میں قول منقح فہیم مستفید من القی السمع وھو شھید کیلئے افادہ فرمایا اس کا حاصل وعطر محاصل یہ ہے کہ نیند [ف۱] دو شرطوں سے ناقضِ وضو ہوتی ہے:

اول یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسی ہیأت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ جب یہ دونوں شرطیں جمع ہوں گی تو سونے سے وضو جائیگا اور ایک بھی کم ہے تو نہیں، مثلاً:

(۱) [ف۲] دونوں سرین زمین پر ہیں اور دونوں پاؤں ایک طرف پھیلے ہوئے کرسی کی نشست اور ریل کی تپائی بھی اس میں داخل ہے۔

اقول: مگر [ف۳] یورپین ساخت کی کرسی جس کے وسط میں ایک بڑا سوراخ اسی مہمل غرض سے رکھا جاتا ہے اس سے مستثنٰی ہے اس کی نشست مانع حدث نہیں ہو سکتی۔

(۲) دونوں سرین پر بیٹھا ہے اور گھٹنے کھڑے ہیں اور ہاتھ ساقوں پر محیط ہیں جسے عربی میں احتبا کہتے ہیں خواہ ہاتھ زمین وغیرہ پر ہوں اگرچہ سر گھٹنوں پر رکھا ہو۔

(۳) دوزانو سیدھا بیٹھا ہو۔

(۴) چارزانو پالتی مارے۔

یہ صورتیں خواہ زمین پر ہوں یا تخت یا چارپائی پر یا کشتی یا شقدف یا شبری یا گاڑی کے کھٹولے میں۔

ف۱: نیند دو شرطوں سے ناقضِ وضو ہوتی ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو وضو نہ جائے گا

ف۲: مسئلہ: سونے کی دس صورتیں جن سے وضو نہیں جاتا۔

ف۳: مسئلہ: کرسی مونڈھے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا، سوگیا، وضو نہ گیا۔ مگر یورپین ساخت کی کرسی جس کی وسط نشست گاہ میں ایک بڑا سوراخ رکھتے ہیں اس پر سونے سے جاتا رہے گا

(۵) گھوڑے ف۱ یا خچر وغیرہ پر زین رکھ کر سوار ہے۔

(۶و۷) ننگی پیٹھ پر ف۲ سوار ہے مگر جانور چڑھائی پر چڑھ رہا یا راستہ ہموار ہے۔ظاہر ہے کہ ان سب صورتوں میں دونوں سرین جمے رہیں گے لہٰذا وضو نہ جائیگا اگرچہ کتنا ہی غافل ہو جائے اگرچہ سر بھی قدرے جھک گیا ہو نہ اتنا کہ سرین نہ جمے رہیں اگرچہ ف۳ دیوار وغیرہ کسی چیز پر ایسا تکیہ لگائے ہو کہ وہ شے ہٹالی جائے تو یہ گر پڑے یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومفتی بہ وصحیح ومعتمد ہے اگرچہ ہدایہ وشرح وقایہ میں حالت تکیہ کو ناقض وضو لکھا۔

(۸) کھڑے کھڑے سو گیا ف۴۔

(۹) رکوع کی صورت پر۔

(۱۰) سجدہ مسنونہ مرداں کی شکل پر کہ پیٹ رانوں اور رانیں ساقوں اور کلائیاں زمین سے جدا ہوں اگرچہ یہ قیام وہیأت رکوع وسجود غیر نماز میں ہو اگرچہ سجدہ کی اصلاً نیت بھی نہ ہو ظاہر ہے کہ یہ تینوں صورتیں غافل ہو کر سونے کی مانع ہیں تو ان میں بھی وضو نہ جائے گا۔

(۱۱) اکڑوں بیٹھے سویا ف۵۔

(۱۲، ۱۳، ۱۴) چت یا پٹ یا کروٹ پر لیٹ کر۔

(۱۵) ایک کہنی پر تکیہ لگا کر۔

(۱۶) بیٹھ کر سویا مگر ایک کروٹ کو جھکا ہوا کہ ایک یا دونوں سرین اُٹھے ہوئے ہیں۔

ف۱: **مسئلہ**: گھوڑے پر زین ہے اس کی سواری میں سو گیا وضو نہ جائے گا اگرچہ ڈھال میں اترتا ہو۔

ف۲: **مسئلہ**: ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور سو گیا تو اگر راستہ ہموار یا چڑھائی ہے وضو نہ جائے گا اُتار ہے تو جاتا رہے گا

ف۳: **مسئلہ**: اگر دیوار وغیرہ سے تکیہ لگائے ہے اور اتنا غافل سو گیا کہ وہ شے ہٹالی جائے تو گر پڑیگا فتوی اس پر ہے کہ یوں بھی وضو نہ جائے گا جب کہ دونوں سرین خوب جمے ہوں۔

ف۴: **مسئلہ**: قیام قعود رکوع سجود نماز کی کیسی ہی حالت پر سو جائے اگرچہ غیر نماز میں اس ہیات پر ہو وضو نہ جائے گا مگر قعود میں وہی شرط ہے کہ دونوں سرین جمے ہوں اور سجود کی شکل وہ ہو جو مردوں کے لئے سنت ہے کہ بازو پہلوؤں سے جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے الگ۔

ف۵: **مسئلہ**: سونے کی دس صورتیں ہیں جن سے وضو جاتا رہتا ہے۔

(۱۷) ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور جانور ڈھال میں اتر رہا ہے۔

اقول: فقیر ف۱ گمان کرتا ہے کہ کاٹھی بھی ننگی پیٹھ کے مثل ہے اور وہ یورپین وضع کی کاٹھیاں جن کے وسط میں اسی لئے خلا رکھتے ہیں مانع حدث نہیں ہوسکتیں اگرچہ راہ ہموار ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۸) دوزانو بیٹھا اور پیٹ رانوں پر رکھا ہے کہ دونوں سرین جمے نہ رہے ہوں۔

(۱۹) اسی طرح اگر چارزانو ہے اور سر رانوں یا ساقوں پر ہے۔

(۲۰) سجدہ غیر ف۲ مسنونہ کی طور پر جس طرح عورتیں گٹھری بن کر سجدہ کرتی ہیں اگرچہ خود نماز یا اور کسی سجدہ مشروعہ یعنی سجدہ تلاوت یا سجدہ شکر میں ہو ان دس صورتوں میں دونوں شرطیں جمع ہونے کے سبب وضو جاتا رہے گا اور جب اصل مناط بتا دیا گیا تو زیادہ تفصیل صور کی حاجت نہیں ان دونوں شرطوں کو غور کرلیں جہاں مجتمع ہیں وضو نہ عـہ رہے گا ورنہ ہے البتہ فتاوی امام قاضی خان میں فرمایا کہ تنور ف۳ کے کنارے اُس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سونے سے بھی وضو جاتا رہتا ہے کہ اُس کی گرمی سے مفاصل ڈھیلے ہوجاتے ہیں[1]۔

ف۱: **مسئلہ:** ظاہرا کاٹھی کا حکم بھی ننگی پیٹھ کی طرح ہے اور یورپین ساخت کی کاٹھی جس کے بیچ میں سوراخ ہوتا ہے اس پر سونے سے مطلقًا وضو جاتا رہے گا۔

ف۲: **مسئلہ:** خاص نماز کے سجدے میں بھی اگر اس پر سویا کہ کلائیاں زمین پر بچھی ہیں پیٹ رانوں سے لگائے پنڈلیاں زمین سے ملی ہیں جیسے عورتوں کا سجدہ ہوتا ہے تو وضو جاتا رہے گا اسے یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ عورت سجدے میں سوئے وضو ساقط اور مرد سوئے تو باقی۔

ف۳: **مسئلہ:** گرم تنور کے کنارے اس میں پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سوگیا تو مناسب ہے کہ وضو کرلے۔

عـہ: یہ بیس صورتیں کلمات علماء میں منصوص ہیں جو باقی صورت اور کوئی پائی جائے اُس کیلئے ضابطہ بتایا گیا ہے اگر اُس کا حکم کتابوں سے نہ ملے تو اس ضابطہ سے نکال لیں یا اختلاف پائیں تو جو قول اس ضابطہ کے مطابق ہو اُس پر عمل کریں **کما سیاتی التصریح بہ عن الغنیۃ ان شاء اللہ تعالٰی** (جیسا کہ اس کی تصریح بحوالہ غنیہ آگے آرہی ہے) ۱۲منہ (م)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطہارۃ، فصل فی النوم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰

اقول: مگر یہ اُس ضابطہ منقحہ کے خلاف ہے کہ سرین دونوں جمے ہیں لیکن یہ صورت بہت نادرہ ہے، تو احتیاطًا عمل کرلینے میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔** اور صورت بستم میں اگرچہ خاص دربارہ سجدہ نماز یا سجدہ مشروعہ مطلقًا نزاع طویل وہجوم اقاویل ہے مگر تحقیق احق ف۱ یہی ہے کہ جملہ صور مذکورہ بستگانہ میں نماز وغیر نماز سب کا حکم یکساں ہے، نماز میں بھی سونے سے وضو نہ جانے کیلئے دونوں سرین کا جما ہونا یا ہیأت کا مانع استغراقِ نوم ہونا ضرور ہے، ولہذا یہی اکابر تصریح فرماتے ہیں کہ اگر نماز میں لیٹ کر سویا وضو نہ رہے گا عام ازینکہ چت ہو یا پٹ یا کروٹ پر یا ایک کہنی پر تکیہ دیے، عام ازیں کہ قصدًا لیٹا ہو یا سوتے میں لیٹ گیا اور فورًا فورًا جاگ نہ اُٹھا ف۲ حتی کہ اگر کوئی شخص بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو اُسے بھی اگر لیٹے لیٹے پڑھنے میں نیند آگئی وضو جاتا رہے گا۔ غرض پہلی دس ف۳ صورتیں جن میں وضو نہیں جاتا اگر نماز میں واقع ہوں جب بھی نہ جائے گا نہ نماز فاسد ہو اگرچہ قصدًا سوئے، ہاں جو رکن بالکل سوتے میں ادا کیا اس کا اعتبار نہ ہوگا اُس کا اعادہ ضرور ہے اگرچہ بلا قصد سو جائے، اور جو جاگتے میں شروع کیا اور اُس رکن میں نیند آگئی اس کا جاگتے کا حصہ معتبر رہے گا، اور پچھلی دس صورتیں جن میں وضو جاتا رہتا ہے اگر نماز میں واقع ہوں جب بھی جاتا رہے گا، پھر اگر ان صورتوں پر قصدًا سویا تو نماز بھی گئی وضو کرکے سرے سے نیت باندھے اور بلا قصد سویا تو وضو نہ گیا نماز باقی ہے، بعد وضو پھر اسی جگہ سے پڑھ سکتا ہے جہاں نیند آگئی تھی، پھر سب صورتوں میں سونے کی تخصیص اس لئے ہے کہ اونگھ ناقضِ ف۴ وضو نہیں جبکہ ایسا ہوشیار رہے کہ پاس کے لوگ جو باتیں کرتے ہوں اکثر پر مطلع ہو اگرچہ بعض سے غفلت بھی ہو جاتی ہو، یونہی اگر بیٹھے ف۵ بیٹھے جھوم رہا ہے

ف۱: مسئلہ: تحقیق یہ ہے کہ نیند کی تمام صورتوں میں نماز وغیر نماز سب کا حکم یکساں ہے۔

ف۲: مسئلہ: بیمار لیٹ کر نماز پڑھتا تھا نیند آگئی وضو نہ رہا۔

ف۳: مسئلہ: نماز میں سونے کا کلیہ یہ ہے کہ اگر ان دس صورتوں پر سویا جن میں وضو نہیں جاتا تو نہ وضو جائے نہ نماز فاسد ہو، ہاں جو رکن بالکل سوتے میں ادا کیا اس کا اعتبار نہ ہوگا اس کا اعادہ ضرور ہے، اور جو جاگتے میں شروع کیا اور اس رکن میں نیند آگئی اس کا جاگتے کا حصہ معتبر رہے گا اگر وہ بقدر ادائے رکن تھا کافی ہے، ان احکام میں قصدًا سونا اور بلا قصد سو جانا سب برابر ہے، اور اگر ان دس صورت پر سویا جن میں وضو جاتا رہتا ہے تو وضو تو گیا ہی پھر اگر قصدًا سویا تو نماز بھی فاسد ہو گئی ورنہ وضو کرکے جہاں سویا وہاں سے باقی نماز ادا کر سکتا ہے۔

ف۴: مسئلہ: اونگھنے سے وضو نہیں جاتا جب کہ ہوشیاری کا حصہ غالب ہو۔

ف۵: مسئلہ: بیٹھے بیٹھے نیند کے جھونکے لینے سے وضو نہیں جاتا اگرچہ کبھی ایک سرین اٹھ جاتا ہو۔

وضو نہ جائے گا اگرچہ جُھومنے میں کبھی کبھی ایک سرین اُٹھ بھی جاتا ہو بلکہ اگرچہ جھوم ف۱ کر گر پڑے جبکہ فوراً ہی آنکھ کھل جائے، ہاں اگر گرنے کے ایک ہی لمحہ بعد آنکھ کُھلی تو وضو نہ رہے گا۔

اقول: یہ قید ان سب صورتوں میں ہے جن میں وضو جانا بیان ہوا کہ اُنہیں صورتوں پر سونا پایا جائے اور اگر سویا ف۲ اُس شکل پر جس میں وضو نہ جاتا اور جسم بھاری ہو کر یہ شکل پیدا ہوئی جس سے جاتا رہتا مگر پیدا ہوتے ہی فوراً بلا وقفہ جاگ اُٹھا وضو نہ جائے گا جیسے سجدہ مسنونہ میں سویا اور کلائیاں زمین سے لگتے ہی آنکھ کھل گئی اور یہ بھی ف۳ یاد رہے کہ آدمی جب کسی کام مثلاً نماز وغیرہ کے انتظار میں جاگتا ہو اور دل اس طرف متوجہ ہے اور سونے کا قصد نہیں نیند جو آتی ہے اسے دفع کرنا چاہتا ہے تو بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ غافل ہوگیا جو باتیں اس وقت ہوئیں اُن کی خبر نہیں بلکہ دو دو تین تین آوازوں میں آنکھ کھلی اور وہ اپنے خیال میں یہ سمجھتا ہے کہ میں نہ سویا تھا اس لئے کہ اس کے ذہن میں وہی مدافعت خواب کا خیال جما ہوا ہے یہاں تک کہ لوگ اس سے کہتے ہیں تُو سوگیا تھا، وہ کہتا ہے ہر گز نہیں، ایسے خیال کا اعتبار نہیں جب معتمد شخص کہے تو غافل تھا، پکارا، جواب نہ دیا، یا باتیں پُوچھی جائیں اور یہ نہ بتاسکے تو وضو لازم ہے۔

فی الحلیۃ النوم ان کان فی الصلاۃ فلیس بحدث الا ان یکون مضطجعا وقال قاضی خان اومتکئا ثم فی بعض شروح القدوری الاتکاء ف۴ عام والاستناد خاص وھو اتکاء الظھر لاغیر قلت	حلیہ میں ہے نیند بحالت نماز حدث نہیں ہے، ہاں اگر کروٹ لیٹ کر ہو تو حدث ہے۔ اور قاضی خاں نے اس میں ٹیک لگا کر سونے کو بھی شامل کیا ہے پھر قدوری کی بعض شروح میں ہے کہ اتکاء عام ہے اور استناد خاص ہے کیونکہ استناد میں صرف پیٹھ لگانا ہی ہوتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ قاضی خان

ف۱: **مسئلہ**: جھوم کر گر پڑا اگر معاً آنکھ کھل گئی وضو نہ گیا۔

ف۲: **مسئلہ**: ان دسوں صورتوں میں جن سے وضو جاتا ہے، یہی قید ہے کہ انہیں صورتوں پر سونا پایا جائے ورنہ اگر سویا اس صورت پر کہ وضو نہ جاتا اور نیند میں اس شکل پر آگیا جس میں جاتا ہے مگر معاً شکل پیدا ہوتے ہی بلا وقفہ جاگ اٹھا وضو نہ جائے گا۔

ف۳ **مسئلہ**: ضرور یہ آدمی بیٹھے بیٹھے کبھی غافل ہو جاتا ہے اور سمجھتا یہ ہے کہ نہ سویا تھا اس کا ضروری بیان۔

ف۴: فرق الاتکاء والاستناد

لکن الظاھر ان مراد القاضی النوم علی احد ورکیہ فی الصلاۃ فان مقعدہ یکون متجافیا عن الارض فکان فی معنی النوم مضطجعا فی کونہ سببا لوجود الحدث بواسطۃ استرخاء المفاصل وزوال المسکۃ،

کی مراد دونوں سرینوں میں سے ایک سرین کے بل نماز میں سونا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کی مقعد زمین سے الگ ہوگی اور کروٹ لیٹ کر سونے کی طرح ہوجائے گا یعنی جوڑوں کے ڈھیلا ہونے اور بندش کے ختم ہوجانے کے اعتبار سے یہ حدث کا سبب بن جائے گا۔

ولا یخالف ھذا مافی الخلاصۃ من عدم النقض بالنوم متورکا لانہ مفسر فیھا بان ف۱ یبسط قدمیہ من جانب ویلصق الیتیہ بالارض وھذا یخالف تفسیر صاحب البدائع وصاحب الاسرار فانہ قال فی تعلیل النقض انھا جلسۃ تکشف عن مخرج الحدث الا انہ وضع المسئلۃ خارج الصلٰوۃ والتعلیل یفید انہ وضع اتفاقی قال شیخنا فھذا اشتراک فی لفظ التورک[1] اھ۔

یہ عبارت خلاصہ کی اس عبارت کے مخالف نہیں جس میں تورک کی حالت میں سونے کو ناقص وضو قرار نہیں دیا ہے، کیونکہ خلاصہ میں اس کی تفسیر یہ ہے کہ نمازی اپنے دونوں پیر ایک طرف کو پھیلائے اور اپنے سرین زمین پر رکھے، اور یہ بدائع اور صاحب اسرار کی تفسیر کے مخالف ہے، کیونکہ انہوں نے وضو ٹوٹ جانے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ ایسی نشست ہے جو حدث کے مخرج کو کھول دیتی ہے، مگر انہوں نے یہ مسئلہ بیرون نماز فرض کیا ہے، لیکن جو علت بتائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے یہ مسئلہ دونوں صورتوں کو عام ہے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ یہ "تورک" کے لفظ میں مشترک ہے اھ۔

اقول: وکذا افاد فی البحر تبعا للفتح وللذ ھول ف۲ عن ھذا وقع فی المستخلص شرح الکنز ان نقل تحت

اقول: فتح کی پیروی میں بحر نے بھی یہی لکھا ہے اور چونکہ یہ بحث ذہن سے اتر گئی اس لئے کنز کی شرح مستخلص میں "نوم متورک" کے تحت نقل کیا کہ

ف۱: للمتورک معنیان

ف۲: تطفل علی المستخلص

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قول الكنز ونوم مضطجع ومتورك تفسير التورك ان يخرج رجليه من الجانب الايمن ويلصق اليتيه على الارض كذا فى المستصفى[1] اهـ ولم يلق بالا ان هذا تفسير تورك الشافعية فى الصلاة وليس من نواقض الوضوء قطعا ثم قال فى الحلية ويلحق بالنوم مضطجعا النوم مستلقيا على قفاه اومنبطحا على وجهه فان فى كل استرخاء المفاصل وزوال المسكة على الكمال كالاضطجاع ثم لاخلاف عندنا فى عدم النقض للوضوء اذا كان فى الصلاة فى غير هذه الحالات التى ذكرناها اذا لم يكن متعمدا فان متعمدا ففى الخانية ان تعمد النوم فى سجوده تنتقض طهارته فى قولهم اھ قال شيخنا كانه مبنى على قيام المسكة فى الركوع دون السجود ومقتضى النظران يفصل فى ذلك السجود ان كان متجافيا لايفسدو الا يفسد[2] اھ مافى الحلية۔

اقول: عبارةف الخانية لونام

تورک کے معنی یہ ہیں کہ اپنے دونوں پیروں کو دائیں جانب سے نکالے اور اپنے دونوں سرین زمین پر لگائے، جیسا کہ المستصفی میں ہے اھ۔ یہ خیال نہ کیا کہ یہ اس تورک کی تفسیر ہے جو شافعیہ کے نزدیک نماز میں ہوتا ہے اور نواقض وضو سے قطعاً نہیں ہے پھر حلیہ میں کہا کہ مضطجعا سونے کے حکم میں گدی کے بل سونا یا چہرے کے بل سونا بھی ہے کیونکہ ان تمام صورتوں میں جوڑ ڈھیلے ہوجاتے ہیں اور چستی ختم ہوجاتی ہے، جیسے چت لیٹ کر سونے میں ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک اگر مذکورہ حالات کے علاوہ نماز میں ہو تو ناقض وضو نہیں اور اس میں اتفاق ہے صرف ایک شرط ہے کہ قصد اور ارادہ نہ ہو۔ خانیہ میں ہے کہ اگر کوئی ارادتا سجدہ میں سوگیا تو ان کے قول کے مطابق اس کی طہارت ختم ہوجائے گی اھ ہمارے شیخ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہی ہے کہ حالت رکوع میں چستی برقرار رہتی ہے جبکہ سجود میں نہیں۔ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو سجدہ میں یہ تفصیل کرنی چاہئے کہ اگر وہ زمین سے الگ ہے تو ناقض نہیں ورنہ ناقض ہے حلیہ کا بیان ختم ہوا۔

اقول: خانیہ کی عبارت اگر بحالت سجدہ

ف: تطفل على الحلية

[1] مستخلص الحقائق شرح کنزالد قائق کتاب فی بیان احکام الطہارۃ مطبع کانشی رام پرنٹنگ پریس لاہور ۱/ ۴۰

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ساجدا فی الصلاۃ لایکون حدثا فی ظاھر الروایۃ فان تعمد النوم فی سجودہ تنتقض طھارتہ وتفسد صلاتہ ولو تعمد النوم فی قیامہ او رکوعہ لاتنتقض طھارتہ فی قولھم [1] اھ فقولہ فی قولھم راجع الی مسألۃ القیام والرکوع دون السجود کما اقتضاہ اختصار الحلیۃ علی مافی نسختی کیف وعدم النقض ولو تعمد فی الصلاۃ ھو المعتمد وھو المذھب قال فی الھندیۃ ثم فی ظاھر الروایۃ لافرق بین غلبتہ وتعمدہ وعن ابی یوسف النقض فی الثانی والصحیح ما ذکر فی ظاھر الروایۃ ھکذا فی المحیط[2] اھ فکیف یجوز ان یکون قولھم وسیاتی عن نص الحلیۃ نفسھا۔

ثم اقول: لم یتعرض الامام قاضی خان ھھنا عن حکم الصلاۃ اذا تعمد النوم فی القیام اوالرکوع وعبارتہ فی مفسدات الصلاۃ ومن ثم نقل فی الفتح ھکذا اذا نام المصلی مضطجعا متعمدا فسدت صلاتہ ولو لم یتعمد فمال حتی اضطجع تنتقض طھارتہ ولا تفسد صلاتہ

نماز میں سوگیا تو ظاہر روایت میں حدث نہ ہوگا کیونکہ قصدا سجدہ میں سوجانا طہارت کو بھی ختم کردیتا ہے اور نماز کو بھی، جبکہ قصدا رکوع یا قیام میں سونا ہمارے ائمہ کے قول میں طہارت کو نہیں توڑتا ہے اھ۔

اب اس عبارت میں "**فی قولھم**" قیام ورکوع کے مسئلہ کی طرف راجع ہے نہ کہ سجود کی طرف، جیسا کہ حلیہ کے اختصار میں میرے نسخہ کے مطابق ہے اور یہی درست ہے کہ قصدا بھی نماز کے اندر اگر ایسا کرے تو نہ ٹوٹے گا، یہی معتمد ہے اور مذہب ہے ہندیہ میں کہا کہ "نیند کے غلبہ یا قصدا سونے کے درمیان ظاہر الروایۃ کے مطابق کوئی فرق نہیں ہے، اور ابو یوسف سے وضو ٹوٹنے کی روایت ہے، لیکن صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے ھکذا فی المحیط اھ۔ اب یہ کیونکر درست ہوسکتا ہے کہ یہ ائمہ کا قول ہو، اور آگے اس کا بیان خود حلیہ کی عبارت سے آرہا ہے۔

ثم اقول: اس مقام پر قاضی خان نے قیام ورکوع کی حالت میں قصدا سونے کی صورت میں نماز کا حکم نہ بتایا، مفسدات نماز میں ان کی عبارت یہ ہے وہیں سے فتح القدیر میں نقل کیا ہے "جبکہ نمازی کروٹ قصدا سوگیا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، اور اگر قصدا نہیں ہے اور اتنا جھکا کہ لیٹنے کی حد کو پہنچ گیا تو طہارت ٹوٹ جائے گی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطہارت، فصل فی النوم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطہارت، الباب الاول، الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲

ولو نام فی رکوعه او سجوده ان لم یتعمد ذٰلك لاتفسد صلاته وان تعمد فسدت فی السجود ولا تفسد فی الرکوع [1] اھ فانما محط کلامه طرا ان النوم ان کان ناقض الطهارة کما فی الاضطجاع کان تعمده مفسدا للصلاة لان تعمد الحدث یمنع البناء والا لا کنوم قائم و راکع ولذا لما حکم علی نوم الساجد العامد بافساد الصلاة افاد فی الفتح ما افاد فلیحفظ فان له شانا ان شاء الله تعالٰی۔	مگر نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر رکوع وسجود میں سوگیا تو اگر قصدا نہیں ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر قصدا ہے تو سجود میں فاسد ہے رکوع میں نہیں اھ سوان کے تمام کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ نیند اگر ناقض طہارت ہو جیسے کہ کروٹ لیٹنے کی صورت میں ہے تو قصدا ایسی نیند مفسد صلوۃ ہے۔ اس لئے کہ کسی حدث کا قصدا ارتکاب نماز کی بناء کے منافی ہے اگر نیند ناقض طہارت نہ ہو جیسے رکوع یا قیام میں تو مفسد صلوۃ نہیں۔ اس لئے جب سجدہ میں قصدا سوجانے کی بابت فساد نماز کا حکم کیا تو فتح میں وہ افادہ کیا جو اس میں موجود ہے تو اس کو محفوظ کرنا چاہئے کہ اس کے لئے ایک انوکھی شان ہے اگر اللہ تعالٰی چاہے۔
ثم قال فی الحلیة وذکر فی التحفة والبدائع ان النوم فی غیر حالة الاضطجاع والتورك فی الصلاة لایکون حدثا سواء غلبه النوم اوتعمد فی ظاهر الروایة انتهی والعلة المعقولة فی کون النوم ناقضا استرخاء المفاصل و زوال المسکة وهذا لم یوجد فی هذه المذکورة والاسقط هذا کله فی الصلاة وان کان خارج الصلٰوة مضطجعا اومتکئا بمعنی ان یکون معتمدا	پھر حلیہ میں فرمایا کہ تحفہ اور بدائع میں ذکر کیا کہ نماز میں کروٹ لیٹنے کی صورت کے علاوہ سوجانا یا سرین پر بیٹھنے کی صورت کے علاوہ سوجانا حدث نہیں ہے خواہ اس پر نیند کا غلبہ ہوگیا ہو یا قصدا ایسا کیا ہو، ظاہر روایت میں یہی ہے اھ اور عقلی علت نیند کے ناقض ہونے میں جوڑوں کا ڈھیلا پڑجانا اور چستی وبندش کا ختم ہوجانا ہے، اور یہ چیز مذکورہ صورت میں نہیں پائی گئی ورنہ وہ شخص گرجاتا، یہ سب صورتیں حالت نماز کی تھیں اور اگر نماز کے باہر کروٹ لیٹا یا ٹیک لگائی بایں معنی کہ کسی کہنی پر ٹیک لگائے ہو جیسا کہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلوۃ، فصل فیما یفسد الصلوۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۶۴

علی احد مرفقیه کما هو معنی التورك فی التحفة والبدائع ومحیط رضی الدین نقض بلا خلاف[1] اهملتقطا۔	تورک کے یہی معنی تحفہ، بدائع اور محیط رضی الدین میں ہیں، تو بالاتفاق وضوٹوٹ جائے گا اھ ملتقطا
وفی ردالمحتار نام المریض وهو یصلی مضطجعا الصحیح النقض کما فی الفتح وغیره و زاد فی السراج وبه ناخذ[2] اه	اور ردالمحتار میں ہے کہ مریض چت لیٹ کر نماز پڑھ رہا تھا کہ سوگیا تو صحیح یہ ہے کہ وضوٹوٹ گیا، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے، اور سراج میں اتنا اضافہ ہے کہ "ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اھ۔
وفی الخانیة ظاهر المذهب ان النوم فی الصلاة لایکون حدثا الا ان یکون مضطجعا اومتکئا والاضطجاء علی نوعین ان غلبت عیناه فنام ثم اضطجع فی نومه فهو بمنزلة مالو سبقه الحدث یتوضأ ویبنی وان تعمد النوم فی الصلاة مضطجعا فانه یتوضأ ویستقبل ومن عجز فصلی مضطجعا فنام ینقض[3] اه	اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ نماز کی حالت میں نیند صرف اضطجاع یا اتکاء کی صورت میں ناقض وضو ہے اور اضطجاع کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ اس پر نیند کا غلبہ ہوگیا تو سوگیا پھر سونے کی حالت ہی میں لیٹ گیا تو اس کا حکم اس حدث کا سا ہے جو بے اختیار ہوگیا۔ ایسی صورت میں وضو کر کے نماز کی بناء کرے گا۔ اور اگر قصداً نماز میں لیٹ کر سویا تو وضو کرے گا اور از سر نو نماز ادا کرے گا۔ اور اگر کسی معذوری کے باعث نماز لیٹ کر پڑھ رہا تھا کہ سوگیا وضوٹوٹ جائے گا اھ
وفی متن نورالایضاح وشرحه مراقی الفلاح فی فصل مالاینقض الوضوء (و) منها (نوم مصل ولو راکعا اوساجدا) اذا کان (علی جهة السنة)	اور نور الایضاح کے متن اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فصل مالاینقض الوضوء میں ہے: "اور نواقض وضو میں نہیں ہے نمازی کا رکوع یا سجود میں سوجانا بشرطیکہ مسنون طریقہ کے مطابق

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار، کتاب الطهارة، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۹۶/۱

[3] فتاوی قاضی خاں کتاب الطہارت، فصل فی النوم نولکشور لکھنو ۲۰/۱

فی ظاھر المذھب[1] اھ

وفی منحۃ الخالق عن النھر الفائق عن عقد الفرائد انما لایفسد الوضوء بنوم الساجد فی الصلاۃ اذا کان علی الھیاۃ المسنونۃ قید بہ فی المحیط وھو الصحیح[2] اھ

وقال المحقق الکبیر فی شرح المنیۃ الصغیر والمعتمد انہ ان نام علی الھیئۃ المسنونۃ فی السجود رافعا بطنہ عن فخذیہ مجافیا مرفقیہ عن جنبیہ لایکون حدثاوالا فھو حدث لوجود نھایۃ استرخاء المفاصل سواء کان فی الصلاۃ اوخارجھا وتمام تحقیقہ فی الشرح[3] اھ

وفی التنویر والدر قام اوقرأ اورکع او سجد او قعد الاخیر نائما لا یعتد بہ بل یعیدہ ولو القراء ۃ اوالقعدۃ علی الاصح وان لم یعد تفسد ولو رکع اوسجد فنام فیہ اجزأہ لحصول الرفع منہ والوضع[4] اھ

ولفظ المراقی وان طرأ فیہ

ہو ظاہر مذہب میں اھ "اور منحۃ الخالق میں نہر الفائق سے منقول ہے انہوں نے عقد الفرائد سے نقل کیا کہ نماز کے سجدہ میں سوجانا وضو کو نہیں توڑتا جبکہ مسنون طریقہ پر ہو، اس قید کا ذکر محیط میں ہے اور یہی صحیح ہے اھ۔

محقق کبیر نے شرح منیۃ الصغیر میں فرمایا، اگر سجدہ میں ہیئت مسنونہ پر سویا کہ پیٹ رانوں سے اور بازو پہلو سے دور ہوں تو حدث نہیں ہوگا ورنہ بوجہ کشادگی مفاصل حدث ہے بحالت ایں نماز میں ہو یا نہ ہو، اس کی مکمل تحقیق شرح میں ہے اھ

اور تنویر اور در میں ہے، اگر کسی نے قیام، قراءت، رکوع، سجود یا قعدہ بحالت نیند کیا تو اس کا اعتبار نہ ہوگا اس پر اس رکن کا اعادہ لازم ہے، خواہ قراءت یا قعدہ ہی کیوں نہ ہو، اصح یہی ہے اور اگر اعادہ نہیں کیا تو نماز فاسد ہوگئی۔ اور اگر رکوع کیا یا سجدہ کیا پھر اسی حالت میں سوگیا تو یہی کافی ہے کیونکہ اس حالت میں جانا اور اس سے واپس آنا پایا گیا اھ۔

اور مراقی الفلاح میں ہے کہ اگر کسی رکن میں

---

[1] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی، فصل عشرۃ اشیاء ... الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۴

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۸/۱

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی نواقض الوضوء مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوۃ، باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۱/۱

النوم صح بما قبلہ منہ[1] اھ

قلت وھو اوضح و اوجہ۔

وفی الدر المختار ایضا ینقضہ حکما نوم یزیل مسکتہ بحیث تزول مقعدتہ من الارض وھو النوم علی احد جنبیہ او ورکیہ اوقفاہ او وجھہ والا یزل مسکتہ لاینقض وان تعمدہ فی الصلاۃ اوغیرھا علی المختار (نص علیہ فی الفتح وھو قید فی قولہ فی الصلاۃ قال فی شرح الوھبانیۃ ظاھر الروایۃ ان النوم فی الصّلاۃ قائما اوقاعدا اوساجدا لایکون حدثا سواء غلبہ النوم اوتعمدہ ش) کالنوم قاعدا اومستندا الی مالوازیل لسقط علی المذھب (ای ظاھر المذھب عن ابی حنیفۃ وبہ اخذ عامۃ المشائخ وھو الاصح کما فی البدائع ش وعلیہ الفتوی جواھر الاخلاطی) وساجد علی الھیأۃ المسنونۃ (بان یکون رافعا بطنہ عن فخذیہ مجافیا عضدیہ عن جنبیہ بحر قال ط وظاھرہ ان المراد الھیئۃ المسنونۃ فی حق الرجل لاالمرأۃ ش۔

اقول: لیس ف ھذا محل الاستظھار وقد صرح بہ السادۃ الکبار کقاضی خان

نیند آ گئی تو اس سے پہلے والا رکن صحیح رہا اھ۔

قلت یہی اوضح اور اوجہ ہے۔

اور درمختار میں ہے کہ نیز وضو کو حکما وہ نیند توڑ دیتی ہے جو چستی کو زائل کردے، اس طرح کہ اس کی مقعد زمین سے اٹھ جائے، مثلا ایک پہلو پر سوگیا یا سرین پر سوگیا یا گدی یا چہرے کے بل سوگیا، اور چستی زائل نہ کرتی ہو تو ناقض وضو نہیں خواہ وہ قصدا ہی سوگیا ہو نماز میں ہو نہ ہو، مختار یہی ہے (فتح میں اس کی تصریح ہے، شرح وہبانیہ میں ہے کہ ظاہر الروایۃ میں ہے کہ نماز میں سونا کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، یا سجدہ میں۔ حدث نہ ہوگا خواہ نیند کا غلبہ ہوگیا یا قصدا نیند آئی ہو، ش) جیسے کسی ایسی چیز سے ٹیک لگا کر سوگیا کہ اگر اس کو ہٹایا جائے تو گر پڑے، یا بیٹھ کر سوگیا (ابو حنیفہ سے ظاہر مذہب یہی ہے اور تمام مشائخ نے اسی کو لیا ہے اور یہی اصح ہے جیسا کہ بدائع میں ہے، ش) اور اس پر فتوی ہے جواہر الاخلاطی کا اور جو شخص مسنون حالت پر سوگیا، یعنی اس کا پیٹ رانوں سے جدا ہوں، بازو پہلوؤں سے جدا ہوں، بحر۔ طحطاوی نے کہا کہ بظاہر اس سے مراد وہ مسنون ہیئت ہے جو مردوں کے لئے ہے نہ کہ عورت کے لئے، ش

اقول: یہ استظہار کا مقام نہیں ہے اس کی تصریح بڑے بڑے علماء مثلا قاضی خان

ف: معروضۃ علی العلامتین ط و ش۔

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، باب شروط الصلوۃ وارکانہا، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ص ۲۳۵

وغیرہ علا انهم [ف] لولم يصرحوا لكان هو المتعين للارادة لان المقصود هياة تمنع الاستغراق فى النوم كما لايخفى) ولوفى غير الصلاة على المعتمد ذكره الحلبى اومتوركا(بان يبسط قدميه من جانب ويلصق اليتيه بالارض فتح ش)اومحتبيا (بان جلس على اليتيه ونصب ركبتيه وشدساقيه الى نفسه بيديه اوبشيئ يحيط من ظهره عليهما شرح المنية ش۔

اقول: ولا مدخل ههنا لوضع اليدين فانما مطمح النظر تمكين الوركين ولذا عممت) وراسه على ركبتيه (غير قيدش وبالاولى اذا لم يكن رأسه كذلك ط)اوشبه المنكب (اى على وجهه وهو كما فى شروح الهداية ان ينام واضعا اليتيه على عقبيه وبطنه على فخذيه ونقل عدم النقض به فى الفتح عن الذخيرة ايضا ش۔

قلت ونقل فى الهندية عن محيط

وغیرہ نے کی ہے، علاوہ ازیں اگر وہ اس کی تصریح نہ بھی کرتے تو یہی متعین ہوتا کیونکہ اس سے مراد ایسی ہیئت ہے جو نیند میں مستغرق ہوجانے سے مانع ہو اور یہ ظاہر ہے) یہ صورت خواہ نماز کے علاوہ ہی کیوں نہ ہوئی ہو، معتمد مذہب یہی ہے، اس کو حلبی نے ذکر کیا یا بطور تورک (یعنی وہ اپنے دونوں قدم ایک طرف نکال لے اور اپنے سرین زمین سے چپکادے، فتح و ش) "**او محتبیا**" یا اپنے سرین پر بیٹھ جائے اور اپنی دونوں پنڈلیاں اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے یا کسی چیز سے پیٹھ سے باندھ دے شرح منیہ ش۔

اقول: اس میں ہاتھ کی وضع کا کوئی دخل نہیں ہے اصل مقصود تو دونوں سرینوں کا جمانا ہے، اس لئے میں نے اس کو عام رکھا ہے اور اس کا سر اس کے دونوں گھٹنوں پر ہو (یہ قید نہیں، ش، اور جب اس کا سر اس طرح نہ ہو تو بطریق اولی ایسا ہوگا، ط) یا اوندھے کے مشابہ (یعنی چہرے کی بل سونے والے کی طرح اور اس کی ہیئت جیسا کہ ہدایہ کی شروح میں ہے یہ ہے کہ وہ اپنے دونوں سرین اپنی دونوں ایڑیوں پر رکھے اور اپنا پیٹ اپنی دونوں رانوں پر رکھے اور اس میں نہ ٹوٹنا فتح میں ذخیرہ سے بھی منقول ہوا، ش۔

قلت ہندیہ میں محیط سرخسی سے منقول ہے

ف: معروضة اخرى عليهما

السرخسی انہ الاصح قال ش ثم نقل فی الفتح عن غیرھا لونام متربعا و رأسہ علی فخذیہ نقض قال وھذا یخالف مافی الذخیرۃ واختار فی شرح المنیۃ النقض فی مسألۃ الذخیرۃ لارتفاع المقعدۃ وزوال التمکن واذا نقض فی التربع مع انہ اشد تمکنا فالوجہ الصحیح النقض ھنا ثم ایدہ بما فی الکفایۃ عن المبسوطین من انہ لونام قاعدا او وضع الیتیہ علی عقبیہ وصارشبہ المنکب علی وجہہ قال ابو یوسف علیہ الوضوء اھ **اقول:** ومن عرف المناط عرف القول الفصل فمن حنا راسہ بحیث لم یرفع عجزہ عن الارض لم ینقض وھو مراد الشارح ومن حنا حتی رفع نقض وھو مراد الغنیۃ ولذا عولت علی ھذا التفصیل) اوفی محمل او سرج اواکاف (حال الصعود وغیرہ منیۃ ش) ولوالدابۃ عریانا فان حال الھبوط نقض (لتجافی المقعدۃ عن ظھر الدابۃ حلیہ ش) والا(بان کان حال الصعود والاستواء منیۃ ش) لاولو	کہ اصح یہی ہے، ش نے کہا پھر فتح میں ذخیرہ کے علاوہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص پالتی مار کر بیٹھا اور اسی حال میں سوگیا اور اس کا سر اس کی دونوں رانوں پر ہے تو وضو ٹوٹ گیا، یہ ذخیرہ کے مخالف ہے اور شرح منیہ میں ذخیرہ کی بیان کردہ صورت میں وضو کے ٹوٹ جانے کو پسند کیا ہے کیونکہ مقعد اٹھ گئی اور استقرار ختم ہوگیا، اور جب پالتی مار کر بیٹھنے کی صورت میں وضو ٹوٹ گیا حالانکہ اس میں استقرار زیادہ ہے تو صحیح بات یہ ہے کہ یہاں بھی ٹوٹنا چاہئے، پھر کفایہ کی عبارت جو دونوں مبسوطوں سے منقول ہے سے تائید کی، اس میں یہ ہے کہ اگر بیٹھ کر سوگیا یا اپنی سرین کو اپنی ایڑیوں پر رکھا اور اوندھا ہوگیا تو ابو یوسف فرماتے ہیں اس پر وضو لازم ہے اھ۔ **اقول:** جو شخص مناط کو جانتا ہے وہ فیصلہ کن قول کو سمجھ سکتا ہے، جس شخص نے اپنا سر جھکایا مگر اپنی سرین زمین سے نہ اٹھائی تو وضو نہ ٹوٹے گا اور یہی مراد شارح کی ہے، اور اگر سرین اٹھ گئے تو ٹوٹ جائے گا۔ اور غنیہ کی مراد یہی ہے اس لئے میں نے اس تفصیل پر اعتماد کیا ہے، یا کسی محمل یا زین یا نمدہ میں (چڑھنے کی صورت ہو یا کوئی اور صورت، منیہ ش) اور اگر سواری کے جانور پر زین وغیرہ نہ ہو تو اترتے وقت وضو ٹوٹ جائے گا (کیونکہ سواری کی پشت سے مقعد ہٹ گئی ہوگی، حلیہ ش،) ورنہ (مثلاً یہ کہ چڑھنے یا بیٹھنے کی حالت میں ہو، منیہ ش) تو وضو

نام قاعدا یتمایل فسقط ان انتبہ حین سقط (ای قبل ان یصیب جنبہ الارض ط حلیہ ش او عند اصابۃ جنبہ الارض بلا فصل ط غنیہ ش) فلا نقض بہ یفتی (اما لواستقر ثم انتبہ نقض لانہ وجد النوم مضطجعا حلیہ ش) کناعس یفھم اکثر ما قیل عندہ (قال الرحمتی ولا ینبغی ان یغتر الانسان بنفسہ لانہ (بما یستغرقہ النوم ویظن خلافہ ش) مزیدا مابین الاھلۃ منّی ومن ط وش)۔[1]	نہ ٹوٹے گا، اگر بیٹھے بیٹھے سوگیا اور ہچکولے کھا کر گرا اور گرتے ہی بیدار ہوگیا (یعنی پہلو کے زمین پر لگنے سے قبل ط حلیہ ش یا پہلو کے زمین پر لگتے ہی بلا تاخیر گرا ط غنیہ ش) تو وضو نہ ٹوٹے گا یہی مفتی بہ قول ہے، لیکن اگر ٹھہر گیا پھر بیدار ہوا تو وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ کروٹ لینے کی حالت نیند میں پائی گئی حلیہ ش) جیسے اونگھنے والا، اکثر باتیں سمجھتا ہے (رحمتی نے کہا کہ انسان کو دھوکے میں نہ رہنا چاہئے، کبھی اس پر نیند کا غلبہ ہوجاتا ہے اور وہ اس کے خلاف گمان کرتا ہے، ش) ہلالوں کے درمیان جو کچھ ہے وہ عبارت درمختار پر میرا اور شامی وطحطاوی کا اضافہ ہے۔

افادات عدیدۃ مضیدۃ (مفیدۃ) سدیدۃ

چند درست نفع بخش افادات:

الاولی: ف اعلم ان النوم علی وضع سجود فیہ خلف کثیر ونزاع ممدود وانا ارید ان شاء الکریم المجید ان اذکرہ علی وجہ حاصر یجلو بہ الحق کبدر زاھر وماتوفیقی	**افادہ اولیٰ:** سجدے کی ہیات پر سونے کے مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ونزاع پایا جاتا ہے، بمشیت رب کریم میں اسے ایسی احاطہ کن صورت میں بیان کرنا چاہتا ہوں جس سے حق بدر تابندہ کی طرف روشن ہوجائے۔ اور مجھے توفیق نہیں

ف: تحقیق شریف للمصنف ان الصلوۃ وغیرھا فی نقض الطھارۃ بالنوم سواء۔

[1] الدر المختار کتاب الطھارۃ بحث نواقض الوضو مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶ و ۲۷، رد المحتار کتاب الطھارۃ بحث نواقض الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۵ تا ۹۷، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار بحث نواقض الوضو المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۸۲

الا بالله علیه توکلت والیه انیب۔

فاقول: واستعین بالقریب المجیب ذلك الوضع الذی نام فیه اما ان یکون علی الهیأة المسنونة للرجال اوعلی غیرها وکل امافی الصلاة ومنها سجود السهو وسها من نقل الخلاف فیه کما نبه علیه فی الفتح او فی سجدة مشروعة خارجها وهی سجدة التلاوة والشکر اوفی غیر ذلك ویدخل فیه ماکان علی هیأة ساجد ولم ینوها اصلا فالصور ست۔

وقد اجمعوا علی عدم النقض فی الاولی وهی السجود فی الصلاة علی الهیأة المسنونة اما ما وقع فی ردالمحتار ان النوم ساجدا فی الصلاة وغیرها قیل یکون حدثا ای مطلقا سواء کان علی الهیأة المسنونة اولا لانه ذکر هذا التفصیل من بعد فی قول مقابل له قال وذکر فی الخانیة انه

مگر خدا ہی کی طرف سے، اسی پر میرا توکل ہے اور اسی کی طرف رجوع لاتا ہوں۔

فاقول: و رب قریب مجیب کی مدد لیتے ہوئے عرض پرداز ہوں، سونے والا جس وضع سجدہ پر سویا ہے وہ یا تو مردوں کے لئے سجدہ کی مسنون ھیأت کے مطابق ہوگی یا مسنون ھیأت نہ ہوگی، دونوں صورتیں یا تو نماز میں ہوں گی، اسی میں سجدہ سہو بھی شامل ہے اور جس نے اس سے متعلق اختلاف نقل کیا اس سے سہو ہوا جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے یا بیرون نماز کسی جائز ومشروع سجدہ میں ہوں گی، یہ سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر ہے، یا ان سب کے علاوہ میں ہوں گی اسی میں وہ بھی داخل ہے جو سجدہ کی ہیات پر ہو اور سجدہ کی کوئی نیت نہ ہو، تو یہ کل چھ صورتیں ہوئیں۔

پہلی صورت یہ کہ نماز میں مسنون طریقہ پر سجدہ ہو، اس صورت پر سوجانے سے وضو نہ ٹوٹنے پر سب کا اجماع ہے لیکن وہ جو ردالمحتار میں واقع ہے کہ: بحالت سجدہ نماز میں اور بیرون نماز سوجانا کہا گیا کہ حدث ہے، یعنی مطلقًا خواہ مسنون طریقے پر ہو یا نہ ہو، یہ اس لئے کہ علامہ شامی نے یہ تفصیل آگے اس کے مقابل ایک قول میں خود بیان کی ہے آگے لکھتے ہیں، اور خانیہ میں ذکر کیا کہ یہی

ظاهر الرواية۔[1] **فاقول:** هذا ف۱ الاطلاق ان صدر عن احد فهو محجوج بنص الحديث وتصريحات ائمة القديم والحديث وقد تقدم عن الحلية ان لاخلاف عندنا فی ذلك اما الخانية ف۲ فلم تذكره بهذا الارسال وانما نصها هكذا ظاهر المذهب ان النوم فی الصلاة لايكون حدثا نام قائما او راكعا اوساجدا اما خارج الصلاة علی هياة الركوع والسجود قال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالٰی يكون حدثا فی ظاهر الرواية وقيل ان كان ساجدا علی وجه السنة بان كان رافعا بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه بحيث يری من خلفه عفرة ابطيه لايكون حدثا وان كان ساجدا علی وجه غير السنة بان الصق بطنه بفخذيه وافترش ذراعيه كان حدثا[2] اھ	ظاہر الروایۃ ہے اھ۔ **اقول:** یہ اطلاق (کہ نماز اور بیرون نماز مسنون یا غیر مسنون جس ہیات سجدہ پر بھی سوجائے وضو ٹوٹ جائے گا) اگر کسی سے صادر ہے اور کوئی اس کا قائل ہے تو اس کے خلاف نص حدیث اور عہد قدیم وجدید کے ائمہ کی تصریحات حجت ہیں حلیہ کے حوالے سے گزرچکا کہ اس بارے میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں، رہا خانیہ کا حوالہ جو علامہ شامی نے پیش کیا تو خانیہ نے اس اطلاق کے ساتھ اسے بیان ہی نہ کیا۔ ملاحظہ ہو اس کی عبارت یہ ہے ظاہر مذہب یہ ہے کہ نماز کے اندر سونا حدث نہیں ہوتا، قیام میں سوئے یا رکوع یا سجدے میں سوئے لیکن بیرون نماز اگر رکوع و سجود کی ہیات پر سوئے تو شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ظاہر روایت میں یہ حدث ہے، اور کہا گیا کہ اگر سنت کے طور پر سجدہ کی حالت ہو اس طرح کہ پیٹ رانوں سے اٹھائے ہوئے، بازو کروٹوں سے جدا کئے ہوئے ہو کہ پیچھے والا بغلوں کی سیاہی دیکھ لے تو حدث نہ ہوگا، اور اگر خلاف سنت سجدہ ہو اس طرح کہ پیٹ رانوں سے ملادیا ہو اور کلائیاں بچھادی ہوں تو حدث ہوگا اھ۔

ف۱: معروضة علی العلامة ش۔

ف۲: معروضه اخری علیه

[1] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، بحث نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱/۹۶

[2] فتاوٰی قاضی خان، کتاب الطہارۃ، فصل فی النوم، نولکشور لکھنو ۱/۲۰

فاین ھذا من ذاك فلیتنبہ نعم جاء ت خلافیۃ عن ابی یوسف فی تعمد النوم علی خلاف ظاھر الروایۃ الصحیحۃ المختارۃ ولا تختص فی تحقیقنا بالسجود بل تعم الصلاۃ کلھا کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	بتائیے اس تفصیل کو اس اطلاق سے کیا نسبت ؟ تو اس پر متنبہ رہنا چاہئے ، ہاں قصدا سونے کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے صحیح ، ترجیح یافتہ ظاہر الروایہ کے بر خلاف ایک اختلافی روایت آئی ہے اور وہ ہماری تحقیق میں حالت سجدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ پوری نماز کو شامل ہے ، جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی ذکر ہوگا
واجمعوا علی النقض فی السادسۃ وھی کونہ علی ھیأۃ سجود غیر مسنونۃ من غیر نیۃ اوفی سجدۃ غیر مشروعۃ اما ما وقع فی ردالمحتار ان النوم ساجدا قیل لایکون حدثا فی الصلاۃ وغیرھا وصححہ فی التحفۃ وذکر فی الخلاصۃ انہ ظاھر المذھب وفی الذخیرۃ ھو المشھور[1] اھ۔	**چھٹی صورت** یہ کہ سجدہ غیر مسنون طریقہ پر ہوا اور سجدہ کی نیت بھی نہ ہو یا کسی ایسے سجدہ کی نیت ہو جو مشروع نہیں اس صورت میں سونے سے وضو ٹوٹ جانے پر اجماع ہے لیکن وہ جو ردالمحتار میں واقع ہوا کہ "سجدہ کرتے ہوئے سو جانا کہا گیا کہ یہ نماز میں اور بیرون نماز بھی حدث نہیں اسی کو تحفہ میں صحیح کہا۔ اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ یہی مشہور ہے اھ"
فاقول: انف اراد بالساجد الساجد الشرعی فعزو الحکم الی الخلاصۃ یصح لکنہ اذن لایتناول الا سجود الصلاۃ والسھو والتلاوۃ والشکر و	**فاقول**: اگر سجدہ کرنے والے سے شرعی سجدہ کرنے والا مراد لیا تو خلاصہ کا حوالہ صحیح ہے، لیکن اس تقدیر پر یہ صرف سجدہ نماز، سجدہ سہو، سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کو شامل

ف: معروضۃ ثالثۃ علیہ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب نواقض الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹۶/۱

یبقی کلامه ساکتا عن حکم ماذا کان علی هیأة سجود من دون سجود او فی سجود غیر مشروع کما یفعله بعض الناس عقیب الصلاة ولا شك ان کلام الخلاصة والخانیة والتحفة والبدائع والحلیة التی لخص منها هذا الفصل یشمل هذه الصور کلها فلاوجه لاخراجها عن الکلام مع ان الحاجة ماسة الی ادراك حکمها ایضاوان اراد من کان علی هیأة سجود ولو لم ینوه اولم یشرع فیجب ان یکون المراد الهیأة المسنونة للرجال لانها المانعة عن الاستغراق فی النوم فکان کالنوم قائما او علی هیأة رکوع اما ان یؤخذ العموم فی الساجد کما احاط به کلمات المنقول عنهم جمیعا وقد اشار الیه فی الخلاصة حیث عبر فی الصلاة بلفظة ساجدا وفی خارجها بلفظة علی هیأة السجود وفی الهیأة ایضا کما هو قضیة ردالمحتار حیث ذکر تفصیل الهیأة فی قول ثالث مقابل لهذا حتی یلزم ان لاینقض نوم من نام فی غیر سجود مشروع علی هیأة سجود المرأة	ہوگا، اور ان کا کلام اس صورت کا حکم بتانے سے ساقط رہ جائے گا جب بے نیت سجدہ محض ہیأت سجدہ ہو یا کوئی غیر مشروع سجدہ ہو جیسا کہ بعض لوگ بعد نماز سجدہ کرتے ہیں، حالاں کہ خلاصہ، خانیہ، تحفہ، بدائع اور حلیہ جن سے اس فصل کی تلخیص کی گئی ہے سب کا کام ان ساری صورتوں کو شامل ہے تو مذکورہ صورتوں کو کلام سے خارج کرنے کی کوئی وجہ نہیں جب کہ ان صورتوں کا بھی حکم دریافت کرنے کی ضرورت موجود ہے، اور اگر ساجد سے وہ مراد ہے جو ہیأت سجدہ پر ہوا گرچہ سجدہ کی نیت نہ رکھتا ہو یا وہ سجدہ مشروع نہ ہو تو ضروری ہے کہ اس سے مراد وہ ہیأت ہو جو مردوں کے لئے مسنون ہے کیونکہ وہی حالت نیند کے استغراق سے روکنے والی ہے تو یہ ایسے ہی ہوا جیسے کھڑے یا رکوع کی ہیأت پر سوجانا، لیکن یہ کہ ساجد میں عموم مراد لیا جائے، جیسا کہ ان حضرات کی عبارتیں اس کا احاطہ کرتی ہیں جن سے یہ احکام نقل کئے گئے ہیں، اور خلاصہ میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے اس طرح کہ اندرون نماز کی تعبیر لفظ ساجد سے کی ہے اور بیرون نماز کی تعبیر ہیأت سجدہ سے کی ہے، اور ہیأت میں بھی عموم مراد لیا جائے، جیسا کہ یہ کلام ردالمحتار کا مقتضا ہے اس لئے کہ انہوں نے ہیأت کی تفصیل اس کے مقابل ایک تیسرے قول میں ذکر کی ہے اس پر یہ الزام آئے گا کہ جو کسی غیر مشروع سجدہ میں سجدہ عورت کی ہیأت پر سوجائے تو اس کی نیند ناقض وضو

فلا یجوز ان یقول بہ احد فانہ حینئذ لیس الا کنوم المنبطح سواء بسواء بل ھو ھولا یفارقہ الا بقبض فی الایدی والارجل کما لایخفی۔	نہ ہو، تو اس کا کوئی قائل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر یہ سونا بالکل منہ کے بل لیٹ کر سونے کی طرح ہوا بلکہ دونوں بالکل ایک ہوئے، صرف ہاتھ پاؤں سمیٹنے کا فرق رہا، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (یہاں مذکورہ کلام شامی کے تین معنی ذکر کئے اول مراد ہے تو کلام ناقص اور بعض صورتوں کے احاطہ سے قاصر ہوگا، دوم مراد ہو تو وہ خاص مسنون حالت پر سجدہ ہے، سوم مراد ہو کہ کسی قسم کا بھی سجدہ کرنے والا ہے اور کسی بھی ہیات پر سجدہ کر رہا ہو اور سوجائے تو وضو نہ ٹوٹے گا اس کا کوئی قائل نہیں ہوسکتا ۱۲م)
وراجعت الخلاصۃ فوجدت نصھا ھکذا فی الاصل قال لاینقض الوضوء النوم قاعدا او راکعا اوساجدا اوقائما ھذا فی الصّلاۃ فان نام خارج الصلاۃ قائما اوعلی ھیأۃ الرکوع والسجود فی ظاھر المذھب لافرق بین الصلاۃ وخارج الصلاۃ[1] اھ ثم قال اذا نام فی سجود التلاوۃ لایکون حدثا عندھم جمیعا کما فی الصلٰوتیۃ وفی سجدۃ الشکر کذلک عند محمد و ھکذا روی عن ابی یوسف وسواء سجد علی ھیأۃ السنۃ او غیر السنۃ نحوان یفترش ذراعیہ ویلصق	اور میں نے خلاصہ اٹھا کر دیکھا تو اس کی عبارت اس طرح پائی "اصل مبسوط میں ہے، فرمایا: بیٹھ کر، یا رکوع میں، یا سجدہ میں یا قیام میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ یہ اندرون نماز کا حکم ہے اور اگر بیرون نماز کھڑے کھڑے یا رکوع و سجود کی ہیات میں سوگیا تو ظاہر مذہب میں نماز اور بیرون نماز کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اور آگے فرمایا: سجدہ تلاوت میں سوجانا ان سبھی حضرات کے نزدیک حدث نہیں جیسے کہ سجدہ نماز میں اور سجدہ شکر میں بھی امام محمد کے نزدیک یہی حکم ہے اور ایسا ہی امام ابویوسف سے مروی ہے خواہ مسنون طریقہ پر سجدہ یا ہو غیر مسنون طریقہ پر، جیسے یوں کہ کلائیاں بچھادے اور پیٹ کو رانوں سے

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۸

بطنه علی فخذیه وعند ابی حنیفة یکون حدثا وفی سجدتی السهو لایکون حدثا[1] اھ

فافاد ان عموم الهیاۃ انما ھو فی السجود المشروع کسجود التلاوۃ والسهو عندا لکل والشکر عندھما۔لما لم تشرع سجدۃ الشکر عندہ قال بالنقض فیها اذالم تکن علی هیاۃ السنة۔

وفی الحلیة بعد ماقدمنا عنها من الکلام علی النوم فی الصّلاۃ وان کان خارج الصلاۃ (فذکر الوجوہ الی ان قال) وان نام قائما او علی هیاۃ الرکوع والسجود غیر مستند الی شیئ ففی البدائع العامة علی انه لایکون حدثا لان استمساك فیها باق وفی التحفة الاصح انه لیس بحدث کما فی الصلاۃ وعلیه مشی فی الخلاصة وذکرانه ظاهر المذهب وعکس ھذا بالنسبة الی هیاۃ الرکوع بالسجود فی الخانیة فذکرانه حدث فی ظاهر الروایة والاول

ملادے اور سجدے میں سوجائے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدث ہوگا اور سجدہ سہو میں حدث نہ ہوگا اھ۔

اس کلام سے افادہ فرمایا کہ صرف سجدہ مشروع میں ایسا ہے کہ کسی بھی ہیات پر ہو اس میں بندے سے وضو نہ جائے گا، سجدہ مشروع جیسے سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو سب کے نزدیک اور سجدہ شکر صاحبین کے نزدیک۔ اور سجدہ شکرچوں کہ امام اعظم کے نزدیک مشروع نہیں اس لئے وہ اس میں نیند کے ناقض ہونے کے قائل ہیں جب کہ مسنون ہیئت پر نہ ہو۔

حلیہ کے حوالے سے اندرون نماز سونے سے متعلق جو کلام ہم نے پہلے نقل کیا اس کے بعد اس میں ہے "اور اگر بیرون نماز ہو (اس کے بعد وہ صورتیں ذکر کیں۔ پھر کہا) اگر کھڑے کھڑے یا رکوع و سجود کی ہیات پر کسی چیز سے ٹیک لگائے بغیر سوگیا تو بدائع میں ہے کہ عامہ علماء اس پر ہیں کہ وضو نہ جائے گا اس لئے کہ ان صورتوں میں بندش باقی رہتی ہے۔ اور تحفہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ ایسی نیند حدث نہیں جیسے اندرون نماز اسی پر خلاصہ میں مشی ہے اور ذکر کیا کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور ہیات رکوع و سجود سے متعلق خانیہ میں اس کے بر عکس یہ بتایا کہ وہ ظاہر الروایہ میں حدث ہے، اور اول ہی

[1] خلاصۃ الفتاوی، کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۹

هو المشهور كما فى الذخيرة[1] اھ ملخصا فافادان ف۱ کلامهم هذا فى غير الصلٰوة وافاد ف۲ ببقاء الاستمساك ان المراد هيأة السجود المسنونة فهذا الذى يشم من عبارة ردالمحتار ليس مراد الخلاصة ولاالتحفة ولا الخانية ولا الذخيرة ولا الحلية فليتنبه۔ **بقيت اربع:** وهى الهيأة المسنونة خارج الصلوة فى السجدة المشروعة او۲ غيرها۳ وغيرالمسنونة فى السجدة المشروعة فى الصلوة او۴ غيرها۔ فهذه تجاذبت فيها الأراء ووجدت ههنا مما اعتمده المصنفون فى تصانيفهم المتداولة فى المذهب اربعة اقوال۔ الاول ان كان على هيأة المسنونة لاينقض ولو خارج الصلوة، وعلى غيرها ينقض ولو	مشہور ہے، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ ملخصا۔ اس سے مستفاد ہوا کہ ان حضرات کا یہ کلام بیرون نماز سونے کی صورت میں ہے۔ اور بندش باقی رہنے سے یہ افادہ کیا کہ سجدہ کی مسنون ہیأۃ مراد ہے۔ تو یہ عموم جو رد المحتار کی عبارت سے مترشح ہے نہ خلاصہ کی مراد ہے نہ تحفہ کی، نہ خانیہ، نہ ذخیرہ، نہ حلیہ کی، تو اس پر متنبہ رہنا چاہیئے۔ **اب چار صورتیں باقی رہیں:** (۱) سجدہ کی مسنون ہیات بیرون نماز کسی مشروع سجدہ میں ہو (۲) یہ ہیات کسی غیر مشروع سجدہ میں ہو (۳) غیر مسنون ہیات سجدہ مشروعہ میں اندرون نماز ہو (۴) یا (یہ ہیات سجدہ مشروعہ) میں بیرون نماز ہو۔ ان ہی چار صورتوں میں آراء کی کش مکش ہے اور یہاں مجھے **چار اقوال** ملے جن پر مصنفین نے اپنی متداول تصانیف مذہب میں اعتماد کیا ہے۔ **قول اول:** سونا اگر سجدہ کی مسنون ہیاۃ پر ہو تو ناقض وضو نہیں اگرچہ بیرون نماز ہو۔ اور غیر مسنون ہیات پر ہو تو ناقض وضو ہے اگرچہ

ف۱: معروضة رابعة على العلامة ش۔

ف۲: معروضة خامسة عليه۔

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

فیھا۔ وھو الذی عولنا علیہ وقدمنا نقلہ عن ۱مراقی الفلاح و۲المحیط و۳عقد الفرائد و۴شرح المنیۃ الصغیر وفی ۵مجمع الانھر لانوم ساجد فی الصلاۃ اوخارجھا علی الصحیح عندنا وفی المحیط انما لا ینقض نوم الساجد اذا کان رافعا بطنہ من فخذیہ جافیا عضدیہ عن جنبیہ وان ملتصقا بفخذیہ معتمدا علی ذراعیہ فعلیہ الوضوء [1] اھ وقال ۶العلامۃ اکمل الدین البابرتی فی العنایۃ شرح الھدایۃ قولہ بخلاف النوم حالۃ القیام والقعود و الرکوع والسجود فی الصلاۃ یعنی اذا کان علی ھیأۃ سجود الصلاۃ من تجافی البطن عن الفخذین وعدم افتراش الذراعین اما اذا کان بخلافہ فینقض [2] اھ وفی ۷الرحمانیۃ عن العتابیۃ وعن اصحابنا ان النوم فی السجود انما لایفسد اذا کان علی الھیأۃ المسنونۃ [3] اھ ۔وفی المعراجیہ	اندرون نماز ہو۔ یہی وہ قول ہے جس پر ہم نے اعتماد کیا اور اسی کو ۱مراقی الفلاح ۲ محیط ۳عقد الفرائد اور ۴منیہ کی شرح صغیر سے ہم نے پہلے نقل کیا، اور ۵مجمع الانہر میں ہے: ناقض وضو نہیں سجدہ کرنے والے کی نیند، نماز میں ہو یا بیرون نماز، اس قول پر جو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔ اور محیط میں ہے سجدہ کرنیوالے کی نیند ناقض اس صورت میں نہیں جب پیٹ ران سے اٹھائے ہوئے بازو کروٹوں سے جدا کئے ہو۔ اور اگر رانوں سے چپکا ہوا، کلائیوں کے سہارے پر رکا ہوا ہو تو اس پر وضو ہے اھ۔ ۶علامہ اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں، عبارت ہدایہ، بخلاف قیام، قعود، رکوع اور نماز میں سجدہ کی حالت پر سونے کے (کہ یہ ناقض نہیں) مراد یہ ہے کہ جب سجدہ نماز کی ہیات پر سویا ہو کہ پیٹ رانوں سے الگ ہو اور کلائیاں بچھی نہ ہوں لیکن جب اس کے بر خلاف ہو تو ناقض ہے اھ۔ (۸۔۔۔۷) رحمانیہ میں عتابیہ سے نقل ہے: اور ہمارے اصحاب سے منقول ہے کہ سجدہ میں سونا صرف اس صورت میں مفسد نہیں جب مسنون ہیات پر ہو اھ۔ (۹) معراجیہ

1 مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الطہارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/۲۱

2 العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۴۳

3 الرحمانیہ

كما نقل عنها فى ذخيرة العقبى مانصه عن الامام الثانى رحمه الله تعالٰى انه لوتعمد النوم فى السجود ينقض والافلالان القياس ان يكون ناقضا الا انا استحسناه فى غير العمد لان من يكثر الصلاة بالليل لايمكنه الاحتراز عن النوم فيه فاذا تعمد بقى على اصل القياس۔

وجه ظاهر الرواية ماروى انه صلى الله تعالٰى عليه وسلم قال اذا نام العبد فى سجوده يباهى الله تعالٰى به ملئكته فيقول انظروا الى عبدى روحه عندى وجسده فى طاعتى وانما يكون جسده فيها اذا بقى وضوء ه وجعل هذا الحديث فى الاسرار عـــہ من المشاهير ولان الاستمساك باق فانه لوزال لزال على احد

کی عبارت جیسا کہ اس سے ذخیرۃ العقبٰی میں نقل کیا ہے یہ ہے: امام ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ اگر سجدہ میں قصداً سوئے تو ناقض ہے ورنہ نہیں اس لئے کہ قیاس یہ ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جائے مگر بلاقصد نیند آنے کی صورت میں ہم نے استحسان سے کام لیا کیونکہ رات میں بکثرت نماز پڑھنے والے کے لئے نیند آنے سے بچنا ممکن نہیں پھر جب قصد سوئے تو حکم اصل قیاس پر باقی رہے گا

ظاہر الروایہ کی دلیل وہ ہے جو حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب بندہ سجدے میں سوجاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس پر اپنے فرشتوں سے مفاخرت کرتے ہوئے فرماتا ہے، میرے بندے کو دیکھو اس کی روح میرے پاس ہے اور اس کا جسم میری طاعت میں ہے اس کا جسم طاعت میں اسی وقت ہوگا جب اس کا وضو برقرار ہو۔ اس حدیث کو اسرار میں مشاہیر سے قرار دیا اور یہ وجہ بھی ہے کہ بندش باقی ہے اس لئے کہ یہ اگر

(عـــہ) اخرج معناه البيهقى عن انس والدار قطنى عن ابى هريرة وابن شاهين عنه وعن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالٰى عنهم كلهم عن النبى صلى الله عليه وسلم۔ ۱۲(م)

اس کے ہم معنی بیہقی نے انس سے دارقطنی نے ابوہریرہ سے ابن شاہین نے حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم اور یہ سب حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ ۱۲(ت)

شقيه[1] اھ

وقال اعنى العلامة يوسف چلپى قبله كان يختلج فى خلدى من عنفوان الشباب الى ببلوغ درجة مطالعة معتبرات هذا الفن ان النوم ساجدا هو النوم مكبا على الوجه فما وجه عده غير ناقض مع وجود كمال الاسترخاء فيه ثم دفعته بحمله على وضع سجدة الصلٰوة من تجافى البطن عن الفخذ وعدم افتراش الذراعين كما هو الظاهر من قوله ساجدا۔ ثم وجدت فى بعض الشروح هذا التوهم مع الدفع بعينه فقلت الحمد لله الذى وفقنى بآراء الفضلاء[2] اھ

وستأتى ان شاء الله تعالٰى عبارة شرح الملتقى للمصنف والمنح[١٣] والطحطاوى[١٤] والهداية[١٥] والكافى[١٦] والفتح[١٧] والحلية[١٨] والدرر[١٩] بل ونصوص المتون كمختصر القدورى[٢٠] والبداية[٢١] والوقاية[٢٢] والنقاية[٢٣] والكنز[٢٤] والاصلاح والغرر[٢٦] والملتقى[٢٧] و

ختم ہو جاتی تو وہ ایک طرف گر جاتا اھ۔

(۱۰۔۔۱۱)علامہ یوسف چلپی فرماتے ہیں:، اس سے قبل میرے دل میں آغاز شباب سے اس فن کی معتبر کتابوں کے مطالعہ کے درجہ کو پہنچنے تک یہ خلجان رہتا کہ سجدہ کی حالت میں سونا تو یہی ہے کہ منہ کے بل اوندا سوئے پھر اسے غیر ناقض شمار کرنے کی کیا وجہ ہے جب کہ اس میں اعضا پورے طور سے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پھر اس خلجان کو میں نے یوں دفع کیا کہ مطلب یہ ہے کہ سجدہ نماز کی حالت پر سوئے اس طرح کہ پیٹ ران سے الگ ہو کلائیاں بچھی ہوئی نہ ہوں جیسا کہ لفظ "ساجدا" سے ظاہر ہے۔

پھر ایک "شرح میں بعینہٖ یہی اعتراض وجواب میں نے دیکھا تو خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے فضلاء کے افکار وآراء کی توفیق سے نوازا اھ۔

آگے ان شاء اللہ تعالٰی (۱۲)مصنف کی شرح ملتقی (۱۳) منح الغفار (۱۴) طحطاوی (۱۵) ہدایہ (۱۶) کافی (۱۷) فتح القدیر (۱۸) حلیہ (۱۹) درر الحکام کی عبارتیں آئیں گی۔ بلکہ (۲۰) مختصر قدوری (۲۱) بدایہ (۲۲) وقایہ (۲۳) نقایہ (۲۴) کنزالدقائق (۲۵) اصلاح (۲۶) غرر الاحکام (۲۷) ملتقی الابحر، اور (۲۸) تنویر الابصار، اور

---

[1] ذخیرۃ العقبی کتاب الطہارۃ بحث نواقض الوضوء نولکشور کانپور (ہند) ۱/۲۵

[2] ذخیرۃ العقبی کتاب الطہارۃ بحث نواقض الوضوء نولکشور کانپور (ہند) ۱/۲۵

٢٨التنویر٢٩ونور الایضاح وبه جزم فی ٣٠الدر المختار علی ماقرر فی ردالمحتار حیث قال علی قوله المار و ساجدا علی الهیأة المسنونة ولو فی غیر الصلاة علی المعتمد ذکره الحلبی [1] مانصه قوله ولو فی غیر الصلاة مبالغة علی قوله علی الهیأة المسنونة لا علی قوله وساجدا یعنی ان کونه علی الهیأة المسنونة قید فی عدم النقض ولو فی الصلاة وبهٰذا التقریر یوافق کلامه ماعزاه الی الحلبی فی شرح المنیة کما سیظهر [2] اھ وما ظهر بعدهو قوله عن الحلبی انه اعتمد فی شرحه الصغیر ماعزا الیه الشارح من اشتراط الهیأة المسنونة فی سجود الصلاة وغیرها [3] اھ۔ ورأیتنی کتبت علیه۔	(٢٩)نورالایضاح جیسے متون کے نصوص بھی آئیں گے (٣٠)اور اسی پر در مختار میں بھی جزم کیا ہے اس تقریر کے مطابق جو ردالمحتار میں پیش کی ہے۔اس طرح کہ درمختار کی سابقہ عبارت : وہ نیند ناقض نہیں جو مسنون ہیات پر سجدہ کی حالت میں ہو، اگرچہ غیر نماز میں یہی معتمد ہے، اسے حلبی نے بیان کیا" پر ردالمحتار میں یہ لکھا ہے، ان کا قول"اگرچہ غیر نماز میں "ان کے قول" مسنون ہیات "پر مبالغہ کے لئے ہے، اس سے ان کے قول ساجدا (بحالت سجدہ) پر مبالغہ مقصود نہیں۔ یعنی اس کا مسنون ہیات پر ہونا وضو نہ ٹوٹنے کے لئے قید ہے"اگرچہ نماز میں ہو"اور کلام شارح کی یہی تقریر کی جائے جبھی ان کا کلام اس کے موافق ہوگا جس پر انہوں نے حلبی کی شرح منیہ کا حوالہ دیا ہے جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا اھ، آگے علامہ شامی نے یہ بتایا ہے کہ حلبی نے اپنی شرح صغیر میں اسی پر اعتماد کیا ہے کہ سجدہ نماز وغیر نماز دونوں ہی میں ہیات مسنونہ کی شرط ہے جیسا کہ شارح نے اسے ان کے حوالے سے بتایا اھ۔ میں نے دیکھا کہ ردالمحتار کے اس کلام پر میں نے یہ حاشیہ لکھا ہے۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ٢٦/١

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب نواقض الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ٩٦/١

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب نواقض الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ٩٦/١

اقول: ف۱ اوردوا النص بلفظ لاوضوء علی من نام قائما اوقاعدا او راکعا او ساجدا کما فی الھدایۃ وغیرھا ولاقتران ھذہ الارکان تسبق الاذھان الی الصلاۃ وبہ استدل اصحابنا علی ان المراد فی اٰخر اٰیتی الحج رکوع الصلاۃ وسجودھا فلیس فیھا سجود التلاوۃ فیسری الی شمول الحدیث سجود غیر الصلاۃ نوع خفاء حتی قصر ذلك فی البدائع والتبیین وغیرھما علی الصلٰبیۃ قائلین ان النص انما ورد فی الصلاۃ کما سیاتی فاذن عدم الانتقاض بالنوم فی السجود اظھر فی الصلاۃ واشتراط الھیأۃ المسنونۃ لعدم النقض اظھر فی غیرھا لظاھر اطلاق النص فی الصلاۃ والمبالغۃ انما تکون بذکر الخفی فان ف۲ نقیض مدخول الوصلیۃ یکون اولی بالحکم منہ۔ فان	**اقول**: مصنفین اپنی عبارت ان الفاظ میں لائے کہ "اس پر وضو نہیں جو قیام یا قعود یا رکوع یا سجود کی حالت میں سوجائے" جیسا کہ ہدایہ وغیرہامیں ہے ان ارکان کے ایک ساتھ ہونے کی وجہ سے ذہن نماز کی طرف جاتا ہےاور ساتھ ہونے ہی کی بنیاد پر ہمارے اصحاب نے یہ استدلال کیا ہے کہ سورہ حج کے آخر کے دونوں آیتوں میں نماز کا رکوع وسجود مراد ہے تو ان آیتوں میں سجدہ تلاوت نہیں، جب ارکان مذکورہ کے ایک ساتھ بیان ہونے سے ذہن نماز کی طرف چلا جاتا ہے تو غیر نماز کے سجدے کو حدیث کے شامل ہونے میں ایک طرح کا خفاآجاتا ہے یہاں تک کہ بدائع اور تبیین وغیرہما میں صرف سجدہ نماز کے ذکر پر اکتفاء کی ہے اور کہا ہے کہ نص صرف نماز کے بارے میں وارد ہے جیسا کہ آگے آئے گا،جب یہ صورت حال ہے تو سجدہ میں نیند آنے سے وضو نہ ٹوٹنے کا حکم نماز کے بارے میں زیادہ ظاہر ہے اور وضو نہ ٹوٹنے کے لئے ہیأت مسنونہ کی شرط لگانا غیر نماز سے متعلق زیادہ ظاہر ہے کیونکہ نماز سے متعلق تو نص کاظاہری اطلاق خود ہی موجود ہے اور مبالغہ خفی کو ذکر کرکے کیا جاتا ہے اس لئے کہ کلمہ شرط وصلیہ کے مدخول کی نقیض حکم سے متعلق مدخول سے زیادہ اولی ہوا کرتی

ف۱: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

ف۲: نقیض مدخول لو وان الوصلیۃ یکون اولی بالحکم منہ۔

قیل ولو فی الصلاۃ یکن مبالغۃ علی قولہ الھیأۃ المسنونۃ کما ذکرہ المحشی رحمہ اللہ تعالٰی لان اشتراط الھیأۃ ھو الخفی فی الصلاۃ لاعدم النقص فی السجود ما اذا قال الشارح رحمہ اللہ تعالٰی ولو فی غیر الصلاۃ فالمبالغۃ علی قولہ ساجدا لاعلی قولہ الھیأۃ المسنونۃ لان اشتراط الھیأۃ فی غیر الصلاۃ امر ظاھر وانما الخفی عدم النقض لاجرم ان العلامۃ المحشی ما جعلہ مبالغۃ علی الھیأۃ لم یمکنہ تعبیرہ الا ببلو فی الصلاۃ ولو لا نقلہ فی المقولۃ ولو غیر الصلاۃ کما ھو فی نسخ الدر بایدینا لظننت ان لفظۃ غیر من کلام الدر ساقطۃ من نسخۃ المحشی۔

ہے۔(مثلا کہا جائے تم اپنے بھائی کے ساتھ انصاف کرو اگرچہ تمہارے ساتھ ناانصافی کرے، اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کے انصاف کرنے کی صورت میں انصاف کا حکم بدرجہ اولی ہوگا ۱۲م) تو اگر کہا جائے "اگرچہ نماز میں" تو یہ ان کے قول "ہیات مسنونہ" پر مبالغہ ہوگا، جیسا کہ محشی رحمہ اللہ تعالی نے ذکر کیا، اس لئے کہ نماز کے اندر ہیات کی شرط خفی ہے، سجدے میں وضو نہ ٹوٹنے کا حکم خفی نہیں، لیکن جب شارح نے فرمایا "اگرچہ غیر نماز میں" تو یہ ان کے قول "ساجدا" پر مبالغہ ہوا، ہیات مسنونہ پر مبالغہ نہ ہوا، اس لئے کہ غیر نماز میں ہیات کی شرط ہونا کھلی ہوئی بات ہے، خفی صرف یہ حکم ہے کہ اس میں بھی وضو نہ ٹوٹے گا، یہی وجہ ہے کہ جب علامہ محشی نے اسے ہیات پر مبالغہ قرار دے دیا تو ناچار انہیں یہ تعبیر کرنا پڑی کہ "اگرچہ نماز میں ہو" درمختار کے جو نسخے ہمارے پاس ہیں ان میں "ولو فی غیر الصلوۃ" ہے اور حاشیہ لکھتے وقت علامہ شامی نے بھی اسی طرح نقل کیا "قولہ ولو فی غیر الصلوۃ" اگر ان کے حاشیے میں یہ نقل نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ ان کے پاس جو نسخہ درمختار تھا اس میں لفظ "غیر" ساقط تھا۔

اما التشبث بذکر اعتماد الحلبی وانما اعتمد تعمیم اشتراط الھیأۃ سجود الصلاۃ

اب رہا علامہ شامی کا اپنی تقریر کی تائید میں اعتماد حلبی کا تذکرہ، اور یہ کہ انہوں نے اسی پر اعتماد کیا ہے کہ وضو نہ ٹوٹنے کے لئے

ایضاً۔ فاقول لعلہ ف لایتعین ھذا الاعتماد مرادا فانہ ذکر فی الغنیۃ قول ابن شجاع ان النوم ساجدا فی غیر الصلٰوۃ ناقض مطلقا ثم نقل عن الخلاصۃ والکفایۃ ان فی ظاھر المذھب لافرق بین الصلاۃ وخارج الصلاۃ وعن الھدایۃ انہ الصحیح ثم عن القمی التفصیل بالنقض ان کان علی غیر ھیاۃ السنۃ وعدمہ ان کان علیھا ثم حقق ان المناط وجود نھایۃ الاسترخاء وان القاعدۃ الکلیۃ المعتمدۃ کما سیجیئ ان شاء اللہ تعالٰی۔ فافادان السجود علی ھیاۃ السنۃ غیر ناقض ولو خارج الصلاۃ وانہ المعتمد فصح العزومن ھذا الوجہ ایضا وحینئذ یکون کلام الشارح رحمہ اللہ تعالٰی ساکتا عن حکم الساجد فی الصلاۃ علی غیر ھیاۃ السنۃ۔	ہیات مسنونہ کی شرط میں سجدہ نماز بھی شامل ہے **فاقول:** شارح کی مراد بھی یہی اعتماد ہے یہ متعین نہیں، اس لے کہ شیخ حلبی نے غنیہ میں پہلے ابن شجاع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "غیر نماز میں بحالت سجدہ سونا مطلقا ناقض ہے" پھر خلاصہ اور کفایہ سے نقل کیا ہے کہ ظاہر مذہب میں نماز اور بیرون نماز کا کوئی فرق نہیں۔اور ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ یہی صحیح ہے پھر علامہ قمی سے یہ تفصیل نقل کی ہے کہ "اگر خلاف سنت طریقہ پر ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور بطریق سنت ہو تو نہ ٹوٹے گا" پھر یہ تحقیق فرمائی ہے کہ مدار اس پر ہے کہ انتہائی حد تک اعضاء ڈھیلے پڑ جانے کی صورت پائی جائے اور معتمد قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔ تو انہوں نے یہ افادہ کیا کہ مسنون طریقہ پر سجدہ ناقض وضو نہیں اگرچہ بیرون نماز ہو اور یہ کہ یہی معتمد ہے تو اس طرح بھی ان کی جانب شارح کا انتساب اور ان کا حوالہ صحیح ہو گیا اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ اندرون نماز کا سجدہ اگر غیر مسنون طریقہ پر ہوا اور اس میں سو جائے تو کیا حکم ہے؟ وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ اس کے ذکر سے شارح کا کلام (ہماری تقریر کے مطابق) ساکت ٹھہرے گا۔

ف: معروضۃ اخری علیہ۔

فان قلت مدخول الوصلیة ونقیضه یشترکان فی الحکم وان کان النقیض اولی به فیکون هذا قیدا فی الصلاۃ ایضا۔	اگر یہ کہئے کہ کلمہ شرط وصلیہ کامدخول اور اس کی نقیض دونوں ہی حکم میں شریک ہوتے ہیں اگرچہ نقیض حکم کے معاملہ میں اولٰی ہوتی ہے تو یہ قید نماز میں بھی ہوگی (اور شارح کے کلام کا مطلب یہ ہوگا کہ نماز میں بھی عدم نقض کے لئے طریقہ مسنونہ کی شرط ہے)
قلت کلّا وانما یفید ان الحکم بهذا القید یعم الصورتین ومفهومه نفی العموم بغیر هذا ما عموم النفی بدونه فلا وذلك ان الواو فی الوصلیة کانها عاطفة حذف المعطوف علیه لظهوره فقوله تعالٰی ﴿یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ کانه قیل یوثرون ولو کان بهم خصاصة کما بینته فی المعتمد المستند شرح المعتقد المنتقد۔	**تو میں کہوں گا:** ایسا نہیں اس کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس قید کے ساتھ (عدم نقض کا) حکم (نماز وغیر نماز) دونوں صورتوں کو عام ہے اور اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس قید کے بغیر "عدم نقض" کا حکم دونوں کو عام نہیں، یہ مفہوم نہیں ہوسکتا کہ اس قید کے بغیر "نقض" کا حکم دونوں کو عام ہے وجہ یہ ہے کہ کلمہ شرط وصلیہ کے ساتھ "واؤ" گویا عاطفہ ہوتا ہے جس کا معطوف علیہ ظاہر ہونے کے باعث حذف کردیا جاتا ہے، تو ارشاد باری تعالٰی یوثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة کا معنی یہ ہے کہ گویا فرمایا گیا یوثرون لولم تکن بهم خصاصة ولوکان بهم خصاصة اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں، اگر انہیں سخت محتاجی نہ ہو "اور اگر انہیں سخت محتاجی ہو تو بھی جیساکہ میں نے اسے المعتقد المنتقد کی شرح المعتمد المستند میں بیان کیا ہے۔
فالمعنی لاینقض النوم ساجدا علی الهیأة المسنونة لافی الصلاۃ ولا فی غیرها ولا کذلك	اب عبارت شارح کا معنی یہ ہوگا کہ مسنون ہیات پر سجدے کی حالت میں سوجانا ناقض وضو نہیں، نہ نماز میں اور نہ غیر نماز میں

النوم علی غیر الھیأۃ ای فانہ ینقض فی احدھما دون الاٰخر اوفیھما معًا کل محتمل۔ وبعد اللتیا والتی لوقال الشارح ساجدا ولوفی غیر الصلاۃ علی الھیأۃ المسنونۃ ولو فیھا لکان اظھر وازھر ولاتی بالمبالغتین معاواللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ وسیستبین لك تحقیق ھذا القول المنیران شاء المولی القدیر سبحنہ و تعالٰی عن ندید ونظیر۔	اور مسنون طریقے کے خلاف سونے کا یہ حکم نہیں" یعنی وہ ناقض ہے صرف ایک میں دوسرے میں نہیں، یا دونوں ہی میں ناقض ہے، ہر ایک کا احتمال ہے۔ اس بحث و تمحیص کے بعد عرض ہے کہ اگر شارح یوں فرماتے "ساجدا ولو فی غیر الصلوۃ علی الھیأۃ المسنونۃ ولو فیھا، ناقض نہیں حالت سجدہ میں سونا اگرچہ غیر نماز میں ہو، بشرطیکہ مسنون ہیات پر ہو اگرچہ اندرون نماز ہو" تو زیادہ واضح اور روشن ہوتا اور دونوں ہی مبالغے حاصل ہوجاتے (یعنی حالت سجدہ میں سونے سے غیر نماز میں بھی وضو نہیں ٹوٹتا مگر شرط یہ ہے کہ مسنون طریقے پر ہو اور یہ شرط نماز میں بھی ہے تو اگر غیر مسنون طریقے پر سجدہ نماز کی حالت میں بھی سوجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا ۱۲م) اور خدائے برتر ہی کو اپنے بندوں کی مراد کا خوب علم ہے آپ کے سامنے اس روشن کلام کی تحقیق آگے واضح ہوگی اگر رب قدیر کی مشیت ہوئی اسے پاکی ہے اور وہ ہر مقابل و نظیر سے برتر ہے۔
الثانی: ان کان فی الصلاۃ لاینقض اصلا وخارجھا ینقض ولو فی سجود مشروع بوجہ مسنون قدمنا نقلہ عن الخانیۃ عن الامام شمس الائمۃ الحلوانی وانہ ھو ظاھر الروایۃ عندہ۔	**قول دوم**: سجدہ نماز میں سونا بالکل ناقض نہیں، اور بیرون نماز ناقض ہے اگرچہ مسنون طریقے پر مشروع سجدے میں ہو، اسے ہم خانیہ کے حوالے سے امام شمس الائمہ حلوانی سے نقل کرآئے ہیں اور یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہی ان کے نزدیک ظاہر الروایہ ہے۔
وقال فی المنیۃ ان نام فی الصلاۃ	اور منیہ میں ہے اگر نماز کے اندر قیام یا

قائما او راکعا اوقاعدا اوساجدا فلا وضوء علیه وان کان خارج الصلاة قام علی هیأة الساجد ففیه اختلاف المشائخ وظاهر المذهب انه یکون حدثا[1] اھ	رکوع یا قعود یا سجود کی حالت میں سوجائے تو اس پر وضو نہیں، اور اگر سجدہ کرنے والے کے طریقے پر نماز کے باہر سوجائے تو اس کے بارے میں اختلاف مشائخ ہے اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اھ۔
وقال شارحها العلامة ابراهیم قال ابن الشجاع لایکون حدثافی هذه الاحوال فی الصلاة اما خارج الصلاة فیکون حدثا والیه مال المصنف حتی قال ظاهر المذهب ان یکون حدثا[2] اھ وفی الفتاوی السراجیة اذا نام فی سجدة التلاوة انتقض وضوؤه بخلاف سجدة الصلاة[3] اھ	منیہ کے شارح علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں: ابن شجاع نے فرمایا ان حالتوں میں اندرون نماز سونے سے وضو نہ جائے گا اور بیرون نماز ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا، اور اسی کی طرف مصنف بھی مائل ہوئے کہ انہوں نے فرمایا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جائے گا اور فتاوی سراجیہ میں ہے: سجدہ تلاوت میں سوجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا بخلاف سجدہ نماز کے اھ۔
الثالث: لانقض فی الصلاة مطلقا اما خارجها فبشرط هیأة السنة والا نقض۔	**قول سوم:** نماز میں مطلقًا وضو نہ ٹوٹے گا اور بیرون نماز وضو نہ ٹوٹنے کے لئے شرط ہے کہ سجدہ ہیئت سنت پر ہو ورنہ ناقض ہے۔
قال الامام الزیلعی فی التبیین النائم قائما او راکعا اوساجدا ان کان فی الصلاة لاینتقض وضوءه لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	امام زیلعی تبیین الحقائق میں لکھتے ہیں: قیام یا رکوع یا سجود کی حالت میں سونے والا اگر نماز میں ہے تو اس کا وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

[1] منیۃ المصلی، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ص ۹۴و۹۵

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی نواقض الوضوء، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۱۳۸

[3] الفتاوی السراجیۃ، کتاب الطہارۃ، باب یا ینقض الوضوء نولکشور، لکھنو ص ۳

لاوضوء علی من نام قائما او راکعا او ساجدا وان کان خارج الصلاۃ فکذلك فی الصحیح ان کان علی ہیأۃ السجود بأن کان رافعا بطنہ عن فخذیہ مجافیا عضدیہ عن جنبیہ والا انتقض [1] اھ	"اس پر وضو نہیں جو قیام یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں سوجائے" اور اگر بیرون نماز ہے تو بر قول صحیح یہی حکم ہے بشرطیکہ سجدہ کی ہیات پر ہو اس طرح کہ پیٹ رانوں سے اٹھائے ہوئے، بازو کروٹوں سے جداکئے ہوئے، ورنہ وضو ٹوٹ جائے گا اھ
وفی الحلیۃ بعد ماقدمنا عنہ ان ھذا کلہ فی الصلاۃ وان کان خارج الصلاۃ (فذکر الوجوہ الی ان ذکر النوم علی ہیأۃ السجود فقال) ذکر غیر واحد من المشائخ فی ھذہ المسألۃ عن علی بن موسی القمی انہ قال لانص فی ذلك ولکن یظھر ان سجد علی الوجہ المسنون لایکون حدثا وان سجد علی غیر وجہ السنۃ یکون حدثا قال فی البدائع وھو اقرب الی الصواب لان فی الوجہ الاول الاستمساك باق والاستطلاق منعدم وفی الوجہ الثانی بخلافہ الا اناترکنا ھذا القیاس فی حالۃ الصلاۃ بالنص قلت وقد ذکر رضی الدین فی المحیط ھذا التفصیل نقلا عن النوادر [2] اھ	حلیہ کی عبارت جو پہلے ہم نے نقل کی اس کے بعد یہ ہے یہ سب نماز کے اندر ہے اگر بیرون نماز ہو (اس کے بعد صورتیں بیان کیں، یہاں تک کہ ہیات سجدہ پر سونے کا ذکر کیا تو فرمایا) متعدد مشائخ نے اس مسئلہ میں علی بن موسی قمی سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا، اس بارے میں کوئی نص نہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ اگر مسنون طریقے پر سجدہ کرے تو وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر غیر طریق سنت پر سجدہ کرے تو وضو ٹوٹ جائے گا، بدائع میں فرمایا، یہ صواب سے قریب تر ہے اور اس لئے کہ پہلی صورت میں بندش باقی ہے اور آزادی (ڈھیلا پن) معدوم ہے، اور دوسری صورت میں اس کے برخلاف ہے لیکن ہم نے یہ قیاس حالت نماز میں نص کی وجہ سے ترک کردیا، میں کہتاہوں، رضی الدین نے محیط میں یہ تفصیل نوادر سے نقل کرتے ہوئے ذکر کی ہے اھ

1 تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب الطہارۃ، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱/ ۵۲ و ۵۳

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

وفی الغنیة فی مسائل النوم خارج الصلاۃ بعد ماذکر عن علی بن موسی مامر من التفصیل ھذا ھو مراد من صحح ھذا القول (ای عدم النقض بالنوم علی ھیأۃ ساجد خارج الصلاۃ) اما لوکان علی غیر الھیأۃ المسنونة فلا شك فی النقض لوجود نھایة استرخاء المفاصل المذکور فی الحدیث (ثم قال بعد نقل کلام نفیس عن الکافی حاصلہ ان المراد بقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم انہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ کمال الاسترخاء فان اصلہ حاصل بنفس النوم ولو قائما) فجمیع کلام الشیخ حافظ الدین یفید ان المراد بالسجود الذی لاینتقض الوضوء بالنوم فیہ السجود الذی ھو مثل الرکوع والقیام فی عدم نھایة الاسترخاء وبقاء بعض التماسك وعدم السقوط واذا لم یکن السجود علی الھیأۃ المسنونة فقد حصل نھایة الاسترخاء ولم یبق بعض التماسك ووجد	اور غنیہ کے اندر بیرون نماز نیند کے مسائل کے تحت علی بن موسی کے حوالے سے ذکر شدہ تفصیل کے بعد لکھتے ہیں "جس نے اس قول کو صحیح کہا اس کی یہی مراد ہے (یعنی سجدہ کرنے والے کی ہیأت پر بیرون نماز سونے سے وضو نہ ٹوٹے گا) لیکن اگر طریقہ مسنونہ کے برخلاف ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وضو ٹوٹ جائے گا اس لئے کہ جوڑوں کا انتہائی ڈھیلا پڑنا جو حدیث میں مذکور ہے وہ پالیا جائے گا (اس کے بعد کافی کے حوالے سے ایک نفیس کلام رقم کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "انہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ وہ جب کروٹ سے لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے" میں استرخا سے مراد کمال استرخا ہے یعنی ڈھیلے پڑنے کا مطلب کامل طور سے ڈھیلے پڑ جانا اس لئے کہ اصل استرخا تو محض سونے ہی سے حاصل ہو جاتا ہے خواہ کھڑے کھڑے ہی سوئے) آگے لکھتے ہیں: تو شیخ حافظ الدین نسفی (صاحب کافی) کے پورے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ وہ سجدہ جس میں سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس سے مراد وہی سجدہ ہے جو انتہائی ڈھیلاپن نہ ہونے، کچھ بندش باقی رہنے، اور ساقط نہ ہونے میں رکوع اور قیام کی طرح ہو، اور سجدہ جب مسنون طریقے پر نہ ہوگا تو انتہائی ڈھیلاپن موجود ہوگا، تھوڑی بندش بھی باقی نہ رہ جائیگی اور گر بھی جائے گا، تو حاصل یہ نکلا کہ نیند سے

السقوط فالحاصل ان القاعدة الکلیة المعتمد علیها فی النقض بالنوم وجود کمال الاسترخاء مع عدم تمکن المقعدة فبهذا ینبغی ان یؤخذ عندالاختلاف واشتباہ الحال الا انهم اخرجوا عن هذه القاعدة نوم الساجد علی غیر الهیأة المسنونة فی الصلاة [1] اھ مزید امنا مابین الاهلة۔	وضو ٹوٹنے کے معاملے میں قاعدہ کلیہ معتمدہ یہ ہے کہ اعضاء پورے طور سے ڈھیلے پڑجائیں اور مقعد کو استقرار بھی حاصل نہ ہو، اختلاف اور اشتباہ حال کی صورت میں اسی قاعدے کو لینا چاہئے، مگر حضرات علماء نے نماز کے اندر مسنون طریقہ کے خلاف سجدہ کرنے والے کی نیند کو اس قاعدے سے مستثنی کردیا ہے اھ عبارت غنیہ ہلالین کے درمیان ہمارے اضافہ کے ساتھ ختم ہوئی
الرابع: کالثالث غیر الحاق کل سجود مشروع بسجود الصلاة فلا تشترط الهیأة الا فیما لیس سجودا مشروعا وقد قدمنا نص الخلاصة مع ایضاحه وفی البحر الرائق قید المصنف بنوم المضطجع والمتورك لانه لاینقض نوم القائم والقاعد والراکع والساجد مطلقا فی الصلاة وان کان خارجها فکذلك الا فی السجود فانه یشترط ان یکون علی الهیأة المسنونة له وهذا هو القیاس فی الصلاة الا اناترکناه فیها بالنص کذا	**قول چہارم:** یہ بھی قول سوم ہی کی طرح ہے (کہ سجدہ نماز میں کسی طرح بھی ہو نیند آنے سے وضو نہ ٹوٹے گا اور بیرون نماز عدم نقض کے لئے ہیات سنت پر ہونا شرط ہے) فرق یہ ہے کہ اس میں ہر سجدہ مشروع کو سجدہ نماز ہی کے ساتھ ملادیا ہے تو ہیات کی شرط صرف اس میں ہے جو سجدہ مشروع نہ ہو، اس بارے میں خلاصہ کی عبارت مع توضیح کے ہم پیش کرآئے ہیں، اور البحر الرائق شرح کنزالد قائق میں ہے "مصنف نے قید لگائی کہ کروٹ لیٹنے والے اور سرین پر بیٹھنے والے کی نیند ہو (تو وضو ٹوٹے گا) اس لئے کہ قیام، قعود، رکوع اور سجود والے کی نیند نماز میں مطلقًا ناقض نہیں اور بیرون نماز ہو تو بھی یہی حکم ہے مگر سجدہ سے متعلق یہ شرط ہے کہ مسنون ہیات پر ہو قیاس یہ تھا کہ نماز میں بھی یہ شرط ہو مگر ہم نے نماز کے بارے

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی نواقض الوضوء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۸ و ۱۳۹

فی البدائع وصرح الزیلعی بانه الاصح وسجدة التلاوة فی هذا کالصلبیة وکذا سجدة الشکر عند محمد خلافا لابی حنیفة وکذا فی فتح القدیر [1] اھ **اقول اولا**: لم ف۱ یعتمدہ فی الفتح بل عقبه بقوله کذا قیل۔ **وثانیا**: ف۲ المشار الیه بهذا فی قوله وسجدة التلاوة فی هذا فی عبارة الفتح غیرہ فی عبارة البحر فان البحر جعلها کالصلبیة فی عدم اشتراط الهیأة والفتح لم یعرج علی هذا اصلا بل اسقط من هذا القیل الذی هو لصاحب الخلاصة قوله سواء سجد علی وجه السنة او غیر السنة فالمشار الیه فی قوله هو عدم النقض فی السجود علی هیأة السنة ولذا قال	میں نص کی وجہ سے قیاس ترک کردیا۔ ایسا ہی بدائع میں ہے اور زیلعی نے تصریح فرمائی ہے کہ یہی اصح ہے۔ اور سجدہ تلاوت اس بارے میں سجدہ نماز کی طرح ہے اور اسی طرح امام محمد کے نزدیک سجدہ شکر بھی ہے بخلاف امام ابو حنیفہ کے اور اسی طرح فتح القدیر میں بھی ہے اھ" **اقول اولا**: فتح القدیر میں اس پر اعتماد نہ کیا بلکہ اسے ذکر کرنے کے بعد یہ لکھا کذا قیل (ایسا ہی کہا گیا) **ثانیا**: عبارت "سجدة التلاوة فی هذا" (اس) کا مشار الیہ فتح القدیر کی عبارت میں اور ہے بحر کی عبارت میں اور اس لئے کہ صاحب بحر نے سجدہ تلاوت کو ہیأت کی شرط نہ ہونے کے بارے میں سجدہ نماز کی طرح قرار دیا ہے اور صاحب فتح نے اس کا کوئی ذکر ہی نہ چھیڑا بلکہ یہ قول جو صاحب خلاصہ کا ہے اس سے یہ عبارت "سواء سجد علی وجه السنة او غیر السنة" (خواہ بطور سنت سجدہ کرے یا خلاف سنت) ساقط کردی، تو ان کو عبارت میں مشار الیہ "ہیأت سنت پر سجدہ کی صورت میں وضو کا ٹوٹنا ہے" اسی لئے

ف۱: تطفل علی البحر

ف۲: تطفل اخر علیه

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۳۸

بعد قوله كذا قيل ردا عليه مانصه وقياس ما قدمناه من عدم الفرق بين كونه فی الصلاة او خارجها يقتضی عدم الخلاف فی عدم الانتقاض بالنوم فيها (ای فی سجدة الشكر وان كان بين الامام وصاحبيه خلاف فی مشروعيتها) نعم ينتقض علی مقابل الصحيح هذا قول ابن شجاع بنقض مطلقا نقض خارج الصلوة اھ[1] مزيدا منا مابين الاهلة۔

وانما الذی قدم هو قوله تحت قول الهداية بخلاف النوم فی الركوع والسجود فی الصلاة وغيرها هو الصحيح هذا اذا نام علی هياة السجود المسنون خارج الصلاة بان جافی اما اذا الصق بطنه بفخذيه فينقض ذكره علی بن موسی القمی اھ[2]

فمحصل كلام الفتح عدم النقض فی السجود المشروع خارج الصلاة

انہوں نے کذا قیل لکھنے کے بعد اس کی تردید میں یہ بھی لکھا پہلے جو ہم نے ذکر کیا کہ اندرون نماز اور بیرون نماز ہونے کا کوئی فرق نہیں اس پر قیاس کا تقاضایہ ہے کہ اس میں (یعنی سجدہ شکر میں) نیند آنے سے وضو نہ ٹوٹنے میں اختلاف نہ ہو (اگرچہ اس کے مشروع ہونے سے متعلق امام اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے) ہاں اس میں سونا ناقض وضو ہے اس قول پر جو صحیح کے مقابل ہے (وہ ابن شجاع کا قول ہے کہ خارج نماز مطلقا وضو ٹوٹ جائے گا) اھ، عبارت فتح ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔

صاحب فتح نے جو پہلے ذکر کیا ہے وہ یہ کہ ہدایہ کی عبارت "بخلاف رکوع وسجود میں سونے کے نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی یہی صحیح ہے" اس کے تحت انہوں نے لکھا ہے "یہ اس وقت ہے جب بیرون نماز سجدہ مسنون کی ہیات پر سویا ہو اس طرح کہ پیٹ اور رانوں وغیرہ کو الگ الگ رکھا ہو اگر پیٹ کر رانوں سے ملادیا ہو تو سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا اسے علی بن موسی قمی نے ذکر کیا ہے" اھ

تو کلام فتح القدیر کا خلاصہ یہ ہوا کہ بیرون نماز سجدہ مشروع میں سونے سے وضو نہ ٹوٹے گا

---

1 فتح القدیر، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۴۵

2 فتح القدیر، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۴۳

بشرط الهیاٰة ویؤمی بطرف خفی بفحوی الخطاب الی الاطلاق فی سجود الصلاة فمرجعه ان کان فالی القول الثالث لا هذا الرابع الذی اختارہ فی البحر تبعاللخلاصة۔

بل **اقول**: ان کان الفتح انما زاد لفظة خارج الصّلاة لان کلام الامام علی بن موسی القمی انما کان فیه ان لارواية فیه عن اصحابنا بخلاف سجود الصلاة فان الروایة فیه مستفیضة لاتنکر فاحب الفتح ان یاتی بکلامه علی نحوہ فیبطل الفحوی ویلتئم مفادہ بمفاد متنه الهدایة وهو القول الاول کما ستعلم ان شاء الله تعالٰی بل هو المراد قطعا لایجوز حمل کلامه علی غیرہ لتصریحه بالتفرقة فی سجود الصلاة بین المتجا فی وغیرہ کما سیاتی ان شاء الله تعالٰی هذا۔

وفی الغنیة بعدما مرعنه فی القول الثالث نقل کلام الخلاصة

بشرطیکہ سجدہ مسنون ہیئت پر ہو، اور مضمون کلام سے خفی طور پر یہ اشارہ بھی دے رہے ہیں کہ سجدہ نماز میں سونے سے مطلقًا وضونہ ٹوٹے گا، تو کلام فتح کامرجع الگ رہے تو قول سوم ہے یہ قول چہارم نہیں جسے صاحب بحر نے خلاصہ کی تبعیت میں اختیار کیا ہے۔

بل **اقول**: (بلکہ میں کہتا ہوں) اگر فتح القدیر میں لفظ "خارج الصلوۃ" کااضافہ اس لئے ہے کہ امام علی بن موسٰی قمی کاکلام اسی سے متعلق تھا کہ اس میں ہمارے اصحاب سے کوئی روایت نہیں بخلاف سجدہ نماز کے، کہ اس میں روایت مشہور، نا قابل انکار ہے تو صاحب فتح نے یہ چاہاکہ ان کا کلام ان ہی کے طور پر لائیں جب تو مضمون کلام کا مفاد باطل اور کلام فتح کا مفاد، اپنے متن ہدایہ کے مفاد کے مطابق ہوجائے گا، اور وہ قول اول ہے جیساکہ آگے معلوم ہوگاان شاء اللہ تعالٰی بلکہ قطعاً یہی مراد ہے اس کلام کو کسی اور قول پر محمول کرنا رواہی نہیں، اس لئے کہ انہوں نے سجدہ نماز میں کروٹ جدارکھنے اور نہ رکھنے کے درمیان فرق کیا ہے، جیساکہ آگے آئے گاان شاء اللہ تعالٰی یہ بات تمام ہوئی۔

اور قول سوم میں غنیہ کی جو عبارت گزری اس کے بعد اس میں خلاصہ کی عبارت نقل کی ہے

فـــ: تطفل ثالث علیه۔

ثم قال فتخصیص اختلافهم بسجدة الشکر فحسب وهی غیر مسنونة عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه مع التصریح بکونه علی وجه السنة اولا دلیل علی عدم النقض اجماعاً فی غیرها سواء کان علی وجه السنة اولا وکان وجهه اطلاق لفظ ساجدا فی الحدیث فیترك به القیاس فیما هو سجود شرعا فیتناول سجود الصّلاة والسهو والتلاوة وکذا الشکر عندهما و یبقی ماعداه علی القیاس فینقض ان لم یکن علی وجه السنة لتمام الاسترخاء مع عدم التمکن المقعدة ولاینقض ان کان علی هیأة السنة لعدم نهایة الاسترخاء لا لانه سجود داخل تحت اطلاق الحدیث والله الموفق[1] اھ

پھر لکھا ہے، تو صرف سجدہ شکر سے متعلق ان کے اختلاف کو خاص بتانا، سجدہ شکر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مسنون نہیں ساتھ ہی اس بات کی صراحت ہونا کہ وہ سجدہ بطریق سنت ہو یا نہ ہو اس پر دلیل ہے کہ سجدہ شکر کے علاوہ میں اجماعاً وضو نہ ٹوٹے گا خواہ بطریق سنت ہو یا نہ ہو، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں لفظ "ساجدا" مطلق آیا ہے تو اس کی وجہ سے قیاس اس میں ترک کردیا جائے گا جو سجود شرعی ہے تو یہ سجدہ نماز، سجدہ سہو، اور سجدہ تلاوت کو شامل ہوگا، اسی طرح صاحبین کے نزدیک سجدہ شکر کو بھی اور ان کے ماسوا سجدہ قیاس پر باقی رہے گا تو اس میں وضو ٹوٹ جائے گا اگر بطریق سنت نہ ہو اس لئے کہ ڈھیلاپن کامل ہوگا اور مقعد کا زمین پر استقرار بھی نہیں اور بطریق سنت ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ انتہائی ڈھیلاپن نہ ہوگا یہ وجہ نہیں کہ وہ بھی ایسا سجدہ ہے جو اطلاق حدیث کے تحت داخل ہے واللہ الموفق اھ۔

اقول: وهذا منه رحمه الله تعالٰی ابداء وجه لذلك القول لااعتماد له الا تری انه لما لخص شرحه هذا جزم بالنقض فی غیرهیأة السنة ولو فی الصلاة

اقول: یہ صاحب غنیہ شیخ حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس قول کی ایک وجہ ظاہر کردی ہے یہ نہیں کہ ان کا اسی پر اعتماد ہے یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے اپنی اس شرح کی تلخیص کی تو اس میں اس بات پر جزم کیا کہ اگر سجدہ خلاف سنت طور پر

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی نواقض الوضوء، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۱۳۹

وجعله المعتمد واحال تمام تحقيقه على الشرح كما تقدم فلو ارادهنا الاعتماد لكانت الحوالة غير رائجة بل حوالة على المخالف ثم لما صنف متن الملتقى لم يلتفت ايضا الى هذا التفصيل وتبع سائر المتون فى الاطلاق ثم لما شرح متنه صرح ان الاطلاق هو المعتمد كما سياتى ان شاء الله تعالٰی۔

الثانية: فى استخراج القول الراجح من هذه الاقاويل۔

اقول: القول الاول عليه المعول وهو الصحيح و له الترجيح وذلك لاربعة وجوه:

الاول عليه الاكثر كما يظهر لك مما مر و ياتى و القاعدة ف العمل بما عليه الاكثر [1] كما نقلت عليه نصوصا كثيرة فى فتاوٰی۔

الثانی: عليه تظافرت المتون وليس لها الى غيره ركون ولا طباقها شأن من اعظم الشيون فانها

ہے تو اس میں سونے سے وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ نماز ہی میں ہو، اسی کو معتمد بھی قرار دیا اور اس کی کامل تحقیق کے لئے اپنی شرح (حلیہ) کا حوالہ دیا جیسا کہ اس کی عبارت گزری تو اگر یہاں قول مذکور کی وجہ بیان کرنے سے اس پر اعتماد مراد ہو تو اس کا حوالہ نہ چل سکے گا بلکہ مخالف حوالہ ہوگا پھر جب متن ملتقی تصنیف کیا اس وقت بھی اس تفصیل پر التفات نہ کیا اور اطلاق میں دیگر متون کا اتباع کیا پھر جب اس متن کی شرح فرمائی تو تصریح بھی کردی کہ اطلاق ہی معتمد ہے، جیسا کہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

افادہ ثانیہ [۲]**:** ان اقوال میں سے قول راجح کے استخراج کے بارے میں۔

اقول: قول اول ہی پر اعتماد ہے وہی صحیح ہے، اسی کو ترجیح ہے، اور اس کی **چار وجہیں** ہیں۔

وجہ اول: اسی پر اکثر ہیں جیسا کہ گزشتہ و آئندہ صفحات سے ظاہر ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ عمل اسی پر ہو جس پر اکثر ہوں، جیسا کہ اس پر میں اپنے فتاوی میں کثیر نصوص نقل کرچکا ہوں،

وجہ دوم اسی پر متون ہم نوا و متفق ہیں کسی اور قول کی طرف ان کا جھکاؤ بھی نہیں اور اتفاق متون کی شان بہت عظیم ہے اس لئے

ف: القاعدة العمل بما عليه الاكثر

[1] در مختار باب صلٰوۃ المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱۰

الموضوعۃ لنقل المذھب المصون وذلك انھا من عند اٰخرھا لم تجنح الی تفرقۃ فی ھذا بین الصلاۃ وغیرھا انما ترسل الحکم ارسالا۔ قال فی الکتاب والنوم مضطجعا اومتکئا اومستندا [1] اھ ومثلہ فی البدایۃ وقال فی الوقایۃ ونوم مضطجع ومتکئ اومستند الی مالوازیل لسقط لاغیر [2] اھ وفی النقایۃ ونوم متکئ الی مالو ازیل لسقط [3] اھ وفی کنزالدقائق ونوم مضطجع ومتورك [4] اھ وفی الاصلاح ونوم متکئ [5] وفی ملتقی الابحر ونوم مضطجع اومتکیئ باحد ورکیہ اومستند الی مالوازیل لسقط لانوم قائم اوقاعد اوراکع اوساجد [6] اھ	کہ متون مذہب محفوظ کی نقل ہی کے لئے وضع ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ شروع سے آخر تک تمام ہی متون اس بارے میں نماز اور غیر نماز کی تفریق کی طرف مائل نہیں حکم صرف بیان کرتے ہیں۔کتاب میں ہے کروٹ لیٹ کر، یا تکیہ لگا کر، یا ٹیک لگا کر سونا اھ اسی کے مثل بدایہ میں بھی ہے، اور وقایہ میں ہے: اس کی نیند جو کروٹ لینے والا، یا تکیہ لگانے والا، یا ایسی چیز کی طرف ٹیک لگانے والا ہے جو ہٹادی جائے تو یہ گر جائے کوئی اور نیند نہیں اھ نقایہ میں ہے، اس چیز کی طرف تکیہ لگانے والے کی نیند جو ہٹادی جائے تو یہ گرجائے اھ کنز الدقائق میں ہے کروٹ لیٹنے والے اور سرین پر بیٹھ کر سونے والے کی نینداھ اصلاح میں ہے تکیہ لگانے والے کی نیند اھ ملتقی الابحر میں ہے اس کی نیند جو کروٹ لینے والے، یا ایک سرین پر سہارا لینے والا، یا ایسی چیز کی طرف ٹیک لگانے والا ہو جو ہٹادی جائے تو یہ گر جائے قیام یا قعود یا رکوع یا سجود والے کی نیند نہیں اھ۔

[1] الہدایۃ، کتاب الطہارات فصل نواقض الوضوء المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۰

[2] الوقایۃ (شرح وقایۃ)، کتاب الطہارۃ النوم والاغماء الخ، مکتبۃ امدادیہ ملتان، ۱/ ۷۶

[3] النقایۃ (مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ)، کتاب الطہارۃ، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴

[4] کنز الدقائق کتاب الطہارۃ، ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸

[5] الاصلاح والایضاح

[6] ملتقی الابحر کتاب الطہارۃ، المعانی الناقضۃ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۹

وفی الغرر ونوم یزیل مسکته والا فلا وان تعمد فی الصّلاۃ[1] اھ	غرر میں ہے ایسی نیند جو بندش ختم کردے اگر ایسی نہ ہو تو نہیں اگرچہ نماز میں اس کا قصد بھی کرے اھ۔ تنویر میں ہے،
وفی التنویر و نوم یزیل مسکته والا لا[2] اھ	وہ نیند جو اس کی بندش ختم کردے ورنہ نہیں اھ نورالایضاح
وفی نور الایضاح ونوم لم تتمکن فیه المقعدۃ من الارض لانوم متمکن ولو مستندا لی شیئ لو ازیل سقط ومصل ولو راکعا اوساجدا علی جهة السنة[3] اھ ملتقطا۔	میں ہے ایسی نیند جس میں مقعد کا زمین پر قرار نہ ہ، قرار والے کی نیند نہیں اگرچہ کسی ایسی چیز کی طرف ٹیک لگائے ہو جو ہٹادی جائے تو گر جائے اور نماز پڑھنے والے کی نیند نہیں اگرچہ وہ رکوع میں یا سنت طریقے پر سجدے میں ہو، اھ ملتقطا۔
اقول: ومن ف عاشر تلك العرائس النفائس اعنی المتون وعرف طرزها فی رمزها بالحواجب والعیون ایقن انها انما ترمی عن قوس واحدۃ وهی ادارۃ الحکم علی ماهو المناط المحقق الثابت بالنقل والعقل اعنی زوال المسکة و عدم تمکن الورکین۔	**اقول:** جسے ان نفیس عروسوں یعنی متون ،کی رفاقت و معاشرت میسر ہو اور چشم وابرو سے ان کے اشارہ کے انداز سے آشنا ہو وہ یقین کرے گا کہ یہ سب ایک ہی کمان سے نشانہ لگارہے ہیں وہ یہ کہ حکم کو اسی پر دائر رکھنا چاہتے ہیں جو تحقیقی طور پر نقل و عقل سے ثابت شدہ مدار ہے یعنی بندش کا ختم ہوجانا اور دونوں سرین کو جماؤنہ ملنا۔
وقد انقسمت فی بیان ذلك علی قسمین قسم مشوا علی عادتهم الشریفة من سذاجة البیان	مصنفین اس کے بیان میں دو۲ **قسموں** پر منقسم ہیں **ایک قسم** ان حضرات کی ہے جو اپنی اسی عمدہ روش پر ہیں کہ بیان میں سادگی ہو،

ف: عادۃ الاوائل السذاجة فی البیان وعدم الدنق فی العبارات۔

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الطهارۃ، میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

[2] الدر المختار، کتاب الطهارۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۲۶

[3] نورالایضاح فصل عشرۃ اشیاء الخ کتاب الطهارۃ مطبع علیمی لاہور ص ۹

وعدم الدنق فی العبارات والدلالة بشیئ علی نظیرہ عن من عرف المناط وھم الاولون وھذا ماقال فی النھر کما نقله السید ابو السعود ان المراد من الاضطجاع مایوجب زوال المسکة بزوال المقعدۃ عن الارض [1] اھ

وما قال فی البحر بعد نقله فروعا فیھا النقض مع عدم حقیقة الاضطجاع والتورك المقتصر علیھما فی الکنز وفی ھذہ المواضع التی یکون فیھا حدثا فھو بمعنی التورك فلم تخرج عن کلام المصنف [2] اھ

اقول: وکان ف الامام القدوری احب التصریح بالمضطجع لورودہ خصوصا فی الحدیث المروی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بالفاظ عدیدۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی

عبارتوں میں تدقیق کا تکلف نہ ہو، اور ایک چیز کو ذکر کرکے آشنائے مناط کے لئے اس کی نظیر پر رہنمائی کردی جائے یہ حضرات متقدمین ہیں اسی کو نہر میں بتایا ہے جیسا کہ سید ابو السعود نے اس سے نقل کیا ہے کہ کروٹ لیٹنے سے مراد وہ نیند جس میں زمین سے مقعد الگ ہونے کی وجہ سے بندش ختم ہوجائے اھ۔اور یہی بحر میں بھی ہے، اس میں پہلے چند جزئیات نقل کئے پھر فرمایا: ان سب میں وضو ٹوٹنے کا حکم ہے باوجودیکہ حقیقت اضطجاع وتورک نہیں جب کہ کنز میں ان ہی دونوں پر اکتفا ہے ان مقامات میں جہاں نیند حدث ہوتی ہے وہ تورک (ایک سرین پر ٹیک لگا کر سونے) کے معنی میں ہے تو یہ صورتیں کلام مصنف سے باہر نہیں اھ۔

اقول: اور امام قدوری نے کروٹ لیٹنے والے کی تصریح شاید اس لئے پسند فرمائی کہ یہ خاص طور سے اس حدیث میں وارد ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بالفاظ متعددہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی اس کا ذکر ہوگا

ف: منازع اختلاف عبارات العلماء مع قول المقصود واحدا۔

[1] فتح المعین کتاب الطہارہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱ /۴۷، النہر الفائق شرح کنز الدقائق کتاب الطہارہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۶

[2] البحر الرائق کتاب الطہارہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱ /۳۸

وبالمستند لمكان الخلف فيه كما علمت وتبعه فى الهداية والملتقى والافالمتكيئ يعمهما ويعم المستلقى والمنبطح والمتورك ونظراء هم جميعا ولذا اقتصر عليه فى النقاية وزاد الى مالو ازيل لاختياره ذلك القول۔	اور ٹیک لگانے والے کی صراحت اس لئے پسند فرمائی کہ اس میں اختلاف ہے جیسا کہ بیان ہوا اور ہدایہ وملتقی میں ان ہی کی پیروی کی ورنہ لفظ متکی (تکیہ لگانے والا) ان دونوں کو شامل ہے اور چت لیٹنے والے، چہرے کے بل لیٹنے والے سرین پر ٹیک لگانے والے ان کے امثال سب کو شامل ہے اسی لئے نقایہ میں اسی پر اکتفا کی اور یہ بڑھا دیا کہ ایسی چیز کی طرف ہو جو ہٹادی جائے تو گر جائے کیونکہ ان کا مختار یہی قول ہے۔
والعلامة ابن كمال لما مشى على ظاهر الرواية المعتمدة ان الاستناد الى مالوازيل لسقط ايضا لاينقض الا بمزايلة المقعد اقتصر على لفظ المتكى فحسب والكنز اقام مقامه المتورك و محصلهما واحدا وبدأ بالمضطجع تبركا با لمنصوص وترك المستند الخ تعويلا على المذهب فهذه منازعهم رحمهم الله تعالى فى اختلاف عباراتهم وانما مقصودهم جميعا هو النوم المزيل للمسكة فكما ان الحديث حصر الحكم فى المضطجع وليس معناه القصر على من نام على جنبه فالنائم	اور علامہ ابن کمال پاشا چونکہ ظاہر روایت معتمدہ پر گام زن ہیں کہ ایسی چیز جو ہٹادی جائے تو گر جائے اس سے ٹیک لگانا بھی ناقض اسی وقت ہے جب مقعد ہٹ جائے اس لئے انہوں نے صرف لفظ متکی پر اکتفا کی اور کنز میں اس کی جگہ لفظ متورک رکھ دیا، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے، اور کنز نے منصوص سے تبرک کے لئے مضطجع سے ابتداء کی اور مستند الخ ترک کر دیا کیونکہ ان کا اعتماد ظاہر مذہب پر ہے تو اختلاف عبارات میں ان حضرات رحمہم اللہ تعالی کی بنیادیں یہی ہیں مقصود سبھی حضرات کا وہ نیند ہے جو بندش ختم کر دینے والی ہے جیسے حدیث ہی کو دیکھئے کہ اس میں حکم کروٹ لینے والے کے بارے میں منحصر ہے مگر اس کا معنی یہ نہیں کہ حکم اسی پر محدود رہے گا جو کروٹ پر لیٹا ہو کیونکہ

علی وجھه وقفاہ مثله قطعا وانما المقصود التنبیه علی صورۃ زوال المسکة کما دل علیه قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله[1] فکذلك ھولاء الکرام اقتفاء بالحدیث کما ارشد الیه البحر والنھر۔	چہرے کے بل اور گدی پر یعنی چت لیٹنے والے بھی قطعاً اسی کے مثل ہیں، مقصود صرف اس صورت کی رہ نمائی ہے جس میں بندش کھل جاتی ہے جیسا کہ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی دلالت کررہاہے، کیونکہ جب وہ کروٹ لیٹ جائے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑ جائیں گے، تو حدیث پاک کی اقتداء میں ان بزرگ حضرات کی بھی روش ہے جیسا کہ بحر ونہر نے اس طرف رہ نمائی کی۔
وقسم آخر احب الضبط فاتی بالجامع المانع وھم الاخرون وقدوتھم العلامة مولی خسرو فلتضلعه من العلوم العقلیة ایضا تعود بالتدنق وتبعه المولی الغزی والشرنبلالی۔	**دوسری قسم** ان حضرات کی جنہوں نے ضبط اور ساری صورتوں کا احاطہ پسند کیا تو جامع مانع الفاظ لے آئے، یہ حضرات متاخرین ہیں اور ان کے پیشوا علامہ ملا خسرو ہیں وہ چونکہ علوم عقلیہ میں بھی تبحر رکھتے ہیں اس لئے تدقیق کے عادی ہیں، اور علامہ غزی وعلامہ شرنبلالی ان کے پس رو ہیں۔
واعلی الله مقامات مولنا صاحب الھدایة فی دار السلام فباوجز لفظة کشف الظلام وجلا الاوھام اذ قال بخلاف النوم حالة القیام والقعود والرکوع والسجود فی الصلاۃ وغیرھا ھو الصحیح لان بعض الاستمساك باق اذ لو زال اسقط فلم یتم الاسترخاء[2] اھ	اور خدا صاحب ہدایہ کے درجات بلند فرمائے کہ مختصر ترین الفاظ میں انہوں نے تاریکی کا پردہ چاک کردیا اور اوہام دور کردئے ان کی عبارت یہ ہے: کہ "بخلاف اس نیند کے جو قیام، قعود، رکوع اور سجود کی حالت میں ہو نماز میں بھی اور بیرون نماز بھی یہی صحیح ہے اس لئے کہ ان حالتوں میں کچھ بندش باقی ہوتی ہے کیونکہ اگر ختم ہوجاتی تو گر پڑتا تو استرخا کامل نہ ہوا" اھ

[1] سنن الترمذی، ابواب الطہارت، باب ماجاء فی الوضوء من النوم، حدیث ۷۷، دار الفکر بیروت ۱/ ۱۳۵

[2] الہدایۃ کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰

فقد افاد ببقاء الاستمساك وبعدم السقوط ان المراد هو السجود كالمسنون ازلولاه بل الصق بطنه بفخذيه وافترش ذراعيه فهو السقوط عينا واى بقاء بعده لاستمساك كما تقدم عن الغنية وصرح بأن الصلاة وغيرها سواء فى الحكم فأن كان الاستمساك باقيالم ينقض ولو خارج الصلاة والانقض ولو فيها وهذا هو القول الاول۔

وكذلك افصح عنه فى الدرر حيث قال (والا) بأن كان حال القيام اوالقعود اوالركوع اوالسجود اذا رفع بطنه عن فخذيه وابعد عضديه عن جنبيه (فلا وان تعمد فى الصّلاة)[1] اھ وعليه حط كلام الامام حافظ الدين النسفى كما تقدم وحوله تدور الحلية فيما اسلفنا من نصوصها فانه من اوله لأخره انما بنى الامر على وجود نهاية الاسترخاء وعدمها وختم مسائل النوم فى الصلاة

بندش باقی رہنے اور ساقط نہ ہونے سے افادہ فرمایا کہ مقصود وہ سجدہ ہے جو مسنون طریقے پر ہو، اسلئے کہ اگر ایسا نہ ہو بلکہ پیٹ رانوں سے ملادے اور کلائیاں بچھا دے تو یہ بعینہٖ ساقط ہوجانا ہے، اور اس کے بعد پھر کون سی بندش باقی رہ جائے گی، جیسا کہ غنیہ کے حوالہ سے گزرا، اور صاحب ہدایہ نے یہ تصریح فرمادی کہ نماز اور غیر نماز اس حکم میں برابر ہیں، اگر بندش باقی ہے تو ناقض نہیں اگرچہ بیرون نماز ہو، ورنہ ناقض ہے اگرچہ اندرون نماز ہو اور یہ وہی پہلا قول ہے۔

اسی طرح درر شرح غرر میں بھی اس کو صاف بتایا، اس کے الفاظ یہ ہیں، (اور اگر ایسا نہیں) اس طرح کہ قیام یا قعود یا رکوع کی حالت ہے یا سجدہ کی حالت ہے جب کہ پیٹ رانوں سے اوپر اور بازو کروٹوں سے دور رکھے (تو ناقض نہیں اگرچہ نماز میں قصداً سوجائے) اھ امام حافظ الدین نسفی کے کلام کا مورد بھی یہی ہے جیسا کہ گزرا اسی کے گرد حلیہ کی بھی وہ عبارتیں گردش کر رہی ہیں جو ہم سابقہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں کیوں کہ صاحب حلیہ نے شروع سے آخر تک بنائے کار کمال استر خاموجود و معلوم ہونے پر رکھی ہے اور اندرون نماز نیند کے مسائل

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الطہارۃ بحث نواقض الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

بقوله والعلة المعقولة زوال المسكة كما مر۔

الثالث له صريح التصحيح كما اسلفنا عن المنحة عن النهر عن عقد الفرائد عن المحيط انه الصحيح وعن الصغيری انه المعتمد وقال العلامة الطحطاوی فی حاشية الدر نقلا عن منح الغفار شرح تنوير الابصار للمصنف انه قال فی الملتقی وشرحه للمؤلف لاينقضه نوم قائم اوقاعد اوراكع اوساجد علی هيأة السجود المعتبرة شرعا فی الصلاة اوخارجها علی المعتمد [1] اھ

والاقوال الباقية لم ارشيئا منها ذيل بتصحيح صريح وانما علينا اتباع مارجحوه وما صححوه كما لو افتونا فی حياتهم

اما قول البحر المار فی القول الرابع بعد ذكره كلام البدائع وصرح الزيلعی بانه الاصح [2]۔

کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے: اور عقلی علت بندش کا کھل جانا ہے جیساکہ یہ عبارت گزرچکی ہے۔

وجہ سوم، صریح تصحیح اسی قول کی ہے جیساکہ منحۃ الخالق سے ،اس میں نہر سے ، اس میں عقد الفرائد سے ، اس میں محیط سے نقل گزری کہ "یہی صحیح ہے"اور صغیری کا حوالہ گزرا کہ "وہی معتمد ہے"اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں منح الغفار شرح تنویر الابصار (اور مصنف تنویر) کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا، ملتقی اور اس کے مولف کی شرح میں ہے کہ ناقض وضو نہیں اس کی نیند جو حالت قیام میں ہو یا سجدہ کی حالت میں سجدہ کی شرعا معتبر ہیات پر ہو نماز میں یا بیرون نماز۔بر قول معتمد اھ

باقی اقوال میں سے کسی کے ذیل میں صریح تصحیح میں نے نہ دیکھی۔ اور ہمارے ذمہ اسی کا اتباع ہے جسے ان حضرات نے راجح وصحیح قرار دیا جیسے اگر وہ اپنی حیات میں ہمیں فتوی دیتے توہم ان کا اتباع کرتے۔

رہی عبارت بحر جو قول چہارم میں گزری کہ صاحب بحر نے بدائع کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا اور زیلعی نے تصریح فرمائی ہے کہ یہی اصح ہے،

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۸۱و۸۲

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸

فاقول: قد اسمعناك نصه تحت القول الثالث وتصحيحه لايمس بعدم اشتراط الهيأة فى الصلاة انما ذكره فى عدم الانتقاض خارج الصلاة اذا كان على الهيأة نفيا لقول ابن شجاع فهو تصحيح لاحد جزئى القول الاول كقول البدائع وهو اقرب الى الصواب فانه ايضا راجع الى ذلك التفصيل الذى ذكره القمى فى السجود خارج الصلاة كما فى الحلية۔ وذلك ان القول الاول يشتمل على دعويين احدٰهما النقض عند عدم الهيأة ولو فى الصلاة وسائر الاقوال تخالفه فى مابعد لو، والاخرى عدم النقض مع الهيأة المسنونة ولو خارج الصلاة والقول الثالث يوافقه فيها اصلا ووصلا والتصحيح فيه انما ورد على هذا الجزء الموافق	**فاقول:** ہم امام زیلعی کی پوری عبارت قول سوم کے تحت پیش کرآئے ہیں، ان کی تصحیح کو اندرون نماز مسنون ہیات کی شرط نہ ہونے سے کوئی مس نہیں۔ انہوں نے تو قول ابن شجاع کی تردید کے لئے، بیرون نماز مسنون ہیات پر ہونے کی صورت میں عدم نقض سے متعلق یہ تصحیح ذکر کی ہے (قول اول کے دو جز ہیں ایک یہ کہ اگر مسنون ہیات پر ہے تو ناقض نہیں اگرچہ بیرون نماز ہو۔ دوسرا یہ کہ مسنون ہیات کے بر خلاف ہے تو ناقض ہے اگرچہ نماز میں ہو ۱۲) تو یہ قول اول کے جزاول کی تصحیح ہے جیسے بدائع کی عبارت وھواقرب الی الصواب، (درستی سے قریب تر ہے) کیونکہ وہ بھی اسی تفصیل کی طرف راجع ہے جو امام قمی نے بیرون نماز سجدہ سے متعلق ذکر کی جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ قول اول دو دعووں پر مشتمل ہے ایک یہ کہ مسنون ہیات نہ ہونے کی صورت میں نیند ناقض ہے اگرچہ نماز میں ہو باقی تینوں قول "اگرچہ" کے مابعد میں قول اول کے مخالف ہیں (تینوں میں یہ قدر مشترک ہے کہ نماز میں مطلقًا نقض وضو نہیں اگرچہ مسنون ہیات نہ ہو ۱۲) دوسرا دعوی یہ ہے کہ مسنون ہیات ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا اگرچہ بیرون نماز ہو قول سوم اس دعوے میں اصل اور وصل (بشرط ہیات وضو نہ ٹوٹنا اور اگرچہ

دون المخالف ولذلك لما سبق الى ذهن العلامة عمر بن نجيم ان شيخه واخاه رحمهما الله تعالى يدعى تصحيح الزيلعى للجزء المخالف نسبه للسهو وعقبه بتصحيح المحيط۔ قال ط قال فى النهر مافى البحر من تصحيح الزيلعى لهذا فهو سهوبل فى عقد الفرائد انما لايفسد الوضوء نوم الساجد فى الصّلاة اذا كان على الهيأة المسنونة قيد به فى المحيط وهو الصحيح [1] اھ۔ثم رأيت العلامة الشامى فى منحة الخالق حاول جواب النهر فنحانحو مانحوت ثم زلت قدم القلم حيث قال قول الشارح وصرح الزيلعى بانه الاصح الضمير المنصوب فيه يعود الى قوله وان كان خارجا فكذلك الا فى	بیرون نماز) دونوں امر میں قول اول کے موافق ہے اور قول سوم کے اندر تصحیح اسی جز و موافق پر وارد ہے جز و مخالف پر نہیں ، یہی وجہ ہے کہ جب علامہ عمر بن نجیم صاحب نہر رحمہ اللہ تعالی کا ذہن اس طرف چلاگیا کہ ان کے شیخ اور برادر صاحب نہر رحمہ اللہ تعالی جز و مخالف میں تصحیح زیلعی کے مدعی ہیں تو اسے صاحب بحر کا سہو قرار دیا اور اس کے بعد محیط کی تصحیح پیش کی۔ طحطاوی صاحب نہر سے ناقل ہیں، وہ فرماتے ہیں "بحر میں اس پر جو تصحیح زیلعی مذکور ہے وہ سہو ہے بلکہ عقد الفرائد میں ہے کہ اندرون نماز سجدہ کرنے والے کی نیند وضو کو فاسد نہیں کرتی بشرطیکہ سجدہ مسنون ہیات پر ہو۔ یہ قید محیط میں بیان کی ہے اور یہی صحیح ہے اھ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں صاحب نہر کا جواب دینا چاہا تو اسی راہ پر چلے جس پر میں چلا پھر قلم لغزش کھاگیا ان کی پوری عبارت (ہلالین میں نقد و تبصرہ کے ساتھ ۱۲) ملاحظہ ہو فرماتے ہیں : شارح کے الفاظ اور زیلعی نے تصریح فرمائی ہے کہ وہی اصح ہے اس میں ضمیر ان کے قول "وان كان خارجا فكذلك الا فى السجود الخ" (اگر بیرون نماز ہو تو بھی ایسا ہی ہے مگر سجدہ میں اس کے لئے مسنون

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ، ۸۱/۱

السجود[1] الخ (فهذا نحوما ذكرته ان التصحيح منسحب على عدم النقض خارج الصلاة ايضا اذا كان على هيأة سنة ثم قال) خلاف مايوهمه ظاهر العبارة من انه راجع الى قوله وهذا هو القياس اذهو اقرب[2]۔ **اقول:** لا هو ف۱ متبادر من العبارة ولا هو ف۲ مفهوم النهر ولا هو ف۳ اقرب بل الاقرب قوله الا انا تركناه فيها بالنص وهذا مافهم فى النهر ولذا عارضه بتصحيح المحيط قال فى المنحة) و الاحسن ارجاعه الى قوله كذافى البدائع لان مافى البدائع من التفصيل هو ماذكره الزيلعى[3]۔ (اقول: الذى حط ف۴ عليه كلام البدائع	ہیات پر ہونا شرط ہے) کی طرف راجع ہے۔ (یہ وہی بات ہے جو میں نے بتائی کہ تصحیح اس پر منحصر ہے کہ بیرون نماز بھی ناقض نہیں جب کہ بطریق سنت ہو آگے لکھتے ہیں) بخلاف اس کے جس کاظاہر عبارت سے وہم ہوتا ہے کہ وہ تصحیح ان کے قول وھذا ھوالقیاس نماز میں بھی قیاس یہی ہے کہ ہیات کی شرط ہو مگر ہم نے نماز میں نص کی وجہ سے اسے ترک کردیا ایسا ہی بدائع میں ہے، کی طرف راجع ہے اس لئے کہ یہ مرجع قریب تر ہے۔ **اقول:** نہ یہ عبارت سے متبادر ہے، نہ ہی یہ نہر کا مفہوم ہے اور نہ ہی یہ اقرب ہے، بلکہ اقرب توان کا یہ قول ہے کہ مگر ہم نے نماز میں نص کی وجہ سے اسے ترک کردیا، یہی وہ ہے جسے صاحب نہر نے سمجھ لیا اور اس کے معارضہ میں محیط کی تصحیح پیش کی، آگے منحۃ الخالق میں فرماتے ہیں "اور بہتر یہ ہے کہ ضمیر ان کے قول "كذا فى البدائع، ایسا ہی بدائع میں ہے" کی طرف راجع ہو، اس لئے کہ بدائع میں جو تفصیل ہے وہی امام زیلعی نے ذکر کی ہے۔ **اقول:** کلام بدائع کا مورد بیرون نماز

ف۱: معروضة على العلامة ش فى المنحة ف۲: معروضة اخرى عليه ف۳: معروضة ثالثة عليه
ف۴: معروضة رابعة عليه۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸
[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸
[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸

التفصیل خارج الصلاۃ والاطلاق فی الصلٰوۃ فاذ ارجع الضمیر الی قولہ کذا فی البدائع یوھم ایھاما جلیا ان کل ھذا التفصیل والاطلاق صححہ الزیلعی وحینئذ یردا یراد النھر بحیث لامردلہ فان التصحیح انما ذکرہ الزیلعی فی التفصیل دون الاطلاق فھو تسلیم للایراد لا دفعہ وقد وقع ف ھذا الایھام بابین وجہ فی کلامکم حیث ذکرتم کلام البدائع ثم قلتم وصحح الزیلعی مافی البدائع فلولا ان ذکرتم ثم نص الزیلعی لاستحکم الایھام ورسخ فی ذھن من لم یراجع التبیین قال فی المنحۃ) ومما یؤید ان الضمیر لیس راجعا الی ماھو القیاس قولہ الاٰتی مقتضی الاصح المتقدم الخ وبہ سقط نسبۃ السھو الی المؤلف التی ذکرھا فی النھر[1] اھ	تفصیل اوراندرون نماز اطلاق پر ہے۔ تو جب ضمیر کذا فی البدائع کی طرف راجع ہوگی تو اس سے عیاں طور پر یہ وہم پیدا ہوگا کہ امام زیلعی نے اس تفصیل اور اطلاق سب کی تصحیح فرمائی ہے ایسی صورت میں صاحب نہر کا اعتراف اور زیادہ قوی ہوجائے گا جس کا کوئی جواب نہ ہوگا اس لئے کہ امام زیلعی نے تصحیح صرف تفصیل سے متعلق ذکر کی ہے اطلاق سے متعلق نہیں تو یہ مان کر آپ نے صاحب نہر کا جواب نہ دیا بلکہ ان کا اعتراض تسلیم کرلیا، اور یہ ایہام آپ کی عبارت میں بہت واضح طور سے واقع ہے اس لئے کہ آپ نے پہلے بدائع کا کلام ذکر کیا پھر فرمایا کہ "وصحح الزیلعی مافی البدائع" اور امام زیلعی نے اس کی تصحیح فرمائی ہے جو بدائع میں ہے اگر وہاں آپ نے امام زیلعی کی اصل عبارت نہ ذکر کردی ہوتی تو یہ ایہام مستحکم اور اس کے ذہن میں راسخ ہوجاتا جس نے خود تبیین الحقائق (للامام الزیلعی) کی مراجعت نہ کی ہو آگے منحۃ الخالق میں فرماتے ہیں) ماھو القیاس کی طرف راجع نہ ہونے کی تائید ان کی اگلی عبارت مقتضی الاصح المتقدم الخ سے بھی ہوتی ہے اور اسی سے مولف کی جانب اس سہو کا انتساب ساقط ہوجاتا ہے جو نہر میں ذکر کیا ہے اھ

ف: معروضۃ خامسۃ علیہ

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/ ۳۸

اقول: کل کلامه رحمه الله تعالٰی مبتن علی انه فهم فهم النهر رجوع الضمير الی ماهو القياس وقد علمت انه غير الواقع الا ترى الى قوله بل فی عقدالفرائد ولو كان كما فهمتم لقال نعم فی عقدالفرائد لكن ف ارشدتم الی وجه اٰخر شيد مبانی ايراد النهر فان البحر ذكر بعده مسألة تعمد النوم فی الصلاة وان ابا يوسف يقول فيه بالنقض والمختار لا وان قاضی خان فصّل فجعله ناقضا فی السجود دون الركوع وان المحقق فی الفتح حمله علی سجود لم يتجاف فيه ثم قال البحر وقد يقال مقتضى الاصح المتقدم ان لاينتقض بالنوم فی السجود مطلقا[1] اه ای سواء كان متجافيا اولا فقد	اقول: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی کے سارے کلام کی بنیاد اس پر ہے کہ انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ صاحب نہر نے ضمیر کا مرجع ماھوا لقیاس کو سمجھا ہے اور واضح ہوچکا کہ واقعہ ایسا نہیں صاحب نہر کے الفاظ دیکھئے وہ لکھتے ہیں بل فی عقد الفرائد (بلکہ عقد الفرائد میں ہے) کہ اندرون نماز سجدہ کرنے والے کی نیند وضو کو فاسد نہیں کرتی بشرطیکہ سجدہ مسنون ہیئت پر ہو) اگران کے فہم میں وہ ہوتا جوان سے متعلق آپ نے سمجھا تو وہ یوں کہتے نعم فی عقد الفرائد (ہاں عقد الفرائد میں ایسا ہے) لیکن آپ نے تو ایک دوسرے ہی رخ کی رہنمائی فرمائی جس نے صاحب نہر کے اعتراض کی بنیادیں اور زیادہ مضبوط کردیں، اس لئے کہ صاحب بحر نے اس کے بعد نماز کے اندر قصدا سونے کا مسئلہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ امام ابو یوسف ایسی نیند کے ناقض وضو ہونے کے قائل ہیں اور مختار یہ ہے کہ ناقض نہیں، اور یہ کہ امام قاضی خان نے تفصیل کی ہے انہوں نے اس نیند کو سجدے میں ناقض قرار دیا ہے اور رکوع میں نہیں اور یہ کہ حضرت محقق نے فتح القدیر میں اسے ایسے سجدے پر محمول کیا ہے جس میں کروٹیں جدا نہ ہوں اس کے بعد صاحب بحر نے فرمایا ہے

ف: معروضة سادسة عليه

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸

افصح انه جعل الاطلاق فی الصّلاۃ هو الاصح فظهرانه رحمه الله تعالٰی اراد بالضمیر قوله ترکناه فیها بالنص کما کان هو اقرب المتبادر وایاہ فهم فی النهر وحینئذ هو سهو لاریب فیه۔ وبالجملة تصحیح الزیلعی کالبدائع لامساس له بمخالفة مانرتضیه ا ماما ذکر فی الخانیة ان النقض مطلقا فی السجود خارج الصلاۃ ظاهر الروایة [1] وقدمه وهو ف یقدم الاظهر الاشهر وعبر عن قول التفصیل بالهیاۃ بقیل فافاد ضعفه فاعلم انه قال ذلك ولم یوافق علیه بل جعل فی الخلاصة ظاهر المذهب

"وقد یقال مقتضی الاصح المتقدم ان لا ینتقض بالنوم فی السجود مطلقا اھ" کہا جاتا ہے کہ اصح متقدم کا تقاضایہ ہے کہ مطلقًا سجدہ میں نیند سے وضو نہ ٹوٹے، یعنی کروٹیں جدا ہوں یا نہ ہوں اس نے تو اسے صاف واضح کردیا کہ نماز میں اطلاق ہی اصح ہے جس سے ظاہر ہوگیا کہ صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے ضمیر سے اپنا قول "ترکناہ فیھا بالنص نماز میں اس قیاس کو ہم نے نص کی وجہ سے ترک کردیا" مراد لیا ہے جیسا کہ قریب تر اور متبادر یہی تھا اور اسی کو صاحب نہر نے سمجھا بھی ایسی صورت میں تو بلا شبہ یہ سہو ہے۔

بالجملہ بدائع کی طرح تصحیح زیلعی کو بھی ہمارے پسند کردہ قول کی مخالفت سے کوئی مس نہیں لیکن وہ جو خانیہ میں مذکور ہے کہ بیرون نماز کے سجدے میں مطلقًا ناقض ہونا ظاہر الروایہ ہے اور امام قاضی خاں نے اسی کو مقدم کیا ہے اور وہ اظہر اشہر ہی کو مقدم کرتے ہیں، اور تفصیل والے قول کو انہوں نے قیل سے تعبیر کرکے اس کے ضعف کاافادہ کیا ہے تو واضح ہو کہ انہوں نے یہ کہا ہے مگر اس پر ان کی موافقت نہ ہوئی بلکہ خلاصہ میں نماز اور بیرون نماز کے

ف: الامام قاضی خان انما یقدم الاظهر الاشهر ای اذا لم یصرح بتصحیح غیرہ۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطهارۃ فصل النوم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰

عدم الفرق فی الصلاۃ وخارجھا[1] وفی الحلیۃ عن الذخیرۃ انہ المشھور[2] وفیھا عن البدائع ان علیہ العامۃ[3] وفیھا عن التحفہ انہ الاصح[4] و قال فی الھدایۃ ھوالصحیح[5] وقال فی العنایۃ الذی صححہ وھو ظاھر الروایۃ[6] وانما نسب العنایۃ وکتب اُخر الفرق الی ابن شجاع بل فی الحلیۃ عن الذخیرۃ عن الامام ابی الحسین القدوری انہ قال فیما عن ابن شجاع انہ اذا نام خارج الصلاۃ علی ھیأۃ الساجد ینقض وضوءہ ھذا قولہ ولم یقل بہ احد من اصحابنا[7] اھ وفی ھذا مایکفینا للخروج عن عھدتہ وللہ الحمد۔	درمیان عدم فرق کو ہی ظاہر مذہب قرار دیا حلیہ میں ذخیرہ سے نقل ہے کہ یہی مشہور ہے اور اسی میں بدائع کے حوالے سے ہے کہ اسی پر عامہ علماء ہیں اسی میں تحفہ کے حوالے سے ہے کہ وہی اصح ہے ہدایہ میں فرمایا ہے کہ وہی صحیح ہے عنایہ میں فرمایا کہ صاحب ہدایہ نے جسے صحیح کہا وہی ظاہر الروایہ ہے عنایہ اور دوسری کتابوں میں نماز بیرون نماز کی تفریق ابن شجاع کی جانب منسوب ہے بلکہ حلیہ میں ذخیرہ سے اس میں امام ابوالحسین قدوری سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن شجاع سے مروی اس مسئلہ سے متعلق کہ جب سجدہ کرنے والے کی ہیات پر بیرون نماز سوجائے تو اس کا وضو ٹوٹ جائیگا، یہ فرمایا کہ یہ ابن شجاع کا اپنا قول ہے ہمارے اصحاب میں سے کوئی اس کا قائل نہیں اھ اس تصریح میں اس قول سے ہماری سبکدوشی کے لئے سب کچھ موجود ہے، وللہ الحمد۔

[1] خلاصۃ الفتاوی، کتاب الطہارات، الفصل الثالث فی نواقض الوضوء، امام النوم مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۸

[2] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ کتاب الطہارۃ، بحث نواقض الوضوء، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۹۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] الہدایۃ، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء، المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۰

[6] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر، فصل فی نواقض الوضوء، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/ ۴۳

[7] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فاستبان ان القول الاول هو المحتظی بصریح التصحیح۔	تو یہ واضح وروشن ہوگیا کہ قول اول ہی صریح تصحیح سے بہرہ ور ہے۔
الرابع هو الاقوی من حیث الدلیل اعلم انه اذقد تحقق ان القول الاول علیه الاکثر وعلیه المتون وله التصحیح ولو کان بعض هذه لمساغ لمثلی ان یتکلم عن الدلیل فکیف وقد اجتمعت۔	**وجہ چہارم**: دلیل کے لحاظ سے بھی قول اول ہی زیادہ قوی ہے واضح ہو کہ جب یہ تحقیق ہو گئی کہ قول اول ہی پر اکثر ہیں اسی پر متون ہیں اسی کی تصحیح ہے اور اگر ان باتوں میں سے ایک بھی ہوتی تو مجھ جیسے شخص کے لئے دلیل سے متعلق کلام کا جواز ہو جاتا پھر جب یہ سب جمع ہیں تو مجھے یہ حق کیوں نہ ہوگا۔
فالان **اقول**: وبحول ربی احول اخرج الائمة احمد وابو داؤد والترمذی وابو بکر بن ابی شیبة فی مصنّفه والطبرانی فی المعجم الکبیر والدار قطنی والبیهقی فی سننهما من طریق ابی خالد یزید بن عبدالرحمٰن الدالانی عن قتادة عن ابی العالیة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما انه رأی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نام وهو ساجد حتی غط او نفخ ثم قام یصلی فقلت یارسول الله انك قدنمت قال ان الوضوء لایجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله هذا لفظ الترمذی[1]	تو اب **میں کہتا ہوں** اور اپنے رب ہی کی قدرت سے حرکت میں آتا ہوں، امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابو بکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں، طبرانی معجم کبیر میں، دار قطنی اور بیہقی اپنی اپنی سنن میں بطریق ابو خالد یزید بن عبدالرحمٰن دالانی قتادہ سے وہ ابو العالیہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں کہ انہوں نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو سجدے میں نیند آئی یہاں تک کہ سونے میں دہن مبارک یا بینی مبارک کی آواز آئی پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو نیند آگئی تھی، فرمایا وضو واجب نہیں ہوتا مگر اسی پر جو کروٹ لیٹ کر سوجائے اس لئے کہ جب وہ کروٹ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے، یہ ترمذی کے الفاظ ہیں۔

[1] سنن الترمذی، ابواب الطهارة، باب جاء فی الوضوء من النوم، الحدیث ۷۷، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۳۵

وفی لفظ لاحمدان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لیس علی من نام ساجدا وضوء حتی یضطجع فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ[1] ولابی داؤد انما الوضوء علی من نام مضطجعا فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ[2] وللدار قطنی لاوضو علی من نام قاعدا انما الوضو علی من نام مضطجعا فان نام مضطجعا استرخت مفاصلہ اھ[3] وللبیھقی لایجب الوضوء علی من نام جالسا اوقائما اوساجدا حتی یضع جنبہ فانہ اذا اضطجع استرخت مفاصلہ[4] وذکر المحقق فی الفتح حدیثا اٰخر عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ فیہ مھدی بن ھلال واخر عن ابن عباس	امام احمد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو سجدے کی حالت میں سوجائے اس پر وضو نہیں یہاں تک کہ کروٹ لیٹے کیونکہ جب وہ کروٹ لیٹ جائے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے ابو داؤد کے الفاظ یہ ہیں وضو اسی پر ہے جو کروٹ لیٹ کر سوجائے کیونکہ جب وہ کروٹ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے، دار قطنی کے الفاظ یہ ہیں۔اس پر وضو نہیں جو بیٹھا ہوا سوجائے وضو اس پر ہے جو کہ کروٹ لیٹ کر سوئے اس لئے کہ جو کروٹ لیٹ کر سوئے گا اس کے جوڑ ڈھیلے ہوجائیں گے، بیہقی کے الفاظ یہ ہیں اس پر وضو واجب نہیں جو بیٹھے بیٹھے، یا کھڑے کھڑے، یا سجدہ میں سوجائے یہاں تک کہ اپنی کروٹ زمین پر رکھ دے کیونکہ جب وہ کروٹ لیٹے گا تو اس کے جوڑ ڈھیلے پڑجائیں گے، اور حضرت محقق نے فتح القدیر میں ایک دوسری حدیث بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ذکر کی ہے اس میں ایک راوی مہدی بن ہلال ہے اور ایک حدیث بروایت حضرت

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الوضوء من النوم آفتاب علم پریس لاہور ۱/ ۲۷

[3] سنن الدارقطنی باب فیماروی فیمن نام قاعدا الخ حدیث ۵۸۵ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۷۶

[4] السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب ورد فی نوم المساجد دار صادر بیروت ۱/ ۱۲۱

عن حذیفة بن الیمان رضی الله تعالٰی عنهم فیه بحر بن کنیز عـــه١ السقاء عـــه٢ ثم قال وانت اذا تأملت فیما اوردناه لم ینزل عندك الحدیث عن درجة الحسن [1] اھ	ابن عباس حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ذکر کی ہے اس میں ایک روای بحرین کنیز سقاء ہے پھر فرمایا ہے: ہم نے حدیث جن طرق سے نقل کی ہے ان میں غور کروگے تو حدیث تمہارے نزدیک درجہ حسن سے فروتر نہ ہوگی اھ
قال فی الغنیة لما تقرران ضعف الراوی اذاکان بسبب الغفلة دون الفسق یزول بالمتابعة ویعلم بها ان ذلك الحدیث مما اجاد فیه ولم یهم فیکون حسنا [2] اھ۔	غنیہ میں فرمایا، اس لئے کہ یہ طے شدہ ہے کہ راوی کا ضعف جب فسق کی وجہ سے نہ ہو غفلت کی وجہ سے ہو تو وہ متابعت سے دور ہوجاتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ روای نے اس میں عمدگی برتی ہے اور وہم کا شکار نہ ہوا تو وہ حدیث حسن ہوجاتی ہے، اھ
اقول: اما ف١ ابن هلال فلا ف٢ یصلح متابعا فقد کذّبه یحیی بن سعید [3]	اقول ابن ہلال تو متابعت کے قابل نہیں، یحیٰی بن سعید نے اسے کاذب کہا۔

ف١: تطفل علی الفتح والغنیة۔

ف٢: طرح مهدی بن هلال۔

عـــه١: بنون وزای ووقع فی نسخ الفتح و الغنیه و نصب الرایة وغیرها المطبوعات کلها کثیر بثاء وراء وهوتصحیف۔	عـــه١: نون اور زا سے اور فتح، غنیہ، نصب الرایہ وغیرہا کے سبھی مطبوعہ نسخوں میں ثا اور را سے کثیر چھپاہوا ہے یہ تصحیف ہے۔ ١٢منہ (ت)
عـــه٢: کان یسقی الحجاج فسمی السقاء ١٢منه۔	عـــه٢: یہ حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اس لئے سقاء نام پڑگیا ١٢منہ (ت)

---

1 فتح القدیر کتاب الطہارۃ، فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ١/ ٤٥

2 غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی، فصل فی نواقض الوضوء، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ١٣٨

3 میزان الاعتدال ترجمہ مہدی بن ہلال ٧٨٨٢ دار المعرفۃ بیروت ٤/ ١٩٦

وقال ابن معین یضع الحدیث [1] وقال ابن المدینی کان یتھم بالکذب [2] وقال الدار قطنی وغیرہ متروک [3]

واما فـ۱ ابن کنیز فقال النسائی والدار قطنی متروک [4] وھو قضیۃ قول ابن معین لایکتب حدیثه [5] لکن الحافظ فی التقریب اقتصر علی انه ضعیف تبعا [6] للبخاری وابی حاتم فکان یجب اسقاط الاول وما کان کبیر حاجة الی الاٰخر فان الحدیث بنفسه لاینزل عن درجة الحسن علی اصولنا ان شاء اللہ تعالٰی وکلام الاثرین ماش علی اصولھم من ردالمراسیل وعنعنة المدلسین مطلقا۔

اما فـ۲ الکلام فی الدالانی و

ابن معین نے کہا، وہ حدیث وضع کرتا تھا، ابن مدینی نے کہا، مہتم بالکذب تھا، دار قطنی اور ان کے علاوہ نے بھی کہا متروک ہے۔

رہا ابن کنیز، تو اس کے بارے میں نسائی اور دار قطنی نے کہا متروک ہے یہی ابن معین کے قول "لایکتب حدیثہ" (اس کی حدیث نہ لکھی جائے) کا بھی تقاضا ہے لیکن حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں بہ تبعیت امام بخاری وابو حاتم اسے ضعیف بتانے پر اکتفا کی، تو پہلی روایت (روایت ابن ہلال) کو ساقط کر دینا واجب تھا اور دوسری (روایت ابن کنیز) کی بھی کوئی بڑی ضرورت نہ تھی، اس لئے کہ اصل حدیث ہمارے اصول کی رو سے خود ہی درجہ حسن سے فروتر نہ ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی اور محدثین کا کلام ان کے اپنے اصول پر جاری ہے کہ مرسل حدیثیں اور اہل تدلیس کا عنعنہ مطلقاً نامقبول ہے۔

رہا دالانی سے متعلق کلام اور

فـ۱: جرح بحر بن کنیز السقاء

فـ۲: تمشیة یزید بن عبدالرحمن الدالانی۔

[1] میزان الاعتدال ترجمہ مہدی بن ہلال ۸۸۲۷ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] میزان الاعتدال ترجمہ مہدی بن ہلال ۸۸۲۷ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[3] میزان الاعتدال ترجمہ مہدی بن ہلال ۸۸۲۷ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[4] میزان الاعتدال ترجمہ بحر بن کنیز ۱۱۲۷ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۸

[5] میزان الاعتدال ترجمہ بحر بن کنیز ۱۱۲۷ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۸

[6] تقریب التہذیب ترجمہ بحر بن کنیز ۶۳۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۱

ما افحش فیه ابن حبان من القول کعادته فقال کثیر الخطاء فاحش الوهم لایجوز الاحتجاج به اذا وافق الثقات فکیف اذا تفرد عنهم با لمعضلات[1] فمردود بان البخاری قال فیه ابو خالد صدوق لکنه یهم بالشیئ[2] وقال احمد وابن معین والنسائی لاباس به[3] وقال ابو حاتم صدوق[4] وقال الذهبی فی المغنی مشهور حسن الحدیث[5] وما ف ذکر ابو داؤد عن شعبة ههنا عـه	ان سے متعلق ابن حبان نے حسب عادت جو سخت کلامی کی اور کہا وہ کثیر الخطاء ، فاحش الوہم ہے جب ثقات کے موافق ہو تو اس سے استناد روا نہیں پھر معضلات میں جب ثقات سے متفرد ہو تو اس سے کیوں کر استدلال ہوگا، تو یہ سب اس وجہ سے نامقبول ہے کہ امام بخاری نے ان کے بارے میں فرمایا ابو خالد صدوق ہیں لیکن انہیں کچھ وہم ہوتا ہے۔امام احمد، ابن معین اور نسائی نے کہا، لاباس بہ (ان میں کوئی حرج نہیں) ابوحاتم نے کہا صدوق (بہت راست باز) ہیں۔ذہبی نے مغنی میں کہا مشہور حسن الحدیث ہیں۔وہ کلام جو ابو داؤد نے یہاں امام شعبہ سے

ف: قالوا لم یسمع قتادة من ابی العالیه الاربعه اوثلثة)

عـه: ای فی باب الوضو من النوم لا کما یتوهم من کلام الامام الزیلعی المخرج انه ذکر ههنا مایدل علی ان قتادة لم یسمع هذا الحدیث من ابی العالیة ونقل کلام من شعبة فی موضع اٰخر۔ (۱۲م)	یعنی نیند سے وضو کے باب میں ویسا نہیں جیسا کہ امام زیلعی مخرج حدیث (صاحب نصب الرایہ کے کلام سے وہم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہاں وہ ذکر کیا جس سے پتا چلتا ہے کہ قتادہ نے یہ حدیث ابوالعالیہ سے نہ سنی، اور امام شعبہ کا کلام ایک دوسرے مقام پر نقل کیا)

[1] نصب الرایۃ بحوالہ ابن حبان، کتاب الطہارات، فصل فی نواقض الوضوء نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور، ۱/ ۹۲
[2] نصب الرایۃ بحوالہ محمد بن اسمٰعیل کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱/ ۹۲
[3] نصب الرایۃ بحوالہ محمد بن اسمٰعیل کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱/ ۹۲
[4] میزان الاعتدال ترجمہ یزید بن عبدالرحمٰن ۹۷۲۳ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۴۳۳
[5] المغنی فی الضعفاء ترجمہ یزید بن عبدالرحمٰن ۹۷۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۴۰

انہ لم یسمع قتادۃ من ابی العالیۃ الا اربعۃ عـــہ۱ [1] احادیث وحکی عـــہ۲ عن ابی داؤد نفسہ لم یسمع منہ الاثلثۃ احادیث۔ **فاقول:** وتلك شکاۃ ظاھر عنك عارھا فلو سلم لشعبۃ وابی داؤد شھادتھما علی النفی مع اضطراب اقوالھما	نقل کیا کہ قتادہ نے ابو العالیہ سے صرف چار حدیثیں سنی ہیں، اور خود ابو داؤد ہی سے یہ بھی حکایت کی گئی ہے کہ قتادہ نے ابوالعالیہ سے صرف تین حدیثیں سنی ہیں۔ **فاقول:** یہ ایسی شکایت ہے جس کا عار آپ ہی سے ظاہر ہے پہلی بات یہ ہے کہ قتادہ کے خلاف شعبہ اور ابوداؤد کی نفی سماع سے متعلق شہادت قابل تسلیم کیسے ہوگی جب کہ ان کے

عـــہ۱: حدیث یونس بن متی وحدیث ابن عمر فی الصلاۃ وحدیث القضاۃ ثلثۃ وحدیث ابن عباس حدثنی رجال مرضیون منھم عمر وارضاھم عندی عمر اھ ابو داؤد ۱۲ منہ (م)

عـــہ۲: الحاکی الامام الزیلعی المخرج انہ ذکرہ ابو داؤد فی کتاب السنۃ فی حدیث لاینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی

قلت و راجعت ثلث نسخ من الکتاب فلم ارہ ذکر فی کتاب السنۃ شیئا من ھذا واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

عـــہ۱: (۱) حدیث یونس بن متی (۲) حدیث ابن عمر دربارہ نماز (۳) حدیث القضاۃ ثلاثۃ (۴) حدیث ابن عباس، مجھ سے پسندیدہ حضرات نے حدیث بیان کی جن میں عمر بھی ہیں، اور ان میں میرے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمر ہی ہیں اھ ابو داؤد (۱۲م۔ت)

عـــہ۲: حکایت کرنے والے امام زیلعی مخرج حدیث ہیں کہ ابوداؤد نے یہ بات کتاب السنۃ میں ذکر کی ہے اس حدیث کے تحت کہ کسی بندے کو یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں

قلت میں نے ابوداؤد کے تین نسخے دیکھے کسی میں نہ پایا کہ انھوں نے کتاب السنۃ میں اس سے کچھ ذکر کیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب الوضوء من النوم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷

بارے میں ان کے اقوال بھی مضطرب ہیں اور ایسی شہادت	فیه ف مع انها لم تقبل من الذین عـــه هم

ف: لم تقبل شهادة نفی سماع ابن اسحق من فاطمة بن المنذر من ائمة اجلة۔

عـــه: هم هشام بن عروة وامام دار الهجرة مالك بن انس و الامام وهب بن جریر والامام یحیی بن سعید القطان اخرج ابن عدی عن ابی بشر الدولابی ومحمد بن جعفر بن یزید عن ابی قلابة الرقاشی ثنی ابو داؤد سلیمان بن داؤد قال قال یحیی القطان اشهد ان محمد بن اسحق کذاب قلت وما یدریك قال قال لی وهب فقلت لوهب مایدریك قال لی مالك بن انس فقلت لمالك وما یدریك قال قال لی هشام بن عروہ قلت لهشام بن عروة وما یدریك قال حدث عن امرأتی فاطمة بنت المنذر وادخلت علی وهی بنت تسع وما راها رجل حتی لقیت الله تعالٰی[1] حاول التفصی عند الذهبی فی المیزان فقال وما یدری هشام بن عروة فلعله

عـــه: وہ حضرات یہ ہیں (۱) ہشام بن عروہ (۲) امام دار الہجرۃ مالک بن انس (۳) وہب بن جریر (۴) امام یحیٰی بن سعید قطان، ابن عدی نے ابو بشر دولابی اور محمد بن جعفر بن یزید سے روایت کی ہے وہ ابوقلابہ رقاشی سے روای ہیں انہوں نے کہا مجھ سے ابو داؤد سلیمان بن داؤد نے بیان کیا کہ یحیٰی قطان نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے میں نے کہا آپ کو کیسے معلوم؟ کہا مجھ کو وہب نے بتایا اب میں نے وہب سے کہا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا مجھے مالک بن انس نے بتایا میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا میں نے ہشام بن عروہ سے دریافت کیا آپ کو کیسے معلوم؟ انہوں نے کہا: اس نے میری بیوی فاطمہ بنت منذر سے حدیث روایت کی، جب کہ وہ میرے یہاں نو سال کی عمر میں لائی گئی اور کسی مرد نے اسے دیکھا نہیں یہاں تک کہ وہ خدا کو پیاری ہوئی اس جرح سے چھٹکارے کی کوشش کرتے ہوئے میزان الاعتدال میں ذہبی نے کہا ہشام بن عروہ کو کیا پتہ، ہو سکتا ہے ابن اسحٰق

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحٰق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۷۱

اکبر واکثر مع کونہا مہم اکد عـــہ واظہر وذلك فی روایۃ ابن اسحٰق عن امرأۃ ہشام بن عروۃ فلیس غایتہ الا الارسال فکان ماذا فان المرسل مقبول عندنا وعند الجمہور مع انا فی غنی عن النظر فیہ فقد احتج بہ اصحابنا	ان لوگوں سے قبول نہ کی گئی جو ان سے بزرگ اور تعداد میں ان سے زیادہ ہیں جب کہ ان کی شہادت بھی ان سے زیادہ موکد اور زیادہ ظاہر ہے دوسری بات یہ کہ اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا مدعا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ حدیث مرسل ہے تو اس سے کیا ہوا؟ حدیث مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے باوجودیکہ ہمیں اس حدیث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمع منہا فی المسجد اوسمع منہا وھو صبی اودخل علیہا فحدثتہ من وراء حجاب فای شیئ فی ہذا الخ[1] وقد ضعفنا اعتذارہ فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین مع ان المحقق عندنا ایضًا ھو توثیق ابن اسحاق وبذل الامام البخاری جہدہ فی الذب عنہ اذ اتی بحدیث القراءۃ خلف الامام وان لم یرض بالاخراج لہ فی صحیحہ المسند ۱۲منہ۔ (م)

عـــہ: اکد للفظ اشہد واظہر لان الانسان بحال امرأتہ المخدرۃ اعلم ۱۲منہ۔

نے ان کی بیوی سے مسجد میں سنا ہو، یا ان سے اپنے بچپن میں سنا ہو، یا ان کے پاس گئے ہوں تو انہوں نے پردہ کی اوٹ سے حدیث سنائی ہو، تو اس میں کیا بات ہے الخ، ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں ذہبی کا یہ اعتذار ضعیف قرار دیا ہے باوجودیکہ ہمارے نزدیک بھی تحقیق یہی ہے کہ ابن اسحاق ثقہ ہیں اور امام بخاری نے ان کے دفاع میں پوری کوشش صرف کی ہے جہاں جزء القراءۃ میں قرات خلف الامام کی حدیث ان سے روایت کی ہے اگرچہ اپنی صحیح مسند میں ان کی روایت لانا پسند نہ کیا ہو ۱۲منہ (ت)

عـــہ: زیادہ موکد اس لئے کہ اس میں لفظ اشہد (میں شہادت دیتا ہوں) ہے اور زیادہ ظاہر اس لئے کہ آدمی اپنی پردہ نشین بیوی کے حال سے زیادہ باخبر ہوگا ۱۲منہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحٰق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۴۷۰/۳

وقبلوہ من غیر نکیر۔
وانت علی علم ان الحکم لایختص بالمضطجع فقد اجمعنا علی النقض فی الاستلقاء والانبطاح لانا رأینا الحدیث ارشد الی المعنی فی ذلك وھو استرخاء المفاصل ولا یراد بہ مطلقہ لحصولہ فی کل نوم فیناقض اٰخرہ اولہ بل کمالہ کما تقدم عن الکافی فتحصل لنا من الحدیث ان المدار علی نھایۃ الاسترخاء فحیث وجد وجد النقض وحیث عدم عدم کما اشار الیہ المحققون فاستقرت الضابطۃ وانحلت العقدۃ عن کلتا الدعویین فی القول الاول فان خصوصیۃ الصلاۃ لادخل لھا فی منع الاسترخاء ولا لخارجھا فی احداثہ بل الحدیث مطلق عن التقیید بالصلاۃ کما اعترف بہ فی البدائع قائلا فی النوم خارج الصلاۃ علی ھیأۃ السجود ان العامۃ علی انہ لایکون حدثا لماروی من الحدیث من غیر فصل بین الصلاۃ وغیرھا کما

میں نظر کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمارے ائمہ نے اس سے استدلال کیا ہے اور بلا نکیر اسے قبول کیا ہے۔
اور آپ کو معلوم ہے کہ کروٹ لیٹنے والے ہی سے حکم خاص نہیں چت لیٹنے اور منہ کے بل لیٹنے کی صورت میں بھی وضو ٹوٹنے پر ہمارا اجماع ہے اس لئے کہ ہم نے دیکھا کہ حدیث نے اس بارے میں بنیادی علت کی رہ نمائی فرمادی ہے وہ ہے استر خائے مفاصل (جوڑوں کاڈھیلے پڑ جانا) اور اس سے مطلق استر خاء مراد نہیں یہ تو ہر نیند میں ہوتا ہے تو آخر حدیث، ابتدائے حدیث کے بر خلاف ہو جائیگا بلکہ کامل استر خا مراد ہے جیسا کہ کافی کے حوالے سے بیان ہوا تو حدیث سے ہمیں یہ نتیجہ ملاکہ مدار کامل استر خا پر ہے جہاں یہ موجود ہوگا وہاں وضو بھی ٹوٹ جائے گا اور جہاں یہ نہ ہوگا وہاں وضو بھی نہ ٹوٹے گا، جیساکہ محققین نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے تو ضابطہ مستقر ہو گیا اور قول اول کے دونوں دعووں سے متعلق عقدہ کھل گیا اس لئے کہ خصوصیت نماز کو نہ استر خاکے روکنے میں کوئی دخل ہے نہ خارج نماز کو استر خا پیدا کرنے میں کوئی دخل ہے بلکہ حدیث نماز کی تقیید سے مطلق ہے جیسا کہ بدائع میں اس کا اعتراف کیا ہے اور بیرون نماز ہیات سجدہ پر سونے کے بارے میں کہا ہے کہ عامہ علماء اسی پر ہیں کہ وہ حدث نہیں اس لئے کہ حدیث نماز اور غیر نماز کی تفریق کے بغیر وارد ہے جیساکہ حلیہ میں ہے

فی الحلیة فمن سجد خارجھا سجدة مشروعة وأخر غیر مشروعة وأخر لم ینو ا لسجود اصلا فلا یفترقون الافی النیة ولا اثرلھا فی ارخاء اومنعه بداھة وانما ذلك الی ھیأة النوم کیفما وجدت فیجب ادارة الحکم علیھا ولا شك ان النوم علی ھیأة سجود السنة یمنع الاسترخاء التام اذالو کان لسقط کما افادہ فی الھدایة فوجب ان لاینقض حتی فی خارج الصلوة وان النوم علی غیرھا مفترش الذر اعین ملصق البطن بالفخذین لیس الا السقوط ھو ھوفوجب ان ینقض حتی فی الصّلاة۔

اقول: وبه ظھر الجواب عن استحسان البدائع والبحر والغنیة فان ذلك انما کان یسوغ لو ان النص لم یکن فیه الانفی النقض عن الساجد فعلی التنزل وتسلیم ان لیس الظاھر فی کلام الشارع علیه الصلٰوة والسلام ارادة الھیأة المسنونة المعھودة کان یمکن ان یدعی ان الشارع ناط ذلك بکل ماینطق

تو بیرون نماز مشروع سجدہ کرنے والا، دوسرا غیر مشروع سجدہ کرنے والا، تیسرا بغیر کسی نیت کے سجدہ کی حالت میں ہونے والا تینوں کے درمیان سوا نیت کے کسی بات کا فرق نہیں اور بدیہی بات ہے کہ اعضاء کو ڈھیلا کرنے یا استرخاء کو روکنے میں نیت کا کوئی اثر نہیں اس کا مدار تو سونے کی ہیات پر ہے کہ وہ کس حال میں پائی جارہی ہے تو حکم کو اسی پر دائر رکھنا لازم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سجدہ سنت کی ہیات پر سونا کامل استرخا سے مانع ہے اس لئے کہ اگر کامل استرخا ہو تو گرجائے جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا تو ضروری ہے کہ یہ سونا ناقض وضو نہ ہو یہاں تک کہ بیرون نماز بھی اور خلاف سنت طریقے پر کلائیاں بچھائے ہوئے پیٹ رانوں سے ملائے ہوئے سونا کیا ہے پس گرپڑنا، اس کے سوا کچھ اور نہیں تو واجب ہے کہ وہ ناقض وضو ہو یہاں تک کہ اندرون نماز بھی۔

اقول: اسی سے بدائع، بحر اور غنیہ کے استحسان کا جواب بھی ظاہر ہوگیا اس کی گنجائش محض اس صورت میں نکل سکتی تھی کہ نص میں سجدہ کرنے والے سے متعلق وضو ٹوٹنے کی نفی کے سوا کچھ اور نہ ہوتا اس صورت میں بطور تنزل یہ مان کر کہ شارع علیہ الصلوۃ والسلام کے کلام میں معہود ہیات مسنونہ کا مراد ہونا ظاہر نہیں یہ دعوی کیا جاسکتا تھا کہ شارع نے عدم نقض کا حکم ہر اس حالت سے وابستہ

علیه اسم السجود کیفما کان ولیس کذلك بل النص نفسه ارشدنا الی العلة بقوله استرخت مفاصله فعلمنا ان الحکم معلول معقول وقد وجدت العلة فی سجود غیر السنة فلامعنی لعدم النقض علی خلاف القیاس والنص جمیعا نعم یترك ای لایجری ھھنا القیاس بالمعنی المصطلح علیه لان ف1 العلة منصوصة فاجراؤھا لایکون قیاساولا یخص المجتھد کما بینه خاتمة المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی کتاب الجلیل المفاد اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد۔ فاستقر بحمدالله تعالٰی عرش التحقیق علی القول الاول وانه ھو الصحیح وعلیه المعول والحمدلله فی الاٰخر والاول۔ **الثالثة** ف2: تعمد النوم فی الصلاۃ لایفسدھا مطلقا بل اذا کان حدثا کما نبھنا علیه وقد قدمنا	کر رکھا ہے جس پر نام سجدہ کا اطلاق ہو جائے چاہے جو بھی کیفیت ہو اور یہ صورت ہے نہیں بلکہ خود نص نے "استرخت مفاصلہ "کے لفظ سے علت کی جانب رہ نمائی وہدایت کردی ہے جس سے ہمیں معلوم ہوگیا کہ یہ حکم ایک علت پر مبنی ہے اور وہ علت ہماری عقل میں آنے والی بھی ہے اور خلاف سنت سجدے میں علت (اعضا کا کامل استرخا) موجود ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قیاس اور نص دونوں ہی کے بر خلاف وضو ٹوٹنے سے بچ جائے ہاں قیاس بمعنی اصطلاحی یہاں متروک ہے یعنی جاری نہیں ہوتا اس لئے کہ علت منصوص ہے تو اسے جاری کرنا قیاس نہیں اور نہ ہی یہ کام مجتہد سے خاص ہے جیسا کہ اسے خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے اسے اپنی عظیم افادہ بخش کتاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں بیان کیا ہے۔ تو بحمدہ تعالٰی عرش تحقیق قول اول ہی پر مستقر ہوا اور اس پر کہ وہی صحیح اور وہی معتمد ہے۔ اور اول وآخر تمام تر حمد اللہ ہی کے لئے ہے۔ **افادہ ثالثہ** [3]: نماز میں قصدا سونا مطلقًا مفسد نماز نہیں بلکہ صرف اس صورت میں جب وہ ناقض وضو ہو جیسا کہ ہم نے اس پر تنبیہ کی اور

ف1: اجراء العلة المنصوصة لایختص بالمجتھد۔

ف2: تحقیق مسئلة تعمد النوم فی الصلوۃ۔

عن الخانية انه ان تعمد النوم فی رکوعه لاتفسد[1] وفی الخلاصة لو نام فی رکوعه اوسجوده جازت صلاته لکن لایعتد بهما واعادهما اذالم یتعمد ذلك فان تعمد تفسد صلاته فی السجود دون الرکوع[2] اھ واسلفنا عن الفتح ان مبناه علی زوال المسکة فی السجود فلو سجد متجافیا ونام عامدا لم تفسد صلاته واثره فی الحلیة فاقره ونقله فی البحر و زاد علیه انها لاتفسد ولو غیر متجاف وذلك لما اختار ان النوم فی السجود المشروع لاینقض الوضوء مطلقا ولو علی غیر هیأة السنة فسجود غیر المتجافی ایضا لما لم یکن النوم فیه حدثا عنده لم یجعل تعمده فیه مفسدا۔ ولنقص عبارة البحر لیکون تذکیرا لما عبر وتمهید الماغبر	خانیہ کے حوالے سے ہم نے نقل کیا کہ اگر رکوع میں قصدا سوئے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور خلاصہ میں ہے: اگر رکوع یا سجدے میں سوجائے تو اس کی نماز ہوجائے گی، لیکن اس رکوع و سجود کا شمار نہ ہوگا اور ان کا اعادہ کرنا ہوگا، یہ اس وقت ہے جب قصدانہ سویا ہو اگر قصدا سویا تو سجدے میں ایسا سونا مفسد نماز ہے رکوع میں نہیں اھ اور سابقہ ہم نے فتح القدیر کے حوالے سے نقل کیا کہ اس کی بنیاد سجدے میں بندش کھل جانے پر ہے تو اگر کروٹیں جدا رکھ کر سجدہ کیا اور قصدا سوگیا تو نماز فاسد نہ ہوگی اسے حلیہ میں نقل کرکے برقرار رکھا ہے اور بحر میں اسے نقل کرکے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ "اگر کروٹیں جدانہ ہوں تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی" اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحب بحر نے یہ اختیار کیا ہے کہ سجدہ مشروع میں سونا مطلقا ناقض وضو نہیں اگرچہ طریقہ سنت کے برخلاف ہو، تو سجدہ میں کروٹیں جدانہ رکھنے والے کا سونا بھی چوں کہ ان کے نزدیک ناقض وضو نہیں اس لئے انہوں نے اس کے بالقصد سونے کو مفسد نماز قرار نہ دیا۔ ہم عبارت بحر کا پورا قصہ بتاتے ہیں تاکہ سابق کی یاددہانی بھی ہوجائے اور باقی مباحث

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فی النوم نولکشور لکھنو ۱/ ۲۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوۃ الفصل الثالث عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۳۲

قال رحمۃ اللہ تعالٰی واطلق فی الھدایۃ الصلاۃ (قلت یرید النوم فیھا فتجوز بحذف المضاف وبہ یسقط ف اعتراض المنحۃ علی البحر فیما تابع ھو فیہ الفتح قال البحر) فشمل ماکان عن تعمد وما عن غلبۃ وعن ابی یوسف اذا تعمد النوم فی الصلاۃ نقض والمختار الاول وفی فصل مایفسد الصلٰوۃ من فتاوی قاضی خان لونام فی رکوعہ او سجودہ ان لم یتعمد لاتفسد وان تعمد فسدت فی السجود دون الرکوع اھ کانہ مبنی علی قیام المسکۃ فی الرکوع دون السجود ومقتضی النظر ان یفصل فی السجود ان کان متجافیا لاتفسد والا تفسد کذا فی الفتح القدیر ، وقد یقال مقتضی الاصح المتقدم (ان النوم فی السجود المشروع لاینقض مطلقا ولو غیر متجاف) ان لا ینتقض بالنوم فی السجود	کی تمہید بھی صاحب بحر فرماتے ہیں (ہلالین میں صاحب فتاوی رضویہ کا اضافہ ہے ۱۲م) "ہدایہ میں نماز کو مطلق رکھا ہے" (**قلت** ان کی مراد یہ ہے کہ نماز میں نیند کو مطلق رکھا ہے تو مضاف حذف کرکے مجاز حذف کا طریقہ اپنایا ہے اس توضیح سے منحۃ الخالق کا وہ اعتراض ساقط ہو جاتا ہے جو البحر الرائق پر فتح القدیر کی متابعت کے معاملہ میں کیا ہے بحر میں آگے فرمایا) تو یہ اس نیند کو بھی شامل ہے جو قصدا ہو اور اسے بھی جو نیند کے غلبہ کی وجہ سے ہو اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ نماز میں قصدا سونا ناقض وضو ہے اور مختار اول ہے اور فتاوی قاضی خان میں مفسدات نماز کی فصل میں ہے اگر رکوع یا سجدے میں سوگیا تو بلا قصد سونے کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر قصدا سویا تو سجدہ میں سونا مفسد نماز ہے رکوع میں نہیں اھ شاید یہ تفریق اس بناء پر ہے کہ رکوع میں بندش باقی ہوگی اور سجدے میں نہ ہوگی اور نظر کا تقاضا یہ ہے کہ سجدے میں تفصیل کی جائے کہ اگر کروٹیں جدا ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوجائے گی ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو قول اصح پہلے گزرا (کہ مشروع سجدہ میں سونا مطلقًا ناقض نہیں اگرچہ کروٹیں جدا ہوں) اس کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ میں سونے سے وضو

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

مطلقا وینبغی حمل مافی الخانیة علی روایة ابی یوسف [1] اھ ما فی البحر مزیدا ما بین الاھلة۔ قال فی منحة الخالق الذی تقدم من روایة ابی یوسف انه اذا تعمد النوم فی الصلاۃ نقض وکذا فی الفتح وھی کما تری غیر مقیدة بالسجود تأمل ثم رأیت فی غایة البیان مانصّه وروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فی الاملاء انه اذا تعمد النوم فی السجود ینقض وان غلبت عیناه لاینقض اھ وبه یترجح الحمل المذکور ویکون المراد حینئذ مما تقدم من قول فی الصلاۃ ای فی سجودھا فقط فافھم [2] اھ **اقول: اولاًف** الحکم فی المقید	مطلقًا نہ جائے۔اور کلام خانیہ کو امام ابو یوسف کی روایت پر محمول کرنا چاہیئے اھ بحر کی عبارت ہلالین کے درمیان اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔ البحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں علامہ شامی فرماتے ہیں امام ابو یوسف کی روایت جو پہلے مذکور ہوئی یہ ہے کہ نماز میں قصدا سونا ناقض وضو ہے اسی طرح فتح میں منقول ہے یہ روایت جیسا کہ سامنے ہے، حالت سجدہ سے مقید نہیں، غور کرو، پھر میں نے غایۃ البیان میں یہ عبارت دیکھی، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی سے "املا" میں مروی ہے کہ سجدہ میں قصدا سونا ناقض وضو ہے اور اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے (بلا قصد) سوگیا تو وضو نہ ٹوٹے گا اھ، اس روایت کی بنیاد پر کلام خانیہ کو اس پر محمول کرنے کی بات کو ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور اس صورت میں امام ابو یوسف سے سابقا جو روایت بلفظ فی الصلوۃ (نماز میں قصدا سونا ناقض ہے) منقول ہوئی اس میں "نماز میں" سے مراد "صرف سجدہ نماز میں" ہوگا تو اسے سمجھئے اھ **اقول: اولا** مقید کے بارے میں حکم،

ف: معروضة اخری علیه

[1] البحر الرائق کتاب الطھارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطھارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸ و ۳۹

لاینافی الحکم فی المطلق کما افادہ فی الفتح لاجرم ان ذکر فی التحفۃ والبدائع ان النوم فی غیر حالۃ الاضطجاع والتورك فی الصلاۃ لایکون حدثا سواء غلبہ النوم اوتعمد فی ظاھر الروایۃ و روی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال سالت ابا حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النوم فی الصّلاۃ فقال لاینقض الوضوء ولا ادری سالتہ عن العمد او عن الغلبۃ وعندی انہ ان نام متعمدا انتقض وضوؤہ [1] قال فی البدائع وجہ روایۃ ابی یوسف ان القیاس فی النوم حالۃ القیام والرکوع والسجود ان یکون حدثا لکونہ سببا لوجود الحدث الا اناترکنا القیاس لضرورۃ التھجد نظر ا للمجتھدین وذلك عند الغلبۃ دون	مطلق کے بارے میں حکم کے منافی نہیں جیسا کہ فتح القدیر میں افادہ فرمایا (توہوسکتا ہے کہ امام ابو یوسف سے دونوں روایت ہو، خاص سجدہ میں قصدا سونا ناقض ہے اوریہ بھی کہ اندرون نماز کسی بھی رکن میں سونا ناقض ہے ۱۲م) یہی وجہ ہے کہ تحفہ اور بدائع میں ذکر کیا ہے کہ اندرون نماز کروٹ لیٹنے اور سرین پر ٹیک دے کر لیٹنے کے علاوہ حالت میں سونا حدث نہیں خواہ نیند کے غلبہ سے سوگیا ہو یا قصدا سویا ہو ظاہر الروایہ میں یہی ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اندرون نماز نیند کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا ناقض وضو نہیں، میں نہیں جانتا کہ ان سے میں نے قصدا سونے کے بارے میں پوچھا تھا یا نیند کے غلبہ سے سونے کے بارے میں پوچھا تھا اور میرے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر قصدا سویا تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا، بدائع میں کہا کہ روایت امام ابو یوسف کی وجہ یہ ہے کہ قیام، رکوع اور سجود کی حالت میں سونا قیاس کی رو سے حدث ہے اس لئے کہ یہ وجود حدث کا سبب ہے لیکن ہم نے تہجد گزاروں کا لحاظ کرتے ہوئے ضرورت تہجد کے باعث قیاس ترک کردیا اور یہ ضرورت غلبہ نوم ہی کی صورت میں ہے قصدا

[1] بدائع الصنائع کتاب الطہارۃ فصل واما بیان ماینقض الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۵۲

التعمد[1] اھ قال فی الحلیة بعد نقلہ ھذا یفید اطلاقہ انہ ینتقض عند ابی یوسف بالنوم راکعا اذا تعمدہ[2] اھ ای وکذا قائما۔

اقول: انما ف۱ الاطلاق فی تحفة الفقہاء اما فی البدائع فتنصیص صریح لقولہ ان القیاس فی النوم حالة القیام والرکوع الخ فافادان ابا یوسف عمل فی جمیعھا بالقیاس عند العمد والعالم ربما یسأل عن صورة خاصة فیجیب فتأتی الروایة عنہ مقیدة بصورة السؤال مع ان الحکم مطلق عندہ عرف ھذا من مارس الفقہ وعن ف۲ ھذا قلنا ان المطلق یحمل علی اطلاقہ وان اتحد الحکم والحادثة مالم تدع الی التقیید ضرورة۔

سونے میں نہیں اھ حلیہ میں اسے نقل کرنے کے بعد کہا: اس کے اطلاق سے یہی مستفاد ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک قصدا رکوع کی حالت میں سونے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اھ۔ مقصد یہ ہے کہ یوں ہی قیام میں بھی۔

اقول: اطلاق صرف تحفۃ الفقہاء میں ہے۔ بدائع میں تو صاف تصریح ہے قیام، رکوع، سجود، کی حالت میں سونا قیاس کی رو سے حدث ہے جس سے یہ افادہ فرمایا کہ امام ابو یوسف قصد کی صورت میں تمام ہی حالتوں میں قیاس پر عامل ہیں۔ اور بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عالم سے کوئی خاص صورت پوچھی جاتی ہے وہ اس کے بارے میں جواب دے دیتا ہے تو اس کے حوالے سے روایت صورت سوال کے ساتھ مقید ہو کر نقل ہوتی ہے حالاں کہ اس کے نزدیک حکم مطلق ہوتا ہے۔ فقہ کی ممارست اور مشغولیت والا اس سے اچھی طرح آشنا ہے۔ اسی لئے ہم اس کے قائل ہیں کہ مطلق اپنے اطلاق پر محمول ہوگا اگرچہ حکم اور معاملہ ایک ہی ہو، جب تک تقیید کی جانب کوئی ضرورت داعی نہ ہو۔

ف۱: تطفل علی الحلیة۔

ف۲: المطلق یحمل علی اطلاقہ و ان اتحد الحکم و الحادثة الا بضرورة

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الطہارۃ فصل واما بیان ماینقض الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۵۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ثم القیاس الذی ذکر فی البدائع لروایۃ ابی یوسف وقد ذکرہ فی الھدایۃ والتبیین ایضا فی مسئلۃ الاغماء فالجواب عنہ انا نمنع کون القیاس فیھا ذلك بل القیاس ایضا عدم النقض لعدم کمال الاسترخاء کما افادہ فی الفتح۔

وثانیا اطلاق ف روایۃ ابی یوسف لاینافی حمل کلام قاضی خان فی السجود علیھا لان ائمۃ الترجیح کما یختارون احد القولین کذلك ربما یفصلون فیختارون قولا فی صورۃ واخر فی اخری فیکون المعنی ان مافی الخانیۃ مشی فی صورۃ السجود علی روایۃ ابی یوسف وای عتب فیہ۔

ثم اعترض ھذا الحمل العلامۃ

اب رہاوہ قیاس جو بدائع میں امام ابویوسف کی روایت سے متعلق پیش کیا ہے اور اسے ہدایہ و تبیین میں بھی بیہوشی کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس بارے میں قیاس نقض وضو ہے بلکہ قیاس بھی یہی ہے کہ وضو نہ ٹوٹے اس لئے کہ پورے اعضاء ڈھیلے نہ ہوں گے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں اس کا افادہ کیا ہے۔

ثانیا اگرچہ امام ابو یوسف کی روایت مطلق ہے۔ اس میں خاص حالت سجدہ کی قید نہیں۔ اور قاضی کا کلام خاص حالت سجدہ سے متعلق ہے لیکن اس کلام کو اس روایت پر محمول کیا گیا ہے تو یہ اس کے اطلاق کے منافی نہیں۔ اس لئے کہ ائمہ ترجیح جیسے دو قولوں میں سے ایک کو اختیار کرتے ہیں ویسے ہی بعض اوقات صورتوں کی تفصیل کرکے ایک صورت میں ایک قول کو اور دوسرے قول کو اختیار کرتے ہیں۔ تو (البحرالرائق میں کلام خانیہ کو روایت مذکورہ پر محمول کرنے کا) معنی یہ ہوا کہ خانیہ میں جو حکم مذکور ہے وہ صورت سجدہ میں امام ابویوسف کی روایت پر جاری ہے اس پر کسی عتاب کا کیا موقع ہے!

پھر اس حمل پر علامہ شیخ اسمٰعیل نے

ف: معروضۃ ثالثۃ علی العلامۃ ش۔

الشیخ اسمٰعیل فی شرح الدرر بانہ لایلزم من فساد الصلاۃ انتقاض الوضوء لما فی السراج لوقرأ و رکع وسجد وھو نائم تفسد صلاتہ لانہ زاد رکعۃ کاملۃ لایعتد بہا ولا ینتقض وضوؤہ اھ ولم یحکم فی الخانیۃ علی الوضوء بالنقض والظاھران فی البحر غفولا عن ذلك فتدبرہ[1] اھ	شرح درر میں اعتراض کیا ہے کہ نماز فاسد ہونے سے وضو ٹوٹنالازم نہیں آتا کیوں کہ سراج وہاج میں ہے کہ اگر سونے کی حالت میں قرأت کی اور رکوع و سجدہ کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اس لئے کہ کامل ایک رکعت ایسی زیادہ کردی جو قابل شمار نہیں۔اور وضو نہیں ٹوٹے گااھ (علامہ شامی نے منحہ میں اسے نقل کرکے لکھا ۱۲م) اور خانیہ میں وضو سے متعلق ناقض ہونے کا حکم نہیں کیا ہے۔ظاہر یہ ہے کہ البحرالرائق میں اس نکتے سے غفلت ہوگئی ہے تواس میں تدبر کرو۔اھ

(حاصل اعتراض یہ کہ روایت امام ابویوسف میں قصدا سونے سے "وضوٹوٹنے "کاذکر ہےاور کلام خانیہ میں سجدہ کے اندر قصدا سونے سے "فساد نماز "مذکور ہے،ہوسکتا ہے کہ نماز فاسد ہو اور وضو نہ ٹوٹے تو کلام خانیہ کا روایت مذکورہ پر حمل کیسے درست ہوگا؟ ۱۲م)

اقول:ف **اولا** رحم اللہ العلامۃ الفاضل والسید الناقل الشیئ یبتنی علی ملزومہ لالازمہ لجواز عموم اللازم فلا یقضی بوجود الملزوم ولا شك ان نقض الوضوء یستلزم فساد الصلاۃ عند التعمد لکونہ حینئذ تعمد حدث وھو مفسد قطعاً۔	**اقول: اولا** علامہ فاضل اور سید ناقل پر خدا کی رحمت ہو---- شیئ اپنے ملزوم پر مبنی ہوتی ہے لازم پر نہیں،اس لئے کہ ممکن ہے لازم اعم ہو تواس کے وجود سے ملزوم کا حکم نہیں ہو سکتا اور اس میں شک نہیں کہ قصداً وضو توڑنے کو فسادِ نماز لازم ہے اس لئے کہ یہ عمداً حدث کو عمل میں لانا ہے جو قطعًا مفسد نماز ہے(نقض وضو بالعمد ملزوم

ف: تطفل علی الشیخ اسمعیل شارح الدرر والعلامۃ ش۔

[1] بحوالہ منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحرالرائق بحوالہ شرح الشیخ اسمٰعیل کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کراچی ۱/ ۳۹

	ہے فساد نماز لازم، لہذا جب بھی اول ہوگا ثانی ہوگا اور ثانی کا اول پر حمل اس لحاظ سے بجا ہے اور برعکس صورت نہ یہاں ہے نہ ہوسکتی ہے ۱۲م)
ثانیا: ف۱ الکلام فی فساد الصلاۃ لاجل تعمد النوم وما ذکر من الصورۃ فالفساد فیھا لیس لہ بل لزیادۃ رکعۃ تامۃ وحمل کلام الخانیۃ علی روایۃ الامام الثانی لایستلزم ان لاتفسد صلوۃ بشیئ قط مالم ینتقض الوضوء فالبحر عقول لاغفول ھذا۔	**ثانیًا** کلام اس میں ہے کہ قصداً سونے سے نماز فاسد ہوجائے گی اور جو صورت ذکر کی ہے اس میں فسادِ نماز کا سبب یہ نہیں بلکہ کامل ایک رکعت کی زیادتی ہے---اور کلام خانیہ کو امام ثانی کی روایت پر محمول کرنا اسے مستلزم نہیں کہ کوئی نماز کسی شئی سے اس وقت تک فاسد ہی نہ ہو جب تک وضو نہ ٹوٹ جائے۔ محقق بحر اسے خوب سمجھتے ہیں اس نکتے سے غافل نہیں---یہ ذہن نشین رہے۔
واجاب فی المنحۃ عن ھذا الاعتراض بان مافی الخانیۃ من الفساد مبنی علی نقض الوضوء لتفریقہ بین الرکوع والسجود تامل[1] اھ	اور منحۃ الخالق میں اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ خانیہ میں جو فساد مذکور ہے وہ نقض وضو پر مبنی ہے اس لئے کہ اُنہوں نے رکوع و سجود کے درمیان فرق رکھا ہے۔اس میں غور کرو اھ۔
اقول: ف۲ رحم اللہ الفاضلین السؤال والجواب کلاھما من وراء حجاب فان الخانیۃ قد نصت علی انتقاض الوضوء بہ فی نواقضہ حیث قال کما تقدم ان تعمد النوم فی سجودہ تنتقض طھارتہ وتفسد صلاتہ ولو تعمد	**اقول:** دونوں فاضلوں پر خدا رحم فرمائے۔ سوال اور جواب دونوں پردوں کے پیچھے سے ہو رہے ہیں---اس لئے کہ قاضی خان نواقض وضو کے بیان میں اس سے وضو ٹوٹنے کی تصریح فرماچکے ہیں۔ان کی عبارت جیسا کہ

ف۱: تطفل اخر علیھما۔

ف۲: تطفل ثالث علیھما۔

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق بحوالہ شرح الشیخ اسمعیل کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۹

النوم فی قیامه ورکوعه لاتنتقض طهارته فی قولهم [1] اھ والوجه ان الفساد فی التعمد وانتقاض الوضوء متلازمان فایهما اثبت اثبت الاٰخر وایهما نفی نفی الاٰخر ولذا اقتصر فی الخانیة ههنا اعنی فی مفسدات الصلٰوة علی فساد الصلاة وعدمه ولم یتعرض للوضوء وثمه ای فی نواقض الوضوء ذکرهما معافی السجود واقتصر علی ذکر عدم النقض فی الرکوع ولم یتعرض لعدم الفساد فاتی فی کل باب بما یحتاج الیه وکیفما کان فقد صرح باجلی تصریح ان تعمد النوم لیس ممایفسد الصلٰوة مطلقا وکذلك الخلاصة وعلیه مشی الفتح والحلیة وعنه تکلم البحر۔ **اقول:** وهو قضیة اطلاق المتون قاطبة فانهم یذکرون	گزری اس طرح ہے: "اگر سجدے میں قصداً سویا تو اس کی طہارت ٹوٹ جائے گی اور نماز بھی فاسد ہوجائے گی اور اگر قیام یا رکوع میں قصداً سویا تو حضرات ائمہ کے قول پر اس کی طہارت نہ جائے گی۔" اھ وجہ یہ ہے کہ تعمد کی صورت میں فسادِ نماز اور وضو ٹوٹنا دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں تو ایک کے اثبات اور ایک کی نفی سے دوسرے کی نفی ہو جائے گی اسی لئے خانیہ نے یہاں بمعنی مفسداتِ نماز کے بیان میں صرف نماز کے فساد وعدمِ فساد کے ذکر پر اکتفا کی اور بیان وضو سے تعرض نہ کیا---اور وہاں یعنی نواقض وضو میں سجود کے تحت دونوں کو ذکر کیا اور رکوع کے تحت عدمِ نقض کے ذکر پر اکتفا کی عدمِ فساد سے تعرض نہ کیا--تو ہر باب میں جس قدر حاجت تھی اس قدر بیان کردیا --اور جو بھی ہو اس بات کی تو روشن تصریح فرمادی کہ قصداً سونا مطلقاً مفسدِ نماز نہیں--اسی طرح صاحب خلاصہ نے بھی ذکر کیا۔اور اسی پر صاحبِ فتح القدیر اور صاحب حلیہ بھی چلے--اور اسی سے متعلق بحر نے بھی گفتگو کی--- **اقول:** یہی سارے متون کا بھی مقتضا ہے---اس لئے اربابِ متون

[1] فتاوی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فی النوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰

من صور الحدث الذی یمنع البناء ما اذا جن اونام فاحتلم او اغمی علیه فیفیدون ان النوم بمفرده لیس بحدث ولا مانع للبناء مطلقا والالم یحتج الی ضم الاحتلام قال فی العنایة ثم البحر انما قال او نام فاحتلم لان النوم بانفراده لیس بمفسد عــہ الخ[1] ثم هم یرسلونه ارسالا	مانع بنا حدث کی صورتوں میں سے یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب مجنون ہو جائے یا سو جائے تو احتلام ہو جائے یا بیہوش ہو جائے (تو وضو ٹوٹ جائے گا اور نماز از سر نو پڑھنی ہو گی جہاں چھوٹی اس کے آگے نہیں پڑھ سکتا) اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نیند تنہا حدث اور مطلقًا مانع بنا نہیں ورنہ نیند کے ساتھ احتلام کو ملانے کی کوئی ضرورت نہ تھی --- عنایہ پھر بحر میں ہے: "نام فاحتلم سوئے تو احتلام ہو جائے" کہا اس لئے کہ تنہا نیند مفسدِ نماز نہیں اھ۔ پھر یہ حضرات نیند کو مطلق ذکر

عــہ: اعترضه العلامة خیر الدین رملی کما نقل عنه فی المنحة بانه ذکر فی التتارخانیة اقوالا واختلاف تصحیح فی المسألة وکذلك ذکر فی الجوهرة فی نوم المضطجع والمریض فی الصلاة اختلافا والصحیح انه ینقض وبه ناخذ وفی التتارخانیة عن المحیط فی النوم مضطجعا الحال لا یخلو ان غلبت عیناه فنام ثم اضطجع فی حالة نومه فهو بمنزلة ما لو سبقه

اس پر علامہ خیر الدین رملی کا یہ اعتراض ہے جیسا کہ علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں ان سے نقل کیا ہے کہ: تاتارخانیہ میں اس مسئلہ کے تحت چند اقوال اور اختلاف تصحیح کا ذکر ہے--- اسی طرح جوہرہ میں نماز کے اندر کروٹ لینے والے اور بیمار کی نیند سے متعلق اختلاف کا ذکر ہے اور یہ کہ صحیح ناقض ہونا ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں--- اور تاتارخانیہ میں محیط کے حوالے سے کروٹ لیٹ کر سونے سے متعلق ہے کہ اگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے اسے نیند آگئی پھر سونے ہی کی حالت میں وہ کروٹ لیٹ گیا تو ایسا ہی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البحرالرائق بحوالہ العنایۃ کتاب الصلٰوۃ باب الحدث فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۲

I.T. Majlis of DawateIslami

فیشمل العمد والغلبة وکذلک	کرتے ہیں تو قصداً سونا اور نیند کے غلبہ سے سوجانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الحدث یتوضأ ویبنی ولو تعمد النوم فی الصلاۃ مضطجعا فانہ یتوضأ ویستقبل الصّلٰوۃ ھکذا حکی عن مشائخنا اھ فراجع المنقول ولا تغتربما اطلقه ھنا[1]اھ **اقول:اولا** ف۱ اذا اختلف التصحیح فای اغترار فی الاقتصار علی احد القولین ۔ وثانیا ف۲ مسئلة الجوھرة فی انتقاض الوضوء والکلام ھنا فی فساد الصلوۃ والانتقاض لایستلزم الفساد اذا لم یکن ھناك تعمد ۔ وثالثا فرع ف۳ المحیط لیس فیه الفساد للنوم بانفراده بل لانضمام التعمد علی ھیات الحدث فما ھذه الایرادت من مثل المحقق السامی والاعتماد علیھا من العلامة الشامی و بالله التوفیق ۱۲منه حفظه ربه جل وعلا۔	جیسے بلا اختیار حدث ہوگیا وہ وضو کرے گا اور بناء کرے گا (نماز جہاں سے چھوٹی تھی وہیں سے پوری کرے گا) اور اگر نماز میں قصداً کروٹ لیتا تو اُسے وضو کرکے از سر نو پڑھنا ہے۔ ہمارے مشائخ سے ایسا ہی حکایت کیا گیا اھ تو منقول کی طرف رجوع کرو اور اس سے فریب خوردہ نہ ہو جو یہاں مطلق رکھا ہے اھ۔ **اقول: اولا** جب اختلاف تصحیح ہے تو ایک قول پر اکتفاء میں فریب خوردگی کیا؟ **ثانیا** مسئلہ جوہرہ وضو ٹوٹنے کے بارے میں ہے اور یہاں پر فساد نماز کے بارے میں کلام ہے اور ٹوٹنا اس کو مستلزم نہیں کہ نماز بھی فاسد ہو جب کہ قصداً وضو توڑنے کی صورت نہ ہو۔ **ثالثا** محیط کے جزئیہ میں تنہا نیند سے فساد نماز نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ نیند کے ساتھ ہیات حدث کا قصداً ارتکاب بھی ہوگیا ہے پھر ایسے بلند محقق سے یہ اعتراض کیسے؟ اور ان پر علامہ شامی کا اعتماد کیسا؟ وباللہ التوفیق ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ف۱: تطفل علی العلامة الخیر الرملی وش ، ف۲: تطفل اخر علیھما ، ف۳: تطفل ثالث علیھما

---

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الحدث فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۲

سکوتھم قاطبة عن عد تعمد النوم فی المفسدات دلیل علی ذلك لاسیما المتاخرین الذین جنحوا نحو الا ستیعاب مهما حضر کالدر المختار ومراقی الفلاح نعم یفسد اذا تعمده علی هیأة یکون بها حدثا وهم قد ذکروا فی المفسدات تعمد الحدث فقد ترجح ماجزم به هؤلاء الجلة علی ما فی جامع الفقه ان النوم فی الرکوع والسجود لاینقض الوضوء ولو تعمده ولکن تفسد صلاته کما نقله فی البحر [1] عن شرح منظومة ابن وهبان واعتمده ش۔

جئنا علی مااستدرك به ش علی العلامة العلائی قال فی الدر یتعین الاستیناف لجنون اوحدث عمدا و احتلام بنوم [2] الخ قال الشامی افادان النوم بنفسه غیر مفسد لکن هذا اذا کان غیر عمد لمافی حاشیة

دونوں ہی اس میں شامل ہوتے ہیں اسی طرح تعمد نوم کو مفسدات نماز میں شمار کرانے سے ان تمام اہل متون کا سکوت بھی اس پر دلیل ہے خصوصا متاخرین کا سکوت جن کا میلان اس طرح ہوتا ہے کہ جتنی صورتیں بھی متحضر ہوں سب کا استیعاب اور احاطہ کرلیں جیسے در مختار اور مراقی الفلاح، ہاں نیند مفسد اس وقت ہے جب ایسی ہیات پر قصدا سوئے جس پر سونا حدث ہے اور مفسدات نماز میں تعمد حدث مذکور ہے تو ترجیح اسی کو ملی جس پر ان بزرگوں کا جزم ہے جیسا کہ جامع الفقہ میں ہے، رکوع و سجود میں سونا ناقض وضو نہیں اگرچہ قصدا سوئے لیکن اس کی نماز فاسد ہوجائے گی جیسا کہ اسے بحر میں منظومہ ابن وہبان کی شرح سے نقل کیا ہے اور علامہ شامی نے اس پر اعتماد کیا ہے۔

اب ہم اس پر آئے جو علامہ شامی نے علامہ علائی پر استدراک کیا ہے در مختار میں فرمایا، از سر نو پڑھنا متعین ہے جنون کے باعث یا قصدا حدث کی وجہ سے نیند میں احتلام کے سبب الخ۔اس پر علامہ شامی فرماتے ہیں، افادہ ہوا کہ نیند کچھ مفسد نہیں لیکن یہ اس وقت ہے جب نیند بلا قصد ہو اس لئے کہ حاشیہ

Majlis of Dawateislami

[1] البحر الرائق بحوالہ جامع الفقہ کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸

[2] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الاستخلاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۷

نوح افندی النوم اما عمدا ولا فالاول ینقض الوضوء ویمنع البناء والثانی قسمان مالا ینقض ولایمنع البناء کالنوم قائما او راکعا او ساجدا وما ینقض الوضوء ولا یمنع البناء کالمریض اذا صلی مضطجعا فنام ینتقض وضوؤہ علی الصحیح ولہ البناء فغیر العمد لایمنع البناء اتفاقا سواء نقض الوضوء اولا بخلاف العمد اھ ملخصا[1] اھ **اقول:** ھذا[ف] ناطق بملأفیہ انہ ماش علی الروایۃ عن ابی یوسف الا تری انہ جعل نوم العمد مطلقا ناقض الوضوء وھذا خلاف ظاھر الروایۃ المعتمد المختارۃ کما قدم المحشی والشارح وقدمنا نقلہ مع تصحیح المحیط فما کان للعلامۃ ان یعتمد ھذا ھھنا سبحٰن من لاینسی۔	علامہ نوح آفندی میں ہے، سونا یا تو قصدا ہوگا یا بلا قصد اول ناقض وضو اور مانع بناء ہے ثانی کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو نہ ناقض وضو ہے نہ مانع بناء جیسے قیام یا رکوع یا سجود کی حالت میں سونا، دوسری وہ جو ناقض وضو ہے مانع بناء نہیں ہے، جیسے مریض کروٹ لیٹ کر نماز پڑھتے ہوئے سوجائے تو صحیح قول پر اس کا وضو ٹوٹ جائے گا اور وہ بناء کرسکے گا (نماز جہاں سے رہ گئی تھی وہیں سے پوری کرلے گا) تو بلا قصد سونا بناء سے بالاتفاق مانع نہیں خواہ وضو ٹوٹ جائے یا نہ ٹوٹے، بخلاف قصدا سونے کے اھ، ملخصا۔ **اقول:** یہ عبارت بآواز بلند ناطق ہے کہ ان کی مشی امام ابو یوسف کی روایت پر ہے، دیکھئے انھوں نے قصدا سونے کو مطلقا ناقض وضو قرار دیا ہے اور یہ معتمد مختار، ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ محشی وشارح نے پہلے بیان کیا اور ہم اسے محیط کی تصحیح کے ساتھ نقل کرچکے تو علامہ شامی کو یہاں آکر اس پر اعتماد نہ کرنا تھا لیکن پاکی ہے اسی کے لئے جسے نسیان نہیں۔

ف: معروضۃ علی العلامۃ ش۔

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الاستخلاف، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰۶

الرابعة: مسألة ف التنورف مذکورة فی الخانیة وھی الاصل وعنھا نقل فی خزانة المفتین والھندیة وایاھا تبع فی الخلاصة والخلاصة فی البزازیة وعن الخلاصة اثر فی البحر قال الامام قاضی خان رحمه الله تعالٰی ان نام علی راس التنور وھو جالس قد ادلٰی رجلیه کان حدثا لان ذلك سبب لاسترخاء المفاصل[1] اھ وقد قدمنا انھا لاتلتئم علی الضابطة المؤیدة بالحدیث والقیاس الصحیح۔ **قلت:** ولم ارلھا ما اشدھا به الاشیاء ابداہ المحقق فی الفتح توجیھا لمسألة مخالفة لظاھر الروایة واختیار الجمھور وھی مسألة المستند الی مالوازیل سقط حیث قال ظاھر المذھب عن ابی حنیفة عدم النقض بھذا الاستناد ما دامت المقعدة مستمسکة للامن من الخروج والانتقاض	**افادہ رابعہ ۴:** مسئلہ تنور خانیہ میں مذکور ہے، خانیہ ہی اصل ہے اسی سے خزانۃ المفتین اور ہندیہ میں نقل ہے اسی کی پیروی خلاصہ میں ہے اور خلاصہ کی پیروی بزازیہ میں ہے اور خلاصہ ہی سے البحر الرائق میں نقل کیا ہے، امام قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، اگر تنور کے کنارے میں بیٹھا اس میں پاؤں لٹکائے سوگیا تو وضو جاتا رہے گا اس لئے کہ یہ جوڑوں کے ڈھیلے پڑ جانے کا سبب ہوتا ہے اھ۔ اور ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ مسئلہ حدیث اور قیاس صحیح سے تائید یافتہ ضابطے کے برخلاف ہے۔ **قلت** اس کی موافقت میں مجھے کوئی ایسی بات نہ ملی جس سے اس کو تقویت دے سکوں مگر ایک بات جو حضرت محقق نے فتح القدیر میں ظاہر الروایہ اور اختیار جمہور کے مخالف ایک مسئلہ کی توجیہ میں پیش کی ہے وہ مسئلہ اس کی نیند سے متعلق ہے جو ایسی چیز کی طرح ٹیک لگائے ہوئے ہے کہ اگر وہ ہٹادی جائے تو گر جائے، وہ لکھتے ہیں، امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ظاہر مذہب یہی ہے کہ اس ٹیک لگانے سے وضو نہ ٹوٹے گا جب تک مقعد

ف: تحقیق مسئلة النوم علٰی رأس التنّور۔

[1] فتاوی قاضیخان کتاب الطہارۃ فصل فی النوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰

مختار الطحاوی واختارہ المصنّف والقدوری لان مناط النقض الحدث لاعین النوم فلما خفی بالنوم ادیر الحکم علی ماینتهض مظنة له ولذا لم ینقض نوم القائم والراکع والساجد ونقض فی المضطجع لان المظنة منه مایتحقق معه الاسترخاء علی الکمال وهو فی المضطجع لافیها وقد وجد فی هذا النوع من الاستناد اذ لا یمسکه الا السند وتمکن المقعدة مع غایة الاسترخاء لایمنع الخروج اذقد یکون الدافع قویا خصوصا فی زماننا لکثرة الاکل فلا یمنعه الا مسکة الیقظة اھ[1] واقرہ الحلبی فی الغنیة۔	جمی ہوئی رہے اس لئے کہ خروج ریح سے بے خوفی ہوگی اور اس سے وضو ٹوٹ جانے کا حکم امام طحاوی کا مختار ہے اسی کو مصنف اور امام قدوری نے اختیار کیا اس لئے کہ وضو ٹوٹنے کا مدار حدث پر ہے خود نیند پر نہیں چونکہ نیند کی وجہ سے حدث مخفی رہ جائے گا اس لئے حکم کا مدار اس پر رکھا گیا جو وجود حدث کے گمان غالب کا موقع بن سکے، اسی لئے قیام، رکوع او رسجود والے کی نیند ناقض ہے۔اس لئے کہ گمان حدث کا محل وہ نیند ہے جس کے ساتھ استرخاء کامل طور پر متحقق ہو اور یہ کروٹ لیٹنے والے کی نیند میں ہوتا ہے، ان سب میں نہیں ہوتا اور استرخاء اس طرح ٹیک لگانے کی صورت میں بھی موجود ہے اس لئے کہ صرف ٹیک نے اس کو روک رکھا ہے اور کمال استرخاء ہوتے ہوئے مقعد کا مستقر ہونا خروج ریح سے مانع نہیں اس لئے کہ ہمارے زمانے میں، کیوں کہ کھانا زیادہ کھایا کرتے ہیں تو اس کے لئے مانع صرف بیداری کی بندش ہی ہوگی اھ--اس کلام کو حلبی نے بھی غنیہ میں برقرار رکھا۔
اقول: وقوله لایمنعه الامسکة الیقظة ای عند وجود	**اقول:** ان کے قول اس کے لئے مانع صرف بیداری کی بندش ہی ہوگی، کا معنی یہ ہے

[1] فتح القدیر کتاب الطهارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۳

نهایة الاسترخاء بخلاف القائم والراکع و الساجد علی هیأة السنة فلا یرد ان هذا التقریر یوجب النقض بالنوم مطلقا وهو خلاف ما اجمعنا علیه۔	کمال استرخاء کی صورت میں مانع صرف یہی ہوگی بخلاف اس کے جو قیام یا رکوع یا سنت طریقہ پر سجدہ کی حالت میں ہو تو یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ اس تقریر پر تو مطلقاً ہر نیند ناقض وضو ہوگی، اور یہ ہمارے اجماع کے بر خلاف ہے۔
لکنی **اقول**: کمال ف۱ الاسترخاء مظنة الخروج وتمکن المقعدة مظنة منعه فیتعارضان ولا یثبت النقض بالشك ولا نسلم ان قوة الدافع بحیث لایقاومه التمکن بلغ من الکثرة مایعدبه غالبا ولامظنة الابالغلبة وکیفما کان فمخالفته للمذهب ولجمهور اهل الاختیار عَلَم کاف علی تقاعده عن الحجیة۔	**لیکن میں کہتاہوں** کمال استرخا گمان خروج کی جگہ ہے او رمقعد کا استقرار منع خروج کے گمان کی جگہ ہے اس لئے دو نوں میں تعارض ہوگا اور شک سے نقض کا ثبوت نہ ہوگا اور یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ دافع کی اتنی قوت کا استقرار اس کی مقاومت نہ کرسکے کثرت کی اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ اس کو غالب واکثر شمار کر لیاجائے اور جائے گمان کا ثبوت غالب واکثر ہونے ہی سے ہوتا ہے اور جو بھی ہو مذہب اور جمہور اہل ترجیح کے مخالف ہونا ہی اس کی بات کی کافی علامت ہے کہ وہ حجت بننے کے قابل نہیں۔
بل **اقول**: وبالله التوفیق مسئلة التنور لاتلتئم علی هذا ایضا لان تحقیق ف۲ هذا القول علی ماالهمنی ذوالطول ان الحالات ثلث وذلك ان نفس وجود الاسترخاء لازم النوم مطلقا ثم یبقی معه بعض الاستمساك	بلکہ **میں کہتاہوں** اور توفیق خدا ہی کی طرف سے ہے-- تنور کا مسئلہ اس سے بھی موافقت نہیں رکھتا -- اس کے لئے اس قول کی تحقیق-- جیسا کہ رب کریم نے میرے دل میں القا کی---یہ ہے کہ تین حالتیں ہوتی ہیں وہ یوں کہ نفس استرخاء تو نیند کے لئے مطلقاً لازم ہے پھر استرخاء کے ساتھ کچھ بندش باقی رہتی ہے

ف۱: تطفل علی الفتح۔

ف۲: تحقیق مناط النقض بالنوم علی مختار الهدایة۔

مالم يستغرق فاما غالبا كالنوم قائما او راكعا اوعلى هيأة السنة ساجدا فان بقاء ه على تلك الهيات دليل واضح على غلبة الاستمساك اومغلوبا كالنوم قاعدا او راكبا وينتفى اصلا فى صورة الاضطجاع والاسترخاء و نحوهما فالاول لاينقض مطلقا والثالث ينقض من دون فصل ومنه المتكيئ الى مالو ازيل سقط لان عدم سقوطه ليس لبقاء شيئ من المسكة فيه بل للسند كميت يسند الى شيئ والثانى يفصل فيه فان كان متمكن المقعدة لم ينقض لان التمكن يعارض غلبة الاسترخاء والانقض والنوم على راس التنور جالسا متمكنا مدليا من القسم الثانى قطعا دون الثالث اذلو انتفى التماسك لسقط بل كون الجلوس على راس وطيس حام ربما يوجب تيقظ القلب اكثر مما لو كان حيث لامخافة فى السقوط فيكون التمكن مانعا للنقض وهو الموافق للضابطة۔

ولكن هيبة تلك الكتب الكبار كانت تقعد فى عن الاجتراء على انكارهذا الفرع حتى رأيت الامام ابن امير الحاج الحلبى رحمه الله تعالٰى اورده فى

جب تک کہ استغراق نہ ہو، اب یہ بندش یا تو غالب ہوتی ہے جیسے قیام یا رکوع یاسنت طریقہ پر سجدہ کی حالتوں میں سونا کیونکہ سونے والے کاان حالتوں پر برقرار رہنااس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ بندش غالب ہے--- یا یہ بندش مغلوب ہوتی ہے جیسے بیٹھے ہوئے یا سوار ہونے کی حالت میں سونا اور کروٹ لیٹنے، چت لیٹنے اور ان دونوں جیسی صورتوں میں بندش بالکل ہی ختم ہوجاتی ہے پہلی صورت مطلّقا ناقض نہیں، اور تیسری صورت بغیر کسی تفصیل کے ناقض ہے اور اسی قسم میں وہ شخص داخل کیاجائے تووہ گرپڑے، کیونکہ اس کا نہ گرنابندش کے باقی رہ جانے کے باعث نہیں بلکہ محض ٹیک کی وجہ سے ہے جیسے مردے کو سہارے سے کھڑا کردیا جائے، اور دوسری صورت میں تفصیل ہے اگر مقعد کو پوری طرح جماؤ حاصل ہے تو ناقض نہیں اس لئے کہ استقرار غلبہ استرخاء کے معارض ہے، اور ایسا نہ ہو تو ناقض ہے، اور تنور کے کنارے بیٹھ کر اس میں پیر لٹکائے استقرار مقعد کے ساتھ سونا قطعاً قسم دوم سے ہے قسم سوم سے نہیں اس لئے کہ بندش اگر ختم ہوجاتی تو گرجاتا بلکہ گرم تنور کے سرے پر بیٹھنا ایسی جگہ سے زیادہ بیدار قلبی کا موجب ہے جہاں گرنے کا اندیشہ نہ ہو تو یہ استقرار نقض وضو سے مانع ہوگا یہی ضابطہ کے مطابق ہے۔

لیکن ان بڑی بڑی کتابوں کی ہیبت اس جزئیہ کے انکار کی جسارت سے مجھے روکتی تھی یہاں تک کہ میں نے امام ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ حلیہ میں یہ جزئیہ خانیہ سے نقل کیا

الحلیة عن الخانیة ثم قال وھو غیر ظاھر بل الاشبه عدم النقض لان مظنة الحدث من النوم مایتحقق معه الاسترخاء علی وجه الکمال والظاھر عدم وجود ذلك والا لسقط لفرض عدم المانع من استناد اوغیرہ [1] اھ ومع ذلك احببت ان یجدد الوضوء ان وقع ذلك لانھا صورة نادرة فلا علینا ان نعمل فیھا بالاحتیاط بمعنی الخروج عن العھدة بیقین وان کان حقیقة الاحتیاط ھو العمل باقوی الدلیلین۔

ثم الذی سبق منه الی ذھن الحلیة ان سبب الاسترخاء نفس الادلاء حیث قال فالقیاس علی ھذا یفید انه لورکب علی اکاف علی الدابة فادلی رجلیه من الجانبین کما یفعله بعضھم انه ینقض وھو غیر ظاھر [2] الخ

قلت ھکذا فی نسختی وھی سقیمة جدا والظاھر فادلی رجلیه من احد الجانبین لان ھذا

پھر لکھا، یہ غیر ظاہر ہے بلکہ اشبہ ناقض نہ ہونا ہے اس لئے کہ مظنہ حدث (گمان حدث کا محل) وہ نیند ہے جس کے ساتھ استرخاء کامل طور پر متحقق ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسا استرخاء کامل طور پر متحقق ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسا استرخا متحقق نہ ہوگا ورنہ گرجائے گا کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ ٹیک لگانا یا اس طرح کا اور کوئی مانع نہیں ہے، اھ اس کے باوجود میں نے پسند یہ کیا کہ اگر یہ صورت واقع ہوجائے تو تجدید وضو کرلے کیونکہ یہ ایک نادر صورت ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ ہم احتیاط پر عمل کرلیں، احتیاط کا معنی یہ کہ یقینی طور پر عہدہ برآ ہوجائیں اگرچہ حقیقت احتیاط یہی ہے کہ قوی تر دلیل پر عمل ہو۔

پھر اس جزئیہ سے صاحب حلیہ کا ذہن اس طرف گیا کہ استرخا کا سبب خود پاؤں لٹکانا ہے اس طرح کہ وہ فرماتے ہیں، اس پر قیاس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر کسی جانور کے پالان پر سوار ہو کر دونوں جانب سے دونوں پاؤں لٹکالئے، جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں تو وضو ٹوٹ جائے اور یہ غیر ظاہر ہے الخ۔

قلت میرے نسخہ حلیہ میں اسی طرح ہے اور یہ نسخہ بہت سقیم ہے، ظاہر یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہوگی، فادلی رجلیہ من احد

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

هو الذی یفعله البعض دون العامة وھو المشابه للا دلاء فی التنویر فسقط لفظ احد من قلم الناسخ۔	الجانبین، ایک جانب سے اپنے دونوں پاؤں لٹکائے، اس لئے کہ اکثر کے برخلاف بعض لوگ اسی طرح کرتے ہیں اور یہی تنور میں پاؤں لٹکائے کے مشابہ بھی ہے تو کاتب کے قلم سے لفظ "احد" چھوٹ گیا ہے۔
اقول: لکن یرد علیه ان ف۱ الادلاء ان کان سببه فالادلاء من الجانبین اولٰی لزیادة انفراج یحصل به فی المقعدة مع ان المصرح به فی الخانیة نفسها والکتب قاطبة انه ان نام علی ظهر الدابة فی سرج اواکاف لاینتقض وضوؤه لعدم استرخاء المفاصل[1]۔اھ	**اقول:** لیکن اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں **اول** اگر استر خاکا سبب پاؤں لٹکانا ہے تو دونوں جانب سے پاؤں لٹکانا بدرجہ اولی اس کا سبب ہوگا اس لئے کہ اس سے مقعد کو زیادہ کشادگی مل جاتی ہے باوجودیکہ خود خانیہ میں اور تمام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ اگر جانور کی پشت پر زین یا پالان میں سوگیا تو وضو نہ ٹوٹے گا اس لئے کہ استرخائے مفاصل نہ ہوگا (جوڑ ڈھیلے نہ پڑیں گے)اھ
وثانیا قد قال ف۲ فی الخلاصة وغیرها ان نام متربعا لاینقض الوضوء وکذا لونام متورکا وھو ان یبسط قدمیه عن جانب ویلصق الیتیه بالارض[2]اھ	**دوم** خلاصہ وغیرہا میں ہے اگر چار زانو بیٹھ کر سوگیا تو وضو نہ ٹوٹے گا اسی طرح اگر بطور تورک بیٹھ کر سوگیا، تورک کی صورت یہ ہے کہ دونوں پاؤں ایک طرف کو پھیلادے اور سرینوں کو زمین سے ملادے اھ۔
فلا یدخل الادلاء المذکور	تو کیا تنور میں پاؤں لٹکانے کی مذکورہ صورت

ف۱: تطفل علی الحلیة۔ ف۲: تطفل اٰخر علیها۔

[1] فتاوی قاضی خان، کتاب الطہارۃ، فصل فی النوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۹

فی ھذا التفسیر بل ھو امکن للمقعدۃ من بسط القدمین علی محل مستو کما لایخفی۔

بل الوجه عندی ان المراد تنور حام فیه شیئ من الجمرات اوبقیة من حرارۃ الایقاد کما اومأت الیه فان الحر یوجب الارخاء ولذا عبروا بالتنور دون الکرسی مع کون الجلوس علی التنور بھذا الوجه فی غایة الندور علی الکرسی معھود مشھور واللہ تعالٰی اعلم۔

الخامسة النوم ^ف۱^ لیس بنفسه حدثا بل لما عسی ان یخرج وعلیه العامة بل حکی فی التوشیح الاتفاق علیه وھو الحق لحدیث ان العین وکاء السه [1] ولذا لم ینتقض ^ف۲^ وضوؤہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالنوم

اس صورت میں داخل نہ ہو گی بلکہ اس میں مقعد کو زیادہ قرار ہوگا بہ نسبت اس کے کہ دونوں پاؤں کسی ہموار جگہ پھیلائے جائیں، جیساکہ واضح ہے۔

بلکہ میرے نزدیک وجہ یہ ہے کہ مراد ایسا گرم تنور ہے جس میں کچھ انگارے ہیں یا بھڑ کانے سے جو گرمی پیدا ہوئی تھی کچھ باقی رہ گئی ہے جیساکہ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا اس لئے کہ گرمی اعضامیں ڈھیلا پن لانے کا سبب ہوتی ہے اسی لئے تنور سے تعبیر کی گئی ہے کرسی سے تعبیر نہ ہوئی باوجود یکہ تنور پر اس انداز سے بیٹھنا انتہائی نادر ہے اور کرسی پر بیٹھنا معروف ومشہور ہے واللہ تعالٰی اعلم

افادہ خامسہ ۵: نیند بذات خود حدث نہیں بلکہ خروج ریح کا گمان غالب ہونے کی وجہ سے حدث ہے اسی پر عامہ علماء ہیں بلکہ توشیح میں اس پر اجماع واتفاق کی حکایت کی ہے اور یہی حق ہے اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ آنکھ مقعد کا بندھن ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا وضو نیند سے نہیں

ف۱: مسئلہ: نیند خود ناقض وضو نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ سوتے میں خروج ریح کا ظن غالب ہے۔

ف۲: مسئلہ: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو سونے سے نہ جاتا۔

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ بکر بن یزید ۳۵۲۷ دار الکتاب العربی بیروت ۹۲/۷، سنن الدار قطنی باب فیما روی فیمن نام قاعدا الخ حدیث ۵۸۶ دار المعرفہ بیروت ۳۷۷/۱

کما ثبت فی الصحیحین [1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وذلك لقولہ ف صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم ان عینی تنامان ولاینام قلبی رواہ الشیخان [2] عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا وعدوہ من خصائصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما فی الفتح عن القنیۃ [3] **قلت** ای بالنسبۃ الی الامۃ والا فالا نبیاء جمیعا کذلك علیہم الصلاۃ والسلام لحدیث الصحیحین عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الانبیاء تنام اعینہم ولا	ٹوٹتا جیسا کہ صحیحین (بخاری ومسلم) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے۔اور اس کا سبب حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے بیشک میری آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتا اسے شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور اسے علماء نے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص سے شمار کیا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں قنیہ سے منقول ہے۔ **قلت** یعنی امت کے لحاظ سے سرکار کی یہ خصوصیت ہے ورنہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا یہی وصف ہے اس لئے کہ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں

ف: انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل کبھی نہیں سوتا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء ۱/ ۲۷و۳۰ وکتاب الاذان ۱/ ۱۱۹و ابواب الوتر ۱/ ۱۳۵ قدیمی کتب خانہ کراچی، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۸۳، صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ ودعائہ باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۰، صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ ودعائہ باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۴

[2] صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ ودعائہ باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۴، صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۴

[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۴

تنام قلوبهم [1] فاندفع ف۱ مافی کشف الرمز ان مقتضی کونه من الخصائص ان غیره صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الانبیاء علیهم الصلاة والسلام لیس کذلك [2] اھ	سوتے، تو (خصوصیت بہ نسبت امت مراد لینے سے) وہ شبہ دور ہوگیا جو کشف الرمز میں پیش کیا ہے کہ اس امر کے خصائص سرکار سے ہونے کا مقتضایہ ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ السلام کا یہ حال نہیں اھ
وهل یجوز ان ف۲ یکون ذلك لاحد من اکابر الامة وراثة منه صلی الله علیه وسلم قال المولی ملك العلماء بحرالعلوم عبدالعلی محمد رحمه الله تعالٰی فی الارکان الاربعة ان قال احد ان کان فی اتباع رسول الله صلی الله علیه وسلم من بلغ رتبة لایغفل فی نومه بقلبه انما تغفل	**کیا یہ ہوسکتا ہے** کہ سرکار اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی وارثت کے طور پر ان کی امت کے اکابر میں سے کسی کو یہ وصف مل جائے؟ ملک العلما بحر العلوم مولانا عبدالعلی محمد رحمۃ اللہ تعالی ارکان اربعہ میں لکھتے ہیں: اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے متبعین میں سے کوئی اس رتبہ کو پہنچ گیا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی برکت سے نیند میں اس کا دل

ف۱: تطفل علی العلامة المقدسی۔

ف۲: ملک العلماء بحر العلوم مولنا عبدالعلی نے فرمایا کہ اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی وراثت سے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی یہ مرتبہ تھا کہ حضور کا وضو سونے سے نہ جاتا، آنکھیں سوتیں دل بیدار رہتا، اور اکابر اولیاء جو اس مرتبہ تک پہنچے ہوں اگرچہ حضور غوث اعظم کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتے تو یہ کہنا حق سے بعید نہ ہوگا، اور مصنف کا حدیث سے اس کی تائید کرنا۔

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم تنام عینہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۴، کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن انس حدیث ۳۲۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۷۷

[2] فتح المعین بحوالہ کشف الرمز کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۷

عیناہ بیمن اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالشیخ الامام محی الدین عبدالقادر الجیلانی قدس سرّہ وغیرہ ممن وصل الی ھذہ الرتبۃ وان لم یصل مرتبتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن قولہ بعیدا عن الصواب فافھم[1] اھ

اقول: لیس من الشرع حجر فی ذلك انہ لایجوز الا لنبی والامرفیہ وجد انی یعلمہ من یرزقہ فلاوجہ للانکار وقداخرج الترمذی وقال حسن عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمکث ابو الدجال وامہ ثلثین عاما لایولد لھما ولد ثم یولد لھما غلام اعوراضر شیئ واقلہ منفعۃ تنام عیناہ ولاینام قلبہ[2] الحدیث۔

وفیہ ولادۃ ابن صیادو قول والدیہ الیھودیین ولدلنا غلام اعوراضر شیئ و

غافل نہ ہوتا صرف اس کی آنکھیں غافل ہوتیں، جیسے امام محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اور ان کے علاوہ وہ اکابر جن کا یہ وصف رہا ہو اگرچہ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مرتبے تک ان کی رسائی نہ ہو، تو یہ قول حق سے بعید نہ ہوگا، فافہم اھ۔

اقول: شریعت سے اس بارے میں کوئی روک نہیں کہ یہ نبی کے سوااور کے لئے نہیں ہوسکتا۔ یہ معاملہ وجدان کا ہے جسے یہ نصیب ہو وہی اس سے آشنا ہوگا تو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ ترمذی نے حسن بتاتے ہوئے۔ حضرت ابوبکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: دجال کا باپ اور اس کی ماں تیس سال تک اس حال میں رہیں گے کہ ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا پھر ان کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو ایک آنکھ کا ہوگا ہر چیز سے زیادہ ضرر والا اور سب سے کم نفع والا، اس کی آنکھیں سوئیں گی اور اس کا دل نہ سوئے گا۔ الحدیث۔

اور اس حدیث میں ابن صیاد کے پیدا ہونے اور اس کے یہودی ماں باپ کے یہ کہنے کا بھی ذکر ہے کہ ہمارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے

[1] رسائل الارکان، الرسالۃ الاولی فی الصلوۃ، فصل فی الوضو، مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ، ص ۱۸

[2] رسائل الارکان الرسالۃ الاولی فی الصلوۃ فصل فی الوضو مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۸

اقله منفعة تنام عيناه ولاينام قلبه [1] وفيه قوله عن نفسه نعم تنام عيناى ولا ينام قلبى [2] قال القارى قال القاضى رحمهما الله تعالٰى اى لاتنقطع افكاره الفاسدة عنه عند النوم لكثرة وساوسه وتخيلاته وتواتر مايلقى الشيطان اليه كما لم يكن ينام قلب النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم من افكاره الصالحة بسبب ماتواتر عليه من الوحى والالهام [3] اھ **اقول:** لقدثقلت فـ هذه الكاف على واحسن منه قول مرقاة الصعود ان هذا كان من المكربه ليستيقظ القلب فى الفجور والمفسدة ليكون ابلغ فى عقوبته بخلاف استيقاظ قلب المصطفٰى صلى الله تعالٰى	جو ایک آنکھ کا ہے ہر چیز سے زیادہ ضرر والا اور سب سے کم نفع والا، اس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا۔ اور اس میں خود ابن صیاد کا اپنے متعلق یہ قول مذکور ہے کہ ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔ مولانا علی قاری لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمہا اللہ تعالٰی نے فرمایا، یعنی سونے کے وقت بھی اس کے فاسد خیالات کا سلسلہ اس سے منقطع نہ ہوگا کیونکہ اس کے لئے وسوسوں اور خیالات کی کثرت ہوگی متواتر و مسلسل شیطان اسے یہ سب القا کرتا رہے گا جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا قلب ان کے صالح و پاکیزہ افکار سے خوابیدہ نہ ہوتا کیونکہ مسلسل ان پر وحی والہام ہوتا رہتا اھ۔ **اقول:** یہ "جیسے" مجھ پر گراں گزر رہا ہے، اس سے بہتر مرقاۃ الصعود میں امام جلال الدین سیوطی کی عبارت ہے وہ لکھتے ہیں: "یہ اس کے ساتھ خفیہ تدبیر تھی کہ فساد وفجور میں اس کا دل بیدار رہے تاکہ اس کا عقاب بھی سخت تر ہو بخلاف قلب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی بیداری کے کہ

فـــ: تطفل على الامام القاضى عياض والعلامة على القارى۔

[1] سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد حدیث ۲۲۵۵ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۰۹

[2] سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی ذکر ابن صیاد حدیث ۲۲۵۵ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۰۹

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب الفتن باب قصہ ابن صیاد تحت الحدیث ۵۵۰۳ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۹/ ۴۳۴

علیه وسلم فانه فی المعارف الالٰهية ومصالح لاتحصی فهو رافع لدرجاته ومعظم لشانه[1] اھ وبالجملة اذا جاز هذا للدجال ولابن صیاد استدراجالهما فلان یجوز لکبراء الامة بوراثة المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اولی واحری۔

ثم رأیت العارف بالله سیدی عبدالوهاب الشعرانی قدس سرّہ الربانی نقل فی المبحث الثانی والعشرین من کتاب الیواقیت والجواهر عن سیدی الشیخ محمّد المغربی رحمه الله تعالٰی انه کان رضی الله تعالٰی عنه یقول ان من ادعی رؤیة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما رأته الصّحابة فهو کاذب وان ادعی انه یراه بقلبه حال کون القلب یقظانا فهذا لایمنع منه وذلك لان من بالغ فی کمال الاستعداد بتنطیف القلب من الرذائل المذمومة حتی من خلاف الاولی صار محبوباللحق تعالٰی واذا احب الحق تعالٰی عبدا کان فی نومه من کثرة

وہ معارف الٰہیہ اور مصالح بے حد و شمار میں ہوتی وہ ان کے درجات کی بلندی اور شان گرامی کی عظمت کا سبب تھی اھ۔
الحاصل جب یہ بطور استدراج دجال اور ابن صیاد کے لئے ہوسکتا ہے تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی وراثت میں ان کی امت کے بزرگوں کے لئے بدرجہ اولی ہوسکتا ہے۔
پھر میں نے دیکھا کہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے اپنی کتاب "الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر" کے بائیسویں مبحث میں سیدی شیخ محمد مغربی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے کہ جو یہ دعوی کرے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح دیکھا ہے جیسے صحابہ کرام نے دیکھا تو وہ جھوٹا ہے۔اور اگر یہ دعوی کرے کہ وہ قلب کے بیدار ہونے کی حالت میں اپنے قلب سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا ہے تو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس لئے کہ جو شخص بری عادات یہاں تک کہ خلاف اولی سے بھی دل کو صاف ستھرا کرکے کمال استعداد پیدا کرلے وہ حق تعالٰی کا محبوب بن جاتا ہے اور جب حق تعالٰی کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو وہ اپنی نورانیت قلب کی فراوانی

[1] مرقاۃ الصعود الی سنن ابی داؤد للسیوطی

نورانیة قلبه کانه یقظان [1] الخ ثم رأیت ولله الحمد ماھو اصرح قال سیدنا الشیخ الاکبر رضی الله تعالٰی عنه فی الباب الثامن والتسعین من الفتوحات المکیة من شرط الولی الکامل ان لاینام له قلب بحکم الارث لرسول الله صلی الله علیه وسلم وذلك لان الکامل مطالب بحفظ ذاته الباطنة عن الغفلة کما یحفظ ذاته الظاھر [2] اھ ونقله المولی الشعرانی فی الکبریت [3] الاحمر مقرا علیه والله تعالٰی اعلم ثم وقع ف الخلف بینهم فی سائر النواقض سوی النوم ھل تکون ناقضة من الانبیاء علیهم الصلٰوة والسلام ام لا۔ **اقول:** ای ماامکن منها	کی وجہ سے خواب کی حالت میں بھی گویا بیدار ہوتا ہے الخ۔اھ۔ پھر میں نے اس سے بھی زیادہ صریح دیکھا۔ وللہ الحمد۔ سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ کے باب ۹۸ میں لکھتے ہیں: ولی کامل کی شرط یہ ہے کہ بحکم وراثت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اس کا قلب نہ سوئے اس لئے کہ کامل سے اس امر کا مطالبہ ہے کہ وہ اپنی ذات باطن کو غفلت سے محفوظ رکھے جیسے اپنی ذات ظاہر کو بیداری کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے اھ۔ اسے امام شعرانی نے کبریت احمر میں نقل کر کے برقرار رکھا ہے واللہ تعالٰی اعلم پھر ان حضرات کے درمیان یہ اختلاف ہوا کہ نیند کے سوا دیگر نواقض سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو جاتا یا نہیں؟ **اقول:** مراد وہ نواقض ہیں جو حضرات

ف: **مسئلہ:** نیند کے سوا باقی اور نواقض سے بھی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو جاتا یا نہیں، اس میں اختلاف ہے، علامہ قہستانی وغیرہ نے فرمایا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو کسی طرح نہ جاتا اور مصنف کی تحقیق کہ نواقض حکمیہ مثل خواب وغشی سے نہ جاتا اور نواقض حقیقیہ مثل بول وغیرہ سے ان کی عظمت شان کے سبب جاتا رہتا۔

[1] الیواقیت والجواھر المبحث الثانی والعشرون داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۳۹

[2] الفتوحات المکیۃ الباب الثامن والتسعون فی معرفۃ مقام السھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۸۲

[3] الکبریت الاحمر مع الیواقیت والجواہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۸و۲۲۹

علیھم لاکجنون ف۱ اوقھقھۃ ف۲ فی الصلاۃ وماضاھا ھما مما ف۳ ھو محال علیھم صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیھم ففی الدر المختار العتہ ف۴ لاینقض کنوم الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام وھل ینقض اغماؤھم وغشیھم ظاھر کلام المبسوط نعم [1] اھ واعترضہ السید علی الازھری بعبارۃ القھستانی لانقض من الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام فلاحاجۃ الی تخصیص النوم بعدم النقض وحینئذ یکون وضوؤھم تشریعا للامم [2] اھ۔	انبیاء علیہم السلام کے لئے ممکن ہیں وہ نہیں جوان کے لئے محال ہیں صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم، جیسے جنون یا نماز میں قہقہہ اور اس کے مثل۔ در مختار میں ہے عتہ (جنون سے کم درجہ کا ایک دماغی خلل) کسی کے لئے ناقض وضو نہیں، جیسے انبیاء علیہم الصلوہ والسلام کی نیند ناقض وضو نہیں۔ ان حضرات کے لئے اغماء اور بیہوشی ناقض ہے یا نہیں؟ مبسوط کا کلام اثبات میں ہے اھ۔ اس پر سید علی ازہری نے قہستانی کی یہ عبارت پیش کی: "انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو کسی طرح نہ جاتا"۔ اور در مختار پر اعتراض کیا کہ جب حکم عام ہے تو نیند کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اس صورت میں ان حضرات کا وضو فرمانا امتوں کے لئے شریعت جاری کرنے اور قانون بنانے کے لئے تھا" اھ۔

ف۱: **مسئلہ**: جنون سے وضو جاتا رہتا ہے۔

ف۲: **مسئلہ**: نماز جنازہ کے سوا اور نماز میں بالغ آدمی جاگتے میں ایسا ہنسے کہ اوروں تک ہنسی کی آواز پہنچے تو وضو بھی جاتا رہے گا۔

ف۳: **مسئلہ**: بعض نواقض وضوء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لئے یوں ناقض نہیں کہ ان کا وقوع ہی ان سے محال ہے جیسے جنون یا نماز میں قہقہہ۔

ف۴: **مسئلہ**: بوہرا ہو جانا یعنی دماغ میں معاذ اللہ خلل پیدا ہو رہے فاسد ہو جائے آدمی کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے کبھی پاگلوں کی سی، مگر مجنون کی طرح لوگوں کو مارتا گالیاں دیتا نہ ہو تو اس حالت کے پیدا ہونے سے وضو نہیں جاتا۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارت المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۸۲، فتح المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۷

وتبعه ولده السيد ابو السعود لكن استثنى الاغماء والغشى بدليل ماعن المبسوط قال واصرح منه ماوجدته بخط شيخنا (اى ابيه) حيث قال ونوم الانبياء لاينقض واغماؤهم وغشيهم ناقض [1] اھ قال والحاصل ان ماذكره القهستانى من تعميم عدم النقض بالنسبة لما عدا الاغماء والغشى والايلزم ان يكون كلامه منافيا لما سبق عن المبسوط [2] اھ ورأيتنى كتبت عليه **اقول اولا** ف۱ لاغروفى المنافاة بعد اختلاف الروايات وثانيا لايظهر ولن يظهر ف۲ وجه اصلايفيد النقض بالغشى والاغماء لابالفضلات بل الظاهر ان الغشى والاغماء لابالفضلات بل الظاهر ان الغشى والاغماء مثل النوم لان النقض بهما انما هو حكما لما عسى ان يخرج فالظاهر عدم نقض وضوئهم صلى الله تعالٰى عليهم وسلم بهما مثله و	اس کلام پر ان کے فرزند سید ابو السعود نے بھی ان کا تباع کیا مگر عبارت مبسوط کے پیش نظر اغماء اور غشی کا استثناء کیا اور فرمایا اس سے زیادہ صریح وہ ہے جو میں نے اپنے شیخ یعنی اپے والد کی تحریر میں پایا انہوں نے لکھا ہے کہ انبیاء کی نیند ناقض نہیں اور ان کا اغما اور غشی ناقض ہے اھ۔انہوں نے کہا کہ حاصل یہ ہے کہ قہستانی نے وضو نہ جانے کا حکم جو عام بتایا ہے وہ اغما و غشی کے ماسوا کے لئے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ ان کا کلام مبسوط کی سابقہ عبارت کے مخالف ہو اھ۔ میں نے اس پر یہ حاشیہ لکھا ہے **اقول** **اولا** روایات میں اختلاف ہونے کی صورت میں اگر منافات ہوگئی تو کوئی حیرت کی بات نہیں ثانیا کوئی ایسی وجہ ظاہر نہیں اور نہ ہرگز کبھی ظاہر ہو گی جو یہ افادہ کرے کہ فضلات سے تو وضو نہ جائے اور غشی و اغما سے چلا جائے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ غشی اور اغما نیند کی طرح ہیں اس لئے کہ ان دونوں سے وضو ٹوٹنے کا حکم خروج ریح کے گمان غالب کے باعث ہے تو ظاہر یہ ہے۔ کہ نیند کی طرح ان دونوں سے بھی حضرات انبیاء صلی اللہ تعالی علیہم وسلم کا وضو

ف۱: تطفل علی سید ابو السعود۔

ف۲: تطفل اخر علیہ۔

1 فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۷

2 فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۷

ان قیل بالنقض بمثل البول لالانه منهم نجس حقیقة بل لانه نجس فی حقهم خاصة لعظم شانهم وعلو مکانهم علیهم الصلاة والسلام ابدا من رحمانهم[1] اهـ۔ ثم رأیت العلامة ط نقل فی حاشیة المراقی بعد جزمه ان لانقض من الانبیاء علیهم الصّلاة والسلام (ماینحو منحی بعض ماذکرت حیث قال) بحث فیه بعض الحذاق بانه اذا کان الناقض الحقیقی المتحقق غیر ناقض فالحکمی المتوهم اولی علی ان مافی المبسوط لیس بصریح ولوسلم فیحمل علی انه روایة[2] اھ واعتمد فی حاشیة الدر مامشی علیه ابو السعود قال"وظاهره ان الاغماء والغشی نفسهما ناقضان لاما لایخلوان عنه والا لکانا غیرناقضین فی حقهم ایضا[3] اھ" **اقول:** هذا ف ان تم یصلح	نہ جائے، اگرچہ پیشاب جیسی چیز سے وضوجانے کا حکم کیا جائے اس وجہ سے نہیں کہ ان سے یہ حقیقۃً نجس ہے بلکہ ان کی عظمت شان اور بلندی مرتبت کی وجہ سے خاص ان کے حق میں حکماً نجس ہے ان پر ان کے رب رحمٰن کی طرف سے دائمی درود وسلام ہو۔اھ حاشیہ ختم پھر میں نے دیکھا کہ علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں پہلے تو اس پر جزم کیا کہ کسی چیز سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو نہ جاتا پھر کچھ ویسا ہی کلام ذکر کیا جو میں نے لکھا ،وہ فرماتے ہیں اس میں بعض ماہرین نے بحث کی ہے کہ جب ناقض حقیقی متحقق ناقض نہیں تو حکمی متوہم بدرجہ اولی نہ ہوگا علاوہ ازیں مبسوط کی عبارت صریح نہیں اگرچہ مان بھی لی جائے تو اس پر محمول ہوگی کہ وہ ایک روایت ہے اھ اور انہوں نے در مختار کے حاشیہ میں اس پر اعتماد کیا ہے جس پر ابو السعود گئے ، لکھتے ہیں ، "اور ظاہر یہ ہے کہ اغماو غشی بذات خود حدث ہیں اس ظن ریح کے باعث نہیں جس سے یہ دونوں خالی نہیں ہوتے ورنہ ان حضرات کے حق میں یہ دونوں بھی ناقض نہ ہوتے۔اھ " اقول یہ کلام اگر تام ہو تو بعض ماہرین

ف: معروضة علی العلامة ط۔

[1] حواشی فتح المعین للامام احمد رضا قلمی فوٹو ص ا

[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل ینقض الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۰و۹۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطھارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۸۲

جوابا عن بحث بعض الحذاق لکن ف۱ الذی علیه کلمات العلماء عدهما کالنوم من النواقض الحکمیة وھو مفاد الھدایة حیث علل الاغماء بالاسترخاء ونقل العلامه ش عن ابن عبد الرزاق عن المواھب اللدنیة نبه السبکی علی ان اغماء ھم ف۲ علیهم الصلاۃ والسلام یخالف اغماء غیرھم وانما ھو عن غلبة الاوجاع للحواس الظاھرۃ دون القلب وقد ورد تنام اعینھم لاقلوبھم فاذا حفظت قلوبھم من النوم الذی ھو اخف من الاغماء فمنه بالاولی[1] اھ وبه یتجه البحث۔	کی اس بحث کا جواب ہوسکتا ہے۔ لیکن کلمات علماء جس پر ہیں وہ یہی ہے کہ ان دونوں کا شمار نواقض حکمیہ میں ہے یہی ہدایہ کا بھی مفاد ہے اس لئے کہ اغما کے ناقض ہونے کی علت ۔استرخا بتائی علامہ شامی نے ابن عبدالرزاق کے حوالے سے مواہب لدنیہ سے نقل کیا ہے کہ علامہ سبکی نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام کو غش آنا دوسروں کے برخلاف ہے ان کا اغما قلب پر نہیں بلکہ صرف حواس ظاہرہ پر درد وتکلیف کے غلبہ سے ہوتا ہے اور حدیث میں وارد ہے کہ ان کی آنکھیں سوتی ہیں اور دل نہیں سوتے توجب ان کے قلب اغما سے ہلکی چیز نیند سے محفوظ رکھے گئے تو اغما سے بدرجہ اولی محفوظ ہوں گے اھ اس سے اس بحث کی وجہ اور دلیل ظاہر ہوجاتی ہے۔
قلت والعجب ف۳ ان السید ط ذکرہ ھذا الاستظھار عاد فاورد البحث ثم قال ھذا ینافی ما ذکرہ الملا علی القاری فی شرح الشفاء من الاجماع	**قلت** عجب یہ کہ سید طحطاوی اس استظہار کے بعد پلٹ کر پھر وہی بحث لائے، پھر کہا: "یہ اس کے منافی ہے جو ملا علی قاری نے شرح شفا میں بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ حضور

ف۱: **مسئلہ:** غشی وبیہوشی سے وضو جاتا ہے مگر یہ خود ناقض وضو نہیں بلکہ اسی ظن خروج ریح وغیرہ کے سبب سے۔

ف۲: غشی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے جسم ظاہری پر بھی طاری ہوسکتی دل مبارک اس حالت میں بھی بیدار وخبردار رہتا۔

ف۳: معروضة اخری علی العلامة ط

[1] ردالمحتار کتاب الطھارۃ مطلب نوم الانبیاء غیر ناقض دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۷

علی انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی نواقض الوضوء کالامة الا ماصح من استثناء النوم لانه کان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم تنام عیناه ولا ینام قلبه وقد حکی فی الشفاء قولین بالطهارة والنجاسة فی الحدثین منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [1] اھ۔ **اقول:** والقول الفصل عندی ان لانقض منهم صلی اللہ تعالٰی علیهم وسلم بالنوم والغشی ونحوهما مما یحکم فیه بالحدث لمکان الغفلة، واما النواقض الحقیقیة منافتنقض منهم ایضا صلوات اللہ تعالٰی علیهم وسلامه علیهم لالانها نجسة کلا بل هی ف طاهرة بل طیبة حلال الاکل والشرب لنا من نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کما دل علیه غیر ماحدیث بل لانها نجاسة فی حقهم صلی اللہ	صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نواقض وضوکے حکم میں امت کی طرح ہیں مگر نیند کا استثناء بطریق صحیح ثابت ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سوتی تھیں اور دل نہ سوتا۔اور شفا میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے دونوں حدث سے متعلق دونوں قول طہارت اور نجاست کے حکایت کئے ہیں اھ۔ **اقول:** میرے نزدیک قول فیصل یہ ہے کہ نیند، غشی اور ان دونوں جیسی چیزیں جن میں جائے غفلت کے باعث حدث کا حکم ہوتا ہے ایسی چیزوں سے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا وضو نہ جاتا، لیکن ہمارے حق میں جو نواقض حقیقیہ ہیں وہ ان حضرات صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم کے حق میں بھی ناقض ہیں اس وجہ سے نہیں کہ نجس ہیں ہر گز نہیں بلکہ یہ طاہر بلکہ طیب ہیں ہمارے لئے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ان کا کھانا پینا حلال ہے، جیساکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے، بلکہ اس لئے ناقض ہیں کہ ان چیزوں کے لئے ان حضرات کے

ف: **مسئلہ:** حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے فضلات شریفہ مثل پیشاب وغیرہ سب طیب وطاہر تھے جن کا کھانا پینا ہمیں حلال وباعث شفاوسعادت مگر حضور کی عظمت شان کے سبب حضور کے حق میں حکم نجاست رکھتے۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۸۲

تعالٰی علیھم وسلم لرفعة مکانھم ونھایة نزاھة شانھم کما اشرت الیه فھذا ماانختارہ ونرجوا ن یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔	حق میں حکم نجاست ہے جس کا سبب ان کی رفعت مکان اور انتہائی نزاہت شان ہے جیسا کہ میں نے اس کی طرف اشارہ کیا، یہی وجہ ہے جسے ہم اختیار کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ ان شاء اللہ تعالٰی حق یہی ہوگا۔
والعجب ان العلامة القھستانی مع تصریحه بما مرجعل ھذا البحث مستغنی عنه فقال ولا نقضاء زمن الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام لایحتاج فی ھذا الکتاب الی ان یقال ان نومھم غیر ناقض [1] اھ	**اور تعجب** ہے کہ علامہ قہستانی نے سابقہ تصریح کے باوجود یہ کہا کہ اس بحث کی ضرورت نہیں ان کے الفاظ یہ ہیں: "چوں کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا زمانہ گزر گیا اس لئے اس کتاب میں یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ ان کی نیند ناقض نہیں" اھ۔
اقول: فــا ببلی لیوشکن ان ینزل عیسی بن مریم علیھما الصلوۃ والسلام علا ان العلم بخصائھم ومناقبھم علیھم الصلاۃ والسلام مطلوب مرغوب وکانه یشیر الی الجواب عن ھذا بقوله فی ھذا الکتاب ای ان محله کتب الفضائل دون الفقه۔	**اقول:** کیوں نہیں، عنقریب عیسٰی بن مریم علیہما الصلوۃ والسلام نزول فرمانے والے ہیں علاوہ ازیں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے خصائص ومناقب سے آشنائی مطلوب ومرغوب ہے، شاید اس کے جواب کی طرف "اس کتاب میں" کہہ کر وہ اشارہ کر رہے ہیں کہ اس کے بیان کا موقع کتب فضائل میں ہے کتب فقہ میں نہیں۔
وفیه فــ۲ ان الطالب ربما یطلع علی حدیث الصحاح انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی نفخ فاتاہ بلال فاٰذنه بالصّلاۃ فقام وصلی ولم یتوٴضا [2] فینبغی	مگر اس پر یہ کلام ہے کہ طالب علم صحاح کی اس حدیث سے آشنا ہوگا کہ: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو نیند آئی یہاں تک کہ سونے کی آواز آئی پھر حضرت بلال نے حاضر ہو کر نماز کی اطلاع دی تو سرکار نے اٹھ کر نماز ادا کی اور وضو نہ فرمایا،

فــا: معروضة علی العلامة القھستانی۔

فــ۲: معروضة اخری علیه۔

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب التخفیف فی الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶، صحیح البخاری کتاب الاذان باب وضوء الصبیان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

اعلامه ان هذا من خصائصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	تو اسے یہ بتانا چاہئے کہ یہ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔
ثم من ف المتفرع علی ان النوم نفسه لیس ناقض ما فی حاشیة العلامة احمد ابن الشلبی علی التبیین سئلت عن شخص به انفلات ریح هل ینتقض وضوؤه بالنوم فاجبت بعدم النقض بناء علی ماهو الصحیح ان النوم نفسه لیس بناقض وانما الناقض مایخرج ومن ذهب الی ان النوم نفسه ناقض لزمه نقض وضوء من به انفلات الریح بالنوم واللہ تعالٰی اعلم [1] اھ۔	**پھر** اس مسئلہ پر کہ نیند بذات خود ناقض نہیں، علامہ احمد ابن الشلبی کے حاشیہ تبیین الحقائق کا یہ کلام متفرع ہے وہ لکھتے ہیں : مجھ سے اس شخص کے بارے میں سوال ہوا جو انفلات ریح (برابر ہوا چھوٹتے رہنے) کا مریض ہے کہ نیند سے اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہ ٹوٹے گا اس بنیاد پر کہ صحیح یہی ہے کہ نیند خود ناقض نہیں، ناقض وہی خارج ہونے والی ریح ہے اور جس کا مذہب یہ کہ نیند خود ناقض ہے اس کو اس کا قائل ہونا لازم ہے کہ جو انفلات ریح کا مریض ہے اس کا وضو نیند سے ٹوٹ جائے گا، واللہ تعالی اعلم اھ۔
ونقله ط علی مراقی الفلاح فاقر لکن قال فی النهر ینبغی ان یکون عینه ای النوم ناقضا اتفاقا فیمن فیه انفلات ریح اذ مالا یخلو عنه النائم لوتحقق وجوده لم ینقض فالمتوهم	اسے علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں نقل کرکے برقرار رکھا۔ لیکن النہر الفائق میں ہے کہ جسے انفلات ریح کا مرض ہے اس کے حق میں خود نیند کے ناقض ہونے کا حکم بالاتفاق ہونا چاہئے اس لئے کہ سونے والا (بطور ظن) جس چیز سے خالی نہیں ہوتا اگر اس کا وجود متحقق ہو تو ناقض نہیں پھر متوہم تو بدرجہ اولی

ف: **مسئلہ**: جسے ریح کا عارضہ حد معذوری تک ہو اس کا وضو سونے سے نہ جانا چاہیئے۔

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۵۳، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ فصل ینقض الوضوء دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۰

اولی[1] اھ نقلہ ش۔ **اقول:** ظاھرہ ف یشبہ المتناقض فان مفاد التعلیل عدم النقض اذلما علمنا ان النوم لاینقض بنفسہ بل لما یتوھم فیہ وھھنا محققہ لاینقض فماظنك بالموھوم وجب الحکم بعدم النقض لکن محط نظرہ رحمہ اللہ تعالٰی استبعاد ان یصلی الرجل العشاء فی اول الوقت فینام ولا یزال مستغرقا فی النوم طول اللیل الی قبیل الصباح ثم یقوم کما ھو فیجعل یصلی التھجد ولا یمس ماء فاضطر الی الحکم بجعل النوم نفسہ ناقضافی حقہ۔ **اقول:** کیف یعدل عن حق معول لمجرد استبعاد لاجرم ان قال الشامی بعد نقلہ "فیہ نظر والاحسن مافی	نہ ہوگا اھ۔ اسے علامہ شامی نے نقل کیا۔ **اقول:** اس کلام کاظاہر گویا تناقض کاحامل ہے اس لئے کہ (مدعا یہ ہے کہ ناقض ہو اور) تعلیل کا مفاد یہ ہے کہ ناقض نہ ہو، کیوں کہ جب ہمیں معلوم ہے کہ نیند بذات خود ناقض نہیں بلکہ اس کی وجہ سے جو نیند کی حالت میں متوہم ہے، اور یہاں وہی چیز جب تحقیقی طور پر موجود ہے اور ناقض نہیں تو موہوم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ ضروری ہے کہ ناقض نہ ہونے ہی کا حکم ہو۔ لیکن صاحب نہر رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کا مطمع نظر اس امر کو بعید قرار دینا ہے کہ وہ شخص اول وقت میں عشا کی نماز ادا کرکے سوجائے اور رات بھر صبح کے ذرا پہلے تک نیند میں مستغرق رہے پھر اٹھ کر ویسے ہی نماز تہجد پڑھنے لگے اور پانی کو ہاتھ بھی نہ لگائے اس کے لئے ناچار اس کے حق میں نیند کو ناقض قرار دینے کا حکم کیا۔ **اقول:** محض ایک استبعاد کے باعث حق معتمد سے انحراف کیسے ہوسکتا ہے؟ اسی حقیقت کے پیش نظر علامہ شامی نے کلام نہر نقل کرنے کے بعد اسے محل نظر بتایا: "اور کہا کہ احسن

ف: تطفل علی النہر

[1] النہر الفائق کتاب الطہارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۶، ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب نوم من بہ انفلات ریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۵

فتاوی ابن الشلبی[1] اھ"۔ **اقول**: ولا تظن ان النوم مظنة الانتشار والانتشار مظنة خروج المذی فان المظنة الثانیة غیر مسلمة لعدم الغلبة ولذا قال فی الحلیة اذالم یکن الرجل مذأ فالانتشار لا یکون مظنة تلك البلة[2] اھ ولذا صرحوا بعدم سنیة الاستنجاء من النوم کما فی الدر وغیرہ فالاظھر ماذکر ابن الشلبی ولیتأمل عندالفتوی فانه شیئ لانص فیه عن الائمة واللہ المرجو لکشف کل غمة ولنسم ھذا التحریر "نبه القوم ان الوضوء من ای نوم" والحمدللہ علی ماعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و	وہ ہے جوابن شلبی کے فتاوی میں ہے "اھ۔ **اقول**: یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ نیند میں انتشار آلہ کا غالب گمان ہوتا ہے اور انتشار میں مذی نکلنے کا گمان ہوتا ہے (اس گمان کی بناپر اس کی نیند کو ناقض ہونا چاہئے، مگر یہ خیال درست نہیں) اس لئے کہ دوسرا مظنہ (خروج مذی کا گمان) قابل تسلیم نہیں کیوں کہ غالب واکثر اس کا عدم وقوع ہے، اسی لئے حلیہ میں فرمایا جب مرد کثیر المذی نہ ہو توانتشار آلہ اس تری کا مظنہ نہیں اھ۔ اسی لئے نیند سے استنجاکے مسنون نہ ہونے کی تصریح کی گئی ہے جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے، تواظہر وہی ہے جو ابن الشلبی نے ذکر کیا، مگر وقت فتوی اس پر تامل کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ ایک ایسی بات ہے جس کے بارے میں ائمہ سے کوئی نص نہیں، اور خداہی سے ہر مشکل کے ازالہ کی امید ہے مناسب ہے کہ ہم اس تحریر کو نبه القوم ان الوضوء من ای نوم ،۱۳۲۵ھ (آسانی سے دستیاب لوگوں کی وہ گم شدہ چیز کہ وضو کس نیند سے لازم ہوتا ہے) سے موسوم کریں، اور خداہی کا شکر ہے اس پر جو اس نے تعلیم فرمائی،

[1] ردالمحتار کتاب الطھارۃ مطلب نوم من بہ انفلات ریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۵
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اٰلہٖ وصحبہ وسلم واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔	اور اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلامتی نازل ہو ہمارے آقا اور ان کی آل واصحاب پر، واللہ سبحانہ وتعالی اعلم، (ت)

رسالہ

نبہ القوم ان الوضوء من ایّ نوم ختم ہوا

جلد اول کا حصّہ اول ختم ہوا

حصہ دوم رسالہ "خلاصۃ تبیان الوضوء" سے

شروع ہو رہا ہے

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱

(حصّہ دوم)

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

خلاصہ تبیان الوضو 592

(وضو و غسل کے مسائل کا مختصر بیان) 592

رسالہ الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل ۱۳۲۰ھ (احتلام اور تری کی اشکال کے حکم اور اسباب) 624

رسالہ 776

بارق النّور فی مقادیر ماء الطہور ۱۳۲۷ھ 776

(نور کی تابش، آب وضو و غسل کی مقدار میں) 776

رسالہ 876

برکات السماء فی حکم اسراف الماء 876

(بے جا پانی خرچ کرنے کے حکم کے بارے میں آسمانی برکات) 876

رسالہ ارتفاع الحجب عن وجوہ قراءۃ الجنب ۱۳۲۸ھ (بحالتِ جنابت قرآن پڑھنے کی مختلف صورتوں کی نقاب کشائی) 1078

مآخذ ومراجع 1122

ضمیمہ 1146

مآخذ ومراجع 1146

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

جلد اوّل (حصّہ دوم)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوھاری دروازہ، لاھور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون ۷۶۶۵۷۷۲ ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب __________ فتاوی رضویہ جلد اول (حصّہ دوم)

تصنیف __________ اعلحضرت شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت __________ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی __________ صاحبزادہ مولانا محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظم اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام __________ صاحبزادہ مولانا قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشرو اشاعت

ترجمہ عربی و فارسی عبارات __________ مولانا محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

پیش لفظ __________ علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

کلمات آغاز __________ محمد عبدالحکیم شرف قادری شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ترتیبِ فہرست __________ علامہ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

تخریج و تصحیح __________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا سردار احمد حسن سعیدی، مولانا حافظ محمد شہزاد ہاشمی

کتابت __________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

صفحات __________ ۱۱۵۲

اشاعت __________ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ/اپریل ۲۰۰۶ء

ناشر __________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مطبع __________

قیمت __________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

خلاصہ تبیان الوضو
(وضو و غسل کے مسائل کا مختصر بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۲: مسئولہ مولوی علی احمد صاحب مصنف تہذیب الصبیان ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فرائض غسل جنابت جو تین ہیں ان میں مضمضہ واستنشاق واسالۃ المآء علی کل البدن سے کیسا مضمضہ واستنشاق واسا لہ ماء مراد ہے، **بینوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

مضمضہ: سارے دہن کا مع اس کے ہر گوشے پرزے کنج کے حلق کی حد تک دھلنا درمختار میں ہے:

فرض الغسل غسل کل فمہ [1]	(غسل میں پورے منہ کو دھونا فرض ہے۔ت)

[1] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۲۸/۱

ردالمحتار میں ہے:

عبر عن المضمضة بالغسل لافادة الاستیعاب اھ[1]۔ وفی افادته بنفس لفظ الغسل کلام قدمه فی الوضوء والصحیح ان مفیده لفظ کل۔ **اقول:** وعلی ؎ التسلیم فلیست دلالته علی الاستیعاب ظاهرة کدلالة کل فلا یرد ما قال ش لکن علی الاول لاحاجة الی زیادة کل[2]۔	مضمضہ کی تعبیر غسل (دھونے) سے کی تاکہ احاطہ کرلینے کا افادہ ہو۔اھ (ت) صرف لفظ غسل سے احاطہ کاافادہ ہونے میں کلام ہے جو خود علامہ شامی وضوکے بیان میں ذکر کرچکے ہیں۔اور صحیح یہ ہے کہ احاطہ کاافادہ لفظ "**کل**" سے ہو رہا ہے۔ **اقول:** اگر یہ تسلیم بھی کرلیاجائے کہ لفظ غَسل (دھونا) احاطہ کو بتارہاہے تو بھی احاطہ پر اس کی دلالت واضح نہیں جیسے اس معنی پر لفظ کل کی دلالت واضح ہے۔تو وہ اعتراض نہ وارد ہوگا جو علامہ شامی نے کیا، کہ بر تقدیر اول 'لفظِ کل بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں۔(ت)

اسی میں بحر الرائق سے ہے:

المضمضة اصطلاحا استیعاب الماء جمیع الفم[3]۔	اصطلاح میں مضمضہ یہ ہے کہ پانی پورے منہ کااحاطہ کرے۔(ت)

اور ہم نے دھلنا کہادھونانہ کہااس لئے کہ طہارت میں کچھ اپنافعل یاقصد شرط نہیں پانی گزرناچاہئے جس طرح ہو۔

اقول: وبه ظهر ان عبارة البحر	**اقول:** اوراسی سے ظاہر ہواکہ عبارتِ بحر

ف: معروضه علی العلامة ش۔

---

1 ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۲

2 ردالمحتار، کتاب الطہارت، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۲

3 ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸

احسن من عبارۃ الدر الا ان یجعل الغسل مبنیا للمفعول ای مغسولیۃ کل فمہ۔	عبارتِ درمختار سے بہتر ہے مگر یہ کہ عبارتِ در میں لفظِ غَسل کو مصدر مجہول مانا جائے یعنی پورے منہ کا دُھل جانا۔ (ت)

آج کل بہت بے علم اس مضمضہ کے معنی صرف کُلّی کے سمجھتے ہیں، کچھ پانی منہ میں لے کر اُگل دیتے ہیں کہ زبان کی جڑ اور حلق کے کنارہ تک نہیں پہنچتا، یوں غسل نہیں اُترتا، نہ اس غسل سے نماز ہوسکے نہ مسجد میں جانا جائز ہو بلکہ فرض ہے کہ داڑھوں کے پیچھے گالوں کی تہ میں دانتوں کی جڑ میں دانتوں کی کھڑکیوں میں حلق کے کنارے تک ہر پرزے پر پانی بہے یہاں تک کہ اگر کوئی سخت ف۱ چیز کہ پانی کے بہنے کو روکے گی دانتوں کی جڑ یا کھڑکیوں وغیرہ میں حائل ہو تو لازم ہے کہ اُسے جُدا کرکے کُلّی کرے ورنہ غسل نہ ہوگا، ہاں اگر اُس کے جُدا ف۲ کرنے میں حرج وضرر واذیت ہو جس طرح پانوں کی کثرت سے جڑوں میں چونا جم کر متحجر ہوجاتا ہے کہ جب تک زیادہ ہوکر آپ ہی جگہ نہ چھوڑ دے چھڑانے کے قابل نہیں ہوتا یا عورتوں کے دانتوں میں مسی کی ریخیں جم جاتی ہیں کہ ان کے چھیلنے میں دانتوں یا مسوڑھوں کی مضرت کا اندیشہ ہے تو جب تک یہ حالت رہے گی اس قدر کی معافی ہوگی فان الحرج مدفوع بالنص (اس لیے کہ نص سے ثابت ہے کہ جہاں حرج ہو اسے دفع کیا جائے۔ت) درمختار میں ہے:

لایمنع طعام بین اسنانہ اوفی سنہ المجوف بہ یفتی وقیل ان صلبا منع وھو الاصح [1]۔	کھانے کا ٹکڑا جو دانتوں کے درمیان یا خول دار دانت کے اندر ہو وہ مانع نہیں، اسی پر فتوی ہے۔ اور کہا گیا کہ اگر سخت ہو تو مانع ہے اور یہی اصح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بہ یفتی صرح بہ فی الخلاصۃ وقال لان الماء شیئ لطیف یصل تحتہ غالبا اھ ویرد	عبارتِ شارح "اسی پر فتوی ہے" خلاصہ میں اس کی تصریح ہے، اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ: وجہ یہ ہے کہ پانی لطیف شے ہے غالب یہی ہے کہ

ف۱: **مسئلہ:** دانتوں کی جڑ یا کھڑکی میں سخت چیز جمی ہو تو چھڑا کر کلی کرنا لازم ورنہ غسل نہ اترے گا۔

ف۲: **مسئلہ:** چونا یا مسی کی ریخیں جن کے چھڑانے میں ضرر ہو معاف ہیں۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۹/۱

علیه ماقدمناہ اٰنفا (ای ان مجرد الوصول غیرکاف بل الواجب الاسالة والتقاطر) ومفادہ ای مفاد مافی الخلاصة عدم الجواز اذ اعلم انه لم یصل الماء تحته(ای لان غلبة الوقوع لاتعارض العلم بعدم الوقوع) قال فی الحلیة وھواثبت قوله وھو الاصح صرح به فی شرح المنیة وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج اھ ولایخفی ان ھذا التصحیح لاینافی ماقبله [1] اھ ملخصا مزیدا ما مابین الاھلة۔	اس کے نیچے پہنچ جائے گا اھ۔اس پر وہ اعتراض وارد ہوگا جو ابھی ہم نے ذکر کیا (یعنی یہ کہ محض پہنچنا کافی نہیں، بلکہ بہانا اور قطرے ٹپکنا واجب ہے) اور اس کا مفاد (یعنی کلامِ خلاصہ کا مفاد) یہ ہے کہ اگر معلوم ہوجائے کہ نیچے پانی نہ پہنچا تو جواز نہ ہوگا (یعنی اس لئے کہ جب یقین ہو کہ اس خاص حالت میں وقوع نہ ہوا ہو تو اکثر حالات میں واقع ہونا اس کے معارض نہیں ہوسکتا) حلیہ میں کہا: یہ اثبت ہے۔ عبارت شارح "یہی اصح ہے" اس کی تصریح شرح منیہ میں کی۔اور یہ بھی لکھا کہ وجہ یہ ہے کہ سخت ہونے کی صورت میں پانی نفوذ نہ کرسکے گا اور ضرورت وحرج کی صورت بھی نہیں اھ۔ مخفی نہیں کہ یہ تصحیح اگلی تصحیح کے منافی نہیں۔ردالمحتار کی عبارت ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔

بالجملہ غسل میں ان احتیاطوں سے روزہ دار کو بھی چارہ نہیں ہاں غرغرہ ف اسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی حلق سے نیچے نہ اتر جائے غیر روزہ دار کے لیے غرغرہ سنت ہے۔درمختار میں ہے

سنته المبالغة بالغرغرة لغیر الصائم لاحتمال الفساد [2]۔	وضو و غسل میں غرغرہ کرکے مبالغہ سنت ہے اس کے لئے جو روزہ دار نہ ہو، روزہ دار کے لئے نہیں کیونکہ اس میں روزہ جانے کا احتمال ہے۔(ت)

ف: مسئلہ: وضو و غسل میں غرغرہ سنت ہے مگر روزہ دار کو مکروہ۔

[1] ردالمحتار،کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۴

[2] الدرالمختار کتاب الطہارت مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱

اسی کے بیان غسل میں ہے:

سننه کسنن الوضوء سوی الترتیب[1] الخ	غسل کی سنتیں وضو کی سنتوں کی طرح ہیں بجز ترتیب کے الخ۔(ت)

استنشاق: ناک کے دونوں نتھنوں میں جہاں تک نرم جگہ ہے یعنی سخت ہڈی کے شروع تک دھلنا۔ ردالمحتار میں بحر الرائق سے ہے:

الاستنشاق اصطلاحا ایصال الماء الی المارن، ولغة من النشق وهو جذب الماء داخله[2]۔	اصطلاح میں استنشاق کا معنی ناک کے نرم حصہ تک پانی پہنچانا۔ اور لغت میں یہ لفظ نشق سے لیا گیا ہے جس کا معنی پانی اور اس جیسی چیز کو سانس کے ذریعہ ناک کے اندر کھینچنا۔ (ت)

اُسی میں قاموس سے ہے:

المارن مالان من الانف[3]	مارن ناک کا وہ حصہ ہے جو نرم ہے(ت)

اور یہ یونہی ہوسکے گا کہ پانی لے کر سونگھے اور اوپر کو چڑھائے کہ وہاں تک پہنچ جائے لوگ اس کا بالکل خیال نہیں کرتے اوپر ہی اوپر پانی ڈالتے ہیں کہ ناک کے سرے کو چھو کر گر جاتا ہے بانسے میں جتنی جگہ نرم ہے اس سب کو دھونا تو بڑی بات ہے ظاہر ہے کہ پانی کا بالطبع میل نیچے کو ہے اوپر بے چڑھائے ہرگز نہ چڑھے گا افسوس کہ عوام تو عوام بعض پڑھے لکھے بھی اس بلا میں گرفتار ہیں۔ کاش استنشاق کے لغوی ہی معنی پر نظر کرتے تو اس آفت میں نہ پڑتے استنشاق سانس کے ذریعہ سے کوئی چیز ناک کے اندر چڑھانا ہے نہ کہ ناک کے کنارہ کو چھو جانا وضو ف میں تو خیر اس کے ترک کی عادت ڈالے سے سنت چھوڑنے ہی کا گناہ ہوگا کہ مضمضہ واستنشاق بمعنی مذکور دونوں وضو میں سنتِ مؤکدہ ہیں کمافی الدرالمختار

ف: **مسئلہ:** منہ کے ہر ذرہ پر حلق تک پانی بہنا ناک کی ہڈی شروع ہونے تک پانی چڑھانا غسل میں فرض اور وضو میں سنت مؤکدہ ہیں۔

---

1 الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹

2 ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸و۷۹

3 ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۷۹

(جیسا کہ در مختار میں ہے۔ت)، اور سنت ف۱ مؤکدہ کے ایک آدھ بار ترک سے اگرچہ گناہ نہ ہو عتاب ہی کا استحقاق ہو مگر بارہا ترک سے بلاشبہ گناہگار ہوتا ہے **کمافی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ معتبر کتاب ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) تاہم وضو ہو جاتا ہے اور غسل تو ہر گز اُترے ہی گا نہیں جب تک سارا منہ حلق کی حد تک اور سارا نرم بانسہ سخت ہڈی کے کنارہ تک پورا نہ دھل جائے یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں کہ اگر ناک ف۲ کے اندر کثافت جمی ہے تو لازم کہ پہلے اسے صاف کرلے ورنہ اس کے نیچے پانی نے عبور نہ کیا تو غسل نہ ہوگا۔ در مختار میں ہے:

فرض الغسل غسل انفہ حتی ماتحت الدرن [1]۔	غسل میں ناک کا دھونا فرض ہے یہاں تک کہ وہ حصہ بھی جو کثافت اور میل کے نیچے ہے۔(ت)

اس ف۳ احتیاط سے بھی روزہ دار کو مفر نہیں، ہاں اس سے اوپر تک اُسے نہ چاہئے کہ کہیں پانی دماغ کو نہ چڑھ جائے غیر روزہ دار کے لئے یہ بھی سنت ہے۔ در مختار میں ہے:

سنتہ المبالغۃ بمجاوزۃ المارن لغیر الصائم [2]۔	غیر روزہ دار کے لئے نرمہ سے اوپر پانی پہنچا کر مبالغہ سنت ہے۔(ت)

اسالۃ الماء علی ظاھر البدن سر کے بالوں سے تلووں سے نیچے تک جسم کے ہر پرزے، رونگٹے کی بیرونی سطح پر پانی کا تقاطر کے ساتھ بہہ جانا سوا اُس موضع یا حالت کے جس میں حرج ہو جس کا بیان آتا ہے۔ در مختار میں ہے:

یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلاحرج [3]۔	بدن کا ہر وہ حصہ دھونا فرض ہے جسے بغیر حرج کے دھونا ممکن ہے۔(ت)

ف۱: **مسئلہ**: سنت مؤکدہ کے ترک کی عادت سے گناہگار و مستحق عذاب ہوتا ہے۔

ف۲: **مسئلہ**: ناک میں کوئی کثافت جمی ہو تو پہلے اس کا چھڑالینا غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہے۔

ف۳: **مسئلہ**: وضو و غسل میں سنت ہے کہ ناک کی جڑ تک پانی چڑھائے مگر روزہ دار اس سے بچے ہاں تمام نرم بانسے تک چڑھانا اسے بھی ضروری ہے۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۸/۱

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۱/۱

[3] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۸/۱

لوگ ف یہاں دو قسم کی بے احتیاطیاں کرتے ہیں جن سے غسل نہیں ہوتا اور نمازیں اکارت جاتی ہیں۔

اوّلاً: غَسل بالفتح کے معنی میں نافہمی کہ بعض جگہ تیل کی طرح چپڑ لیتے ہیں یا بھیگا ہاتھ پہنچ جانے پر قناعت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسح ہوا، غسل میں تقاطر اور پانی کا بہنا ضرور ہے جب تک ایک ایک ذرّے پر پانی بہتا ہوا نہ گزرے گا غسل ہر گز نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:

غسل ای اسالۃ الماء مع التقاطر [1]	غسل یعنی قطرے ٹپکنے کے ساتھ پانی بہانا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

البلّ بلاتقاطر مسح [2]	قطرے ٹپکے بغیر صرف تر کرلینا تو مسح ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

لولم یسل الماء بان استعملہ استعمال الدھن لم یجز [3]۔	اگر پانی نہ بہا اس طرح کہ تیل کی طرح پانی صرف مل لیا تو فرض ادا نہ ہوا۔(ت)

ثانیا: پانی ایسی بے احتیاطی سے بہاتے ہیں کہ بعض مواضع بالکل خشک رہ جاتے ہیں یا اُن تک کچھ اثر پہنچتا ہے تو وہی بھیگے ہاتھ کی تری۔ اُن کے خیال میں شاید پانی میں ایسی کرامت ہے کہ ہر کنج و گوشہ میں آپ دوڑ جائے کچھ احتیاط خاص کی حاجت نہیں حالانکہ جسم ظاہر میں بہت موقع ایسے ہیں کہ وہاں ایک جسم کی سطح دوسرے جسم سے چھپ گئی ہے یا پانی کی گزرگاہ سے جدا واقع ہے کہ بے لحاظ خاص پانی اس پر بہنا ہر گز مظنون نہیں اور حکم یہ ہے کہ اگر ذرہ بھر جگہ یا کسی بال کی نوک بھی پانی بہنے سے رہ گئی تو غسل نہ ہوگا اور نہ صرف غسل بلکہ وضو میں بھی ایسی ہی بے احتیاطیاں کرتے ہیں کہیں ایڑیوں پر پانی نہیں بہتا، کہیں کہنیوں پر کہیں ماتھے کے بالائی حصے پر، کہیں کانوں کے پاس کنپٹیوں پر۔ ہم نے اس بارہ میں ایک مستقل تحریر لکھی ہے اُس میں ان تمام مواضع کی تفصیل ہے جن کا لحاظ و خیال وضو و غسل میں ضرور ہے مردوں اور عورتوں کی تفریق اور طریقہ احتیاط کی تحقیق کے ساتھ ایسی سلیس و روشن بیان سے مذکور ہے جسے بعونہ تعالیٰ ہر جاہل بچہ،

ف: لوگ وضو و غسل میں دو قسم کی بے احتیاطیاں کرتے ہیں جن سے نمازیں اکارت جاتی ہیں۔

---

[1] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۵

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی ۱/۶۵

عورت سمجھ سکے، یہاں اجمالاً ان کا شمار کئے دیتے ہیں۔

ضروریات ف **وضو مطلقاً** یعنی مرد و عورت سب کیلئے:

(۱) پانی مانگ یعنی ماتھے کے سرے سے پڑنا، بہت لوگ لَپ یا چُلّو میں پانی لے کر ناک یا ابرو یا نصف ماتھے پر ڈالتے ہیں پانی تو بہہ کر نیچے آیا وہ اپنا ہاتھ چڑھا کر اوپر لے گئے اس میں سارا ماتھا نہ دُھلا بھیگا ہاتھ پھرا اور وضو نہ ہوا۔

(۲) پٹیاں جھکی ہوں تو انہیں ہٹا کر پانی ڈالے کہ جو حصہ پیشانی کا اُن کے نیچے ہے دُھلنے سے نہ رہ جائے۔

(۳) بھوؤں کے بال چھدرے ہوں کہ نیچے کی کھال چمکتی ہو تو کھال پر پانی بہنا فرض ہے صرف بالوں پر کافی نہیں۔

(۴) آنکھوں کے چاروں کوئے، آنکھیں زور سے بند کرے، یہاں کوئی سخت چیز جمی ہوئی ہو تو چھڑالے۔

(۵) پلک کا ہر بال پورا بعض وقت کیچڑ وغیرہ سخت ہو کر جم جاتا ہے کہ اُس کے نیچے پانی نہیں بہتا اُس کا چھڑانا ضرور ہے۔

(۶) کان کے پاس تک کنپٹی ایسا نہ ہو کہ ماتھے کا پانی گال پر اتر آئے اور یہاں صرف بھیگا ہاتھ پھرے۔

(۷) ناک کا سوراخ عہ اگر کوئی گہنا یا تنکا ہو تو اسے پھرا پھرا کر ورنہ یونہی دھار ڈالے، ہاں اگر بالکل بند ہو گیا تو حاجت نہیں۔

(۸) آدمی جب خاموش بیٹھے تو دونوں لب مل کر کچھ حصہ چھپ جاتا کچھ ظاہر رہتا ہے یہ ظاہر رہنے والا حصہ بھی دُھلنا فرض ہے، اگر کُلّی نہ کی اور منہ دھونے میں لب سمیٹ کر بزور بند کرلئے تو اس پر پانی نہ بہے گا۔

(۹) ٹھوڑی کی ہڈی اُس جگہ تک جہاں نیچے کے دانت جمے ہیں۔

(۱۰) ہاتھوں کی آٹھوں گھائیاں۔

(۱۱) انگلیوں کی کروٹیں کہ ملنے پر بند ہو جاتی ہیں۔

(۱۲) دسوں ناخنوں کے اندر جو جگہ خالی ہے، ہاں مَیل کا ڈر نہیں۔

(۱۳) ناخنوں کے سرے سے کُہنیوں کے اوپر تک ہاتھ کا ہر پہلو، چُلّو میں پانی لے کر کلائی پر اُلٹ لینا

ف: **مسئلہ:** وضو میں پچیس ۲۵ جگہ ہیں جن کی خاص احتیاط مرد و عورت سب پر لازم ہے۔

عہ: ناک کا سوراخ، ہاتھ پاؤں کے چھلّے، کلائی کے گہنے چُوڑیاں۔

ہر گز کافی نہیں۔

(۱۴) کلائی کا ہر بال جڑ سے نوک تک۔ ایسا نہ ہو کہ کھڑے بالوں کی جڑ میں پانی گزر جائے نوکیں رہ جائیں۔

(۱۵) آرسی، چھلّے اور کلائی کے ہر گہنے کے نیچے۔

(۱۶) عورتوں کو پھنسی چُوڑیوں کا شوق ہوتا ہے اُنہیں ہٹا ہٹا کر پانی بہائیں۔

(۱۷) چوتھائی سر کا مسح فرض ہے پوروں کے سرے گزار دینا اکثر اس مقدار کو کافی نہیں ہوتا۔

(۱۸) پاؤوں کی آٹھوں گھائیاں۔

(۱۹) یہاں انگلیوں کی کروٹیں زیادہ قابلِ لحاظ ہیں کہ قدرتی ملی ہوئی ہیں۔

(۲۰) ناخنوں کے اندر کوئی سخت چیز نہ ہو۔

(۲۱) پاؤوں کے چھلّے اور جو گہنا گٹوں پر یا گٹوں سے نیچے ہو اس کے نیچے سیلان شرط ہے۔

(۲۲) گٹّے۔

(۲۳) تلوے۔

(۲۴) ایڑیاں۔

(۲۵) کونچیں خاص ف بہ مردان۔

(۲۶) مونچھیں۔

(۲۷) صحیح مذہب میں ساری داڑھی دھونا فرض ہے یعنی جتنی چہرے کی حد میں ہے نہ لٹکی ہوئی کہ ہاتھ سے گلے کی طرف کو دباؤ تو ٹھوڑی کے اُس حصّے سے نکل جائے جس پر دانت جمے ہیں کہ اس کا صرف مسح سنّت اور دھونا مستحب ہے۔

(۲۸و۲۹) داڑھی مونچھیں چھدری ہوں کہ نیچے کی کھال نظر آتی ہو تو کھال پر پانی بہنا۔

(۳۰) مونچھیں بڑھ کر لبوں کو چھپالیں تو انہیں ہٹا ہٹا کر لبوں کی کھال دھونا اگرچہ مونچھیں کیسی ہی گھنی ہوں۔

درمختار میں ہے:

ارکان الوضوء غسل الوجه من مبدء سطح جبهته الی منبت	ارکان وضو یہ ہیں: چہرے کو لمبائی میں پیشانی کی سطح کے شروع سے نیچے کے دانتوں کے اُگنے کی

ف: وضو میں پانچ مواقع اور ہیں جن کی احتیاط خاص مردوں پر لازم۔

اسنانه السفلى طولا ومابين شحمتى الاذنين عرضافيجب غسل المياقى ومايظهر من الشفة عند انضمامها(الطبيعى لاعند انضمامها بشدة وتكلف اھ ح وكذالوغمض عينيه شديدا لا يجوزبحر) وغسل جميع اللحية فرض على المذهب الصحيح المفتى به المرجوع اليه وما عداهذه الرواية مرجوع عنه ثم لاخلاف ان المسترسل(وفسره ابن حجر فى شرح المنهاج بما لومد من جهة نزوله لخرج عن دائرة الوجه ثم رأيت المصنف فى شرحه على زادالفقيرقال وفى المجتبى قال البقالى ومانزل من شعر اللحية من الذقن ليس من الوجه عندناخلافاللشافعى اھ) لايجب غسله ولا مسحه بل يسن (المسح) وان الخفيفة التى ترى بشرتها يجب غسل ماتحتها نهر وفى البرهان يجب غسل بشرة لم يسترها الشعر	جگہ تک، اور چوڑائی میں ایک کان کی لُو سے دوسرے کان کی لُو تک جتنا حصہ ہے سب دھونا۔ توآنکھوں کے گوشوں کو دھونا ضروری ہے اور لب کا وہ حصہ بھی جو لب بند ہونے کے وقت کھلا رہتا ہے (یعنی طبعی طور پر بند ہونے کے وقت، شدت اور تکلیف سے بند کرنے کے وقت نہیں، اھ، حلبی۔ اسی طرح اگر وقتِ وضوآنکھیں سختی سے بند کرلیں تو وضو نہ ہوگا۔ بحر۔) اور پوری داڑھی کا دھونا فرض ہے۔ مذہبِ صحیح مُفتی بہ پر۔ جس کی طرف امام نے رجوع کرلیا ہے۔ اور اس کے علاوہ جو روایت ہے اس سے رجوع ہوچکا ہے۔ پھر اس میں اختلاف نہیں کہ داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا یا مسح کرنا فرض نہیں بلکہ (اس کا مسح) مسنون ہے۔ (مسترسل، لٹکتے بالوں کی تفسیر علامہ ابن حجر شافعی نے شرح منہاج میں یہ لکھی ہے: بالوں کا وہ حصہ جو نیچے کو پھیلایا جائے تو چہرے کے دائرے سے باہر ہوجائے۔ پھر میں نے دیکھا کہ مصنف نے زادالفقیر کی شرح میں یہ لکھا ہے: مجتبی میں ہے کہ بقالی نے کہا: داڑھی کے وہ بال جو ٹھوڑی سے نیچے ہیں وہ امام شافعی کے برخلاف ہمارے نزدیک چہرے میں شمار نہیں اھ) ہلکی داڑھی جس کی جلد نظر آتی ہے اس کے نیچے کی جلد دھونا فرض ہے، نہر۔ اور برہان میں ہے: مذہب مختار میں اس جلد کو دھونا فرض ہے جو بالوں سے چُھپی ہوئی نہیں ہے

کحاجب وشارب وعنفقة فی المختار (ویستثنی منه ما اذا کان الشارب طویلا یسترحمرة الشفتین لما فی السراجیة من ان تخلیل الشارب الساتر حمرة الشفتین واجب[1]) اھ ملخصا مزیدا ما بین الاھلة من ردالمحتار۔ **قلت:** واستحبابی غسل المسترسل نظرا الی خلاف الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه لما نصواف علیه من ان الخروج عن الخلاف مستحب بالاجماع مالم یرتکب مکروہ مذھبه کما فی ردالمحتار وغیرہ۔[2]	جیسے بھوؤں، مونچھوں اور بچّی کے بالوں سے [نہ چھپنے والی جلد ۱۲م] اس سے وہ صورت مستثنی ہے جب مونچھیں اتنی لمبی ہوں کہ لبوں کی سُرخی کو چھپالیں، کیونکہ سراجیہ میں ہے کہ لبوں کی سُرخی کو چھپالینے والی مونچھوں کا خلال کرنا یعنی ہٹا کر لب کی جلد دھونا فرض ہے) اھ۔ درمختار کی عبارت تلخیص اور ہلالین کے درمیان ردالمحتار سے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔ **قلت** داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کو دھونا، میں نے امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کے اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے مستحب کہا اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ صورتِ اختلاف سے بچنا بالاجماع مستحب ہے بشرطیکہ اس میں اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔

اُسی میں ہے:

سننه تخلیل اصابع الیدین والرجلین وھذا بعد	ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کا خلال سنت ہے یہ اس وقت ہے جب پانی

ف: حتی الامکان اختلاف علما سے بچنا مستحب ہے جب تک اس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آئے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الطہارت، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۸و۱۹، ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۶تا۶۹

[2] الدرالمختار کتاب الطہارت مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷، ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۹

دخول الماء خلالها فلو منضمة فرض [1]۔	ان انگلیوں کے بیچ پہنچ گیا ہو اگر ملی ہوئی ہوں (کہ پانی نہ پہنچے) تو پانی پہنچانا فرض ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

مستحبہ تحریك خاتمہ الواسع وکذا الضیق ان علم وصول الماء والا فرض [2]۔	کشادہ انگوٹھی کو حرکت دینا مستحب ہے اسی طرح تنگ کو بھی، اگر معلوم ہو کہ پانی پہنچ گیا ورنہ فرض ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

ومن الاٰداب تعاھد موقیہ وکعبیہ وعرقوبیہ واخمصیہ [3]۔ **قلت:** وھذا ان کان الماء یسیل علیھا وان لم یتعاھد والا فرض کنظائرہ المارۃ۔	آداب وضو میں سے یہ ہے کہ آنکھ کے گوشوں، ٹخنوں، ایڑیوں، تلووں پر خاص دھیان دے اھ(ت) **قلت:** یہ اس صورت میں ہے جب پانی ان جگہوں پر خاص دھیان دیئے بغیر بہہ جاتا ہو ورنہ فرض ہوگا جیسے اس کی سابقہ نظیروں میں حکم ہے۔(ت)

ضروریات ف غسل مطلقًا ظاہر ہے کہ وضو میں جس جس عضو کا دھونا فرض ہے غسل میں بھی فرض ہے تو یہ سب اشیاء یہاں بھی معتبر اور ان کے علاوہ یہ اور زائد۔

(۳۱) سر کے بال کہ گندھے ہوئے ہوں ہر بال پر جڑ سے نوک تک پانی بہنا۔

(۳۲) کانوں میں بالی پتّے وغیرہ زیوروں کے سوراخ کا غسل میں وہی حکم ہے جو ناک میں بلاق وغیرہ کے چھید کا غسل و وضو دونوں میں تھا۔

(۳۳) بھنوؤں کے نیچے کی کھال اگرچہ بال کیسے ہی گھنے ہوں۔

(۳۴) کان کا ہر پرزہ اس کے سوراخ کا منہ۔

ف: غسل میں ان ۲۵ یا ۳۰ گزشتہ کے علاوہ ۲۲ جگہ اور ہیں جن کی احتیاط مرد و عورت سب پر لازم۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۲/۱

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۲/۱ و ۲۳

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی، ۲۴/۱

(۳۵) کانوں کے پیچھے بال ہٹا کر پانی بہائے۔

(۳۶) استنشاق بمعنی مذکور۔

(۳۷) مضمضہ بطرز مسطور۔

(۳۸) داڑھوں کے پیچھے،

(۳۹) دانتوں کی کھڑکھیوں میں جو سخت چیز ہو پہلے جدا کرلیں۔

(۴۰) چونا ریخیں وغیرہ جو بے ایذا چھوٹ سکے چھڑانا۔

(۴۱) ٹھوڑی اور گلے کا جوڑ کہ بے منہ اٹھائے نہ دُھلے گا۔

(۴۲) بغلیں بے ہاتھ اٹھائے نہ دُھلیں گی۔

(۴۳) بازو کا ہر پہلو،

(۴۴) پیٹھ کا ہر ذرہ۔

(۴۵) پیٹ وغیرہ کی بلٹیں اٹھا کر دھوئیں۔

(۴۶) ناف انگلی ڈال کر جبکہ بغیر اس کے پانی بہنے میں شک ہو۔

(۴۷) جسم کا کوئی رونگٹا کھڑا نہ رہ جائے۔

(۴۸) ران اور پیڑو کا جوڑ کھول کر دھوئیں۔

(۴۹) دونوں سرین ملنے کی جگہ، خصوصًا جب کھڑے ہو کر نہائیں۔

(۵۰) ران اور پنڈلی کا جوڑ جبکہ بیٹھ کر نہائیں۔

(۵۱) رانوں کی گولائی۔

(۵۲) پنڈلیوں کی کروٹیں۔

خاص ف بمرداں۔

(۵۳) گندھے ہوئے بال کھول کر جڑ سے نوک تک دھونا۔

(۵۴) مونچھوں کے نیچے کی کھال اگرچہ گھنی ہوں۔

(۵۵) داڑھی کا ہر بال جڑ سے نوک تک۔

ف: ان ۵۲ کے سوا آٹھ مواقع اور ہیں جن کی احتیاط غسل میں خاص مردوں کو ضرور۔

(۵۶) ذکر وانثیین کے ملنے کی سطحیں کہ بے جدا کیے نہ دُھلیں گی۔

(۵۷) انثیین کی سطح زیریں جوڑ تک۔

(۵۸) انثیین کے نیچے کی جگہ تک۔

(۵۹) جس کا ختنہ نہ ہوا ہو بہت علماء کے نزدیک اُس پر فرض ہے کہ کھال چڑھ سکتی ہو تو حشفہ کھول کر دھوئے۔

(۶۰) اس قول پر اس کھال کے اندر بھی پانی پہنچنا فرض ہوگا بے چڑھائے اُس میں پانی ڈالے کہ چڑھنے کے بعد بند ہو جائے گی۔

خاص ف بزنان

(۶۱) گندھی چوٹی میں ہر بال کی جڑ تر کرنی، چوٹی کھولنی ضرور نہیں مگر جب ایسی سخت گندھی ہو کہ بے کھولے جڑیں تر نہ ہوں گی۔

(۶۲) ڈھلکی ہوئی پستان اٹھا کر دھونی۔

(۶۳) پستان وشکم کے جوڑ کی تحریر۔

(۶۴تا۶۷) فرج خارج کے چاروں لبوں کی جیبیں جڑ تک۔

(۶۸) گوشت پارہ بالا کا ہر پرت کہ کھولے سے کھل سکے گا۔

(۶۹) گوشت پارہ زیریں کی سطح زیریں۔

(۷۰) اس پارہ کے نیچے کی خالی جگہ غرض فرج خارج کے ہر گوشے پرزے کنج کا خیال لازم ہے ہاں فرج داخل کے اندر انگلی ڈال کر دھونا واجب نہیں، بہتر ہے۔ درمختار میں ہے:

یفرض غسل کل مایمکن من البدن بلا حرج مرۃ کاذن وسرۃ وشارب وحاجب (ای بشرۃ وشعراوان کثف بالاجماع کما فی المنیۃ) ولحیۃ وشعر رأس ولو متلبدا وفرج خارج لانہ کالفم لاداخل ولا تدخل اصبعہا فی قبلہا	بدن کا ہر وہ حصہ جسے بلاحرج دھونا ممکن ہے اسے ایک بار دھونا فرض ہے جیسے کان، ناف مونچھیں، بھوں (یعنی جلد اور بال دونوں، اگرچہ بال گھنے ہوں۔ اس پر اجماع ہے جیسا کہ منیہ میں ہے) داڑھی، سر کے بال اگرچہ گندھے ہوئے ہوں، فرج خارج اس لئے کہ اس کا حکم منہ کی طرح ہے۔ فرج داخل نہیں، فرج داخل میں اسے انگلی ڈال کر دھونا

ف: اُن ۶۰ کے سوا دس ۱۰ مواضع اور ہیں جن کی احتیاط غسل میں خاص عورتوں پر لازم۔

به یفتی(ای لایجب ذلك کما فی الشرنبلالیة ح وفی التتارخانیة عن محمد انه ان لم تدخل الاصبع فلیس بتنظیف) لاداخل قلفة بل یندب هوالاصح قاله الکمال وعلله بالحرج وفی المسعودی ان امکن فتح القلفة بلامشقة یجب والا فلاوکفی بل اصل ضفیرتها للحرج اما المنقوض فیفرض غسل کله ولولم یبتل اصلها یجب نقضهاهوالاصح لایکفی بل ضفیرته فینقضها وجوبا ولوعلویا اوترکیا لامکان حلقه (هو الصحیح)اهملخصا مزیدا من الشامی۔[1]	نہیں ہے اسی پر فتوی ہے(یعنی واجب نہیں ہے، جیسا کہ شر نبلالیہ میں ہے ، حلبی۔اور تاتار خانیہ میں ہے امام محمد سے روایت ہے کہ اگر عورت انگلی نہ ڈالے توتنظیف نہ ہوگی) جس کا ختنہ نہ ہوا ہو اس پر ختنہ کی کھال کے اندر دھونا فرض نہیں بلکہ مستحب ہے ، یہی اصح ہے۔ یہ کمال ابن الہمام نے فرمایا اور اس کا سبب حرج کو بتایا۔اور مسعودی میں ہے کہ اگر بغیر مشقت کے اس کھال کو کھول سکتا ہے تو واجب ہے ورنہ نہیں۔ عورت کو اپنے جوڑوں کی جڑتر کرلیناکافی ہے حرج کی بناء پر۔ لیکن بال کھلے ہوئے ہیں تو سب دھونا فرض ہے۔اور اگر جُوڑے کی جڑتر نہیں ہوتی تو کھولناواجب ہے، یہی اصح ہے۔ مرد کو جُوڑے تر کر لیناکافی نہیں بلکہ اس پر کھولنا واجب ہے اگرچہ علوی یاترکی ہو اس لئے کہ وہ بال کٹاسکتا ہے (یہی صحیح ہے) اھ درمختار کی عبارت تلخیص اور شامی سے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔

اُسی میں ہے:

من آدابه تحریك القرط ان علم وصول الماء والافرض۔[2]	غسل کے آداب میں سے ہے کہ بالی کو حرکت دے اگر معلوم ہو کہ پانی پہنچ گیاورنہ پانی پہنچانافرض ہے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۸و۲۹،الدرالمختار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۳و۱۰۴

[2] الدرالمختار،کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی،۱/۲۳

اُسی میں ہے:

لوخاتمه ضیقانزعه اوحرکه وجوبا کقرط ولولم یکن بثقب اذنه قرط فدخل الماء فی الثقب عندمروره علی اذنه اجزأه کسرة واذن دخلهماالماء والایدخل ادخله ولوباصبعه ولا یتکلف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول[1]۔	اگر انگوٹھی تنگ ہو تو اتار دے ورنہ واجب ہے کہ حرکت دے کر پانی پہنچائے جیسے بالی کا حکم ہے اور اگر کان کے سوراخ میں بالی نہیں ہے اور پانی کان پر گذرنے کے وقت سوراخ میں بھی چلا گیا تو کافی ہے جیسے ناف اور کان میں پانی چلا جائے تو کافی ہے اور اگر پانی نہ جائے تو پہنچائے اگرچہ انگلی کے ذریعہ۔ لکڑی وغیرہ کے استعمال کا تکلف نہ کرے۔ اعتبار اس کا ہے کہ پانی پہنچ جانے کا غالب گمان ہو جائے۔
اقول: ای فی غیرالموسوس وغیرماجن لایبالی فالاول ینزل الیقین الی محض الشك والثانی یرفع الشك الی عین الیقین کما ھو معلوم مشاھد واللہ المستعان۔	**اقول:** یہ ضابطہ اعتبار وسوسہ کے مریض، اور تماشہ باز بے پروا کے حق میں ہے اول تو یقین کو شک کی منزل میں لاتا ہے اور ثانی شک کو یقین بنالیتا ہے جیسا کہ مشاہدہ اور معلوم ہے۔ اور خدا ہی سے استعانت ہے۔ (ت)

بالجملہ تمام ظاہر بدن ہر ذرّہ ہر رونگٹے پر سر سے پاؤں تک پانی بہنا فرض ہے ورنہ غسل نہ ہوگا مگر مواضع حرج ف۲ معاف ہیں مثلاً:

(۱) آنکھوں کے ڈھیلے۔

(۲) عورت کے گندھے ہوئے بال۔

(۳) ناک کان کے زیوروں کے وہ سوراخ جو بند ہو گئے۔

ف۱: مسئلہ: مواضع احتیاط میں پانی پہنچنے کا ظن غالب کافی ہے یعنی دل کو اطمینان ہو کہ ضرور پہنچ گیا مگر یہ اطمینان نہ بے پرواہوں کا کافی ہے جو دیدہ ودانستہ بے احتیاطی کر رہے ہیں نہ وہمی وسوسہ زدہ کا اطمینان ضرور جسے آنکھوں دیکھ کر بھی یقین آنا مشکل بلکہ متدین محتاط کا اطمینان چاہیے۔

ف۲: اکیس۲۱ مواضع جو پانی بہانے میں بوجہ حرج معاف ہیں۔

---

[1] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۲۹

(۴) نامختون کا حشفہ جبکہ کھال چڑھانے میں تکلیف ہو۔

(۵) اس حالت میں اس کھال کی اندرونی سطح جہاں تک پانی بے کھولے نہ پہنچے اور کھولنے میں مشقت ہو۔

(۶) مکھی یا مچھر کی بیٹ جو بدن پر ہو اُس کے نیچے۔

(۷) عورت کے ہاتھ پاؤں میں اگر کہیں مہندی کا جرم لگا رہ گیا۔

(۸) دانتوں کا جما ہوا چونا۔

(۹) مسی کی ریخیں۔

(۱۰) بدن کا میل۔

(۱۱) ناخنوں میں بھری ہوئی یا بدن پر لگی ہوئی مٹّی۔

(۱۲) جو بال خود گرہ کھا کر رہ گیا ہو اگرچہ مرد کا۔

(۱۳) پلک یا کوئے میں سرمہ کا جرم۔

(۱۴) کاتب کے انگوٹھے پر روشنائی۔ ان دونوں کا ذکر رسالہ **الجود الحلو** میں گزرا۔

(۱۵) رنگریز کا ناخن پر رنگ کا جرم۔

(۱۶) نان بائی یا پکانے والی عورت کے ناخن میں آٹا، علی خلاف فیہ۔

(۱۷) کھانے کے ریزے کہ دانت کی جڑ یا جوف میں رہ گئے **کما مر اٰنفا عن الخلاصۃ**۔ (جیسا کہ ابھی خلاصہ سے گزرا۔ (ت)

اقول: یوں ہی پان کے ریزے نہ چھالیا کے دانے کہ سخت ہیں کما مر ایضا۔ (جیسا کہ ابھی خلاصہ سے گزرا۔ ت)

اقول: وبتعلیل المسألۃ بالحرج لعموم البلوی یندفع مامر من الایراد۔	**اقول:** جب مسئلہ کی علت یہ بتادی گئی کہ ابتلاء عام کی وجہ سے حرج ہے تو وہ اعتراض دفع ہوگیا جو عبارت خلاصہ کے تحت گزرا۔ (ت)

(۱۸) اقول: ہلتا ہواف دانت اگر تار سے جکڑا ہے معافی ہونی چاہئے اگرچہ پانی تار کے نیچے نہ بہے کہ

ف: **مسئلہ:** ہلتا ہوا دانت چاندی کے تار سے باندھنا یا مسالے سے جمانا جائز ہے اور اس وقت غسل میں اس تار یا مسالے کے نیچے پانی نہ بہنا معاف ہونا چاہئے۔

بار بار کھولنا ضرر دے گا نہ اس سے ہر وقت بندش ہو سکے گی۔

(۱۹) یوں ہی اگر اُکھڑا ہُوا دانت کسی مسالے مثلاً برادہ آہن ومقناطیس وغیرہ سے جمایا گیا ہے جمے ہوئے چُونے کی مثل اس کی بھی معافی چاہئے۔

اقول: لانہ ارتفاق مباح وفی الازالۃ حرج۔	**اقول:** کیونکہ یہ انتفاع وعلاج مباح ہے اور زائل کرنے میں حرج ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لایشد سنہ المتحرك بذھب بل بفضۃ [1]۔	ملتے ہوئے دانت کو سونے سے نہیں بلکہ چاندی سے باندھے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الکرخی اذا سقطت ثنیۃ رجل فان اباحنیفۃ یکرہ ان یعیدھاویقول ھی کسن میتۃ ولکن یاخذ سن شاۃ ذکیۃ یشد مکانھا وخالفہ ابویوسف فقال لاباس بہ اھ اتقانی.زادفی التاترخانیۃ قال بشر قال ابو یوسف سألت ابا حنیفۃ عن ذلك فی مجلس اخر فلم یر باعادتھا باسا [2]۔ **اقول:** مبنی القول الاول ان السن عصب فیحلہ الموت	امام کرخی نے کہا: کسی کا اگلا دانت گر گیا تو امام ابو حنیفہ اس کو اس کی جگہ پھر لگانا مکروہ کہتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ مردے کے دانت کی طرح ہے لیکن شرعی طور پر ذبح کی ہوئی کسی بکری کا دانت لے کر اس کی جگہ لگالے۔امام ابو یوسف اس بارے میں امام کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں اھ اتقانی۔تاتار خانیہ میں یہ اضافہ ہے: بشر نے کہا امام ابو یوسف فرماتے ہیں میں نے ایک دوسری مجلس میں اس سے متعلق امام ابو حنیفہ سے پوچھا تو اس دانت کو دوبارہ اس کی جگہ لگا لینے میں انھوں نے کوئی حرج نہ قرار دیا اھ۔ **اقول:** قولِ اول کی بنیاد یہ ہے کہ دانت اعصاب میں سے ہے تو موت اس میں

[1] الدرالمختار،کتاب الحظروالاباحۃ، فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۲۴۰

[2] ردالمحتار،کتاب الحظروالاباحۃ، فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱

والصحیح انہ عظم فلا ینجس ولو من میتۃ وقد نص فی البدائع والکافی والبحر والدروغیرھاان سن الانسان طاھرۃ علی ظاھر المذھب وھوالصحیح وان مافی الذخیرۃ وغیرھامن انھانجسۃ ضعیف [1] اھ فارتفع الاشکال کیف لا وقد رجع عنہ الامام۔	سرایت کرے گی اور صحیح یہ ہے کہ دانت ایک ہڈی ہے، تو وہ اگرچہ ایک مُردے ہی کا ہو نجس نہ ہوگا۔ اور بدائع، کافی بحر، درمختار وغیرہا میں تصریح ہے کہ انسان کا دانت پاک ہے، یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی صحیح ہے اور ذخیرہ وغیرہا میں جو لکھا کہ نجس ہے یہ قول ضعیف ہے اھ، تو اشکال دُور ہوگیا۔ پھر یہ کیسے نہ ہو جب کہ امام اس سے رجوع کرچکے ہیں۔(ت)

ہاں اگر کمانی چڑھی ہو جس کے اتارنے چڑھانے میں حرج نہیں اور پانی بہنے کو روکے گی تو اتارنا لازم ہے۔

(۲۰) پٹّی کہ زخم پر ہو اور کھولنے میں ضرر یا حرج ہے۔

(۲۱) ہر وہ جگہ کہ کسی درد یا مرض کے سبب اُس پر پانی بہنے سے ضرر ہوگا۔

والمسائل مشھورۃ وفی فتاوٰنا مذکورۃ۔(یہ مسائل مشہور ہیں اور ہمارے فتاوی میں مذکور بھی ہیں۔ت) غرض مدار حرج پر ہے اور حرج بنص قرآن مدفوع اور یہ امت دنیا وآخرت میں مرحومہ، والحمد ﷲ رب العالمین۔ درمختار میں ہے:

لایجب غسل مافیہ حرج کعین وان ف۱ اکتحل بکحل نجس وثقب انضم وداخل قلفۃ وشعر المرأۃ المضفور ولایمنع	اسے دھونا واجب نہیں جس کے دھونے میں حرج ہے جیسے اندرونِ چشم۔ اگرچہ ناپاک سرمہ لگالیا ہو۔ اور ایسا سوراخ جو بند ہوگیا ہو، اور ختنہ کی کھال کے اندر کا حصہ اور عورت کے گُندھے ہوئے بال۔

ف: **مسئلہ:** ناپاک سرمہ آنکوں میں لگالیا آنکھیں اندر سے دھونے کا حکم نہیں۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر والبدائع والکافی کتاب الطہارۃ باب المیاہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۳۸

الطھارۃ خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته[1] (لان الاحتراز عنه غیر ممکن حلیه[2]) وحناء ولوجرمه به یفتی و وسخ وتراب وطین ولو فی ظفر مطلقاقرویااومدنیا فی الاصح وما علی ظفر صباغ[3] اھ ملخصًا۔	اسے دھونا واجب نہیں جس کے دھونے میں حرج ہے جیسے اندرونِ چشم۔ اگرچہ ناپاک سرمہ لگالیا ہو۔ اور ایسا سوراخ جو بند ہوگیاہو،اور ختنہ کی کھال کے اندر کا حصہ اور عورت کے گُندھے ہوئے بال اور طہارت سے مانع نہیں مکھی اور مچھر کی وہ بیٹ جس کے نیچے پانی نہ پہنچا(اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔ حلیہ)اور مہندی اگرچہ اس میں دبازت ہواسی پر فتوی ہے اور میل اور مٹی اور گارا اگرچہ ناخن میں ہو مطلقًا دیہی ہو یا شہری اصح یہی ہے اور وہ رنگ جو رنگریز کے ناخن پر بیٹھ گیا ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ من مسألة الضفیرۃ انه لایجب غسل عقد الشعر المنعقد بنفسه لان الاحتراز عنه غیر ممکن ولو من شعر الرجل ولم ارمن نبه علیه من علمائنا تامل[4]۔	عورت کے جُوڑے کے مسئلے سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ جو بال خود گرہ کھا کر بیٹھ گیا اسے دھونا واجب نہیں اس لئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں اگرچہ مرد کا بال ہو۔ میں نے اپنے علماء میں سے کسی کی اس پر تنبیہ نہ دیکھی۔ تو غور کرو۔

اُسی میں ہے:

فی النھر لوفی اظفارہ عجین فالفتوی انه مغتفر[5]۔	نہر میں ہے اگر اس کے ناخنوں کے اندر خمیر رہ گیا ہو تو فتوی اس پر ہے کہ وہ معاف ہے (ت)

اقول: وباللّٰہ التوفیق فـــ حرج کی تین صورتیں ہیں:

فـــ: مصنف کی تحقیق کہ حرج تین قسم ہے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۸/۱و۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۴/۱

[3] الدرالمختار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۹/۱

[4] ردالمحتار، کتاب الطھارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۴/۱

[5] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۴/۱

ایک: یہ کہ وہاں پانی پہنچانے میں مضرت ہو جیسے آنکھ کے اندر۔

دوم: مشقت ہو جیسے عورت کی گندھی ہوئی چوٹی۔

سوم: بعد علم واطلاع کوئی ضرر ومشقت تو نہیں مگر اس کی نگہداشت، اس کی دیکھ بھال میں دقت ہے جیسے مکھی مچھر کی بیٹ یا الجھا ہوا گرہ کھایا ہوا بال۔

قسم اول ودوم کی معافی توظاہر اور قسم سوم میں بعد اطلاع ازالہ مانع ضرور ہے مثلاً جہاں مذکورہ صورتوں میں مہندی، سرمہ، آٹا، روشنائی، رنگ، بیٹ وغیرہ سے کوئی چیز جمی ہوئی دیکھ پائی تواب یہ نہ ہو کہ اُسے یوں ہی رہنے دے اور پانی اوپر سے بہادے بلکہ چھُڑالے کہ آخر ازالہ میں تو کوئی حرج تھا ہی نہیں تعاہد میں تھا بعد اطلاع اس کی حاجت نہ رہی

ومن المعلوم ان ماکان لضرورۃ تقدربقدرھا هذا ماظهرلی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واله وصحبه اجمعین۔	معلوم ہے کہ جو حکم کسی ضرورت کے باعث ہو وہ قدر ضرورت ہی کی حد پر رہے گا۔ یہ وہ ہے جو مجھ پر منکشف ہوا، اور حق کا علم میرے رب کے یہاں ہے، اور خدائے پاک و برتر ہی کو خوب علم ہے اور اس مجد بزرگ والے کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔ اور ہمارے آقا محمد، ان کی آل اور تمام اصحاب پر خدائے برتر کا درود ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۳: ۷ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو زکام ہوا اور بسبب اُس کے دردِ سر ہے اسی حالت میں اس کو حاجتِ غسل ہوئی اُس نے اس خیال سے کہ اگر میں سر سے نہاؤں گا تو مرض میں ترقی ہو کر اور عوارض مثل بخار وغیرہ کے پیدا ہو جائیں گے اور زید کو ترقی مرض کا پورا یقین اور تجربہ ہے، اس سبب سے اُس نے سر کو چھوڑ کر باقی جسم سے نہالیا اور تمام سر کا خوب مسح کرلیا تو غسل اُس کا صحیح اور نماز اُس کی یا جس نے اُس کے پیچھے پڑھی درست ہوگی یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں اس کو تیمّم کا حکم تھا؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس کی نماز، امامت سب درست و صحیح ہوئی غریب الروایۃ پھر کتاب الفیض الموضوع لنقل ماھو المختار للفتوی پھر منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں ہے:

المرأة لوضرها غسل رأسها فی الجنابة اوالحیض تمسح علی شعرها ثلث مسحات بمیاہ مختلفة وتغسل باقی جسدها[1]۔	اگر عورت کو جنابت یا حیض کے غسل میں سر دھونے سے ضرر ہو تو تین الگ الگ پانیوں سے تین بار اپنے بالوں پر مسح کرلے اور باقی جسم دھوئے (ت)

حلیہ شرح منیہ میں ہے:

ان کان اکثرا عضائه صحیحا بان کانت الجراحة علی راسه وسائر جسده صحیح فانه یدع الرأس ویغسل سائر الاعضاء[2]۔	اگر اکثر اعضاء ٹھیک ہوں (مثلاً) اس طرح کہ سر میں زخم ہو اور باقی جسم صحت مند ہو تو سر چھوڑ کر دیگر اعضاء کو دھولے ۔(ت)

در مختار میں ہے:

صح اقتداء غاسل بماسح ولو علی جبیرة[3]۔	جو اعضاء کو دھونے والا ہے وہ مسح کرنے والے کی اقتداء کرسکتا ہے اگرچہ زخم کی پٹی پر ہی مسح کرنے والا ہو۔(ت)

اصل ف کلی یہ ہے کہ غسل میں اگر بعض جسم پر پانی ڈالنا مضر ہو تو کثرت کا اعتبار ہے، اگر اکثر جسم وہی ہے جس پر پانی پہنچنا ضرر دے گا خواہ یوں کہ عارضہ خود اُسی جسم میں ہو یا یوں کہ اُس پر پانی ڈالنے سے پانی ایسی جگہ پہنچے گا جہاں پہنچنے سے ضرر ہے تو تیمّم کرے اور اگر اکثر جسم سالم ہے تو جس قدر میں مضرت ہے وہاں مسح کرلے باقی پر پانی بہالے۔ در مختار میں ہے:

(تیمم لواکثرہ مجروحا) اوبه جدری اعتبار اللاکثر (وبعکسه یغسل) الصحیح[4]۔	(اگر اکثر جسم میں زخم ہے) یا اس میں چیچک ہے تو اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے (اسے تیمّم کرلینا ہے، اور اس کے برعکس ہو تو دھونا ہے) یہی صحیح ہے۔(ت)

ف: مسئلہ: جب بدن کے بعض حصہ پر پانی ضرر دیتا ہو اور بعض پر نہیں تو اکثر کا اعتبار ہے۔

[1] منحة الخالق علی حاشیة بحر الرائق کتاب الطہارة باب المسح علی الخفین ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۴
[2] حلیة المحلی شرح منیة المصلی
[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الامامة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵
[4] الدر المختار کتاب الطہارۃ (آخر باب التیمم) مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۵

ردالمحتار میں ہے:

لکن اذا کان یمکنه غسل الصحیح بدون اصابة الجریح والاتیمم حلیة [1]۔	لیکن جب صحت مند حصے کو اس طرح دھونا ممکن ہو کہ زخمی حصے پر پانی نہ جائے تو دھوئے ورنہ تیمّم کرے۔ حلیہ (ت)

ظاہر ہے کہ متن میں لفظ زخم یا شرح میں لفظ خارش کوئی قید نہیں مدار ضرر پر ہے کسی وجہ سے ہو کما لایخفی ھذا (جیساکہ پوشیدہ نہیں یہ ذہن نشین رہے۔ت)

واعلم ان المدقق العلائی ذکر فی الدرالمختار اٰخر التیمم مانصه(من به وجع راس لایستطیع معه مسحه)محدثاًولا غسله جنباًففی الفیض عن غریب الروایة تیمم وافتی قارئ الهدایة انه(یسقط) عنه(فرض مسحه) وکذا یسقط غسله فیمسحه [2] اھ ملخصاً قال الشامی وماافتی به نقله فی البحر عن الجلابی و نظمه العلامة ابن الشحنة فی شرحه علی الوھبانیة اھ وقال تحت قوله وکذا یسقط غسله ای غسل الرأس	واضح ہو کہ مدقق علائی رحمہ اللہ تعالٰی نے درمختار باب التیمم کے آخر میں یہ کیا ہے [ہلالین کے درمیان متن تنویر الابصار کے الفاظ ہیں ۱۲م] (جس کے سر میں ایسی بیماری ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے مسح نہیں کرسکتا) جب بے وضو ہے۔اور نہ دھوسکتاہے جب حالت جنابت میں ہے۔توفیض میں غریب الروایہ سے نقل ہے کہ وہ تیمّم کرے۔اور قاری ہدایہ نے فتوی دیاکہ (اس سے فرض مسح ساقط ہے) اور اسی طرح اس کا دھونا ساقط ہے تووہ مسح کرے گا اھ ملخصًا۔ علامہ شامی نے کہا: قاری ہدایہ نے جو فتوی دیا ہے اسے البحر الرائق میں جلابی سے نقل کیا ہے اور اسی کو علامہ ابن الشحنہ نے وہبانیہ کی شرح میں نظم کیا ہے اھ۔اور علامہ شامی نے عبارت درمختار "اسی طرح اس کا دھونا ساقط ہے" کے تحت لکھا ہے یعنی جنابت سے سر دھونا

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ (آخر باب التیمم) داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۷۱

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ (آخر باب التیمم) مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۶

من الجنابة[1] اھ **اقول:** فھذا الذی افتی بہ العلامة سراج الدین قاری الھدایة شیخ المحقق ابن الھمام موافق لما افتی بہ العبد الضعیف وھوالماشی علی الاصل المار الذی تظافرت علیہ کلماتھم جمیعاولم ازل اتعجب ممانقل عن غریب الروایة فی مسألة الجنابة من الامر بالتیمم لاجل الضرر فی الرأس وحدہ ثم رأیت منحة الخالق فوجدت انہ نقل عن الفیض عن الغریب مافی الدرولصیقابہ ماقدمت من مسألة المرأة فزدت عجبافان فرع المرأة یخالف الفرع الاول صریحا ولذا قال فی الفیض عقیب نقلہ وھو عجیب کما فی المنحة[2] ایضا ثم ان المولی ف سبحنہ وتعالی فتح بمااوضح المرام وازاح العجب فان عبارة غریب الروایة	ساقط ہے اھ۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) علامہ سراج الدین قاری الہدایہ شیخ محقق ابن الہمام نے جو فتوی دیا بندہ ضعیف کے فتوے کے مطابق ہے اور یہی اس قاعدے پر جاری ہے جس پر تمام علماء متفق ہیں اور اُس پر برابر مجھے تعجب رہا جو غریب الروایہ سے فیض میں منقول ہے کہ صرف سر میں ضرر کی وجہ سے تیمّم کا حکم ہے پھر میں نے منحۃ الخالق میں دیکھا کہ بحوالہ فیض غریب الراویہ سے وہی مسئلہ نقل کیا ہے جو درمختار میں ہے اور اس کے بعد بالکل متصل ہی وہ جزئیہ ہے جو عورت سے متعلق میں نے اس فتوے کے شروع میں پیش کیا۔ یہ دیکھ کر مجھے اور زیادہ تعجب ہوا اس لئے کہ جزئیہ عورت، جزئیہ اول کے صراحۃ مخالف ہے۔ اسی لئے فیض میں اسے نقل کرنے کے بعد کہا" یہ عجیب ہے" جیسا کہ منحۃ الخالق ہی میں ہے۔ پھر مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے وہ امر منکشف فرمایا جس نے مقصد واضح کردیا اور تعجب جاتا رہا۔ اس لئے کہ غریب الراویہ کی اصل عبارت اس

ف: توجیہ نفیس لمافی غریب الروایة۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ (آخر باب التیمم) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۷۳

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب المسح علی الخفین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۴

علی مافی المنحة عن الفیض عنه هکذا من برأسه صداع من النزلة ویضرہ المسح فی الوضوءاو الغسل فی الجنابة یتیمم والمرأة لوضرھا[1] الخ فتحدس فی خاطری وللہ الحمدان الغسل ھھنا بضم الفاء دون فتحھافلیس ف المراد غسل الرأس کما اوھمه عبارة الدر بل المعنی ضرہ الغسل واسالة الماء علی بدنه ولو بترك الرأس لماتصعد به الابخرة الی الدماغ فیزداد به ضررا فی بعض الصور کماعلم فی الطب وھذاحکم صحیح لاغبار علیه ولاخلاف فیه للاصل السابق ولا للفرع اللاحق وانماخص المرأة بالذکر لیعلم حکم الرجل بالاولی فانه اذاامر بمسح الشعر النازل الذی لایکون ضررغسله کضررغسله نفس الرأس فنفسه اجدر بالحکم ھذاکله بالغسل واماالوضوء فمن المعلوم ان من بلغ به النزلة مبلغا یضرہ مسح ربع

طرح ہے جیسا کہ منحۃ الخالق میں بحوالہ فیض اس سے نقل کیا ہے: "جس کے سر میں نزلہ کی وجہ سے چکر آتا ہے اور اسے وضو میں مسح اور جنابت میں غسل ضرر دیتا ہے وہ تیمّم کرے، اور اگر عورت کو جنابت یا حیض کے غسل میں سر دھونے سے ضرر ہو الخ۔ تو میرے دل میں یہ خیال گذرا وللہ الحمد کہ لفظ "غسل" یہاں زبر سے نہیں بلکہ پیش سے ہے، اس سے مراد سر دھونا نہیں جیسے کہ درمختار کی عبارت سے وہم ہوتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ اسے غسل اور سر چھوڑ کر بھی بدن پر پانی بہانے سے ضرر ہوتا ہے کیونکہ بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جس سے بعض صورتوں میں تکلیف اور بڑھ جاتی ہے جیسا کہ فنِ طب میں مذکور و معلوم ہے اور یہ حکم بالکل صحیح بے غبار ہے جس میں سابقہ قاعدے اور مابعد جزئیے کی کوئی مخالفت نہیں اور بعد والے جزئیے میں خاص عورت کا ذکر اس لئے ہے کہ اس سے مرد کا حکم بطریقِ اولٰی دریافت ہوجائے۔ اس لئے جب یہ حکم ہے کہ عورت اپنے لٹکے ہوئے بالوں کا مسح کرلے جب کہ اس کے دھونے میں وہ ضرر نہیں ہوگا جو خود سر دھونے میں ہوتا ہے تو (مرد کے لئے) خود سر کے مسح کا حکم بدرجہ اولی ہوجائے گا یہ ساری گفتگو تو غسل سے متعلق ہوئی اب رہا وضو کا معاملہ، تو یہ معلوم ہے

ف: تطفل علی الدر۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۴

راسه بيد مبتلة فيضره غسل الوجه واليدين والرجلين من باب اولى فان البرد الذى يصل الى الدماغ باسالة الماء على الاطراف اشد من برد عسى ان يصل باصابة يد مبتلة بعض الرأس فلاجل هذا امر بالتيمم هذا غاية مايوجه به كلامه فكان الاحرى بالمولى المحقق المدقق العلائى ان يوجهه هكذا والا تركه اصلا كيف ومثل الحكم عن غريب الرواية غير غريب كما قاله فى الحلية فى مسألة اخرى نقلها عنه مخالفا للجميع والالم يعزه للفيض الذى هو موضوع لنقل المذهب كيلا يكون تنويها بها والا اتم نقل كلام الفيض فانه قال عقبيه وهو عجيب هذا كله ماظهر للعبد الضعيف والله تعالى اعلم۔	کہ جس کا نزلہ اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اس کے سر کے صرف چوتھائی حصہ بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنا ضرر پہنچاتا ہے تو چہرہ اور دونوں ہاتھ پاؤں دھونے میں بدرجہ اولیٰ ضرر ہوگا اس لئے کہ ان اعضاء پر پانی بہانے سے دماغ تک پہنچنے والی ٹھنڈک اس ٹھنڈک کی بہ نسبت زیادہ سخت ہوگی جو سر کے ایک حصہ بھیگا ہوا ہاتھ لگنے سے پہنچتی ہے اسی وجہ سے اس شخص کو تیمّم کا حکم ہوا یہ انتہائی توجیہ ہے جو اس کلام سے متعلق ہو سکتی ہے ۔ تو علامہ محقق مدقق علاء الدین کے لئے مناسب یہ تھا کہ کلام کی یہ توجیہ بھی پیش کردیتے، ورنہ سرے سے اس کا ذکر ہی چھوڑ دیتے کیونکہ غریب الروایہ میں ایسا حکم مذکور ہونا کوئی عجیب و غریب بات نہیں۔ جیسا کہ حلیہ میں یہی بات ایک دوسرے مسئلہ سے متعلق کہی ہے جو سب کے برخلاف غریب الروایہ سے نقل کیا ہے۔ تیسری صورت یہ تھی کہ اس مسئلہ پر فیض کا حوالہ نہ دیتے کیوں کہ یہ نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہے اس کی جانب انتساب سے اس مسئلہ کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اگر فیض کا حوالہ دیا تو اس کے بعد فیض کا ریمارک "وھو عجیب" بھی نقل کرکے اس کا کلام مکمل کردینا چاہئے تھا۔ یہ سب وہ ہے جو بندہ ضعیف پر ظاہر ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴: مرسلہ سید مودود الحسن نبیرہ ڈپٹی سید اشفاق حسین صاحب ۱۱/رجب ۱۳۱۷ھ

یاایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی مریض لہ حاجۃ الی الغسل والماء یضرہ فما الحکم فی غسلہ واداء صلاتہ الرجاء ان تبینوا لنا الجواب الاٰن۔	اے علماء ! اللہ کی آپ پر رحمت۔ ایک مریض کو نہانے کی حاجت ہے اور پانی نقصان دیتا ہے تو اُسکے غسل و نماز میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ ابھی جواب ارشاد ہو۔

الجواب:

ان ضرہ غسل راسہ لاغیرمسحہ وغسل سائر جسدہ وان ضرہ الاغتسال بماء باردا غتسل بحاراوفاتران قدروالا تیمم اومسح رأسہ وغسل بدنہ حسبمایقتضیہ حالہ وان ضرہ الاغتسال فی الوقت البارد تیمم فیہ اومسح وغسل کمامر واغتسل فی غیر ذلك الوقت وبالجملۃ یتبع الضررولا یجاوزہ فحیث لایجد سبیلا الی الغسل یتیمم الی ان یجد سبیلا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اگر اسے صرف سر دھونا مضر ہو تو سر کا مسح کرے اور باقی بدن دھوئے اور اگر ٹھنڈے پانی سے نہانا نقصان کرتا ہو تو گرم یا گنگنے پانی سے نہائے اگر مل سکے، ورنہ تیمم کرے یا سر پر مسح کرے اور بدن دھولے جیسا اس کے حال مرض کا تقاضا ہو اور اگر ٹھنڈے وقت نہانا نقصان دیتا ہے تو اس وقت تیمّم یا بدستور سر کا مسح اور باقی بدن کا غسل کرلے پھر جب گرم وقت آئے نہالے غرض جہاں تک ضرر ہو اُسی کا اتباع کرے اُس سے آگے نہ بڑھے جب کسی طرح نہ نہاسکے تو جب تک یہ حالت رہے تیمّم کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: از کلکتہ کوچہ ٹارنب ڈاکخانہ ویلزی اسٹریٹ نمبر ۶ مرسلہ رشید احمد خان ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

زید کی ران میں پھوڑا یا اور کوئی بیماری ہے ڈاکٹر کہتا ہے پانی یہاں نقصان کرے گا مگر صرف اُسی جگہ مضر ہے اور بدن پر ڈال سکتا ہے اس حالت میں وضو یا غسل کے لیے تیمّم درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو تیمّم غسل کا ویسا ہی ہے جیسا وضو کا؟ یا کیا حکم ہے؟ باقی آداب۔

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں غسل یا وضو کسی کیلئے تیمّم جائز نہیں وضو کیلئے نہ جائز ہونا تو ظاہر کہ ران کو وضو سے کوئی علاقہ نہیں اور غسل کیلئے یوں ناروا کہ اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہے لہٰذا وضو تو بلاشبہ تمام و کمال کرے

اور غسل کی حاجت ہو تو اگر مضرت صرف ٹھنڈا پانی کرتا ہے گرم نہ کرے گا اور اسے گرم پانی پر قدرت ہے تو بیشک پورا غسل کرے اتنی جگہ کو گرم پانی سے دھوئے باقی بدن گرم یا سرد جیسے سے چاہے، اور اگر ہر طرح کا پانی مضر ہے یا گرم مضر تو نہ ہوگا مگر اسے اس پر قدرت نہیں تو ضرر کی جگہ بچا کر باقی بدن دھوئے اور اس موضع پر مسح کرلے اور اگر وہاں بھی مسح نقصان دے مگر دوا یا پٹی کے حائل سے پانی کی ایک دھار بہادینی مضر نہ ہوگی تو وہاں اُس حائل ہی پر بہادے باقی بدن بدستور دھوئے اور اگر حائل پر بھی پانی بہانا مضر ہو تو دوا یا پٹی پر مسح ہی کرلے اگر اس سے بھی مضرت ہو تو اُتنی جگہ خالی چھوڑ دے جب وہ ضرر دفع ہو تو جتنی بات پر قدرت ملتی جائے بجالاتا جائے مثلاً ابھی پٹی پر سے مسح بھی مضر تھا لہذا جگہ بالکل خشک بچادی چند روز بعد اتنا آرام ہوگیا کہ یہ مسح نقصان نہ دے گا تو فوراً پٹی پر مسح کرلے اسی قدر کافی ہوگا باقی بدن تو پہلے کا دھویا ہی ہوا ہے جب اتنا آرام ہوجائے کہ اب بندش پر سے پانی بہانا بھی ضرر نہ کرے گا فوراً اس پر پانی کی دھار ڈال دے صرف مسح پر جو پہلے کرچکا تھا قناعت نہ کرے جب اتنا آرام ہوجائے کہ اب خاص موضع کا مسح بھی ضرر نہ دے گا فوراً وہاں مسح کرلے پٹی کے غسل پر قانع نہ رہے جب اتنا آرام ہو کہ اب خود وہاں پانی بہانا مضر نہ ہوگا فوراً اُس بدن کو پانی سے دھولے غرض رخصت کے درجے بتادئے گئے ہیں جب تک کم درجہ کی رخصت میں کام نکلے اعلٰی درجہ کی اختیار نہ کرے اور جب کوئی نیچے کا درجہ قدرت میں آئے فوراً اُس تک تنزل کرآئے۔ اسی طرح اگر یہ حالت ہو کہ اُس جسم پر پانی تو نقصان نہ دے گا مگر بندھا ہوا ہے کھولنے سے نقصان پہنچے گا یا کھول کر پھر باندھ نہ سکے گا تو بھی اجازت ہے کہ بندش پر سے دھونے یا مسح کرنے جس بات کی قدرت ہو عمل میں لائے جب وہ عذر جاتا رہے کھول کر جسم کو مسح یا غسل جو مقدور ہو کرے یہی سب حکم وضو میں ہیں اگر اعضائے وضو میں کسی جگہ کوئی مرض ہو الحاصل یہاں اکثر کیلئے حکم کُل کا ہے جب اکثر بدن پر پانی ڈال سکتا ہو تو ہرگز تیمّم کی اجازت نہیں بلکہ یہی طریقے جو اوپر گزرے بجالائے ہاں اگر اکثر بدن پر پانی ڈالنے کی قدرت نہ ہو (خواہ یوں کہ خود مرض ہی اکثر بدن میں ہے یا مرض تو کم جگہ ہے مگر واقع ایسا ہوا کہ اُس کے سبب اور صحیح جگہ کو بھی نہیں دھوسکتا کہ اُس کا پانی اس تک پہنچے گا اور کوئی صورت بچا کر دھونے کی نہیں یوں اکثر بدن دھونے کی قدرت نہیں (مثلاً رانوں، پنڈلیوں، بازوؤں، کلائیوں، پیٹھ پر جابجا دو دو چار چار انگل کے فاصلے سے دانے ہیں کہ صرف دانوں کی جگہ جمع کی جائے تو سارے بدن کے نصف حصہ سے کم ہو مگر وہ پھیلے ہوئے اس طرح ہیں کہ ان کے بیچ بیچ کی خالی جگہ پر بھی پانی نہیں بہاسکتے) تو ایسی حالت میں بیشک تیمّم کی اجازت ہوگی اب یہ نہ ہوگا کہ صرف تھوڑا سا بدن دھو کر باقی سارے جسم پر مسح کرلے۔ درمختار میں ہے:

تیمم لوکان اکثرہ ای اکثر اعضاء الوضوء عددا وفی الغسل مساحۃ مجروحا اوبہ جدری اعتبار للاکثر وبعکسہ یغسل الصحیح ویمسح الجریح [1]۔	اعضائے وضو میں سے بلحاظ تعداد اکثر اعضاء، اور غسل میں بلحاظ مسافت اکثر بدن اگر زخمی ہے یا اس پر چیچک ہے تو اکثر کا اعتبار کرتے ہوئے تیمّم کا حکم ہے۔اور اس کے برعکس صورت ہے تو صحتمند حصہ کو دھونے اور زخمی حصہ پر مسح کرنے کا حکم ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لکن اذا کان یمکنہ غسل الصحیح بدون اصابۃ الجریح والاتیمم حلیہ [2]۔	لیکن اگر صحت مند حصے کو اس طرح دھوسکتا ہے کہ زخمی حصہ پر پانی نہ جائے تو اسے دھونا ہے ورنہ تیمّم کرے۔ حلیہ (ت)

درمختار میں ہے:

الحاصل لزوم غسل المحل ولو بماء حار فان ضرمسحہ فان ضرمسحہا فان ضر سقط اصلا [3]۔	حاصل یہ ہے کہ زخم کی جگہ کو دھونا لازم ہے اگرچہ گرم پانی سے دھوئے۔ اگر دھونے سے ضرر ہو تو مسح کرے، اگر جائے زخم پر مسح سے بھی ضرر ہو تو پٹی کرے، اگر اس سے بھی ضرر ہو تو معافی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ولو بماء حارنص علیہ فی شرح الجامع لقاضیخان واقتصر علیہ فی الفتح وقیدہ بالقدرۃ علیہ وفی السراج انہ لایجب والظاہر الاول بحر [4]۔	کلامِ شارح "اگرچہ گرم پانی سے دھوئے" اس کی تصریح قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں ہے اور فتح القدیر میں اسی پر اکتفا ہے اور اس میں اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ اگر گرم پانی پر اسے قدرت ہو۔ اور سراج میں ہے کہ یہ واجب نہیں۔اور ظاہر اول ہے ۔بحر۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ آخر باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ آخر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۷۱

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ آخر مسح علی الخفین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۰

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ آخر باب المسح علی الخفین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۸۶

درمختار میں ہے:

یمسح علی کل عصابۃ ان ضرہ الماء اوحلھاومنہ ان لایمکنہ ربطھا[1]۔	پوری پٹی پر مسح کرے اگراسے پانی سے یا پٹی کھولنے سے ضرر ہو، اسی ضرر کے تحت یہ بھی ہے کہ کھولنے کے بعد اسے باندھ نہ سکتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ان ضرہ الماء ای الغسل بہ اوالمسح علی المحل ط[2]۔	کلام شارح "اگر پانی سے ضرر ہو" ہے یعنی پانی سے دھونے میں' یازخم کی جگہ مسح کرنے میں ضرر ہو۔ طحطاوی۔(ت)

درمختار میں ہے:

انکسرظفرہ فجعل علیہ دواء او وضعہ علی شقوق رجلہ اجری الماء علیہ ان قدر والا مسحہ والاترکہ[3]۔	ناخن ٹوٹ گیااس جگہ دوالگائی، یا پیر کی پھٹن پر دوالگائی تواس پر پانی بہائے اگراس پرقدرت ہو ورنہ اس پر مسح کرے، یہ بھی نہ ہوسکے تو چھوڑدے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یمسح الجریح ان لم یضرہ والاعصبھابخرقۃ ومسح فوقھا خانیہ وغیرھاومفادہ کما قال ط انہ یلزمہ شد الخرقۃ ان لم تکن موضوعۃ[4]۔	زخمی حصہ پر مسح کرے اگر مسح سے ضرر نہ ہو، ورنہ اس پر کوئی پٹی باندھ کر اس کے اوپر مسح کرے خانیہ وغیرہا۔اس عبارت کا مفاد جیساکہ طحطاوی نے بتایا یہ ہے کہ اس کے ذمہ پٹی باندھنالازم ہے اگرپہلے بندھی نہ رہی ہو۔(ت)

ہاں یہ بات کہ فلاں امر ضرردے گا کسی کافریا کُھلے فاسق یاناقص طبیب کے بتائے سے ثابت

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ آخرباب المسح علی الخفین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ آخرباب المسح علی الخفین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۸۷

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ آخرباب المسح علی الخفین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۰

[4] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۷۱

نہیں ہوسکتی یا تو خود اپنا تجربہ ہو کہ نقصان ہوتا ہے یا کوئی صاف علامت ایسی موجود ہو جس سے واقعی ظن غالب نقصان کا ہو یا طبیب حاذق مسلم مستور بتائے جس کا کوئی فسق ظاہر نہ ہو۔ فی الدر المختار و ردالمحتار:

تیمم لمرض یشتد او یمتد بغلبة ظن (عن امارة اوتجربة شرح منیة) اوقول (طبیب) حاذق مسلم (غیر ظاهر الفسق[1] اھ بالالتقاط۔	جب ایسی بیماری ہو کہ (علامت یا تجربہ سے شرح منیہ) یا ایسے مسلمان ماہر طبیب کے بتانے سے جس کا فسق ظاہر نہ ہو غلبہ ظن ہو کہ پانی استعمال کرنے سے وہ بیماری اور سخت ہوجائے گی یا لمبی مدت لے لے گی تو تیمّم کرے اھ ملتقطا۔ (ت)

اور تیمّم غسل و وضو کا ایک ہی سا ہے بلکہ ایک ہی تیمّم دونوں کے لئے کافی ہوسکتا ہے خصوصا جبکہ نیت دونوں کو شامل ہو۔

فی ردالمحتار عن الوقایة یکفی تیمم واحد عنهما[2] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں وقایہ سے منقول ہے کہ: ایک ہی تیمّم غسل و وضو دونوں کی جگہ کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۱، ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل ۱۳۲۰ھ
(احتلام اور تری کی اشکال کے حکم اور اسباب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۶: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ کوئی شخص سوتے سے جاگا اور تری کپڑے یا بدن پر پائی یا خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر نہانا واجب ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ ھادی الاحلام بانزال الاحکام والصلوۃ والسلام علی سید المعصومین عن الاحتلام وآلہ الکرام وصحبہ العظام الی یوم یبل فیہ وارد وحوضہ ببل الاکرام اٰمین۔

یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور ہر شخص کو اس کی ضرورت اور کتابوں میں اختلاف بکثرت لہٰذا ضرور ہے کہ فقیر بعون القدیر اُس کی ضروری توضیح و تشریح اور مذہب معتمد و مختار کی تنقیح کرے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (تو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔) یہاں چھ ۶

صورتیں ہیں:

اوّل: تری کپڑے یا بدن کسی پر نہ دیکھی۔

دوم: دیکھی اور یقین ہے کہ یہ منی یا مذی نہیں بلکہ ودی یا بول یا پسینہ یا کچھ اور ہے ان دونوں صورتوں میں مطلقًا اجماعًا غسل اصلا نہیں اگرچہ خواب میں مجامعت اور اس کی لذت اور انزال تک یاد ہو۔ غنیہ میں ہے:

تذکر الاحتلام ولم یر بللا لاغسل علیه اجماعا[1]۔	کسی کو خواب دیکھنا یاد آیا اور تری نہ پائی تو بالاجماع اس پر غسل نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاان تذکر ولو مع اللذة والانزال ولم یر بللا اجماعا[2]	بالاجماع غسل نہیں ہے اس صورت میں جب کہ خواب یاد آیا اگرچہ لذت اور انزال بھی یاد ہو مگر تری نہ پائی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایجب اتفاقا فیما اذا علم انه ودی مطلقا[3]۔	بالاتفاق مطلقًا غسل واجب نہیں اس صورت میں جب کہ اسے تری کے ودی ہونے کا یقین ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

احترز بقوله المنی والمذی عن الودی فانه غیر موجب عندهم وان تذکر الاحتلام کما فی الحقائق[4]۔	لفظ منی ومذی لکھ کر ودی سے احتراز کیا ہے اس لئے کہ ان ائمہ کے نزدیک اس سے غسل واجب نہیں ہوتا اگرچہ خواب دیکھنا یاد ہو۔ جیسا کہ حقائق میں ہے۔ (ت)

سوم: ثابت ہو کہ یہ تری منی ہے اس میں بالاتفاق نہانا واجب ہے اگرچہ خواب وغیرہ اصلا یاد نہ ہو۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی طہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

[2] الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۳۱/۱

[3] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، موجبات الغسل، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۱۰/۱

[4] جامع الرموز، کتاب الطہارۃ، بیان الغسل، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران، ۴۴/۱

فی ردالمحتار یجب الغسل اتفاقا اذاعلم انہ منی مطلقا[1]۔	ردالمحتار میں ہے: بالاتفاق غسل واجب ہے مطلقاً جب یقین ہو کہ یہ تری منی ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ کتب میں اس پر اجماع منقول،

لکن فی شرح النقایۃ للقھستانی کان الفقیہ ابو جعفر یقول ھذا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی واما عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فلا غسل علیہ اذا لم یتذکر الاحتلام کذا فی شرح الطحاوی[2] اھ **اقول:** لعل وجھہ واللہ تعالٰی اعلم ان نزول المنی لایوجب الغسل مطلقا بل اذا نزل عن شھوۃ دفقا فاذا تذکر الاحتلام ثم راٰہ علم انہ نزل عن شھوۃ واذالم یتذکر احتمل ان یکون نزل ھکذا من دون شھوۃ فلا یجب الغسل بالشك والجواب ان بالنوم تتوجہ الحرارۃ الی الباطن ولھذا یحصل الانتشار غالبا فالسبب مظنون والاحتمال الخلاف اعنی الخروج بلاشھوۃ نادر فلا یعتبر۔	لیکن علامہ قہستانی کی شرح نقایہ میں ہے: فقیہ ابو جعفر فرماتے تھے کہ یہ امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک خواب یاد نہ آنے کی صورت میں اس پر غسل نہیں۔ایسا ہی شرح طحاوی میں ہے اھ۔(ت) **اقول:** شاید اس کی وجہ - **واللہ تعالٰی اعلم** - یہ ہے کہ مطلقاً منی نکلنے سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ اس وقت جب کہ جست کے طور پر شہوت سے نکلے توجب خواب دیکھنا یاد ہو پھر منی بھی دیکھے تو یقین ہوگا کہ شہوت سے ہی نکلی ہے اور جب احتلام یاد نہ ہو تو احتمال ہوگا کہ شاید یونہی بغیر شہوت کے نکل آئی ہے اس لئے شک سے غسل واجب نہ ہوگا۔جواب یہ ہے کہ نیند سے حرارت جانبِ باطن کارخ کرتی ہے اسی لئے عموماً انتشار آلہ ہوتا ہے یہ سب غلبہ ظن کا حامل ہے اس کے خلاف کا احتمال یعنی بلا شہوت نکل آنا نادر ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

قد ظھر انہ لاخلاف فی رؤیۃ المنی	واضح ہوگیا کہ منی دیکھنے کی صورت میں کوئی اختلاف

[1] ردالمحتار،کتاب الطہارۃ، موجبات الغسل، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

[2] جامع الرموز،کتاب الطہارۃ، بیان الغسل، مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران،۱/۴۳

حیث یجب الغسل اجماعا ونقل فی شرح الطحاوی عن الفقیه ابی جعفر ان رؤیة المنی ایضا علی هذا الاختلاف والمشهور هو الاول[1] اھ۔	نہیں بالاجماع غسل واجب ہے-اور شرح طحاوی میں فقیہ ابو جعفر سے منقول ہے کہ یہ اختلاف منی دیکھنے کی صورت میں بھی ہے-اور مشہور اول ہی ہے-اھ-

اب رہیں تین صورتیں اُس تری ۴ کے منی ہونے کا احتمال ہو مذی ۵ ہونے کا علم ہو منی ۶ نہ ہونا تو معلوم مگر مذی ہونے کا احتمال ہو-پس اگر خواب میں احتلام ہونا یاد ہے تو ان تینوں صورتوں میں بھی بالاتفاق نہانا واجب ہے-

فی رد المحتار یجب اتفاقا اذا علم انه مذی اوشك مع تذکر الاحتلام[2] اھ مختصر۔ **اقول:** وقد تظافرت الکتب علی هذا متونا وشروحا وفتاوی فلا نظر الی ما فی الحلیة عن المصفی عن المختلفات "انه اذا تیقن بالاحتلام وتیقن انه مذی فانه لایجب الغسل عندهم جمیعا[3]" و رأیتنی کتبت علی هامش نسختی الحلیة ههنا مانصه "عامة المعتبرات علی نقل الاجماع فی هذه الصورة علی وجوب الغسل، و فی بعضها جعلوها خلافیة بین ابی یوسف وصاحبیه اما حکایة	ردالمحتار میں ہے: بالاتفاق غسل واجب ہے جب خواب یاد ہونے کے ساتھ اس بات کا یقین یا احتمال ہو کہ یہ تری مذی ہے اھ مختصراً- اقول: اس حکم پر متون، شروح، فتاوٰی تینوں درجے کی کتابیں متفق ہیں- تو وہ قابل توجہ نہیں جو حلیہ میں مصفٰی سے اس میں مختلفات سے منقول ہے کہ: "جب احتلام کا یقین ہو اور یہ بھی یقین ہو کہ یہ تری مذی ہے تو ان تینوں ائمہ کے نزدیک غسل واجب نہیں-" میں نے اپنے نسخہ حلیہ پر یہاں دیکھا کہ میں نے حاشیہ لکھا ہے: عامہ کتب معتبرہ نے اس صورت میں وجوب غسل پر اجماع نقل کیا ہے- بعض کتابوں کے اندر اس صورت میں امام ابو یوسف اور طرفین کا اختلاف بتایا ہے- لیکن یہ حکایت کہ اس صورت میں

---

[1] شرح نقایۃ برجندی، کتاب الطہارۃ، نولکشور لکھنؤ بالسرور، ۱/۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الاجماع فیھا علی عدم الوجوب فمخالفۃ لجمیع المعتبرات ولقد کدت ان اقول ان لاوقعت زائدۃ من قلم الناسخین لولا انی رأیت فی جامع الرموز مانصہ لو تیقن بالمذی لم یجب تذکر الاحتلام ام لا و ھذا عندھم علی ما فی المصفی عن المختلفات لکن فی المحیط وغیرہ انہ واجب حینئذ [1] اھ"ما کتبت علیہ۔

وانا الان ^{عـــہ} ایضا لا استبعد ان الامر کما ظننت من وقوع لا زائدۃ فی نسخۃ المصفی او المختلفات ونقلہ القھستانی بالمعنی ولم یتنبہ لما اسمعنا، واللہ تعالٰی اعلم۔

والخلاف الذی اشرت الیہ ھو ما فی الحصر والمختلف و العون و فتاوی العتابی والفتاوی الظھیریۃ ان برؤیۃ المذی لایجب الغسل عند ابی یوسف تذکر الاحتلام اولم یتذکر کما فی فتح اللہ المعین [2] للسید ابی السعود الازھری و

عدم وجوب پر تینوں ائمہ کا اجماع ہے یہ تمام معتبر کتابوں کے خلاف ہے۔ میں تو یہ کہہ دیتا کہ لفظ "لا" (نہیں)۔ ناقلوں کے قلم سے زیادہ ہوگیا ہے لیکن جامع الرموز میں بھی دیکھا کہ یہ لکھا ہوا ہے: اگر مذی ہونے کا یقین ہو تو غسل واجب نہیں، احتلام یاد ہو یا نہ ہو، اور یہ تینوں ائمہ کے نزدیک ہے اس کے مطابق جو مصفی میں مختلفات سے نقل ہے۔ لیکن محیط وغیرہ میں ہے کہ اس صورت میں غسل واجب ہے اھ "حلیہ پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔

اور میں اس وقت بھی یہ بعید نہیں سمجھتا کہ حقیقت وہی ہو جو میرے خیال میں ہے کہ مصفی یا مختلفات کے نسخے میں "لا" (نہیں) زیادہ ہوگیا ہے اور قہستانی نے اسے بالمعنی نقل کردیا اور اس کا خیال نہ کیا جو ہم نے بیان کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

جس اختلاف کا میں نے اشارہ کیا وہ یہ ہے کہ حصر، مختلف، عون، فتاوٰی عتابی اور فتاوٰی ظہیریہ میں یہ ہے کہ مذی دیکھنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوتا احتلام یاد ہو یا یاد نہ ہو جیسا کہ سید ابو السعود ازہری کی فتح اللہ المعین میں ہے۔ اور تبیین الحقائق میں

عـــہ: وسیاتی تاویل نفیس فانتظر اھ منہ۔

عـــہ: اس کی ایک عمدہ تاویل بھی آگے آرہی ہے، انتظار کیجئے ۱۲منہ (ت)

---

[1] حواشی امام احمد رضا علی حلیۃ المحلی

[2] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹

نقلہ فی التبیین [1] عن غایۃ السروجی عن الامام الفقیہ ابی جعفر الھندوانی عن الامام الثانی رحمھم اللہ تعالٰی۔ وفی ابی السعود عن نوح افندی عن العلامۃ قاسم ابن قطلوبغا مانصہ "قلت فیحتمل ان یکون عن ابی یوسف روایتان [2] اھ"	اسے غایۃ السروجی سے، اس میں امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی کے حوالے سے امام ثانی سے نقل کیا ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔ اور ابوالسعود میں علامہ نوح آفندی کے حوالہ سے علامہ قاسم ابن قطلوبغا سے یہ نقل ہے: میں کہتا ہوں ہوسکتا ہے امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہوں اھ۔
وفی الحلیۃ وجوب الاغتسال فیما اذا تیقن کون البلل مذیا وھو متذکر الاحتلام باجماع اصحابنا علی ما فی کثیر من الکتب المعتبرۃ وفی المصفی ذکر فی الحصر والمختلف والفتاوی الظھیریۃ اذارای مذیا وتذکر الاحتلام لاغسل علیہ عند ابی یوسف فیحتمل ان یکون عن ابی یوسف روایتان [3] اھ مختصرا۔	اور حلیہ میں یہ ہے کہ اس صورت میں غسل واجب ہے جب یقین ہو کہ یہ تری مذی ہے اور اسے احتلام بھی یاد ہو اس حکم پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے جیسا کہ بہت سی کتب معتبرہ میں مذکور ہے۔ اور مصفی میں یہ لکھا ہے کہ حصر، مختلف اور فتاوٰی ظہیریہ میں ذکر کیا ہے کہ جب مذی دیکھے اور احتلام یاد ہو تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر غسل نہیں۔ تو ہوسکتا ہے کہ امام ابو یوسف سے دو روایتیں ہوں اھ مختصرًا
اقول: بل ثلث ف الاولی لا غسل بلا تذکر وان رأی منیا کما مر عن شرح النقایۃ عن الامام علی الاسبیجابی "الثانیۃ لا الا بالمنی	**اقول:** بلکہ تین روایتیں (۱) احتلام یاد آئے بغیر غسل نہیں اگرچہ منی ہی دیکھ لے جیسا کہ امام علی اسبیجابی کے حوالے سے دونوں شرح نقایہ (قہستانی وبرجندی) سے نقل گزری۔

ف: تطفل ما علی الحلیۃ والعلامۃ قاسم۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶۷/۱

[2] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۹/۱

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

وان رأى المذی متذکرا و هی"هذه والثالثة یغتسل فی التذکر باحتمال المذی ایضا وفی عدمه بعلم المنی وهی الاظهر الاشهر ومروية الاکثر بل عند رابعة نحوقولهما علی ما فی القهستانی عـــہ عن العیون وغیرها والله تعالیٰ اعلم۔	(۲) بغیر منی دیکھے غسل نہیں اگرچہ مذی دیکھے اور احتلام بھی یاد ہو۔یہی وہ اختلافی روایت ہے جس کا ذکر ہورہا ہے(۳) احتلام یاد ہونے کی صورت میں تری کے بارے میں مذی کا احتمال ہونے سے بھی غسل واجب ہے اور احتلام یاد نہ ہونے کی صورت میں جب تری کے منی ہونے کا یقین ہو تو غسل واجب ہے۔یہی اظہر واشہر اور مرویِّ اکثر ہے۔بلکہ امام ابو یوسف سے ایک چوتھی روایت قول طرفین کے مطابق بھی ہے۔جیسا کہ قہستانی میں عیون وغیرہا کے حوالے سے نقل ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

عـــہ: حیث ذکرالوجوب عندهما بالمذی وان لم یتذکر ثم قال وکذا عند ابی یوسف اذا تذکر الاحتلام واما اذا لم یتذکر فلا غسل وفی العیون وغیره انه واجب عنده فلعل عنه روایتین کما فی الحقائق[1]اھ فالروایتان ههنا عدم الوجوب بالمذی اذا لم یتذکر وهی المشهورة والوجوب به وان لم

عـــہ:اس میں یہ ذکر ہے کہ طرفین (امام اعظم وامام محمد کے نزدیک مذی سے غسل واجب ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو پھر یہ بتایا کہ ایسا ہی امام ابو یوسف کے نزدیک بھی ہے جب کہ احتلام یاد ہو۔اور یاد نہ ہو تو ان کے نزدیک غسل نہیں ۔اور عیون وغیرہ میں ہے کہ اس صورت میں بھی ان کے نزدیک غسل واجب ہے ۔توشاید ان سے دو روایتیں ہوں جیسا کہ حقائق میں ہے اھ۔ تو یہاں پر دو روایتیں یہ ہوئیں (۱) مذی سے غسل واجب نہیں جب کہ احتلام یاد نہ ہو ،یہی مشہور روایت (باقی برصفحہ آئندہ)

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۳

اور اگر احتلام یاد نہیں تو امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ان تینوں صورتوں میں اصلاً غسل نہیں

وھو الاقیس وبہ اخذ الامام الاجل العارف باللہ خلف بن ایوب والامام الفقیہ ابو اللیث السمرقندی کما فی الفتح وغیرہ۔	اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔اسی کو امام بزرگ عارف باللہ خلف بن ایوب اور امام فقیہ ابواللیث سمرقندی نے اختیار کیا، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے (ت)

شکل اخیر یعنی ششم میں طرفین یعنی حضرت سیدنا امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں یعنی جہاں نہ منی کا احتمال نہ مذی کا یقین بلکہ مذی کا احتمال ہے غسل بالاتفاق واجب نہیں۔

فی رد المحتار لایجب اتفاقا فیما اذا شك فی الاخیرین (یعنی المذی والودی)	ردالمحتار میں ہے کہ بالاتفاق غسل واجب نہیں اس صورت میں جبکہ مذی وودی میں شک ہو اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یتذکر وھی التی فی العیون وھی کما فی مذھبھما و الروایتان فی قول العلامۃ قاسم والحلیۃ الوجوب بالمذی اذا تذکر وھی المشھورۃ وعدمہ بہ وان تذکر وھی التی فی العیون فروایتا العون والعیون علی طرفی نقیض ھذا مایعطیہ سوق القھستانی واللہ اعلم بحقیقۃ الحال ۱۲ منہ (م)

ہے (۲) مذی سے غسل واجب ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو۔یہ وہ روایت ہے جو عیون میں ہے۔اور یہ مذہب طرفین کے مطابق ہے۔اور علامہ قاسم اور حلیہ کے کلام میں جو روایتیں مذکور ہوئیں وہ یہ ہیں (۱) مذی سے غسل واجب ہے۔جب کہ احتلام یاد ہو۔یہ وہی مشہور روایت ہے (۲) مذی سے غسل واجب نہیں اگرچہ احتلام یاد ہو۔یہ وہ روایت ہے جو عیون میں مذکور ہے۔تو عون اور عیون کی دونوں روایتیں بالکل ایک دوسری کی ضد ہیں۔قہستانی کے سیاق سے یہی حاصل ہوتا ہے،اور حقیقتِ حال خدائے برتر ہی کو خوب معلوم ہے ۱۲منہ۔(ت)

مع عدم تذکر الاحتلام [1]۔	احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

اور شکل اول یعنی چہارم میں کہ منی کا احتمال ہو خواہ یوں کہ منی ومذی محتمل ہوں یا منی وودی یا تینوں (اور ودی سے مراد ہر وہ تری کہ منی ومذی کے سوا ہو) ان سب صورتوں میں دونوں حضرات بالاتفاق روایات غسل واجب فرماتے ہیں۔

فی رد المحتار یجب عندھما فیما اذا شك فی الاولین (ای المنی والمذی) اوفی الطرفین (ای المنی والودی)اوفی الثلثة احتیاطا ولا یجب عند ابی یوسف للشك فی وجود الموجب [2]۔	ردالمحتار میں ہے: امام اعظم وامام محمد علیہما الرحمہ کے نزدیک احتیاطًا اس صورت میں غسل واجب ہے جب منی ومذی میں یا منی وودی میں یا تینوں میں شک ہو۔اور امام ابویوسف کے نزدیک واجب نہیں کیونکہ موجب کے وجود میں شک ہے۔(ت)

لیکن جہاں منی کے ساتھ مذی کا احتمال نہ ہو صرف ودی کا شبہہ ہو وجوب مطلق ہے اور جہاں مذی کا بھی شک ہو اُس میں ایک صورت کا استثناء،وہ یہ کہ اگر سونے سے کچھ پہلے اسے شہوت تھی ذکر قائم تھا اب جاگ کر تری دیکھی جس کا مذی ہونا محتمل ہے اور احتلام یاد نہیں تو اسے مذی ہی قرار دیں گے غسل واجب نہ کریں گے جب تک اس کے منی ہونے کا ظن غالب نہ ہو اور اگر ایسا نہ تھا یعنی نیند سے پہلے شہوت ہی نہ تھی یا تھی اور اُسے بہت دیر گزر گئی۔مذی جو اس سے نکلنی تھی نکل کر صاف ہو چکی اس کے بعد سویا اور تری مذکور پائی جس کا منی ومذی ہونا مشکوک ہے تو بدستور صرف اسی احتمال پر غسل واجب کردیں گے منی کے غالب ظن کی ضرورت نہ جانیں گے، صور استثناء کہ مذکور ہوئے،یاد رکھئے کہ آئندہ اس پر بحث ہونے والی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

اب رہی شکل ثانی یعنی پنجم کہ مذی کا یقین ہو اس میں طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بیان مذہب میں علماء کا اختلاف شدید ہے بہت اکابر نے جزم فرمایا کہ اس صورت میں بھی مثل صورت ششم غسل واجب نہ ہونے پر ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق ہے ۱مبسوط امام شیخ الاسلام بکر خواہر زادہ و ۲محیط امام برہان الدین و ۳مغنی و ۴مصفی للامام النسفی و ۵فتح القدیر نقلًا و ۶منیۃ المصلی و ۷شرح نقایہ للعلامۃ البرجندی و ۸جامع الرموز للعلامۃ القہستانی و ۹حاشیۃ الفاضل عبدالحلیم الرومی علی الدرر والغرر و ۱۰بحر الرائق و ۱۱نہر الفائق و ۱۲در مختار و ۱۳حواشی الدر

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

للسید الحلبی و ۱۴ السید الطحطاوی و ۱۵ السید الشامی و ۱۶ مسکین علی الکنز و ۱۷ فتح المعین للسید الازہری و ۱۸ تعلیقات ابیہ السید علی بن علی بن ابی الخیر الحسینی و ۱۹ رحمانیہ و ۲۰ ہندیہ و ۲۱ طحطاوی علی مراقی الفلاح و ۲۲ منحۃ الخالق اسی طرف ہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان رأی بللا الا انه لم یتذکر الاحتلام فان تیقن انه مذی لایجب الغسل وان شك انه منی اومذی قال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی لایجب حتی یتیقن بالاحتلام وقالا یجب ھکذا ذکرہ شیخ الاسلام کذا فی المحیط [1]۔	اگر تری دیکھے مگر احتلام یاد نہ آئے تو اگر یقین ہے کہ تری مذی ہے تو غسل واجب نہیں۔اور اگر شک ہے کہ وہ منی ہے یامذی ہے توامام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ غسل واجب نہیں جب تک احتلام کا یقین نہ ہو۔اور طرفین نے فرمایا: واجب ہے۔ایسا ہی شیخ الاسلام نے ذکر کیا۔ایسا ہی محیط میں ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لایجب الغسل اتفاقًا فیما اذا تیقن انه مذی ولم یتذکر الاحتلام [2]۔	اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں جب تری کے مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

درمختار میں دربارہ عدم تذکر احتلام ہے:

اذا علم انه مذی فلا غسل علیه اتفاقا [3]۔	جب یقین ہو کہ یہ تری مذی ہے بالاتفاق اس پر غسل نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایجب اتفاقا فیما اذا علم انه مذی مع عدم تذکر الاحتلام [4]۔	اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہیں جب اسے یقین ہو کہ وہ مذی ہے اور احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

---

1 الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ، الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

2 بحرالرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۶

3 الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱

4 ردالمحتار، کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/۱۱۰

بعینہٖ اسی طرح منحۃ الخالق میں ہے، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

اذا علم انه مذی مع عدم التذکر لایجب الغسل اتفاقا [1]۔	جب یقین ہو کہ وہ مذی ہے اور احتلام یاد نہ ہو تو بالاتفاق غسل واجب نہیں۔(ت)

برجندی میں ہے:

ذکر فی المبسوط والمحیط والمغنی ههنا تفصیلات وهو انه اذا استیقظ ورأی بللا ولم یتذکر الاحتلام فان تیقن انه مذی لایجب الغسل وان تیقن انه منی یجب وان شك انه مذی اومنی قال ابو یوسف لایجب وقالا یجب [2]۔	مبسوط، محیط اور مغنی میں یہاں کچھ تفصیلات ذکر کی ہیں، وہ یہ کہ جب بیدار ہو کر تری دیکھے اور احتلام یاد نہ ہو تو اگر اسے یقین ہو کہ یہ منی ہے تو واجب اور اگر شک ہو کہ مذی ہے یا منی تو امام ابو یوسف نے فرمایا: غسل واجب نہیں، اور طرفین نے فرمایا: واجب ہے۔(ت)

رحمانیہ میں محیط سے ہے:

استیقظ فوجد علی فراشه او فخذه بللا ولم یتذکر الاحتلام فان تیقن انه منی یجب الغسل والا لایجب وان شك انه منی اومذی قال ابو یوسف لایجب الغسل [3] اھ **اقول:** فی قوله ف والا لایجب تدافع ظاهر مع مسألة الشك ولعل الجواب انها حلت	بیدار ہونے کے بعد اپنے بستر یا ران پر تری پائی اور احتلام یاد نہیں تو اگر اسے یقین ہو کہ یہ تری منی ہے تو غسل واجب ہے ورنہ (اگر ایسا نہیں تو) واجب نہیں۔ اور اگر شک ہو کہ منی ہے یا مذی تو امام ابو یوسف نے فرمایا: غسل واجب نہیں اھ۔(ت) **اقول:** ان کی عبارت "والا لایجب" ورنہ واجب نہیں میں مسائلہ شک کے ساتھ کھلا ہوا ٹکراؤ ہے (اول سے معلوم ہوا کہ منی کا

ف: تطفل علی المحیط

---

1 حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۹۳

2 شرح نقایہ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۰

3 رحمانیہ

محل الاستثناء ویعکرہ لزوم ان لایجب وفاقا اذا شك انه منی او ودی لانه لم یستثن الا الشك فی المنی والمذی الا ان یقال ان المراد بالمذی غیر المنی وھو ظاھر البعد والاولی ان یقال ان اصل قوله والا لایجب وان لامفصولا والتقدیر وان تیقن انه لامنی لایجب۔	یقین ہونے کی صورت میں۔جس میں صورتِ شک بھی داخل ہے۔ بالاتفاق غسل واجب نہیں، اور مسئلہ شک سے معلوم ہوا کہ طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے) شاید اس کا یہ جواب دیا جائے کہ مسئلہ شک استثناء کے قائم مقام ہے (یعنی صوتِ شک کے سوا اور صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب نہیں) مگراس جواب پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ پھر لازم ہے کہ اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب نہ ہو جب منی یا ودی ہونے میں شک ہو کیونکہ استثناء صرف منی اور مذی میں شک کی صورت کا ہوا۔ مگراس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ مذی سے مراد غیر منی ہے، خواہ ودی ہی ہو۔ اور اس مراد کا بعید ہو ناظاہر ہے۔ اور بہتر یہ ہے کہ کہا جائے کہ ان کے قول "والا لایجب" کی اصل "وان لا" فصل کے ساتھ ہے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی کہ وان تیقن انه لامنی ، لایجب ۔اور اگر یقین ہو کہ وہ منی نہیں تو غسل واجب نہیں۔(ت)

شرح الکنز للعلامۃ مسکین میں ہے:

اذا لم یتذکر الاحتلام وتیقن انه مذی فلا غسل علیه[1]۔	جب احتلام یاد نہ ہو اور یقین ہو کہ یہ تری مذی کی ہے تو اس پر غسل نہیں۔(ت)

ابوالسعود میں ہے:

اما صور مالا یجب فیھا الغسل اتفاقا فاربعة (الی قوله) الثالثة علم	لیکن بالاتفاق غسل واجب نہ ہونے کی چار صورتیں ہیں - تیسری صورت یہ کہ مذی ہونے کا

[1] شرح الکنز لملا مسکین علی ھامش فتح المعین کتاب الطھارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۹

انہ مذی ولم یتذکر[1]۔	یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

حلبی علی الدرر میں ہے:

لاغسل علیہ ان تیقن انہ مذی وکذا لوشك انہ مذی او ودی ولم یتذکر الاحتلام[2]۔	اس پر غسل واجب نہیں اگر اسے یقین ہو کہ یہ مذی ہے اسی طرح اگر اسے شک ہو کہ مذی ہے یا ودی اور احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

مستیقظ وجد فی ثوبہ اوفخذہ بللا ولم یتذکر احتلاما لوتیقن انہ مذی لایجب اتفاقا لکن التیقن متعذر مع النوم[3] اھ۔	بیدار ہونے والے نے اپنے کپڑے یا ران میں تری پائی اور احتلام یاد نہیں تو اگر اسے یقین ہو کہ وہ مذی ہے تو بالاتفاق غسل واجب نہیں۔ لیکن سونے کے باوجود اس بات کا یقین متعذر ہے۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لایجب الغسل اتفاقا فیما اذا تیقن انہ مذی ولم یتذکر والمراد بالتیقن غلبۃ الظن لان حقیقۃ الیقین متعذرۃ مع النوم[4]۔ **اقول:** کانہ یشیر الی الجواب عما اورد المحقق وما کان المحقق لیغفل عن مثل ھذا وانما ھو لتحقیق انیق سنعود الیہ بتوفیق من لا توفیق الا منہ	بالاتفاق غسل واجب نہیں اُس صورت میں جب کہ اسے یقین ہو کہ وہ مذی ہے اور احتلام یاد نہ ہو اور یقین سے مراد غلبہ ظن ہے اس لئے کہ حقیقت یقین باوجود نیند کے متعذر ہے۔ **اقول:** گویا یہ حضرت محقق کے اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور حضرت محقق اس طرح کی بات سے غافل رہنے والے نہیں دراصل ان کی عبارات ایک دلکش تحقیق کے پیش نظر ہے، آگے ہم اس کی طرف لوٹیں گے اس کی

[1] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۸/۱و۵۹

[2] حاشیۃ الدرر علی الغرر لعبد الحلیم دار سعادت ۱۵/۱

[3] فتح القدیر، کتاب الطہارات فصل فی الغسل، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵۴/۱

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۹

لدیہ۔	توفیق جس کے سوااور کسی سے توفیق نہیں۔(ت)

منیہ میں ہے:

ان تیقن انه مذی فلا غسل علیه اذا لم یتذکر الاحتلام [1]۔	اگر یقین ہو کہ وہ مذی ہے تواس پر غسل نہیں جب کہ احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

مصفی میں ہے:

ان رای بللا ولم یتذکر الاحتلام ان تیقن انه ودی او مذی لایجب الغسل وان تیقن انه منی یجب وان شك انه منی اومذی قال ابو یوسف لایجب حتی تیقن بالاحتلام وقالا یجب کذافی المحیط والمغنی ومبسوط شیخ الاسلام وفتاوی قاضی خان والخلاصة [2]۔	تری دیکھی اور احتلام یاد نہیں اگر یقین ہو کہ وہ ودی یامذی ہے تو غسل واجب نہیں۔اور اگر یقین ہو کہ منی ہے تو واجب ہے۔اور اگر شک ہو کہ منی ہے یا مذی توامام ابو یوسف نے فرمایا: غسل واجب نہیں یہاں تک کہ احتلام کا یقین ہو اور طرفین نے فرمایا: واجب ہے۔ایساہی محیط، مغنی، مبسوط شیخ الاسلام، فتاوی قاضی خان اور خلاصہ میں ہے۔(ت)

حلیہ میں یہ کلام مصفی نقل کرکے فرمایا:

لیس فی الفتاوی الخانیة ولا الخلاصة ذلك کما ذکرہ مطلقا وکذا لیس فی محیط رضی الدین واما المغنی ومبسوط شیخ الاسلام فلم اقف علیها [3] اھ۔ **اقول:** اما المبسوط فقد قدمنا نقله عن الهندیة عن المحیط عن المبسوط وکذا عن البرجندی عن المبسوط وکذلك عنه عن المغنی	فتاوی خانیہ اور خلاصہ میں یہ اس طرح نہیں جیسے انہوں نے مطلقاً ذکر کیا ہے ایسے ہی محیط رضی الدین میں بھی نہیں، اور مغنی و مبسوط شیخ الاسلام سے متعلق مجھے اطلاع نہیں اھ۔(ت) **اقول:** مبسوط کی عبارت تو پہلے ہم ہندیہ کے حوالے سے نقل کرآئے ہیں ہندیہ میں محیط اس میں مبسوط سے نقل ہے اسی طرح برجندی کے حوالہ سے مبسوط سے، اور ایسے ہی بحوالہ برجندی مغنی سے نقل گزر چکی ہے۔اور محیط سے مراد

[1] منیۃ المصلی کتاب الطہارۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۳

[2] مصفی

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

والمراد ف۱ بالمحیط المحیط البرھانی لاالرضوی وقد تقدم النقل عنہ عن الھندیۃ وعن البرجندی نعم لم ار ھذا فی الخانیۃ بل الواقع فیھا ف۲ خلاف ھذا کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی واما الخلاصۃ فنصھا علی ما فی نسختی ھکذا ان احتلم ولم یرشیا لاغسل علیہ بالاتفاق وان تذکر الاحتلام ورأی بللا ان کان ودیا لایجب الغسل بلا خلاف وان کان مذیا اومنیا یجب الغسل بالاجماع ولسنا نوجب الغسل بالمذی لکن المنی یرق باطالۃ المدۃ فکان مرادہ مایکون صورتہ المذی لاحقیقۃ المذی الثالث اذا رأی البلل علی فراشہ ولم یتذکر الاحتلام عندھما یجب علیہ الغسل وعند ابی یوسف لاغسل علیہ [1] اھ وھو ف۳ فیما اری عارٍ عن ذکر المسألۃ اصلا **فان قلت** بل فیہ خلاف ما فی المصفی	محیط برہانی ہے محیط رضوی نہیں۔اور اس سے نقل ہندیہ کے حوالے سے اور برجندی کے حوالے سے بلکہ اس میں اس کے بخلاف واقع ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ آئے گا۔ رہا خلاصہ تو میرے نسخہ میں اس کی عبارت اس طرح ہے: اگر خواب دیکھا اور کوئی تری نہ پائی تو بالاتفاق اس پر غسل نہیں اور اگر خواب دیکھنا یاد ہے اور تری بھی پائی اگر وہ ودی ہو تو بلااختلاف غسل واجب نہیں اور اگر مذی یا منی ہو تو بالاجماع غسل واجب ہے اور ہم مذی سے غسل واجب نہیں کرتے لیکن بات یہ ہے کہ دیر ہو جانے سے منی رقیق ہو جاتی ہے۔ تو اس سے مراد وہ ہے جو مذی کی صورت میں ہے، حقیقتِ مذی مراد نہیں۔ سوم جب اپنے بستر پر تری دیکھے اور احتلام یاد نہیں تو طرفین کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس پر غسل نہیں اھ میرا خیال ہے کہ زیر بحث مسئلہ کا اس عبارت میں سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ **اگر یہ کہو** کہ نہیں بلکہ اس میں مصفی کے برخلاف

ف۱: تطفل علی الحلیۃ

ف۲: تطفل علی مصفی الامام النسفی۔

ف۳: تطفل آخر علیہ۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثانی فی الغسل مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۳

حیث ارسل البلل ارسالا فشمل المذی وقد اوجب فیه الغسل مع عدم التذکر ومثله مافی الخانیة عن مبسوط الامام محرر المذهب محمد بن الحسن رضی الله تعالٰی عنه حیث قال وفی صلاۃ الاصل اذا استیقظ وعنده انه لم یحتلم و وجد بللا علیه الغسل فی قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی[1]۔

قلت: لا تعجل و اورد الکلام مورده فانه اما ان یکون المراد بلل معلوم الحقیقة اوغیر معلومها او اعم لاسبیل الی الاول لانه ارسل البلل ارسالا فیشمل ما اذا علم انه منی ولیس مرادا قطعا لان فیه الغسل بلاخلاف وما اذا علم انه ودی ولیس مرادا قطعا اذ لا غسل فیه بالاتفاق ولا الی الثالث لشموله الاول فیعود المحذوران فتعین الثانی وکانه لهذا ابهم وارشد بالابهام اللفظی الی الابهام المعنوی

تذکرہ موجود ہے کیونکہ اس میں تری کو بغیر کسی قید کے مطلق ذکر کیا ہے تو یہ مذی کو بھی شامل ہے اور اس میں یاد نہ ہونے کے باوجود غسل واجب کیا ہے۔ اسی کے مثل وہ بھی ہے جو خانیہ میں محرر مذہب امام محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مبسوط سے نقل ہے۔ امام قاضی خاں فرماتے ہیں: مبسوط کتاب الصلوٰۃ میں ہے: جب بیدار ہو اور اس کے خیال میں یہ ہے کہ اس نے خواب نہ دیکھا اور اس نے تری پائی تو اس پر امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر غسل واجب ہے۔

تو میں کہوں گا جلدی نہ کرو اور کلام کو اس کے مورد ہی پر وارد کرو۔ اس لئے کہ یا تو ایسی تری مراد ہے جس کی حقیقت معلوم ہے یا نہ معلوم ہے یا وہ جو دونوں سے عام ہے اول ماننے کی کوئی سبیل نہیں اس لئے کہ اس میں تری کو مطلق ذکر کیا ہے تو یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب یقین ہو کہ وہ منی ہے اور یہ قطعًا مراد نہیں اس لئے کہ اس میں بلا اختلاف غسل ہے اور اس صورت کو بھی شامل ہے جب یقین ہو کہ وہ ودی ہے۔ اور یہ بھی قطعًا مراد نہیں اس لئے کہ اس میں بالاتفاق غسل نہیں ہے۔ اور سوم ماننے کی بھی گنجائش نہیں اس لئے کہ وہ اول کو بھی شامل ہے تو اس کے تحت جو دونوں خرابیاں ہیں وہ پھر لوٹ آئیں گی اب دوسری صورت متعین ہو گئی شاید اسی لئے امام محمد نے ابہام رکھا اور لفظی ابہام سے معنوی ابہام

---

[1] فتاوی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۲۱/۱

فالمعنی رأی بللا لایدری ماھو فھذہ صورۃ الشك فی انه منی اوغیرہ ولا مساس لھا بصورۃ علم المذی ونظیرہ قول مسکین اذا استیقظ فوجد فی احلیله بللا [1] اھ فقال ابو السعود وشك فی کونه منیا اومذیا خانیة [2] اھ وقول المنیة ان استیقظ فوجد فی احلیله بللا [3] الخ فقال فی الغنیة لایدری امنی ھو ام مذی [4] اھ **اقول:** وبه ف ظھر الجواب عن ایراد الحلیة بقوله انت علیم بما فی ھذا الاطلاق فانه یشتمل المنی والمذی ولاشك ان المنی غیر مراد منه بالاتفاق فلاجرم ان ذکر المصنف انه لوتیقن انه منی فعلیه الغسل [5] اھ ونظائر ھذا کثیر فی کلامھم غیر یسیر۔	کی جانب رہنمائی فرمائی۔ تو معنی یہ ہے کہ ایسی تری دیکھی جس کے بارے میں اسے پتہ نہیں کہ وہ کیا ہے تو یہ اس تری کے منی یا غیر منی ہونے میں شک کی صورت ہوئی۔ اور اسے مذی کے یقین کی صورت سے کوئی مس نہیں۔ اسی کی نظیر مسکین کی یہ عبارت ہے: اگر بیدار ہونے کے بعد ذکر کی نالی میں تری پائی الخ اس پر ابو السعود نے لکھا: اور اس کے منی یا مذی ہونے میں اسے شک ہوا-خانیہ - اھ۔ اور اسی طرح منیہ کی یہ عبارت ہے: اگر بیدار ہونے کے بعد ذکر کی نالی میں تری پائی الخ۔ اس پر غنیہ میں لکھا: اور اسے پتہ نہیں کہ وہ منی ہے یا مذی اھ **اقول:** اسی سے حلیہ کے اس اعتراض کا جواب بھی واضح ہوگیا جو ان الفاظ میں ہے: اس اطلاق میں جو خامی ہے وہ تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ وہ منی و مذی دونوں کو شامل ہے۔ اور بلا شبہ اس سے منی بالاتفاق مراد نہیں تو لا محالہ مصنف نے یہ ذکر فرمایا کہ اگر اسے منی ہونے کا یقین ہے تو اس پر غسل ہے اھ۔ اور اس کی نظیریں کلامِ علماء میں ایک دو نہیں بہت ہیں۔ (ت)

ف: تطفل علی الحلیة

[1] شرح الکنز لملا مسکین علی ھامش فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹

[2] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹

[3] منیۃ المصلی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۳

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

[5] منیۃ المصلی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۳

اور عامہ متون مذہب وجماہیر اجلّہ عمائد کی تصریح ہے کہ صورت پنجم بھی مثل صورت چہارم ہمارے ائمہ میں مختلف فیہ ہے طرفین غسل واجب فرماتے ہیں اور امام ابو یوسف کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین [1]وقایہ و[2]نقایہ و[3]اصلاح و[4]غرر و[5]نور الایضاح و[6]تنویر الابصار و[7]ملتقی الابحر و[8]بدائع و[9]اسبیجابی و[10]صدر الشریعۃ و[11]حلیہ و[12]غنیہ و[13]ایضاح و[14]درر و[15]مراقی الفلاح و[16]جوہرہ نیرہ و[17]تبیین الحقائق و[18]مستخلص و[19]شمنی و[20]مجمع الانہر و[21]فتوائے امام اجل نجم الدین نسفی و[22]جواہر الفتاوی للامام الکرمانی و[23]خانیہ و[24]سراجیہ و[25]خجندی و[26]بزازیہ و[27]تجنیس و[28]حصر و[29]مختلف و[30]ظہیریہ و[31]خزانۃ المفتین [32]وارکان اربعہ اور شروح حدیث سے [33]لمعات و[34]مرقاۃ جزمًا اسی طرف ہیں اور [35]امام محقق علی الاطلاق نے بحثًا اُس کا افادہ فرمایا کما مر ویاتی بیانہ ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ گزرا اور اس کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئیگا۔ت) وقایہ وشرح میں ہے:

(رؤیۃ المستیقظ المنی والمذی وان لم یحتلم) امافی المنی فظاھر واما فی المذی فلاحتمال کونہ منیا رق بحرارۃ البدن وفیہ خلاف لابی یوسف[1]۔	(اور بیدار ہونے والے کا منی یا مذی دیکھنا اگرچہ احتلام یاد نہ ہو) منی میں تو وجہ ظاہر ہے۔ مذی میں اس لئے کہ ہو سکتا ہے وہ منی رہی ہو جو بدن کی حرارت سے رقیق ہو گئی اور اس کے بارے میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔

اصلاح وایضاح میں ہے:

(و رؤیۃ المستیقظ المنی اوالمذی وان لم یتذکر الاحتلام) فان ماظھر فی صورۃ المذی یحتمل ان یکون منیا رق بحرارۃ البدن او باصابۃ الھواء فمتی وجب من وجہ ما فالاحتیاط فی الایجاب وفیہ خلاف لابی یوسف[2]۔	(اور بیدار ہونے والے کا منی یا مذی کو دیکھنا ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو) اس لئے کہ جو تری مذی کی صورت میں نظر آرہی ہے ہو سکتا ہے کہ منی رہی ہو جو بدن کی حرارت سے یا ہوا لگنے سے رقیق ہو گئی ہو تو جب کسی صورت سے غسل کا وجوب ہوتا ہے تو احتیاط واجب رکھنے ہی میں ہے اور اس میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے۔ (ت)

مختصر الوقایہ میں ہے:

[1] شرح الوقایۃ کتاب الطہارۃ موجبات الغسل مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۸۲

[2] اصلاح وایضاح

ورؤیة المستیقظ المنی اوالمذی [1]۔	بیدار ہونے والے کا منی یا مذی دیکھنا۔

غرر ودرر میں ہے:

(وعند رؤیة مستیقظ منیا اومذیا وان لم یتذکر حلما) لان الظاھر انه منی رق بھواء اصابه [2]۔	(اور بیدار ہونے والے کے منی یا مذی دیکھنے کی صورت میں اگرچہ اسے کوئی خواب یاد نہ ہو) اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ وہ منی تھی جو ہوا لگنے سے رقیق ہوگئی۔ (ت)

متن وشرح علامہ شرنبلالی میں ہے:

ومنھا (وجود ماء رقیق بعد) الانتباہ من (النوم) ولم یتذکر احتلاما عندھما خلافا لابی یوسف وبقوله اخذ خلف بن ایوب وابو اللیث لانه مذی وھو الاقیس ولھما ماروی انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم سئل عن الرجل یجد البلل ولم یذکر احتلاما قال یغتسل ولان النوم راحة تھیج الشھوة وقد یرق المنی لعارض والاحتیاط لازم فی العبادات [3]۔	اور انہی اسباب میں سے (یہ ہے کہ نیند) سے بیدار ہونے (کے بعد رقیق پانی پائے) اور اسے احتلام یاد نہ ہو۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے امام ابو یوسف اس کے خلاف ہیں اور امام ابو یوسف ہی کا قول خلف بن ایوب اور امام ابواللیث نے اختیار کیا ہے اس لئے کہ وہ مذی ہے۔ اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور طرفین کی دلیل وہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس مرد کے بارے میں سوال ہوا جو تری پائے اور اسے احتلام یاد نہ ہو تو فرمایا غسل کرے۔ اور اس لئے بھی کہ نیند میں ایک راحت ہوتی ہے جو شہوت کو برانگیختہ کرتی ہے اور منی کبھی عارض کی وجہ سے رقیق ہوجاتی ہے اور عبادات کے معاملے میں احتیاط لازم ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

[1] مختصر الوقایۃ کتاب الطہارۃ نور محمد کتب کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴

[2] درر الحکام شرح غرر الاحکام، کتاب الطہارۃ فرض الغسل، میر محمد کتب خانہ کراچی، ۱/۱۹

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل مایوجب الاغتسال دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۹

ورؤیة المستیقظ منیا اومذیا وان لم یتذکر الاحتلام [1]۔	اور بیدار ہونے والے کا منی یا مذی دیکھنا اگرچہ اسے احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

ملتقی و مجمع میں ہے:

(و) فرض (لرؤیة مستیقظ لم یتذکر الاحتلام بللا ولو مذیا) عند الطرفین (خلافا له) ای لابی یوسف له ان الاصل براء ة الذمة فلایجب الا بیقین وھو القیاس ولھما ان النائم غافل والمنی قد یرق بالھواء فیصیر مثل المذی فیجب علیه احتیاطا [2]۔	(اور بیدار ہونے والا جسے احتلام یاد نہ ہو اس کے تری دیکھنے کے سبب اگرچہ وہ مذی ہی ہو) غسل فرض ہے طرفین کے نزدیک۔(بخلاف ان کے) یعنی امام ابو یوسف کے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ اصل یہ ہے کہ اس کے ذمہ غسل نہیں ہے پھر اس کے بخلاف اس پر غسل کا وجوب، بغیر یقین کے نہ ہوگا اور قیاس یہی ہے۔ طرفین کی دلیل یہ ہے کہ سونے والا غافل ہوتا ہے۔ اور منی کبھی ہوا سے رقیق ہو کر مذی ہو جاتی ہے تو احتیاطاً اس پر غسل واجب ہوگا۔(ت)

جوہرنیرہ میں ہے:

فی الخجندی ان کان منیا وجب الغسل بالاتفاق وان کان مذیا وجب عندھما تذکر الاحتلام اولا وقال ابو یوسف لایجب الا اذا تیقن الاحتلام [3]۔	خجندی میں ہے: اگر منی ہو تو بالاتفاق غسل واجب ہے۔ اور اگر مذی ہو تو طرفین کے نزدیک واجب ہے احتلام یاد ہو یا نہ یاد ہو۔ اور امام ابو یوسف نے فرمایا: غسل واجب نہیں مگر جب احتلام کا یقین ہو۔(ت)

شرح امام زیلعی میں ہے:

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار، کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی، ۳۱/۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الطھارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳/۱

[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطھارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۲/۱

غشی ف علیه اوکان سکران فوجد علی فخذه او فراشه مذیا لم یلزمه الغسل لانه یحال به علی هذا السبب الظاهر بخلاف النائم [1]۔	بے ہوش ہوا یا نشے میں تھا پھر اپنی ران یا بستر پر مذی پائی تو اس پر غسل لازم نہ ہوگا اس لئے کہ اس مذی کو اسی ظاہری سبب کے حوالے کیا جائے گا بخلاف سونے والے کے۔(ت)

مستخلص الحقائق میں ہے:

(لامذی و ودی واحتلام بلابلل) روی الشیخ ابو منصور الماتریدی باسناده الی عائشة رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قال اذا رأی الرجل بعد ماینتبه من نومه بللا ولم یتذکر الاحتلام اغتسل وان تذکر الاحتلام ولم یر بللا فلا غسل علیه وهذا النص فی الباب کذا فی البدائع ثم قوله بلابلل مطلقا یتناول المنی والمذی وقال ابو یوسف لاغسل علیه فی المذی وهذا نص فی المنی اعتبارا بحالة الیقظة ولهما اطلاق الحدیث ولان المنی قد یرق	(مذی اور ودی اور بغیر تری کے صرف خواب دیکھنا موجب غسل نہیں) شیخ ابو منصور ماتریدی نے اپنی سند سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کی وہ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مرد جب نیند سے بیدار ہونے کے بعد تری دیکھے اور اسے احتلام یاد نہ ہو تو غسل کرے اور اگر خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر غسل نہیں۔ اور یہ اس باب میں نص ہے۔ ایسا ہی بدائع میں ہے۔ پھر متن میں "بغیر تری کے" مطلق ہے منی و مذی دونوں کو شامل ہے۔ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ مذی کی صورت میں اس پر غسل نہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ نص منی سے متعلق ہوگا جیسے بیداری کی حالت میں اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حدیث مطلق ہے۔ اور اس لئے بھی

ف: مسئلہ: بیماری وغیرہ سے غش آگیا یا معاذاللہ نشہ سے بیہوش ہوا اس کے بعد جو ہوش آیا تو اپنے کپڑے یا بدن پر مذی پائی تو اس پر سوا وضو کے غسل نہ ہوگا اس کا حکم سوتے سے جاگ کر مذی دیکھنے کے مثل نہیں کہ وہاں غسل واجب ہوتا ہے۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶۸/۱

بمرور الزمان فیصیر فی صورۃ المذی کذافی البدائع ایضا[1]۔	کہ منی کبھی وقت گزرنے کی وجہ سے رقیق ہوکر مذی کی صورت میں ہوجاتی ہے۔ایسابدائع میں بھی ہے۔(ت)

جواہر الفتاوٰی کے باب رابع میں کہ فتاوائے امام اجل نجم الدین نسفی کے لئے معقود ہوتا ہے فرمایا:

استیقظ وتذکر انہ رأی فی منامہ مباشرۃ ولم یربللا علی ثوبہ ولا فرشہ ومکث ساعۃ فخرج مذی لایجب الغسل لظاھر الحدیث من احتلم ولم یربللا فلاشیئ علیہ ولیس ھذا کما استیقظ ورأی بلۃ یلزمہ الغسل عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی لانھما یحملان انہ کان منیا فرق بمرور الزمان وھھنا عاین خروج المذی فوجب الوضوء دون الغسل قال ولا یلزم ھذا من احتلم لیلا فاستیقظ ولم یربللا فتوضأ وصلی الفجر ثم نزل المنی یجب الغسل وجازت صلاۃ الفجر عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی لانہ انما یجب الغسل بنزول المنی بعد ما استیقظ ولھذا لایعید الفجر بخلاف مسألتنا لانہ زال	نیند سے بیدار ہوا اور اسے یاد آیا کہ اس نے خواب میں مباشرت دیکھی ہے اور اپنے کپڑے اور بستر پر کوئی تری نہ پائی اور کچھ دیر کے بعد مذی نکلی تو اس پر غسل واجب نہیں، اس کی دلیل اس حدیث کا ظاہر ہے کہ "جس نے خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر کچھ نہیں"۔اور یہ اس صورت کی طرح نہیں جب بیدار ہوا اور تری دیکھے۔اس پر امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک غسل لازم ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک وہ اس پر محمول ہے کہ منی تھی وقت گزرنے کی وجہ سے رقیق ہوگئی۔اور یہاں تو اس نے مذی نکلنے کا مشاہدہ کیا ہے اس لئے اس پر وضو واجب ہے غسل نہیں۔فرماتے ہیں: اس پر اس مسئلے سے اعتراض نہ ہوگا کہ کسی نے رات کو خواب دیکھا اور بیدار ہوا تو تری نہ پائی، وضو کرکے نمازِ فجر ادا کرلی پھر منی نکلی تو اس پر غسل واجب ہے اور نمازِ فجر ہوگئی۔امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک۔ اس لئے کہ یہاں بیداری کے بعد منی نکلنے کی وجہ سے غسل واجب ہوا اسی لئے اسے نمازِ فجر کا اعادہ نہیں کرنا ہے اور مسئلہ سابقہ میں ایسا نہیں اس لئے کہ بیدار

[1] مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق کتاب الطہارۃ رام کانشی پرنٹنگ ورکس لاہور ص ۱/۵۰و۵۱

المذی بعدما استیقظ وھو یراہ فلم یلزم الغسل لانہ مذی [1] اھ بنحو اختصار۔	ہونے کے بعد اس کے سامنے مذی نکلی تو مذی ہونے کی وجہ سے اس پر غسل لازم نہ ہوا، اھ کچھ اختصار کے ساتھ عبارت ختم ہوئی۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

انتبہ ورأی علی فراشہ اوفخذہ المذی یلزمہ الغسل فی قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی تذکر الاحتلام اولم یتذکر [2]۔	بیدار ہوا اپنے بستر یا ران پر مذی دیکھی تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر غسل اس پر لازم ہے احتلام یاد ہو نہ ہو۔

اسی میں ہے:

مغمی علیہ افاق فوجد مذیا لاغسل علیہ وکذا السکران ولیس ھذا کالنوم لان مایراہ النائم سببہ مایجدہ من اللذۃ والراحۃ التی تھیج منہا الشھوۃ والاغماء والسکر لیسا من اسباب الراحۃ [3]۔	بے ہوش تھا افاقہ ہوا تو مذی پائی اس پر غسل نہیں۔یہی حکم نشہ والے کا ہے اور یہ نیند کی طرح نہیں، اس لئے کہ سونے والا جو دیکھتا ہے اس کا سبب اسے محسوس ہونے والی وہ لذت و راحت ہے جس سے شہوت برانگیختہ ہوتی ہے اور بیہوشی و نشہ، راحت کے اسباب سے نہیں۔

سراجیہ میں ہے:

اذا استیقظ النائم فوجد علی فراشہ بللا علی صورۃ المذی اوالمنی علیہ الغسل وان لم یتذکر الاحتلام [4]۔	سونے والا بیدار ہو کر اپنے بستر پر مذی یا منی کی صورت میں تری پائے تو اس پر غسل ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

احتلم ولم یر بللا لاغسل علیہ	خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو اس پر بالاجماع

[1] جواہر الفتاوٰی الباب الرابع قلمی فوٹو ص ۵ و ۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱

[3] فتاوٰی قاضی خاں، کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الغسل، نولکشور لکھنؤ، ۱/۲۲

[4] الفتاوٰی السراجیۃ کتاب الطہارۃ باب الغسل نولکشور لکھنؤ ص ۳

اجماعا ولو منیا اومذیا لزم لان الغالب انه منی رق لمضی الزمان[1]۔	غسل نہیں۔ اور اگر منی یا مذی دیکھی تو غسل لازم ہے اس لئے کہ غالب گمان یہی ہے کہ وہ منی ہے جو وقت گزرنے سے رقیق ہو گئی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

افاق بعد الغشی اوالسکر و وجد علی فراشه مذیا لاغسل علیه بخلاف النائم[2]۔	بے ہوشی یا نشہ کے بعد ہوش آیا اور اپنے بستر پر مذی پائی تو اس پر غسل نہیں، بخلاف سونے والے کے۔ (ت)

التجنیس والمزید میں ہے:

استیقظ فوجد علی فراشه مذیا کان علیه الغسل ان تذکر الاحتلام بالاجماع وان لم یتذکر فعند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی لان النوم مظنة الاحتلام فیحال علیه ثم یحتمل انه منی رق بالهواء اوالغذاء فاعتبرناه منیا احتیاطا[3] اھ من الفتح ملتقطا۔	بیدار ہو کر اپنے بستر پر مذی پائی تو اس پر غسل ہوگا اگر احتلام یاد ہو تو بالاجماع۔ اور یاد نہ ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک۔ اس لئے کہ نیند گمان احتلام کی جگہ ہے تو اسے اسی کے حوالے کیا جائے گا پھر یہ احتمال بھی ہے کہ وہ منی تھی جو ہوا یا غذا سے رقیق ہو گئی، تو ہم نے احتیاطًا اسے منی ہی مانا اھ من فتح القدیر ملتقطًا۔ (ت)

حلیہ میں مصفی سے ہے:

ذکر فی الحصر والمختلف والفتاوی الظهیریة انه اذا استیقظ فرأی مذیا وقد تذکر الاحتلام اولم یذکره فلاغسل علیه عند ابی یوسف وقالا علیه الغسل[4]۔	حصر، مختلف اور فتاوی ظہیریہ میں ذکر کیا ہے کہ جب بیدار ہو کر مذی دیکھے اور احتلام یاد ہے یا نہیں تو امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر غسل نہیں، اور طرفین نے فرمایا اس پر غسل ہے۔ (ت)

[1] الفتاوی البزازیۃ علی ھامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰/۴

[2] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰/۴

[3] التجنیس والمزید کتاب الطہارات مسئلہ ۱۰۳ ادارۃ القرآن کراچی ۱۷۸/۲ و ۱۷۹

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اُسی میں ہے:

وجوب الغسل اذالم یتذکر حلماً وتیقن انہ مذی اوشك فی انہ منی اومذی قول ابی حنیفۃ ومحمد خلافاً لابی یوسف[1]۔	جب خواب یاد نہ ہو اور یقین ہو کہ یہ مذی ہے یا شک ہو کہ منی ہے یا مذی تو اس صورت میں وجوبِ غسل کا حکم امام ابو حنیفہ وامام محمد کا قول ہے بخلاف امام ابو یوسف کے، رحمہم اللہ تعالٰی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

اطلق الجم الغفیر انہ اذا استیقظ ووجد مذیاً یعنی ما صورتہ صورۃ المذی ولم یتذکر الاحتلام یجب علیہ الغسل عند ابی حنیفۃ و محمد خلافاً لابی یوسف[2]۔	جم غفیر نے بتایا کہ جب بیدار ہو اور مذی پائے یعنی وہ جو مذی کی صورت میں ہے اور احتلام یاد نہیں تو امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے بخلاف امام ابو یوسف کے۔ (ت)

خزانہ امام سمعانی میں برمز طح لشرح الطحاوی ہے:

استیقظ فوجد علی فراشہ بللا فانکان مذیاً فعند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی یجب الغسل احتیاطاتذکرالاحتلام اولم یتذکر وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی لاغسل علیہ حتی یتیقن بالاحتلام[3]۔	بیدار ہو کر اپنے بستر پر تری پائی اگر وہ مذی ہو تو امام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک احتیاطًا اس پر غسل واجب ہے۔ احتلام یاد ہو یا نہ ہو۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس پر غسل نہیں یہاں تک کہ اسے احتلام کا یقین ہو۔ (ت)

ارکان بحر العلوم میں ہے:

من موجبات الغسل وجدان المستیقظ البلل سواء کان منیاًاومذیاًوسواء تذکرالاحتلام ام لا عند الامام ابی حنیفۃ والامام محمد وقال ابو یوسف لا	غسل کے موجبات میں سے یہ ہے کہ بیدار ہونے والا تری پائے خواہ وہ منی ہو یا مذی اور خواہ اسے احتلام یاد ہو یا نہ ہو امام ابو حنیفہ وامام محمد کے نزدیک۔ اور امام ابو یوسف نے نفی کی اس لئے

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل (قلمی فوٹو) ۵/۱

لان الغسل لایجب بالاحتمال ولهما ماروی الترمذی وابوداؤد عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها (فذکر الحدیث المذکور ثم قال) المعنی فی وجوب الغسل علی المستیقظ الواجد البلل ان النوم حالة غفلة ویتوجه الی دفع الفضلات ویکون الذکر صلبا شاهیا للجماع ولذا یکثر فی النوم الاحتلام وخروج المنی یکون بشهوة غالبا بخلاف حالة الیقظة فانه یندر فیه خروج المنی بلاتحریك فاذا وجد المستیقظ البلل فالغالب انه منی دفعه الطبیعة بشهوة وان کان البلل رقیقا مثل المذی فالغالب فیه انه رق بحرارة البدن فاوجب الشارع فی البلل الغسل مطلقا لانه مظنة الخروج بالشهوة فافهم[1]۔	کہ محض احتمال سے غسل واجب نہیں ہوتا۔اور طرفین کی دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی وابوداؤد نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی (اس کے بعد حدیثِ مذکور بیان کی، پھر بیان فرمایا:) بیدار ہو کر تری پانے والے پر غسل واجب ہونے کا سبب یہ ہے کہ نیند غفلت اور فضلات دفع کرنے کی جانب توجہ کی حالت ہے اور اس وقت ذکر میں سختی و شہوتِ جماع ہوتی ہے۔اسی لئے نیند میں احتلام اور شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا زیادہ ہوتا ہے۔بیداری کی حالت میں ایسا نہیں، اس میں بغیر تحریک کے منی نکلنا نادر ہے۔تو بیدار ہونے والا جب تری پائے تو غالب گمان یہی ہے کہ وہ منی ہے جسے طبیعت نے شہوت کے ساتھ دفع کیا ہے۔اور تری اگر مذی کی طرح رقیق ہو تو اس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ وہ بدن کی حرارت سے رقیق ہوگئی ہے تو شارع نے تری میں مطلقًا غسل واجب کیا اس لئے کہ اس میں شہوت سے نکلنے کے گمان کا موقع ہے۔فافہم (ت)

کبیری علی المنیہ میں قول مذکور متن کو عند ابی یوسف سے مقید کرکے وعندهما یجب[2] فرمایا۔پھر محل دلیل میں افادہ کیا:

قولهما وجوب الغسل اذا تیقن انه	طرفین کا قول کہ غسل واجب ہے جب یقین ہو کہ

[1] رسائل الارکان الرسالۃ الاولٰی فی الصّلوٰۃ فصل فی الغسل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲ و ۴۳

مذی ولم یتذکرالاحتلام لان النوم حال ذھول وغفلۃ شدیدۃ یقع فیہ اشیاء فلا یشعر بہافتیقن کون البلل مذیالایکاد یمکن الا باعتبارصورتہ و رقتہ وتلك الصورۃ کثیراما تکون للمنی بسبب بعض الاغذیۃ ونحوھا مما یوجب غلبۃ الرطوبۃ ورقۃ الاخلاط والفضلات وبسبب فعل الحرارۃ والھواء فوجوب الغسل ھوالوجہ[1]۔	وہ مذی ہے اور احتلام یاد نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ نیند ذہول اور شدید غفلت کی حالت ہے اس میں بہت سی ایسی چیزیں واقع ہوجاتی ہیں جن کا سونے والے کو پتہ نہیں چلتا تو تری کے مذی ہونے کا یقین اس کی صورت اور رقت ہی کے اعتبار سے ہو پائے گا اور یہ صورت بارہا منی کی بھی ہوتی ہے جس کا سبب بعض غذائیں اور ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن سے رطوبت زیادہ ہوجاتی ہے۔ خلطیں اور فضلات رقیق ہوجاتے ہیں اور حرارت وہوا کے عمل سے بھی ایسا ہوتا ہے تو غسل کا وجوب ہی صحیح صورت ہے۔(ت)

سنن دارمی وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الرجل یجد البلل ولا یتذکر احتلاما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل وعن الرجل الذی یری انہ قداحتلم ولا یجد بللا قال لاغسل علیہ[2]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استفتاء ہوا کہ آدمی تری پائے اور احتلام یاد نہیں۔ فرمایا: نہائے عرض کی: احتلام یاد ہے اور تری نہ پائی۔ فرمایا: اس پر غسل نہیں۔

مولٰنا علی قاری شرح مشکوٰۃ میں یجد البلل کے نیچے لکھتے ہیں: منیا کان او مذیا[3]۔(منی ہو یا مذی۔ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲ و ۴۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الرجل یجد البلۃ فی منامہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب من احتلم ولم یر بللا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۵، سنن الترمذی ابواب الطہارۃ حدیث ۱۱۳ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۶۴۔ سنن الدارمی باب من یری بللا حدیث ۷۷۱ دارالمحاسن الطباعۃ القاہرہ ۱/ ۱۶۱

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب الغسل تحت الحدیث ۴۴۱ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۴

لمعات التنقیح میں ہے:

مذهب ابی حنیفة ومحمد انه اذا رأی المستیقظ بللا منیا کان اومذیا وجب الغسل یتذکر الاحتلام اولم یتذکر قال الشُّمُنِّی قال ابو یوسف لاغسل اذارأی مذیا ولم یتذکر الاحتلام لان خروج المذی یوجب الوضوء لاالغسل ومتمسکهما هذا الحدیث[1]۔	امام ابو حنیفہ وامام محمد کا مذہب یہ ہے کہ جب بیدار ہونے والا تری دیکھے۔ منی ہو یا مذی۔ تو اس پر غسل واجب ہے احتلام یاد ہو یا نہ ہو۔ شمنّی نے فرمایا: امام ابو یوسف کا قول ہے کہ اس صورت میں غسل نہیں جب مذی دیکھے اور احتلام یاد نہ ہو اس لئے کہ مذی نکلنے سے وضو واجب ہوتا ہے غسل نہیں، اور طرفین کا استدلال اسی حدیث سے ہے۔(ت)

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ فقہ وغیرہ ہر فن میں اختلاف اقوال بکثرت ہوتا ہے مگر اس رنگ کا اختلاف نادر ہے کہ ہر فریق یوں کلام فرماتا ہے گویا مسئلہ میں ایک یہی قول ہے قول دیگر واختلاف باہم کا اشعار تک نہیں کرتا گویا خلاف پر اطلاع ہی نہیں یہاں تک کہ جہاں ایک فریق کے شراح نے اپنے مشروح کا خلاف بھی کیا وہاں بھی ایراد یا اصلاح کا رنگ برتا نہ یہ کہ مسئلہ خلافیہ ہے اور ہمارے نزدیک ارجح یہ ہے مثلاً عبارت مذکور تنویر الابصار میں کہ فریق دوم کے موافق تھی مدقق علائی نے یہ استثنا بڑھایا:

الا اذا علم انه مذی اوشك انه مذی اوودی اوکان ذکره منتشرا قبل النوم فلا غسل علیه اتفاقا[2]۔	مگر جب یقین ہو کہ وہ مذی ہے، یا شک ہو کہ مذی ہے یا ودی، یا سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو بالاتفاق اس پر غسل نہیں۔ (ت)

علامہ طحطاوی نے فرمایا:

یرد علی المصنف انه فی صورة المذی مع عدم التذکر لایلزمه الغسل وقدافاده الشارح بقوله	مصنف پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ احتلام یاد نہ ہونے کے ساتھ مذی کی صورت میں غسل لازم نہیں ہوتا، شارح نے اپنے قول "مگر جب یقین ہو الخ" سے

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، تاب الطھارۃ، باب فی الغسل، حدیث ۴۴۱، المکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۱۱۳و۱۱۴

[2] الدر مختار شرح تنویر الابصار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱

الا اذا علم[1]۔	اس کا افادہ کیا۔(ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

اعلم ان الشارح قد اصلح عبارۃ المصنف فان قولہ اومذیایحتمل انہ رأی مذیا حقیقۃ بان علم انہ مذی اوصورۃ بان شك انہ مذی اوودی اوشك انہ مذی اومنی فاستثنی ماعدا الاخیر وصار قولہ اومذیا مفروضا فیما اذا شك انہ مذی اومنی فقط فہذہ الصورۃ یجب فیہا الغسل وان لم یتذکر الاحتلام لکن بقیت ہذہ صادقۃ بما اذاکان ذکرہ منتشرا قبل النوم اولا مع انہ اذاکان منتشرا لایجب الغسل فاستثناہ ایضا فصارجملۃ المستثنیات ثلث صور لایجب فیہا الغسل اتفاقا مع عدم تذکر الاحتلام الخ[2]۔	واضح ہو کہ شارح نے عبارتِ مصنف کی اصلاح فرمائی ہے اس لئے کہ ان کے قول "اومذیا" میں احتمال تھا کہ اس نے حقیقۃً مذی دیکھی ہو اس طرح کہ اسے یقین ہو کہ وہ مذی ہے۔ یا صورۃً مذی دیکھی اس طرح کہ اسے شک ہو کہ وہ مذی ہے یا ودی، یا شک ہو کہ وہ مذی ہے یا منی ۔ تو ماسوائے اخیر کا استثناء کردیا اور ان کا قول "اومذیا" کی صورت مفروضہ ہو گئی جس میں صرف یہ شک ہے کہ مذی ہے یا منی۔ تو اس صورت میں غسل واجب ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو۔ لیکن یہ اس صورت پر بھی صادق ٹھہری جب سونے سے قبل ذکر منتشر رہا ہو یا نہ رہا ہو حالاں کہ منتشر ہونے کی صورت میں غسل واجب نہیں ہوتا تو اس صورت کا بھی استثناء کردیا اب کل تین صورتیں مستثنٰی ہو گئیں جن میں احتلام یاد نہ ہونے کے ساتھ بالاتفاق غسل واجب نہیں ہوتا(ت) اور اسی کے مثل جامع الرموز علامہ قہستانی سے آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی ۔اُدھر صاحب منیۃ المصلی نے جو عبارت مذکورہ میں فریق اول کا قول اختیار کیا۔

علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں اس پر یوں فرمایا:

المصنف مشی علی قول ابی یوسف ولم ینبہ علیہ فیوہم انہ مجمع علیہ علی ان الفتوی علی	مصنف کی مشی امام ابو یوسف کے قول پر ہے مگر اس پر تنبیہ نہ کی جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ اس حکم پر تینوں ائمہ کا اجماع ہے۔ علاوہ ازیں فتوٰی طرفین

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۹۲/۱

[2] ردالمحتار ، کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۹/۱

قولهما [1]۔	کے قول پر ہے۔(ت)

حالانکہ فریق اول کے طور پر ضرور یہ قول مجمع علیہ ہی تھا یونہی حلیہ میں عبارت مذکورہ مصفی سے مبسوط و محیط و مغنی کے نصوص نقل کرکے فرمایا:

يفيد عدم الوجوب بالاجماع فی المذی کما فی الودی ولیس کذلك بل هو علی الخلاف کما صرح به نفس صاحب المصفی فی الکافی وقاضی خان فی فتاویه وغیرهما من المشائخ [2] اھ	اس کا مفاد یہ ہے کہ ودی کی طرح مذی میں بھی بالاجماع غسل واجب نہیں، حالاں کہ ایسا نہیں بلکہ اس میں اختلاف ہے جیسا کہ خود صاحبِ مصفی نے کافی میں، امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اور دیگر مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔(ت)

بالجملہ یہ خلاف نوادر دہر سے ہے اور راہ تطبیق ہے یا ترجیح۔ اگر ترجیح لیجئے فاقول وہ تو سردست بوجوہ قول دوم کیلئے حاضر۔

اولاً: اسی پر متون ہیں۔

ثانیاً: اسی طرف اکثر ہیں وانما العمل بما علیه الاکثر [3]۔ (عمل اسی پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں۔ت)

ثالثاً: اسی میں احتیاط بیشتر اور امر عبادات میں احتیاط کا لحاظ اوفر۔

رابعاً: اس کے اختیار فرمانے والوں کی جلالتِ شان جن میں امام اجل فقیہ ابو اللیث سمرقندی صاحب حصر و امام ملک العلما ابو بکر مسعود کاشانی و امام اجل نجم الدین عمر نسفی و امام علی بن محمد اسبیجابی ہر دو استاذ امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ و خود امام اجل صاحبِ تجنیس وہدایہ و امام ظہیر الدین محمد بخاری و امام فقیہ النفس قاضیخان و امام محقق علی الاطلاق وغیرہم ائمہ ترجیح وفتوے بکثرت ہیں اور قول اول کی طرف زیادہ متاخرین قریب العصر۔

اور اگر **تطبیق** کی طرف چلئے تو نظر ظاہر میں وہ توفیق حاضر جسے علامہ شامی عـــہ رحمہ اللہ تعالٰی نے

عـــہ: قال رحمه الله تعالی تحت قول	عـــہ: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے متن کی عبارت

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱۰

اختیار کیا اور من وجہ اُس کا پتا اور بعض کتب سے بھی چلتا ہے کہ قولِ اوّل میں حقیقت مذی مراد ہے یعنی جب یقین یا غلبہ ظن سے کہ وہ بھی فقہیات میں مثل یقین ہے معلوم ہو کہ یہ تری حقیقۃً مذی ہے، اُس کا منی ہونا محتمل نہیں تو بالاجماع غسل نہ ہوگا اور قول دوم میں صورت مذی مقصود ہے یعنی صورۃً مذی ہونے کا علم ویقین ہو اور در بارہ حقیقت تردد کہ شاید منی ہو جو گرمی پا کر اس شکل پر ہو گئی۔ عبارت درِ مختار ابھی گزری، عبارت نقایہ رؤیۃ المستیقظ المنی اوالمذی[1] کی جامع الرموز میں یوں تفسیر کی:

(المنی) ای شیأ یتیقن انہ منی	(منی) یعنی ایسی چیز جس کے متعلق اس کا یقین یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الماتن رؤیۃ مستیقظ منیا اومذیا[2] قولہ اومذیا یقتضی انہ اذا علم مذی ولم یتذکر احتلاما یجب الغسل وقدعلمت خلافہ وعبارۃ النقایۃ کعبارۃ المصنف واشار القھستانی الی الجواب حیث فسر قولہ اومذیا بقولہ ای شیأ شك فیہ انہ منی اومذی فالمراد ماصورتہ المذی لاحقیقتہ اھ فلیس فیہ مخالفۃ لما تقدم فافھم[3] اھ فافادان المراد فی قول النفاۃ العلم بحقیقۃ المذی وفی قول الموجبین العلم بصورتہ فلا خلاف اھ منہ۔

"رؤیۃ مستیقظ منیا اومذیا" (بیدار ہونے والے کا منی یا مذی دیکھنا موجب غسل ہے) کے تحت فرمایا عبارتِ متن "اومذیا" کا تقاضا یہ ہے کہ جب اسے مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو تو غسل واجب ہوا، اور تمہیں اس کے خلاف حکم معلوم ہو چکا، اور نقایہ کی عبارت بھی عبارتِ مصنف ہی کی طرح ہے اس کے تحت قہستانی نے جواب کی طرف اشارہ کیا۔ اس طرح کہ عبارتِ نقایہ "اومذیا" کی تفسیر یہ کی یعنی ایسی چیز جس کے بارے میں شک ہو کہ وہ منی ہے یا مذی، تو مراد وہ ہے جو مذی کی صورت میں ہے وہ نہیں جو حقیقتًا مذی ہے اھ تو اس میں حکم سابق کی مخالفت نہیں فافہم اھ۔ اس سے علامہ شامی نے یہ افادہ کیا کہ وجوبِ غسل کی نفی کرنے والے حضرات کے قول میں حقیقت مذی کا یقین مراد ہے اور وجوبِ غسل قرار دینے والوں کے قول میں صورت مذی کا یقین مراد ہے تو کوئی اختلاف نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب الطہارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴

[2] الدر المختار، کتاب الطہارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

(اوالمذی)ای شیأ یشك فیه انه منی اومذی تذکر الاحتلام اولا وھذا عندھماالخ[1]	کہ وہ منی ہے (یا مذی) یعنی ایسی چیز جس کے بارے میں اسے شک ہے کہ وہ منی ہے یا مذی۔ احتلام یاد ہو یا نہ ہو۔ اور یہ طرفین کے نزدیک ہے الخ۔ (ت)

عبارت مذکورہ وقایہ پر ذخیرۃ العقبی میں لکھا:

لایقال قد صرح فی جمیع المعتبرات بانه لا یوجب الغسل کالودی فما بال المصنف رحمه الله تعالٰی عدرؤیته من الموجبات لانا نقول الذی یحکم علیه بعدم کونه موجبا ھوالمذی یقینا والذی عدموجباھومایکون فی صورته مع احتمال کونه منیارقیقاکمااشارالیه الشارح رحمه الله تعالٰی بقوله اماالمذی فلاحتمال کونه الخ[2]	یہاں اعتراض ہوسکتا ہے کہ تمام معتبر کتابوں میں تصریح ہے کہ ودی کی طرح مذی سے بھی غسل واجب نہیں ہوتا پھر کیا وجہ ہے کہ مصنف نے مذی دیکھنے کو موجباتِ غسل میں شمار کیا مگر اس کا جواب یہ ہے کہ جس مذی کے غیر موجب ہونے کا حکم ہے وہ مذی یقینی ہے اور جسے موجب غسل شمار کیا ہے وہ ایسی تری ہے جو مذی کی صورت میں ہے اور اس کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ رقیق منی ہو جیسا کہ اس طرف شارح رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے اس قول سے اشارہ فرمایا کہ "لیکن مذی تو اس لئے کہ احتمال ہے کہ" الخ۔ (ت)

اور **تحقیق** چاہئے تو حقیقت امر وہ ہے جس کی طرف محقق علی الاطلاق نے اشارہ فرمایا یعنی قول اول ضرور فی نفسہٖ ایک ٹھیک بات ہے۔ واقعی جب ثابت ہوجائے کہ یہ تری فی الحقیقۃ مذی ہے تو بالضرورۃ منی ہونا محتمل نہ رہے گا اور جب منی کا احتمال تک نہیں تو بالاجماع عدم وجوب غسل میں کوئی شک نہیں مگر ما نحن فیہ یعنی سوتے سے اٹھ کر تری دیکھنے میں یہ صورت کبھی موجود نہ ہوگی جب مذی دیکھی جائے گی منی ضرور محتمل رہے گی کہ بارہا بدن یا ہوا کی گرمی سے منی رقیق ہوکر شکل مذی ہوجاتی ہے تو بیدار ہوکر دیکھنے والے کو علم مذی ہمیشہ احتمال منی ہے اور شک نہیں کہ مذہب طرفین میں اُسے احتمال منی ہمیشہ موجب غسل

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۳

[2] ذخیرۃ العقبی کتاب الطہارۃ المبحث فی موجبات الغسل المطبعۃ الاسلامیہ لاہور ۱/۱۳۰و۱۳۱

ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو تو اس صورت میں بھی امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک وجوبِ غسل لازم بالجملہ ترجیح لو یا تطبیق چلو۔ بہرحال صحیح وثابت وہی قول دوم ہے وباللہ التوفیق۔

اقول: وبیان ذلك علی ماظهر للعبد الضعیف بحسن التوقیف من المولی اللطیف ان ف الحکم بشیئ اما ان یحتمل خلافه احتمالا صحیحا ناشئا عن دلیل غیر ساقط حتی یکون للقلب الیه رکون اولا الاول هو الظن باصطلاح الفقه والثانی العلم ویشمل ماذالم یکن ثمه تصورماللخلاف اصلا وهو الیقین بالمعنی الاخص او کان تصوره بمجرد امکانه فی حدنفسه من دون ان یکون ههنا مثارله من دلیل مااصلا وهو الیقین با لمعنی الاعم اوکان عن دلیل ساقط مضمحل لا یرکن الیه القلب و هو غالب الظن واکبر الرأی و الیقین الفقهی لالتحاقة فیه بالیقین۔ وبه علم ان فی الاحکام الفقهیة لاعبرة بالاحتمال المضمحل الساقط اصلاکما لاحاجة الی الیقین الجازم بشیئ من المعنیین کذلك ففی بناء	**اقول:** اس کا بیان جیسا کہ رب لطیف کے حسن توقیف سے بندہ ضعیف پر منکشف ہوا یہ ہے کہ کسی شئی کا حکم کرنے میں یا تو اس کے خلاف کا احتمال ہوگا۔ ایسا احتمال صحیح جو دلیل غیر ساقط سے پیدا ہوا ہو یہاں تک کہ اس کی جانب دل کا جھکاؤ ہو۔ یا اس کے خلاف کا ایسا احتمال نہ ہوگا۔ اول اصطلاح فقہ میں ظن کہلاتا ہے۔ اور ثانی کو علم ویقین کہا جاتا ہے۔ اس علم کے تحت تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) خلاف کا وہاں بالکل کوئی تصور ہی نہ ہو۔ یہ یقین بمعنی اخص ہے (۲) خلاف کا تصور محض اس کے فی نفسہ ممکن ہونے کی حد تک ہو، اس پر کسی طرح کی کوئی دلیل بالکل نہ ہو یہ یقین بمعنی اعم ہے (۳) خلاف کا تصور ایسی کمزور ساقط دلیل سے پیدا ہو جس کی طرف دل کا جھکاؤ نہ ہو۔ یہ غالب ظن، اکبر رائے اور یقین فقہی کہلاتا ہے اس لئے کہ فقہ میں اسے یقین کا حکم حاصل ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ فقہی احکام میں کمزور ساقط احتمال کا بالکل کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے اس میں ان دونوں معنوں میں یقین جازم کی بھی احتیاج نہیں۔ تو فقہا بنائے احکام میں جب

ف: **فائدہ:** معانی العلم والظن والاحتمال فی اصطلاح الفقه۔

الاحکام اذااطلقواالاحتمال فانما یریدون الاحتمال الصحیح وھو الناشیئ عن دلیل غیر ساقط واذااطلقواالعلم فانمایعنون المعنی الاعم الشامل لاکبرالرأی ای مالایحتمل خلافه احتمالاصحیحاوبه علم ان غلبة الظن بشیئ واحتمال ضدہ لایمکن اجتماعهمابالمعنی المذکور۔

ثم ان الاشیاء ثلثة منی ومذی وودی نعنی به کل مالیس منیاولامذیا فصورة رؤیة البلل بالنظرالی تعلق العلم اوالاحتمال باحدالثلثة تتنوع الی سبع صور ثلث للعلم واربع فی الاحتمال وذلك ان یتردد المرئی بین منی و مذی اومنی وودی اومذی وودی اوبین الثلثة و مرجع الاربع الی ثنتین احتمال المنی مطلقا وھو فیماعدا الثالث واحتمال المذی خاصة ای یحتمله لاالمنی فعادت السبع خمساوھی مع صورة عدم رؤیة البلل ست کمافعلنا۔

وضابطها ان تقول یکون

لفظ احتمال بولتے ہیں تو اس سے احتمال صحیح مراد لیتے ہیں۔ یہ وہی ہے جو کسی غیر ساقط دلیل سے پیدا ہوا ہو۔ اور جب لفظ علم ویقین بولتے ہیں تو اس سے وہ معنی اعم مراد لیتے ہیں جو اکبر رائے کو بھی شامل ہے یعنی جس کے خلاف کا کوئی صحیح احتمال نہ ہو۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شیئ کا غلبہ ظن اور اس کی ضد کا احتمال بمعنی مذکور دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔

اب دیکھئے کہ تین چیزیں ہیں: منی، مذی، ودی۔ ودی سے ہماری مراد ہر وہ تری جو نہ منی ہو نہ مذی۔ تینوں میں سے کسی ایک سے علم یا احتمال متعلق ہونے پر نظر کرتے ہوئے تری کے دیکھنے کی صورت سات صورتوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ تین صورتیں علم کی ہیں اور چار احتمال کی۔ وہ اس طرح کہ مرئی میں تردّد منی و مذی کے درمیان ہوگا یا منی و ودی یا مذی و ودی یا تینوں کے درمیان ہوگا۔ ان چاروں کا مآل دو صورتیں ہیں۔ منی کا احتمال ہو مطلقًا، یہ تیسری صورت کے ماسوا میں ہے۔ صرف مذی کا احتمال ہو منی کا احتمال نہ ہو تو اب (احتمال کی دو صورتیں اور یقین کی سابقہ تین صورتیں رہ گئیں) سات صورتیں صرف پانچ ہو گئیں ان کے ساتھ تری نہ دیکھنے کی صورت کو بھی ملا لیا جائے تو کل چھ صورتیں ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے یہی کیا۔

اسے بطور ضابطہ یوں کہیں کہ منی یا مذی معلوم

المنی او المذی معلوماً اومحتملا اولاولا۔ **اقول:** وان اخذت الاحتمال بحیث یشمل العلم ای تسویغ شیئ سواء ساغ معه ضده فکان احتمالا بالمعنی المعروف اولا فکان علما فحینئذ یرجع التخمیس تثلیثا بان یقال یحتمل منی اومذی اولاولا فیندرج علم المنی واحتماله مع مذی او ودی اومعهما فی الاول وعلم المذی واحتماله مع ودی فی الثانی وعلم الودی هو الثالث۔

ثم ان لکل من الثلثة صورة وحقیقة۔

اقول: و معلوم قطعا ان العلم بحقیقة شیئ ینفی احتمال ضده الکلامی الکلامی والفقهی الفقهی و کذا احتمالها لا یکون احتماله وان صحب احتماله بخلاف العلم بصورته اواحتماله فانه لا ینفی احتمال حقیقة ضده بل ربما یفیده اذا امکن ان تکون تلك الصورة له فحینئذ یجامع

یا [۴] محتمل ہوگی یا [۵] یہ دونوں نہ معلوم ہوں گی نہ محتمل۔(ت) **اقول:** اور اگر احتمال کو اس طرح لیجئے کہ علم و یقین کو بھی شامل ہو۔یعنی کسی شئی کا جواز ہو خواہ اس کے ساتھ اس کی ضد کا بھی جواز ہو۔جو احتمال بمعنی معروف ہے۔یا اس کی ضد کا کوئی جواز نہ ہو،جو علم بمعنی معروف ہے۔تو اس تقدیر پر پانچ صورتیں صرف تین ہو جائیں گی۔وہ اس طرح کہ ہم کہیں [۱] منی کا احتمال ہوگا یا [۲] مذی کا یا دونوں کا احتمال نہ ہوگا۔تو منی کا [۱] علم اور [۲] مذی یا [۳] ودی یا [۴] دونوں کے ساتھ اس کا احتمال شق اول میں مندرج ہوجائے گا۔اور [۵] مذی کا علم اور [۶] ودی کے ساتھ اس کا احتمال شق دوم میں مندرج ہوگا۔اور ودی کا علم یہ تیسری شق ہے۔

پھر تینوں میں سے ہر ایک کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت ہے۔(ت) **اقول:** اور یہ قطعًا معلوم ہے کہ کسی شئی کی حقیقت کا یقین اس کی ضد کے احتمال کی نفی کرتا ہے۔یقین کلامی احتمال کلامی کی نفی کرتا ہے اور یقین فقہی احتمال فقہی کی۔اسی طرح حقیقت شئی کا احتمال ضد شئی کا احتمال نہیں ہوتا اگرچہ اس کے احتمال کے ساتھ ہو۔اور شئی کی صورت کے علم یا احتمال کا حکم اس کے برخلاف ہے۔اس لئے کہ وہ ضد شئی کی حقیقت کے احتمال کی نفی نہیں کرتا بلکہ بارہا اس کا افادہ کرتا ہے جب کہ یہ ممکن ہو کہ وہ صورت اس کی ضد ہو۔

العلم الفقهی بل الکلامی بصورة شیئ الاحتمال الکلامی بل الفقهی لحقیقته اذا کان ناشئا عن دلیل غیر مضمحل۔

اذا وعیت هذا۔ **فاقول:** لامساغ لان تؤخذ الصور ههنا باعتبار تعلق العلم بحقیقة الشیئ عینا لوجوه یجمعها۔ **اولها** ف وهوانه یبطل ما اجمعوا علیه من وجوب الغسل بعلم المذی عند تذکر الحلم کیف واذاعلم انه مذی حقیقة لم یحتمل کونه منیا اصلا واذا لم یحتمل کونه منیا امتنع ان یوجب غسلا ولوتذکر الف حلم لما علم من الشرع ضرورة ان لاماء موجبا للماء الا المنی فیکون ایجابه بما علم انه مذی حقیقة تشریعا جدیدا والعیاذ بالله تعالی اما تراهم مفصحین بانا لانوجب الغسل بالمذی بل قد یرق المنی فیری کالمذی کما تقدم فقد ابانوا ان لیس المراد العلم بحقیقة المذی والا لم تحتمل

تو ایسی حالت میں کسی شئی کی صورت کا یقین فقہی بلکہ کلامی بھی اس کی ضد کی حقیقت کے احتمال کلامی بلکہ فقہی کے ساتھ بھی جمع ہوتا ہے جب کہ وہ احتمال کسی دلیل غیر مضمحل سے پیدا ہو۔

جب یہ ذہن نشین ہو گیا **تو میں کہتا ہوں** اس کی گنجائش نہیں کہ یہاں مذکورہ صورتیں معین طور پر شئی کی حقیقت سے علم متعلق ہونے کے اعتبار سے لی جائیں۔ اس کی چند وجہیں ہیں جن کی جامع وجہ اول ہے وہ یہ کہ اس سے وہ باطل ہو جائیگا جس پر اجماع ہے کہ خواب یاد ہونے کی صورت میں مذی کے علم ویقین سے غسل واجب ہوتا ہے۔ یہ کیسے ہو سکے گا جب اسے یقین ہو گیا کہ وہ حقیقۃً مذی ہے تو اس کے منی ہونے کا احتمال بالکل نہ رہا۔ اور جب اس کے منی ہونے کا احتمال نہ رہا تو ناممکن ہے کہ اس سے غسل واجب ہو اگرچہ اسے ہزار خواب یاد ہوں اس لئے کہ شرع سے ضروری طور پر معلوم ہے کہ سوا منی کے کوئی پانی، غسل واجب نہیں کرتا۔ تو اسے جس پانی کے حقیقۃً مذی ہونے کا یقین ہو گیا اس سے غسل واجب کرنا ایک نئی شریعت نکالنا ہوگا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ دیکھتے نہیں کہ علماء صاف لکھتے ہیں کہ ہم مذی سے غسل واجب نہیں کرتے بلکہ بات یہ ہے کہ کبھی منی رقیق ہو کر مذی کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ ان الفاظ سے ان حضرات نے واضح کر دیا کہ حقیقت مذی کا

ف: معروضه علی العلامة ش۔

المنویة لما علمت۔ **فان قلت** العلم الفقهی بشیئ لاینفی احتمال ضدہ بل یحققة اذماھوالاغلبة ظن فلوقطع الاحتمال لکان قطعا۔**قلت** ببلی ینفی الفقهی اذلو نشأعن دلیل غیرساقط نفی غلبة الظن بضدہ والالم یکن احتمالا یبنی علیه حکم فقهی لان الساقط المضمحل لاعبرة به کما سمعت والا لوجب الغسل فی علم الودی ایضا لاسیما عند تذکر الحلم اذیحتمل ان یکون فیه قلیل منی رق وامتزج فصارمستهلکاولیس هذا احتمالا عن غیردلیل فکفی بتذکر الاحتلام دلیلا علیه بل النوم نفسه مظنة له علی ماتقدم عن التجنیس والمزید۔ **وثانیها** ف انه یرفع الفرق بین التذکر وعدمه علی مذهب الطرفین رضی الله تعالٰی عنهما لانهما یوجبان الغسل باحتمال المنی قطعا مطلقا وان لم یتذکر	یقین وعلم مراد نہیں، ورنہ منی ہونے کا احتمال ہی نہ رہتا۔وجہ ابھی معلوم ہوئی۔ **اگر یہ کہو** کہ کسی شیئ کا یقین فقہی اس کی ضد کے احتمال کی نفی نہیں کرتا بلکہ اس کا اثبات کرتا ہے اس لئے کہ علم فقہی وہی غلبہ ظن ہے اگر احتمال ختم کردیا جائے تو وہ قطعی ہو جائے۔ **میں کہوں گا** کیوں نہیں؟ وہ احتمال فقہی کی نفی کرتا ہے۔اس لئے کہ احتمال اگر دلیل غیر ساقط سے پیدا ہوا ہے تو اپنی ضد کے غلبہ ظن کی نفی کردے گا ورنہ وہ ایسا احتمال ہی نہ ہوگا جس پر کسی فقہی حکم کی بنیاد رکھی جائے اس لئے کہ ساقط مضمحل کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔جیسا کہ پہلے سن چکے۔ورنہ ودی کے یقین کی صورت میں بھی غسل واجب ہوتا خصوصًا اس وقت جب خواب یاد ہو اس لئے کہ احتمال ہے کہ اس میں قلیل منی رہی ہو جو رقیق اور مخلوط ہو کر گم ہو گئی۔اور یہ احتمال بلا دلیل نہیں (اگر چہ دلیل ساقط ہے ۱۲م) احتلام کا یاد ہونا اس کی دلیل ہونے کے لئے کافی ہے بلکہ خود نیند میں اس کے گمان کی جگہ ہے جیسا کہ تجنیس ومزید کے حوالہ سے گزرا۔ وجہ دوم (اگر حقیقت شیئ کے یقین کا اعتبار ہو تو) اس سے طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب پر خواب یاد ہونے اور نہ یاد ہونے کی تفریق اٹھ جائے گی اس لئے کہ یہ حضرات منی کے احتمال سے قطعًا مطلقًا غسل واجب کہتے ہیں۔

ف:معروضة اخرٰی علیه۔

ولایمکن ان یوجبا بما لیس منیا اصلا حتی بالاحتمال وان تذکر لما تلونا علیك انفا فکان علم المذی والتردد بین المذی والودی کل کمثل العلم بالودی للاشتراك فی عدم احتمال ماھو موجب شرعا فبطل الفرق مع اجماعھم علی اثباته۔

وثالثھا ف یضیع حینئذ لحاظ شیئ من علم المذی واحتماله فی بیان الصور اذلا اثر له فی الحکم وکان یجب القصر علی ثلث علم المنی واحتماله فیوجب اولا ولافلابل اثنین علی الوجه الثانی ای ان احتمل منیا وجب والا لاوھو ایضا خلاف الروایات قاطبة۔

فبان کالشمس ان الصورلم تؤخذ الا باعتبار تعلق العلم بالصورة دون الحقیقة لاجرم ان صرح فی الخلاصة بان مراده ماصورته المذی لاحقیقة المذی اھ[1]

اگرچہ خواب یاد نہ ہو۔اور یہ ممکن نہیں کہ ایسی چیز سے غسل واجب قرار دے دیں جو منی ہرگز نہیں یہاں تک کہ احتمالاً بھی نہیں،اگرچہ خواب یاد ہی ہو ، اس کی وجہ ابھی ہم بتاچکے۔ تو مذی کا یقین ، اور مذی وودی کے مابین تردّد ہر ایک ویسے ہی ہوگا جیسے ودی کا علم ویقین ، اس لئے کہ سب میں یہ قدر مشترک ہے کہ اس چیز کا احتمال نہیں جو شرعًا موجبِ غسل ہے ۔تو یاد ہونے نہ ہونے کی تفریق بیکار ہوئی۔ حالانکہ اس کے اثبات پر تینوں ائمہ کا اجماع ہے۔

وجہ سوم: برتقدیر مذکور صورتوں کے بیان میں مذی کے یقین واحتمال میں سے کسی کا لحاظ بے کار ہوگا اس لئے کہ حکم میں اس کا کوئی اثر نہیں۔اور واجب تھا کہ صرف تین صورتوں پر اکتفاہو۔اگر منی کا یقین یا احتمال ہے تو وجوب ہے ورنہ نہیں ۔بلکہ بطریق دوم صرف دو ہی پر اکتفاء ضروری تھی۔اگر منی کا احتمال ہے تو وجوب ہے ورنہ نہیں۔یہ بھی تمام روایات کے برخلاف ہے۔

تو مہرِ تاباں کی طرح روشن ہوا کہ مذکورہ صورتیں حقیقت نہیں بلکہ صورت ہی سے علم ویقین متعلق ہونے کے اعتبار سے لی گئی ہیں یہی بات ہے کہ خلاصہ میں تصریح کردی ہے یہ کہ حقیقت مذی مراد نہیں مراد وہ ہے جو مذی کی صورت میں ہے اھ

ف: معروضة ثالثة علیه۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطھارۃ الفصل الثانی فی الغسل مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۳

وفی الحلیة وجد مذیا یعنی ماصورته صورة المذی اھ[1] وکذلك عبربا لصورة فی البدائع والایضاح والسراجیة وغیرھاما تقدم فالتوفیق الذی سلکه العلامة ش لاسبیل الیه وایاك ان تغتر بما یوھمه ظاھرکلام المحقق فی الفتح والسید ط فی حواشی المراقی تبعاللنھرکما ذکرہ فی حواشی الدرحیث حکما بتعذر الیقین مع النوم وانما المتعذر به التیقن بالحقیقة دون الصورة کمالایخفی فلیس ذلك لان المراد فی الصور العلم بالحقیقة بل السرفیه۔ما **اقول:** ان العلم بصورة الشیئ علم کلامی بحقیقته اذا لم تکن لغیرہ کصورة المنی وعلم فقھی بھا اذا امکنت لغیرھولم یکن احتماله ھنالك ناشنا عن دلیل یرکن الیه ولیس علمابھااصلا اذانشأ عن دلیل صحیح کصورة المذی عند تذکر الاحتلام فانھالاتختص به بل ربما یکتسیھا المنی و

اور حلیہ میں ہے: مذی پائی یعنی وہ جس کی صورت، مذی کی صورت ہے الخ۔ اسی طرح بدائع، ایضاح، سراجیہ وغیرہا میں صورت سے تعبیر ہے ان کی عبارتیں گزر چکیں۔ تو علامہ شامی نے جو راہِ تطبیق اختیار کی ہے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہئے جس کا وہم فتح القدیر میں حضرت محقق کے کلام سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح مراقی الفلاح کے حواشی میں بہ تبعیت نہر سید طحطاوی کے کلام سے، جیسا کہ اس کو حواشی در میں ذکر کیا ہے وہ یوں کہ دونوں حضرات نے نیند کے ساتھ یقین کے متعذر ہونے کا حکم کیا ہے حالانکہ نیند کے ساتھ متعذر صرف حقیقت کا یقین ہے، صورت کا یقین متعذر نہیں، جیسا کہ واضح ہے، تو وہ حکم اس لئے نہیں کہ مذکورہ صورتوں میں حقیقت کا یقین مراد ہے بلکہ اس کا رمز وہ ہے جو **میں بیان کرتا ہوں** کسی شیئ کی صورت کا یقین، اس کی حقیقت کا یقین کلامی ہوتا ہے جب کہ وہ صورت کسی اور چیز کی ہوتی ہی نہ ہو۔ جیسے منی کی صورت۔ اور (صورت شیئ کا یقین، حقیقت شیئ کا) یقین فقہی ہوتا ہے جب کہ وہ صورت کسی اور چیز کی بھی ہو سکتی ہو۔ اور وہاں اس کا احتمال کسی ایسی دلیل سے نہ پیدا ہوا ہو جس کی طرف قلب کا جھکاؤ ہوتا ہے۔ اور (صورت شیئ کا یقین، حقیقت شیئ کا) یقین کسی معنی میں نہیں ہوتا جب کہ دوسری چیز کی صورت ہونے کا احتمال کسی دلیل صحیح

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الاحتلام اقوی دلیل علیه فالعلم بصورة المذی لایکون فیه علما بحقیقته ولا غالب الظن بل مع احتمال صحیح للمنویة فیجب الغسل بالاجماع اما اذا لم یتذکرفان کان هناك مساغ للمنویة بدلیل اخر غیرمضمحل کان علمابصورة المذی مع احتمال المنی والا علمابها مع عدمه فکان علما فقهیا بالمذی فالاول یجب فیه ایجاب الغسل عند الطرفین لکونه فی الاحتمال مثل التذکر وهو مراد الموجبین وقد صدقواوالثانی لایجب فیه الغسل اجماعا لماعلمت ان لا وجوب من دون احتمال المنی وهومرادالنفاة وقدصدقوا فهذا غایة مایوجه به طریق التطبیق۔ وبالجملة فالکلام انماهوفی علم الصورة غیر ان النفاة جعلوه فی صورة النفی علما بالحقیقة لان صورة الشیئ لاتحمل	سے پیدا ہو۔ جیسے احتلام یاد ہونے کے وقت مذی کی صورت کہ یہ صورت مذی ہی سے خاص نہیں بلکہ بارہا منی بھی وہ صورت اختیار کرلیتی ہے اور احتلام اس کی قوی دلیل ہے۔ تو صورت مذی کے یقین میں اس کی حقیقت کا نہ یقین ہوگا نہ ظنِّ غالب بلکہ اس کے ساتھ منی ہونے کا بھی احتمال صحیح موجود ہوگا تو غسل بالاجماع واجب ہوگا۔ لیکن جب احتلام یاد نہ ہو تو اگر وہاں کسی دوسری غیر مضمحل دلیل سے منی ہونے کی گنجائش موجود ہو تو یہ احتمال منی کے ساتھ صورتِ مذی کا یقین ہو گا ورنہ عدم احتمال منی کے ساتھ صورت مذی کا یقین ہوگا تو یہ مذی کا یقین فقہی ہوگا۔اول میں طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے کیونکہ یہ بھی احتمال میں احتلام یاد ہونے کی طرح ہے۔ غسل واجب قرار دینے والوں کی مراد یہی ہے۔ اور وہ راستی پر ہیں۔ اور دوم میں بالاجماع غسل واجب نہیں کیونکہ واضح ہوچکا کہ بغیر احتمال منی کے وجوب غسل نہیں۔ وجوب غسل کی نفی کرنے والوں کی مراد یہی ہے اور وہ بھی راستی پر ہیں۔ یہ انتہائی کوشش ہے جس سے طریقہ تطبیق کی توجیہ ہوسکتی ہے۔ الحاصل کلام صورت ہی کے یقین میں ہے، مگر یہ ہے کہ وجوب غسل کی نفی کرنے والے حضرات نے عدمِ وجوب کی صورت میں مذی کے یقین کو حقیقتِ مذی کا یقین قرار دیا۔ اس لئے کہ ایک

علی غیرہ الا بدلیل ولا دلیل فردہ المحقق بقیام احتمال المنویة فی صورۃ مذی یراھا المستیقظ مطلقاً وظن العلامۃ ط ان مرادہ الاحتمال النافی للیقین فاجاب بان المراد العلم الفقھی ولم یتنبہ ف رحمہ اللہ تعالٰی ان ھذا ھو الذی ینکرہ المحقق ویدعی ان علم المستیقظ بصورۃ المذی لاعراء لہ عن احتمال صحیح للمنویۃ فکیف یکون علماً فقھیا بحقیقۃ المذی۔ وانت تعلم ان مناط الامر ھھنا انما ھو ثبوت ھذا المدعی فانتم ضاع الجواب ولم یفد التطبیق ووجب التعویل علی قول الموجبین فالاٰن اٰن ان نستعین بربنا ونسرح عنان النظر فی تحقیق ھذا المبحث لکی یتجلی حقیقۃ الامر۔ **فاقول:** وباللہ التوفیق یظھر لی	شئی کی صورت کو کسی دوسری چیز کی صورت پر بلا دلیل محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اور دلیل کوئی ہے نہیں۔ اسے حضرت محقق نے یوں رد کیا کہ اس مذی کی صورت میں جسے خواب سے بیدار ہونے والا دیکھے، منی ہونے کا احتمال مطلقًا موجود ہے۔ اور علامہ طحطاوی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت محقق کی مراد وہ احتمال ہے جو یقین کی نفی کردے تو جواب دیا کہ یہاں یقین فقہی مراد ہے اور حضرت سید رحمہ اللہ تعالٰی اس پر متنبہ نہ ہوئے کہ حضرت محقق اسی کا تو انکار کر رہے ہیں اور یہ دعوی کر رہے ہیں کہ صورت مذی سے متعلق بیدار ہونے والے کا یقین فقہی، منی ہونے کے احتمال صحیح سے خالی نہیں ہوسکتا تو وہ حقیقتِ مذی کا یقین فقہی کیسے ہوسکے گا؟ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں کی پوری بحث کا مدار اس پر ہے کہ یہ دعوی ثابت ہو۔ اگر دعوی ثابت ہوجاتا ہے تو جواب بے کار اور تطبیق بے سود ہوجائے گی اور غسل واجب قرار دینے والوں کے قول پر اعتماد واجب ہوگا۔ اب وقت آیا کہ ہم اپنے رب کی مدد حاصل کریں اور اس بحث کی تحقیق میں عنان نظر کو رخصت دیں تاکہ حقیقتِ امر عیاں ہوسکے۔ **فاقول:** وباللہ التوفیق، مجھے یہ سمجھ میں آتا ہے

ف: معروضۃ علی العلامۃ ط۔

ان الحق مع المحقق حیث اطلق وبیانہ ان المذی وان باین المنی صدقا لکنہ یجامع تحققا فرب مذی معہ منی کما ان کل منی معہ مذی وغلبۃ ظن المذویۃ بعد النوم المانع لاحاطۃ علم المستیقظ بحقیقۃ البلۃ عینا ان کان فانما یکون لاحدی ثلث صورۃ المذی اووجود اسبابہ المفضیۃ الیہ غالبا اورؤیۃ اٰثارہ المخصوصۃ بہ ولا شیئ منہاینفی احتمال المنی۔ اماالاول فظاھر فانہ لاینافی کون المرئی کلہ منیا فضلا عن نفیہ وجود منی ھناك وذلك لان الصورۃ ربما تکون لہ۔ واما الثانی فلانہ انما یقتضی غلبۃ الظن بان فی المرئی مذیا لا ان لیس فیہ منی اصلا کیف والاسباب المفضیۃ الی الامذاء غالبا اسباب داعیۃ الی الامناء فتحققھا لاینفی المنویۃ بل	کہ حق حضرت محقق علی الاطلاق کے ساتھ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذی کامصداق اگرچہ منی کے مباین ہے مگر تحقق میں مذی، منی کے ساتھ مجتمع ہوتی ہے۔ بہت سی مذی وہ ہے جس کے ساتھ منی بھی ہوتی ہے جیسے ہر منی کے ساتھ مذی ہوتی ہے۔اور نیند جو اس سے مانع ہے کہ بیدار ہونے والے کا علم تری کی حقیقت کا معین طور پر احاطہ کرسکے اس نیند کے بعدمذی ہونے کاغلبہ ظن اگر ہوگاتو تین چیزوں میں سے کسی ایک کے سبب ہوگا(۱) مذی کی صورت (۲)ان اسباب کا وجود جن کے نتیجے میں عموما مذی نکلتی ہے (۳)ان آثار کامشاہدہ جو مذی ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ان تینوں میں سے کوئی چیز بھی احتمال منی کی نفی نہیں کرتی ۔ اول کاحال توظاہر ہے۔ اس لئے مذی کی صورت ہونا اس کے منافی نہیں کہ جو نگاہ کے سامنے ہے کل کی کل منی ہی ہو وہاں ذراسی منی کے وجود کی بھی نفی کرنا تودور کی بات ہے اس لئے کہ یہ صورت بارہامنی کی بھی ہوتی ہے۔ دوم اس لئے کہ اس کا تقاضاصرف اس قدر ہے کہ شیئ مرئی میں کچھ مذی ہو،اس کا تقاضا یہ نہیں کہ اس میں منی بالکل ہی نہ ہو، یہ ہو بھی کیسے جب کہ وہ اسباب جو عام طور سے مذی نکلنے کاسبب ہوتے ہیں وہ منی نکلنے کے داعی اسباب بھی ہوتے ہیں۔ توان اسباب کا تحقق منی ہونے

ھو من مقدماتھا۔ واما الثالث فلانہ ان قضی فبان غالب المرئی مذی لاان لیس فیہ مزج منی فان الممزوج یکون فیہ لزوجۃ ورقۃ والقلۃ ایضا لاتنفی المنی لان الکثرۃ لاتلزمہ الا تری ان الشرع اوجب الغسل بایلاج الحشفۃ فقط وان اخرجھا من فورہ ولم یرعلیھا بلۃ اصلا سوی نداوۃ من رطوبۃ الفرج وماھو الا لان الا یلاج مظنۃ خروج المنی وربمایکون قلیلا لایحس بہ حتی انہ لم ینظرفیہ الی ان المنی اذانزل بشھوۃ یحس بہ المستیقظ لانہ یدفق ویلذذ ویحرك العضو بل یحس نازلا وانمالم ینظر الیہ لان ھذہ الاٰثار لکمال الانزال لا لخروج قطرہ بشھوۃ ربما لایتنبہ لھا لشغل البال اذ ذاك بمطلوب خطیر فثبت ان شیأ من صورۃ المذی واسبابہ وآثارہ لاینفی احتمال المنویۃ اصلا ثم النوم من اسباب الاحتلام	کی نفی نہیں کرتا بلکہ وہ تو اس کے مقدمات سے ہے۔ سوم اس لئے کہ اس کا فیصلہ اگر ہوگا تو صرف اس قدر کہ شیئ مرئی کا اکثر حصہ مذی ہے، یہ نہیں کہ اس میں منی کی آمیزش بھی نہیں۔ اس لئے کہ اس امتزاج یا فتہ چیز میں لزوجت (چپچپاہٹ / چسپیدگی) اور رقت (پتلاپن) ہوتی ہے۔ اور کم ہونا بھی منی کی نفی نہیں کرتا اس لئے کہ اس کے لئے زیادہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔ دیکھئے شریعت نے وقتِ جماع صرف مقدارِ حشفہ داخل کرنے پر غسل واجب کردیاہے اگرچہ فورًا نکال لیاہو اور اس پر کوئی تری نظر بھی نہ آتی ہو سوا اس کے کہ رطوبت فرج کی کچھ نمی ہو۔ اس کا سبب یہی ہے کہ داخل کرنا خروج منی کا مظنّہ ہے (گمان غالب کا محل ہے) اور منی بعض اوقات اتنی کم ہوتی ہے کہ اس کا احساس نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس پر بھی نظر نہ فرمائی کہ منی جب شہوت سے نکلے گی تو بیدار شخص کو اس کا احساس ہوگا کیونکہ وہ جست کے ساتھ نکلے گی، لذت پیدا کرے گی، عضو کو حرکت دے گی بلکہ نکلتی ہوتی محسوس ہوگی۔ اس پر نظر اسی لئے نہ فرمائی کہ یہ آثار کمال انزال کے ہیں۔ شہوت کے ساتھ ایک قطرہ نکلنے کے آثار نہیں جس کا بسا اوقات اسے پتہ بھی نہ چلے گا کیونکہ اس وقت اس کا دل کسی خاص مطلوب میں مشغول ہوگا۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذی کی صورت[1]، اس کے[2] اسباب اور اس کے[3] آثار

لانه یوجب الشهوة والانتشار وتوجه الطبع الی دفع الفضلات و وجود بلة لاتخرج الابشهوة اعنی منیا اومذیا مؤذن بحصول قوة فی الانتشار والشهوة الی ان ادت الی اندفاع تلك الفضلات فانها لا تندفع بكل شهوة وانتشار مالم یمتد او یشتد۔

میں سے کوئی چیز بھی منی ہونے کے احتمال کی بالکل نفی نہیں کرتی۔ پھر نیند احتلام کے اسباب میں سے ہے اس لئے کہ وہ شہوت ، انتشارِ آلہ اور دفع فضلات کی طرف طبیعت کی توجہ کا باعث ہوتی ہے۔ اور کسی بھی ایسی تری کا وجود جو شہوت سے نکلتی ہے۔ یعنی منی یا مذی اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انتشار اور شہوت میں زور پیدا ہو جس کے نتیجے میں ان فضلات کا دفعیہ ظہور پذیر ہوا کیوں کہ یہ فضلات ہر شہوت اور انتشار سے دفع نہیں ہوتے جب تک کہ کچھ مدت و شدت کا وجود نہ ہو۔

فباجتماع هذه الوجوه لا یکون احتمال المنی ضعیفامضمحلا بل ناشئا عن دلیل لایطرحه القلب فیعمل به فی الاحتیاط فظهر ان علم المستیقظ بصورة المذی لایکون علما بحقیقته ولافقهیا ولا عراء له عن احتمال صحیح للمنویة فوجب ایجاب الغسل کما فی التذکر۔

توان وجہوں کے اجتماع کے پیشِ نظر احتمال منی ضعیف مضمحل نہیں بلکہ وہ ایسی دلیل سے پیدا ہے جسے قلب نظر انداز نہیں کرتا تو حالت احتیاط میں اس پر عمل ہوگا۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ بیدار ہونے والے کو صورت مذی کا یقین نہیں یقین فقہی بھی نہیں اور یہ یقین، منی ہونے کے احتمال صحیح سے جدا نہیں ہو سکتا تو غسل واجب قرار دینا ضروری ہے جیسے احتلام یاد ہونے کی صورت میں ضروری ہے۔ یہ بحث تمام ہوئی۔

هذا ولنقرر المقام بتوفیق العلام بحیث یبین العلل لجمیع الاحکام فی تلك الصور الست والاقسام۔ **فاقول:** النوم سبب ضعیف للامناء لعدم غلبة الافضاء بل غلبة

اب ہم رب علام کی توفیق سے **اس مقام کی تقریر** اس انداز سے کریں کہ ان شش گانہ صورتوں اور قسموں میں تمام احکام کی علّتیں عیاں ہو جائیں۔ **فاقول:** نیند منی نکلنے کا سبب ضعیف ہے۔ اس لئے کہ نیند کا خروج منی تک موصل ہونا غالب و اکثر

عدم الافضاء بدليل الحديث المذكور وتجربة الدهور فلربما ينام الرجل شهور الا يحتلم وكثرته يعد من الامراض۔

وما مر عن الفتح عن التجنيس انه مظنة الاحتلام ومثله فی الغنية وغيرها فليس بمعنی المظنة المصطلح والادار الحكم عليه و وجب الغسل بعلم الودی بل بمجرد النوم كالوضوء لكونه مظنة خروج الريح۔

اما ما مر عن الاركان الاربعة انه يكثر فی النوم الاحتلام وخروج المنی بشهوة غالبا فمراده الكثرة الاضافية بالنظر الی اليقظة بدليل قوله"بخلاف حالة اليقظة فانه يندر فيه خروج المنی بلاتحريك[1]۔

فان قلت اليس قال قبله ان النوم حالة غفلة ويتوجه الی دفع الفضلات ويكون الذكر صلبا شاهيا للجماع ولذا

نہیں ہے، بلکہ موصل نہ ہونا غالب واکثر ہے جس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ذکر ہوئی اور مدتوں کا تجربہ بھی اس پر شاہد ہے۔ بہت ایسا ہوتا ہے کہ آدمی مہینوں سوتا رہتا ہے اور اسے احتلام نہیں ہوتا۔ اور کثرتِ احتلام کا شمار امراض میں ہوتا ہے۔

اور فتح القدیر میں تجنیس کے حوالے سے جو منقول ہے کہ: نیند مظنہ احتلام ہے۔ اور اسی کے مثل غنیہ وغیرہا میں بھی ہے تو وہاں مظنہ اصطلاحی معنی میں نہیں ورنہ اسی پر حکم کا مدار ہو جاتا۔ اور ودی کے علم ویقین بلکہ محض نیند ہی سے غسل واجب ہو جاتا جیسے نیند کے خروج ریح کا مظنہ ہونے کی وجہ سے (محض نیند ہی سے) وضو واجب ہو جاتا ہے۔

اور وہ جو ارکانِ اربعہ کے حوالے سے نقل ہوا کہ نیند میں احتلام اور عام طور سے شہوت سے منی کا نکلنا بکثرت ہوتا ہے تو وہاں بیداری کے مقابلہ میں اضافی کثرت مراد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد ہی لکھا ہے: بخلاف حالت بیداری کے، کہ اس میں بغیر تحریک کے منی کا نکلنا نادر ہے۔

اگر یہ کہو کہ کیا اس سے پہلے یہ نہیں فرمایا ہے کہ: "نیند غفلت اور فضلات دفع کرنے کی جانب توجہ کی حالت ہے اور اس وقت ذکر میں سختی وشہوتِ جماع ہوتی ہے اسی لئے نیند میں احتلام اور شہوت کے ساتھ منی کا نکلنا زیادہ

[1] رسائل الارکان الرسالۃ الاولیٰ فی الصلوٰۃ بیان موجبات الغسل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۳

یکثر [1] الخ ومعلوم ان ھذا الذی فرع کثرۃ الاحتلام علیہ فالنوم سبب مفض الیہ۔

قلت نعم ھو مفض الی الانتشار بید ان الانتشار غیر مفض الی الامناء وقد نص فی الحلیۃ انہ اذا لم یکن الرجل مذاء فالانتشار لایکون مظنۃ تلك البلۃ [2] اھ فاذا لم یفض الی الامذاء فکیف بالامناء وبالجملۃ فالمفضی الی السبب البعید لایکون مفضیا الی المسبب فما النوم سبب بالامناء الا من وراء وراء وراء فھو سبب بعید وحصول شھوۃ توجب انتشارا یمتد او یشتد حتی یوجب نزول بلۃ لاتنبعث الا عن شھوۃ سبب وسیط والاحتلام اعنی اندفاق المنی فی النوم وانفصالہ عن مقرہ بشھوۃ سبب قریب۔

ولیس من الاسباب مفضیا قطعا لایمکن التخلف عنہ عادۃ فلربما یری الانسان حلما ویکون من اضغاث احلام لا اثر

ہوتا ہے"۔اور معلوم ہے کہ جس امر پر کثرتِ احتلام کو متفرع قرار دیا ہے، نیند اس کا سبب موصل ہے۔

میں کہوں گا ہاں نیند انتشارِ آلہ کی جانب موصل ہے مگر یہ ہے کہ انتشار، خروج منی تک موصل نہیں۔ حلیہ میں تو تصریح موجود ہے کہ جب مرد کثیر المذی نہ ہو تو انتشار اُس تری کا مظنہ نہیں۔ تو انتشار جب خروج منی (مذی) تک موصل نہیں تو خروج منی تک موصل کیسے ہوگا؟ مختصر یہ کہ سبب بعید تک جو موصل ہو وہ مسبّب تک موصل نہیں ہوتا۔ تو نیند خروج منی کا سبب اگر ہے تو بہت دور دراز فاصلے سے۔ لہٰذا یہ سبب بعید ہے۔ اور اس شہوت کا حصول جو ایسے انتشار مدید یا شدید کی موجب ہو جو اس تری کے نکلنے کا موجب ہو جائے جو بغیر شہوت کے اپنی جگہ سے نہیں ابھرتی، سبب وسیط ہے۔ اور احتلام یعنی نیند کی حالت میں منی کا جست کرنا اور اپنے مستقر سے شہوت کے ساتھ الگ ہونا سبب قریب ہے۔

اور ان اسباب میں سے کوئی بھی سبب ایسا موصلِ قطعی نہیں جس سے عادۃً تخلف ممکن نہ ہو کیونکہ بہت ایسا ہوتا ہے کہ انسان خواب دیکھتا ہے اور وہ بس ایک پراگندہ خواب ثابت ہوتا ہے،

---

1 رسائل الارکان الرسالۃ الاولیٰ فی الصلوۃ، بیان موجبات الغسل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۳

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

له فی الخارج۔	جس کا خارج میں کوئی اثر رونما نہیں ہوتا۔
فاذا لم یر بلل یحتمل انبعاثه عن شهوة لم یجب الغسل وان تذکر الحلم لعدم الموجب قطعا ولا احتمالا فیشمل ما اذا لم یر بللا اصلا او رئ ودی ای صورة لاتحتمل منیا ولا مذیا۔	(۱۔۲) اس لئے جب وہ تری نظر نہ آئے جس کے شہوت سے نکلنے کا احتمال ہوتا ہے تو غسل واجب نہ ہوگا اگرچہ خواب یاد ہو اس لئے کہ وہ چیز ہی موجود نہیں جو قطعًا یا احتمالًا موجب غسل ہوتی ہے۔ یہ حکم اس صورت کو بھی شامل ہے جب کوئی تری بالکل ہی نہ دیکھی جائے اور اس صورت کو بھی جب ودی دیکھی جائے یعنی ایسی صورت جو منی یا مذی کسی کا احتمال نہیں رکھتی۔
واذا رئ بلل یعلم او یحتمل انبعاثه عن شهوة وان کان علی صورة منی وجب مطلقا للعلم بنزول المنی لان صورته لاتکون لغیره والنوم سبب الشهوة المفضی الیها غالبا فیحال علیه فیجب الغسل وفاقا ولا ینظر الی احتمال انفصاله عندنا او خروجه عندالامام ابی یوسف لا عن شهوة لندرته وقد انعقد سبب الشهوة فلا اغماض عنه۔	(۳) اور جب ایسی تری نظر آئے جس کے شہوت کے ساتھ اپنی جگہ سے ابھرنے کا یقین یا احتمال ہو تو اگر وہ منی کی صورت میں ہے تو مطلقًا غسل واجب ہے اس لئے کہ منی کے نکلنے کا یقین ہے کیونکہ اس کی صورت کسی اور کی نہیں ہوتی۔ اور نیند شہوت کا سبب ہے جو اکثر اس تک موصل ہوتا ہے۔ تو اس منی کو اسی سے وابستہ کردیا جائے گا۔ اور اس صورت میں بالاتفاق غسل واجب ہوگا۔ اور اس احتمال پر نظر نہ ہوگی کہ اس کا اپنی جگہ سے انفصال۔ ہمارے نزدیک۔ یا عضو سے اس کا خروج۔ امام ابویوسف کے نزدیک۔ بغیر شہوت کے ہوا ہو کیوں کہ ایسا ہونا نادر ہے۔ اور شہوت کا سبب پایا جاچکا ہے تو اسے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔
وکذا ان کان مراٰه مترددا بین منی و ودی لانهما احتملا من جهة مایری	(۴) یوں ہی اگر شکل مرئی میں منی اور ودی کے درمیان تردّد ہو۔ اس لئے کہ دونوں کا احتمال شکل مرئی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور جانب منی کو نیند کی وجہ سے

وقد ترجح جانب المنی بالنوم الموجب للراحة واللذة وھیجان الحرارة والشھوة والانتشار ورب شیئ صلح مؤید او ان لم یصلح مثبتا فوجب عندھما احتیاطا وان لم یتذکر اما ان تذکر فقد ترجح باقوی مرجح فوجب اجماعا۔	ترجیح حاصل ہے کیونکہ نیند راحت ولذت کا اور حرارت وشہوت کے ہیجان اور انتشار کا باعث ہے۔اور بہت ایسی چی-زیں ہوتی ہیں جو مؤید بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اگرچہ مثبت بننے کے قابل نہ ہوں۔ تو طرفین کے نزدیک احتیاطًا غسل واجب ہوا اگرچہ احتلام یادنہ ہو۔اور اگر احتلام یاد ہو تو جانب منی کو زیادہ قوی مرجح سے ترجیح مل جاتی ہے اس لئے اس صورت میں اجماعًا غسل واجب ہے۔
وکذا ان کان علی صورة مترددة بین منی ومذی بالاولی للعلم بان البلة ھی التی تنبعث عن شھوة وصورة المذی نفسھا تحتمل المنویة فیکون کونه مذیا مجردا احتمالا فی احتمال فلا یعتبر ویجب الغسل وان لم یتذکر فان تذکر وافق الثانی ایضا وکان الاجماع۔	(۵)اسی طرح اگر اس شکل مرئی میں منی اور مذی کے درمیان تردّد ہو تو بدرجہ اولٰی غسل واجب ہے۔ اس لئے کہ معلوم ہے کہ یہ تری وہی ہے جو شہوت سے ابھرتی اور نکلتی ہے اور خود مذی کی صورت منی ہونے کا احتمال رکھتی ہے تو اس کا مذی ہونا محض احتمال دراحتمال ہے اس لئے قابل اعتبار نہیں۔ اور غسل واجب ہے اگرچہ خواب یاد نہ ہو۔ اگر خواب بھی یاد ہو تو امام ثانی بھی موافقت فرماتے ہیں اور بالاجماع غسل واجب ہوتا ہے۔
وان کان علی صورة مذی فقد علم حصول بلة عن شھوة وعلمت ان صورة المذی لاتنفك عن احتمال المنویة وقد تأید بحصول السبب الوسیط وان لم یتذکر فکان احتمالا صحیحا یوجب الاحتیاط اما اذا تذکر فقد تأید بالسبب الاقوی	(۶) اور اگر وہ مذی کی صورت میں ہو تو اتنا یقینی ہے کہ یہ ایسی تری ہے جو شہوت سے نکلی ہے۔اور یہ بھی واضح ہو چکا کہ مذی کی صورت، منی ہونے کے احتمال سے جدا نہیں ہوتی۔اور اس احتمال کو سبب وسیط کے حصول سے بھی تائید مل گئی ہے اگرچہ خواب اسے یاد نہیں۔ تو یہ ایسا احتمال صحیح ہے جو احتیاط لازم کرتا ہے۔اور خواب بھی یاد ہو تو اسے سبب اقوی سے تائید

فوجب اجماعا۔
وان تردد مراٰہ بین مذی و ودی فلم یتحقق حصول تلك البلة التی لاتخرج عادة الا عن شهوة فکان احتمال المنی احتمالا علی احتمال فلم یعتبر اجماعا مالم یتأکد بالسبب الی قوی بتذکر الاحتلام۔

فعلم ان الماشی علی الجادة قول الموجبین وبالجملة قول النفاة ان علم المذی بحیث لایحتمل المنی لم یجب الغسل قول صحیح فی نفسه اذ لا غسل الا بالمنی ولا عبرة بمجرد سببیة النوم لما علمت انه سبب ضعیف لاینهض موجبا لکن الشان فی تحقق مقدم هذه الشرطیة فی صورة التیقظ من النوم لما حققنا ان علم المذی فیه سواء کان عن صورة اوسبب او اثر لاینفك عن احتمال المنی فقول الموجبین ان علم المذی ای واحتمل المنی وجب الغسل شرطیة قد علم لمقدمها صحة الوقوع

مل جاتی ہے لہٰذا اجماعًا غسل واجب ہوتا ہے۔
(۷) اور اگر شکل مرئی میں مذی و ودی کے درمیان تردّد ہو تو اس تری کا حصول متحقق نہ ہوا جو عادۃً بغیر شہوت کے نہیں نکلتی۔ایسی حالت میں منی کا احتمال،احتمال دراحتمال ہے۔اس لئے بالاجماع اس کا اعتبار نہیں جب تک کہ سبب اقوی احتلام یاد ہونے سے وہ مؤکد نہ ہوجائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ راہِ عام پر چلنے والا ان ہی حضرات کا قول ہے جو غسل کا وجوب قرار دیتے ہیں۔اور نفی کرنے والے حضرات کا یہ قول کہ "اگر مذی کا ایسا یقین ہو کہ منی کا احتمال نہ ہو تو غسل واجب نہیں" اگرچہ فی نفسہ ایک صحیح قول ہے اس لئے کہ غسل بغیر منی کے واجب نہیں ہوتا اور نیند کے محض ایک سبب ہونے کا اعتبار نہیں کیونکہ واضح ہوچکا کہ وہ سبب ضعیف ہے جو موجب نہیں بن سکتا۔لیکن نیند سے بیدار ہونے کی صورت میں معاملہ اس قضیہ شرطیہ کے مقدم (اگر ایسا یقین ہو کہ احتمال منی نہ ہوسکے) کے تحقق اور ثبوت کا ہے۔اس لئے کہ ہم تحقیق کرآئے کہ اس صورت میں مذی کا یقین خواہ صورت کی وجہ سے ہو یا سبب سے یا اثر سے، وہ احتمال منی سے جدا نہیں ہوسکتا۔تو وجوب غسل قرار دینے والوں کا یہ قول "اگر مذی کا علم ہو۔یعنی احتمالِ منی بھی ہو۔تو غسل واجب ہے" ایسا شرطیہ ہے جس کے مقدم (اگر مذی کا علم

فعندہ یؤل التعلیق الی التنجیز وقول النفاۃ شرطیۃ لایصح وقوع مقدمھا فلا نزول لجزائھا فی شیئ من الصور فلانتفاء الشرط یکون الواقع ابدا نفی الجزاء ای سلب عدم وجوب الغسل فیحصل الوجوب وھو المطلوب ھکذا ینبغی التحقیق باذن من بیدہ وحدہ التوفیق۔	مع احتمال منی ہو) کے وقوع کی صحت معلوم ہے تو بوقت وقوع یہ شرط و تعلیق، تنجیز و تنفیذ کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ اور اہل نفی کا قول ایسا شرطیہ ہے جس کے مقدم کو صحت وقوع حاصل نہیں تو اس شرطیہ کی جزا (غسل واجب نہیں) کسی بھی صورت میں وقوع نہیں پاتی۔ تو انتفائے شرط کے باعث ہمیشہ نفی جزا ہی واقع ہوتی ہے نفی جزا یعنی عدم وجوب غسل کا سلب ہوتا ہے تو وجوب غسل حاصل آتا ہے اور وہی مطلوب ہے۔ اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اس کے اذن سے جس کے سوا اور کسی کی قدرت میں توفیق نہیں۔
ولا باس بایراد **تنبیھات** عدیدۃ نافعۃ مفیدۃ:	اب یہاں چند نفع بخش مفید تنبیہات لانے میں حرج نہیں:
الاوّل بما قررنا علم ان من فسر علم الذی بالشك فی المنی والمذی کما فعل القھستانی وغیرہ ان اراد الشك فی الحقیقۃ دون الصورۃ لم یزد ولم یحاول بل اتی بما ھو المراد ومرجع المفاد لکن المدقق العلائی صرح انہ اذا علم المذی فلا غسل علیہ[1]	**پہلی تنبیہ**: ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے "علم مذی" کی تفسیر منی ومذی میں شک ہونے سے کی ہے۔ جیسا کہ قہستانی وغیرہ نے کیا ہے۔ اگر ان کی مراد یہ ہے کہ حقیقت میں شک ہے، صورت میں نہیں، تو کوئی اضافہ نہ کیا، نہ ہی اس کا ارادہ کیا، بلکہ وہی ذکر کیا جو مراد اور مآلِ مفاد ہے۔ لیکن مدقق علائی نے تصریح کردی کہ جب مذی کا یقین ہو تو غسل نہیں۔
وزاد القھستانی ففرع علی تفسیرہ العلم بالشك انہ لو	اور قہستانی نے علم کی تفسیر شک سے کرنے کے بعد اس پر اس تفریع کا اضافہ کردیا کہ اگر مذی کا

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱

تیقن بالمذی لم یجب تذکر الاحتلام ام لا الخ[1] فعن ف۱ هذا دخل علیهما الا یراد وظهر ان تفسیر العلائی لیس اصلاحا للمتن کما ف۲ زعم العلامة الشامی بل تحویل له عن الصلاح اما یوسف چلپی فلم ار فی کلامهما فاحببت ان لایعد اسمه فی الفریق الاول۔	یقین ہو تو غسل واجب نہیں، احتلام یاد ہو یا نہ ہوالخ۔ اسی لئے ان دونوں حضرات پر اعتراض وارد ہوا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ مدقق علائی کی تفسیر سے متن کی اصلاح نہ ہوئی۔ جیسا کہ علامہ شامی نے اسے اصلاح سمجھا۔ بلکہ یہ تو اسے صلاح و درستی سے منحرف کرنا ہوا۔ لیکن میں نے علامہ یوسف چلپی کے کلام میں ایسی کوئی بات نہ دیکھی جیسی ان دونوں حضرات کے کلام میں ہے اس لئے میں نے یہ پسند کیا کہ ان کا نام فریق اول میں شمار نہ ہو۔
الثانی: بما بینا من ان المعتبر هو الاحتمال لا الاحتمال علی الاحتمال ظهر الجواب عما کان یختلج ببالی وذکرته فیما علقته علی ردالمحتار فی تائید الفریق الاول ان لوکان علم المذی مع عدم التذکر موجبا للغسل بناء علی انه لایعری عن احتمال المنویة لوجب ان یجب ایضا باحتمال المذی اعنی التردد بین	**دوسری تنبیہ:** ہم نے بیان کیا کہ احتمال کا اعتبار ہے، احتمال دراحتمال کا نہیں۔ اس سے اس خیال کا جواب ظاہر ہوگیا جو میرے دل میں پیدا ہوتا تھا اور اسے میں نے اپنے حاشیہ رد المحتار میں فریق اول کی تائید میں ذکر کیا تھا کہ اگر احتلام یاد نہ ہونے کے باوجود مذی کا علم موجبِ غسل ہوتا اس بنا پر کہ وہ منی ہونے کے احتمال سے خالی نہیں تو ضروری تھا کہ یاد نہ ہونے کی صورت میں مذی کے احتمال سے بھی غسل واجب ہو۔ احتمال مذی

ف۱: تطفل علی المدقق العلائی و القهستانی۔

ف۲: معروضة علی العلامة ش۔

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۳

المذی والودی فی عدم التذکرلان بالتقریر المذکور کل احتمال مذی احتمال منی و احتمال المنی موجب عندھما مطلقا فیبطل الفرق بین التذکر وعدمه فیجب القول بان احتمال المنی انما یکون باحد شیئین احدھما ان تکون الصورۃ مترددۃ بین المنی وغیرہ سواء تذکر الحلم اولا والاخر ان یری ماھو مذی ولو احتمالا و یتذکر الاحتلام فان تذکرہ اقوی دلیل علی الامناء فلاجله یحمل ما یری مذیا علی انه منی رق اما اذا لم یتذکر ولم تحتمل الصورۃ المنویة فلم یعدل عن حکم الصورۃ من دون دلیل داع الیه وتقریر الجواب واضح بما فتح القدیر الان من فیض فتح القدیر ولله الحمد۔	کا معنٰی یہ کہ مذی اور ودی ہونے کے درمیان تردّد ہو۔اس لئے کہ تقریر مذکور کی رُو سے ہر احتمال مذی،احتمال منی ہے۔اور طرفین کے نزدیک احتمال منی سے مطلقاً غسل واجب ہوتا ہے تو یاد ہونے اور نہ ہونے کی تفریق بیکار ہے۔تو یہ کہنا ضروری ہے کہ منی کا احتمال دو باتوں میں سے کسی ایک سے ہونا ہے(۱) یہ کہ صورت کے اندر منی اور غیر منی کے درمیان تردّد ہو، خواب یاد ہو یا نہ ہو(۲) وہ شکل نظر آئے جو مذی ہے اگرچہ احتمالاً سہی۔اور احتلام بھی یاد ہو کیوں کہ اس کا یاد ہونا منی نکلنے کی قوی دلیل ہے تو اس کی وجہ سے جو مذی کی شکل میں نظر آرہا ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ وہ منی ہے جو رقیق ہو گئی۔لیکن احتلام یاد نہ ہونے اور صورت منویہ کا احتمال نہ ہونے کی حالت میں حکم صورت سے انحراف نہ ہوا جب تک کہ اس کی داعی کوئی دلیل نہ ہو اور جواب کی تقریر اس سے واضح ہے جو اس وقت ربِ قدیر نے بفیض فتح القدیر مجھ پر منکشف فرمایا۔وللہ الحمد۔
الثالث: عـــه مع قطع النظر عن التحقیق الذی ظھرنا علیه **اقول:**	**تیسری تنبیہ:** اقول قطع نظر اس تحقیق سے جو ہم پر واضح ہوئی۔**میں کہتا ہوں**

عـــه: ای ماقدمنا ان العلم بالحقیقة لاالیه سبیل للمستیقظ ولا لارادته مساغ فی کلام العلماء اھ منه غفرله (م)

یعنی وہ تحقیق جو ہم پیش کر چکے کہ نیند سے بیدار ہونے والے کے لئے علم حقیقت کی کوئی سبیل نہیں اور کلامِ علماء میں اس کے مراد ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ۱۲منہ (ت)

انما عُلم المنی یتصور مذیا ولیس ھذا للودی ولا تترك الصورة لمحض امکان فعلم المذی لا یکون احتمال الودی ولذا لم یفسروہ الا بالشك فی المنی والمذی فاستثناء [ع] الدر الشك [ف] فی	منی سے متعلق معلوم ہے کہ وہ مذی کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔یہ بات ودی میں نہیں۔اور صورت محض امکان کی وجہ سے ترک نہیں کی جاسکتی۔تومذی کے علم کی حالت میں ودی کا احتمال نہ ہوگا۔اسی لئے علماء نے علم مذی کی تفسیر میں صرف منی ومذی کے درمیان شک ہونے کو ذکر کیا۔تو

ف:معروضة اخری علیہ۔

ع: قدمنا عبارة التنویر فی نصوص الفریق الثانی وذکرنا بعد انہاء المنقول ما استثنی فی الدر وبعدہ کلام العلامة الشامی الشارح قد اصلح[1] الخ وتمامه وبھذا الحل الذی ھو من فیض الفتاح العلیم ظھر ان ھذا المتعاطفات مرتبطة ببعضھا وان الاستثناء فیھا کلھا متصل وللہ در ھذا الشارح الفاضل فکثیرا ما تخفی اشاراته علی المعترضین و کانوا من الماھرین

ہم نے فریق ثانی کے نصوص کے تحت تنویر الابصار کی یہ عبارت ذکر کی ہے (ورؤیة المستیقظ منیا او مذیا وان لم یتذکر الاحتلام۔ بیدار ہونے والے کا منی یا مذی دیکھنا اگرچہ اسے احتلام یاد نہ ہو)۔اور نقول ختم کرنے کے بعد درمختار کا استثنا ذکر کیا: (مگر جب اسے مذی کا علم ہو یا اس میں شک ہو کہ مذی ہے یا ودی یا سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو بالاتفاق اس پر غسل نہیں) اس کے بعد علامہ شامی کا یہ کلام ذکر کیا کہ "شارح نے عبارتِ مصنف کی اصلاح کی ہے۔الخ۔"
اس کے آگے علامہ شامی کی پوری عبارت اس طرح ہے: فتاح علیم کے فیض سے منکشف ہونے والے اس حل سے ظاہر ہوگیا کہ یہ معطوفات باہم ایک دوسرے سے مرتبط ہیں (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] ردالمحتار کتاب الطہارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

المذی والودی منقطع	صاحب در مختار نے مذی و ودی کے مابین شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فافهم [1] اھ وعرض به علی العلامة ح محشی الدر المعترض علیه والعلامة ط المجیب بالتزام ان لاضیر فی عطف الاستثناء المنقطع علی المتصل۔

اور ان سب میں استثنائے متصل ہے اور یہ حضرت شارح فاضل کا کمال ہے کہ ان کے اشارات ماہر معترضین کی نظر سے بھی مخفی رہ جاتے ہیں اھ اس سے علامہ شامی نے محشیٔ در مختار علامہ حلبی معترض پر تعری-ض کی ہے اور علامہ طحطاوی پر جنہوں نے استثنائے منقطع مان کر یہ جواب دیا ہے کہ استثنائے متصل پر استثنائے منقطع کا عطف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اقول: لاشك وقد اعترف هذا المحقق ایضا ان المراد بالرؤیة العلم والاخرج الاعمی فقول المتن ورؤیة المستیقظ مذیا معناه یجب الغسل اذا علم المذی وان لم یتذکر وانتم جعلتموه محتملا لمعنیین الاول ان یکون المراد بالمذی حقیقته والثانی صورته وجعلتم الاول علما بانه مذی والا خیر شکا فیه وفی غیره فعلی الاول

اقول: اس میں کوئی شک نہیں اور ان محقق نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ دیکھنے سے مراد علم ہے ورنہ نابینا اس حکم سے خارج ہو جائے گا تو عبارت متن: (بیدار ہونے والے کا مذی دیکھنا) کا معنی یہ ہے کہ جب مذی کا علم ہو تو غسل واجب ہے اگرچہ احتلام یاد نہ ہو۔ اور آپ نے اس عبارت میں دو معنوں کا احتمال بتایا ہے۔ اول یہ کہ مذی سے حقیقتِ مذی مراد ہو۔ دوم یہ کہ صورتِ مذی مراد ہو۔ اور اول کو آپ نے مذی ہونے کا علم قرار دیا ہے اور دوم کو مذی اور غیر مذی کے درمیان شک ٹھہرایا ہے۔ تو بر تقدیر اول

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطهارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

قطعاً۔	کا جو استثناء کیا وہ قطعاً استثنا سے منقطع ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنی المتن اذا علم حقیقة المذی ولا شك انه هو المراد بقول الشارح الا اذا علم انه مذی فیکون استثناء الشیئ عن نفسه ویکون حاصل الاستثناء الثانی یجب اذا علم حقیقة المذی الا اذا شك انه مذی او ودی ولا شك انه استثناء منقطع وعلی الثانی معنی المتن یجب الغسل اذا علم صورة المذی وشك فی حقیقة انه مذی اوغیرہ فیکون قول الشارح الا اذا علم حقیقة المذی استثناء منقطعا قطعا ولیس هذا سبیل ماقصدتم بل کان ینبغی ان یقال ان المراد فی کلام المصنّف العلم بالصورة لا غیر کما ذکرتموہ فی التوفیق والعلم بالصورة المذی یشمل ما اذا علم انه فی الحقیقة ایضا مذی وما اذا شك انه هو اوغیرہ

متن کا معنٰی یہ ہوا کہ جب حقیقت مذی کا علم ہو (تو غسل واجب ہے) اور بلاشبہ شارح کے کلام "الا اذاعلم انه مذی۔ مگر جب اسے علم ہو کہ وہ مذی ہے" سے وہی (حقیقت مذی کا علم) مراد ہے تو یہ شیئ کا خود اسی شیئ سے استثناء ہوگا۔ استثنائے ثانی کا حاصل یہ ہوگا کہ غسل واجب ہے جب حقیقت مذی کا علم ہو مگر جب اسے شک ہو کہ مذی ہے یا ودی (تو بالاتفاق واجب نہ ہوگا) بلاشبہ یہ استثنائے منقطع ہے۔ بر تقدیر دوم متن کا معنٰی یہ ہو کہ غسل واجب ہے۔ جب اسے مذی کی صورت کا علم ویقین ہو اور اس کی حقیقت میں شک ہو کہ وہ مذی ہے یا غیر مذی۔ اب شارح کا قول "مگر جب اسے حقیقت مذی کا علم ہو" قطعًا استثنائے منقطع ہوگا۔ تو آپ کا جو مقصد تھا (استثنائے متصل کا اثبات) اس کی یہ راہ نہ تھی بلکہ یوں کہنا چاہیے تھا کہ مصنف کے کلام میں صورتِ مذی کا علم مراد ہے کچھ اور نہیں۔ جیسا کہ تطبیق میں آپ نے یہی ذکر کیا ہے۔ اور صورت مذی کا علم اس حالت کو بھی شامل ہے جب اسے علم ہو کہ وہ حقیقت میں بھی مذی ہی ہے، اور اس حالت کو بھی شامل ہے جب اسے شک ہو (باقی بر صفحہ آئندہ)

Majlis of DawateIslami

علی ان جعل ف العلامة ش مراد	علاوہ ازیں شامی پہلے تو عبارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من منی او ودی اذ لا معنی للقطع بانه لیس مذیا حقیقة مع العلم بانه مذی صورة الا اذا احاط علمه بانه کان منیا تحول مذیا صورة ولا سبیل الی ذلك فی النوم فلا اقل من احتمال المذی ولامانع عندکم من العلم بحقیقته علی ماقررنا للفریق الاول فکان کلام المصنّف بحمله علی علم الصورة شاملا لثلث صور علم بحقیقة المذی والشك من المذی والودی والشك بین المذی والمنی وکل ذلك من صور العلم بصورة المذی لامجرد صورتی الشك کما قلتم وعند ذلك یکون استثناء علم الحقیقة والشك الاول کل متصلا کما قصدتم

کہ وہ مذی ہی ہے یا کچھ اور ہے یعنی منی یا ودی۔ اس لئے کہ صورۃ مذی ہونے کا علم ہوتے ہوئے یہ قطعی حکم کرنے کا کوئی معنٰی نہیں کہ وہ حقیقۃً مذی نہیں، ہاں جب احاطہ کے ساتھ اسے علم ہو کہ وہ تری پہلے منی تھی اب مذی کی صورت میں بدل گئی تو وہ قطعی حکم ہو سکتا ہے مگر نیند میں ایسے علم واحاطہ کی گنجائش نہیں۔ تو کم از کم مذی کا احتمال ضرور ہوگا۔ اور آپ کے نزدیک اس کی حقیقت کے علم سے کوئی مانع نہیں جیسا کہ ہم نے فریق اول کی تقریر پیش کی۔ تو علم صورت پر محمول کرنے سے کلامِ مصنف تین صورتوں کو شامل ہوا: (۱) حقیقتِ مذی کا علم (۲) مذی اور ودی میں شک (۳) مذی اور منی میں شک۔ اور تینوں میں سے ہر ایک صورتِ مذی کے علم ہی کی صورتوں میں سے ہے۔ نہ یہ کہ ان میں صرف شک والی دونوں صورتیں ہیں جیسا کہ آپ نے کہا جب ایسا ہے تو علم حقیت اور شک اول (مذی و ودی میں شک) دونوں ہی کا استثناء استثنائے متصل ہوا جیسا کہ آپ کا مقصود ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ف: معروضة ثالثة علیه۔

I.T. Majlis of Dawateislami

المتن مترددا بین ارادۃ الحقیقۃ والصّورۃ	متن میں حقیقت اور صورت دونوں مراد ہونے کا احتمال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فوقعت الزلۃ من وجھین فی تردید المتن بین الحملین وفی تخصیص الاخیر بالشك ثم ھذا کلہ اذا سلمنا لہ ان فی العلم بالمذی ای صورتہ یبقی احتمال الودی فی حقیقتہ لما علمت ان لا عبرۃ لمحض احتمال مستند الی مجرد امکان ذاتی بلا دلیل یدل علیہ فی خصوص المقام ولا دلیل للمستیقظ علی ان ھذا الذی ھو مذی قطعا بصورتہ ودی اصلا فی حقیقتہ بخلاف المنی کما علمت علی ان صورۃ المذی لم یثبت کونھا للودی کما ثبت للمنی فلا معنی لحمل رؤیۃ المذی علی معنی الشك بین المذی والودی واذ لم یشملہ کلام المصنف فاستثنائہ منہ لایکون قطعا الا منقطعا فھذہ زلۃ ثالثۃ اعظم من اختیھا و الرابعۃ لما تقدم

تو دو طرح لغزش ہوئی، ایک یہ کہ متن میں حقیقت اور صورت دونوں مراد ہونے کا احتمال مانا، دوسرے یہ کہ ارادہ صورت کو حالتِ شک سے خاص کردیا (حالانکہ وہ علم حقیقت کو بھی شامل ہے)۔ پھر یہ سب کچھ اس وقت ہے جب ہم یہ تسلیم کرلیں کہ مذی یعنی صورتِ مذی کا یقین ہونے کی حالت میں بھی یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ ہوسکتا ہے وہ حقیقت میں ودی ہو۔ اس لئے کہ یہ واضح ہوچکا ہے کہ ایسے احتمال محض کا اعتبار نہیں جس کا استناد صرف امکان ذاتی پر ہو اور اس پر اس خاص مقام میں کوئی دلیل نہ ہو۔ اور بیدار ہونے والے کے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ جو صورت میں قطعًا مذی ہے حقیقت میں اصلًا ودی ہے۔ بخلاف منی کے جیسا کہ معلوم ہوچکا۔ علاوہ ازیں مذی کی صورت ودی کے لئے ہونا ثابت نہیں، جیسے منی کے لئے ہونا ثابت ہے۔ تو مذی دیکھنے کو مذی و ودی کے درمیان شک ہونے کے معنی پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جب اسے کلامِ مصنف شامل نہیں تو اس سے اس کا استثنا قطعًا استثنائے منقطع ہی ہوگا۔ تو یہ تیسری لغزش ہے جو پہلی دونوں سے بڑی ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

ثم حصر ف۱ الا خیر فی الشك عاد نقضا علی المقصود لان الارادتین لاتجتمعان وقد استثنی العلم والشك معا فاحدهما منقطع لاشك والحق ف۲ ان لا محل لشیئ منهما فی کلام المصنف۔	رکھا۔ پھر ارادہ صورت کو شک میں منحصر کردیا۔ جو خود ان کے مقصود کے خلاف ہوگیا۔ اس لئے کہ ایک ساتھ حقیقت اور صورت دونوں مراد نہیں ہوسکتیں۔ اور شارح نے علم اور شک دونوں کا استثناء کیا تو ایک استثنا ضرور استثنائے منقطع ہے۔ اور حق یہ ہے کہ کلامِ مصنف میں ان میں سے کسی استثنا کی گنجائش نہیں۔
الرابع: لکلام الغنیة جنوح الی ارادة الحقیقة حیث یقول النوم حال ذهول وغفلة شدیدة یقع فیه اشیاء فلا یشعربها فتیقن کون البلل مذیالایکاد یمکن الا باعتبار صورته ورقته[1] الخ۔	**چوتھی تنبیہ:** عبارت غنیہ میں ارادہ حقیقت کی جانب کچھ میلان ہے وہ اس طرح کہ اس کے الفاظ یہ ہیں: نیند شدید غفلت وذہول کی حالت ہے۔ اس میں ایسی چیزیں واقع ہوتی ہیں جن کا سونے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا تو تری کے مذی ہونے کا یقین نہ ہوپائے گا مگر اس کی صورت اور رقت ہی کے اعتبار سے، الخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من التحقیق وبه ظهر ان کلام المصنف لامحل فیه لشیئ من هذین الاستثنائین فاستثناء الحقیقة باطل اذ لا سبیل الیه واستثناء احتمال الودی ضائع اذلا دلیل علیه وبالله التوفیق اهمنه غفرله (م)

اور چوتھی ل-غزش اس تحقیق کے پیش نظر جو بیان ہوئی، اور اسی سے یہ بھی واضح ہوا کہ کلامِ مصنف میں ان دونوں استثناء میں سے کسی کی کوئی گنجائش نہیں۔ استثنائے حقیقت تو باطل ہی ہے اس کی کوئی صورت نہیں اور احتمال ودی کا استثناء بے کار ہے کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، وبالله التوفیق ۱۲منہ (ت)

ف۱: معروضة رابعة علیه۔

ف۲: معروضة علی الدر۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۴۳

فلیس ملحظ هذه العبارة ماقررنا ان التیقن انما هو با لصورة مع التردد فی کونه منیا اومذیا حقیقة بل جعله واثقابانه مذی ونبه علی خطأه فی وثوقه فکانه رحمه الله تعالی یقول هذا الذی یزعم انه تیقن بالمذی یقینه مدخول فیه ای ظن ظنه یقینا و لیس به ، اذا لیس منشأه الا الاعتماد علی مایری من الصورة والرقة وهو اعتماد من غیرعمدة وقد یشیرالیه کلام الحلیة ایضا فیما اذا تیقن المذی متذکراحیث قال الظاهر کونه لیس کذلك حقیقة لوجود سبب المنی ظاهراو هو الا حتلام وکون المنی مما تعرض له الرقة الخ[1]۔ **اقول:** ارادة الحقیقة علی هذاالوجه لاباس بهاولا ینافی ماقدمت من التحقیق بیدان ف	اس عبارت کا مطمع نظر وہ نہیں جو ہم نے ثابت کیاکہ یقین صورت ہی کا ہوگا ساتھ ہی حقیقت میں اس کے منی یا مذی ہونے میں تردّد ہوگا، بلکہ اس میں تو اس شخص کو اس بارے میں پُر وثوق ٹھہرایا ہے کہ وہ مذی ہے اور اس کے وثوق کی خطا پر تنبیہ کی ہے تو گویا صاحبِ غنیہ رحمہ اللہ تعالٰی یہ فرمارہے ہیں کہ یہ شخص جو گمان کررہا ہے کہ اسے مذی کا یقین حاصل ہے اس کا یقین ایک دھوکا ہے یعنی اس نے اپنے گمان کو یقین سمجھ لیا ہے حالاں کہ وہ یقین نہیں اس لئے کہ اس کی بنیاد صرف اس پر ہے کہ اس نے دیکھی جانے والی اس صورت و رقت پر اعتماد کرلیا ہے اور یہ اعتماد بلا عماد ہے۔ اس طرف عبارتِ حلیہ میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ احتلام یاد ہوتے ہوئے مذی کا یقین ہونے کی صورت میں لکھتے ہیں: ظاہر یہ ہے کہ وہ حقیقت میں مذی نہیں اس لئے کہ منی کا سبب ۔احتلام۔ ظاہرًا موجود ہے اور منی ایسی چیز ہے جسے رقت عارض ہوتی ہے الخ۔ **اقول:** اس طور پر حقیقت مراد لینے میں کوئی حرج نہیں اور یہ ہماری بیان کردہ تحقیق کے منافی نہیں۔ مگر یہ ہے کہ اس میں علم و

ف: تطفل علی الغنیة و الحلیة۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فیه اطلاق العلم والیقین علی ظن ظنه الظاّن بالغلط یقینا فالاحری بنا ان لا نحمل کلام العلماء علی مثل هذا المحمل والوجه الذی اخترته صاف لاکدر فیه وﷲ الحمد۔

الخامس: قول الحلیة وجوب الغسل اذالم یتذکر حلماو تیقن انه مذی اوشك فی انه منی اومذی [1] الخ یخالف ظاهره ماحققنا ان العلم بالمذی ههنا مجامع للشك فی المذی والمنی۔

فانه رحمه ﷲ تعالٰی جعل التیقن مقابلا للشك وجوابه اما بالحمل علی الصورة کما هو مسلکنافیعود الی انه تیقن بان الصورة صورة مذی اوتردد فی الصورة فلا ینافی الشك فی الحقیقة اوبالحمل علی زعم التیقن من دون یقین فی الحقیقة کما هو مسلك الغنیة فالمعنی سواء کان متیقنا بزعمه اوشاکا۔

یقین کا اطلاق اس گمان پر کر دیا ہے جسے گمان کرنے والے نے غلطی سے یقین سمجھ لیا۔ تو ہمارے لئے مناسب یہ ہے کہ کلامِ علما کو اس طرح کے معنی پر محمول نہ کریں۔ اور میں نے جو صورت اختیار کی ہے وہ صاف بے غبار ہے، وﷲ الحمد۔

پانچویں تنبیہ: حلیہ کی یہ عبارت: "وجوب غسل ہے جب اسے خواب یاد نہ ہو اور یقین ہو کہ وہ مذی ہے، یا اسے شک ہو کہ وہ منی ہے یا مذی"۔ بظاہر ہماری اس تحقیق کے خلاف ہے کہ یہاں مذی کا علم ویقین مذی و منی میں شک کے ساتھ جمع ہوگا۔

مخالف اس لئے کہ صاحبِ حلیہ رحمہ ﷲ تعالٰی نے یقین کو شک کے مقابلہ میں رکھا ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ اس سے مراد یا تو صورت کا یقین ہے جیسا کہ یہ ہمارا مسلک ہے تو اب معنی عبارت یہ ہو گا کہ "اسے یقین ہے کہ صورت، مذی کی صورت ہے یا اسے صورت کے بارے میں تردّد ہے کہ وہ منی کی ہے یا مذی کی" تو یہ حقیقت میں شک ہونے کے منافی نہ ہوگا۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اسے یقین ہونے کا گمان ہے اور درحقیقت یقین نہیں ہے جیسا کہ یہ غنیہ کا طرز ہے، تو معنٰی یہ ہوا کہ اپنے گمان میں خواہ وہ یقین رکھنے والا ہو یا شک کرنے والا ہو۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

السادس: حصر الغنیۃ ذرائع علم المذی فی الصورۃ والرقۃ وکلام ف۱ الفقیر انہ اما بالصورۃ اوالاسباب اوالاثار والکل لاتنفی المنویۃ اجمع وانفع وللّٰہ الحمد۔	**چھٹی تنبیہ:** صاحب غنیہ نے علم مذی کے ذرائع کو صورت اور رقت میں منحصر رکھا ہے اور کلامِ فقیر میں یہ ہے کہ یہ علم یا تو صورت سے ہوگا یا اسباب سے یا آثار سے، اور کسی سے بھی منی ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ تو یہ زیادہ جامع اور زیادہ نافع ہے، وللّٰہ الحمد۔
السابع: عامۃ المتون والشروح علی تصویر المسألۃ بالرؤیۃ ف۲ مطلقا من دون ذکر المرئی علیہ ومنھم من صورھا بالرؤیۃ علی فراشہ ومنھم من قال ثوبہ ومنھم من زاد اوفخذہ ومنھم من صور بالوجدان فی احلیلہ کما تعلم بالرجوع الی ماسردنا من النصوص وھذا الاخیر فی الخانیۃ والمحیط والذخیرۃ والمنیۃ وغیرھا بل ھو لفظ محرر المذھب محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی کما فی الھندیۃ[1] عن المحیط عن ابی علی النسفی عن نوادر ھشام عن محمد، ولفظ الخانیۃ وجد علی طرف احلیلہ بلۃ [2] الخ ولم ار من رفع لھذا رأسا واستطرق بہ الی خلاف	**ساتویں تنبیہ:** عامہ متون وشروح نے صورتِ مسئلہ کے بیان میں تری دیکھنا مطلقاً ذکر کیا ہے کس چیز پر تری دیکھی اس کا ذکر نہ کیا۔ اور بعض نے بستر پر دیکھنے کا ذکر کیا، بعض نے کپڑے پر" کہا، بعض نے " یا ران پر" کا اضافہ کیا۔ اور کسی نے ذکر کی نالی میں پانے کا تذکرہ کیا جیسا کہ ہمارے بیان کردہ نصوص کو دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ اور مذکورہ آخری صورت خانیہ، محیط، ذخیرہ، منیہ وغیرہا میں ہے بلکہ یہ محررمذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے الفاظ ہیں جیسا کہ ہندیہ میں محیط سے اس میں ابو علی نسفی سے، نوادر ہشام کے حوالے سے امام محمد سے منقول ہے۔ خانیہ کے الفاظ یہ ہیں: "ذکر کی نالی کے سرے پر تری پائی" الخ۔ اور میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اس طرف توجہ کی ہو اور اسے کسی معنوی اختلاف پر محمول کیا ہو

ف۱:۔تطفل علی الغنیۃ

ف۲: **مسئلہ:** صور مذکورہ میں یکساں ہے خواہ تری کپڑے یا ران پر دیکھے یا سر ذکر میں۔

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الباب الثانی فی الغسل الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فیما یجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱

معنوی غیران العلامة المدقق الحلبی رحمه الله تعالٰی قال فی الغنیة بقی شیئ وھو ان المنی اذا خرج عن شھوۃ سواء کان فی نوم اویقظة فانه لابد من دفقه وتجاوزه عن رأس الذکر ایضا فکون البلل لیس الا فی رأس الذکر دلیل ظاھر انه لیس بمنی سیماوالنوم محل الانتشار بسبب ھضم الغذاء وانبعاث الریح فایجاب الغسل فی الصورۃ المذکورۃ مشکل بخلاف وجود البلل علی الفخذ ونحوه لان الغالب انه منی خرج بدفق وان لم یشعربه ماقررناه[1] اھ

ورأیتنی کتبت علی قوله لابد من دفقه الخ مانصه **اقول:** سبحن فـ۱ الله کیف یقال لابد مع اطباقھم ان عند الطرفین رضی الله تعالٰی عنھما یجب الغسل اذا انفصل المنی عن الصلب بشھوۃ ثم خرج بعدالسکون وکماذکروا من صورہ امساك الذکر کذالك ذکرما اذا انزل فـ۲ واغتسل قبل ان یبول ویمشی

سوااس کے کہ علامہ مدقق حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نے غنیہ میں لکھا: "ایک چیز باقی رہ گئی، وہ یہ کہ منی جب شہوت سے نکلے خواہ وہ نیند میں یا بیداری میں تو اس کا جست کرنا اور سر ذکر سے تجاوز کرجانا ضروری ہے۔ تو تری کا صرف سر ذکر کے اندر ہونا کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ منی نہیں۔ اور نیند غذا کے ہضم اور ہوا کے اٹھنے کی وجہ سے انتشارِ آلہ کا محل ہے۔ تو مذکورہ صورت میں غسل واجب کرنا مشکل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب ران وغیرہ پر تری موجود ہو اس لئے کہ اس وقت غالب گمان یہ ہے کہ وہ منی ہے جو جست کے ساتھ نکلی ہے اگرچہ اس کا پتا نہ چلا جیسا کہ ہم نے تقریر کی" اھ۔

میں نے ان کی عبارت "اس کا جست کرنا ضروری الخ" پر اپنا لکھا ہوا یہ حاشیہ دیکھا: **اقول:** سبحان اللہ" یہ ضروری ہے" کیسے کہا جارہا ہے جب کہ مصنفین کا اتفاق ہے کہ طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک غسل واجب ہے جب منی شہوت کے ساتھ پشت سے جدا ہو پھر سکون کے بعد باہر آئے۔ اور جیسا کہ ان حضرات نے ذکر کیا اس کی ایک صورت ذکر تھام لینا بھی ہے۔ اسی

فـ۱: تطفل جلیل علی الغنیة۔

فـ۲: **مسئلہ:** انزال ہوا اور نہالیا اس کے بعد پھر منی نکلی دوبارہ نہانا واجب ہوگا اگرچہ اس بار بے شہوت نکلی ہو مگر یہ کہ پیشاب کرچکا ہو یا سولیا یا زیادہ چل لیا اس کے بعد منی بے شہوت نکلی تو غسل کا اعادہ نہیں۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطھارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

کثیرا ثم بال فخرج منی یعید الغسل عندھما[1] فھو منی قد زال بدفق وبقی داخل البدن حتی خرج برفق فان جازھذا فلم لایجوز ان یاتی الی الاحلیل ولا یتجاوز، وان نوزع فی ھذا بان الدفق انما یستلزم خروج بعضہ لاکلہ فمع مطالبۃ الدلیل علی الفرق ماذا یصنع بفرع فتح القدیر احتلم ف فی الصلاۃ فلم ینزل حتی اتمھا فانزل لایعیدھا ویغتسل[2] اھ ھب ان یوجدھذا بان الحرکۃ تدریجیۃ لابدلھا من زمان فلعل صورتہ ان کان فی القعدۃ الاخیرۃ فاحتلم واندفق المنی نازلا من الصلب فالی	طرح ان حضرات نے یہ بھی ذکر کیاہے کہ جب انزال ہو اور پیشاب کرنے یا زیادہ چلنے سے پہلے غسل کرلے پھر پیشاب کرے تو کچھ منی باہر آئے ایسی صورت میں طرفین کے نزدیک اسے دوبارہ غسل کرنا ہے کیونکہ وہ ایسی منی ہے جو جست کے ساتھ اپنی جگہ سے ہٹی اور بدن کے اندر رہ گئی یہاں تک کہ آہستگی سے باہر آئی۔ تو اگر یہ ہو سکتاہے تو یہ کیوں نہیں ہوسکتاکہ احلیل (ذکر کی نالی) تک آئے اور تجاوز نہ کرے۔ اگراس میں نزاع کیا جائے کہ جست کرنا صرف اسے مستلزم ہے کہ کچھ باہر آجائے نہ اسے کہ کل باہر آئے تو اوّلا دونوں میں تفریق پر دلیل کا مطالبہ ہوگا پھر فتح القدیر کے اس جزئیہ سے معارضہ ہوگا کہ "نماز میں خواب دیکھا اور انزال نہ ہوا یہاں تک کہ نماز پوری کرلی پھر انزال ہوا تواس کے ذمہ نماز کا اعادہ نہیں اور غسل ہے اھ"۔ مان لیجئے اس کی یہ توجیہ کردی جائے کہ حرکت ایک تدریجی عمل ہے جس کی صورت یہ ہو کہ قعدہ اخیرہ میں تھا اس وقت

ف: مسئلہ: نماز میں احتلام ہوا اور منی باہر نہ آئی کہ نماز تمام کرلی اس کے بعد اتری تو غسل واجب ہوگا مگر نماز ہوگئی کہ اس وقت تک جنب نہ ہوا تھا۔

1 حواشی امام احمد رضا علی غنیۃ المستملی فصل فی الطہارۃ الکبری قلمی فوٹو ص ۱۳۴
2 فتح القدیر، کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۴

ان ینزل الی القصبۃ ویخرج سلم فسلم من النزول فی الصلاۃ فماذا یجاب عن فرع الھندیۃ عن الذخیرۃ احتلم [ف۱] لیلا ثم استیقظ ولم یر بللا فتوضأ وصلی صلوۃالفجر ثم نزل المنی یجب علیہ الغسل [1] اھ اطلق ولم یقید بالانتشار عند الخروج فما کان الغسل الا بانہ فاقہ فی النوم وبقاء کلہ داخل البدن الی ان تیقظ وتوضأ وصلی ام فـماذا یصنع بفرعھا عنھا استیقظ وھو یتذکر احتلاما ولم یر بللا ومکث ساعۃ فخرج مذی لایلزمہ الغسل [2] اھ"فافاد بمفھومہ ان لو خرج منی لزم فان

احتلام ہوااور منی جست کرکے پشت سے چلی اور ذکر کی نالی میں آنے اور نکلنے تک اس نے سلام پھیر دیا اس لئے نماز کے اندر منی نکلنے سے بچ گیا۔ پھر اس جزئیہ کا کیا جواب ہوگا جو ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے: رات کو احتلام ہوا پھر صبح بیدار ہوااور تری نہ پائی، وضو کرکے نمازِ فجر ادا کرلی پھر منی نکلی تو اس پر غسل واجب ہے اھ (اور نماز ہوگئی)۔اسے مطلق ذکر کیااور یہ قید نہ لگائی کہ خروج منی کے وقت انتشارِ آلہ تھاتو غسل اسی وجہ سے ہوا کہ نیند کی حالت میں منی نے جست کیا اور سب کی سب بدن کے اندر رہ گئی یہاں تک کہ بیدار ہوا، وضو کیا اور نماز پڑھی۔ یااس جزئیہ کو کیا کریں گے جو ہندیہ میں اسی ذخیرہ سے نقل ہے: اس حالت میں بیدار ہوا کہ اسے احتلام یاد ہے اور کوئی تری نہ دیکھی، تھوڑی دیر رکا رہا پھر مذی نکلی تو اس پر غسل لازم نہیں۔ اس کے مفہوم سے مستفاد ہوا کہ اگر

ف۱: مسئلہ: رات کو احتلام ہوا جاگا تو تری نہ پائی وضو کرکے نماز پڑھ لی اس کے بعد منی باہر آئی تو غسل اب واجب ہوااور وہ نماز صحیح ہوگئی۔

ف۲ مسئلہ: جاگا احتلام خوب یاد ہے مگر تری نہیں پھر مذی نکلی غسل نہ ہوگا۔

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

لم يقنع به ففی الغنية نفسها رأی فی نومه انه يجامع فانتبه ولم يربللا ثم بعد ساعة خرج منه مذی لايجب الغسل وان خرج منی وجب [1] اھ

فان اعتل بان النزول بدفق يستلزم الخروج والتجاوزعن الاحليل ولوبعدحين فلاترد الفروع وههنا اذلم يتجاوز رأس الذكر علم انه ليس بمنی۔

قلت كان استناده الی الحركة الدفقية انها توجب التجاوز لان مايندفق فهويندفع بقوة فلا يمنع الا قهرا وقدا بطلته الفروع وهذا الاعتلال بنفس الانفصال انه اذاخلی مقره فلا بدله من الخروج ولو بعدحين وجوابه ماقدمت ان الكثرة لاتلزم الامناء فقدلاينزل الاقطرة اوقطرتان كماعرف فی مسألة التقاء الختانين قال فی الهداية قد يخفی عليه

منی نکلتی تو غسل لازم ہوتا۔ اگر اس پر قناعت نہ ہو تو خود غنیہ ہی میں ہے: خواب میں اپنے کو جماع کرتے دیکھا، بیدار ہوا تو کوئی تری نہ پائی پھر کچھ دیر بعد مذی نکلی تو اس پر غسل واجب نہیں اور اگر منی نکلے تو واجب ہے اھ۔

اگر یہ علت پیش کریں کہ جست کے ساتھ اپنی جگہ سے اترنا نکلنے اور احلیل سے تجاوز کرنے کو مستلزم ہے اگرچہ کچھ دیر بعد سہی، تو ان جزئیات سے اعتراض نہ ہو سکے گا۔ اور یہاں جب سر ذکر سے تجاوز نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ منی نہیں۔

قُلتُ (میں کہوں گا) پہلے ان کا استناد جست والی حرکت سے تھا کہ یہ تجاوز کو لازم کرتی ہے اس لئے کہ جو چیز جست کرے وہ بقوت دفع ہوگی تو اسے بغیر جبر وقسر کے روکا نہ جاسکے گا۔ یہ استناد تو ان جزئیات سے باطل ہوگیا۔ اب یہ خود انفصال کو علت ٹھہرانا ہے کہ جب وہ اپنی جگہ چھوڑے گی تو اس کے لئے نکلنا ضروری ہے اگرچہ کچھ عرصہ بعد ہو۔ اس کا جواب وہ ہے جو پہلے بیان ہوا کہ منی نکلنے کے لئے زیادہ ہونا کوئی ضروری نہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قطرہ دو قطرہ آتا ہے، جیسا کہ التقائے ختانین (مرد وزن کے ختنہ کی جگہوں کے باہم ملنے) کے مسئلہ میں معلوم ہوا) ہدایہ میں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۶

لقلته[1] اھ وفی الفتح خفاء خروجه لقلته وتکسله فی المجری لضعف الدفق لعدم ببلوغ الشهوة منتهاها کمایجده المجامع فی اثناء الجماع من اللذة بمقاربة المزایلة[2] اھ وزاد فی الحلیة لقلته مع غلبة الحرارة المجففة له[3] اھ **اقول:**ف۱ والامر فی النائم اظهر فقد یتجاوز بعضه الاحلیل وینشفه بعض ثیابه ولایحس به لقلته، وبالجملة ف۲ اطلاق المتون والشروح وقدوتهم محمد فی المبسوط کماقدمناعن الخانیة عن الاصل وتصریح ف۳ امثال الخانیة والمحیط والذخیرة وغیرهم وعمدتهم محمد فی النوادر	فرمایا: منی قلّت کی وجہ سے اس پر مخفی رہ جاتی ہے اھ۔ فتح القدیر میں ہے: خروج منی کا مخفی رہ جانا اس کے کم ہونے اور مجرا (گزرگاہ) میں سست ہو جانے کے باعث ہے، اس وجہ سے کہ جست کمزور تھی کیوں کہ شہوت اپنی انتہاء کو نہ پہنچی تھی جیسے جماع کرنے والا اثنائے جماع جدا ہونے کے قریب لذت پاتا ہے اھ۔ اور حلیہ میں اضافہ کے ساتھ کہا: کیوں کہ وہ کم ہوتی ہے ساتھ ہی اسے خشک کرنے والی حرارت غالب ہوتی ہے اھ۔ **اقول:** اور معاملہ سونے والے کے بارے میں اور زیادہ واضح ہے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کچھ منی احلیل سے تجاوز کرکے کپڑے میں جذب ہو جاتی ہے اور قلیل ہونے کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ ایک تو متون اور شروح میں اطلاق ہے اور ان کے پیشوا امام محمد ہیں جنہوں نے مبسوط میں سب سے پہلے ذکر کیا جیسا کہ ہم نے خانیہ سے بحوالہ مبسوط نقل کیا۔ دوسرے اصحاب خانیہ، محیط، ذخیرہ وغیرہم کی تصریحات ہیں اور ان کے معتمد امام محمد ہیں جنہوں نے نوادر

ف۱: تطفل آخر علی الغنیة۔

ف۲: تطفل ثالث علیه۔

ف۳: تطفل رابع علیه۔

[1] الہدایہ کتاب الطہارات فصل فی الغسل المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۴

[2] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الغسل مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

لایترکان للبحث مجالا والحمدلله سبحنه وتعالی۔وفوق [ف۱] کل ذلك اطلاق مارویناً من الحدیث فلا اتجاہ للبحث روایة ولا درایة والله سبحنه ولی الهدایة۔	میں ذکر کیا۔ ان دونوں کے پیشِ نظر بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ والحمدلله سبحانه وتعالٰی۔ اور ان سب سے بڑھ کر اس حدیث کا اطلاق ہے جو ہم نے روایت کی۔ تو روایت، درایت کسی طرح بھی بحث کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔ اور خدائے پاک ہی والیِ ہدایت ہے۔
فائدہ: اقول: وظهرلك مماقدمناان ذکرهم الامساك فیمالواحتلم اونظربشهوة فامسك ذکرہ حتی سکن ثم ارسل فانزل وجب الغسل عندهماخلافاً للثانی غیرقید فان [ف۲] من الناس من یمسك المنی بمجرد التنفس صعداء عدة مرار وقدیبلغ ضعف الدفق فی بعضهم	**فائدہ:** اقول اگر احتلام ہوا یا شہوت سے نظر کی پھر ذکر تھام لیا یہاں تک کہ منی ٹھہر گئی پھر چھوڑ دیا تو انزال ہوا، طرفین کے نزدیک غسل واجب ہو گیا بخلاف امام ثانی کے۔ ہمارے بیان سابق سے واضح ہے کہ اس جزئیہ میں ذکر تھامنے کا جو ذکر ہے وہ قید و شرط نہیں (بلکہ کسی طرح بھی کچھ دیر کے لئے منی کا روک لینا مقصود ہے) اس لئے کہ ایسے لوگ بھی ہیں جو چند بار

ف۱: تطفل خامس علیہ۔

ف۲: **مسئلہ:** منی کو اپنے محل یعنی مرد کی پشت، عورت کے سینہ سے جدا ہوتے وقت شہوت چاہئے پھر اگرچہ بلا شہوت نکلے غسل واجب ہو جائے گا مثلاً احتلام ہوا یا نظر یا فکر یا کسی اور طریق سوائے ادخال سے منی بشہوت اتری اس نے عضو کو تھام لیا نہ نکلنے دی یہاں تک کہ شہوت جاتی رہی یا بعض لوگ سانس اوپر چڑھا کر اترتی ہوئی منی کو روک لیتے ہیں یا بعض میں ضعف شہوت کے سبب منی خیال بدلنے یا کروٹ لینے یا اٹھ بیٹھنے یا پشت پر پانی کا چھینٹا دے لینے سے رک جاتی ہے غرض کسی طرح شہوت کے وقت اترتی ہوئی منی کو روک لیا یا خود رک گئی پھر جب شہوت جاتی رہی نکلی تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک غسل واجب ہو جائے گا کہ اترتے وقت شہوت تھی اگرچہ نکلتے وقت نہ تھی اور امام ابو یوسف کے نزدیک نہ ہو گا کہ ان کے نزدیک نکلتے وقت بھی شہوت شرط ہے ہاں جب تک نکلے گی نہیں غسل بالاتفاق واجب نہ ہو گا کہ نکلنا ضرور شرط ہے۔

الی حدانہ اذااحس بالانفصال فصرف خاطرہ عن الالتذاذوشغل بالہ بشیئ اخر وقعدان کان مستلقیااوتضور فی فراشہ او رش علی صلبہ ماء باردایقف المنی عن الخروج ثم اذا مشی اوبال ینزل وھو فاترفیجب الغسل فی ھذہ الصور ایضاعندھما لتحقق المناط وھو خروج منی زال عن مکانہ بشھوۃ فاحفظہ فقد کانت حادثۃ الفتوی۔

الثامن: اکتساء المنی صورۃ المذی لرقۃ تعرضہ احالھا فی شرح الوقایۃ علی حرارۃ البدن وفی الدرر والذخیرۃ علی الھواء و عبرفی البدائع و الخلاصۃ والبزازیۃ والجواھربمرور الزمان وھو یشملھماوجمعھما ابن کمال فی الایضاح واشارالی الاعتراض علی صدر الشریعۃ انہ قصر بالاقتصار۔

اقول: فـ ومثل ذالك لایعد

صرف سانس اوپر کھینچ کر منی روک لیتے ہیں، اور کسی میں ضعف جست اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ جب منی کے اپنی جگہ سے جدا ہونے کا احساس کرتا ہے لذت سے اپنی خاطر پھیر کر کسی اور چیز میں دل کو مشغول کرلیتا ہے یا اگر لیٹا ہو تو بیٹھ جاتا ہے یا بستر پر کروٹ بدل دیتا ہے یا پشت پر ٹھنڈے پانی کا چھینٹا مارتا ہے منی رک جاتی ہے پھر جب چلتا یا پیشاب کرتا ہے تو منی اس وقت نکلتی ہے جب اس میں کسل وفتور آگیا اور شہوت ختم ہوچکی تو طرفین کے نزدیک ان صورتوں میں بھی غسل واجب ہوتا ہے اس لئے کہ مدار ومناط متحقق ہے وہ یہ کہ منی اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ ہٹی ہے۔ تو یہ ذہن نشین رہے، ایک بار خاص اسی معاملہ میں مجھ سے استفتاء ہوچکا ہے۔

آٹھویں تنبیہ: منی کا کسی عارض ہونے والی رقت کی وجہ سے مذی کی صورت اختیار کرلینا، اسے شرح وقایہ میں حرارت بدن کے حوالہ کیا، درمختار اور ذخیرہ میں ہوا کو سبب بنایا۔ بدائع، خلاصہ، بزازیہ اور جواہر میں مرورِزمان سے تعبیر کیا۔ اور یہ حرارت وہوا دونوں کو شامل ہے۔ اور علامہ ابن کمال نے ایضاح میں دونوں کو جمع کیا، اور صدر الشریعہ پر اقتصار کے سبب اعتراض کا اشارہ کیا۔

اقول: اس طرح کی بات اعتراض کے

فـــ: تطفل علی العلامۃ ابن کمال۔

اعتراضافانما یکون المراد افادة تصویر لا الحصر وان کان فعلی العلامة ف المعترض مثله اذفی الفتح عن التجنیس رق بالهواء والغذاء[1] وجمع الکل فی الغنیة فقال بسبب بعض الاغذیة ونحوهامما یوجب غلبة الرطوبة و رقة الاخلاط والفضلات وبسبب فعل الحرارة والهواء[2] اھ وما احسن قول الحلیة والمراقی قدیرق لعارض[3] اھ	شمار میں نہیں اس لئے کہ اس سے بس صورت مسئلہ کا افادہ مقصود ہوتا ہے حصر مراد نہیں ہوتا۔اور اگر یہ اعتراض ہے تو علامہ معترض پر بھی ویسے ہی اعتراض پڑے گا اس لئے فتح القدیر میں تجنیس کے حوالہ سے ہے: منی ہوا اور غذا سے رقیق ہوگئی۔ اور غنیہ میں سب کو جمع کرکے کہا: بعض غذاؤں اور ان جیسی چیزوں کے سبب جو رطوبت کے غلبہ اور اخلاط وفضلات کی رقت کا باعث ہوتی ہیں اور عمل حرارت وہوا کے سبب اھ۔ اور حلیہ ومراقی الفلاح کی عبارت کیا ہی خوب ہے: قدیرق لعارض اھ کسی عارض کی وجہ سے رقیق ہوجاتی ہے اھ۔
اقول: ولا یهمناتنوع عباراتهم هنالولا ان عدهم الغذاء وقدیوهم جوازان یخرج المنی متغیرامن الباطن وحینئذ ینشؤ منه سؤال علی مسألة وهو ما اذا استیقظ ذاکر حلم ولم یربللا ثم خرج مذی فقدقدمناعن الذخیرة والغنیة والهندیة وغیرهاان	**اقول:** ہمیں یہاں ان کی عبارتوں کے تنوع کی فکر نہ ہوتی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان حضرات کے غذا کو سبب شمار کرنے کی وجہ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ منی اندر سے ہی متغیر (اور رقیق) ہوکر نکلی ہو۔اور اس تقدیر پر اس سے ایک مسئلہ پر سوال پیدا ہوگا وہ یہ کہ خواب یاد رکھتے ہوئے جب بیدار ہوا اور تری نہ پائی پھر مذی نکلی تو ذخیرہ، غنیہ، ہندیہ وغیرہا کے حوالہ سے گزرا کہ اس پر

ف: تطفل آخر علیہ۔

[1] فتح القدیر، کتاب الطہارات، فصل فی الغسل، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۴

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، کتاب الطہارۃ، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۹

لا غسل ومثله فی الخلاصة وخزانة المفتین والبرجندی والحلیة وفی الغیاثیة عن غریب الروایة وعن فتاوی الناصری برمز(ن)وفی القنیة عن فتاوی ابی الفضل الکرمانی وفی غیرماکتاب وعلی هذایجب الایجاب لان الاحتلام اقوی دلیل علی المنویة وصورة المذی لاتنفك اذن عن احتمال المنویة وان خرج بمرأه ولم یعمل فیه حربدن وهواء لاحتمال التغیر فی الباطن بغذاء	غسل نہیں۔اور اسی کے مثل خلاصہ، خزانۃ المفتین، برجندی، حلیہ میں بھی ہے۔اور غیاثیہ میں غریب الروایہ سے اور فتاوٰی ناصری سے برمز(ن) منقول ہےاور قنیہ میں فتاوٰی ابوالفضل کرمانی سے نقل ہےاور متعدد کتابوں میں ہے۔اور اس تقدیر پر غسل واجب کرنا ضروری ہےاس لئے کہ احتلام منی ہونے کی قوی تر دلیل ہےاور مذی کی صورت پر تقدیر مذکور احتمال منویت سے جدانہ ہوگی اگرچہ اس کی آنکھ کے سامنے نکلی ہواور اس میں بدن کی حرارت اور ہوا اثر انداز نہ ہوئی ہواس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ غذا کی وجہ سے اندر ہی متغیر ہوئی ہو۔
لکن نص الامام الجلیل مفتی الجن والانس نجم الدین النسفی قدس سره ان التغیر لایکون فی الباطن کما قدمنا عن جواهر الفتاوی عن ذلك الامام من التفرقة بین هذا وبین من استیقظ فوجد بلة حیث یجب الغسل لاحتمال کونه منیارق بمرور الزمان اما هنا فقد عاین خروج المذی فوجب الوضوء دون الغسل والتفرقة بینه وبین ما اذامکث فخرج منی ان الغسل انماوجب بالمنی و	لیکن امام جلیل مفتی جن وانس نجم الدین نسفی قدس سرہ نے تصریح فرمائی ہے کہ تغیر باطن میں نہیں ہوتا۔جیسا کہ ان سے ہم نے بحوالہ جواہر الفتاوٰی فرق نقل کیاہے اس میں اور اُس میں جو بیدار ہو کر تری پائے کہ اس پر غسل واجب ہوتا ہےاس لئے کہ ہوسکتاہے وہ منی رہی ہو جو وقت گزرنے سے رقیق ہوگئی۔ لیکن یہاں تواس نے مذی نکلتے آنکھ سے دیکھی ہے تو وضو واجب ہوا غسل نہ ہوا۔اور ان سے فرق نقل کیا۔ اس میں اور اُس صورت میں جب وہ کچھ دیر ٹھہر چکا ہو پھر منی نکلی ہو کہ غسل منی ہی سے واجب ہوااور یہاں اس کے سامنے مذی

ھھنا زال المذی وھویراہ فلم یلزم لانہ مذی وصریح النص مانقل عنہ الامام الزیلعی فی التبیین حیث ذکر جوابہ فی المسألۃ انہ لایلزمہ شیئ قال فقیل لہ ذکر فی حیرۃ الفقہاء فیمن احتلم ولم یر بللا فتوضأ وصلی ثم نزل منی انہ یجب علیہ الغسل فقال یجب بالمنی بخلاف المذی اذارأہ یخرج لانہ مذی ولیس فیہ احتمال انہ کان منیا فتغیر لان التغیر لایکون فی الباطن[1] اھ ومثلہ فی الحلیۃ عن مجموع النوازل عن الامام نجم الدین وزادامافی الظاھر فقدیکون[2] اھ **اقول :** فعلی ھذا یجب ان یراد بکلام التجنیس ومن تبعہ ان الغذاء ونحوہ یعد المنی لسرعۃ التغیرفی الخارج بعمل حرارۃ تصلہ فیہ من بدن اوھواء وبھذایخرج جواب عمااوردنا علی العلامۃ ابن کمال من وجود قصور فی	نکلی ہے تو غسل لازم نہ ہوا کیونکہ یہ مذی ہے۔اور صریح نص وہ ہے جو ان سے امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں نقل کیاہے۔اس طرح کہ صورتِ مسئلہ میں ان کا یہ جواب ذکر کیاکہ اس پر کچھ لازم نہیں۔اس پر ان سے کہا گیاکہ حیرۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ جسے احتلام ہوا اور تری نہ پائی۔وضو کرکے نماز ادا کرلی۔اس کے بعد منی نکلی تو اس پر غسل واجب ہے۔تو فرمایا منی کی وجہ سے واجب ہے برخلاف مذی کے،جب کہ مذی کو نکلتے دیکھا ہو اس لئے کہ وہ مذی ہے اور اس میں یہ احتمال نہیں کہ منی رہی ہو پھر متغیر ہو گئی ہو اس لئے کہ تغیر باطن میں (اندر) نہیں ہوتااھ۔اسی کے مثل حلیہ میں مجموع النوازل کے حوالہ سے امام نجم الدین سے منقول ہے اور اس میں یہ اضافہ بھی ہے: لیکن ظاہر میں تغیر ہوتا ہے اھ۔ **اقول:** تو اس بنیاد پر ضروری ہے کہ صاحب تجنیس اور ان کے متبعین کے کلام سے مراد یہ ہو کہ غذا اور اس جیسی چیز منی کو اس قابل بنادیتی ہے کہ خارج میں وہ اس حرارت کے عمل سے جو بدن یا ہوا سے پہنچے جلد متغیر ہوجائے۔اسی سے اس کا بھی جواب نکل آئے گا جو ہم نے علامہ ابن کمال پر اعتراض کیا کہ ان کی عبارت میں بھی

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۸
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

کلامه ایضالکن وقع فی الخلاصة مانصه وعلی هذا لواغتسل قبل ان یبول ثم خرج من ذکره مذی یغتسل ثانیا وعند ابی یوسف لایغتسل [1] اھ قال فی الحلیة بعد نقله یرید خرج منه ماهو علی صورة المذی کما صرح به هو وغیره وقدمناه فکن منه علی ذکر [2] اھ۔

اقول: ایش یفید ف التاویل بعدما تظافرت النقول عن اجلة الفحول منهم صاحب الخلاصة نفسه انه اذا احتلم فاستیقظ فلم یجد شیئا ثم نزل المذی لایغتسل فان بالاغتسال قبل البول وان لم یعلم انقطاع مادة المنی الزائل بشهوة لکن عاین خروج المذی والتغیرفی الباطن لایکون فکیف یجب الغسل بالمذی بل لعل الامر ههنااستهل لانه قدامنی مرة واغتسل وبقاء شیئ مما زال فی داخل البدن غیرلازم بل ولاغالب بل الغالب ان المنی اذا اندفق

قصور و کمی موجود ہے۔ لیکن خلاصہ میں یہ عبارت آئی ہے۔ اور اسی بنیاد پر اگر پیشاب کرنے سے پہلے غسل کرلیا پھر مذی نکلی تو دوبارہ غسل کرے گا۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک غسل نہ کرے گا اھ۔ حلیہ میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھا: اس سے مراد وہ ہے جو مذی کی صورت پر نکلے جیسا کہ اس کی تصریح صاحبِ خلاصہ اور دوسرے حضرات نے کی ہے اور پہلے ہم اسے پیش کر چکے ہیں۔ تو وہ یاد رہے اھ۔

اقول: تاویل کا کیا فائدہ جب کہ اجلّہ علماء سے بالاتفاق نقول وارد ہیں، ان میں خود صاحبِ خلاصہ بھی ہیں، وہ یہ کہ جب احتلام ہو پھر بیدار ہو کر کچھ نہ پائے پھر مذی نکلے تو غسل نہیں۔ اس لئے کہ پیشاب کرنے سے پہلے غسل کرنے سے شہوت کے ساتھ جدا ہونے والی منی کے مادہ کا ختم ہونا اگرچہ معلوم نہ ہوا لیکن جب اس نے آنکھ سے دیکھ لیا کہ مذی نکلی ہے اور تغیر اندر نہیں ہوتا، تو مذی سے غسل کیسے واجب ہوگا۔ بلکہ معاملہ یہاں شاید زیادہ سہل ہے اس لئے کہ ایک بار اس سے منی نکلی اور اس نے غسل کرلیا اور جدا ہونے والی منی میں سے کچھ اندر رہ جانا لازم نہیں، بلکہ غالب بھی نہیں، بلکہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ منی جست کرتی ہے

ف: تطفل علی الحلیة۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۲

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اندفع بخلاف ماأذا احتلم ولم يخرج شيئ ثم نزل مايشبه مذيافان كونه هوالذى زال بالاحتلام اظهرمن كون النازل مرة اخرى بقية المنى الزائل۔	تو مندفع ہوجاتی ہے۔بخلاف اس صورت کے جب اسے احتلام ہوااور کچھ باہر نہ آیا پھر وہ چیز نکلی جو مذی کے مشابہ ہے تو اس کا احتلام ہی سے جدا ہونے والی ہونا زیادہ ظاہر ہے بہ نسبت اس کے کہ دوسری بار نکلنے والی چیز، پہلی بار جدا ہونے والی منی کا بقیہ ہو۔
فان قلت الاحتلام قد يكون من اضغاث احلام فان النائم ربما يرى مالا حقيقة له۔**قلت نعم** لاحقيقة لما رأى من الافعال لكن اثرها على الطبع كمثلها فى الخارج ولذا لايتخلف الانزال عن الاحتلام الا نادرا الا ترى ان ائمتنا جميعا اعتبروا مجرد احتمال المذى بدون احتمال منى اصلا موجبا للغسل عند تذكر الحلم فلو لا انه من اقوى الادلة على الامناء لم يعتبروا المنوية الكائنة من جهة المراى احتمالا على احتمال ومع ذلك تصريحهم جميعا بان لواحتلم فرأى فى اليقظة زوال مذى لاغسل عليه ناطق بانماينزل بمرأى العين لايكون الا مايرى وقد وافقهم عليه صاحب	**اگر یہ کہو** کہ احتلام بعض اوقات بس ایک پراگندہ خواب ہوتا ہے اس لئے کہ سونے والا کبھی وہ دیکھتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ **میں کہوں گا** ہاں جو افعال اس نے دیکھے ان کی کوئی حقیقت نہیں لیکن طبیعت پر ان کا اثر ویسے ہی ہوتا ہے جیسے ان افعال کا خارج میں ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عموماً احتلام کے بعد انزال ضرور ہوتا ہے،اس کے خلاف نادراً ہی ہوتا ہے۔یہی دیکھئے کہ ہمارے تمام ائمہ نے خواب یاد ہونے کے وقت محض احتمال مذی کو موجبِ غسل مانا ہے بغیر اس کے کہ وہاں منی کا کوئی احتمال ہو۔تو احتلام اگر منی نکلنے کی قوی تر دلیل نہ ہوتا تو اس منویت کا اعتبار نہ کرتے جو شکل مرئی کے لحاظ سے احتمال در احتمال ہے۔اس کے باوجود تمام حضرات کی تصریح ہے کہ اگر احتلام کے بعد بیداری میں مذی نکلنے کا مشاہدہ کیا تو اس پر غسل نہیں، یہ تصریح ناطق ہے کہ آنکھ کے سامنے نکلنے والی تری وہی ہے جو دیکھنے میں آرہی ہے۔اس مسئلہ پر ان تمام حضرات

الخلاصة قائلا ولورأى فى منامه مباشرة امرأة ولم يربللا على فراشه فمكث ساعة فخرج منه مذى لايلزمه الغسل[1] اه

والعبد الفقير راجع الخانية والبزازية والفتح والبحر وشرح النقاية للقهستانى والبرجندى والمنية والغنية والهندية وشرح الوقاية والسراجية والغياثية وتبيين الحقائق ومجمع الانهر وشرح مسكين وابا السعود ومراقى الفلاح و ردالمحتار وغيرها من الاسفار فوجدتهم جميعا انما ذكروا فى المسألة خروج المنى وكذا رأيته منقولا عن الاجناس والمحيط والذخيرة والمصفى والمجتبى والنهر وغيرها ولم ار احدا ذكر المذى الاما فى خزانة المفتين فانه ذكر اولا خروج بقية المنى ثم قال ولو اغتسل قبل ان يبول ثم خرج من ذكره مذى يغتسل ثانيا[2] ۔ثم ذكر مسائل و رمز فى اخرها (طح) اى شرح الطحاوى للامام الاسبيجابى

کی موافقت صاحبِ خلاصہ نے بھی کی ہے اور کہا ہے کہ: "اگرخواب میں اپنے کو کسی عورت سے مباشرت کرتے دیکھااور بستر پر کوئی تری نہ پائی پھر تھوڑی دیر رُکنے کے بعد اس سے مذی نکلی تواس پر غسل لازم نہیں اھ۔"

اور فقیر نے [۱]خانیہ [۲]بزازیہ [۳]فتح القدیر [۴]البحر الرائق [۵]شرح نقایہ ازقہستانی اور [۶]برجندی [۷]منیہ [۸]غنیہ [۹]ہندیہ [۱۰]شرح وقایہ [۱۱]سراجیہ [۱۲]غیاثیہ [۱۳]تبیین الحقائق [۱۴]مجمع الانہر [۱۵]شرح مسکین [۱۶]ابو السعود [۱۷]مراقی الفلاح [۱۸]رد المحتار وغیرہا کتابوں کی مراجعت کی تو دیکھا کہ سب نے مذکورہ مسئلہ میں منی کا نکلنا ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ اگر پیشاب سے پہلے غسل کرلیا پھر منی نکلی تو دوبارہ غسل کرے گا.برخلاف خلاصہ کے کہ اس میں یہاں مذی نکلنا مذکر مذکور ہے ۱۲م اسی طرح اس کو [۱۹]اجناس [۲۰]محیط [۲۱]ذخیرہ [۲۲]مصفی [۲۳]مجتبی [۲۴]النہر الفائق وغیرہا سے منقول پایا۔اور کسی کو نہ دیکھا کہ یہاں مذی کا ذکر کیا ہو مگر وہ جو خزانۃ المفتین میں ہے کہ اس میں پہلے بقیہ منی کا نکلنا ذکر کیا، پھر کہا: "اور اگر پیشاب کرنے سے پہلے غسل کرلیا، پھر اس سے مذی نکلی تو دوبارہ غسل کرے گا۔"

اس کے بعد کچھ اور مسائل ذکر کئے اور ان کے آخر میں طح یعنی امام اسبیجابی کی شرح طحاوی کا

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۳

[2] خزانۃ المفتین، فصل فی الغسل، (قلمی فوٹو کاپی) ۱/۵

فهذا هو سلف الخلاصة فی ما اعلم ثم رأیت فی جواهر الاخلاطی ما نصه بال بعد الجماع فاغتسل وصلی الوقتیة ثم خرج بقیة المنی لاغسل علیه بخلاف ما لولم یبل قبل الاغتسال علیه الغسل عندهما وکذا بخروج المذی[1] اھ۔

رمز دے دیا تو میرے علم میں صاحبِ خلاصہ کے پیش رو یہی ہیں۔ پھر میں نے جواہر الاخلاطی میں یہ عبارت دیکھی: جماع کے بعد پیشاب کیا پھر غسل کیا اور اس وقت کی نماز ادا کرلی پھر بقیہ منی نکلی تو اس پر غسل نہیں، اس کے بر خلاف اگر غسل سے پہلے پیشاب نہیں کیا تھا تو طرفین کے نزدیک اس پر غسل واجب ہے۔ اور اسی طرح مذی نکلنے سے بھی۔ اھ۔

ولیس هو فی الاعتماد کهؤلاء الاربعة اعنی الاسبیجابی و البخاری والسمعانی والحلبی رحمهم الله تعالٰی فلایزیدون به قوة وهم ناصون فی مسألة المحتلم الذی عاین خروج المذی بعدم الغسل وفاقا لسائر الکبراء فقد نقل ماقدمنا عن الخلاصة فی الحلیة وخزانة المفتین واقراه، ومعلوم قطعا ان لاوجه له الا ان المذی اذا خرج عیانا لایجعل قط الا مذیا کما نص علیه الامام الاجل مفتی الثقلین والامام ابن ابی المفاخر الکرمانی والامام الفخر الزیلعی وغیرهم رحمهم الله تعالٰی فقولهم فی الوفاق

اور اعتماد میں ان کا وہ مقام نہیں جو ان چار حضرات یعنی اسبیجابی صاحب شرح طحاوی، طاہر بن احمد بخاری صاحب خلاصۃ الفتاوی، حسین بن محمد سمعانی صاحبِ خزانۃ المفتین، اور محقق حلبی صاحبِ حلیہ رحمہم اللہ تعالٰی کا ہے۔ تو اخلاطی کی عبارت سے ان کی قوت میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ اور یہ حضرات بموافق دیگر اکابر، خروج مذی کا مشاہدہ کرنے والے محتلم کے مسئلہ میں عدم غسل کی تصریح کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم نے خلاصہ کی عبارت جو پہلے پیش کی اسے صاحبِ حلیہ وصاحبِ خزانۃ المفتین نے بھی نقل کیا ہے اور بر قرار رکھا ہے اور قطعًا معلوم ہے کہ اس کی سوا اس کے کوئی وجہ نہیں کہ مذی جب سامنے نکلے تو مذی ہی قرار دی جائے گی جیسا کہ امام اجل مفتی ثقلین، امام ابن ابی المفاخر کرمانی، امام فخر الدین زیلعی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح فرمائی ہے تو میرے

[1] جواہر الاخلاطی، کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل، (قلمی فوٹو کاپی) ص ۷

احب الی من قولھم فی الخلاف وجادۃ واضحۃ سلکوھا مع الجمیع احق بالقبول مما تفردوا بہ ولایعرف لہ وجہ الا القیاس علی المحتلم یستیقظ فیجد مذیا حیث یجب الغسل عند ائمتنا وقد علمت من کلام الامام مفتی الجن والانس انہ قیاس لایروج ھذا ماظھر للعبد الضعیف ومع ذلك ان تنزہ احد فھو خیرلہ عند ربہ واللہ تعالی اعلم۔

نزدیک موافقت میں ان حضرات کا کلام ان کے مخالفت والے کلام سے زیادہ پسندیدہ ہے۔اور صاف واضح راہ جس پر وہ سب کے ساتھ چلے ہیں اس سے زیادہ قابل قبول ہے جس میں وہ متفرد ہیں۔اور اس کی کوئی وجہ بھی معلوم نہیں ہوتی سوا اس کے کہ اس محتلم پر قیاس کیا ہو جو بیدار ہو کر مذی پائے کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک اس پر غسل واجب ہوتا ہے۔اور امام مفتی جن وانس کے کلام سے واضح ہوچکا ہے کہ یہ قیاس چلنے والا نہیں۔ یہ وہ ہے جو بندہ ضعیف پر منکشف ہوا، اس کے بعد اگر کوئی نزاہت اختیار کرے تو یہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔واللہ تعالی اعلم۔

فائدہ:اقول: یترأی لی ان الحل مامر عن الحلیۃ عن المصفی عن المختلفات انہ اذا تیقن بالاحتلام وتیقن انہ مذی لایجب الغسل عندھم جمیعا علی ھذہ المسألۃ المتظافرۃ علیھا کلمات العلماء من دون خلاف اعنی المحتلم یستیقظ فیخرج المذی بمرأی منہ والدلیل علیہ ماقدمنا تحقیقہ ان التیقن لاسبیل الیہ لمن خرجت البلۃ وھو نائم انما ھو لمن تیقظ فخرجت بمرأی عینہ و

فائدہ: اقول وہ مسئلہ جو حلیہ کے حوالہ سے بواسطہ مصفی مختلفات سے نقل ہوا کہ جب احتلام کا یقین ہو اور تری کے مذی ہونے کا یقین ہو تو اس پر ان سبھی ائمہ کے نزدیک غسل واجب نہیں، اس سے متعلق مجھے خیال ہوتا ہے کہ اسے اسی مسئلہ پر محمول کروں جس پر کلماتِ علماء بغیر کسی اختلاف کے باہم متفق ہیں یعنی وہ محتلم جو بیدار ہو پھر اس کے سامنے مذی نکلے، اور اس پر دلیل ہماری سابقہ تحقیق ہے کہ سوتے میں جس سے تری نکلی اس کے لئے یقین کی کوئی راہ نہیں، یہ تو اس کے لئے ہے جو بیدار ہوا پھر اس کی آنکھ کے سامنے تری نکلی۔اس صورت

حینئذ ھی مسألۃ صحیحۃ لاغبار علیھا وللّٰہ الحمد۔

التاسع: ف اجمعوا ان لو بال اونام اومشی کثیرا ثم خرج بقیۃ المنی بدون شھوۃ لایجب الغسل تظافرت الکتب علی نقل الاجماع فی ذلك کالتبیین والفتح والمصفی والمجتبی والحلیۃ والغنیۃ والخانیۃ والخلاصۃ والبزازیۃ وغیرھا غیر ان منھم من یقتصر علی ذکر البول کالخانیۃ ومنھم من یزید النوم کالمحیط والاسبیجابی والذخیرۃ وخزانۃ المفتین ومنھم من زاد المشی ایضا کالتبیین والفتح والمنتقی والظھیریۃ ثم اطلق المشی کثیر وقیدہ الزاھدی بالکثیر وھو الاوجہ کما ترجاہ فی الحلیۃ وجزم بہ فی البحر لان الخطوۃ والخطوتین لایکون منھما ذلك ونقل ش عن العلامۃ المقدسی قال فی خاطری انہ عین لہ اربعون خطوۃ فلینظر[1] اھ۔

میں یہ مسئلہ صحیح بے غبار ہے۔ وللہ الحمد۔

نویں تنبیہ: اس پر اجماع ہے کہ اگر پیشاب کیا، یا سوگیا، یا زیادہ چلا۔ پھر بقیہ منی بلا شہوت نکلی تو غسل واجب نہیں۔ اس بارے میں نقل اجماع پر کتابیں متفق ہیں۔ جیسے تبیین الحقائق، فتح القدیر، مصفی، مجتبی، حلیہ، غنیہ، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ وغیرہا۔ فرق یہ ہے کہ ان میں سے کسی نے صرف پیشاب کے ذکر پر اکتفا کی ہے جیسے خانیہ کسی نے اس پر سونے کا اضافہ کیا جیسے محیط، اسبیجابی، ذخیرہ، خلاصہ، وجیز اور خزانۃ المفتین۔ اور کسی نے چلنے کا بھی اضافہ کیا جیسے تبیین، فتح القدیر، منتقی اور ظہیریہ۔ پھر ک۔ ثیر نے چلنے کو مطلق رکھا اور زاہدی نے اسے کثیر سے مقید کیا (زیادہ چلنا کہا)۔ اور یہی اوجہ ہے جیسا کہ حلیہ میں اسے بطور توقع کہا اور بحر میں اس پر جزم کیا اس لئے کہ وہ قدم دو قدم چلنے سے نہ ہوگا۔ اور علامہ شامی نے علامہ مقدسی سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اس کے لئے چالیس قدم مقرر ہیں تو اس پر غور کرلیا جائے۔ اھ۔

ف: **مسئلہ:** جماع یا احتلام پر سونے، چلنے پھرنے یا پیشاب کرنے کے بعد جو اور منی بلاشہوت نکلے اس سے غسل نہ ہوگا اور چلنے کی بعض نے چالیس قدم تعداد بتائی، اور صحیح یہ ہونا چاہیئے کہ جب اتنا چل لیا جس سے اطمینان ہوگیا کہ پہلی منی کا بقیہ ہوتا تو نکل چکتا اس کے بعد بلاشہوت نکلی تو غسل نہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۸

اقول: ھذا ف۱ ماعین بعضھم فی الاستبراء وقال بعضھم یزید بعد اربعین سنۃ بکل سنۃ خطوۃ وھو کما تری ناش عن منزع حسن لکن المنی اثقل واسرع زوالا ویظھر لی ان یفوض ف۲ الی رأی المبتلی بہ کما ھو داب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ فی امثال المقام ای یعلم من نفسہ ان انقطع مادۃ الزائل بشھوۃ ولو کان لہ بقیۃ لخرج کیف وان الطبائع تختلف وھذا ماصححوہ فی الاستبراء کمافی الحلیۃ وغیرھا وقید ف۳ مسألۃ الخروج بعد البول فی عامۃ	**اقول:** یہ وہ ہے جو بعض حضرات نے استبراء میں مقرر کیا ہے (استبرا، پیشاب کے بعد بعض طریقوں سے اس بات کا اطمینان حاصل کرنا کہ اب قطرہ نہ آئے گا ۱۲م) اور بعض نے کہا چالیس سال کی عمر کے بعد ہر سال ایک قدم کا اضافہ کرے۔ یہ خیال جیسا کہ پیشِ نظر ہے ایک اچھی بنیاد سے پیدا ہوا ہے لیکن منی زیادہ ثقیل اور زائل ہونے میں زیادہ سریع ہوتی ہے۔ اور میرا خیال یہ ہے کہ اسے خود مبتلا کی رائے کے سپرد کیا جائے جیسا کہ اس طرح کے مقام میں ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہی دستور ہے، یعنی اسے خود اطمینان ہو جائے کہ شہوت سے جدا ہونے والی منی کا مادہ ختم ہوگیا اور اگر کچھ بقیہ ہوتا تو نکل آتا۔ یہ کیوں نہ رکھا جائے جب کہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اور استبرا میں بھی علماء نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ حلیہ وغیرہا میں ہے۔ پیشاب کے بعد منی نکلنے کے مسئلہ میں

ف۱: **مسئلہ:** پیشاب کے بعد مرد پر استبرا واجب ہے یعنی وہ افعال کرنا جس سے اطمینان ہو جائے کہ قطرات نکل چکے اب نہ آئیں گے مثلاً کھنکارنا یا ٹہلنا یا ران پر ران رکھ کر عضو کو دبانا وغیرہ ذلک اس میں ٹھہرنے کی مقدار بعض نے چالیس قدم رکھی بعض نے یہ کہ چالیس برس کی عمر تک اسی قدر اور زیادہ پر فی برس ایک قدم اور۔ اور صحیح یہ کہ جہاں تک میں اطمینان حاصل ہو خواہ چالیس ۴۰ سے کم یا زائد۔

ف۲: تطفل علی العلامۃ المقدسی و الشامی۔

ف۳: **مسئلہ:** وہ جو مسئلہ گزرا کہ پیشاب کے بعد منی اترے تو غسل نہیں اس میں یہ شرط ہے کہ اس وقت شہوت نہ ہو ورنہ یہ جدید انزال ہوگا۔

الکتب بأن لا یکون ذکرہ اذ ذاك منتشرا والا وجب الغسل قال المحقق فی الفتح بعد نقله عن الظھیریة ھذا بعد ماعرف من اشتراط وجود الشھوۃ فی الانزال فیه نظر [1] الخ وکتبت علیه مانصه فان مجرد الانتشار لایستلزم الشھوۃ الا تری ان الانتشار ربما یحصل باجتماع البول حتی للطفل وانه یبقی مدۃ صالحة بعد الانزال مع عدم الشھوۃ۔ **اقول:** والجواب ف ان المراد ھو الشھوۃ ووقع التعبیر باللازم مسامحة [2] اھ ماکتبت۔ قال المحقق بخلاف ماروی عن محمد فی مستیقظ وجد ماء ولم یتذکر احتلاما ان کان ذکرہ منتشرا قبل النوم لایجب والا فیجب لانه بناہ علی انه المنی عن شھوۃ لکن ذھب عن خاطرہ [3] اھ	عامہ کتب نے یہ شرط رکھی ہے کہ اس وقت ذکر منتشر نہ ہو ورنہ غسل واجب ہوگا۔اسے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ظہیریہ سے نقل کرنے کے بعد لکھا: یہ محلِ نظر ہے اس لئے کہ معلوم ہوچکا کہ انزال میں شہوت کا موجود ہونا شرط ہے الخ۔اس کے حاشیہ پر، میں نے یہ لکھا: کیوں کہ صرف انتشار، شہوت کو مستلزم نہیں۔ انتشار تو بارہا پیشاب اکٹھا ہونے سے بھی ہوجاتاہے یہاں تک کہ بچے کو بھی۔ اور انزال کے بعد بھی خاصی دیر تک باقی رہ جاتا ہے باوجودیکہ شہوت ختم ہوچکی۔ **میں کہتا ہوں** جواب یہ ہے کہ مراد شہوت ہی ہے اور تسامحًا لازم سے تعبیر ہوئی ہے اھ میرا حاشیہ ختم۔ آگے حضرت محقق لکھتے ہیں: بخلاف اس کے جو امام محمد سے مروی ہے کہ بیدار ہونے والا پانی دیکھے اور اسے احتلام یاد نہیں، اگر سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو غسل واجب نہیں، ورنہ واجب ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس حکم کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ اسے منی شہوت سے نکلی مگر اسے خیال نہ رہا۔اھ۔

ف: تطفل علی الفتح

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۳

[2] حاشیہ امام احمد رضا علی فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل قلمی فوٹو ص ۳

[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۳

اقول: لم یصل ف الی فهمه قاصر ذهنی فان محل الاستشهاد قوله ان کان ذکرہ منتشرا قبل النوم لایجب بناء علی ان المذی المرئی بعد التیقظ یحال علیه کمافی الخانیة وعامة الکتب ولفظ الامام قاضی خان لانه اذا کان منتشرا قبل النوم فما وجد من البلة بعد الانتباہ یکون من اثار ذلك الانتشار فلا یلزمه الغسل الا ان یکون اکبر رأیه انه منی[1] الخ ومعلوم ان المذی لایکون من اثار انتشار بغیر شهوة فکما اطلق محمد الانتشار واراد الشهوة وتبعه العامة علی ذلك فکذا فی قولهم هنا وجواب المحقق لایمسه فلیتامل۔ قال المحقق ومحمل الاول (ای مامر عن الظهیریة) انه وجد الشهوة یدل علیه تعلیله فی التجنیس بقوله لان فی الوجه الاول یعنی حالة	**اقول:** ان کے فہم تک میرے ذہن قاصر کی رسائی نہ ہوسکی، اس لئے کہ محلِ استشہاد یہ قول ہے کہ: "اگر سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو غسل واجب نہیں" اس بنیاد پر کہ بیدار ہونے کے بعد دیکھی جانے والی مذی اسی کے حوالہ کی جائے گی۔ جیسا کہ خانیہ اور عامہ کتب میں ہے۔ امام قاضی خاں کے الفاظ یہ ہیں: اس لئے کہ جب سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو بیدار ہونے کے بعد جو مذی پائی گئی اسی انتشار کے اثر سے ہوگی تو اس پر غسل واجب نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ منی ہے۔ الخ۔ اور معلوم ہے کہ مذی بغیر شہوت انتشار کے اثر سے نہیں ہوتی تو جس طرح امام محمد نے انتشار کہا اور شہوت مراد لی اور اس میں عامہ مصنفین نے ان کا اتباع کیا ویسے ہی ان حضرات کے قول میں یہاں ہے اور حضرت محقق کے جواب کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ تو اس میں تامل کی ضرورت ہے۔ آگے حضرت محقق نے فرمایا: **اول** (وہ جو ظہیریہ کے حوالہ سے گزرا) کا مطلب یہ ہے کہ اس نے شہوت پائی، اس کی دلیل یہ ہے کہ تجنیس میں اس کی تعلیل ان الفاظ

ف: تطفل اٰخر علیه۔

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الاغتسال، نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱ و ۲۲

الانتشار وجد الخروج والانفصال علی وجه الدفق والشهوة [1] اه وتبعه فی البحر قال الشامی بعد عزوه للبحر عبارة المحیط کما فی الحلیة رجل بال فخرج من ذکرہ منی ان کان منتشرا فعلیه الغسل لان ذلك دلالة خروجه عن شهوة [2] اه	میں پیش کی ہے :اس لئے کہ پہلی صورت۔ یعنی حالت انتشار۔ میں جست اور شہوت کے طور پر منی کا جدا ہونا اور نکلنا پایا گیا اھ۔ اور بحر میں اسی کا اتباع ہے۔ علامہ شامی نے بحر کا حوالہ پیش کرنے کے بعد لکھا: محیط کی عبارت، جیسا کہ حلیہ میں ہے، اس طرح ہے: ایک مرد نے پیشاب کیا پھر اس سے منی نکلی اگر ذکر منتشر تھا تو اس پر غسل ہے اس لئے کہ یہ منی کے شہوت سے نکلنے کی دلیل ہے اھ۔
اقول: وایاك ان تتوهم من تعقیبه کلام البحر به انه یرید به الاخذ علی البحر والفتح فی اشتراط وجد ان الشهوة لان المحیط یعنی الرضوی اذعنه نقل فی الحلیة جعل نفس الانتشار دلیل الشهوة و ذلك لان فیه نظرا ظاهرا لمن احاط بما قدمنا من الکلام وانما ملحظ الامام رضی الدین السرخسی فی هذا القول عندی والله تعالی اعلم الایمان الی جواب عن سؤال اختلج ببالی وهو ما **اقول:** ان الجنابة قضاء الشهوة	**اقول:** ہر گز وہم نہ ہو کہ عبارت بحر کے بعد یہ عبارت لاکر علامہ شامی بحر وفتح پر شہوت پائے جانے کی شرط لگانے کے معاملہ میں گرفت کرنا چاہتے ہیں کہ محیط۔ یعنی محیط رضوی، کیونکہ حلیہ میں اسی سے نقل کیا ہے۔نے تو خود انتشار ہی کو دلیل شہوت قرار دیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اس سے ان پر گرفت ماننے میں نظر ہے جو ہمارے کلام سابق سے آگاہی رکھنے والے پر ظاہر ہے۔ میرے نزدیک اس کلام سے امام رضی الدین سرخسی کا مطمح نظر۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ یہ سوال جو میرے دل میں آیا ہے اس طرح ہے: **اقول:** جنابت انزال سے قضائے شہوت کا

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۰۸

بالانزال کما فی الفتح والحلیة والبحر وشتان مابینه وبین مجرد مقارنة الشهوة لنزول منی فان الانزال الذی تقضی به الشهوة یعقب الفتور و زوال الشهوة ولامانع لان ینفصل منی من مقره بدون شهوة بعد ما بال ثم ینتعش الرجل قلیلا فینتشر فینزل هذا المنفصل بلاشهوة مع شهوة فلایورث فتورا ولا تکسرا فیکون قدخرج حین الشهوة ولم یکن جنابة لعدم قضاء الشهوة به فاومی الی الجواب وتقریره علی ما اقول انا لا ننکر ان المنی قدینفصل بدون شهوة ولا نقول ان الشهوة هو السبب المتعین له لکن المسبب لعدة اسباب اذا وجد و وجد معه سبب له فانما یحال علی هذا الموجود لایلتفت الی انه لعله حصل بسبب اخر کما قال الامام رضی الله تعالی عنه فی حیوان وجد فی البئر میتا ولا یدری متی

نام ہے۔ جیسا کہ فتح، حلیہ اور بحر میں ہے۔ انزال سے قضائے شہوت، اور انزال منی کے ساتھ شہوت کی صرف مقارنت ومعیت دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے کہ جس انزال سے قضائے شہوت کا وقوع ہوتا ہے اس کے بعد فتور اور زوالِ شہوت کا ظہور ہوتا ہے۔ اور یہ ہوسکتا ہے کہ پیشاب کے بعد کوئی منی اپنے مستقر سے بلا شہوت جدا ہو پھر آدمی میں کچھ نشاط پیدا ہو تو انتشار ہو جائے پھر یہ بلا شہوت جدا ہونے والی منی شہوت کے ساتھ ساتھ، اتر آئے اور اس سے نہ کوئی فتور پیدا ہو نہ کوئی شکستگی آئے تو ہوگا یہ کہ منی حالتِ شہوت میں باہر آئی ہے اور جنابت نہیں کیونکہ اس سے قضائے شہوت واقع نہیں۔ تو صاحبِ محیط نے اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور تقریر جواب اس طرح ہوگی، اقول ہمیں اس سے انکار نہیں کہ منی کبھی بغیر شہوت کے بھی جدا ہوتی ہے اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں کہ شہوت ہی اس کا سبب معین ہے۔ لیکن جوامر کئی اسباب کا مسبّب ہے جب اس کا وجود ہو اور اس کے ساتھ اس کا کوئی ایک سبب بھی موجود ہو تو اسے اسی سبب موجود کے حوالہ کیا جائے گا اور اس طرف التفات نہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے وہ کسی اور سبب سے وجود میں آیا ہو۔ جیسا کہ حضرت امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس حیوان سے متعلق ارشاد ہے جو کنویں میں مردہ ملا اور پتہ نہیں

وقع یحال موته علی الماء ولا یقال لعله مات بسبب اخر والقی فیه میتا فاذا نزل عند الشهوة کان ذالك دلالة خروجه عن شهوة فاوجب الغسل اما حدیث تعقیب الفتورفانما ذلك فی کمال الانزال الاتری کیف اوجب الشارع الغسل بمجرد ایلاج حشفة نظرا الی کونه مظنة الانزال مع انه لایعقبه الفتور بل ربما یزید الانتشار هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام والله تعالٰی ولی الانعام۔

العاشر: [ف۱] فی تعریف الجنابة قد علمت ما افاده الفتح وتبعه الحلبی والبحر۔

اقول: وظهر [ف۲] لك مماقررنا ان مایعطیه ظاهره غیر مراد والاولی انهاالانزال عن شهوة ثم [ف۳] الحق انه تعریف بالسبب

اس میں کب واقع ہوا تواس کی موت کوآب ہی کے حوالہ کیا جائے گااور یہ نہ کہا جائے گا کہ ہوسکتا ہے وہ کسی اور سبب سے مراہو، اور مرا ہوا اس میں ڈال دیاگیاہو۔ تو جب وقت شہوت انزال ہواتو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس منی کانکلنا شہوت ہی سے ہے اس لئے غسل واجب ہوا۔ رہی اس کے بعد سستی اور فتور آنے کی بات تو وہ کمال انزال میں ہے شریعت نے محض ادخالِ حشفہ سے غسل کیسے واجب کیا؟ اسی پر نظر کرتے ہوئے کہ یہ مظنّہ انزال ہے باوجودیکہ اس کے بعد کسل و فتور نہیں ہوتابلکہ بارہا انتشار میں اضافہ ہوجاتاہے۔ اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہئے۔ اور خدائے برتر ہی مالک فضل واحسان ہے۔

دسویں تنبیہ: تعریف جنابت سے متعلق۔ اس بارے میں ابھی وہ معلوم ہواجو صاحب فتح نے افادہ کیااور حلبی وبحر نے جس میں ان کااتباع کیا۔

اقول: تم پر ہماری تقریر سے واضح ہوگیا ہوگا کہ ان کاظاہر کلام جو معنی ادا کررہا ہے وہ مراد نہیں۔ اور بہتر یہ کہنا ہے کہ جنابت شہوت سے انزال کانام ہے۔ پھر حق یہ

ف۱: بحث تعریف الجنابة۔

ف۲: تطفل علی الفتح والحلیة والبحر۔

ف۳: تطفل اٰخر علیها۔

ويستفاد من نهاية ابن الاثير انهاوجوب الغسل بجماع اوخروج منی۔

اقول: واطلق عن قيد الشهوة بناء علی مذهبه الشافعی ثم هذا [ف۱] تعريف بالحكم وحق الحد لها ما **اقول:** انهاوصف حكمی اعتبره الشرع قائما بالمكلف مانعاله عن تلاوة القرآن اذا خرج منه ولوحكمامنی نزل عنه بشهوة فقولی ولو حكما لادخال ادخال الحشفة بشروطه وقولی نزل عنه بشهوة لاخراج اخراج المرأة [ف۲] منی زوجها من فرجهافانما لاتجنب به وان اجنبت بالايلاج بل قديخرج منيه منها ولاتجنب اصلاكما اذا اولج نصف حشفة فامنی فدخل المنی فرجها فخرج ولم اقل الی غاية

ہے کہ یہ سبب کے ذریعہ تعریف ہے (یعنی انزال سبب جنابت ہے خود جنابت نہیں ۱۲م) اور نہایہ ابنِ اثیر سے یہ تعریف مستفاد ہوتی ہے: جنابت جماع یا خروج منی سے وجوبِ غسل کا نام ہے۔

اقول: اس میں انہوں نے اپنے مذہب شافعی کی بناء پر شہوت کی قید نہ لگائی۔ پھر یہ حکم کے ذریعہ تعریف ہے (یعنی وجوبِ غسل حکم جنابت ہے خود جنابت نہیں ۱۲م) اور اس کی کماحقّہ تعریف یہ ہے: **اقول:** جنابت ایک حکمی وصف ہے جسے شریعت نے مکلّف کے ساتھ قائم، اس کے لئے تلاوتِ قرآن سے مانع مانا ہے جب کہ اس سے اس منی کا خروج ہو جو اس سے شہوت کے ساتھ اُتری، اگرچہ یہ خروج حکما ہی ہو۔ "اگرچہ حکماً" میں نے اس لئے کہا کہ ادخالِ حشفہ کی صورت بھی اس کی مقررہ شرطوں کے ساتھ، اس تعریف میں داخل ہوجائے۔ اور میں نے کہا "اس سے شہوت کے ساتھ اتری" تاکہ وہ صورت اس تعریف سے خارج ہو جائے جب عورت کی شرم گاہ سے زوج کی منی باہر آئے، کیوں کہ عورت کے لئے اس سے جنابت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ ادخال سے وہ جنابت والی ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہوگا کہ زوج کی منی

ف۱: تطفل علی ابن کثیر۔

ف۲: **مسئلہ:** زوج کی منی اگر عورت کی فرج سے نکلے تو اس پر وضو واجب ہوگا اس کے سبب غسل نہ ہوگا۔

استعمال المزیل کما قال الفتح والبحر وغیرھما فی حد الحدث اذلافـ حاجة الیه فان زوال المنع بزوال المانع مما لاحاجة الی التنبیه علیه فضلا عن الاحتیاج الی اخذہ فی الحد فافهم۔	عورت سے نکلے اور عورت جنابت زدہ بالکل نہ ہو مثلاً اس نے نصف حشفہ داخل کیا پھر باہر اس سے منی نکلی جو عورت کی شرم گاہ میں چلی گئی پھر باہر آئی۔اور میں نے "الی غایة استعمال المزیل"نہ کہا جیسا کہ فتح وبحر وغیرہما میں حدث کی تعریف میں کہا ہے(یعنی یہ کہ شریعت نے اس وصف کومانع قرار دیاہے جب تک کہ مکلّف اس وصف کو"زائل کرنے والی چیز استعمال نہ کرلے"مثلاً غسل یا تیمّم جنابت نہ کرلے ۱۲م)اس لئے کہ یہ کہنے کی کوئی ضرورت نہیں کیوں کہ مانع ختم ہوجانے سے ممانعت کا ختم ہوجانا خود ہی ظاہر ہے اس پر تو تنبیہ کی حاجت نہیں، کسی تعریف میں اسے داخل کرنے کی حاجت کیا ہوگی؟۔اسے سمجھ لو۔
واقتصرت مما یمنع بها علی التلاوة لعدم الحاجة الی استیعاب الممنوعات فی التعریف وانما ذلك عند تعریف الاحکام۔	جنابت کی وجہ سے شرعاً جو چیزیں ممنوع ہوجاتی ہیں ان میں صرف تلاوت کے ذکر پر میں نے اکتفا کی،اس لئے کہ تعریف کے اندر ممنوعات کا احاطہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔یہ ضرورت تو احکام بتانے کے وقت ہے(کہا جاسکتاہے کہ مانع تلاوت ہونے کا ذکر کرنے کی بھی کیا حاجت؟اس کے جواب میں کہا ۱۲م):
اقول: والحاجة الی ذکرہ اخراج نجاسة المنی الحقیقیة وحکم البلوغ باول انزال الصبی واخترت القراٰن	**اقول:**اس کے ذکر کی حاجت یہ ہے کہ منی کی نجاستِ حقیقیہ تعریف سے خارج ہوجائے،اور بچّے کے پہلی بار انزال سے ہی اس کے لئے بلوغ کا حکم ہوناثابت ہوجائے۔اور میں نے مانع نماز

فـــ:تطفل علی الفتح والبحر وغیرھما۔

علی قربان الصلاۃ لان المنع منہالایختص بالحدث الاکبر ولم اقل قائما بظاھر بدن المکلف کی یصح الحمل علی کلامعنیی الحدث مایتجزی منہ وھی النجاسۃ الحکمیۃ القائمۃ بسطوح الاعضاء الظاھرۃ ومالا وھوتلبس المکلف بھا کمابینتہ فی الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل ولوقلتہ لاختص بالاول۔	ہونے کے بجائے مانع تلاوت ہونااختیار کیا اس لئے کہ نماز سے ممانعت حدثِ اکبر کے ساتھ خاص نہیں۔ میں نے (قائم بمکلف کہا) "مکلّف کے ظاہر بدن کے ساتھ قائم" نہ کہاتاکہ حدث کے دونوں معنوں پر محمول کرنا صحیح ہو سکے۔ حدث کاایک معنٰی تو وہ ہے جس کی تجزّی اورانقسام ہو سکتاہے۔ یہ وہ نجاست حکمیہ ہے جوظاہری اعضا کی سطحوں سے لگی ہوئی ہے (اس کی تجزی مثلًا یوں ہو سکتی ہے کہ بعض اعضا دھولئے ان سے نجاست حکمیہ دور ہو گئی اور بعض دیگر پر باقی رہ گئی ۱۲م) اور ایک معنی وہ ہے جس کی تجزی نہیں ہو سکتی۔ وہ ہے مکلّف کااس نجاست حکمیہ سے متلبس ہونا (بعض اعضاکے دھلنے سے مکلّف کی ناپاکی کاحکم ختم نہیں ہوگاجب تک کہ مکمل طورپر تطہیر نہ ہوجائے۔ سب دھونے کے بعد ہی وہ پاک کہلائے گااسی طرح تیمّم کی صورت میں ۱۲م) جیساکہ میں نے اسے "الطرس المعدل فی حدالماء المستعمل" میں بیان کیاہے۔ اگر میں "قائم بظاہرِ بدن مکلّف: کہہ دیتا تو یہ تعریف صرف معنی اول کے ساتھ خاص ہو جاتی۔
اقول: وبہ ظھران فی حد الحدث المذکور فی الحلیۃ انہ الوصف الحکمی الذی اعتبر الشارع قیامہ بالاعضاء مسبباعن الجنابۃ والحیض والنفاس والبول والغائط وغیرھما	**اقول:** اسی سے ظاہر ہوا کہ حدث کی درج ذیل تعریف جو صاحبِ حلیہ نے کی ہے اس میں کھلا ہوا تسامح ہے وہ لکھتے ہیں: "حدث وہ وصف حکمی ہے شارع نے "اعضاکے ساتھ جس کے قائم" ہونے کو جنابت، حیض، نفاس، پیشاب، پاخانہ اوران دونوں کے علاوہ نواقض وضوکامسبّب

من نواقض الوضوء ومنع من قربان الصّلاۃ ومافی معناھا معہ حال قیامہ بمن قام بہ الی غایۃ استعمال مایعتبرہ زائلا بہ [1] اھ

تسامحا ف۱ ظاھرا فی جعل الحدث مسببا عن الجنابۃ بل ھی نفسھا احد الحدثین فان وجہ بان الحد للحدث بمعنی التلبس والمراد بالجنابۃ تلک النجاسۃ الحکمیۃ ولا بعد ان یقال ان تلبسہ بھا مسبب عن وجودھا۔

قلت: یدفعہ قولہ رحمہ اللہ تعالٰی قیامہ بالاعضاء فالقائم بھا ھی النجاسۃ الحکمیۃ دون تلبس المکلف بھا فلا محیدالا ان یرتکب المجاز فی الحدفیرادبھا المنی النازل عن شھوۃ۔

ثم اقول: خلل ف۲ اخرفی مانعتیہ فان الواوات فی قولہ والحیض والنفاس الخ بمعنی اوفیشمل

مانا ہے۔اور اس وصف کے ساتھ نماز اور ان چیزوں کے قریب جانے سے روکا ہے جو نماز کے معنی میں ہیں اس حالت میں کہ یہ وصف جس کے ساتھ لگا ہے اس سے لگا ہوا ہو یہاں تک کہ وہ چیز استعمال کرے جس سے شارع اس وصف کو زائل مانے"۔اھ۔

تسامح اس طرح کہ حدث کو جنابت کا مسبّب قرار دیا ہے حالاں کہ خود جنابت ایک حدث ہے۔حدثِ اکبر۔اب اگر یہ توجیہ کی جائے کہ یہ تعریف حدث بمعنی تلبّس کی ہے اور جنابت سے مراد وہ نجاست حکمیہ ہے (جو اعضاء میں لگی ہوئی ہے ۱۲م) اور بعید نہیں کہ یہ کہا جائے کہ جنابت سے مکلّف کا تلبّس اُس نجاست حکمیہ کے موجود ہونے کا مسبّب ہے۔

میں کہوں گا یہ توجیہ صاحبِ حلیہ کے الفاظ "اعضاء کے ساتھ قائم" سے رد ہو جاتی ہے، کیوں کہ اعضاء کے ساتھ قائم تو وہی نجاست حکمیہ ہے، مکلّف کا اس سے تلبّس اعضاء کے ساتھ قائم نہیں۔ تو اس سے مفر نہیں کہ تعریف میں مجاز کا ارتکاب مانا جائے اور جنابت سے مراد وہ منی لی جائے جو شہوت سے اُتری ہو۔

ثم اقول: اس تعریف کے مانع ہونے میں ایک اور خلل ہے۔ وہ اس طرح کہ ان کی عبارت "**والحیض والنفاس الخ**" میں واؤ بمعنی

ف۱: تطفل علی الحلیۃ۔ ف۲: تطفل آخر علیھا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

التعريف الوصف الحكمى الذى يقوم بالاعضاء عند تلوثها بنجاسات الحيض وما بعده الحقيقة فانها ايضا تمنع من قربان الصّلاة الخ وكونها نجاسات حقيقة لاينافى كون الوصف الذى يحصل للاعضاء بها حكميا كما حققه المحقق حيث اطلق اذيقول فى الفتح من بحث الماء المستعمل معنى الحقيقة ليس الا كون النجاسة موصوفا بها جسم محسوس مستقل بنفسه عن المكلف وليس التحقق لنا من معناها سوى انها اعتبار شرعى منع الشارع من قربان الصلاة والسجود حال قيامه لمن قام به الى غاية استعمال الماء فيه فاذا استعمله قطع ذلك الاعتبار كل ذلك ابتلاء للطاعة فاما ان هناك وصفا حقيقيا عقليا اومحسوسا فلا ومن ادعاه لا يقدر فى اثباته على غيرالدعوى فلا يقبل ويدل على انه اعتبار اختلافه باختلاف الشرائع الا ترى ان الخمر محكوم بنجاسة فى شريعتنا و بطهارته فى غيرها

اَوْ (یا) ہے تو یہ تعریف اس وصف حکمی کو بھی شامل ہوگی جو حیض اور اسکے بعد ذکر شدہ چیزوں کی نجاست حقیقیہ سے اعضاء کے آلودہ ہونے کے وقت اعضاء کے ساتھ قائم ہو۔ اس لئے کہ یہ بھی نماز وغیرہ کے قریب جانے سے مانع ہے۔ اور ان کا نجاست حقیقیہ ہونا اس کے منافی نہیں کہ ان سے اعضاء کو حاصل ہونے والا وصف، حکمی ہو۔ جیساکہ محقق علی الاطلاق نے اس کی تحقیق فرمائی ہے، وہ فتح القدیر بحث مائے مستعمل میں لکھتے ہیں: حقیقیہ کا معنی صرف اس قدر ہے کہ مکلّف سے جُدا ایک مستقل محسوس جسم اس نجاست سے متصف ہے اور ہمارے لئے اس کا معنی بس اتنا ہی محقق ہے کہ یہ ایک اعتبار شرعی ہے کہ جس کے ساتھ وہ قائم ہے اس سے قائم ہوتے ہوئے شارع نے اسے نماز و سجدہ کے قریب جانے سے روکا ہے یہاں تک کہ اس میں پانی کا استعمال کرے، جب پانی استعمال کرلے گا تو وہ اعتبار ختم ہوجائے گا۔ یہ سب اطاعت کی آزمائش کے لئے ہے۔ لیکن یہ کہ وہاں کوئی عقلی یا محسوس وصف حقیقی ہے تو ایسا نہیں۔ جو اس کا مدعی ہو وہ اس کے ثبوت میں دعوی سے زیادہ کچھ پیش نہیں کرسکتا۔ اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں۔ اور اعتبار ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شریعتوں کے مختلف ہونے سے یہ مختلف ہوتا رہا ہے۔ دیکھئے ہماری شریعت میں شراب کی نجاست کا حکم ہے اور

فعلم انها لیست سوی اعتبار شرعی الزم معه کذاالی غایة کذا ابتلاء [1] اھولا عطر بعد عروس۔	دوسری شریعت میں اس کی طہارت کا حکم رہا ہے تو معلوم ہوا کہ یہ نجاست صرف ایک اعتبار شرعی ہے جس کے ساتھ شریعت نے آزمائش کے لئے فلاں چیز فلاں حدتک لازم فرمائی ہے اھ۔ ولاعطر بعد عروس۔(اس صاف تصریح کے بعد مزید توضیح واثبات کی حاجت ہی نہیں ۱۲)۔
الحادی عشر: عدم وجوب الغسل بمنی خرج بعدالبول ونحوہ من دون الشهوة وقع تعلیله فی مصفی الامام النسفی رحمه الله تعالی بانه مذی ولیس بمنی لان البول والنوم والمشی یقطع مادة الشهوة [2] اھ نقله فی البحر واقر۔	**گیارھویں تنبیہ**: پیشاب وغیرہ کے بعد بلاشہوت نکلنے والی منی غسل واجب نہ ہونے کی تعلیل امام نسفی رحمہ اللہ تعالٰی کی مصفّٰی میں یہ واقع ہوئی کہ وہ مذی ہے، منی نہیں ہے۔اس لئے کہ پیشاب، نیند،اور چلنا مادہ شہوت قطع کردیتا ہے اھ۔اسے بحر میں نقل کرکے برقرار رکھا۔
اقول: وفیه نظر ف۱ ظاهر فان صورة المنی لاتکون قط للمذی وفی قوله رحمه الله تعالی انها تقطع مادة الشهوة تسامح ف۲ واضح وانما تقطع مادة المنی المنفصل فیؤمن بها ان یکون الخارج بعدها بقیة منی کان نزل بشهوة وهذا هو الصحیح فی تعلیل المسألة کما افاده فی التبیین	**اقول**: یہ واضح طور پر محلِ نظر ہے۔اس لئے کہ منی کی صورت،مذی کے لئے کبھی نہیں ہوتی۔اور امام موصوف رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام "یہ سب مادہ شہوت کو قطع کردیتے ہیں" میں کھلا ہوا تسامح ہے۔یہ چیزیں صرف جدا ہونے والی منی کا مادہ منقطع کردیتی ہیں تو ان کے باعث اس بات سے اطمینان ہوجاتا ہے کہ ان کے بعد نکلنے والی چیز اس منی کا بقیہ حصہ ہو جو شہوت کے ساتھ اُتری تھی۔اور یہی مسئلہ کی صحیح تعلیل ہے جیسا کہ تبیین وغیرہ

ف۱:تطفل علی المصفی والبحر۔

ف۲:تطفل آخر علیهما۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

[2] البحرالرائق بحوالہ المصفی، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۵

وغیرہ فان لیس خروج کل منی مجنبا بل منی نزل عن شھوۃ وقد انقطع مادتہ بھا فالخارج الان منیا منی قطعا لکن غیر نازل عن شھوۃ فلایوجب الغسل خلافا للامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

فان قلت الیس افاد فی الفتح ان مانزل عن غیر شھوۃ لایکون منیا قال رحمہ اللہ تعالٰی کون المنی عن غیر شھوۃ ممنوع فان عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا اخذت فی تفسیرھا ایاہ الشھوۃ قال ابن المنذر حدثنا محمد بن یحیی حدثنا ابو حنیفۃ حدثنا عکرمۃ عن عبدربہ بن موسٰی عن امہ انھا سألت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا عن المذی فقالت ان کل فحل یمذی وانہ المذی والودی والمنی فاماالمذی فالرجل یلاعب امراتہ فیظھر علی ذکرہ الشیئ فیغسل ذکرہ وانثییہ ویتوضأولا یغتسل واماالودی فانہ یکون بعد البول یغسل ذکرہ وانثییہ

میں اس کا افادہ کیا ہے۔اس لئے کہ ہر منی کا نکلنا جنابت لانے والا نہیں، بلکہ صرف وہ منی سببِ جنابت ہوتی ہے جو شہوت سے اتری ہو اور مذکورہ چیزوں سے اس کا مادہ منقطع ہوگیا۔ تو اس وقت منی کی صورت میں نکلنے والی چیز قطعًا منی ہی ہے لیکن وہ شہوت سے اترنے والی نہیں اس لئے موجبِ غسل نہیں بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیا فتح القدیر میں افادہ نہیں فرمایا ہے جو بلا شہوت نکلے وہ منی نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: منی کا بغیر شہوت ہونا تسلیم نہیں۔اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس کی جو تفسیر کی ہے اس میں شہوت کو لیا ہے۔ ابن المنذر نے کہا ہم سے محمد بن یحیٰی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے ابو حنیفہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے عکرمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے عبداللہ بن موسٰی سے ، انہوں نے اپنی ماں سے روایت کی، کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مذی کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا ہر نر کو مذی آتی ہے۔اور مذی، ودی، منی تین چیزیں ہیں۔مذی یہ کہ مرد اپنی بیوی سے ملاعبت کرتا ہے تو اس کے ذکر پر کچھ ظاہر ہوجاتا ہے۔ وہ اپنے ذکر اور انثیین کو دھوئے اور وضو کرے، اسے غسل نہیں کرنا ہے۔ اور ودی پیشاب کے بعد آتی ہے۔ ذکر اور انثیین کو دھوئے گا

ویتوضأولایغتسل واماالمنی فانه الماء الاعظم الذی منه الشھوۃ وفیه الغسل و روی عبدالرزاق فی مصنفه عن قتادۃ وعکرمۃ نحوہ فلایتصورمنی الامن خروجه بشھوۃ والافیفسد الضابط الذی وضعته لتمییز المیاہ لتعطی احکامھا[1] اھ	اور وضو کرے گا، غسل نہیں کرنا ہے۔ لیکن منی تو وہ آب اعظم ہے جس سے شہوت ہوتی ہے اور اسی میں غسل ہے۔ اور عبدالرزاق نے اپنی مصنّف میں حضرت قتادہ سے انہوں نے عکرمہ سے اسی کے ہم معنی روایت کی ہے۔اور شہوت کے ساتھ نکلے بغیر منی ہونا متصور نہیں۔ ورنہ وہ ضابطہ ہی فاسد ہوجائے گاجو ام المومنین نے احکام بتانے کے لئے پانیوں کے باہمی امتیاز کے لے وضع کیا۔اھ۔
قلت علی تسلیمه ایضا لایصح جعله مذیا بل ان کان فلخروجه بعد البول ودیا۔	**قلتُ** (میں جواب دوں گا) اس کلام محقق کو اگر تسلیم کرلیاجائے تو بھی اسے (پیشاب وغیرہ کے بعد نکلنے والی منی کو)مذی قرار دینا درست نہیں۔ بلکہ اگر وہ ہو سکتی ہے تو پیشاب کے بعد نکلنے کی وجہ سے ودی ہو سکتی ہے۔
علا ان ما افادالمحقق شیئ تفردبه لااظن احداسبقه الیه اوتبعه علیه وقول التبیین قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذاحذفت الماء فاغتسل وان لم تکن حاذفا فلا تغتسل فاعتبر الحذف وھو لایکون الا بالشھوۃ[2] اھ	علاوہ ازیں حضرت محقق نے جو افادہ کیا اس میں وہ متفرد ہیں۔ میرے خیال میں ان سے پہلے کسی نے یہ بات نہ کہی اور نہ ان کے بعد اس میں کسی نے ان کی پیروی کی۔اور تبیین کی یہ عبارت کلامِ فتح کی طرح نہیں، تبیین میں ہے: حضور اقدس نے فرمایا جب تو پانی پھینکے تو غسل کر،اور اگر پھینکنے والانہ ہو تو غسل نہ کر۔ تو حضور نے پھینکنے کا اعتبار فرمایا اور یہ شہوت ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔اھ۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵۳/۱ و ۵۴

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶۵/۱

ليس كمثله لمن تأمل ففي الحذف الدفق ولا يكون الا بشهوة بخلاف نفس خروج المنى كيف [ف۱] وقد نطقت الكتب عن اخرها متونها و شروحها وفتاؤها بتقييد المنى الذى يوجب الغسل بكونه ذاشهوة وان هذاالقيداحترازى وان المنى [ف۲] اذا خرج من ضربة اوسقطة اوحمل ثقيل من دون شهوة لايوجب الغسل۔	یہ عبارت ویسی اس لئے نہیں کہ حذف (پھینکنے) میں دفق (جست کرنا) ہوتاہے اور وہ شہوت ہی سے ہوتاہے، نفس خروج منی میں ایسا نہیں۔اور یہ کیسے ہوسکتاہے جب کہ متون ، شروح، فتاوٰی تمام ترکتابوں میں غسل واجب کرنے والی منی کے ساتھ شہوت والی ہونے کی قید لگی ہوئی ہے۔اور یہ احترازی ہے اور یہ بھی ہے کہ جب ضرب سے یا گرنے سے وزنی چیز اٹھانے سے بلاشہوت منی نکل آئے تواس سے غسل واجب نہیں ہوتا۔
اما احتجاجه بقول ام المؤمنين رضى الله تعالى عنها ۔	رہا حضرت محقق کا کلام ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے استدلال اس پر چند کلام ہے۔
فاقول: فيه [ف۳] اولا ان امنا انماتريد تعريف المياه بخواص لها اغلبية والتعريف بالخاص سائغ شائع لاسيما فى الصدر الاول	**اقول:** اول ہماری ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا ان پانیوں کی تعریف ان کے اکثری خواص سے کرناچاہتی ہیں اور خاص سے تعریف روا اور عام ہے خصوصًا زمانہ اولی میں۔
وثانيا ماذا يراد [ف۴] بالضابط االصدق الكلى من جانب المياه اوالخواص اوالجانبين والكل منقوض ۔	**ثانی** ضابطہ سے کیامراد ہے؟۔ پانیوں کی جانب سے صدق کلی، یا خواص کی جانب سے، یا دونوں جانب سے ؟ کوئی بھی درست نہیں۔
اما الاول فمع عدم وفائه بالمقصودلان لزوم المنوية للشهوة	اول اس لئے کہ ایک تواس سے مقصد حاصل نہیں کیوں کہ اگر شہوت کو منی ہونالازم بھی ہو

ف۱:تطفل علی الفتح۔

ف۲:**مسئلہ:** چوٹ لگنے یا گرنے بوجھ اٹھانے سے منی بے شہوت نکل جائے توغسل نہ ہوگا صرف وضوآئے گا۔

ف۳:تطفل آخر علی الفتح۔

ف۴:تطفل ثالث علیہ۔

لایستلزم لزوم الشھوۃ للمنویۃ وانما الکلام فیہ لایصح فی نفسہ لان الرجل قد یمنی بالملاعبۃ فیکون ھذا الانزال مذیا ولا یوجب الغسل وقد یمنی بشھوۃ عقیب البول کما تقدم عن المحقق فیکون ھذا الامناء ودیا ولا غسل وکلاھما خلاف للاجماع۔	تو یہ اسے مستلزم نہیں کہ منی ہونے کو شہوت بھی لازم ہو، اور کلام اسی میں ہے۔ دوسرے یہ کہ خود بھی صحیح نہیں (کہ جب بھی شہوت ہو تو منی بھی ہو) اس لئے کہ مرد کو کبھی ملاعبت سے منی آتی ہے تو یہ انزال مذی ہو جاتا ہے اور غسل واجب نہیں کرتا۔ اور کبھی اسے پیشاب کے بعد شہوت کے ساتھ منی آتی ہے۔ جیسا کہ حضرت محقق سے نقل ہوا۔ تو یہ اِمنا (منی آنا) ودی قرار پاتا ہے اور غسل نہیں ہوتا۔ اور دونوں ہی خلافِ اجماع ہیں (کیوں کہ شہوت کے ساتھ انزال اور اِمنا قطعًا موجب غسل ہے)
واما الثانی فلان الانتشار بنظر اوفکر من دون ملاعبۃ ربما یورث الامذاء لاسیما اذا کان الرجل مذاء وھل لایمذی الاعزب ابدا اذلا مرأۃ یلاعبھا مع انھا قالت کل فحل یمذی فاذا لم یفسد الضابط بالتخلف فی المذی لایفسد ایضا فی المنی۔	**دوم** اس لئے کہ بغیر ملاعبت کے نظر یا فکر سے بھی انتشارِ آلہ سے بعض اوقات مذی آتی ہے خصوصًا جب مرد زیادہ مذی والا ہو۔ اور کیا بیوی نہ رکھنے والے کو کبھی مذی نہیں آتی اس لئے کہ کوئی عورت نہیں جس سے وہ ملاعبت کرے باوجودیکہ انہوں نے فرمایا ہر نر کو مذی آتی ہے۔ تو جب مذی کے بارے میں تخلّف سے ضابطہ فاسد نہیں ہوتا تو منی میں تخلّف سے بھی فاسد نہ ہوگا۔
وثالثا وھو ؎ الطراز المعلم والحل المحکم ان ام المؤمنین رضی اللہ تعالی عنھا لم تقل ھو الماء الاعظم الذی من الشھوۃ لیلزم ان لا یخرج منی الا بشھوۃ وانما قالت منہ	**ثالث** اور یہی نشان زدہ نقش ونگار اور محکم حل ہے۔ امّ المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ "یہ وہ آب اعظم ہے جو شہوت سے ہوتا ہے" کہ یہ لازم آسکے کہ کوئی منی بغیر شہوت کے نہیں نکلتی۔ انہوں نے تو فرمایا ہے: منہ

؎ : تطفل رابع علیہ۔

الشھوۃ فانما یلزم ان لزم ان لکل منی دخلافی ایراث الشھوۃ وما یورث الشھوۃ لایلزم ان لایخرج الابھافقد یعتریه عارض یزیله عن مکانه بدون شھوۃ ولا شك ان تخلق المنی فی البدن ھو الذی یولد الشھوۃ لتوجه الطبع الی دفع تلك الفضلة فالمنی وان خرج لعارض بغیر شھوۃ لایخرج من انه الماء الذی یولد الشھوۃ لایبعد ان ویکون لك جزء منه دخل فیما لان کله فضله ومن المعلوم انه کلما ازدادالمنی تزدادالشھوۃ۔ فقول ام المؤمنین لایمس ماراد المحقق ولکن لاغروفلکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ وابی الله الصحة کلیة الالکلامه وکلام صاحب النبوۃ صلوات الله تعالٰی وسلامه علیه وعلٰی اٰله وصحبه اولی الفتوۃ ونسأل المولی سبحنه وتعالٰی عافیته وعفوہ۔	الشھوۃ" اس سے شہوت ہوتی ہے۔ اس سے اگر لازم آئے گا تو یہی لازم آئے گا کہ ہر منی کو شہوت پیدا کرنے میں کچھ دخل ہوتا ہے۔ اور جو چیز شہوت کو پیدا کرنے والی ہو ضروری نہیں کہ شہوت کے ساتھ ہی نکلے۔ ایسا بھی عارض درپیش ہوگا جو اسے اس کی جگہ سے بغیر شہوت کے ہٹادے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بدن میں منی کا پیدا ہونا ہی شہوت کی تولید کرتا ہے کیوں کہ طبیعت اس فضلہ کو دفع کرنے کی جانب متوجہ ہوتی ہے۔ تو منی اگرچہ کسی عارض کے باعث بلا شہوت نکلی ہو مگر اس سے باہر نہ ہوگی کہ یہ وہ پانی ہے جو شہوت پیدا کرتا ہے۔ اور بعید نہیں کہ اس کے ہر جُز کو شہوت میں کچھ دخل ہو اس لئے کہ ہر جُز فضلہ ہی ہے۔ اور معلوم ہے کہ جب منی زیادہ ہوتی ہے شہوت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ توام المومنین کے ارشاد کو حضرت محقق کی مراد سے کوئی مس نہیں۔ مگر تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ (عرب نے کہا ہے) ہر اسپ خوش رفتار ٹھوکر بھی کھاتا ہے، اور ہر شمشیر براں ناموافق بھی ہوجاتی ہے، اور خدا کو اپنے کلام اور اپنے نبی کے کلام کے سوا کسی اور کلام کی بالکلیہ صحت منظور نہیں۔ خدائے برتر کا درود وسلام ہو حضرت نبی اور ان کے جوانمرد آل واصحاب پر۔ اور ہم مولائے پاک وبرتر سے اس کی عافیت وعفو کے طالب ہیں۔

الثانی عشر المرأة ف کالرجل فی الاحتلام نص علیه محمد کمافی مختصر الامام الحاکم الشهید فان احتلمت ولم تر بللا لاغسل علیها هو المذهب کما فی البحروالدر وبه یؤخذ قاله شمس الائمة الحلوانی وهوالصحیح قاله فی الخلاصة وعلیه الفتوی قاله فی معراج الدرایة والبحر والمجتبی والحلیة والهندیة وبه افتی الفقیه ابوجعفر واعتمده فقیه النفس فی الخانیة فلا تعویل علی ماروی عن محمد انها یجب علیهاالغسل احتیاطا وهذه غیر روایة الاصول عنه فان محمدا نص فی الاصل ان المرأة اذا احتلمت لایجب علیها الغسل حتی تری مثل مایری الرجل کمافی الحلیة[1] عن الذخیرة۔	**بارھویں تنبیہ**: احتلام کے معاملے میں عورت بھی مرد ہی کی طرح ہے۔ امام محمد نے اس کی تصریح فرمائی ہے، جیسا کہ امام حاکم شہید کی مختصر میں ہے۔ تو اگر عورت کو احتلام ہو اور تری نہ دیکھے تو اس پر غسل نہیں۔ یہی مذہب ہے۔ جیسا کہ البحر الرائق ودر مختار میں ہے۔ اور اسی کو لیا جائے گا، یہ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا۔ یہی صحیح ہے۔ یہ خلاصہ میں فرمایا۔ اسی پر فتوی ہے۔ یہ معراج الدرایہ، البحر الرائق، مجتبی، حلیہ اور ہندیہ میں کہا۔ اور اسی پر فقیہ ابو جعفر نے فتوی دیا۔ اسی پر فقیہ النفس نے خانیہ میں اعتماد فرمایا۔ تو اس پر اعتماد نہیں جو امام محمد سے ایک روایت ہے کہ اس عورت پر احتیاطًا غسل واجب ہے۔ یہ روایت امام محمد سے روایت اصول کے علاوہ ہے۔ اس لئے کہ امام محمد نے مبسوط میں نص فرمایا ہے کہ عورت کو جب احتلام ہو تو اس پر غسل واجب نہیں یہاں تک کہ اسی کے مثل دیکھے جو مرد دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حلیہ میں ذخیرہ سے نقل ہے۔

ف۱: مسئلہ: عورت کو اگر احتلام یاد ہو اور جاگ کر تری نہ پائے تو مرد کی طرح اس پر بھی غسل نہیں اور اسی پر فتوی، اور بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اگر خواب میں انزال ہونے کی لذت یاد ہو تو غسل واجب ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس وقت چت لیٹی ہو تو غسل واجب ہے لہٰذا ان صورتوں میں بہتر یہ ہے کہ نہالے۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اقول: فقول ف۱ المنیۃ قال محمد لیس کما ینبغی وحمل الامام برھان الدین فی تجنیسہ ھذہ الروایۃ علی ما اذا وجدت لذۃ الانزال ثم اختارھا معللا بان ماء ھا لایکون وافقا کماء الرجل وانما ینزل من صدرھا [1] اھ واعتمدہ البزازی فی الوجیز فجزم بالوجوب قال وقیل لا یلزمھا کالرجل [2] اھ **اقول**: واغرب فی ف۲ السراجیۃ فقال علیھا الغسل افتی ابو بکر بن الفضل البخاری وعن محمد انہ لایجب [3] اھ فجعل الظاھر نادرا والنادر ظاھرا وحکی روایۃ محمد کقول الکل وجعل قول الکل روایۃ عن محمد ثم ان المحقق ایضا	**اقول**: تو (روایت نوادر سے متعلق ۱۲م) منیہ کا قول: قال محمد (امام محمد نے فرمایا) مناسب نہیں۔ اور امام برہان الدین نے اپنی کتاب تجنیس میں اس روایت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب عورت لذتِ انزال محسوس کرے۔ پھر انہوں نے اسی روایت کو اختیار کیا یہ علّت بیان کرتے ہوئے کہ عورت کا پانی مرد کے پانی کی طرح دفق اور جست والا نہیں ہوتا وہ اس کے سینے سے اترتا ہے اھ۔ اور اس پر بزازی نے وجیز میں اعتماد کرکے وجوب غسل پر جزم کیا پھر لکھا کہ " اور کہا گیا اس پر غسل لازم نہیں جیسے مرد پر لازم نہیں۔ اھ۔ **اقول**: اور سراجیہ میں توعجیب روش اختیار کی۔ اس میں لکھا: اس عورت پر غسل ہے۔ اسی پر ابو بکر بن الفضل بخاری نے فتوی دیا۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ اس پر غسل واجب نہیں۔ اھ۔ یوں لکھ کر ظاہر الروایہ کو نادر اور نادر کو ظاہر بنا دیا اور امام محمد کی روایت کی حکایت اس طرح کی جیسے یہ تینوں ائمہ کا قول ہو اور جو سب کا قول تھا اسے امام محمد سے ایک روایت

ف۱: تطفل علی المنیۃ۔ ف۲: تطفل علی السراجیہ۔

[1] التجنیس والمزید کتاب الطہارات مسئلہ ۱۰۲ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۷۷

[2] الفتاوی البزازیہ علی ھامش الفتاوی الھندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱

[3] فتاوی سراجیہ کتاب الطہارۃ باب الغسل نولکشور لکھنؤ ص ۳

استوجهه فی الفتح وللامام الزیلعی فی التبیین ایضا میل الی اختیارها حیث قدمها جازما بها واخر دلیلها وعلله کالتجنیس بقوله لان ماء ها ینزل من صدرها الی رحمها بخلاف الرجل حیث یشترط الظهور الی ظاهر الفرج فی حقه حقیقة [1] اھ فهذا ماوجدت الان فی تشیید هذه الروایة۔

قرار دے دیا۔ پھر حضرت محقق نے بھی فتح القدیر میں اس کو باوجہ قرار دیا ہے۔اور تبیین میں امام زیلعی کا بھی اس کی ترجیح کی جانب میلان ہے اس طرح کہ جزم فرماتے ہوئے اسے پہلے ذکر کیا ہے اور اس کی دلیل بعد میں ذکر کی۔اور تجنیس کی طرح ان الفاظ سے اس کی تعلیل فرمائی ہے: اس لئے کہ اس کا پانی سینے سے رحم کی جانب اترتا ہے، اور مرد کا یہ حال نہیں کیونکہ اس کے حق میں بیرون شرم گاہ حقیقۃً ظاہر ہونا شرط ہے۔اھ۔ یہ وہ ہے جو میں نے اس وقت اس روایت کی تائید میں پایا۔

اما التعلیل **فاقول**: حاصله ان منی المرأة وان کان له دفق لشهادة قوله تعالٰی "مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَ التَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾" [2] لکن لا کمنی الرجل وذلك لانه ینزل من صلبه الی انثییه الی ذکره وهو طریق ذوعوج فلولم یندفع بقوة شدیدة لبقی فی بعض الطریق بخلاف منیها فانه ینزل من ترائبها الی رحمها وهو طریق مستقیم فکان یکفیه

لیکن تعلیل **تو میں کہتا ہوں** اس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کی منی میں اگرچہ کچھ دفق (جست) ہوتا ہے جس کی شہادت ارشادِ باری تعالٰی: "اچھلتا پانی جو پشت اور سینے کی پسلیوں کے درمیان سے نکلتا ہے" ہے لیکن وہ مرد کی منی کی طرح نہیں ہے۔اس لئے کہ وہ اس کی پشت سے انثیین پھر ذکر کی جانب اترتی ہے۔ یہ ایک پیچیدہ راستہ ہے۔ اس لئے وہ اگر شدید قوت کے ساتھ دفع نہ ہو تو راستے ہی میں رہ جائے۔ بخلاف عورت کی منی کے۔ اس لئے کہ وہ اس کے سینے کی پسلیوں سے رحم کی جانب اترتی ہے، یہ سیدھا راستہ ہے، تو اس کے لئے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیہ ۱/۶۸

[2] القرآن ۸۶/۷

السیلان غیران نزولہ بحرارۃ فلزمہ نوع دفق ولاوجہ لانکارہ فانہ مشھود معلوم۔	بہنا کافی ہے مگر یہ ہے کہ اس کا اترنا کچھ حرارت کے ساتھ ہوتا ہے تو ایک طرح کا دفق اسے بھی لازم ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں، اس لئے کہ یہ معلوم ومشاہد ہے۔
ولکن العجب من المدقق العلائی حیث قال لم یذکر الدفق لیشمل منی المرأۃ لان الدفق فیہ غیر ظاھراما اسنادہ الیہ فی الایۃ فیحتمل التغلیب فالمستدل بھا کالقھستانی تبعا لاخی چلپی غیر مصیب تامل [1] اھ	لیکن مدقق علائی پر تعجب ہے کہ وہ یوں لکھتے ہیں: دفق ذکر نہ کیا تاکہ عورت کی منی کو بھی شامل رہے اس لئے کہ اس میں دفق غیر ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ اس کی جانب بھی آیت میں دفق کی نسبت موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے یہ نسبت بطور تغلیب ہو (کہ دراصل صرف مرد کی منی میں دفق ہوتا ہے اسی لحاظ سے اس پانی کو مطلقاً دفق والا فرمادیا گیا ۱۲م) تو اثباتِ دفق میں اس آیت سے استدلال کرنے والا درستی پر نہیں۔ جیسے قہستانی نے اخی چلپی کی تبعیت میں اس سے استدلال کیا ہے۔ تامل کرو، اھ۔ (درمختار)
اقول: ف النصوص تحمل علی ظواھرھا مالم یصرف عنھا دلیل فاحتمال التغلیب محتاج الی اثبات عدم الدفق فی منیھا واذلا دلیل فلا سبیل الا الاحتمال فلا اخذ علی الاستدلال۔	**اقول:** نصوص اپنے ظاہر ہی پر محمول ہوں گے جب تک کہ کوئی دلیل ظاہر سے پھیرنے والی موجود نہ ہو۔ تو تغلیب کا احتمال اس کا محتاج ہے کہ پہلے عورت کی منی میں عدمِ دفق ثابت کیا جائے۔ اور جب اس پر کوئی دلیل نہیں تو احتمال کی کوئی سبیل نہیں، لہٰذا استدلال پر کوئی گرفت نہیں ہوسکتی۔

ف: تطفل علی الدر۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۰

قال العلامة ط الدلیل اذا طرقه الاحتمال سقط به الاستدلال[1] اھ

اقول: الاحتمال ف۱ اذا لم یدل دلیل علیه لم ینظر الیه وکان المدقق رحمه الله تعالٰی الی ھذا اشار بقوله تامل۔

وقال العلامة ش لعله یشیر الی امکان الجواب لان کون الدفق منھا غیر ظاھر یشعر بان فیه دفقا وان لم یکن کالرجل افاده ابن عبدالرزاق[2] اھ

اقول: لو ان ف۲ المدقق اراد ھذا ناقض اول کلامه اخره بل لم ف۳ یستقم اوله لانه بنی شمول الکلام لمنیھا علی ترك ذکر الدفق ولو کان فیه دفق ولو خفیا لشمله وان ذکر بل مراده غیر ظاھر ای غیر ثابت و

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں: دلیل میں جب احتمال کا گزر ہو جائے تو اس سے استدلال ساقط ہو جاتا ہے۔اھ۔

اقول: جب احتمال پر کسی دلیل کی دلالت نہ ہو تو وہ نظر انداز ہو جائے گا۔اور شاید حضرت مدقّق صاحبِ درمختار رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے قول "تامل کرو" سے اسی جانب اشارہ کیا ہے۔

اور علامہ شامی فرماتے ہیں: شاید وہ اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس کلام کا جواب دیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ عورت کی منی میں دفق کا غیر ظاہر ہونا پتہ دیتا ہے کہ اس میں کچھ دفق ہوتا ہے اگرچہ مرد کی طرح نہ ہو۔اس کا ابن عبدالرزاق نے افادہ کیا۔اھ۔

اقول: اگر حضرت مدقق کی مراد یہ ہو تو ان کے اول وآخر کلام میں تناقض ٹھہرے گا بلکہ اول کلام درست ہی نہ ہوسکے گا اس لئے کہ عورت کی منی شاملِ کلام ہونے کی بنیاد انہوں نے اس پر رکھی ہے کہ دفق کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے ، اور اگر اس میں کچھ دفق ہوتا اگرچہ خفی ہی ہو تو دفق ذکر کرنے سے بھی اسے شامل رہتا۔بلکہ لفظ

ف۱:معروضة علی العلامه ط۔

ف۲:معروضة علی العلامتین ش وابن عبدالرزاق۔

ف۳:معروضة اخری علیھما۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار،کتاب الطھارۃ،المکتبۃ العربیہ کراچی، ۹۱/۱

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۸/۱

لا معلوم۔ رجعنا الی تقریر دلیل التجنیس۔**اقول:** فاذاکان الامر کما وصفنا لم یجب فی انزالها خروج المنی من الفرج الخارج الی الفخذ او الثوب غالبا کما فی الرجل فعسی ان یخرج من الفرج الداخل ویبقی فی الفرج الخارج والضعف الدفق یکون قلیلا ولرقته یختلط برطوبة الفرج فلا یحس به فاذا کان الامر علی هذا الحد من الخفاء اقمنا وجدانها لذة الانزال مقام الخروج کما اقام الشرع ایلاج الحشفة مقامه لعین ذلك الوجه اعنی الخفاء کما بینه فی الهدایة و شروحها کیف ولیس المراد بقوله صلی الله تعالی علیه وسلم فی حدیث الشیخین عن انس رضی الله عالی عنه لما سألته ام سلیم رضی الله تعالی عنها یارسول الله ان الله لایستحیی من الحق فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت قال نعم اذارأت الماء [1]۔	غیر ظاہر سے ان کی مراد غیر ثابت وغیر معلوم ہے۔ اب پھر دلیلِ تجنیس کی تقریر کی طرف لوٹے اقول جب حقیقت امر وہ ہے جو ہم نے بیان کی تو عورت کے انزال میں منی کا فرج خارج سے ران یا کپڑے کی جانب نکلنا عموماً ضروری نہیں جیسے مرد میں ہے۔ ہوسکتا ہے فرج داخل سے نکل کر فرج خارج میں رہ جائے اور ضعفِ دفق کی وجہ سے قلیل ہو اور رقیق ہونے کی وجہ سے رطوبتِ فرج سے مخلوط ہوجائے تو محسوس ہی نہ ہوسکے۔جب اس حد تک خفاوپوشیدگی کا معاملہ ہے تو ہم نے لذّتِ انزال محسوس کرنے کو خروج منی کے قائم مقام کردیا جیسے شریعت نے ادخالِ حشفہ کو بعینہ اسی وجہ (خفا کی وجہ) سے اس کے قائم مقام کیا ہے، جیسا کہ اسے ہدایہ اور اس کی شرحوں میں بیان کیا ہے۔ خصوصًا اس لئے بھی کہ درج ذیل حدیث میں رؤیت سے رؤیت عینی نہیں بلکہ رؤیت علمی مراد ہے۔ شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ڈ سے سوال کیا یا رسول اللہ ! خدا حق سے حیا نہیں فرماتا، کیا عورت پر غسل ہے جب اسے احتلام ہو؟ تو سرکار نے جواب دیا: ہاں پانی دیکھے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل باب اذا احتلمت المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲، صحیح مسلم کتاب الحیض باب وجوب الغسل علی المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۶

و رؤية البصر قطعا فقد تكون عمياء بل الرؤية العلمية والظن الغالب علم فى الفقه والخروج هو المظنون فى الانزال وقد علم بما قررنا ان عدم الاحساس به بصرا ولا لمسا لایعارض فى المرأة هذا الظن فادير الحكم عليه وكان وجدانها لذة الانزال كرؤيتها اياه خارجا فنحن لانقول ان الغسل يجب عليها وان لم ترماء حتى يرد علينا الحديث بل نقول اذا وجدت لذة الانزال فقد رأت الماء على الوجه الذى بينا ولا تحتاج الى ان تحس المنى خارج فرجها ببصر اولمس هذا تقرير الدليل بفيض الملك الجليل۔ وهذا معنى ماقاله المحقق فى الفتح والحق ان الاتفاق على تعلق وجوب الغسل بوجود المنى فى احتلامها والقائل بوجوبه فى هذه الخلافية انما يوجبه بناء على وجوده وان لم تره يدل على ذلك تعليله فى التجنيس احتلمت و

یہاں دیکھنے سے آنکھ کا دیکھنا قطعًا مراد نہیں اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ عورت نابینا ہو، بلکہ یقین وعلم مراد ہے۔ فقہ میں ظنِ غالب بھی علم ویقین ہے۔ اور انزال میں ظن غالب خروج ہی کا ہے۔ اور ہماری تقریر سابق سے یہ بھی معلوم ہواکہ دیکھنے اور چھُونے سے اس کا احساس نہ ہونا عورت کے سلسلے میں اس ظن کے معارض نہیں۔ اس لئے حکم کا مدار اسی پر رکھا گیا۔ اور عورت کا لذتِ انزال محسوس کرنا ہی گویا منی کو نکلتے ہوئے دیکھنا ہے۔ تو ہم اس کے قائل نہیں کہ عورت پر غسل واجب ہے اگرچہ وہ پانی نہ دیکھے کہ حدیث مذکور سے ہم پر اعتراض وارد ہو بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جب اس نے لذتِ انزال محسوس کی تو اس کا پانی دیکھنا متحقق ہوگیا۔ اسی طور پر جو ہم نے بیان کیا۔ اور اس کی ضرورت نہیں کہ وہ فرج کے باہر دیکھ کر یا چھُو کر منی محسوس کرے۔ یہ بفیضِ رب جلیل اس دلیل کی تقریر ہوئی۔ اور یہی فتح القدیر میں حضرت محقق کے درج ذیل کلام کا مقصود ہے، وہ فرماتے ہیں: حق یہ ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ عورت کے احتلام میں وجوبِ غسل کا تعلق منی کے پائے جانے ہی سے ہے۔ اور اس اختلافی روایت میں جو لوگ وجوب غسل کے قائل ہیں وہ اسی بناء پر غسل واجب کہتے ہیں کہ منی پائی جاچکی ہے اگرچہ عورت نے اسے دیکھا نہیں۔ اس کی دلیل تجنیس کی یہ تعلیل ہے:

لم يخرج منها الماء ان وجدت شهوة الانزال كان عليها الغسل والا لالان ماء ها لايكون دافقا[1] الى اخر ماامر قال فهذا التعليل يفهمك ان المرام بعدم الخروج فی قوله ولم يخرج منها لم تره خرج فعلى هذا الاوجه وجوب الغسل فی الخلافية والاحتلام يصدق برؤيتها صورة الجماع فی نومها وهو يصدق بصورتی وجود لذة الانزال وعدمه فلذا لما اطلقت ام سليم السؤال عن احتلام المرأة قيد صلى الله تعالٰى عليه وسلم جوابها باحدى الصورتين فقال اذا رأت الماء ومعلوم ان المراد بالرؤية العلم مطلقا فانها لوتيقنت الانزال بان استيقظت فی فور الاحتلام فاحست بيدها البلل ثم نامت فما استيقظت حتى جف فلم تربعينها شيا لايسع القول بان لاغسل عليها مع انه لارؤية بصر بل رؤية علم ورأى يستعمل حقيقة فی معنى

"عورت کو احتلام ہوا اور اس سے پانی نہ نکلا، اگر اس نے شہوتِ انزال محسوس کی ہے تو اس پر غسل واجب ہے ورنہ نہیں۔ اس لئے کہ اس کا پانی مرد کی طرح دفق والا نہیں ہوتا، وہ تو اس کے سینے سے اترتا ہے"۔ تو یہ تعلیل بتارہی ہے کہ ان کے قول "اس سے پانی نہ نکلا" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے "نکلتے دیکھا نہیں"۔ اس بنیاد پر اوجہ یہی ہے کہ اس اختلافی روایت میں غسل کا وجوب ہو۔ اور احتلام کا معنی اس سے صادق ہوجاتا ہے کہ عورت اپنے خواب میں جماع کی صورت دیکھے۔ اور یہ لذت انزال پانے، نہ پانے دونوں ہی صورتوں میں صادق ہے۔ اسی لئے حضرت ام سلیم نے احتلام زن سے متعلق جب سوال مطلق رکھا تو حضور نے اپنے جواب کو ایک صورت سے مقید کرکے فرمایا: ہاں جب پانی دیکھے۔ اور معلوم ہے کہ دیکھنے سے مطلقًا علم مراد ہے۔ اس لئے کہ اگر اسے انزال کا یقین ہوگیا۔ مثلًا وہ احتلام کے فورًا بعد بیدار ہوگئی اور ہاتھ سے اس نے تری محسوس کرلی پھر سوگئی، بیدار اس وقت ہوئی جب تری خشک ہوچکی تھی، اس طرح اپنی آنکھ سے اس نے کچھ بھی نہ دیکھا۔ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر غسل واجب نہیں۔ باوجودیکہ یہ آنکھ کا دیکھنا نہیں بلکہ صرف علم ویقین ہے۔ اور لفظ رای باتفاق اہل لغت علم کے معنی میں حقیقۃً

1 فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۵

علم باتفاق اللغة قال (رأیت الله اکبر کل شیئ)[1] اھ وبما قررنا الدلیل بفیض فتح القدیر عز جلاله ظهر ان الرادین علی کلام المحقق هذا وهم العلماء الجلة تلمیذه المحقق الحلبی فی الحلیة والمحقق ابرهیم الحلبی فی الغنیة والعلامة السید الشامی فی المنحة اکثرهم لم یمنعوا النظر فی کلامه رحمه الله تعالی وایاهم ورحمنا بهم۔

استعمال ہوتا ہے۔ کسی نے کہا: رایت اللہ اکبر کل شئی، میں نے خدا کو ہر شے سے بڑا دیکھا (یعنی جانا اور یقین کیا) اھ۔ ہم نے بفیض فتح القدیر عزّ جلالہ جو تقریر دلیل رقم کی ہے اس سے واضح ہے کہ حضرت محقق کے اس کلام پر رد کرنے والے اکثر حضرات نے ان کے کلام میں اچھی طرح غور نہ کیا۔ رَد کرنے والے یہ جلیل القدر علماء ہیں (۱) صاحب فتح کے تلمیذ، محقق حلبی حلیہ میں (۲) محقق ابراہیم حلبی غنیہ میں (۳) علامہ سیّد شامی منحۃ الخالق میں۔ خدا کی رحمت ہو حضرت محقق پر، اور ان حضرات پر اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت ہو۔

اما **الشامی** فظن ان المحقق یرید بدعوی الاتفاق التوفیق بین الروایتین بان مراد الظاهرة عدم الوجوب اذالم یوجد الانزال و مرادالنادرة الوجوب اذا وجد ولم تره المرأة بعینهافاخذ علیه بما هوعنه بریئ اذیقول"یفهم من کلام الفتح ان مراده انهم اتفقوا علی انه اذاوجد المنی فقد وجب الغسل ومحمد قال بوجوبه بناء علی وجود المنی وان لم تره فلم

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت محقق دعوائے اتفاق کرکے دونوں روایتوں میں تطبیق دینا چاہتے ہیں کہ ظاہر الروایہ سے مراد اس صورت میں عدمِ وجوب ہے جب انزال نہ پایا جائے، اور روایت نادرہ سے مراد اس صورت میں وجوب ہے جب انزال پایا جاچکا ہو اور عورت نے اپنی آنکھ سے اسے دیکھا نہ ہو۔ یہ سمجھ کر ان پر اس معنی کے تحت گرفت کی جس سے وہ بری ہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: کلامِ فتح سے سمجھ میں آتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ جب منی پائی جائے تو غسل واجب ہے۔ اور امام محمد نے اس بنا پر

[1] فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۵

یخرج علی معنی ولم تره خرج لکن لایخفی ان غیر محمد لایقول بعدم الوجوب والحالة هذه فکیف یجعلون عدم الوجوب ظاهرالروایة اللهم الا ان یکون مراده الاعتراض علیهم فی نقل الخلاف وانهم لم یفهموا قول محمد وان مراده بعدمالخروج عدم الرؤیة ولا یخفی بعد هذافانهم قیدوا الوجوب عند غیر محمد بما اذاخرج الی الفرج الخارج فان کان مراده (یعنی محمدا) بعدم الرؤیة البصریة فهو ممالا یسع احدا ان یخالف فیه وان کان العلمیة فلم یحصل الاتفاق علی تعلق الوجوب بوجود المنی فالظاهروجود الخلاف وان مافی التجنیس مبنی علی قول محمد وحینئذ لادلالة له علی ما ادعاه فلیتامل [1] اھ۔ **اقول:** لاھو ف ینکر الخلاف	غسل واجب کہا کہ منی پائی جاچکی ہے اگرچہ عورت نے اسے دیکھا نہیں تو" پانی نہ نکلا" کا معنی یہ ہے کہ "اس نے نکلتے دیکھا نہیں"۔ لیکن مخفی نہ ہوگا کہ امام محمد کے علاوہ حضرات بھی اس حالت میں عدم وجوب کے قائل نہیں ہیں تو علماء عدم وجوب کو ظاہر الروایہ کیسے قرار دے سکتے ہیں؟ مگر یہ کہ حضرت محقق کا مقصد ان علماء پر نقل اختلاف کے بارے میں اعتراض کرنا ہو کہ انہوں نے امام محمد کا قول سمجھا نہیں، عدم خروج سے ان کی مراد عدمِ رؤیت ہے۔ اور اس مراد کا بعید ہونا پوشیدہ نہیں۔ اس لئے کہ ان علماء نے غیر امام محمد کے نزدیک وجوب کو اس صورت سے مقید کیا ہے جب منی فرج خارج کی جانب نکل آئے۔ تو عدم رؤیت میں رؤیت سے اگر امام محمد کی مراد آنکھ سے دیکھنا ہے تو کوئی بھی اس کے خلاف نہیں جاسکتا اور اگر اس سے ان کی مراد علم ویقین ہے تو وجود منی سے وجوب غسل متعلق ہونے پر اتفاق کہاں ہے؟ پس ظاہر یہی ہے کہ اختلاف باقی ہے اور تجنیس کا کلام امام محمد کے قول پر مبنی ہے۔ اس صورت میں حضرت محقق کے دعوے پر کلامِ تجنیس میں کوئی دلیل نہیں۔ تو اس میں تامل کیا جائے۔ اھ۔ **اقول:** حضرت محقق کو نہ اختلاف سے

ف: معروضة علی العلامة ش۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۷

ولا ان ما فی التجنیس مبنی علی ماروی عن محمد ولا ھو یرید ببیان الاتفاق ابداء الوفاق وانما الامر انھم ظنوا ان محمدا فی ھذہ الروایۃ لایشترط فی احتلامھا وجود الماء لقول التجنیس وغیرہ المبنی علی تلك الروایۃ احتلمت ولم یخرج منھا الماء فردوا علیھا بقولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نعم اذا رأت الماء علق ایجاب الغسل علیھا برؤیہ الماء فکیف یجب ولم یخرج۔	انکار ہے نہ اس سے انکار ہے کہ کلامِ تجنیس اس پر مبنی ہے جو امام محمد سے ایک روایت ہے۔ نہ ہی بیان اتفاق سے ان کا مقصد اظہارِ مطابقت ہے۔ معاملہ صرف یہ ہے کہ لوگوں نے سمجھا کہ اس روایت میں امام محمد احتلامِ زن میں وجود منی کی شرط قرار نہیں دیتے کیونکہ اس روایت پر مبنی تجنیس وغیرہ کے کلام میں یہ آیا ہے کہ "عورت کو احتلام ہوا اور اس نے پانی نہ دیکھا"۔ یہ سمجھ کر ان حضرات نے اس روایت پر اس حدیث سے رد کیا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "ہاں جب وہ پانی دیکھے"۔ سرکار نے وجوب غسل کو پانی دیکھنے سے مشروط فرمایا۔ تو اس صورت میں غسل کیسے واجب ہو سکتا ہے جب پانی نہ نکلا ہو۔
فاشار المحقق الی الجواب عنہ بان وجدان الماء شرط بالاجماع ولاتنکرہ ھذہ الروایۃ انما نشأ الخلاف من واد اخر وذلك ان العلم بالشیئ قد یحصل بنفسہ وقد یحصل بالعلم بسببہ فالروایۃ الظاھرۃ شرطت العلم بالوجہ الاول وقالت لاغسل علیھا وان وجدت لذۃ الامناء مالم تحس بمنی خرج من فرجھا الداخل سواء کان الاحساس بالبصر اوباللمس کما ھو فی الرجل بالاتفاق وروایۃ محمد	حضرت محقق نے اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمایا کہ منی کا پایا جانا بالاجماع شرط ہے اور اس روایت میں بھی اس کا انکار نہیں ہے۔ اختلاف ایک دوسری جگہ سے رونما ہوا ہے وہ یہ کہ شیئ کا علم کبھی خود شیئ سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے سبب کے علم سے ہوتا ہے۔ روایت ظاہرہ میں بطریق اول علم کی شرط ہے اور اس میں یہ حکم ہے کہ عورت پر غسل نہیں اگرچہ اسے لذتِ انزال محسوس ہو جب تک کہ یہ محسوس نہ کرے کہ منی اس کی فرج داخل سے باہر آئی، یہ احساس خواہ دیکھنے سے ہو یا چھُونے سے ہو۔ جیسا کہ مرد کے بارے میں بالاتفاق یہ شرط ہے۔ اور امام محمد کی

فرقت بینها وبین الرجل بما بینا فاجتزت فیها بالعلم بلذة الانزال وجعلته علما بخروج المنی وان لم تحس منیا خارج فرجها هذا مراد الکلام فاین فیه رفع الخلاف او انکار ابتناء کلام التجنیس علی الروایة النادرة۔	روایت میں، عورت اور مرد کے درمیان فرق ہے اس طورپر جو ہم نے بیان کیا۔ یہ روایت عورت کے بارے میں لذتِ انزال کے علم کو کافی قرار دیتی ہے اور اسی کو خروج منی کا علم مانتی ہے اگرچہ عورت فرج خارج میں منی محسوس نہ کرے۔ یہ ہے حضرت محقق کے کلام کی مراد۔ اس میں اختلاف کو ختم کرنا یا کلام تجنیس کی روایت نادرہ پر مبنی ہونے کا انکار کہاں ہے؟
ولو رأیتم ف۱ "فعلی هذا الاوجه وجوب الغسل فی الخلافیة" لعلمتم انه یبقی الخلاف ویرید الترجیح لارفع الخلاف وابداء التوفیق ولکن سبحٰن من لایزل۔	اگر آپ ان کی یہ عبارت ملاحظہ کرتے "**فعلی هذا الاوجه وجوب الغسل فی الخلافیة**" (اس بنیاد پر اوجہ یہی ہے کہ اس اختلافی روایت میں غسل کا وجوب ہو) تو آپ کو معلوم ہوتا کہ وہ یہ مانتے ہیں کہ اختلاف باقی ہے اور ترجیح دینا چاہتے ہیں یہ نہیں کہ وہ اختلاف اٹھانا اور تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ لیکن پاک ہے وہ ذات جسے لغزش نہیں۔
قولکم لایخفی ان غیر محمد لایقول [1] الخ **اقول:** بلی ف۲ ان غیر محمد بل و محمدا ایضا فی ظاهر الروایة یقول بعدم الوجوب اذا لم یحط علمها بنفس خروج	علامہ شامی: مخفی نہ ہوگا کہ امام محمد کے علاوہ حضرات بھی اس حالت میں عدمِ وجوب کے قائل نہیں **اقول:** کیوں نہیں امام محمد کے علاوہ حضرات اور خود امام محمد بھی ظاہر الروایہ میں عدمِ وجوب کے قائل ہیں جب عورت کو نفس خروج کا پورے طور پر

ف۱: معروضة اخری علیه۔ ف۲: معروضة ثالثة علیه۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطهارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۷

المنی اصالۃ وفی النادرۃ یقول بالوجوب اذا علمت وجود المنی علما فقھیا بوجدان لذۃ الانزال	اصالۃً علم نہ ہو۔ اور روایت نادرہ میں وجوب کے قائل ہیں جب لذّت انزال کے احساس کے ذریعہ اسے وجودِ منی کا علم فقہی حاصل ہو۔
قولکم الا ان یکون مرادہ الاعتراض [1] **اقول**: لم یردہ ولم ف۱ یرد الخلاف بل اراد الجواب عما اورد علی محمد من مخالفۃ الحدیث بان الرؤیۃ فی الحدیث علمیۃ اجماعا ولا یسع احدا ان یخالف فیہ وھو اذن یعم العلم الحاصل بسبب العلم بالسبب	علامہ شامی: مگر یہ کہ ان کا مقصد اعتراض ہو **اقول**: یہ اُن کا مقصد نہیں، نہ ہی انہوں نے اختلاف کی تردید فرمائی ہے بلکہ امام محمد پر مخالفتِ حدیث کا جو اعتراض قائم کیا گیا وہ اس کا جواب دینا چاہتے ہیں کہ حدیث میں دیکھنے سے مراد علم ہے بالا جماع۔ اور کوئی بھی اس کے خلاف نہیں جاسکتا۔ اور جب علم مراد ہے تو علم اس علم کو بھی شامل ہے جو علم بالسبب کے ذریعہ حاصل ہو۔
قولکم وان کان العلمیۃ [2] الخ **اقول**: نعم ف۲ ھو المراد عند محمد وغیرہ جمیعا انما الخلف فی اشتراط العلم بالشیئ اصالۃ وعدمہ فلاینافی الاتفاق علی تعلق الوجوب بالوجود۔	علامہ شامی: اور اگر اس سے مراد علم ویقین الخ **اقول**: ہاں یہی مراد ہے امام محمد کے نزدیک بھی اور دوسرے حضرات کے نزدیک بھی۔ اختلاف صرف اس میں ہے کہ شے کا علم اصالۃً اور براہِ راست شرط ہے یا نہیں (بلکہ بالواسطہ علم بھی کافی ہے) تو یہ وجودِ منی سے وجوب غسل متعلق ہونے پر اتفاق کے منافی نہیں۔
اما الغنیۃ فقال فیھا	صاحب غنیہ حضرت محقق کا کلام نقل کرنے

ف۱: معروضۃ رابعۃ علیہ۔ ف۲: معروضۃ خامسۃ علیہ۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۷

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۷

بعد نقل کلام المحقق "ھذا لایفید کون الاوجه وجوب الغسل فی المسألة المختلف فیھا لحدیث ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا سواء کانت الرؤیة بمعنی البصر او بمعنی العلم فانھا لم تر بعینھا ولا علمت خروجه اللھم الا ان ادعی ان المراد برأت رؤیا الحلم ولکن لادلیل له علی ذلك فلایقبل منه [1] اھ۔

کے بعد لکھتے ہیں: اس سے یہ مستفاد نہیں ہوتا کہ اس اختلافی مسئلہ میں حدیث ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا کے سبب اوجہ، وجوب غسل ہے خواہ رؤیت آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں ہو یا علم ویقین کے معنی میں ہو، اس لئے کہ خروج منی عورت نے نہ اپنی آنکھ سے دیکھا نہ اسے اس کا علم ہوا۔ مگر یہ کہ دعوی کیاجائے کہ دیکھنے سے مراد خواب میں دیکھنا ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل نہیں لہٰذا یہ قابلِ قبول نہیں اھ۔

فاصاب فی فھم ان مراد المحقق الترجیح لا التوفیق والعجب ف۱ ان العلامة ش نقل کلامه برمته بعد ما قدمنا عنه ولم یحن منه التفات الی مااعطاہ الغنیة من مفاد کلام المحقق۔

یہ انہوں نے صحیح سمجھا کہ حضرت محقق کا مقصد ترجیح ہے تطبیق نہیں۔ اور تعجب ہے کہ علامہ شامی نے غنیہ کی پوری عبارت اپنی گزشتہ بحث کے بعد نقل کی ہے اور اس طرف ان کی توجہ نہ کی گئی کہ غنیہ کی عبارت سے حضرت محقق کے کلام کا مفاد متعین ہوتا ہے۔

اقول: وحاشا ف۲ المحقق ان یرید بالرؤیة رؤیا حلم بل اراد الرؤیة العلمیة کما قد افصح عنه وقولکم ولا علمت [2] مبنی علی حصر العلم بالشیئ فی

اقول: حضرت محقق اس سے بری ہیں کہ رؤیت سے خواب میں دیکھنا مراد لیں، انہوں نے رؤیتِ علمی مراد لی ہے جیساکہ خود ہی اسے صاف لفظوں میں کہا۔ اور آپ کا قول "ولا علمت۔ نہ اسے اس کا علم ہوا"

ف۱: معروضة سادسة علیه۔ ف۲: تطفل علی الغنیة۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۴

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۴

العلم المتعلق بنفسه اصالة وھو باطل قطعًا الاتری ان الشرع اوجب الغسل بغیبة الحشفة واقامها مقام رؤیة المنی مع عدم العلم المتعلق بنفسه قطعاً۔ ثم اخذ المحقق الحلبی یوھن کلام التجنیس قائلا لااثر فی نزول مائها من صدرھا غیر دافق فی وجوب الغسل فان وجوب الغسل فی الاحتلام متعلق بخروج المنی من الفرج الداخل کما تعلق فی حق الرجل بخروجه من رأس الذکر[1] الی اخر ماطال۔ **اقول:** لم یرد ف التجنیس ان مجرد نزول مائها من صدرھا یوجب الغسل بدون خروج وانما اثر النزول من صدرھا الی رحمها فی عدم الدفق فی منیها مثل الرجل وعدم الدفق اثر فی ضعف دلالة عدم الاحساس خارج الفرج علی عدم الخروج کما قررنا بمایکفی و	اس پر مبنی ہے کہ شیئ کاعلم صرف اس عالم میں منحصر ہے کہ جواس سے براہِ راست متعلق ہو۔اور یہ بنیاد قطعًا باطل ہے کیا آپ نے نہ دیکھاکہ شریعت نے حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب کیا ہے اور غیبتِ حشفہ کو ہی رؤیت منی کے قائم مقام رکھا ہے باوجودیکہ یہ وہ علم قطعًا نہیں جو خود منی سے متعلق براہِ راست ہو۔ اس کے بعد محقق حلبی نے ان الفاظ سے کلام تجنیس کی تضعیف شروع کی: عورت کا پانی اس کے سینے سے بغیر دفق کے اترتا ہے ،اس کاوجوب غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔احتلام میں وجوب غسل کا تعلق تواس سے ہے کہ منی فرج داخل سے نکلے جیسے مرد کے حق میں،اس کا تعلق اس سے ہے کہ سرذکر سے نکلے۔ان کے آخر کلام طویل تک۔ **اقول:** تجنیس کی مراد یہ نہیں کہ عورت کا پانی سینے سے اترنا بس اتنی ہی بات موجب غسل ہے اگرچہ خروج منی نہ ہو۔ سینے سے رحم کی طرف اترنے کااثر صرف یہ ہے کہ اس کی منی میں مرد کی طرح دفق نہیں ہوتا،اور عدمِ دفق کااثر یہ ہے کہ بیرونِ فرج منی محسوس نہ ہونے کی دلالت عدم خروج منی پر ضعیف ٹھہری جیساکہ کافی وشافی

ف: تطفل اخر علیه۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۴

یشفی وبه وبالرقة وباشتمال فرجها الخارج علی الرطوبة فارقت الرجل کما تقدم۔ ثم قال علی ان فی مسألتنا لم یعلم انفصال منیها عن صدرها وانما حصل ذلك فی النوم واکثر مایری فی النوم لاتحقق له فکیف یجب علیها الغسل[1] اھ **اقول:** قدمنا ؎ فی التنبیه الثامن ان تلك الافعال المرئیة علما وان لم تکن لها حقیقة تؤثر علی الطبع کمثل الواقع منها فی الخارج او ازید وقد جعل فی الغنیة نفس النوم مظنة الاحتلام قال وکم من رؤیا لا یتذکرها الرائی فلا یبعد انه احتلم ونسیه فیجب الغسل[2] اھ ای فیما اذا رأی بللا وتیقن انه مذی ولیس منیا ولم یتذکر الحلم	طور پر ہم اس کی تقریر کرچکے۔اور عورت کا حکم اسی عدمِ دفق سے، اور منی کے رقیق ہونے سے، اور فرج خارج کی رطوبت پر مشتمل ہونے سے مرد کے برخلاف ہوا۔ جیسا کہ گزرا۔ آگے فرماتے ہیں: علاوہ ازیں زیرِ بحث مسئلہ میں عورت کی منی کا سینے سے جدا ہونا معلوم نہ ہوا۔ یہ بات خواب میں حاصل ہوئی۔ اور خواب میں دیکھی جانے والی اکثر باتوں کا تحقق نہیں ہوتا تو اس پر غسل کیسے واجب ہوگا۔اھ **اقول:** ہم آٹھویں تنبیہ میں بتاچکے ہیں کہ خواب میں دیکھے جانے والے ان افعال کی اگرچہ کوئی حقیقت نہیں ہوتی لیکن طبیعت پر یہ ویسے ہی اثرانداز ہوتے ہیں جیسے خارج میں ہونے والے یہ افعال، یا ان سے بھی زیادہ۔اور خود غنیہ میں نیند کو مظنہ احتلام بتایا ہے اور لکھا ہے کہ: کتنے خواب ہیں جو دیکھنے والے کو یاد نہیں رہتے تو بعید نہیں کہ اس نے خواب دیکھا ہو اور بھول گیا ہو، تو اس پر غسل واجب ہے اھ یعنی اس صورت میں جب کہ اس نے تری دیکھی اور اسے یقین ہے کہ وہ مذی ہے، منی نہیں ہے اور خواب

ف: تطفل ثالث علیها۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲ و ۴۳

فاذا کان ھذا فی عدم التذکر فکیف وقد تذکرت الاحتلام وتذکرت شیأ اخر فوقه وھو وجد ان لذة الانزال فلو اھمل مایری فی النوم لضاع الفرق بالتذکر وعدمه مع اجماع ائمتنا علیه وبقیة الکلام یظھر مما قدمت ویاتی۔

ثم قال نعم قال بعضھم لوکانت مستلقیة وقت الاحتلام یجب علیھا الغسل لاحتمال الخروج ثم العود فیجب الغسل احتیاطا وھو غیر بعید[1] الخ۔

اقول: مثل ف الکلام من شان ھذا المحقق بعید فانه اذا جعل مایری فی النوم لاحقیقة له و جعلھا مع تذکرھا الاحتلام و وجدانھا لذة الانزال غیر عالمة بالخروج وصرح انھا لم تر ولا علمت وان الحدیث

اسے یاد نہیں۔جب یہ حکم خواب یاد نہ ہونے کی صورت میں ہے تو اس صورت میں کیا ہوگا جب عورت کو خواب دیکھنا بھی یاد ہے اور اس سے زیادہ بھی یاد ہے وہ ہے لذّتِ انزال کا احساس، توجو کچھ خواب میں نظر آتا ہے اگر سب مہمل ٹھہرایا جائے تو یاد ہونے نہ ہونے کا فرق بیکار ہوجائے حالاں کہ ہمارے ائمہ کا اس فرق پر اجماع ہے۔اور باقی کلام اس سے ظاہر ہے جو گزر چکا اور جو آئندہ آئے گا۔

آگے فرماتے ہیں: ہاں بعض نے کہا ہے کہ اگر وقتِ احتلام چت لیٹی ہوئی تھی تو اس پر غسل واجب ہے کیوں کہ ہو سکتا ہے منی نکلی ہو پھر عود کر گئی ہو تو احتیاطًا غسل واجب ہوگا۔اور وہ بعید نہیں۔الخ

اقول: اس طرح کی بات صاحبِ غنیہ جیسے محقق کی شان سے بعید ہے۔اس لئے کہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ خواب میں جو کچھ نظر آئے اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ اور عورت کو احتلام یاد ہونے اور لذّتِ انزال کا احساس کرنے کے باوجود خروج منی سے بے خبر قرار دیتے ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ اس نے دیکھا نہ جانا، اور حدیث

ف: تطفل رابع علیھا۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵

ناطق بتعلیق الغسل علی رؤیتھا الماء بصرا اوعلما فمع انتفائھا مطلقا کیف یجب علیھا الغسل بمجرد کونھا علی قفاھا برؤیا حلم لاحقیقة لھا وقد قلتم ان لادلیل علیه فلا یقبل والعود انما یکون بعد الخروج وھھنا نفس الخروج غیر متحقق فما معنی احتمال العود فالحق ان استقرا به ھذا الکلام عود منه الی قبول المرام۔	نے نظر سے دیکھنے یا علم و یقین حاصل ہونے سے غسل کو مشروط رکھا ہے۔ دوسری طرف ان ساری باتوں کے نہ ہونے کے باوجود عورت پر صرف اس وجہ سے غسل واجب مانتے ہیں کہ وہ چت لیٹی ہوئی تھی۔ کیا یہ وجوب خواب کے مشاہدہ کی وجہ سے ہوا جس کی کوئی حقیقت نہیں اور جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اس لئے قابلِ قبول نہیں۔ اور لوٹنا، عود کرنا تو خروج کے بعد ہی ہوگا۔ یہاں خروج ہی متحقق نہیں۔ تو احتمالِ عود کا کیا معنی؟۔ حق یہ ہے کہ محض حلبی کا اس کلام کے قریب جانا، قبول مقصود کی طرف عود فرمانا ہے۔
ثم ان القائل بھذا الشرط اعنی الاستلقاء الامام ابو الفضل مجد الدین فی الاختیار شرح متنه المختار ولفظه کما فی الحلیة المرأة اذا احتلمت ولم تر بللا ان استیقظت وھی علی قفاھا یجب الغسل لاحتمال خروجه ثم عوده لان الظاھر فی الاحتلام الخروج بخلاف الرجل فانه لایعود لضیق المحل وان استیقظت وھی علی جھة اخری لایجب[1] اھ	پھر اس شرط یعنی چت لیٹنے کی شرط کے قائل امام ابو الفضل مجد الدین ہیں جنہوں نے اپنے متن "مختار" کی شرح "اختیار" میں اسے لکھا ہے۔ حلیہ کی نقل کے مطابق ان کے الفاظ یہ ہیں: عورت کو جب احتلام ہو اور تری نہ دیکھے، اگر وہ اس حالت میں بیدار ہوئی کہ چت لیٹی ہوئی تھی تو غسل واجب ہے اس لئے کہ احتمال ہے کہ منی نکلی ہو پھر لوٹ گئی ہو کیونکہ احتلام میں ظاہر یہی ہے کہ منی نکلی ہو۔ مرد کا حال ایسا نہیں کہ جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے اس کی منی عود نہ کر سکے گی۔ اور اگر عورت کسی دوسری جہت پر بیدار ہوئی تو غسل واجب نہیں۔ اھ۔

[1] الاختیار لتعلیل المختار کتاب الطھارۃ فصل فرض الغسل ... الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳

اقول: فانظر کیف [ف۱] بنی الامر علی ان الظاھر فی الاحتلام الخروج فقد جعله معلوما بحسب الظاھر ولو کان الامر کما قال فی الغنیة ان لم تر ولا علمت لم یکن معنی لایجاب الغسل وافاد ان عدم الوجدان بعد التیقظ لایعارض ھذا الظن اذا کانت مستلقیة لاحتمال العود۔	**اقول:** تو دیکھئے انہوں نے کیسے بنائے کار اس پر رکھی کہ احتلام میں ظاہر یہی ہے کہ منی نکلی ہو۔ انہوں نے بطور ظاہر اسے معلوم قرار دیا۔ اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو غنیہ میں ہے کہ "اس نے نہ دیکھا نہ اسے علم ہوا" تو غسل واجب کرنے کا کوئی معنی ہی نہ تھا اور یہ افادہ کیا کہ بیدار ہونے کے بعد تری نہ پانا اس گمان خروج کے معارض نہیں جب کہ وہ چت لیٹی ہوئی ہے اس لئے کہ ہو سکتا ہے عود کر گئی ہو۔
ثم اقول: بل ھو بعید اولا [ف۲] لانه ذھب عنه ان نفس کون منیھا غیر بین الدفق رقیقا قابلا للامتزاج برطوبة الفرج الخارج کاف فی دفع ھذہ المعارضة کما بینا بتوفیق اللّٰه تعالٰی۔	**اقول:** بلکہ یہ بعید ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ۔ انہیں خیال نہ رہا کہ۔ تری نہ پانے کے معارضہ کو دفع کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ عورت کی منی میں دفق نمایاں نہیں ہوتا، ساتھ ہی وہ رقیق اور اس قابل ہوتی ہے کہ فرج خارج کی رطوبت سے مختلط ہو جائے جیسا کہ بتوفیقہ تعالٰی ہم نے بیان کیا۔
وثانیا اذا لم [ف۳] ینظر الی ذلك فلقائل ان یقول احتمال العود بعد الخروج احتمال من غیر دلیل فلا یعتبر، واستلقاؤھا لیس علة العود ولا ظنا بل ان کان فرفع مانع وعدم المانع لیس من الدلیل	**ثانیاً** اگر یہ نظر انداز ہو تو کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ احتمالِ عود، بعدِ خروج ایک بے دلیل احتمال ہے اس لئے لائقِ اعتبار نہیں، اور چت لیٹنا عود کی علت نہیں۔ ظنًا بھی نہیں۔ بلکہ اگر ہے تو صرف اتنا کہ رفع مانع ہے اور عدمِ مانع ہرگز کوئی دلیل نہیں جیسا کہ

ف۱: تطفل خامس علیھا۔

ف۲: تطفل علی الاختیار شرح المختار۔

ف۳: تطفل آخر علیه۔

فی شیئ کما تقرر فی الاصول۔

وثالثا المانع وھو ف۱ ضیق المحل انما یتحقق فی الاضطجاع لالتقاء الاسکتین وانسداد المسلك اما الانبطاح فکالاستلقاء فی اتساع المحل فلم خص الحکم بالاستلقاء فان اعتل بانھا ان کانت منبطحۃ وخرج المنی یسقط علی الفراش فلا یعود قلت ان ارید الخروج من الفرج الخارج ففی الاستلقاء ایضا اذا خرج منہ نزل الی الیتیھا فلا یعود و وان ارید الخروج من الفرج الداخل مع البقاء فی الفرج الخارج فالا ستلقاء کالانبطاح فی جواز العود۔

ورابعا سنذکر ف۲ انفا فی تجویز العود مالا یبقی للفرق مساغا۔

وخامسا بل ف۳ یجوز ان تکون مضطجعۃ وقد وضعت بین

اصول میں طے شدہ ہے۔

ثالثًا مانع مقام کا تنگ ہونا۔ صرف اضطجاع میں متحقق ہوگا کیوں کہ دونوں کنارے مل جائیں گے اور گزر گاہ بند ہو جائے گی۔ لیکن منہ کے بل لیٹنا کشادگی مقام میں چت لیٹنے ہی کی طرح ہے تو استلقاء (چت لیٹنے) سے حکم کی تخصیص کیوں؟ اگر یہ علّت بتائی جائے کہ منہ کے بل ہونے کی صورت ہو اور منی نکلے تو بستر پر گر جائے گی، عود نہ کرسکے گی۔ قلت (میں کہوں گا) اگر فرج خارج سے نکلنا مراد ہے تو استلقا کی صورت میں بھی جب اس سے باہر آئے گی تو سرینوں کی طرف ڈھلک آئے گی، عود نہ کرسکے گی۔ اور اگر فرج خارج میں باقی رہنے کے ساتھ فرج داخل سے نکلنا مراد ہے تو امکانِ عود میں صرف استلقا، مُنہ کے بل لیٹنے ہی کی طرح ہے۔

رابعًا امکان عود کے بارے میں ہم ابھی وہ ذکر کریں گے جس کے بعد فرق کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے گی۔

خامسًا بلکہ ہوسکتا ہے کہ اضطجاع کی حالت ہو اور رانوں کے درمیان موٹا سا تکیہ

ف۱: تطفل ثالث علیہ

ف۲: تطفل رابع علیہ۔

ف۳: تطفل خامس علیہ

فخذیها وسادة ضخمة فیبقی الفرج متسعا کالا ستلقاء اوافرج۔ **وسادسا:** ان استلقت [ف1] وقد التفت الساق بالساق لایکون للاستلقاء فضل علی الاضطجاع فی باب الاتساع فالقصر علیه منقوض طردا وعکسا وله صور اخری لاتخفی۔ الا ان یقال ذکر الاستلقاء ونبه به علی صور اتساع الفرج فیشمل الانبطاح والاضطجاع المذکور والمراد بجهة اخری جهة التقاء الشفرین ولو فی الاستلقاء علی الوجه المزبور۔ ثم الصواب ما عبربه [ف2] فی الاختیار من ان تجد نفسهامستلقیة اذا تیقظت ولاحاجة الی ان تعلم استلقاءها حین احتلمت کما وقع فی الغنیة۔ ثم اخذ المحقق الحلبی یردما اختار فی الاختیار فقال الا ان ماء ها اذا لم ینزل دفقا بل	رکھ لیا ہو تو شرمگاہ حالت استلقا کی طرح یا اس سے زیادہ کشادہ رہ جائے گی۔ **سادسا:** اگر حالتِ استلقاء میں ران، ران سے لپٹی ہوئی ہو تو کشادگی کے معاملے میں استلقا کو اضطجاع پر کوئی زیادتی حاصل نہ ہوگی تو اس پر اقتصار جمعًا اور منعًا کسی طرح درست نہیں رہ جاتا۔ اس کی اور بھی صورتیں ہیں جو مخفی نہ ہوں گی۔ مگر جوابًا یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے استلقا کو ذکر کرکے اس سے کشادگی کی صورتوں پر تنبیہ کردی ہے لہٰذا منہ کے بل لیٹنے اور مذکورہ صورت پر لینے کو بھی شامل ہے۔ اور کسی دوسری جہت سے ان کی مراد یہ ہے کہ دونوں کنارے باہم ملے ہوئے ہوں اگرچہ یہ ملنا مذکورہ صورتِ استلقا ہی میں ہو۔ پھر صحیح تعبیر وہ ہے جو "اختیار" میں آئی کہ بیدار ہونے کے وقت اپنے کو چت لیٹی ہوئی پائے۔ اور اس کی ضرورت نہیں کہ اسے وقتِ احتلام اپنے چت ہونے کا علم ہو۔ جیسا کہ غنیہ میں تعبیر کی۔ اس کے بعد محقق حلبی نے اس کی تردید شروع کی جسے "اختیار" میں اختیار کیا۔ کہتے ہیں: مگر یہ ہے کہ جب اس کا پانی بطور دفق نہیں اترتا بلکہ

ف1: تطفل سادس علیہ۔ ف2: تطفل سادس علی الغنیة۔

سیلانا یلزم اماعدم الخروج ان لم یکن الفرج فی صبب اوعدم العودان کان فی صبب فلیتامل [1] اھ	بہاؤکے طور پر اترتا ہے۔تو دو باتوں میں سے ایک لازم ہے۔ اگر فرج بہاؤکیجانب میں نہ ہو تو عدم خروج لازم ہے اور اگر بہاؤ کی جانب میں ہوتو عدمِ عود لازم ہے۔ تو اس پر تامل کی ضرورت ہے۔اھ۔
اقول: کلا اللاز مین منتف اما الاول ف۱ فلما حققنا ان منیھالایخلوعن دفق وان لم یکن کدفق الرجل فلا نسلم لزوم عدم الخروج اذا لم یکن الفرج فی صبب الاتری انھن ربما یوطأن بوضع وسادۃ تحت اعجازھن فیکون الفرج مرتفعا ومع ذلك یرمین بماء ھن بل وبماء الرجل ایضا۔	**اقول:** دو باتوں میں سے ایک بھی لازم نہیں۔اول اس لئے کہ ہم تحقیق کر چکے کہ عورت کی منی دفق سے خالی نہیں ہوتی اگرچہ وہ مرد کے دفق کی طرح نہ ہوتو ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ جب شرم گاہ بہاؤ کی جانب میں نہ ہو تو عدم خروج لازم ہے۔کیا معلوم نہیں کہ عورتوں سے وطی یوں بھی ہوتی ہے کہ ان کے سرینوں کے نیچے تکیہ رکھ دیتے ہیں جس سے شرمگاہ اونچائی پر ہوجاتی ہے اس کے باوجود اس سے پانی باہر آتا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس مرد کا پانی بھی باہر آتا ہے۔
واما الثانی ف۲ فلان للرحم قوۃ جاذبۃ شدیدۃ الجذب فربما یجوزان یخرج المنی من الفرج الداخل ویکون فی الفرج الخارج وتھیج جاذبۃ الرحم فتجذبہ من الفرج الخارج وان کان الفرج فی صبب بل یجوز ان یجوز المنی الفرج الخارج ایضا ثم یعود بجذب الرحم۔	دوم اس لئے کہ رحم میں جذب کی شدید قوت ہوتی ہے۔ تو بعض اوقات ہو سکتا ہے کہ منی فرج داخل سے نکل کر فرج خارج میں ہو اور رحم کی قوتِ جاذبہ اُبھر کر اسے فرج خارج سے جذب کرلے اگرچہ فرج بہاؤ کی جانب میں ہی ہو۔بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منی فرج خارج سے بھی تجاوز کر جائے پھر بھی کشش رحم سے عود کر آئے۔

ف۱:تطفل سابع علیھا۔ ف۲:تطفل ثامن علیھا۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطھارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵

الا تری الی مانصوا علیه ان لو جومعت ف فیما دون الفرج فسبق الماء الی فرجها او جومعت البکر لاغسل علیها لفقد السبب وهو الانزال ومواراة الحشفة حتی لو حبلت کان علیها الغسل لانها لاتحبل الااذا انزلت والمسألة فی الخانية والخلاصة والوجيز والكبرى وخزانة المفتين والفتح والبحر والغنية[1] وغيرها فقد جوزوا حتی فی البکر ان یقع الماء خارج فرجها	دیکھئے فقہا تصریح فرماتے ہیں کہ اگر عورت سے قریب فرج جماع کیا پھر منی اس کی شرم گاہ میں چلی گئی، یا کنواری سے جماع کیا اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی، توان صورتوں میں عورت پر غسل نہیں اس لئے کہ غسل کا سبب۔ انزالِ زن یاد خولِ حشفہ۔ نہ پایا گیا۔ یہاں تک کہ اگر اسے حمل ٹھہر جائے تو اس پر غسل ہوگا اس لئے کہ یہ اس کا ثبوت ہے کہ عورت کو بھی انزال ہوا تھا کیوں کہ اس کے انزال کے بغیر استقرارِ حمل نہیں ہو سکتا۔ یہ مسئلہ خانیہ، خلاصہ، وجیز، کبرٰی، خزانۃ المفتین، فتح القدیر، البحر الرائق، غنیہ وغیرہا میں مذکور ہے۔ تو انہوں نے اس کا جواز مانا ہے۔ یہاں تک کہ کنواری میں بھی، کہ

ف: مسئلہ: عورت کی ران پر جماع کیا اور منی اس کی فرج میں چلی گئی یا کنواری کی فرج میں جماع کیا اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر غسل نہ ہوگا کہ نہ اس کا انزال ثابت ہوا نہ اس کی فرج داخل میں حشفہ غائب ہوا اور نہ بکارت جاتی رہتی ہاں ان جماعوں سے اگر عورت کو حمل رہ گیا تو اب اس پر اسی وقت جماع سے غسل واجب ہونے کا حکم دیں گے اور آج تک جتنی نمازیں قبل غسل پڑھی ہیں سب پھیرے کہ حمل رہ جانے سے ثابت ہوا کہ عورت کو خود بھی انزال ہو گیا تھا ورنہ حمل نہ رہتا۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الاغتسال نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱، خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی فی الغسل مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۳، الفتاوٰی البزازیہ علی ھامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الطہارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱، فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۵، البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۷

الخارج ثم ینجذب فیدخل فی الرحم۔
قال فی الغنیۃ بعد ذکر ھذہ المسألۃ الاخیرۃ لاشك انہ مبنی علی وجوب الغسل علیھا بمجرد انفصال منیھا الی رحمھا وھو خلاف الاصح الذی ھو ظاھر الروایۃ قال فی التاترخانیہ وفی ظاھر الروایۃ یشترط الخروج من الفرج الداخل الی الفرج الخارج وفی النصاب وھو الاصح [1] اھ اھ وقد توارده علیہ العلامۃ الشامی فی المنحۃ فقال اقول لایخفی ان الحبل یتوقف علی انفصال الماء عن مقرہ لاعلی خروجہ فالظاھر ان وجوب الغسل مبنی علی الروایۃ السابقۃ عن محمد تامل [2] اھ
ثم رأی الحلبی صرح بہ فی الغنیۃ فحمد اللہ تعالٰی علیہ وقد تبعہ ایضافی الدر اذ نقل عنہ ما فی شرحہ الصغیر ان فیہ نظرلان خروج

منی اس کی فرج خارج سے باہر واقع ہو پھر جذب وکشش پاکر رحم میں چلی جائے۔
غنیہ میں آخری مسئلہ ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ: اس میں شک نہیں کہ یہ حکم اس پر مبنی ہے کہ عورت پر صرف اس سے کہ اس کی منی جدا ہو کر رحم میں چلی جائے غسل واجب ہے، اور یہ اصح، ظاہر الروایہ کے خلاف ہے۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں، فرج داخل سے نکل کر فرج خارج کی طرف آنا شرط ہے۔ اور نصاب میں ہے کہ: یہی اصح ہے اھ اھ۔ اس بات پر صاحبِ غنیہ سے علامہ شامی کا بھی توارد ہوا ہے، وہ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں، مخفی نہیں کہ استقرارِ حمل صرف اس پر موقوف ہے کہ منی اپنی جگہ سے جدا ہو جائے، وہ منی کے باہر آنے پر موقوف نہیں۔ توظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں وجوبِ غسل کا حکم اس روایت پر مبنی ہے جو امام محمد سے ماسبق میں نقل ہوئی۔ تامل کرو۔ اھ۔
یہ لکھنے کے بعد علامہ شامی نے غنیہ میں دیکھا کہ محقق حلبی نے اس کی تصریح کی ہے۔ تو اس پر خدا کا شکر ادا کیا۔ حلبی کا اتباع درمختار میں بھی ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی شرح صغیر کا کلام نقل کیا ہے کہ یہ محلِ نظر ہے اس لئے کہ عورت

[1] غنیۃ المستملی مطلب فی الطہارۃ الکبرٰی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵ و ۴۶
[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۷

منیھامن فرجھا الداخل شرط لوجوب الغسل علی المفتٰی بہ ولم یوجد[1]اھ فبزیادۃ قولہ علی المفتٰی بہ اشار الی ابتنائہ علی روایۃ محمد۔ **اقول:** وھذا[ف] ماشبہ علی بعض الانظارفزعمت ان الروایۃ النادرۃلاتشترط الخروج وقد ازالھا المحقق وبیناہ بمایکفی ویشفی فلا وجہ لھذا الحمل امامایذکرعن المنصوریۃ انہ اعتبر فی منیھا الخروج الی فرجھا الخارج عند الفقیہ ابی جعفر والی فرجھا الداخل عند الامامین الحلوانی والسرخسی علی مانقل عنھا البرجندی[2] **فاقول:** متوغل فی الاغراب مثل ذلك الکتاب الا تری ان الامام الحلوانی ھو القائل لتلك الروایۃ عن محمد لایؤخذ بھذہ الروایۃ فان النساء یقلن ان منی	کی منی کافرج داخل سے باہرآنا وجوب غسل کے لئے مفتٰی بہ قول پر شرط ہے، اور یہ شرط نہ پائی گئی۔اھ۔ تو "مفتی بہ قول پر "کااضافہ کرکے اس طرف اشارہ کیاکہ یہ امام محمد کی روایت پر مبنی ہے۔ **اقول:** یہ ان بعض نظروں کا اشتباہ ہے جس کے سبب انہوں نے یہ سمجھ لیاکہ روایت نادرہ میں خروج کی شرط نہیں اور محقق علی الاطلاق نے اس شبہ کاازالہ فرمایا ہےاور ہم اسے کافی وشافی طور پر بیان کرآئے ہیں۔ تواس روایت پر محمول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن وہ جو منصوریہ کے حوالے سے بیان کیاجاتا ہے کہ فقیہ ابو جعفر کے نزدیک عورت کی منی میں فرج خارج کی طرف نکلنے کا اعتبار ہے اور امام حلوانی وامام سرخسی کے نزدیک صرف فرج داخل کی طرف نکلنے کااعتبار ہے۔ جیساکہ برجندی میں منصوریہ سے نقل کیاہے۔ **فاقول:** اس کتاب کی طرح ان دونوں اماموں کی طرف یہ انتساب بھی انتہائی غریب ہے۔آپ نے دیکھا نہیں کہ امام حلوانی ہی نے تو امام محمد کی اس روایت نادرہ سے متعلق فرمایاکہ یہ روایت نہ لی جائے گی،اس لئے کہ عورتیں

ف: تطفل علی الغنیۃ والمنحۃ۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] شرح مختصر الوقایہ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۰

المرأۃ یخرج من الداخل کمنی الرجل فھو جواب ظاھر الروایۃ کما فی الحلیۃ عن الذخیرۃ عنہ رحمہ اللہ تعالٰی فکیف ینسب الیہ ھذا۔

فان قلت ففرع الحبل مامعناہ **قلت** معناہ ف ظاھر ان شاء اللہ تعالٰی فان بالحبل ثبت انزالھا والغالب فی الانزال الخروج والغالب کالمتحقق فی الفقہ فلاینافیہ نفی التوقف علی الخروج بمعنی لولاہ لم یکن۔

فان قلت بل الحبل دلیل عدم الخروج لاجل الانعقاد الاتری انھن حین یحبلن یمسکن ماء الرجل فلا یرمین منہ الا شیأقلیلا قلت الانزال یقتضی الخروج والانعقاد یکون بجزء من الماء لابکلہ الاتری انھن حین یحبلن یرمین بشیئ من ماء الرجل ایضاولا یمسکن منہ الاجزء قدر اللہ

بتاتی ہیں کہ عورت کی منی مرد کی منی کی طرح فرج داخل سے باہر آتی ہے اور یہی ظاہر الروایہ کا حکم ہے، جیسا کہ حلیہ میں ذخیرہ سے، اس میں امام حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل ہے توان کی جانب یہ انتساب کیسے ہوسکتا ہے؟

اگر دریافت کرو کہ پھر استقرارِ حمل سے متعلق جو جزئیہ ہے اس کا مطلب کیا ہے؟۔ **میں کہوں گا** اس کا مطلب واضح ہے۔ اِن شاء اللہ تعالٰی۔ اس لئے کہ حمل سے عورت کو انزال ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔اور انزال میں غالب یہی ہے کہ منی باہر آتی ہے۔ اور غالب فقہ میں متحقق کا حکم رکھتا ہے۔ تو یہ بات اس کے منافی نہیں کہ حمل خروج منی پر موقوف نہیں بایں معنی کہ اگر خروج نہ ہو توحمل ہی نہ ہو۔

اگر یہ کہو کہ نہیں بلکہ حمل توعدم خروج کی دلیل ہے اس لئے کہ استقرار ہو چکا ہے۔ معلوم ہے کہ عورتوں کو جب حمل ٹھہرتا ہے تو وہ مرد کا پانی بھی روک لیتی ہیں،اس میں سے بہت قلیل باہر گرتا ہے۔ میں کہوں گا انزال کا تقاضا یہ ہے کہ خروج منی ہو۔ اور استقرار تو آب منی کے ایک جُز سے ہوتا ہے کل سے نہیں۔ معلوم ہے کہ جب انہیں حمل ہوتا ہے تو مرد کا کچھ پانی ان سے باہر آگرتا ہے۔ اور اس میں سے صرف وہی جز

ف: تطفل آخر علیھم۔

تعالٰی ان یکون منه الزرع بل قدلا یرمین به الاحین ینزلن تبعا لمائهن وبالجملة دلالة الانزل علی خروج البعض لایعارضها دلالة الحبل علی امساك البعض هذا ماظهر لی۔ ثم رأیت العلامة ط رحمه الله تعالٰی جنح الی بعض ماذکرته فقال قلت والنظر لایتم الا اذا کانت البکارة تمنع خروج المنی والامر بخلاف ذلك لخروج الحیض من ذلك المحل فلماکان الغالب فی تلك الحالة النزول خصوصا وقد ظهر الحبل وھو اکبر دلیل علیه اعتبروه واقاموا اللازم مقام الملزوم ومن یعرف مواقع الفقه لایستبعد ذلك[1] اھ فقد افادواجاد علیه رحمة الجواد۔ **اقول:** غیرف ان فی قوله خصوصا	رکتا ہے جس سے نسل کا وجود خدا تعالٰی نے مقدر فرمایا ہے۔ بلکہ ایسا بھی ہے کہ مرد کا پانی بھی اسی وقت گرتا ہے جب ان کے انزال کے ساتھ ان کا پانی بھی گرتا ہے۔ مختصر یہ کہ انزال بعض حصہ منی کے باہر آنے کی دلیل ہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری مذکورہ کچھ باتوں کی طرف علامہ طحطاوی، رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی رجحان ہے وہ فرماتے ہیں: میں کہتاہوں یہ نظر (جو در مختار میں منقول ہے ۱۲م) اسی صورت میں تام ہوسکتی ہے جب بکارت خروج سے مانع ہو اور معاملہ اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ خونِ حیض بھی اسی جگہ سے باہر آتا ہے۔ تو اس حالت میں چوں کہ غالب منی کا اترنا ہے۔ خصوصًا جب کہ حمل ظاہر ہوچکا اور یہ اس کی بڑی دلیل ہے، اس لئے اس کا اعتبار کرلیا گیا اور لازم کو ملزوم کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ اور جو فقہ کے مقامات سے آشنا ہے وہ اسے بعید نہ جانے گا۔ اھ۔ ان الفاظ سے انہوں نے افادہ کیا اور خوب افادہ فرمایا، رب جواد کی ان پر رحمت ہو۔ **اقول:** مگر یہ ہے کہ ان کا لفظ "خصوصًا" نمایاں

ف: معروضة علی العلامة ط۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۹۵/۱

حزازة ظاهرة لان الكلام ههنا فى اغلبية الخروج عند الانزال ولامزية فيه لصورة الحبل بل المزية لصورة عدمه لما قدمت من وجوب الا مساك فى الحبل للانعقاد۔

ثم المستفاد ف من كلامه ان مراده اغلبية الانزال فى حالة الجماع وعليه يستقيم قوله خصوصا فان دلالة الحبل على الانزال اظهر و ازهر ولكن لوكان الاغلب انزالها بالجماع لوجب الحكم عليها بالغسل وان لم يظهر الحبل لان الغالب كالمتحقق بل الاغلب فى النساء عدم الانزال بكل جماع الا احيانا كما صرح به اهل المعرفة بهذا الشان حتى قالوا لوانها كلما جومعت انزلت لهلكت سريعا هذا الكلام مع الغنية۔

اما الحلية فنقل فيها كلام المحقق ثم نازعه بقوله دعوى وجود المنى شرعا فيمن احتملت ثم استيقظت وتذكرت

طور پر کھٹک رہا ہے اس لئے کہ یہاں وقت انزال خروج منی کے اکثر ہونے سے متعلق گفتگو ہے اور اس میں صورت حمل کو کوئی خصوصیت نہیں، بلکہ خصوصیت عدم حمل کو ہے کیوں کہ ابھی بیان ہوا کہ حمل میں بوجہ استقرار (کچھ پانی) روک لینا ضروری ہے۔

پھر ان کے کلام سے مستفادیہ ہے کہ ان کی مراد حالتِ جماع میں اکثریت انزال ہے اسی مراد پر ان کا لفظ " خصوصًا" ٹھیک بیٹھ سکتا ہے کیونکہ انزال پر حمل کی دلالت بہت واضح وروشن ہے لیکن جماع سے اگر اسے انزال ہو جانا اکثر وغالب ہوتا تو حمل ظاہر نہ ہوتے ہوئے بھی (مسئلہ مذکورہ میں) اس پر غسل کا حکم کرنا لازم ہوتا۔ اس لئے کہ غالب واکثر، متحقق کا حکم رکھتا ہے۔ بلکہ عورتوں میں اکثر وغالب یہی ہے کہ ہر جماع سے انہیں انزال نہ ہو مگر بعض اوقات میں۔ جیسا کہ اس امر کی معرفت رکھنے والوں کی تصریح موجود ہے بلکہ انہوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اگر ہر جماع کے ساتھ اسے انزال ہو تو جلد ہی ہلاک ہو جائے۔ یہ کلام غنیہ پر ہوا۔

لیکن حلیہ تو اس میں محقق علی الاطلاق کا کلام نقل کرنے کے بعد ان الفاظ میں اس سے نزاع کیا ہے: عورت جسے احتلام ہوا، پھر بیدار ہوئی اور خواب میں

ف: معروضة اخرٰی علیها

لذة انزال مناما ولم تجد بللا لمساولا رؤیة ممنوعة لان مایتذکر وقوعه فی نفس الامر فی النوم انما یکون محقق الوجود شرعا اذا وجد فی الیقظة مایشهد بذلك ولیس الشاهد لتحقق وجود المنی منها مناما الا علمها بوجوده فی الفرج الخارج یقظة بلمس اوبصر فاذافقد فقد ظهر عدم وجوده وان المرئی لها فی المنام کان خیالا وهذه الصورة فیمایظهر هی محل الخلاف فظاهر الروایة لایجب الغسل وعن محمد نعم ولاشك فی ضعفها کیف لاوهی مخالفة لظاهر النص وکذا القیاس الصحیح علی امثال ذلك من البول و الحیض ونحوهما فان الشارع لم یعتبر هٰذه الاشیاء موجودة الا اذا برزت من الفرج الداخل الی الفرج الخارج کذا هذا [1] اھ **اقول:** والجواب ^ف^ ماأذناك	انزال کی لذت اسے یاد ہے مگر اسے چھونے یادیکھنے سے کوئی تری نہ ملی اس عورت سے متعلق یہ دعوی کہ شرعًا اس کی منی پالی گئی، قابلِ تسلیم نہیں۔اس لئے کہ خواب میں واقعی طور پر جس بات کا واقع ہونا یادآتا ہے شرعًا اس کا وجود اسی وقت ثابت ہوگاجب بیداری میں اس کا کوئی شاہد مل جائے۔اور خواب میں اس سے منی پائے جانے کے تحقق پر شاہد یہی ہے کہ بیداری میں چھونے یادیکھنے سے اس کو فرج خارج میں وجود منی کا علم ہوجب یہ شاہد موجود نہیں توظاہر ہوگیاکہ منی پائی نہ گئی اور جوکچھ اس نے خواب میں دیکھاوہ محض ایک خیال تھا۔اورظاہر یہی ہے کہ یہی صورت محلِ اختلاف ہے۔اسی سے متعلق ظاہر الروایہ میں ہے کہ غسل واجب نہیں،اور امام محمد سے ایک روایت ہے کہ واجب ہے،اور اس روایت کے ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں،اور ضعیف کیوں نہ ہو جب کہ وہ ظاہر نص کے مخالف ہے۔اسی طرح اس کے مثل پیشاب حیض وغیرہ پر قیاس صحیح کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ شارع نے ان چیزوں کاوجود اسی وقت مانا ہے جب یہ فرج داخل سے نکل کر فرج خارج میں ظاہر ہوں۔تویہی حکم منی کا بھی ہوگااھ۔ **اقول:** اس کاجواب وہی ہے جو ہم

ف: تطفل علی الحلیة۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مرارا ان تذکر الاحتلام دلیل اعتبرہ الشرع لاسیما مع تذکر لذۃ الانزال ومن ثم نشأ الفرق بین الاحکام فی التذکر وعدمہ فلولم یکن دلیلا علی نزول المنی کان احتمال المنی احتمالا علی احتمال فی من تذکر ورأی بللا یعلم انہ لیس منیا بل ولایعلم ایضا انہا بلۃ ناشئۃ عن شھوۃ انما یسوغہ لترددھا بین مذی وودی ومعلوم ان الاحتمال علی الاحتمال لایعبؤبہ فکان کمن رأھا ولم یتذکر مع اجماعھم علی الفرق بینھما فما ھو الالان التذکر دلیل خروج المنی فترقی بہ عن الاحتمال علی الاحتمال الی الاحتمال فوجب احتیاطا لان الاحتمال معتبر فی محل الاحتیاط۔ قولکم انما یکون محقق الوجود شرعا[1] الخ **اقول:** ماقام ف علیہ	نے بار بار بتایا کہ احتلام یاد ہونا ایک ایسی دلیل ہے جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے خصوصًا جب کہ لذتِ انزال بھی یاد ہو۔ یہیں سے تو یاد ہونے اور نہ ہونے میں احکام کا فرق رونما ہوا۔ اگر یہ نزول منی کی دلیل نہ ہوتا تو منی کا احتمال، احتمال در احتمال ہوتا اس شخص کے بارے میں جسے احتلام یاد ہے اور بیداری میں اس نے ایسی تری دیکھی جسے وہ جانتا ہے کہ منی نہیں بلکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ کوئی ایسی تری ہے جو شہوت سے نکلی ہے۔ اس کا صرف امکان مانتا ہے اس لئے کہ اس میں مذی اور ودی کے درمیان تردّد ہے۔ اور معلوم ہے کہ احتمال در احتمال کا کوئی اعتبار نہیں تو یہ شخص اسی کی طرح ہوا جس نے تری دیکھی اور اسے احتلام یاد نہیں، حالانکہ دونوں کے درمیان تفریق پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ احتلام یاد ہونا خروج منی کی دلیل ہے اسی وجہ سے وہ احتمال در احتمال سے ترقی کرکے احتمال کے درجہ تک آگیا۔ تو احتیاط واجب ہوئی اس لئے کہ مقام احتیاط میں احتمال معتبر ہے۔ **صاحب حلیہ:** شرعًا اس کا وجود اسی وقت ثابت ہوگا الخ **اقول:** جس امر پر دلیل

ف: تطفل آخر علیہا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دلیل شرعی فقد تحقق وجودہ شرعاولا یحتاج الی شاھد من لمس اوبصرالا تری ان المولج المکسل قام فیہ الدلیل الشرعی علی انزالہ فاعتبرموجودا شرعامع عدم شھادۃ لمس ولا بصر نعم یحتاج الحکم بالدلیل الی عدم المعارض وعدم وجدان الرجل المحتلم معارض لدلالۃ التذکر بخلاف المرأۃ کما بینا نعم دلالۃ الایلاج یقظۃ اعظم واقوی من دلالۃ الاحتلام فلم یقم لھا ھذا المعارض لاحتمالات بعیدۃ لم تکن تحمل لولا غایۃ مافی ھذا الدلیل من عظم القوۃ بخلاف تذکر الحلم۔ قولکم مخالفۃ لظاھر النص[1] **اقول:** لواوجبت ف من دون	شرعی قائم ہوگئی، شرعًا اس کا وجود ثابت ہوگیا اور چھونے، دیکھنے جیسے شاہد کی حاجت نہ رہی۔ کیا معلوم نہیں کہ ادخالِ حشفہ والے شخص کے بارے میں انزال پر دلیلِ شرعی قائم ہوگئی توانزال کو شرعًا موجود مان لیاگیا باوجودیکہ دیکھنے چھونے کی کوئی شہادت نہیں۔ ہاں دلیل پر حکم کرنے میں اس کی ضرورت ہے کہ اس کا کوئی معارض نہ ہو۔ اور جس مرد نے خواب دیکھااور احتلام اسے یاد ہے مگراس نے کوئی تری نہ پائی تو اس کے یاد ہونے کا اعتبار نہ ہوا۔اس لئے کہ تری نہ پانا، دلیلِ تذکر (یاد ہونا) کے معارض ہے۔ اور عورت کی یہ حالت نہیں جیساکہ ہم نے بیان کیا۔ ہاں بیداری میں ادخال کی دلالت، خواب یاد ہونے کی دلالت سے زیادہ عظیم اور قوی ہے اس لئے یہ معارض (تری نہ پانا) اس کے سامنے نہ ٹھہر سکا ایسے بعید احتمالات کی وجہ سے جو اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے اگر اس دلیل میں انتہائی قوت نہ ہوتی اور خواب یاد ہونے کی دلیل ایسی قوی نہیں۔ **صاحب حلیۃ:** یہ روایت ظاہر نص کے مخالف ہے۔ **اقول:** اگر اس میں

ف:تطفل ثالث علیھا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دلیل علی الخروج لخالفت واذ قدبنت الامر علی الدلیل وقد اعترفتم انه لاشك فی الاتفاق علی وجوب الغسل بوجود المنی فی احتلامها وفی ان المراد بالرؤیة العلم بوجوده لارؤیة البصر[1] اھ ففیم الخلاف۔	خروج منی کی دلیل کے بغیر وجوبِ غسل کاحکم ہوتاتو وہ نص کے مخالف ہوتی اورجب اس نے بنائے حکم دلیل پر رکھی ہے(تومخالفت کس بات میں رہی)اور آپ کو بھی اعتراف ہے کہ عورت کے احتلام میں منی پائے جانے سے وجوبِ غسل پر اتفاق ہونے میں کوئی شک نہیں اوراس میں بھی کوئی شک نہیں کہ رؤیت سے مراد وجود منی کا علم ہے آنکھ سے دیکھنا مراد نہیں۔اھ۔اب مخالفت کہاں ہوئی؟
قولکم والقیاس الصحیح[2] **اقول**: ماذاف۱ المناط فی المقیس علیها تعلق العلم بنفسها اصالة ام اعم الثانی حاصل ههنا کماعلمت والاول غیر مسلم فی المقیس علیها ففی الاشباہ ذکر عن ف۲ محمد رحمه اللّٰه تعالٰی انه اذا دخل بیت الخلاء وجلس للاستراحة وشك هل	**صاحب حلیۃ**: قیاس صحیح کے بھی خلاف ہے۔ **اقول**: مقیس علیہ (پیشاب، حیض وغیرہ۱۲م) میں مدار کیا ہے؟ خود ان چیزوں سے براہِ راست علم ویقین کا تعلق، یااس سے اعم (وہ علم جو دلیل کے ذریعہ علم کو بھی شامل ہو۱۲م) ثانی تویہاں حاصل ہے جیساکہ واضح ہوا۔ اور اول خود مقیس علیہ میں تسلیم نہیں۔ کیونکہ اشباہ میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہ مسئلہ نقل کیا ہے: یہ یاد ہے کہ بیت الخلا میں داخل ہوا اور قضائے حاجت

ف۱: تطفل رابع علیها۔

ف۲: **مسئلہ**: یہ یاد ہے کہ بیت الخلاء میں گیااور قضائے حاجت کے لئے بیٹھا تھامگر یہ یاد نہیں کہ پیشاب وغیرہ کچھ ہوا یانہیں تو یہی ٹھہرائیں گے کہ ہواتھاوضولازم ہے۔

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

خرج منه اولا كان محدثا وان ف۱ جلس للوضوء ومعه ماء ثم شك هل توضأ ام لاكان متوضيا عملا بالغالب فيهما[1] اھ وقد جزم بالفرع فی الفتح فقال شك فی الوضوء او الحدث وتيقن سبق احدهما بنی علی السابق الا ان تأيد اللاحق فعن محمد علم المتوضيئ دخوله الخلاء للحاجة وشك فی قضائهاقبل خروجه عليه الوضوء ثم ذكرمسألة الوضوء ثم قال وهذايؤيد ماذكرناه من الوجه فی وجوب وضوء المفضاة[2] اھ ای اذا ف۲ خرج لهاريح	کے لئے بیٹھا تھااور اس میں شک ہے کہ کچھ خارج ہوا تھا یا نہیں تو وہ بے وضو قرار پائے گا۔ اور اگر یہ یاد ہے کہ وضو کے لئے پانی لے کر بیٹھا تھامگراس میں شک ہے کہ وضو کیا تھا یا نہیں تو یہ مانیں گے کہ وضو کرلیا تھا۔ دونوں مسئلوں میں غالب پر عمل کی رو سے یہ حکم ہے۔اھ۔ اس جُزئیہ پر فتح القدیر میں جزم کیا ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں: وضو یاحدث میں شک ہوا اور اس سے پہلے دونوں میں سے ایک کا یقین ہے توسابق پر بناء رکھے مگر یہ کہ لاحق کو کسی چیز سے تقویت حاصل ہو۔ کیونکہ امام محمد سے منقول ہے کہ باوضو شخص کو حاجت کے لئے خلاء میں جانے کا یقین ہے۔ اوراس میں شک ہے کہ نکلنے سے پہلے قضائے حاجت کیا یانہیں تواسے وضو کرنا ہے۔ اس کے بعد مسائلہ وضو ذکر کیا پھر فرمایا: اس سے اُس وجہ کی تائید ہوتی ہے جو مفضاۃ پر وضو واجب ہونے کے بارے میں ہم نے ذکر کی۔اھ۔ مفضاۃ وہ عورت جس کے دونوں راستے

فــ۱: مسئلہ: وضو کے لئے پانی لے کر بیٹھنا یاد ہے مگر وضو کرنا یاد نہیں تو یہی قرار دیں گے کہ وضو کرلیا۔

فــ۲: مسئلہ: جس عورت کے دونوں مسلک پردہ پھٹ کر ایک ہوگئے اسے جو ریح آئے احتیاطاً وضو کرے اگرچہ احتمال ہے کہ یہ ریح فرج سے آئی ہے۔

1 الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۸۷

2 فتح القدیر کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۸

لاتعلم هل هی من القبل او الدبر تجعل من الدبر لانه الغالب فیجب علیها الوضوء فی روایة هشام عن محمد وبه اخذ الامام ابوحفص الکبیر و مال المحقق الی ترجیحه بماعلمت خلافا لمافی الهدایة وغیرها انها انمایستحب لها الوضوء لعدم التیقن بکونها من الدبر فهذا بول مثلا اعتبر موجودا شرعامع عدم احاطة العلم به عینا وفی الدر المختار النفاس دم فلولمـ[ف] تره[1] (بان خرج الولد جافابلادم[2] ش) هل تکون نفساء المعتمدنعم[3] اھ	پردہ پھٹ کر ایک ہوگئے۔اس سے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب اس سے ریح نکلی اوراسے علم نہیں کہ آگے کے مقام سے ہے یا پیچھے سے، تو پیچھے کے مقام سے قرار دی جائے گی،اس لئے کہ یہی غالب ہے، تواس پر وضو واجب ہوگا۔یہ امام محمد سے ہشام کی روایت میں ہے اور اسی کوامام ابو حفص کبیر نے اختیار کیا ہے۔وجہ مذکور سے اسی کی ترجیح کی جانب حضرت محقق کامیلان ہے اس کے برخلاف جو ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ اس پر وضو صرف مستحب ہے کیونکہ اس کے پیچھے کے مقام سے ہونے کا یقین نہیں۔ تو مذکورہ بالاجزئیہ میں یہ مثلاً پیشاب وپاخانہ ہے جسے شرعًا موجود مان لیاگیاباوجودیکہ بعینہٖ اس سے متعلق احاطہ علم نہیں۔ اب دم سے متعلق دیکھئے۔درمختار میں ہے: نفاس ایک خون ہے تواگراسے نہ دیکھے (شامی میں ہے مثلاً یوں کہ بچہ خشک نکل آیا جس پر خون کا کوئی نشان نہیں) توکیا وہ نفاس والی ہوگی یا نہیں؟۔ معتمدیہ ہے کہ ہوگی اھ۔

فـــ: **مسئلہ**: بچہ بالکل صاف پیداہوا جس کے ساتھ خون کااصلانشان نہیں نہ بعد کو خون آیا پھر بھی زچہ پر احتیاطاً غسل واجب ہے۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۲

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الحیض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۹

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۲

وفی المراق من الوضوء قال ابو حنیفة رضی الله تعالٰی عنه علیها الغسل احتیاطا لعدم خلوہ عن قلیل دم ظاهراوصححه فی الفتاوٰی وبه افتی الصدرالشهید رحمه الله تعالٰی عنه [1] اھ وفی حاشیتها للعلامة ط من النفاس اکثر المشایخ علی قول الامام رضی الله تعالی عنه [2] اھ فهذا فی النفاس۔ **ثم اقول:** فی قوله ف رحمه الله تعالٰی مشیرا الی البول والحیض ونحوهما انها لاتعتبرالا اذا برزت من الفرج الداخل الی الفرج الخارج تسامح ظاهر بالنظر الی البول فانه لایخرج من الفرج الداخل بل من ثقبة فی الفرج الخارج فوق مدخلالذکر فکان الاولی اسقاط قوله من الفرج الداخل۔ ثم اورد فی الحلیة کلام	مراقی الفلاح میں باب وضو کے تحت ہے: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا احتیاطًا اس پر غسل ہے اس لئے کہ ظاہرًا نفاس دم قلیل سے خالی نہیں ہوتا، اسی کو فتاوی میں صحیح قرار دیا، اور اسی پر صدر شہید رحمہ اللہ تعالٰی نے فتوی دیا۔اھ۔اور علامہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح میں نفاس کے بیان میں ہے: اکثر مشائخ حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہیں اھ۔یہ نفاس سے متعلق ہوگیا۔ **ثم اقول:** حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نے پیشاب، حیض اور ان جیسی چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کا اعتبار اسی وقت ہوتا ہے جب یہ فرج داخل سے فرج خارج کی طرف نکلیں۔اس عبارت میں پیشاب کی بہ نسبت کھلا ہوا تسامح ہے اس لئے کہ پیشاب فرج داخل سے نہیں نکلتا بلکہ اس سوراخ سے نکلتا ہے جو فرج خارج میں مدخل ذکر سے اوپر ہوتا ہے تو بہتر یہ تھا کہ لفظ "فرج داخل" عبارت میں نہ لاتے۔ اس کے بعد حلیہ میں اختیار کی عبارت

ف: تطفل خامس علی الحلیة۔

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الطہارۃ فصل ینقض الوضوء دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۸۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ باب الحیض والنفاس دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۰

الاختیار کما قدمنا عنها قال ویطرقه ان الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین وھو ھنامفقود[1] اھ **اقول:** بل موجود کماعلمت قال وکون الظاھر فی الاحتلام الخروج ممنوع بل قد وقد[2]اھ۔ **اقول:**ان ف اراد التساوی فغیر صحیح والا لبطل دلالۃ التذکرعلی ان ھذا المتردد بین المذی والودی منی وان اراد ان الخروج قد یتخلف فنعم ولا یقدح فی الظھور۔ قال ثم لم یظھرمن الشارع اعتبارھذا الاحتمال بل قیدالشارع وجوب الغسل علیھا بعلمھا وجودہ لم یطلق لھا فی الجواب کمااطلقت (ای ام سلیم	ذکر کی ہے جیساکہ اس کے حوالہ سے ہم پیش کرچکے۔ پھر لکھا ہے کہ:اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ احتیاط دلیل اقوی پر عمل میں ہےاور وہ یہاں مفقود ہے۔اھ۔ **اقول:** بلکہ موجود ہے جیسا واضح ہوچکا۔آگے فرمایا: یہ کہ احتلام میں ظاہر خروج منی ہے، قابل تسلیم نہیں۔ بل قد وقد (یعنی بلاخروج منی بھی احتلام ہوتا ہے ۱۲م)۔ **اقول:** اگر یہ مراد ہے کہ خروج اور عدمِ خروج دونوں احوال برابری پر ہیں تو یہ صحیح نہیں ورنہ احتلام یاد ہونے کی دلالت اس امر پر باطل ہوئی کہ یہ شکل جس میں مذی وودی کے درمیان تردّد ہے ،وہ منی ہی ہے۔اور اگر یہ مراد ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ احتلام ہواور خروج منی نہ ہوتو بات صحیح ہے مگراس سے اس میں کوئی خلل نہیں آتاکہ ظاہر خروج ہے۔ آگے فرماتے ہیں: پھر شارع کی جانب سے اس احتمال کا اعتبار ظاہر نہ ہوابلکہ شارع نے عورت پر وجوبِ غسل اس سے مقید فرمایاکہ اسے وجودِ منی کا علم ہوجائے اور اس کے لئے جواب مطلق نہ رکھا جیسے (حضرت ام سلیم رضی اللہ

ف:تطفل سادس علیھا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

رضی اللہ تعالٰی عنہا) فی السؤال فانعم النظر تجدہ تحقیقا لاغبار علیہ ان شاء اللہ تعالٰی[1] اھ **اقول** : اما الاحتمال الذی ابداہ فی الاختیار وھو العود حین الاستلقاء فقد عرفت الکلام علیہ وان لاحاجۃ الیہ وان العلم بالوجود متحقق احتیاطا کما اسلفنا والحمدللہ۔ فھذا منتھی الکلام فی مسألۃ المرأۃ ولا اقول انا الذی وجھتھا بہ یوجب التعویل علی الروایۃ النادرۃ انما اقول ان الرد علی کلام المحقق غیر یسیر۔ اما التعویل فعلی ماحکم بہ ائمتنا فی ظاھر الروایۃ ونص علی انہ الاصح وانہ الصحیح وبہ یؤخذ وعلیہ فتوی ائمۃ الدرایۃ فسقط معہ للبحث مجال وانما علینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم اعاد اللہ علینا من برکاتھم ومع	تعالٰی عنہا کا) سوال مطلق تھا۔ تو غور سے نظر ڈالو یہ ایسی تحقیق ثابت ہوگی جس پر کوئی غبار نہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ اھ۔ **اقول**: وہ احتمال جو اختیار میں ظاہر کیا کہ ہو سکتا ہے حالت استلقاء میں منی نکل کر عود کر گئی ہو تو اس پر مکمل کلام گزر چکا اور وہاں واضح ہوا کہ اس کی کوئی حاجت نہیں وجود منی کا علم یوں ہی احتیاطًا ثابت و متحقق ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا، والحمدللہ۔ مسئلہ زن سے متعلق یہ منتہائے کلام ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو توجیہ پیش کی ہے اس کے باعث روایتِ نادرہ پر اعتماد واجب ہے۔ میں صرف یہ کہتا ہوں کہ حضرت محقق کے کلام کی تردید آسان نہیں۔ اعتماد تو اسی پر ہے جس پر ہمارے ائمہ نے ظاہر الروایہ میں حکم فرمایا اور ائمہ درایت نے جس کے بارے میں تصریح فرمائی کہ وہ اصح ہے۔ صحیح ہے۔ بہ یؤخذ (اسی کو اختیار کیا جائے گا) اور اسی پر ائمہ درایت کا فتوٰی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے بحث کی جگہ ہی نہیں۔ ہمارے ذمہ تو اسی کا اتباع لازم ہے جسے ان حضرات نے راجح و صحیح قرار دیا جسے اگر وہ اپنی حیات میں ہمیں فتوٰی دیتے تو ہمارے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ذلك ان تنزه احد فهو خيرله عند ربه واللہ سبحنه وتعالی اعلم۔	ذمہ یہی ہوتا۔ہم پر اللہ تعالی ان کی برکتیں پھر واپس لائے۔اس کے باوجود اگر کوئی نزاہت اختیار کرے تو یہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)۔

صُورتِ استثناء پر کلام

اس کے بیان کو تین ۳ تنبیہیں اور اضافہ کریں:

تنبیہ ثالث عشر ۱۳: احتلام یاد ہونے کی حالت میں طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک احتمال منی پر وجوبِ غسل کا حکم ظاہر الروایۃ میں مطلق ہے اور تمام متون اسی پر ہیں مگر نوادر ہشام میں محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ قید مروی ہوئی کہ اگر سونے سے کچھ پہلے شہوت تھی جاگ کر یہ تری دیکھی جس کے منی یا مذی ہونے میں شک ہے تو غسل واجب نہ ہوگا تبیین الحقائق میں ہے:

ذکر هشام فی نوادره عن محمد اذا استيقظ فوجد بللا فی احليله ولم يتذكر الحلم فأن كان ذكره قبل النوم منتشر افلا غسل عليه وان كان غير منتشر فعليه الغسل۔[1]	امام ہشام نے اپنی نوادر میں امام محمد سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ جب بیدار ہو کر احلیل (ذکر کی نالی) میں تری پائے اور خواب یاد نہ ہو تو اگر سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو اس پر غسل نہیں، اور اگر منتشر نہ تھا تو اس پر غسل ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

روی عن محمد فی مستيقظ وجد ماء ولم يتذكر احتلاما ان كان ذكره منتشرا قبل النوم لايجب والا يجب۔[2]	امام محمد سے روایت ہے بیدار ہونے والا تری پائے اور اسے احتلام یاد نہیں تو اگر سونے سے پہلے منتشر تھا غسل واجب نہیں ورنہ واجب ہے۔(ت)

اور اس کی وجہ یہ افادہ فرماتے ہیں کہ شہوت خروج مذی کی باعث ہے تو پیش از خواب قیام

---

1 تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ موجبات الغسل دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۷

2 فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۳

شہوت بتائے گاکہ یہ مشکوک تری مذی ہے اور مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا بخلاف اسکے کہ سونے سے پہلے شہوت نہ ہو تواب سبب مذی بیداری میں نہ تھا اور نیند مظنہ احتلام ہے لہٰذا اسے منی ٹھہرائیں گے اور رقت وغیرہ سے مذی کااشتباہ معتبر نہ رکھیں گے کہ منی بھی گرمی پہنچ کر رقیق ہوجاتی ہے۔ غیاثیہ میں ہے:

ان کان منتشرا عند النوم فعلیه الوضوء لاغیر لانه وجد سبب خروج المذی فیعتقد کونه مذیا ویحال به الیه الا اذا کان اکبر رأیه انه منی رق فحینئذ یلزمه الغسل [1] اھ واطال فی الحلیة فی بیانه بماحاصله ان النوم مظنة للمنی والانتشار للمذی وقد سبق والسبق سبب الترجیح مع ان الاصل براءة الذمة وعدم التغیر فی المنی ثم قال ولا یدفعه ماعن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الرجل یجد البلل ولا یذکر احتلاما قال یغتسل وعن الرجل یری انه قد احتلم ولم یجد بللا قال لاغسل علیه فان الظاھر ان المراد	اگر سونے کے وقت ذکر منتشر تھا تواس پر صرف وضو ہے۔ اس لئے کہ خروج مذی کا سبب موجود ہے تواسے مذی ہی ماناجائے گااور اسے اسی کے حوالے کیاجائے گا۔ لیکن جب اسے غالب گمان ہو کہ یہ منی ہے جو رقیق ہوگئی ہے توایسی صورت میں اس پر غسل لازم ہے۔اھ۔ اور حلیہ کے اندر اس کے بیان میں طول کلام ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نیند منی کا مظنّہ ہے اور انتشارِ آلہ مذی کا مظنّہ ہے اور انتشار سابق ہے اور سبقت سببِ ترجیح ہے باوجودیکہ اصل یہ ہے اس کے ذمہ غسل نہیں اور منی میں تغیر نہیں۔ پھر فرمایا: اس کی تردید اس سے نہیں ہوسکتی جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ سے اس مرد کے بارے میں پوچھا گیا جو تری پائے احتلام یاد نہ ہو، فرمایا غسل کرے اور اس مرد کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ خیال رکھتا ہے کہ اس نے خواب دیکھا ہے اور تری نہ پائے، فرمایا اس پر غسل نہیں۔اس لئے کہ ظاہر یہ ہے

[1] الفتاوی الغیاثیہ نوع فی اسباب الجنابۃ واحکامہا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۸و۱۹

بالبلل المذکور المنی بالاجماع علی ان فی سندہ عبداللہ العمری ضعیف[1] اھ مختصرا۔

اقول: ف۱ الحدیث قداحتج بہ اصحابنالامام المذھب ومحررہ فی ایجابھما الغسل بالمذی اذا لم یتذکر حلما کماتقدم وقدمناعن البدائع انہ نص فی الباب[2] وان ابایوسف یحملہ علی المنی وان للامامین اطلاق الحدیث۔

ثم العمری انما ف۲ ضعفہ یحیی القطان من قبل حفظہ وقال النسائی وغیرہ لیس بالقوی۔

اقول: وبون بین بینہ وبین لیس بقوی، وقال ابن معین لیس بہ باس یکتب حدیثہ[3] قیل لہ کیف حالہ فی نافع قال صالح ثقۃ[4]

کہ مذکورہ تری سے مراد منی ہے بالاجماع علاوہ ازیں اس کی سند میں عبداللہ عمری راوی ضعیف ہے۔ مختصرا۔

اقول: اس حدیث سے ہمارے اصحاب نے امام مذہب اور محررمذہب علیہما الرحمہ کی تائید میں اس بارے میں استدلال کیا ہے کہ یہ دونوں حضرات احتلام یاد نہ ہونے کی صورت میں مذی سے غسل واجب قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ گزرا۔ اور ہم نے بدائع کے حوالہ سے نقل کیا کہ یہ حدیث اس باب میں نص ہے، اور امام ابویوسف اسے منی پر محمول کرتے ہیں اور طرفین کی تائید اطلاق حدیث سے ہوتی ہے۔

پھر عبداللہ عمری کو یحیٰی قطان نے کمی حفظ کی وجہ سے ضعیف کہاہے اور امام نسائی وغیرہ نے لیس بالقوی (قوی نہیں) کہا ہے۔

اقول: لیس بالقوی (قوی نہیں) کہا اور لیس بقوی (ذرا بھی قوی نہیں) میں نمایاں فرق ہے۔ اور ابن معین نے کہا: ان میں کوئی حرج نہیں ان کی حدیث لکھی جائے گی۔ پوچھا گیا: نافع سے روایت میں ان کا کیاحال ہے۔ فرمایا:

ف۱: تطفل علی الحلیۃ۔ ف۲: تمشیۃ عبداللہ العمری المکبر۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] بدائع الصنائع کتاب الطہارۃ فصل فی احکام الغسل دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۷۸

[3] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن عمر العمری ۴۴۷۲ دار المعرفۃ بیروت ۲/۴۶۵

[4] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن عمر العمری ۴۴۷۲ دار المعرفۃ بیروت ۲/۴۶۵

وقال احمد صالح لاباس بہ[1] وقال ابن عدی فی نفسہ صدوق[2] وقال ایضا لاباس بہ وقال یعقوب بن شیبۃ صدوق ثقۃ فی حدیثہ اضطراب وقال الذھبی صدوق فی حفظہ شیئ[3]، وھذا مسلم قد اخرج لہ فی صحیحہ۔

وبالجملۃ ف لیس ممن یسقط حدیثہ ولا عبرۃ بما تعود بہ ابن حبان من عبارۃ واحدۃ یذکرھا فی کل من یرید، بل لایبعد حدیثہ عن درجۃ الحسن ان شاء اللہ تعالٰی لاجرم ان سکت ابو داؤد علیہ۔

اما الجواب عنہ **فاقول**: ظاھر ان السؤال عن بلل ینشؤ بسبب النوم ولذا قال ولم یذکر احتلاما ای یجد المسبب ولا یذکر السبب، قال یغتسل ثم سئل یذکر السبب ولا یجد المسبب قال لاغسل علیہ وحینئذ بمعزل عنہ مانحن فیہ۔

ثم انہ رحمہ اللہ تعالٰی

صالح ثقہ ہیں۔امام احمد نے فرمایا: صالح ہیں ان میں کوئی حرج نہیں۔ابن عدی نے کہا: راست باز ہیں،اور یہ بھی کہا: ان میں کوئی حرج نہیں۔اور یعقوب بن شیبہ نے کہا: صدوق، ثقہ ہیں،ان کی حدیث میں کچھ اضطراب ہے۔ ذہبی نے کہا: صدوق ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے۔اور یہ امام مسلم ہیں جنہوں نے اپنی صحیح میں ان کی حدیث روایت کی ہے۔

مختصر یہ کہ وہ ان میں سے نہیں جن کی حدیث ساقط ہوتی ہے اور اس کا اعتبار نہیں جس کے ابن حبان عادی ہیں ایک ہی عبارت ہے جس کے لئے چاہتے ہیں استعمال کردیتے ہیں، بلکہ ان کی حدیث ان شاء اللہ تعالٰی درجہ حسن سے دور نہیں، یہی وجہ ہے کہ ابوداؤد نے ان پر سکوت اختیار کیا۔

لیکن اس کا جواب **فاقول**: ظاہر ہے کہ سوال اس تری سے متعلق ہے جو نیند کے سبب پیدا ہوتی ہے اسی لئے سائل نے کہا"اسے احتلام یاد نہیں"۔ یعنی مسبّب موجود ہے اور سبب یاد نہیں، فرمایا: غسل کرے۔ پھر سوال ہے کہ سبب یاد ہے مسبّب کا وجود نہیں، فرمایا: اس پر غسل نہیں۔ ایسی صورت میں یہ حدیث ہمارے مبحث سے الگ ہے۔

آگے صاحب حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے چند:

ف: تطفل اٰخر علیھا۔

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن عمر العمری ۴۴۷۲ دار المعرفۃ بیروت ۲/۴۶۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن عمر العمری ۴۴۷۲ دار المعرفۃ بیروت ۲/۴۶۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن عمر العمری ۴۴۷۲ دار المعرفۃ بیروت ۲/۴۶۵

اعترض **اولا:** علی عبارۃ المسألۃ حیث ارسل فیھا البلل قال"ولا شك ان المنی غیر مراد لاجرم ان ذکر المصنف انہ لو تیقن منی فعلیہ الغسل[1] اھ۔ وقد قدمنا الجواب عنہ ان المراد بلل لایدری ا منی ھو ام مذی قال فی الخانیۃ فی تصویر المسألۃ"استیقظ فوجد علی طرف احلیہ بلۃ لایدری انھا منی او مذی[2] الخ ولفظ الغیاثیۃ ذکر ھشام عن محمد فی نوادرہ انہ وجد البلل فی طرف احلیہ شبہ المذی ولم یذکر حلما[3] الخ"۔ **اقول:** ونص الھندیۃ عن المحیط والحلیۃ عن الذخیرۃ کلیھما عن القاضی الامام ابی علی النسفی عن ھشام عن محمد اذا استیقظ فوجد البلل فی احلیلہ[4] الخ۔	اعتراض کئے ہیں: **اعتراض اول** عبارت مسئلہ سے متعلق ہے کہ اس میں تری مطلق ذکر ہے فرماتے ہیں: اسمیں کوئی شک نہیں کہ منی مراد نہیں۔اسی لئے مصنف نے ذکر کیا کہ اگر اسے منی ہونے کا یقین ہے تو اس پر غسل ہے۔اھ۔ اور اس کا جواب ہم پیش کر آئے ہیں کہ مراد ایسی تری ہے جس کے بارے میں اسے پتہ نہیں کہ منی ہے یا مذی، خانیہ میں صورتِ مسئلہ کے بیان میں کہا: بیدار ہو کر سرِاحلیل پر ایسی تری پائی جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ منی ہے یا مذی الخ۔ اور غیاثیہ کے الفاظ یہ ہیں: ہشام نے نوادر میں امام محمد سے نقل کیا ہے کہ جب کنارہ احلیل پر مذی کے مشابہ تری پائے اور اسے خواب یاد نہیں الخ۔ **اقول:** ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے اور حلیہ میں ذخیرہ کے حوالہ سے دونوں قاضی امام ابو علی نسفی سے ناقل ہیں وہ ہشام سے وہ امام محمد سے: جب بیدار ہو کر اپنے احلیل میں تری پائے۔الخ۔

---

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

2 فتاوی قاضی خاں کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱

3 الفتاوی الغیاثیہ نوع اسباب الجنابۃ واحکامہا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۸

4 الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

فاذا ف۱ کان ھذا لفظ محمد فلا معنی للاعتراض علیه وانما کان سبیله بیان المراد کما فعل فقیه النفس وغیرہ من الامجاد۔	توجب یہ امام محمد کے الفاظ ہیں تو اس پر اعتراض کا کوئی معنی نہیں۔اس کا طریقہ یہ تھا کہ مراد بیان کی جاتی جیسا کہ امام فقیہ النفس وغیرہ بزرگوں نے کیا۔
ثم اعترض علی ما استشھد به من عبارة المنیة لوتیقن انه منی بانه یفید بمفھومه ان لو لم یتیقن لاغسل فیفید ان لو کان اکبر رأیه انه منی لایجب لکنه یجب کما صرح به قاضی خان فی فتاویه [1] اھ۔	اس کے بعد منیہ کی جو عبارت بطور شاہد پیش کی اس پر اعتراض کیا کہ "اگر اسے یقین ہے کہ وہ منی ہے تو غسل ہے"اس عبارت کے مفہوم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر یقین نہ ہو تو غسل نہیں۔اب مفاد یہ ہوگا کہ اگر اسے منی ہونے کا غالب گمان ہو تو غسل واجب نہیں۔حالاں کہ اس صورت میں بھی غسل واجب ہے جیسا کہ امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصریح فرمائی ہے اھ۔
اقول: ف۲ اکبر الرأی فی الفقھیات ملتحق بالیقین بل ربما اطلقوا علیه الیقین ھذا۔	**اقول:** غالب گمان اور اکبر رائے فقہیات کے اندر یقین میں شامل ہے بلکہ بارہا اس پر یقین کا اطلاق کرتے ہیں۔یہ ذہن نشین رہے۔
واعتراض **ثانیا** علی دلیل المسألة بما حاصله منع ان الانتشار مظنة الامذاء الا اذا کان الرجل مذاء قال"اما اذا لم یکن فینفرد النوم	**اعتراض دوم** دلیل مسئلہ پر ہے،اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ انتشار مذی نکلنے کا مظنہ ہے ہاں مگر جب کہ مرد کثیر المذی ہو،فرماتے ہیں: لیکن جب ایسا نہ ہو تو تنہا نیند

ف۱:تطفل ثالث علیھا۔ ف۲: تطفل رابع علیھا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مظنة [1] اھ مختصرا۔ **اقول:** ان اراد ف۱ المظنة المصطلحة فقدمنا ان النوم ایضا لیس مظنة الامناء فالمراد السبب مطلقا ولولا مطلقا بهذا المعنی لاشك ان الانتشار مظنة الامذاء۔ وان ف۲ بغیت التحقیق **فاقول:** دونك مشرعا اعطیتك من قبل به یظهر تعلیل المسألة والجواب عن ایراد الحلیة معا فان النوم سبب ضعیف للامناء وانما كان یتقوی باحد شیئین تذكر الاحتلام او ان یحدث بلة لاتنبعث الا عن شهوة وقد انتفیا ههنا اما الحلم فلعدم الذكر واما البلة فلا نعقاد سببها قبل النوم فلم تدل علی احداثه انتشارا شدیدا مدیدا یورث خروج بلة عن شهوة فلم یبق الا محض النوم وكان سببا ضعیفا فتقاعد ان ینتهض موجبا فجعلهما مظنتین وترجیح الانتشار بالسبق وعند عدمه افراد النوم بالمظنّیة كله بمعزل عن التحقیق والله سبحنه ولی	مظنّہ ہے اھ مختصراً۔ **اقول:** اگر مظنّہ اصطلاحی مراد ہے تو ہم بیان کر آئے کہ نیند بھی منی نکلنے کا مظنہ نہیں۔ تو مطلقاً سبب ہونا مراد ہے اگرچہ سبب مطلق مراد نہ ہو۔ اور اس میں بلاشبہہ انتشار مذی نکلنے کا مظنہ ہے اور اگر ناظر کو تحقیق کی طلب ہے تو **میں کہتا ہوں** وہ قاعدہ لے لو جو پہلے میں دے چکا ہوں اس سے مسئلہ کی تعلیل اور اعتراض حلیہ کا جواب دونوں واضح ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ نیند منی نکلنے کا سبب ضعیف ہے اگرچہ اسے دو باتوں میں کسی ایک سے قوّت مل جاتی ہے۔ یا تو احتلام یاد ہو۔ یا ایسی تری نمودار ہو جو بغیر شہوت کے اپنی جگہ سے نہیں اٹھتی۔ اور یہاں ایک بھی نہیں خواب یاد ہی نہیں، اور تری ہے تو اس کا سبب سونے سے پہلے ہی متحقق ہو چکا ہے اس لئے یہ تری اس کی دلیل نہیں کہ نیند سے انتشارِ شدید مدید پیدا ہوا جو شہوت سے تری نکلنے کا موجب ہے، تو اب صرف نیند رہ گئی، وہ سبب ضعیف ہے اس لئے موجب نہ بن سکی۔ تو صاحبِ حلیہ کا نیند اور انتشار کو دو مظنّہ شمار کرنا اور انتشار کو بربنائے سبقت ترجیح دینا، اور یہ نہ ہونے کے وقت تنہا نیند کو مظنّہ ٹھہرانا سب تحقیق سے بے گانہ ہے۔ اور خدائے پاک ہی

ف۱: تطفل خامس علیها۔

ف۲: تطفل سادس علیها۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

التوفیق۔

وثالثا تکعکع عن قبولھا قائلا ان تم تقیید وجوب الغسل بالانتشار لاحدی الاحوال فکذا فی باقیھا والا فالکل علی الاطلاق[1] اھ۔

اقول: ان [ف۱] کان ھذا لما عن لہ من الایراد فقد علمت الجواب عنہ وان کان لان الروایات الظاھرۃ والمتون مطلقۃ فلا غرو فی القول بقید ذکر عن احد ائمۃ المذھب الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وتلقاہ الجملۃ الفحول بالتسلیم والقبول حتی ان المحقق الشرنبلالی ادخلہ فی متنہ نور الایضاح ونعما فعل وقصد المدقق العلائی تکمیل متن التنویر بزیادۃ ھذا الاستثناء و جعلہ الشامی اصلاح المتن۔

اقول: و مع [ف۲] ذالك جواب التنویر نیر مستنیر ان المتون لم توضع الا لنقل ما فی الروایات الظاھرۃ

مالک توفیق ہے۔

اعتراض سوم اس روایت کو ماننے سے یہ کہتے ہوئے پس وپیش کی: اگر انتشار سے وجوبِ غسل کو مقید کرنا کسی ایک حالت میں درست ہے تو باقی حالتوں میں بھی ایسا ہی ہوگا، ورنہ کسی میں تقیید نہ ہوگی اھ۔

اقول: یہ بات اگر اس اعتراض کی وجہ سے ہے جو ان کے ذہن میں آیا، تو اس کا جواب واضح ہو چکا۔ اور اگر اس وجہ سے ہے کہ روایات ظاہرہ اور متون میں تقیید نہیں ہے تو ایک ایسی قید کو ماننے میں کوئی عجب نہیں جو تینوں ائمہ مذہب میں کسی ایک سے نقل کی گئی ہے اور اجلّہ اکابر نے اسے تسلیم و قبول کے ساتھ لیا ہے یہاں تک کہ محقق شرنبلالی نے اسے اپنے متن نور الایضاح میں داخل کیا۔ اور بہت اچھا کیا۔ اور مدقق علائی نے اس استثناء کا اضافہ کرکے متنِ تنویر کی تکمیل کرنی چاہی اور علامہ شامی نے اسے متن کی اصلاح قرار دیا۔

اقول: اس کے باوجود تنویر کا جواب روشن و واضح ہے کہ متون کی وضع اسی مذہب کی نقل کے لئے ہوئی ہے جو روایاتِ ظاہرہ میں ہے۔

ف۱: تطفل سابع علیھا۔ ف۲: معروضات علی العلامۃ ش۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

I.T. Majlis of Dawateislami

من المذهب وههنا تم بیان ان لا قصور فی عبارة المتن اصلا ولا حاجة لها الی شیئ من الاستثناءات الثلثة هذا۔	اور یہاں اس بات کا بیان مکمل ہوجاتا ہے کہ عبارت متن میں بالکل کوئی کمی نہیں اور اس میں درمختار کے مذکورہ تینوں استثناء میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ یہ ذہن نشین رہے۔
وقد قال شمس الائمة الحلوانی ان هذه المسألة یکثر وقوعها والناس عنها غافلون فیجب ان تحفظ کما فی المحیط والخانیة والمنیة و الغیاثیة والهندیة وغیرها[1] وهکذا اوصی بحفظها فی الذخیرة کما نقل عنها فی الحلیة وقد قال فی الغنیة فی مسألة ف۱ عفو بول انتضح کرؤس الابراذ قیدته روایة مذکورة فی الحلیة وغیرها عن النهایة عن المحبوبی عن البقالی عن المعلی	امام شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں تو اسے حفظ رکھنا ضروری ہے، ان سے اسی طرح محیط، خانیہ، منیہ، غیاثیہ، ہندیہ وغیرہا میں منقول ہے۔ اسی طرح ذخیرہ میں اسے حفظ رکھنے کی تاکید کی ہے جیسا کہ اس سے حلیہ میں منقول ہے۔ سوئی کی نوک جیسی پیشاب کی باریک باریک بُندکیوں کے معاف ہونے کا مسئلہ ہے اس میں ایک قید کا اضافہ ہوا اس روایت کے باعث جو حلیہ وغیرہا میں نہایہ سے، اس میں محبوبی سے پھر بقالی سے، معلّی سے،

ف: مسئلہ: سوئی کی نوک کے برابر باریک باریک بُندکیاں نجس پانی یا پیشاب کی، کپڑے یا بدن پر پڑ گئیں معاف رہیں گی اگرچہ جمع کرنے سے روپے بھر سے زائد جگہ میں ہوجائیں مگر پانی پہنچا اور نہ بہایا غیر جاری پانی وہ کپڑا گر گیا تو پانی نجس ہوجائے گا اور اب اس کی نجاست سے کپڑا ابھی ناپاک ٹھہرے گا۔

[1] فتاوٰی غیاثیہ نوع فی اسباب الجنابۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۹، البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۸، الفتاوی الہندیۃ بحوالہ المحیط کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵، فتاوٰی قاضی خان کتاب الطہارۃ فصل فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲، منیۃ المصلی موجبات الغسل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۳

عن ابی یوسف بان یکون بحیث لا یری اثرہ فان کان یری فلا بد من غسلہ مانصہ التقیید بعدم ادراک الطرف ذکرہ المعلی فی النوادر عن ابی یوسف	امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ وہ بُوندکیاں ایسی ہوں کہ ان کانشان و اثر دکھائی نہ دیتا ہو اگر نشان دکھائی دیتا ہے تو دھونا ضروری ہے۔اس مسئلہ اور قید کے تحت غنیہ میں ہے: نگاہ سے محسوس نہ ہونے کی قید معلّٰی نے نوادر میں امام ابو یوسف سے روایت کی ہے۔
واذا صرح ف۱ بعض الائمۃ بقید لم یروعن غیرہ منھم تصریح بخلافہ یجب ان یعتبر [1] الخ وبالجملۃ لاوجہ للعدول مع اتفاق الفحول علی تلقیہ بالقبول۔	اور جب ائمہ میں کسی ایک سے کسی ایسی قید کی تصریح آئی ہو جس کے خلاف کی تصریح دوسرے حضرات سے مروی نہ ہو تو واجب ہے کہ اس قید کا اعتبار کیا جائے الخ۔ مختصر یہ کہ جب اس روایت کے قبول پر اکابر کا اتفاق موجود ہے تو اس سے انحراف کی کوئی وجہ نہیں۔

تنبیہ رابع عشر (۱۴) **اقول:** جس طرح ف۲ یہ استثنا نہ احتلام ہونے کی کسی صورت سے متعلق نہ یاد ہونے کی حالت میں صورت سوم یعنی علم منی سے اُسے تعلق نہ شکل ششم یعنی علم عدم منی میں اس کی کچھ حاجت کہ اس صورت میں خود ہی غسل کی ضرورت نہیں، یونہی شکل چہارم کی صورت احتمال منی و ودی سے بھی اُسے کچھ علاقہ نہیں کہ نیند سے پہلے شہوت و انتشار تو دلیل مذی ہوتے جب معلوم ہے کہ یہ تری مذی نہیں تو اُن کا ہونا نہ ہونا یکساں ہوا اور بوجہ احتمال منی مطلقًا غسل واجب رہا۔

ولقد احسن العلامۃ ط اذقال "یجب الغسل عندھما لا عند ابی یوسف	اسے علامہ طحطاوی نے اچھے انداز میں بیان کیا: ان کے الفاظ یہ ہیں: طرفین کے نزدیک غسل واجب ہے۔

ف۱: فائدہ: اذا جاء قید فی مسئلۃ عن احد الائمۃ ولم یصرح غیرہ منھم بخلافہ وجب قبولہ۔

ف۲: صورت استثنا صرف اس حالت سے متعلق ہے کہ احتلام یاد نہ ہو اور تری خاص مذی ہو یا منی و مذی میں مشکوک۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی الشرط الثانی الطہارۃ من الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص۱۷۹و۱۸۰

فیما اذا شك انه منی اومذی ولم یکن ذکرہ منتشرا او منی او ودی ولم یتذکر الاحتلام فیهم [1] اھ۔ ففصل ھذہ عن الثنیا وخصه بالاولی اماما فی البحر من بیانه اولا صورتی الخلاف بین الثانی والطرفین مطلقا ثم قوله بعد ذکر صورۃ الثنیا "ھذہ تقیید الخلاف المتقدم بین ابی یوسف وصاحبیه بما اذا لم یکن ذکرہ منتشرا [2] اھ فرأیتنی کتبت علی ھامشه۔ **اقول:** ای الصورۃ الواحدۃ من صورتی الخلاف وھی ما اذا شك فی المنی والمذی اما اذاشك فی المنی والودی فلا دخل فیه للانتشار قبل النوم اھ فاعرف ولاتزل۔	امام ابو یوسف کے نزدیک نہیں۔اس صورت میں جب کہ اسے شک ہو کہ منی ہے یا مذی، اور ذکر منتشر نہ رہا ہو یا شک ہو کہ منی ہے یا ودی، اور ان دونوں صورتوں میں احتلام یاد نہ ہو۔ اھ (ت) تو احتمالِ منی وودی کی صورت کو انہوں نے استثنا سے الگ کر دیا اور استثنا کو صرف پہلی صورت سے خاص کیا مگر بحر میں امام ثانی اور طرفین کے درمیان اختلاف کی دونوں صورتیں پہلے مطلقاً بیان کی ہیں، پھر صورتِ استثنا ذکر کرکے لکھا ہے یہ صورت استثنا امام ابو یوسف اور طرفین کے درمیان ذکر شدہ سابقہ اختلاف کو اس حالت سے مقید کر دیتی ہے جب ذکر منتشر نہ رہا ہو اھ۔ یہاں میں نے دیکھا کہ اس کے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا ہے: **اقول:** یعنی اختلاف کی دو صورتوں میں سے ایک صورت کو مقید کرتی ہے وہ منی یا مذی میں شک کی صورت ہے لیکن جب منی یا ودی میں شک ہو تو اس میں سونے سے پہلے انتشارِ آلہ کا کوئی دخل نہیں اھ۔ تو تم اس سے آگاہ رہنا اور لغزش میں نہ پڑنا۔(ت) اب رہی شکل چہارم کی وہ صورت جس میں منی ومذی مشکوک ہو اور شکل پنجم جس میں مذی کا علم ہو عامہ کتب میں اُسے صورتِ اولیٰ یعنی حالت شک سے متعلق فرمایا ہے کما مر عن الخانیة وغیرھا (جیسا کہ خانیہ وغیرہا سے گزرا۔ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۹۲ و ۹۳

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۸

اقول: مگر اس سے متعلق کرنا ہی صورت ثانیہ یعنی علم مذی سے بدرجہ اولٰی تعلق بتاتا ہے کہ احتلام یاد نہ ہونے کی حالت میں جبکہ سوتے وقت شہوت ہونے سے صرف احتمال مذی پر مذی ٹھہرایا اور احتمال منی کا لحاظ نہ فرمایا تو جہاں مذی کا علم ہے بروجہ اولٰی مذی ہی قرار پائے گی اور غسل واجب نہ ہوگا۔ کتب میں حالت اولٰی کے ساتھ اس کی تخصیص فریق اول کے طور پر تو ظاہر کہ اُن کے نزدیک علم مذی کی صورت میں خود ہی غسل نہ تھا کسی استثناکی کیا حاجت، اور فریق دوم نے صورت خفا پر تنصیص فرمائی کہ بحال احتمال منی بھی صرف احتمال مذی سے مذی ٹھہرنا معلوم ہوجائے، دوسری صورت کا حکم اس سے خود روشن ہوجائے گا لاجرم حلیہ میں فرمایا:

یکون الغسل اذا وجد البلة التی مذی بطریق شك اوفی غالب الرأی اوالیقین بشرط کونه غیر ذاکر للاحتلام ولا منتشر الذکر قبیل النوم[1] اھ	غسل ہوگا جب وہ تری پائے جس کے مذی ہونے کا شک یا ظن غالب یا یقین ہے بشرطیکہ احتلام یاد نہ ہو، نہ ہی سونے سے پہلے ذکر منتشر رہا ہو اھ۔(ت)

تنبیہ خامس عشر[۱۵] عامہ کتب مثل فتاوی امام قاضی خان وذخیرہ ومحیط برہانی وتبیین الحقائق وفتح القدیر وجوہرہ نیرہ وخزانۃ المفتین ومجتبی وغیاثیہ وبحر الرائق وجامع الرموز وشرح نقایہ برجندی وعالمگیریہ ورحمانیہ ونورالایضاح ومراقی الفلاح وغیرہا میں یہ استثنا یونہی مذکور ہے مگر منیہ میں اس استثنا میں ایک استثنا بتایا اور اُسے محیط وذخیرہ اور درمختار ومجمع الانہر میں جواہر کی طرف نسبت فرمایا وہ یہ کہ اس استثنا کا حکم صرف اُس صورت سے خاص ہے کہ آدمی کھڑا یا بیٹھا سویا ہو اور اگر لیٹ کر سویا تو مطلقًا صورت مذکورہ میں غسل واجب ہوگا اگرچہ سونے سے پہلے ذکر قائم اور شہوت حاصل ہو منیہ میں ہے:

ھذا اذا نام قائما اوقاعدا اما اذا نام مضطجعا اوتیقن انه منی فعلیه الغسل وھذا مذکور فی المحیط والذخیرة قال شمس الائمة الحلوانی ھذہ مسألة یکثر وقوعها والناس عنها	یہ اس صورت میں ہے جب کھڑا یا بیٹھا سویا ہو اور اگر لیٹ کر سویا ہو یا اسے منی ہونے کا یقین ہو تو اس پر غسل واجب ہے۔ اور یہ محیط وذخیرہ میں مذکور ہے۔ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا: یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

غافلون [1] اھ وتبعه مسکین فی شرح الکنز فعزاه لهما۔	غافل ہیں اھ۔ شرح کنز میں مسکین نے بھی صاحبِ منیہ کا اتباع کرتے ہوئے دونوں کاحوالہ دیا ہے (ت)

مگر **اولا** ف۱ اس کا پتانہ ذخیرہ میں ہے نہ محیط میں واللہ اعلم صاحب منیہ رحمہ اللہ تعالٰی کو یہ اشباہ کیونکر ہوا

قال الشامی ذکر فی الحلیة انه راجع الذخیرة والمحیط البرهانی فلم یر تقیید عدم الغسل بما اذا نام قائما اوقاعدا [2] اھ۔ **اقول:** ف۲ رحم الله السید متی راجع العلامة الحلبی المحیط البرهانی وهو قد صرح فی عدة مواضع من الحلیة انه لم یقف علیه وهکذا صرح ههنا ایضا حیث یقول اسلفت فی شرح خطبة الکتاب ان الظاهر ان مراد المصنف بالمحیط المحیط لصاحب الذخیرة وانی لم اقف علیه نفسه و راجعت محیط الامام رضی الدین السرخسی فلم ار لهذه المسألة فیه ذکرا اما الذخیرة فراجعتها فرأیته اشار الیها بما لفظه قال القاضی الامام ابو علی النسفی ذکر هشام فی نوادره	علامہ شامی نے فرمایا: حلیہ میں ذکر ہے کہ انہوں نے ذخیرہ اور محیط برہانی کی مراجعت فرمائی تو اس میں کھڑے یا بیٹھے ہوئے سونے کی صورت سے عدم غسل کی تقیید نہ پائی اھ۔ (ت) **اقول:** علامہ شامی پر خدا کی رحمت ہو محقق حلبی نے محیط برہانی کی مراجعت کب فرمائی جب کہ انہوں نے حلیہ کے متعدد مقامات پر تصریح فرمائی ہے کہ انہیں محیط برہانی کی واقفیت بہم نہ ہوئی۔ اسی طرح اس مقام پر بھی انہوں نے تصریح فرمائی ہے، لکھتے ہیں کہ میں خطبہ کتاب کی شرح میں بیان کرچکاہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ محیط سے مصنّف کی مراد صاحبِ ذخیرہ کی محیط ہے اور خود اس کی مجھے واقفیت نہ ہوئی۔ میں نے امام رضی الدین سرخسی کی محیط دیکھی تو اس میں اس مسئلہ کا ذکر نہ پایا۔ اور ذخیرہ کی مراجعت کی تو اس میں ان الفاظ میں اس مسئلہ کی جانب اشارہ پایا: قاضی امام ابو علی نسفی نے فرمایا کہ ہشام نے اپنی نوادر میں

ف۱: تطفل علی المنیة و شرح الکنز لمسکین۔

ف۲: معروضة علی العلامة الشامی۔

[1] منیة المصلی موجبات الغسل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۰

عن محمد اذا استیقظ فوجد البلل فی احلیله ولم یتذکر حلما اذا کان قبل النوم منتشرا لاغسل علیه وان کان قبل النوم ساکنا کان علیه الغسل قال وینبغی ان یحفظ ھذا فان البلوی کثیر فیھا والناس عنھا غافلون انتھی [1] اھ۔ نعم لیس ھو فی المحیط البرھانی ایضا فقد نقل عنه فی الھندیة بعین لفظ الذخیرۃ غیر انه زاد بعد قوله لاغسل علیه الا ان تیقن انه منی وقال قال شمس الائمة الحلوانی ھذہ المسألة یکثر وقوعھا والناس عنھا غافلون فیجب ان تحفظ [2] اھ۔ وھکذا نقل عن المحیط فی شرح النقایة للبرجندی والرحمانیة الا انھما ترکا ذکر الامام ابی علی النسفی والبرجندی قول شمس الائمة ایضا ومعلوم ف ان المحیط اذا اطلق فی المتداولات کان المراد ھو المحیط البرھانی	امام محمد سے روایت کی ہے کہ جب بیدار ہو کر اپنے احلیل میں تری پائے اور خواب یاد نہیں تو اگر سونے سے پہلے ذکر منتشر تھا تو اس پر غسل نہیں، اور اگر سونے سے پہلے ساکن تھا تو اس پر غسل ہے۔ فرمایا: اور اسے حفظ رکھنا چاہئے کیونکہ اس میں ابتلا بہت ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی اھ۔ ہاں یہ محیط برہانی میں بھی نہیں ہے کیونکہ اس سے ہندیہ میں بعینہٖ ان ہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے جو ذخیرہ میں ہیں، سوا اس کے کہ "اس پر غسل نہیں" کے بعد یہ اضافہ ہے "مگر یہ کہ اسے منی ہونے کا یقین ہو"۔ اور کہا کہ شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ بہت واقع ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں تو اسے حفظ کرنا ضروری ہے اھ۔ اسی طرح محیط سے برجندی کی شرح نقایہ اور رحمانیہ میں منقول ہے مگر دونوں نے امام ابو علی نسفی کا ذکر چھوڑ دیا ہے اور برجندی نے شمس الائمہ کا قول بھی ترک کر دیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ کتب متداولہ میں محیط جب مطلق بولی جاتی ہے تو محیط برہانی ہی مراد ہوتی ہے

ف: **فائدہ:** المحیط اذا اطلق فی الکتب المتداولة فالمراد به المحیط البرھانی لا محیط السرخسی الرضوی۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

كما يعرفه من له عناية بخدمة الفقه الحنفى، وقال الامام ابن امير الحاج فى الحلية المحيط البرهانى هو المراد من اطلاقه لغير واحد كصاحب الخلاصة والنهاية لامحيط الامام رضى الدين السرخسى[1] اھ ثم الهندية قد افصحت بمرادها فانها اذا اثرت عن البرهانى اطلقت واذا نقلت عن المحيط الرضوى قالت كذا فى محيط السرخسى۔	جیسا کہ فقہ حنفی کی خدمت سے اعتنا رکھنے والا اسے جانتا ہے۔اور امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں لکھاہے کہ متعدد حضرات جیسے صاحبِ خلاصہ ونہایہ کے مطلق بولنے سے محیط برہانی ہی مراد ہوتی ہے محیط امام رضی الدین سرخسی نہیں اھ۔ پھر ہندیہ نے تواپنی مراد صاف بتادی ہے کیونکہ اس کا طریقہ یہی ہے کہ محیط برہانی سے نقل ہو تو مطلق محیط لکھا ہوتاہے اور محیط رضوی سے نقل ہو تو "کذافی محیط السرخسی" سے تعبیر ہوتی ہے اھ (ت)

ثانیاً اقول: بلکہ محیط میں ف۱ ہے تواس کارد ہے اس میں صریح تصریح ہے کہ کھڑے، بیٹھے، چلتے، لیٹے ہر طرح سونے کاتری دیکھنے میں ایک ہی حکم ہے،

ففى الهندية ف۲ اذا نام الرجل قاعدا اوقائما اوماشيا ثم استيقظ ووجد بللا فهذا و ما لونام مضطجعا سواء كذافى المحيط[2] اھ۔	ہندیہ میں ہے جب مرد کھڑے بیٹھے چلتے سوجائے پھر بیدار ہو اور تری پائے تو یہ اور لیٹ کر سوجائے توسبھی صورتیں برابر ہیں،ایسا ہی محیط میں ہے۔اھ۔(ت)

ثالثاً اقول: ف۳ منتہائے مسئلہ امام محمد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کے لفظ کریم ذخیرہ ومحیط وتبیین وفتح القدیر وغیرہا سے سُن چکے اُن میں اس نئے استثناکا کہیں نشان نہیں۔

رابعاً اقول: سونے ف۴ کے طبعی وعادی وضع وہی لیٹ کر سونا ہے اور کھڑے بیٹھے چلتے سونا اتفاقی تو اگر لیٹ کر سونے میں بحالتِ شہوت سابقہ علم یا احتمال مذی سے غسل نہ آتا اور دیگر اوضاع پر آتا اور علماء

ف۱: تطفل اُخرى على المنية ومسكين۔

ف۲: مسئلہ: جاگ کر تری دیکھنے کے جملہ مسائل میں برابر ہے کہ لیٹا سویا ہو خواہ کھڑا بیٹھا چلتا۔

ف۳: تطفل ثالث عليهما وعلى الدر ومجمع الانهر۔

ف۴: تطفل رابع عليهم۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

مطلق بیان فرماتے کہ سونے سے پہلے شہوت ہونے میں غسل نہیں تو بعید نہ تھا کہ نادر صورتوں کا لحاظ نہ فرمایا نہ کہ خود لیٹ کر سونا ہی کہ اصل وضع خواب و معروف و معتاد و متبادر الی الفہم ہے اس حکم سے مستثنٰی ہو پھر ائمہ کرام اور خود محرر مذہب رحمہم اللہ تعالٰی اُس کا استثنا چھوڑ جائیں یہ کس درجہ بعید و دُور از کار ہے۔

خامسا اقول: امام شمس الائمہ حلوانی ف۱ کا ارشاد کہ کتب کثیرہ اور خود منیہ میں اس تازہ استثنا کے ساتھ مذکور کہ یہ مسئلہ بکثرت واقع ہوتا ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں تو اس کا حفظ کر رکھنا واجب ہے صاف بتا رہا ہے کہ اس کا تعلق صرف اُس صورت خواب سے ہر گز نہیں جو نادر الوقوع ہے۔

سادسا: اس تفرقہ پر کوئی دلیل بھی نہیں۔

اما ما ابداہ فی الغنیۃ اذقال "عدم وجوب الغسل فیما اذا کان منتشرا انما هو اذا نام قائما او قاعدا لعدم الاستغراق فی النوم عادة فلم یعارض سببیة الانتشار سبب اخر فحمل علی انه هو السبب وانما یتسبب عنه المذی لاالمنی والاضطجاع سبب الاسترخاء والاستغراق فی النوم الذی هو سبب الاحتلام فعارض الانتشار فی السببیة فیحکم بسببیته للاحتلام وان البلل منی رق احتیاطا[1] اھ وتبعہ السیدان ط و ش۔ **فاقول:** لا ف۲ متضح ولا متجه	مگر غنیہ میں یہ رائے ظاہر کی ہے: ذکر منتشر ہونے کی صورت میں عدم وجوب غسل اسی وقت ہے جب کھڑے یا بیٹھے سویا ہو کیونکہ ایسی حالت میں عادۃً گہری نیند نہیں آتی توسبب انتشار کے معارض کوئی اور سبب (اس حالت میں) نہیں پس یہ اس پر محمول ہوگا کہ انتشار ہی سبب ہے اور اس کی وجہ سے مذی ہی آتی ہے منی نہیں آتی۔ اور کروٹ لینا اعضا کے ڈھیلے پڑ جانے اور سببِ احتلام نیند میں استغراق کا سبب ہوتا ہے تو یہ سبب ہونے کے معاملہ میں انتشار کے معارض ہوگا اس لئے احتیاطًا اس کے سببِ احتلام ہونے کا حکم ہوگا اور اس کا کہ تری منی ہے جو رقیق ہو گئی۔ اھ۔ اس رائے میں سید طحطاوی و سید شامی نے بھی غنیہ کا اتباع کیا ہے۔ اقول یہ رائے

ف۱: تطفل خامس علیهم۔ ف۲: تطفل علی الغنیة و ط و ش۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، مطلب فی الطھارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

فان النوم کیفما کان لیس سببا قویا للاحتلام کما بیناہ، وانما ینتھض موجبا اذا اعتضد بسبب وسیط اوقریب والاضطجاع لایسلب انعقاد سبب المذی قبل النوم بل یؤکد خروج ماھیأہ ھو للخروج لتمام الاسترخاء فلم یثبت ان النوم احدث تلك البلۃ التی لاتنبعث الا عن شھوۃ فلم یبق الا مجرد المنام وھو ولو مضطجعا لیس سببا قویا للاحتلام، ھذا علی طریقتنا واما علی طریقۃ الحلیۃ فلان الانتشار قد استولی علی المسبب بالسبق فلا وجہ لقطع النسبۃ عنہ الا بتذکر حلم اوعلم منی ولم یعھد الشرع ھھنا فارقا بین نوم ونوم حتی یسقط الترجیح بالسبق لبعض الاوضاع دون بعض۔	نہ واضح ہے نہ باوجہ،اس لئے کہ نیند جس حالت میں بھی ہووہ احتلام کا سبب قوی نہیں، جیساکہ ہم نے بیان کیا۔وہ صرف اس حالت میں موجب بنتی ہے جس سبب وسیط یاقریب سے قوت پاجائے اور سونے سے پہلے جوسبب مذی متحقق ہوچکااضطجاع اسے سلب نہیں کرتا بلکہ اس سبب نے جس تری کو آمادہ خروج کردیا تھااضطجاع اس کے خروج کواور مؤکد کردیتاہے کیونکہ اس میں استرخاکامل ہوجاتاہے تو یہ ثابت نہ ہواکہ نیند ہی نے وہ تری پیدا کی تھی جو شہوت ہی سے برانگیختہ ہوتی ہے۔اب صرف نیند رہ گئی اور نیند خواہ لیٹ ہی کر ہو احتلام کاسبب قوی نہیں۔یہ ہمارے طریقہ پر ہے اور حلیہ کے طریقہ پر یوں کہاجائے گاکہ انتشار سبقت کے باعث مسبّب پرحاوی ہوگیا تواس سے اس مذی کی نسبت منقطع کرنے کی کوئی وجہ نہیں، مگریہ کہ خواب یاد ہو یا منی ہونے کا یقین ہواور شریعت سے یہاں ایک نینداوردوسری نیند میں کوئی تفریق ثابت نہیں کہ انتشار کوسبقت کے باعث جوترجیح ملی تھی وہ نیند کی بعض صورتوں میں ساقط ہوجائے اور بعض میں ساقط نہ ہو۔

لاجرم امام محقق ابن امیر الحاج نے حلیہ میں اس تفرقہ سے صاف انکار فرمایا،

حیث قال التفرقۃ غیر ظاھر الوجہ فلاجرم ان قال فی الخانیۃ اذانام الرجل قائما اوقاعدا او ماشیا فوجد مذیا	اس کے الفاظ یہ ہیں: تفریق کی وجہ ظاہر نہیں۔اسی حقیقت کے پیشِ نظر خانیہ میں فرمایا:جب مرد کھڑے بیٹھے یا چلتے ہوئے سوجائے پھرمذی

کان علیه الغسل فی قول ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالٰی بمنزلة مالو نام مضطجعا [1] اھ فاطلق فی الکل فان تم تقیید وجوب الغسل بالانتشار لاحدی الاحوال المذکورة فکذا فی باقیها والا فالکل علی الاطلاق اذلایظهر بینها فی ذلك افتراق [2] اھ ورجع العلامتان ط وش فاثرا انکار الحلیة هذا فی حواشی المراق والدر و اقراہ۔	پائے توامام ابو حنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر غسل واجب ہوگا جیسے کروٹ لیٹ کر سوجائے تو واجب ہو گا اھ۔ تو صاحب خانیہ نے حکم سب میں مطلق رکھا۔ تو انتشار سے وجوب غسل کو مقید کرنا مذکورہ حالتوں میں سے کسی ایک میں اگر تام اور درست ہے تو باقی حالتوں میں بھی ایسا ہی ہوگا ورنہ سب ہی حالتیں مطلق رہیں گی۔ اس لئے کہ اس بارے میں ان کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں اھ۔ اور علامہ طحطاوی وشامی نے رجوع کرلیا اس طرح کہ مراقی الفلاح اور درمختار کے حواشی میں صاحبِ حلیہ کا یہ انکار نقل کرکے برقرار رکھا۔
اقول: غیر ف ان فی نقل ط وقع ھھنا اخلال یوھم من لم یطالع الحلیة انه کما انکر التفرقة انکر نفس الثنیا وحکم بوجوب الغسل علی الاطلاق حیث قال تحت قول الشرنبلالی "اذالم یکن ذکرہ منتشرا قبل النوم مانصه لم یفصل بین النوم مضطجعا وغیرہ کغیرہ وقال ابن امیر حاج التفرقة غیر ظاهرة	**اقول:** مگر یہ ہے کہ یہاں سید طحطاوی کی نقل میں ایک خلل ہے جس سے حلیہ نہ دیکھے ہوئے شخص کو یہ وہم ہوگا کہ صاحبِ حلیہ نے جیسے تفریق کا انکار کیا ہے ویسے ہی استثناء کا انکار کیا ہے اور مطلقًا وجوب غسل کا حکم کیا ہے یہ اس طرح کہ علامہ شرنبلالی کے قول "جب کہ سونے سے پہلے اس کا ذکر منتشر نہ رہا ہو" کے تحت سید طحطاوی لکھتے ہیں: دوسرے حضرات کی طرح انہوں نے بھی کروٹ لیٹنے اور دوسرے طور پر لیٹنے میں فرق

ف: معروضة علی العلامة ط۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الوجہ فالکل علی الاطلاق اذلا یظھر بینھما افتراق[1] اھ	نہ کیا اور ابن امیر الحاج نے فرمایا: تفریق کی وجہ ظاہر نہیں تو سبھی حالتوں میں حکم مطلق ہے کیونکہ ان کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں اھ۔
فان المراد بالکل اوضاع النوم المذکورۃ وبالاطلاق فی کلام الحلیۃ وجوب الغسل سواء کان منتشرا قبلہ اولا وھو لم یجزم بھذا الاطلاق بل بناہ علی ان لایتم تقیید المسألۃ بما مر والا فالکل علی التقیید کمالایخفی، وما قدم من الا یراد لم یجزم بہ ایضا انما قال لوقال"قائل کذا لاحتاج الی الجواب[2] اھ فلیتنبہ لذلك وباللہ التوفیق۔	اس لئے کہ سبھی حالتوں سے مراد نیند کی مذکورہ حالتیں ہیں اور کلام حلیہ میں "مطلق ہونے" سے مراد یہ ہے کہ غسل واجب ہے خواہ سونے سے پہلے ذکر منتشر رہا ہو یا نہ رہا ہو اور صاحبِ حلیہ نے اس اطلاق پر جزم نہیں فرمایا ہے بلکہ اسے اس بات پر مبنی رکھا ہے کہ مسئلہ کی تقیید مذکورہ امر سے اگر تام نہ ہو، ورنہ سبھی میں تقیید ہوگی۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اور جو اعتراض انہوں نے پہلے ذکر کیا ہے اس پر بھی جزم نہیں کیا ہے بلکہ یوں کہا ہے کہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے توجواب کی ضرورت ہوگی۔ اھ۔ تو اس پر متنبہ رہنا چاہئے اور توفیق خدا ہی سے ہے۔
ثم ان المحقق الحلبی فی الغنیۃ بعد ذکر مسألۃ الثنیا قال وھی تؤید قولھما فی وجوب الغسل اذا تیقن انہ مذی ولم یتذکر الاحتلام[3] اھ	پھر محقق حلبی نے غنیہ میں مسئلہ استثناء ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: اس روایت سے طرفین کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ جب مذی ہونے کا یقین ہو اور احتلام یاد نہ ہو تو غسل واجب ہے۔ اھ۔
اقول: انما ھی عن ف محمد	**اقول:** یہ روایت امام محمد ہی سے تو ہے

ف: تطفل علی الغنیۃ۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ فصل مایوجب الاغتسال دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۹

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطلب فی الطہارۃ الکبری سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳

وانما تبتنی علی قولهمافکیف یؤید الشیئ بنفسه هذا واذا قد خرجت العجالة فی صورة رسالة فلنسمها"الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل"حامدین لله علی ماعلم و مصلین علی هذا الحبیب الاکرم صلی الله تعالٰی علیه وٰاله وصحبه وبارك وسلم۔والله سبحنه وتعالٰی اعلم۔	اور ان ہی کے امام صاحب کے قول پر اس کی بنیاد بھی ہے تو شیئ کی تائید خود اپنی ہی ذات سے کیسے ہوگی ؟۔ یہ بحث تمام ہوئی۔اور یہ عُجالہ جب ایک رسالہ کی صورت اختیار کرگیا تو ہم اسے الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل (۱۳۲۰ھ) (احتلام اور تری کی صورتوں سے متعلق احکام واسباب) سے موسوم کریں خدا کی حمد کرتے ہوئے اس پر جو اس نے سکھایا اور درود بھیجتے ہوئے اس حبیب اکرم پر۔ ان پر اور ان کی آل و اصحاب پر خدائے برتر کی رحمت وبرکت اور سلام ہو۔اور خدائے پاک وبرتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

رسالہ

الاحکام والعلل فی اشکال الاحتلام والبلل

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
بارق النّور فی مقادیر ماء الطھور ۱۳۲۷ھ
(نور کی تابش، آب وضو و غسل کی مقدار میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۷: ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو و غسل میں پانی کی کیا مقدار شرعاً معین ہے؟ **بینوا توجروا۔** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

ہم قبل بیان ف احادیث، صاع ومدّ ورطل کی مقادیر بیان کریں کہ فہم معنی آسان ہو۔ صاع ایک پیمانہ ہے چار مُد کا، اور مُد کہ اُسی کو مَن بھی کہتے ہیں ہمارے نزدیک دو رطل ہے اور ایک رطل شرعی یہاں کے روپے سے چھتیس ۳۶ روپے بھر کہ رطل بیس ۲۰ استار ہے اور استار ساڑھے چار مثقال اور مثقال ساڑھے چار ماشے

ف: مثقال واستار و رطل ومد وصاع کا بیان۔

اور یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے یعنی ڈھائی مثقال، تو رطل شرعی کہ نوے ۹۰ مثقال ہوا، ڈھائی پر تقسیم کئے سے چھتیس ۳۶ آئے، توصاع کہ ہمارے نزدیک آٹھ رطل ہے ایک سو اٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر ہوا یعنی رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے ۹۶ روپے بھر کا ہے پورا تین سیر، اور مُد تین پاؤ۔ اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک صاع پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ چار مُد کا ایک صاع ہے تو اُن کے نزدیک مُد ایک رطل اور ایک ثلث رطل ہوا یعنی رامپوری سیر سے آدھ سیر اور صاع دو سیر۔ اس بحث کی زیادہ تحقیق فتاوائے فقیر سے کتاب الصوم وغیرہ میں ہے۔ اب حدیثیں سُنئے: صحیحین میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغتسل بالصاع الی خمسۃ امداد ویتوضأ بالمد [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے نہاتے اور ایک مُد پانی سے وضو فرماتے۔

صحیح مسلم ومسند احمد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ وشرح معانی الآثار امام طحاوی میں حضرت سفینہ اور مسند احمد وسنن ابی داؤد وابن ماجہ وطحطاوی میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبداللہ نیز انہیں کتب میں بطرق کثیرہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔

اکثر احادیث اسی طرف ہیں، اور انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث امام طحاوی کے یہاں یوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے

1 صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء بالمُد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳، صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

2 صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مایجزئ من الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳، مسند احمد بن حنبل عن جابر ۱/۳۰۳ وعن عائشۃ رضی اللہ عنہا ۶/۲۴۹ المکتب الاسلامی بیروت، شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷، ۳، سنن الترمذی باب فی الوضو بالمد حدیث ۵۶ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۲

یتوضأ من مد فیسبغ الوضوء وعسی ان یفضل منه الحدیث[1]۔	تمام وکمال وضو وسعت وفراغت کے ساتھ فرمالیتے اور قریب تھا کہ کچھ پانی بچ بھی رہتا۔

اور ابو یعلی وطبرانی وبیہقی نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ ضعیف روایت کیا:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم توضأ بنصف مُد[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نصف مُد سے وضو فرمایا۔

سُنن ابی داؤد ونسائی میں اُمِّ عمارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم توضأ فاتی باناء فیه ماء قدر ثلثی المد[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کے قدر پانی تھا۔

نسائی کے لفظ یہ ہیں:

فاتی بماء فی اناء قدر ثلثی المد[4]۔	ایک برتن میں کہ دو ثلث مُد کے قدر تھا پانی حاضر کیا گیا۔

ابن خزیمہ وابن حبان وحاکم کی صحاح میں عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

انه رأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم توضأ بثلث مُد عـــہ[5]۔	انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک تہائی مُد سے وضو فرمایا۔

عـــہ: هکذا عزالهم الزرقانی فی شرح المواهب وقد	عـــہ: اسی طرح ان کے حوالے سے علامہ زُرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا اور (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷ ۳

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الطہارۃ باب مایکفی من الماء للوضوء الخ دار الکتاب بیروت ۱/۲۱۹

[3] سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ باب مایجوز من الماء فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳

[4] سنن نسائی، کتاب الطہارۃ باب القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للوضو نور محمد کارخانہ کراچی ۱/۲۴

[5] المستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ مایجزی من الماء للوضوء مطبوعہ دالفکر بیروت ۱/۱۶۱، صحیح ابن خزیمہ کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی الوضوء الخ حدیث ۱۱۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۶۲، موارد الظمآن باب ماجاء فی الوضو حدیث ۱۵۵ المطبعۃ السلفیۃ ص ۶۷

اقول: احادیث سے ثابت ہے کہ وضو میں عادت کریمہ تثلیث تھی یعنی ہر عضو تین بار دھونا، اور کبھی دو دو بار بھی اعضاء دھوئے۔

رواہ البخاری عن عبداللہ بن زید وابو داؤد والترمذی وصححہ وابن حبان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضاء مرتین مرتین [1]۔	اسے امام بخاری نے عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور ابوداؤد نے اور ترمذی نے بافادہ تصحیح، اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ نبی نے وضو میں دو دو بار اعضاء دھوئے۔ (ت)

اور کبھی ایک ہی ایک بار دھونے پر قناعت فرمائی۔

رواہ البخاری والدارمی وابو داؤد والنسائی	اسے بخاری، دارمی، ابوداؤد، نسائی، طحاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) احتاط فنص علی الضبط قائلا ثلث بالافراد [2] اھ ونقل البعض عن ابنی خزیمۃ وحبان بنحو ثلثی مُد بالتثنیۃ وان الحافظ ابن حجر قال فی الثلث لم اجدہ کذا قال واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ۔ (م)	براہِ احتیاط یہ کہتے ہوئے ضبطِ لفظ کی صراحت کردی کہ ثُلث بصیغہ واحد ہے اھ۔ اور بعض نے ابن خزیمہ وابن حبان سے بصیغہ تثنیہ "بنحو ثلثی مد" (تقریبًا دو تہائی مد) نقل کیا۔ اور یہ کہ حافظ ابن حجر نے لفظ "ثُلُث" سے متعلق کہا کہ میں نے اسے نہ پایا۔ انہوں نے ایسا ہی لکھا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

1 صحیح البخاری کتاب الوضو باب الوضوء مرتین مرتین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷، سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب الوضو مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸، سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضو مرتین مرتین حدیث ۴۳ دار الفکر بیروت ۱/۱۱۳، موارد الظمآن کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضو مرتین مرتین حدیث ۱۵۷ المطبعۃ السلفیۃ ص ۶۷

2 شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد التاسع الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۷/۲۵۱

والطحاوی وابن خزیمۃ عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال توضأ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرۃ مرۃ [1]۔وبمثلہ رواہ الطحاوی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وروی ایضا عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالی عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضا مرۃ مرۃ[2] وعن ابی رافع رضی اللہ تعالی عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم توضا ثلثا ثلثا ورأیتہ غسل مرۃ مرۃ[3]۔	اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا،انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو میں ایک ایک بار اعضاء دھوئے۔اور اسی کے مثل امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت کی۔اور امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی روایت کی کہ انہوں نے فرمایا میں نے دیکھاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک بار اعضادھوئے۔اور حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تین تین بار اعضائے وضو دھوئے اور یہ بھی دیکھا کہ سرکار نے ایک ایک بار دھویا۔ (ت)

غالباجب ایک ایک بار اعضائے کریمہ دھوئے تہائی مد پانی خرچ ہوا،اور دودو بار میں دو تہائی،اور تین تین بار دھونے میں پورا مد خرچ ہوتا تھا۔

فان قلت لیس فی حدیث ام عمارۃ رضی اللہ	اگر یہ سوال ہو کہ حضرت اُمّ عمارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوباب الوضوء مرتین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷، سنن ابی داؤدکتاب الطہارۃ باب الوضومرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الوضومرۃ مرۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۵، سنن الدارمی کتاب الطہارۃ باب الوضومرۃ مرۃ حدیث ۷۔۲ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرۃ ۱/ ۱۴۳، شرح معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب الوضوللصلوۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸، صحیح ابن خزیمہ کتاب الوضوباب اباحۃ الوضومرۃ مرۃ حدیث ۱۷۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۸۸

[2] معانی الآثار،کتاب الطہارۃ باب الوضوللصلوٰۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

[3] معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب الوضوللصلوٰۃ مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

تعالٰی عنہا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ بثلثی مد انما فیہ اتی بماء فی اناء قدر ثلثی مد۔ **قلت** لیس غرضہا منہ الا بیان قدر ماتوضأ بہ والاکان ذکر قدر الماء اوالاناء فضلا لاطائل تحتہ علی انہا لم تذکر طلبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادۃ فافاد فحواہ انہ اجتزأ بہ ولعل ھذا ھو الباعث للعلامۃ الزرقانی اذ یقول فی شرح المواھب لابی داؤد عن ام عمارۃ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ بثلثی مد [1] اھ والا فلفظ ابی داؤد ماقد سقتہ لک۔	کی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو تہائی مد سے وضو کیا اس میں صرف اتنا ہے کہ حضور کے پاس ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کی مقدار میں پانی تھا۔ **قلت** (تو میں جواب دوں گا) اس سے ان صحابیہ کا مقصود یہی بتانا ہے کہ جتنے پانی سے حضور نے وضو فرمایا اس کی مقدار کیا تھی، اگر یہ نہ ہو تو پانی کی مقدار یا برتن کا تذکرہ بے فائدہ و فضول ٹھہرے گا۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مزید طلب فرمایا تو مضمون حدیث سے مستفاد ہو کہ اتنی ہی مقدار پر سرکار نے اکتفاء کی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ زُرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ اُمِّ عمارہ سے ابوداؤد کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو تہائی مُد سے وضو فرمایا اھ۔ کیونکہ ابوداؤد کے الفاظ تو وہی ہیں جو میں نے پیش کئے (کہ سرکار نے وضو فرمانا چاہا تو ایک برتن حاضر لایا گیا جس میں دو تہائی مُد کے قدر پانی تھا)۔

بالجملہ وضو میں کم سے کم تہائی عـــہ مُد اور زیادہ سے زیادہ ایک مُد کی حدیثیں آئی ہیں اور حدیث ربیع بنت معوّذ بن عفراء رضی اللہ تعالٰی عنہا:

وضأت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	انہوں نے ایک برتن کی طرف جس میں ایک مُد

عـــہ: ایک حدیث موقوف میں چہارم مد بھی آیا ہے کماسیأتی ۱۲منہ

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد التاسع الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۵۱

وسلم فی اناء نحو من ھذا الاناء وھی تشیر الی رکوۃ تاخذ مدا او مدا و ثلثارواہ سعید بن منصور فی سننہ وفی لفظ لبعضھم یکون مدا اومدا و ربعا [1] واصل الحدیث عنھا فی السنن الاربعۃ۔	یا ایک مُد اور تہائی مد پانی آتا، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کے ایک برتن سے وضو کرایا۔ یہ حدیث سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کی۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ اس میں ایک مُد یا سوا مُد پانی ہوگا۔اور حضرت ربیع سے اصل حدیث سُنن اربعہ میں مروی ہے۔(ت)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس برتن سے وضو فرمایا جس میں ایک مُد یا سوائد، اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک مد یا ایک مُد اور تہائی مُد پانی تھا، تو یہ مشکوک ہے اور شک سے زیادت ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں صحیحین وسنن ابی داؤد ونسائی و طحاوی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک حدیث یوں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ بمکوک ویغتسل بخمسۃ مکاکی [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مکوک سے وضو اور پانچ سے غسل فرماتے۔

مکّوک ف۔میں کیلہ ہے اور کیلہ نصف صاع تومکوک ڈیڑھ صاع ہوا کما فی الصحاح والقاموس وغیرھما فی اقاویل اخر اور ایک صاع کو بھی کہتے ہیں بعض علماء نے حدیث میں یہی مراد لی تو وضو کیلئے چار مُد ہو جائیں گے مگر راجح یہ ہے کہ یہاں مکّوک سے مُد مراد ہے جیساکہ خود اُنھی کی دیگر روایات میں تصریح ہے والروایات تفسر بعضھا بعضا (اور روایات میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ت)۔

ف۔: فائدہ: مکوک اور کیلہ کا بیان

[1] کنزالعمال بحوالہ ص حدیث ۲۶۸۳۷ و ۲۶۸۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۳۲/۹ و ۴۳۳

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۹/۱، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب مایجزئ من الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱۳/۱، سنن النسائی کتاب الطہاۃ باب القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للوضو نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۴/۱، شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۷۷/۱

امام طحاوی نے فرمایا:

احتمل ان یکون اراد بالمکوك المد لانھم کانوا یسمون المد مکوکا[1]۔	یہ احتمال ہے کہ انہوں نے مکّوک سے مُد مراد لیاہواس لئے کہ وہ حضرات مُد کو مکّوک کہا کرتے تھے(ت)

نہایہ ابن اثیر جزری میں ہے:

اراد بالمکّوك المد وقیل الصاع والاول اشبہ لانہ جاء فی حدیث اخر مفسرا بالمُد والمکوك اسم للمکیال ویختلف مقدارہ باختلاف اصطلاح الناس علیہ فی البلاد[2]۔	انہوں نے مکّوک سے مُد مراد لیا۔اور کہاگیاکہ صاع مراد لیا۔اور اول مناسب ہے اس لئے کہ دُوسری حدیث میں اس کی تفسیر"مُد"سے آئی ہے۔ اور مکّوک ایک پیمانے کانام ہے۔اس کی مقدار مختلف بلاد میں لوگوں کے عرف کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہے۔(ت)

رہاغسل،اُس میں کمی کی جانب یہ حدیث ہے کہ صحیح مسلم میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

انھا کانت تغتسل ھی والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اناء واحد یسع ثلثۃ امداد اوقریبا من ذلك[3]۔	وہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن میں کہ تین مُد یااس کے قریب کی گنجائش رکھتا نہالیتے۔

اس کے ایک معنی یہ ہوتے ہیں کہ دونوں کا غسل اُسی تین مُد پانی سے ہوجاتا تو ایک غسل کو ڈیڑھ ہی مُد رہامگر علماء نے اسے بعید جان کر تین توجیہیں فرمائیں:

اوّل یہ کہ یہ ہرایک کے جُداگانہ غسل کا بیان ہے کہ حضور اُسی ایک برتن سے جو تین مُد کی قدر تھا غسل فرمالیتے اور اسی طرح میں بھی،ذکرہ الامام القاضی عیاض(یہ توجیہ امام قاضی عیاض نے ذکر فرمائی۔ت)

فان قلت فعلی ھذا یضیع قولھا	**اگر یہ سوال ہو** کہ پھر توان کا"ایک برتن میں

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۷

[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب المیم مع الکاف تحت اللفظ مکلک دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۹۸

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

فی اناء واحد فانما قصدھا بہ افادۃ اجتماعھا معہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الغسل من اناء واحد کما افصحت بہ فی الروایۃ الاخری کنت اغتسل ف انا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد تختلف ایدینا فیہ من الجنابۃ رواہ الشیخان [1] ،وفی اخری لمسلم من اناء بینی وبینہ واحد فیبادرنی حتی اقول دع لی [2] ۔ وللنسائی من اناء واحد یبادرنی وابادرہ حتی یقول دعی لی وانا اقول دع لی [3] ۔	" کہنا بے کار ہو جاتا ہے کہ اس لفظ سے ان کا مقصد یہی بتانا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایک برتن سے غسل کرتی تھیں، جیساکہ دوسری روایت میں اسے صاف طورپر بیان کیا ہے : میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ہی برتن سے غسلِ جنابت کیا کرتے اس میں ہمارے ہاتھ باری باری آتے جاتے۔اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔اور مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے:ایک ہی برتن سے جو میرے اور ان کے درمیان ہوتا تو مجھ پر سبقت فرماتے یہاں کہ میں عرض کرتی میرے لیے بھی رہنے دیجئے اورنسائی کی روایت میں یہ ہے :ایک ہی برتن سے ،وہ مجھ سے سبقت فرماتے اور میں ان سے سبقت کرتی،یہاں تک کہ حضور فرماتے: میرے لئے بھی رہنے دو۔اور میں عرض کرتی: میرے لئے بھی رہنے دیجئے۔ (ت)

ف: مسئلہ: جائز ہے کہ زن وشوہر دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ غسل جنابت کریں اگرچہ باہم ستر نہ ہو اور اس وقت متعلق ضرورت غسل بات بھی کرسکتے ہیں مثلاایک سبقت کرے تودوسرا کہے میرے لیے پانی رہنے دو۔

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل، باب ھل یدخل یدہ فی الاناء... الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰، صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء... الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء... الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[3] سنن النسائی کتاب الطہارۃ، باب الرخصۃ فی ذالک نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۴۷

قلت لایلزم ان لاترید بھذا اللفظ کلما تکلمت بہ الا ھذہ الافادۃ .فقد ترید ھھنا ان ذلك الاناء الواحد کان یکفیہ اذا اغتسل ولا یطلب زیادۃ ماء وکذلك انا اذا اغتسلت۔	**میں جواب دوں گا** ضروری نہیں کہ جب بھی وہ یہ لفظ بولیں تو انہیں یہی بتانا مقصود ہو، یہاں اُن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہی ایک برتن جب حضور غسل فرماتے تو ان کے لئے کافی ہو جاتا اور مزید پانی طلب نہ فرماتے اور یہی حال میرا ہوتا جب میں نہاتی۔

دوم یہاں مُد سے صاع مراد ہے۔

قالہ ایضا صرفا لہ الی وفاق حدیث الفرق الاتی فانہ ثلثۃ اٰصع واقرہ النووی۔	یہ توجیہ بھی امام قاضی عیاض ہی نے پیش کی تاکہ اس میں اور اگلی حدیث فرق میں مطابقت ہو جائے کیوں کہ فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔امام نووی نے بھی اس توجیہ کو برقرار رکھا۔

اقول: یہ اس ف کامحتاج ہے کہ مُد بمعنی صاع زبان عرب میں آتا ہو اور اس میں سخت تامل ہے، صحاح وصراح ومختار وقاموس وتاج العروس لغات عرب ومجمع البحار ونہایہ ومختصر سیوطی لغاتِ حدیث وطلبۃ الطلبہ ومصباح المنیر لغاتِ فقہ میں فقیر نے اس کا پتانہ پایا اور بالفرض کہیں شاذونادر ورود ہو بھی تو اُس پر حمل تجوز بے قرینہ سے کچھ بہتر نہیں۔

اما جعل امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز المد بثلثۃ امداد فحادث لایحمل علیہ کلام ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	لیکن یہ کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک مد تین مدکے برابر بنایا تو یہ بعد کی بات ہے ،اس پر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کا کلام محمول نہیں ہو سکتا۔(ت)

سوم: یہ کہ حدیث میں زیادہ کا انکار نہیں حضور وامّ المومنین معًا تین مُد سے نہائے ہوں اور جب پانی ختم ہو چکا اور زیادہ فرمالیا ہو،

ابداہ الامام النووی حیث قال یجوزا ن یکون وقع	یہ توجیہ امام نووی نے پیش کی ان کے الفاظ یہ ہیں: ہو سکتا ہے یہ ایک وقت (مثلاً غسل شروع کرتے

ف: تطفل علی القاضی عیاض والامام النووی۔

هذا فی بعض الاحوال وزاداه لما فرغ[1]۔	وقت) ہوا ہو اور جب پانی ختم ہوگیا تو دونوں حضرات نے اور لے لیا ہو۔(ت)

اقول: یہ بھی بعید ف ہے کہ اس تقدیر پر ذکر مقدار عبث وبیکار ہوا جاتا ہے تو قریب تر وہی توجیہ اول ہے۔

وانا اقول: لو حمل علی الاشتراك لم يمتنع فقد قدمنا رواية انه صلی اللہ تعالی علیه وسلم توضأ بنصف مُد وروی عن الامام محمد رحمه الله تعالی انه قال ان المغتسل لايمكن ان يعم جسده باقل من مد ذكره العينی فی العمدة[2] فافاد امكان تعميم الجسد بمد فكان المجموع مدا ونصفا والله تعالی اعلم۔	اور میں کہتا ہوں: اگر شرکت پر محمول کرلیا جائے تو بھی (اتنی مقدار سے دونوں حضرات کا غسل) محال نہیں، کیوں کہ یہ روایت ہم پیش کرچکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آدھے مُد سے وضو فرمایا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ایک مُد سے کم پانی ہو تو غسل کرنے والا پُورے بدن پر نہیں پہنچا سکتا۔ اسے علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں ذکر کیا۔ اس کلام سے مستفاد ہوا کہ ایک مُد ہو تو پورے بدن پر پہنچایا جاسکتا ہے تو کل ڈیڑھ مُد ہوا (آدھے سے وضو، باقی سے اور تمام بدن۔ اس طرح تین مُد سے دو کا غسل ممکن ہوا ۱۲م) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور جانب زیادت میں اس قول کی تضعیف تو اوپر گزری کہ مکّوک سے صاع مراد ہے جس سے غسل کیلئے پانچ صاع ہوجائیں۔ ہاں موطائے مالک و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالی علیه	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن سے

ف: تطفل آخر علی الامام النووی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۸/۱

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضوء بالمد تحت الحدیث ۲۰۱/۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱/۳

وسلم کان یغتسل من اناء واحد ھو الفرق من الجنابۃ [1]۔	غسل جنابت فرماتے تھے اور وہ فَرَق تھا۔

فرق ف۔ میں اختلاف ہے، اکثر تین ۳ صاع کہتے ہیں اور بعض دو ۲ صاع۔

ففی الحدیث عند مسلم قال سفٰین والفرق ثلثۃ اصع [2] وکذلك ھو نص الامام الطحاوی وقال النووی کذا قالہ الجماھیر [3] اھ قال العینی وقیل صاعان [4] وقال الامام نجم الدین النسفی فی طلبۃ الطلبۃ ھو اناء یاخذ ستۃ عشر رطلا [5] اھ وھکذا فی نھایۃ ابن الاثیروصحاح الجوھری وکذا نقلہ فی الطلبۃ عن القتبی ونقل عن شرح الغریبین انہ اثنا عشر مدا [6] اھ وقال ابو داؤد سمعت احمد بن حنبل یقول الفرق ستۃ عشر رطلا [7] ونقل الحافظ فی الفتح عن ابی عبداللہ الاتفاق علیہ وعلی انہ	اس حدیث کے تحت امام مسلم کی روایت میں ہے کہ سفیان نے فرمایا فرق تین صاع ہوتا ہے۔یہی تصریح امام طحاوی نے فرمائی۔اور امام نووی نے فرمایا یہی جمہور کا قول ہے اھ۔علامہ عینی نے لکھا:اور کہا گیا کہ دو صاع اھ۔امام نجم الدین نسفی نے طلبۃ الطلبہ میں لکھا:یہ ایک برتن ہے جس میں سولہ رطل آتے ہیں اھ۔ایسے ہی نہایہ ابن اثیر اور صحاح جوھری میں ہے،اور اسی طرح اس کو طلبۃ الطلبہ میں قتبی سے نقل کیا ہے،اور شرح غریبین سے نقل کیا ہے کہ یہ بارہ مُد ہوتا ہے اھ۔اور ابو داؤد نے کہا:میں نے امام احمد بن حنبل سے سُنا کہ فرق سولہ رطل کا ہوتا ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابو عبد اللہ سے اس پر اور اس پر کہ وہ تین صاع

ف:تطفل علی الامام القاضی عیاض۔

---

1 سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ، باب المقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱

2 صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

3 شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

4 عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل، باب غسل الرجل مع امراتہ تحت الحدیث ۳/۲۵۰ ۳/۲۹۰

5 طلبۃ الطلبۃ کتاب الزکوۃ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ مکران بلوچستان ص ۱۹

6 طلبۃ الطلبۃ کتاب الزکوۃ دائرۃ المعارف الاسلامیۃ مکران بلوچستان ص ۱۹

7 سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ، باب مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱

ثلثۃ اٰصع قال لعلہ یرید اتفاق اھل اللغۃ[1] **اقول:** ویترا ای لی ان لاخلف فان ستۃ عشر رطلا صاعان بالعراق وثلثۃ اصوع بالحجاز۔	اھ ہوتا ہے اتفاق نقل کیااور کہاشاید ان کی مراد یہ ہے کہ اہلِ لغت کااتفاق ہے اھ۔ **اقول:** اور میرا خیال ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ سولہ رطل دوصاع عراقی اور تین صاع حجازی کے برابر ہوتا ہے۔(ت)

امام نووی اس حدیث سے یہ جواب دیتے ہیں کہ پورے فَرَق سے تنہا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا غسل فرمانا مراد نہیں کہ یہی حدیث صحیح بخاری میں یوں ہے:

کنت اغتسل انا والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد من قدح یقال لہ الفرق[2]۔	میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن سے نہاتے وہ ایک قدح تھا جسے فَرَق کہتے۔

اقول: یہ لفظ ف اجتماع میں نص نہیں،

ما قدمنا فلا ینبغی الجزم بان الافراد غیر مراد بل لقائل ان یقول مخرج الحدیث الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فروی عن الزھری مالك ومن طریقہ مسلم وابو داؤد باللفظ الاول[3] وابن	جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ تواس پر جزم نہیں کرنا چاہئے کہ تنہا غسل فرمانا مراد نہیں۔ بلکہ کہنے والا یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے راوی امام زہری ہیں جنہوں نے حضرت عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی۔ پھر امام زہری سے امام مالک نے اور ان ہی کی سند سے امام مسلم اور ابو داؤد

ف: تطفل ثالث علی الامام النووی۔

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل تحت الحدیث ۲۵۰ دار الکتب العلمیہ ۲/ ۳۲۶

[2] صحیح البخاری، کتاب الغسل تحت الحدیث ۲۵۰، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹

[3] مؤطا امام مالک کتاب الطھارۃ، العمل فی غسل الجنابۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۱ صحیح مسلم کتاب الحیض، باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸، سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ، باب مقدار الماء الذی یجزئ بہ الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱

ابی ذئب عند البخاری والطحاوی باللفظ الثانی[1] تابعه معمر و ابن جریج عند النسائی[2] وجعفر بن برقان عند الطحاوی[3] وروی عنه اللیث عند النسائی وسفٰین بن عیینة عنده وعند مسلم بلفظ کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغتسل فی القدح وهو الفرق وکنت اغتسل انا وهو فی الاناء الواحد ولفظ سفٰین من اناء واحد[4] فیشبه ان تکون ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها اتت بحدیثین اغتساله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الفرق واغتسالهما من اناء واحد فاقتصر منهما مالك علی الحدیث الاول وجمع بینهما ابن ابی ذئب	نے پہلے الفاظ میں روایت کی (کان یغتسل من اناء واحد هو الفرق)، اور امام بخاری وامام طحاوی کی روایت میں امام زہری سے ابن ابی ذئب نے بلفظ دوم روایت کی (کنت اغتسل اناوالنبی الخ) ابن ابی ذئب کی متابعت امام نسائی کی روایت میں معمراور ابن جریج نے، اور امام طحاوی کی ایک روایت میں جعفر بن برقان نے کی۔اور نسائی کی تخریج پر امام زہری سے امام لیث نے اور نسائی ومسلم کی تخریج میں ان سے امام سفٰین بن عیینہ نے ان الفاظ سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک قدح میں غسل فرماتے اور وہ فرق ہے۔ اور میں اور حضور ایک برتن میں غسل کرتے۔امام سفٰین کے الفاظ ہیں: "ایک برتن سے" غسل کرتے۔تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہانے دو حدیثیں روایت کیں ایک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرق سے غسل فرمانے سے متعلق اور ایک دونوں حضرات کے ایک برتن سے غسل فرمانے سے متعلق۔تو امام مالک نے دونوں حدیثوں میں سے صرف پہلی حدیث ذکر کی۔

1 شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ، باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۷۶/۱

2 سنن النسائی کتاب الطہارۃ، باب ذکر الدلالۃ علی انہ لاوقت فی ذلک نور محمد کارخانہ کراچی ۴۷/۱

3 شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ، باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۷۶/۱

4 صحیح مسلم کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء فی غسل الجنابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۸/۱

ومتابعوه واتی بهما سفیان واللیث مفصلین والله تعالی اعلم۔	اورابن ذئب اور ان کی متابعت کرنے والے حضرات (معمر، ابن جریج) نے دونوں حدیثوں کو ملادیا۔ اور سفیان و لیث نے دونوں کوالگ الگ بیان کیا۔اورخدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

امام طحطاوی فرماتے ہیں: حدیث میں صرف برتن کا ذکر ہے کہ اس ظرف سے بہاتے بھرا ہونا نہ ہونا مذکور نہیں۔

اقول: صرف ف برتن کا ذکر قلیل الجدوی ہے اس سے ظاہر مفاد وہی مقدار آب کا ارشاد ہے خصوصًا حدیث لیث وسفیان میں لفظ فی سے تعبیر کہ ایک قدح میں غسل فرماتے **اذ من المعلوم ان لیس المراد الظرفیة** (اس لئے کہ معلوم ہے کہ ظرفیت (قدح کے اندر غسل کرنا) مراد نہیں۔ت) اور حدیث مالک میں لفظ واحد کی زیادت **اذ من المعلوم ان لیس المراد نفی الغسل من غیرہ قط** (کیونکہ معلوم ہے کہ یہ مراد نہیں کہ اس کے علاوہ کسی برتن سے کبھی غسل نہ کیا) بہر حال اس قدر ضرور ہے کہ حدیث اس معنی میں نص صریح نہیں زیادت کا صریح نص اُسی قدر ہے جو حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گزرا کہ پانچ مُد سے غسل فرماتے اور پھر بھی اکثر واشہر وہی وضو میں ایک مُد اور غسل میں ایک صاع ہے، اور احادیث کے ارشادات قولیہ تو خاص اسی طرف ہیں۔امام احمد ع و ابوبکر بن ابی شیبہ و

ف: تطفل ما علی الامام السید الاجل الطحاوی۔

ع: زعم شیخ الوهابیة الشوکانی ان الحدیث اخرجه ایضا ابو داؤد وابن ماجة بنحوه **اقول:** کذب ف۱ علی ابی داؤد و اخطأ ف۲ علی ابن ماجة فان ابا داؤد لم یخرجه اصلا انما عنده عن جابر کان النبی

ع: پیشوائے وہابیہ شوکانی کا زعم ہے کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے بھی روایت کیا اور اس کے ہم معنی ابن ماجہ نے بھی **اقول:** اس نے ابوداؤد کی طرف تو جھوٹا انتساب کیا اور ابن ماجہ کی طرف نسبت میں خطا کی۔اس لئے کہ ابوداؤد نے سرے سے اسے روایت ہی نہ کیا۔ان کی روایت (باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: رد علی الشوکانی۔ ف۲: رد اخر علیه۔

عبد بن حمید واثرم وحاکم و بیہقی جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یجزئ من الغسل الصاع ومن الوضوء المد [1]۔	غسل میں ایک صاع اور وضو میں ایک مُد کفایت کرتا ہے۔

ابنِ ماجہ سُنن میں حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یجزئ من الوضوء مد ومن الغسل صاع [2]۔	وضو میں ایک مُد، غسل میں ایک صاع کافی ہے۔

طبرانی معجم اوسط میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صلی اللہ علیہ وسلم یغتسل بالصاع ویتوضأ بالمد [3] و ابن ماجہ لم یخرجہ عن جابر بن عبد اللہ بل عن عبد اللہ بن محمد بن عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اھ منہ۔

حضرت جابر سے یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک صاع سے غسل فرماتے اور ایک سے وضو فرماتے اور ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت نہ کی بلکہ عبداللہ بن محمد بن عقیل بن ابوطالب سے روایت کی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الطھارۃ، مایجزئ من الماء للوضوء... الخ دار الفکر بیروت ۱/۱۶۱، السنن الکبری کتاب الطھارۃ، باب استحباب ان لاینقص فی الوضوء... دار صادر بیروت ۱/۱۹۵، مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۳۷۰، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الطھارات، باب فی الجنب کم یکفیہ... الخ حدیث ۷۰۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۶۶

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطھارات، باب ماجاء فی مقدار الماء... الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴

[3] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ، باب مایجزئ من الماء فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳

فذکر مثل حدیث عقیل غیر انه قال فی مکان من فی الموضعین [1]۔	اس کے بعد حدیث عقیل ہی کے مثل ذکر کیا فرق یہ ہے کہ دونوں جگہ "من" کے بجائے "فی" کہا۔(ت)

امام احمد عـــہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکفی احد کم مد من الوضوء [2]۔	تم میں سے ایک شخص کے وضو کو ایک مُد بہت ہے۔

ابو نعیم معرفۃ الصحابہ میں ام سعد بنت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء مد والغسل صاع [3]۔	وضو ایک مُد اور غسل ایک صاع ہے۔

اقول: اب یہاں چند امر تنقیح طلب ہیں:

امر اوّل صاع اور مُد باعتبار وزن مراد ہیں یعنی دو اور آٹھ رطل وزن کا پانی ہو کہ رامپور کے سیر سے وضو میں تین پاؤ اور غسل میں تین سیر پانی ہوا اور امام ابو یوسف وائمہ ثلثہ کے طور پر وضو میں آدھ سیر اور غسل میں دو سیر اور جانب کمی وضو میں پونے تین چھٹانک سے بھی کم اور غسل میں ڈیڑھ ہی سیر یا باعتبار کیل وپیمانہ یعنی اتنا پانی کہ ناج کے پیمانہ مد یا صاع کو بھر دے ظاہر ہے کہ پانی ناج سے

عـــہ: وعزاہ الامام الجلیل فی الجامع الصغیر لجامع الترمذی بلفظ یجزئ فی الوضوء رطلان من ماء [4] قال المناوی واسنادہ ضعیف [5] اھ لکن العبد الضعیف لم یرہ فی ابواب الطهارة من الجامع فاللّٰہ تعالٰی اعلم اھ منه غفرله (م)	عـــہ: یہ حدیث امام جلال الدین سیوطی نے جامع ترمذی کے حوالے سے ان الفاظ سے جامع صغیر میں ذکر کی ہے: وضو میں دو رطل پانی کافی ہے۔ علامہ مناوی نے کہا اس کی سند ضعیف ہے اھ۔ لیکن میں نے جامع ترمذی کے ابواب الطہارۃ میں یہ حدیث نہ پائی، فاللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۷۵۵۱، مکتبۃ المعارف ریاض ۲۷۳/۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۶۴/۳

[3] تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر کتاب الطہارۃ حدیث ۱۹۴ باب الغسل دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۸۶/۱

[4] الجامع الصغیر بحوالہ ت حدیث ۹۹۹۷ دار لکتب العلمیہ بیروت ۵۸۹/۲

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث یجزیٔ فی الوضوء الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۵۰۷/۲

بھاری ہے تو پیمانہ بھر پانی اس پیمانے کے رطلوں سے وزن میں زائد ہوگا کلمات ف ــ ائمہ میں معنی دوم کی تصریح ہے اور اسی طرف بعض روایات احادیث ناظر۔امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

باب الغسل بالصاع ای بالماء قدر ملء الصاع [1]۔	باب الغسل بالصاع یعنی اتنے پانی سے غسل جس سے صاع بھر جائے۔(ت)

امام ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:-

المراد من الروایتین ان الاغتسال وقع بملء الصاع من الماء [2]۔	دونوں روایتوں سے مراد یہ ہے کہ غسل پانی کی اتنی مقدار سے ہوا جس سے صاع بھر جائے(ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

ای بالماء الذی ھو قدر ملء الصاع [3]۔	یعنی اتنے پانی سے غسل جو صاع بھرنے کے بقدر ہو۔(ت)

نیز عمدۃ القاری میں حدیث طحاوی مجاہد سے بایں الفاظ ذکر کی:

قال دخلنا علی عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فاستسقی بعضنا فاتی بعس قالت عائشۃ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغتسل بملء ھذا قال مجاھد فحزرتہ فیما احزر ثمانیۃ ارطال تسعۃ ارطال عشرۃ ارطال قال واخرجہ النسائی حزرتہ ثمانیۃ	مجاہد نے کہا ہم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے یہاں گئے تو ہم میں سے کسی نے پانی مانگا۔ایک بڑے برتن میں لایا گیا۔حضرت عائشہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس برتن بھر پانی سے غسل فرماتے تھے۔امام مجاہد نے کہا: میں نے اندازہ کیا تو وہ برتن آٹھ رطل، یا نو رطل، یا دس رطل کا تھا۔امام عینی نے کہا: یہ حدیث امام نسائی نے روایت کی تو اس میں یہ ہے کہ میں نے اسے آٹھ رطل کا

ف: تطفل علی العلامۃ علی قاری۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۹۱

[2] فتح الباری، شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع تحت الحدیث ۲۵۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۲۷

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع تحت الحدیث ۲۵۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۹۰

ارطال[1] من دون شك۔	اندازہ کیا۔یعنی اس روایت میں بغیر شک کے ہے(ت)

اقول: ظاہر ہے ف کہ پیمانے ناج کیلئے ہوتے ہیں پانی مکیل نہیں کہ اُس کیلئے کوئی مُد و صاع جُدا موضوع ہوں بل نص علماؤنا انه قیمی فاذن لاھو مکیل ولا موزون۔ (بلکہ ہمارے علماء نے تو تصریح کی ہے کہ پانی قیمت والی چیزوں میں ہے جب تو وہ نہ مکیل ہے نہ موزون۔ت) تواندازہ نہ بتایا گیامگر انہیں مُد و صاع سے جو ناج کیلئے تھے اور کسی برتن سے پانی کا اندازہ بتایا جائے تواُس سے یہی مفہوم ہوگا کہ اس بھر پانی نہ یہ کہ اس برتن میں جتنا ناج آئے اس کے وزن کے برابر پانی۔

وهذا ظاهر جدا فاندفع ماوقع للعلامة علی القاری فی المرقاة شرح المشکوة حیث قال تحت حدیث انس کان صلی الله تعالی علیه وسلم یتوضأ بالمد ویغتسل بالصاع المراد بالمد والصاع وزنالا کیلا[2] اھ فهذا قیله من قبله لم یستند فیه لدلیل ولا قیل لاحد قبله واسعناك نصوص العلماء والحجة الزهراء۔ **فان قلت** الیس قدقال انس رضی الله تعالی عنه کان رسول الله تعالی علیه وسلم یتوضأ برطلین ویغتسل بالصاع[3] رواه الامام الطحاوی	اور یہ بہت واضح ہے تو وہ خیال دفع ہوگیا جو علامہ علی قاری سے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں واقع ہوا کہ انہوں نے حضرت انس کی حدیث "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے" کے تحت لکھا کہ مُد اور صاع سے مراد اتنے وزن بھر پانی ہے اتنے ناپ بھر نہیں اھ۔یہ ضعیف قول خود ان کا ہے جس پر نہ تو انہوں نے کسی دلیل سے استناد کیا نہ اپنے پہلے کے کسی شخص کے قول سے استناد کیا۔اور علماء کے نصوص اور روشن دلیل ہم پیش کرچکے۔ **اگر سوال ہو** کہ کیا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ نہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو رطل سے وضو فرماتے اور ایک صاع سے غسل فرماتے۔ اسے امام طحاوی نے روایت

ف: تطفل آخر علیه۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الغسل باب الغسل بالصاع دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۹۲

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تحت حدیث ۴۳۹ المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ ۲/ ۱۴۳

[3] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۷

والرطل من الوزن۔

قلت المراد بالرطلین ھوالمد بدلیل حدیثه المذکور سابقاوالاحادیث یفسر بعضھا بعضا بل قد اخرج الامام الطحاوی عنه رضی اللہ تعالٰی عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یتوضأ بالمد وھو رطلان [1] فاتضح المراد وبھذا استدل ائمتنا علی ان الصاع ثمانیة ارطال ولذا قال الامام الطحاوی بعداخراجه الحدیث الذی تمسکت به فی السؤال فھذا انس قد اخبر ان مد رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم رطلان والصاع اربعة امداد فاذا ثبت ان المدرطلان ثبت ان الصاع ثمانیة ارطال [2] اھ فقد جعل معنی قوله توضأ برطلین توضأ بالمد وھو رطلان کما افصح به فی الروایة الاخری علی ان الرطل مکیال ایضا کما نص علیه فی المصباح المنیر [3] واللہ تعالٰی اعلم۔

کیا۔ اور رطل ایک وزن ہے۔

میں کہوں گا دو رطل سے وہی مُد مراد ہے، جس پر دلیل خود اُن ہی کی حدیث ہے جو پہلے ذکر ہوئی۔ اور احادیث میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے بلکہ امام طحاوی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت بھی کی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مُد سے وضو فرماتے اور وہ دو رطل ہے۔ تو مراد واضح ہو گئی۔ اور اسی سے ہمارے ائمہ نے صاع کے آٹھ رطل ہونے پر استدلال کیا ہے اور اسی لئے امام طحاوی نے سوال میں تمہاری پیش کردہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا: یہ حضرت انس ہیں جنہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مُد دو رطل تھا اور صاع چار مُد کا ہوتا ہے تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ مُد دو رطل ہے تو یہ بھی ثابت ہوا کہ صاع آٹھ رطل ہے اھ۔ تو امام طحاوی نے "توضأ برطلین" (دو رطل سے وضو فرمایا) کا معنی یہ ٹھہرایا کہ توضأ بالمُد وھو رطلان (ایک مُد سے وضو فرمایا اور وہ دو رطل ہے) جیسا کہ دوسری روایت میں اسے صاف بتایا۔ علاوہ ازیں رطل ایک پیمانہ بھی ہے جیسا کہ مصباح منیر میں اس کی صراحت کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

1 شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۷

2 شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۷

3 المصباح المنیر کتاب الراء تحت لفظ ''رطل'' منشورات دار الھجرہ قم ایران ۱/۲۳۰

امر دوم غسل میں کہ ایک صاع بھر پانی ہے اُس سے مراد مع اُس وضو کے ہے جو غسل میں کیا جاتا ہے یا وضو سے جدا امام اجل طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے معنی دوم پر تنصیص فرمائی اور وہ اکثر احادیث میں ایک صاع اور حدیث انس میں پانچ مُد ہے اُس میں یہ تطبیق دی کہ ایک مُد وضو کا اور ایک صاع بقیہ غسل کا، یوں غسل میں پانچ مُد ہوئے، حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ یغتسل بخمس مکاکی روایت کرکے فرماتے ہیں:

یکون الذی کان یتؤضا بہ مدا ویکون الذی یغتسل بہ خمسۃ مکاکی یغتسل باربعۃ منہا وھی اربعۃ امداد وھی صاع ویتوضأ باخرو ھو مدفجمع فی ھذا الحدیث ماکان یتوضأ بہ للجنابۃ وماکان یغتسل بہ [1] لہا وافرد فی حدیث عتبۃ (یعنی الذی فیہ الوضوء بمدوالغسل بصاع) ماکان یغتسل بہ لہا خاصۃ دون ماکان یتوضأ بہ [2] اھ	جتنے پانی سے وضوفرماتے وہ ایک مُد ہوگا اور جتنے سے غسل فرماتے وہ پانچ مکّوک ہوگا۔ چار مکّوک۔ وہی چار مُد اور چار مُد ایک صاع۔ سے غسل فرماتے۔ اور باقی ایک مکّوک۔ ایک مُد سے وضوفرماتے۔ تو اس حدیث میں جتنے سے جنابت کا غسل و وضوفرماتے دونوں کو جمع کردیا۔ اور حدیثِ عتبہ میں (یعنی جس میں یہ ہے کہ ایک مُد سے وضو اور ایک صاع سے غسل) صرف اُس کو بیان کیا جس سے غسل فرماتے، اُس کو ذکر نہ کیا جس سے وضوفرماتے اھ۔
اقول: لکن حدیثہ یغتسل بالصاع الی خمسۃ امداد لیس فی التوزیع فی التنویع کما لایخفی ای ان الغسل نفسہ کان تارۃ باربعۃ وتارۃ بخمسۃ سواء ارید بہ اسألۃ الماء علی سائر البدن وحدھا	**اقول:** لیکن حضرت انس کی یہ حدیث کہ حضور ایک صاع سے پانچ مُد تک پانی سے غسل فرماتے، بیان تقسیم میں نہیں بلکہ بیان تنویع میں ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ یعنی خود غسل ہی کبھی چار مُد سے ہوتا اور کبھی پانچ مُد سے ہوتا خواہ اس سے صرف پورے بدن پر پانی بہانا مراد لیں یا اس کے

[1] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۷

[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب وزن الصاع کم ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۷۷

او مع الوضوء۔	ساتھ وضو بھی ملالیں۔(ت)

امر سوم یہ صاع ف کس ناج کا تھاظاہر ہے کہ ناج ہلکے بھاری ہیں جس پیمانے میں تین سیر جو آئیں گے گیہوں تین سیر سے زیادہ آئیں گے اور ماش اور بھی زائد، ابو شجاع ثلجی نے صدقہ فطر میں ماش یا مسور کا پیمانہ لیاکہ ان کے دانے یکساں ہوتے ہیں تو اُن کا کیل و وزن برابر ہوگا بخلاف گندم یاجو کہ اُن میں بعض کے دانے ہلکے بعض کے بھاری ہوتے ہیں تو دو قسم کے گیہوں اگرچہ ایک ہی پیمانے سے لیں وزن میں مختلف ہو سکتے ہیں اور اسی طرح جو۔ دُرِّ مختار میں اسی پر اقتصار کیا اور امام صدرالشریعۃ نے شرح وقایہ میں فرمایا کہ احوط کھرے گیہوں کا صاع ہے۔اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں جو کا صاع احوط بتایا اور حاشیہ زیلعی للسید محمد امین میر غنی سے نقل کیا:

ان الذی علیه مشائخنابالحرم الشریف المکی ومن قبلهم من مشائخهم وبه کانوا یفتون تقدیره بثمانیة ارطال من الشعیر [1]۔	یعنی حرمِ مکہ میں ہمارے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ اس پر ہیں کہ آٹھ رطل جو سے صاع کا اندازہ کیا جائے اور اکابر اسی پر فتوی دیتے تھے۔(ت)

اقول ظاہر ہے کہ صاع اُس ناج کا تھا جو اُس زمان برکت نشان میں عام طعام تھا اور معلوم ہے کہ وہاں عام طعام جو تھا گیہوں کی کثرت زمانہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہوئی۔ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

لما کثر الطعام فی زمن معٰویة جعلوه مدین من حنطة [2]۔	جب حضرت معاویہ کے زمانے میں طعام کی فراوانی ہوئی تواسے گیہوں کے دومُد ٹھہرائے (ت)

ف: **مسئلہ:** زیادہ احتیاط یہ ہے کہ صدقہ فطر وفدیہ روزہ ونماز وکفارہ قسم وغیرہ میں نیم صاع گیہوں جو کے پیمانے سے دیئے جائیں یعنی جس برتن میں ایک سو چوالیس روپے بھر جو ٹھیک ہموار سطح سے آجائیں کہ نہ اونچے رہیں نہ نیچے اس برتن بھر کر گیہوں کو ایک صدقہ سمجھا جائے ہم نے تجربہ کیا پیمانہ نیم صاع جو میں بریلی کے سیر سے کہ سو روپیہ بھر کا ہے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر گیہوں آتے ہیں فی کس اتنے دیئے جائیں۔

---

[1] ردالمحتار، کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۷

[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوٰۃ باب مقدار صدقۃ الفطر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۷۲

شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے:

الطعام فی عرف اھل الحجاز اسم للحنطۃ خاصۃ [1]۔	طعام اہلِ حجاز کے عرف میں صرف گیہوں کا نام ہے۔(ت)

صحیح ابن خزیمہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے:

قال لم تکن الصدقۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا التمر و الزبیب والشعیر ولم تکن الحنطۃ [2]۔	فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں صدقہ کھجور، خشک انگور اور جو سے دیا جاتا اور گیہوں نہ ہوتا۔

صحیح بخاری شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان طعامنا یومئذ الشعیر الخ [3]	ہمارا طعام اس وقت جو تھا۔(ت)

اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو شک نہیں کہ مُد وصاع کا اطلاق مُد وصاع شعیر کو بھی شامل، تو اُس پر عمل ضرور اتباع حدیث کی حد میں داخل۔ فقیر نے ۲۷ ماہ مبارک رمضان ۱۳۲۷ھ کو نیم صاع شعیری کا تجربہ کیا جو ٹھیک چار رطل جو کا پیمانہ تھا اُس میں گیہوں برابر ہموار مسطح بھر کر تولے تو ثمن رطل کو پانچ رطل آئے یعنی ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جو کی جگہ ایک سو پچھتّر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر گیہوں کہ بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پَونے دو سیر ہوئے، یہ محفوظ رکھنا چاہئے کہ صدقہ فطر و کفارات وفدیہ صوم وصلاۃ میں اسی اندازہ سے گیہوں ادا کرنا **احوط وانفع للفقراء** ہے اگرچہ اصل مذہب پر بریلی کی تول سے چھ ۶ روپے بھر کم ڈیڑھ سیر گیہوں ہیں۔ پھر اُسی پیمانے میں پانی بھر کر وزن کیا تو دو سو چودہ ۲۱۴ روپے بھر ایک دوانی کم آیا کہ کچھ کم چھ رطل ہوا تو تنہا وضو ف کا پانی رامپوری سیر سے تقریبًا آدھ پاؤ سیر ہوا اور باقی غسل کا قریب ساڑھے چار سیر کے، اور مجموع غسل کا چھٹانک اوپر ساڑھے پانسیر

ف ۱: مسئلہ: تنہا وضو کا مسنون پانی رامپوری سیر سے کہ چھیانوے روپے بھر کا ہے تقریبًا آدھ پاؤ اوپر سیر بھر ہے اور باقی غسل کا ساڑھے چار سیر کے قریب، مجموع غسل کا چھٹانک اوپر ساڑھے پانسیر سے کچھ زیادہ۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب الامر باخراج زکوۃ الفطر الخ تحت حدیث ۲۲۵۳ دار الفکر بیروت ۲۷۳۲/۴

[2] صحیح ابن خزیمہ، باب الدلیل علی ان الامر الخ حدیث ۲۴۰۶ المکتب الاسلامی بیروت ۸۵/۴

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ قبل العید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۰۴/۲ و ۲۰۵

سے کچھ زیادہ۔ یہ بحمد اللہ تعالٰی قریب قیاس ہے بخلاف اس کے اگر تنقیحات مذکورہ نہ مانی جائیں تو مجموع غسل کا پانی صرف تین سیر رہتا ہے اور امام ابو یوسف کے طور پر دو ہی سیر، اُسی میں وضو اُسی میں غسل اور ہر عضو پر تین تین بار پانی کا بہنا یہ سخت دشوار بلکہ بہت دُور از کار ہے۔

فائدہ: ف۱ اُن پانیوں کے بیان میں جو اس حساب سے جُدا ہیں:

(۱) آبِ استنجاء ہمارے ف۲ علمانے وضو کی تقسیم یوں فرمائی ہے کہ آدمی موزوں پر مسح کرے اور استنجے کی حاجت نہ ہو تو نیم مُد پانی کافی ہے اور موزے اور استنجا دونوں ہوں یا دونوں نہ ہوں تو ایک مُد، اور موزے نہ ہوں اور استنجا کرنا ہو تو ڈیڑھ مُد۔ حلیہ میں ہے:

روی الحسن عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فی الوضوء ان کان متخففا ولا یستنجی کفاہ رطل لغسل الوجه والیدین ومسح الرأس والخفین وان کان یستنجی کفاہ رطلان رطل للاستنجاء ورطل للباقی وان لم یکن متخففا ویستنجی کفاہ ثلثة ارطال رطل للاستنجاء ورطل للقدمین ورطل للباقی[1]۔	امام حسن بن زیاد نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وضو بارے میں روایت کی ہے کہ اگر موزے پہنے ہیں اور استنجا نہیں کرنا ہے تو چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے دھونے اور سر اور موزوں کے مسح کے لئے ایک رطل کافی ہے۔ اور اگر استنجا بھی کرنا ہے تو دو رطل۔ ایک رطل استنجا کے لئے اور ایک رطل باقی کے لئے اور اگر موزے نہیں ہیں اور استنجا کرنا ہے تو تین رطل کفایت کریں گے، ایک رطل استنجا کے لئے ایک رطل دونوں پاؤں کے لئے، اور ایک رطل باقی کے لئے۔ (ت)

ف۱: **مسئلہ:** ان پانیوں کا بیان جو اس حساب کے علاوہ ہیں۔

ف۲: **مسئلہ:** حالات وضو پر مسنون پانی کے اختلافات اور یہ کہ استنجے کے لئے چھٹانک آدھ سیر پانی چاہئے۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

(۲) ظاہر ہے کہ اگر بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ ہو جیسے حاجتِ غسل میں ران وغیرہ پر منی تو اس کی تطہیر کا پانی اس حساب میں نہیں اور یہیں سے ظاہر کہ بعد جماع اگر کپڑا نہ ملے تو پانی کہ اب استنجے کو درکار ہوگا معمول سے بہت زائد ہوگا۔

(۳) پیش از استنجا تین ف[۱] بار دونوں کلائیوں تک دھونا مطلقاً سنّت ہے اگرچہ سوتے سے نہ جاگا ہو یہ اُس سنّت سے جُدا ہے کہ وضو کی ابتدا میں تین تین بار ہاتھ دھوئے جاتے ہیں سنّت یوں ہے کہ تین بار ہاتھ دھو کر استنجا کرے پھر آغاز وضو میں بار دیگر تین بار دھوئے پھر منہ ف[۲] دھونے کے بعد جو ہاتھ کہنیوں تک دھوئے گا اُس میں ناخن دست سے کہنیوں کے اوپر تک دھوئے تو دونوں کفدست تین مرتبہ دھوئے جائیں گے ہر مرتبہ تین تین بار۔ اخیر کے دونوں داخل حساب وضو ہیں اور اوّل خارج، ہاں اگر استنجا کرنا نہ ہو تو دو ہی مرتبہ تین تین بار دھونا رہے گا۔ درمختار میں ہے:

(سنته البداءة بغسل اليدين) الطاهرتين ثلثا قبل الاستنجاء وبعده وقيدالاستيقاظ اتفاق (الى الرسغين جوهو) سنة (ينوب عن الفرض) ويسن غسلهما ايضامع الذارعين [1] اه ملتقطا۔	وضو کی سنت گٹوں تک دونوں پاک ہاتھوں کے دھونے سے ابتدا کرنا۔ تین بار استنجا سے پہلے اور اس کے بعد بھی۔ اور نیند سے اٹھنے کی قید، اتفاقی ہے اور یہ ایسی سنت ہے جو فرض کی نیابت کردیتی ہے۔ اور کلائیوں کے ساتھ بھی ہاتھوں کو دھونا مسنون ہے اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

خص المصنف بالمستيقظ تبركا بلفظ	مصنّف نے نیند سے اٹھنے والے کے ساتھ لفظ

ف۱: **مسئلہ:** استنجے سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا سنت ہے اگرچہ سوتے سے نہ اٹھا ہو ہاں سوتے سے جاگا اور بدن پر کوئی نجاست تھی تو زیادہ تاکید یہاں تک کہ سنت مؤکدہ ہے۔

ف۲: **مسئلہ:** وضو کی ابتداء میں جو دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین تین بار دھوئے جاتے ہیں سنت یہ ہے کہ منہ دھونے کے بعد جو ہاتھ دھوئے اس میں پھر دونوں کفدست کو شامل کرلے سر ناخن سے کہنیوں کے اوپر تک تین بار دھوئے۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰و۲۱

الحدیث والسنة تشمل المستیقظ وغیرہ وعلیہ الاکثرون اھ وفی النھر الاصح الذی علیہ الاکثر انہ سنة مطلقا لکنہ عند توھم ف النجاسة سنة مؤکدة کما اذا نام لاعن استنجاء اوکان علی بدنہ نجاسة وغیر مؤکدة عند عدم توھمھا کما اذا نام لاعن شیئ من ذلك اولم یکن مستیقظا عن نوم اھ ونحوہ فی البحر [1] اھ۔	حدیث سے برکت حاصل کرنے کے لئے کلام خاص کیا۔ اور سنت نیند سے اٹھنے والے کے لئے بھی اور اس کے علاوہ کے لئے بھی ہے۔ اسی پر اکثر حضرات ہیں اھ۔ النہر الفائق میں ہے: اصح جس پر اکثر ہیں، یہ ہے کہ وہ مطلقاً سنت ہے لیکن نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنتِ مؤکدہ ہے مثلاً بغیر استنجا کے سویا ہو، یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو۔ اور نجاست کا احتمال نہ ہونے کی صورت میں سنّتِ غیر مؤکدہ ہے مثلاً ان میں سے کسی چیز کے بغیر سویا ہو یا نیند سے اٹھنے کی حالت نہ ہو۔ اھ۔ اسی کے ہم معنی بحر میں بھی ہے اھ
اقول: ووجہہ ان النجاسة اذا کانت متحققة کمن نام غیر مستنج واصابة الید فی النوم غیر معلومة کانت النجاسة متوھمة اما اذا لم تکن نفسھا	**اقول:** اس کی وجہ یہ ہے کہ نجاست جب متحقق ہے۔ جیسے اس کے لئے جو بغیر استنجا کے سویا ہو۔ اور نیند میں نجاست پر ہاتھ کا پہنچنا معلوم نہیں ہے تو ہاتھ میں نجاست لگنے کا صرف احتمال ہے لیکن جب خود نجاست ہی

ف: **مسئلہ:** بدن پر کوئی نجاست ہو مثلاً تر خارش ہے یا زخم یا پھوڑا یا پیشاب کے بعد بے استنجا سو رہا کہ پسینہ آکر تری پہنچنے کا احتمال ہے جب تو گٹوں تک ہاتھ پہلے دھونا سنت مؤکدہ ہے اگرچہ سویا نہ ہو جب کہ ہاتھ کا اس نجاست پر پہنچنا محتمل ہو اور اگر بدن پر نجاست نہیں تو ان کا دھونا سنت ہے مگر مؤکدہ نہیں اگرچہ سو کر اٹھا ہو یوں ہی اگر نجاست ہے اور اس پر ہاتھ نہ پہنچنا معلوم ہے یعنی جاگ رہا ہے اور یاد ہے کہ ہاتھ وہاں تک نہ پہنچے تو اس صورت میں بھی سنت مؤکدہ نہیں ہاں سنت مطلقاً ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۵

متحققة فالتنجس بالاصابة توهم علی توهم فلا یورث تاکد الاستنان

فان قلت الیس ان النوم مظنة الانتشار و الانتشار مظنة الامذاء والغالب کالمتحقق فالنوم مطلقا محل التوهم۔

قلت بینا فی رسالتنا الاحکام والعلل ان الانتشار لیس مظنة الامذاء بمعنی المفضی الیه غالبا وقد نص علیه فی الحلیة

فان قلت انما علق فی الحدیث الحکم علی مطلق النوم وعلله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بقوله فانه لایدری این باتت یده[1] والنوم لاعن استنجاء ان ارید به نفیه مطلقا فمثله بعید عن ذوی النظافة فضلا عن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وهم المخاطبون اولا بقوله صلی الله تعالٰی

متحقق نہیں تو ہاتھ میں نجاست لگنے کا احتمال در احتمال ہے اس لئے اس سے مسنونیت مؤکد نہ ہوگی۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ نیند انتشار آلہ کا مظنّہ ہے، اور انتشار مذی نکلنے کا مظنّہ ہے۔ اور گمان غالب متحقق کا حکم رکھتا ہے تو نیند مطلقاً احتمال نجاست کی جگہ ہے۔

میں کہوں گا ہم نے اپنے رسالہ "الاحکام والعلل" میں بیان کیا ہے کہ انتشار مذی نکلنے کا مظنہ اس معنی میں نہیں کہ یہ اکثر خروج مذی تک موصل ہوتا ہے۔ حلیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

پھر اگر یہ سوال ہو کہ حدیث میں اس حکم کو مطلق نیند سے متعلق فرمایا ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس ارشاد سے اس کی علّت بیان فرمائی ہے کہ "وہ نہیں جانتا کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا"۔ اگر یہ کہئے کہ لوگ بغیر استنجا کے سوتے تھے اس لئے یہ ارشاد ہوا تو اس سے اگر یہ مراد ہے کہ مطلقاً استنجا ہی نہ کرتے تھے تو ایسا تو ہر صاحبِ نظافت سے بعید ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تو اور زیادہ بعید ہے اور وہی حضرات اولین مخاطب ہیں

Majlis of Dawateislami

1 سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء اذا استیقظ الخ حدیث ۲۴ دار الفکر بیروت ۱/۱۰۰، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الرجل یستیقظ من منامہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲

اذااستیقظ احدکم من نومه[1] وان ارید خصوص الاستنجاء بالماء فالصحیح المعتمدان الاستنجاء بالحجر مطهراذا لم تتجاوزالنجاسة المخرج اکثرمن قدرالدرهم کمابینته فیما علقته علی ردالمحتارفلا یظهر فرق بین الاستنجاء بالماء وترکه فی ایراث التوهم و عدمه۔

قلت الحدیث لافادة الاستنان اماتاکده عند تحقق النجاسة فی البدن فبالفحوی۔

فان قلت هذا البحرقائلا فی البحراعلم ان الابتداء بغسل الیدین واجب اذاکانت النجاسة محققة فیهما وسنة عند ابتداء الوضوء وسنة مؤکدة عند توهم النجاسة کمااذا استیقظ من النوم[2] اھ فهذانص فی کون کل نوم موجب تاکدالاستنان۔

قلت نعم ف ارسل هنا

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کہ "جب تم میں سے کوئی نیند سے اٹھے۔اور اگر یہ مراد ہے کہ پانی سے استنجانہ کرتے تھے تو صحیح معتمد یہ ہے کہ پتھر کے ذریعہ استنجا سے بھی طہارت ہوجاتی ہے جب کہ نجاست قدر درہم سے زیادہ مخرج سے تجاوزنہ کرے، جیساکہ ردالمحتارپرمیں نے اپنے حواشی میں بیان کیا ہے تو احتمالِ نجاست پیدا کرنے اور نہ کرنے میں پانی سے استنجا کرنے اور نہ کرنے کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں۔

قلت (میں کہوں گا) حدیث مسنونیت بتانے کے لئے ہے اور بدن میں نجاست متحقق ہونے کے وقت اس سنّت کامؤکد ہونا مضمونِ کلام سے معلوم ہوا۔

اگرسوال ہو کہ محقق صاحبِ بحر، البحرالرائق میں یہ لکھتے کہ: واضح ہو کہ دونوں ہاتھ دھونے سے ابتدا واجب ہے جب ہاتھوں میں نجاست ثابت ہو اور ابتدائے وضو کے وقت سنّت ہے، اور احتمالِ نجاست کے وقت سنّتِ مؤکدہ ہے جیسے نیند سے اٹھنے کے وقت اھ۔تو یہ عبارت اس بارے میں نص ہے کہ ہرنینداس عمل کے سنّتِ مؤکدہ ہونے کاسبب ہے۔

میں کہوں گا ہاں یہاں پرانہوں نے

ف: تطفل علی البحر۔

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء اذااستیقظ الخ حدیث ۲۴ دارالفکر بیروت ۱/۱۰۰

[2] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷و۱۸

ما بان تقییدہ بعد اسطر اذیقول علم بما قررناہ ان ما فی شرح المجمع من ان السنة فی غسل الیدین للمستیقظ مقیدة بان یکون نام غیر مستنج اوکان علی بدنہ نجاسة حتی لولم یکن کذلك لایسن فی حقہ ضعیف او المراد نفی السنة المؤکدة لااصلها [1] اھ لاجرم ان قال فی الحلیة ھو مع الاستیقاظ اذا توھم النجاسة اٰکد [2] اھ فلم یجعل کل نوم محل توھم۔ **اقول:** وھو معنی قول الفتح قیل سنة مطلقا للمستیقظ وغیرہ وھوالاولی نعم مع الاستیقاظ و توھم النجاسة السنة اٰکد [3] اھ فاراد بالواو الاجتماع لترتّب الحکم لامجرد التشریك فی ترتبہ وان کان کلامہ مطلقافی المستیقظ وغیرہ	مطلق رکھا مگر چند سطروں کے بعد اس کی قید واضح کردی ہے، آگے وہ فرماتے ہیں: ہماری تقریر سابق سے معلوم ہوا کہ شرح مجمع میں جو لکھا ہے کہ "نیند سے اٹھنے والے کے لئے دونوں ہاتھ دھونے کا مسنون ہونا اس قید سے مقید ہے کہ بغیر استنجا سویا ہو یا سوتے وقت اس کے بدن پر کوئی نجاست رہی ہو یہاں تک کہ اگر یہ حالت نہ ہو تو اس کے حق میں سنّت نہیں ہے"۔ (شرح مجمع کا یہ قول) ضعیف ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہو کہ سنّتِ مؤکدہ نہیں ہے، یہ نہیں کہ سرے سے سنّت ہی نہیں اھ۔ یہی وجہ ہے کہ حلیہ میں کہا: نیند سے اٹھنے کے وقت جب احتمالِ نجاست ہو تو یہ زیادہ مؤکد ہے اھ۔ تو انہوں نے ہر نیند کو محلِ احتمال نہ ٹھہرایا۔ **اقول:** یہی فتح القدیر کی اس عبارت کا بھی معنی ہے کہ: کہا گیا نیند سے اٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے لئے یہ مطلقا سنت ہے اور یہی قول اولیٰ ہے، ہاں نیند سے اٹھنے اور نجاست کا احتمال ہونے کی صورت میں سنّت زیادہ مؤکد ہے اھ۔ واؤ (اور) سے ان کی مراد یہ ہے کہ نیند سے اٹھنا اور نجاست کا احتمال ہونا دونوں باتیں جمع ہوں تو سنت مؤکدہ ہے یہ مراد نہیں کہ نیند سے اٹھے

[1] البحرالرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۸

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۹

والتوھم غیر مختص بالمستیقظ علی ان السنن الغیر المؤکدۃ بعضھا اٰکد من بعض فافھم۔	جب بھی سنّتِ مؤکدہ اور احتمالِ نجاست ہو جب بھی سُنّتِ مؤکدہ اگرچہ ان کا کلام نیند سے اٹھنے والے اور اس کے علاوہ کے حق میں مطلق ہے اور احتمال نجاست ہونا نیند سے اٹھنے والے ہی کے لئے خاص نہیں۔ علاوہ ازیں سُننِ غیر مؤکدہ میں بعض سنّتیں بعض دیگر کی بہ نسبت زیادہ مؤکد ہوتی ہیں۔ تو اسے سمجھو۔

(۴) **اقول:** اگرچہ ف۱ مسواک ہمارے نزدیک سنّتِ وضو ہے خلافاللامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعندہ سنۃ الصلاۃ کمافی البحر وغیرہ (بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کہ ان کے نزدیک سنّت نماز ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ ت) وللہذا جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کیلئے مسواک کرنا مطلوب نہیں جب تک منہ میں کسی وجہ سے تغیر نہ آگیا ہو کہ اب اس دفع تغیر کیلئے مستقل سنّت ہوگی، ہاں وضو بے مسواک کرلیا ہو تو اب پیش از نماز کرلے کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ ت) مگر اُس کے وقت ف۲ میں ہمارے یہاں اختلاف ہے بدائع وغیرہ معتمدات میں قبل وضو فرمایا اور مبسوط وغیرہ معتبرات میں وقت مضمضہ یعنی وضو میں کُلّی کرتے وقت۔ حلیہ میں ہے:

وقت استعمالہ علی مافی روضۃ الناطفی والبدائع ونقلہ الزاھدی عن کفایۃ البیھقی والوسیلۃ والشفاء قبل الوضوء وربما یشھد	مسواک کے استعمال کا وقت قبل وضو ہے۔ ایسا ہی روضۃ الناطفی اور بدائع میں ہے اور زاہدی نے اسے کفایۃ البیہقی، وسیلہ اور شفا سے نقل کیا ہے۔ اور اس پر کچھ شہادت

ف۱: **مسئلہ:** مسواک ہمارے نزدیک نماز کے لئے سنت نہیں بلکہ وضو کے لئے، تو جو ایک وضو سے چند نمازیں پڑھے ہر نماز کے لئے اس سے مسواک کا مطالبہ نہیں جب تک منہ میں کوئی تغیر نہ آگیا ہو ہاں اگر وضو بے مسواک کرلیا تھا تو اب وقت نماز مسواک کرلے۔

ف۲: مسواک کے وقت میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے کہ قبل وضو ہے یا وضو میں کلی کرتے وقت اور اس بارہ میں مصنف کی تحقیق۔

له مافی صحیح مسلم عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن رسول الله تعالٰی علیه وسلم انه تسوك وتوضأ عــه ثم قام فصلی وفی سنن ابی داؤد عن عائشة رضی الله تعالٰی عنهاان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان لا یرقد من لیل ولا نهار فیستیقظ الا تسوك قبل ان یتوضأ وفی المحیط وتحفة الفقهاء وزادالفقهاء ومبسوط شیخ الاسلام محلة المضمضة تکمیلا للانقاء واخرج الطبرانی عن ایوب قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاتوضأ استنشق ثلثا و تمضمض وادخل اصبعه فی فمه وهذا ربمایدل علی ان وقت الاستیاك حالة المضمضة فان الاستیاك بالاصبع بدل عن الاستیاك بالسواك والاصل کون الاشتغال بالبدل	صحیح مسلم کی اس حدیث سے ملتی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ سرکار نے مسواک کی اور وضو کیا پھر اٹھ کر نماز ادا کی۔اور سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دن یا رات میں جب بھی سو کر بیدار ہوتے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے۔ اور محیط، تحفۃ الفقہاء، زادالفقہا اور مبسوط شیخ الاسلام میں ہے کہ مسواک کاوقت کُلّی کرنے کی حالت میں ہے تاکہ صفائی مکمل ہو جائے ۔ اور طبرانی نے حضرت "ایوب" سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو تین بار ناک میں پانی لے جاتے اور کُلی کرتے اور انگلی منہ میں داخل کرتے۔اس حدیث سے کچھ دلالت ہوتی ہے کہ مسواک کاوقت کُلی کرنے کی حالت میں ہے اس لئے کہ انگلی استعمال کرنا مسواک استعمال کرنے کابدل ہے

عــه: هکذاهو فی نسختی الحلیة بالواو والذی فی صحیح مسلم رجع فتسوك فتوضأ ثم قام فصلی ولعله اظهر دلالة علی المراد اھ[1]

عــه: میرے نسخہ حلیہ میں اسی طرح وتوضّاً (اور وضو کیا) واؤ کے ساتھ ہے۔اور صحیح مسلم میں یہ ہے رجع فتسوک فتوضأثم قام فصلی (لوٹ کر مسواک کی پھر وضو کیا پھر اٹھ کر نماز ادا کی) اور شاید دلالت مقصود میں یہ زیادہ ظاہر ہے اھ۔ت)

1 صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب السواک، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

وقت الاشتغال بالاصل [1] اھ مختصرا۔ **اقول:** ھکذافی نسخت الحلیة عن ایوب فان کان عن ابی ایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ واسقط الناسخ والا فمرسل والظاھرالاول فان للطبرانی حدیثا عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فی صفة الوضوء لکن لفظہ کمافی نصب الرایة کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ تمضمض واستنشق وادخل اصابعہ من تحت لحیتہ فخللھا [2] اھ فاللہ تعالٰی اعلم۔ وعلی کل ف یخلو عن ابعاد النجعة فقداخرج الامام احمد فی مسندہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ دعا بکوز من ماء فغسل وجھہ وکفیہ ثلثا وتمضمض ثلثا فادخل	اور قاعدہ یہ ہے کہ بدل میں مشغولی اسی وقت ہو جس وقت اصل میں مشغولیت ہوتی اھ مختصرًا۔ **اقول:** میرے نسخہ حلیہ میں "عن ایوب" (ایوب سے) ہے۔اگر یہ اصل میں عن ابی ایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے اور کاتب سے "ابی" چھوٹ گیا ہے جب تو مسند ہے ورنہ مرسل ہے اور ظاہراول ہے۔اس لئے کہ طبرانی کی ایک حدیث حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طریقہ وضو کے بارے میں آئی ہے۔ لیکن اس کے الفاظ نصب الرایہ کے مطابق۔ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب وضو فرماتے تو کُلّی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور اپنی انگلیاں داڑھی کے نیچے سے ڈال کر ریش مبارک کا خلال کرتے اھ۔ توخدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔ بہر حال اس حدیث سے استناد تلاش مقصود میں قریب چھوڑ کر دُور جانے کے مرادف ہے اس لئے کہ امام احمد نے مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرّم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت فرمائی ہے کہ انہوں نے ایک کُوزہ میں پانی منگا کر چہرے اور ہتھیلیوں کو تین بار دھویا اور تین بار کلی کی تو اپنی

ف: تطفل علی الحلیة

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] نصب الرایۃ فی تخریج احادیث ھدایہ کتاب الطہارات احادیث ابی ایوب نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور ۱/۵۵

بعض اصابعه فی فیه وقال فی اخره هکذاکان وضوء نبی[1] الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم و نحوه عندعبدبن حمیدعن ابی مطرعن علی رضی الله تعالٰی عنه۔	ایک انگلی منہ میں لے گئے۔اور اس کے آخر میں یہ فرمایا: اسی طرح خدا کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو تھا۔اور اسی کے ہم معنی عبد بن حمید کی حدیث ہے جو ابو مطر کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔
ثم اقول: لیس نَصًّافی کونه بدلاعن السواك فقد تدخل الاصبع فی الفم لاستخراج النخاع مثلا واشار الیه المحقق بقوله ربمایدل[2]۔	**ثم اقول:** یہ بھی اس بارے میں صریح نہیں کہ منہ میں انگلی ڈالنا مسواک کے بدلہ میں تھا، کیونکہ منہ میں انگلی کھنکار وغیرہ نکالنے کے لئے بھی ڈالی جاتی ہے۔اسی بات کی طرف محقق حلبی نے اپنے لفظ ربما یدل (کچھ دلالت ہوتی ہے) سے اشارہ فرمایا ہے۔
علی انی **اقول:** معلوم ف ضرورۃً شدۃ حبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم للسواك وانما فعل هذا مرة بیاناللجواز فلیکن کونه عند المضمضة ایضا لذالك ای من لم یستك سهوامثلا ولا سواك عنده الان فلیستك بالاصابع حین المضمضة وبهذا تضعف الدلالة جدا۔	علاوہ ازیں **میں کہتاہوں** قطعی وضروری طور پر معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسواک کرنا بہت محبوب تھااور صرف بیانِ جواز کے لئے ایک بار ایسا کیا۔توچاہئے کہ اس عمل کا وقتِ مضمضہ ہونا بھی اسی غرض سے ہو یعنی جس نے مثلًا بھول کر مسواک نہیں کی اور بروقت اس کے پاس مسواک موجود نہیں تو وہ وقتِ مضمضہ انگلیوں سے صفائی کرلے۔اور اس سے (مسواک کا مقررہ وقت حالت مضمضہ ہونے پر) حدیث کی دلالت بہت ضعیف ہوتی ہے۔

ف:تطفل آخر علیہا۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۵۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

نعم روی ابو عبید فی کتاب الطہور عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان اذا توضأ یسوك فاہ باصبعہ [1] لکنی اقول معترك عظیم فی دلالۃ کان یفعل علی الاستمرار بل علی التکرار و لی فیہا رسالۃ سمیتہا "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" فان اخترنا ان لا، لم یدل علی الاستنان اونعم فما کان عثمٰن لیواظب علی ترك السواك فی محلہ مع انہم ہم الائمۃ الاعلام العاضون بنواجذہم علی سنن سید الانام علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام، فاذن ینقدح فی الذہن واللہ اعلم ان السنۃ السواك قبل الوضوء وان یعالج باصبعہ عند المضمضۃ لکن لااجترئ علی القول بہ لانی لم اجد احدا من علمائنا مال الیہ۔

ہاں ابو عبید نے کتاب الطہور میں امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ "کان اذا توضأ یسوک فاہ باصبعہ" (وہ جب وضو کرتے تھے تو انگلی سے منہ (بطورِ مسواک) صاف کرلیا کرتے تھے۔ لیکن میں کہتا ہوں اس میں سخت معرکہ آرائی ہے کہ کان یفعل (کیا کرتے تھے) کی دلالت استمرار بلکہ تکرار پر ہوتی ہے یا نہیں؟۔اس کے بارے میں میرا ایک رسالہ بھی ہے جس کا نام ہے "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" (کان یفعل کے مدلول کی توضیح میں آراستہ تاج)۔اگر ہم یہ اختیار کریں کہ یہ لفظ استمرار و دوام پر دلالت نہیں کرتا تو مسنون ہونے پر اس کی دلالت ثابت نہ ہوگی۔ اور اگر یہ اختیار کریں کہ استمرار پر دلالت کرتا ہے تو حضرت عثمان کی یہ شان نہیں ہوسکتی کہ اصل مقام پر مسواک ترک کرنے پر وہ مداومت فرماتے رہے ہوں۔جب کہ یہی حضرات تو وہ بزرگ پیشوا و ائمہ ہیں جو سیّد انام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنّتوں کو دانت سے پکڑنے رہنے والے ہیں۔اب ذہن میں یہ خیال آتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ وضو سے پہلے مسواک کرے اور کُلّی کرتے وقت

[1] کتاب الطہور، باب المضمضۃ والاستنشاق یستعان علیہا بالاصابہ، حدیث ۲۹۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۶

فان قلت ماحداك على التقييد بقولك"ولا سواك عنده الان"مع ان ابن عدى والدار قطنى والبيهقى والضياء فى المختارة رووا عن انس بسند قال الضياء لااری به باسا [1] اھ وقد ضعفه ابن عدى والبيهقى وقال البخارى ف في رواية عن انس عبد الحكم القسملى منكر الحديث [2] وقال فى التقريب ضعيف [3] انه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يجزئ من السواك الاصابع [4] ورواه البيهقى بطريق	انگلی سے صفائی کرے لیکن میں اسے کہنے کی جسارت نہیں کرتا کیونکہ اپنے علما میں سے کسی کو میں نے اس طرف مائل نہ پایا۔ **اگر سوال ہو** آپ نے یہ قید کیوں لگائی کہ "اور بروقت اس کے پاس مسواک موجود نہیں"۔ حالانکہ سرکار کی یہ حدیث موجود ہے کہ "انگلیاں مسواک کی جگہ کافی ہیں"۔ اسے ابن عدی، دار قطنی ، بیہقی نے اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حضرت انس سے روایت کیا، اس کی سند سے متعلق ضیاء نے کہا کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا اھ۔ ابن عدی اور بیہقی نے اسے ضعیف کہا۔ اور امام بخاری نے اس حدیث کے حضرت انس سے روایت کرنے والے شخص عبدالحکم قسملی کو منکر الحدیث کہا۔ اور تقریب میں اسے ضعیف کہا۔ اور بیہقی نے ایک اور سند سے اس کو روایت کیا اور اسے غیر محفوظ کہا۔ اور اس کے ہم معنی طبرانی، ابن عدی اور ابو نعیم

ف: تضعیف عبد الحکم القسملی۔

[1] المختارۃ فی الحدیث للضیاء

[2] میزان الاعتدال ترجمہ عبد الحکم بن عبداللہ القسملی ۴۷۵۴ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۳۶، السنن الکبری (للبیہقی) کتاب الطہارۃ، باب الاستیاک بالاصابع دار صادر بیروت ۱/ ۴۰

[3] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ ۳۷۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵۳۳

[4] السنن الکبری (للبیہقی) کتاب الطہارۃ، باب الاستیاک بالاصابع دار صادر بیروت ۱/ ۴۰، الکامل لابن عدی ترجمہ عبد الحکم بن عبداللہ القسملی، دار الفکر بیروت ۵/ ۱۹۷۱، کنز العمال بحوالہ الضیاء حدیث ۲۷۱۸۸، مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۵

اخر وقال غیر محفوظ و نحوہ للطبرانی و ابن عدی و ابی نعیم عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	نے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے۔
قلت روی ابو نعیم فی کتاب السواک عن عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاصابع تجزئ مجزی السواک اذا لم یکن سواک[1] وقد اطبق ف علماؤنا علی ھذا التقیید قال فی الحلیۃ لا یقوم الاصبع مقام السواک عند وجودہ فان لم یوجد یقم مقامہ ذکرہ فی الکافی وغیرہ یعنی ینال ثوابہ کما ذکرہ فی الخلاصہ[2] اھ وفی الغنیۃ لاتقوم الاصبع مقام العود عند وجودہ وتجویز بعض الشافعیۃ اصبع الغیر دون اصبع نفسہ تحکم بلا دلیل اھ[3] وفی الھندیۃ عن المحیط والظھیریۃ	**میں کہوں گا** ابو نعیم نے کتاب السواک میں حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: انگلیاں مسواک کی جگہ کافی ہوں گی جب مسواک نہ ہو۔ اور اس تقیید پر ہمارے علماء کا اتفاق ہے۔ حلیہ میں ہے کہ: مسواک موجود ہے تو انگلی اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، اور موجود نہیں ہے تو اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ اسے کافی وغیرہ میں ذکر کیا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ مسواک کا ثواب مل جائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ذکر کیا ہے اھ۔ اور غنیہ میں ہے کہ لکڑی موجود ہے تو انگلی اس کے قائم مقام نہ ہو سکے گی۔ اور بعض شافعیہ کا یہ کہنا کہ دوسرے کی انگلی بھی اپنی انگلی کی جگہ روا ہے بلادلیل اور زبردستی کا حکم ہے اھ۔ ہندیہ میں محیط اور

ف: مسئلہ: مسواک موجود ہو تو انگلی سے دانت مانجنا ادائے سنت و حصول ثواب کے لئے کافی نہیں۔ ہاں مسواک نہ ہو تو انگلی یا کھر کھرا کپڑا ادائے سنت کردے گا اور عورتوں کے لئے مسواک موجود ہو جب بھی مسّی کافی ہے۔

---

1 کنز العمال بحوالہ ابو نعیم فی کتاب السواک، حدیث ۲۶۱۶۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۱۱

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

3 غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۳

لاتقوم الاصبع مقام الخشبة فان لم توجد فحينئذ تقوم الاصبع من يمينه مقام الخشبة [1] اھ وفی الدر عند فقدہ اوفقد اسنانه تقوم الخرقة الخشنة اوالاصبع مقامه کما یقوم العلك مقامه للمراۃ مع القدرۃ علیه [2] اھ وھو ماخوذ من البحر و زاد فیه تقوم فی تحصیل الثواب لاعند وجودہ [3] اھ	ظہیریہ سے نقل ہے کہ انگلی، لکڑی کے قائم مقام نہیں ہوسکتی۔اگر مسواک موجود نہیں ہے تو داہنے ہاتھ کی انگلی اس کے قائم مقام ہوجائے گی۔اھ۔درمختار میں ہے: مسواک نہ ہو یا دانت نہ ہوں تو کُھردرا کپڑا یا انگلی مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی۔ جیسے عورت کو مسواک کی قدرت ہو جب بھی مسّی اس کے قائم مقام ہوجائے گی اھ۔ یہ کلام، بحر سے ماخوذ ہے اور بحر میں مزید یہ بھی ہے کہ انگلی تحصیلِ ثواب میں مسواک کے قائم مقام ہوجائے گی اور مسواک موجود ہو تو نہیں اھ۔(ت)

امام زیلعی نے قول اول اختیار فرمایا کما سیاتی نقله (جیسا کہ اسکی نقل آئیگی۔ت) اور امام ابن امیر الحاج کے کلام سے اسکی ترجیح مفاد۔

حیث قال فی اٰداب الوضوء تحت قول المنیة وان یستاك بالسواك ان کان والا فبالاصبع کون الادب فی فعله ان یکون فی حالة المضمضة علی قول بعض المشائخ [4] اھ	اس طرح کہ انہوں نے آدابِ وضو کے بیان میں منیہ کی عبارت وان یستاک بالسواک (اور یہ کہ مسواک سے صفائی کرے) کے تحت فرمایا: اگر مسواک موجود ہو ورنہ انگلی سے۔ بعض مشائخ کے قول پر اس کے استعمال میں مستحب یہ ہے کہ کُلی کرتے وقت ہو۔اھ۔(ت)

جس کا مفاد ف یہ ہے کہ اکثر علما قولِ اول پر ہیں، علامہ حسن شرنبلالی شرح وہبانیہ میں فرماتے ہیں:

ف: ھذا قول بعض المشائخ مفادہ ان اکثرھم علی خلافه۔

[1] الفتاوی الہندیۃ، کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء، الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱

[3] بحر الرائق کتاب الطہارۃ، سنن الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۱

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قولہ واعتاقہ بعض الائمۃ ینکر مفھومہ ان اکثر الائمۃ یجوّز[1]۔"	بعض ائمہ اس کی آزادی کا انکار کرتے ہیں"۔اس کا مفہوم یہ ہے کہ اکثر ائمہ جائز کہتے ہیں۔(ت)

اور یہ کہ قول ف دوم نا معتمد ہے، ردالمحتار باب صفۃ الصلوۃ میں ہے:

قولہ لاباس بہ عند البعض اشار بھذا الی ان ھذا القول خلاف المعتمد[2]۔	"بعض کے نزدیک حرج نہیں" یہ کہہ کرانہوں نے اس بات کی جانب اشارہ کیا کہ یہ قول خلافِ معتمد ہے۔(ت)

اور بحر الرائق میں دوم کو قولِ اکثر بتایا اور بہتر ٹھہرایا اور اُسی کے اتباع سے دُر مختار میں تضعیف اوّل کی طرف اشارہ کیا، نہایہ وعنایہ وفتح میں دوم پر اقتصار فرمایا نہایہ وہندیہ میں ہے:

الاستیاك ھو وقت المضمضۃ[3]۔	مسواک کرنا وقتِ مضمضہ ہے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

یستاك عرضا لاطولا عند المضمضۃ[4]۔	کُلّی کے وقت مسواک کرے گا دانتوں کی چوڑائی میں، لمبائی میں نہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

قولہ والسواك ای الاستیاك عند المضمضۃ[5]۔	"اور مسواک کرنا" یعنی کُلّی کے وقت مسواک کرنا(ت)

بحر میں ہے:

اختلف فی وقتہ ففی النھایۃ وفتح القدیر انہ عند المضمضۃ وفی البدائع والمجتبی	وقتِ مسواک میں اختلاف ہے۔ نہایہ اور فتح القدیر میں ہے کہ یہ مضمضہ کے وقت ہے۔ بدائع اور

ف: نسبۃ قول الی البعض تفید ان المعتمد خلافہ۔

---

[1] شرح الوہبانیہ

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ، فصل (فی بیان تألیف الصلوۃ الی انتہائہا) دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۲

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ (الفصل الثانی فی سنن الوضوء) نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۶۰

[4] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱

[5] فتح القدیر کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۲

قبل الوضوء والاکثر علی الاول وھو الاولی لانه الاکمل فی الانقاء [1]۔	مجتبٰی میں ہے کہ قبل وضو ہے۔اوراکثر اول پر ہیں اور وہی اولٰی ہے کیونکہ صفائی میں یہ زیادہ کامل ہے۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:وعلیه الاکثرون [2]۔اوراکثر اسی پر ہیں (ت)

اقول: وباللہ التوفیق۔اوّلاً یہ معلوم ف ہو کہ دربارہ سواک کلمات علما مختلف ہیں کہ سنّت ہے یا مستحب۔عامہ متون میں سنت ہونے کی تصریح فرمائی اوراسی پر اکثر ہیں صغیری میں اسی کو اصح کہا جوہرہ نیرہ ودُرمختار میں سنت مؤکدہ ہونے پر جزم کیا لیکن ہدایہ واختیار میں استحباب کو اصح اور تبیین و خیر مطلوب میں صحیح بتایا فتح میں اسی کو حق ٹھہرایا حلیہ وبحر نے اُن کا اتباع کیا۔علّامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

قد عدہ القدوری والاکثرون من السنن وھو الاصح [3]۔	امام قدوری اور اکثر حضرات نے اسے سنّت شمار کیا اور یہی اصح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:وعلیه المتون [4] (اوراسی پر متون ہیں۔ت)درمختار میں ہے:

السواك سنة مؤكدة كما فی الجوھرۃ [5]	مسواک سنّتِ مؤکدہ ہے،جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:الاصح انه مستحب [6] (اصح یہ ہے کہ وہ یہ مستحب ہے۔ت)امام زیلعی فرماتے ہیں:

الصحیح انھما مستحبان یعنی السواك والتسمیة	صحیح یہ ہے کہ دونوں۔یعنی مسواک اور تسمیہ۔مستحب

ف:مسئلہ:مسواک وضو کے لئے سنت یا مستحب ہونے میں ہمارے علماء کو اختلاف ہے اور اس بارہ میں مصنف کی تحقیق۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰

[2] شرح نقایہ للبرجندی کتاب الطہارۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی بحث سنن الوضوء مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳،غنیۃ المستملی و من الآداب ان یستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۲

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۷

[5] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱

[6] الہدایۃ مع فتح القدیر،کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

لانھما لیسا من خصائص الوضوء[1]	ہیں، اس لئے کہ یہ دونوں وضو کی خصوصیات میں سے نہیں ہیں۔(ت)

محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

الحق انہ من مستحبات الوضوء[2]	حق یہ ہے کہ وہ مستحباتِ وضو میں سے ہے۔(ت)

امام ابن امیر الحاج بعد ذکر حدیث فرماتے ہیں:

ھذا عند التحقیق انما یفید الاستحباب فلا جرم ان قال فی خیر مطلوب ھو الصحیح وفی الاختیار قالوا والاصح انہ مستحب[3]	عند التحقیق ان سب کا مفاد استحباب ہے۔یہی وجہ ہے کہ خیر مطلوب میں اسی کو صحیح کہا،اور "اختیار" میں ہے کہ علماء نے فرمایا: اصح یہ ہے کہ وہ مستحب ہے۔(ت)

علامہ خیر الدین رملی قول بحر دربارہ استحباب نقلا عن الفتح ھو الحق (فتح سے نقل کیا گیا کہ وہ حق ہے۔ت) پھر قولِ صغیری دربارہ سنیت ھوالاصح نقل کرکے فرماتے ہیں:

فقد علم بذلك اختلاف التصحیح اھ کما فی المنحۃ[4]	اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں اختلاف تصحیح ہے اھ جیسا کہ منحۃ الخالق میں ہے۔(ت)

اقول: جب تصحیح مختلف ہے تو متون پر عمل لازم کما نصوا علیہ (جیسا کہ علماء نے اس فائدہ کی صراحت فرمائی ہے۔ت) قول سنیت کی ایک وجہ ترجیح یہ ہوئی۔ وجہ دوم خود امام مذہب رضی اللہ عنہ سے سنیت پر نص وارد۔ امام عینی فرماتے ہیں:

المنقول عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ علی ماذکرہ صاحب المفید ان السواك من سنن الدین اھ نقلہ الشلبی[5] علی الکنز۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی سُنّتوں میں سے ہے۔ جیسا کہ صاحبِ مفید نے یہ نقل ذکر کی ہے اھ۔اسے شلبی نے حاشیہ کنز میں نقل کیا۔(ت)

---

1 تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۳

2 فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

3 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

4 منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰

5 حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۵و۳۶

بلکہ ہمارے صاحب مذہب کے تلمیذ جلیل امام الفقہاء امام المحدثین امام الاولیاء سید نا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر بستی کے لوگ سنّیت مسواک کے ترک پر اتفاق کریں تو ہم اُن پر اس طرح جہاد کریں گے جیسا جمرتدوں پر کرتے ہیں تاکہ لوگ اس سنّت کے ترک پر جرات نہ کریں۔ فتاوی حجہ میں ہے:

قال عبداللّٰه بن المبارك لوان اهل قرية اجتمعوا على ترك سنة السواك نقاتلهم كما نقاتل المرتدين كيلا يجترئ الناس على ترك سنة السواك وهو من احكام الاسلام [1]۔	حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کسی بستی والے سب کے سب سنّتِ مسواک چھوڑدیں توہم ان سے اس طرح جنگ کریں گے جیسے مرتدین سے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کوسنتِ مسواک کے ترک کی جسارت نہ ہوجب کہ یہ احکامِ اسلام میں سے ایک حکم ہے۔(ت)

حلیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

وهذا يفيد انه من سنن الدين كما حكاه قولا فى المفيد وليس ببعيد [2]۔	اس سے مستفاد ہوتاہے کہ یہ دین کی ایک سنت ہے جیساکہ مفید میں بلفظہ یہی قول امام صاحب سے حکایت کیا، اور یہ بعید نہیں۔(ت)

وجہ سوم یہی اقوی من حیث الدلیل ہے کہ احادیث متوافرہ اُس کی تاکید اور اس میں قولاً وفعلاً اہتمام شدید پر ناطق جن سے کتبِ احادیث مملو ہیں بلکہ حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُس پر مواظبت ومداومت گویا ضروریات وبدیہیات سے ہے ہر شخص کہ احوال قدسیہ پر مطلع ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُس پر مداومت فرمانا جانتا ہے، خود ہدایہ میں فرمایا:

والسواك لانه صلى الله تعالى عليه وسلم كان يواظب عليه [3]۔	اور مسواک کرنا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر مداومت فرماتے تھے۔(ت)

[1] الفتاوی الحجۃ

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] الہدایہ، کتاب الطہارۃ، المکتبۃ العربیہ کراچی، ۶/۱

تبیین میں فرمایا:

وقد واظب علیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1]۔	اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی۔(ت)

اسی طرح کافی امام نسفی وغیرہ میں ہے:۔

وسیرد وعلیك بقیة الکلام فی اتمام تقریب المرام بعون الملك العلام	(بعون ملک علام اس سے متعلق بقیہ کلام تقریب مقصود کی تکمیل میں آئے گا۔ت)

ثانیاً: سنیت کو مواظبت درکار اب ہم وضو میں کُلّی کے وقت احادیث کو دیکھتے ہیں تو ہرگز اُس وقت مسواک پر مواظبت ثابت نہیں ہوتی۔ خود امام محقق علی الاطلاق کو اس کا اعتراف ہے اور اسی بنا پر قول استحباب اختیار فرمایا۔ فتح میں فرماتے ہیں:

المطلوب مواظبته علیه الصلوة والسلام عند الوضوء ولم اعلم حدیثا صریحا فیه [2]۔	مطلوب یہ ہے کہ وضو کے وقت اس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مداومت ثابت ہو اور میرے علم میں اس بارے میں کوئی صریح حدیث نہیں ہے۔(ت)

اقول: بلکہ مواظبت درکنار چوبیس ۲۴ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے صفتِ وضو قولاً وفعلاً نقل فرمائی:

(۱) امیر المومنین عثمان غنی (۲) امیر المومنین مولا علی (۳) عبداللہ بن عباس

(۴) عبداللہ بن زید بن عاصم (۵) مغیرہ بن شعبہ (۶) مقدام بن معدی کرب

(۷) ابومالک اشعری (۸) ابوبکرہ نفیع بن الحارث (۹) ابوہریرہ

(۱۰) وائل بن حجر (۱۱) نفیر بن مالک حضرمی (۱۲) ابوامامہ باہلی

(۱۳) انس بن مالک (۱۴) ابوایوب انصاری (۱۵) کعب بن عمرو یامی

(۱۶) عبداللہ بن ابی اوفی (۱۷) براء بن عازب (۱۸) قیس بن عائذ

(۱۹) ام المومنین صدیقہ (۲۰) رُبیع بنت معوّذ بن عفراء (۲۱) عبداللہ بن اُنیس

(۲۲) عبداللہ بن عمرو بن عاص (۲۳) امیر معٰویہ (۲۴) رجل من الصحابہ لم یسم رضی اللہ عنہم اجمعین

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۵

[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

اوّل کے بیس ۲۰ علّامہ محدث جلیل زیلعی نے ذکر کئے اُن کے بعد کے دو ۲ امام محقق علی الاطلاق نے زیادہ فرمائے اخیر کے دو اس فقیر غفرلہ نے بڑھائے اور ان کے پچیسویں امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں مگر ان سے خود اُن کے وضو کی صفت مروی ہے اگرچہ وہ بھی حکم مرفوع میں ہے،

رواہ سعید بن منصور فی سننه عن الاسود بن الاسود بن یزید قال بعثنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه الی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه الحدیث[1] والحدیث قبله رواہ ابو بکر بن ابی شیبة والعدنی والخطیب عن رجل من الانصار ان رجلا قال الا اریکم کیف کان وضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قالوا بلی الحدیث[2] وحدیث معٰویة رضی اللہ تعالٰی عنه عند ابن عساکر۔	اسے سعید بن منصور نے اپنی سُنن میں اسود بن اسود بن یزید سے روایت کیا۔ وہ کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بھیجا۔ اس کے بعد طریقہ وضو سے متعلق پُوری حدیث ہے۔ اور اس سے قبل والی حدیث جسے ہم نے بتایا کہ ایک صحابی سے مروی ہے جن کا نام مذکور نہیں، اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور عدنی اور خطیب نے روایت کیا ایک انصاری سے کہ ایک شخص نے کہا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو نہ دکھاؤں؟ لوگوں نے کہا کیوں نہیں! ۔ اس کے بعد باقی حدیث ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ (ت)

ان پچیس ۲۵ صحابہ کی بہت کثیر التعداد حدیثیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں کہیں وضو یا کُلّی کرتے میں مسواک فرمانے کا اصلاً ذکر نہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقہ وضو زبان سے بتایا انہوں نے مسواک کا ذکر نہ کیا، جنہوں نے اسی لئے وضو کرکے دکھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مسنونہ بتائیں انہوں نے مسواک نہ کی علی الخصوص امیر المومنین ذوالنورین و

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ص عن الاسود بن الاسود حدیث ۲۶۹۰۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۴۶ و ۴۴۷

[2] کنزالعمال بحوالہ ش والعدنی وخط عن رجل حدیث ۲۶۸۶۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۳۷

امیر المومنین مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ دونوں حضرات سے بوجوہ کثیرہ بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو کر کے دکھانا مروی ہوا، کسی بار میں مسواک کا ذکر نہیں۔

عثمان غنی سے راوی اُن کے مولٰی حمران عند احمد والبخاری ومسلم وابی داود والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة والبزاروابی یعلی والعدنی وابن حبان والدار قطنی وابن بشران فی امالیه وابی نُعیم فی الحلیة۔ابن الجارود عند الامام الطحاوی وابن حبان والبغوی فی مسند عثمان وسعید بن منصور۔ابو وائل شقیق بن سلمه عند عبدالرزاق وابن منیع والدارمی وابی داؤد وابن خزیمة والدارقطنی۔ ابو دارہ عند احمد والدارقطنی والضیاء۔عبدالرحمٰن سلمانی عند البغوی فیه۔عبداللہ بن جعفر ابو علقمه کلاهما عند الدارقطنی عبداللہ بن ابی مُلکیه عند ابی داؤد ابو مالك دمشقی عند سعید بن منصور قال حُدثت ابو النضر سالم عند ابن منیع والحارث وابی یعلی ولم یلق عثمٰن۔	سیدنا عثمان غنی سے ایک راوی ان کے آزاد کردہ غلام حمران ہیں جن کی روایت [1]امام احمد، [2]بخاری، [3]مسلم، [4]ابو داؤد، [5]نسائی، [6]ابن ماجہ، [7]ابن خزیمہ، [8]بزار، [9]ابویعلٰی، [10]عدنی، [11]ابن حبان، [12]دارقطنی، [13]ابن بشران نے اپنی امالی میں اور [14]ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں ذکر کی ہے۔دوسرے راوی ابن الجارود ہیں جن کی روایت [1]امام طحاوی، [2]ابن حبان نے، بغوی نے [3]مسند عثمان میں،اور سعید بن منصور نے ذکر کی ہے۔ تیسرے راوی ابو وائل شقیق بن سلمہ ہیں جن کی روایت [1]عبدالرزاق، [2]ابن منیع، [3]دارمی، [4]ابو داؤد، [5]ابن خزیمہ اور [6]دارقطنی نے ذکر کی ہے۔ چوتھے راوی ابو دارہ ہیں جن کی روایت [1]امام احمد، [2]دارقطنی اور [3]ضیاء نے ذکر کی ہے۔پانچویں راوی عبدالرحمان سلمانی ہیں جن کی روایت بغوی نے مسندِ عثمان میں ذکر کی ہے۔چھٹے راوی عبداللہ بن جعفر،ساتویں ابو علقمہ ہیں دونوں حضرات کی روایت دارقطنی نے ذکر کی ہے۔آٹھویں راوی عبداللہ بن ابی مُلیکہ ہیں جن کی روایت ابوداؤد نے ذکر کی ہے۔نویں راوی ابومالک دمشقی ہیں جن کی روایت سعید بن منصور نے ذکر کی ہے وہ کہتے ہیں مجھ سے بیان کیا گیا۔دسویں راوی ابوالنضر سالم ہیں جن کی روایت ابن منیع، حارث اور ابویعلی نے ذکر کی ہے اور انہیں حضرت عثمان کی ملاقات حاصل نہیں۔(ت)

علی مرتضٰی سے راوی عبد خیر عند عبدالرزاق وابی بکر بن ابی شیبة وسعید بن منصور والدارمی وابی داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجة والطحاوی وابن منیع وابن خُزیمة وابی یعلی وابن الجارود وابن حبان والدارقطنی والضیاء ابوحیہ عند عبدالرزاق وابن ابی شیبة واحمد وابی داؤد الترمذی و النسائی وابی یعلی والطحاوی والھروی فی مسند علی والضیاء سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنه عند النسائی وابن جریر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنھما عند احمد وابی داؤد وابی یعلی وابن خزیمة والطحاوی وابن حبان والضیاء زربن حُبَیش عند احمد وابی داؤد سمویه والضیاء، ابو العریف عند احمد وابی یعلی، ابو مطر عند عبد بن حمید۔	حضرت علی مرتضٰی سے ایک راوی عبد خیر ہیں جن کی روایت [1]عبدالرزاق، [2]ابوبکر بن ابی شیبہ، [3]سعید بن منصور، [4]دارمی، [5]ابوداؤد، [6]ترمذی، [7]نسائی، [8]ابن ماجہ، [9]طحاوی، [10]ابن منیع، [11]ابن خزیمہ، [12]ابو یعلی، [13]ابن الجارود، [14]ابن حبان، [15]دارقطنی اور ضیاء نے ذکر کی ہے۔ دوسرے راوی ابوحیہ ہیں جن کی روایت [1]عبدالرزاق [2]ابن ابی شیبہ، [3]امام احمد، [4]ابوداؤد، [5]ترمذی، [6]نسائی، [7]ابو یعلی، [8]طحاوی اور [9]ہروی نے مسند علی میں اور ضیاء نے ذکر کی ہے۔ تیسرے راوی سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن کی روایت [1]نسائی، [2]طحاوی اور [3]ابن جریر نے ذکر کی ہے۔ چوتھے راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں جن کی روایت [1]امام احمد، [2]ابوداؤد، [3]ابو یعلی، [4]ابن خزیمہ، [5]امام طحاوی، [6]ابن حبان اور [7]ضیاء نے ذکر کی ہے۔ پانچویں راوی زِر بن حبیش ہیں جن کی روایت [1]امام احمد، [2]ابوداؤد [3]سمویہ اور [4]ضیاء نے ذکر کی ہے۔ چھٹے راوی ابو العریف ہیں جن کی روایت امام احمد اور ابو یعلٰی نے ذکر کی ہے۔ ساتویں راوی ابو مطر ہیں جن کی روایت عبد بن حمید نے ذکر کی ہے۔

یوں ہی عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی احادیث کثیرہ بطریق عدیدہ مروی ہوئیں سب کی تفصیل باعثِ تطویل ان تمام حدیث کا ترک ذکر مسواک پر اتفاق تو یہ بتارہا ہے کہ اس وقت مسواک نہ فرمانا ہی معتاد ورنہ کوئی تو ذکر کرتا۔

اقول: بلکہ صدہا احادیث متعلق وضو ومسواک اس وقت سامنے ہیں کسی ایک حدیث صحیح صریح سے اصلا مسواک کیلئے وقت مضمضہ یا داخل وضو ہونے کا پتہ نہیں چلتا جن بعض سے اشتباہ ہو اُس سے

دفع شُبہ کریں۔

حدیث اوّل محقق علی الاطلاق نے صرف ایک حدیث پائی جس سے اس پر استدلال ہوسکے:

حیث قال بعد ذکر احادیث وفی الصحیحین قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لولاان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع کل صلاۃ اوعند کل صلاۃ وعند النسائی فی روایۃ عند کل وضوء رواہ ابن خُزیمۃ فی صحیحہ وصححہا الحاکم وذکرھا البخاری تعلیقا ولا دلالۃ فی شیئ علی کونہ فی الوضوء الاھذہ وغایۃ مایفید الندب وھولا یستلزم سوی الاستحباب اذیکفیہ اذاندب لشیئ ان یتعبد بہ احیانا ولا سنۃ دون المواظبۃ[1]۔	اس طرح کہ انہوں نے متعدد حدیثیں ذکر کرنے کے بعد لکھا: اور بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے فرمایا: اگرمیں اپنی امت پر گراں نہ جانتا توانہیں ہرنماز کے ساتھ، یا ہرنماز کے وقت مسواک کاحکم دیتا۔اور نسائی کی ایک روایت میں ہے: ہروضوکے وقت اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔حاکم نے اسے صحیح کہااور امام بخاری نے اسے تعلیقًا ذکر کیا۔ان احادیث میں سے کسی میں مسواک کے وضوکے اندر ہونے پر کوئی دلالت نہیں، مگرصرف اس روایت میں۔اور یہ بھی زیادہ سے زیادہ ندب کاافادہ کررہی ہے اور یہ صرف استحباب کو مستلزم ہے اس لئے کہ اس میں یہ کافی ہے کہ حضور جب کسی چیز کی ترغیب دیں تو بعض اوقات اسے عبادت قرار دے دیں اور مسنون ہونا حضور کی مداومت کے بغیر ثابت نہیں ہوتا۔(ت)

اُنھی کااتباع اُن کے تلمیذ محقق حلبی نے حلیہ میں کیا۔

اقول: اولاً احادیث ف میں مشہور ومستفیض یہاں ذکر نماز ہے یعنی لفظ:

عند کل صلاۃ یامع کل صلاۃ رواہ	ہر نماز کے وقت یاہر نماز کے ساتھ "اسے

ف: تطفل علی الفتح والحلیۃ۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

مالك واحمد[1] والستة عــہ عن	امام مالک، امام احمد اور اصحابِ ستہ نے حضرت

عــہ: قال الشوکانی فی نیل الاوطار قال النووی غلط بعض الائمة الکبار فزعم ان البخاری لم یخرجه وھوخطأ منه وقد اخرجه من حدیث مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرة ولیس ھو فی المؤطا من ھذا الوجه بل ھو فیه عن ابن شھاب عن حمید عن ابی ھریرة قال لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك مع کل وضوء ولم یصرح برفعه قال ابن عبدالبر وحکمه الرفع وقد رواہ الشافعی عن مالك مرفوعا[2] ھذا کلامه فی النیل ثم جعل یعد بعض ما ورد فی الباب ولم یعلم ماانتھی الیه کلام الامام النووی

شوکانی نے نیل الاوطار میں لکھا کہ ۔امام نووی نے فرمایا: بعض ائمہ کبار نے غلطی سے یہ دعوی کیا کہ امام بخاری نے یہ حدیث روایت نہ کی، اور یہ دعوی غلط ہے۔امام بخاری نے اسے امام مالک سے روایت کیاہے وہ ابوالزناد سے ، وہ اعرج سے ، وہ ابوہریرہ سے راوی ہیں۔اور امام مالک کی موطامیں یہ حدیث اس سند کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں ابن شہاب زہری سے روایت ہے وہ حمید سے،وہ ابوھریرہ سے راوی ہیں انہوں نے فرمایا: "اگر میں اپنی اُمت پر گراں نہ جانتا تو انہیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا"۔ اور اس کے مرفوع ہونے کی صراحت نہ کی۔ابن عبدالبر نے کہا یہ مرفوع ہی کے حکم میں ہے۔ اور اسے امام شافعی نے امام مالک سے مرفوعًا روایت کیاہے۔یہ نیل الاوطار کی عبارت ہے۔اس کے بعداس باب میں وارد ہونے والی کچھ حدیثیں شمار کرانا شروع کردیا اور یہ نہ بتایاکہ امام نووی کاکلام کہاں ختم ہوا۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مؤطاالامام مالک کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی السواک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱، مسند الامام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۵/۲، صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۲۲/۱، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۲۸/۱

[2] نیل الاوطار ابواب السواک وسنن الفطرۃ باب الحث علی السواک مصطفی البابی مصر ۱۲۶/۱

ابی هریرة ـ واحمد وابو داؤد والنسائی و الترمذی و الضیا عن زید بن خالد[1] ـ واحمد بسند جید عن ام المؤمنین زینب بنت جحش[2] وکابن ابی خیثمة وابن جریر عن ام المؤمنین ام حبیبة[3] ـ والبزار	ابوہریرہ سے روایت کیا۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ضیاء نے زید بن خالد سے روایت کیا۔ امام احمد نے بسندِ جیّد ام المومنین زینب بنت جحش سے۔ اور ابن ابی خیثمہ وابن جریر کی طرح اُم المومنین ام حبیبہ سے روایت کیا۔ بزار

اقول: لااظن قوله لیس هو فی المؤطا الخ من کلام الامام وهو خطأ ف اشد واعظم فان الحدیث فی المؤطا اولا بعین السند المذکور فی البخاری رفعا ثم متصلا به بالسند الاخر وقفا وقد روی هذا ایضا معن ابن عیسٰی وایوب ابن صالح وعبد الرحمٰن بن مهدی وغیرهم عن مالك مرفوعا وهؤلاء کلهم من رواة المؤطا اهـ منه ـ

اقول: میں نہیں سمجھتا کہ یہ الفاظ "اور امام مالک کی مؤطا میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ نہیں الخ"۔ امام نووی کے کلام میں ہوں جب کہ یہ بہت شدید اور عظیم خطا ہے اس لئے کہ یہ حدیث مؤطا میں پہلے بعینہٖ بخاری ہی کی ذکر کردہ سند کے ساتھ مرفوعًا ہے پھر اس سے متصل دوسری سند کے ساتھ موقوفًا ہے۔ اور اسے معن بن عیسٰی، ایوب بن صالح، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم نے بھی امام مالک سے مرفوعًا روایت کیا ہے اور یہ سب حضرات مؤطا کے راوی ہیں ۱۲ منہ۔ (ت)

ف: رد علی الشوکانی۔

I.T. Majlis of Dawateislami

1 مسند الامام احمد بن حنبل بقیہ حدیث زید بن خالد الجهنی المکتب الاسلامی بیروت ۱۱۶/۴، سنن الترمذی ابواب الطهارة باب ماجاء فی السواک حدیث ۲۲ دارالفکر بیروت ۹۹/۱، سنن ابی داؤد کتاب الطهارۃ باب کیف یستاک آفتاب عالم پریس لاہور ۷/۱، کنزالعمال بحوالہ حم، ت والضیاء عن زید بن خالد الجهنی حدیث ۲۶۱۹۰ مؤسسة الرسالة بیروت ۳۱۵/۹

2 مسند الامام احمد بن حنبل حدیث زینب بنت جحش المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۹/۶

3 مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ام حبیبہ بنت ابی سفیان المکتب الاسلامی بیروت ۳۲۵/۶، کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۲۶۲۰۳ مؤسسة الرسالة بیروت ۳۱۷/۹

وسمویه عن انس[1] وهما والطبرانی وابو یعلی والبغوی والحاکم عن سیدنا العباس[2] واحمد والبغوی والطبرانی وابو نعیم والباوردی وابن قانع والضیاء عن تمام بن العباس[3]۔واحمد والباوردی عن تمام بن قثم[4] وصوبوا کونه عن العباس۔وعثمٰن بن سعید الدارمی فی الرد علی الجهمیة والدار قطنی فی احادیث النزول عن امیر المؤمنین علی۔[5] والطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس[6] وفی الاوسط کالخطیب عن ابن عمر[7] وابو نعیم فی السواك عن ابن عمرو[8] و سعید بن منصور عن	وسمویہ نے حضرت انس سے ۔بزار وسمویہ اور طبرانی، ابویعلی، بغوی اور حاکم نے سیدنا عباس سے ۔ امام احمد، بغوی ،طبرانی، ابو نعیم، باوردی،ابن قانع اور ضیاء نے تمام بن العباس سے۔امام احمد و باوردی نے تمام بن قثم سے روایت کیا اور بتایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عباس سے ہے۔ عثمان بن سعید دارمی نے الرد علی الجہمیہ میں، اور دارقطنی نے احادیث نزول میں امیرالمومنین حضرت علی سے۔اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس سے۔ اور معجم اوسط میں خطیب کی طرح حضرت ابن عمر سے۔ اور ابو نعیم نے سواک میں حضرت ابن عمرو سے۔اور سعید بن منصور

1 کنزالعمال بحوالہ البزار حدیث ۲۶۱۷۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۱۳، کنزالعمال بحوالہ سمویہ حدیث ۲۶۲۰۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۱۷

2 المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰۲ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۶۴، المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ اولاان اشق علی امتی الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۶

3 المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰۳ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۶۴، کنزالعمال بحوالہ حم والبغوی الخ حدیث ۲۶۲۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۱۸

4 کنزالعمال بحوالہ حم والبغوی الخ حدیث ۲۶۲۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۱۸، مسند الامام احمد بن حنبل حدیث قثم بن تمام او تمام بن قثم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۴۲

5

6 المعجم الکبیر حدیث ۱۱۱۲۵ و ۱۱۱۳۳ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۸۵ و ۸۷

7 المعجم الاوسط حدیث ۸۴۴۳ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۲۰۴

8 کنزالعمال بحوالہ ابی نعیم عن ابن عمر حدیث ۲۶۱۹۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۱۶

مکحول[1] وابو بکر بن ابی شیبۃ عن حسان[2] بن عطیۃ کلاھما مرسل۔	نے مکحول سے اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے حسان بن عطیہ سے روایت کی۔ یہ دونوں مرسل ہیں۔(ت)

اور بعض میں ذکر وضو ہے یعنی:

مع کل وضوء یا عندکل وضوء رواہ الائمۃ مالك والشافعی واحمد والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ[3] والطبرانی فی الاوسط بسند حسن عن علی[4] وفی الکبیر عن تمام بن العباس[5] وابن جریر عن زید بن خالد[6] رضی اللہ تعالی عنھم اجمین۔	ہر وضو کے ساتھ یا ہر وضو کے وقت۔اسے امام مالک، امام شافعی، امام احمد، نسائی، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے۔ اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسندِ حسن حضرت علی سے۔ اور معجم کبیر میں تمام بن عباس سے۔ اور ابن جریر نے زید بن خالد سے روایت کی۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔(ت)

جب روایات متواترہ میں عند کل صلاۃ یا مع کل صلاۃ آنے سے ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نماز سے اتصال بھی ثابت نہ ہوا بلکہ اتصال حقیقی اصلا کسی کا قول نہیں

[1] کنزالعمال بحوالہ ص عن مکحول حدیث ۲۶۱۹۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۱۶/۹

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الطہارات ماذکر فی السواک حدیث ۱۸۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۵۷/۱

[3] مؤطا الامام مالک لابن ابی شیبہ کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی السواک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱، الام للشافعی کتاب الطہارۃ باب السواک دار الکتب العلمیہ بیروت ۷۵/۱، مسند الامام احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۴۵/۲، سنن النسائی کتاب الطہارۃ الرخصۃ فی السواک الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۶/۱۔ صحیح ابن خزیمہ حدیث ۱۴۰ المکتب الاسلامی بیروت ۷۳/۱،
المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ دار لفکر بیروت ۱۴۶/۱، السنن الکبری للبیہقی کتاب الطہارۃ باب الدلیل علی ان السواک الخ دار صادر بیروت ۳۶/۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۱۲۶۰ مکتبۃ المعارف بیروت ۱۳۸/۲

[5] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۰۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۶۴/۲

[6] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر عن زید بن خالد حدیث ۲۶۱۹۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۱۶/۹

حتی کہ شافعیہ جو اُسے سنن نماز سے مانتے ہیں تو بعض روایات میں عند کل وضوء آنے سے داخل وضو ہونا کیونکر رنگ ثبوت پائے گا۔

فلیست ف عند لجعل مدخولها ظرفا لموصوفها بحیث یقع فیه انما مفادها القرب والحضور حسا اومعنی فلا تقول زید عند الدار اذا کان فیها بل اذا کان قریبا منها والقرب المفهوم هو العرفی دون الحقیقی وله عرض عریض الاتری الی قوله تعالی عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝١٤ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝١٥ [1] مع ان السدرة فی السماء السادسة کما فی صحیح مسلم عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه [2] والجنة فوق السمٰوٰت۔ وبما قررنا ظهر ضعف ماوقع فی عمدة القاری تحت الحدیث فیه اباحة السواك فی المسجد لان عند یقتضی الظرفیة حقیقة فیقتضی استحبابه فی کل صلاة وعند بعض المالکیة	کیونکہ لفظ "عند" یہ بتانے کے لئے نہیں کہ اس کا مدخول اس کے موصوف کا ایسا ظرف ہے کہ وہ اسی کے اندر واقع ہے بلکہ اس کا مفاد صرف قریب اور حاضر ہونا ہے حسًّا یا معنًی۔ زید عندالدار (زید گھر کے پاس ہے) اُس وقت نہیں بولتے جب زید گھر کے اندر ہو بلکہ اس وقت بولتے ہیں جب گھر سے قریب ہو۔ اور یہاں جو قریب سمجھا جاتا ہے وہ عرفی ہوتا ہے حقیقی نہیں ہوتا۔ اور قرب عرفی کا میدان بہت وسیع ہے۔ دیکھئے باری تعالٰی کا ارشاد ہے: "سدرۃ المنتہٰی کے پاس، اسی کے پاس جنۃ الماوٰی ہے"۔ حالاں کہ سدرہ چھٹے آسمان میں ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے۔ ہماری اس تقریر سے اس کا ضُعف واضح ہو گیا جو عمدۃ القاری میں اس حدیث کے تحت رقم ہو گیا کہ: اس سے مسجد کے اندر مسواک کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ "عند" حقیقۃً ظرفیت چاہتا ہے تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ مسواک ہر نماز کے اندر مستحب ہو۔ اور بعض مالکیہ

ف: بیان مفاد عند۔

[1] القرآن الکریم ۵۳/۱۴و۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۷

کراهته فی المسجد لاستقذاره والمسجد ینزه عنه[1] اھ۔	کے نزدیک یہ ہے کہ مسجد میں مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے گندگی ہوگی اور مسجد کو اس سے بچایا جائے گا اھ۔
اقول اولا: فـ۱ حقیقة الظرفیة غیر معقولة فی الصّلوٰة ولا ھی مفاد عند کما علمت۔	**اقول:** اس پر چند کلام ہیں، اول نماز کے اندر حقیقی ظرفیت کا تصور نہیں ہوسکتا اور یہ "عند" کا مفاد بھی نہیں جیسا کہ ابھی واضح ہوا۔
وثانیا: قد قال فـ۲ الامام العینی نفسه قبل هذا بورقة مانصه فان قلت کیف التوفیق بین روایة عند کل وضوء وروایة عند کل صلاة قلت السواک الواقع عند الوضوء واقع للصلاة لان الوضوء شرع لها[2] اھ۔	**دوم:** اس سے ایک ورق پہلے خود امام عینی یہ لکھ چکے ہیں: اگر سوال ہو کہ عند کل وضوء کی روایت اور عند کل صلوٰۃ کی روایت میں تطبیق کیسے ہوگی؟ تو میں کہوں گا: وضو کے وقت ہونے والی مسواک نماز کے لئے بھی واقع ہے اس لئے کہ وضو نماز ہی کے لئے مشروع ہوا ہے اھ۔
وثالثا: کیف فـ۳ یباح الاستیاك فـ۴ فی المسجد مع حرمة المضمضة والتفل فیه والسواک یستعمل مبلولا ویستخرج الرطوبات فلا یؤمن ان یقطر منها شیئ وکل ذلك لایجوز فی المسجد الا ان یکون فی اناء اوموضع فیه	**سوم:** مسجد میں مسواک کرنا، جائز کیسے ہوگا جب اس میں کُلی کرنا اور تھوکنا حرام ہے۔ اور مسواک تر کرکے استعمال ہوتی ہے اور منہ سے رطوبتیں بھی نکالتی ہے جن میں سے کچھ مسجد میں ٹپکنے کا بھی اندیشہ ہے اور یہ سب مسجد میں جائز نہیں مگر یہ کہ کسی برتن کے اندر ہو یا کوئی ایسی جگہ ہو

فـ۱: تطفل علی الامام العینی۔ فـ۲: تطفل آخر علیه۔ فـ۳: تطفل ثالث علیه۔

فـ۴: **مسئلہ:** مسجد میں مسواک کرنی نہ چاہیے۔ مسجد میں کلی کرنا حرام مگر یہ کہ کسی برتن میں یا بانی مسجد نے وقت بنائے مسجد اس میں کوئی جگہ خاص اس کام کے لے بنادی ہو ورنہ اجازت نہیں۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب السواک یوم الجمعۃ تحت حدیث ۸۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ /۲۶۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب السواک یوم الجمعۃ تحت حدیث ۸۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ /۲۶۰

معد لذلك من حين البناء كما بيناه في فتاونا۔	جو تعمیر مسجد کے وقت ہی سے اسی لئے بنا رکھی گئی ہو۔ جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔
ورابعا: ما ذكره ف۱ ليس قول بعض المالكية بل قول امام دار الهجرة نفسه حكاه عند القرطبي في المفهم كما في المواهب اللدنية۔	**چہارم**: جو انہوں نے ذکر کیا وہ بعض مالکیہ کا قول نہیں بلکہ خود امام دار الہجرۃ کا قول ہے ان سے قرطبی نے المفہم میں اس کی حکایت کی ہے، جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

ثانیا عند الوضوء ف۲ میں خصوصیت وقت مضمضہ بھی نہیں تو حدیث اگر بوجہ عدم افادہ مواظبت سنیت ثابت نہ کرے گی بوجہ عدم تعین وقت استحباب عند المضمضہ بھی نہ بتائے گی **فافہم**

حدیث دوم طبرانی اوسط میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان العبد اذا غسل رجليه خرجت خطاياه واذا غسل وجهه وتمضمض وتشوص واستنشق ومسح براسه خرجت خطايا سمعه وبصره و لسانه واذا غسل ذراعيه وقدميه كان كيوم ولدته امه [1]۔	بے شک بندہ جب اپنے پاؤں دھوتا ہے اُس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں اور جب مُنہ دھوتا اور کُلی کرتا دھوتا مانجھتا پانی سونگھتا سر کا مسح کرتا ہے اس کے کانوں، آنکھوں اور زبان کے گناہ نکل جاتے ہیں، اور جب کلائیاں اور پاؤں دھوتا ہے ایسا ہو جاتا ہے جیسا اپنی ماں سے پیدا ہوتے وقت تھا۔

اقول اولا: شوص دھونا اور پاک کرنا ہے **کما فی الصحاح** (جیسا کہ صحاح میں ہے۔ت) **وقال الرازی**:

الشوص الغسل والتنظيف [2] اھ	شوص کے معنے دھونا اور صاف کرنا ہے اھ۔ (ت)

ف۱: تطفل رابع علیہ۔ ف۲: تطفل آخر علی الفتح۔

[1] المعجم الاوسط حدیث ۴۳۹۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/۲۰۲، کنز العمال حدیث ۲۶۰۴۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۲۸۹

[2] الصحاح (للجوہری) باب الصاد فصل الشین دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۸۷۶

وفی القاموس الدلك بالید ومضغ السواك و الاستنان به اوالا ستیاك ووجع الضرس و البطن والغسل والتنقیة [1]۔	اور قاموس میں ہے: ہاتھ سے ملنا۔ مسواک چبانا اور اس سے دانت مانجنا۔ یا مسواک کرنا۔ ڈاڑھ اور پیٹ کا درد ۔ دھونا اور صاف کرنا۔ (ت)

ثانیا: حدیث میں افعال بترتیب نہیں تو ممکن کہ مسواک سب سے پہلے ہو اور یہی حدیث کہ امام احمد نے بسند حسن مرتبًا روایت کی اس میں ذکر شوص نہیں، اس کے لفظ یہ ہیں:

عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه قال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ایما رجل قام الی وضوئه یرید الصلاۃ ثم غسل کفیه نزلت کل خطیئة من کفیه مع اول قطرۃ فاذا مضمض واستنشق واستنثر نزل کل خطیئة من لسانه و شفتیه مع اول قطرۃ فاذا غسل وجهه نزلت کل خطیئة من سمعه وبصرہ مع اول قطرۃ فاذا غسل یدہ الی المرفقین ورجله الی الکعبین سلم من کل ذنب کھیأۃ یوم ولدته امه [2]۔	(حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:) جب آدمی نماز کے ارادے سے وضو کو اٹھے پھر ہاتھ دھوئے تو ہاتھ کے سب گناہ پہلے قطرہ کے ساتھ نکل جائیں، پھر جب کُلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور صاف کرے زبان ولب کے سب گناہ پہلی بوند کے ساتھ ٹپک جائیں، پھر جب منہ دھوئے آنکھ کان کے سب گناہ پہلے قطرہ کے ساتھ اُتر جائیں، پھر جب کُہنیوں تک ہاتھ اور گٹّوں تک پاؤں دھوئے سب گناہوں سے ایسا خالص ہوجائے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

فائدہ: ف یہ نفیس و عظیم بشارت کہ امت محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر رب عزوجل کا عظیم فضل اور نمازیوں کیلئے کمال تہنیت اور بے نمازوں پر سخت حسرت ہے بکثرت احادیث صحیحہ معتبرہ میں وارد ہوئی اس معنی کی حدیثیں حدیث ابوامامہ کے علاوہ صحیح مسلم شریف میں

ف: وضو سے گناہ دھلنے کی حدیثیں۔

---

[1] القاموس المحیط باب الصاد فصل الشین مصطفی البابی مصر ۳۱۸/۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ الباہلی المکتب الاسلامی بیروت ۲۶۳/۵

[2]امیر المومنین عثمٰن عــہ۱ غنی و [3]ابوہریرہ عــہ۲ و [4]عمرو بن عــہ۳ عبسہ اور مالک واحمد ونسائی وابن ماجہ وحاکم کے یہاں عبداللہ صنابحی اور طحاوی و معجم کبیر طبرانی میں عباد والد ثعلبہ اور مسند احمد میں مرہ بن کعب اور مسند مسدد وابی یعلی میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہیں ان میں حدیث صنابحی وحدیث عمرو سب سے اتم ہیں کہ ان میں ناک کے گناہوں کا بھی ذکر ہے اور مسحِ سر کرنے سے سر کے گناہ نکل جانے کا بھی۔

ففی الاول اذا استنثر خرجت الخطایا من انفه ثم قال بعد ذکر الوجه والیدین فاذا مسح رأسه خرجت الخطایا من رأسه حتی تخرج من اذنیه[1] وفی الثانی مامنکم رجل یقرب وضوءه فیتمضمض ویستنشق ویستنثر الا	حدیث صنابحی میں یہ ہے: "جب ناک صاف کرے تو ناک کے گناہ گرجائیں"۔ پھر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے ذکر کے بعد ہے: "پھر اپنے سر کا مسح کرے تو اس کے سر سے گناہ نکل جائیں یہاں تک کہ کانوں سے بھی نکل جائیں"۔ اور حدیثِ عمرو میں ہے: "تم میں جو بھی وضو کے لئے جاکر کُلی کرے ناک میں پانی ڈالے اور جھاڑے تو اس کے چہرے

عــہ۱: رواہ ایضا احمد وابن ماجة منه۔

عــہ۲: ورواہ ایضا مالك والشافعی والترمذی والطحاوی منه۔

عــہ۳: ورواہ ایضا احمد وابوبکر بن ابی شیبة و الامام الطحاوی والضیاء وھو عند الطبرانی فی الاوسط مختصرا وابن زنجویة بسند صحیح منه۔

عــہ۱: اور اسے امام احمد وابن ماجہ نے بھی روایت کیا ۱۲منہ (ت)۔

عــہ۲: اور اسے امام مالک، امام شافعی اور ترمذی وطحاوی نے بھی روایت کیا ۱۲منہ (ت)

عــہ۳: اور اسے امام احمد ابوبکر بن ابی شیبہ، امام طحاوی اور ضیاء نے بھی روایت کیا اور یہ طبرانی کی معجم اوسط میں مختصرا اور ابن زنجویہ کے یہاں بسند صحیح مروی ہے ۱۲منہ (ت)

---

1 کنزالعمال بحوالہ مالک، حم، ن، ہ، ک حدیث ۲۶۰۳۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/۲۸۵، مؤطا الامام مالک کتاب الطہارۃ، باب جامع الوضوء میر محمد کتب خانہ کراچی ص۲۱، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عبداللہ الصنابحی المکتب الاسلامی بیروت ۴/۳۴۸ و ۳۴۹، سنن النسائی کتاب الطہارۃ، باب مسح الاذنین مع الراس نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹، المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ دار الفکر بیروت ۱/۱۲۹

خرجت خطایا وجهه من فیه وخیاشمه ثم قال بعد ذکر الوجه والیدین ثم یمسح رأسه الاخرجت خطایا رأسه من اطراف شعره مع الماء [1]	کے گناہ منہ سے اور ناک کے بانسوں سے نکل پڑیں"۔ پھر چہرہ اور دونوں ہاتھوں کے ذکر کے بعد ہے: "پھر اپنے سر کا مسح کرے تو اس کے سر کے گناہ بال کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جائیں"۔(ت)

بہت علماء فرماتے ہیں یہاں گناہوں سے صغائر مراد ہیں۔

اقول: تحقیق یہ ہے کہ کبائر بھی دُھلتے ہیں اگرچہ زائل نہ ہوں یہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ اکابر اولیائے کرام قدست اسرارہم کا مشاہدہ ہے جسے فقیر نے رسالہ "الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل (۱۳۲۰ھ)" میں ذکر کیا اور کرم مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بحرِ بے پایاں ہے حدث عن البحر ولا حرج والحمدللہ رب العٰلمین (بحر سے بیان کیا، اس میں کوئی حرج نہیں والحمدللہ رب العلمین۔ت) اور بات وہ ہے جو خود مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بشارت بیان کرکے ارشاد فرمائی کہ لاتغتروا اس پر مغرور نہ ہونا رواہ البخاری [2] عن عثمٰن ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنهم وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

حدیث سوم سنن بیہقی میں ہے:

عن عبداللہ بن المثنی قال حدثنی بعض اهل بیتی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه ان رجلا من الانصار من بنی عمرو بن عوف قال یا رسول اللہ انك رغبتنا فی السواك فهل دون ذلك من شیئ قال اصبعك سواك عند وضوء ک	عبداللہ بن المثنی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں مجھے میرے گھر والوں میں سے کسی نے بیان کیا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ بنی عمرو بن عوف سے ایک انصاری نے عرض کی یارسول اللہ! حضور نے مسواک کی طرف ہمیں ترغیب فرمائی کیا اس کے سوا بھی کوئی صورت ہے؟ فرمایا: وضو کے وقت تیری انگلی مسواک ہے کہ

[1] کنزالعمال بحوالہ مالک، حم، م حدیث ۲۶۰۳۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲۸۶/۹، صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین، باب اسلام عمرو بن عبسۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۷۶/۱

[2] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب یایہاالناس ان وعداللہ حق ...الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۵۲/۲

تمر بھا علی اسنانك انه لاعمل لمن لانیة له ولا اجر لمن لاخشیة له[1]۔	اپنے دانتوں پر پھیرے، بیشک بے نیت کے کوئی عمل نہیں اور بے خوف الٰہی کے ثواب نہیں۔

اقول: اولاً یہ حدیث ضعیف ہے لماتری من الجہالۃ فی سندہ وقد ضعفہ البیہقی۔ (جیسا کہ تو دیکھتا ہے اس کی سند میں جہالت ہے، اور امام بیہقی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ت)

ثانیاوثالثاً لفظ عند وضوء ک میں وہی مباحث ہیں کہ گزرے۔

حدیث چہارم ایک حدیث مرسل میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء شطر الایمان والسواك شطر الوضوء رواہ ابو بکر بن ابی شیبة[2] عن حسان بن عطیة و رستة فی کتاب الایمان عنه بلفظ السواك نصف الوضوء والوضوء نصف الایمان[3]۔	وضوایمان کا حصّہ ہے اور مسواک وضوکا حصہ ہے۔اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے حسان بن عطیہ سے روایت کیا، اور رستہ نے اس کو ان سے کتاب الایمان میں ان الفاظ سے روایت کیا کہ: مسواک نصف وضو ہے اور وضو نصف ایمان۔ (ت)

اقول: یعنی ایمان بے وضو کامل نہیں ہوتا اور وضو بے مسواک۔ اس سے مسواک کا داخل وضو ہونا ثابت نہیں ہوتا جس طرح وضو داخل ایمان نہیں ہاں وجہ تکمیل ہونا مفہوم ہوتا ہے وہ ہر سنت کیلئے حاصل ہے قبلیہ ہو یا بعدیہ جس طرح صبح و ظہر کی سنتیں فرضوں کی مکمل ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

ثالثاً اقول: جب محقق ہولیا کہ مسواک سنّت ہے اور ہمارے علماءُ سے سنّتِ وضو مانتے اور شافعیہ کے ساتھ اپنا خلاف یونہی نقل فرماتے ہیں کہ اُن کے نزدیک سنّتِ نماز ہے اور ہمارے نزدیک سنّتِ وضو اور متون مذہب قاطبۃً یک زبان یک زبان صریح فرمارہے ہیں کہ مسواک سننِ وضو سے ہے تو اُس سے عدول کی کیا وجہ ہے، سنّتِ شے قبلیہ ہوتی ہے یا بعدیہ یا داخلہ جیسے رکوع میں تسویہ ظہر۔ مگر روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ مسواک وضو کی سنت داخلہ نہیں کہ سنت بے مواظبت نہیں اور وضو کرتے میں مسواک فرمانے پر مداومت درکنار اصلا ثبوت ہی نہیں اور سنت بعدیہ نہ کوئی مانتا ہے نہ اس کا محل ہے کہ مسواک سے خون نکلے تو وضو بھی جائے۔ بحر الرائق میں ہے:

---

[1] السنن الکبری کتاب الطہارۃ، باب الاستیاک بالاصابع دار صادر بیروت ۱/۴۱

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ماذکر فی السواک حدیث ۱۸۰۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۵۷

[3] الجامع الصغیر (للسیوطی) بحوالہ رستۃ حدیث ۴۸۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۹۷

وعلله السراج الهندی فی شرح الهدایة بانه اذا استاك للصلاة ربما یخرج منه دم وهو نجس بالاجماع وان لم یکن ناقضا عندالشافعی رضی الله تعالٰی عنه[1]۔	اور سراج ہندی نے اپنی شرح ہدایہ میں اس کی علّت یہ بیان فرمائی کہ جب نماز کے لئے وضو کرے گا تو بعض اوقات اس سے خون نکل جائے گا۔ اور یہ بالاجماع نجس ہے اگرچہ امام شافعی کے نزدیک ناقضِ وضو نہیں۔(ت)

لاجرم ثابت ہوا کہ سنت قبلیہ ہے اور یہی مطلوب تھا اور خود حدیث صحیح مسلم اس کی طرف ناظر، اور حدیث ابی داؤد اس میں نص۔

کما تقدم اما تعلیل التبیین عدم استنانه فی الوضوء بانه لایختص به۔ **اقول: اولا** لا یلزم ف۱ لسنة الشیئ الاختصاص به الا تری ان ترك اللغوسنة مطلقا ویتأکد استنانه للصائم والمحرم والمعتکف والتسمیة کمالا تختص بالوضوء لاتختص بالاکل ولا یسوغ انکار انها سنة للاکل، **وثانیا** اذا ف۲ واظب النبی صلی الله علیه وسلم علی شیئ فی شیئین فهل یکون ذلك سنة فیهما او فی احدهما اولا فی شیئ منهما الثالث	جیسا کہ گزرا، مگر تبیین میں مسواک کے سنتِ وضو نہ ہونے کی علّت یہ بتانا کہ مسواک وضو کے ساتھ خاص نہیں۔ (ت) **اقول:** اس پر **اوّلا** یہ کلام ہے کہ سنّتِ شَے ہونے کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس شَے کے ساتھ خاص بھی ہو۔ دیکھئے ترک لغو مطلقًا سنت ہے اور روزہ دار، صاحبِ احرام اور معتکف کے لئے اس کا مسنون ہونا اور مؤکّد ہو جاتا ہے۔ اور تسمیہ جیسے وضو کے ساتھ خاص نہیں کھانے کے ساتھ بھی خاص نہیں مگر تسمیہ کے کھانے کی سنت ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں۔ دوسرا کلام یہ ہے کہ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عمل پر دو چیزوں کے اندر مواظبت فرمائیں تو وہ ان دونوں میں سنت ہوگا یا ایک میں ہوگا یا کسی میں نہ ہوگا۔ تیسری

ف۱: تطفل علی الامام الزیلعی۔ ف۲: تطفل آخر علیه۔

[1] البحرالرائق کتاب الطهارة، سنن الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰

باطل و الا یختلف المحدود مع صدق الحد وکذا الثانی مع علاوۃ الترجیح بلا مرجح فتعین الاول وثبت ان الاختصاص لایلزم الاستنان۔

شق باطل ہے ورنہ لازم آئے گا کہ تعریف صادق ہے اور مُعَرَّف صادق ہی نہیں۔یہی خرابی دوسری شق میں بھی لازم آئے گی،مزید برآں ترجیح بلامرجّح بھی۔توپہلی شق متعین ہوگئی اور ثابت ہوگیا کہ سنت ہونے کے لئے خاص ہونا لازم نہیں۔

اما ما فی عمدۃ القاری اختلف العلماء فیه فقال بعضهم انه من سنة الوضوء وقال اخرون انه من سنة الصلاۃ وقال اخرون انه من سنة الدین وهو الاقوی نقل ذلك عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه[1] اھ ذکرہ فی باب السواك من ابواب الوضوء زاد فی باب السواك یوم الجمعة ان المنقول عن ابی حنیفة انه من سنن الدین فحینئذ یستوی فیه کل الاحوال[2] اھ۔

اب رہا وہ جو عمدۃ القاری میں ہے:اس کے بارے میں علماء کااختلاف ہے،بعض نے فرمایا سنتِ وضوہے بعض دیگر نے کہاسنتِ نماز ہے۔اور کچھ حضرات نے فرمایاسنتِ دین ہے،اوریہی زیادہ قوی ہے،یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے اھ،یہ علامہ عینی نے ابواب الوضو کے باب السواک میں ذکرکیا،اور باب السواک یوم الجمعہ میں اتنا اضافہ کیا:امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ "مسواک دین کی سنتوں میں سے ہے"۔تواس میں تمام احوال برابر ہوں گے اھ۔

اقول: یؤیدہ حدیث الدیلمی عن ابی هریرۃ رضی الله تعالٰی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم السواك سنة فاستاکوا ای وقت شئتم[3]۔

اقول:اس کی تائید دیلمی کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:مسواک سنت ہے توتم جس وقت چاہو مسواک کرو۔

---

[1] عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء،باب السواک تحت حدیث ۲۴۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۷۴

[2] عمدۃالقاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ،باب السواک...الخ تحت حدیث ۸۸۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۲۶۱

[3] کنزالعمال بحوالہ فرحدیث ۲۶۱۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۱

ولكن **اولا** لاكونه ^ف۱^ سنة فى الوضوء ينفى كونه من سنن الدين بل يقرره ولاكونه سنة مستقلة ينافى كونه من سنن الوضوء كما قررنا الا ترى ان المأثور عنه رضى الله تعالى عنه انه من سنن الدين واطبقت حملة عرش مذهبه المتين المتون انه من سنن الوضوء ونصها عين نصه رضى الله تعالى عنه۔	لیکن **اوّلاً** نہ تواس کاسنتِ وضوہونا، سنتِ دین ہونے کی نفی کرتاہے۔بلکہ اس کی تائید کرتاہے۔ اورنہ ہی اس کا سنت مستقلہ ہونا، سنتِ وضو ہونے کے منافی ہے جیسا کہ ہم نے تقریر کی۔ یہی دیکھئے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ مسواک دین کی ایک سنت ہے اوران کے مذہب متین کے حامل جملہ متون کااس پر اتفاق ہے کہ مسواک وضو کی ایک سنت ہے۔اور نصِ متون خود امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص ہے۔
وثانیا هذا الامام العينى ^ف۲^ نفسه ناصا قبل هذا بنحو ورقة ان باب السواك من احكام الوضوء عند الاكثرين [1] اھ فلم نعدل عن قول الاكثرين وعن اطباق المتون لرواية عن الامام لاتنافيه اصل۔	**ثانیاً** خود امام عینی نے اس سے ایک ورق پہلے صراحت فرمائی ہے کہ اکثر حضرات کے نزدیک مسواک کاباب احکامِ وضوسے ہے اھ توہم قولِ اکثراوراتفاق متون سے امام کی ایک ایسی روایت کے سبب عدول کیوں کریں جو اس کے منافی بھی نہیں ہے۔
وثالثا اعجب ^ف۳^ من هذا قوله رحمه الله تعالى فى شرح قول الكنز وسنته غسل يديه الى رسغيه ابتداء كالتسمية والسواك	**ثالثاً** اس سے زیادہ عجیب شرح کنز میں علامہ عینی کاکلام ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کنز کی عبارت یہ ہے: "سنتہ غسل یدیہ الی رسغیہ ابتداء کالتسمیۃ والسواک"۔

ف۱:تطفل علی الامام العینی۔ ف۲:تطفل آخر علیہ۔ ف۳:ثالث علیہ۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوباب السواک دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۷۲/۳

اذ قال الامام الزیلعی قوله والسواك یحتمل وجهین احدهما ان یکون مجرورا عطفا علی التسمیة والثانی ان یکون مرفوعا عطفا علی الغسل والاول اظهر لان السنة ان یستاك عند ابتداء الوضوء[1] اھ مانصه بل الاظهر هو الثانی لان المنقول عن ابی حنیفة رضی الله تعالی عنه علی ما ذکره صاحب المفید ان السواك من سنن الدین فحینئذ یستوی فیه کل الاحوال[2] اھ۔ **اقول:** کونه من سنن الدین کان یقابل عندکم کونه من سنن الوضوء فما یغنی الرفع مع کونه عطفا علی خبر سنته ای سنة الوضوء وبوجه اخر ^ف ما المراد باستواء الاحوال نفی ان یختص به حال	(وضو کی سنت گٹوں تک دونوں ہاتھوں کو شروع میں دھونا ہے جیسے تسمیہ اور مسواک)۔اس پر امام زیلعی نے فرمایا: لفظ السواک کی دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ لفظ التسمیۃ پر معطوف ہو کر مجرور ہو۔دوسری یہ کہ لفظ غسل (دھونا) پر معطوف ہو کر مرفوع ہو۔اور اول زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ سنت یہ ہے کہ ابتدائے وضوکے وقت مسواک کرے اھ۔ اس پر علامہ عینی فرماتے ہیں: بلکہ زیادہ ظاہر ثانی ہے اس لئے کہ جیسا کہ صاحبِ مفید نے ذکر کیا ہے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول یہ ہے کہ مسواک دین کی سنتوں میں سے ہے تواس صورت میں اس کے اندر تمام احوال برابر ہیں اھ۔ **اقول:** آپ کے نزدیک مسواک کا سنتِ دین ہونا، سنتِ وضو ہونے کے مقابل تھا تولفظ السواک کے مرفوع ہونے سے کیاکام بنے گاجب کہ وہ لفظ سنتہ (یعنی سنتِ وضو) کی خبر پر عطف ہوگا(یعنی یہ ہوگاکہ اور ۔ وضو کی سنت۔مسواک کرنا بھی ہے۔تواس ترکیب پر بھی سنتِ دین کے بجائے سنتِ وضو ہونا ہی

ف: تطفل رابع علیه۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الطهارۃ، سنن الوضوء دار الکتب العلمیه بیروت ۱/۳۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الطهارۃ، سنن الوضوء دار الکتب العلمیه بیروت ۱/۳۵

بحیث تفقد السنیة فی غیرہ ام نفی التشکیک بحسب الاحوال بحیث لایکون التصاقه ببعضها ازید من بعض علی الاول لاوجه لاستظهار الثانی فلو کان سنة فی ابتداء الوضوء ای اشد طلباً فی هذا الوقت والصق به لم ینتف استنانه فی غیر الوضوء وعلی الثانی لاوجه للثانی ولا للاول فضلا عن کون احدهما اظهر من الاخر۔	نکلتا ہے ۱۲م) **بطرزِ دیگر** تمام احوال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے (۱) یہ کہ کسی حال میں مسواک کی ایسی کوئی خصوصیت نہیں جس کے باعث وہ دوسرے حال میں مسنون نہ رہ جائے (۲) یا احوال کے لحاظ سے تشکیک کی نفی مقصود ہے اس طرح کہ مسواک کا بعض احوال سے تعلق بعض دیگر سے زیادہ نہ ہو۔ اگر تقدیر اول مراد ہے تو لفظ السواک کے رفع کو زیادہ ظاہر کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ مسواک اگر ابتدائے وضو میں سنت ہو۔ یعنی اس وقت میں اس کا مطالبہ اور اس سے اس کا تعلق زیادہ ہو۔ تو اس سے غیر وضو میں اس کی مسنونیت کی نفی نہیں ہوتی۔ بر تقدیر دوم نہ ترکیب ثانی کی کوئی وجہ رہ جاتی ہے نہ ترکیب اوّل کی کسی ایک کا دوسری سے زیادہ ظاہر ہونا تو در کنار۔ (کیونکہ تمام احوال کے برابر ہونے کا مطلب جب یہ ٹھہرا کہ کسی بھی حال سے اس کا تعلق دوسرے سے زیادہ نہیں، تو نہ یہ کہنے کی کوئی وجہ رہی کہ ابتدائے وضو میں سنت ہے نہ یہ ماننے کی وجہ رہی کہ وضو میں مطلقاً سنّت ہے ۱۲م)
والعجب من البحر صاحب البحر انه جعل الاولی کون وقته عند المضمضة لاقبل الوضوء وتبع الزیلعی فی ان الجر اظهر لیفید ان الابتداء به سنة نبه علیه اخوہ	اور صاحبِ بحر پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انہوں نے یہ مانا ہے کہ وقت مسواک حالتِ مضمضہ ہیں ہونا اولٰی ہے قبلِ وضو نہیں، اور دوسری طرف انہوں نے کنز میں لفظ السواک کا جر زیادہ ظاہر ماننے میں امام زیلعی کی پیروی بھی کرلی ہے جس کا مفاد یہ ہے مسواک وضو کے

فی النھر رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا۔ اما تعلیل الفتح ان لاسنیۃ دون المواظبۃ[1] ولم تثبت عند الوضوء۔ **اقول:** الدلیل ف۱ اعم من الدعوی فان المقصود نفی الاستنان للوضوء والدلیل نفی کونہ من السنن الداخلۃ فیہ فلم لایختار کونہ سنۃ قبلیۃ للوضوء۔	شروع ہی میں ہونا سنّت ہے۔اس پر ان کے برادر نے النہر الفائق میں تنبیہ کی، رحمہم اللہ تعالٰی جمیعا۔ اب رہی فتح القدیر کی یہ تعلیل کہ بغیر مداومت کے سنّیت ثابت نہیں ہوتی اور وقتِ وضو مداومت ثابت نہیں۔ **اقول:** دلیل دعوی سے اعم ہے،اس لئے کہ مدعا یہ ہے کہ مسواک وضو کے لئے سنت نہیں۔ اور دلیل یہ ہے کہ مسواک وضو کے اندر سنت نہیں۔ تو کیوں نہ یہ اختیار کیا جائے کہ مسواک وضو کی سنتِ قبلیہ ہے (یعنی وضو کے اندر تو نہیں مگر اس سے پہلے مسواک کرلینا سنتِ وضو ہے ۱۲م)

بالجملہ بحکم متون واحادیث اظہر، وہی مختار بدائع وزیلعی وحلیہ ہے کہ مسواک وضو کی سنت قبلیہ ہے، ہاں سنت مؤکدہ اُسی وقت ہے جبکہ منہ میں تغیر ہو،اس تحقیق پر جبکہ مسواک وضو کی سنّت ہے مگر وضو میں نہیں بلکہ اُس سے پہلے ہے تو جو پانی کہ مسواک میں صرف ہوگا اس حساب سے خارج ہے سنّت یہ ہے کہ مسواک ف۲ کرنے سے پہلے دھولی جائے اور فراغ کے بعد دھو کر رکھی جائے اور کم از کم اُوپر کے دانتوں اور نیچے کے دانتوں میں تین تین بار تین پانیوں سے کی جائے۔ دُرمختار میں ہے:

اقلہ ثلاث فی الاعالی وثلاث فی الاسافل بمیاہ ثلثۃ[2]۔	اس کی کم سے کم مقدار یہ ہے کہ تین بار اوپر کے دانتوں میں، تین بار نیچے کے دانتوں میں، تین تین پانیوں سے ہو۔

ف۱: تطفل علی الفتح۔

ف۲: **مسئلہ:** مسواک دھو کر کی جائے اور کرکے دھولیں اور کم از کم تین تین بار تین پانیوں سے ہو۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱

صغیری میں ہے:

یغسله عند الاستیاك وعند الفراغ منه[1]۔	مسواک کو مسواک کرنے کے وقت اوراس سے فارغ ہونے کے بعد دھولے۔(ت)

(۵) اس قدر تو درکار ہی ہے اور اُس کے ساتھ اگر منہ میں کوئی تغیر رائحہ ہوا تو جتنی بار مسواک اور کُلّیوں سے اس کا ازالہ ہو لازم ہے اس کیلئے کوئی حد مقرر نہیں بدبودار کثیف ف۱ بے احتیاطی کا حقّہ پینے والوں کو اس کا خیال سخت ضروری ہے اور اُن سے زیادہ سگریٹ والے کہ اس کی بدبو مرکب تمباکو سے سخت تر اور زیادہ دیرپا ہے اور ان سب سے زائد اشد ضرورت تمباکو کھانے والوں کو ہے جن کے منہ میں اُس کا جِرم دبا رہتا اور منہ کو اپنی بدبو سے بسا دیتا ہے یہ سب لوگ وہاں تک مسواک اور کُلّیاں کریں کہ منہ بالکل صاف ہوجائے اور بُو کا اصلاً نشان نہ رہے اور اس کا امتحان یوں ہے کہ ہاتھ اپنے منہ کے قریب لے جاکر منہ کھول کر زور سے تین بار حلق سے پوری سانس ہاتھ پر لیں اور معًا سونگھیں بغیر اس کے اندر کی بدبو خود کم محسوس ہوتی ہے، اور جب منہ میں ف۲ بدبو ہو تو مسجد میں جانا حرام نماز میں داخل ہونا منع واللہ الہادی۔

(۶) یوں ہی جسے تر کھانسی ہو اور بلغم کثیر ولزوج کہ بمشکل بتدریج جُدا ہو اور معلوم ہے کہ مسواک کی تکرار اور کُلیوں غراروں کا اکثار اُس کے خروج پر معین تو اُس کے لئے بھی حد نہیں باندھ سکتے۔

(۷) یہی حال زکام کا ہے جبکہ ریزش زیادہ اور لزوجت دار ہو اُس کے تصفیہ اور بار بار ہاتھ دھونے میں جو پانی صرف ہو وہ بھی جدا اور نامعین المقدار ہے۔

(۸) پانوں کی ف۳ کثرت سے عادی خصوصًا جبکہ دانتوں میں فضا ہو تجربہ سے جانتے ہیں کہ چھالیا کے باریک ریزے اور پان کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے اس طرح منہ کے اطراف واکناف میں جاگیر ہوتے

ف۱: مسئلہ: حقہ اور سگرٹ پینے اور تمباکو کھانے والوں کے لئے مسواک میں کہاں تک احتیاط واجب ہے اور ان کے امتحان کا طریقہ۔

ف۲: مسئلہ: منہ میں بدبو ہو تو جب تک صاف نہ کرلیں مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا منع ہے۔

ف۳: مسئلہ: پان کے عادی کو کلیوں میں کتنی احتیاط لازم۔

---

[1] صغیری شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴

ہیں کہ تین[3] بلکہ کبھی دس[10] بارہ[12] کُلیاں بھی اُن کے تصفیہ تام کو کافی نہیں ہوتیں، نہ خلال اُنہیں نکال سکتا ہے نہ مسواک سوا کُلیوں کے کہ پانی منافذ میں داخل ہوتا اور جنبشیں دینے سے اُن جمے ہوئے باریک ذرّوں کو بتدریج چھڑ چھڑا کر لاتا ہے اس کی بھی کوئی تحدید نہیں ہو سکتی اور یہ کامل تصفیہ بھی بہت مؤکد ہے متعدد ف احادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جب بندہ نماز کو کھڑا ہوتا ہے فرشتہ اس کے منہ پر اپنا منہ رکھتا ہے یہ جو کچھ پڑھتا ہے اس کے منہ سے نکل کر فرشتہ کے منہ میں جاتا ہے اُس وقت اگر کھانے کی کوئی شے اُس کے دانتوں میں ہوتی ہے ملائکہ کو اُس سے ایسی سخت ایذا ہوتی ہے کہ اور شے سے نہیں ہوتی۔

البیھقی فی الشعب وتمام فی فوائدہ والدیلمی فی مسند الفردوس والضیاء فی المختارۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا قام احدکم یصلی من اللیل فلیستك فان احدکم اذا قرأ فی صلاتہ وضع ملك فاہ علی فیہ ولا یخرج من فیہ شیئ الادخل فم الملك[1] وللطبرانی فی الکبیر عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لیس شیئ اشد علی الملکین من ان یریابین اسنان صاحبھما شیئا وھو قائم یصلی[2] وفی	بیہقی شعب الایمان میں، تمام فوائد میں، دیلمی مسند الفردوس میں، اور ضیاء مختارہ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ صحیح راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو مسواک کرلے اس لئے کہ جب وہ اپنی نماز میں قراءت کرتا ہے تو ایک فرشتہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے اور جو قراءت اس کے منہ سے نکلتی ہے فرشتے کے منہ میں جاتی ہے۔ اور معجم طبرانی کبیر میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں فرشتوں پر اس سے زیادہ گراں کوئی چیز نہیں کہ وہ اپنے ساتھ والے انسان کے دانتوں کے درمیان کھانے کی کوئی چیز پائیں جب وہ کھڑا نماز پڑھ رہا ہو۔ اور اس

ف: مسئلہ: نماز میں منہ کی کمال صفائی کالحاظ لازم ہے ورنہ فرشتوں کو سخت ایذا ہوتی ہے۔

1 کنزالعمال بحوالہ شعب الایمان وتمام والدیلمی حدیث ۲۶۲۲۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۱۹/۹

2 المعجم الکبیر حدیث ۴۰۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷۷/۴

الباب عند ابن المبارك فی الزھد عن ابی عبدالرحمن السلمی عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والدیلمی عن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنھما عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابن نصر فی الصّلاۃ عن الزھری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرسلا والاٰجری فی اخلاق حملۃ القراٰن عن علی کرم اللہ وجھہ موقوفا۔	بارے میں امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب الزہد میں بھی حدیث ہے جوابوعبدالرحمٰن سلمی سے مروی ہے وہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں۔اور دیلمی نے بھی عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ اورابن نصرنے کتاب الصّلوٰۃ میں امام زہری سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرسلاً، اورآجری نے اخلاق حملۃ القرآن میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے موقوفاً روایت کی ہے۔(ت)

تنبیہ: سیدنا ف امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن بن زیاد کی روایت کہ مستثنی پانیوں سے آب اول کے نیچے گزری جس کا حاصل یہ تھا کہ ایک رطل پانی سے استنجااور ایک رطل منہ اور دونوں ہاتھ اور ایک رطل دونوں پاؤں کیلئے، اور اسی کو علّامہ شرف بخاری رحمہ الباری نے مقدمۃالصلاۃ میں ذکر فرمایا کہ

(۱) در وضو آب یک من ونیم ست عنسل راچار من ز تعلیم ست

(۲) در وضو کن بہ نیم من استنجا دار مر دست وروئے نیمن را

(۳) پس بداں نیم من کہ مے ماند پائے شوید ہرانکہ مے داند[1]

(۱) پانی وضو میں ڈیڑھ سیر ہے غسل کے لیے چار سیر کی تعلیم ہے۔

(۲) وضو میں آدھے سیر سے استنجا کر، ہاتھ اور منہ کے لیے آدھے سیر کو رکھ۔

(۳) پھراس آدھے سیر سے جو بچتا ہے پاؤں دھوئے وہ جو کہ جانتا ہے۔

اقول: اس سے ظاہر یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ وضو میں صرف فرائض غسل کا حساب بتایا ہے کہ

ف: مسئلہ: منہ دھونے سے پہلے کی تینوں سنتیں بھی اسی ایک مُد میں داخل ہیں یا نہیں۔

[1] نامِ حق فصل سوم دربیان مقدار آب وضو وغسل مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۴

جتنا پانی دونوں پاؤں کیلئے رکھا ہے اُسی قدر مُنہ اور دونوں ہاتھ کیلئے، اول تو اسی قدرے بُعد ہے۔ پاؤں کی ساخت اگر عالم کبیر میں شتر کی نظیر ہے جس کے سبب اُس کے تمام اطراف پر گزرنے کیلئے پانی زیادہ درکار ہے تو شک نہیں کہ ناخنِ دست سے کہنی کے اُوپر تک ہاتھ کی مساحت پاؤں سے بہت زائد ہے تو غایت یہ کہ ہاتھ کے برابر پاؤں پر صرف ہو نہ کہ منہ اور دونوں ہاتھ کے مجموعہ کے برابر پاؤں پر ولہٰذا حدیث میں ہاتھوں اور پاؤں پر برابر صرف کا ذکر آیا۔ بخاری و نسائی عـــہ وابو بکر بن ابی شیبہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انه توضأ فغسل وجهه اخذ غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرى فغسل بها وجهه ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنى ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرى ثم مسح برأسه ثم اخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها ثم اخذ غرفة اخرى فغسل بها رجله اليسرى ثم قال هكذا رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يتوضأ[1]۔	انہوں نے وضو کیا تو اپنا چہرہ دھویا ایک چلو پانی لے کر اس سے کُلی کی اور ناک میں ڈالا پھر ایک چلو لے کر اس طرح کیا۔ اسے اپنے بائیں ہاتھ میں ملاکر اس سے اپنا چہرہ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنا داہنا ہاتھ دھویا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اس سے اپنا بایاں ہاتھ دھویا پھر سر کا مسح کیا۔ پھر ایک چلو پانی لے کر اسے دائیں پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر دوسرا چلو لے کر اس سے بایاں پاؤں دھویا پھر فرمایا: میں نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔ (ت)

عـــہ: و رواه ابو داؤد مختصرا ويأتي وابن ماجة ايضا فاختصره جدا وفرقه اھ منه (م)	عـــہ: ابو داؤد نے اسے مختصراً روایت کیا۔ یہ روایت آگے آئے گی۔ اور اسے ابن ماجہ نے بھی روایت کیا مگر بہت مختصر کردیا اور اسے الگ الگ کردیا ۱۲ منہ۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوباب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶/۱، سنن النسائی باب مسح الاذنین مع الراس... الخ نور محمد کتب خانہ کراچی ۲۹/۱، المصنف لابن ابی شیبہ فی الوضوء کم ھو مرۃ حدیث ۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۷/۱

اور اگر اس سے قطع نظر کیجئے تو دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا، کُلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ دھونا، دونوں ہاتھ ناخنِ دست سے کہنیوں کے اوپر تک دھونا اس تمام مجموعہ کے برابر صرف دونوں پاؤں پر صرف ہونا غایت استبعاد میں ہے تو ظاہر یہی ہے کہ ابتدائی سُنتیں یعنی کلائیوں تک ہاتھ تین بار دھونا تین کُلّیاں تین بار ناک میں پانی یہ سب بھی اس حساب یک مُد سے خارج ہو عجب نہیں کہ حدیث رُبیع رضی اللہ تعالٰی عنہا جس میں پورا وضو مع سنن مذکور ہوا اور وضو کا برتن بھی دکھایا اور راوی نے اُس کا تخمینہ ایک مُد اور تہائی تک کیا اُس کا منشا یہی ہو کہ سنن قبلیہ کیلئے ثُلث مُد بڑھ گیا مگر احادیث مطلقہ سے متبادر وضو مع السنن ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

امر چہارم ف: کیا پانی کی یہ مقداریں کہ مذکور ہوئیں حد محدود ہیں کہ ان سے کم و بیش ممنوع۔ ائمہ دین وعلمائے معتمدین مثل امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام محمود بدر عینی شرح صحیح بخاری اور امام محمد بن امیر الحاج شرح منیہ اور ملّا علی قاری شرح مشکوۃ میں اجماعِ امت نقل فرماتے ہیں کہ ان مقادیر پر قصر نہیں مقصود یہ ہے کہ پانی بلاوجہ محض زیادہ خرچ نہ ہو نہ ادائے سنت میں تقصیر رہے پھر کسی قدر ہو کچھ بندش نہیں، حدیث وظاہر الروایۃ میں جو مقادیر و چار مد آئیں اُن سے مراد ادنٰی قدر سنت ہے۔ حلیہ میں ہے:

ثم اعلم انہ نقل غیر واحد اجماع المسلمین علی ان الماء الذی یجزئ فی الوضوء والغسل غیر مقدر بمقدار بعینہ بل یکفی فیہ القلیل والکثیر اذا وجد شرط الغسل و ھو جریان الماء علی الاعضاء وما فی ظاھر الروایۃ من ان ادنی مایکفی فی الغسل صاع وفی الوضوء مدللحدیث المتفق علیہ لیس بتقدیر لازم بل ھو بیان ادنی قدر الماء المسنون فی الوضوء والغسل السابغین[1]۔	پھر واضح ہو کہ متعدد حضرات نے اس بات پر اجماعِ مسلمین نقل کیا ہے کہ وضو و غسل میں کتنا پانی کافی ہوگا اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں بلکہ کم و بیش اس میں کفایت کرسکتا ہے جب کہ دھونے کی شرط پالی جائے وہ یہ کہ پانی اعضاء پر بہہ جائے۔ اور وہ جو ظاہر الروایہ میں ہے کہ کم سے کم جتنا پانی غسل میں کفایت کرسکتا ہے وہ ایک صاع ہے اور وضو میں ایک مُد کیوں کہ اس بارے میں متفق علیہ حدیث آئی ہے، تو یہ کوئی لازمی مقدار نہیں بلکہ یہ کامل وضو و غسل میں پانی کی ادنٰی مقدار مسنون کا بیان ہے۔ (ت)

ف: **مسئلہ:** مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وضو و غسل میں پانی کی کوئی مقدار خاص لازم نہیں۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اُسی میں ہمارے مشائخ کرام سے ہے:

من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزأه وان لم یکفه زاد علیه[1]۔	جواس سے کم میں وضو وغسل کامل کرلے اس کے لئے کافی ہے اور اگر اتنا کفایت نہ کرے تواس پر اضافہ کرلے۔(ت)

بلکہ ہمارے علماء ف۱ نے تصریح فرمائی کہ غسل میں ایک صاع سے زیادت افضل ہے۔فتاوی خلاصہ میں ہے:

الافضل ان لایقتصر علی الصاع فی الغسل بل یغتسل بازید منه بعد ان لایؤدی الی الوسواس فان ادی لایستعمل الا قدر الحاجة[2]۔	افضل یہ ہے کہ غسل میں ایک صاع پر محدود نہ رکھے بلکہ اس سے زائد سے غسل کرے بشرطیکہ وسوسے کی حد تک نہ پہنچائے اگر ایسا ہو توصرف بقدرِ حاجت استعمال کرے۔(ت)

اس عبارت میں تصریح ہے کہ قدر حاجت سے زیادہ خرچ کرنا مستحب ہے جبکہ حدوسوسہ تک نہ پہنچے ہاں وسوسہ کا قدم درمیان ہو توحاجت سے زیادہ صَرف نہ کرے۔

اقول: وباللہ التوفیق ف۲ مراتب پانچ ہیں:

(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) منفعت (۴) زینت (۵) فضول۔

ضرورت: یہ کہ اُس کے بغیر گزر نہ ہوسکے جیسے مکان میں **جُحر یتدخله**[3] وہ سوراخ جس میں آدمی بزور سماسکے۔کھانے میں **لقیمات یقمن صلبه**[4] چھوٹے چھوٹے چند لقمے کہ سدرمق کریں ادائے

ف۱: **مسئلہ:** غسل میں ایک صاع سے زیادہ پانی خرچ کرنا افضل ہے جب تک حد اسراف بے سبب یا وسوسہ کی حالت نہ ہو۔

ف۲: شیئ کے پانچ مرتبے ہیں: ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول، اوران کی تحقیق اور مکان وطعام ولباس وطہارت میں ان کی مثالیں۔

---

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

2 خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ، فی کیفیۃ الغسل مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴

3 مسند الامام احمد بن حنبل حدیث ابی عسیب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۸۱

4 سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ، باب الاقتصاد فی الاکل... ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۸

فرائض کی طاقت دیں۔ لباس میں **خرقة تواری عورته**[1] اتنا ٹکڑا کہ ستر عورت کرے۔

حاجت: یہ کہ بے اُس کے ضرر ہو، جیسے مکان اتنا کہ گرمی جاڑے برسات کی تکلیفوں سے بچاسکے، کھانا اتنا جس سے ادائے واجبات وسُنن کی قوت ملے، کپڑا اتنا کہ جاڑا روکے اتنا بدن ڈھکے جس کا کھولنا نماز و مجمع ناس میں خلاف ادب وتہذیب ہے مثلاً خالی پاجامے ف سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

ابو داؤد والحاکم عن بریدة رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نهی ان یصلی الرجل فی سراویل ولیس علیه رداء[2]۔	ابو داؤد اور حاکم نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ آدمی بے چادر اوڑھے صرف پاجامے میں نماز پڑھے ۔

مسند احمد وصحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لایصلین احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقیه من شیئ[3]۔	ہرگز کوئی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے کہ دونوں شانے کُھلے ہوں۔

ولفظ البخاری عاتقه بالافراد (اور بخاری نے مفرد لفظ عاتقہ ذکر کیا ہے۔ت) فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

لوصلی مع السراویل والقمیص	اگر کُرتا ہوتے ہوئے صرف پاجامے میں نماز

ف: **مسئلہ:** خالی پاجامہ سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

---

1 سنن الترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۴۸ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۳ (مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۲ و ۵/ ۸۱

2 سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ، باب من قال تیزر بہ اذاکان ضیقاً آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۳، المستدرک للحاکم کتاب الصلوۃ و نہی ان یصلی الرجل وسراویل ... الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۵۰

3 صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب اذا صلی فی الثوب الواحد ... الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ فی ثوب واحد وصفة لبسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۴۳

عندہ یکرہ[1]۔	پڑھی تو مکروہ ہے۔(ت)

یوں ہی تنہاف پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ خفیف الحرکات ہے۔ یہ مسئلہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ آج کل اکثر لوگوں میں اس کی بے پرواہی پھیلی ہے خصوصًا وہ جن کے مکان سر راہ ہیں۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لاتقبل شهادة من يمشی فی الطريق بسراويل وحده ليس عليه غيره كذا فی النهاية[2]۔	اس کی شہادت مقبول نہیں جو راستے میں اس طرح چلتا ہو کہ اس کے جسم پر صرف پاجامہ ہو، اور کچھ نہ ہو۔ ایسا ہی نہایہ میں ہے۔(ت)

منفعت: یہ کہ بغیر اس کے ضرر تو موجود نہیں مگر اُس کا ہونا اصل مقصود میں نافع و مفید ہے جیسے مکان میں بلندی و وسعت، کھانے میں سرکہ چٹنی سیری، لباس نماز میں عمامہ۔

زینت: یہ کہ مقصود سے محض بالائی زائد بات ہے جس سے ایک معمولی افزائش حسن وخوشنمائی کے سوا اور نفع وتائید غرض نہیں جیسے مکان کے دروں میں محرابیں، کھانے میں رنگتیں کہ قورمہ خوب سُرخ ہو فرنی نہایت سفید براق ہو، کپڑے میں بخیہ باریک ہو قطع میں کج نہ ہو۔

فضول: یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسع وتدقیق جیسے مکان میں سونے چاندی کے کلس دیواروں پر قیمتی غلاف، کھانا کھائے پر میوے شیرینیاں، پاچے گٹوں سے نیچے اوّل مرتبہ فرض میں ہے دوم واجب و سنن مؤکدہ سوم وچہارم سنن غیر مؤکدہ سے مستحبات وآداب زائدہ تک پنجم باختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک،

قال المحقق على الاطلاق فی الفتح ثم السيد الحموی فی الغمز قاعدة الضرر يزال ههنا خمسة مراتب ضرورة وحاجة ومنفعة وزينة وفضول فالضرورة	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں، پھر سید حموی نے غمز العیون میں فرمایا: قاعدہ۔ ضرر دور کیا جائے گا۔ یہاں پانچ مراتب ہیں۔ ضرورت، حاجت ، منفعت، زینت، فضول۔ ضرورت: اس

ف: مسئلہ: تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ ہے۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الجنس فیما یکرہ فی الصلوۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۸

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الشہادات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

ببلوغه حدا ان لم يتناول الممنوع هلك او قارب وہذا يبيح تناول الحرام والحاجة كالجائع الذى لولم يجد ما ياكله لم يهلك غيرانه يكون فى جهد ومشقة وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم والمنفعة كالذى يشتهى خبزا لبر ولحم الغنم والطعام الدسم والزينة كالمشتهى الحلوى والسكر و الفضول التوسع باكل الحرام والشبهة[1] اھ **اقول:** تكلم رحمه الله تعالٰى فى مادة واحدة بخصوصها وقنع عن التعريفات بالامثلة احالة على فهم السامع وفى جعل فـ الحلوى والسكر من الزينة تامل فان فى الحلوى منافع ليست فى غيرها وقد كان صلى الله تعالٰى عليه وسلم يحب الحلواء والعسل	حد کو پہنچ جائے کہ اگر ممنوع چیز نہ کھائے تو ہلاک ہوجائے یا ہلاکت کے قریب پہنچ جائے۔اس سے حرام کا کھانا، جائز ہو جاتا ہے۔اور حاجت جیسے اتنا بھُوکا ہو کہ اگر کھانے کی چیز نہ پائے تو ہلاک تو نہ ہو مگر تکلیف اور مشقت میں پڑ جائے۔اس سے حرام کا کھانا، جائز نہیں ہوتااور روزے میں افطار مباح ہوجاتاہے۔منفعت جیسے وہ شخص جو گیہوں کی روٹی، بکری کے گوشت اور چکنائی والے کھانے کی خواہش رکھتاہو۔ زینت جیسے حلوے اور شکر کی خواہش رکھنے والا۔اور فضول یہ کہ حرام اور مشتبہ چیز کھانے کی وسعت اختیار کرنا۔(ت) **اقول:** حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف ایک بات (کھانے) پر کلام کیااور تعریفات پیش کرنے کے بجائے فہم سامع کے حوالے کرتے ہوئے مثالوں پر اکتفاکی۔اور حلوے وشکّر کو زینت شمار کرنا محلّ تامل ہے اس لئے کہ حلوے میں کچھ ایسے فوائد ہیں جو دوسری چیز میں نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حلوااور شہد پسند فرماتے تھے جیسا کہ

فــ:تطفل على الفتح والحموى۔

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/۱۱۹

كما اخرجه الستة [1] عن ام المومنين رضی الله تعالٰی عنها وما كان ليحب ما لا منفعة فيه وقد نهاه ربه تبارك وتعالٰی عن زهرة الحيوة الدنيا فلولم تكن الازينة لما احبها ولعل ماذكر العبد الضعيف امكن وامتن۔	اصحابِ ستّہ نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے۔ اور سرکار کی یہ شان نہ تھی کہ ایسی چیز محبوب رکھیں جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔حالاں کہ انہیں رب تعالٰی نے دنیاوی زندگی کی آرائش سے منع فرمایا ہے تو یہ اگر محض زینت ہوتا تو سرکار اسے پسند نہ فرماتے۔اور شاید بندہ ضعیف نے جوذکر کیاوہ زیادہ پختہ اور مضبوط ہے۔(ت)

انہیں مراتب کو طہارت میں لحاظ کیجئے تو جس عضو کا جتنا دھونا فرض ہے اُس کے ذرّے ذرّے پر ایک بار پانی تقاطر کے ساتھ اگرچہ خفیف بہہ جانا مرتبہ ضرورت میں ہے کہ بے اس کے طہارت ناممکن اور تثلیث مرتبہ حاجت میں ہے یوں ہی وضو میں مُنہ دھونے سے پہلے کی سنن ثلاث کہ یہ چاروں مؤکدات ہیں اور ان کے ترک میں ضرر **من زادا ونقص فقد تعدی وظلم** (جس نے اس سے زیادہ یا کم کیا تو اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ت) اور ہر بار پانی بفراغت بہنا جس سے کمال تثلیث میں کوئی شبہ نہ گزرے اور ہر ہر ذرّہ عضو پر غور وتامل کی حاجت نہ پڑے یہ منفعت ہے اور غرہ و تحجیل ف کی اطاعت زینت اور کسی عضو کو قصداً چار بار دھونا فضول۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان امتی يدعون يوم القيمة غرا محجلين من اٰثار الوضوء	یعنی میری امت کے چہرے اور چاروں ہاتھ پاؤں روزِ قیامت وضو کے نور سے روشن ومنور

ف: مسئلہ: وضو میں غرہ و تحجیل کا بڑھانا مستحب ہے اور اس کے معنٰی کا بیان۔

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربۃ، باب شرب الحلواء والعسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۴۰/۲، سنن ابی داؤد کتاب الاشربۃ، باب فی شرب العسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱۶۶/۲، سنن الترمذی کتاب الاطعمۃ باب ماجاء فی حب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحلو والعسل، حدیث ۱۸۳۸ دار الفکر بیروت ۳۲۷/۳، سنن ابن ماجۃ کتاب الاطعمۃ، باب الحلواء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۶

فمن استطاع منکم ان یطیل غرته فلیفعل[1] رواه الشیخان عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وفی لفظ المسلم عنه انتم الغر المحجلون یوم القٰیمة من اسباغ الوضوء فمن استطاع منکم فلیطل غرته وتحجیله[2]۔	ہوں گے تو تم میں جس سے ہوسکے اسے چاہئے کہ اپنے اس نور کو زیادہ کرے اسے شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: تم لوگ وضو کامل کرنے کی وجہ سے روزِ قیامت روشن چہرے، چمکتے دست و پا والے ہوگے تو تم میں جس سے ہوسکے اپنے چہرے اور ہاتھوں کی روشنی زیادہ کرے۔(ت)

یعنی میری اُمّت کے چہرے اور چاروں ہاتھ پاؤں روزِ قیامت وضو کے نور سے روشن ہوں گے تو تم میں جس سے ہوسکے اُسے چاہئے کہ اپنے اس نور کو زیادہ کرے یعنی چہرہ کے اطراف میں جو حدیں شرعًا مقرر ہیں اُس سے کچھ زیادہ دھوئے اور ہاتھ نصف بازو اور پاؤں نیم ساق تک۔ دُرمختار میں ہے:

من الاٰداب اطالة غرته وتحجیله[3]۔	آدابِ وضو میں سے یہ ہے کہ اپنے چہرے اور دست و پا کے نشاناتِ نور زیادہ کرے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر اطالة الغرة بالزیادة علی الحد المحدود وفی الحلیة التحجیل فی الیدین والرجلین وهل له حد لم اقف فیه علی شیئ لاصحابنا ونقل النووی اختلاف الشافعیة علی ثلثة اقوال الاول الزیادة بلا توقیف الثانی الی نصف العضد و الساق الثالث	بحر میں ہے: چہرے کی روشنی زیادہ کرنا اس طرح کہ مقررہ حد سے زیادہ دھوئے۔ اور حلیہ میں ہے کہ تحجیل کا تعلق دونوں ہاتھ پاؤں سے ہے (ہاتھ پاؤں کو مقدار سے زیادہ دھوئے) کیا زیادتی کی کوئی حد بھی ہے اس بارے میں اپنے اصحاب کی کسی بات سے واقفیت مجھے نہ ہوئی۔ امام نووی نے اس بارے میں شافعیہ کے تین اقوال لکھے ہیں اول یہ کہ بغیر کسی تحدید کے زیادتی ہو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء، باب فضل الوضوء الغر المحجلون من آثار الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۶

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۶

[3] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴

الی المنکب والرکبتین قال والاحادیث تقتضی ذلك كله اھ ونقل ط الثانی عن شرح الشرعة مقتصرا علیہ[1] اھ	دوم یہ کہ آدھے بازو اور نصف ساق تک زیادتی ہو۔ سوم یہ کہ کاندھے اور گھٹنوں تک زیادتی ہو۔ فرمایا کہ احادیث کا مقتضا یہ سب ہے اھ۔ اور علامہ طحطاوی نے قولِ دوم کو شرح شرعہ سے نقل کیا اور اسی پر اکتفا کی اھ۔ (ت)

درمختار مکروہاتِ وضو میں ہے:

والاسراف ومنه الزيادة على الثلاث[2]۔	اور اسراف، اسی سے یہ بھی ہے کہ تین بار سے زیادہ دھوئے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لوزاد (ای علی التثلیث) لطمانینة القلب لاباس به[3]۔	اگر اطمینانِ قلب کے لئے تین بار سے زیادہ دھویا تو اس میں حرج نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه امر بترك مایریبه الی مالا یریبه وینبغی ان یقید هذا بغیر الموسوس اما هو فیلزمه قطع مادة الوسواس عنه وعدم التفاته الی التشکیك لانه فعل الشیطان وقد امرنا بمعاداته و مخالفته رحمتی[4]۔	اس لئے کہ اسے حکم ہے کہ شک کی حالت چھوڑ کر عدمِ شک کی حالت اختیار کرے، اور یہ حکم غیر وسوسہ زدہ کے ساتھ مقید ہونا چاہئے۔ وسوسے والے پر تو یہ لازم ہے کہ وسوسے کا مادّہ قطع کرے اور تشکیک کی جانب التفات نہ کرے کیوں کہ یہ شیطان کا فعل ہے اور ہمیں حکم یہ ہے کہ اس سے دشمنی رکھیں اور اس کی مخالفت کریں۔ رحمتی۔ (ت)

اور شک نہیں کہ صرف ایک صاع سے غسل میں سر سے پاؤں تک بفراغ خاطر تثلیث کا حصول دشوار

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۸

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴

[3] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱

لہٰذا ہمارے علماء نے اطمینان قلب کیلئے صاع سے زیادت کو افضل فرمایا۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دع مایریبك الی مالا یریبك فان الصدق طمانینة وان الکذب ریبة رواه الائمة احمد والترمذی [1] وابن حبان بسند جید عن الحسن المجتبی ریحانة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه ثم علیه وسلم وھو عند ابن قانع عنه بلفظ فان الصدق ینجی [2]۔	کیونکہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تجھے جو چیز شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر جس میں تجھے شک نہ ہو۔اس لئے کہ صدق طمانینت ہے اور کذب شک و قلق۔اسے امام احمد، ترمذی، اور ابن حبان نے بسندِ جیّد ریحانہ رسول حضرت حسن مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔اور ابن قانع نے ان سے جو روایت کی اس میں یہ الفاظ ہیں: اس لئے کہ صدق نجات بخش ہے۔ (ت)

اور یہ ضرور فوق الحاجۃ ہے کہ منفعت ہے یونہی میل کا چھڑانا داخل زینت اور اس میں جو زیارت ہو وہ بھی فوق الحاجۃ۔ یہ معنی ہیں قول خلاصہ کے کہ غیر موسوس کو حاجت سے زیادہ صرف کرنا افضل ہے۔

اقول: وبما وفقنی المولی تبارك وتعالی من ھذا التقریر المنیر ظھر الجواب عما اوردہ الامام ابن امیر الحاج اذ قال بعد نقل ماقدمنا عن الخلاصة لایعری اطلاق الافضیلة المذکورة من نظر	**اقول:** اس تقریر منیر سے۔جس سے مولٰی تبارک وتعالٰی نے مجھ کو واقف کرایا۔اس اعتراض کا جواب واضح ہوگیا جو امام ابن امیر الحاج نے خلاصہ کی سابقہ عبارت نقل کرنے کے بعد پیش کیا کہ: مذکورہ افضیلت کو مطلق رکھنا محلِ نظر ہے جیسا کہ تامل کرنے والے

[1] سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ حدیث ۲۵۲۶ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۳۲، مسند احمد بن حنبل عن حسن رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۰، موارد الظمآن الٰی زوائد ابن حبان حدیث ۵۱۲ المطبعۃ السلفیۃ ص ۱۳۷

نوٹ: موارد الظمآن کے الفاظ میں ہے: ان الخیر طمانیة والشر ریبة۔

[2] کشف الخفاء بحوالہ ابن قانع عن الحسن حدیث ۱۳۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۶۰

کمالایخفی علی المتأمل[1] اھ وللہ الحمد۔

پر مخفی نہیں اھ۔ وللہ الحمد۔

تنبیه: ماذکرت ان تثلیث الغسل بالطمانینة عسیر بالصاع شیئ تشھد له التجربة وایش انا وانت وقد استبعدہ ریحانة من ریاحین المصطفی صلی اللہ تعالی علیه وعلیھم وسلم اعنی السید الامام الاجل محمدا الباقر رضی اللہ تعالی عنه اخرج البخاری فـ(وعزاہ فی الحلیة لھما ولم ارہ لمسلم ولا عزاہ الیه فی العمدة ولا الارشاد) عن ابی اسحٰق حدثنا ابو جعفر انه کان عند جابر بن عبداللہ ھو و ابوہ رضی اللہ تعالی عنھم وعندہ قوم فسألوہ عن الغسل فقال یکفیك صاع فقال رجل مایکفینی فقال جابر کان یکفی من ھو اوفی منك شعرا وخیرا منك ثم امّنا فی ثوب[2]

قال فی العمدة فی مسند اسحٰق بن راھویه

تنبیہ: یہ جو میں نے ذکر کیا کہ ایک صاع سے غسل میں اعضا کو تین تین بار دھولینا مشکل ہے ایسی بات ہے جس پر تجربہ شاہد ہے اور ما و شما کیا ہیں اسے گلشنِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک گُلِ تر امامِ اجل سیّدنا محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعید سمجھا۔ امام بخاری نے (حلیہ میں اس پر بخاری ومسلم دونوں کا حوالہ دیا ہے، اور میں نے یہ حدیث مسلم میں نہ دیکھی۔ اور عمدۃ القاری وارشاد الساری میں بھی مسلم کا حوالہ نہ دیا) ابواسحاق سے روایت کی انہوں نے فرمایا ہم سے ابو جعفر (امام محمد باقر) نے حدیث بیان فرمائی کہ وہ اور اُن کے والد حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھے۔ اور کچھ دوسرے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ ان حضرات نے حضرت جابر سے غسل کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا: ایک صاع تمہیں کافی ہے۔ ایک شخص نے کہا: مجھے کافی نہیں ہوتا۔ اس پر حضرت جابر نے فرمایا: کافی تو انہیں ہو جاتا تھا جو تم سے زیادہ بال اور خیر وخوبی والے تھے۔ پھر انہوں نے ایک ہی کپڑا اوڑھ کر ہماری امامت

فـ: تطفل اُخر علیھا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] صحیح البخاری کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۹/۱

ان متولی السؤال هو ابو جعفر [1] وقوله قال رجل المراد به الحسن بن محمد بن علی بن ابی طالب الذی یعرف ابوه بابن الحنفیة [2] اھ وتبعه القسطلانی۔	بھی فرمائی ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے کہ مسند اسحٰق بن راہویہ میں ہے کہ سوال کرنے والے ابو جعفر (امام محمد باقر) تھے۔ اور انکی عبارت "ایک شخص نے کہا" میں قائل سے مراد حسن بن محمد بن علی بن ابی طالب ہیں جن کے والد ابن الحنفیہ کے ساتھ معروف تھے اھ۔ اس پر قسطلانی نے بھی عینی کی پیروی کی ہے۔
اقول: حدیث ف الحسن بن محمد علی ما فی الصحیحین هکذا عن ابی جعفر قال لی جابر اتانی ابن عمك یعرض بالحسن بن محمد بن الحنفیة قال کیف الغسل من الجنابة فقلت کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یاخذ ثلث اکف فیفیضها علی رأسه ثم یفیض علی سائر جسده فقال لی الحسن انی رجل کثیر الشعر فقلت کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اکثر منك شعرا [3] هذا لفظ "خ" ونحوه "م"	**اقول:** حضرت حسن بن محمد کی حدیث صحیحین میں اس طرح ہے: ابو جعفر سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت جابر نے فرمایا: میرے پاس تمہارا عم زاد۔ حسن بن محمد بن الحنفیہ کی جانب اشارہ ہے۔ آیا۔ کہا: غسلِ جنابت کس طرح ہوتا ہے؟ میں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین کف پانی لے کر اپنے سر پر بہاتے پھر باقی جسم پر بہاتے۔ اس پر حسن نے مجھ سے کہا: میرے بال بہت ہیں۔ میں نے کہا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بال تم سے زیادہ تھے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ اور اسی کے ہم معنی مسلم کی روایت میں بھی ہے،
وفیه قال جابر فقلت له یاابن اخی کان شعر رسول الله	اور اس میں یوں ہے کہ جابر نے فرمایا: میں نے اس سے کہا جانِ برادر! رسول اللہ

ف: تطفل علی الامام العینی والقسطلانی۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب الغسل، تحت الحدیث ۲۵۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۲۹۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب الغسل، تحت الحدیث ۲۵۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۲۹۵

[3] صحیح البخاری کتاب الغسل، باب من افاض علی راسہ ثلثا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثر من شعرك واطیب [1] وھو نص فی ان محمدا لم یشھد مخاطبتہ جابر والحسن وانما حکاھا لہ جابر بخلاف حدیث الباب وفی الکلام ایضا نوع تفاوت بل الرجل القائل ھو الامام ابو جعفر نفسہ اومن قال منھم مع تسلیم الباقین اخرج النسائی عن ابی اسحاق عن ابی جعفر قال تمارینا فی الغسل عند جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فقال جابر یکفی من الغسل من الجنابۃ صاع من ماء قلنا مایکفی صاع ولا صاعان قال جابر قدکان یکفی من کان خیرا منکم واکثر شعرا [2] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بال تمہارے بالوں سے زیادہ اور پاکیزہ تر تھے۔یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ امام محمد باقر حضرت جابر وحسن کی جگفتگو کے وقت موجود نہ تھے اور ان سے حضرت جابر نے قصہ بتایا بخلاف زیر بحث حدیث کے،(جس میں خود ان کی موجودگی مذکور ہے) اور کلام میں کچھ تفاوت ہے۔بلکہ اس حدیث میں ناکافی ہونے کی بات کہنے والے خود امام ابو جعفر ہیں یا ان حضرات میں سے کوئی اور شخص جنہوں نے کہا اور باقی نے تسلیم کیا۔(کیوں کہ نسائی کی روایت میں یہ تفصیل ہے)امام نسائی نے ابواسحٰق سے روایت کی وہ ابو جعفر سے راوی ہیں انہوں نے کہا:ہم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس غسل کے بارے میں اختلاف کیا۔حضرت جابر نے کہا:غسل جنابت میں ایک صاع پانی کافی ہے۔ہم نے کہا:ایک صاع دو صاع ناکافی ہے۔حضرت جابر نے فرمایا:کافی تو انہیں ہو جاتا تھا جو تم لوگوں سے بہتر اور تم سے زیادہ بال والے تھے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

قال فی الحلیۃ یشعر ایضا بان ھذا التقدیر لیس بلازم فی کل حالۃ لکل واحد ومن ثمہ قال الشیخ عزالدین بن عبدالسلام ھذا فی حق من

حلیہ میں لکھتے ہیں:اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحدید ہر حال میں،ہر شخص کے لئے لازم نہیں۔اسی لئے شیخ عزّالدین بن عبدالسلام نے فرمایا یہ اس کے حق میں ہے جس کا جسم ،نبی کریم

1 صحیح مسلم کتاب الحیض،باب استحباب افاضۃ الماء علی الراس وغیرہ۔۔۔الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

2 سنن النسائی کتاب الطھارۃ،باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل من الماء للغسل نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/۴۶

یشبه جسده جسدالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انتهی یعنی فی الحجم ولعل انکار جابر ورده علی القائل لظهور ان جسد القائل کان نحوجسد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مع فهم جابر عند الشك فی کون ذلك کافیا له اما لوسوسة اوغیرها فاتی برد عنیف لیکون اقلع لذلك السبب من النفس واجمع فی التأسی به صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی ذلک۔

هذا التوجیه الذی وفقنا له اولی من قول غیر واحد من المشائخ ان مافی ظاهر الروایة (ای ماتقدم ان الصاع والمداد فی مایکفی) بیان لمقدار الکفایة ثم یردفونه بقولهم حتی ان من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلك اجزاء ہ وان لم یکفه زاد علیه وکذا الکلام فیما روی الحسن عن ابی حنیفة (ای ماتقدم من رطل ورطلین وثلثة فی الاحوال) فی الوضوء[1] اھ کلامه الشریف مزید اما بین الاهلة۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم کی طرح ہو۔انتہی۔یعنی حجم میں۔شاید حضرت جابر کاانکاراور قائل کی تردید اسی لئے تھی کہ ظاہر یہ تھاکہ قائل کا جسم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم کی طرح تھا،ساتھ ہی حضرت جابر نے قائل سے متعلق یہ سمجھاکہ اسے ایک صاع کے کافی ہونے میں شک ہے جس کی وجہ وسوسہ ہے یااور کچھ۔تواس کی ایسی سخت تردید فرمائی جو نفس سے اس شک کاسبب نکال باہر کردے اور اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اقتداپر طمانینت قلب پیدا کردے۔

یہ توجیہ جس کی ہمیں توفیق ملی متعدد مشائخ کے اس قول سے بہتر ہے کہ ظاہر الروایۃ کاکلام (یعنی وہ جو پہلے گزراکہ صاع اورمُد،ادنٰی مقدار کفایت ہے) مقدار کفایت کابیان ہے پھراس کے بعد وہی مشائخ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو وضواور غسل اس سے کم مقدار میں کامل کرلے اس کے لئے وہی کافی ہے اوراگر یہ اس کے لئے کافی نہ ہوتواضافہ کرلے۔اسی طرح اس میں بھی کلام ہے جو حسن بن زیاد نے وضوکے بارے میں امام ابوحنیفہ سے روایت کی (یعنی وہ جو گزراکہ مختلف احوال میں ایک رطل،دو رطل اور تین رطل کافی ہے) محقق حلبی کا کلام ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اقول اولا: نظر ف۱ رحمه الله تعالٰی الی لفظ البخاری قال رجل ولوکان متذکرا ما فی النسائی من قول الامام الباقر رضی الله تعالٰی عنه قلنا لم یرض[1] بذکر الوسوسة فحاشا محمد الباقر عنها۔ **ثانیا** لوکانت ف۲ علی ذکر منه لم یذکر قوله لظهور ان جسد القائل الخ فان ذلك ان فرض مستقیما ففی جسد بعضهم کالامام الباقر لا کلهم والقائلون القوم لقوله قلنا وقول جابر من کان خیرا منکم وان تولی التکلم احدهم۔ **وثالثا** لایقتصر ف۳ الامر علی المقاربة فی الحجم وحدہ بل یختلف ف۴	**اقول اوّلاً:** صاحب حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے بخاری کے الفاظ "ایک شخص نے کہا" پر نظر رکھی اگر انہیں وہ یاد ہوتا جو نسائی میں امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول مذکور ہے کہ "ہم نے کہا" تو وسوسہ کا تذکرہ پسند نہ کرتے۔ کیوں کہ امام محمد باقر وسوسہ سے دُور ہیں۔ **ثانیًا:** وہ روایت یاد رہتی تو یہ بات نہ کہتے کہ "ظاہر یہ تھا کہ قائل کا جسم الخ"۔ کیوں کہ اسے اگر درست بھی مان لیا جائے تو ان میں سے بعض جیسے امام باقر کے جسم سے متعلق یہ بات ہو سکتی ہے سب سے متعلق نہیں جب کہ قائل سبھی حضرات تھے کیونکہ امام باقر کے الفاظ یہ ہیں کہ "ہم نے کہا" اور حضرت جابر کے الفاظ یہ ہیں کہ "تم لوگوں سے بہتر تھے"۔ اگرچہ بولنے والے ان حضرات میں سے ایک ہی فرد رہے ہوں۔ **ثالثًا:** معاملہ صرف حجم میں قریب قریب ہونے پر محدود نہیں، بلکہ فرق یوں بھی ہوتا ہے

ف۱: تطفل اُخر علیہا۔ ف۲ تطفل آخر علیہا۔ ف۳: تطفل ثالث علیہا۔

ف۴: **مسئلہ:** سب کے لیے غسل و وضو میں پانی کی مقدار جس طرح عوام میں مشہور ہے محض باطل ہے ایک شخص دیو قامت ہے ایک نہایت نحیف دبلا پتلا، ایک بہت دراز قد ہے دوسرا کمال ٹھنگنا، ایک بدن نرم و نازک و تر دوسرا خشک کھُرّا، ایک کے تمام اعضاء پر بال ہیں دوسرے کا بدن صاف، ایک کی داڑھی بڑی اور گھنی، دوسرا بے ریش یا چند بال، ایک کے سر پر بڑے بڑے بال انبوہ دوسرے کا سر منڈھا ہوا۔ ان سب کے لئے ایک مقدار کیونکر ممکن بلکہ شخص واحد کیلئے فصلوں اور شہروں اور عمر و مزاج کے تبدل سے مقدار بدل جاتی ہے، برسات میں بدن میں تری ہوتی ہے پانی جلد دوڑتا ہے، جاڑے میں خشکی ہوتی ہے وعلٰی ہذا القیاس۔

[1] سنن النسائی کتاب الطہارۃ، باب ذکر القدر الذی یکتفی بہ الرجل ... الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۴۶

باختلاف بدنین نعومة وخشونة و رطوبة و یبوسة وکون الشخص اجرد اواشعر وکث اللحیة اوخفیفها وتام الوفرة اومحلوقها الی غیر ذلك من الاسباب بل یختلف لشخص واحد باختلاف الفصول والبلدان والعمر والمزاج وغیر ذلك۔

ورابعا به ف۱ ظهران لوفرض لهم مداناة فی الحجم کان من المحال العادی المداناة فی جمیع اسباب الاختلاف بل هو محال قطعا فمن اعظمها النعومة ومن بدنه کبدن هذا القمر الزاهر صلی الله تعالٰی علیه وسلم

وخامسا: لقی ف۲ الامام الباقر سیدنا جابرا رضی الله تعالٰی عنهما انما کان بعد ما صار بصیرا فکیف یعرف حجم ابدانهم۔

وسادسا: کلام ف۳ جابر نفسه یدل انه انما بناه علی کثرة شعر الراس وقلته۔

کہ ایک بدن نرم ہو دوسرا سخت ،ایک رطب ہو دوسرا یابس، اور یُوں بھی کہ ایک شخص کم بال والا ہو دوسرا زیادہ بال والا، ایک کی داڑھی گھنی دوسرے کی خفیف،ایک کے سر پر لمبے لمبے بال ہوں دوسرے کا سر مُنڈا ہوا ہو، اور اس طرح کے فرق کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں۔بلکہ موسم، شہر ، عمر ،مزاج وغیرہ کی تبدیلیوں سے خود ایک ہی شخص کا حال مختلف ہوا کرتا ہے۔

رابعًا:اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بالفرض ان سب حضرات میں حجم کا قریب قریب ہونا ظاہر تھا تو محال عادی ہے کہ تمام اسباب اختلاف میں باہم قرب رہا ہو،بلکہ یہ محال قطعی ہے کیونکہ سب سے عظیم سبب فرق بدن کی نرمی و لطافت ہے اور ایسا کون ہو سکتا ہے جس کا بدن اس ماہِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدن جیسا ہو۔

خامسًا:امام باقر کی ملاقات سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس وقت ہوئی جب حضرت جابر آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے تو وہ ان لوگوں کے حجم کی شناخت کیسے کرتے۔

سادسًا: خود حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کلام بھی بتا رہا ہے کہ انہوں نے بنائے کلام سر کے بالوں کی کثرت وقلّت پر رکھی تھی۔

ف۱:تطفل رابع علیها۔ ف۲:تطفل خامس علیها۔ ف۳:تطفل سادس علیها۔

وسابعا: یرید ف۱ رحمه الله تعالٰی الاخذ علی المشایخ انهم حملوا ظاهر الروایة علی ادنی مابه الکفایة ثم عادوا علیها بالنقض بقولهم من اسبغ بدونه اجزأه مع انه هو الناقل لفظ الظاهر ماتقدم ان ادنی مایکفی فی الغسل صاع وفی الوضوء مد فلا محمل لها الا ماذکروا مابدلوا وماغیروا۔

وثامنا: لایجوز ف۲ ان یکون مراد الظاهر والمشائخ تقدیر هذا لشخص واحد فی الدنیا یکون اضأل الناس واقصرهم واهزلهم واصغرهم حتی لایمکن لغیره ان یغتسل فی قدر مایکفیه وانما هی متمسکة فی ذلك بالحدیث کما ذکرتم وتقدم ولا یسبق جالی وهم انهم لا یفرقون بین قصیر صغیر ضیئل اجرد امرد محلوق الراس وطویل کبیر عبل اشعر کث اللحیة وافی الوفرة فیحکموا ان هذا هو ادنی ما یکفی کلا منهما فاذن

سابعًا: صاحبِ حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی حضرات مشائخ پر یہ گرفت کرنا چاہتے ہیں کہ "انہوں نے ظاہر الروایہ کو ادنٰی مقدار کفایت پر محمول کیا پھر خود ہی اس کے خلاف اس کے قائل ہوئے کہ جو اس سے کم میں پورا کرے تو اسے وہی کافی ہے"۔ حالانکہ صاحبِ حلیہ نے خود ہی ظاہر الروایہ کے الفاظ یہ نقل کئے کہ غسل میں ادنٰی مقدار کافی ایک صاع اور وضو میں ایک مُد ہے۔ ظاہر الروایہ کا مطلب ان حضرات نے جو ذکر کیا اس کے سوا کچھ اور نہیں۔ اور ان حضرات نے کوئی تغیّر و تبدّل نہ کیا۔

ثامنا: ممکن نہیں کہ ظاہر الروایہ اور حضرات مشائخ کی مراد یہ ہو کہ تحدید دنیا کے ایسے فرد واحد کے لئے ہے جو سارے انسانوں سے کم جُثّہ، پست قد، دُبلا پتلا اور چھوٹا ہو کہ اس کے لئے جس قدر پانی کافی ہو جاتا ہے اتنے میں دوسرے کسی شخص کے لئے غسل کرلینا ممکن ہی نہ ہو۔ دراصل اس مقدار کے سلسلے میں ظاہر الروایہ کا استناد حدیثِ پاک سے ہے جیسا کہ آپ نے ذکر کیا اور حدیث بھی گزر چکی۔ اور کسی کو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ حضرات پست قامت اور دراز قامت، چھوٹے اور بڑے، نحیف اور فربہ، کم مُو اور بال دار، بے ریش اور گھنی داڑھی والے، سر مُنڈے اور وافر گیسو والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ایک طرف سے

ف۱: تطفل سابع علیها۔ ف۲: تطفل ثامن علیها۔

لم یریدوا الا رجلا سویا معتدل الخلق متوسط الاحوال وحینئذ لایکون ما اردفوا بہ مناقضا لظاھر الروایۃ ولا مغایرا للتوجیہ الذی نحوتم الیہ وبالجملۃ اری فھمی القاصر متقاعدا عن درك مرام ھذا الکلام۔	یہ حکم کرتے ہیں کہ یہی وہ ادنٰی مقدار ہے جو دونوں میں سے ہرایک کوکافی ہے۔ توان کی مراد کیاہے؟ تندرست، معتدل ہیأت، متوسط حالت کا آدمی۔ جب ایسا ہے توبعد میں جوانہوں نے ذکرکیا(اس سے کم میں ہوجائے تو وہ کافی اوراتنے میں نہ ہوسکے تواضافہ کرے) وہ نہ ظاہرالروایہ کے مخالف نہ اس توجیہ کے مغایر جوآپ نے اختیار کی۔ بالجملہ میری فہم ناقص اس کلام کے مقصود کی دریافت سے قاصر ہے۔
وبعد اللتیا والتی انما بغینی ان ھذا الامام رحمہ اللہ تعالٰی جعل الحدیث المذکور مشعرا بعدم التحدید ولا یستقیم الاشعار الابان یسلّم استبعاد الامام الباقر ویجعل رد سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنھما حذار ان یکون ذلك عن وسوسۃ او نحوھا وحثا علی التأسی مھما امکن لاایجابا لانہ یکفی کلاما کان یکفیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفیہ المقصود۔	اس ساری بحث وتمحیص کے بعدعرض ہے کہ میرا مقصود صرف یہ ہے کہ امام حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ مانا ہے کہ حدیث مذکورپتادے رہی ہے کہ تحدید نہیں، اوریہ پتادینااسی وقت راست آسکتاہے جب وُہ امام باقرکا استبعاد تسلیم کریں اوریہ مانیں کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہماکی تردید اس اندیشہ سے تھی کہ وہ بات کہیں وسوسہ یااسی جیسی کسی چیز کے باعث نہ ہو، اوراس بات پرآمادہ کرنے کی خاطر کہ جہاں تک ہوسکے سرکار کی پیروی کی جائے۔ یہ تردید ایجاب کے مقصد سے نہ تھی اس لئے کہ اس کے لئے تویہی کہناکافی تھاکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ مقدارکافی تھی اور مقصوداتنے ہی میں حاصل تھا۔
ثم اقول: اذاکان ف ھذا	**ثم اقول:** جب ایک صاع کے بارے

ف: اشکال فی حدیث البخاری والکلام علیہ حسب الاستطاعۃ۔

الاستبعاد فی الصاع فما ظنك بما یقتضیه ظاھر حدیث الغرفات المار تحت الامر الثالث عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما فانه یفیدا استیعاب کل من الوجه والید والرجل بغرفة واحدۃ وظاھر ان المراد الاغتراف بالکف بل صرح به قوله اخذ غرفة فاضافها الی یدہ الاخری فاذن یعسرجدا استیعاب الوجه بغرفة واحدۃ فانها لاتزید علی قدر الکف بل لاتبلغه اذ لا بد للاغتراف من تقعیر فی الکف وعرض الوجه مابین الاذنین اکبر بکثیر من طول الکف فماء قدر کف لایستوعب الوجه طولا وعرضا بحیث یمر علی کل ذرۃ منه بالسیلان واضافته الی الید الاخری لاتزیدہ قدرا بل لوابقی الکفان متلاصقتین لم یبلغ عرض مجموعهما عرض الوجه وان فرق بینهما ووضعتا علی الجبینین طولا لم یستوعبهما الماء بحیث ینحدر من جمیع مساحة

میں یہ استبعاد ہے تو اس سے متعلق کیا خیال ہے جو امر سوم کے تحت بیان شدہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی، چُلّوؤں کے تذکرہ والی حدیث کے ظاہر کا مقتضا ہے۔ کیونکہ اس کا مفاد تو یہ ہے کہ بس ایک چُلو میں چہرے، ہاتھ، اور پاؤں ہر ایک کا استیعاب ہو جاتا تھا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ہتھیلی ہی سے چُلو لینا مراد ہے بلکہ اس قول میں تو اس کی صراحت بھی ہے کہ "ایک چُلو لے کر اسے اپنے دوسرے ہاتھ سے ملایا"۔ جب ایسا ہے تو ایک ہی چُلو میں پورے چہرے کو دھولینا بہت ہی مشکل ہے۔ اس لئے کہ ایک چلو ہتھیلی بھر سے زیادہ نہ ہوگا بلکہ ہتھیلی بھر بھی نہ ہوگا اس لئے کہ چُلو لینے کی لئے ضروری ہے کہ ہتھیلی کچھ گہری رکھی جائے۔ اور ایک کان سے دوسرے کان تک چہرے کی چوڑائی دیکھی جائے تو وہ ہتھیلی کی لمبائی سے بہت زیادہ ہے تو ہتھیلی بھر پانی طول اور عرض دونوں میں چہرے کا اس طرح احاطہ نہیں کرسکتا کہ اسکے ہر ذرّے پر بہہ جائے۔ اور اسے دوسرے ہاتھ سے ملالیں تو اس کی مقدار میں اس سے کچھ اضافہ نہ ہوسکے گا بلکہ اگر دونوں ہتھیلیاں ملی ہوئی رکھی جائیں تو ان کی مجموعی چوڑائی بھی چہرے کی چوڑائی کے برابر نہ ہوگی۔ اور اگر ان کو الگ الگ کرکے پیشانی کے دونوں حصوں پر لمبائی میں رکھا جائے تو ان دونوں میں اتنا پانی بھرا ہوا نہ ہوگا کہ دونوں کے طول کی پوری مساحت

الطولین سیالا الی منتھی سطح الوجه فان امر الید علی مسیل الماء ودلك بها مالم یبلغه من الوجه کان غسلا لبعض ودھنا لبعض وکل ذلك معلوم مشاھد وامر الذراع والقدم اشد اشکالا اذلھما اطراف متباینة السمٰوٰت واحاطة ماء قدر کف بجمیع اطراف الید من الظفر الی المرفق مما لایعقل والکف نفسه لاتحیط بالذراع فی امرار واحد وان امرت علی ظھر الذراع ثم اعیدت علی البطن اوبالعکس لم یصحبها من الماء مایزید علٰی قدر الدّھن وکذلك فی القدم مع مافیھا من الصعود بعد الھبوط لاجل الاسالة الی فوق الکعبین وعمل الید قدذکرنا مافیه ومن ادعی تیسر ھذا فلیرنا کیف یفعل فبالامتحان یکرم الرجل اویھان۔	سے ڈھلک کر بہتے ہوئے چہرے کی سطح زیریں کے آخری حصہ تک پہنچ جائے۔ اور اگرایسا کرے کہ جتنے حصے پر پانی بہہ گیا ہے وہاں ہاتھ پھیر کران حصوں پر مل لے جہاں پانی نہیں پہنچا ہے تو یہ بعض حصوں کو دھونا اور بعض کو ملنا ہوا۔ سب کو دھونا نہ ہوا۔ اور یہ سب مشاہدہ و تجربہ سے معلوم ہے۔ کلائی اور پاؤں کامعاملہ تواور زیادہ مشکل ہے اس لئے کہ ان کے کنارے الگ الگ سمتوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہتھیلی بھر پانی ہی ناخن سے لے کر کہنی تک ہاتھ کے تمام اطراف وجوانب کا احاطہ کرلے، یہ عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اورایک بار پھیرنے میں خود ہتھیلی پوری کلائی کا احاطہ نہیں کرسکتی اور اگرایک بار کلائی کی پشت پر ہتھیلی پھیرے، پھراس کے پیٹ پر پھیرے یااس کے برعکس کرے تواس میں اتنا پانی نہ رہ سکے گا جو ملنے سے زیادہ کام کرسکے۔ یہی حال پاؤں کا ہے مزید اس میں یہ بھی ہے کہ پانی کو نیچے اترنے کے بعد پھر ٹخنوں کے اوپر تک بہنے کے لئے چڑھنا بھی ہے۔ اورہاتھ کیا کام کرسکتاہے بس وہی جو ہم نے ابھی بتایا۔ جودعوی رکھتا ہو کہ یہ آسان ہے وہ کرکے دکھادے کہ امتحان ہی سے آدمی کوعزت ملتی ہے یاذلّت۔
وقد استشعر الکرمانی فی الکواکب الدراری ورود ھذا وقنع بان منع ومروا ثرہ الامام العینی و	الکواکب الدراری میں امام کرمانی کو اس اعتراض کاخیال ہوا اور صرف ناقابل تسلیم کہہ کر گزر گئے اور امام عینی نے بھی ان کاکلام نقل کرکے

اقر حيث قال قال الكرمانی فان قلت لايمكن غسل الرجل بغرفة واحدة قلت الفرق ممنوع ولعل الغرض من ذكره على هذا الوجه بيان تقليل الماء فی العضو الذی هو مظنة الاسراف فيه[1] اھ۔ **اقول:** ومجرد ^ف المنع فی امثال الواضحات لا يسمع ولا ينفع وحمله المحقق فی الفتح على تجديد الماء لكل عضو فقال وما فی حديث ابن عباس فاخذ غرفة من ماء الى اخر ما تقد م يجب صرفه الى ان المراد تجديد الماء بقرينة قوله بعد ذلك ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنى ثم اخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرى ومعلوم ان لكل من اليدين ثلث غرفات لا غرفة واحدة فكان المراد اخذ ماء لليمنى ثم ماء لليسرى اذليس يحكی الفرائض فقد حكى السنن من	برقرار رکھا۔وہ لکھتے ہیں کرمانی فرماتے ہیں: اگر یہ کہو کہ ایک چلو میں پاؤں دھونا ممکن نہیں تو میں کہوں گا ہم یہ فرق نہیں مانتے۔اور شاید اس طرح ذکر کرنے سے ان کا مقصد یہ ہے کہ پانی اس عضو میں کم صرف کیا جائے جس میں اسراف ہونے کا گمان ہے اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس طرح کی واضح باتوں میں صرف منع سے کام نہیں چلتا نہ ہی یہ قابل قبول ہوتا ہے۔ اور حضرت محقق نے فتح القدیر میں اس کو اس پر محمول کیا ہے کہ ہر عضو کے لئے نیا پانی لیتے۔ وہ لکھتے ہیں: وہ جو حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے کہ پھر ایک چلو پانی لیا۔الیٰ آخر الحدیث۔اسے اس طرف پھیرنا ضروری ہے کہ مراد نیا پانی لینا ہے اس کا قرینہ اس کے بعد ان کا یہ قول ہے کہ پھر ایک چلو پانی لیا تو اس سے دایاں ہاتھ دھویا، پھر ایک چلو پانی لیا تو اس سے بایاں ہاتھ دھویا۔اور معلوم ہے کہ ہر ہاتھ کے لئے تین چلو لئے ہوں گے ایک ہی چلو نہیں، تو مراد یہ ہے کہ کچھ پانی دائیں ہاتھ کے لئے لیا پھر کچھ پانی بائیں ہاتھ کے لئے لیا۔اس لئے کہ وہ صرف فرائض کی حکایت نہیں فرما رہے ہیں بلکہ

ف: تطفل على الامام العينی والكرمانی۔

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء، تحت الحدیث ۱۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۰۰ و ۴۰۱

المضمضة وغیرها ولو کان لکان المراد ان ذلك ادنی مایمکن اقامة المضمضة به کما ان ذلك ادنی مایقام فرض الید به لان المحکی انما هو وضوء ہ الذی کان علیه لیتبعه المحکی لهم [1] اھ وتبعه المحقق الحلبی فی الغنیة۔	مضمضہ وغیرہ سنتیں بھی بیان کی ہیں۔اور اگر وہی ہو تو مراد یہ ہے کہ یہ وہ ادنٰی مقدار ہے جس سے عمل مضمضہ کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ جیسے یہ وہ ادنی مقدار ہے جس سے فرضِ دست کی ادائیگی ہو جاتی ہے اس لئے کہ حکایت اُس وضو کی ہورہی ہے جو سرکار نے کیا تھا تاکہ دیکھنے والے لوگ اسی طریقہ کی پیروی کریں اھ۔ محقق حلبی نے غنیہ کے اندر اس کلام میں حضرت محقق کی پیروی کی ہے۔
قلت ومطمح نظره رحمه الله تعالٰی سلخ الغرفة عن الواحدة مستندا الی ان المحکی الوضوء المسنون بدلیل ذکر المضمضة والاستنشاق والمسنون التثلیث فکیف یراد الواحدة وانما معناه اخذ لکل عمل ماء جدید اوهو اعم من اخذه مرة اومرارا فیکون معنی قوله غرفة من ماء فتمضمض بها واستنشق ان اخذلها ماء جدیدا ولو مرارا فلا یدل علی انهما بماء واحد کما یقوله الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه فهذا مراده وهو قد ینفعنا فیما نحن	**قلت** حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی کا مطمحِ نظر یہ ہے کہ چلوکے لفظ سے وحدت کا مفہوم الگ کردیں،اس پر ان کا استناد اس سے ہے کہ یہاں وضوئے مسنون کی نقل ہو رہی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ مضمضہ اور استنشاق کا ذکر ہے۔اور مسنون تین بار دھونا ہے تو وحدت کیسے مراد ہو سکتی ہے۔اس کا معنی بس یہ ہے کہ ہر عمل کے لئے نیا پانی لیا۔اور یہ اس سے اعم ہے کہ ایک بار لیا یا چند بار لیا تو ان کے قول" پانی کا ایک چلو لے کر اس سے مضمضہ اور استنشاق کیا"کا معنٰی یہ ہوگا کہ دونوں کے لئے جدید پانی لیا اگرچہ چند بار۔تو وہ یہ نہیں بتاتا کہ مضمضہ اور استنشاق دونوں ایک ہی پانی میں ہوا جیسا کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کے قائل ہیں۔یہ ہے حضرت محقق کی مراد۔اور وہ ہمارے زیرِ بحث

[1] فتح القدیر،کتاب الطہارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴

فیه وان کان کلامه فی مسألة اخری۔ **اقول:** لکن ف۱ فیه بعد لایخفی والمحقق عارف به ولذا قال یجب صرفه لکن الشان فی ثبوت الوجوب وما استند به سیأتی الکلام علیه۔ علی ان الحدیث ف۲ رواه ابن ماجة عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما وهذا هومخرج الحدیث رواه البخاری عن سلیمن بن بلال عن زید والنسائی عن ابن عجلان عن زید مطولا وقال ابن ماجة حدثنا عبدالله بن الجراح وابو بکر بن خلاد الباهلی ثنا عبدالعزیز بن محمد عن زید فاخرجه مقتصرا علی قوله ان رسول الله تعالٰی علیه وسلم مضمض واستنشق من غرفة واحدة[1]	مسئلہ میں بھی کارآمد ہے اگرچہ ان کا کلام ایک دوسرے مسئلہ کے تحت ہے۔ **اقول:** لیکن اس میں نمایاں بعد ہے۔ اور حضرت محقق اس سے واقف ہیں اسی لئے فرمایا: "اسے پھیرنا" واجب ہے۔ لیکن مشکل معاملہ ثبوت وجوب ہے اور جس سے انہوں نے استناد فرمایا اس پر آگے کلام ہوگا۔ علاوہ ازیں یہ حدیث ابن ماجہ نے زید بن اسلم سے روایت کی ہے وہ عطا بن یسار سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں۔ اور مخرج حدیث یہی زید بن اسلم ہیں۔ اسے امام بخاری نے سلیمان بن بلال سے روایت کیا وہ زید سے راوی ہیں۔ اور نسائی نے ابن عجلان سے روایت کیا وہ زید سے راوی ہیں مطوّلاً۔ اور ابن ماجہ نے کہا: ہم سے عبداللہ بن جراح اور ابو بکر بن خلاد باہلی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے عبدالعزیز بن محمد نے حدیث بیان کی وہ راوی ہیں زید سے۔ پھر اس میں صرف یہ روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک چلو (من غرفۃ واحدۃ) سے مضمضہ واستنشاق کیا۔ اور

ف۱: تطفل علی المحقق والغنیة۔ ف۲: تطفل اٰخر علیهما۔

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب المضمضۃ والاستنشاق الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳

من ھذا الطریق اخرجه النسائی فقال اخبرنا الھیثم بن ایوب الطالقانی قال عبد العزیز بن محمد قال ثنا زید وفیه رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم توضأ فغسل یدیه ثم تمضمض واستنشق من غرفة واحدة [1] الحدیث فھذا لایقبل الانسلاخ عن الواحدة وکافٍ فی الجواب ماافادہ اخرا بقوله ولو کان لکان الخ مع ماقدم من احادیث ناطقة بالمذھب وزاد تلمیذہ المحقق فی الحلیة حدیثا اخر رواہ البزار بسند حسن۔

اسی طریق سے امام نسائی نے تخریج کی تو انہوں نے فرمایا: ہمیں ہیثم بن ایوب طالقانی نے خبر دی انہوں نے کہا عبدالعزیز بن محمد نے بتایا انہوں نے کہا ہم سے زید بن اسلم نے حدیث بیان کی۔ اس میں یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے وضو فرمایا تو اپنے دونوں ہاتھ دھوئے پھر ایک چلو (من غرفة واحدة) سے مضمضہ واستنشاق کیا، الحدیث۔ تو اس روایت سے وحدت کا معنی الگ نہیں کیا جاسکتا (کیوں کہ اس میں غرفة واحدة صراحۃً موجود ہے) اور جواب میں وہی کافی ہوگا جو آخر میں افادہ فرمایا کہ اگر وہی ہو تو مراد یہ ہے کہ یہ وہ ادنٰی مقدار ہے الخ۔ اس کے ساتھ ہمارے مذہب کی تائید میں بولتی ہوئی وہ احادیث بھی ہیں جو حضرت محقق پہلے پیش کر آئے۔ اور ان کے تلمیذ محقق نے حلیہ میں ایک اور حدیث کا اضافہ کیا جو بزار نے بسندِ حسن روایت کی۔

وانا اقول: وبالله التوفیق للعبد الضعیف فی الحدیث وجھان:

اقول: وباللہ التوفیق، میرے نزدیک تاویلِ حدیث کے دو طریقے ہیں:

الاوّل حمل الغرفة علی المرة ای غسل کل عضو مرة مرة بھذا تنحل العقد بمرة ولانسلم ان ذکر المضمضة والاستنشاق یستلزم استیعاب جمیع السنن لِمَ

پہلا طریقہ: یہ کہ لفظ غرفة کو مرة پر محمول کیا جائے یعنی ہر عضو کو ایک ایک بار دھویا۔ اسی سے ساری گرہیں یکبارگی کھل جائیں گی۔ اور یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ مضمضہ اور استنشاق کا ذکر اسے مستلزم ہے کہ تمام سنتوں کا احاطہ رہا ہو۔

[1] سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۹/۱

لا یجوزا ن یکون ھذا بیانا لجواز الاقتصار علی مرۃ فی الفرائض والسنن وما فیہ من البعد اللفظی یقربہ جمع طرق الحدیث۔	یہ کیوں نہیں ہوسکتا کہ یہ وضو اس امر کے بیان کے لئے ہو کہ فرائض اور سنن دونوں ہی میں ایک بار پر اقتصار جائز ہے۔اس میں جو لفظی بُعد نظر آرہا ہے وہ اس حدیث کے مختلف طُرق جمع کرنے سے قریب آجائے گا۔
فلعبد الرزاق عن عطاء بن یسار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ توضأ فغسل کل عضو منہ غسلۃ واحدۃ ثم ذکران النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یفعلہ[1]	(۱) عبدالرزاق کی روایت میں عطا بن یسار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے یہ ہے کہ انہوں نے وضو کیا تو اپنے ہر عضو کو ایک بار دھویا۔پھر بتایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کرتے تھے۔
ولسعید بن منصور فی سننہ بلفظ توضا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فادخل یدہ فی الاناء فمضمض واستنشق مرۃ واحدۃ ثم ادخل یدہ فصب علی وجھہ مرۃ وصب علی یدہ مرۃ مرۃ ومسح براسہ واذنیہ مرۃ ثم اخذ ملأ کفہ من ماء فرش علی قدمیہ وھو منتعل[2] اھ وسیاق تفسیر ھذا الرش فی الحدیث۔	(۲) سُنن سعید بن منصور کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو کیا تو اپنا دستِ مبارک برتن میں ڈالا پھر کُلّی کی اور ناک میں پانی چڑھایا ایک بار۔پھر اپنا دست مبارک داخل کرکے (پانی نکالا) تو ایک بار اپنے چہرے پر بہایا اور اپنے ہاتھ پر ایک ایک بار بہایا۔اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا۔پھر ہتھیلی بھر پانی لے کر اپنے قدموں پر چھڑکا جب کہ حضور نعلین پہنے ہوئے تھے۔اس چھڑکنے کی تفسیر آگے حدیث ہی میں آئے گی۔
بل روی البخاری قال حدثنا محمد بن یوسف ثنا	(۳) بلکہ امام بخاری نے روایت کی،فرمایا:ہم سے محمد بن یوسف نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا

[1] المصنف لعبدالرزاق کتاب الطہارۃ، باب کم الوضوء من غسلۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱

[2] کنزالعمال بحوالہ سعید بن منصور حدیث ۲۶۹۳۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۴۵۴

سفیان عن زید بلفظ توضأ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرۃ مرۃ[1]	ہم سے سفیان نے حدیث بیان کی وہ زید سے راوی ہیں اس کے الفاظ یہ ہیں: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا۔
وقال ابو داؤد وحدثنا مسدد ثنا یحیی عن سفیان ثنا زید[2]	(۴) ابوداؤد نے کہا: ہم سے مسدّد نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انہوں نے کہا مجھ سے زید نے حدیث بیان کی۔
وقال النسائی اخبرنا محمد بن مثنی ثنا یحیی عن سفین ثنا زید[3]	(۵) نسائی نے کہا: ہمیں محمد بن مثنی نے خبر دی انہوں نے کہا ہم سے یحیٰی نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے راوی ہیں انہوں نے کہا ہم سے زید نے حدیث بیان کی۔
وقال الامام الاجل الطحاوی حدثنا ابن مرزوق ثنا ابو عاصم عن سفین عن زید[4] ولفظ الاولین فیہ الا اخبرکم بوضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتوضأ مرۃ مرۃ[5] وبمعناہ لفظ الطحاوی۔	(۶) امام اجل طحاوی نے کہا: ہم سے ابن مرزوق نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے ابوعاصم نے حدیث بیان کی، وہ سفیان سے وہ زید سے راوی ہیں۔ ابوداؤد نسائی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: کیا میں تم لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وضو نہ بتاؤں۔ پھر انہوں نے ایک ایک بار وضو کیا۔ اور اسی کے ہم معنی امام طحاوی کے الفاظ ہیں۔

1 صحیح البخاری کتاب الوضو باب الوضوء مرۃ مرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷

2 سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸

3 سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ نور محمد کارخانہ تجات کتب کراچی ۱/۲۵

4 شرح معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب الوضوء للصلوۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

5 سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الوضوء مرۃ مرۃ نور محمد کارخانہ تجات کتب کراچی ۱/۲۵

وللنسائی من طریق ابن عجلان المذکور بعد مامر وغسل وجهه وغسل یدیه مرة مرة ومسح برأسه واذنیه مرة [1] الحدیث	(۷)ابن عجلان کے مذکورہ طریق سے نسائی کی روایت میں سابقہ الفاظ کے بعد یہ ہے: اور اپنا چہرہ دھویا اور اپنے دونوں ہاتھ ایک ایک بار دھوئے۔ اور اپنے سر اور دونوں کانوں کا ایک بار مسح کیا۔ الحدیث۔
وفی هذا والذی مرعن سعید بن منصور ابانة ماذکرته من ان ذکر المضمضة والاستنشاق لایستلزم استیعاب السنن حتی ینافی ترك التثلیث فقد تظافرت الروایات علی لفظ مرة و الاحادیث یفسر بعضها بعضا فکیف وقد اتحد المخرج۔	اس میں اور سعید بن منصور سے نقل شدہ روایت میں اس کی وضاحت موجود ہے جو میں نے ذکر کیا کہ مضمضہ واستنشاق کا تذکرہ تمام سنتوں کے احاطہ کو مستلزم نہیں کہ ترک تثلیت کے منافی ہو۔ کیوں کہ روایات "ایک بار" کے لفظ پر متفق ہیں اور احادیث میں ایک کی تفسیر دوسری سے ہوتی ہے۔ پھر جب مخرج ایک (زید بن اسلم) ہیں تو ایک حدیث دوسری کی مفسّر کیوں نہ ہوگی۔
اقول: وقد یشد عضده ان الحدیث مطولا عند ابن ابی شیبة بزیادة ثم غرف غرفة فمسح رأسه واذنیه الحدیث [2] فالغرفة التی کانت توضی کلا من الوجه والید والرجل لو استعملت فی الرأس لغسلته فانما اراد والله تعالٰی اعلم	**اقول:** اس کی تقویت اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن ابی شیبہ کے یہاں یہ حدیث مطوّلًا اس اضافہ کے ساتھ ہے: ثم غرف غرفة فمسح رأسه واذنیه (پھر ایک چلو لے کر اپنے سر اور دونوں کانوں کا مسح کیا) تو جس چلو سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں میں سے ہر ایک کا وضو ہوجاتا تھا وہ اگر سر میں استعمال ہوتا تو اسے دھونے کا کام کردیتا (نہ کہ اس سے صرف مسح ہوتا ۱۲م)

[1] سنن نسائی کتاب الطہارۃ باب مسح الاذنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الطہارۃ باب فی الوضوء کم ھو مرۃ حدیث ۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷

المرة مع التجدید ورحم الله ابا حاتم اذقال ماکنا نعرف الحدیث حتی نکتبه من ستین وجها وانا اعلم ان الجادة فی روایات الوقائع حمل الاعم علی الاخص ولکن لاغروفی العکس لاجل التصحیح۔	تو مراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ وہی ایک ایک بار ہے ساتھ ہی پانی کی تجدید بھی۔ خدا کی رحمت ہو ابو حاتم پر کہ وہ فرماتے ہیں ہمیں حدیث کی معرفت نہ ہوتی جب تک اسے ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیتے۔ اور مجھے معلوم ہے کہ واقعات کی روایات میں عام راہ یہ ہے کہ اعم کو اخص پر محمول کیا جائے مگر تصحیح کی اطر اس کے برعکس کرنا بھی جائے عجب نہیں۔
والثانی: حمل الغرفة علی الحفنة ای بکلتا الیدین وربما تطلق علیها فروی البخاری عن ام المومنین رضی الله تعالی عنها فیما حکت غسله صلی الله تعالی علیه وسلم "ثم یصب علی رأسه ثلث غرف بیدیه[1] ولا بی داؤد عن ثوبان رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، اما المرأة فلا علیها ان لاتنقضه لتغرف علی رأسها ثلث غرفات بکفیها[2] ویؤیده حدیث ابی داؤد	**دوسرا طریقہ:** یہ کہ غرفہ کو حفنہ پر (چلو کو لَپ پر) یعنی دونوں ہاتھ ملا کر لینے پر محمول کیا جائے۔ اور بعض اوقات لفظ غرفہ کا اس معنٰی پر اطلاق ہوتا ہے (ا) بخاری کی روایت میں ہے جو حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غسل مبارک کی حکایت میں آئی ہے کہ : "پھر اپنے سر پر تین چلو دونوں ہاتھوں سے بہاتے"۔ (۲) ابو داؤد کی روایت میں ہے جو حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰیعلیہ وسلم سے ہے" لیکن عورت پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ بال نہ کھولے ، وہ اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے تین چلو ڈالے" (۳) اور اس کی تائید ابو داؤد اور

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۹/۱

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المرأۃ ھل تنقض شعرھا عند الغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴/۱

والطحاوی عن محمد بن اسحق عن محمد بن طلحۃ عن عبید اللہ الخولانی عن عبداللہ بن عباس عن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفیہ ثم ادخل یدیہ جمیعا فاخذ حفنۃ من ماء فضرب بھا علی رجلہ وفیھا النعل فغسلھا بھا ثم الاخری مثل ذلك [1] ولفظ الطحاوی ثم اخذ بیدیہ جمیعا حفنۃ من ماء فصك بھا علی قدمہ الیمنی والیسری کذلك [2] واخرجہ ایضا احمد وابو یعلی وابن خزیمۃ [3] و ابن حبان والضیاء وھذا معنی مامر من حدیث سعید بن منصور ان شاء اللہ تعالٰی والمعنی الاخر المسح وقد نسخ اوکان وفی القدمین جوربان ثخینان علی مابینہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی۔	طحاوی کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند یہ ہے۔ عن محمد بن اسحاق۔ عن محمد بن طلحہ عن عبیداللہ الخولانی۔ عن عبد اللہ بن عباس عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔اس میں یہ ہے کہ پھر اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر لپ بھر پانی لے کر اسے پاؤں پر مارا۔جبکہ پاؤں میں جوتا موجود تھا۔ تواس سے پاؤں دھویا پھر اسی طرح دوسرا پاؤں دھویا۔ اور روایت طحاوی کے الفاظ میں یہ ہے: پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے لپ بھر پانی لیا، تواسے دائیں قدم پر زور سے مارا پھر بائیں پر بھی اسی طرح کیا۔اس کی تخریج امام احمد، ابویعلی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور ضیاء نے بھی کی ہے۔اور یہی اس کا معنی ہے۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔ جو سعید بن منصور کی حدیث میں آیا (کہ فرش علی قدمیہ تو اپنے دونوں قدموں پر چھڑکا" ۱۲م) دوسرا معنی مسح ہے جو بعد میں منسوخ ہوگیا۔ یا مسح اس حالت میں ہوا کہ قدموں پر موٹے پاتابے تھے جیسا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا۔

1 سُنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۶

2 شرح معانی الآثار کتاب الطھارۃ باب فرض الرجلین فی الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۲

3 صحیح ابن خزیمہ حدیث ۱۴۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۷، موارد الظمآن کتاب الطھارۃ حدیث ۱۵۰ المطبعۃ السّلفیہ ص ۶۶، کنز العمال بحوالہ حم، د، ع وابن خزیمۃ الخ حدیث ۲۶۹۶۷ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۹/۴۵۹۔۴۶۰

اقول: وما ذکرت من الوجهین فلنعم المحملان هما لمثل طریق ابن ماجة حدثنا ابو بکر بن خلاد الباهلی ثنا یحیی بن سعید القطان عن سفیان عن زید وفیه رأیت رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم توضأ غرفة غرفة[1]

وحدیث ابن عساکر عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم توضأ غرفة غرفة وقال لایقبل الله صلاة الابه[2]

فیکون علی الحمل الاول کحدیث سعید بن منصور وابن ماجة والطبرانی والدار قطنی والبیهقی عن ابن عمر وابن ماجة والدار قطنی عن ابی بن کعب والدار قطنی فی غرائب مالك عن زید بن ثابت وابی هریرة معارضی الله تعالی عنهم ان رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم توضا مرة مرة وقال هذا وضؤ لایقبل الله صلاة الابه[3] وکذا

اقول: میں نے جو دو طریقے ذکر کئے یہ بہت عمدہ محمل ہیں اس طرح کی روایات کے جو مثلاً بطریق ابن ماجہ یوں آئی ہیں ہم سے ابو بکر بن خلاد باہلی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہم سے یحیٰی بن سعید قطان نے حدیث بیان کی وہ سفیان سے وہ زید سے راوی ہیں۔اس میں یہ ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایک چُلو سے وضو کیا۔

اور ابن عساکر کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایک چُلو سے وضو کیا۔اور فرمایا: اللہ نماز قبول نہیں فرماتا مگر اسی سے۔

تو یہ ہمارے بیان کردہ پہلے طریقہ کے مطابق حضرت ابن عمر سے سعید بن منصور، ابن ماجہ، طبرانی، دارقطنی اور بیہقی کی حدیث کی طرح ہوجائے گی، اور جیسے حضرت ابی بن کعب سے ابن ماجہ ودارقطنی کی حدیث، اور حضرت زید بن ثابت اور ابوہریرہ دونوں حضرات رضی اللہ تعالٰی عنہم سے غرائب مالک میں دارقطنی کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایک بار وضو کیا اور فرمایا: یہ وہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ کوئی نماز قبول نہیں فرماتا۔اسی طرح

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضوء مرۃ مرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۲۶۸۳۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۴۳۱

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الوضوء مرۃ ومرتین وثلثا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

لليدين والرجلين فی حديث ابن عباس غير انه يكدرهما جميعا فی الوجه قوله اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الی يده الاخری فغسل بها وجهه [1] الا ان يتكلف فيحمل علی ان اضاف الغرفة ای الاغتراف الی اليد الاخری ايضا غير قاصر له علی يد واحدة فيرجع ای الاغتراف باليدين ويكون كحديث ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما ايضا عن علی كرم الله تعالٰی وجهه عن رسول الله تعالٰی عليه وسلم ادخل يده اليمنی فافرغ بها علی الاخری ثم غسل كفيه ثم تمضمض واستنثر ثم ادخل يديه فی الاناء جميعا فاخذ بهما حفنة من ماء فضرب بها علی وجهه ثم الثانية ثم الثالثة مثل ذلك [2] ورواه الطحاوی مختصرا فقال اخذ حفنة من ماء بيديه جميعا فصك بهما وجهه ثم الثانية مثل ذلك [3] ثم الثالثة فذكر	حضرت ابن عباس کی حدیث میں دونوں ہاتھوں اور پیروں سے متعلق جو مذکور ہے اس کا بھی یہ عمدہ محمل ہوگا۔ مگر یہ ہے کہ چہرے سے متعلق دونوں تاویلیں اس سے مکدر ہوتی ہیں کہ ان کا قول ہے "ایک چُلو پانی لے کر اسے اس طرح کیا، اسے دوسرے ہاتھ سے ملا کر چہرہ دھویا۔ مگر یہ کہ بتکلف اسی معنی پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے چلو لینے میں دوسرے ہاتھ کو بھی ملا لیا ایک ہاتھ پر اکتفانہ کی تو یہ دونوں ہاتھ سے چلو لینے کے معنی کی طرف راجع ہو جائے گا اور اسی طرح ہو جائے گا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے کہ اپنا دایاں ہاتھ داخل کرکے اس سے دوسرے ہاتھ پر پانی ڈالا پھر دونوں ہتھیلیوں کو دھویا، پھر کُلی کی اور ناک میں پانی ڈال کر جھاڑا پھر برتن میں دونوں ہاتھ ڈال کر ایک لپ پانی لے کر چہرے پر مارا، پھر دوسری پھر تیسری بار اسی طرح کیا۔ اسے امام طحاوی نے مختصراً روایت کیا۔ اس میں یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر مارا، پھر دوسری بار اسی طرح کیا، پھر تیسری بار ایسے ہی۔ تو مضمضہ و

[1] صحیح البخاری باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۶/۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱۶/۱

[3] شرح معانی الآثار کتاب الطہارۃ باب الحکم الاذنین فی الوضوء للصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۰/۱

الی المضمضة والاستنشاق الاغتراف بکف واحدة فاذا اتی علی الوجه اضافه الی الید الاخری ایضاً فان لم یقبل ھذا فقد علمت ان استیعاب الوجه بکف واحدة متعسر بل متعذر۔

اقول: بل لربما تبقی الحفنة باقیة فضلا عن الکفة والدلیل علیه ھذا الحدیث الذی ذکرنا تخریجه عن الامام احمد وابی داؤد وابن خزیمة وابو یعلی والامام الطحاوی وابن حبان والضیاء عن ابن عباس عن علی عن النبی صلی الله علیه وعلیھم وسلم حیث قال بعد ذکر غسل الوجه بثلث حفنات کما تقدم ثم اخذ بکفه الیمنی قبضة من ماء فصبھا علی ناصیته فترکھا تستن علی وجھه ثم غسل ذراعیه الی المرفقین ثلثا ثلثا[1] الحدیث وھذا ایضا معلوم مشاھد۔

وبالجملة لولم یصرف حدیث الغرفة عن ظاھره لرجع الغسل الی الدھن وھو خلاف الروایة والدرایة بل الاجماع والروایة الشاذة عن

استنشاق تک تو ایک ہاتھ سے چلو لینا ذکر کیا۔جب چہرے پر آئے تو دوسرا ہاتھ بھی ملایا۔اگر یہ تاویل نہ مانی جائے تو معلوم ہو چکا کہ ہتھیلی بھر پانی سے چہرے کا استیعاب دشوار بلکہ متعذر ہے۔(ت)

اقول: بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوگا کہ دونوں ہاتھ سے لینے پر بھی کچھ حصہ باقی رہ جائے گا صرف ہتھیلی بھر لینے کی تو بات ہی کیا ہے۔اس پر دلیل یہی حدیث ہے جس کی تخریج ہم نے امام احمد، ابوداؤد، ابن خزیمہ، ابو یعلی، امام طحاوی، ابن حبان اور ضیاء سے ذکر کی، جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہے اس میں جیسا کہ گزرا تین لپ سے چہرہ دھونے کے تذکرے کے بعد ہے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے مٹھی بھر پانی لے کر پیشانی پر ڈال کر اسے چہرے پر بہتا چھوڑ دیا۔ پھر اپنی کلائیوں کو کہنیوں تک تین تین بار دھویا۔ یہ بھی تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہے۔

الحاصل اگر چُلّو لینے والی حدیث کو اس کے ظاہر سے نہ پھیریں تو دھونا بس ملنا ہو کر رہ جائے گا۔اور یہ روایت، درایت بلکہ اجماع کے بھی خلاف ہے۔۔۔اور امام ابو یوسف

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۶

الامام الثانی رحمه الله تعالٰی مؤولة کما فی رد المحتار عن الحلیة عن الذخیرة وغیرها فاذن لایبقی الا ان نقول انالا نقدر علی مثل مافعل ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما تلك المرة فضلا عن فعل صاحب الاعجاز الجلیل المُرْوی مرار اللجمع الجزیل بالماء القلیل علیه من ربه اعلی صلوة واکمل تبجیل۔ ویقرب منه اواغرب منه ماوقع فی سنن سعید بن منصور عن الامام الاجل ابرهیم النخعی رضی الله تعالٰی عنه قال لم یکونوا یلطموا وجوههم بالماء وکانوا اشد استبقاء للماء منکم فی الوضوء وکانوا یرون ان ربع المد یجزئ من الوضوء وکانوا صدق ورعا واسخی نفسا واصدق عندالباس[1]۔

اقول: فلا ادری کیف اجتزؤا بربع ما جعله النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجزئابل لایظن بهم انهم قنعوا بالفرائض دون السنن فاذن یکفی

رحمہ اللہ تعالٰی سے جو شاذ روایت آئی ہے وہ مؤول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں حلیہ سے، اس میں ذخیرہ وغیرہا سے نقل ہے۔ تاویل نہ کریں تو بس یہی صورت رہ جاتی ہے کہ ہم یہ کہیں کہ اس بار حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جس طرح وضو کیا ویسے وضو پر ہمیں قدرت نہیں۔ اور ان کے عمل کی تو بات ہی اور ہے جو ایسے عظیم اعجاز والے ہیں کہ بار ہا بڑے لشکر کو قلیل پانی سے سیراب کردیا۔ ان پر ان کے رب کی جانب سے اعلٰی و اکمل درود و تحیّت ہو۔ اور اسی سے قریب یا اس سے بھی زیادہ عجیب وہ ہے جو سُنن سعید بن منصور میں امام اجل ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت آئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: وہ حضرات اپنے چہروں پر زور سے پانی نہ مارتے تھے اور وضو میں وہ تم سے بہت زیادہ پانی بچانے کی کوشش رکھتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ چوتھائی مُد وضو کے لئے کافی ہے اس کے ساتھ وہ سچے ورع و پرہیزگاری والے، بہت فیاض طبع، اور جنگ کے وقت نہایت ثابت قدم بھی تھے۔

اقول: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جسے کافی قرار دیا (ایک مد۔ دو رطل) معلوم نہیں اس کے چوتھائی سے ان حضرات نے کیسے کفایت حاصل کرلی، بلکہ ان کے بارے میں یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ سنّتیں چھوڑ کر

[1] کنزالعمال بحوالہ ص حدیث ۲۶۰۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۴۷۳

لغسل الیدین الی الرسغین والمضمضة والاستنشاق وغسل الوجه والیدین الی المرفقین والرجلین الی الکعبین کل مرة سدس رطل من الماء وھذا مما لایعقل ولا یقبل الا بمعجزة نبی اوکرامة ولی صلی اللہ تعالٰی علی الانبیاء والاولیاء وسلم۔	انھوں نے صرف فرائض پر قناعت کرلی تو (سنتوں کی ادائیگی کے ساتھ چوتھائی مُد میں تین تین بار جب انھوں نے سارے اعضاء دھوئے ۱۲م) لازم ہے کہ گٹّوں تک دونوں ہاتھ دھونے، کُلّی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، چہرہ اور کہنیوں تک دونوں ہاتھ، اور ٹخنوں تک دونوں پاؤں ہرایک کے ایک بار دھونے میں صرف ۱/۶ رطل پانی کافی ہوجاتا تھا۔ یہ عقل میں آنے والی اور ماننے والی بات نہیں مگر کسی نبی کے معجزے یا ولی کی کرامت ہی سے ایسا ہوسکتا ہے، تمام انبیاء اور اولیاپر خدائے برترکا درود وسلام ہو۔
فان قلت مایدریك لعل المراد بالمد المد العمری المساوی لصاع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الاربعا فیکون ربع المد ثلثة ارباع المد النبوی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	**اگر کہئے** آپ کو کیا معلوم شاید مُد سے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالٰی کا مُد مراد ہو جو چوتھائی کمی کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صاع کے برابر تھا تو وہ چوتھائی مُد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تین چوتھائی (۳/۴) مُد کے برابر ہوگا۔
قلت کلا فان ابرھیم سبق خلافة عمر ھذا رضی اللہ تعالٰی عنھما مات ^ف^ سنة خمس اوست وتسعین و امیر المؤمنین فی رجب سنة احدی ومائة و خلافته سنتان ونصف رضی اللہ تعالٰی عنه واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہوں گا** یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورِ خلافت سے پہلے وفات فرماگئے۔ ان کی وفات ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوئی اور امیر المومنین کی وفات رجب ۱۰۱ھ میں ہوئی اور مدّتِ خلافت ڈھائی سال رہی، رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت

ف: تاریخ وفات حضرت امام ابراہیم نخعی وعمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

رسالہ
برکات السماء فی حکم اسراف الماء
(بے جا پانی خرچ کرنے کے حکم کے بارے میں آسمانی برکات)

امر پنجم: طہارت ف میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے۔

اقول: ملاحظہ کلمات علماء سے اس میں چار قول معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر دو ہیں اور فضلِ الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصول توفیق اختلاف ہی نہ رہے وباللہ التوفیق۔

(۱) مطلقاً حرام وناجائز ہے حتی کہ اگر نہر جاری میں وضو کرے یا نہائے اُس وقت بھی بلاوجہ صرف گناہ وناروا ہے یہ قول بعض شافعیہ کا ہے جسے خود شیخ مذہب شافعی سیدنا امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں نقل فرما کر ضعیف کردیا اور اسی طرح دیگر محققین شافعیہ نے اُس کی تضعیف کی۔

(۲) مکروہ ہے اگرچہ نہر جاری پر ہو اور کراہت صرف تنزیہی ہے۔ اگرچہ گھر میں ہو یعنی گناہ نہیں صرف خلاف سنت ہے حلیہ وبحر الرائق میں اسی کو اوجہ اور امام نووی نے اظہر اور بعض دیگر ائمہ شافعیہ نے صحیح کہا اور حکم آب جاری کو عام ہونے سے قطع نظر کریں تو کلام امام شمس الائمہ حلوانی وامام فقیہ النفس سے بھی اُس کا استفادہ ہوتا ہے ہاں شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں عموم کی طرف صاف اشارہ کیا، اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا:

اجمع العلماء علی النھی عن الاسراف فی الماء ولوکان علی شاطیئ البحر والاظھر انہ مکروہ کراھۃ تنزیہ وقال بعض اصحابنا الاسراف حرام [1]۔	اس پر علماء کا اجماع ہے کہ پانی میں اسراف منع ہے اگرچہ سمندر کے کنارے پر ہو، اور اظہر یہ ہے کہ مکروہِ تنزیہی ہے، اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ اسراف حرام ہے۔ (ت)

منیہ وحلیہ میں فرمایا:

م ولا یسرف فی الماء [2] ش ای لا یستعمل منہ فوق الحاجۃ الشرعیۃ [3]	(م کے تحت متن کے الفاظ ہیں ش کے تحت شرح کے ۱۲ م) م پانی میں اسراف نہ کرے

ف: **مسئلہ:** وضو یا غسل میں بے سبب پانی زیادہ خرچ کرنے کا کیا حکم ہے اور اس باب میں مصنف کی تحقیق مفرد۔

---

1 شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الطہارۃ باب القدر المستحب من الماء الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۳۷۴

2 منیۃ المصلی آداب الوضوء مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۹

3 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

م وان کان علی شط نھر جار [1] ش ذکر شمس الائمة الحلوانی انه سنة وعلیه مشی قاضی خان و ھو اوجه کما ھو غیر خاف فالاسراف یکون مکروھا کراھة تنزیه وقد صرح النووی انه الا ظھر وحکی حرمة الاسراف عن بعض اھل مذھبه وعبارة بعض المتأخرین منھم والزیادہ فی الغسل علی الثلث مکروہ علی الصحیح وقیل حرام وقیل خلاف الاولی [2]	ش یعنی حاجتِ شرعیہ سے زیادہ پانی استعمال نہ کرے۔ م اگرچہ بہتے دریا کے کنارے ش شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا کہ یہ سنت ہے۔اسی پر قاضی خاں چلے اور یہ اَوجہ ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔تو اسراف مکروہ تنزیہی ہوگا۔ اور امام نووی نے اس کے اظہر ہونے کی تصریح کی اور اسراف کا حرام ہونا اپنے بعض اہل مذہب سے حکایت کیا اور ان حضرات شافعیہ کے بعد متاخرین کی عبارت یہ ہے: تین بار سے زیادہ دھونا صحیح قول پر مکروہ ہے اور کہا گیا کہ حرام ہے اور کہا گیا کہ خلاف اولیٰ ہے (ت)

بحر الرائق میں ہے:

الاسراف ھو الاستعمال فوق الحاجة الشرعیه وان کان علی شط نھر وقد ذکر قاضی خان ترکه من السنن ولعله الاوجه فیکون مکروھا تنزیھا [3]۔	اسراف یہ ہے کہ حاجت شرعیہ سے زیادہ استعمال کرے اگرچہ دریا کے کنارے ہو،اور قاضی خاں نے ذکر کیا ہے کہ اس کا ترک سنت ہے اور شاید یہی اَوجہ ہے تو اسراف مکروہ تنزیہی ہوگا۔(ت)

(۳) مطلقاً مکروہ تک نہیں نہ تحریمی نہ تنزیہی صرف ایک ادب وامر مستحب کے خلاف ہے بدائع امام ملک العلما ابو بکر مسعود وفتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنیۃ المصلی وغیرہا میں ترک اسراف کو صرف آداب ومستحبات سے شمار کیا سنت تک نہ کہا اور مستحب کا ترک مکروہ نہیں ہوتا بلکہ سنت کا۔ حلیہ میں ہے:

قال فی البدائع والادب فیما بین الاسراف والتقتیر اذالحق بین الغلو و	بدائع میں فرمایا ادب اسراف اور تقتیر (زیادتی اور کمی) کے درمیان ہے اس لئے کہ حق، غلو اور

[1] منیۃ المصلی آداب الوضوء مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۲۹
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

التقصیر قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الامور اوسطھا انتھی وذکر الحلوانی انہ سنہ فعلی الاول یکون الاسراف غیر مکروہ وعلی الثانی کراھۃ تنزیہ [1]۔	تقصیر (حد سے تجاوز اور کوتاہی) کے مابین ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کاموں میں بہتر درمیانی ہیں، انتھی۔ اور امام حلوانی نے ذکر فرمایا کہ ترک اسراف سنّت ہے تو قول اول کی بنیاد پر اسراف مکروہ نہ ہوگا اور ثانی کی بنیاد پر مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ت)

بحر میں ہے:

فی فتح القدیر ان المندوبات نیف وعشرون ترک الاسراف والتقتیر وکلام الناس [2] الخ فعلی کونہ مندوبا لایکون الاسراف مکروھا وعلی کونہ سنۃ یکون مکروھا تنزیھا۔	فتح القدیر میں ہے کہ مندوباتِ وضو بیس ۲۰ سے زیادہ ہیں۔ اسراف وتقتیر اور کلام دنیا کا ترک الخ۔ تو ترک مندوب ہونے کی صورت میں اسراف مکروہ نہ ہوگا اور سنّت ہونے کی صورت میں مکروہ تنزیہی ہوگا۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

(و) من الاداب (ان کان یسرف فی الماء) کان ینبغی ان یعدہ فی المناھی لان ترک الادب لا باس بہ [3]۔	(اور) آداب میں سے یہ ہے کہ (پانی میں اسراف نہ کرے) اسے ممنوعات میں شمار کرنا چاہئے تھا اس لئے کہ ترک ادب میں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اقول: طہارت ف میں ترک اسراف کا صرف ایک ادب ہونا مذہب وظاہر الروایۃ ونص صریح محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، امام بخاری نے خلاصہ فصل ثالث فی الوضوء میں ایک جنس سنن وآداب وضو میں وضع کی اُس میں فرمایا:

ف: تطفل علی الغنیۃ۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۸/۱

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴

اما سنن الوضوء فنقول من السنة غسل الیدین الی الرسغین ثلثا[1] الخ	لیکن وضو کی سنتیں، توہم کہتے ہیں سنت ہے دونوں ہاتھ گٹوں تک تین بار دھونا الخ۔(ت)

پھر سُنتیں گنا کر فرمایا:

واما اداب الوضوء فی الاصل من الادب ان لایسرف فی الماء ولا یقتر ان یشرب فضل وضوئه او بعضه قائما اوقاعدا مستقبل القبلة[2] الخ	رہے آدابِ وضو، تواصل (مبسوط) میں ہے کہ ادب یہ ہے کہ پانی میں نہ اسراف کرے نہ کمی کرے اور اپنے وضو کا بچا ہوا کُل یا کچھ پانی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر قبلہ رُو پی جائے الخ۔(ت)

اُسی کا بدائع وفتح القدیر ومنیہ وخلاصہ وہندیہ وغیرہا میں اتباع کیا اور اُس سے زائد کس کا اتباع تھا تو اُس پر مواخذہ محض بے محل ہے واللہ الموفق۔

(۴) نہر جاری میں اسراف جائز کہ پانی ضائع نہ جائے گا اور اس کے غیر میں مکروہ تحریمی۔ مدقق علائی نے در مختار میں اسی کو مختار رکھا علامہ مدقق عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں کراہت تحریم ہی کو ظاہر کہا اور اُسی کو امام قاضی خان وامام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما اکابر کا مفاد کلام قرار دیا کہ ترک اسراف کو سنّت کہنے سے اُن کی مراد سنتِ مؤکدہ ہے اور سنتِ مؤکدہ کا ترک مکروہ تحریمی، نیز مقتضائے کلام امام زیلعی کہ مطلق مکروہ سے غالبًا مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ اور بحر الرائق میں اسے قضیہ کلام منتقٰی بتایا کہ اُس میں اسراف کو منہیات سے شمار فرمایا اور ہر منہی عنہ کم از کم مکروہ تحریمی ہے۔

اقول: اور یہی عبارت آئندہ جواہر الفتاوی سے مستفاد

لفحوٰھا اذا لمفاهیم ^ف^ معتبرة فی الکتب کما فی الدر والغمز والشامی وغیرھا والقضیة دلیلھا ایضا کمالایخفی۔	اس کے مضمون وسیاق کے پیش نظر کیونکہ کتابوں میں مفہوم معتبر ہوتا ہے جیسا کہ در مختار، غمز العیون اور شامی وغیرہا میں ہے۔ اور اس کے مقتضائے دلیل کے پیش نظر بھی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

ف: المفاھیم معتبرة فی الکتب بالاتفاق۔

[1] خلاصۃ الفتاوی، کتاب الطہارۃ الفصل الثالث، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ، ۲۱/۱

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۵/۱

شرح تنویر میں ہے:

بل فی القهستانی معزیا للجواهر الاسراف فی الماء الجاری جائز لانه غیر مضیع فتامل [1]۔	بلکہ قہستانی میں جوہرکے حوالے سے ہے کہ بہتے پانی میں اسراف جائز ہے اس لئے کہ پانی بے کار نہ جائے گا، تو تامل کرو۔(ت)

پھر فرمایا:

مکروهه الاسراف فیه تحریما لوبماء النهر والمملوك له اما الموقوف علی من یتطهر به ومنه ماء المدارس فحرام [2]۔	پانی میں اسراف مکروہ تحریمی ہے اگر دریاکاپانی یااپنی ملکیت کاپانی استعمال کرے لیکن طہارت حاصل کرنے والوں کے لئے وقف شدہ پانی ہوجس میں مدارِس کا پانی بھی داخل ہے تواسراف حرام ہے۔(ت)

بحر میں ہے:

صرح الزیلعی بکراهته وفی المنتقی انه من المنهیات فتکون تحریمیة [3]۔	امام زیلعی نے اس کے مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی اورمنتقٰی میں اسے منہیات سے شمارکیاتویہ مکروہِ تحریمی ہوگا۔(ت)

منحۃالخالق میں نہر سے ہے:

الظاهر انه مکروه تحریما اذ اطلاق الکراهة مصروف الی التحریم فما فی المنتقی موافق لما فی السراج عــه و	ظاہریہ ہے کہ اسراف مکروہِ تحریمی ہے اس لئے کہ کراہت مطلق بولی جائے تو تحریمی کی جانب پھیری جاتی ہے تومنتقٰی کا کلام سراج کے مطابق ہےاور

عــه: قال فی المنحة صوابه لما فی الخانیة کما لا یخفی اذلا ذکر للسراج فی قوله	منحۃالخالق میں ہے صحیح یہ کہنا ہے کہ "خانیہ کے مطابق" جیساکہ پوشیدہ نہیں اس لئے کہ سراج کا کوئی تذکرہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴

[3] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

المراد بالسنة المؤكدة لاطلاق	سنت سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے اس لئے کہ اسراف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولافی الشارح [1] ای صاحب البحر وانا **اقول:** هذا بعید خطا ومعنی اما الاول فظاهر اذ لامناسبة بین لفظی السراج والخانیة واما الثانی ف فلان النهر فرع موافقة المنتقی المصرح بکونه من المنهیات علی اطلاق الکراهة فان مطلقها یحمل علی التحریم ولا ذکر للکراهة فی عبارة الخانیة نعم اراد توجیه ما فی الخانیة الی مااستظهره بقوله بعد والمراد بالسنة [2] الخ واقرب خطا ومعنی بل الذی یجزم السامع بانه هو الواقع فی اصل نسخة النهر فحرفه الناسخ ان نقول صوابه لمافی الشرح والمراد بالشرح التبیین فی شرح

نہ تو کلامِ نہر میں ہے نہ کلامِ شارح یعنی کلامِ بحر میں ہے۔ **اقول:** یہ خط اور معنی دونوں اعتبار سے بعید ہے اول توظاہر ہے اس لئے کہ لفظ "سراج" اور لفظ "خانیہ" میں کوئی مناسبت نہیں۔ اور ثانی اس لئے کہ کلام منتقی جس میں اسراف کے منہیات سے ہونے کی تصریح ہے اس کی کلام دیگر کے ساتھ مطابقت کی تفریع صاحب نہر نے اس پر فرمائی ہے کہ کراہت مطلق بولی جاتی ہے تو کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے اور عبارت خانیہ میں کراہت کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ہاں انہوں نے کلام خانیہ کی توجیہ اس عبارت سے کرنی چاہی ہے جو بعد میں لکھی ہے کہ سنت سے مراد سنتِ مؤکدہ ہے الخ۔ رسم الخط اور معنی دونوں لحاظ سے قریب تر بلکہ جسے سننے کے بعد سامع جزم کرے کہ یقینا نہر کے اصل نسخہ میں یہی ہوگا اور کاتب نے تحریف کردی ہے یہ ہے کہ ہم کہیں صحیح عبارت "موافق لمافی الشرح" ہے، یعنی کلام منتقی اس کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

فـــ: معروضة علی العلامة ش۔

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹/۱

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹/۱

النهر عن الاسراف وبه يضعف جعله مندوبا[1]۔	سے مطلقاً نہی ہے اور اسی سے اُسے مندوب قرار دینا ضعیف ہوجاتا ہے۔(ت)

اب بتوفیق اللہ تعالٰی یہاں تحقیق مقام وتنقیح مرام وتصحیح احکام ونقض وابرام کیلئے بعض تنبیہات نافعہ ذکر کریں۔

التنبيه الاول: عرض العلامة الشامی نورقبره السامی بالمحقق صاحب البحر انه تبع قولا ليس لاحد من اهل المذهب حيث قال"قوله تحريما الخ نقل ذلك فی الحلية عن بعض المتاخرين من الشافعية وتبعه عليه فی البحر وغيره[2] الخ **اقول:** لم يتبعهف البحر بل	**تنبیہ (۱)** علامہ شامی "**نور قبرہ السامی**" نے محقق صاحبِ بحر پر تعریض فرمائی کہ انہوں نے ایک ایسے قول کا اتباع کرلیا جو اہل مذہب میں سے کسی کا نہیں،اس طرح کہ وہ درمختار کے قول تحریماالخ کے تحت لکھتے ہیں: اسے حلیہ میں بعض متاخرین شافعیہ سے نقل کیا ہے جس کی پیروی صاحبِ بحر وغیرہ نے کرلی ہے الخ۔ **اقول:** صاحب بحر نے اس کی پیروی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مشروح البحر والنهر الكنز للامام الزيلعی فانه هو الذی صرح بالكراهة واطلقها ونقله البحر وقرنه بكلام المنتقی والله تعالٰی اعلم۔ اه عفی عنه

مطابق ہے جو شرح میں ہے۔ اور شرح سے مراد امام زیلعی کی تبیین الحقائق ہے جو البحر الرائق اور النہر الفائق کے متن کنزالدقائق کی شرح ہے۔اسی میں کراہت کی صراحت اور اطلاق ہے اسی کو صاحبِ بحر نے نقل کیا اور اس کے ساتھ منتقٰی کا کلام ملادیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ف: معروضة اخرٰی عليه۔

1 منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

2 ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹

استوجه كراهة التنزيه ثم نقل عن الزيلعي كراهته وعن المنتقى النهي عنه وافاد ان مقتضاه كراهة التحريم وهذا ليس اختيار له بل اخبار عما يعطيه كلام المنتقى كما اخبر اولا ان قضية عدم الفتح تركه من المندوبات عدم كراهته اصلا فليس فيه ميل اليه فضلا عن الاتباع عليه ولا سيما ليس في كلامه التنصيص بجريان الحكم في الماء الجاري والاطلاق لايسد ههنا مسد الفصاح بالتعميم للفرق البين بالتضييع وعدمه فكيف يجعل متابعا للقول الاول وعن هذا ذكرنا كل من قضية كلام المنع في القول الرابع دون الاول اذلا ينسب الا الى من يفصح بشمول الحكم النهر ايضا نعم تبعه عليه في الغنية اذقال الاسراف مكروه بل حرام وان كان على شط نهر جار لقوله تعالٰى ولا تبذر	نہیں کی بلکہ انہوں نے مکروہ تنزیہی ہونے کو اَوجَہ کہا پھر امام زیلعی سے اس کا مکروہ ہونا اور منتقی سے منہی عنہ ہونا نقل کیا اور افادہ کیا کہ اس کا مقتضا کراہت تحریم ہے۔ یہ اس قول کو اختیار کرنا نہ ہوا بلکہ منتقٰی سے جو مفہوم اخذ ہوتا ہے اسے بتانا ہوا جیسے اس سے پہلے انہوں نے بتایا کہ صاحبِ فتح کے ترک اسراف کو مندوبات سے شمار کرنے کا مقتضا یہ ہے کہ اسراف بالکل مکروہ نہ ہو تو اس میں اس کا اتباع در کنار اس کی جانب میلان بھی نہیں، خصوصًا جبکہ ان کے کلام میں آبِ رواں کے اندر حکمِ اسراف جاری ہونے کی تصریح بھی نہیں۔ اور مطلق بولنا اس مقام پر حکم کو صاف صریح طور پر عام قرار دینے کے قائم مقام نہیں ہوسکتا اس لئے کہ پانی کو ضائع کرنے اور نہ کرنے کا بیّن فرق موجود ہے تو انہیں قول اول کا متبع کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ اسی لئے جن حضرات کے کلام کا مقتضا ممانعت ہے انہیں ہم نے قول چہارم میں ذکر کیا، قول اول کے تحت ذکر نہ کیا اس لئے کہ قولِ اوّل اسی کی جانب منسوب ہوسکتا ہے جو صاف طور پر اس کا قائل ہو کہ اسراف کا حکم دریا کو بھی شامل ہے۔ ہاں اس قول کی پیروی غنیہ میں ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: اسراف مکروہ بلکہ حرام ہے اگرچہ نہر جاری کے کنارے ہو اس لئے کہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے

ف: معروضة ثالثة عليه۔

تبذیرا [1] اھ **التنبیه الثانی:** کان عرّض علی البحر واتی بالتصریح علی الدر فقال ماذکرہ الشارح ھنا قد علمت انه لیس من کلام مشائخ المذھب [2] اھ **اقول:** والدر ف ایضا مصفی عن ھذا الکدر کدر مکنون وانما اغتر المحشی العلامة بقوله لوبماء النھر ولم یفرق بین تعبیری التوضی من النھر وبماء النھر ورأیتنی کتبت ھھنا علی الدر قوله لوبماء النھر۔ **اقول:** ای فی الارض لافی النھر واراد تعمیم الماء المباح والمملوك اخراجا للماء الموقوف فلا ینافی ماقدمه عن القھستانی عن الجواھر [3] ماکتبت علیه۔	ولا تبذر تبذیرا اور فضول خرچی نہ کر اھ۔(ت) **تنبیہ (۲)** صاحبِ بحر پر تو تعریض کی تھی اور صاحبِ درمختار کے معاملہ میں تو تصریح کردی اور لکھا کہ: "شارح نے یہاں جو بیان کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ مشائخ مذہب میں سے کسی کا کلام نہیں" اھ **اقول:** اس کدورت سے دُر بھی کسی دُرِّ مکنون کی طرح صاف ہے۔ علامہ محشّٰی کو درمختار کے لفظ "**لوبماء النھر**" سے دھوکا ہوا اور التوضّی من النھر اور التوضّی بماء النھر (دریا سے وضو کرنا اور دریا کے پانی سے وضو کرنا) کی تعبیروں میں فرق نہ کرسکے۔ یہاں دُرِ مختار کے قول "لوبماء النھر" پر دیکھا کہ میں نے یہ حاشیہ لکھا ہے: **اقول:** (پانی میں اسراف مکروہ تحریمی ہے اگر نہر کے پانی سے طہارت حاصل کرے) یعنی نہر کے پانی سے زمین میں (وضو کرے) نہر کے اندر نہیں انہوں نے وقف شدہ پانی کو خارج کرنے کے لئے حکم آب مباح اور آب مملوک کو عام کرنا چاہا ہے تو یہ اس کے منافی نہیں جو وہ قہستانی کے حوالے سے جواہر سے سابقًا نقل کرچکے۔ اھ۔ میرا حاشیہ ختم ہوا۔

ف: معروضۃ رابعۃ علیه

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ومن الآداب ان یستاک، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۳۵۔۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۰/۱

[3] جدالممتار علی ردالمحتار کتاب الطہارۃ المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ (ہند) ۹۹/۱

ومما اکد الاشتباہ علی العلامۃ المحشی ان المحقق الحلبی فی الحلیۃ نقل مسألۃ الماء الموقوف وماء المدارس عن عبارۃ الشافعی المتأخر۔فتمامھا بعد قولہ مکروہ علی الصحیح وقیل حرام وقیل خلاف الاولی ومحل الخلاف مااذا توضاء من نھر اوماء مملوك لہ فان توضأ من ماء موقوف حرمت الزیادۃ والسرف بلا خلاف لان الزیادۃ غیر ماذون فیھا وماء المدارس من ھذا القبیل لانہ انما یوقف ویساق لمن یتوضؤ الوضوء الشرعی ولم یقصدا باحتھالغیر ذلك[1] اھ

اور علامہ شامی کے اشتباہ کو تقویت اس سے بھی ملی کہ محقق حلبی نے آب موقوف اور آب مدارس کا مسئلہ شافعی متاخر کی عبارت سے نقل کیا کیونکہ ان شافعی کے قول "مکروہ بر قولِ صحیح ،اور کہا گیا حرام اور کہا گیا خلافِ اولیٰ" کے بعد ان کی بقیہ عبارت یہ ہے: اور محلِ اختلاف وہ صورت ہے جب نہر سے وضو کیا ہو یا اپنی ملکیت کے پانی سے کیا ہو تو زیادتی واسراف بلا اختلاف حرام ہے اس لئے کہ زیادتی کی اجازت نہیں اور مدارِس کا پانی اسی قبیل سے ہے اس لئے کہ وہ ان لوگوں کے لئے وقف ہوتا اور لایا جاتا ہے جو اس سے وضوئے شرعی کریں اور ان کے علاوہ کے لئے اس کی اباحت مقصود نہیں ہوتی اھ۔

ثم رأی المسألتین فی عبارتی البحر والدر ورأی الحکم فیھما بکراھۃ التحریم فسبق الی خاطرہ انھما تبعا قیل التحریم العام ولیس کذلك فان حرمۃ الاسراف فی الاوقاف مجمع علیھا وقد غیرا فی التعبیر بما یبرئھما عن تعمیم التحریم فلم یقولا توضأ من نھر بل قال البحر ھذا اذا کان

پھر علامہ شامی نے یہ دونوں مسئلے بحر اور در کی عبارتوں میں بھی دیکھے یعنی یہ کہ ان دونوں میں کراہت تحریم کا حکم موجود ہے۔تو ان کا ذہن اس طرف چلاگیا کہ دونوں نے تحریم عام کے قول کی پیروی کرلی ہے۔حالاں کہ ایسا نہیں۔اس لئے کہ اوقاف میں اسراف کی حرمت اجماعی ہے اور دونوں حضرات نے تعبیر میں اتنی تبدیلی کردی جس کے باعث تحریم کو عام قرار دینے سے بری ہوگئے۔ توان حضرات نے "توضّأ من نھر" (دریا سے وضو کیا) نہ کہا بلکہ بحر نے کہا: ھذا اذا کان

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ماء نھر[1] وقال الدر لوبماء النھر[2] والفرق فی التعبرین لایخفی علی المتأمل۔ وبیان ذلك علی ما **اقول**: ان المتوضیئ من النھر وان لم یدل مطابقة الا علی التوضی بالاغتراف منه لکن یدل عرفا علی نفی الواسطة فمن ملأکوزا من نھر واغترف عند التوضی من الکوز لایقال توضأ من النھر بل من الکوز الاعلی ارادة حذف ای بماء ماخوذ من النھر والتوضی من نھر بلا واسطة انما یکون فی متعارف الناس بان تدخل النھر اوتجلس علی شاطئه وتغترف منه بیدك وتتوضأ فیه فوقوع الغسالة فی النھر ھو الطریق المعروف للتوضی من النھر فیدل علیه دلالة التزام للعرف المعھود	ماء نھر (یہ حکم اس وقت ہے جب دریا کا پانی ہوالخ) اور صاحب درمختار نے کہا: لوبماء النھر (اگر دریا کے پانی سے وضو کرے الخ) اور تامل کرنے والے پر دونوں تعبیروں کافرق مخفی نہیں۔ **اقول**: اس کی توضیح یہ ہے کہ التوضی من النھر (دریا سے وضو کرنا) اگر معنی مطابقے کے لحاظ سے یہی بتاتا ہے کہ اس سے ہاتھ یا برتن میں پانی لے کر وضو کرنا لیکن عرفاً اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ اس سے بغیر کسی واسطہ کے وضو کرنا تو اگر کسی نے برتن میں دریا سے پانی بھر لیا اور وضو کے وقت برتن سے ہاتھ میں پانی لے کر وضو کیا تو یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے دریا سے وضو کیا بلکہ یہی کہا جائے گا کہ برتن سے وضو کیا۔ مگر حذف مراد لے کر کوئی کہہ سکتا ہے کہ دریا سے۔ یعنی دریا سے لئے ہوئے پانی سے وضو کیا۔ اور نہر سے بلاواسطہ وضو کرنے کی صورت لوگوں کے عرف میں یہ ہوتی ہے کہ کوئی دریا کے اندر جا کر۔ یا اس کے کنارے بیٹھ کر اس سے ہاتھ میں پانی لیتے ہوئے اسی میں وضو کرے کہ غُسالہ دریا ہی میں گرے یہی نہر سے وضو کا معروف طریقہ ہے کہ غُسالہ اسی میں گرتا ہے تو عرف معلوم کے سبب اس پر اس

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴

بخلاف التوضی بماء النهر فلا دلالة له علی وقوع الغسالة فی شیئ اصلا الاتری ان من توضأ فی بیته بماء جُلب من النهر تقول توضأ بماء النهر لامن النهر هذا هو العرف الفاشی والفرق فی الاسراف بین الماء الجاری وغیره بانه تضییع فی غیره لافیه انما یبتنی علی وقوع الغسالة فیه ولا نهر وسکبها علی الارض من دون نفع فقد ضیع وان افرغ جرة عنده فی نهر لم یضیع والدال علی هذا المبنی هو لفظ من نهر لالفظ بماء النهر کما علمت ففی الاول تکون دلالة علی تعمیم التحریم لافی الثانی هذا هو الفارق بین تعبیر ذلك الشافعی وتعبیر البحر والدر و حینئذ وغیرها فلا یکون

لفظ کی دلالت التزامی پائی جائے گی۔اور التوضی بماء النھر (دریا کے پانی سے وضو کرنے) کا مفہوم یہ نہیں ہوتا اس لفظ کی دلالت کسی چیز کے اندر غسالہ کے گرنے پر بالکل نہیں ہوتی۔دیکھئے اگر کسی نے اپنے گھر میں اُس پانی سے وضو کیاجو دریاسے لایا گیا تھاتو یہ کہاجائے گا کہ اس نے دریاکے پانی سے وضو کیااور یہ نہ کہاجائے گا کہ اس نے دریاسے وضوکیا۔ یہی عام مشہور عرف ہے۔ آبِ رواں اور غیر رواں کے درمیان اسراف میں یہ فرق کہ غیر جاری میں پانی.برباد ہوتا ہے اور جاری میں.برباد نہیں ہوتا، اس کی بنیاد غسالہ کے اس کے اندر گرنے ہی پر ہے۔اور اس فرق میں ہاتھ یا.برتن سے پانی لینے کو کوئی دخل نہیں کیوں کہ اگر کسی نے دریا سے گھڑا بھر کر زمین پر بے فائدہ بہادیا تواس نے پانی.برباد کیا۔اور اگر اپنے پاس کا بھرا ہوا گھڑا دریامیں اُنڈیل دیا تواس نے پانی.برباد نہ کیا اور اس بنیاد کو بتانے والالفظ وہی "من نھر" (دریاسے) ہے "بما النھر" (دریاکے پانی سے) نہیں جیساکہ واضح ہوا۔ تو من نھر کہنے میں اس پر دلالت ہوتی ہے کہ حکم تحریم دریاسے وضو کو بھی شامل ہے اور بماء النھر کہنے میں یہ دلالت نہیں ہوتی۔ یہی فرق ہے ان شافعی کی تعبیر میں اور بحر ودر کی تعبیر میں۔اور جب ایسا ہے تو صاحبِ دُر اپنے ساتھ جواہر کو بھی پائیں گے اور منتقی ونہر وغیرہا کو بھی۔تو وہ غیر مذہب کے کسی

متبعا لقيل فى غير المذهب۔

اقول: ف بتحقيقنا هذا ظهر الجواب عما اخذ به الامام المحقق الحلبى فى الحلية على المشائخ حيث يطلقون ههنا من مكان فى يقولون توضا من حوض من نهر من كذا ويريدون وقوع الغسالة فيه قول فى المنية اذا كان الرجال صفوفا يتوضؤن من الحوض الكبير جاز[1] قال فى الحلية التوضى منه لايستلزم البتة وقوع الغسالة فيه بخلاف التوضى فيه ووقوع غسالاتهم فيه هو مقصود الافادة[2] واطال فى ذلك وكرره فى مواضع من كتابه وهو من باب التدنق والمشائخ يتساهلون باكثر من هذا فكيف وهو المفاد من جهة المعتاد۔

قولِ ضعیف کی پیروی کرنے والے نہ ہوں گے۔

اقول: ہماری اسی تحقیق سے اس کا جواب بھی واضح ہوگیا جو امام محقق حلبی نے حلیہ میں حضرات مشائخ پر گرفت کی ہے اس طرح کہ وہ حضرات یہاں "فی" (میں) کی جگہ "من" (سے) بولتے ہیں کہتے ہیں **توضأ من حوض، من نهر، من كذا** (حوض سے، دریا سے، فلاں سے وضو کیا) اور مراد یہ لیتے ہیں کہ غسالہ اسی میں گرا۔ منیہ میں لکھا: جب بہت سے لوگ قطاروں میں کسی بڑے حوض سے وضو کرنا جائز ہے۔ اس پر حلیہ میں لکھا: حوض سے وضو کرنا قطعی طور پر اس بات کو مستلزم نہیں کہ غسالہ اسی میں گرے بخلاف حوض میں وضو کرنے کے۔ اور لوگوں کا غسالہ اس میں گرتا ہو سے یہی بتانا مقصود ہے۔ اس اعتراض کو بہت طویل بیان کیا ہے اور اپنی کتاب کے متعدد مقامات پر بار بار ذکر کیا ہے حالاں کہ یہ عبارت میں بے جا تدقیق کے باب سے ہے۔ حضرات مشائخ تو اس سے بہت زیادہ تسامح سے کام لیتے ہیں پھر اس میں کیا جب کہ عرف عام اور طریق معمول کا مفاد بھی یہی ہے۔ (ت)

ف: تطفل على الحلية۔

---

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ٦٧

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

تنبیہ (۳) علامہ عمر بن نجیم نے نہر الفائق میں قول سوم کو دوم کی طرف راجع کیا اور اپنے شیخ اکرم واخ اعظم محقق زین رحمہما اللہ تعالٰی کی تقریر سے یہ جواب دیا کہ ترک اسراف کو ادب یا مستحب گننا اسے مقتضی نہیں کہ اسراف مکروہ تنزیہی بھی نہ ہوا کہ آخر خلاف مستحب ہے اور خلاف مستحب خلاف اولی اور خلاف اولی مکروہ تنزیہی۔

قال فی المنحۃ قال فی النھر لانسلم ان ترك المندوب غیر مکروہ تنزیھا لما فی فتح القدیر من الجنائز والشھادات ان مرجع کراھۃ التنزیہ خلاف الاولی ولا شك ان تارك المندوب اٰت بخلاف الاولی[1] ۔اھ	منحۃ الخالق میں ہے نہر میں کہا: ہم اسے نہیں مانتے کہ ترک مندوب، مکروہ تنزیہی نہیں اسلئے کہ فتح القدیر میں جنائز اور کتاب الشہادات میں لکھا ہے کہ کراہت تنزیہ کا مآل خلافِ اولٰی ہے اور مندوب کو ترک کرنے والا بلاشبہ خلافِ اولٰی کا مرتکب ہے اھ۔(ت)

یہی جواب کلام بدائع پر محقق حلبی کی تقریر سے ہوگا۔ علّامہ شامی نے یہاں اُسے مقرر رکھا اور ردالمحتار میں صراحۃً اس کا اتباع کیا

حیث قال مامشی علیہ فی الفتح والبدائع وغیرھما من جعل ترکہ مندوبا فیکرہ تنزیھا[2] اھ	(اس طرح کہ وہ لکھتے ہیں: جس پر فتح، بدائع وغیرہما میں گئے ہیں وہ یہ ہے کہ ترک اسراف کو مندوب قرار دیا ہے تو وہ اسراف تنزیہی ہوگا اھ۔(ت)

اقول: وباللہ استعین (میں اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں) **اولا:** ف یہ معلوم کیجئے کہ مکروہ تنزیہی کی تحدید میں کلمات علماء مختلف بھی ہیں اور مضطرب بھی، فتح القدیر کی طرح نہ ایک کتاب بلکہ بکثرت کتب میں ہے کہ کراہت تنزیہ کا مرجع خلاف اولی ہے اس طور پر ہر مستحب کا ترک بھی مکروہ تنزیہی ہونا چاہئے۔ درمختار آخر مکروہاتِ نماز میں ہے:

یکرہ ترك کل سنۃ ومستحب[3]	ہر سنت اور مستحب کا ترک مکروہ ہے۔(ت)

ف: مکروہ تنزیہی کی تحدید میں علماء کا اختلاف اور عبارات میں اضطراب۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱/۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی الاسراف فی الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

اور بہت محققین کراہت کیلئے دلیل خاص یا صیغہ نہی کی حاجت جانتے ہیں یعنی جبکہ فعل سے باز رہنے کی طلب غیر حتمی پر دال ہو۔

اقول: ولو قطعی ف۱ الثبوت فان المدار علی ما ذکرنا من حال الطلب کما قدمنا تحقیقه فی الجود الحلو وان قال فی الحلیة من صدر الکتاب المنهی خلاف المامور فان کان النهی المتعلق به قطعی الثبوت والدلالة فحرام وان کان ظنی الثبوت دون الدلالة اوبالعکس فمکروه تحریما وان کان ظنی الثبوت والدلالة فمکروه تنزیها[1] اھ	**اقول:** اگرچہ دلیل قطعی الثبوت ہو اس لئے کہ مدار اسی پر ہے جسے ہم نے ذکر کیا یعنی یہ کہ طلب کا حال کیا ہے حتمی ہے یا غیر حتمی، جیساکہ اس کی تحقیق الجود الحلو میں ہم کرچکے ۔ اگرچہ حلیہ کے اندر شروع کتاب میں یہ لکھا ہے : منہی، مامور کا مخالف ہے۔ اگراس سے تعلق رکھنے والی نہی ثبوت اور دلالت میں قطعی ہو تو وہ حرام ہے۔اور اگر ثبوت میں ظنی ہو دلالت میں نہیں، یا برعکس صورت ہو تو مکروہِ تحریمی ہے۔اور اگر ثبوت ودلالت میں ظنی ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اھ۔(ت)

اور شک نہیں کہ اس تقدیر پر ترک مستحب مکروہ نہ ہوگا، مجمع الانہر باب الاذان میں ہے:

لاکراهة فی ترك المندوب[2]	(ترک مندوب میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

اضطراب یہ کہ جن صاحب ف۲ فتح قدس سرہ نے جابجا تصریح فرمائی کہ خلاف اولیٰ مکروہ تنزیہی ہے اور اوقاتِ مکروھہ نماز میں فرمایا کہ جانب ترک میں مکروہ تنزیہی جانب فعل میں مندوب کے رتبہ میں ہے

حیث قال التحریم فی مقابلة الفرض فی الرتبة وکراهة التحریم فی رتبة الواجب والتنزیه برتبه المندوب[3]	(ان کے الفاظ یہ ہیں: تحریم رتبہ میں فرض کے مقابل ہے اور کراہت تحریم رتبہ میں واجب کے مقابل اور کراہت تنزیہ مندوب کے رتبہ میں ہے۔(ت)

ف۱: تطفل علی الحلیة۔ ف۲ تطفل ما علی الفتح۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر، کتاب الصلوۃ باب الاذان داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۵

[3] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب المواقیت فصل فی اوقات المکروھۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۲

اُنہی نے تحریر الاصول میں تحریر فرمایا کہ مکروہ تنزیہی وہ ہے جس میں صیغہ نہی وارد ہوا جس میں نہی نہیں وہ خلاف اولی ہے اور کراہت تنزیہ کا مرجع خلاف اولی کی طرف ہونا ایک اطلاق موسع کی بناپر ہے

حیث قال فی الباب الاول من المقالة الثانیة من التحریر مسألة اطلاق المأمور به علی المندوب مانصه "المکروہ منھی ای اصطلاحا حقیقة مجاز لغة والمراد تنزیھا ویطلق علی الحرام وخلاف الاولی مما لاصیغة فیه والا فالتنزیھیة مرجعھا الیه[1]۔	اس طرح کہ تحریر الاصول مقالہ دوم کے باب اول مسألہ اطلاق المامور بہ علی المندوب کے تحت لکھا: مکروہ اصطلاح میں حقیقۃً منہی ہے اور لغت میں مجازًا۔۔۔ اور مکروہ سے مراد تنزیہی ہے اور اس کا اطلاق حرام پر بھی ہوتا ہے اور اس خلافِ اولیٰ پر بھی جس سے متعلق صیغہ نہی وارد نہیں ورنہ کراہت تنزیہ کا مرجع وہی ہے (جس میں صیغہ نہی وارد ہو)۔(ت)

جس حلیہ ف۱ میں یہ فرمایا کہ: علی الاول یکون الاسراف غیر مکروہ [2] (اسراف کو خلاف ادب ٹھہرانے والے قول پر اصراف مکروہ نہ ہوگا (ت) اُسی کے صدر میں ہے

المکروہ تنزیھا مرجعه الی خلاف الاولی والظاھر انھما متساویان [3]	مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولیٰ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے۔(ت)

جس غنیہ ف۲ کے اوقات میں باتباع فتح تصریح فرمائی کہ التنزیھیة مقابلة المندوب [4] (کراہت تنزیہیہ بمقابلہ مندوب ہے۔ت) اُسی کے مکروہات صلوٰۃ میں فرمایا:

الفعل ان تضمن ترك واجب فھو مکروہ کراھة تحریم وان تضمن ترك سنة فھو مکروہ	فعل اگر ترک واجب پر مشتمل ہو تو مکروہِ تحریمی ہے اور ترک سنّت پر مشتمل ہو تو مکروہِ تنزیہی، لیکن

ف۱: تطفل علی الحلیة   ف۲: تطفل علی الغنیة۔

[1] التحریر فی الاصول الفقہ المقالۃ الثانیۃ الباب الاول مصطفی البابی مصر ص ۲۵۷۔۲۵۶

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی الشرط الخامس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۳۶

کراھة تنزیه ولکن تتفاوت فی الشدة والقرب من التحریمیة بحسب تاکد السنة[1]۔	یہ شدّت اور مکروہِ تحریمی سے قرب کے معاملہ میں سنّت کے تاکید پانے کے لحاظ سے تفاوت رکھتا ہے۔(ت)

نیز صدر کتاب میں فرمایا:

(اعلم ان للصلاۃ سننا) وترکھا یوجب کراھة تنزیه (وادبا) جمع ادب ولا باس بترکه ولا کراھة (وکراھیة) والمراد بھا ما یتضمن ترك سنة وھو کراھة تنزیه اوترك واجب وھو کراھة التحریم[2]۔	(واضح ہو کہ نماز کی کچھ سنتیں ہیں) اور ان کا ترک کراہت تنزیہ کا موجب ہے(اور کچھ آداب ہیں) یہ ادب کی جمع ہے اوراس کے ترک میں کوئی حرج اور کراہت نہیں(اور کچھ مکروہات ہیں)ان سے مرادوہ جو ترک سنت پر مشتمل ہو یہ مکروہ تنزیہی ہے یا وہ جو ترک واجب پر مشتمل ہو یہ مکروہ تحریمی ہے۔(ت)

جس بحر ف کے اوقات(نماز) میں تھا التنزیه فی رتبة المندوب[3] (کراہت تنزیہی مندوب کے مقابل مرتبہ میں ہے۔ ت)اسی کے باب العیدین میں فرمایا:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھة اذ لابدلھا من دلیل خاص فلذا کان المختار عدم کراھة الاکل قبل الصلاۃ[4] اھ ای صلاۃ الاضحٰی۔	ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں اس لئے کہ کراہت کے لئے دلیل خاص ضروری ہے۔اسی لئے مختار یہ ہے کہ نماز عید قرباں سے پہلے کھالینا مکروہ نہیں۔(ت)

اور در بارہ ع ترک اسراف ان کا کلام گزرا اُسی کے مکروہات نماز میں ایسی ہی تصریح فرما کر پھر

ف: تطفل علی البحر۔

ع: نیز ثانیا میں ان کا کلام آتا ہے کہ امام زیلعی نے لطم وجہ کو مکروہ لکھا تو اس کا ترک سنت ہوگا نہ کہ مستحب ۱۲ منه غفرله۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل مکروہات الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۵

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مقدمۃ الکتاب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳

[3] البحر الرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۴۹/۱

[4] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب العیدین، ایچ ایم سعید کمپنی ۱۶۳/۲

خود اُس پر اشکال وارد کردیا کہ ہر مستحب خلافِ اولی ہے اور یہی کراہت تنزیہ کا حاصل۔

حیث قال السنة ان کانت غیر مؤکدة فترکھا مکروہ تنزیھا وان کان الشیئ مستحبا او مندوبا ولیس بسنة فینبغی ان لایکون ترکہ مکروھا اصلا کما صرحوا بہ انہ یستحب یوم الاضحٰی ان لایاکل قالوا ولو اکل فلیس بمکروہ فلم یلزم من ترك المستحب ثبوت کراھتہ الا انہ یشکل علیہ ماقالوہ ان المکروہ تنزیھا خلاف الاولی ولا شك ان ترك المستحب خلاف الاولی[1] اھ	ان کے الفاظ یہ ہیں: سنت اگر غیر مؤکدہ ہو تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے اور کوئی شی مستحب یا مندوب ہے اور سنت نہیں ہے تو اس کا ترک مکروہ بالکل نہ ہونا چاہئے جیسے علماء نے تصریح فرمائی کہ عید اضحٰی کے دن نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر کھالیا تو مکروہ نہیں تو ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہ ہوا مگر اس پر اشکال علماء کے اس قول سے پڑتا ہے کہ مکروہ تنزیہی خلاف اولٰی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ترک مستحب خلافِ اولٰی ہے اھ۔
اما العلامة **الشامی** فاضطراب اقوالہ ھھنا اکثروا وفر ففی مستحبات ف الوضوء نقل مسألة الاکل یوم الاضحی واستظھر ان ترك المستحب لا یکرہ حیث قال "اقول وھذا ھو الظاھر ان النوافل فعلھا اولی ولا یقال ترکھا مکروہ[2] اھ ثم بعد صفحة رجع وقال قدمنا ان ترك المندوب	لیکن علامہ **شامی** تو ان کے اقوال کا اضطراب یہاں بہت بڑھا ہوا ہے مستحباتِ وضو میں روز اضحٰی کھانے کا مسئلہ نقل کیا اور ترک مستحب کے مکروہ نہ ہونے کو ظاہر کہا عبارت یہ ہے: میں کہتا ہوں یہی ظاہر ہے اس لئے کہ نوافل کی ادائیگی اولٰی ہے اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا ترک مکروہ ہے اھ۔ پھر ایک صفحہ کے بعد رجوع کیا اور کہا: ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ

ف: معروضة علی العلامة ش۔

[1] البحر الرائق، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۲

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مستحبات الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت ۸۴/۱

مکروہ تنزیھا [1] اھ وقال فی مکروھات الوضو فــا المکروہ تنزیھا یرادف خلاف الاولی [2] اھ ورجع آخر مکروھات الصلاۃ فقال الظاھر ان خلاف الاولی اعم فقد لایکون مکروھا حیث لادلیل خاص کترک صلاۃ الضحٰی [3] اھ وقال فی صدرھا فــ۲ قلت ویعرف ایضا بلا دلیل نھی خاص بان تضمن ترک واجب اوسنۃ فالاول مکروہ تحریما والثانی تنزیھا [4] اھ ورجع فی اخرھا فقال بعد ما مرو بہ یظھر ان کون ترک المستحب راجعا الی خلاف الاولی لایلزم منہ ان یکون مکروھا الا بنھی خاص لان الکراھۃ حکم شرعی فلا بدلہ من دلیل [5] اھ	ترک مندوب مکروہِ تنزیہی ہے اھ۔ مکروہاتِ وضو میں کہا: مکروہِ تنزیہی خلافِ اولٰی کا مرادف ہے اور مکروہاتِ نماز کے آخر میں رجوع کرکے کہا: ظاہر یہ ہے کہ خلافِ اولٰی اعم ہے بعض اوقات یہ مکروہ نہیں ہوتا یہ ایسی جگہ جہاں کوئی دلیل خاص نہ ہو جیسے نماز چاشت کا ترک اھ۔ مکروہاتِ نماز کے شروع میں کہا: میں کہتا ہوں اس کی معرفت نہی خاص کی دلیل کے بغیر بھی ہوتی ہے اس طرح کہ کسی واجب یا سنت کے ترک پر مشتمل ہو۔ اوّل مکروہ تحریمی ہے اور ثانی مکروہ تنزیہی اھ۔ اور مکروہاتِ نماز کے آخر میں رجوع کیا اس طرح کہ مذکورہ بالا عبارت کے بعد کہا: اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترک مستحب خلافِ اولٰی کی طرف راجع ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں مگر یہ کہ خاص نہی ہو اس لئے کہ کراہت ایک حکم شرعی ہے تو اس کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے۔ اھ۔

فــا: معروضۃ اخری علیہ۔ فــ۲: معروضۃ ثالث علیہ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مستحبات الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۹

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۳۹

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۲۹

[5] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۳۹

ثم بعد ف۱ ورقة رجع عن هذا الرجوع فقال فی مسألة استقبال النيرين فی الخلاء الظاهر ان الكراهة فيه تنزيهية مالم يرد نهی خاص [1] اھ وقال فی ف۲ المنحة عند قول البحر قد صرحوا بان التفات ف۳ البصر يمنة ويسرة من غير تحويل الوجه اصلا غير مكروه مطلقا والاولی تركه لغير حاجة مانصه ای فيكون مكروها تنزيها كما هو مرجع خلاف الاولی كما مر عـہ۱ و به صرح فی النهر وفی الزيلعی وشرح الملتقی للباقانی انه مباح لانه صلی الله تعالی عليه وسلم كان يلاحظ اصحابه فی صلاته بموق عينيه ولعل المراد عند عدم الحاجة عـہ۲ فلا ينافی	ھر ایک ورق کے بعد بیت الخلا میں سورج اور چاند کے رُخ پر ہونے کے مسئلہ میں اس سے رجوع کیا اور کہا: ظاہر یہ ہے کہ کراہت اس میں تنزیہی ہے جب تک کہ کوئی خاص نہی وارد نہ ہوا ھ۔ بحر کی عبارت ہے: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ذرا بھی چہرہ پھیرے بغیر نگاہ سے دائیں بائیں التفات مطلقاً مکروہ نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ کوئی حاجت نہ ہو تو اس سے باز رہے۔ اس پر منحۃ الخالق میں لکھا: یعنی ایسی صورت میں یہ مکروہ تنزیہی ہو گا جیسا کہ یہ خلافِ اولیٰ کا مآل ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور نہر میں بھی اسی کی تصریح کی ہے۔ زیلعی میں اور باقانی کی شرح ملتقی میں ہے کہ یہ مباح ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز میں گوشہ چشم سے ملاحظہ کیا کرتے تھے۔ اور شاید مراد عدم حاجت کی حالت ہے تو یہ اس کے

ف۱: معروضة رابعة عليه۔ ف۲: معروضة خامسة عليه۔

ف۳ **مسئلہ:** نماز میں اگر کن انکھیوں سے بے گردن پھیرے ادھر ادھر دیکھے تو مکروہ نہیں ہاں بے حاجت ہو تو خلاف اولیٰ ہے۔

عـہ۱: ای فی البحر صدر المكروهات ان المكروه تنزيها ومرجعه الی ماتركه اولی [2] اھ منه	عـہ۱ یعنی بحر کے اندر مکروہات نماز کے شروع میں گزرا کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع ترک اولیٰ ہے ۱۲ منہ (ت)
عـہ۲ **اقول:** لعل لفظة عدم وقعت زائدة من قلم الناسخ فالصواب عدم العدم اھ منه (م)	عـہ۲ **اقول:** شاید لفظ "عدم" کاتب کے قلم سے سہواً زائد ہو گیا ہے کیونکہ صحیح عدم عدم ہے (یعنی یہ کہ مراد وقت حاجت ہے) ۱۲ منہ۔ (ت)

[1] ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ، باب یفسد الصّلوٰۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۰

[2] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب یفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹

ماھنا[1] اھ ثم رجع عما قریب فقال خلاف الاولی اعم من امکروہ تنزیھا دائما بل قد یکون مکروھا ان وجد دلیل الکراھۃ والافلا[2] اھ **اقول:** ومن العجب ف۱ ان البحر کان صرح فی الالتفات بنفی الکراھۃ مطلقا وان الاولی ترکہ لغیر حاجۃ فکان نصافی نفی الکراھۃ رأسا مع کونہ ترك الاولی فی بعض الصور ففسرہ بضدہ اعنی اثبات الکراھۃ لکونہ ترك الاولی مع نقلہ عن الزیلعی والباقانی انہ مباح وظاھرہ الاباحۃ الخالصۃ بدلیل الاستدلال بالحدیث فلم یتذکر ھناك ان خلاف الاولی لایستلزم الکراھۃ مالم یرد نھی۔	منافی نہیں جو یہاں ہے اھ۔ پھر کچھ ہی آگے جاکر اس سے رجوع کرکے کہا: خلافِ اولیٰ مکروہ تنزیہی سے اعم ہے اور ترک مستحب ہمیشہ خلافِ اولیٰ ہوتا ہے، ہمیشہ مکروہ تنزیہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی مکروہ ہوتا ہے اگر دلیل کراہت موجود ہوورنہ نہیں۔ **اقول:** اور تعجب یہ ہے کہ بحر نے تصریح کی تھی کہ التفات میں کوئی بھی کراہت نہیں اوراولیٰ یہ ہے کہ حاجت نہ ہوتواسے ترک کرے یہ اس بارے میں نص تھاکہ ذرا بھی کراہت نہیں باوجودیکہ یہ بعض صورتوں میں ترک اولیٰ ہے۔ علامہ شامی نے اس کی تفسیر اس کی ضد سے کی یعنی یُوں کہ یہ ترک اولیٰ ہے اس لئے مکروہ ہے باوجودیکہ زیلعی اور باقانی سے اس کامباح ہونا بھی نقل کیاہے اوراس کاظاہر یہ ہے کہ مباح خالص ہے جس کی دلیل حدیث سے استدلال ہے تونہیں وہاں یہ یاد نہ رہاکہ خلاف اولیٰ کراہت کو مستلزم نہیں جب تک کوئی نہی وارد نہ ہو۔

بااینہمہ اس میں شک نہیں کہ فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق کی تصریحات اسی طرف ہیں کہ ترک مستحب بھی مکروہ تنزیہی ہے توان کاف۲ آداب میں گننا نفی کراہت تنزیہہ پر کیونکر دلیل ہو خصوصًا اسی بحث کے آخر میں وہ صاف صاف کراہت اسراف کی تصریح بھی فرماچکے۔

حیث قال یکرہ الزیادۃ علی ثلث	ان کے الفاظ یہ ہیں: اعضاء کو تین بار سے

ف۱: معروضۃ سادسۃ علیہ۔

ف۲: تطفل علی البحر۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۱

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲

فی غسل الاعضاء [1] اھ	زیادہ دھونا مکروہ ہے اھ۔ (ت)

ثانیا، اقول: اور خود علامہ صاحب بحر نے بھی اسے اُن سے نقل فرمایا تو اُس حمل پر باعث کیا رہا۔ اس سے قطع نظر بھی ہو تو محقق نے انہیں آداب میں یہ افعال بھی شمار فرمائے،

نزع خاتم علیه اسمه تعالی واسم نبیه صلی الله تعالی علیه وسلم حال الاستنجاء وتعاهد ما تحت الخاتم وان لایلطم وجهه بالماء والدلك خصوصا فی الشتاء وتجاوز حدود الوجه والیدین والرجلین لیستیقن غسلهما [2]۔	استنجاء کے وقت اس انگوٹھی کو اتار لینا جس پر باری تعالٰی کا یا اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام ہو۔ اور انگشتری کے نیچے والے حصہ بدن دھونے میں خاص خیال رکھنا۔ چہرے پر پانی کا تھپیڑا نہ مارنا۔ اعضاء کو ملنا خصوصًا جاڑے میں۔ چہرے، ہاتھوں اور پیروں کی حدوں سے زیادہ پانی پہنچانا، تاکہ ان حدوں کے دُھل جانے کا یقین ہو جائے۔ (ت)

اور شک ف۱ نہیں کہ وقت استنجاء اُس انگشتری کا جس پر اللہ عزّوجل یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک یا کوئی متبرک لفظ ہو اُتار لینا صرف مستحب ہی نہیں قطعاً سنّت اور اُس کا ترک ضرور مکروہ بلکہ اسائت ہے بلکہ مطلقاً ف۲ کچھ لکھا ہو حروف ہی کا ادب چاہئے بلکہ ف۳ ایسی انگوٹھی پہن کر بیت الخلا میں جانا ہی مکروہ ہے ولہذا ف۴ تعویذ لے جانے کی اجازت اُس وقت ہوئی کہ خلاف مثلاً موم جامہ میں ہو اور پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اولی ہے اگرچہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔

ف۱: **مسئلہ:** جس انگشتری پر کوئی متبرک نام لکھا ہو وقت استنجاء اس کا اتار لینا بہت ضرور ہے۔

ف۲: **مسئلہ:** مطلقاً حروف کی تعظیم چاہیے کچھ لکھا ہو۔

ف۳: **مسئلہ:** جس انگشتری پر کچھ لکھا ہو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ ہے۔

ف۴: **مسئلہ:** تعویذ اگر غلاف میں ہو تو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ نہیں پھر بھی اس سے بچنا افضل ہے۔

---

1 فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۳۲

2 فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۳۲

ردالمحتار میں ہے:

نقلوا ف عندنا ان للحروف حرمة ولو مقطعة وذكر بعض القراء ان حروف الهجاء قران نزل على هود عليه الصلاة والسلام [1] الخ	منقول ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی بھی عزت ہے اگرچہ الگ الگ کلمے ہوں۔اور بعض قراءنے ذکر کیا کہ حروفِ تہجی وہ قرآن ہیں جس کا نزول حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہوا الخ۔(ت)

اُسی میں عارف باللہ سیدی عبدالغنی قدس سرہ القدسی سے ہے:

حروف الهجاء قران انزلت على هود عليه الصلاة والسلام كما صرح بذلك الامام القسطلانی فی کتابه الاشارات فی علم القراءات [2]۔	حروف تہجی قرآن ہیں یہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے جیسا کہ امام قسطلانی نے اپنی کتاب "الاشارات فی القرات" میں اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

یکره ان یدخل الخلاء ومعه خاتم مکتوب علیه اسم الله تعالی اوشیئ من القران [3]۔	خلا میں ایسی انگوٹھی لے کر جانا مکروہ ہے جس پر اللہ تعالی کا نام یا قرآن سے کچھ لکھا ہوا ہو۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

رقية فی غلاف متجاف لم یکره دخول الخلاء به والاحتراز افضل [4]۔	ایسا تعویذ خلاء میں لے کر جانا مکروہ نہیں جو الگ غلاف میں ہو اور بچنا افضل ہے۔ت

ف: حروف ہجا ایک قرآن ہے کہ سیدنا ہود علیہ الصلوۃ والسلام پر اترا۔

[1] ردالمحتار ،کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت، ۲۲۷/۱

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ قبیل باب المیاہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۲۰/۱

[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۴۳/۱

[4] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۳۴/۱

یونہی انگشتری ف۱ ڈھیلی ہو تو اُسے جنبش دینی وضو میں سنّت ہے اور تنگ ہو کہ بے تحریک پانی نہ پہنچے گا تو فرض۔ خلاصہ میں ہے:

فی مجموع النوازل تحریك الخاتم سنة ان کان واسعا وفرض ان کان ضیقا بحیث لم یصل الماء تحته[1]۔	مجموع النوازل میں ہے: انگوٹھی کو حرکت دینا سنت ہے اگرچہ کشادہ ہو اور فرض ہے اگر اتنی تنگ ہو کہ اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو فرض ہے۔ ت

یونہی ف۲ وضو میں منہ پر زور سے چھپا کا مارنا مکروہ اور اس کا ترک مسنون۔ درمختار میں ہے:

مکروهه لطم الوجه اوغیره بالماء تنزیها[2]۔	چہرے یا کسی اور عضو پر پانی کا تھپیڑا مارنا مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

ان الزیلعی صرح بان لطم الوجه بالماء مکروه فیکون ترکه سنة لاادبا[3]۔	امام زیلعی نے تصریح فرمائی ہے کہ چہرے پر پانی کا تھپیڑا مارنا مکروہ ہے تو اس کا ترک صرف ادب نہیں بلکہ سنت ہوگا۔ (ت)

یونہی اعضاء کا ملنا ف۳ بھی مثل غسل سنّتِ وضو بھی ہے۔ درمختار میں ہے:

من السنن الدلك وترك الاسراف وترك لطم الوجه بالماء[4]۔	سُنّتوں سے ہے اعضاء کو ملنا، اسراف کا ترک کرنا، چہرے پر پانی کا تھپیڑا لگانے کو ترک کرنا۔ (ت)

ف۱: **مسئلہ**: انگوٹھی ڈھیلی ہو تو وضو میں اسے پھرا کر پانی ڈالنا سنت ہے اور تنگ ہو کہ بے جنبش دئے پانی نہ پہنچے تو فرض ہے یہی حکم بالی وغیرہ کا ہے۔

ف۲: **مسئلہ**: وضو میں منہ پر زور سے چھپا کا مارنا مکروہ ہے بلکہ کسی عضو پر اس زور سے نہ ڈالے کہ چھینٹیں اڑ کر بدن یا کپڑوں پر جائیں۔

ف۳: **مسئلہ**: کامل مل کر دھونا وضو اور غسل دونوں میں سنت ہے۔

---

1 خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات الفصل الثالث سنن الوضو مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۳

2 الدر مختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴

3 بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹

4 الدر المختار کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۲

خلاصہ فصل وضو جنس آخر صفتِ وضو میں ہے:

والدلك عندنا سنة [1]	اعضاء کوملنا ہمارے نزدیک سنّت ہے۔(ت)

رہا اعضاء ف۱ میں حدودِ شرعیہ سے اتنا تجاوز جس سے یقین ہو جائے کہ حدود فرض کا استیعاب ہو لیا۔

اقول: اگر یقین ف۲ سے یقین فقہی مراد ہو جیسا کہ کتبِ فقہیہ میں وہی متبادر ہے تو یہ ادب وسنت در کنار خود واجب ولابدی ہے، ہاں یقین کلامی مراد ہو تو ادب کہنا عجب نہیں

ھذا وقد نبه من ھٰذه الافعال الاربعة علی سنية الاخيرين فی البحر۔ **اقول:** والعجب ف۳ ترك الاولين مع نقله ایاھما ایضا عن الفتح فالسکوت یکون اشد ایھاما مما لولم یاثرھما ولا شك ان الثانی مثل الرابع الذی استند فیه البحر الی ان الخلاصة جعله سنة فکذلك نص فیھا علی سنية الثانی ایضا اما ف۴ الاول فاھم الکل واحقھا بالتنبیه والبحر نفسه صرح فی الاستنجاء	یہ ذہن نشین رہے، ان چار افعال میں سے آخری دو کے مسنون ہونے پر بحر میں تنبیہ کردی۔(ت) **اقول:** اور تعجب ہے کہ پہلے دونوں کو ترک کردیا حالانکہ ان دونوں کو بھی فتح القدیر سے نقل کیا ہے اس لیے یہاں سکوت اس صورت سے زیادہ ایہام خیز ہے جبکہ ان دونوں کو نقل ہی نہ کیا ہوتا اور چہارم (اعضاء کو ملنا) سے متعلق تو بحر نے خلاصہ کی سند پیش کی کہ اس میں اسے سنت قرار دیا ہے جبکہ بلاشبہ دوم (انگشتری کو حرکت دینا) بھی اسی کی طرح ہے کہ اس سے متعلق بھی خلاصہ میں مسنون ہونے کی تصریح ہے، رہا اول (جس انگشتری

ف۱: اعضاء وضو دھونے میں حد شرعی سے اتنی خفیف تحریر بڑھانا جس سے حد شرعی تک استیعاب میں شبہہ نہ رہے واجب ہے۔

ف۲: تطفل ما علی الفتح۔ ف۳: تطفل علی البحر۔ ف۴: تطفل اخر علیه۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات الفصل الثالث جنس آخر فی سنن الوضو مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲

بما سمعت ولکن جل من لا یغیب عن علمه شیئ قط۔	پر خدا اور سول کا نام ہو اسے اتار لینا) تو وہ سب سے اہم اور سب سے زیادہ مستحق تنبیہ ہے اور خود بحر نے بیان استنجا میں وہ تصریح کی ہے جو پیش ہوئی لیکن بزرگ ہے وہ جس کے علم سے کوئی شے کسی وقت او جھل نہیں ہوتی۔(ت)

یہاں سے واضح ہوا کہ محقق کا اس عبارت میں ترک اسراف (ادب) شمار فرمانا نفی کراہت پر حاکم نہیں۔

اقول: وکان من ف۱ احسن الاعذار عن المحقق رحمه الله تعالٰی انه تجوز فاطلق الادب علی مایعم السنن لکنه ھھنا قدمیز السنن من الاداب کما میز فی الخلاصة واخذ ف۲ علی الکتاب فی جعله التیا من واستیعاب الرأس بالمسح مستحبین وقال بعد اقامة الدلیل فالحق عہ ان الکل سنة ومسح الرقبة مستحب[1] اھ ثم قال ومن	**اقول:** محقق کی جانب سے بہتر عذر یہ تھا کہ انہوں نے مجاز الفظ ادب کا اطلاق اس پر کیا ہے جو سنتوں کو بھی شامل ہو لیکن انہوں نے یہاں سُنتوں کو آداب سے الگ رکھا ہے جیسے خلاصہ میں الگ الگ رکھا ہے،اور حضرت محقق نے کتاب (ہدایہ) پر داہنے سے شروع کرنے اور مسح کے پورے سر کے احاطہ کو مستحب قرار دینے پر گرفت کی ہے اور دلیل قائم کرنے کے بعد لکھا ہے: تو حق یہ ہے کہ سب سنت ہے اور گردن کا مسح مستحب ہے۔اھ پھر

ف۱: تطفل علی الفتح۔

ف۲ **مسئلہ:** وضو میں ہاتھ اور یوں ہی پاؤں بائیں سے پہلے داہنا دھونا یعنی سیدھے سے ابتدا کرنا سنت ہے اگرچہ بہت کتب میں اسے مستحب لکھا۔

عہ: تبعه علی الاول فی البرھان ثم الشرنبلالی وغیرھما وعلی الثانی من لایحصی اھ منه	عہ: اول پر حضرت محقق کا اتباع برہان پھر شرنبلالی وغیرہما میں ہے اور ثانی پر بے شمار لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے اھ منہ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱

النسنن ف۱ الترتیب بین المضمضة و الاشتنشاق (وعد اشیاء ثم قال)الآداب ترك الاسراف و المقتر [1] الخ فسیا کلامه رحمه الله تعالی ینفی العذر المذکور و الله تعالی اعلم۔	لکھا ہے : اور سنتوں میں سے مضمضہ و استنشاق کے درمیان ترتیب ہے اور کچھ دوسری چیزیں شمار کیں پھر لکھا: آداب: ترک اسراف وتقتیر الخ۔تو حضرت محقق رحمہ اللہ تعالٰی کا سیاق، عذر مذکور کی نفی کردیتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ثالثاً اقول: عبارت ف۲ بدائع میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ امام ملک العلماء رحمہم اللہ تعالی نے ترک اسراف کو صرف ادب ہی نہ فرمایا بلکہ حق بتایا تو اسراف خلاف حق ہوا باطل ہوا اور اس کا ادنی درجہ کراہت **فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ** [2] (پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ت) بلکہ اسراف کو غلو کہا اور دین میں غلو ممنوع، **لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ** [3] (اپنے دین میں زیادتی نہ کرو۔ت)

رابعاً اقول: ان تمام تائیدات ف۳ کے بعد بھی نہر وردالمحتار کا مطلب کہ قول سوم اور دوم کی طرف راجع کرنا ہے تمام نہیں ہوتا۔مانا کہ بدائع وفتح کی عبارات نفی نہ کریں مانا کہ فتح کی رائے میں ترک ادب بھی مکروہ ہو مگر نص امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ کا کیا جواب ہے جس میں اس کے ادب ہونے کی تصریح فرمائی اور مستحبات محضہ کے ساتھ اس کی گنتی آئی،اب اگر تحقیق یہ ہے کہ ترک مندوب مکروہ نہیں تو ضرور کلام امام کہ امام کلام ہے نفی کراہت کا اشعار فرمائے گا اس بارہ میں کلمات علماء کا اختلاف واضطراب سن چکے۔

وانا اقول وبالله التوفیق اولا ف۴ حب وکراہت میں میں تناقض نہیں کہ ایک کا رفع دوسرے

مسئلہ : جہاں اور اعضاء میں ترتیب سنت ہے کہ پہلے منہ دھوئے پھر ہاتھ پھر سر کا مسح پھر کہ پہلے پاؤں دھونا،یونہی مضمضہ و استنشاق میں بھی۔یعنی سنت ہے کہ پہلے کلی کرے اس کے بعد ناک میں پانی ڈالے۔

ف۲: تطفل علی الحلیة۔

ف۳:تطفل علی النهر وش ۔

ف۴: **فائدہ جلیلہ:** دربارہ مکروہ تنزیہی و تحریمی واساءت وخلاف اولٰی مصنف کی تحقیق نفیس فوائد کثیرہ پر مشتمل اور واجب وسنت مؤکدہ وغیر مؤکدہ کے فرق احکام۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱

[2] القرآن ۱۰/۳۲

[3] القرآن ۴/۱۷۱

کے ثبوت کو مستلزم ہو۔ دیکھو مباح سے دونوں مرتفع ہیں تو ترک مستحب مطلقاً مستلزم کراہت کیوں ہوا۔

ثانیاً اقول: اگر ترک مستحب موجب کراہت ہو تو آدمی جس وقت خالی بیٹھا ہو اور کوئی مطالبہ شرعیہ اس وقت اس پر لازم نہ ہو لازم کہ اس وقت لاکھوں مکروہ کا مرتکب ٹھہرے کہ مندوبات بے شمار ہیں اور وہ اس وقت ان سب کا تارک۔

ثالثاً اقول: کراہت کا لفظ ہی بتارہا ہے کہ وہ مقابل سنت نہ مقابل مندوب جو بندہ ہو کر بلاوجہ وجیہ ایسی چیز کا ارتکاب کرے جسے اس کا مولیٰ مکروہ رکھتا ہے وہ کسی ملامت و سرزنش کا بھی مستحق نہ ہو تو مولیٰ کے نزدیک مکروہ ہونے کا کیا اثر ہوا اور جب فعل پر سرزنش چاہئے تو اس کا مرتبہ جانب ترک میں وہی ہوا جو جانب فعل میں سنت کا ہے کہ اس کے ترک پر ملامت ہے نہ کہ مندوب کا جس کے ترک پر کچھ نہیں، ظاہر ہے کہ کراہت کچھ ہے کی مقتضی ہے اور ترک مستحب پر کچھ نہیں، اور کچھ نہیں کچھ ہے کے برابر نہیں ہوسکتا۔

رابعاً اقول: وباللہ التوفیق تحقیق بالغ وتنمیق بازغ یہ ہے کہ فعل مطلوب شرعی کا ترک نادرًا ہوگا یا عادۃً، اور ہر ایک پر سزا کا استحقاق ہوگا یا سرزنش کا، یا کچھ نہیں تو دونوں ترک تین قسم ہوئے ہیں، اور تین کو تین میں ضرب دیئے سے نو قسمیں عقلی پیدا ہوئیں ان میں تین بداہۃً باطل ہیں: [1] ترک عادی پر کچھ نہ ہو اور نادر پر عذاب یا عتاب [2]، سوم [3] ترک عادی پر عتاب اور نادر پر عقاب۔ اور دو قسمیں شرعًا وجود نہیں رکھتیں ترک عادی پر عقاب یا عتاب اور نادر پر کچھ نہیں کہ شرعًا مستحب کے ترک نادر پر کچھ نہیں تو عادی پر بھی کچھ نہیں اور سنّت کے ترک عادی پر عتاب ہے تو نادر پر بھی ہے کہ وہ حکم سنّت ہے اور حکم شے کو شے سے انفکاک نہیں۔ اصول امام فخر الاسلام وامام حسام الدین وامام نسفی میں ہے:

حکم السنۃ ان یطالب المرء باقامتھا من غیر افتراض ولا وجوب لانھا طریقۃ امرنا باحیائھا فیستحق اللائمۃ بترکھا [1]۔	سنت کا حکم یہ ہے کہ آدمی سے اسے قائم کرنے کا مطالبہ ہو بغیر اس کے کہ اس پر فرض یا واجب ہو۔ کیونکہ یہ ایسا طریقہ ہے جسے زندہ کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تو اس کے ترک پر ملامت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

[1] اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹

لاجرم چار قسمیں رہیں:

(۱) ترک عادی ہونا یا نادر مطلقًا موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت فرض ورنہ واجب ہے۔

(۲) عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب۔ یہ سنت مؤکدہ ہے کہ اگر نادر پر بھی عذاب ہو تو اُس میں اور واجب میں فرق نہ رہے گا اور عادی پر بھی عتاب ہی ہو تو اُس میں اور سنت مؤکدہ میں تفاوت نہ ہوگا حالانکہ وہ ان دونوں میں برزخ ہے۔

(۳) عادی ہو یا نادر مطلقًا مورث عتاب ہو۔ یہ سنتِ زائدہ ہے۔

(۴) مطلقًا عذاب وعتاب کچھ نہ ہو۔ یہ مستحب ومندوب وادب ہے۔

پھر ازانجا کہ فعل وترک میں تقابل ہے بغرض تعادل واجب ہے کہ ایسی ہی چار قسمیں جانب ترک نکلیں یعنی جس کا ترک مطلوب ہے:

(۱) اس کا فعل عادی ہو یا نادر مطلقًا موجب استحقاق عذاب ہو یہ بحال قطعیت حرام ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) فعل عادی پر عذاب اور نادر پر عتاب یہ اساءت ہے جس کی نسبت علماء نے تحقیق فرمائی کہ کراہت تنزیہی سے افحش اور تحریمی سے اخف ہے۔

(۳) مطلقًا مورث عتاب ہی ہو یہ کراہت تنزیہی ہے۔

(۴) مطلقًا کچھ نہ ہو یہ خلافِ اولٰی ہے۔

تنویر: اس تقریر منیر سے چند جلیل فائدے متجلی ہوئے:

(۱) سنتِ مؤکدہ کا ترک مطلقًا گناہ نہیں بلکہ اُس کے ترک کی عادت گناہ ہے۔

(۲) اساءت کے بارے میں اگرچہ کلماتِ علماء مضطرب ہیں کوئی اسے کراہت سے کم کہتا ہے۔

کما فی الدر[1] صدر سنن الصلاۃ وبہ نص الامام عبدالعزیز فی الکشف وفی التحقیق۔	جیسا کہ درمختار میں سنن نماز کے شروع میں ہے اور امام عبد العزیز بخاری نے کشف میں اور تحقیق میں اسی کی تصریح کی ہے۔ (ت)

کوئی زائد، کما فی الشامی[2] عن شرح المنار للزین (جیسا کہ شامی میں محقق زین بن نجیم کی

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۸

شرح منار سے نقل ہے۔ت) کوئی مساوی کما فی الطحطاوی[1] ثمہ وفی ادراک الفریضة عن الحلبی شارح الدر (جیسا کہ طحطاوی نے سنن نماز اور باب ادراک الفریضہ میں حلبی شارح دُر مختار نقل ہے۔ت) مگر عندالتحقیق اُس کا مقابل سنتِ مؤکدہ ہونا چاہئے کہ جس طرح سنتِ مؤکدہ واجب وسنت زائدہ میں برزخ ہے یوں ہی اساءت کراہت تحریم وکراہت تنزیہ میں کما فی الشامی[2] (جیسا کہ شامی میں ہے۔ت) عٰلمگیریہ ف میں سراج وہاج سے ہے:

ان ترك المضمضة والاستنشاق اثم على الصحيح لانها من سنن الهدى وتركها يوجب الاساءة بخلاف السنن الزوائد فان تركها لا يوجب الاساءة[3] اه **اقول:** قوله اثم اى ان اعتاد كما هو معروف فى محله فيه وفى نظائره۔	اگر مضمضہ واستنشاق کا تارک ہو تو بر قول صحیح گنہگار ہوگا اس لیے کہ یہ سنن ہدٰی سے ہے اور ان کا ترک موجب اساءت ہے۔بخلاف سنن زوائد کے کہ ان کا ترک موجبِ اساءت نہیں اھ۔ت **اقول:** قول مذکور "گنہگار ہوگا" یعنی اگر ترک کا عادی ہو جیسا کہ یہ معنی اپنی جگہ اس بارے میں اور اس کی نظیروں میں معروف ہے۔(ت)

اصول امام فخر الاسلام وامام حسام الدین وامام نسفی میں ہے:

والسنن نوعان سنة الهدى وتاركها يستوجب اساءة وكراهية	سنت کی دو قسمیں ہیں،(۱) سنّت ہدٰی،اس کا تارک اساءت وکراہت کا مستحق ہے

ف: مسئلہ: وضو میں کلی یا ناک میں پانی ڈالنے کا ترک مکروہ ہے اور اس کی عادت ڈالے تو گناہگار ہوگا یہ مسئلہ وہ لوگ خوب یاد رکھیں کہ جو کلیاں ایسی نہیں کرتے کہ حلق تک ہر چیز کو دھوئیں اور وہ کہ پانی جن کی ناک کو چھو جاتا ہے سونگھ کر اوپر نہیں چڑھاتے یہ سب لوگ گنہگار ہیں اور غسل میں ایسا نہ ہو تو سرے سے غسل نہ ہوگا نہ نماز۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۲۱۳

[2] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۹

[3] الفتاوی الہندیہ بحوالہ السراج الوہاج کتاب الطہارۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۶،۷

والزوائد وتارکھا لایستوجب اساءۃ [1]۔	(۲) سنّتِ زائدہ، اس کا تارک اساءت کا مستحق نہیں۔ (ت)

ردالمحتارف صدر سنن الوضوء میں ہے:

مطلق السنۃ شامل لقسمیھا وھما السنۃ المؤکدۃ المسماۃ سنۃ الھدی وغیر المؤکدۃ المسماۃ سنۃ الزوائد [2]۔	مطلق لفظ سنّت دونوں قسموں کو شامل ہے دونوں قسمیں یہ ہیں: (۱) سنّتِ مؤکدہ جس کا نام سنّتِ ہدٰی ہے (۲) سنت غیر مؤکدہ جس کا نام سنّتِ زائدہ ہے۔ ت

بحرالرائق سنن نماز مسئلہ رفع یدین للتحریمہ میں ہے:

انہ من سنن الھدی فھو سنۃ مؤکدۃ [3]۔	وہ سنن ہدٰی سے ہے تو وہ سنّتِ مؤکدہ ہے۔ (ت)

(۳) کراہت تنزیہ نہ مستحب کے مقابل ہے نہ سنّتِ مؤکدہ کے، بلکہ سنّتِ غیر مؤکدہ کے مقابل ہے، اُسے مستحب کے مقابل کہنا خلافِ تحقیق ہے اور مطلق سنّت کے مقابل بتانا اعم ہے جبکہ اُسے اساءت کو بھی شامل کرلیا جائے جس طرح کبھی اساءت کو اعم لے کر سنّتِ زائدہ کے مقابل بولتے ہیں جس طرح اطلاق موسع میں خلافِ اولی کو مکروہ تنزیہی کہہ دیتے ہیں۔

(۴) خلاف اولی مستحب کا مقابل ہے اور معنی خاص پر مکروہ تنزیہی سے بالکل جدا بمعنی اعم اُسے بھی شامل اور کراہت تنزیہ کا اُس کی طرف مرجع ہونا اسی معنی پر ہے۔ بحر کے اشکال مذکور یشکل علیہ ما قالوہ ان المکروہ تنزیھا مرجعہ الی خلاف الاولی [4] (اس پر علماء کے اس قول سے اشکال وارد ہوتا ہے کہ اس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے۔ ت) منحۃ الخالق میں فرمایا:

الکراھۃ لابدلھا من دلیل خاص	کراہت کیلئے دلیل خاص ضروری ہے۔ اسی سے

ف: سنت ہدی سنت مؤکدہ کا نام ہے اور سنت زائدہ سنت غیر مؤکدہ کا۔

---

1 اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹

2 ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۱

3 البحرالرائق کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۰۲

4 البحرالرائق کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲

وبذلك يندفع الاشكال لان المكروه تنزيها الذی ثبتت کراهته بالدليل يكون خلاف الاولی ولا يلزم من كون الشیئ خلاف الاولی ان یکون مکروها تنزيها مالم يوجد دليل الکراهة[1]۔	اشکال دفع ہوجاتا ہے اس لئے کہ مکروہ تنزیہی جس کی کراہت دلیل سے ثابت ہے وہ خلاف اولٰی ہے اور کسی شے کے خلاف اولٰی ہونے سے یہ لازم نہیں کہ وہ مکروہ تنزیہی ہو جب تک کہ دلیل کراہت دستیاب نہ ہو۔ (ت)

(۵) کراہت کیلئے اگرچہ تنزیہی ہو ضرور دلیل کی حاجت ہے

کما نص عليه فی الحديقة الندية وغيرها وبيناه فی رشاقة الکلام	(جیسا کہ اس پر حدیقۃ الندیہ وغیرہ کی صراحت موجود ہے اور ہم نے اس کو اس کو رسالہ رشاقۃ الکلام میں بیان کیا ہے۔ت)

اقول: خلافِ سنت ف ہونا خود کراہت پر دلیل شرعی ہے۔

لقوله صلی الله تعالٰی عليه وسلم من رغب عن سنتی فلیس منی[2] رواه الشیخان عن انس ولا بن ماجة عن ام المؤمنين رضی الله تعالٰی عنها فمن لم يعمل بسنتی فليس منی[3] فما مر عن العلامة الشامی من انها قد يعرف بلا دليل خاص كان تضمن ترك	کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو میری سنّت سے روگردانی کرے وہ مجھ سے نہیں، اسے بخاری ومسلم نے حضرت انس سے روایت کیا۔ اور ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ابن ماجہ کی روایت میں ہے جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔ تو وہ کلام جو علامہ شامی سے نقل ہوا مناسب نہیں (وہ کہتے ہیں) کراہت کی معرفت کبھی دلیل خاص کے بغیر ہوتی ہے جیسے یہ کہ وہ کسی

ف: معروضة علی العلامة ش۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲/۲

[2] صحیح البخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۵۷/۲، ۷۵۸، صحیح مسلم کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۴۹/۱

[3] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

واجباً او سنة [1] لیس کما ینبغی ولا نعنی بالخاص خصوص النص فی الجزئی المعین اذلا حاجة الیه قطعا لصحة الاحتجاج بالعمومات والقواعد الشرعیة الکلیة قطعا۔	واجب یا سنت کے ترک پر مشتمل ہو" دلیل خاص سے ہماری مراد یہ نہیں کہ اس معینہ جزئیہ میں کوئی خاص نص ہو اس لئے کہ اس کی حاجت قطعاً نہیں کیونکہ شریعت کے عمومی احکام اور قواعد کلیہ سے بھی استدلال بلاشبہ درست ہے۔

(۶) یہ نفیس فـ۱ جلیل تفرقے مقتضائے تقسیم عقلی واقتضائے نفس لفظ کراہت وقضیہ تفرقہ احکام ہیں نہ کہ نری اصطلاح اختیاری کہ جس کا جو چاہا نام رکھ لیا،

کما قاله المحقق فی الحلیة ان هذا امر یرجع الی الاصطلاح والتزامه لیس بلازم [2] اھ ونقل قبیله عن اللامشی فی حد المکروه وهو مایکون ترکه اولی من فعله وتحصیله اھ ثم قال اعلم ان المکروه تنزیها مرجعه الی ماهو خلاف الاولی والظاهر انهما متساویان کما اشار الیه اللامشی [3] اھ وتبعه فی ردالمحتار۔	جیسا کہ محقق نے حلیہ میں لکھا کہ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جس کا مرجع اصطلاح ہے اور اس کا التزام کوئی ضروری نہیں اھ۔ اور اس سے کچھ پہلے لامشی سے تعریف مکروہ میں نقل کیا کہ یہ وہ ہے جس کا نہ کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہے اھ۔ پھر لکھا کہ واضح ہو کہ مکروہ تنزیہی کا مرجع خلاف اولٰی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے جیسا کہ لامشی نے اس کی طرف اشارہ کیا اھ اس کلام پر علامہ شامی نے بھی ردالمحتار میں ان کا اتباع کیا۔ (ت)

(۷) مشہور فـ۲ احکام خمسہ ۵ ہیں ۱واجب، ۲مندوب، ۳مکروہ، ۴حرام، ۵مباح وبه بدء فی

فـ۱: تطفل علی الحلیة وش۔

فـ۲: احکام شرعیہ پانچ نہ سات نہ نو بلکہ گیارہ ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۲۹

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ کتاب الطہارۃ مستحبات الوضوء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۴

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسلم الثبوت (اسی کو مسلم الثبوت میں پہلے نمبر پر بیان کیا۔ ت) یہ مذہب شافعیہ سے الیق ہے کہ اُن کے یہاں واجب و فرض میں فرق نہیں

والیه اشار تبعاً للتحریر فی التحریر بقوله بعده والحنفیة لاحظوا حال الدال الخ [1]	اور اسی کی طرف مسلم میں اس کے بعد محقق ابن الہمام کی تحریر الاصول کی تبعیت میں یہ کہہ کر اشارہ کیا کہ حنفیّہ نے دلیل کی حالت کا اعتبار کیا ہے الخ۔

اور بعض نے برعایت مذہب حنفی فرض وواجب اور حرام ومکروہ تحریمی کو تقسیم میں جدا جدا اخذ کرکے سات قرار دئے وبه ثنی فی المسلم (اور اسی کو مسلم الثبوت میں دوسرے نمبر پر بیان کیا (ت) بعض نے فرض، واجب، سنّت، نفل، حرام، مکروہ، مباح یوں سات گنے۔

وعلیه مشی فی التنقیح وتبعه مولی خسرو فی مرقاة الوصول والعلامة الشمس محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع۔	اسی پر صدر الشریعہ تنقیح میں چلے ہیں اور ملّا خسرو نے مرقاۃ الوصول میں اور علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناری نے اصول البدائع میں تنقیح کی پیروی کی ہے۔

بعض نے سنت میں سنت ہدی وسنت زائدہ اور مکروہ میں تحریمی و تنزیہی قسمیں کرکے نو شمار کیے۔

کمانص علیه الفناری فی اخر کلامه ویشیر الیه کلام التوضیح۔	جیسا کہ فناری نے آخر کلام میں اس کی صراحت کی ہے اور کلام توضیح میں اس کی جانب اشارہ ہے۔ (ت)

اقول: تقسیم ف۱ اول میں کمال اجمال اور مذہب شافعی سے الیق ہونے کے علاوہ صحت مقابلہ اس پر مبنی کہ ہر مندوب کا ترک مکروہ ہو وقد علمت انه خلاف التحقیق (تُو نے جان لیا یہ خلافِ تحقیق ہے۔ ت) نیز سنّت ومندوب ف۲ میں فرق نہ کرنا مذہب حنفی وشافعی کسی کے مطابق نہیں۔ یہی ف۳ دونوں کمی تقسیم دوم میں بھی ہیں، سوم وچہارم میں عدم مقابلہ بدیہی کہ سوم ف۴ میں جانبِ فعل چار چیزیں ہیں اور جانبِ ترک دو۔ چہارم ف۵ میں جانبِ فعل پانچ ہیں اور جانب ترک تین۔ پھر

ف۱: تطفل علی المشهور۔ ف۲: تطفل اٰخر علیه۔ ف۳: معروضتان علی مسلم الثبوت۔

ف۴: تطفل علی التوضیح والمولٰی خسرو۔ ف۵: تطفل علی الشمس الفناری۔

---

[1] مسلم الثبوت الباب الثانی فی الحکم مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳

جانب ترک بسط ف۱ اقسام کرکے تصحیح مقابلہ کیجئے تو اُسی مقابلہ نفل وکراہت سے چارہ نہیں مگر بتوفیق اللہ تعالٰی تحقیق فقیر سب خللوں سے پاک ہے، اُس نے ظاہر کیا کہ بلکہ احکام گیارہ ہیں پانچ جانبِ فعل میں متنازلًا فرض[۵] واجب[۴] سنّت مؤکدہ[۳] غیر مؤکدہ[۲] مستحب[۱] اور پانچ جانبِ ترک میں متصاعدًا خلاف[۱] اولی[۲] مکروہ تنزیہی[۳] اساءت[۴] مکروہ تحریمی[۵] حرام جن میں میزان مقابلہ اپنے کمال اعتدال پر ہے کہ ہر ایک اپنے نظیر کا مقابل ہے اور سب کے بیچ میں گیارھواں مباح خالص۔ اس تقریر منیر کو حفظ کرلیجئے کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی اور ہزارہا مسائل میں کام دے گی اور صدہا عقدوں کو حل کرے گی کلمات اس کے موافق مخالف سب طرح کے ملیں گے مگر بحمد اللہ تعالٰی اس سے متجاوز نہیں فقیر طمع رکھتا ہے کہ اگر حضور سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور یہ تقریر عرض کی جاتی ضرور ارشاد فرماتے کہ یہ عطر مذہب وطراز مذہّب ہے **والحمد للہ ربّ العٰلمین**۔ اس تحقیق انیق کے بعد قول سوم ہرگز دوم کی طرف راجع ہوکر منتفی نہیں بلکہ وہی من حیث الروایۃ سب سے اقوی ہے کہ خاص نص ظاہر الروایۃ کا مقتضی ہے۔

تنبیہ: (۴) علامہ عمر نے جبکہ قول چہارم اختیار فرمایا امام اجل قاضی خان وغیرہ کا ترک اسراف کو سنّت فرمانا بھی اسی طرف راجع کرنا چاہا کہ سنّت سے مراد مؤکدہ ہے اور اُس کا ترک مکروہ تحریمی۔

اقول: اقوال بعض متاخرین میں ف۲ اُس کی تائیدوں کا پتا چلے گا۔ بحر الرائق ف۳ آخر مکروہات الصلوۃ پھر ردالمحتار میں ہے:

السنة اذا کانت مؤکدة قویة لایبعد ان یکون ترکها مکروها کراهة تحریم کترك الواجب[1]۔	سنّت جب مؤکدہ قوی ہو تو بعید نہیں کہ اس کا ترک واجب کی طرح مکروہ تحریمی ہو۔ (ت)

ابوالسعود علی مسکین پھر طحطاوی علی الدرالمختار صدر مکروہاتِ نماز میں ہے:

الفعل اذا کان واجبا اومافی حکمه	فعل جب واجب ہو یا واجب کے حکم

ف۱: تطفل اٰخر علی ھٰؤلاء الثلثۃ۔

ف۲: تطفل علی النھر۔

ف۳: **مسئلہ:** سنت مؤکدہ کا ترک ایک آدھ بار مورث عتاب ہے مگر گناہ نہیں ہاں ترک کی عادت کرے تو گناہ گار ہوگا اور اس بارے میں دفع اوہام وتوفیق اقوال علماء کرام۔

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۱، ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۹/۱، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیہا المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲۷۶/۱

من سنة الهدٰی ونحوها فالترك یکرہ تحریما وان کانت سنة زائدة اومافی حکمها من الادب ونحوہ یکرہ تنزیها[1] اھ اقول اوّلا تبعا القهستانی ف۱ فانه ذکرہ ثمه ولم ینقله عن احد بل زعم ان کلامهم یدل علیه فما کان للسید الازهری ان یسوقه مساق المنقول۔ وثانیا: لا یدری ف۲ ماذا اراد بنحوها فالحکم لایسلم له فی السنة المؤکدة مالم یتعود بالترك ففیم یثبت بعدها وهل تری قائلا به احدا۔	میں ہو جیسے سنتِ ہدٰی وغیرہا تو اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے اور اگر سنت زائدہ ہو یا وہ ہو جو اُس کے حکم میں ہے یعنی ادب اور اس کی مثل تو اس کا ترک مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت) اقول اوّلا: ان دونوں حضرات (ابو سعود وطحطاوی) نے قہستانی کی پیروی کی ہے۔ قہستانی نے یہ بات مکروہات نماز کے شروع میں ذکر کی اور اسے کسی سے نقل نہ کیا بلکہ یہ دعوی کیا کہ کلام علماء اس پر دلالت کرتا ہے۔ تو سید ازہری کو یہ نہ چاہیے تھا کہ اسے اس طرح ذکر کریں جیسے وہ کوئی منقول قاعدہ ہے۔ ثانیا سنت ہدی کے بعد: "اور اس کے مثل" کہا پتا نہیں اس سے کیا مراد ہے خود سنت موکدہ کو واجب کا حکم نہیں ملتا جب تک کہ اس کے ترک کی عادی نہ ہو پھر اس کے بعد کس چیز میں وہ حکم ثابت ہوگا کیا اس کا بھی کوئی قائل مل سکتا ہے؟

کشف بزدوی و تحقیق علی الحسامی بحث عزیمت ورخصت میں اصول امام ابوالیسر فخر الاسلام بزدوی سے ہے:

ف۱: معروضة علی السید ابی السعود۔

ف۲: معروضة علی القهستانی والسیدین ابی السعود وط۔

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیها المکتبة العربیه کوئٹہ ۱/ ۲۷۰، ۲۶۹، فتح المعین کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۱

حکم السنة ان یندب الی تحصیلها ویلام علی ترکها مع لحوق اثم یسیر [1]۔	سنت کاحکم یہ ہے کہ اس کی بجاآوری کی دعوت ہو اور اس کے ترک پر ملامت ہو ساتھ میں کچھ گناہ بھی لاحق ہو۔(ت)

درمختار صدر حظر میں ہے:

یأثم بترك الواجب ومثله السنة المؤکدة [2]۔	ترک واجب سے گناہگار ہوگا اور اسی کے مثل سنت مؤکدہ بھی ہے۔(ت)

مگر صحیح وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر آئے کہ سنتِ مؤکدہ کا ایک آدھ بار ترک گناہ نہیں ہاں بُرا ہے اور عادت کے بعد گناہ و ناروا ہے۔

اقول: وهذا ان شاء الله تعالی سرقول الامام الاجل فخرالاسلام ان تارك السنة المؤکدة یستوجب اساءة [3] ای بنفس الترك وکراهة ای تحریمیة ای عند الاعتیاد اذهی المحل عند الاطلاق ولهذا قال الامام عبدالعزیز فی شرحه ان الاساءة دون الکراهة [4] واکتفی فی السنة الزائدة بنفی الاساءة لان نفی الادنی یدل علی نفی الاعلی بالاولی وحیث ان الکراهة التنزیهیة ادنی من	**اقول:** اور یہی ان شاء اللہ تعالٰی امام الاجل فخر الاسلام کے اس ارشاد کا رمز ہے کہ "سنت مؤکدہ کا تارک اساءت کا مستحق ہے" یعنی نفس ترک سے "اور کراہت کا" مستحق ہے یعنی کراہت تحریمیہ کا، جب کہ عادت ہو اس لئے کہ مطلق بولنے کے وقت کراہت تحریمیہ ہی مراد ہوتی ہے۔ اس لئے امام عبد العزیز بخاری نے اپنی شرح میں فرمایا کہ: اساءت کا درجہ کراہت سے نیچے ہے اور سنت زائدہ میں نفی اساءت پر اکتفا کی اس لئے کہ ادنی کی نفی سے اعلٰی کی نفی بدرجہ اولٰی معلوم ہوجائے گی۔ اور چونکہ کراہت تنزیہیہ اساءت سے ادنٰی ہے تو

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹

[4] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب العزیمۃ والرخصۃ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۱۰

الاساءۃ فنفی الاعلی لایستلزم نفی الادنی ولذا ذکر توجہ اللائمۃ حکم ترک مطلق السنۃ ثم قسمھا قسمین وفرق بلزوم الاساءۃ وعدمہ فتحصل ان المؤکدۃ وغیرھا تشترکان فی توجہ الملام علی الترک وتتفارقان فی ان ترک المؤکدۃ اساءۃ وبعد التعود کراھۃ تحریم ولیس فی ترک غیرھا الاکراھۃ التنزیہ ولعمری ان اشارات ھذا الامام الھمام ادق من ھذا حتی لقبوہ ابا العسر واخاہ الامام صدر الاسلام ابا الیسر۔	اعلٰی کی نفی سے ادنٰی کی نفی لازم نہ آئے گی اس لئے مستحق ملامت ہونا مطلق سنت کے ترک کا حکم بتایا پھر سنت کی دو قسمیں کیں اور اساءت لازم آنے اور نہ لازم آنے سے دونوں میں فرق کیا تو حاصل یہ نکلا کہ سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ دونوں اس حکم میں مشترک ہیں کی ترک پر ملامت ہوگی اور دونوں آپس میں یوں جداجدا ہیں کہ مؤکدہ کا ترک اساءت اور عادت کے بعد کراہت تحریم ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک میں صرف کراہت تنزیہ ہے بخدا اس امام ہمام کے ارشادات اس سے بھی زیادہ دقیق ہوتے ہیں یہاں تک کہ علماء نے انہیں "ابوالعسر" اور ان کے برادر امام صدرالاسلام کو "ابوالیسر" کالقب دیا۔(ت)

جہاں جہاں کلمات علماء میں اُس پر حکم اثم ہے اُس سے مراد بحال اعتیاد ورنہ اُس میں اور واجب میں فرق نہ رہے۔

اقول: ف۱ والفرق بتشکیک الاثم کما لجاء الیہ فی البحر لایجدی لان التشکیک حاصل فی الواجبات انفسھا۔	**اقول:** اور گناہ کی تشکیک سے فرق جیسا کہ بحر میں اس کا سہارا لیا ہے کارآمد نہیں اس لئے کہ تشکیک تو خود واجبات میں بھی حاصل ہے (اسی میں کم درجہ کا گناہ ہے اسی میں اس سے سخت)۔ت

اور جب اُس کا مطلق ترک گناہ نہیں تو مکروہ تحریمی بے عادت نہیں ہوسکتا کہ ہر مکروہ تحریمی ف۲ گناہ ومعصیت صغیرہ ہے۔

ردالمحتار صدر واجبات صلٰوۃ میں ہے:

صرح العلامۃ ابن نُجیم فی رسالتہ	علامہ ابن نجیم نے بیان معاصی سے متعلق اپنے

ف۱: تطفل علی البحر۔ ف۲: مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے۔

ا المؤلفة فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر [1]۔	رسالہ میں تصریح فرمائی ہے کہ ہر مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے۔(ت)

منیہ میں ہے:

لایترک ف رفع الیدین ولو اعتاد یاثم [2]۔	تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھانا ترک نہ کرے اگر ترک کی عادت کرے تو گنہگار ہوگا(ت)

غنیہ میں ہے:

لانہ سنۃ مؤکدۃ اما لو ترکہ بعض الاحیان من غیر اعتیاد لایاثم وھذا مطرد فی جمیع السنن المؤکدۃ [3]۔	اس لئے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے لیکن اگر بغیر عادت کے کسی وقت ترک کردیا تو گناہگار نہ ہوگا اور یہ حکم تمام سنن مؤکدہ میں ہے۔(ت)

حلیہ میں کلام مذکور امام الیسر کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

وھو حسن لکن بعد وجود الدلیل الدال علی لحوق الاثم لتارك السنۃ بمجرد الترك لھا ولیس ذلك بالسھل الواضح [4]۔	یہ کلام عمدہ ہے مگر اس کے بعد تارک سنت کے لئے محض ترک سے ہی گناہ لاحق ہونے پر دلالت کرنے والی دلیل مل جائے اور یہ بہت آسان نہیں۔(ت)

ردالمحتار سُنن صلاۃ میں نہر الفائق سے بحوالہ کشف کبیر کلام امام ابی الیسر نقل کرکے فرمایا:

فی شرح التحریر المراد الترك بلا عذر علی سبیل الاصرار وفی شرح الکیدانیۃ عن الکشف قال محمد فی المصرین علی ترك السنۃ بالقتال وابو یوسف بالتادیب اھ	شرح تحریر میں ہے کہ ترک سے مراد بلا عذر ترک بطور اصرار ترک کرنا اور شرح کیدانیہ میں کشف سے ہے امام محمد نے ترک سنت پر قتال کا اور امام ابو یوسف نے تادیب کا حکم دیا اھ تو

ف: مسئلہ: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنت مؤکدہ ہے ترک کی عادت سے گناہ گار ہوگا ورنہ مکروہ ضرور۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۰۶

[2] منیۃ المصلی فصل فی صفۃ الصلوۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۷۸

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صفۃ الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۰

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فیتعین حمل الترك علی الاصرار توفیقا بین کلامھم[1]۔	متعین ہے کہ ترک کو اصرار پر محمول کیا جائے تاکہ ان حضرات کے کلام میں تطبیق ہوجائے (ت)

اُسی میں ہے:

کونہ سنۃ مؤکدۃ لایستلزم الا ثم بترکہ مرۃ واحدۃ بلا عذر فیتعین تقیید الترك بالاعتیاد[2]۔	اُس کا سنّت مؤکدہ ہونا اسے مستلزم نہیں بلاعذر ایک بار ترک سے بھی گناہ گار ہوجائے گا تو متعین ہے کہ ترک کے ساتھ عادت کی قید لگائی جائے۔(ت)

اُسی کے ف۱ سنن وضوء میں در بارہ نیت ہے:

یاثم بترکھا اثما یسیرا کما قدمنا عن الکشف والمراد الترك بلا عذر علی سبیل الاصرار کما قدمنا عن شرح التحریر وذلك لانھا سنۃ مؤکدۃ کما حققہ فی الفتح[3]۔	نیت وضو کے ترک سے کچھ گناہ گار ہوگا جیسا کہ کشف کے حوالے سے ہم نے سابقا نقل کیا اور مراد یہ ہے کہ بلاعذر بطور اصرار ترک کرے جیسا کہ شرح التحریر کے حوالے سے ہم نے پہلے لکھا یہ اس لئے جیسا کہ فتح القدیر میں تحقیق کی کہ وضو میں نیت سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

حکی فی الخلاصۃ خلافافی ترکہ (ای ترك رفع الیدین عند التحریمۃ) قیل یاثم وقیل لاقال والمختار ان اعتادہ اثم لاان کان احیانا انتھی وینبغی ان نجعل	خلاصہ میں اس کے ترک پر اختلاف منقول ہے (یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کے ترک پر) ایک قول ہے گنہگار ہوگا اور ایک ہے کہ نہیں ہوگا، اور مختار یہ ہے کہ اگر عادت بنالی ہے تو گنہگار

ف۱: مسئلہ: وضو میں نیت نہ کرنے کی عادت سے گناہ گار ہوگا اس میں نیت سنت مؤکدہ ہے۔)

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۹

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ سنن الوضو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۳

شقی ھذا القول محمل القولین فلا اختلاف ولا اثم لنفس الترك بل لان اعتیادہ للاستخفاف والا فمشكل اویكون واجبا[1]۔	ہوگا۔ اگر احیانا ہو تو نہ ہوگا انتہی اور مناسب ہے کہ اس قول کی دونوں شقوں کو دونوں قولوں کا محمل بنالیا جائے تو نہ تو اختلاف ہوگا اور نہ ہی گناہ ہوگا نفس ترک میں، بلکہ صرف عادت بنالینے کی صورت میں ہوگا کہ اس میں استخفاف کا پہلو نکلتا ہے ورنہ مشکل ہے، یا پھر وہ چیز واجب ہو۔ (ت)

دُرمختار میں ہے:

الجماعة سنة مؤكدة للرجال وقیل واجبة وعلیه العامة ثمرته تظهر فی الاثم بتركها مرة[2]۔	جماعت مردوں کیلئے سنت مؤکدہ ہے، اور کہا گیا واجب ہے، اور عامہ علماء اور ثمرہ اختلاف ایک بار ترک سے گناہگار ہونے سے حکم میں ظاہر ہوگا۔ (ت)

اُسی کے سُنَنِ وضو میں ہے:

وتثلیث ف۱ الغسل المستوعب ولا عبرة ف۲ للغرفات ولو اكتفی بمرة ان اعتادہ	تین بار اس طرح دھونا کہ ہر مرتبہ پورے عضو کا احاطہ ہو جائے اس میں چلوؤں کی تعداد کا اعتبار نہیں

ف۱: مسئلہ: طہارت میں ہر عضو کا پورا تین بار دھونا سنت موکدہ ہے ترک کی عادت سے گناہ گار ہوگا

ف۲: مسئلہ: پانی ڈالنے کی گنتی معتبر نہیں جتنا دھونے کا حکم ہے اس پر پورا پانی بہہ جانا معتبر ہے مثلاً ہاتھ پر ایک بار پانی ڈالا کہ تہائی کلائی پر بہا باقی پر بھیگا ہاتھ پھیرا دوبارہ دوسری تہائی دھلی سہ بارہ تیسری۔ تو یہ ایک ہی بار دھونا ہوا ہر بار پورے ہاتھ پر کہنی سمیت پانی ذرہ ذرہ پر بہتا تو تین بار ہوتا اس طرح دھونے کی عادت سے گناہ گار ہوگا اور اگر سو بار پانی ڈالا اور ایک ہی جگہ بہا کچھ حصے کسی دفعہ نہ بہا اگرچہ بھیگا ہاتھ پھیرا تو وضو ہی نہ ہوگا۔

---

1 فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

2 الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

اثم والالا [1]۔	اگرایک بار دھونے پر اکتفا کی توبصورت عادت گنہگار ہے ا ورعادت نہ ہو تونہیں۔(ت)

خلاصہ میں ف۱ ہے:

ان توضأ مرة مرة ان فعل لعزة الماء لعذر البرد اولحاجة لایکرہ وکذا ان فعله احیانا اما اذا اتخذ ذلك عادة یکرہ [2] اھ **اقول:** ای تحریما لانه سنة مؤکدة وھی محمل الاطلاق والمنفیة عن فعله احیانا من دون عذر۔	اگرایک بار وضو کیااس وجہ سے کہ پانی کم یاب ہے یاٹھنڈک لگنے کاعذر یاکوئی حاجت ہے تومکروہ نہیں اسی طرح اگراحیانا ایساکیالیکن جب اسے عادت بنالے تومکروہ ہے اھ۔ **اقول:** یعنی مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ وہ سنت مؤکدہ ہے اور کراہت مطلق بولنے سے یہی مراد ہوتی ہے اور بلاعذر احیانا کرنے سے جس کراہت کی نفی کی گئی ہے اس سے بھی یہی تحریمی مراد ہے(ت)

اس کے نظائر کثیر وافر ہیں،

فلا نظر الی ماوقع فی البحر صدر سنن الصلاۃ وقدردہ فی ردالمحتار ببعض ماذکرنا ھنا وبالله التوفیق۔	تو وہ قابل توجہ نہیں جو بحر میں سنن نماز کے شروع میں تحریر ہے اور ردالمحتار میں یہاں ہمارے ذکر کردہ بعض کلام کے ذریعہ اس کی تردید بھی کردی ہے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔(ت)

خُوبتر یہ ف۲ ہے جب ہمارے مشائخ عراق نے جماعت کو واجب اور مشائخ خراسان نے سنتِ مؤکدہ فرمایا

ف۱: اگر پانی کم ہے یاسردی سخت ہےاور کسی ضرورت کے لئے پانی درکار ہےاس وجہ سے اعضاایک ایک بار دھوئے تومضائقہ نہیں۔

ف۲: تطفل علی النھر۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارات الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۲

اور مفید میں یوں تطبیق دی کہ واجب ہے اور اُس کا ثبوت سنت سے خود علامہ عمر نے نہر میں اسے نقل کرکے فرمایا:

هذا يقتضى الاتفاق على ان تركها (مرة) بلا عذر يوجب اثما مع انه قول العراقيين والخراسانيين على انه يأثم اذا اعتاد الترك كما في القنية [1] اھ	اس کا مقتضا یہ ہے بلاعذر ایک بار ترک کرنے سے گناہ گار ہونے پر اتفاق ہو حالاں کہ یہ مشائخ عراق کا قول ہے، اور اہل خراسان یہ کہتے ہیں کہ جب ترک کی عادت ہو تو گناہ گار ہوگا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔(ت)

فائدہ: اس مسئلہ پر باقی کلام اور سنت کی تعریف واقسام اور سنّت غیر مؤکدہ کی تحقیق احکام اور اُس کا مستحب سے فرق اور مکروہ تحریمی و تنزیہی کی بحث جلیل اور یہ کہ مکروہ تنزیہی اصلاً گناہ نہیں اور یہ کہ مکروہ تحریمی مطلقاً گناہ ہے اور یہ کہ وہ بے اصرار ہرگز کبیرہ نہیں اور ان مسائل میں فاضل لکھنوی کی لغزشوں کا بیان یہ سب ہمارے رسالہ ۲۷ **بسط الیدین فی السنۃ والمستحب والمکروھین** میں ہے **وباللہ التوفیق۔**

تنبیہ ۵: جبکہ علّامہ عمر نے کراہت تحریم کا استظہار کیا علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں تو اُن کا کلام مقرر رکھا مگر ردالمحتار میں رائے جانب کراہت تنزیہ گئی لہٰذا دلائل تحریم کا جواب دینا چاہا۔ علامہ عمر نے تین دلیلیں پیش فرمائی تھیں:

(۱) کلامِ امام زیلعی میں کراہت کو مطلق رکھنا۔

(۲) اسراف سے نہی کی حدیثوں کا مطلق یعنی بے قرینہ صارفہ ہونا۔

(۳) منتقی میں اُسے منہیات سے گننا۔

علّامہ شامی نے **اوّل** کا یہ جواب دیا کہ مطلق کراہت ہمیشہ تحریم پر محمول نہیں

کما ذکرنا انفا [2] اھ واشاربه الی ماقدمه قبل هذا بصفحة عن البحران المکروه نوعان احدهما ما کره تحریما وهو	جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا اھ (ردالمحتار) اس سے ان کا اشارہ اس کلام کی طرف ہے جو اس سے ایک صفحہ پہلے بحر کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ مکروہ کی دو قسمیں ہیں ایک مکروہ تحریمی ۔۔۔ یہی مطلق

[1] النہرالفائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

المحمل عند اطلاقهم الكراهة كما في زكاة فتح القدير ثانيهما المكروه تنزيها وكثيرا مايطلقونه كما شرح المنية۔[1]	کراہت بولنے کے وقت مراد ہوتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں کتاب الزکوۃ میں ہے۔۔۔ اور دوسری قسم مکروہ تنزیہی۔۔۔ اور بارہا اسے بھی مطلق بولتے ہیں جیسا کہ منیہ کی شرح میں ہے۔(ت)

اقول: ف۱ اس میں کلام نہیں کہ فقہاء بارہا ف۲ کراہت مطلق بولتے اور اُس سے خاص مکروہ تنزیہی یا تنزیہی و تحریمی دونوں کو عام مراد لیتے ہیں مگر یہ وہاں ہے کہ ارادہ کراہت تحریم سے کوئی صارف موجود ہو مثلاً دلیل سے ثابت یا خارج سے معلوم ہو کہ جسے یہاں مطلق مکروہ کہا مکروہ تحریمی نہیں یا جو افعال یہاں گنے اُن میں مکروہ تنزیہی بھی ہیں **كما يفعلونه في مكروهات الصلاة** (جیسے مکروہات نماز میں ایسا کرتے۔ت) بے قیام دلیل ہمارے مذہب میں اصل وہی ارادہ کراہت تحریم ہے **كما مر عن نص المحقق على الاطلاق وكتب المذهب طافحة بذلك** (جیسا کہ نص محقق علی الاطلاق کی تصریح گزری اور کتب مذہب اس کے بیان سے لبریز ہیں۔ ت) تو کراہت تنزیہ کی طرف پھیرنا ہی محتاج دلیل ہے ورنہ استدلال نہر تام ہے اب یہ جواب دلیل دوم کی جواب سے محتاج تکمیل ہوا اور اُسی کی تضعیف بھی جلوہ نما۔ دوم سے یہ جواب دیا کہ صارف موجود ہے مثلاً جس نے آبِ نہر سے وضو میں اسراف کیا اگر اُسے سنت نہ جانا تو ایسا ہوا کہ نہر سے کوئی برتن بھر کر اُسی میں اُلٹ دیا اس میں کیا محذور ہے سوا اس کے کہ ایک عبث بات ہے۔

اقول: ف۳ اس کا مبنٰی اُسی خیال پر ہے کہ علّامہ نے قول اول وچہارم کو ایک سمجھا ہے ورنہ قول چہارم میں لب نہر اسراف کی تحریم کہاں اور ماورا میں کہ پانی کی اضاعت ہے صارف کیا۔

وقد قدمنا مايكفي ويشفي ومنه ف۴ تعلم مافي تعبيره بالوضوء بماء النهر	اس پر ہم کافی وشافی بحث کر چکے ہیں۔ اسی سے وہ نقطہ بھی معلوم ہو جاتا ہے جو "وضو بماء النهر"

ف۱: معروضة على العلامة ش۔

ف۲: اگر فقہا خاص مکروہ تنزیہی یا تنزیہی و تحریمی دونوں سے عام پر اطلاق کراہت فرماتے ہیں مگر اصل یہی ہے کہ اس کے مطلق سے مراد کراہت تحریمی ہے جب تک دلیل سے اسکا خلاف نہ ثابت ہو۔

ف۳: معروضة اخرى عليه۔ ف۴: معروضة ثالثة عليه۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت ۸۹/۱

اما استنادہ الی ان حدیث فمن زاد علی ھذا ونقص فقد تعدی وظلم محمول علی الاعتقاد عندنا کما فی الھدایۃ وغیرھا قال فی البدائع انہ الصحیح حتی لوزاد اونقص واعتقد ان الثلاث سنۃ لایلحقہ الوعید قال وقدمنا انہ صریح فی عدم کراھۃ ذلك یعنی کراھۃ تحریم [1] اھ	سے تعبیر میں ہے رہا ان کا یہ اسناد کہ حدیث "جس نے اس پر زیادتی یا کمی کی تو اس نے حد سے تجاوز اور ظلم کیا" ہمارے نزدیک اعتقاد پر محمول ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہا میں ہے اور بدائع میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے یہاں تک کہ اگر کمی بیشی کی اور اعتقاد یہ ہے کہ تین بار دھونا ہی سنت ہے تو وعید اس سے لاحق نہ ہوگی۔ علامہ شامی نے کہا اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اس میں کراہت یعنی کراہت تحریم نہیں اھ۔
فاقول: لایفید ف ماقصدہ من قصر الحکم علی کراھۃ التنزیہ مطلقا مالم یعتقد خلاف السنۃ کیف ولو کان ترك الاسراف سنۃ مؤکدۃ کما یقولہ النھر کان تعودہ مکروھا تحریما ووقوعہ احیانا تنزیھا والحدیث حاکم علی من زاد مطلقا ای ولو مرۃ بانہ ظالم فلزم تاویلہ بما یجعل الزیادۃ ممنوعۃ مطلقا فحملوہ علی ذلك فمن زاد اونقص	**فاقول:** اس سے وہ فائدہ حاصل نہیں ہوتا جو ان کا مقصد ہے کہ اسراف بہرحال مکروہ تنزیہی ہے جب تک مخالف سنت کا اعتقاد نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر ترک اسراف سنت مؤکدہ ہے۔ جیسا کہ صاحب نہر اس کے قائل ہیں تو اس کی عادت بنالینا مکروہ تحریمی، اور احیانا ہونا مکروہ تنزیہی ہوگا اور حدیث یہ حکم کرتی ہے کہ مطلقًا جو زیادتی کرے خواہ ایک ہی بار وہ ظالم ہے تو اس کی تاویل اس امر سے ضروری ہوئی جو زیادتی کو مطلقًا ممنوع قرار دے اس لیے علما نے اسے اس معنٰی پر محمول

ف: معروضۃ رابعۃ علیہ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مکروہات الوضو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۰

مرة ولم يعتقد لم يلحقه الوعيد ،الا ترى انهم هم الناصون بان من غسل الاعضاء مرة ان اعتاد اثم كما قدمناه عن الدر ومعناه عن الخلاصة وقد صرح به فى الحلية وغيرما كتاب۔ ثم ف العجب انى رأيت العلامة نفسه قدصرح بهذا فى سنن الوضوء فقال"لايخفى ان التثليث حيث كان سنة مؤكدة واصر على تركه ياثم وان كان يعتقده سنة واما حملهم الوعيد فى الحديث على عدم رؤية الثلث سنة كما ياتى فذلك فى الترك ولو مرة بدليل ماقلنا (قال) وبه اندفع مافى البحر من ترجيح القول بعدم الاثم لواقتصر على مرة بانه لواثم بنفس الترك لما احتج الى هذا الحمل اھ واقره فى النهر وغيره وذلك لانه مع عدم الاصرار محتاج اليه فتدبر[1] اھ	کیا۔۔اب جو ایک بار زیاتی یا کمی کرے اور مخالفت کا اعتقاد نہ رکھے تو وعید اسے شامل نہ ہوگی کیا یہ پیش نظر نہیں کہ علماء اس کی تصریح فرماتے ہیں کہ جو اعضاء ایک بار دھوئے اگر اس کا عادی ہو تو گناہ گار جیسا کہ درمختار کے حوالے سے ہم نے بیان کیا اور اسی کے ہم معنی خلاصہ سے نقل کیا اور اس کی تصریح حلیہ وغیرہا متعدد کتابوں میں موجود ہے۔ پھر حیرت یہ ہے کہ میں نے دیکھا علامہ شامی نے سنن وضو کے باب میں خود اس کی تصریح کی ہے وہ لکھتے ہیں مخفی نہیں کہ تین بار دھونا جب بھی ہو سنت مؤکدہ ہے اور جو اس کے ترک پر اصرار کرے گناہ گار ہے اگرچہ اس کے سنت ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو۔اور علماء کا وعید حدیث کو تثلیث کے سنت نہ ماننے پر محمول کرنا جیسا کہ آرہا ہے یہ تو ایک بار ترک کرنے میں بھی ہے جس کی دلیل وہ ہے جو ہم نے بیان کی ۔۔۔آگے لکھا:اسی سے وہ دفع ہو جاتا ہے جو بحر میں صرف ایک بار ترک تثلیث سے گناہگار نہ ہونے کے قول کو یہ کہہ کر ترجیح دی ہے کہ اگر نفس ترک سے گناہ گار ہو جاتا تو حدیث کی یہ تعبیر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اھ اس کلام کو نہر وغیرہ میں برقرار رکھا ہے یہ کلام دفع یوں ہو جاتا ہے کہ عدم اصرار کے باوجود تاویل حدیث کی ضرورت ہے تو اس پر غور کرو اھ۔

ف:معروضة خامسة عليه۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ سنن الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱،۸۰

وقال بعیدہ صریح مافی البدائع انہ لا کراھۃ فی الزیادۃ والنقصان مع اعتقاد سنیۃ الثلث وھو مخالف لما مر من انہ لوا کتفی بمرۃ واعتادہ اثم ولما سیاتی ان الاسراف مکروہ تحریما ولھذا فرع فی الفتح وغیرہ علی القول بحمل الوعید علی الاعتقاد بقولہ فلوزاد لقصد الوضوء علی الوضوء اولطمانیۃ القلب عند الشك اونقص لحاجۃ لا باس بہ فان مفاد ھذا التفریع انہ لو زاد اونقص بلا غرض صحیح یکرہ وان اعتقد سنیۃ الثلث، وبہ صرح فی الحلیۃ فیحتاج الی التوفیق بین مافی البدائع وغیرہ ویمکن التوفیق بما قدمنا انہ اذا فعل ذلك مرۃ لایکرہ مالم یعتقدہ سنۃ وان اعتادہ یکرہ وان اعتقد سنیت الثلث الا اذا کان لغرض صحیح [1] اھ ولکن سبحن من لاینسی۔ **اقول:** وانت تعلم ان الکراھیۃ	اس کے کچھ آگے لکھا ہے بدائع کی تصریح یہ ہے کہ تثلیث کو سنت مانتے ہوئے کم وبیش کر دینے میں کوئی کراہت نہیں ہے، اور یہ اس کے مخالف ہے جو بیان ہوا کہ اگرایک بار دھونے پر اکتفاء کرے اور اس کا عادی ہو تو گنہگار ہوگا اور اس کے بھی خلاف ہے جو آگے آرہا ہے کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے اور اسی لئے فتح القدیر وغیرہ میں وعید کو اعتقاد پر محمول کرنے کے قول پر یہ تفریع کی ہے کہ اگر وضوپر وضو کے ارادے سے یا شک کی حالت میں اطمینان قلب کے لئے زیادتی کی یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ اس تفریع کا مفاد یہ ہے کہ اگر کسی غرض صحیح کے بغیر کمی بیشی کی تو مکروہ ہے اگرچہ تثلیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو اور حلیہ میں اسکی تصریح کی ہے۔تو بدائع اور دوسری کتابوں میں جو مذکور ہے اس کی تطبیق دینے کی ضرورت ہے اور یہ تطبیق اس کلام سے ہو سکتی ہے جو ہم نے پہلے تحریر کیا کہ جب ایک بار ایسا کرے تو مکروہ نہیں جبکہ اسے سنت نہ سمجھے اور اگر اس کا عادی ہو تو مکروہ ہے اگرچہ تثلیث کو سنت مانے مگر جب کسی غرض صحیح کے تحت ہو اھ۔لیکن پاک ہے وہ جسے نسیان نہیں۔ **اقول:** ناظر کو معلوم ہے کہ کبھی ایک بار

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ سنن الوضوء داراحیاء التراث العربی بیروت ۸۱/۱،۸۲

المنفیة فیما اذا نقص مرة ھی التحریمیة کما قدمنا لان ترك السنة المؤکدة مرة واحدة ایضا مکروہ ولولم یکن تحریما وعلی التعود یحمل التفریع المذکور فی الفتح والکافی والبحر وعامة الکتب فان نفی الباس یستعمل فی کراھة التنزیه کما نصوا علیه فاثباته المستفاد ھھنا بالمفھوم المخالف یفید کراھة التحریم۔ ھذا الکلام معه رحمه اللہ تعالٰی بما قرر نفسه وعند العبد الضعیف منشؤ اخر لحمل العلماء الحدیث علی الاعتقاد کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	کمی کردینے پر کراہت کی جو نفی کی گئی ہے اس سے کراہت تحریم مراد ہے جیسا کہ ہم نے سابقا بیان کیا اسلئے کہ سنت مؤکدہ کا ایک بار بھی ترک مکروہ ہے اگرچہ مکروہ تحریمی نہ ہو اور عادت ہونے کی صورت پر وہ تفریع محمول ہوگی جو فتح ،کافی ، بحر میں مذکور ہے اس لئے کہ "لابأس به" (اس میں حرج نہیں) کراہت تنزیہ میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح کی تو "بأس" (حرج) جو یہاں مفہوم مخالف سے مستفاد ہے وہ کراہت تحریم کا افادہ کررہا ہے۔ یہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی کے ساتھ خود انہی کی تقریر و تحریر سے کلام ہوا اور بندہ ضعیف کے نزدیک حدیث کو اعتقاد پر محمول کیے جانے کا منشا دوسرا ہے جیسا کہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی ذکر ہوگا۔

سوم سے یہ جواب دیا کہ مکروہ تنزیہی بھی حقیقۃً اصطلاحا منہی عنہ ہے اگرچہ لغتا اسے منہی عنہ کہنا مجاز ہے کما فی التحریر (ت)

اقول: ف۱ **اولا** رحمہ اللہ تعالٰی العلامۃ یہاں تحریر میں اصطلاح سے امام محقق علی الاطلاق کی مراد اصطلاح نحویاں ہے نہ کہ اصطلاح شرع یا فقہ یعنی جب کہ مکروہ تنزیہی میں صیغہ نہی اور بعض مندوبات میں صیغہ امر ہوتا ہے اور نحوی صیغہ ہی کو دیکھتے ہیں اختلاف معانی سے انہیں بحث نہیں کہ یہاں فعل یا ترک طلب حتمی ہے یا غیر حتمی تو ان کی اصطلاح میں حقیقۃً مندوب مامور بہ ہوگا اور مکروہ تنزیہی منہی عنہ مگر لغۃً ف۲ ان کو مامور بہ اور منہی عنہ کہنا مجاز ہے کہ لغت میں مامور بہ واجب اور منہی عنہ ناجائز

ف ۱: معروضة ثالثه علیه۔

ف۲: مکروہ تنزیہی لغتا و شرعا منہی عنہ نہیں اگرچہ نحویوں کے طور اس میں صیغہ نہی ہو۔

سے خاص ہے اور یہی عرف شرع واصطلاح فقہ ہے تو نحویوں کے طور پر لا تفعل کا صیغہ ہونے سے فقہا کیوں کر منہیات میں داخل ہونے لگا تحریر کی عبارت محل مذکور سابقاً ملخصاً یہ ہے

مسئلة: اختلف فی لفظ المأمور به فی المندوب قیل عن المحققین حقیقة والحنفیة وجمع من الشافعیة مجاز ویجب کون مراد المثبت ان الصیغة فی الندب یطلق علیها لفظ امر حقیقة بناء علی عرف النحاة فی ان الامر للصیغة المقابلة للماضی واخیه مستعملة فی الایجاب اوغیرہ فالمندوب مأمور به حقیقة والنافی علی ماثبت ان الامر خاص فی الوجوب والاول (ای نفی الحقیقة) اوجه لابتنائه علی الثابت لغة وابتناء الاول علی الاصطلاح (للنحویین) ومثل هذه المکروہ (تنزیها) منهی (عنه) اصطلاحا (نحویا) حقیقةً مجاز لغة (لان النهی فی الاصطلاح یقال علی لاتفعل استعلاء سواء کان للمنع الحتم اولا اما فی اللغة فیمتنع ان یقال حقیقة نهی عن کذا الا اذا منع منه) [1] اھ مزید	**مسئلہ:** مندوب کے بارے میں لفظ ماموبہ کے بارے میں اختلاف ہے کہا گیا کہ محققین سے منقول ہے کہ وہ حقیقۃً مامور بہ ہے۔ اور حنفیہ اور ایک جماعت شافعیہ سے منقول ہے کہ مجازاً ہے۔ ضروری ہے کہ مثبت کی مراد یہ ہو کہ ندب میں جو صیغہ ہوتا ہے اس پر لفظ امر حقیقتاً بولا جاتا ہے اس بنیاد پر کہ نحویوں کا عرف یہ ہے کہ امر اس صیغہ کو کہتے ہیں جو ماضی ومضارع کے مقابلے میں ہوتا ہے یہ ایجاب یا غیر ایجاب میں استعمال ہوتا ہے تو مندوب بہ حقیقۃً مامور بہ اور نافی اس پر ہے جو ثابت ہوا کہ امر وجوب میں خاص ہے اور اول (یعنی نفی حقیقت) اوجہ ہے اسلئے کہ وہ اس پر مبنی ہے جو لغتاً ثابت ہے اور پہلے کی بنیاد (نحویوں کی) اصطلاح پر ہے اور اسی کی طرح مکروہ (تنزیہی) بھی (نحوی) اصطلاح میں حقیقتاً منہی عنہ ہے اور لغت میں مجازاً اس لئے کہ اصطلاح میں نہی کا اطلاق بطور استعلاء "**لاتفعل**" (مت کر) پر ہوتا ہے خواہ منع حتمی ہو یا نہ ہو لیکن لغت میں حقیقتاً یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں کام سے نہی کی مگر اسی وقت جب کہ اس سے اسی وقت منع کردیا ہو۔ اھ ہلالین کے

[1] التحریر فی اصول الفقہ المقالۃ الثانیۃ الباب الاول مصطفی البابی مصر ص ۲۵۵ تا ۲۵۷، التقریر والتحبیر المقالۃ الثانیۃ الباب الاول دار الفکر بیروت ۲ /۱۹۰۔۱۹۱

امابین الاھلۃ من شرحہ التقریر والتحبیر لتلمیذہ المحقق ابن امیر الحاج رحمھما اللہ تعالٰی۔	درمیان اضافہ محقق علی الاطلاق کے شاگرد (یعنی محقق ابن امیر الحاج) کی شرح التقریر والتحبیر سے ہیں۔

ثانیاً اقول: اگر مکروہ ف۱ تنزیہی شرعاً حقیقۃً منہی عنہ ہوتا واجب الاحتراز ہوتا **لقولہ تعالٰی وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**[1] (کیونکہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے اور تمہیں جس چیز سے روکیں اس سے باز آجاؤ۔) تو مکروہ تنزیہی نہ رہتا بلکہ حرام یا تحریمی ہوتا اور ہم نے اپنے رسالہ **جمل مجلیۃ ان المکروہ ۱۳۰۴ھ تنزیھا لیس بمعصیۃ** میں دلائل قاہرہ قائم کئے ہیں کہ وہ ہرگز شرعاً منہی عنہ نہیں۔

ثالثاً: خود علّامہ ف۲ شامی کو جابجا اس کا اعتراف ہے کلام حلیہ **الظاھر ان السنۃ فعل المغرب فورا وبعدہ مباح الی اشتباك النجوم** (ظاہر یہ ہے کہ مغرب کی ادائیگی فوراً مسنون اور اسکے بعد ستاروں کے باہم مل جانے تک مباح ہے۔ت) نقل کرکے فرمایا:

الظاھر انہ اراد بالمباح مالایمنع فلا ینافی کراھۃ التنزیہ[2]۔	ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے مباح سے وہ مراد لیا ہے جو ممنوع نہ ہو تو یہ مکروہ مکروہ تنزیہی ہونے کے منافی نہیں۔ (ت)

آخر کتاب الاشربہ میں سید علّامہ ابوالسعود سے نقل کیا:

المکروہ تنزیھا یجامع الاباحۃ[3] اھ	(مکروہ تنزیہی مباح کے ساتھ جمع ہوتا ہے۔ت)

رابعاً و خامساً اقول: ف۳ عجب تر یہ کہ صدر حظر میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع بتایا کہ مکروہ تنزیہی ممنوع نہیں۔

ثم ادعی ف۴ تبعا لزلۃ وقعت فی	پھر تلویح میں واقع ہونے والی ایک لغزش کی

ف۱: معروضۃ سابعۃ علیہ۔ ف۲: معروضۃ ثامنۃ علیہ۔ ف۳ معروضۃ تاسعۃ علیہ۔ ف۴: معروضۃ عاشرۃ علیہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۴۶

[3] ردالمحتار کتاب الاشربہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۹۶

التلویح واقمنا فی رسالتنا بسط الیدین الدلائل الساطعة علی بطلانها ونقلنا مائة نص من ائمتنا وکتب مذھبنا متونا وشروحا وفتاوی منها کتب نفس الشامی کردالمحتار ونسمات الاسحار علی خلافها ان المکروہ تحریما ایضا غیر ممنوع عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما وسبحن اللہ ای ا عجب اعجب منهذا ان یکون المکروہ تنزیها منهیا عنه والمکروہ تحریما غیر ممنوع۔	تبعیت میں یہ دعوی کر دیا کہ شیخین (امام اعظم وامام ابو یوسف) رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مکروہ تحریمی بھی ممنوع نہیں خداہی کے لئے پاکی ہے اس سے زیادہ عجیب کون سا عجب ہوگا کہ مکروہ تنزیہی تو منہی عنہ ہو اور مکروہ تحریمی ممنوع نہ ہو ہم نے اس کے بطلان پر اپنے رسالہ بسط الیدین میں روشن دلائل قائم کیے ہیں اوراسکے خلاف سو ۱۰۰ نصوص اپنے آئمہ اور اپنے مذہب کی کتب متون وشروح وفتاوی سے نقل کیے ہیں جن میں خود علامہ شامی کی کتابیں رد المحتار، نسمات الاسحار وغیرہ بھی ہیں۔(ت)

سادسا: عجب تر یہ کہ جب شارح نے جواہر سے آب جاری میں اسراف جائز ہونا نقل فرمایا علامہ محشی نے قول کراہت کے خلاف دیکھ کر اس کی یہ تاویل فرمائی کہ جائز سے مراد غیر ممنوع ہے۔

ففی الحلیة عن اصول ابن الحاجب انه قد یطلق ویراد به مالا یمتنع شرعا وھو یشمل المباح والمکروہ والمندوب والواجب[1]۔	کیونکہ حلیہ میں اصول ابن حاجب سے نقل ہے کہ کبھی جائز بولا جاتا ہے اوراس سے وہ مراد ہوتا ہے جو شرعا ممنوع نہ ہو یہ مباح، مکروہ، مندوب اور واجب سب کو شامل ہے۔(ت) یعنی اب کراہت کے خلاف نہ ہوگا مکروہ تنزیہی بھی شرعًا ممنوع نہیں۔

اقول: ف۱ یہ ایک تواُس دعوے کارد ہوگیا کہ مکروہ تنزیہی بھی حقیقۃً منہی عنہ ہے۔

سابعا: ف۲ اصل تحقیق علّامہ محشی کے خلاف خود قول صاحب نہر کی تسلیم ہو گئی خود علامہ نے جابجا تصریح فرمائی کہ کتب میں مفہوم مخالف معتبر ہے جب عبارت جواہر کے معنے یہ ٹھہرے کہ جاری پانی میں ممنوع

ف۱: المعروضة الحادیة عشرة علیه۔ ف۲: المعروضة الثانیة عشرة علیه۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

نہیں صرف مکروہ تنزیہی ہے تو صاف مستفاد ہوا کہ آب غیر جاری میں ممنوع ومکروہ تحریمی ہے اور یہی مدعائے صاحبِ نہر تھا بالجملہ نہر کی کسی دلیل کا جواب نہ ہوا۔ رہا یہ کہ پھر آخر حکم منقح کیا ہے اس کیلئے **اولا** تحقیق معنی اسراف کی طرف عود کریں پھر تنقیح حکم وباللہ التوفیق۔

تنبیہ ۶: اسراف بلاشبہ ممنوع وناجائز ہے، قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۱۴۱[1]	بیہودہ صرف نہ کرو بیشک اللہ تعالٰی بیہودہ صرف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝۲۶ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝۲۷	مال بیجا نہ اُڑا بیشک بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا۔

اقول: اسراف ف کی تفسیر میں کلمات متعدد وجہ پر آئے:

(۱) غیر حق میں صرف کرنا۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمائی۔

الفریابی وسعید بن منصور وابو بکر بن ابی شیبة والبخاری فی الادب المفرد وابنا جریر والمنذر وابی حاتم والطبرانی والحاکم وصححه والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ لابن جریر کلهم عنه رضی الله تعالی عنه فی قوله تعالی وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا قال التبذیر فی غیر الحق وهو الاسراف[3]۔	فریابی، سعید بن منصور، ابو بکر بن ابی شیبہ ادب المفرد میں، بخاری، ابن جریر، ابن منذر ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم بافادہ تصحیح، شعب الایمان میں بیہقی اور الفاظ ابن جریر کے ہیں۔ یہ سب حضرات عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ارشاد باری تعالٰی "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا" کے تحت راوی ہیں کہ انہوں نے فرمایا تبذیر غیر حق میں صرف کرنا اور یہی اسراف بھی ہے۔ (ت)

ف: اسراف کے معنی کی تفصیل وتحقیق۔

[1] القرآن الکریم ۶/۱۴۱ و ۷/۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/۱۴۱ و ۷/۳۱

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۵

اور اسی کے قریب ہے وہ کہ تاج العروس میں بعض سے نقل کیا: **وضع الشیئ فی غیر موضعہ**[1] یعنی بیجا خرچ کرنا۔

ابن ابی حاتم نے امام مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی:

لوانفقت مثل ابی قبیس ذھبا فی طاعۃ اللہ لم یکن اسرافا ولو انفقت صاعا فی معصیۃ اللہ کان اسرافا[2]۔	اگر تو پہاڑ برابر سونا طاعت الٰہی میں خرچ کردے تو اسراف نہیں اور اگر ایک صاع جو گناہ میں خرچ کرے تو اسراف ہے۔

کسی نے حاتم کی کثرت داد و دہش پر کہا: **لا خیر فی سرف** اسراف میں خیر نہیں۔ اُس نے جواب دیا: **لاسرف فی خیر**[3] خیر میں اسراف نہیں۔

اقول: حاتم کا مقصود تو خدا نہ تھا نام تھا **کما نص علیہ فی الحدیث** (جیسا کہ حدیث میں نص وارد ہے۔ت) تو اس کی ساری داد و دہش اسراف ہی تھی مگر سخائے خیر میں بھی شرع مطہر ف اعتدال کا حکم فرماتی ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿۲۹﴾[4]	باری تعالٰی کا ارشاد ہے اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے باندھا ہوا نہ رکھ اور نہ پورا کھول دے کہ تو بیٹھا رہے ملامت کیا ہوا تھکا ہوا۔(ت)

وقال تعالٰی:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ	اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں نہ حد سے بڑھیں اور

ف: مصارف خیر میں اعتدال چاہیے یا اپنا کل مال یک لخت راہ خدا میں دے دینے کی بھی اجازت ہے اس کی تحقیق۔

---

[1] تاج العروس باب الفا فصل السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۸۱

[2] تفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیہ ۶/ ۱۴۱ مطبع نزار مصطفی البازمکۃ المکرمہ (مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) بحوالہ مجاہد تحت الآیہ ۶/ ۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳/ ۱۷۶، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) بحوالہ مجاہد تحت الآیہ ۶/ ۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳/ ۱۷۶

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) بحوالہ مجاہد تحت الآیہ ۶/ ۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳/ ۱۷۶

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۹

یَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَیْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا۝ [1]	نہ تنگی کریں اوران دونوں کے بیچ اعتدال پر رہیں۔(ت)

آیہ کریمہ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ﳲ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ [2] (اوراس کی کٹائی کے دن اس کا حق دو اور بے جاخرچ نہ کرو۔ت) کی شانِ نزول میں ثابت عــہ بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قصہ معلوم ومعروف ہے رواہا ابن جریر وابن [3] ابی حاتم عن ابن جریج۔اُدھر صحاح کی حدیث جلیل ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدق کا حکم فرمایا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خوش ہوئے کہ اگر میں کبھی ابوبکر صدّیق پر سبقت لے جاؤں گا تو وہ یہی بار ہے کہ میرے پاس مال بسیار ہے اپنے جملہ اموال سے نصف حاضرِ خدمت اقدس لائے۔حضور نے فرمایا:اہل وعیال کیلئے کیا رکھا؟عرض کی اتنا ہی۔اتنے میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر ہوئے اور کل مال حاضر لائے گھر میں کچھ نہ چھوڑا۔ارشاد ہوا:اہل وعیال کیلئے کیا رکھا؟عرض کی:اللہ اوراس کارسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم دونوں میں وہی فرق ہے جو تمہارے ان جوابوں میں۔اور تحقیق یہ ہے کہ عام کیلئے وہی

عــــہ: نیز ایک صاحب انڈے برابر سونا لے کر حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ!میں نے ایک کان میں سے پایا میں اسے تصدق کرتا ہوں اس کے سوا میری ملک میں کچھ نہیں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراض فرمایا،انہوں نے پھر عرض کی،پھر اعراض فرمایا۔پھر عرض کی پھر اعراض فرمایا۔پھر عرض کی،حضور نے وہ سونا ان سے لے کر ایسا پھینکا کہ اگر ان کے لگتا تو درد پہنچاتا یازخمی کرتا اور فرمایا تم میں ایک شخص اپنا پورا مال لاتا ہے کہ یہ صدقہ ہے پھر بیٹھا لوگوں سے بھیک مانگے گا خیر الصدقۃ ماکان عن ظھر غنی۔بہتر صدقہ وہ ہے جس کے بعد آدمی محتاج نہ ہوجائے رواہ ابوداؤد [4] وغیرہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (اس کو ابوداؤد وغیرہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ت) (منہ)

---

[1] القرآن الکریم ۲۵ /۶۷

[2] القرآن الکریم ۶/۱۴۱

[3] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیہ ۶/۱۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۳۱،جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/۷۴

[4] سنن ابی داؤد کتاب الزکاۃ باب الرجل یخرج من مالہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۵،۳۶

حکم میانہ روی ہے اور صدق عــہ توکل وکمال تبتُّل والوں کی شان بڑی ہے۔

عــہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

انفق بلالا ولا تخشی من ذی العرش اقلالا۔ رواہ البزار عن بلال وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر[1] والاوسط والبیھقی فی شعب الایمان عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر کالبزار عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم باسانید حسان۔

اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ (بزاز نے حضرت بلال سے اور ابو یعلی اور طبرانی نے کبیر میں، اور اوسط اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ہریرہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں، جبکہ بزاز نے ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے حسن سندوں کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اس حدیث کا مورد یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کے پاس ایک خرمن خرمہ ملاحظہ فرمایا، ارشاد ہوا: بلال! یہ کیا ہے؟ عرض کی: حضور کے مہمانوں کیلئے رکھ چھوڑا ہے۔ فرمایا: اما تخشی ان یکون لك دخان فی نار جھنم[2] کیا ڈرتا نہیں کہ اس کے سبب آتش دوزخ میں تیرے لئے دُھواں ہو، خرچ کر، اے بلال! اور عرش کے مالک سے کمی کا خوف نہ کر۔ بلکہ خود انہی بلال سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: اے بلال! فقیر مرنا اور غنی نہ مرنا۔ عرض کی اس کیلئے کیا طریقہ برتوں؟ فرمایا: ما رزقت فلا تخبأ وما سئلت فلا تمنع جو تجھے ملے اُسے نہ چُھپا اور جو کچھ تجھ سے مانگا جائے انکار نہ کر۔ عرض کی (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۳۴۰، الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی وابی یعلی والبزار الترغیب فی الانفاق مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۱، کشف الخفاء حدیث ۶۳۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۹۰، کنز العمال حدیث ۶۱۸۵ و ۶۱۸۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۸۷

[2] الترغیب والترھیب الترغیب فی الانفاق مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۱

(۲) حکمِ الٰہی کی حد سے بڑھنا۔ یہ تفسیر ایاس بن معٰویہ بن قرہ تابعی ابن تابعی ابن صحابی کی ہے۔

ابن جریر وابو الشیخ عن سفین عہ بن	ابن جریر اور ابوالشیخ سفیان بن حسین سے راوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یارسول اللہ! یہ میں کیونکر کرسکوں۔ فرمایا ھوذاك اوالنار یا یہ یا نار۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر و ابو الشیخ فی الثواب والحاکم [1] وقال صحیح الاسناد (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابوشیخ نے ثواب میں اور حاکم نے روایت کیا اور فرمایا یہ صحیح الاسناد ہے۔ت)

اگر کہیے ان پر تاکید اس لئے تھی کہ وہ اصحابِ صُفّہ سے تھے اور ان حضرات کرام کا عہد تھا کہ کچھ پاس نہ رکھیں گے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) ہاں، اور ہم بھی نہیں کہتے کہ ایسا کرنا ہر ایک پر لازم ہے مگر ان حضرات پر اس کے لازم فرمانے ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کام فی نفسہٖ محمود ہے اور ہر صادق التوکل کو اس کی اجازت، ورنہ ان کو بھی منع کیا جاتا جیسے ایک صاحب نے عمر بھر رات کو نہ سونے کا عہد کیا اور ایک نے عمر بھر روزے رکھنے کا، ایک نے کبھی نکاح نہ کرنے کا۔ اس پر ناراضی فرمائی، اور ارشاد ہوا: میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں اور شب کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور نکاح کرتا ہوں **فمن رغب عن سنتی فلیس منی** تو جو میری سنّت سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے ہیں، رواہ عن حضرت انس رضی اللہ عنہ [2]۔

ایک شخص نے پیادہ حج کرنے کی منّت مانی، ضُعف سے دو ۲ آدمیوں پر تکیہ دیے کر چل رہا تھا، اُسے سوار ہونے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان اللہ تعالٰی عن تعذیب ھذا نفسہ لغنی ۔ روياه عنہ رضی اللہ عنہ منہ [3]

اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالے۔ (اس کو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ۲۱ منہ۔ت)

عــہ: وقع فی نسخۃ الدرالمنثور المطبوعۃ بمصر سعید بن جبیر وھو تصحیف اھ منہ عفی عنہ۔

عــہ: در منثور مطبوعہ مصر کے نسخہ میں سعید بن جبیر واقع ہوا ہے یہ تصحیف ہے اھ منہ عفی عنہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۳۴۱، المستدرک لحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۳۱۶/۴، الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی وابی الشیخ والحاکم الخ الترغیب فی الانفاق الخ مصطفی البابی مصر ۵۲/۲

[2] صحیح البخاری، کتاب النکاح ۷۵۷/۲، و صحیح مسلم کتاب النکاح ۴۴۹/۱

[3] صحیح البخاری ابواب العمرۃ ۲۵۱/۱ و صحیح مسلم کتاب النذر ۴۵/۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

حسین عن ابی بشر قال اطاف الناس بایاس بن معویة فقالوا ما السرف قال ماتجاوزت به امر اللہ فھو سرف[1]۔	ہیں وہ ابو البشر سے، انہوں نے کہا اِیاس بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو کر لوگوں نے ان سے پوچھا: اسراف کیا ہے؟ فرمایا جس خرچ میں تم امر الٰہی سے تجاوز کر جاؤ وہ اسراف ہے۔ (ت)

اور اسی کی مثل اہل لغت سے ابن الاعرابی کی تفسیر ہے کما سیاتی من التفسیر الکبیر (جیسا کہ تفسیر کبیر سے ذکر آئے گا۔ت) تعریفات السید میں ہے

الاسراف تجاوز الحد فی النفقة[2]	(نفقہ میں حد تجاوز کرنا اسراف ہے۔ت)

اقول: یہ تفسیر مجمل ہے حکم الٰہی وضو میں کُہنیوں تک ہاتھ، گِٹّوں تک پاؤں دھونا ہے، مگر اس سے تجاوز اسراف نہیں بلکہ نیم بازو و نیم ساق تک بڑھانا مستحب ہے جیسا کہ احادیث سے گزرا تو امر سے مراد تشریع لینی چاہئے یعنی حدِ اجازت سے تجاوز، اور اب یہ تفسیر ایک تفسیر تبذیر کی طرف عود کرے گی۔

(۳) ایسی بات میں خرچ کرنا جو شرعِ مطہر یا مروّت کے خلاف ہو اول حرام ہے اور ثانی مکروہ تنزیہی۔ طریقہ محمدیہ میں ہے:

الاسراف والتبذیر ملکة بذل المال حیث یجب امساکه بحکم الشرع اوالمروٴة بقدر مایمکن وھما فی مخالفة الشرع حرامان وفی مخالفة المروءة مکروھان تنزیھا[3] اھ **اقول:** وزاد ملکة لیجعلھما من منکرات القلب لانه فی	اسراف اور تبذیر: اس جگہ مال خرچ کرنے کا ملکہ (نفس کی قوت راسخہ) جہاں شریعت یا مروت روکنا لازم کرے اور مروت امکانی حد تک پہنچانے کے کام میں نفس کی سچی رغبت کو کہتے ہیں اسراف و تبذیر شریعت کی مخالف میں ہوں تو حرام ہیں اور مروت کی مخالف میں ہوں تو مکروہ تنزیہی ہیں اھ **اقول:** ان دونوں کو منکرات قلب سے قرار دینے کے لئے لفظ ملکہ کا اضافہ کردیا

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۷۴، الدر المنثور بحوالہ ابی الشیخ تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲

[2] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص۱۰

[3] طریقہ محمدیہ السابع والعشرون الاسراف والتبذیر مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/۱۵ و ۱۶

تعدیدها ومثل الشارح العلامة سیدی عبد الغنی النابلسی قدس سرہ القدسی مخالفة المروءة بدفعه للاجانب والتصدق به علیهم وترك الاقارب والجیران المحاویج [1] اھ **اقول:** اخرج الطبرانی فـ۱ بسند صحیح عن ابی هریرة فـ۲ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لایقبل اللہ صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الی صلته ویصرفها الی غیرهم والذی نفسی بیدہ لاینظر اللہ الیه یوم القیمة [2] اھ فهو خلاف الشرع لامجرد خلاف المروءة واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہاں وہ دل کی برائیاں ہی شمار کرا رہے ہیں۔اور شارح علامہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے مخالفت مروت کی مثال یہ پیش کی ہے کہ حاجت مندوں قرابت داروں اور ہمسایوں کو چھوڑ کر دور والوں کو مال دے اوران پر صدقہ کرے اھ **اقول:** طبرانی نے بسند صحیح حضرت ابوھریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے امت محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا خدااس شخص کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے کچھ ایسے قرابت دار ہوں جواس کے صلہ کے محتاج ہوں اور وہ دوسروں پر صرف کرتا ہواس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے خدااسکی طرف روز قیامت نظر رحمت نہ فرمائے گااھ تو یہ (حاجت منداقارب کو چھوڑ کر اجانب کو دینا) صرف مروت ہی کے خلاف نہیں شریعت کے بھی خلاف ہے اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

فـ۱: تطفل علی المولی النابلسی۔

فـ۲: **مسئلہ:** جس کے عزیز محتاج ہوں اسے منع ہے کہ انہیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے حدیث میں فرمایا ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ السابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۸/۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکاۃ باب الصدقۃ علی الاقارب دار الکتاب بیروت ۱۱۷/۳

انا اقول: وباللہ التوفیق آدمی کے پاس جو مال زائد بچا اور اُس نے ایک فضول کام میں اُٹھا دیا جیسے بے مصلحت شرعی مکان کی زینت وآرائش میں مبالغہ، اس سے اُسے تو کوئی نفع ہوا نہیں اور اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو دیتا تو اُن کو کیسا نفع پہنچتا تو اس حرکت سے ظاہر ہوا کہ اس نے اپنی بے معنی خواہش کو اُن کی حاجت پر مقدم رکھا اور یہ خلافِ مروت ہے۔

(۴) طاعتِ الٰہی کے غیر میں اٹھانا۔ قاموس میں ہے:

الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة [1] اھ	اسراف تبذیر یا وہ جو غیر طاعت میں خرچ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں اسی کی نقل پر اقتصار فرمایا۔

اقول: ظاہر [ف] ہے کہ مباحات نہ طاعت ہیں نہ اُن میں خرچ اسراف مگر یہ کہ غیر طاعت سے خلاف طاعت مراد لیں تو مثل تفسیر دوم ہوگی اور اب علّامہ شامی کا یہ فرمانا کہ:

لایلزم من کونه غیر طاعة ان یکون حراما نعم اذا اعتقد سنیته (ای سنیة الزیادة علی الثلث فی الوضوء) یکون منھیا عنه ویکون ترکه سنة مؤکدة [2]۔	اس کے غیر طاعت ہونے سے حرام ہونا لازم نہیں آتا، ہاں (وضوء میں تین بار سے زیادہ دھونے کے) مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو وہ منہی عنہ ہے اور اس کا ترک سنّتِ مؤکدہ ہوگا۔ (ت)

(۵) حاجتِ شرعیہ سے زیادہ استعمال کرنا

کما تقدم فی صدر البحث عن الحلیة والبحر وتبعھما العلامة الشامی	(جیسا کہ اس مبحث کے شروع میں حلیہ وبحر کے حوالے بیان ہوا اور علامہ علامہ شامی نے ان دونوں کا اتباع کیا۔ ت)

ف: معروضة علی العلامة ش والقاموس ایضاً۔

---

[1] القاموس المحیط باب الفاء فصل السین تحت السرف مصطفی البابی مصر ۱۵۶/۳

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ مکروہات الوضو داراحیاء التراث العربی ۹۰/۱

اقول: اولاف[1] مراتب خمسہ کہ ہم اوپر بیان کر آئے اُن میں حاجت کے بعد منفعت پھر زینت ہے اور شک نہیں کہ ان میں خرچ بھی اسراف نہیں جب تک حدِ اعتدال سے متجاوز نہ ہو، **قال اللہ تعالٰی**

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِؕ [1]	اے نبی! تم فرمادو کہ اللہ کی وہ زینت جو اُس نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی اور پاکیزہ رزق کس نے حرام کئے ہیں۔(ت)

مگر یہ تاویل کریں کہ حاجت سے ہر بکار آمد بات مراد ہے۔

ثانیا: شرعیہ ف[2] کی قید بھی مانع جامعیت ہے کہ حاجت دنیویہ میں بھی زیادہ اڑانا اسراف ہے مگر یہ کہ شرعیہ سے مراد مشروعہ لیں یعنی جو حاجت خلافِ شرع نہ ہو تو یہ اُس قول پر مبنی ہو جائے گا جس میں اسراف و تبذیر میں حاجت جائزہ وناجائزہ سے فرق کیا ہے۔ اگر کہیے ان علماء کا یہ کلام دربارہ وضو ہے اُس میں تو جو زیادت ہوگی حاجت شرعیہ دینیہ ہی سے زائد ہوگی۔

اقول: اب مطلقًا حکم ممانعت مسلم نہ ہوگا مثلًا میل چھڑانے یا شدّت گرما میں ٹھنڈ کی نیت سے زیادت کی تو اسراف نہیں کہہ سکتے کہ غرض صحیح جائز میں خرچ ہے۔ شاید اسی لئے علّامہ طحطاوی نے لفظ شرعیہ کم فرما کر اتنا ہی کہا

الاسراف ھو الزیادۃ علی قدر الحاجۃ [2]	(ضرورت سے زیادہ خرچ اسراف ہے۔ت)

اقول: مگر یہ تعریف اگر مطلق اسراف کی ہو تو جامعیت میں ایک اور خلل ہوگا کہ قدر حاجت سے زیادت کیلئے وجود حاجت درکار اور جہاں حاجت ہی نہ ہو اسراف اور زائد ہے ہاں حلیہ واتباع کی طرح خاص اسراف فی الوضوء کا بیان ہو تو یہ خلل نہ ہوگا۔

(۲) غیر طاعت میں یا بلا حاجت خرچ کرنا۔ نہایہ ابن اثیر و مجمع بحار الانوار میں ہے:

الاسراف والتبذیر فی النفقۃ لغیر حاجۃ اوفی غیر طاعۃ اللہ تعالٰی [3]۔	اسراف اور تبذیر: بغیر حاجت یا غیر طاعت الٰہی میں خرچ کرنا ہے۔(ت)

ف۱: تطفل علی الحلیۃ والبحروش۔ ف۲: تطفل اٰخر علیہم۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/ ۶۷

[3] النہایۃ لابن اثیر فی غریب الحدیث والاثر تحت الفظ "سرف" دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۲۵، مجمع بحار الانوار تحت الفظ سرف مکتبہ دار ایمان مدینۃ المنورۃ السعودیہ ۳/ ۶۶

یہ تعریف گویا چہارم وپنجم کی جامع ہے۔

اقول اولا ف۱ اطاعت میں وہی تاویل لازم جو چہارم میں گزری۔

ثانیا: حاجت ف۲ میں وہی تاویل ضرور جو پنجم میں مذکور ہوئی۔

(۷) دینے میں حق کی حد سے کمی یا بیشی۔ تفسیر ابنِ جریر میں ہے:

الاسراف فی کلام العرب الاخطاء باصابۃ الحق فی العطیۃ اما بتجاوزہ حدہ فی الزیادۃ واما بتقصیر عن حدہ الواجب [1]۔	کلامِ عرب میں اسراف اسے کہتے ہیں کہ دینے میں حق کے حصول سے خطا کر جائے یا تو حق کی حد سے آگے بڑھ جائے یا اس کی واجبی حد سے پیچھے رہ جائے۔ (ت)

اقول: یہ عطاکے ساتھ خاص ہے اور اسراف کچھ لینے دینے ہی میں نہیں اپنے خرچ کرنے میں بھی ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی الوضوء اسراف وفی کل شیئ اسراف [2] رواہ سعید بن منصور عن یحیی بن ابی عمرو السَّیبانی الثقۃ مرسلا	وضو میں بھی اسراف ہوتا ہےاور ہر کام میں اسراف کو دخل ہے اسے سعید بن منصور نے یحیٰی بن ابی عمرو سیبانی ثقہ سے مرسلًا روایت کیا ہے۔ (ت)

(۸) ذلیل غرض میں کثیر مال اُٹھادینا۔ تعریفات السید میں ہے:

الاسراف انفاق المال الکثیر فی الغرض الخسیس [3] اھ قدمہ ھھنا واقتصر علیہ فی المسرف۔	اسراف گھٹیا مقصد میں زیادہ مال خرچ کردینا اھ بیان اسراف میں اس تعریف کو مقدم رکھا اور مُسرِف کی تعریف میں صرف اسی کو ذکر کیا۔ (ت)

اقول: یہ بھی جامع ف۴ نہیں بے غرض محض تھوڑا مال ضائع کردینا بھی اسراف ہے۔

ف۱: تطفل علی ابن الاثیر والعلامۃ طاہر۔ ف۲: تطفل آخر علیہما۔

ف۳: تطفل علی ابن جریر۔ ف۴: تطفل علی العلامۃ السید الشریف۔

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ ص عن یحیی بن عمرو حدیث ۲۶۲۴۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۲۵

[3] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

(۹) حرام میں سے کچھ یا حلال کو اعتدال سے زیادہ کھانا **حکاہ السید قیلا**[1] تعریفات میں سید شریف نے اسے بطور قیل حکایت کیا۔ (ت) **اقول:** یہ کھانےف سے خاص ہے۔

(۱۰) لائق و پسندیدہ بات میں قدر لائق سے زیادہ اُٹھا دینا۔ تعریفات علّامہ شریف میں ہے:

الاسراف صرف الشیئ فیما ینبغی زائدا علی ماینبغی بخلاف التبذیر فانہ صرف الشیئ فیما لاینبغی[2]۔	اسراف: مناسب کام میں حد مناسب سے زیادہ خرچ کرنا ،بخلاف تبذیر کے کہ وہ نا مناسب امر میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (ت)

اقول: ینبغی کا اطلاق کم از کم مستحب پر آتا ہے اور اسراف مباح خالص میں اُس سے بھی زیادہ ہے مگر یہ کہ جو کچھ لاینبغی نہیں سب کو ینبغی مان لیں کہ مباح کاموں کو بھی شامل ہو جائے **ولیس ببعید** (اور یہ بعید نہیں۔ ت) اور عبث محض اگرچہ بعض جگہ مباح بمعنی غیر ممنوع ہو مگر زیر **لاینبغی** داخل ہے تو اس میں جو کچھ اُٹھے گا اس تفسیر پر داخل تبذیر ہوگا۔

(۱۱) بے فائدہ خرچ کرنا۔ قاموس میں ہے:

ذهب ماء الحوض سرفا فاض من نواحیه[3]۔	حوض کا پانی اسکے کناروں سے بہ گیا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

قال شمر سرف الماء ماذهب منه فی غیر سقی ولا نفع یقال اروت البئر النخیل وذهب بقیة الماء سرفا۔[4]	شمر نے کہا سَرف الماء کے معنی وہ پانی جو سینچائی یا کسی فائدہ کے بغیر جاتا رہا کہا جاتا ہے کنویں نے کھجوروں کو سیراب کر دیا اور باقی پانی سرف (بے کار) گیا۔ (ت)

تفسیر کبیر و تفسیر نیشاپوری میں ہے:

ف: معروضة علی من نقل عنه السید۔

[1] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

[2] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۱۰

[3] القاموس المحیط باب الفاء فصل السین مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۵۶

[4] تاج العروس باب الفاء فصل السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۱۳۸

اعلم ان لاھل اللغۃ فی تفسیر الاسراف قولین الاول قال ابن الاعرابی السرف تجاوز ماحد لك الثانی قال شمر عـــہ۱ سرف المال عـــہ۲ ماذھب منه فی غیر منفعة [1]۔	واضح ہو کہ اسراف کی تفسیر میں اہل لغت کے دو قول ہیں: اول، ابن الاعرابی نے کہا سرف کا معنی مقررہ حد سے تجاوز شمر نے کہا سرف المال وہ جو بے فائدہ چلا جائے (ت)

اقول: منفعت کے بعد بھی اگرچہ ایک مرتبہ زینت ہے مگر ایک معنی پر زینت بھی بے فائدہ نہیں۔ ہمارے کلام کا ناظر خیال کر سکتا ہے کہ ان تمام تعریفات میں سب سے جامع ومانع وواضح تر تعریف اول ہے اور کیوں نہ ہو کہ یہ اُس عبداللہ کی تعریف ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علم کی گٹھری فرماتے اور جو خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد تمام جہان سے علم میں زائد ہے اور ابو حنیفہ جیسے امام الائمہ کا مورث علم ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ وعنہم اجمعین۔

تبذیر ف کے باب میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) وہ اور اسراف دونوں کے معنی ناحق صرف کرنا ہیں۔

اقول: یہی صحیح ہے کہ یہی قول حضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، قول اول کی حدیث میں اس کی تصریح گزری اور وہی حدیث بطریق آخر ابن جریر نے یوں روایت کی:

کنا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نتحدث ان التبذیر النفقة فی غیر حقه [2]۔	ہم اصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ بیان کرتے تھے تبذیر غیر حق میں خرچ کرنے کا نام ہے۔ (ت)

ف: تبذیر واسراف کی معنی میں فرق کی بحث۔

عـــہ۱: وقع ھھنا فی نسخة النیسا بوری المطبوعة بمصر عمر بالعین وھو تحریف منه۔ (م)	یہاں تفسیر نیشاپوری کے مصری مطبوعہ نسخہ میں شمر کے بجائے عین سے عمر چھپ گیا ہے، یہ تحریف ہے ۱۲منہ (ت)
عـــہ۲: ھکذا ھو المال باللام فی کلا التفسیرین وقضیة التاج انه الماء بالھمزة ۱۲منه۔ (م)	یہ دونوں تفسیروں میں اسی طرح "لام" سے مال لکھا ہوا ہے اور تاج العروس کا تقاضہ ہے کہ یہ ہمزہ سے "ماء" ہو ۱۲منہ (ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۶/۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۳/۱۷۶، ۱۷۵

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/۲۷، ۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۶

سعید بن منصور سنن اور بخاری ادب مفرد اور ابن جریر وابن منذر تفاسیر اور بیہقی شعب الایمان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

المبذر المنفق فی غیر حقہ۔[1]	(مبذر وہ جو غیر حق میں خرچ کرے۔ت)

ابن جریر کی ایک روایت اُن سے یہ ہے:

لاتنفق فی الباطل فان المبذر ھو المسرف فی غیر حق وقال مجاھد لوانفق انسان مالہ کلہ فی الحق ماکان تبذیرا ولو انفق مدا فی الباطل کان تبذیرا[2]۔	باطل میں خرچ نہ کر کہ مُبذّر وہی ہے جو ناحق میں خرچ کرتا ہو۔ مجاہد نے کہا: کہ اگر انسان اپنا سارا مال حق میں خرچ کردے تو تبذیر نہیں اور اگر ایک مُد بھی باطل میں خرچ کردے تو تبذیر ہے۔(ت)

نیز قتادہ سے راوی:

التبذیر النفقۃ فی معصیۃ اللہ تعالٰی وفی غیر الحق وفی الفساد[3]۔	تبذیر: اللہ کی معصیت میں غیر حق میں اور فساد میں خرچ کرنا ہے۔(ت)

نہایہ ومختصر امام سیوطی میں ہے:

المباذر والمبذر المسرف فی النفقۃ[4]۔	مباذر ومبذر: خرچ میں اسراف کرنے والا۔(ت)

نیز مختصر میں ہے: الاسراف التبذیر[5] (اسراف کا معنی تبذیر ہے۔ت) قاموس میں ہے:

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الایۃ ۱۷/۲۶و۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۶، الدر المنثور بحوالہ سعید بن منصور والبخاری فی الادب و ابن المنذر والبیہقی شعب الایمان دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۳۹

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الایۃ ۱۷/۲۶و۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۷

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الایۃ ۱۷/۲۶و۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۷

[4] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب الباء مع الذال، تحت لفظ بذر دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۱۰ مختصر احیاء العلوم

[5] مختصر احیاء العلوم

بذرہ تبذیرا خربہ و فرقہ اسرافا[1]	بذرہ تبذیرا اسے خراب کیا اور بطور اسراف بانٹ دیا۔ (ت)

تعریفات السید میں ہے:

التبذیر تفریق المال علی وجہ الاسراف[2]	تبذیر: بطور اسراف مال بانٹنا۔(ت)

اسی طرح مختار الصحاح میں اسراف کو تبذیر اور تبذیر کو اسراف سے تفسیر کیا۔

(۲) اُن میں فرق ہے تبذیر خاص معاصی میں مال برباد کرنے کا نام ہے ابنِ جریر عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولائے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لاتبذر تبذیرا لاتعط فی المعاصی[3]	"لاتبذر تبذیرا" کا معنی "معاصی میں نہ دے"۔(ت)

اقول: اس تقدیر پر اسراف تبذیر سے عام ہوگا کہ ناحق صرف کرنا عبث میں صرف کو بھی شامل اور عبث مطلقاً گناہ نہیں تو از انجا کہ اسراف ناجائز ہے یہ صرف معصّیت ہوگا مگر جس میں صرف کیا وہ خود معصیت نہ تھا اور عبارت "لاتعط فی المعاصی" (اس کی نافرمانی میں مت دے۔ت) کاظاہر یہی ہے کہ وہ کام خود ہی معصیت ہو بالجملہ تبذیر کے مقصود و حکم دونوں معصیت ہیں اور اسراف کو صرف حکم میں معصیت لازم،

وھذا ھو المشتھر الیوم و وقع فی التاج عن شیخہ عن ائمۃ الاشتقاق ان التبذیر یشمل الاسراف فی عرف اللغۃ اھ[4]، وبہ صرح العلامۃ الشھاب فی عنایۃ القاضی و	اوراس وقت یہی مشہور ہے،اور تاج العروس میں اپنے شیخ کی روایت سے اشتقاق سے نقل کیا ہے کہ لغت کے عرف میں تبذیر،اسراف کو شامل ہے اھ۔اسکی صراحت علّامہ شہاب خفاجی نے عنایۃ القاضی میں کی ہے اور

[1] قاموس المحیط باب الراء فصل الباء مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۳

[2] التعریفات للسید الشریف انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۲۳

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۷/۲۶ و ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۸۷

[4] تاج العروس باب الراء، فصل الباء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۶

مفادہ ان التبذیر اعم ولم یفسراہ۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ تبذیر اعم ہے اور دونوں نے اس کی تفسیر نہ کی ہے۔(ت)

بعض نے یوں فرق کیا کہ مقدار میں حد سے تجاوز اسراف ہے اور بے موقع بات میں صرف کرنا تبذیر، دونوں بُرے ہیں اور تبذیر بدتر۔

قال الخفاجی وفرق بینھما علی مانقل فی الکشف بان الاسراف تجاوز فی الکمیۃ وھو جھل بمقادیر الحقوق والتبذیر تجاوز فی موقع الحق وھو جھل بالکیفیۃ وبمواقعھا وکلاھما مذموم والثانی ادخل فی الذم [1]۔	خفاجی نے فرمایا: جیسا کشف میں نقل کیا ہے ان دونوں میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اسراف مقدار میں حد سے آگے بڑھنا اور یہ حقوق کی قدروں سے ناآشنائی ہے۔ اور تبذیر حق کی جگہ سے تجاوز کرنا اور یہ کیفیت ہے اور اس کے مقامات سے ناآشنائی ہے،اور دونوں ہی مذموم ہیں اور ثانی زیادہ برا ہے۔(ت)

اس تقدیر پر دونوں متباین ہوں گے۔

اقول: اگرچہ مقدار سے زیادہ صرف بھی بے موقع بات میں صرف ہے کہ وہ مصرف اس زیادت کا موقع و محل نہ تھا ورنہ اسراف ہی نہ ہوتا مگر بے موقع سے مراد یہ ہے کہ سرے سے وہ محل اصلا مصرف نہ ہو۔

بالجملہ احاطہ کلمات ف سے روشن ہوا کہ وہ قطب جن پر ممانعت کے افلاک دورہ کرتے ہیں دو ہیں ایک مقصد معصیت دوسرا بیکار اضاعت اور حکم دونوں کا منع و کراہت۔

اقول: معصیت تو خود معصیت ہی ہے ولہذا اُس میں منع مال ضائع کرنے پر موقوف نہیں اور غیر معصیت میں جبکہ وہ فعل فی نفسہٖ گناہ نہیں لاجرم ممانعت میں اضاعت ملحوظ ولہذا عام تفسیرات میں لفظ انفاق ماخوذ کہ مفید خرچ واستہلاک ہے کہ اہم بالافادہ یہی ہے معاصی میں صرف معصیت ہونا تو بدیہی ہے زید نے سونے چاندی کے کڑے اپنے ہاتھوں میں ڈالے یہ اسراف ہوا کہ فعل خود گناہ ہے اگرچہ تھوڑی دیر پہننے سے کڑے خرچ نہ ہو جائیں گے اور بلاوجہ محض اپنی جیب میں ڈالے پھرتا ہے تو

ف: **مسئلہ:** اسراف کہ ناجائز وگناہ ہے صرف دو صورتوں میں ایسا ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی گناہ میں صرف واستعمال کریں دوسرے بیکار محض مال ضائع کریں۔

[1] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی تحت الآیۃ ۲۶/۱۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۴۲

اسراف نہیں کہ نہ فعل گناہ ہے نہ مال ضائع ہوا اور اگر دریا میں پھینک دیے تو اسراف ہوا کہ مال کی اضاعت ہوئی اور اضاعت کی ممانعت پر حدیث صحیح ناطق صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال[1]۔	بے شک اللہ تعالٰی تمہارے لئے مکروہ رکھتا ہے فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت۔

یہ تحقیق معنی اسراف ہے جسے محفوظ وملحوظ رکھنا چاہئے کہ آئندہ انکشاف احکام اسی پر موقوف **وباللہ التوفیق**۔

فائدہ ف: یہاں سے ظاہر ہوا کہ وضو وغسل میں تین بار سے زیادہ پانی ڈالنا جبکہ کسی غرض صحیح سے ہو ہر گز اسراف نہیں کہ جائز غرض میں خرچ کرنا نہ خود معصیت ہے نہ بیکار اضاعت۔ اس کی بہت مثالیں اُن پانیوں میں ملیں گی جن کو ہم نے آب وضوء سے مستثنٰی بتایا نیز تبرید وتنظیف کی دو مثالیں ابھی گزریں اور ان کے سوا علماء کرام نے دو صورتیں اور ارشاد فرمائی ہیں جن میں غرض صحیح ہونے کے سبب اسراف نہ ہوا:

(۱) یہ کہ وضو علی الوضوء کی نیت کرے کہ نور علٰی نور ہے۔

(۲) اگر وضو کرتے میں کسی عضو کی تثلیث میں شک واقع ہو تو کم پر بنا کرکے تثلیث کامل کرلے مثلاً شک ہوا کہ منہ یا ہاتھ یا پاؤں شاید دو ہی بار دھویا تو ایک بار اور دھولے اگرچہ واقع میں یہ چوتھی بار ہو اور ایک بار کا خیال ہوا تو دو بار، اور یہ شک پڑا کہ دھویا ہی نہیں تو تین بار دھوئے اگرچہ واقع کے لحاظ سے چھ بار ہوجائے یہ اسراف نہیں کہ اطمینانِ قلب حاصل کرنا غرض صحیح ہے۔ ہم امر چہارم میں ارشاد اقدس حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر آئے کہ: **دع ما یریبك الی مالا یریبك**[2] شک کی

ف: مسئلہ: ان صحیح غرضوں کا بیان جن کے لئے وضو وغسل میں تین تین بار سے زیادہ اعضاء کا دھونا داخل اسرف نہیں بلکہ جائز وروا یا محمود ومستحسن ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب ماینہی عن اضاعت المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۴، صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب نہی عن کثرۃ المسائل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشتبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۵

بات چھوڑ کر وہ کر جس میں شک نہ رہے۔ کافی امام حافظ الدین نسفی میں ہے۔

ھذا (ای وعید الحدیث من زاد علی ھذا اونقص فقد تعدی وظلم) اذا زادہ معتقدا ان السنۃ ھذا فاما لو زاد لطمانیۃ القلب عند الشك اونیۃ وضوء اخر فلا باس بہ لانہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم امر بترك مایریبہ الی مالا یریبہ[1]۔	حدیث پاک "جس نے اس سے زیادتی یا کمی کی وہ حد سے بڑھا اور ظلم کیا" کی وعید اس صورت میں ہے کہ جب یہ اعتقاد رکھتے ہوئے زیادہ کرے کہ زیادہ کرنا ہی سنت ہے لیکن شک کے وقت اطمینان قلب کے لئے زیادہ کرے یا دوسرے وضو کی نیت ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ شک کی حالت چھوڑ کر وہ صورت اختیار کرے جس میں شک نہ رہے۔ (ت)

فتح القدیر میں قولِ ہدایہ الوعید لعدم رویتہ سنۃ (وعید اس لئے ہے کہ وہ سنت نہیں سمجھتا ہے۔ ت) کے تحت میں ہے:

فلو راٰہ و زاد لقصد الوضوء علی الوضوء او لطمانیۃ القلب عند الشك اونقص لحاجۃ لا باس بہ[2]۔	تو اگر تثلیث کو سنت مانا اور وضو پر وضو کے ارادے یا شک کے وقت اطمینان قلب کے لئے زیادہ کیا یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں (ت)

عنایہ میں ہے:

اذا زاد لطمانیۃ القلب عند الشك اوبنیۃ وضوء اخر فلا باس بہ فان الوضوء علی الوضوء نور علی نور وقد امر بترك مایریبہ الی مالا یریبہ[3]۔	شک کے وقت اطمینان قلب کے لئے یا دوسرے وضو کی نیت سے زیادہ کیا تو حرج نہیں اس لئے کہ وضو پر وضو نور علٰی نور ہے اور اسے حکم ہے کہ شک کی صورت چھوڑ کر وہ راہ اختیار کرے جس میں اسے شک نہ ہو (ت)

---

[1] الکافی شرح الوافی

[2] فتح القدیر۔ کتاب الطہارت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۷

[3] عنایہ مع الفتح القدیر علی الہدایۃ کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۷

حلیہ میں ہے:

الوعید علی الاعتقاد المذکور دون نفس الفعل وعلی ھذا مشی فی الھدایۃ ومحیط رضی الدین والبدائع ونص فی البدائع انہ الصحیح لان من لم یرسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقد ابتدع فلیحقہ الوعید وان کانت الزیادۃ علی الثلاث لقصد الوضو علی الوضوء اولطمانینۃ القلب عند الشك فلا یلحقہ الوعید وھو ظاھر وھل لو زاد علی الثلث من غیر قصد لشیئ مما ذکر یکرہ الظاھر نعم لانہ اسراف [1]۔	وعید اعتقاد مذکور پر ہے خود فعل پر نہیں۔ اسی کو ہدایہ، محیط رضی الدین اور بدائع میں بھی اختیار کیا ہے، اور بدائع میں صراحت کی ہے کہ یہی صحیح ہے اس لئے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سنت کو نہ مانے وہ بدمذہب ہے اسے وعید لاحق ہوگی۔ اگر تین پر اضافہ وضو علی وضو کے ارادے سے ہے یا شک کے وقت اطمینان قلب کے لئے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی اور یہ ظاہر ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر مذکورہ باتوں میں سے کسی کا قصد ہوئے بغیر اس نے تین بار سے زیادہ دھویا مکروہ ہے یا نہیں، ظاہر یہ ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ اسراف ہے۔ (ت)

اسی طرح نہایہ و معراج الہدایہ و مبسوط و سراج وہاج و برجندی و در مختار و عالمگیری وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے مگر بعض متاخرین شراح کو ان صورتوں میں کلام واقع ہوا:

صُورتِ اولٰی میں تین ۳ وجہ سے:

وجہ اول وضو عبادت ف مقصودہ نہیں بلکہ نماز وغیرہ کیلئے وسیلہ ہے ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے

ف: **مسئلہ**: بعض نے فرمایا کہ وضو پر وضو اسی وقت مستحب ہے کہ پہلے سے وضو کوئی نماز یا سجدۂ تلاوت وغیرہ کوئی فعل جس کے لئے با وضو ہونے کا حکم ہے ادا کر چکا ہو بغیر اس کے تجدید وضو مکروہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ایک بار تجدید تو بغیر اس کے بھی مستحب ہے، ایک سے زیادہ بے اسکے مکروہ ہے اور مصنف کی تحقیق کہ ہمارے ائمہ کا کلام اور نیز احادیث خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام مطلقاً تجدید وضو کو مستحب فرماتی ہیں اور ان قیدوں کا کوئی ثبوت ظاہر نہیں۔

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

توجب تک اُس سے کوئی فعل مقصود مثل نماز یا سجدہ تلاوت یا مس مصحف واقع نہ ہولے اُس کی تجدید مشروع نہ ہونی چاہئے کہ اسراف محض ہوگی۔ یہ اعتراض محقق ابراہیم حلبی کا ہے۔ خلاصہ میں اعضائے وضو چار بار دھونے کی کراہت میں دو قول نقل کرکے فرمایا تھا:

هذا اذالم يفرغ من الوضوء فان فرغ ثم استأنف الوضوء لايكره بالاتفاق[1]۔	یہ اس صورت میں ہے کہ ابھی وضو سے فارغ نہ ہواہو اگر فارغ ہوگیا پھراز سرنو وضو کیاتو بالاتفاق مکروہ نہیں۔(ت)

اسی طرح تاتارخانیہ میں امام ناطفی سے ہے کما فی ش اس سے ثابت کہ ایک وضو سے فارغ ہو کر معًا بہ نیت وضو علی الوضو شروع کردینا ہمارے یہاں بالاتفاق جائز ہےاور کسی کے نزدیک مکروہ نہیں۔اس پر علامہ حلبی نے وہ اشکال قائم کیااور علامہ علی قاری نے مرقات باب السنن الوضوء فصل ثانی میں زیر حدیث فمن زاد علی هذا فقدا ساء وتعدی[2] (جس نے اس پر زیادتی کی اس نے بُرا کیااور حد سے آگے بڑھا۔ت) اُن کی تبعیت کی۔

اقول: اولا ف۱ جب ائمہ ثقات نے ہمارے علماء کااتفاق نقل کیااور دوسری جگہ سے خلاف ثابت نہیں تو بحث کی کیا گنجائش۔

ثانیا: ف۲ عبادت غیر مقصودہ بالذات ہونے پر اتفاق سے یہ لازم نہیں کہ وہ وسیلہ ہی ہو کر جائز ہو بلکہ فی نفسہ بھی ایک نوع مقصودیت سے حظ رکھتا ہے وللذا اجماع ہے کہ ہر وقت باوضو رہناف۳ ہر حدث کے بعد معًا وضوء کرنا مستحب ہے۔ فتاوٰی قاضی خان وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہامیں وضوئے مستحب کے شمار میں ہے:

ومنها المحافظة على الوضوء وتفسيره ان يتوضأ كلما احدث ليكون على الوضوء فی الاوقات كلها[3]۔	اسی میں سے وضو کی محافظت یہ ہے کہ جب بے وضو ہو وضو کرلے تاکہ ہمہ وقت باوضو رہے وضو کی محافظت اسلام کی سنت ہے۔(ت)

ف۱: تطفل علی الغنیۃ وعلی القاری۔ ف۲: تطفل اٰخر علیھما۔

ف۳ **مسئلہ:** ہر وقت باوضو رہنا مستحب ہےاور اس کے فضائل۔

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارۃ سنن الوضوء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۲/۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ باب سنن الوضو تحت الحدیث ۴۱۷ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۲۴/۲

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۹/۱

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابی بکر نے شرعۃ الاسلام میں اُسے اسلام کی سُنّتوں سے بتایا فرماتے ہیں:

المحافظة علی الوضوء سنة الاسلام [1]	(ہمیشہ باوضو رہنا اسلام کی سنّت ہے۔ت)

اُس کی شرح مفاتیح الجنان و مصابیح الجنان میں بستان العارفین امام فقیہ ابو اللیث سے ہے:

بلغنا ان اللہ تعالٰی قال لموسٰی علیہ الصلاۃ والسلام یا موسٰی اذا اصابتك مصیبة وانت علی غیر وضوء فلا تلو من الانفسك [2]۔	یعنی ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزّوجل نے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا اے موسٰی! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی مصیبت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

اُسی میں کتاب خالصۃ الحقائق ابو القاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے: قال بعض اھل المعرفة من داوم علی الوضوء اکرمه اللہ تعالٰی بسبع خصال [3] الخ یعنی بعض عارفین نے فرمایا جو ہمیشہ باوضو رہے اللہ تعالٰی اُسے سات ۷ فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔

(۲) قلم اُس کی نیکیاں لکھتا رہے۔

(۳) اُس کے اعضاء تسبیح کریں۔

(۴) اُسے تکبیر اولٰی فوت نہ ہو۔

(۵) جب سوئے اللہ تعالٰی کچھ فرشتے بھیجے کہ جن وانس کے شر سے اُس کی حفاظت کریں۔

(۶) سکرات موت اس پر آسان ہو۔

(۷) جب تک باوضو ہو امانِ الٰہی میں رہے۔

اُسی میں بحوالہ مقدمہ غزنویہ و خالصۃ الحقائق انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من احدث ولم یتوضأ فقد جفانی [4]	جسے حدث ہو اور وضو نہ کرے اس نے میرا کمالِ ادب جیسا چاہئے ملحوظ نہ رکھا۔

[1] شرعۃ الاسلام مع شرح مفاتیح الجنان فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲

[3] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۲

[4] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۹۴

اقول: مگر ظاہرًا یہ حدیث بے اصل ہے،

تشهد به قريحة من نظره فيه بتمامه وايضا لوصح لوجبت استدامة الوضوء ولا قائل به والله تعالٰی اعلم	جو پوری حدیث میں غور کرے تو اسکی طبیعت اس کی شہادت دے گی اور اگر یہ درست ہوتی تو ہمیشہ باوضو رہنا واجب ہوتا اور کوئی اس کا قائل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ثالثًا: وہ تنظیف ف[1] ہے اور دین کی بنا نظافت پر ہے اور شک نہیں کہ تجدید موجب تنظیف مزید، ولہذا ف[2] جمعہ وعیدین وعرفہ عـــہ واحرام ووقوف عرفات ووقوف مزدلفہ حاضری حرم وحاضری سرکار اعظم

ف۱: تطفل ثالث علیهما۔

ف۲: **مسئلہ:** ان بعض اوقات ومواقع کاذکر جن کے لیے غسل مستحب ہے۔

عـــہ: قال في الدرو في جبل عرفة[1] قال ش"اقحم لفظ جبل اشارة الى ان الغسل للوقوف نفسه لالدخول عرفات ولا لليوم وما في البدائع من انه يجوز ان يكون على الاختلاف اى للوقوف اولليوم كما في الجمعة رده في الحلية بان الظاهر انه للوقوف قال وما اظن ان احد اذهب الى استنانه ليوم عرفة بلا حضور عرفات اھ

عـــہ: درمختار میں ہے میں "جبلِ عرفات پر غسل" شامی میں ہے لفظ جبل اس بات کی جانب اشارہ کے لئے بڑھادیا کہ غسل خود وقوف کی وجہ سے ہے عرفات میں داخل ہونے یا روز عرفہ کی وجہ سے نہیں اور بدائع میں جو ہے کہ "ہوسکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہو کہ غسل وقوف کی وجہ سے ہے یا اس دن کی وجہ سے ہے جیسے جمعہ میں اختلاف ہے" حلیہ میں اسکی تردید یوں کی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ غسل وقوف کی وجہ سے ہے۔ اور میں یہ نہیں سمجھتا کہ کسی کا یہ مذہب ہو کہ عرفات کی حاضری کے بغیر روز عرفہ کا غسل مسنون ہے۔ اھ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مکتبہ مجتبائی دہلی ۳۲/۱

ودخول منٰی ورمی جمار ہرسہ روزہ شب برات وشب قدر وشب عرفہ وحاضری مجلس میلاد مبارک وغیرہا کے غسل مستحب ہوئے، درمختار میں قول ماتن سن لصلاۃ جمعۃ وعید [1] الخ ماتن نے کہا جمعہ وعیدین کیلئے سنّت ہے الخ۔ (ت) کے بعد ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واقرہ فی البحر والنھر لکن قال المقدسی فی شرح نظم الکنز لا یستبعد سنیتہ للیوم لفضیلتہ حتی لوحلف بطلاق امرأتہ فی افضل الایام العام تطلق یوم العرفۃ ذکرہ ابن ملك فی شرح الشارق اھ [2] **اقول:** ھذاصاحب ف الدر ناصا علی استنانہ ای استحبابہ لیلۃ عرفۃ وقدعدھافی التاتارخانیہ والقھستانی فالیوم احق فلذا افردت عرفۃ من الوقوف وکذا دخول من رمی الجمار تبعاللتنویر شرح الغزنویۃ کما نقل عنہ ش واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ	اوراسے بحر ونہر میں برقرار رکھا لیکن مقدسی نے شرح نظم کنز میں لکھا کہ: "دن کے باعث اس غسل کا مسنون ہونا بعید نہیں کیونکہ یہ دن فضیلت رکھتا ہے یہاں تک کہ اگر یہ کہاکہ میری عورت کو سال کے سب سے افضل دن میں طلاق تو روز عرفہ اسپر طلاق واقع ہوگی اسے ابن ملک نے شرح مشارق میں ذکر کیا اھ **اقول:** یہ خود صاحب درمختار ہیں جنہوں نے عرفہ کی شب غسل مسنون یعنی مستحب ہونے کی صراحت فرمائی اور تاتار خانیہ وقہستانی نے بھی اسے شمار کیا اسی طرح دخول منٰی کو رمی جمار سے الگ کیا تنویر اور شرح غزنویہ کی تبعیت میں جیساکہ اس سے علامہ شامی نے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

ف: تطفل علی الدر۔

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مکتبہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۴

وکذا الدخول المدینة ولحضور مجمع الناس الخ[1]	اسی طرح مدینہ میں داخل ہونے والے اور لوگوں کے مجمع میں حاضر ہونے کیلئے سنت ہے الخ۔(ت)

ان سب میں نماز کیلئے وسیلہ ہونا کہاں کہ جنابت نہیں۔

رابعا: ف۱ صرف وسیلہ ہی ہو کر مشروع ہوتا تو ایک بار کوئی فعل مقصود کر لینے کے بعد بھی تجدید مکروہ ہی رہتی کہ پہلا وضو جب تک باقی ہے وسیلہ باقی ہے تو دوبارہ کرنا تحصیل حاصل وبیکار واسراف ہے۔

خامسا: بلکہ ف۲ چاہئے تھا کہ شرع مطہر وضو میں تثلیث بھی مسنون نہ فرماتی کہ وسیلہ تو ایک بار دھونے سے حاصل ہو گیا اب دوبارہ سہ بارہ کس لئے۔

سادسا: رزین ف۳ نے عبداللہ ف۴ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توضأ مرتین مرتین وقال ھو نور علٰی نور[2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اعضائے کریمہ دو دو بار دھوئے اور فرمایا یہ نور پر نور ہے۔

ایک ہی بار کے دھونے میں نور حاصل تھا پھر دوبارہ اور سہ بارہ نور پر نور لینا فضول نہ ہوا تو اس پر اور زیادت کیوں فضول ہو گی حالانکہ اُنہی رزین کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوضوء علی الوضوء نور علٰی نور[3]	وضو پر وضو نور پر نور ہے۔(ت)

سابعا ابوداؤد وترمذی وابن ماجہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من توضأ علی طھر کتب لہ عشر	جو باوضو وضو کرے اس کیلئے دس نیکیاں

ف۱: تطفل رابعة علی الغنیة والقاری۔ ف۲: تطفل خامس علیھما۔

ف۳: تطفل سادس علیھما۔ ف۴: وضو پر وضو کے مسائل۔

---

[1] لدر المختار کتاب الطھارۃ مکتبہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء الفصل الثالث قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۷

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۸۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۳۰۳

حسنات [1]۔	لکھی جائیں۔

مناوی نے تیسیر میں کہا: ای عشر وضوءات [2] یعنی دس بار وضو کرنے کا ثواب لکھا جائے۔ظاہر ہے کہ حدیثوں میں فصل نماز وغیرہ کی قید نہیں تو مشایخ کرام کا اتفاق اور حدیث کریم کا اطلاق دونوں متوافق ہیں اسی بناپر سیدی عارف باللہ علّامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں محقق حلبی کا خلاف فرمایا، ردالمحتار میں ہے:

لکن ذکر سیدی عبدالغنی النابلسی ان المفھوم من اطلاق الحدیث مشروعیته ولو بلا فصل بصلاة اومجلس اخرو لااسراف فیما ھو مشروع اما لوکررہ ثالثا او رابعا فیشترط لمشروعیته الفصل بما ذکروا لاکان اسرافا محضا اھ فتامل اھ [3]۔ **اقول:** لکن ف اطلاق الحدیثین یشمل الثالث والرابع ایضا وایضا اذالم یکن اسرافا فی الثانی لم یکن فی	سیدی عبدالغنی النابلسی نے فرمایا کہ حدیث کے اطلاق کا مفہوم تو یہ ہے کہ یہ مشروع ہے خواہ اس کے درمیان کسی نماز یا کسی مجلس سے فصل نہ ہو اور جو چیز مشروع ہو اس میں اسراف نہیں ہوتا، لیکن اگر تیسری چوتھی مرتبہ کیا تو اُس کی مشروعیت کیلئے اُن چیزوں سے فصل ضروری ہے جن کا ذکر کیا گیا ہے ورنہ تو محض اسراف ہوگا اھ تو تامل کرو اھ۔ (ت) **اقول:** لیکن دونوں حدیثوں کا اطلاق تو تیسری اور چوتھی بار کو بھی شامل ہے اور یہ بھی ہے کہ جب دوسری بار میں اسراف نہ ہوا

ف: تطفل علی المولی النابلسی۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب الرجل یجدد الوضومن غیر حدیث آفتاب عالم پریس لاہور ۹/۱، سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضو لکل الصلوٰۃ حدیث ۵۹ دار الفکر بیروت ۱۲۲/۱ و ۱۲۳، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الوضو علی الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضأ علی طہر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۴۱۱/۲

[3] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸۱/۱

الثالث والرابع وکان المولی النابلسی قدس سرہ القدسی نظر الی لفظ الوضوء علی الوضوء فھما وضوٰان فحسب وکذلك من توضأ علی طھر۔ **اقول:** ووھنہ لایخفی فقولہ تعالٰی وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ[1] لایدل ان ھناك وھنین فقط وکان الشامی الی ھذا اشار بقولہ تأمل وسیاتی ماخذ کلام العارف مع الکلام علیہ قریبا ان شاء اللہ تعالٰی۔	تو تیسری چوتھی بار میں بھی نہ ہوگا، شاید علامہ نابلسی قدس سرہ کی نظر لفظ وضو علی الوضوء پر ہے کہ یہ صرف دو وضو ہوتے ہیں اور یہی حال اس کا ہے جس نے وضو ہوتے ہوئے وضو کیا۔ **اقول:** اس خیال کی کمزوری مخفی نہیں، دیکھیے ارشاد باری تعالٰی وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ (کمزوری پر کمزوری) یہ نہیں بتاتا کہ وہاں صرف دو ہی کمزوریاں ہیں شاید شامی نے لفظ "تامل" سے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے تامل کرو اور علامہ شامی نے سیدی العارف کے کلام کا جو حصہ ذکر نہیں کیا وہ آگے ان شاء اللہ تعالٰی اس پر کلام کے ساتھ جلدی آئے گا۔ (ت)

ثامناً اقول: ف۱ حل یہ ہے کہ جو وضو فرض ہے وہ وسیلہ ہے کہ شرط صحت یا جواز ہے اور شروط وسائل ہوتے ہیں مگر جو وضو مستحب ف۲ ہے وہ صرف ترتبِ ثواب کیلئے مقرر فرمایا جاتا ہے تو قصد ذاتی سے خالی نہیں اگرچہ اُس سے عمل مستحب فیہ میں حُسن بڑھے کہ مستحب ف۳ کی یہی شان ہے کہ وہ اکمال سنن کیلئے ہوتا ہے اور سنن اکمال واجب اور واجب اکمال فرض۔

اقول: اور فرض اکمال ایمان کیلئے اس سے اُن کا غیر مقصود ہونا لازم نہیں آتا۔ خلاصہ وبزازیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

الواجبات اکمال الفرائض والسنن اکمال	واجبات فرائض کا تکملہ ہیں اور سنتیں واجبات

ف۱: تطفل سابعا علی الغنیۃ والقاری۔

ف۲: مصنف کی تحقیق کہ جو وضو یا غسل مستحب ہے وہ وسیلہ محضہ نہیں خود بھی مخصوص ہے۔

ف۳: مستحب سنت کی تکمیل ہے سنت واجب کی واجب فرض کی فرض ایمان کی۔

[1] القرآن الکریم ۳۱/۱۴

الواجبات والاداب اکمال السنن [1]۔	کا تکملہ اور آداب سنتوں کا تکملہ۔(ت)

درمختار باب ادراک الفریضہ میں ہے:

یأتی بالسنة مطلقا ولو صلی منفردا علی الاصح لکونها مکملات [2]۔	سنّت کی ادائیگی کا حکم مطلقًا ہے اگرچہ تنہا نماز پڑھے یہی اصح ہے اس لئے کہ (فرائض وواجبات) کی تکمیل کرنے والی ہیں۔(ت)

اُسی کی بحث تراویح میں ہے:

ھی عشرون رکعة حکمة مساواة المکمل للمکمل [3]	تراویح کی بیس رکعتیں ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ مکمل، مکمل کے برابر ہوجائے۔(ت)

ولہذا ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ وضوئے بے نیت پر ثواب نہیں۔ بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان النیة لیست شرطافی کون الوضوء مفتاحا للصلاة قیدنا بقولنا فی کونه مفتاحا لانها شرط فی کونه سببا للثواب علی الاصح [4]۔	واضح ہو کہ وضو کے کلید نماز بننے میں نیت شرط نہیں کلید نماز بننے کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ وضو کے سبب ثواب بننے میں بر قول اصح نیت ضرور شرط ہے۔(ت)

اور مستحب پر ثواب ہے تو وضوئے ف مستحب محتاج نیت ہوا اور وسائل محضہ محتاج نیت نہیں ہوتے۔

ف: وضوئے مستحب بے نیت ادا نہ ہوگا۔

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوۃ الفصل الثانی واجبات الصلوۃ عشرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۱، خزانۃ المفتین فرائض الصلوۃ وواجباتہا قلمی (فوٹو) ۱/ ۲۶

[2] الدرالمختار ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰

[3] الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب الوتر والنوافل، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۹۸

[4] البحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الوتر والنوافل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴

فتح القدیر و بحرالرائق میں ہے:

اذالم ینو حتی لم یقع عبادۃ سببا للثواب فھل یقع الشرط المعتبر للصلاۃ حتی تصح بہ اولا قلنا نعم لان الشرط مقصود التحصیل لغیرہ لالذاتہ فکیف حصل حصل المقصود وصار کستر العورۃ باقی شروط الصلاۃ لایفتقر اعتبارھا الی ان تنوی[1]۔	بے نیت وضو کر لیا جس کے باعث وہ عبادت سبب ثواب نہ بن سکا تو کیا اس (بے نیت وضو) سے نماز صحیح ہوجائے گی اور یہ اس وضو کی جگہ ہو جائے گی جس کی شرط نماز میں رکھی گئی ہے ہم جواب دیں گے ہاں اس لئے کہ شرط دوسری چیز کو بروئے کار لانے کے لئے مقصود ہے بذات خود مقصود نہیں تو یہ جیسے بھی حاصل ہو مقصود حاصل ہوجائے گا جیسے ستر عورت اور باقی شرائط نماز ہیں کہ ان کے قابل اعتبار ہونے کے لئے ان میں نیت ہونے کی ضرورت نہیں۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ وضوئے مستحب وسیلہ نہیں **وھو المقصود والحمدللہ الودود۔**

تاسعا: محقق حلبی کا یہ استناد کہ اکیلا ف۱ سجدہ (یعنی سجدہ تلاوت وسجدہ شکر کے سوا محض سجدہ بے سبب) جبکہ عبادت مقصودہ نہ تھا تو علماء نے اُس پر حکم کراہت دیا تو وضوئے جدید کی کراہت بدرجہ اولٰی۔

اقول: خود محقق ف۲ رحمہ اللہ نے آخر غنیہ میں سجدہ نماز وسہو وتلاوت وندر وشکر پانچ سجدے ذکر کرکے فرمایا:

اما بغیر سبب فلیس بقربۃ ولامکروہ[2] نقلہ عن المجتبی مقرا علیہ و	یعنی سجدہ بے سبب میں نہ ثواب نہ کراہت۔ غنیہ میں اسے مجتبٰی سے نقل کرکے برقرار رکھا،

ف۱: سجدہ بے سبب کا حکم۔ ف۲: تطفل ثامن علیھما۔

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵و۲۶، فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸

[2] غنیۃ المستملی فصل مسائل شتی سہیل اکیڈمی لاہور ص۶۱۶ و ۶۱۷

نقلہ عن الغنیۃ فی ردالمحتار ایضا واقر ھذا ھھنا واعتمد ذاك ثم الا ان یحمل ماھنا علی کراھۃ التنزیہ وما ثم علی نفی المأثم ای کراھۃ التحریم فیتوافقان لکن یحتاج الحکم بکراھتہ ولو تنزیھا الی دلیل یفیدہ شرعا کما تقدم وھو لم یستند ھھنا الی نقل فاللہ تعالی اعلم۔	اور غنیہ سے اسے ردالمحتار میں بھی نقل کیا اور وضو علی الوضو کے بیان میں غنیہ کے قول (سجدہ بے سبب کی کراہت) کو برقرار رکھا اور آخر باب سجدہ تلاوت میں سجدہ بے سبب کے غیر مکروہ ہونے پر اعتماد کیا مگر تطبیق یوں ہو سکتی ہے یہاں جو کراہت مذکور ہے وہ کراہت تنزیہیہ پر محمول ہو اور وہاں جو نفی کراہت ہے وہ نفی گناہ یعنی کراہت تحریم کی نفی پر محمول ہو لیکن کراہت کا حکم کرنے کے لئے اگرچہ کراہت تنزیہیہ ہی ہو اس دلیل کی حاجت ہے جو شرعا اس کی کراہت بتاتی ہو جیسا کہ یہ قاعدہ ذکر ہوا اور یہاں انہوں نے کسی نقل سے استناد نہ کیا اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔(ت)

عاشرا: وباللہف التوفیق سجدہ سب سے زیادہ خاص حاضری دربار ملک الملوک عزجلالہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء رواہ مسلم وابو داؤد[1] والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب حالتوں سے زیادہ سجدہ میں بندہ اپنے رب سے قریب ہوتا ہے تو اس میں دعا بکثرت کرو(اسے مسلم،ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا)

ف: تطفل تاسع علیھا۔

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب مایقال فی الرکوع والسجود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۱، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب الدعاء فی الرکوع والسجود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۲۷، سنن النسائی کتاب افتتاح الصلوۃ باب اقرب مایکون العبد من اللہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۷۱ و ۱۷۰

اور دربارشاہی میں بے اذن حاضری جرأت ہے اور سجدہ بے سبب کے لئے اذن معلوم نہیں، وللذا شافعیہ کے نزدیک حرام ہے کما صرح بہ الامام الاردبیلی الشافعی فی الانوار جیسا کہ امام اردبیلی شافعی نے انوار میں تصریحات کی۔ت) اس بناء پر اگر سجدہ بے سبب مکروہ ہو تو وضو کا اُس پر قیاس محض بلا جامع ہے۔ رہا علامہ شامی کا اُس کی تائید میں فرمانا کہ ہدیہ ابن عماد میں ہے:

قال فی شرح المصابیح انما یستحب الوضوء اذا صلی بالوضوء الاول صلٰوۃ کذا فی الشرعۃ والقنیۃ اھ وکذا ماقالہ المناوی فی شرح الجامع الصغیر عندحدیث من توضأ علی طھران المراد الوضوء الذی صلی بہ فرضا او نفلا کما بینہ فعل راوی الخبر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فمن لم یصل بہ شیا لایسن لہ تجدیدہ اھ ومقتضی ھذا کراھتہ وان تبدل المجلس مالم یؤدبہ صلاۃ اونحوھا[1] اھ	شرح مصابیح میں فرمایا کہ وضو اسی وقت مستحب ہے جب پہلے وضو سے کوئی نماز ادا کرلی ہو ایسا شرعۃ الاسلام اور قنیہ میں ہے اھ اسی طرح وہ بھی ہے جو مناوی نے شرح جامع صغیر میں با وضو ہوتے ہوئے دس نیکیاں ملنے سے متعلق حدیث کے تحت فرمایا کہ مراد وہ وضو ہے جس سے کوئی فرض یا نفل نماز ادا کرچکا ہو جیسا کہ راوی حدیث حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عمل سے اس کا بیان ظاہر ہوتا ہے تو پہلے وضو سے جس نے کوئی نماز ادا نہ کی اس کے لئے تجدید مسنون نہیں اھ اور اس کا مقتضایہ ہے کہ اگر مجلس بدل جائے تو بھی دوبارہ وضو مکروہ ہو جب تک نماز یا ایسا ہی کوئی عمل ادا نہ کرلے اھ (ت)

اقول: شرعۃ الاسلام میں اس کا پتا نہیں، اس میں صرف اس قدر ہے:

التطھر لکل صلاۃ سنۃ النبی علیہ الصلاۃ والسلام[2]۔	ہر نماز کے لئے وضو کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸۱/۱

[2] شرعۃ الاسلام مع شرح مصابیح الجنان فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۳

ہاں سید علی زادہ نے اُس کی شرح میں مضمون مذکور شرح مصابیح سے نقل کیا اور اُس سے پہلے صاف تعمیم کا حکم دیا،

حیث قال فالمؤمن ینبغی ان یجدد الوضوء فی کل وقت وان کان علی طهر قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من توضأ علی طهر کتب له عشر حسنات وقال فی شرح المصابیح تجدید الوضوء فی کل وقت انما یستجب اذا صلی بالوضوء الاول صلاۃ والا فلا [1] اھ **قلت** وبه ظهر ان قوله کذا فی الشرعة ای شرحها اشارۃ الی قوله قال فی شرح المصابیح لاداخل تحت قال۔	ان کے الفاظ یہ ہیں: تو مومن کو چاہیے کہ ہر وقت تازہ وضو کرے اگرچہ باوضو رہا ہو، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے جس نے باوضو ہوتے ہوئے وضو کیا اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔۔۔اور شرح مصابیح میں کہا کہ ہر وقت تجدید وضو مستحب ہونے کی شرط یہ ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز ادا کرلی ہو، ورنہ نہیں۔ **قلت** اسی سے ظاہر ہوا کہ ابن عماد کی عبارت "کذا فی الشرعة ۔۔۔ایسا ہی شرعۃ الاسلام یعنی اسکی شرح میں ہے" کا اشارہ ان کی عبارت "قال فی شرح المصابیح" (شرح مصابیح میں کہا) کی طرف ہے۔ یہ شرح مصابیح کے کلام میں شامل نہیں (ت)

بہر حال **اولاً** قنیہ کا ف[1] حال ضعف معلوم ہے اور شرح شرعہ بھی مبسوط ونہایہ وعنایہ ومعراج الدرایہ وکافی وفتح القدیر وحلیہ وسراج وخلاصہ وناطفی میں کسی کے معارض نہیں ہوسکتی نہ کہ اُن کا اور اُن کے ساتھ اور کتب کثیرہ سب کے مجموع کا معارضہ کرے۔ پھر اعتبار منقول عنہ کا ہے اور شرح ف[2] مصابیح شروح حدیث سے ہے معتمدات فقہ کا مقابلہ نہ کرے گی نہ کہ مسئلہ اتفاق

ف ۱: معروضة علی العلامة ش۔

ف ۲: کتب شروح حدیث میں جو مسئلہ کتب فقہ کے خلاف ہو معتبر نہیں۔

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی تفضیل سنن الطھارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۸۳

علامہ مصطفیٰ رحمتی نے شرح مشارق ابن ملک کے نص صریح کو اسی بنا پر رد کیا اور اُسے اطلاقات کتب مذہب کے مقابل معارضہ کے قابل نہ مانا اور خود علامہ شامی نے اُسے نقل کرکے مقرر فرمایا۔

حیث قال علی قولہ لکن فی شرح المشارق لابن ملك لو وطئها وھی نائمۃ لایحلھا للاول لعدم ذوق العسیلۃ فیہ ان ھذا الکتاب لیس موضوعا لنقل المذھب واطلاق المتون والشروح یردہ وذوق العسیلۃ للنائمۃ موجود حکما الا یری ان النائم اذا وجد البلل یجب علیہ الغسل وکذا المغمی علیہ[1] الخ	تفصیل یہ ہے کہ درمختار میں لکھا لیکن ابن ملک کی شرح المشارق میں ہے کہ اگر عورت سو رہی تھی اور اس سے وطی کی تو شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی اس لئے کہ اس کے حق میں ذوق عسیلہ (مرد کے چھتے کا مزہ پانے) کی شرط نہ پائی گئی اس پر علامہ رحمتی نے یہ اعتراض کیا: اس میں خامی یہ ہے کہ کتاب نقل مذہب کے لئے نہ لکھی گئی اور متون و شروح کے اطلاق سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ اور سونے والی کے لئے بھی مزہ پانے کی شرط حکما موجود ہے کیا دیکھا نہیں کہ سونے والا تری پائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے اسی طرح وہ بھی جو بے ہوش رہا ہو۔ (ت)

ثانیا: علامہ مناوی ف۱ شافعی ہیں فقہ میں اُن کا کلام نصوص فقہ حنفی کے خلاف کیا قابل ذکر۔

ثالثا: ف۲ وہی مناوی اسی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں کہ شرح کبیر کی تلخیص ہے اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں

فتجدید الوضوء سنۃ مؤکدۃ اذا صلی بالاول صلاۃ ما[2]۔	تو تجدید وضوء سنّتِ مؤکدہ ہے جب پہلے وضو سے کوئی بھی نماز ادا کرچکا ہو۔ (ت)

معلوم ہوا کہ لایسن سے اُن کی مراد نفی سنت مؤکدہ ہے وصاحب الدار ادری (اور صاحبِ خانہ

ف۱: معروضۃ اخری علیہ۔ ف۲: معروضۃ ثالثۃ علیہ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الرجعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۴۰/۲

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من توضاء علی طہر مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۴۱۱/۲

کو زیادہ علم ہوتا ہے۔ت) اور اُس کی نفی مقتضی کراہت نہیں کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

وجہ دوم: ایک جلسہ ف۱ میں وضو کی تکرار مکروہ ہے۔ سراج وہاج میں اسے اسراف کہا تو قبل تبدل مجلس وضو علی الوضوء کی نیت کیونکر کرسکتا ہے۔ یہ شبہہ بحرالرائق کا ہے کہ اسی عبارت خلاصہ پر وارد فرمایا۔

اقول: جس مسئلہ پر عبارت ف۲ سراج سے اعتراض فرمایا وہ خود سراج کا بھی مسئلہ ہے۔ ہندیہ میں ہے:

لوزاد علی الثلث لطمانینة القلب عند الشك اوبنیة وضوء اخر فلا باس به هكذا فی النهایة والسراج الوهاج [1]۔	شک ہونے کے وقت اطمینانِ قلب کیلئے یا دوسرے وضو کی نیت سے دھویا تو کوئی حرج نہیں ایسا ہی نہایہ اور سراج وہاج میں ہے۔(ت)

کیا کلام سراج خود اپنے مناقض ہے اور اگر ہے تو اُن کا وہ کلام احق بالقبول ہوگا جو عامہ اکابر فحول کے موافق ہے یا وہ کہ اُن سب کے اور خود اپنے بھی مخالف ہے۔ لاجرم صاحب بحر کے برادر و تلمیذ نے نہرالفائق میں ظاہر کردیا کہ سراج نے ایک مجلس میں چند بار وضو کو مکروہ کہا ہے دو بار میں حرج نہیں تو اعتراض نہ رہا۔ سراج وہاج کی عبارت یہ ہے:

لو تكرر الوضوء فی مجلس واحد مرارا لم یستحب بل یكره لما فیه من الاسراف [2] اھ	اگر وضو ایک مجلس میں چند بار مکرر ہو تو مستحب نہیں بلکہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں اسراف ہے اھ

ف۱: **مسئلہ:** بعض نے فرمایا ایک جلسہ میں دو بار وضو مکروہ ہے۔ بعض نے فرمایا دو بار تک مستحب اس سے زائد مکروہ ہے اور مصنف کی تحقیق کہ احادیث وکلمات ائمہ مطلق ہیں اور تحدیدوں کا ثبوت ظاہر نہیں۔ ف۲: تطفل علی البحر۔

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱

وھذا ھو ماخذ ماقدمنا عن المولی النابلسی رحمہ اللہ تعالٰی۔	یہی اس کلام کا ماخذ ہے جو ہم نے علامہ نابلسی رحمہ اللہ کے حوالہ سے پیش کیا۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق ف اوضوئے جدید میں کوئی غرض صحیح مقبول شرع ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو واجب کہ مطلقًا تجدید مکروہ وممنوع ہو اگرچہ ایک ہی بار اگرچہ مجلس بدل کر اگرچہ ایک نماز پڑھ کر کہ بیکار بہانا ہی اسراف ہے اور اسراف ناجائز ہے، اور اگر غرض صحیح ہے مثلاً زیادت نظافت تو وہ غرض زیادت قبول کرتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ایک ہی بار کی اجازت چاہئے اگرچہ مجلس بدل جائے کہ تبدیل مجلس نامتزاید نہ کردے گا وہ کونسی غرض شرعی ہے کہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے تو قابل زیادت نہیں اور وہاں سے اُٹھ کر ایک قدم ہٹ کر بیٹھ جائے تو از سرِ نو زیادت پائے، اور اگر ہاں تو کیا وجہ ہے کہ مجلس میں دوبارہ تکرار کی اجازت نہ ہو بالجملہ جگہ بدلنے کو اسباب میں کوئی دخل نظر نہیں آتا تو قدم قدم ہٹ کر سو بار تکرار کی اجازت اور بے ہٹے ایک بار سے زیادہ کی ممانعت کوئی وجہ نہیں رکھتی۔ احادیث بے شک مطلق ہیں اور ہمارے ائمہ کا متفق علیہ مسئلہ بھی یقینا مطلق اور ایک اور متعدد کا تفرقہ ناموجَّہ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

واشار فی الدر الی الجواب بوجہ اخر فقال لعل کراھۃ تکرارہ فی مجلس تنزیھیۃ [1] اھ ای فلا یخالف قولھم لو زاد بنیۃ وضوء اخر فلا باس بہ لان الکلمۃ غالب استعمالھا فی کراھۃ التنزیہ۔ **اقول:** ویبتنی علی ما اختارہ ان الاسراف مکروہ تحریما لان المستثنی اذا ثبت فیہ کراھۃ التنزیہ فلولم تکن فی المستثنی	در مختار میں ایک دوسرے طریقے پر جواب کی طرف اشارہ کیا اس کے الفاظ یہ ہیں شاید ایک مجلس کے اندر تکرار وضو کی کراہت تنزیہی ہو اھ مطلب یہ ہے کہ یہ مان لینے سے ان کے اس قول کی مخالفت نہ ہوگی کہ "اگر وضو کی نیت سے زیادتی کی تو کوئی حرج نہیں (فلا بأس بہ) اس لئے کہ یہ کلمہ زیادہ تر کراہت تنزیہیہ میں استعمال ہوتا ہے **اقول:** اس جواب کی بنیاد اس پر ہے جو صاحب در مختار نے اختیار کیا کہ اسراف مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مستثنٰی میں جب کراہت

ف: تطفل علی سراج الوہاج والنہر والبحر۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارت مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

منه الاهی لم یصح الثنیا۔ **فان قلت** معها مسألة الزیادة للطمانینة عند الشك وقد حکموا علیهما بحکم واحد وهو لاباس به وهذه الزیادة مطلوبة قطعا لقوله صلی الله تعالی علیه وسلم دع مایریبك [1] فکیف یحمل علی کراهة التنزیه۔ **قلت** المعنی لایمنع شرعا فیشمل المکروه تنزیها والمستحب هذا ورده فی ردالمحتار اخذا من ط بانهم عللوه بانه نور علی نور قال وفیه اشارة الی ان ذالك مندوب فکلمة ف لاباس وان کان الغالب استعمالها فیما ترکه اولی لکنها قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجهاد [2] اھ	تنزیہیہ ثابت ہوئی تو اگر مستثنی منہ میں بھی یہی کراہت رہی ہو تو استثناء درست نہ ہوا۔ **اگر یہ سوال ہو** کہ اس کے ساتھ بوقت شک اطمینان کے لئے زیادتی کا مسئلہ بھی تو ہے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا گیا ہے کہ لا بأس بہ (اس میں حرج نہیں) حالانکہ کہ یہ زیادتی تو قطعاً مطلوب ہے اس لئے کہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ارشاد ہے شک کی حالت چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو شک سے خالی ہو تو اسے کراہت تنزیہ پر کیسے محمول کریں گے۔ **قلت** میں کہوں گا (لا بأس بہ) کا معنی یہ ہوگا کہ شرعًا ممنوع نہیں تو یہ مکروہ تنزیہی اور مستحب دونوں کو شامل ہوگا یہ بات تو ہو گئی مگر ردالمحتار میں طحطاوی سے اخذ کرتے ہوئے درمختار کے جواب کی یہ تردید کی ہے کہ علماء نے اس کی علّت یہ بتائی ہے کہ وہ نور علیٰ نور ہے۔ فرمایا: اس تعلیل میں اس کا اشارہ ہے کہ وہ مندوب ہے تو لفظ "لاباس" اگرچہ زیادہ تر اس میں استعمال ہوتا ہے جس کا ترک اولیٰ ہے لیکن بعض اوقات مندوب میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ البحر الرائق کے بیان جنائز وجہاد میں ہے اھ۔ (ت)

ف: کلمة لا بأس لما ترکه اولی وقد تستعمل فی المندوب۔

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب التفسیر المشتبهات قدیمی کتب خانه کراچی ۱/۲۷۵

[2] ردالمحتار کتاب الطهارة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۱

اقول: الندب ف۱ لاینافی ف۲ فی الکراھة فلا یبعد ان یکون مندوبا فی نفسه لما فیه من الفضیلة لکن ترکه فی مجلس واحد اولی قال فی الحلیة النفل لاینافی عدم الاولویة [1] اھ ذکرہ فی صفة الصّلوٰة مسألة القراء ة فی الاُخریین وقال السید ط فی حواشی المراقی الکراھة لاتنافی الثواب افادہ العلامة نوح [2] اھ قاله فی فصل الاحق بالامامة مسألة الاقتداء بالمخالف۔ نعم یرد علیه ماذکرنا ان لااثر للمجلس فیما ھنا واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** ندب کراہت کے منافی نہیں توبعید نہیں کہ بربنائے فضیلت فی نفسہ مندوب ہولیکن ایک مجلس میں اس کاترک اولٰی ہو۔ حلیہ میں لکھا ہے کہ نفل خلافِ اولٰی ہونے کے منافی نہیں اھ اسے صفۃ الصلوٰۃ کے تحت بعد والی دونوں رکعتوں میں قراءت کے مسئلہ میں ذکرکیاہےاور سید طحطاوی نے حواشی مراقی میں لکھاہے کہ کراہت ثواب کے منافی نہیں علامہ نوح نے اس کا افادہ کیااھ۔ یہ انہوں نے فصل احق بالامامۃ میں اقتدائے مخالف کے مسئلہ میں ذکرکیاہے۔ہاں اس پر وہ اعتراض وارد ہوگاجو ہم نے بیان کیاکہ "جگہ بدلنے کو اس باب میں کوئی دخل نہیں"۔واللہ تعالٰی اعلم ۔(ت)

وجہ سوم یہ سب کچھ سہی پھر تجدید وضوتوبعد تکمیل وضوئے اول ہواثنائے وضومیں تجدید کیسی۔ یہ اعتراض علامہ علی قاری کا ہے کہ مرقاۃ موضع مذکور میں اصل مسئلہ دائرہ یعنی بہ نیت وضو علی الوضو تین بار سے زیادہ اعضاء دھونے پر ایراد کیا۔

والی ھذا اشارط اذقال علی قول الدر لقصد الوضوء علی الوضوء ظاھرہ ان نیة وضوء اخر متحققة فی الغرفة الرابعة اوالخامسة	اوراسی اعتراض کی طرف سید طحطاوی نے اشارہ کیا،اس طرح کہ درمختار کی عبارت لقصد الوضوء علی الوضوء پر لکھا: س کاظاہر یہ ہے کہ چوتھے یا پانچویں چلّو میں دوسرے وضو کی نیت متحقق

ف۱:معروضة علی العلامة ش۔ ف۲: الندب لاینافی الکراھة۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ فصل فی بیان الاحق بالامامۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۴

ولا کراھة والحدیث یدل علی غیر ھذا [1] اھ	ہو جاتی ہے اور کوئی کراہت نہیں۔ مگر حدیث کچھ اور بتا رہی ہے اھ۔
قلت وکانہ الی ھذا نظر العلامة ف البحر فزاد علی خلاف سائر المعتمدات قید الفراغ من الاول وعزاہ لاکثر شروح الھدایة مع عدمه فیھا ظنا منه رحمه اللہ تعالٰی انه ھو المحمل المتعین لکلامھم فقال وعلی الاقوال کلھا لوزاد لطمانینة القلب عند الشك اوبنیة وضوء اخر بعد الفراغ من الاول فلا باس به لانه نور علی نور وکذا ان نقص لحاجة لاباس به کذا فی المبسوط واکثر شروح الھدایة [2] اھ	**قلت** شاید علامہ بحر نے اسی طرف نظر کرتے ہوئے تمام کتب معتمدہ کے برخلاف "وضوئے اول سے فارغ ہونے" کی قید کا اضافہ کردیا اور اسے اکثر شروح ہدایہ کی جانب منسوب کیا، جبکہ ان میں یہ بات نہیں۔ صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی کا خیال ہے کہ ان شارحین کے کلام کا یہی مطلب متعین ہے۔ بحر کے الفاظ یہ ہیں: اور تمام اقوال پر اگر شک کی حالت میں اطمینان قلب کے لئے زیادہ کیا یا "پہلے وضو سے فارغ ہونے کے بعد" دوسرے وضو کی نیت سے زیادہ کیا تو کوئی حرج نہیں اس لئے یہ نور علٰی نور ہے۔ یوں ہی اگر کسی حاجت کی وجہ سے کمی کی تو کوئی حرج نہیں، ایسا ہی مبسوط اور اکثر شروح ہدایہ میں ہے اھ۔
ثم بعد ھذا الحمل البعید من کلامھم کل البعد تکلم فیه باتحاد المجلس کما تقدم قال الا ان یحمل علی ما اذا اختلف المجلس وھو بعید کما لا یخفی [3] اھ	پھر ان حضرات کے کلام سے یہ بالکل ہی بعید مطلب لینے کے بعد اس پر اتحاد مجلس سے کلام کیا جو گزرا، آگے فرمایا: مگر یہ کہ مجلس بدل جانے کی صورت پر محمول ہو، اور وہ بعید ہے جیسا کہ مخفی نہیں اھ۔

ف: ثالث علی البحر

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/۷۲

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳

[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳

اقول: رحمك ف۱ اللہ ورحمنا بك اولیس ما حملتم علیه بعیدا فاین الزیادة علی الثلث فی الغسلات من التجدید بعد انها الوضوء الاول۔	**اقول**: آپ پر خدا کی رحمت ہواور آپ کے طفیل ہم پر بھی رحمت ہو۔کیاآپ نے جو مطلب لیاوہ بعید نہیں؟ کہاں دورانِ وضو کسی عضو کو تین بار سے زیادہ دھونا اور کہاں پہلا وضو پورا کرنے کے بعد تازہ وضو کرنا (ان کے کلام میں وہ تھا اورآپ نے اس کا معنٰی یہ لیا دونوں میں کیا نسبت؟)

یہ اعتراض ضرور محتاج توجہ ہے۔

وانا اقول: وباللہ استعین ف۲ (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی مدد کے ساتھ۔ت) شے کے ف۳ اسباب وشروط ہوں یا احکام وآثار اُس کا ذکر اگرچہ مطلق ہو اُن سب کی طرف اشعار کہ مسبّب ومشروط کا وجود بے سبب وشرط نہ ہوگا۔

ان عقلیا فعقلیا او شرعیا فشرعیا کصلاۃ الظھر قبل الزوال او بدون نیة۔	اگر وہ امر عقلی ہے تو اس کا وجود عقلی اور اگر شرعی ہے تووجود شرعی بے سبب وشرط نہ ہوگا جیسے قبل زوال یا بے نیت، نماز ظہر کا وجود شرعی نہیں ہوسکتا (اول فقدان سبب کی مثال ہے دوم فقدان شرط کی ۱۲م)۔

نہ شے اپنے احکام وآثار سے خالی ہوگی کہ یہ دونوں فریق دو طرف تقدم وتاخر ذاتی میں لوازم وجود شے ہیں **والشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمه** (اگر کچھ ثابت ہوگا تو تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوگا۔ت) تبیین الحقائق مسئلہ ذکاۃ الجنین میں ہے:

ای اذبحوہ وکلوہ وھذا مثل مایروی انه صلی اللہ تعالی علیه وسلم	یعنی اسے ذبح کرلو تب کھاؤاور یہ اسی کے مثل ہے جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ف۱: تطفل رابع علیه۔

ف۲: تطفل عاشر علی الغنیة وثامن علی القاری وخامس علی البحر ومعروضة علی ط وغیرھم

اذن فی اکل لحم الخیل ای اذا اذبح لان الشیئ اذا عرف شروطه وذکر مطلقا ینصرف الیها کقوله تعالٰی اقم الصلاۃ ای بشروطها[1]۔	نے گھوڑوں کے گوشت کھانے کی اجازت دی یعنی جب ذبح کرلئے جائیں۔اس لئے کہ کسی شے کی شرطیں جب معروف ہوں اور اس کو مطلقاً ذکر کردیا جائے تو اس کا ان شرطوں کے ساتھ ہونا ہی مراد ہوگا جیسے باری تعالٰی کا ارشاد ہے نماز قائم کر، یعنی اس کی شرطوں کے ساتھ۔(ت)

اب وضودو ۲قسم ہے: ۱واجب و ۲مندوب۔

واجب کا سبب معلوم ہے کہ اُس چیز کا ارادہ جو بغیر اس کے حلال نہ ہو جیسے نماز یا سجدہ یا مصحف کریم کو ہاتھ لگانا۔اور مندوب ف۱ کے اسباب کثیر میں ازانجملہ:

(۱) قہقہہ سے ہنسنا(۲) غیبت کرنا(۳) چغلی کھانا(۴) کسی کو گالی دینا(۵) کوئی فحش لفظ زبان سے نکالنا(۶) جھوٹی بات صادر ہونا(۷) حمد ونعت ومنقبت ونصیحت کے علاوہ کوئی دنیوی شعر پڑھنا (۸) غصہ آنا(۹) غیر عورت کے حُسن پر نظر۔(۱۰) کسی کافر سے بدن چھو جانا اگرچہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو جیسا ف۲ قادیانی عہ۱

ف۱: **مسئلہ:** ان بعض اشیاء کا بیان جن کے سبب وضو کی تجدید مطلقا بالاتفاق مستحب ہوتی ہے خواہ ابھی اس سے نماز وغیرہ کوئی فعل ادا کیا ہو یا نہیں مجلس بدلی ہو یا نہیں وضو پورا ہوا ہو یا نہیں تجدید ایک بار ہو یا سو بار۔

ف۲: **فائدہ ضروریہ:** ان دس فرقوں کا بیان جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور شرعا مرتد ہیں۔

عہ۱: اغلام احمد قادیانی کے پیرو جو اپنے آپ کو نبی ورسول کہتا اپنے کلام کو کلام الٰہی بتاتا سید نا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دیتا چار سو انبیا کی پیشگوئی جھوٹی بتاتا خاتم النبیین میں استثنا کی پچّر لگاتا وغیرہ کفریات ملعونہ ۱۲(م)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۶۵

یا چکڑالوی عہ۲ نیچری عہ۳ یا آج کل کے تبرائی رافضی عہ۴ یا کذابی عہ۵ یا بہائی عہ۶ یا شیطانی عہ۷ خواتمی عہ۸ وہابی جن کے عقائد کفر کا بیان حسام الحرمین میں ہے۔ یا اکثر غیر عہ۹ مقلد خواہ بظاہر مقلد وہابیہ کہ اُن عقائد ارتداد پر مطلع ہو کر

عہ۲: یہ ایک نیا طائفہ ملعونہ حادث ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے منکر ہے تمام احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحۃً باطل وناقابل بتاتا اور صرف قرآن عظیم کے اتباع کا ادعا رکھتا ہے اور حقیقۃً خود قرآن عظیم کا منکر ومبطل ہے، ان خبیثوں نے اپنی نماز بھی جُدا گھڑی ہے جس میں ہر وقت کی صرف دو ۲ ہی رکعتیں ہیں ۱۲۔

عہ۳: یہ باطل طائفہ ضروریات دین کا منکر ہے قرآن عظیم کے معانی قطعیہ ضروریہ میں درپردہ تاویل وتحریف وتبدیل کرتا وجودِ ملائکہ وآسمان وجن وشیطان وحشر ابدان ونار وجنان ومعجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انہیں ملعون تاویلوں کی آڑ میں انکار رکھتا ہے ۱۲۔

عہ۴: یہ ملاعنہ صراحۃً قرآنِ عظیم کو ناقص بتاتے اور مولیٰ علی وائمہ اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو انبیاء سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم سے افضل ٹھہراتے ہیں ۱۲۔

عہ۵: یہ ملاعنہ طائفہ اللہ تعالیٰ کو بالفعل جھوٹا بتاتا اور صاف کہتا ہے کہ وقوع کذب کے معنے درست ہوگئے ۱۲۔

عہ۶: یہ گروہ لعین ہر پاگل اور چوپائے کے لئے علم غیب مان کر صاف کہتا ہے کہ جیسا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تھا ایسا علم تو ہر پاگل اور جانور کو ہوتا ہے ۱۲

عہ۷: اس شیطانی گروہ کے نزدیک ابلیس لعین کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بلکہ بے شمار زیادہ ہے ابلیس کی وسعت علم کو نص قطعی سے ثابت کہتا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وسعت علم کو باطل بے ثبوت مانتا ہے اُن کیلئے وسعتِ علم کے ماننے کو خالص شرک بتاتا مگر ابلیس کو وسعتِ علم میں خدا کا شریک جانتا ہے ۱۲۔

عہ ۸: یہ شقی گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا صاف منکر ہے خاتم النبیین کے معنی میں تحریف کرتا اور بمعنی آخر النبیین لینے کو خیالِ جہال بتاتا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چھ یا سات مثل موجود مانتا ہے ۱۲

عہ۹: یہ بدبخت طائفہ ان ملعون ارتدادوں کو دفع تو کر نہیں سکتا بلکہ خوب جانتا ہے کہ ان سے دفع ارتداد ناممکن ہے مگر ان مرتدوں کو پیشوا اور ممدوح دینی ماننے سے بھی باز نہیں آتا اللہ جل وعلا ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل ان کی حمایت پر تُلا ہوا ہے اللہ ورسول کو گالیاں (باقی برصفحہ آئندہ)

اُن کو عالم دین و عمدہ مسلمین کہتے یا اللہ و رسول کے مقابل اللہ و رسول کو گالیاں دینے والوں کی حمایت کرتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دینا بہت ہلکا جانتا ہے مگران دشنام دہندوں کا حکم شرعی بیان کرنے کو گالیاں دینا کہتا اور بہت سخت برا مانتا ہے اور ازانجاف کہ اُن صریح ارتدادوں کی حمایت سے قطعًا عاجز ہے باوصف ہزاروں تقاضوں کے اُن کا نام زبان پر نہیں لاتا اور براہ گریز خدا اور سول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں اُن صریح گالیوں کو بالائے طاق رکھ کر سہل اختلاف مسئلہ عطائے بعض علوم غیبیہ کی طرف بحث کو پھیرنا چاہتا ہے پھر اس میں بھی افترا و اختراع سے کام لیتا ہے اور اصل مقصود صرف اتنا کہ وہ قہر عظیم والی دشنام ہائے خدا اور سول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھول میں پڑ جائیں اور بات این وآں کی طرف منتقل ہو اس چالاکی کا موجد امر تسر کے پرچہ "اہلحدیث" کا ایڈیٹر ہے دیکھو چابک لیث اور ظفر الدین الطیب اور کین کش پنجہ پیچ وغیرہا، یہ چالاک پرچہ ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ میں حسام الحرمین کا ذکر منہ پر لایا مگریوں کہ براہ عیاری اُس کے تمام مقاصد سے دامن بچا کر دو بالائی باتوں امکانِ کذب وعلم غیب کو اس کا مبنائے بحث ٹھہرایا پھر اُن میں بھی امکانِ کذب کو الگ چھوڑ کر صرف علم غیب میں اپنی بعض فاحشہ جہالتیں دکھائیں جن کا رد بار ہا ہو چکا اسی پرچہ کے رد میں چابک لیث براہل حُدیث دو مجلد میں ہے پھر ۳۰ جولائی ۲۰ اگست ۹ ء کے پرچوں میں وہی انداز کہ اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں گالیاں شیر مادر۔ قاہر مناظروں کے جواب سے گنگ و کر۔ اور اغوائے عوام کو مناظرہ کا نام زبان پر، اس کے رد میں ظفر الدین الطیب چھاپ کر بھیج دیا انتالیس رات بعد پرچہ ۲۹ رمضان میں اُس کے دیکھنے کا اقرار تو کیا مگر چال وہی کہ اُس کے تمام اعتراضات سے ایک کا بھی جواب نہ دیا اور ایک بالائی لطیفہ تردید کے متعلق لکھا تھا صرف اُس کے ذکر پر اکتفا کیا کہ میری اردو دانی پر بھی اعتراض ہے۔ اے سبحٰن اللہ اور وہ جو آپ کے دعوی ایمان پر قاہر اعتراض ہیں وہ کیا ہوئے وہ جو ثابت کیا تھا کہ تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جتنا افترا اُٹھایا اور اُس پر تمہاری حدیث دانی سے بارہ [۱۲] سوال تھے وہ کدھر گئے۔ خیر اس کے جواب میں رسالہ کین کش پنجہ پیچ برایڈیٹر اے اتچ رجسٹری شدہ بھیجا آج پچپن دن ہوئے اُس کا بھی ذکر غائب، مگر بکمال حیا بعد کے بعض پرچوں میں وہی رٹ موجود، خدا جانے ان صاحبوں کے نزدیک مناظرہ کس شے کا (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: ایڈیٹر الحدیث امر تسر کی بار بار گریز فرار پر فرار اور عوام کے بہکانے کو نام مناظرہ کی عیارانہ پکار۔

جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ یا عــہ۱ جھوٹے متصوف کہ حلول واتحاد کے قائل یا شریعت مطہرہ کے صراحۃً منکر ومبطل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نام ہے، ان سے سیکھ کر یہی چال ایک گمنام صاحب چاند پوری دیوبند در بھنگی چلے۔ دشنامی اکابر جن کے رد میں پینتیس سال سے بکثرت رسائل آستانہ علیہ رضویہ سے شائع ہورہے ہیں اور ان کو خود اقرار ہے کہ آج تک ایک پرچہ کا جواب نہ دے سکے بلکہ بڑے بڑوں نے مناظرہ سے عجز کا صاف صاف اقرار کیا بلکہ لکھ دیا (دیکھو رسالہ **دفع زیغ** ورسالہ **بطش غیب**) اب اُن کی حمایت میں جمے ہوئے مناظرے یوں ہی چھوڑ کر یہ در بھنگی صاحب سوال علی السوال لے کر چلے اور ایک بے معنی رسالہ بنام اسکات المعتدی چھاپا اور بعنایت الٰہی خود بھی اس رسالے میں صاف اقرار کردیا کہ اُن کے تمام اکابر آج تک لاجواب ہیں۔ یہ رسالہ یہاں ۹ شعبان کو پہنچا اور ۲۰ شعبان کو اس کا رد ظفر الدین الطیب چھپا ہوا تیار تھا کہ اُسی دن جلسہ مدرسہ اہلسنت میں شائع کردیا اور ۲۱ شعبان کو ان کے سرآمد کے پاس رجسٹری شدہ اور اتباع کے یہاں نام بنام بھیج دیا۔ ساٹھ رات کے بعد در بھنگی صاحب بولے تو یہ بولے کہ رسالہ کسی کو بھیجا ہی نہیں اور ایک خط اُسی چالاکی پر مشتمل بھیجا کہ صرف دو مسئلہ امکانِ کذب وعلمِ غیب میں اختلاف ہے وبس یعنی وہ شدید شدید گالیاں کہ اُن کے اکابر نے اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ لکھ کر چھاپیں اصلا کوئی قابل پروابات نہیں۔ اس خط کے جواب میں معًا دو رسالے تصنیف ہو کر رجسٹری شدہ اُن کے پاس روانہ ہوئے، اول بارش سنگی، دوسرا پیکان جانگداز بر جان مکذّبان بے نیاز، اس دوسرے میں گریز والے صاحبوں کی وہ ہوس بھی پوری کردی یعنی مسئلہ امکان کذب وعلم غیب ہی میں مناظرہ تازہ کردیا۔ رجسٹری رسید طلب تھی ڈاک کی رسید تو آئی مگر آج پچاس دن ہوئے وہ بھی سو رہے حالانکہ اُن کو صرف دس دن کی مہلت تھی۔ مسلمانو! للہ انصاف، یہ ان مدعیانِ دین ودیانت کی حالت ہے منہ بھر بھر کر اللہ ورسول کو سخت سخت گالیاں دیں پھر جب مسلمان اس پر مؤاخذہ کریں جواب نہ دیں، سوالات جائیں جواب غائب، رسائل جائیں جواب غائب، رجسٹریاں جائیں جواب غائب۔ مناظرہ سے اپنا عجز صاف صاف لکھ دیں کہہ دیں اپنے اکابر کا لاجواب رہنا قبول کریں چھاپ دیں اور پھر عوام کے بہکانے کو مناظرہ مناظرہ کی پکار۔ اُس پکار پر جو گرفت ہو اس کے جواب سے پھر فرار اور وہی پکار اس حیا کی کوئی حد ہے۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: (باقی برصفحہ آئندہ)

ہیں ان میں دسوں [عہ۱۰] طائفوں اور ان کے امثال سے مصافحہ کرنا تو خود ہی حرام قطعی گناہِ کبیرہ ہے اگر بلا قصد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اذالم تستحی فاصنع ماشئت[1] جب تجھے حیانہ ہو تو جو چاہے کر۔ ع

بے حیا باش وہر چہ خواہی کن

(بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر)

ہاں ہاں اے اللہ و رسول (جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والو! کیا مسلمان اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معاذ اللہ ایسے بے علاقہ ہو گئے کہ تم اُنہیں گالیاں لکھ لکھ کر چھاپو اور وہ بے پروائی کرکے ٹال دیں۔ نہیں نہیں ضرور تمہیں دو باتوں سے ایک ماننی ہوگی، یا تو خدا توفیق دے اُن گالیوں سے صراحۃً توبہ کرو جس طرح اُن کی اشاعت کی اُن سے صاف صاف اپنی توبہ اور اپنے حکم دشنام کا اعتراف چھاپو یا اُن تمام رسائل وکُتب کا جواب دو، جواب دو، جواب دو۔ اس کے سوا تمہارے حیلے حوالے ٹالے بالے ہر گز نہ سُنے جائیں گے، وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ [2] ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ۱۲ عبدہ محمد ظفر الدین قادری غفرلہ۔

عــہ۱۰: ان تمام مرتد طوائف کارد کافی وشافی کتاب مستطاب المعتمد المستند وکتاب لاجواب حسام الحرمین وکتاب کامل النصاب تمہید ایمان بآیات قرآن وظفر الدین الجید وظفر الدین الطیب وغیرہا میں ملاحظہ ہو، سوا فرقہ چکڑالویہ کہ تالیف المعتمد المستند تک اس کا کوئی تذکرہ ان بلاد میں نہ آیا تھا یہ کتابیں بریلی مطبع اہلسنت وجماعت کے پتے سے مولوی حکیم حسین رضا خان صاحب سلمہ سے مل سکتی ہیں۔ المعتمد المستند عربی زبان میں ۲۳۲ صفحہ میں ہے قیمت (عہ) ______ تمہید ایمان بآیات قرآن (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: ان نفیس اسلامی کتابوں کے نام جن سے ایمان تازہ ہو اور مرتدوں کی چالاکیوں کا حال کھلے۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ و ۶۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷ و ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

بھی ان کے بدن سے بدن چھُو جائے تو وضو کا اعادہ مستحب ہے۔

(۱۱) ناخن سے کُہنی تک اپنے ہاتھ کا کوئی حصّہ اگرچہ کھُجانے میں اگرچہ بھُولے سے بلا حائل اپنے ذکر کو لگ جانا۔

(۱۲) ہتھیلی یا کسی اُنگلی کا پیٹ اپنے یا پرائے ستر غلیظ یعنی ذکر یا فرج یا دُبر کو بے حائل چھُو جانا اگرچہ وہ دوسرا آدمی کتنا ہی چھوٹا بچّہ یا مردہ ہو۔

(۱۳) نامحرم عورت کے کسی حصہ جلد سے اپنا کوئی حصہ جلد بے حائل چھُو جانا اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ عورت مُردہ یا بڑھیا ہو اگرچہ نہ قصد ہو نہ شہوت چاہے لذت نہ پائے جبکہ وہ عورت بہت صغیرہ چار پانچ برس کی بچّی نہ ہو۔

(۱۴) اگر اُس چھُو جانے سے لذت آئی تو نامحرم کی بھی قید نہیں نہ جِلد کی خصوصیت نہ بے حائل کی ضرورت مثلاً رقیق یا متوسط حائل کے اوپر سے اپنی بہن یا بیٹی کے بال سے مس ہو جانے پر اتفاقاً لذت کا آجانا جبکہ عورت قابلِ لذت ہو اور حائل بہت بھاری مثل رضائی وغیرہ کے نہ ہو۔

(۱۵) نامحرم عورت قابلِ لذت کو بقصدِ شہوت چھُو جانا اگرچہ حائل کتنا ہی بھاری ہو اگرچہ اپنی زوجہ ہو اگرچہ لذت نہ پائے مثلاً لحاف کے اوپر سے اُس کے بالوں پر ہاتھ رکھنا، اور ان کے سوا اور بہت صورتیں ہیں اور ایک اصل کُلی یہ ہے کہ جس بات سے کسی اور امام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں صرف آیاتِ قرآنیہ سے بتایا ہے کہ ایمان کے یہ معنی ہیں اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم) کی تعظیم ومحبت ایسی ہو تو مسلمان ہے اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گالیاں دینا کفر ہے۔ ایسوں کے کفر میں جو خود یہ لوگ اور آج کل کے بعض آزاد خیال والے حیلے حوالے نکالتے ہیں نہایت سلیس ومہذب بیان میں قرآن مجید سے ان کا جواب ہے، یہ وہ کتاب ہے جس کا دیکھنا ہر مسلمان کو نہایت ضروری ہے۔ حسام الحرمین میں اکابر علمائے حرمین شریفین کی مُہری تصدیقات وفتاوٰی ہیں جن میں اُن دشنام دہندوں کا حکم شرعی مدلل ہے اُس کا مطالعہ پکا مسلمان بناتا ہے دونوں کا مجموعہ ۱۵ جز ہے۔ ہدیہ ۱۰۔ اور یکم محرم ۱۳۲۸ھ سے ۱۲ ربیع الاول تک آٹھ ہی آنے (۸۔) ظفر الدین الجید وظفر الدین الطیب۔ اُن دشنامیوں کے فرار اور عیاریوں کے اظہار میں۔ حجم سواد وجز قیمت (ا۔) مسلمان اپنا دینی فائدہ حاصل کریں وباللہ التوفیق ۱۲ سید عبدالرحمٰن عفا عنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ۔ م

مجتہد کے مذہب میں وضو جاتا رہتا ہے اُس کے وقوع سے ہمارے مذہب میں اعادہ وضو مستحب ہے درمختار میں ہے:

الوضوء مندوب فی نیف وثلثین موضعا ذکرتھا فی الخزائن منھا بعد کذب وغیبۃ وقھقھۃ و شعر واکل جزور وبعد کل خطیئۃ وللخروج من خلاف العلماء [1] اھ **اقول:** والحقت النمیمۃ لانھا کالغیبۃ اواشد ثم رأیتھا فی میزان الامام الشعرانی وغیرہ والحقت الفحش لانہ اخنأمن الشعر وربما یدخل فی قولہ خطیئۃ والشتم لانہ اخبث واخنع ثم رأیت التصریح بہ فی انوار الشافعیۃ۔	وضو تیس ۳۰ سے زیادہ مقامات میں مستحب ہے، ان سب کا ذکر میں نے خزائن میں کیا ہے۔ اُن میں سے چند یہ ہیں جھُوٹ، غیبت، قہقہہ، شعر، اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد اور ہر گناہ کے بعد اور اختلافِ علماء سے نکلنے کیلئے اھ۔ (ت) **اقول:** میں نے چغلی کو بھی شامل کیا اس لئے کہ وہ غیبت ہی کی طرح ہے یا اس سے بھی سخت پھر میں نے میزان امام شعرانی وغیرہ میں اس کا ذکر دیکھا اور فحش کو میں نے شامل کیا اس لئے کہ وہ شعر سے زیادہ برا ہے اور یہ درمختار کے لفظ ہر گناہ کے تحت آسکتا ہے۔ اور گالی دینے کو اس لئے کہ یہ اور بدتر اور فحش تر ہے پھر انوار شافعیہ میں میں نے اس کی تصریح دیکھی۔ (ت)

ردّالمحتار میں ہے:

منھا لغضب ونظر لمحاسن امرأۃ وبعد کذب وغیبۃ لانھما من نجاسات ف المعنویۃ ولذا یخرج	ان اسباب میں چند یہ ہیں غصہ آنا، کسی عورت کے حسن پر نظر، اور جھوٹ اور غیبت کے بعد، اس لئے کہ یہ دونوں معنوی نجاستیں ہیں، اس لئے جھُوٹ

ف: جھوٹ اور غیبت معنوی نجاست ہیں وللذا جھوٹے کے منہ سے ایسی بدبو نکلتی ہے کہ حفاظت

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷ و ۱۸

من الکاذب نتن یتباعد منه	بولنے والے سے ایسی بدبو اٹھتی ہے جس سے محافظ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کے فرشتے اُس وقت اُس کے پاس سے دُور ہٹ جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اور اسی طرح ایک بدبو کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ اُن کے منہ کی سڑاند ہے جو مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں اور ہمیں جو جھوٹ یا غیبت کی بدبُو محسوس نہیں ہوتی اُس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اُس سے مالوف ہوگئے ہماری ناکیں اُس سے بھری ہوئی ہیں جیسے چمڑا پکانے والوں کے محلّہ میں جو رہتا ہے اُس کی بدبُو سے ایذا نہیں ہوتی دوسرا آئے تو اُس سے ناک نہ رکھی جائے **انتھی**

مسلمان اس نفیس فائدے کو یاد رکھیں اور اپنے رب سے ڈریں جھوٹ اور غیبت ترک کریں کیا معاذ اللہ منہ سے پاخانہ نکلنا کسی کو پسند ہوگا باطن کی ناک کھلے تو معلوم ہو کہ جھوٹ اور غیبت میں پاخانے سے بدتر سڑاند ہو۔ رہیں وہ حدیثیں جن کی طرف علامہ شامی نے اشارہ کیا۔

جامع ترمذی بسند حسن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کذب العبد کذبة تباعد الملك عنه مسیرة میل من نتن ماجاء به[1] رواه ابن ابی الدنیا فی کتاب الصمت وابونعیم فی حلیة الاولیاء[2] عنه رضی الله تعالٰی عنه۔	جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے اُس کی بدبو کے باعث فرشتہ ایک میل مسافت تک اُس سے دُور ہو جاتا ہے۔ کتاب الصمت میں ابن ابی الدنیا اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں روایت کیا عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

امام احمد بسند صحیح جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہم خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے کہ ایک بدبو اُٹھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتدرون ماھذه الریح ھذه	جانتے ہو کہ یہ بدبو کیا ہے، یہ ان کی بدبو ہے جو (باقی برصفحہ آئندہ)

1 سنن الترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث ۱۹۷۹ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۲

2 حلیۃ الاولیاء ترجمہ عبد العزیز بن ابی رواد ۴۰۰ حدیث ۱۹۱۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۸/ ۲۱۴

الملك الحافظ کما ورد فی الحدیث وکذا اخبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ریح منتنۃ بانھا ریح الذین یغتابون الناس والمؤمنین ولالف ذالك منا وامتلاء انوفنا منھا لا تطھر لنا کالساکن فی محلہ الدباغین وقھقھۃ لانھا لما کانت فی الصلٰوۃ جنایۃ تنقض الوضوء اوجبت نقصان الطھارۃ خارجا فکان الوضوء منھا مستحبا کما ذکرہ سیدی عبد الغنی النابلسی فی نھایۃ المراد علی ھدیۃ ابن العماد و شعر ای قبیح للخروج من خلاف العلماء کمس ذکرہ وامرأۃ اھ[1]	فرشتہ دُور ہٹ جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدبو سے متعلق بتایا کہ یہ ان کی بدبو ہے جو لوگوں کی اور مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں چونکہ ہمیں ان سے الفت ہو گئی ہے اور ہماری ناکیں ان سے بھری ہوئی ہیں اس لئے یہ ہمیں محسوس نہیں ہوتی جیسے چمڑا پکانے والوں کے محلے میں رہنے والوں کا حال ہوتا ہے اور قہقہہ اس لئے کہ جب اندرون نماز ایسا جرم ہے کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو بیرون نماز اس سے وضو میں نقص آجائے گا اس لئے اس سے وضو مستحب ہوا جیسا کہ سیدی عبد الغنی نابلسی نے "نہایۃ المراد علی ہدیۃ ابن العماد میں ذکر کیا ہے۔ اور شعر یعنی برا شعر ،اپنے ذکر یا کسی عورت کا چھو جانا اھ ملتقطا (ت)

میزان امام شعرانی قدس سرہ الربانی میں ہے:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ	میں نے سیدی علی الخواص رحمۃ اللہ تعالٰی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ریح الذین یغتابون المومنین[2] ورواہ ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبت عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

مسلمانوں کی غیبت کرتے ہیں، (اس کو ابن الدنیا نے کتاب ذم الغیبت میں روایت کیا ہے، اللہ ان سے راضی ہو ۱۲ منہ غفرلہ۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۱

[2] مسند احمد بن حنبل عن جابر بن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۳۵۱

سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالٰی یقول وجہ من نقض الطھارۃ بالقھقھۃ اونوم الممکن ف۱ مقعدۃ اومس ف۲ الابط الذی فیہ صنان اومس ف۳ ابرص اوجذم اوکافر اوصلیب ف۴ او غیر ذلك مماوردت فیہ الاخبار الاخذ بالاحتیاط قال وجمیع النواقض متولدۃ من الاکل ولیس لنا ناقض من غیر الاکل ابدا فلولا الاکل والشرب مااشتھینا لمس النساء ولا تکلمنا بغیبۃ ولا نمیمۃ اھ بالالتقاط[1]۔	سنا قہقہہ سے طہارت ٹوٹ جاتی ہے، اسی طرح وہ نیند جس میں مقعد زمین سے لگی ہو، بغل کو کھجانا جس میں بدبو ہو، برص والے کو یا جذامی کو یا کافر کو چھُونے سے یا صلیب کو چھونے سے، اس کے علاوہ اور دوسری اشیاء جن کے بارے میں احادیث وارد ہیں، احتیاط کے طور پر۔ فرمایا تمام نواقض وضو کھانے سے پیدا ہونے والے ہیں، اور ہمارے لئے غیر اکل سے کوئی ناقض نہیں اگر کھانا پینا نہ ہوتا تو عورتوں کے چھونے کی ہم میں شہوت بھی نہ ہوتی نہ ہی غیبت وچغلی ہماری زبان پر آتی اھ بالالتقاط۔ (ت)

کتاب الانوار امام یوسف اردبیلی میں ہے:

لاینقض بالکذب والشتم والغیبۃ والنمیمۃ ویستحب فی الکل للخلاف[2]	جھُوٹ، گالی دینے، غیبت، چغلی سے وضو نہیں ٹوٹتا اور مستحب ان سب میں ہے کیوں کہ محلِ اختلاف ہے۔ (ت)

فتح العین بشرح قرۃ العین للعلامۃ زین الشافعی تلمیذ ابن حجر المکی میں ہے:

ف۱ مسئلہ: سوتے میں دونوں سرین زمین پر جمے ہوں تو وضو نہیں جاتا مگر اعادہ وضو مستحب جب بھی ہے۔

ف۲: مسئلہ: بغل کھجانے سے وضو مستحب ہے جبکہ اس میں بدبو ہو۔

ف۳ مسئلہ: جزامی یا برص والے سے مس کرنے میں بھی تجدید وضو مستحب ہے۔

ف۴: مسئلہ: صلیب جسے نصاری پوجتے ہیں اور ہنود کے بت وغیرہ کے چھونے سے بھی نیا وضو چاہیے۔

---

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی، باب اسباب الحدث دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۴۵

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطھارۃ فصل اسباب الحدث مطبع جمالیہ مصر ۱/۲۹

یندب الوضوء من لمس یهودی ونظر بشهوة ولوالی محرم وتلفظ بمعصیة وغضب[1]۔	یہودی کو چھو جانے، شہوت سے نظر کرنے اگرچہ محرم ہی کی طرف ہو۔ معصیت کی بات زبان پر لانے اور غصہ سے وضو مستحب ہے۔

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں ہے:

اتفقوا علی ان من مس فرجه بعضو غیریده لا ینتقض وضوؤه واختلفوا فیمن مس ذکره بیده فقال ابو حنیفة لامطلقا والشافعی ینتقض بالمس بباطن کفه دون ظاهره من غیر حائل بشهوة اوبغیرها والمشهور عند احمد انه ینتقض بباطن کفه وبظاهره[2]۔	اس پر اتفاق ہے کہ جو اپنی شرمگاہ ہاتھ کے علاوہ کسی اور عضو سے چھودے اس کا وضو نہ ٹوٹے گا، اور اس کے بارے میں اختلاف ہے جس نے اپناذکر اپنے ہاتھ سے چھودیا امام ابو حنیفہ نے فرمایا: مطلقا نہ ٹوٹے گا، اور امام شافعی نے فرمایا پشت دست سے چھودے تو نہ ٹوٹے گا اور اگر ہتھیلی کے پیٹ سے بغیر کسی حائل کے شہوت کے ساتھ یا بلا شہوت چھو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ت) اور امام احمد کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ ہتھیلی کے باطن وظاہر کسی طرف سے بھی چھو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (ت)

میزان میں ہے:

وجه من نقض الطهارة بلمس الذکر بظهر الکف اوبالید الی المرفق فهو الاحتیاط لکون الید تطلق علی ذلك کما فی حدیث اذا افضی احدکم بیده الی فرجه ولیس بینهما ستر ولا حجاب فلیتوضأ[3]۔	ہتھیلی کی پشت سے یا کہنی تک ہاتھ کے کسی حصے سے وضو ٹوٹنے کی وجہ احتیاط کو بتایا گیا ہے اس لئے کہ ہاتھ کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: جب تم میں کوئی اپنا ہاتھ اپنی شرمگاہ تک پہنچادے اور دونوں میں کوئی پردہ اور حائل نہ رہ جائے تو وہ وضو کرے۔ (ت)

---

1 فتح المعین شرح قرۃ العین بیان نواقض الوضوء عامر الاسلام پور پریس کبیر ص ص ۲۴و۲۵

2 رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ، باب اسباب الوضوء دولۃ قطر ص ۱۳

3 میزان الشعریۃ، باب اسباب الحدث، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۴۲

انوارائمہ شافعیہ میں ہے:

اسباب الحدث اربعة الرابع مس فرج ادمی بالراحة اوبطن اصبع قبلا کان اودبرا ناسیا اوعامدا من ذکر اوانثی صغیر اوکبیرحی اومیت من نفسه اوغیره ولومس برؤس الاصابع اوبما بینها مما لایلی بطن الکف اوبحروف الکفین اومس انثییه اوالیتیه اوعجانه اوعانته لم ینتقض۔[1]	حدث کے چار اسباب ہیں چوتھا کسی انسان کی شرمگاہ کا مس ہوجانا ہتھیلی سے یا انگلی کے پیٹ سے، آگے کی شرمگاہ ہو یا پیچھے کی، بھول کر ہو یا قصدا مرد کی ہو یا عورت کی، چھوٹا ہو یا بڑا، زندہ یا مردہ اپنی شرمگاہ ہو یا دوسرے کی اور اگر انگلیوں کے سروں سے مس ہوجائے یا انگلیوں کے ان درمیانی حصوں سے جو بطن کف سے ملے ہوئے نہیں ہیں، یا ہتھیلیوں کے کناروں سے مس ہو یا انثیین کو یا سرینوں کو یا خصیتین اور دبر کے درمیان کے حصے کو یا پیڑو کو چھودے تو وضو نہ ٹوٹے گا(ت)

اُسی میں ہے:

الثالث لمس بشرة المرأة الکبیرة الاجنبیة بلا حائل فان لمس شعرا اوسنا اوظفرا اوبالشعر اوالسن اوالظفر اوصغیرة لاتشتهی اومحرما بنسب اورضاع اومصاهرة اوکبیرة اجنبیة مع حائل وان رق ولو بشهوة لم ینتقض ولو لمس امراته اوامته اومیتة اوعجوزة فانیة اوبلا شهوة اوبلا قصد انتقض واذا کانت المرأة فوق سبع	تیسرا اجنبی قابل شہوت عورت کی جلد کا بغیر حائل چھوجانا اگر بال یا دانت یا ناخن کو مس یا بال یا دانت یا ناخن سے مس کیا یا عورت اتنی چھوٹی ہے کہ قابل شہوت نہیں، یا نسب یا رضاعت یا مصاہرت کسی سبب سے وہ محرم ہے یا بڑی اجنبیہ ہے مگر کوئی حائل درمیان ہے اگرچہ باریک ہوا گرچہ شہوت کے ساتھ ہو تو وضو نہ ٹوٹے گا اور اگر اپنی بیوی یا باندی یا مری ہوئی یا فانیہ بڑھیا کو مس کیا تو وضو ٹوٹ جائے گا اور

[1] الانوار لاعمال الابرار، کتاب الطہارۃ، فصل اسباب الحدث، مطبع جمالیہ مصر ۱/۳۱

سنين فلا شك فی انتقاض الوضوء بلمسها واما اذا كانت دون ست سنين فاصحابنا خرجوا علی قولين المذهب انه لاينتقض [1]	جب سات سال سے زیادہ کی ہو تو اس کے چھونے سے وضوٹوٹنے میں کوئی شک نہیں اور اگر چھ سال سے کم کی ہو تو یہاں ہمارے اصحاب کے دو۲ قول ہیں مذہب یہ ہے کہ وضونہ ٹوٹے گا

عشماویہ اور اس کی شرح جواہر زکیۃ العلامۃ احمد المالکی میں ہے:

(و) ينتقض الوضوء (بلمس) اجنبية يلتذ بمثلها عادة ولو ظفرها اوشعرها اوفوق حائل خفيف قيل والكثيف (وان لم يقصد اللذة ولم يجدها فلا وضوء عليه [2]	ایسی اجنبیہ جو عادتاً قابل لذت ہے اس کے چھو جانے سے وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ اس کے ناخن یا بال ہی کو چھوئے یا خفیف حائل کے اوپر سے چھوئے ایک قول ہے کہ دبیز کے اوپر سے بھی اور اگر لذت کا قصد نہیں نہ لذت پائی تو اس پر وضو نہیں۔(ت)

حاشیہ علامہ سِفطی میں ہے:

قوله لمس اجنبية هذا ضعيف والمعتمد ان وجود اللذة بالمحرم ناقض ولا فرق بين المحرم وغيرها الافی القصد وحده بدون وجدان ففی الاجنبية ناقض وفی المحرم غير ناقض قوله عادة ای عادة الناس لاالملتذ وحده فخرج به صغيرة لاتشتهی كبنت خمس وعجوز مسنة انقطع منها ارب الرجال بالكلية قوله والكثيف قال الشيخ حاشية	ان کا قول "اجنبیہ کو مس کرنا" یہ ضعیف ہے، معتمد یہ ہے کہ محرم سے لذت پائی گئی تو یہ بھی ناقض ہے اور محرم و نا محرم میں فرق یہ ہے کہ قصد لذت نہ ملے تو اجنبیہ میں ناقض ہے اور محرم میں ناقض نہیں ان کا قول "عادۃ" یعنی لوگوں کی عادت کے لحاظ سے، صرف لذت پانے والے کی عادت مراد نہیں تو اس قید سے وہ صغیرہ خارج ہو گئی جو قابل شہوت نہیں جیسے پانچ سال کی بچی اور وہ سن رسیدہ بڑھیا جس سے مردوں کی خواہش بالکل منقطع ہو چکی۔۔ قولہ "دبیز

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب الطہارۃ فصل اسباب الحدث مطبع جمالیہ مصر ۱/۳۱

[2] الجواہر الزکیۃ شرح مقدمۃ العشماویۃ

ابی الحسن المعتمد ان الاقسام ثلثة خفیف جد او کثیف لاجد اکالقباء وجدا کالطراحة فالاولان حکمها النقض علی الراجح واما الاخیر فالنقض فی القصد دون الوجدان [1]۔	سے بھی" شیخ نے حاشیہ ابوالحسن میں لکھا ہے کہ معتمد یہ ہے کہ تین قسمیں ہیں: (۱) بہت خفیف (۲) دبیز جو بہت زیادہ دبیز نہ ہو جیسے قبا (۳) اور بہت دبیز جیسے لحاف، تو پہلے دونوں کا حکم بر قول راجح یہ ہے کہ وضو ٹوٹ جائے گا اور اخیر میں یہ حکم ہے کہ قصد ہو تو وضو ٹوٹ جائے گا اور اتفاقاً لذت مل جانے سے نہ ٹوٹے گا۔ (ت)

مستحب وضو اور بھی ہیں مگر یہاں وہی اکثر ذکر کئے جن کا وضو میں وقوع عادۃً بعید نہ ہو۔ ولہذا کفار کی وہ قسمیں بیان کرنی ہوئیں جو بغلط مدعی اسلام ہیں کہ ان میں بہتیرے نماز پڑھتے، وضو کرتے، مسجدوں میں آتے ہیں تو وضو کرتے ہیں ان سے بدن چھُو جانا بعید نہیں۔ یوں ہی کبھی وضو کرتے میں پانی کم ہو جاتا اور آدمی اپنی کنیز یا خادمہ یا زوجہ وغیرہا سے مانگتا اور لینے میں ہاتھ سے ہاتھ لگ جاتا ہے وغیرہ ذلک۔ کامل احتیاط والے کو ان مسائل پر اطلاع نہایت مناسب ہے۔ اب بے فصل نماز وغیرہ عبادات مقصودہ یا بے تبدل مجلس اعادہ وضو کی کراہت اگر ہوگی بھی تو وہاں کہ اعادہ کیلئے کوئی سبب خاص نہ ہو ورنہ بعد وجود سبب وہ بے وجہ نہیں کہ اسراف ہو۔ اور اگر مواضع خلاف میں نزاع عود بھی کرے کہ رعایت خلاف وہیں مستحب ہے کہ اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آئے کما فی ردالمحتار وغیرہ تو پہلی نو دس صورتیں کہ گویا حدث معنوی ونجاست باطنی مانی گئیں اثنائے وضو میں اُن کا وقوع کیا نادر ہے اور شک ف نہیں کہ دربارہ نقض و نقض وضو بعض وضو کا حکم ایک ہی ہے جس طرح وضوئے کامل پر کوئی ناقض طاری ہونے سے پورا وضو جاتا رہتا ہے اور خلال وضو میں اس کے وقوع سے جتنا وضو ہو چکا ہے اتنا ٹوٹ جاتا ہے یونہی یہ اشیا جن سے طہارت ناقص و بے نور ہو جاتی ہے جب کامل وضو پر واقع ہوں تو پورے وضو کا اعادہ مستحب ہوگا اور اثنائے وضو میں ہوں تو جتنا کر چکا ہے اُس قدر کا۔ اور بہر حال یہ وضوئے آخر یا وضو علی الوضو سے خارج نہ ہوگا کہ وضوئے اول منتقض نہ ہوا۔ اس تقریر پر نہ صرف یہی وجہ اخیر بلکہ تینوں وجہیں مندفع ہو گئیں وللہ الحمد۔

ف: جن باتوں سے اعادہ وضو مستحب ہے جب وہ وضو کرتے میں واقع ہوں تو مستحب ہے کہ پھر سے وضو کرے۔

[1] حاشیہ علامہ سفطی مقدمۃ العشماویۃ

صورت ثانیہ یعنی شک میں فقیر نے نہ دیکھا کہ کسی کو شک ہو ماسوا ملا علی قاری کے کہ انہوں نے شک کو یکسر ساقط اللحاظ کیا اور اس کے اعتبار کو وسوسہ کی طرف منجر مانا، مرقاۃ میں فرمایا:

قلت اما قوله (ای قول الامام النسفی فی الکافی) لطمانینة القلب عند الشك ففیه ان الشك بعد التثلیث لاوجه له وان وقع بعده فلا نهایة له وهو الوسوسة ولهذا اخذ ابن المبارك بظاهره فقال لاٰمن اذا زاد علی الثلث انه یاثم وقال احمد واسحق لایزید یحتاط لدینه قال ابن حجر ولقد شاهد نامن الموسوسین من یغسل یده فوق المئین وهو مع ذلك یعتقد ان حدثه هو الیقین قال واما قوله (ای الامام النسفی) لانه امر بترك مایریبه ففیه ان غسل المرة الاخری مما یریبه فینبغی ترکه الی مالایریبه وهو ماعینه الشارع لیتخلص عن الریبة والوسوسة اھ[1]	کافی میں امام نسفی کے قول "شک کے وقت اطمینان قلب کے لئے زیادتی" پر یہ کلام ہے کہ تین بار دھو لینے کے بعد شک کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اس کے بعد بھی شک واقع ہو تو اس کی کوئی انتہا نہیں اور یہی وسوسہ ہے۔ اسی لئے حضرت ابن مبارک نے ظاہر حدیث کو اختیار کرکے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تین بار سے زیادہ دھونے کی صورت میں وہ گناہ گار ہو۔ امام احمد واسحاق نے فرمایا: تین پر زیادتی وہی کرے گا جو جنون میں مبتلا ہو اس گمان کی وجہ سے کہ وہ اپنے دین میں احتیاط سے کام لے رہا ہے۔۔ ابن حجر نے فرمایا: ہم نے ایسے وسوسہ زدہ بھی دیکھے جو سو بار سے زیادہ ہاتھ دھو کر بھی یہ سمجھتا ہے کہ اب بھی اس کا حدث یقینا باقی ہے مولانا علی قاری آگے لکھتے ہیں کہ امام نسفی کا یہ فرمانا کہ اسے شک کی حالت چھوڑ دینے کا حکم ہے تو اس پر یہ کلام ہے کہ ایک بار اور دھونے سے بھی اسے شک ہی رہے گا تو اسے یہی چاہیے کہ اسے چھوڑ کر وہ اختیار کرے جس سے شک نہ پیدا ہو اور یہ وہی ہے جسے شارحین نے متعین فرمایا ہے تاکہ شک اور وسوسہ سے چھٹکارا پائے اھ (ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ تحت الحدیث ۴۱۷ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۲۴

اقول اولا: ف۱ شک کیلئے منشأ صحیح ہوتا ہے مثل سہو وغفلت بخلاف وسوسہ۔ اول بلا شبہ شرعا معتبر اور فقہ میں صدہا مسائل اُس پر متفرع۔ اگر اُسے ساقط اللحاظ کریں تو شک کا باب ہی مرتفع ہو جائے گا اور ایک جمِ غفیر مسائل واحکام سے جن پر اطباق واتفاق ائمہ ہے انکار کرنا ہوگا۔

ثانیا حدیث ف۲ دع مایریبك الی مالا یریبك کا صریح ارشاد طرح مشکوک واخذ متیقن ہے کہ مشکوک میں ریب ہے اور متیقن بلاریب نہ یہ کہ شک کا کچھ لحاظ نہ کرو اور امر مشکوک ہی پر قانع رہ کر یہ مالا یریبك نہ ہوا بلکہ یریبک۔

ثالثا صحیح ف۳ مسلم شریف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا شك احدكم فی صلاته فلا یدرکم صلی ثلثا اواربعا فلیطرح الشك ولیبن علی مااستیقن ثم یسجد سجدتین قبل ان یسلم فان کان یصلی خمسا شفعن له صلاته وان کان صلی تماما لاربع کانتا ترغیما للشیطٰن [1]۔	جب تم میں کسی کو اپنی نماز میں شک پڑے یہ نہ جانے کہ تین رکعتیں پڑھیں یا چار تو جتنی بات مشکوک ہے اُسے چھوڑ دے اور جس قدر پر یقین ہے اس پر بنائے کار رکھے (یعنی صورت مذکورہ میں تین ہی رکعتیں سمجھے کہ اس قدر پر یقین ہے اور چوتھی میں شک ہے تو چار نہ سمجھے لہٰذا ایک رکعت اور پڑھ کر) سلام سے پہلے سجدہ سہو کرلے اب اگر واقع میں اس کی پانچ رکعتیں ہوئیں تو یہ دونوں سجدے (گویا ایک رکعت کے قائم مقام ہو کر) اس کی نماز کا دوگانہ پُورا کردیں گے (ایک رکعت اکیلی نہ رہے گی جو شرعًا باطل ہے بلکہ ان سجدوں سے مل کر ایک نفل دوگانہ جُداگانہ ہوجائے گا) اور اگر واقع میں چار ہی ہوئیں تو یہ دونوں سجدے شیطان کی ذلّت وخواری ہوں گے

(کہ اُس نے شک ڈال کر نماز باطل کرنی چاہی تھی اُس کی نہ چلی اور مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے نماز پوری کی پوری رہی) یہ اس مطلب کا خاص جزئیہ خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادِ مقدس سے ہے۔

ف۱: تطفل تاسع علی القاری۔ ف۲: تطفل عاشر علیہ۔

ف۳: تطفل الحادی عشر علیہ۔

---

1 صحیح مسلم کتاب المساجد فصل من شک فی صلوٰۃ فلم یدر کم صلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۱۱/۱

رابعا ف۱ مسند احمد میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی صلاۃ یشك فی النقصان فلیصل حتی یشك فی الزیادۃ[1]۔	جسے نماز میں کامل وناقص کا شک ہو وہ اتنی پڑھے کہ کامل وزائد میں شک ہوجائے۔

مثلاً تین اور چار میں شُبہ تھا تو یہ تمامی ونقصان میں شک ہے اسے حکم ہے کہ ایک رکعت اور پڑھے اب چار اور پانچ میں شُبہ ہوجائے گا کہ تمامی وزیادت میں شک ہے۔ یہ حدیث سے تواُس مطلب کی دوسری تصریح ہے ہی مگر دکھانا یہ ہے کہ اس کی شرح میں خود ملّا علی قاری فرماتے ہیں:

لیبن علی الاقل المتیقن فان زیادۃ الطاعۃ خیر من نقصانھا[2]۔	یعنی کم پر بنا رکھے جتنی یقینا ادا کی ہیں کہ اگر واقع میں کامل ہوچکی تھیں اور ایک رکعت بڑھ گئی تو یہ اس سے بہتر ہے کہ ایک رکعت کم رہ جائے طاعت کی افزونی اس کی کمی سے افضل ہے۔

معلوم نہیں یہ حکم وضو میں کیوں نہ جاری فرمایا حالانکہ اس کی بیشی نماز میں رکعت بڑھا دینے کے برابر نہیں ہوسکتی۔

خامساوہ جو ف۲ فرمایا تثلیث کے بعد شک کی کوئی وجہ نہیں اس سے مراد علم الٰہی میں تثلیث ہولینا ہے یا علم متوضی میں۔ بر تقدیر ثانی بیشک شک کی کوئی وجہ نہیں مگر وہ ہرگز مراد نہیں کہ کلام شک میں ہے نہ علم میں۔ اور بر تقدیر اول علم الٰہی شک عبد کا کیا منافی۔ بندہ اُس پر مکلّف ہے جو اس کے علم میں ہے نہ اس پر جو علم الٰہی میں ہے جس کے علم کی طرف اسے کوئی سبیل نہیں۔

سادسا ف۳ معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غسل میں سرِانور پر تین بار پانی ڈالتے اور اسی کا حکم مردوں عورتوں سب کو فرمایا خاص عورتوں کے باب میں بھی یہی حکم بالتصریح ارشاد ہوا۔

ف۱: تطفل الثانی عشر علیہ۔ ف۲: تطفل الثالث عشر علیہ۔

ف۳: تطفل الرابع عشر علیہ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۹۵

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب السھو حدیث ۱۰۲۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/۱۰۸

صحیح مسلم وسنن اربعہ میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میں سر گندھواتی ہوں کیا نہاتے میں کھول دیا کروں؟فرمایا:

انما یکفیك ان تحثی علی رأسك ثلث حثیات [1]۔	سر پر تین لپ پانی ڈال لیا کرو یہی کافی ہے۔

آخر امر چہارم میں حدیث ابی داؤد ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اما المراۃ فلا علیھا ان لاتنقضہ لتغرف علی رأسھا ثلث غرفات بکفیھا [2]۔	عورت کو کچھ ضرور نہیں کہ اپنا گُندھا سر کھولے، بس تین لَپ پانی ڈال لے۔

اُم المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ غسل میں روایت فرماتی ہیں:

ثم یصب علی رأسہ ثلث غرفات بیدیہ [3]۔ رؤیاہ عنھا رضی اللہ تعالی عنھا۔	پھر سر مبارک پر تین لپ ڈالتے تھے۔

اور خود اپنا فرماتی ہیں:

لقد کنت اغتسل انا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اناء واحد وما ازید علی ان افرغ علی رأسی ثلث افراغات رواہ احمد ومسلم [4]۔	میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک برتن سے نہایا کرتے اور میں اپنے سر پر تین ہی بار پانی ڈالتی یعنی جعد مبارک نہ کھولتیں۔اسے احمد ومسلم نے روایت کیا ت)

---

1 صحیح مسلم کتاب الحیض باب حکم ضفائر المغتسلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰، سنن ترمذی ابواب الطہارۃ باب ھل تنقض المرأۃ شعرہا عند الغسل حدیث ۱۰۵ دار الفکر بیروت ۱/۱۶۰، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی غسل النساء من الجنابۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۵، سنن ابی داؤد ابواب الطہارۃ باب المرأۃ ھل تنقض شعرھا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۳

2 سنن ابی داؤد ابواب الطہارۃ باب المرأۃ ھل تنقض شعرھا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴

3 صحیح البخاری کتاب الغسل باب الوضوء قبل الغسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۹

4 صحیح مسلم کتاب الحیض باب حکم ضفائر المغتسلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۴۳

بالینمہ ف ایسی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتوضأ وضؤہ للصلاۃ ثم یفیض علی رأسہ ثلث مرار ونحن نفیض علی رؤسنا خمسا من اجل للضفر [1]۔ رواہ ابو داؤد۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کا سا وضو کرکے سرِ اقدس پر تین بار پانی بہاتے تھے اور ہم بیبیاں سرگُندھے ہونے کی وجہ سے اپنے سروں پر پانچ بار پانی بہاتی ہیں۔(اس کو ابو داؤد نے روایت کیا)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ امہات المومنین کا یہ فعل وسوسہ تھا حاشا بلکہ وہی اطمینان قلب جسے علماء کرام یہاں فرمارہے ہیں۔

سابعا وھو ف۲ **الحل** صورتیں تین ہیں:

اول: یہ کہ متوضی جانتا ہے کہ میں نے تین بار دھولیا، ہر بار بالاستیعاب، پھر اُس کا دل مطمئن نہ ہو اور چوتھی بار اور بہانا چاہے۔

دوم: یاد نہیں کہ تین بار پانی ڈالا یا دو بار۔

سوم: تثلیث تو معلوم ہے مگر ہر بار استیعاب میں شک ہے۔

ملّا علی صورت اولٰی سمجھے ہیں جب تو فرماتے ہیں کہ تین پورے ہونے کے بعد شک کے کیا معنے۔ اپنا شک چھوڑے اور جو عدد شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقرر فرمایا اُس پر قانع رہے۔ اس صورت پر اُن کا انکار بیشک صحیح ہے مگر یہ ہرگز مرادِ علماء نہیں، اُن کا کلام صورت شک میں ہے اور یہ صورت صورت علم ہے اور وسوسہ مردود دونا معتبر ہے۔ شک کی صورت دو۲ صورت اخیر ہیں وہی مرادِ ائمہ ہیں اور ان پر قاری کا کوئی اعتراض وارد نہیں ان میں طمانینت قلب ضرور مطلوبِ شرع ہے جن میں سے امہات المومنین کا پانچ بار پانی ڈالنا صورت اخیرہ ہے **وباللہ التوفیق**۔

بالجملہ جس مسئلہ پر ہمارے علماء کے کلمات متظافر ہوں اپنے فہم سے اُس پر اعتراض آسان نہیں

ف۱ مسئلہ: عورت کے بال گندھے ہوں اور تین بار سر پر پانی بہانے سے تثلیث میں شبہ رہے تو پانچ بار بہاسکتی ہے

ف۲: تطفل الخامس عشر علیہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲

معترضین ہی کی لغزش نظر ثابت ہوتی ہے اگرچہ غنیہ وبحر وقاری جیسے ماہرین ہوں والحمدللہ رب العٰلمین۔

تنبیہ ۷ : الحمدللہ کلام اپنے منتہی کو پہنچا اور اسراف کے معنے وصور نے بھی بروجہ کامل انکشاف پایا اب بتوفیق اللہ تعالٰی تحقیق حکم کی طرف باگ پھیریں۔

اقول: انصافاً چاروں قول میں کوئی ایسا نہیں ہے جسے مطروح وناقابل التفات سمجھئے۔

قول سوم کی عظمت تو محتاج بیان نہیں، بدائع وفتح وخلاصہ کی وقعت درکنار خود ظاہر الروایۃ میں محرر المذہب کا نص ہے

قول دوم کے ساتھ حلیہ وبحر کا اوجہ کہنا ہے کہ الفاظ فتوٰی سے ہے اور امام ابوزکریا نووی کے استظہار پر نظر کیجئے تو گویا اُسی پر اجماع کا پتا چلتا ہے کہ انہوں نے اسراف سے نہی پر اجماعِ علماء نقل فرماکر نہی سے کراہت تنزیہ مراد ہونے کو اظہر بتایا۔

قول چہارم جسے علامہ شامی نے خارج از مذہب گمان فرمایا تھا اُس کی تحقیق سُن چکے اور یہ کہ وہی مختار در مختار[۱] ونہر الفائق[۲] ومفاد[۳] منتقی وجواہر[۴] الفتاوٰی وتبیین[۵] الحقائق ہے نیز زبدہ[۶] وحجہ[۷] سے مستفاد کہ ان میں بھی کراہت مطلق ہے، جامع الرموز میں ہے:

تکرہ الزیادۃ عی الثلث کمافی الزبدۃ[1]۔	تین مرتبہ سے زیادہ مکروہ ہے جیسا کہ زبدہ میں ہے۔ (ت)

ط علی المراقی میں ہے:

فی فتاوی الحجۃ یکرہ صب الماء فی الوضوء زیادۃ علی العدد المسنون والقدر المعھود لماورد فی الخبر شرار امتی الذین یسرفون فی صب الماء[2]۔	فتاوی الحجہ میں ہے وضو میں تعداد مسنون اور مقدا معہود سے زیادہ پانی بہانا مکروہ ہے اس لئے کہ حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے برے لوگ وہ ہیں جو پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں

بلکہ علامہ طحطاوی نے اُس پر اتفاق بتایا قول دُر الاسراف فی الماء الجاری جائز لانہ غیر مضیع[3] (ماء جاری میں اسراف جائز ہے اس لئے کہ پانی ضائع نہیں جاتا (ت) پر لکھتے ہیں:

---

[1] جامع الرموز کتاب الطہارۃ سنن الوضوء مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ فصل فی المکروہات دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۸۰

[3] الدر المختار، کتاب الطہارۃ سنن الوضو مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲

ای لانه یعود الیه ثانیا فلواخرج الماء خارجه یکره اتفاقا [1] اھ ومن الظاھر ان ھذه الکراھة مذکورة فی مقابلة الجائز فتکون تحریمیة۔	یعنی اس لئے کہ پانی اس میں دوبارہ لوٹ جائیگا اگر پانی نکال کر اس کے باہر گرائے تو بالاتفاق مکروہ ہے اھ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ مکروہ جائز کے مقابلہ میں مذکور ہے تو تحریمی ہوگا(ت)

اور ہماری تقریرات سابقہ سے اس کے دلائل کی قوت ظاہر ہاں **قول اول** بعض شافعیہ سے منقول تھا مگر علامہ محقق ابراہیم حلبی نے کتب مذہب سے غنیہ میں اُس پر جزم فرمایا کما سمعت پھر علامہ ابراہیم حلبی و علامہ سید احمد مصری نے حواشی دُر میں اُسی پر اعتماد کیا اور اُس کے خلاف کو ضعیف بتایا در مختار میں قول مذکور جواہر نقل فرمایا:

الاسراف فی الماء الجاری جائز [2]۔	بہتے پانی میں اسراف جائز ہے۔(ت)

علّامہ طحطاوی اُس پر فرماتے ہیں:

ضعیف بل ھو مکروہ سواء کان فی وسط الماء اوفی ضفته حیث کان لغیر حاجة [3] اھ	حلبی یہ قول ضعیف ہے بلکہ آب رواں میں بھی اسراف مکروہ ہے چاہے بیچ نہر میں ہو یا کنارے ہو اس لئے کہ بلاضرورت ہے اھ حلبی (ت)

نیز دونوں حاشیوں میں ہے:

من المعلوم ان الاسراف مکروہ تحریما لا تنزیھا [4]۔	معلوم ہے کہ اسراف مکروہ تنزیہی نہیں تحریمی ہے۔(ت)

بلکہ شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

ھو حرام وان کان فی شط النھر [5]	اسراف حرام ہے اگرچہ نہر کے کنارے پر ہو۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ سنن الوضوء، المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۷۲

[2] الدر المختار، کتاب الطہارت، سنن الوضوء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ سنن الوضوء المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۷۲

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الطہارۃ سنن الوضوء، المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۱/۷۲

[5] شرعۃ الاسلام شرح مفاتیح الجنان فصل فی تفضیل سنن الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۹۱

اور اُس کے ساتھ نص ف حدیث ہے۔

حدیث عـــہ **۱:** امام احمد بن حنبل وابن ماجہ وابو یعلی اور بیہقی شعب الایمان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر بسعد وھو یتوضأ فقال ماھذا السرف فقال افی الوضوء اسراف قال نعم وان کنت علی نھر جار [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ پر گزرے وہ وضو کررہے تھے ارشاد فرمایا: یہ اسراف کیسا؟ عرض کی: کیا وضو میں اسراف ہے؟ فرمایا: ہاں اگرچہ تم نہر رواں پر ہو۔ (ت)

اقول: اتمام تقریب یہ کہ حدیث نے نہر جاری میں بھی اسراف ثابت فرمایا اور اسراف شرع میں مذموم ہی ہو کر آیا ہے۔ آیہ کریمہ لَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ [2] (اور اسراف نہ کرو اللہ مسرفین کو محبوب نہیں رکھتا۔ ت) مطلق ہے تو یہ اسراف بھی مذموم وممنوع ہی ہوگا بلکہ خود اسراف فی الوضوء میں بھی صیغہ نہی وارد اور نہی حقیقۃً مفید تحریم۔

حدیث ۲: سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

رأی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا یتوضأ فقال لاتسرف لاتسرف [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا فرمایا اسراف نہ کر اسراف نہ کر۔

حدیث ۳: سعید بن منصور سنن اور حاکم کُنٰی اور ابن عساکر تاریخ میں ابن شہاب زہری سے

عـــہ: فتاوی حجہ سے ایک حدیث ابھی گزری کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میری امت کے بدلوگ ہیں جو پانی بہانے میں اسراف کرتے ہیں۔

ف: وضو میں ممانعت اسراف کی حدیثیں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل، عن عبداللہ بن عمرو، المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۲۱، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶/۱۴۱ و ۷/۳۱

[3] سنن ابن ماجۃ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

مرسلاً راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو وضو کرتے دیکھا فرمایا! **یا عبد اللہ لاتسرف** (اللہ کے بندے اسراف نہ کر۔ت) انہوں نے عرض کی: **یانبی اللہ وفی الوضوء اسراف قال نعم** (زاد الاخیران) **وفی کل شیئ اسراف**[1] یارسول اللہ! کیا وضو میں بھی اسراف ہے؟ فرمایا: ہاں اور ہر شے میں اسراف کو دخل ہے۔

حدیث ۴: مرسل یحیٰی بن ابی عمرو کہ بیان معانی اسراف میں گزری

فی الوضوء اسراف وفی کل شیئ اسراف[2]	وضو میں اسراف ہے اور ہر شے میں اسراف ہے۔

حدیث ۵: ترمذی وابن ماجہ وحاکم حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للوضوء شیطانا یقال له الولهان فاتقوا وسواس الماء[3]۔	بے شک وضو کیلئے ایک شیطان ہے جس کا نام وَلَہان ہے تو پانی کے وسواس سے بچو۔

حدیث ۶: مسند احمد وسنن ابی داؤد وابن ماجہ وصحیح ابن حبان ومستدرک حاکم میں عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انه سیکون فی هذه الامة قوم یعتدون فی الطهور والدعاء[4]۔	بیشک عنقریب اس اُمت میں وہ لوگ ہوں گے کہ طہارت ودعاء میں حد سے بڑھیں گے۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ[5]	جو اللہ تعالٰی کی باندھی حدوں سے بڑھے بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ابو عیسٰی الدمشقی ۹۰۸۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۴/۷۱، کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنٰی وابن عساکر عن الزہری مرسلا حدیث ۲۶۲۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۲۷/۹

[2] کنز العمال بحوالہ یحیٰی بن ابی عمر الشیبانی حدیث ۲۶۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۲۵/۹

[3] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی کراھیۃ الاسراف حدیث ۵۷ دار الفکر بیروت ۱۲۲/۱، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارت باب ماجاء فی القصد فی الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

[4] سنن ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب الاسراف فی الوضوء آفتاب عالم پریس لاہور ۱۳/۱، مشکوۃ المصابیح بحوالہ احمد وابی داؤد وابن ماجہ کتاب الطہارت باب سنن الوضو قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۷

[5] القرآن الکریم ۱/۶۵

حدیث ۷: ابو نعیم حلیہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لاخیر فی صب الماء الکثیر فی الوضوء وانه من الشیطان [1]۔	وضو میں بہت سا پانی بھپکانے میں کچھ خیر نہیں اور وہ شیطان کی طرف سے ہے۔

نفی خیر اپنے ف۱ معنی لغوی پر اگرچہ مباح سے بھی ممکن کہ جب طرفین برابر ہیں تو کسی میں نہ خیر نہ شر ولہذا علامہ عمر نے نہر الفائق میں مسئلہ ف۲ کراہت کلام بعد طلوع فجر تا طلوع شمس وبعد نماز ف۳ عشا میں فرمایا:

المراد مالیس بخیر وانما یتحقق فی کلام هو عبادة اذالمباح لاخیر فیه کما لااثم فیه فیکره فی هذه الاوقات کلها [2] نقله السید ابو السعود فی فتح الله المعین۔	مراد وہ کلام ہے جو خیر نہ ہو اور خیر کا تحقق اسی کلام میں ہوگا جو عبادت ہو اس لئے کہ مباح میں "کوئی خیر نہیں" جیسے اس میں "کوئی گناہ نہیں تو مباح کلام بھی ان اوقات میں مکروہ ہوگا اسے سید ابو السعود نے فتح اللہ المعین میں نہر سے نقل کیا (ت)

اقول: مگر نظرِ دقیق لیس بخیر اور لاخیر فیه میں فرق کرتی ہے مباح ضرور، نہ خیر نہ شر، مگر اُس کے فعل پر مواخذہ نہیں ،اور مؤاخذہ نہ ہونا خود خیر کثیر ونفع عظیم ہے تولاخیر فیہ وہیں اطلاق ہوگا جہاں شر حاصل ہو۔

فاصاب ف۴ رحمه الله تعالٰی فی قوله المراد مالیس بخیر وتسامح فی قوله لاخیر فیه فحق العبارة المباح لیس	بخیر کماانہ لیس بشر۔ صاحب النہر نے یہ تو ٹھیک فرمایا کہ مراد مالیس بخیر (وہ جو خیر نہیں) اور اس میں ان سے تسامح ہوا کہ المباح لاخیر فیہ (مباح

ف۱: تحقیق مفاد لا خیر فیه۔

ف ۲ **مسئلہ:** طلوع صبح صادق سے طلوع شمس تک دنیاوی کلام مطلقًا مکروہ ہے۔

ف ۳ **مسئلہ:** نماز عشاء پڑھنے کے بعد بے حاجت دنیاوی باتوں میں اشتغال مکروہ ہے۔

ف۴: تطفل علی النهر ومن تبعه۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن انس حدیث ۲۶۲۶۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۳۲۷

[2] النہر الفائق کتاب الصلوۃ قبیل باب الاذان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹، فتح المعین کتاب الصلوۃ قبیل باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۷

بخیر کما انه لیس بشر۔	میں کوئی خیر نہیں) صحیح تعبیر یہ تھی کہ المباح لیس بخیر کما انه لیس بشر مباح اچھا نہیں جیسے کہ وہ برا بھی نہیں۔ (ت)

وللہذا جبکہ ہدایہ میں فرمایا:

لاخیر فی السلم فی اللحم [1]	(گوشت میں بیع سلم بہتر نہیں۔ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

هذه العبارة تاکید فی نفی الجواز [2]	(یہ عبارت نفی جواز کی تاکید کرتی ہے۔ت)

اقول: رب عزوجل فرماتا ہے:

لَاخَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ [3]۔	ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات، اچھی بات، یا لوگوں میں صلح کرنے کا۔ (ت)

ہر معروف کو استثنا فرمالیا اور ہر طاعت معروف ہے تو باقی نہ رہے مگر مباح یا معاصی تو اگر لاخیر فیه مباح کو بھی شامل ہوتا فی کثیر نہ فرماتے بلکہ فی شیئ من نجوٰھم لاجرم وہ معصیت کے ساتھ خاص ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث۸: حدیث صحیح جس کی طرف بارہا اشارہ گزرا احمد وسعید بن منصور وابن ابی شیبہ وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وطحاوی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ایک اعرابی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر وضو کو پوچھا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں وضو کرکے دکھایا جس میں ہر عضو تین تین بار دھویا پھر فرمایا:

هکذا الوضوء فمن زاد علی هذا اونقص فقد اساء وظلم اوظلم واساء [4] هذا لفظ د وقد اورده	اسی طرح ہے وضو تو جس نے اس پر بڑھایا گھٹایا تو یقینا اس نے برا کیا اور ظلم کیا۔یا (فرمایا) ظلم کیا اور برا کیا۔۔یہ ابوداؤد کے الفاظ

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۱۵

[3] القرآن الکریم ۴ / ۱۱۴

[4] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب الوضوء ثلثا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸

مطولا مع ذکر صفة الوضو۔ومثله لفظ الامام الطحاوی ومقتصرا علی قوله اساء وظلم من دون شک[1] ولفظ س وق فمن زاد علی ھذا فقد اساء وتعدی وظلم[2] ولفظ سعید وابی بکر فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم[3]۔	ہیں اور انہوں نے یہ حدیث طریقہ وضوکے بیان کے ساتھ طویل ذکر کی ہے۔اسی کے مثل امام طحاوی کے بھی الفاظ ہیں اوران کی راویت میں بغیر شک صرف اتنا ہے کہ اس "اس نے براکیااور ظلم کیا" سعید بن منصور اور ابوبکر بن شیبہ کے الفاظ یہ ہیں جس نے زیادتی یا کمی کی تو یقیناوہ حد سے بڑھااور ظلم کیا۔۔(ت)اور نسائی وابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں : توجس نے اس پر زیادتی کی بہ تحقیق اس نے براکیا اور حد سے بڑھا اور ظلم کیا ۔(ان تمام روایات کاحاصل یہ ہوا کہ)

وضواس طرح ہے جس نے اس پر بڑھایا یا گھٹایا اُس نے بُراکیااور حد سے بڑھااور ظلم کیا۔ یہ تمام احادیث مطلق ہیں اور مذہب اول وچہارم کی مؤید بالجملہ ان میں کوئی مذہب مطرود ومطروح نہیں لہٰذاراہ یہ ہے کہ بتوفیق الٰہی جانبِ توفیق چلئے۔

فاقول: وباللہ ف التوفیق وبه الاصول الی ذری التحقیق (تحقیق کی انتہاء تک پہنچنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ت) تقدیر شرعی سے زیادہ پانی ڈالنا سہواً ہوگا یا بحال شک یا دیدہ ودانستہ۔اول یہ کہ تین بار استیعاباً دھولیااور یاد رہاکہ دو۲ ہی بار دھویا ہے۔اور دوم یہ کہ مثلاً دو یا تین میں شبہ ہوگیا، یہ دونوں صورتیں یقیناممانعت سے خارج ہیں۔

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	اس لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

ف: مسئلہ: مصنف کی تحقیق مفرد۔

---

[1] شرح معانی الاثار کتاب الطہارۃ باب فرض الرجلین فی وضوء الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۲/۱

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی قصد الوضوء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۴

[3] المصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الطہارۃ باب الوضوء کم ہو مرۃ حدیث ۵۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۷/۱

رفع عن امتی الخطأ والنسیان [1] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دع ما یریبك [2]۔	ارشاد ہے میری اُمّت سے خطاء ونسیان اٹھالیا گیا ہے۔(ت) اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو شک پیدا کرے اسے چھوڑ وہ لو جس میں شک نہ ہو۔

اور دیدہ ودانستہ کسی غرض صحیح وجائز کیلئے ہوگا یا غرض فاسد وممنوع کیلئے یا محض بلاوجہ، برتقدیر اول کسی طرح اسراف نہیں ہوسکتا نہ اُس سے منع کی کوئی وجہ، عام ازینکہ وہ غرض غرض مطلوب شرعی ہو جیسے منہ سے ازالہ بدبو یا پان یا چھالیہ کے ریزوں کا اخراج، یا حسب بیانات سابقہ وضو علی الوضو کی نیت یا غرض صحیح جسمانی جیسے میل کا ازالہ یا شدت گرما میں تحصیل برودت۔ تواب نہ رہیں مگر دو صورتیں اور یہی ان اقوالِ اربعہ میں زیر بحث ہیں تحقیق معنی اسراف میں ہمارا بیان یاد کیجئے یہ وہی دو قطب ہیں جن پر اُس کا فلک دورہ کرتا ہے اور یہ بھی اُسی تقریر پر نظر ڈالے سے واضح ہوگا کہ ان صورتوں میں کی اول یعنی غرض فاسد وناروا کیلئے تقدیر شرعی پر زیادت مطلقاً ممنوع وناجائز ہے اگرچہ پانی اصلاً ضائع نہ ہو۔

قول اوّل کا یہی محمل ہے اور حق صریح بلکہ مجمع علیہ ہے اور اسی پر حمل کے لئے ہمارے علماء نے حدیث ہشتم کو صورت فساد اعتقاد پر محمول فرمایا یعنی جبکہ جانے کہ تقدیر شرعی سے زیادہ ہی میں سنّت حاصل ہوگی۔ ظاہر ہے کہ اس نیت فاسدہ سے نہر نہیں سمندر میں ایک چُلّو بلکہ ایک بوند زیادہ ڈالنا اسراف وگناہ ناجائز ہوگا کہ اصل گناہ اُس نیت میں ہے، گناہ کی نیت سے جو کچھ کرے گا سب گناہ ہوگا۔ رہی صورت اخیرہ کہ محض بلاوجہ زیادت ہو، اوپر واضح ہولیا کہ یہاں تحقیق اسراف وحصول ممانعت اضاعت پر موقوف ہے تواس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ پانی ضائع ہوا یا نہیں، اگر ہوا مثلاً زمین پر بہہ گیا اور کسی مصرف میں کام نہ آیا تو ضرور اسراف وناروا ہے۔ اور یہی محمل **قول چہارم** ہے اور یقیناً صواب وصحیح بلکہ متفق علیہ ہے کون کہے گا کہ بیکار پانی ضائع کرنا جائز وروا ہے۔ باقی رہی ایک شکل

---

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۴۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۷۳، کشف الخفاء حدیث ۱۳۹۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۸۲، کشف الخفاء حدیث ۱۳۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۶۰

[2] الجامع الصغیر حدیث ۴۲۱۱ تا ۴۲۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۵۶ و ۲۵۷

کہ زیادت ہو تو بلاوجہ مگر پانی ضائع نہ ہو۔ مثلاً بلاوجہ چوتھی بار پانی اس طرح ڈالے کہ نہر میں گرے یا کسی پیڑ کے تھالے میں جسے پانی کی حاجت ہے یا کسی برتن میں جس کا پانی اسپ وگاؤ وغیرہ جانوروں کو پلایا جائے گا یا گارا بنانے کیلئے تغار میں پڑے گا یا زمین ہی پر گرا مگر موسم گرما ہے چھڑکاؤ کی حاجت ہے یا ہوا سے ریتا اڑتا ہے اس کے دبانے کی ضرورت ہے اور انہیں کے مثل اور اغراض صحیحہ جن کے سبب پانی ضائع نہ جائے۔ یہ غرضیں اگرچہ صحیح ورواہیں، جن کی سبب اضاعت نہ ہوگی مگر اعضاپر یہ پانی مثلاً چوتھی بار ڈالنا محض بے وجہ ہی رہاکہ یہ غرضیں تو برتن میں ڈالنا یا زمین پر بہانا چاہتی ہیں عضو پر ڈال کر گرانے کو ان میں کیا دخل تھا لاجرم وہ عبث محض رہا مگر پانی ضائع نہ ہو گیا تو اسراف کی کوئی صورت متحقق نہ ہوئی اور اس کے ممنوع وناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں یہی قول دوم وسوم کا محمل ہے اور قطعاً مقبول وبے خلل ہے بلکہ اتفاق واطباق کا محمل ہے۔ اب نہ باقی رہی مگر ان دونوں قولوں پر نظر وہ ایک مقدمہ کی تقدیم چاہتی ہے۔

فاقول: وباللہ التوفیق فائدہ تحقیق ف معنی وحکمِ عبث میں تتبع کلمات علماء سے اس کی تعریف وجوہِ عدیدہ پر ملے گی۔

(ا) جس فعل میں غرض غیر صحیح ہو وہ عبث ہے اور اصلا غرض نہ ہو تو سفہ۔ یہ تفسیر امام بدرالدین کردری کی ہے امام نسفی نے مستصفی پھر علامہ حلبی نے غنیہ میں اسی طرح اُن سے نقل فرما کر اس پر اعتماد کیا اور محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر اور علامہ طرابلسی نے برہان شرح مواہب الرحمٰن اور دیگر شراح نے شروح ہدایہ وغیرہا میں اسی کو اختیار فرمایا غنیہ حلبیہ میں ہے:

فی المستصفی قال الامام بدر الدین یعنی الکردری العبث الفعل الذی فیہ غرض غیر صحیح والسفہ مالاغرض فیہ اصلا [1]۔	مستصفی میں ہے کہ امام بدرالدین عینی کردری نے فرمایا: فرماتے ہیں عبث وہ فعل ہے جس میں کوئی غرض غیر صحیح ہو، اور سَفہ وہ ہے جس میں بالکل کوئی غرض نہ ہو۔ (ت)

غنیہ شرنبلالیہ میں ہے:

ف: عبث کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے۔

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراھیۃ الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

فی البرھان ھو فعل لغرض غیر صحیح [1]۔	برہان میں ہے وہ ایسا کام ہے جو غرض غیر صحیح کے لئے ہو۔(ت)

فتح میں ہے:

العبث الفعل لغرض غیر صحیح [2]۔	عبث غرض غیر صحیح کے لئے کوئی کام کرنا ہے۔ت

(۲) جس میں غرض غیر شرعی ہو۔

اقول: یہ اول سے اعم ہے کہ ہر غرض غیر صحیح غیر شرعی ہے اور ضرور نہیں کہ ہر غرض غیر شرعی غیر صحیح ہو جیسے ٹھنڈ کیلئے زیادہ پانی ڈالنا کہ غرض صحیح ہے مگر شرعی نہیں۔علّامہ اکمل اور اُن کی تبعیت سے حلیہ و بحر نے امام بدرالدین سے اسی طرح نقل کیا عنایہ میں ہے:

قال بدر الدین الکردری العبث الفعل الذی فیه غرض لکنه لیس بشرعی والسفه مالا غرض فیه اصلا [3]۔	بدرالدین کردری نے فرمایا: عبث وہ کام ہے جس میں کوئی غرض تو ہو لیکن شرعی نہ ہو اور سَفہ وہ ہے جس میں کوئی غرض ہی نہ ہو۔(ت)

(۳) جس میں غرض صحیح نہ ہو۔

اقول: یہ ان دونوں سے اعم ہے کہ اصلاعدم غرض کو بھی شامل اور ثانی سے اخص بھی کہ غرض غیر شرعی صحیح کو بھی شامل یہ تفسیر امام حمید الدین کی ہے عنایہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وقال حمید الدین العبث کل عمل لیس فیه غرض صحیح [4]	امام حمید الدین نے فرمایا: عبث ہر وہ کام ہے جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو۔

مفردات راغب میں ہے:

یقال لما لیس له غرض صحیح عبث [5]۔	عبث اسے کہا جاتا ہے جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو۔(ت)

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام باب مایفسد الصلٰوۃ الخ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۷

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۶

[3] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ الخ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۶

[4] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ الخ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۶

[5] المفردات امام راغب باب العین مع الباء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۲

تفسیر رغائب الفرقان میں ہے:

ھو الفعل الذی لاغایة له صحیحة[1]	عبث ایسا کام ہے جس کا کوئی صحیح مقصد نہ ہو۔ (ت)

(۴) غرض شرعی نہ ہو۔

اقول: یہ اول ثانی ثالث سب سے اعم مطلقًا ہے کہ انتفائے غرض صحیح انتفائے غرض شرعی کو مستلزم ہے اور عکس نہیں اور انتفائے غرض شرعی انتفائے مطلق غرض سے بھی حاصل امام نسفی اپنی وافی کی شرح کافی میں فرماتے ہیں:

العبث مالا غرض فیه شرعا فانما کره لانه غیر مفید[2]	عبث بلا ضرورت شرعی مکروہ ہے اس لئے کہ یہ بے فائدہ ہے۔ (ت)

(۵) جس میں فاعل کیلئے کوئی غرض صحیح نہ ہو۔

اقول: یہ ا و ۳ سے اعم عــہ مطلقًا ہے کہ ممکن کہ فعل غرض صحیح رکھتا ہو اور فاعل بے غرض یا غرض صحیح کیلئے کرے اور ۲ و ۴ سے اعم من وجہ کہ غرض فاسد میں تینوں صادق اور غرض صحیح غیر شرعی مقصود فاعل ہے تو وہ دو صادق خامس منتفی اور غرض شرعی میں مقصود فاعل ہے تو بالعکس۔ تعریفات السید میں ہے:

وقیل مالیس فیه غرض صحیح لفاعله[3] اھ اقول: اشارف الی ضعفه وسیاتیك ان شاء الله تعالٰی انه الحق۔	اور کہا گیا کہ عبث وہ کام ہے جس میں کرنے والے کی کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ (ت) **اقول:** حضرت سید نے اس کے ضعیف ہونے کا اشارہ دیا اور اِن شاء اللہ تعالٰی آگے بیان ہوگا کہ یہی تعریف حق ہے۔ (ت)

فــ: تطفل علی العلامة الشریف۔

عــہ: اور اگر قصد غلط بھی ملحوظ کرلیجئے کہ جس فعل کی غرض فاسد ہے یہ جہلا اس سے غرض صحیح کا قصد کرے تو ان دو سے بھی عام من وجہ ہوگا ۱۲ منہ۔

---

[1] غرائب القرآن ورغائب الفرقان تحت الآیۃ ۱۱۵/۲۳ مصطفی البابی مصر ۴۲/۱۸

[2] الکافی شرح الوافی

[3] التعریفات للسید الشریف باب العین انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۶۳

(٦) بے فائدہ کام۔

بحر الرائق میں نہایہ امام سغناقی سے ہے:

مالیس بمفید فھو العبث [1]	جو فائدہ مند نہ ہو وہ عبث ہے۔(ت)

امام سیوطی کی در نثیر میں ہے: عبثا ای لالمنفعة [2] عبث یعنی بے فائدہ۔ (ت) مراقی الفلاح میں ہے:

العبث عمل لافائدة فیه ولا حکمة تقتضیه [3]	عبث وہ کام ہے جس میں نہ کوئی فائدہ ہو نہ کوئی حکمت اس کی مقتضی ہو۔ (ت)

جلالین میں ہے: عبثا لالحکمة [4] (عبث بے حکمت۔ت)غنیہ میں ہے:

الفرقعة فعل لافائدة فیه فکان کالعبث [5]	(انگلیاں چٹخانا ایساکام ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں تو یہ عبث کی طرح ہوا۔ (ت)

اقول: عبدالملک بن جریج تابعی نے کہ عبث کو باطل سے تفسیر کیا اسی معنے کی طرف مشیر ہے: فان الشیئ اذا خلا عن الثمرة بطل (کیونکہ شے کا جب کوئی ثمرہ نہ ہو تو وہ باطل ہے۔ت) تفسیر ابن جریر میں اُن سے مروی: عبثا قال باطلا [6] (عَبث کے معنی میں کہا باطل۔ت) **(٧)** جس میں فائدہ معتد بہانہ ہو۔ تاج العروس میں ہے:

قیل العبث مالافائدة فیه	کہا گیا عَبث ایسا کام ہے جس میں کوئی قابل لحاظ

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹/۲

[2] در نثیر

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ فصل فی المکروہات دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۴۵

[4] جلالین تحت الآیۃ ۱۱۵/۲۳ النصف الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹۱

[5] غنیۃ المستملی کراھیۃ الصلوٰۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

[6] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱۱۵/۲۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷۹/۱۸

يعتد بها[1]	فائدہ نہ ہو۔ (ت)

اقول: اسی طرف کلام علّامہ ابوالسعود ناظر کہ ارشاد العقل میں فرمایا:

عبثا بغير حكمة بالغة[2] اھ فافهم	عبث جس میں کوئی حکمت بالغہ نہ ہو اھ تو اسے سمجھو۔ (ت)

(۸) اُس کام کے قابل فائدہ نہ ہو یعنی اُس میں جتنی محنت ہو نفع اس سے کم ہو۔

اقول: اسے ہفتم سے عموم وخصوص من وجہ ہے کہ اگر کام نہایت سہل ہوا جس میں کوئی محنت معتد بہا نہیں تو فائدہ غیر معتمد بہا اُس کے قابل ہوگا اس تقدیر پر ہفتم صادق ہوگا نہ ہشتم اور اگر فائدہ فی نفسہا معتد بہا ہے مگر اُس کام کے لائق نہیں تو ہشتم صادق ہوگا نہ ہفتم۔ علّامہ شہاب کی عنایۃ القاضی میں ہے:

العبث كاللعب ماخلا عن الفائدة مطلقا او عن الفائدة المعتد بها اوعما يقاوم الفعل كما ذكره الاصوليون[3]۔	عبث لعب کی طرح کام ہے جس میں مطلقًا کوئی فائدہ نہ ہو یا قابل لحاظ فائدہ نہ ہو یا اس فعل کے مقابل فائدہ نہ ہو جیسا کہ اہل اصول نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول: مقابلہ مشعر مغایرت ہے یوں یہ قول اضعف الاقوال ہوگا کہ خاص مشقت طلب کاموں سے خاص رہے گا ہاں اگر معتد بہ سے معتد بہ بنظر فعل مراد لیں تو ہفتم وہشتم ایک ہو جائیں گے اور اعتراض نہ رہے گا اور کہہ سکتے ہیں کہ تغییر تعبیر مجوز مقابلہ ہے۔

(۹) وہ کام جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔

اقول: **اولا** مراد عدم علم فاعل ہے تو حکیم کے دقیق کام جن کا فائدہ عام لوگوں کی فہم سے ورا ہو عبث نہیں ہو سکتے۔ **ثانیا** حکمت وغایت میں فرق ہے احکام تعبدیہ غیر معقولۃ المعنی کی حکمت ہمیں معلوم نہیں فائدہ معلوم ہے کہ الاسلام گردن نہادن۔

[1] تاج العروس باب الثاء فصل العین دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۳۲

[2] ارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۲۳/۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۱۵۳

[3] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی تحت الایۃ ۲۳/۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۶۱۱

ثالثاً عدم علم مستلزم عدم نہیں تو یہ تفسیر اُن تینوں سے اعم ہے۔ تعریفات السید میں ہے:

العبث ارتکاب امر غیر معلوم الفائدۃ [1]	عبث ایسے امر کا ارتکاب جس کا فائدہ معلوم نہ ہو۔ (ت)

اقول: مگر ف۱ علم بے قصد کیا مفید بلکہ اس کی شناعت اور مزید تو یہ حد جامع نہیں۔

(۱۰) وہ کام جس سے فائدہ مقصود نہ ہوا

اقول: یہ نہم سے بھی اعم کہ عدم علم عدم قصد کو مستلزم ولا عکس تا العروس میں ہے:

وقیل ما لایقصد بہ فائدۃ [2] اھ **اقول:** اوما ف۲ الی تزیفه وستسمع بعونه تعالٰی انه هو الصحیح۔	اور کہا گیا وہ جس سے کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ اھ **اقول:** اس کی خامی کا اشارہ دیا اور بعونہ تعالٰی آگے واضح ہوگا کہ یہی تعریف صحیح ہے۔ (ت)

(۱۱) بے لذت کام عبث ہے اور لذّت ہو تو لعب۔ جوہرہ نیرہ میں ہے:

العبث کل فعل لالذۃ فیه فاما الذی فیه لذۃ فهو لعب [3]	عبث ہر وہ کام جس میں کوئی لذت نہ ہو اور جس میں کوئی لذت ہو وہ لعب ہے۔ ت)

اقول: یہ ف۳ اپنے اس ارسال پر بدیہی البطلان ہے نہ ہر بے لذت کام عبث جیسے دوائے تلخ پینا، نہ ہر لذت والا لعب جیسے درود شریف ونعت مقدس کا ورد۔ تو بعض تعریفات مذکورہ سے اُسے مقید کرنا لازم مثلاً یہ کہ جس فعل میں غرض صحیح نہ ہو۔

(۱۲) عبث ولعب ایک شے ہیں۔ یہ تفسیر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، اور کثرت اقوال بھی اسی طرف ہے۔ ابن جریر اُس جناب مشرف بہ تشریف اللھم علمه الکتاب سے راوی تعبثون تلعبون [4] تم عبث کرتے ہو یعنی کھیل کود کرتے ہو۔ (ت) بعینہٖ اسی طرح

ف۱: تطفل اُخر علیه۔ ف۲: معروضة علی السید مرتضٰی۔ ف۳: تطفل علی الجوهرة۔

[1] التعریفات للسید الشریف باب العین انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۶۳

[2] تاج العروس باب الثاء فصل العین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۳۲

[3] الجوہرۃ النیرۃ، کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ، مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۷۴

[4] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۶/ ۱۲۸، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹/ ۱۱۱

اُن کے تلمیذ ضحاک سے روایت کیا۔ نہایہ اثیریہ ومختار الصحاح میں ہے: **العبث اللعب**[1] عبث لعب ہے۔ (ت) اسی طرح سمین وجمل میں ہے وسیاق مصباح المنیر وقاموس میں ہے: **عبث کفرح لعب**[2] (عبث فرِح کی طرح ہے (یعنی باب سمع سے ہے) کھیل کا نام ہے۔ (ت) تاج العروس میں ہے:

عابث لاعب بمالا یعنیه ولیس من باله[3]	(عابث ایسا کھیل کرنے والا جو بے معنی اور جس سے اسے کام نہیں۔ (ت)

صراح میں ہے: **عبث بازی**[4] (عبث ایک کھیل ہے۔ت) درر شرح غرر میں ہے: **عبثه ای لعبه**[5] (عبث یعنی لعب۔ ت) مفرداتِ راغب میں ہے:

العبث ان یخلط بعمله لعبا[6] الخ **اقول:** وانما صار عبثا لما خلط لالذاته فالعبث حقیقة ماخلط لاما خلط به۔	عبث یہ ہے کہ اپنے کام میں کوئی کھیل ملالے۔ت) **اقول:** وہ کام عبث اسی کھیل کی وجہ سے ہوا جو اس میں ملادیا خود عبث نہ ہوا تو عبث حقیقۃً وہ ہے جس کو ملایا گیا وہ نہیں جس میں ملایا گیا۔ (ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

العبث اللعب وقیل مالا لذة فیه واللعب مافیه لذة[7]	عبث کھیل کو کہتے ہیں اور کہا گیا وہ جس میں کوئی لذت نہ ہو اور لعب وہ جس میں کوئی لذت ہو۔ (ت)

---

[1] النہایہ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع الباء دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۵۴/۳، مختار الصحاح باب العین موسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۴۰۷

[2] القاموس المحیط باب الثاء فصل العین مصطفی البابی مصر ۱۷۶/۱

[3] تاج العروس باب الثاء فصل العین داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۳۲/۱

[4] صراح باب الثاء فصل العین مطبع مجیدی کانپور ۷۵/۱

[5] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا میر محمد کتب خانہ کراچی ۱۰۷/۱

[6] المفردات باب العین مع الباء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۲

[7] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۲۷۰/۱

تفسیر ابن جریر میں ہے: عبثا لعبا و باطلا [1] عبث جو لعب اور باطل ہے۔ (ت)

یہ بارہ تعریفیں ف۱ ہیں اور بعونہٖ تعالٰی بعد تنقیح سب کا مآل ایک اگرچہ ۹ و ۱۱ کی عبارات میں تقصیر واقع ہوئی اس کی تحقیق چند امور سے ظاہر **فاقول: وباللہ التوفیق اولا لعب** ف۲ ولہو وہزل ولغو وباطل وعبث سب کا محصل متقارب ہے کہ بے ثمرہ نامفید ہونے کے گرد دورہ کرتا ہے۔ نہایہ ابن اثیر میں ہے:

یقال لکل من عمل عملا لایجدی علیہ نفعا انما انت لاعب [2]	جو شخص کوئی ایسا کام کرے جو اسے کوئی فائدہ نہ دے اس سے کہا جاتا ہے کہ تم بس کھیل کرتے ہو۔ (ت)

علامہ خفاجی سے گزرا:

العبث کاللعب ماخلا عن الفائدۃ [3]	عبث لعب کی طرح ہے جو فائدہ سے خالی ہو۔ (ت)

تعریفات علامہ شریف میں ہے:

اللعب ھو فعل الصبیان یعقب التعب من غیر فائدۃ [4] اھ **اقول:** وتعقیب التعب خرج نظرا الی الغالب و لیس شرطا لازما کما لایخفی۔	لعب وہ بچوں کا کام ہے جس کے بعد تکان آتی ہے اور فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ **اقول:** بعد میں تکان ہونے کا ذکر غالب واکثر کے لحاظ سے ہوا یہ لعب کی کوئی لازمی شرط نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

ف۱: مصنف کی تحقیق کہ عبث کی بارہ تعریفوں کا حاصل ایک ہے اور اس کی تعریف جامع مانع کا استخراج۔

ف۲: لعب ولہو وہزل و باطل وعبث متقارب المعنی ہیں۔

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۳/۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۸/۷۸

[2] النہایہ فی غریب الحدیث والاثر باب اللام مع العین دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۲۱۸

[3] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی تحت الآیۃ ۲۳/۱۱۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۱۱۱

[4] التعریفات للسید الشریف باب اللام انتشارات ناصر خسرو تہران ایران ص ۸۳

اصول امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرّہ میں ہے:

اما الهزل فتفسيره اللعب وهو ان يراد بالشيئ مالم يوضع له وضده الجد [1]	ہزل کی تفسیر لعب ہے وہ یہ کہ کسی شے سے وہ قصد کیاجائے جس کے لئے اس کی وضع نہ ہوئی اس کی ضد "جِدّ" ہے۔(ت)

اُس کی شرح کشف الاسرار میں ہے:

ليس المراد من الوضع ههنا وضع اللغة لاغير بل وضع العقل اوالشرع فان الكلام موضوع عقلا لافادة معناه حقيقة كان اومجاز اوالتصرف الشرعی موضوع لافادة حكمه فاذا اريد بالكلام غيرموضوعه العقلی وهو عدم افادة معناه اصلا،اريد بالتصرف غير موضوعه الشرعی وهو عدم افادته الحكم اصلا فهو الهزل ولهذا فسره الشيخ باللعب اذاللعب مالا يفيد فائدة اصلا وهو معنی مانقل عن الشيخ ابی منصور رحمه الله تعالٰی ان الهزل مالا يراد به معنی [2]	یہاں وضع سے صرف وضع لغت مراد نہیں۔بلکہ وضع عقل یاوضع شرعی بھی مراد ہے۔اس لئے کہ عقلاً کلام کی وضع اس لئے ہے کہ اپنے معنی کاافادہ کرے خواہ وہ معنی حقیقی ہو یا مجازی۔اور تصرف شرعی کی وضع اس لئے ہے کہ اپنے حکم کا افادہ کرے۔توجب کلام کامقصد وہ ہو جس کے لئے عقلاً اس کی وضع نہ ہوئی۔وہ یہ کہ اپنے حکم کا بالکل کوئی فائدہ نہ دے۔اور تصرف کا مقصد وہ ہو جس کے لئے شرعًا اس کی وضع نہ ہوئی۔۔۔۔وہ یہ کہ اپنے حکم کا بالکل کوئی فائدہ نہ دے۔۔۔۔۔تو وہ ھزل ہے۔۔۔۔اسی لئے شیخ نے ھزل کی تفسیر لعب سے فرمائی اس لئے کہ لعب وہ ہے جو بالکل کوئی فائدہ نہ دے اور یہی اس کا مطلب ہے جو شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہزل وہ ہے جس سے کوئی معنی مقصود نہ ہو۔(ت)

تو تفسیر ۶ و ۱۲ کا حاصل ایک ہے ولہذا مصباح میں عبث من باب تعب لعب

[1] اصول البزدوی فصل الہزل نور محمد خانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۷

[2] کشف الاسرار فصل الہزل دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۵۷

وعمل مالافائدة فیه[1] (عبث باب تعب (سمع) سے ہے اس کا معنی کھیل کیا اور بے فائدہ کام کیا۔ت) اور منتخب میں عبث بفتحتین بازی وبے فائدہ بطور عطفِ تفسیری لکھا۔

ثانیاً اقول: جس طرح عاقل سے کوئی فعل اختیاری صادر نہ ہوگا جب تک تصوّر بوجہٍ مّا وتصدیق بفائدۃٍ مّا نہ ہو یونہی انسان کے ہوش وحواس جب تک حاضر ہیں بے کسی شغل کے نہیں رہتا خواہ عقلی ہو جیسے کسی قسم کا تصور یا عملی جیسے جوارح سے کوئی حرکت تو کسی قسم کا شغل ہو نفس کیلئے اُس میں اپنی عادت کا حصول اور اپنے مقتضیٰ کا تیسر ہے اور یہ خود اُس کیلئے ایک نوع نفع ہے اگرچہ دین ودنیا میں سوا ایک عادت بے معنے کی تحصیل کے اور کوئی ثمر ونفع اُس پر مترتّب نہ ہو یا بایں معنی کوئی فعل اختیاری فاعل کیلئے اصلا فائدہ سے عاری محض نہ ہوگا ہاں یہ ممکن کہ وہ فائدہ قضیہ شرع بلکہ قضیہ عقل سلیم کے نزدیک بھی مثل لافائدہ محض غیر معتد بہا ہو بلکہ ممکن کہ اُس کا مآل ضرر بحت ہو جیسے کفار کی عبادات شاقہ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ﴿۴﴾[2] عمل کریں مشقت جھیلیں اور نتیجہ یہ کہ بھڑکتی آگ میں غرق ہوں گے تو ۶ سے مقصود وہی ۷ ہے۔

ثالثاً: یہ بھی ظاہر کہ کوہ کندن وکاہ برآوردن ہر عاقل کے نزدیک حرکتِ عبث ہے تو مقدار فائدہ وفعل میں اگرچہ تساوی درکار نہیں تفاوت فاحش بھی نہ ہونا ضرور ۸ سے یہی مراد اور معتد بہ بنظر فعل ہونے سے یہی ہفتم کا مفاد۔ فائدہ کا فی نفسہا کوئی امر عظیم مہتم بالشان ہونا ہرگز ضرور نہیں بلکہ جیسا کام اُسی کے قابل فائدہ معتد بہا ہے **وھذا ما کنا اشرنا الیه** (یہ وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ت)

رابعاً: لذتِ لعب شرع کریم وعقل سلیم کے نزدیک فائدہ معتد بہا نہیں جبکہ ف لہو مباح ہو اور تعب کے بعد اُس سے ترویح قلب مقصود اب نہ وہ عبث رہے گا نہ حقیقۃً لعب اگرچہ صورت لعب ہو۔

وللہذا حدیث میں ہے حضور سید اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ف: **مسئلہ:** عبادت ومحنت دینیہ کے بعد دفع کلال وملال وحصول تازگی وراحت کے لئے احیانا کسی امر مباح میں مشغولی جیسے جائز اشعار عاشقانہ کا پڑھنا سننا شرعا مباح بلکہ مطلوب ہے۔

---

1 مصباح المنیر کتاب العین تحت لفظ عبث منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۳۸۹/۲

2 شعب الایمان حدیث ۶۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ / ۲۴۷

الهوا والعبوا فانی اکره ان یری فی دینکم غلظة رواه البیهقی [1]۔فی شعب الایمان عن المطلب بن عبدالله المخزومی رضی الله تعالٰی عنه۔	لہو ولعب (کھیل کُود) کرو کیوں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ تمہارے دین میں سختی ودرشتی دیکھیں۔اسے امام بیہقی نے شعب الایمان میں مطلب بن عبداللہ مخزومی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع پھر سیدی عارف باللہ حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اللهو المباح ماذون فیه منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وانه فی بعض الاحوال قد لاینافی الکمال وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الهوا والعبوا دلیل لطلب ترویح النفوس اذا سئمت وجلاها اذا صدئت باللهو واللعب المباح [2]۔	حضور اقدس کی طرف سے مباح لہو کی اجازت ہے اور یہ بعض احوال میں منافی کمال نہیں۔حضورؐ کا ارشاد "کھیل کُود کرو"اس بات کی دلیل ہے کہ جب طبیعت اکتاجائے اور زنگ خوردہ سی ہوجائے تو مباح لہو ولعب کے ذریعہ اسے راحت دینا اوراس کازنگ دُور کرنا مطلوب ہے۔(ت)

تواا بھی ان تفاسیر سے جدا نہیں نہ لعب میں بوجہ لذت فائدہ معتد بہا ہوا نہ عبث سے بسبب عدم لذت فائدہ نامعتبرہ منتفی۔

خامسا: بلا شبہ فاعل سے دفع عبث کیلئے صرف فعل فی نفسہ مفید ہونا کافی نہیں بلکہ ضرور ہے کہ یہ بھی اُس سے فائدہ معتد بہا بمعنی مذکور کا قصد کرے ورنہ اس نے اگر کسی قصد فضول وبیمعنے سے کیا تواس پر الزام عبث ضرور لازم

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [3]	(کیوں کہ اعمال کامدار نیت پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۶۵۴۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۲۴۷

[2] حدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۳۹، کف الرعاع الباب الثانی القسم الاول دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۲

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدوالوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اور قصد کیلئے علم درکار کہ مجہول کا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ زید سرِ راہ بیٹھا تھا ایک کھاتا پیتا ناشناسا گھوڑے پر سوار جارہا تھا اس نے ہزار روپے اٹھا کر اُسے دے دیے کہ نہ صدقہ نہ صلہ رحم نہ محتاج کی اعانت نہ دوست کی امداد کوئی نیت صالحہ نہ تھی نہ ریا یا نام وغیرہ کسی مقصد بد کا محل تھا تو اُسے ضرور حرکت عبث کہیں گے اگرچہ واقع میں وہ اس کا کوئی ذی رحم ہو جسے یہ نہ پہچانتا تھا مقاصد شرعیہ پر نظر کرنے سے یہ حکم خوب منجلی ہوتا ہے۔ رب ف عزوجل فرماتا ہے:

وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیۡۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَاۤ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾ [1]	جو فزونی تم دو کہ لوگوں کے مال میں زیادت ہو وہ خدا کے نزدیک نہ بڑھے گی اور جو صدقہ دو خدا کی رضا چاہتے تو انہیں لوگوں کے دُونے ہیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الم تر الی الرجل یقول للرجل لامولنك فیعطیه فهذا لایربو عندالله لانه یعطیه لغیر الله لیثری ماله [2]۔	کیا تو نے نہ دیکھا کہ ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے میں تجھے مالدار کردوں گا، پھر اسے دیتا ہے تو یہ دینا خدا کے یہاں نہ بڑھے گا کہ اس نے غیر خدا کے لئے صرف اس نیت سے دیا کہ اس کا مال بڑھادوں۔

امام ابراہیم نخعی فرماتے ہیں:

کان هذا فی الجاهلیة یعطی احدهم ذا القرابة المال یکثر به ماله [3]۔	یہ زمانہ جاہلیت میں تھا اپنے عزیز کا مال بڑھانے کو اسے مال دیا کرتے۔

رواهما ابن جریر ان دونوں کو ابن جریر نے روایت کیا (ت)

ف: مسئلہ: صلہ رحم اور اپنے اقرباء کی مواسات عمدہ حسنات سے ہے مگر اگر نیت لوجہ اللہ نہ ہو بلکہ خون کی شرکت اور طبعی محبت کا تقاضا ہو تو اس سے عنداللہ کچھ فائدہ نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/۳۹

[2] جامع البیان (تفسیر الطبری) عن ابن عباس تحت الایہ ۳۰/۳۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱/۵۵

[3] جامع البیان (تفسیر الطبری) بحوالہ ابراہیم نخعی تحت الایہ ۳۰/۳۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱/۵۵

دیکھو فعل فی نفسہ مثمر ثمرہ شرعیہ ہونے کا صالح فائدہ شرعیہ یعنی صلہ رحم و مواسات پر مشتمل تھا مگر جبکہ اُس نے اُس کا قصد نہ یا بے ثمر رہا تو حاصل یہ ٹھہرا کہ دفع عبث کو فائدہ معتد بہا بنظر فعل معلومہ مقصودہ للفاعل درکار ہے تو ان تفاسیر کا وہی مآل ہوا جو ۹ و ۱۰ میں ملحوظ تھا مفرداتِ راغب میں ہے:

لعب فلان اذا کان فعله غیر قاصد به مقصدا صحیحا[1]	لعب فلاں اس وقت بولتے ہیں جب ایسا کام کرے جس سے وہ کوئی صحیح مقصد نہ رکھتا ہو۔ (ت)

سادسا: غرض وہی فائدہ مقصودہ ہے اور صحیح یہی کہ معتد بہا ہو تو ۳، ۵ بھی اسی معنی کو ادا کر رہی ہیں اور غرض میں جبکہ قصد ملحوظ ہے تو تعریف سوم و دہم اوضح واخصر تعریفات ہیں اور یہیں سے واضح ہوا کہ قول سمین **وجمل العبث اللعب و ما لا فائدۃ فیه وکل ما لیس فیه غرض صحیح**[2] (عبث لعب بے فائدہ جن میں غرض صحیح نہ ہو۔ ت) میں سب عطف تفسیری ہیں۔

سابعا: ہم بیان کر آئے کہ فعل اختیاری بے غرض محض صادر نہ ہوگا تو جو بے غرض صحیح ہے ضرور بغرض صحیح ہے تو ا، ۳ کا مفاد واحد ہے اور اس تقدیر پر سفہ کا مصداق افعال جنون ہوں گے۔

ثامنا: ف شرعی سے اگر مقبول شرع مراد لیں تو وہی حاصل غرض صحیح ہے کہ ہر غرض صحیح کو اگرچہ مطلوب فی الشرع نہ ہو شرع قبول فرماتی ہے جبکہ اپنے اقوی سے معارض نہ ہو اور ہنگام معارضہ عدم قبول قبول فی نفسہ کا منافی نہیں جیسے حدیث آحاد وقیاس کہ بجائے خود حجت شرعیہ ہیں اور معارضہ کتاب کے وقت نامقبول امام نسفی کا عدم غرض شرعی سے تعریف فرما کر تعلیل کراہت میں **لانه غیر مفید** (اس لئے کہ یہ غیر مفید ہے۔ ت) فرمانا اس کی طرف مشعر ہو سکتا ہے اس تقدیر پر ۲ اول اور ۴ سوم کی طرف عائد اور ظاہر ہوا کہ بارہ کی بارہ تعریفوں کا حاصل واحد

اقول: مگر غیر شرعی سے متبادر تر غرض عہ مطلوب فی الشرع ہے اب یہ تخصیص بحسب

عہ: **وعن هذا ما قال فی البحر** | یہی منشا ہے اس کا جو بحر میں فرمایا کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

ف: شرع کے دو معنی ہیں، مقبول فی الشرع و مطلوب فی الشرع۔

---

[1] المفردات فی غرائب القرآن تحت لفظ لعب الام مع العین نور محمد کارخانہ کراچی ص ۴۶۶

[2] الفتوحات الالہیۃ تحت الایہ ۳۲/ ۱۱۵ دار الفکر بیروت ۵ / ۲۶۷

مقام ہو گی کہ اُن کا کلام عبث فی الصلاۃ میں ہے تو وہاں غرض مطلوب شرع ہی غرض صحیح ہے نہ غیر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اختلف فی تفسیر العبث فذکر الکردری انہ فعل فیہ غرض لیس بشرعی والمذکور فی شرح الھدایۃ وغیرھا ان العبث الفعل لغرض غیر صحیح حتی قال فی النھایۃ ما لیس بمفید فھو العبث[1] اھ فاقام الخلاف لاجل التعبیر فی احدھما بشرعی وفی الاخر بصحیح ومال سعدی افندی الی ان المراد بالصحیح ھو الشرعی اذفیہ الکلام فاشار الی نحوما نحونا الیہ ان التخصیص لخصوص المقام و لقد احسن فی البحر اذ جعل مآل مافی النھایۃ وغیرھا من الشروح واحدا ولم یلتفت الی الفرق بین الغرض الغیر الصحیح وعدم الغرض ولکن کان عبارۃ العنایۃ محتملا للفرق بہ ایضا حیث نقل التعریف بما فیہ غرض غیر شرعی وبما لیس فیہ غرض صحیح ثم

عبث کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بدر الدین کردری نے فرمایا وہ ایسا کام ہے جس میں کوئی ایسی غرض ہو جو شرعی نہ ہو۔ اور شرح ہدایہ وغیرہا میں ہے کہ عبث وہ کام ہے جو غرض غیر صحیح کے سبب ہو، یہاں تک کہ نہایہ میں فرمایا: جو فائدہ مند نہیں وہی عبث ہے اھ۔ تو صاحبِ بحر نے ایک میں "شرعی" سے تعبیر اور دوسری میں "صحیح" سے تعبیر کی وجہ سے اختلاف قرار دیا اور سعدی آفندی کا میلان اس طرف ہے کہ صحیح سے مراد وہی شرعی ہے اس لئے کہ کلام اسی سے متعلق ہے۔ تو جس روش پر ہم چلے اسی کی جانب انہوں نے اشارہ کر دیا کہ یہ تخصیص خصوصیت مقام کے پیشِ نظر ہے۔ اور بحر میں یہ بہت خوب کیا کہ نہایہ اور اس کے علاوہ شروح کی تعبیرات کا مآل ایک ٹھہرایا اور "غرض غیر صحیح" و "عدم غرض" کے فرق پر التفات نہ کیا۔ مگر عنایہ کی عبارت اس تفریق کا بھی احتمال رکھتی تھی کیوں کہ اس میں دونوں تعریفیں نقل کیں: "وہ جس میں غرض غیر شرعی ہو اور وہ جس میں کوئی غرض صحیح نہ ہو"۔ پھر کہا کہ: (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب یفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹/۲

آخر نہ دیکھا کہ مٹی سے بچانے ف۱ کیلئے دامن اٹھانا غرض صحیح ہے اور نماز میں مکروہ کہ غرض مطلوب شرعی نہیں اور پیشانی ف۲ سے پسینہ پونچھنا باآنکہ غرض مطلوب فی الشرع نہیں نماز میں بلا کراہت روا جبکہ ایذا دے اور شغل خاطر کا باعث ہو کہ اب اس کا ازالہ غرض مطلوب شرع ہو گیا۔ عنایہ ونہایہ و

قال ولا نزاع فی الاصطلاح [1] اھ فلھذا اجاب عنه سعدی افندی بان النفی فی التعارف الثانی داخل علی القید [2] اھ

اقول: وھو مشکل بظاھرہ فان النفی اذا استولی علی مقید بقید صدق بانتفاء ایھما کان وانما یتم بالتحقیق الذی القینا علیك ان لا وقوع للفعل الاختیاری من دون غرض اصلا اھ منه عفی منه۔ (م)

اصطلاح میں کوئی نزاع نہیں اھ۔ اسی لئے سعدی آفندی نے اس کا جواب دیا کہ دوسری تعریف میں نفی قید پر داخل ہے اھ۔

اقول: اور وہ بظاہر مشکل ہے اس لئے کہ نفی جب کسی ایسی چیز پر وارد ہوتی ہے جو کسی قید سے مقید ہے تو مقید اور قید کسی کے بھی انتفا سے نفی کا صدق ہو جاتا ہے۔ اب دونوں کے مآل میں وحدت کی بات اسی وقت تام ہو سکتی ہے جب وہ تحقیق لی جائے جو ہم نے پیش کی کہ فعل اختیاری کا وقوع بغیر کسی غرض کے ہوتا ہی نہیں (تو مالیس فیہ غرض صحیح کا مآل یہی ہوگا کہ اس کی کوئی غرض تو ضرور ہے مگر غرض صحیح ہے اور یہ صورت کہ سرے سے صحیح غیر صحیح کوئی غرض ہی نہ ہو، واقع میں اس کا وجود نہ ہوگا ۱۲ م) ۱۲ منہ۔ (ت)

ف ۱: **مسئلہ:** نماز میں مٹی سے بچانے کے لئے دامن اٹھانا مکروہ ہے۔

ف ۲: **مسئلہ:** نماز میں منہ پر پسینہ ایسا آیا کہ ایذا دیتا اور دل بٹتا ہے تو اس کا پونچھنا مکروہ نہیں ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

---

[1] العنایہ علی الہدایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب یفسد الصلوۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱ / ۳۵۶

[2] حاشیہ سعدی آفندی علی العنایہ کتاب الصلوۃ باب یفسد الصلوۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱ / ۳۵۶

بحر وغیرہا میں ہے:

کل عمل یفید المصلی لاباس بہ لما روی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرق فی صلاتہ لیلۃ فسلت العرق عن جبینہ ای مسحہ لانہ کان یؤذیہ فکان مفید اواذا قام ف من سجودہ فی الصیف نفض ثوبہ یمنۃ ویسرۃ کیلا تبقی صورۃ [1]۔	جس کام سے مصلی کو فائدہ ہو اس میں حرج نہیں اس لئے کہ مروی ہے کہ حضور کو ایک رات نماز میں پسینہ آیا تو حضور نے جبین مبارک سے پسینہ پونچھ دیا، اس لئے کہ اس سے حضور کو تکلیف ہوتی تھی تو پونچھنا مفید تھا۔۔۔۔۔۔۔اور جب گرمی کے موسم میں سجدہ سے اٹھتے تو دائیں یا بائیں اپنا کپڑا جھٹک دیتے تاکہ صورت باقی نہ رہے۔(ت)

حاشیہ سعدی افندی میں ہے:

یعنی حکایۃ صورۃ الالیۃ [2]۔	یعنی سرین کی صورت کی نقل نہ ظاہر ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلیس نفضہ للتراب فلا یرد ما فی البحر عن الحلیۃ انہ اذا کان یکرہ رفع الثوب کیلا یتترب لایکون نفضہ من التراب عملا مفیدا [3] اھ ورأیتنی کتبت	تو اسے جھٹکنا مٹی کی وجہ سے نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس لئے وہ اعتراض وارد نہ ہوگا جو بحر میں حلیہ سے منقول ہے کہ جب خاک آلود ہونے کے اندیشے سے کپڑا اٹھالینا مکروہ ہے تو مٹی سے اسے جھاڑنا کوئی مفید عمل نہ ہوا اھ۔اس عبارت پر میرا حاشیہ

ف: **مسئلہ:** گرمی کے موسم میں دامن پاجامہ سرین سے مل کر ان کی صورت ظاہر کرتا ہے اس سے بچنے کے لئے کپڑا داہنے بائیں نماز میں جھٹک دینا مکروہ نہیں بلکہ مطلوب ہے اور بلاحاجت کراہت۔

---

[1] العنایہ علی الہدایہ علی ہامش فتح القدیر باب مایفسد الصلوۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۷، البحر الرائق بحوالہ النہایہ کتاب الصلوۃ باب یفسد الصّلوٰۃ مایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹/۲، ردالمحتار بحوالہ النہایہ کتاب الصلوۃ باب یفسد الصّلوٰۃ مایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۳۰

[2] حاشیہ سعدی آفندی علی العنایہ باب یفسد الصّلوٰۃ مایکرہ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

علیه **اقول**: الذی ف۱ فی الحلیة ھکذا ثم فی الخلاصة والنھایة وحاصله ف۲ ان کل عمل مفید للمصلی فلا بأس بفعله کسلت العرق عن جبینه ونفض ثوبه من التراب ومالیس بمفید یکرہ للمصلی الاشتغال به اھ واعترض علیه بثلثة وجوہ[1] فقال قلت لکن اذا کان یکرہ رفع الثوب کیلا یتترب کما تقدم وانه قد ف وقع الخلاف فی انه یکرہ مسح التراب عن جبھته فی الصلاۃ کما سنذکرہ وانه قد وقع

یہ ہے: **اقول**: حلیہ کی عبارت اس طرح ہے: پھر خلاصہ اور نہایہ میں ہے کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مصلی کے لئے مفید ہو اس کے کرنے میں حرج نہیں جیسے پیشانی سے پسینہ پونچھنا، اور مٹی سے کپڑا جھاڑنا۔ اور جو مفید نہیں ہے اس میں مشغول ہونا مصلی کے لئے مکروہ ہے اھ۔

حلبی نے اس عبارت پر تین طرح اعتراض کیا، وہ لکھتے ہیں: میں کہوں گا (۱) جب خاک آلود ہونے کے اندیشے سے کپڑا اٹھانا مکروہ ہے تو مٹی سے اسے جھاڑنا کوئی مفید عمل نہ ہوا (۲) اور اس بارے میں اختلاف ہے کہ نماز میں پیشانی سے مٹی صاف کرنا مکروہ ہے یا نہیں جیسا کہ آگے اسے ہم ذکر کریں گے۔

عــه: ذکر فیه معترکا ولم یتخلص من

اس میں معرکہ آرائی کی جگہ بتائی ہے اور (باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: **مسئلہ**: معروضة علی العلامة ش۔

ف۲: **مسئلہ**: نمازی کو ہر وہ عمل کہ نماز میں مفید ہو جائز و غیر مکروہ اور ہر وہ عمل جس کا فائدہ نماز کی طرف عائد نہ ہو کم از کم مکروہ و خلاف اولی ہے۔

ف۳: سجدہ میں ماتھے پر لگی ہوئی مٹی اگر ایذاء دے مثلاً اس میں باریک کنکریاں ہوں یا کثیر ہوں کہ آنکھوں پلکوں پر چھڑتی ہے جب تو مطلقًا اسے پونچھنے میں حرج نہیں اور نہ اخیر التحیات کے ختم سے پہلے مکروہ ہے اور اس کے بعد سلام سے پہلے حرج نہیں اور سلام کے بعد اسے صاف کر دینا تو مستحب ہے بلکہ اگر ریا کا خیال ہو کہ لوگ ٹیکا دیکھ کر نمازی سمجھیں جب تو اس کا باقی رکھنا حرام ہوگا۔

[1] جد المحتار علی رد المحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ الخ المجمع الاسلامی مبارکپور، ہند ۱/ ۳۰۵

الندب ف الی تتریب الوجہ فی السجود	(۳) اور کپڑا تو درکنار چہرے کو سجدے میں خاک آلود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کلامہ کبیر شیئ **اقول**:والاوفق الالصق باصول المذھب ان لو اٰذاہ وشغل قلبہ کأن کان فیہ صغار حصی اوکان کثیرا یتناثر علی عیونہ وجفونہ مسح مطلقا ولو فی وسط الصلوٰۃ والاکرہ فی خلال الصلوۃ ولو فی التشھد الاخیر امابعدہ وقبل السلام فقد نصوا ان لاباس بہ بلا خلاف وبعد السلام یستحب المسح دفعا للاذٰی وکراھۃ للمثلۃ ففی الخانیۃ لاباس بان یمسح جبھتہ من التراب والحشیش بعد الفراغ من الصلوٰۃ وقبلہ اذا کان یضر ذالك و یشغلہ عن الصلوۃ وان کان ذالك یکرہ فی وسط الصلوٰۃ ولا یکرہ قبل التشھد والسلام[1] اھ وفی الحلیۃ وفی التحفۃ

ان کے کلام سے کوئی بڑی بات حاصل نہیں ہوتی۔ **اقول**: اصولِ مذہب سے زیادہ مطابق اور ہم آہنگ یہ ہے کہ مٹی سے اگر اسے تکلیف ہو اور اس کا دل بٹے مثلاً یہ کہ اس پر کنکریوں کے ریزے ہوں یا مٹی اتنی زیادہ ہو کہ آنکھوں اور پلکوں پر جھڑ کر گرتی ہو تو اسے صاف کردے۔ مطلقاً۔ اگرچہ درمیانِ نماز میں ہو۔ ورنہ درمیانِ نماز صاف کرنا مکروہ ہے اگرچہ تشہد اخیر میں ہو، اور اس کے بعد، سلام سے قبل صاف کرنے سے متعلق علماء کی بلااختلاف تصریح ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور بعد سلام صاف کرنا دفع اذٰی اور کراہت مثلہ کے پیش نظر مستحب ہے۔ خانیہ میں ہے: اس میں حرج نہیں کہ پیشانی سے مٹی اور تنکا نماز سے فارغ ہونے کے بعد صاف کردے اور اس سے پہلے بھی جب کہ اس سے اسے ضرر ہو اور نماز سے اس کا دل بٹتا ہو۔ اور اگر اس سے ضرر نہ ہو تو درمیانِ نماز مکروہ ہے اور تشہد و سلام سے پہلے مکروہ نہیں۔ اھ۔ حلیہ میں ہے: تحفہ میں ہے کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: مسئلہ: مستحب ہے کہ سجدہ میں سر خاک پر بلاحائل ہو۔

[1] فتوی قاضی خان کتاب الصلوۃ باب الحدث الصلوۃ الخ نولکشور لکھنوص ۱ / ۵۷

فضلا عن الثوب فکون نفض	کرنے کی ترغیب آئی ہے تو یہ بات عیاں طور پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی ظاھر الروایۃ یکرہ فی وسطھا ولا باس بہ اذا قعد قدر التشھد [1] ونص علی انہ الصحیح ونص رضی الدین فی المحیط علی انہ الاصح الخ وفیھا نصوا علی انہ لاباس بان یمسح بعد مافرغ من صلوتہ قبل ان یسلم [2] قال فی البدائع بلا خلاف لانہ لوقطع الصلوۃ فی ھذہ الحالۃ لایکرہ فلأن لایکرہ ادخال فعل قلیل اولی [3] الخ وفیھا عن الذخیرۃ اذمسح جبھۃ بعد السلام یستحب لہ ذلك لانہ خرج من الصلوۃ وفیہ ازالۃ الاذی عن نفسہ [4] الخ

اقول: ولو ابقاہ معاذ اللہ ریاء

ظاہر الروایہ میں یہ درمیان نماز مکروہ ہے اور جب بقدر تشہد بیٹھ چکا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس پر نص فرمایا کہ یہی صحیح ہے اور محیط میں رضی الدین نے یہ تصریح فرمائی کہ یہ اصح ہے الخ۔ اور حلیہ میں یہ بھی ہے: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بدائع میں فرمایا اس میں کوئی اختلاف نہیں تو فعل قلیل اختلاف نہیں کیوں کہ اس حالت میں اس کا نماز قطع کردینا مکروہ نہیں تو فعل قلیل داخل کردینا بدرجہ اولیٰ مکروہ نہ ہوگا۔ اور حلیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے: بعد سلام اپنی پیشانی صاف کرے تو یہ اس کے لئے مستحب ہے اس لئے کہ وہ نماز سے باہر آچکا ہے اور اس میں اپنے سے گندگی (اذی) دور کرنا بھی ہے الخ۔

اقول: اور اگر معاذاللہ ریاکاری کے لئے (باقی برصفحہ آئندہ)

I.T. Majlis of DawateIslami

1 تحفۃ الفقہاء کتاب الصلوۃ باب مایستحب فی الصلوۃ ومایکرہ فیہا دارالفکر بیروت ص ۷۲

2 بدائع الصنائع کتاب الصلوۃ باب مایستحب فی الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی لاہور ۱/ ۲۱۹

3 بدائع الصنائع کتاب الصلوۃ باب مایستحب فی الصلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی لاہور ۱/ ۲۲۰ و ۲۱۹

4 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الثوب من التراب عملا مفیدا	محلِ نظر ہے کہ مٹی سے کپڑے کو جھاڑنا کوئی مفید عمل ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الناس حرم قطعا کما لایخفی ورأیتنی کتبت علی قول البدائع لوقطع الصلوۃ فی ھذہ الحالۃ لایکرہ مانصه۔

اقول: کیف[ف] لایکرہ مع ان الواجب علیه الانھاء بالسلام لاالقطع بعمل غیرہ فان اراد بالقطع الانھاء منعنا القیاس لانه مامور به کیف یقاس علیه مالیس مطلوبا وھو مالم ینھھا لایقع مایقع الا فی خلالھا الا تری الی الاثنا عشریۃ قال فی الھدایۃ علی تخریج البردعی ان الخروج عن الصلوۃ بصنع المصلی فرض عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فاعتراض ھذہ العوارض عندہ فی ھذہ الحالۃ کاعتراضھا فی خلال الصلوۃ[1] اھ وفی الفتح

اسے باقی رکھے تو قطعًا حرام ہے جیسا کہ واضح ہے۔ اور بدائع کی عبارت "اس حالت میں اس کا نماز قطع کردینا مکروہ نہیں" پر میں نے اپنا تحریر کردہ یہ حاشیہ دیکھا:

اقول: کیوں مکروہ نہیں جب کہ اس پر واجب یہ ہے کہ سلام پر نماز پوری کرے نہ یہ کہ سلام کے علاوہ کسی عمل سے نماز قطع کر دے۔ تو اگر قطع سے ان کی مراد نماز پوری کرنا ہے تو قیاس درست نہیں کیوں کہ سلام پر نماز پوری کرنے کا تو اسے حکم ہے اس پر اس عمل کا قیاس کیسے ہوسکتا ہے جو مطلوب نہیں اور جب تک وہ نماز سلام سے پوری نہ کرے جو عمل بھی ہوگا درمیانِ نماز ہی ہوگا کیا وہ مشہور بارہ مسائل پیشِ نظر نہیں۔ ہدایہ میں فرمایا: امام بردعی کی تخریج پر یہ ہے کہ نماز سے مصلی کا اپنے عمل کے ذریعہ باہر آنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فرض ہے۔ تو ان کے نزدیک اس حالت میں ان عوارض کا پیش آنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کے درمیان پیش آنا اھ۔ اور فتح القدیر میں امام (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: تطفل علی الامام الجلیل صاحب البدائع۔

[1] الہدایۃ کتاب الصلوۃ باب الحدث فی الصلوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۱۰

وانہ لاباس بہ مطلقا فیہ نظر ظاھر[1] اھ وانت تعلم ان اعتراضہ علی مانقل عن الخلاصۃ والنھایۃ صحیح الی الغایۃ للتصریح فیہ ان النفض من التراب۔	اور اس میں "مطلقًا" کوئی حرج نہیں ہے اھ۔ ناظر کو معلوم ہے کہ حلبی نے خلاصہ ونہایہ سے جس طرح عبارت نقل کی ہے اس پر ان کا اعتراض بالکل درست اور بجا ہے کیوں کہ اس عبارت میں مٹی سے جھاڑنے کی صراحت موجود ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ناقلا عن الکرخی انما تبطل عندہ فیھا لانہ فی اثنائھا کیف وقد بقی علیہ واجب وھو السلام وھو اٰخرھا داخلا فیھا[2] اھ فاتفق التخریجان ان ماقبل السلام داخل فی خلال الصلوۃ فلم لایکرہ مایکون فیہ مما لیس من افعال الصلوۃ ولا مفیدا محتاجا الیہ فتدبر اذلابحث مع الاطباق لاسیما من مثلی والاتباع للمنقول وان لم یظھر للعقول واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ غفرلہ۔ (م)

امام کرخی سے نقل ہے: امام صاحب کے نزدیک ان عوارض کی صورتوں میں نماز اسی لئے باطل ہوتی ہے کہ وہ ابھی اثنائے نماز میں ہے کیوں نہ ہو جب کہ ابھی اس کے ذمہ ایک واجب باقی ہے وہ ہے سلام، یہ نماز کا آخری عمل ہے اور نماز میں داخل ہے اھ۔ تو امام بردعی وامام کرخی دونوں حضرات کی تخریجیں اس پر متفق ہیں کہ ماقبل سلام، درمیان نماز داخل ہے تو اس حالت میں واقع ہونے والا وہ کام مکروہ کیوں نہ ہوگا جو نہ افعالِ نماز سے ہے نہ مفید ہے نہ اس کی حاجت ہے تو تدبر کرو۔ اس لئے کہ اتفاق موجود ہوتے ہوئے بحث کی خصوصًا مجھ جیسے سے۔ گنجائش نہیں۔ اتباع منقول کا ہوگا اگرچہ اس کی وجہ معقول ظاہر نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] البحر الرائق بحوالہ الحلبی کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کراچی ۱۹/۲

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الحدث فی الصلٰوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۳۶/۱

اقول: وانما ف قید بقوله مطلقا لان الثوب ان کان مما یفسدہ التراب کأن یکون من لاحریر المخلوط للرجل اوالخالص للمرأۃ وکان فی التراب نداوۃ فلولم یغسل بقی متلوثا ولو غسل فسد فحینئذا فان الضرورات تبیح المحظورات۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ولکن الشان ان لیس لفظ التراب لافی الخلاصۃ ولا فی النہایۃ فنص نسختی الخلاصۃ ولا یعبث بشیئ من جسدہ وثیابہ والحاصل ان کل عمل ھو مفید لاباس بہ للمصلی وقد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ سلت العرق عن جبینہ وکان اذا قام من سجودہ فنفض ثوبہ یمنۃ ویسرۃ ومالیس بمفید یکرہ کاللعب ونحوہ[1] اھ	**اقول:** اعتراض کے الفاظ میں انہوں نے "مطلقًا" کی قید اس لئے رکھی ہے کہ اگر کپڑا ایسا ہو جو کہ مٹی سے خراب ہوجائے مثلًا مرد کا کپڑا مخلوط ریشم کا یا عورت کا خالص ریشم کا ہو اور مٹی میں نمی ہو اب اگر اسے دھوتا نہیں تو کپڑا خاک آلود رہ جاتا ہے اور دھوتا ہے تو خراب ہوتا ہے ایسی صورت میں مٹی سے بچانا ممنوع نہ ہونا چاہئے کیوں کہ ضرورتوں کے پاس ممنوعات مباح ہوجاتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ لفظ "تراب (مٹی)" نہ خلاصہ میں ہے نہ نہایہ میں ہے۔ میرے نسخہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے: "اور اپنے جسم یا کپڑے کے کسی حصے سے کھیل نہ کرے۔ اور حاصل یہ ہے کہ ہر وہ عمل جو مفید ہو مصلی کے لئے اس میں حرج نہیں، نبی سے بطریق صحیح ثابت ہے کہ جبین مبارک سے پسینہ صاف کیا اور جب سجدہ سے اٹھتے تو اپنا کپڑا دائیں بائیں جھٹک دیتے۔ اور جو مفید نہیں وہ مکروہ ہے جیسے لعب اور اس کے مثل اھ۔

ف: **مسئلہ:** اگر کپڑا بیش قیمت ہے جیسے ریشمیں تانے کا مرد کے لئے یا خالص ریشمی عورت کے لئے اور نماز خالی زمین پر پڑھ رہا ہے اور مٹی گیلی ہے کہ کپڑا نہ بچائے تو کیچڑ سے خراب ہوگا اور دھونے سے بگڑ جائے گا تو ایسی حالت میں بچانے کی اجازت ہونی چاہیئے واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۷

ونص النھایۃ علی مانقل فی البحر مثل مااثرته عن العنایۃ بمعناہ وقد صرح فیه بالمراد اذقال کیلا تبقی صورۃ ولا توجه علیه لشیئ من الایرادات بیدان الامام الحلبی ثقۃ حجۃ امین فی النقل فالظاھر انه وقع ھکذا فی نسختیه الخلاصۃ والنھایۃ ولکن العجب ف۱ من البحر نقل عبارۃ النھایۃ مصرحۃ بالصواب ثم عقبھا بالاعتراضات الواردۃ علی لفظ من التراب واقرھا کانه لیس عنھا جواب۔	اور نہایہ کی عبارت جیسے بحر میں نقل کی ہے بالمعنی اسی کی طرح ہے جو میں نے عنایہ سے نقل کی اور اس میں مراد کی تصریح کردی ہے کیوں کہ اس میں کہاہے: "تاکہ صورت نہ باقی رہے" اور اس عبارت پر ان تینوں اعتراضوں میں سے ایک بھی وارد نہیں ہوسکتا۔ مگر امام حلبی نقل میں ثقہ، حجت، امین ہیں توظاہر یہ ہے کہ ان کے خلاصہ اور نہایہ کے نسخوں میں عبارت اسی طرح ہوگی جیسے انہوں نے نقل کی۔ لیکن تعجب بحر پر ہے کہ انہوں نے نہایہ کی عبارت تو صاف صحیح کی تصریح کے ساتھ نقل کی (وہ جس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوسکتا) پھر بھی اس کے بعد لفظ "تراب" سے متعلق وارد ہونے والے اعتراضات نقل کرکے انہیں برقرار رکھا گویا ان کا کوئی جواب نہیں۔

یہ نہایت ف۲ کلام ہے تحقیق معنی عبث میں، اب تنقیح حکم کی طرف چلئے وباللہ التوفیق۔

اقول: بیان سابق سے واضح ہو کہ عبث کا مناط فعل میں فائدہ معتدبہا مقصود نہ ہونے پر ہے اور وہ اپنے عموم سے قصد مضر وارادہ شر کو بھی شامل تو بظاہر مثل اسراف اُس کی بھی دو۲ صورتیں ایک فعل بقصد شنیع دوسری یہ کہ نہ کوئی بُری نیت ہو نہ اچھی۔ رب عزوجل نے فرمایا:

اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۱۱۵﴾ [1]	کیا اس گمان میں ہو کہ ہم نے تمہیں عبث بنایا اور تم ہماری طرف نہ پلٹو گے۔

ف۱: تظفل علی البحر۔ ف۲: حکم عبث کی تنقیح۔

[1] القرآن ۲۳/۱۱۵

علماء نے اس آیہ کریمہ میں عبث کو معنی دوم پر لیا یعنی کیا ہم نے تم کو بیکار بنایا تمہاری آفرینش میں کوئی حکمت نہ تھی یوں ہی بے معنی پیدا ہوئے بیہودہ مرجاؤگے نہ حساب نہ کتاب نہ عذاب نہ ثواب، جیسے وہ خبیث کہا کرتے تھے:

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ﴿۳۷﴾[1]	یہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیا کی زندگی، ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں، اور مرنے کے بعد دوبارہ ہم اٹھائے نہ جائیں گے۔(ت)

اِس پر رَد کو یہ آیت اُتری۔

کما تقدم بعض نقوله وزعم العلامة الخفاجی بعدما ذکر فی العبث ثلث عبارات تقدمت والظاهر ان المراد (ای فی هذه الکریمة) الاول[2] اھ	جیسا کہ اس کی کچھ نقلیں گزرچکیں۔اور علامہ خفاجی نے عبث سے متعلق وہ تین عبارتیں ذکر کیں جو گذرچکیں پھر یہ کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں مراد پہلا معنٰی ہے۔ اھ۔
اقول: **اوّلا** علمت ف۱ ان الکل واحد **وثانیا** ان ف۲ ابقینا التغایر فالظاهر الاخیران لان فی الهمزة انکار ما حسبوه لایجاب ما سلبوه ولیس المراد اثبات فائدة ما ولو غیر معتدبها ولهذا قال فی الارشاد بغیر حکمة بالغة[3] واطلق الجلال لان حکم الله تعالی کلها بالغة	**اقول اوّلاً:** یہ واضح ہوچکا کہ سب تعریفیں ایک ہی ہیں۔**ثانیاً** اگر ہم تغایر باقی رکھیں توظاہر آخری دو تعریفیں ہیں۔اس لئے کہ ہمزہ میں ان کے گمان کا انکار ہے تاکہ اس کا اثبات ہو جس کی انہوں نے نفی کی۔اور مراد یہ نہیں کہ کسی بھی فائدہ کا اثبات ہو جائے اگرچہ قابل لحاظ وشمار نہ ہو۔اوراس لئے ارشاد میں فرمایا: بغیر حکمت بالغہ کے۔اور جلال نے مطلق رکھا، کیوں کہ اللہ تعالٰی کاہر حکم بالغ ہے

ف۱: معروضة علی العلامة الخفاجی۔ ف۲: معروضة اخری علیه۔

---

[1] القرآن ۲۳/ ۳۷

[2] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی تحت الآیہ ۲۳/ ۱۱۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ / ۶۱۱

[3] الارشاد العقل السلیم تحت الآیۃ ۲۳ / ۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۱۵۳

علی ان الحکمۃ نفسھا یستحیل ان لایعتد بھا۔	علاوہ ازیں بذاتِ خود حکمت ناممکن ہے کہ غیر معتد بہا ہو۔(ت)

اور سیدنا ہُود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصّلوٰۃ والتسلیم نے اپنی قوم عاد سے فرمایا:

اَتَبۡنُوۡنَ بِکُلِّ رِیۡعٍ اٰیَۃً تَعۡبَثُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوۡنَ مَصَانِعَ لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ [1]	یا ہر بلندی پر ایک نشان بناتے ہو عبث کرتے یا عبث کے لئے اور کارخانے بناتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔

اس آیہ کریمہ میں بعض نے کہا راستوں میں مسافروں کیلئے بے حاجت بھی جگہ جگہ علامتیں قائم کرتے تھے۔

ذکرہ فی الکبیر وتبعہ البیضاوی وابو السعود والجمل قال فی الانوار (ایۃ) علما لمارۃ (تعبثون) ببنائھا اذکانوا یھتدون بالنجوم فی اسفارھم فلا یحتاجون الیھا [2] اھ فاورد ان لانجوم بالنھار وقد یحدث باللیل من الغیوم ما یستر النجوم واجاب فی العنایۃ بانھم لایحتاجون الیھا غالبا اذا مر الغیم نادر لاسیما فی دیار العرب [3] اھ **اقول:** اولا لم ^ف^ یجب عن	اسے تفسیر کبیر میں ذکر کیا اور بیضاوی، ابو السعود اور جمل نے اس کا اتباع کیا۔ انوار التنزیل بیضاوی میں ہے (نشان) گذرنے ولوں کے لئے علامت (عبث کرتے ہو) اسے بنا کر۔ اس لئے کہ وہ اپنے سفروں میں ستاروں سے راہ معلوم کرتے تھے تو انہیں نشانات کی حاجت نہ تھی اھ۔ اس پر اعتراض ہوا کہ دن میں ستارے نہیں ہوتے اور رات کو بھی کبھی اتنی بدلی ہوجاتی ہے کہ ستارے چھُپ جاتے ہیں۔ عنایۃ القاضی میں علامہ خفاجی نے اس کا یہ جواب دیا کہ زیادہ تر انہیں اس کی حاجت نہ تھی اس لئے کہ بدلی ہونا نادر ہے خصوصًا دیارِ عرب میں۔اھ۔ **اقول:** اولا دن والی صورت سے

ف: معروضۃ ثالثۃ علیہ۔

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۲۸و۱۲۹

[2] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) تحت الایہ ۲۶/ ۱۲۸و۱۲۹ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۷

[3] عنایۃ القاضی علی التفسیر البیضاوی تحت الایہ ۲۶/ ۱۲۸و۱۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۲۴۷

النهار و انما به اکثر الاسفار۔
وثانیا ان سلم ف۱ الندور فعمل مایحتاج الیه ولو احیانا لایعد عبثا قال مع انه لو احتیج الیها لم یحتج الی ان یجعل فی کل ریع فان کثرتها عبث[1] اھ۔
اقول: هذا ف۲ منزع اخر فلا یرفع الایراد عن القاضی قال وقال الفاضل الیمنی ان اماکنها المرتفعة تغنی عنها فهی عبث[2] اھ۔
اقول: اولا ارتفاع ف۳ الاماکن لا یبلغ بحیث یراها القاصد من ای مکان بعید قصد۔
وثانیا: هو ف۴ منزع ثالث وکلامنا فی کلامی و الانوار، بالجملة هو وجه

اعتراض کا جواب نہ دیا جب کہ زیادہ تر سفر دن ہی میں ہوتے ہیں۔
ثانیا اگر بدلی کا نادرًا ہی ہونا تسلیم کرلیا جائے تو بھی ایسی چیز بنانا جس کی ضرورت پڑتی ہو اگرچہ کبھی کبھی پڑتی ہو، عبث شمار نہ ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں: باوجودیکہ اگر اس کی ضرورت ہو تو بھی اس کی ضرورت نہیں کہ ہر بلندی پر بنائیں اس لئے کہ ان نشانات کی کثرت بلاشبہہ عبث ہے اھ۔
اقول: یہ ایک دوسرا رخ ہے اس سے قاضی کا اعتراض نہیں اٹھتا۔۔۔ آگے لکھتے ہیں: فاضل یمنی نے کہا: ان بلند جگہوں سے ان نشانات کا مقصد یونہی پورا ہوجاتا تھا تو یہ عبث ٹھہرے اھ۔
اقول: اولا جگہوں کی انچائی اس حد تک نہیں ہوتی کہ عازم سفر جس دور جگہ سے بھی چاہے دیکھ لے۔
ثانیا: یہ ایک تیسرا رُخ ہوا۔ اور ہماری گفتگو کلام بیضاوی سے متعلق ہے۔ الحاصل

ف۱: معروضة رابعة علیه۔

ف۲: معروضة خامسة علیه۔

ف۳: معروضة سادسة علیه و علی الفاضل الیمنی۔

ف۴: معروضة سابعة علیهما۔

---

[1] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی تحت الآیۃ ۲۶ /۱۲۸ و ۱۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹/۷

[2] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی تحت الآیۃ ۲۶ /۱۲۸ و ۱۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹/۷

زیف ولا اعلم له سندا من السلف ولقد احسن النیسابوری اذا سقطه من تلخیص الکبیر ۔ اقول: وتعبیری ف اذ قلت یبنون من دون حاجة ایضا احسن من تعبیر الکبیر ومن تبعه کما تری۔	یہ ایک کمزور وجہ ہے اور سلف سے اس کی کوئی سند میرے علم میں نہیں۔اور نیشاپوری نے بہت اچھا کیا کہ تفسیر کبیر کی تلخیص سے اسے ساقط کردیا۔ **اقول**: میری یہ تعبیر کہ "بے حاجت بھی بناتے تھے" تفسیر کبیر اوراس کے متبعین کی تعبیر سے بہتر ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے۔(ت)

امام مجاہد وسعید بن جبیر نے فرمایا: جگہ جگہ کبوتروں کی کابکیں بناتے ہیں۔

رواہ عن الاول ابن جریر [1] فی (ایة) وھو والفریابی و سعید بن منصور وابن ابی شیبه وعبد بن حمید واباالمنذر وابی حاتم فی (مصانع [2]) وعزاہ للثانی فی المعالم [3]	اسے امام مجاہد سے ابن جریر نے "آیہ" کے معنی میں روایت کیا اور ابن جریر، فریابی، سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے ان سے "مصانع" کے معنی میں روایت کیا۔ اور معالم التنزیل میں اسے حضرت سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا۔(ت)

ان دونوں تفسیروں پر یہ عبث بمعنی دوم ہوگا یعنی لغو ولہو۔بعض نے کہا ہر جگہ اونچے اونچے محل تکبر وتفاخر کے لئے بناتے۔

ذکرہ الکبیر ومن بعدہ وللفریابی وابناء حمید وجریر والمنذر وابی حاتم عن مجاھد و تتخذون مصانع قال	اسے تفسیر کبیر میں ذکر کیا اوراس کے بعد کے مفسرین نے بھی۔اور فریابی، ابن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے روایت کی "وتتخذون مصانع" انہوں نے کہا

ف: علی الامام الرازی والبیضاوی وابی سعود۔

[1] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت الآیہ ۲۶/ ۱۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹ / ۱۱۰

[2] الدر المنثور بحوالہ الفریابی تحت الآیہ ۲۶/ ۱۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۲۸۲

[3] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیہ ۲۶/ ۱۲۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۳۳۶

قصورا مشیدۃ وبنیانا مخلدا [1] ولابن جریر عنه قال ایة [2]۔	مضبوط محل اور دوامی عمارت۔اور ابن جریر نے ان سے روایت کیا کہ آیۃ یعنی عمارت۔(ت)

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منقول ہوا جو راستے سیدنا ہُود علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف جاتے ان پر محل بنائے تھے کہ اُن میں بیٹھ کر خدمتِ رسالت میں حاضر ہونے والوں سے تمسخر کرتے ذکرہ فی مفاتیح الغیب ورغائب [3] الفرقان مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) اور رغائب الفرقان (نیشاپوری) میں اس کا ذکر کیا گیا۔ت) یا سرِ راہ بناتے ہر راہ گیر سے ہنستے ذکرہ البغوی والبیضاوی [4] وابو السعود واقتصر علیه الجلال [5] ملتزما الاقتصار علی اصح الاقوال (ذکر کیا بغوی اور بیضاوی اور ابوالسعود نے اختصار کیا جلال نے اختصار اقوالِ اصح میں لازم ہے۔ت)

ان دونوں تفسیروں پر یہ عبث بمعنی اول ہوگا یعنی قصد شر وارادہ ضرر۔ بالجملہ دونوں معنے کا پتا قرآنِ عظیم سے چلتا ہے اگرچہ متعارف غالب میں اُس کا استعمال معنی دوم ہی پر ہے بیہودہ وبے معنے کام ہی کو عبث کہتے ہیں نہ کہ معاصی وظلم وغصب وزنا وربا وغیرہا کو۔

اذا تقرر ھذا فاقول ظھر ان لاعتب علی الامام الجلیل صاحب الھدایة رحمه الله تعالٰی اذ یقول ان العبث خارج الصلاۃ حرام فماظنك فی الصلوۃ [6] اھ وقد اقرہ فی العنایة و	جب یہ طے ہوگیا تو میں کہتا ہوں واضح ہوگیا کہ امام جلیل صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ تعالٰی پر کوئی عتاب نہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ: عبث بیرون نماز حرام ہے تو اندرونِ نماز سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اھ۔ اسے عنایہ وفتح القدیر میں برقرار رکھا

[1] الدرالمنثور بحوالہ الفریابی وغیرہ تحت الآیہ ۲۶ / ۲۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۲۸۲

[2] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت الآیہ ۲۶ / ۲۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹ / ۱۱۰

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیہ ۲۶ /۱۲۹دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۴ / ۱۳۵، غرائب القرآن ورغائب الفرقان تحت الآیہ ۲۶ / ۱۲۹ مصطفی البابی مصر ۱۹/ ۶۵

[4] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیہ ۲۶ /۱۲۹دارالکتب العلمیہ بیروت ۳ / ۳۳۷، انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیہ ۲۶ / ۱۲۹دارالفکر بیروت ۴ / ۲۴۸

[5] تفسیر الجلالین الآیہ ۲۶ / ۱۲۸ اصح المطابع دہلی ص ۳۱۴

[6] الھدایہ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ مایقرہ فیہا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۱۹، ۱۲۰

الفتح وتبعه فی الدرر والغنیة ولفظ مولٰی خسرو انه خارج الصلاۃ منهی عنه فما ظنك فیها[1] ھ ولفظ المحقق الحلبی العبث حرام خارج الصلاۃ ففی الصلوۃ اولی[2] اھ **فان قلت** اطلقوا وانما هو حکم القسم الاول۔ قلت اصل الکلام فی الصلاۃ وکل عبث فیها من القسم الاول فتعین مرادا وکان اللام للعهد فحصل التفصی عما اورد ف السروجی فی الغایة وتبعه فی البحر والشرنبلالی فی الغنیة وش ان العبث خارجها بثوبه اوبدنه خلاف الاولی ولا یحرم قال والحدیث (ای ان الله کره لکم ثلثا العبث فی الصلاۃ والرفث فی الصیام والضحك فی المقابر رواہ القضاعی[3] عن یحیی بن ابی کثیر مرسلا) قید بکونه	اور درر وغنیہ میں اس کا اتباع کیا۔ مولٰی خسرو کے الفاظ یہ ہیں: وہ بیرونِ نماز منہی عنہ ہے تو اندرونِ نماز سے متعلق تمہارا کیا خیال ہے اھ اور محقق حلبی کے الفاظ یہ ہیں: عبث بیرونِ نماز حرام ہے تو اندرونِ نماز بدرجہ اولٰی (حرام) ہوگا اھ۔ **اگر کہئے** ان حضرات نے مطلق رکھا ہے اور یہ قسم اول کا حکم ہے میں کہوں گا اصل کلام نماز سے متعلق ہے اور نماز میں ہر عبث قسم اول سے ہے تو اسی کا مراد ہونا متعین ہے اور "العبث" میں لام عہد کا ہے تو اس اعتراض سے چھٹکارا ہوگیا جو سروجی نے غایہ میں وارد کیا اور صاحبِ بحر نے بحر میں اور شرنبلالی نے غنیہ میں اور شامی نے اس کی پیروی کی۔ (اعتراض یہ ہے) کہ بیرونِ نماز اپنے کپڑے یا بدن سے عبث (کھیل کرنا) خلافِ اولٰی ہے، حرام نہیں۔ اور کہا کہ: یہ حدیث "بیشک اللہ نے تمہارے لئے تین چیزیں ناپسند فرمائیں: نماز میں عبث، روزے میں بے ہودگی، قبرستانوں میں ہنسنا۔ قضاعی نے یحیٰی بن ابی کثیر سے مرسلاً روایت کی"۔ اس میں عبث کے ساتھ اندورنِ نماز

ف: تطفل علی السروجی والبحر والشرنبلالی و ش۔

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلوۃ مایفسد الصلوۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۷
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراھیۃ الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹
[3] البحر الرائق بحوالہ القضاعی فی مسند الشہاب کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

فی الصلاۃ[1] اھ	ہونے کی قید لگی ہوئی ہے اھ۔(ت)

ظاہر ہے کہ معنی اول پر عبث ممنوع و ناجائز ہوگا نہ دوم پر، اور یہاں ہمارا کلام قسم دوم میں ہے یعنی جہاں نہ قصد معصیت نہ پانی کی اضاعت۔

بل **اقول:** لك ف ان تقول ان فی النظر الدقیق لاحکم علی العبث فی نفسه بالحظر والتحریم اصلا وما کان لانضمام ضمیمة ذمیمة فانما مرجعه الیها دونه وتحقیق ذلك انا اریناك تظافر الکلمات علی ان مناط العبث علی عدم قصد الفائدة بالفعل وھذه حقیقة متحصلة بنفسها ولیس قصد المضر اوعدم قصده من مقوماتها ولا مما یتوقف علیه وجودھا کسبب وشرط فیعد من محصلاتها فاذن لیس قصد مضرٍ الا من مجاوراتها وما کان لمجاور یکون حکماله لالصاحبه، الا تری البیع یحرم بشرط فاسد وبعد اذان الجمعة واذا سئلت	بلکہ **میں کہتاہوں** تم کہہ سکتے ہو کہ بنظرِ دقیق دیکھا جائے توخود عبث پر منع و تحریم کا حکم بالکل نہیں اور جو حکم منع کسی مذموم ضمیمہ کے شامل ہوجانے کی وجہ سے ہے اس کا مرجع اس ضمیمہ کی طرف ہے عبث کی جانب نہیں۔اس کی تحقیق یہ ہے کہ ہم دکھا چکے کہ کلمات کا اس پر اتفاق ہے کہ عبث کا مدار اس پر ہے کہ بالفعل فائدہ کا قصد نہ ہو۔ اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو خود حصول وثبوت رکھتی ہے۔اور مضر کا قصد یا عدمِ قصد اس کا نہ توجز ہے نہ سبب وشرط کی طرح اس پر اس کا وجود موقوف ہے کہ اسے اس کا محصّل شمار کیا جائے۔تو کسی مضر کا قصد بس اس کا مجاوِر اور اس سے متصل ہی ہوسکتا ہے اور جو حکم کسی مجاوِر و متصل کے سبب ہو وہ دراصل اسی متصل کا حکم ہے اس کے ساتھ والے کا نہیں۔۔۔۔۔۔ دیکھئے کسی شرط فاسد سے بیع حرام ہوتی ہے

ف: تحقیق المصنف ان فی تقسیم الشیئ بحسب المجاور لایکون حك القسم حکم المقسم۔

[1] البحر الرائق بحوالہ الغایہ للسروجی کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۰، غنیہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الاحکام علی ہامش درر الحکام باب مایفسد الصلوۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰۷، ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۴۳۰

عن حکم البیع قلت مشروع بالکتاب والسنة واجماع الامة کما ذکرہ فی غایة البیان وغیرھا والصلاۃ تکرہ فی ثیاب الحریر للرجل وفی الارض المغصوبة ولا یمنعك ذلك بان تقول اذا سئلت عن حکمھا ان الصلاۃ خیر موضوع فمن استطاع ان یستکثر منھا فلیستکثر کما رواہ[1] الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ان المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وبالجملة یؤاخذ علی المعصیة من حیث قصد الشر لا من حیث عدم قصد الخیر وھی انما کانت عبثا من ھذہ الحیثیة لامن تلك فلیس الحظر حکم العبث اصلا۔	یوں ہی اذانِ جمعہ کے بعد بیع حرام ہے، اور اگر خود بیع کا حکم پوچھا جائے تو جواب ہوگا کہ جائز، اور کتاب وسنت واجماعِ اُمت سے مشروع ہے جیسا کہ اسے غایۃ البیان وغیرہا میں ذکر کیا ہے۔ یوں ہی نماز ریشمی کپڑے میں مرد کے لئے اور غصب کردہ زمین میں کسی کے لئے بھی مکروہ ہے لیکن اگر خود نماز کا حکم پوچھا جائے تو جواب یہی ہوگا نماز ایک وضع شدہ خیر اور نیکی ہے تو جس سے ہوسکے کہ اسے زیادہ حاصل کرے تو اُسے چاہئے کہ وہ زیادہ حاصل کرے۔ جیسا کہ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ الحاصل معصیت پر مواخذہ اس لحاظ سے ہے کہ شر کا قصد ہوا، اس لحاظ سے نہیں کہ خیر کا قصد نہ ہوا، اور وہ عبث اسی حیثیت سے ہے اُس حیثیت سے نہیں تو عبث کا حکم ممانعت بالکل نہیں۔ (ت)

اس کا حکم وہی ہے جو ابھی غایہ سروجی وبحرالرائق وغنیہ شرنبلالی وردالمحتار سے منقول ہوا کہ خلاف اولٰی ہے اور یہی مفاد درمختار ہے۔

حیث قال کرہ عبثه للنھی الالحاجة ولا باس به خارج الصلاۃ[2] اھ فان لاباس لما ترکه اولی	(اس کے الفاظ یہ ہیں: اس کا عبث نہی کی وجہ سے مکروہ ہے مگر یہ کہ کسی حاجت کی وجہ سے ہو اور بیرونِ نماز اس میں حرج نہیں اھ۔ اس لئے کہ لاباس (حرج نہیں) اسی کے لئے بولا جاتا ہے جس کا ترک اولٰی ہے۔ (ت)

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۴۵ مکتبۃ المعارف ریاض بیروت ۱/۱۸۳

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

اور یہی وہ ہے جو قول سوم میں ارشاد ہوا کہ پانی میں اسراف نہ کرنا آداب سے ہے۔

اما ما فی الحلیۃ فی مسألۃ فرقعۃ الاصابع ف۱ ھل یکرہ خارج الصّلاۃ فی النوازل یکرہ والظاھران المراد کراھۃ تنزیہ حیث لایکون لغرض صحیح اما لغرض صحیح ولو اراحۃ الاصابع فلا [1] اھ وفی ف۲ تشبیکھا بعد ذکر النھی عنہ فی الصلاۃ وفی السعی الیھا ولمنتظرھا کمثلھم فی الفرقعۃ مانصہ فیبقی فیما وراء ھذہ الاحوال حیث لایکون عبثا علی الاباحۃ من غیر کراھۃ وان کان علی سبیل العبث یکرہ تنزیھا [2] اھ وتبعہ فیھما ش والبحر فی الاولی و زاد انہ لما لم یکن فیھا خارجھا نھی لم تکن تحریمیۃ کما اسلفناہ قریبا [3] اھ یرید ماقدمنا انہ	مگر حلیہ میں انگلیاں چٹخانے کے مسئلہ میں ہے: کیا یہ بیرونِ نماز بھی مکروہ ہے؟ نوازل میں ہے کہ مکروہ ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہ مراد ہے جبکہ اس کی کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ اور اگر کسی غرض صحیح کے تحت ہو اگرچہ انگلیوں کو راحت دینا ہی مقصود ہو تو کراہت نہیں اھ۔ اور ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے سے متعلق، نماز میں، اور نماز کے لئے جانے اور نماز کے انتظار کی حالتوں میں انگلیاں چٹخانے کی طرح نہی کا ذکر کرنے کے بعد حلیہ میں لکھا ہے: ان کے علاوہ احوال میں جہاں کہ عبث نہ ہو بغیر کسی کراہت کے اباحت پر حکم رہے گا اور اگر بطورِ عبث ہو تو مکروہ تنزیہی ہوگا اھ۔ ان دونوں مسئلوں میں شامی نے حلیہ کا اتباع کیا ہے اور بحر نے پہلے مسئلہ میں اتباع کیا ہے اور مزید یہ لکھا: چوں کہ انگلیاں چٹخانے سے متعلق بیرونِ نماز ممانعت نہیں اس لئے وہاں یہ مکروہ

ف۱: **مسئلہ**: نماز میں انگلی چٹخانا گناہ و ناجائز ہے یوں ہی اگر نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے یا نماز کے لئے جارہا ہے۔ اور ان کے سوا اگر حاجت ہو مثلاً انگلیوں میں بخارات کے سبب کسل پیدا ہو تو خالص اباحت ہے اور بے حاجت خلاف اولٰی و ترک ادب ہے۔

ف۲: **مسئلہ**: یہی سب احکام اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کے ہیں:

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] بحر الرائق مایفسد الصّلوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

ان لم یکن الدلیل نھیا بل کان مفیدا للترک الغیر الجازم فھی تنزیھیة [1] اھ وعقب الثانیة بقولہ وقد قدمناہ عن الھدایة ان العبث خارج الصلٰوة حرام وحملناہ علی کراھة التحریم فینبغی انیکون العبث خارجھا لغیر حاجة کذلک [2] اھ **فاقول:** دعوی کراھة التنزیہ مبتنیہ علی عدم الفرق بین خلاف الاولی وکراھة التنزیہ وزعم ان ترک کل مستحب مکروہ کما قدمنا فی التنبیہ الثالث عن الحلیة ان المکروہ تنزیھا مرجعہ خلاف الاولی والظاھر انھما متساویان وعن البحر ان التنزیہ فی رتبة المندوب وعن ش ان ترک المندوب مکروہ تنزیھا وقد علمت ما ھو التحقیق وباللہ التوفیق۔ اما ما عقب بہ الثانیة **فاقول:** اولا اعجب واغرب مع انہ اسلف الاٰن ان لیس	تحریمی نہیں جیسا کہ کچھ پہلے اسے ہم بیان کرچکے اھ۔ پہلے یہ بتایا ہے کہ اگر دلیل مخالفت نہ کرتی ہو بلکہ غیر جزمی طور پر ترک کا افادہ کررہی ہو تو کراہت تنزیہی ہوگی اھ اور بحر نے مسئلہ دوم کے بعد یہ لکھا کہ: ہم ہدایہ کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ بیرونِ نماز عبث حرام ہے اور اسے ہم نے کراہت تحریم پر محمول کیا تو بیرونِ نماز بے حاجت عبث کا حکم بھی یہی ہونا چاہئے اھ۔ **اس پر میں کہتا ہوں** کراہت تنزیہ کا دعوی، خلاف اولٰی اور کراہت تنزیہ کے درمیان عدمِ فرق پر اور اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مستحب کا ترک مکروہ ہے جیسا کہ تنبیہ سوم میں حلیہ کے حوالے سے ہم نے نقل کیا کہ: مکروہِ تنزیہی کا مرجع خلاف اولٰی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ دونوں میں تساوی ہے۔ اور بحر سے نقل کیا کہ کراہت تنزیہ کا مرتبہ مندوب کے مقابل ہے اور شامی سے نقل کیا کہ ترک مندوب مکروہ تنزیہی ہے۔ اور وہاں واضح ہوچکا کہ تحقیق کیا ہے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ اب رہا وہ جو بحر نے مسئلہ دوم کے بعد لکھا تو **میں کہتا ہوں اولاً** بہت زیادہ عجیب وغریب ہے باوجودیکہ ابھی انہوں نے

ف: تطفل علی البحر۔

[1] بحر الرائق کتاب الصلوة باب مایفسد الصّلوٰة ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹/۲، ردالمحتار کتاب الصلوة باب مایفسد الصّلوٰة ومایکرہ فیھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۲۹/۱

[2] بحر الرائق کتاب الصلوة باب مایفسد الصّلوٰة ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۱/۲، ۲۰

خارجها نهی فلا تحریمیة **وثانیا** ف حققنا ان کلام الهدایة فی القسم الاول من العبث فاجراؤه فی الثانی غیر سدید۔	پہلے بتایا کہ بیرونِ نماز نہی نہیں تومکروہ تحریمی نہیں **ثانیا** ہم تحقیق کرچکے کہ ہدایہ کا کلام عبث کی قسم اول سے متعلق ہے تواسے قسم دوم میں جاری کرنا درست نہیں۔(ت)

ہم اوپر بیان کرآئے کہ کراہت تنزیہی کیلئے بھی نہی ودلیل خاص کی حاجت ہے اور مطلقاً کوئی فعل کبھی کسی فائدہ غیر معتد بہا کیلئے کرنے سے شرع میں کون سی نہی مصروف ہے کہ کراہت تنزیہ ہو ہاں خلافِ اولٰی ہونا ظاہر کہ ہر وقت اولی یہی ہے کہ انسان فائدہ معتد بہا کی طرف متوجہ ہو۔ رہی حدیث صحیح:

من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه رواه الترمذی [1] وابن ماجة والبیهقی فی الشعب عن ابی هریرة والحاکم فی الکنی عن ابی بکر الصدیق وفی تاریخه عن علی المرتضی واحمد و الطبرانی فی الکبیر عن سید ابن السید الحسین بن علی والشیرازی فی الالقاب عن ابی ذر والطبرانی فی الصغیر عن زید بن ثابت وابن عساکر عن الحارث بن هشام	انسان کے اسلام کی خوبی سے ہے یہ بات کہ غیر مہم کام میں مشغول نہ ہولایعنی بات ترک کرے (اس کو ترمذی وابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے ،اور حاکم نے کُنٰی میں حضرت ابو بکر صدیق سے اور اپنی تاریخ میں حضرت علی مرتضٰی سے ،اور امام احمد نے اور معجم کبیر میں طبرانی نے سید ابن سید حضرت حسین بن علی سے، اور شیرازی نے القاب میں حضرت ابو ذر سے ،اور معجم صغیر میں طبرانی نے حضرت زید بن ثابت سے ،اور ابن عساکر نے حضرت حارث بن ہشام

ف: تطفل اخر علیه۔

[1] سنن الترمذی کتاب الزہد حدیث ۲۳۲۴ دارالفکر بیروت ۴/۱۴۲ ، سنن الترمذی کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۵ ، مجمع الزوائد کتاب الادب باب من حسن اسلام المرء الخ دار الکتب بیروت ۸/۱۸

رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حسنہ النووی وصححہ ابن عبد البر والھیثمی۔	سے، ان حضرات رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ امام نووی نے اسے حسن اور ابن عبدالبر و ھیثمی نے صحیح کہا۔ (ت)

اقول: اس کا مفاد بھی اس قدر کہ حسن اسلام سب محسنات سے ہے اور محسّنات میں سب مستحسنات بھی، نہ کہ ہر غیر مہم سے نہی، ورنہ غیر مہم تو بیکار سے بھی اعم ہے، تو سوا مہمات کے سب زیر نہی آکر مباحات سراسر مرتفع ہو جائیں گے۔ لاجرم امام ابنِ حجر مکی شرح اربعین نووی میں فرماتے ہیں:

الذی یعنی الانسان من الامور ما یتعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ مما یشبعہ من جوع ویرویہ من عطش ویستر عورتہ ویعف فرجہ ونحوہ ذلك مما یدفع الضرورۃ دون ما فیہ تلذذ واستمتاع واستکثار وسلامتہ فی معادہ[1]۔	انسان کے لئے مہم امور وہ ہیں جو اس کی حیات ومعاش کی ضرورت سے وابستہ ہوں اس قدر خوراک جو اس کی بھوک دور کرکے سیری حاصل کرائے اور پانی اس کی پیاس دور کرکے سیراب کردے اور کپڑا جس سے اس کی ستر پوشی ہو اور وہ جس سے اس کی پارسائی کی حفاظت اور عفت ہو، اور اسی طرح کے امور جن سے اس کی ضرورت دفع ہو، اور جس میں اس کے معاد وآخرت کی سلامتی ہو وہ نہیں جس میں صرف لطف ولذت اندوزی اور کثرت طلبی ہو۔ (ت)

ابن عطیہ مالکی کی شرح اربعین میں ہے:

مالایعنیہ ھو مالا تدعو الحاجۃ الیہ مما لایعود علیہ منہ نفع اخروی، والذی یعنیہ مایدفع الضرورۃ دون مافیہ تلذذ وتنعم وقال الشیخ یوسف بن عمر مالایعنیہ ھو مایخاف فیہ فوات الاجر	لایعنی وغیر مہم امور وہ ہیں جن کی کوئی حاجت نہ ہو، جن سے کوئی اُخروی فائدہ نہ ہو۔ اور مہم امور وہ ہیں جن سے ضرورت دفع ہو نہ وہ جن میں لذت اندوزی وآسائش طلبی ہو۔ اور شیخ یوسف بن عمر نے فرمایا: لایعنی امور وہ ہیں جن میں اجر فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور

[1] شرح اربعین لامام ابن حجر مکی

والذی یعنیہ ھو الذی لایخاف فیہ فوات ذلک[1] اھ مختصرا۔	یعنی و مہم امور وہ ہیں جن میں اجر فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو اھ مختصرا۔ (ت)

علّامہ احمد بن حجازی کی شرح اربعین میں ہے:

الذی یعنی الانسان من الامور ما یتعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ وسلامتہ فی معادہ ومما لایعنیہ التوسع فی الدنیا وطلب المناصب والریاسۃ [2] اھ ملخصًا۔	انسان کے لئے مہم وہ امور ہیں جو اس کی معاشی زندگی اوراُخروی سلامتی کی ضرورت سے متعلق ہوں اور لایعنی وغیر مہم امور دنیا کی وسعت اور منصب وریاست کی طلب ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

تیسیر میں ہے:

الذی یعنیہ ما تعلق بضرورۃ حیاتہ فی معاشہ دون ما زاد وقال الغزالی حد ما لایعنی ھوالذی لو ترك لم یفت بہ ثواب ولم ینجزبہ ضرر [3]۔	مہم امر وہ ہے جو اس کی معاشی زندگی کی ضرورت سے وابستہ ہو وہ نہیں جو زیادہ ہو۔ اورامام غزالی نے فرمایا: لایعنی کی تعریف یہ ہے کہ اگر اسے ترک کردے تو اس سے کوئی ثواب فوت نہ ہو اور اس سے کوئی ضرر عائد نہ ہو۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

حقیقۃ مالا یعنیہ مالا یحتاج الیہ فی ضرورۃ دینہ ودنیاہ ولا ینفعہ فی مرضاۃ مولاہ بان یکون عیشہ بدونہ ممکنا وھو فی استقامۃ حالہ بغیرہ متمکنا قال الغزالی وحد مالا یعنیك ان تتکلم بکل مالو سکت عنہ	لا یعنی کی حقیقت یہ ہے کہ دین ودنیا کی ضرورت میں اس سے کام نہ ہو اور رضائے مولا میں وہ نفع بخش نہ ہو اس طرح کہ وہ اس کے بغیر زندگی گزار سکتا ہو اور وہ نہ ہو تو بھی وہ اپنی حالت درست رکھ سکتا ہو۔ امام غزالی نے فرمایا: لایعنی کی حد یہ ہے کہ تم ایسی بات بولو جو

[1] شرح اربعین للامام ابن عطیۃ مالکی

[2] المجالس السنیۃ فی الکلام علی اربعین للنوویہ المجلس الثانی عشر الخ دار احیاء الکتب العربیہ مصر ص ۳۶ و ۳۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من حسن اسلام المرء الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲ /۳۸۱

لم تأثم ولم تتضرر فی حال ولا مآل ومثاله ان تجلس مع قوم فتحکی معهم اسفارك ومارایت فیها من جبال وانهار وما وقع لك من الوقائع وما استحسنته من الاطعمة والثیاب وما تعجبت منه من مشائخ البلاد ووقائعهم فهذه امور لوسکت عنها لم تأثم ولم تتضرر واذا بالغت فی الاجتهاد حتی لم یمتزج بحکایتك زیادة ولا نقصان ولا تزکیة نفس من حیث التفاخر بمشاهدة الاحوال العظیمة، ولا اغتیاب لشخص ولا مذمة لشیئ مما خلقه الله تعالٰی فانت مع ذلك کله مضیع زمانك ومحاسب علی عمل لسانك اذ تستبدل الذی هو ادنی بالذی هو خیر، لانك لو صرفت زمان الکلام فی الذکر والفکر ربما ینفتح، لکن من نفحات رحمة الله تعالٰی ما یعظم جدواه ولو سبحت الله تعالٰی بنی لك بها قصر فی الجنة ومن قدر علی ان یاخذ کنزا من الکنوز فاخذ بدله[عـــہ] مدرة لاینتفع بها

نہ بولتے تو نہ گنہگار ہوتے نہ حال و مآل میں اس سے تمہیں کوئی ضرر ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ بیٹھ کر لوگوں سے تم اپنے سفروں کا قصہ بیان کرو اور یہ کہ میں نے اتنے پہاڑ اتنے دریا دیکھے اور یہ یہ واقعات پیش آئے اتنے عمدہ کھانوں اور کپڑوں سے سابقہ پڑا، اور ایسے ایسے مشائخِ بلاد سے ملاقات ہوئی ان کے واقعات یہ ہیں۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو تم نہ بولتے تو نہ گنہگار ہوتے، نہ ان سے تمہیں کوئی ضرر ہوتا۔ اور جب تمہاری پوری کوشش یہ ہو کہ تمہاری حکایت میں نہ کسی کمی بیشی کی آمیزش ہو، نہ ان عظیم احوال کے مشاہدہ پر تفاخر کے اعتبار سے خود ستائی کا شائبہ ہو، نہ کسی انسان کی غیبت ہو، نہ خدائے تعالٰی کی مخلوقات میں سے کسی شیئ کی مذمّت ہو تو ان ساری احتیاطوں کے بعد بھی تم اپنا وقت برباد کرنے والے ہو اور تم سے اپنی زبان کے عمل پر حساب ہوگا اس لئے کہ تم خیر کے عوض اسے لے رہے ہو جو ادنٰی و کمتر ہے، کیونکہ گفتگو کا یہ وقت اگر تم ذکر و فکر میں صرف کرتے تو رحمتِ الٰہی کے فیوض سے تم پر وہ در فیض کشادہ ہوتا جس کا نفع عظیم ہوتا، اگر تم خدائے بزرگ و برتر کی تسبیح کرتے تو اس کے بدلے تمہارے لئے جنت میں ایک محل تعمیر ہوتا۔ جو ایک خزانہ لے سکتا ہو مگر اسے چھوڑ کر ایک بے کار کا ڈھیلا اٹھالے تو وہ کھلے ہوئے خسارہ

عـــہ: وقع فی نسخة المرقاة المطبوعة بمصر بدرة بالباء وھو تصحیف اھ منه (م)

مرقاۃ مطبوعہ مصر کے نسخہ میں مدرہ کی جگہ باء سے بدرہ چھپا ہوا ہے یہ تصحیف ہے اھ منہ (ت)

کان خاسرا خسرانا مبینا وھذا علی فرض السلامة من الوقوع فی کلام المعصیة وانی تسلم من الافات التی ذکرناھا[1]۔	اور صریح نقصان کا شکار اور یہ اس مفروضہ پر ہے کہ معصیت کی بات میں پڑنے سے سلامت رہ جاؤ، اور ان آفتوں سے سلامتی کہاں جو ہم نے ذکر کیں۔(ت)

خلاصہ ف ان سب نفیس کلاموں کا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی امت کو لایعنی باتیں چھوڑنے کی طرف ارشاد فرماتے ہیں جتنی بات آدمی کے دین میں نافع اور ثواب الٰہی کی باعث ہو یا دنیا میں ضرورت کے لائق ہو جیسے بھوک پیاس کا ازالہ بدن ڈھانکنا پارسائی حاصل کرنا اُسی قدر امر مہم ہے اور اس سے زائد جو کچھ ہو جیسے دنیا کی لذتیں نعمتیں منصب ریاستیں غرض جملہ افعال واقوال واحوال جن کے بغیر زندگانی ممکن ہو اور ان کے ترک میں نہ ثواب کا فوت نہ اب یا آئندہ کسی ضرر کا خوف وہ سب لایعنی و قابلِ ترک مثلاً لوگوں کے سامنے اپنے سفر کی حکایتیں کہ اتنے عہ۱ اتنے شہر اور پہاڑ اور دریا دیکھے عہ۲ یہ یہ معاملے پیش آئے عہ۳ فلاں فلاں کھانے اور لباس عمدہ پائے عہ۴ ایسے ایسے مشایخ سے

عہ۱: **اقول:** مگر جبکہ نیت بیان عجائب وصنعت وحکمت وقدرت ربانی وذکر الٰہی ہو قال تعالٰی فِی الْاٰفَاقِ[2] وَفِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۲۱﴾[3] ۱۲منہ (م) اللہ تعالٰی نے فرمایا: دنیا بھر میں اور خود تم میں کتنی نشانیاں ہیں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

عہ۲: **اقول:** مگر جبکہ اُن کے ذکر میں اپنی یا سامعین کی منفعت دینی ہو اور خالص اُسی کا قصد کرے قال اللہ تعالٰی وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ[4] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ت) ۱۲منہ

عہ۳: **اقول:** مگر جبکہ اُس سے مقصود اپنے اوپر احساناتِ الٰہی کا بیان ہو کہ ایسی جگہ ایسی بے سروسامانی میں مجھ سے ناچیز کو اپنے کرم سے ایسا ایسا عطا فرمایا قال تعالٰی وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾[5] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ت

عہ۴: **اقول:** مگر جبکہ علمائے سنّت وصلحائے امت کے فضائل کا نشر اور سامعین کو ان سے استفادہ کی ترغیب مقصود ہو عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة[6] (صالحین کے ذکر پر اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ت)

ف: حدیث دائمہ کی جلیل نصیحت: لایعنی باتوں کاموں کے ترک کی ہدایت اور لایعنی معنی کا بیان۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح کتاب الادب باب حفظ اللسان تحت الحدیث ۴۸۴۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۸۵و۵۸۶

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۵۳

[3] القرآن الکریم ۵۱/۲۱

[4] القرآن الکریم ۱۴/۵

[5] القرآن الکریم ۹۳/۱۱

[6] کشف الخفاء حدیث ۱۷۷۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۵

ملنا ہوا۔ یہ سب باتیں اگر تو نہ بیان کرتا تو نہ گناہ تھا نہ ضرر عـــہ۱ ہوتا اور اگر تو کامل کوشش کرے کہ تیرے کلام میں واقعیت سے کچھ کمی عـــہ۲ بیشی نہ ہونے پائے نہ اس تفاخر سے نفس کی تعریف نکلے کہ ہم نے ایسے ایسے عظیم حال دیکھے نہ اُس عـــہ۳ میں کسی شخص کی غیبت ہو۔ نہ اللہ تعالٰی کی پیدا عـــہ۴ کی ہوئی کسی چیز کی مذمت ہو تو اتنی

عـــہ۱: **اقول:** ثواب نہ ملنا بھی ایک نوع ضرر ہے خود امام غزالی سے بحوالہ تیسیر اور کلام ابن عطیہ و مرقاۃ میں گزرا کہ جو کچھ آخرت میں نافع ہو لایعنی نہیں ورنہ اس کے یہ معنی لیں کہ جس کے ترک میں نہ گناہ اخروی نہ ضرر دنیوی تو تمام مستحبات بھی داخلِ لایعنی ہو جائیں گے اور وہ بداہۃً باطل ہے ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: **اقول:** یعنی وہ کمی جس سے معنی کلام بدل جائیں جیسے کسی ضروری استثناء کا ترک ورنہ جبکہ ترک کل میں گناہ نہیں ترک بعض میں کیوں ہونے لگا ۱۲منہ (م)

عـــہ۳ **اقول:** مگر جبکہ جس کی برائی بیان کی وہ گمراہ بدمذہب ہو کہ ان کی شناعت سے مسلمانوں کو مطلع کرنا واجبات دینیہ سے ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحذره الناس [1] کیا فاجر کی برائی بیان کرنے سے پرہیز رکھتے ہو، لوگ اُسے کب پہچانیں گے فاجر میں جو شناعتیں ہیں بیان کرو کہ لوگ اس سے پرہیز کریں رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة والامام الترمذی الحکیم فی النوادر والحاکم۔ فی الکنی والشیرازی فی الالقاب وابن عدی فی الکامل والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی السنن والخطیب فی التاریخ عن معویة بن حیدة القشیری والخطیب فی رواة مالك عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲منہ (م)

عـــہ۴: **اقول** مگر جبکہ اس میں مصلحت دینیہ ہو اور معاذ اللہ اعتراض کے پہلو سے پاک ہو جیسے کچھ لوگ کسی طرف عازمِ سفر ہیں ان کو بتانا کہ فلاں راستہ بہت خراب ہے اس سے نہ جانا یا کوئی کسی عورت سے نکاح چاہتا ہے اسے اس کی صورت نسب وغیرہ وغیرہ میں عیوب معلوم ہیں ان کو خالص خیر خواہی کی نیت سے بیان کرنا لحدیث ان فی اعین الانصار شیئا رواہ مسلم [2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ (م)

---

[1] نوادر الاصول الاصل السادس والستون والمائۃ فی ذکر الفاجر دار صادر بیروت ص ۱/۱۵۶، السنن الکبری کتاب الشہادات باب الرجل من اہل الفقہ الخ دار صادر بیروت ۱۰/۲۱۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۰۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/۴۱۸، اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ الخطیب وغیرہ کتاب آفات اللسان دار الفکر بیروت ۷/۵۵۶

[2] صحیح مسلم کتاب النکاح باب ندب من اراد نکاح امراۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۶

احتیاطوں کے بعد بھی اُس کلام کا حاصل یہ ہوگا کہ تُو نے اتنی دیر اپنا وقت ضائع کیا اور تیری زبان سے اُس کا حساب ہوگا تو خیر کے عوض ادنی بات اختیار کررہا ہے اس لئے کہ جتنی دیر تُو نے یہ باتیں کیں اگر اتنا وقت اللہ عزوجل کی یاد اور اس کی نعمتوں صنعتوں کی فکر میں صرف کرتا تو غالبًا رحمتِ الٰہی کے فیوض سے تجھ پر وہ کھُلتا جو بڑا نفع دیتا اور تسبیح الٰہی کرتا تو تیرے لئے جنت میں عـــہ۱ محل چُنا جاتا اور جو ایک خزانہ لے سکتا ہو وہ ایک نکمّا ڈھیلا لینے پر بس کرے تو صریح زیاں کار ہو اور یہ سب بھی اُس تقدیر پر ہے کہ کلامِ معصیت سے بچ جائے اور وہ آفتیں جو ہم نے ذکر کیں اُن سے بچنا کہاں ہوتا ہے۔ ظاہر ہوا کہ لایعنی جملہ مباحات کو شامل ہے نہ کہ مطلقًا مکروہ ہو۔

فیذکر عنہ عـــہ۲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم [1] وفی الباب عن	کہ حضور اکرم سے مذکور ہے کہ جو خدا اور روزِ آخر پر ایمان رکھتا ہو وہ ہر گز تہمت کی جگہ نہ ٹھہرے اور اس باب میں امیر المومنین

عــــہ۱: **اقول:** ہر بار تسبیح الٰہی کرنے پر جنت میں ایک پیڑ بویا جاتا ہے احادیث [2] کثیرہ میں ہے: **من احادیث ابن مسعود وابن عمرو وجابر وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اما بناء القصر فاللہ تعالٰی اعلم۔** (م)

عــــہ: اوردہ فی الکشاف من اخر سورۃ الاحزاب والعلامۃ الشرنبلالی قبیل سجود السھو من مراقی الفلاح۔ (م)	کشاف میں سورہ احزاب کے آخر میں اور علامہ شرنبلالی نے سجدہ کے بیان میں مراقی الفلاح میں لکھا ہے۔ (ت)

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۳۳/۵۶ دار الکتاب العربی ۳/۵۵۸، کشف الخفا حدیث ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۷، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۴۸۸

[2] سنن الترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۴۷۵ و۳۴۷۶ دار الفکر بیروت ۵/۲۸۶ و۲۸۷

امیر المؤمنین عــہ الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔(ت)

یہ منشأ **قول دوم** ہے

بالجملہ حاصل حکم یہ نکلا بے حاجت زیادت اگر باعتقاد سنیت ہو مطلقًا ناجائز وگناہ ہے اگرچہ دریا میں اور اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقًا مکروہ تحریمی اگرچہ اعتقاد سنیت نہ ہو اور اگر نہ فساد عقیدت نہ اضاعت تو خلاف ادب ہے مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی فقہ جامع وفکر نافع ودرک بالغ ونور بازغ وکمال توفیق وجمال تطبیق وحُسن تحقیق وعطر تدقیق وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین۔

اقول: اس تنقیح جلیل سے چند فائدے روشن ہوئے:

اولا: اصل حکم وہی ہے جو امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب اصل میں ارشاد فرمایا کہ بقیہ احکام کے مناط عقیدت واضاعت وعادت ہیں اور وہ نفس فعل سے زائد، فی نفسہ اُس کا حکم اُسی قدر کہ قول سوم میں مذکور ہوا۔

ثانیا: دوم وسوم میں اُس زیادت کو اسراف سے تعبیر فرمانا محض بنظر صورت ہے ورنہ جب نہ معصیت نہ اضاعت تو حقیقت اسراف زنہار نہیں۔

ثالثا: دربارہ زیادت منع واجازت میں عادت وندرت کو دخل نہیں کہ فساد عقیدت یا پانی کی اضاعت ہو تو ایک بار بھی جائز نہیں اور اُن دونوں سے بری ہو تو بارہا بھی گناہ معصیت نہیں کراہت تنزیہی جدا بات ہے، ہاں دربارہ نقص یہ تفصیل ہے کہ بے ضرورت تین بار سے کم دھونے کی عادت مکروہ تحریمی اور احیانًا ہو تو بے فساد عقیدت صرف مکروہ تنزیہی ورنہ تحریمی کہ تثلیث سنّتِ مؤکدہ ہے اور سنت مؤکدہ کے ترک کا یہی حکم بخلاف زیادت کہ ترک تثلیث نہیں بلکہ تثلیث پُوری کرکے

عــہ: رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال من اقام نفسہ مقام التھمۃ فلا یلومن اساء الظن بہ [1] منہ	خرائطی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مکارم الاخلاق میں امیر المومنین عمر فاروق سے روایت کیا ہے کہ جس نے تہمت کی جگہ اپنے آپ کو پہنچایا تو بدگمانی کرنے والے کو ملامت نہ کرو۔(ت)

[1] کشف الخفاء بحوالہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق تحت الحدیث ۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۷

زیادت ہے۔

وبہ ظھر ف ضعف ما مر عن العلامۃ ش فی التنبیہ الخامس من التوفیق بین نفی البدائع الکراھۃ ای التحریمیۃ عن الزیادۃ علی الثلاث والنقص عنھا عند عدم الاعتقاد مع اشعار الفتح وغیرہ بثبوتھا اذا زاد اونقص لغیر حاجۃ بان محمل الاول اذا فعلہ مرۃ والثانی علی الاعتیاد فھذا مسلم فی النقص ممنوع فی الزیادۃ۔	اسی سے اس تطبیق کی کمزوری ظاہر ہو گئی جو علامہ شامی سے ہم نے تنبیہ پنجم میں نقل کی۔ تفصیل یہ کہ صاحبِ بدائع نے تین بار سے کم وبیش دھونے سے متعلق بتایا کہ اگر (کمی بیشی کے مسنون ہونے) کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو مکروہ نہیں یعنی مکروہ تحریمی نہیں۔ اور صاحبِ فتح القدیر وغیرہ نے پتا دیا کہ اگر زیادتی یا بے حاجت کمی کرے تو کراہت ثابت ہے اگرچہ وہ تین بار دھونے کو ہی مسنون مانتا ہو۔ علامہ شامی کی تطبیق یہ ہے کہ نفی بدائع کا مطلب یہ ہے کہ اگر کبھی ایک بار کمی بیشی کا مرتکب ہوا تو کراہت نہیں اور فتح وغیرہ کے اثبات کراہت کا معنٰی یہ ہے کہ اگر کمی یا زیادتی کی عادت کرے تو کراہت ہے۔ اس تطبیق پر کلام یہ ہے کہ کمی کی صورت میں تو یہ تسلیم ہے مگر زیادتی کی صورت میں تسلیم نہیں (جیسا کہ اوپر واضح ہوا۔م)
اما الاستناد الی مفھوم تفریع الفتح وغیرہ المارثمہ وقد تمسك بہ ایضا العلامۃ ط علی ان کراھۃ الاسراف کراھۃ تحریم حیث قال اقول یاثم بالاسراف ولو اعتقد سنیۃ الثلاث فقط فلذا قالوا فی المفھوم (ای بیان مفھوم قولھم ان الحدیث	اب ایک بحث اور رہ گئی کہ فتح القدیر وغیرہ میں جیساکہ وہاں گزرا وعید حدیث کو عدم اعتقاد پر محمول کرکے یہ تفریع کی ہے کہ اگر کسی حاجت کے تحت کمی بیشی کی تو اس میں حرج نہیں۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بلا حاجت کمی بیشی ہے تو مکروہ ہے۔ اس تفریع کے مفہوم سے علامہ شامی نے اسراف کی کراہت پر استناد کیا ہے اور اس سے

ف: حدیث وائمہ کی جلیل نصیحت: لایعنی باتوں کاموں کے ترک کی ہدایت، اور لایعنی کے معنی کا بیان۔

محمول علی الاعتقاد) حتی لورأی سنیة العدد وزاد لقصد الوضوء علی الوضوء اولطمانینة القلب اونقص لحاجة فلا باس به (ای فافادوا ان لو زاد بلا غرض کان فیه باس) ولو کان کما ذکر (ان لاباس الا فی الاعتقاد) لاتکرہ الزیادۃ مطلقا اھ مزیدا منا بین الاھلة۔[1]

وھذا ھو منزع کلام ش بیدانه حمله علی التعود واطلق ط۔ **اقول:** ولاطلاقه مستندات کما علمت امافـ تفصیل ش ان الاسراف یکرہ تنزیھا ان وقع احیانا وتحریما ان تعود فلا اعلم من صرح به وکانه اخذہ من جعل النھر

علامہ طحطاوی نے بھی اسراف کی کراہت تحریم پر استناد کیا ہے وہ کہتے ہیں: میں کہتا ہوں اگر صرف تثلیث کے مسنون ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی اسراف سے گنہگار ہو جائے گا۔ اسی لئے مفہوم میں ("حدیث اعتقاد پر محمول ہے" اس کلام کے مفہوم کے بیان میں) علما نے کہا ہے کہ "اگر تین کے عدد کو مسنون مانتا ہو اور وضو علی الوضو کے ارادے سے یا اطمینان قلب کے لئے زیادتی کردے یا کسی حاجت کی وجہ سے کمی کردے تو کوئی حرج نہیں"۔ یعنی اس سے مستفاد یہ ہوا کہ اگر بلا غرض زیادہ کردے تو اس میں حرج ہے) اور اگر ایسا ہوتا جیسا ذکر کیا گیا (کہ حرج صرف اعتقاد خلاف میں ہے) تو "مطلقاً" زیادتی مکروہ نہ ہوتی اھ طحطاوی کی عبارت ہلالین کے درمیان ہمارے اضافوں کے ساتھ ختم ہوئی۔

کلام شامی کا منشا بھی یہی ہے فرق یہ ہے کہ انہوں نے اسے عادت پر محمول کیا ہے اور طحطاوی نے مطلق رکھا ہے **اقول:** اور ان کے اطلاق کی تائید میں کچھ قابل استناد عبارتیں ہیں جیسا کہ معلوم ہوا۔ رہی علامہ شامی کی یہ تفصیل کہ اسراف اگر احیاناً واقع ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اور عادۃً ہو تو مکروہ تحریمی ہے، میرے علم میں کسی نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔ علامہ شامی

ف: معروضة اخری علیه۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ المکتبۃ العربیہ بیروت ۱/۷۲

ترکہ سنۃ مؤکدۃ مع خلافہ لہ فی حمل الکراھۃ علی التحریم۔	نے شاید اس کو اس سے اخذ کیا ہے کہ صاحبِ نہر نے ترک اسراف کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا ہے باوجودیکہ صاحبِ نہر نے اسراف کی کراہت کا تحریمی ہونا ظاہر کیا تو علامہ شامی نے ان کی مخالفت کی ہے۔
فاقول: ھم^{ف۱} انفسھم فی ابانۃ المفھوم وشرح نوطھم الحکم بالاعتقاد فذکروا تصویرا لا یکون فیہ الزیادۃ والنقص لاجل الاعتقاد بل لغرض اخر لان العاقل لابد لفعلہ من غرض فاذا لم یکن المشی علی ما اعتقد فلیکن ما ذکروا فلا یدل علی ادارۃ الامر علی ھذا التصویر والا لخالف الشرح المشروح فان المشروح ناطہ بالاعتقاد وصرح ان لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنۃ لایلحقہ الوعید کما تقدم عن البدائع وھذا ینوطہ بشیئ اخر غیرہ وبالجملۃ لانسلم ان لشرح المفھوم مفھوما اخر وان [ف۲] سلم فمفھومہ	اب تفریع مذکور کے مفہوم سے استناد پر **میں کہتا ہوں** وہ حضرات تو خود مفہوم کی توضیح کر رہے ہیں اور اس بات کی تشریح فرما رہے ہیں کہ حکم حدیث کو انہوں نے اعتقاد سے وابستہ رکھا ہے اسی کے لئے انہوں نے ایسی صورت پیش کی ہے جس میں زیادتی یا کمی اعتقاد کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی اور غرض کے تحت ہو۔اس لئے کہ کار عاقل کے لئے کوئی غرض ہونا ضروری ہے۔ تو اگر اس کے اعتقاد پر نہ چلیں تو وہی ہونا چاہئے جو ان حضرات نے ذکر کیا (اب اگر اعتقاد کو بنیاد نہ مان کر مطلقًا اسراف کو مکروہِ تحریمی کہتے ہیں ۱۲م) تو یہ اس کو نہیں بتاتا کہ مدارِ کار اُس صورت پر ہے جو ان حضرات نے پیش کی ورنہ شرح اور مشروح مخالفت لازم آئے گی اس لئے کہ مشروح نے تو حکم کامدار اعتقاد پر رکھا ہے اور یہ صراحت کر دی ہے کہ اگر تین بار دھونے کو سنت مانتے ہوئے زیادتی یا کمی کی تو وعید اسے لاحق نہ ہوگی جیسا کہ بدائع سے نقل ہوا۔ اور شرح حکم کو اس کے علاوہ کسی اور چیز سے وابستہ کرتی ہے۔

ف۱: معروضۃ ثالثۃ علیہ وعلی العلامۃ ط۔

ف۲: معروضۃ رابعۃ علی ش واخری علی ط۔

معارض لمنطوق البدائع وغیرھا والمنطوق مقدم فافھم۔	الحاصل ہم یہ نہیں مانتے کہ شرح مفہوم کا کوئی دوسرا مفہوم ہوسکتاہے۔اگراسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کا مفہوم بدائع وغیرھا کے منطوق کے معارض ہے اور منطوق مقدم ہوتا ہے۔تو اسے سمجھو۔

رابعا: جبکہ حدیث نے بے قید حال ومکان زیادت ونقص پر حکم اسأت وظلم وتعدی ارشاد فرمایا اور زیادت میں تعدی خاص مکان اضاعت میں ہے اور نقص میں خاص بحال عادت لہذا ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے حدیث کو ایک منشاء ونیت یعنی اعتقاد سنیت پر حمل فرمایا جس سے بے قید حال ومکان مطلقًا حکم تعدی واسأت ہو۔

خامسا: بدائع وغیرہ کی تصریح کہ اگر بے اعتقاد سنیت نقص وزیادت ہو تو وعید نہیں صحیح ونجیح ہے کہ عادت نقص یا اضاعت زیادت میں طوق وعید اس ضم ضمیمہ پر ہے تو فعل بجائے خود اپنے منشأ وغایت ومقصد نیت میں مواخذہ سے پاک ہے **کما علمت ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (جیسا کہ واضح ہوا،اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے،اور خدا ہی مالک توفیق ہے۔ت)

الحمدللہ اس امر پنجم اعنی حکم اسراف آب کا بیان ایسی وجہ جلیل وجمیل پر واقع ہوا کہ خود ہی ایک مستقل نفیس رسالہ ہونے اور تاریخی نام **برکات السماء فی حکم اسراف الماء** رکھنے کے قابل **والحمدللہ علی نعمہ الجلائل وصلی اللہ تعالٰی علی سید الاواخر والاوائل واٰلہ وصحبہ الکرام الافاضل۔**

فائدہ مہمّہ: ف[1]: وضو میں پانی زیادہ نہ خرچ ہونے کیلئے چند امور کا لحاظ رکھیں:

(۱) وضو دیکھ ف[2] دیکھ کر ہوشیاری واحتیاط کے ساتھ کریں،عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وضو

ف ۱: **فائدہ:** وہ باتیں جن کے لحاظ سے وضو میں پانی کم خرچ ہو۔

ف ۲: **مسئلہ:** وضو میں جلدی نہ چاہئے بلکہ درنگ واحتیاط کے ساتھ کریں،عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ وضو جوانوں کا سا،نماز بوڑھوں کی سی،یہ وضو کے بارے میں غلط ہے۔

بہت جلد کرنا چاہئے اور اسی معنے پر کہتے ہیں کہ وضو نوجوان کا سا اور نماز بُوڑھوں کی سی، یہ غلط ہے بلکہ وضو میں بھی درنگ وترک عجلت مطلوب ہے۔ فتح وبحر وشامی شمار آداب وضوء میں ہے والتانی[1] (ٹھہر ٹھہر کر دھونا۔ ت)

عالمگیریہ میں معراج الدرایہ سے ہے **لایستعجل فی الوضوء**[2] (وضو میں جلدی نہ کرے۔ ت)

اقول: ظاہر ہے کہ جس شے کیلئے شرع نے ایک حد باندھی ہے کہ اُس سے نہ کمی چاہئے نہ بیشی، تو اس فعل کو باحتیاط بجالانے ہی میں حد کا موازنہ ہوسکے گا نہ کہ لپ جھپ اناپ شناپ میں۔

(۲) بعض لوگ چُلّو لینے میں پانی ایسا ڈالتے ہیں کہ اُبل جاتا ہے حالانکہ جو گرا بیکار گیا اس سے احتیاط چاہئے۔

(۳) ہر چُلّو بھرا ہونا ضرور نہیں بلکہ جس کام کیلئے لیں اس کا اندازہ رکھیں مثلاً ناک میں نرم بانسے تک پانی چڑھانے کو پُورا چُلو کیا ضرور نصف بھی کافی ہے بلکہ بھرا چُلو کُلی کیلئے بھی درکار نہیں۔

(۴) لوٹے کی ٹونٹی متوسط معتدل چاہئے نہ ایسی تنگ کہ پانی بدیر دے نہ فراخ کہ حاجت سے زیادہ گرائے اس کا فرق یوں معلوم ہوسکتا ہے کہ کٹوروں میں پانی لے کر وضو کیجئے تو بہت خرچ ہوگا یونہی فراخ ٹونٹی سے بہانا زیادہ خرچ کا باعث ہے اگر لوٹا ایسا ہو تو احتیاط کرے پوری دھار نہ گرائے بلکہ باریک۔

(۵) بہت بھاری برتن سے وضو نہ کرے خصوصًا کمزور کہ پورا قابو نہ ہونے کے باعث پانی بے احتیاط گرے گا۔

(۶) اعضاء ف دھونے سے پہلے اُن پر بھیگا ہاتھ پھیرلے کہ پانی جلد دوڑتا ہے اور تھوڑا، بہت کا کام دیتا ہے خصوصًا موسم سرما میں اس کی زیادہ حاجت ہے کہ اعضا میں خشکی ہوتی ہے بہتی دھار بیچ میں جگہ خالی چھوڑ جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

عن خلف بن ایوب انہ قال	خلف بن ایوب سے روایت ہے کہ انہوں نے

ف: مسئلہ: مستحب ہے کہ اعضاء دھونے سے پہلے بھیگا ہاتھ پھیرلے خصوصا جاڑے میں۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲، البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

[2] الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارات الفصل الثالث فی المستحبات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹

ینبغی للمتوضیئ فی الشتاء ان یبل اعضاء ہ بالماء شبه الدھن ثم یسیل الماء علیھا لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء کذا فی البدائع [1]۔	فرمایا: وضو کرنے والے کو چاہئے کہ جاڑے میں اپنے اعضا کو پانی سے تیل کی طرح تر کرے پھران پر پانی بہائے اس لئے کہ پانی جاڑے میں اعضا سے الگ رہ جاتا ہے۔ ایسا ہی بدائع میں ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاداب امرار الید علی الاعضاء المغسولة والتأنی والدلك خصوصًا فی الشتاء [2] اھ۔ واعترضه فی البحر بانه ذکر الدلك من المندوبات وفی الخلاصة انه سنة عندنا [3] اھ و قدمناہ فی التنبیه الثالث وقال العلامة ش فی المنحة قوله ذکر الدلك الخ یمکن ان یجاب عنه بان مرادہ امرار الید المبلولة علی الاعضاء المغسولة لما قدمه الشارح عندالکلام علی غسل الوجه عن خلف بن ایوب (ای مانقلناہ اٰنفا قال) لکن کان ینبغی تقییدہ بالشتاء تامل [4] اھ۔	وضو کے آداب میں یہ ہے کہ دھوئے جانے والے اعضا پر ہاتھ پھیرلے،اور ٹھہر ٹھہر کر دھوئے، اور مل لیا کرے خصوصًا جاڑے میں اھ۔(ت) اس پر بحر کا اعتراض ہے کہ انہوں نے ملنے کو مندوبات میں شمار کردیا جب کہ خلاصہ میں یہ ہے کہ وہ ہمارے نزدیک سنت ہے، اور یہ اعتراض ہم تنبیہ سوم میں ذکر کرچکے ہیں۔علامہ شامی منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق میں بحر کے اعتراض مذکور کے تحت لکھتے ہیں: اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ صاحبِ فتح کی مراد یہ ہے کہ دھوئے جانے والے اعضاء پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیر لیا جائے اس کی وجہ وہ ہے جو شارح نے غسل وجہ پر کلام کے تحت حضرت خلف بن ایوب سے نقل کی (وہی جو اوپر ہم نے ابھی نقل کیا) لیکن انہیں اس کے ساتھ "جاڑے" کی قید لگادینا چاہئے تھا۔ تامل کرو۔اھ۔

[1] البحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱

[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

[4] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹

اقول: اولا ان ف۱ اراد انه لایندب الیه الا فی الشتاء فممنوع لان الماء وان کان یتجافی عن الاعضاء فی غیر الشتاء فلا شك ان البل قبل الغسل ینفع فی کل زمان فانه یسهل مرور الماء ویقلل المصروف منه کما هو مجرب مشاهد فالنقل عن الامام خلف فی الشتاء لاینفیه فی غیره انما یقتضی ان الحاجة الیه فی الشتاء اشد وهذا قد صرح به المحقق حیث قال خصوصا فی الشتاء[1]۔

وثانیا امرار الید علی الاعضاء المغسولة قد افرزه المحقق عن الدلك کما سمعت فکیف یحمل علیه لکن التحقیق ماقول ان الامرار المذکور له ثلثة محتملات الاول الامرار بعد الغسل اعنی بعد ف۲

اقول: اولاً اگر علامہ شامی کی مراد یہ ہے کہ وہ صرف جاڑے ہی میں مندوب ہے تو یہ قابل تسلیم نہیں اس لئے کہ غیر سرما میں پانی اگرچہ اعضا سے الگ نہیں ہوتا مگر اس میں شک نہیں کہ دھونے سے پہلے تر کرلینا ہر موسم میں مفید ہے کیوں کہ اس سے پانی بآسانی گزرتا ہے اور کم صرف ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ تجربہ ومشاہدہ سے معلوم ہے۔ تو امام خلف سے نقل اگرچہ خاص جاڑے کے لفظ کے ساتھ ہے مگر اس سے غیر سرما کی نفی نہیں ہوتی اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ جاڑے میں ضرورت زیادہ ہے اور اس کی تو حضرت محقق نے تصریح کردی ہے اس طرح کہ انہوں نے لکھا: "خصوصًا جاڑے میں"۔

ثانیًا: دھوئے جانے والے اع-ضا پر ہاتھ پھیرنے کو حضرت محقق نے دلک (اعضا کو ملنے) سے الگ ذکر کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت پیش ہوئی تو اسے اس پر کیسے محمول کیا جائے گا؟۔ لیکن تحقیق وہ ہے جو میں کہتا ہوں کہ مذکورہ ہاتھ پھیرنے میں تین معنی کا احتمال ہے:۔

اوّل: دھولینے کے بعد ہاتھ پھیرنا یعنی پانی گرجانے

ف۱: معروضة علی العلامة ش۔

ف۲: مسئلہ: ہر عضو دھو کر اس پر ہاتھ پھیر دینا چاہئے کہ پانی کی بوندیں ٹپکنا موقوف ہوجائے تاکہ بدن یا کپڑے پر نہ ٹپکیں۔

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

ماانحدر الماء لنشف الباقی کیلا یترشش علی الثیاب۔	کے بعد باقی کو خشک کرنے کے لئے ہاتھ پھیرنا تاکہ کپڑوں پر نہ ٹپکے۔
والثانی مع الغسل ای حین کون الماء بعدُ مارا علی الاعضاء وھو عین الدلك المطلوب قال فی البحر خلف ماقدم عن خلفٍ الدلك لیس من مفھومه (ای الغسل بالفتح) وانما ھو مندوب وذکر فی الخلاصة انه سنة وحده امرار الید علی الاعضاء المغسولة [1] اھ۔	**دوم:** دھونے کے ساتھ ساتھ ہاتھ پھیرنا۔یعنی جس وقت پانی اعضا پر گر رہا ہے اسی وقت ہاتھ پھیرتے جانا۔یہ بعینہٖ وہی دلک (اعضا کو ملنا) ہے جو مطلوب ہے۔بحر میں حضرت خلف سے نقل شدہ کلام کے بعد لکھا: دلک، غسل بالفتح۔دھونے۔کے مفہوم میں داخل نہیں۔وہ صرف مندوب ہے۔اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ سنت ہے۔اور اس کی تعریف یہ ہے: دھوئے جانے والے اعضاء پر ہاتھ پھیرنا اھ۔
والثالث قبل الغسل ویحتاج الی التقیید بالمبلولة والتجوز فی المغسولة بمعنی ماسیغسل اوما امر به ان یغسل فح قد یمکن ان یراد بالدلك الثالث کما زعم العلامة ش وبالا مرار الاول فلا ھو ینافی الافراز ولا یلزم عدم الثانی من المندوبات خلافا لما ھو المذھب المذکور فی الخلاصة ومن القرینة علیه ان المحقق بحث فی	**سوم:** دھونے سے پہلے ہاتھ پھیرنا (فتح کی عبارت ہے: امرار الید علی الاعضاء المغسولۃ اعضائے مغسولہ پر ہاتھ پھیرنا ۱۲م) عبارت فتح کے اندر یہ معنی لینے کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔ایک یہ کہ ہاتھ کے ساتھ "تر" کی قید لگائی جائے۔دوسری یہ کہ "مغسولہ" میں مجاز مانا جائے اور کہا جائے کہ مغسولہ کا معنی یہ کہ وہ جو دھوئے جائیں گے یا وہ جن کے دھونے کا حکم ہے۔ایسی صورت میں دلک (اعضا کو ملنا) سے تیسرا معنی مراد لیا جاسکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی کا خیال ہے اور "ہاتھ پھیرنے" سے پہلا معنٰی مراد ہوسکتا ہے۔یہ معنی اسے الگ ذکر کرنے

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱

كون الدلك خارجا عن حقيقة الغسل ومال الى ان المقصود بشرعية الغسل لايحصل الابه وقد اجاب عنه فى الغنية بما كفى وشفى فيبعد ان يدخله ههنا فى مجرد ادب نازل عن الاستنان ايضا خلفة عن الافتراض وقد يؤيده ايضا لفظة خصوصا فى الشتاء لان الثانى صرحوا باستنانه مطلقا وانما قيدوا بالشتاء الثالث فهذا غاية توجيه ما فى المنحة وبه يندفع ايراد البحر وان كان المتبادر من الدلك هو الثانى ولذا مشى عليه فى البحر واقتفينا اثره فيما مر بل مشى عليه ش نفسه فى ردالمحتار واعترض على الفتح بما اعترض فى البحر قائلا لكن قدمنا ان الدلك سنة	کے خلاف نہ پڑے گا۔اور یہ بھی لازم نہ آئے گا کہ انہوں نے دوسرے معنی کو خلاصہ میں ذکر شدہ مذہب کے برخلاف، مندوبات میں شمار کردیا۔اوراس پر ایک قرینہ بھی ہے وہ یہ کہ حضرت محقق نے دلک (بمعنی دوم) کے حقیقتِ غسل سے خارج ہونے پر بحث کی ہے اوران کا میلان اس طرف ہے کہ دھونے کی مشروعیت کا جو مقصود ہے وہ اس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔اس بحث کا صاحبِ غنیہ نے کافی وشافی جواب دے دیا ہے(مگرجب وہاں دلک کو عینِ غسل اور نفسِ فرض قراردینے کی طرف مائل ہیں ۱۲م) توبعید ہے کہ یہاں فرضیت کے بدلے، مسنونیت سے بھی فروتر صرف ایک ادب کے تحت اسے داخل کردیں۔اوران کے لفظ "خصوصًا جاڑے میں" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔اس لئے کہ معنی دوم کے تو مطلقًا مسنون ہونے کی علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور جاڑے کی قید صرف معنی سوم میں لگائی ہے۔ یہ منحۃ الخالق کے جواب کی انتہائی توجیہ ہے اور اسی سے بحر کا اعتراض بھی دفع ہوجاتاہے۔ اگرچہ لفظ دلک سے متبادر وہی معنی دوم ہے اسی لئے صاحبِ بحر اسی پر گئے ہیں اور سابق میں ہم نے بھی ان ہی کے نشانِ قدم کی پیروی کی ہے۔بلکہ خود علامہ شامی ردالمحتار میں اسی پر گام زن ہیں اور فتح پر وہی اعتراض کیا ہے جو بحر نے کیا،وہ لکھتے ہیں: لیکن ہم پہلے ذکر کرچکے کہ دلک سنت ہے۔

قال ولعل المراد بما قبله (ای امرار الید) امرارھا علیه مبلولة قبل الغسل تأمل [1] اھ۔

اقول: قد فا علمت ان ھذا اضعف احتمالاته واذا کان ھذا مرادہ فحمل الدلك علیه یکون تکرار بلا شك فان قلت ذکر المحقق بعدہ من الاداب حفظ ثیابه من المتقاطر [2] فبحمل الامرار علی الاول یتکرر مع ھذا قلت امرار الید وان کان معلولا بالحفظ تعلیل الفعل بغایته فلیس علة کافیة لحصوله بحیث لایحتاج بعدہ فی الحفظ الی احتراسٍ سواہ فلا یکون ذکرہ مغنیا عن ذکر الحفظ۔

ثم اقول: عجبا ف۲ للبحر

اور کہتے ہیں: شاید ما قبل (یعنی ہاتھ پھیرنے) سے مراد دھونے سے پہلے اعضا پر تر ہاتھ پھیرنا ہے، تامل کرو، اھ۔

اقول: واضح ہو چکا کہ اس لفظ میں یہ سب سے ضعیف احتمال ہے، اگر اس لفظ سے یہ ان کی مراد ہو تو اس پر "دلک" کو محمول کرنے میں بلاشبہہ تکرار لازم آئے گی۔ اگر سوال ہو کہ حضرت محقق نے اس کے بعد آداب میں "ٹپکنے والے پانی سے کپڑوں کو بچانا" بھی شمار کیا ہے۔ تو ہاتھ پھیرنے سے اگر معنی اول مراد لیا جائے تب بھی تو یہاں آکر تکرار ہو جائے گی؟ تو میں جواباً کہوں گا اگرچہ ہاتھ پھیرنے کی علت "کپڑوں کی حفاظت بتائی گئی ہے جیسے کسی فعل کی علت اس کی غایت کو بتایا جاتا ہے مگر یہ ہاتھ پھیرنا بچاؤ حاصل ہونے کے لئے ایسی کافی علت نہیں ہے کہ اس کے بعد بچاؤ میں مزید کسی احتیاط اور ہوشیاری برتنے کی ضرورت ہی نہ ہو تو ہاتھ پھیرنے کا ذکر ہو جانے کے بعد بھی اس کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ ٹپکنے والے پانی سے کپڑوں کے بچانے کو مستقلاً ذکر کیا جائے۔

ثم اقول: صاحب بحر پر تعجب ہے

ف۱: معروضة علی ش۔ ف۲: تطفل علی البحر۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۵

[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲

جزم ھھنا یندب الدلك ونسب الاستنان للخلاصة کغیر المرتضی له واعترض ثمه علی المحقق بان فی الخلاصة انه سنة عندنا[1]۔	کہ یہاں دلک کے مندوب ہونے پر جزم کیااور مسنون ہونے کوخلاصہ کی طرف یوں منسوب کیا جیسے یہ ان کا پسندیدہ نہیں، اور وہاں حضرت محقق پر یہی اعتراض کیاہے کہ خلاصہ میں لکھاہے کہ وہ ہمارے نزدیک سنت ہے۔

(۷) کلائیوں پر بال ہوں تو ترشوادیں کہ اُن کا ہونا پانی زیادہ چاہتا ہے اور مونڈنے سے سخت ہو جاتے ہیں اور تراشنا مشین سے بہتر کہ خوب صاف کر دیتی ہے اور سب سے احسن وافضل نورہ ہے کہ ان اعضا میں یہی سنت سے ثابت ابن ماجہ ف ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اذا طلی بدأ بعورته فطلاھا بالنورة وسائر جسدہ اھله[2]۔	رسول اللہ جب نورہ کا استعمال فرماتے تو ستر مقدس پر اپنے دست مبارک سے لگاتے اور باقی بدن مبارک پر ازواج مطہرات لگادیتیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہن وبارک وسلم۔

اور ایسانہ کریں تو دھونے سے پہلے پانی سے خوب بھگولیں کہ سب بال بُجھ جائیں ورنہ کھڑے بال کی جڑ میں پانی گزر گیااور نوک سے نہ بہاتو وضو نہ ہوگا۔

(۸) دست وپا پر اگر لوٹے سے دھار ڈالیں تو ناخنوں سے کہنیوں یا گٹوں کے اُوپر تک علی الاتصال اُتاریں کہ ایک بار میں ہر جگہ پر ایک ہی بار گرے پانی جبکہ گر رہاہے اور ہاتھ کی روانی میں دیر ہوگی تو ایک جگہ پر مکرر گرے گا۔

(۹) بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ ناخن سے کُہنی تک یا گٹے تک بہاتے لائے پھر دوبارہ سہ بارہ

ف: مسئلہ: ہاتھ، پاؤں، سینہ، پشت، پر بال ہوں تو نورہ سے دور کرنا بہتر ہے۔اور موئے زیر ناف پر بھی استعمال نورہ آیا ہے۔

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹/۱

[2] سنن ابن ماجۃ ابواب الادب باب الاطلاء بالنورۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۴

کیلئے جو ناخن کی طرف لے گئے تو ہاتھ نہ روکا بلکہ دھار جاری رکھی ایسا نہ کریں کہ تثلیث کے عوض پانچ بار ہو جائے گا بلکہ ہر بار کہنی یا گٹے تک لاکر دھار روک لیں اور رُکا ہوا ہاتھ ناخنوں تک لے جاکر وہاں سے پھر اجرا کریں کہ سنت یہی ف۱ ہے کہ ناخن سے کُہنیوں یا گٹوں تک پانی بہے نہ اس کا عکس، **كما نص عليه في الخلاصة وغيرها** (جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس کی تنصیص کی ہے۔ت)

(۱۰) قول جامع یہ ہے کہ سلیقہ سے کام لیں سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

قد يرفق بالقليل فيكفي ويخرق بالكثير فلا يكفي ذكره الامام النووي في شرح مسلم [1] و اورده الامام العيني في شرح البخاري بلفظ قد يرفق الفقيه بالقليل فيكفي ويخرق الاخرق ولا يكفي [2]۔	یعنی سلیقہ سے اٹھاؤ تو تھوڑا بھی کافی ہو جاتا ہے اور بد سلیقگی برتو تو بہت بھی کفایت نہیں کرتا (اسے امام نووی نے شرح مسلم میں ذکر کیا اور امام عینی نے شرح بخاری میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا:

فائدہ: اوپر حدیث ف۲ گزری کہ وَلہان نام شیطان وضو میں وسوسہ ڈالتا ہے اُس کے وسوسہ سے بچو۔ دفع وسوسہ کے لئے بہترین تدبیر ان باتوں کا التزام ہے:

(۱) رجوع الی اللہ واعوذ۱ ولا حول۲ وسورہ۳ ناس کی قرات اور ۴ **اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ** ط کہنا۵ اور **هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** ﴿۳﴾ [3] ان سے

ف۱: **مسئلہ:** سنت یہ ہے کہ پانی ہاتھ پاؤں کے ناخن کی طرف سے کہنیوں اور گٹوں کے اوپر تک ڈالیں اُدھر سے اِدھر کو نہ لائیں۔

ف۲: **فائدہ جلیلہ:** دفع وسواس کی دعائیں اور علاج)۔

---

[1] شرح صحیح مسلم للامام النووی کتاب الحیض باب القدر المستحب من الماء دار الفکر بیروت ۲/ ۷۳ ۱۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الوضوء باب الوضو بالمد تحت الحدیث ۲۰۱-۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۴۱

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

فوراً وسوسہ دفع ہوجاتا ہے۔ اور ۶ سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْخَلَّاقِ ط اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍۙ(۱۹) وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ(۲۰) [1] کی کثرت اُسے جڑ سے قطع کردیتی ہے۔ حدیث ۷ میں ہے ایک صاحب نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر وسوسہ کی شکایت کی کہ نماز میں پتا نہیں چلتا دو پڑھیں یا تین۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا وجدت ذلك فارفع اصبعك السبابة الیمنی فاطعنه فی فخذك الیسری وقل بسم الله فانها سکین الشیطان رواه البزار [2] والطبرانی عن والد ابی الملیح ورواه ایضا الحکیم الترمذی۔	جب تُو ایسا پائے تو اپنی داہنی انگشتِ شہادت اٹھا کر اپنی بائیں ران میں مار اور بسم اللہ کہہ کہ وہ شیطان کے حق میں چھُری ہے (اس کو بزار اور طبرانی نے ابو ملیح کے والد سے روایت کیا ہے اور حکیم ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ت)

(۲) وسوسہ کی نہ سُننا اُس پر عمل نہ کرنا اس کے خلاف کرنا، اس بلائے عظیم کی عادت ہے کہ جس قدر اس پر عمل ہو اُسی قدر بڑھے اور جب قصداً اُس کا خلاف کیا جائے تو باذنہٖ تعالٰی تھوڑی مدّت میں بالکل دفع ہوجائے۔ عمرو بن مُرّہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ماوسوسة باولع ممن یراها تعمل فیه۔ رواه ابن ابی شیبة [3]۔	شیطان جسے دیکھتا ہے کہ میرا وسوسہ اس میں کارگر ہوتا ہے سب سے زیادہ اسی کے پیچھے پڑتا ہے۔ (اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔ت)

امام ابن حجر مکّی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں مجھ سے بعض ثقہ لوگوں نے بیان کیا کہ دو وسوسہ والوں کو نہانے کی ضرورت ہوئی دریائے نیل پر گئے طلوعِ صبح کے بعد پہنچے ایک نے دوسرے سے کہا تُو اتر کر غوطے لگا میں گنتا جاؤں گا اور تجھے بتاؤں گا کہ پانی تیرے سر کو پہنچا یا نہیں، وہ اُترا اور غوطے لگانا شروع کئے اور یہ کہہ رہا ہے کہ ابھی تھوڑی سی جگہ تیرے سر میں باقی ہے وہاں پانی نہ پہنچا

[1] القرآن الکریم ۱۴/۱۹

[2] کنز العمال بحوالہ طب والحکیم عن ابی الملیح حدیث ۱۲۰۷۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۵۲، المعجم الکبیر حدیث ۵۱۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۱۹۲، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والبزاز کتاب الصلوۃ باب السہو فی الصلوۃ دار الکتاب بیروت ۲/۱۵۱

[3] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الطہارات حدیث ۲۰۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۷۹

ایک صبح سے دوپہر ہوگیا آخر تھک کر باہر آیا اور دل میں شک رہا کہ غسل اُترا نہیں۔ پھر اس نے دوسرے سے کہا اب تو اُتر میں گنوں گا، اس نے ڈبکیاں لگائیں اور یہ کہتا جاتا ہے کہ ابھی سارے سر کو پانی نہ پہنچا یہاں تک کہ دوپہر سے شام ہوگئی مجبور وہ بھی دریا سے نکل آیا اور دل میں شُبہ کا شبہ ہی رہا، دن بھر کی نمازیں کھوئیں اور غسل اُترنے پر یقین نہ ہونا تھا نہ ہوا **والعیاذ باللہ تعالٰی ذکرہ فی الحدیقۃ الندیۃ**،[1] (اسے حدیقہ ندیہ میں بیان کیا گیا۔ت) یہ وسوسہ ماننے کا نتیجہ تھا۔

اور صالحین میں سے ایک صاحب فرماتے ہیں مجھے دربارہ طہارت وسوسہ تھا راستہ کی کیچڑ اگر کپڑے میں لگ جاتی اُسے دھوتا (حالانکہ شرعًا جب تک خاص اُس جگہ نجاست کا ہونا ثابت و متحقق نہ ہو حکم طہارت ہے) ایک دن نمازِ صبح کیلئے جاتا تھا راہ کی کیچڑ لگ گئی میں نے دھونا چاہا اور خیال آیا کہ دھوتا ہوں تو جماعت جاتی ہے ناگاہ اللہ عزوجل نے مجھے ہدایت فرمائی میرے دل میں ڈالا کہ اس کیچڑ میں لوٹ اور سب کپڑے سان لے اور یونہی نماز میں شریک ہوجا، میں نے ایسا ہی کیا پھر وسوسہ نہ ہوا۔ **ذکرہ فی الطریقۃ المحمدیۃ**[2] (اسے طریقہ محمدیہ میں نقل کیا گیا۔ت) یہ اس کی مخالفت کی برکت تھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا احدکم اذا کان فی المسجد جاء الشیطان فابسّ بہ کما یبسّ الرجل بدابتہ فان اسکن لہ وثقہ اوالجمہ۔	جب تم میں کوئی مسجد میں ہوتا ہے شیطان آکر اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے گھوڑے کو رام کرنے کے لئے اس پر ہاتھ پھیرتا ہے پس اگر وہ شخص ٹھہرا رہا یعنی اس کے وسوسہ سے فورًا الگ نہ ہوگیا تو اسے باندھ لیتا یا لگام دے دیتا ہے۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس حدیث کو روایت کرکے فرمایا:

وانتم ترون ذلك اما الموثوق فتراہ مائلا کذا لایذکر اللہ	یعنی حدیث کی تصدیق تم آنکھوں دیکھ رہے ہو وہ جو بندھا ہوا ہے اُسے تو دیکھے گا یوُں جھکا ہوا

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۹۱/۲

[2] الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث فی علاج الوسوسۃ الخ مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲۳۰/۲

واما الملجم ففاتح فاہ لایذکر اللہ عزّوجل رواہ الامام احمد[1]۔	کہ ذکرِ الٰہی نہیں کرتا اور وہ جو لگام دیا ہوا ہے وہ منہ کھولے ہے اللہ تعالٰی کا ذکر نہیں کرتا (اسے امام احمد نے روایت کیا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واذا وجد احدکم فی بطنہ شیأ فاشکل علیہ اخرج منہ شیئ ام لافلا یخرج من المسجد حتی یسمع صوتا اویجد ریحا رواہ مسلم والترمذی[2] عن ابی ھریرۃ۔ والا حمد والترمذی وابن ماجۃ والخطیب عنہ مختصرا بلفظ لاوضوء الامن صوت اوریح[3] ولا حمد والشیخین وابی داؤد والنسائی وابناء ماجۃ وخزیمۃ وحبان عن عباد بن تمیم عن عمہ عـــہ عبداللہ	جب تم میں کوئی اپنے شکم میں کچھ محسوس کرے جس سے اس پر اشتباہ ہو جائے کہ اس سے کچھ خارج ہوا یا نہیں تو وہ مسجد سے نہ نکلے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔اسے مسلم وترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ اوران سے امام احمد ،ترمذی، ابن ماجہ اور خطیب نے مختصراً ان الفاظ میں روایت کیا ہے: وضو نہیں مگر آواز یا بُو سے۔ اورامام احمد، بخاری، مسلم ،ابوداؤد، نسائی،ابن ماجہ،ابن خزیمہ اورابن حبان کی روایت عباد بن تمیم سے ہے، وہ اپنے چچا عبداللہ

عـــہ: وقع ھھنا فی نسخۃ کنزالعمال المطبوعۃ بحیدرا باد عن عمر مکان عن عمہ وھو تصحیف شدید فاجتنبہ اھ منہ۔	یہاں کنزالعمال کے نسخہ مطبوعہ حیدرآباد میں عن عمہ کی جگہ عن عمر چھپ گیا ہے اور یہ شدید قسم کی تصحیف ہے۔اس سے ہوشیار رہنا چاہئے اھ منہ۔(ت)

[1] مسند احمد بن حبنل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۰

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب الدلیل علی ان من تیقن الطھارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۸، سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضوء من الریح حدیث ۷۵ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۵۸

[3] سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی الوضوء من الریح حدیث ۷۵ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۳۴، سنن ابن ماجۃ ابواب الطھارۃ باب لاوضوالا من حدث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۱۰ و۴۳۵

بن زید بن عاصم قال شکی الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الرجل یخیل الیہ انہ یجد الشیئ فی الصلوۃ قال لاتنصرف حتی تسمع صوتا اوتجد ریحا [1]۔	بن زید بن عاصم سے راوی ہیں وہ کہتے ہیں ایک شخص نے نبی کے پاس یہ شکایت عرض کی کہ اسے خیال ہوتا ہے کہ نماز میں وہ کچھ محسوس کررہا ہے۔ سرکار نے فرمایا: نماز سے نہ پھرو یہاں تک کہ آواز سنو یا بُو پاؤ۔
ولا حمد وابی یعلی عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان الشیطان لیاتی احدکم وھو فی صلاتہ فیاخذ بشعرۃ من دیرہ فیمدھا فیری انہ قداحدث فلا ینصرف حتی یسمع صوتا اویجد ریحا [2]۔	اور امام احمد وابویعلٰی حضرت ابوسعید سے وہ نبی سے راوی ہیں کہ تم میں کوئی نماز میں ہوتا ہے اور شیطان اس کے پاس آکر اس کے پیچھے سے کوئی بال کھینچتا ہے جس سے وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ اس کا وضو جاتارہا، ایسا ہوتو وہ نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔
ورواہ عنہ سعید بن منصور مختصرا نحو المرفوع من حدیث عباد وللبزاز عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یاتی احدکم الشیطان فی الصلاۃ فینفخ فی مقعدتہ فیخیل انہ احدث ولم یحدث فاذا وجد ذلک فلا ینصرف حتی	اور اسے ان سے سعید بن منصور نے مختصرًا حضرت عباد کی حدیث کے مرفوع الفاظ کے ہم معنی ذکر کیا ہے۔ اور بزار حضرت ابن عباس سے وہ نبیؐ سے راوی ہیں کہ تم ہیں کسی کے پاس نماز میں شیطان آکر اس کے پیچھے پھونک دیتا ہے جس سے اس کو خیال ہوتا ہے کہ مجھے حدث ہوگیا حالانکہ اسے حدث نہ ہوا تو کوئی ایسا محسوس کرے

[1] صحیح البخاری کتاب الوضو باب لایتوضأمن الشک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵، صحیح مسلم کتاب الحیض الدلیل علی ان من تیقن الطہارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۸، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب الوضومن الریح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۷، سنن ابی داوٗد کتاب الطہارۃ باب اذاشک فی الحدث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳، سنن ابن ماجۃ ابواب الطہارۃ باب لاوضوالا من حدث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[2] الجامع الصغیر بحوالہ حم ع حدیث ۲۰۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۴

یسمع صوتا اویجد ریحا[1] ورواہ عنہ الطبرانی فی الکبیر مختصرا بلفظ من خیل لہ فی صلاتہ انہ قد احدث فلا ینصرفن حتی یسمع صوتا اویجد ریحا[2] ولعبد الرزاق وابن ابی الدنیا عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ان الشیطان یطیف باحدکم فی الصلاۃ لیقطع علیہ صلاتہ فاذا اعیاہ ان ینصرف نفخ فی دبرہ یریہ انہ قداحدث فلا ینصر فن احدکم حتی یجد ریحا اویسمع صوتا[3] وفی روایۃ اخری عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی انہ یاتی احدکم وھو فی الصلاۃ فینفخ فی دبرہ ویبل احلیلہ ثم یقول قد احدثت فلا ینصر فن احدکم حتی یجد ریحا ویسمع صوتا ویجد بللا[4] ولعبد الرزاق وابن ابی شیبۃ فی مصنفیھما وابن ابی داؤد فی کتاب الوسوسۃ	تو نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بُو پائے۔اور اسے طبرانی نے ان سے مختصراً ان الفاظ میں روایت کیا ہے جسے نماز کے اندر ایسا خیال ہو کہ اسے حدث ہوا تو ہرگز وہ نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے۔ اور عبد الرزاق وابن ابی الدنیا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں، انہوں نے فرمایا: شیطان تم میں کسی کے گرد اس کی نماز توڑنے کے لئے گھیرا ڈال دیتا ہے، جب اس سے عاجز ہوجاتا ہے کہ وہ اپنی نماز سے پھرے تو اس کے پیچھے پھُونک دیتا ہے تاکہ اسے یہ خیال ہو کہ اسے حدث ہوگیا۔ایسا ہو تو ہرگز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ بو پائے یا آواز سنے۔اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ایک اور روایت میں یہ ہے کہ وہ نماز میں کسی کے پاس آکر اس کے پیچھے پھونک دیتا ہے اور اس کے احلیل (ذکر کی نالی) کو تر کردیتا ہے پھر کہتا ہے تو بے وضو ہوگیا۔تو ہرگز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ بو پائے اور آواز سنے اور تری پائے۔اور عبدالرزاق وابن ابی شیبہ اپنی اپنی مصنّف میں، اور ابن ابی داؤد کتاب الوسوسۃ میں حضرت

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار باب مالاینقض الوضوء موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۴۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۹۴۸ ۱۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱ / ۳۴۱

[3] المصنف لعبدالرزاق حدیث ۵۳۶ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۱ /۱۴۱

[4] آکام المرجان بحوالہ عبداللہ بن مسعود باب ۱۲۰ مکتبہ خیر کثیر کراچی ص ۹۲

عن ابرهيم النخعي قال كان يقال ان الشيطان يجري في الاحليل وفي الدبر عـــه فيرى الرجل انه قد احدث فلا ينصر فن احدكم حتى يسمع صوتا اويجد ريحا اويرى بللا [1]	ابراہیم نخعی سے راوی ہیں انہوں نے فرمایا: کہا جاتا تھاکہ شیطان احلیل میں اور دُبر میں دوڑ جاتا ہے۔آدمی کو یہ خیال دلاتاہے کہ اسے حدث ہوگیا تو ہر گز کوئی نماز سے نہ پھرے یہاں تک کہ آواز سنے یا بو پائے یاتری دیکھے۔
قلت ذكر هذين الاثرين الامام الجليل الجلال السيوطي في لقط المرجان مقتصرا عليهما هو وصاحبه البدر في اصله اٰكام المرجان مع ثبوته في المرفوع كما علمت وقال عامر الشعبي من اجلاء علماء التابعين ان الشيطان بزقة يعني بلة طرف الاحليل [2] ذكره العارف في الحديقة الندية۔	**قلت** یہ دونوں اثر (اثر ابن مسعود واثر امام نخعی)امام جلال الدین سیوطی نے "لقط المرجان" میں ذکر کئے اورانہوں نے انہی دونوں پر اکتفا کی اسی طرح اس کی اصل آکام المرجان میں قاضی بدرالدین شبلی نے بھی ان ہی دونوں پر اکتفا کی ہے حالانکہ یہ مضمون مرفوع میں موجود ہے جیساکہ معلوم ہوا۔ اور اجلّہ علمائے تابعین میں سے امام عامر شعبی فرماتے ہیں: شیطان کبھی تھوک دیتا ہے ۔مراد یہ ہے کہ سرِ احلیل تر کردیتاہے۔اسے عارف باللہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں ذکر کیا۔(ت)

عـــه: في نسختي لقط المرجان بين الواو وفي لفظة لم يقمها الكاتب وهو ينفخ في الدبر اونحوه اھ منه (م)

لقط المرجان کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں واؤ او رفی کے درمیان ایک لفظ ہے جس کو کاتب نے نہیں لکھااور وہ ینفخ فی الدبر یااس کی مثل ہے۔(ت)

[1] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یشتبہ علیہ فی الصلوۃ احدث ام لا حدیث ۵۳۸ المکتب الاسلامی حدیث ۱/ ۱۴۲

[2] حدیقۃ الندیۃ الباب الثالث النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۸۸

اِن حدیثوں ف۱ کا حاصل یہ ہے کہ شیطان نماز میں دھوکا دینے کیلئے کبھی انسان کی شرمگاہ پر آگے سے تھوک دیتا ہے کہ اُسے قطرہ آنے کا گمان ہوتا ہے کبھی پیچھے پھُونکتا یا بال کھینچتا ہے کہ ریح خارج ہونے کا خیال گزرتا ہے اس پر حکم ہوا کہ نماز سے نہ پھرو جب تک تری یا آواز یا بُو نہ پاؤ جب تک وقوعِ حدث پر یقین نہ ہولے۔

ہمارے امام اعظم کے شاگرد جلیل سیدنا عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

اذا شك فی الحدث فانه لایجب علیه الوضوء حتی یستیقن استیقانا یقدران یحلف علیه [1] ا۔ علقه الترمذی فی باب الوضوء من الریح۔	یعنی یقین ایسا درکار ہے جس پر قسم کھاسکے کو ضرور حدث ہوا اور جب قسم کھاتے ہچکچائے تو معلوم ہوا کہ معلوم نہیں مشکوک ہے اور شک کا اعتبار نہیں کہ طہارت پر یقین تھا اور یقین شک سے نہیں جاتا۔ (ترمذی نے باب الوضو من الریح میں اسے ابن مبارک سے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ت)

اسی لئے ف۲ سنت ہوا کہ وضو کے بعد ایک چھینٹا رومالی یا تہ بند ہو تو اس کے اندرونی حصّے پر جو بدن کے قریب ہے دے لیا کریں ثم لیقل هو من الماء پھر اگر قطرہ کا شبہ ہو تو خیال کرلیں کہ پانی جو چھڑکا تھا اُس کا اثر ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا توضأت فانتضح۔ رواه ابن ماجه [2] عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جب تو وضو کرے تو چھینٹا دے لے (اسے ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔) (ت)

ف۱: **مسئلہ:** شیطان کے تھوک اور پھونک سے نماز میں قطرے اور ریح کا شبہ جاتا ہے حکم ہے کہ جب تک ایسا یقین نہ ہو جس پر قسم کھاسکے اس پر لحاظ نہ کرے، شیطان کہے کہ تیرا وضو جاتا رہا تو دل میں جواب دے لے کہ خبیث تو جھوٹا ہے اور اپنی نماز میں مشغول رہے۔

ف۲: **مسئلہ:** سنت ہے کہ وضو کے بعد رومالی پر چھینٹا دے لے۔

---

[1] سنن الترمذی باب الطہارت حدیث ۷۶ دارالفکر بیروت ۱/۳۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارہ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

بلکہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

عشر عـــہ من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواك واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانة وانتقاض الماء۔ قال الراوی ونسیت العاشرة الا ان تکون المضمضة	دس باتیں قدیم سے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہیں: لبیں کترنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، وضو وغسل میں پانی سونگھ کراوپر چڑھانا، ناخن تراشنا، انگلیوں کے جوڑ (یعنی جہاں جہاں میل جمع ہونے کا محل ہے اسے) دھونا، بغل اور زیر ناف بالوں سے صاف کرنا شرمگاہ پر پانی ڈالنا۔ راوی نے کہا دسویں میں بھول گیا

عـــہ: قال المناوی من للتبعیض ولذا لم یذکر الختان ھنا اھ [1] اقول کونہا ف للتبعیض لاشك فیه فان الختان والمضمضة کلا من الفطرة کما یاتی فالزیادة علی العشر معلومة ولکن ماعلل به من عدم ذکر الختان ھنا لامحل له وکانه نسی ان الراوی نسی العاشرة فما یدریك لعلها الختان استظهره جمع کما سیاتی اھ منه (م)

علامہ مناوی نے کہا من الفطرۃ میں من تبعیض کا ہے۔ اسی لئے یہاں ختنہ کا ذکر نہ کیا اھ اقول من برائے تبعیض ہونے میں کوئی شک نہیں اس لئے کہ ختنہ اور کلی ہر ایک کا شمار فطرت کے تحت ہے جیسا کہ آرہا ہے تو دس سے زیادہ ہونا معلوم ہے۔ لیکن من برائے تبعیض ہونے کی جو علت بیان کی ہے کہ "اسی لئے یہاں ختنہ کا ذکر نہیں" اس کا کوئی موقع نہیں، شاید وہ یہ بھول گئے کہ راوی دسویں چیز بھول گئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ ختنہ ہی ہو جیسا کہ ایک جماعت نے اسے ظاہر کہا ہے جیسا کہ اگلے حاشیہ میں آرہا ہے ۱۲منہ۔ (ت)

ف: دس باتیں قدیم سے سنت انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ہیں۔

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث عشر من الفطرۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲ / ۱۳۲

رواہ احمد[1] ومسلم والاربعۃ عن	شاید عــــہ کُلّی ہو۔امام احمد، مسلم اور اصحابِ سُنن اربعہ نے

عــــہ: امام قاضی عیاض پھر امام نووی نے استظہار فرمایا کہ غالباً دسویں ختنہ ہو کہ دوسری حدیث میں ختنہ بھی خصال فطرت سے شمار فرمایا ہے[2] انتھی، یعنی حدیث احمد و شیخین ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

خمس من الفطرت الختان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظافر ونتف الابط[3]	پانچ چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتِ قدیمہ سے ہیں: ختنہ اور اُسترا لینا اور لبیں اور ناخن تراشوانا اور بغل کے بال دور کرنا۔

اقول: ایک حدیث میں کلی کو بھی خصال فطرت سے گنا ہے۔امام احمد وابوبکر بن ابی شیبہ وابوداؤد وابن ماجہ وعمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنھم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من الفطرۃ المضمضۃ والاستنشاق (الی قولہ) والانتضاح بالماء والاختنان واللہ تعالٰی اعلم منہ[4]	فطرت سے ہے کُلّی اور ناک میں پانی ڈالنا (الی قولہ) شرم گاہ پر چھینٹا اور ختنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الفطرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۱۳۷، سنن الترمذی کتاب الادب حدیث ۲۷۶۶ دارالفکر بیروت ۴/۳۴۸، سنن النسائی کتاب الزینۃ باب من سنن الفطرۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۲۷۳ و ۲۷۴

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۷۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ ۱/۱۲۸ و ۱۲۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۲۹، ۲۳۹، ۲۸۳

[4] مسند احمد بن حنبل عن عمار بن یاسر المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۶۴، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب الفطرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶

ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔(ت)

شرمگاہ پر پانی ڈالنے کی علماء نے دو تفسیریں کیں: ایک استنجاء رواہ مسلم عن وکیع[1]۔ دوسرے وہی چھینٹا اور اس کے مؤید ہے کہ ایک روایت عـــہ میں بجائے انتفاض الماء لفظ والانتضاح آیا ہے جمہور علماء نے فرمایا انتضاح وہی چھینٹا ہے ذکرہ الامام النووی[2]۔ اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ چھینٹا خاص اہلِ وسوسہ ہی کیلئے نہیں بلکہ سب کیلئے سنت ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام سے وسوسہ کو کیا علاقہ

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ[3]	(بے شک میرے بندوں پر تیرا غلبہ اور تسلّط نہیں ہو سکتا۔ (ت)

ابوداؤد نسائی ابن ماجہ حکم بن سفین یا سفین بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی قال

کان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اذا بال توضأ ونضح فرجہ[4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب پیشاب فرماتے وضو فرماتے اور شرمگاہِ اقدس پر چھینٹا دیتے۔

ابن ماجہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی قال

توضأ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فنضح فرجہ[5]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وضو فرما کر ستر مبارک پر چھینٹا دیا۔

عـــہ: یہ وہی روایت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ ابھی ہم نے ذکر کی ۱۲منہ۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۹

[3] القرآن الکریم ۱۵/۴۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الانتضاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۲، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ ماجاء فی النضح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب النضح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۳

[5] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ کتاب الطہارۃ ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

احمد وابن ماجہ ودار قطنی وحاکم وحارث بن ابی اسامہ حضرت محبوب ابن المحبوب سیدنا وابن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما وہ اپنے والد ماجد حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبریل فی اول ما اوحی الی فعلمنی الوضوء والصلاۃ فلما فرغ الوضوءاخذ غرفۃ من الماء فنضح بہا فرجہ [1]	یعنی اول اول جو مجھ پر وحی اتری ہے جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے حاضر ہوکر مجھے وضو ونماز کی تعلیم دی، جبریل نے وضو خود کرکے دکھایا جب وضو کرچکے ایک چلّو پانی لے کر اپنی اُس صورت مثالیہ کے موضع شرمگاہ پر چھڑک دیا۔

ولفظ ق:

علمنی جبرئیل الوضوءوامرنی ان انضح تحت ثوبی لما یخرج من البول بعد الوضوء [2]۔	جبریل علیہ السلام نے مجھے وضو کی تعلیم دی اور مجھے بلایا کہ زیر جامہ پانی چھڑکوں اس خدشہ کو ختم کرنے کیلئے کہ وضو کے بعد کوئی قطرہ نکلا ہو۔ (ت)

ترمذی عـــہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وعزاہ الامام الجلیل فی جامعیہ الی ابن ماجۃ ایضا اقول لیس عندہ ف جاء نی جبریل فقال یا محمد انما عندہ ماقدمت ای عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأت فانتضح [3] اھ منہ۔ (م)	امام جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر وجامع کبیر میں اس حدیث کو ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا ہے، میں کہتا ہوں ابن ماجہ کے نزدیک ان الفاظ کے ساتھ نہیں بلکہ وہ ہے جس کا ذکر میں نے ابی ھریرہ سے کیا ہے اذا توضات فانتضح اھ منہ (ت)

ف: تطفل علی الامام الجلیل الجلال الدین السیوطی۔

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ حم،، قط،ک حدیث ۸۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۲، جامع الاحادیث بحوالہ حم،، قط،ک حدیث ۲۲۹ دار الفکر بیروت ۱/۵۵، سنن الدار قطنی کتاب الطھارۃ حدیث ۳۸۳ /۱ دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۵،

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶

جاء نی جبریل فقال یا محمد اذا توضأت فانتضح[1]	جبریل نے حاضر ہو کر مجھ سے عرض کی یا رسول اللہ جب حضور وضو فرمائیں چھینٹا دے لیا کریں۔

جبریل کا اپنی صورتِ مثالیہ کے ستر پر چھڑکنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور طریقہ وضو عرض کرنے کیلئے تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل تعلیم اُمت کیلئے۔ مرقاۃ میں ہے:

نضح فرجه ای ورش ازاره بقلیل من الماء اوسرا وله به لدفع الوسوسة تعلیما للامة[2]	ستر مبارگ پر چھینٹا دیا یعنی تہبند یا پاجامے پر بھی امت کو دفع وسوسہ کی تعلیم دینے لئے تھوڑا پانی چھڑک دیا۔

معہذا اس میں اقویا کیلئے جن کو برودت مثانہ کا عارضہ نہ ہو ایک نفع اور بھی ہے کہ شرمگاہ پر سرد پانی پڑنے سے اس میں تکاثف واستمساک پیدا ہو کر قطرہ موقوف ہو جاتا ہے کما ارشد الیہ حدیث زید رضی اللہ تعالٰی عنہ عندق عـــہ

عـــہ: سیدنا امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قال اذا وجدت شیا من البلة فانضحه مایلیه من ثوبك بالماء ثم قل هو من الماء قال حماد قال لی سعید بن جبیر انضحه بالماء ثم اذا وجدته فقل هو من الماء قال محمد وبهذا ناخذ اذا کان کثر ذلك من الانسان وهو قول ابی حنیفة[3]۔

یعنی سیدنا امام اعظم حماد بن سلیمان سے وہ سعید بن جبیر سے وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا تری پاؤ تو شرمگاہ اور وہاں کے کپڑے پر چھینٹا دے لیا کرو پھر شبہ گزرے تو خیال کرو کہ پانی کا اثر ہے۔ امام حماد نے فرمایا کہ ایسا ہی سعید بن جبیر نے مجھ سے فرمایا امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب آدمی کو شبہ زیادہ ہوا کرے تو یہی طریقہ برتے اور یہی قول امام اعظم کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

---

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی النضح بعد الوضوء حدیث ۵۰ دار الفکر بیروت ۱/۱۸، الجامع الصغیر بحوالہ ت وہ حدیث ۳۵۷۳ دار الکتب العلمیہ دار الفکر بیروت ۲/۲۱۸

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطہارۃ حدیث ۳۶۱ المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ ۲/۷۷

[3] کتاب الاٰثار باب الرجل یجد البلیل حدیث ۱۵۹ ادارۃ القرآن کراچی ص ۳۲

اقول: مگر یہاں ف۱ اولا یہ ملحوظ رہے کہ مقصودِ نفی وسوسہ ہے نہ ابطال حقیقت تو جسے قطرہ اترنے کا یقین ہو جائے وہ پانی پر حوالہ نہیں کرسکتا یونہی جسے معاذ اللہ سلس البول کا عارضہ ہو اسے یہ چھینٹا مفید نہیں بلکہ بسا اوقات مضر ہے کہ پانی کی تری سے نجاست بڑھ جائے گی۔

ثانیا: سفید کپڑا پانی پڑنے سے بدن سے چمٹ کر بے حجابی لاتا ہے اس کا خیال فرض ہے۔

ثالثا: یہ حیلہ اُسی وقت تک نافع ہے کہ چھڑکا ہوا پانی خشک نہ ہوگیا ہو ورنہ اُس پر حوالہ نہ کرسکیں گے۔ وجیز امام کردری میں ہے:

رأی البلة بعد الوضوء سائلا من ذکرہ یعید الوضوء وان کان یعرض کثیرا ولا یعلم انه بول اوماء لایلتفت الیه وینضح فرجه اوازارہ بالماء قطعا للوسوسة واذا بعد عهدہ عن الوضوء اوعلم انه بول لاتنفعه الحیلة[1]۔	وضو کے بعد ذکر سے تری بہتی دیکھی تو وضو کا اعادہ کرے اور اگر ایسا بہت پیش آتا ہو اور وہ نہ جانتا ہو کہ پیشاب ہے یا پانی، تو اس کی طرف التفات نہ کرے اور اپنی شرمگاہ یا تہبند پر قطع وسوسہ کے لئے پانی چھڑک دیا کرے۔ اور جب وضو کئے دیر گزر چکی ہو اور اسے معلوم ہو کہ پیشاب ہے تو یہ حیلہ اس کے لئے کارآمد نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ولفظهما وینبغی ان ینضح فرجه وازارہ عه الخ[2]	ان کے الفاظ یہ ہیں: اپنی شرمگاہ اور تہبند پر پانی چھڑک لینا چاہئے۔ (ت)

فائدہ: ہم نے ف۲ زیر امر سوم آٹھ پانی گنائے تھے جو آب وضو کے شمار سے جدا ہیں یہ ان کا نواں ہوا۔ اُن دیار میں رواج ایسے لوٹوں کا ہے جن میں جانب پشت بغرض گرفت دستے لگے ہوتے ہیں یہاں بھی ایسے لوٹے دیکھے مگر کم۔ علما فرماتے ف۳ ہیں ادب یہ ہے کہ پانی ڈالتے میں لوٹے کے منہ پر

ف۱: مسئلہ: اس چھینٹے میں چند عمل ملحوظ ہیں۔

ف۲: علاوہ ان آٹھ پانیوں کے دو پانی اور جو حساب آب وضو سے جدا ہے۔

ف۳: مسئلہ دستہ دار لوٹا ہو تو مستحب یہ ہے کہ پانی ڈالتے وقت اس کا دستہ تھامے اس کے منہ پر ہاتھ نہ رکھے

عـــه: ای بالواؤ دون او اھ منه (یعنی دونوں پر، یہ واو کے ساتھ ہے آو (یا) کے ساتھ نہیں ۱۲ منہ۔ت)

[1] الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ کتاب الطہارہ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۳

[2] خلاصہ الفتاوی کتاب الطہارۃ الفصل الثالث نوع آخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۸

ہاتھ نہ رکھے بلکہ دستہ پر۔اور جب بھیگے ہاتھ سے دستہ چھُوا جائے گا تو مستحب ف۱ ہوا کہ وضو سے پہلے اُسے تین بار دھولے یہ دسواں پانی ہوا تلک عشرۃ کاملۃ۔ فتح القدیر و بحر الرائق ورد المحتار آداب وضو میں ہے:

کون ف۲ اٰنیتہ من خزف وان یغسل عروۃ الابریق ثلثاً ووضع یدہ حالۃ الغسل علی عروتہ لارأسہ[1]۔	مستحب یہ ہے کہ وضو کا برتن مٹی کا ہو،اور لوٹے کا دستہ تین بار دھولے،اور دھوتے وقت ہاتھ دستے پر رکھے لوٹے کے منہ پر نہیں۔(ت)

(۳) اگر شیطان ف۳ حیلہ سے بھی نہ مانے اور وسوسہ ڈالے ہی جائے کہ تیرے وضو میں غلطی رہی یا تری نماز ٹھیک نہ ہوئی تو سیدھا جواب یہ ہے کہ خبیث تُو جھوٹا ہے۔ابن حبان وحاکم حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاء احدکم الشیطان فقال انک احدثت فلیقل انک کذبت ولابن حبان فلیقل فی نفسہ[2]۔	جب تم میں کسی کے پاس شیطان آکر وسوسہ ڈالے کہ تیرا وضو جاتا رہا تو فوراً اسے جواب دے کہ تو جھوٹا ہے(اور اگر مثلاً نماز میں ہے تو) دل میں یہی کہہ لے، مطلب وہی ہے کہ وسوسہ کی طرف التفات نہ کرے۔

اقول: حالتیں تین ہوتی ہیں:

ف۱: **مسئلہ:** مستحب ہے کہ وضو سے پہلے لوٹے کا دستہ تین بار دھولے۔

ف۲: **مسئلہ:** مستحب ہے کہ وضو مٹی کے برتن سے کرے۔

ف۳: **ردّ وسوسہ کا تیسرا علاج**

---

[1] رد المحتار کتاب الطہارۃ مطلب فی تمیّم المندوبات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۸۴، فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۲، البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ دار الفکر بیروت ۱/۱۳۴، موارد الظمان کتاب الطہارۃ حدیث ۱۸۷ المطبعۃ السلفیہ ص ۷۳

ایک تو یہ کہ عدو کا وسوسہ مان لیا اُس پر عمل کیا یہ تو اس ملعون کی عین مراد ہے، اور جب یہ ماننے لگا تو وہ کیا ایک ہی بار وسوسہ ڈال کر تھک رہے گا حاشا وہ ملعون آٹھ پہر اس کی تاک میں ہے جتنا جتنا یہ مانتا جائے گا وہ اس کا سلسلہ بڑھاتا رہے گا یہاں تک کہ نتیجہ وہی ہوگا دو دوپہر کامل دریا میں غوطے لگائے اور سر نہ دھلا۔

دوسرے یہ کہ مانے تو نہیں مگر اُس کے ساتھ نزاع و بحث میں مصروف ہوجائے یہ بھی اُس کے مقصد ناپاک کا حصول ہے کہ اُس کی غرض تو یہی تھی کہ یہ اپنی عبادت سے غافل ہو کر کسی دوسرے جھگڑے میں پڑ جائے اور پھر اس حیص بیص میں ممکن ہے کہ وہی خبیث غالب آئے اور صورت ثانیہ صورت اولی کی طرف عود کر جائے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

لہذا نجات اس تیسری صورت میں ہے جو ہمارے نبی کریم حکیم علیم رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم نے تعلیم فرمائی کہ فوراً اتنا کہہ کر الگ ہوجائے کہ تو جھوٹا ہے۔

اقول: یعنی یہ نہیں کہ صرف اس معنے کا تصور کرلیا کہ یہ کافی نہ ہوگا بلکہ دل میں جمالے کہ ملعون جھوٹا ہے پھر اُس کی طرف التفات اور اُس سے بحث و بردومات کی کیا حاجت شاید اسی لئے فی نفسہ زیادہ فرمایا۔

تنبیہ ف ضروری سخت ضروری اشد ضروری: اقول: ہمارے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوامع الکلم عطا فرمائے گئے مختصر لفظ فرمائیں اور معانی کثیرہ پر مشتمل ہوں۔ شیطان دو قسم ہیں 'شیاطین الجن کہ ابلیس لعین اور اس کی اولاد ملاعین ہیں **اعاذنا اللہ والمسلمین من شرھم وشر الشیطین اجمعین** (اے اللہ! ہم کو اور تمام مسلمانوں کو ان کے شر اور تمام شیاطین کے شر سے پناہ دے۔ت) ۲دوسرے شیاطین الانس کہ کفار و مبتدعین کے داعی و منادی ہے۔

لعنہ اللہ وخذلھم ابدا ونصرنا علیھم نصرا مؤبدا	خدا ان پر لعنت فرمائے اور ان کو ہمیشہ بے سہارا رکھے اور ان پر ہمیں دائمی نصرت عطا فرمائے

ف : یہ ضروری ضروری سخت ضروری: آریوں، پادریوں، وغیرہم کے لکچر ندائیں سننے کو جانے سے قرآن عظیم سخت ممانعت فرماتا ہے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم اجمعین امین	الٰہی بطفیل سید المرسلین قبول فرما۔ حضور پر اور تمام رسولوں پر خدائے برتر کا درود سلام ہو۔ آمین۔ (ت)

ہمارا رب عزوجل فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا[1]۔	یوں ہی ہم نے ہر نبی کا دشمن کیا شیطان آدمیوں اور شیطان جنوں کو کہ آپس میں ایک دوسرے کے دل میں بناوٹ کی بات ڈالتے ہیں دھوکا دینے کیلئے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اللہ کی پناہ مانگ شیطان آدمیوں اور شیطان جنوں کے شر سے۔ عرض کی: کیا آدمیوں میں بھی شیطان ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ رواہ احمد[2] وابن حاتم الطبرانی عن ابی امامۃ واحمد وابن مردویہ والبیہقی فی الشعب عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (اس کی روایت احمد نے ابن حاتم اور طبرانی نے ابی امامہ سے اور احمد نے ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی۔ ت)

ائمہ دین فرمایا کرتے کہ شیطان آدمی شیطان جن سے سخت تر ہوتا ہے۔ رواہ ابن جریر عن عبدالرحمٰن بن زید۔ (اس کی روایت ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید سے کی۔ ت)

اقول: آیہ کریمہ میں شیاطین الانس کی تقدیم بھی اس طرف مشیر، اس حدیث کریم نے کہ "جب شیطان وسوسہ ڈالے اتنا کہہ کر الگ ہو جاؤ کہ تُو جھوٹا ہے"۔ دونوں قسم کے شیطانوں کا علاج فرمادیا شیطان آدمی ہو خواہ جن اُس کا قابو اُسی وقت چلتا ہے جب اُس کے سُنئے اور تنکا توڑ کر ہاتھ پر دھر دیجئے کہ تُو جھوٹا ہے تو خبیث اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے۔

آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رَد میں فلاں وقت لیکچر دیا جائے گا یہ سُننے کیلئے دوڑے جاتے ہیں۔ کسی پادری

---

[1] القرآن ۶/ ۱۱۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۷۸ و ۲۶۵، الدرالمنثور بحوالہ احمد وابن ابی حاتم وغیرھا تحت الایہ ۶/ ۱۱۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۷ و ۳۰۸

نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی، یہ سننے کیلئے دوڑے جاتے ہیں۔ بھائیو! تم اپنے نفع نقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا رب عزّوجل تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے نہ یہ کہ تم آپ دوڑ دوڑ کے اُن کے پاس جاؤ اور اپنے رب جل وعلاء اپنے قرآن اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں کلمات ملعونہ سُنو۔

اوّل: یہ آیت جو ابھی تلاوت ہوئی اسی کا تتمہ اور اس کے متصل کی آیات کریمہ تلاوت کرتے جاؤ دیکھو قرآن عظیم تمہاری اس حرکت کی کیسی کیسی شناعتیں بتاتا اور اُن ناپاک لکچروں نداؤں کی نسبت تمہیں کیا کیا ہدایت فرماتا ہے، آیہ کریمہ مذکورہ کے تتمہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ [1]	اور تیرا رب چاہتا تو وہ یہ دھوکے بناوٹ کی باتیں نہ بناتے پھرتے تو تو انہیں اور اُن کے بہتانوں کو یک لخت چھوڑ دے۔

دیکھو اُنہیں اور اُن کی باتوں کو چھوڑنے کا حکم فرمایا یا اُن کے پاس سُننے کے لئے دوڑنے کا۔ اور سُنئے اس کے بعد کی آیت میں فرماتا ہے:

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ [2]	اور اس لئے کہ اُن کے دل اس کی طرف کان لگائیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اُسے پسند کریں اور جو کچھ ناپاکیاں وہ کررہے ہیں یہ بھی کرنے لگیں۔

دیکھو اُن کی باتوں کی طرف کان لگانا اُن کا کام بتایا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس کا نتیجہ یہ فرمایا کہ وہ ملعون باتیں ان پر اثر کرجائیں اور یہ بھی اُن جیسے ہوجائیں والعیاذ باللہ تعالٰی۔ لوگ اپنی جہالت سے گمان کرتے ہیں کہ ہم اپنے دل سے مسلمان ہیں ہم پر اُن کا کیا اثر ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۶/ ۱۱۲

[2] القرآن ۶/ ۱۱۳

من سمع بالدجال فلینأمنه فوالله ان الرجل لیأتیه وهو یحسب انه مؤمن فیتبعه مما یبعث به من الشبهات [1]۔ رواہ ابوداؤد عن عمران بن حصین رضی الله تعالٰی عنه و عن الصحابة جمیعا۔	جو دجال کی خبر سُنے اُس پر واجب ہے کہ اُس سے دُور بھاگے کہ خدا کی قسم آدمی اس کے پاس جائے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں تو مسلمان ہوں یعنی مجھے اس سے کیا نقصان پہنچے گا وہاں اس کے دھوکوں میں پڑ کر اس کا پیرو ہو جائے گا (اسے ابوداؤد نے عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تمام صحابہ سے روایت کیا۔ت)

کیا دجال ایک اُسی دجال اخبث کو سمجھتے ہو جو آنے والا ہے حاشا تمام گمراہوں کے داعی منادی سب دجال ہیں اور سب سے دُور بھاگنے ہی کا حکم فرمایا اور اُس میں یہی اندیشہ بتایا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکون فی اٰخر الزمان دجّالون کذّابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اٰباؤکم فایاکم وایاهم لایضلّونکم ولا یفتنونکم [2]۔مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	آخر زمانے میں دجّال کذّاب لوگ ہوں گے کہ وہ باتیں تمہارے پاس لائیں گے جو نہ تم نے سنیں نہ تمہارے باپ دادا نے، تو ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور سُنئے اس کے بعد کی آیات میں فرماتا ہے:

اَفَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا	توکیا اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا ڈھونڈوں حالانکہ اُس نے مفصل کتاب تمہاری طرف اُتاری اور اہلِ کتاب خوب جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کے پاس سے حق کے ساتھ اُتری تو خبردار تو شک نہ کرنا اور تیرے رب کی بات سچ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳۷

[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ یَّضِلُّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِیۡنَ ﴿۱۱۷﴾ [1]	اور انصاف میں کامل ہے کوئی اُس کی باتوں کا بدلنے والا نہیں اور وہ شنوا و دانا ہے اور زمین والوں میں زیادہ وہ ہیں کہ تو ان کی پیروی کرے تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں وہ تو گمان کے پیرو ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں بیشک تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بہکے گا اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

یہ تمام آیات کریمہ انہیں مطالب کے سلسلہ بیان میں ہیں گویا ارشاد ہوتا ہے تم جو اُن شیطان آدمیوں کی باتیں سُننے جاؤ کیا تمہیں یہ تلاش ہے کہ دیکھیں اس مذہبی اختلاف میں یہ لکچرار یا یہ منادی کیا فیصلہ کرتا ہے ارے خدا سے بہتر فیصلہ کس کا! اُس نے مفصل کتاب قرآن عظیم تمہیں عطا فرمادی اُس کے بعد تم کو کسی لکچر ندا کی کیا حاجت ہے لکچر والے جو کسی کتاب دینی کا نام نہیں لیتے کس گنتی شمار میں ہیں! یہ کتاب والے دل میں خوب جانتے ہیں کہ قرآن حق ہے تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہے کہ ہٹ دھرمی سے مکرے جاتے ہیں تو تجھے کیوں شک پیدا ہو کہ اُن کی سُننا چاہے تیرے رب کا کلام صدق وعدل میں بھرپور ہے کل تک جو اُس پر تجھے کامل یقین تھا آج کیا اُس میں فرق آیا کہ اُس پر اعتراض سننا چاہتا ہے کیا خدا کی باتیں کوئی بدل سکتا ہے، یہ نہ سمجھنا کہ میرا کوئی مقال کوئی خیال خدا سے چھُپ رہے گا وہ سنتا جانتا ہے، دیکھ اگر تُو نے اُن کی سنی تو وہ تجھے خدا کی راہ سے بہکا دیں گے کیا یہ خیال کرتا ہے کہ ان کا علم دیکھوں کہاں تک ہے یہ کیا کہتے ہیں ارے اُن کے پاس علم کہاں وہ تو اپنے اوہام کے پیچھے لگے ہوئے اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں جن کا تھل نہ بیڑا جب اللہ واحد قہار کی گواہی ہے کہ اُن کے پاس نری مہمل اٹکلوں کے سوا کچھ نہیں تو اُن کو سُننے کے کیا معنے سننے سے پہلے وہی کہہ دے جو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا کہ کذبت شیطان تو جھوٹا ہے، اور اس گھمنڈ میں نہ رہنا کہ مجھ کو کیا گمراہ کریں گے میں تو راہ پر ہوں تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بہکے گا اور کون راہ پر ہے تو پورا راہ پر ہوتا ہے بے راہوں کی سُننے ہی کیوں جاتا حالانکہ تیرا رب فرما چکا ذرھم فَذَرۡهُمۡ وَمَا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ [2] چھوڑ دے اُنہیں اور اُن کے بہتانوں کو۔ تیرے

---

[1] القرآن ۶/۱۱۴ تا ۱۱۷

[2] القرآن ۶/۱۱۲

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرما چکے ایاکم وایاھم[1] اُن سے دُور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو بہکانہ دیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

بھائیو! ایک سہل بات ہے اسے غور فرمالو۔ تم اپنے رب عــہ۱ جل وعلا اپنے قرآن اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سچّا ایمان رکھتے ہو یا معاذ اللہ کچھ شک ہے! جسے شک ہو اسے اسلام سے کیا علاقہ وہ ناحق اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر مسلمانوں کو کیوں بدنام کرے۔ اور اگر سچا ایمان ہے تو اب یہ فرمائے کہ ان کے لکچروں نداؤں میں آپ کے رب عــہ۲ وقرآن ونبی وایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت۔ ظاہر ہے کہ دوسری ہی صورت ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خدا عــہ۳ ونبی وقرآن ودین کی توہین وتکذیب کریں۔

اب ذرا غور کرلیجئے ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ انصاف، کیا کوئی غیرت والا حمیت والا انسانیت والا جبکہ اُسے اس بیان سے روک دینے باز رکھنے پر قادر نہ ہو اُسے سُننے جائے گا حاشاللہ کسی بھنگی چمار سے بھی یہ نہ ہوسکے گا پھر ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ دیکھو کہ اللہ ورسول عــہ۴ وقرآن عظیم کی توہین تکذیب مذمّت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی۔ ایمان رکھتے ہو تو اُسے اس سے کچھ نسبت نہ جانوگے۔ پھر کون سے کلیجے سے اُن جگر شگاف ناپاک ملعون بہتانوں افتراؤں شیطانی اٹکلوں ڈھکوسلوں کو سُننے جاتے ہو بلکہ حقیقۃً ف— انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ ورسول عــہ۵ وقرآن عظیم کی تحقیر کرتے ہیں ان سب کے باعث یہ سننے والے ہیں اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں اپنے رب عــہ۶ وقرآن ورسول کی عزت عظمت پیش نظر رکھیں اور ایکا کرلیں کہ وہ خبیث لکچر گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا جو وہاں موجود ہو وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر توجھوٹا ہے چلا جائے گا تو کیا وہ دیواروں پتھّروں سے اپنا سر پھوڑیں گے تو تم سُن سُن کر کہلواتے ہو نہ تُم سنو نہ وہ کہیں، پھر انصاف

عــہ۱: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ عــہ۲: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عــہ۳: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ عــہ۴: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عــہ۵: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ عــہ۶: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ف: اللہ ورسول وقرآن عظیم کی جتنی توہین آریہ و پادری اپنے لیکچروں میں کرتے ہیں ان سب کا وبال شرعاً ان پر ہے جو سننے جاتے ایسے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

کیجئے کہ اُس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔ علماء فرماتے ہیں ہٹّے کٹّے جوان تندرست جو بھیک مانگنے کے عادی ہوتے اور اسی کو اپنا پیشہ کرلیتے ہیں اُنہیں دینا ناجائز ہے کہ اس میں گناہ پر شہ دینی ہے لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور محنت مزدوری کریں۔ بھائیو! جب اس میں گناہ کی امداد ہے تو اس میں تو کفر کی مدد ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ قرآن عظیم ف کی نص قطعی نے ایسی جگہ سے فوراً ہٹ جانا فرض کردیا اور وہاں ٹھہرنا فقط حرام ہی نہ فرمایا بلکہ سُنو تو کیا ارشاد کیا۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ [1]	یعنی بے شک اللہ تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب تم سُنو کہ خدا کی آیتوں سے انکار ہوتا اور اُن کی ہنسی کی جاتی ہے تو ان لوگوں کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور باتوں میں مشغول نہ ہوں اور تم نے نہ مانا اور جس وقت وہ آیات اللہ پر اعتراض کررہے ہیں وہاں بیٹھے تو جب تم بھی انہیں جیسے ہو بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

آہ آہ حرام تو ہر گناہ ہے یہاں تو اللہ واحد قہار یہ فرمارہا ہے کہ وہاں ٹھہرے تو تم بھی انہیں جیسے ہو۔

مسلمانو! کیا قرآن عظیم کی یہ آیات تم نے منسوخ کردیں یا اللہ عزوجل کی اس سخت وعید کو سچّا نہ سمجھے یا کافروں جیسا ہونا قبول کرلیا۔ اور جب کچھ نہیں تو اُن جمگھٹوں کے کیا معنی ہیں جو آریوں پادریوں کے لکچروں نداؤں پر ہوتے ہیں اُن جلسوں میں شرکت کیوں ہے جو خدا عـہ ورسول وقرآن پر اعتراضوں کیلئے جاتے ہیں۔ بھائیو! میں نہیں کہتا قرآن فرماتا ہے کہ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ [2] تم بھی ان ہی جیسے ہو۔ ت) اُن لکچروں پر جمگھٹ والے اُن جلسوں میں شرکت والے سب اُنہیں کافروں کے مثل ہیں وہ علانیہ بک کر

عـــہ: جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۱۲ منہ

فــــ: دیکھو قرآن فرماتا ہے ہاں تمہارا رب رحمان فرماتا ہے جو ایسے جلسوں میں جائے ایسی جگہ کھڑا ہو وہ بھی انہیں کافروں آریوں پادریوں کی مثل ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

کافر ہوئے یہ زبان سے کلمہ پڑھیں اور دل میں خدا عـــہ۱ اور سول وقرآن کی اتنی عزّت نہیں کہ جہاں اُن کی توہین ہوتی ہو وہاں سے بچیں تو یہ منافق ہوئے جب تو فرمایا کہ اللہ انہیں اور انہیں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا کہ یہاں تم لکچر دو اور تم سنو ذق ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ۝۴۹ [1] (کھولتے پانی کا عذاب چکھ، ہاں ہاں تو ہی بڑا عزت والا کرم والا ہے۔ت)

الٰہی اسلامی کلمہ پڑھنے والوں کی آنکھیں کھول ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، مسلمان اگر قرآن عظیم کی اس نصیحت پر عمل کریں تو ابھی دیکھیں کہ اعداء اللہ کے سب بازار ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں ملک میں ان کے شور وشر کا نشان نہ رہے گا جہنم کے کُندے شیطان کے بندے آپس ہی میں ٹکرا ٹکرا کر سر پھوڑیں گے، اللہ عـــہ۲ ورسول وقرآن عظیم کی توہینوں سے مسلمانوں کا کلیجا پکانا چھوڑیں گے، اور اپنے گھر بیٹھ کر بکے بھی تو مسلمانوں کے کان تو ٹھنڈے رہیں گے اے رب میرے توفیق دے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

خیر، بات دور پہنچی اور بحمد اللہ تعالٰی بہت نافع وضرور تھی، کہنا یہ تھا کہ وسوسہ شیطان کا تیسرا علاج یہ ہے کہ خبیث تو جھوٹا ہے امام ابو حازم کہ اجلّہ ائمہ تابعین سے ہیں، اُن کے پاس ایک شخص آکر شاکی ہوا کہ شیطان مجھے وسوسے میں ڈالتا ہے اور سب سے زیادہ سخت مجھ پر یہ گزرتا ہے کہ آکر کہتا ہے تو نے اپنی عورت کو طلاق دے دی امام نے فورًا فرمایا کیا تو نے میرے پاس آکر میرے سامنے اپنی عورت کو طلاق نہ دی وہ گھبرا کر بولا خدا کی قسم میں نے کبھی آپ کے پاس اُسے طلاق نہ دی فرمایا جس طرح میرے آگے قسم کھائی شیطان سے کیوں نہیں قسم کھا کر کہتا کہ وہ تیرا پیچھا چھوڑے اخرجه ابو بکر ابی داؤد فی کتاب الوسوسة [2]۔ (ابوبکر بن ابوداؤد نے اسے کتاب الوسوسہ میں بیان کیا۔ت)

(۴) وسوسہ ف کا اتباع اپنے حول وقوت پر نظر سے ہوتا ہے، ابلیس خیال ڈالتا ہے کہ تو نے

عـــہ۱ : جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عـــہ۲: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ف: دفع وسواس کے دو آخری علاج۔

---

[1] القرآن ۴۴/ ۴۹

[2] آکام المرجان بحوالہ ابن ابی داؤد الباب السابع والثمانون مکتبہ خیریہ کثیر کراچی ص ۱۶۵

یہ عمل کامل نہ کیا اس میں فلاں نقص رہ گیا یہ اُس تکمیل کے خیال میں پڑتا ہے حالانکہ جتنا رخصت شرعیہ کے مطابق ہوگیا وہ بھی کامل وکافی ہے اکملیت کے درجات اکملوں کے لائق ہیں دشمن سے کہہ کہ اپنی دلسوزی اٹھا رکھے مجھ سے تو اتنا ہی ہوسکتا ہے ناقص ہے تو میں خود ناقص ہوں اپنے لائق میں بجالایا میرا مولٰی کریم ہے میرے عجز وضعف پر رحم فرما کر اتنا ہی قبول فرمالے گا اُس کی عظمت کے لائق کون بجالاسکتا ہے۔

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش　　عذر بدرگاہِ خدا آورد

ورنہ سزاوار خدا وندیش　　کس نتواند کہ بجاآورد

(بندہ وہی بہتر ہے کہ اپنے قصور کا عذر اللہ تعالٰی کی درگاہ میں کرے ورنہ خدا کی شان کے لائق کوئی شخص پورا نہیں کرسکتا۔ت)

علامہ محمد زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

قال فی النصائح الوسوسۃ من افات الطھارۃ و اصلھا جھل بالسنۃ اوخبال فی العقل ومتبعھا متکبر مدل بنفسہ سیئ الظن بعبادۃ اللہ معتمد علی عملہ معجب بہ وبقوتہ وعلاجھا بالتلھی عنھا[1] الخ	نصائح میں فرمایا: وسوسہ طہارت کی ایک آفت ہے اور اس کی بنیاد سنت سے بے خبری یا عقل کی خرابی ہے۔ اس کی پیروی کرنے والا تکبر، خود رائی، اللہ کی عبادت کے ساتھ سوء ظن، اپنے عمل پر اعتماد، اپنی ذات اور اپنی فریفتگی کا شکار ہے اور وسوسہ کا علاج یہ ہے کہ اس سے بے پرواہو جائے۔ (ت)

مولانا شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

درد دفع آں خاطر تکلف ننمایندو درپے آن نروند وہم برخصت عمل کنند واگر شیطان بسیار مزاحمت دہد و گوید کہ ایں عمل کہ تو کردی ناقص ونادرست ست وپذیرائے درگاہِ حق نے برغم اوبگوید کہ تو برواز دست من زیادہ بریں نمی آید ومولائے من کریم ست	اس خیال کو دفع کرنے میں تکلیف نہ کرے اور اس کے پیچھے نہ پڑے اور رخصت پر عمل کرے۔ اگر شیطان بہت مزاحمت کرے اور کہے کہ یہ عمل جو تونے کیا وہ ناقص ونادرست ہے اور بارگاہِ حق میں مقبول نہیں، اس کے برخلاف کہے: تو جا، مجھ سے اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع النوع الاول دار المعرفہ بیروت ۷/ ۲۵۲

تعالٰی از من ہمیں قدر پذیر د و فضل و رحمت وی واسع ست [1]۔	اور میرا مولا کریم ہے، مجھ سے اسی قدر قبول فرمالے گا، اس کا فضل اوراس کی رحمت بہت وسیع ہے۔(ت)

(۵) اُخر الدواء الکی واُخر الحیل السیف (آخری دوا داغنا ہے اور آخری حیلہ تلوار۔ ت) یوں بھی گزرے تو کہے فرض کردم کہ میرا وضو نہ ہوا میری نماز نہ سہی مگر مجھے تیرے زعم کے مطابق بے وضو یا ظہر کی تین رکعت پڑھنی گوارا ہے، اور اے ملعون تیری اطاعت قبول نہیں۔ جب یوں دل میں ٹھان لی وسوسہ کی جڑ کٹ جائے گی اور بعونہ تعالٰی دشمن ذلیل وخوار پسپا ہوگا۔ یہی معنے ہیں اُس ارشاد امام اجل مجاہد تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کہ فرماتے:

لان اصلی وقد خرج منی شیئ احب الی من ان اطیع الشیطان [2]۔ ذکرہ فی الحدیقۃ الندیۃ۔	مجھے بے وضو پڑھ لینی اس سے زیادہ پسند ہے کہ شیطان کی اطاعت کروں۔ (اسے حدیقۃ الندیۃ میں بیان کیا گیا ہے)

امام اجل قاسم محمد بن بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک شخص نے شکایت کی کہ نماز میں مجھے بہت سہو ہوتا ہے سخت پریشان ہوتا ہوں، فرمایا:

امض فی صلاتك فانہ لن یذھب ذلك عنك حتی تنصرف وانت تقول مااتممت صلاتی [3]۔ رواہ امام دار الھجرۃ رضی اللہ تعالی عنہ فی مؤطاہ۔	اپنی نماز پڑھے جاکہ یہ شبہے دفع نہ ہوں گے جب تک تو یہ نہ کہے کہ ہاں میں نے نماز پوری نہ کی یعنی یونہی سہی مگر میں تیری نہیں سنتا۔ (اسے امام دارالہجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مؤطا میں روایت کیا۔ت)

مرقاۃ میں ہے:

المعنی لاتذھب عنك تلك الخطرات الشیطانیۃ حتی تفرغ من الصّلوٰۃ	معنی یہ ہے کہ وہ شیطانی خیالات تم سے دور نہ ہوں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم نماز سے فارغ

[1] شرح سفر السعادۃ باب در طہارت حضرت پیغمبر صلی اللہ تعالی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۳۰
[2] الحدیقۃ الندیہ الباب الثالث الفصل الاول النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ / ۶۸۸
[3] موطأالامام مالک کتاب السہو العمل فی السہو میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۴

وانت تقول للشیطان صدقت ما اتممت صلاتی لکن ما اقبل قولك ولا اتمها ارغامالك ونقضا لما اردته منی وهذا اصل عظیم لدفع الوساوس وقمع هو اجس الشیطن فی سائر الطاعات والحاصل ان الخلاص من الشیطان انما هو بعون الرحمن والاعتصام بظواهر الشریعة و عدم الالتفات الی الخطرات والوساوس الذمیمة ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم [1]۔	ہو جاؤ اور شیطان سے کہو تو ٹھیک کہتا ہے میں نے اپنی نماز پوری نہ کی لیکن میں تیری بات نہیں مانتا اور تیری تحقیر کے لئے اور تیرے ارادہ کو شکست دینے کے لئے میں اسے پوری نہ کروں گا۔ یہ وسوسوں کے دفعیہ اور شیطانی خیالات کی بیخ کنی کے لئے تمام طاعات میں بہت عظیم بنیاد ہے۔ حاصل یہ کہ شیطان سے چھٹکارا اسی طرح ملے گا کہ خدا کی مدد ہو اور ظاہر شریعت کہ مضبوطی سے تھامے رہے، بُرے خیالات اور وسوسوں کی طرف التفات نہ کرے۔ اور طاقت و قوت نہیں مگر برتری و عظمت والے خدا ہی سے۔ (ت)

الحمدللہ یہ فتوٰی لاحول شریف پر تمام ہوا اس سوال کے متعلق کسی کتاب میں چند سطروں سے زائد نہ تھا خیال تھا کہ دو تین ورق لکھ دئے جائیں گے ولہٰذا ابتدا میں خطبہ بھی نہ لکھا مگر جب فیض بارگاہ عالم پناہ سید العالمین محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوش پر آیا فتوٰی ایک مبسوط رسالہ ہوگیا عظیم و جلیل فوائد جزیل پر مشتمل جو اس کے غیر میں نہ ملیں گے والحمدللہ رب العالمین بلکہ متعدد جگہ قلم روک لیا کہ طول زائد ہوتا اور اسی کے مضامین سے ایک مستقل رسالہ بسط الیدین جس کا ذکر اوپر گزرا جُدا کر لیا لہٰذا مناسب کہ اس کا تاریخی نام **بارق النور فی مقادیر ماء الطہور** ۱۳۲۷ نور کی تابش آب طہارت کی مقدار میں۔ت) ہو، اور خطبہ کہ سابقًا نہ ہوا لاحقًا مسطور ہو ۱۳۲۷ھ ہو کہ **النهایة هی الرجوع الی البدایة** (انتہا ابتدا کی طرف لوٹتی ہے۔ت) اول باٰخر نسبتے دارد (اول آخر سے نسبت رکھتا ہے۔ت)

فالحمدللہ الذی انزل من السماء ماء طهورا لیذهب عنا الرجس ویطهرنا به تطهیرا ووضع	توساری تعریف خدا کے لئے جس نے آسمان سے پاک اور پاک کرنے والا پانی اتارا تاکہ اس سے ہماری پلیدی دور کرکے ہمیں خوب پاک کردے۔ اور

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الوسوسۃ حدیث ۷۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۵۶

المیزان وقدر کل شیئ تقدیرا کی نختار العدل ویجتنب طرفیه اسرافا وتقتیرا واطهر الصلاة واطیب السلام علی من ارسل بشیرا ونذیرا وداعیا الی الله باذنه سراجا منیرا فطهرنا بمیاه فیضه الهامر لاماطر کثیرا غزیرا واذهب عنا ارجاس الکفر وانجاس الضلال بسحاب فضله المنهل ابدا کل حین واٰن هلّا کبیرا فصلی الله تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه وسلم تسلیما کثیرا کثیرا امین۔

هذا ولاجل العجل اذکان تنمیقه وطبع الفتاوی جارٍ والطبع مشغول بشیون اهم عظیمة الاخطار مع هجوم الهموم وجمود الذهن وخمود الافکار بقی خبایا المرام فی زوایا الکلام لاسیما اثنان **الاول** ف حدیث الغرفة وقد علمت مافیه من الاشکال فلو ارسلت

جس نے ترازو رکھی اور ہر چیز کی ایک مقدار متعین فرمائی تاکہ ہم عدل اختیار کریں اور اس کے دونوں کنارے، زیادتی اور کمی سے بچیں۔ اور پاک تر درود، پاکیزہ تر سلام اُن پر جو مژدہ دینے والے، ڈر سنانے والے بنا کر بھیجے گئے، اور خدا کی طرف سے اس کے اذن سے دعوت دینے والے اور روشن چراغ بنا کر مبعوث ہوئے۔ توانہوں نے ہمیں اپنے فیض کی فراواں، بھرپور، موسلادھار بارش سے پاک فرمایا اور ہم اپنے فضل کے ہر لمحہ وہر آن خوب خوب برستے بادل کے ذریعہ ہم سے کفر کی پلیدی، ضلالت کی ناپاکی دُور کردی۔ تو ان پر، ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر خدا کی رحمت وبرکت اور اس کا زیادہ سے زیادہ سلام نازل ہو۔ الٰہی قبول فرما۔

یہ رسالہ تو پورا ہوا۔ اور چوں کہ عجلت درپیش تھی اس لئے کہ ایک طرف رسالہ لکھا جارہا تھا دوسری طرف طباعت ہوتی جارہی تھی اور طبیعت کچھ عظیم اہم معاملات میں مشغول تھی، ساتھ ہی پریشانیوں کا ہجوم، ذہن کی بستگی، فکر کی فروماندگی بھی دامنگیر رہی اس طرح کلام کے گوشوں میں کچھ باتیں چھپی رہ گئیں۔ خصوصًا دو باتیں:

اول چلّو سے متعلق حدیث۔ اس میں جو اشکال ہے معلوم ہوچکا۔ سنت یہ ہے

ف: **مسئلہ:** منہ دھونے میں نہ گالوں پر ڈالے نہ ناک پر نہ زور سے پیشانی پر۔ یہ سب افعال جہال کے ہیں بلکہ باہستگی بالائے پیشانی سے ڈالے کہ ٹھوڑی سے نیچے تک بہتا آئے۔

الغرفة علی الجبهة کما هو السنة فی فتاوی الامام قاضی خان وخزانة المفتین ان اراد غسل وجهه یضع الماء علی جبینه حتی ینحدر الماء الی اسفل الذقن ولا یضع علی خده ولا علی انفه ولا یضرب علی جبینه ضربا عنیفا[1] اھ فمعلوم قطعا ان الماء لایستوعب جمیع اجزاء الوجه وان استقبل الماء فی مسیله فاخذه بالید وامرها علی اطراف الوجه لم یکن غسلا کما قدمت من قبل نفسی لوضوحه بشهادة العقل والتجربة ثم رأیته منصوصا علیه فی^ف الخلاصة والخزانة اذ یقولان الغسل مرة فریضة عندنا وان توضأ مرة سابغة جاز و تفسیر السبوغ ان یصل الماء الی العضو ویسیل ویتقاطر منه قطرات اما اذا افاض الماء علی راس العضو فقبل ان یصل الی المرفق اوالکعب یمسك	کہ چلّو پیشانی پر ڈالا جائے۔ فتاوٰی امام قاضیخاں اور خزانۃ المفتین میں ہے: جب چہرہ دھونا چاہے تو پانی جبین پر ڈالے تاکہ وہ اُتر کر ٹھوڑی کے نیچے تک آئے اور رخسار پر یا ناک پر نہ ڈالے اور نہ پیشانی پر زور سے دے مارے اھ اب اگر اس طرح پیشانی پر چُلّو ڈالے تو قطعًا معلوم ہے کہ پانی چہرے کے تمام حصوں کا احاطہ نہ کرسکے گا۔اور بہتے ہوئے پانی پر بیچ میں ہاتھ لگا کر چہرے کے اور حصوں تک ہاتھ پھیر دیا تو یہ دھونا نہ ہوا جیسا کہ پہلے اسے میں نے اپنی طرف سے لکھا تھا کیوں کہ یہ عقل و تجربہ کی شہادت کے مطابق بالکل واضح بات تھی پھر میں نے دیکھا کہ خلاصہ اور خزانہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ان کی عبارتیں یہ ہیں: ایک بار دھونا ہمارے نزدیک فرض ہے اور اگر ایک بار کامل وسابغ طور پر دھولیا تو وضو ہوگیا۔اور سابغ کا معنٰی یہ ہے کہ پانی عضو تک پہنچے اور اس سے اس طرح بہہ جائے کہ کچھ قطرے ٹپکتے جائیں، لیکن اگر عضو کے سرے پر پانی بہایا اور کہنی یا ٹخنے تک پہنچنے سے

ف: **مسئلہ ضروریہ:** خود پانی کا تمام عضو پر بہنا ضرور ہے اگر ہاتھ یا پاؤں کے پنجے پر پانی ڈالا کہنیوں گٹوں تک نہ پہنچا تھا کہ بیچ میں ہاتھ لگا کر آخر عضو تک پھیر دیا تو وضو نہ ہوگا کہ یہ بہانا نہ ہوا بلکہ چپڑنا ہوا۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطہارۃ، باب الوضوء والغسل نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶، خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ، فصل فی الوضوء قلمی ۱/ ۲

الماء ویمد بکفه الی اخر العضو لایکون سبوغا [1] اھ ھذا لفظ الخلاصة ولفظ خزانة المفتین الغسل مرة سابغة فریضة [2] ثم ذکر مثله وزیادة۔ **والثانی** روایة الحسن فی توزیع الماء علی الاعضاء وما استظھرت فی توجیھه قبیل الامر الرابع فیعکره بُعدان یحاسبوا سنة الاستنجاء ویترکوا ھذه السنن التی کانھا للوضوء من الاجزاء لاسیما ولفظ الخلاصة فی اٰخر فصل الغسل والحاصل ان الرطل للاستنجاء والرطل للقدمین والرطل لسائر الاعضاء [3] اھ ولفظ وجیز الکردری فی صدر فصل الوضوء رطل للاستنجاء واٰخر لغسل الرجل واٰخر لبقیة الاعضاء [4] اھ فھذا ظاھر فی شمول الفم والانف فکذا الیدان الی الرسغین علی انك علمت	پہلے پانی روک کر ہتھیلی کے ذریعہ عضو کے آخر تک پھیلادیا تو سبوغ نہ ہوا، اھ یہ خلاصہ کے الفاظ ہیں۔اور کے الفاظ یہ ہیں: ایک بار سابغ (احاطہ کے) طور پر دھونا فرض ہے (آگے عبارت خلاصہ کے مثل ہے اور کچھ زیادہ ہے)۔ **دوم** اعضاء پر پانی کی تقسیم سے متعلق حسن بن زیاد کی روایت اور امر چہارم سے کچھ پہلے اس کی توجیہ میں، میں نے جو استظہار کیا اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ایسا بُعد ہے کہ سنت استنجا کو تو شمار کریں اور ان سنتوں کو جو گویا وضو کے جز کی حیثیت رکھتی ہیں، چھوڑ جائیں۔ فصلِ غسل کے آخر میں خلاصہ کے الفاظ یہ ہیں: حاصل یہ کہ ایک رطل استنجا کے لئے ،ایک رطل دونوں قدم کے لئے ، ایک رطل باقی اعضا کے لئے اھ۔ اور فصل وضو کے شروع میں وجیز کَردَری کے الفاظ یہ ہیں: ایک رطل استنجا کے لئے، ایک پیر دھونے کے لئے ، ایک اور بقیہ اعضاء کے لئے اھ۔ تو یہ منہ اور ناک کو شامل ہونے میں ظاہر ہے ایسے ہی گٹوں تک دونوں ہاتھ بھی ہیں۔علاوہ اس کے یہ معلوم ہو چکا ہے

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات، الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۲

[2] خزانۃ المفتین کتاب الطہارۃ، فصل فی الوضوء قلمی ۱/۳

[3] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطہارات، الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴

[4] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ، الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱

بُعد التسویة بین مجموع نفس الوجه والیدین وبین القدمین فلیتأمل لعل الله یحدث بعد ذلك امرا وصلی الله تعالٰی علی اعظم الانبیاء قدر اوفخرا وعلی اٰله وصحبه واولیائه وحزبه اولی واخری وبارك وسلم والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل شانه اتم واحکم۔	کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے مجموعے، اور دونوں پیروں کے درمیان پانی کی مقدار برابر ہونا بعید ہے۔ توان باتوں پر تامل کی ضرورت ہے شاید خدا اس کے بعد کچھ اور ظاہر فرمائے۔اور خدا کا درود وسلام اور برکت ہو ان پر جو قدر و فخر میں تمام انبیا سے عظیم ہیں اور حضور کی آل واصحاب، ان کے اولیا وجماعت پر بھی دنیا وآخرت میں۔اور خدائے پاک وبرتر ہی کو خوب علم ہے اور اس ذات بزرگ کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ وبار دوم از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالتِ جنابت میں ہاتھ دھو کر کُلّی کرکے کھانا کھانا کراہت رکھتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نہ، اور بغیر اس کے مکروہ۔ اور افضل تو یہ ہے کہ غسل ہی کرلے ورنہ وضو کہ جہاں جنب ہوتا ہے ملائکہ رحمت اُس مکان میں نہیں آتے۔ کما نطقت به الاحادیث (جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ت) درمختار میں ہے:

لاباس باکل وشرب بعد مضمضة وغسل ید واما قبلها فیکره للجنب [1] اھ ملخصا	کُلّی کرنے اور ہاتھ دھولینے کے بعد کھانے پینے میں حرج نہیں، اور اس سے پہلے جنب کے لئے مکروہ ہے اھ ملخصًا۔(ت)

ردالمحتار میں حاشیہ علامہ حلبی سے ہے:

[1] الدرالمختار کتاب الطہارۃ، باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۱

وضوء الجنب لھذہ الاشیاء مستحب کوضوء المحدث[1]۔	ان کاموں کے لئے جنب کو وضوئے محدث کی طرح وضو کرلینا مستحب ہے۔(ت)

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں مالک بن عبادہ غافقی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ انہوں نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حاجتِ غسل میں کھانا تناول فرمایا، انہوں نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے اس کا ذکر کیا فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اعتبار نہ آیا انہیں کھینچے ہوئے بارگاہِ انور میں حاضر لائے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! یہ کہتے ہیں کہ حضور نے بحال جنابت کھانا تناول کیا۔ فرمایا:

نعم اذا توضأت اکلت وشربت ولکنی لااصلی ولا اقرء حتی اغتسل[2]	ہاں جب میں وضو فرمالوں تو کھاتا پیتا ہوں مگر نماز وقرآن بے نہائے نہیں پڑھتا۔(ت)

مسئلہ ۱۹: غرہ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حالت ناپاکی میں مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: حرام ہے مگر بضرورتِ شدیدہ کہ نہانے کی ضرورت ہے اور ڈول رسّی اندر رکھا ہے اور یہ اُس کے سوا کوئی سامان کر نہیں سکتا نہ کوئی اندر سے لادینے والا ہے یا کسی دشمن سے خائف ہے اور مسجد کے سوا جائے پناہ نہیں اور نہانے کی مہلت نہیں ایسی حالتوں میں تیمّم کرکے جاسکتا ہے، صورتِ اولٰی میں صرف اتنی دیر کے لئے ڈول رسّی لے آئے اور صورتِ ثانیہ میں جب تک وہ خوف باقی رہے۔

اقول: بلکہ صورت ثانیہ میں اگر دشمن سرپر آگیا تیمّم کی بھی مہلت نہیں تو بے تیمّم چلا جائے اور کواڑ بند کرنے کے بعد تیمّم کرلے **فان الحقین اذا اجتمعا قدم حق العبد لفقرہ وغنی المولی** (کیونکہ جب حق اللہ اور حق العبد دونوں جمع ہوں توحق العبد کو مقدم کرے اس لئے کہ بندہ محتاج ہے اور مولا بے نیاز ہے۔ت) صرف اس ضرورت کیلئے کہ گرم پانی سقائے میں ہے اور سقایہ مسجد کے اندر ہے باہر تازہ

[1] ردالمحتار کتاب الطھارۃ، باب الحیض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۵

[2] شرح معانی الآثار کتاب الطھارۃ، باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵

پانی موجود ہے گرم پانی لینے کو بے غسل مسجد میں جانا جائز نہیں مگر وہی ضرورت کی حالت میں اگر تازہ پانی سے نہائے گا تو صحیح تجربے یا طبیب حاذق مسلم غیر فاسق کے بتانے سے معلوم ہے کہ بیمار ہو جائے گا یا مرض بڑھ جائے گا اور باہر کہیں گرم پانی کا سامان نہیں کر سکتا نہ اندر سے کوئی لادینے والا ہے تو تیمّم کرکے اندر جا کر لاسکتا ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان کو نہانے کی حاجت ہو اُس حالت میں مسجد کے لوٹے وغیرہ کو ناپاک ہاتھ سے چھُونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاتھ پر اگر کوئی نجاست لگی ہے کہ ہاتھ سے چھُوٹ کر لگ جائے گی تو چھونا جائز نہیں اگرچہ لوٹا نہ مسجد کا ہو نہ کسی دوسرے شخص کا بلکہ خود اپنی ملک ہو کہ بلا ضرورت ف پاک شے کو ناپاک کرنا ناجائز وگناہ ہے بحر الرائق بحث ماء مستعمل میں بدائع سے ہے **تنجیس الطاھر حرام**[1] (پاک کو ناپاک کرنا حرام ہے۔ت) اور اگر کوئی نجاست نہیں صرف نہانے کی حاجت ہے تو جائز ہے اگرچہ ہاتھ یا لوٹا تر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِن مسائل میں اول یہ کہ سوا مصحف خاص کے کہ جس کے چھُونے کی جنب اور محدِث کے حق میں شریعت سے ممانعت صریح واقع ہوئی ہے بعض مصاحف اس قسم کے رائج ہوئے ہیں کہ اُن میں علاوہ نظم قرآن شریف کے دیگر مضامین بھی شامل ہوتے ہیں چنانچہ بعض قسم اُس کی مترجم ہیں کہ مابین السطور ترجمہ فارسی یا اردو کا ہوتا ہے اور بعض مترجم کے حواشی پر کچھ کچھ فوائد بھی متعلق ترجمہ کے ثبت ہوتے ہیں بلکہ بعض میں فوائد متعلق قراءت اور رسم خط وغیرہ بھی درج ہوتے ہیں اور بعض اقسام مترجم کے حاشیوں پر کوئی کوئی تفسیر بھی چڑھی ہوتی ہے بعض پر عربی مثل جلالین وغیرہ کے اور بعض میں فارسی اور اردو مثل حسینی وغیرہ کے چڑھاتے ہیں علی ہذا القیاس اس قسم کے مصاحف کے مس کرنے کا حکم بحق جنب اور محدث کے حرام ہے یا مکروہ اور درصورت کراہت تحریمی ہوگی یا تنزیہی یا جائز بلا کراہت ہے **بینوا توجروا۔**

ف: **مسئلہ:** بلاضرورت پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے۔

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۴/۱

الجواب:

محدث کو مصحف چھونا مطلقاً حرام ہے خواہ اُس میں صرف نظم قرآن عظیم مکتوب ہو یا اُس کے ساتھ ترجمہ و تفسیر ورسم خط وغیرہا بھی کہ ان کے لکھنے سے نامِ مصحف زائل نہ ہوگا آخر اُسے قرآن مجید ہی کہا جائے گا ترجمہ یا تفسیر یا اور کوئی نام نہ رکھا جائے گا یہ زوائد قرآن عظیم کے توابع ہیں اور مصحف شریف سے جُدا نہیں ولہذا ف۱ حاشیہ مصحف کی بیاض سادہ کو چھُونا بھی ناجائز ہوا بلکہ پٹھوں کو بھی بلکہ چولی پر سے بھی بلکہ ترجمہ کا چھونا ف۲ خود ہی ممنوع ہے اگرچہ قرآن مجید سے جُدا لکھا ہو۔ ہندیہ میں ہے:

منها حرمة مس المصحف لا یجوز لهما وللجنب والمحدث مس المصحف الا بغلاف متجاف عنه کالخریطة والجلد الغیر المشرز لا بما هو متصل به هو الصحیح هکذا فی الهدایة وعلیه الفتوی کذا فی الجوهرة النیرة والصحیح منع مس حواشی المصحف والبیاض الذی لا کتابة علیه هکذا فی التبیین [1]۔	ان ہی امور میں سے مصحف چھونے کی حرمت بھی ہے۔ حیض ونفاس والی کے لئے، جنب کے لئے، اور بے وضو کے لئے مصحف چھونا جائز نہیں۔ مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو اس سے الگ ہو جیسے جزدان اور وہ جلد جو مصحف کے ساتھ لگی ہوئی نہ ہو، اس غلاف کے ساتھ چھُونا جائز نہیں جو مصحف سے جُڑا ہوا ہو یہی صحیح ہے، ایسا ہی ہدایہ میں ہے، اسی پر فتوی ہے اسی طرح جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اور صحیح ہے کہ مصحف کے کناروں اور اس بیاض کو بھی چھونا منع ہے جس پر کتابت نہیں ہے۔ ایسا ہی تبیین میں ہے۔ (ت)

ف۱: **مسئلہ**: بے وضو آیت کو چھونا تو خود ہی حرام ہے اگرچہ آیت کسی اور کتاب میں لکھی ہو مگر قرآن مجید کے سادہ حاشیہ بلکہ پٹھوں بلکہ چولی کا بھی چھونا حرام ہے ہاں جزدان میں ہو تو جزدان کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔

ف۲: **مسئلہ**: قرآن مجید کا خالی ترجمہ اگر جدا لکھا ہو اسے بھی بے وضو چھونا منع ہے۔

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الطھارۃ، الباب السادس، الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸ و ۳۹

اُسی میں ہے:

لوکان القراٰن مکتوبا بالفارسیة یکرہ لھم مسه عند ابی حنیفة وھکذا عندھما علی الصحیح ھکذا فی الخلاصة[1]۔	اگر قرآن فارسی میں لکھا ہوا ہو تو مذکورہ افراد کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ولو مکتوبا بالفارسیة فی الاصح الا بغلافه المنفصل[2]۔	اصح یہ ہے کہ فارسی میں قرآن لکھا ہو تو بھی چھونا جائز نہیں مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو مصحف سے الگ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

دون المتصل کالجلد المشرز ھو الصحیح وعلیه الفتوی لان الجلد تبع له سراج[3]۔	اس غلاف کے ساتھ نہیں جو مصحف سے ملا ہوا ہو جیسے اس کے ساتھ جُڑی ہوئی جلد، یہی صحیح ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اس لئے کہ جلد تابع ہے۔ سراج۔ (ت)

اُسی ف میں ہے:

فی السراج عن الایضاح ان کتب التفسیر لایجوز مس موضع القراٰن منھا وله ان یمس	سراج میں ایضاح کے حوالے سے ہے کہ کتب تفسیر میں جہاں قرآن لکھا ہوا ہے اس جگہ کو چھونا جائز نہیں، اور وہ دوسری جگہ کو

ف: **مسئلہ:** کتب تفسیر و حدیث و فقہ میں جہاں آیت لکھی ہو خاص اس جگہ بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے باقی عبارت میں افضل یہ ہے کہ باوضو ہو۔

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الطهارة، الباب السادس، الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹

[2] الدرالمختار کتاب الطهارة، باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الطهارة، باب الحیض دار احیاء التراث العربی ۱/۱۹۵

غیرہ وکذا کتب الفقه اذا کان فیها شیئ من القراٰن بخلاف المصحف فان الکل فیه تبع للقراٰن[1] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	چھو سکتا ہے۔یہی حکم کتب فقہ کا ہے جب ان میں قرآن سے کچھ لکھا ہوا ہو،بخلاف مصحف کے کہ اس میں سب قرآن کے تابع ہیں اھ۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ، قبیل باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۸ و ۱۱۹

رسالہ

ارتفاع الحجب عن وجوہ قراءۃ الجنب ۱۳۲۸ھ

(بحالتِ جنابت قرآن پڑھنے کی مختلف صورتوں کی نقاب کشائی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۲۲: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنب کو کلام اللہ شریف کی پوری آیت پڑھنی ناجائز ہے یا آیت سے کم بھی، مثلاً کسی کام کیلئے حسبنا اللہ ونعم الوکیل یا کسی تکلیف پر انّا للہ وانّا الیہ راجعون کہہ سکتا ہے کہ یہ پوری آیتیں نہیں آیتوں کے ٹکڑے ہیں یا اس قدر کی بھی اجازت نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد المن انزل کتابہ وقدس جنابہ فحرم قراءتہ حال	حمد ہے اسے جس نے اپنی کتاب نازل فرمائی اور اس کی بارگاہ مقدس رکھی، کہ اس کی قرأت

الجنابة والصلاۃ والسّلم علی من اٰتاہ خطابہ وطھر رحابہ وعلی الاٰل والصحابۃ وامۃ الاجابۃ۔	بحالتِ جنابت حرام فرمائی۔اور درود وسلام ہو ان پر جنہیں اپنا کلام عطا کیا،اور جن کا صحن پاکیزہ رکھا،اور ان کے آل واصحاب اور امتِ اجابت پر بھی۔(ت)

اوّلاً: یہ معلوم ف رہے کہ قرآن عظیم کی وہ آیات جو ذکر وثنا ومناجات ودُعا ہوں اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی متعدد آیات کاملہ جیسے سورہ حشر شریف کی اخیر تین آیتیں ھُوَاللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ[1] سے آخر سورۃ تک،بلکہ پوری سورت جیسے الحمد شریف بہ نیت ذکر ودعا بے نیت تلاوت پڑھنا جنب وحائض ونُفسا سب کو جائز ہے اسی لئے کھانے یا سبق کی ابتدا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہ ایک آیت مستقلہ ہے کہ اس سے مقصود تبرک واستفتاح ہوتا ہے،نہ تلاوت،توحسبنا اللہ ونعم الوکیل اور انّا للہ وانّا الیہ راجعون کہ کسی مہم یا مصیبت پر بہ نیت ذکر ودعا،نہ بہ نیت تلاوت قرآن پڑھے جاتے ہیں،اگرچہ پوری آیت بھی ہوتی تو مضائقہ نہ تھا جس طرح کسی چیز کے گنے پر عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَنَا خَیۡرًا مِّنۡھَاۤ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿۳۲﴾ [2] کہنا۔بحر میں ذکر مسائل ممانعت ہے:

ھذا کلہ اذا قرأ علی قصد انہ قراٰن اما اذا قراہ علی قصد الثناء اوافتتاح امر لایمنع فی اصح الرویات وفی التسمیۃ اتفاق انہ لایمنع اذا کان علی قصد الثناء اوافتتاح امر کذا فی الخلاصۃ وفی العیون لابی اللیث ولو انہ قراء الفاتحۃ علی سبیل الدعاء اوشیئا من الایات التی فیھا معنی الدعاء ولم یرد بہ القراء ۃ فلا باس بہ اھ واختارہ الحلوانی وذکر غایۃ البیان انہ المختار[3]۔	یہ سب اس وقت ہے جب بقصدِ قرآن پڑھے۔لیکن جب ثنا یا کسی کام کے شروع کرنے کے ارادے سے پڑھے تو اصح روایات میں ممانعت نہیں۔اور تسمیہ کے بارے میں تو اتفاق ہے کہ جب اسے ثنا یا کسی کام کے شروع کرنے کے ارادے سے پڑھے تو ممانعت نہیں۔ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔امام ابو اللیث کی عیون المسائل میں ہے:اگر سورہ فاتحہ بطور دُعا پڑھی یا کوئی ایسی آیت پڑھی جو دُعا کے معنی پر مشتمل ہے اوراس سے تلاوتِ قرآن کا قصد نہیں رکھتا تو کوئی حرج نہیں اھ۔اسی کو امام حلوانی نے اختیار کیا اور غایۃ البیان میں مذکور ہے کہ یہی مختار ہے۔(ت)

ف:مسئلہ: جو آیت پوری سورت خالص دعا وثنا ہو جنب وحائض بے نیت قرآن صرف دعا وثنا کی نیت سے پڑھ سکتے ہیں جیسے الحمد وآیۃ الکرسی۔

[1] القرآن الکریم ۵۹/۲۲

[2] القرآن الکریم ۶۸/۳۲

[3] البحرالرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

ہاں آیۃ الکرسی یا سورہ فاتحہ اور ان کے مثل ایسی قراءت کہ سننے والا جسے قرآن سمجھے اُن عوام کے سامنے جن کو اس کا جنب ہونا معلوم ہو بآواز بہ نیت ثناودعا بھی پڑھنا مناسب نہیں کہ کہیں وہ بحال جنابت تلاوت جائز نہ سمجھ لیں یا اس کا عدمِ جواز جانتے ہوں تو اس پر گناہ کی تہمت نہ رکھیں۔

وھذا معنی ما قال الامام الفقیہ ابو جعفر الھندوانی لاافتی بھذا وان روی عن ابی حنیفة اھ[1] قالہ فی الفاتحة قال الشیخ اسمعیل بن عبدالغنی النابلسی والدالسید العارف عبد الغنی النابلسی فی حاشیة علی الدرر لم یرد الھند وانی رد ھذہ الروایة بل قال ذلك لما یتبادر الی ذھن من یسمعه من الجنب من غیر اطلاع علی نیة قائله من جوازہ منه وکم من قول صحیح لایفتی به خوفا من محذورا خر ولم یقل لااعمل به کیف وھو مروی عن ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی[2] اھ **اقول:** وقید بالجھر وکونه عند من یعلم من العوام انه جنب لان المحذور انما یتوقع فیه وھذا محمل حسن جدا ومابحث	یہی اس کا معنی ہے جو امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے فرمایا کہ میں اس پر فتوی نہیں دیتا اگرچہ یہ امام ابو حنیفہ سے مروی ہے اھ۔ یہ بات انہوں نے سورہ فاتحہ سے متعلق فرمائی۔ شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی، سیدی العارف عبدالغنی نابلسی کے والد گرامی اپنے حاشیہ درر میں فرماتے ہیں: امام ہندوانی کا مقصد اس روایت کی تردید نہیں، بلکہ یہ انہوں نے اس خیال سے فرمایا ہے کہ جو اس جنابت والے کی نیت جانے بغیر اس سے سنے گا تو اس کا ذہن اس طرف جائے گا کہ بحالتِ جنابت تلاوت جائز ہے۔اور بہت ایسی صحیح باتیں ہوتی ہیں جن پر کسی اور خرابی کی وجہ سے فتوی نہیں دیا جاتا۔انہوں نے یہ نہ فرمایا کہ میں اس پر عمل نہیں کرتا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ وہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اھ۔ **اقول:** میں نے بآواز بلند پڑھنے کی قید لگائی اور یہ کہ ان عوام کے سامنے جن کو اُس کا جنب ہونا معلوم ہو اس لئے کہ خرابی کا اندیشہ اسی صورت میں ہے۔اور یہ کلامِ ابو جعفر

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ، باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

[2] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الطہارۃ، باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

البحر تبعا للحلیۃ فسیأتی جوابہ وما احلی قول الشیخ اسمعیل انہ مروی عن الامام وکیف یرد ماقالت خدام۔	کا بہت نفیس مطلب ہے۔اور بحر نے بہ تبعیتِ حلیہ جو بحث کی ہے آگے اس کا جواب آرہا ہے۔اور شیخ اسمٰعیل کا یہ جملہ کتنا شیریں ہے کہ یہ امام سے مروی ہے اور خدّام کا کلام اس کی تردید میں کیسے ہوسکتا ہے؟

ثانیا آیت ف طویلہ کا پارہ کہ ایک آیت کے برابر ہو جس سے نماز میں فرض قراءت مذہب سیدنا امام اعظم کی روایت مصححہ امام قدوری وامام زیلعی پر ادا ہوجائے جس کے پڑھنے والے کو عرفاً تالی قرآن کہیں جنب کو بہ نیت قرآن اُس سے ممانعت محل منازعت نہ ہونی چاہئے۔

اقول: کیف وھو قرآن حقیقۃ وعرفا فیشملہ قولہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لایقرء الجنب ولا الحائض شیئامن القرآن رواہ الترمذی [1] و ابن ماجۃ وحسنہ المنذری وصححہ النووی کما فی الحلیۃ۔	اقول: اس میں نزاع کیوں ہو؟ جب کہ یہ حقیقۃً وعرفاً قرآن ہے توسرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد قطعًا اسے شامل ہے: "جنب اور حائض قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھیں" اسے ترمذی وابن ماجہ نے روایت کیا،اور منذری نے اسے حسن اور امام نووی نے صحیح کہا، جیساکہ حلیہ میں ہے۔

قطعًا کون کہہ سکتا ہے کہ آیہ مدانیت کے اول سے یا ایھا الذین اٰمنوا یا آخر سے لفظ علیم چھوڑ کر ایک صفحہ بھر سے زائد کلام اللہ بہ نیت کلام اللہ پڑھنے کی جُنب کو اجازت ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لوکانت طویلۃ کان بعضہا کاٰیۃ	آیت اگر طویل ہو تو اس کا بعض حصہ ایک آیت

ف: مسئلہ: کسی آیت کا اتنا ٹکڑا کہ ایک چھوٹی آیت کے برابر ہو بہ نیت قرآن جنب وحائض کو بالاتفاع (بالاتفاق) ممنوع ہے۔

---

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی الجنب والحائض، حدیث ۱۳۱ دارالفکر بیروت ۱/۱۸۲، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ، باب ماجاء فی قراءۃ القرآن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۴

لانها تعدل ثلث ایات ذکرہ فی الحلیة عن شرح الجامع لفخر الاسلام[1] اھ **اقول:** ذھب قدس سرہ الی مصطلح الفقہاء ان الطویلة ھی التی یتأدی بھا واجب ضم السورة وھی التی تعدل ثلث ایات ولکن ف۱ ارادة ھذا المعنی غیرلازم ھھنا اذا لمناط کون المقروء قدرما یتأدی بہ فرض القراءة عند الامام وھو الذی یعدل ایة فلو کانت اٰیة تعدل اٰیتین عدل نصفھا ایة فینبغی ان یدخل تحت النھی قطعا وقس علیہ۔ وکیف یستقیم ف۲ ان لایجوز تلاوة ثُلث ایة تعدل ثلث ایات لکونہ یعدل ایة ویجوز تلاوة	کے حکم میں ہوگااس لئے کہ پوری آیت تین آیتوں کے برابر ہے، اسے حلیہ میں فخرالاسلام کی شرح جامع صغیر کے حوالے سے ذکر کیا ہے اھ۔(ت) **اقول:** حضرت موصوف قدس سرہ اصطلاح فقہاء کی طرف چلے گئے کہ لمبی آیت وہ ہے جس سے واجبِ نماز، ضمّ سورہ کی ادائیگی ہو جائے اور یہ وہ ہے جو تین آیتوں کے برابر ہو۔ لیکن یہاں پر یہ معنی مراد لینا ضروری نہیں اس لئے کہ مدارِ حرمت اس پر ہے کہ جتنے حصے کی تلاوت ہو وہ اس قدر ہو جس سے حضرت امام کے نزدیک فرضِ قراءت ادا ہو جاتا ہے اور یہ وہ ہے جو ایک آیت کے برابر ہو ۔تو پوری آیت اگر دو آیتوں کے برابر ہے تو اس کا نصف ایک آیت کے برابر ہوگا تو اسے نہی کے تحت قطعًا داخل ہونا چاہئے۔ اورمزید اسی پر قیاس کرلو۔ اور یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ تین آیت کے مساوی ایک آیت کے

ف۱:تطفل خویدم ذلیل علی خدام الامام الجلیل فخر الاسلام ثم الحلیة وش

ف۲:تطفل اٰخر علیھم۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۶، البحر الرائق کتاب الطہارۃ، باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

اٰیۃ تعدل اٰیتین بترك حرف منہا مع انہ یقرب قدر اٰیتین فتبصر۔	تہائی حصّہ کی تلاوت جائز نہیں اس لئے کہ وہ ایک آیت کے برابر ہے۔ اور دو آیتوں کے مساوی ایک آیت کی تلاوت اس کا کوئی حرف چھوڑ کر جائز ہے؟ حالانکہ وہ تقریبًا دوآیت کے برابر ہے۔ توبصیرت سے کام لو۔(ت)

ہاں جو[ف] پارہ آیت ایسا قلیل ہو کہ عرفاً اُس کے پڑھنے کو قرأت قرآن نہ سمجھیں اُس سے فرض قراءت یک آیت ادانہ ہو اتنے کو بہ نیت قرآن پڑھنے میں اختلاف ہے امام کرخی منع فرماتے ہیں امام ملک العلماء نے بدائع اور امام قاضی خان نے شرح جامع صغیر اور امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید اور امام عبدالرشید ولو لوالجی نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہدایہ وکافی وغیرہما میں اسی کو قوت دی درمختار میں اسی کو مختار کہا حلیہ وبحر میں اسی کو ترجیح دی تحفہ وبدائع میں اسی کو قول عامہ مشائخ بتایا اور امام طحاوی اجازت دیتے ہیں خلاصہ کی فصل حادی عشر فی القراءۃ میں اسی کی تصحیح کی امام فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر اور امام رضی الدین۔ سرخسی نے محیط پھر محقق علی الاطلاق نے فتح میں اسی کی توجیہ کی اور زاہدی نے اس کو اکثر کی طرف نسبت کیا۔ غرض یہ دو قول مرجح ہیں:

اقول: اور اول یعنی ممانعت ہی بوجوہ اقوی ہے۔

اوّلا: اکثر تصحیحات اُسی طرف ہیں۔

ثانیا: اُس کے مصححین کی جلالت قدر جن میں امام فقیہ النفس جیسے اکابر ہیں جن کی نسبت تصریح ہے کہ اُن کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔

ثالثا: اُسی میں احتیاط زیادہ اور وہی قرآن عظیم کی تعظیم تام سے اقرب۔

رابعا: اکثر ائمہ اُسی طرف ہیں اور قاعدہ ہے کہ العمل بما علیہ الاکثر[1] (عمل اسی پر ہوگا جس پر اکثر ہوں۔ ت) اور زاہدی کی نقل امام اجل علاء الدین صاحبِ تحفۃ الفقہاء وامام اجل ملک العلماء صاحب بدائع کی نقل کے معارض نہیں ہو سکتی۔

ف: مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ بہ نیت قرآن ایک حرف کی بھی جنب وحائض کو اجازت نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ، فصل فی البئر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۵۱

خامسا: اطلاق احادیث بھی اُسی طرف ہے کہ فرمایا جنب وحائض قرآن میں سے کچھ نہ پڑھیں۔

سادسا: خاص جزئیہ کی تصریح میں امیر المؤمنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا ارشاد موجود کہ فرماتے ہیں:

اقرؤا القراٰن مالم یصب احدکم جنابة فان اصابه فلا ولا حرفا واحدا۔رواہ الدار قطنی [1] وقال هو صحیح عن علی رضی الله تعالی عنه۔	قرآن پڑھو جب تک تمہیں نہانے کی حاجت نہ ہواور جب حاجتِ غسل ہو تو قرآن کا ایک حرف بھی نہ پڑھو۔(اسے دار قطنی نے روایت کیااور کہا یہی صحیح ہے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت)

سابعا: وہی ظاہر الروایۃ کا مفاد ہے امام قاضی خان شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

لم یفصل فی الکتاب بین الاٰیة وما دونها وهو الصحیح [2] اھ	امام محمد نے کتاب میں آیت اورآیت سے کم حصہ میں کوئی تفریق نہ رکھی اور یہی صحیح ہے اھ۔(ت)

بخلاف قولِ دوم کہ روایت نوادر ہے۔

رواها ابن سماعة عن الامام رضی الله تعالی عنه کما ذکرہ الزاهدی۔	اسے ابن سماعہ نے حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ زاہدی نے ذکر کیا ہے۔(ت)

ثامنا: قوت دلیل بھی اسی طرف ہے تو اسی پر اعتماد واجب۔

ویظهر ذلك بالکلام علی مااستدلوا به للامام الطحاوی فاعلم انه وجهه رضی الدین فی محیطه والامام فخر الاسلام فی شرح الجامع الصغیر بان النظم والمعنی یقصر فیما دون الاٰیة	یہ ان دلیلوں پر کلام سے ظاہر ہوگا جن سے اُن مرجحین نے امام طحاوی کی حمایت میں استدلال کیا ہے۔اب واضح ہو کہ محیط میں رضی الدین نے اور شرح جامع صغیر میں امام فخر الاسلام نے مذہب امام طحاوی کی توجیہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ مادون الآیۃ (جو حصہ ایک آیت سے کم ہے اس)

---

[1] سنن الدار قطنی کتاب الطہارۃ، باب فی النہی للجنب والحائض، حدیث ۶/۴۱۸ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۳ و ۲۹۴

[2] شرح الجامع الصغیر للامام قاضی خان

ویجری مثلہ فی محاورات الناس وکلامھم فتمکنت فیہ شبھۃ عدم القران ولھذا لاتجوز الصّلٰوۃ بہ[1] اھ **اقول اولا:** لم ف یصل فھمی القاصر الی قصور النظم والمعنی فیما دون الایۃ فبعض ایۃ ربما یکون جملۃ تامۃ مستقلۃ بالافادۃ کقولہ تعالی وَاصۡبِرۡ[2] وایۃ تامۃ لاتکون کذلک کقولہ تعالی اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ[3] ھذا فی المعنی والنظم یتبعہ وان ارید التحدی فلیس الا بنحوا قصر سورۃ لابکل ایۃ ایۃ فابلغ ماوردبہ التحدی قولہ تعالی فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ[4]۔	میں نظم ومعنی دونوں میں قصوروکمی ہے۔اوراس طرح کی عبارت لوگوں کی بول چال اور گفتگو میں بھی آتی رہتی ہے تواس میں عدم قرآن کاشبہہ جاگزیں ہو جاتاہے اور اسی لئے اتنے حصہ سے نماز جائز نہیں ہوتی اھ۔(ت) **اقول اولًا:** مادون الایۃ میں نظم ومعنی کے قصور وکمی تک میرے فہم قاصر کی رسائی نہ ہوسکی۔ اس لئے کہ جزوآیت کبھی پورا جملہ اور افادہ معنٰی میں مستقل ہوتا ہے جیسے باری تعالٰی کاارشاد :واصبر (اور صبر کر)اور کبھی پوری آیت ایسی نہیں ہوتی جیسے ارشاد باری تعالٰی ہے:"جب خدا کی مدد فتح آئے"۔یہ گفتگو معنی سے متعلق ہوئی اور نظم اسی کے تابع ہے۔ اوراگر یہ مراد ہے کہ مادون الآیۃ سے مقابلے کا چیلنج نہیں تو چیلنج توصرف سب سے مختصر سورہ کے مثل سے ہے ہر ہرآیت سے نہیں کیوں کہ سب سے زیادہ مبالغہ کے ساتھ جو تحدّی (چیلنج) وارد ہے وہ یہ ارشادِ ربانی ہے: "تواس کے مثل کوئی سورہ لے آؤ"۔

ف:تطفل ثالث علی خدام الامام فخر الاسلام وعلی الامام رضی الدین السرخسی۔

[1] البحر الرائق بحوالہ المحیط کتاب الطہارۃ، باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۱۱/۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۱۰/۱

[4] القرآن الکریم ۲/۲۳

وثانیا: رب ف۱ اية تامة تجری الفاظها علی الالسنة فی محاورات الناس كقوله تعالٰی ثُمَّ نَظَرَ[1] وقول تعالٰی لَمۡ یَلِدۡ[2] وقوله تعالٰی وَلَمۡ یُوۡلَدۡ[3] علی انهما ایتان وقوله تعالٰی مُدۡهَآمَّتٰنِ[4]۔ **وثالثا:** جریانه ف۲ فی تحاور الناس انما یورث الشتباہ علی السامع انه جری علی لسانه وافق لفظه نظم القراٰن اوقصد قراءۃ القراٰن فتتمکن الشبهة عند السامع اما هو فالانسان علی نفسه بصیرۃ فاذا قصد التلاوۃ فلا معنی للاشتباہ عنده وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5] والاشتباہ عندالسامع	**ثانیًا:** بہت سی پوری آیتیں بھی ایسی ہیں جن کے الفاظ لوگوں کی بول چال میں زبانوں پر آتے رہتے ہیں جیسے ارشادِ باری تعالٰی: "ثم نظر" پھر دیکھا۔ اور ارشادِ حق تعالٰی: "لم یلد" "وہ والد نہیں۔ اوراس کا ارشاد: "ولم یولد" اور وہ مولود نہیں۔ باوجودیکہ یہ دو آیتیں ہیں۔ اور اس کا ارشاد: "مدھامّتان"۔ **ثالثًا:** لوگوں کی گفتگو میں اس کے جاری ہونے سے صرف سامع پر اشتباہ ہوتا ہے کہ بولنے والے کی زبان پر وہ عبارت یوں آگئی جس کے الفاظ نظم قرآن کے موافق ہوگئے یا اس نے قرآن پڑھنے کی نیت کی ہے، تو سننے والے کے نزدیک شبہہ جاگزیں ہوجاتا ہے۔ رہا اس عبارت کو ادا کرنے والا تو انسان اپنے متعلق پوری طرح آشنا ہوتا ہے اگر واقعی اس کی نیت تلاوت کی ہے تو اس کے نزدیک اشتباہ کا کوئی معنی نہیں۔ "اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی"۔ اور

ف۱: تطفل رابع علیه و ثان علی السرخسی۔

ف۲: تطفل خامس علیه و ثالث علی السرخسی۔

[1] القرآن الکریم ۷۴/۲۱

[2] القرآن الکریم ۱۱۲/۳

[3] القرآن الکریم ۱۱۲/۳

[4] القرآن الکریم ۵۵/۶۴

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

لاینفی مایعلمہ من نفسہ۔	سامع کا اشتباہ اُس علم کی نفی نہیں کر سکتا جو قاری کو خود اپنی ذات سے متعلق حاصل ہے۔
وکانہ لاجل ھذا عدل المحقق علی الاطلاق فی الفتح عن ھذا التقریر واقتصر علی ماحط علیہ کلامھما اخرا وھو عدم جواز الصلاۃ بہ حیث قال وجھہ ان مادون الایۃ لایعد بہ قارئا قال تعالی فاقرؤا ماتیسر من القراٰن کما قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لایقرأ الجنب القراٰن فکما لایعد قارئا بما دون الایۃ حتی لاتصح بھا الصّلوۃ کذا لایعدبھا قارئا فلا یحرم علی الجنب والحائض [1] اھ	شاید اسی لئے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس تقریر سے ہٹ کر صرف اُس پر اکتفا کی جو صاحبِ محیط وامام فخر الاسلام کے آخر کلام میں واقع ہے وہ یہ کہ اس قدر سے نماز نہیں ہوتی۔ حضرت محقق لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ مادون الاٰیۃ پڑھنے والے کو قراءت کرنے والا شمار نہیں کیاجاتا۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: "توقرآن جو میسر آئے پڑھو"۔ جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جنابت والا قرآن کی قراءت نہ کرے"۔ توجیسے وہاں مادون الاٰیۃ پڑھنے سے اس کو قراءت کرنے والا شمار نہیں کیاجاتاکہ اتنے سے نماز درست نہیں ہوتی اسی طرح یہاں بھی اتنے حصے سے اس کو قراءت کرنے والاشمار نہ کیاجائے گاتو اتناپڑھناجنب وحائض پر حرام نہ ہوگا اھ۔
وردہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ تبعا للامام النسفی فی الکافی باطلاق الحدیث من دون فصل بین قلیل وکثیر قالا وھو تعلیل فی مقابلۃ النص فیرد لان شیأ نکرۃ فی موضع النفی	اسے محقق حلبی نے حلیہ میں کافی امام نسفی کی تبعیت میں رَد کردیا کہ حدیث مطلق ہے اس میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں۔ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں: یہ نص کے معاملہ میں تعلیل ہے اس لئے قابل قبول نہیں کیوں کہ حدیث (لایقرأ الجنب والحائض شیئامن القراٰن) میں شیئًا

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ، باب الحیض والاستحاضۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۴۸

فتعم وما دون الاية قراٰن فیمتنع کالایة [1] اھ وتبعھما البحر ثم ش۔ ورأیتنی علقت علیه مانصه۔اقول المحقق [ف] لا یقیس المسألة علی المسألة بل یرید ان الاحادیث انما حرمت علی الجنب قراءة القران وقد علمنا ان قراءة مادون الایة لاتعد قراءة القران شرعا والا لجازت به الصلاة لان قوله تعالٰی فاقرؤا ما تیسر من القراٰن قد فرض القراءة من دون فصل بین قلیل وکثیر مع تاکید الاطلاق بما تیسر وحینئذ لاحجة لکم فی اطلاق الاحادیث فافھم اھ[2]۔ ثم لما قال شرط ۱۲ الدر لوقصد	مقام نفی میں نکرہ ہے اس لئے وہ عام ہوگا اور مادون الاٰیۃ بھی قرآن ہے تو اس کا پڑھنا بھی ناجائز ہوگا جیسے پوری آیت کا پڑھنا اھ۔اس تردید میں ان دونوں حضرات کی پیروی بحر پھر شامی نے بھی کی ہے۔میں نے دیکھا اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا: **اقول:** حضرت محقق مسئلہ کا مسئلہ پر قیاس نہیں کر رہے ہیں بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ احادیث نے جنب پر قراءتِ قرآن حرام کی ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ مادون الاٰیۃ (آیت سے کم حصہ) کو پڑھنا، شرعاً قراءتِ قرآن شمار نہیں ہوتا ورنہ اس سے نماز ہوجاتی۔اس لئے کہ ارشادِ باری تعالٰی فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (توقراءت کرو جو بھی قرآن سے میسر آئے) نے قراءت فرض کی، جس میں قلیل وکثیر کا کوئی فرق نہیں، ساتھ ہی ماتیسّر (جو بھی میسر آئے) کے اطلاق کی تاکید بھی ہے، جب ایسا ہے تو اطلاقِ احادیث میں بھی تمہارے لئے حجّت نہیں، تو اسے سمجھو۔ پھر درمختار کی عبارت ہے: اگر سکھانے

ف:تطفل علی الحلیة والبحر و ش۔

[1] البحر الرائق کتاب الطھارۃ، باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

[2] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطھارۃ المجمع الاسلامی مبارکپور ہند ۱/۱۱۷

التعلیم ولقن کلمۃ کلمۃ حل فی الاصح [1] وکتب علیه ش هذا علی قول الکرخی وعلی قول الطحاوی تعلّم نصف ایة نهایة وغیرها ونظر فیه فی البحر بان الکرخی قال باستواء الایة وما دونها فی المنع واجاب فی النهر بان مراده بما دونهما مابه یسمی قارئا وبالتعلیم کلمۃ کلمۃ لایعد قارئا [2] اھ۔

کتبت علیه اقول هذا ف یؤید کلام المحقق فانکم ایضا لم تنظروا ههنا الی ان الاحادیث لم تفصل بین القلیل والکثیر وانما مفزعکم فیه الی ان من قرأ کلمۃ لایعد قارئا مع ان تلك الکلمة ایضا بعض القران قطعا فکذلك هم یقولون ان من قرأ مادون الایة لایعد قارئا ایضا والا لکان ممتثلا لقوله

کا قصد ہو اور ایک ایک کلمہ بول کر سکھائے تو بر قولِ اصح جائز ہے۔ اس پر علامہ شامی نے لکھا: یہ حکم امام کرخی کے قول پر ہے۔ اور امام طحاوی کے قول پر نصف آیت سکھائے۔ نہایہ وغیرہا۔ اس پر بحر نے یہ کلام کیا کہ امام کرخی کے نزدیک آیت اور مادون الآیۃ یہ دونوں ہی عدمِ جواز میں برابر ہیں۔ نہر میں اس کا یہ جواب دیا کہ مادون الآیۃ سے ان کی مراد اس قدر ہے جتنے سے اس کو قراءت کرنے والا کہا جاسکے اور ایک ایک کلمہ سکھانے سے اس کو قراءت کرنے والا شمار نہ کیا جائے گا اھ۔

اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا: اقول اس سے کلام محقق کی تائید ہوتی ہے۔ اسی لئے کہ یہاں آپ حضرات کی نظر بھی اس طرف نہیں کہ احادیث میں قلیل وکثیر کے درمیان کوئی تفریق نہیں بلکہ یہاں آپ نے صرف اس کا سہارا لیا ہے کہ جس نے ایک کلمہ پڑھا اسے قاری شمار نہیں کیا جاتا باوجودیکہ وہ کلمہ بھی قطعًا بعضِ قرآن ہے۔ اسی طرح وہ حضرات بھی کہتے ہیں کہ جس نے مادون الآیہ پڑھا اسے بھی قراءت کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا ورنہ وہ ارشادِ

ف:تطفل علی النهر و ش۔

[1] الدرالمختار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۶

تعالٰی فاقرؤا ماتیسر منه ولزم جواز الصلاۃ بما دون الایۃ [1] بالمعنی المذکور وھو خلاف ما اجمعنا علیه اھ۔

ثم لما قال ش بقی ما لوکانت الکلمۃ ایۃ کصٓ وقٓ نقل نوح افندی عن بعضھم انه ینبغی الجواز

اقول: وینبغی عدمه فی مدھامتان تأمل [2] اھ۔

کتبت علیه **اقول:** ف وجهه علی ذلك ظاھر فانه لایعد بھذا قارئا والا لجازت الصلوۃ به وبه یظھر وجه مابحث العلامۃ المحشی فی "مدھامتان" فانه تجوز به الصلاۃ عندالامام علی ما مشی علیه ملك العلماء فی البدائع والامام الاسبیجابی فی شرح المختصر وشرح الجامع الصغیر من دون حکایۃ

باری تعالٰی فاقرؤا ماتیسر منه کی بجاآوری کرنے والا قرار پاتا اور مادون الآیہ بمعنی مذکور سے نماز کا جواز لازم ہوتا۔ حالانکہ یہ ہمارے اور آپ کے اجماعی حکم کے برخلاف ہے اھ۔

پھر علامہ شامی لکھتے ہیں: یہ صورت رہ گئی کہ اگر وہ کلمہ پوری ایک آیت ہو جیسے صٓ اور قٓ تو کیا حکم ہے؟ علامہ نوح آفندی نے بعض حضرات سے نقل کیا ہے کہ جواز ہونا چاہئے۔

میں کہتاہوں اور مدھامّتان میں عدمِ جواز چاہئے۔ تامل کرو اھ۔ اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا: **اقول:** اُس قول کی بنیاد پر اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ وہ اتنی مقدار پڑھنے سے قراءت کرنے والا شمار نہ ہوگا ورنہ اس سے نماز جائز ہوتی۔ اور اسی سے اس کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے جو علامہ شامی نے مدھامّتان میں بحث کی ہے کیوں کہ اس سے حضرت امام کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے جیسا کہ اس پر بدائع میں ملک العلماء اور شرح مختصر و شرح جامع صغیر میں امام اسبیجابی گئے ہیں اور مذہب امام

ف: معروضۃ اخرٰی علی العلامۃ ش۔

[1] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارۃ المجمع الاسلامی مبارکپور ہند ۱/۱۱۸

[2] رد المحتار کتاب الطہارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۶

خلاف فیہ علی مذهب الامام رضی اللہ تعالٰی عنه وکل ذلك یؤید ماقدمنا فی تقریر کلام المحقق اھ ماعلقت علیہ [1] وهذا کله کلام معهم علی ماقرروا انا **اقول**:ف و باللہ التوفیق انما توجه هذا علی کلام النهروش لانهما حملا مذهب الکرخی علی مأاٰل به الی قول الطحاوی فانا اثبتنا عرش التحقیق ان مایعدبه قارئا لایجوز وفاقا ولو بعض اية وقد شهدبه کلام اولئك الاعلام الثلثة الموجهین قول ابی جعفرکماسمعت وهذا فخر الاسلام المختار قوله مصرحابعدم جواز بعض اية طویلة یکون کاية فان کان ابو الحسن ایضا لا یمنع الا مایعدبه قارئا لم یبق	رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اس میں کسی خلاف کی کوئی حکایت بھی نہیں۔ان سب سے اُس بیان کی تائید ہوتی ہے جو ہم نے کلام محقق علیہ الرحمہ کی تقریر میں پیش کیااھ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ یہ سب ان حضرات کی تقریرات کے مطابق ان کے ساتھ کلام تھا۔اور **میں کہتاہوں**۔وباللہ التوفیق۔یہ اعتراض نہروشامی کے کلام پر صرف اس لئے متوجہ ہواکہ ان حضرات نے مذہب امام کرخی کوایسے معنی پر محمول کیاجس سے وہ امام طحاوی کے قول کی طرف راجع ہوگیا۔ہم نے تو قصر تحقیق کی بنیاد اس پر رکھی ہے کہ جتنے سے بھی اسے قرات کرنے والا شمار کیاجائے اس کا پڑھنا بالاتفاق جائز نہیں اگرچہ وہ بعضِ آیت ہی ہو۔اوراس پرامام ابو جعفر طحاوی کے قول کی توجیہ فرمانے والے اُن تینوں بزرگوں (فخر الاسلام، رضی الدین، حضرت محقق)کاکلام بھی شاہد ہے جیساکہ ہم نے پیش کیا۔امام طحاوی کاقول اختیار کرنے والے یہ فخر الاسلام ہیں جو اس بات کی تصریح فرمارہے ہیں کہ کسی لمبی آیت کااتنا حصہ جوایک آیت کی طرح ہو،پڑھنا جائز نہیں۔تو

ف:تطفل آخر علی النهروثالث علی ش۔

[1] جد الممتار علی رد المحتار کتاب الطہارۃ المجمع الاسلامی مبارکپور (ہند) ۱/۱۱۸

الخلاف فالصحيح مانص عليه فى الحلية وتبعه البحر ان منع الكرخي مبقى على صرافة ارساله ومحوضة اطلاقه بعد ان تكون القرأة بقصد القران وقد سمعت نص اميرالمؤمنين المرتضى رضى الله تعالى عنه ولا حرفاواحدا۔

قال فى الحلية المذكور فى النهاية وغيرها اذا حاضت المعلمة فينبغى لها ان تعلم الصبيان كلمة كلمة وتقطع بين كلمتين على قول الكرخي وعلى قول الطحاوى تعلم نصف اية انتهى. قال قلت وفى التفريع المذكور على قول الكرخى نظر فانه قائل باستوا الاية ومادونها فى المنع اذا كان بقصد القران كما تقدم فهى حينئذعنده ممنوعة من ذكر الكلمة بقصدالقران لصدق مادون الاية عليهاوهذا اذا لم تكن الكلمة اية فان كانت كمد هامتان فالمنع اظهر

اگر امام ابوالحسن کرخی بھی صرف اسی کو ناجائز کہتے ہیں جس سے اس کو قراءت کرنے والا شمار کیا جائے تب تو کوئی اختلاف ہی نہیں رہ جاتا۔ تو صحیح وہ ہے جس کی تصریح صاحبِ حلیہ نے فرمائی اور بحر نے ان کا اتباع کیا کہ امام کرخی کی ممانعت اپنے خالص اطلاق وعدم تقیید پر باقی ہے اس شرط کے ساتھ کہ قراءت بہ نیتِ قرآن ہو اور امیر المومنین علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نص سُن چکے کہ بحالتِ جنابت "ایک حرف بھی " نہ پڑھو۔

حلیہ میں کہا: نہایہ وغیرہا میں مذکور ہے کہ جب معلّمہ حائض ہو تو اسے چاہئے کہ بچوں کو ایک ایک کلمہ سکھائے اور دو کلموں کے درمیان فصل کردے، یہ حکم امام کرخی کے قول پر ہے۔ اور امام طحاوی کے قول پر یہ ہے کہ نصف آیت سکھائے ،انتہی۔ صاحبِ حلیہ لکھتے ہیں: میں کہتاہوں امام کرخی کے قول پر تفریع مذکور محلِ نظر ہے اس لئے کہ وہ اس کے قائل ہیں کہ آیت اور مادون الآیہ دونوں ہی کو بقصدِ قرآن پڑھنا منع ہے جیساکہ گزرا، توان کے نزدیک حائضہ کو بہ قصدِ قرآن ایک کلمہ بھی زبان پر لانے سے ممانعت ہوگی اس لئے کہ مادون الآیہ اس پر بھی صادق ہے۔ یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ ایک کلمہ کامل آیت نہ ہو، اگر ایسا ہو جیسے مُدۡهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ تو ممانعت اور زیادہ ظاہر ہے۔

فان قلت لعل مراد ھذا القائل التعلیم المذکور بنیة غیر قراءة القران قلت ظاھران الکرخی حینئذ لیس بمشترط ان یکون ذلك کلمة بل یجیزہ ولو اکثر من نصف اٰیة بعد ان لایکون اٰیة نعم لعل التقیید بالکلمة لکونه الغالب فی التعلیم اولان الضرورة تندفع فلا حاجة الی فتح باب المزید علیه[1] اھ۔

اقول: وله ؏ ملح ثالث مثل الاول اوحسن وھو ان المرکب من کلمتین ربما لاتجد فیه نیة غیرالقران کقوله تعالٰی اَنَااللّٰهُ[2] وقوله تعالٰی فَاعۡبُدۡنِیۡ[3] وقوله تعالٰی عَصٰۤی اٰدَمُ[4] فان من قاله فی غیر التلاوة

اگر یہ سوال ہو کہ شاید اس قائل کی مراد یہ ہو کہ تعلیم مذکور قراءت قرآن کے علاوہ کسی اورنیت سے ہو۔تو میں کہوں گا ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں امام کرخی ایک کلمہ ہونے کی شرط نہیں رکھتے بلکہ اسے جائز کہتے ہیں اگرچہ نصف آیت سے زیادہ ہو،اس کے بعد کی پوری آیت نہ ہو۔ہاں ایک ایک کلمہ کی قید شاید اس لئے ہو کہ سکھانے میں عموماً یہی ہوتا ہے یا اس لئے کہ اتنے سے ضرورت پوری ہوجاتی ہے تو اس سے زیادہ کادروازہ کھولنے کی حاجت نہیں اھ۔

اقول: اس کی ایک تیسری صورت بھی ہے جو اول کے مثل یا اس سے بھی خوب تر ہے۔وہ یہ کہ دو کلموں کے مرکب میں بارہا ایسا ہوگا کہ غیر قرآن کی نیت ہی نہ ہو پائے گی جیسے ارشادِ باری تعالٰی: اَنَااللّٰهُ (میں خدا ہوں) اور یہ ارشاد: فَاعۡبُدۡنِیۡ (تو میری عبادت کر) اور یہ فرمان: عَصٰۤی اٰدَمُ،کہ غیر تلاوت میں

؏: ذکرته مما شاة وسیاتی ان الوجه عندی الثانی اھ منه

؏: میری یہ روش ہم قدمی کے طور پر ہے ورنہ آگے ذکر ہوگا کہ میرے نزدیک باوجہ ثانی ہے ۱۲منہ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن الکریم ۲۸/۳۰

[3] القرآن الکریم ۲۰/۱۴

[4] القرآن الکریم ۲۰/۱۲۱

فقد غوٰی بخلاف المفردات القرانیة فلیس شیئ منھا بحیث یتعین للقرانیة ولا یصلح الدخول فی مجاری المحاورات الانسانیة فذکر ماھو اعم واکفی ولا یحتاج الی ادراك المعنی ولا غائلة فیه اصلا حتی للجھال لاسیما النساء المخدرات فی الجھال۔

جو اس طرح کہے گمراہ ہو جائے، اور قرآنی مفردات میں سے کوئی ایسا نہیں کہ اس کا قرآن ہونا ہی متعین ہو اور انسانی بول چال کے مقامات میں آنے کے قابل نہ ہو تو وہ ذکر کیا جو زیادہ عام اور زیادہ کافی ہو اور جس میں ادراک معنی کی حاجت نہ ہو اور اس میں کوئی خرابی نہیں یہاں تک کہ جُہّال خصوصًا پردہ نشین عورتوں کے لئے بھی۔

وھذا (ای افادہ فی الحلیة ۱۲) کما تری کلام حسن من الحسن بمکان غیر انی **اقول:** لاوجه ف لقوله بعد ان لا یکون اٰیة فان ماکان بنیة غیر القرآن لایتقید بما دون اٰیة کما تقدم وکل من اٰیة وما دونھما قد یصلح لنیة غیرہ وقدلا کاٰیة الکرسی و الابعاض التی تلونا فما صلح صح ولو اٰیة وما لا فلا ولو دونھا۔

صاحبِ حلیہ نے جو افادہ کیا بہت عمدہ و باوقعت کلام ہے مگر یہ کہ **میں کہتا ہوں** "اس کے بعد کہ پوری آیت نہ ہو" یہ کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس لئے کہ جو غیر قرآن کی نیت سے ہو اس میں یہ قید نہیں کہ ایک آیت سے کم ہو، اور آیت ومادون الآیۃ ہر ایک کبھی غیر قرآن کی نیت کے قابل ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا، جیسے آیۃ الکرسی، اور وہ بعض ٹکڑے جو ہم نے تلاوت کئے۔ تو جو غیر قرآن کی نیت کے قابل ہو جائے اس کا پڑھنا صحیح ہے اگرچہ ایک آیت ہو اور جو ایسا نہ ہو اسے پڑھنا درست نہیں اگرچہ ایک آیت سے کم ہو۔

وما بحث فی الفاتحة وعدم تغیرھا بنیة الثناء والدعاء ان الخصوصیة القرانیة لازمة لھا قطعا کیف لاو

اور صاحبِ حلیہ نے سورہ فاتحہ سے متعلق جو بحث کی ہے اور کہا ہے کہ ثنا و دُعا کی نیت سے اس میں تغیر نہیں ہوتا اس لئے کہ خصوصیت قرآنیہ اسے قطعًا لازم ہے۔ کیوں کہ نہ ہو جب کہ

ف: تطفل علی الحلیة۔

هو معجز يقع به التحدی فلا يجری فی کل اية کما لايخفی فلا ادری ما الحامل له علی التقييد بها مع انه هو الناقل ف۱ عن الخلاصة معتمدا عليه جواز مثل ثم نظر ولم يولد ثم بحثه فی مثل الفاتحة وان کان له تماسك فما کان لبحث ان يقضی علی النص۔	یہ وہ قدر مُعجز ہے جس سے تحدی واقع ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بحث ہر آیت میں جاری نہیں ہوتی تو پتہ نہیں کہ آیت کی قید لگانے پر ان کے لئے باعث کیا ہے (یعنی ان کے اس قول میں: اس کے بعد کہ پوری آیت نہ ہو) باجودیکہ خلاصہ سے انہوں نے اعتماد کے ساتھ خود ہی نقل کیا ہے کہ ثم نظر اور لم یولد کے مثل میں جواز ہے۔ پھر سورہ فاتحہ کے مثل میں ان کی بحث کو اگر کچھ سہارا بھی مل جائے تو بھی کوئی بحث، نص کے خلاف فیصلہ نہیں کر سکتی۔
ثم ماذکره ف۲ ههنا سؤالا وترجيا ان مراد الکرخی فی التعليم ماذا نوی غير القران قد جزم به من قبل قائلا ينبغی ان يشترط فيه (ای فی التعليم) ايضا عدم نية القران لما سنذکره عن قريب معنی واثرا [1] اھ وقال عند قول الماتن لايکره التهجی بالقران والتعليم للصبيان حرفا حرفا هذا فيما يظهر اذا لم ينوبه القران اما اذا نواه به فانه يکره [2] اھ۔	پھر یہاں سوال اور شاید کے طور پر جو بات ذکر کی ہے کہ "تعلیم میں امام کرخی کی مراد غیر قرآن کا قصد ہونے کی صورت میں ہے" اس کو اس سے پہلے بطور جزم بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ تعلیم میں بھی نیتِ قرآن نہ ہونا چاہئے اس کی وجہ ہم معنٰی واثر کے لحاظ سے آگے بیان کریں گے اھ۔ ماتن کی عبارت تھی: "قرآن کی تہجی اور بچوں کو ایک ایک حرف سکھانا مکروہ نہیں" اس پر حلیہ میں لکھا: بظاہر یہ حکم اسی صورت میں ہے جب نیتِ قرآن نہ ہو اور اگر اس سے قرآن کی نیت ہو تو مکروہ ہے اھ۔

ف۱: تطفل آخر عليها۔

ف۲: مسئلہ: تعلیم کی نیت سے قرآن مجید قرآن ہی رہے گا صرف اتنی نیت جنب وحائض کو کافی نہیں۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اقول: وھذا ھو الحق الناصع فمجرد نیۃ التعلیم غیر مغیر فما تعلیم شیئ الاالقاؤہ علی غیرہ لیحصل لہ العلم بہ فاذا قرأ ونوی تعلیم القراٰن فقد اراد قراءۃ القران لیلقیہ ویلقنہ فنیۃ التعلیم لایغیرہ بل یقررہ فما وقع ف۱ فی الدرالمختار من عدہ نیۃ التعلیم فی نیات غیر القراٰن لیس فی محلہ فلیتنبہ۔ فانقلت نیۃ التعلیم ان لم تکن مغیرۃ فما بال فتح المصلی علی غیر امامہ یفسد صلاتہ وما ھو الا التعلیم وقراءۃ القراٰن لاتفسد الصلاۃ **قلت** لیس الفساد لان القراٰن تغیر بنیۃ الفتح بل لان الفتح ف۲ علی غیر الامام لیس من اعمال الصلاۃ وھو عمل کثیر فیفسد الا تری ف۳ ان المصلی ان قیل لہ	**اقول:** یہی بے داغ، خالص حق ہے۔ تو صرف نیت تعلیم سے کوئی تغیر نہیں ہوتا کیوں کہ کسی شے کی تعلیم یہی ہے کہ اس شے کو دوسرے کے سامنے اس لئے پیش کرے کہ اسے اس کا علم حاصل ہو جائے۔ تو جب اس نے پڑھا اور تعلیم قرآن کی نیت کی تو یہ متحقق ہو گیا کہ دوسرے کو بتانے سکھانے کے لئے اس نے قرآن پڑھنے کا قصد کیا۔ تو نیتِ تعلیم سے نیتِ قرآن میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ اس کی اور تائید و تاکید ہوتی ہے۔ تو درمختار میں نیتِ تعلیم کو غیر قرآن کی نیتوں میں شمار کرانا بے جا ہے، اس پر متنبّہ رہنا چاہئے۔ **اگر سوال ہو** کہ جب نیتِ تعلیم سے کوئی تغیر نہیں ہوتا تو کیا وجہ ہے کہ نمازی اگر اپنے امام کے علاوہ کسی اور کو لقمہ دے دے تو اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ وہ بھی تعلیم ہی ہے اور قراءتِ قرآن مفسدِ نماز نہیں، **میں کہوں گا** فسادِ نماز کا سبب یہ نہیں ہے کہ لقمہ دینے کی نیت سے قرآن میں تغیر ہو گیا بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ غیر امام کو لقمہ دینا اعمالِ نماز میں نہیں اور یہ عمل کثیر ہے اس لے نماز کو فاسد کردے گا۔ دیکھو اگر مصلّی سے کہا جائے فلاں

ف۱: تطفل علی الدرالمختار۔

ف۲: **مسئلہ:** نمازی اگر اپنے امام کے سوا کسی کو قرآن مجید میں لقمہ دے گا نماز جاتی رہے گی

ف۳: **مسئلہ:** نمازی نماز میں ہے اس وقت کسی نے کہا فلاں آیت یا سورت پڑھ۔ اس نے اس کا کہا ماننے کی نیت سے پڑھی نماز جاتی رہے گی۔

اقرا اية كذا فقرأ امتثالا لامره فسدت صلاته مع انه لم يقرأ الا القراٰن۔ وبالله التوفيق	آیت پڑھو، اس نے اس کے حکم کی بجا آوری کے لئے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی باوجودیکہ اس نے قرآن ہی پڑھا۔ وباللہ التوفیق۔
بقی الکلام علی توجیه الامام ابن الهمام وما ذكرنا له من تقرير المرام فلنعم الجواب عنه ما نقله فی الحلية بعد الجواب الاول المذكور اذقال مع انه قداجيب ايضا بالاخذ بالاحتياط فيهما وهو عدم الجواز فی الصلاة والمنع للجنب[1] اھ۔	اب اس پر کلام رہ گیا جو امام ابن الہمام نے توجیہ کی اور ہم نے جو ان کے مقصد کی تقریر کی تو اس کا بہت عمدہ جواب وہ ہے جو حلیہ میں مذکورہ جواب اول کے بعد نقل کیا وہ لکھتے ہیں: باجودیکہ یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ دونوں میں احتیاط پر عمل ہے وہ یہ کہ نماز میں عدم جواز ہے اور جنب کے لئے پڑھنے کی ممانعت ہے اھ۔
اقول: تقريره ان الامام وصاحبيه رضی الله تعالى عنهم اختلفوا فی فرض القراءة فقالا ثلث قصارا او اية طويلة ای مايعدل ثلثا لانه لايسمى فی العرف قارئا بدونه وقال بل اية ای اذا لم تكن مما يجری فی تحاور الناس ويشبه تكلمهم فيما بينهم كثم نظر فانها اذا كانت كذلك عدقارئا عرفا بخلاف مادون الاية بالمعنى الذی اعطينا من قبل فهو وان كان به قارئا حقيقة لايعد قارئا عرفا فتطرقت الشبهة	**اقول:** اس کی تقریر یہ ہے کہ حضرت امام اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان فرض قراءت کی مقدار میں اختلاف ہے صاحبین نے فرمایا تین چھوٹی آیتوں یا تین آیتوں کے برابر، ایک لمبی آیت کی قراءت فرض ہے اس لئے کہ عرف میں اس کے بغیر اسے قراءت کرنے والا نہیں کہا جاتا اور امام نے فرمایا بلکہ ایک آیت پڑھنا فرض ہے جب کہ وہ اس میں سے نہ ہو جو لوگوں کی بول چال میں جاری ہے اور جو اُن کی باہمی گفتگو کے مشابہ ہے جیسے "ثم نظر"۔ کیوں کہ جب اس شرط کے ساتھ کوئی آیت پڑھے گا تو عرفًا اسے قراءت کرنے والا شمار کیا جائے گا بخلاف اس کے جو ایک آیت سے کم ہو اسی معنی میں جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ تو وہ اس کی وجہ سے اگرچہ حقیقۃً قراءت کرنے والا ہے مگر عرفًا اسے قراءت کرنے والا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فی براء ۃ الذمۃ من قبل العرف ھکذا قررہ ھذا المحقق نفسہ وقال قولہ تعالی ماتیسر مقتضاہ الجواز بدون الایۃ وھو قول ابن عباس فانہ قال اقرأ ماتیسر معك من القران ولیس شیئ من القران بقلیل الا ان مادون الایۃ خارج من النص اذا المطلق ینصرف الی الکامل فی الماھیۃ ولا یجزم بکونہ قارئا عرفا بہ فلم یخرج عن عھدۃ مالزمہ بیقین اذلم یجزم بکونہ من افرادہ فلم تبرء بہ الذمۃ خصوصا والموضع موضع الاحتیاط بخلاف الایۃ اذیطلق علیہ قارئا بھا فالخلاف (ای بین الامام وصاحبیہ) مبنی علی الخلاف فی قیام العرف فی عدہ قارئا بالقصیرۃ قالا لاوھو یمنع وفی الاسرار ماقالاہ احتیاط فان قولہ لم یلد ثم نظر لایتعارف قرانا وھو قران حقیقۃ فمن حیث الحقیقۃ حرم علی الحائض والجنب	شمار نہیں کیا جاتا۔ توعرف کی جہت سے اس کے بری الذمّہ ہونے میں شُبہہ راہ پاگیا۔ اسی طرح اس کی خود محقق حلبی نے تقریر کی ہے اور فرمایا ہے کہ باری تعالٰی کے ارشاد ماتیسّر کا تقاضا یہ ہے کہ مادون الآیہ سے بھی نماز ہوجائے اور یہی حضرت ابن عباس کا قول ہے انہوں نے فرمایا تمہیں قرآن سے جو بھی میسر آئے پڑھو اور قرآن میں سے کچھ بھی قلیل نہیں۔ مگر یہ ہے کہ مادون الآیہ نص سے خارج ہے اس لئے کہ مطلق اسی کی طرف پھرتا ہے جو ماہیت میں کامل ہو اور مادون الآیہ سے اس کو عرفاً قرات کرنے والا شمار نہیں کیا جاتا تواس پر جو لازم ہوا اس سے وہ یقینی طور پر عہدہ برآنہ ہوا، اس لئے کہ اس پر جزم نہ ہوا کہ یہ مقدار، قدر لازم کے افراد سے ہے تواتنے سے وہ بری الذمہ نہ ہوا، خصوصاً جب کہ یہ مقام احتیاط ہے۔ بخلاف کامل آیت کے، کہ اسے پڑھنے کی وجہ سے اس پر قرات کرنے والے کا اطلاق ہوتا ہے۔ (توحضرت امام اور صاحبین کے درمیان) اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ چھوٹی آیت پڑھنے سے عرفاً اسے قرات کرنے والا شمار کیا جاتا ہے یا نہیں؟ صاحبین نے فرمایا: نہیں، اور امام نے فرمایا: ہاں۔ اور اسرار میں ہے کہ قولِ صاحبین میں احتیاط ہے اس لئے کہ ارشادِ باری لم یلد۔ اور۔ ثم نظر۔ بطور قرآن متعارف نہیں اور در حقیقت یہ قرآن ہے۔ تو حقیقت کا اعتبار

ومن حیث العرف لم تجز الصلاۃ به احتیاطا فیهما [1] اھ مختصرا فعدم تناول الاطلاق مادون الایة فی قوله تعالٰی فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ [2] لایستلزم عدم تناوله له فی قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایقرء الجنب ولا الحائض شیئا من القران [3] بل قضیة الدلیل هو التناول ههنا والخروج ثمه۔ **ثم اقول:** لایخفی ف علیك ان لو بنی الامر ههنا علی مایعد به قارئا عرفا لزم ان یحل عند الصاحبین للجنب واختیه قراء ۃ مادون ثلٰث ایات بنیة القراٰن ولا قائل به فتحقق	کرکے حائض و جنب پر اس کی قرات حرام رکھی گئی اور عرف کا لحاظ کرکے ہم نے اس سے نماز جائز نہ کہی، تاکہ دونوں مسئلوں میں ہمارا عمل احتیاط پر رہے اھ مختصراً۔ تو باری تعالٰی کے ارشاد : فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ میں مادون الآیہ کو اطلاق کا شامل نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد لایقرا الجنب و لا الحائض شیئا من القراٰن (جنب اور حائض قرآن سے کچھ بھی نہ پڑھیں) میں بھی اطلاق اسے شامل نہ ہو بلکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں شامل ہو اور وہاں شامل نہ ہو۔ **ثم اقول:** مخفی نہیں کہ اگر "یہاں" (مسئلہ جنب میں) بنائے کار اس پر ہوتی جس کی وجہ سے اس کو عرفاً قرات کرنے والا شمار کیا جائے تو لازم تھا کہ صاحبین کے نزدیک جنب اور حیض ونفاس والی کے لئے تین آیت سے کم بہ نیت قرآن پڑھنا جائز ہو۔ حالانکہ

ف: تطفل علی الفتح۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ فصل فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۹۰

[2] القرآن الکریم ۷۳/۲۰

[3] سنن الترمذی ابواب الطھارۃ باب ماجاء فی الجنب والحائض الخ حدیث ۱۳۱ دار الفکر بیروت ۱/۱۸۲، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی قراءۃ القرآن علی غیر الطھارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۴

ان قول الکرخی ھو الارجح روایة ودرایة والحمد للہ ولی الھدایة۔	کوئی اس کا قائل نہیں۔تو ثابت ہوا کہ امام کرخی ہی کا قول روایت ودرایت دونوں لحاظ سے ارجح ہے ، اور ساری حمد خدا کے لئے ہے جو ہدایت کا مالک ہے۔
ولکن العجب من المحقق الحلبی کتبت ھذا ثم رأیت فی غنیتہ مال الی ماقلت ان لاقائل بہ حیث قال وینبغی ان تقید الایة بالقصیرة التی لیس مادونھا مقدار ثلث ایات قصار فانہ اذا قرأ مقدار سورة الکوثر یعد قارئاوان کان دون ایة حتی جازت بہ الصلاة واماما علی وجہ الدعاء والثناء فلانہ لیس بقران لانہ الاعمال بالنیات والالفاظ محتملة فتعتبر النیة ولذا لوقرأ ذلک فی الصّلاة بنیة الدعاء والثناء لاتصح بہ الصلاة [1] اھ۔	لیکن محقق حلبی (صاحبِ غنیہ) پر تعجب ہے کہ وہ اس طرف مائل ہیں جس کے بارے میں میں نے کہا کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔مذکورہ بالا سطور لکھنے کے بعد میں نے غنیہ میں دیکھا کہ وہ لکھتے ہیں: آیت کے ساتھ یہ قید ہونی چاہئے کہ ایسی چھوٹی آیت جس سے ذرا کم ہو تو وہ آیت تین چھوٹی آیتوں کے بقدر نہ ہو اس لئے کہ جب وہ سورہ کوثر کے بقدر پڑھے اگرچہ وہ ایک آیت سے کم ہی ہو تو اس کی وجہ سے وہ قرأت کرنے والا شمار ہوگا یہاں تک کہ اس سے اس کی نماز ہو جائے گی۔ لیکن جو دُعا اور ثنا کے طور پر ہو تو وہ قرآن نہیں اس لئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور الفاظ میں احتمال ہوتا ہے تو نیت کا اعتبار ہوا۔ اسی لئے اگر اسے نماز میں بہ نیتِ دُعا وثنا پڑھا تو نماز درست نہ ہوگی اھ۔
اقول اولا ف: وقع بحثہ علی خلاف المنصوص فی شرح الجامع الصغیر للامام فخر الاسلام فانہ	**اقول اولا:** ان کی بحث اس کے خلاف واقع ہے جو امام فخر الاسلام کی شرح جامع صغیر میں منصوص ہے اس لئے کہ انہوں نے لمبی

ف: تطفل علی الغنیة۔

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قرأۃ القرآن للجنب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷

اعتبر کون بعضہا کاٰیۃ لاکثلث کما تقدم۔ **وثانیا:** عدل ف۱ عن قول الامام الی قولہما فی افتراض ثلث فان راعی الاحتیاط لمامر عن الاسرار ان ماقالہ احتیاط لما مر عن الاسرار نفسہا ان ذلك فی الصّلاۃ اما فی مسألۃ الجنب فالاحتیاط فی المنع وقد نقلہ ھکذا فی الغنیۃ۔ **وثالثا:** ماذکر ف۲ من عدم الاجزاء ف۳ اذا قرأ فی الصلاۃ بنیۃ الثناء خلاف المنصوص ایضا ففی البحر عن التوشیح عن الامام الخاصی اذا قرأ الفاتحۃ فی الاولیین بنیۃ الدعاء نصوا علی انہا مجزئۃ [1] اھ وعن التجنیس اذا قرأ فی الصلاۃ فاتحۃ الکتاب علی قصد الثناء جازت صلاتہ لانہ وجدت القراءۃ فی محلہا فلا یتغیر حکمہا بقصد [2] اھ ومثلہ فی الدر نعم نقل فی البحر عن القنیۃ	آیت کے بعض کو ایک آیت کے مثل شمار کیا ہے تین آیت کے مثل نہیں جیسا کہ گزرا۔ **ثانیا:** قول امام سے عدول کرکے تین آیت کی فرضیت میں قول صاحبین کی طرف آگئے۔ اگر اس میں انہوں نے احتیاط کی رعایت کی ہے کیوں کہ اسرار کے حوالہ سے گزرا کہ قولِ صاحبین میں احتیاط ہے تو خود اسرار ہی کے حوالہ سے یہ بھی گزرا کہ یہ نماز کے بارے میں ہے اور مسئلہ جنب میں احتیاط ممانعت میں ہے۔ اسے اسی طرح غنیہ میں نقل بھی کیا ہے۔ **ثالثا:** نماز میں قرأت بہ نیتِ ثنا ہو تو نماز نہ ہوگی، یہ مسئلہ انہوں نے منصوص کے برخلاف ذکر کیا کیوں کہ بحر میں امام خاصی کی توشیح سے منقول ہے کہ جب پہلی دونوں رکعتوں میں سورہئ فاتحہ کی قرأت بہ نیتِ دُعا کرے تو علماء نے نص فرمایا ہے کہ اس سے نماز ہوجائے گی اھ۔ اور تجنیس سے نقل ہے کہ جب نماز میں بہ نیتِ ثنا فاتحۃ الکتاب کی قرأت کرے تو نماز جائز ہے اس لئے کہ قرأت اپنے محل میں پائی گئی تو نیت سے اس کا حکم نہ بدلے گا اھ۔ اسی کے مثل درمختار میں بھی ہے۔ ہاں بحر میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اس

ف۱: تطفل آخر علیہما۔ ف۲: تطفل ثالث علیہما۔

ف۳: **مسئلہ:** نماز میں سورۃ فاتحہ یا سورت پڑھی اور قراءت کی نیت نہ کی دعا وثنا کی نیت کی جب بھی نماز ہوجائے گی۔

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۰

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۰

انها ذکرت فیه خلافاً ورقمت لشرح شمس الائمة انها لاتنوب عن القراءة[1] وانت تعلم ان القنیة لاتعارض المعتمدات والزاهدی غیر موثوق به فی نقله ایضا کما نصوا علیه واللہ تعالٰی اعلم۔	نے اس بارے میں اختلاف ذکر کیا ہے اور شرح شمس الائمہ کا نشان (رمز) دے کر لکھا ہے کہ وہ قرأت کی جگہ کافی نہ ہوسکے گی اھ۔ اور معلوم ہے کہ قنیہ کتب معتمدہ کے مقابلہ میں نہیں آسکتی اور زاہدی نقل میں بھی ثقہ نہیں جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور خدائے برتر ہی کو خوب علم ہے۔

تنبیہ ا: عیون امام فقیہ ابواللیث کی عبارت کہ صدر کلام میں گزری جس میں فرمایا تھا کہ فاتحہ وغیرہا آیات دعا بہ نیت دعا پڑھنے میں حرج نہیں نہرالفائق میں اُس سے یہ استنباط فرمایا کہ یہ حکم صرف اُنہی آیات سے خاص ہے جن میں معنی دُعا وثنا ہوں ورنہ مثلاً سورہ لہب وغیرہا اگر بنیت غیر قرآن پڑھے تو ظاہراً روا نہ ہونا چاہئے۔

حیث قال ظاهر التقیید بالایات التی فیها معنی الدعاء یفهم ان مالیس کذلك کسورة ابی لهب لایؤثر فیها قصد غیرالقرانیة لم ار التصریح به فی کلامهم[2]۔	ان کے الفاظ یہ ہیں: آیات میں معنی دُعا ہونے کی قید سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جو آیات ایسی نہ ہوں۔ جیسے سورہ ابی لہب۔ اس میں غیر قرآن کی نیت اثر انداز نہ ہوگی مگر اس کی تصریح کلامِ علماء میں میری نظر سے نہ گزری۔ (ت)

علّامہ شامی نے منحۃ الخالق وردالمحتار میں اس کی تائید فرمائی کہ:

قد صرحوا ان مفاهیم الکتب حجة[3] اه ولفظ المنحة المفهوم معتبر مالم یصرح بخلافه[4] اه	علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ کتابوں میں مفہوم معتبر ہوتا ہے اھ۔ منحۃ الخالق کے الفاظ یہ ہیں: مفہوم کا اعتبار ہوتا ہے جب تک اس کے خلاف کی تصریح نہ ہو۔ (ت)

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۰

[2] النہر الفائق شرح کنزالدقائق کتاب الطہارۃ باب الحیض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۶

[4] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

اقول اولا: خلاصہ ف وبزازیہ وبحر میں ہے:

وھذا لفظ الوجیز اما اذا قصد الثناء اوافتتاح امر فلا فی الصحیح [1]۔	اور یہ وجیز کے الفاظ ہیں: لیکن جب ثناء یا کوئی کام شروع کرنے کی نیت سے پڑھے تو صحیح قول پر ممانعت نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

فلو قصد الدعاء اوالثناء اوافتتاح امر حل [2]۔	اگر دُعا یاثناء یا کسی کام کے شروع کرنے کی نیت ہوتو جائز ہے۔(ت)

یہاں تو کہہ سکتے ہیں کہ بعد تنقیح افتتاح کاحاصل دعاوثنا سے جُدانہ ہوگامگر خلاصہ وحلیہ وبحر میں ہے:

وحرمة قراءۃ القراٰن (ای من احکام الحیض) الا اذا کانت ایة قصیرة تجری علی اللسان عندا لکلام کقولہ ثم نظر اولم یولد [3] اھ	(احکامِ حیض میں سے) قرأت قرآن کی حرمت بھی ہے مگر جب ایسی چھوٹی آیت ہوجو بول چال میں زبان پر آتی رہتی ہے جیسے ارشاد باری تعالٰی: ثم نظر۔یا۔ولم یولد۔(ت)

یعنی جبکہ قرأت قرآن کی نیت نہ ہو اور اپنے کلام میں پوری آیت سے موافقت واقع ہوجائے مثلاً زید کی حکایت حال میں کہا: ثم نظر زید (پھر زید نے نظر کی۔ت) یا کسی ہندہ کے حمل کو پوچھاکہ پیدا ہوا؟ کہاماوضع ولم یولد بعد (نہیں پیدا کیا اورلم یولد بعد میں کہا۔ت) تواس میں حرج نہیں اگرچہ ثم نظر بالاتفاق اور ولم یولد علی الخلاف پوری آیتیں ہیں اس لئے کہ بہ نیت قرآن نہ کہی گئیں یہاں سے صراحۃً ظاہر کہ جواز کیلئے عدم نیت قرآن کافی ہے خاص نیت دُعا یا ثناضرور نہیں کہ ان صورتوں میں دعاوثنا کہاں! یوں ہی اگر نقل حدیث میں کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ف: تطفل علی النھر و ش۔

[1] الفتاوی البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ کتاب الصلوۃ الفصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴۱/۱

[2] الدرالمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۳۳/۱

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الحیض الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۳۰/۱

فرماتے ہیں اس کے جواز میں بھی شبہ نہیں اگرچہ **محمد** رسول اللہ ضرور قرآن عظیم ہے اور یہاں نام اقدس مقصود نہ کہ دعاو ثناء لاجرم بحر سے گزرا

هذا كله اذا قرأ على قصد انه قرآن [1]	(یہ سب اس وقت ہے جب بہ نیتِ قرآن پڑھا ہو۔(ت)

اسی طرح خلاصہ میں ہے، تنویر میں ہے:

يحرم قراءة قرآن بقصده [2]	(قرآن کا کوئی حصہ بہ نیتِ قرآن پڑھنا (اس کے لئے) حرام ہے۔(ت)

ثانیا عیون ف کا اتنا مفاد مسلم کہ آیاتِ دعامیں نیت دُعا درکار ہے نہ یہ کہ نیت دعاہی پر مدار ہے،

وذلك انه تصوير لنية غير القران وهي في ايات الدعاء بنية الدعاء فيفيد ان الجواز بنية الدعا مقصور على آيات الدعاء لاقصر الجواز مطلقا على نية الدعاء كأن تقول لو قرأ التسمية بنية الافتتاح ولم يرد القراءة فلا بأس به لايدل على قصر الحكم في جميع القران على نية الافتتاح۔	وہ اس لئے کہ عبارتِ عیون میں نیت غیر قرآن کی صورت پیش کی گئی ہے وہ یہ کہ آیاتِ دعا بہ نیتِ دعاپڑھی جائیں اس کا مفاد یہ ہے کہ آیاتِ دعاپڑھنے کا جواز صرف اس صورت میں ہوگا جب وہ بہ نیتِ دعا پڑھی جائیں، نہ یہ کہ مطلقاً ہر آیت پڑھنے کا جواز صرف نیتِ دعا ہی کی صورت میں محدود ہے۔ مثلاً کہا جائے کہ اگر کام شروع کرنے کے ارادہ سے بسم اللہ پڑھی اور تلاوت کی نیت نہ کی تو اس میں کوئی حرج نہیں، تو اس کا یہ معنی نہ ہوگا کہ پورے قرآن میں حکم جواز بس اسی ایک صورت میں محدود ہے کہ اسے کوئی کام شروع کرنے کے ارادہ سے پڑھا جائے۔(ت)

ف: تطفل آخر علیہما۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۳

لکنی **اقول**: وباللہ التوفیق (لیکن خدا کی توفیق سے **میں کہتا ہوں**۔ت) تحقیق مقام [ف۱] یہ ہے کہ یہاں دو صورتیں ہیں: عدم نیت واعدام نیت۔ عدم نیت یہ کہ بعض الفاظ اتفاقاً موافق نظم قرآن زبان سے اپنے کلام سے ادا ہو جائیں جیسے صور مذکورہ میں ثم نظر اور ولم یولد کہ ان کے تکلم کے وقت خیال بھی نہیں جاتا کہ یہ الفاظ آیات قرآنیہ ہیں یہاں قرآن عظیم کی طرف قصد سرے سے پایا ہی نہ گیا۔ اور اعدام نیت یہ کہ آیات قرآنیہ کی طرف التفات کرے اور بالقصد انہیں نیت قرآن سے پھیر کر غیر قرآن کا ارادہ کرے۔ آیۃ الکرسی یا سورۂ فاتحہ یا سورۂ تبت وغیرہا ہر کلام طویل میں یہی صورت متحقق ہو سکتی ہے، ناممکن ہے کہ بلا قصد زبان سے تین آیت کے برابر کلام نکل جائے جو بالکل نظم قرآنی کے موافق ہو کہ اس قدر سے تحدی فرمائی گئی ہے تو کوئی اتنے پر کیوں کر قادر ہو سکتا ہے۔ نہیں بلکہ یقیناً الفاظ قرآنیہ ہی کا قصد کرے گا پھر ان کو بالارادہ نیت قرآن سے نیت غیر قرآن کی طرف پھیرے گا اور موجودات حقیقیہ اعتبار معتبر کے تابع نہیں ہوتے، نہ باوجود علم قصداً تبدیل نیت سے علم منتفی ہوا اگر کوئی شخص شہد کو جان بوجھ کر اس نیت سے کھائے کہ یہ شہد نہیں نمک ہے، تو نہ وہ واقعی نمک ہو جائے گا نہ اس کا علم کہ یہ واقع میں شہد ہے زوال پائے گا۔ یونہی جب اس نے نظم قرآنی کی طرف قصد کیا اور اسے ادا کرنا چاہا تو باوصف علم حقیقت اس کا یہ خیال کرلینا کہ میں یہ قرآن نہیں پڑھتا کچھ اور پڑھتا ہوں، نہ قرآن عظیم کو اس کی حقیقت سے مغیر ہو سکتا ہے نہ یہ دیدہ ودانستہ اس تبدیل خیال سے کچھ نفع پا سکتا ہے تو کیونکر ممکن کہ تعظیم قرآن عظیم کے لئے جو حکم شرع مطہر نے اسے دیا یہ دانستہ نیت پھیر کر اسے ساقط کردے۔

اقول: وبہ [ف۲] استبان ضعف ما اجاب بہ العلامۃ اسمعیل فی حواشی الدرر عن بحث الحلیۃ فی قراءۃ الفاتحۃ بنیۃ الدعاء اذ قال المحقق ان ھذا قراٰن حقیقۃ وحکما و لفظا ومعنی کیف لا وھو معجز یقع بہ التحدی وتغییر المشروع فی مثلہ بالقصد	**اقول**: اسی سے اس کی کمزوری واضح ہو گئی جو حواشی درر میں علامہ اسمٰعیل نے بہ نیتِ دعا قراءتِ فاتحہ کے بارے میں بحثِ حلیہ کے جواب میں لکھا ہے۔ محقق حلبی نے لکھا تھا: یہ حقیقۃً، حکماً، لفظاً، معنیً ہر طرح قرآن ہے۔ کیوں نہ ہو جب کہ یہ قدرِ معجز ہے جس سے تحدّی واقع ہوئی ہے اور ایسے کلام میں جو امر شرعاً ثابت ہے

ف۱: **مسئلہ**: قراءت جنب کی صورتوں میں مصنف کی تحقیق جلیل مفرد۔

ف۲: تطفل علی سیدی اسمعیل محشی الدرر والعلامۃ ش۔

المجرد مردود علی فاعله فان الخصوصیة القراٰنیة فیه لازمة قطعا ولیس فی قدرة المتکلم اسقاطها عنه مع ما هو علیه من النظم الخاص[1] اھ۔

فاجاب العلامة النابلسی وتبعه فی المنحة بانه اذا لم یرد بها القراٰن فات ما فیه من المزایا التی یعجز عن الاتیان بها جمیع المخلوقات اذ المعتبر فیها القصد اما تفصیلا وهو من البلیغ او اجمالا وذلك بحکایة کلامه وکلاهما منتف حینئذ کما لایخفی[2] اھ۔

ولعمری ان فی حکایته غنی من نکایته ولیت شعری کیف تفوت المزایا الثابتة اللازمة الواقعیة بمجرد صرف القارئ النیة عن نسبة الی متکلمه مع بقاء الکلام علی نظمه وقد کان نبه علیه المحقق

اسے اگر کوئی محض نیت سے بدلنا چاہے تو وہ نیت خود رد ہوجائے گی اس لئے کہ اسے قرآنی خصوصیت قطعًا لازم ہے۔ اور اس نظم خاص پر اس کے برقرار ہوتے ہوئے اس خصوصیتِ قرآنیہ کو کوئی متکلم اس سے ساقط نہیں کرسکتا اھ۔

علامہ نابلسی نے اس کے جواب میں لکھا۔اور منحۃ الخالق میں علامہ شامی نے بھی ان کا اتباع کیا۔ کہ: جب وہ اس کے پڑھنے میں قرآن کا قصد نہیں کرے گا تو اس کی وہ خصوصیات نہ رہ جائیں گی جنہیں بروئے کار لانے سے تمام مخلوقات عاجز ہیں اس لئے کہ ان خصوصیات میں قصد کا اعتبار ہے یا تو تفصیلاً ہو جو بلیغ کا کام ہے۔ یا اجمالاً ہو اس طرح کہ اس کا کلام بھی ویسا ہوجائے جیسا وہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہاں دونوں باتیں نہیں ہیں اھ۔

بخدا اس جواب کو ذکر کردینا ہی اس کا منصف ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے۔ حیرت ہے کہ جب تک وہ کلام اپنے نظم پر برقرار ہے اس کی لازمی، واقعی، ثابت شدہ خصوصیات محض اتنے سے کیوں کر ختم ہوجائیں گی کہ قاری نے اس کلام کے متکلم کی جانب انتساب سے اپنی نیت پھیرلی؟ اس پر تو محقق حلبی نے اپنی بحث ہی

[1] البحر الرائق کتاب الطھارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطھارۃ باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۹

فی بحثه فلم یلتفت الیه العلامة واعاد الکلام من دون جواب ولاالمام۔

واقول: فی [ف۱] الحل وجود المزایا بثبوتها الواقعی وظھورها بالعلم تفصیلا اواجمالا کما وصفتم وبھمایتم امرالتحدی وکلاھما حاصل حینئذ اذما قصد الاخذ الا ماھو قراٰن وما احدث الا صرف النیة ولا صرف الابعد العلم ولا علم ینتقی بالصرف۔

وایضا لوفات [ف۲] المزایا المعجزة للخلق بصرف القصد لوجب فوت عجزھم وھو باطل بداھة۔

وکذا ماجاب النھر وتبعه فی ردالمحتار بان کونه قراٰنا فی الاصل لایمنع من اخراجه عن القراٰنیة بالقصد[1] اھ وقد کان

میں تنبیہ کردی تھی مگر علامہ نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور وہی بات دہرادی نہ اس کا جواب دیا نہ جواب کے قریب گئے۔

واقول: حل مسئلہ سے متعلق میں عرض گزار ہوں۔ خصوصیات کا وجود توان کے ثبوت واقعی سے ہوتا ہے اوران کا ظہور ان کے تفصیلی یا اجمالی علم سے ہوتا ہے جیساکہ آپ نے بیان کیا۔ اورکار تحدی ان دونوں ہی سے مکمل ہوتا ہے۔اور دونوں اس صورت میں حاصل ہیں، اس لئے کہ اس نے اسی سے اخذ کا قصد کیا جو قرآن ہے۔ اور اپنی جانب سے کچھ نہ کیا سوا اس کے کہ نیت پھیر دی۔اور پھیرنا علم کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور پھیرنے سے علم ختم نہیں ہوجاتا۔

یہ بھی ہے کہ قصد پھیرنے کی وجہ سے اگر مخلوق کو عاجز کردینے والی خصوصیات ختم ہوجاتیں توضروری تھاکہ اس سے ان کی عاجزی بھی ختم ہوجاتی،اور یہ بداہۃً باطل ہے۔

اسی طرح اس جواب کا بھی ضعف واضح ہوگیا جو صاحبِ نہر نے پیش کیا۔اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں ان کا اتباع کیا۔ کہ اصل میں اس کا قرآن ہونا اس سے مانع نہیں کہ قصد کے باعث وہ قرآنیت سے خارج ہوجائے اھ۔

ف۱:تطفل آخر علیھما۔ ف۲:تطفل ثالث علیھما۔

[1] النہر الفائق کتاب الطہارۃ باب الحیض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳، ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۶

اتی المحقق علی هذا ایضاً کما سمعت اما نحن فقد ف۱ وضحنا باحسن وجه ان لااثر للقصد فی تغییرا الحقائق	محقق نے اپنے کلام میں اس کا بھی اشارہ دے دیا تھا جیسا کہ پیش ہوا۔اور ہم نے تو بہت اچھی طرح واضح کردیا کہ قصد میں یہ تاثیر قطعًا نہیں ہوتی کہ وہ حقائق واقعیہ کو تبدیل کردے۔
وکذا ماتقدم من تمسك الغنیة ان ماعلی وجه الدعاء لیس بقراٰن لان الاعمال بالنیات[1] الخ	**اسی طرح** اس کی کمزوری بھی عیاں ہوگئی جس نے غنیہ سے استناد کیا کہ "جو بطورِ دعا ہو وہ قرآن نہیں اس لئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے الخ" جیسا کہ گزرا۔
اقول: نعم لایثاب ف۲ ثواب التلاوت من نواه دعاء لکن القراٰن کیف ینسلح عن القراٰنیة مع بقاء النظم المتحدی به واذا لقصد الی الاخذ منه فمجرد صرف النیة کیف یزیل التعظیم الواجب علیه فان صرفها عن شیئ مع العلم به انکان له اثر ففی حرمان الصارف عما هو له دون اسقاط ماهو علیه وبالجملة لیس فی شیئ من هذه مایغنی من جوع۔	**اقول:** ہاں جس نے دعا کا قصد کیا اسے تلاوت کا ثواب نہیں ملے گا لیکن جس نظم کے ذریعہ تحدّی ہوئی ہے اس کے برقرار رہتے ہوئے قرآن سے قرآنیت کیونکر نکل جائے جب کہ قرآن ہی سے اخذ کا قصد بھی موجود ہے، تو محض نیت کے پھیر دینے سے وہ اس تعظیم کو کیسے ختم کردے گا جو اس کے ذمہ واجب تھی۔اس لئے کہ کسی چیز کو جانتے ہوئے اس سے نیت پھیر لینے کا اگر کوئی اثر ہوسکتا ہے تو یہی کہ اس میں اس کا جو فائدہ تھا اس سے وہ محروم ہوجائے نہ یہ کہ اس پر جو لازم تھا وہ بھی اس سے ساقط ہوجائے۔الحاصل ان میں سے کسی میں کوئی کارآمد بات نہیں۔
ثم اقول: عساك ف۳ ایقنت مما	**ثم اقول:** امید ہے کہ ناظر کو ہمارے

ف۱: تطفل علی النهر ورابع علی ش۔

ف۲: تطفل علی الغنیة۔

ف۳: تطفل علی الحلیة۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قراءۃ القرآن للجنب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷

القيت عليك ان المناط هو ان يعمد الى القراٰن فياخذ من نظمه ويقرأه على نية غيره سواء كان قدر ما وقع به التحدى اولا فان القليل والكثير من الكلام العزيز سواء فى وجوب الادب والتعظيم اما سمعت الى قول حبر الامة سيدنا عبد الله بن عباس رضى الله تعالٰى عنهما ليس شيئ من القرآن بقليل فتخصيص المحقق الكلام بما تحدى به ليس فى محله، ولا يتوقف ف عليه كونه قرآنا حقيقة وحكما ولفظا ومعنًى كما يوهمه كلامه نعم لزوم الخصوصية القراٰنية يختص بذلك لاستحالة جريانه على اللسان اتفاقا دون مادونه كما علم من موافقات الفرقان والفاروق رضى الله تعالٰى عنه وقوله عند سماع اية اطوار الخلق ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾[1] فنزل كذلك لكن اسمعناك ان لاحاجة اليه بعد تعمد الاخذ من القراٰن العظيم فهو	بیان سابق سے اس بات کا بھی یقین حاصل ہوچکا ہوگا کہ مدار اس پر ہے کہ قرآن کی طرف توجہ کرکے اس کے نظم سے کچھ اخذ کرے اور اسے غیر قرآن کی نیت سے پڑھے، خواہ وہ اس مقدار میں ہو جس سے تحدی ہوئی ہے یا نہ ہو اس لئے کہ وجوب ادب و تعظیم کے معاملہ میں کلام عزیز کے قلیل و کثیر کا حکم ایک ہے۔ آپ سن چکے کہ حبر اُمت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: قرآن میں سے کچھ بھی قلیل نہیں۔ تو محقق حلبی نے اپنی گفتگو جو مقدار تحدی سے خاص فرمائی وہ بے محل ہے۔ اور اس کا حقیقۃً، حکمًا، لفظًا، معنًی قرآن ہونا اس پر موقوف بھی نہیں جیسا کہ ان کے کلام سے وہم ہوتا ہے۔ ہاں خصوصیت قرآنیہ مقدار تحدی ہی کو لازم ہے اس لئے کہ اسی مقدار کا زبان پر اتفاقًا جاری ہوجانا محال ہے اس سے کم کا نہیں۔ جیسا کہ فرقان اور جناب فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے موافقات سے معلوم ہے اور اس سے بھی کہ جب تخلیق کے مراحل کے ذکر پر مشتمل آیت مبارکہ سُنی تو کہہ دیا "﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ﴾" پھر ایسا ہی نازل بھی ہوا۔ لیکن ہم بتاچکے کہ جب خود اس کے دل میں قرآن عظیم سے اخذ کا قصد موجود ہے تو تحدی والی گفتگو

ف: تطفل اخر عليها۔

[1] القرآن الکریم ۲۳ / ۱۴

بما فی نفسه علیم فافهم وتثبت۔	کی یہاں کوئی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ اسے اپنے دل کی بات کا خود ہی علم حاصل ہے، تو اسے سمجھو اور ثابت قدم رہو۔(ت)

تو واجب تھا کہ سورہ فاتحہ وآیۃ الکرسی بالائے سر فقط الحمدلله یاسبحٰن الله یالاالٰہ الا الله بھی جُنب کو جائز نہ ہو جبکہ ان میں اخذ عن القرآن کا قصد کرے اگرچہ نیت قرآن سے پھیر کر غیر قرآن کی کرلے، مگر شرع مطہر نے لحاظ فرمایا کہ مسلمان ہر وقت ہر حال میں اپنے رب جل وعلا کے ذکر وثنا اور اُس سے سوال ودعا کا محتاج ہے اور ثنائے الٰہی وہی اتم واکمل ہے جو خود اُس نے اپنے نفس کریم پر کی رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك[1]۔	الٰہی! میں تیری تعریف نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسی تُو نے خود اپنی ثنا کی۔

یوں ہی جو دعائیں قرآن عظیم نے تعلیم فرمائیں بندہ اُن کی مثال کہاں سے لاسکتا ہے رحمت شریعت نے نہ چاہا کہ بندہ ان خزائن بے مثال سے روکا جائے علی الخصوص حیض ونفاس والیاں جن کی تہائی عمر انہیں عوارض میں گزرتی ہے لہٰذا یہاں بہ تبدیل نیت اجازت فرمائی جسے بسم الله الرحمن الرحیم بہ نیت افتتاح کہنے کے جواز پر علماء نے ظاہر کردیا اس کی نظیر یہ ہے کہ نماز فـمیں کسی کلام سے اگرچہ آیت یا ذکر الٰہی ہو ایسے معنی کا افادہ جو اعمال نماز سے باہر ہے مفسد نماز ہے مثلاً کسی خوشی کی خبر کے جواب میں کہا الحمدلله رب العٰلمین یا خبر غم کے جواب میں انا لله وانا الیه راجعون یا کسی نے پوچھا فلاں شخص کیسا ہے اُس کی خوبی بتانے کو کہا سبحان الله نماز جاتی رہے گی مگر کسی شخص نے آواز دی اور اس نے یہ جتانے کو کہ میں نماز پڑھتا ہوں لا اله الا الله یاسبحٰن الله یا اس کے مثل

فـ: مسئلہ: نماز میں اگر کسی آیت یا ذکر الٰہی سے کسی شخص کو خطاب یا بات کا جواب چاہے گا مثلاً بقصد جواب خوشی کی خبر پر الحمدلله رنج کی خبر پر انا لله وانا الیه راجعون کہا نماز جاتی رہے گی ہاں اگر کسی نے پکارا اسے یہ جتانے کے لئے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں سبحان الله یالااله الا الله وغیرہ کہا نماز نہ جائے گی۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب القنوت فی الوتر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۲

ذکر یا قرآن عظیم سے کچھ کہا نماز نہ جائے گی کہ شرع مطہر نے اس حاجت کے دفع کو اتنے کی اجازت عطا فرمادی، در مختار میں ہے:

یفسدها جواب خبر سوء بالاسترجاع [1]۔	خبر بد کے جواب میں انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

اراد اعلامه بانه فی الصلاۃ لاتفسد اتفاقا ابن ملك وملتقی [2]۔	اگر یہ بتانے کا ارادہ ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں تو اس سے نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی، ابن ملک وملتقی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لواجاب رجلا فی الصلاۃ بلا الٰه الا اللہ فهذا کلام مفسدوان اراد اعلامه انه فی الصلاۃ لم تفسد بالاجماع لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا نابت احدکم نائبة فی الصلٰوۃ فلیسبح اھ [3]۔ **اقول:** فبهذا ظهر الجواب عن بحث الحلیة وللہ الحمد ومحصله ان ذلك مستثنی بالاذن الشرعی کما استثنی به قصد الاعلام بانه فی الصلاۃ مع تحقق المعنی	اگر اندرونِ نماز لا الٰه الا اللہ کہہ کر کسی کو جواب دیا تو یہ کلام مفسدِ نماز ہے اور اگر اپنے اندرونِ نماز ہونے سے اس کو آگاہ کرنا مقصود ہے تو بالاجماع نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ حضور کا ارشاد ہے: جب تم میں سے کسی کو نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے تو سبحان اللہ کہے اھ۔(ت) **اقول:** تو اسی سے بحث حلیہ کا جواب ظاہر ہوگیا۔ وللہ الحمد۔ اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ باذنِ شریعت مستثنیٰ ہے جیسے باذن شرعی اپنے مشغولِ نماز ہونے کو بتانے کا قصد مستثنیٰ ہے باوجودیکہ معنی مفسد قطعًا متحقق ہے، وہ ہے

[1] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلٰوۃ ومایکرہ فیھا مطبع مجتبائی دہلی ۸۹/۱
[2] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلٰوۃ ومایکرہ فیھا مطبع مجتبائی دہلی ۸۹/۱
[3] الہدایۃ کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصّلٰوۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱۱۶/۱

المفسد قطعاً وھو افادۃ معنی لیس من اعمال الصلاۃ فافھم وتثبت۔	ایسے معنی کا افادہ جو اعمال نماز سے نہیں ۔ تو اسے سمجھو اور ثابت قدم رہو۔(ت)

اور جب حاجت اکملیت ذکر ودعا کا لحاظ فرمایا تو حاجت تعلیم قرآن تو اُس سے اہم ہے خصوصًا حائض کیلئے کہ اس کا زمانہ ممتد ہے:

حتی ان مالکا اباح لھا التلاوۃ لھذا وبہ فرق بینھا وبین الجنب۔	(یہاں تک کہ اسی وجہ سے امام مالک نے اس کے لئے تلاوت جائز کہی، اور اسی سے اس میں اور جنب میں فرق کیا۔(ت)

مگر یہ حاجت ایک ایک کلمہ سکھانے سے پوری ہو جاتی ہے اور شک نہیں کہ وہ بہ نسبت مرکبات صورت نظم قرآنی سے دور تر ہے لہٰذا اسی قدر کی اجازت ہوئی۔

وقد اشار الامام الفقیہ ابو اللیث فی شرح الجامع الصغیر الی ان اباحۃ التعلیم لاجل العذر کما فی الحلیۃ وعبر فی محیط السرخسی بالعذر والضرورۃ کما فیھا ایضا۔ **اقول:** وبما ف قررت وذکرت من حدیث اعلام الصّلاۃ مع عدم الضرورۃ بالمعنی الحقیقی ومن اعتبار الشرع حاجۃ الجنب فی الدعاء مع تمکنہ من الاغتسال بل ومن الدعاء بالفاظ اُخر بخلاف التعلیم ینفتح الجواب عن ایرادی الحلیۃ علی مسألۃ التعلیم بقولہ لایخفی	امام فقیہ ابو اللیث نے شرح جامع صغیر میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ تعلیم کا جواز عذر کی وجہ سے ہے۔ جیساکہ حلیہ میں نقل کیا۔اور محیط سرخسی کی تعبیر یہ ہے کہ "عذر و ضرورت کی وجہ سے ہے"۔اسے بھی حلیہ میں نقل کیا۔ **اقول:** میری تقریر سابق سے اور اس بیان سے کہ اپنے مشغول نماز ہونے کو مذکورہ کلمات سے بتاسکتا ہے جب کہ یہاں ضرورت بمعنی حقیقی موجود نہیں۔اور یہ کہ شریعت نے دُعا کے معاملہ میں جنب کی حاجت کا لحاظ کیا ہے حالاں کہ وہ غسل کرسکتا ہے بلکہ دوسرے الفاظ سے دعا بھی کرسکتا ہے۔ بخلاف تعلیم کے۔(اس تقریر وبیان سے) صاحبِ حلیہ کے دو اعتراضوں کا جواب منکشف ہوجاتا ہے

ف: تطفل رابع وخامس علیھا۔

مافيه بالنسبة الى الجُنب ثم مافي كون هذا الاحتياج مبيحا لذلك [1] اھ فافهم واعلم والله اعلم۔	جوانہوں نے مسئلہ تعلیم سے متعلق ان الفاظ میں پیش کئے ہیں کہ: اس مسئلہ میں جنب کی بہ نسبت جو خامی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ پھر اس کے لئے تعلیماً کلمہ قرآن پڑھنے کے حکم میں اس ضرورت کے باعث اباحت ہونے میں جو کلام ہے وہ بھی مخفی نہیں اھ۔ تو اسے سمجھو اور جانو۔ واللہ اعلم۔ (ت)

ظاہر ہے کہ ان کے ماورا مثل قصص وغیرہا میں نہ تو حاجت ہے نہ وہ دُعا وثنا کے معنے ہیں کہ ان سے ملحق ہو سکیں تو بعد قصد قرآن پھر تبدیل نیت وہی شہد کو دانستہ نمک ٹھہرا کر کھانا ہوگا تو حکم ممانعت ہی چاہئے جب تک شرع سے اجازت ثابت نہ ہو اور وہ کہیں ثابت نہیں۔ معہذا اگر مطلق تبدیل نیت کی اجازت ہو تو جو کلام طویل قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں مقبولوں یا دشمنوں سے نقل فرمائے اور دُور تک ان کا سلسلہ چلا گیا ہے جیسے سورہ نوح علیہ الصّلوٰۃ والسّلام میں قال چھوڑ کر رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا ۙ﴿۵﴾ سے لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ [2] تک سولہ ۱۶ آیتیں متواتر، اور سورہ جن میں اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ سے وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾ [3] تک پندرہ آیتیں، اور سورہ لقمان میں یٰبُنَیَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ سے اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ﴿۱۹﴾ [4] تک چار ۴ طویل آیتیں کہ ہر ایک تین ۳ آیت کی مقدار سے زائد ہے اور سورہ اسرا میں وقالوا چھوڑ کر لَنْ نُّؤْمِنَ سے كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ [5] تک اس نیت سے کہ یہ نوح ولقمان وجن وکفار کے کلام ہیں پڑھ سکے بلکہ تمام سورہ یوسف علیہ الصّلوٰۃ والسلام شروع سورت کے اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ سے گیارھویں رکوع کے اواخر وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ [6] تک جس کی مقدار نصف پارہ قرآن عظیم سے بھی زائد ہے بحالِ جنابت بہ نیت حکایت قصّہ پڑھ جائے اور جائز ہو صرف بیچ بیچ میں سے چند جملے جو قرآنیت کیلئے متعین ہیں ترک کردے یعنی رکوع دوم میں وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ [7] نصف آیت سوم میں وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا سے نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ [8] تک کچھ کم دو آیتیں، پھر كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ [9] نصف آیت ہفتم میں

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] القرآن الکریم ۷۱/۵تا۲۰
[3] القرآن الکریم ۷۲/۱تا۱۵
[4] القرآن الکریم ۳۱/۱۶تا۱۹
[5] القرآن الکریم ۱۷/۹۰تا۹۳
[6] القرآن الکریم ۱۲/۴تا۱۰۱
[7] القرآن الکریم ۱۲/۱۵
[8] القرآن الکریم ۱۲/۲۱و۲۲
[9] القرآن الکریم ۱۲/۲۴

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا[1] ایک آیت ہشتم میں وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ[2] تہائی آیت نہم میں كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَؕ اور نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُؕ[3] چہارم آیت وبس جس کی مقدار چورانوے ۹۴ آیت طویل ہوئی یہ کس قدر مستبعد اور قرآن عظیم کے ادب سے جدا وابعد ہے تو سوا اُن صور استثناء کے مطلقاً ممانعت چاہئے اور ف۱ حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ بہ نیت قرآن ایک حرف بھی روا نہیں اور جو الفاظ اپنے کلام میں زبان پر آجائیں اور بے قصد موافقت اتفاقاً کلمات قرآنیہ سے متفق ہوجائیں زیر حکم نہیں اور قرآن عظیم کا خیال کرکے بے نیت قرآن ادا کرنا چاہئے تو صرف دو صورتوں میں اجازت ایک یہ کہ آیات دعا و ثنا بہ نیت ودعا و ثنا پڑھے دوسرے یہ کہ بحاجتِ تعلیم ایک ایک کلمہ مثلاً اس نیت سے کہ یہ زبان عرب کے الفاظ مفردہ ہیں کہتا جائے اور ہر دو لفظ میں فصل کرے متواتر نہ کہے کہ عبارت منتظم ہوجائے کما نصوا علیہ ان کے سوا کسی صورت میں اجازت نہیں (جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)

ھذا ماظھرلی وارجوا نیکون صوابا وباللہ التوفیق وللہ الحمدا بدا۔	یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور امید رکھتاہوں کہ درست ہو، اور خدا ہی سے توفیق ہے اور اللہ ہی کے لئے ہمیشہ حمد ہے۔(ت)

تنبیہ ۲: اقول: تمام کتب ف۲ میں آیات ثنا کو مطلق چھوڑا اور اس میں ایک قید ضروری ہے کہ ضروری یعنی بدیہی ہونے کے سبب علماء نے ذکر نہ فرمائی وہ آیاتِ ثنا جن میں رب عزّوجل نے بصیغہ متکلم اپنی حمد فرمائی جیسے وانی لغفار لمن تاب اُن کو بہ نیت ثنا بھی پڑھنا حرام ہے کہ وہ قرآنیت کیلئے متعین ہیں بندہ اُنہیں میں انشائے ثنا کی نیت کرسکتا ہے جن میں ثنا بصیغہ غیبت یا خطاب ہے۔

تنبیہ ۳: اقول: یہاں ف۳ ایک اور نکتہ ہے بعض آیتیں یا سورتیں ایسی ہی دعا و ثنا ہیں کہ بندہ ان کی

ف۱: **مسئلہ:** ان مسائل کا خلاصہ حکم جامع و منقح۔

ف۲: **مسئلہ:** جنب کو وہ آیات ثنا بہ نیت ثنا بھی پڑھنا حرام ہے جن میں رب عزوجل نے اپنے لئے متکلم کی ضمیریں ذکر فرمائیں

ف۳: **مسئلہ:** جن آیات دعا و ثنا کے اول میں قل ہے ان میں جنب یہ لفظ چھوڑ کر بہ نیت دعا پڑھے ورنہ جائز نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/۵۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۲/۷۶

انشا کر سکتا ہے بلکہ بندہ کو اسی لئے تعلیم فرمائی گئی ہیں مگر اُن کے آغاز میں لفظ قل ہے جیسے تینوں قل اور کریمہ قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ[1] ان میں سے یہ لفظ چھوڑ کر پڑھے کہ اگر اس سے امر الٰہی مراد لیتا ہے تو وہ عین قرات ہے اور اگر یہ تاویل کرے کہ خود اپنے نفس کی طرف خطاب کرکے کہتا ہے قل اس طرح کہہ یوں ثنا و دعا کر۔ تو یہ امر بدعا و ثنا ہوا نہ دعا و ثنا اور شرع سے اجازت اس کی ثابت ہوئی ہے نہ اُس کی۔

تنبیہ ۴: اقول: یوں ہی فـ۱ وہ ادعیہ واذکار جن میں حروف مقطعات ہیں مثلاً صبح فـ۲ وشام کی دُعاؤں میں آیۃ الکرسی کے ساتھ سورہ غافر کا آغاز حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ۙ ذِی الطَّوْلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ اِلَیْہِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾[2] تک پڑھنے کو حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جو صبح پڑھے شام تک ہر بلا سے محفوظ رہے اور شام پڑھے تو صبح تک رواہ الترمذی[3] والبزار وابنا نصر ومردویہ والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحال جنابت اسے نہیں پڑھ سکتا ہے کہ حروف مقطعات کے معنے اللہ ورسول ہی جانتے ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا معلوم کہ وہ ایسا کلام ہو جس کے ساتھ غیر خدا بے حکایت کلام الٰہی تکلم نہ کر سکتا ہو۔ معہذا اجازت صرف دعا و ثنا کی ہے کیا معلوم کہ ان کے معنے میں کچھ اور بھی ہو واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ ۵: اقول: ہماری اُس تقریر سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوگیا کہ جن آیات فـ۳ میں بندہ دعا و ثنا کی نیت نہیں کر سکتا بحال جنابت وحیض انہیں بطور عمل بھی نہیں پڑھ سکتا مثلاً تفریق اعدا کے لئے سورہ تبت نہ کہ سورہ کوثر کہ بوجہ ضمائر متکلم انا اعطینا قرآنیت کے لئے متعین ہے۔

فـ۱: **مسئلہ:** اسے حروف مقطعات والی دعا کی بھی اجازت نہیں۔

فـ۲: بلاؤں سے محفوظی کی دعا۔

فـ۳: **مسئلہ:** جن آیات میں خالص دعا و ثنا نہیں انہیں جنب یا حائض بہ نیت عمل بھی نہیں پڑھ سکتے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳ /۲۶

[2] القرآن ۴۰/ ۱تا ۳

[3] الدر المنثور بحوالہ الترمذی والبزار ومحمد بن نصر الخ تحت الایۃ ۴۰/ ۱تا ۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷ / ۲۳۳

عمل میں تین نیتیں ہوتی ہیں یا ۱ تو دعا جیسے حزب البحر، حرزیمانی یا ۲ اللہ عزوجل کے نام وکلام سے کسی مطلب خاص میں استعانت جیسے عمل سورہ یٰس وسورہ مزمل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا ۳ اعداد معینہ خواہ ایام مقدرہ تک اس غرض سے اس کی تکرار کہ عمل میں آجائے حاکم ہوجائے اُس کے موکلات تابع ہوجائیں اس تیسری نیت والے تو بحال جنابت کیا معنے بے وضو پڑھنا بھی روا نہیں رکھتے اور اگر بالفرض کوئی جرات کرے بھی تو اس نیت ف۱ سے وہ آیت وسورت بھی جائز نہیں ہوسکتی۔ جس میں صرف معنی دعا وثنا ہی ہے کہ اولا یہ نیت نیت دعا وثنا نہیں، ثانیًا اس میں خود آیت وسورت ہی کہ تکرار مقصود ہوتی ہے کہ اس کے خدام مطیع ہوں تو نیت قرآنیت اُس میں لازم ہے۔ رہیں پہلی دو نیتیں جب وہ آیات معنی دعا سے خالی ہیں تو نیت اولٰی ناممکن اور نیت ثانیہ عین نیت قرآن ہے اور بقصد قرآن اُسے ایک حرف روا نہیں۔

تنبیہ ۶: یہی حکم دم کرنے کیلئے پڑھنے ف۲ کا ہے کہ طلب شفا کی نیت تغییر قرآن نہیں کرسکتی آخر قرآن ہی سے تو شفا چاہ رہا ہے کون کہے گا کہ **اَنَّمَا اَفَحَسِبْتُمْ** ف۳ **خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا**[1] تا آخری سورت عہ مصروع ومجنون کے کان میں جنب پڑھ سکتا ہے ہاں جس آیت یا سورت میں خالص معنی دعا وثنا بصیغہ غیبت وخطاب

عہ: حدیث میں ہے کہ کوئی آسیب زدہ یا مجنون تھا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے کان میں یہی آیتیں پڑھیں وہ فورًا اچھا ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے کان میں کیا پڑھا؟ انہوں نے عرض کیا فرمایا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ سچے یقین والا اگر ان آیتوں کو پہاڑ پر پڑھے تو اُسے جگہ سے ہٹادے گا اخرجہ الامام الحکیم الترمذی[2] وابو یعلی وابن حاتم وابن السنی وابو نعیم فی الحلیۃ وابن مردویہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ

ف۱: مسئلہ صرف عمل میں لانے کی نیت سے جنب وحائض خالص آیات دعا وثنا بھی نہیں پڑھ سکتے۔

ف۲: مسئلہ دم کرنے کے لئے بھی جنب وہی خالص آیات دعا وثنا بے نیت قرآن خاص بہ نیت دعا وثنا ہی پڑھ سکتا ہے

ف۳: آسیب زدہ ومصروع ومجنون کا علاج۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۳ / ۱۱۵

[2] الدر المنثور بحوالہ الحکیم و ابی یعلی وابن ابی حاتم وغیرہم تحت الآیۃ ۲۳ / ۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶ / ۱۱۴

ہوں اور اُس کے اول میں قُل بھی نہ ہو نہ اُس میں حروف مقطعات ہوں اور اس سے قرآن عظیم کی نیت بھی نہ کرے بلکہ دعا و ثنا کی برکت سے طلب شفا کرنے کیلئے اس پر دم کرے تو روا ہے۔

تنبیہ۷: علمت ف مما القيت عليك ان التغير بنية الدعاء والثناء دون نية الاستشفاء ووقع فی ش نقلا عن سیدی عبدالغنی قدس سره ما یوهم خلافه اذقال الهيكل والحمائلی المشتمل علی الایات القرانية اذا كان غلافه منفصلا عنه كالمشمع ونحوه جاز دخول الخلأ به ومسه وحمله للجنب ویستفاد منه ان ماكتب من الايات بنية الدعاء والثناء لایخرج عن كونه قرانا بخلاف قراء ته بهذه النية فالنية تعمل فی تغییر المنطوق لاالمكتوب[1] اھ ومبناه كما تری علی فهم ان نية الاستشفاء مغيرة كنية الدعاء ولم تعمل فی المكتوب فكذلك نية الدعاء اونقول الاستشفاء من باب الدعاء فنيته نيته۔	ہمارے بیان سابق سے واضح ہوا کہ تغیر دعا و ثنا کی نیت سے ہوتا ہے شفا طلبی کی نیت سے نہیں ہوتا۔ اور شامی میں سیدی عبدالغنی قدس سرہ سے نقل کرتے ہوئے وہ لکھا ہے جس سے اس کے خلاف وہم پیدا کرتا ہے وہ لکھتے ہیں: جو تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہو اگر اس کا خول اس سے الگ ہو۔ جیسے وہ جو موم جامہ وغیرہ کے اندر ہوتا ہے۔ تو اسے لے کر بیت الخلا میں جانا اور جنب کے لئے اُسے چھونا اور لینا جائز ہے۔ اور اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو آیات بہ نیت دعا و ثنا لکھی گئی ہوں وہ قرآنیت سے خارج نہ ہوں گی بخلاف اُن کے جو اس نیت سے پڑھی جائیں تو نیت منطوق کی تبدیلی میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب کی تبدیلی میں نہیں اھ۔ جیسا کہ پیشِ نظر ہے اس کی بنیاد یہ سمجھنے پر ہے کہ نیتِ دعا کی طرح شفا طلبی کی نیت سے بھی تبدیلی ہوتی ہے اور یہ نیت مکتوب میں اثر انداز نہیں ہوتی تو یہی حکم نیتِ دعا کا بھی ہے یا یوں کہیں کہ شفا طلبی بھی دعا ہی کے باب سے ہے تو شفا طلبی کی نیت

ف: مسئلہ: فقط شفا لینے کی نیت قرآن مجید کو قرآنیت سے خارج نہیں کرسکتی۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ قبیل باب المیاہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۱۹

واقول: لیس فـ۱ الامر کذا فمعنی القرأة بنیة الدعاء ان یکون الکلام نفسه دعاء فیرید به انشاءه لاتلاوة الکلام العزیز والاستشفاء دعاء معنوی لایجعل اللفظ بمعنی الدعاء فلیس هومن بابه ولا تغییر ایضا فان الذی یقراء اویکتب مستشفیا متبرکا فانما یرید التبرک والاستشفاء بالکلام العزیز لاانه یخرجه عن القراٰنیة ثم یستشفی بغیر القراٰن ولو کانت فـ تغیر لجاز ان یقرأ الجنب القراٰن ولو کانت فـ۲ تغیر لجاز ان یقرأ الجنب القراٰن کله بنیة الشفاء فان القراٰن من اوله الی اخره نور وھدی وشفاء وھذا لایسوغ ان یقول به احد وبالجملة فالمنوی فی الرقیة هو القراٰن نفسه لاغیره الا تری فـ۳ ان بعض الصحابة رضی الله تعالی عنهم لمارقی السلیم بالفاتحة علی شاة وجاء بها الی اصحابه کرهوا ذالك وقالوا اخذت علی کتاب الله اجرا حتی قدموا المدینة فقالوا یارسول الله اخذ علی کتاب الله اجرا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم

بھی نیتِ دُعا ہی ہے۔ **واقول:** اور معاملہ ایسا نہیں کیوں کہ بہ نیتِ دعا پڑھنے کا معنی یہ ہے کہ کلام خود دعا ہو اور اس سے بجائے تلاوت کے انشائے دُعا کا قصد کرے۔اور شفا طلبی تو معنوی دعا ہے جو لفظ کو دُعا کے معنی پر مشتمل نہیں کردیتی لہٰذا وہ اس دعا کے باب سے نہیں۔ اور تبدیلی بھی نہیں اس لئے کہ جو شفا وبرکت حاصل کرنے کے لئے پڑھتا ہے وہ کلامِ عزیز ہی سے شفا حاصل کرنا چاہتا ہے یہ نہیں کہ اسے قرآنیت سے خارج کرلیتا ہے پھر غیر قرآن سے شفا کا طالب ہوتا ہے۔ اگر یہ نیت تبدیلی لانے والی ہو تو جائز ہوگا کہ جنب پورا قرآن بہ نیت شفا پڑھ جائے اس لئے کہ قرآن شروع سے آخر تک سبھی نور وہدایت اور شفا ہے۔اور اس جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہوسکتا۔الحاصل تعویذ میں خود قرآن ہی مقصود ہوتا ہے غیر قرآن مقصود نہیں ہوتا۔ دیکھئے ایک صحابی نے کچھ بکریاں لینے کی شرط پر جب سانپ کاٹے شخص کو سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور بکریاں اپنے ساتھیوں کے پاس لائے تو انہوں نے اسے مکروہ وناپسند سمجھا اور کہا کہ تم نے کتاب اللہ پر اجرت حاصل کی، یہاں تک کہ ان حضرات نے مدینہ حاضر ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے کتاب اللہ پر اُجرت لی ہے۔ تو رسول اللہ

فـ۱: تطفل علی سیدی عبد الغنی و ش۔ فـ۲: تطفل اخر علیھما۔ فـ۳: تطفل ثالث علیھما۔

ان احق مااخذتم علیه اجرا کتاب [1] الله کما فی الجامع الصحیح عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فلم یخرج الاسترقاء الفاتحة عن کونها کتاب الله مع انها تصلح للدعاء والثناء فکیف بمالا یصلح لهما۔	نے فرمایا: جن پر تم اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کا ہے جیسا کہ بخاری کی جامع صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے تو تعویذ بنانے اور دم کرنے سے سورہ فاتحہ کتاب اللہ ہونے سے خارج نہ ہوئی جب کہ دعا و ثنا ہونے کی بھی صلاحیت رکھتی ہے تو اس کا کیا حال ہوگا جو دعا و ثنا بننے کے قابل نہیں۔
اما ف۱ ما افاد من ان النیة لاتعمل فی المکتوب **فاقول**: نعم ماکتب قرانا ولو فاتحة لایصح للجنب ان یقول فی نفسه لیس هذا قرانا بل دعاء اویقول لا ارید به قرانا بل دعاءوثناء ثم یمسه اذلا مدخل لارادته فی ظهوره فی هذه الکسوة التی قدتم امرها۔	اور یہ جو افادہ کیا کہ نیت مکتوب میں اثر انداز نہیں ہوتی تو **میں کہتا ہوں** ہاں جسے بطور قرآن لکھا گیا اگرچہ وہ سورہ فاتحہ ہی ہو اس سے متعلق یہ نہیں ہو سکتا کہ جنب اپنے دل میں کہے یہ قرآن نہیں بلکہ دعا ہے یا کہے میں اس سے قرآن کا قصد نہیں بلکہ دعا و ثنا کا قصد کرتا ہوں، پھر اسے مس کرے، اس لئے کہ اس کے ارادہ کا اس حصہ قرآن کے اس لباس میں ظاہر ہونے میں کوئی دخل نہ ہوا اس کا کام تو پہلے ہی انجام پذیر ہو چکا ہے۔
اما ان ینشیئ ف۲ کتابة مثلها	رہی یہ صورت کہ از سر نو وہ اسی طرح لکھے

ف۱: **مسئلہ**: لکھے ہوئے قرآن کو جنب اپنی نیت سے نہیں بدل سکتا مگر سورۃ فاتحہ تنہا کہیں لکھی ہے اس میں یہ نیت کرلے کہ یہ ایک دعا ہے اور اسے ہاتھ لگائے یہ جائز نہیں۔

ف۲: **مسئلہ**: آیات دعا و ثنا کو بہ نیت دعا و ثنا پڑھنے کی اجازت ہے لکھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیئے اگرچہ دعا ہی کی نیت کرے تو جنب وہ تعویذ کسی نیت سے نہ لکھے جس میں آیات قرآنیہ ہوں۔

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب الشرط فی الرقیہ بقطع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴

وینوی الدعاء والثنا فاقول قضیة ماقدمت من التحقیق المنع لان الاذن ورد للحاجة ولا حاجة فی الدعاء والثناء الی الکتابة وما ورد علی خلاف القیاس لایتعداہ وبہ یظھر انہ لایؤذن فی کتابة الرقی بالایات وان تمحضت للدعاء والثناء ونواھما فلیراجع ولیحرر واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔	اور دعاوثنا کی نیت رکھے تومیں کہتا ہوں سابقًا میں نے جو تحقیق رقم کی اس کا تقاضا یہی ہے کہ ممانعت ہو اس لئے کہ اجازت حاجت کے باعث ہوئی ہے اور دعا وثنا میں کتابت کی کوئی حاجت نہیں۔ اور جو امر خلافِ قیاس وارد ہوتا ہے وہ اپنی جگہ سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اسی سے ظاہر ہے کہ جنب کوآیات کے تعویذات لکھنے کی اجازت نہ ہوگی اگرچہ وہ خالص دُعاوثناپر ہی مشتمل ہوں اور دُعا وثناہی کی نیت بھی ہو۔ اس بارے میں مزید مراجعت کی جائے اور اس کا حکم واضح کرلیا جائے۔ اور خدائے پاک وبرتر ہی کو خوب علم ہے۔

تنبیہ مہم ف۔ یہ کہ ہم نے سلسلہ کلام میں اوپر ذکر کیا کہ غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی وگناہ کی نسبت حرام ہے۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اسے کفر بتایا، مولٰی کو شایان ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے فرمائے دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدّی کے پیچھے سے کھینچی جائے للہ المثل الاعلی بلاتشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے ادب دینے جزم وعزم واحتیاط اتم سکھانے کیلئے مثلًا بیہودہ نالائق احمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا باپ کو اس کا اختیار تھا اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے، حاشا اگر کہے گا سخت گستاخ ومردود وناسزا ومستحق عذاب وتعزیر وسزا ہوگا، جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کرکے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں ایسے لفظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید ومدید عذابِ جہنم وغضب الٰہی کا مستحق نہ ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام عبداللہ قرطبی تفسیر میں زیر قولہ تعالٰی وَطَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡہِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّۃِ [1]

ف: فائدہ ضروریہ: تلاوت قرآن یا قراءت حدیث کے سوا اپنی طرف سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام خواہ کسی نبی کو معصیت کی طرف منسوب کرنا سخت حرام ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۲۱/۲۰

اورآدم وحوااپنے جسم پر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ت) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال القاضی ابو بکر بن العربی رحمه الله تعالیٰ لایجوز لاحدمنا الیوم ان یخبر بذلك عن اٰدم علیه الصّلاة والسّلام الا اذا ذکرناه فی اثنأ قوله تعالی عنه اوقول نبیه صلی الله تعالی علیه وسلم فاما ان نبتدئ ذالك من قبل انفسنا فلیس بجائزلنا فی ابائها الاٰدنین الینا المما ثلین لنا فکیف بابین الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی الله تعالی علیه وسلم وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین[1]۔	قاضی ابو بکرابن العربی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ: آج ہم میں سے کسی کے لئے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق یہ کہنا جائز نہیں مگر صرف اس صورت میں کہ اسے باری تعالٰی کے کلام یا اس کے نبی کے کلام کے اثناء میں ذکر کریں۔اسے ابتداءً اپنی طرف سے بتانا توہمارے لئے اپنے ان قریبی آباء کے حق میں بھی جائز نہیں جو ہماری ہی طرح ہیں پھران کے حق میں کیوں کر روا ہوگا جوہمارے سب سے پہلے باپ ہیں جو بڑی عظمت وبزرگی والے اور سب سے پہلے نبی بھی ہیں،ان پر اور تمام انبیاء ومرسلین پر خدائے برتر کا درودو سلام ہو۔(ت)

امام ابوعبداللہ محمد بن عبدری ابن الحاج مدخل میں فرماتے ہیں:

قد قال علماؤنا رحمهم الله تعالیٰ ان من قال عن نبی من الانبیاء علیهم الصّلاة والسلام فی غیر التلاوة والحدیث انه عصٰی اوخالف فقد کفر نعوذ بالله من ذلك[2]۔	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ جو شخص انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی نبی کے بھی بارے میں غیر تلاوت وحدیث میں یہ کہے کہ انہوں نے نافرمانی یا خلاف ورزی کی تووہ کافرہے،اس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔(ت)

ایسے امور میں سخت احتیاط فرض ہے اللہ تعالٰی اپنے محبوبوں کا حسن ادب عطافرمائے۔آمین

وصلی الله تعالی علی سیدنا محمد واٰله وصحبه اجمعین وبارك وسلم والله سبحنه وتعالی اعلم

---

[1] الجامع للاحکام القرآن تحت الآیہ ۲۰ / ۱۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۱ / ۱۲۹،مدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیروت ۱۶/۲

[2] مدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیروت ۱۵/۲

مآخذومراجع

نام کتاب		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	الام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشیر بابن سینا	۴۲۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایة (بدایة المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراھیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراھیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایة شرح الھدایة	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بھجة الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	ببلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الھمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفة الفقھاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمھید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴_۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابو سعید المعروف ملا جیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابو عیسٰی محمد بن عیسی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابو نصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نور الدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبّی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	ردعلی الجھمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۴۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی ردالمذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۱۔	شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔	شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملامسکین	۹۵۴
۲۵۶۔	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۶۔	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷۔	شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	۹۸۷
۲۶۸۔	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰۔	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱۔	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳۔	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴۔	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵۔	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸۔	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹۔	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰۔	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف بیر کلی	۹۸۱
۲۸۱۔	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲۔	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳۔	العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴۔	عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶۔	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔	عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔	عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔	عقد الفرید	ابو عبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔	عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔	عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔	غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّۃ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصِّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابو عبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابو الحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحی لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الھدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطھور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابو الحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیہ سید المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابو بکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳۔	مصنّف عبد الرزاق	ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲۔	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳۔	م ختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابو العباس عبد الباری العشماوی المالکی	

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوی ناصری) ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاویٰ	ابو الحسنات محمد عبد الحی	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
ھ			
۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
ی			
۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱
	(تفسیر البیضاوی)	ھدیۃ العارفین	۴۶۳/۱
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۴۔	ارشادالساری الی مناسک الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جد الممتار علی رد المحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبد الغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبد القادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

خ

۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابو القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹۔	ذکر الموت	عبد اللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضائلیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغری	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورۃ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰھیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم للموتٰی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللهو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابد منہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
فتاوٰی رضویہ جلد دوم 6
فہرست جلد دوم 9
ابواب و مسائل 9
فہرست ضمنی مسائل 17
باب المیاہ 37
(پانیوں کا بیان) 37
رسالہ 43
فتوی مسمّٰی بہ 43
الطرس المعدل فی حدالماء المستعمل ۱۳۲۰ھ 43
استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (ت) 43
فتوٰی مسمّٰی بہ 113
النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی ۱۳۲۷ھ 113
ملنے والے اور ڈالے گئے پانی کے فرق میں ایک پاکیزہ تحریر (ت) 113
فتوٰی مسمّٰی بہ 286
الھنیئ النمیر فی الماء المستدیر ۱۳۳۴ھ 286
خوشگوار صاف آبِ مستدیر کی تحقیق (ت) 286
رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجھھا وجوفھا فی المساحۃ ۱۳۳۴ھ 322
ان پانیوں کے بارے میں میدان وسیع کرنا جن کی سطح اور گہرائی پیمائش میں برابر نہ ہو (ت) 322
تجدید النظر بوجہ آخر وابانۃ موھواحلی وازھر واجلی واظھر 406
ایک اور طریقہ سے نظرِ ثانی، اور عمدہ، روشن اور اظہر طریقہ پر وضاحت: 406
فتوٰی مسمّٰی بہ 426
ھبۃ الحبیر فی عمق ماء کثیر ۱۳۳۴ھ 426

ابرِ باراں کا عطیہ زیادہ پانی کی گہرائی میں (ت) 426

فتوی مسمّٰی به 452

النور والنورق عـــه **لاسفار الماء المطلق** ۱۳۳۴ھ 452

(آب مطلق کا حکم روشن کرنے کیلئے نور اور رونق) 452

(رساله ضمنیه) عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ 495

(بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عطیہ) 495

مآخذ ومراجع 698

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد ثانی

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور، پاکستان

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد دوم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ________ مفتی سید شجاعت علی قادری، دار العلوم نعیمیہ، کراچی

پیش لفظ ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ ۱_ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲_ مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ

ترتیب فہرست ________ مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ________ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

اشاعت اوّل ________ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ / نومبر ۱۹۹۱ء

تعداد ________ ایک ہزار

صفحات ________ ۷۱۰

مطبع ________ زاہد بشیر پرنٹر، لاہور

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

o پیش لفظ ________________ ۵
o باب المیاہ ________________ ۳۷
o مآخذومراجع ________________ ۶۹۷

فہرست رسائل

o الطرس المعدل ________________ ۴۳ تا ۱۱۲
o النمیقۃ الانقی ________________ ۱۱۳ تا ۲۴۸
o الھنئی النمیر ________________ ۲۸۵ تا ۳۰۸
o رجب الساحۃ ________________ ۳۲۱تا ۴۲۳
o ہبۃ الحبیر ________________ ۴۲۵ تا ۴۴۹
o النور والنورق ________________ ۴۵۱ (یہ رسالہ جلد سوم میں ختم ہوگا)
o عطاء النبی ________________ ۴۹۴ تا ۵۴۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

اس بات پر تمام ارباب علم وفقاہت کا اتفاق ہے کہ متاخرین میں اعلٰیحضرت عظیم المرتبت، سیّاح بادیہ شریعت، سباح بحرِ معرفت امام احمد رضاخان فاضل بریلوی جیسا ماہر فقیہ، مجتہد اور متکلم پورے عالمِ اسلام میں دکھائی نہیں دیتا جبکہ کثرتِ تصنیفات کے اعتبار سے تو متقدمین میں بھی شاید آپ کی نظر نہ مل سکے۔ آپ کے دور اور مابعد کے علما عرب وعجم نے آپ کے تبحرِ علمی اور تعمقِ نظری کا تہِ دل سے اعتراف کیا اور آپ کی تجدیدی، فقہی وکلامی اور تصنیفی وتحقیقی صلاحیتوں کو زبردست خراج تحسین پیش کرتے ہوئے آپ کو ابوحنیفہ ثانی، شامی وغیرہ فقہاء کا استاد، چودھویں صدی کا مجدد اور ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "من یرد اللہ بہ خیرًا یفقھہ فی الدین" کا مظہر قرار دیا۔ یوں تو آپ کی پچاس سے زائد علوم وفنون میں تقریبًا گیارہ سو تصانیف موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک تصنیف تحقیق اور دلائل سے بھرپور ہے۔ مگر "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" المعروف "فتاوٰی رضویہ" آپ کے علمی تبحر اور تفقّہ کا خصوصی شاہکار ہے جو لاکھوں مسائل وجزئیاتِ فقہیہ کا عظیم الشان خزانہ وذخیرہ ہے جن میں ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن کا کسی دوسری کتاب میں یا تو سرے سے وجود ہی نہیں یا پھر اس مضبوط ومربوط انداز سے کہیں اور بیان نہیں ہوئے، ہزارہا صفحات پر مشتمل فتاوٰی رضویہ کے عمدہ ومنفرد اسلوب بیان اور دلائل وبراہین کے تلاطم وتموّج کو دیکھ کر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشت خدائے بخشندہ

ہمہ خوبی وکمال کے باوجود یہ عظیم الشان فقہی شاہکار اب تک محض اس لئے متداول ومعروف نہ ہوسکا کہ اس کی سابقہ تمام اشاعتیں کتابت اور طباعت کے قدیم انداز پر تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ سینکڑوں صفحات عربی وفارسی زبان پر مشتمل ہونے کی وجہ سے عوام تو درکنار خواص وعلماء بھی مشکل ہی سے استفادہ کرپاتے تھے لہٰذا بڑی شدّت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ کوئی ادارہ اس کو ایسے انداز میں پیش کرے کہ

اس کی افادیت سے عوام وخواص سب ہی بہرور ہوسکیں۔ چنانچہ مخدوم اہل سنت رئیس العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ وعمت فیوضہم الکاملہ نے اس جلیل القدر کام کا بیڑا اٹھایا اور "رضافاؤنڈیشن" کے نام سے ایک ادارہ قائم فرماکر اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت وعنایت پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کار خیر کا آغاز فرمایا آپ کی اور آپ کے رفقاء کار کی شبانہ روز کی محنت وکاوش بالآخر رنگ لائی اور فتاوٰی رضویہ کی جلد اول نئے انداز، معیاری طباعت اور دور حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق حسنِ صوری ومعنوی سے مزیّن وآراستہ ہو کر منصّہ شہود پر جلوہ گر ہوئی، جس میں عبارات کی پیرابندی، حوالہ جات کی مقدور بھر تخریج بقیدِ جلد وصفحہ اور عربی وفارسی عبارات کے اردو ترجمے کے ساتھ ساتھ مآخذ ومراجع کی فہرست بھی دے دی گئی۔ جلد اوّل کے شائع ہوتے ہی جس برق رفتاری کے ساتھ لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا یہ ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ہے، گیارہ سو نسخے دیکھتے ہی دیکھتے علمی ذوق رکھنے والوں کے ہاتھوں میں جا پہنچے۔ اس سے جہاں اس کتاب کی اہمیت وافادیت کا احساس ہوتا ہے وہاں عوام خواص کی تشنگی کا بھی پتہ چلتا ہے، چنانچہ فوری طور پر جلد اول کا دوسرا ایڈیشن بھی منظرِ عام پر لایا جاچکا ہے۔

فتاوٰی رضویہ جلد دوم

بحمداللہ تعالٰی فتاوٰی رضویہ کی جلد دوم نہایت عمدہ معیار وانداز اور دیدہ زیب طباعت سے محلّٰی ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے جو آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈا اور دل کو باغ باغ کر رہی ہے۔ یہ جلد پرانی جلد اول کے صفحہ ۲۳۴، باب المیاہ سے صفحہ ۴۸۴ رسالہ ضمنیہ "الدقة والتبیان" تک ہے جس میں سے رسالہ جلیلہ "اجلی الاعلام" جو پرانی جلد کے صفحہ ۳۸۱ سے صفحہ ۴۰۷ تک تھا جلد اول کے شروع میں لگادیا گیا۔ پیش نظر جلد ۳۳ سوالوں کے جوابات، اقول کے عنوان سے ۹۳۳ فوائد نفیسہ اور ۵۰۲ تطفلات ومعروضات پر مشتمل ہے۔

اس جلد میں مندرجہ ذیل سات ۷ رسائل ہیں:

(۱) اَلطِّرْسُ الْمِعَدَّلُ فِیْ حَدِّ الْمَاءِ الْمُسْتَعْمَلُ — مستعمل پانی کی تعریف وتحقیق

(۲) اَلنَّمِیْقَةُ الْاَنْقٰی فِیْ فَرْقِ الْمُلَاقِیْ وَالْمُلْقٰی۔ — ماءِ قلیل میں بے وضو یا جنبی کے ہاتھ ڈالنے کا حکم۔

(۳) اَلْھَنِیْئُ النَّمِیْرُ فِی الْمَآءِ الْمُسْتَدِیْر۔ — مستدیر پانی کی مساحتِ دَہ در دَہ کا بیان۔

(۴) رَحْبُ السَّاحَةِ فِیْ مِیَاہٍ لَایَسْتَوِیْ وَجْھُھَا وَجَوْفُھَا فِی الْمَسَاحَةِ

ان پانیوں کا بیان جن کی مساحت اوپر سے کم اور نیچے سے دَہ در دَہ ہے یا اس کے برعکس۔

(۵) هِبَةُ الْحَبِيْرِ فِیْ عُمْقِ مَاءٍ كَثِيْرٍ۔ آب کثیر کی گہرائی کا بیان۔

(۶) اَلنُّوْرُ وَالنُّوْرَقُ لِاِسْفَارِ الْمَآءِ الْمُطْلَقِ مطلق پانی کی تحقیق۔

(۷) عَطَاءُ النَّبِيِّ لِاِفَاضَةِ اَحْكَامِ مَآءِ الصَّبِيِّ بچّہ کے حاصل کئے ہوئے پانی کا بیان۔

یہاں حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی محمد عبدالدائم صاحب زید مجدہ، مدیر اعلیٰ "جامِ عرفان" سجادہ نشین آستانہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ہری پور ہزارہ کی مساعی جمیلہ کو خراج تحسین پیش کرنا نہایت ضروری ہے جنہوں نے اس جلد کی نظر ثانی، تصحیح، بعض مقامات پر ترجمہ کی اصلاح اور عبارات وجمل کی ترتیب وتزئین میں انتہائی عرق ریزی اور محنتِ شاقہ کا مظاہرہ فرمایا اور خلوص وللّٰہیّت کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی خداداد ادبی وفکری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کے حسن وزیبائش میں نکھار پیدا کیا۔ اس پر رضا فاؤنڈیشن کے اراکین تہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں۔

اہل علم حضرات سے مخلصانہ اپیل ہے کہ ترجمہ وکتابت کی جو اغلاط ان کی نظر میں آئیں ان سے مطلع فرمائیں نیز اس عظیم وقیع منصوبے کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی قیمتی تجاویز سے نوازیں۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کا سایہ اہلسنت کے سروں پر قائم ودائم رکھے اور جس عظیم منصوبے کا آپ نے آغاز فرمایا ہے اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے غیب سے وسائل واسباب مہیا فرمائے، آمین بجاہ حبیب اللہ العٰلمین۔

O حافظ عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست جلد دوم

ابواب و مسائل

پیش لفظ	۵	**فتوٰی ۲۸۔** آب مستعمل کی جامع مانع تعریف پانی مستعمل ہونے کی صورتوں کا بیان۔	۴۳
باب المیاہ	۳۷	بے وضو ہے اور برتن بڑا کہ جھکا نہیں سکتا تو پانی کس طرح لے۔	۴۴
فتوٰی ۲۳۔ وضو کے بچے پانی سے وضو اور اگر اس میں کچھ قطرے یا دھار ہاتھ سے گری تو کیا حکم ہے۔	۳۷	جنب یا بے وضو کا وہ عضو جس کی ابھی طہارت نہ کی ذرّہ بھر بھی اگر مٹکے بھر پانی میں ڈوب جائے قابل طہارت نہ رہے گا۔	۴۴
فتوٰی ۲۴۔ استنجے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے۔	۳۸	مستعمل و غیر مستعمل پانی مل جائیں تو زائد کا اعتبار ہے	۴۴
فتوٰی ۲۵۔ بارش کا پانی کہ شہر کی نالیاں دھو کر بہتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔	۳۸	پانی مستعمل نہ ہونے کی صورتیں	۴۵
فتوٰی ۲۶۔ ساڑھے سات گز مربع حوض پیشاب سے ناپاک نہ ہوگا۔	۳۹	آب مطلق کے سوا گلاب وغیرہ کسی چیز سے وضو و غسل نہیں ہوسکتا۔	۴۷
فتوٰی ۲۷۔ حوض دہ در دہ نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک خاص نجاست کے سبب اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدل جائے۔	۳۹	وضو یا غسل کا پانی مسجد میں ڈالنا چھڑکنا حرام ہے۔	۴۷
		مصنف کی تحقیق مفرد کہ برتن بہ نیت سنت دھونے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا۔	۵۲

I.T. Majlis of DawateIslami

ماں باپ کے کپڑے یا ان کے کھانے کے لئے پھل یا مسجد کا فرش بہ نیت ثواب دھونے سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔	۵۳	میّت کے بدن سے قبل غسل اگرچہ بے قصد غسل جو پانی مَس کرے قابل وضو نہ رہے گا۔	۱۱۴
پانی مستعمل ہو جانے کا سبب۔	۵۳	حیض ونفاس ابھی ختم نہ ہوا اس حالت میں عورت کا ہاتھ پانی میں پڑنے سے بدستور قابل وضو رہے گا۔	۱۱۷
پانی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ابھی کہیں نہ ٹھہرا ہو۔	۵۵	بضرورت ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا ہاں ضرورت سے زائد مستعمل کردے گا۔	۱۱۷
باوضو شخص گرمی میں کسی عبادت میں دل لگنے کیلئے نہایا یا ہاتھ منہ دھوئے پانی مستعمل نہ ہوگا۔	۶۰	ہاتھ ڈالا ضرورت سے پھر پانی ہی میں دھونے کی نیت کرلی مستعمل ہوگیا۔	۱۱۸
بدن ستھرا رکھنا مستحب ہے اسلام کی بناء ستھرائی پر ہے مگر باوضو کا اس نیت سے بدن دھونا پانی مستعمل نہ کرے گا۔	۶۱	مستعمل پانی کو قابل وضو کرنے کے دو طریقے۔	۱۲۰
نابالغ کا ہاتھ ڈوبنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا	۷۰	مستعمل پانی پاک ہے اس سے کپڑا دھو سکتے ہیں	۱۲۲
بحث قول المحقق ان سقوط الفرض ھو الاصل فی الاستعمال۔	۸۵	پینا اور آٹا گوندھنا مکروہ ہے۔	۱۲۲
باطن چشم دھونے سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔	۱۰۰	اس پر چالیس ۴۰ کتب وائمہ کی نصوص کہ بے دُھلے بدن کا ایک ذرّہ پانی سے لگ جانا سارے پانی کو مستقل کردیتا ہے۔	۱۲۲
مصنّف کی تحقیق کہ مسح سے بھی پانی مستعمل ہو جاتا ہے۔	۱۰۱	جنب یا بے وضو کو کَوڑی سے پانی لینے کی ضرورت ہے اور کٹورا اس میں ڈوب گیا' نہ اور برتن نہ پانی' اس کے نکالنے کو جتنا ہاتھ بھی ڈالنا ضروری ہو پانی مستعمل نہ کرے گا۔	۱۲۳
بے وضو شخص نے پانی کے برتن میں اپنا سر داخل کیا یہاں تک کہ چہارم سر کو پانی لگا مسح ادا ہوگیا اور برتن کا پانی مستعمل نہ ہوا۔	۱۰۱	ٹھنڈک لینے کو ہاتھ یا ایک پورا ہی ڈالا پانی وضو کے قابل نہ رہا۔	۱۲۳
پانی کے برتن میں موزہ پہنے پاؤں یا پٹّی بندھا عضو ڈالنے سے ان کا مسح ادا ہو جائے گا اور پانی مستعمل نہ ہوگا۔	۱۰۲	کنوئیں میں ڈول گر گیا اس کے نکالنے کو آدمی بے نہائے گھسا پانی خراب نہ ہوگا جبکہ اس کے بدن یا کپڑے پر نجاست حقیقیہ نہ ہو نہ رفع حدث کی نیّت کرے۔	۱۲۵
فتوٰی ۲۹۔ ایک ذرّہ بے دھلا بدن پانی کو مستعمل کردیتا ہے اور اس کے قابل وضو کرنے کا طریقہ۔	۱۱۳		

غسل اتارنے کی نیت سے کنویں میں غوطہ لگایا پانی بالاتفاق مستعمل ہوگیا۔	۱۲۶	نیچے دَہ دردَہ ہے اور اوپر کم تو دونوں حصوں کا حکم۔	۲۰۴
باوضو کنویں میں مثلاً ڈول نکالنے کو گھسا اور وہاں بقصد قربت نہانے کی نیت کرلی پانی مستعمل ہوگیا۔	۱۲۹	فقہی چیستان وہ کون سا پانی ہے کہ جب تک کثیر ہے نجس ہوجائے گا اور گھٹ جائے تو نجس نہ ہوگا۔	۲۰۴
بے وضو کے کنویں میں جانے کا مسئلہ	۱۲۹	**مصنّف کی تحقیقات** کہ دَہ دردَہ مربع ہونا ضرور نہیں صرف سَو ہاتھ کی مساحت درکار ہے۔	۲۰۴
عورت کا جب تک حیض ونفاس منقطع نہ ہو اگر وہ ٹھنڈک لینے کو پانی میں گھسے مستعمل نہ ہوگا۔	۱۳۰	بڑے حوض سے ایک چھوٹا حوض نکالا گیا اس کا حکم۔	۲۱۰
جنب کے دس ۱۰ کنوؤں میں جانے کا مسئلہ	۱۳۰	چھوٹا حوض جس کے ایک طرف سے پانی آتا دوسری طرف سے نکل جاتا ہے اگرچہ چوڑا ہو پانی جاری ہونے کا مانع نہیں۔	۲۱۱
محدث کے دس ۱۰ کنوؤں میں جانے کا مسئلہ	۱۳۱	سوتوں سے پانی اُبلے اور نالی سے بہے تو وہ آب جاری ہے۔	۲۱۲
دہ دردہ پانی میں نجاست نظر آنے والی پڑی ہو جب بھی سب طرف وضو جائز ہے۔	۱۳۵	کنویں میں مستعمل پانی گر جانے کا حکم۔	۲۳۶
عورت یا مرد کے پینے یا وضو وغسل سے جو پانی بچا دوسرے کو اس سے وضو جائز ہے۔	۱۳۸	**فتوی ۳۰۔** حوض میں بار بار متواتر غسل کرنے کا کیا حکم ہے۔	۲۴۹
آب مستعمل ہمارے سب اماموں کے نزدیک پاک ہے مگر قابلِ وضو نہیں۔	۱۴۸	غیر جاری پانی کب کثیر سمجھا جائے گا۔	۲۴۹
دَہ در دَہ پانی میں کھیتی یا نرکل قریب قریب اُگنا اسے کم نہ کردے گا۔	۱۸۹	حوض کا پانی کہ مستعمل ہوجائے اس کے قابل وضو کرنے کے دو طریقے۔	۲۵۰
جس پانی پر کاہی جمی ہو اس کا حکم	۱۸۹	جہاں وہ دونوں صورتیں دشوار ہوں بیس ۲۰ ڈول نکالنا کافی ہوسکتا ہے۔	۲۵۰
پانی پر برف جم گیا تو اس میں ہاتھ پاؤں ڈال کر وضو کرنا کیسا ہے۔	۱۹۰	**فتوی ۳۱۔** خندق میں بستی کا پانی جاتا ہے اور بارش کا جمع ہوا اس میں وضو کا کیا حکم ہے۔	۲۵۹
پانی اوپر دَہ دردَہ ہے اور نیچے کم اس کے دونوں حصوں کا حکم۔	۲۰۳	**فتوی ۳۲۔** دَہ دردہ حوض میں گز شرعی کی مقدار۔	۲۶۰

فتوٰی ۳۳۔ دَہ دردَہ حوض میں بارہ ستون قائم کیے جن کی مساحت چھ ۶ گز ہے وہ دہ دردہ رہا یا نہیں۔	۲۷۱	آب کثیر میں خود عین نجاست کا رنگ یا بُو یا مزہ آجائے تو ناپاک ہوگا نجاست سے جو چیز ناپاک ہوئی جیسے گلاب وغیرہ اس کے رنگ وبو ومزہ کا اعتبار نہیں۔	۲۸۲
فتوٰی ۳۴۔ دَہ دردَہ حوض میں تھوکنے یا پاؤں ڈالنے کا حکم۔	۲۷۲	**فتوٰی ۴۳۔** پانی کی مساحت میں فقط سطح بالا کا اعتبار ہے جو پانی ۱۱ ہاتھ لمبا ۹ ہاتھ چوڑا تین ہاتھ گہرا ہو اس کی مساحت کیا ہوئی۔	۲۸۳
فتوٰی ۳۵۔ دَہ دردہ تالاب ہے مگر اس میں نجاست کی ڈھلیاں پڑتی ہیں اس کا حکم۔	۲۷۲	**فتوٰی ۴۴۔** متعلق دور چاہ در فصل البئر۔ حوض مثلث متساوی الاضلاع کے ۱۰۰ سو ہاتھ مساحت ہونے کے لئے ہر ضلع ۱۵\۱۵،۱ ہاتھ ہو۔	۲۸۵
فتوٰی ۳۶۔ پانی میں دوائیں جوش کی ہیں اس سے وضو یا استنجا ہوگا یا نہیں۔	۲۷۳	اسی مسئلہ میں دوسرا قول۔	۲۸۶
فتوٰی ۳۷۔ بستی کے قریب کے تالابوں کا حکم اور جن میں استنجے کیے جاتے ہیں اور وہ پانی جس کا رنگ وبُو بدلا ہوا ہے اور بہاؤ کا پانی کہ نجاست لے کر آیا اور کسی جگہ ٹھہرا ان سب کا حکم۔	۲۷۳	**فتوٰی ۴۵۔** وضو نہر سے افضل ہے یا حوض سے۔	۳۰۸
فتوٰی ۳۸۔ دَہ دردَہ حوض کی پیمائش کا بیان اور اس کے گزوں اور فٹوں اور انچوں اور انگلیوں کی تحقیق۔	۲۷۴	**فتوٰی ۴۶۔** ہندو کے نہانے کا پانی کیسا ہے۔	۳۱۳
فتوٰی ۳۹۔ نجس پانی تنہا خود بہنے یا ہوا لگنے سے پاک نہیں ہوتا۔	۲۷۷	**فتوٰی ۴۷۔** ہندو ونصرانی کے جھوٹے کا حکم۔	۳۱۴
فتوٰی ۴۰۔ پانی مکروہ کس کس طرح سے ہوتا ہے۔	۲۷۷	**فتوٰی ۴۸۔** حقّہ کا پانی پاک ہے۔	۳۲۰
فتوٰی ۴۱۔ نامحرم عورت کو اپنے مرشد کا جھوٹا پینا کیسا ہے۔	۲۸۰	سفر میں وضو کا پانی کم ہوگیا حقہ کے پانی سے وہ کمی پوری ہوسکتی ہے تکمیل فرض ہے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳۲۰
فتوٰی ۴۲۔ ناپاک نالی سے ہوکر پانی نے حوض بھرا اس کا کیا حکم ہے۔	۲۸۱	**فتوٰی ۴۹۔** حوض نیچے دہ دردہ ہے اور اوپر کم اور بھرے ہوئے میں نجاست پڑی تو نیچے کا حصہ کیسا رہا۔	۳۲۱
		فتوٰی ۵۰۔ اسی حوض میں اوپر کا پانی نکال کر پاک پانی سے بھر دیا تو کیا حکم ہے۔	۳۳۱

فتوٰی ۵۱۔ نیچے کے دَہ دردَہ حصہ میں نجاست پڑی پھر بھر دیا تو کیا حکم۔	۳۳۲	تالاب کی تہ میں تھوڑا پانی ناپاک ہوگیا بھرنے سے بھی پاک نہ ہوگا جب تک اُبل نہ جائے۔	۳۴۹
فتوٰی ۵۲۔ حوض اوپر دہ دردہ ہے اور نیچے کم، اور نجاست پڑی تو نیچے کا حصہ کیسا ہے۔	۳۳۷	نجاست سے ملتے وقت پانی کی مساحت دیکھی جائے گی اگرچہ بعد کو کم وبیش ہوجائے۔	۳۵۰
پانی کی صفت اور صورت اور آب زیروبالا میں چار قسموں کا بیان۔	۳۴۲	**فتوٰی ۵۳**۔ نیچے کے حصہ میں کہ کم ہے نجاست پڑی پھر بھر دیا، دونوں حصّوں کا کیا حکم ہے مصنف کا اس کے لیے دس ۱۰ اصلیں وضع کرنا اور اس کا ضابطہ۔	۳۵۲
نہر پر گھاٹ بنائے تو جو حصہ پانی کا گھاٹ نے جدا کیا اس کا کیا حکم ہے۔	۳۴۲	چھوٹے حوض میں ایک طرف سے پانی آتا اور دوسری طرف سے لیا جارہا ہے جب تک یہ حالت باقی ہے جاری کے حکم میں ہے۔	۳۵۵
تالاب میں برف جم گیا ایک جگہ سے کچھ کھول لیا اس کا حکم۔	۳۴۳	کنویں میں سوت سے پانی آرہا ہے اور ڈول سے بھرا جارہا ہے جب تک ہلنا موقوف نہ ہو نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔	۳۵۵
گھاٹ یا برف نے پانی کے جو ٹکڑے جدا کیے ان میں ہر ایک کے ناپاک ہونے سے دوسرا ناپاک نہ ہوگا۔	۳۴۳	جاری پانی کے اوصاف نجاست سے بدل گئے کہ ناپاک ہوگیا پھر نجاست تہ نشین ہوکر پانی صاف ہوگیا اوصاف کا تغیر جاتا رہا خود پاک ہوگیا۔	۳۶۶
تالاب یا نہر سے نکلا ہوا حصہ ڈھائی ہاتھ سے کم ہے تو جدا نہیں۔	۳۴۵	نہر کا سارا پیٹ ناپاک ہو اور تھوڑا پانی اوپر بہہ رہا ہے ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست سے متغیر نہ ہوجائے۔	۳۶۷
دَہ دردَہ پانی میں نجاست پڑی ناپاک نہ ہوا پھر سمٹ کر تھوڑی جگہ ہوجانے سے بھی ناپاک نہ ہوگا اگر نجاست باقی نہیں۔	۳۴۸	دَہ دردَہ پانی کے اوصاف نجاست سے بدلے پھر نجاست تہ نشین ہوکر صاف ہوگیا پاک ہوا یا نہیں۔	۳۶۸
ناپاک پانی دَہ دردَہ جگہ میں پھیل جانے سے پاک نہ ہوگا۔	۳۴۸	پانی جب نکلتا چلا جاتا ہے تو عرض میں اس کا پھیلنا مانع جریان نہیں۔	۳۶۹
بڑے تالاب میں نجاست پڑی تھی پھر سوکھ کر تھوڑا رہ گیا ناپاک نہ ہوگا اگر نجاست باقی نہیں۔	۳۴۹	بھنور کا پانی بھی آب جاری ہے۔	۳۷۰

گرمیوں میں بڑا تالاب خشک ہوگیا اس میں جانوروں نے گوبر کئے آدمیوں نے پاخانے پھرے۔ برسات میں پانی آیا اور اسے بھر دیا تو کیا حکم ہے۔	۳۷۰	جریان کی تین ۳ قسمیں اور ان کے احکام۔	۴۰۴
تالاب کے باہر کتنی ہی نجاستیں ہوں بہتا پانی کہ ان پر گزر کر تالاب میں داخل ہوگا بے تغیر ناپاک نہ ہوگا لیکن تالاب کے اندر جو نجاست ہے دَہ دردَہ جگہ میں ہونے سے پہلے اس پر گزرے گا تو سب ناپاک ہوجائے گا۔	۳۷۱	اس دوسرے قول کا بیان کہ جریان حوض کے لیے خروج شرط نہیں۔	۴۰۵
مصنف کی تحقیق وتدقیق کہ پانی کے جاری ہونے میں اوپر سے مدد آنا بھی ضروری ہے یا نہیں۔	۳۸۹	پانی جب تک چھت یا زمین پر بہتا یا پرنالے سے گرتا ہے جاری ہے۔	۴۱۰
سفر میں وہ تدبیر کہ وضو کرلے اور پھر وہی پانی قابل وضو رہے۔	۳۸۹	چھت پر یا پرنالے کے منہ پر کتنی ہی نجاست ہو مینہ کا پانی اس سے گزرتا اترا ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست سے اس کا کوئی وصف متغیر نہ ہوجائے۔	۴۱۱
نہر کا پانی اوپر سے مینڈھا باندھ دیا گیا نیچے پانی بدستور جاری ہے اب بھی نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔	۳۹۰	چھت پر نجاست ہے اور پانی ٹپکا جب تک مینھ برس رہا ہے پاک ہے۔	۴۱۱
ٹھہرے ہوئے پانی کو بہایا بہتے میں وضو کیا مستعمل نہ ہوگا جتنی بار چاہے وضو کرے۔	۳۹۲	نجس پانی پر پاک پانی کا گزرنا اسے پاک نہ کردے گا **جب تک نجس پانی کے ساتھ** مل کر بہ نہ جائے۔	۴۱۲
دو چھوٹے حوض متصل ہیں پانی ایک سے نکلتا دوسرے میں معاً داخل ہوتا ہے وہ جاری نہیں ہاں بیچ میں فاصلہ ہو تو جب تک اس فاصلہ میں بہے جاری ہے۔	۳۹۳	حوض یا کنواں اوپر تک بھر کر بہادیں پاک ہوگیا۔	۴۱۵
توفیق رضوی کہ طاہر کے جریان کو مدد شرط نہیں نجس کے جریان کو شرط ہے۔	۳۹۹	آب واحد کی کثرت وقلّت میں صرف روئے آب کا اعتبار ہے۔	۴۱۵
حوض صغیر جاری وناجاری کی توضیح۔	۴۰۰	آب کثیر غیر جاری کے عمق کا بیان	۴۱۷
کنویں کا پانی اگر کچھ بہادیا جائے سب پاک ہوجائے گا۔	۴۰۳		

تالاب پر برف جما ہے اسے ایک جگہ سے توڑا پانی بہہ کر برف کے اوپر دہ در دہ ہوگیا جب بھی بے دُھلا ہاتھ ڈالنے سے مستعمل ہوجائے گا جب تک اتنا دَل نہ ہو کہ لپ سے برف کھلے۔	۴۱۷	ان شرطوں کے ساتھ دھوپ کے گرم پانی سے وضو کرنا یا نہانا مکروہ ہے۔	۴۶۶
فتوٰی ۵۴۔ آب کثیر کو کتنا عمق درکار ہے۔	۴۲۵	عورت کی طہارت کے بچے ہوئے پانی سے مرد کو طہارت مکروہ ہے۔	۴۶۶
جاری پانی میں نہ عرض کی ضرورت نہ عمق کی۔	۴۳۴	اولٰی یہ ہے کہ مرد کے بچے پانی سے عورت بھی طہارت نہ کرے۔	۴۷۱
عمق کے بارے میں مصنف کی تحقیق وتدقیق	۴۴۵	جس پانی میں بچے نے ہاتھ پاؤں ڈالا ہو اس سے بچنا بہتر۔	۴۷۵
پانی لیتے وقت اس شرط کی حاجت اور اس کے احکام۔	۴۴۵	حوض کے پانی میں بدبو آتی ہو اس سے وضو جائز ہے۔	۴۷۶
مینہ جاری پانی ہے اس سے نہانے سے غسل اتر جائے گا جبکہ کلّی اور ناک میں پانی ڈال لیا ہو۔	۴۴۶	جس زمین پر غضب اِلٰہی اترا اس کے پانی کا استعمال اس کی مٹی سے تیمّم مکروہ ہے۔ مگر ناقہ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کنواں	۴۷۷
مصنف کی تحقیق کہ جس طرح پانی لیا جائے اس سے زمین نہ کھلنا ضرور ہے چلّو ہو یا لپ یا برتن۔	۴۴۷	پرایا پانی زبردستی یا چرا کرلے لیا اس سے وضو ہوجائے گا مگر حرام ہے۔	۴۷۸
مصنف کی تحقیق کہ اتنا عمق وہیں درکار ہے جہاں سے پانی لیں اگرچہ باقی جو ہی بھر ہو۔	۴۴۷	مملوک کنویں سے اس کی ممانعت پر پانی بھر لیا اس کا استعمال جائز ہے۔	۴۷۸
اگر پانی اٹھانے سے زمین کھل گئی مگر ہر طرف کا ٹکڑا سو ۱۰۰ ہاتھ رہا تو حرج نہیں۔	۴۴۷	پینے کی سبیل سے وضو غسل بے اجازت نہیں کرسکتا اگر اور پانی نہ ملے تیمّم کرلے۔	۴۸۱
زمین کھل جانے کی صورتیں اور اُن کے احکام	۴۴۷	پینے کی سبیل سے وضو غسل جائز ہونے کی صورتیں۔	۴۸۱
فتوٰی ۵۵۔ آب مطلق ومقید کا بیان	۴۵۱	وقفی مدارس کا پانی مثل وقف ہے اس سے وضو غسل کے احکام۔	۴۸۳
وہ پانی جن سے طہارت ہوجائے گی خواہ ان کا استعمال جائز ہو یا نہیں۔	۴۵۲	وضو کے لئے جو سبیل ہے اس سے پانی پینا جائز ہے یا نہیں۔	۴۸۳
دھوپ سے گرم پانی کی بحث	۴۶۴	نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں مستقل رسالہ **جلیل وعظیم تحقیقات خاصہ مصنف** پر مشتمل۔	۴۹۴

جس پانی میں مائے مستعمل کی دھار پہنچی یا واضح قطرے اس سے وضو نہ کرنا بہتر۔	۵۴۱	صرف نبیذ تمر پائے تو تیمّم کا حکم ہے اور وضو کرلینا بھی مستحب۔	۵۷۶
اُن پانیوں کا بیان جن میں کسی دوسری چیز کا میل ہوگیا۔	۵۴۳	مسواک جس پانی سے دھوئی اس سے وضو کے احکام۔	۵۹۴
پانی میں ریتا کیچڑ مل جائے تو اس سے وضو کا کیا حکم ہے۔	۵۴۳	باوضو نے اپنی نظر دفع کرنے کے لیے اعضاء دھوئے پانی قابلِ وضو رہے گا۔	۵۹۵
حوض میں پتے اتنے گرے کہ پانی سبز ہوگیا اس سے وضو کا کیا حکم ہے۔	۵۴۸	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعلین مبارک کا غسالہ برکت وطہارت عطا کرنے والا ہے مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔	۵۹۵
جس جانور میں خون نہیں اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا مگر مچھلی اور ٹیری کے سوا ایسے جانور کے اجزاء اگر پانی میں مل جائیں تو اس کا کھانا پینا جائز نہیں۔	۵۵۹	وہ ۱۲۵ پانی جن سے وضو صحیح نہیں۔	۵۹۶
گھوڑے کا جھوٹا پانی قابلِ وضو ہے۔	۵۶۳	گدھے کے جھوٹے پانی کے سوا اور پانی نہ ملے تو اس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی ضرور کرے ورنہ نماز نہ ہوگی۔	۶۲۵
حلال جانوروں نر و مادہ کے جھوٹے کا حکم	۵۶۳	وہ ۲۲ پانی جن سے جوازِ وضو میں اختلاف ہے۔	۶۲۹
نر نے مادہ کا پیشاب سونگھا یا اپنی مذی چوسی اور پانی منہ میں ڈال دیا تو کیا حکم ہے۔	۵۶۴	پانی میں دوسری چیز ملنے کی دس ۱۰ صورتیں۔	۶۵۰
جس پانی میں کوئی بدبودار چیز مل جائے اس سے وضو کا حکم۔	۵۶۵	**ماخذ و مراجع**	۶۹۷

فہرست ضمنی مسائل

مسائل وضو		سارے سر کا مسح سنّت ہے اور اس کا طریقہ	۱۰۳
وضو میں ہر عضو جدا ہے ایک کا پانی دوسرے پر بہنا کافی نہیں اور غسل میں سب بدن ایک ہے سر کا پانی پاؤں تک جہاں جہاں بہے پاک کردے گا۔	۴۶	ایک انگلی سر پر رکھ کر کھینچ دی کہ چہارم سر کی قدر تک پہنچ گئی مسح نہ ہوگا۔	۱۰۴
اولیاء آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ وضو کے پانی کے ساتھ گناہ نکلتے ہیں۔	۶۳	دو انگلیوں سے بھی نہ ہوگا ہاں تین انگلیاں اگر اتنی کھینچیں کہ چہارم سر کو پہنچیں ہوگیا۔	۱۰۶
وضو کرنے بیٹھا پھر کسی مانع کے سبب تمام نہ کرسکا تو جتنے افعال کیے ان پر ثواب پائے گا اگرچہ وضو نہ ہوا۔	۷۴	انگلیوں کے پوروں سے مسح کرنے کا حکم۔	۱۰۷
جس نے بالقصد آدھا وضو کیا ثواب نہ پائے گا۔	۷۴	اگر سر پر مینہ کی بوندیں گریں مسح ہوگیا۔	۱۰۸
جس کا ارادہ وضو کا تھا پھر قصداً بیچ میں سے چھوڑ دیا ثواب نہ پائے گا۔	۷۴	اگر لکڑی بھگو کر سر پر پھیر دی کہ چہارم سر تر ہوگیا مسح ہوگیا۔	۱۰۸
سات حدیثیں کہ جو بسم اللہ کہہ کر وضو کرے اس کا سارا بدن پاک ہوجائے گا ورنہ صرف اعضائے وضو اور مصنف کا اس کی تقویت کرنا۔	۹۳	**تحقیق المصنّف فی مسألۃ المسح بمداصبع اواصبعین**	۱۱۱
دھونے کے بعد جو تری عضو میں رہے اس سے مسح ہوسکتا ہے اور مسح کی تری بچی ہوئی سے نہ ہوگا۔	۱۰۳	(ایک اور دو ۲ انگلیوں کے ذریعے مسح کرنے کے بیان میں مصنف کی تحقیق)	۱۱۱

ایک انگلی سے سر کا مسح ہو جانے کا طریقہ۔	١١١	تحقیق الفق بین معینی الحدث وتجزی احدھما دون الاٰخر۔	٨٢
اوس میں سر برہنہ بیٹھا اس سے چہارم سر کی قدر بھیگ گیا مسح ہوگیا۔	٤٦٠	مصنف کی تحقیق کہ نجاست حکمیہ صرف اعضائے وضو میں ہوتی ہے یا سارے بدن میں۔	٩٢
زیادہ گرم وسرد پانی کہ بدن پر ڈالا نہ جائے اس سے وضو مکروہ ہے۔	٤٦٤	محدث جب مطلق ہو اس سے مراد بے وضو ہے نہ وہ جس پر غسل ہے۔	٩٥
سر پر کوئی دوا لگی ہے تو مسح کس طرح کرے	٦٢٢	ہر ناقض وضو کھانے سے پیدا ہوتا ہے دھونا سارے ہی بدن کو چاہیے تھا چار عضو کی تخصیص اس حکمت سے ہے اور ان میں بھی سر کے فقط مسح کی یہ حکمت۔	٩٧
نواقضِ وضو		حدث موجب وضو صرف چار اعضاء میں ہوتا ہے اگر کوئی وضو کی جگہ غسل کا التزام کرے بدعت ہے۔	١٠٠
تحقیق معنی رفع الحدث ورفع ایراد الامام ابن الھمام	٦٧	**مسائل غسل**	
(رفع حدث کے معنی کی تحقیق اور امام ابن ہمام کے اعتراض کا جواب)		میّت کو نہلا کر غسل کرنا مستحب ہے۔	٤٥
نابالغ ہر وقت باوضو ہے کسی حدث سے اس کا وضو نہیں جاتا نہ جماع سے اس پر غسل فرض ہو۔	٧٠	جمعہ عرفہ عیدین احرام کا غسل مستحب ہے اور صرف اسی پانی سے ادا ہوسکے گا جس سے جنابت کا غسل۔	٦١
للحدث معنیان وھو متجز علی احدھما دون الاٰخر	٧٦	جب تک ساری طہارت نہ کرلے کوئی کام جو بے اس طہارت کے جائز نہ تھا جائز نہ ہوجائے گا اگرچہ جس عضو سے یہ کام کیا جاتا ہے وہ دھل چکا ہو۔	٦٧
تحقیق شریف فی تعریف الحدث۔	٧٧	بے وضو اپنے سینہ سے بھی مصحف شریف کو مس نہیں کرسکتا۔	٩٥
تحقیق نفیس للمحقق علی الاطلاق فی معنی النجاسۃ الحکمیۃ۔	٨٠	بے وضو کے بدن پر جو چادر ہو اس کے گوشہ سے بھی مصحف شریف کو مس نہیں کرسکتا مگر ایک صورت میں۔	٩٥

ہندو جس طرح نہاتے ہیں اس سے غسلِ جنابت نہیں اترتا اسلام لائیں تو قواعدِ غسل سکھا کر تصحیح غسل لازم ہے۔	۳۱۳	لوٹا کہ پاخانے کو لے جاتے ہیں جب تک اس کی نجاست معلوم نہ ہو کنویں میں ڈالنے سے ناپاک نہ ہوگا۔	۴۷۳
زمزم شریف سے غسل ووضو بلا کراہت جائز اور ڈھیلے کے بعد اس سے استنجا مکروہ اور نجاست دھونا گناہ۔	۴۵۲	بچے کے نہالچے کا ٹکڑا کنویں میں گر جائے بے علم نجاست ناپاک نہ ہوگا مکروہ ہے بیس ۲۰ ڈول نکالیں۔	۴۷۵
کنویں کے مسائل		یہی حکم استعمال جوتے کا ہے۔	۴۷۶
کنویں میں بے وضو گھسا بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں۔	۲۵۴	**مسائل تیمم**	
بڑے حوض کہ عرب شریف میں پانی کے خزانہ کے لیے جنگل میں بنتے ہیں کنویں کے حکم میں ہیں یا نہیں۔	۲۵۴	تیمّم میں دو ۲ انگلیوں سے مسح کافی نہیں تین ضروری ہیں۔	۱۰۶
معنی البئر	۲۵۵	ایک یا دو انگلیوں سے تیمّم نہ ہوگا اگرچہ مٹی پر بار بار لگا کر بدن پر پھیرے۔	۱۱۱
کولی اگرچہ زمین میں گڑی ہو کنویں کے حکم میں نہیں اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ	۲۵۶	تیمّم کی نیت سے خاک پر لوٹا تیمّم ہو جائے گا اگر اعضائے تیمّم پر ہر جگہ غبار پہنچ جائے۔	۱۱۲
تحقیق معنی الصھریج والحوض والبئر۔	۲۵۶	سفر میں پانی ساتھ ہے مگر کسی ضروری حاجت کو درکار ہے تو تیمّم کرے۔	۴۹۰
کنویں کا دور کے ہاتھ ہونا چاہیے کہ نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے۔	۲۸۵	وضو یا غسل کا پانی جانور کے لیے کسی ظرف میں محفوظ رکھ سکتا ہے تو جانور کی پیاس کے خیال سے تیمّم جائز نہیں۔	۴۹۰
جس کنویں سے عورتیں بچے گنوار پانی بھریں ناپاک نہیں۔	۴۷۲	اگر وضو یوں کرسکتا ہے کہ پانی مستعمل نہ ہونے پائے جس کا طریقہ صفحہ ۳۹۰ میں ہے تو کسی حاجت کے سبب تیمّم جائز نہیں۔	۴۹۰
جو برتن زمین پر رکھا جائے اور پینڈے کی نجاست تحقیق نہ ہو نا پاک نہ ہوگا۔	۴۷۳	کافر ذمی کی پیاس کے لیے تیمّم کا حکم ہونا چاہیے یہاں کوئی کافر ذمی نہیں۔	۴۹۳

مسح خفین		بڑی مونچھوں والا شرابی جس برتن میں پانی پئے ناپاک ہوجائے گا۔	۳۱۶
مسح موزہ سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر جہاں مسح نہ کرنے پر بدگمانی ہوتی ہو تو مسح افضل ہے	۳۱۱	ہر بہتی چیز اپنی جنس طاہر یا پاک پانی کے ساتھ مل کر بہنے سے پاک ہوجائے گی۔	۳۵۲
شبنم سے تر گھاس میں چلنے سے موزہ کا مسح ہوجائے گا۔	۴۶۰	اُبالنے میں طول وعرض کچھ شرط نہیں۔	۳۵۲
حیض		اس بہنے کی تین شرطیں ہیں۔	۳۵۳
حیض ونفاس والی کو مستحب ہے کہ نمازوں کے وقت وضو کرکے کچھ دیر ذکرِ الٰہی کرے۔	۴۴	جب تک اُبلے گا نہیں یہ پاک بھی ناپاک ہوجائے گا جب اُبلے سب پاک ہوجائے گا۔	۳۵۳
انجاس		لنے میں کچھ دُور بہہ کر جانا شرط نہیں۔	۳۵۶
جمے ہوئے گھی میں چوہا مر گیا۔	۱۶۱	جب تک اُبل رہا ہے کسی اور نجاست سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔	۳۵۶
تحقیق المصنّف فی سبب تنجس الطاہر بالنجس۔	۱۶۳	اُبلانے سے جو کچھ باہر نکل کر گرا وہ بھی پاک ہے۔	۳۵۷
ناپاک کپڑے میں پاک کپڑا لپیٹا گیا یا پاک میں ناپاک تو کیا حکم ہے۔	۱۶۳	ڈول یا برتن اندر سے ناپاک ہے تو ابالنے سے پاک ہوجائے گا اور اوپر کی سطح یا تلا ناپاک ہے تو اس کے احکام۔	۳۶۰
تحقیق المصنّف ان تنجس الماء دفعی لاتدریجی وان ملاقاۃ شیئ لبعضہ ملاقاۃ لکلہ	۱۶۴	اُبالنے میں جس طرف سے داخل ہوا اسی طرف لوٹ آیا تو کافی نہ ہوگا۔	۳۶۱
ناپاک پانی میں بجھایا ہوا چونا نجاست غیر مرئیہ ہے۔	۲۸۲	اُبالنے میں برتن کا ہموار رکھنا بھی شرط نہیں مگر جھکا ہوا ہو تو یہ ضرور ہے کہ اونچی جانب سے پانی ڈالیں۔	۳۶۳

I.T. Majlis of DawateIslami

کسی ظرف کے اندر پانی کی حرکت بہنا نہیں جب تک نہ اُبلے مگر اس کے اندر چھوٹا ظرف ہو کہ پانی کی اس حرکت سے بہہ کر اُبل جائے تو اس کے حق میں بہنا ہوگیا۔	۳۶۴	دودھ، گھی، تیل وغیرہ بہتی چیزوں کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۳۷۸
نجاست غیر مرئیہ ہے تو بہتے ہی مطلقًا پاک ہوجائے گا اور نجاست مرئیہ اگر باقی ہے تو جب تک اُبل رہا ہے پاک ہے تھمتے ہی ناپاک ہوجائے گا۔	۳۶۴	اس کا دوسرا طریقہ۔	۳۷۸
نجاست دھونے کے تینوں پانی ناپاک ہیں۔	۳۷۳	بہتا پانی نجاستوں پر گزرا اور وہ اس میں مل کر نامعلوم ہوگئیں یہ پانی ٹھہرنے پر بھی ناپاک نہ ہوگا۔	۳۷۸
نجاست دھونے میں پانی بدن یا کپڑے سے جب جُدا ہوگا اس وقت ناپاک ہوگا۔	۳۷۳	قلیل پانی میں نجاست غیر مرئیہ پڑ کر مٹی ہوگئی پھر اس پانی کو بہایا پاک ہوگیا۔	۳۷۸
کپڑا دھونے کے لیے طشت میں ڈالیں تو بہتر یہ ہے کہ پہلے کپڑا رکھ کر اوپر سے پانی ڈالیں۔	۳۷۴	بہتے شیرہ میں خون کی چھینٹ پڑ گئی جس کا اثر ظاہر نہ ہوا پاک رہے گا۔	۳۹۶
بدن بھی طشت کے تینوں پانیوں میں ڈالنے سے پاک ہوجائے گا۔	۳۷۴	بہتی ہوئی چیز ناپاک ہوکر جم گئی اگر اس کا پگھلانا دشوار ہے اوپر سے دھو ڈالے پاک ہوجائے گی۔	۴۱۴
ناپاک کپڑا طشت کے پانی میں دھونے کو ڈالا جب تک اُس سے جدا نہ ہوگا پاک رہے گا مگر ظاہرًا دوسرے کپڑے کو ناپاک کردے گا۔	۳۷۴	بکری کا بچہ مرگیا اس کے پیٹ میں جو دودھ ہے پاک ہے۔	۴۱۴
لوٹے وغیرہ کی دھار جب تک ہوا میں ہے کسی نجاست کے ملنے سے ناپاک نہ ہوگی۔	۳۷۵	نجاست کے دھونے میں ضرور ہے کہ وہ پانی نکل جائے اور نجاست نہ رہنے کا ظن غالب ہوجائے۔	۴۱۴
مصنّف کی تحقیق جلیل ملاقات آب ونجس کے ثمرے اور پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر اس کے فرق احکام۔	۳۷۶	ریشم کا کیڑا اور اس کا پانی اور اس کی بیٹ بھی پاک ہے۔	۴۶۳
جاری یا کثیر پانی پر نجاست وارد ہوکر فنا نہیں ہوتی لاالکہ اثر نہیں کرتی۔	۳۷۷	نجاست سے جو کیڑا پیدا ہوتا ہے خود پاک ہے۔	۴۶۳
جاری پانی نجاست غیر مرئیہ پر وارد ہو تو اسے فنا کردے گا۔	۳۷۷	ہندو وغیرہ کافروں کے پانی اور کپڑے کا حکم۔	۴۷۴
زمین پر نجاست تھی اس پر پانی بہایا اس کے احکام۔	۳۷۷		

ناج کے ڈھیر میں ناپاکی ہوگئی اور جگہ معلوم نہ رہی اور ناج بَٹ گیا یا کسی کو اس میں سے کچھ ہبہ یا صدقہ کردیا ہر ایک کو اس کا استعمال جائز ہوگیا۔	۵۳۷	بوہرے کے پیچھے عاقل بالغ کی نماز نہیں ہوسکتی۔	۵۲۹
کپڑا ناپاک ہوگیا اور جگہ یاد نہ رہی تو کیا حکم ہے۔	۵۳۸	**احکام مسجد**	
جانوروں کے بدن کو جو نجاست لگتی ہے سوکھ کر صاف ہوکر پاک ہوجاتی ہے۔	۵۶۴	وضو یا غسل کا پانی مسجد میں ڈالنا چھڑکنا حرام ہے اور گلاب سے وضو کیا تو وضو نہ ہوا اور وہ گلاب مسجد میں چھڑک سکتے ہیں۔	۴۷
جانور کا منہ ناپاک ہوگیا اس نے چار برتنوں میں منہ ڈالا تین پہلے ناپاک ہوگئے چوتھا پاک رہا۔	۵۶۵	جب تک بدن یا کپڑے میں بدبو ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شرکت منع۔	۳۲۰
گوشت کا خون پاک ہے اور جانور حلال ہو تو حلال بھی۔	۵۶۵	**جنائز**	
استنجا		ہر نیکی سے گناہ دھلتے ہیں مگر ان کی نجاست صرف اس چیز کی طرف منتقل ہوتی ہے جسے شرع نے بالخصوص اس قربت کی اقامت کو معین فرمایا ہو، نیازِ اولیاء کا کھانا متبرک ہے صدقہ کے سبب اس میں خباثت ماننا وہابیہ کی خباثت ہے۔	۶۲
پانی میں پیشاب کرنا مطلقًا مکروہ ہے اگرچہ دریا میں ہو۔	۱۵۸	مردہ ڈوب کر اترآیا اس کا غسل ہوگیا مگر زندوں پر جو غسل دینا فرض ہے ادا نہ ہوا۔ لہٰذا لازم کہ نہلانے کی نیت سے اسے پانی میں جنبش دے لیں۔	۱۱۴
استنجے کے لیے پانی شرط نہیں ہر پاک چیز کہ نجاست کا ازالہ کردے کافی ہے۔	۲۷۳	مردے کو بے نیت غسل دیا فرض اتر گیا ثواب نہ ملے گا۔	۱۱۶
ڈھیلے سے استنجا پوری طہارت ہے جبکہ نجاست روپے بھر سے زیادہ نہ پھیلی ہو۔	۴۵۳	میّت کے سر و ریش کو خطمی سے دھوئیں ورنہ پاک صابون سے۔	۵۷۰
مسائل نماز		**مسائل روزہ**	
ناپاک زمین پر جوتا پہنے کھڑا ہوا نماز نہ ہوگی اور جوتوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا ہوجائے گی۔	۹۶	روزہ میں اپنی عورت کا بوسہ لینا جوان کو مکروہ ہے بوڑھے کو نہیں۔	۶۹۲ (حاشیہ)

مسائل حج		حربی کافروں کے قلعہ میں کوئی غیر معروف ذمی بھی ہے توان کا قتل حرام ہے مگر اس صورت میں کہ اُن میں سے بعض نکل جائیں یانکال دیئے جائیں یاخلاف حکم قتل کردیئے جائیں تواب باقی کاقتل جائز ہوجائے گا۔	۵۳۸
کنکریاں کہ جمروں پرماری جاتی ہیں گناہ دھوکر نجس ہوجاتی ہیں انہیں دوبارہ کام میں نہ لائے اور ضرورت ہوتو تین بار دھولے بلالکہ کنکریوں کادھولینا ہرطرح چاہیے۔	۵۵	**مسائل شرکت**	
مسائل نکاح		ترکہ میں سب بھائیوں نے مل کرکام کیاتو کیاحکم ہے۔	۵۱۲
خانگی کاروبار اپنی زوجہ سے لیناجائز ہے۔	۵۳۶	باپ بیٹا یازوج وزوجہ مل کر جوکام کریں منافع فقط باپ اور شوہر کے ہیں۔	۵۱۲
جب دلہن بیاہ کرلائیں مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھوکر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔	۵۹۵	مباح چیز اگرباپ بیٹے نے مل کر حاصل کی تو جتنی بیٹے نے حاصل کی وہی مالک ہے۔	۵۱۲
مسائل قسم		اگرکسی مباح چیز کے حاصل کرنے میں دونے کوشش کی تو وہ ان میں کس کی ہوگی۔	۵۱۳
نماز کی قسم جنازہ کی نماز سے پوری نہ ہوگی گہن کی نماز سے ہوجائے گی۔	۶۸۱	مباح لکڑی کامالک کاٹنے والا ہوگانہ اس کاجمع کرنے والا یااٹھانے والا۔	۵۱۴
گوشت کھانے کی قسم مچھلی کھانے سے نہ ٹوٹے گی۔	۶۸۶	سفریاحضر میں دو رفیق اپنامال ملالیں اور مل کر کھائیں تواس میں حرج نہیں اگرچہ ایک زیادہ کھائے گادوسرا کم۔	۵۱۹
مسائل سِیَر		**مسائل وقف**	
جولوگ کلمہ اسلام پڑھتے اور پھر ضروریاتِ دین سے کسی شے کاانکار کرتے ہیں ان کاحکم مثل حربی ہے کہ وہ مرتد ہیں۔	۴۹۳	وقف کاپانی جس لیے وقف کیااس کے غیر میں صرف کرناحرام یہاں تک کہ خود واقف کو۔	۴۸۳
		تحقیق شریف للمصنّف ان الماء لایصح وقفه	۴۸۴

اشیائے منقولہ بغیر جائداد غیر منقولہ وہی وقف ہوسکتی ہیں جن کے وقف کارواج ہو۔	۴۸۴	مسجد کے سقایوں کا پانی گھروں میں لے جانا حرام ہے مگر ایک صورت میں۔	۴۸۹
اگر رواج ہو تو روپے اشرفی نوٹ بھی وقف ہوسکتے ہیں۔	۴۸۴	سقایوں سے گرم پانی گھروں میں لے جانا حرام ہے۔	۴۸۹
رواج ہو تو گیہوں بھی وقف ہوسکتی ہیں رواج ہو تو گائے، بھینس، بکری وقف ہوسکتی ہے۔	۴۸۴	پینے کی سبیل سے اگر عورتوں کے پینے کیلئے گھروں میں لے جانے کی اجازت ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۴۸۹
جنازہ کے لیے چارپائی چادر پڑھنے کے لیے قرآن مجید مطالعہ کے لیے کتابوں کا وقف جائز ہے۔	۴۸۵	سبیل لگانے والے نے جن لوگوں کے لئے لگائی ان کے غیر کو اس سے پینا جائز نہیں۔	۴۸۹
پل اور سقائے کا وقف صحیح ہے۔	۴۸۶	**مسائل وکالت**	
جائداد غیر منقولہ کے ساتھ اس کے توابع بغیر رواج بھی وقف ہوسکتے ہیں۔	۴۸۶	گھوڑا خریدنے کو وکیل کیا اور کوئی خاص گھوڑا معین نہ کیا اور اس نے خریدا تو وہ گھوڑا وکیل کی ملک ہوا یا مؤکل کی۔	۵۰۷
وقف کسی کی ملک نہیں ہوسکتا مگر جو وقف کسی قوم پر ہے اس کے حاصل انہیں دیئے جانے کے بعد ان کی ملک ہوجائیں گے اور وقف اہلی کے پھل ان کی ملک ہیں۔	۴۸۸	مسئلة بطلان التوکیل بالمباحات وعللها ومالها وعلیها۔	۵۲۱
مسجدوں مدرسوں کے سقایوں میں زر وقف سے جو پانی بھرا گیا کسی کی ملک نہیں واقف نے جس غرض کے لیے اسے وقف کیا اس کے غیر میں اس کا صرف جائز نہیں۔	۴۸۸	**مسائل ہبہ**	
آدمی اپنی ملک سے جو سبیل لگائے اس کا پانی اسی کی ملک رہتا ہے جس کام کے لیے اس کی اجازت ہے یا اب ہو اسی میں صرف ہوسکتا ہے۔	۴۸۸	جو چیز بچوں کا نام کرکے بھیجی جائے اور مقصود ماں باپ کو دینا ہو اس کے مالک ماں باپ ہی ہوں گے۔	۵۱۴
		اگر معلوم ہو کہ بچوں ہی کو دی تو ماں باپ جب تک محتاج نہ ہوں اپنے صَرف میں نہیں لاسکتے۔	۵۱۷

Majlis of Dawateislami

مالک نے جسے اپنے مال میں تصرف مباح کیا وہ مالک نہ ہوجائے گا مہمان کو جائز نہیں کہ بے اجازت مالک کھانے میں سے کسی کو کچھ دے۔	۵۳۰	مباح چیز لانے پر اجیر کیا تو وہ چیز کس کی ہوگی۔	۵۲۳
ولی نے جو چیز بچہ کو کھانے پینے کو دی اگر بچہ کو مالک نہ کردیا اس میں سے دوسرے کو دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔	۵۳۷	**مسائل حجر**	
مسائل اجارہ		ماذون غلام معتاد دعوت کرسکتا ہے۔	۵۱۸
اجیر خاص کی تعریف اور اس کے احکام۔	۵۰۰	بچہ سے کوئی چیز خریدنا کس وقت جائز ہے	۵۲۷
کسی کو جنگل کی مباح چیز لانے پر نوکر رکھا اسے تنخواہ ملے گی اور چیز کا مالک یہ ہوگا۔	۵۰۲	نابالغ کے ہبہ وبیع کا حکم۔	۵۲۷
اگر مباح شے لادینے پر اجرت ٹھہرائی اور وقت مقرر نہ کیا اجارہ فاسد ہے اور اس کے احکام۔	۵۰۲	خرید وفروخت ہبہ وغیرہا میں بوہرے کا حکم صبی عاقل کی مثل ہے۔	۵۲۹
اگر اپنی ملک میں عمل کرنے کے لیے اُجرت قرار دی اجارہ صحیح ہے۔	۵۰۲	تصرفات صبی کے احکام۔	۵۳۵
چھوٹے ہوئے شیر یا بھیڑیے کے قتل پر اجیر مقرر کیا اجارہ فاسد ہے اور اس کا حکم۔	۵۰۴	**مسائل غصب**	
مقدمہ لڑانا وغیرہ کاموں پر اجارہ کا حکم اور یہ کہ وکیلوں کی اُجرت شرعاً وہی صحیح ہے جو پیشی پر بتعین وقت مقرر کی جائے۔	۵۰۵	مورث کے ترکہ سے کوئی چیز دوسرے کی سمجھ کر اسے دے دی پھر معلوم ہوا کہ مورث ہی کی تھی واپس لے گا اور نہ رہی ہوتو تاوان لے گا۔	۴۹۹
نان بائی سے کہا میں نے تجھے آج کے لیے اس پر اجیر کیا کہ یہ آٹا ایک روپے اجرت پر لگادے یہ اجارہ فاسد ہے کہ اس میں عمل اور وقت دونوں پر عقد اجارہ وارد کیا۔	۵۰۵	حساب میں سمجھا کہ زید کے سو روپے مجھ پر آتے ہیں پھر اس کی غلطی معلوم ہوئی روپے واپس لے گا۔	۴۹۹
اگر یوں کہا کہ میں نے تجھے یہ آٹا پکانے کے لئے ایک روپے پر اجیر کیا اس شرط پر کہ آج ہی پکادے یا یوں کہ یہ آٹا آج پکادے ایک روپیہ دوں گا تو یہ جائز ہے۔	۵۰۶	دوست کے مال میں تصرف یا اس کے نوکر سے کام لینے کا حکم۔	۵۲۶

نابالغ کی کوئی چیز دوسرے کی ملک میں اس طرح مل جائے کہ جدانہ ہوسکے وہ چیز مالک پر حرام ہوگئی۔	۵۳۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصرانی کے یہاں کھانے سے ممانعت فرمائی۔	۳۱۴
مثلی اور قیمی کے معنی اور پانی مثلی ہے یا قیمی اس میں مصنف کی تحقیق۔	۵۴۰	حدیث میں نصارٰی کے برتنوں سے بچنے کا حکم۔	۳۱۶
مسائل قسمت		تہمت کی جگہ کھڑے ہونے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے۔	۳۱۷
ترکہ کے روپے یا ناج میں سے جس میں نابالغ کا بھی حصہ ہے بالغ وارثوں کا اپنا حصہ لینے کا حکم۔	۵۳۹	حدیثوں کا حکم کہ اس بات سے بچیو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔	۳۱۷
مشترک روپے یا ناج میں سے شریک کی غیبت میں اپنا حصّہ لینا۔	۵۳۹	بلاوجہ شرعی ایسی بات مکروہ ہے جس سے اس کی غیبت کا دروازہ کھلے۔	۳۱۹
مسائل شکار وذبیحہ وقربانی		یہاں نصارٰی کے کھانے پانی سے بہ نسبت ہنود کے بچنے کا زیادہ حکم ہے۔	۳۱۹
جال شکار کے لیے کھڑا کیا شکار پھنس گیا اس کی ملک ہوگیا اور سکھانے کے لیے توجو پکڑے گا اس کی ملک ہوگا۔	۴۷۹	بے کسی ضرورت کے سمندر میں سوار ہونا نہ چاہیے۔	۴۵۵
شکار کو گھیر کرلانے والا مالک نہیں ہوتا بلکہ پکڑنے والا۔	۵۱۴	ہنود ونصارٰی کے برتن میں بغیر پاک کیے کھانا پینا مکروہ ہے۔	۴۷۵
مسائل حظر واباحت		ائمہ فرماتے ہیں اگر جنگل میں کتا اور ایک حربی پیاس سے مرے جاتے ہوں اور مسلمان کے پاس ایک پیاس کا پانی ہے کتّے کو پلائے حربی کو نہ دے۔	۴۹۳
کھانے سے پہلے کلائیوں تک تین بار ہاتھ دھونا تین کلیاں کرنا مستحب ہے اگرچہ وضو ہو۔	۴۵	بے ضرورت ہر بات کا سوال حرام ہے اور کسی سے کام کو کہنے کے احکام۔	۵۳۵
کھانا کھاکر برتن کو چاٹ کر صاف کرنا مسنون ہے۔	۵۶	**مسائل احیائے موات**	
		خودرو گھاس مالک زمین کی ملک نہیں ہاں اگر زمین جوتی اور پانی دیا تو اس کی ملک ہوگئی۔	۴۸۰

شے مباح پر قبضہ کی نو صورتیں اور ان کے احکام اور مصنف کا اس میں ضابطہ وضع کرنا۔	۴۹۵	کنویں کے پانی کامالک بھرنے والا نہیں ہوتا بلاکہ وہ جو اسے کنویں کی مَن سے جدا کرے۔	۵۱۳
مباح پر جو پہلے قبضہ کرلے مالک ہوجاتاہے اس تفصیل پر جو مذکور ہے۔	۴۹۵	نابالغ کے بھرے ہوئے پانی کی سترہ ۱۷ صورتیں اور اُن کے احکام۔	۵۲۵
کسی مباح چیز کے لانے کے لیے کسی کو نائب یا وکیل کرنا بے سود ہے قبضہ کرنے سے وہی مالک ہوگا نہ یہ۔	۴۹۶	وہ آٹھ ۸ صورتیں جن میں نابالغ کے بھرے پانی میں دوسروں کو تصرف جائز نہیں۔	۵۲۶
کسی سے مچھلیاں شکار کرائیں شکار کرنے والا ہی مالک ہوا اسی طرح جنگل کی ہر مباح چیز۔	۴۹۷	نابالغ بہشتی پانی بھر رہاہے اس سے پینے یا وضو کو لینا حرام ہے۔	۵۲۸
بلااُجرت کسی سے سے کوئی مباح چیز منگانے کی تین صورتیں۔	۵۰۰	نابالغ بہشتی سے پانی لینے کی سات ۷ صورتیں اور ان میں مصنف کی تحقیق۔	۵۲۸
والدین اپنی اولاد سے کوئی مباح چیز منگوائیں وہ کس کی ملک ہوگی۔	۵۰۸	سقّا مشک کے پانی کاماک ہے جب تک دوسرے کے برتن میں نہ بھرے۔	۵۲۹
مباح کی تحصیل میں دو شخص شریک ہوں تو کیا حکم ہے۔	۵۱۲	بوہرے کا بھراہواپانی کوئی نہیں لے سکتا	۵۲۹
مسائل شرب		بوہرے کا بھراہواپانی اس کے ماں باپ بھی صرف میں لاسکتے ہیں یا نہیں۔	۵۲۹
کنویں کا پانی کنویں کے مالک کا نہیں خاص ملکِ خدا ہے۔	۴۷۸	بہت معتمد کتابوں میں ہے کہ نابالغ نے حوض یا کنویں سے پانی لے کر اس میں ڈال دیا اب حوض یا کنویں کا پانی سب پر حرام ہوگیا۔	۵۲۹
مینہ کا پانی جس کے برتن میں خود بھر جائے وہ اس کی مِلک نہ ہوگا ہاں بے اجازت دوسرا اس برتن کو استعمال نہیں کرسکتا۔	۴۸۱	**مصنّف** کا اس مشکل مسئلہ سے سولہ ۱۶ صورتوں کا استثنا کرنا اور دیگر فوائد پر تنبیہ۔	۵۳۰
اگر برتن اسی لیے رکھا کہ مینہ کا پانی آئے تو مالک ہوگیا۔	۴۸۱	نابالغ کا مملوک پانی اگر کوئی دوسرا کنویں یا حوض میں ڈال دے جب بھی اس کنویں یا حوض میں کسی کو تصرف جائز نہ رہے گا۔	۵۳۱
		اس کنویں یا حوض سے اس کے والدین بشرط احتیاج استعمال کرسکتے ہیں۔	۵۳۱

کنویں یامباح خواہ مملوک حوض میں نابالغ کی مِلک کاجو پانی مل جائے وہ خریدا بھی نہیں جاسکتا۔	۵۳۱	باپ اپنے بچے سے استاد کی خدمت کراسکتا ہے۔	۵۱۱
غلام وکنیز کے بھرے ہوئے پانی کاحکم۔	۵۳۲	باپ اور دادا اور ان کے وصی نابالغ سے عادت ڈالنے کے لیے اس کے لائق خدمت لیں۔	۵۱۱
یہ احکام ٹھہرے پانی میں ہیں اگرچہ دَہ دردَہ سے زیادہ ہو نہ جاری میں۔	۵۳۳	ماں اپنے یتیم بچہ کے مال سے ملاکر ساتھ کھائے توکیا حکم ہے۔	۵۲۰
جس پانی میں نابالغ کاپانی مل گیا اسے پھینک بھی نہیں سکتے مگرایسا کنواں ناپاک ہوجائے توپاک کرنے کے ڈول نکالے جاسکتے ہیں۔	۵۳۴	نابالغ یتیم کی کمائی سے ماں دوایک لقمہ کھاسکتی ہے۔	۵۲۰
جس حوض میں نابالغ کاپانی ملا تھا مینہ یا ابلے سے اُبل گیا اب جائز ہوگیا مگر خود ابالنا جائز نہیں۔	۵۳۴	دوسرے کے بچے سے کام لینے کاحکم۔	۵۲۱
اس مشکل کے علاج پر بحث۔	۵۳۴	استاد بھی نابالغ کا بھرا پانی نہیں لے سکتا اور خدمت جہاں تک لے سکتا ہے اس کاحکم۔	۵۲۷
الحمدللہ اس مشکل کی سہل آسانی حوض یاکنویں میں نابالغ نے جتنا پانی ڈال دیا ہے اُتنا یا اس سے زاید بھر کر اسے دے دیں باقی کااستعمال جائز ہوگیا۔	۵۳۹	وہ طریقہ کہ اُستاد نابالغ سے پانی بھرواکر اسے استعمال کرسکے۔	۵۲۷
جواز کے لیے اُتنا پانی نکلنا کافی ہے جتنا نابالغ نے ڈالا۔	۵۳۹	ماں باپ، دادا، دادی کس صورت میں بچے سے کام لے سکتے ہیں۔	۵۳۶
مسائل دیت		**مسائل فرائض**	
ہاتھ میں انگلیاں اصل ہیں اگر کسی نے انگلیاں کاٹ دیں پورے ہاتھ کی دیت لازم آئے گی۔	۱۰۸	اُس ترکہ کہ تقسیم کاحکم جس میں بعض وارث نابالغ ہیں۔	۵۳۹
مسائل وصی		**فوائد فقہیہ**	
ماں باپ اپنے بچے کامال کس وقت لے سکتے ہیں۔	۵۰۹	حکم حکمت کے لیے ہوتا ہے مگر حکمت پر اُس کامدار نہیں۔	۶۱

تحقیق ان بین سقوط الفرض مفاد قولهم الوضوء فی الحوض	۱۹۴	السراج الوهاج من الکتب الضعیفة ومختصره الجوهرة النیرة من الکتب المعتمدة۔	۴۷۰
للشیوع ثلثة معان۔	۲۲۹	عادة الهندیة نقل عبارة الکتب التی تذکر الاقوال رامزة لقائلیها بالحروف بحذف الرموز فیصیر القولان کقول واحد فربما یحصل بذٰلک عند من لایعرف خبط فی فهم الامر علی ماهو علیه۔	۵۰۶
ذراع کرباس کی مقدار۔	۲۶۰	لایقال لقول المشائخ روایة	۵۴۹
ذراع مساحت کی مقدار۔	۲۶۰	فرق بین تقیید حکم بضرورة واسقاطه رأسا لضرورة۔	۵۵۱
امانت وہبہ وصدقہ وشرکت ومضاربت وغصب میں روپے اشرفی جودیئے گئے وہی متعین ہوتے ہیں۔	۴۸۷	چلپی محشی صدرالشریعة لیس من اهل الترجیح۔	۵۵۴
مسائل فقہ میں ظن اگر غالب ہو مثل یقین ہے ورنہ مثل وہم نامعتبر۔	۴۹۳	**مسائل کلامیہ**	
جویقین کسی مجہول محل میں ہو شک سے زائل ہوجاتاہے۔	۵۳۷	تالف الاجسام من جواهر فردة و شبه الفلاسفة علیها کلها مردودة۔	۱۷۳
ایک ہی چیز میں اختلاف سوال سے مفتی کافتوی مختلف ہوجاتاہے۔	۶۹۰ (حاشیہ)	بیان انه کیف یری الجسم مع ان الجزء لایری۔	۱۷۳ (حاشیہ)
رسم المفتی		**فوائد حدیثیہ**	
ماقدم قاضیخان هوالاظهر الاشهر فیکون هو المعتمد۔	۱۰۲	سنن النسائی الکبری لیست من الصحاح بخلاف مختصرها المتداول۔	۴۷۰
المفتی انما یفتی بما یقع عنده من المصلحة۔	۳۱۷	**اسماء الرجال**	
صاحب البحر لیس من اصحاب الترجیح۔	۴۳۴	یحیی بن هاشم متروک	۹۳
لایعتمد علی فتاوٰی ابن نجیم ولا علی فتاوی الطوری۔	۴۳۸	والقربة عموما من وجه	۷۱
مطلق الکراهة للتحریم۔	۴۵۳		

فضائل ومناقب		صحة العلة تستلزم صحة الحکم ولاعکس	۱۵۶
ائمہ شافعیہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مدارک ایسے دقیق ہیں جن کو اکابر اولیاہی پہچانتے ہیں۔	۶۳	اذاقیل لاافضل منه فهم منه عرفا انه الافضل۔	۱۸۵
اولیافرماتے ہیں کہ امامِ اعظم وامام ابویوسف سرداران اہلِ کشف ومشاہدہ ہیں۔	۶۴	تعریف اعم للمجتهد فی المذهب	۴۳۶
حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام انبیاعلیہم الصلوٰۃ والسلام کے وضو بلاکہ غسل جنابت کاپانی ہمارے حق میں طاہر مطہر ہے ملے تواس سے وضو ہوجائے گا اور یہ مسئلہ اب بھی فرضی نہیں سیدناعیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام عنقریب تشریف لانے والے ہیں۔	۹۱	المطلق یوجد بوجود فرد ولاینتفی الابانتفاء الافراد جمیعا۔	۴۴۲
زمزم وکوثراور دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل وہ پانی ہے جو حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگشتان مبارک سے نکلا۔	۵۲ (حاشیہ)	نفی الجنس لایکون عرفا ولغة الابنفی جمیع الافراد ولا عبرة ههنا بمهملة الفلاسفة القدماء۔	۴۴۲
محبوبانِ خدا سے نسبت کافائدہ۔	۴۷۷	کل شیئین لایفترقان فذکراحدهما یجزئ عن ذکر الاٰخر کالید والعین والخف تقول المصافحة الاخذ بالید ای بالیدین۔	۴۴۳
فوائد اصولیہ		مکروہ تحریمی کو حرام کہہ سکتے ہیں۔	۴۵۳
التعریف بالحکم سائغ عند الفقهاء	۷۸	مستحب کاترک مکروہ نہیں۔	۴۷۱
للتعریف بالحکم معنیان۔	۸۱	ائمہ متقدمین حرام کو بھی مکروہ کہتے ہیں۔	۵۶۰
ماکان مظنونا یجب اثبات الحکم باعتباره	۱۰۹	تحقیق شریف للمصنّف ای عارض یمنع الفرد من دخوله تحت المفهوم من المطلق وایّ عارض لایمنع مع تساوی العوارض جمیعا فی عدم الانفهام من المطلق۔	۶۷۳

تحقیق شریف للمصنّف فی معنی قولهم المطلق ینصرف الی الفرد الکامل وقولهم المطلق ینصرف الی الادنٰی۔	۶۷۵ (حاشیہ)	قطر ومحیط کی نسبت۔	۲۸۸
تحقیق المصنّف ان فوات المقصد الشرعی لایقعد الفرد عن الدخول تحت المتفاهم من المطلق فی الحقائق العینیة۔	۶۷۸	دائرے کے قطر ومحیط ومساحت سے جو ایک چیز معلوم ہو باقی دو ۲ معلوم کرنے کے طریقے ایجاد مصنّف۔	۲۸۸
بحث الاضافات ای اضافة للتقیید وایها للتعریف۔	۶۸۰	**متفرقات**	
ہندسہ وریاضی		گناہوں کا علاج	۶۶

مجمل فہرست مضامین رسائل

رسالہ۱۔ الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل آب مستعمل کی تعریف ومسائل میں جلیل تحقیقات۔	۴۳	**التنبیہ۳**۔ھل الحدث الاصغر یحل کالاکبر بالبدن کلہ و**تحقیق المصنّف** ففیہ **والکلام** مع الفتح والھدایۃ والکافی والحلیۃ وامام الحرمین والامام العزبن عبدالسلام وابن الجوزی۔	۹۲
آبِ مستعمل کی جامع مانع تعریف مع شرائط کا تین شعروں میں نظم کرنا۔	۴۷	**التنبیہ۴۔ تحقیق المصنّف** ان المسح ایضا یجعل الماء مستعملا **والکلام** مع جماعۃ من المشائخ الکرام۔	۱۰۱
خمس تنبیہات من المصنّف۔	۵۱	**التنبیہ۵**۔ مسألۃ المسح باصبع والکلام مع الفتح والامام شمس الائمۃ۔	۱۰۵
فی مسألۃ غسل القدر والکلام مع الحلیۃ۔	۵۱	**رسالہ۲**۔ النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی۔	۱۱۳
تحقیق المصنف ان لیس کل قربۃ مغیرۃ للماء عن الطھوریۃ۔	۵۹	شرائط الاستعمال بالملاقی والکلام مع الغنیۃ۔	۱۱۴
التنبیہ۲۔فی بیان سبب الاستعمال وتحقیق المصنّف ان لاتثلیث والکلام مع الامام ابن الھمام والشامی نوح افندی والبحر والنھر والدرر وط ومعراج الدرایۃ والعنایۃ۔	۶۷	تظافرالنصوص والکلام مع البحر والنھر والدروالشامی والعلامۃ ابن الشحنۃ۔	۱۳۲
		الفصل الاول فی کلام العلامۃ قاسم **والکلام** علیہ بخمسۃ واربعین وجھا۔	۱۳۵

الکلام مع الامام ملک العلماء قدسنا اللہ تعالٰی بسرہ الشریف بسبعة عشر وجھا ومع الحلیة بسبعة وجوہ۔	۱۴۶	اُن پانیوں کے احکام جن کی مساحت اوپر کم ہے اور نیچے دَہ دردَہ یا بالعکس اُن **تحقیقاتِ رائقہ وتدقیقاتِ فائقہ** پر مشتمل جن کا نظیر نظر سے نہ گزرا۔ **والکلام** مع الحلیة والخانیة والخلاصة والسادة ح ط ش و ملک العلماء والغنیة۔	۳۲۱
الفصل الثانی فی کلام البحر صاحب البحر والکلام علیه بتسعة وثلثین وجھا۔	۱۸۲	وضع عشرة اصول والکلام مع الشامی والطحطاوی والحلبی والدر۔	۳۵۲
الفصل الثالث فی کلام العلامة ابن الشحنة **والکلام** علیه بستة وعشرین وجھا ومع المحقق علی الاطلاق والعلامة قاسم وملک العلماء والبحر۔	۲۰۰	**مصنف کی تحقیق** جریان وسیلان میں فرق۔	۳۷۲
الفصل الرابع فی فوائد شتی **وتحقیق** حکم الوضوء فی الحوض الصغیر **والکلام** مع العلامة الشرنبلالی وبعشرة وجوہ مع الشامی وشیخه وتطفل علی المحقق۔	۲۲۵	یہاں **۱۲۰** قسموں کا بیان۔ حوض کی چار شکلیں اور ایک حصہ آب کے تابع ومستقل وقابل وناقابل اجراو قلّت وکثرت مبدء ومنتٰی اور نجاست کے طافیہ و راسبہ وباقیہ ومخرجہ کی طرف تقسیمیں اوران سب کے احکام کا تین طرح ضبط۔	۳۸۲
رسالہ ۳۔ الھنیئ النمیر فی الماء المستدیر۔	۲۸۵	سب **افادات مصنف** سے والکلام مع الحلیة والغنیة۔	۳۸۲
آب مستدیر کی مساحت دَہ دردَہ کا بیان۔ اس میں چار قول اور **تحقیق مصنّف والکلام** مع السراج الوھاج والشامی والقھستانی والبرجندی ونوح افندی۔	۲۸۵	**تنبیہ جلیل** خروج ودخول دونوں رکن جریان ہیں یا صرف خروج اور راوپر سے مدد شرط ہے یا نہیں **وتحقیق المصنف** فی کل ذلک **والکلام** مع الحلیة والبحر والخانیة والتجنیس والفتح والسراج والشامی والبدائع۔	۳۸۸
رسالہ ۴۔ رحب الساحة فی میاہ لایستوی وجھھا وجوفھا فی المساحة۔	۳۲۱		

جریان آب کی تعریف۔	۳۹۹	توجیه المصنّف ماروی عن الامام ابی یوسف فی عمق الماء الجاری۔	۴۴۶
اس کی حکمت کہ جو پانی ظرف وجوف میں ہو اس کے جریان کو باہر نکلنا ضرور ہے۔	۴۰۰	رسالہ۶۔ النور والنورق لاسفار الماء المطلق آب مطلق کے بیان میں وہ تحقیقات عالیہ جن کی نظیر نہیں پانچ فصل پر مشتمل۔	۴۵۱
ملحق بالجاری میں شرط دوام کی حکمت۔	۴۰۳	فصل اول جزئیات منصوصہ تین قسم پر۔	۴۵۲
تجدید النظر وقول من قال لایشترط للجریان الخروج وتنقیح حقیقة الجریان بما لامزید علیه والکلام مع البزازیة والحلیة۔	۴۰۵	قسم اول وہ پانی جن سے طہارت ہوجائے گی اگرچہ استعمال ممنوع ہو والکلام مع ملک العلماء و ط و ش والبحر والنهر والقهستانی وابن حجر والسراج والشیخ المحدث والفتح والغنیة والدر وسیدی النابلسی۔	۴۵۲
اس کی تحقیق کہ حوض یا تالاب کے اندر حرکت جِریان نہیں۔	۴۲۰	رسالہ۷ ضمنیہ۔ عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی بچہ کے بھرے ہوئے پانی میں عظیم جلیل تحقیقات مصنف پانی تین قسم ہے مملوک، مباح، مملوک مباح اور تینوں قسموں کا بیان۔	۴۹۴
رسالہ۵۔ هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر آب کثیر میں مقدار عمق کی تحقیق یکتا۔	۴۲۵	ضابطة المصنّف لتملک المباح والرد علی الزاهدی واستاذه والکلام مع ط و ش والهندیة۔	۴۹۵
اس میں ۱۱ قولوں کا بیان اور جو مصحح ہیں ان میں تطبیق والکلام مع البحر والدر وبیری زاده والشامی والطحطاوی والبرجندی والدرر۔	۴۲۵	تنقیح فی استیلاء صبی علی مباح باستدعا ابویه وذکر ثلاثة اقوال فیه وتحقیق المصنف الحکم فیه۔	۵۰۸
جلیل فائدہ دہ دردہ کی تقدیر ظاہر الروایۃ ہی کی تفسیر ہے والکلام مع صدر الشریعة والبحر والدر۔	۴۳۱	تضعیف القول الاول والکلام مع الشامی	۵۱۱
تحقیق ان المراد الغرف بالیدین۔	۴۴۰		

الکلام علی القول الثانی ثم تأییدہ **والکلام** مع السراجیة والشامی۔	۵۱۴	**صنف دوم** بہتی چیزیں **والکلام** مع الدرر وعبدالحلیم والامام الزیلعی۔	۵۸۵
تضعیف القول الثالث **والکلام** مع العنایة والفتح والبحر	۵۲۱	قسم دوم جن سے وضو صحیح نہیں **والکلام** مع الھدایة والدرر والشرنبلالی وحسن العجیمی عبدالحلیم و الخادمی ونوح افندی والسید ابی السعود الزیلعی والبحر والبزازیة۔	۵۹۲
مسألة اختلاط ماء الصبی بماء الحوض والبئر واستثناء المصنّف منہا ۱۶صورة وافادة ۱۸ تنبیہا **والکلام** مع الشامی وسیدی النابلسی۔	۵۳۰	المخلوط بالطبخ **وثلثة** مسالک للعبارات فی ذلک **وتحقیق المصنّف** بالتوفیق والکلام مع الخانیة والبحر والشامی والبرجندی۔	۶۱۲
اُن پانیوں کابیان جن میں کسی دوسری چیز کا خلط ہوگیا **والکلام** مع الحلیة و الغزی ومجمع الانھر والفوائد واخی چلپی ویوسف چلپی والامام ملک العلماء والشرنبلالی والدروابی السعود۔	۵۴۳	**المقابلات والکلام** مع شرح المجمع والغنیة والبحر۔	۶۲۳
تعریف الطبخ	۵۷۱	**نوع دیگر** ہر دو صنف	۶۲۶
نوع دیگر	۵۷۳	**قسم سوم** جن سے جواز وضو میں حکم منقول وضابطہ امام زیلعی کاخلاف ہے **والکلام** مع الدرر والامام الزیلعی والسید ابوالسعود والبحر۔	۶۲۹
صنف اول خشک چیزیں **والکلام** مع الامامین ابنی حجر العسقلانی والمکی والامام ملک العلماء والمولی بحرالعلوم والخادمی۔	۵۷۴	**صنف اول** خشک اشیاء	۶۲۹
اربعة مسالک للعبارات فی ذلک تحقیق المصنف بالتوفیق فیہا۔	۵۷۷	**صنف دوم** سیّال چیزیں	۶۴۸

فصل دوم مطلق ومقید کی تعریف میں علما کی ۱۲ عبارتیں اور ان کے احسن کا بیان **والکلام** مع الکفایۃ و العنایۃ والبحر والامام الاسبیجابی والسمعانی وابن الشلبی والامام صاحب الھدایۃ وسعدی اُفندی وعصام والفتح والعینی والغنیۃ والحلیۃ والشامی وعبدالحلیم و الخادمی والغزی والسید الشریف۔	۶۵۲	**بحث الاضافات** والماء المناف وسبع عبارات فیه وانتفاء الاحسن **والکلام** مع العنایۃ والبنایۃ والبحر والکفایۃ والدرایۃ والامام الاجل خواھر زادہ **والرد** علی الزاھدی	۶۸۰
تحقیق المصنّف ان الماء المستعمل والنجس من الماء المطلق والکلام مع البحر والشامی وعبدالحلیم والخادمی۔	۶۶۷	**فصل** سوم متون وغیرہا کے چھ ۶ ضابطے۔	۶۸۷
تحقیق المصنّف مناط قولی ابی یوسف ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی فی الماء المطلق۔	۶۷۷	چھ ۶ ضابطے۔	۶۸۷
التعریف الرضوی للماء المطلق	۶۷۹	آٹھ ۸ مسائل اجماعیہ	۶۸۷
اس تعریف کادو شعروں میں ضبط۔	۶۷۹	**ضابطہ ۱تا۴ والکلام** مع العینی والفتح۔	۶۹۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

باب المیاہ

(پانیوں کا بیان)

مسئلہ ۲۳ : ۲۷صفر ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بقیہ آبِ وضو سے کہ برتن میں رہ جائے وضو جائز ہے یا نہیں اور اگر پہلا وضو کرنے میں کچھ پانی ہاتھ سے اُس میں گر پڑا تو کیا حکم ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بقیہ (۱) آبِ وضو کہ برتن میں رہ جاتا ہے مائے مستعمل نہیں بلکہ وہ پانی ہے جو استعمال سے بچ رہا اُس سے وضو میں کوئی حرج نہیں اور مائے مستعمل (۲) اگر غیر مستعمل میں مل جائے تو مذہب صحیح میں اُس سے وضو جائز ہے جب تک مائے مستعمل غیر مستعمل سے زائد نہ ہوجائے اگرچہ مستعمل پانی دھار بندھ کر گرا ہو، اور بعض نے کہا اس صورت میں بھی مستعمل فاسد کردے گا اور وضو جائز نہ ہوگا اگرچہ غیر مستعمل زائد ہو مگر ترجیح مذہبِ اول کو ہے۔

فی فتاوی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتقض من غسلہ شیئ فی انائہ لم یفسد علیہ الماء اما اذا کان یسیل منہ سیلانا افسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی قول محمّد لایفسدہ مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ من الطھوریۃ[1] وفی الدر المختار یرفع الحدث بماء مطلق لابماء مغلوب بمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والالا علی ما حققہ فی البحر والنھر والمنح[2] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر جُنبی شخص کے جسم سے بوقتِ غسل کچھ چھینٹے برتن میں گر گئے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، ہاں اگر باقاعدہ بہہ کر پانی گرا تو ناپاک ہوگا اور حمام کے حوض کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد کا قول ہے کہ صرف اُسی وقت ناپاک ہوگا جب وہ پاک پانی پر غالب ہوجائے اور دُرِّ مختار میں ہے کہ مطلق پانی سے حَدَث کو زائل کرے نہ کہ اُس پانی سے جس پر مستعمل پانی غالب ہو اگر مطلق پانی آدھے سے زائد ہو تو کل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، بحر، نہر اور منح میں یہی تحقیق ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطہارت ۱/۸)

[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴)

مسئلہ ۲۴ : از غازی آباد و ضلع میرٹھ محلّہ باغ مرسلہ حامد حسن صاحب ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

استنجا(۱) یعنی پیشاب پاخانے کے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں اور وضو کی حرمت میں اس وجہ سے کچھ فرق تو نہیں آتا یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب :

جائز ہے اور اس میں حرمتِ وضو کا کچھ خلاف نہیں کہ یہ پانی استعمال میں نہ آیا **کما لایخفی واللہ اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۲۵ : ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پانی بارش کا جو خاص شہر میں برستا ہے اور نالی وغیرہ دھو کر باہر چلا جاتا ہے پاک ہے یا نہیں، اُس سے وضو درست ہے یا نہیں، اُس پانی کو جاریہ کہیں گے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب :

(۲) جس وقت بارش ہورہی ہے اور وہ پانی بہہ رہا ہے ضرور مائے جاری ہے اور وہ ہرگز ناپاک نہیں ہوسکتا جب تک نجاست کی کوئی صفت مثلاً بُو یا رنگ اُس میں ظاہر نہ ہو صرف نجاستوں پر اس کا گزرتا ہوا جانا اُس کی نجاست کا موجب نہیں **فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا** (جاری پانی کا ایک حصّہ دوسرے کو پاک کردیتا ہے۔ت) رہا اُس سے وضو، اگر کسی نجاست مرئیہ کے اجزا اُس میں ایسے بہتے جارہے ہیں کہ جو حصہ پانی کا اُس سے لیا جائے ایک آدھ ذرّہ اس میں بھی آئے گا جب تو یقینا حرام وناجائز ہے وضو نہ ہوگا اور بدن ناپاک ہوجائے گا کہ حکم طہارت بوجہ جریان تھا جب پانی برتن یا چُلّو میں لیا جریان منقطع ہوا اور نجاست کا ذرّہ موجود ہے اب پانی نجس ہوگیا اور اگر ایسا نہیں جب بھی بلا ضرورت اُس سے احتراز چاہئے کہ نالیوں کا پانی غالباً اجزائے نجاست سے خالی نہیں ہوتا اور عام طبائع میں اُس کا استقذار یعنی اُس سے تنفّر اُس سے گھن کرنا اُسے ناپسند رکھنا ہے اور ایسے امر سے شرعاً احتراز مطلوب، احادیث میں ہے :

ایاك ومایسوء الاذن[1] ۔ **ایاك ومایعتذر منہ**[2] **بشروا ولاتنفروا**[3] ۔	بُری بات سننے سے بچو۔ اور اس بات سے کہ بعد میں عذر کی ضرورت ہو، خوشخبری سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ (ت)

اور اگر بارش ہوچکی اور پانی ٹھہر گیا اور اب اُس میں اجزائے نجاست ظاہر ہیں یا نالی کے پیٹ میں نجاست کی

[1] مسند امام احمد عن ابی الغادیۃ مطبوعہ بیروت ۴/۷۶

[2] جامع الصغیر مع فیض القدیر مطبوعہ بیروت ۳/۱۱۷

[3] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

رنگت یا بُو تھی اور بارش اتنی نہ ہوئی کہ اُسے بالکل صاف کردیتی انقطاع کے بعد وہ رنگ یا بُو ہنوز باقی ہے تو اب یہ پانی ناپاک ہے اور اگر نالی صاف تھی یا مینہ نے بالکل صاف کردی اور پانی میں بھی کوئی جزء نجاست محسوس نہیں تو پاک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶: ۱۱صفر ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! ایک حوض ساڑھے سات گز لمبا اور ساڑھے سات گز چوڑا اور ڈیڑھ گز گہرا اگر اُس میں چار برس کا بچّہ موت دے تو ناپاک ہوگیا یا پاک رہا۔ خاکسار عزیز اللہ

الجواب:

(۱) پاک رہا کہ اس کی مساحت (قطر) دہ در دہ یعنی سَو ہاتھ کے دونے سے بھی پچیس ۲۵ ہاتھ زائد ہے **والعبرۃ بذراع الکرباس تیسیرا والسلام واللہ تعالٰی اعلم** (اور اعتبار عام استعمال ہونے والے گز کا ہے لوگوں کی آسانی کیلئے۔ ت)

مسئلہ ۲۷: ۲۹رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اِس مسئلہ میں کہ ایک حوض دَہ در دَہ ہے سنّیوں میں یا شیعوں میں اور اُس میں کُتّا یا سُوئر پانی پی گیا ہو آیا اس سے وضو یا پینا چاہئے یا نہیں یا پیشاب یا پاخانہ پھر گیا ہو، پاک رہا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۲) امر آب میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ احتیاط کا ہے آب جاری تو بالاجماع نجس نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدلے یا ایک قول پر اُس کا نصف یا اکثر نجاست مرئیہ پر ہو کر گزرے اور غیر جاری میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ظاہر الروایۃ کا محصل یہ ہے کہ اگر یہاں نجاست پڑی ہے اور ظن غالب ہو کہ اس جگہ وضو کیجئے تو اُتنی دور کا پانی فوراً زیر وزبر نہ ہونے لگے گا تو وہاں کا پانی ناپاک نہ ہوا اُس سے وضو وغیرہ سب جائز ہے۔

فی ردالمحتار قال فی البدائع والمحیط اتفقت الروایۃ عن اصحابنا المتقدمین انہ یعتبر بالتحریک وھو ان یرتفع وینخفض من ساعتہ لابعد المکث ولا یعتبر اصل الحرکۃ وفی التتارخانیۃ انہ المروی عن ائمتنا الثلثۃ فی الکتب المشھورۃ اھ وھل المعتبر حرکۃ الغسل	ردالمحتار میں ہے کہ بدائع اور محیط میں فرمایا کہ ہمارے اصحاب متقدمین سے یہ روایت متفق ہے کہ ہلانے کا اعتبار ہوگا، یعنی اُسی وقت پانی میں نشیب وفراز پیدا ہو نہ یہ کہ تھوڑی دیر بعد، اور اصل حرکت کا اعتبار نہ ہوگا تاتارخانیہ میں ہے کہ یہی ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے کتب مشہورہ میں منقول ہے اھ اب اس میں اختلاف ہے کہ آیا

او الوضوء او الید روایات ثانیھا اصح لانہ الوسط کما فی المحیط والحاوی القدسی وتمامہ فی الحلیۃ وغیرھا[1] الخ وفی الدر المختار والمعتبر اکبر رأی المبتلی بہ فان غلب علی ظنہ عدم خلوص النجاسۃ الی الجانب الاخر جاز والا لاھذہ ظاھر الروایۃ وھو الاصح کما فی الخانیۃ وغیرھا وحقق فی البحر انہ المذھب[2] اھ ملخصا فی الدر المختار لکن فی النھر وانت خبیر بان اعتبار العشر اضبط ولا سیما فی حق من لا رأی لہ من العوام فلذا افتی بہ المتاخرون الاعلام الخ[3] وفی ردالمحتار ذکر بعض المحشین عن شیخ الاسلام العلامۃ سعد الدین الدیری فی رسالتہ القول الراقی انہ حقق فیھا مااختارہ اصحاب المتون من اعتبار العشر وردفیھا علی من قال بخلافہ رداً بلیغا واورد نحو مائۃ نقل ناطقۃ بالصواب ولا یخفی ان المتاخرین الذین افتوا بالعشر کصاحب الھدایۃ وقاضی خان وغیرھما من اھل الترجیح

غسل کی حرکت مراد ہے یا وضو کی یا ہاتھ کی۔ دوسری روایت اصح ہے کیونکہ وہ درمیانی ہے، جیساکہ المحیط والحاوی القدسی میں ہے، اور مکمل بحث حلیہ وغیرہ میں ہے الخ

اور دُرمختار میں ہے کہ جو پانی استعمال کر رہا ہے اسی کا ظن غالب معتبر ہے، اور اگر اس کا غالب گمان یہ ہے کہ پانی کے دوسرے حصے تک نجاست نہیں پہنچی ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، یہی ظاہر روایت ہے اور یہی اصح ہے کما فی الخانیۃ وغیرہا اور بحر میں تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہی مذہب ہے اھ ملخصا پھر ائمہ متاخرین نے اسے دہ دردہ سے اندازہ فرمایا اور تیسیر آب جاری کے حکم میں قرار دیا کہ جمیع جوانب سے وضو وغیرہ رواجب تک پانی نجاست کا اثر نہ لے لے۔ اور درمختار میں یہ ہے کہ "لیکن نہر میں ہے کہ دس ہاتھ کا اعتبار مسئلہ کو زیادہ منضبط کر دیتا ہے، خاص طور پر عوام کیلئے جو ذاتی رائے نہیں رکھتے ہیں اس لئے متاخرین علماء نے اسی پر فتوی دیا ہے، اور ردالمحتار میں بعض حاشیہ نگاروں نے شیخ الاسلام علامہ سعد الدین الدیری سے ان کے رسالہ "القول الراقی" سے نقل کیا ہے کہ ان کی تحقیق وہی ہے جو اصحاب متون نے لکھا ہے یعنی دس ہاتھ کا اعتبار کیا جائے گا، اور جن حضرات نے اس کے برعکس لکھا ہے ان پر آپ نے ردِّ بلیغ کیا ہے، اس پر انہوں نے ایک سو نقول صحیحہ پیش کی ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ وہ متاخرین جنہوں نے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[3] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

هم اعلم بالمذهب منا فعلینا اتباعهم ویؤیده ماقدمه الشارح فی رسم المفتی واما نحن فعلینا اتباع مارجحوه وصححوه کمالو افتونا فی حیاتهم[1] اھ

وفیه قال فی الفتح وعن ابی یوسف انه کالجاری لا یتنجس الا بالتغیر وهو الذی ینبغی تصحیحه فینبغی عدم الفرق بین المرئیة وغیرها لان الدلیل انما یقتضی عند الکثرة عدم التنجس الا بالتغیر من غیر فصل[2] اھ

وفی حاشیته للعلامة الطحطاوی لافرق بین موضع الوقوع وغیره وبین نجاسة ونجاسة وینبغی تصحیحه کما فی الفتح وهو المختار کما قاله العلامة قاسم وعلیه الفتوی کما فی النصاب[3] اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

دس" ہاتھ پر فتوٰی دیا ہے، جیسے صاحبِ ہدایہ اور قاضی خان وغیرہما اہلِ ترجیح سے ہیں، وہ ہم سے زائد مذہب کے جاننے والے ہیں، للذا ہم پر واجب ہے کہ ہم ان کی پیروی کریں، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو شارح نے رسم المفتی میں کہا ہے کہ " ہم لوگوں پر اس کی اتباع لازم ہے جس کو انہوں نے راجح اور صحیح قرار دیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح وہ اپنی زندگی میں فتوٰی دیتے تو ہم پر اتباع لازم تھا۔ اور اسی میں ہے کہ فتح میں فرمایا" اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے، بغیر تغیر کے ناپاک نہ ہوگا اور اس کی تصحیح کی جانی چاہئے تو نجاست مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان فرق نہ ہونا چاہئے کیونکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ کثیر پانی سوائے تغیر کے ناپاک نہ ہو۔ اھ اور مراقی الفلاح میں ہے کہ اسی پر ہمارے مشائخ بلخ نے لوگوں پر فراخی کیلئے فتوٰی دیا ہے اور دس ہاتھوں کا قول ہی مفتٰی بہ ہے۔ اور اس کے حاشیہ میں علامہ طحطاوی نے لکھا کہ نجاست کے گرنے کی جگہ اور دوسری جگہ میں فرق نہیں، اسی طرح ایک نجاست اور دوسری نجاست میں فرق نہیں، اور اس کی تصحیح کی جانی چاہئے کما فی الفتح، اور یہی مختار ہے، جیسا کہ علامہ قاسم نے فرمایا وعلیه الفتوٰی کما فی النصاب (اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ نصاب میں ہے) اھ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۰

[3] مراقی الفلاح الطہارۃ نور محمد کراچی ص۱۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رساله
فتوی مسمّٰی به
الطرس المعدل فی حدالماء المستعمل ١٣٢٠ھ

استعمال شدہ پانی کی تعریف میں منصف صحیفہ (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۸: ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ مستعمل کی کیا تعریف ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدالمن جعل الطھور غاسل اٰثامنا فطھر ارواحنا باسالۃ الماء علی اجسامنا فیالہ من منۃ وافضل الصلاۃ وازکی السلام علی من طھرنا من الانجاس وادام دیم نعمہ علینا حتی نقانا من الادناس وعلی اٰلہ وصحبہ واھل السنۃ اٰمین۔

اقول: وباللہ التوفیق (۱) مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاست حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا یعنی انسان کے کسی ایسے پارہ جسم کو مس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل لازم تھی یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کار ثواب تھا اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امر ثواب کی نیت سے استعمال کیا اور یوں اسقاط واجب تطہیر یا اقامت قربت کرکے عضو سے جُدا ہوا اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے اور بعض نے زوال حرکت وحصول استقرار کی بھی شرط لگائی۔ یہ بعونہٖ تعالٰی دونوں مذہب پر حد جامع مانع ہے کہ ان سطروں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔ اب فوائد قیود سنیے:

(۱) آب کثیر یعنی دَہ در دَہ یا جاری پانی میں محدث وضو یا جنب غسل کرے یا کوئی نجاست ہی دھوئی جائے تو پانی نہ نجس ہوگا نہ مستعمل لہٰذا قلیل کی قید ضرور ہے۔

(۲) محدث (۲) نے تمام یا بعض اعضائے وضو دھوئے اگرچہ بے نیت وضو محض ٹھنڈ یا میل وغیرہ جُدا کرنے کیلئے یا اُس نے اصلا کوئی فعل نہ کیا نہ اُس کا قصد تھا بلکہ کسی دوسرے نے اُس پر پانی ڈال دیا جو اُس کے کسی ایسے عضو پر گزرا جس کا وضو یا غسل میں پاک کرنا ہنوز اس پر فرض تھا مثلاً محدث کے ہاتھ یا جُنب کی پیٹھ پر تو ان سب صورتوں میں شکل اول کے سبب پانی مستعمل ہوگیا کہ اس نے محل نجاست حکمیہ سے مس کرکے اُتنے ٹکڑے کی تطہیر واجب کو ذمہ

مکلّف سے ساقط کر دیا اگرچہ پچھلی صورتوں میں ہنوز حکم تطہیر دیگر اعضا میں باقی ہے اور پہلی میں تو یعنی جبکہ تمام اعضا دھو لے فرض تطہیر پورا ہی ذمہ سے اُتر گیا۔

تنبیہ: (۱) پانی کولی یا بڑے مٹکے کے سوا کہیں نہیں وہ برتن جھکانے کے قابل نہیں چھوٹا برتن مثلاً کٹورا ایک ہی پاس تھا وہ اسی برتن میں گر کر ڈوب گیا کوئی بچّہ یا باوضو آدمی ایسا نہیں جس سے کہہ کر نکلوائے اب بمجبوری محدث خود ہی ہاتھ ڈال کر نکالے گا یا چھوٹا برتن سرے سے ہے ہی نہیں تو ناچار چُلّو لے لے کر ہاتھ دھوئے گا ان دونوں صورتوں میں بھی اگرچہ شکل اول اعنی اسقاط واجب تطہیر پائی گئی یہ ضرورۃً معاف رکھی گئی ہیں بے ضرورت ایسا کرے گا تو پانی کُل یا بعض بالاتفاق مستعمل ہو جائے گا اگرچہ ایک قول پر قابل وضو رہے۔ (۲) بیان اس کا یہ ہے کہ محدث یعنی بے وضو یا حاجت غسل والے کا وہ عضو جس پر سے ہنوز حکم تطہیر ساقط نہ ہوا اگرچہ کتنا ہی کم ہو مثلاً پورا یا ناخن اگر قلیل پانی سے مس کرے تو ہمارے علماء کو اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ سارا پانی مستعمل ہو جاتا ہے اور قابل وضو و غسل نہیں رہتا اور بعض کے نزدیک صرف اتنا مستعمل ہوا جس قدر اُس پارہ بدن سے ملا باقی آس پاس کا پانی جو اُس عضو کی محاذات میں ہے اور اُس سے مس نہ ہوا مستعمل نہ ہوا یوں ہی وہ تمام پانی کہ اُس عضو کے پہنچنے کی جگہ سے نیچے ہے اُس پر بھی حکم استعمال نہ آیا۔ اس قول پر مٹکے یا کولی میں کہنی تک ہاتھ ڈالنے سے بھی پانی قابل طہارت رہے گا کہ ظاہر ہے جو پانی ہاتھ کے آس پاس اور اُس سے نیچے رہا وہ اس حصے سے بہت زائد ہے جس نے ہاتھ سے مس کیا اور جب (۳) غیر مستعمل پانی مستعمل سے زائد ہو تو پانی قابلِ وضو و غسل رہتا ہے مثلاً لگن میں وضو کیا اور وہ پانی ایک گھڑے بھر آب غیر مستعمل میں ڈال دیا تو یہ مجموع قابلِ وضو ہے کہ مستعمل نا مستعمل سے کم ہے اسی پر قیاس کرکے ان بعض نے ہاتھ ڈالنے کا حکم رکھا کہ مستعمل تو اُتنا ہی ہوا جتنا ہاتھ کو لگا باقی کہ الگ رہا اُس پر غالب ہے اور فریق اول نے فرمایا کہ پانی ایک متصل جسم ہے اس کے بعض سے ملنا کُل سے ملنا ہے لہذا ناخن کی نوک یا پورے کا کنارہ لگ جانے سے بھی کُل مٹکا مستعمل ہو جائے گا۔ یہ دو قول ہیں اور فریقِ اول ہی کا قول احتیاط ہے بہرحال اتنے میں فریقین متفق ہیں کہ بے ضرورت چُلّو لینے یا ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ بعض تو ہماری تعریف اس قول پر بھی ہر طرح جامع مانع ہے۔

(۳) باوضو آدمی نے بہ نیت ثواب دوبارہ وضو کیا۔

(۴) سمجھ وال نابالغ نے وضو بقصدِ وضو کیا۔

(۵) حائض و نفساء کو جب تک حیض و نفاس باقی ہے وضو و غسل کا حکم نہیں مگر انہیں (۴) مستحب ہے کہ نماز پنجگانہ کے وقت اور اشراق و چاشت و تہجد کی عادت رکھتی ہو تو ان وقتوں میں بھی وضو کرکے کچھ دیر یادِ الٰہی کرلیا کرے کہ عبادت کی عادت باقی رہے۔ انہوں نے یہ وضو کیا۔

(۶) پاک آدمی نے ادائے سنّت کو جمعے یا عیدین یا عرفے یا احرام یا اور اوقات مسنونہ کا غسل یا میت کو غسل دینے کا وضو یا غسل کیا۔

(۷) باوضو(۱) نے کھانے کو یا کھانا کھا کر بہ نیت ادائے سنّت ہاتھ دھوئے یا کُلّی کی۔

(۸) وضوئے فرض یا نفل میں جو پانی کُلّی یا ناک میں پہنچانے میں صرف ہوا۔

(۹) کچھ اعضا دھو لئے تھے خشک ہوگئے سنت موالات کی نیت سے انہیں پھر دھویا ان سب صورتوں میں شکل دوم کے سبب مستعمل ہوجائے گا اگرچہ اسقاط واجب نہ کیا اقامت قربت کی (۲) میت کو نہلا کر غسل کرنا بھی مستحب ہے **کما فی الدر** وغیرہ۔

(۱۰) میت کے بارے میں علماء مختلف ہیں جمہور کے نزدیک موت نجاست حقیقہ ہے اس تقدیر پر تو وہ پانی کہ غسل میت میں صرف ہوا مائے مستعمل نہیں بلابلکہ ناپاک ہے اور بعض کے نزدیک نجاست حکمیہ ہے بحر الرائق وغیرہ میں اسی کو اصح کہا اس تقدیر پر وہ پانی بھی مائے مستعمل ہے اور ہماری تعریف کی شق اول میں داخل کہ اُس نے بھی اسقاط واجب کیا۔

اقول ولہٰذا ہم نے انسان کا پارہ جسم کہا نہ مکلّف کا کہ میت مکلّف نہیں۔ اور تطہیر لازم تھی کہا نہ یہ کہ اس کے ذمے پر لازم تھی کہ یہ تطہیر میت کے ذمّے پر نہیں احیا پر لازم ہے۔

(۱۱) یوں ہی غسل میت کا دوسرا اور تیسرا پانی بھی آبِ مستعمل ہوگا کہ اگرچہ پہلے پانی سے اسقاط واجب ہوگیا مگر غسلِ میت میں تثلیث بھی قربت مطلوبہ فی الشرع ہے۔

اقول ولہٰذا ہم نے شق دوم میں بھی بدن انسان مطلق رکھا۔

(۱۲) وضو علی الوضو کی نیت سے دوسرے کو کہا مجھے وضو کرادے اُس نے بے نیت ثواب اُس کے اعضائے وضو دھو دیئے پانی مستعمل ہوگیا کہ جب اس کے امر سے ہے اور اس کی نیت قربت کی ہے تو وہ اسی کا استعمال قرار پائے گا **الا تری انہ لو فعل ذلك محدث ونوی فقد اتی بالمامور بہ مع ان امر فاغسلوا وامسحوا انما کان علیہ** (جیسا کہ اگر بے وضو ایسا کرے اور نیت کرے تو مامور بہ کو بجالانے والا ہوگا جو فاغسلوا وامسحوا سے اس پر لازم تھا۔ ت)

(۱۳) باوضو(۳) آدمی نے اعضاء ٹھنڈے کرنے یا میل دھونے کو وضو بے نیت وضو علی الوضو کیا پانی مستعمل نہ ہوگا کہ اب نہ اسقاط واجب ہے نہ اقامت قربت۔

(۱۴) معلوم تھا کہ عضو تین ۳ بار دھو چکا ہوں اور ہنوز پانی خشک بھی نہ ہوا تھا بلاوجہ چوتھی بار اور ڈالا یہ بھی قربت نہیں بلکہ خلافِ ادب ہے۔

(۱۵) ہاں اگر شک ہو کہ دو ۲ بار دھویا یا تین ۳ بار یوں تیقن تثلیث کیلئے پانی پھر ڈالا تو مستعمل ہوجائے گا

اگرچہ واقع میں چوتھی بار ہو۔

(۱۶) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوامثلاًپیٹھ یا ران دھوئی۔

(۱۷) باوضو نے کھانا کھانے کو یا کھانے سے بعد یا ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلّی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ تھی مستعمل نہ ہوگا کہ حدث وقربت نہیں۔

(۱۸) باوضو نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا مستعمل نہ ہوا کہ تعلیم وضو اگرچہ قربت ہے مگر وضو سکھانے کو وضو کرنا فی نفسہ قربت نہیں سکھانا قربت ہے اور وہ زبان سے بھی ممکن وللہذا ہم نے قید لگائی کہ وہ استعمال خود کارِ ثواب تھا یعنی فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ولو مقصودا لغیرہ کالوضوء (فعل فی نفسہ مطلوب فی الشرع ہے اگرچہ مقصود لغیرہ ہو جیسے وضو ہے۔ت)

(۱۹) کوئی پاک کپڑا وغیرہ دھویا۔

(۲۰ و۲۱) کسی جانور یا نابالغ بچّے کو نہلایا اور ان کے بدن پر نجاست نہ تھی اگرچہ وہ جانور غیر ماکول اللحم ہو جیسے بلّی یا چوہا حتی کہ مذہب راجح میں کُتّا بھی جبکہ پانی اُن کے لعاب سے جُدا رہا اگرچہ نہلانا ان کے دفع مرض یا شدت گرما میں ٹھنڈ پہنچانے کو بہ نیت ثواب ہو مستعمل نہ ہوگا۔

اقول: کپڑا برتن جانور اور ان کے امثال تو بدن انسان کی قید سے خارج ہوئے اور نابالغ کو نہلانا مثل وضوئے تعلیم خود قربت نہیں کہ بچّوں کے نہلانے کا کوئی خاص حکم شرع میں نہ آیا ہاں انہیں بلکہ ہر مسلمان وجاندار کو نفع وآرام پہنچانے کی ترغیب ہے یہ امور عادیہ اُس حکم کی نیت سے کلیہ محمودہ کے نیچے آکر قربت ہوسکتے ہیں مگر موجب استعمال وہی فعل ہے جو بذاتِ خود قربت ومطلوب شرع ہو۔

(۲۲) حائض ونُفساء نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا پانی مستعمل نہ ہوگا کہ اس نے اگرچہ انسان کے جسم کو مس کیا جس کی تطہیر غسل سے واجب ہوگی مگر ابھی لازم نہیں بعد انقطاع لزوم ہوگا۔اقول وللہذا ہم نے بالفعل کی قید لگائی۔

(۲۳) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا جس طرح دو تین سال کے اطفال ماں باپ کو دیکھ کر بطور نقل وحکایت افعال وضو نماز کرنے لگتے ہیں پانی مستعمل نہ ہوگا کہ نہ قربت نہ حدث۔

(۲۴) وضو کرنے میں پانی کو جب تک اُسی عضو پر بہہ رہا ہے حکم استعمال نہ دیا جائے گا ورنہ وضو محال ہوجائے بلکہ جب اُس عضو سے جُدا ہوگا اس وقت مستعمل کہا جائے گا اگرچہ ہنوز کہیں مستقر نہ ہوا ہو مثلاً(۱) منہ دھونے میں کلائی پر پانی لیا اور وہی پانی کے مُنہ سے جُدا ہوکر آیا کلائی پر بہالیا جمہور کے نزدیک کافی نہ ہوگا کہ مُنہ سے منفصل ہوتے ہی حکم استعمال ہوگیا ہاں جن بعض کے یہاں استقرار شرط ہے اُن کے نزدیک کافی ہے کہ ابھی مستعمل نہ ہوا اور غسل میں سارا بدن عضو واحد ہے تو سر کا پانی کہ پاؤں تک بہتا جائے جس جس جگہ گزرا سب کو پاک کرتا جائے گا۔

(۲۵) اقول نجاست میں حکمیہ کی تقیید کا فائدہ ظاہر ہے کہ جو پانی نجاست حقیقیہ کے ازالہ میں صرف ہو ہمارے نزدیک مطلقاً ناپاک ہوجائے گا نہ کہ مستعمل۔

(۲۶) **اقول:** ہم نے پانی کو مطلق رکھا اور خود رفع نجاست حکمیہ واقامت قربت ہائے مذکورہ سے واضح کہ پانی سے مائے مطلق مراد ہے تو شوربے یا دودھ کی لسّی یا نبیذ تمر سے اگر وضو کرے وہ مستعمل نہ ہونگے ان سے وضو ہی نہ ہوگا تو مستعمل کیا ہوں۔

(۲۷) خود نفس جنس یعنی پانی نے دودھ سرکہ گلاب کیوڑے وغیرہا کو خارج کردیا کہ اُن سے وضو کرے تو مستعمل نہ ہوں گے اگرچہ بے وضو ہو اگرچہ جُنب ہو اگرچہ نیت قربت کرے کہ (۱) غیر آب نجاست حکمیہ سے اصلا تطہیر نہیں کرسکتا۔

تنبیہ: اگر کہیے ۲۶ و ۲۷ کا ثمرہ کیا ہے کہ مستعمل ہونے سے ہمارے نزدیک شے نجس نہیں ہوجاتی صرف نجاست حکمیہ دور کرنے کے قابل نہیں رہتی یہ قابلیت ان اشیاء میں پہلے بھی نہ تھی تو ان کو مستعمل نہ ماننے کا کیا فائدہ ہوا۔ اقول اول تو یہی فائدہ بہت تھا کہ مستعمل نہ ہونے سے ان کی طہارت متفق علیہ رہے گی کہ مستعمل کی طہارت میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے اگرچہ صحیح طہارت ہے۔

ثانیاً: مستعمل (۲) اگرچہ طاہر ہے مگر قذر ہے مسجد میں اُس کا ڈالنا ناجائز ہے ان اشیاء کو مستعمل نہ بتانے سے یہ معلوم ہوا کہ مثلاً جس (۳) گلاب سے کسی نے وضو کیا اُسے مسجد میں چھڑک سکتے ہیں کہ وہ مستعمل نہ ہوا۔

بالجملہ یہ وہ نفیس وجلیل جامع ومانع وشافی ونافع تعریف مائے مستعمل ہے کہ بفضلِ الٰہی خدمت کلمات علمائے کرام سے اس فقیر پر القا ہوئے **وللّٰہ الحمد**۔ سہولتِ حفظ کیلئے فقیر اسے نظم کرتا اور برادران دینی سے دعائے عفو وعافیت کی طمع رکھتا ہے ؎

[1] مائے مستعمل کہ طاہر نامطہر وصف اوست	جامع ومانع حداوازرضا دو حرف شد
مطلقے کو واجب شستن زحدثے کاست یا	بربشر در قربت مطلوبہ عیناً صرف شد
راکدے عـہ کاینسان جداشد از بدن مستعمل ست	لیک نزد بعض چوں قائم بجایا ظرف شد

دو شعر اخیر میں وہ تمام تفاصیل آگئیں جو یہاں تک مذکور ہوئیں اور یہ بھی کہ راجح قول اول ہے یعنی بدن سے جدا ہوتے ہی مستعمل کا حکم دیا جائے گا کسی جگہ مستقر ہونا شرط نہیں۔ اب عبارات علماء اور بعض مسائل مذکورہ میں اپنی تحقیق مفرد ذکر کریں **وباللّٰہ التوفیق**۔ تنویر الابصار و دُرِ مختار و ردالمحتار میں ہے:

لایجوز بماء استعمل لاجل قربۃ ای ثواب ولو	وضو اُس پانی سے جائز نہیں جس کو بطور ثواب استعمال کیا گیا ہو۔

[1] ترجمہ: مستعمل پانی جو کہ خود پاک ہوتا ہے اور دوسرے کو پاک نہیں کرتا رضا سے اس کی جامع مانع تعریف دو باتوں میں ہوئی * جس سے مطلقاً حدث زائل ہوا ہو یا قربت مقصودہ کی نیت سے بدن پر استعمال ہوا ہو قلیل پانی جب بدن سے جُدا ہوا تو مستعمل ہوجائیگا لیکن بعض کے نزدیک بدن سے جُدا ہو کر کسی جگہ یا ظرف میں اس کا قرار ضروری ہے۔

عـــہ: راکد بمعنے غیر جاری یعنی آبِ قلیل کہ دَہ در دَہ نباشد ۱۲ (م)

من ممیز[1] (اذا توضأ یرید به التطهیر کما فی الخانیة وظاھرہ انه لولم یرد به ذلك لم یصر مستعملا[2]) اوحائض لعادۃ عبادۃ[3] (قال فی النھر قالوا بوضوء الحائض یصیر مستعملا لانه یستحب لھا الوضوء لکل فریضة وان تجلس فی مصلاھا قدرھا کیلا تنسی عادتھا وینبغی ان لو توضأت لتھجد عادی اوصلاۃ ضحی ان یصیر مستعملا اھ واقرہ الرملی وغیرہ ووجھه ظاھر فلذا جزم به الشارح فاطلق العبادۃ تبعا لجامع الفتاوی[4]) اوغسل میت[5] وکون غسالته مستعملة ھوالاصح بحر **اقول:** قول العامة واعتمدہ البدائع ان نجاسة المیت نجاسة خبث لانه حیوان دموی ویجوز عطفه علی ممیزای ولو من اجل غسل میت لانه یندب الوضوء من غسل المیت[6] اوید لاکل اومنه بنیة السنة[7] قید به فی البحر اخذا من قول المحیط لانه اقام به قربة لانه سنة اھ فی النھر وعلیه ینبغی اشتراطه فی کل	اگرچہ اس بچّہ نے استعمال کیا ہے جس میں شعور پیدا ہوچکا ہو۔(جبکہ وضو کیا کہ اس سے اس کا ارادہ پاکی حاصل کرنے کا تھا کما فی الخانیہ اور اس کا ظاہر یہ ہے کہ اگر اس سے طہارت کا ارادہ نہ کیا تو مستعمل نہ ہوگا) یا حائض عبادت کی عادت کی وجہ سے،(نہر میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا حائض کے وضو سے مستعمل ہوجائے گا کہ اس کیلئے ہر فرض کیلئے وضو مستحب ہے اور یہ کہ نماز کی مقدار میں اپنے مصلّی پر بیٹھے تاکہ نماز کی عادت نہ ختم ہوجائے اور اگر تہجد یا نماز چاشت کیلئے اُس نے وضو کیا تو چاہئے کہ وہ پانی مستعمل ہوجائے اھ رَملی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا،اور اس کی وجہ ظاہر ہے،اس لئے اس پر شارح نے جزم کیا اور عبادت کو مطلق رکھا،جامع الفتاوٰی کی متابعت میں) یا میت کو غسل دیا اور اس غسل کے مستعمل پانی کا مستعمل ہونا ہی اصح ہے بحر، **میں کہتا ہوں** عام فقہاء کا قول یہی ہے،اس پر بدائع نے اعتماد کیا کہ میت کی نجاست خُبث کی نجاست ہے،کیونکہ میت خون والا جانور ہے،اور اس کا

[1] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

[3] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[4] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

[5] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[6] ردالمحتار باب المیاہ مصر ۱/۱۴۵

[7] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

سنة کغسل فم وانف اھ قال الرملی ولا تردد فیه حتی لولم یکن جنبا وقصد بغسل الفم و الانف مجرد التنظیف لااقامة القربة لایصیر مستعملا[1]) اولرفع حدث کوضوء محدث ولو للتبرد فلو توضأ متوضئ لتبردا وتعلیم اولطین بیدہ لم یصر مستعملا اتفاقا[2](اورد ان تعلیم الوضوء قربة واجاب البحر وتبعه النهر وغیرہ ان التوضی نفسه لیس قربة بل التعلیم وهو خارج عنه ولذا یحصل بالقول[3])کزیادة علی الثلث بلانیة قربة [4](ان اراد الزیادة علی الوضوء الاول وفیه اختلاف المشائخ اما لواراد بها ابتداء الوضوء صار مستعملا بدائع ای اذا کان بعد الفراغ من الوضوء الاول والا لکان بدعة کما مر فلا یصیر مستعملا وهذا ایضا اذا اختلف المجلس والا فلا لانه مکروہ بحر لکن قدمنا ان المکروہ تکرارہ فی مجلس مرارا عـــه[5]) وکغسل نحو فخذ[6](مما لیس من اعضاء الوضوء وهو

عطف ممیز پر جائز ہے یعنی" اگرچہ میت کے غسل کی وجہ سے ہو کیونکہ میت کو نہلانے کے بعد وضو کرلینا مندوب ہے، یا ہاتھ دھونا کھانے کیلئے یااس سے بہ نیت سنت (بحر میں یہ قید محیط کے قول سے لے کر لگائی ہے کیونکہ اُس نے اس سے عبادت ادا کی ہےاس لئے کہ وہ سنت ہے اھاور نہر میں ہے کہ اس بناپر یہ شرط لگانی چاہئے ہر سنّت میں جیسے منہ کادھونا یا ناک میں پانی ڈالنا،اھ رملی نے کہاکہ اس میں کوئی تردد نہیں حتی کہ اگر وہ جُنب نہ ہو اور منہ اور ناک کے دھونے سے محض صفائی کاارادہ کرے نہ کہ قربت کی ادائیگی کا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، یاحدث کو رفع کرنے کیلئے جیسے بے وضو کا وضو کرنا خواہ ٹھنڈک کے حصول کیلئے ہو،تو اگر کسی باوضو شخص نے ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے، سکھانے کیلئے، یا ہاتھوں کی مٹی چھڑانے کیلئے وضو کیا تو یہ پانی مستعمل نہ ہوگا، بالاتفاق (اس پر یہ اعتراض وارد کیا گیا ہے کہ وضو کرنے کی تعلیم دینا بجائے خود عبادت ہے؟ بحر نے اس کاجواب دیا جس کو نہروغیرہ نے بھی پسند

عـــه قد قدمنا التحقیق فی کل ذلك فی بارق النور فتذکرہ اھ منه قدس سرہ۔

ہم نے اس کی تحقیق بارق النور میں پہلے بیان کردی ہے اس کو یاد کرلے اھ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[2] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷)

[3] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[4] الدرالمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[5] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[6] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

محدث لاجنب[1])او ثوب طاھر[2](ونحوہ من الجامدات کقدور وثمار قھستانی[3])اودابۃ تؤکل[4] (بحر عن المبتغی قال سیدی عبدالغنی وغیرھا کذلك لاتنجس الماء ولا تسلب طھوریتہ کحمار و فارۃ وسباع بھائم لم یصل الماء الٰی فمھا اھ وذکر الرحمتی نحوہ[5])اولا سقاط فرض بان یغسل بعض اعضائہ[6]التی یجب غسلھا احترازا عن غسل المحدث نحوا لفخذ[7]اویدخل یدہ او رجلہ فی جب لغیر اغتراف ونحوہ[8](بل لتبرد اوغسل ید من طین اوعجین فلو قصد الاغتراف ونحوہ کاستخراج کوزلم یصر مستعملا للضرورۃ[9])فانہ یصیر مستعملا اذا انفصل عن عضو وان لم یستقر فی شیئ علی المذھب وقیل اذا استقر[10](فی مکان من ارض اوکف اوثوب ویسکن عن التحرك وھذا قول طائفۃ من مشائخ بلخ واختارہ فخر الاسلام وغیرہ.وفی الخلاصۃ وغیرھا انہ المختار الا ان العامۃ علی الاول وھو الاصح واثر الخلاف یظھر

کیا کہ وضو خود قربت نہیں ہے،ہاں تعلیم قربت ہے اور تعلیم وضو سے الگ شے ہے اس لئے تعلیم صرف قول سے بھی ہو جاتی ہے)جیسے تین مرتبہ سے زائد اعضاء وضو کا بلانیت قربت دھونا،(یہ اُس وقت ہے جب اُس کا ارادہ یہ ہو کہ پہلے وضو پر زیادتی کی جائے اوراس میں مشائخ کااختلاف ہے،اوراگراس سے وضو کی ابتداء مراد ہو تو اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا،بدائع،یعنی جبکہ پہلے وضو سے فراغت کے بعد ہو ورنہ بدعت ہوگا جیسا کہ گزراتو مستعمل نہ ہوگا،اور یہ بھی اس وقت ہے جبکہ مجلس مختلف ہو ورنہ نہیں کیونکہ یہ مکروہ ہے،بحر۔لیکن ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ مکروہ اس کا ایک ہی مجلس میں کئی مرتبہ تکرار ہے)اور جیسے ران کا دھونا(جو اعضائے وضو سے نہیں ہے حالانکہ وہ بے وضو ہونہ کہ جنب ہو)یا پاک کپڑا(اوراسی کی مثل خشک اشیاء جیسے ہانڈیاں اور پھل،قہستانی)یا وہ چوپایہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہو،(بحر نے اس کو مبتغی سے روایت کیا،سیدی عبدالغنی وغیرہ نے کہااور اسکے علاوہ بھی پانی ناپاک نہیں کرتے ہیں اوراُس کے پاک کرنے کی صفت کواُس سے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[2] در مختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[4] در مختار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[5] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[6] در مختار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[7] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۷

[8] در مختار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶)

[9] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

[10] در مختار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶

فیما لو انفصل فسقط علی انسان فأجراه علیه صح علی الثانی لاالاول نهر وقدمران اعضاء الغسل کعضو واحد فلو انفصل منه فسقط علی عضو اٰخر من اعضاء الغسل فأجراه علیه صح علی القولین[1] اھ ملتقطاوفی الهندیة عن التاتارخانیة لوتوضاء بالخل اوماء الورد لایصیر مستعملا عندالکل[2] اھ	سلب نہیں کرتے ہیں، جیسا گدھا، چوہا، اور چوپایوں میں سے درندے جبکہ پانی ان کے منہ تک نہ پہنچے اھ اور رحمتی نے ایسا ہی ذکر کیا) (یا کسی فرض کو ساقط کرنے کیلئے مثلًا یہ کہ کسی عضو کو دھوئے) (اُن اعضاء میں سے جن کا دھونا لازم ہے، یہ بے وضو شخص کے اپنی ران وغیرہ کو دھونے سے احتراز ہے) یا اپنا ہاتھ یا پیر کسی گڑھے میں ڈالے، اُس سے چلّو وغیرہ نہ بھرے،

(بلکہ ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے یا ہاتھوں کو مٹی سے یا آٹے سے صاف کرنا مقصود، تو اگر چلّو بھرنے کا ارادہ کیا جیسے پانی سے لوٹا نکالنے کیلئے ہاتھ ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورتاً ہے) کیونکہ پانی مستعمل اُس وقت ہوگا جبکہ عضو سے جُدا ہو، اگرچہ کسی چیز پر نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جبکہ کسی جگہ پر ٹھہرے، (زمین پر یا ہاتھ پر یا کپڑے پر، اور حرکت کے بعد اس میں سکون پیدا ہو چکا ہو، یہ بلخ کے مشائخ میں سے بعض کا قول ہے اس کو فخر الاسلام وغیرہ نے پسند کیا ہے، اور خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، مگر عام علماء پہلے قول پر ہی ہیں اور وہی اصح ہے، اس اختلاف کا اثر اُس صورت میں ہوگا جبکہ پانی جدا ہو کر کسی انسان پر گرے اور وہ اس کو اپنے اوپر جاری کرے تو دوسرے قول پر صحیح ہے نہ کہ پہلے پر، نہر۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ اعضاء غسل ایک عضو کی طرح ہیں، تو اگر اُس سے پانی جُدا ہو کر اعضاءِ غسل پر گرا اور اُس نے وہ اُن پر جاری کرلیا تو دونوں اقوال کے مطابق صحیح ہوگا اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سرکہ سے یا گلاب کے عرق سے وضو کیا تو سب کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

تنبیه: قال(۱) فی المنیة بعدما عرف المستعمل بماء ازیل به حدث اواستعمل فی البدن علی وجه القربة مانصه امرأة غسلت القدر او القصاع لایصیر الماء مستعملا[3] اھ۔	تنبیہ: مُنیہ میں ماءِ مستعمل کی تعریف میں کہا کہ "وہ پانی جس سے کوئی حَدَث زائل کیا گیا ہو یا بدن پر قُربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو، پھر فرمایا کہ اگر کسی عورت نے ہانڈی یا بڑا پیالہ دھویا تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ۔ ت

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۷

[2] ہندیۃ فیما لایجوزبہ الوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۳

[3] منیۃ المصلی فی النجاسۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۰۸

اقول: وھو کما تری مطلق یشمل ماذا نوت به اقامة سنة لاجرم ان قال فی الغنیة قوله فی البدن احتراز عما اذا استعمل فی غیرہ من ثوب ونحوہ بنیة القربة فانه لایصیر مستعملا ویتفرع علی ماذکرنا امرأۃ غسلت القدر اوالقصاع [1]الخ لکن قال فی الحلیة اما القدر والقصاع ونحوھما من الاعیان الطاھرات کالبقول والثمار والثیاب والاحجار فلان الجمادات لا یلحقھا حکم العبادۃ اما لو نوت بذلك قربة بان غسلتھما من الطعام بقصد اقامة السنة کان ذلك الماء مستعملا [2] اھ **اقول اولا:** فیه (۱)بعد ولم یعزہ لاحد وقد قید فی مختصر القدوری والھدایة والمنیة وغیرھا الاستعمال لقربة بکونه فی البدن واقر علیه ھذا المحقق ومفاھیم الکتب حجة ولذا جعله فی الغنیة احترازاً ومثله فی الجوھرۃ النیرۃ حیث قال قوله فی البدن قید به لانه ماکان من غسالة الجمادات کالقدور والقصاع والحجارۃ لایکون مستعملا [3]الخ**وثانیا:**(۲)تراھم عن اخرھم یرسلون مسائل الاستعمال فی غیر

میں کہتا ہوں یہ مطلق ہے اس میں یہ صورت بھی شامل ہے جبکہ اُس عورت نے اس دھونے سے سنّت کی ادائیگی کا ارادہ کیا ہو، غنیہ میں کہا کہ اُن کا قول "فی البدن" اس صورت سے احتراز ہے جب کپڑے وغیرہ میں استعمال کیا ہو بہ نیت "**قُربة**" تو وہ مستعمل نہ ہوگا، اور جو ہم نے ذکر کیا اُس پر یہ تفریع ہوگی کہ کسی عورت نے ہانڈی یا پیالے دھوئے الخ مگر حلیہ میں فرمایا" بہرحال ہانڈی پیالے وغیرہ یعنی پاک اشیا جیسے سبزیاں، پھل، کپڑے، پتھّر، تو اس لئے کہ جمادات پر عبادات کا حکم جاری نہیں ہوتا ہے، اگر ان کے ساتھ قربت کا ارادہ کیا یعنی کھانا لگ جانے کے بعد ان کو بطور سنّت دھویا تو یہ پانی مستعمل ہو جائے گا اھ (ت)

میں کہتا ہوں اوّلاً: اس میں بُعد ہے اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا ہے ہدایہ، مختصر قدوری اور منیہ وغیرہ میں قُربت کے استعمال کو بدن میں ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، اور اس محقق نے اسے برقرار رکھا ہے اور کتابوں کے مفاہیم ہمارے لئے حجت ہیں، اور اس لئے غنیہ میں اس کو قید احترازی قرار دیا ہے، اسی کی مثل جوہرہ نیرہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ان کا قول "فی البدن" کیونکہ جمادات کا دھوون جیسے ہانڈیاں، پیالے، پتھر کا دھوون، مستعمل نہ ہوگا الخ

---

[1] غنیۃ المستملی فی النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۳

[2] حلیہ

[3] الجوہرۃ النیرۃ الطہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۶

بدن الانسان ارسالا تاما غیر جانحین الی تقییدھا بعدم نیة القربة(۱) کمسألة غسل الدابة المذکورة فی المبتغی والفتح والبحر والدر و التتارخانیة وغیرھا ومسألة القدور والقصاع ھذہ وغیرھا فاطباقھم علی اطلاقھا یؤذن باتفاقھم علی تقییدھا ببدن الانسان فان کل ذلك یحتمل نیة القربة کغسل ثوب ابویه من الوسخ والثمار من الغبار لاکلھما واحجار فرش المسجد للتنظیف الی غیر ذلك فما من مباح الا ویمکن جعله قربة بنیة محمودة کم لایخفی علی عالم علم النیات	**ثانیًا:** فقہاء سب کے سب غیر انسان کے بدن میں استعمال کے مسائل کو مطلق رکھتے ہیں عدمِ نیتِ قربت کی قید نہیں لگا تے ہیں، جیسے گھوڑے کو غسل دینے کا مسئلہ جس کا ذکر مبتغی، فتح، بحر، دُرّ اور تتار خانیہ وغیرہ میں ہے اور کپڑے اور پتھروں کا مسئلہ ______ پھلوں کا مسئلہ، ہانڈیوں اور پیالوں کا مسئلہ وغیرہا تو اُن تمام فقہا کا ان کو مطلق رکھنے پر اتفاق کرلینا اس امر کی علامت ہے کہ وہ سب کے سب اس کو بدنِ انسانی کے ساتھ مقید کرنے پر متفق ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک نیتِ قربت کا احتمال رکھتا ہے، جیسے اپنے والدین کے میلے کپڑوں کا دھونا، اور والدین کے کھلانے کیلئے پھلوں کا دھونا، اور مسجد کے فرش کا صفائی کیلئے دھونا وغیرہ تو ہر مباح کا نیت محمودہ سے قربت کرلینا ممکن ہے، اور نیتوں کا جاننے والا اِسے خوب جانتا ہے۔
وثالثًا:(۲) ھذا التقیید ھو القضیة للدلیل(۳) الذی جعل به اقامة القربة مغیر الماء عن وصف الطھوریة اعنی حمله الاٰثام من البدن المستعمل فیه فی الھدایة قال محمد رحمه الله تعالٰی لایصیر مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال بانتقال نجاسة الاٰثام الیه وانما تزول بالقرب وابو یوسف رحمه الله تعالٰی یقول اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین[1] اھ وفی العنایة التغیر عندھما(ای تغیر الماء وتدنسه عند الشیخین رضی الله تعالٰی عنھما) انما یکون بزوال نجاسة حکمیة عن المحل	**ثالثًا:** یہ قید لگانا ہی دلیل کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے قربت کی ادائیگی کو پانی کے وصف کو طہوریت سے متغیر کردینے والا قرار دیا تھا، یعنی اُس کا بدن سے گناہوں کا دُور کردینا۔ ہدایہ میں ہے کہ امام محمد نے فرمایا پانی قربت کی ادائیگی سے ہی مستعمل ہوتا ہے کیونکہ استعمال کی وجہ گناہوں کا اُس کی طرف منتقل ہونا ہے، اور یہ چیز قُربت کی ادائیگی سے ہی ہوتی ہے، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اسقاطِ فرض بھی اس میں مؤثّر ہے تو
وانتقالھا الی الماء وقد انتقلت الی الماء فی الحالین(ای حال اقامة القربة وحال اسقاط الواجب(کما تقدم من	دونوں صورتوں میں فساد ثابت ہوجائے گا اھ اور عنایہ میں ہے کہ تغیر اُن دونوں کے نزدیک (یعنی پانی کا بدلنا اور اُس کا

[1] الھدایة باب الماء الذی یجوزبه الوضوء المکتبة العربیة کراچی ۱/۲۲)

اعتبارها بالنجاسة الحقیقیة فیثبت فساد الماء بالامرین جمیعا [1] اھ موضحا.ومثله فی البحر عن المحیط حیث قال تغیر الماء عند محمد باعتبار اقامة القربة به وعندهما باعتبار انه تحول الیه نجاسة حکمیة وفی الحالین تحول الی الماء نجاسة حکمیة فاوجب تغیره [2] اھ وفی التبیین سببه اقامة القربة اوازالة الحدث به عند ابی حنیفة وابی یوسف وعند محمد رضی الله تعالٰی عنهم اقامة القربة لاغیر والاول اصح لان الاستعمال بانتقال نجاسة الحدث اونجاسة الاٰثام الیه [3] اھ وقال فی الکافی سؤر الکلب نجس لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلثا لایقال جاز ان یؤمر بالغسل تعبدا کما امر المحدث بالوضوء لان الغسل تعبدالم یشرع الا فی طهارة الصلاة فانه یقع لله تعالٰی عبادة والجمادات لایلحقها حکم العبادات لانها باعتبار نجاسة الاٰثام والجمادات لیست باھل لها لایقال(۱)الحجر	میلا ہونا شیخین رضی اللہ عنہما کے نزدیک (نجاست حکمیہ کا محل سے زائل ہو کر پانی کی طرف منتقل ہونے کے باعث ہوگا، اور یہ نجاست دونوں صورتوں میں ہی پانی کی طرف منتقل ہوئی ہے) قربۃ کی ادائیگی اور اسقاط فرض دونوں صورتوں میں) جیسا کہ گزرا کہ اس کو نجاست حقیقیہ پر قیاس کیا گیا ہے، تو پانی کا فساد دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا اھ اسی قسم کی بات بحر میں محیط سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں پانی کا تغیر امام محمد کے نزدیک اس پر مبنی ہے کہ قُربت اُس سے ادا کی گئی ہے، اور شیخین کے نزدیک اس لئے ہے کہ پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوئی ہے اور دونوں حالتوں ہی میں پانی کی طرف نجاست حکمیہ منتقل ہوئی ہے اس لئے پانی متغیر ہوجائے گا اھ اور تبیین میں ہے اس کا سبب قُربۃ کا قائم کرنا ہے اور اُس سے حَدَث کا زائل کرنا ہے یہ شیخین کے نزدیک ہے، اور امام محمد کے نزدیک صرف قُربت کا ادا کرنا ہے، اور اول اصحّ ہے کیونکہ استعمال کا باعث یہ ہے کہ حَدَث کی نجاست اُس کی طرف منتقل ہوئی ہے یا گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوئی ہے اھ اور کافی میں ہے کہ کُتّے کا جھُوٹا نجس ہے کیونکہ

[1] العنایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۸

[2] بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱)

[3] تبیین الحقائق الماء المستعمل بولاق مصر ۱/۲۴)

الذی استعمل فی رمی الجمار یغسل ویرمی ثانیا لاقامۃ القربۃ بہ لان الحجر الۃ الرمی وقد تتغیر الالۃ بنقل نجاسۃ الاٰثام الیھا کمال الزکٰوۃ والماء المستعمل [1] اھ باختصار۔	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس برتن کو کُتّا لے اس چاٹ کو تین مرتبہ دھویا جائے۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ بھی تو جائز ہے کہ غسل کا حکم تعبُّدًا دیا جائے جیسے بے وضو کو وضو کا حکم دیا گیا، **تو اس کا جواب یہ** ہے کہ غسل تعبُّدًا صرف نماز کی طہارت کیلئے مشروع ہوا ہے کیونکہ وہ اللہ کی عبادت ہے، اور جمادات کو عبادات کا حکم نہیں ہے، کیونکہ وہ گناہوں کی نجاست کی وجہ سے ہے، اور جمادات گناہوں کے اہل نہیں ہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ وہ پتھر جو رمی جمرات میں استعمال ہوا ہو اس کو دھو کر دوبارہ اُسی سے قربت کی ادائیگی کیلئے رمی کی جائے تو کیا حکم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ پتھر آلہ رمی ہے اور آلہ اس کی طرف گناہوں کے منتقل ہونے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے جیسے زکوٰۃ کا مال اور مستعمل پانی اھ باختصار۔

اقول: وبما حثنا ھذہ ظھر وللہ الحمد ان مطلق الوقایۃ والنقایۃ والکنز والغرر والاصلاح والملتقی والتنویر محمول علی مقید الکتاب والھدایۃ والمنیۃ ومما یؤیدہ اطباقھم علی اشتراط الانفصال عن العضو للحکم بالاستعمال وانما(۱) وقع المقال فی اشتراط القرار بعد الانفصال فشرطہ بعض المشائخ وبہ جزم فی الکنز مخالفا لکافیہ واختارہ الامام فخرالاسلام وغیرہ فی شروح الجامع الصغیر وھو مذھب الامام ابی حفص الکبیر والامام ظھیر الدین المرغینانی وقال فی الخلاصۃ ھو المختار ورجحہ الاتقانی فی غایۃ البیان زاعما ان فی عدم اشتراطہ حرجا کما بینہ مع جوابہ فی البحر والمذھب	**الحمدللہ** ہماری ان بحثوں سے معلوم ہوا کہ وقایہ، نقایہ، کنز، غُرر، اصلاح، ملتقی اور تنویر کا اطلاق کتاب (قدوری) ہدایہ اور منیہ کے مقید پر محمول ہے، اور اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ان کا اتفاق ہے کہ پانی کا عضو سے جُدا ہونا اس کے مستعمل ہونے کیلئے شرط ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ انفصال کے بعد قرار کی شرط ہے یا نہیں؟ تو بعض مشائخ نے اس کی شرط رکھی ہے اور اسی پر کنز میں جزم کیا ہے جو اسکی اپنی کافی کے خلاف ہے، اور اس کو امام فخرالاسلام نے جامع صغیر کی شروح میں مختار قرار دیا ہے، اور یہی ابو حفص کبیر اور امام ظہیر الدین مرغینانی کا مذہب ہے، اور خلاصہ میں اسی کو مختار قرار دیا ہے، اور غایۃ البیان میں علامہ اتقانی نے اس کو راجح قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو شرط نہ کرنے میں حرج ہے

[1] کافی

عندنا هو حكم الاستعمال بمجرد الانفصال و صححه فى الهداية وكثير من الكتب واعتمده فى الكافى وضعف خلافه وعليه المحققون كما فى الفتح والعامة كما فى البحر بل فى المحيط ان القائل باشتراط الاستقرار الامام سفيٰن الثورى رحمه الله تعالىٰ دون اهل المذهب وقد تكفل فى الفتح والبحر برد ماتعلقوا به واشار اليه فى الدر وبالجملة المذكور فى كلام الفريقين هو الانفصال عن العضو المؤذن بان المراداستعماله فى البدن لاغير والله تعالىٰ اعلم.

جیسا کہ انہوں نے اس کو بیان کیا اور اس کا جواب بھی بحر میں دیا، اور ہمارے نزدیک پانی عضو سے جدا ہوتے ہی مستعمل ہو جاتا ہے، اسی کو ہدایہ میں صحیح کہا ہے، اور کافی میں اس پر اعتماد کیا ہے اور اس کے خلاف کو ضعیف قرار دیا ہے، اور اسی پر محققین ہیں جیسا کہ فتح میں اور عام کتب میں ہے کما فی البحر، بلکہ محیط میں ہے کہ استقرار کی شرط کے قائل امام سفیان ثوری ہیں، اہل مذہب نہیں ہیں اور فتح اور بحر میں اِن کے دلائل کا رد کیا ہے اور دُر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فریقین کے کلام میں مذکور عضو سے منفصل ہونا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مراد اس کا بدن ہی میں استعمال ہے فقط نہ کہ اسکے غیر میں والله تعالیٰ اعلم

ورابعا: (۱)محل نظر كون غسل الاوانى بالماء لمجرد اثر الطعام قربة مطلوب بعينها بل المطلوب هو التنظيف وربما يحصل بلحس وبخرقة وبغير ماء مطلق و(۲)الاول اقرب الى التواضع والتأدب بأداب السنة. فاخرج عــہ الامام مسلم فى صحيحه عن جابر رضى الله تعالىٰ عنه

رابعًا: محلِ نظر یہ امر ہے کہ برتنوں کو محض اس لئے دھونا کہ اُن پر کھانے کا اثر ہے یہی قُربت مطلوبہ ہے بلکہ مطلوب صفائی ہے جو کبھی چاٹ کر بھی کپڑے سے

عــــہ: ترجمہ واحادیث (۱) صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انگلیاں اور رکابی چاٹنے کا حکم فرماتے اور ارشاد کرتے تمہیں کیا معلوم کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے یعنی شاید اسی حصے میں ہو جو انگلیوں یا برتن میں لگا رہ گیا ہے۔ امام حکیم ترمذی نے حضرت انس سے یہ لفظ نقل کئے "اور وہ برتن اس کے لئے دعا کرے گا" (۲) مسلم واحمد وابوداؤد وترمذی ونسائی نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں کھانا کھا کر پیالہ خوب صاف کر دینے کا حکم فرمایا کہ تم کیا جانو کہ تمھارے کون سے کھانے میں برکت ہے۔ (۳) احمد وترمذی وابن ماجہ نے نبیشۃ الخیر الھذلی سے روای کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی پیالے میں کھانا کھا کر زبان سے اسے صاف کر دے وہ پیالہ اس کیلئے دعائے مغفرت کرے گا۔ (۴) امام حکیم ترمذی اسی مضمون میں حضرت انس سے راوی کہ فرمایا اور وہ برتن اس پر درود (باقی اگلے صفحہ پر)

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر بلعق الاصابع والصحفة وقال انکم لاتدرون فی ایہ البرکة[1] ولہ کاحمد وابی داؤد والترمذی والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا ان نسلت القصعة قال فانکم لاتدرون فی ای طعامکم البرکة[2] و للامام احمد والترمذی وابن ماجة عن نبیشة الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل فی قصعة ثم لحسھا استغفرت لھا	اور کبھی ماء مطلق کے غیر سے حاصل ہوجاتی ہے اور پہلا اقرب الی التواضع ہے اور اس میں اتباع سنت بھی ہے، چنانچہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیاں چاٹنے اور برتن چاٹنے کا حکم دیا اور فرمایا تم کو معلوم نہیں کہ کس چیز میں برکت ہوگی! اور امام مسلم، احمد، ابوداود، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس سے مرفوعا روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں برتن صاف کرنے کا حکم دیا ہے فرمایا تم کو پتا نہیں کہ تمہارے کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔ امام احمد، ترمذی اور

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) بھیجے دیلمی کی روایت میں ہے کہ فرمایا وہ پیالہ یوں کہے الٰہی! اسے آتش دوزخ سے بچا جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے بچایا یعنی برتن سنا ہوا چھوڑ دیں تو شیطان اسے چاٹتا ہے۔

(۵) حاکم اور ابن حبّان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے شعب میں جابر بن عبداللہ سے مرفوعاً روایت کیا، آپ نے فرمایا کہ پیالہ کو نہ اٹھائے تاوقتیکہ اس کو خود چاٹ لے یا دوسرے کو چاٹنے دے کیونکہ کھانے کے آخر میں برکت ہے۔

(۶) مسند حسن بن سفیان میں والد رائطہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پیالہ چاٹ لینا مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ اس پیالے بھر کھانا تصدق کروں یعنی چاٹنے میں جو تواضع ہے اس کا ثواب اس تصدق کے ثواب سے زیادہ ہے۔

(۷) معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو رکابی اور اپنی انگلیاں چاٹے اللہ تعالٰی دنیا اور آخرت میں اس کا پیٹ بھرے۔ یعنی دنیا میں فقر وفاقہ سے بچے قیامت کی بھُوک سے محفوظ رہے دوزخ سے پناہ دیا جائے کہ دوزخ میں کسی کا پیٹ نہ بھرے گا اُس میں وہ کھانا ہے کہ لایسمن ولا یغنی من جوع نہ فربہی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے والعیاذ باللہ۔)

---

[1] صحیح لمسلم استحباب لعق الاصابع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۷۵/۲

[2] صحیح لمسلم استحباب لعق الاصابع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۷۶/۱

القصعة [1] زاد الامام الحکیم الترمذی عن انس رضی الله تعالٰی عنه وصلت علیه [2] د الدیلمی عنه فتقول اللهم اعتقه من النار کما اعتقنی من الشیطان [3] والحاکم وابن حبان فی صحیحیهما والبیهقی فی الشعب عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما فی حدیث یرفعه الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایرفع القصعة حتی یلعقها اویلعقها فان فی اٰخر الطعام البرکة [4] ۔وللحسن بن سفیٰن عن رائطة عن ابیها رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان العق القصعة احب الی من ان اتصدق بمثلها طعاما [5] وللطبرانی فی الکبیر عن العرباض بن ساریة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من لعق الصحفة ولعق اصابعه اشبعه الله تعالٰی فی الدنیا والاٰخرة [6] وخصوص الغسل بالماء من الامور العادیة الشائعة بین المؤمنین والکفار فاذا نوی شرط "سنة التنظیف عـــه ای التنظیف لانه سنة

ابن ماجہ نے نبیشۃ الخیر الھذلی سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی پیالہ میں کھایا پھر اس کو چاٹا تو وہ پیالہ اس کیلئے استغفار کرے گا۔امام حکیم ترمذی نے حضرت انس سے یہ لفظ نقل کئے "اور وہ برتن اس کے لئے دعا کرے گا" اور دیلمی نے اُن سے روایت کی کہ وہ پیالہ کہے گا یا اللہ اس کو نارِ جہنم سے آزاد فرما جس طرح اس نے مجھ کو شیطان سے چھٹکارا دلایا ہے، حاکم وابن حبّان و بیہقی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روای کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کھانا کھا کر برتن نہ اٹھائے جب تک اسے خود چاٹ نہ لے یا (مثلاً کسی بچے یا خادم کو) چٹادے کہ کھانے کے پچھلے حصہ میں برکت ہے۔اور حسن بن سفیان رائطہ سے وہ اپنے باپ سے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میرے نزدیک پیالہ کا چاٹ لینا اس کی مقدار میں کھانے کے صدقہ کرنے سے افضل ہے،اور طبرانی نے کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جس نے پلیٹ کو چاٹا اور انگلیوں کو چاٹا اللہ اس کو دینا اور آخرت میں شکم سیر فرمائے گا۔اور پانی کی

عـــه یرید ان الاضافة بیانیة لالامیة لیصیر الغسل سنة فی هذا التنظیف بل المعنی نوی سنة هو التنظیف ای نوی التنظیف لکونه سنة اھ منه(م)

اضافت بیانیہ مراد ہے لامیہ نہیں تاکہ اس تنظیف میں دھونا سنّت بن جائے بلکہ معنی یہ ہے کہ سنّت کی نیت کی اور وہ تنظیف ہے یعنی تنظیف کی نیت کی کیونکہ وہ سنّت ہے اھ (ت)

[1] مسند احمد بن حنبل عن نبیشۃ بیروت ۷۶/۵

[2] کنز العمال اداب الاکل مکتبۃ التراث حلب ۲۵۳/۱۵

[3] کنز العمال،اداب الاکل،مکتبۃ التراث حلب ۲۵۳/۱۵

[4] صحیح ابن حبان اداب الاکل،مکتبۃ التراث حلب اثریہ سانگلہ ہل ۳۳۵/۸

[5] کنز العمال اداب الاکل،مکتبۃ التراث حلب ۲۷/۵

[6] مجمع الزوائد باب العق الصحفہ والا صابع بیروت ۲۷/۵

ادخله بنيته تحت عام محمود فكان كمتوضيئ توضأ للتعليم۔

ثم **اقول** تحقيق(۱) المقام على ماعلمنى الملك العلام ان(۲) ليس كل ماجُعل قربة مغيرا للماء عن الطهورية بل يجب ان يكون الفعل المخصوص الذى يحصل بالماء اولا وبالذات قربة مطلوبة فى الشرع بخصوصه ومرجعه الى ان تكون القربة المطلوبة عينا لاتقوم الا بالماء اذلو جاز ان تحصل بدونه لكان لتحققها موارد منها مايحصل بالماء ومنها غيره فما يحصل بالماء اولا وبالذات لايكون مطلوبا بعينه بل محصلا لمطلوب بعينه فيتحصل ان يكون نفس انفاق الماء فى ذلك الفعل مطلوبا فى الشرع عينا اذ المطلوب عينا لم يحصل الا به كان ايضا مطلوبا عينا كالمضمضة والاستنشاق فى الوضوء والتثليث فيه وفى الغسل ولو للميت ولعلك تظن ان هذه فائدة لم تعرف الا من قبل العلامة صاحب البحر وتبعه عليه اخوه فى النهر۔

اقول: كلا بل المسألة اعنى وضوء المتوضيئ للتعليم منصوص عليها فى المبتغى والفتح وغيرهما من كتب المذهب وقد نص فى الدّر انها متفق عليها ولا شك انها صريحة

ساتھ دھونے کی خصوصیت ایک عادی امر ہے اس میں مومن وکافر کا بھی فرق نہیں، اب اگر اس نے تنظیف سے سنّت کی نیت کی تو اس نے اس کو اپنی نیت سے ایک محمود عام کے تحت داخل کیا تو یہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے تعلیم کے لئے وضو کیا۔

اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس مقام کی جو تحقیق میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو قُربۃ ہے وہ پانی کو طہوریۃ سے بدلنے والی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ مخصوص فعل جو پانی سے ادا کیا جارہا ہے وہ اوّلا وبالذات شریعت کی نگاہ میں قُربۃ مطلوبہ ہو، اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ قربۃ مطلوبہ ایک ایسا عین ہو جو پانی کے ساتھ ہی قائم ہو کیونکہ اگر اُس کے بغیر وہ قربۃ حاصل ہوجائے تو اُس کے وجود کے کئی موارد ہوں گے کچھ تو پانی سے حاصل ہوں گے اور کچھ بغیر پانی کے حاصل ہوں گے تو جو چیز پانی سے اولًا وبالذات حاصل ہو تو وہ بعینہٖ مطلوب نہ ہوگی بلکہ بعینہٖ مطلوب کو حاصل کرنے والی ہوگی اس کا حاصل یہ ہوگا کہ محض پانی کا اس فعل میں صرف کرنا شرعاً مطلوب بعینہٖ ہو کیونکہ مطلوب بعینہٖ جب اس پر موقوف ہے تو یہ بھی مطلوب بعینہٖ ہوجائے گا جیسے کُلّی، ناک میں پانی ڈالنا وضو میں، اور تثلیث وضو وغُسل میں اگرچہ میت کے غسل میں ہو، اور شاید ہمارے قارئین کو یہ خیال گزرے کہ یہ فائدہ تو صاحب بحر اور ان کے بھائی صاحب نہر کے کلام ہی سے معلوم ہوا ہے، **تو میں کہتا ہوں** یہ بات نہیں ہے بلکہ تعلیم کیلئے وضو کرنے کا مسئلہ مبتغی اور فتح وغیرہ کتب مذہب میں منصوص ہے اور دُرّ میں تصریح

فی تلك الافادة فان التعلیم قربة مطلوبة قطعا وقد نواہ بهذا التوضی وھو فی ھذا الخصوص ایضا متبع للسنة الماضیة ان البیان بالفعل اقوی من البیان بالقول ومع ذلك اجمعوا انه لایصیر مستعملا فکان اجماعا ان لیس کل قربة تغیر الماء بل التی لاتقوم الا بالماء اذلا فارق فی التوضی بنیة التعلیم وبنیة الوضوء علی الوضوء الا ھذا ثم لابدان تکون التی تتوقف علی الماء قربة مطلوبة بعینها والا لعاد الفرق ضائعا اذلا شك ان الوضوء للتعلیم محصل لقربة مطلوبة شرعا فیکون قربةوھولایقوم الابالماء لکن الشرع لم یطلبه عینا انما طلب التعلیم وھو لایتوقف علی انفاق الماء فاستقر عرش التحقیق علی ماافاد البحر وظھر ان الصواب فی فرع القدور والقصاع مع الغنیة فلذا عولنا علیه۔

اقول: (۱) ومما یؤیدہ اطلاقھم قاطبة مسألة التوضی والاغتسال للتبرد (۲) مع ان التبرد ربما یکون لجمع الخاطر للعبادة والتقوی علی مطالعة کتب العلم وھو لاشك اذن من القرب فکل مباح فعله العبد المؤمن بنیة خیر خیر غیر انه لم یطلب عینا فی الشرع

کی ہے کہ یہ متفق علیہا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ اس فائدہ میں صریح ہے، کیونکہ تعلیم قطعی طور پر قُربۃ ہے اور اس وضو سے اُس نے اُسی کی نیت کی ہے اور وہ اس خصوص میں گزشتہ سنت کی پیروی کرنے والا ہے کہ فعل کے ذریعہ بیان قول کے ذریعہ بیان سے اقوی ہوتا ہے، باوجود اس کے اُن کا اس امر پر اتفاق ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، تو یہ اجماع ہوگیا اس امر پر کہ ہر قربۃ پانی کو متغیر نہیں کرتی ہے بلکہ صرف وہ قربت کرتی ہے جو پانی کے ساتھ ہی قائم ہو کیونکہ بہ نیت تعلیم وضو کرنے اور وضو بر وضو کی نیت میں فرق کرنے والی یہی چیز ہے۔ پھر جس قربت کا پانی پر موقوف ہونا لازم ہے وہ بعینہا مطلوب ہو ورنہ فرق ضائع ہوجائے گا کیونکہ تعلیم کیلئے کیا جانے والا وضو شرعی قربت کو حاصل کرنے والا ہے تو یہ قربت ہوگا، اور وضو صرف پانی سے ہی ہوتا ہے لیکن شریعت میں وہ بعینہٖ مطلوب نہیں ہے وہ تعلیم کیلئے مطلوب ہے اور تعلیم پانی خرچ کرنے پر موقوف نہیں ہے تو تحقیق وہی درست ہے جو بحر میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ہانڈیاں اور پیالوں کے مسائل متفرقہ میں حق وہ ہے جو غنیہ میں ہے لہذا ہم نے اسی پر اعتماد کیا۔ ت

پھر اس کی تائید تمام فقہاء کے اس اطلاق سے ملتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ وضو اور غسل ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے کرنا، حالانکہ ٹھنڈک حاصل کرنا کبھی اس غرض سے بھی ہوتا ہے کہ انسان عبادت میں پرسکون رہے یا مطالعہ اطمینان سے کرسکے اور بلاشبہ اس صورت میں یہ عبادت ہوگا کیونکہ

وان ساغ ان یصیر وسیلة الی مطلوب **واعظم**(۱)منه مسألة الاغتسال لازالة الدرن (۲)**فهو مطلوب عینا** فی الشرع فانما بنی الدین علی النظافة وقد کانت هذه حکمة الامر بالاغتسال یوم الجمعة کما افصحت به الاحادیث بیدان ازالة الوسخ لایتوقف علی الماء فلم یکن مما طلب فیه الشرع انفاق الماء عینا بخلاف(۳)غسل الجمعة والعیدین وعرفة والاحرام فان من اغتسل فیها بماء ثمر او نبیذ تمر مثلا لم یکن اٰتیا بالسنة قطعا اوان ازال به الوسخ و(۴)بالدرن وذلك ان الحکم یکون لحکمة ولکن العباد مامورون باتباع الحکم دون الحکمة کما قدعرف فی موضعه وهنا لك تم الرد علی مسألة القصعة والقدر، **وتبین** ولله الحمد ان المراد بالقربة ههنا هی المتعلقة بظاهر بدن الانسان مما ادار الشرع فیه اقامة نفس القربة المطلوبة ولو ندبا علی امساس الماء عینا ولو مسحا بشرة بشر ولو میتا فزال الابهام واتضح المرام وظهرت فی الفروع کلها الاحکام والحمدلله ولی الانعام، **والاٰن** عسی ان تقوم تقول اٰل الامر الی ان الماء انما یصیر مستعملا اذا انفق فیما کان انفاقه فیه مطلوبا فی الشرع عینا فما الفارق فیه وفیما اذا انفق فی قربة مطلوبة شرعا من دون توقف علی الماء خصوصا کیف

ہر مباح جو انسان خیر کی نیت سے کرے خیر ہے، البتہ وہ بعینہٖ مطلوب شرع نہیں، اگرچہ مطلوب کا وسیلہ بن سکتا ہے اس سے بڑی بات غسل کا مسئلہ ہے میل دور کرنے کیلئے یہ بعینہٖ مطلوب شرع ہے دین کی بنیاد ہی نظافت پر ہے اور جمعہ کے دن غسل کے حکم کی حکمت یہی ہے، جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ البتہ میل کا زائل کرنا پانی پر ہی موقوف نہیں، لہذا پانی کا خرچ کرنا بعینہٖ مطلوب شرع نہ ہوا، اور جمعہ، عیدین، وقوف بعرفہ، اور احرام کا غسل شرعاً مطلوب ہے، ان غسلوں کو اگر کسی نے پھلوں کے عرق یا شیرہ کھجور سے کیا تو قطعی طور پر سنّت کی اتباع نہ ہوگی، خواہ اس سے میل کچیل زائل ہوجائے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، لیکن بندوں پر حکم کی پابندی ہے نہ کہ حکمت کی۔ یہ بات اپنے مقام پر مذکور ہے یہاں تک پیالہ اور ہانڈی کے مسئلہ پر رد مکمل ہوا،

اور **الحمدللہ** یہ بات واضح ہوگئی کہ قربت سے مراد اس مقام پر وہ قربت ہے جس کا تعلق ظاہر بدن سے ہو جس میں شریعت نے قربت مطلوب، خواہ ندبا ہی ہو، کا دارومدار اس پر کیا ہے کہ انسان، خواہ مردہ ہی ہو، کی جلد پر بعینہٖ پانی لگے، خواہ بطور مسح ہی ہو، اس سے ہمارا مقصود واضح ہوا اور مسئلہ کے فروع واحکام ظاہر ہوئے **الحمدللہ ولی الانعام**۔

اب اس مقام پر ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ مستعمل پانی وہ ہوتا ہے جو کسی ایسے عمل میں خرچ

و انما المغیر تحول نجاسة حکمیة ومنها نجاسة الاثام وھی تزول کلا او بعضا بکل قربة لعموم قوله تعالٰی اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ[1]

اقول: (۱) نعم ولوجه الله الحمد ابدا تزول الاٰثام باذن الله بکل قربة رحمة منه جلت اٰلاؤہ بھذہ الامة المبارکة المرحومة دنیا واخری بنبیھا الکریم الرؤوف الرحیم المرسل رحمة والمبعوث نعمة افضل صلوات ربه واجمل تسلیماته وازکی برکاته وادوم تحیاته علیه وعلی اله وصحبه وامته ابدا ولکن الزوال بقربة لایوجب التحول الی اٰلتھا التی اقیمت بھا وما علمنا ذلك الافی اٰلة عینھا الشرع کالمال فی الزکوۃ والماء فی الطھر لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الصدقات انما ھی اوسخ الناس[2] رواہ احمد ومسلم عن عبدالمطلب بن ربیعة رضی الله تعالٰی عنه.

وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ[3] رواہ الشیخان

ہوا ہو کہ جس میں اس کا خرچ کیا جانا بعینہٖ مطلوب شرع ہو تو اِس صورت میں اور جب پانی ایسی قربۃ میں خرچ کیا گیا ہو جو شرعاً مطلوب تو ہو مگر پانی پر موقوف نہ ہو کیا فرق ہوگا؟ جبکہ پانی میں تغیر پیدا کرنے والی چیز اس کی طرف نجاست حکمیہ کا آنا ہے اور گناہوں کی نجاست بھی نجاست حکمیہ ہی ہے، جو کُلًّا یا بعضاً ہر قربت سے دُھل جاتی ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" (نیکیاں برائیوں کو ختم کردیتی ہیں یہ ذاکرین کیلئے نصیحت ہے (کہ عموم کا تقاضا ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں ہاں یہ درست ہے گناہ ہر عبادت سے اللہ کی رحمت سے زائل ہوجاتے ہیں....... مگر گناہوں کا کسی قربت کی وجہ سے زائل ہونا اس امر کا متقاضی نہیں کہ وہ آلہ تطہیر کی طرف منتقل ہوجائیں، یہ بات صرف اُسی آلہ میں ہے جس کو شریعت نے متعین کیا ہو جیسے زکوۃ میں مال اور طہارت میں پانی، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زکوۃ لوگوں کا میل کچیل ہے، اس کو احمد و مسلم نے عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت کیا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اچھی طرح وضو کیا تو گناہ اُس کے جسم سے نکلیں گے یہاں تک کہ اُس کے ناخنوں کے نیچے سے نکلیں گے، اس کو شیخین نے امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب مسلم یا مومن بندہ وضو میں اپنا چہرہ دھوتا تو اُس کے چہرہ سے ہر گناہ نکل جاتا ہے جس کی طرف اس نے اپنی دونوں

[1] القرآن ۱۱/۱۱۴
[2] صحیح للمسلم تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۵)
[3] صحیح للمسلم خروج الخطایا مع ماء الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

عن امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ.
وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا توضأ العبد المسلم اوالمؤمن فغسل وجھہ خرج من وجہ کل خطیئۃ نظر الیھا بعینیہ مع الماء اومع اٰخر قطر الماء فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ کان بطشتھا یداہ مع الماء اومع اٰخر قطر الماء فاذا غسل رجلیہ خرج کل خطیئۃ مشتھا رجلاہ مع الماء اومع اٰخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب[1] رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ. والاحادیث کثیر شھیر فی ھذا المعنی و(۱) اصحاب المشاھدۃ الحقۃ اعاد اللہ علینا من برکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ یشاھدون ماء الوضوء یخرج من اعضاء الناس متلوثا بالاٰثام متلونا بالوانھا البشعۃ وعن ھذا حکم امام اھل الشھود ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الماء المستعمل نجاسۃ مغلظۃ لانہ کان یراہ متلطخا بتلک القاذورات فما کان یسعہ الا الحکم بھذا وکیف یرد الانسان امرا یراہ بالعیان قالا الامام العارف باللہ سیدی عبدالوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی وکان من کبار العلماء الشافعیۃ فی میزان الشریعۃ الکبری سمعت سیدی علیا الخواص رضی اللہ تعالٰی عنہ (وکان ایضا شافعیا کما سیأتی)(۲) یقول مدارک الامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ دقیقۃ لایکاد یطلع علیھا الا

آنکھوں سے دیکھا ہو پانی کے ساتھ یا آخری قطرہ کے ساتھ، جب وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو جو گناہ اس نے اپنے ہاتھوں سے کئے وہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں اور جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو اُس کے پیروں کے گناہ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ گناہوں سے پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ اس کو مسلم نے ابو ھریرہ سے روایت کیا۔
اور اس مفہوم کی احادیث بکثرت مشہور ومعروف ہیں، اور اصحاب مشاہدہ اپنی آنکھوں سے وضو کے پانی سے لوگوں کے گناہوں کو دھلتا ہوا دیکھتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اہل شہود کے امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ مستعمل پانی نجاست مغلظہ ہے کیونکہ وہ اس پانی کو گندگیوں میں ملوّث دیکھتے تھے، تو ظاہر ہے کہ وہ دیکھتے ہوئے، اس کے علاوہ اور کیا حکم لگا سکتے تھے۔
امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبری میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی الخواص (جو بڑے شافعی عالم تھے) کو فرماتے سُنا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشاہدات اتنے دقیق ہیں جن پر بڑے بڑے صاحبانِ کشف اولیاء اللہ ہی مطلع ہوسکتے ہیں، فرماتے ہیں امام ابو حنیفہ جب وضو میں استعمال شدہ پانی دیکھتے تو اس میں جتنے صغائر وکبائر مکروہات ہوتے ان کو پہچان لیتے تھے، اس لئے جس پانی کو مکلّف نے استعمال کیا ہو اس کے تین درجات آپ نے مقرر فرمائے:
اوّل: وہ نجاست مغلظہ ہے کیونکہ اس امر کا احتمال ہے کہ مکلّف نے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

اھل الکشف من اکابر الاولیاء قال وکان الامام ابو حنیفۃ اذ رأی ماء المیضأۃ یعرف سائر الذنوب

دوم: نجاست متوسط اس لئے کہ احتمال ہے کہ مکلّف نے صغیرہ کا ارتکاب کیا ہو۔

1 صحیح للمسلم خروج الخطاء مع ماء الوضوء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

التی خرت فیه من کبائر وصغائر ومکروہات فلھذا جعل ماء الطھارۃ اذا تطھر به المکلف له ثلثة احوال احدھا انه کالنجاسة المغلظة لاحتمال ان یکون المکلف ارتکب کبیرۃ الثانی کالنجاسة المتوسطة لاحتمال ان یکون ارتکب صغیرۃ الثالث طاھر غیر مطھر لاحتمال ان یکون ارتکب مکروھا [1] وفھم جماعة من مقلدیه ان ھذہ الثلثة اقوال فی حال واحد والحال انھا فی احوال بحسب حصر الذنوب فی ثلثة اقسام کما ذکرنا اھ وفیه ایضا رضی الله عن الامام ابی حنیفة ورحم اصحابه حیث قسموا النجاسة الی مغلظة ومخففة لان المعاصی لا تخرج عن کونھا کبائر اوصغائر [2] وسمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله تعالٰی لو کشف للعبد لرأی الماء الذی یتطھر منه الناس فی غایة القذارۃ والنتن فکانت نفسه لاتطیب باستعماله کما لا تطیب باستعمال ماء قلیل مات فیه کلب اوھرۃ قلت له فاذن (ا) کان الامام ابو حنیفة وابو یوسف من اھل الکشف حیث قالا بنجاسة الماء المستعمل قال نعم کان ابو حنیفة وصاحبه

سوم: طاہر غیر مطہّر، کیونکہ احتمال ہے کہ اس نے مکروہ کا ارتکاب کیا ہو، ان کے بعض مقلدین سمجھ بیٹھے کہ یہ ابو حنیفہ کے تین اقوال ہیں ایک ہی حالت میں، حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ تین اقوال گناہوں کی اقسام کے اعتبار سے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ اور اسی کتاب میں ہے کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے نجاست کو مغلظہ اور مخففہ میں تقسیم کیا ہے، کیونکہ معاصی، کبائر ہوں گے یا صغائر۔ اور میں نے سیدی علی الخواص کو فرماتے سنا کہ اگر انسان پر کشف ہو جائے وہ طہارت میں استعمال کئے جانے والے پانی کو انتہائی گندہ اور بدبودار دیکھے گا اور وہ اس پانی کو اسی طرح استعمال نہ کرسکے گا جیسے اُس پانی کو استعمال نہیں کرتا ہے جس میں کتّا بلّی مر گئی ہو میں نے اُن سے کہا اس سے معلوم ہوا کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف اہل کشف سے تھے کیونکہ یہ مستعمل کی نجاست کے قائل تھے، تو انہوں نے کہا جی ہاں۔ ابو حنیفہ اور ان کے صاحب بڑے اہل کشف تھے، جب وہ اُس پانی کو دیکھتے جس کو لوگوں نے وضو میں استعمال کیا ہوتا تو وہ پانی میں گرتے ہوئے گناہوں کو پہچان لیتے تھے اور کبائر کے دھوون کو صغائر کے دھوون سے الگ

Majlis of Dawateislami

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹
[2] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۸

من اعظم اهل الکشف فکان اذا رأی الماء الذی یتوضأ منه الناس یعرف اعیان تلك الخطایا التی خرت فی الماء ویمیز غسالة الکبائر عن الصغائر والصغائر عن المکروهات والمکروهات عن خلاف الاولی کالامور المجسدة حسا علی حد سواء قال وقد بلغنا انه دخل مطهرة جامع الکوفة فرأی شابا یتوضأ فنظر فی الماء المتقاطر منه فقال یاولدی تب عن عقوق الوالدین فقال تبت الی الله عن ذلك ورأی غسالة شخص اخر فقال له یااخی تب من الزنا فقال تبت ورأی غسالة اخر فقال تب من شرب الخمر وسماع اٰلات اللهو فقال تبت[1] اھ وفیه ایضا رحمه الله تعالٰی مقلدی الامام ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه حیث منعوا الطهارة من ماء المطاهر التی لم تستجر لما یخر فیها من خطایا المتوضئین وامروا اتباعهم بالوضوء من الانهار والاٰبار او البرك الکبیرة وکان سیدی علی الخواص رحمه الله تعالٰی مع کونه شافعیا لایتوضأ من مطاهر المساجد فی اکثر اوقاته ویقول ان ماء هذه المطاهر لاینعش جسدا مثالنا لتقذرها بالخطایا التی خرت فیها وکان یمیز بین غسالات الذنوب ویعرف غسالة الحرام من المکروہ من خلاف الاولی

ممتاز کر سکتے تھے، اور صغائر کے دھوون کو مکروہات سے اور مکروہات کے دھوون کو خلافِ اولیٰ سے ممتاز کر سکتے تھے اسی طرح جیسے محسوس اشیاء ایک دوسرے سے الگ ممتاز ہوا کرتی ہیں، فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ ایک مرتبہ آپ جامع کوفہ کے طہارت خانہ میں داخل ہوئے، تو دیکھا کہ ایک جوان وضو کر رہا ہے، اور پانی کے قطرات اُس سے ٹپک رہے ہیں تو فرمایا اے میرے بیٹے! والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے فوراً کہا میں نے توبہ کی۔ ایک دوسرے شخص کے پانی کے قطرات دیکھے تو فرمایا اے میرے بھائی! زنا سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی۔ ایک اور شخص کے وضو کا پانی گرتا ہوا دیکھا تو اُس سے فرمایا شراب نوشی اور فحش گانے بجانے سے توبہ کر۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی اھ اسی میں حضرت امام ابو حنیفہ کے بعض مقلدین سے مروی ہے کہ انہوں نے اُن وضو خانوں کے پانی سے وضو کو منع کیا ہے جن میں پانی جاری نہ ہو کیونکہ اُس میں وضو کرنے والوں کے گناہ بہتے ہیں، اور اُنہوں نے حکم دیا کہ وہ نہروں کنوؤں اور بڑے حوضوں کے پانی سے وضو کریں۔ اور سیدی علی الخواص باوجود شافعی المذہب ہونے کے مساجد کے طہارت خانوں میں اکثر اوقات وضو نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ پانی ہم جیسے لوگوں کے جسموں کو صاف نہیں کرتا ہے کیونکہ یہ اُن گناہوں سے آلودہ ہے جو اس میں مل گئے ہیں، اور وہ گناہوں کے دھوون میں

[1] المیزان الکبرٰی الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹

ودخلت معه مرة ميضأة المدرسة الازهرية فاراد ان يستنجي من المغطس فنظر ورجع فقلت لم قال رايت فيه غسالة ذنب كبير غيرته فی هذا الوقت وكنت انارأيت الذی دخل قبل الشيخ وخرج فتبعته فاخبرته الخبر فقال صدق الشيخ قد وقعت فی زنا ثم جاء الی الشيخ وتاب هذا امر شاهد ته من الشيخ [1] اھ كله ملتقطا وسقته ههنا لجميل فائدته وجليل عائدته وليس ماعينته انت اٰلة لقربة فی معنی ماعينه الشارع فلا يلتحق۔

اقول: بل الدليل ناهض علی عدم الالتحاق الاتری ان ارواء الظمأن قربة مطلوبة قطعا وقد (ا)ورد فيه خصوصا انه محاء للذنوب اخرج الخطيب عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم اذا كثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتناثر كما يتناثر الورق من الشجر فی الريح العاصف [2] اھ فاذا استقيت له الماء من بئر اوسكبت من اناء واعطيته اياه فقد اقمت به قربة

یہ فرق بھی کرلیتے تھے کہ یہ حرام کا ہے یا مکروہ کا یا خلاف اولیٰ کا، اور ایک دن میں ان کے ساتھ مدرسۃ الازہر کے وضو خانہ میں داخل ہوا تو انہوں نے ارادہ کیا کہ حوض سے استنجا کریں، تو اس کو دیکھ کر لوٹ آئے میں نے دریافت کیا کیوں؟ تو فرمایا کہ میں نے اس میں ایک گناہ کبیرہ کا دھوون دیکھا ہے جس نے اس کو متغیر کردیا ہے، اور میں نے اُس شخص کو بھی دیکھا تھا جو حضرت شیخ سے قبل وضو خانہ میں داخل ہوا تھا، پھر میں اُس کے پیچھے پیچھے گیا اور اُس کو حضرت شیخ نے جو کہا تھا اس کی خبر دی، اُس نے تصدیق کی اور کہا کہ مجھ سے زنا واقع ہوا، اور حضرت شیخ کے ہاتھ پر آکر تائب ہوا۔ یہ میرا اپنا مشاہدہ ہے اھ یہ سب ماخوذ ہے اس کے عظیم فائدہ کیلئے میں نے اس کو ذکر کیا ہے، اور جس کو آپ نے قربت کا آلہ قرار دیا ہے وہ اس معنی میں نہیں ہے جس کو شارع نے معین کیا ہے تو یہ اس کے ساتھ لاحق نہ کیا جائے۔ ت

میں کہتا ہوں بلکہ دلیل عدم التحاق پر قائم ہے کیا یہ نہیں کہ پیاسے کو سیراب کرنا قربۃ مطلوبہ ہے، اور اس بارے میں بطور خاص وارد ہوا کہ یہ گناہوں کا مٹانے والا ہے۔ خطیب انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو تُو پانی پر پانی پلا تو تیرے گناہ اس طرح جھڑ جائیں گے جس طرح تیز ہوا سے پیڑ کے پتّے جھڑ جاتے ہیں اھ تو جب تُو نے اس کو

---

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰)

[2] تاریخ بغداد عن انس بیروت ۶/۴۰۳)

فلو تحولت نجاسة الأثام الیه لصار نجسا حراما شربه عند الامام وقذرا بالاجماع مکروہ الشرب فیعود الاحسان اساءۃ والقربة علی نفسها بالنقض وھو باطل اجماعا فما ذلك الالان الشرع انما طلب منك ان تھیئ له مایرویه ولم یعین له الماء بخصوصه بحیث لا یجزیئ غیرہ بل لوسقیته لبنا خالصا او ممزوجا بماء اوماء الورد اوجلابا بثلج ولو زوماء الکاذی وامثال ذلك لکان اجدواجود واقمت القربة و ازید واللّٰه یحب المحسنین وقد(۱)اشتد تشییدا بھذا ارکان مانحونا الیه فی مسألة القدور والقصاع ھذا کله ماظھرلی وارجو ان قد زھر الامر و زال القناع والحمدللّٰه رب العلمین۔

کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا یا کسی برتن سے انڈیلا اور اس کو دیا تو تونے اس کے ساتھ قربت کو قائم کیا، تو اگر گناہوں کی نجاست اس کی طرف منتقل ہوجائے تو وہ نجس ہوگا اور امام کے نزدیک اس کا پینا حرام ہوگا، اور بالاجماع گندا ہوگا اور اس کا پینا مکروہ ہوگا تو احسان گناہ ہوجائے گا اور قربت اپنے نفس پر نقض ہوگی یہ بالاجماع باطل ہے، یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ شریعت نے تم سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تم اُس کے لئے وہ تیار کرو جو اس کو سیراب کردے، اور اس کیلئے کسی پانی کو مخصوص نہیں کیا ہے کہ اُس کے بغیر کفایت نہ ہو، بلکہ اگر تم اس کو خالص دودھ، پانی ملا دودھ، عرق گلاب یا برف والا شربت خواہ وہ کیوڑے والا ہو تو زیادہ بہتر ہوگا تمہاری قربت ادا ہوگئی اور کچھ زیادہ بھی اور اللہ محسنین کو پسند کرتا ہے، اور ہماری اس تقریر سے ہانڈیوں اور پیالوں والے مسئلہ کی مزید تائید ہوئی ہے۔ یہ میرے لئے ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس سے معاملہ واضح ہوگیا ہے والحمدللّٰه رب العالمین۔ ت

تنبیه:(۲)عامة الکتب فی بیان الشق الاول من الماء المستعمل علی التعبیر بماء استعمل فی رفع حدث وعلیه المتون کالقدوری والھدایة والوقایة والنقایة والاصلاح والکنز والغرر والملتقی واعترضھم المحقق علی الاطلاق فی الفتح بان الحدث لایتجزء ثبوتا[1] اھ علی(۳) القول الصحیح المعتمد فما

تنبیہ: مستعمل پانی کی پہلی شق کے بیان میں عام کتب میں یہی ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو حَدَث دُور کرنے میں مستعمل ہوا ہو، متونِ کتب میں یہی ہے، مثلاً قدوری، ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غُرر اور ملتقی وغیرہ، اور محقق علی الاطلاق نے فتح میں اِن پر یہ اعتراض کیا ہے کہ حَدَث کے ثبوت میں تجزّی نہیں ہوتی ہے اھ یعنی قول صحیح معتمد پر، توجب تک بدن کا

[1] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۷۹/۱

بقيت ذرة مما لحقه حكم الحدث بقى الحدث فى كل ماكان لحقه حتى لوان محدثا اوجنبا تطهر وبقيت لمعة خفيفة فى رجله مثلا لم يحل له مس المصحف بيده ولا بكمه ولا للجنب التلاوة كل ذلك على ماهو المختار للفتوى فهذا الماء لم يرفع الحدث ولو لم ينو لم تكن قربة ايضامع انه مستعمل قطعا بفروع كثيرة منصوصة عن صاحب المذهب رضى الله تعالٰى عنه فى ادخال المحدث بعض اعضائه فى الماء لغيرضرورة الاغتراف على مافصلت فى الفتح والحلية والبحر غيرها وللتفصى عن هذا قرر المحقق ان صير ورة الماء مستعملا باحدى ثلث رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض عن العضو قال وعليه تجرى فروع ادخال اليد والرجل الماء القليل لالحاجة ولا تلازم بين سقوط الفرض وار تفاع الحدث فسقوط الفرض عن اليد مثلا يقتضى ان لايجب اعادة غسلها مع بقية الاعضاء ويكون ارتفاع الحدث موقوفا على غسل الباقى وسقوط الفرض هو الاصل فى الاستعمال لما عرف ان اصله مال الزكوٰة والثابت فيه ليس الاسقوط الفرض حيث جعل به دنسا شرعا على ماذكرناه [1] وتبعه تلميذه المحقق فى الحلية ثم البحر

کوئی ذرہ جس سے حکمِ تطہیر لاحق ہوتا ہے باقی بچا رہے گا حدث بھی اُس حصہ میں باقی رہے گا، یہاں تک کہ کوئی بے وضو یا ناپاک شخص غسل کرتا ہے اور مثلاً اُس کے پیر میں خشکی کی معمولی سی چمک باقی رہ جاتی ہے تو وہ مصحف کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی آستین سے نہیں چھو سکتا ہے اور جُنب ہونے کی صورت میں تلاوت نہیں کرسکتا ہے یہ سب فتوٰی کیلئے مختار ہے، تو اس پانی نے حدث کو رفع نہیں کیا، اور اگر اُس نے نیت نہ کی تو قربت بھی نہ ہوگی حالانکہ وہ قطعاً مستعمل ہے، اس میں بہت سی فروع ہیں جو صاحبِ مذہب سے منقول ہیں، ان کا تعلق اِس امر سے ہے کہ بے وضو اپنے کسی عضو کو بلا ضرورت چُلّو بھرنے کیلئے پانی میں ڈالے، جیسا کہ فتح، حلیہ اور بحر میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس اعتراض سے رہائی حاصل کرنے کیلئے محقق نے یہ تقریر کی ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کی تین صورتیں ہیں رفعِ حدث، تقرب اور فرض کا عضو سے ساقط ہونا، فرمایا کہ اسی پر یہ فروع متفرع ہوں گی کہ ہاتھ یا پیر تھوڑے پانی میں بلا ضرورت ڈالا، اور سقوط فرض اور ارتفاع حَدَث میں کوئی تلازم نہیں ہے اب ہاتھ سے سقوط فرض مثلاً چاہتا ہے کہ ہاتھ کے دھونے کا بقیہ اعضاء کے ساتھ اعادہ نہ ہو، اور حَدَث کا مرتفع ہونا باقی اعضاء کے دھونے پر موقوف ہو اور پانی کے استعمال میں سقوط فرض ہی اصل ہے جیسا کہ معلوم ہے کہ اس کی اصل مال زکوۃ ہے اور

[1] فتح القدیر ماء مستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۷۹/۱

فی البحر ثم تلمیذہ العلامۃ الغزی حتی جعلہ متنا واقرہ علیہ المدقق فی الدر و اعتمدہ العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح ھدیۃ ابن العماد زعم العلامۃ ش ان ھذا السبب الثالث زادہ فی الفتح[1]۔

اس میں یہی ثابت ہے کہ سقوطِ فرض ہو، کیونکہ اس میں شرعا میل کچیل ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ اور ان کے محقق شاگرد نے ان کی پیروی کی حلیہ میں، پھر صاحب بحر نے بحر میں۔ پھر ان کے شاگرد علّامہ غزّی نے، یہاں تک کہ اس کو متن قرار دیا، اور دُر میں اس کو مدقق نے برقرار رکھا، اور عبدالغنی نابلسی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں اس پر اعتماد کیا، اور علّامہ ش نے فرمایا کہ اس تیسرے سبب کو فتح میں زیادہ کیا گیا۔ ت

اقول:(۱) ولیس کذا بل ھو منصوص علیہ من صاحب المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ ففی الفتح عن کتاب الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان غمس جنب اوغیر متوضیئ یدیہ الی المرفقین اواحدی رجلیہ فی اجانۃ لم یجز الوضوء منہ لانہ سقط فرضہ عنہ[2] اھ وقدمنا عن الھدایۃ فی تعلیل قول ابی یوسف ای والامام رضی اللہ تعالٰی عنھما ان اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین[3] اھ نعم المزید من المحقق ھو تثلیث السبب ولیس بذاک فان سقوط الفرض اعم مطلقا من رفع الحدث ففیہ غنیۃ عنہ اما ما فی منحۃ الخالق انہ قدیرفع الحدث ولا یسقط الفرض کوضوء الصبی العاقل لما مر من صیرورۃ ماءہ

میں کہتا ہوں یہ بات درست نہیں بلابلکہ یہ صاحب مذہب رحمہ اللہ سے ہی منصوص ہے، فتح میں حسن کی کتب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ اگر ناپاک شخص یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ دونوں کہنیوں تک پانی میں ڈبوئے یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈبویا تو اُس سے وضو جائز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا فرض اُس سے ساقط ہوچکا ہے اھ اور ہم نے ہدایہ سے ابو یوسف کے قول یعنی امام کے قول کی بھی علّت بیان کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ہے کہ اسقاط فرض بھی موثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ثابت ہوگا اھ ہاں محقق نے جو اضافہ کیا ہے وہ سبب کی تثلیث ہے، اور وہ درست نہیں کیونکہ سقوطِ فرض اعم مطلق ہے رفعِ حدث سے، لہٰذا یہ اس سے بے نیاز کرنے والا ہے، اور منحۃ الخالق میں ہے کہ کبھی حدث

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶
[2] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[3] ہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء العربیہ کراچی ۱/۲۲

مستعملا مع انہ لافرض علیہ[1] اھ

فاقول: (۱) لیس بشیئ فان (۲) حکم الحدث انما یلحق المکلف وقد نصوا ان مراھقا جامع اومراھقۃ جومعت انما یؤمر ان بالغسل تخلقا واعتیادا[2] کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما

وفی الدر یؤمر بہ ابن عشرتادیبا[3] فحیث لم یسقط الفرض لانعدام الافتراض لم یرتفع الحدث ایضا لانعدام الحکم بہ اما صیرورتہ مستعملا فلیس لرفعہ حدثا والاصار مستعملا من کل صبی ولولم یعقل وھو خلاف المنصوص بل لکونہ قربۃ معتبرۃ اذا نواھا ولذا قیدوہ بالعاقل لان غیرہ لانیۃ لہ (۳) والذی مران ارادبہ امر فی البحر فھو قولہ فی الخلاصۃ اذا توضأ الصبی فی طست ھل یصیر الماء مستعملا المختار انہ یصیر اذا کان عاقلا[4] اھ فھذا التقیید یفید ماقلنا وقد قال (۴) فی الغنیۃ ان ادخل الصبی یدہ فی الماء وعلم ان لیس بھا نجس یجوز التوضؤ بہ وان شک فی طھارتھا یستحب ان لایتوضأ بہ وان توضأ جاز ھذا اذا لم یتوضأ الصبی بہ فان

ختم ہوجاتا ہے اور فرض ساقط نہیں ہوتا جیسے عاقل بچّے کا وضو کیونکہ ابھی گزرا ہے کہ اُس کا پانی مستعمل ہوجاتا ہے حالانکہ وضو اُس پر فرض نہیں۔

میں کہتا ہوں یہ ٹھیک نہیں کیونکہ حدث کا حکم مکلّف کو لاحق ہوتا ہے، علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی مراہق نے جماع کیا یا کسی مراہقہ سے جماع کیا گیا تو ان کو اخلاق وآداب سکھانے کی غرض سے غسل کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور غنیہ وغیرہ میں یہی ہے۔ اور دُر میں یہ ہے کہ دس سالہ لڑکے کو تادیباً غسل کا حکم دیا جائیگا جب فرض ساقط نہ ہوگا کیونکہ فرضیت منعدم ہے تو حدث بھی مرتفع نہ ہوگا کیونکہ اس کا حکم منعدم ہے، اور رہا اس کا مستعمل ہونا تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ اس نے حدث کو رفع کیا ہے ورنہ تو ہر بچّہ کا مستعمل پانی مستعمل ہوجاتا اگرچہ وہ عاقل نہ ہو، اور یہ خلاف منصوص ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ یہ قربت اُسی وقت معتبر ہوگی جبکہ وہ اُس کی نیت کرے، اور اسی لئے انہوں نے بچّہ کو عاقل سے مقید کیا ہے کیونکہ غیر عاقل کی نیت نہیں ہوتی ہے، اور جو گزرا اگر اُس سے ان کا ارادہ وہ ہے جو گزرا بحر میں تو ان کا وہ قول خلاصہ میں ہے کہ جب بچّہ طشت میں وضو کرے تو آیا پانی مستعمل ہوگا؟ تو مختار یہ ہے کہ اس وقت مستعمل ہوگا جب بچّہ عاقل ہو اھ تو یہ تقیید اُسی چیز کا فائدہ دے رہی ہے

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] قاضی خان فیما یوجب الغسل نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱
[3] درمختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۱/۳۱
[4] خلاصۃ الفتاوی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/

توضأ به ناویا اختلف فیه المتأخرون والمختار انه یصیر مستعملا اذا کان عاقلا لانه نوی قربة معتبرة[1] اھ وان اراد به ما مر فی نفس المنحة قبیل ھذا بسطور فھو اصرح وابین حیث قال نقلا عن الخانیة الصبی العاقل اذا توضأ یرید به التطھیر ینبغی ان یصیر الماء مستعملا لانه نوی قربة معتبرة[2] ثم (۱) افاد بنفسه ان قوله یرید به التطھیر یشیر الی انه ان لم یرد به التطھیر لایصیر مستعملا[3] اھ ولکن سبحن من لاینسی ثم (۲) قال فی المنحة بقی ھل بین سقوط الفرض والقربة تلازم ام لا[4] الخ

اقول: (۳) مرادہ ھل القربة تلزم سقوط الفرض ام لافان التلازم یکون من الجانبین ولا یتوھم عاقل ان سقوط الفرض یلزم القربة فان الاستنشاق فی الوضوء والمضمضة فیه وللطعام ومنه والوضوء علی الوضوء وامثالھا

جو ہم نے کہی ہے، اور غنیہ میں فرمایا کہ اگر بچہ نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور یہ علم تھا کہ اس کے ہاتھ پر کوئی نجاست موجود نہیں ہے تو اس پانی سے وضو جائز ہے، جو ہم نے کہی ہے، اور اس کی طہارت میں شک ہے تو مستحب یہ ہے کہ اُس پانی سے وضو نہ کرے اور اگر وضو کیا تو جائز ہے، یہ اُس صورت میں ہے جب کہ بچہ نے اُس سے وضو نہ کیا ہو اور اگر نیت کے ساتھ وضو کیا ہو تو متاخرین کا اس میں اختلاف ہے، اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ اگر وہ عاقل ہو تو مستعمل قرار پائے گا کیونکہ اُس نے معتبر قربت کی نیت کی ہے اھ اور اگر وہ ارادہ کیا جو نفسِ منحہ میں گزرا ہے اس سے چند سطور قبل تو وہ اور زیادہ واضح اور روشن ہے وہ خانیہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عاقل بچّہ جب وضو کرے اور اس سے پاکی حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو چاہئے کہ پانی مستعمل ہو جائے، کیونکہ اُس نے معتبر قربۃ کی نیت کی اھ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کا قول "یرید به التطھیر" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس نے نیت تطہیر نہ کی تو پانی مستعمل نہ ہوگا اھ لیکن بے عیب ہے وہ خدا جو بھولتا نہیں۔ پھر منحہ میں فرمایا اب یہ امر باقی رہ گیا ہے کہ آیا سقوطِ فرض اور قربۃ میں تلازم ہے یا نہیں الخ۔ ت **اقول:** انکی مراد یہ ہے کیا قربت سقوطِ فرض کو مستلزم ہے یا نہیں؟ کہ تلازم جانبین سے ہی ہوتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی یہ سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ سقوط فرض مستلزم قربت ہے، کیونکہ وضو میں ناک میں پانی ڈالنا اور کُلّی کرنا اور کھانے کیلئے کُلی کرنا اور اس کے

[1] غنیۃ المستملی الماء المستعمل سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۵۳
[2] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱
[3] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[4] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

کل ذلك قرب ولا سقوط لفرض ولکن تسامح فی العبارۃ وظن انه تبع فیه الفتح والبحر حیث قال تلازم بین سقوط الفرض وارتفاع الحدث قال فی المنحة المراد نفی التلازم من احد الجانبین وھو جانب سقوط الفرض الخ[1] **اقول:**(۱)لیس کذلك بل التلازم ھو اللزوم من الجانبین فسلبه یصدق بانتقاء اللزوم من احد الجانبین وھو المراد لفاضلین العلامتین وتفسیرہ باللزوم من احدالجانبین مفسد للمعنی اذ بورود السلب علیه یکون الحاصل نفی اللزوم من کلا الجانبین ولیس صحیحاولا مرادوعلی کل فھذا السؤال ممایھمنا النظر فیه اذلو ظھر لزوم القربة لسقوط الفرض سقط سقوط الفرض ایضاکما ارتفع رفع الحدث ودارحکم الاستعمال علی القربة وحدھا کما نسبوہ الی الامام محمد وان کان التحقیق انه لم یخالف شیخیه فی ذلك کما بینه فی الفتح والبحر فرأینا العلامة صاحب المنحة فاذا ھو اجاب عما سأل فقال ان قلنا ان اسقاط الفرض لاثواب فیه فلا وان قلنا فیه ثواب فنعم قال العلامة المحقق نوح افندی والذی یقتضیه النظر الصحیح

میں کہتا ہوں بات یہ نہیں ہے بلکہ تلازم کا مطلب یہ ہے کہ لزوم دونوں جانب سے ہو، تواس کا سلب احد الجانبین سے لزوم کے انتفاء کی صورت میں صادق آئے گا اور یہی مراد ہے دونوں فاضل علماء کی، اور اس کی تفسیر احد الجانبین کے لزوم کے ساتھ معنی کو فاسد کرنے والی ہے، کیونکہ جب اس پر سلب وارد ہوگا تو حاصل نفی لزوم ہوگا دونوں جانبوں سے اور یہ نہ تو صحیح ہے اور نہ ہی مراد ہے، اور بہر نوع ہمیں اِس سوال پر غور کرنا ہے کیونکہ اگر قربت اور سقوطِ فرض کا لزوم ظاہر ہو جائے تو سقوطِ فرض بھی ساقط ہو جائے گا جیسے کہ رفعِ حَدَث مرتفع ہُوا اور حکمِ استعمال کا دارومدار محض قربۃ پر ہو جائیگا جیسا کہ فقہاء نے اُس کو امام محمد کی طرف منسوب کیا ہے اگرچہ تحقیق یہی ہے کہ انہوں نے شیخین کی مخالفت نہیں کی جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے، علامہ صاحبِ منحہ نے اس سوال کا جواب دیا ہے فرماتے ہیں کہ اگر اسقاطِ فرض میں کوئی ثواب نہ مانا جائے تو یہ درست بعد کُلی کرنا اور وضوپر وضو اور اسی جیسی دوسری چیزیں سب کی سب عبادتیں ہیں لیکن اِن سے کوئی فرض ساقط نہیں ہوتا ہے، لیکن انہوں نے عبارت میں تسامح سے کام لیا ہے اور انہوں نے گمان کیا ہے کہ اس میں انہوں نے فتح اور بحر کی متابعت کی ہے وہ دونوں فرماتے ہیں سقوطِ فرض اور ارتفاعِ حدث میں تلازم نہیں۔ منحہ میں فرمایا ایک جانب سے تلازم کی نفی ہے اور وہ سقوطِ فرض کی جانب ہے الخ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی البحر الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۹۲/۱

ان الراجح هو الاول لان الثواب فی الوضوء المقصود وهو شرعا عبارة عن غسل الاعضاء الثلثة ومسح الراس فغسل عضو منها لیس بوضوء شرعی فکیف یثاب علیه اللهم الا ان یقال ان یثاب علی غسل کل عضو منها ثوابا موقوفا علی الاتمام فان اتمه اثیب علی غسل کل عضو منها والا فلا ویدل علیه ما اخرجه مسلم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا توضأ العبد المسلم او المؤمن الی اخر الحدیث الذی قدمنا[1] اھ۔

اقول اولا: (۱) لامعنی للزوم القربة سقوط الفرض وان قلنا بثبوت الثواب فی اسقاط الفرض اذ لا ثواب الا بالنیة وسقوط الفرض لایتوقف علیها فالحق ان بینهما عموما من وجه مطلقا ولو (۲) نظر رحمه الله تعالٰی الی فرق مابین تعبیریه بالسقوط والاسقاط لتنبه لان الثواب ان کان لم یکن الا بالقصد المدلول علیه بالاسقاط والسقوط لایتوقف علیه۔

وثانیا: (۳) للعبد الضعیف کلام فی توقف الثواب فی الطهارة علی الاتمام بل الثواب منوط بنیة الامتثال کما قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات

نہیں، اور اگر کہیں کہ اس میں ثواب ہے تو یہ درست ہے، علامہ نوح آفندی فرماتے ہیں نظر صحیح کا تقاضا یہ ہے کہ راجح پہلا قول ہی ہے کیونکہ ثواب مقصود وضو میں ہے اور وہ شرعاً اعضاء ثلٰثہ کے دھونے اور سر کے مسح کو کہتے ہیں، تو ایک عضو کا دھونا شرعی وضو نہیں ہے تو اس پر ثواب کیسے ہوگا! ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ثواب کسی ایک عضو کے دھونے کا ثواب موقوف رہے گا مکمل وضو کرنے پر، اب اگر مکمل کرلے گا تو ہر ہر عضو کے دھونے پر ثواب پائے گا ورنہ نہیں۔ اس کی دلیل مسلم کی روایت ابو ھریرہ سے ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان یا مومن وضو کرتا ہے الحدیث الذی قدمناہ اھ (جو حدیث ہم پہلے بیان کرچکے (ت) **میں کہتا ہوں** اوّلاً قربۃ کے سقوطِ فرض کو لازم ہونے کے کوئی معنی نہیں، خواہ ہم یہ کہیں کہ ثواب ثابت ہوگا اسقاطِ فرض میں، کیونکہ ثواب بلانیت کے نہیں ہوتا اور فرض کا سقوط نیت پر موقوف نہیں ہے، تو حق یہ ہے کہ اُن دونوں میں عموم من وجہ مطلّقا ہے، اور اگر وہ رحمہ اللہ دونوں تعبیروں کے فرق کو دیکھتے، یعنی سقوط اور اسقاط تو ان کو معلوم ہوتا کہ ثواب نیت سے ہوتا ہے جو اسقاط سے مفہوم ہوتی ہے اور سقوط اس پر موقوف نہیں۔ ثانیا عبد ضعیف کو اس امر میں کلام ہے کہ ثواب موقوف ہے طہارت کے مکمل ہونے پر بلکہ ثواب موقوف ہے حکم ماننے کی نیت پر، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] منحۃ الخالق علی حاشیہ بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۲/۱

وانما لكل امرئ مانوى[1] (۱) فمن جلس يتوضأ ممتثلا لامر ربه ثم عرض له فى اثنائه مامنعه عن اتمامه فكيف يقال لايثاب على مافعل والله لايضيع اجر المحسنين[2] نعم (۲) من نوى من بدء الامر انه لاياتى الا بالبعض فهذا الذى يرد عليه انه لم يقصد الوضوء الشرعى بل هو عابث بقصد مالا يعتبر شرعا والعابث لايثاب بخلاف من قدمنا وصفه ويترا (۳) اى لى ان مثل ذلك العابث من قصد الوضوء الشرعى واتى ببعض الاعمال ثم قطع من دون عذر فان الله تعالى سمى القطع ابطالا اذيقول عزمن قائل ولا تبطلوا اعمالكم[3] والباطل لاحكم له والله تعالى اعلم **وثالثا**: محو (۴) الخطايا لم يكن ثوابا فلا ذكر له فى الحديث اصلا وان كان فالحديث حاكم بترتب ثواب كل فعل فعل عند وقوعه ولا دلالة فيه على توقف الاثابة الى ان يتم وبالجملة فلا اغناء لاحد من القربة والسقوط عن الاخر بخلاف الرفع والسقوط فلا وجه للتثليث ثم رأيت العلامة ش اشار الى هذا فى ردالمحتار حيث قال رفع الحدث لايتحقق الا فى ضمن القربة اواسقاط الفرض اوفى ضمنهما فيستغنى بهما عنه[4] اھ

نے فرمایا" بیشک: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی نیت کرے، تو جو شخص اپنے رب کے حکم کو ماننے کیلئے وضو کرنے بیٹھا پھر درمیان میں کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ وضو مکمل نہ کرسکا تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کرچکا ہے اس پر اس کو ثواب نہیں ملے گا، اللہ اچھے کاموں کا اجر برباد نہیں کرتا، ہاں اگر کسی نے شروع سے ہی یہ نیت کی کہ وہ بعض اعضاء کو دھوئے گا، تو یہ ہے جس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ اُس نے وضو شرعی کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ وہ ایک ایسا کام کرکے جو شرعاً غیر معتبر عبث کررہا ہے اور جو عبث کرتا ہو اس کو ثواب نہیں ملے گا، بخلاف اس کے جس کا وصف ہم نے پہلے بیان کیا، اور مجھے لگتا ہے کہ اسی عبث کرنے والے کی طرح ہے وہ شخص جس نے شرعی وضو کا ارادہ کیا اور بعض اعمال کئے پھر وضو کو بلاعذر نامکمل چھوڑ دیا کیونکہ اللہ نے قطع کو ابطال قرار دیا ہے، اللہ فرماتا ہے "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو" اور باطل کا کوئی حکم نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

ثالثاً: یہ کہ خطاؤں کا مٹ جانا اگر ثواب نہیں ہے تو اس کا ذکر حدیث میں بالکل نہیں ہے اور اگر ثواب ہے تو حدیث کا حکم یہ ہے کہ ہر فعل کا ثواب اس فعل کے واقع ہوجانے کے وقت مرتب ہوگا، اور اس میں اس

---

[1] جامع للبخاری باب کیف بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[2] القرآن ۱۲۰/۹

[3] القرآن ۳۳/۴۷

[4] ردالمحتار الماء المستعمل مصطفی البابی مصر ۱۴۶/۱

اقول: لم یظھر لی کیف یتحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط الفرض حتی یصح ھذا التثلیث الاٰخر الذی ذکر ھذا العلامۃ بل کلما رفع الحدث لزم منہ سقوط الفرض کما اعترف بہ فی المنحۃ فان جنح الی ماقدمنا عنہ من مسألۃ وضوء الصبی العاقل ای اذا توضأ ناویا فقد تحقق رفع الحدث فی ضمن القربۃ من دون سقوط فرض۔

فاقول اوّلا: قد علمت بطلانہ **وثانیًا** ان(۱)سلم ھذا یلزم ان یتحقق رفع الحدث من دون قربۃ ولا سقوط فرض اذا توضأ الصبی غیرنا ولان رفع الحدث لایفتقر الی النیۃ والقربۃ لاتوجد بدونھا فحینئذ ینھدم اصل المرام ویعود التثلیث الذی ذکر المحقق فالصواب ماذکرت ان رفع الحدث یلزمہ سقوط الفرض ففیہ غنیۃ عنہ۔

ثم اقول لو()ان المحقق علی الاطلاق حانت منہ التفاتہ ھنا الی کلام مشروحہ الھدایۃ لما جنح الی تثلیث السبب ولظھر

امر پر دلیل نہیں کہ ثواب تمام پر موقوف ہوگا،اور خلاصہ یہ کہ قربت اور سقوط میں سے کسی ایک کو دوسرے سے بے نیازی نہیں بخلاف رفع اور سقوط کے،تو تثلیث کی کوئی وجہ نہیں،پھر میں نے علامہ ش کو دیکھا کہ انہوں نے ردالمحتار میں اس طرف اشارہ کیا،فرمایا رفع حدث قربۃ کے ضمن ہی میں متحقق ہوتا ہے یا اسقاط فرض کے یا دونوں کے ضمن میں متحقق ہوتا ہے،تواِن دونوں سے اس میں بے نیازی حاصل کی جائے گی اھ (ت)

میں کہتا ہوں مجھ پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ رفع حدث قربۃ کے ضمن میں کیسے متحقق ہوگا بغیر فرض کے سقوط کے یہاں تک کہ یہ دوسری تثلیث جس کی طرف اس علامہ نے اشارہ کیا ہے صحیح قرار پائے،بلکہ جب بھی حدث مرتفع ہوگا اس سے فرض ساقط ہوگا،جیسا کہ منحہ میں اس کا اعتراف کیا ہے،تو اگر اس کی طرف مائل ہوں جو ہم نے پہلے ان سے نقل کیا ہے یعنی عاقل بچّہ کا وضو،جب عاقل بچہ نیت کے ساتھ وضو کرے تو حدث قربت کے ضمن میں مرتفع ہوجائے گا مگر فرض ساقط نہ ہوگا۔(ت)

میں کہتا ہوں اولاً تم اس کا بطلان جان چکے ہو۔ثانیا اگر یہ مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ رفعِ حدث متحقق ہو بلا قربت کے،اور نہ فرض کا سقوط ہو جب بچّہ بلانیت وضو کرے،کیونکہ رفعِ حَدث محتاج نیت نہیں ہوتا جبکہ قربت بلانیت نہیں پائی جاتی ہے،اس صورت میں اصلِ مقصود ہی ختم ہوجائے گا اور وہ تثلیث عَود کر آئے گی جس کو محقق نے ذکر کیا ہے،تو صحیح وہی ہے جس کو میں نے ذکر کیا کہ رفع حَدَث کو سقوط فرض لازم ہے،پس یہ اُس سے بے نیاز کرنے والا ہے۔(ت) پھر **میں کہتا ہوں** اگر محقق علی الاطلاق صاحبِ ہدایہ کے کلام پر توجہ دیتے تو تثلیث سبب کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور جو عام کتب اور متون سے

له الجواب ایضاعما اعترض به کلام العامة والمتون وذلك ان الامام صاحب الهداية قدس سره عبر فی المسألة بما ازیل به حدث اواستعمل قربة وقال فی الدلیل اسقاط الفرض مؤثر ایضا فیثبت الفساد بالامرین [1] فافادان المراد بزوال الحدث هو سقوط الفرض وان مؤداهما ههنا واحد ولا شك ان سقوط الفرض عن عضو دون عضو بل عن بعض عضو دون بعضه الاخر ثابت متحقق وان لم یترتب علیه احکام ارتفاع الحدث وهو کماقدمت الاشارة الیه فی بیان الفروع لیشمل مااذا تطهر کاملا اوغسل شیئا من اعضائه بل عضوه فلا تثلیث ولا اعتراض بعدم التجزی و() تحقیقه ماافاده فی المنحة نقلا عن العلامة نوح افندی فی حواشی الدرر ناقلا عن الشیخ قاسم فی حواشی المجمع ان الحدیث یقال بمعنیین المانعیة الشرعیة عما لایحل بدون الطهارة وهذا لایتجزئ بلا خلاف عند ابی حنیفة وصاحبیه وبمعنی النجاسة الحکمیة وهذا یتجزئ ثبوتا وارتفاعا بلا خلاف عند ابی حنیفة وعــه اصحابه

اعتراض ہوتا تھا اُس کا جواب بھی ظاہر ہو جاتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے مسئلہ میں یہ تعبیر کی ہے کہ وہ پانی جس سے حدث زائل کیا گیا ہو یا بطور قربت استعمال کیا گیا ہو، اور دلیل میں فرمایا کہ اسقاط فرض بھی مؤثر ہے تو فساد دونوں امروں سے ظاہر ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زوالِ حدث سے مراد سقوط فرض ہے اور دونوں کا نتیجہ ایک ہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ فرض کا سقوط ایک عضو سے نہ کہ دوسرے عضو سے، بلکہ بعض عضو سے نہ کہ دوسرے بعض سے ثابت متحقق ہے اگرچہ اس پر ارتفاع حدث کے احکام مترتب نہیں ہوتے ہیں اور یہ جیسا کہ میں اشارہ کرچکا ہوں بیان فروع میں اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ پوری طرح طہارت کی یا کچھ اعضاء دھوئے بلکہ اپنے ایک عضو کا حصّہ دھویا تو نہ تثلیث ہوگی اور نہ عدم تجزی کا اعتراض ہوگا، اس کی تحقیق منحہ میں علامہ نوح آفندی کی اُس تحقیق سے منقول ہے جو درر کے حواشی میں منقول ہے اور جو حواشی مجمع میں شیخ قاسم سے منقول ہے کہ حَدَث کا اطلاق دو معنی میں ہوتا ہے، ایک تو یہ کہ جو چیز بلا طہارت جائز نہ ہو اُس کی شرعی ممانعت، اور یہ چیز ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین کے درمیان بالاتفاق

عــہ: اقول قال فی الاول عند ابی حنیفة وصاحبیه لان من المشائخ من قال بتجزیه

اقول: پہلے کے متعلق امام ابو حنیفہ کے ساتھ صاحبیہ تثنیہ کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ بعض مشائخ نے کہا جنبی کو قرات کیلئے کُلّی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] الہدایۃ باب الماء الذی لایجوزبہ الوضوء المکتبۃ العربیۃ ۱/۲۲

وصیرورۃ الماء مستعملا بازالۃ الثانیۃ ففی مسألۃ البئر سقط الفرض عن الرجلین بلا خلاف والماء الذی اسقط الفرض صار مستعملا بلا خلاف علی الصحیح اھ قال العلامۃ نوح ھذا ھو التحقیق فخذہ فانہ بالاخذ حقیق[1] اھ

اقول: (۱) بل اختار فی غایۃ البیان ثم النھر ثم الدران حقیقۃ الحدث ھو المعنی الثانی قال فی البحر تبعا للفتح الحدث مانعیۃ شرعیۃ قائمۃ بالاعضاء الی غایۃ استعمال المزیل[2] اھ قال فی النھر وتبعہ الدر ھذا تعریف بالحکم وعرفہ فی غایۃ البیان بانہ وصف شرعی یحل فی الاعضاء یزیل الطھارۃ[3] قال وحکمہ المانعیۃ لما جعلت الطھارۃ شرطا لہ الخ ونظر فیہ ش نقلا عن حاشیۃ الشیخ خلیل الفتال عازیا لبعض الفضلاء بان حکم الشیئ ماکان اثرالہ خارجا

غیر متجزی ہے، اور دوسرا بمعنی نجاست حکمیہ، اور یہ چیز ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے درمیان بالاتفاق متجزی ہے ثبوتاً بھی اور ارتفاعاً بھی، اور پانی جو مستعمل ہوتا ہے تو دوسرے معنی کے ازالہ سے ہوتا ہے، تو کنوئیں کے مسئلہ میں دونوں پیروں کا فرض ساقط ہوگیا اور وہ پانی جو اسقاط فرض میں استعمال ہوا مستعمل ہوگیا، صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں، اھ علامہ نوح آفندی نے فرمایا تحقیق یہی ہے اور اسی کو اختیار کرنا چاہئے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں غایۃ البیان، نہر اور دُر نے دوسرے معنی کو مختار قرار دیا ہے، بحر میں فتح کی متابعت کرتے ہوئے فرمایا حدث شرعی مانعیت ہے جو اعضاء کے ساتھ اس وقت تک قائم رہتی ہے یہاں تک کہ زائل کرنے والی چیز استعمال کی جائے، نہر اور دُر میں ہے کہ یہ حکم کے ساتھ تعریف ہے، اور غایۃ البیان میں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ ایک ایسا وصف ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور طہارت کو زائل کرتا ہے فرمایا کہ اس کا حکم مانعیت ہے اس چیز کی جس کیلئے طہارت شرط ہے الخ اور "ش" نے اس میں حاشیہ شیخ خلیل فتال سے نقل

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حتی اجاز للجنب القراءۃ بعد المضمضۃ للمحدث المس بعد غسل الید وقال ھھنا واصحابہ لان تجزی ھذا لاخلاف فیہ عند مشائخنا اھ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کافی ہے اور محدث کو مسِ مصحف کیلئے ہاتھ دھونا کافی ہے اور یہاں دوسرے معنی میں اصحاب جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے کیونکہ اس کو سب نے کافی کہا ہمارے مشائخ کا اس میں اختلاف نہیں اھ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲

[2] بحر الرائق باب شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۷

[3] درمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۱۶

عنه مترتباً عليه والمانعية المذكور ليست كذلك وانما حكم الحدث عدم صحة الصلاة معه وحرمة مس المصحف ونحو ذلك فالتعريف بالحكم كأن يقال الحدث مالا تصح الصلاة معه تأمل[1] اھ قال ش(۱) على ان التعريف بالحكم مستعمل عند الفقهاء لان الاحكام محل مواقع انظارهم[2] اھ وقد اشار اليه ط وقال على قوله مانعية اى كونه مانعا من الصلاة ومس المصحف والاظهر ان يقال مانع شرعی[3] اھ

اقول: وبالله التوفيق (۲) كلام المعترضين على البحر كله بمعزل عن غوص القعرفان مبناه طرا على ان تعريف البحر غير تعريف الغاية ولا دليل عليه فان المانعية بمعنى الحال فضلا عن كونه مما لا قيام له بموضوع لعدم كونه من الصفات المنضمة لاقيام لها بالاعضاء اصلا فانها غير مانعة حتى تكون لها مانعية وبمعنى النسبة اى شيئ له انتساب الى مانع شرعی صادق قطعا على ذلك الوصف

کرتے ہوئے نظر کی ہے، اور اس کو بعض فضلاء کی طرف منسوب کیا ہے کہ ہر چیز کا حکم اس کے اثر کو کہتے ہیں جو اس سے خارج ہو اور اس پر مرتب ہو اور مذکورہ مانعیت اس قسم کی نہیں ہے، اور حدث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہوتی اور مصحف کو نہیں چُھوا جاسکتا ہے اور اسی قسم کے دوسرے احکام، تو تعریف بالحکم اس طرح ہو سکتی ہے کہ حدث وہ چیز ہے جس کے ساتھ نماز درست نہ ہو، تامل اھ "ش" نے فرمایا کہ علاوہ ازیں تعریف بالحکم فقہاء کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ احکام ہی سے وہ بحث کرتے ہیں اھ اور "ط" نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور "مانعیت" پر فرمایا کہ اس کا نماز سے مانع ہونا اور مصحف کے چُھونے سے مانع ہونا ہے اور اظہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ یہ مانع شرعی ہے اھ (ت)

میں بتوفیقِ الٰہی **کہتا ہوں** معترضین کے بحر پر اعتراضات گہرائی سے خالی ہیں، کیونکہ ان کی بنیاد اس پر ہے کہ بحر کی تعریف غایہ کی تعریف سے مختلف ہے اور اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ مانعیت بمعنی حال ہے اس سے قطع نظر کہ وہ صفات منضمہ میں سے نہ ہونے کی بناپر اپنے موضوع کے ساتھ قائم نہیں ہوتی، اس کا اعضاء کے ساتھ قیام بالکل ہوتا ہی نہیں کیونکہ اعضاء مانع نہیں تاکہ انکے ساتھ مانعیت قائم ہو اور بمعنی نسبت کے یعنی وہ شے جس کا کسی مانع شرعی کی طرف انتساب ہو

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت مصطفی البابی مصر ۱/۶۳
[2] ردالمحتار کتاب الطہارت مصطفی البابی مصر ۱/۶۳
[3] طحطاوی علی الدر کتاب الطہارت مصطفی البابی بیروت ۱/۵۶

الشرعی الذی یحل بالاعضاء فیزیل طهرها لان المانع هو الخطاب الشرعی والمنتسب الیه مالاجله ورد الخطاب و هی النجاسة الحکمیة وهی بعینها ذلك الوصف القائم بالاعضاء فرجع التعریف الی تعریف الغایة فلا خلاف ولا خلف الا تری ان تلمیذ المحقق علی الاطلاق اعنی المحقق الحلبی عرف الحدث فی الحلیة بانه الوصف الحکمی الذی اعتبر الشارع قیامه بالاعضاء مسببا عن الجنابة و الحیض والنفاس والبول والغائط وغیرهما من نواقض الوضوء ومنع من قربان الصّلاۃ وما فی معناها معه حال قیامه بمن قام به الی غایة استعمال مایعتبر به زائلا اھ[1] وهو کما تری لیس الا بسطا لما اجمله شیخه المحقق وما هو الاعین ماعرف به فی الغایة ولو قال مانع شرعی کما استظهره العلامة ط لکان ایضا مرجعه الی ذلك لان ذلك الوصف الشرعی وهی النجاسة مانع شرعی بمعنی مالاجله المنع واستعمال المانع بهذا المعنی شائع ذائع (۱) غیر ان المحقق ابقاہ علی حقیقته فاتی بالنسبة فلا وجه وجیها للاستظهار ثم من (۲) اوضح دلیل علیه ان البحر مغترف فی هذا الحد من مناهل فتح القدیر کما ذکرہ فی ردالمحتار وقد قال المحقق فی

یہ قطعاً اس وصف شرعی پر صادق آتی ہے جو اعضاء میں حلول کرتا ہے اور ان کی طہارت کو زائل کرتا ہے اس لئے کہ مانع وہ خطاب شرعی ہے، اور اس کی طرف منسوب وہ چیز ہے جس کی وجہ سے خطاب وارد ہوا، اور وہی نجاستِ حکمیہ ہے، اور وہ بعینہٖ وہ وصف ہے جو اعضاء کے ساتھ قائم ہے تو تعریف، غایہ والی تعریف کی طرف لوٹ آئی تو کوئی خلاف نہیں اور نہ خلف ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ محقق علی الاطلاق کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں حدث کی تعریف اس طرح کی ہے کہ وہ ایک وصف حکمی ہے کہ شارع نے اعضاء کے ساتھ اس کے قیام کا اعتبار کیا ہے، اور یہ جنابۃ، حیض، نفاس، پیشاب اور پاخانہ وغیرہما نواقض وضو کے باعث ہوتا ہے، اور یہ چیز نماز کے قریب جانے سے مانع ہوتی ہے، یا جو چیز نماز کے حکم میں ہو، یہ مانعیت اس وقت تک رہتی ہے جب تک یہ وصف اُسی شخص کے ساتھ قائم رہے، یہاں تک کہ وہ اس چیز کو استعمال کرے جو اس کو زائل کرنے والی ہے اھ یہ تعریف جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اُسی چیز کا بسط ہے جس کا اجمال ان کے شیخ محقق نے کیا ہے اور یہ بعینہٖ وہی تعریف ہے جو غایہ میں ہے، اور مانع شرعی کہتے جیسا کہ علامہ "ط" نے فرمایا اس کا بھی ماحصل یہی ہے کیونکہ وہ وصف شرعی، جو نجاست ہے مانع شرعی ہے اس معنی کے اعتبار سے کہ یہ وہ چیز ہے جس کی وجہ سے منع ہے، اور

[1] حلیہ

الفتح مستدلالروایة الحسن وابی یوسف عن الامام الاعظم ان الماء المستعمل نجسا مغلظا اومخففا مانصه [1] وجه روایة النجاسة قیاس اصله الماء المستعمل فی النجاسة الحقیقیة والفرع المستعمل فی الحکمیة بجامع الاستعمال فی النجاسة بناء علی الغاء وصف الحقیقی فی ثبوت النجاسة و(ا)ذلك لان معنی الحقیقی لیس الاکون النجاسة موصوفا بها جسم مستقل بنفسه عن المکلف لاان وصف النجاسة حقیقة لاتقوم الابجسم کذلك وفی غیرہ مجازبل معناہ الحقیقی واحد فی ذلك الجسم وفی الحدث لانه لیس المتحقق لنا من معناها سوی انها اعتبار شرعی منع الشارع من قربان الصلاة والسجود حال قیامه لمن قام به الی غایة استعمال الماء فیه فاذا استعمله قطع ذلك الاعتبار کل ذلك ابتلاء للطاعة فاما ان هناک وصفا حقیقیا عقلیا اومحسوسا فلا ومن ادعاہ لایقدر فی اثباته علی غیرالدعوی ویدل علی انه اعتبار اختلافه باختلاف الشرائع الاتری ان الخمر محکوم بنجاسة فی شریعتنا وبطهارته فی غیرها فعلم انها لیست سوی اعتبار شرعی الزم معه کذا الی غایة کذا ابتلاء وفی هذا لاتفاوت بین الدم

مانع کا استعمال اس معنی میں شائع وذائع ہے، البتہ محقق نے اس کو اس کی حقیقت پر باقی رکھا ہے، تو نسبت کو لائے ہیں تو استظہار کی کوئی معقول وجہ نہیں، پھر اُس پر واضح ترین دلیل یہ ہے کہ بحر نے بھی اس تعریف میں فتح القدیر سے استفادہ کیا ہے، جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں ذکر کیا ہے اور محقق نے فتح میں ابو یوسف اور حسن کی ابو حنیفہ سے روایت پر استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے یا نجاست خفیفہ ہے، جس روایت میں اس کو نجاست قرار دیا گیا ہے وہ قیاس کی بنیاد پر ہے اس قیاس کی اصل وہ پانی ہے جو نجاست حقیقیہ میں مستعمل ہو، اور اس کی فرع وہ پانی ہے جو نجاست حکمیہ میں مستعمل ہو، اور علّۃ جامعہ، نجاست میں استعمال ہے، بناء کرتے ہوئے کہ وصف حقیقی ثبوت نجاست میں لغو ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حقیقی کا مفہوم یہ ہے کہ اس نجاست سے ایسا جسم متصف ہو جو بنفسہٖ مکلّف سے مستقل ہو یہ نہیں کہ وصف نجاست حقیقۃً ایسے ہی جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اس کے غیر میں مجاز ہے، بلکہ اس کے حقیقی معنی ایک ہیں اس جسم میں اور حدَث میں، اس لئے کہ ہمیں تحقیقی طور پر جو معنی معلوم ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایک شرعی اعتبار ہے کہ جب تک وہ موجود ہو تو شارع نے اس کو جو اس کے ساتھ متصف ہو نماز وغیرہ کے قریب جانے سے منع کیا ہے تاوقتیکہ وہ اس میں پانی کو استعمال

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۷۴/۱

والحدث فانه ایضا لیس الانفس ذلك الاعتبار [1] اھ فهذا نص صریح فی ان تلك المانعیة الشرعیة المغیاة الی استعمال المزیل لیست الا النجاسة الحکمیة فاتحد التعریفان۔ **ثم اقول:** (۱) التعریف (۲) بالحکم ان ارید به ان یجعل الحکم نفس المعرّف بحیث یحمل هو علی المعرّف فنعم یسقط ایراد النهر والدر فان المانعیة بالمعنی المذکور وهی النجاسة الحکمیة لیست اثرا مترتبا علی الحدث بمعنی الوصف الشرعی بل هی هو کما عرفت وح لایستقیم ایضا قول المجیب ان التعریف بالحکم کأن یقال هو مالا تصح الصلاة معه فان مالا تصح لیس حکما بل الحکم کما اعترف عدم الصحة ولم یعرف به وانما یکون تعریفاً بالحکم لوقیل الحدث عدم صحة الصلاة ویتکدر ایضا جواب ط وش بانه مستعمل عند الفقهاء فان المستعمل عندهم ذکر الحکم فی التعریف لاحمل الاثر علی المؤثر وان ارید به ان	استعمال نہ کرے، جب وہ پانی استعمال کرلے گا تو وہ اعتبار ختم ہوجائے گا، یہ سب طاعت کی ابتلا ہے، رہی یہ بات کہ یہاں کوئی وصف عقلی حقیقی یا محسوسی ہے، تو ایسی کوئی بات نہیں، اور جو اس کا دعوی کرتا ہے تو محض دعوی ہی ہے، اور اس کے اعتباری ہونے کی دلیل ہے کہ یہ شریعتوں کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا رہتا ہے، مثلاً شراب ہماری شریعت میں ناپاک ہے اور دوسری شریعتوں میں پاک ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ نجاست محض شرعی اعتبار سے یہ اتنی سے اتنی مدّت تک کیلئے لازم کیا گیا ہے ابتلاءً اور اس میں خون اور حَدَث میں کوئی تفاوت نہیں کیونکہ یہ بھی ویسا ہی اعتبار ہے اھ تو یہ اس امر میں نص صریح ہے کہ یہ مانعیت شرعیہ جس کی انتہا مُزیل کا استعمال ہے، نجاست حکمیہ ہی ہے تو دونوں تعریفیں متحد ہوگئیں۔ ت) پھر **میں کہتا ہوں** تعریف بالحکم سے مراد اگر یہ ہے کہ حکم کو معرِّف بنادیا جائے کہ وہ معرَّف پر محمول ہو تو نہر اور دُر کا اعتراض رفع ہوجائے گا، کیونکہ مانعیت بالمعنی المذکور یعنی نجاست حکمیہ کے معنی میں، حَدَث پر مترتب ہونے والا اثر نہیں ہے، یعنی وصف شرعی کے معنی میں بلکہ یہ وہی ہے جیسا کہ تم نے پہچانا۔ اور اس صورت میں مجیب کا یہ قول درست نہ ہوگا کہ تعریف بالحکم مثلاً یہ کہا جائے کہ حَدَث وہ ہے کہ جس کے ہوتے ہوئے نماز درست نہ ہو، کیونکہ "وہ جس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح نہ ہو" یہ جملہ حکم نہیں ہے بلکہ حکم جیسا کہ انہوں نے اعتراف کیا، عدمِ صحت ہے، اور اس سے انہوں نے تعریف نہیں کی ہے، اور تعریف بالحکم اس صورت میں ہوتی جب یہ کہا جاتا کہ حَدَث نماز کا صحیح نہ ہونا ہے، اور ط و ش کا جواب بھی اس صورت میں مکدّر ہوجائے گا کہ اس قسم کی تعریف فقہاء کے

[1] فتح القدیر بحث الماء المستعمل نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

یمیز المحدود بذریعة الحکم بان یعطی انه الذی یؤثر ھذا الاثر فنعم یستقیم تمثیل المجیب التعریف بالحکم بما ذکر لکن یسقط اصل جوابه بان المانعیة لیست حکما فان التعریف بالحکم لیس اذن ان یکون المحمول عین الحکم بل ماذکر فیه الحکم وھو حاصل فی التعریف المذکور قطعا لاشتماله علی منع المکلف من اشیاء مخصوصة مادام ذلك الوصف قائما به اتینا علی الایراد وھو علی ھذا اشد سقوطا وابین غلطا فان الذی اختارہ الموردون لایخ ایضا عن التعریف بالحکم لذکرھم فیه زوال الطھارة وما ھو الا الاثر المترتب علی ذلك الوصف الشرعی واذن یکفی جوابا عن کلا الحدین ماذکر ط و ش وبالجملة فایقاع التغایر بین الحدین لاداعی له و ایراد النھر والدر لاصحة له وجواب الفتال عن بعض الفضلاء لایخلو عن خلط وغلط بقی الکلام علی المعنی الاول الذی ذکرہ العلامة قاسم وکیف تباینه للمعنی الثانی۔

فاقول: (۱) المانع الشرعی ای مالاجله المنع ھی النجاسة الحکمیة والمنتسب الیھا تلبس المکلف بھا والفرق بینھما ان النجاسة

یہاں مستعمل ہے، کیونکہ ان کے یہاں مستعمل تعریف میں حکم کا تذکرہ ہے نہ یہ کہ اثر کو مؤثر پر محمول کرلیا جائے، اور اگر اس سے یہ ارادہ کیا جائے کہ محدود کو بذریعہ حکم ممیّز کیا جائے یعنی یہ کہا جائے کہ یہی ہے جو یہ اثر کر رہا ہے تو اس صورت میں مجیب کی یہ مثال جو انہوں نے تعریف بالحکم کیلئے پیش کی ہے درست قرار پائے گی، مگر اس وقت ان کا اصل جواب ختم ہوجائے گا، یعنی یہ کہ مانعیت حکم نہیں ہے کیونکہ تعریف بالحکم اس صورت میں یہ نہیں ہے کہ محمول عین حکم ہو، بلکہ یہ ہے کہ جس میں حکم مذکور ہو، اور یہ تعریف مذکور میں قطعاً موجود ہے، کیونکہ یہ تعریف اس پر مشتمل ہے کہ مکلّف کو مخصوص اشیاء سے روکنا جب تک کہ یہ وصف اس کے ساتھ قائم رہے۔ اب ہم اعتراض کی طرف آتے ہیں اور اس کی صورت اور بھی زیادہ غلط اور ساقط ہے کیونکہ معترضین نے جو تعریف اختیار کی ہے وہ تعریف بھی تعریف بالحکم سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وہ بھی اس میں زوال طہارت کا استعمال کرتے ہیں، اور وہ اُس وصفِ شرعی پر مرتّب ہونے والا اثر ہے، ایسی صورت میں دونوں تعریفوں پر جو اعتراض ہے اُس کے جواب میں "ط" اور "ش" نے جو تقریر کی ہے وہ کافی ہے، اور خلاصہ یہ کہ دونوں تعریفوں میں تغایر کا قول کرنے کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے، اور نہر اور دُر کا اعتراض درست نہیں ہے اور فتال نے جو جواب بعض فضلاء کی طرف سے دیا ہے وہ غلط اور خلط سے خالی نہیں ہے۔ اب اُس پہلے معنی پر گفتگو باقی رہ گئی جو علّامہ قاسم نے ذکر کئے ہیں، اور یہ معنی دوسرے معنی سے کس طرح مختلف ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** مانع شرعی یعنی جس کی وجہ سے منع ہے وہ نجاست حکمیہ ہے، اور جو اس کی طرف منسوب ہے وہ مکلّف کا اُس کے ساتھ ملتبس ہونا ہے، اور

وصف شرعی یحل بسطوح الاعضاء الظاھرۃ حلول سریان والسطح ممتد منقسم فتنقسم النجاسۃ بانقسامھا فتقبل التجزی ثبوتا ورفعا امارفعا فظاھر فانہ اذا غسل الید مثلا زالت النجاسۃ عنھا ولذا سقط عنھا فرض التطھیر مع بقاء النجاسۃ فی سائر الاعضاء التی حلتھا واما ثبوتا فلان الحدث الاصغر انما ینجس اربعۃ اعضاء والاکبر البدن کلہ وسنعود الی الکلام فی ھذا عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی اما تلبس المکلف بھا ای اصطحابہ لھا فوصف للمکلف یحدث بحلول النجاسۃ فی ای جزء من اجزاء بدنہ ویبقی ببقائھا فی شیئ منھا فان زادت النجاسۃ لم یزدوان نقصت لم ینتقص بل اذا حدثت حدث ومھما بقیت ولوکاقل قلیل بقی کملا واذا زالت بالکلیۃ زال وکان نظیرھما الحرکۃ بمعنی القطع وبمعنی التوسط فالاول متجزئۃ لانطباقھا علی المسافۃ المتجزئۃ والثانیۃ لاجزء لھا بل تحدث بحدوث اول جزء من اجزاء الاولی وتبقی بحالھا مادام المتحرک بین الغایتین فاذ اسکن زالت دفعا **فانقلت** لم لایحمل کلام البحر علی ھذا کی یثبت التغایر بین الحدین کمافھم النھر والدر ویوافق لما اعترض بہ تبعا للفتح کلام العامۃ والمتون ان الحدث لایتجزی۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ نجاست شرعی وصف ہے جو اعضاء ظاہرہ کی سطحوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے، اور یہ حلول سریانی ہوتا ہے اور سطح ممتد اور منقسم ہے تو اس کی تقسیم کی وجہ سے نجاست بھی منقسم ہوجائے گی، تو یہ رفعاً اور ثبوتاً تجزی کو قبول کرے گا، رفعاً تو ظاہر ہے، کیونکہ مثلاً اس نے ہاتھ تین بار دھویا تو اس سے نجاست زائل ہوجائے گی، اور اسی لئے اس سے فرض تطہیر ساقط ہوگیا جبکہ باقی اعضاء میں نجاست باقی ہے اور ثبوتاً اس طرح کہ حَدَث اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتا ہے اور اکبر تمام بدن کو، ہم عنقریب اس پر کلام کریں گے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ رہا نجاست کے ساتھ مکلّف کا متلبس ہونا، تو یہ مکلّف کا وصف ہے جو نجاست کے حلول سے پیدا ہوتا ہے، خواہ اس کے بدن کے کسی جزء میں بھی ہو، اور حدث اس وقت تک باقی رہے گا جب تک نجاست کسی بھی عضو میں باقی رہے، تو اگر نجاست زیادہ ہوجائے تو حدث زیادہ نہ ہوگا، اور نجاست اگر کم ہو تو حدث کم نہ ہوگا، بلکہ جب بھی نجاست وجود میں آئے گی حدث وجود میں آئے گا اور جب تک باقی رہے گی خواہ کم سے کم ہو تو حدث بھی مکمل طور پر باقی رہے گا اور جب نجاست بالکلیہ زائل ہوجائے گی تو حدث بھی زائل ہوجائے گا، ان دونوں کی نظیر حرکۃ بمعنی قطع ہے اور حرکۃ بمعنی توسط کے ہے، تو پہلی منقسم ہے کیونکہ وہ مسافتِ منقسمہ پر منطبق ہوتی ہے اور دوسری کا کوئی جزء نہیں بلکہ پہلی حرکۃ کے پہلے جزء کے پیدا ہونے پر پیدا ہوتی ہے اور اسی طرح باقی رہتی ہے جب تک دونوں غایتوں کے درمیان

قلت: یاباہ قولہ قائمۃ بالاعضاء فان التلبس الذی لاتجزی لہ انما یقوم بالمکلف نفسہ لابالاعضاء و الذی یقوم بھا یتجزی بتجزیھا کما عرفت امامخالفتہ لماذکرمن عدم التجزی **فاقول**:(۱)لا غروفھو القائل فی باب شروط الصلاۃ متصلا بھذا التعریف بلا فصل مانصہ والخبث عین مستقذرۃ شرعا وقدم الحدث لقوتہ لان قلیلہ مانع بخلاف قلیل الخبث [1] اھ فقد افصح بتجزی الحدث وقال متبوعہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح کلمتھم متفقۃ علی ان الخف اعتبر شرعاما نعا سرایۃ الحدث الی القدم فتبقی القدم علی طھارتھا ویحل الحدث بالخف فیزال بالمسح [2] اھ فھذا نص صریح علی تجزی الحدث واعتراف باطباق کلمتھم علیہ وھو کذلک فمن نظر کلامھم فی مسائل مسح الخفین وغیرھا ایقن بانھم جمیعا قائلون بتجزیہ وانما الذی لایتجزی ھو تلبس المکلف بالمنع الشرعی فظھر ظھور النھاران الایراد علی

متحرک رہے اور جب پُر سکون ہوگا تو حرکت یک دم ختم ہوجائے گی۔ اگر تو کہے کہ بحر کے کلام کو اس پر کیوں محمول نہ کرلیاجائے تاکہ دونوں تعریفوں میں تغایر ظاہر ہوجائے جیساکہ نہر اور دُر نے سمجھا ہے اور موافق ہوجائے اس اعتراض کے ساتھ جو انہوں نے فتح کی متابعت میں عام کتب اور متون پر کیا ہے کہ حَدَث منقسم نہیں ہوتا۔(ت)

میں کہتا ہوں اس تاویل سے ان کا قول "قائمۃ بالاعضاء" انکار کرتا ہے، کیونکہ تلبس جو ایک غیر متجزی شیئ ہے، وہ بذاتِ خود مکلّف کے ساتھ قائم ہوتا ہے نہ کہ اُس کے اعضاء کے ساتھ، اور جو چیز اعضاء کے ساتھ قائم ہے وہ اعضاء کی تجزی کے باعث متجزی ہوتی ہے جیساکہ آپ نے پہچانا اور اس کی مخالفت عدم تجزی سے، تو **میں کہتا ہوں** کہ اس پر کوئی تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ خود ہی اس تعریف کے متصلا بعد "باب شروط الصّلوٰۃ" میں فرماتے ہیں "اور خُبث وہ چیز ہے جو شرعاً گندی ہو، اور حدث کو اس کی قوت کے باعث مقدم کیا کیونکہ اس کا قلیل بھی مانع ہے، بخلاف قلیل خبث کے اھ یہاں انہوں نے بوضاحت حدث کے منقسم ہونے کا قول کیا ہے، اور اُن کے مقتدا محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ موزہ شرعا قدم کی طرف حدث کی سرایۃ کو قدم تک روکنے والا ہے، تو قدم بدستور پاک رہے گا اور حدث موزہ میں داخل ہوجائے گا، لہذا مسح سے اس کو زائل کردیا جائے گا اھ یہ نص صریح ہے حدث کے متجزی ہونے پر اور اس امر کا اعتراف ہے کہ فقہاء اس پر متفق ہیں، اور بات

---

[1] بحر الرائق شروط الصلوٰۃ سعید کمپنی کراچی ۲۶۶/۱

[2] فتح القدیر مسح الخفین سکھر ۱۲۸/۱

المتون والعامة وتثلیث السبب کلا کان فی غیر محله ولا حاجة الی ما تجشم البحر جوابا عن المتون بقوله الا ان یقال ان الحدث زال عن العضو زوالا موقوفا ثم ضعفه بقوله لکن المعلل به فی کتاب الحسن عن ابی حنیفة اسقاط الفرض لا ازالة الحدث[1]۔

اقول: بل (۲) لاوجه له لان الحدث بالمعنی الذی لایتجزی اعنی تلبس المکلف بالمانع الشرعی لاقیام له بعضو حتی یزول عنه منجزا اوموقوفا ثم تعلیل الامام فی هذا الکلام باسقاط الفرض لاینافی تعلیله فی کلام اخر برفع الحدث علی ماقررنا لك بارشاد الهدایة ان مؤداهما واحد وقد قال فی الخلاصة والتبیین والفتح وغیرها الماء بماذا یصیر مستعملا قال ابو حنیفة وابو یوسف اذا ازیل به حدث اوتقرب[2] به الخ وبالله التوفیق

ثم جنوح المحقق فی آخر کلامه الذی اثرنا عنه الی ان سقوط الفرض هو الاصل فی الاستعمال اعتمده فی البحر ثم الدر واشار الی الرد علیه

ایسی ہے کیونکہ جو بھی مسح علی الخفین کی بابت فقہاء کے کلام کو دیکھے گا اس کو یقین آجائے گا کہ سب فقہاء حَدَث کے متجزی ہونے کے قائل ہیں، اور جو چیز متجزی نہیں ہوتی ہے وہ مکلّف کا منع شرعی سے متصف ہونا ہے، تو روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ متون اور عام کتب پر اعتراض اور سبب کی تثلیث سب بے محل ہیں اور جو تکلف بحر نے متون کے جواب میں کیا ہے اس کی چنداں حاجت نہیں، جواب یہ ہے کہ "مگر یہ کہ کہا جائے کہ حدث عضو سے زوالِ موقوف کے طور پر زائل ہوا ہے، پھر خود ہی اس کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ حسن کی کتاب میں ابو حنیفہ سے اسقاط فرض کی علّت بنانا مروی ہے نہ کہ ازالہ حدث کو۔ (ت)

میں کہتا ہوں دراصل اس کی کوئی وجہ ہی نہیں ہے، کیونکہ حَدَث اُس معنی کے اعتبار سے جس میں وہ منقسم نہیں ہوتا ہے یعنی مکلّف کا مانع شرعی کے ساتھ متلبس ہونا، اس کا قیام کسی عضو کے ساتھ نہیں، تاکہ وہ اس سے فوری طور پر یا موقوفاً زائل ہوجائے، پھر امام کا اس کلام میں اسقاط فرض کے ساتھ تعلیل کرنا، ان کے دوسرے کلام میں رفع حدث کی علّت بتانے سے متضاد نہیں، جیسا کہ ہم نے ہدایہ کی عبارت سے واضح کردیا ہے کہ دونوں کا ماحصل ایک ہی ہے، اور خلاصہ، تبیین، فتح وغیرہا میں ہے کہ پانی کا مستعمل ہونا ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک اس وقت ہوگا جب اس سے کوئی حدث زائل کیا جائے یا کوئی تقرب کیا جائے الخ وباللہ التوفیق پھر محقق کا جو کلام ہم نے نقل کیا ہے

[1] بحر الرائق بحث الماء المستعمل سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] خلاصۃ الفتاوٰی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷

العلامۃ ش بان نقل اولا عن الفتح نفسہ ان المعلوم من جھۃ الشارع ان الاٰلۃ التی تسقط الفرض وتقام بھا القربۃ تتدنس الخ وایضا عنہ مانصہ والذی نعقلہ ان کلا من التقرب والاسقاط مؤثر فی التغیر الا تری انہ انفرد وصف التقرب فی صدقۃ التطوع واثّر التغیر حتی حرمت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعرفنا ان کلا اثر تغیرا شرعیا اھ ثم قال بعد نقلھما مقتضاہ ان القربۃ اصل ایضا فالمؤثر فی الاستعمال[1] اصلان اھ۔

اقول: (۱) کلام المحقق من اولہ الی اخرہ طافح باثبات الاصالۃ بھذا المعنی ای مایبتنی علیہ الحکم بتدنس الماء للقربۃ والاسقاط جمیعا بل ھو الذی ثلث واقام اصولا ثلثۃ وما کان لیقرر ھذا کلہ ثم فی طی نفس الکلام یحصر الاصالۃ فی شیئ واحد وانما منشأ کلامہ انہ رحمہ اللہ تعالٰی نقل عنھم ان الاستعمال عند الشیخین باحد شیئین رفع الحدث والتقرب وعند محمد بالتقرب وحدہ وحمل رفع الحدث علی المعنی الذی لایتجزی فتطرق

اس میں ان کا میلان اس طرف ہے کہ پانی کے استعمال سے سقوط فرض ہی اصل ہے بحر اور دُر نے اسی پر اعتماد کیا ہے اور علامہ "ش" نے اس پر رد کی طرف اشارہ کیا ہے، پہلے تو انہوں نے خود ہی فتح سے نقل کیا کہ شارع سے معلوم ہے کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہو اور قربۃ ادا ہو میلا ہو جاتا ہے الخ انہوں نے مزید فرمایا کہ جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ تقرب اور اسقاط فرض دونوں ہی تغیر میں مؤثر ہیں، مثلاً وصف تقرب صدقہ تطوع میں منفرد ہے اور تغیر نے اثر کیا یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام ہو گئی، تو ہمیں معلوم ہوا کہ ہر ایک نے شرعی تغیر کا اثر چھوڑا ہے اھ پھر دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ قربۃ بھی اصل ہے تو استعمال میں مؤثر دو اصلیں ہیں اھ ت

میں کہتا ہوں محقق کا کلام از اوّل تا آخر سطحی ہے کہ اس میں اصالت اس معنی کے اعتبار سے ثابت کی ہے، یعنی وہ چیز جس پر حکم کی بنا ہو، پانی کے ادائے قربت کی وجہ سے میلا ہو جانے کے باعث اور اسقاطِ فرض کے باعث، بلکہ وہی ہیں جنہوں نے تثلیث کی اور تین اصول مقرر کئے، اور وہ یہ تقریر کرکے پھر ان میں سے ایک چیز پر اصالت کو منحصر نہیں کر رہے، اُن کے کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ وہ اُن (رحمہم اللہ) سے یہ نقل کر رہے ہیں کہ شیخین کے نزدیک استعمال دو چیزوں میں سے ایک کی وجہ سے

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۶
فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

الایراد بالفروع التی حکم فیھا باستعمال الماء مع بقاء الحدث فقرر ان اسقاط الفرض ایضا مؤثر واستدل علیہ بکلام الامام فی کتاب الحسن وبان الاصل الذی عرفنا بہ ھذا الحکم ھو مال الزکاۃ والثابت فیہ لیس الاسقوط الفرض ای وان اثبتناہ ایضا بالتقریب بدلیل آخر فالاصل الذی ارشدنا اولا الی ھذا الحکم ھو سقوط الفرض فکیف یعزل النظر عنہ بل یجب القول بہ وھذا لاینافی ان الاصول اثنان بل ثلثۃ ینقدح ھذا المعنی فی ذھن من جمع اول کلامہ باٰخرہ حیث یقول المعلوم من جھۃ الشارع ان آلۃ تسقط الفرض وتقام بھا القربۃ تتدنس اصلہ مال الزکاۃ تدنس باسقاط الفرض حتی جعل من الاوساخ فی لفظہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ[1] فافصح ان کلا الامرین مغیر واقتصر فی الزکوۃ علی الاسقاط ثم قال فی بیان سبب ثبوت الاستعمال انہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف کل من رفع الحدث والتقرب وعند محمد التقرب وعند زفر الرافع لایقال ماذکر لاینتھض علی زفر اذیقول مجرد القربۃ لایدنس بل الاسقاط فان المال لم یتدنس بمجرد التقرب بہ ولذا جاز للھاشمی صدقۃ التطوع بل مقتضاہ ان لا

ہوتا ہے، رفعِ حدث اور تقرب، اور محمد کے نزدیک صرف تقرب سے اور رفعِ حدث کو اس معنی پر محمول کیا کہ اس میں تجزّی نہیں ہوتی، اِس بنا پر اُن فروع کی وجہ سے اعتراض وارد ہوا جن میں پانی کے استعمال کا حکم ہوا حدث کے باقی ہوتے ہوئے، انہوں نے اس امر کو ثابت کیا اسقاط فرض بھی مؤثر ہے، اور اس پر انہوں نے امام کے کلام سے استدلال کیا ہے جو کتاب حسن میں مذکور ہے اور یہ استدلال بھی کیا ہے کہ وہ اصل جس کی وجہ سے ہم نے یہ حکم جانا ہے وہ زکوۃ کا مال ہے اور اس میں صرف فرض کا سقوط ہے، یعنی اگرچہ ہم اس کو کسی اور دلیل کی وجہ سے تقرب سے ثابت کریں تو وہ اصل جو ہم نے پہلے سے بتائی ہے اور جس سے یہ حکم ثابت ہوا ہے وہ سقوط فرض ہے تو اُس سے صرفِ نظر کیونکر ممکن ہے بلکہ اس کو ماننا لازم ہے، اور یہ اس امر کے منافی نہیں کہ اصول دو ہیں بلکہ تین ہیں یہ معنی اس کے دل میں ضرور خلجان پیدا کریں گے جو اُن کے اول کلام اور آخر کلام کو یکجا کرکے پڑھے گا، وہ کہتے ہیں کہ وہ آلہ جس سے فرض ساقط ہوتا ہے اور قربت ادا ہوتی ہے میلا ہوجاتا ہے اس کی اصل مال زکوۃ ہے کہ وہ اسقاط فرض سے میلا ہوجاتا ہے اس لئے اس کو حدیث میں "اوساخ" قرار دیا گیا ہے الخ اس سے واضح ہوا کہ دونوں امور تبدیلی کرنے والے ہیں، اور زکوۃ میں اسقاط پر اکتفاء کیا گیا ہے، پھر ثبوت استعمال کے سبب کے بیان میں فرمایا کہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک سبب رفعِ حدث اور تقرب ہے

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

یصیر مستعملا الا بالاسقاط مع التقرب فان الاصل اعنی مال الزکاۃ لاینفرد فیه الاسقاط عنه اذ لا تجوزالزکاۃ الا بنیة ولیس هو قول واحد من الثلثة(یرید اصحاب الاقوال الثلثة الشیخین و محمد او زفر)لانانقول غایة الامر ثبوت الحکم فی الاصل مع المجموع وهو لایستلزم ان المؤثر المجموع بل ذلك دائر مع عقلیة المناسب للحکم فان عقل استقلال کل حکم به اوالمجموع حکم به والذی نعقله ان کلامؤثر[1] الی اخرماتقدم ثم قال قال فی الخلاصة ان الماء بماذا یصیر مستعملا(فذکر المذھبین کما نقلنا ثم قال)ھذا یشکل علی قول المشائخ ان الحدث لایتجزأ والمخلص ان صیرورۃ الماء مستعملا باحد ثلثة رفع الحدث والتقرب وسقوط الفرض وھوالاصل لما عرف ان اصله مال الزکاۃ والثابت فیه لیس الاسقوط الفرض۔

اقول:ای وان کان الموجود فیه الامران لکن ھذا اقوی وفیه المقنع فلا یثبت به الا

اور محمد کے نزدیک وہ تقرب ہے اور زفر کے نزدیک رفع ہے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ یہ دلیل زفر کے خلاف نہیں چل سکتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ صرف قُربت پانی کو مستعمل نہیں کرتی ہے بلکہ اسقاط بھی اس میں شامل ہے، کیونکہ مال زکوٰۃ محض تقرب کی وجہ سے میلا نہیں ہوا ہے، اور اسی لئے ہاشمی نفلی صدقہ لے سکتا ہے بلکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اسقاط مع تقرب سے اسقاط منفرد نہیں، کیونکہ زکوٰۃ بلانیت جائز نہیں اور یہ تینوں میں سے کسی ایک کا قول نہیں(اس سے ان کی مراد تینوں اقوال کے قائلین یعنی ابو حنیفہ وابو یوسف، محمد یازفر رحمہم اللہ ہیں) کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ حکم کا اصل مجموع کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور وہ اس امر کو مستلزم نہیں ہے کہ موثر مجموع ہے بلابلکہ اس کا دارومدار اس پر ہے کہ مناسب حکم کو سمجھا جائے، اگر ہر حکم کا استقلال اس کے ساتھ سمجھا جائے یا مجموع کا تو اس کے ساتھ حکم کیا جائے گا اور جو ہم سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہر ایک موثر ہے الی آخر ماتقدم، پھر کہا کہ انہوں نے خلاصہ میں فرمایا کہ پانی کس چیز کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے(توانہوں نے دونوں مذاہب کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم نے نقل کیا پھر فرمایا)(یہ مشائخ کے قول کی روشنی میں مشکل ہے کہ حدث متجزی نہیں ہوتا، اور اس اشکال سے نجات کی صورت تین امور میں سے ایک امر ہے رفع حدث، تقرب اور سقوط فرض ہی اصل ہے، کیونکہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں جو ثابت ہے وہ سقوط فرض ہی اصل ہے، کیونکہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ اس کی اصل مال زکوٰۃ ہے اور اس میں جو ثابت ہے وہ سقوط فرض ہے۔ ت) **میں کہتا ہوں** اگرچہ اس میں موجود دونوں امر ہیں لیکن یہ اقوی ہے اور اس میں کفایت ہے، تو

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

سببية هذا وان استفيد سببية الاخر بدليل حرمة صدقة التطوع عليه صلى الله تعالى عليه وسلم كما قدم فتاثير اسقاط الغرض هواول ماثبت بالاصل الاعظم فلا مساغ لاسقاطه قال والمفيد لاعتبار الاسقاط مؤثرا صريح تعليل ابى حنيفة انه سقط فرضه عنه[1] اھ ملتقطا وعليك بتلطيف القريحة هذا وقرره العلامة ط تبعاللبحر بوجه اخر حيث قال تحت قول الدر اسقاط فرض هوالاصل فى الاستعمال كمانبه عليه الكمال مانصه وهوموجود فى رفع الحدث حقيقة وفى القربة حكما لكونها بمنزلة الاسقاط ثانيا وقدمر[2] اھ ومامر هو قوله انما استعمل الماء بالقربة كالوضوء على الوضوء لانه لما نوى القربة فقدازداد طهارة على طهارة فلا تكون طهارةجديدة الا بازالةالنجاسةالحكمية حكما فصارت الطهارة على الطهارة وعلى الحدث سواء[3] افاده صاحب البحر اھ۔

اقول: نقله عن معراج الدراية واقرو فيه (ا) بعدلا يخفى فما النجاسة لاسيما الحكمية

اس سے اس کی سببیت ثابت ہوگی اگرچہ دوسرے کی سببیت بھی ثابت ہوگی، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نفلی صدقہ حرام ہے جیسا کہ گزرا، تو اسقاط فرض کی تاثیر پہلی چیز ہے جو اصل اعظم سے ثابت ہے تو اس کے ساقط کرنے کا کوئی جواز نہیں فرمایا) اور اسقاط کو مؤثر اعتبار کرنے کیلئے مفید امام ابو حنیفہ کی صریح تعلیل ہے کہ اسکا فرض اس سے ساقط ہوگیا اھ ملتقطا، اور تم اپنی طبیعت کو خوشگوار کرو، ہذا، اور علامہ "ط" نے بحر کی متابعت کرتے ہوئے اس کی تقریر دوسرے انداز میں کی ہے، انہوں نے "دُر" کے قول اسقاط فرض ہی استعمال میں اصل ہے کے تحت فرمایا، جیسا کہ کمال نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ حدث کو رفع کرنے میں حقیقۃً موجود ہے اور قربت میں حکما ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ اسقاط ثانیا ہے اور یہ گزرا اھ اور جو گزرا وہ ان کا قول ہے، بیشک پانی قربت کی وجہ سے مستعمل ہوتا ہے، جیسے وضو پر وضو کرنا اس لئے جب قربت کا ارادہ کیا تو وہ طہارت کے اعتبار سے زیادہ ہوگیا، تو نئی طہارت نجاست حکمیہ کے ازالہ سے ہی ہوگی حکما، تو طہارت پر طہارت، اور حدث پر طہارت برابر ہوگئی، اس کا افادہ صاحبِ بحر نے کیا اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس کو معراج الدرایہ سے نقل کیا اور برقرار رکھا، اس میں بُعد ہے جو مخفی نہیں ہے کیونکہ

---

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۷۶/۱

[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱۱۰/۱

[3] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۲/۱

الا اعتبار شرعی والاعتبار الصحیح لایکون الاعن منشأ صحیح وبدونہ اختراع یجل شان الشرع عنہ وقد زال ذلك بالطھر فلا یعود الا بحدث جدید وبعبارۃ اخری ھل اعتبر الشرع ھنا شیأ ینافی الطھر یزول بالماء الثانی فیحصل طھر جدید ام لا علی الثانی عاد السؤال اذلا نجاسۃ حقیقۃ ولا اعتبار او علی الاول ما حقیقۃ النجاسۃ الحکمیۃ الا ذلك الاعتبار الشرعی فلا معنی لتحقق الحکمیۃ حکما لاحقیقۃ وبعبارۃ اخصر ماالحکمیۃ الا اعتبارالشرع فالحکمیۃ حکما اعتبار الشرع انہ اعتبر وما اعتبر اذ لواعتبرلتحققت وبالجملۃ مامال الجواب الا فرضھا ھنالك فرضا باطلا ولا مساغ لہ وانا انبئك ان ما (۱)افادہ انما ھو تجشم مستغنی عنہ وذلك لان المعراج انما احتاج الیہ جوابا عن سؤال نصبہ بقولہ فان قیل المتوضیئ لیس علی اعضائہ نجاسۃ لا حقیقۃ ولا حکمیۃ فکیف یصیر الماء مستعملا بنیۃ القربۃ فاجاب بقولہ لمانوی القربۃ فقد ازداد[1] الخ

نجاست، خاص طور پر حکمیہ اعتبار شرعی ہے اور اعتبار صحیح اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا منشاء صحیح ہو، اور اس کے بغیر اختراع ہے، شریعت کی شان اس سے بڑی ہے، اور یہ طُہر سے زائل ہوگیا تو صرف نئے حدث سے ہی یہ عود کرے گا، بالفاظ دیگر کیا یہاں شریعت نے کوئی ایسی چیز معتبر مانی ہے جو منافی طہر ہو اور دوسرے پانی سے زائل ہوجائے، تو نئی پاکی حاصل ہو یا معتبر نہیں مانی ہے، دوسری تقدیر پر سوال لوٹ کر آئیگا کیونکہ کوئی حقیقی نجاست نہیں اور نہ ہی اعتباری ہے اور پہلی تقدیر پر نجاست حکمیہ کی حقیقت شرعی اعتبار کے علاوہ اور کیا ہے تو یہ کہنا بے معنی ہے کہ نجاست حکمیہ حقیقۃً نہیں حکماً پائی جاتی ہے اور مختصر عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ نجاست حکمیہ صرف شرعی اعتبار سے عبارت ہے تو حکمیہ حکما شرع کا یہ اعتبار ہے کہ اس کا اعتبار کیا گیا ہے، اور اعتبار کیا نہیں گیا کیونکہ اگر اعتبار کیا جاتا تو وہ متحقق ہوجاتی۔ خلاصہ یہ کہ جواب کا مآل یہ ہے کہ حکمیہ کو وہاں اعتبار کیا جائے بفرض باطل جس کی گنجائش نہیں، اور میں تجھ کو خبردار کرتا ہوں کہ جس کا افادہ انہوں نے کیا ہے وہ محض تکلّف ہے جس کی ضرورت نہیں، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معراج کو اس کی ضرورت اس لئے پڑی کہ انہیں اس سوال کا جواب دینا ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ وضو کرنے والے کے اعضاء پر نہ حقیقی نجاست ہے اور نہ حکمی ہے تو پانی بہ نیت تقرب کیسے مستعمل ہوجائے گا، تو انہوں نے جواب دیا کہ جب اس نے نیت کی تو زیادتی کی الخ۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۲

اقول اولا یعود السائل یمنع ازدیاد الطهارة وانما ازداد نظافة لانها تقبل التشکیك دون الطهارة ولذا قلنا بعدم تجزی الحدث والی ازدیاد النظافة یشیر الحدیث المشهور الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجه رزین وان قال العراق والمنذری لم نقف علیه کما فی التیسیر۔

وثانیا:(۱)لامساغ للسؤال رأسا فان مبناه علی حصر النجاسة الحکمیة فی الحدث ولیس کذا بل منها المعاصی کما تقدمت النصوص علیه والماء الاول وان کان کما یزیل الحدث یغسل من اثر المعاصی ایضا بشرط النیة ولکن لایجب ان یزیلها کلًّا والا لکفی الوضوء عن التوبة وصار کل من توضأ مرة ولو بعد الف کبیرة کمن لاذنب له وهو باطل قطعا فهذه نجاسة حکمیة باقیة بعد التطهیر فی عامة المکلفین فاین مثار السؤال بل قدمنا(۲)ان المکروهات ایضا تغیر الماء فهذا اطم واعم اما المعصومون صلوات الله تعالٰی وسلامه علیهم

فاقول: لانسلم فی مائهم (۳)الاول ایضا انه مستعمل فی حقنا بل طاهر طهور مطهر لنا فضلا عن الثانی واذا اعتقدنا الطهارة فی فضلاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما ظنك بوضوئه فالاستدلال(۴)علی طهارة الماء المستعمل بان اصحابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بادروا الی وضوئه فمسحوا به وجوهم

میں کہتا ہوں اولًا کہ سائل کہہ سکتا ہے کہ ہم طہارت کی زیادتی کو تسلیم نہیں کرتے اس میں نظافت کا اضافہ تو اس لئے ہے کہ نظافت کمی بیشی کو قبول کرتی ہے، مگر طہارت ایسی نہیں اور اسی لئے ہم نے کہا ہے کہ حدث میں تجزّی نہیں ہے، اور نظافت میں اضافہ کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ وضوپر وضو نور علٰی نور ہے، اس کی تخریج رزین نے کی ہے اگرچہ عراقی اور منذری نے کہا ہے کہ ہم اس پر مطلع نہیں ہوئے ہیں کما فی التیسیر۔

ثانیًا: سوال کی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ اس سوال کا دارومدار اس پر ہے کہ نجاستِ حکمیہ کو حدث میں منحصر کردیا گیا ہے اور حالانکہ بات یہ نہیں ہے، بلکہ نجاست حکمیہ میں معاصی بھی شامل ہیں، اس پر نصوص گزر چکے ہیں، اور پہلا پانی جس طرح حَدَث کو زائل کرتا ہے بشرطِ نیت گناہوں کو بھی دھو ڈالتا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ گناہوں کو کلیةً دھو ڈالے ورنہ تو وضو ہی کافی ہوجاتا توبہ کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور ہزار ہا گناہوں کے بعد ایک ہی مرتبہ وضو کرلیتا تو تمام گناہ معاف ہوجاتے، اور وہ اس طرح ہوجاتا گویا اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں ہے، اور یہ چیز قطعاً باطل ہے تو یہ وہ نجاست حکمیہ ہے جو مکلفین میں طہارت حاصل کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو اب سوال کیسے پیدا ہوسکتا ہے، بلکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مکروہات بھی پانی کو متغیر کردیتے ہیں تو یہ بلند اور اعم ہے۔ رہے انبیاء علیہم السلام جو معصوم ہیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے

كما فی العناية [1] وغيرها مع ضعفه بوجوه ذكرها فی البحر عن العلامة الهندی ليس فی محله عندی نعم يعتبر مستعملا فی حقهم شرعا فلا يرد علی الحد نقضا كما اعتبرت فضلا تهم نواقض لعظم رفعة شأنهم ونزاهة مكانهم صلوات الله تعالٰی وسلامه عليهم۔

تنبيه:(۱)اختلفوا فی الحدث الاصغر هل يحل كالاكبر بظاهر البدن كله وانما جعل الشرع الوضوء رافعا له تخفيفا ام لاالابالاعضاء الاربعة ويبتنی عليه الخلاف فيما اذا غسل المحدث نحو فخذه فيصير الماء مستعملا علی الاول دون الثانی وبالعدم جزم فی كثير من المتد اولات ونص فی الخلاصة انه الاصح فكان ترجيحا للقول الثانی ولذا عولنا عليه وفی المنحة عن النهر وكان الراجح هو الثانی ولذا لم يصر الماء مستعملا بخلافه علی الاول [2] اھ والظاهر ان كان مشددة فيعطی ترددا فی ترجيحه۔

کہ ان کا پہلا پانی ہمارے حق میں مائے مستعمل ہے، بلکہ وہ ہمارے حق میں پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اور جب پہلے پانی کا یہ حال ہے تو دوسرے پانی کا بطریق اولٰی یہ حال ہوگا، اور ہم تو انبیاء علیہم السلام کے فضلات کی طہارت کے قائل، تو وضو کے پانی کا کیا ذکر ہے۔ بعض حضرات نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مستعمل پانی کی طہارت پر اس امر سے استدلال کیا ہے کہ آپ کے اصحاب نے اُس پانی کی طرف سبقت کی اور اس کو اپنے چہروں پر ملا، جیسا کہ عنایہ وغیرہ میں ہے، بوجوہ ضعیف ہے، یہ وجوہ بحر میں علامہ ہندی سے نقل کی گئی ہیں، میرے نزدیک وہ برمحل نہیں، ہاں ان کے حق میں شرعا مستعمل ہوگا، تو اس سے ماء مستعمل کی حد پر نقض وارد نہ ہوگا، اسی طرح ان کے فضلات کو نواقضِ وضو میں شمار کیا گیا ہے کیونکہ ان کی شان بہت عظیم ہے اور ان کا مقام بہت ستھرا ہے صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم۔ (ت)

تنبیہ: حدثِ اصغر کی بابت اختلاف ہے کہ آیا وہ بھی تمام بدن میں حدثِ اکبر کی طرح حلول کرتا ہے، اور شارع نے وضو کو اس کیلئے رافع تخفیفا قرار دیا ہے یا نہیں؟ ہاں اعضاء اربعہ میں ایسا ہے اور اسی پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ بے وضو شخص نے اگر اپنی ران کے مثل کو دھویا تو پہلے قول پر پانی مستعمل ہوجائے گا دوسرے قول پر نہ ہوگا، اور مستعمل نہ ہونے پر بہت سی متداول کتب میں اعتماد کیا گیا ہے اور خلاصہ میں تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے تو یہ قول ثانی کی ترجیح ہے، اسی لئے ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور منحہ میں نہر سے ہے کہ راجح دوسرا ہے اور اسی لئے پانی مستعمل نہ ہوگا، اس کے برعکس ہے پہلی صورت میں اھ اور ظاہر یہ ہے کہ کَانَّ مشدّدہ ہے۔

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[2] منحۃ الخالق مع البحر کتاب الطہارت ۱/۹۲

اقول: وقد یجوز ان یقول قائل ربما یشھد للاول **اوّلا** (۱) حدیث اذا تطھرا حدکم فذکر اسم اللہ علیہ فانہ یطھر جسدہ کلہ فان لم یذکر اسم اللہ تعالٰی علی طھورہ لم یطھر الامامر علیہ الماء [1] رواہ الدار قطنی والبیھقی فی سننہ والشیرازی فی الالقاب عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال البیھقی بعد ماساقہ بطریق یحیی بن ھاشم السمسار ثنا الاعمش عن شقیق بن سلمۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فذکرہ ھذا ضعیف لااعلم رواہ عن الاعمش غیر (۲) یحیی بن ھاشم وھو متروک الحدیث [2] ورواہ ابن عدی بالوضع اھ وکذبہ ابن معین وصالح جزرۃ وقال النسائی متروک وبہ اعلہ المحقق فی الفتح حین کلامہ علی وجوب التسمیۃ فی الوضوء تبعاللبیھقی۔

اقول: (۳) بل لہ طرق ترفعہ عن الوھن فقد رواہ الدار قطنی والبیھقی ایضاعن ابن عمر وھما وابو الشیخ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی

تو اس سے اس کی ترجیح میں تردّد پیدا ہوگا،

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ کوئی کہنے والا کہے کہ پہلے قول کی دلیل یہ حدیث ہے کہ جب تم میں سے کوئی پاکی حاصل کرے اور اللہ کا نام لے تو اس کا پورا جسم پاک ہو جائے گا اور اگر اللہ کا نام نہ لے تو صرف وہی عضو پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہو، روایت کیا دار قطنی اور بیہقی نے اپنی سنن میں اور شیرازی نے القاب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی نے یہ حدیث بسند یحیٰی بن ہاشم السمسار ذکر کی ہے، ہم سے اعمش نے شقیق بن سلمہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، پھر پوری حدیث ذکر کی، یہ ضعیف ہے، میں نہیں جانتا کہ اس کو اعمش سے یحیٰی بن ہاشم کے غیر نے روایت کیا، اور وہ متروک الحدیث ہے، اور اس کو ابن عدی نے وضاع قرار دیا اھ ابن معین اور صالح نے اس کی تکذیب کی اور نسائی نے اس کو متروک کہا اور یہی علّت محقق نے فتح میں بیان کی، یہ اُس موقعہ پر ہے جہاں انہوں نے وضو میں بسم اللہ کے وجوب کا ذکر کیا بیہقی کی متابعت میں۔ ت)

میں کہتا ہوں اس حدیث کے بعض طرق ایسے ہیں جو اس کی کمزوری کو رفع کرتے ہیں، دار قطنی اور بیہقی نے بھی اس کو ابن عمر سے روایت کیا، اور انہی دونوں نے اور ابو الشیخ نے ابو ھریرہ سے روایت

[1] دار قطنی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع القاہرہ ۱/۷۳

[2] سنن الکبریٰ للبیہقی تسمیۃ علی الوضوء بیروت ۱/۴۴

علیه وسلم من توضأ وذکر اسم الله علی وضوئه تطهر جسده کله ومن توضأ ولم یذکر اسم الله علی وضوئه لم یتطهر الاموضع الوضوء [1] ورواه عبدالرزاق فی مصنّفه عن الحسن الضبی الکوفی مرسلا ینمیه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من ذکر الله عندالوضوء طهر جسده کله فان لم یذکر اسم الله لم یطهر منه الاما اصاب الماء [2] واخرج ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه عن ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انه قال اذا توضأ العبد فذکر اسم الله تعالٰی طهر جسده کله وان لم یذکر لم یطهر الاما اصابه به الماء [3] وروی سعید بن منصور فی سننه عن مکحول قال اذا تطهر الرجل وذکر اسم الله طهر جسده کله واذالم یذکر اسم الله حین یتوضأ لم یطهر منه الاامکان الوضوء [4] ومع هذه الطرق یستحیل الحکم بالسقوط بل ربما یرتقی عن الضعف لاجرم ان صرح فی المرقاة لحدیث الدار قطنی ان سنده حسن وثانیا نقل العلامة الزیلعی المحدث جمال الدین عبدالله تلمیذ الامام

کیا، ان کے لفظ یہ ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے بسم اللہ کرکے وضو کیا تو اس کا سارا جسم پاک ہوگا اور جس نے وضو کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی تو صرف وضو کی جگہ ہی پاک ہوگی اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنَّف میں حسن الضبی کوفی سے مرسلًا روایت کیا، اور وہ اس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہیں، فرماتے ہیں جس نے وضو کے وقت اللہ کا ذکر کیا اس کا تمام جسم پاک ہوجائے گا اور اگر اللہ کا ذکر نہ کیا تو صرف وہی حصہ پاک ہوگا جس پر پانی گزرا ہوگا، اور ابو بکر سے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنَّف میں روایت کی کہ بندہ جب وضو کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور اگر اللہ کا ذکر نہیں کرتا تو صرف وہی حصہ پاک ہوتا ہے جس پر پانی پہنچا ہو۔ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں مکحول سے روایت کی کہ جب کوئی شخص پاکی حاصل کرتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اس کا سارا جسم پاک ہوجاتا ہے اور جب بوقت وضو اللہ کا نام نہیں لیتا ہے تو صرف وضو کی جگہ پاک ہوتی ہے، بلکہ ان سے حدیث مرتبہ ضعف سے بلاند ہوجاتی ہے

---

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی باب التسمیۃ علی الوضوء مطبع بیروت ۴۵/۱
[2] کنزالعمال آداب الوضوء مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲۹۴/۹
[3] مصنّف ابن ابی شیبۃ فی التسمیۃ فی الوضوء ادارۃ القرآن کراچی ۳/۱
[4] کنزالعمال آداب الوضوء موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴۵۷/۹

الزیلعی الفقیه فخرالدین عثمٰن شارح الکنز فی نصب الرایة تحت حدیث لاوضوء لمن لم یسم الله تعالٰی عن الامام ابن الجوزی ابی الفرج الحنبلی انه قال محتجا علینا فی ایجابهم التسمیة للوضوء ان المحدث(ای بالحدث الاصغر اذفیه الکلام و(۱)یکون هو المراد عند الاطلاق کما فی الحلیة)(۲)لایجوز له مس المصحف بصدره[1] اھ واقره علیه۔

قلت: ویؤیده مافی الفتح ثم البحر وحاشیة الشلبی علی التبیین(۳)قال لی بعض الاخوان هل یجوز مس المصحف بمندیل هولا بسه علی عنقه قلت لااعلم فیه منقولا والذی یظهر انه ان کان بطرفه وهو یتحرك بحرکة ینبغی ان لایجوز وان کان لایتحرك بحرکته ینبغی ان یجوز لاعتبارهم ایاه فی الاول تابعا له کبدنه دون الثانی[2] اھ فان المراد المحدث بالحدث الاصغر اذقد نقل قبله باسطر عن الفتاوی لایجوز للجنب والحائض ان یمسا المصحف بکمها اوببعض ثیابهما لان الثیاب بمنزلة بدنهما[3] اھ فقوله

ان تمام طُرق کی موجودگی میں سقوط کا قول کرنا محال ہے ب اور مرقاۃ میں دارقطنی کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ ثانیا علامہ زیلعی محدّث جمال الدین عبداللہ شاگرد امام زیلعی فقیہ فخرالدین عثمان شارح کنز نصب الرایہ میں "**لاوضوء لمن لم یسم الله**" (اس کا وضو نہیں جو اللہ کا نام نہ لے) کی حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ امام ابن جوزی ابو الفرج الحنبلی نے ہم پر حجت قائم کرنے کیلئے وہ بسم اللہ کو وضو میں واجب قرار دیتے ہیں فرمایا کہ مُحدِث (جس کو حدثِ اصغر لاحق ہوا کیونکہ کلام اُسی میں ہے اور عندالاطلاق وہی مراد ہوتا ہے، **کما فی الحلیه**) اس کو مصحف کا چھونا اپنے سینہ سے جائز نہیں اھ اور اس کو انہوں نے برقرار رکھا۔ ت) **میں کہتا ہوں** اس کی تائید فتح میں، پھر بحر میں اور تبیین پر شلبی کے حاشیہ میں ہے مجھ سے بعض دوستوں نے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص گلے میں رومال ڈالے ہو تو وہ اس رومال سے مصحف کو چھو سکتا ہے؟ میں نے کہا میں اس سلسلہ میں کوئی نقل تو نہیں پاتا ہوں لیکن اگر صورت یہ ہو کہ اس کے ایک کنارے سے مصحف کو پکڑے اور اس کے حرکت دینے سے دوسرا کنارہ حرکت کرے تو جائز نہ ہونا چاہئے اور اگر حرکت نہ کرے تو مس کرنا جائز ہونا چاہئے، کیونکہ پہلی صورت میں وہ اس کو اس کا تابع قرار دیتے ہیں جیسا کہ اس کا بدن ہے دوسری صورت میں تابع نہیں کہتے اھ کیونکہ محدث سے مراد حدث اصغر والا شخص ہے، کیونکہ اس سے

---

1 نصب الرایۃ کتاب الطہارۃ اسلامیہ ریاض ۱/۷

2 بحرالرائق باب الحیض سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۱

3 شلبی علی التبیین باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۸

بعض ثیابهما کان یشمل مندیلا هولابسه فلم یقول لااعلم فیه المنقول افینسی مانقله انفا وهو بمرأی منه۔

اقول: لکنی رایت فی التبیین قال بعد قوله منع الحدث مس القران ومنع من القرأة والمس الجنابة والنفاس کالحیض مانصه ولا یجوز لهم مس المصحف بالثیاب التی یلبسونها لانها بمنزلة البدن ولهذا لوحلف لایجلس علی الارض فجلس علیها وثیابه حائلة بینه وبینها وهو لابسها یحنث (۲)ولو قام فی الصلاة علی النجاسة وفی رجلیه نعلان اوجوربان لاتصح صلاته بخلاف المنفصل عنه[1] اھ فهذا ظاهر فی رجوع الضمیر الی المحدث ومن معه جمیعا فهذا النقل ولله الحمد وبالجملة المقصود انه اذا منع مسه بما علی عنقه وصدره فکیف بهما فدل علی حلول الحدث جمیع البدن ثم رأیت المسألة منصوصا علیها فی الهندیة عن الزاهدی حیث قال اختلفوا فی مس المصحف بما عدا اعضاء الطهارة وبما غسل من الاعضاء قبل اکمال الوضوء والمنع اصح اھ[2]

کچھ ہی پہلے فتاوٰی سے منقول ہوا کہ جنب اور حائض کو جائز نہیں کہ وہ دونوں مصحف کو اپنی آستین سے یا کپڑے کے کسی حصّہ سے چھوئیں کیونکہ کپڑے منزلہ ان کے بدن کے ہیں اھ تو "بعض کپڑوں" میں وہ رومال بھی آجاتا ہے جس کو وہ پہنے ہوئے ہو تو پھر وہ یہ کیوں کہتے ہیں کہ میں اس میں کوئی نقل نہیں جانتا کیا وہ دیکھتے بھالتے اُس نقل کو بھول گئے جو خود ہی انہوں نے پیش کی ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** میں نے تبیین میں دیکھا ہے کہ وہ فرماتے ہیں حدث کی وجہ سے قرآن کو ہاتھ لگانا منع کیا ہے، اور جنابت اور نفاس نے حیض کی طرح، پڑھنے اور ہاتھ لگانے دونوں کو منع کیا ہے، ان کی عبارت یہ ہے کہ اُن کیلئے اُن کپڑوں کے ساتھ جو وہ پہنے ہوئے ہیں قرآن کو ہاتھ لگانا جائز نہیں کیونکہ وہ کپڑے بمنزلہ بدن کے ہیں، اور اس لئے اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ زمین پر نہیں بیٹھے گا اب وہ اس طرح بیٹھا کہ اس کے اور زمین کے درمیان پہنے ہوئے کپڑے حائل ہوں تو وہ قسم میں حانث ہوجائے گا اور اگر کوئی شخص بحالتِ نماز نجاست پر کھڑا ہوا اور اس کے دونوں پیروں میں جوتے یا جرابیں ہیں تو اس کی نماز صحیح نہ ہوگی، اگر یہ چیزیں جُدا ہیں تو ہوجائے گی اھ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ضمیر مُحدِث کی طرف لوٹتی ہے اور اس کی طرف بھی جو مُحدِث کے ساتھ ہو، یہ صریح نقل ہے والحمدللہ، اور خلاصہ یہ کہ جب قرآن کو اس کپڑے کے ساتھ چھُونا جائز نہیں جو اس کی گردن اور سینے پر ہے تو خود گردن اور سینے سے مس کرنا کیسے جائز ہوگا! پس معلوم ہوا

[1] تبیین الحقائق باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی احکام الحیض والنفاس والاستحاضہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹

وثالثا: تقرر (۱) عند العرفاء ان لا حدث صغیر ولا کبیرا الا ما تولد من اکل حتی القهقهة فی الصّلاة فان تلك الغفلة الشدیدة فی عین الحضرة لاتکون الا من شبع ای شبع اذ الجائع ربما لایکشر له سن فضلا عن القهقهة خلفة عن کونها فی الصلاة ولا شك ان نفع الاکل یعم البدن وکذا نفع الخارج والراحة الحاصلة به فدخول الطعام یولد الغفلة وخروج المؤذی یحققها وبالغفلة موت القلب والقلب رئیس فانه المضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله والماء ینعش ویذهب الغفلة کما هو مشاهد فی المغشی علیه۔

قلت: فکما ان سبب الموت عم البدن کان ینبغی ان یعمه ایضا سبب الحیاة وبه اتی الشرع فی الحدث الاکبر لکن الاصغر یتکرر کثیرا فلو امروا کلما احدثوا ان یغتسلوا لوقعوا فی الحرج والحرج مدفوع فاقامت الشریعة السمحة السهلة مقام الغسل غسل الاطراف اذ من سنة کرمه تعالٰی ان اذ اصلح الاول والاخر تجاوز عن الوسط وجعله معمورا

کہ حدث تمام بدن میں سرایت کرتا ہے، پھر میں نے اس مسئلہ کو ہندیہ میں زاہدی سے منصوص دیکھا وہ فرماتے ہیں اعضاء طہارۃ اور وہ اعضاء جو وضو کی تکمیل سے قبل دھوئے گئے ہوں اُن سے مسِ مصحف میں اختلاف ہے، اور منع اصح ہے اھ (ت)

ثالثًا عرفاء کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ حدث چھوٹا ہو خواہ بڑا مطلقًا کھانا کھانے ہی سے پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ نماز میں قہقہہ بھی کہ عین دربار میں ایسی سخت غفلت اُسی سے ہوسکے گی جس کا پیٹ بھرا اور نہایت بھرا ہو کہ بھُوک میں تو ہنسی سے دانت کھلنا ہی نادر ہے نہ کہ ٹھٹھا اور وہ بھی نماز میں، اور شک نہیں کہ کھانے کا نفع تمام بدن کو پہنچتا ہے یونہی فضلہ نکل جانے کی منفعت وراحت بھی سارے بدن کو ہوتی ہے تو کھانا معدہ میں جانا غفلت پیدا کرتا ہے اور موذی یعنی فضلہ کا نکلنا غفلت کو ثابت ومؤکد کرتا ہے اور غفلت سے دل کی موت ہے اور دل بدن کا بادشاہ ہے کہ یہی بوٹی درست ہو تو سارا بدن درست رہے اور بگڑے تو سارا بدن خراب ہوجائے اور پانی تازگی لاتا اور غفلت دُور کرتا ہے جیسا کہ غشی والے کے مُنہ پر چھڑکنے میں مشاہدہ ہے۔

تو **میں کہتا ہوں** جس طرح موت کا سبب سارے بدن کو عام ہوا تھا چاہئے تھا کہ حیات کا سبب یعنی پانی بھی سب جسم پر پہنچے حدث اکبر میں تو شرع نے یہی حکم دیا مگر حدث اصغر بکثرت مکرر ہوتا ہے تو ہر حدث اصغر پر اگر نہانے کا حکم ہوتا تو لوگ حرج میں پڑتے اور اس دین میں حرج نہیں لہٰذا اس نرم وآسان شریعت نے اطراف بدن کا دھونا قائم مقام نہانے کے فرمایا دیا کہ اللہ عزوجل کی سنتِ کریم ہے

فیھما ثم کان من الاطراف الراس وغسلہ کل یوم مرارا ایضا کان یورث البؤس والباس فابدل فیہ الغسل بالمسح رحمۃ من الذی یقول عز من قائل یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر فقضیۃ ھذا ان الحدث ولو اصغر یحل البدن کلہ۔

کہ جب اول وآخر ٹھیک ہوتے ہیں تو بیچ میں جو نقصان ہو اُس سے در گزر فرماتا ہے اب اطراف بدن میں سر بھی تھا اور اُسے ہر روز چند بار دھونا بھی بیمار کر دیتا مشقّت میں ڈالتا لہٰذا اس کو دھونے کے عوض مسح مقرر فرمادیا، رحمت اس کی جو فرماتا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور دشواری نہیں چاہتا۔ (اس تمام گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ حدث خواہ اصغر ہی ہو تمام بدن میں حلول کرتا ہے۔ت)

اقول: ()وبہ تبین ان ماصرح بہ غیر واحد من مشائخنا وغیرھم ان غسل غیر المصاب فی الحدث امر تعبدی کما فی الھدایۃ وغیرھا وقدمناہ عن الکافی(۲)وکذلک الاقتصار علی الاربعۃ فی الوضوء کما فیھا وفی الحلیۃ وغیرھما وبہ قال الامام الحرمین واختارہ الامام عزّ الدین بن عبدالسلام کلاھما من الشافعیۃ فان کل ذلک فی علم الحقائق احکام معقولۃ المعنی واللہ تعالٰی اعلم ھذا تقریر اسئلۃ ظھرت لی واتیت بھا کیلا تعن لقاصر مثلی ولا یتفرغ للتدبر فیحتاج لکشفھا۔

میں کہتا ہوں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمارے مشائخ کا یہ فرمانا کہ اُن اعضاء کو دھونا جن کو حدث نہیں پہنچا ہے محض امر تعبدی ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور ہم نے کافی سے بھی نقل کیا ہے، اور اسی طرح وضو میں چار پر اقتصار جیسا کہ ہدایہ اور حلیہ وغیرہ میں ہے اور یہی امام الحرمین کا قول ہے اور امام عزّ الدین بن عبدالسلام نے اس کو اختیار کیا ہے یہ دونوں شافعی علماء ہیں کیونکہ یہ تمام حقائق کے معقول احکام ہیں واللہ تعالٰی اعلم، یہ اُن سوالوں کی تقریر ہے جو مجھے منکشف ہوئے، میں نے ان پر اس لئے گفتگو کی ہے کہ کہیں مجھ جیسے قاصر کو یہ درپیش نہ آجائیں اور وہ مشکل میں مبتلا نہ ہوجائے۔(ت)

اقول: فی الجواب عن الاول المراد نجاسۃ الاٰثام اذ لو ارید نجاسۃ الحدث لزم ان من لم یسم لم یتم طھرہ وھو مذھب الظاھریۃ وروایۃ عن الامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ولم یقل بہ احد من علمائنا وبقاء نجاسۃ الاٰثام فیما عدا اعضاء الطھر بل

اب میں پہلے کے جواب میں کہتا ہوں کہ اس سے مراد گناہوں کی نجاست ہے کیونکہ اگر حدث کی نجاست کا ارادہ کیا جائے تو یہ لازم آئے گا جو بسم اللہ نہ کرے اُس کی طہارت مکمل نہ ہوگی، اور یہ ظاہر یہ کا مذہب ہے، اور امام احمد کی ایک روایت ہے اور ہمارے علماء میں سے کسی کا قول نہیں، اور اعضاء طہارت کے علاوہ

وفیھا ایضا کما قدمنا لاینافی صحۃ الطھارۃ والصلاۃ وبہ(۱)ظھر الجواب عن استدلال ابی الفرج بالحدیث

وعن الثانی: ان المنع للحدث بالمعنی الثانی الغیر المتجزی لقولہ تعالٰی لایمسہ الا المطھرون وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایمس القران الا طاھر وھو لایکون طاھر ام بقیت لمعۃ وان خفت فمنع المس انما یقتضی تلبس المکلف بنجاسۃ حکمیۃ لاتلبس خصوص العضو الممسوس بہ الا تری انہ لایجوز مسہ بید قدغسلھا مالم یستکمل الوضوء الا تری انھم منعوا المس بما علیہ من الثیاب ولا نجاسۃ فیھا حقیقۃ ولا حکمیۃ انما المنع لانھا تبع لبدن شخص محدث فلان یمنع بنفس بدنہ اولی وان کان بدنا لم یحلہ الحدث ھذا علی الاصح اما علی قول من یقول ان المنع للمعنی الاول ای لقیام النجاسۃ الحکمیۃ بالممسوس بہ فالمسألۃ ممنوعۃ من رأسھا بل ھو قائل بجواز مسہ بغیر اعضاء الطھارۃ کمامر عن الھندیۃ وان منع المس بالثیاب فبثوت تابع لما فیہ الحدث کالکم لید لم یغسل لامطلقا کما لایخفی،

وعن الثالث: نعم ذلك تخفیف من ربکم ورحمۃ لکنہ یحتمل وجھین الاول ان یعتبر الشرع حلول الحدث بکل البدن ثم یجعل تطھیر الاعضاء الاربعۃ تطھیرا للکل والثانی ان الشارع لما رأی فیہ الحرج

باقی اعضاء میں گناہوں کی نجاست کا باقی رہنا، بلکہ اعضاء طہارت میں بھی، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا صحت طہارت کے منافی ہے اور نہ ادائیگی نماز کے، اور اسی سے ظاہر ہوگیا جو اب اس استدلال سے جو ابوالفرج نے حدیث سے کیا ہے۔

اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ حَدَث کا منع کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے جو غیر متجزی ہے اللہ تعالٰی کے اس فرمان کی وجہ سے "اس کو پاک لوگ ہی چھوئیں" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "قرآن کو پاک ہی چھُوئے" اور مُحدِث اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک ایک "لُمعہ" بھی باقی رہے خواہ کتنا ہی خفیف کیوں نہ ہو، تو چھُونے کی ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ مکلّف نجاست حکمیہ کے ساتھ ملوث ہے، یہ نہیں کہ اس کا کوئی خاص عضو اس میں ملوّث ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کو محض دُھلے ہوئے ہاتھ سے چھُونا جائز نہیں تاوقتیکہ وضو مکمل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس ہاتھ سے قرآن چھُونے کو منع کیا ہے جو کپڑے میں لپٹا ہوا ہو خواہ اس پر نہ حقیقی نجاست ہو اور نہ حکمی، ممانعت اس لئے ہے کہ وہ مُحدِث کی ذات کے تابع ہے تو نفسِ بدن سے چھُونے کی ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی، خواہ اس میں حدث نے حلول نہ کیا ہو، یہ اصح کے مطابق ہے، اور جو حضرات منع معنی اول میں قرار دیتے ہیں، یعنی ممسوس بہ کے ساتھ نجاست حکمیہ کا قائم ہونا، تو مسئلہ اصلا ممنوع ہے، بلکہ اُس کے مَس کے جواز کے قائل ہیں

اسقط اعتبارہ الا فی الاعضاء الاربعة ولکل منھما نظیر فی الشرع فنظیر الاول التیمم جعل فیه مسح عضوین مطھر اللاربع بالاتفاق ونظیر الثانی العین کان فی غسلھا حرج فلم یجعلھا الشرع محل حلول حدث اصلا لاانه حل وسقط الغسل للحرج(۱) فلو غسل عینیه لایصیر الماء مستعملا بالوفاق وعند الاحتمال ینقطع الاستدلال،

بل اقول: (۲) لو تأملت لرجحت الثانی اذعدم الاعتبار اولی من الاعتبار ثم الا ھدار والقیاس علی العین بجامع الحرج واضح صحیح بخلاف التیمم فان اصل الواجب ثم الوضوء والتیمم خلف ولم یزعم ھھنا احد ان اصل الواجب بکل حدث ھو الغسل والوضوء خلف بل لم یقل احد ان الغسل عزیمة والوضوء رخصة وھؤلاء سادا تنا العرفاء الکرام اعاد اللہ تعالٰی علینا برکاتھم فی الدارین رأینا ھم یأخذون انفسھم فی کل نقیر وقطمیر بالغرائم ولا یرضون لھم التنزل الی الرخص ثم لم ینقل عن احد منھم انه الزم نفسه الغسل عند کل حدث مکان الوضوء ولو التزمه الاٰن احد لکان متعمقا مشددا متنطعا فظھر انه من الباب الثانی دون الاول علی ان ذلك طور اخر وراء الطور الذی نتکلم فیه والاحکام () لاتخلو عن الحکم لکن لاتدار علیھا الاتری ان من

بلا اعضاء طہارت کے، جیسا کہ ہندیہ سے گزرا، اور اگر کپڑوں کے ساتھ چھُونا جائز نہیں تو اس کپڑے کے ساتھ جو تابع ہو کیونکہ اس میں حَدَث ہے، جیسے آستین ہاتھ کیلئے جو دُھلا نہ ہو، نہ کہ مطلقًا **کما لا یخفی**۔

اور تیسرے کا جواب یہ ہے، ہاں یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف ہے اور رحمۃ ہے لیکن اس میں دو وجہیں ہیں پہلی تو یہ کہ شرع تمام بدن میں حدث کے حلول کا اعتبار کرتی ہے اور پھر چار اعضاء کی تطہیر کے بعد کل بدن کی طہارت کا حکم کرتی ہے اور دوسرے یہ کہ شارع نے جب اس میں حرج دیکھا تو اس کے اعتبار کو ساقط کردیا صرف اعضاء اربعہ میں رہنے دیا، اور ان میں سے ہر ایک کی نظیر شرع میں موجود ہے، پہلے کی نظیر تیمم ہے اس میں دو اعضاء کے مسح کرنے کو چاروں اعضاء کی پاکی قرار دیا ہے، اور دوسرے کی نظیر آنکھ ہے کہ اس کے دھونے میں حرج تھا، تو شریعت نے اس میں حدث کا حلول نہیں مانا، یہ نہیں کہ حدث حلول کرگیا ہو، اب اگر کسی نے اپنی دونوں آنکھیں دھوئیں تو پانی بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، اور جب احتمال پیدا ہوجائے تو استدلال ختم ہوجاتا ہے، بلکہ **میں کہتا ہوں** اگر آپ تأمل کریں تو دوسرے کو ترجیح ہے کیونکہ اعتبار نہ کرنا اعتبار کرنے سے اَولٰی ہے کہ پہلے اعتبار کیا جائے پھر اس کو باطل کیا جائے، اور آنکھ پر قیاس کرنا حرج کی علّت سے

اشتغل فی لهو ولعب ومزاح وقهقهة خارج الصلاة فلا شك انه غافل فی تلك الساعات عن ربه عزوجل(ا)لاسیما الذی قهقه فی صلاة الجنازة مع ان فی ذکری الموت شغلا شاغلا ولم یجعل الشرع شیئا من ذلك حدثا وکذا لم یجعل الاکل وهوالاصل ولا النوم الذی هو اخ الموت مالم یظن خروج شیئ بان لم یکن متمکنا فعلینا اتباع مارجحوه وصححوه کما لو افتونا فی حیاتهم والله تعالٰی اعلم باحکامه۔

تنبیه:()معلوم ان اقامة قربة اورفع حدث اواسقاط فرض اوازالة نجاسة حکمیة بایها عبرت کل ذلك یشمل المسح المفروض مطلقا والمسنون بشرط النیة فیجب ان تصیر البلة مستعملة اذا انفصلت من رأس اوخف اوجبیرة اواذن مثلا ولذا عولنا علیه وصرحنا بعمومه المسح لکن قال الامام فقیه النفس فی الخانیة()لوادخل المحدث

واضح اور صحیح ہے۔بخلاف تیمّم کے کیونکہ وہاں اصالۃً جو چیز واجب ہے وہ وضو ہے اور تیمّم خلیفہ ہے،اور یہاں کسی نے گمان نہیں کیا کہ ہر حدث میں اصالۃً واجب غسل ہے اور وضو خلیفہ ہے،بلکہ کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ غسل عزیمۃ ہے اور وضو رخصۃ ہے،حالانکہ ہمارے یہ بزرگ،اللہ ان کی برکتیں ہم پر نازل کرے،باریک سے باریک تر چیز کا اعتبار کرتے ہیں اور کسی قسم کی رخصت پر تیار نہیں ہوتے،پھر ان میں سے کسی سے منقول نہیں کہ بجائے وضو کے غسل کرتا ہو اور اگر اب کوئی ایسا کرے تو وہ انتہا درجہ کا متشدد ہوگا تو معلوم ہوا کہ وہ دوسرے باب سے ہے نہ کہ پہلے باب سے۔علاوہ ازیں یہ ہماری گفتگو کا ایک نیا انداز ہے،اور احکام حکمتوں سے خالی نہیں ہوتے،لیکن اُن پر دارومدار نہیں ہوتا،مثلاً کوئی شخص لہو ولعب،مزاح اور قہقہوں میں بیرونِ نماز مصروف ہے تو بلا شبہ اِن لمحات میں وہ اپنے رب سے غافل ہے،خاص طور پر قہقہہ لگانے والا نماز جنازہ میں،حالانکہ موت انسان کو ہر چیز سے موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ کردیتی ہے،مگر شارع نے ان اشیاء میں سے کسی چیز کو بھی حَدَث قرار نہیں دیا ہے،اور اس طرح کھانے کو،جو اصل ہے،اور نیند کو جو موت کی نظیر ہے تاوقتیکہ اُس شخص کو یہ ظن نہ ہوجائے کہ کوئی چیز خارج ہوئی ہے،مثلاً یہ کہ جم کر نہیں بیٹھا یا لیٹا تھا،تو ہم پر لازم ہے کہ جس چیز کو فقہاء نے راجح قرار دیا اور صحیح قرار دیا ہے ہم اس کی بالکل اسی طرح پیروی کریں جیسے اگر وہ حضرات اپنی زندگی میں ہمیں فتوٰی دیتے۔ت **تنبیہ:** یہ امر معلوم ہے کہ قُربۃ کی ادائیگی، رفعِ حدث،اسقاطِ فرض،نجاستِ حکمیہ کا ازالہ وغیرہ،جو تعبیر بھی آپ کریں یہ مفروض مسح کو مطلقاً شامل ہے اور مسنون کو بشرط نیت،لہٰذا لازم ہے کہ تری سر سے،موزے سے،پٹّی سے یا کان سے جُدا ہوتے ہی مستعمل ہوجائے،اور اسی لئے ہم نے اس پر اعتماد کیا،اور مسح کے عام ہونے کی تصریح کی،لیکن امام فقیہ النفس نے خانیہ میں فرمایا اگر بے وضو نے اپنا سر مسح کیلئے

رأسه فی الاناء یرید به المسح لایصیر الماء مستعملا فی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی قال انما یتنجس الماء فی کل شیئ یغسل امامایمسح فلا یصیر الماء مستعملا وان اراد به المسح وقال محمد رحمه الله تعالٰی اذا کان علی ذرا عیه جبائر فغمسها فی الماء اوغمس رأسه فی الاناء لایجوز ویصیر الماء مستعملا [1] اھ و(۱)قد قدم قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی فکان هو الاظهر الاشهر کما افادنی فی خطبته فکان هوالمعتمد کما فی ط وش بل صححوا ان محمدا فیه مع ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی فلا خلاف قال فی البحر (۲)لوادخل رأسه الاناء اوخفه اوجبیرته وهو محدث قال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی یجزئه المسح ولا یصیر الماء مستعملا سواء نوی اولم ینووقال محمد رحمه الله تعالٰی ان لم ینویجزئه ولا یصیر مستعملا وان نوی المسح اختلف المشائخ علی قوله قال بعضهم لایجزئه ویصیرالماء مستعملا والصحیح انه یجوز ولا یصیرالماء مستعملا کذا فی البدائع فعلم بهذا ان مافی الجمع [2] ۔(قلت ای والخانیة والفتح وغیرها)من الخلاف فی هذه المسألة علی غیر الصحیح

برتن میں ڈبو دیا تو ابو یوسف کے قول کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ وہ فرماتے ہیں پانی اس چیز سے نجس ہوگا جو دھوئی جاتی ہے،اور جو ممسوح ہے اُس سے نہیں خواہ اُس سے مسح کا ارادہ ہی کیا ہو،اور امام محمد نے فرمایا کہ اگر کسی کے ہاتھوں پر پٹیاں ہوں اور اس نے وہ پانی میں ڈبو دیے یا اپنا سر پانی میں ڈبو دیا تو جائز نہیں اور پانی مستعمل ہوگا اھ ابو یوسف کے قول کو مقدم کیا گیا ہے وہی ظاہر و مشہور ہے جیسا کہ انہوں نے اپنے خطبہ میں فرمایا تو وہی قابلِ اعتماد ہوگا، جیسا کہ "ط" و "ش" میں ہے بلکہ فقہاء نے اس امر کو صحیح قرار دیا ہے کہ اس میں امام ابو یوسف کے ساتھ ہیں،تو کوئی اختلاف باقی نہ رہا۔ بحر میں فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنا سر، موزہ یا پٹّی بے وضو ہونے کی حالت میں برتن میں ڈبودی تو امام ابو یوسف نے فرمایا مسح ہوجائے گا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ مسح کی نیت کی ہو یا نہ،امام محمد نے فرمایا اگر نیت نہیں کی تو ان کے قول پر اس میں مشائخ کا اختلاف ہے،بعضے کہتے ہیں اس کو کافی نہ ہوگا اور پانی مستعمل ہوجائے گا،اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا کذا فی البدائع تو اس سے معلوم ہوا کہ جمع میں جو اختلاف ہے۔(ت) (**میں کہتا ہوں** خانیہ اور فتح وغیرہ میں بھی) جو اختلاف بیان کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں، صحیح یہ ہے

---

[1] فتاوٰی خانیۃ علی الھندیۃ باب الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵

[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

بل الصحیح ان لاخلاف وعلم ایضاً انه لافرق بین الرأس والخف والجبیرۃ خلافاً لما ذکرہ ابن الملك[1] اھ۔ واختصرہ فی الدر فقال لم یصر الماء مستعملا وان نوی اتفاقاً علی الصحیح[2] اھ۔

اقول: ولا یھولنک ھذا فلیس معناہ ان المسح لایفید الاستعمال کیف وکلامھم طراً فی اسبابه مطلق یعم الغسل والمسح ثم المسألة عینھا منصوصة علی لسان الکبراء منھم فقیه النفس (۱) اذیقول توضأثم مسح الخف ببلة بقیت علی کفه بعد الغسل جاز ولو مسح برأسه ثم مسح الخف ببلة بقیت علی الکف بعد المسح لایجوز لانه مسح الخف ببلة مستعملة بخلاف الاول[3] اھ۔ واقرہ فی الفتح وغیرہ وفی الخانیة ایضاً (۲) الاستیعاب فی مسح الرأس سنة وصورۃ ذلك ان یضع اصابع یدیه علی مقدم راسه وکفیه علی فودیه ویمدھما الی قفاہ فیجوز واشار بعضھم الی طریق اخر احترازا عن استعمال الماء المستعمل الا ان ذلك لایمکن الا بکلفة ومشقة فیجوز الاول ولایصیر الماء مستعملا ضرورۃ اقامة السنة[4] اھ۔ ای لما علم ان الماء مادام علی العضو لایصیر مستعملا وفی الفتح (۳) من مسح الرأس لو مسح باصبع واحدۃ مدھا قدر الفرض

کہ اختلاف نہیں، اور یہ بھی معلوم ہو کہ سر، موزے اور پٹّی میں کوئی اختلاف نہیں جیسا کہ ابن الملک نے ذکر کیا اھ

اور اسی کو دُر میں مختصر کیا، فرمایا پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کی ہو، یہ متفق علیہ ہے صحیح قول پر اھ ت

اقول: یہ چیز کوئی قابلِ تعجب نہیں، اس کا یہ معنی نہیں کہ مسح سے استعمال نہیں ہوتا، حالانکہ تمام فقہاء کا کلام اسباب استعمال کے سلسلہ میں عام ہے اس میں غسل اور مسح دونوں شامل ہیں، اور پھر اکابر علماء نے مسئلہ کی صراحت بھی کی ہے، مثلاً فقیہ النفس فرماتے ہیں کسی شخص نے وضو کیا پھر ہاتھ دھونے کے بعد جو تری باقی رہ گئی تھی اس سے موزے پر مسح کرلیا تو جائز ہے اور اگر سر پر مسح کیا اور مسح کے بعد ہاتھ پر جو تری رہ گئی تھی اُس سے موزے پر مسح کیا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے مستعمل تری سے موزے پر مسح کیا ہے بخلاف اول کے اھ۔ فتح وخانیہ میں اسی کو برقرار رکھا، پھر استیعاب مسح میں سنت ہے، اور استیعاب کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی انگلیاں ماتھے پر رکھے اور ہتھیلیاں کنپٹیوں پر اور گُدی کی طرف کھینچ کرلے جائے تو جائز ہے، اور بعض دوسرے فقہاء نے اور طریقہ بتایا کہ مستعمل پانی کے استعمال سے بچا جاسکے، مگر اس میں بہت تکلف اور مشقت ہے، تو پہلی صورت جائز ہے اور پانی مستعمل نہ ہوگا تاکہ سنّت ادا ہوسکے اھ۔ یعنی جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ پانی جب تک عضو پر باقی

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] الدر المختار ارکان الوضوء ۱/۱۹

[3] فتاوٰی خانیۃ مسح علی الخفین ۱/۲۳

[4] خانیۃ علی الہندیۃ فصل صفۃ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵

جاز عند زفر وعندنا لایجوز وعللوہ بان البلۃ صارت مستعملۃ وھو مشکل بان الماء لایصیر مستعملا قبل الانفصال وما قیل الاصل ثبوت الاستعمال بنفس الملاقاۃ لکنہ سقط فی المغسول للحرج اللازم بالزام اصابۃ کل جزء باسالۃ غیر المسال علی الجزء الاٰخر ولا حرج فی المسح لانہ یحصل بمجرد الاصابۃ فبقی فیہ علی الاصل دفع بانہ مناقض لما علل بہ لابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فی مسألۃ ادخال الراس الاناء فان الماء طھور عندہ فقالوا المسح حصل بالاصابۃ والماء انما یاخذ حکم الاستعمال بعد الانفصال والمصاب بہ لم یزایل العضو حتی عدل بعض المتاخرین الی التعلیل بلزوم انفصال بلۃ الاصبع بواسطۃ المد فیصیر مستعملا لذلک[1] اھ وبالجملۃ فالنقول فی الباب کثیرۃ بثیرۃ وفی الکتب شھیرۃ وان کان للعبد فی مسألۃ الاصبع ابحاث غزیرۃ فلیس وجہ مسألۃ الاناء مایتوھم بل مانقلناہ انفا عن الفتح وقد ذکرہ فی موضع اخر بقولہ ان الماء لایعطی لہ حکم الاستعمال الا بعد الانفصال والذی لاقی الراس من اجزائہ لصق بہ فطھرہ وغیرہ لم یلاقہ فلم یستعمل[2] اھ۔ فمعنی قولھم فیھا لایصیر الماء

رہتا ہے مستعمل نہیں ہوتا ہے۔اور فتح میں ہے جس نے سر کا مسح کیا یا اگرچہ ایک انگلی سے مسح کیا کہ اس کو بقدرِ فرض کھینچا، تو زفر کے نزدیک جائز ہے اور ہمارے نزدیک جائز نہیں اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ تری مستعمل ہو گئی، مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ پانی عضو سے جُدا ہوئے بغیر مستعمل نہیں ہوتا ہے،ایک قول یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ پانی عضو سے لگتے ہی مستعمل ہو جائے مگر اعضاء مغسولہ میں اس کو حرج کی وجہ سے معتبر نہیں مانا گیا ہے ورنہ تو عضو کے ایک حصہ کا پانی دوسرے حصہ کو ناپاک کردیتا،اور مسح میں یہ صورت حال نہیں ہے کیونکہ اس میں بہانا نہیں ہے محض لگانا ہے تو اس میں اصل پر اعتبار کیا گیا۔ اس اعتراض کے جواب میں کہا گیا ہے کہ امام ابو یوسف نے سر کو برتن میں داخل کرنے کی بابت جو ارشاد فرمایا ہے یہ قول اس کے برخلاف ہے کیونکہ پانی اُن کے نزدیک پاک کرنے والا ہے،وہ فرماتے ہیں پانی لگانے سے مسح تو ہو گیا اور چونکہ پانی عضو سے جدا ہونے کے بعد مستعمل ہوتا ہے اور مسح میں جدا نہیں ہوتا اس لئے مستعمل بھی نہ ہوگا حتی کہ بعض متاخرین نے بجائے اس دلیل کے یہ دلیل اختیار کی ہے کہ انگلی کی تری اس طرح جُدا ہوئی کہ اس کو کھینچا گیا تو اب یہ پانی مستعمل ہوجائے گا اھ۔ خلاصہ یہ کہ اس باب میں نقول بہت موجود ہیں جو مشہور کتب میں پائی جاتی ہیں،اور

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

[2] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

مستعملا ای مابقی فی الاناء وھو المراد بقول الخانیۃ عن الامام ابی یوسف انما یتنجس الماء فیما یغسل لامایمسح ای ماء الاناء بادخال ماوظیفۃ الغسل دون المسح فزال الوھم وفیہ المدعی۔

اقول: (ا) وان کان فی قصرھم اللقاء علی مالصق بالرأس تأمل ظاھر وکان ھذا ھو مراد المحقق اذقال بعد ذکرہ وفیہ نظر [1] اھ۔

اقول: ویظھر لی ان سبیل المسألۃ سبیل الخلف فی الملقی والملاقی وتصحیح ھذہ بل تصحیح الوفاق فیھا ربما یعطی ترجیح عدم الفرق الا ان یفرق بین الغسل والمسح فلا یصیر بہ کل الماء مستعملا حکما بالاتفاق بخلاف الغسل ویحتاج لوجہ فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: اعلم ان مسألۃ الاصبع المارۃ ترکھا المحقق فی الفتح غیر مبینۃ ذکرلہ ثلث تعلیلات وردالجمیع فالاول التعلیل بالاستعمال وقد علمت ردہ وما

ناچیز انگلی کے مسئلہ پر بڑی گہری ابحاث رکھتا ہے، برتن کے مسئلہ کی وجہ وہ نہیں جو بعض حضرات کے وہم میں آئی ہے بلکہ وہ ہے جو ہم نے ابھی فتح سے نقل کی ہے اور اسی کو انہوں نے دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے کہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم اُسی وقت ملے گا جب وہ عضو سے جدا ہو اور پانی کے جو اجزاء سر سے متصل ہوئے وہ اسی میں چپک جاتے ہیں اور اس کو پاک کر دیتے ہیں اور سر کے علاوہ کسی اور حصے پر نہیں لگتے ہیں تو مستعمل نہ ہوا اھ۔ تو فقہاء نے جو فرمایا ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک برتن میں رہے، اور خانیہ نے امام ابو یوسف سے جو نقل کیا ہے کہ پانی اُن اعضاء میں مستعمل ہوتا ہے جو دھوئے جاتے ہیں نہ کہ اُن میں جو مسح کیے جاتے ہیں، تو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی اُن اعضاء کے داخل کرنے کی وجہ سے مستعمل ہوگا جو مغسولہ ہیں نہ کہ ممسوحہ تو وہم رفع ہوا اور یہی مقصود تھا۔ (ت) **میں کہتا ہوں** میں کہتا ہوں اور مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کا حل ملنے والی شے اور جس سے ملی ہے اس میں اختلاف پر مبنی ہے، اور اس کی تصحیح فقہاء نے ملنے کو جو سر کے ساتھ مختص کر دیا ہے اس میں بظاہر تامل ہے، اور غالبًا محقق کی مراد یہی ہے کیونکہ انہوں نے اس کے ذکر کے بعد فرمایا: وفیہ نظر۔ (ت) بلکہ اس میں اتفاق کی تصحیح سے عدم فرق کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، ہاں اگر غسل اور مسح میں ہی فرق کر لیا جائے تو بات اور ہے، تو اُس سے تمام پانی حکما مستعمل نہ ہوگا بالاتفاق بخلاف غسل کے، اور یہ دلیل کا محتاج ہے فلیتدبر واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: انگلی کا مسئلہ جو گزرا اس کو محقق نے فتح میں واضح نہیں کیا (ت) تین تعلیلات بیان کیں اور تینوں کو رَد کر دیا، پہلی تعلیل استعمال سے متعلق ہے اور اس کا رَد تم معلوم کر چکے ہو، اور اس کی

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ ۱/۱۷

عدل الیہ بعض المتأخرین لاصلاحہ فردہ والاول معابان ھذا کلہ یستلزم (۱) ان مد اصبعین لایجوز وقد صرحوا بہ وکذا الثلاث علی القول بالربع وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی ولکن لم ار فی مد الثلاث الا الجواز [1] اھ۔

اصلاح میں بعض متاخرین نے جو فرمایا ہے اس کو اور پہلے کو ساتھ ہی انہوں نے رَد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں کا کھینچنا جائز نہ ہو، اور اس کی فقہاء نے تصریح کی ہے اور چوتھائی کے قول پر تین کا کھینچنا جائز نہ ہو، اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے، لیکن تین کے کھینچنے میں مجھے جواز ہی ملا ہے اھ

واعترضہ فی النھر بقول البدائع لووضع ثلثۃ اصابع ولم یمدھا جاز علی روایۃ الثلاث لاالربع ولو مسح بھا منصوبۃ غیر موضوعۃ ولا ممدودۃ فلا (۲) فلو مدھا حتی بلغ القدر المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثۃ خلافا لزفر [2] اھ۔

اور نہر میں اس پر اعتراض کیا اور بدائع کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر تین انگلیاں رکھیں اور ان کو کھینچا نہیں تو تین کی روایت پر جائز ہے نہ کہ چوتھائی کی روایت پر، اور اگر کھڑی انگلیوں سے مسح کیا، ان کو نہ تو رکھا نہ کھینچا تو جائز نہیں، اور اگر اتنا کھینچا کہ فرض مقدار پوری ہو گئی تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہ ہوگا امام زفر کا اس میں اختلاف ہے اھ۔

قال وقد وقفت علی المنقول ای ان عدم الجواز قول ائمتنا الثلثۃ فکیف یقول المحقق لم ارفیہ الا الجواز وھو عجیب من مثلہ کما نبہ علیہ فی المنحۃ فان الضمیر فی مدھا للمنصوبۃ وکلام الفتح فی الموضوعۃ۔

انہوں نے فرمایا کہ میں منقول پر مطلّع ہوا ہوں، یعنی عدم جواز ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے، تو محقق کا یہ قول کیونکر درست ہوگا کہ میں نے صرف جواز ہی دیکھا ہے، اور اُن جیسے شخص سے یہ بڑے تعجب کی بات ہے، منحہ میں اسی پر تنبیہ کی ہے کیونکہ "مدھا" میں ھا کی ضمیر "منصوبۃ" کیلئے ہے اور فتح کا کلام "موضوعۃ" کیلئے ہے۔ ت

اقول: کان النھر نظر ای ان الصور اربع ثلاث اصابع موضوعۃ اومنصوبۃ والکل ممدودۃ اولا وقد ذکر فی البدائع اولا صورتی عدم المد ثم قال فلو مدھا فلیکن الضمیر الی ثلث اصابع مطلقۃ موضوعۃ

میں کہتا ہوں غالباً نہر نے دیکھا کہ صورتیں چار ہیں، تین انگلیاں رکھی ہوئیں یا کھڑی اور سب کھینچی ہوئی یا نہیں، اور بدائع میں پہلے نہ کھینچنے کی دو صورتیں ذکر کی ہیں، پھر کہا کہ "فلو مدھا" تو اس میں ضمیر "ثلث اصابع" کی طرف ہونی چاہئے خواہ وہ رکھی

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶

[2] بدائع الصنائع مطلب مسح الراس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

اومنصوبة لیستوعب کلامه الصور لکن الشان انه مدع ظفر النقل فیضره احتمال العود الی المنصوبة لاسیما وهی الاقرب وقد(۱) کشف المراد فی الحلیة حیث قال، فروع، مسح بثلثة اصابع منصوبة لم یجز ولو مدها حتی بلغ المفروض لم یجز عند علمائنا الثلثة ولو وضعها ولم یمد لم یجز علی روایة الربع ذکره فی التحفة والمحیط والبدائع[1] اھ۔ **اقول:** علی ان ماعدل (۲) الیه بعض المتأخرین لااعرف له محصلا فان المراد ان کان الانفصال عن الاصبع فلا یفید الاستعمال لانها اٰلة وانما یفیده الانفصال عن المحل اوعن الرأس کله فظاهر الغلط اوعن موضعه الذی اصابته الاصبع او لافنعم ولم یشف غلیلا بل کان نظیرا لما عدل عنه للحکم بحصول الاستعمال مع کون الماء مترددا بعد علی نفس العضو غیر منفصل عنه وهو (۳) باطل لاجرم ان نص فی الخلاصة ثم البحر فیما اذا مسح باطراف اصابعه ومدها حتی بلغ المفروض انه یجوز سواء کان الماء متقاطرا اولا قالا وهو[2] الصحیح، قال ش قال الشیخ اسمٰعیل ونحوه فی الواقعات

ہوں یا کھڑی، تاکہ اُن کا کلام تمام صورتوں کا استیعاب کرے، لیکن وہ اس امر کے مدعی ہیں کہ وہ نقل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں تو ضمیر کے منصوبہ کی طرف لوٹنے کا احتمال اُن کیلئے مضر ہوگا اور پھر وہ اقرب بھی ہے، اور حلیہ میں مراد واضح کی ہے فرمایا۔ فروع اگر کسی نے تین کھڑی انگلیوں سے مسح کیا تو جائز نہیں اور اگر ان کو اتنا کھینچا کہ فرض مقدار کو پہنچا دیا تو ہمارے تینوں علماء کے نزدیک جائز نہیں اور اگر انگلیوں کو رکھا اور نہ کھینچا تو چوتھائی کی روایت پر جائز نہیں، اس کو تحفہ، محیط اور بدائع میں ذکر کیا ہے اھ ت

میں کہتا ہوں بعض متأخرین نے جس کی طرف عدول کیا ہے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں محسوس کرتا ہوں کیونکہ اگر ان کی مراد انگلی سے جدا ہونا ہے تو استعمال کا فائدہ نہ ہوگا کیونکہ وہ تو آلہ ہے اس کو تو محل سے جدا ہونا یا کل سر سے جدا ہونا مفید ہے، تو یہ ظاہراً غلط ہے یا اس کی جگہ سے جہاں انگلی لگی ہے یا نہیں، تو ہاں، مگر اس سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ نظیر ہوگا اس چیز کی جس سے عدول کیا ہے تاکہ استعمال کے حصول کا حکم ہو حالانکہ پانی متردد ہے عضو پر اس سے جدا نہیں، اور وہ باطل ہے، پھر خلاصہ وبحر میں صراحت ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی انگلیوں کے کناروں سے مسح کیا اور ان کو کھینچا یہاں تک کہ فرض کے مقام کو پہنچا تو یہ جائز ہے خواہ پانی ٹپکے یا نہ ٹپکے اُن دونوں

[1] بدائع الصنائع مطلب مسح الراس سعید کمپنی کراچی ۱/۵

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

والفیض [1] اھ۔ای علی خلاف مافی المحیط انه انما یجوز اذا کان متقاطر لان الماء ینزل من اصابعه الی اطرافها فمدہ کاخذ جدید [2]۔

والثانی: ما اختار شمس الائمة ان المنع فی مد الاصبع والا ثنتین غیر معلل باستعمال البلة بدلیل انه(۱)لومسح باصبعین فی التیمم لایجوز مع عدم شیئ یصیر مستعملا خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد بل الوجه انا مامورون بالمسح بالید والاصبعان لاتسمی یدا بخلاف الثلاث لانها اکثر ماھو الاصل فیها [3] اھ

ای فی الید وھی الاصابع(۲)ولذا یجب بقطعها ارش الید کاملا وردہ المحقق بعد استحسانه بانه یقتضی تعیین الاصابة بالید(۳)وھو منتف بمسألة المطر وقد یدفع بان المراد تعیینها اوما یقوم مقامها من الالات عند قصد الاسقاط بالفعل اختیارا غیران لازمه کون تلك الألة قدر ثلاث اصابع حتی لوکان(۴)عودا لایبلغ ذلك القدر قلنا بعدم جوازمدہ [4]

نے کہاکہ وہی صحیح ہے۔

ش نے فرمایا شیخ اسمٰعیل نے فرمایا نیز واقعات اور فیض میں ہے اھ یعنی محیط کے برعکس یہ اس وقت جائز ہے جبکہ پانی ٹپک رہا ہو کیونکہ پانی اس کی انگلیوں کے کناروں تک ٹپک آئے گا تو اس کا کھینچنا گویا نیا پانی لینے کے مترادف ہے۔ت

اور دوسرا وہ ہے جو شمس الائمہ نے اختیار کیا ہے کہ ایک یا دو انگلیوں کے کھینچنے کی ممانعت تری کے استعمال کی وجہ سے نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس نے دو انگلیوں سے تیمّم میں مسح کیا تو جائز نہیں، حالانکہ کوئی چیز ایسی نہیں جو مستعمل ہو خصوصاً جب چکنے پتھر پر تیمّم کیا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ہاتھ سے مسح کا حکم دیا گیا ہے اور دو انگلیوں کو ہاتھ نہیں کہا جاتا ہے، بخلاف تین انگلیوں کے کیونکہ یہ مسح کے اصل میں جو اصل ہے اس کا اکثر حصہ ہیں اھ۔یعنی ہاتھ اور وُہ انگلیاں ہیں اور اسی لئے تین انگلیوں کے کاٹنے پر پورے ہاتھ کی دیت لازم ہوتی ہے اور محقق نے اس کو پسند کرنے کے بعد رد کردیا، کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہاتھ کا لگانا ہی ضروری ہے حالانکہ بارش کے مسئلہ کی وجہ سے ایسا نہیں ہے،اس کا ایک جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ دراصل مراد ہاتھ کی تعیین ہے یا جو اس کے قائم مقام ہو، کوئی بھی آلہ ہو، جبکہ اختیاری فعلی سے اسقاط مطلوب ہو،البتہ یہ ضروری ہے کہ جو بھی آلہ ہو تین انگلیوں کی مقدار میں ہو یہاں تک کہ اگر کسی نے ایسی لکڑی پھیری جو اس مقدار کی نہ تھی تو جائز نہ ہوگا اھ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ البابی مصر ۱/۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ البابی مصر ۱/۷۴

[3] فتح القدیر کتاب الطہارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

[4] فتح القدیر کتاب الطہارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

اقول وحاصله ان الید غیر لازمة ولکن اذا وقع بها لم یجز الا بما ینطلق علیه اسمها ولکن لقائل ان **یقول اولا**:(۱)مسألة القدر المفروض کیفما کان ولا نظر الی الاٰلة ولا الفعل القصدی اصلا وقد قرر مشائخنا ان ذکر الید المقدرة فی قوله تعالٰی وامسحوا برؤسکم ای ایدیکم برؤسکم لتقدیر المحل دون الاٰلة کما حققه الامام صدر الشریعة وابن الساعاتی والمحقق نفسه فی الفتح فلیتأمل۔

وثانیا:(۲)اجمعوا ان لومسح باطراف اصابعه والماء متقاطر جاز فظهر ان تعیین الاٰلة ملغاة ههنا رأسا وان(۳)القیاسعلی التیمم مع الفارق۔

والثالث: ماابداه بقوله قد یقال عدم الجواز بالاصبع بناء علی ان البلة تتلاشی وتفرغ قبل بلوغ قدر الفرض بخلاف الاصبعین فان الماء ینحمل بین اصبعین مضمومتین فضل زیادة یحتمل الامتداد الی قدر الفرض وهذا مشاهد(۴)او مظنون فوجب اثبات الحکم باعتباره فعلی الاکتفاء بثلاث اصابع یجوز مدالا صبعین لان مابینهما من الماء یمتد قدر اصبع وعلی اعتبار الربع لایجوز لان مابینهما مما لایغلب علی الظن ایعابه الربع[1] اھ۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ہاتھ لازم نہیں ہے لیکن جب ہاتھ سے مسح کرنا ہو تو ضروری ہے کہ اتنی مقدار ہو کہ اس پر ہاتھ کا اطلاق ہوتا ہو۔ مگر اس پر متعدد طریقوں سے اعتراض ہوسکتا ہے،اوّل بارش کا مسئلہ ہمارے حق میں مفید ہے کیونکہ مقصود شرع یہ ہے کہ تری کی ایک معین مقدار لگ جائے خواہ کسی طرح ہو اس میں نہ تو آلہ زیر بحث ہے اور نہ اختیاری فعل،اور ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ فرمان الٰہی "اور مسح کرو تم سروں کا"اس کا مفہوم یہ ہے کہ "اپنے ہاتھوں کا اپنے سروں سے"میں محل مقدر ہے نہ کہ آلہ صدر الشریعۃ،ابن الساعاتی اور خود محقق نے فتح میں یہی تقریر فرمائی ہے، غور کر۔

دوم: فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے انگلیوں کے پوروں سے مسح کیا اور اُن سے پانی ٹپک رہا تھا تو جائز ہے،تو معلوم ہوا کہ یہاں آلہ کی تعیین اہم نہیں ہے اور اس کو تیمم پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

سوم: انہوں نے"عدم الجواز بالاصبع"کہہ کر جو اعتراض کیا ہے سو وہ اس بنا پر ہے کہ تری فرض مقدار تک پہنچنے سے قبل ختم ہوجاتی ہے لیکن دو انگلیاں اگر ملی ہوں تو ان میں فرض مقدار تک پانی پہنچ سکتا ہے،اس کا مشاہدہ ہے یا ظن غالب ہے،تو اس پر اعتبار کرتے ہوئے حکم کا لگا دینا لازم ہوا تو تین انگلیوں پر اکتفاء کرنا دو کے پھیر لینے کو جائز قرار دیتا ہے کیونکہ ان دو کے درمیان اتنا پانی موجود ہوتا ہے جو مزید ایک انگلی کی مقدار

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

اقول: اخر کلامه یشھد ان مرادہ بقوله یحتمل الامتداد الی قدر الفرض ھو قدرہ علی القول باجزاء ثلاث فکان الاولی التعبیر به دفعا للوھم ثم ان المحقق ردہ بقوله الا ان ھذا یعکر علیه عدم جواز التیمم باصبعین[1] اھ۔

اقول: ای فلیس ثمه شیئ یفرغ ویتلاشی اذلا حاجة الی اثر غبار علی الید فان کان فضل غیر ملتفت الیه شرعا فکان معدوما حکما وان لم یکن فاظھر للعدم حقیقة وحکما وھذا معنی قول شمس الائمة خصوصا اذا تیمم علی الحجر الصلد فھذا کل مااوردہ المحقق ولم یفصل القول فیه فصلا۔

اقول: (۱) ویرد ایضا علی ماابداہ ان فناء البلل غیر مطرد اما سمعت تصحیح الخلاصة الجواز فی مد الاطراف وان لم یکن الماء متقاطرا[2] مع ان حکم المسألة مطلق (۲) ویظھر لی واللہ تعالٰی اعلم ان لامخلص الا ان یقال ان المراد بعدم الاجزاء ماذا کانت

پھیل سکتا ہے اور چوتھائی سر کے اعتبار پر جائز نہیں، کیونکہ جو پانی ان دو کے درمیان ہے ظن غالب نہیں کہ وہ چوتھائی کی مقدار کو پورا ہوسکے اھ۔ت

میں کہتا ہوں کہ ان کے کلام کا آخر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ان کی مراد یحتمل الامتداد الی قدر الفرض سے تین انگلیوں کا پھیرنا ہے، تو بہتر یہ ہے کہ اسی سے تعبیر کی جائے تاکہ وہم رفع ہوجائے پھر محقق نے اس کو یہ کہہ کر دفع کیا ہے مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ دو انگلیوں سے تیمّم جائز نہ ہو اھ ت

میں کہتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز ایسی نہیں جو فنا ہوجاتی ہو، کیونکہ ہاتھ پر گرد کے لگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر ہو تو یہ اضافی امر ہے شرعًا اس کی حاجت نہیں، تو یہ حکمًا نہ ہوا، اور اگر غبار نہ ہو تو بات زیادہ ظاہر ہوگی کیونکہ در حقیقت اور حکمًا دونوں طرح ہی معدوم ہے اور شمس الائمہ کے قول "خصوصا عی الحجر الصلد" کا یہی مفہوم ہے، یہ وہ بحث ہے جو محقق نے کی ہے اور اس میں کسی قولِ فیصل کو ذکر نہ کیا۔(ت)

میں کہتا ہوں اور جو انہوں نے فرمایا اس کی تردید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ تری کا ختم ہوجانا کوئی عمومی امر نہیں، جیسا کہ خلاصہ کی تصحیح میں گزرا کہ مسح انگلیوں کے پوروں کے پھیرنے سے بھی ہوجائیگا خواہ ان سے پانی نہ بہتا ہو، حالانکہ مسئلہ کا حکم مطلق ہے، میرے لئے ظاہر ہوتا ہے (واللہ

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع فی المسح نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

البلة خفيفة تفنى بأول وضع اوقليل مدحتى لاتبقى الانداوة لاتنفصل عن اليد فبتل الرأس ولعله هو الاكثر وقوعا وبتصحيح الخلاصة ما اذا كانت كثيرة تبقى الى بلاغ القدر المفروض بحيث تنفصل فى كل محل وتصيب وهذا هو مراد المحيط بالتقاطر فتتفق الكلمات وانت اذ انظرت الى الوجه اذعنت بهذا التفصيل كيف ولا معنى لاجزاء النداوة فى الصورة الاولى ولا هدار البلة فى الصورة الثانية فليكن التوفيق وبالله التوفيق۔

اما حديث(۱) التيمم **فاقول**: لابد فيه من قصد المكلف وفعله الاختيارى فيكون لتقرير الامام شمس الائمة فيه مساغ الاترى انهم صرحوا ان لوتيمم (۲) باصبع اواصبعين وكرر مرارا لم يجز كما فى البحر عن السراج عن الايضاح ولو مسح راسه باصبع واحدة وكرر اربعا فى مواضع صح اجماعا فلا يطلب موافقة ماهنا لما فى التيمم حتى يعكر عليه به اذ لاتعين للالة ههنا اصلا بخلاف التيمم وذلك ايضا فى الطريق المعتاد اعنى التيمم باليد والا فقد نص فى الحلية ان (۳) لو تمعك فى التراب يجزئه ان اصاب وجهه وذراعيه وكفيه لانه اتى بالمفروض وزيادة والا فلا[1] اھ۔ اى يجزئه ان نوى كما

تعالٰی اعلم) کہ اس اعتراض سے چھٹکارے کی ایک ہی شکل ہے کہ اس سے یہ مراد لی جائے کہ جب تری اتنی کم ہو کہ رکھتے ہی ختم ہو جائے یا تھوڑا سا پھیرنے پر ختم ہو جائے اور محض اتنی باقی رہے کہ ہاتھ تر محسوس ہو اور وہ سر کو تر نہ کرسکے اور غالباً عام طور پر ایسا ہی واقع ہوتا ہے، اور خلاصہ کی تصحیح سے مراد یہ ہو کہ جب تری اتنی زیادہ ہو کر فرض مقدار تک پہنچنے کے بعد بھی باقی رہے یعنی اس طور پر کہ ہر جگہ جدا ہو اور لگ جائے، اور محیط کی مراد تقاطر سے یہی ہے اس طرح تمام عبارات میں اتفاق ہو جائے گا، اور جو تم علت کو دیکھو گے تو یقین آجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں تری کے پھیرنے کے اور کوئی معنی نہیں اور نہ ہی دوسری صورت میں تری کو ضائع کرنے کے، تو اس طرح تطبیق دینی چاہئے **وباللہ التوفیق**۔

رہی حدیثِ تیمّم، تو اس میں مکلّف کا ارادہ اور اس کا اختیاری فعل ضروری ہے، تب شمس الائمہ کی تقریر اس میں چل سکے گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے ایک یا دو انگلیوں سے تیمّم کیا اور ان کو بار بار پھرا تو جائز نہیں جیسا کہ بحر میں سراج سے ایضاح سے منقول ہے، اور اگر ایک انگلی سے اپنے سر کا مسح کیا اور چار مختلف جگہوں پر اس کا تکرار کیا تو اجماعاً صحیح ہے، تو اس کی موافقت تیمّم کے معاملہ سے نہ کی جائے تاکہ اُس سے اعتراض لازم آئے کیونکہ یہاں آلہ کا تعین بالکل نہیں

[1] حلیہ

لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔	بخلاف تیمّم کے، اور یہ بھی معتاد طریق میں ہے، یعنی ہاتھ سے تیمّم میں ورنہ حلیہ میں تصریح کی ہے کہ اگر کوئی شخص خاک میں لوٹ پوٹ ہوگیا اور خاک اس کے چہرے، ہاتھوں اور بانہوں کو لگ گئی تو کافی ہے کیونکہ اُس نے نہ صرف فرض ادا کرلیا بلکہ اس سے بھی زیادہ کرلیا، ورنہ نہیں اھ یعنی اگر اس نے نیت کی ہے تو کافی ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

فتوٰی مسمّٰی بہ

النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی ۱۳۲۷ھ

ملنے والے اور ڈالے گئے پانی کے فرق میں ایک پاکیزہ تحریر (ت)

مسئلہ ۲۹: رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر بے وضو یا جُنب کا ہاتھ یا انگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑ جائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں اس سے پانی مکروہ ہو جاتا ہے اور اگر قابل وضو نہ رہے تو کس طرح قابل کیا جاسکتا ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط۔ الحمدللہ الذی انزل الذکر الملقی علی السید الطیب الطھور الانقی الملاقی ربہ لیلۃ الاسراء علیہ من ربہ الصلاۃ الزھراء وعلٰی اٰلہ وصحبہ وامتہ وحزبہ الی یوم اللقاء اٰمین

راجح ومعتمد یہ ہے کہ مکلّف پر جس عضو کا دھونا کسی نجاست حکمیہ مثل حدث وجنابت وانقطاع حیض ونفاس کے سبب بالفعل واجب ہے وہ عضو یا اُس کا کوئی حصّہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیر کثیر میں کہ نہ جاری ہے نہ دہ دردہ بے ضرورت پڑ جانا پانی کو قابلِ وضو وغسل نہیں رکھتا یعنی پانی مستعمل ہوجاتا ہے کہ خود پاک ہے اور نجاست حکمیہ سے تطہیر نہیں کرسکتا اگرچہ نجاست حقیقیہ اس سے دھو سکتے ہیں، یہی قول نجیح ورجیح ہے عامہ کتب میں اس کی تصریح ہے اور یہ خود ہمارے ائمہ ثلٰثہ امامِ اعظم وامام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منصوص ومروی آیا اکابر مشائخ مثل امام ابوعبداللہ جرجانی وامام ابوالحسین قدوری وامام ملک العلماء ابوبکر کاشانی وامام فقیہ النفس فخرالدین قاضی وغیرہم رحمھم اللہ تعالٰی نے اُسے ہمارے ائمہ کا مذہب متفق علیہ بتایا۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی ایک تحریر میں اُس پر ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے سوا چالیس ائمہ وکتب کے نصوص نقل کئے اور بعض علمائے متاخرین رحمھم اللہ تعالٰی کو جو اس میں شبہات واقع ہوئے ان کے جواب دیے۔

یہاں **اوّلاً** فوائد اور ان کے متعلق مسائل ذکر کریں۔

ثانیاً اتمام جواب۔

ثالثاً تحقیق مقام وابانت صواب اور اس کیلئے اپنی تحریر مذکور سے رفع حجاب۔

وباللہ التوفیق فی کل باب والحمدللہ الکریم الوھاب۔

فوائد قیود ومسائل مورود

فائدہ ا: (ا) نابالغ اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو جبکہ آثار بلوغ مثل احتلام وحیض ہنوز شروع نہ ہوئے ہوں اُس کا پاک بدن جس پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ ہو اگرچہ تمام وکمال آب قلیل میں ڈوب جائے اُسے قابلیت وضو وغسل سے خارج نہ کرے گا لعدم الحدث (ناپاک نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اگرچہ بحال احتمال نجاست جیسے ناسمجھ بچّوں میں ہے بچنا افضل ہے ہاں بہ نیت قربت سمجھ وال بچّہ سے واقع ہو تو مستعمل کردے گا۔

لانہ من اھلھا وقد بینا المسئلۃ فی الطرس المعدل۔	کیونکہ وہ اس کے اہل سے ہے اور ہم نے یہ مسئلہ 'الطرس المعدل' میں بیان کردیا۔ت

وجیز امام کُردری میں ہے:

ادخل صبی یدہ فی الاناء ان علم طھارۃ یدہ بان کان لہ رقیب یحفظہ اوغسل یدہ فھو طاھر ان علم نجاستہ فنجس وان شک فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع ما یریبک الی مالا یریبک المختار ان وضوء الصبی العاقل مستعمل وغیر العاقل لا [1]۔	اگر بچّہ نے پانی میں ہاتھ ڈالا، اور یہ معلوم ہے کہ اُس کا ہاتھ پاک ہے، مثلاً کوئی شخص بچہ کی دیکھ بھال پر متعین ہے یا اُس نے ہاتھ دھویا ہوا تھا، تو یہ پانی پاک ہے اور اگر اُس کے ہاتھ کا ناپاک ہونا معلوم ہے تو پانی ناپاک ہے، اور اگر شک ہے تو مستحب ہے کہ دوسرے پانی سے وضوء کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو چیز تم کو شک میں ڈالے اس کو چھوڑ کر وہ اختیار کرو جو شک میں نہ ڈالے"۔ مختار یہ ہے کہ عاقل بچّہ کا وضو کرنا پانی کا مستعمل بناتا ہے غیر عاقل کا نہیں بناتا۔ (ت) اسی لئے ہم نے مکلّف کی قید لگائی

فائدہ ۲: اقول قول بعض پر کہ موت (۲) نجاست حکمیہ ہے اگر میت کا ہاتھ یا پاؤں مثلاً آبِ قلیل میں قبل غسل پڑ جائے اگرچہ بہ نیت غسل تو پانی کو مستعمل کردے گا کہ زوال نجاست کیلئے نیت کی حاجت نہیں (۳) اگرچہ احیاپر سے

[1] فتاوٰی بزازیۃ المعروف الوجیز الکردری علی الحاشیۃ الہندیۃ نوع فی المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۹/۴

اس فرض کفایہ کے سقوط کو اُن کی جانب سے وقوع فعل قصدی لازم ہے ولہذا اگر میت دریا میں ملے تو جب تک احیا اپنے قصد سے اسے پانی میں جنبش نہ دے اُن پر سے فرض نہ اُترے گا مگر میت کے سب بدن پر پانی گزر گیا تو اُسے طہارت حاصل ہو گئی یونہی بے غسل دیے اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور خاص غسل میت کی نیت تو احیا پر بھی ضرور نہیں اپنا قصدی فعل کافی ہے یہی اس مسئلہ میں توفیق و تحقیق ہے درمختار میں ہے:

(ان غسل(المیت)بغیر نیة اجزأه(لطهارته لا لاسقاط الفرض عن ذمة المکلفین(و)لذا قال (لو وجد میت فی الماء فلا بد من غسله ثلثا)لانا امرنا بالغسل فیحرکه فی الماء بنیة الغسل ثلثا فتح وتعلیله یفید انهم لوصلوا علیه بلا اعادة غسله صح وان لم یسقط وجوبه عنهم فتدبر [1]۔	(اگر غسل دیا) میت کو (بغیر نیت کے تو کافی ہے)اُس میت کی طہارت کیلئے نہ کہ فرض کو مکلّف لوگوں سے ساقط کرنے کیلئے (اور)اس لئے فرمایا(اگر کوئی مردہ پانی میں ملا تو بھی اس کو تین مرتبہ غسل کرانا ضروری ہے) کیونکہ ہمیں غسل دینے کا حکم دیا گیا ہے تو اُس مُردہ کو پانی میں تین مرتبہ بنیت غسل حرکت دینی چاہیے، فتح۔اور جو وجہ انہوں نے بیان کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس کی نماز جنازہ اُس کے غسل کے اعادہ کے بغیر پڑھ لی گئی تو لوگوں سے جنازہ کا وجوب ساقط ہو جائیگا اگرچہ ان سے غسل کا وجوب ساقط نہ ہوگا،فتدبر۔(ت)

عنایہ میں ہے:

الماء مزیل بطبعه فکما لاتجب النیة فی غسل الحی فکذا لاتجب فی غسل المیت ولهذا قال فی فتاوی قاضی خان میت غسله اهله من غیر نیة الغسل اجزائهم ذلک [2]۔	پانی اپنی طبیعت کی وجہ سے زائل کرنے والا ہے تو جس طرح زندہ شخص کے غسل میں نیت لازم نہیں اسی طرح مردہ کے غسل میں بھی نہیں،اسی لئے قاضی خان میں فرمایا کہ اگر کسی مُردہ کو اس کے گھر والوں نے بلانیت غسل دے دیا تو کافی ہے۔ت

ردالمحتار میں ہے:

وصرح فی التجرید والا سبیجابی والمفتاح بعدم اشتراطها ایضا [3]۔	تجرید،اسبیجابی اور مفتاح میں بھی نیت کے شرط نہ کرنے کی تصریح ہے۔ت

[1] الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[2] عنایۃ مع الفتح فصل فی الغسل للمیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/۷۴

[3] ردالمحتار فصل فی الغسل للمیت البابی مصر ۱/۶۳۵

اُسی میں ہے:

قال فی التجنیس لابد من النیة فی غسله فی الظاھر وفی الخانیة اذا جری الماء علی المیت اواصابه المطر عن ابی یوسف لاینوب عن الغسل لانا امرنا بالغسل وذلک لیس بغسل وفی النھایة والکفایة وغیرھما لابد منه الا ان یحرکه بنیة الغسل اھ ثم نقل توفیق الفتح باستظھار ان اشتراطھا لاسقاط وجوبه عن المکلف لالتحصیل طھارته ھو وشرط صحة الصلاۃ علیه اھ ثم منازعة الغنیة له بان مامر عن ابی یوسف یفید ان الفرض فعل الغسل منا حتی لوغسله((لتعلیم الغیر کفی ولیس فیه مایفید اشتراط النیة لاسقاط الوجوب بحیث یستحق العقاب بترکھا وقد تقرر فی الاصول ان ماوجب لغیرہ من الافعال الحسیة یشترط وجودہ لاایجادہ کالسعی والطھارۃ نعم لاینال ثواب العبادۃ بدونھا اھ قال واقرہ الباقانی وایدہ بما فی المحیط لووجد المیت فی الماء لابد من غسله لان الخطاب یتوجه الی بنی اٰدم ولم یوجد منھم فعل اھ فتلخص انه لابد فی اسقاط الفرض من الفعل واما النیة فشرط لتحصیل الثواب ولذا اصح تغسیل الذمیة زوجھا المسلم مع ان النیة شرطھا الاسلام فیسقط الفرض عنا بفعلنا بدون نیة وھو المتبادر من قول الخانیة اجزأھم ذلک[1] اھ	اور تجنیس میں ہے کہ ظاہر قول کے مطابق مردہ کے غسل میں نیت ضروری ہے، اور خانیہ میں ہے اگر میت پر پانی بہ گیا یا بارش پڑ گئی تو ابو یوسف سے منقول ہے کہ یہ غسل شمار نہ ہوگا، کیونکہ ہمیں غسل کا حکم دیا گیا ہے اور یہ غسل نہیں ہے، اور نہایہ وکفایہ وغیرہما میں ہے کہ مردہ کو ایسی صورت میں بہ نیت غسل حرکت دینا لازم ہے، پھر انہوں نے فتح کی تطبیق نقل کی اور یہ بھی ذکر کیا کہ حرکت دینے کی شرط اس لئے ہے کہ غسل کا وجوب مکلّف سے ساقط ہوجائے، یہ نہیں کہ مردہ پاک ہوجائے، اور نہ یہ اُس پر نماز کی صحت کی شرط ہے اھ پھر اُن کا غنیہ سے یہ جھگڑا کرنا کہ جو نقل ابو یوسف کی گزری اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض یہ ہے کہ ہم زندہ لوگ اُس مُردہ کو غسل دیں، یہاں تک کہ اگر مُردہ کو دُوسروں کو سکھانے کی غرض سے غسل دیا تو کافی ہوگا مگر اس میں یہ موجود نہیں ہے کہ نیت بھی اسقاطِ واجب کیلئے شرط ہے کہ اگر نہ ہو تو وہ عذاب کا مستحق ہو، اور اصول میں یہ مقرر ہے کہ جو افعال حسّیہ غیر کیلئے واجب ہوں تو اُن کا وجود ضروری ہے نہ کہ ایجاد ان کے موجود ہونے کیلئے ضروری ہے، جیسے کہ سعی اور طہارت، ہاں نیت کے بغیر عبادت کا ثواب نہیں ملے گا اھ فرمایا اس کو باقانی نے مقرر رکھتے ہوئے اس کی تائید محیط سے کی ہے، محیط میں ہے کہ اگر میت پانی میں پائی گئی تو بھی اس کا غسل ضروری ہے کیونکہ خطاب بنو آدم کو ہے اور اُن سے کوئی فعل پایا نہیں گیا اھ تو خلاصہ یہ نکلا کہ اسقاط فرض میں

[1] ردالمحتار فصل فی الغسل للمیت البابی مصر ۱/ ۶۲۳

اقول: ھذا کله علی المتبادر من ارادة النیة الشرعیة اما لوحملت علی قصد الفعل ارتفع النزاع فان المامور به المکلف لایکون الافعله الاختیاری فما وقع عنه من دون قصد منه لایخرجه عن عھدة ایجاب الفعل وغسل المیت له وجھان وجه الی الشرطیة وھو عدم صحة الصلاة علیه بدون الطھارة وھذا مایکفی فیه وجوده بلا ایجاده کطھارة الحی ووجه الی الفرضیة علینا ولا یتأتی الا بفعل توقعه قصدا ولولم تقصد العبادة المامور بھا وھذا معنی قول ابی یوسف لانا امرنا بالغسل وقول المحیط ان الخطاب یتوجه الی بنی اٰدم وبھذا تتفق الکلمات(۱) ویظھر مافی کلام الغنیة ولله الحمد۔	کسی نہ کسی فعل کا ہونا ضروری ہے اور نیت حصول ثواب کیلئے شرط ہے،اس لئے ذمی عورت اپنے مسلمان شوہر کو غسل دے سکتی ہے حالانکہ نیت کیلئے اسلام شرط ہے توفرض ہمارے فعل سے ساقط ہوجائے گا خواہ نیت نہ ہو اور خانیہ کے قول أجزأھم سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اھ۔ت **میں کہتا ہوں** یہ سب نیت شرعیہ کے ارادہ سے متبادر ہے اور اگر نیت سے مراد ارادہ فعل لیا جائے تواختلاف ختم ہوجائے گا، کیونکہ مکلّف کو جو حکم دیا گیا ہے وہ اس کا فعل اختیاری ہوگا اور جو اُس سے بلا قصد واختیار سرزد ہو وہ ایجاب فعل کی ذمہ داری سے اس کو عہدہ برآ نہیں کرسکتا،اور غسل میت کی دو وجہیں ہیں ایک تو شرطیہ کی طرف اور وہ یہ ہے کہ اس پر نماز بلا طہارت جائز نہیں،اور اس صورت میں غسل کا وجود کافی ہے خواہ اس کی طرف سے ایجاد نہ ہو، جیسے زندہ انسان کی پاکی،اور ایک وجہ ہم پر فرضیت کی ہے،اور یہ اُسی فعل سے ادا ہوسکتی ہے جو قصداً کیا جائے اگرچہ مامور بہا عبادت کا قصد نہ کیا جائے،اور یہی مفہوم ہے حضرت امام ابویوسف کے قول "اس لئے کہ ہم کو غسل کا حکم دیا گیا ہے" کا،اور محیط کے اس قول "کہ خطاب بنوآدم کی طرف متوجہ ہے" کا بھی یہی مفہوم ہے،اس طرح مختلف اقوال میں تطبیق ہوجائے گی،اور جو غنیہ میں ہے وہ ظاہر ہوجائے گا ولله الحمد۔ت

اسی لئے ہم نے مکلّف پر جس عضو کا دھونا واجب کہا نہ مکلّف کا عضو کہ میت مکلّف نہیں۔

فائدہ ۳: عورت (۲) ابھی حیض یا نفاس میں ہے خون منقطع نہ ہوا اس حالت میں اگر اس کا ہاتھ یا کوئی عضو پانی میں پڑ جائے مستعمل نہ ہوگا کہ ہنوز اس پر غسل کا حکم نہیں والمسألة فی الخانیة والخلاصة والبحر وغیرھا اس لئے ہم نے بالفعل کی قید ذکر کی۔

فائدہ ۴: جس عضو کا (۳) جہاں تک پانی میں ڈالنا بضرورت ہو اُتنا معاف ہے پانی کو مستعمل نہ کرے گا مثلاً:

(۱) پانی لگن یا چھوٹے حوض میں ہے کہ دہ دردہ نہیں اور کوئی برتن نہیں جس سے نکال کر وضو کرے توچلّو لینے کیلئے

اُسی میں ہاتھ ڈالنے سے مستعمل نہ ہوگا۔

(۲)اسی صورت میں اگر ہاتھ مثلاً کہنی یا نصف کلائی تک ڈال کر چلّو لیا یعنی جس قدر کے ادخال کی چلو میں حاجت نہ تھی مستعمل ہوجائے گا کہ زیادت بے ضرورت واقع ہوئی۔

(۳)کولی یا مٹکے میں کٹورا ڈوب گیا اُس کے نکالنے کو جتنا ہاتھ ڈالنا ہو مستعمل نہ کرے گا، اگرچہ بازو تک ہو کہ ضرورت ہے۔

(۴)برتن میں پاؤں پڑ گیا پانی مستعمل ہوگیا کہ اس کی ضرورت نہ تھی۔

(۵)کنوئیں یا حوض میں ٹھنڈ لینے کو غوطہ مارا یا صرف ہاتھ پاؤں ڈالا مستعمل ہوگیا کہ ضرورت نہیں۔

(۶)برتن یا حوض (ا) میں ہاتھ ڈالا تو تھا چُلّو لینے کو پھر اُس میں ہاتھ دھونے کی نیت کرلی مستعمل ہوگیا کہ حوض میں دھونا بضرورت نہ تھا صرف چُلّو لینے کی حاجت تھی۔

(۷)کُنوئیں سے ڈول نکالنے گھُسا اور وہاں غسل یا وضو کی نیت کرلی بالاتفاق مستعمل ہوگیا اگرچہ امام محمد نے ڈول نکالنے کیلئے اجازت دی تھی کہ قصد طہارت کی ضرورت نہ تھی وقس علیہ۔ فتح القدیر میں ہے:

لوادخل المحدث اوالجنب اوالحائض التی طهرت الید فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للحاجة بخلاف مالو ادخل المحدث رجله او رأسه حیث یفسد الماء لعدم الضرورة وفی کتاب الحسن عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ان غمس جنب او غیر متوضیئ یدیه الی المرفقین او احدی رجلیه فی اجانة لم یجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه وذلک لان الضرورة لم تتحقق فی الادخال الی المرفقین حتی لوتحققت بان وقع الکوز فی الجب فادخل یده الی المرفق لاخراجه لایصیر مستعملا نص علیه فی الخلاصة قال بخلاف مالوادخل یده للتبرد لعدم الضرورة ثم ادخال مجرد الکف انما لایصیر مستعملا اذا لم یرد الغسل فیه بل اراد رفع	اگر بے وضو، جنب یا پاک ہوجانے والی حائض عورت نے اپنا ہاتھ چُلّو بھر پانی لینے کیلئے پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ یہ ضرورۃً کیا گیا ہے، لیکن اگر بے وضو نے اپنا سر یا پیر اس پانی میں ڈال دیا تو مستعمل ہوجائے گا کیونکہ بغیر ضرورت ہوا، اور حسن کی کتاب جو ابو حنیفہ سے ہے میں ہے کہ اگر جنب یا بے وضو نے اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو اُس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس طرح اس کا فرض اس سے ساقط ہوگیا کیونکہ کہنیوں تک ہاتھوں کو ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی ہاں اگر یہ ضرورت ہو، مثلاً لوٹا کنویں میں گر پڑا اس کو نکالنے کیلئے ہاتھ کہنیوں تک اس میں ڈالنا پڑا اس کو نکالنے کیلئے ہاتھ کہنیوں تک اس میں پانی ڈالنا پڑا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، یہ خلاصہ میں منصوص ہے، فرمایا اگر ہاتھ محض ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے بلا ضرورت ڈالا تو اس کا یہ حکم نہیں، کیونکہ وہاں ضرورت نہیں، پھر

الماء وفی المبتغی وغیرہ بتبردہ یصیر مستعملا ان کان محدثا والا فلا[1] اھ باختصار۔	محض ہاتھ کا ڈالنا پانی کو مستعمل نہیں کر دیتا ہے جبکہ غسل کا ارادہ نہ ہو، مثلاً یہ کہ پانی اٹھانے کا ارادہ ہو، اور مبتغٰی وغیرہ میں ہے ٹھنڈک حاصل ہونے سے مستعمل ہو جائے گا اگر بے وضو ہو ورنہ نہیں اھ۔ت

ردالمحتار میں زیر قول شارح محدث انغمس فی بئر لدلو ولم ینو[2] (بے وضو جس نے ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں غوطہ لگایا اور نیت نہ کی۔ت) فرمایا:

لم ینو ای الاغتسال فلو نواہ صار مستعملا بالاتفاق الافی قول زفر سراج والمراد لم ینو بعد انغماسہ فلا ینافی قولہ لدلو افادہ[3] ط۔	نیت نہ کی یعنی غسل کی، اگر غسل کی نیت کی تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا مگر زفر کے قول میں، سراج۔ اور مراد یہ ہے کہ غوطہ کھانے کے بعد نیت نہ کی تو ان کے قول لدلو کے منافی نہیں، اس کا افادہ 'ط' نے کیا۔ت

ولہذا ہم نے بے ضرورت کی قید لگائی۔

فائدہ ۵: (۱) امام ابو یوسف سے روایت معروفہ یہ ہے کہ عضو کا ٹکڑا ڈوب جانے سے مستعمل نہیں ہوتا جب تک پورا عضو نہ ڈوبے، مثلاً انگلیاں پانی میں ڈالیں تو مستعمل نہ ہوگا کفِ دست کے ڈوبنے سے حکمِ استعمال دیا جائے گا اور صحیح یہ ہے کہ بے ضرورت کتنا ہی ٹکڑا ہو مستعمل کر دے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل الجنب فی البئر غیر الید والرجل من الجسد افسدہ لان الحاجۃ فیھما وقولنا من الجسد یفید الاستعمال بادخال بعض عضو وھو یوافق المروی عن ابی یوسف فی الطاھر اذا ادخل رأسہ فی الاناء وابتل بعض رأسہ انہ یصیر مستعملا اما الروایۃ المعروفۃ عن ابی یوسف انہ لایصیر مستعملا ببعض العضو[4]۔	اگر جنب نے کنویں میں ہاتھ پیر کے علاوہ کوئی عضو ڈالا تو پانی فاسد ہوجائے گا، کیونکہ ضرورت صرف انہی دو میں ہے اور ہمارا قول من الجسد بعض عضو کے داخل کرنے سے مستعمل ہونے کا فائدہ دیتا ہے، اور وہ ابو یوسف سے مروی شدہ قول کے موافق ہے، وہ فرماتے ہیں کہ پاک شخص نے کسی برتن میں اپنا سر ڈالا اور اس کا کچھ حصہ تر ہوگیا تو مستعمل ہوگا، اور ابو یوسف سے جو روایت معروف ہے وہ یہ ہے کہ عضو کے بعض حصہ سے مستعمل نہ ہوگا۔ت

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۶

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸

[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۸

اُسی میں اس سے کچھ پہلے ہے:

ان کان اصبعا اوا کثر دون الکف لایضر ومع الکف بخلافه ذکرہ فی الخلاصة ولا یخلو من حاجة الی تأمل وجهه[1]۔	اگر انگلی یا اس سے زیادہ ہو اور ہتھیلی سے کم ہو تو مضر نہیں اور ہتھیلی کے ساتھ اس کے برعکس ہے، اس کو خلاصہ میں ذکر کیا، اس میں ضرورت ہے کہ اس کی وجہ پر غور کیا جائے۔ت

وجیز امام کُردری میں ہے:

المعروف عن الامام الثانی عدم الفساد مالم یصر عضوا تاما والفساد هو الظاهر[2] اھ۔ **اقول**: الحق ان المناط الحاجة فحیث کانت تندفع ببعض العضو فادخل کله یصیر مستعملا ولعل هذا هو محمل تلک الروایة ان ادخال الاصابع للاغتراف لایفسد بخلاف الکف ولهذا قال فی الخانیة من باب الوضوء ان لم تکن معه اٰنیة صغیرة فانه یغترف من التور باصابع یده الیسری مضمومة لابالکف[3]۔	امام ثانی سے مشہور یہ ہے کہ جب تک پورا عضو داخل نہ ہو فساد نہیں، حالانکہ فساد ظاہر ہے۔ت **میں کہتا ہوں** حق یہ ہے کہ حکم کی علت حاجت ہے تو جہاں ضرورت عضو کے بعض حصّے سے پوری ہوجاتی ہو وہاں اگر کل عضو ڈال دیا تو پانی مستعمل ہوجائے گا اور شاید یہ اُس روایت کا محمل ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ چُلّو بھر کر پانی لینے کیلئے انگلیوں کا ڈالنا پانی کو فاسد نہیں کرتا بخلاف ہتھیلی کے، اس لئے خانیہ کے باب وضو میں ہے اگر اس کے پاس چھوٹا برتن نہ ہو تو طشت سے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلیاں ملا کر پانی نکال لے ہتھیلی نہ ڈالے۔ت

ولہٰذا ہم نے حکم عام رکھا باقی فوائد ہمارے رسالہ **الطرس المعدل** سے ظاہر ہیں اُسے قابل (۱) وضو کرنے کے دو۲ طریقے ہیں، ایک یہ کہ اپنی مقدار سے زائد آبِ طاہر مطہر میں ملادیا جائے سب قابلِ وضو ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

غلبة المخالط لو مماثلا کمستعمل فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطهیر	ملنے والے پانی کا غلبہ اگر اسی کی مثل ہو جیسے مستعمل پانی تو اعتبار اجزاء (مقدار) کا ہوگا، اگر مطلق نصف سے زیادہ ہے

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶
[2] بزازیۃ مع الہندیۃ نوع فی المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۹
[3] خانیہ مع الہندیۃ صفۃ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۳

بالکل والالا[1]۔	توسب سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔ت

دوسرے یہ کہ اُس میں طاہر مطہر پانی ڈالتے رہیں یہاں تک کہ اُس کا برتن بھر کر اُبلے اور بہنا شروع ہو سب طاہر مطہر ہوجائے گا کہ اس طرح پاک پانی کے ساتھ بہانے سے ناپاک پانی پاک ہوجاتا ہے تو غیر مطہر ہوجانا بدرجہ اولیٰ در مختار میں ہے:

المختار طھارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[2]۔	مختار قول یہ ہے کہ نجس پانی محض جاری ہونے سے پاک ہوجائے گا۔ت

ردالمحتار میں ہے:

بمجرد جریانہ بان یدخل من جانب ویخرج من اٰخر حال دخولہ وان قل الخارج بحود لایلزم ان یکون ممتلأ اول وقت الدخول لانہ اذا کان ناقصا فدخل الماء حتی امتلأ وخرج بعضہ طھر ایضا کما حققہ فی الحلیۃ[3]۔	محض اس کے جاری ہونے سے، کہ ایک طرف سے داخل کیا جائے اور دوسری طرف سے نکالا جائے اس کے داخل ہونے کی حالت میں، اگرچہ خارج کم ہو، بحر، یہ ضروری نہیں کہ داخل ہوتے وقت بھرا ہوا ہو، کیونکہ جب ناقص ہوگا اور پانی داخل ہوکر برتن بھر جائے پھر پانی نکل جائے تو بھی یہ پانی پاک ہوجائے گا، جیسا کہ حلیہ میں تحقیق کی۔ت

بدائع میں ہے:

وعلی ھذا حوض الحمام اوالاوانی اذا تنجس[4]۔	اور اسی پر حمّام کے حوض کو قیاس کیا جائے یا برتنوں کو جب وہ ناپاک ہوجائیں۔ت

شامی میں ہے:

مقتضاہ انہ علی قول الصحیح تطھر الاوانی ایضا بمجرد الجریان وقد علل فی البدائع ھذا القول بانہ صار ماء جاریا فاتضح الحکم وللہ الحمد[5] اھ وتمامہ فیہ۔	اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن بھی محض پانی کے بہنے سے پاک ہوجائیں گے، اور اس کی وجہ بدائع میں یہ بیان کی ہے کہ یہ جاری پانی ہوگیا، تو جاری پانی کا حکم اس پر لاگو ہوگا، تو حکم ظاہر ہوگیا وللہ الحمد اھ اور اس کی مکمل بحث اُسی میں ہے۔ت

---

[1] در مختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] در مختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶)

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

[5] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

بعض لوگوں کا کہنا کہ اس سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اگر پینے کے حق میں مراد تو مذہب صحیح پر مبنی ہے کہ ماء مستعمل(۱) طاہر ہے مطہر نہیں اُس سے وضو نہ ہوگا اور پینا مکروہ۔ حلیہ پھر شامی میں ہے: **بلعه ایاه مکروه**[1] (اس کا اس کو نگلنا مکروہ ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

هو طاهر ولو من جنب وهو الظاهر لکن یکره شربه والعجن به تنزیها للاستقذار وعلی روایة نجاسته تحریما[2]۔	وہ پاک ہے خواہ جنب سے ہی ہو اور یہی ظاہر ہے لیکن اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے گھن آتی ہے، اور نجس ہونے کی روایت پر مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

اور اگر وضو کے حق میں مقصود یعنی اس سے وضو ہوجائے گا مگر مکروہ ہے تو مذہب غیر صحیح پر مبنی ہے صحیح یہی ہے کہ اس سے پانی مستعمل ہوجائے گا اور اُس سے وضو صحیح نہ ہوگا نہ یہ کہ صرف کراہت ہو **کما سنحققه بتوفیقس الله تعالٰی قد اٰن اوانه بتوفیقه عزشانه۔**

تحقیق المقام: بفضل الملک العلام **اقول**: وبالله التوفیق اتت(۲) الفروع متوافرة والنقول عن ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم وعمن بعدهم متظافرة ونصوص معتمدات الشروح والفتاوی متواترة شاهداتٍ علی ان المحدث اذا ادخل عضوه قبل غسله فی ماء قلیل فانه یجعل الماء مستعملا الا ماکان عن ضرورة فعفی **قال فی الفتح** بعد اقامة البینة علی ان رفع الحدث ایضا مغیر للماء وان لم تکن معه نیة قربة مانصّه وبهذا یبعد قول محمد انه التقرب فقط الا ان یمنع کون هذا مذهبه کما قال شمس الائمة قال لانه لیس بمروی	میں بفضلہٖ تعالٰی کہتا ہوں کہ متوافر فروع اور ہمارے تینوں ائمہ اور بعد کے علماء کی نقول اور متون وشروح معتمدہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو شخص جب اپنا کوئی عضو دھوئے بغیر تھوڑے پانی میں ڈالے گا تو وہ پانی مستعمل ہوجائے گا، ہاں ضرورتاً ایسا کرنا معاف ہے، فتح میں اس امر پر دلیل قائم کی ہے کہ رفع حَدَث بھی پانی میں تغیر پیدا کرتا ہے خواہ اس میں تقرب کی نیت نہ ہو، اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اس سے امام محمد کا قول کہ صرف تقرب سے متغیر ہوتا ہے، بعید ہوجاتا ہے ان کا مذہب نہ مانا جائے، جیسا کہ شمس الائمہ نے فرمایا ہے کیونکہ یہ اُن سے مروی نہیں ہے، اور اُن سے صحیح یہ ہے کہ حدث کا پانی سے زائل کرنا پانی کو فاسد کردیتا ہے،

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷

عنه والصحيح عنده ان ازالة الحدث بالماء مفسد له ومثله عن الجرجانی وما استدلوا به عليه من مسألة المنغمس لطلب الدلو حيث قال محمد الرجل طاهر والماء طاهر جوابه ان الازالة عنده مفسدة الا عند الضرورة والحاجة كقولنا جميعا لو ادخل المحدث اوالجنب اوالحائض التی طهرت اليد فی الماء للاغتراف لايصير مستعملا للحاجة بخلاف مالو ادخل رجله اورأسه حيث يفسد الماء لعدم الضرورة وفی(۱) كتاب الحسن عن ابی حنيفة ان غمس جنب او غير متوضئ يديه الی المرفقين اواحدی رجليه فی اجانة لم يجز الوضوء منه لانه سقط فرضه عنه وذلک لان الضرورة لم تتحقق فی الادخال الی المرفقين حتی لوتحققت بان(۲) وقع الكوز فی الجب فادخل يده الی المرفق لاخراجه لايصير مستعملا نص عليه فی الخلاصة قال(۳) بخلاف مالو ادخل يده للتبرد يصير مستعملا لعدم الضرورة[1] اھ۔ وفی التبيين نحوه وزاد معللا لمحمد فی مسألة البئران وقوع الدلو فی البئر يكثر والجنابة تكثر ايضا فلو اغتسلوا لاخراج الدلو كلما وقع يحرجون[2] اھ۔وفی الخانية (۴) اتفق اصحابنا رحمهم الله تعالٰی

اور اسی کی مثل جرجانی سے منقول ہے، انہوں نے اُس شخص سے استدلال کیا ہے جو ڈول نکالنے کیلئے پانی میں غوطہ لگائے۔ امام محمد نے اس شخص کی بابت فرمایا مرد بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک، جواب یہ ہے کہ ازالہ حدث اُن کے نزدیک پانی کو فاسد کر دیتا ہے مگر ضرورتاً نہیں کرتا ہے جیسا کہ ہم سب کہتے ہیں کہ اگر بے وضوء ناپاک یا حائض جو پاک ہوگئی ہو اگر پانی میں ہاتھ ڈال کر چلّو بھریں تو ضرورت کی وجہ سے یہ پانی مستعمل نہ ہوگا، ہاں اگر سر یا پیر ڈالا تو پانی فاسد ہوجائے گا کہ یہاں ضرورت نہیں ہے، اور حسن کی کتاب میں ابو حنیفہ سے ہے کہ اگر جنب یا بے وضو شخص نے اپنے دونوں ہاتھ کُہنیوں تک یا ایک پیر مرتبان میں ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اس کا فرض ساقط ہوا ہے، کیونکہ دونوں کہنیوں تک ڈبونے کی کوئی ضرورت نہ تھی، ہاں اگر ضرورت پائی گئی مثلاً لوٹا تالاب میں تھا تو اس کو نکالنے کیلئے کہنیوں تک ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل نہ ہوگا، خلاصہ نے اس کی تصریح کی ہے فرمایا بخلاف اس کے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈک حاصل کرنے کو ڈبوئے تو پانی ضرورت نہ پائے جانے کی وجہ سے مستعمل ہوجائیگا اھ

اس کا اور تبیین میں بھی ایسا ہی ہے اور امام محمد کے کنویں کے مسئلہ میں باضافہ دلیل اس طرح بیان کیا ہے کہ کنویں میں ڈول کا گرنا بکثرت ہوتا ہے اور جنابت بھی بکثرت ہوتی ہے تو اگر ہر مرتبہ ڈول نکالنے کیلئے غسل ضروری ہو

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۵

فی الروایات الظاھرۃ علی ان الماء المستعمل فی البدن لایبقی طھورا واختلفوا ھل یصیر مستعملا لسقوط الفرض اذا قصد التبردا واخراج الدلو من البئر قال ابو حنیفۃ وابو یوسف رحمھما اللّٰہ تعالٰی یصیر مستعملا وقال محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی المشھور عنہ لا[1] اھ۔

ای للضرورۃ کما مراما الامام فلم یعتبر الضرورۃ ھنا لندرۃ الاحتیاج الی الانغماس بخلاف الاحتیاج الی الاغتراف بالید[2] اھ ش والتعلیل بالضرورۃ مقصور علی نحو طلب الدلو اما التبرد فلما اشتھر عن محمد من القصر علی القربۃ ومشی علیہ فی الخانیۃ فلذا ذکرہ وتبعہ البحر والنھر والدر۔

اقول:(۱)وھذاعجب بعد مشیھم علی ان الصحیح ان محمدالایقصر التغیر علی التقرب قال ش قدمنا ان ذلک خلاف الصحیح عندہ فلذا اقتصر فی الھدایۃ علی قولہ لطلب الدلو[3] اھ۔**اقول الھدایۃ**: (۲)ایضا من الماشین کالخانیۃ وکثیرین علی ان محمد الایجعل السبب الا التقرب وقد ذکرناہ فی الطرس

تو لوگ تنگی میں پڑ جائیں گے اھ اور خانیہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب روایات ظاہرہ میں اس امر پر متفق ہیں کہ جو پانی بدن پر مستعمل ہو وہ طہور نہ رہے گا اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر ہاتھ ٹھنڈا کرنے کیلئے یا ڈول نکالنے کیلئے ہاتھ ڈالا تو آیا سقوط فرض کی وجہ سے مستعمل ہوگا یا نہیں؟ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کا قول ہے کہ مستعمل ہو جائے گا اور محمد سے مشہور روایت یہ ہے کہ نہ ہوگا اھ یعنی ضرورت کی وجہ سے جیسا کہ گزرا، مگر امام نے یہاں ضرورت کا اعتبار نہ کیا، کیونکہ غوطہ لگانے کی حاجت شاذ ہی ہوتی ہے ہاں ہاتھ سے چلّو بھرنا عموما ہوتا ہے اھ ش اور ضرورت کی علت ڈول طلب کرنے پر منحصر ہے ٹھنڈک کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ محمد سے یہ روایت مشہور ہوئی کہ وہ صرف ادائے قربۃ کو وجہ استعمال قرار دیتے ہیں اور خانیہ میں بھی یہی ہے تو اس لئے اس کو ذکر کیا اور بحر، نہر اور دُر نے اس کی پیروی کی۔ت

میں کہتا ہوں یہ امر باعث تعجب ہے کیونکہ وہ اس امر کو مانتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ محمد پانی کے تغیر کو قربۃ تک ہی محدود نہیں رکھتے۔ 'ش' نے فرمایا ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ یہ اُن کے نزدیک صحیح کے خلاف ہے اس لئے ہدایہ میں صرف ڈول کی تلاش کے مسئلہ پر اکتفاء کیا ہے اھ ت

میں کہتا ہوں ہدایہ بھی پیروی کرنے والا ہے، جیسے صاحبِ خانیہ ہیں اور بہت سے دوسرے فقہاء کہ امام محمد سبب، صرف تقرب کو قرار دیتے ہیں

[1] فتاوٰی خانیہ علی العالمگیری الماء المستعمل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ ۱/۱۴۹

[3] ردالمحتار باب المیاہ ۱/۱۴۹ ۱/۱۴۸

المعدل فلیس اقتصارہ علی ذکر الطلب لما ذکر وفیھا من فصل مایقع فی البئر المحدث اذا غسل ای فی الخانیہ اطراف اصابعہ ولم یغسل عضو اتاما اشار(۵)الحاکم رحمہ اللہ تعالٰی فی المختصر الی انہ یصیر مستعملا [1](۶)وفی وجیز الامام الکردری ادخل الجنب اوالحائض فیہ(ای فی الماء)یدہ للاغتراف اورفع ادخالہ للتبرد [2](۷)وفی الکافی انما لم یحکم محمد باستعمال الماء فی مسألۃ البئر للضرورۃ فانھم لوجاءوا بمن یطلب دلوھم لایمکنھم ان یکلفوہ بالاغتسال اولا اھ[3](۸)وفی الخلاصۃمعزیا(۹)للاصل ونحوہ فی الخانیۃ(۱۰)وعنھا فی الغنیۃ واللفظ لفقیہ النفس مختصرا ادخل یدہ للاغتراف لایفسد الماء وکذا اذا ادخل یدہ فی الجب الی المرفق لاخراج الکوز ویدہ ورجلیہ فی البئر لطلب الدلو لمکان الضرورۃ ولو للتبرد یصیر مستعملا لانعدام الضرورۃ [4]اھ(۱۱)وفی(۱۲)الحلیۃ قال القدوری کان شیخنا ابو عبداللہ یقول الصحیح عندی من مذھب اصحابنا ان ازالۃ الحدث توجب استعمال الماء ولا معنی لھذا الخلاف اذلا

اور ہم اس کو "الطرس المعدل" میں بیان کرچکے ہیں توان کا طلب پر اکتفاء اس سبب سے نہیں جو ذکر کیا اور خانیہ کی فصل مایقع فی البئر میں ہے، بے وضو نے اگر اپنی انگلیوں کے کناروں کو دھویا اور پورا عضو نہ دھویا، حاکم نے مختصر میں کہا کہ اس طرح پانی مستعمل ہوجائے گا،
اور وجیز امام کُردری میں ہے، جُنب یا حائض نے اس میں (پانی میں) چلّو بھرنے کیلئے اپنا ہاتھ ڈالا یا اس میں سے لوٹا نکالنے کیلئے، تو پانی ضرورت کی وجہ سے خراب نہیں ہوگا، ہاں اگر ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ڈالا تو فاسد ہوجائے گا،
اور کافی میں ہے کہ امام محمد نے کنویں کے مسئلہ میں پانی کے مستعمل ہونے کا حکم اس لئے نہیں لگایا کہ وہاں ضرورت ہے، کیونکہ اگر ڈول نکالنے والا مل جائے تو لوگوں کیلئے ممکن نہیں کہ پہلے اس کو غسل کا پابند کریں اھ،
اور خلاصہ میں یہ چیز اصل کی طرف منسوب ہے اور اسی قسم کی عبارت خانیہ میں ہے اور خانیہ سے غنیہ میں منقول ہے اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں مختصراً کسی شخص نے پانی میں اپنا ہاتھ چلّو بھرنے کیلئے ڈالا تو وہ پانی کو فاسد نہ کرے گا اور اسی طرح لوٹا نکالنے کیلئے اپنا ہاتھ گڑھے میں کہنیوں تک ڈالا، اور اسی طرح ہاتھ پیر اگر کنویں میں ڈول کی تلاش میں ڈالے تو ضرورت کی وجہ سے پانی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی مایقع فی البئر ۶/۱

[2] بزازیۃ مع العالمگیری المستعمل والمفید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۱۹/۴

[3] الکافی

[4] غنیۃ المستملی باب الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۲

(۱) نص فیه وانما لم یأخذ الماء حکم الاستعمال فی مسألة طلب الدلو لمکان الضرورة اذ الحاجة الی الانغماس فی البئر لطلب الدلو مما یکثرولو احتیج الی نزح کل الماء کل مرة لحرجوا حرجا عظیما فصارکا لمحدث اذا غرف الماء بکفه لایصیر مستعملا بلا خلاف وان وجد اسقاط الفرض لمکان الضرورة [1] اھ(۱) وفی البرھان شرح مواھب الرحمٰن(۱۵) ثم غنیة ذوی الاحکام للشرنبلالی معناه وفی شرح الوھبانیة للعلامة ابن الشحنة اعتبار الضرورة فی مثل ذلک(۱۶) مذکور فی الصغری وغیرھا اھ(۱۷) وفی النھایة(۱۸) ثم الھندیة لو انغمس (۲) للاغتسال للصلاة یفسد الماء بالاتفاق [2] اھ ونحوه(۱۹) فی العنایة وغیرھا وفی فوائد الامام ظھیر الدین ابی بکر محمد بن احمد بن عمر علی شرح الجامع الصغیر للامام الصدر الشھید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز رحمھما الله تعالٰی لو ادخل رجله فی البئر ولم ینوبه الاستعمال ذکر شیخ الاسلام المعروف بخواھرزاده رحمه الله تعالٰی ان الماء یصیر مستعملا عند محمد رضی الله تعالٰی عنه وذکر شمس الائمة الحلوانی رحمه

فاسد نہ ہوگا اور ٹھنڈک کے حصول کی خاطر ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ ضرورت نہیں ہے۔
اور حلیہ میں ہے کہ قدوری نے کہا ہمارے شیخ ابو عبداللہ فرماتے تھے میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ازالہ حَدَث پانی کے استعمال کا موجب ہے اور اس اختلاف کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ اس میں نص موجود نہیں، اور ڈول کی تلاش کے مسئلہ میں پانی کا مستعمل نہ ہونا ضرورت ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ کنویں میں ڈول کی تلاش میں غوطہ خوری عام ہے، اور اگر ہر مرتبہ کنویں کا پورا پانی نکالنا پڑ جائے تو لوگ سخت تنگی میں مبتلا ہوجائیں گے، تو یہ بے وضو کی طرح ہے کہ وہ چلّو سے پانی لے تو بالاتفاق پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ اس میں اسقاط فرض بھی پایا جارہا ہے، کیونکہ ضرورت ہے، اور برہان شرح مواہب الرحمٰن، نیز غنیہ ذوی الاحکام شرنبلالی میں اس کا ہم معنی ہے، اور علّامہ ابن الشحنہ کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ اس قسم کے مسائل میں ضرورت کا اعتبار صغریٰ وغیرہ میں مذکور ہے اھ اور نہایہ وہندیہ میں ہے کہ نماز کیلئے غسل کرنے کو غوطہ لگایا تو پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائے گا اھ اور عنایہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے اور امام ظہیر الدین ابو بکر محمد بن احمد بن عمر کے جو فوائد شرح جامع صغیر امام صدر شہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

[1] بحر الرائق کتاب الطھارت مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] ہندیۃ الماء الذی لایجوز بہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

الله تعالٰی انه لایصیر مستعملا لان الرجل فی البئر بمنزلة الید فی الأنیة فعلی هذا التعلیل اذا ادخل الرجل فی الاناء یصیر مستعملا لعدم الضرورة[1] اھ۔ یکن موضع ضرورة وما قاله الحُلوانی علی موضع الضرورة[2] اھ

قلت: وحاصل قول الامام الحُلوانی ان الید ربما لاتبلغ قعر البئر فمست الحاجة الی الرجل هذا هو الذی یعطیه نص قوله لااحتمال فیه لغیره واسشناء موضع الضرورة معلوم من اقوالهم بالضرورة۱ فقول العلامة ابن الشحنة فی زهر الروض بعد نقله یمکن دفع التعارض بحمل ماقاله خواهر زاده علی ماذا لم تردد فی موضع الجزم وشک فی محل الیقین وفی متن الملتقی لو انغمس جنب فی البئر بلانیة فقیل الماء والرجل نجسان عندالامام والاصح ان الرجل طاهر والماء مستعمل عنده[3] اھ

وفی شرحه مجمع الانهر لو قال انغمس محدث لکان اولی وانما قال بلانیة

میں ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں میں بلانیت استعمال اپنا پیر ڈالا تو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شیخ الاسلام المعروف خواہر زادہ نے فرمایا کہ پانی امام محمد کے نزدیک مستعمل ہوجائے گا، اور شمس الائمہ الحُلوانی نے ذکر کیا کہ پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ کنویں میں پیر کا ڈالنا ایسا ہے جیسا ہاتھ برتن میں، اسی استدلال کی بنیاد پر اگر کوئی شخص برتن میں پیر داخل کرے تو پانی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے مستعمل ہوجائے گا اھ۔

میں کہتا ہوں اور امام حُلوانی کے قول کا ماحصل یہ ہے کہ ہاتھ کبھی کنویں کی تہ تک نہیں پہنچ پاتا ہے تو پَیر کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مفہوم ان کی اس تصریح سے حاصل ہوتا ہے کہ اس میں اس کے غیر کا احتمال نہیں ہے اور مقام ضرورت کا استثناء اُن کے اقوال سے بداہۃً معلوم ہوتا ہے تو علامہ ابن الشحنہ کا قول زہر الروض میں نقل کے بعد اس کا تعارض اس طرح رفع ہوسکتا ہے کہ خواہر زادہ نے جو فرمایا ہے اس کو ضرورت کے نہ ہونے پر محمول کیا جائے اور حُلوانی کے قول کو ضرورت پر محمول کیا جائے اھ۔ تردد ہے مقام یقین میں اور شک ہے مقام یقین میں۔ اور متن ملتقی میں ہے کہ اگر کسی جُنب نے بلانیت کنویں میں غوطہ لگایا تو کہا گیا کہ آدمی اور پانی دونوں نجس ہیں امام کے نزدیک۔ اور اصح یہ ہے کہ ان کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ ت

اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے کہ اگر انغمس محدث

---

[1] کفایۃ مع الفتح الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۰

[2] زہر الروض

[3] ملتقی الابحر فصل فی المیاہ العامرہ مصر ۱/۳۱

لانه لو انغمس للاغتسال فسد الماء عند الکل [1] اھ وفی النهر الفائق فی تعلیل قول محمد فی مسألة جحط اما طهارة الرجل فلان محمدالایشترط الصب واما الماء فللضرورة [2] اھ نقله السید الازهری علی الکنز وفی الدر اسقاط فرض هو الاصل بان یدخل یده او رجله فی الجب لغیر اغتراف ونحوه فانه یصیر مستعملا لسقوط الفرض اتفاقا [3] اھ ولو استرسلنا فی سرد الفروع لاعیانا ولکن نرد البحر ونکثر الاغتراف منه لان الکلام سیدور معه فنقول فی البحر من الماء المستعمل ذکر ابو بکر الرازی انه یصیر مستعملا عند محمد باقامة القربة لاغیر استدلالا بمسألة الجنب اذا انغمس فی البئر لطلب الدلو قال شمس الائمة السرخسی جوابه انما لم یصر مستعملا للضرورة واقره علیه العلامة ابن الهمام والامام الزیلعی [4] اھ وفیه واعلم ان هذا وامثاله کقولهم فیمن ادخل یدیه الی المرفقین واحدی رجلیه فی اجانة یصیر الماء مستعملا یفید ان الماء یصیر مستعملا بواحد من ثلثة ازالة حدث اقامة قربة اسقاط فرض فکان الاولی ذکر هذا السبب	کہا ہوتا تو بہتر تھا۔ اور اس لئے "بلانیت" کہا کیونکہ اگر غسل کیلئے غوطہ لگایا تو سب ہی کے نزدیک پانی مستعمل ہو جائیگا اھ اور نہر الفائق میں مسئلہ بئر جحط میں امام محمد کے قول کی وجہ بتاتے ہوئے فرمایا آدمی کا پاک ہونا اس وجہ سے ہے کہ محمد بہانے کو شرط قرار نہیں دیتے اور پانی کا پاک ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے اھ اس کو سید ازہری نے کنز میں نقل کیا ہے، اور دُر میں ہے کہ اسقاط فرض ہی اصل ہے، مثلاً یہ کہ گڑھے میں ہاتھ یا پیر چلّو بھرنے وغیرہ کی نیت کے علاوہ کسی اور ارادہ سے ڈالے تو وہ مستعمل ہو جائے گا، کیونکہ اس طرح فرض بالاتفاق ساقط ہو جاتا ہے اھ اور اگر ہم فروع گنانا شروع کردیں تو مشکل ہوگا، لیکن ہم سمندر پر آکر اُس سے بکثرت چلّو بھرتے ہیں، کیونکہ گفتگو انہی کے ساتھ رہے گی، تو ہم کہتے ہیں، بحر میں ہے کہ ابو بکر رازی کہتے ہیں کہ صرف قربت کی ادائیگی سے پانی مستعمل ہوگا، عند محمد۔ وہ اس کو جنب کے مسئلہ پر قیاس کرتے ہیں جو کُنویں میں ڈول نکالنے کی خاطر غوطہ لگائے۔ اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ مستعمل ضرورت کی وجہ سے نہ ہوا، اور اس کو علّامہ ابن ہمام اور زیلعی نے برقرار رکھا اھ اس میں ہے جاننا چاہئے کہ یہ اور اس کے امثال جیسے ان کا قول، اس شخص کی بابت جو اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک

[1] مجمع الانہر فصل فی المیاہ العامرہ مصر ۱/۳۱

[2] فتح المعین بئر جحط سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[4] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۰

الثالث [1] اھ(۱) **وفیه** ذکر شمس الائمة السرخسی فی المبسوط (ای شرحه) ان فی الاصل (ای فی مبسوط الامام محمد رحمه الله تعالٰی) اذا اغتسل الطاھر فی البئر افسده [2] اھ ای اذا نوی القربة کما لایخفی **وفیه** مسألة البئر جحط وصورتھا جنب انغمس فی البئر للدلو او للتبرد ولا نجاسة علی بدنه فعند محمد الرجل طاھر والماء طھور وجه قول محمد علی ماھو الصحیح عنه ان الماء لایصیر مستعملا وان ازیل به حدث للضرورة [3] اھ

وفیه قال الخبازی فی حاشیة الھدایة قال القدوری رحمه الله تعالٰی کان شیخنا ابو عبدالله الجرجانی یقول الصحیح عندی من مذھب اصحابنا (الی اٰخر ماقدمنا عن الحلیة غیر انه قال لو احتاجوا الی الغسل عند نزح ماء البئر کل مرة لحرجوا الخ وزاد فی اٰخرہ) بخلاف ما اذا ادخل غیر الید فیه صار الماء مستعملا [4] اھ **وفیه** عن ابی حنیفة ان الرجل طاھر لان الماء لایعطی له حکم الاستعمال قبل الانفصال من العضو قال الزیلعی والھندی وغیرھما تبعا للھدایة وھذہ الروایة اوفق الروایات وفی فتح القدیر

یا ایک پیر کسی مرتبان میں ڈالے تو پانی مستعمل ہوجائیگا، سے معلوم ہوتا کہ پانی کا مستعمل ہونا تین اشیاء میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگا، حَدَث کا زائل کرنا، قربت کا ادا کرنا، فرض کا ساقط کرنا، تو بہتر یہ تھا کہ اِس تیسرے سبب کو ذکر کرتے۔ اور اسی میں ہے کہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں (یعنی اس کی شرح میں) ذکر کیا کہ اصل میں (یعنی امام محمد کی مبسوط) میں ہے کہ اگر پاک شخص نے کنویں میں غسل کیا تو پانی مستعمل ہوجائیگا اھ یعنی اگر قربت کی نیت کی کما لایخفی۔ اور اسی میں ہے کہ کنویں کا مسئلہ جحط ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جُنب نے کنویں میں غوطہ لگایا ڈول نکالنے کیلئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے، اور اس کے بدن پر نجاست نہ ہو تو محمد کے نزدیک آدمی پاک ہے اور پانی پاک کرنے والا ہے، اور محمد کے قول کی وجہ صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے خواہ اُس سے حدث ہی کیوں زائل نہ کیا جائے ضرورت کی وجہ سے۔

اُسی میں ہے خبازی نے کہا حاشیہ ہدایہ میں کہ قدوری نے کہا کہ ہمارے شیخ ابو عبداللہ الجرجانی فرماتے ہیں میرے نزدیک ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب (آخر تک جو ہم نے حلیہ سے نقل کیا، البتہ انہوں نے فرمایا کہ اگر وہ غسل کے محتاج ہوں ہر مرتبہ کنویں سے پانی

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۲
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[3] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[4] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷

وشرح المجمع انھا الروایۃ المصححۃ[1] اھ (۱)فعلم بما قررناہ عـہ ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور[2] اھ وفیہ وان انغمس للاغتسال صار مستعملا اتفاقا وحکم الحدث حکم الجنابۃ ذکرہ فی البدائع[3] اھ وفیہ(۲)وکذا الحائض والنفساء بعد الانقطاع اما قبل الانقطاع فھما کالطاھر اذا انغمس للتبرد لایصیر الماء مستعملا کذا فی فتاوٰی قاضی خان والخلاصۃ[4] اھ وفیہ(۳)قال القاضی الاسبیجابی فی شرح مختصر الطحاوی جنب اغتسل فی بئر ثم فی بئر الی

نکالتے وقت تو لوگ حرج میں پڑ جائیں گے الخ اور اس کے آخر میں اضافہ کیا) بخلاف اس صورت کے کہ جب ہاتھ کے علاوہ اور کوئی عضو پانی میں ڈالا تو پانی مستعمل ہو جائے گا اھ اور اس میں ابو حنیفہ سے منقول ہے کہ آدمی پاک ہے کیونکہ پانی کو مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا تاوقتیکہ وہ عضو سے جدا نہ ہو، زیلعی وہندی وغیرہما نے ہدایہ کی متابعت میں فرمایا اور یہ روایت تمام روایات میں مطابقت پیدا کرنے والی ہے اور فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے اھ تو ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں مذہب مختار یہ ہے کہ

عـہ قال الشامی قال الرملی اقول سیاتی قریبا انہ طاھر طھور علی الصحیح اھ اقول وھذا تصریح بتصحیح روایۃ ط من جحط فما فی المنحۃ عن شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبدالغنی قدس سرہ ان مسألۃ جحط الاقوال الثلثۃ فیھا ضعیفۃ فکانہ لاختیار الروایۃ الرابعۃ المختارۃ فی البحر لاان لاشیئ من الثلث مصححا اھ منہ۔

شامی نے کہا رملی نے کہا میں کہتا ہوں عنقریب آئیگا کہ یہ صحیح روایت پر طاہر وطہور ہے میں کہتا ہوں یہ مسئلہ بئر جحط سے طحطاوی کی تصحیح شدہ روایت کی تصریح ہے تو جو منحہ میں سید عبدالغنی کی شرح ہدیۃ ابن عماد سے ہے کہ مسئلہ بئر جحط کے تینوں قول ضعیف ہیں تو اس وجہ سے کہ وہ بحر الرائق کی اختیار کردہ چوتھی روایت کو اختیار کرتے ہیں یہ نہیں کہ تین میں سے کسی کی تصحیح نہیں کی گئی۔ت

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸
[3] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸
[4] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

عشرة قال محمد يخرج من الثالثة عـه۱ طاهرا ثم ان كان على بدنه عين نجاسة تنجست المياه كلها(يريد الثلثة)وان لم تكن صارت المياه (الثلثة)كلها مستعملة ثم بعد الثالثة ان وجدت منه النية يصير مستعملا وان عـه۲ لم توجد لا[1]اھ ومثله عنه فی خزانة المفتين مع التصريح بتصحيح قول محمد المذكور ورأيت ايضا فيه التصريح بارادة الثلثة كما زدته(۱)توضيحا وزاد وكذلک فی الوضوء اھ ثم رأيت فی المنحة عن السراج الوهاج ايضا التصريح باستعمال ثلث دون مابعدها الا بالنية وهو ظاهر وفيه من ابحاث الماء المقيد صرحوا بان الجنب اذا نزل فی البئر بقصد الاغتسال يفسد الماء عند الكل صرح به الاكمل وصاحب معراج الدراية وغيرهما[2]اھ وفيه

آدمی پاک ہے اور پانی پاک تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ اور اسی میں ہے اگر کسی نے غسل کیلئے غوطہ لگایا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہوجائے گا اور حدث کا حکم جنابت والا ہی ہے، اس کو بدائع میں ذکر کیا اھ اور اسی میں ہے کہ یہی حکم حائض اور نفاس والی عورت کا ہے جس کا خون منقطع ہوچکا ہو، اور انقطاعِ خون سے قبل تو وہ دونوں اُس پاک شخص کی طرح ہیں جس نے ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا تو پانی مستعمل نہ ہوگا، فتاوٰی قاضی خان اور خلاصہ میں یہی ہے اھ۔ اور اسی میں ہے کہ قاضی اسبیجابی نے شرح مختصر طحاوی میں فرمایا کہ ایک جنب شخص نے ایک کنویں میں غسل کیا اور پھر دوسرے کنویں میں یہاں تک کہ دس کنوؤں میں غسل کیا، تو محمد نے فرمایا تیسرے سے پاک نکلے گا، پھر اگر اس کے بدن پر نجاست ہو تو تمام پانی نجس ہوجائیں گے (یعنی تینوں) اور اگر نجاست نہ ہو تو تینوں مستعمل ہوجائیں گے۔۔۔۔۔۔

عـه۱: اقول بل من الاولى لان التثليث ليس الاسنة فكانه اراد الطهارة المسنونة ثم لا يخفى التقييد بالمضمضة والاستنشاق اھ منه۔

عـه۲: اقول ان لم يحدث بعد الثالثة كما لايخفى اھ منه

میں کہتا ہوں بلاکہ پہلے سے کیونکہ تثلیث تو سنت ہے گویا انہوں نے مسنون طہارت کا ارادہ کیا ہے پھر مضمضہ اور استنشاق کی قید لگانا مخفی نہیں اھ۔ت

میں کہتا ہوں اگر تیسرے کے بعد حدث لاحق نہ ہوا ہو جیسا کہ مخفی نہیں۔ت

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۹

[2] بحر الرائق الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

وکذا صرحوا ان الماء یفسد اذا ادخل الکف فیه وممن صرح به صاحب المبتغی بالغین المعجمة ا[1]اھ وفیه قال الاسبیجابی والولوالجی فی فتاواہ جنب اغتسل فی بئر ثم بئر الی اٰخر ماتقدم [2]اھ وفیه قال الامام القاضی ابو زید الدبوسی فی الاسرار ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما [3]اھ فھٰذہ العبارۃ کشف اللبس واوضحت کل تخمین [4]وحدس اھ ولنقتصر علی ھذا القدر خاتمین بما اعترف البحر انه کشف اللبس وازاح الحدس وھی کما تری نصوص صرائح تفید ان ملاقاۃ الماء القلیل لعضو علیه حدث یجعله مستعملا سواء وردالماء علی العضو اوالعضو علی الماء علی سبیل النجاسة الحقیقیة فالماء نجس سواء وردت ھی علی الماء اوالماء علیھا وبالجملة کانت الفروع*تأتی علی ھذا السنن المطبوع* والاقوال*تنسج علی ھذا المنوال*الی ان جاء الدور بتلامذۃ الامام المحقق علی الاطلاق* و دارت مسألة التوضی فی الفساقی

۔۔۔۔۔۔پھر اگر تیسرے کنویں کے بعد اس نے نیت کی تو پانی مستعمل ہوجائے گا اگر نیت نہ کی تو مستعمل نہ ہوگا اور اسی کی مثل اُن سے منقول ہے اور خزانۃ المفتین میں محمد کا مذکور قول صحیح قرار دیا گیا ہے اور اس میں میں نے تین کے ارادہ کی تصریح دیکھی ہے، جس طرح میں نے اس کی وضاحت بخوبی کردی ہے، اور اسی طرح انہوں نے وضو میں اضافہ کیا ہے اور پھر میں نے منحہ میں سراج وہاج سے اس امر کی تصریح دیکھی کہ صرف تین مستعمل ہوں گے نہ کہ ان کے بعد والے، اور یہ ظاہر ہے اور اس میں ماء مقید کی ابحاث سے ہے، اور انہوں نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ جنب جب کنویں میں اُترے اور غسل کا ارادہ کرے تو سب کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا، اس کی تصریح اکمل، صاحبِ معراج الدرایہ اور دوسرے علماء نے کی ہے اھ۔ اور اسی میں ہے، اسی طرح فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب کوئی شخص پانی میں ہتھیلی ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گا، اور اس کی تصریح صاحبِ مبتغی نے کی ہے (غین معجمہ سے) اھ، اور اسی میں ہے کہ اسبیجابی اور ولوالجی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ ایک جنب ایک کنویں میں غسل کیلئے اترا پھر دوسرے میں اُترا

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۶

[2] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[3] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱،۹۹

[4] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

الصغار بین الحذاق ۔ فافتی العلامة زین الدین قاسم بن قطلو بغا بالجواز والف رسالة سماھا رفع الاشتباہ عن مسألة المیاہ [1] وخالفه تلمیذہ العلامة عبدالبربن الشحنة وصنف رسالة سماھا زھر الروض فی مسألة الحوض [2]

والامام ابن امیرالحاج فی الحلیة ایضامیل الی شیئ مما اعتمدہ العلامة قاسم وھم جمیعا من جلة اصحاب الامام ابن الھمام علیھم رحمة الملک المنعام ثم جاء المحقق زین بن نجیم صاحب البحر رحمه اللہ تعالٰی فانتصر الزین للزین ونمق رسالة سماھا الخیر الباقی فی جواز الوضوء من الفساق ثم تتابع المتاخرون علی اتباعه کالنھر والمنح والدر وذکر فی الخزائن ان له رسالة فیه والعلامة الباقانی والشیخ اسمٰعیل النابلسی وولدہ العارف باللہ سیدی عبدالغنی ومحشی الاشباہ شرف الدین الغزی فیما ذکرہ المدقق العلائی بلاغا وکذا بعض مشائخ الشامی والسادات الثلثة ابو السعود الازھری وط وش میلا مع تردد والیه یمیل کلام العلامة نوح افندی ووافق

الٰی آخر ماتقدم۔اور اسی میں ہے کہ امام قاضی ابو زید الدبُوسی نے اسرار میں فرمایا کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص نے تھوڑے پانی میں غسل کیا تو کل پانی حکماً مستعمل ہوجائے گا اھ اس عبارت نے کل معاملہ وضاحت سے کھول کر رکھ دیا ہے اھ ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور اختتام پر بحر کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے ابہام کو رفع کردیا ہے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ صریح نصوص ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے سے پانی کا عضو سے ملنا جس پر حدث ہے پانی کو مستعمل بنادیتا ہے خواہ پانی عضو پر وارد ہو یا عضو پانی پر وارد ہو، اور اگر یہ پانی نجس عضو پر آئے، خواہ پانی عضو پر یا عضو پانی پر تو پانی نجس ہوجائے گا۔ خلاصہ کلام یہ کہ مسئلہ کی فروع کو اِس انداز سے بیان کیا گیا ہے، اور اس قسم کے اقوال علماء وفقہاء کے ذکر کئے گئے ہیں، پھر جب محقق علی الاطلاق کے شاگردوں کا دور آیا اور چھوٹے حوضوں میں وضو کا مسئلہ ماہرین کے درمیان زیر بحث آیا تو علّامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا نے جواز کا فتوٰی دیا اور ایک رسالہ لکھا جس کا نام "رفع الاشتباہ عن مسئلة المیاہ" ہے اس پر ان کے شاگرد علّامہ عبدالبر بن الشحنہ نے ان کی مخالفت کی، اور ایک رسالہ "زھر الروض فی مسئلة الحوض" لکھا۔ امام ابن الحاج نے حلیہ میں علّامہ قاسم کی طرف کچھ میلان کیا ہے، یہ تمام کے تمام

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

العلامة ابن الشحنة منهم العلامة ابن الشلبی وبه افتی والمحقق علی المقدسی والعلامة حسن الشرنبلالی۔

ابن ہُمام کے جلیل القدر تلامذہ ہیں، پھر ابنِ نُجیم صاحب بحر آئے اور انہوں نے زین کی مدد کی اور ایک رسالہ لکھا جس کا نام "**الخیر الباقی فی جواز الوضوء من الفساقی**" ہے پھر متاخرین نے پے درپے اس مسئلہ پر کلام کیا اور ان کی پیروی کی مثلاً نہر، منح، درر اور خزائن میں ہے کہ انہوں نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، اور علّامہ باقانی، شیخ اسماعیل نابلسی اور ان کے صاحبزادہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی اور اشباہ کے محشّی شرف الدین الغزی بقول مدقق علائی بطور بلاغ، اور اسی طرح بعض مشائخ شامی اور سادات ثلثہ ابوالسعود الازہری 'ط' اور 'ش' کا اس طرف میلان ہے، کچھ تردّد بھی کیا ہے اور اسی طرف علامہ نوح آفندی کا کلام ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے موافقت کی اور علّامہ ابن شلبی نے بھی موافقت کی اور اسی پر فتوٰی دیا اور محقق علی المقدسی اور علّامہ حسن شرنبلالی نے بھی یہی فرمایا۔(ت)

قلت: والیه یرشد کلام المحقق فی الفتح وقد علمت انها الجادة المسلوکة الی زمن العلامة قاسم والمروی عن جمیع اصحابنا وعن ائمتنا الثلثة عینا ولم یخالفها احد ممن تقدمه غیر الامام صاحب البدائع فی جدل وتعلیل اما عند ذکر الاحکام فهو مع الجمهور وکذلک قدمنا عن عدة من هٰؤلاء المتأخرین خلاف ما مالوا الیه اماما نسب الی العلامة قارئ الهدایة فلا یتم کما ستعرف ان شاء الله تعالٰی وبالجملة فالمسألة ذات معترک عظیم والرسائل الثلث جمیعا بحمدالله تعالٰی عندی وهٰانا الخصها لک مع مالها وعلیها اجمالا مفصلا وبالله التوفیق فلنوزع الکلام علی اربعة فصول

میں کہتا ہوں محقق کا کلام فتح میں اسی طرف رہنمائی کرتا ہے اور آپ جان چکے ہیں کہ علّامہ ابن قاسم کے زمانہ تک یہی روش رہی، اور یہی ہمارے تمام اصحاب اور ائمہ ثلثہ سے منقول ہے، اور متقدمین میں سے سوائے صاحبِ بدائع کے کسی اور نے مخالفت نہ کی، جدل اور تعلیل میں، اور احکام کے ذکر کے وقت وہ جمہور کے ساتھ ہیں، اور اسی طرح ہم بہت سے متاخرین سے ان کے خلاف نقل کرچکے ہیں، اور جو علامہ قارئ الہدایہ کی طرف منسوب ہے وہ ثابت نہیں، جیسا کہ آپ عنقریب جان لیں گے ان شاء اللہ تعالٰی، اور خلاصہ یہ ہے کہ مسئلہ بہت معرکہ کا ہے اور تینوں رسائل بحمد اللہ میرے پاس ہیں جن کا خلاصہ میں آپ کے سامنے مالہا وماعلیہا کے ساتھ پیش کرتا ہوں یہ کلام چار فصول پر مشتمل ہے۔

الفصل الاول فی کلام العلامة قاسم

رسالته رحمة الله تعالٰی نحو کراسة اطال فیھا الکلام فی حدالماء الکثیر وحقق(۱)ان جمیع جوانبه سواء فی جواز الطھارة سواء کانت النجاسة مرئیة اولا واکثر من الرد علی شرح المختار والتحفة والبدائع حتی تجاوز الی المؤاخذات اللفظیة ولسنا الاٰن بصدد ذلک وانما یتعلق منھا بغرضنا نحو ورقة فی اٰخرھا ذکر فیھا الماء المستعمل وانه لایغیر الماء مالم یغلب علیه واختار التسویة فی ذلک بین الملقی والملاقی ای کما ان الماء المستعمل لوالقی فی حوض اوجرة وکان ماء الجرة اکثر منه جازالطھارة به علی ماھو الصحیح المعتمد وعلیه عامة العلماء کذلک ان ادخل المحدث اوالجنب یدہ مثلا فی جرة لم یتغیر ماؤھا لان المستعمل منه مالاقی بدنه وھو اقل بالنسبة الی الباقی واحتج علی ذلک بثلثة اشیاء **الاول** کلام البدائع حیث قال فی الکلام علی حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم(ای حین استدل به للامام علی نجاسة الماء المستعمل)لایقال انه نھی(ای عن الاغتسال فیه لالان المستعمل نجس بل)لما فیه من(۲)اخراج الماء من ان یکون مطھرا من غیر ضرورة وذلک حرام لانانقول الماء القلیل انما یخرج عن کونه مطھرا باختلاط غیر المطھر به اذاکان غیر المطھر غالبا کماء الورد واللبن ونحو

پہلی فصل، علامہ قاسم کا کلام:

علامہ قاسم کا رسالہ تقریباً ایک کاپی ہے جس میں "ماءِ کثیر" کی تعریف پر انہوں نے مفصل گفتگو کی ہے، اور تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ اس کے تمام کنارے برابر ہیں طہارت کے جواز میں، خواہ نجاست نظر آنے والی ہو یا نہ ہو، اور شرح مختار، تحفہ، بدائع وغیرہ پر کافی رد کیا یہاں تک کہ لفظی گرفت سے بھی نہ چُوکے۔ ہم اس وقت یہ چیزیں بیان کرنا نہیں چاہتے، ہماری غرض اس رسالہ کے آخری ورق سے متعلق ہے جس میں انہوں نے ماءِ مستعمل کے مسائل بیان کیے ہیں اور یہ کہ وہ پانی کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتا ہے جب تک وہ اس پر غالب نہ آجائے، اور انہوں نے اس سلسلہ میں ملقیٰ اور ملاقی کو برابر قرار دیا ہے یعنی جس طرح مستعمل پانی اگر کسی حوض یا ٹھلیا میں ڈالا جائے اور ٹھلیا کا پانی مستعمل پانی سے زیادہ ہو تو اس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ صحیح، معتمد قول یہی ہے اور عام علماء کا یہی قول ہے اور اسی طرح اگر محدِث یا ناپاک نے اپنا ہاتھ کسی ٹھلیا میں ڈالا تو پانی متغیر نہ ہوگا کیونکہ اس میں سے مستعمل وہ ہے جو اس کے بدن سے ملا اور بہ نسبت باقی کے کمتر ہے، اس پر تین چیزوں سے استدلال کیا ہے:

اوّل صاحبِ بدائع نے "لایبولن احدکم فی الماء الدائم" (ٹھہرے پانی میں کوئی پیشاب نہ کرے) پر کلام کرتے ہوئے فرمایا (یعنی جب امام نے اس سے مستعمل پانی کی نجاست پر استدلال کیا) یہ نہ کہا جائے کہ یہ نہی ہے (یعنی اس میں غسل کرنے سے اس لئے نہیں کہ مستعمل نجس ہے بلالکہ) کیونکہ اس میں پانی کو بلاضرورت مُطہّر

ذلک فاما ان یکون مغلوبا فلا وھھنا الماء المستعمل مایلاقی البدن ولا شک ان ذلک اقل من غیر المستعمل فکیف یخرج بہ من ان یکون مطھرا[1] انتھی۔

قلت: وتمامہ فاما ملاقاۃ النجس الطاھر فتوجب تنجیس الطاھر وان لم یغلب علی الطاھر لاختلاطہ بالطاھر علی وجہ لایمکن التمییز بینھما فیحکم بنجاسۃ الکل[2] اھ۔قال وقال فی موضع اٰخر(ای بعدہ، بورقات)فیمن وقع فی البئر فان کان علی بدنہ نجاسۃ حکمیۃ بان کان محدثا اوجنبا اوحائضا اونفساء(ای وقد انقطعا من جعلھا مستعملا وجعل المستعمل طاھرا(یرید محمدا رحمہ اللہ تعالٰی)لان غیرالمستعمل اکثر فلا یخرج عن کونہ طھورا مالم یکن المستعمل غالبا علیہ عنھما)فعلی قول من لا یجعل ھذا الماء مستعملا(**قلت** یرید الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالٰی لاشتراطہ الصبّ)لاینزح شیئ لانہ طھور وکذا علی قول کما لوصب اللبن فی البئر بالاجماع اوبالت شاۃ فیھا عند محمد[3] رحمہ اللہ تعالٰی انتھی۔

ہونے سے خارج کرنا ہے اور یہ حرام ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ ماءِ قلیل مطہرّ ہونے سے اس لئے خارج ہوجاتا ہے کہ وہ غیر مطہر پانی سے ملتا ہے مگر یہ اس وقت ہوگا جب غیر مطہر غالب ہو، مثلاً گلاب کا پانی اور دودھ وغیرہ، اور اگر مطلوب ہو تو نہ ہوگا اور یہاں مستعمل پانی وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ غیر مستعمل سے کم ہے تو اس کی وجہ سے مطہر ہونے سے کیسے خارج ہوگا انتہٰی۔

میں کہتا ہوں مکمل اس طرح ہے، اور نجس کا طاہر کو ملاقی ہونا طاہر کو نجس کردیتا ہے اگرچہ طاہر پر غالب نہ ہو کیونکہ وہ طاہر سے اس طور پر مل گیا ہے کہ دونوں میں امتیاز ممکن نہیں رہا ہے تو کل کی نجاست کا حکم کیا جائے گا اھ۔ کہا، اور دوسرے مقام پر فرمایا (یعنی اس کے کچھ ورق بعد) اس شخص کی بابت جو کنویں میں گر پڑا تو اگر اس کے بدن پر نجاست حکمیہ ہو مثلاً یہ کہ وہ بے وضو یا جنب یا حیض ونفاس والی عورت ہو (یعنی ان دونوں عورتوں کی ناپاکی ختم ہوچکی ہو) تو اُس کے قول پر جو پانی کو مستعمل قرار نہیں دیتا ہے (میں کہتا ہوں اس سے ان کی مراد امام ابو یوسف ہیں جن کے نزدیک بہانا شرط ہے) کنویں سے کچھ بھی نہیں نکالا جائے گا کیونکہ وہ پاک کرنے والا ہے، اور اسی طرح اُن کے قول پر جو پانی کو مستعمل کہتے ہیں اور مستعمل کو پاک کہتے ہیں (امام محمد مراد ہیں) کیونکہ غیر مستعمل زائد ہے تو طہور ہونے سے اس وقت تک خارج نہ ہوگا جب تک مستعمل پانی غالب نہ ہوجائے، مثلاً دودھ کنویں میں ڈال دیا جائے،

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷

[2] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷

[3] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷

قلت: وتمامه واما علی قول من جعل هذا الماء مستعملا وجعل الماء المستعمل نجسا(یرید الامام رضی الله تعالٰی عنه علی روایة الحسن بن زیاد رحمه الله تعالٰی عنه نجاسة الماء المستعمل وان کانت روایته عنه رضی الله تعالٰی عنه فی خصوص المسألة ماسیذکره)ینزح ماء البئر کله کما لووقعت فیها قطرة من دم اوخمر وروی الحسن عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه ان کان محدثا ینزح اربعون وان کان جنبا ینزح کله وهذه الروایة مشکلة لانه لایخلو اما ان صار هذا الماء مستعملا اولا فان لم یصر مستعملا لایجب نزح شیئ لانه بقی طهورا کما کان وان صار مستعملا فالماء المستعمل عند الحسن نجس نجاسة غلیظة فینبغی ان یجب نزح جمیع الماء [1] اھ۔وانما ننقل هذه التمامات لفوائد ستعرفها بعون الله تعالٰی قال وقال فی موضع اٰخر(ای قبل هذا باوراق وبعد الاول بقلیل)لواختلط الماء المستعمل بالماء القلیل قال بعضهم لایجوز التوضی به وان قل وهذا فاسد اما عند محمد رحمه الله تعالٰی فلانه طاهر لم یغلب علی الماء المطلق فلا یغیره عن صفة

اور یہ بالاجماع ہے، یا بکری نے کنویں میں پیشاب کردیا، امام محمد کے نزدیک انتہی۔

میں کہتا ہوں اس کا مکمل یہ ہے کہ، اور ان لوگوں کے قول پر جنہوں نے اس پانی کو مستعمل قرار دیا ہے اور مستعمل پانی کو نجس قرار دیا ہے(اس سے مراد امام ابو حنیفہ ہیں بروایت حسن بن زیاد کہ مستعمل پانی نجس ہوگا اگرچہ حسن کی روایت ابو حنیفہ سے خاص اسی مسئلہ میں ہے کہ جیسا وہ ذکر کریں گے) کُنویں کا کُل پانی نکالا جائے گا، جیسے کہ کُنویں میں خُون یا شراب کا قطرہ گر جائے، اور حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کی کہ اگر بے وضو ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا اور اگر جنب ہو تو کل پانی نکالا جائے گا، اور یہ روایت مشکل ہے کہ یا تو یہ پانی مستعمل ہوگا یا نہیں تو اگر مستعمل نہیں ہے تو کچھ بھی پانی نہ نکالا جائے گا، کیونکہ وہ بدستور پاک ہے جیسا کہ تھا، اور اگر مستعمل ہوگیا تو حسن کے نزدیک مستعمل پانی نجاست غلیظہ ہے تو کنویں کا کُل پانی نکالنا چاہئے اھ یہ جو کچھ ہم نے نقل کیا ہے اُن فوائد کی خاطر ہے جن کو آپ اِن شاء اللہ پہچانیں گے، فرمایا اور کہا ایک دوسرے مقام پر (یعنی اس سے چند ورق پہلے اور پہلے سے کچھ بعد) اگر ماء مستعمل تھوڑے پانی میں مل گیا تو بعض کے نزدیک اُس سے وضو جائز نہیں خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ فاسد ہے امام محمد کے نزدیک تو اس لئے کہ یہ پاک ہے اور ماء مطلق پر غالب نہیں ہوا ہے، تو اس کو طہوریت کی صفت سے

[1] بدائع الصنائع بیان مقدار الذی یصیر به المحل نجسا سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

الطھوریة کاللبن واما عندھما رضی اللہ تعالی عنھما فلان القلیل مما لایمکن التحرز عنه یجعل عفوا ثم الکثیر عند محمد مایغلب علی الماء المطلق وعندھما ان یستبین موضع القطرة فی الاناء انتھی۔[1] قال وقد علمت ان الصحیح المفتی به روایة محمد عن ابی حنیفة رحمھما اللہ تعالٰی[2] اھ ای فلا یفسد قلیله لان غیر المستعمل اکثر

الثانی: قال وقال(ا) محمد فی کتاب الاٰثار بعد روایة حدیث عائشة رضی اللہ تعالی عنھا ولا باس ان یغتسل الرجل مع المرأة بدأت قبله او بدأ قبلھا[3] قال اذا عرفت ھذا لم تتأخر عن الحکم بصحة الوضوء من الفساقی الموضوعة فی المدارس عند عدم غلبة الظن بغلبة الماء المستعمل او وقوع نجاسة فی الصغار منھا قال فان قلت اذا تکرر الاستعمال ھل یمنع قلت الظاھر عدم اعتبار ھذا المعنی فی النجس فکیف بالطاھر قال قال فی المبتغی (**وھو الثالث**) قوم یتوضؤن صفا علی شاطیئ النھر جاز فکذا فی الحوض لان حکم ماء الحوض فی حکم ماء جار انتھی[4]۔

تبدیل نہیں کرے گا جیسے دودھ، اور شیخین کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ تھوڑے سے بچنا ممکن نہیں اس لئے معاف ہے پھر امام محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے۔ اور شیخین کے نزدیک یہ ہے کہ قطرہ کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے، انتہٰی، فرمایا تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ صحیح مفتی بہ محمد کی روایت ابو حنیفہ سے ہے اھ یعنی قلیل پانی کو فاسد نہیں کرتا ہے کیونکہ غیر مستعمل زائد ہے۔

ثانی: فرمایا، محمد نے کتاب الاٰثار میں حضرت عائشہ کی اس حدیث۔ کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے ساتھ غسل کرے خواہ مرد پہل کرے یا عورت۔ کے بعد فرمایا کہ اس سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ مدارس میں جو برتن رکھے ہوتے ہیں اُن سے غسل کرلینے میں حرج نہیں، جبکہ یہ ظن غالب نہ ہو کہ مستعمل پانی غالب ہوگیا ہے یا چھوٹے برتن میں نجاست پڑچکی ہے۔ فرمایا اگر تم یہ کہو کہ جب استعمال بار بار ہو تو کیا وضو یا غسل منع ہے؟ میں کہتا ہوں بظاہر اس وصف کا اعتبار نجس پانی میں نہ ہوگا تو طاہر میں کیسے ہوگا؟ فرمایا کہ انہوں نے مبتغٰی میں فرمایا (یہ تیسرا ہے) اگر کچھ لوگ صف باندھ کر نہر کے کنارے پر وضو کریں تو جائز ہے، حوض کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہٰی۔

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارت الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸
[2] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ
[3] کتاب الاٰثار باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۱۰
[4] الاشتباہ عن مسألۃ المیاہ

قلت: ای ان المنع انما یکون لسقوط الغسالة فیھا اولادخال المحدثین ایدیھم فیھا والکل غیر مانع علی ماتقرر عندہ ثم اتی باٰثار بعضھا فی الملاق وبعضھا فی الملقی فقال وقدروی ابن ابی شیبة عن الحسن فی الجنب یدخل یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا قال یتوضؤبہ ان شاء وعن سعید بن المسیب لاباس الجنب عـہ یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا [1] وعن عائشة بنت سعد قالت کان سعد یامرالجاریة بتناولہ الطھور من الحوض فتغمس یدھا فیھا فیقال انھا حائض فیقول انا حیضتھا وعن عامر قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم یدخلون ایدیھم فی الاناء وھم جنب والنساء حیض لایرون بذلک بأسا یعنی قبل ان یغسلوھا وعن ابن عباس فی الرجل یغتسل من الجنابة فینضح فی انائہ من غسلہ فقال لاباس بہ [2] وعن الحسن وابراھیم والزھری وابی جعفر وابن سیرین نحوہ قال فان قلت فما محمل حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن	میں کہتا ہوں، یعنی منع اس لئے ہے کہ دھوون اس میں گرتا ہے یا اس لئے کہ بے وضو لوگ اس میں اپنے ہاتھ ڈالتے ہیں اور یہ سب غیر مانع ہے جیسا کہ ان کے نزدیک مقرر ہے پھر انہوں نے اس کے بعض اثار ملاقی میں اور بعض ملقیٰ میں ذکر کیے پس فرمایا اور تحقیق ابن ابی شیبہ نے حسن سے جنب کے بارے میں روایت کی جو بے دھوئے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالے تو فرمایا اگر چاہے تو اُس کے ساتھ وضو کرے، اور سعید بن المسیب سے مروی ہے کہ جنب اگر اپنا ہاتھ دھونے سے قبل برتن میں ڈال دے تو حرج نہیں، اور عائشہ بنت سعد کہتی ہیں کہ حضرت سعد باندی کو حکم دیتے تھے کہ وہ حوض سے پانی لا کر دے، تو وہ حوض میں اپنا ہاتھ ڈبوتی تھی، تو کہا جاتا تھا کہ وہ حائضہ ہے، تو آپ فرماتے تھے: کیا میں نے اس کو حائضہ کیا ہے؟ اور عامر سے مروی ہے کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ پانی میں ڈالتے تھے جبکہ وہ جنب ہوتے تھے اور عورتیں حائض ہوتی تھیں اور یہ لوگ بلا ہاتھ دھوئے پانی میں ڈالنے میں ہرج نہیں سمجھتے تھے، اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص غسلِ جنابت کرے اور اس کے چھینٹے برتن میں گریں تو اس میں حرج نہیں، اور حسن، ابراہیم: زہری،

عـہ کذا بالاصل ولعلہ ان یدخل الجنب یدہ منہ۔(م)	اصل میں اسی طرح ہے شاید یوں ہو "ان یدخل الجنب یدہ"۔(ت)

[1] مصنفہ ابن ابی شیبہ فی الرجل یدخل یدہ فی الاناء وھوجنب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۸۲/۱

[2] مصنفہ ابن ابی شیبہ فی الرجل الجنب یغتسل وینضح من غسلہ فی اناء ایضاً ۷۲/۱

فیہ من الجنابۃ[1] قلت استدل بہ الکرخی علی عدم جواز التطہیر بالمستعمل ولا یطابق عمومہ فروعھم المذکورۃ فی الماء الکثیر فیحمل علی الکراھۃ وبذلک اخبر راوی الخبر فاخرج ابن ابی شیبۃ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال کنا نستحب ان ناخذ من ماء الغدیر ونغتسل بہ ناحیۃ[2] قال وما ذکر من الفروع مخالفا لھذا فبناء علی روایۃ النجاسۃ کقولھم لوادخل جنب اومحدث اوحائض یدہ فی الاناء قبل ان یغسلھا فالقیاس انہ یفسد الماء وفی الاستحسان لایفسد للاحتیاج الی الاغتراف حتی لوادخل رجلہ یفسد الماء لانعدام الحاجۃ ولو ادخلھا فی البئر یفسد لانہ محتاج الی ذلک فی البئر لطلب الدلو فجعل عفواً ولو ادخل فی الاناء اوالبئر بعض جسدہ سوی الید والرجل افسدہ لانہ لاحاجۃ الیہ[3] وامثال ھذہ(ثم ذکر مسائل واٰثارا لا تتعلق بما نحن فیہ الی ان قال)وعن ابی جریج قال قلت لعطاء رأیت رجلا توضأفی ذلک الحوض متکشفا فقال لاباس بہ قدفعلہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وقد علم انہ یتوضؤ منہ الابیض

ابو جعفر اور ابن سیرین نے اسی قسم کی روایت کی، فرمایا اگر کوئی کہے کہ پھر "لایبولن احدکم فی الماء الدائم الخ" حدیث کا کیا مفہوم ہوگا؟

میں کہتا ہوں کرخی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ مستعمل پانی سے طہارت کا حاصل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اس کا عموم زائد پانی میں ان کی فروع سے مطابقت نہیں رکھتا پس اسے کراہت پر محمول کیا جائے گا اور راویِ حدیث نے یہی خبر دی ہے۔ چنانچہ ابن ابی شیبہ نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی کہ ہم اس امر کو پسند کرتے تھے کہ تالاب سے پانی لے کر ایک کونے میں جا کر غسل کریں، فرمایا اور جو فروع اس کی مخالف ہیں تو وہ نجاست کی روایت پر ہیں، جیسے کسی جُنب یا محدث یا حائض نے اپنا ہاتھ برتن میں بلا دھوئے ڈالا، تو قیاس چاہتا ہے کہ پانی خراب ہوجائے اور استحسان کی رُو سے فاسد نہ ہوگا، کیونکہ چُلّو بھرنے کی حاجت ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی نے برتن میں پیر ڈال دیا تو پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ ضرورت نہیں، اور اگر پیر کُنویں میں ڈالا تو پانی خراب نہ ہوگا کیونکہ کُنویں سے ڈول پانی خراب ہوجائے گا کیونکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، نکالنے کیلئے پیر ڈالنے کی ضرورت ہوتی ہے تواس کو معاف کردیا گیا ہے اور اگر برتن یا کُنویں میں ہاتھ پیر کے علاوہ جسم کا اور کوئی حصّہ ڈالا تو اور اسی کی مثل دوسری چیزیں ہیں (پھر انھوں نے ایسے مسائل اور آثار ذکر کئے جن کا

---

[1] مصنّف ابن ابی شیبۃ من کان یکرہ ان یبول فی الماء الراکد ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۴۱

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ الرجل ینتھی الی البئر والغدیر وھو جنب ادارۃ القرآن کراچی

[3] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

والاسود وفی روایة وکان ینسکب من وضوء الناس فی جوفها قال وکأنهم رأوا حدیث المستیقظ خاصاً به او انه امر تعبدی علی أن ابن ابی شیبة قد روی عن أبی معویة عن الاعمش عن ابرهیم قال کان اصحاب عبدالله رضی الله تعالٰی عنه اذا ذکر عندهم حدیث ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قالوا کیف یصنع أبو هریرة بالمهراس الذی بالمدینة [1] اھ فهذا کل ما أتی *به فی هذا الباب فی کتابه *رحمه الله تعالٰی فی مأبه۔

اقول: وبالله التوفیق الکلام فیه من وجوه **الاوّل**(ا)من العجب استناده رحمه الله تعالٰی بعبارة المبتغی فلیس فیها أثر مما ابتغی لان کلامه عــه فی الحوض الکبیر الاتری إلی قوله إن ماء الحوض فی حکم ماء جار ومعلوم قطعاً أن ذلک انما هو فی الحوض

اس بحث سے تعلق نہیں، پھر فرمایا)اور ابن جریج سے مروی ہے اُنہوں نے کہا کہ میں نے عطا سے کہا کہ ایک شخص نے حوض میں ننگے ہو کر غسل کیا تو انہوں نے کہا اس میں حرج نہیں، خود ابن عباس نے ایسا کیا حالانکہ ان کو معلوم تھا کہ اس میں سیاہ وسپید سب ہی غسل کرتے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس حوض میں لوگوں کے وضو کا پانی گرتا تھا، فرمایا کہ غالباً انہوں نے مستیقظ کی حدیث کو اُسی کے ساتھ خاص دیکھا یا یہ کہ یہ امر تعبدی ہے، علاوہ ازیں ابن شیبہ نے ابومعویہ سے اعمش سے ابراہیم سے روایت کی کہ اصحاب عبدالله کے سامنے جب حضرت ابو ھریرہ کی حدیث کا ذکر آتا تھا تو فرماتے تھے کہ ابو ھریرہ مہراس میں کیا کرتے تھے جو مدینہ میں تھی اھ اس باب میں اس قسم کی چیزیں ذکر کی ہیں۔

میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں کہ اس میں چند وجوہ سے کلام ہے: **اول** تعجب ہے کہ انہوں نے مبتغی کی عبارت سے استدلال کیا ہے، حالانکہ وہ جو چاہتے تھے اس میں موجود نہیں، کیونکہ اس میں وہ بڑے حوض کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جیسا کہ آپ ان کے قول ان ماء الحوض فی حکم ماء جار سے معلوم کر سکتے ہیں اور یہ قطعی معلوم ہے کہ حوض وہی ہوگا جس

عــه: ثم رأیت التصریح به فی کلام شیخه المحقق علی الاطلاق حیث اورد کلام المبتغی فی مسائل الماء الکثیر ثم قال وانما اراد الحوض الکبیر بالضرورة اھ منه غفرله۔(م)

پھر میں نے اس کی تصریح ان کے شیخ محقق علی الاطلاق کے کلام میں دیکھی جہاں انہوں نے کثیر پانی کے مسائل میں مبتغی کا کلام وارد کیا پھر فرمایا بالضرورۃ اس سے مراد حوضِ کبیر ہے اھ (ت)

[1] رسالہ علامہ قاسم

الکبیر ذی الماء الکثیر اما الصغیر فکالاوانی وقد قال() العلامة نفسه فی هذه الرسالة أن ماء الاوانی یتنجس بوقوع النجاسة وإن لم یتغیر قال وما کان فی غدیر اومستنقع وهو نحو ماء الاوانی فهو ملحق بها إذلا اثر للمحل۔[1] اھ

الثانی(۲)قدمنا فی نمرة عن المبتغی التصریح بان الماء یفسد بادخال الکف[2] **الثالث**(۳)کذلک لاأثر لتأیید شیئ من مقصوده فی عبارة کتاب الاثار فلیس أن الرجل یدخل یده فی الاناء قبل الغسل اوالمرأة ثم یغتسلان منه وکیف یظن هذا برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم او ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها وانما مراد محمد رحمه الله تعالٰی نفی قول من ابطل الوضوء بفضل وضوء المرأة مطلقا اواذا کانت جنبا اوحائضا وهما قولان للحنابلة والمالکیة ولذا قال بدأت قبله اوبدأ قبلها وترجم له باب غسل الرجل والمرأة من إناء واحد من الجنابة۔[3] **الرابع**(۴)قد اوضح رضی الله تعالٰی عنه مراده الشریف فی مؤطاه المنیف إذ قال باب الرجل یغتسل اویتوضأ بسور المرأة اخبرنا مالک حدثنا نافع عن ابن عمر رضی الله

میں پانی بہت زیادہ ہو اور چھوٹا حوض تو برتنوں کی طرح ہے، خود علامہ نے اس رسالہ میں فرمایا کہ برتنوں کا پانی نجاست کے گرنے سے نجس ہوجائے گا خواہ اس میں تغیر نہ ہو، فرمایا جو پانی تالاب اور گڑھے میں ہو وہ برتنوں کے پانی کے برابر ہو تو وہ بھی برتنوں کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ محل کا کوئی اثر نہیں اھ

دوم نمبر ۳۸ میں ہم نے مبتغی کی تصریح کہ پانی ہاتھ ڈالنے سے خراب ہوگا، سوم اسی طرح کتاب الآثار سے بھی ان کی تائید نہیں ملتی ہے، اس میں یہ نہیں کہ کوئی شخص اپنا ہاتھ دھوئے بغیر برتن میں ڈالے یا عورت ڈالے پھر دونوں اس سے غسل کریں، اور اس قسم کا گمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المومنین حضرت عائشہ سے کیسے ہوسکتا ہے، امام محمد کا مقصود تو صرف ان لوگوں کے قول کی تردید ہے جو عورت کے اور اس لئے فرمایا، عورت نے مرد سے پہلے یا مرد نے عورت سے پہلے ابتدا کی ہو، اور اس کا عنوان یہ قائم کیا "باب عورت اور مرد کے ایک بچے ہوئے پانی سے مطلق مرد کیلئے وضو کرنے کو باطل قرار دیتے ہیں یا جب عورت جنب یا حائض ہو، اور یہی دو قول حنابلہ ومالکیہ کے ہیں، برتن سے غسلِ جنابت کرنے کے بیان میں"۔

---

[1] رسالہ علامہ قاسم

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[3] کتاب الاثار غسل الرجل والمرأة من اناء واحد من الجنابة ادارة القرآن کراچی ص ۱۰

تعالی عنهما أنه قال لاباس بأن یغتسل الرجل بفضل وضوء المرأة مالم تکن جنبا اوحائضا قال محمد لابأس بفضل وضوء المرأة وغسلها وسؤرها وإن کانت جنبا اوحائضا بلغنا أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کان یغتسل هو وعائشة من إناء واحد یتنازعان الغسل جمیعا فهو فضل غسل المرأة الجنب وهو قول ابی حنیفه رحمه الله تعالیٰ۔[1] **الخامس**:(۱)قدمناعن الائمة ابی بکر الرازی وشمس الائمة السرخسی والاسبیجابی والولوالجی وابی زید الدبوسی والزیلعی وابن الهمام وغیرهم الجم الغفیر غفرالله تعالیٰ لنابهم وعن الخلاصة عن نفس کتاب الاصل لمحمد صرائح نصوصه فی الحکم بخصوصه فکیف یحمل هذا الکلام علی خلاف وبالله التوفیق۔ **السادس**:(۲)ماذکر رحمه الله تعالیٰ عن ابن عباس والامام الباقر والحسن البصری وابن سیرین وابراهیم النخعی والزهری رضی الله تعالیٰ عنهم لایمس المقصود لانه فی الملقی والکلام فی الملاقی۔ **السابع**:(۳)ماذکر أخرا عن عطاء وابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهم فاخره فی الملقی ولا حجة فی اوله فإنه ان کان المراد التوضی فی الحوض بحیث تسقط الغسالة فیه کالتوضی فی الطست فهو من الملقی وان کان المراد التوضی بادخال الید فیه للاغتراف فقد مر

چہارم: امام محمد نے اپنی مراد کی وضاحت اپنی مؤطا میں کردی ہے، فرمایا: باب اس بیان میں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے۔ ہمیں مالک نے خبر دی، ہم سے نافع نے ابن عمر سے روایت کی، انہوں نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے، بشرطیکہ جنب یا حائض نہ ہو۔ محمد نے فرمایا اس میں حرج نہیں کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کیا جائے خواہ وہ اس کے وضو کا ہو یا غسل کا ہو یا جھوٹا ہو اور خواہ وہ جنب ہو یا حائض ہو، ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدہ عائشہ ایک ہی برتن سے پانی چھین جھپٹ کر غسل کرتے تھے، یہ جنب عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کا ثبوت ہے، اور یہی ابو حنیفہ کا قول ہے۔

پنجم: ہم نے ابو بکر الرازی، شمس الائمہ سرخسی، اسبیجابی، ولوالجی، ابو زید الدبوسی، زیلعی، ابن الھمام وغیرہم، جلیل القدر ائمہ کی ایک عظیم جماعت سے پہلے ہی نقل کیا ہے اور خلاصہ سے امام محمد کی اصل کی تصریح نقل کی ہے کہ اسی میں خاص حکم بیان کیا ہے تو اس کلام کو اس کے خلاف پر کیونکر محمول کیا جاسکتا ہے وباللہ التوفیق۔

ششم: انہوں نے جو ابن عباس، امام باقر، حسن بصری، ابن سیرین، ابراہیم نخعی اور زہری رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے وہ مقصود سے متعلق نہیں کیونکہ وہ ملقی کے بارے میں ہے جبکہ گفتگو ملاقی کی بابت ہے۔

ہفتم: جو آخر میں انہوں نے عطا اور ابن عباس

[1] موطا امام محمد الرجل یغتسل او یتوضأ بسؤر المرأۃ مجتبائی لاہور ص ۸۳

ان هذا القدر معفو عنه عند عدم اٰنية وان فرض ان المراد أن يلج الحوض ويتوضأفيه لم تنتهض أيضا حجة إذليس فيه بيان قدر الحوض فجاز أن يكون كبيرا۔

الثامن:(۱) كذلک حديث سعد رضی الله تعالٰی عنه فإنه فی الحيض قبل الانقطاع وقدمنا عن الخانية والخلاصة وغيرهما أنها لاتفسد الماء اذا ذاک لعدم السببين سقوط الفرض واقامة القربة۔

التاسع:(۲) ماذكرعن عامر فظاهر ان لفظة يعنی قبل ان يغسلوها مدرج فی الحديث ولا يدری قول من هو ولاحجة فی المجهول۔ **العاشر**:(۳) ماحكی عن الحسن يعارضه مافی البدائع عنه فی وقوع قليل ماء مستعمل فی الماء سئل الحسن البصری عن القليل فقال ومن يملک نشر الماء وهو ما تطاير منه عندالوضوء وانتشر اشار الی تعذر التحرز عن القليل فكان القليل عفو اولا تعذرفی الكثير فلا يكون عفوا [1] اه هذا كلامه فی الملقی فكيف فی الملاقی ۔**الحادي عشر**:(۴) ما حكی عن سعيد فعلی تقدير الصحة عنه مذهب تابعی فكيف يحتج به علی المذهب(۵) وكفی به جوابا عن سائر الاثار ۔**الثاني عشر**:(۶) كذلک العبارة

سے نقل کیا ہے تو اس کا آخری حصہ ملقی میں ہے اور اس کے اول میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ اگر مراد حوض سے وضو کرنا ہے کہ اس طرح اس کا دھوون حوض میں گرے جیسے طشت میں وضو کیا جاتا ہے تو وہ مُلقٰی سے ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں ہاتھ ڈال کر چلّو بھر کر وضو کیا تو گزر چکا ہے کہ اِس قدر کو شرع نے معاف رکھا ہے جبکہ دوسرے برتن نہ ہوں، اور اگر مراد یہ ہو کہ حوض میں اتر کر وضو کیا تو بھی حجت قائم نہ ہوگی کیونکہ اس میں حوض کے سائز کا ذکر نہیں، پس ممکن ہے کہ حوض بڑا ہو۔

ہشتم: اسی طرح سعد کی حدیث ہے کیونکہ وہ حیض کے منقطع ہونے سے قبل سے متعلق ہے اور ہم نے خانیہ اور خلاصہ وغیرہما سے نقل کیا کہ یہ پانی کو خراب نہیں کرتا، کیونکہ دونوں سبب ہی موجود نہیں ہیں نہ تو سقوط فرض ہے اور نہ ہی قربۃ کی ادائیگی ہے۔

نہم: جو عامر سے نقل ہوا تو ظاہر یہ ہے کہ "**قبل ان یغسلوھا**" کا لفظ حدیث میں مندرج ہے، اور معلوم نہیں کہ یہ کس کا قول ہے، اور مجہول سے استدلال نہیں ہوتا۔

دہم: جو حسن سے نقل کیا گیا ہے وہ اس کے مخالف ہے جو انہی سے بدائع میں نقل کیا گیا ہے یعنی یہ کہ کم پانی میں اگر مستعمل پانی گر جائے تو کیا حکم ہوگا، حسن بصری سے کم کی بابت پوچھا گیا، تو آپ نے

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

الثالثة عن البدائع بمعزل عن المقصود فانهافی الملقی ولا کلام فیه الا تری إلی قوله ثم الکثیر عند محمد مایغلب علی الماء المطلق وعندهما ان یستبین مواقع القطر فی الاناء [1] اھ۔

قلت: والوجه فیه ان الماء طاھر عند محمد فلا یسلبه وصف الطهوریة مالم یغلب علیه ونجس عندهمافیما یقال وقطرة نجس تنجس کل ماء قلیل غیر ان الذی لایستبین لایعتبر کرشاش البول قدر رؤس الابر فعفی عنه لعسر التحرز فاین ھذا مما نحن فیه **نعم** جل مافی یدہ ماذکر البدائع فی الجدل عن روایة ضعیفة وتعلیل قول محمد فی مسألة جحط ان المستعمل مالاقی البدن وھو اقل من غیرہ۔

اقول: وبالله التوفیق وھو المستعان علی افاضة التحقیق ایش انا ومن انا

جواب دیا کہا پانی کے چھینٹوں کا مالک کون ہے؟ تو کم تو تعذر کی وجہ سے معاف ہے مگر زائد میں یہ صورت نہیں تو وہ معاف نہ ہوگا، ان کی یہ گفتگو مُلقٰی میں ہے تو ملاقی میں کیا حال ہوگا۔

یازدہم: جو سعید سے نقل کیا گیا ہے اگر وہ صحیح ہو تو وہ ایک تابعی کا مذہب ہے تو اس سے مذہب پر کیسے استدلال ہوسکتا ہے اور یہی جواب دوسرے آثار میں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہئے۔

دوازدہم: اس طرح بدائع سے نقل کردہ تیسری عبارت بھی مقصود سے الگ ہے کیونکہ وہ مُلقٰی کی بابت ہے اور اس میں گفتگو نہیں، اس میں یہ بھی ہے کہ "پھر محمد کے نزدیک کثیر وہ ہے جو مطلق پانی پر غالب آجائے اور شیخین کے نزدیک یہ کہ قطروں کی جگہ برتن میں ظاہر ہوجائے اھ۔

میں کہتا ہوں اس میں وجہ یہ ہے کہ محمد کے نزدیک پانی پاک ہے تو اس کی پاکیزگی کا وصف اس وقت تک اس سے سلب نہ ہوگا جب تک کہ اس پر کوئی نجاست غالب نہ آجائے، اور شیخین کے نزدیک نجس ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے، اور نجس کا ایک قطرہ ہی تمام قلیل پانی کو نجس کردیتا ہے البتہ جو پانی میں ظاہر نہیں ہوتا وہ معتبر نہیں ہوتا ہے جیسے سُوئی کی نوک کے برابر پیشاب کے چھینٹے، تو چونکہ اس سے بچنے میں دشواری ہے اس لئے اس کو معاف کردیا گیا، تو اس کا ہماری بحث سے کیا تعلق ہے، ہاں قابلِ غور وہ عبارت ہے جو انہوں نے بدائع سے نقل کیا ہے، وہ ایک ضعیف روایت پر جھگڑا ہے اور مسئلہ جحط پر محمد کے قول کی توجیہ ہے کہ مستعمل پانی وہ ہے جس کی ملاقات بدن سے ہوئی ہو اور وہ دوسرے سے کم ہے۔ **میں کہتا ہوں** وبالله التوفیق وھوا لمستعان علی افاضة التحقیق، میں اور میری حقیقت کیا جو

[1] بدائع الصنائع بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۸/۱

حتی اتکلم بین یدی هذا الامام الھمام *ملک العلماء الکرام *اعلی اللہ درجاتہ فی دار السلام *و افاض علینا برکاتہ علی الدوام *اٰمین ولکن المذھب قد تقرر *والنقل الصحیح الصریح عن الائمۃ الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم قد توفر *ورأیت ھذا الامام الجلیل قد وافق الاجلۃ الفحول *فی تلک النقول *عند ذکر المنقول *وعلمت ان ما یقال فی الجدل *اویبدی فی العلل *لایقضی علی نصوص المذھب *بل ربما لایکون المبدی أیضاً الیہ یذھب *کما ھو معلوم عند من خدم ھذا الفن المذھّب فجرّأنی ذلک علی ان اقول وھو:

الثالث عشر:(۱)الامام ملک العلماء قدس سرّہ ھو القائل فی بدائعہ بعد ماذکر سقوط حکم الاستعمال فی مواضع الضرورۃ کالیدفی الاناء للاغتراف والرجل فی البئر لطلب الدلو مانصہ ولو ادخل فی الاناء والبئر بعض جسدہ سوی الید و الرجل افسدہ لانہ لاحاجۃ الیہ وعلی ھذا الاصل تخرج مسألۃ البئر اذا انغمس الجنب فیھا لطلب الدلولا بنیۃ الاغتسال ولیس علی بدنہ نجاسۃ حقیقیۃ والجملۃفیہ أن الرجل المنغمس اما أن یکون طاھرا اولم یکن بان کان علی بدن نجاسۃ حقیقیۃ اوحکمیۃ کالجنابۃ والحدث وکل وجہ علی وجھین اما ان ینغمس لطلب الدلو اوالتبرد او الاغتسال وفی المسألۃ حکمان حکم الماء الذی فی البئر وحکم الداخل فیھا فان کان طاھرا

امام ہمام، علمائے کرام کے بادشاہ، اللہ تعالٰی جنت میں ان کے درجات بلالند فرمائے ہم ان کی برکتوں سے ہمیشہ مستفید ہوتے رہیں آمین، کے سامنے لب کشائی کروں؟ لیکن مذہب ثابت شدہ ہے اور ائمہ ثلثہ کی تصریحاتِ صحیحہ موجود ہیں، اور اس امام جلیل القدر نے نقول کی حد تک ان ائمہ سے اتفاق کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہماری بحثوں سے مذہب کی تصریحات باطل نہیں قرار پاسکتی ہیں جیسا کہ اس فن کے خُدّام پر واضح ہے، اس لئے میں کچھ معروضات پیش کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں اور وہ یہ ہیں:

میں کہتا ہوں: سیز دہم: امام ملک العلماء قدس سرہ نے بدائع میں ذکر کیا کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں ضرورتاً پانی کے مستعمل ہونے کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، جیسے چُلّو بھرنے کیلئے ہاتھ کا پانی کے برتن میں ڈالنا اور ڈول تلاش کرنے کیلئے پیر کا کنویں میں ڈالنا، پھر انہوں نے فرمایا کہ اگر کسی نے برتن یا کنویں میں اپنا جسم کے بعض حصے کو ڈال دیا ہاتھ پیر کے علاوہ، تو پانی فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ بے ضرورت ہے اور اسی اصل پر کنویں کے مسئلہ کی تخریج کی جائے گی کہ جنب انسان اس میں ڈول کی تلاش میں اُترا ہو بغیر نیت غسل کے بشرطیکہ اس کے جسم پر کوئی حقیقی نجاست موجود نہ ہو، اور خلاصہ یہ کہ اس میں بحث یہ ہے کہ یا تو غوطہ لگانے والا پاک ہوگا یا ناپاک ہوگا، مثلاً یہ کہ اس کے جسم پر حقیقی یا حکمی نجاست موجود ہو جیسے جنابۃ اور حدث، اور ہر وجہ کی پھر دو وجہیں ہیں یا تو غوطہ

وانغمس لطلب الدلو اوللتبرد لایصیر مستعملا بالاجماع لعدم ازالة الحدث واقامة القربة وان انغمس فیها للاغتسال عــه صار الماء مستعملا عند اصحابنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم لوجود اقامة القربة وعند زفر والشافعی رحمهما الله تعالٰی لایصیر مستعملا لانعدام ازالة الحدث والرجل طاهر فی الوجهین جمیعا [1] اھ۔فانظر إلی قوله فی المسألة حکمان حکم الماء الذی فی البئر فهل تری ان الذی فی البئر هو مالاقی سطح بدنه عند الانغماس کلا بل کل مافی البئر وهو المقصود بیان حکمه وقد حکم علیه فی الصورة الثانیة بانه صار مستعملا باجماع ائمتنا الثلثة رضی الله تعالی عنهم وفیهم محمد القائل بطهارته وقد حکم بانه بالانغماس سلب ماء البئر طهوریته

ڈول کی تلاش میں لگائے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے اور اس مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اُس پانی کا حکم جو کنوئیں میں ہے اور دوسرے اُس شخص کا حکم جو کنویں میں داخل ہوا، اگر وہ پاک ہے اور اس نے ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا تھا، تو پانی بالاتفاق مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس پانی سے نہ تو حدث کا ازالہ کیا گیا ہے اور نہ کوئی قربۃ ادا کی گئی ہے اور اگر اس میں غسل کیلئے غوطہ کھایا تو ہمارے اصحاب ثلثہ کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائے گا کیونکہ اس سے قربۃ ادا ہوئی ہے اور زفر اور شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس سے حدث زائل نہیں کیا گیا ہے اور آدمی دونوں صورتوں میں پاک ہے اھ۔ اب ان کے اس قول کو دیکھئے جس میں وُہ فرماتے ہیں: کہ مسئلہ میں دو حکم ہیں ایک تو اس پانی کا حکم جو کنویں میں ہے، تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ کنویں میں وہی پانی ہے جو

(عــه یرید الاغتسال علی وجه القربة بدلیل التعلیل وهو المراد فی سائر المواضع الآتیة دون الاغتسال لازالة درن اودفع حر فانه والتبرد سواء لایفید الاستعمال اذا کان من طاهر لانعدام السببین اھ۔ منه حفظه ربه تبارک وتعالٰی۔(م)

علت کے بیان سے معلوم ہوا ہے کہ قربت کے طور پر غسل مراد ہے اور آئندہ تمام مقامات میں یہی مراد ہے، میل کو دُور کرنے یا گرمی کو دفع کرنے کا غسل مراد نہیں کیونکہ جب طاہر آدمی دفعِ گرمی اور حصولِ ٹھنڈک کیلئے غسل کرے تو پانی مستعمل نہ ہوگا کہ دونوں ازالہ حدث اور اقامت قربت نہیں پائے گئے اھ (ت)

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطھارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

فظھر ان حکم الاستعمال یسری فی الماء القلیل کلہ سریان حکم النجاسۃ باجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فان السریان علی القول بنجاسۃ الماء المستعمل ظاھر لاخلف فیہ وھذا محمد القائل بالطھارۃ قد حکم بالسریان فکان القول بہ مجمعا علیہ ولم یبق لاحد بالخلاف ید ان بل یظن ان ملک العلماء ماش ھھنا علی جعل طھارۃ الماء المستعمل متفقا علیھا بین اصحابنا کما قال(۱) فی البدائع ومشائخ العراق لم یحققوا الخلاف فقالوا انہ طاھر غیر طھور عند اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم حتی روی عن القاضی ابی حازم العراقی انہ کان یقول انا نرجو ان لاتثبت روایۃ نجاسۃ الماء المستعمل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو اختیار المحققین من مشائخنا بما وراء النھر اھ[1]۔وذلک لان سوق کلامہ ھھنا کما قدم لاحاطۃ احکام الماء والرجل فی جمیع الصور المحتملۃ ھنا وقد التزم فی کل صورۃ بیان الخلاف بین ائمتنا الثلثۃ ان کان وفصل فی شقی الطاھر حکم الماء فقال فی الاوّل لایصیر مستعملا بالاجماع وفی الثانی صار مستعملا عند ائمتنا الثلثۃ خلافا لزفر والشافعی

غوطہ کے وقت سطحِ بدن سے ملاقی ہوا تھا؟ ہر گز نہیں، بلالکہ کُنویں کا کُل پانی ہے اور اسی کا حکم بیان کرنا مقصود ہے،اور دوسری صورت میں اس پر یہی حکم ہوا ہے کہ وہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مستعمل ہوگیا ہے،ان میں امام محمد بھی شامل ہیں جو اس کی طہارت کے قائل ہیں،اور انہوں نے فرمایا کہ غوطہ کی وجہ سے پانی کے پاک کرنے والی صفت سلب ہوگئی ہے تو ظاہر ہوا کہ استعمال کا حکم تھوڑے پانی میں مکمل طور پر جاری ہوتا ہے، جیسے کہ نجاست کا حکم،اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کیونکہ سرایت کرنا مستعمل پانی کو نجس کہنے کی صورت میں ظاہر ہے،اس میں خلاف نہیں،اور امام محمد جو پانی کی طہارت کے قائل ہیں سرایت کا حکم دے رہے ہیں تو گویا یہ قول اجماعی ہے،اس میں کسی کا خلاف نہیں رہا بلکہ یہاں یہ گمان بھی کیا گیا ہے کہ ملک العلماء نے پانی کے پاک ہونے کو ہمارے اصحاب کے درمیان متفق علیہ قرار دیا ہے جیسا کہ بدائع میں فرمایا ہے،اور مشائخ عراق نے اختلاف کی تحقیق نہیں کی، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ طاہر تو ہے مگر طاہر کرنے والا نہیں، یہ ہمارے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک ہے، یہاں تک کہ قاضی ابو حازم العراقی سے مروی ہے کہ وُہ فرماتے تھے کہ ہمیں توقع ہے کہ مستعمل پانی کی نجاست کی روایت ابو حنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور یہی ہمارے وراء النہر کے محققین مشائخ کا مختار ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۷

بقی علیه بیان حکم الرجل فی المسئلتین عند ائمتنا فجمعهما وقال الرجل طاھر فی الوجھین جمیعا فکما انه یستحیل عند الذوق السلیم کون ھذا تتمة قول زفر والشافعی فیبقی ساکتا عن بیان حکم الرجل فی الوجھین عند ائمتنا رضی الله تعالٰی عنهم کذلک یبعد ان یکون ھذا قول بعض دون بعض منهم اذلو کان کذلک لبین الخلاف کما بین فی سائر الصور ولم یأت به ھکذا مرسلا لایھام الخلاف اعنی عدم الخلاف مع وجوده لاسیما مع قرینتی الاجماع والاتفاق فی حکم الماء فی ھذین الوجھین فلا ینقدح فی الذھن الا کونه وفاقیا بین اصحابنا کقرینتیه السابقتین وھذا لایتأتی الا علی القول بطھارة الماء المستعمل حیث لم یتنجس الماء فلا یحتمل ان ینجس الطاھر بخلاف ماذا قیل بنجاسة اذیتطرق القول بان الماء تنجس فنجس فلا یکون الرجل طاھرا وفاقا۔

فان قلت الیس ان حکم الاستعمال انما یعطی بعد الانفصال والبدن کله شیئ واحد فی الاغتسال فمادام فیه لم یکن مستعملا واذا صار مستعملا لم یکن فیه فعن ھذا یخرج طاھرا مع نجاسة الماء المستعمل عندھما فیما یذکر عنهما قلت بلی ولکن اما یتمشی علی قول الامام اما عند ابی یوسف فیثبت

ان کے کلام کی روش جیسا کہ گزرا پانی کے احکام کے احاطہ کیلئے ہے اور مرد کے احکام کی بابت ہے یہ تمام محتمل صورتوں میں ہے، اور انہوں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر صورۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ کا اختلاف بیان کیا ہے اگر واقعۃً اختلاف ہو۔ اور پاک کی دونوں شقوں میں پانی کا حکم تفصیلًا ذکر کیا ہے، پہلی صورت میں کہا بالاجماع مستعمل نہ ہوگا اور دوسری صورت میں کہا مستعمل ہوگیا ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک، اس میں زفر اور شافعی کا خلاف ہے اب ان پر یہ بیان کرنا باقی ہے کہ دونوں مسئلوں میں اُس شخص کا حکم ہمارے ائمہ کے نزدیک کیا ہے، تو ان دونوں کو جمع کردیا اور فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وہ شخص پاک ہے، تو جس طرح ذوق سلیم پر یہ گراں ہے کہ اس کو زفر وشافعی کے اقوال کا تتمہ قرار دیا جائے، اور مرد کے حکم میں ہمارے ائمہ دونوں صورتوں میں خاموش رہے، یوں یہ بعید ہے کہ یہ قول بعض کا ہو اور بعض کا نہ ہو، اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ اختلاف کو ضرور بیان کرتے جیسا کہ تمام صورتوں میں بیان کیا ہے لیکن اس کو انہوں نے اس طرح مطلق ذکر نہ کیا تاکہ خلاف کا ایہام ہو یعنی عدمِ خلاف مع وجود خلاف بالخصوص جبکہ دو قرینے اجماع اور اتفاق کے اس امر پر موجود ہیں کہ دونوں صورتوں میں پانی کا حکم کیا ہے لہٰذا ذہن میں جو خلش ہے وہ اس کی ہے کہ یہ مسئلہ ہمارے اصحاب کے درمیان اتفاقی ہے، جیسے اس کے دو سابقہ قرینے ہیں، اور یہ اُسی صورت میں ہوگا جبکہ مستعمل پانی کی طہارت کا قول کیا جائے اس لئے کہ پانی نجس نہیں ہوا، تو یہ احتمال نہیں ہے

حکم الاستعمال باول ملاقاۃ البدن الماء قال فی البدائع ابویوسف یقول ان ملاقاۃ اول عضو المحدث الماء یوجب صیرورتہ مستعملا فکذا ملاقاۃ اول عضو الطاھر الماء علی قصد اقامۃ القربۃ واذا صار الماء مستعمل باول الملاقاۃ لا تتحقق طھارۃ بقیۃ الاعضاء بالماء المستعمل [1]اھ۔ فکیف یقول الماء مستعمل والرجل طاھر، وقد قال فی البدائع ان کان علی یدہ نجاسۃ حکمیۃ فقط فان ادخلھالطلب الدلوا والتبرد یخرج من الاول(ای الماء الاول فان المسألۃ مفروضۃفی الانغماس فی عدۃ میاہ)طاھرا عند ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالٰی ھو الصحیح لزوال الجنابۃبالانغماس مرۃ واحدۃ وعند ابی یوسف ھو نجس ولا یخرج طاھرا ابدا [2]اھ۔ **فان** حملتہ ھنا علی حال الضرورۃ لقول البدائع اما ابو یوسف فقد ترک اصلہ عند الضرورۃ علی مایذکر وروی بشر عنہ ان المیاہ کلھا نجسۃ وھو قیاس مذھبہ [3]اھ۔

دفعہ[۸۰۹] ان مامر ھھنا ان الماء مستعمل والرجل طاھر عکس مایقول بہ الامام الثانی حال الضرورۃ الا تری ان مذھبہ فی مسألۃ البئر

کہ وہ پاک کو نجس بنادے۔بخلاف اس صورت کے کہ پانی کو نجس کہا جائے کہ اس صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ پانی نجس ہوگیا ہے اس لئے اس نے طاہر کو نجس کردیا تو مرد بالاتفاق پاک نہ ہوگا۔اگر تُو یہ کہے کہ آیا یہ بات درست نہیں کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم اُسی وقت لگایا جائیگا جب وہ بدن سے جدا ہو،اور بدن غسل کی صورت میں شیئ واحد ہے،تو جب تک پانی بدن پر رہے گا مستعمل نہ ہوگا اور جو مستعمل ہوگا تو بدن پر نہ رہے گا اسی وجہ سے وہ شخص پاک ہوجاتا ہے اور پانی شیخین کے نزدیک نجس ہوجاتا ہے جیسا کہ شیخین کی بابت مشہور ہے۔میں کہتا ہوں یہ درست ہے، مگر یہ صرف امام ابوحنیفہ کے قول پر چل سکتا ہے کیونکہ ابو یوسف کے نزدیک پانی کے مستعمل ہونے کا حکم بدن سے پہلی ملاقات ہی میں دے دیا جائیگا بدائع میں ہے ابو یوسف نے فرمایا مُحدِث کے پہلے عضو سے ملتے ہی پانی مستعمل ہوجاتا ہے،اور اسی طرح پاک آدمی کے کسی عضو کا بہ نیت ادائیگی قربۃ پانی کو لگنا پانی کو مستعمل بنا دیتا ہے اور جب پانی پہلی ملاقات ہی سے مستعمل ہوگیا تو باقی اعضاء کی طہارت پانی سے نہیں ہوسکتی ہے اھ تو پھر وہ کس طرح فرماتے ہیں کہ پانی مستعمل ہوگیا اور مرد پاک ہے۔اور بدائع میں فرمایا کہ اگر اس کے ہاتھ پر صرف نجاست حکمیہ ہے پھر وہ

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[3] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

جحط الحاء ای ان الماء طاھر علی حالہ والرجل لم یطھر کما کان قال فی البدائع ابو یوسف یقول یجب العمل بھذا الاصل ای ماتقدم من ثبوت الحکم باوّل اللقاء) الا عند الضرورۃ کالجنب والمحدث اذا ادخل یدہ فی الاناء لاغتراف الماء لایصیر مستعملا ولا یزول الحدث الی الماء لمکان الضرورۃ لان ھذا الماء لوصار مستعملا انما یصیر مستعملا بازالۃ الحدث ولو ازال الحدث لتنجس ولو تنجس لایزیل الحدث واذا لم یزل الحدث بقی طاھرا واذ بقی طاھرا یزیل الحدث فیقع الدور فقطعنا الدور من الابتداء فقلنا انہ لایزیل الحدث عنہ فبقی ھو بحالہ والماء علی حالہ[1] اھ۔ وبالجملۃ لااستقامۃ لھذا علی قول ابی یوسف اصلا الا بان یقال انہ مبنی علی طھارۃ الماء المستعمل عندھم جمیعا وھو قول صحیح قد قواہ ملک العلماء وجعلہ مختار المحققین وان مشی فی مواضع کثیرۃ علی نسبۃ التنجیس الی الشیخین کما اشتھر فعلی ھذا تکون المسألۃ نصا عن ائمتنا الثلثۃ علی سریان حکم الاستعمال الی جمیع الماء مع طھارتہ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

اس کو کنویں میں ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے داخل کرتا ہے تو وہ اول (یعنی پہلا پانی کیونکہ مسئلہ اس مفروضہ پر ہے کہ کئی پانیوں میں ہاتھ ڈبویا) سے پاک نکلے گا، یہ ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک ہے، یہی صحیح ہے کیونکہ جنابت ایک ہی مرتبہ ڈبونے سے زائل ہو گئی اور ابو یوسف کے نزدیک وہ نجس ہے، اور وہ کبھی پاک نہ ہوگا۔ اگر آپ اس کو یہاں ضرورت پر محمول کریں کیونکہ بدائع میں ہے "بہر حال ابو یوسف نے اپنی اصل کو ضرورت کے وقت ترک کیا ہے، جیسا کہ اُن سے مروی ہے اور بشر نے ان سے روایت کی ہے کہ سب کے سب پانی نجس ہیں اور یہی چیز ان کے مذہب سے لگّا کھاتی ہے۔

دفعہ ۸۰۹: جو یہاں گزرا کہ پانی مستعمل ہے اور آدمی پاک ہے، امام ثانی کے قول کے برعکس ہے ضرورت کی حالت میں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان کا مذہب کنویں کے مسئلہ "جحط" میں "ح" ہے یعنی پانی اپنی سابقہ حالت پر پاک ہے اور انسان بھی جیسا کہ پہلے تھا ناپاک ہے۔ بدائع میں فرمایا ابو یوسف فرماتے ہیں اس اصل پر عمل لازم ہے (یعنی یہ کہ پہلی ملاقات ہی میں حکم ثابت ہو جاتا ہے) ہاں ضرورت کے وقت اس کو ترک بھی کر سکتے ہیں، جیسے جنب اور بے وضو جب برتن میں سے پانی لینے کیلئے اپنے ہاتھ ڈبوئیں تو پانی مستعمل نہ ہوگا اور حدث بھی زائل نہ ہوگا کیونکہ یہاں ضرورت موجود ہے، کیونکہ یہ پانی اگر مستعمل ہوتا تو حَدَث کے زائل کرنے کی وجہ سے ہوتا، اور اگر یہ حدث کو زائل کرتا تو ناپاک ہو جاتا اور

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطھارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الرابع عشر:(۱)ثم قال قدس سرہ فی من انغمس فی ثلثۃ اٰبار واکثر عندھما(ای الطرفین رضی اللہ تعالٰی عنھما)ان انغمس لطلب الدلو اوالتبرد فالمیاہ باقیۃ علی حالھا وان کان الانغماس للاغتسال فالماء الرابع فصاعدا مستعمل لوجود اقامۃ القربۃ[1] اھ۔ فانظر علی ای شیئ حکم بکونہ مستعملا الماء الرابع فصاعدا الا خصوص مالاقی منہ سطح البدن۔

قلت والمعنی جمیع المیاہ من اولھا وانما خص الرابع فما فوقہ بالذکر دفعا لتوھم انہ یقتصر حکم الاستعمال علی المیاہ الثلثۃ الاول اذ لاقربۃ بعد التثلیث فالرابع وما بعدہ لایصیر مستعملا لعدم السببین فنبّہ علی بطلانہ بان ذلک عند اتحاد المجلس ولا مساغ لہ فی باب الاٰبار

اگر ناپاک ہوتا تو حدث کو زائل نہ کرتا، اور جب حدث کو زائل نہیں کیا تو پاک رہا اور جب پاک رہا تو حدث کو زائل کرے گا تو دور لازم آئے گا، تو ہم نے دور کو ابتداء ہی سے قطع کیا اور وہ اس طرح کہ یہ پانی حدث کو زائل نہیں کرتا ہے تو انسان اپنی حالت پر رہا اور پانی اپنی حالت پر رہا اھ۔ خلاصہ یہ کہ ابو یوسف کے قول پر یہ قول کسی طرح درست نہیں بیٹھتا ہے، اس کی محض ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ پانی ان تمام ائمہ کے نزدیک پاک ہے اور یہی قول صحیح ہے، اس کو ملک العلماء نے قوی قرار دیا اور اس کو محققین کا مختار قرار دیا، اگرچہ اکثر مقامات پر انہوں نے اس پانی کو شیخین کے نزدیک نجس قرار دیا ہے، جیسا کہ مشہور ہے، اس بنا پر یہ مسئلہ اس امر کی تصریح ہوگا کہ ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک استعمال کا حکم تمام پانی میں جاری ہوگا اور انسان پاک رہے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

چودھواں: پھر قدس سرہ نے فرمایا کہ جس شخص نے تین یا تین سے زیادہ کُنوؤں میں غوطہ لگایا تو ان دونوں (یعنی طرفین) کے نزدیک اگر ڈول کی تلاش میں لگایا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے، تو پانی اپنی حالت پر باقی رہیں گے، اور اگر غوطہ خوری غسل کیلئے تھی تو چوتھا پانی اور اس کے بعد والے پانی مستعمل ہوں گے کہ ان سے قربۃ ادا ہوئی ہے اھ۔ تو دیکھئے انہوں نے کس چیز پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا ہے، چوتھا پانی اور اس سے زائد خاص وہ پانی نہیں جس سے مُحدِث ملا۔

میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ پہلے پانی سے لے کر تمام پانی مستعمل ہیں، انہوں نے چوتھے اور اُس کے بعد والے کا خصوصی ذکر اس لئے کیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ استعمال کا حکم صرف تین پانیوں تک ہی محدود ہے کیونکہ تثلیث کے بعد قربۃ باقی نہیں رہتی ہے تو چوتھا اور اس کے بعد والا مستعمل نہ ہوگا، کیونکہ اس میں دونوں سبب موجود نہیں ہیں، تو اس کے بطلان پر انہوں

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

اقول: (۱) لکن یشکل علیه انه رحمه الله تعالٰی اما ذکر هذافی من کان علی بدنه نجاسة حقیقیة لان عبارته هکذا وان لم یکن طاهرا فان کان علی بدنه نجاسة حقیقیة وهو جنب اولا فانغمس فی ثلثة اٰبار اواکثر من ذلک لایخرج من الاولی والثانیة طاهرا بالاجماع ویخرج من الثالثة طاهرا عند ابی حنیفة ومحمد رضی الله تعالٰی عنهما والمیاه الثلثة نجسة لکن نجاستها علی التفاوت علی ماذکرنا وعند ابی یوسف کلها نجسة والرجل نجس سواء انغمس لطلب الدلواوالاغتسال وعندهما ان انغمس لطلب الدلواوالتبرد فالمیاه باقیة علی حالها[1] ۔۔۔الخ۔ وکیف تبقی علی حالها والفرض ان علی بدنه نجاسة حقیقیة الا ان یقال انتهی الکلام علیها الی قوله المیاه کلها نجسة والرجل نجس وقوله سواء انغمس لطلب الدلو۔۔۔الخ۔ بیان لعدم اقتصار الحکم عند ابی یوسف علی النجاسة الحقیقیة بل کذلک الحکمیة کما قدمنا ان عند ابی یوسف هو نجس ولا یخرج طاهرا ابدا فلما استطرد هذا ابان خلاف الطرفین فیه ان هذا التعمیم لیس عندهما۔ **ویکدره** ان

نے متنبّہ کیا کہ یہ اتحاد مجلس کی صورت میں ہے، اور یہ چیز مختلف کُنوؤں میں نہیں پائی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں اس پر اشکال یہ ہے کہ انہوں نے یہ حکم اس شخص کا بیان کیا ہے جس کے بدن پر حقیقی نجاست ہو، ان کی عبارت اس طرح ہے "پس اگر وہ پاک نہیں ہے تو یا تواس کے بعدن پر حقیقی نجاست ہوگی، اور وہ جنب ہوگا یا نہیں، ایسا شخص اگر تین کُنووں میں غوطہ لگائے یا زیادہ میں تو پہلے اور دوسرے سے بالاجماع پاک نہیں نکلے گا اور تیسرے سے ابو حنیفہ اور محمد کے نزدیک پاک نکلے گا اور تینوں پانی نجس ہیں، مگران کی نجاست مختلف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور ابو یوسف کے نزدیک سب نجس ہیں، اور انسان بھی نجس ہے، خواہ اس نے ڈول نکالنے کیلئے غوطہ لگایا ہو یا غسل کرنے کیلئے، اور طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے کیلئے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت سابقہ پر باقی ہے۔۔۔ الخ۔ لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ اُس کے بدن پر حقیقی نجاست ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ ان کا کلام المیاہ کلھا نجسة والرجل نجس پر پورا ہوا اور ان کا قول سواء انغمس لطلب الدلو۔۔۔الخ۔ اس امر کا بیان ہے کہ ابو یوسف کے نزدیک حکم نجاستِ حقیقیہ پر مقصور نہیں ہے بلاکہ حکمیہ کا بھی یہی حال ہے جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں کہ ابو یوسف کے نزدیک انسان ناپاک ہے تو کبھی پاک نہ ہوگا، اس سے

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطھارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الکلام المستطرد اذنفی النجاسة الحکمیة فکیف یقول عندھما ان انغمس لطلب الدلو اوالتبرد فالمیاہ باقیة علی حالھا فان عند الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ یصیر الماء مستعملا بازالة الحدث وان لم ینوبل کذلک عند محمد ایضا عند التحقیق،(۱)وقدقال فی البدائع فی اٰدمی وقع فی البئر ان کان علی بدنہ نجاسة حکمیة فعلی قول من جعل ھذا الماء مستعملا والمستعمل نجسا ینزح ماء البئر کلہ [1] کما تقدم۔فاذا کان ھذافی الواقع بلا قصد فکیف فی المنغمس قصد التبرد ثم(۲)قد اتی بشق النجاسة الحکمیة بعد ھذا وصرح فیہ بالحکم الصحیح علی خلاف ماھنا کما سیأتی وان حمل ماھنا علی الضرورة فمع بعدہ یاباہ قولہ او التبرد الا ان یقال انھم قد ادخلوہ فیھا کما یأتی فبناء علی ھذا التسامح یصح ھذا الحمل غیر انہ لایسلم فان زید الاستطراد حتی یشمل الطاھر فمع ان التعمیم المذکورفی قول الامام الثانی سواء انغمس۔۔۔الخ لم یکن لیشملہ قطعا یعکر علیہ ان الشمول لایخرج المحدث فکیف یصح اطلاق الحکم بان المیاہ باقیة علی حالھا ولا

معلوم ہوا کہ اس میں طرفین کا خلاف ہے، کہ یہ تعمیم اُن دونوں کے نزدیک نہیں ہے۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ کلام مستطرد نجاست حکمیہ کی بابت ہے تو پھر یہ کیسے فرمایا کہ طرفین کے نزدیک اگر ڈول نکالنے یا ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے غوطہ لگایا تو پانی اپنی حالت پر باقی ہیں کیونکہ امام کے نزدیک پانی حدث کے ازالہ سے مستعمل ہوجائیگا اگرچہ اُس نے نیت نہ کی ہو، بلکہ تحقیق یہ ہے کہ امام محمد کے نزدیک بھی یہی حکم ہے، بدائع میں ہے کہ اگر کوئی انسان کُنویں میں گر گیا تو اگر اس کے بدن پر نجاست حکمیہ ہے تو جولوگ اس پر پانی کو مستعمل قرار دیتے ہیں اور مستعمل کو نجس کہتے ہیں تو انکے نزدیک کنویں کا کُل پانی نکالا جائیگا جیسا کہ گزرا، اور جب یہ حکم بلا قصد گرنے والے کا ہو تو پھر اس کا کیا حال ہوگا جو ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے قصداً غوطہ لگائے، پھر انہوں نے نجاست حکمیہ والی شق کا ذکر کیا ہے اور وہاں انہوں نے یہاں کے برعکس حکم صحیح کی صراحت کی، جیسا کہ آئے گا، اور اگر یہاں جو کچھ ہے اس کو ضرورت پر محمول کرلیا جائے تو یہ بعید ہونے کے علاوہ اُن کے قول او التبرد کے منا قض ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اس کو بھی اسی میں شامل کرلیا ہے، جیسا کہ آئیگا، تو اس تسامح کی بنیاد پر یہ حمل صحیح ہے لیکن محفوظ نہیں، اور اگر استطراد کو زائد کیا جائے اتنا کہ طاہر کو بھی شامل ہوجائے تو ایک تو امام ثانی کے قول کی تعمیم "سواء

[1] بدائع الصنائع فصل امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۴/۱

وجه لتخصيص الحكم بالطاهر فان الكلام مسوق فی شق وان لم يكن طاهرا وقد قدم حكم الطاهر من قبل، وبالجملة فالعبارة ههنافيما وصل اليه فهمی القاصر لاتخلو عن قلق وحزازة ولعلها وقع فيها من قلم الناسخين تغيير وتقديم وتاخير وكم له من نظير فليتأمل والله تعالٰی اعلم بمراد خواص عبادہ۔

انغمس۔۔۔الخ" اس کو قطعاً شامل نہیں، پھر اس پر یہ بھی اشکال ہے کہ شمول بے وضو کو نہیں نکالے گا تو یہ مطلق حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ تمام پانی اپنی حالت پر باقی ہیں، اور حکم کو پاک کے ساتھ مخصوص کردینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گفتگو اس شق سے متعلق ہے کہ اگر پاک نہ ہو حالانکہ پاک کا حکم پہلے ہی گزر چکا، اور خلاصہ یہ کہ میری ناقص فہم میں یہاں عبارت اضطراب سے خالی نہیں، اور شاید اس میں ناسخین سے کچھ تغیر، تقدیم یا تاخیر واقع ہوئی ہے، اور اس کی بہت نظائر ہیں، غور کر اور اللہ تعالٰی زیادہ جانتا ہے اپنے خاص بندوں کے ارادوں کو۔

الخامس عشر: ثم قال(۱) قدس سرہ تحت قوله الماء وان كان على يده نجاسة حكمية فقط مانصه واما حكم المياه فالماء الاول مستعمل عند ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه لوجود ازالة الحدث والبواقی على حالها لانعدام مايوجب الاستعمال اصلا (ای لان الصورة مفروضة فی الانغماس للتبرد اوطلب الدلو فلانية قربة والحدث قدزال بالاول) وعند ابی يوسف ومحمد المياه كلها على حالها اما عند محمد فظاهر لانه لم يوجد اقامة القربة بشیئ منها واما ابو يوسف فقد ترک اصله عند الضرورة على مايذكر[1] اھ۔ فقد افادان لووجدت نية القربة لصار الماء مستعملا عند الامام الربانیّ

پندرھواں، پھر انہوں نے ان کے گزرے ہوئے قول "وان كان على يده نجاسة حكمية فقط" کے تحت فرمایا بہر حال پانی، تو پہلا پانی امام ابو حنیفہ کے نزدیک مستعمل ہے کیونکہ اس میں حدث کا ازالہ پایا جاتا ہے اور باقی اپنے حال پر باقی ہیں کہ وہاں کوئی ایسا سبب موجود نہیں جس کی بنا پر ان کو مستعمل قرار دیا جائے (یعنی مفروضہ تو یہ ہے کہ ٹھنڈک حاصل کرنے یا ڈول کی طلب میں غوطہ لگایا اور قربۃ کی نیت نہیں ہے، اور حدث پہلے ہی سے زائل ہوگیا) اور ابو یوسف اور محمد کے نزدیک کل پانی اپنی حالت پر ہیں، محمد کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ ان سے قربۃ ادا نہیں کی گئی ہے اور ابو یوسف نے ضرورت کی وجہ سے اپنی اصل کو چھوڑا ہے جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے اھ۔ پس انہوں نے بتایا کہ اگر قربۃ کی نیت ہوگی تو پانی مستعمل ہوگا

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

ایضاً بل ھو کذلک فان التحقیق انه لایقصر الاستعمال علی نیة القربة کما تقدم۔

امام ربانی کے نزدیک، بلاالکہ حقیقۃً یہی ہے کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ مستعمل ہونا نیتِ قربت پر موقوف نہیں جیسا کہ گزرا۔

اقول: فھذہ صرائح نصوص المسألة عن ائمة المذھب رضی اللہ تعالٰی عنھم اتی بھا ملک العلماء فلا یعارضھا ماوقع منه فی تعلیل اوجدل اما الجدل فظاھر(۱) والعلة ان صحت لزمت صحة الحکم ولاعکس لجواز ان تکون ھٰذہ باطلة والحکم معللا بعلة اخری وھھنا کذلک فان القول بنجاسة المستعمل معلل بوجوہ اخر ذکرت فی البدائع نفسھا والھدایة والکافی والتبیین وغیرھا وھذا العلامة قاسم قدرد علی ملک العلماء استدلاله بھذا الحدیث فی رسالته ھذہ وقد تقدم قوله انه لایطابق عمومه فروعھم المذکورۃ فی الماء الکثیر فیحمل علی الکراھة۔۔۔الخ وقال قبله حیث رد بعض کلام البدائع قولا قولا قوله وروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه قال لایبولن احدکم فی الماء الدائم ولا یغتسلن فیه من الجنابة من غیر فصل بین دائم ودائم۔۔۔الخ یقال علیه انظر ھل انت من اکبر مخالفی ھذا الحدیث حیث قلت انت ومشائخک انه یتوضؤ من الجانب الاخر فی المرئیة ویتوضؤ من ای جانب کان فی غیر المرئیة کما اذا بال فیه انسان اواغتسل جنب ام انت من العاملین

میں کہتا ہوں یہ تصریحات ہیں جو اس مسئلہ میں ائمہ مذہب سے منقول ہیں، ان کو ملک العلماء نے ذکر کیا ہے، ان کے معارض وہ عبارت نہیں ہوسکتی ہے جو انہوں نے علّت کے بیان کے وقت یا جدل کے طور پر بیان کی ہے، جدل کی بات تو ظاہر ہے اور علۃ اگر صحیح ہوئی تو حکم کی صحت کو لازم ہوگی، اور اس کا عکس نہ ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ علت باطلہ ہو اور حکم دراصل کسی اور علۃ کی وجہ سے ہو، اور یہاں یہی صورت حال ہے، کیونکہ مستعمل پانی کی نجاست کا قول دوسری علتوں کی وجہ سے ہے جو بدائع میں مذکور ہیں، ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں بھی یہی ہے، اور علّامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں ملک العلماء کے اس حدیث سے استدلال پر رَد کیا ہے اور ان کا یہ قول گزر چکا ہے کہ اس کے عموم اور ان کے مذکورہ فروع میں مطابقت نہیں پائی جاتی ہے جو ماءِ کثیر سے متعلق ہیں تو اس کو کراہت پر محمول کیا جائے گا الخ اور اس سے قبل فرمایا جہاں انہوں نے بدائع کے بعض کلام کو رد کیا ہے، اور ایک ایک بات کا رد کیا ہے کہ ان کا قول کہ روایت کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ٹھہرے ہوئے پانی میں ہرگز پیشاب نہ کرے اور نہ ہی غسلِ جنابت کرے، اس میں کوئی تفصیل نہیں ہے ایک ٹھہرے ہوئے اور دوسرے ٹھہرے ہوئے کے درمیان ۔۔۔الخ

به فانه لاعجب ممن ليستدل بحديث هو احد من خالفه اهـ وهذا مااشار اليه بقول لايطابق عمومه۔۔۔الخ۔

اقول: رحمكم الله جاوزتم الحدفى الاخذ والرد فاولا(۱)ماقالوه انما هوفى الكثير والكثير ملحق بالجارى والحديث فى الدائم **ثانيا:** (۲)الكراهة ان اريد بها كراهة التحريم لم يلائم قوله وبذلك اخبر راوى الخبر قال كنا نستحب الى اخرمامر مع انها لاتفيد كم اذلولم يتغير به الماء لم يكن وجه للنهى عنه الاترى ان الماء الكثير لعدم تغيره يجوز الاغتسال فيه اجماعا كمافى البدائع وقد استدل هو على نجاسة الماء المستعمل وشيخكم المحقق على الاطلاق على انسلاب الطهورية عنه بهذا النهى المفيد كراهة التحريم وان اريد بها كراهة التنزيه فعدول عن الحقيقة من دون ضرورة ملجئة ولا يلائمها نون التأكيدفى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم لايغتسلن وقددفع العلامة الاكمل فى العناية كراهة التنزيه بان تقييده بالدائم ينافيه فان الماء الجارى

اس پر یہ کہا جائے گا غور کرو کیا تم اس حدیث کے بڑے مخالفین میں سے ہو۔ کیونکہ تم نے اور تمہارے مشائخ نے کہا ہے کہ اگر نجاست نظر آرہی ہو تو دوسرے کنارے سے وضو کرلے اور اگر نظر نہ آتی ہو تو جس کنارے سے چاہے وضو کرے، جیسے کسی انسان نے اس پانی میں پیشاب کیا یا جنب نے غسل کیا۔ یا تم اس حدیث پر عمل کرنے والوں میں سے ہو،اس سے زیادہ تعجب خیز بات کیا ہوگی کہ جو شخص اس حدیث کا مخالف ہے وہی اس حدیث سے استدلال بھی کرتا ہے اھ اور یہ ہے وہ بات جس کی طرف انہوں نے اپنے قول **لایطابق عمومه** میں اشارہ کیا تھاالخ۔

میں کہتا ہوں اللہ تم پر رحم کرے تم نے قبول کرنے اور رد کرنے دونوں میں حد سے تجاوز کیا ہے اول تو یہ کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے وہ کثیر پانی کی بابت ہے اور کثیر جاری کے حکم میں ہے اور حدیث ٹھہرے ہوئے پانی سے متعلق ہے۔

ثانیاً: اگر کراہت سے مراد کراہت تحریم ہے تو یہ ان کے قول کے موافق نہ ہوگی، اور اسی کی خبر حدیث کے راوی نے دی فرمایا "کنا نستحب الخ" پھر یہ آپ کیلئے مفید نہیں، اس لئے کہ اگر اس کی وجہ سے پانی میں تغیر نہ ہوتا تو اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی، مثلاً کثیر پانی کہ وہ متغیر نہیں ہوتا اس سے غسل کرنا بالاجماع جائز ہے، جیسا کہ بدائع میں ہے اور اس نے خود اس سے مستعمل پانی کے نجس ہونے پر استدلال کیا ہے اور آپ کے شیخ محقق نے پانی سے طہوریت کے سلب ہوجانے پر استدلال کیا ہے، اور دلیل، یہی نہی ہے جو کراہت تحریمی کو ظاہر کرتی ہے اور اگر اس سے کراہت تنزیہی کا ارادہ کیا جائے تو یہ حقیقت سے بلا اشد ضرورت کے انحراف کرنا ہے

يشاركه فى ذلك المعنى فان البول كما انه ليس بادب فى الماء الدائم فكذلك فى الجارى فلا يكون للتقييد فائدة وكلام الشارع مصون عن ذلك اھ[1] وقد قال فى المجتبى اما البول فيه(۱) فمكروه قليلا كان اوكثيرا دائما اوجاريا وسمى ابو حنيفة رضى الله تعالٰى عنه من يبول فى الماء الجارى جاهلا اھ[2] كمافى ابن الشلبى على التبيين۔

اقول:(۲) المقرر عندنا ان نصوص الشارع لانظرفيها الى مفهوم الخالف ويجوز ان يكون ذكر الدائم نظرا الى الحكم الثانى هو النهى عن الاغتسال۔ **وثالثا:** هب(۳) انهم لم يعملوافى بعض الصور باطلاقه فليس من قيد اطلاقا اوخصص عموما لدليل لاح ممنوعا عن التمسك به فى شيئ اخر هذا وكذا عدم استعمال الماء بوقوع محدث فى البئر عند محمد على تسليمه لم لا تعللونه بما تقرر عندكم وصرحتم به غير مرة ان محمدا لا يقول بالاستعمال الا بنية القربة واى نية للساقط وانتم(۴) المصرحون كما تقدم ان الطاهران انغمس

اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لایغتسلن میں جو نُون تاکید ہے اس سے بھی اس کی مطابقت نہیں، اور علامہ اکمل نے عنایہ میں کراہت تنزیہ کو دفع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو "دائم" کی قید سے مقید کرنا اس کے منافی ہے کیونکہ جاری پانی بھی اس کا شریک ہے کراہۃ تنزیہ میں۔ کیونکہ پیشاب کرنا ٹھہرے ہوئے پانی میں خلافِ ادب ہے اس طرح جاری پانی میں مکروہ ہے تو مقید کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اور شارع کا کلام اس سے محفوظ ہے اھ۔ اور مجتبی میں ہے کہ پانی میں خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر، ٹھہرا ہوا ہو یا جاری، پیشاب کرنا مکروہ ہے، اور ابو حنیفہ نے جاری پانی میں پیشاب کرنے والے کو جاہل کہا ہے اھ جیسا کہ ابن شلبی علی التبیین میں ہے۔

ثالثًا: مان لیا کہ بعض صورتوں میں انہوں نے اس کے اطلاق پر عمل نہیں کیا ہے تو جس نے کسی مطلق کو مقید کیا ہو یا عام کو خاص کیا ہو کسی دلیل کی بناء پر، اس کو یہ ممنوع نہیں ہے کہ وہ اس جگہ سے کسی اور چیز کا استدلال کرے، اور اسی طرح پانی کا مستعمل نہ ہونا کسی مُحدِث کے کنویں میں گرجانے کی وجہ سے محمد کے نزدیک، اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے، توآپ اس کی علت وہ کیوں نہیں بتاتے ہو جو تمہارے نزدیک مقرر ہے، اور

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

[2] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۲۱

فیھا للاغتسال صار الماء مستعملا عند اصحابنا الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم لم یقل محمد ثم ان غیر المستعمل اکثر فلا یخرج عن کونہ طھوراً۔

السادس عشر:(۱)الروایۃ الصحیحۃ المعتمدۃ فی مسألۃ جحط رابعۃ لم تشملھا الحروف وھی طم ای ان الرجل طاھر زال حدثہ والماء طاھر غیر طھور قال فی الھدایۃ والکافی والتبیین والسراج وغیرھا انھا اوفق الروایات[1] وفی الدر انہ الاصح[2]

وفی الفتح وشرح المجمع انھا الروایۃ المصححۃ[3] وفی البحر انہ المذھب المختار وانہ الحکم علی الصحیح[4] فانقطعت الشبھۃ رأسا واستقر بحمداللہ عرش التحقیق علی ان الاستعمال یشیع فی الماء القلیل سریان النجاسۃ۔

السابع عشر: فرق قدس سرہ فی الحدث والنجاسۃ حیث تشیع ولا یشیع

تم نے ایک سے زائد مرتبہ اس کی وضاحت کی ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ پانی اس وقت مستعمل ہوگا جب قربۃ کی نیت ہو،اور جو پانی میں گر جائے اس کی کیا نیت ہوگی! اور تم نے تصریح کی ہے جیسا کہ گزرا کہ اگر پاک آدمی کنویں میں غوطہ لگائے نہانے کیلئے تو پانی ہمارے اصحاب ثلثہ کے نزدیک مستعمل ہوجائے گا،تو محمد نے کیوں نہیں کہا پھر غیر مستعمل اکثر ہے تو طہور ہونے سے خارج نہ ہوگا۔

سولھواں: صحیح روایت اور معتمد روایت مسئلہ جحط میں چوتھی ہے اس کو حروف شامل نہیں اور وہ طم ہیں یعنی انسان پاک ہے اس کا حدث زائل ہوگیا ہے اور پانی پاک تو ہے مگر طہور(پاک کرنے والا) نہیں ہے،ہدایہ،کافی، تبیین اور سراج وغیرہا میں ہے کہ یہ تمام روایتوں میں سب سے زیادہ جامع ہے،اور دُر میں اسی کو اَصَحّ کہا،اور فتح اور شرح مجمع میں کہا کہ یہی مصححہ روایت ہے اور بحر میں اسی کو مذہب مختار قرار دیا ہے اور یہ کہ صحیح قول کے مطابق حکم یہی ہے تو شبہ بالکل منقطع ہوگیا اور یہ امر محقق ہوگیا کہ مستعمل ہونا تھوڑے پانی میں اسی طرح سرایت کرتا ہے جس طرح نجاست سرایت کرتی ہے۔

سترھواں: قدس سرہ نے حَدَث اور نجاسۃ میں فرق کیا ہے کہ نجاست سرایت کرتی ہے اور حدث

[1] شلبی علی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۵
[2] دُر مختار باب میاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷
[3] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷
[4] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

بان النجس یختلط بالطاھر علی وجه لایمکن التمییز بینھمافیحکم بنجاسة الکل۔

اقول: اولا(۱)الوجه قاصر عن المدعی فرب نجس لایختلط ورب نجس یختلط ویمکن التمییز فلم یسری الحکم الی جمیع الماء القلیل ارأیتم لووقع فی الغدیر شعرة من خنزیر افلا یتنجس الا القدر الذی لاقاھا اذلا شیئ ھناک یختلط فلا یمکن التمییز ھذا لایقول به احد منا فان قلت تنجس بھا ماولیھا وھو مختلط بسائر الاجزاء بحیث لایمکن التمییز اقول فصبغ نجس القئ فی غدیر یلزم ان لاینجس الامایںصبغ به لحصول التمییز باللون فان قلت مالم ینصبغ جاور المنصبغ فسری الحکم الی الکل۔

اقول: ھذه طریقة اخری غیر ماسلک الامام ملک العلماء من ان الحکم بنجاسة الکل لعدم التمییز لاللسریان بالجوار وسیأتیک الرد علیھافی المائع وقد انکرھافی البدائع بقوله قدس سره الشرع ورد بتنجیس جار النجس لابتنجیس جارجار النجس الا تری(۲)ان النبی صلی الله تعالی علیه وسلم حکم بطھارة

سرایت نہیں کرتا ہے کیونکہ نجس پاک چیز کے ساتھ اس طرح مل جاتا ہے کہ دونوں میں امتیاز نہیں ہوسکتا ہے تو کل پر نجاست کا حکم ہوگا۔

میں کہتا ہوں اول وجہ مدعی سے قاصر ہے کہ بہت سے نجس مختلط نہیں ہوتے اور بہت سے نجس مختلط ہوتے ہیں اور ممتاز رہتے ہیں تو حکم قلیل پانی میں مکمل طور پر نہ ہوگا مثلاً تالاب میں خنزیر کا ایک بال گرجائے تو کیا صرف وہی نجس ہوگا جو بال سے متصل ہوا ہو کہ اس میں کوئی چیز مختلط ہونے والی نہیں پائی جاتی ہے لہذا امتیاز نہیں ہوسکتا ہے، یہ قول ہم سے کسی کا نہیں، اگر یہ کہا جائے کہ اس سے وہ پانی نجس ہوگا جو اُس سے متصل ہے اور وہ تمام اجزاء سے ملا ہوا ہے کہ تمیز ممکن نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ تھوڑی سی نجس قے کا تالاب میں مل جانا اس امر کو مستلزم ہے کہ صرف اتنا پانی ہی نجس ہو جو اس میں ملا ہو کیونکہ یہاں رنگ کی وجہ سے امتیاز حاصل ہو جائیگا۔ اگر کہا جائے کہ جو پانی قے سے آلود ہوگیا وہ اُس پانی سے مل جائے گا جو آلودہ نہیں ہوا ہے اس طرح کل پانی نجس ہوگیا۔

میں کہتا ہوں یہ ملک العلماء کے راستے کے علاوہ ایک اور راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ کل پانی کی نجاست کا حکم عدمِ تمیز کی بناء پر ہے اس لئے نہیں کہ متصل پانی میں اس نے سرایت کی ہے، اس کی تردید آپ مائع کے بیان میں پڑھ لیں گے، اور بدائع میں اس کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ شریعت نے ناپاک کے متصل کے ناپاک ہونے کا حکم دیا ہے یہ نہیں کہ متصل کے متصل کی ناپاکی کا حکم دیا ہے مثلاً یہ کہ حضور صلی اللہ

ماجاور السمن الذی جاور الفأرة وحکم بنجاسة ماجاور الفارة وھذا لان جار جارالنجس لوحکم بنجاسة لحکم ایضا بنجاسة ماجاور جار جار النجس الی مالانھایة له فیودی الی ان قطرة من بول اوفأرة لووقعت فی بحر عظیم ان یتنجس جمیع مائه لاتصال بین اجزائه وذلک فاسد[1] اھ۔ وقد کان سنح لی فی الرد علی ھذا ثلثة اوجه ذکرتھا علی ھامش نسختی البدائع **اولھا:** التقریر فی(۱) الجامد فلا سرایة **وثانیھا:**(۲) الشرع جعل الکثیر والجاری لایقبلان النجاسة مالم یتغیر احد اوصافھما والماء القلیل شیئ واحد فقیه جار الجار جار۔ **وثالثھا:** ذکر الشیخ الامام ھذا لابداء الفرق فی حکم الفارة والھر والشاة الواقعة فی البئر بنزح عشرین واربعین والکل بان الفارة یجاورھا من الماء عشرون دلو الصغر جثتھا فحکم بنجاسة ھذا القدر لان ماوراءه لم یجاور الفأرة بل جاور ماجاور الفأرة والشرع ورد الی اخرمامر۔(۳)فکتبت علیه ان لوفرض عدم التنجیس بالفأرة الاقدر عشرین لزم فساد الکل للاختلاط بحیث لایمتاز ثم رأیت العلامة ابن امیرالحاج ذکرفی الحلیة الوجھین الاولین بعبارات مطنبة مفیدة کما ھو دابه رحمه اللہ تعالٰی

علیہ وسلم نے اُس پانی کے پاک ہونے کا حکم دیا جو اس گھی سے متصل ہے جو چُوہے سے متصل ہے اور جو گھی چُوہے کے متصل ہے وہ ناپاک ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نجس کے متصل کا متصل اگر اس پر نجاسۃ کا حکم لگایا جائے تو جو متصل کے متصل کے ساتھ متصل ہوگا اس پر بھی نجاست کا حکم لگایا جائے گا اور یہ سلسلہ لامتناہی چلے گا، اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ یا چُوہیا بڑے سمندر میں گر جائے تو تمام کا تمام پانی ناپاک ہوجائے گا کیونکہ پانی کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے متصل ہیں، اور یہ غلط ہے اھ۔ میں نے اس کی تردید تین طرح کی ہے اور یہ وجوہ میں نے اپنے بدائع کے نسخہ کے حاشیہ پر ذکر کی ہیں: (۱) گفتگو جامد چیز میں ہے تو سرایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۲) شریعت نے کثیر اور جاری پانی کے بارے میں یہ حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک ناپاک نہ ہوگا جب تک اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف میں تبدیلی نہ ہوجائے اور تھوڑا پانی شیئ واحد ہے، اس میں متصل کا متصل، متصل ہے۔) ۳) شیخ امام نے یہ اس لئے بیان کیا ہے کہ چُوہیا، بلّی اور بکری جو کنویں میں گر جائے ان کے حکم میں فرق ظاہر ہوجائے، بیس، چالیس ڈول اور

[1] بدائع الصنائع فصل امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

فقال فی الاول معلوم ان الماء لیس بشیئ کثیف یمنع کثافته سریان النجاسة الواقعة فیه من محلها الذی حلت به الی غیرہ کما فی السمن الجامد لیقع الاقتصار فی التنجیس علی الجار المتصل دون غیرہ بل ھو مائع رقیق لطیف تعین لطافته ورقة اجزائه مع الاضطراب العارض له بواسطة الاخذ منه علی سرایة النجاسة الی سائر اجزائه ثم ذکر الثانی بعد کلام اٰخر[1]۔

کل پانی نکالا جائیگا۔ چُوہیا کے ساتھ پانی کے بیس ڈول متصل ہیں کیونکہ اس کا جسم چھوٹا ہے تو اتنی ہی مقدار پانی کی نکالی جائے گی کیونکہ اس مقدار کے علاوہ پانی چُوہیا کے متصل نہیں ہے بلکہ جو چُوہیا سے متصل ہے اس کے متصل ہے اور حکم شرعی اس کی مثل وارد ہوا ہے۔۔الخ۔ میں نے اس پر لکھا ہے کہ اگر یہ فرض کیا جائے کہ چُوہیا سے صرف بیس ڈولوں کی مقدار نجس ہوگی تو کُل کا فساد لازم آئیگا کہ اختلاط ہوا ہے اور امتیاز ختم ہوگیا۔ پھر میں نے علامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے حلیہ میں دو پہلی وجوہ مفصل عبارات سے لکھی ہیں، جیسا کہ ان کا اسلوب ہے، پہلی میں فرمایا یہ معلوم ہے کہ پانی کثیف شیئ نہیں کہ اس کی کثافت اس نجاست کی سرایت کو مانع ہو جو اس میں گری ہے، جیسا جامد گھی، تاکہ ناپاکی صرف متصل تک ہی محدود رہے دوسرے تک تجاوز نہ کرے، بلکہ پانی مائع ہے رقیق ہے لطیف ہے اس کی لطافت واجزاء کی رقت عارض ہونے والے اضطراب کے ساتھ، دوسرے تمام اجزاء تک نجاست کے سرایت کرنے میں معاون ہے، پھر دوسری وجہ دوسرے کلام کے بعد ذکر کی۔(ت)

والاٰن اقول:(۱) السمن الجامد ھل یقبل التنجس بجوار النجس ام لاعلی الثانی لم امر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بتقویر ماحول الفأرة وسلمتم نجاسته وعلی الاول اذا فرض ان جار النجس نجس وھلم جرا وجب تنجیس ما یجاور ھذا المأمور بتقویرہ لکونه مجاورا لھذا النجس وان لم یجاور الفأرة فلا یجدی الفرق باللطافة والکثافة بل لقائل ان

اور اب **میں کہتا ہوں** منجمد گھی نجس کے ملنے کی وجہ سے نجس ہونے کو قبول کرے گا یا نہیں! دوسری تقدیر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چُوہیا کے ارد گرد کے گھی کو دُور کرنے کا حکم کیوں فرمایا اور تم نے اس کی نجاست تسلیم کرلی، اور پہلی تقدیر پر جب یہ فرض کیا گیا کہ نجس کا پڑوسی نجس ہے اور ھلم جرا تو جو حصہ صفائی والی جگہ سے ملا ہوا ہے اس کو نجس کردے گا کیونکہ وہ اس نجس کے مجاور ہے اگرچہ چُوہیا کے مجاور نہیں تو لطافت وکثافت کا فرق کچھ مفید نہ ہوگا، بلکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے

[1] حلیہ

(۱)یقول اذا تنجس السمن حولها فما یجاور هذا السمن لیس جار جار النجس بل جار النجس وهکذا الی الاخر فان فرق بان السمن متنجس لانجس وجار النجس یتنجس لاجار المتنجس لزم ان لایتنجس الماء اذا القی فیه هذا السمن بعد التقویر لانه لاقی متنجسا لانجسا وبه یظهر مافی کلام ملک العلماء ویطوی هذا البساط من اوله۔

فاقول: وبالله التوفیق(۲)لیس سبب تنجس الطاهر مجاورته لنجس(۳)الا تری ان لولف ثوب نجس فی ثوب طاهر لم یتنجس الطاهر اذا کانا یابسین بل ولا اذا کانت فی النجس بقیة نداوة یظهر بهافی الطاهر مجرد اثر کمافی الدر والشامی وبیناه فی فتاوٰنا بل هو اکتساب الطاهر حکم النجاسة عند لقاء النجس وذلک یحصل فی الطاهر المائع القلیل بمجرد اللقاء وان کان النجس یابسالا بلةفیه وفی الطاهر الغیر المائع بانتقال البلة النجسة الیه فلا بد لتنجیسه من بلة تنفصل ثم یختلف الامر باختلاف جرم الطاهر لطافة وکثافة فالسرایةفی اللطیف اکثر منهافی الکثیف وکذلک قد یختلف باختلاف زمن التجاور اذا عرفت هذا فالسمن یقور ویلقی منه قدر مایظن سرایة البلة النجسة الیه ویبقی الباقی طاهرا لان التنجس لم یکن

کہ جب چُوہیا کے ارد گرد گھی نجس ہوگیا تو جو اس گھی کے مُجاور ہے وہ نجس کے متصل کا متصل نہیں ہے بلکہ نجس کا متصل ہے اور اسی طرح اخیر تک، اگر یہ فرق کیا جائے کہ گھی متنجس ہے نجس نہیں ہے اور نجس کا متصل نجس ہوتا ہے نہ کہ متنجس کا متصل، تو لازم آئے گا کہ پانی اس وقت نجس نہ ہو جب اس میں گھی نکھارنے کے بعد ملایا جائے کیونکہ اس کی ملاقات متنجس سے ہوئی نجس سے نہیں ہوئی، اس سے ملک العلماء کے کلام کی خامی ظاہر ہوجاتی ہے اور بساط ابتدا سے لپیٹ دی جاتی ہے۔

میں کہتا ہوں وباللہ التوفیق، پاک کا ناپاک ہونا اس لئے نہیں ہے کہ وہ ناپاک سے متصل ہے مثلًا یہ کہ اگر ایک نجس کپڑا پاک کپڑے میں لپیٹ دیا جائے تو پاک ناپاک نہ ہوگا، اگر وہ دونوں خشک ہیں بلکہ اس صورت میں بھی نجس نہ ہوگا جبکہ ناپاک میں تری باقی ہو جس کا محض اثر پاک پر ظاہر ہو، جیسا کہ دُر اور شامی میں ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے بلکہ وہ پاک کا نجاست کے حکم کو حاصل کرنا ہے نجس کے ملنے سے اور یہ اُس پاک میں ہوتا ہے جو مائع قلیل ہو، اور یہ محض ملنے سے ہوگا اگرچہ نجس خشک ہو اور اس میں تری نہ ہو، اور طاہر غیر مائع میں نجس تری اس کی طرف منتقل ہوگی تو اس کو ناپاک کرنے کیلئے تری کا ہونا ضروری ہے جو اس سے جُدا ہو، پھر معاملہ پاک کے جرم کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوگا، یعنی لطافت وکثافت کے اعتبار سے، تو لطیف میں بہ نسبت کثیف کے سرایت زیادہ ہوگی، اور اسی طرح یہ اختلاف اتصال کے زمانہ کے اختلاف سے بھی پیدا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

لمجاورة النجس حتی یقال ان السمن الذی بعده مجاور لهذا النجس بل لسرایة البلة وقد (۱) انتهت فظهران استشهاد ملک العلماء بمسألة السمن علی التفرقة بین الفأرة وما فوقها لاوجه له وانما الأبار تتبع الاٰثار، وما احسن ماقال المحقق رحمه الله تعالٰی فی فتح القدیر فی مسائل البئر من الطریق ان یکون الانسان فی ید النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه رضی الله تعالٰی عنهم کالاعمٰی فی یدالقائد [1] اھ۔ نسأل الله تعالٰی حسن التوفیق اٰمین۔**وثانیا**: وهو(۲)الثامن عشر لیس مذهبنا ان النجس اذا وقع فی الماء القلیل لم ینجس منه الاما اتصل به عینا والباقی باق علی طهارته وانما یمتنع استعماله مخافة استعمال النجس لاختلاطه به بحیث لایمکن التمییز بل المذهب قطعا شیوع النجاسةفینجس الکل وحینئذ۔**اقول**: ماذا(۳)یشیع من النجاسة عینها ام حکمها ای یکتسب الماء بمجاورتها حکمها الاول باطل قطعا لما علمت من انجاس لاتختلط وایضا قطرة من بول مثلا کیف تمتزج بغدیر کبیر غیر کبیر فان قسمة الاجسام

ہوتا ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو گھی کو نتھارا جائے گا اور اس میں سے اتنی مقدار پھینک دی جائے گی جتنی اس کی طرف نجس تری کی سرایت کا گمان ہو اور باقی پاک رہے گا کیونکہ ناپاک ہونا نجس کے اتصال کی وجہ سے نہ تھا کہ یہ کہا جائے کہ اس کے بعد والا گھی اس نجس کے مجاور (متصل) ہے بلالکہ اس کی نجاست تری کے اس کی طرف آجانے کی وجہ سے ہے اور تری ختم ہوچکی ہے، تو معلوم ہوا کہ ملک العلماء کا استشہاد گھی کے مسئلہ سے چوہیا اور اس سے بڑے جانور کے مسئلہ میں اختلاف کو ثابت کرنے کے لئے بلاوجہ ہے اور بیشک کُنویں آثار کے تابع ہوتے ہیں، اور محقق نے فتح القدیر میں خوب فرمایا کنویں کے مسئلہ میں، صحیح راستہ یہ ہے کہ انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ میں اس طرح ہاتھ دے دے جیسے اندھا اپنے قائد کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے، ہم اللہ تعالٰی سے احسن توفیق کے سائل ہیں۔ اور ثانیا (اور یہی اٹھارھواں ہے) ہمارا مذہب یہ نہیں ہے کہ جب نجاست تھوڑے پانی میں گر جائے تو صرف وہی پانی ناپاک ہوگا جو اس سے متصل ہے اور باقی پاک رہے گا اور اس کا استعمال اس لئے ممنوع ہوگا کہ کہیں اس میں ناپاک مل کر نہ آجائے اور پتا نہ چل سکے، بلالکہ قطعی مذہب یہ ہے کہ نجاست تمام کو شامل ہوگی۔

اور اس صورت میں **میں کہتا ہوں** کہ نجاستہ کے عموم سے کیا راد ہے کیا عین نجاست عام ہوگی یا اس کا حکم عام ہوگا؟ یعنی قریبی پانی پر بھی اس کا حکم لاگو ہوگا، پہلی صورت تو قطعاً باطل ہے کیونکہ معلوم ہوچکا ہے کہ نجاستوں میں اختلاط نہیں پایا جاتا ہے

[1] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۸۶/۱

متناھیة عندنافیستحیل ان یکون فی الصغیر مایساوی عدة حصص الکبیر وللثانی وجھان الانتقال التدریجی ای یکتسب الحکم مایلیھا من الماء من کل جانب ثم الاجزاء التی تلی ھذہ المیاہ تکتسب من ھذہ ثم وثم الی ان ینتھی الی جمیع الماء مالم یبلغ حد الکثرة ام الثبوت الدفعی بان ینجس الکل بوقوع النجس معامن دون توسیط وسائط الاول باطل لانا نعلم قطعا ان بوقوع قطرة من بول مثلافی ھذا الطرف من غدیر طولہ مائة ذراع وعرضہ ذراع الانصف اصبع وعمقہ الف ذراع یتنجس الطرف الاخر واخر القعر معالاان الشرع یحکم بتأخر تنجس ذلک الطرف بزمان صالح لانتقال الحکم شیئا فشیئا فاذن ثبت ثبوت الحکم للکل معاصالة بدون توسط.ومعلوم من الشرع ان الماء لاینجسہ الاملاقاة النجس وقد افدتم انتم ھھنا ان ملاقاة النجس الطاھر توجب تنجیس الطاھر وان لم یغلب علی الطاھر فوجب ان الملاقاة حصلت لکل الماء دفعة لابالوسائط ومعلوم قطعا ان اللقاء الحسی اٰن الوقوع لیس الا لجزء خفیف والامر اظھر فی نحو الشعرة المذکورة فثبت انھا حین وقعت لاقت جمیع اجزاء الماء القلیل والا لما تنجس الکل معالعدم السبب فظھر وللہ الحمد ان الماء القلیل فی نظر

مثلاً پیشاب کا ایک قطرہ تالاب سے کیسے مختلط ہوگا، کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام کی تقسیم متناہی ہے، تو یہ امر محال ہے کہ چھوٹی چیز بڑی چیز کے متعدد حصّوں سے مل جائے اور دُوسری شق میں بھی دو صورتیں ہیں، ایک تو تدریجی انتقال ہے، یعنی جو پانی نجاست کے متصل ہے وہ حکم کو حاصل کرلے ہر طرف سے، پھر اس سے متصل پانی کے دوسرے اجزاان سے حکم کو حاصل کرلیں اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے جب تک کہ یہ حکم تمام پانی کو عام نہ ہوجائے، جب تک حدِ کثرت کو پانی نہ پہنچے یا انتقال دفعۃً اور یکدم ہو کہ نجاست گرتے ہی سارا پانی ناپاک ہوجائے اور درمیان میں کوئی واسطہ نہ آئے، پہلا باطل ہے کیونکہ ہم قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اگر پیشاب کا ایک قطرہ ایسے حوض میں گرجائے جس کی لمبائی سَو ہاتھ ہے اور چوڑائی ایک ہاتھ سے ایک انگلی کم اور گہرائی ایک ہزار ہاتھ ہے اب جس کنارے میں وہ قطرہ گرا ہے وہ قطعاً ناپاک ہے اور دوسرا کنارہ بھی ناپاک ہے اور گہرائی کا آخری حصہ تک ناپاک ہے اور یہ سب بیک وقت ہوگا یہ نہیں کہ شریعت دوسرے کنارے کی ناپاکی کا حکم قدرے تاخیر سے دے گی کہ آہستہ آہستہ حکم اس کی طرف منتقل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ حکم اصالۃً تمام پانی کیلئے بیک وقت بلا توسط کے منتقل ہوگا، اور یہ بات معلوم ہے کہ شریعت پانی کو اس وقت تک نجس قرار نہیں دیتی ہے جب تک کہ نجاست اس کی طرف منتقل نہ ہو اور آپ نے یہاں فرمایا ہے کہ نجس کا پاک سے ملنا پاک کو نجس

الشرع کشیئ واحد بسیط وان ملاقاۃ جزء منه ملاقاۃ للکل(۱)فثبت ان المحدث اذا ادخل یدہ مثلافی الغدیر الغیر الکبیر فبمجرد الادخال لاقاھا الماء کله فصار جمیعه مستعملا والحمد ﷲ علی حسن التفهیم وتواتر الائه

وبالجملة لوکان اللقاء یقتصر علی ماا تصل به حقیقة لم یتنجس بوقوع الشعرۃ الاقطیرات تحیطھا لان سبب التنجیس لیس الاملاقاۃ النجس وھی مقصورۃ علی تلک القطیرات لکنه باطل قطعا فعلم ان الکل ملاق وانه لامساغ لان یقال ان غیر الملاقی اکثر من الملاقی وﷲ الحمد دائم الباقی والصّلوٰۃ والسلام علی المولی الکریم الواق، واٰله وصحبه اجمعین الی یوم التلاق۔

ثالثا وھو(۲)**التاسع عشر** قصر الحکم علی الملاقی یحیل الاستعمال، ویسلکه فی سلک المحال، وذلک لان الاجسام لاتتلاقی الابالسطوح لاستحالة تداخل الاجسام وانی یقع السطح من الجسم فماء الوضوء والغسل یجب ان یبقی طھور الان الذی لاقی منه بدن المحدث سطح والباقی جسم فلا یسلبه الطھوریة لان المستعمل

کردیتا ہے خواہ وہ پاک پر غالب نہ ہوا ہو، تو معلوم ہوا کہ ملاقاۃ تمام پانی سے دفعۃً بلاواسطوں کے ہوئی ہے، اور یہ قطعی معلوم ہے کہ یہ حسی لقاء محض ایک خفیف جزء سے ہے، یہ چیز بال کی مثال سے واضح ہے جو گزر چکی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جب وہ نجاست گری تو کم پانی کے تمام اجزاء سے ملی، ورنہ تو تمام پانی بیک وقت ناپاک نہ ہوتا کیونکہ اس کا سبب موجود نہیں، اس سے ثابت ہوا کہ تھوڑا پانی شارع کی نگاہ میں شیئ واحد ہے اور بسیط ہے اور اس کے ایک جزء کی اس سے ملاقاۃ کُل سے ملاقاۃ ہے تو ثابت ہوا کہ مُحدِث جب اپنا ہاتھ مثلاً چھوٹے تالاب میں ڈالے تو ہاتھ ڈالتے ہی کُل پانی اُس سے مل گیا تو سب مستعمل ہوگیا، اور خلاصہ یہ کہ اگر ملاقاۃ صرف اسی حد تک ہوتی جس سے پانی حقیقۃً ملا ہے تو بال گرنے سے صرف چند قطرات ہی نجس ہوتے جو بال کے گردا گرد ہوتے کیونکہ ناپاکی کا سبب نجس سے ملاقاۃ ہے جو اِن چند قطروں تک محدود ہے، مگر یہ چیز قطعاً باطل ہے، تو معلوم ہوا کہ سارے کا سارا مُلاقی ہے اور اس کے سوا چارہ کار نہیں کہ یہ کہا جائے کہ غیر مُلاقی، ملاقی سے زیادہ ہے۔(ت)

ثالثا، یہی (انیسواں) ہے حکم کا محض ملاقی تک محدود رکھنا استعمال کو محال کرنا ہے کیونکہ اجسام کی ملاقاۃ صرف سطوح سے ہوتی ہے، کیونکہ اجسام میں تداخل محال ہے اور سطح کو جسم سے کتنی نسبت ہے؟ تو وضو اور غسل کا پانی واجب ہے کہ طہور ہے کیونکہ پانی کے جس حصّے کو مُحدِث کا بدن ملا ہے وہ فقط سطح ہے اور باقی جسم ہے تو وہ اس کی طہوریۃ کو سلب نہ کرے گا، کیونکہ مستعمل، اپنے غیر سے

اقل بكثيرة من غيره۔

فان قلت: نعم هو الحقيقة ولكن الشرع المطهر اعتبر كل الجسم المصبوب على بدن المحدث مستعملا لانه شيئ واحد متصل۔

قلت: فكذا كل ماء قليل شيئ واحد حكما شرعيا متصل حسا عاديا ولم يكن ذلك فى المصبوب للصب بل لقلته الا ترى ان ماء الغدير يتنجس كله معا بوقوع قطرة من نجس وما هو الا لانه شيئ واحد لقاء جزء منه لقاء الكل كما بينا فبا دخال المحدث يده فى الاناء لاقاها كل مافى الاناء لاالسطح المتصل بها

فقط وفيه المقصود فان قلت المؤثر الاستعمال وهو بالصب يعد مستعملا لكل المصبوب فيصير كله مستعملا۔

قلت: لادخل لفعل المكلف عندنا انما المؤثر كون الماء القليل المعدود شرعا شيئا واحدا اسقط فرضا اواقام قربة وهذا حاصل فى الوجهين۔

ورابعاوهو (۱) العشرون ماء فى طست اراد المحدث ان يغسل به يده فله فيه وجهان ان يصبه على يده فيرد الماء على الحدث اويدخل يده فى الطست فيرد الحدث على الماء

بہت کم ہے۔اگر کہا جائے کہ حقیقۃ تو ایسا ہی ہے لیکن شریعت نے کل پانی کو جو مُحدِث کے جسم پر بہا گیا ہے مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ وہ شیئ واحد ہے اور متصل ہے۔

میں کہتا ہوں اسی طرح ہر تھوڑا پانی حکم شرعی کے اعتبار سے شیئ واحد ہے اور حسّی اعتبار سے متصل ہے اور یہ چیز بہائے پانی میں بہانے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس کی قلّت کی وجہ سے ہے،اس لئے تالاب کا کل پانی بیک وقت ناپاک ہوجاتا ہے جبکہ اس میں نجاست کا کوئی قطرہ گر جائے،اور یہ اسی لئے ہے کہ وہ شَے واحد کی طرح ہے،اُس کے ایک جُزء سے ملاقات کل سے ملاقات ہے،جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو جب مُحدِث نے اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا تو برتن میں جو کچھ تھا اُس سے ہاتھ کی ملاقات ہوگئی،یہ نہیں کہ صرف اس کی متصل سطح سے ملاقات ہوئی اور اسی میں مقصود ہے،اگر کہا جائے کہ استعمال میں مؤثر بہانا ہے تو کل بہایا ہوا مستعمل شمار ہوگا تو کل مستعمل ہوگا۔

تو میں کہوں گا ہمارے نزدیک مکلّف کے فعل کا کوئی دخل نہیں،موثر تو صرف یہ ہے کہ تھوڑا پانی شرعاً ایک شَے ہے خواہ وہ فرض کو ساقط کرے یا قربۃ ادا کرے اور یہ دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔اور رابعاً اور یہی (بیسواں) ہے،اگر ایک طشت میں پانی ہے اور مُحدِث یہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنا ہاتھ دھوئے،تو اس کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ اس کو ہاتھ پر بہائے تو پانی حَدَث پر واقع ہوگا اور یا یہ کہ ہاتھ کو طشت میں ڈال دے

فان صبه كله على يده يصير كله مستعملا قطعا باجماع اصحابنا وان كان يكفيه بعضه وقد اسرف لكن لامساغ لان يقال انما استعمل قدر ما يكفيه والفضل بقى على طهوريته فكذا اذا ادخل يده فى كله وغسلها هناك واى فرق بينهما وبالله التوفيق۔

تو حَدَث پانی پر وارد ہوجائیگا تو اگر سب ہاتھ پر بہایا تو کل قطعاً مستعمل ہوجائیگا، اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے اگرچہ اس کو بعض کفایت کرتا، اور اس نے اسراف کیا مگر یہ کہنے کا جواز نہیں کہ صرف اتنی مقدار مستعمل ہوئی جو اس کو کفایت کرتی اور باقیماندہ اپنی طہوریۃ پر رہا تو اسی طرح جب اس نے اپنا ہاتھ سب پانی میں داخل کیا اور اس کو وہاں دھویا، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ وباللہ التوفیق۔

وخامسا اقول: وبالله التوفيق (۱) وهو الحادى والعشرون: الاستعمال مبنيا للمفعول اى صيرورة الماء مستعملا لايمكن ثبوته لا يلاقى بدن المحدث وهو سطح الماء الباطن لان الاستعمال انسلاب الطهورية فلا يثبت الافيما كان طهورا كما ان الموت لايلحق الاما كان حيا ومعلوم ان الطهوريه صفة جرم الماء قال الله عزوجل "وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا"[1] وقال تبارك وتعالى وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ[2] لا صفة احدا اطرافه التى لاوجود لها الا بالانتزاع على فرض اتصال الاجسام ولا فى الغسل صفة طرف لا يتجزى لانه اسالة ولا اسالة الا بالجسم والا ففيم يمتاز عن المسح، وبعبارة اخرى هل استعمال الماء عدم صلوحه للتوضى به ام سقوط

اور **خامسا میں کہتا ہوں**، وباللہ التوفیق، اور یہ (اکیسواں) ہے، استعمال مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کے مستعمل ہونے کا ثبوت ممکن نہیں ہے اس چیز کیلئے جو بدن محدث کو ملاقی ہو اور وُہ باطنی پانی کی سطح ہے اس لئے کہ استعمال کے بعد طہوریت کا سلب ہوجانا ہے تو یہ اسی چیز میں ثابت ہوگا جو طہور ہو، جیسے موت اُسی چیز پر طاری ہوتی ہے جو زندہ ہو اور یہ معلوم ہے کہ طہوریت پانی کے جسم کی صفت ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوۡرًا (ہم نے آسمان سے پاک پانی برسایا) نیز فرمایا وَيُنَزِّلُ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمۡ بِهٖ (وہ آسمان سے تم پر پانی برساتا ہے تاکہ تم کو اسی سے پاک کرے) یہ اس کی کسی طرف کی صفت نہیں ہے جس کا وجود محض انتزاعی ہے جبکہ اجسام کا اتصال فرض کیا جائے، اور نہ ہی غسل میں کسی طرف کی صفت ہے جس میں تجزی نہ ہو، اس لئے کہ غسل کا معنی

[1] القرآن ۴۸/۲۵

[2] القرآن ۱۱/۸

الصلوح بعد ثبوته علی الاول کان الملاقی مستعملا قبل ان یلاقی لان السطح لایمکن التوضی به وعلی الثانی لایصیر الملاقی مستعملا ابدا لانه لم یکن صالحا له قط،وبه ظهر وﷲ الحمد(۱)ان فی مسائل انغماس المحدث والفروع الکثیرۃ الناطقة بصیر ورۃ الماء مستعملا بدخول بعض عضو المحدث من دون ضرورۃ صرف الکل الی معنی ان القدر الملاقی للبدن یصیر مستعملا لابقية ماء البئر او الزیر،(الغدیر)کما فعله فی الحلیة محتجا بما وقع فی البدائع وتبعه البحرفی البحر صرف ضائع لامساغ له اصلا وفیه(۲)ابطال صرائح النصوص الدائرۃ السائرۃفی الروایات الظاھرۃ عن جمیع ائمة المذھب رضی اﷲ تعالٰی عنھم حیث حکموا بالاستعمال وحصل بالصرف ان لااستعمال فان صح تاویل الاثبات بالنفی والنقیض بالنقیض صح(۳)ھذا ورحم اﷲ البحر حیث صدر منه فی البحر الاعتراف بالحق ان ھذا التاویل لیس بتاویل بل تبدیل للحکم وتحویل حیث عبر عنه تحت جحط بقوله ان ماء البئر لایصیر مستعملا مطلقا[1] ۔۔۔الخ۔ فھذا ھو معنی ذلک التاویل حقیقة ولا مساغ لما انصرف الیه ان المستعمل ماتساقط عن الاعضاء وھو مغلوب فان ما تساقط لم یلاق ایضا انما الملاقی سطح وھو لایقبل الاستعمال۔

بہانا ہے اور بہانا جسم پر ہی ہوگا ورنہ غسل مسح سے کیونکر ممتاز ہوگا؟اور بالفاظِ دیگر،آیا پانی کے مستعمل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اس بات کی صلاحیت ہی نہیں ہے کہ اس سے وضو کیا جاسکے؟ یا صلاحیت ثابت ہونے کے بعد ساقط ہوئی؟ پہلی صورت میں ملاقی مستعمل ہوگا قبل اس کے کہ ملاقات کرے کیونکہ سطح سے وضو ممکن نہیں اور دوسری تقدیر پر مُلاقی کبھی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں اس کی صلاحیت کبھی نہ تھی،اور اس سے معلوم ہوا کہ مُحدث کا غوطہ لگانا،اور بہت سی فروع جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر ضرورت محدث کے کسی بھی عضو کے پانی میں داخل ہوجانے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے بغیر اس معنی کی طرف پھیرنے کی ضرورت کے کہ جس قدر پانی بدن سے ملا ہے وہ مستعمل ہوگا نہ کہ کنویں کا باقی پانی یا تالاب کا باقی پانی،جیسا کہ حلیہ میں کیا ہے،انہوں نے بدائع کی عبارت سے استدلال کیا ہے،اور محقق نے بحر میں اس کی متابعت کی ہے۔ مگر اس کا کوئی جواز نہیں،اور اس میں صریح نصوص جو تمام ائمہ مذہب سے ظواہر روایت میں ہیں،کا ابطال ہے کہ ان سب نے استعمال کا حکم لگایا ہے اور یہ معنی کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پانی مستعمل نہیں،اگر اثبات کی تاویل نفی سے اور نقیض کی نقیض سے ہوسکتی ہے تو یہ بھی صحیح ہے،علامہ محقق نے بحر میں منصفانہ بات کہی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ تاویل نہیں بلکہ حکم کی تبدیلی ہے،کیونکہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۸/۱

وسادسا:(۱)**وهو الثانی والعشرون:** ماذکر قدس سره علی مذهب الامام رضی الله تعالٰی عنه ومن وجوب نزح الماء کله یهدم اساس الفرق بین النجاسة العینیة والحدث اذلیس فی بدن المحدث مایختلط بالطاهر علی وجه لایمکن التمییز وانما یتنجس مایلاقی وقد قصرتموه علی ماا تصل ببدنه فکان یجب ان لایتنجس الا هو واختلاط ماجاوره من الماء بسائره یدفعه ماذکرتم فی الفرق بین الفأر والهر ولایسری لما افدتم من ان النجس هو جار النجس لاجار الجار لکن الامام اوجب نزح الکل فوجب القول بان الملاقی کل الماء واذن کما یتنجس کله عند الامام فیما یروی عنه کذلک تنسلب الطهوریة عن کله علی مذهبه المعتمد المفتی به لحصول السبب فی الکل۔

وبعبارة اخری کما قال قدس سره علی روایة الحسن الفرق بین المحدث والجنب کذلک نقول هنا ان بوقوع المحدث فی البئر هل ثبت اللقاء للماء کله اولا علی الثانی لم وجب نزح الجمیع فقد افدتم ان الجوار لایتعدی وعلی الاول حصل المقصود وبالجملة هنا

جحط کے تحت انہوں نے فرمایا کہ "کنویں کا پانی مستعمل نہ ہوگا مطلقًا۔۔۔الخ" یہ ہیں اُس تاویل کے حقیقی معنی،اور جو انہوں نے فرمایا ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔ وہ فرماتے ہیں مستعمل وہ ہے جو اعضاء سے گرا اور وہ مغلوب تھا کیونکہ جو گرا اس کی ملاقات نہ ہوئی تھی ملاقی تو صرف سطح ہے اور وہ استعمال کو قبول نہیں کرتی ہے۔اور **سادسًا**(اور وہ بائیسواں ہے) جو قدس سرہ نے مذہب امام پر ذکر کیا ہے کہ کل پانی نکالا جائے گا وہ نجاست عینیہ اور حَدَث کے فرق کی اساس کو منہدم کرتا ہے کہ بدن محدث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو طاہر سے اس طور پر مل جائے کہ تمیز ممکن نہ ہو،اور نجس صرف وہ ہوتا ہے جو اُس سے ملاقی ہو اور تم نے اس کو صرف اُس پر منحصر رکھا ہے جو اُس کے بدن سے ملتا ہے تو چاہئے کہ صرف وہی نجس ہو اور اس پانی کا اختلاط جو باقی بدن سے لگا ہے اس کو وہ فرق دفع کرتا ہے جو تم نے بلّی اور چُوہے میں بیان کیا ہے،اور وہ سرایت نہ کرے گا، کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ نجس وہ ہے جو نجس کا پڑوسی ہے نہ کہ پڑوسی کا پڑوسی، لیکن امام نے کل پانی کے نکالنے جانے کو ضروری قرار دیا ہے تو یہ قول لازم ہوا کہ ملاقی کل پانی ہے،اور اس صورت میں جیسے کل پانی امام کے نزدیک نجس ہوتا ہے جیسا کہ اُن سے مروی ہے اسی طرح طہوریۃ کل پانی سے سلب ہو جائے گی جیسا کہ اُن کا مذہب معتمد مفتی بہ ہے کیونکہ سبب کل میں موجود ہے،اور بالفاظِ دیگر جیسا کہ قدس سرہ نے فرمایا حسن کی روایت کے مطابق فرق محدث اور جنب کے درمیان میں۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ محدث کے کنویں میں گرنے سے کیا کل پانی سے لِقاء ثابت ہوگی یا نہیں؟اور بر تقدیر ثانی کنویں کا کل پانی نکالنا کیوں

شیئًان السبب والحکم اما السبب فمتفق علیه وهو اللقاء وانما الخلف فی الحکم انه التنجس اوانسلاب الطهورية فان اقتصر السبب علی ما اتصل وجب قصر الحکم علیه ای حکم کان وان شمل احد الحکمین جمیع الماء ثبت ثبوت السبب فی الکل فوجب شمول الحکمین للکل وبالله التوفیق۔

وسابعا:(۱)**وهو الثالث والعشرون**: افدتم ان الفأرة یجاورها من الماء عشرون دلو الصغر جثتها وفی الدجاجة والسنور المجاورة اکثر لزیادة ضخامةفی جثتها والادمی یجاور جمیع الماءفی العادة لعظم جثته [1]اھ وذکرتم انه الفقه الخفی فهذا تصریح منکم بان المحدث الواقع فی البئر قد جاور جمیع الماءفیجب ان یصیر جمیعه مستعملا وطاح القول بان المستعمل ما یلاقیه وهو اقل من غیره وایضا ماء الطست وکثیر من الاجانات لایبلغ عشرین دلوا ولا عشرا وکف الانسان لیس باصغر من فأرة فاذا ادخل محدث یده فی اجانة وجب ان یصیر کله مستعملا ولا مساغ ههنا للفرق بین النجاستین العینية والحکمية فان الجوار

لازم ہوا کیونکہ آپ نے کہا ہے کہ جواز متعدی نہیں ہوتا ہے اور پہلی تقدیر پر مقصود حاصل ہوگیا۔ اور خلاصہ یہ کہ یہاں دو چیزیں ہیں، سبب اور حکم۔ سبب تو متفق علیہ ہے اور وہ ملاقاۃ ہے اور اختلاف صرف حکم میں ہے اور وہ ناپاک ہونا ہے یا طہوریت کا سلب ہونا ہے، اگر سبب متصل پر موقوف ہو تو حکم کا بھی اس پر مقصود کرنا واجب ہوگا، جو بھی حکم ہو، اور اگر ایک حکم تمام پانی کو شامل ہو تو سبب کل میں ہونا ثابت ہوجائے گا تو دونوں حکموں کا کل کو شامل ہونا لازم ہوگا، وباللہ التوفیق۔

سابعاً(اور وہ تئیسواں ہے)آپ نے کہا ہے کہ چُوہیا سے متصل بیس ڈول پانی ہوتا ہے کیونکہ اس کا جسم چھوٹا ہے اور مُرغی اور بلّی میں ان کی ضخامت کی وجہ سے زائد پانی متصل ہوتا ہے اور آدمی اپنے جُثّہ کے بڑے ہونے کی وجہ سے کل پانی کے متصل ہوتا ہے اھ اور تم نے ذکر کیا ہے کہ یہ فقہ خفی ہے، یہ تمہاری طرف سے اس امر کی صراحت ہے کہ جو محدث کنویں میں گرتا ہے وہ تمام پانی کے مجاور ہوتا ہے تو لازم ہے کہ وہ تمام مستعمل ہو، اور یہ قول غلط ہوا کہ مستعمل وہ ہے جو اس سے ملا ہوا ہے اور وہ اس کے غیر سے اقل ہے اور طشت کا پانی اور بہت سے مٹکوں کا پانی بیس ڈول بلاکہ دس ڈول کی مقدار تک نہیں ہوتا اور انسان کی ہتھیلی چوہیا سے چھوٹی نہیں ہوتی، تو جب محدث نے اپنا ہاتھ مٹکے میں ڈالا تو واجب ہے کہ اس کا کل مستعمل ہو، اور یہاں کوئی فرق نہیں دو نجاستوں کے درمیان عینیہ

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر به المحل نجساً ۷۵/۱

يحصل بين الجسمين لذا تهما ولامدخل فيه لوصف قام باحدهما حتى يختلف باختلافه۔
فان قيل: حقيقة المجاورة ليست الالما اتصل بالجسم وانما سرى الى عشرين فى الفأرة واربعين فى الهر والكل فى الادمى لان الميت تنفصل منه بلات وتتفاوت بتفاوت الجثث قال ملك العلماء وجب تنجيس جميع الماء اذا تفسخ شيئ من هذه الواقعات اوانتفخ لان عند ذلک تخرج البلة منها لرخاوة فيها فتجاور جميع اجزاء الماء وقبل ذلک لايجاور الاقدر ماذكرنا لصلابة فيها [1] اھ۔ فالمراد بمجاورة عشرين واربعين والكل مجاورة البلة دون الجثة وانما لاقت الجثة مالاقت۔
اقول: فاذن ينتقض ماذكر تم فى وقوع محدث فى البئر على قول الامام بنجاسة الماء المستعمل لعدم بلة هناک تنفصل والحق على مايظهر للعبد الضعيف غفرله ان الماء ان كان شيئا واحدا متصلا حقيقة كما تزعمه الفلاسفة فلا شک ان لقاء بعضه لقاء كله بل لابعض هناک لعدم

اور حکمیہ میں، کیونکہ جوار دو جسموں کی ذاتوں کو حاصل ہوتا ہے اور اس میں کسی ایسے وصف کو دخل نہیں جو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ قائم ہوتا کہ اس کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہو جائے۔
اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ حقیقی مجاورۃ تو اسی چیز کیلئے ہے جو جسم سے متصل ہو، اور یہ بیس ڈول تک چوہیا میں سرایت کرتی ہے اور چالیس تک بلّی میں، اور کل پانی میں آدمی کے گرنے کی صورت میں کیونکہ میت سے تریاں جُدا ہوتی ہیں اور ان میں جثّوں کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔ ملک العلماء نے فرمایا کہ ان اشیاء میں سے اگر کوئی چیز پُھول جائے یا پھَٹ جائے تو کل پانی کا نجس قرار دینا ضروری ہے، کیونکہ اس صورت میں ان اشیاء سے تری خارج ہوگی کیونکہ ان میں نرمی ہے اور پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہو جائے گی، اور اس سے قبل صرف اس مقدار کے متصل تھی جس کا ہم نے ذکر کیا کیونکہ اس صورت میں یہ اشیاء سخت تھیں اھ۔ تو بیس، چالیس یا کل کی مجاورۃ سے مراد تری کی مجاورۃ ہے نہ کہ جُثّہ کی، جُثّہ تو جس سے ملا ہے سو ملا ہے۔
میں کہتا ہوں جو آپ نے کہا ہے اس پر یہ نقض وارد ہوتا ہے کہ اگر محدث کنویں میں گر جائے تو امام کے قول پر مستعمل پانی نجس ہو جائے گا کیونکہ وہاں کوئی تری موجود نہیں جو محدث سے الگ ہوئی ہو، اور جو حق مجھ پر ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی اگر متصل واحد ہے حقیقۃً جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کے بعض سے ملاقاۃ کل سے ملاقات

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

التجزی بالفعل وان کانا جزاء متفرقة کما ھو عندنا ان تألف الاجسام من جواھر فردة تتجاور ولا تتلاصق لاستحالة اتصال جزئین۔

اقول: وکل ماتجشمه الفلاسفة وخدمھم من اقامة براھین ھندسیة وغیرھا علی استحالة الجزء وقد اوصلھا الشیرازی فی شرح الغوایة المسماة ھدایة الحکمة الی اثنی عشر وسماھا حججا انما تدل علی استحالة الاتصال دون امتناع نفس وجود الاجزاء ومبنی الھندسة علی توھم خطوط متصلة ولا حاجة لھا الی وجودھا عینا فضلا عن اتصالھا کالھیأة تبتنی علی توھم مناطق ومحاور واقطاب ودوائر وان لم یکن لھا وجود عینی بل اولی فان الھندسة تستغنی عن وجودھا بوجود المناشی ایضا فلا یرد علینا شیئ من ذلک وللہ الحمد(۲)وقد اغفل ذلک کثیر من المتکلمین فاحتار وافی دفع شبه المتفلسفین و باللہ التوفیق، بل الجسم عـه

متصور ہوگی، بلالکہ یہاں بعض کا تصوّر ہی نہیں کیونکہ بالفعل تجزی نہیں ہے اور اگر متفرق اجزاء ہوں جیسا کہ ہمارے نزدیک ہے کیونکہ ہمارے نزدیک اجسام جواہر منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء مجاور ہوں گے لیکن متصل نہیں ہونگے، کیونکہ دواجزاء کا اتصال محال ہے۔

میں کہتا ہوں فلاسفہ نے جو تگ ودَو کی ہے کہ براہین ہندسیہ سے جزء کا ابطال کیا ہے، اور شیرازی نے شرح الغوایہ جس کا نام "ہدایۃ الحکمۃ" ہے ایسے بارہ دلائل قائم کئے ہیں اور ان کا نام حجۃ رکھا ہے، اُن سے صرف اجزاء کا اتصال محال ثابت ہوتا ہے نفس جزء کا استحالہ ثابت نہیں ہوتا ہے اور ہندسہ کی بنیاد خطوط متصلہ کے توہم پر ہے، اور ان کا موجود ہونا خارج میں کچھ ضروری نہیں چہ جائیکہ ان کا اتصال، جیسے علم ھیأۃ کا دارومدار، مِنطقوں، محوروں، قطبوں اور دوائر کے توہم پر مبنی ہے اگرچہ ان کا خارجی وجود نہ ہو، بلکہ اس سے بھی اولیٰ ہے کیونکہ علمِ ہندسہ ان کے وجود سے ان کے منشاء کے وجود سے بھی مستغنی ہے، توان میں سے کوئی چیز ہم پر وارد نہیں ہوتی وللہ الحمد، اس سے بہت متکلمین غافل رہے اور متفلسفین کے

عـه **تنبیه:**(۳)فان قلت کیف یری الجسم و الجزء لایری اقول اولا جرت السنة فی بصر البشر ان شیئا بالغ النھایة فی الدقة اذا کان منفردا لم یحط به البصر واذا اجتمع امثالھا وکثرت ظھرت کما اذا کان فی جلد ثورا بیض نقطة سوداء کرأس الابرة لاتحس وان کثرت

تنبیہ اگر تو کہے کہ جسم کیسے دکھائی دیتا ہے جبکہ جزء تو نظر نہیں آتی **اوّلاً** میں کہتا ہوں کہ نگاہ انسانی فطری طور پر انتہائی باریک چیز کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے جبکہ وہ چیز منفرد ہو۔ لیکن اگر اس چیز کے ساتھ اس کی متعدد امثال مجتمع ہوں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہے، جیسے (باقی برصفحہ آیندہ)

عندنا اجزاء متفرقة حقيقة متصلة حسا كما	اعتراضات کے رد میں حیران رہ گئے،

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) امثالها متجاورات ابصرت بل قد لا يرى من البعد الا لونها وهو السواد وهذا ظاهر في الهباء فان فيه ذرات قلائل ترى كرية الشكل وعامته لايحس البصر اشكالها بل لونا سحابيا ككواكب المجرة والنثرة ولو تفرد شيئ منها ما امكن عادة ان يبصرو بتكاثرها وتراكمها ترى كعمود بنيك وبين الكوة مثل السحاب بل السحاب نفسه من ذلك فان البخار اجزاء متفرقة ولا تبصر واحد منها وبتراكمها ترى سحبا كالجبال ولعل الوجه فيه ان المنفرد يقتضي خصوص النظر اليه فاذا كان على هذا القدر من الدقة انطبق الخطان الشعاعيان الواصلان اليه و انعدمت زاوية الرؤية كما هو السبب في انتفاء زاوية اختلاف المنظر لما فوق الشمس فاتحد تقويماه المرئى والحقيقى واذا كثرت وانبسطت وقعت بين ساقى مثلث ذى زاوية مبصرة فابصرت **وثانيًا**: هذا على طريقتهم فان سلموا والا فانما اصلنا الايمانى ان الابصار وكل شيئ بارادة الله تعالى وحده لاغير فان شاء رأى الاعمى فى ليلة ظلماء عين نملة سوداء وان لم يشاء عميت الزرقاء فى رابعة النهار عن جبل بالغ افق السماء فاذا اراد ان لاترى

سفید بیل کی جلد پر سُوئی کے سرے کے برابر سیاہ نقطہ دکھائی نہیں دیتا لیکن اگر متعدد سیاہ نقطے مجتمع ہوجائیں تو نظر آنے لگتے ہیں، بلاکہ دُور سے تو محض ان کا سیاہ رنگ ہی دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات غبار میں ظاہر ہے کیونکہ اس میں چھوٹے چھوٹے کروی الشکل ذرات ہوتے ہیں جن میں سے اکثر کی شکلوں کو آنکھ محسوس نہیں کرتی بلکہ بادلوں کی مانند ان کا رنگ دکھائی دیتا ہے جیسے کہکشاں اور بکھرے ہوئے ستارے، ان میں سے کوئی بھی اگر منفرد ہو تو عادتاً اس کا دکھائی دینا ناممکن ہے۔ البتہ کثرت واجتماعیت کی وجہ سے نظر آجاتے ہیں، جیسے تیرے اور روشندان کے درمیان روشنی کا ستون بادل کی مثل دکھائی دیتا ہے، بلکہ خود بادل بھی اسی قبیل سے ہے کیونکہ بخارات متفرق اجزاء ہوتے ہیں جن میں سے کوئی ایک دکھائی نہیں دیتا مگر مجتمع ہو کر پہاڑوں جیسے بادل نظر آتے ہیں، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ منفرد چیز خصوصی نظر کا تقاضا کرتی ہے جب وہ نہایت باریک ہو تو دونوں آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس تک پہنچ کر باہم منطبق ہوجاتی ہیں اور زاویہ نظر معدوم ہوجاتا ہے جیسا کہ مافوق الشّمس اختلافِ منظر کے زاویہ کے منتفی ہونے کا یہی سبب ہے۔ پس اس کی حقیقی اور مرئی تقویمیں متحد ہوجاتی ہے اور جب یہ اجزاء کثیر اور پھیلے ہوئے ہوں تو بصری زاویہ والی مثلث کے دوخطوں کے درمیان واقع ہونے پر دکھائی دینے لگتے ہیں۔ **ثانیاً** مذکورہ بالا (باقی بر صفحہ آئندہ)

ترى فى الهباء عند دخول الشمس من كوة بل وفى الدخان والبخار والغبار فح لا اتصال حقيقة لشيئ من الماء بشيئ من البدن فلو اعتبرت الحقيقة لم يتنجس الماء بوقوع شيئ من الخبث فظهر ان الشرع المطهر قد اعتبر ههنا الحس ولا شك ان كله فى الحس شيئ واحد كما هو فى الحقيقة عند المتفلسفة وليس ثم حاجز ينتهى الجوار الحسى بالبلوغ اليه فوجب ان يكون على هذا ايضا لقاء بعضه لقاء كله بل لابعض لعدم التجزى حسا اما الكثير فجعله الشرع لايحتمل الخبث فلا يضره الجوار الحسى وبه(۱) استقر عرش التحقيق على ان الماء الكثير لايتنجس شيئ منه بوقوع النجاسة ولو مرئية حتى ماحولها مما يليها هكذا ينبغى التحقيق والله تعالٰى ولى التوفيق وهنا تم الكلام مع الامام الهمام، ملك العلماء الكرام، نفعنا الله تعالٰى ببركاته على الدوام، فى دار السلام، امين۔

ہمارے نزدیک جسم اجزائے متفرقہ حقیقۃً متصلہ حسّاً سے عبارت ہے جیسے کمرہ کے سوراخ سے روشنی کی کرن جب اندر داخل ہوتی ہے تو اس میں ذرات نظر آتے ہیں، بلالکہ دھوئیں، بخارات اور غبار میں بھی نظر آتے ہیں، لہٰذا پانی حقیقی طور پر بدن سے متصل نہیں ہے، تو اگر حقیقت کا اعتبار کیا جائے تو پانی کسی بھی گندی چیز کے گرنے سے نجس نہ ہو، پس معلوم ہوا کہ شریعت مطہرہ نے یہاں حِسّ کا اعتبار کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ حِسّ کے نزدیک کل ایک چیز ہے جیسا کہ متفلسفہ کے نزدیک حقیقت یہی ہے اور وہاں کوئی ایسی روک بھی موجود نہیں جہاں پہنچ کر جوار حسی رک جائے تو اس بنا پر لازم ہوا کہ بعض کی ملاقات کل کی ملاقات قرار پائے، بلالکہ وہاں بعض ہے ہی نہیں کیونکہ تجزّی نہیں ہے حِسّاً، اور رہا کثیر تو شرع نے فرمایا ہے کہ اس میں نجاسۃ اثر نہیں کرے گی تو اس کو جوار حسّی کچھ مضر نہ ہوگا، اس تحقیق عرش نشیں سے معلوم ہوا کہ کثیر پانی نجاستہ کے گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ وہ نظر آنے والی ہو، یہاں تک کہ نجاست کا گردو پیش بھی نجس نہ ہوگا، اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے یہاں تک کہ امام ہمام ملک العلماء کے ساتھ گفتگو مکمل ہوئی، اللہ تعالٰی ان کی برکات سے ہم کو ہمیشہ جنت تک مستفید فرمائے۔ آمین

(باقی حاشیہ صفحہ گزشتہ) الاجزاء على الانفراد واذا تجسمت أُبصرت يكون كما اراد اھ منه حفظه ربه تبارك وتعالٰى (م)

دلیل فلاسفہ کے مذہب کے مطابق ہے اگر مان لیں تو فبہا وگرنہ ہماری ایمانی دلیل یہ ہے کہ نگاہیں اور تمام چیزیں اللہ تبارک وتعالٰی کے ارادے کے تابع ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ایک اندھا تاریک رات میں سیاہ چیونٹی کی آنکھ کو دیکھ سکتا ہے اور اگر وہ نہ چاہے تو دن کی روشنی میں فلک بوس پہاڑ سے نیلگوں آسمان کو بھی نہیں دیکھا جاسکتا چونکہ اس نے چاہا کہ اجزاء انفرادی طور پر نظر نہ آئیں اور جب وہ مجتمع ہوجائیں تو نظر آنے لگیں لہٰذا جیسا اس نے چاہا ویسا ہی واقع ہوا۔ (ت)

الرابع والعشرون: یمکن الجواب عن الاستناد الیٰ کلام البدائع بما عـــہ اوردہ فی البحر ولم یردّہ وان لم یردہ اذ نقل عن اسرار القاضی الامام الدبوسی ما تقدم ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما ثم قال فھذہ العبارۃ کشفت اللبس واوضحت کل تخمین وحدس فانھا[1] افادت ان مقتضی مذھب محمد ان الماء لایصیر مستعملا باختلاط القلیل من الماء المستعمل الا ان محمدا حکم بان الکل صار مستعملا حکما لاحقیقۃ فما فی البدائع محمول علی ان مقتضی مذھب محمد عدم الاستعمال الا انہ یقول بخلافہ[2]اھ۔ قال فی منحۃ الخالق یعنی ان صاحب البدائع نسب الی محمد عدم الاستعمال بناء علی ماقتضاہ مذھبہ من ان المستعمل لایفسد الماء مالم یغلبہ اویساوہ لکن محمدا ما قال بذلک الذی	چوبیسواں، صاحب بدائع کے کلام کی طرف جو منسوب ہے اس کا بیان صاحبِ بحر کے بیان سے ممکن ہے جس کو انہوں نے رَد نہیں کیا اگرچہ صاحب بحر نے یہ ارادہ نہیں کیونکہ انہوں نے قاضی امام دبّوسی کی اسرار سے نقل کیا ہے جو گزرا کہ امام محمد فرماتے ہیں تھوڑا پانی ہو اور اس میں کوئی غسل کرے تو کل حکما مستعمل ہوگا، تو اس عبارت نے التباس کو ختم کردیا ہے، اس عبارت سے معلوم ہوا کہ محمد کے مذہب کا مقتضٰی یہ ہے کہ تھوڑے سے مستعمل پانی کے مل جانے سے پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر محمد نے حکم کیا ہے کہ کل حکماً مستعمل ہوگا نہ کہ حقیقۃ، تو جو کچھ بدائع میں ہے وہ یہ ہے کہ محمد کے مذہب کا مقتضٰی یہ ہے کہ پانی مستعمل نہ ہوگا، مگر وہ کہتے اس کے خلاف ہیں اھ منحۃ الخالق میں فرمایا یعنی صاحبِ بدائع نے محمد کی طرف عدمِ استعمال کی طرف منسوب کیا، جیسا کہ ان کے مذہب کا مقتضٰی ہے کہ مستعمل پانی، پانی کو فاسد نہ کرے گا تاوقتیکہ اس پر غالب ہوجائے، یا اس کے برابر ہوجائے، لیکن محمد نے یہ نہیں فرمایا ہے حالانکہ یہ اُن کے مذہب کا مقتضٰی ہے بلاکہ اس صورت میں

عـــہ ذکرہ رحمہ اللہ تعالٰی فی ضمن سؤال وعدل فی الجواب الی حمل الروایات المتواترۃ الظاھرۃ علی الضعیفۃ النادرۃ وغیر ذلک مما یأتیک الجواب عنہ ان شاء اللہ اھ منہ غفرلہ۔(م)	انہوں نے اس کو سوال کے ضمن میں ذکر کیا ہے اور جواب میں روایت متواترہ ظاہرہ کو روایت ضعیفہ نادرہ وغیرہ پر محمول کرنے کی طرف عدول کیا ہے جس کا جواب ان شاء اللہ تعالٰی آپ کو دیا جائے گا اھ منہ غفرلہ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

اقتضاہ مذھبہ بل قال فی ھذہ الصورۃ انہ صار مستعملا حکما کما صرحت بہ عبارۃ الدبوسی[1] اھ۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ حکماً مستعمل ہوگیا جیسا کہ دبّوسی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

اقول: ثبوت الاستعمال باللقاء، وحقیقۃ[عـہ] اللقاء لتلک الاجزاء، والحکم ثبت لجمیع الماء، لان القلیل شیئ واحد فی اعتبار الشریعۃ الغراء، کما اسلفنا تحقیقہ، ونورنا لک طریقہ، لان الحکم منتف حقیقۃ، فیکون اثباتہ مجازفۃ سحیقۃ۔

میں کہتا ہوں استعمال کا ثبوت ملاقاۃ سے ہوتا ہے، اور حقیقۃ ملاقاۃ ان اجزاء سے ہوتی ہے اور حکم تمام پانی کے لئے ثابت ہوتا ہے کیونکہ شریعت میں قلیل شے واحد ہے، جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اور نورانی طریقہ بیان کر آئے ہیں، کیونکہ حکم حقیقی طور پر منتفی ہے تو اس حکم کو ثابت کرنا اندازاً ہوگا۔

المطبق علیہا سلف المذھب وخلفہ الی روایۃ نجاسۃ الماء المستعمل شیئ عجیب من مثلہ المحقق۔

الخامس والعشرون: محاولۃ العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی رد جمیع تلک الفروع المتواترۃ الدائرۃ فی عامۃ کتب المذھب المنصوص علیہا عن جمیع ائمۃ المذھب

پچیسواں ـــــــ وہ تمام فروع جو تواتر کے ساتھ عام کتبِ مذہب میں مذکور ہیں اور ائمہ شراح نے ان کو ذکر کیا ہے، اور تمام ائمہ مذہب سے منصوص ہیں جن پر سلف مذہب اور خلف مذہب متفق ہیں ان سب کو انہوں نے مستعمل پانی کے نجس ہونے والی روایت کی طرف راجع کیا ہے، علامہ جیسے محقق سے یہ بات بعید ہے۔

فاقول اولا: (۱) کیف یسوغ ان ترد بھذہ الکثرۃ وتدور فی جمیع کتب المذھب وتتداولہا الائمۃ والشراح ولا ینبہ احد انہا تبتنی علی روایۃ ضعیفۃ متروکۃ بل یذکرونہا ویقرونہا ویفرعون علیہا وعند الحجاج والحاج یفزعون الیہا فرد جمیع ذلک بعید

میں کہتا ہوں اوّلا یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ فروع اس کثرت سے تمام کتب مذہب میں ذکر کی جائیں اور ائمہ وشُرّاح ان کو قبول کریں اور کسی کو یہ خبر نہ ہو کہ یہ ضعیف ومتروک روایت پر مبنی ہیں، بلالکہ وہ حضرات ان کو مسلسل ذکر کرتے چلے جائیں اور ان پر مزید تفریعات کرتے چلے جائیں اور مناظروں میں ان کو پیش کرتے رہیں

عـہ ای الحسیۃ العرفیۃ اھ منہ غفرلہ (م)

یعنی حقیقۃ حسی عرفی۔ (ت)

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۲/۱

کل البعد۔**وثانیا:** هو منصوص علیه فی الروایة الظاهرة وما روایة التنجیس الانادرة روی هذه الحسن ونص علی ذلک محمد فی الاصل وثالثا: تظافرت علیه التصحیحات کما قدمنا عن البحر عن الخبازی عن القدوری عن الجرجانی وعن الحلیة عن ابی الحسین عن ابی عبدالله وعن خزانة المفتین ومتن الملتقی وعن البحرانه المذهب المختار فکیف یبتنی علی روایة متروکة. **ورابعا:** توافرت فیه نقول الاتفاق علیه وانه مذهب اصحابنا جمیعا کما سبق عن النهایة والعنایة والهندیة ومجمع الانهر والدر المختار وغیرها وعن البحر عن البدائع وعنه عن العنایة والدرایة وغیرها وعن الحلیة وعن البحر عن الخبازی کلاهما عن ابی الحسین عن الجرجانی وعن شیخکم المحقق انه قولنا جمیعا فکیف یجوز رجعه الی روایة متروکة. **وخامسا:** اکثروا من عزوه لمحمد کمامر عن الفوائد الظهیریة عن شیخ الاسلام خواهر زاده وابی بکر الرازی وشمس الائمة السرخسی وعن الزیلعی وشیخکم المحقق حیث اطلق وعن البحر عن الاسبیجابی والولوالجی وحیث حکم محمد بسقوط حکم الاستعمال عللوه با لضرورة کما سلف عن البحروالنهر والفتح و التبیین والکافی والبرهان

توان سب کو روایت نجاست کی طرف لوٹانا سخت بعید ہے۔
اور **ثانیاً** یہ ظاہر روایت میں نص ہے اور تنجیس کی روایت نادرہ ہے، اس کو حسن نے روایت کیا، اصل میں محمد نے اس پر نص کی۔ اور **ثالثاً** اس پر پے درپے تصحیحات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے بحر، خبازی، قدوری، جرجانی، حلیہ، ابی الحسین، ابی عبداللہ، خزانۃ المفتین، اور متن ملتقی کے حوالوں سے نقل کیا، اور بحر سے نقل کیا کہ یہی مذہب مختار ہے تو پھر یہ متروک روایت پر کس طرح مبنی ہوسکتا ہے۔
اور **رابعاً** متفقہ نقول کثرت سے ہیں یہی ہمارے تمام اصحاب کا مذہب ہے جیسا کہ گزرا نہایہ، عنایہ، ہندیہ، مجمع الانہر، درمختار وغیرہ سے اور بحر نے بدائع، عنایہ ودرایہ اور حلیہ سے اور بحر وخبازی دونوں نے ابوالحسن، جرجانی اور شیخ محقق سے یہ تمام کا قول ہے تو متروکہ روایت کی طرف اس کو راجع کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے اور **خامساً** اکثر نے اس کو محمد کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ فوائد ظہیریہ، شیخ الاسلام، خواہر زادہ، ابو بکر رازی، شمس الائمہ سرخسی، زیلعی اور تمہارے شیخ محقق، بحر، اسبیجابی، ولوالجی سے گزرا، اور جہاں محمد نے استعمال کا حکم ساقط ہونے کی بات کی اس کو انہوں نے ضرورت پر محمول کیا جیسا کہ بحر، نہر، فتح، تبیین، کافی، برہان، حلیہ، فوائد، صغری، خبازی، قدوری، جرجانی، شمس الائمہ حلوانی سے گزرااور بحر سے سرخسی سے اصل میں امام محمد کی نص سے گزرا اور بحر سے دبوسی سے گزرا کہ محمد فرماتے ہیں کُل حکماً مستعمل ہوگا اور بحر میں

والحلیة والفوائد والصغری والخبازی والقدوری والجرجانی وشمس الائمة الحلوانی و عن البحر عن السرخسی عن نص محمد فی الاصل وعن البحر عن الدبوسی ان محمدا یقول صار الکل مستعملا حکما وقد قال عـہ فی البحر ان ھذہ العبارۃ کشفت اللبس واوضحت کل تخمین وحدس [1] ومعلوم ان محمدا لم یقل قط بالتنجیس فکیف تحمل علیہ وبہ(ا)ظھر الجواب عما اراد بہ البحر فی البحر والرسالة دفع الاستبعاد عن ھذا الحمل بان المحقق فی الفتح حمل فرعاقی الخانیة علی نجاسة المستعمل وقال لایفتی بمثل ھذہ الفروع [2] اھ۔

زاد فی الرسالة ان تلمیذہ فی الحلیة حمل علیھا فرعی الاجمة والطحلب وحمل فروعا کثیرۃ علی ھذا النحو [3] اھ فھل بعض فروع وردت متفرقة فی غضون بعض الفتاوی کھذہ الفروع الوافرۃ المتکاثرۃ المتواترۃ الثابتة الدائرۃ فی عامة الشروح والفتاوی مع عدۃ من

فرمایا ہے کہ اس عبارت سے مشکل حل ہو گئی ہے، اور یہ معلوم ہے کہ محمد نے پانی کے نجس ہونے کا قطعاً قول نہیں کیا ہے تو اس کو اس پر کیسے محمول کیا جائے گا، اور اس سے بحر اور رسالہ کا جواب بھی ظاہر ہوگیا، انہوں نے اس حمل کو بعید گردانا تھا، اور کہا تھا کہ محقق نے فتح میں مستعمل پانی پر ایک فرع خانیہ کی اس پانی کی نجاست پر محمول کی ہے، اور کہا ہے کہ اس قسم کی فروع پر فتوی نہ دیا جائے اھ رسالہ میں یہ اضافہ ہے کہ ان کے شاگرد نے حلیہ میں اس پر اجمہ اور طحلب کی دو فروع کو محمول کیا، یہ خلاصہ اور منیہ میں مذکور ہیں اور فرمایا کہ اسی نہج پر انہوں نے بہت سی فروع اخذ کی ہیں، اھ تو کیا ان فروع کی طرح کچھ اور ایسی فروع ہیں جو متفرق فتاوی میں اس کثرت کے ساتھ مذکور ہوں، کیا شروح اور کیا متون اور ان پر کیسے کوئی نکیر نہیں کی؟ یا ان کی طرح کتب ظاہر روایت میں ہوں؟ یا ان کی اتنی تصحیحات ہوں؟ یا تمام مذہب حنفی کی کتب میں منصوص ہوں؟۔ یا ان پر اتفاق کیا گیا ہو کہ یہ ہم سب کا قول ہے یہ ہمارے اصحاب کا مذہب ہے؟ یا ان کا کوئی اور محمل ہے کہ ان کی طرف روشن

عـہ ای اوردہ علی نفسہ ولم یجب عنہ۔ منہ غفرلہ(م)

یعنی انہوں نے اسکو اپنے اوپر وارد کیا ہے اور اس کا جواب نہیں دیا۔ (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[3] جواز الوضوء من الفساقی رسالۃ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۸۲۱/۸/۲

المتون، من دون نکیر ولا مجال ظنون، **ام ھی** کھذہ فی الکتب الظاھرۃ، **ام ھی** مذیلات بالتصحیحات المتظافرۃ، ام ھی منصوص علیھا من جمیع ائمۃ المذھب الحنفی، **ام** ھی مزینۃ بطراز الاتفاق وبانھا قولنا جمیعا وبانھا مذھب اصحابنا فاین ذی من اتی، ام ھل لھا محمل غیر ھذا فکیف یقاس علی المتعین، مالہ سبیل واضح متبین۔

السادس والعشرون: کلام العلامۃ علی حدیث لایبولن احدکم فی الماء الدائم قدمنا الکلام علیہ واشرنا الی کلام شیخہ المحقق علی الاطلاق حیث یقول اما قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (وذکر الحدیث) فغایۃ مایفید نھی الاغتسال کراھۃ التحریم ویجوز کونھا لکیلا تسلب الطھوریۃ فیستعملہ من لاعلم بہ بذلک فی رفع الحدث ویصلی ولافرق بین ھذا وبین کونہ یتنجس فیستعملہ من لاعلم لہ بحالہ فی لزوم المحذور وھو الصلاۃ مع المنافی فیصلح کون کل منھما مثیرا للنھی المذکور[1] اھ۔(ا) ودفع البحر ایاہ ببحث البدائع المذکور دفع للصحیح بمالیس بہ کما علمت اماحدیث

راستہ ہو۔

چھبیسواں علّامہ نے لایبولن احدکم فی الماء الدائم (ٹھہرے پانی میں پیشاب نہ کرے) پر جو کلام کیا ہے اس پر ہم پہلے ہی بحث کرچکے ہیں، اور اُن کے شیخ محقق علی الاطلاق کے کلام کی طرف اشارہ کرآئے ہیں، وہ فرماتے ہیں" بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (پھر انہوں نے مذکور حدیث بیان کی) میں جو غسل کرنے کی نہی ہے اس سے زیادہ سے زیادہ جو ثابت ہوتا ہے وہ نہی تحریم ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ طہوریت سلب ہوجائے، اور اس کو کوئی شخص لاعلمی میں رفعِ حَدَث کیلئے استعمال کر بیٹھے اور نماز پڑھ لے اور اس میں اور اس مضمون میں کہ پانی نجس ہوجاتا ہے تو ایسا نہ ہو کہ اس کو کوئی شخص لاعلمی میں استعمال کرے، دونوں صورتوں میں محذور لازم ہے، یعنی منافی کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا، پس جائز ہے کہ ان میں سے ہر ایک

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوز نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۵

المستیقظ. **فاقول:** لیس من حجتنا فی هذا الباب لاحتمال انه لاحتمال النجاسة العینیة بل هو الظاهر من قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لایدری این باتت یدہ والعلامة عدل عن هذا الجواب الواضح الی ثلثة (۱)لا یستقیم منها شیئ فاوّلا: دعوی الخصوص لادلیل علیه وثانیا: کیف یجعل تعبدیا غیر معقول المعنی مع الارشاد الی المعنی فی نفس الحدیث فانه لایدری این باتت یدہ وثالثا: ماعن اصحاب عبدالله رضی الله تعالٰی عنهم یجوز ان یکون لان اباهریرة رضی الله تعالٰی عنه کان یرسله ارسالا فاشاروا الی تخصیص مواضع الضرورة کما هو الحکم المصرح به عندنا اذاکان الماء فی جب ولا اٰنیة یغترف بها۔

السابع والعشرون: قوله رحمه الله تعالٰی فی تکرار الاستعمال الظاهر عدم اعتبار هذا المعنی فی النجس فکیف بالطاهر(۲)غیر مُطهر ولا ظاهر الاتری ان النجاسة تصیب الثوب او البدن فی مواضع متفرقة تجمع فان بلغت حد المنع منعت وما یترأای من عدم جمع الواقعة فی الماء الکثیر فان الوقوع فی عشرة مواضع منه

مذکور نہی کا باعث ہوا ھ۔

بحر کا اس کو بدائع کی مذکور بحث سے دفع کرنا صحیح کو غیر صحیح سے دفع کرنا ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا اور رہی مستیقظ والی حدیث، تو **میں کہتا ہوں** اس سلسلہ میں ہماری دلیل یہ نہیں ہے کیونکہ یہ احتمال ہے کہ یہ نجاست عینیہ کی وجہ سے ہو بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فانه لایدری این باتت یدہ" (وہ نہیں جانتا کہ اس کا ہاتھ رات کو کہاں رہا) سے یہی ظاہر ہے، اور علّامہ نے اس جواب سے عدول کرکے تین جوابات دیے جن میں سے کوئی ٹھیک نہیں، پہلا دعوائے خصوص، جس پر کوئی دلیل نہیں۔ دوسرے یہ کہ کس طرح اس کو تعبدی اور غیر معقول المعنی قرار دیا جاسکتا ہے جبکہ خود حدیث میں معنی کی طرف رہنمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ فانه لایدری این باتت یدہ۔ تیسرے عبداللہ کے اصحاب سے جو مروی ہے ممکن ہے وہ اس لئے ہو کہ ابوہریرہ اس کا ارسال کرتے ہوں تو انہوں نے ضرورت کے مقامات کے ساتھ اس کو مختص کرنے کی طرف اشارہ کیا ہو، جیسا کہ ہمارے یہاں یہ واضح حکم موجود ہے کہ جب پانی تالاب میں ہو اور کوئی برتن پانی نکالنے کیلئے نہ ہو۔

ستائیسواں: ان کا قول تکرار استعمال کی بابت، ظاہر یہی ہے کہ یہ معنی نجس میں اعتبار نہ کیا جائے تو پھر طاہر کا کیا حال ہوگا۔ یہ نہ ظاہر کرنے والا ہے اور نہ بذاتِ خود ظاہر ہے، مثلاً نجاست جو بدن یا کپڑے کو متفرق مقامات پر لگ جائے تو اس کو جمع کیا جائے گا۔ اب اگر منع کی حد کو پہنچ جائے تو منع کرے گی۔ اگر کثیر پانی میں نجاست گر جائے تو اس کو بظاہر جمع نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ پانی میں

کالوقوع فی موضع فلیس لعدم الجمع بل لعدم البلوغ الی حدالمنع حتی لوبلغت بأن غیر المجموع احد اوصافه وما کانت الافراد لتغیرہ فلا شک فی الجمع واللہ تعالٰی اعلم ھذا تمام الکلام مع العلامة قاسم رحمه اللہ تعالٰی وقد ظھر به الحق السدید، بحیث لاحاجة الی المزید، والحمدللہ الحمید المجید۔

اگر دس جگہ نجاست گر جائے تو وہ ایسی ہے جیسے ایک جگہ گری ہو، تو یہ چیز عدم جمع کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدِ منع تک نہیں پہنچی ہے اور اگر حدِ منع تک پہنچ جائے مثلاً یہ کہ نجاست کا مجموعہ اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو بدل دے، اور ہر فرد نہ بدلے تو جمع کرنے میں شک نہیں۔ یہ مکمل گفتگو تھی علّامہ قاسم کے ساتھ، اس سے حق ظاہر ہوگیا، اس سے زیادہ کی حاجت نہیں، والحمدللہ الحمید المجید۔

الفصل الثانی: فی کلام العلامة زین فی البحر والرسالة

کانت قضیة ترتیب الزمان ان نقدم علیه کلام العلامة ابن الشحنة رحمھما اللہ تعالٰی لکن اردنا الحاق الموافق بموافقه لم یات رحمه اللہ تعالٰی فی رسالته ولا فی بحرہ بشیئ یزید علی ماأورد العلامة قاسم الا مالا مساس له بمحل النزاع افاض اولا فی تحدید الماء الکثیر وان المذھب تفویضه الی رأی المبتلی وان التقدیر بعشرفی عشر انما اختارہ المتأخرون تیسیرا علی من لارأی له وانه لایرجع الی اصل شرعی یعتمد علیه ثم تکلم علی صفة الماء المستعمل وان المفتی به انه طاھر غیر طھور ثم اتی علی المسألة فقال وقد قالوا ان الماء المستعمل اذا اختلط بالطھور تعتبر فیه الغلبة فان کان الماء

دوسری فصل علامہ زین کے کلام میں جو بحر اور رسالہ میں ہے:

زمانی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ابن الشحنہ کا کلام اس پر مقدم کرتے، لیکن ہم نے ایک موافق کو دوسرے موافق سے لاحق کرنا چاہا ہے انہوں نے اپنے رسالہ میں یا بحر میں علامہ قاسم کے کلام سے کچھ مزید اضافہ نہیں کیا ہے، صرف وہی بات مذکور ہے جس کا محلِ نزاع سے کچھ تعلق نہیں، پہلے تو انہوں نے کثیر پانی کی تحدید کی ہے اور کہا کہ مذہب میں یہ معاملہ صاحبِ معاملہ کے سپرد ہے، اور دَہ در دَہ کے اندازہ کو متاخرین نے اُن لوگوں کی آسانی کیلئے وضع کیا ہے جن کی اپنی کوئی رائے نہ ہو اور اس کی کوئی قابلِ اعتماد شرعی دلیل نہیں، پھر انہوں نے مستعمل پانی پر کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ یہ طاہر تو ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے، پھر اصل مسئلہ بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ مشائخ فرماتے ہیں کہ مستعمل پانی جب پاک کرنے والے پانی کے

الطهور غالبا يجوز الوضوء بالكل والا لايجوز وممن نص عليه الامام الزيلعی فی شرح الكنز والعلامة سراج الدين الهندی فی شرح الهداية والمحقق فی فتح القدير قال وهی باطلاقة تشمل ماذا استعمل الماء خارجا ثم القی الماء المستعمل واختلط بالطهور اوانغمس فی الماء الطهور اوتوضأ فيه[1] اهـ۔

اقول:(۱)مبنی علی جعل المستعمل هی الاجزاء المتصلة بالبدن فما وراء ها طهور اختلط به الماء المستعمل وليس هكذا بل كله ملاق فكله مستعمل فكيف يشمله الاطلاق قال: ويدل عليه ايضا مافی البدائع وذكر عبارات الثلاث قال فهذا صريح فيما قلنا[2]

اقول: لامحل(۲)لايضا فان تلك الدلالة مبتنية علی ما فی البدائع والا فلادلالة كما علمت وما فی البدائع قدفرغنا عنه بابدع وجه ولله الحمد! قال: ويدل عليه ايضا مافی خلاصة الفتاوی جنب اغتسل فانتضح من غسله شيئ فی انائه لم يفسد عليه الماء اما اذا كان يسيل فيه سيلانا افسده وكذا حوض الحمام علی هذا وعلی

ساتھ مل جائے تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اگر پاک کرنے والا پانی زیادہ ہو تو سب پانی سے وضو جائز ہوگا ورنہ ناجائز ہوگا۔ اس کی تصریح زیلعی نے شرح کنز میں، علّامہ سراج الدین الہندی نے شرح ہدایہ میں اور محقق نے فتح القدیر میں کی ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی خارجی طور پر استعمال کیا جائے پھر مستعمل پانی ڈالا جائے اور وہ پاک کرنے والے پانی سے مل جائے یا آدمی پاک کرنے والے پانی میں غوطہ کھائے یا اس سے وضو کرے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں یہ قول اس پر مبنی ہے کہ مستعمل پانی اُن اجزاء کو قرار دیا جائے جو بدن سے متصل ہوں اور اس کے علاوہ پاک کرنے والا ہے جس کے ساتھ مستعمل پانی مل گیا ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے بلالکہ کل پانی اس سے ملنے والا ہے لہٰذا کل مستعمل ہوگا، اس کو اطلاق کیسے شامل ہے؟ فرمایا اس پر بدائع کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے اور پھر انہوں نے تینوں عبارات ذکر کی ہیں، فرمایا یہ ہمارے قول کی صریح دلیل ہے۔

میں کہتا ہوں "ایضا" کا یہاں کوئی مقام نہیں، کیونکہ یہ دلالت مفہوم بدائع پر مبنی ہے ورنہ کوئی دلالت نہیں جیسا کہ تم نے جانا، اور جو کچھ بدائع میں ہے اس پر اچھی طرح ہم بحث کر چکے ہیں وللہ الحمد، فرمایا اس پر خلاصۃ الفتاوی کی عبارت بھی دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک ناپاک شخص نے غسل

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۱۹/۶
[2] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۱۹/۶

قوله محمد رحمه الله تعالٰی لایفسد مالم یغلب علیه یعنی لایخرجه عن الطهوریة[1] اھ بلفظه۔ **اقول**:(۱) رحمک الله هذا ملقی والکلام فی الملاقی ثم اورد علی نفسه سؤالا من قبل فروع کثیرة فی کتب مشهورة تخالف ماجنح الیه اورد منها(۱) فرع الخانیة لوصب الوضوء فی بئر ولم یکن استنجی به علی قول محمد لایکون نجسا لکن ینزح منها عشرون لیصیر الماء طهور[2] اھ۔ وفرع عـــه الخلاصة نحوه غیر ان فیه ینزح الاکثر من عشرین دلوا ومن ماء صب فیه عند محمد[3] اھ۔ قال فهذا ظاهر فی استعماله الماء بوقوع قلیل من الماء المستعمل فیه علی قول محمد رحمه الله تعالٰی[4] واجاب بانه مبنی علی روایة ضعیفة عن محمد	کیا؟ اس سے کچھ چھینٹے اُڑ کر اس کے برتن میں پڑے تو اس کا پانی فاسد نہ ہوگا، اگر مستعمل بہہ کر اس میں گیا تو فاسد کردے گا اسی طرح حمام کا حوض، اور امام محمد کے قول پر فاسد نہ کرے گا جب تک غالب نہ ہوجائے، یعنی اس کو پاک کرنے کے وصف سے خارج نہ کریگا الّا یہ کہ وہ پاک پر غالب ہوجائے اھ بلفظہ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** خدا آپ پر رحم کرے یہ مُلقیٰ ہے جبکہ گفتگو ملاقی میں ہے، پھر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ان فروع کثیرہ سے سوال وارد کیا جو کتب کثیرہ میں وارد ہیں، یہ سب ان کے نظریہ کے مخالف ہیں۔ خانیہ کی فرع (۱): اگر وضو کا بچا ہوا پانی کنویں میں بہا دیا مگر اس سے استنجا نہیں کیا تھا تو یہ محمد کے قول پر نجس نہ ہوگا، تاہم اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ پانی طہور ہوجائے اھ۔ خلاصہ کی فرع (۲): یہ بھی اُسی طرح ہے مگر اس میں بیس ڈول سے زیادہ نکالے جانے کا ذکر ہے اور اُس پانی سے جو اس میں بہایا گیا ہے محمد کے نزدیک اھ۔ فرمایا اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر تھوڑا مستعمل پانی، پانی

عـــه اورده بعد عدة فروع والحقناه بفرع الخانیة لاتحاد صورتهما اھ منه غفرله (م)	انہوں نے اس فرع کو متعدد فروع کے بعد ذکر کیا ہے اور ہم نے اسے خانیہ کی فرع سے ملحق کیا ہے کیونکہ دونوں کی صورت ایک جیسی ہے اھ (ت)

[1] رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۱۹/۶

[2] رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۱۹/۶

[3] رسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۲۰/۷

[4] رسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۱۹/۶

ان الماء یصیر مستعملا بوقوع قلیل من الماء المستعمل لاعلی الصحیح من مذھبه انه لایصیر مستعملا مالم یغلب علیه [1] اھ۔ونقل تصحیحه عن المحیط وعن شرح الھدایة للعلامة سراج الدین الھندی ونقل عنه عن التحفة انه المذھب المختار [2]۔**اقول**: ھو(۱) کما قال والفرعان فی الملقی فلا یمسان مورد النزاع والاستعمال لایتوقف علی غلبة المستعمل بل عدمه علی غلبة المطھر فان تساویا صار الکل مستعملا کما نصوا علیه منھم ھو فی البحر۔

اقول:واقتصار المحیط والسراج والتحفة و الخلاصة وغیرھا علی ذکر الغلبة لان المساواة الحقیقة نادرة جدا(۲) کما قالوہ فی انفھام افضلیة زید من قول القائل لاافضل منه(۳)وفرع جحط المذکور فی المتون والشروح وصورتھا رجل نزل لطلب الدلو ولیس علی بدنه نجاسة فعند محمد الماء طاھر غیر طھور والرجل طاھر مع ان الماء الذی لاقی بدنه فی البئر اقل من غیرہ وقد جعله محمد مستعملا لانعدام

میں گر جائے تو وہ پانی مستعمل ہو جائیگا، یہ محمد کا قول ہے اھ اس کا یہ جواب دیا کہ محمد کا یہ قول ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے کہ پانی تھوڑے مستعمل پانی کے گرنے کی وجہ سے مستعمل ہو جائیگا،ان کا صحیح مذہب یہ ہے کہ پانی صرف اسی وقت مستعمل ہوگا جب اس پر مستعمل پانی کا غلبہ ہو جائے اھ اور اس کی تصحیح کو محیط،سراج الدین ہندی کی شرح ہدایہ سے نقل کیا اور اُن سے تحفہ سے نقل کیا کہ وہی مذہب مختار ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا اور یہ دونوں فرعیں مُلقٰی میں ہیں لہٰذا محلِ نزاع سے ان کا کوئی تعلق نہیں بنتا ہے اور استعمال مستعمل کے غلبہ پر موقوف نہیں بلاللہ اس کا عدم غلبہ مطہّر پر مبنی ہے،تو اگر دونوں برابر ہوں تو کل مستعمل ہو جائے گا،جیسا کہ مشائخ نے اس کی تنصیص کی،بحر میں بھی یہی ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں محیط،سراج،تحفہ اور خلاصہ وغیرہ میں غلبہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے،کیونکہ حقیقی مساوات نادر ہے،مشائخ نے اس کو اس مثال سے واضح کیا ہے کہ اگر کوئی لاافضل من زید،کہے تو اس سے زید کی افضلیت سمجھ میں آتی ہے۔جحط (۳) کی فرع جو متون وشروح میں مذکور ہے،اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کُنویں میں ڈول نکالنے کیلئے اُترا اور اس کے بدن پر نجاست نہیں ہے تو محمد کے یہاں پانی طاہر ہے طہور نہیں اور آدمی طاہر ہے حالانکہ وہ پانی جو کنویں میں سے اس کے

[1] رسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۲۰/۷

[2] رسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن ۲/۸۲۰/۷

الضرورة[1] اھ واجاب بما مر۔

اقول:(۱) رحمکم اللہ ورحمنا بکم اذا ارید بطاء جحط طاھر غیر طھور فکیف تجعلونہ مبنیا علی روایۃ ضعیفۃ عن محمد وانتم القائلون فی بحر کم علم بما قررناہ ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور علی الصحیح[2] اھ۔

نعم المشھور ان طاءہ للطاھر الطھور کما ذکرتم فی البحر وحینئذ یرد الفرع من قبل ان سقوط حکم الاستعمال لاجل الضرورۃ قلتم فی البحر عند محمد الرجل طاھر والماء طاھر طھور وجہ قول محمد علی ماھو الصحیح ؏ عنہ ان الصب لیس بشرط عندہ فکان الرجل طاھرا ولا یصیر الماء مستعملا وان ازیل بہ حدث للضرورۃ واما علی ماخرجہ ابو بکر الرازی

بدن پر لگا ہے دوسرے سے کم ہے، اور محمد نے اس کو مستعمل قرار دیا ہے کیونکہ ضرورت نہیں اھ اس کا جواب وہ دیا جو گزرا۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ تم پر اور ہم پر رحم فرمائے اگر جحط کی "طا" سے طاہر غیر طہور مراد ہو تو آپ اس کو محمد کی روایت ضعیفہ پر کیونکر مبنی کرتے ہیں حالانکہ آپ بحر میں کہتے ہیں کہ ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے اور پانی طاہر غیر طہور ہے صحیح مذہب پر اھ ہاں مشہور یہی ہے کہ اس کی "طا" طاہر کیلئے ہے اور طہور کیلئے، جیسا کہ تم نے بحر میں ذکر کیا، اور اس وقت فرع اس جانب سے وارد ہوگی کہ استعمال کا حکم ضرورت کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے تم نے بحر میں کہا ہے کہ محمد کے نزدیک مرد پاک ہے اور پانی طاہر طہور ہے امام محمد کے قول کی وجہ (صحیح روایت کے بموجب) یہ ہے کہ ان کے نزدیک بہانا شرط نہیں، تو آدمی پاک ہوا اور پانی مستعمل نہ ہوگا خواہ اس سے حدث زائل کیا گیا ہو،

؏ **اقول:** والمراد بہ استعمال الماء بازالۃ حدث وان لم ینو قربۃ خلافا لتخریج الامام الرازی ولذا قال واما علی ماخرج الخ فلیس تصحیحا لھذہ الروایۃ بل الصحیح ما تقدم انہ طاھر غیر طھور اھ منہ غفرلہ (م)

میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ازالہ حدث سے پانی مستعمل ہو جائے گا اگرچہ قربت کی نیت نہ ہو بخلاف امام رازی کی تخریج کے، اسی وجہ سے انہوں نے اما علی ماخرج الخ فرمایا لہذا صحیح روایت یہ نہیں بلکہ وہ ہے جو گزری کہ پانی طاہر غیر طہور ہے اھ۔ (ت)

---

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۱۹/۶

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۸/۱

لایصیر مستعملا لفقد نیة القربة [1]اھ۔ فان ابیتموھا لانھا روایة غیر مختارة کما قدمنا کانت المختارة اشد فی الرد، (۴)وفرع الاسرار وھو کلامه علی حدیث لایبولن اذیقول من قال ان الماء المستعمل طاھر طھور لایجعل الاغتسال فیه حراما وکذا من قال طاھر غیر طھور لان المذھب عندہ ان الماء المستعمل اذا وقع فی ماء اٰخر لم یفسدہ حتی یغلب علیه وقدرما یلاقی بدن المستعمل یصیر مستعملا وذلک القدر من جملة مایغتسل فیه عادة یکون اقل من ماء فضل عن ملاقاة بدنه فلا یفسدہ ویبقی طھورا ولا یحرم فیه الاغتسال الا ان محمدا یقول بصیر ورته مستعملا بالاغتسال فیه [2]اھ ونقله فی البحر بلفظ ان محمدا یقول لما اغتسل فی الماء القلیل صار الکل مستعملا حکما [3]اھ۔واجاب عنه ایضا بما مر۔

اقول:(۱)سبحٰن اللہ صریح منطوق الاسرار ان المذھب اعتبار الغلبة وان

ضرورت کی وجہ سے،اور ابوبکر الرازی کی تخریج کے مطابق پانی مستعمل نہ ہوگا کیونکہ اس میں قربت کی نیت نہیں اھ تو اگر آپ اس روایت کا انکار کریں کہ یہ غیر مختار روایت ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو مختار روایت تردید میں زائد ہوگی۔اسرار (۴) کی فرع حدیث "لایبولن" پر انکی گفتگو یہ ہے کہ جو یہ کہتا ہے مستعمل پانی طہور وطاہر ہے تو وہ اس میں غسل کو حرام قرار نہیں دیتا ہے اور اسی طرح جو اس پانی کو طاہر غیر طہور کہتے ہیں کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ جب مستعمل پانی دوسرے پانی میں مل جائے تو جب تک اس پر غالب نہ ہو اس کو فاسد نہیں کرتا اور صرف اسی قدر مستعمل ہوتا ہے جو بدن سے متصل ہوتا ہے اور یہ مقدار اُس مجموعی پانی کی مقدار سے جس سے کہ غسل کیا جاتا ہے عادۃً اس پانی سے کم ہوا کرتی ہے جو ملاقاۃ بدن سے بچ رہا ہوتا ہے، تو یہ اس کو فاسد نہیں کرے گا اور طہور ہی رہے گا اور اُس سے غسل حرام نہ ہوگا، تاہم محمد فرماتے ہیں کہ اس میں غسل کرنے سے یہ مستعمل ہوجائیگا اھ اور بحر میں اس کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے کہ محمد فرماتے ہیں کہ جب کوئی تھوڑے پانی میں غسل کرے گا تو سب کا سب حکماً مستعمل ہوجائے گا اھ اور اس کا جواب بھی وہ دیا جو گزرا۔ **میں کہتا ہوں** سبحان اللہ، اسرار کا صریح منطوق یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اعتبار غلبہ کو ہے، اگرچہ اس کا

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۷

[2] الرسالۃ فی جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ، ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶/۸۱۹

[3] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۱

قضیته ان لایصیر الکل مستعملا لان الملاق حقیقة اقل من غیرہ الا ان محمدا جعل الکل مستعملا حکما فکیف یتوھم انه مبنی علی روایة ضعیفة خلاف ذلک المذھب وانما ھو تخصیص لقضیته وتخصیص الحکم انما یبتنی علی الحکم لاعلی خلافه وھذا واضح جدا وسرکلام الاسرار قد بیناہ ۔(۵)**وفرع المبتغی** بالغین لو ادخل الکف صار مستعملا[1] وزاد فی البحر(۶)فرع العنایة والدرایة وغیرھما ان الجنب اذا نزل فی البئر بقصد الاغتسال یفسد الماء عند الکل[2] (۷)**وفرع** الخانیة لوادخل یدہ اورجله فی الاناء للتبرد یصیر الماء مستعملا لانعدام الضرورة(۸)**وفرع** الاسبیجابی والولوالجی فیمن اغتسل فی بئر الی العشرة ولا نجاسة علیه قال محمد صارت المیاہ کلھا مستعملا[3] وزاد قوله الی اخر الفروع ارشادا الی الکثیر الباقی قال وھذا صریح فی استعمال جمیع الماء عند محمد بالاغتسال فیه[4] اھ۔ **واجاب** عن الکل بانه مبنی علی روایة ضعیفة عن

تقاضا یہ ہے کہ کل مستعمل نہ ہوگا کیونکہ ملاقی حقیقۃً غیر ملاقی سے کم ہے مگر یہ کہ محمد نے کل کو حکماً مستعمل قرار دیا ہے، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کسی ضعیف روایت پر مبنی ہے جو اُس مذہب کے خلاف ہے، یہ اس کے مقتضٰی کی تخصیص ہے اور حکم کی تخصیص حکم پر ہی مبنی ہوتی ہے نہ کہ خلافِ حکم پر، اور یہ بہت واضح ہے، اور اسرار کے کلام کا راز ہم نے بیان کردیا۔ مبتغٰی(۵) کی فرع: اگر ہتھیلی ڈالی تو پانی مستعمل ہوگیا اھ، اور بحر میں اضافہ کیا ہے عنایہ اور درایہ(۶) وغیرہما کی فرع کا: جنب اگر کنویں میں غسل کی نیت سے اُترے گا تو سب ہی کے نزدیک پانی فاسد ہوجائیگا۔" خانیہ(۷) کی فرع: اگر کسی نے اپنا پیر یا ہاتھ برتن میں ٹھنڈک حاصل کرنے کیلئے ڈالا تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ ضرورت موجود نہیں ہے۔ اسیجابی(۸) اور ولوالجی کی فرع: جو کنویں میں دس ہاتھ تک نہایا اور اس پر کوئی نجاست بھی نہیں ہے تو محمد نے فرمایا کل پانی مستعمل ہوجائیگا، اور اپنے قول الی آخر الفروع کا اضافہ کیا، باقی کثیر فروع کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا یہ صریح ہے امام محمد کے

[1] الرسالۃ فی جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ان نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۱۹/۶
[2] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
[3] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱
[4] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

محمد قائلة بنجاسة الماء المستعمل [1] ثم استشهد بحمل الفتح فرعا فی الخانیة علیھا وقد مرما فیه من ستة اوجه۔(۹)وفرع منیة المصلی عن الفقیه(۱)ابی جعفر توضأ فی أجمة القصب فان کان لایخلص بعضه الی بعض یجوز وفی الخلاصة توضأ فی أجمة القصب اوارض فیھا زرع متصل بعضھا ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز قال فمفھومه انه اذا کان اقل لایجوز التوضی فیه والاجمة محرکة الشجر الکثیر الملتف [2]۔(۱۰)وفرع الکتابین الخلاصة والمنیة(۲)توضأ فی حوض وعلی جمیع وجه الماء الطحلب ان کان بحال لوحرک یتحرک یجوز قال ومفھومه انه لوکان لایتحرک الطحلب بتحریک الماء لایجوز فان عدم تحرکه بتحریک الماء یدل علی انه بحالة من التکاثف والاستمساک لسطح الماء بحیث یمنع انتقال الماء المستعمل الواقع فیه الی محل اخر فیقع الوضوء بماء مستعمل والطحلب

نزدیک تمام پانی کے مستعمل ہونے میں اس میں غسل کرنے کی وجہ ہے، اور سب کا جواب یہ دیا کہ یہ ضعیف روایۃ پر مبنی ہے، یعنی محمد کی اس روایت پر کہ مستعمل پانی نجس ہوجاتا ہے، پھر یہ استشہاد کیا کہ فتح نے خانیہ کی ایک فرع کو اسی پر محمول کیا ہے، اور جو اس پر اعتراض ہے وہ چھ وجوہ سے گزر چکا ہے۔(۹)منیۃ المصلی کی فرع: یہ فقیہ ابو جعفر سے ہے کسی نے بانسوں کے جُھنڈ میں وضو کیا اگر وہ اتنے گھنے ہیں کہ پانی کے حصّے ایک دوسرے سے جُدا رہتے ہیں تو جائز ہے اور خلاصہ میں ہے کہ بانسوں کے جُھنڈ میں یا ایسی زمین میں جس میں پودے ایک دوسرے سے متصل ہوں، اگر وہ دَہ در دَہ ہو تو وضو جائز ہے، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر اس سے کم ہو تو جائز نہیں، اور اِجمَہ محرّکہ، گھنے درختوں کو کہتے ہیں۔ خلاصہ اور منیہ کی فرع(۱۰): حوض میں وضو کیا اور طحلب پانی کی تمام سطح پر ہو اگر وہ ایسا ہے کہ اس کو حرکت دی جائے تو سب ہل جائے تو جائز ہے، فرمایا اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر حرکت نہ کرے طحلب پانی کے حرکت دینے سے تو جائز نہیں کیونکہ پانی کے حرکت دینے سے اس کا متحرک نہ ہونا اس امر پر دلالت ہے کہ وہ اتنا کثیف ہے کہ مستعمل پانی کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مشکل ہے، تو وضو مستعمل پانی سے ہوگا، اور طحلب سبز رنگ کی گھاس ہے جو پانی پر تیرتی رہتی ہے اھ اور یہ حلیہ سے ماخوذ ہے، فرمایا یہ سب

[1] الرسالۃ جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۲۰/۷

[2] الرسالۃ جواز الوضوء مع الاشباہ من رسائل ابن نجیم ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۲۰/۷

نبت اخضر یعلو الماء بعضه علی بعض اھ وھو ماخوذ عن الحلیة قال وھذا کله یدل ان الماء یصیر مستعملا بالوضو فیه مطلقا [1] اھ۔

واجاب: عنهما بحملهما علی نجاسة الماء المستعمل صرح به شارح المنیة العلامة ابن امیر الحاج فقال وانما قید الجواز بعدم الخلوص لانه لوکان یخلص بعضه الی بعض لایجوز لکن علی القول بنجاسة الماء المستعمل اما علی القول بطهارته فیجوز مالم یغلب علی ظنه ان القدر الذی یغترفه منه لاسقاط فرض من مسح اوغسل ماء مستعمل اویمازجه مستعمل مساو اوغالب اھ۔ قال فهذا صریح فیما قلناه من جواز الوضوء فی الفساق،

واما مسألة الطحلب فقال شارح المنیة ایضا هذا ایضا بناء علی نجاسة الماء المستعمل اومساواته اھ۔ وکذا صرح فی مسألة(۱) توضأ فی حوض انجمد ماؤه قالوا ان کان الجمد رقیقا ینکسر بالتحریک یجوز اما اذا کان کبیرا قطعا قطعا لایتحرک بالتحریک لایجوز فقال هذا ایضا بناء علی نجاسة الماء المستعمل اما علی طهارته فالجواب ماذکرنا فی السابقات [2] اھ وانت تعلم انه رحمه الله تعالٰی

اس امر پر دلیل ہے کہ پانی اس میں وضو کرنے سے مطلّقا مستعمل ہوجاتا ہے اھ۔

اور ان دونوں سوالوں کا جواب انہوں نے یہ دیا ہے کہ ان دونوں کو مستعمل پانی کی نجاست پر محمول کیا ہے، اس کی تصریح شارح منیہ علامہ ابن امیر الحاج نے کی ہے، اور فرمایا کہ جواز کو عدم خلوص کے ساتھ مقید کیا کیونکہ اگر پانی کا کچھ حصّہ دوسرے حصہ کی طرف چلاگیا تو جائز نہیں، لیکن یہ تب ہے کہ جب مستعمل پانی کو نجس قرار دیا جائے، لیکن اگر اس کو پاک قرار دیا جائے تو جائز ہے تاوقتیکہ اس کو اس بات کا ظن غالب نہ ہوجائے کہ وہ مقدار جو اس پانی سے وہ چُلّو بھر کرلے رہا ہے مسح یا دھونے کے فرض کو ساقط کرنے کیلئے کہ وہ مستعمل پانی ہے یا اس میں مستعمل پانی ملا ہوا ہے جو اس کے برابر ہے یا غالب ہے اھ فرمایا یہ اس بارے میں صریح ہے جو ہم نے کہا ہے کہ وضو فساقی میں جائز ہے،

اور گھاس کا مسئلہ، تو منیہ کے شارح نے بھی فرمایا یہ بھی مستعمل پانی کی نجاست پر مبنی ہے یا وہ مستعمل پانی کے مساوی ہو، اھ اور اسی طرح انہوں نے اس مسئلہ میں تصریح کی کہ کسی شخص نے ایسے حوض میں وضو کیا جس کا پانی منجمد ہوچکا تھا فرمایا اگر منجمد پانی ایسا ہے کہ ہلانے سے بآسانی ٹوٹ جاتا ہے تو جائز ہے اور اگر اس کے بڑے بڑے ٹکڑے ہوں کہ ہلانے سے نہ ہلیں تو جائز نہیں، فرمایا یہ بھی اسی پر مبنی ہے کہ مستعمل پانی نجس ہے، اور اس کی پاکی کی

---

[1] الرسالۃ جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۲۰/ ۷

[2] الرسالۃ جواز الوضوء من رسائل ابن نجیم مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۲۱/ ۸

سلک بفرعی الاجمۃ والطحلب مسلکین وذلک ان کلامنھما حکم بعدم جواز الوضوء ان کان ماء الاجمۃ دون عشر فی عشر اولا یتحرک الطحلب بتحریک الماء فجعلہ واردا علیہ حیث افاد صیرورۃ کل الماء مستعملا بالتوضی فیہ اذا کان قلیلا واجاب بحملہ علی روایۃ النجاسۃ وحکم الحلیۃ بالجواز وان کان قلیلا مادام اکثر بناء علی الطھارۃ فجعلہ دلیلا لہ حیث افادان الوضوء فی الماء القلیل لایفسدہ مادام الطھور غالبا علی المستعمل واضاف الیھما فرع الجمد فی الاحتجاج وان کان یصلح ایضا للایراد واقتصر فی البحر علی ایراد الفروع الثلثۃ تصریحا بالاول وتلویحا بالباقیین فیما ھو لہ لافیما ھو علیہ فقال ثم رأیت العلامۃ ابن امیر الحاج قال(فذکر قولہ المار)قال ثم قال ایضا وا تصال الزرع بالزرع لایمنع اتصال الماء بالماء وان کان مما یخلص فیجوز علی الروایۃ المختارۃ فی طھارۃ المستعمل بالشرط الذی سلف(ای غلبۃ الطھور علی غیرہ)ثم ذکرای الحلبی مسائل علی ھذا المنوال وھو صریح فیما قدمناہ من جواز الوضوء بالماء الذی اختلط بہ ماء مستعمل قلیل[1] اھ۔(ا) **وقولہ** فی الرسالۃ ھذا صریح فیما قلناہ من جواز الوضوء فی الفساق

صورت میں تو جواب وہی ہے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اھ۔ اور تمہیں معلوم ہے کہ انہوں نے جُھنڈ اور کائی کے مسئلہ میں دو را ہیں اختیار کی ہیں، اور یہ اس لئے ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے حکم عدمِ جواز کا لگایا، اگر جُھنڈ کا پانی دَہ در دَہ سے کم ہو یا پانی کو حرکت دینے سے کائی میں حرکت پیدا نہ ہو، انہوں نے قلیل پانی میں وضو پر تمام پانی کو مستعمل قرار دینے کو اعتراض قرار دیا اور اس کا جواب یہ دیا کہ یہ نجاست والی روایت پر محمول ہے اور حلیہ نے قلیل پانی میں وضو کو جائز کہا ہے بشرطیکہ وہ مستعمل پانی سے زیادہ ہو کیونکہ وہ پاک ہے، اس کو انہوں نے اپنی دلیل بنایا جہاں انہوں نے کہا کہ قلیل پانی میں وضو پانی کو فاسد نہیں کرتا جب تک پاک پانی غالب رہے، ان دونوں صورتوں کے ساتھ انہوں نے استدلال میں انجماد کی فرع کا اضافہ کیا اگرچہ یہ بھی اعتراض کی صورت بن سکتی ہے اور بحر میں تینوں فروع کا ذکر پر اکتفا کیا ہے پہلی کی تصریح کی ہے اور باقی میں تلویح کی ہے، ماھولہ کا بیان کیا ہے نہ کہ ماھو علیہ کا۔ پھر فرمایا کہ میں نے علّامہ ابن امیر الحاج کو دیکھا انہوں نے فرمایا (پھر ان کا گزشتہ قول نقل کیا) کہا نیز انہوں نے فرمایا کہ کھیتی کا کھیتی سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل ہونے کو نہیں روکتا ہے اگرچہ یہ اس قبیلہ سے ہے کہ پہنچ سکتا ہے، تو مختار روایت کے مطابق جو مستعمل پانی سے طہارۃ جائز ہوگی مگر شرط وہی رہے گی جو گزری، (یعنی طہور کا غلبہ غیر پر) پھر حلبی نے چند مسائل

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

اوفق بمقصوده اذلا نزاع فی مسألة الاختلاط غیر انه رحمه الله تعالٰی لما حکم بعدم الفرق بین الملقی والملاقی طفق لایفرق بینهما فی الحجاج ثمّ انهی کلامه فی البحر بایراد حجة له اخری عن فتاوی العلامة قارئ الهدایة جمع تلمیذه المحقق علی الاطلاق سئل عن فسقیة صغیرة یتوضؤ فیها الناس وینزل فیها الماء المستعمل فی کل یوم ینزل فیها ماء جدید هل یجوز الوضوء فیها اجاب اذا لم یقع فیها غیر الماء المذکور لایضر اھ یعنی اذا وقعت فیها نجاسة تنجست لصغرها[1] اھ عــہ اھ

اقول: وبالله التوفیق (۱) الایرادان والحجج الاربع کلها مبنیة علی الذھول عن محل النزاع لان تلک الفروع طرافی الملقی لاالملاقی اما فرع قارئ الهدایة فظاھر لقول السؤال ینزل فیها الماء المستعمل و

اسی قسم کے ذکر کیے، اور وہ اُس میں صریح ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے، یعنی اگر غیر مستعمل پانی میں تھوڑا سا مستعمل مل جائے تو اس سے وضو جائز ہے اھ اور ان کا قول "رسالہ" "میں" یہ صریح ہے اس امر میں کہ فساقی سے وضو جائز ہے "ان کے مقصود سے زیادہ موافق ہے، کیونکہ اختلاط کے مسئلہ میں تو کوئی نزاع ہی نہیں، البتہ صرف یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے ملقی اور ملاقی میں فرق نہیں کیا ہے تو قریب تھا کہ وہ ان دونوں سے استدلال میں بھی فرق نہ کرتے، پھر انہوں نے اپنا کلام بحر میں اس پر ختم کیا کہ اپنی ایک مزید دلیل فتاوی علامہ قارئ ہدایہ سے دی، اس کو ان کے شاگرد محقق علی الاطلاق نے جمع کیا ہے اُن سے ایک چھوٹے گڑھے کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں لوگ وضو کریں اس میں مستعمل پانی گرے اور ہر روز نیا پانی بھی آئے، اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس میں مذکورہ پانی کے علاوہ اور پانی نہ گرتا ہو تو کچھ حرج نہیں اھ یعنی اس میں اگر کوئی نجاست گرے گی تو یہ نجس ہوجائے گا کیونکہ یہ چھوٹا ہے۔ اھ (ت) میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں دونوں اعتراض اور چاروں استدلال اس پر مبنی ہیں کہ محلِ نزاع پر نظر نہیں رکھی گئی کیونکہ یہ تمام فروع ملقی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں، قارئ الہدایہ کی فرع تو ظاہر ہے، کیونکہ سوال میں ہے کہ اس میں مستعمل پانی روز آتا ہے اور جواب میں ہے

عــہ: اھ السابق علی ھذین لکلام العلامة قارئ الهدایة وھو قول الامام ابن الهمام والاول من ھذین لکلام ابن الهمام من کلام البحر والاخیر لکلام البحر من کلام المصنف (م)

ان دونوں سے پہلے "اھ" علامہ قاری الہدایہ کے کلام کی انتہا ہے جس کو ابن ہمام نے ذکر کیا اور ان دونوں میں سے پہلی "اھ" ابن ہمام کے کلام کی انتہا ہے جس کو بحر نے بیان کیا اور آخری بحر کے کلام کی انتہا ہے جس کو مصنف نے ذکر کیا ہے ۱۲ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

قولہ فی الجواب اذالم یقع فیھا غیرہ واما فروع الحلیۃ الثلثۃ فلان مستندالجوابین والاحتجاجات کلام العلامۃ الحلبی وھو مصرح بانھا جمیعا فی الملقی دون الملاقی الا تری الی قولہ فی الاول ان کان لایخلص بعضہ الی بعض جازلان الماء حینئذ کثیر ولوکان الماء المستعمل الواقع فیہ نجاسۃ لم یمنع فکیف وھو طاھر وانما قید الجواز الی اٰخر مانقلتم وقال فی الثانی یمنع انتقال الماء المستعمل الواقع فیہ وقد نقلتموہ وان لم تعزوہ وقال فی الثالث ان کون الجمد ینکسر بتحریک الماء لایمنع من انتقال الماء المتصل منہ فی الحوض من ذلک المحل الواقع فیہ ۔۔۔الخ وکذلک قال فی نظائرہ بل ھذا علی طریق الحلیۃ مستفاد من نفس الفروع فانھا فی الوضوء فی حوض اوغدیر ،وقد افاد فی الحلیۃ قبل الفرع الاول بصفحۃ فی الفرق بین التوضی من حوض وفیہ ان التوضی منہ لایستلزم البتۃ وقوع الغسالۃ فیہ بخلاف التوضی فیہ قال وکون وضوء المتوضئین من موضع وقوع غسالا تھم فیہ ھو مقصود الافادۃ من التفریع بخلاف کون وضوء المتوضی منہ بحیث تقع غسالاتھم خارجہ جائزا فان ذلک مجمع علیہ لایتفرع علی قول قوم دون اٰخرین[1] اھ۔ ھذا کلہ علی

کہ جبکہ اس میں اس پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہ گرتی ہو،اور حلیہ کی تینوں فروع اس لئے کہ دونوں جوابوں کی سند اور استدلالات علّامہ حلبی کا کلام ہیں،اور انہوں نے تصریح کردی ہے یہ تمام ملقٰی میں ہیں نہ کہ ملاقی میں۔ چنانچہ ان کا پہلا قول دیکھا جائے کہ اس کا بعض دوسرے بعض کی طرف نہ جاتا ہو تو جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں پانی کثیر ہوگا،اور اگر وہ ماء مستعمل جس میں نجاست گر گئی ہو مانع نہیں ہے تو جو طاہر ہے وہ کیسے ہوگا،اور بیشک جواز کو مقید کیا الی آخر مانقلتم اور دوسرے میں فرمایا منع کرتا ہے مستعمل پانی کا منتقل ہونا جس میں وہ واقع ہے حالانکہ تم نے اس کو نقل کیا ہے اگرچہ اس کے قائل کا نام نہیں لیا ہے،اور تیسرے میں فرمایا کہ برف کا پانی کو حرکت دینے سے ٹوٹ جانا حوض میں جو پانی اس سے متصل ہے اس کے منتقل ہونے کو مانع نہیں ہے الخ اور اسی طرح اس کی نظیروں میں فرمایا بلالکہ حلیہ کے طریق کے مطابق یہ نفس فروع سے مستفاد ہے کیونکہ یہ بظاہر حوض یا تالاب سے وضو سے متعلق ہیں،اور حلیہ میں فرع اول سے ایک صفحہ قبل فرمایا: حوض سے وضو اور حوض میں وضو کے اندر فرق ہے،اور اسی میں ہے کہ حوض سے وضو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دھوون حوض میں گرے، لیکن اگر حوض میں وضو کیا جائے تو دھوون لازمی طور پر اس میں گرے گا،فرمایا لوگوں کا اس جگہ سے وضو کرنا جہاں اُن کے دھوون کا پانی پڑتا ہے یہی تفریع کا اصل مقصود ہے اور ایسی جگہ وضو کرنا جہاں دھوون باہر گرتا ہو تو اس میں کسی کا

[1] حلیہ

طریق الحلیة وانا **اقول**:(۱)وبه استعین الوضوء فی الحوض یحتمل معنیین احدهما ان یغترف منه بید اواناء ویتوضأ خارجه بحیث تقع غسالته فیه کقولک توضأت فی الطست وهو الذی اقتصر علیه المحقق الحلبی والاخر ان یغسل اعضاءه بغمسها فیه کما یفعل کثیر من الناس فی الرجلین کقولک غسلت الثوب فی الاجانة وهذا اقرب الی ظرفیة الحوض للوضوء بالضم وان اطلق علی الاول لصیرورة الحوض ظرف الوضوء بالفتح(۲)فلا وجه للقصر علی الاول والماء فی الاول ملقی ای استعمل فی الخارج ثم القی فی الماء المطلق وفی الثانی ملاق ای ماء مطلق لاقی بدنا ذاحدث فاسقط فرضا اوبدن عـــه متقرب فاقام قربة،وانت(۳)تعلم ان العبارة فی الفروع الثلثة تحتمل الوجهین بیدانا لوحملناها علی الثانی وجب ردها الی روایة ضعیفة وهو نجاسة المستعمل اوصیرورة المطلق مستعملا بوقوع المستعمل ولوقلیلا الا ماترشش کالطل فانه عفو دفعا للحرج وکلتاهما ضعیفة مهجورة والصحیح المعتمد طهارته وعدم تاثیره فی المطلق

اختلاف نہیں، یہ ایسا نہیں کہ کچھ لوگوں کے قول پر متفرع ہو اور کچھ کے قول پر متفرع نہ ہو اھ۔یہ تمام بحث حلیہ کے نہج پر ہے۔میں کہتا ہوں حوض سے وضو کے دو ۲ معنی ہیں ایک تو یہ کہ حوض سے چُلّو سے پانی لیا جائے یا برتن سے لیا جائے اور حوض کے باہر وضو کیا جائے اور اس کا دھوون حوض میں گرتا رہے، جیسے کہا جاتا ہے، میں نے طشت سے وضو کیا۔محقق حلبی نے اس پر اکتفاء کیا ہے،اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حوض میں اپنے اعضاء ڈبو کر وضو کرے جیسے عام طور پر لوگ پیر دھوتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے "میں نے ٹب میں کپڑے دھوئے،اور یہ حوض سے وُضو بالضم کا ظرف ہونے کے اقرب ہے،اگرچہ اس کا اطلاق پہلے پر اس تاویل سے ہوتا ہے کہ وہ وضوء بالفتح کا ظرف ہے،تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو پہلے تک ہی مقصور رکھا جائے اور پہلے میں پانی ملقی ہے یعنی پہلے باہر استعمال کیا گیا پھر مطلق پانی میں ڈالا گیا اور دوسرے میں ملاقی ہے،یعنی مطلق پانی جو حدث والے بدن کو ملا اور ایک فرض کو ساقط کیا یا متقرب کے بدن کو ملا اور ایک قربۃ اس سے ادا ہوئی،اور آپ جانتے ہیں کہ تینوں فروع کی عبارت دونوں وجہوں کا احتمال رکھتی ہے،صرف اتنا ہے کہ اگر ہم اس کو دُوسرے پر

عـــه ادخله فی البحر فی المحدث حکما تبعا للدرایة وتقدم الرد علیه فی الطرس المعدل اھ(م)

بحر نے اس کو حکماً محدث میں داخل کیا درایہ کی پیروی کرتے ہوئے طرس معدل میں اس کا رد پہلے گزرا اھ (ت)

مطلقا مالم یساوہ اویغلب علیه والروایات تصان عن مثله مهما امکن فظهر ان المراد فی الثلاثة معنی الثانی لامافهم المحقق واضطر الی حملها علی ضعیف واذن صارت الثلثة حجالنا ولا دلیل ناطق علی صرفها الی ضعیف ومن (ا)یفعله ینقلب مدعیا بعد ان کان سائلا فلینور دعواہ ببرهان واین البرهان وذلک لان الاصل فی روایات الائمة الاعتماد فمن استند بها فقد قضی ماعلیه، ومن یرید ردها الی مایردها فلیات بدلیل یلجیئ الیه، ودعوای هذہ قداعترف بها العلامة فی البحر والرسالة معا اذحکم بابتناء تلک الفروع علی روایة ضعیفة فقال وسیظهرلک صدق هذہ الدعوی الصادقة بالبینة العادلة فقد اقرانه رحمه الله تعالٰی عاد بهذا مدعیا فکیف تسلم بلا دلیل اماما ذکر فی البینة وهو قول المحیط والعلامة السراج الهندی والتحفة اذا وقع الماء المستعمل فی البئر عند محمد یجوز التوضؤ به مالم یغلب علی الماء وهو الصحیح ولفظ التحفة علی المذهب المختار [1]۔

محمول کریں تو اس کو ایک ضعیف روایت کی طرف راجع کرنا پڑے گا اور وہ مستعمل پانی کا نجس ہوتا ہے یا مطلق پانی کا تھوڑے مستعمل پانی سے مل جانے کی وجہ سے مستعمل ہو جانا، ہاں شبنم جیسے قطرے معاف ہیں حرج کو دفع کرنے کیلئے۔ یہ دونوں روایتیں متروک اور ضعیف ہیں، اور صحیح اور قابلِ اعتماد اس کی پاکی ہے اور اس کا مطلق پانی پر اثر انداز نہ ہونا ہے تاوقتیکہ اس کے برابر یا اس پر غالب نہ ہو جائے اور روایتیں اس قسم کی چیز سے حتی الامکان محفوظ رکھی جاتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ تینوں فروع میں دوسرے معنی ہی مراد ہیں، وہ معنی نہیں ہیں جو محقق نے لئے ہیں اور پھر ان کو ضعیف روایت پر حمل کرنا پڑا اور اس طرح تینوں فروع ہماری دلیل بن گئی ہیں اور ان کو ضعیف روایت پر محمول کرنے کیلئے کوئی دلیل ناطق موجود نہیں، اور جو ایسا کرتا ہے وہ سائل کے بجائے اپنے آپ کو مدعی بناتا ہے اور ایسی صورت میں اس کو برہان لانا چاہیئے، اور برہان کہاں سے ملے گا کیونکہ ائمہ کی روایات میں اصل اعتماد ہے تو جو ان سے استناد کرے گا اس نے اپنی ذمہ داری پُوری کر دی، اور جو ان کو کسی اور طرف رد کرنا چاہتا ہے تو اُسے اس کی دلیل پیش کرنا ہوگی، اور میرے اس دعوی کا اعتراف علامہ نے بحر اور رسالہ دونوں میں کیا ہے کیونکہ انہوں نے ان کی بنیاد کو ضعیف روایت پر مبنی قرار دیا ہے اور فرمایا کہ تم پر اس دعوی کی صداقت بینہ عادلہ سے ظاہر ہو جائیگی۔

[1] الرسالہ فی جواز الوضوء مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۸۲۰/۷

فاقول: (۱) رحم الله الشیخ العلامة ماذکروہ فھو فی الملقی فکیف یدل علی ابتناء مافی الاسرار والعنایة والدرایة وغیرہما من شروح الهدایة وشرح الاسبیجابی وفتاوی الولو الجی وغیرھا علی روایة ضعیفة مع کونها فی الملاقی والی ھنا تم الکلام مع البحر والرسالة معا ولم یبق فیھا شیئ غیر حرف واحد فی البحر وھو قوله رحمه الله تعالٰی لایعقل عـه فرق بین الصورتین من جهة الحکم یعنی الملقی والملاقی۔

اقول: (۲) ای لعمرک فرق وای فرق لان الاستعمال انما یثبت بازالة الماء حدثا اواسقاطه فرضا اواقامته قربة وذلک بملاقاته

انہوں نے اس میں اعتراف کرلیا کہ وہ اس طرح مدعی بن گئے ہیں، تو اب یہ دعوی بلا دلیل کس طرح قبول کیا جائیگا، اور بینہ میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ محیط علامہ سراج ہندی اور تحفہ کا قول ہے کہ اگر مستعمل پانی کنویں میں گرجائے تو محمد کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے تاوقتیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہوجائے اور یہی صحیح ہے اور تحفہ میں صراحت ہے کہ یہی مذہب مختار ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ علامہ پر رحم فرمائے، جو کچھ انہوں نے ذکر کیا ہے وہ ملقٰی میں ہے تو یہ اسرار، عنایہ، درایہ (شروح ہدایہ)، شرح اسبیجابی اور فتاوی ولوالجی وغیرہ کی عبارات کے ضعیف روایت پر مبنی ہونے پر کیونکر دلیل بن سکتا ہے کیونکہ وہ ملاقی کے بارے میں ہیں۔ یہاں تک بحر اور رسالہ سے جو گفتگو تھی پُوری ہوئی البتہ بحر نے ایک لفظ کہا ہے وہ یہ کہ ملقی اور ملاقی دونوں صورتوں میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ پانی کا مستعمل ہونا یا تو حَدَث کے ازالہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا اسقاط فرض کی وجہ سے یا کسی

عـه ذکر ھھنا عن بعض معاصریه الفرق بان فی الوضوء یشیع الاستعمال فی الجمیع بخلافه فی الصب اھ۔ ثم ردہ وھی عبارة مدخولة فتحت علی نفسها باب الرد فکان لما ذکر فی البحر مساغ فلذا طوینا ذکرہ وسنعود الیه ان شاء الله تعالٰی فی الفصل الرابع اھ منه غفرله۔

یہاں انہوں نے اپنے بعض معاصرین سے یہ فرق نقل کیا ہے کہ وضو سے استعمال تمام پانی میں ہوتا ہے اور بہانے میں یہ نہیں ہے، پھر خود ہی انہوں نے اس کا رد کیا اور یہ عبارت مدخولہ ہے، اس نے اپنے اوپر رد کا دروازہ کھول دیا ہے، تو جو بحر میں اس کا جواز تھا اس لئے ہم نے اس کو ذکر نہ کیا اور چوتھی فصل میں ہم اس کو ذکر کریں گے اِن شاء اللہ تعالٰی اھ منہ (ت)

بدن المحدث اوالمتقرب لاملاقاته مالاقاه والموجود فی الملاقی الاول وفی الملقی فیه الثانی هذا کل ماذکرہ فی الرسالة وھھنا اعنی فی بحث الماء المطلق فی البحر اماما ذکر فی مسألة البئر جحط مفرعا علی قول الحلیة الماء المستعمل ھو الذی لاقی الرجل بقوله فعلی ھذا قولھم(ای فیمن نزل البئر للاغتسال)صار الماء مستعملا معناہ صار الماء الملاقی للبدن مستعملا لاجمیع ماء البئر[1] اھ ۔فقد قدمنا الکلام علیه کافیا شافیا بتوفیق اللہ تعالٰی تحت الحادی والعشرین من الکلام مع العلامة قاسم وثلثة حجج قبله من التاسع عشر فھذہ اربعة۔

واقول: خامسا(۱)لوصح ھذا لما احتجتم الی حمل تلک الروایات الظاھرة الکاثرة الوافرة علی روایة ضعیفة مرجوحة نادرة وکان یکفیکم ان تقولو انعم صار مستعملا لکن مالاقی البدن اوالکف وھو مستھلک مغلوب فلا یضر۔

وسادسا:(۲)حیث حکموا بسقوط الاستعمال فی ادخال الکف والانغماس

قربۃ کی ادائیگی کے باعث ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ وہ مُحدِث یا متقرب کے بدن سے لگے نہ کہ اُس چیز کو لگے جو بدن کو لگی ہے، اور جو چیز مُلاقی میں موجود ہے وہ اوّل ہے اور مُلقیٰ میں دوسری چیز ہے یہ رسالہ میں ہے، اور بحر کی مطلق پانی کی بحث میں ہے، اور بحر نے مسئلہ جحط میں حلیہ کے اس قول پر تفریع کی ہے "الماء المستعمل ھو الذی لاقی الرجل" (مستعمل پانی وہ ہے جو آدمی کے جسم سے متصل ہو) تفریع کے لفظ یہ ہیں، تو اس بنا پر ان کا قول (یعنی جو شخص کنویں میں نہانے کو اُترا) پانی مستعمل ہوگیا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ بدن کو لگنے والا پانی مستعمل ہوگیا، یہ نہیں کہ کنویں کا سارا پانی مستعمل ہوجائے، اھ ہم نے اس پر مکمل بحث علامہ قاسم کے کلام پر گفتگو کرتے ہوئے اکیسویں نمبر کے تحت کردی ہے اور اس سے قبل انیسویں نمبر میں تین دلائل بیان کیے ہیں تو یہ چار ہوئے۔

خامسا: میں کہتا ہوں اگر یہ بات درست ہوتی تو آپ ان کثیر ظاہر روایات کو ایک ضعیف روایت پر محمول نہ کرتے بلاکہ صرف اتنا کہتے کہ ہاں وہ پانی مستعمل ہوگیا ہے، لیکن جو پانی بدن اور ہاتھوں کو لگا ہے وہ تھوڑا سا ہے اور مغلوب ہے تو نقصان دہ نہ ہوگا۔ **سادساً** مشائخ نے سقوط استعمال کا حکم لگایا ہے ہاتھ ڈالنے اور غوطہ کھانے کی صورت میں،

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۸/۱

اطبقوا سلفاً وخلفاً وانتم معهم علی تعلیله بالضرورة کما قدمنا عن الفتح والخلاصة والتبیین والبزازیة والکافی والخانیة والغنیة والحلیة والنهر والقدوری والجرجانی والبرهان والصغری والفوائد الظهیریة والشمس الائمة الحلوانی وعن بحرکم وعنکم عن شمس الائمة السرخسی وشارح الهدایة الخبازی والمحقق حیث اطلق والزیلعی وابی الحسن وابی عبدالله رحمهم الله تعالٰی وقدمناه عن الخلاصة عن نص محرر المذهب محمد فی کتاب الاصل وعن الفتح عن کتاب الحسن عن صاحب المذهب الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنهم ولو کان لایستعمل الاما لصق بالبدن فای حرج یلحق وای ضرورة تمس فان الماء مع ثبوت الاستعمال یبقی طاهرا مطهر اکما کان۔

وسابعا:(ا) قدمنا عن الامام شمس الائمة الکردری ان ادخال المحدث یدہ فی الماء لالضرورة یفسدہ [1] وعنکم عن المبتغی انه یفسد الماء [2] وعنکم عن المبسوط عن نص محمد فی الاصل اغتسل الطاهر فی البئر افسدہ [3] وعن مجمع الانهر فسد عندالکل [4] وعن

سلف سے خلف تک اسی پر چلے آرہے ہیں اور آپ بھی اُن کے ہمنوا ہیں اور اس کیلئے علت ضرورت بتائی ہے جیساکہ ہم فتح، خلاصہ، تبیین، بزازیہ، کافی، خانیہ، غنیہ، حلیہ، نہر، قدوری، جرجانی، برہان، صغری، فوائد ظہیریہ، شمس الائمہ حلوانی، بحر اور آپ کی سند سے شمس الائمہ سرخسی سے، شارح ہدایہ خبازی، محقق (انہوں نے اطلاق سے کام لیا) ابو الحسن وابو عبدالله سے روایت کرآئے ہیں اور اس کو ہم نے خلاصہ سے محرر المذہب امام محمد کا قول ان کی اصل سے نقل کیا ہے اور فتح سے حسن کی کتاب سے صاحب المذہب امام اعظم سے نقل کیا ہے، اگر صرف اتنا ہی مستعمل ہوتا ہے جو بدن سے لگا ہو تو کیا حرج لاحق ہوتا ہے؟ اور کونسی ضرورت درپیش ہوتی ہے؟ کیونکہ پانی باوجود ثبوت استعمال کے طاہر مطہر ہی رہے گا جیساکہ پہلے تھا۔

سابعاً ہم امام شمس الائمہ کردری سے نقل کرآئے ہیں کہ محدث کا اپنے ہاتھ کو پانی میں بلاضرورت ڈالنا پانی کو فاسد کردیتا ہے اور تم سے مبتغٰی سے روایت کی ہے کہ وہ پانی کو فاسد کردیتا ہے، اور تم سے مبسوط سے، محمد کی اصل میں نص سے روایت کی ہے کہ اگر پاک آدمی کُنویں میں غسل کرے تو اس کو فاسد

---

[1] الہندیۃ بالمعنی فصل فیمالایجوزبہ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۲

[2] الہندیۃ بالمعنی فصل فیمالایجوزبہ الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

[3] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۹۶

[4] مجمع الانہر فصل فی الماء بیروت ۱/۳۱

الهندية عن النهاية يفسد بالاتفاق[1] ولفظ العناية فسد الماء عند الكل[2] وعنكم عن الدراية والعناية وغيرهما يفسد عندالكل[3] فهذ اصريح نص محمد فى الرواية الظاهرة وصرائح لقول الاجماع فى الكتب المعتمدة منها بحركم على ان الماء كله يصير مستعملا حتى لايبقى صالحا لان يتوضأ به اذليس الفساد الاخروج الشيئ عما يصلح له ولوكان يجوزبه الوضوء فايش فسد وكيف فسد۔

کردے گا،اور مجمع الانہر میں ہے کہ سب کے نزدیک فاسد ہوگیا،اور ہندیہ سے نہایہ سے منقول ہے کہ بالاتفاق فاسد ہوجائے گا،اور عنایہ کے الفاظ یہ ہیں کہ سب کے نزدیک پانی فاسد ہوگیا اور تم سے درایہ وعنایہ وغیرہما سے روایت کی ہے سب کے نزدیک فاسد ہوگیا تو یہ ظاہر روایت میں محمد کی صریح نص ہے،اور اجماع کی صریح نقول کتب معتمدہ میں موجود ہیں،بحر میں ہے علاوہ ازیں تمام پانی مستعمل ہوجاتا ہے حتی کہ اس سے وضو بھی نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ فساد کے معنی ہی یہ ہیں کہ جو چیز جس کام کی صلاحیت رکھتی تھی اب اس کے لائق نہ رہی اور اگر اس سے وضو جائز رہے تو پھر اس میں فساد کیوں اور کیسے ہوا؟ (ت)

وثامنا: (ا)قدمنا عن الفتح عن كتاب الحسن عن صاحب المذهب الامام رضى الله تعالٰى عنه التصريح بابين لفظ لايقبل تاويلا ولا يرضى تحويلا وهو قوله رضى الله تعالٰى عنه لم يجز الوضوء منه فثبت قطعا ان لامساغ لهذا التاويل وانه مضاد لصريح نص امام المذهب وجلى نص محمد فى ظاهر الرواية بل ومصادم لاجماع ائمة المذهب المنقول فى المعتمدات كبحركم فالحق الناصع هو المذهب المنصوص عليه من ائمة المذهب فى الكتب الظاهرة المطبق عليه فى الروايات المتواترة

ثامناً: ہم نے فتح کے حوالہ سے حسن کی کتاب سے صاحب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول نقل کیا ہے،اور یہ اتنا واضح اور صریح قول ہے کہ کسی قسم کی تاویل کو قبول نہیں کرتا ہے،اور وہ یہ ہے کہ اس سے وضوء جائز نہیں،تو قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ اس تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ امام مذہب کے نص صریح کے مخالف ہے اور امام محمد کے واضح نص کے بھی خلاف ہے بلکہ کتب معتمدہ میں ائمہ مذہب کا جو اجماع منقول ہے اس کے بھی مخالف ہے،مثلاً آپ ہی کی بحر میں حکایت اجماع موجود ہے تو حق وہی ہے جو ظاہر روایت کی کتب میں ائمہ مذہب سے

[1] ہندیۃ الفصل الثانی من المیاہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۳

[2] عنایۃ مع فتح القدیر ماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۹

[3] حاشیۃالہدایۃ ماء الذی یجوزبہ الوضوء المکتبۃالعربیہ کراچی ۱/۲۳

اعنی ثبوت الاستعمال لجمیع الماء القلیل قلیلا کان اوکثیرا بدخول جزء من بدن محدث فیه لم یروما یخالفه ولم یرفی کلام احدما ینازعه الالفظة وقعت فی کلام البدائع فی تعلیل وجدل مع وفاقه فی المروی وما قدر بحث مع نصوص صاحب المذهب وتصریح محرره فی کتاب ظاهر الروایة بل مع اجماع ائمة المذهب لا جرم ان بقیت تلک الکلمة لم یعرج علیها احد فیما نعلم الی عصر الامام المحقق علی الاطلاق حتی اتی تلمیذاه العلامتان القاسم والحلبی فاثراها،واثراها واثاراها،وجعلها العلامة قاسم نصا مرویا،وحکما مرضیا،رد به نصوص المذهب المشهورة،والفروع المتواترة فی الکتب المنشورة،الی روایة ضعیفة مهجورة،ولم یات علیها بروایة منقولة ماثورة،ولا درایة مقبولة منصورة،فالمذهب هو المتبع،والحق احق ان یتبع،والله المستعان،وعلیه التکلان، وصلی الله تعالٰی علی سید الانس والجان، واٰله وصحبه وابنه وحزبه ماتعاقب الملوان، وبارک وسلم ابدا اٰمین،والحمدلله رب العٰلمین۔

منقول ہے اور جس پر متواتر روایات منطبق ہیں یعنی تمام قلیل پانی پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا جانا خواہ قلیل ہو یا کثیر جبکہ محدث کے بدن کا کوئی حصہ بھی اس میں داخل ہوجائے اس پر یہی حکم ہوگا،اس کے خلاف کسی کے کلام میں منقول نہیں صرف ایک لفظ بدائع میں تعلیل وجدل کے طور پر آیا ہے حالانکہ روایت کردہ پر وہ متفق ہیں،لیکن نصوص مذہب کی موجودگی میں محض ایک بحث کی کیا قدر وقیمت ہوسکتی ہے،پھر محرر مذہب کی تصریح ظاہر الروایۃ کی کتاب میں ہے اور ائمہ مذہب کا اجماع ہے،پھر ایک اس کلمہ پر محقق علی الاطلاق کے زمانہ تک کسی نے غور نہ کیا یہاں تک کہ ان کے شاگرد علامہ قاسم اور حلبی آئے تو انہوں نے اس بات کو بڑھایا اور ترجیح دی اور پھیلایا اور علامہ قاسم نے تو اس کو اپنی پسندیدہ نص قرار دیا جس سے نصوص مذہب اور فروع متواترہ تک کو رد کردیا اور اس کی تائید میں صرف ایک ضعیف روایت لاسکے اور کوئی قابل عقلی یا نقلی دلیل پیش نہ کرسکے،تو مذہب حق وہی ہے جس کی پیروی کی گئی ہے اور حق ہی اس کا مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے واللہ المستعان،اسی پر بھروسا ہے،انس وجن کے سردار پر درود اور ان کی آل واصحاب،اولاد اور باقی جماعت پر تاقیامت برکتیں اور سلام نازل ہو،آمین والحمدللہ رب العالمین۔

الفصل الثالث فی کلام العلّامة ابن الشحنة

رسالته رحمه الله تعالٰی اکثر من نصف کراسة سلک فیها مسلکا یخالف ماسلکه شیخه العلامة

تیسری فصل علامہ ابن الشحنہ کے کلام میں:

ان کا رسالہ آدھی کاپی سے زیادہ ہے اس میں انہوں نے اپنے شیخ علّامہ قاسم کے سراسر خلاف راہ اپنائی ہے کیونکہ

قاسم خلافا کلیا فانه کان ادعی تسویة الملقی والملاقی فی جواز الوضوء وادعی هذا تسویتهما فی عدم الجواز ذکر رحمه الله تعالٰی مخاطبا لسائله سألت ارشدنی الله وایاک عن حوض دون ثلثة اذرع فی مثلها هل یجوز الوضوء فیه ام لاوهل یصیر مستعملا بالتوضی فیه وذکرت ان المفتی به قول محمد رضی الله تعالٰی عنه انه طاهر غیر طهور وان المتقاطر من الوضوء قلیل لاحق طهورا اکثر منه فلا یسلبه وصف الطهوریة واجبتک انه یجوز الاغتراف منه والتوضی خارجه لافیه[1] اھ۔

اقول: فهذا(۱) ظاهر فی الملقی وان المراد التوضی فیه بالمعنی الاول ای بحیث تقع الغسالة فیه وقد کان السائل نبه علی الحکم الصحیح فیه ان المتقاطر طاهر مغلوب لکن اجابه بالمنع وهو خلاف الصحیح کما علمت **والعجب** ان الشیخ سینقل ان الصحیح خلافه ثم مشی علیه وکان حریا بنا ان نحمل کلامه علی التوضی فیه بالمعنی الثانی ای بغمس الاعضاء فیه ومعنی قوله التوضی خارجه ان تکون اعضاء المتوضی خارج الحوض کی یوافق الصحیح ولا یناقض کلام نفسه فیما ینقل من التصحیح وکان تخطئة السائل حیث سأل عن الوضوء فیه بغمس

وہ تو جوازِ وضو میں ملقٰی اور ملاقی کی برابری کے قائل تھے اور انہوں نے عدمِ جواز میں دونوں کی برابری کا قول کیا ہے وہ بصیغہ خطاب فرماتے ہیں تُونے مجھ سے سوال کیا خدا تجھ کو اور مجھے ہدایت دے ایک حوض کے بارے میں جو تین ہاتھ سے کم ہے، اس میں وضو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں وضو کرنے سے پانی مستعمل ہوگا یا نہیں؟ اور تُونے ذکر کیا مفتی بہ محمد کا قول ہے کہ وہ پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے اور وضو سے جو ٹپکا ہے وہ کم ہے اور جس پانی سے ملا ہے وہ زیادہ ہے تو وہ اس کی طہوریت کے وصف کو سلب نہیں کرسکتا ہے، میں نے تجھ کو یہ جواب دیا ہے کہ اس سے چلّو بھر کر پانی لے کر وضو باہر کرنا جائز ہے اس کے بیچ وضو کرنا جائز نہیں اھ۔

میں کہتا ہوں یہ ملقٰی میں ظاہر ہے اور یہ کہ اس سے مراد پہلے معنی کے اعتبار سے وضو کرنا ہے یعنی دھوون اس میں گرے اور سائل نے اس میں صحیح حکم پر خبردار کیا تھا کہ ٹپکنے والا پانی طاہر مغلوب ہے مگر انہوں نے اس کا جواب منع کے ساتھ دیا اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہ صحیح کے خلاف ہے، اور تعجب خیز بات یہ ہے کہ خود شیخ عنقریب یہ نقل کریں گے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اور پھر خود اسی پر چلے ہیں، اور ہمارے لائق بات تو یہ تھی کہ ہم اس کو دوسرے معنی میں لیتے وہ یہ کہ اس میں وضو کرنے پر محمول کرتے یعنی اس میں اعضاء کا ڈبو دینا، اور ان کے اس قول کے معنی کہ وضو حوض کے باہر، یہ ہیں کہ وضو کرنے والے کے اعضاء حوض کے باہر ہوں تاکہ صحیح کے موافق ہو اور خود

[1] رسالہ ابن الشحنۃ

الاعضاء ولم یکن بعدہ محل لذکر قلۃ المتقاطر ایسر علینا من تطرق امثال الخلل الی کلام العلامۃ ولکنہ رحمہ اللہ سیصرح بھذا الظاھر فانسد باب التاویل ثم قدم مقدمۃ فی بیان الماء الذی یظھر فیہ اثر الاستعمال والذی لایظھر فیہ قاصدا اثبات ان الحوض المسئول عنہ اعنی الصغیر مما یتأثر بالاستعمال تأثرہ بالنجس فقال اعلم ان الماء الذی یظھر فیہ اثر الاستعمال ھو الذی[عـہ] یظھر فیہ اثر النجاسۃ وکل مالایظھر فیہ اثر النجاسۃ لایظھر فیہ اثر الاستعمال ولا فرق ثم جعل یسرد الاقوال فی حد القلیل واطال الی ان قال فثبت ح ظھور اثرالاستعمال وھو سلب الطھوریۃ عن ماء الحوض الذی سألت عنہ وکان حکمہ کالاناء والجب والبئر اھ۔

کلام آپس میں متناقض نہ ہو یعنی اُس تصحیح کے جو نقل کی جائے گی، اور انہوں نے سائل کو غلط اس لئے ٹھہرایا کیونکہ اس نے یہ سوال کیا تھا کہ وہ اپنے اعضاء کو حوض میں داخل کرکے وضو کرنا چاہتا ہے اس کے بعد اس کا محل نہ تھا کہ ٹپکنے والا کم ہے یہ ہم پر بہ نسبت اس کے آسان ہے کہ علّامہ کے کلام میں خلل کو مان لیں مگر وہ خود اس ظاہر کی تصریح کریں گے تو تاویل کا باب بند ہوگیا، پھر ایک مقدمہ اُس پانی کے بارے میں بیان کیا جس میں اثرِ استعمال ظاہر ہوتا ہے اور جس میں نہیں ہوتا ہے، اس سے ان کا ارادہ یہ بتانا کہ وہ چھوٹا حوض جس کے بارے میں دریافت کیا جارہا ہے مستعمل پانی سے اسی طرح متاثر ہوتا ہے جس طرح نجس پانی سے، اور فرمایا جاننا چاہئے کہ وہ پانی جس میں استعمال کا اثر ظاہر ہوتا ہے وہی ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں استعمال کا اثر بھی ظاہر نہ ہوگا اور کوئی فرق نہیں، پھر انہوں نے قلیل کے حد میں کئی اقوال پیش کیے اور کافی طوالت اختیار کی اور آخر میں کہا، تو ثابت ہوگیا کہ استعمال کے اثر ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے جس حوض کی بابت دریافت کیا ہے اس کے پانی سے طھوریت سلب

[عـہ] تعقیب المسند الیہ بضمیر الفصل یفید قصر المسند علی المسند الیہ فمفاد القضیۃ الاولی ان تأثیر النجاسۃ مقصور علی مایؤثر فیہ الاستعمال ای کل مالا یظھر فیہ اثر الاستعمال لایظھر فیہ اثر النجاسۃ ثم ذکر عکسہ کلیا فافاد انھما شیئ واحد وانہ لاانفکاک لتأثیر عن اٰخر اھ منہ غفرلہ۔(م)

مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل لانا مسند کے مسند الیہ پر حصر کا فائدہ دیتا ہے تو پہلے قضیہ کا فائدہ یہ ہے کہ نجاست کا مؤثر ہونا اس چیز پر منحصر ہے جس میں استعمال مؤثر ہو یعنی جس میں استعمال کا اثر ظاہر نہ ہو اس میں نجاست کا اثر بھی ظاہر نہ ہوگا پھر انہوں نے اس کا عکس کلی ذکر کیا جس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں شیئ واحد ہیں اور یہ کہ ایک کی تاثیر دوسرے سے جُدا نہ ہوگی اھ منہ غفرلہ۔(ت)

اقول: رحمکم اللّٰہ کل(۱) ما اتیتم بہ الی ھنا انما بین ان القلیل الذی تؤثر فیہ النجاسۃ کذا وکذا ولیس فی شیئ منہ مایدل علی ان کل قلیل یتأثر بالاستعمال کالنجاسۃ وانما کان المقصود فیہ ولم تذکر وافیۃ غیر قولکم ان کل ما تأثر بھا تأثر بہ ولافرق وھی القضیۃ الاولی فی کلامکم اما الاخری القائلۃ ان کل ماتأثر بہ تأثر بھا فلا کلام فیھا ولا تمس المقصود اصلا ثم ذکر تکمیلا لتوضیحہ وسرد فیہ(۱) فرع الخلاصۃ ان الحوض الصغیر قیاس الاوانی والجباب لایجوز التوضی فیہ ولو وقعت فیہ قطرۃ خمر تنجس[1] (۲) وفرع البزازیۃ والتجنیس والخانیۃ اذا نقص الحوض من عشر فی عشر لایتوضؤ فیہ بل یغترف منہ ویتوضؤ خارجہ[2] ولفظ الخانیۃ لایجوز فیہ الوضوء[3] ولفظ التجنیس(۲) اعلاہ عشر فی عشر واسفلہ اقل وھو ممتل یجوز التوضی فیہ والاغتسال فیہ وان نقص لا ولکن یغترف منہ ویتوضأ[4] اھ۔ قلت: وفی عکسہ عکسہ(۳) ای اذا کان اسفلہ عشرا فی عشر واعلاہ

ہو گئی اور اس کا حکم برتن، گڑھے اور کنویں کی مانند ہو گیا۔

میں کہتا ہوں یہاں تک آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ قلیل پانی وُہ ہے جس میں نجاست اثر کرے وہ پانی فلاں فلاں ہے، اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہر قلیل پانی استعمال سے متاثر ہوتا ہے جس طرح کہ نجاست سے متاثر ہوتا ہے اور اس سے وہ مقصود تھا جس کا آپ نے ذکر نہیں کیا صرف یہ ذکر کیا ہے کہ ہر پانی جو نجاست سے متاثر ہوگا وہ استعمال سے بھی متاثر ہوگا بغیر کسی فرق کے، یہ ہوا پہلا قضیہ تمہارے کلام میں اور دوسرا قضیہ یہ ہے کہ جو پانی استعمال سے متاثر ہوگا وہ نجاست سے بھی متاثر ہوگا، تو اس میں کلام نہیں، اور اس کا مقصود سے کوئی تعلق نہیں، پھر اپنی وضاحت کی تکمیل کی اور یہ فروع ذکر کیں، فرع (۱) خلاصہ کہ چھوٹا حوض جو برتنوں اور گڑھوں کی مانند ہو اس میں وضو جائز نہیں ہے اور اس میں اگر ایک قطرہ شراب کا گر جائے تو وہ نجس ہو جائے گا۔ (۲) بزازیہ، تجنیس اور خانیہ میں ہے کہ جب حوض دَہ در دَہ سے کم ہو تو اس میں وضو نہ کرے گا بلاکہ اس میں سے چلّو کے ذریعہ لے گا اور وضو حوض سے باہر کرے گا، اور خانیہ کے الفاظ یہ ہیں اس میں وضو جائز نہیں، اور تجنیس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہے اور نچلا

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۵
[2] بزازیہ مع الھندیہ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵
[3] قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴
[4] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

اقل لم یجز الوضوء فیه ممتلئا فاذا نقص وبلغ الکثرة(۱)جاز وبه یلغزای ماء لایجوز الاغتسال فیه مادام کثیرا واذا قل جاز(۳)وفرع الخانیة خندق طوله مائة ذراع او اکثر فی عرض ذراعین قال عامة المشائخ لایجوز فیه الوضوء ثم حکی عن بعضهم الجواز ان کان ماؤه لوانبسط یصیر عشرا فی عشر [1] اھ۔

کم ہے اور وہ بھرا ہوا ہو تو اس سے وضو بھی جائز ہے اور غسل بھی، اور کم ہو تو جائز نہیں البتہ اسے چُلّو بھر کر پانی لے کر وضو کرسکتا ہے۔

میں کہتا ہوں اس کے برعکس میں حکم برعکس ہے یعنی جب اس کا نچلا حصّہ دہ در دہ ہو اور اوپر والا کم ہو تو اس میں وضو جائز نہیں جبکہ بھرا ہوا ہو، پس جب کم ہوجائے اور کثرت کو پہنچ جائے تو جائز ہے، اسی لئے ایک فقہی پہیلی مشہور ہے "وہ کون سا پانی ہے کہ جب کثیر ہو تو اُس سے غسل جائز نہیں اور جب کم ہو تو جائز ہے۔ خانیہ (۳) کی فرع، ایک خندق ہے جس کی لمبائی سَو ہاتھ یا اُس سے زیادہ ہے اور چوڑائی دو ہاتھ ہے تو عام مشائخ فرماتے ہیں اُس سے وضو جائز نہیں، اور بعض مشائخ سے جواز منقول ہے، بشرطیکہ وہ حوض ایسا ہو کہ اگر اس کے پانی کو پھیلا دیا جائے تو وہ دَہ در دَہ ہوجائے اھ۔

قلت:(۲)وھو المختار درر عن عیون المذاھب والظهیریة وصححه فی المحیط والاختیار وغیرھما واختار فی الفتح القول الاخر وصححه تلمیذه الشیخ قاسم لان مدار الکثرة علی عدم خلوص النجاسة الی الجانب ولا شك فی غلبة الخلوص من جهة العرض [2] اھ ش۔

میں کہتا ہوں یہی مختار ہے اس کو درر نے عیون المذاہب سے اور ظہیریہ سے نقل کیا اور محیط واختیار وغیرہما نے اس کی تصحیح کی، اور فتح میں دوسرے قول کو اختیار کیا اور اس کی تصحیح ان کے شاگرد شیخ قاسم نے کی کیونکہ کثرت کا دارومدار نجاست کے دوسری جانب نہ پہنچنے پر ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلوص کا غلبہ چوڑائی کی طرف سے ہے اھ ش۔

اقول:(۱)هذا غیر مسلم اذلو کان علیه المدار لما جاز الوضوء فی الماء الکثیر من الجانب الذی فیه النجاسة ولیس کذلك فعلم ان المدار هو المقدار اعنی المساحة فلا حاجة الی العرض وقد قال المحقق نفسه قالوا فی غیر المرئیة یتوضؤ من جانب الوقوع وفی المرئیة لا وعن

میں کہتا ہوں یہ مسلّمہ بات نہیں ہے کیونکہ اگر اسی پر مدار ہوتا تو کثیر پانی میں اس جانب سے وضو جائز نہیں ہوتا جس میں کہ نجاست ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ اصل چیز مقدار ہے یعنی پیمائش، تو چوڑائی کی کوئی حاجت نہیں، اور خود محقق نے فرمایا ہے "مشائخ کا غیر مرئی نجاست میں

[1] قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

ابی یوسف انه کالجاری لایتنجس الا بالتغیر وھو الذی ینبغی تصحیحه لان الدلیل انما یقتضی عندالکثرة عدم التنجس الا بالتغیر من غیر فصل وھو ایضاً الحکم المجمع علیه علی ماقدمناہ من نقل شیخ الاسلام ویوافقه مافی المبتغی ان ماء الحوض فی حکم ماء جار [1] اھ۔ والعلامة نفسه اطال فیه الکلام فی رسالته تلك واحتج بالاحادیث والاٰثار وقال فی اٰخرہ فثبت ان ماء الغدر لایتنجس الا بالتغیر سواء کان الواقع فیه مرئیا اوغیر مرئی فالجاری اولی [2] اھ۔ وقال قبله علی قول صاحب الاختیار ان کانت النجاسة مرئیة لایتوضؤ من موضع الوقوع۔۔۔ الخ مانصه یقال له اذا کان الحکم ھذا فاین الاصل الذی ادعیته وھو ان الکثیر لاینجس وکیف خرج ھذا عن دلیل الاصل الذی اوردته وھو الحدیث [3] الخ وقال علی قول البدائع ان کانت مرئیة لایتوضؤ من الجانب الذی فیه الجیفة مانصه کله مخالف للاصل المذکور والحدیث [4] اھ۔	کہنا ہے کہ جہاں نجاست گری ہے وہاں سے وضو کرسکتا ہے اور مرئیہ میں نہیں، اور ابویوسف سے مروی ہے کہ یہ جاری پانی کی طرح ہے جب تک تغیر نہ ہوگا نجس نہ ہوگا اسی کی تصحیح ہونی چاہئے، کیونکہ دلیل کا تقاضا تو یہ ہے کہ کثرت کی صورت میں صرف اسی وقت ناپاک ہو جبکہ تغیر آجائے اوراس میں کوئی قید نہ ہو، یہ بھی اجماعی حکم ہے ہم اس پر شیخ الاسلام کی نقل بیان کر آئے ہیں، اور مبتغیٰ میں اس کے موافق ہے کہ حوض کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے اھ اور علّامہ نے خود اپنے اس رسالہ میں اس پر طویل بحث کی ہے اور احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے اور اس کے آخر میں فرمایا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تالابوں کا پانی تغیر سے ناپاک ہوتا ہے خواہ گرنے والی چیز مرئی ہو یا غیر مرئی، تو جاری میں یہ حکم بطریق اولی ہوگا اھ۔ اور اس سے قبل صاحبِ اختیار پر کلام کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو گرنے کی جگہ سے وضو نہیں کرے گا۔۔۔ الخ ان کی عبارت اس طرح ہے "اُس سے کہا جائے گا کہ جب حکم یہ ہے تو اس اصل کا کیا ہوا جو آپ نے بیان کی تھی کہ کثیر پانی ناپاک نہیں ہوتا اور یہ اُس دلیل اصل سے کیسے خارج ہوگیا جس کو آپ نے بیان کیا تھا اور وہ حدیث ہے۔۔۔ الخ اور بدائع کے قول پر فرمایا کہ اگر نجاست مرئیہ ہو تو جہاں مردار گرا ہے وہاں سے

ثم اقول: (۱) بل ادارة الامر علیه یبطل اعتبار	وضو نہیں کرے گا، ان کی یہ تمام عبارت اصل مذکور اور

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبه الوضوء ومالایجوز نوریه رضویه سکھر ۱/ ۷۲
[2] زہر الروض فی مسئلة الحوض
[3] زہر الروض فی مسئلة الحوض
[4] زہر الروض فی مسئلة الحوض

العرض فان المناط ان یکون بین النجاسۃ والماء یرید ان یأخذہ عشرۃ اذرع فاذا وقع النجس فی احد اطراف ذلك الخندق لم یخلص الی الطرف الاٰخر طولا وان خلص عرضا فیجوز الاخذ من الطول بعد عشرۃ اذرع وان لم یجز من العرض (۲) بل ھی تبطل اعتبار المساحۃ رأسا اذ المدار علی ھذا علی الفصل فلوان خندقا طولہ عشرۃ اذرع وعرضہ شبر وقع فی طرف منہ نجس جاز الوضوء من الطرف الاٰخر لوجود الفصل المانع للخلوص وھذا لایقول بہ احد منا (۳) ولو وقع النجس فی الوسط والغدیر عشر فی عشر بل عشرون فی العشرین الا اصبعا فی الجانبین تنجس کلہ لان الفصل فی کل جانب اقل من عشر وکذا (۴) اذا کان مائۃ فی مائۃ بل الفا فی الف عہ ووقع بفصل عشر فی الاطراف ثم کل عشرین فی الاوساط قطرۃ نجس وجب تنجس الکل من دون تغیر وصف، مع کونہ عشرۃ اٰلاف

حدیث کے مخالف ہے اھ

پھر میں کہتا ہوں کہ اس پر دارومدار کرنا عرض کے اعتبار کو باطل کردیتا ہے کیونکہ اس وقت علت حکم یہ ہے کہ اس کے اور نجاست کے درمیان دس ہاتھ کا فاصلہ ہو تو اگر اس خندق کے ایک کنارے میں نجاست گر گئی تو وہ لمبائی میں دوسرے کنارے تک نہیں آسکتی اگرچہ چوڑائی میں دوسری طرف پہنچ جائے، تو لمبائی میں دس ہاتھ کے بُعد سے اس پانی کا استعمال جائز ہوگا اگرچہ چوڑائی سے جائز نہیں، بلاالکہ یہ مساحت کے اعتبار کو باطل کرتا ہے کیونکہ اس صورت میں دارومدار فصل پر ہے اب اگر کسی خندق کی لمبائی دس ہاتھ ہے مگر چوڑائی ایک بالشت ہے اور اس کے ایک کنارہ میں نجاست گر جائے تو دوسرے کنارے سے وضو جائز ہے کیونکہ خلوص کے لئے مانع موجود ہے، اور ہم میں سے یہ قول کسی کا نہیں۔ اور اگر نجاست تالاب کے بیچوں بیچ گر گئی اور تالاب دہ در دہ بلکہ بست در بست ہے مگر دونوں طرف سے ایک ایک انگل کم ہے تو پورے کا پورا ناپاک ہوجائے گا، کیونکہ فصل ہر جہت میں دس سے کم ہے، اسی طرح اگر وہ سَو در سَو ہو بلاالکہ ہزار در ہزار ہو، اور نجاست دس ہاتھ

عہ فتکفی لتنجیس عشرۃ اٰلاف ذراع خمس وعشرون قطیرۃ کحبۃ الجاورس مثلا ولتنجیس ماء منبسط فی الف الف ذراع الفان وخمسمائۃ۔ اھ منہ غفرلہ۔ (م)

دس ہزار گز کو نجس کرنے کیلئے نجاست کے پچیس قطرے باجرہ کے دانہ برابر کافی ہیں اور ایک لاکھ گز میں پھیلنے والے پانی کو نجس کرنے کیلئے دو ہزار پانچ سو قطرے کافی ہیں اھ منہ غفرلہ (ت)

ذراع بل الف الف، فالحق ان المدار هو المقدار، والماء بعده کماء جار، والله تعالٰی اعلم۔

اقول: ویظهر للعبد الضعیف انه کان ینبغی ان یجعل هذا هو المقصود بظاهر الروایة ان الکثیر مالا یخلص بعضه الی بعض واعتبروه بالارتفاع والانخفاض بتحریك الوضوء من ساعته او الغسل اوالاغتراف اوالتکدر اوسرایة الصبغ والاول هو الصحیح ویقرران المقصود به لیس الا تحصیل جامع بینه وبین الجاری قال الامام ملك العلماء فی البدائع عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه فی جاهل بال فی الماء الجاری ورجل اسفل منه یتوضؤ به قال لا بأس به وهذا لان الماء الجاری مما لایخلص بعضه الی بعض فالماء الذی یتوضؤ به یحتمل انه نجس ویحتمل انه طاهر والماء طاهر فی الاصل فلا نحکم بنجاسته بالشك[1] اھ۔

اقول: معناه ان البول یستهلك فی الماء فیصیر کجزء منه لکن لایطهر لنجاسة عینا فهذا ماء بعضه نجس غیران الماء الجاری لایتأثر بقیته بهذا البعض وهذا معنی قوله لایخلص

کہ فاصلہ سے اطراف میں واقع ہو اور پھر ہر بیس کے درمیان میں ایک نجس قطرہ ہو تو کل نجس ہو جائیگا خواہ وصف میں تغیر نہ ہوا ہو دس ہزار گز ہونے کے باوجود بلاکلہ لاکھ گز ہونے کے باوجود حق یہ ہے کہ دار ومدار مقدار پر ہے اور پانی اس کے بعد ماءِ جاری کی طرح ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ **میں کہتا ہوں** اس عبدِ ضعیف پر یہ ظاہر ہوا کہ مناسب یہ تھا کہ اسی کو ظاہر الروایۃ کا مقصود بنایا جاتا یعنی کثیر وہ ہے کہ بعض بعض میں شامل نہ ہو اور اس میں انہوں نے پانی کے زیر وبم کا لحاظ کیا ہے، وضو، غسل، چُلّو سے پانی لینے، گدلا ہونے یا رنگ کے سرایت کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے، اور اول ہی صحیح ہے، اور یہ مقرر ہے کہ مقصود اس پانی اور جاری پانی میں کوئی جہت جامعہ تلاش کرنا ہے، ملک العلماء نے بدائع میں ابو حنیفہ سے نقل کی ہے کہ اگر کوئی جاہل جاری پانی میں پیشاب کردے اور اس کے نچلے حصّے میں کوئی شخص وضو کر رہا ہو تو فرمایا کچھ مضائقہ نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری پانی کے اجزا ایک دوسرے میں شامل نہیں ہوتے ہیں، تو جس پانی سے وہ وضو کر رہا ہے اس کے بارے میں احتمال ہے کہ پاک ہو اور احتمال ہے کہ ناپاک ہو، اور پانی اصل کے اعتبار سے پاک ہے تو شک کی بناپر اس پر ناپاکی کا حکم نہیں کیا جائے گا اھ۔

میں کہتا ہوں اس کے معنی یہ ہیں کہ پیشاب پانی میں گُم ہو جاتا ہے اور اس کے ایک جزء کی طرح ہو جاتا ہے لیکن وہ پاک نہیں کرتا ہے کہ اس کی ذات نجس ہے تو یہ ایسا پانی ہے جس کا بعض نجس ہے مگر جاری پانی

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر المحل نجسا سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

بعضه الی بعض(۱) فاندفع ما رد علیه العلامة قاسم فی الرسالة بقوله هذا مما لایکاد یفهم ومن نظر تدافع امواج الانهار جزم بخلاف مقتضی هذه العبارات [1] اھ۔ وکانه ظن ان المراد لایصل بعضه الی بعض(۲) ولو ارید هذا لم یکن فی تدافع الامواج مایدفعه فان التموج حین یوصل الماء الاول مکان الثانی ینقل الثانی الی مکان الثالث فلا یثبت وصول الاول الی الثانی بل الی مکانه الاول وبالجملة المقصود حصول هذا المعنی الملحق ایاه بالجاری فاذا حصل لحق وصار لایقبل النجاسة اصلا لانه یتنجس من موضع النجاسة الی حیث یخلص بعضه الی بعض ویبقی الباقی علی طهارته حتی یجب ان یترك من موضع النجاسة قدر حوض صغیر کما هی روایة الاملاء(۳) وذلك لان الماء یتنجس بالمتنجس تنجسه بالنجس فان صار قدر مایخلص الیه نجسا کیف یبقی مابعده طاهرا مع اتصاله به والله تعالٰی اعلم هذا۔

وذکر المسألة فی البدائع فجعل الجواز احکم وعدمه احوط حیث قال اذا کان الماء الراکد له طول بلا عرض کالانهار التی فیها میاه راکدة لم یذکر فی ظاهر الروایة وعن ابی نصر محمد بن محمد بن سلام

کے بقیہ اجزاء اس سے متاثر نہیں ہوتے ہیں، اور یہی مفہوم اس عبارت کا ہے کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض کی طرف نہیں پہنچتا ہے، تو وہ اعتراض جو علامہ قاسم نے اپنے رسالہ میں کیا وہ ختم ہوا، اعتراض یہ ہے "یہ ایک ناقابلِ فہم چیز ہے اور جو شخص بھی نہروں کی ٹکراتی ہوئی موجوں کا مشاہدہ کرے گا اس کو معلوم ہوجائیگا کہ ان عبارات میں جو لکھا ہے وہ غلط ہے" اور غالباً انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ پانی کا بعض حصّہ دوسرے بعض تک نہیں پہنچتا ہے، اگر بات یہی ہوتی تو موجوں کے ٹکراؤ سے اس کی تردید نہ ہوئی، کیونکہ موج جب پہلے کو دوسرے کی جگہ لے جائے گی تو دوسرے کو تیسرے کی جگہ لے جائے گی تو پہلا پانی دوسرے پانی کی جگہ تک نہیں پہنچے گا بلکہ اس کی پہلی جگہ تک پہنچے گا، خلاصہ یہ کہ اس میں اس وصف کا حاصل ہونا ہے جو اس کو جاری پانی سے ملاتا ہے، اگر یہ وصف پایا جائیگا تو وہ جاری پانی کے حکم میں ہوگا اور نجاست کو بالکل قبول نہ کریگا، یہ نہیں کہ نجاست کی جگہ سے وہ ناپاک ہوجائیگا، اور جہاں تک اس کے اجزاء جائیں گے اور باقی اپنی اصلی طہارت پر باقی رہے گا یہاں تک کہ نجاست کی جگہ سے چھوٹے حوض کی مقدار میں جگہ چھوڑ دی جائے جیسا کہ یہ املاء کی روایت ہے کیونکہ پانی ناپاک چیز سے ایسا ہی ناپاک ہوجاتا ہے جیسا کہ خود نجس چیز سے، تو اگر اتنی مقدار جو اس کی طرف

[1] رسالہ لعلامہ قاسم

ان کان طول الماء مما لایخلص بعضه الی بعض یجوز التوضؤ به وعن ابی سلیمٰن الجوز جانی لاوعلی قوله لووقعت فیه نجاسة ان کان فی احد الطرفین ینجس مقدار عشرة اذرع وان کان فی وسطه ینجس من کل جانب مقدار عشرة اذرع فما ذهب الیه ابو نصر اقرب الی الحکم لان اعتبار العرض یوجب التنجیس واعتبار الطول لایوجب فلا ینجس بالشك وماقاله ابوسلیمن اقرب الی الاحتیاط لان اعتبار الطول ان کان لایوجب التنجیس فاعتبار العرض یوجب فیحکم بالنجاسة احتیاطا[1] اھ۔

اقول:(۱)فی کلا التعلیلین نظر بل الطول یوجب الطهارة والعرض لایوجب تنجیسه لان المدار اذا کان علی الخلوص وعدمه فعدمه من جهة الطول ظاهر ووجوده من جهة العرض زائل لان بقلة العرض یحصل الخلوص فی العرض وکیف یسری منه الی الطول مع وجود الفصل المانع للخلوص و

آ رہی ہے نجس ہوجائے تواس کے بعد جو بچاہے وہ طاہر کیسے رہے گا حالانکہ وہ بھی اس کے ساتھ متصل ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ بدائع میں مسئلہ کا ذکر کیااور جواز کو مضبوط اور عدمِ جواز کو احوط قرار دیا، فرمایا جب پانی ٹھہرا ہوا ہو اس میں طول ہو مگر عرض نہ ہو جیساکہ نہروں میں ٹھہرا ہوا پانی۔ ظاہر روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے، اور ابو نصر محمد بن محمد بن سلام سے مروی ہے کہ اگر پانی کی لمبائی ایسی ہے کہ پانی کا بعض دوسرے بعض تک نہ پہنچتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے، ابو سلیمان الجوز جانی سے ہے کہ نہیں، اور ان کے قول پر اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو اگر کسی ایک کنارے پر ہو تو دس ہاتھ کی تعداد پر ناپاک ہوجائے گا، اور اگر درمیان میں ہو تو ہر جانب سے دس ہاتھ ناپاک ہوجائے گا تو ابو نصر کا قول اقرب الی الحکم ہے کیونکہ چوڑائی کا اعتبار ناپاک کرتا ہے اور لمبائی کا اعتبار نجاست لازم نہیں کرتا، تو شک سے ناپاک نہ ہوگا، اور جو ابو سلیمان نے کہا وہ اقرب الی الاحتیاط ہے کیونکہ لمبائی کا اعتبار اگر نجس کرنے کو واجب نہیں کرتا تو چوڑائی کا اعتبار واجب کرتا ہے تو نجاست کا حکم احتیاطًا لگایا جائے گا اھ۔

میں کہتا ہوں دونوں تعلیلوں پر اعتراض ہے بلاکہ لمبائی طہارت کو واجب کرتی ہے اور چوڑائی اس کی ناپاکی کو واجب نہیں کرتی کیونکہ دارومدار خلوص کے ہونے نہ ہونے پر ہے تو اس کا عدم لمبائی کے اعتبار سے ظاہر ہے اور اس کا وجود چوڑائی کے اعتبار سے زائل ہے، کیونکہ چوڑائی کی قلّت سے خلوص حاصل ہوگا چوڑائی میں تو اس سے لمبائی کی طرف کیسے چلے گا حالانکہ

[1] بدائع الصنائع فصل امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

ان شئت فشاھدہ بما جعلوہ معیار الخلوص وعدمہ فانك اذا توضأت فیہ یتحرك فی عرضہ لاجمیع طولہ وکذا الصبغ والتکدیر واجاب فی البحر بان ھذا وان کان الاوجہ الا انھم وسعوا الامر علی الناس وقالوا بالضم ای ضم الطول الی العرض کما اشار الیہ فی التجنیس بقولہ تیسیرا علی المسلمین[1] اھ واقرہ ش۔

فصل خلوص کو مانع ہے، اور اگر تو چاہے تو اس کا مشاہدہ اس چیز سے کر جس کو انہوں نے خلوص وعدمِ خلوص کا معیار قرار دیا ہے کیونکہ جب اس میں وضو کریں گے تو اس کے عرض میں اس کی حرکت ہوگی نہ کہ اس کے طول میں۔ اسی طرح رنگ اور گدلا پن۔ اور بحر میں جواب دیا کہ یہ اگرچہ اوجہ ہے مگر فقہاء نے لوگوں پر معاملہ کو آسان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ طول کو عرض سے ملایا جائے، چنانچہ تجنیس میں فرمایا تیسیرا علی المسلمین اھ (مسلمانوں کو سہولت دینے کیلئے) اور اس کو برقرار رکھا "ش" نے۔

اقول: (۱) لیس باوجہ فضلا عن ان یکون الاوجہ وانما الاوجہ الجواز کما علمت وباللہ التوفیق ھذا ثم ذکر فی زھرالروض (۴) **فرع الخانیۃ** حوض کبیر فیہ مشرعۃ ان کان الماء متصلا بالالواح بمنزلۃ التابوت لایجوز فیہ الوضوء واتصال ماء المشرعۃ بالماء الخارج منھا لاینفع (۵) کحوض (۶) کبیر انشعب منہ حوض صغیر فتوضأ فی الصغیر لایجوز وان کان ماء الصغیر متصلا بماء الکبیر وکذا لایعتبر اتصال ماء المشرعۃ بما تحتھا من الماء ان کانت الالواح مشدودۃ[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ اوجہ نہیں، چہ جائیکہ الاوجہ ہو، اوجہ تو جواز ہی ہے جیسا کہ آپ نے جانا **وباللہ التوفیق** پھر زہرالروض میں فرمایا، (۴) خانیہ کی فرع، ایک بڑا حوض ہے جس میں ایک نالی ہے، اب اگر اس کے تختے تابوت کی طرح ملے ہوئے ہیں تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا متصل ہونا نفع بخش نہیں ہے، جیسے بڑے حوض (۵) میں سے چھوٹا حوض نکال لیا جائے اور کوئی شخص اس چھوٹے حوض سے وضو کرے تو جائز نہیں اگرچہ چھوٹے کا پانی بڑے کے پانی سے متصل ہو اسی طرح نالی کے پانی کا نیچے کے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں اگر تختے بندھے ہوں اھ۔

اقول: انما مبناہ فیما یظھر ماتقدم فی فرعھا الثالث من اشتراط العرض والا فلاشك

میں کہتا ہوں اس کا دار ومدار بظاہر اسی چیز پر ہے جو تیسری فرع میں گزرا یعنی چوڑائی کی شرط ورنہ

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۷

[2] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴

فی حصول المساحة المطلوبة عند اتصال الماء وقد علمت ان اشتراطه خلاف الصحیح الرجیح الوجیه(۲) **وفرع**(۱) الخانیة حوض صغیر یدخل الماء من جانب ویخرج من جانب قالوا ان کان اربعا فی اربع فمادونه یجوز فیه التوضی وان کان اکثر لا الا فی موضع دخول الماء وخروجه لان فی الوجه الاول مایقع فیه من الماء المستعمل لایستقر فیه بل یخرج کما دخل فکان جاریا وفی الوجه الثانی یستقر فیه الماء ولا یخرج الا بعد زمان والاصح ان هذا التقدیر لیس بلازم وانما الاعتماد علی ماذکر من المعنی فینظر فیه ان کان ماوقع فیه من الماء المستعمل یخرج من ساعته ولا یستقر فیه یجوز فیه التوضی والا فلا وذلك یختلف بکثرة الماء الذی یدخل فیه وقوته وضد ذلك[1] اھ۔

اقول: ھو خلاف ماعلیه الفتوٰی قال فی الدر والحقوا بالجاری حوض الحمام لو الماء نازلا والغرف متدارك کحوض صغیر یدخله الماء من جانب ویخرج من اٰخر یجوز التوضی من کل الجوانب مطلقا یفتی[2] اھ ای سواء کان اربعا فی اربع او اکثر اھ۔ ش[3]

مطلوبہ پیمائش کے پانی کے اتصال کے وقت حاصل ہوجانے میں کوئی شک نہیں، اور آپ جان چکے ہیں کہ اس کی شرط صحیح رجیح وجیہ کے خلاف ہے۔ خانیہ کی فرع، ایک چھوٹا حوض ہے جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکلتا ہے تو فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر چہار در چہار ہے یا اس سے کم ہے تو اس میں وضو جائز ہے اور اگر زیادہ ہے تو نہ ہوگا، صرف پانی کے داخل ہونے کی جگہ سے یا خارج ہونے کی جگہ سے ہوجائے گا کیونکہ پہلی صورت میں جو مستعمل پانی اس میں داخل ہوگا وہ اس میں نہیں ٹھہریگا بلکہ داخل ہوتے ہی نکل جائے گا تو جاری ہوگا اور دوسری صورت میں پانی اس میں ٹھہریگا اور کافی دیر بعد نکلے گا اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ اندازہ لازم نہیں ہے، اور اعتماد صرف اسی وصف پر ہے جو ذکر کیا گیا ہے، تو اس میں غور کیا جائے کہ اگر مستعمل پانی داخل ہوتے ہی نکل جاتا ہے اور اس میں ٹھہرتا نہیں تو اس میں وضوء جائز ہے ورنہ نہیں اس کا دارومدار اس پانی کی قوت وضعف پر ہے جو اس میں داخل ہوتا ہے اور نکلتا ہے اھ۔

میں کہتا ہوں یہ مفتی بہ قول کے خلاف ہے، در میں فرمایا فقہاء نے حوض حمام کو جاری پانی کا حکم دیا ہے، خواہ پانی اتر رہا ہو اور مسلسل چلّو بھر کر پانی لیا جائے جیسے چھوٹا حوض کہ جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہو تو ایسے حوض کے ہر طرف سے وضو جائز ہے، اسی پر فتوٰی ہے، یعنی وہ چار چار کا ہو یا زیادہ

---

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳

[2] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۰

وعلیه الفتوی من غیر تفصیل هندیة عن صدر الشریعة والمجتبی والدرایة(۷)**وفرع الخانیة** بعد مامر و کذا قالوا(۱) فی عین ماء هی سبع فی سبع ینبع الماء من اسفلها ویخرج من منفذها لایجوز فیه التوضی الا فی موضع خروج الماء منها [1] اھ

اقول: هو ایضا خلاف الفتوی قال فی الدر بعد ماتقدم وکعین هی خمس فی خمس ینبع الماء منه به یفتی [2] اھ۔ قال الشیخ اعنی ابن الشحنة وصرح الامام الحصیری فی خیر مطلوب بان الحاصل ان الشرط عدم استعمال الماء الذی استعمله ووقع منه [3] اھ قال وهذا محقق استعماله فی الحوض الذی سألت عنه وهذه الفروع صریحة فی عین مسألتك [4] اھ۔**اقول:**(۲)**اولا** کل هذه الفروع ماعدا الاولین خلاف الصحیح والمفتی به کما علمت وکذا الاولان علی محمل یفیده کما سیأتی فلا یصح الاحتجاج بها(۳)**وثانیا** هذه سبعة فروع وان عددت فرع البزازیة والتجنیس والخانیة الاولی کلا بحیاله فتسعة ولیس فی شیئ منها مایفید دعوی التسویة بین الملقی والملاقی فی سلب الطهوریة حتی الفرع السادس فرع حوض

ہو اھ ش۔اور اسی پر فتوٰی ہے بلا تفصیل ہندیہ، صدر الشریعۃ، مجتبٰی اور درایہ سے۔ خانیہ (۷) کی فرع: اسی طرح فقہاء نے اس چشمے کی بابت فرمایا ہے جو سات سات کا ہو، اس کے نیچے پانی کا سوتا ہو اور پانی اس کی نالی سے نکلتا ہو، اس حوض سے صرف اسی جگہ سے وضو جائز ہے جہاں سے پانی نکل رہا ہے اھ۔

میں کہتا ہوں یہ بھی خلاف فتوٰی ہے، در میں فرمایا اور جیسے وہ چشمہ جو پانچ پانچ کا ہو، جس میں پانی پھُوٹ رہا ہو، یہ مفتی بہ ہے اھ شیخ ابن الشحنہ نے فرمایا اور امام حصیری نے خیر مطلوب میں صراحت کی کہ اصل چیز یہ ہے کہ مستعمل پانی کو دوبارہ مستعمل نہیں ہونا چاہئے اھ اور جو تم سے سوال کیا ہے اس میں ایسا ہونا متحقق ہے، اور یہ فروع تمہارے سوال کے سلسلہ میں صریح ہیں اھ اور جو تم سے سوال کیا ہے اس میں ایسا ہونا متحقق ہے، اور یہ فروع تمہارے سوال کے سلسلہ میں صریح ہیں اھ

میں کہتا ہوں اولا یہ تمام فروع سوائے پہلی دو کے صحیح اور مفتی بہ کے خلاف ہیں، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اور پہلی دو بھی ایسے محمل پر جو اس کا فائدہ دے، جیسا کہ آگے آئے گا تو ان سے استدلال صحیح نہیں، اور ثانیا یہ سات فروع ہیں اور اگر آپ بزازیہ، تجنیس اور خانیہ کی پہلی عبارت کو مستقل شمار کریں تو کل نَو ہوئیں مگر ان میں کہیں یہ دعوٰی نہیں کہ ملقی اور ملاقی میں سلبِ طہوریت میں مساوات ہے، یہاں تک کہ

[1] قاضی خان فصل فی المیاہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳
[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶
[3] رسالہ ابن شحنۃ
[4] رسالہ ابن شحنۃ

صغیر یدخل فیه الماء ویخرج وذلك لان کلها یحتمل الوضوء فیه بالمعنی الثانی اعنی بغمس الاعضاء وقد علمت انه الاقرب الی الظرفیة وقد قال فی الخانیة حوض کبیر وقعت فیه النجاسة ان کانت النجاسة مرئیة لایجوز الوضوء ولا الاغتسال فی ذلك الموضع بل یتنحی الی ناحیة اخری بینه وبین النجاسة اکثر من الحوض الصغیر وان کانت غیر مرئیة قال مشائخنا ومشائخ بلخ جاز الوضوء فی موضع النجاسة [1] اھ۔فلیس بخاف ان المراد عـــہ المعنی الثانی اذلا معنی لعدم جواز الوضوء خارج الحوض بحیث تقع الغسالة فی موضع النجاسة ولا وجه علی ھذا للفرق بین المرئیة وغیرھا وھذا کما تری یشمل الفرع السادس فانه اذالم یستقع مایقع فیه من الماء بل یخرج من ساعته کان جاریا کما ذکر والجاری لایتاثر بالغمس واذا کان یستقر ولا یخرج الا بعد زمان کان راکدا وھو صغیر فیضرہ الغمس فلیس فی الفروع شیئا مما یفید دعواہ نعم ھی صریحة فی دعوٰنا ان الملاقی کله یصیر مستعملا اما ما اراد الشیخ فانما یلمح الیه تعلیل الفرع السادس	چھٹی فرع جو چھوٹے حوض سے متعلق ہے جس میں ایک طرف سے پانی داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل جاتا ہو کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں اس امر کا احتمال ہے کہ اس میں وضو کرنا دوسرے معنی کے اعتبار سے ہو، یعنی اعضاء کو ڈبو کر،اور تم جان چکے ہو کہ یہی معنی ظرفیت کے زیادہ قریب ہیں۔اور خانیہ میں فرمایا کہ ایک بڑا حوض ہے جس میں نجاست گر گئی اب اگر نجاست مرئیہ ہے تو اس سے نہ وضو جائز ہے نہ غسل،اُس جگہ سے جہاں نجاست گری ہے بلکہ وہ نجاست گرنے کی جگہ سے ایک چھوٹے حوض کے فاصلہ کی مقدار میں دُور ہو جائے،اور اگر وہ نجاست غیر مرئیہ ہے تو ہمارے مشائخ اور بلخ کے مشائخ نے فرمایا جہاں نجاست گری ہے وہاں سے بھی وضو کرنا جائز ہے اھتو ظاہر ہے کہ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ آدمی حوض کے باہر اس طرح وضو کرے کہ اس کا دھوون حوض میں خاص اس جگہ کرے جہاں نجاست گری تھی،اور پھر اس صورت میں مرئیہ اور غیر مرئیہ کے درمیان فرق کی کوئی وجہ نہیں،اور یہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں چھٹی فرع کو شامل ہے،کیونکہ جب اس میں جانے والا پانی ٹھہرا نہیں،تو یہ جاری پانی کے حکم میں ہوگیا اور جاری پانی اعضاء کے ڈبونے سے متاثر نہیں ہوتا ہے،

عـــہ وحمل الوضوء والاغتسال علی الاغتراف وفی علی من بعید یاباہ الذوق السلیم اھ منه م)	اور وضو اور غسل کو چُلّو سے لینے پر محمول کرنا اور "فی" کو "من" کے معنی میں کرنا بعید ہے،ذوقِ سلیم اس سے انکار کرتا ہے اھ (ت)

[1] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

المذکور فی الخانیة لزیادة لفظ المستعمل ولولم یزده لرجع الی ماذکرنا انه اذالم یستقر الماء فیه کان جاریا وکذا تعلیل الحصیری وقد(ا)علمتم ماافاده شیخکم المحقق علی الاطلاق فی فرع فی الخانیة انه بناء علی کون المستعمل نجسا وکذا کثیر من اشباه هذا فاما علی المختار من روایة انه طاهر غیر طهور فلا فلتحفظ لیفرع علیها ولا یفتی بمثل هذه الفروع [1]اھ فاذا کان هذا فی الفروع فما بالك بالتعلیلات۔

اور اگر وہ ٹھہر کر تھوڑی دیر میں خارج ہوتا ہے تو وہ ٹھہرا ہوا ہے، تو حوض کے چھوٹا ہونے کی صورت میں اس کو مضر ہوگا، تو فروع میں سے کوئی بھی ان کے دعوٰی کے حق میں مفید نہیں ہے ہاں یہ فروع ہمارے دعوٰی میں صریح ہیں کہ کل ملاقی مستعمل ہوجائے گا اور جو شیخ کی مراد ہے اس کی طرف خانیہ کی چھٹی فرع کی تعلیل میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے مستعمل کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور اگر وہ یہ لفظ نہ بڑھاتے تو اس کا مفہوم بھی وہی نکلتا کہ جب پانی اس میں ٹھہرا نہیں تو جاری ہے اور یہی حال حصیری کی تعلیل کا ہے، اور آپ جان چکے ہیں، خانیہ کی فرع میں جو تمہارے شیخ محقق علی الاطلاق نے فرمایا ہے وہ مستعمل پانی کے نجس ہونے پر مبنی ہے اور اسی طرح اس کے بہت سے نظائر کا حال ہے اور اگر مختار روایت لی جائے جس میں اس پانی کو طاہر غیر طہور قرار دیا گیا ہے تو ایسا نہ ہوگا، اس کو یاد رکھا جائے اور اسی پر تفریعات کی جائیں اور ان جیسی فروع پر فتوٰی نہ دیا جائے اھ جب فرع کا یہ حال ہے تو تعلیلات کا کیا حال ہوگا!

وانااقول: احالة الخانیة علی استقرار المستعمل یحتمل البناء علی احد ضعیفین نجاسة المستعمل اوخروج الماء عن الطهوریة بوقوع المستعمل وان قل وهو المتعین فی کلام الحصیری وکلاهما خلاف الصحیح المعتمد بتصریح اجلة الاکابر حتی الشیخ نفسه فی هذه الرسالة نفسها کما سیأتی ان شاء الله تعالٰی فهھنا افسد الشیخ علینا ماردنا حمل کلامه علیه من ان المراد الوضوء بالغمس اما الفروع

میں کہتا ہوں خانیہ کا مستعمل پانی کے استقرار پر محوّل کرنا دو میں سے کسی ایک ضعیف چیز پر مبنی ہے یا تو مستعمل پانی کی نجاست یا پانی کا طہوریت سے خارج ہونا مستعمل پانی کے مل جانے کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی کم ہو، اور حصیری کے کلام میں بھی یہی متعین ہے، اور اکابر کی تصحیح کے مطابق یہ دونوں صحیح معتمد کے خلاف ہیں، یہاں تک کہ شیخ نے خود بھی اسی رسالہ میں اس کی تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اِن شاء الله تعالٰی، اس طرح ہم نے شیخ کے کلام کا جو حل تلاش کیا تھا

[1] فتح القدیر قبیل بحث الغدیر العظیم سکھر ۱/۷۰

فلیس الاولی بناء ان نعمد الی کلمات الائمۃ فنحملھا علی محمل ضعیف غیر مقبول مع صحۃ الصحیح وباللہ التوفیق۔

ثم عقد رحمہ اللہ تعالٰی فصلا فی تعریف الماء المستعمل وما یصیر بہ مستعملا ومالا وذکر فیہ ماقدمنا عن القدوری عن الجرجانی وعن مبسوط شمس الائمۃ السرخسی من ان سقوط حکم الاستعمال عند محمد فی من دخل البئر للدلو لاجل الضرورۃ وکذا ادخال الجنب یدہ فی الاناء(ای للاغتراف عند عدم مایغترف بہ کما قدمنا)وطالب الدلو رجلہ فی البئر ولو ادخل رجلہ فی الاناء اورأسہ صار مستعملا لعدم الحاجۃ قال فیالیت شعری ماجواب التمسک بھذہ المسألۃ(ای مسألۃ من دخل البئر للدلو لم یستعمل عند محمد)عن کلام ھؤلاء الاساطین ثم ذکر ماقدمنا عن الفوائد الظھیریۃ عن شیخ الاسلام خواھر زادہ عن محمد قال وھذا نقل صریح عن الامام الثالث نقل مثل خواھر زادہ ثم ذکر کلام الکافی المقدم وانہ حکی کلام القدوری ولم یتعقبہ قال فظھرلك بھذا ان ادخال الید فی الحوض الصغیر بقصد التوضی فیہ سالب عن الماء وصف الطھوریۃ لارتفاع الحدث والتقرب بادخال الید ونزعھا باتفاق علمائنا الاربعۃ

وہ بھی درست نہ ہوسکا، یعنی یہ کہ وضو سے مراد اعضاء کا ڈبونا ہے، اور جہاں تک فروع کا تعلق ہے تو ہم ایسا نہیں کرسکتے کہ ائمہ کے کلمات کو ضعیف محمل پر محمول کریں حالانکہ صحیح بھی موجود ہو، وباللہ التوفیق۔

پھر انہوں نے مستعمل پانی کی تعریف میں ایک فصل قائم کی، اس میں یہ بتایا کہ کب پانی مستعمل ہوتا ہے اور کب نہیں، اور انہوں نے اس سلسلہ میں قدوری، جرجانی اور شمس الائمہ سرخسی کی مبسوط سے عبارات نقل کیں، اور بتایا کہ محمد کے نزدیک جو شخص کُنویں سے ڈول نکالنے کیلئے داخل ہو اس سے پانی کا مستعمل نہ ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے، اور اسی طرح جُنب شخص کا چھوٹا برتن نہ ہونے کی صورت میں ٹب میں ہاتھ کو داخل کرنے کا معاملہ ہے، اسی طرح کوئی شخص ڈول نکالنے کیلئے کنویں میں اپنا پیر ڈالے تو اس کا حکم وہی ہے، اگر یہ شخص اپنا پیر برتن ڈال دے یا سر ڈال دے تو پانی مستعمل ہوجائے گا کہ حاجت منعدم ہے، فرمایا معلوم نہیں جو اس مسئلہ سے استدلال کرتے ہیں ان کا جواب کیا ہوگا (یعنی یہ مسئلہ کہ محمد کے نزدیک کنویں سے ڈول نکالنے سے پانی مستعمل نہ ہوگا) ان ائمہ کے کلام کا! پھر انہوں نے وہ ذکر کیا جو ہم فوائد ظہیریہ سے شیخ الاسلام خواہر زادہ سے محمد سے روایت کو نقل کیا، فرمایا یہ صریح نقل ہے تیسرے امام سے اس کو خواہر زادہ جیسے شخص نے نقل کیا، پھر کافی کا گزشتہ کلام نقل کیا اور قدوری کا کلام نقل کیا مگر اس کا تعاقب نہ کیا، فرمایا اس سے ظاہر ہوا کہ

(یرید الائمة الثلثة وزفر) رضی الله عنهم واذا تجرد عن القصد المذکور فهو غیر مؤثر فی قول مردود ثبوته عن محمد رده هؤلاء الاساطین الذین لایلتفت الی قول غیرهم فی المذهب، ثم اید رد ثبوته(ا) عن محمد عـه بقول الامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغیر لانص فیه عن اصحابنا قال وذکر المتأخرون فیها خلافا ثم حکی ان من علمائنا من قال ان الماء یصیر مستعملا عند محمد برفع الحدث ایضا لانتقال الاثام الی الماء وانما لم یصر ماء البئر مستعملا فی مسألة الجنب عند محمد لمکان الضرورة ثم قال ولعمری انی لاعجب ممن یقول فی مسألتنا هذه ان مستنده فی افتائه یجوز التوضی فی هذا الحوض مسألة البئر والحال انه لاجامع بینهما لان تلك فی من تجرد عن النیة وهذه فیمن یتوضأ ماهذا الا عجیب والله الموفق ثم اورد کلام شیخه فی الفتح الذی ذکرنا فی النمرة الاولی الی قوله کذا فی الخلاصة[1]۔

وضو کرنے والے کا چھوٹے حوض میں ہاتھ کو داخل کرنا بہ نیت وضو پانی سے طہوریت کے وصف کو سلب کردے گا کیونکہ ہاتھ کے ڈال کر نکالنے سے ہمارے ائمہ اربعہ (ائمہ ثلثہ وزفر) کے اتفاق سے پانی کا وصف طہوریت ختم ہوجائے گا، حدث کے ختم ہوجانے اور تقرب کے حاصل کرنے کی وجہ سے، اور جب قصد مذکور نہ ہو تو وہ غیر مؤثر ہے ایک قول کے مطابق جس کا ثبوت محمد سے نہیں ہے اس کو ائمہ مذہب نے رد کیا ہے جن کا قول فیصل ہے، پھر اس کو محمد کا قول نہ ہونے پر شرح جامع صغیر میں قاضی خان کے قول سے مؤید کیا ہے کہ اس میں ہمارے اصحاب کی کوئی نص نہیں، فرمایا کہ متاخرین نے اس میں ہمارے اصحاب کی کوئی نص نہیں، فرمایا کہ متاخرین نے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے، پھر یہ حکایت کی کہ ہمارے علماء میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ محمد کے نزدیک حدث کے مرتفع ہونے سے بھی پانی مستعمل ہوجاتا ہے، کیونکہ پانی کی طرف گناہ منتقل ہوتے ہیں، اور کنویں کے مسئلہ میں جنب کے داخل ہونے سے پانی کا مستعمل نہ ہونا محمد کے نزدیک ضرورت کی وجہ سے ہے، پھر فرمایا مجھے بے انتہا تعجب ہے اس مسئلہ میں کہ انہوں نے اپنے فتوی کی سند کنویں کے مسئلہ کو بنایا ہے اور یہ فتوی دیا ہے کہ اس حوض میں وضو جائز ہے حالانکہ دونوں

عـه وقع فی صدر الرسالة عند ذکر الکتب عد العنایة سهوا مرتین فلیکن هذا متم الاربعین بل الذی یأتی عن خزانة المفتین اھ منه غفرله)

شروع رسالہ میں جہاں کتابوں کا ذکر ہے عنایہ کا شمار سہواً دو ۲ دفعہ کیا ہے۔ پس چاہئے یہ چالیس کا تتمہ ہو بلالکہ وہ جو خزانۃ المفتین سے آرہا ہے اھ (ت)

[1] شرح جامع الصغیر لقاضی خان اور رسالہ ابن شحنہ

اقول: کله کلام طیب وعنه اخذت عبارة الفوائد الظهيرية(ا)غیر ان ما قال فی لعمری انی لاعجب فلعمری انی لاعجب واذ قد حقق الشيخ ان الصحيح عن محمد ایضا عدم الفرق بين النية وعدمها فما منشؤ هذا الفارق وانما كان علیه ان يقول تلك للضرورة وهذه بدونها ثم عقد تذنیبا یسرد فروع مایصیر به الماء مستعملا ومالا وقدم علیها تنبیها فی ان الفتوی فی سبب الاستعمال علی قولهما انه رفع حدث اوالتقرب لاعلی قول محمد انه التقرب فقط ونقل تصحیح قولهما عن الخلاصة والخانية وخزانة المفتين والاختیار والبزازية۔

اقول: اراد التنبیه علیه علی تسلیم خلاف محمد والا فلا حاجة اليه بعدما قدثبت ان الاول قولهم جمیعا وان الثانی لم یثبت عن الثالث هذا وفیه مما یفیدنا فی المسألة فرع الخلاصة وخزانة المفتين ادخل یده فی الاناء اورجله للتبرد یصیر مستعملا لانعدام الضرورة[1] اھ وقدمناه

کے درمیان کوئی علت جامع موجود نہیں کیونکہ وہ مسئلہ نیت کے نہ ہونے کا ہے اور یہ وہ ہے جس میں نیتِ وضو پائی جاتی ہے یہ بڑی عجیب بات ہے واللہ **الموفق**۔ پھر انہوں نے اپنے شیخ کا کلام ذکر کیا جو ہم نے نمرہ اولٰی میں ذکر کیا کذافی الخلاصہ تک۔

میں کہتا ہوں سارا کلام اچھا ہے اور اسی سے فوائد ظہیریہ کی عبارت لی گئی ہے سوائے اس قول کے کہ "مجھے بے انتہا تعجب ہے"۔ تو مجھے ان پر بے انتہا تعجب ہے کیونکہ جب شیخ نے یہ تحقیق کی ہے کہ محمد سے صحیح یہ ہے کہ نیت اور عدمِ نیت میں کوئی فرق نہیں، تو یہ فارق کہاں سے آگیا، دراصل ان کو کہنا یہ چاہئے تھا کہ وہ ضرورت کی وجہ سے ہے اور یہ بلا ضرورت ہے، پھر ایک تذنیب قائم کی اس میں ان فروع کا ذکر کیا ہے جن میں پانی مستعمل ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے اس سے پہلے ایک تنبیہ ذکر کی، اس میں یہ بتایا ہے کہ سبب استعمال میں فتوٰی شیخین کے قول پر ہے اور وہ سبب یا تو رفع حدث ہے یا تقرب ہے، محمد کے قول پر نہیں ہے کہ سبب صرف تقرب ہے اور انہوں نے اُن دونوں کے قول کی تصحیح نقل کی خلاصہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، اختیار اور بزازیہ سے۔

میں کہتا ہوں تنبیہ سے ان کا مقصود محمد کے خلاف کو تسلیم کرنا ہے، ورنہ اس بات کے ثابت ہوجانے کے بعد کہ پہلا سب ہی کا قول ہے اس کی حاجت نہیں ہے اور دوسرا تیسرے سے ثابت نہیں، اس کو سمجھئے کہ یہ ہمیں مسئلہ میں فائدہ دے گا، خلاصہ اور خزانہ کی فرع، کسی نے اپنا ہاتھ یا پیر برتن میں ٹھنڈا کرنے کو ڈالا تو مستعمل ہوجائیگا کہ ضرورت

[1] خلاصۃالفتاوی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۶/۱

عن الخلاصة والخانية والبزازية والغنية۔

وفرع الخانية قال محمد رحمه الله تعالٰی اذا کان علی ذراعيه جبائر فغمسها فی الماء اوغمس رأسه فی الاناء لایجوز ویصیر الماء مستعملا [1] اھ۔ قال وانما قدمت هذا التنبيه تنبيها لمن یظن ان الفتوی علی قول محمد رحمه الله تعالٰی فی ذلك لاطلاق اصحاب الکتب ان الفتوی علی قوله فی الماء المستعمل وانما مرادهم ان الفتوی علی قوله فی کونه طاهرا لافیما یصیر به مستعملا علی انه سیرد علیه فی الفصل الثانی ان التحقیق ان هذا(ای طهارته)مذهب ابی حنیفة ایضا وانما اشتهرت نسبته الی محمد لکونه فی جملة من رواه عن الامام [2] اھ۔

اقول: ای انه اجل من رواه وقد اخذ به وهذا اول التصحیحین الموعود بیانهما ثم اتی علی سرد الفروع وفیها مما یفیدنا فرع الخلاصة ان ادخال الکف مجردا انما لایصیر مستعملا اذالم یرد الغسل فیه بل اراد رفع الماء فان اراد الغسل ان کان اصبعا اواکثر دون الکف لایضر ومع الکف بخلافه [3] اھ

نہ تھی اھ،ہم نے خلاصہ،خانیہ،بزازیہ،اور غنیہ سے پیش کردیا ہے۔ خانیہ کی فرع، محمد نے فرمایا کسی کے ہاتھ پر پٹیاں ہوں، پھر وہ ہاتھ پانی میں ڈبودے یا سر ڈبودے تو جائز نہیں،اور پانی مستعمل ہوجائیگا اھ۔اور فرمایا میں نے یہ تنبیہ اس لئے کی ہے تاکہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے وہ متنبہ ہوجائیں کیونکہ اصحاب کتب نے اطلاق فرمایا ہے کہ فتوی ان کے قول پر ہے مستعمل پانی میں۔ حالانکہ ان کی مراد یہ ہے کہ فتوٰی محمد کے قول پر ہے پانی کے طاہر ہونے میں نہ کہ مستعمل ہونے میں۔ علاوہ ازیں آپ دوسری فصل میں دیکھیں گے کہ تحقیق یہی ہے کہ یہ (یعنی اس کی طہارت) مذہب ابی حنیفہ بھی ہے،اس کی نسبت محمد کی طرف محض اس لئے مشہور ہوگئی ہے کہ وہ بھی اس کے راویوں میں ہیں اھ۔

میں کہتا ہوں وہ اس کے راویوں میں بزرگ تر ہیں اور انہوں نے اس کو اختیار کیا ہے اور یہ پہلی تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا، پھر فروع کا بیان کیا۔ خلاصہ کی فرع، ہاتھ کا داخل کرنا محض پانی لینے کیلئے، بلا ارادہ غسل، پانی کو مستعمل نہیں کرتا ہے،اور اگر بہ نیتِ غسل ہو تو اگر ایک ہتھیلی سے کم ہے تو مضر نہیں،اور اگر ایک ہتھیلی ہے تو مضر ہے اھ۔

---

[1] فتاوی خانیۃ المعروف بقاضی خان فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۸/۱

[2] رسالہ ابن الشحنۃ

[3] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۶/۱

قلت: وقدمنا تحقیق ان الانملة والظفر والکف سواء وفرع الخلاصة عن فقه الامراء هذا اذاکان الذی یدخل یده فی الاناء اوالبئر بالغا فان کان صبیا ان علم ان یده طاهرة بان کان مع الصبی رقیب فی السکة یجوز التوضی بذلك [1] الخ

میں کہتا ہوں ہم پہلے تحقیق پیش کر آئے ہیں کہ پورا ناخن اور ہتھیلی حکم میں برابر ہیں۔ خلاصہ کی فرع فقہ الامراء سے، یہ اُس وقت ہے جبکہ ہاتھ داخل کرنے والا بالغ ہو اور اگر نابالغ ہے تو اگر یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ پاک تھا مثلاً بچّہ گلی میں اپنے کسی محافظ کے ہمراہ تھا تو اس سے وضو جائز ہے۔۔۔الخ

اقول: وبه فارق البالغ فافاد ان لو ادخل البالغ یده فی اناء اوبئر لم یجز الوضوء(۱) به هذا کنص کتاب الحسن لایبقی لتاویل البحر مساغا ثم عقد الفصل الثانی فی حکم الماء المستعمل ومتی یصیر مستعملا وقال بعد ما بین ماهو بین بنفسه ومسلم عند الکل اعنی عدم جواز الوضوء بالماء المستعمل عند ائمتنا جمیعا مانصه هذا مع عمومه یشهد للفصل الاول قال وکفی بذلك [2] حجة اھ۔

میں کہتا ہوں اس سے بالغ ونابالغ میں فرق ظاہر ہوگیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بالغ نے برتن یا کنویں میں اپنا ہاتھ ڈالا تو اس سے وضو جائز نہیں اور یہ حسن کی کتاب کے نص کی طرح ہے۔ اس میں بحر کی تاویل کی کوئی گنجائش نہیں، پھر دوسری فصل مستعمل پانی کے حکم کے بیان میں قائم کی، اور یہ بتایا کہ پانی کب مستعمل ہوگا، اور پھر جو انہوں نے اس کو واضح کرنے کے بعد جو خود واضح ہے اور تمام کے نزدیک مسلّم ہے یعنی مستعمل پانی سے وضو کا جائز نہ ہونا ہمارے تمام ائمہ کے نزدیک کہا اس کی نص یہ ہے "یہ اپنے عموم کے ساتھ پہلی فصل کیلئے شہادت دیتی ہے" اور یہ کافی حجت ہے اھ۔ (ت)

اقول:(۲) هذا نظیر تمسك البحر بالاطلاق فنظر الی اطلاق ان العبرة للغلبة ولم یلاحظ ان الشأن فی قصر الاستعمال علی ماالتصق بالجلد فقط والشیخ نظر الی هذا العموم ولم یلاحظ ان الکلام فی تعمیم الاستعمال جمیع الماء القلیل بدخول نحو ظفر من محدث

میں کہتا ہوں یہ بحر کے اطلاق کو دلیل بنانے کی ایک نظیر ہے تو انہوں نے اطلاق کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ اعتبار غلبہ کا ہے اور یہ نہیں دیکھا کہ مستعمل ہونا اُسی پانی کیلئے ہے جو جلد سے متصل ہو، اور شیخ نے اس عموم کی طرف دیکھا اور یہ نہ دیکھا کہ گفتگو اس امر میں ہے کہ تھوڑا پانی مکمل طور پر مستعمل ہوجائے گا خواہ

[1] خلاصۃ الفتاوی الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

[2] رسالہ ابن الشحنۃ

ثم اورد خاتمة فی حکم ملاقاة الماء الطاهر للماء الطهور وبین ان العبرة للغلبة ونقل تصحیحه عن التوشیح والتحفة وعنها انه المذهب المختار۔

قلت: وهذا هو ثانی التصحیحین الموعود بیانهما(۱)فاعترف الشیخ بالحق،وذهب تسویة الملقی بالملاقی وزهق،ثم نقل فرع الخانیة ومثله عن شرح القدوری لمختصر الکرخی فی نزح عشرین دلوا اذا القی الوضوء فی البئر قال فهذا اصرح شیئ فی اتفاق الائمة الثلثة علی تاثیر الماء المستعمل فی الماء الطهور وان کان اقل منه وذکر عن شرح الجامع الصغیر لقاضی خان انتضاح الغسالة فی الاناء اذا قل لایفسد الماء وتکلموا فی القلیل عن محمد ماکان مثل رؤس الابر قلیل وعن الکرخی ان کان یستبین مواقع القطر فی الماء فهو کثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل قال وهذا رحمك الله اصرح مما تقدم وقد حکی هذا فی الفوائد الظهیریة وعلیه مشی القدوری وحکی عن ابی سلیمن انه سئل عن ماء الجنابة اذا وقع وقوعا یستبین وتری عین القطرات ظاهرة قال انه لیس بشیئ[1] وفی فتاوی قاضیخان خلاف هذا وفی خزانة المفتین جنب اغتسل

بے وضو اپنا ایک ناخن ہی کیوں نہ ڈالے۔ پھر خاتمہ اس امر کے بیان میں ہے کہ طاہر پانی طہور پانی سے جب ملے گا تو اعتبار غلبہ کو ہوگا،اور اس کی تصحیح توشیح اور تحفہ سے نقل کی اور اسی سے نقل کیا کہ یہ مذہب مختار ہے۔

میں کہتا ہوں یہ دوسری تصحیح ہے جن دو کا ہم نے وعدہ کیا تھا،تو شیخ نے حق کا اعتراف کرلیا،اور ملقی اور ملاقی کی برابری ختم ہوئی،پھر خانیہ کی فرع نقل کی اور اسی قسم کی شرح قدوری مختصر کرخی کی فرع نقل کی۔ یہ بیس ڈول کھینچنے سے متعلق ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ وضو کا پانی کنویں میں ڈالا ہو،فرمایا پاک پانی میں مستعمل پانی کے اثر انداز ہونے کی ائمہ ثلثہ کے نزدیک یہ واضح مثال ہے،اگرچہ وہ اُس پانی سے کم ہو،اور قاضی خان کی شرح جامع صغیر سے یہ نقل کیا کہ اگر دھوون کے کچھ قطرات برتن میں گر جائیں اور کم ہوں تو پانی کو فاسد نہ کریں گے،اور قلیل میں کلام کیا ہے،اس میں محمد سے منقول ہے کہ جو سوئی کے ناکوں کے برابر ہو وہ قلیل ہے اور کرخی سے یہ منقول ہے کہ پانی کے قطرے اگر پانی میں ظاہر ہوں تو یہ کثیر ہے اور اگر ظاہر نہ ہوں جیسے شبنم کے قطرے ہوتے ہیں تو یہ قلیل ہے فرمایا یہ گزشتہ مثال سے بھی زائد صریح ہے،یہ فوائد ظہیریہ میں مذکور ہے،اسی پر قدوری چلے ہیں،اور ابو سلیمان سے کسی نے جنابت کے پانی کی بابت دریافت کیا کہ اگر اس کے قطرے پانی میں پڑ جائیں اور واضح نظر آئیں،فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں، فتاوٰی قاضیخان

[1] رسالہ ابن الشحنۃ

فانتضح من غسله فی انائه لم یفسد الماء اما اذا کان یسیل فیه سیلانا افسده [1] قال والتحقیق هنا ان المسألة مبنیة علی اصل ذکره ائمتنا فی کتاب الایمان ونقلوه الی الرضاع قال فی الذخیرة حلف لایشرب لبنا فصب الماء فی اللبن فالاصل فی هذه المسألة واجناسها ان الحالف اذا عقد یمینه علی مائع فاختلط بمائع اخر خلاف جنسه ان کانت الغلبة للمحلوف علیه [2](وسقط بقیة الکلام من نسختی زهر الروض)

میں اس کے برعکس ہے اور خزانۃ المفتیین میں ہے کہ ایک ناپاک آدمی نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے برتن میں گرے تو پانی فاسد نہ ہوگا اور اگر اس میں بہنے لگا تو پانی فاسد ہو جائے گا، فرمایا دراصل یہ مسئلہ ایک اور اصل پر مبنی ہے جس کو ہمارے ائمہ ثلٰثہ نے کتاب الایمان میں ذکر کیا ہے اور اس کو رضاع کے بیان میں نقل کیا، ذخیرہ میں فرمایا کہ کسی شخص نے حلف اٹھایا کہ وہ دودھ نہیں پیئے گا تو اس نے پانی دُودھ میں ملایا، تو اس مسئلہ میں اور اس کے نظائر میں اصل یہ ہے کہ حلف اٹھانے والے نے جب کسی سیال چیز پر حلف اٹھایا اور وہ کسی اور مائع سے مل گیا جو اس کی جنس سے نہ ہو تو اگر محلوف علیہ غالب ہے (اور باقی کلام میرے زہر الروض کے نسخہ سے ساقط ہے) (ت)

اقول:(۱) سبحٰن الله یذکر الشیخ رحمه الله تعالٰی فی اول الکلام ان الصحیح والمذهب المختار هو اعتبار الغلبة وقد نص فی شرحه للوهبانیة انه الصحیح عن ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم وان علیه الفتوی ثم یعود یحتج بفرعی النزح و الانتضاح ویقول ذاك اصرح شیئ فی اتفاق الائمة الثلثة وهذا اصرح منه وای مساغ بقی لهما بعدما تبین الحق الصحیح المذهب المختار المفتی به المطبق علیه من ائمتنا الثلثة رضی الله تعالی عنهم وما فتح(۲) بابه من بیان المبنی وهو فرع الحلف فهو اصرح شیئ فی ان

میں کہتا ہوں سبحان اللہ شیخ کلام کی ابتداء میں ذکر کرتے ہیں کہ صحیح اور مذہب مختار غلبہ کا اعتبار ہی ہے اور شرح وہبانیہ میں اس پر نص ہے کہ ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے یہی صحیح ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے پھر انہوں نے نزح اور انتضاح کی دونوں فرعوں پر کلام کیا، اور فرمایا کہ یہ ائمہ ثلٰثہ کے اتفاق میں صریح چیز ہے اور یہ اس سے زائد صریح ہے اور مذہب حق و صحیح، اور مذہب مختار مفتی بہ اور ائمہ ثلٰثہ (حنفی مذہب کے) کا متفق علیہ مذہب معلوم ہو جانے کے بعد اُن دونوں کیلئے کیا وجہ جواز رہ گئی ہے! اور بیان مبنی کا جو دروازہ کھولا ہے اور وہ حلف کی فرع ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] رسالہ ابن شحنۃ

المدار علی الغلبة فان کان اقرہ فی اٰخر کلامه الذاھب من نسختی فھو کر علی ما احتج به بالنقض والا فاعجب واعجب وسیمکث الشیخ غیر بعید ویعود الی الحق کما سیأتی بتوفیقه تعالٰی فلولا انه اورد ھذا الکلام واحتج بھذین الفرعین ھنا وذینك التعلیلین ثمه لکان کل کلامه صحیحا سدیدا ولکن الله یفعل ما یرید۔ ثمّ کتب تتمة قال فیھا ان من ادل الدلیل علی انه لایجوز التوضی فی ھذا الحوض عند واحد من علمائنا رحمھم الله تعالٰی مافی کتاب الاصل لمحمد رضی الله تعالٰی عنه روایة الامام ابی سلیمٰن الجوزجانی رحمة الله تعالٰی علیه عنه فی باب الوضوء والغسل قلت ارأیت جنبا اغتسل فانتضح من غسله شیئ فی انائه ھل یفسد علیه الماء قال لا قلت لم قال لان ھذا مالا یستطاع الا متناع منه قلت ارأیت ان افاض الماء علی رأسه اوجسدہ اوغسل فرجه فجعل ذلك الماء کله یقطر فی الاناء قال ھذا یفسد الماء ولا یجزئه ان یتوضأ و لا یغتسل به[1] قال وقال فی باب البئر وما ینجسھا قلت ارأیت رجلا طاھرا وقع فی بئر فاغتسل فیھا قال افسد ماء البئر کله قلت وکذلك لو توضأ فیھا قال نعم **قلت**

دارومدار غلبہ کو ہے، اگرانہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے اپنے اس کلام میں جو میرے نسخہ سے ساقط ہے تو یہ اسی طرف رجوع ہے جس پر نقض سے استدلال کیا ہے، ورنہ بہت ہی تعجب خیز بات ہے، اور عنقریب آجائے گا کہ شیخ نے حق کی طرف رجوع کیا بتوفیق تعالٰی، اگر وہ یہ کلام یہاں نہ لاتے اور ان دو فرعوں سے استدلال نہ کرتے اور وہاں دو تعلیلیں بیان نہ کرتے تو کل کلام صحیح ہوتا، لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر انہوں نے ایک تتمہ لکھا اور فرمایا کہ پھر اس پر سب سے بڑی دلیل اس پر کہ ہمارے کسی امام کے نزدیک اس حوض سے وضو جائز نہیں۔ امام محمد کی اصل میں وارد شدہ روایت ہے جو اماابو سلیمان الجوزجانی کی روایت ہے اور باب الوضوء وباب الغسل میں مذکور ہے، روایت یہ ہے کہ میں نے کہا اگر ایک جنب نے غسل کیا اور اس کے چھینٹے ایک برتن میں گرے تو کیا پانی خراب ہوگیا، فرمایا نہیں، میں نے کہا کیوں؟ فرمایا یہ ایسی چیز ہے جس سے بچنا محال ہے، میں نے پوچھا اگر جنُب نے اپنے سر یا جسم پر پانی ڈالا یا اپنی شرمگاہ دھوئی اور یہ پانی برتن میں جمع ہوتا رہا فرمایا اس سے پانی فاسد ہوجائیگا، نہ اس سے وضو جائز ہوگا نہ غسل، فرمایا انہوں نے کنویں اور اس کی نجاستوں کے باب میں فرمایا، میں نے پُوچھا اگر ایک پاک شخص کنویں کے پانی میں گر گیا اور اس میں غسل کیا، فرمایا کل پانی خراب ہوجائیگا، **میں کہتا ہوں** یہی حکم کنویں میں وضو کا ہے؟

[1] کتاب الاصل المعروف بہ المبسوط امام محمد باب الوضوء والغسل من الجنابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۴

كذلك لو استنجى فيها قال نعم قلت فما حال البئر قال عليهم ان ينزحوا ماء البئر كله الا ان يغلبهم الماء قلت ارأيت الرجل هل يجزئه وضوئه ذلك قال لا[1] وسكت عليه ولم يعزه لاحد من شيخيه وهذا شأنه فى المتفق عليه كما صرح به اول الكتاب[2] اھ

اقول: الفرع الاخير فى الملاقى وهو لاشك صحيح، والتمسك به نجيح، وهو اصرح تصريح، اما الاول(۱)ففى الملقى ولا محيد من ابتنائه على احد ضعفين وليس الاصل هذا كتاب المبسوط احد الكتب الستة الظاهرة بل من الكتب النادرة فكيف يعارض به مذهب ائمتنا جميعا الصحيح المختار المفتى به وبالله التوفيق ثم قال رحمه الله تعالٰى ونقل عصام الدين فى شرح الهداية بعد الكلام على مسألة انغماس الجنب فى البئر هذا مبنى على ان اجزاء ماء الذى فى محل واحد بمنزلة شيئ واحد فى حكم الاستعمال لانه ينسب الى الجميع عرفا بل لغة ايضا اذ لا تذهب افهام اهل العرف واللغة الى ان المستعمل بعض هذا الماء والباقى ممتزج به الا ترى ان الماء المستعمل عند من يجعله طاهرا غير

فرمایا ہاں، میں نے کہا اسی طرح اگر کنویں میں استنجا کیا؟ فرمایا ہاں، میں نے پوچھا اور کنویں کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا کنویں کا سارا پانی نکالنا چاہئے، الّا یہ کہ نکالتے نکالتے تھک جائیں، میں نے پوچھا کیا اُس شخص کیلئے یہ وضو کافی ہوگا؟ فرمایا نہیں، اس پر وہ خاموش ہوگئے اور اپنے شیوخ میں سے کسی کی طرف اس کو منسوب نہ کیا، اور متفق علیہ مسائل میں ان کا یہی طریقہ تھا جیسا کہ کتاب کے شروع میں ذکر کیا اھ (ت)

میں کہتا ہوں فرع اخیر ملاقی میں ہے اور وہ بلاشبہ صحیح ہے اور یہ تمسک کے قابل اور واضح تصریح ہے اور پہلی فرع ملقی میں ہے، اور سوائے اس کے چارہ کار نہیں کہ دو میں سے ایک ضعیف پر بِنا کرنا چاہئے، اور اصل سے مراد وہ مبسوط نہیں جو چھ ظاہر کتب میں سے ایک ہے بلکہ کتب نادرہ سے ہے، تو جو اس میں مذکور ہے وہ ہمارے ائمہ کے صحیح مختار مفتی بہ سے کیسے معارض ہوسکتا ہے وباللہ التوفیق، پھر فرمایا، عصام الدین نے شرح ہدایہ میں، جنب کے کنویں میں غوطہ لگانے کا مسئلہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا یہ اس پر مبنی ہے کہ پانی کے تمام اجزاء جو ایک جگہ ہیں وہ حکم استعمال میں بمنزلہ شیئ واحد کے ہیں، کیونکہ وہ عرفاً تمام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے بلاکلہ لغت میں بھی ایسا ہے، کیونکہ اہلِ عرف اور اہلِ لغت یہ لفظ سن کر یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ کچھ پانی تو مستعمل ہے اور کچھ اس میں ملا ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک مستعمل پانی طاہر غیر طهور ہے جب کسی دوسرے

[1] کتاب الاصل المعروف بہ المبسوط امام محمد رجل طاہر وقع فی البئر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۳
[2] رسالہ ابن شحنۃ

طهور اذا وقع فی ماء اٰخر لایفسدہ حتی یغلب علیه بهذا قطع فی الاسرار جعله فی التحفة اصح ولو صب ماء کثیر علی العضو یصیر الکل مستعملا عندهم مع ان الملاقی للبشرۃ مغلوب بناء علی ان الکل واحد فی حکم الاستعمال وقد اشیر الی هذا المعنی فی الاسرار[1]

پانی میں گر جائے تو اس کو اس وقت تک فاسد نہ کرے گا جب تک اس پر غالب نہ ہوجائے۔ اسرار میں اس پر قطعی حکم لگایا اور تحفہ میں اس کو اصح قرار دیا ہے اور اگر کسی عضو پر بہت سا پانی ڈالا تو ان کے نزدیک سارا پانی مستعمل ہوجائے گا، حالانکہ جو پانی جلد سے متصل ہے وہ مغلوب ہے کیونکہ حکمِ استعمال میں سب ایک ہی ہے اور اسی معنی کی طرف اسرار میں اشارہ کیا ہے۔

اقول: هذا لعمری من الحسن بمکان، تنشط به الاٰذان، وتبتهج به النفوس، ولا عطر بعد عروس، وقد وفقنی المولی، سبحٰنه وتعالٰی، لمعناہ فیما مضی، واتقنت بیانه، وشیدت ارکانه، وبه ظهر الفرق بین الملاقی والملقی، بحیث لایعتری وهم ولاشك یبقی، (ا) والعجب من الشیخ مشی علی التسویة بینهما محتجابا لتعلیلین ثم نقضه بنقل تصحیح الصحیح، عن التحفة والتوشیح، ثم بعد اسطر عاد الیه وجعل فرعی النزح والانتضاح اصرح صریح، ثم نقضه بنقل الاصل الاصیل، عن ذخیرۃ الامام الجلیل، ثم لم یلبث ان عاد الیه بنقل فرع الاصل، ثم نقضه بنقل کلام العصام متصلا به من غیر فصل، وبه ختم وانما العبرۃ للخواتیم، ختم اللّٰه تعالٰی لنا علی الدین القویم، والصراط

میں کہتا ہوں یہ بحث ذہنوں کو جِلا بخشنے والی ہے، اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کی تقریر کی ہے، اس سے ملقی اور ملاقی کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا اور شک باقی نہ رہا، اور شیخ پر تعجب ہے کہ انہوں نے ان دونوں کو ایک قرار دیا ہے اور دو تعلیلوں سے استدلال کیا ہے پھر ایک صحیح کی تصحیح نقل کرکے اس پر نقض وارد کیا، یہ تحفہ اور توشیح کی نقول ہیں، پھر چند سطور کے بعد اس بحث کا اعادہ کیا اور نزح اور انتضاح کی دونوں فروع کو بہت صریح قرار دیا، پھر اس پر ذخیرہ سے نقض وارد کیا، پھر اصل کی فرع کو نقل کیا، پھر اس پر عصام کی نقل سے نقض وارد کیا اور اس پر کلام کو ختم کیا.......

اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ دینِ قویم صراطِ مستقیم اور تمام حسنات

[1] رسالہ ابن شحنۃ

المستقیم، وبکل حسنی، وعلی نبینا الکریم واله الکرام الصّلاۃ الزھرا والسلام الاسنی، والحمدﷲ رب العٰلمین۔

پر کرے، اور ہمارے نبی کریم ان کی آل مکرم پر صلاۃ وسلام نازل فرمائے آمین والحمدﷲ رب العالمین۔

الفصل الرابع فی فوائد شتی و تحقیق حکم الوضوء فی الحوض الصغیر

چوتھی فصل میں مختلف فوائد اور چھوٹے اور حوض سے وضو کا حکم

الحمدﷲ فرغنا عن الرسائل الثلاث بل الکتب الخمسۃ ھذہ والبحر والبدائع واتینا علی جمیع مافیھا والاٰن نذکر مابقی من الفوائد تکمیلا للعوائد وباﷲ التوفیق۔

الحمدﷲ کہ ہم تینوں رسائل بلکہ ان پانچوں کتب اور بحر وبدائع سے فارغ ہوگئے، اور ان میں جو کچھ تھا وہ بیان کردیا اور اب باقیماندہ فوائد تکمیل بحث کیلئے ذکر کرتے ہیں۔

فائدہ(۱): قال المحقق علی المقدسی رحمہ اللہ تعالیٰ فی شرح نظم الکنز ردا علی البحر مانصہ واما تاویل الکلام بان المراد بصیر ورتہ مستعملا صیرورۃ ملاقی اعضائہ منہ مستعملا فھذا بعید جدا اذلا یحتاج الی التنصیص علی ذلك اصلا[1] اھ نقلہ فی منحۃ الخالق من الماء المستعمل واقرہ

فائدہ ۱: محقق علی المقدسی نے کنز کی نظم کی شرح میں بحر پر رد کرتے ہوتے فرمایا، ان کی عبارت یہ ہے اور کلام کی یہ تاویل کرنا کہ پانی کے مستعمل ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو پانی اس کے اعضاء سے ملا ہے وہ مستعمل ہوجائے گا، تو یہ بہت بعید ہے کہ یہ اس پر تنصیص کا قطعاً محتاج نہیں، اس کو منحۃ الخالق میں نقل کیا ہے مستعمل پانی کی بحث میں، اور اس کو برقرار رکھا ہے۔

قلت قدمنا ثمانیۃ ردود علیہ وھذا تاسع(۱) وازیدك عاشرا **فاقول**: اذا انغمس احد فی الماء ثم خرج ینقسم الماء الی خمسۃ اقسام قسم یبقی فی الحوض ولا ینفصل عن الماء بانفصال البدن والثانی یخرج مع البدن وینحدر عنہ بلامکث والثالث یمکث ویذھب بالتقاطر والرابع بلل یذھب

میں کہتا ہوں ہم نے اس پر آٹھ رد کئے ہیں اور یہ نواں ہے اور اب دسویں کا اضافہ کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جو شخص پانی میں غوط لگائے اور پھر نکلے، تو پانی کی اس صورت میں پانچ قسمیں ہیں، ایک تو وہ جو حوض ہی میں رہتا ہے اور بدن سے جُدا ہونے کی وجہ سے پانی سے جُدا نہیں ہوتا ہے، اور دُوسرا بدن کے ساتھ نکلتا ہے اور بلا ٹھہرے

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

بالنشف والخامس نداوۃ تبقی بعد النشف ایضاً ولا تذھب الا بالجفاف بعمل الشمس و الھواء ولا شك انھا ایضاً اجزاء مائیة ولا تداخل فی الاجسام بل لا تلاصق فی الاجزاء کما تقدم فکان کل قسم فوق الاخر منفصلا عنه وکان تحت الکل ذاك الندی فھو الذی لاقی البدن وھو لایقبل الانفصال ولا استعمال الابه فلا استعمال تلك عشرۃ کاملة۔

فان قلت: الامر کما وصفتم ولکنا نعدی الحکم الی ماعدا الاول لتعلقه بالبدن ولذا انتقل بانتقاله اقول اولا لانسلم انه لتعلقه به والا لکان له استمساك علیه کالمتقاطر بل اندفع بدفعه وانحدر بطبعه الا تری ان المنغمس ان اندفع بعنف قوی صحبه ماء کثیر او برفق فقلیل وان استدرج فی الخروج بحیث لایتحرك الماء حتی الامکان لم یکد یخرج معه الا مایزول بالتقاطر مع ان اللقاء کان واحدا فعلم انه لحرکة الدفع یختلف باختلافھا۔

فان قلت: اذن لاریب فی تعلق المتقاطر فنحکم علیه بالاستعمال وھو لاشك قابل الانفصال فیصح التاویل ولا ینتفی الاستعمال۔

اس سے نیچے آتا ہے، اور تیسرا ٹھہرتا ہے اور ٹپک کر ختم ہو جاتا ہے، اور چوتھا وہ تری ہے جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ پانچواں وہ تری جو کپڑے کے ذریعے جذب کرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور آفتاب یا ہوا سے خشک ہو جانے کے بعد ہی ختم ہوتی ہے اور بلاشبہ یہ بھی پانی کے اجزاء ہیں اور یہ اجسام میں تداخل نہیں بلاالکہ "تلاصق فی الاجزاء" بھی نہیں جیسا کہ گزرا، تو ہر قسم دوسری سے اوپر ہوئی اس سے جدا ہوئی اور ہر ایک کے نیچے وہ تری ہوتی ہے تو یہ وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے اور یہ انفصال کو قبول نہیں کرتا ہے اور استعمال بلاانفصال نہیں ہوتا ہے، تو مستعمل نہ ہوا، تو یہ دس مکمل ہوگئے۔ **اگر یہ اعتراض** کیا جائے کہ یہ درست ہے لیکن ہم حکم اوّل کے علاوہ دوسروں پر لگاتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق بدن سے ہے اور اسی لئے اس کے منتقل ہونے سے وہ منتقل ہو جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں اولاً ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ اس کے تعلق کی وجہ سے ہے ورنہ وہ اس پر رکتا، جیسا کہ ٹپکنے والا، بلاالکہ اس کے دفع کرنے سے مندفع ہوگیا اور بالطبع منحدر ہوگیا مثلاً پانی میں غوطہ کھانیوالا اگر قوت سے نکلے تو اس کے ساتھ بہت پانی آئے گا اور اگر آہستگی سے ہو تو کم پانی آئیگا اور اگر اتنا آہستہ نکلے کہ حتی الامکان پانی میں حرکت نہ پیدا ہو تو اس کے ساتھ صرف اتنا پانی آئیگا جو ٹپک کر زائل ہو جائے حالانکہ ملاقاۃ ایک ہی ہے، تو معلوم ہوا کہ دفع کی حرکت میں اس سے اختلاف ہوتا ہے۔ **اگر یہ اعتراض ہو** کہ اس صورت میں ٹپکنے والے کے تعلق میں کوئی شک نہیں تو ہم اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگائیں گے اور بلاشبہ وقابلِ انفصال ہے تو تاویل

اقول: شأن ما انحدر بلامکث عند الخروج بعد الانغماس شأن مامر وانحدر فورا من غسالة الوضوء والغسل فلا یستعمل الا مابقی بعده متساقطا بالتقاطر وهو خلاف الاجماع۔

وثانیا: شتان ما التعلق والتلاصق فالتعلق یشمل الدثار والتلاصق یختص بالشعار وهو الفرق بینهما فان قلت هما ثوبان فیعد احدهما حاجزا للاٰخر عن التلاق، بخلاف الماء فانه شیئ واحد فلا یحجز بعضه بعضا بل الکل ملاق، اقول ذلك ماکنا نبغ فالماء کله واحد عندالانغماس، فالکل ملاق بلاوسواس،

فائدہ: قال العلامة الشیخ حسن الشرنبلالی فی شرحه علی الوهبانیة ردا علی البحر مانصه وما ذکر من ان الاستعمال بالجزء الذی یلاقی جسده دون باقی الماء فیصیر ذلك الجزء مستهلکا فی کثیر فهو مردود لسریان الاستعمال فی الجمیع حکما ولیس کالغالب بصب القلیل من الماء فیه[1] اھ

اقول:(ا)لفظ السریان وقع غیر موقعه فانه یوهم ان المستعمل اولا مالاقی ثم یسری الحکم الی بقیة اجزاء الماء بالتجاور وهو

صحیح ہوگی اور استعمال منتفی نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں غوطہ سے نکلنے کے فوراً بعد جو پانی بدن سے بہتا ہوا گرتا ہے اس کا حال اس پانی جیسا ہے جو وضو اور غسل کے فوراً بعد بہتا ہوا گرتا ہے تو مستعمل وہی ہوگا جو اس کے بعد قطرات کی صورت میں ٹپکتا رہے اور یہ اجماع کے خلاف ہے۔ دوسرا، تعلق اور تلاصق میں بہت فرق ہے، تعلق اَستر کو شامل ہے اور تلاصق اوپر والے حصہ کے ساتھ مختص ہے، اور یہی دونوں میں فرق ہے، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ تو دو کپڑے ہیں تو ان میں سے ایک دوسرے کی ملاقات کیلئے رکاوٹ ہے، اور پانی تو شے واحد ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے حصّہ کیلئے رکاوٹ نہیں بن سکتا ہے وہ تو سارے کا سارا ایک دوسرے سے ملا ہوا ہے، میں کہتا ہوں یہ تو ہمارے حسبِ منشأ ہے، جب انسان پانی میں غوطہ لگائے گا تو پانی شیئ واحد ہوگا اور بغیر رکاوٹ آپس میں ملے گا۔

فائدہ ۲: علامہ شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں فرمایا بحر پر رد کرتے ہوئے، نص یہ ہے، اور یہ جو ذکر کیا ہے کہ استعمال اس جزء سے ہے جو بدن سے ملا ہوا ہو نہ کہ باقی پانی سے، تو وہ جزئِ کثیر اجزا میں مل کر ختم ہو جائیگا، تو یہ مردود ہے کیونکہ حکماً تو استعمال تمام پانی میں سرایت کریگا، اور یہ اس غالب پانی کی طرح نہیں جس میں تھوڑا سا پانی مل گیا ہو اھ۔

میں کہتا ہوں "سریان" کا لفظ بے موقع استعمال ہوا ہے اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مستعمل اوّلا تو وہ ہے جو بدن سے ملاقی ہے پھر حکم بقیہ اجزاء کی

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۲

مردود صریحا بما تقدم ان العبرۃ للغلبۃ ولو سری لسری بالملقی کما توھم العلامۃ عبدالبر فیبطل الفرق ویعود الکلام علٰے مقصود بالنقض وھذا ھوالذی حمل البحر علی قصر الاستعمال علی مالاقی بل نقول انہ اذا انغمس فیہ وھو قلیل فقد استعمل کلہ معا لان جمیعہ شیئ واحد فلا قصر ولا سریان ولقد احسن العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی اذقررہ بقولہ فی المنحۃ یعنی انہ لما انغمس اوادخل یدہ مثلا صار مستعملا لجمیع ذلک الماء حکما لان المستعمل حقیقۃ ھو مالاقی جسدہ بخلاف مااذا صب المستعمل فیہ فان المستعمل حقیقۃ وحکما ھو ذلک الملقی فلا وجہ للحکم علی الملقی فیہ بالاستعمال مالم یساوہ اویغلب علیہ اذلم یدخل فیہ جسدہ حتی یحکم علیہ بالاستعمال حکما یدل علیہ مافی الاسرار للدبوسی وقولھم فی مسألۃ البئر جحط لوانغمس بقصد الاغتسال للصلاۃ صار الماء مستعملا اتفاقا[1] اھ فھذا ھو التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

فائدہ ۳: سبق العلامۃ ابا الاخلاص

طرف جائے گا کیونکہ یہ ایک دوسرے کے قریب ہیں، اور یہ صریحا مردود ہے، جیسا کہ گزرا کہ اعتبار غلبہ کو ہے اور اگر سرایت کرے گا تو ملقی میں کرے گا، جیسا کہ علامہ عبدالبر کو وہم ہوا ہے تو فرق باطل ہو جائے گا اور کلام مقصود بالنقض کی طرف لوٹے گا، اور یہی چیز ہے جس نے بحر کو اس پر مجبور کیا وہ استعمال کا حکم صرف اس پر لگائیں جو ملاقی ہو، بلالکہ ہم کہتے ہیں جب کوئی شخص پانی میں غوطہ لگائے اور پانی کم ہو تو سب یک دم مستعمل ہو جائیگا کیونکہ وہ سارے کا سارا شیئ واحد ہے، تو نہ قصر اور نہ سرایت ہے، علّامہ شامی نے اس کو برقرار رکھ کر اچھا کیا، وہ منحہ میں فرماتے ہیں یعنی جب اس نے غوطہ لگایا یا مثلاً اس نے اپنا ہاتھ ڈبویا تو سارا پانی مستعمل ہو گیا حکما، کیونکہ حقیقۃً مستعمل تو صرف وہی ہے جو بدن سے متصل ہو، اور اگر مستعمل اس میں ڈالا گیا تو دوسرا حکم ہے، کیونکہ حقیقۃً وحکماً مستعمل یہی ملقی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ملقی فیہ پر استعمال کا حکم لگایا جائے تاوقتیکہ وہ اس کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب نہ ہو کیونکہ اس کا جسم تو اس میں داخل نہیں ہوا کہ اس پر حکما استعمال کا حکم لگایا جائے، اس پر دبوسی کی اسرار دلالت کرتی ہے اور ان کا مسئلۃ البئر جحط میں یہ کہنا کہ اگر کسی شخص نے کنویں میں اس نیت سے غوطہ لگایا کہ نماز کیلئے غسل کرے گا تو پانی اتفاقاً مستعمل ہو جائے گا اھ تو تحقیق یہی ہے اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔

فائدہ ۳: علامہ نے ابوالاخلاص سے پہلے فرق کو

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

فی تعبیر الفرق ھکذا بعض معاصری العلامۃ زین فاوردہ وردہ وھذا نصہ فی البحر اذا عرفت ھذا ظھر لك ضعف من یقول فی عصرنا ان الماء المستعمل اذا صب علی الماء المطلق وکان المطلق غالباً یجوز الوضوء بالکل واذا توضأ فی فسقیۃ صار الکل مستعملا اذلا معنی للفرق بین المسألتین وما قد یتوھم فی الفرق من ان فی الوضوء یشیع الاستعمال فی الجمیع بخلافہ فی الصب مدفوع بان الشیوع والاختلاط فی الصورتین سواء بل لقائل ان یقول القاء الغسالۃ من خارج اقوی تاثیرا من غیرہ لتعین المستعمل فیہ بالمعاینۃ والتشخیص وتشخص الانفصال [1] اھ وھذا الکلام ارتضاہ السیدان ط وش حتی قال ط بعد ذکرکلام الشرنبلالی ھذا التوھم قدذکرہ فی البحر واعرض [2] عنہ اھ۔ اماالمدقق العلائی فاستدرك علی البحر بکلام الشرنبلالی فقال فراجعہ متاملا [3] اھ

اقول: لقول القائل یشیع(۱)فی الجمیع ثلثۃ محامل وذلك لان الشیوع الامتزاج

بیان کیا،اسی طرح علّامہ زین کے بعض معاصرین نے فرق بیان کیا،اور اس کو رد کیا،اور یہ بحر میں ان کی عبارت ہے، جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارے بعض معاصرین کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا کہ مستعمل پانی جب مطلق پانی میں ڈالا جائے اور مطلق غالب ہو تو سارے پانی سے وضو جائز ہے اور جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو کل مستعمل ہوگیا، کیونکہ دونوں مسئلوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں،اور یہ فرق جو بیان کیا جاتا ہے کہ وضوء کی صورت میں استعمال تمام پانی میں عام ہوجاتا ہے اور ڈالنے میں یہ صورت نہیں ہوتی،اس لئے ناقابلِ لحاظ ہے کہ شیوع اور اختلاط دونوں صورتوں میں برابر ہے،بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ دھوون کا باہر سے ڈالنا زیادہ مؤثر ہے، کیونکہ اس میں مستعمل دیکھنے اور علیحدہ پہچان کرنے سے متعین ہوجاتا ہے اھاور اس کلام کو سیدان 'ط' اور 'ش' نے پسند کیا یہاں تک کہ 'ط' نے شرنبلالی کا کلام ذکر کرنے کے بعد فرمایا،اس وہم کو بحر میں ذکر کیا اور اس سے اعراض کیا اھ اور مدقق علائی نے بحر پر شرنبلالی کے کلام سے استدراک کیا اور فرمایا پورے غور سے اس کی طرف مراجعت کریں اھ۔

مَیں کہتا ہوں "یشیع فی الجمیع" والے قول میں تین تاویلات ہوسکتی ہیں کیونکہ شیوع (۱) امتزاج بلاامتیاز ہو

---

[1] بحرالرائق کتاب الطھارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۴

[3] الدرالمختار علی حاشیۃ الطحطاوی باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۴

من دون امتیاز فلا یمکن التعیین بل الکل یحتمله علی البدلیة کهبة المشاع والمعنی علیه انه اذا توضأ فی الفسقیة اختلط ماء وضوئه بسائرها بحیث لایمکن التمییز فای غرفة تأخذها تحتمل ان تکون من المستعمل فیکون حکم الاستعمال شائعا فی جمیع الاجزاء شیوع هبة نصف شائع فی النصفین(۲) والشیوع السریان ای اذا توضأ فیها استعمل مالاقاه وتعدی الحکم منه الی جاره وهکذا فصار الکل مستعملا(۳)والشیوع العموم ای ان فی الوضوء یعم الاستعمال لجمیع وانت تعلم ان المعنی الثالث حق صحیح لاغبار علیه اصلا ولا یمسه مافی البحر لان عموم الحکم لعموم السبب فان الکل ملاق کما سبق مرارا.والمعنی الثانی هو ماجنح الیه العلامة الشرنبلالی فی متبادرکلامه وقد علمت ماله وعلیه والمعنی الاول مثله فی البطلان کفی ردا علیهما مسألة الملقی ولزوم اثبات الفرق بابطاله والبحر حمله علی الاول ففسر الشیوع بالاختلاط وحکم انه فی الصورتین سواء وانما ذلك عنده للمعنی الاول دون السریان والعموم الا ان یرید بالشیوع سببه ویفسره بالاختلاط فیکون المعنی ان سبب السریان اوالعموم عندك وهو الاختلاط سواء فی الصورتین مع تخلف الحکم

تو تعیین ممکن نہیں بلالکہ کل میں اس کا احتمال علی سبیل البدلیۃ ہے جیسا کہ مشاع کا ہبہ،اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب چھوٹے حوض میں وضو کیا تو اس کا پانی تمام پانی میں ملے گا اور امتیاز ممکن نہیں، تو جو چلّو لیا جائے گا اس میں احتمال ہے کہ مستعمل پانی سے ہو، تو استعمال کا حکم تمام پانی کو اس طرح شامل ہوگا جیسا کہ غیر ممتاز دو ۲ حصوں والی چیز کے نصف کا ہبہ ہو، اور شیوع (۲) سریان یعنی جب اس میں وضو کیا تو جو اس کے ملاقی ہے وہ مستعمل ہو جائیگا پھر اس کے ساتھ والے اجزاء تک یہی حکم چلے گا اور اس طرح سارے کا سارا مستعمل ہو جائیگا، اور (۳) شیوع عموم کے معنی میں بھی آتا ہے یعنی وضو کی صورت میں استعمال کا حکم تمام پر لاگو ہو جاتا ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ تیسرا معنی حق اور بے غبار ہے، اور بحر کا اعتراض اس پر نہیں ہوتا، کیونکہ حکم کا عموم سبب کے عموم کی وجہ سے ہے کیونکہ کل ملاقی ہے جیسا کہ کئی مرتبہ گزرا، اور دوسرے معنی کی طرف علّامہ شرنبلالی کا میلان ہے جیسا کہ اُن کے کلام سے متبادر ہے اور اس کا مالہ وما علیہ آپ جان چکے ہیں اور پہلا معنی بھی اسی کی طرح باطل ہے، ان کی تردید میں اور اس کے ابطال کو فرق کے اثبات کا لازم ہونا کافی ہے اور بحر نے اس کو پہلے پر محمول کیا ہے اور شیوع کی تفسیر اختلاط سے کی ہے اور حکم لگایا ہے کہ یہ دونوں صورتوں میں برابر ہے اور ان کے نزدیک یہ پہلے معنی کے باعث ہے سریان وعموم کی وجہ سے نہیں ہے، ہاں اگر شیوع سے مراد اس کا سبب لیں تو

فالملقی وفاقا وقد علمت جوابه علی الحق نعم من یزعم السریان یرد علیه ولا یرُدّ۔

ثم اقول: ما ترقی به لاحصله(۱) **فاولا** لیس من شرط الاستعمال رؤیة مروره علی البدن ولا معاینة انفصاله ولا لمرئیه مزیة علی غیره مع تحقق العلم القطعی به ولا شك انه شیئ متشخص بنفسه فلا یضره عدم قدرتنا علی تمییزه وثانیا لیس الاستعمال(۲) مقولا بالتشکیك لیکون المرئی اقوی من غیره **وثالثا:** انما(۳) مبناه علی ما ارتکز فی ذهنه رحمه الله تعالٰی ان الملاقی هی الاجزاء الملاصقة ولیس کذلك بل الکل کما حققنا فکما ان المصبوب کان ممتازا منحازا متشخصا عاینا مروره علی البدن ثم انفصاله عنه کذلك کل الماء فی الفسقیة ممتاز منحاز متعین معاین ورود الاعضاء فیه ثم انفصالها منه۔

فائدہ۴: کلام الاسرار المار برمته فی الفصل الثانی وقع اوله موافقا لما وقع فی البدائع من ان المستعمل هی الاجزاء الملاصقة بالبدن واٰخره نص صریح علی ماهو الحق حتی ان اخا

---اور اس کی تفسیر وہ اختلاط سے کریں تو معنی یہ ہوں گے کہ سریان یا عموم کا سبب تمہارے نزدیک اختلاط ہی ہے اور وہ دونوں صورتوں میں یکساں ہے حالانکہ ملقی میں حکم مختلف ہے اتفاقاً، اور اس کا حق جواب آپ جان چکے ہیں، ہاں جو سریان کا گمان کرتا ہے اس پر رد کیا جائے گا اور وہ رد نہ کرے گا۔(ت)

میں کہتا ہوں بر سبیل ترقی جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے وہ درست نہیں، اولاً مستعمل ہونے کی یہ شرط نہیں ہے کہ اس کو بدن پر گزرتا ہوا دیکھا جاسکے، نہ اس کے جُدا ہونے کا دیکھنا ضروری ہے اور نہ ہی دیکھنے کے قابل ہونا اس کیلئے دوسروں پر وجہ فضیلت ہے، جبکہ اس کا علم قطعی ہو اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی چیز ہے جو متشخص بنفسہ ہے تو ہمارا اس کی تمییز پر قادر نہ ہونا اس کو مضر نہیں، ثانیاً استعمال تشکیک کے قبیلہ میں سے نہیں تاکہ مرئی دوسروں سے اقوی ہو۔

ثالثاً اُس کا مبنٰی صرف یہ ہے کہ اُن کے (رحمہ اللہ تعالٰی) ذہن میں یہ بات مرکوز ہوگئی ہے کہ مُلاقی صرف وہ اجزاء ہیں جو متصل ہیں، حالانکہ یہ درست نہیں بیلکہ تمام اجزا میں، جیساکہ ہم نے تحقیق کی ہے جیساکہ بدن پر ڈالا جانے والا پانی الگ اور ممتاز نظر آتا ہے اور جسم سے جدا ہوتا بھی دکھائی دیتا ہے اسی طرح حوض کا کُل پانی الگ اور ممتاز ہے جو نظر آتا ہے، اس میں اعضاء کا ڈوبنا اور جُدا ہونا بھی نظر آتا ہے۔(ت)

فائدہ ۴: اسرار کا مکمل کلام جو گزرا دوسری فصل میں اس کی ابتدا بدائع کے مطابق ہے کہ مستعمل وہی اجزا ہیں جو بدن سے متصل ہیں اور اس کا آخر حق پر نص صریح ہے، یہاں تک کہ صاحب البحر کے بھائی علامہ عمر ابن نجیم جو اس مسئلہ میں ان کے پیروکار ہیں،

صاحب البحر العلامة عمر بن نجیم رحمهم الله تعالٰی مع اقتفائه فی المسألة اٰثار البحر انصف فیما نقل عنه فی ھامش البحر حین عقب عبارة الاسرار بقوله فهذه العبارة کشفت اللبس الخ فکتب علیه نعم کشفت اللبس من حیث اٰخرها الا ان محمدا یقول لما اغتسل بالماء القلیل صار الکل مستعملا حکما[1] قلنا صورتان صورة وقوع ماء مستعمل فی غیره فیعتبر غلبة الذی لیس بمستعمل والثانیة ماء واحد توضاء به شخص اوادخل یده لحاجة[2] صار مستعملا کله حکما کما رأیت[3] اھ نقله فی المنحة واقره ولذلك لم یتأت للبحر الانتفاع باوله والتجأ الی رده ببنائه علی روایة ضعیفة والعبد الضعیف قدم التوفیق بین اوله واٰخره بحیث جعله کلاما واحدا منتظما والشیخ العلامة عبدالبر سلك فی شرح الوھبانیة مسلکا اٰخر فجعل اوله سؤالا واٰخره جوابا اذقال والحاصل ان ابازید الدبوسی فی کتاب الاسرار اورد

بحر کے حاشیہ میں نقل کرتے ہیں، اور نقل میں انصاف کیا ہے جہاں انہوں نے اسرار کی عبارت کے بعد کہا اس عبارت نے غبار صاف کردیا الخ اس پر کہا ہاں غبار صاف کردیا اُس کے آخر تک، صرف اتنا ہے کہ محمد کہتے ہیں کہ جب تھوڑے سے پانی میں غسل کیا تو کل حکماً مستعمل ہوگیا، ہم کہتے ہیں یہاں دو صورتیں ہیں ایک تو مستعمل پانی کا غیر مستعمل میں واقع ہونا تو اُس پانی کے غلبہ کا اعتبار ہوگا جو مستعمل نہیں دُوسرا وہ پانی جس سے ایک شخص نے وضو کیا ہو یا بوجہ حاجت اس نے اپنا ہاتھ اس میں ڈالا تو کُل حکماً مستعمل ہوگیا جیسا کہ آپ نے دیکھا اھ اس کو منحہ میں نقل کیا اور برقرار رکھا، اس لئے بحر کو اس عبارت کے اول سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس کے رد میں انہوں نے کہا کہ یہ ایک ضعیف روایت پر مبنی ہے، اور ناچیز نے اس قول کے اول وآخر میں تطبیق دی ہے اور اس کو منتظم کلام کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور شیخ علامہ عبدالبر نے وہبانیہ کی شرح میں ایک دوسری راہ اختیار کی ہے اور وہ یہ کہ اس کے اول کو سوال اور آخر کو جواب قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حاصل یہ ہے کہ ابو زید الدبّوسی نے کتاب الاسرار میں وہ ذکر کرلیا ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

[2] کذا فی نسختی المنحة وصوابه لالحاجة اولغیر حاجة اھ منه (م) میرے پاس موجود منحہ کے نسخہ میں اسی طرح ہے اور مناسب ''لَالِحَاجَةٍ'' یا ''لِغَیرِ حاجَةٍ'' ہے۔ (ت)

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

ماذکرہ فی البدائع علی سبیل الالزام من ابی یوسف لمحمد رحمھما اللہ تعالٰی وذکر جواب محمد عنہ فکشف اللبس واوضح کل تخمین وحدس فانہ قال بعد ماذکر مذاھب علمائنا فی الماء المستعمل والاستدلال لمحمد رحمھم اللہ تعالٰی عامۃ مشایخنا ینصرون قول محمد وروایتہ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم قال یحتج للقول الاٰخر(ای نجاستہ)بما روی فذکر حدیث"لایبولن احدکم"ثم قال ومن قال ان الماء المستعمل طاھر طھور لایجعل الاغتسال فیہ حراما الی اٰخر ماتقدم عن الدّبّوسی[1]۔

جو بدائع میں ابویوسف کی طرف محمد پر الزام ذکر کیا ہے اور محمد کا جواب ذکر کیا ہے جس سے تمام بات واضح ہوگئی انہوں نے پہلے تو ہمارے علماء کا مذہب مستعمل پانی کی بابت ذکر کیا اور امام محمد کا استدلال ذکر کیا پھر کہا کہ عام مشائخ امام محمد کے قول اور ان کی روایت جو امام ابوحنیفہ سے ہے کی تائید کرتے ہیں ــــــ پھر فرمایا دوسرے قول پر(یعنی اُس کی نجاست پر)اُس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے جو مروی ہے، پھر"لایبولن احدکم"والی حدیث سے استدلال کیا۔ پھر فرمایا جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ مستعمل پانی طاہر وطہور ہے وہ اس سے غسل کو حرام قرار نہیں دیتے ہیں الی اخر ماتقدم عن الدبوسی۔(ت)

اقول: ھذا التقریر(۱)وان لم یکن ظاھرا من سوق عبارۃ الاسرار بیانہ یتوقف علی ماذکر فی البدائع ثم البحر ان اخراج الماء من ان یکون مطھرا من غیر ضرورۃ حرام[2] اھ

فیستفاد منہ ان اغتسال المحدث فی الماء القلیل حرام عند محمد ایضا فکأنّ الامام ابا یوسف یلزمہ بان المستعمل طاھر عندك والطاھر لایسلب الطھور طھوریتہ مادام الطھور غالبا کلبن یقع فیہ فلایصح لك تحریم الاغتسال فیہ الا

میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تقریر اسرار کی عبارت کے سیاق سے ظاہر نہیں ہے، اس کا بیان اُس پر موقوف ہے جو بدائع پھر بحر میں مذکور ہے کہ پانی کو مطہّر ہونے سے بلا ضرورت خارج کرنا حرام ہے اھ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو کا تھوڑے پانی میں غسل کرنا محمد کے نزدیک بھی حرام ہے، گویا امام ابو یوسف بطور الزام اُن سے یہ کہتے ہیں کہ تمہارے نزدیک مستعمل پانی پاک ہے اور پاک پانی دوسرے پانی کی طہوریت کو سلب نہیں کرتا ہے جب تک کہ طہور غالب ہو، جیسے کہ دودھ اس میں گرجائے، تو آپ

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۲/۱

[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۰/۱

ان تقول بقول وتحکم بنجاسة الغسالة فح یفسد الکل ویصح الحکم فاجاب محمد بان الکل لکونه قلیلا شیئ واحد فصار الکل ملاقیا لبدن المحدث فصار الکل مستعملا حکما بخلاف اللبن فلیس فیه الاختلاط طاھر بطھور ولیس سبب الاستعمال فلا یسلبه الطھوریة مادام الماء غالبا علیه۔

اُس میں غسل کو حرام نہیں کر سکتے ہیں، صرف اس کی یہی صورت ہے کہ آپ میرے قول کو اختیار کرلیں، اور دھوون کی نجاست کا قول کریں، اس صورت میں کُل پانی فاسد ہو جائے گا اور حکم صحیح ہوگا، محمد نے اس کا جواب یہ دیا کہ کل پانی بوجہ قلیل ہونے کے چونکہ شیئ واحد ہے تو کل بے وضو کے بدن سے متصل ہوا، تو حکماً کل مستعمل ہوگیا، دُودھ میں یہ چیز نہیں اُس میں ایک طاہر کا طہور سے ملنا ہے اور یہ استعمال کا سبب نہیں ہے تو اُس کی طہوریت کو سلب نہ کریگا جب تک پانی اس پر غالب رہے۔ (ت)

قلت: وملك العلماء لم یجعله الزاما من ابی یوسف لمحمد بل دفع یرد علی استدلال ابی یوسف بالحدیث کما تقدم نقله فی صدر الفصل الاول ولکل وجھة ھو مولیھا وبالجملة اوله علی کلا الوجھین تأیید لروایة ضعیفة وکفی باٰخرہ جوابا عنه والاولی مافعل العبد الضعیف کما علمت ولله الحمد۔

میں کہتا ہوں ملک العلماء نے اس کو ابو یوسف کی طرف سے امام محمد پر بطور الزام ذکر نہیں کیا ہے، بلالکہ ایک درمیانی اعتراض کا جواب ہے جو ابو یوسف کے حدیث سے استدلال پر پیدا ہوتا ہے جیسا کہ فصل اول کی ابتداء میں گزرا، ہر شخص کا اپنا اپنا طرز استدلال ہوتا ہے، خلاصہ یہ کہ اس کا اوّل دونوں صورتوں میں ایک ضعیف روایت کی تائید ہے اور اس کا آخر اس کا جواب شافی ہے، اور بہتر وہ صورت ہے جو ناچیز نے اختیار کی ہے، جیسا کہ آپ نے جان لیا ولله الحمد۔ (ت)

فائدہ ۵: من کلام الشیخ ابن الشحنة فی الشرح علی مسألة محدث وقع فی بئر مانصه والذی تحرر عندی انه یختلف الحکم فیھا باختلاف اصول ائمتنا فیه والتحقیق نزح الجمیع عند الامام علی القول بنجاسة الماء المستعمل وقیل اربعون عندہ وتحقیق مذھب محمد انه یسلبه الطھوریة وھو الصحیح عن الامام والثانی وعلیه

فائدہ ۵: یہ شیخ ابن الشحنہ کے کلام سے ماخوذ ہے جو اُنہوں نے اُس بے وضو کی بابت کیا ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو، فرماتے ہیں اس کا حکم ہمارے ائمہ کے اصول کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف ہے اور تحقیق یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تمام کنویں کا پانی نکالا جائے گا کیونکہ ان کے نزدیک مستعمل پانی نجس ہے، ایک قول یہ ہے کہ چالیس ڈول نکالے جائیں گے، اور مذہب امام محمد کی تحقیق یہ ہے کہ وہ

الفتوی فینزح عشرون لیصیر طھورا وھذا علی القول بعدم اعتبار الضرورة امالو اعتبرت لایصیر مستعملا فی کل موضع تتحقق الضرورة فی الانغماس فی الماء اوادخال الید فیه واعتبار الضرورة فی مثل ذلك مذکور فی الصغری وغیرھا.فلا تغتر بما ذکرہ شیخنا العلاّمة زین الدین قاسم تغمدہ اللہ برحمته فی رسالته المسماة برفع الاشتباہ فانه خالف فیھا صریح المنقول عن ائمتنا واستند الی کلام وقع فی البدائع علی سبیل البحث وتبعه(یعنی القاسم)علی ذلك بعض من ینتحل مذھب الحنفیة ممن لارسوخ له فی فقھھم وکتب فیه کتابة مشتملة علی خلط وخبط ومخالفة النصوص المنقولة عن محمد رحمه اللہ تعالٰی وقد بینت ذلك فی مقدمة کتبتھا حققت فیھا المذھب فی ھذہ المسألة(ثم قال والحاصل ان ابازید الدبوسی الی اخر ماقدمنا عنه اٰنفا ثم قال)وفی البدائع ایضا التصریح بان الطاھر اذا انغمس فی البئر للاغتسال صار مستعملا عند اصحابنا الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم وصرح فی فتاوی قاضیخان بان ادخال الید فی الاناء للغسل یفسد الماء عند ائمتنا الثلثة وتکفل بایضاح ھذا وتحریرہ رسالتی زھر الروض[1] اھ	پانی سے طہوریت کو سلب کرلیتا ہے،اور امام صاحب سے صحیح یہی ہے اور دُوسرے امام سے بھی،اور اسی پر فتوٰی ہے تواُس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ وہ طہور ہوجائے اور یہ عدم اعتبار ضرورت کے قول پر ہے،اور اگر ضرورت کا اعتبار کیا جائے توہر اس جگہ جہاں پانی میں غوطہ لگانے کی یا ہاتھ ڈبونے کی ضرورت ہو وہاں پانی مستعمل نہ ہوگا اور ضرورت کا اعتبار اس کی مثل میں صغری وغیرہا میں مذکور ہے،تو شیخ علّامہ زین الدین نے اپنے رسالہ رفع الاشتباہ میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے مغالطہ نہ ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے ائمہ کی صریح نقول کے مخالف ہے،وہ محض اُس بحث کے سہارے پر ہے جو بدائع نے کی ہے اور ان کی (یعنی علامہ قاسم کی) پیروی محض بعض ناپختہ کار حنفی فقہاء نے کی ہے،اور اسی پر ایک بے سروپا کتاب جو امام محمد سے منقول نصوص کے مخالف ہے لکھی ہے،میں نے یہ تمام بحث ایک مقدمہ میں کی ہے،اور اس میں مذہب کی تحقیق کی ہے(پھر فرمایا خلاصہ یہ کہ ابُوزید دبّوسی الی اخر ماقدمنا عنہ اٰنفا پھر فرمایا)اور بدائع میں بھی یہ تصریح کی ہے کہ پاک انسان جب کُنویں میں غوطہ لگائے غسل کی نیت سے،تو ہمارے اصحابِ ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک پانی مستعمل ہوجائیگا،اور فتاوٰی قاضیخان میں یہ تصریح موجود ہے کہ پانی میں بہ نیت غسل ہاتھ ڈالنا پانی کو فاسد کردیتا ہے،ہمارے ائمہ ثلٰثہ کے نزدیک،میں نے اس کی مکمل ایضاح وتحریر اپنے رسالہ زہر الروض میں کی ہے(ت)

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

اقول: ھو کلام طیب لخص فیه مقاصد رسالته وخلصه مما خلط به فی زھر الروض من تسویة الملقی والملاقی فی عدم الجواز الا (۱) حدیث نزح عشرین (۲) والتحقیق عندہ علی مذھبه المعتمد لا نزح اصلا مالم یساو اویغلب لان الطھور لایطھر۔

فائدہ ٦: قال فی الدر ان المطلق اکثر من النصف جازالتطھیر بالکل والا لا وھذا یعم الملقی والملاقی ففی الفساقی یجوز التوضی مالم یعلم تساوی المستعمل علی ماحققه فی البحر والنھر والمنح قلت لکن الشرنبلالی فی شرح الوھبانیة فرق بینھما فراجعه متأملا [1] اھ۔

وذکر ش عند قوله حققه فی البحر استدلاله علی ذلك باطلاقھم المفید للعموم وبقول البدائع وفتوٰی قارئ الھدایة المذکورۃ قال وقد استدل فی البحر بعبارات اخرلاتدل له کما یظھر للمتأمل لانھا فی الملقی والنزاع فی الملاقی کما اوضحناہ فیما علقناہ علیه فلذا اقتصرنا علی ماذکرنا [2] اھ ورأیتنی کتبت فی جد

میں کہتا ہوں یہ کلام بہت خوب ہے، اس میں انہوں نے بڑی وضاحت سے اپنے رسالہ کے مقاصد کو ظاہر کیا ہے، اور زہر الروض نے جو ملقی اور ملاقی میں خلط مبحث کیا ہے عدمِ جواز میں، اُس سے بھی چھٹکارا دلایا ہے صرف بیس ڈول والی حدیث کا معاملہ باقی ہے اور ان کے مذہب معتمد میں تحقیق یہ ہے کہ جب تک مستعمل پانی برابر یا غالب نہ ہو اس وقت تک پانی بالکل نہیں نکالا جائیگا کیونکہ طہور پاک نہیں ہوتا ہے۔ (ت)

فائدہ ٦: دُر میں ہے کہ مطلق پانی آدھے سے زائد ہے تو کُل سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں، اور یہ چیز ملقی اور ملاقی کو عام ہے تو چھوٹے حوضوں میں وضو جائز ہے جب تک مستعمل پانی کا برابر ہونا معلوم نہ ہو، اس کی تحقیق بحر، نہر اور منح میں موجود ہے، میں کہتا ہوں شرنبلالی نے شرح وہبانیہ میں دونوں میں فرق کیا ہے وہ بغور دیکھا جائے اھ

اور "ش" نے ان کے قول حققه فی البحر کے پاس ان کا استدلال ذکر کیا ہے کہ ان کا اطلاق مفید عموم ہے، اور بدائع کے قول اور قارئ الہدایہ کے مذکورہ فتوی سے، فرمایا بحر میں دوسری عبارات سے بھی استدلال کیا ہے مگر وہ ان کے حق میں مفید نہیں، جیسا کہ غور کرنے پر ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ وہ عبارات ملقی سے متعلق ہیں اور جھگڑا ملاقی میں ہے، جیسا کہ ہم نے

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

المحتار علی قولہ المفید للعموم مانصہ۔

اقول: نعم یفید علی فرض ان المستعمل فی الملاق ھو السطح الملاصق من الماء بجسد المحدث لاغیر وھو اول النزاع وانا اقول لوکان کذلک لارتفع المستعمل من صفحۃ الدنیا لانک اذا صببت الماء علی یدک مثلا فانما یلاقی یدل سطح من الماء وسائر جرمہ منفصل عنھا کما ان التلاقی یکون بسطح من یدک وسائر جرمھا لم یمسہ الماء والجسم ابدا یکون اکبر من السطح فتکون الغلبۃ لغیر المستعمل فلا یصیر مستعملا ابدا واذا جعلت کلہ مستعملا لتلاقی سطحہ سطح الجسد فلا نعلم فرقا بین جرم وجرم فان اسلت اسالۃ ضعیفۃ صار الکل مستعملا وان صببت صبا شدیدا حتی کان ثخن الماء اضعاف الاول کان ایضا کلہ مستعملا فلا دلیل علی التفرقۃ بین ثخن وثخن مالم یبلغ حد الکثرۃ، وقول البدائع بحث منہ ذکرہ فی سؤال وجواب لانقل عن الاصحاب بخلاف کلام الامام الدبوسی فانہ نقل صریح ومن النصوص الصرائح کذلک مسائل ادخال الید والرجل ودخول المحدث فی البئر المصرح بھا نقلا عن الائمۃ الثلثۃ فی المتون والشروح والفتاوی وحمل کلھا علی روایۃ ضعیفۃ مما لایعقل ولا یحتمل وعبارۃ الفتوٰی

واضح کیا ہے، اپنی تعلیقات میں اس پر ہم نے روشنی ڈالی ہے، اس لئے ہم نے اس پر اکتفاء کیا، اور میں نے اپنی کتاب "جدّ المحتار" میں لکھا ہے، یہ ان کے قول "**المفید للعموم**" کے تحت لکھا گیا ہے۔ میری عرض یہ ہے کہ۔۔۔۔۔۔ ہاں فائدہ دیتا ہے اس مفروضہ پر کہ مستعمل ملاقی میں وہ سطحِ آب ہے جو مُحدِث کے جسم سے ملی ہوئی ہے، اس کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے اور وہ پہلا نزاع ہے، اور میں کہتا ہوں اگر ایسا ہی ہوتا تو روئے زمین پر مستعمل پانی کا وجود ہی ناپید ہوجاتا کیونکہ مثلاً اگر آپ نے اپنے ہاتھ پر پانی بہایا تو آپ کا ہاتھ پانی کی سطح سے ملے گا اور اس کا باقی حصّہ اس سے الگ رہے گا، جس طرح تلاقی آپ کے ہاتھ کی سطح سے ہوتی ہے اور اس کا باقی حصّہ پانی سے کبھی نہیں لگتا ہے اور جسم ہمیشہ سطح سے بڑا ہی ہوتا ہے، تو غلبہ غیر مستعمل کو ہوگا تو وہ مستعمل کبھی نہ ہوگا، اور جب آپ نے کل کو مستعمل قرار دیا کہ اس کی سطح جسم کی سطح سے مل رہی ہے تو ہم ایک جرم اور دوسرے جرم میں فرق نہیں پاتے ہیں، تو اگر آہستہ سے بہایا جائے تو کُل مستعمل ہوجائے گا، اور اگر سختی سے بہایا جائے اس طور پر کہ پانی کا حجم پہلے سے کئی گنا زائد ہو تو بھی کل مستعمل ہوجائے گا تو پانی کے ایک حجم اور دوسرے حجم کے فرق پر کوئی دلیل نہیں، تاوقتیکہ وہ حدِ کثرت کو نہ پہنچ جائے، اور بدائع کا قول تو محض ایک بحث ہے جس کو انہوں نے ایک سوال وجواب کے ضمن میں ذکر کیا ہے یہ اصحابِ امام ابی حنیفہ

صریحة فی ان الماء المستعمل یقع فیھا فیکون من الملقی دون الملاقی ولا تغتر بانھم لابدلھم ان یغترفوا منھا فیدخلوا ایدیھم قبل الغسل وذلك تلاق لان الاغتراف معفو عنه بالاتفاق لاجل الحاجة اھ ماکتبت علیه. وقد علمت مما قدمناہ فی الفصول الثلثة ان الفحول الثلثة کلھم قد اغفلوا محل النزاع ولکن لاعجب فی الاغفال انما(۱) **العجب** من العلامة الشامی تنبه لھذا وترك جل مافی البحر لکونه فی الملقی ثم اورد عبارة الفتوی مع انھا کما علمت صریحة فی الملقی فکان یجب اسقاطھا ایضا وقد علمت مافی الاستدلال بالعموم من نوع مصادرة علی المطلوب فلیس بایدیھم شیئ اصلا سوی بحث البدائع الواقع مناضلا لمتواترات النصوص والروایات الظاھرة الصحیحة عن الائمة الثلثة مصادما لاجماعھم المنقول فی الکتب المعتمدة حتی البدائع والبحر فتثبت ولا تزل ثبتنا الله وایاك والمسلمین بالقول الثابت فی الحیٰوة الدنیا وفی الاٰخرة انه ولی ذلك والقدیر علیه ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا واٰله وصحبه وابنه وحزبه اجمعین اٰمین!

سے نقل نہیں ہے جبکہ امام دبّوسی نے نقل پیش کی ہے اسی طرح ہاتھ پیر داخل کرنے، اور بے وضو کے کنویں میں داخل ہونے کے مسائل صراحۃً متون وشروح میں مذکور ہیں اور فتاوٰی میں بھی مذکور ہیں، ان کو ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے نقل کیا گیا ہے، اب ان تمام چیزوں کو ایک ضعیف روایت پر محمول کرنا انتہائی غیر معقول بات ہے، اور فتوٰی کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مستعمل پانی اس میں گرتا ہے تو وہ ملقی سے ہوگا نہ کہ ملاقی سے، تجھے یہ دھوکا نہ ہو کہ ان کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اس سے چُلّو کے ذریعہ پانی نکالیں تو وہ ہاتھ دھونے سے قبل داخل کرینگے اور اسی کو تلاقی کہتے ہیں، کیونکہ اس طرح چلّو سے پانی نکالنا بالاتفاق معاف ہے، کیونکہ اس میں حاجت ہے اھ یہاں تک میرا حاشیہ ختم ہوا، اور جو کچھ ہم نے فصول ثلٰثہ میں ذکر کیا ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ تینوں جلیل القدر علماء اصل محلِ نزاع سے غافل رہے، لیکن اس غفلت پر تعجب نہیں، تعجب تو اس امر پر ہے کہ علامہ شامی اس پر متنبہ ہوگئے اور جو بحر میں تھا اس کو ترک کردیا کیونکہ اس کا تعلق ملقی سے تھا، اور پھر بھی فتوٰی کی عبارت ذکر کی، حالانکہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے وہ ملقی میں صریح ہے تو اس کا اسقاط بھی ضروری تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ عموم سے استدلال میں ایک قسم کا مصادرہ علی المطلوب ہے تو اُن کے پاس بدائع کے بحث کے علاوہ کچھ نہیں ہے جبکہ یہ عبارت نصوصِ متواترہ اور روایاتِ ظاہرہ صحیحہ کے مخالف ہے اور ائمہ ثلٰثہ کا جو اجماع کتب معتمدہ حتی کہ بدائع اور بحر میں بھی منقول ہے اُس کے بھی خلاف ہے لہٰذا اس کو خوب ذہن نشین کرلینا چاہئے، اللہ تعالٰی تم کو

فائدہ : ختم هذا المبحث ش بقوله قلت وفی ذلك(ای ماٰمال الیه العلامة والبحر)توسعة عظیمة ولا سیما فی زمن انقطاع المیاه عن حیاض المساجد وغیرها فی بلادنا ولکن الاحتیاط لایخفی [1] اھ

اقول:(۱)الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین وقد علمت ان ماٰمالا الیه لادلیل علیه()والتوسعة قد تبیح المیل الی روایة لغیرها رجحان علیها درایة وههنا لاروایة ولا درایة نعم ان تحققت الضرورة ففی العمل بقول امامی الهدی مالك والشافعی رضی الله تعالٰی عنهما مندوحة ان الماء المستعمل طاهر وطهور۔

فائدہ : قال ش فی المنحة علی قول البحر لامعنی للفرق بین المسألتین یرید الملقی والملاقی مانصه قال بعض مشائخنا یدل علیه ایضا روایة النجاسة فان النجس ینجس غیره سواء کان ملقی اوملاقیا فکذا علی روایة الطهارة واذا کان کذلك فلیکن التعویل علیه سیما وقد اختاره کثیرون وعامة من تأخر عن الشارح تابعه علی

ہم کو تمام مسلمانوں کو دنیاوآخرت میں حق پر ثابت قدم رکھے وہ اس کا والی اور قادر ہے اس اللہ علی وعظیم کے سوا کسی کو طاقت نہیں ہے اور صلٰوۃ ہمارے سردار ان کی آل اصحاب بیٹے جماعت تمام پر ہو، آمین ! (ت)

فائدہ ۷ : "ش" نے اس بحث کو ان الفاظ پر ختم کیا ہے "میں کہتا ہوں اور اس میں (یعنی جس کی طرف علامہ اور بحر کا میلان ہے)بڑی وسعت ہے خاص طور پر اُس زمانہ میں جبکہ ہمارے بلاد کی مساجد وغیرہ سے حوضوں کا پانی ختم ہوتا جاتا ہے، لیکن احتیاط مخفی نہیں" اھ (ت)

میں کہتا ہوں احتیاط تو اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے جو زیادہ قوی ہو اس پر عمل کیا جائے، اور آپ کو معلوم ہے کہ جس طرف ان کا رجحان ہے اس پر کوئی دلیل نہیں، اور گنجائش میں کبھی مرجوح روایت کو بھی درایۃً اختیار کرنا پڑتا ہے، اور یہاں تو نہ روایت ہے اور نہ درایت، ہاں اگر ضرورت پائی جاتی ہے تو بقول امام مالک اور امام شافعی عمل کی حد تک پائی جاتی ہے، اور ان کے نزدیک یہ پانی طاہر وطہور ہے۔ (ت)

فائدہ ۸ : "ش" نے منحہ میں بحر کے قول پر فرمایا دونوں مسئلوں میں کوئی فرق نہیں، یعنی ملقی اور ملاقی میں، ان کی عبارت یہ ہے کہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا اس پر نجاست کی روایت دلالت کرتی ہے کیونکہ نجس دوسرے کو بھی نجس کرتا ہے خواہ وہ ملقی ہو یا ملاقی، اسی طرح طہارت کی روایت پر۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ بہت سے علماء نے اس کو

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۵

ذلك حتى صاحب النهر مع مافيه من رفع الحرج العظيم على المسلمين[1] اھ۔

اختیار کیا ہے اور شارح کے بعد آنے والے علماء نے حتی کہ صاحب نہر نے بھی ان کی متابعت کی ہے، پھر مسلمانوں کو تنگی سے نکالنا ہے اھ (ت)

اقول اوّلا:(۱)ان كان للقياس على رواية النجاسة مساغ كان الشيخ ابن الشحنة احق بهذا منكم فان التسوية على رواية النجاسة انما هى فى التاثير لافى عدمها فكما استويا عليها فى التاثير بسلب الطهارة فكذا على رواية الطهارة بسلب الطهورية لا فى عدم التاثير اصلا **وثانيا**:(۲)صرحوا ان ماء ورد على نجس نجس كعكسه اى ان التنجس يحصل للماء القليل كله سواء كان هو الوارد على نجاسة او بالعكس واذن نقول بمثله ههنا فكما ان الماء الوارد على نجاسة حكمية يصير كله منسلب الطهورية كذلك النجاسة الحكمية اذا وردت على ماء قليل تجعل جميعه مسلوب الطهورية وقياس احدى النجاستين على الاخرى احق بالقبول من قياس رواية الطهارة على رواية النجاسة۔

میں کہتا ہوں اوّلاً اگر قیاس کو نجاست والی روایت پر گنجائش موجود ہو تو شیخ ابن الشحنہ اس کے بہ نسبت آپ کے زائد مستحق ہیں کیونکہ نجاست والی روایت پر برابری تاثیر میں ہے نہ کہ عدمِ تاثیر میں جیسے وہ دونوں سلب طہارت کی تاثیر میں برابر ہیں، اسی طرح طہارت کی روایت پر سلب طہوریت میں برابر ہونا چاہئے نہ کہ اصلًا عدمِ تاثیر میں مساوات ہو۔ ثانیاً اس امر کی علماء نے تصریح کی ہے جو پانی نجس پر وارد ہوتا ہے وہ بھی نجس ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کا عکس ہے، یعنی ناپاک ہونا کل تھوڑے پانی میں ہوتا ہے خواہ وہ نجاست پر وارد ہو یا نجاست اس پر وارد ہو، اس لئے اسی قسم کا قول ہم یہاں کرتے ہیں تو جس طرح وہ پانی جو نجاستِ حکمیہ پر وارد ہوتا ہے اس کی طہوریت ختم ہوجاتی ہے اسی طرح نجاست حکمیہ جب تھوڑے پانی پر وارد ہو تو تمام پانی کی طہوریت ختم ہوجائے گی، اور ایک نجاست کو دوسری نجاست پر قیاس کرنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ طہارت کی روایت کو نجاست کی روایت پر قیاس کیا جائے۔

وثالثا:(۳)وهو الحل الحكم انما يثبت بثبوت سببه وسبب التنجس هو ملاقاة النجس وهو حاصل فى الملقى كالملاقى وسبب الاستعمال ملاقاة بدن

ثالثاً: یہی حل ہے، حکم جب ثابت ہوتا ہے تو وہ اس کے سبب کے ثابت ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے،

---
[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

محدث اومتقرب سواء کان بورود الماء علی الحدث اوالحدث علی الماء وھو حاصل فی الملاقی منتف فی الملقی فیہ لان الماء المستعمل اذا القی فی الحوض فلا ماؤہ ورد علی حدث ولا الحدث ورد علیہ انما ورد علیہ ماورد علی الحدث ولیس ھذا سبب الاستعمال۔

ورابعا: (۱)سمعت حدیث رفع الحرج ودفعہ **وخامسا:** (۲)لیس ھؤلاء الکثیرون الاالمتأخرون عن البحر ولیس فیھم من یکون لہ قول فی المذھب لاسیما علی خلاف المذھب الصحیح المعتمد المذیل بطراز الاجماع وھذا صاحب البحر قائلا فیہ لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم ولا یعدل عنہ الی قولھما اوقول احدھما اوغیرھما الالضرورۃ من ضعف دلیل اوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[1] اھ۔فاذا کان ھذا فی قول امامی المذھب وقد افتوا بہ فما ظنك بما لیس قول احدھما ولا قول احد ولا روایۃ عن احد وما صححہ احد ولا لہ فی الدرایۃ مستند، فکیف یعدل الی مثلہ عن مذھب

اور ناپاک ہونے کا سبب ناپاک سے ملاقات ہے، تو وہ ملقی میں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح ملاقی میں ہے اور استعمال کا سبب محدث کے بدن سے ملاقات ہے یا متقرب کے بدن سے ملاقات ہے خواہ حدث پر پانی وارد ہو یا پانی پر حدث وارد ہو، اور یہ چیز ملاقی میں تو ہے ملقی فیہ میں نہیں کیونکہ مستعمل پانی جب حوض میں ڈالا جائے تو نہ تو اس کا پانی حدث پر وارد ہوا اور نہ ہی حدث اس پر وارد ہوا، اور اس پر وہ چیز وارد ہوئی ہے جو حدث پر وارد ہوئی ہے اور یہ سببِ استعمال نہیں۔

رابعاً: آپ حرج رفع کرنے کا معاملہ اور اس کا رَد سُن چکے ہیں۔ خامساً یہ کثیر علماء بحر سے متاخر ہیں، اور ان میں کوئی اس پایہ کا نہیں کہ مذہب میں اس کا قول سند ہو، خاص طور پر قول صحیح کے مقابل جس پر اجماع ہوچکا ہو، خاص طور پر جبکہ صاحبِ بحر فرمارہے ہوں، فتوٰی امامِ اعظم کے قول پر ہی دیا جائے نہ کہ صاحبین یا کسی ایک صاحب کے قول پر سوائے ضرورت کے، مثلاً یہ کہ دلیل ضعیف ہو یا اس کے خلاف تعامل ہو، جیسے مزارعۃ کے معاملہ میں ہوا، خواہ مشائخ نے تصریح کی ہو کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے اھ جب یہ معاملہ دو ائمہ مذہب کے ساتھ ہے اور وہ اس پر فتوٰی دے چکے ہیں تو جہاں کسی کا

[1] بحرالرائق اوقاتِ نماز سعید کمپنی کراچی ۲۴۶/۱

جمیع الائمۃ الصحیح المعتمد،

وما مثل ھٰؤلاء بین ایدی ائمۃ المذھب الا کمثل احدنا عند ھؤلاء بل اقل وابعد، لاستوائنا جمیعا فی وجوب الاستسلام للائمۃ وردا وصدرا وان لا تکون لنا الخیرۃ من انفسنا اذا قضوا امرا، اما کثرۃ من تبع البحر(۱) فقد قال البحر فی ماھو اعظم کثرۃ واشد قوۃ من الوف امثال ھذا لدورانہ فی متون المذھب والشروح والفتاوٰی اعنی عد الاعتکاف مما لایصح تعلیقہ مانصہ ھذا الموضع مما اخطؤا فیہ والخطأ ھنا اقبح لکثرۃ الصرائح بصحۃ تعلیقہ وانا متعجب لکونھم تداولوا ھذہ العبارات متونا وشروحا وفتاوی وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیأا خطأ فیأتی من بعدہ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولا تنبیہ فیکثر الناقلون واصلہ لواحد مخطیئ[1] اھ۔

وھذا ھو الواقع ھھنا کما تری وباللہ العصمۃ(۲) علی ان کلام کثیر منھم فی الباب لم یسلم عن اضطراب وھذا البحر نفسہ قد اکثر من نقول ماقدمنا من حججنا وفیھا نقل الاجماع ونص فی مسألۃ البئر ان المذھب المختار ان الماء طاھر غیر طھور[2]

قول ہی نہ ہو اور نہ روایت ہو، اور نہ کسی نے اس کی تصحیح کی ہو اور نہ اس کیلئے مستند درایت ہو، تو تمام ائمہ کا اجماعی مذہب چھوڑ کر اس کو کیسے اختیار کیا جاسکتا ہے، ائمہ مذہب کے سامنے ان کی قدر وقیمت اتنی نہیں جتنی کہ ہماری ان حضرات کے سامنے ہے بلالکہ اس سے بھی کمتر، کیونکہ ہم سب پر ائمہ کے حکم کا ماننا لازم ہے اور ان کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا ہے اور جب کسی معاملہ کا وہ فیصلہ کردیں تو ہمیں اپنی طرف سے کوئی اختیار نہیں اور رہا یہ معاملہ کہ بحر کی اتباع بہت سے مشائخ نے کی ہے ایک مسئلہ میں جو شدت وقوت کے لحاظ سے اس سے ہزار گنا زیادہ ہے کیونکہ وہ متون مذہب اور شروح اور فتاوٰی میں موجود ہے، یعنی اعتکاف کی تعلیق کے صحیح نہ ہونے کے بارے میں خود بحر نے فرمایا کہ یہاں ان کو غلطی لگی ہے، اور یہاں خطأ زیادہ قبیح ہے کیونکہ اس کی تعلیق کی صحت پر بکثرت تصریحات موجود ہیں اور مجھے تعجب ہے کہ فقہاء نے ان عبارات کو متون وشروح اور فتاوٰی میں قبول کیا ہے، عام طور پر ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک مؤلف ایک چیز ذکر دیتا ہے غلطی سے، پھر بعد والے اس غلطی کو بلانکیر نقل کرتے رہتے ہیں، اس طرح ایک خطاکار کے ناقل بکثرت ہوجاتے ہیں اھ۔ اور یہاں ایسا ہی ہوا ہے جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں، علاوہ ازیں ان میں سے اکثر کا کلام اضطراب سے خالی نہیں، اور خود بحر نے بہت سے نقول ذکر کی ہیں جنہیں ہم نے اپنے دلائل میں بہت پہلے ذکر کیا ہے اور اس میں اجماع کو

[1] بحر الرائق متفرقات من البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۵/۶

[2] بحر الرائق مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۸/۱

والنهر قال فی عبارة الاسرار ما قال ولما تمسك البحر بعبارة المحيط والتوشيح والتحفة اذا وقع الماء المستعمل فی البئر۔۔الخ كتب عليه لايخفاك ان العبارة فی وقوع الماء لاالمغتسل وكذا فيما بعده[1] اھ۔ والدر استدرك علی البحر بكلام الحسن وكذا ابو السعود وقدمنا كلمات ش وهم جميعا والحلية قبلهم عللو اسقوط حكم الاستعمال بالضرورة وهو كما علمت اعتراف بالحق بالضرورة۔

نقل کیا ہے اور کنویں کے مسئلہ میں یہ صراحت کی ہے کہ مذہب مختار یہ ہے کہ پانی طاہر غیر طہور ہے، اور نہر نے اسرار کی عبارت میں فرمایا ہے جو گزرا، اور جب بحر نے محیط، توشیح اور تحفہ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا "جب مستعمل پانی کنویں میں گر جائے۔۔۔الخ" تو اس پر لکھا کہ آپ پر مخفی نہ رہے کہ عبارت پانی کے گرنے میں ہے نہ کہ دھوون کے گرنے میں، اور اس طرح اس کے بعد کی عبارت اھ۔ اور در نے بحر پر حسن کے کلام سے استدراک کیا ہے، اور اسی طرح ابو السعود نے، اور ہم نے "ش" اور ان سب کے اور حلیہ کے کلمات نقل کئے ان تمام حضرات نے حکم استعمال کے ساقط ہونے کی وجہ ضرورت کو قرار دیا ہے، اور جیسا کہ آپ نے جانا یہ اعتراف حق ہے۔ (ت)

فائدہ ۹: اقول ذكرت فی الطرس المعدل مسألة ادخال المحدث رأسه اوخفه اوجبيرته فی الماء وانه يجزئه عند الامام الثانی ولايصير الماء مستعملا وان الصحيح وفاق محمد فيها وان المراد لايصير ماء الاناء مثلا مستعملا بل البلة الملتصقة بالرأس ای الممسوح فقط فاعلم ان هذا الخصوص المسح فلا يقاس عليه المغسول قال ملك العلماء فی البدائع ادخل رأسه اوخفه اوجبيرته فی الاناء وهو محدث قال ابو يوسف يجزئه فی المسح ولا يصير الماء مستعملا سواء نوی

فائدہ ۹: میں نے "الطرس المعدل" میں محدث کا پانی میں اپنا سر، موزہ یا پٹی ڈبونے کا مسئلہ ذکر کیا ہے اور یہ کہ دوسرے امام کے نزدیک اس کو یہ کفایت کرے گا، اور پانی مستعمل نہ ہوگا، اور اس میں صحیح یہی ہے کہ محمد کو اس سے اتفاق ہے، اور یہ کہ مراد یہ ہے کہ برتن کا پانی مستعمل نہ ہوگا بلالکہ وہ تری جو سر سے لگی ہوئی ہے یعنی صرف ممسوح، تو جاننا چاہئے کہ یہ خاص مسح کیلئے ہے تو اس پر مغسول کو قیاس نہ کرنا چاہئے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کسی نے اپنا سر، موزہ یا پٹی پانی میں داخل کی اور بے وضو تھا، تو ابو یوسف نے فرمایا اس کے مسح کو کافی ہے، اور پانی بہر حال مستعمل نہ ہوگا خواہ نیت کرے یا نہ کرے کیونکہ استعمال کے دو[2]

[1] نہر الفائق

او لم ینو لوجود عـه احد سببی الاستعمال وانما کان لان فرض المسح یتأدی باصابة البلة اذھو اسم للاصابة دون الاسالة فلم یزل شیئ من الحدث الی الماء الباقی فی الاناء وانما زال الی البلة وکذا اقامة القربة تحصل بھا فاقتصر حکم الاستعمال علیھا اھ[1] وھذا ینادی باعلی نداء ان عدم انتقال الحدث الی باقی الماء فی الاناء واقتصار حکم الاستعمال علی البلة فی صور المسح انما کان لانه لایحتاج الا الی بلة فبھا یتأدی فرضه وبھا تقوم قربته فھو لم یستعمل الماء بل البلة بخلاف ماوظیفته الغسل فانه اسالة فکان استعمالا للماء لالمجرد بلة فیزول به الحدث الی جمیع ما فی الاناء لقلته ولا یقتصر حکم الاستعمال علی البلة الملاقیة لسطح البدن

سببوں میں سے ایک پایا جارہا ہے اور یہ اس لئے ہوا کہ مسح کا فرض ادنٰی تری سے ادا ہوجاتا ہے کیونکہ مسح لگانے کو کہتے ہیں نہ کہ بہانے کو، تو حدث میں سے کوئی چیز چھُوٹ کر برتن میں پانی تک نہیں آتی صرف تری تک منتقل ہوئی اور اسی طرح اس سے قربت قائم ہوتی ہے تو اس پر استعمال کا حکم محدود ہوگیا اھ۔ اور اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسح میں حدث کا برتن میں باقی پانی کی طرف منتقل نہ ہونا اور استعمال کے حکم کا صرف تری تک محدود رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں محض تری کی ضرورت ہے اسی سے فرض ادا ہوجاتا ہے اور اسی سے قربت ادا ہوجاتی ہے، تو اس نے پانی کو استعمال نہیں کیا بلکہ اس نے تری کو استعمال کیا۔ بخلاف اس کے جس میں دھونا ضروری ہے کیونکہ اس میں بہانا ضروری ہے تو وہاں پانی کا استعمال ہوگا محض تری کا نہیں ہوگا، تو حدث برتن کے تمام پانی کی طرف منتقل ہوگا کیونکہ وہ کم ہے اور استعمال کا حکم اس تری

عـه **اقول**: قوله لوجود متعلق بالمنفی ای صیرورة الماء مستعملا لوجود ازالة الحدث وان لم ینو واقامة القربة ایضا ان نوی منتفیة فلا یصیر مستعملا وان وجد السببان وانما کان ھذا الانتفاء لانه لم یستعمل الماء بل البلة وذلك لان فرض المسح۔۔۔الخ منه غفرله۔(م)

اقول اسکا قول لوجود، منفی سے متعلق ہے یعنی پانی کا مستعمل ہونا حدث کے ازالہ کی وجہ سے اگرچہ نیت نہ کرے، اور قربت ادا کرے سے بھی اگر نیت کرے منتفی ہے، تو مستعمل نہ ہوگا اگرچہ دونوں سبب پائے جائیں، اور یہ انتفاء اس لئے ہے کیونکہ اس نے پانی استعمال نہیں کیا صرف تری استعمال کی اور یہ اس لئے ہے کہ مسح کا فرض الخ ۱۲منہ (ت)

[1] بدائع الصنائع فصل فی الطہارۃ الحقیقیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۷

الظاھر لان البلۃ لایحصل بھا اسالۃ ولا غسل فظھر الامر وباللہ التوفیق فلا حجۃ فیہ للمسوین بین الملاق والملقی ولیس مبناہ علی تلک المسألۃ۔

اقول: والدلیل القاطع علیہ ان ابایوسف القائل بنجاسۃ الماء المستعمل لم یقل ھھنا بالسریان قال الامام فقیہ النفس ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال انما یتنجس الماء فی کل شیئ یغسل اما ما یمسح فلا یصیر الماء مستعملا [1] اھ۔ مع اجماع اصحابنا ان النجاسۃ تسری فی القلیل بلا فرق بین الکثیر منھا والقلیل وقد تقدم التصریح بہ عن البدائع فاندفع ماکان ذھب الیہ وھلی فی بادی الرأی ان سبیل المسألۃ سبیل الخلف فی الملقی والملاق واستنار ماذکرت جوابا عنہ من الفرق بین الغسل والمسح اما توقفی فی وجھہ فالوجہ عند المجتھد ولیس علینا ابداؤہ۔

واقول: یخطر ببالی واللہ تعالٰی اعلم ان الاجسام کما قدمت جواھر فردۃ متراکمۃ متفرقۃ حقیقۃ متصلۃ حسا وامر الغسل لایتأدی الابجسم مائی ذی ثخن صالح

تک محدود نہ رہے گا جو بدن کے ظاہر کی سطح سے متصل ہے کیونکہ تری سے نہ بہانا حاصل ہوتا ہے نہ غسل، تو معاملہ بتوفیق اللہ ظاہر ہوگیا، اس میں ان لوگوں کیلئے حجت نہیں جو ملقی اور ملاقی میں فرق نہیں کرتے تو اس کی بنیاد اس مسئلہ پر نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ ابو یوسف جو مستعمل پانی کی نجاست کے قائل ہیں وہ یہاں سرایت کا قول نہیں کرتے، امام فقیہ النفس نے فرمایا کہ امام ابو یوسف نے فرمایا" پانی ہر اس چیز میں نجس ہوتا ہے جو دھوئی جاتی ہے اور جس پر مسح کیا جاتا ہے اس سے مستعمل نہ ہوگا اھ۔ حالانکہ ہمارے اصحاب کا اجماع ہے کہ نجاست تھوڑے پانی میں سرایت کرتی ہے خواہ کم ہو یا زائد، بدائع سے اس پر تصریح گزر چکی ہے تو ان کا جواب ہوگیا، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ خلف کی طرح ہے ملقی اور ملاقی میں اور جو جواب میں نے ذکر کیا وہ بھی واضح ہوگیا یعنی یہ کہ غسل اور مسح میں فرق ہے، اور اس کے استدلال میں میرا توقف کرنا اس لئے ہے کہ دلیل پیش کرنا مجتہد کا کام ہے، اور ہمیں اس کا ظاہر کرنا لازم نہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے میرے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ اجسام جیسا کہ ہم نے پہلے لکھا ہے جواہر فردہ ہیں تہ بہ تہ ہیں حقیقۃً متفرق ہیں اور حسًّا متصل ہیں، اور دھونا ایسے جسم سے ہوسکتا ہے جو پانی کا

[1] فتاوٰی قاضی خان الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۱/۸

یری سائلا علی البدن سیلانا فلابد فیه من اعتبار المحسوس وفی الحس الماء الکائن فی محل واحد شیئ متصل واحد فحصل الاستعمال للکل لحصول اللقی للکل کما فی نجاسة ترد علی الماء وانما سقط الحکم عن الکثیر لان الشرع جعله کالجاری فلا یتأثر مالم یتغیر کما سبق تقریر کل ذلك اما المسح فمجرد اصابة من دون اسالة فتکفی فیه جواهر قریبة تفید بلة وھی منفصلة عما فوقها فیقتصر اللقاء علیها ولا یتعدی الی سائر الاجزاء لعدم الحاجة الی ترك الحقیقة وبه استبان ما قالوا ھنا من قصر اللقاء علی البلة۔

وظھر الجواب عما ذکرت فیه من النظر(۱)واشار الیه المحقق حیث اطلق ابن الھمام بقوله فیه نظر ھذا ما عندی فی تقریرہ وجھدالمقل دموعه ویحتاج الی تلطیف القریحة وکیف ماکان لاحجة فیه للمسوّین بل ھو حجة علیھم لدلالة فحواہ ان قصر الحکم علی البلة دون بقیة ما فی الاناء لعدم الحاجة فی المسح الی الاسالة فافاد ان فیما وظیفته الاسالة یعم الحکم جمیع مافی الاناء وھو المقصود۔

فائدہ۱۰: اقول وباللّٰہ التوفیق ھنالفظان الوضوء من الحوض و

ہو اور اس میں حجم ہو اور جسم پر بہتا ہوا نظر آئے، تو اس میں محسوس کا اعتبار ضروری ہے اور جس میں وہ پانی جو ایک جگہ ہو متصل واحد ہے تو کل پانی مستعمل ہوگیا کیونکہ ملاقاۃ کل سے ہی ہے، جیسے کہ وہ نجاست جو پانی پر وارد ہو اور حکم کثیر سے اس لئے ساقط ہوگیا کیونکہ شریعت نے اس کو جاری کے حکم میں رکھا ہے، تو جب تک اس میں تغیر نہ ہو متاثر نہ ہوگا جیسے کہ اس کی تقریر گزری، اور مسح میں صرف پانی کا لگانا ہے نہ کہ بہانا ہے، تو اس کیلئے قریب جواہر ہونا کافی ہے جن سے تری پیدا ہوتی ہے اور وہ جواہر اوپر والوں سے جدا ہیں تو ملاقاۃ اسی پر منحصر رہے گی اور باقی اجزاء کی طرف منتقل نہ ہوگی کیونکہ ترک حقیقۃ کی حاجت نہیں اور یہیں سے معلوم ہوا کہ ملاقاۃ صرف تری تک محدود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا، اور جو نظر میں نے ذکر کی ہے اس سے جواب ظاہر ہوگیا، اور محقق نے اس کی طرف اشارہ کیا کیونکہ ابن ہمام نے فرمایا اس میں نظر ہے میرے نزدیک اس کی تقریر یہی ہے، بہرصورت ان کیلئے اس میں کوئی حجۃ نہیں جو ملقی اور ملاقی میں برابری کے قائل ہیں، بلکہ یہ اُن کے خلاف حجۃ ہے، کیونکہ اس کا فحوٰی اس پر دلالت کرتا ہے کہ حکم تری پر مقصور ہے، جو برتن میں باقیماندہ پانی ہے اس پر نہیں ہے کیونکہ مسح میں اسالہ کی ضرورت نہیں، تو انہوں نے بتایا کہ جہاں بہانا ہوتا ہے وہاں حکم برتن کے تمام پانی کو عام ہوتا ہے اور یہی مقصود ہے۔(ت)

فائدہ ۱۰: میں بتوفیق الٰہی کہتا ہوں یہاں دو لفظ ہیں الوضوء من الحوض اور الوضوء فی الحوض۔ قاسم نے

به(۱)عبر العلامة قاسم تسامحاً وفی الحوض وبه عبر العلامة ابن الشحنة وسوی(۲) بینهما البحرفتارة یقول من کصدر مقالته واسم رسالته واخری فی کمطاوی عبارته وقد علمت ان الثانی یحتمل وجهین الوضوء خارجه بحیث تقع الغسالة فیه ولو بعد الجریان علی الارض والوضوء فیه بغمس الاعضاء ذاك ملقی وهذا ملاق واللفظ الاول یحتمل ثلثة وجوه هذین والوضوء خارجه بالاغتراف منه بحیث لاتصل الغسالة الیه کالوضوء من بئرزمزم وهذا الثالث علی ثلثة وجوه الاغتراف باناء بحیث لایصیب شیئ من یده الماء وبالید لعدم اناء اومع وجوده فالاول جائز بالاجماع ولایتوهم تطرق خلل به الی الماء وکذا الثانی لمکان الضرورة الا اذا ادخل ازید من قدر الحاجة او قدرها للاغتراف ثم نوی الغسل فیه فان هذین یعود ان الی صورة الغمس کالثالث ففی هذه[عہ] الاربع یصیر الماء کله مستعملا

تسامح سے کام لیتے ہوئے من الحوض سے تعبیر کیااور ابن الشحنہ نے الوضوفی الحوض سے تعبیر کیااور بحر نے ان دونوں کو برابر کیا، کبھی تو من کہتے ہیں، جیسا کہ انہوں نے اپنے مقالہ کی ابتداء اور رسالہ کے نام میں،اور کبھی فی استعمال کیا جیسا کہ عبارات کے درمیان میں کیا۔اور آپ جان چکے ہیں دوسرا دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے،ایک تو وضو حوض کے باہر اس طرح کہ دھوون حوض میں گرے خواہ زمین پر بہہ کر جائے اور ایک یہ کہ وضوء اس طرح کیاجائے کہ حوض میں اعضاء ڈبوئے جائیں وہ ملقی ہے اور یہ ملاقی ہے اور پہلا لفظ تین وجوہ کا محتمل ہے،دو تو یہی اور تیسری یہ کہ حوض کے باہر بیٹھ کر حوض سے چلو بھر پانی لیں اس طرح کہ دھوون حوض تک نہ پہنچے، جیسے زمزم کے کنویں سے کیا جاتا ہے۔اور اس تیسری وجہ میں بھی تین وجوہ ہیں،[۱]ایک تو یہ کہ برتن سے پانی لیں اس طرح کہ ہاتھ پانی کو نہ لگے،[۲]دوسرے یہ کہ ہاتھ سے لیں جبکہ برتن نہ ہو،[۳]تیسرے یہ کہ ہاتھ سے لیں لیکن برتن موجود ہو تو پہلا بالاجماع جائز ہے اوراس سے پانی میں خلل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے اور دوسرا بھی جائز ہے کیونکہ ضرورت ہے،ہاں اگر ضرورت سے زائد ہاتھ داخل کیا یا بقدرِ ضرورت ڈالا پھر اس میں غسل کا ارادہ کیاتو یہ دونوں صورتیں ڈبونے کی صورت

[عہ] ای ادخال الزائد علی قدر حاجة الاغتراف ونیة الغسل فیه والاغتراف بید محدثة مع وجود الاناء والوضوء فیه بغمس الاعضاء اھ منه غفرله۔(م)

یعنی چلّو کی مقدار سے زیادہ داخل کرنااور پانی میں دھونے کی نیت کرنا اور برتن کے ہوتے ہوئے محدث ہاتھ کے ذریعے پانی نکالنااور پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کرنا اھ منہ غفرلہ (ت)

قلیلا کان اوکثیرامالم یکن کثیرا اما اول الثانی اعنی الوضوء خارجه مع وقوع الغسالة فیه فالصحیح المعتمد انه لایفسد الماء مالم یساوه اویغلب علیه هذه احکام الصور الخمس وقد وضحت بحمدالله تعالٰی مثل الشمس، وبه ظهر ان العلامة عبدالبر اصاب فی حکم الاربع الاول دون الخامس والعلامتان القاسم والبحر ومن تبعهم بالعکس ثم معه فیما خالف الصحیح عدة روایات واقوال مفصلة فی البدائع وغیرها ان الماء المستعمل یفسد المطلق مطلقاوان قل اواذااستبان مواقع القطراواذاسال سیلاناوالکل حاصل فی الوضوء فی الحوض الصغیر بالمعنی الاول بخلاف هٰؤلاء الجلة فلیس بایدیهم الابحث وقع فی البدائع علی خلاف النصوص المتواترة واجماع ائمة المذهب رضی الله تعالٰی عنهم والحق، هوهذاالفرق، الذی وفق المولی سبحنه وتعالٰی عبده الذلیل، بتحقیقه الجلیل، بحیث احاط ان شاء الله تعالٰی بکل کثیر وقلیل، وبلغ الغایة القصوی فی التفریع والتاصیل، فله الحمد علی مااولی، وافضل الصلوات العلی، والتسلیمات الزاکیات المبارکات علی المولی، واله وصحبه، وابنه و حزبه، کمایحب ربنا و یرضی اٰمین والحمد لله رب العٰلمین، والله سبحنه وتعالٰی وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

میں شامل ہیں، جیسی کہ تیسری، توان چاروں صورتوں میں کل پانی مستعمل ہوجائیگا خواہ کم ہو یا زیادہ، جب تک کہ کثیر نہ ہوجائے لیکن دوسرے کا پہلا یعنی حوض کے باہر وضو کرنا اس طرح کہ دھوون اس میں گرتا رہے تو صحیح اور معتمد یہ ہے کہ جب تک وہ پانی کے برابر نہ ہو یا اس پر غالب نہ ہو پانی کو فاسد نہ کرے گا، یہ پانچوں صورتوں کے احکام ہیں اور میں نے بحمداللہ سورج کی طرح واضح کردیا ہے، اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ علّامہ عبدالبر نے پہلی چار صورتوں کے بیان میں کوئی غلطی نہیں کی مگر پانچویں میں غلطی کی اور علامہ قاسم اور بحر اور ان کے متبعین نے برعکس کیا پھر ان کے ساتھ ان صورتوں میں جن میں مخالفت کی، متعدد روایات واقوال ہیں جن کی تفصیل بدائع وغیرہ میں ہے، مثلاً یہ کہ مستعمل پانی مطلق پانی کو مطلقاً فاسد کردیتا ہے خواہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو، یا قطروں کے مقامات ظاہر ہوں یا جبکہ خوب بہے اور یہ سب چھوٹے حوض میں وضو کرنے سے حاصل ہے، لیکن پہلے معنی کے اعتبار سے، بخلاف ان جلیل القدر علماء کے کہ ان کے ہاتھ میں سوائے اُس بحث کے کچھ نہیں جو نصوص متواترہ، اجماعِ ائمہ مذہب کے خلاف بدائع میں واقع ہے، اور حق وہ فرق ہے جس کی اپنے ذلیل بندے کو مولیٰ سبحٰنہ نے توفیق دی تحقیق جلیل کی کہ اس نے کثیر وقلیل کا احاطہ کیا اور انتہا کو پہنچا اُس کی حمد سب سے اولیٰ ہے بہتر صلوٰۃ وسلام افضل مبارک مزکی آقا پر ان کے آل اصحاب اولاد جماعت پر جیسا کہ ہمارا رب پسند فرمائے آمین

والحمدلله رب العالمین الی اٰخرہ۔

مسئلہ ۳۰: مرسلہ مولوی نذر امام صاحب مدرس سہسوانی ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص غسل جنابت کی حاجت میں غسل حوض میں کرے توحوض پلید ہوجائے گا یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ حوض میں کوئی شخص متواتر گھُسے توپلید ہوجاتا ہے بکر کہتا ہے آدمی پاک صاف گھُساتونہ پلید ہوتا ہے نہ مکروہ، ہاں نجاست سے رنگ بُومزہ بدل جائیگا توپلید ہوجائیگا۔ **بینوّا توجروا۔**

الجواب:

حوض کتنا ہی چھوٹا پانی کتنا ہی کم ہو کسی پاک صاف آدمی کے جانے نہانے سے جس کے بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ لگی ہوہر گزناپاک نہیں ہوتا اگرچہ اسے نہانے کی حاجت ہی ہو اگرچہ وہ خاص ازالہ جنابت ہی کی نیت سے اُس میں گیاہو ہمارے ائمہ کے صحیح ومعتمد ومفتی بہ مذہب پر غسل بھی اُترجائے گااور حوض بھی بدستور پاک رہے گااور اگرآبِ حوض مائے کثیر کی مقدار پر ہے جب توجنب کے نہانے سے مستعمل ہونادرکنار باجماعِ تمام ائمہ کرام کسی نجاست حقیقیہ کے گرنے سے بھی ہرگز ناپاک نہ ہوگاجب تک اس قدر کثرت سے نجاست نہ گرے کہ اس کے رنگ یابُو یامزہ کوبدل دے اسی پر فتوی ہے یاایک قول پر اُس کانصف یااکثر نجاستِ مرئیہ پرہوکر گزرے بہتاپانی توباجماع قطعی تمام اُمتِ محمدیہ علی سیدہا افضل الصّلوٰۃ والتحیۃ آبِ کثیر ہے کہ بغیر اُس تغیر یامرور کے کسی طرح ناپاک نہیں ہوسکتا جیسے دہلی میں مسجد فتحپوری کا حوض جس میں جمنا سے لائی ہوئی نہر پڑی ہے اور (۱) ٹھہرے ہوئے پانی میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جس پر آدمی کا دل شہادت دے کہ ایک کنارے کی پڑی ہوئی نجاست کااثر دوسرے کنارے تک نہ پہنچے گا اُس کے حق میں وہی کثیر ہے اور اثر نہ پہنچنے کامعیار یہ کہ ایک کنارے پر وضو کیا جائے تو دوسرے کنارے کاپانی فوراً تلے اوپر نہ ہونے لگے نری حرکت یادیر کے بعد پانی کے اُٹھنے بیٹھنے کااعتبار نہیں۔

(۲) جس کی مساحت سطح بالائی دہ دردہ یعنی اُس کے طول وعرض کا مسطح سَو ہاتھ ہواور گہرا اتناکہ لَپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھُلے وہ کثیر ہے ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کااصل مذہب وہی قولِ اول ہے اور عام متون مذہب نے قولِ ثانی اختیار کیااور بکثرت مشائخ اعلام نے اُس پر فتوی دیابہر حال یہ قول بھی باقی تمام مذاہب کے اقوال سے زیادہ احتیاط رکھتا ہے ہاں اگرپانی مقدار کثیر سے کم ہے توالبتہ کتنی ہی ذراسی نجاست اگرچہ خفیفہ کے گرنے یاکسی ایسے شخص کے نہانے سے جس کے بدن پرکچھ بھی نجاست حقیقیہ لگی تھی ضرور بالاتفاق ناپاک ہوجائیگااور ہمارے جمیع ائمہ مذہب کے مذہب صحیح ومعتمد پر جبکہ اُس سے کوئی فرض طہارت ساقط ہو(مثلاً جنب نہائے یامحدث وضو کرے یابضرورت طہارت مثلاً چلّو میں پانی لینے کے سوا صاحب حدث کے کسی بے دھوئے

عضوکاجسے دھوناضرور تھاکوئی جُزکسی طرح اگرچہ بلا قصد اُس سے دُھل جائے) یابہ نیت قربت استعمال میں لایاجائے (مثلاً باوضوآدمی وضوئے تازہ کی نیت سے اُس میں کسی عضوکو غوطہ دے کردھوئے) ساراپانی مستعمل ہوجائیگاکہ پاک توہے مگرغسل ووضوکے قابل نہ رہاجب حوض (۱) صغیرمیں یہ صورت واقع ہوتواس کے مطہر کرنے کیلئے دوباتوں میں سے ایک کرناچاہئے یاتومطہرپانی مستعمل پرغالب کردینایاحوض کولبریز کرکے مطہرپانی سے بہادینااول کی صورت یہ ہے کہ حوض میں خودہی اُس شخص کے نہاتے یابے دُھلاعضوبلاضرورت ڈالتے وقت نصف حوض سے کم پانی تھاتواب مطہرپانی سے بھردیں کہ یہ مستعمل سے زیادہ ہوگیااوراگراس وقت نصف یازیادہ حوض میں پانی تھاتوپہلے اتناپانی نکال دیں کہ حوض کااکثرحصّہ خالی ہوجائے پھرمنہ تک بھردیں مثلاً ہموار حوض کہ زیروبالایکساں مساحت رکھتاہے دوگزگہراہےاوراس شخص کے نہاتے وقت اُس میں گزبھرپانی تھاتوپاؤگرہ پانی نکال دیں اورسترہ گرہ تھاتوسواگرہ کھینچ دیں کہ بہرحال سواسولہ گرہ خالی اورپونے سولہ میں پانی رہے پھرنئے پانی سے لبالب بھردیں اوردوم کی شکل یہ کہ حوض میں اُس وقت پانی کتناہی ہواُس میں سے کچھ نہ نکالیں اورنیاپانی اُس میں پہنچاتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے اُبل کربہ جائے یہ دوسراطریقہ ناپاک حوض کے پاک کرنے میں بھی کفایت کرتاہے جبکہ ناپاک چیز نکالنے کے قابل نکال کرپانی سے اُبال کربہادیں ظاہرہے کہ اُس وقت حوض میں پانی نصف سے جتناکم ہوپہلا طریقہ آسان ترہوگادوگزگہرے حوض میں اُس وقت چارہی گرہ پانی تھاتوصرف چارگرہ پانی اور پہنچاکرچند ڈول زیادہ ڈال دیں کہ مستعمل سے مطہراکثرہوگیااوراس وقت پانی نصف سے جتنازائدہودوسرا طریقہ سہل ترہوگاکہ اُس میں نکالناکچھ نہ پڑے گااورکم حصہ خالی ہے جسے بھرکرابالناہوگااورجہاں (۲) دونوں صورتیں دشواری وحرج صریح رکھتی ہوں وہاں اگرقول بعض علماء پرعمل کرکے اُس میں سے بیس ہی ڈول نکال دیں توامید ہے کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ اسی قدرکافی ہو **یُرِیۡدُاللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ** (اللہ تعالیٰ تم پرآسانی چاہتاہے تنگی نہیں اہتا۔ت) اورسب سے زیادہ صورت ضرورت یہ ہے کہ وہاں کنواں نہ ہومینہ سے حوض بھرتاہواورہوگیامستعمل اب اُس کے بہانے یامستعمل پرمطہربڑھانے کیلئے پانی کہاں سے لائیں لہٰذااس صورت ثالثہ پرعمل ہوگا **وباللہ التوفیق**۔

درمختارمیں ہے:

لایجوز(ای رفع الحدث)بماء استعمل لاجل قربة اواسقاط فرض بان یدخل یده او رجله فی جب لغیر اغتراف ونحوه اذاانفصل عن عضو وان لم یستقر علی المذھب وھوطاھر ولومن جنب وھوالطاھر	جائزنہیں (یعنی رفع حدث) اُس پانی سے جوحدث دُورکرنے یاقربة حاصل کرنے کیلئے استعمال میں لایاگیاہومثلاًیہ کہ اپناہاتھ یاپیرکسی گڑھے میں داخل کردے اور اس کو مقصود چلّو بھر کرپانی لینانہ ہوتووہ عضوسے جُداہوتے ہی مستعمل ہوجائیگاخواہ اس پر

لیس بطھور لحدث علی المعتمد محدث انغمس فی بئر ولانجس علیہ الاصح انہ طاھر والماء مستعمل [1] اھ ملتقطا۔	نہ ٹھہرے، مذہب یہی ہے اور یہ پاک ہی رہے گا خواہ ناپاک آدمی ہی کیوں نہ ہو اور وہ طاہر ہے، پاک کرنے والا نہیں ہے، معتمد قول یہی ہے، اگر کوئی بے وضو کسی کنویں میں غوطہ لگائے اور اس کے جسم پر کوئی نجاست نہ ہو اصح یہ ہے کہ وہ پاک ہے اور پانی مستعمل ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الاصح ھذا القول ذکرہ فی الھدایۃ روایۃ عن الامام قال الزیلعی والھندی وغیرھما تبعا لصاحب الھدایۃ ھذہ الروایۃ اوفق الروایات وفی فتح القدیر وشرح المجمع انہا الروایۃ المصححۃ قال فی البحر فعلم ان المذھب المختار فی ھذہ المسألۃ ان الرجل طاھر والماء طاھر غیر طھور [2] اھ مختصرا۔	اس کا قول الاصح، اس قول کو ہدایہ میں امام سے بطور روایت کے ذکر کیا ہے، زیلعی اور ہندی وغیرہما نے صاحبِ ہدایہ کی متابعت میں کہا کہ یہ روایت اوفق الروایات ہے، فتح القدیر اور شرح المجمع میں ہے کہ تصحیح شدہ روایت یہی ہے، بحر میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ مذہب مختار اس مسئلہ میں یہ ہے کہ آدمی پاک ہے، پانی پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں اھ مختصرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الغلبۃ لو المخالط مماثلا کمستعمل بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر والالا [3] اھ ملتقطا۔	غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اگر ملنے والا مماثل ہو جیسے مستعمل پس اگر مطلق اکثر ہے نصف سے، تو تطہیر جائز ہے ورنہ نہیں اھ ملتقطا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یکن المطلق اکثر بان کان اقل اومساویا لایجوز [4] اھ۔	یعنی اگر مطلق زائد نہ ہو مثلاً یہ کہ کم ہو یا مساوی تو جائز نہیں اھ (ت)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۸

[3] دُرمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴ ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

در مختار میں ہے:

یجوزبجاروقعت فیه نجاسة ان لم یر اثره (وهوطعم اوریح اولون)ظاهره یعم الجیفة و رجحه الکمال وقال تلمیذه قاسم انه المختار وقواه فی النهرواقره المصنف وفی القهستانی عن المضمرات عن النصاب وعلیه الفتوی وقیل ان جری علیه نصفه فاکثرلم یجز وهو احوط(وکذا)یجوز(براکد)کثیروقع فیه نجس لم یراثره ولوفی موضع وقوع المرئیة به یفتی بحر(والمعتبر)فی مقدار الراکد (اکبررای) المبتلی به(فان غلب علی ظنه عدم خلوص النجاسة الی الجانب الاخر جاز و الا لا)هذا ظاهر الروایة وهوالاصح غایة وغیرهاوفی النهر ان اعتبار العشراضبط ولاسیمافی حق من لارأی له من العوام فلذاافتی به المتأخرون الاعلام[1] اهمختصرا۔	وضو جائز ہے اُس جاری پانی سے جس میں نجاست گری اوراس کااثر یعنی مزہ،بُو یارنگ اس میں ظاہر نہ ہو،بظاہر یہ مردہ کو بھی عام ہے،کمال نے اس کو ترجیح دی ہے اوران کے شاگرد قاسم نے کہاکہ یہی مختار ہے،اورنہرمیں اس کو تقویت دی اور مصنف نے اس کو برقراررکھا،اورقہستانی میں مضمرات سے نصاب سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے،اور کہاگیاکہ اگر اس پرآدھایازائد جاری ہوتوجائز نہیں اوریہی احوط ہے(اور اسی طرح)جائز ہے(ٹھہرے ہوئے)کثیر پانی سے جس میں نجاست گری ہو اوراس کااثر غیر مرئی ہوخواہ اُس جگہ سے ہوجہاں نجاست نظرآتی ہو،اسی پر فتوی ہے بحر(اور معتبر)ٹھہرے ہوئے پانی کی مقدار میں(جس طرف رائے کارجحان ہو)یعنی اس شخص کی رائے جواس معاملہ سے متعلق ہے،(اگراس کو یہ ظن غالب ہے کہ نجاست یہاں سے تجاوز کرکے دوسری طرف نہیں گئی ہے توجائز ہے،ورنہ نہیں)یہ ظاہر روایت ہے اوریہی صحیح ہے غایۃ وغیرہ میں۔اورنہرمیں ہے کہ دس ہاتھ کااعتبار کرلینازیادہ مناسب ہے،خاص طورپراُن عوام کے حق میں جن کی اس سلسلہ میں کوئی رائے نہیں ہوتی ہے،اسی لئے متاخرین علمانے اسی پر فتوی دیا ہے اھ مختصرا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الهدایة وغیرهاان الغدیرالعظیم مالایتحرك احد طرفیه بتحرك الطرف الأخروفی	ہدایہ وغیرہ میں ہے کہ بڑاتالاب وہ ہے کہ جس کے ایک کنارہ کی حرکت سے دوسرے کنارے کو حرکت

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۳۱/۱

المعراج انه ظاهر المذهب وفی الزیلعی ظاهر المذهب وقول المتقدمین حتی قال فی البدائع والمحیط اتفقت الروایة عن اصحابنا المتقدمین انه یعتبر بالتحریك وھو ان یرتفع وینخفض من ساعته لابعد المکث ولایعتبر اصل الحرکة والمعتبر حرکة الوضوء ھو الاصح محیط وحاوی القدسی ولایخفی علیك ان اعتبار الخلوص بغلبة الظن بلاتقدیر شیئ مخالف فی الظاھر لاعتبارہ بالتحریك لان غلبة الظن امر باطنی یختلف وتحریك الطرف الاخر حسی مشاھد لایختلف مع ان کلامنھما منقول عن ائمتنا الثلثة فی ظاھر الروایة ولم ار من تکلم علی ذلك ویظھر لی التوفیق بأن المراد غلبة الظن بانه لوحرك لوصل الی الجانب الاٰخر اذالم یوجد التحریك بالفعل فلیتأمل[1] اھ ملخصا۔

نہ ہو، اور معراج میں ہے کہ ظاہر مذہب یہی ہے۔ اور زیلعی میں ہے کہ یہی ظاہر مذہب ہے اور متقدمین کا قول ہے، یہاں تک کہ بدائع اور محیط میں ہے کہ ہمارے اصحابِ متقدمین کی روایت اس پر متفق ہے کہ اعتبار ہلانے کا ہے اس کے ساتھ ہی پانی اوپر نیچے ہونے لگے نہ کہ دیر بعد، اور عام حرکت کا اعتبار نہیں، اور معتبر وضو کی حرکت ہے، یہی اصح ہے، محیط اور حاوی قدسی۔ اور تجھ پر یہ بات مخفی نہ ہونی چاہئے کہ غالب ظن کا اعتبار بلا تقدیر شیئ یہ ظاہر میں حرکت کے اعتبار کے مخالف ہے کیونکہ غلبہ ظن ایک باطنی امر ہے جس میں اختلاف ہوتا ہے، اور دوسرے کنارہ کو حرکت دینا ایک حسی امر ہے جس کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پھر یہ دونوں چیزیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ سے ظاہر روایت میں منقول ہیں، اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے اس پر کلام کیا ہو، اس میں تطبیق کی شکل میرے نزدیک یہ ہوسکتی ہے کہ جب بالفعل تالاب کو حرکت نہ دی جائے تو اس امر کا غلبہ ظن ہونا چاہیے کہ اگر حرکت دی جاتی تو دوسرے کنارے پر حرکت پیدا ہوتی فلیتامل اھ ملخصا۔ (ت)

اقول: ھذا الذی ابداہ من التوفیق حسن بالقول حقیق فان من وجد فی البریة ماء فی احد جانبیه نجاسة فھل یؤمر ان یتوضأ فی الطرف الاخری یجرب علی نفسه انه یتحرك ام لا فان وجدہ یتحرك فلیجتنب وای شیئ یجتنب وقد

میں کہتا ہوں تطبیق کی جو شکل انہوں نے پیش کی ہے نہایت مستحسن ہے کیونکہ اگر کوئی شخص جنگل میں پانی کا تالاب پائے جس کے ایک کنارہ پر نجاست ہو تو اب کیا یہ معقول بات ہوگی کہ اسے حکم دیا جائے، جاؤ اس کے دوسرے کنارے سے وضو کرکے تجربہ کرو کہ آیا اس طرح دوسرے کنارے پر حرکت ہوتی ہے

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱

تلوث فاذن لیس المراد الاان یغلب علی ظنه انه ان توضأ تحرك فمافی القول الاول بیان للمقصود وماهنابیان لمعرفه فان خلوص النجاسة امر باطنی لایوقف علیه و وصول الحرك یعرفه فمایظن فیه هذاهو المظنون فیه ذاك ومالافلا ثم(۱) المنقول فی البئراذاانغمس فیها محدث ولوجنبانزح عشرین دلوافقی ردالمحتارعن الوهبانیة مذهب محمداه یسلبه الطهوریة وهوالصحیح عند الشیخین فینزح منه عشرون لیصیر طهورا[1] اه قال والمرادبالمحدث مایشمل الجنب.

ثم(۲)وقع بینهم النزاع فی ان الصهریج وهوعلی مانقل الشافعیةعن القاموس الحوض الكبیرهل هوكالبئرفیكفی فیه نزح البعض حیث یكفی ام كالزیرفیجب اخراج الكل وغسل السطوح للتطهیر بالاول افتی بعض معاصری العلامة عمربن نجیم صاحب النهرمتمسكاباطلاقهم البئرمن دون تقییدبالمعین و رده فی النهر تبعا للبحر بمافی البدائع والكافی وغیرهمامن ان الفأرة لو وقعت فی الحب یهراق الماء كله قال ووجهه ان الاكتفاء بنزح البعض فی الاٰبار علی خلاف القیاس بالاٰثار فلایلحق بهاغیرها ثم قال وهذاالرد انما

یا نہیں؟اب اگر حرکت محسوس کرے تو وضو نہ کرے اور اب بچ کیسے سکتا ہے جبکہ اس کے اعضاء اس گندے پانی میں ملوّث ہو چکے ہیں، للذاغلبہ ظن سے مراد یہی ہے کہ اگر وہ وضو کرے تو دوسرے حصہ پر حرکت ہو گی، تو پہلے قول میں مقصود کا بیان ہے اور یہ معرفت کا بیان ہے کیونکہ نجاست کا دوسری جانب پہنچناایک باطنی امر ہے اس پر اطلاع نہیں ہوتی ہے،اور حرکت کے پہنچنے سے معلوم ہوتا ہے جہاں اِس کا گمان ہے وہاں اُس کا بھی ہے اس کا نہیں تو اُس کا بھی نہیں، پھر کنویں کے بارے میں یہ منقول ہے کہ اگر بے وضو یا جنب کنویں میں غوطہ لگائے تو اُس سے بیس ڈول پانی نکالا جائیگا۔ ردالمحتار میں وہبانیہ سے منقول ہے کہ محمد کا مذہب یہ ہے کہ طہوریت سلب ہو جائیگی،اور شیخین کے نزدیک یہی صحیح ہے، تو اس سے بیس ڈول نکالے جائیں گے تاکہ وہ طہور ہو جائے اھ فرمایااور محدث میں جُنب بھی شامل ہے، پھر فقہاء میں یہ اختلاف واقع ہوا کہ جو صہریج ــــ شافعیہ نے قاموس سے نقل کیاکہ اس سے مراد بڑا حوض ہے،ایک قول یہ ہے کہ وہ کنویں کی طرح ہے تو اس کا کچھ پانی نکالنا کافی ہوگا یا زیر (سوتا) کی طرح ہے اور کل پانی نکالنا ہو گا او ر اس کی سطحوں کو بھی دھونا پڑے گا، پہلے قول کے مطابق علامہ عمربن نجیم صاحبِ نہر کے بعض معاصرین نے فتوٰی دیا اور فقہاکے اس اطلاق سے استدلال کیاکہ انہوں نے کنویں میں سوتے والے اور

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

یتم بناء علی ان الصهریج لیس من مسمی البئر فی شیئ[1] اھ قال الشامی ای فاذاادعی دخوله فی مسمی البئر لایکون مخالفاللاٰثارویؤیدہ ماقدمناہ من ان البئرمشتقة من بأرت ای حضرت والصهریج حفرۃفی الارض لاتصل الیدالی مائهابخلاف العین والحب والحوض والیه مال العلامةالمقدسی فقال مااستدل به فی البحر لایخفی بعدہ واین الحب من الصهریج لاسیما الذی یسع الوفاء من الدلاء[2] اھ لکنه خلاف مافی النتف ونصه اماالبئرفهی التی لها موادمن اسفلهااھ ای لهامیاہ تمد وتنبع من اسفلهاولایخفی انه علی هذاالتعریف یخرج الصهریج والحب والاٰبارالتی تملاءمن المطراومن الانهار[3] اھ مافی ردالمحتار باختصار۔

اقول: (۲)وکون البئرمن البأریقتضی ان کل بئر محفورۃلاان کل محفوربیرولاتنس ماحکوہ فی القارورۃوالجرجیروفی الدر

بغیر سوتے والے میں فرق نہ کیا، اس کو نہر میں بحر کی متابعت میں رد کیا، کیونکہ بدائع اور کافی وغیرہ میں ہے کہ گڑھے میں چُوہیا گر جائے تو کل پانی نکالا جائیگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کنویں سے کچھ پانی کا نکالنا خلافِ قیاس ہے اور آثار کی وجہ سے ہے تو کنویں کے علاوہ کسی اور چیز میں یہ خلاف قیاس نہ چلے گا، پھر فرمایا یہ رد اس بناء پر ہے کہ صہریج پر بئر کا اطلاق نہیں ہوتا اھ۔ شامی نے کہا جب یہ دعوی کیا جائے کہ اس پر بھی بئر کا اطلاق ہوتا ہے تو آثار کے مخالف نہ ہوگا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بئر بأرتُ سے مشتق ہے یعنی "حفرتُ" (میں نے کھودا) صہریج اس گڑھے کو کہتے ہیں جس کے پانی تک ہاتھ نہ پہنچتا ہو، عین، حب، حوض اس کے برعکس ہے اور اسی طرف علامہ مقدسی مائل ہوئے ہیں، اور فرمایا جس سے بحر نے استدلال کیا ہے اُس کا بُعد مخفی نہ رہے اور حب اور صہریج میں بڑا فرق ہے خاص طور پر وہ جس میں وفا ڈول کی گنجائش ہو اھ مگر یہ نتف کے خلاف ہے اور اس کی عبارت یہ ہے اور کنواں وہ ہے جس کے نیچے سے سوتے ہوں اھ یعنی نیچے سے پانی نکلتا رہتا ہو، اور مخفی نہ رہے کہ صہریج، حب اور کنویں جو بارش سے بھر جاتے ہیں یا نہروں سے وہ اس تعریف سے خارج ہیں اھ ردالمحتار مختصراً (ت)

میں کہتا ہوں بئر کا بأرَ سے مشتق ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ ہر بئر کھودا ہوا ہو یہ نہیں کہ ہر کھودا ہوا بئر ہو اور تم اس کو نہ بُھلانا جو انہوں نے قارورہ اور جرجیر کے بارے میں حکایت کیا ہے

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹
[2] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹
[3] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹

المختار عن حواشی العلامة الغزی صاحب التنویر علی الکنز عن القنیة ان حکم الرکیة کالبئر و عن الفوائد ان الحب المطمور اکثرہ فی الارض کالبئر قال فی الدر وعلیہ فالصھریج والزیر الکبیر ینزح منه کالبئر فاغتنم ھذا التحریر[1] اھ

قال الشامی الرکیة فی العرف بئر یجتمع ماؤھا من المطر فھی بمعنی الصھریج قال وھذا مسلم فی الصھریج(۱) دون الزیر لخروجه عن مسمی البئر وکون اکثرہ مطمورا ای مدفونا فی الارض لایدخله فیه لاعرفا ولالغة وما فی الفوائد معارض باطلاق مامر عن البدائع والکافی وغیرھما وفرق ظاھر بینه وبین الصھریج کما قدمنا عن المقدسی[2] اھ مختصرا۔

اقول: ھذا من الحسن بمکان(۲) لکن عہ لایظھر التفرقة بین الحوض والصھریج فان(۳) عدم وصول الید الی الماء لیس داخلا فی مسمی البئر ولا الصھریج وانما البئر کما ذکر من البأر بمعنی الحفر او منه بمعنی الادخار ویختلف قرب مائھا وابتعادہ باختلاف الارض والفصول ففی الاراضی الندیة وابان المطر

اور در مختار میں حواشی علامہ غزی صاحب تنویر کنز پر قنیہ سے ہے کہ "رکیہ" کا حکم کنویں کا سا ہے، اور فوائد سے ہے کہ حب مطمور کا اکثر حصّہ اگر زمین کے اندر ہو تو وہ کنویں کی طرح ہے در میں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صہریج اور زیر کبیر سے کنویں کی طرح پانی نکالا جائیگا اس تحریر کو غنیمت جانو اھ۔ شامی نے فرمایا کہ رکیہ عرف میں اس کنویں کو کہتے ہیں جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہو جاتا ہے تو یہ صہریج کے معنی میں ہے، فرمایا یہ صہریج میں مسلّم ہے زیر میں نہیں، کیونکہ اس پر بئر کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، اور اس کا بیشتر حصہ زمین میں مدفون اور دھنسا ہوا ہوتا ہے لہذا وہ عرفاً اور لغۃً کنواں نہیں ہے، اور جو فوائد میں ہے وہ بدائع اور کافی وغیرہ کے اطلاق کے معارض ہے اور اس میں اور صہریج میں واضح فرق ہے جیسا کہ ہم نے مقدسی سے نقل کیا اھ مختصرا۔(ت)

میں کہتا ہوں یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اس سے حوض اور صہریج میں فرق ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ پانی تک ہاتھ کا نہ پہنچ سکنا کنویں کے مفہوم میں شامل نہیں ہے اور نہ صہریج کے مفہوم میں ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا بئر، بأر سے ہے جس کے معنی کھودنے کے ہیں، یا بمعنی ذخیرہ کرنے کے ہیں، اور اس کے پانی کا قریب و بعید ہونا زمین اور موسموں کے اختلاف سے

عہ ناظرا الی قوله السابق بخلاف العین والحب والحوض اھ منه (م)

جو اس کے قول سابق بخلاف العین والحب والحوض اھ منہ (ت)

[1] در مختار، فصل فی البئر، مجتبائی دہلی ۳۹/۱

[2] رد المحتار، فصل فی البئر، مصطفی البابی ۱۵۹/۱

يقترب جدال سيمابقرب الانهار الكبار حتى رأينا من الأبار ماينال ماؤها بالايدى واذاسالت السيول ترعت واستوت بالارض وهى التى تسمى بالهندية چويا والحياض كثيرا ماتكون بعيدة الغور، حتى اذا ملئت الى قدر النصف اوازيد منه قليلا لاتصل الايدى الى مائها واذاامتلأت وصلت وكذلك الزير الكبير، وما الصهريج الاحوضايجتمع فيه الماء كمارأيته فى نسختى القاموس وعليهاشرح فى تاج العروس ومثله فى مختار الرازى وفى الصراح صهريج بالعكس حوض چه اب[1] اه وعلى ما اثرتم عن القاموس هوالحوض الكبير يجتمع فيه الماء و هذا ايضا لا يزيد على الحوض الا بقيد الكبر و الحوض حوض صغر اوكبر ولاشك ان الصهريج وان بعد قعره يملؤه الوادى اذاسال فتراه يتدفق بماء سلسال وقدقال ذوالرمة ؎

صوادى الهام والاحشاء خافقة

تناول الهيم ارشاف الصهاريج

فاذاكانت الابل ترتشف ارشافهابشفاهها فمابال الايدى لاتصل الى مياهها، والعلامة المقدسى انما يميل الى التفرقة بين الحب والصهريج بالحرج البين فى تفريغ الصهاريج وغسلها ونشفها كالبئر بخلاف الزير واليه يشيرقوله لا سيما الذى يسع الوفا اذا علمت

ہوتا ہے چنانچہ تر زمینوں اور بارش کے موسم میں بہت قریب ہوتا ہے خاص طور پر بڑی بڑی نہروں کے قریب، یہاں تک کہ ہم نے بعض کنویں ایسے دیکھے جن میں سے ہاتھ سے پانی نکالا جاسکتا ہے اور سیلاب کے موسم میں تو یہ کنویں منہ تک بھر جاتے ہیں ہندی میں اس کو "چویا" کہتے ہیں اور کسی حوض کی گہرائی زیادہ ہوتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ آدھے بھر جائیں یا اس سے زائد تب بھی ان کے پانی تک ہاتھ نہیں پہنچ پاتا ہے، جب بھر جاتے ہیں تب ہاتھ پہنچتا ہے اور یہی حال بڑے زیر کا ہے، اور صہریج بڑے حوض کو کہتے ہیں جس میں پانی اکٹھا ہوجاتا ہے، میرے قاموس کے نسخہ میں یہی ہے اور تاج العروس میں اس کی شرح ہے، اور یہی چیز مختار الرازی میں ہے اور صراح میں ہے صہریج بالکسر پانی کا چھوٹا حوض اھ اور جس کو تم نے جو قاموس کے حوالہ سے ذکر کیا ہے کہ صہریج بڑا حوض ہے جس میں پانی جمع ہوتا ہے اور یہ بھی حوض ہی ہے، صرف بڑا ہوتا ہے، اور حوض تو حوض ہی ہوتا ہے خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، اور اس میں شک نہیں کہ صہریج خواہ کتنا ہی گہرا ہو اس کو وادی بھرتی ہے، جب وہ بھر جاتا ہے تو اُس سے پانی اُچھل کر نکلتا ہے۔

ذوالرُّمہ نے کہا ہے: ؎

صوادى الهام والاحشاء خافقة

تناول الهيم ارشاف الصهاريج

(پتلی کمر والی اشراف عورتیں اس طرح سیراب ہوتی ہیں جیسے پیاسے اونٹ حوضوں کے بقیہ پانی کو پیتے ہیں)

توجب اونٹ اپنے ہونٹوں سے حوض سے پانی پیتے ہیں تو ہاتھ پانی تک کیوں نہیں پہنچتے ہیں،

[1] الصراح باب الجیم فصل الصاد مطبع مجیدی کانپور ص ۸۸)

هذا فاعلم انا لو اقتصرنا فی المسألة علی مازعمه العلامتان قاسم والبحر وتبعه کثیر ممن جاء بعده من الاعلام ان المستعمل لیس الا ما لاقی البدن لم نحتج الی الامر بنزح شیئ اصلالان الملاقی اقل بکثیر من الباقی فالطهوریة لم تسلب حتی تُحلب لکنه خلاف نصوص ائمة المذهب المنقول فی الکتب المعتمدة اجماعهم علیه فوجب الرجوع الی المذهب واعتری ح الخلاف بین انه کالبئر اوکالزیر فعملنا بالایسر عند الحرج وبالجراء اوتفریغ الاکثر حیث لاحرج کی یصیر جاریا او المطلق اکثر اجزاء، وباجماع یجزئ فی الطهور اجزاء، فهذا تحقیق ماعولنا علیه، والحمدلله ومنه والیه، هکذا ینبغی التحقیق، والله سبحنه وتعالٰی ولی التوفیق، وماذکرنا من مسألة الاجراء فتحقیقه فی ردالمحتار وقد ذکرناه فی مواضع من فتاوٰنا۔

اور علامہ مقدسی "حب" اور "صہریج" میں فرق کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صہاریج کو خالی کرنے میں بہت حرج ہوتا ہے اسی طرح ان کو دھونا اور سکھانا بھی مشکل ہے جیسے کنواں، بخلاف "زیر" کے، اور اسی طرف انہوں نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ "خاص طور پر وہ جس میں "وفا" سما سکے، جب آپ نے یہ جان لیا تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ ہم اگر مسئلہ میں علامہ قاسم اور بحر اور ان کے پیروکاروں کی طرح صرف اسی پر اکتفاء کرتے کہ مستعمل صرف وہی ہے جو بدن سے ملاقی ہو، تو ہمیں کچھ پانی نکالنے کا حکم دینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جو ملاقی ہے وہ بہت ہی کم ہوتا ہے بہ نسبت باقی کے تو طہوریت اس وقت تک سلب نہ ہوگی جب تک کہ آزمایا نہ جائے لیکن یہ ائمہ مذہب کے نصوص کے خلاف ہے جو کتب معتمدہ میں منقول ہیں اور اسی پر اُن کا اجماع ہے تو مذہب کی طرف رجوع لازم ہے اور اس وقت اختلاف ظاہر ہوا ہے درمیان اس کے کہ آیا یہ کہ کنوئیں کی طرح ہے یا زیر کی طرح ہے اور ہم نے جو ایسر تھا اس پر عمل کیا حرج کے جاری کرنے کے وقت اور اکثر کے خالی کرنے کا حکم اس جگہ دیا جہاں کوئی حرج نہ ہو، تاکہ وہ جاری ہو جائے یا مطلق کے اجزاء زیادہ ہوں اس کی طہوریت کیلئے اجماع کافی ہے یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے بیان کی۔ تمام تعریف اللہ کی اس سے اسی کیلئے ہے، تحقیق کو یہی لائق تھا، اللہ سبحان بلند توفیق کا والی ہے، ہم نے اجراء کے مسئلہ کی جو تحقیق بیان کی ہے وہی ردالمحتار میں ہے اپنے فتاوٰی میں ہم نے بہت جگہ ذکر کیا ہے۔ (ت)

رہا زید کا کہنا کہ کوئی شخص متواتر داخل ہو تو پلید ہو جائے گا اس کا محض غلط ہونا تو ظاہر ہے کہ جس روایت پر مستعمل پانی نجس ہے پانی ایک ہی بار سے پلید ہو جائے گا اور صحیح و معتمد مذہب پر لاکھ بار سے بھی پلید نہ ہوگا

ہاں علامہ زین قاسم وعلامہ زین بن نجیم کی نظراس میں مختلف ہوئی کہ بکثرت آدمیوں کے نہانے سے حوض صغیر کا سب پانی مستعمل ہوجائے گا یا نہیں، اول نے ثانی اور ثانی نے اول کا استظہار کیا۔

اقول: عندی الاظھر ھو الثانی (میرے نزدیک اظہر ثانی ہے۔ت) مگر اس کی بنااُن کے اُس خیال پر ہے کہ پانی کا جو حصّہ بدن سے ملا اُتنا ہی مستعمل ہوتا ہے تو ایک آدمی کے نہانے سے سارا پانی کیونکر مستعمل ہوسکتا ہے ہاں بہت سے نہائیں تو یہ شُبہ جاتا ہے کہ پانی کے جتنے حصّے ان سب کے بدن سے ملے وہ باقی پانی کے برابر یا اُس سے زائد ہوجائیں تو سب مستعمل ہوجائیگا مگر وہ خیال صحیح نہیں مذہب معتمد وصحیح یہی ہے جو پانی آب کثیر کی حد کو نہ پہنچا ہو وہ ایک آدمی کا نہانا کیا ناخن کا ایک کنارہ بے ضرورت ڈوب جانے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے **وقد نقلوا علیہ الاجماع فی غیر ما کتاب واللہ تعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۱: مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق صاحب سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ ۲ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارش کا پانی اگر کسی خندق میں جمع ہوجائے اور وہ خندق دس گز سے لمبا چوڑا زیادہ ہو مگر بستی کے قریب ہو اور اس میں بستی کا پانی جاتا ہو اس میں غسل کرنا اور وضو بنانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس خندق کی مساحت دہ در دہ ہے یعنی طول وعرض کے ضرب دیے سے سو ہاتھ حاصل ہوں مثلاً دس ۱۰ ہاتھ طول ہو دس ۱۰ ہاتھ عرض یا بیس ۲۰ ہاتھ طول، پانچ ۵ ہاتھ عرض یا پچاس ۵۰ ہاتھ طول، دو ۲ ہاتھ عرض اور ان سب صورتوں میں اس کا گہراؤ اتنا ہو لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کھل جائے تو اب اس میں دو صورتیں ہیں اگر پہلے اُس میں بارش کا پانی بھر گیا اُس کے بعد گھروں کا پانی پاک ناپاک ہر طرح کا خواہ صرف ناپاک ہی آکر ملا تو جب تک خاص نجاست کے سبب اُس کے رنگ یا بُو یا مزے میں تغیر نہ آئے پانی پاک رہے گا اور اُس سے وضو وغسل جائز اور اگر پہلے بستی کا پانی اس میں آکر مستقر ہوگیا تو اوّلاً یہ نظر کرنا ہے کہ وہ پانی ناپاک بھی تھا یا نہیں اگر ناپاک نہ تھا جب تو ظاہر ہے مثلاً پانی برسا اور مکانوں کے ہر گونہ پانیوں کو اپنے ساتھ بہا کر اس خندق میں لایا اور اُس کے رنگ، مزے، بُو، کسی میں نجاست کے باعث تغیر نہ آیا تو وہ ناپاک بھی اس کے ساتھ بہ کر پاک ہوگئے **لان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا** (کیونکہ جاری پانی بعض ناپاک پانی کو پاک کردیتا ہے۔ت) یا پہلے سے ناپاک پانی خندق میں تھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور اب کوئی پاک پانی ایسا بہتا آیا کہ بہاؤ ٹھہرنے سے پہلے وہ دہ در دہ ہوگیا یہ بھی صورت طہارت کی ہے کہ جب تک بہ رہا تھا قابلِ نجاست نہ تھا اور ٹھہرا تو اُس وقت کہ دہ در دہ ہو کر حکم جاری میں ہوچکا تھا لہٰذا کوئی وقت اُس نے وصف نجاست قبول کرنے کا نہ پایا اور اگر پانی ناپاک تھا خواہ یوں کہ نجاست نے

بہتے پانی کا کوئی وصف مذکور بدل دیا یا یہ کہ پہلے خالص ناپاک پانی خندق میں پہنچ لیا اُس کے بعد بارش وغیرہ کا پانی تھوڑا تھوڑا اس میں آتا گیا جتنا ملا ناپاک ہوتا گیا یا پہلے سے پاک پانی خندق میں دہ در دہ سے کم جگہ میں تھا اُس پر خالص ناپاک پانی وارد ہوا تو اس میں پھر دو صورتیں ہیں اگر بارش تھوڑی سی ہوئی کہ وہ پانی اُس ناپاک میں مل کر رہ گیا تو وہ بھی ناپاک ہو گیا اور اگر بارش زور سے ہوئی کہ بکثرت پانی بہتا آیا جس نے اس خندق کو بھر کر ابال دیا کہ پانی کناروں سے چھلک گیا تو اب سب پاک ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ عـــہ ۳۲:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حوض دہ در دہ میں گز شرعی کی مقدار کیا ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو در بارہ مساحت حوض کبیر کہ دہ در دہ قرار پایا ہے تعیین گز میں تین قول پر اختلاف ہے

قول اول: معتبر ذراع کرباس ہے اور اسی کو ذراع عامہ کہتے ہیں یعنی کپڑوں کا گز۔ اسی قول کی طرف اکثر کا رجحان رائے اور اسی کو درر و ظہیریہ و خلاصہ وخزانہ و مراقی الفلاح وعالمگیریہ وغیرہا میں اختیار کیا اور شرح زاہدی و تجنیس اور فتاوی کبری پھر قہستانی پھر در مختار میں اُسے مختار اور نہایہ میں صحیح اور ہدایہ میں مفتی بہ اور ولوالجیہ میں الیق واوسع کہا ۔ پھر خود (۱) ذراع کرباس کی تقدیر میں اختلاف واقع ہوا امام ولوالجی نے سات ۷ مشت قرار دیا ہر مشت چار ۴ انگل مضموم تو اٹھائیس ۲۸ انگل کا گز ہوا ہمارے یہاں کی نو گرہ ۹ سے زائد اور دس ۱۰ گرہ سے کم یعنی ۹-9 3/1 ۳ گرہ۔ اس قول پر نہایہ پھر جامع الرموز پھر در مختار اور باتباع والوالجی فاضل ابرہیم حلبی نے شرح منیہ میں اقتصار کیا مگر جمہور علماء کے نزدیک ذراع کرباس چھ ۶ مشت کا ہے ہر مشت چار ۴ انگل مضموم اور اسی طرف رجحان روئے علّامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام کا ہے اور یہی عالمگیریہ میں تبیین اور بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے منقول پس قول راجح میں یہ گز چوبیس ۲۴ انگل کا ہوا کہ ایک ہاتھ ہے تو ہمارے یہاں کا آدھ گز ٹھہرا۔

قول دوم: اعتبار ذراع مساحت کا ہے امام علامہ فقیہ النفس اہل الافتاء والترجیح امام فخر الدین قاضی خان اوز جندی رحمہ اللہ تعالٰی نے خانیہ میں اسی قول کی تصحیح اور قولِ اول کا رد کیا طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس پر بھی حکایتِ فتوی واقع ہوئی اور بیشک من حیث الدلیل اسے قوت ہے۔ اس گز (۱) کی تقدیر میں اقوال مختلفہ وارد ہوئے مضمرات میں سات مشت، ہر مشت کے ساتھ ایک انگل قرار دیا کہ مجموع پینتیس انگل ہمارے

عـــہ: یہ فتوی فتاوائے قدیمہ کے بقایا سے ہے جو مصنّف نے اپنے صغر سن لکھے تھے ۱۲ (م

گزسے ۱۱ - 3/22 ۳ گرہ ہوا علامہ کرمانی نے سات مسٹت چھ مسٹت معمولی اور ساتویں میں انگوٹھا پھیلا ہواکہ یہ بھی تخمیناً گیارہ گرہ کے قریب ہوامگر یہ دونوں قول شاذ ہیں قول جمہور کہ عامہ کتب میں مصرح سات مسٹت ہے، ہر مسٹت نرانگشت کشادہ یعنی ساڑھے تین فٹ کہ اس گزسے کچھ اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ ہوا یعنی ۱۸- 3/22 ۳ گرہ۔

قول سوم: ہر شہر و دیار و ہر عہد و زمانہ میں گزرائج کااعتبار ہے محیط میں اسی کو اصح اور نہر میں انسب کہااور کافی میں بھی یہی اختیار کیامگر علمائے متاخرین اس قول کو رد کرتے اور من حیث الدلیل نہایت ضعیف بتاتے ہیں اور نظر فقہی میں معلوم بھی ایسا ہی ہوتا ہے،

وھذہ نصوص العلماء فی الھدایۃ للامام برھان الدین المرغینانی قدس سرہ الربانی بعضھم قدروا بالمساحۃ عشرافی عشربذراع الکرباس توسعۃ للامر علی الناس وعلیه الفتوی [1] وفی فتح القدیر للامام المحقق علی الاطلاق قوله بذراع الکرباس ھوست قبضات لیس فوق کل قبضۃ اصبع قائمۃ وھل المعتبر ذراع المساحۃ اوذراع الکرباس اوفی کل زمان ومکان [2] حسب عاداتھم اقوال، وفی الخانیۃ للامام فخرالدین رحمه اللّٰه تعالٰی یعتبر فیه ذراع المساحۃ لاذراع الکرباس ھو الصحیح لان ذراع المساحۃ بالممسوحات الیق [3] وفی شرح المنیۃ للعلامۃ ابن امیر الحاج ھل المعتبر ذراع الکرباس اوذراع المساحۃ ذھب بعضھم الی الاول فی الھدایۃ وعلیه	اور یہ علماء کے نصوص ہیں، برہان الدین مرغینانی کے ہدایہ میں مذکور ہے بعض نے تو پیائش دَہ در دَہ کرباس کے ذراع سے کی ہے تاکہ لوگوں کیلئے فراخی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، فتح القدیر میں ہے "بذراع الکرباس" یہ چھ مشت کا ہوتا ہے، ہر مشت پر انگلی زائد نہ کی جائے، اب رہا یہ سوال کہ معتبر ذراع مساحۃ ہے یا ذراع کرباس ہے یا ہر زمانہ ومقام میں ان کی عادت کے مطابق ہے اس میں مختلف اقوال ہیں، امام فخرالدین نے خانیہ میں ذراع مساحت کااعتبار کیا کرباس کا نہیں یہی صحیح ہے اس لئے کہ مساحۃ کاذراع ممسوحات کے زیادہ لائق ہے۔ علامہ ابن امیر الحاج کی شرح منیہ میں ہے کہ آیا ذراع کرباس کا اعتبار ہے یا ذراع مساحۃ کا؟ کچھ لوگ پہلے قول کی طرف گئے ہیں جیساکہ ہدایہ میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شرح زاہدی میں ہے یہی مختار ہے، اور بعض نے دوسرے قول کو لیا ہے قاضیخان نے کہا کہ یہی صحیح ہے کیونکہ مساحۃ کا گز

[1] ہدایہ فصل فے البئر مطبع عربیہ کراچی ۲۰/۱

[2] فتح القدیر فصل فے البئر نوریہ رضویہ سکھر ۷۰/۱

[3] فتاوٰی خانیۃ المعروف قاضی خان فصل فے الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۴/۱

الفتوی وفی شرح الزاھدی وھو المختار وذھب بعضھم الی الثانی قال قاضی خان ھو الصحیح لان ذراع المساحۃ بالممسوحات الیق.وفی فتاوی الولوالجی الحوض الکبیر لما کان مقدرا بعشرۃ اذرع فی عشرۃ اذرع فالمعتبر ذراع الکرباس دون المساحۃ وھی سبع مشتات ای سبع قبضات لیس فوق کل مشت اصبع قائمۃ لان ذراع المساحۃ سبع مشتات فوق کل مشت اصبع قائمۃ فالاول الیق للتوسع انتھی والمراد بالاصبع القائمۃ ارتفاع الابھام کما فی غایۃ البیان فظھران ذراع الکرباس اقصر من ذراع المساحۃ فبسبب ذلك وقع الترفیۃ للناس بالتقدیر بھا ونقلوا عن المحیط انه یعتبر فی کل زمان ومکان ذراعھم وعلیه مشی فی الکافی[1] اھ وفی الشرح الکبیر لابراھیم الحلبی المعتبر فی الذراع ذراع الکرباس وھو سبع قبضات فقط وھو اختیار الامام اسحٰق بن ابی بکر الولوالجی فی فتاوٰہ لانه اقصر فیکون ایسرواختار قاضیخان فی فتاوٰہ ذراع المساحۃ وھو سبع قبضات باصبع قائمۃ فی القبضۃ الاخیرۃ وقیل فی کل قبضۃ قال قاضی خان لانه یعنی الغدیر المقدرمن الممسوحات فکان ذراع المساحۃ	ممسوحات کے زائد لائق ہے،اور فتاوٰی ولوالجی میں ہے کہ بڑا حوض جو دہ در دہ ہوتا ہے اور اس میں معتبر کرباس کا ذراع ہے نہ کہ مساحۃ کا اور وہ سات مشت ہے،جس میں ہر مشت پر ایک انگلی کا اضافہ نہ ہو،کیونکہ مساحۃ کا گز سات مشت ہے جس میں ہر ایک مشت پر ایک کھڑی انگلی کا اضافہ ہو،تو پہلا آسانی سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے انتہی،اور کھڑی انگلی سے مراد انگوٹھے کی بلندی ہے،جیساکہ غایۃ البیان میں ہے تو معلوم ہواکہ ذراع کرباس ذراع مساحت سے چھوٹا ہے تو اسی سبب سے تقدیر ذراع میں لوگوں کیلئے آسانی ہوئی اور محیط سے نقل کیا ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ کا الگ گز معتبر ہوگا،اور کافی نے بھی یہی کہا ہے اھ اور ابراہیم حلبی کی شرح کبیر میں ہے کہ معتبر ذراع کرباس ہے جو سات مشت ہوتا ہے فقط،اور اسی کو امام اسحٰق بن ابی بکر الوالجی نے اپنے فتاوٰی میں پسند کیا ہے،کیونکہ وہ چھوٹا ہوتا ہے تو اسی میں آسانی رہے گی اور قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں ذراع مساحۃ کو مختار کہا ہے اور وہ سات مشت مع ایک کھڑی انگلی کے آخری مشت میں ہے اور بعض نے کہا کہ ہر مشت میں قاضی خان نے فرمایا یعنی تالاب جس کا اندازہ لگایا گیا ہے وہ ممسوحات سے ہے،تو اس میں ذراع مساحۃ سے اندازہ لگانا زائد مناسب ہوگا،اور محیط میں ہے اصح یہ ہے کہ ہر زمانہ اور ہر جگہ میں وہیں کا ذراع معتبر ہوگا۔

[1] حلیه

فيه اليق، وفی المحيط والاصح ان يعتبر فی کل زمان ومکان ذراعهم وتبعه صاحب الکافی کصاحب النهر الفائق وغيره وهذا عجيب وبعيد جدا الٰی اٰخر ماقال[1] وفی البحر الرائق للعلامة زين بن نجيم المصری اختلف المشائخ فی الذراع علی ثلثة اقوال ففی التجنيس المختار ذراع الکرباس واختلف فيه ففی کثير من الکتب انه ست قبضات ليس فوق کل قبضة اصبع قائمة فهی اربع وعشرون اصبعا بعدد حروف لااله الاالله محمد رسول الله والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع الابهام کما فی غاية البيان وفی فتاوی الولوالجی ان ذراع الکرباس سبع قبضات ليس فوق کل قبضة اصبع قائمة وفی فتاوٰی قاضی خان وغيره الاصح ذراع المساحة وهو سبع قبضات فوق کل قبضة اصبع قائمة وفی المحيط والکافی الاصح انه يعتبر فی کل زمان ومکان ذراعهم من غير تعرض للمساحة والکرباس[2] وفی الفتاوی الهندية المعتبر ذراع الکرباس کذا فی الظهيرية وعليه الفتوی کذا فی الهداية وهی ذراع العامة ست قبضات اربع وعشرون اصبعا

صاحب کافی اور صاحبِ نہرالفائق وغیرہ نے اس کی متابعت کی اور یہ بہت عجیب ہے اور نہایت بعید ہے،

اور علامہ زین بن نجیم المصری کی بحرالرائق میں ہے کہ مشائخ کے ذراع کی بابت تین اقوال ہیں، تجنیس میں ہے کہ ذراع کرباس مختار ہے،اوراس میں اختلاف ہے، کئی کتب میں ہے کہ یہ ایسی چھ مشت کے برابر ہے جن میں ہر مشت پر ایک کھڑی انگلی زائد نہ ہو تو گویا یہ چوبیس انگشت کے برابر ہے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے حروف کی تعداد کے مطابق اور کھڑی انگلی سے مراد انگوٹھے کی بلندی ہے جیساکہ غایۃ البیان میں ہے اور فتاوٰی ولوالجی میں ہے کہ ذراع کرباس سات مشت بلاکھڑی انگلی کے اضافہ کے،اور فتاوٰی قاضی خان وغیرہ میں ہے اصح یہ ہے کہ مساحۃ کا گز سات مشت مع ایک کھڑی انگلی کے،اور محیط اور کافی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ ہر زمان ومکان میں ان کا اپنا گز معتبر ہوگا،اس میں مساحۃ اور کرباس کا کچھ ذکر نہیں، اور فتاوٰی ہندیہ میں ہے معتبر ذراع کرباس ہے، یہی ظہیریہ میں ہے اسی پر فتوٰی ہے، ہدایہ میں یہی ہے اور یہ عام گز ہے جو چھ مشت یعنی چوبیس انگشت کا ہوتا ہے یہی تبیین میں ہے، فاضل قہستانی کی جامع الرموز میں ہے کہ ذراع میں اختلاف ہے، تو محیط میں ہے اصح یہ ہے کہ ہر زمان ومکان کا اپنا اپنا گز معتبر ہوگا،

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۸۹

[2] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۶

كذا فى التبيين [1] اھ وفى جامع الرموز للفاضل القهستانى اختلف فى الذراع ففى المحيط الاصح ذراع كل مكان وزمان وفى فتاوى قاضى خان الصحيح ذراع المساحة وهى سبع قبضات واصبع قائمة فى كل مرة كما فى الولوالجى اوالمرة السابعة كما فى الكرمانى اواصبع موضوعة فى كل مرة كما فى سير المضمرات وفى النهاية الصحيح ذراع الكرباس وهى سبع قبضات كل قبضة اربع اصابع وهو المختار كما فى الكبرى [2] وفى الدرالمختار للفاضل علاء الدين الحصكفى فى القهستانى والمختار ذراع الكرباس وهو سبع قبضات فقط [3] وفى حاشيته للعلامة السيد احمد الطحطاوى واما ذراع المساحة فسبع قبضات فوق كل قبضة اصبع قائمة [4] وفى ردالمحتار للفاضل السيد محمد امين الشامى قوله والمختار ذراع الكرباس وفى الهداية ان عليه الفتوى واختاره فى الدرر والظهيرية والخلاصة والخزانة وفى المحيط والكافى انه يعتبر فى كل زمان ومكان ذراعهم قال فى النهر وهو الانسب قلت لكن رده فى شرح المنية

فتاوی قاضی خان میں ہے صحیح ذراع مساحۃ جو سات مشت کہ ہر مشت پر ایک انگلی کھڑی ہو جیساکہ ولوالجی میں ہے یاساتویں مشت پر کھڑی انگلی ہو جیساکہ کرمانی میں ہے یا ایک لیٹی ہوئی انگل ہر مرتبہ جیساکہ سیر المضمرات میں ہے اور نہایہ میں ہے صحیح ذراع کرباس ہے اور وہ سات مشت ہے، ہر مشت چار انگل ہے اور یہی مختار ہے جیساکہ کبری میں ہے، اور فاضل علاء الدین حصکفی نے درمختار میں بیان فرمایا اور قہستانی میں ہے کہ پسندیدہ ذراع کرباس ہے اور وہ صرف سات مشت ہے، اور اس کے حاشیہ میں علامہ سید احمد طحطاوی نے فرمایا ذراع مساحۃ سات مشت ہے ہر مشت پر ایک کھڑی انگشت، اور سید محمد امین شامی نے ردالمحتار میں فرمایا ان کا قول والمختار ذراع الکرباس، اور ہدایہ میں اسی پر فتوی ہے اور درر، ظہیریہ، خلاصہ، خزانہ میں اسی کو اختیار کیا ہے محیط اور کافی میں فرمایا کہ ہر زمان ومکان میں لوگوں کے گز کا اعتبار ہوگا، نہر میں ہے کہ یہی انسب ہے۔ میں کہتا ہوں اس کو شرح منیہ میں رد کیا ہے کہ مقصود اس تقدیر سے غلبہ ظن ہے اس امر کا کہ نجاست دوسری طرف نہیں گئ ہے، اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس میں زمان ومکان کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، ان کا قول کہ وہ سات مشت ہے، یہ ولوالجیہ میں ہے، اور

---

[1] ہندیۃ فصل فی الماء الراکد نورانی پشاور ۱/۱۸

[2] جامع الرموز بیان المیاہ گنبد ایران ۱/۴۸۹

[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

[4] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

بان المقصودمن هذاالتقدیر غلبة الظن بعدم خلوص النجاسةوذلك لایختلف باختلاف الازمنة والامکنة قوله وهو سبع قبضات هذا مافی الولوالجیة وفی البحران فی کثیر من الکتب انه ست قبضات الخ[1] اھ والمراد بالقبضة اربع اصابع مضمومة نوح اقول وهو قریب من ذراع الید لانه ست قبضات وشیئ وذلك شبران[2] انتهی ملخصا وفی مراقی الفلاح للفاضل الشرنبلالی عشر فی عشر بذراع العامة[3] انتهی مختصرا وفی حاشیته للفاضل الطحطاوی نقل صاحب الدر ان المفتی به ذراع المساحة وانه اکبر من ذراعنا الیوم فالعشر فی العشر بذراعنا الیوم ثمان فی ثمان[4] اھ

اقول: فیه سهوبوجوه وذلك ان عبارة الدر بتمامها هکذا فی القهستانی والمختار ذراع الکرباس وهو سبع قبضات فقط فیکون ثمانیافی ثمان بذراع زماننا ثمان قبضات وثلاث اصابع علی القول المفتی به بالعشر[5] اھ **فاولا**(۱)

بحر میں ہے کہ بہت کتب میں چھ مشت ہے الخ اھ اور مشت سے مراد چار بندھی ہوئی انگلیاں ہیں، نوح۔ میں کہتا ہوں یہ ہاتھ کے گز سے قریب ہے کیونکہ وہ چھ مشت اور تھوڑا زائد ہوتا ہے اور وہ دو بالشت ہوتا ہے انتہی ملخصا، اور شرنبلالی کی مراقی الفلاح میں ہے کہ عام لوگوں کے گز سے دَہ در دَہ ہو، انتہی مختصرا۔ اور فاضل طحطاوی کے حاشیہ میں ہے نیز صاحبِ در نے نقل کیا کہ مفتی بہ پیائش والا گز ہے اور وہ ہمارے موجودہ گز سے بڑا ہے گویا آج کے اعتبار سے دَہ در دَہ آٹھ در آٹھ ہوا اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے سہو ہے کیونکہ در کی پوری عبارت اس طرح ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے اور مختار کرباس کا گز ہے اور وہ صرف سات مشت ہوتا ہے تو ہمارے زمانہ کے گز کے اعتبار سے آٹھ ضربِ آٹھ، آٹھ مشت اور تین انگل ہوگا دس کے مفتی بہ قول پر اھ اوّلاً انہوں نے صراحت

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

[3] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ص۱۶

[4] حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ص۱۶

[5] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

صریح نصہ اختیار ذراع الکرباس دون المساحۃ **وثانیا**:(۱)لیس فیہ ذکرالافتاء علی شیئ من تقادیر الذراع انما فیہ ان المفتی بہ ماعلیہ المتاخرون من تقدیر الکثر بعشر فی(۲)عشر وقد قال السید نفسہ فی حواشی الدر قولہ علی المفتی بہ ای الذی افتی بہ المتأخرون وقد علمت اصل المذہب [1]اھ وثالثا من ابین(۳)سھوقولہ رحمہ اللہ تعالٰی انہ اکبر من ذراعنا وکیف تکون سبع قبضات اکبرمن ثمان(۴)واذکان عشر فی عشر بذاك ثمانیا فی ثمان بھذا فکل احد یعرف ان ھذا اکبر لاذاك ولا(۵)وجود لہ فی الدر ولا فی اصلہ القھستانی فلو قال رحمہ اللہ تعالٰی نقل الدران المختار ذراع الکرباس وانہ اصغر الخ لاصاب ثم حساب الدر تبعا لاصلہ ان عشرا فی عشر کثمان فی ثمان بینہ السید ط بان العشرۃ فی سبعۃ بسبعین والثمانیۃ فی مثلھا باربعۃ وستین قبضۃ والثمانیۃ فی ثلثۃ عـــہ اصابع باربع وعشرین اصبعاو ھی ست قبضات فتمت سبعین قبضۃ [2]اھ

کی ہے کہ ذراع کرباس لیا جائے گا نہ کہ ذراعِ مساحت۔ ثانیاً اس میں ذراع کی مقدار کی بابت کسی مفتی بہ قول کا ذکر نہیں ہے اس میں صرف اتنا ہے کہ مفتی بہ قول متاخرین کا قول ہے، اور وہ یہ ہے کہ کثیر دہ در دہ کو کہتے ہیں، اور سید نے خود حواشی در میں فرمایا ان کا قول علی المفتی بہ، یعنی متاخرین کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اصل مذہب تو آپ کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔
ثالثاً: سب سے بڑا سہو اس میں یہ ہوا ہے کہ انہوں نے اس کے بارے میں کہا ہے کہ ہمارے زمانہ کے گز سے بڑا گز ہے، اور سات مشت آٹھ مشت سے کیسے بڑا ہو سکتا ہے؟ اور جب دہ در دہ برابر ہے اس آٹھ در آٹھ کے، تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ بڑا ہے نہ کہ وہ، اور در میں یہ نہیں پایا جاتا ہے، اور نہ اس کی اصل قہستانی میں، اگر وہ یہ فرمادیتے کہ دُر نے یہ نقل کیا ہے کہ مختار کرباس کا گز ہے اور وہ چھوٹا ہوتا ہے الخ تو درست بات ہوتی، پھر در کا حساب اس کی اصل کی متابعت میں یہ ہے کہ وہ دہ در دہ ایسا ہے جیسا کہ آٹھ در آٹھ، اس کو سید ط نے یوں بیان کیا کہ دس ضرب سات ستّر ہوتے ہیں اور آٹھ ضرب آٹھ چونسٹھ ہوتے ہیں (یعنی اتنی مشت) اور آٹھ انگلیوں کو تین سے ضرب دیا جائے تو چوبیس انگلیاں ہوتی ہیں اور یہ چھ مشت ہوتی ہیں اس طرح ستر مشت

عـــہ کذا فی ط والاصوب ثلث بالتذکیر اھ منہ(م)

طحطاوی میں اسی طرح ہے اور ثلث بتذکیر ذکر کرنا زیادہ مناسب ہے۔(ت)

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

اقول: وھو حساب حق صحیح لاغبار علیه اخذ فیه عشرا فی عشر بذراع ھو سبع قبضات وثمانیا فی ثمان بذراع ھو ثمان قبضات وثلث اصابع وبین مساواۃ ضلع لضلع فانه علی کل سبعون قبضة کما بین او مائتان وثمانون اصبعا لان الاول ثمان وعشرون اصبعا والثانی خمس وثلثون واذا ضربت الاول فی عشرۃ والثانی فی ثمانیة اتحد الحاصل وھو . ومساواۃ الضلع للضلع یوجب بالضرورۃ مساواۃ المربع للمربع لکن السید ش رحمه الله تعالٰی رد علی الدر بقوله کانه نقل ذلك عن القھستانی ولم یمتحنه وصوابه فیکون عشرا فی ثمان وبیان ذلك ان القبضة اربع اصابع واذا کان ذراع زمانھم ثمان قبضات وثلاث اصابع یکون خمسا وثلاثین اصبعاً واذا ضربت العشر فی ثمان بذلك الذراع تبلغ ثمانین فاضربھا فی خمس وثلاثین تبلغ الفین وثمان مائة اصبع وھی مقدار عشر فی عشر بذراع الکرباس المقدر بسبع قبضات لان الذراع حینئذ ثمانیة عــه وعشرون اصبعا والعشر فی عشر بمائة فاذا ضربت ثمانیة وعشرین فی مائة	پوری ہوئیں۔(ت) **میں کہتا ہوں**، بلاشبہ یہ حساب صحیح ہے، اس میں دہ دردہ کو اختیار کیا گیا ہے، ایک ذراع کے لحاظ سے جو سات مشت ہو، اور آٹھ درآٹھ کو ایسے ذراع کے ساتھ جو آٹھ مشت تین انگلی ہو، اور ایک ضلع کا دوسرے ضلع کے مساوی ہونا بیان کیا کیونکہ یہ ہر قول پر ستّر مشت ہوگا جیسا کہ بیان کیا، یادو سو اسی ۲۸۰ انگشت کیونکہ پہلا اٹھائیس انگشت ہے اور دوسرا پینتیس انگشت اور جب پہلے کو دس میں اور دوسرے کو آٹھ میں ضرب دیا جائے تو دونوں کا حاصل ایک ہی ہوگا یعنی دو سو اسی، اور ایک ضلع کی مساواۃ دوسرے ضلع سے ایک مربع کی مساواۃ دوسرے مربع سے بالبداہۃ ثابت کرتی ہے لیکن سید "ش" نے در پر اپنے اس قول سے رد کیا، غالباً انہوں نے یہ قہستانی سے نقل کیا ہے اور اس کو بغور دیکھا نہیں، صحیح یہ ہے کہ "یہ ہو جائیگا دس ضرب آٹھ، اور اس کی تشریح یہ ہے کہ ایک مشت چار انگشت ہوتی ہے، اور ان کے زمانہ کا ذراع آٹھ مشت تین انگشت تھا، اس طرح پینتیس انگشت ہوئیں اور جب دس کو آٹھ میں اس ذراع کے حساب سے ضرب دی جائے تو حاصل اسّی ہوتا ہے، پھر اس کو پینتیس سے ضرب دی جائے تو حاصل دو ہزار آٹھ سو انگشت ہوگا، اور یہی مقدار دہ دردہ کی ہے کرباس کے گز سے،

عــه کذا فی ش والاصوب ثمان بالتذکیر اھ منه (م)	شامی میں اسی طرح ہے اور بہتر تذکیر کے ساتھ ثمانٌ ہے۔(ت)

تبلغ ذلك المقدار واما علی ماقاله الشارح فلا تبلغ ذلك لانك اذا ضربت ثمانیا فی ثمان تبلغ اربعاً وستین فاذا ضربتها فی خمس وثلاثین تبلغ الفین ومائتین واربعین اصبعا وذلك ثمانون ذراعا بذراع الکرباس والمطلوب مائة فالصواب ماقلناه فافهم [1] اھ اشار بقوله فافهم الی الرد علی ط کدابه المذکور فی صدر کتابه۔

اقول: وھو کله زلة نظر منه رحمه الله تعالٰی اصاب فی حرفین الاول ان ذراع زمانهم خمس وثلثون اصبعاوالاٰخر ان ذراع الکرباس المقدربسبع قبضات ثمان وعشرون وماسوی ذلك کله سهوصریح فاولاماکان()عشرافی ثمان بذراعهم لایکون الفین وثما ن مائة بل ثمانیة وتسعین الف اصبع بتقدیم التاء لان فی ۰ ثلثمائة وخمسون وفی مائتان وثمانون و۳۵۰ *۲۸۰ = ۹۸۰۰۰

وثانیا:(۲)ماکان عشرا فی عشر بذراع الکرباس المذکور لایکون ایضا۲۸۰۰بل ثمانیة و سبعین الف اصبع بتقدیم السین و اربعمائة لان

جس کی مقدار سات مشت بتائی گئی ہے، کیونکہ اس صورت میں ذراع اٹھائیس انگشت ہوگا،اور دس ضرب دس سو ہے،تو جب اٹھائیس کو سو میں ضرب دیں تو وہی حاصل ہوگا،اور بقول شارح یہ ماحصل نہیں ہوگا، کیونکہ جب آٹھ کو آٹھ میں ضرب دیں تو چونسٹھ حاصل ہوگا،اور جب ان کو پینتیس میں ضرب دی جائے تو دو ہزار دو سو چالیس انگشت ہوئی،اور ذراع کرباس سے یہ اسی ۸۰ ذراع ہوتے ہیں، جبکہ مطلوب سو ۱۰۰ ہیں، تو صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا فافہم اھ فافہم سے ط پر رد کی طرف اشارہ ہے یہ ان کا معروف طریقہ ہے جو انہوں نے اپنی کتاب کے شروع میں اختیار کیا۔(ت)

میں کہتا ہوں یہ اُن سے لغزش ہوئی ہے دو حروف تو صحیح ہیں،پہلا تو یہ کہ ان کے زمانہ کا ذراع پینتیس انگشت تھا،اور دوسرا یہ کہ کرباس کے گز کی مقدار سات مشت کے حساب سے اٹھائیس ہے،اس کے علاوہ جو کچھ کہا وہ صریح سہو ہے۔اولاً دس کو آٹھ میں ضرب دینے سے دو ہزار آٹھ سو نہیں آتے بلکہ اٹھانوے ہزار انگشت بتقدیم التاء،اس لئے کہ ۳۵ ضرب ۱۰ = ۳۵۰ اور ۳۵ ضرب آٹھ ۲۸۰ ہوئے،اور ۳۵۰ * ۲۸۰ = ۹۸۰۰۰ ہوئے۔

ثانیا: ذراع کرباس مذکور کے اعتبار سے دس ضرب دس ۲۸۰۰ نہیں بنتا اٹھتر ہزار چار سو بنتا ہے یہ بتقدیم سین ہے ــــــاس لئے کہ ۲۸ * ۱۰

---
[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴

فی ۰مائتان وثمانون ومربعها.. بنقص تسعة عشر الف اصبع وستمائة فکیف یستویان،

وثالثا(۱)ثمان فی ثمان بذراعهم لایکون الفین ومائتین واربعین بل مربع مائتین وثمانین لان کل ذراع والطول۸۔۔ ۳۵ *۸ = ۲۸۰وکذلك العرض فالمسطح .. مثل عشر فی عشر بذراع الکرباس سواء بسواء کما قال الشارح والقهستانی وط۔

ورابعا:(۲)مساحة ثمانین ذراعابذراع الکرباس لاتکون ۲۲۴۰ بل اثنین وستین الفا وسبع مائة وعشرین اصبعالان مساحة ذراع ماکان ذراعا فی ذراع وذلك مربع سبع مائة واربع وثمانون اصبعاو ۸۰* = ۶۲۷۲۰ ومنشأ(۳)الخطأ فی کل ذلك انه رحمه الله تعالٰی لم یفرق بین الخط والسطح فحسب ان الطول یضرب فی العرض ومابلغ یضرب فی اصابع الذراع وھی خمس وثلثون اوثمان وعشرون اصبعافماحصل یکون مساحة الماء ولیس کذلك وانماھی مقدارالاصابع فی خط قدرذراع اماالسطح قدر ذراع فاصابعه مربع ذلك وھی الف ومائتان وخمس وعشرون اصبعاعلی الاول وسبع مائة واربع وثمانون علی الثانی فذلك یضرب فی یکن ثمانیافی ثمان بالاول

دو سو اسّی ۲۸۰ ہوئے اور ان کا مربع ۷۸۴۰۰ ہوا،انیس ہزا چھ سو ۱۹۶۰۰انگشت گھٹا کر،تو یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

ثالثاً: آٹھ ضرب آٹھ ان کے گز سے دو ہزار دو سو چالیس ۲۲۴۰ نہیں بنتے،بلکہ مربع دو سو اسّی ۲۸۰ کا بنتا ہے کیونکہ ہر ذراع ۳۵انگشت ہے اور لمبائی ۸،اس لئے ۳۵*۸ = ۲۸۰ ہوا۔اور یہی حال چوڑائی کا ہے تو مسطح ۷۸۴۰۰ مثل دہ دردہ کپاس کے گز سے بالکل برابر برابر ہے جیساکہ شارح،قہستانی اور "ط" نے فرمایا۔

رابعاً: کرباس کے گز سے اسّی گز کی پیائش ۲۲۴۰ نہیں بنتی ہے بلکہ باسٹھ ہزار سات سو بیس انگشت ہے،اس لئے کہ ایک ذراع کی پیائش وہ ہے جو ذراع در ذراع ہو اور یہ ۲۸ کا مربع ۷۸۴انگشت ہے اور ۷۸۴*۸۰ = ۶۲۷۲۰ ہے اور اس تمام بحث میں غلطی کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے خط اور سطح میں فرق نہیں کیا ہے،اور اس طرح حساب کیاکہ لمبائی کو چوڑائی میں ضرب دی اور جو حاصل آیا اس کو ذراع کی انگلیوں میں ضرب دی اور وہ پینتیس ۳۵ یااٹھائیس ۲۸ انگلیاں بنتی ہیں اور جو حاصل ہواوہ پانی کی پیائش قرار دی،حالانکہ بات یہ نہیں ہے،یہ تو ان کی انگلیوں کی مقدار ہے جو خط میں ذراع کی مقدار ہو اوروہ سطح جو ذراع کی مقدار ہو تو اس کی انگلیاں اس کا مربع ہوگا اور وہ ایک ہزار دو سو پچیس انگلیاں ہیں پہلے قول پر اور دوسرے قول پر ۷۸۴ ہیں،اس کو

وھذا یضرب فی ۱۰۰ یکن عشرا فی عشر بالثانی وظاھران ۱۲۲۵*۶۴ و ۷۸۴*۱۰۰ کلاھما ۷۸۴۰۰ وھو المطلوب وان اردت عشرا فی ثمان بالاول فاضرب فی ۸۰ یکن ۹۸۰۰۰ وان اردت مساحۃ ثمانین ذراعا بالثانی فاضرب فی ۸۰ یکن ۶۲۷۲۰ فاتضح ماقلنامع کونہ غنیاعن الایضاح. وان(۱) شئت المزید فلاحظہ فی ماھو ذراع فی ماذراع فان واحدا فی واحد واحد فاضربہ علی طریقۃ السید فی اصابع الذراع تبق کماھی وھی بعینھا اصابع طرف فطرف الشیئ ساوی الشیئ فی المقدار وھومحال بالبداھۃ بل ھناالمقدارحاصل الکل طرف فمجموع خطوط الاطراف الاربعۃ اربعۃ امثال السطح کلہ فطرف الشیئ اضعاف الشیئ وای محال ابعد منہ۔	چونسٹھ میں ضرب دی جائے گی تو یہ ۸*۸ بنے گا پہلے قول پر، اب اس کو ضرب دی جائے گی ۱۰۰ میں تو یہ ۱۰*۱۰ ہوگا دوسرے قول پر، اور ظاہر ہے کہ ۱۲۲۵*۶۴ اور ۷۸۴*۱۰۰ دونوں ہی ۷۸۴۰۰ ہیں اور یہی مطلوب ہے، اور اگر آپ پہلے قول پر دس کو آٹھ میں ضرب دیں تو ۱۲۲۵ کو ۸۰ میں ضرب دیں تو ۹۸۰۰۰ ہوگا، اور اگر اسی ۸۰ گز کی پیمائش دوسرے قول کے مطابق ہو تو ۷۸۴ کو ۸۰ میں ضرب دیں تو حاصل ۶۲۷۲۰ آئے گا، تو جو ہم نے کہا وہ واضح ہوگیا اور اگر مزید وضاحت درکار ہو تو ایک ذراع ضرب ذراع کو دیکھیں کیونکہ ایک ضرب ایک ایک ہی ہوتا ہے، اب سید کے طریقہ کے مطابق اس کو ہاتھ کی انگلیوں میں ضرب دیجئے تو وہ جتنی ہیں اتنی ہی رہیں گی، اور یہی بعینہٖ ایک طرف کی انگلیاں ہیں تو گویا ایک چیز کی طرف اس چیز کے مساوی ہوگئی مقدار میں اور یہ بداہۃً محال ہے بلکہ یہاں پر وہ مقدار جو کل کا حاصل ہے ایک طرف ہے تو چاروں اطراف کے خطوط کا مجموعہ پوری سطح کا چار گنا ہوجائے گا تو لازم آئے گا کہ شیئ کا طرف اس سے کئی گنا بڑھ جائے اور اس سے زیادہ بعید محال اور کون سا ہوگا۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین قول ہیں اور ہر طرف ترجیح و تصحیح **اقول** مگر قول ثالث درایۃً ضعیف اور اس کا لفظ ترجیح بھی اُس قوت کا نہیں اور قول دوم اگرچہ اقیس ہے اور اُس کی تصحیح امام قاضی خان نے فرمائی جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں **کما ذکر العلامۃ شامی فی ردالمحتار وغیرہ فی غیرہ** مگر قول اول کی طرف جمہور ائمہ ہیں اور عمل اسی پر ہوتا ہے جس طرف جمہور ہوں **کما فی ردالمحتار والعقود الدرایۃ وغیرھما** اور اُس کا لفظ تصحیح سب سے اقوی کہ **علیہ الفتوی** بخلاف قول دوم کہ اس میں لفظ صحیح ہے اور سید طحطاوی کی اُس پر حکایت فتوٰی معلوم ہولیا کہ سہو صریح ہے پس جو زیادہ احتیاط چاہے مساحت آب کثیر میں گز مساحت کا اعتبار کرے کہ ساڑھے تین فٹ اور ہمارے

گز سے سدس اوپر ساڑھے اٹھارہ گرہ کا ہے جس کا دس گز ہمارے گز سے ۱۱ گز 1-2 3/22 ۳ گرہ ہوا تو اس کی پیمائش کا دَہ در دَہ ہمارے گز سے ایک سو چھتیس گز ایک گرہ اور ۷/۹ گرہ ہو اور نہ وہی چوبیس انگل کا گز خود معتمد وماخوذ ہے جس کا دہ در دہ ہمارے گز سے پچیس ہی گز ہوا اور اُس کے اعتبار میں اصلاً دغدغہ نہیں کہ وہی مفتی بہ ہے اور وہی قول اکثر اور اسی میں یسر وآسانی بیشتر اور مقدار دَہ در دَہ کا اعتبار بھی خود رفق وتیسیر کی بنا پر ہے **کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث مرسلہ جناب مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی دام فضلہ ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ۔

ایک حوض دہ در دہ ہے اس میں طاق ڈال کر بارہ تھم قائم کیے ہیں اب کُل تھموں کے عرض کو جو حساب کرتے ہیں تو چھ گز ہوتے ہیں اس سے حوض کبیر ہونے میں خلل ہے کہ نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

علمائے کرام نے خفیف (۱) وباریک اشیا جیسے نرکل یا کھیتی کے پٹھوں کا حائل ہونا معاف رکھا ہے مگر ستون کہ چھ ۶ گز سطح گھیریں جن سے وہ پانی کہ سوا تھ تھا بہت گھٹ گیا ضرور دہ در دہ نہ رکھیں گے جیسے برف کہ پانی پر جابجا جم کر قطعے قطعے ہوجائے اور کثیر ہو کہ پانی کے جنبش دینے سے جنبش نہ کرے وہ حوض آب قلیل ہوجائے گا۔

عالمگیریہ میں ہے:

لوتوضأ فی اجمۃ القصب اومن ارض فیہازرع متصل بعضہابعض ان کان عشرافی عشر یجوزوا تصال القصب بالقصب لایمنع اتصال الماء بالماء [1] کذا فی الخلاصۃ وان کان الجمد علی وجہ الماء قطعا قطعاان کان کثیرالایتحرک بتحریک الماء لایجوز الوضوء بہ کذا فی المحیط [2] اھ وفی جامع الرموز عن المجتبی لوکان فیہ	اگر کسی نے نرکل کے جھنڈ میں یا گھنی کھیتی کی زمین میں وضو کیا تو اگر اس کا رقبہ دَہ در دَہ ہو تو جائز ہے تو نرکل کا نرکل سے متصل ہونا پانی کے پانی سے متصل ہونے میں مانع نہیں ہے، ایسا ہی خلاصہ میں ہے، اور اگر پانی پر جمی ہوئی برف ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہو، تو اگر اتنی زائد ہو کہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک نہ ہو تو وضو اس سے جائز نہیں، کذا فی المحیط اھ اور جامع الرموز میں مجتبٰی سے ہے اگر اس پانی میں

[1] عالمگیری الماء الجاری نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

[2] عالمگیری الماء الجاری نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

قطع خشب او جمد يتحرك بتحريك الماء جاز فيه الوضوء اھ افهم ان لولم يتحرك لم يجوز[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	لکڑی یا برف کے ٹکڑے ہوں اور وہ پانی کو حرکت دینے سے متحرک ہوتے ہوں تو اُس سے وضو جائز ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر متحرک نہ ہو تو وضو جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴: از شہر مدرسہ اہلسنّت مسئولہ مولوی محمد طاہر صاحب رضوی متعلّم مدرسہ اہلسنت ۹ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ۔

سوال اول: حوض دہ در دہ میں اگر کوئی شخص تھوک یا رینٹھ ڈالے یا پاؤں اُس کے اندر ڈال کر دھوئے یا وضو اس طرح کرے کہ تمام غسالہ اس میں گرتا جائے تو آیا ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک رہے گا یا نہیں، بر تقدیر ثانی اگر کوئی نجس سمجھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

ان سب صورتوں میں وہ حوض پاک ہے اور اسے نجس سمجھنا جہالت اور اگر کوئی شخص مسئلہ بتانے کے بعد بھی اصرار کرے تو سخت گنہگار ہو امگر حوض میں تھوکنے یا ناک صاف کرنے سے احتراز لازم ہے کہ یہ افعال باعث نفرت ہیں اور بلاوجہ شرعی نفرت دلانا جائز نہیں قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا[2] واللہ تعالٰی اعلم

حضور پاک نے فرمایا: اچھی خبر سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال ۳۵ (۲): ایک تالاب دہ در دہ میں تمام محلّہ کے چوبچوں پاخانوں نالیوں وغیرہ کا نجس پانی آکر جمع ہوتا ہے بلاکلہ بھنگی اُس میں میلے کی ڈھلیان بھی ایام برسات میں ڈالا کرتے ہیں اور بعض اوقات لوگ اس کے کنارے پاخانہ پیشاب بھی پھرتے ہیں کہ اُس میں بہہ کر جاتا ہے تو آیا ایسے تالاب میں کپڑے نجس دھونے سے پاک ہوں گے یا نہیں اور اُس تالاب کو حکم پاکی کا دیا جائے گا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ان نجاستوں کے گرنے سے پہلے اُس میں دہ در دہ پانی تھا اُس کے بعد گریں اور اُن کے گرنے سے اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو متغیر نہ ہوا اور کپڑا دھونے میں عین نجاست کپڑے پر نہ لگ آئی تو کپڑا پاک ہوگیا ورنہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الرموز بیان المیاہ مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۸

[2] صحیح بخاری اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

مسئلہ ۳۶: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ مریض کو دواءً ایسے پانی سے وضو یا استنجا کرنا جس میں کوئی دوسری شے جوش دی گئی ہو جس سے پانی کا نام پانی نہ رہے جائز ہے یا نہیں یعنی اس سے طہارت حاصل ہوگی بوجہ اس ضرورت کے یا ضرورت پر لحاظ نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب:

استنجاء (ا) تو یقینا جائز ہے کہ اُس میں مائے مطلق بلاکہ پانی ہی شرط نہیں ہر طاہر قالع مزیل سے ہوجاتا ہے مگر وضو جائز نہ ہوگا (اُن چیزوں سے)

لکمال الامتزاج بالطبخ کالمرق ولزوال اسم الماء کالنبیذ۔	جو پکانے سے ایک جان ہوجائیں جیسے شوربا یا اس کو پانی نہ کہا جائے جیسے نبیذ۔ (ت)

وضو میں لحاظ ضرورت کی کیا حاجت اگر مائے مطلق سے وضو مضر ہو تیمم کرلے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از موضع سرنیان مسئولہ امیر علی صاحب قادری ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ میرے موضع میں چند تالاب ہیں اُن تالابوں کے پانی سے غسل اور وضو، پینا، کپڑے دھونا کیسا ہے کیونکہ اکثر مویشی ہنود ومسلمان ہر ایک نہاتے ہیں استنجا بڑا ہر ایک قوم وہاں پاک کرتی ہے اور کبھی چمار بھنگی بھی نہاتے ہیں اور اتفاقیہ سؤر پانی پی جائے یا نہائے کبھی یہ تالاب مقید رہتے ہیں اور کبھی اُن کے اندر ہو کر ندی سے نہر جاری ہوجاتی ہے اُس کی تشریح یوں ہے:

نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی	نمبر تالاب	لمبائی	چوڑائی	گہرائی
۱	۱۰گز	۱۰گز	۱گز	۳	۳۰گز	۳۰گز	۲گز
۲	۲۰گز	۲۰گز	۲۰گز	۴	۳۰۰۰گز	۱۰۰۰گز	۳گز

کسی وقت میں اس سے زیادہ بھی پانی ہوجاتا ہے اور کبھی کچھ کم اور اگر ندی سے پانی آجائے اور راستہ میں نہر میں کچھ غلیظ ہو تو کیا حکم ہے اور بستی کے قریب چند اور تالاب ہیں اور ان کا پانی رنگ بدلے ہوئے رہتا ہے اکثر ہنود تک اُس پانی سے نفرت کرتے ہیں. برسات میں بھی صاف طور پر نہیں ہوتا ہے لمبائی چوڑائی گہرائی بھی بہت مگر پانی صاف نہیں ہے دیگر شہر سے نالہ کا پانی ندی میں آکر گرتا ہے اور ندی کا پانی کچھ تھوڑا مخلوط ہوتا ہے دیکھنے میں اکثر

پیشاب کی صورت معلوم ہوتا ہے ایسے پانی سے اکثر لوگ نہاتے اور دھوبی کپڑے دھوتے ہیں اکثر وضو کرتے ہیں تو اس پانی کیلئے کیا حکم ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب

ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ جس پانی کی سطح بالا کی مساحت سو ہاتھ ہو مثلاً دس دس ہاتھ لمبا چوڑا یا بیس ہاتھ لمبا پانچ ہاتھ چوڑا یا پچیس ہاتھ لمبا چار ہاتھ چوڑا وعلی ہذا القیاس اور گہرا اتنا کہ لپ سے پانی لے تو زمین نہ کھل جائے وہ پانی نجاست کے پڑنے یا نجاست پر گزرنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست کے سبب اُس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل جائے اگر نجاست کے سوا اور کسی وجہ سے اُس کے رنگ یا بُو یا مزے یا سب میں فرق ہو تو حرج نہیں اور اعتبار پانی کی مساحت کا ہے نہ تالاب کی۔ تالاب کتنا ہی بڑا ہو اگر گرمیوں میں خشک ہو کر اُس میں سو ہاتھ سے کم پانی رہے گا اور اب اُس سے کوئی استنجا کرے یا کتا وغیرہ ناپاک منہ کا جانور پیے تو ناپاک ہو جائے گا یوں ہی برسات کا بہتا ہوا پانی آیا اور اُس میں نجاست ملی تھی تو جب تک بہ رہا ہے اور نجاست سے اُس کا رنگ بُو مزہ نہیں بدلا پاک ہے اب جو وہ کسی تالاب میں گر کر ٹھہرا اور ٹھہرنے کے بعد سو ہاتھ سے مساحت کم رہی اور نجاست کا کوئی جُز اُس میں موجود ہے تو اب سب ناپاک ہو گیا اور اگر سو ہاتھ سے زیادہ کی مساحت میں ٹھہرا تو پاک ہے ناپاک نالے کا پانی ندی میں آکر گرا اور اس سے ندی کے پانی کا رنگ یا مزہ یا بو بدل گئی ناپاک ہو گیا ورنہ پاک رہا **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: مسئولہ حافظ محمد قاسم صاحب از عدن کیمپ محلّہ مسکین باڑہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک حوض ہے جو بعض لوگوں کے چھ قبضہ یعنی چوبیس ۲۴ انگلیوں سے دہ در دہ سے چھیالیس ۴۶ انگل زیادہ ہے اور یہ چوبیس ۲۴ انگلیاں سترہ ۱۷ انچ کے برابر ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس ۲۴ انگلیاں ساڑھے سترہ ۱/۲-۱۷ انچ ہیں اُس سے دہ در دہ سے چوبیس ۲۴ [1] انگلیاں زیادہ ہیں اور جن لوگوں کی چوبیس ۲۴ انگلیاں اٹھارہ ۱۸ انچ کی برابر ہیں اُس سے دہ در دہ بارہ انگل کم ہے اور اس کے بیچ میں ایک ستون ہے

---

[1] **فائدہ:** شرعی گز میں یہی انگل معتبر ہیں جن کے چوبیس اٹھارہ انچ کے برابر ہیں ایک ہاتھ مربع کی مساحت مختلف پیمانوں سے اس جدول میں ہے:

ایک ہاتھ مربع میں ان پیمانوں کے حصے

نمبری گز	۱/۴ گز	۱ انچ	۳۲۴ انچ
فٹ	۲ فٹ	۱ انگل	۵۷۶ انگل
گرہ	۶۴ گرہ		

(باقی بر صفحہ آیندہ)

س کا طول وعرض ایک ایک فٹ ہے کیا ایسے حوض میں سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اور نجاست پڑنے سے اس کا پانی نجس ہوگا یا نہیں؟ تمام کتابوں کے حوالہ سے جواب دیا جائے اور علماء کے مُہر و دستخط بھی ہونا چاہئیں اس کے بارہ میں یہاں سخت فساد ہے اکثر لوگ اس سے وضو کرنا جائز نہیں سمجھتے جو لوگ اس سے انکار کرتے ہیں ان کا شرعاً کیا حکم ہے اس مسئلہ کا جواب باعتبار مذہب حنفی ہونا چاہئے، حوض کی شکل[1] یہ ہے:

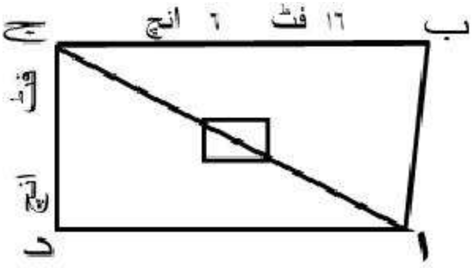

الجواب

ذوار بعۃ[2] الاضلاع ا ب ج د میں قطر ا ج وصل کیا تو مثلث ا د ج میں حسب بیان سائل ضلع ا د ١٨٩ انچ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اب جتنے ہاتھ کا رقبہ لیا جائے اُن سب پیمانوں سے اس کی مقدار یہیں سے ظاہر ہوگی مثلاً دہ در دہ کیلئے ان مقادیر کو ١٠٠ میں ضرب کرو تو گز ٢٥ ہوئے اور فٹ سوا دو سو علی ہذا القیاس، یہاں سے حساب مذکور سوال کی غلطی کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ دہ در دہ حوض اس صحیح پیمانے سے ٣٢٤٠٠ انچ ہوگا اور جو ہاتھ سترہ انچ ہے اس سے سو ہاتھ صرف اٹھائیس ہزار نو سو (٢٨٩٠٠) انچ ہوگا ساڑھے تین ہزار انچ کا فرق پڑے گا جس کے چار ہزار چھ سو چھیاسٹھ انگل اور دو تہائی ہوئے نہ کہ صرف اٹھاون، اور جو ہاتھ ١٧٠١ انچ ہے اس سے سو ہاتھ تیس ہزار پانچ سو پچیس انچ ہوگا پونے انیس سو انچ کم جس کے ڈھائی ہزار انگل ہوئے نہ کہ فقط چھتیس وقس علیہ ١٢ (م)

[1] جس میں زاویہ د قائمہ ہے ١٢ (م)

[2] آسانی عمل و قلّت تفاوت کے سبب یہ تقریب کی گئی اور تحقیق یہ ہے کہ مثلث ا د ح جبکہ قائم الزاویہ ہے اس کی مساحت وہی ٣١٣٧٤ کی نصف ١٥٦٨٧ انچ ہوئی، رہا مثلث ا ب ح

اور ضلع ء ج ۱۶۶ مسطح ۴۷ ۳۱۳ اور مثلث اب ج میں ضلع اب ۱۵۹ ہے اور ضلع ب ج ۱۹۸ مسطح ۳۱۴۸۲ مجموع ۶۲۸۵۶ جن کا نصف ۳۱۴۲۸ یہ اس حوض کی مساحت تقریبی ہوئی اور دہ در دہ کیلئے ۳۲۴۰۰ انچ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اولًا مقدار قطر اح معلوم کی یوں کہ دح ۱۶۶ کا مربع ۲۷۵۵۶ ہے اور اع ۱۸۹ کا مربع ۳۵۷۲۱ مجموعہ ۶۳۲۷۷، لوگارثم ۸۰۱۲۴۵۹ ع ۴ نصف ۴۰۰۶۲۳۰ ء ۲ یہ لوگارثم قطر ہوا عدد ۲۵۱.۵۴۹ ء ۰۲۵۱ انچ یہ قدر قطر ہوئی لاجرم مثلث میں

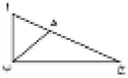

زاویہ احادہ ہے اج پر ب سے عمود ب ھ اتارا،

پس بحکم شکل ۱۳ مقالہ دوم اقلیدس مربع ب ح چھوٹا ہے مجموع مربعین اب اح سے بقدر دوچند مسطح اح اھ د اب ۱۵۹ کا مربع ۲۵۲۸۱ + مربع اح ۶۳۲۷۷ = ۸۸۵۵۸ جس میں سے ب ح ۱۹۸ کا مربع ۳۹۲۰۴ کم کیا باقی ۴۹۳۵۴ نصف ۲۴۶۷۷ یہ اح اھ کا مسطح ہے اس کے لوگارثم ۳۹۲۲۹۲۴ ء ۴ سے لوقطر ۴۰۰۶۲۳۰ ء ۲ کم کیا باقی لو اھ ۹۹۱۶۶۹۴ ء اعدد ۱۰۰۱ ء ۹۸ یہ مقدار اھ ہوئی اس کے مربع ۶۲۹۳ ء ۹۶۲۳ کو مربع وتر قائمہ اب ۲۵۲۸۱ سے تفریق کیا باقی ۳۰۷۴ ء ۱۵۶۵۷ یہ مربع عمود ہوا اس کا لوگارثم ۱۸۸۷ ۱۹۴ ء ۴ نصف ۰۹۷۳۵۹۴ ء ۲ لوعمود ہے اسے قاعدہ یعنی قطر اح کے لوگارثم مذکور میں جمع کیا ۴۹۷۹۸۲۴ ہوا اس سے ۳۰۱۰۳۰۰ ء ۰ کم کیا کہ مساحت مثلث نصف مسطح عمود وقاعدہ ہے باقی ۱۹۶۹۵۲۴ ء ۴ عدد ۱۰۵ ء ۱۵۷۳۸ انچ مساحت مثلث اب ح ہوئی اسے مساحت مثلث اول میں جمع کرنے سے مساحت حوض ۳۱۴۲۵ انچ ہوئی حساب تقریبی سے صرف تین انچ کم تو حوض دہ در دہ سے ۹۷۵ انچ کم ہے جن کے تیرہ سو انگل ہوئے نہ صرف بارہ جو سوال میں ہے۔

فائدہ: حوض کا زاویہ ح حادہ سے اس لئے کہ مثلثہ ب ھ ح قائم الزاویہ ہیں ب ح: ع :: ب ھ: جیب ب ح ھ:۔ لوعمود ۰۹۷۳۵۹۴ ء ۲ * لوب ح ۲۹۶۶۶۵۱۱ ء ۲ = ۶۹۴۲ ۸۰۰ ء ۹ کہ لوجیب ۳۴ ء ۳۹۱۱۴۳ ہے اور مثلث ا د ح قائم الزاویہ ہیں اح: ع :: ا د: جیب اح د * لواء ۲۷۶۴۶۱۸ ء ۲، لوقطر ۴۰۰۶۲۳۰ ء ۲ = ۸۷۵۸۳۸۸ ء ۹ کہ لوجیب ۹۴ ء ۴۸۴۲۲۴ ہے مجموع زاویتین ۵۰۷۵۴۸ ء ۴۸ مقدار زاویہ ح ہے اور اگر یہ بھی قائمہ ہوتا تو امر آسان تر تھا ب ح پر اسے عمود اھ نکالا کہ بحکم موازات ج ء کے برابر ہوا اور ھ ح :: اع تو مستطیل ھ ع ۱۸۹ * ۱۶۶ = ۳۱۳۷۴ اور مثلث ب ھ ا (باقی بر صفحہ آئندہ)

درکار ہیں تو یہ ۲۷۹۲ انچ کم ہوا، للہٰذا[1] مائے قلیل ہے ایک قطرہ نجاست سے سب ناپاک ہوجائیگا، رہا اس میں وضو کرنا اگر ہاتھ یا پاؤں کوئی عضوبے دُھلا اس میں نہ ڈالا جائے تو وضو جائز ہے اگرچہ غسالہ اس میں گرے جب تک مائے مستعمل اس کے پانی پر غالب نہ ہوجائے ہوا لصحیح مگر بے دُھلا کوئی عضوا گرچہ ایک پورا یا ناخن بلاضرورت اس سے مس کرے گا تو سارا پانی قابلِ وضو نہ رہے گا بناء علی الفرق بین الملاقی والملقی کماحققناہ فی رسالتنا النمیقۃ الانقی واللہ تعالٰی اعلم (ملاقی اور ملقی میں فرق کی تحقیق اپنے رسالہ النمیقۃ الانقی میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

مسئلہ ۳۹: مرسلہ شیخ ابراہیم صاحب مدرس مدرسہ فیض عام گردھرپور ضلع پنچ محل ملک احمد آباد گجرات ۴جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

نجس پانی دو تین گز بہنے سے یا ہوا لگنے سے پاک ہوجاتا ہے یہ کہیں مصرح ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

نجس پانی نہ ہوا لگنے سے پاک ہوسکتا ہے نہ خود بہنے سے، ہاں پاک پانی اگر بہتا ہوا آئے اور اسے بہالیجائے تو پاک ہوجائیگا فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا واللہ تعالٰی اعلم (کیونکہ جاری پانی کا ایک حصہ دوسرے پانی کو پاک کردیتا ہے۔ت)

مسئلہ ۴۰: از موضع موہن پور تھانہ وڈاک خانہ دیورنیا مسئولہ محمد شاہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پانی مکروہ کس کس طرح سے ہوجاتا ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

عوام میں یہ مشہور ہے کہ بے وضو کا ناخن ڈوبنے سے پانی مکروہ ہوجاتا ہے اور مسئلہ ہے یوں کہ بے وضو کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قائم الزاویہ ہیں ب ھ = ۱۹۸- ۱۸۹ مجموعہ مثلث و مستطیل ۳۲۱۲۱ مگر یہ حسب بیان سائل محال ہے کہ اب کو ح ء سے اقصر بتایا ہے تو ضرور ہے کہ ب ح موازی اع نہ ہو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (م)

[1] گز شرعی کہ چوبیس انگل ہے ایک ہاتھ یا ڈیڑھ فٹ ہے جس کے ۱۸انچ ہوئے اور اس ذراع سے خود سوال میں دہ در دہ سے کم ہونا مذکور مگروہ نہایت مختل وناصواب تھا للہٰذا ازسرِنو محاسبہ کیا ۱۲(م)

اعضائے وضو میں جو کوئی بے دُھلا حصّہ سر کے سوا آبِ قلیل سے بے ضرورت مس کرے گا وہ پانی قابل وضو نہ رہے گا اور اس کا پینا مکروہ۔ اسی طرح بلّی اور چھوٹی ہوئی مرغی اور حشرات الارض دموی جیسے سانپ، گرگٹ، چھپکلی، چُوہے، گھونس، چھچھوندر اور شکاری پرندوں جیسے باز، جرے، شکرے، بہری نیز چیل، کوّے اور ان کے امثال جانوروں کا جوٹھا بھی مکروہ ہے جو نجاست سے پرہیز نہیں کرتے جبکہ نہ بالفعل نجاست معلوم ہو جیسے بلّی نے اُسی وقت چوہا کھایا اور ہنوز اتنی دیر نہ گزری کہ لعاب سے لب و زبان صاف ہو جائے کہ اس صورت میں اُس کا جوٹھا مکروہ نہیں بلکہ نجس ہے نہ طہارت معلوم ہو جیسے بند مرغی کہ نجاست کے پاس جانے نہیں پاتی یا شکاری پرند جسے پاک گوشت کھلایا جاتا ہے اور مدت سے اُس نے شکار نہ کیا کہ اس صورت میں اس کا جوٹھا بلا کراہت پاک ہے نیز اجنبی عورت کا پیا ہوا پانی پینا مرد کو اور اجنبی مرد کا عورت کو بھی مکروہ ہے جبکہ مظنہ لذت نفسانی ہو نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

الماء (طاھر مطھر مکروہ) استعمالہ تنزیھا علی الاصح وھو ماشرب منہ الھرۃ الاھلیۃ اذ الوحشیۃ سؤرھا نجس (ونحوھا) ای الاھلیۃ الدجاجۃ المخلاۃ وسباع الطیر والحیۃ والفأرۃ لانھا لاتتحامی عن النجاسۃ[1]۔	پانی (طاہر مطہر مکروہ ہے) اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے، اصح یہی ہے، یہ وہ پانی ہے جس سے بلّی نے پیا ہو یعنی پالتو بلّی نے، کیونکہ جنگلی بلّی کا پانی نجس ہے (اور اسی کی مثل) یعنی پالتو بلّی کی طرح کھُلی پھرنے والی مرغی، شکاری پرندے، سانپ اور چوہا کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچتی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

قولہ نجس ای اتفاقا لماورد السنور سبع فان المراد بہ البری[2] اھ **اقول:** ھذا (۱) عجب بل کان الکلام فی الاھلی کما فی الحدیث وقد بیناہ مع الکلام علیہ فی سلب الثلب نعم نجاستہ	اس کا، قول نجس یعنی اس پر اتفاق ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بلّی درندہ ہے، اس سے مراد جنگلی بلّی ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** یہ عجیب بات ہے گفتگو گھریلو بلّی میں تھی جیسا کہ حدیث میں ہے، ہم نے اس کو پوری بحث کے ساتھ "سلب الثلب" میں بیان کیا ہے،

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارت مطبع الامیر بولاق مصر ص ۱۳)

[2] حاشیہ طحطاوی کتاب الطہارت مطبع الامیر بولاق مصر ص ۱۳)

مصرح بها فی جامع الرموز معزیا للکشف ونص فی الدر المختار انه نجس مغلظ فالکلام فی التعلیل۔	ہاں اس کی نجاست جامع الرموز میں مصرح ہے،اس کو کشف کی طرف منسوب کیا ہے،اور درمختار میں صراحت ہے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے، تو گفتگو تعلیل میں ہے۔(ت)

تین قسم کے پانی مکروہ ہوئے:

ا۔مائے مستعمل یہ ہمیشہ مکروہ ہے، ۲۔اور اجنبی کا جوٹھا، صرف بحالت لذّت، ۳۔اور ان جانوروں کا جھوٹا جبکہ صاف پانی موجود ہو ورنہ نہیں۔درمختار میں ہے:

سؤرهرة ودجاجة مخلاة وسباع طیرلم یعلم ربها طهارة منقارها وسواکن بیوت طاهر مکروه تنزیها فی الاصح اذوجد غیره والالم یکره اصلا [1]۔	بلّی کا جھُوٹا، کھلی مرغی، پرندوں کے درندوں کا جوٹھا، جن کے بارے میں مالک کو معلوم نہیں کہ ان کی چونچ پاک ہے، گھر میں رہنے والے جانوروں(چوہا، چھپکلی وغیرہ)کا جوٹھا اصح قول کے مطابق مکروہ تنزیہی ہے یہ اس وقت ہے جبکہ دوسرا پانی موجود ہو ورنہ کراہت بھی نہ ہوگی۔(ت)

جو جانور دموی نہیں یعنی خون سائل نہیں رکھتے خواہ حشرات الارض سے ہوں، یا نہیں جیسے بچھو، مکھی، زنبور اور تمام دریائی جانور اُن کا جوٹھا مکروہ بھی نہیں۔درمختار میں ہے:

سؤر مالادم له طاهر طهور بلاکراهة [2]۔	جس جانور میں خُون نہ پایا جاتا ہو اس کا جُھوٹا بلاشبہ طاہر وطہور ہے بلاکراہت۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

سواء کان یعیش فی الماء اوفی غیره ط عن البحر [3]۔	عام ازیں کہ وہ پانی میں رہتا ہو یا نہ رہتا ہو،ط عن البحر۔(ت)

---

[1] درمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] درمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[3] ردالمحتار فصل فے البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

ای ممالہ دم سائل کالفأرۃ والحیۃ والوزغۃ بخلاف مالادم لہ کالخنفس والصرصر و العقرب فانہ لایکرہ کمامرو تمامہ فی الامداد[1] اھ۔ اقول:(۱)فلایتجہ مازعم فی جامع الرموز من کراھۃ سؤر العقرب بالاتفاق ولم یعزہ لاحد واللہ تعالٰی اعلم۔	اُسی میں زیرِ قول شارح وسواکن بیوت فرمایا۔یعنی وہ جانور جن میں بہنے والا خون ہو جیسے چوہا، سانپ، چھپکلی۔ بخلاف ان جانوروں کے جن میں خون نہ ہو جیسے خنفس (ہشت پا) صرصر (جھینگر، مجیرا) بچھّو، کیونکہ یہ مکروہ نہیں، جیسا کہ گزرا، اور مکمل بحث امداد میں ہے۔ت انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس سے معلوم ہوا کہ جامع الرموز میں ہے کہ بچھّو کا جُوٹھا مکروہ ہے بالاتفاق، اسکی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، اس کو

مسئلہ ۴۱: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

نامحرم عورت جوان یا بُڑھیا اپنے مرشد کا جوٹھا پانی یا شوربا پی لے تو درست ہے یا نہیں، مکروہِ تحریمی یا تنزیہی، باسند لکھیں۔

الجواب:

تلذّذ و شہوانی کی نیت سے حرام اور خالص تبرک کی نیت سے جائز وَاللہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے مفسد کو مصلح سے۔ت) صحیح حدیث میں ہے جب حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں مقیم ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اولش جب اُن کے گھر جاتا وہ اور ان کے گھر والے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک کے نشان کی جگہ سے کھاتے، دُرمختار کتاب الحظر میں ہے:

یکرہ للمرأۃ سؤر الرجل وسؤرھا لہ[2]۔	مرد کا جوٹھا عورت کیلئے اور عورت کا مرد کیلئے مکروہ ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[2] درمختار فصل فی البیع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اُسی کے آخر فصل فے البئر میں ہے:

یکرہ سورھا للرجل کعکسہ لاستلذاذ[1]۔	عورت کا جوٹھا مرد کیلئے اور مرد کا عورت کیلئے لذّت لینے کیلئے مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یفھم منہ انہ حیث لااستلذاذ لاکراھۃ.[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سے یہ سمجھ میں آیا اگر لذّت کیلئے نہ ہو تو کراہت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۲: از مقام چتورگڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

پانی کی نالی ناپاک چُونے سے تیار کی گئی اور خشک ہونے سے قبل اُس میں پانی جاری کیا گیا اور وہ پانی حوض میں اُسی جگہ سے جمع ہونا شروع ہوا جہاں ناپاک چُونے سے بند کی گئی تھی تو کیا یہ پانی پاک ہے یا ناپاک، فقہاء نے لکھا ہے کہ جس تالاب میں نجاست کنارہ پر ہو اور پانی وہیں سے جمع ہوتا ہو تو وہ پانی ناپاک ہے تو اس روایت پر تمام پانی ناپاک ہوگا۔

الجواب:

پانی اگر اُوپر سے اُس نالی پر بہتا ہوا آیا اور بہتا ہوا گزر گیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے کسی وصف میں اُس کے سبب تغیر نہ ہو دوسری روایت ضرور یہ ہے کہ کل یا اکثر یا نصف پانی کا بہاؤ اگر نجاست پر ہو تو بہنا نفع نہ دے گا کل پانی ناپاک سمجھا جائے گا صحح ایضاوان کان الاول علیہ المعول لانہ الاقوی وعلیہ الفتوی (اور اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے اعتماد اگرچہ پہلے قول پر ہے کیونکہ وہ اقوی ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ت)

اقول: مگر یہ نجاست مرئیہ میں ہے جیسے مردار یا غلیظ غیر مرئیہ میں بالاتفاق اُسی ظہور اثر کا اعتبار ہے،

کما نصواعلیہ قاطبۃ وقال فی البحر فی توجیہ القول الاٰخر للتیقن بوجود النجاسۃ فیہ بخلاف غیر المرئیۃ لانہ اذالم یظھر اثرھا علم ان الماء ذھب بعینھا[3]۔	جیسا کہ اُن تمام نے اس پر نص کیا، اور بحر میں دوسرے قول کی توجیہ میں فرمایا کہ اس میں نجاست کا پایا جانا متیقن ہے بخلاف غیر مرئی نجاست کے کیونکہ جب اس کا اثر ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ پانی اس نجاست کو بہا کرلے گیا ہے۔(ت)

[1] درمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ردالمحتار فصل فے البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

اور چُونا نجاست نہیں متنجس ہے اور اعتبار نجس کا ہے نہ متنجس کا ولہٰذا اگر ناپاک گلاب (۱) یا زعفران آب جاری میں گرے اور اس میں گلاب کی بُو یا زعفران کی رنگت آجائے اسے ظہور اثر نہ کہیں گے بلکہ اُس نجاست کا کوئی وصف پانی میں آئے جس نے گلاب و زعفران کو ناپاک کیا تو پانی ناپاک ہوگا، ردالمحتار میں ہے:

فی شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبدالغنی الظاھران المراد اوصاف النجاسۃ لاالمتنجس کماء الورد والخل مثلا فلوصب فی ماء جار یعتبر اثر النجاسۃ التی فیہ لااثرہ نفسہ لطھارۃ المائع بالغسل ولم ارمن نبہ علیہ وھو مھم فاحفظہ[1] اھ **اقول:** وھو واضح البرھان فان المقصود غلبۃ النجاسۃ علی الماء حتی اکسبتہ وصفالھا وذلک فی ظھور وصف نفسھا دون المتنجس بھا الا تری ان لوکانت قلیلۃ لاتغلب الماء وکان مکان ماء الوردماء قراح لم یظھر اثرھا فکذا فی ماء الورداذلا تختلف قلۃ وکثرۃ باختلاف المتنجس۔	سیدی عبدالغنی نے شرح ہدیۃ ابن العماد میں لکھا ہے کہ بظاہر اس سے مراد نجاست کے اوصاف ہیں نہ کہ نجس ہونے والا پانی، جیسے گلاب کا پانی اور سرکہ، اگر اس کو بہتے پانی میں ڈالا جائے تو اس میں جو نجاست ہے اس کا اثر معتبر ہوگا، خود اس کا اپنا اثر معتبر نہ ہوگا کیونکہ بہنے والی چیز غسل (دھونے) سے پاک ہو جاتی ہے، اس نکتہ پر میں نے کسی اور کو مطلع کرتا ہوا نہیں پایا حالانکہ یہ بہت اہم ہے اسے یاد کر لیجئے اھ (ت) میں کہتا ہوں اس کی دلیل بہت واضح ہے کیونکہ مقصود نجاست کا پانی پر غالب ہونا ہے تاکہ نجاست کا وصف اس میں ظاہر ہو جائے، اور یہ تب ہے جب خود اس کا اپنا وصف اس میں ظاہر ہو نہ کہ اس چیز کا جو اس کی وجہ سے نجس ہوئی ہے، مثلاً اگر نجاست اتنی تھوڑی ہوتی کہ پانی پر غالب نہ ہوتی اور بجائے عرق گلاب کے سادہ پانی ہوتا تو اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا تو اسی طرح گلاب کے پانی کا حال ہے کیونکہ نجاست قلۃ وکثرۃ میں ناپاک ہونے والے پانی کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتی ہے۔ (ت)

تو جبکہ وہ نجاست (۲) جس سے چُونا ناپاک ہوا مرئی نہیں تو یہ صورت نجاست غیر مرئیہ کی ہے اس سے وہ روایت متعلق نہیں بلکہ یہاں بالاتفاق حکمِ طہارت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳: از کوٹار میورہ عقب موچی کٹرہ مکان چاند خان دفعدار مرسلہ شیخ ممتاز علی بیکل منگلوری سرویر محکمہ جنگلات کوٹا ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ۔

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین سوالاتِ ذیل کے جواب میں خداوند کریم آپ کو اجرِ عظیم اور سائل کو صراطِ مستقیم عطافرمائے۔

عمرو وزید دو شخص ہیں عمرو سے کسی نے دریافت کیا کہ یہ چاہ جو سامنے موجود ہے اس کا پانی قابلِ وضو اور نیز دیگر استعمال کے ہے یا نہیں؟ عمرو نے جواب دیا کہ بنابر رفعِ شک چاہ کو ناپ لیا جائے چنانچہ وہ کُنواں ناپا گیا تو لمبائی ۱/۲ -۱۱ ہاتھ اور چوڑائی ۱/۲ -۹ ہاتھ گہرائی ۳ ہاتھ ہوئی جو برابر ہے ۵۷ع ۳۲۷ ہاتھ کے مگر زید اس کو ۴۲ ہاتھ بتلا کر اس کے پانی سے وضو ناجائز بتلاتا ہے اور پانی ہذا کو قابلِ استعمال نہیں بتلاتا لیکن عمرو نے اسی چاہ سے وضو کیا اور زید نے عمرو کے پیچھے نماز پڑھی لہٰذا التماس ہے کہ اس پانی کا استعمال موافق شرع شریف جائز ہے یا نہیں اور زید کی نماز اس صورت میں عمرو کے پیچھے ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: اس چاہ میں پانی کی اس قدر آمد ہے کہ اگر چرس بند کردیا جائے جو دن بھر پانی کھینچتا ہے تو چاہ لبریز ہوکہ زائد پانی ایک راستہ سے خارج ہوکر چند روز میں دو سو فیٹ لمبے اور پچاس فیٹ چوڑے بند کو جس کی گہرائی بھی ۳ فیٹ سے کم نہیں لبریز کردیتا ہے۔ یہ پانی مویشی پیتے ہیں یہ تو موسم سرما کی حالت ہے اور موسم گرما میں چرس چلے یا نہ چلے کنویں سے پانی باہر نہیں آتا البتہ جس قدر کنواں خالی ہوجاتا ہے وقت چرس چلنے کے اُتنا ہی رات کو پھر کنویں میں پانی آجاتا ہے ماسوا اس کے پہاڑی علاقہ ہونے کے سبب ایسے کنویں قلیل ہیں کہ جن کا پانی ڈول وغیرہ سے کھینچا جائے ورنہ عام کنویں زینہ دار ہیں تمام لوگ اندر جاکر پانی پیتے اور بھرتے ہیں بلاکلہ نہانا اور عام طور پر کپڑے وغیرہ دھونے کا عام رواج ہے، ہاں بعض موقع پر ایسا بھی رواج ہے کہ جس کنویں کے اندر نہاتے ہیں اُس کا پانی نہیں پیتے۔

الجواب:

پانی میں فقط اُس کی سطح بالا کی پیمائش معتبر ہے عمق کا اصلاً لحاظ نہیں اگر اوپر کی سطح مثلاً ایک ہاتھ مربع ہے اور ہزار ہاتھ گہرا ہے تو وہ ایک ہی ہاتھ قرار پائے گا اور سطح سو ہاتھ ہے اور فقط نصف ہاتھ گہرا ہے تو وہ پورا سو ہاتھ ٹھہرے گا نہ کہ پچاس۔ عمق صرف اتنا ہونا چاہئے کہ لپ میں پانی لینے سے زمین نہ کُھلے لہٰذا چاہ مذکور کی مساحت ۲۵ء۱۰۹ ہاتھ ہے نہ ۵۷ء ۳۲۷ بہرحال شک نہیں کہ وہ مائے کثیر ہے اُس سے وضو وغسل اور اُس میں کپڑے دھونا سب جائز ہے وہ نجاست پڑنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست اس کا رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدل دے اُسے ۴۲ ہاتھ کہنا محض بے علمی اور اُس سے وضو وغسل ناجائز بتانا صریح نادانی ہے اور اگر واقع میں اُس کے اعتقاد میں یہی ہے کہ اُس کنویں کے پانی سے وضو نہیں ہوسکتا اور اُس نے عمرو کو اُس سے وضو کرکے نماز پڑھاتے دیکھا اور اپنے اُسی اعتقاد پر قائم رہ کر اُس کی اقتداء کرلی تو زید کی نماز نہ ہوئی کہ اس کے

اعتقاد میں امام بے وضو نماز پڑھا رہا ہے بلالکہ وہ اس سے بھی سخت تر ہے کہ اس سے نماز کو معاذ اللہ بازیچہ سمجھنا پیدا ہوتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی یہی حکم اُن سب کنّوؤں کا ہے جن کے پانی کی سطح بالا ۲۲۵ فٹ ہو اُن میں کپڑے دھونا بھی جائز ہے اور اُس سے ناپاک نہ ہوں گے اگرچہ وہ کپڑے ناپاک ہوں جب تک نجاست ان کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بدل دے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتوٰی مسمّٰی بہ
الھنیئ النمیر فی الماء المستدیر ۱۳۳۴ھ
خوشگوار صاف آبِ مستدیر کی تحقیق (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

مسئلہ ۴۴: ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کُنویں کا دَور کَے ہاتھ ہونا چاہئے کہ وہ دہ در دہ ہو اور نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوسکے بینوا توجروا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ، ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

الجواب :

اس میں چار قول ہیں ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے اور تحقیق جُدا ہے:

قول اول: اڑتالیس ہاتھ خلاصہ وعالمگیریہ میں اسی پر جزم فرمایا اور محیط امام شمس الائمہ سرخسی وفتاوٰی کبرٰی میں اسی کو احوط بتایا سید طحطاوی نے اُس کا اتباع کیا ہندیہ میں ہے:

ان کان الحوض مدورا یعتبر ثمانیة واربعون ذراعا کذا فی الخلاصة وھو الاحوط کذا فی محیط السرخسی [1]۔	اگر حوض گول ہو تو اڑتالیس ہاتھ کا اعتبار ہوگا، کذا فی الخلاصۃ اور یہی احوط ہے کذا فی محیط السرخسی۔ (ت)

طحطاوی میں ہے: الاحوط اعتبار ثمانیة واربعین [2] (احوط اڑتالیس کا اعتبار کرنا ہے۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فے الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۸

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۷

دوم: چھیالیس ہاتھ بعض کتب میں اسی کو مختار ومفتٰی بہ بتایا بحرالرائق میں نقل فرمایا: **المختار المفتی بہ ستۃ واربعون کیلا یعسر رعایۃ الکسر**[1] اھ (مختار ومفتٰی بہ چھیالیس ہے تاکہ کسر کی رعایت کی دشواری میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ت)

اقول: یرید ان ثمہ کسر اسقط او رفع تیسیرا ثم رأیت فی الفتح ماعین الرفع حیث قال ان کان الحوض مدورافقدر باربعۃ واربعین وثمانیۃ واربعین والمختار ستۃ واربعون وفی الحساب یکتفی باقل منھا بکسر للنسبۃ لکن یفتی بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر قال والکل تحکمات غیرلازمۃ انما الصحیح ماقدمناہ من عدم التحکم بتقدیر معین[2] اھ ای عملا باصل المذھب وقد علمت ان الفتوی علی اعتبار العشر۔	میں کہتا ہوں ان کی مراد یہ ہے کہ یہاں کسر ہے جو ساقط کردی گئی ہے یا بڑھائی گئی ہے آسانی کیلئے، پھر میں نے فتح میں دیکھا تو انہوں نے رفع کو متعین کردیا، فرمایا اگر حوض گول ہو تو اس کا اندازہ چوالیس اور اڑتالیس کیا گیا ہے اور مختار چھیالیس کیا گیا ہے اور حساب کے اعتبار سے اس سے کم پر بھی اکتفاء کیا جائیگا کسرِ نسبت کیلئے، لیکن چھیالیس پر فتوی دیا جائیگا تاکہ کسر کی رعایت میں پریشانی لاحق نہ ہو، فرمایا یہ تمام باتیں محض اپنی مرضی سے کہہ دی گئی ہیں ان کا ماننا لازم وضروری نہیں صحیح وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کسی معین مقدار کا ہونا ضروری نہیں ہے اھ یعنی اصل مذہب پر عمل کرتے ہوئے، اور آپ جان چکے کہ فتوی دس۱۰ پر ہے۔(ت)

سوم: چوالیس ہاتھ اس کی ترجیح اس وقت کسی کتاب سے نظر میں نہیں، جامع الرموز میں ہے:

امافی المدور فیشترط ان یکون دورہ ثمانیا واربعین ذراعا وقیل اربعاواربعین فالاول احوط کمافی الکبری[3]۔	گول حوض میں شرط یہ ہے کہ اس کا دور اڑتالیس ہاتھ ہو، اور ایک قول ہے کہ چوالیس ہاتھ ہو تو اول احوط ہے جیسا کہ کبری میں ہے۔(ت)

چہارم: چھتیس ہاتھ ملتقط میں اسی کی تصحیح کی امام ظہیر الدین مرغینانی نے فرمایا یہی صحیح اور فن حساب میں مبرہن ہے، جامع الرموز میں ہے:

وقیل ستۃ وثلثین وھو الصحیح المبرھن	اور ایک قول ہے کہ یہ چھتیس ہے اور یہی صحیح ہے

---

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء ولایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

[3] جامع الرموز باب بیان الماء گنبد ایران ۱/۴۸

عند الحساب کما فی الظھیریۃ وفی الاولین تحقق الحوض المربع داخل المدور وفی الثالث مایساویہ[1]۔	اور حساب کی رُو سے مبرہن ہے کما فی الظہیریہ اور پہلے دو میں مربع حوض مدوّر حوض متحقق ہوگیا اور تیسرے میں اس کے مساوی ہے۔ (ت)

اسی پر مولی خسرو نے متن غرر میں مع افادہ تصحیح اور مدقق علائی نے درمختار اور علامہ فقیہ ومحاسب شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں جزم فرمایا ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفی المدور بستۃ وثلثین ای بان یکون دورہ ستۃ وثلثین ذراعا وقطرہ احد عشر ذراعا وخمس ذراع ومساحتہ ان تضرب نصف القطروھو خمسۃ ونصف وعشر فی نصف الدور وھو ثمانیۃ عشر یکون مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع اھ سراج وما ذکرہ ھو احد اقوال خمسۃ عـــہ۱ وفی الدرر عن الظھیریۃ ھو الصحیح[2]۔	ان کا قول کہ مدور میں چھتیس ہیں یعنی اس کا دور چھتیس گز ہو اور اس کا قطر گیارہ گز اور ایک خمس ہو اور اس کی مساحت یہ ہے کہ نصف قطر یعنی ساڑھے پانچ کو اور دسویں کو نصف دور میں ضرب دی جائے، اور یہ اٹھارہ ہے، تو کل سو ہاتھ اور چار خمس ذراع ہوگا اھ سراج، اور جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ پانچ میں سے ایک قول ہے اور درر میں ظہیریہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (ت)

اقول: تحقیق یہ ہے کہ اُس کا دور تقریباً ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہئے یعنی ۳۵ء۴۴۹ تو قطر تقریباً ۵ گز ۱/۲ -۱۰ گرہ ہوگا بلاکلہ دس گرّہ ایک اُنگل یعنی ۲۸۴ء۱۱ ہاتھ بیان اس کا یہ کہ اصولِ ہندسہ عـــہ۲ مقالہ ۴ شکل ۱۲ میں ثابت ہے کہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے مساحت دائرہ حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط

عـــہ۱ لم ارفی التقدیر الا اربعۃ اقوال وکانہ اراد بالخامس ماذکر المحقق ان لاتعیین منہ حفظہ ربہ تعالٰی (م)	میں نے تقدیر میں صرف چار قول دیکھے ہیں شامی نے گویا پانچویں سے وہ مراد لیا ہے جس کو محقق نے ذکر کیا ہے کہ تعیین نہیں۔ (ت)

عـــہ۲: یہ کتاب کتاب اقلیدس سے جُدا وجدید ہے ۸ مقالوں پر مشتمل اور ہندسہ ومساحت ومثلث کروی سب میں مفید ہے اس میں بہت دعاوی کا بیان کتاب اقلیدس پر مزید ہے فاضل محمد عصمہ مصری نے اسے ترکی سے عربی میں ترجمہ کیا ۱۲ (م)

[1] جامع الرموز باب بیان الماء گنبد ایران ۱/۴۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲

یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کیجئے کہ حاصل سب کا واحد ہے اور ہم نے (۱) اپنی تحریرات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ قطر اجزائے محیطیہ سے قدحہ لہ الط لومہ ہے نصف قطر زحہ لرمدمح یعنی محیط جسے مقدار سے ۳۶۰ درجے ہے قطر اُس سے ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳۶ ثالثے ۴۵ رابعے ہے۔

وفی حساب الفاضل غیاث الدین جمشید الکاشی علی مانقل العلامۃ البرجندی فی شرح تحریر المجسطی لوبعہ ای ستاوخمسین مکان مہ لایفارق محسوبی الابنحو رابعۃ وجاء بحساب اخر مربعہ رفعا ای سبعا واربعین وبالجملۃ لافرق الا فی بعض روابع وعلی ھذا الاخیر عولنا۔	اور فاضل غیاث الدین جمشید الکاشی کے حساب میں جیسا کہ علامہ برجندی نے شرح تحریر مجسطی میں لکھا ہے لوبعہ یعنی ۵۶ بجائے مہ، یہ حساب میرے حساب سے مختلف نہیں مگر صرف ۱۱ رابعہ کی مقدار میں اور دوسرے حساب سے مربعہ رفعا یعنی سینتالیس ہے، خلاصہ یہ کہ اختلاف صرف بعض روابع میں ہے اور اسی اخیر پر ہم نے اعتماد کیا ہے۔ (ت)

تو قطر اگر ایک ہی محیط ۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ ہے فان ۳۶۰ ÷ ۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ = ۵۹۱۵۵۹۱۵۷ء ۱۱۴ تحویلہ الی الستینی مدحہ لہ الط لومر یہاں سے ہمیں دو مساواتیں حاصل ہوئیں قطر و محیط و مساحت کو علی التوالی ق ط م فرض کیجئے پس (۱) ۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ ق = ط اس لئے کہ ۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ : ۱ :: ق : ط

(۲) ۴/ق ط = م ان کے بعد قطر و محیط (۱) و مساحت سے جو چیز گز، ہاتھ، فٹ، گرہ، وغیرہا جس معیار سے مقدر کی جائے اُسی معیار سے باقی دو کی مقدار معلوم ہوجائے گی جس کی جدول ہم نے یہ رکھی ہے۔

معلوم/مطلوب	قطر	محیط	مساحت
قطر		۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ ق	۷۸۵ ۳۹۸۱۶۲۵ء ۰ ق۲ عہ۱
محیط	۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ (ط)		۷۰۶ ۵۶۶۳ء ۱۲ ط۲ عہ۲
مساحت	۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ء ۰ (م)		

عہ۱ عدد معلوم یعنی مقدار محیط باجزائے قطریہ کو ص فرض کیجئے :. ص ق = ط، ۴/ق ط = م :. ۴/ص ق۲ = میہ عدد ۴/ص ہے ۱۲ منہ (م)

عہ۲ جبکہ ص/ط = ق، ۴/ق ط = م :. ۴ص/ط۲ = م یہ عدد ۴ص ہے ۱۲ منہ (م)

پھر آسانی کیلئے لوگارثم سے کام کرنے کو یہ دوسری جدول رکھی اور اس میں متممات حسابیہ سے وہ تصرفات کر دئے کہ بجائے تفریق بھی جمع ہی رہے۔

مطلوب / معلوم	قطر	محیط	مساحت
قطر		۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵ ق	۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵ ق۲
محیط	ط / ۳٫۱۴۱۵۹۲۶۵		ط۲ / ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶
مساحت	√(م / ۰٫۷۸۵۳۹۸۱۶۲۵)	√(م ۱۲٫۵۶۶۳۷۰۶)	

یہاں مساحت معلوم ہے ۱۰۰ ہاتھ جس کا لوگارثم ۰ء۲ :. ۲/۱۰۴۹۱۰۱ء۲ = ۱۰۵۲۴۵۵۰ء اکہ لوگارثم ۲۸۴ء ۱۱ کا ہے یہ قدر قطر ہوئی نیز ۲/۰۹۹۲۰۹۹ء ۳ = ۵۴۹۶۰۴۹ء اکہ لوگارثم ۴۴۹ ۳۵ء ۳۵ کا ہے یہ مقدار دَور ہوئی۔ ہمارے بیان کی تحقیق یہ ہے کہ ۲۸۴ء۱۱*۴۴۹ء۳۵ = ۴۰۰۶۵۱۶ء۴۰۰، ÷۴ = ۱۰۰۱۶ء۱۰۰ اکہ سو ہاتھ سے صرف ۱۶/۱۰۰۰۰ یعنی ۱/۶۲۵ زائد ہے کہ ایک انگل عرض کا ۶۲۵/۲۴ یعنی انگل کے پچیسویں حصّے سے بھی کم ہے۔ بخلاف حساب سراج وشرنبلالیہ کہ اُن کے خیال سے ۱۱۹ انگل اور واقع میں تین ہاتھ سے بھی زیادہ بڑھتا ہے کما سیأتی۔

اقول: وبهذا علم مافی البیانات السابقة (۱) **فاولا** ماکان دوره ستا وثلثین لایزید قطره علی ذراعا بخمس ذراع فقط بل بقریب من نصف ذراع لان لوغارثمها ۵۵۶۳۰۲۵ء۱' + ۵۰۲۸۵۰۱ء۱ = ۰۵۹۱۵۲۶ء۱ اوهو لوغارثم ء لاینقص من النصف الاقدر ۴۱/۱۰۰۰ (۲) **وثانیا:** ماکان کذا تزید مساحته علی مائة ذراع باکثر من ثلثة اذرع لااربعة اخماس ذراع وذلك لان ۵۵۶۳۰۲۵ء۱*۲ = ۱۱۲۶۰۵۰ء۱۳' + ۹۰۰۷۹۰۱ء۲ = ۰۱۳۳۹۵۱ء۲ وهو لوغارثم ۱۰۳ء۱۳ (۳) **وثالثا:** لوعمل بقطر ذکر بان رسم خط

اس سے معلوم ہوا کہ جو کچھ سابقہ بیانات میں ہے اوّلاً جس کا دور چھتیس ہو اس کا قطر ۱۱ ذراع پر ایک ذراع کا صرف پانچواں حصہ زائد نہ ہوگا بلاکہ آدھے ذراع کے قریب زائد ہوگا کیونکہ ۳۶ کالوغارثم ۵۵۶۳۰۲۵ء۱' + ۵۰۲۸۵۰۱ء۱ = ۰۵۹۱۵۲۶ء اہے اور وہ لوگارثم ۴۵۹ء ۱۱ ہے یہ نصف سے صرف ۴۱/۱۰۰۰ کی مقدار کم ہے، اور ثانیاً جو ایسا ہو اس کی پیائش سو ہاتھ پر تین ذراع سے زائد ہوگی نہ یہ کہ ایک ذراع کا ۴/۵ اور یہ اس لئے ہے کہ ۵۵۶۳۰۲۵ء۱*۲ = ۱۱۲۶۰۵۰ء۱۳' + ۹۰۰۷۹۰۱ء۲ = ۰۱۳۳۹۵۱ء۲ اور وہ لوگارثم ہے ۱۰۳ء۱۳ کا،

مثلہ ورسمت علی منتصفہ ببعد طرفہ دائرۃ فجعل دور البئر مثلھا لم یصح فان لوغارثمہ ۰۴۹۲۱۸۰ء۱ ضعفہ ۰۹۸۴۳۶۰ء۲ + ۸۹۵۰۸۹۹ء۱ = ۹۹۳۵۲۵۹ء۱ وھو لوغارثم ۹۸ء۵۲ فیکون السطح اقل من مائۃ ذراع بذراع ونصف تقریبا وبالجملۃ ان اخذ الدور زاد علی المطلوب بثلثۃ اذرع وان اخذ القطر نقص عنہ بذراع ونصف ان ارید الجمع بینھما لم یمکن۔ اما قول المحقق الشرنبلالی فی غنیۃ ذوی الاحکام حیث ذکر اولا مامر عن ش عن السراج ثم قال وبرھان ذلك اننا علمنا الدور والمساحۃ التی ھی تکسیر الدائرۃ فقسمنا المساحۃ علی ربع الدور وھو تسعۃ فخرج القطر احد عشر ذراعا وخمس ذراع وبرھان اعتبار ستۃ وثلثین بقسمۃ المساحۃ وھی مائۃ ذراع واربعۃ اخماس ذراع علی نصف القطر فھو علی ماذکرناہ[1] اھ

فاقول: (۱) لفظ نصف ھھنا سبق قلم وصوابہ علی ربع القطر لما علمت ان ۱/۴ ق ط = م قسمنا المعادلۃ علی ۱/۴ ط : . ق = م ÷ ۱/۴ ط

اور ثالثاً اگر مذکورہ قطر پر عمل کیا جائے اس طرح کہ اسی کی مثل ایک خط کھینچا جائے اور اُس کے نصف پر اُس کے بعد کے کنارے پر ایک دائرہ کھینچا جائے اور کنویں کا دَور اسی کی مثل کیا جائے، تو صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ۲ء۱۱ کا لوگارثم ۰۴۹۲۱۸۰ء۱ ہے اس کا دوگنا

۰۹۸۴۳۶۰ء۲ + ۸۹۵۰۸۹۹ء۱ = ۹۹۳۵۲۵۹ء۱ ہے اور یہ لوگارثم ۹۸ء۵۲ ہے تو سطح سو ہاتھ سے تقریباً ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگی اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر دور لیا جائے تو مطلوب پر زائد ہوگا تین ہاتھ اور اگر قطر لیا جائے تو اس سے ڈیڑھ ہاتھ کم ہوگا اور اگر ان دونوں میں جمع کا ارادہ کیا جائے تو ممکن نہ ہوگا، اور غنیۃ ذوی الاحکام میں محقق شرنبلالی نے فرمایا پہلے تو جو ذکر کیا گیا 'ش' سے، سراج سے وہ انہوں نے ذکر کیا، پھر فرمایا، اس کی برہان یہ ہے کہ ہمیں دور اور پیمائش کا علم ہے جو دائرہ کی تکسیر ہے، تو ہم نے مساحت کو رُبع دور پر تقسیم کیا اور وہ ۹ ہے تو قطر ۱/۵ -۱۱ ذراع نکلا، اور برہان اس امر پر کہ ۳۶ کا اعتبار مساحت کی تقسیم پر اور وہ مساحت سو ذراع اور چار خُمسِ ذراع ہے نصف قطر پر، تو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا یہ اس کے مطابق ہے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں لفظ نصف یہاں قلم کی سبقت ہے صحیح ربع قطر ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ ۱/۴ ق ط = م، ہم نے معادلہ کو تقسیم کیا ۱/۴ ط : . ق = م ÷ ۱/۴ ط پر اور یہ اس کا پہلا دعوی ہے۔ اور ثانیاً ہم نے اس کو ۱/۴ ق : . ط = م ÷ ۱/۴

[1] غنیہ ذوی الاحکام علی حاشیۃ غرر الاحکام فرض الغسل دار السعادۃ مصر ۱/۲۳

وھی دعواہ الاولی وثانیا قسمناھا علی ۴/ق :. ط = م ÷ ۴/ق لا ۴/ق وھی دعواہ الاخری ھذا سھل وانما الشأن فی تعیین ھذہ المقادیر وما القصد الا ابداء مقداردور تکون مساحتہ مائۃ ذراع فلیس بالید الاھذہ (۱)**فاولا** کیف عُدل عنھا الی مایزید علیھا باربعۃ اخماس ذراع[عــہ]،

وثانیا: (۲) بنیتم برھان اعتبار ھذاالدور علی قدر القطروبرھان اعتبار ھذا القطر علی قدر الدور وھذا دور،

وثالثا: (۳) بنیتم المساحۃ تبعا للسراج علی الدور والقطر وھذا ان دوران اُخران ولکن الامران السراج بنی الامر علی الاستقراء فقرب تقریبا واذا تقرر ھذا فابانۃ القطر من الدور والمساحۃ اوالدور من القطر والمساحۃ ارادۃ تحقیق ماتقرر لاالبرھان علی ذلك وباللہ التوفیق ھذا وما ذکر القھستانی من وقوع مربع عشر داخل دائرۃ محیطھا ثمانیۃ واربعون اواربعۃ واربعون۔

فاقول: لہ وجہ فی الاول فیقع فیھا لغۃ وان لم یقع علی مصطلح الفن من ان یماسھا جمیع زوایاہ وذلك لان المربع الواقع فی محیط ثمانیۃ واربعین ضلعہ اطول

ق لا ۴/ق پر تقسیم کیا، اور یہ ان کا دوسرا دعوی ہے یہ سہل ہے اور اہم معاملہ ان مقادیر کی تعیین کا ہے، اور مقصد صرف مقدار دور کا اظہار ہے جس کی مساحت ایک سو ۱۰۰ ذراع ہو، تو ہاتھ میں یہی ہے۔ **اولاً** یہاں اُس سے عدول کرکے وہ چیز اختیار کی گئی ہے جس پر ایک ذراع کے چار خمس زائد ہے، ایسا کیوں کیا گیا؟

ثانیاً: اس دور کے اعتبار کی برہان کو تم نے قطر کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور اس قطر کے اعتبار کی برہان کو دور کی مقدار پر مبنی کیا ہے، اور یہ دور ہے۔

ثالثاً: تم نے پیمائش کی بنیاد، سراج کی پیروی میں، دور اور قطر پر رکھی ہے، اور یہ دور دوسرے دور ہیں، لیکن سراج نے معاملہ کی بنیاد استقراء پر رکھی ہے تو ان کی یہ بات قریب قریب ٹھیک ہے، جب یہ ثابت ہوگیا تو قطر کو دور اور پیمائش سے الگ کرنا یا دور کو قطر و پیمائش سے الگ کرنا، ثابت شدہ چیز کی تحقیق کا ارادہ ہے اس پر برہان نہیں ہے وباللہ التوفیق، اس کو سمجھنا چاہئے، اور قہستانی نے دس کے مربع کا ذکر کیا ہے جس کے دائرہ کا محیط اڑتالیس یا چوالیس بنتا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس کی پہلے میں وجہ موجود ہے تو وہ اس میں لغت کے اعتبار سے واقع ہے، اگرچہ فن کی اصطلاح کے مطابق نہیں ہے، یعنی یہ کہ اس کو اس کے تمام زاویے مس کرتے ہوں اور اس کی دلیل

[عــہ] ای باکثر من اربعۃ اخماس ذراع وذلك

یعنی ایک ہاتھ کے چار خمس سے زیادہ (باقی برصفحہ آئندہ)

من عشرة فلا یمکن ان یماسها اکثر من زاویتین من المربع (ا) اما فی الثانی فلاوجه له اصلا فلیقع مربع ا ء فی دائرة ا ب ج ء علی مرکز ھولو ۴۴ = ۷ ۶۴۳۴۵۲ء۱' + ۱۵۰۲۸۵۰ء۱ = ۱۴۶۳۰۲۸ء۱ هذا لوالقطر '-۳۰۰ ۳۰۱۰ء۰

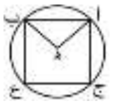

= ۸۴۴۵۲۷۲۸ء۰ هذا لونصفه اه ثم فی مثلث اه ب القائم الزاویة اه: جیب ب وهی مه حه لوجیبها ۸۴۹۴۸۵۰ء۱:: اب:ع :.۸۴۵۲۷۲۸ء۰- ۸۴۹۴۸۵۰ء۱ = ۹۹۵۷۸۷۸ء۰ هذا لو اب وان شئت بالعروسی فضعف لواه

یہ ہے کہ جو مربع اڑتالیس کے محیط میں ہوتا ہے، اس کا ضلع دس سے لمبا ہوتا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ مربع کے دو سے زائد زاویے اس کو مس کریں، اور دوسرے میں اس کی کوئی وجہ موجود نہیں، مثلاً اع کا مربع اب ج ع کے دائرہ میں واقع ہو اور ھ کے مرکز پر ہو اور لو ۴۴ = ۷ ۶۴۳۴۵۲ء۱' + ۱۵۰۲۸۵۰ء۱ = ۱۴۶۳۰۲۸ء۱ یہ لو قطر ہے۔ ۳۰۱۰۳۰۰ء۰ = ۸۴۵۲۷۲۸ء۰ یہ لو اس کا آدھا ہے اھ پھر مثلث میں اھ ب زاویہ قائمہ اھ: جیب ب اور یہ مہ حہ لو اس کا جیب یہ ہے ۸۴۹۴۸۵۰ء۱::۱ ب:ع:. ۸۴۵۲۷۲۸ء۰ _ ۸۴۹۴۸۵۰ء۱ = ۹۹۵۷۸۷۸ء۰ یہ لو اب ہے اور اگر تم چاہو شکل عروسی سے تو اھ کا دوگنا لو ا ھ ۶۹۰۵۴۵۶ء۱ اس کا عدد ۰۳۹۴۵۶۸ء۴۹ کا دوگنا ۰۷۸۹۱۳۶ء۹۸ اس کا لوگارثم ۹۹۱۵۷۵۶ء۱ اس کا نصف ۹۹۵۷۸۷۸ء۰ ہے جیسا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عــه لان لوالمحیط ۶۸۱۲۴۱۲ء۱' + ۵۰۲۸۵۰۱ء۱ = ۱۸۴۰۹۱۳ء۱ هذا لوالقطر ۳۰۱۰۳۰۰ء۰ = ۸۸۳۰۶۱۳ء۰ هذا لو نصف القطر لوجیب مه ۸۴۹۴۸۵۰ء۱ = ۰۳۳۵۷۶۳ء۱ هذا لو ضلع المربع الواقع فیه فهی ۸۰۳۷۵ء۱۰ فالمساحة تکون اکثر من ء هذا فی المربع اما الدائرة فمساحتها اکثر من مائة وثلثة وثمانین ذراعا اھ منه (م)

کیونکہ محیط کا لوگارثم ہے ۶۸۱۲۴۱۲ء۱' + ۵۰۲۸۵۰۱ء۱ = ۱۸۴۰۹۱۳ء۱ یہ قطر کا لوگارثم ہے ۳۰۱۰۳۰۰ء۰ = ۸۸۳۰۶۱۳ء۰ یہ نصف قطر کا لوگارثم ہے۔ لوجیب مہ ۸۴۹۴۸۵۰ء۱ = ۰۳۳۵۷۶۳ء۱ یہ محیط میں واقع ہونے والے مربع کے ضلع کا لوگارثم ہے ۸۰۳۷۵ء۱۰ لہٰذا مساحت ۷۲ء ۱۱۶ سے زیادہ ہوگی یہ مربع میں ہے، رہا دائرہ تو اس کی پیمائش ایک سو تراسی ۱۸۳ ہاتھ سے زیادہ ہے۔ (ت)

۲۹۰۵۴۵۶ء عددها ۴۹،۰۳۹۴۵۶۸ ضعفه ۹۸،۰۷۸۹۱۳۶ لو غار ثمه ۹۹۱۵۷۵۶ء نصفه ۹۹۵۷۸۷۸ء۰ مثل مامر وھو لوغارثم ۹،۹۰۳۵ ھذا قدر الضلع ولم تبلغ عشرا کما تری ثم المساحة ۹۸،۰۷۹ اقل من مائة بنحو ذراعین لما علمت انها ضعف مربع اھ وضعف مربع نصف القطر ھی مساحة المربع لان مساحته مربع ضلع ا ب وھو ضعف مربع اھ بالعروسی فانی یقع فیها مربع عشر فی عشر۔

تنبیه: حکم العلامة الشرنبلالی ببطلان سائر الاقوال سوی الرابع حیث قال والصواب کلام الظھیریة ولا یعدل عنه الی غیرہ وقال فالزام قدر یزید علی الستة والثلثین لاوجه له علی التقدیر بعشر فی عشر عند جمیع الحساب[1] اھ

اقول: وقد اشار الی الجواب عما یتوھم ان فیها قولین مصححین بل الثانی مذیل بطراز الفتوی فکیف یمنع المصیر الیه بل انما ینبغی التعویل علیه وذلك ان المفتی به المعتمد ھو التقدیر بمائة والاقوال جمیعا انما ترومه ومبنی ذلك علی الحساب دون التفقهات الغامضة التی لاقول لنافیها لاسیما علی خلاف الفتوی وامر الحساب لایلتبس فاذا علمنا قطعا ان الصواب ھذا وجب

گزرا اور وہ لوگارثم ہے ۹،۹۰۳۵ کا، یہ ضلع کی مقدار ہے اور یہ دس تک نہیں پہنچ سکی ہے جیسا آپ دیکھتے ہیں پھر پیائش ۹۸،۰۷۹ سو سے تقریباً دو ذراع کم ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ مربع کا دوگنا ہے اھ اور نصف قطر کے مربع کا دوگنا ہی مربع کی پیائش ہے کیونکہ اس کی پیائش اب ضلع کا مربع ہے اور وہ اھ کے مربع کا دوگنا ہے شکل عروسی کے اعتبار سے، تو اس میں دہ در دہ کا مربع کہاں سما سکتا ہے! (ت)

تنبیہ: علامہ شرنبلالی نے سوائے چوتھے قول کے تمام اقوال کو باطل قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں صحیح ظہیریہ کا قول ہے اور اس کے علاوہ کسی اور کو اختیار نہ کیا جائے نیز فرمایا ایسی مقدار کا لازم قرار دینا جو چھتیس ۳۶ سے زائد ہو اس کی کوئی وجہ نہیں جبکہ دہ در دہ کا اندازہ ہو، یہی تمام حساب دانوں کے نزدیک ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ اشارہ ہے وہم کے جواب کی طرف، وہم یہ ہے کہ اس میں دو قول ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی تصحیح کی گئی ہے بلاکہ دوسرے قول کی بابت کہا گیا ہے کہ فتوی اسی پر ہے، تو اس کی طرف رجوع کرنے کو کیونکر منع کیا جاسکتا ہے؟ بلاکہ اس پر تو اعتماد کرنا چاہئے، کیونکہ معتمد اور مفتی بہ سو کا اندازہ ہے اور تمام اقوال کا مقصود بھی یہی ہے، یہ چیز تو حساب پر مبنی ہے، اس میں لمبی چوڑی فقیہانہ ابحاث کا کوئی موقعہ نہیں، خاص

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الغرر فرض الغسل ۱/ ۲۳

ترک ماسواہ غیران قدوۃ الریاضین العلامۃ عبدالعلی البرجندی رحمہ اللہ تعالٰی حاول فی شرح النقایۃ توجیہ قولی و عازیا لھذا الی الکبری والذی رأیتہ فی شرح القھستانی ان فی الکبری جعل الاول ھو الاحوط واللہ تعالٰی اعلم وکانہ لم یقع لہ قول فقال تحقیق الکلام ھھنا متوقف علی ثلث مقدمات،

(۱) ھی ان مربع وترالقائمۃ فی مثلث یساوی مجموع مربعی ضلعیھا (۲) وان محیط الدائرۃ ازید من ثلثۃ امثال قطرھا بسبع قطرھا (۳) وانہ اذا کانت مساحۃ دائرۃ معلومۃ وقسمت باحد عشر قسما متساویۃ و زید ثلثۃ اقسام منھا علی مجموع المساحۃ واخذ جذر المجموع یکون قطر الدائرۃ کل ذلك مبرھن فی علمی الھندسۃ والحساب فنقول اذا کان کل من ضلعی الحوض المربع عشرا ذرع کان مجموع مربعی الضلعین مائتین وجذرھما اربعۃ عشر وعشرو نصف عـــہ عشر تقریبا وھو مقدار الخط الواصل بین الزاویتین المتقابلتین وھو اطول الامتدادات الممکنۃ فی المربع المذکور للمقدمۃ الاولی فاعتبر

طور پر فتوٰی کے خلاف کہنے کی گنجائش نہیں، اور حساب کا معاملہ تو بالکل واضح ہوتا ہے، اب جبکہ ہمیں معلوم ہوگیا کہ صحیح یہی ہے تو دوسرے اقوال کا ترک لازم ہوگیا، البتہ قدوۃ الریاضیین علامہ عبدالعلی برجندی نے شرح نقایہ میں ۴۸ اور ۴۴ کے دو قول کی تشریح کی کوشش کی ہے، اس کو کبری کی طرف منسوب کیا ہے، اور میں نے شرح قہستانی میں دیکھا کہ کبری میں پہلے قول کو احوط قرار دیا ہے واللہ تعالٰی اعلم اور غالباً ۴۶ کے قول کی طرف وہ متوجہ نہ ہوئے تو فرمایا یہاں تحقیق کلام تین مقدمات پر مبنی ہے،

(۱) قائمہ کے وتر کا مربع مثلث میں اس کے دو ضلعوں کے دو مربعوں کے مجموعہ کے برابر ہوتا ہے۔

(۲) اور دائرہ کا محیط اس کے قطر کی تین مثل سے اس کے قطر کے سُبع جتنا زیادہ ہوتا ہے۔

(۳) اگر ایک دائرہ کی مساحت معلوم ہو اور گیارہ پر برابر تقسیم کی جائے اور اس میں سے تین اقسام کا اضافہ کیا جائے مجموعی پیائش پر اور مجموعہ کا جذر لیا جائے تو دائرہ کا قطر نکل آئے گا۔ یہ سب علم ہندسہ اور حساب میں مبرہن ہے، اب ہم کہتے ہیں کہ جب ایک مربع حوض کے دونوں ضلع دس ذراع ہوں گے تو دونوں ضلعوں کے دونوں مربعوں کا مجموعہ دو سو ہوگا اور دونوں کا جذر چودہ ذراع اور دسواں اور دسویں کا آدھا ہوگا تقریباً، اور یہی مقدار

عـــہ: بل جزء من خمسۃ وعشرین جزء وشیئ قلیل فانہ ء تقریبا اھ منہ (م)

بلاکہ پچیس اجزاء میں سے ایک جز اور تھوڑی مقدار کیونکہ وہ ۱۴ء۱۴۲ ہے تقریباً۔ (ت)

فی الفتاوی الکبری ان یکون قطر الحوض المدور مساویاًلاطول الامتدادات المفروضة فی الحوض المربع لیمکن وقوع مربع بالشرط المذکور داخل الحوض المدور ولا یکون البعدبین جزئین متقابلین من محیط المدور فی شیئ من المواضع اقصر من اطول امتدادات المربع فیکون محیط الحوض المدور ثلثة امثال ذلك الامتداد وسبعه اعنی اربعاًواربعین ذراعاً واربعة اعشار وثلثی عــه۱ عشر للمقدمة الثانیة ولما کان الکسر الزائد اقل من النصف اسقطوه کما ھو عادة اھل الحساب وصاحب الخلاصة اعتبر ایضاً مااعتبر فی الکبری لکنه لم یتدنق فی الحساب فاخذ الکسر الزائد واحداللاحتیاط فاخذ الامتداد الاطول خمسة عشر فاذا اعتبرناہ قطرا یکون المحیط سبعاًواربعین ذراعاً وسبع ذراع فاعتبر ثمانیاًواربعین تتمیماً عــه۲ للکسر ،والقاضی

عــه۱: بل الکسر علی ماذکرہ ء۴۷۱۴ وھو اربعة اعشارواکثر من ثلثی عشر بقدر ۶/۱۲۵ تقریباً وعلی ماذکرناء وھو اربعة اعشار واقل بثلثی عشر بقدر ۵۱/۲۵۰ ای اکثر من خمس العشر اھ منه (م)

عــه۲: **اقول** السبع (۱) لایتم ولا احتیاط فی الاحتیاط فکان یجب ترکه اھ منه۔ (م)

اس خط کی ہے جو دو متقابل زاویوں کے درمیان متصل ہے،اور یہ مربع مذکور میں ممکنہ امتدادات میں سب سے لمبا ہے اس کی دلیل پہلا مقدمہ ہے تو فتاوی کبری میں اس امر کا اعتبار کیا گیا ہے کہ گول حوض کا قطر مربع حوض کے مفروضہ امتدادات میں سب سے طویل ہوتا کہ گول حوض میں شرط مذکور کے ساتھ مربع کا ہونا ممکن ہو،اور گول حوض کے محیط سے دو متقابل اجزا کا درمیانی بُعد کسی جگہ بھی مربع کے امتدادات میں سے طویل تر سے چھوٹا نہ ہو تو گول حوض کا محیط اس امتداد سے تین گُنا اور ساتواں ہوگا یعنی چوالیس ہاتھ اور چار اعشار اور دسویں کے دو ثلث ہوں گے،یہ دوسرے مقدمہ سے ثابت ہے اور چونکہ کسرِ زائد نصف سے کم ہے تو اس کو ساقط کر دیا گیا، جیسا کہ حساب دانوں کا طریقہ ہے،اور خلاصہ کے مصنف نے وہی اعتبار کیا ہے جو فتاوٰی کبریٰ میں کیا ہے، لیکن انہوں نے حساب میں باریک بینی نہ کی، توانہوں نے کسرِ زائد کو ایک اعتبار کیا احتیاطاً، توانہوں نے طویل ترین امتداد کا اعتبار پندرہ ذراع

بلاکہ ان کے ذکر کے مطابق کسر ء۴۷۱۴ ہے اور یہ چار عشر اور ایک عُشر کے دو تہائی حصے سے تقریباً ۶/۱۲۵ کی مقدار میں زیادہ ہے اور ہمارے بیان کے مطابق ء۴۴۶۳ ہے اور یہ چار عشر اور ۵۱/۲۵۰ کی مقدار میں دسویں حصے کے دو ثلث سے کم یعنی دسویں حصے کے پانچویں حصے سے زیادہ۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ ساتواں حصہ مکمل نہیں ہوتا اور اس احتیاط میں احتیاط نہیں ہے لہذا اس کا ترک کرنا واجب تھا۔ (ت)

الامام ظهیر الدین اعتبر ان تکون مساحة الحوض المدور مساوية لمساحة المربع فيكون الماء فيه مساويا لماء المربع ويشبه ان يكون هذا ماخوذا عما نقل عن محمد بن ابراهيم الميداني على ما مر فنقول كانت المساحة مائة قسمناها باحد عشر قسما كان كل قسم تسعة وجزء من احد عشر فاذا زدنا ثلثة امثالها على المائة حصل مائة وسبعة وعشرون وثلثة اجزاء من احد عشر وجذره يكون احد عشر وخمسا ونصف عـــہ١ سدس تقريبا وهو قطر دائرة مساحتها مائة للمقدمة الثالثة وثلثة امثاله مع سبعه اعنى محيط الحوض المدور يكون خمسا وثلثين ذراعا ونصف ذراع الا نصف عـــہ٢ عشر فاعتبروا هذا الكسر واحدا واخذوا محيطه ستا وثلثين وانما اوردنا هذه المباحث ليظهر وجه صحة اقوال هؤلاء الائمة وانه ليس شيئ منها كما توهم بعضهم غلطا صريحا وكم من عائب قولا صحيحا[1] اهـ۔

اور قاضی ظہیر الدین نے گول حوض کی پیمائش مربع کی پیمائش کے مساوی قرار دی ہے، تو اس کا پانی مربع کے پانی کے مساوی ہوگا، اور غالباً یہ محمد بن ابراہیم میدانی کی نقل سے ماخوذ ہے جیسا کہ گزرا ہم کہتے ہیں پیمائش سو تھی اس کو ہم نے گیارہ پر تقسیم کیا تو ہر حصہ نو اور گیارہ کا ایک جز ہوا اور جب اس کا تین گنا سو پر زائد کیا تو ایک سو ستائیس ۱۲۷ اور گیارہ کے تین اجزاء حاصل ہوئے اور اس کا جذر گیارہ، اور پانچواں اور چھٹے کا تقریباً نصف ہوا اور وہ دائرہ کا قطر ہے جس کی پیمائش سو ہے، اس کی دلیل تیسرا مقدمہ ہے اور اس کا تین گنا مع ساتویں کے یعنی گول حوض کا محیط پینتیس ذراع اور نصف ذراع دسویں کا نصف کم ہوگا تو اس کسر کو انہوں نے پورا ایک شمار کیا اور اس کا محیط چھتیس لیا اور ہم نے یہ مباحث اس لئے ذکر کیے تاکہ ان ائمہ کے اقوال کی صحت کا سبب معلوم ہوسکے اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی صریح غلط نہیں جیسا کہ بعض نے وہم کیا، اور بہت سے لوگ صحیح اقوال کو عیب لگاتے ہیں اھ (ت)

عـــہ١ ای اقل منه بشیئ قلیل فانه ء تقریبا اھ منه (م) عـــہ٢ بل المستثنی اقل منه فعلی ماذکره ۴/۱۰۵ وعلی ماذکرنا ۲۱۹/۵۰۰۰ اھ منه (م)

یعنی اس سے کچھ کم کیونکہ وہ تقریباً ۲۸۱۵۱۸ء۱۱ ہے اھ (ت) بلاکہ مستثنیٰ اس سے کم ہے ان کے ذکر کے مطابق ۴/۱۰۵ ہے اور ہمارے ذکر کے مطابق ۲۱۹/۵۰۰۰ ہے اھ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

اقول: رحمہ اللہ تعالٰی وشکر سعیہ فقدجلاعن اقوال اجلاء ومحصلہ ان کلام الظھیریۃ مبتن علی اعتبار المساحۃ وسائرالاقوال علی اشتراط الامتدادین الطول والعرض وھماقولان معروفان فی المذھب وان کان عندناالمعول علی الاول کما بیناہ فی الفصل الثالث من کتابنا النمیقۃ الانقی ویؤیدہ ان صاحب الخلاصۃ قال ھھناالحوض الکبیرمقدربعشرفی عشر و صورتہ ان یکون من کل جانب عشرۃ اذرع وحول الماء اربعون ذراعا و وجہ الماء مائۃ ذراع ھذامقدارالطول والعرض[1] اھ فلم یکتف بقولہ وجہ الماء مائۃ بل بین الطول وفصل العرض واظھرالدورثم ذکرالوجہ وان اختارفیمابعد فی جنس فی النھر اعتبار المساحۃ حیث قال ان کان الماء لہ طول وعمق ولیس لہ عرض کانھار بلخ ان کان بحال لوجمع یصیر عشرافی عشر یجوز التوضی بہ وھذا قول ابی سلیمن الجوز جانی وبہ اخذ الفقیہ ابو اللیث وعلیہ اعتماد الصدر الشھید وقال الامام ابو بکر الطرخانی لایجوز وان کان من ھنا الی سمرقند وعند من لایجوز یحفر حفیرۃ ثم یحفر نھیرۃ فیجعل الماء فی النھیرۃ الی الحفیرۃ فیتوضؤ من النھیرۃ فلو وقعت فیھا النجاسۃ یتنجس عشرۃ فی عشرۃ والمختار انہ

میں کہتا ہوں انہوں نے اجلّہ علماء کے اقوال سے پردہ ہٹایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ظہیریہ کا قول پیائش کے اعتبار پر مبنی ہے اور باقی اقوال طول وعرض کے دو امتدادوں کے شرط کرنے پر مبنی ہیں، اور یہ دونوں قول مذہب میں معروف ہیں اگرچہ ہمارا اعتماد اول پر ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "النمیقۃ الانقی" کی تیسری فصل میں بیان کیا، اور اس کی تائید یہ ہے کہ اس مقام پر صاحبِ خلاصہ نے کہا کہ بڑا حوض دہ در دہ ہوتا ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ وہ ہر طرف سے دس ہاتھ ہو اور پانی کا گرد چالیس ہاتھ ہو، اور پانی کی سطح سو ہاتھ ہو یہ طول وعرض کی مقدار ہے اھ، تو انہوں نے اپنے اس قول "پانی کی سطح سو ہاتھ ہے" پر اکتفاء نہ کیا بلالکہ طول وعرض کی تفصیل بیان کی اور دور ظاہر کیا پھر اس کی وجہ بیان کی، اگرچہ اس کے بعد جنس فی النہر کی بحث میں مساحۃ کو اختیار کیا فرمایا کہ اگر پانی کا طول وعمق ہو اور اس کا عرض نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں، اگر یہ اس قسم کا ہو کہ جمع کرنے پر دہ در دہ ہوجائے تو اس سے وضو جائز ہے یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے، اور اسی کو فقیہ ابو اللیث نے اختیار کیا اور صدر الشہید نے اسی پر اعتماد کیا اور امام ابو بکر الطرخانی نے فرمایا کہ ایسی نہر سے وضو جائز نہیں خواہ وہ یہاں سے سمرقند تک کیوں نہ ہو، اور جو حضرات وضو کے جواز کے قائل نہیں وہ فرماتے ہیں پہلے ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا جائے پھر ایک چھوٹی سی نہر کھودی جائے اور اس نہر سے پانی نکال کر گڑھے میں لایا جائے اور نہر سے وضو کیا جائے،

[1] خلاصۃ الفتاوی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۳

لایتنجس الابما یتنجس بہ الحوض الکبیر [1] اھ

اقول: (۱)وبہ ظھرالجواب عن ایراد الشرنبلالی فان الحساب انماقطع بذلك عند اعتبار المساحۃ دون اشتراط الامتدادین الطولی والعرضی بل (۲)قطع عندذلك بوجوب الزیادۃ علی فضلا عن کماتقدمت الاشارۃ الیہ ویوضحہ ان لیس المرادالامتدادان کیفماوقعابل محیطین بقائمۃ والالم یتساو الطول والعرض ولولاذلك لکفی مثلث کل ضلع منہ عشرۃ اذرع مع انھم نصوافیہ بوجوب ان یکون کل خمسۃ عشرذراعا وخمساکما فی السراج الوھاج والزھر النضیرللعلامۃ الشرنبلالی وقد قال البرجندی المرادبذلك ان یکون کل من الاطراف الاربعۃ عشراذرع و زوایاہ الاربع قوائم اذلولم تکن الزوایا کذلك لم یعتبر [2] اھ ولا یمکن وقوع مثلث قائم الزاویۃ فی دائرۃ الا فی نصفھااذلوکانت القطعۃ ازیدکانت الزاویۃ حادۃ اوانقص کانت منفرجۃ (۳۰ من ۳ من اقلیدس) وح یکون وتر القائمۃ قطرالدائرۃ

اب اگراس میں نجاست گر جائے تو وہ دہ در دہ ناپاک ہوجائیگا،اور مختار یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوگا، صرف اُسی صورت میں ناپاک ہوگاجس صورت میں بڑاحوض ناپاک ہوتا ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے شرنبلالی کے اعتراض کا جواب بھی معلوم ہوگیا کیونکہ از روئے حساب یہ بات قطعی اس وقت ہوتی ہے جب پیمائش کا اعتبار کیا جائے نہ کہ طولی وعرضی امتدادوں کی شرط لگائی جائے بلالکہ اس وقت ۴۴ سے زیادتی کاواجب ہونا قطعی ہوگاچہ جائیکہ ۳۶ سے جیساکہ اس کی طرف پہلے اشارہ گزرا،اور اس کی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ یہ مراد نہیں کہ دونوں امتداد جیسے بھی واقع ہوں ب

بلکہ دو محیط ایک قائمہ کے ساتھ،ورنہ طول وعرض مساوی نہ ہوتے،اور اگر یہ نہ ہوتا تو اس کے ہر ضلع کا مثلث دس ہاتھ کو کافی ہوتاحالانکہ علماء نے اس میں صراحت کی ہے کہ پندرہ ذراع اور ایک خُمس کا ہونا ضروری ہے، جیساکہ "السراج الوہاج" میں ہے اور شرنبلالی کی "الزہر النضیر" میں ہے،اور برجندی نے فرمایاکہ اس سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف میں سے ہر طرف دس۱۰اذراع ہو اور اس کے چاروں زاویے قائمہ ہوں ، کیونکہ اگرزاویے ایسے نہ ہوئے تو اس کا اعتبار نہ ہوگااھ اور یہ ممکن نہیں کہ کوئی مثلث قائم الزاویہ کسی دائرہ میں ہو،ہاں نصف دائرہ میں ہوسکتا ہے کیونکہ اگر کوئی قطعہ زائد ہوتاتو زاویہ حادہ ہوجاتا،اگر کم ہوتاتو منفرجہ ہوجاتا (۳۰، ۳ میں سے،

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

فاذا کانت کل ساق عشراکان جذر القطر مائتین وھوءوبالتدقیقءفاذاکان ھذا قطرالدائرۃ لوغارثمہ١٥٠٥١٥٠ا،ا

'+١۴٩٩١۴٩٧١۴٩،٠=٦۴٧٦٦۴٩،٦۴اوھولوغارثمہءفیکون المحیط اکثر من وذلك ماار دناہ۔

اقول: وبہ تبین وجہ ماطوی بیانہ العلامۃ البرجندی انہ لم اختیر وقوع المربع داخل المدور ان لایکون قطرھا اقصر من اطول امتدادات المربع اعنی قطرھا فان المقصود ھو الامتداد الضلعی المفروض عشرۃ دون القطری ووجھہ ان ذلك الامتداد الضلعی ضلعا لقائمۃ مساویا للضلع الاخر لایقع فی دائرۃ الا اذا کان قطرھا وتر المثلث ولا یقع الا فی نصف الدائرۃ فاذا رسم مثلہ فی النصف الاخر تم المربع وظھر وقوعہ فیھا۔

واقول: بوجہ اٰخر مربع کل ضلع منہ عشرۃ اذا وقعت نجاسۃ فی احدی زوایاھا مثل ج و وصلنا اع فالنصف المقابل لھا وھو مثلث ال ب ع

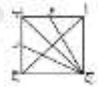

اقلیدس سے) اور اس وقت قائمہ کاوتر دائرہ کا قطر ہو جاتا، اب جبکہ ہر ساق دس ہاتھ کی ہو تو قطر کا جذر دو سو ہوتا اور وہ ١۴٢١ء ١۴ ہے اور اگر باریک بینی سے کام لیا جائے تو یہ ہوگا ١۴٢١٣٦٨ء ١۴ا، تو جب دائرہ کا قطر یہ ہوا تو اس کا لوگارثم ١٥٠٥١٥٠ا،'١+١۴٩٩١۴٩٧،٠ =٦۴٧٦٦۴٩،٦۴اہو گا اور یہ لوگارثم ۴٢٩ء ۴۴ ہے تو محیط ۴۴ سے زائد ہوگا، اور یہی ہماری مراد ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے اس کی وجہ بھی ظاہر ہو گئی جس کا بیان علامہ برجندی نے لپیٹ دیا ہے یعنی مدور کے اندر مربع واقع ہونے کیلئے یہ شرط کیوں اختیار کی گئی ہے کہ اس کا قطر مربع کے طویل ترین امتدادات سے کم نہ ہو جائے یعنی اس کا قطر، کیونکہ مقصود امتداد ضلعی ہے جو دس فرض کیا گیا ہے، قطری نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ امتداد ضلعی، قائمہ کا ضلع ہو اور دوسرے ضلع سے مساوی ہو تو دائرہ میں تب ہی واقع ہو سکتا ہے جبکہ اس کا قطر وتر مثلث ہو اور یہ نصف دائرہ میں ہی ہوتا ہے، اب اسی کی مثل جب دوسرے نصف میں کھینچی جائے تو مربع مکمل ہو جائے گا، اور اس کا اس میں واقع ہونا ظاہر ہو جائیگا۔ (ت)

اور ایک دوسرے طریقہ پر میں کہتا ہوں ایک ایسا مربع ہے کہ جس کا ہر ضلع دس ہاتھ ہے اب اگر اس کے ایک زاویہ مثلاً ج میں نجاست پڑ جائے

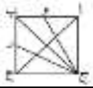

يحيط به خطاًا ب، ب ء وكل نقطة تفرض عليهما يكون بعده من النجاسة عشرة اواكثر فبعد كل من ا وع عشرة ثم لايزال يزداد حتى يكون ابعده على نقطة ب اكثر من اربعة عشر ذراعا بما تقدم هذا شان المربع الذى يعد ماؤه فى الشرع كثيرا فان كان الحوض مدورا وجعلنا قطره عشرة نظرا الى انه البعد المطلوب كما توهم المتوهم فلتكن الدائرة

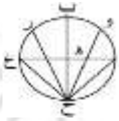

ا ب ح ء على مركز ه وقعت النجاسة عند ح فاخرجنا قطر ح ب واقمنا عمودا عليه قطراء فالنصف المقابل لموقع النجاسة ا ب ع وابعد نقاطه منه ب وهو عشرة اذرع فجميع النقاط لاتزال تقرب من ح ويكون اقرب الكل اليه نقطتاا ع (من من اقليدس) فلم تنسج الدائرة على منوال المربع المطلوب بل على ضده وعكسه فيجب ان يكون اقرب النقاط الى ح وهما ا وع كل بفصل عشرة و ح يكون شأن الدائرة شأن المربع سواء بسواء ان بُعد كل من ا وع عشرة ثم لايزال يزداد حتى يكون ابعده على ب واذن

اور ہم اع کو ملائیں تو اس کا نصف مقابل جو اب ع کا مثلث ہے اس کو دو خط محیط ہیں، ایک اب والا دوسرا ب ع والا اور ہر نقطہ جو اُن دونوں پر فرض کیا جائے اس کی دوری نجاست سے دس ہاتھ ہوگی یا اس سے زائد ہوگی تو ا اور ع میں سے ہر ایک کی دوری دس ہاتھ ہے پھر وہ مسلسل زیادہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اکا بعد ب کے نقطہ پر چودہ ذراع سے زائد ہوگا اس قاعدے کی وجہ سے جو گزرا، یہ ہے وہ مربع حوض جس کے پانی کو شرعاً کثیر کہا جاتا ہے، اگر حوض مدوّر ہو اور ہم اس کا قطر دس مقرر کریں یہ دیکھ کر کہ مطلوبہ بُعد یہی ہے، جیسا کہ وہم کرنے والے نے وہم کیا ہے اب اب ح ء کا دائرہ ھ کے مرکز پر ہوگا،

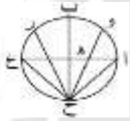

اب نجاست ح کے پاس گری تو ہم نے ح ب کا قطر نکالا اور اس پر ایک عمود قائم کیا جو اع کا قطر ہے تو وہ نصف جو موضع نجاست کے مقابلے میں ہے وہ اب ع ہے اور اس کا بعید ترین نقطہ ب ہے اور وہ دس ہاتھ ہے، اور تمام نقاط ح کے قریب ہوتے جاتے ہیں اور سب سے قریب اع کے نقطے ہیں (۳،۷ سے اقلیدس سے) تو دائرہ مطلوب مربع کے طریق پر نہیں بنایا گیا بلالکہ اس کی ضد پر اور اس کے عکس پر، تو لازم ہے کہ ح کے قریب تر نقطے ا اور ع ہیں ہر ایک میں دس کا

یکون قطر الدائرۃ ھو وتر المثلث فیکون ا ع اعنی ح ب اکثر من اربعۃ عشر ذراعا بما تقدم وثبت وقوع المربع فی الدائرۃ۔

اقول: ومن ھھنا ظھرت ثلثۃ امور اخر الاول لم یصحح قول لان فیہ نقصا من المطلوب کما علمت والمقادیر المقدرۃ لا یعمل فیھا بالاسقاط **الثانی** حیث ان القطر ء ففی جعلہ بالرفع مجازفۃ کثیرۃ کما فی قول وفی جعلہ بالاسقاط نقص من المقصود وھو لایسوغ فکان العدل التوسط بینھما وھو جعلہ ء ثلثۃ امثالہ ء وسبعہ ذراعان و کسر فالمجموع اکثر من خمسۃ واربعین ذراعا ونصف والکسر اذا زاد علی النصف بل واذا بلغ النصف یؤخذ واحدا کما ھو عادۃ الحساب فاعتبر المحیط الثالث ظھر قول الفتح ان فی الحساب یکتفی باقل منھابکسر لکن یفتی بستۃ واربعین کیلا یتعسر رعایۃ الکسر[1] اھ وظھر وجہ الافتاء بہ لانہ اعدل الاقوال لاتقتیر ولا اسراف ولا تقصیر ولا جزاف

کیا، توجب ہم اس کو قطر قرار دیں تو محیط سینتالیس گزاور ایک ذراع کا ساتواں ہوگا، لیکن کسر کو ختم کرنے کیلئے پورے اڑتالیس کا اعتبار کیا گیاہے، فاصلہ ہے اور اس وقت دائرہ کا حال مربع کے حال کی طرح ہوگا، بالکل برابر، یعنی دونوں ا اورع کا بعد دس ہے، پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں بعید ترب ہے اس وقت دائرہ کا قطر مثلث کا وتر ہوگا تواع یعنی ح ب چودہ ہاتھ سے زائد ہوگا بسبب اس قاعدے کو جو گزرا اور مربع کا دائرہ میں واقع ہونا ثابت ہوا۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اس سے تین امور ثابت ہوئے: اوّل، ۴۴ کے قول کی تصحیح نہیں کی گئی ہے کیونکہ یہ مطلوب سے ناقص ہے، جیساکہ آپ کو معلوم ہوا، اور مقدرہ مقادیر میں اسقاط کا عمل نہیں ہوتا، **ثانی** یہ کہ قطر ۱۴۲ء ۱۴ ہے تو اس کو اگر بڑھا کر اندازاً ۱۵ بنالیا جائے تو یہ اٹکل پچّو کے سوا کچھ نہیں ہے جیساکہ ۴۸ کے قول پر ہے اور اگر ساقط کرکے اس کو ۱۴ بنایا جائے تو مقصود سے کم ہوگا اور یہ درست نہیں ہے، توانصاف یہ ہے کہ ان دونوں میں درمیانہ درجہ اختیار کیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ ۵ء۱۴ ااس کا تین گنا ہے ۵ء۴۳ اور اس کا ساتوں دو ۲ ذراع ہیں اور کسر ہے تو مجموعہ ۴۵ ذراع اور نصف سے زائد ہے اور کسر جب نصف سے زائد ہوجائے بلاالکہ جب نصف تک پہنچ جائے تو اس کو پورا ایک شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ حساب دانوں کی عادت ہے، تو محیط ۴۶ اعتبار کیا گیا۔

ثالث، فتح کا یہ قول ظاہر ہوگیا کہ حساب

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷۰/۱

هكذا ينبغى ان يفهم كلام العلماء الكرام والحمدالله ولى الانعام ولا يذهبن عنك ان كل ذلك بناء على اشتراط الامتدادين والصحيح المأخوذالمعتمدالقصرعلى المساحة فلذلك كان التعويل على ماصححه فى الظهيرية والملتقط والذخيرة مع مافيه من تقريب وان شئت اقرب شيئ الى التحقيق فقد اذناك به وبالله التوفيق۔

تنبيهات:(۱) **اقول** مقدمة البرجندى الثالثة مبنية على الثانية لما علمت ان ۴/ق ط=م فاذا كان ق:ط::۲۲:۷ كان ۷/۲۲ق=ط:. ۲۸/۲۲ق۲ بل ۱۴/۱۱ق۲=م :.۱۱ق۲=۱۴م :.ق۲=۱۱/۱۴م:. ق=۱۱/۱۴م وهو المطلوب وقد علمت انه تقريب بعيد ولكن لايخل بالمقصود فان على التحقيق ق:ط ::۹۹۱۱۴۸۵۵:۷ء۲۱:. الخ ۷/۹۹ء۲۱ ق=ط:. الخ ۲۸/۹۹ء۲۱ق۲=م:. ق=الخ۹۹ء۲۱/۲۸م فلوغارثم المساحة يجمع فى لو لوالخ ء ولو =۰ء والاخر ۳۴۲۲۴۷۹ء۱ حاصل التفريق ۱۰۴۹۱۰۱ء۰مثل ماقدمنا فى جدولنا يجمع فيه لوالمساحة وينصف الحاصل يكن لوالقطر فكان القطر كما قدمنا ء والمحيط ء خمسة وثلثين وكسرا لايبلغ النصف وهو حاصل حساب البرجندى

میں کسر کے ساتھ اس سے کم پر اکتفاء کیا جائے گا، لیکن ۴۶ پر فتوٰی دیا جائے گا تاکہ کسر کی رعایت دشوار نہ ہو اھ

اور اس پر افتاء کی وجہ ظاہر ہوگئی کیونکہ یہ اعدل الاقوال ہے جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے، اسی طرح علماء کے کلام کو سمجھنا چاہئے، اور یہ مخفی نہ رہے کہ یہ سب اس بنا پر ہے کہ دو امتدادوں کی شرط ہے اور صحیح ماخوذ معتمد مساحت پر انحصار ہے لہٰذا اعتماد اس پر ہوگا جو ظہیریہ، ملتقط اور ذخیرہ میں صحیح قرار دیا گیا ہے، پھر اس میں تقریب ہے اور اگر تحقیق کے قریب تر چیز کی تلاش ہو تو ہم نے تمہیں اس پر آگاہ کردیا ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

تنبیہات: (۱) میں کہتا ہوں برجندی کا تیسرا مقدمہ دوسرے پر مبنی ہے، جیساکہ آپ نے جاناکہ ۴/ق ط=م توجب ق :ط::۲۲:۷ ہواتو ۷/۲۲ق=ط:.۲۸/۲۲ق۲ بلالکہ ۱۴/۱۱ق۲=م :. ۱۱ق۲=۱۴م :. ق۲=۱۱/۱۴م :. ق=۱۱/۱۴م ہوگا اور یہی مطلوب ہے، اور آپ جان چکے یہ تقریب بعید ہے لیکن مقصود میں مخل نہیں کیونکہ تحقیقی طور پر ق:ط::۹۹۱۱۴۸۵۵:۷ء۲۱ :. ۷/الخ۹۹ء۲۱ق=ط :. الخ ۲۸/۹۹ء۲۱ق۲=م :.ق= الخ۹۹ء۲۱/۲۸م تو مساحت کے لوگارثم کو جمع کیاجائیگالو ۲۸-لوالخ ۹۹ء۲۱ولو ۲۸=۱۵۸۰۷۴۴ء۱ میں اور دوسرا ۳۴۲۲۴۷۹ء۱ حاصل تفریق ۱۰۴۹۱۰۱ء۰ ہے جیساکہ ہم نے اپنے جدول میں بیان کیا، اس میں مساحت کا لو جمع کیا جائیگا اور حاصل کو آدھا کیا جائے گا تو لو قطر ہوگا تو جیساکہ ہم نے لکھا قطر ۲۸۴ء۱۱ ہوگا اور محیط ۴۴۹ء۳۵

رفع الکسر لما علمت ان الاسقاط فی المقادیر باطل فکان الدور وھو المقصود۔

(۲) (ا) کون القطر من المحیط ۲۲/۷ لیس مبرھنا علیه فی الحساب بل لم تعلم الی الان النسبة بینھما تحقیقا انما عملوا بالاستقراء ات والتقریبات فکذا مایبتنی علیه من ان ق = ۱۱/۱۴ م فقوله کل ذلك مبرھن فی الھندسة والحساب تسامح۔

(۳) فی (ا) اسقاط الکسر الزائد ھھنا وان کان اقل من النصف ماقد علمت۔

(۴) (۳) القول الرابع مبنی قطعا علی مافی الظھیریة ایضا عن محمد المیدانی انه ان کان بحال لو جمع ماؤہ یصیر عشرا فی عشر لبنائه الامر علی المساحة فقط من دون اعتبار العرض فلیس ھذا محل یشبه۔

(۵) قال فی الدر (۴) وفی المثلث من کل جانب خمسة عشرو ربعا وخمسا [1] اھ وفی بعض النسخ اوخمسا واعترضه ط بان الحساب یقینی فلا معنی للتردید واختار تبعا لنوح افندی الربع وان المساحة مائة ذراع وثلثة ارباع ذراع وشیئ قلیل لایبلغ ربع ذراع۔

اور کچھ کسر ہوگی جو نصف تک نہیں پہنچے گی اور یہی برجندی کے حساب کا حاصل ہے کسر بڑھائی اس لئے گئی ہے کہ آپ جان چکے ہیں کہ مقادیر کا ساقط کرنا باطل ہے تو دور ۳۶ ہوا اور یہی مقصود ہے۔

(۲) قطر کا محیط سے ہونا ۲۲/۷ حساب میں مبرہن نہیں ہے بلاکلہ اب تک ان دونوں کے درمیان تحقیقی نسبت بھی معلوم نہیں ہوسکی ہے، جو کچھ کیا ہے وہ محض استقراء اور تقریب ہے، تو جو اس پر مبنی ہوگا اس کا بھی یہی حال ہے، یعنی یہ کہ ق = ۱۱/۱۴م تو اس کا یہ قول کہ یہ تمام حساب اور ہندسہ میں مبرہن ہے اس میں تسامح ہے۔

(۳) کسر زائد کو ساقط کرنے میں اگرچہ نصف سے کم ہو، جو کلام ہے وہ تم جان چکے ہو۔

(۴) چوتھا قول قطعاً اس پر مبنی ہے جو ظہیریہ میں بھی محمد المیدانی سے منقول ہے کہ اگر وہ ایسا ہو کہ اس کا پانی اگر جمع کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہوگا کیونکہ اس نے اس معاملے کو صرف مساحت پر مبنی کیا ہے اور عرض کا اعتبار نہیں کیا تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔

(۵) در میں فرمایا اور مثلث میں ہر طرف سے ۱۵، چوتھائی اور پانچواں ہے اھ اور بعض نسخوں میں یا پانچواں ہے، اور اس پر "ط" نے اعتراض کیا کہ یہ حساب یقینی ہے تو اس میں تردید کا کوئی مفہوم نہیں اور انہوں نے نوح آفندی کی متابعت میں چوتھائی کو مختار کہا اور یہ کہ مساحت ایک سو ۱۰۰ ذراع اور ایک ذراع کے تین رُبع ہیں اور کچھ مزید جو چوتھائی ذراع کو نہیں پہنچتا۔ (ت)

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

اقول: (۱) بل ولا سدس ۳۶/ مسدس ذراع کما ستعلم وجعل ش نسخۃ اواصوب **اقول:** (۲) اذ النسخۃ الواو حظ من صواب ولیس کذلك وبناھا علی الاختلاف فی التعبیر فان نوحا عبر بالربع والسراج والشرنبلالی بالخمس واختار تبعالھما الخمس وان المساحۃ مائۃ ذراع وشیئ قلیل لایبلغ عشر ذراع.**اقول:** (۳) بل یبلغہ بل یغلبہ کما ستری قال وعلی التعبیر بالربع یبلغ نحو ربع ذراع اقول بل (۴) اکثر من ثلثۃ ارباعہ وذلك ان ط عن افندی وش عن السراج نقلا مؤامرۃ مساحتہ ان تضرب احد جوانبہ فی نفسہ فماصح اخذت (۵) ثلثہ وعشرہ فھو مساحتہ[1] اھ **اقول:** وھذا وان کان فیہ ماستعرف فالعمل بہ علی وجھین الاول ان تأخذ ثلث المربع وعشرہ مع الکسر وھو (۶) الذی عملا بہ مع قولھمافماصح الخ ولذا قال السراج فی مربع خمسۃ عشر والخمس ان ثلثہ علی التقریب ولو اخذ الصحیح فقط لکان ثلثہ تحقیقا، وقال نوح فی مربع خمسۃ عشر والربع ان ثلثہ ونصف ذراع وسدس ثمنہ وعشرہ وربع ونصف ثمن عشر وماذلك الاباعتبار الکسر والثانی العمل علی ماصح فقط فعلی الاول مربع ء=۰ء ثلثہ ۷۷ء۰۱۳ وعشرہ ۲۳ء۱۰۴ مجموعھما ۱۰۰ء۱۱۷ وھو اکثرمن العشرومربع ۱۵ء۲۵=۲۳۲ء۵۶۲۵ ثلثہ ۷۷ء۵۲۰۸۳ وعشرہ

میں کہتا ہوں بلالکہ ذراع کے سدس کے چھٹے کو بھی نہیں پہنچتا جیساکہ آپ عنقریب جان لیں گے اور "ش" نے او کے نسخہ کو درست قرار دیا، میں کہتا ہوں اس صورت میں واو کا نسخہ بھی کچھ صحیح ہوسکتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، اور انہوں نے اس کا مبنٰی تعبیر کے اختلاف کو قرار دیا ہے کیونکہ نوح نے چوتھائی سے تعبیر کیا اور سراج اور شرنبلالی نے پانچویں سے تعبیر کیا، اور خمس کو ان دونوں کی متابعت میں مختار قرار دیا اور یہ کہ مساحۃ سو ذراع اور قدرے ہے جو ایک ذراع کے دسویں تک نہیں پہنچتی ہے۔

میں کہتا ہوں، ایسا نہیں ہے بلالکہ یہ مقدار اس سے زائد ہوجاتی ہے جیسا کہ آپ عنقریب دیکھ لیں گے، فرمایا جب اس کو چوتھائی سے تعبیر کیا جائے تو یہ تقریباً چوتھائی ذراع ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کے تین چوتھائی سے بھی زائد ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ "ط" نے آفندی سے اور "ش" نے سراج سے اس کی پیائش کا حساب یہ نقل کیا کہ اس کے کسی کنارے کو خود اُسی میں ضرب دی جائے تو جو جواب ہو اس کا تہائی اور دسواں اس کی پیائش ہے اھ۔

میں کہتا ہوں اس میں کچھ بحث ہے جو آپ جان لیں گے پھر بھی اس کا عمل دو طریقوں پر ہے، پہلا تو یہ ہے کہ مربع کا تہائی اور دسواں مع کسر کے لیا جائے، اور اسی پر ان دونوں نے عمل کیا ہے، ساتھ ہی ان کا یہ قول ہے فماصح الخ اور اس لئے سراج نے پندرہ اور پانچویں کے مربع میں فرمایا کہ اس کا تہائی تقریبی ۷۷ ہے، اور اگر صرف صحیح لیا جائے

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ ۱/۱۳۲

۲۵۶۲۵ء۲۳ مجموعهما ۸۰۷۷ء۱۰۰اوهو اکثر من ۷۵ء وعلى الثانى ۲۳۱/۳=۷۷وعشره ۲۳ءمجموعهما۱ء۱۰۰افقد بلغ العشرو ۲۳۲/۳ = ۳ء۷۷ وعشره ۲ء۲۳ مجموعهما۵ء۱۰۰اوهو نصف بل اکثر لان دائر،

ثم اقول: التحقیق ان الکسر اقل من الخمس یعبربه لقلة التفاوت جدا ولیکن مثلثامتساوی الاضلاع اذفیه الکلام کما

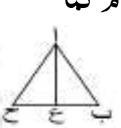

سمعت من قول الدرمن کل جانب کذا فکل زاویة منه سدس الدور ومساحة کل مثلث نصف مسطح العمود والقاعدة وهی هھنا مثل سائر الاضلاع اخرجنا علی ب ج عمود ء ففی مثلث ا ع ح القائم الزاویة اح:ع::اع:جیب ۶۰ حه ولنسم اح الضلع ض و اع عمود عم وذلك الجیب منحطا لکونه جیب السدس جس فبحکم التناسب ض جس= عم وحیث ان ۲/ض عم =۱۰۰: . ض۲ جس=۲۰۰ بل ض۲=جس/۲۰۰ :. ض = جس /۲۰۰ ولو ۲۰۰=۳۰۱۰۳۰۰ء۲ولوجس۹۳۷۵۳۰۶ء۱حاصل الطرح ۳۶۳۴۹۹۴ء۲ نصفه ۱۸۱۷۴۹۷ء۱ هذا لوض فهو ۱۹۶۷۱۳۸ء۱۵

تواس کا ثلث تحقیقی ہوگا، اور نوح نے پندرہ اور چوتھائی کے مربع کی بابت فرمایا کہ اس کا تہائی ۷۷، اور آدھا ذراع اور ثُمنِ ذراع کا سُدس ہے اور اس کا عُشر ۲۳ اور رُبع اور عُشر کے ثُمن کا نصف ہے اور یہ کسر ہی کے اعتبار سے ہوسکتا ہے، اور دوسرا عمل صرف صحیح کے مطابق ہے۔ تو پہلی صورت میں مربع ۲ء۱۵= ۰۴ء۲۳۱ اس کا ثلث ۰۱۳ء۷۷ اس کا دسواں ۱۰۴ء۲۳ ہے ان دونوں کا مجموعہ ۱۱۷ء۱۰۰ ہے اور یہ دسویں سے زائد ہے اور مربع ۲۵ء۱۵= ۵۶۲۵ء۲۳۲، اس کا تہائی ۵۲۰۸۳ء۷۷، اور اس کا دسواں ۲۵۶۲۵ء۲۳، ان دونوں کا مجموعہ ۸۰۷۷ء۱۰۰ ہے اور یہ ۷۵ء سے زائد ہے، اور دوسری تقریر پر ۲۳۱/۳=۷۷ ہے اور اس کا دسواں ۱ء۲۳، ان دونوں کا مجموعہ ۱ء۱۰۰ تو دسواں ہوگیا اور ۲۳۲/۳= ۳ء۷۷ ہے اور اسکا دسواں ۲ء۲۳ ہے ان دونوں کا مجموعہ ۵ء۱۰۰ ہے اور وہ آدھا ہے بلکہ زائد ہے کیونکہ ۳ دائر ہے۔

پھر میں کہتا ہوں کہ تحقیق یہ ہے کہ کسر خمس سے کم ہے لیکن خمس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس میں تفاوت بہت ہی کم ہے، یہ ایک مثلث ہے اس مثلث کے تمام اضلاع برابر ہیں، کیونکہ کلام اسی میں ہے، درکا کلام اس بابت

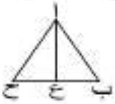

آپ سُن ہی چکے ہیں کہ ہر طرف سے ایسا ہی ہو تو اس کا ہر زاویہ دور کا چھٹا ہے اور ہر مثلث کی پیائش عمود کی مسطح کا نصف ہے اور قاعدہ یہاں

کسرا اقل من ء ثم لوض لوجس = ۱۱۹۲۸۰۳ء ۱ھذا لوعم فھو ۱۶۰۷۳۹۴ء ۱۳ثم لوض+لوعم = ۳۰۱۰۳۰۰ء ۲طرحنا منہ لو۲ بقی ۰۰۰۰۰۰۰ء ۲ وھو لو ۱۰۰ تماما من دون زیادۃ ولا نقص وبوجہ اٰخر فی استعلام ض حیث ان مربع نصف الشیئ ربع مربع الشیئ فبالعروسی عم ۲ + ۴/ض ۲
= ض ۲ :. عم ۲ = ۴/۳ض ۲ :. عم = ۴/۳ض ۲ وکان عم ض = ۲۰۰ :. ض ۴/۳ض ۲ = ۲۰۰بل ۴/۳
ض = ض/۲۰۰ :. ۴/۳ض ۲ = ض ۲/۴۰۰۰۰ :. ۳ض ۴ = ۱۶۰۰۰۰بل ض ۴ = ۱۶۰۰۰۰/۳ :. لوالمقسوم ۲۰۴۱۲۰۰ء ۵- لوالمقسوم علیہ ۱۲۱۳ ۷۷ ۴ء ۰ = ۲۶۹۹۸۷ ۷ء ۴ ربعہ ۱۸۱۷۴۹۷ء ۱ مثل الحساب الاول سواء۔

اقول: وبہ ظھر مافی موأمرۃ المساحۃ المذکورۃ اذحاصلہ ان ۱۳/۳۰ض ۲ = م ای ۱۳/۱۵ض ۲ = ۲م وقد علمت ان ض ۴/۳ض ۲ = ۲م فھما متساویان قسمناھما علی ض :. ۱۳/۱۵ض = ۴/۳ض ۲ :. ۱۶۹/۲۲۵ض ۲ = ۴/۳ض ۲ :.

تمام اضلاع کی مثل ہے ہم نے ب ج پر ایک عمود نکالا جس کا نام اع ہے تو اع ح جو زاویہ قائمہ والا ہے اح : ع : : اع : جیب ۶۰ حہ، اح ضلع کا نام ہم نے ض رکھا اور اع عمود کا عم رکھا اور وہ جیب گر رہا ہے، کیونکہ جیب چھٹا جس ہے تو تناسب کے قاعدہ سے ض جس = عم ہے اور چونکہ ۲/ض عم = ۱۰۰ :. ض جس ۲ = ۲۰۰ ہے بلکہ ض ۲ = جس ۲۰۰ :. ض = جس/۲۰۰ ولو ۲۰۰ = ۳۰۱۰۳۰۰ء ۲ ولوجس ۹۳۷۵۳۰۶ء ۱ طرح کا حاصل ۳۶۳۴۹۹۴ء ۲ ہو جس کا آدھا ۱۸۱۷۴۹۷ء ۱ یہ لوض ہے تو وہ ۱۳۸ ۱۹۶۷ء ۱۵ بطور کسر ۲ء سے کم ہے، پھر لوض_ لوجس = ۱۱۹۲۸۰۳ء ۱ یہ لوعم ہے تو وہ ۱۶۰۷۳۹۴ء ۱۳ ہے پھر لوض + لوعم = ۳۰۱۰۳۰۰ء ۲ ہے تو ہم نے اس لو۲ کو کم کیا تو ۰۰۰۰۰۰۰ء ۲ بچا اور یہ پورا لو۱۰۰ ہے، اس میں کوئی کمی بیشی نہیں، اور دوسرے طریقے پر ض کے استعلام میں، کہ کسی چیز کا آدھا مربع اس چیز کے مربع کا چوتھائی ہوتا ہے تو شکل عروسی سے عم ۲ + ۴/ض ۲ = ض ۲ :. عم ۲ = ۴/۳ض ۲ :. عم = ۴/۳ض ۲ اور عم ض = ۲۰۰ :. ض ۴/۳ض ۲ = ۲۰۰ بلکہ ۴/۳ض ۲ = ض/۲۰۰ :. ۴/۳ض ۲ = ض ۲/۴۰۰۰۰ :۔ ۳ض ۴ = ۱۶۰۰۰۰ بلکہ ض ۴ = ۱۶۰۰۰۰/۳ :۔ لومقسوم ۲۰۴۱۲۰۰ء ۵- لومقسوم علیہ ۱۲۱۳ ۷۷ ۴ء ۰ = ۲۶۹۹۸۷ ۷ء ۴ اس کا ربع ۱۸۱۷۴۹۷ء ۱ اور یہ بالکل پہلے حساب کے مساوی ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اور اسی سے وہ اعتراض ظاہر ہوا جو مذکورہ پیمائش کا مؤامرہ ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ۱۳/۳۰ض ۲ = م یعنی ۱۳/۱۵ض ۲ = ۲م اور تو نے جان لیا کہ ض ۴/۳ض ۲ = ۲م وہ دونوں قسمیں مساوی ہیں جن کو ہم نے ض پر تقسیم کیا :. ۱۳/۱۵ض = ۴/۳ض ۲

۴/ض۲=۶۷۶ض۲=۶۷۵ء ض وھو محال ای ان ۲۳۱ و۲۳۲=۰ نعم لاباس بہ فی التخمین ویختص بھذا القسم من المثلث وماذکرنا عام

ثم اقول: ھذاالذی ذکر فی مساحۃ المثلث انما یبتنی علی القول المعتمد من اعتبار المساحۃ وحدھا اما (۱) علی القول الاٰخر من اعتبار الامتدادین فلابد ان یکون کل ضلع اکثر من احد وعشرین ذراعاونصف ذراع بکسر قریب جزء من احد وعشرین جزء من ذراع وذلك لانہ یجب وقوع مربع عشر فی المثلث کما علمتہ فی الدائرۃ فلیکن ع ح المربع رسمناعلی ع لامنہ مثلا مثلث ع ب ہ متساوی الاضلاع واخرجنا ب ع ح ر حتی التقیا علی اواخرجنا ب ہ ر ح حتی التقیا علی ح

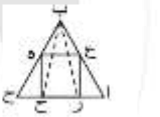

فمثلث ا ب ح ھو المطلوب اماالالتقاء فلانااذاوصلنا ب ح کانت زاویۃ ب ح ر جزء قائمۃ ہ ح ر وزاویۃ ا ب ح جزء ا ب ہ ثلثی القائمۃ فقد خرجا من اقل من قائمتین واماان ا ب ح المثلث المطلوب فلان زاویتی ھ ء ا ھ ح متساویتان بالماٴمونی فباسقاط قائمتی ہ ء ر ء ہ ح تبقی ر ء ا ح ھ ح متساویتین وفی ھذین المثلثین زاویتاروح قائمتان وضلعار ء ہ ح متساویان فزاویتا او ح

:.۱۶۹/۲۲۵اض۲=۴/۳ض۲:. ۶۷۶ض۲=۶۷۵ض۲اور وہ محال ہے یعنی ۲۳۱ و ۲۳۲=۰ ہاں تخمینہ میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ مثلث کی اس قسم کے ساتھ خاص ہے جو ہم نے ذکر کیا وہ عام ہے،

پھر میں کہتا ہوں مثلث کی پیائش میں جو انہوں نے ذکر کیا ہے قول معتمد پر مبنی ہے کہ صرف پیائش کا اعتبار کیا جائے، اور دوسرا قول جس میں دو امتدادوں کا اعتبار ہے تو اس میں یہ ضروری ہے کہ ہر ضلع میں ساڑھے اکیس ذراع پر کچھ کسر زائد ہو جو ذراع کے اکیسویں جزء کے لگ بھگ ہوگی، اس کی وجہ یہ ہے کہ دس کے مربع کا مثلث میں ہونا ضروری ہے جیسا کہ آپ نے دائرہ میں جانا، تو اب ء ح کا مربع ہم نے ء ہ پر کھینچا مثلاً مثلث ء ب ہ جس کے اضلاع برابر ہوں اور ہم نے ب ء ح ر نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں اپر ملے، ہم نے ب ہ ر ح نکالا یہاں تک کہ وہ دونوں ح پر ملے تو مثلث ا ب ح کا بناوہی مطلوب ہے،

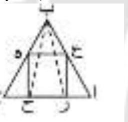

جہاں تک ملنے کا تعلق ہے تو جب ہم نے ب ح کو ملایا تو ب ح ر کا زاویہ ہ ح ر کے زاویہ قائمہ کا جزء ہوا، اور ا ب ح کا زاویہ ا ب ہ کا جزء ہوا، جو قائمہ کا دو ثلث ہے، کیونکہ یہ دونوں قائموں سے اقل ہے، اور ا ب ح کا مثلث مطلوب ہے کیونکہ ھ ء ا ھ ح کے دونوں زاوئے مامونی سے متساوی ہیں تو ہ ء ر ء ہ ح کے دونوں قائموں کو ساقط کرنے کے بعد ر ء ا ح ھ ح دونوں متساوی ہیں اور ان دونوں

متساویتان (من اولی الاصول) وحیث ان ب ثلثا قائمة والمجموع کقائمتین (منها) فالکل متساویة وبوجه اخصر حیث ان ب ہ ء ثلثاقائمة و ء ہ ح تمامها الی قائمتین (منها) فباسقاط ہ القائمة منها تبقی ح ہ ح ثلث قائمة فباسقاطها مع ح القائمة من مثلث ہ ح ح تبقی ح ثلثی قائمة وکذلك افا لزوایا الثلاث متساویة فکذا الاضلاع الثلاث والا لاختلفت الزوایا (منها)فمثلث ا ب ح المار بزوایاالمربع الاربع متساوی الاضلاع وذلك ماردناه واذفی مثلث ہ ح ح القائم الزاویة ہ ح:ع::ہ ح:جیب السدس و ہ ح بالفرض:.۰۰۰۰۰۰۰ء۱-۱۰۶۰۳۵۷۹۳ء۱ = ۰۶۲۴۲۶۹۴ء۱ وهو لوغارثم ءهذامقدار هح وقد کان ب ہ ۰:. ب ح ء وذلك ماردناه والله تعالی اعلم وصلی الله علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه و بارك وسلم ابداامین والحمدلله رب العلمین۔

مثلثوں میں روح کے دونوں زاویے قائمے ہیں اور رع ہ ح کے دونوں ضلعے برابر ہیں تو او ح کے دونوں زاویے برابر ہوں گے (۲۶ پہلی اصل سے) اور چونکہ ب ایک قائمہ کادو ثلث ہے اور مجموعہ دو قائموں کی مانند ہے (۱۳۲سی اصل سے) توسب برابر ہوئے اور بطور اختصار چونکہ ب ہ ء ایک قائمہ کادو ثلث ہے اور ء ہ ح جو دو قائموں کے برابر ہے (۱۱۳سی اصل سے) تو ہ کو قائمہ کیلئے ساقط کرنے سے باقی رہتا ہے ح ہ ح ثلث قائمہ کاتواس کو ح کے قائمہ کے ساتھ ساقط کرنے سے ہ ح ح کے مثلث سے ح باقی رہ جائیگا جو ایک قائمہ کادو ثلث ہے اور اسی طرح اکا حال ہے تو تینوں زاویے برابر ہیں، تو اسی طرح تینوں اضلاع برابر ہوں گے ورنہ زاویے مختلف ہوجائیں گے (۱۸ پہلی اصل سے) تو اب ح کا گزشتہ مثلث مربعوں کے چاروں زاویوں کے ساتھ برابر ضلعوں والا ہوگا اور یہی ہم نے ارادہ کیا تھا اور چونکہ ہ ح ح زاویہ قائمہ والے مثلث میں ہ ح:ع::ہ ح:جیب چھٹا ہے وہ ح ۱۰ بالفرض:.۰۰۰۰۰۰۰ء۱-۱۰۶۰۳۵۷۹۳ء۱ = ۰۶۲۴۲۶۹۴ء۱ اور یہ لوگارثم ۷۵۴ء۱۱ کا ہے یہ مقدار ھ ح اور ب ہ ۱۰:. ب ھ ۷۵۴ء۲۱ اور یہی ہماری مراد تھی واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالی علی سیدنا وموٰلینا محمد وآلہٖ وصحبه وبارك وسلم ابداً اٰمین والحمدللہ رب العالمین۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وضو نہر سے افضل ہے یا حوض سے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وضو نہر سے افضل ہے مگر کسی مصلحتِ خاصہ کے باعث۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کسی معتزلی کے سامنے

فتح القدیر میں ہے: اُسے غیظ پہنچانے کو حوض سے وضوافضل ہے کہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں۔

فی فوائد الرستغفنی التوضی بماء الحوض افضل من النهر لان المعتزلة[عہ] لایجیزونه	فوائد الرستغفنی میں ہے نہر کی بہ نسبت حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ حوضوں سے وضو کو

عــه فی المعراج بناء علی جزء لایتجزء فانه عند اهل السنة موجود فتصل اجزاء النجاسة الی جزء لایمکن تجزئته فیکون باقی الحوض طاهرا وعند المعتزلة معدوم فیکون کل الماء مجاورا للنجاسة فیکون الحوض نجسا عندهم وفی هذا التقریر نظر اه قال ش فی توضیحه عند الفلاسفة کل جسم قابل لانقسامات غیر متناهیة فلا یوجد جزء من الطاهر الا ویقابله جزء من النجاسة فتصل اجزاء النجاسة بجمیع اجزاء الماء اه

اقول اولا: (۱) این القابلیة من الفعلیة والجسم عندهم متصل بالفعل فلایلاقی الامالاقی **وثانیا:**(۲) لوقسم لم یلزم ایضا اتصال اجزاء النجاسة بجمیع اجزاء الماء لان الانصاف علی نسبة الاضعاف فاذا کانت النجاسة قدر اصبع والماء الف ذراع فنصفها نصف اصبع وشطره خسمائة ذراع وهکذا الی مالایتناهی وتساوی التقسیم لایستلزم تساوی الاقسام فیما بینهما الاتری ان ایام الابد و سنیه کلا غیر متناه والیوم لایساوی السنة ابدا وکفی بهذین لتوجیه

معراج میں ہے یہ جزء لایتجزی پر مبنی ہے، کیونکہ یہ اہل السنۃ کے نزدیک موجود ہے تو نجاست کے اجزاء ایسے جزء تک پہنچیں گے جو منقسم نہیں ہوتا ہے، تو باقی حوض طاہر رہے گا اور معتزلہ کے نزدیک جزء نہیں ہے اس لئے کل پانی نجاست کا پڑوسی ہوگا، تو ان کے نزدیک حوض نجس ہوگا، اس تقریر میں نظر ہے اھ "ش" نے اس کی توضیح میں فرمایا فلاسفہ کے نزدیک ہر جسم لامتناہی تقسیم کو قبول کرتا ہے تو پاک پانی کے ہر جزء کے مقابل ایک ناپاک جزء ہوگا تو اجزاء نجاست تمام اجزاء پانی کے ساتھ متصل ہوجائیں گے اھ

میں کہتا ہوں قابلیۃ اور فعلیۃ میں بہت فرق ہے، اور جسم ان کے نزدیک متصل بالفعل ہے تو وہ صرف اسی سے ملے گا جس سے ملا ہوا ہے، اور ثانیاً اگر تقسیم بھی کیا جائے تو لازم نہیں آتا کہ نجاست کے تمام اجزاء پانی کے تمام اجزاء سے متصل ہوں کیونکہ انصاف اَضعاف کی نسبت کے مطابق ہی ہوگا، مثلاً نجاست ایک انگلی کی مقدار ہے اور پانی ہزار ذراع ہے، تو اس کا نصف آدھی انگلی ہوا اور اس کا آدھا پانسو ذراع ہوا اور اسی طرح الی مالا نہایۃ تک ہوگا، اور تقسیم

من الحیاض فیر غمھم بالوضوء منھا اھو	جائز قرار نہیں دیتے ہیں اس طرح ان کی تذلیل ہوگی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) النظر ووجهه ش بما توضیحه مع تلخیصه ان لوبنیت المسألة علیه لماتنجس عندنا من الماء الا مایساوی النجاسة حجما فقطرة بقطرة ونصفها بنصفها۔ **اقول:** وایضا یلزم المعتزلة لوقالوا به تنجیس البحر العظیم بقطیرة قال علی ان المشهور ان الخلاف فی الجزء بین المسلمین والفلاسفة بنواعلیه قدم للعالم وعدم حشر الاجساد والمعتزلة لم یخالفوا فی شیئ من ذلك والا لکفروا اھ **اقول:** (۱) لیس نفی الجزء کفرا ولا لازم المذهب مذهبا لاسیما تلك اللوازم البعیدة وکم من لزوم علی مذاهب المعتزلة القائلین بها قطعا ثم لم یکفروافلیکن هذا منها فکیف یرد نقل الثقة علی انه (۲) یکفی فیه ان یکون قول بعضهم کما قال تعالی قالت الیهود عزیرن ابن الله قالوا قالها طائفة قلیلة منهم کانت وبانت قال فالاولی ماقیل من بناء المسئلة علی ان الماء یتنجس عندهم بالمجاورة وعندنا لابل بالسریان وذلك یعلم بظهور اثرها فیه فمالم یظهر لایحکم بالنجاسة هذا ما ظهر لی فاغتنمه اھ **اقول:** (۳) نص فی البدائع ان التنجس بالتجاور روبینا فی النمیقة الانقی ان الماء القلیل یتنجس معالا بالسریان علی (۴) انهم اذلم

کی تساوی سے اقسام کی تساوی لازم نہیں آتی ہے، مثلاً ابد کے ایام اور سال غیر متناہی ہیں اور ایک دن ہر گز بھی ایک سال کے برابر نہیں ہوسکتا ہے اور یہ دونوں نظر کی توجیہ کو کافی ہیں اور "ش" نے اس کی جو توجیہ کی ہے اس کی تلخیص مع توضیح یہ ہے کہ اگر مسئلہ اسی پر مبنی ہو تو ہمارے نزدیک صرف اتنا ہی پانی نجس ہوگا جتنا کہ نجاست کے مساوی ہے، تو ایک قطرہ ایک قطرہ ہی کے مقابل ہوگا اور نصف اس کے نصف کے مقابل ہوگا۔

میں کہتا ہوں اگر معتزلہ کا یہی قول ہوتا تو ان پر یہ لازم آتا کہ ایک قطرہ سے پورا سمندر ناپاک ہوجائے، انہوں نے فرمایا علاوہ ازیں مشہور یہ ہے کہ اختلاف جزء میں فلسفیوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے، اور فلاسفہ نے اس پر عالم کے قدم اور حشر ونشر کی نفی کی بنیاد رکھی ہے اور معتزلہ نے ان چیزوں میں کسی کی مخالفت نہیں کی ہے ورنہ وہ کافر قرار پاتے اھ

میں کہتا ہوں جزء کی نفی کفر نہیں ہے اور نہ ہی لازم مذہب، مذہب ہوتا ہے، خاص طور پر یہ لوازم بعیدہ، اور جو معتزلی مذہب رکھتے ہیں ان پر بہت سے لوازم ہیں، مگر ان کی تکفیر نہیں کی جاتی ہے، سو یہ لازم بھی منجملہ ایسے لوازم کے ہو جائے، تو ثقہ کی نقل کو کیسے رد کیا جائے، علاوہ اس کے اس میں اتنا کافی ہے کہ یہ بعض کا قول ہو، جیسا کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

هذا انما یفید الافضلیة لهذا العارض ففی مکان لایتحقق النهر افضل[1] اھ	اھ اس سے افضل ہونے کی یہ عارضی وجہ معلوم ہوتی ہے جہاں یہ وجہ نہ ہو وہاں نہر سے وضو افضل ہوگا۔ (ت)

اقول: اس مصلحت سے اہم دفع تہمت ہے کہ معاذاللہ لوگوں کو اس پر اتباع معتزلہ کا گمان ہو اس کے دفع کیلئے ایسا کرے اس (ا) کی نظیر مسح موزہ ہے کہ رافضی خارجی ، ناجائز جانتے ہیں اگر کسی کو اس پر گمان خروج ہو تو اس کے دفع کو مسح موزہ افضل ورنہ فی نفسہ ، پاؤں دھونا افضل۔ دُر مختار میں ہے:

الغسل افضل الالتهمة فهو افضل[2]۔	موزے پر مسح سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر تہمت سے بچنے کیلئے مسح افضل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الروافض والخوارج لایرونه وانما یرون	رافضی خارجی پاؤں پر مسح کرتے ہیں اگر موزے پر مسح

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یفرقوا بین القلیل والکثیر یلزمهم بالمجاورة ایضا تنجیس البحر الکبیر برشح (۲) یسیر فالحق عندی ان ذلك مبنی علی انهم لایلحقون الکثیر بالجاری والله تعالٰی اعلم اھ منه حفظه ربه تعالٰی۔ (م)

فرمانِ الٰہی ہے "یہود نے کہا کہ عزیراللہ کے بیٹے ہیں" علماء فرماتے ہیں یہ صرف ایک گروہ کا قول تھا اور یہ فرقہ ختم ہوگیا، فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ اس امر پر مبنی ہے کہ پانی ان کے نزدیک مجاورۃ کی وجہ سے ناپاک ہوجاتا ہے، اور ہمارے نزدیک سرایت کی وجہ سے، اور اس کا پتا اس سے لگتا ہے کہ اس کا اثر پانی میں ظاہر ہوتا ہے، تو جب تک اثر ظاہر نہ ہو نجاست کا حکم نہ لگایا جائے گا، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے تم اس کو غنیمت جانو۔
میں کہتا ہوں بدائع میں اس کی تصریح کی ہے کہ نجس ہونے کی وجہ مجاورۃ ہے اور ہم نے النمیقة الانقی میں بیان کیا ہے کہ تھوڑا سا پانی یک دم ناپاک ہوجاتا ہے نہ کہ سرایت سے، علاوہ ازیں انہوں نے قلیل وکثیر میں فرق نہیں کیا ہے، ان پر یہ لازم ہے کہ وہ کہیں ایک بڑے سمندر کا پانی بھی مجاورۃ سے ناپاک ہوجاتا ہے خواہ تھوڑے سے چھینٹے کیوں نہ ہوں، میرے نزدیک حق یہ ہے کہ وہ کثیر پانی کو جاری کے ساتھ ملحق نہیں کرتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۲
[2] درمختار باب المسح علی الخفین مجتبائی دہلی ۱/۴۶

المسح علی الرجل فاذا مسح الخف انتفت التھمة بخلاف مااذا غسل فان الروافض قدیغسلون تقیة فیشتبه الحال فی الغسل فیتهم افادح[1]۔	کرے گا تو تہمت ختم ہو جائے گی بخلاف اس کے کہ جب وہ دھوئے گا کہ رافضی تقیہ سے دھو بھی لیتے ہیں غسل کی صورت میں صورت حال مشتبہ ہو جاتی ہے تو تہمت کا خدشہ ہوگا افادح (ت)

اقول: رافضی تقیہ سے سب کچھ کرلیتے ہیں یوں ہی وہابی مجالس میلاد مبارک میں جائیں قیام کریں گیارھویں شریف کی نیاز میں حاضر ہوں پلاؤ کھانے کو موجود اور دل میں شرک وحرام، لہٰذا ہم نے نفی تہمت خروج سے تصویر کی۔

قال ش ماذکرہ الشارح نقله القهستانی عن الکرمانی ثم قال لکن فی المضمرات وغیرہ ان الغسل افضل وھوالصحیح کمافی الزاھدی اھ وفی البحر عن التوشیح ھذا مذھبنا وقال الرستغفنی المسح افضل[2] اھ **اقول:** ھذاسبق نظرانمانقل عن الکرمانی التخییربین الغسل والمسح ونقل اولویة المسح عن الذخیرة ثم (۱) ھولایمس ماذکرالشارح فان کلامه عند وجود التھمة والذی فی الذخیرة وغیرھا اولویة المسح حکما مطلقاوعلیه یرد التصحیح المذکور واللہ تعالٰی اعلم۔	"ش" نے فرمایا جو شارح نے ذکر کیا ہے اس کو قہستانی نے کرمانی سے نقل کیا ہے پھر فرمایا لیکن مضمرات وغیرہ میں ہے کہ غسل افضل ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اھ اور بحر میں توشیح سے منقول ہے "یہ ہمارا مذہب ہے" اور الرستغفنی نے کہا کہ مسح افضل ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** ان کی نظر چُوک گئی ہے، کرمانی سے تو یہ نقل کیا ہے کہ غَسل اور مسح میں اختیار ہے اور ذخیرہ سے مسح کی اولویت نقل کی ہے پھر یہ اس کے مطابق نہیں ہے جس کو شارح نے ذکر کیا ہے کیونکہ ان کا کلام وجوہِ تہمت کے متعلق ہے اور جو ذخیرہ وغیرہ میں ہے وہ مسح کے اولیٰ ہونے کا مطلق حکم ہے اور اسی پر مذکور تصحیح وارد ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ثم اقول: اُس سے بھی اہم دفع وسوسہ ہے اگر کوئی شخص وسوسہ میں مبتلا ہو حوض سے وضو کرتے کراہت رکھتا ہو اُسے حوض ہی سے وضو افضل ہے کہ قطع وسوسہ ہو ورغم الشیطان اھم من رغم المعتزلی واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار باب المسح علی الخفین مصر ۱/ ۱۹۳

[2] ردالمحتار باب المسح علی الخفین مصر ۱/ ۱۹۳

مسئلہ ۴۶: ۱۰ شوال ۱۳۱۲ ہجریہ قدسیہ

اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ایک اہلِ اسلام اور ایک ہنود کو حاجت غسلِ جنابت ہے اُن دونوں کا آبِ غسل پاک ہے یا کچھ فرق ہے؟ ایک اہلِ اسلام نے اپنی بی بی سے صحبت کی اور غسل کیا وہ پانی پاک ہے یا نہیں؟ اور ہنود نے بھی ایسا ہی کیا ہے اُس کے غسل کا پانی جو مستعمل ہو کر گرا ہے پاک ہے یا ناپاک؟ اور ان دونوں کے پانی میں فرق ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجّروا۔**

الجواب:

اگر شرعی طور پر نہائے کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن ظاہر پر پانی بہ جائے اور حلق کی جڑ تک سارا منہ اور ناک کے نرم بانسے تک ساری ناک دُھل جائے تو کافر کی جنابت اُتر جائے گی ورنہ نہیں،

فی التنویر والدر والشامی یجب علی من اسلم جنبا اوحائضا والابان اسلم طاھرا [1] (ای من الجنابۃ والحیض والنفاس ای بان کان اغتسل) فمندوب انتھی [2] ملخصا۔	تنویر، در اور شامی میں ہے کہ واجب ہے اس شخص پر جو اسلام لایا جنابت کی حالت میں یا عورت اسلام لائی حیض کی حالت میں، ورنہ اگر پاکی کی حالت میں اسلام لایا (یعنی جنابت، حیض اور نفاس سے پاک ہونے کی حالت میں، اگر ناپاک تھا تو غسل کرلیا) تو مندوب ہے انتہی ملخصا۔ (ت)

(۱) اکثر جسم پر پانی بہ جانا اگرچہ کفّار کے نہانے میں ہوتا ہو اور بے تمیزی سے منہ بھر کر پانی پینے میں سارا مُنہ بھی حلق تک دُھل جاتا ہو مگر ناک میں پانی بے چڑھائے ہر گز نہیں جاتا اور خود ایسا کیوں کرتے کہ پانی سُونگھ کر چڑھائیں لہٰذا اس چھپ چھپ کرلینے سے جو کفار کرلیا کرتے ہیں اُن کا غسل نہیں اُترتا۔ ع

ہرچہ شوئی پلید تر باشد

فی الحلیۃ عن السیر الکبیر للامام محمد ینبغی للکافر اذا اسلم ان یغتسل غسل الجنابۃ ولا یدرون کیفیۃ الغسل [3] اھ وفیھا عن الذخیرۃ الاتری ان فرضیۃ المضمضۃ والاستنشاق خفیت علی کثیر من العلماء	حلیہ میں امام محمد کی سیر کبیر سے منقول ہے کہ اگر کافر اسلام لائے تو اس پر لازم ہے کہ غسلِ جنابت کرے، اور وہ غسل کی کیفیت نہیں جانتے اھ اور اس میں ذخیرہ سے منقول ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کی فرضیت بہت سے علماء پر مخفی

[1] الدر المختار موجبات الغسل مجتبائی دہلی ۳۲/۱

[2] ردالمحتار موجبات الغسل مصطفی البابی مصر ۱۲۴/۱

[3] حلیہ

فکیف علی الکفار [1]۔	رہی توکافروں کاکیا کہنا۔(ت)

نمازی محتاط مسلمانوں کے غسل کا پانی پاک ہے اگرچہ دوبارہ اُس سے غسل یا وضو نہیں ہوسکتا مگر وہ خود پاک ہے کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو نماز جائز ہے اور دھونے کی حاجت نہیں اور جس کے بدن پر نجاست لگی ہونا تحقیق ہو اس کے بدن کا پانی نجس ہے اور تحقیق نہ ہو تو بے نمازی بے احتیاط کے آب وغسل میں شبہ ہے اُس سے بچنااولٰی ہے نہ کہ کافر کہ اُن کے تو پاجاموں رانوں میں چھٹنکیوں پیشاب ہوتا ہے ان کاآبِ غسل مکروہ ہے پھر بھی ناپاکی کا حکم نہ دیں گے جب تک تحقیق نہ ہو کما حققناہ فی الاحلی من السکر واللہ تعالی اعلم (جیساکہ ہم نے اپنے رسالہ احلی من السکر میں اس کی تحقیق کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

مسئلہ ۴۷: مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب ۶ربیع الآخر شریف ۱۳۰۲ہجریہ قدسیہ

کیافرماتے ہیں علمائے مِلّت اہلسنّت وجماعت اس مسئلہ میں کہ جُوٹھاہندو یانصرانی وغیرہ کاپاک ہے یاناپاک، اُس کے کھانے کا کیاحکم ہے اگر کوئی کافر سہواًیا قصداًحقّہ یاپانی پی لے تواس کاکیا حکم ہے بیّنوا توجروا۔

الجواب:

حکم اللہ ورسول کیلئے ہے رسول (۱) اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے نصرانی کے کھانے سے ممانعت فرمائی، سُنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومصنف ابوبکر بن ابی شیبہ ومسند امام احمد میں ہُلب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ لابی بکر قال رأیت النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نھی عن طعام النصاری فقال لایتخلجن فی صدرك طعام ضارعت فیہ نصرانیۃ [2]۔**اقول:** بھذا اللفظ اوردہ الامام الجلیل السیوطی فی الجامع الکبیر وقال حسن اھ وھو صریح فی رد مازعم الھروی فی تاویل الحدیث انہ نظیف کما نقلہ عنہ	الفاظ ابی بکر کے ہیں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ طعامِ نصرانی سے نہی فرمائی اور ارشاد کیا زنہار تیرے سینے میں وہ کھانا جنبش نہ کرے جس میں نصرانیت کااشتراک ہو۔ **اقول:** انہی الفاظ سے اس کو امام سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر کیااور حسن کہااھ اور یہ ہروی کی واضح تردید ہے انہوں نے حدیث کی تاویل کی کہ یہ صاف ستھرا ہے، یہ مجمع البحار میں اُن سے منقول ہے

[1] حلیہ

[2] سنن ابی داؤد باب کراھیۃ التقذر للطعام مجتبائی لاہور ۲/۷۵

فی مجمع البحار ثم ردہ بقولہ وسیاق الحدیث لایناسبہ[1] اھ	پھر انہوں نے اس کو اپنے اس قول سے رد کیا اور حدیث کا سیاق اس کے مناسب نہیں۔(ت)
اقول: (۱) وایضا یبعد مانقلہ عن الطیبی من تفسیرہ بقولہ شابہت النصرانیۃ والرھبانیۃ فی تشدیدھم وتضییقھم وکیف وانت علی الحنفیۃ السھلۃ[2] اھ کیف وھذا لایلائم النھی۔	**میں کہتا ہوں** یہ بھی بعید ہے کہ انہوں نے طیبی سے اس کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ یہ نصرانیت اور رہبانیت کے مشابہ ہے ان کی شدت اور سختی میں اور تم دین حنیف پر ہو جو سہل اور آسان ہے اھ کیسے اور یہ نہی کے مناسب نہیں۔(ت)
اقول: (۲) وکذا یبعد مافھم منہ ابو داؤد اذ اوردہ فی باب کراھیۃ التقذر للطعام وانما تأتی لہ ذلک لان لفظ روایتہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسألہ رجل فقال ان من الطعام طعاما اتحرج منہ فقال لایتخلجن فی صدرك شیئ ضارعت فیہ النصرانیۃ[3] اھ فھذا لفظ محتمل والذی ذکرناہ نص صریح فتثبت وباللہ التوفیق ورحم اللہ الامام اباحاتم الرازی حیث یقول ماکنا نعرف الحدیث مالم نکتبہ من ستین وجھا[4]۔	**میں کہتا ہوں** اسی طرح وہ بھی بعید ہے جو ابو داؤد نے اس سے سمجھا ہے کیونکہ انہوں نے اس کو باب کراہیۃ التقذر الطعام میں وارد کیا ہے، اور انہوں نے ایسا اس لئے کیا ہے کیونکہ ان کی روایت کے لفظ یہ ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سنا، اور آپ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان کھانوں میں سے ایک کھانا ایسا ہے جس سے میں حرج محسوس کرتا ہوں، تو آپ نے فرمایا تمہارے دل میں کوئی ایسی چیز خلش پیدا نہ کرے جو نصرانیت کے ساتھ ملی ہے اھ اب ان الفاظ میں احتمال ہے اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ صریح نص ہے، اور اللہ ابو حاتم الرازی پر رحم فرمائے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم اُس وقت تک حدیث کو نہیں پہچانتے تھے جب تک کہ اس کو ساٹھ طریقوں سے نہ لکھ لیں۔(ت)

ابو ثعلبہ خشنی (۳) رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

1 مجمع البحار لفظ ضرع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۸۸
2 طیبی شرح مشکوٰۃ
3 سنن ابی داؤد باب کراھیۃ التقذر الطعام مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۵
4

قلت یارسول اللہ انا نغزو ارض العدو فنحتاج الی اٰنیتھم فقال استغنوا عنھا مااستطعتم فان لم تجدوا غیرھا فاغسلوھا وکلوا منھا واشربوا [1]۔ اوردہ الامام فی الجامع وعزاہ لابن ابی شیبۃ۔ **اقول:** (۱)قد رواہ احمد والبخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی واٰخرون وفی لفظ للترمذی قال انقوھا غسلا [2]۔	میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! ہم دشمن کے ملک میں جہاد کو جاتے ہیں اُن کے برتنوں کی حاجت پڑتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں تک بَن پڑے اُن برتنوں سے دُور رہو اور اگر اور برتن نہ ملے تو انہیں دھو کر پاک کرلو اس کے بعد ان میں کھاؤ پیو۔ **میں کہتا ہوں** احمد، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی اور دوسروں نے بھی اس کو روایت کیا ہے اورترمذی کا لفظ فاغسلوھا کی جگہ انقوھا غسلا ہے۔(ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ [3] کافر نرے ناپاک ہیں۔

یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے پھر اگر شراب وغیرہ نجاستوں کا اثر ان کے منہ میں باقی ہو تو ناپاکی ظاہری بھی موجود ہے اور اس وقت ان کا جھوٹا ایسا ہی ناپاک ہے جیسا کُتّے کا، بلکہ اُس سے بھی بدتر لخلاف مالک فی الکلب (کیونکہ کتّے کے بارے میں امام مالک کا اختلاف ہے۔ت) اور حُقّے وغیرہ جس چیز کو اُن کا لعاب لگ جائیگا ضرور ناپاک ہوجائے گی۔

تنویر الابصار میں ہے:

سؤر شارب خمرفور شربھا وھرۃ فور اکل فأرۃ نجس [4]۔لوشاربہ طویلا لایستوعبہ اللسان فنجس	شرابی کا شراب پینے کے بعد فوری جھوٹا اور بلّی کا چوہا کھانے کے بعد فوری جھوٹا نجس ہے۔(ت)

ہنود ونصارٰی وغیرہم اکثر شراب خور ہوتے ہیں اور مونچھیں بڑھانا اُن کا شعار اور شراب (۲) خور کی مونچھیں بڑی بڑی ہوں کہ شراب مونچھ کو لگ گئی تو جب تک مُونچھ دُھل نہ جائے گی پانی وغیرہ جس چیز کو لگے گی ناپاک کردے گی۔

درمختار میں ہے:

لوشاربہ طویلا لایستوعبہ اللسان فنجس	اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں کہ زبان ان تک

[1] مصنف ابن ابی شیبہ الاکل فی اٰنیۃ الکفار ادارۃ القرآن کراچی ۹۰/۸

[2] جامع للترمذی الاکل فی اٰنیۃ الکفار امین کمپنی دہلی ۲/۲

[3] القرآن ۲۸/۹

[4] الدرالمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۴۰/۱

ولو بعد زمان [1]۔	اگر شراب خور کی مونچھیں لمبی ہوں کہ زبان ان تک نہ پہنچ سکے تو اس کا جھوٹا نجس ہے اگرچہ وہ طویل وقت کے بعد پانی پئے۔ (ت)

اور اگر ظاہری نجاستوں سے بالکل جُدا ہو جس کی اُمید کافروں میں بہت کم ہے تو اس کے جُوٹھے کو اگرچہ کُتّے کے جُوٹھے کی طرح صریح ناپاک نہ کہا جائے۔

فی التنویر والدر سؤر ادمی مطلقا ولو جنبا او کافر طاھر الفم طاھرا مختصرا [2]۔	تنویر اور در میں ہے آدمی کا جھُوٹا چاہے وہ جنبی ہو یا کافر ہو پاک ہے کیونکہ منہ پاک ہے۔ مختصرا (ت)

اقول: مگر ہر چیز کہ ناپاک نہ ہو طیب وبے دغدغہ ہونا ضرور نہیں رینٹھ بھی تو ناپاک نہیں پھر کون عاقل اُسے اپنے لب و زبان سے لگانا گوارا کرے گا کافر کے جُوٹھے سے بھی بحمداللہ تعالٰی مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت اُن کے ایمان سے ناشیئ ہے۔

وفی رفعه عن قلوبهم اسقاط شناعة الکفرة عن اعینهم اوتخفیفها وذلك غش بالمسلمین وقد صرح العلماء کما فی العقود الدریة وغیرها (۱) ان المفتی انما یفتی بما یقع عنده من المصلحة ومصلحة المسلمین فی ابقاء النفرة عن الکفرة لافی القائها [3]۔	اور اس کو ان کے دلوں سے اٹھانے میں کافروں کی بُرائی کو ان کی نگاہوں میں ختم کرنا ہے یا کم کرنا ہے، اور یہ مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے اور علماء نے تصریح کی ہے جیسا کہ عقود الدریۃ وغیرہا میں ہے کہ مفتی کو وہی فتوٰی دینا چاہئے جس میں اس کے نزدیک مصلحت ہو اور مسلمانوں کو مصلحت اس میں ہے کہ ان کے دلوں میں کافروں سے نفرت باقی رہے نہ یہ کہ نفرت ختم ہوجائے۔ (ت)

جو شخص دانستہ اُس کا جوٹھا کھائے پئے مسلمان اُس سے بھی نفرت کرتے ہیں وہ مطعون ہوتا ہے اُس پر محبّت کفار کا گمان جاتا ہے اور حدیث (۱) میں ہے:

من کان یؤمن باللّٰه والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التهم [4]۔	جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

متعدد (۲) حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وما یسؤ الاذن [5]	اُس بات سے بچ جو کان کو بُری لگے

---

[1] الدرالمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] الدرالمختار فصل فے البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[3] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۴

[4] مراقی الفلاح مع الطحطاوی قبیل باب سجود السہو نور محمد کتب خانہ کراچی ص۲۴۹

[5] مسند امام احمد عن ابی العادیۃ بیروت ۴/۷۶

رواہ الامام احمد عن ابی العادیة والطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی الطبقات والعسکری فی الامثال وابن مندة فی المعرفة والخطیب فی المؤتلف کلھم عن ام العادیة عمة العاص بن عمرو الطفاوی وعبداللہ بن احمد الامام فی زوائد المسند وابو نعیم وابن مندة کلاھما فی المعرفة عن العاص المذکور مرسلا وابو نعیم فیھا عن حبیب بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اس کو امام احمد نے ابو العادیۃ سے روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں اور ابنِ سعد نے طبقات میں اور عسکری نے امثال میں اور ابن مندہ نے معرفۃ میں اور خطیب نے مؤتلف میں، ان سب نے اُم عادیہ، عاص بن عمرو طفاوی کی پھوپھی سے روایت کی، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں، اور ابو نعیم اور ابن مندہ نے دونوں معرفہ میں عاص مذکور سے مرسلًا روایت کی، اور ابو نعیم نے معرفہ میں حبیب بن حارث سے روایت کی۔ (ت)

نیز بہت حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ایاك وکل امر یعتذر منہ [1]۔ ہر اس بات سے بچ جس میں عذر کرنا پڑے۔

رواہ ایضا فی المختارة والدیلمی کلاھما بسند حسن عن انس والطبرانی فی الاوسط عن جابر وابن منیع ومن طریقه العسکری فی امثاله والقضاعی فی مسندہ معاً والبغوی ومن طریقه الطبرانی فی اوسطه والمخلص فی السادس من فوائدہ وابو محمد الابرٰھیمی فی کتاب الصلاة وابن النجار فی تاریخه کلھم عن ابن عمرو الحاکم فی صحیحه والبیھقی فی الزھدو العسکری فی الامثال وابو نعیم فی المعرفة عن سعد بن ابی وقاص واحمد وابن ماجة و ابن عساکر عن ابی ایوب الانصاری کلھم رافعیه	اس کو بھی مختارہ اور دیلمی میں دونوں نے بسندِ حسن روایت کیا انس سے اور طبرانی نے اوسط میں جابر سے اور ابن منیع نے اور عسکری نے امثال میں اور قضاعی اپنی مسند میں ابن منیع کی سند سے ایک ساتھ اور بغوی نے اور اس کی سند سے طبرانی نے اپنی اوسط میں اور مخلص چھٹے فائدہ میں، اور ابو محمد ابراہیمی نے کتاب الصلوۃ میں اور ابن نجّار نے اپنی تاریخ میں، سب نے ابن عمر سے، اور حاکم نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے الزہد میں اور عسکری نے امثال میں اور ابو نعیم نے المعرفۃ میں سعد بن ابی وقاص سے اور احمد وابن ماجہ اور ابن عساکر نے ابوایوب الانصاری سے، ان

[1] جامع الصغیر مع فیض القدیر ۱۱۷/۳

الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والبخاری فی تاریخه والطبرانی فی الکبیر وابن مندۃ عن سعد بن عمارۃ من قوله رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعین۔	تمام حضرات نے اس کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رفع کیا ہے،اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ نے سعد بن عمارۃ سے،انہی کا قول نقل کیا،اللہ ان سب سے راضی ہو۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم:

بشروا ولا تنفروا [1]۔ رواہ الائمة احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بشارت دو اور وہ کام نہ کرو جس سے لوگوں کو نفرت پیدا ہو۔ اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

پھر اُس میں (۱) بلاوجہ شرعی فتح باب غیبت ہے اور غیبت حرام فما ادی الیه فلا اقل ان یکون مکروھا (تو جو اس تک پہنچائے وہ کم از کم مکروہ ضرور ہوگا۔ت) تو دلائل شرعیہ واحادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ کافر کے جُوٹھے سے احتراز ضرور ہے اور اس (۲) باب میں یہاں نصارٰی کا حکم بہ نسبت ہنود کے بھی سخت تر ہے کہ وجوہِ کثیرہ مذکورہ میں دونوں شریک اور نصارٰی میں یہ امر زائد کہ یہاں ان کی سلطنت ہونے کے باعث مذہبی نفرت کی کمی میں تبدیل دین یا کم از کم ضعف ایمان کا وہ اندیشہ بہ نسبت ہنود کہیں زیادہ ہے۔

فمن الجهل التمسك هنا بما فی الصدر الاول اذکانوا اذلاء مقهورین تحت ایدینا فکان فی تقریبهم منا تقریبهم الی الاسلام والاٰن قدانعکس الامر ولا حول ولا قوة الا باللہ وقد کانت نساء ذوی الهیأت،یحضرن لیلا ونهارا الجماعات،ونهی عنه الائمة الاثبات، مع قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتمنعوا اماء اللہ مساجدا [2]للہ وکم من حکم یختلف باختلاف الزمان،	یہاں یہ امر جہالت ہوگا اس چیز سے استدلال کیا جائے جو صدر اول میں تھی کیونکہ اس زمانہ میں وہ کمزور تھے اور ہمارے ماتحت تھے اس لئے ان کو اپنے قریب کرنے سے ان کو اسلام کی طرف آنے کی دعوت دینا مقصود تھی اور اب تو معاملہ ہی الٹ ہوگیا ہے،ایک زمانہ تھا کہ باعزت لوگوں کی عورتیں دن اور رات دونوں اوقات میں جماعات میں حاضر ہوتی تھیں،مگر ائمہ کرام نے اب اُن کے آنے کی ممانعت کردی ہے،حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم اللہ

[1] جامع للبخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] مسند امام احمد عن ابن عمر بیروت ۲/۱۶

بل والمکان، کما تشھد بہ فروع جمۃ، فی کتب الائمۃ، وھذا ماعندی وبہ افتیت مرارا واللہ ربی علیہ معتمدی، والیہ مستندی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کی باندیوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو، اور بہت سے احکام ہیں جو زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں بلاکہ امکنہ کے اختلاف سے بھی مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ کتبِ ائمہ میں بہت سی فروع اس پر شاہد ہیں میرے نزدیک یہی ہے اسی پر میں نے کئی مرتبہ فتوی دیا ہے اللہ میرا رب ہے اسی پر اعتماد اور اسی کی طرف سہارا ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۸: از کانپور محلّہ بوچڑخانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جعشانی طالب علم مدرسہ فیض عام ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

ماجوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی۔ حقّہ کا پانی پاک ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

قطعاً پاک ہے پانی پاک، تمبا کو پاک، اس کا دُھواں پاک، پاک چیز سے پاک پانی کا رنگ مزہ بُو بدل جانا اُسے ناپاک نہیں کرسکتا یہاں تک کہ (۱) مذہب صحیح میں نہ صرف طاہر بلاکہ مطہر وقابل وضو رہتا ہے بایں معنی کہ اگر اس سے وضو کرے وضو ہوجائیگا اگرچہ بوجہ بُو مکروہ ہے یہاں تک کہ جب تک اُس کی بُو باقی ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شامل ہونا منع ہوگا پھر بھی اگر (۲) سفر میں ہو اور وضو کو پانی کم تھا کہ مثلاً ایک یا دونوں پاؤں دھونے سے رہ گئے اور حقّے میں پانی ہے جس سے وہ کمی پُوری ہوسکتی ہے تو اس صورت میں تیمّم جائز نہ ہوگا نماز باطل ہوگی بلاکہ اُسی پانی سے وضو کی تکمیل لازم ہوگی لانہ یجد ماء وانما یقول اللہ تعالٰی "فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا"[1] (کیونکہ وہ پانی کو پارہا ہے جبکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور تم پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو۔ ت) درمختار میں ہے:

یجوز بماء خالطہ طاھر جامد کفاکھۃ و ورق شجر وان غیر کل اوصافہ فی الاصح ان بقیت رقتہ واسمہ[2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	اُس پانی میں سے وضو جائز ہے جس میں کوئی خشک پاک چیز مل گئی ہو، جیسے میوہ اور درخت کے پتّے، خواہ اُس نے اُس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو، اصح یہی ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس کی رقّت اور اُس کا نام باقی رہے ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] القرآن ۴/ ۴۳

[2] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

فتوٰی مسمّٰی بہ

رحب الساحۃ فی میاہ لایستوی وجھھا وجوفھا فی المساحۃ ۱۳۳۴ھ

ان پانیوں کے بارے میں میدان وسیع کرنا جن کی سطح اور گہرائی پیمائش میں برابر نہ ہو (ت)

مسئلہ ۴۹: ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں سوال اوّل حوض نیچے دَہ در دَہ اور اوپر کم ہے بھرے ہوئے میں نجاست پڑی تو سب ناپاک ہوگیا یا صرف اوپر کا حصّہ جہاں تک سو ہاتھ سے کم ہے بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

بعض کے نزدیک اصلًا ناپاک نہ ہوگا کہ مجموع آب کثیر ہے۔

اقول: ویشبہ ان یکون مبنیا علی اعتبار العمق وقد صححہ بعضھم والمعتمد المعول علیہ لا۔	**میں کہتا ہوں** یہ گہرائی کے اعتبار پر مبنی ہے اور بعض نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور اس پر اعتماد نہیں ہے۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

الحوض الکبیر اذا انجمد ماؤہ فنقب انسان نقبا وتوضأ منہ ان کان الماء منفصلا عن الجمد یجوز وان کان متصلا بالجمد اختلف المشائخ فیہ بعضھم اعتبروا جملۃ الماء حتی لایتنجس وبعضھم اعتبروا موضع النقب ان کان کبیرا یجوز والافلا[1]۔	بڑے حوض کا پانی جب جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کرکے وضو کرلے تو پانی اگر برف سے الگ ہے تو جائز ہے اور اگر برف سے متصل ہے تو مشائخ کا اس میں اختلاف ہے بعض نے تمام پانی کا اعتبار کیا یہاں تک کہ وہ نجس نہ ہوگا، اور بعض نے سوراخ کی جگہ کا اعتبار کیا، اگر وہ بڑا ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

بعض کے نزدیک کل ناپاک ہوجائے گا۔

اقول: وکانہ لانہ ماء واحد والعبرۃ بوجہ الماء وھو قلیل لابالعمق وان کثر۔	**میں کہتا ہوں** اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک پانی ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے اور وہ قلیل ہے، عمق کا اعتبار نہیں، خواہ زائد ہی کیوں نہ ہو۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

خلاصہ میں ہے:

ان کان اعلاہ اقل من عشر فی عشرو اسفلہ عشر فی عشر فوقعت قطرۃ خمر ثم انتقص الماء وصار عشرا فی عشر اختلف المشائخ فیہ [1]	اگر اس کا بالائی حصہ دہ در دہ سے کم ہے اور نچلا دہ در دہ ہو اب اس میں ایک قطرہ شراب کا گر جائے پھر پانی کم ہو جائے اور دہ در دہ ہو جائے، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔(ت)

بدائع میں اوّل کو اوسع ثانی کو احوط فرمایا اور منیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسی دوم پر فتوی ہے:

حیث قال الحوض اذا انجمد ماؤہ فنقب فی موضع منہ فوقعت فیہ نجاسۃ قال نصیر وابو بکر الاسکاف یتنجس وقال عبداللہ بن المبارك وابو حفص الکبیر البخاری لایتنجس اذا کان الماء تحت الجمد عشرا فی عشرو ان کان متصلا بالجمد والفتوی علی قول نصیر وابی بکر وان کان منفصلا عن الجمد یجوز بلا خلاف کالحوض المسقف[2] اھ واعترضہ شارحہ المحقق ابن امیر الحاج بانہ یفید ان الحوض عند نصیر وابی بکر یتنجس سواء کان الماء ملتزقا بالجمدا ومتسفلا عنہ ثم ینافیہ قولہ وان کان منفصلا یجوز بلا خلاف فان قلت لم لم یحمل ماعن نصیر وابی بکر علی ماذا کان متصلا بالجمد وقد اندفع التناقض عن المصنف قلت لانہ ینافیہ قولہ فان کان متصلا بالجمد	انہوں نے فرمایا کہ حوض کا پانی جم جائے اور اس میں کسی جگہ سوراخ کیا جائے اور اس میں نجاست گر جائے تو نصیر اور ابو بکر الاسکاف نے فرمایا وہ ناپاک ہو جائیگا، اور عبداللہ بن مبارک اور ابو حفص کبیر نے فرمایا کہ اگر برف کے نیچے پانی دہ در دہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا، اگرچہ برف سے متصل ہو اور فتوی نصیر اور ابو بکر کے قول پر ہے اور اگر برف سے جُدا ہو تو بغیر اختلاف کے جائز ہے جیسے وہ حوض جس کے اوپر چھت ہو اھ اس پر اس کے شارح محقق ابن امیر الحاج نے اعتراض کیا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض نصیر اور ابو بکر کے نزدیک نجس ہو جاتا ہے خواہ پانی برف سے ملا ہوا ہو یا اس کے نیچے ہو، پھر اس کے مخالف ہے اُن کا قول کہ اگر منفصل ہو تو جائز ہے بلاخلاف، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ جو نصیر اور ابو بکر سے منقول ہے اسکو اس پر کیوں محمول نہیں کیا گیا کہ یہ اُس صورت میں ہے جبکہ وہ برف سے متصل ہو اور تناقض مصنف سے رفع ہو گیا، میں

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] منیۃ المصلی فصل الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۰

فالفتوی علی قول نصیر فانه یفید ان موضوع المسألة اعم وان نصیراً وابا بکر یقولان ینجس مطلقا وابن المبارك واباحفص یقولان لاینجس مطلقا فتأمله[1] اھ اقول: رحم اللّٰہ(۱) المحقق لاشك ان اول الکلام فی المتصل یوضحه مافی البدائع ان کان جامداونقب فی موضع منه فان کان الماء غیر متصل بالجنب یجوز بلاخلاف وان متصلا والنقب صغیرا اختلف المشائخ قال نصیر بن یحیی وابو بکرالاسکاف لا خیر فیه وسئل ابن المبارك فقال لاباس به وقال الیس الماء یضطرب تحته وهو قول الشیخ ابی حفص الکبیر وهذا اوسع والاول احوط[2] اھ وقد نقله المحقق فی الحلیة ههنا۔

اقول:(۲) ولولا هذا لم یکن له محمل الا ذاك لان الذهن لایسبق منه الاالیه اذهوالغالب ونادران ینجمدالاعلی ویبقی الاسفل منفصلا عنه الا اذانقب واستفرغ منه شیئ صالح ۔

ومارد به علیه من المنافاة۔ (۳) **فاقول:** غیر متوجه الیه فان قوله

کہوں گا، اس لئے کہ منافی اس کا قول کہ اگر برف کے ساتھ متصل ہو تو فتوی نصیر کے قول پر ہوگا، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوع مسئلہ اعم ہے اور یہ کہ نصیر اور ابو بکر دونوں کہتے ہیں کہ وہ مطلقًا نجس ہوگا، اور ابن مبارک اور ابو حفص کہتے ہیں کہ وہ مطلقًا نجس نہیں ہوگا فتأملہ اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں، اللہ محقق پر رحم کرے بیشک کلام کا ابتدائی حصہ متصل میں ہے اس کی وضاحت بدائع میں ہے، اور وہ یہ کہ اگر وہ جامد ہو اور اس کے کسی حصّہ میں سوراخ کرلیا گیا ہو تو اگر پانی برف سے ملا ہوا نہ ہو تو بلاخلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو اور سوراخ چھوٹا ہو تو مشائخ کا اختلاف ہے، نصیر بن یحیٰی اور ابو بکر الاسکاف فرماتے ہیں اس میں خیر نہیں اور ابن مبارک سے دریافت کیا گیا تو فرمایا اس میں حرج نہیں، نیز فرمایا کیا اس کے نیچے پانی میں حرکت نہیں ہوتی ہے اور یہی ابو حفص الکبیر کا قول ہے اور یہ زیادہ آسان ہے جبکہ پہلے میں احتیاط کا پہلو زیادہ ہے اھ اور محقق نے اس کو یہاں حلیہ میں نقل کیا۔ (ت)

میں کہتا ہوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو اس کا محمل یہی ہوتا، کیونکہ ذہن کی سبقت اسی کی طرف ہوتی ہے کیونکہ غالب یہی ہے اور یہ نادر ہے کہ اوپر والا منجمد ہوجائے اور نیچے والا اس سے جُدا رہے، ہاں اگر اس میں سوراخ کرکے قابلِ لحاظ حد تک پانی نکال لیا جائے تو جدا ہوسکتا ہے۔

اور جس چیز سے اس پر رد کیا ہے یعنی منافات، تو میں کہتا ہوں یہ ان کی طرف متوجہ نہیں کیونکہ

[1] حلیہ

[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

"وان کان متصلا بالجمد" لیس شرطا جزاؤہ فالفتوی حتی یفید ان کلام نصیر وابی بکر فیما ھو اعم من الاتصال بل ھو من تتمة قول ابن المبارك وان وصلیة والفاء فی فالفتوی فصیحة والمعنی انه ان انفصل عن الجمد جازبلا خلاف وان اتصل فکذا عند عبدالله وابی حفص وقال نصیر وابو بکر لاوعلیه الفتوی علی ان(۱) فی عامة نسخ المنیة وعلیه الفتوی بالواو دون الفاء وقوله فان کان متصلالیس بالفاء فی نفس المتن المنقول فی الحلیة فانقطع مثارالتوھم رأساثم رأیت الغنیة فسرہ علی ماھو الحق وافاد فائدۃ اخری ستعرفھا۔	ان کا قول "وان کان متصلاً بالجمد" شرط نہیں جس کی جزا فالفتوی ہو تاکہ اس کا فائدہ یہ ہو کہ نصیر اور ابو بکر کا اس میں کلام ہے جو اتصال سے اعم ہے بلالکہ وہ ابن مبارک کے کلام کا تتمہ ہے اور "ان" وصلیہ ہے اور فالفتوی میں فاء فصیحیہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر وہ برف سے جُدا ہو تو بلاخلاف جائز ہے اور اگر متصل ہو تو اسی طرح عبداللہ اور ابو حفص کے نزدیک حکم ہے اور نصیر اور ابو بکر کہتے ہیں نہیں، اور اسی پر فتوٰی ہے، علاوہ ازیں منیہ کے عام نسخوں میں وعلیہ الفتوی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں، اس کا قول فان کان متصلا نفس متن میں فاء کے ساتھ نہیں جو حلیہ میں منقول ہے، تو وہم کی بنیاد ہی ختم ہوگئی۔ پھر میں نے غُنیہ میں دیکھا کہ اُنہوں نے اس کی حق تفسیر کی، اور ایک اور فائدہ بیان کیا جو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ وہی بالائی حصہ ناپاک ہوگا جو دَہ در دَہ سے کم ہے یہاں تک کہ اگر اوپر کا پانی نکال دیا گیا اور آب وہاں تک رہ گیا جہاں سے دَہ در دہ ہے تو یہ پانی پاک ہے اس لئے کہ اگرچہ وہ آب نجس سے متصل تھا مگر آب کثیر اتصال نجس سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اُس کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل نہ جائے، ہندیہ میں ہے:

ان کان اعلی الحوض اقل من عشر فی عشر واسفله عشر فی عشر او اکثر فوقعت نجاسة فی اعلی الحوض وحکم بنجاسة الا علی ثم انتقص الماء وانتھی الی موضع ھو عشر فی عشر فالاصح انه یجوز الوضوء به والاغتسال فیه [1]	اگر حوض کا بالائی حصہ دَہ در دَہ سے کم ہو اور اس کا نچلا حصہ دہ در دہ ہو یا زیادہ ہو اور نجاست حوض کے اوپر والے حصے میں گر جائے، اور اوپر والے حصہ کے نجس ہونے کا حکم کردیا جائے، پھر پانی گھٹ جائے اور ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ در دہ ہو تو اصح یہ ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الثانی الماء الراکد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹

کذا فی المحیط۔	کہ اس سے وضو اور غسل جائز ہے کذا فی المحیط۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

وذکر السراج الهندی ان الاشبه الجواز[1]۔	اور سراج ہندی نے ذکر کیا ہے کہ اشبہ جواز ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

نص فی الذخیرة انه الاشبه[2]۔	ذخیرہ میں نص ہے کہ یہی اشبہ ہے۔(ت)

فتوٰی کہ منیہ میں مذکور ہوا اُس سے بھی یہی مراد ہے کہ حصّہ بالائی کی نجاست پر فتوٰی ہے نہ کہ کل کی، غنیہ میں ہے:

(الحوض اذا انجمد ماؤه فنقب فی موضع) وبقی الماء تحت الجمد متصلا به (فوقعت فیه نجاسة قال نصیرو ابو بکر یتنجس الماء) لکونه متصلا بالجمد فلا یخلص بعضه الی بعض فیکون وقوع النجاسة فی ماء قلیل فیفسده (وقال ابن المبارك وابو حفص لا وان کان) ای ولو کان (الماء متصلا بالجمد) لکونه عشرا فی عشر (والفتوی علی قول نصیر) لما قلنا (واما اذا کان) الماء تحت الجمد (منفصلا) عنه (فیجوز) ولا یفسد الماء لان الفرض انه عشر فی عشر ولم تنفصل بقعة منه عن سائره کما فی الصورة الاولٰی۔	(حوض کا پانی جب جم جائے اور کسی جگہ سوراخ کیا جائے) اور برف کے نیچے والا پانی اس کے ساتھ متصل رہے (تو اس میں نجاست گر گئی، تو نصیر اور ابو بکر نے فرمایا پانی نجس ہو جائیگا) کیونکہ وہ برف کے ساتھ متصل ہے تو اس کا بعض حصّہ دوسرے بعض کی طرف نہیں جائیگا اور اس طرح نجاست قلیل پانی میں گرے گی، اور اس کو فاسد کردے گی (اور ابن مبارک اور ابو حفص نے کہا نہیں اگرچہ وہ ہو) یعنی برف پانی سے متصل ہو، کیونکہ وہ دہ در دہ ہے (اور فتوٰی نصیر کے قول پر ہے) جیسا کہ ہم نے کہا (اور اگر پانی ہو) برف کے نیچے جدا برف سے (تو جائز ہے) اور پانی فاسد نہ ہوگا کیونکہ مفروضہ یہ ہے کہ یہ دہ در دہ ہے اور اس کا کوئی حصہ باقی پانی سے جُدا نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔(ت)

اسی طرح منیہ میں جو اس کے متصل تھا:

وان ثقب الجمد فعلا الماء فولغ الکلب یتنجس عند عامة العلماء[3]۔	اور اگر برف میں سوراخ کیا تو پانی اوپر چڑھ آیا اس میں کُتّے نے مُنہ ڈال دیا تو عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائیگا۔(ت)

[1] بحر الرائق بحث الماء الدائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] حلیہ

[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فے الحیاض ص۹۹

دونوں شارح محقق نے اسے اُسی قدر پانی کی نجاست پر حمل فرمایا ہے غنیہ میں ہے:

(یتنجس عند عامة العلماء) ولم یعتبر الماء الذی تحت الجمد وکان مافی الثقب کغیرہ من الماء القلیل خلافا لما قال البعض ان مافی الثقب یعتبر متصلابما تحته وھو کثیر فلا یتنجس[1]۔	(اور عام علماء کے نزدیک پانی نجس ہوجائے گا) اور جو پانی برف کے نیچے ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا اور جو سوراخ میں ہے وہ تھوڑے پانی کی طرح ہے، لیکن بعض علماء نے اس کے خلاف یہ فرمایا ہے کہ جو سوراخ میں ہے وہ اسی طرح ہے جو اس کے نیچے ہے اور وہ کثیر ہے تو ناپاک نہ ہوگا۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

(یتنجس عند عامة العلماء) ذلك الماء الذی فی الثقب لاالحوض لان المسألة مفروضة فی الحوض الکبیر[2]۔	(عام علماء کے نزدیک نجس ہوجائے گا) وہ پانی جو سوراخ میں ہے نہ کہ حوض میں کیونکہ مسئلہ بڑے حوض میں مفروض ہے۔ (ت)

یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہی مذہب جمہور علماء ہے،

وھنا بحث غریب للخانیة ثم للخلاصة واللفظ لھا قال اختلف المشائخ فیه وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الماء الذی تنجس فی اعلی الحوض اکثر من الماء الذی فی اسفله ووقع الماء النجس فی اسفل الحوض علی التدریج کان طاھرا علی مایاتی فی مسألة الجمد وقال بعضھم لایطھر کالماء القلیل اذا وقعت فیه نجاسة ثم انبسط علی مامر[3] اھ والمراد بمایاتی فی الجمد	اور یہاں ایک عجیب بحث خانیہ اور خلاصہ کی ہے الفاظ خلاصہ کے ہیں فرمایا کہ مشائخ نے اس میں اختلاف کیا ہے اور جواب میں تفصیل ہونی چاہئے، اگر وہ پانی جو حوض کے بالائی حصہ میں نجس ہوا ہے اس پانی سے زیادہ ہے جو اس کے نچلے حصے میں ہے، اور نجس پانی حوض کے نچلے حصے میں گرا بتدریج تو پاک رہے گا، جیسا کہ منجمد پانی کے بیان میں آئے گا، اور بعض نے فرمایا طاہر نہیں رہے گا جیسے قلیل پانی، جب اس میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل جائے، جیسا کہ گزرااھ اور مایاتی فی الجمد سے

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فے الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۰

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاول فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

قوله رحمه الله تعالٰی لوتنجس موضع النقب ثم ذاب الجمد بتدريج الماء نجس وقال الشيخ الامام شمس الائمة الحلوائی رحمه الله تعالٰی الماء طاهر سواء ذاب بتدريج اودفعة واحدة[1] اهـ۔

اقول: وجه الاول وعليه المعول انه كلما ذاب شيئ منه اتصل بالنجس وهو قليل فيتنجس حتی تاتی النجاسة علی الكل بخلاف ما اذا ذاب دفعة لانه كثير فلا يتنجس بمجاورة النجس و وجه قول شمس الائمة انه كثير وفيه ان النجس لايطهر بالكثرة۔

اقول: لكن(۱) فی قياس مسألتنا علی مسألة الجمد نظرفان الطاهر ههنا ماء كثير فلا يضره مجاورة نجس سواء كانت دفعة اوتدريجا وكان المجاور اكثر منه اواقل علی خلاف مايفيده تقييده بكثرة المتنجس ای قدرالامساحة من قصر حكم الطهارة علی مالوكان اقل مماتحته قدرافلا يتنجس ماتحته سواء وقع فيه دفعة اوتدريجا بخلاف الاكثر وانت تعلم ان الماء الكثير انما يتنجس بتغير وصف له بالنجاسة بلا فرق

مرادان کا قول ہے کہ "اگر سوراخ کی جگہ نجس ہوئی پھر منجمد پانی بتدریج پگھل گیا تو پانی ناپاک ہے، اور شیخ الامام شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا پانی پاک ہے خواہ بتدریج پگھلا ہو یا یک دم اھ (ت)

میں کہتا ہوں پہلے قول کی وجہ جس پر اعتماد ہے کہ جب بھی اس سے کوئی چیز پگھلی اور نجس سے متصل ہوئی اور وہ قلیل ہو تو وہ نجس ہوجائے گا یہاں تک کہ کل نجس ہوگا۔بخلاف اس صورت کے جبکہ یکدم پگھل جائے کیونکہ وہ کثیر ہے، لہذا نجس کی مجاورت کی وجہ سے نجس نہ ہوگا، شمس الائمہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ کثیر ہے، اور اس میں یہ اعتراض ہے کہ نجس کثرت کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں ہمارے مسئلہ کو منجمد پانی پر قیاس کرنے میں نظر ہے کیونکہ یہاں پاک پانی کثیر ہے تو اس کو نجس کی مجاورۃ نقصان دہ نہ ہوگی خواہ یکدم ہو یا بتدریج ہو اور مجاور اس سے زیادہ یا کم ہو، یہ اس کے خلاف ہے کہ جس کو متنجس کی کثرت کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی مقدار کے اعتبار سے نہ کہ پیمائش کے اعتبار سے، جس نے طہارت کے حکم کو اُس صورت میں مقصور کیا کہ اگر وہ اپنے نیچے والے پانی سے کم ہو، تو اس کا نیچے والا ناپاک نہ ہوگا، خواہ اس میں وہ یکدم گرا ہو یا تدریجی طور پر۔بخلاف اکثر کے اور آپ کو معلوم ہے

[1] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاولی فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

بین قدر وقدر علی القول الصحیح المعتمد المفتی بہ کما عرف فی مسألۃ جیفۃ فی النھر نعم مشی الشیخ علی مختارہ ثمہ حیث قال انکان مایلاقی الجیفۃ اکثر اوکانا سواء فالماء نجس[1] اھ والیہ یشیر قولہ الماء النجس اذادخل الحوض الکبیر لایتنجس الحوض وانکان الماء النجس علی ماء الحوض غالبا لانہ کلما اتصل الماء بالحوض صار ماء الحوض علیہ غالبا[2] اھ فقد عـــہ اشار الی

کہ کثیر پانی اسی وقت نجس ہوگا جب نجاست کی وجہ سے اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے، اس میں مقادیر کے طرق کے اعتبار نہیں، قول صحیح، معتمد، مفتی بہ یہی ہے، جیسا کہ نہر میں گرجانے والے مردہ کے مسئلہ میں معلوم ہوا ہے البتہ شیخ نے وہاں اپنے مختار قول ہی کو لیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو پانی مردار سے ملاقی ہے، اگر وہ زائد ہے یا دونوں برابر ہیں تو پانی نجس ہے اھ اور ان کے قول "نجس پانی جب بڑے حوض میں داخل ہوجائے تو وہ حوض ناپاک نہ ہوگا"

عـــہ **اقول**: (۱) وبما اشرنا الیہ اندفع ماجنح الیہ فی الحلیۃ من اثبات التناقض بین فرعی الخلاصۃ ھذین فان مقتضی الفرع الاخیر طھارۃ السافل بلا تفصیل اھ بمعناہ وذلك لان کلامہ فی ھذا الفرع یشیر الی صورۃ التدریج فلاینافی التفصیل المذکور (۲) سابقا وکذا اندفع بحثہ ترجیح الطھارۃ مطلقا وان ذاب تدریجا حیث قال بعد قول شمس الائمۃ قلت وھذا ھو المتجہ بعد انکان الحوض کبیرا ولم یظھر للنجاسۃ اثر فیہ کما ھو فرض المسألۃ اھ

اقول: ماذا ینفع کون متسع الحوض کبیرا بعد انکان الذائب من الجمد قلیلا فالعبرۃ للماء

میں کہتا ہوں ہم نے جس طرف اشارہ کیا ہے اس سے حلیہ میں جو کہا ہے وہ رفع ہوگیا، حلیہ میں انہوں نے خلاصہ کی اِن دو فرعوں کے درمیان تناقض ثابت کیا ہے، کیونکہ آخری فرع کا مقتضی یہ ہے کہ نچلا حصہ بلا تفصیل پاک ہے اھ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کا کلام اس فرع میں تدریج کی صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے تو سابقہ تفصیل کے خلاف نہ ہوگا، اور اسی طرح ان کی وہ بحث ساقط ہوگئی جس میں انہوں نے مطلقاً طہارت کو ترجیح دی ہے اگرچہ وہ پگھلا ہو تدریجاً انہوں نے شمس الائمہ کے قول کے بعد فرمایا" میں کہتا ہوں یہی معقول بات ہے بشرطیکہ حوض بڑا ہو اور نجاست کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو، جیسے کہ مسئلہ میں مفروض ہے اھ **میں کہتا ہوں** حوض کے بڑا ہونے کا ایسی صورت

[1] خلاصۃ الفتاوی جنس آخر فی التوضی، الماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] خلاصۃ الفتاوی الجنس الاولی فی الحیض نولکشور لکھنؤ ۱/۴

التدریج، ولفظ الفتح فی تعلیله لان کل مایتصل بالحوض الکبیر یصیر منه فیحکم بطهارته[1] وفی البزازیه الماء الکثیر النجس دخل فی الحوض الکبیر لاینجسه لانه حکم بالطهارة زمان الاتصال[2] اھ هذا وجه **وثانیا:** (۱) لااثر لوقوع ماء نجس فی ماء طاهر الاالتقاء وهو حاصل فیما نحن فیه من بدو الامر ففیم التفصیل بخلاف مسألة الجمد فانه	اگرچہ نجس پانی حوض کے پانی پر غالب ہوجائے میں اسی طرف اشارہ ہے کیونکہ جونہی پانی حوض کے پانی سے ملے گا حوض کا پانی اس پر غالب ہوتا جائیگا اھ تو انہوں نے تدریج کی طرف اشارہ کیا ہے اور فتح نے اس کی تعلیل میں یہ فرمایا ہے "اس لئے کہ جو بڑے حوض سے ملے گا وہ اسی کا جز ہوجائیگا تو اس کی طہارت کا حکم لگایا جائے گا اھ اور بزازیہ میں ہے کہ کثیر نجس پانی جب بڑے حوض میں داخل ہوجائے تو اس کو

لا للمحل والماء هو الذائب دون الجمد ثم استشهد علیه بفرع الخلاصة الاخیر وتعلیله بانه کلما اتصل بالحوض صار ماء الحوض علیه غالبا قال بل هذا ابلغ کما هو غیر خاف فتنبه لذلك اھ **اقول:** (۱) ذلك فی ماء نجس کثیر لقی ماء طاهرا کثیرا تدریجا وهذا ماء قلیل طاهر لقی ماء نجسا فاین هذا من ذلك (۲) وای مدخل فیه للابلغیة من حیث ان ثم الغالب النجس وههنا الطاهر بعد ان التدریج جعل ذلك الغالب مغلوبا کما افصح به فی الخلاصة وهذا المغلوب غالبا کما علمت والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله۔(م)	میں کیا فائدہ جبکہ پگھلی ہوئی برف کم ہو کیونکہ اعتبار پانی کا ہے نہ کہ محل کا اور پانی تو پگھلا ہوا ہی ہے نہ کہ جمی ہوئی برف، پھر انہوں نے اس پر خلاصہ کی آخری فرع اور اس کی تعلیل سے استشہاد کیا، اور وہ یہ کہ جب وہ حوض سے ملے گا تو حوض کا پانی اس پر غالب ہوجائے گا، فرمایا یہ زیادہ بلیغ ہے جیسا کہ مخفی نہ رہے، تو اس پر متنبہ ہونا چاہئے اھ **میں کہتا ہوں** وہ کثیر نجس پانی میں سے جو کثیر طاہر پانی سے ملاقی ہو اور یہ ملاقات تدریجا ہو، اور یہ کم طاہر پانی ہے جس کی ملاقات نجس پانی سے ہوئی ہے تو اس میں اور اُس میں کیا نسبت ہے اور اس میں ابلغیۃ کو کیا دخل ہے کیونکہ وہاں غالب نجس ہے اور یہاں طاہر بعد اس کے کہ تدریج نے اُس غالب کو مغلوب کردیا ہے جیسا کہ خلاصہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور اس مغلوب کو غالب کردیا جیسا کہ آپ نے جانا ہے واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۷۱/۱

[2] بزازیۃ علی الہندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۷/۴

لانجمادہ لالقاء مع النجس الالسطح منه فالباق اذا ذاب تدریجا حصل اللقاء للقلیل فتنجس والکثرة للمتنجس فلم یطهر واذا ذاب دفعة حصل اللقاء للکثیر فلم یتنجس،

وثالثا: المعهود ھھنا ان الماء العالی یرفع ویبقی السافل لان العالی یقع فی السافل دفعة اوتدریجا،

و رابعا:(۱) اذا کان الماء ان متلاصقین ولم یکن ھذا وقوع العالی فی السافل لم یتصور الزیادة علیه الا بوقوع العالی فی محل السافل ولا یکون الابعد خروج السافل لاستحالة التداخل فلا یقع العالی فی السافل ابدا لا دفعة ولا تدریجا،

وخامسا(۲) لوفرض فلایکون الاالخروج ھذا ودخول ذاك والکل حرکة فلا یمکن الا تدریجا کأن یکون فی السافل منفذ یفتح فیجعل السافل یخرج والعالی ینزل ولا تصور لان یخرج السافل دفعة فیسقط العالی مرة واحدة وبالجملة لم یصل فھمی القاصر لمرادہ واللہ تعالٰی اعلم بمراد خواص عبادہ لاجرم ان قال فیه فی الدر لووقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر [1] فقال ش فاذا بلغھا جاز وان کان اعلاہ اکثر مقدارا وفی البحر عن السراج الھندی انه الاشبه [2] اھ ورحم اللہ

نجس نہیں کرے گا کیونکہ اتصال کے وقت اس پر طہارت کا حکم لگ چکا ہے اھ یہ معقول بات ہے۔

ثانیا: نجس پانی کے پاک پانی میں پڑ جانے کا کوئی اثر نہیں، سوائے ملاقات کے، اور وہ ہمارے اس مسئلہ میں ابتداء سے حاصل ہے تو تفصیل کس چیز میں ہے، بخلاف منجمد پانی کے مسئلہ کے، کیونکہ یہ منجمد ہے اس لئے اس کی ملاقات نجس کے ساتھ نہ ہوگی صرف اس کی سطح ملے گی، اور باقی جب تدریجی طور پر پگھلے گا تو اس کے تھوڑے سے جزء سے ملاقات ثابت ہوگی، تو نجس ہو جائیگا، اور کثرہ متنجس کیلئے ہے تو پاک نہ ہوگا، اور جب یک دم پگھلے گا تو کثیر سے ملاقات ہوگی، تو ناپاک نہ ہوگا۔

ثالثا: معمول کے مطابق اوپر والا پانی اٹھا لیا جاتا ہے اور نیچے والا پانی باقی رہ جاتا ہے نہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے میں گرتا ہے، کبھی یک دم اور کبھی تدریجی طور پر۔

رابعا: جب دونوں پانی ملے ہوئے ہوں اور اوپر والا نیچے والے میں نہ گرے تو اس پر زیادتی متصور نہ ہوگی صرف ایک صورت میں زیادتی ہوگی اور وہ یہ کہ اوپر والا نیچے والے کی جگہ میں گرے اور یہ تب ہی ہوگا جبکہ نیچے والا نکلے، کیونکہ تداخل محال ہے، تو اوپر والا نیچے والے میں کبھی نہیں گرے گا، نہ یک دم اور نہ تدریجی طور پر۔

---

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۳۶/۱

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱۴۳/۱

العلامة الشلبی حیث نقل فی حاشیة الزیلعی کلام الخانیة الی ذکرالقولین ورسم اھ ولم یعرج لذکر بحثھا اصلا واللہ تعالٰی اعلم۔	خامسا، گرنا فرض کیا جائے تو اس کے نکلنے اور اس کے داخل ہونے کی وجہ سے ہوگا،اور یہ سب حرکت ہے، تو یہ صرف تدریجی طور پر ہی ہوسکتا ہے، مثلًا یہ کہ نچلے میں کوئی سوراخ ہو جس کو کھولا جائے تو نیچے والا نکلنے لگے اور اُوپر والا اترنے لگے اور اس کا کوئی تصور نہیں کہ نیچے والا ایک دم نکلے اور اوپر والا یکدم گر جائے،اور خلاصہ یہ کہ میں اپنی ناقص رائے میں ان کی مراد سمجھنے سے قاصر رہا ہوں اور اللہ تعالٰی اپنے خواص کی مراد کو زیادہ جاننے والا ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا در میں ہے اگر اس میں نجس واقع ہو جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ دس کو پہنچ جائے، تو "ش" نے فرمایا جب وہ دس کو پہنچے تو جائز ہے اگرچہ اس کے اوپر والا مقدار میں زائد ہو،اور بحر میں سراج ہندی سے منقول ہے کہ یہی اقرب الی الحق ہے اھ اور اللہ تعالٰی علامہ شلبی پر رحم کرے کہ انہوں نے زیلعی کے حاشیہ میں خانیہ کا کلام نقل کیا قولین کے ذکر تک اور اھ کا نشان لگادیا اور انکی بحث کا اصلًا ذکر نہ کیا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

سوال ۵۰ دوم:

اسی صورت میں حوض کے بالائی حصّے کے منتہی پر ایک نالی ہے جب یہ اوپر کا پانی ناپاک ہوا نالی کھول کر نکال دیا گیا صرف نیچے کا پانی جہاں سے دہ دردہ ہے رہ گیا پھر پاک پانی سے بھر دیا گیا تو اب یہ سب حوض پاک ہوگیا یا نہیں، اگر نہیں تو کیا کیا جائے کہ پاک ہو **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اگر ناپاک پانی نکال دینے کے بعد اتنا انتظار کیا کہ حوض کی بالائی سطوح جو اُس پانی سے ناپاک تھیں خشک ہو کر پاک ہوگئیں اس کے بعد پاک پانی بھرا گیا اور اوپر عـــہ آجانے والی نجاست باقی نہیں تو سارا حوض پاک ہے ورنہ بالائی حصہ پھر ناپاک ہوگیا، ردالمحتار میں ہے:

لوکانت النجاسة مرئیة باقیة فیه اوامتلاء قبل جفاف اعلی الحوض تنجس[1]۔	اگر حوض میں نجاست مرئیہ باقی رہے یا بھر جائے حوض کا اعلٰی حصہ خشک ہونے سے پہلے تو نجس ہو جائے گا۔(ت)

عـــہ: توضیح جواب سوم سے ہوگی خلاصہ یہ کہ تہ نشین نجاست اوپر آئے گی نہیں اور پانی ملے گا آب زیریں سے جو بوجہ کثرت ناپاک نہیں اور اُوپر آنے والی اگر غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ نکال دی گئی کہ وہ بھی غیر مرئیہ رہ گئی تو ناپاک پانی کے ساتھ نکل گئی ہاں مرئیہ باقیہ ہے تو پھر ناپاک کردے گی ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۳

چارہ کار یہ ہے کہ نجاست مذکورہ نکال کر پاک پانی ڈالتے جائیں یہاں تک کہ کناروں سے چھلک کر کچھ دور بہ جائے اب وہ حوض کے کنارے بھی پاک ہوگئے اور یہ سب پانی بھی۔ درمختار میں ہے:

المختار طهارة المتنجس بمجرد جريانه [1]۔	مختار مذہب پر نجس حوض صرف پانی کے جاری ہونے سے پاک ہوجاتا ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

يطهرالحوض بمجرد مايدخل الماء من الانبوب ويفيض من الحوض هوالمختار لصيرورته جاريا [2]۔	مختار قول میں صرف نالی کے ذریعہ پانی داخل ہونے اور حوض سے بہہ جانے سے حوض پاک ہوجاتا ہے کیونکہ اب پانی جاری ہوچکا ہے۔(ت)

فتاوٰی امام ظہیر الدین میں ہے:

الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل مافيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز [3] اھ ذكره ش واقوالا اُخروروايات مضطربة سيأتى الكلام عليها والله تعالٰى اعلم۔	صحیح قول پر حوض پاک ہوجائیگا اگرچہ اتنا پانی خارج نہ ہوا ہو جتنا اس میں ہے اگر کوئی آدمی وہ پانی اٹھائے جو خارج ہوچکا ہے اور اس سے وضو کرے تو جائز ہے۔ اس کو شامی نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ دیگر اقوال اور مضطرب روایات بھی ذکر کی ہیں جن پر کلام آئے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

سوال ۵۱ سوم:

اسی صورت میں اگر پانی صرف حصہ زیریں دہ در دہ میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی کہ ناپاک نہ ہوا، پھر نجاست نکال کر یا بے نکالے بھر دیا تو اب اوپر کا حصّہ پاک رہا یا ناپاک ہوگیا **بیّنوا توجروا**۔

الجواب:

کتب حاضرہ سے اس صورت پر کلام اس عـــہ وقت ذہن میں نہیں، **وانا اقول وبالله التوفيق**

عـــہ: نعم تعرض لها السادة الثلثة ناظروا	ہاں تینوں سادات نے اس سے بحث کی ہے "ط" نے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۳۶/۱

[2] غنیہ المستملی سہیل اکیڈمی لاہور ۱۰۳/۱

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱۴۳/۱

نجاست چار قسم ہے مرئیہ کہ نظر آئے اور غیر مرئیہ کہ پانی میں مل کر امتیاز رہے جیسے پیشاب، اور ہر ایک دو قسم ہے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ)

الدر فقال ط انكان اعلاه ضيقاواسفله عشرافاذا بلغهاووقعت فيه نجاسة حينئذ جاز التطهير به فاذا امتلأ حتى بلغ المكان الضيق قال الحلبى لم اجد حكمه والظاهر التنجس لان النجاسة تحقق وقوعهاوانماجوزنا التطهير به لسعته وقد ذهبت اه

اقول: وسيردعليك ماحرر الفقير بتوفيق القدير(۱)ويظهر به ان هذا الحكم غير ظاهر بل ولامقبول فى راسبة مرئية او غيرها و لا فى طافية مرئية قداخرجت اوبقيت فى زاوية فى الاسفل ولا فى غير مرئية وفى الاسفل زواياقانما يقبل فى ثنتين من سبع ان تكون مرئية وقد طفت اوغير مرئية ولا زاوية وذلك انه انما يتحقق وصولها الى الاعلى فى هاتين فماذا يضره ضيقه ولم يصل اليه النجس ولم يتصل بماء متنجس۔هذاونقله ش هكذا بقى مالو وقعت فيه النجاسة ثم نقص فى المسألة الا ولى(اى اعلاه كثير)اوامتلأ فى الثانية(اى اسفله كثير)قال ح لم اجدحكمه اه ثم تعقبه بقوله هذا عجيب فانه حيث حكمنا بطهارته ولم يعرض له ماينجسه هل يتوهم نجاسته نعم لوكانت النجاسة مرئية وكانت باقية فيه اوامتلأ قبل جفاف اعلى الحوض تنجس امااذا كانت غير مرئية اومرئية واخرجت منه اوامتلأ بعد ماحكم بطهارة جوانب اعلاه بالجفاف

فرمایا اگر اس کا بالائی حصہ تنگ اور نچلا دس ہاتھ ہو جب پانی اسفل تک پہنچے اور اس میں نجاست گر پڑے تو اس سے طہارت جائز ہے اور جب وہ بھر جائے یہاں تک کہ تنگ جگہ کو پہنچ جائے تو حلبی کا بیان ہے کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، بظاہر ناپاک ہو جائے گا، کیونکہ اس میں نجاست کا گرنا یقینی ہے اور ہم نے اس کی فراخی کے باعث اس سے پاک کے جواز کا قول کیا ہے اور اس صورت میں فراخی ختم ہو گئی ہے اھ

میں کہتا ہوں اس سلسلہ میں جو میں نے لکھا ہے وہ آپ دیکھ لیں گے، اس سے معلوم ہوگا کہ یہ حکم نہ تو ظاہر ہے اور نہ مقبول ہے، خواہ وہ حوض کی گہرائی میں نظر آتی ہو یا نہ آتی ہو اور نہ تیرنے والی مرئی میں جو نکال دی ہو یا کسی گوشہ میں نچلے حصّہ میں باقی ہو اور نہ غیر مرئیہ کی صورت میں نچلے حصہ میں کئی زاویے ہوں سات میں سے دو صورتوں میں مقبول ہوگا اگر مرئیہ ہو، اور اوپر آگئی ہے یا غیر مرئیہ ہو، اور زاویہ میں نہ ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اُوپر کی طرف آنا اس وقت متحقق ہوگا جب کہ اِن دو صورتوں میں ہو، تو اُس کی تنگی اُس کیلئے کیا مضر ہوگی حالانکہ نہ اُس تک نجاست پہنچی اور نہ وہ نجس پانی سے متصل ہوئی۔ اور "ش" نے اس کو اسی طرح نقل کیا، اب یہ صورت باقی رہ گئی کہ اگر اس میں نجاست گر گئی پھر پہلی صورت میں پانی گھٹ گیا

طافیہ کہ اوپر تیرتی رہے اور راسبہ کہ تہ نشین ہوجائے اگر نجاست راسبہ تھی کہ پانی بھرنے سے اوپر نہ آئے گی جب تو سارا حوض پاک ہے مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ، نیچے کا حصّہ یوں کہ دہ در دہ ہے اثرِ نجاست قبول نہ کرے گا اگرچہ

فلا اذلا مقتضی للنجاسة ھذا ماظھر لی اھ **اقول:** رحم اللہ السید فاولا(۱) انما الکلام فیما اذاوقع النجس فی الکثیر ثم انتقص بتسفل اوامتلأ وحدیثاجفاف اعلی الحوض وعدمه متعلقان بمااذا وقعت نجاسة فی الاعلی القلیل ثم بلغ الاسفل الکثیر ثم ملئ فبلغ القلیل فھمابمعزل عن المحل وثانیا لایتنجس (۲) بمرئیة باقیة راسبة ولا بطافیة تعلقت بزاویة **وثالثا** یتنجس(۳) بغیر المرئیة ایضالوطافیة ولازاویة ھذا۔ثم **قول**(۴) ح فی الاولی لم اجد حکمه لایستقیم علی ماشرحنابه نظم الدر لکونه اذن مصرحابه فیه واللہ تعالٰی اعلم منه غفرله(م)	(یعنی اس کا اوپر والا کثیر ہو) یا دوسری صورت میں بھر گیا (یعنی اس کا نچلا حصہ کثیر ہوگیا) "ح" نے فرمایا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، پھر بعد میں فرمایا "یہ عجیب ہے" کیونکہ جب ہم نے اس کی طہارت کا حکم لگایا اور اس میں کوئی ایسی چیز نہیں آئی جو اس کو نجس کرے تو آیا اس کی نجاست متوہم ہے، ہاں اگر نجاست مرئی ہو اور اس میں باقی ہو یا حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے سے قبل بھر جائے تو ناپاک ہوجائیگا، اور اگر نجاست غیر مرئی ہو یا مرئی ہو اور اس سے نکالی جائے یا اس کے بالائی حصّے کے کناروں کے خشک ہونے کے بعد بھر گیا، تو نہیں کیونکہ نجاست کا کوئی مقتضی نہیں، یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ **میں کہتا ہوں** اللہ سید پر رحم کرے، اول تو یہ کہ کلام اُس صورت میں ہے جبکہ نجاست کثیر پانی میں واقع ہو، اور پھر پانی کم ہوجائے یا بھر جائے، اور حوض کے بالائی حصے کے خشک ہونے اور نہ ہونے کی بات اس صورت سے متعلق ہیں جبکہ نجاست اعلٰی قلیل میں گر کر نچلے کثیر میں پہنچے پھر حوض بھر کر قلیل کو پہنچے تو یہ دونوں صورتیں اس بحث سے الگ ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ پانی کی تہ میں بیٹھی باقی نجاست مرئیہ سے نجس نہ ہوگا اور نہ ہی ایسی نجاست سے جو تیرتی ہوئی کسی گوشہ میں ٹھہر گئی ہو۔ تیسرا، غیر مرئیہ سے بھی نجس ہوجائیگا اگر تیرنے والی ہو اور کوئی گوشہ نہ ہو۔ پھر "ح" کا پہلی صورت میں یہ فرمانا کہ میں نے اس کا حکم نہیں پایا، درست نہیں، جیسے کہ ہم نے در کی نظم کی اس کے ساتھ تشریح کی ہے، کیونکہ یہ تو اس میں بصراحت مذکور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

نجاست اُس میں موجود ہے اور اوپر کا حصّہ یوں کہ نجاست اُس میں نہیں اور جس سے متصل ہے وہ پاک ہے اور اگر نجاست طافیہ مرئیہ تھی اور اُسے پہلے نکال دیا جب بھی ظاہر ہے کہ ناپاکی کی کوئی وجہ نہیں اور اگر بے نکالے پانی بھر دیا کہ پانی ڈالے سے اوپر آ گئی تو بالائی حصّہ ناپاک ہوگیا کہ نجاست اُس سے متصل ہوئی اور وہ آب قلیل ہے رہی طافیہ غیر مرئیہ اُس میں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حوض کے حصہ زیریں میں کوئی کنج ایسا نہ ہو جو اُس نجاست کو اوپر جانے سے روکے مثلاً یہ شکل

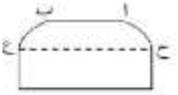

دونوں حصوں میں خط ح ع فصل مشترک ہے ظاہر ہے کہ جو اُترانے والی چیز خط ح ع میں کہیں ہے وہ پانی بھرنے سے خط ا ب پر آ جائے گی دوسرے یہ کہ ایسے کنج ہوں مثلاً یہ شکل

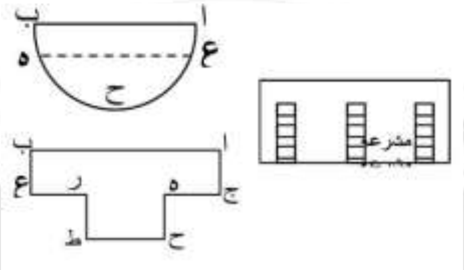

اول میں خط ہ ر دوم میں خط ح ہ پر جو ایسی چیز ہو وہ پانی بھرے سے خط ا ب تک ضرور پہنچے گی لیکن دوم میں خط ہ ء یا یکم میں دو خط ح ہ خط ر ع کے نیچے جو کچھ ہے وہ ا ب تک نہیں جاسکتا پہلی صورت میں بالائی حصہ ا ب ح ع ناپاک ہو جائے گا اور دوسری صورت میں سارا حوض پاک رہے گا ولہٰذا ہم نے طافیہ مرئیہ میں پانی ڈالے سے اوپر آ جانے کی قید لگائی کہ اگر کسی کنج میں اُلجھ رہی تو اب بھی کوئی حصہ ناپاک نہ ہوگا۔

والوجه فيه ان غيرالمرئية لاتنعدم بل تكتتم وحيث هى طافية لابدلهامن العلم ولذامنع العراقيون من مشائخنا التوضى من موقع غيرالمرئية فى العرض الكبير لانه راكد فلا تنتقل وجوز ائمة بلخ وبخارى وماوراء النهرالتوضى منه من اين يشاء و هو الصحيح وعللوه بانتقال المائع قال ملك العلماء فى البدائع وانكانت غيرمرئية قال مشائخ العراق لايتوضؤ من ذلك الجانب لما ذكرنا فى المرئية(وهو قوله لانا تيقنابالنجاسة فى ذلك الجانب)بخلاف الماء الجارى لانه ينقل النجاسة فلم يستيقن بالنجاسة فى موضع الوضوء ومشائخنابماوراء النهر فصلوابينهما(اى بين	اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مرئیہ ختم نہیں ہوتی ہے بلاکہ چھپ جاتی ہے، اور جب تیر رہی ہوتی ہے تو اس کا اُوپر آنا لازمی ہے، اس لئے ہمارے عراقی مشائخ بڑے حوض میں گر جانے والی غیر مرئی نجاست کے مقام سے وضو کو جائز قرار نہیں دیتے کیونکہ وہ ٹھہری ہوتی ہے تو منتقل نہ ہوگی اور بلخ، بخاری اور ماوراء النہر کے مشائخ نے اجازت دی کہ جہاں سے جی چاہے وضو کرلے اور یہی صحیح ہے، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ بہنے والی چیز منتقل ہوتی ہے، ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو تو مشائخ عراق کا قول ہے کہ اُس جانب سے وضو نہ کرے جیسا کہ ہم نے مرئیہ میں ذکر کیا ہے (اس سے مراد ان کا یہ قول ہے کہ ہم نے اُس جانب میں نجاست کا یقین کرلیا

المرئیة وغیرھا)ففی	ہے)بخلاف جاری پانی کے کیونکہ وہ نجاست

غیر المرئیة یتوضؤ من ای جانب کان کماقالوا جمیعا فی الماء الجاری وھو الاصح لان غیر المرئیة لایستقر فی مکان واحد بل ینتقل لکونہ مائعا سیالا بطبعہ فلم نستیقن بالنجاسة فی الجانب الذی یتوضؤ منہ فلانحکم بنجاسة بالشك[1] اھ وفی الحلیة قال مشائخ بلخ وبخاری یتوضؤ من ای جانب کان وفی محیط رضی الدین والتحفة والبدائع وغیرھاھو الاصح لان غیر المرئیة ینتقل لکونہ مائعا سیالا[2]۔

اقول: احسن فی ترك بطبعہ وھو فی کلام البدائع متعلق بسیالالاینتقل لان طبع المائع الانحدار الی صبب لاالانتقال فی سطح مستوبلا سبب نعم الریاح لاتزال تزعزع المیاہ ومن ضرورتہ انتقال المائع المختلط بہ ولیس لہ جھة معینة لاختلاف الریاح فتطرق الاحتمال الی جمیع المحال اذاعرفت ھذا ففی الصورة الاولی حیث لاحاجزلھا عن العلو تطفووتنجس الاعلی علی قول الجمیع بل لولم تطف لنجست لاتصالھا بالماء الاعلیٰ ولو من تحت امافی الثانیة فعلی قول العراقین ان کانت وقعت فی الماء السافل فی محاذاة

کو منتقل کرتا ہے تو مقامِ وضو میں نجاست کا یقین نہیں اور ہمارے ماوراء النہر کے مشائخ نے دونوں میں تفصیل کی ہے(یعنی مرئیہ اور غیر مرئیہ میں)اور غیر مرئیہ میں جس جانب سے چاہے وضو کرے جیسا کہ جاری پانی میں سب کا اتفاق ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے کہ کیونکہ غیر مرئیہ کسی ایک جگہ میں نہیں ٹھہرتی بلاکلہ منتقل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ طبعی طور بہنے والی ہے اس لئے وضوء والی جانب میں نجاست کا یقین نہ ہوا، پس شک کی وجہ سے ہم نجاست کا حکم نہیں دیں گے اھ اور حلیہ میں ہے کہ بلخ اور بخاری کے مشائخ نے فرمایا ہے کہ جس جانب سے چاہے وضو کرلے اور رضی الدین کی محیط، تحفہ اور بدائع وغیرہ میں ہے کہ وہی اصح ہے کیونکہ غیر مرئیہ منتقل ہوجاتی ہے کیونکہ وہ سیال مائع ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں انہوں نے بطبعہ کو چھوڑ کر اچھا کیا، اور یہ بدائع میں "سیالا لاینتقل" سے متعلق ہے کیونکہ بہنے والی چیز کی خاصیت نیچے کی طرف آنا ہے وہ مستوی سطح کی طرف بلاسبب نہیں جاتا ہے، ہاں ہوائیں مسلسل پانی میں لہر پیدا کرتی رہتی ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہنے والی چیز جو اس میں شامل ہوجائے منتقل ہوجاتی ہے اور اس کی کوئی ایک جہت متعین نہیں کیونکہ ہوائیں مختلف رخ سے چلتی ہیں، تو ہر جگہ میں احتمال پیدا ہوجائے گا، جب تم نے یہ جان لیا تو پہلی صورت میں جہاں اوپر جانے سے کوئی مانع نہ ہو نجاست تیر کر اوپر آجائے گی اور تمام علماء کے مطابق اوپر والا حصہ ناپاک ہوجائے گا، بلاکلہ

[1] بدائع الصنائع فصل فی المقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] حلیة

خط ا ب تنجس الاعلی لعدم انتقالھامن ثم وان وقعت فی حجاب عنه مثل خط رء وہء لم تنجس لانھالاتصل الی الماء العالی وعلی قول سائرالائمة الاصح لاتنجس مطلقاوان کانت وقعت حذاء ا ب لاحتمال انتقالھاالی احدی الزوایاولایزول الیقین بالشك ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نجاست تیر کر نہ بھی جائے تو بھی ناپاک ہوگا کیونکہ وہ اوپر والے پانی کے ساتھ متصل ہوجائے گی خواہ نیچے سے ہو اور دوسری صورت میں تو بقول عراقی مشائخ کے اگر نجاست نچلے پانی میں اب خط کے مقابل گری ہے تو اوپر والا نجس ہوجائیگا، کیونکہ وہ وہاں سے منتقل نہیں ہوئی ہے اور اگر وہ اس کے حجاب میں گری ہے جیسے رء اور ہء کا خط تو پانی نجس نہیں ہوگا کیونکہ وہ اوپر والے پانی تک نہ پہنچے گی اور باقی ائمہ کے قول کے مطابق اصح یہ ہے کہ مطلقا ناپاک نہ ہوگا اگرچہ نجاست اب کے مقابل گری ہو کیونکہ احتمال ہے کہ وہ کسی ایک زاویے کی طرف منتقل ہوگئی ہو اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا ہے **ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

سوال ۵۲ چہارم

حوض اوپر دہ در دہ اور نیچے کم ہے بھرے ہُوئے میں نجاست پڑی تو سب پاک رہا یا نیچے کا حصّہ ناپاک ہوگیا جہاں سے مساحت سو ہاتھ سے کم ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

کلام علامہ سید طحطاوی سے ظاہر یہ ہے کہ حصّہ زیریں ناپاک ہوجائیگا۔

حیث قال واذا وقعت فیه نجاسة فی تلك الحالة فالا علی طاھر الی ان یبلغ الا قل فینجس [1] اھ وحمله علی انه ینجس بنجاسة اخری خلاف ظاھر سوق الکلام۔ **اقول:** وکذا ھو ظاھر الدران قدر وقوع النجس بقرینة قرینه فان نظمه لواعلاہ	جہاں فرمایا کہ "اور جب اس میں نجاست گر جائے اس حالت میں تو بالائی حصہ پاک ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچے تو وہ ناپاک ہوگا اھ" اور اس کو اس پر محمول کرنا کہ وہ دوسری نجاست کے ساتھ نجس ہوجائیگا سیاق کلام کے ظاہر کے خلاف ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اور اسی طرح وہ دُر کا ظاہر ہے اگر نجس گرنا مقدر کیا جائے اور اس پر قرینہ اس کا متصل

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۸

عشرا واسفله اقل جاز حتی یبلغ الا قل ولو بعکسه فوقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر [1] اھ فان ضمیر جاز الی رفع الحدث به ومعلوم ضرورۃ من الدین ان رفع الحدث جائز بکل ماء مطلق مطلقا ولو قلیلا مالم ینسلب طہارتہا وطہوریتہ فکان المعنی کقرینہ لو اعلاہ عشرا واسفله اقل فوقع فیه نجس جاز التطہر به حتی یبلغ الاقل فاذا بلغه لم یجز فقد غیا جواز التطہر به ببلوغه الاقل فبنفس البلوغ لایجوز لظہور حکم النجس الذی لم یتحمله الا علی لکثرته وحمله علی التقیید بوقوع النجاسۃ بعد بلوغ الاقل کما فعل ش حیث قال ای اذا بلغ الاقل فوقعت فیه نجاسۃ تنجس کما فی المنیۃ [2] اھ

فاقول: (۱) خروج عن الظاہر (۲) واخراج للکلام عـہ الی قریب من العبث (۳) والاستناد الی

کلام ہے، کیونکہ ان کی عبارت اس طرح ہے، اور اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہے اور نچلا حصہ کم ہے تو وضو جائز ہے یہاں تک کہ وہ اقل کو پہنچے اور اگر اس کا عکس ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ دس ہاتھ کو پہنچے اھ کیونکہ جاز کی ضمیر "رفع الحدث به" کی طرف لوٹتی ہے اور یہ چیز دین کے ضروریات سے ہے کہ رفعِ حدث ہر مطلق پانی سے جائز ہے خواہ کم ہی ہو تاوقتیکہ اس کی طہارت یا طہوریت سلب نہ ہوئی تو معنی اس کے قرین کی طرح یہ ہوئے کہ اگر اس کا بالائی حصہ دس ہاتھ ہو اور اس کا نچلا حصہ کم ہو اور اس میں نجس واقع ہو جائے تو اس سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے یہاں تک کہ اقل کو پہنچ جائے، اور جب اقل کو پہنچے تو جائز نہیں اس کے ساتھ طہارت کے جواز کی غایت اقل کو پہنچنا بیان فرمائی تو نفس بلوغ سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نجس کا حکم ظاہر ہے جس سے بالائی بالائی حصہ متاثر نہ ہوا کیونکہ وہ کثیر ہے اور اس کو اقل کو پہنچنے کے بعد نجاست کے واقع ہونے سے مقید کرنا جیسا کہ "ش" نے کیا انہوں نے فرمایا "یعنی جب اقل کو پہنچے اور اس میں نجاست گر جائے تو ناپاک ہو جائیگا جیسا کہ منیہ میں ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ ظاہر سے خروج ہے، اور کلام کو تقریباً لغو قرار دینا ہے اور اس کو مُنیہ کی طرف

عـہ فی الحلیۃ عند قول المنیۃ اذا سد الماء من فوقه وبقی جریه یجوز التوضی به مانصه کان علی المصنف ان یذکر

منیہ کے اس قول "جب اوپر سے پانی بند ہو جائے اور پانی جاری ہو تو وضوء جائز ہے" پر حلیہ نے کہا کہ مصنف کو "به" کی جگہ "فیه" کہنا چاہئے تھا

---

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۳۶/۱

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱۴۲/۱

المنیة فی غیرمحله فان عبارتهالو ان ماء الحوض کان عشرا فی عشر فتسفل فصار سبعافی سبع فوقعت النجاسة فیه تنجس فان امتلاء صار نجسا ایضا[1] اھ فهو لم یذکر للاعلی حکما انما قصد بیان حکم المتسفل فاحتاج فی التصویر الی وقوع النجس فیه لیکون توطئة لابانة حکم خفی وهو انه بعد امتلائه ایضا یبقی نجسا کماکان بخلاف نظم الدر فانه افرز الاعلی بحکم الجواز ولا معنی له الا بفرض وقوع المانع والا فذکرہ عبث ثم حد لجوازہ حدا ینتهی دونه وهو بلوغ الاقل فافاد ماقلنا واین هذا من عبارة المنیة، وکلام الدرمن اوله الی هنا فی رفع الحدث به لافیه ولوکان لصح حملا له علی معنی التوضی بغمس الاعضاء فیه بناء علی ماهو الحق من فرق الملاقی والملقی وان کان میل صاحب الدر الی خلافه فاذن کان

منسوب کرنا بے محل ہے کیونکہ منیہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر حوض کا پانی دہ در دہ ہو اور پھر نیچے چلا جائے اور سات در سات ہوجائے پھر اس میں نجاست گرجائے تو ناپاک ہوجائیگا اور اگر بھر جائے تو بھی نجس ہوجائیگا تو انہوں نے بالائی کا کوئی حکم بیان نہیں کیا ان کا مقصود تو محض یہ تھا کہ وہ نچلے کا حکم بیان کریں تو اس کی وضاحت میں ان کو یہ کہنا پڑا کہ اس میں نجاست گر جائے، تاکہ یہ ایک مخفی حکم کے اظہار کی بنیاد بن جائے اور وہ یہ کہ یہ بھر جانے کے باوجود نجس ہی رہے گا جیسا کہ پہلے تھا، اور در کی نظم اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے بالائی پر جواز کا حکم لگایا اور اس کا کوئی مفہوم نہیں، ہاں مانع کے وقوع کو فرض کرنے کی صورت میں ہوسکتا ہے، ورنہ تو اس کا ذکر عبث ہے، پھر انہوں نے اس کے جواز کی ایک حد مقرر کی جس سے پہلے وہ منتہی ہوتا ہے اور وہ اقل تک پہنچتا ہے تو جو ہم نے کہا اس کا انہوں نے افادہ کیا، اور اس کو منیہ کی عبارت

فیه(ای مکان به) لان من الواضح جدا جواز الوضوء به جاریا کان اوغیرجار خارجه فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم هم اعلی کعبامن ذکر مثله اھ منه غفرله۔(م)

کیونکہ اس سے وضوء کا جواز بہت واضح ہے خواہ پانی جاری ہو یا نہ ہو لہٰذا پانی کے جاری رہنے کی قید لگانا بے موقع ہوگا حالانکہ ان حضرات کا مقام ایسے کلام سے بلاند وبالا ہے اھ (ت)

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

یؤل الی کلام البزازیة لوعشرا فی عشر ثم قل توضأ به لافیه لاعتبار اوان الوقوع [1] اھ لکن لامساغ له فی کلامه ولذا احتاج ش الی اضافة قید لیس فیه فترجح ماقلنا۔	سے کیا تعلق ہے؟ اور دُر کا کلام ابتداء سے یہاں تک اس کے ساتھ حدث کے رفع کرنے کی بابت ہے نہ کہ اُس میں، اور اگر ایسا ہوتا تو صحیح ہوتا اور اس کو اس پر محمول کیا جاتا کہ اس میں اعضاء کو ڈبو کر وضو کرنا جیسا کہ حق ہے کہ ملقی اور ملاقی میں فرق ہے اگرچہ صاحبِ در کا میلان اس کے خلاف ہے، ایسی صورت میں بزازیہ کے کلام کی طرف لوٹا جائیگا اگر دہ در دہ ہو پھر کم ہوگیا ہو تو اسکے ساتھ وضو کرے نہ کہ اس میں کیونکہ وقوع کے زمانے کا اعتبار ہے اھ مگر اس کی ان کے کلام میں گنجائش نہیں، اور اس لئے "ش" نے لیس فیہ کا اضافہ کیا، تو جو ہم نے کہا وہ راجح ہے۔(ت)

اور کلام علامہ سید شامی سے مفہوم کہ سب پاک رہے گا۔

حیث قال فی المسألة الاخری وھی ماذا کان اعلاہ قلیلا واسفله کثیرا فوقع فیه نجس لم یجز حتی یبلغ العشر فاذا بلغھا جاز مانصه وکانھم لم یعتبروا حالة الوقوع ھھنا لان مافی الاسفل فی حکم حوض اٰخر بسبب کثرته مساحة وانه لو وقعت فیه النجاسة ابتداء لم تضرہ بخلاف المسألة الاولی تدبر [2] اھ ففرق بین المسألتین ان نجاسة الاعلی القلیل لاتشمل الجزئین وطھارة الا علی الکثیر تشملھما۔ **اقول اولا:** (۱) اعتبار حالة الوقوع	جبکہ فرمایا دوسرے مسئلہ میں اور وہ یہ ہے کہ جب کہ اس کا بالائی حصہ کم ہو اور نچلا زائد ہو اور اس میں نجاست گر جائے تو جائز نہیں یہاں تک کہ دہ در دہ کو پہنچے تو جب اس مقدار کو پہنچے تو جائز ہے، اور ان کی عبارت یہ ہے اور گویا ان حضرات نے یہاں وقوع کی حالت کا اعتبار نہیں کیا، کیونکہ جو نچلے حصہ میں ہے وہ الگ حوض کے حکم میں ہے کیونکہ وہ پیمائش کے اعتبار سے کثیر ہے، اور یہ کہ اگر اس میں ابتداءً نجاست گرتی تو مضر نہ ہوتی بخلاف پہلے مسئلہ کے تدبر اھ تو دونوں مسئلوں میں فرق ہے کہ اوپر والے کی نجاست جو قلیل ہے دونوں جزؤں پر مشتمل نہیں اور اعلیٰ کثیر کی طہارت دونوں کو شامل ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں اولاً** حالتِ وقوع کا اعتبار

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ الھندیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۳

مذکور فی البدائع والتبیین والخانیة والخلاصة والبزازیة والحلیة والغنیة والبحر وغیرھامن دون ثنیا ولاحاجة الی استثناء ھذہ فان الاسفل لم یزل کثیرا فقد اعتبرت حالة الوقوع الا ان یقال ان الماء کان واحدا ظاھرا و وجھه حین الوقوع قلیلا وبه العبرة فکان ینبغی التنجس باعتبارہ لکن لم ینجسوہ نظرا الی ان وجھه یصیر کثیرا حین بلوغ الماء الی الاسفل ۔

وثانیا:(ا)لقائل ان یقول لم لایقال فی تلك اعنی مسألتنا ھذہ ان مافی الاسفل فی حکم حوض اخر بسبب قلته مساحة وانه لووقعت فیه النجاسة ابتداء لضرته وقد یمکن الجواب بان الکثیر یستتبع القلیل فیعد الاسفل القلیل عمقاللا علی الکثیر ومعلوم ان الوجه ان کان کثیرا لم یتنجس شیئ من الماء لاوجھه ولا عمقه ولا یشترط مع ذلك کثرة العمق الا تری لوکان الحوض علی ھذا الشکل

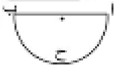

نصف دائرة وکان اب منه کثیرا لایتنجس شیئ منه وان کان مادونه قلیلا حتی لایبقی علی ح الا نقطة بخلاف العکس فان القلیل لایستتبع الکثیر فیعد حوضا برأسه۔

بدائع، تبیین، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں بلا استثناء مذکور ہے اور اس میں استثناء کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ نچلا تو کثیر تھا تو حالتِ وقوع کا اعتبار کیا گیا، ہاں اگر یہ کہا جائے کہ پانی بظاہر ایک تھا، اور اس کی سطح وقوع کے وقت کم تھی اور اسی کا اعتبار ہے تو مناسب یہی تھا کہ اسی کے اعتبار سے ناپاک ہو، لیکن علماء نے اس کو نجس قرار نہیں دیا، یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی سطح کثیر ہوجائے گی جبکہ پانی نچلے حصّہ کو پہنچے گا۔

اور **ثانیاً** کوئی کہنا والا کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ نچلا حصّہ ایک مستقل حوض کے حکم میں ہے کیونکہ اس کی پیائش کم ہے اور یہ کہ اگر اس میں ابتداء کوئی نجاست گرجاتی تو ناپاک ہوجاتا اور اس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثیر قلیل کو اپنا تابع بنالیتا ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ نچلا کم حصہ گویا اوپر کے کثیر حصہ کیلئے عُمق ہے، اور یہ معلوم ہے کہ اگر پانی کی سطح زائد ہوتی تو پانی قطعاً ناپاک نہ ہوتا نہ اُس کی سطح اور نہ اُس کی گہرائی، اور اس کے باوجود گہرائی کی کثرت شرط نہیں ہے، مثلاً یہ کہ اگر حوض کی شکل یہ

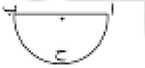

ہو یعنی آدھے دائرہ کی شکل اور اب اس میں کثیر ہے اس میں کچھ ناپاک نہ ہوگا اگرچہ اس سے کم قلیل ہے اور ح پر صرف ایک نقطہ رہے گا، بخلاف عکس کے کیونکہ قلیل کثیر کو تابع نہیں بناسکتا ہے تو یہ مستقل حوض شمار ہوگا۔(ت)

یہ غایتعـــہ توجیہ ہے۔

عـــہ: وسیأتی الجواب عنه ۱۲ منه غفرله(م)

عنقریب ان کی طرف سے اس کا جواب ذکر کیا جائے گا۔(ت)

واقول وباللہ التوفیق نجاست اگر طافیہ ہے کہ حصہ زیریں تک پہنچی ہی نہیں جب تو ظاہر ہے کہ اس کی نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ اُس کا اتصال آب بالا سے ہے اور وہ بوجہ کثرت نجس نہ ہوا اور اگر راسبہ ہے کہ اسفل تک پہنچی خواہ مطلقاً جسے پتھر یا ابتداءً جیسے غرق شدہ جانور کہ تہ نشین ہو کر مرتا پھر اُتراتا ہے یا انتہاءً جیسے وہ کپڑا کہ تیرتا رہے گا پھر پانی سے بوجھل ہو کر بیٹھ جائیگا تو اب دو صورتیں ہیں اُن کا بیان' یہ کہ پانی کیلئے بلحاظ محل مثل حوض وغیرہ ایک توصفت ہے یعنی کثرت وقلّت کہ مساحت محل کے سو ہاتھ یا کم ہونے سے حاصل ہوتی ہے دوسری صورت کہ جس فضا میں متمکن ہے اُس کی شکل سے پیدا ہوتی ہے یہ شکل کبھی واحد ہوتی ہے اگرچہ اس میں حصّے فرض کر سکتے ہیں اگرچہ اُن حصص مفروضہ کا مساحت میں تفاوت اُن کے لئے منشاء انتزاع ہو جیسے اسی شکل نصف دائرہ میں کہ مثلاً خط ء ہ تک کثیر اور

نیچے قلیل ہو تو دو حصّے ممتاز ہو جائیں گے اب ء ہ کثیر اور ء ہ ح قلیل مگر حقیقۃً اب ح فضائے واحد ہے اور کبھی شکل خود ہی واقع میں متعدد ہوتی ہے جیسے حوض کے اندر حوض مثلاً اس شکل پر

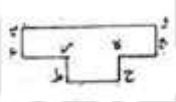

کہ حصہ بالا اء اور زیریں ہ ط خود ہی ممتاز ہیں اس لحاظ سے حصص زیر و بالا کی چار قسمیں ہو گئیں ایک یہ کہ دونوں حصّے صورۃً وصفۃً ہر طرح متحد ہوں جیسے دو گز گہرے مربع میں ایک گز اوپر ایک گز نیچے، دوم صورۃً متحد ہوں اور صفۃً مختلف جیسے وہی نصف دائرہ کی شکل کہ فضا واحد ہے اور اہ کثیر اور ء ہ ح قلیل، سوم صفۃً متحد ہوں اور صورۃً مختلف جیسے اسی شکل اط میں جبکہ ہ ر بھی سو ہاتھ سے کم نہ ہو یا اب بھی دہ در دہ سے کم۔ چہارم صورۃً وصفۃً ہر طرح جدا ہوں جیسے یہی شکل جبکہ اب سو ہاتھ اور ہ ر کم ہو۔

قسم اول کا حکم تو ظاہر کہ وہ زیر و بالا شیئ واحد ہے اگر نجس ہو گا سب نجس ہو گا پاک رہے گا سب پاک رہے گا۔

یونہی قسم دوم کہ بلا شبہ وہ محلِ واحد ہے اگرچہ حصص انتزاعیہ کی مساحت مختلف ہے۔

یونہی سوم کہ اگرچہ دو شے ہے مگر دونوں متحد الصفۃ ہیں اگر کثیر ہیں تو زیریں بھی ناپاک نہ ہو گا اگرچہ نجاست راسبہ ہو اور قلیل ہیں تو یہ بھی نجس ہو جائیگا اگرچہ نجاست طافیہ ہو کہ نجس سے اتصال نہ ہوا تو متنجس سے ہوا کہ حصہ بالا ناپاک ہو گیا۔

شکل چہارم وہی محل نظر ہے جبکہ نجاست راسبہ اس تک پہنچی اور نظر حاضر میں ظاہر یہی ہے کہ ناپاک ہو جائے کلام ائمہ سے معہود یہی ہے کہ جب صورت وصفت دونوں مختلف ہوں تو ان کو دو محل جداگانہ ٹھہراتے ہیں اور فقط اتصال قلیل بہ کثیر کو کافی نہیں جانتے۔

نہر کے (۲) کنارے کنارے پانی لینے کیلئے تختہ بندی کرتے ہیں کہ اُن پر بیٹھ کر پانی لیں وضو کریں اس سے

خانے خانے ہوجاتے ہیں ہر خانہ مشرعہ کہلاتا ہے۔

پانی اگر تختوں سے نیچا ہے جب تو محل کلام نہیں کہ تختوں سے پانی کا انقسام نہ ہوا لیکن اگر پانی تختوں سے ملا ہوا ہے تو ہر خانہ آب جداگانہ سمجھا جائیگا اور اگر اُن کا طول وعرض دس دس ہاتھ نہیں تو جن کے نزدیک دونوں امتداد ہونا شرط ہے اس میں نجاست پڑے تو جتنا پانی تختوں سے گھرا ہوا ہے ناپاک ہوجائیگا اور نہر کے پاک پانی سے اس کا متصل ہونا نفع نہ دے گا۔

یوں ہی [1] اگر نہر یا بڑے تالاب کا پانی برف سے جم گیا اور ایک جگہ سے برف توڑ کر پانی کھول لیا اگر بہتا پانی اُس جمے ہوئے سے متصل نہیں تو ظاہر کہ پانی شیئ واحد رہا اور اگر متصل ہے اور یہ حصہ کہ کھولا گیا دس دس ہاتھ طول وعرض میں نہیں تو یہ ان کے نزدیک نجاست سے ناپاک ہوجائیگا اور اُس میں اعضاء ڈال کر وضو کرنے سے مستعمل ہوجائیگا اور بہتے پانی سے اُس کا اتصال فائدہ نہ دے گا ہاں [2] باقی پانی بحال خود رہے گا مثلاً ایک مشرعہ میں نجاست پڑی یا کسی نے اعضاء بے وضو ڈال کر دھوئے تو صرف وہی مشرعہ ناپاک یا مستعمل ہوا برابر کے دوسرے مشرعہ سے پینا وضو کرنا ہوسکتا ہے کہ وہ تو ہر ایک اُن کے نزدیک حوض جُدا ہے یونہی برف سے ایک جگہ کھلا ہوا پانی نجس یا مستعمل ہوجائے تو اُس کے برابر دوسری جگہ سے کھول کر استعمال کرسکتا ہے یونہی اگر [3] حوض کبیر سے کاٹ کر ایک حوض صغیر بنایا کہ اُس میں سے پانی اس میں آیا یہ نجاست یا اعضائے بے وضو ڈالنے سے اُن کے نزدیک نجس ومستعمل ہوجائیگا اور بڑے حوض سے پانی ملا ہونا کام نہ دے گا یہ گویا بعینہٖ وہی صورت چہارم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صورت مبحوثہ میں وہ حوض صغیر حوض کبیر کے نیچے ہے اور اس صورت میں اس کے برابر، پانی بہرحال ملا ہوا ہے، تو جس طرح صفت وصورت دونوں مختلف ہونے کے باعث اُن کے نزدیک برابر کا حوض صغیر حوض کبیر کا جزنہ ٹھہرا بلکہ مستقل قرار پایا۔ یونہی نیچے کا۔ ان مسائل پر نصوص کتبِ مذہب میں دائر وسائر ہیں اگرچہ فقیر کے نزدیک ان کی بنا اشتراط امتدادین طول وعرض پر ہے اور صحیح ومعتمد اعتبار محض مساحت ہے یہ خلافیہ جداگانہ ہے یہاں غرض اس قدر کہ بحال خلاف صورت وصفت معاً قلیل کو تابع کثیر نہ مانا فتاوٰی امام اجل قاضیخان میں ہے:

حوض کبیر فیہ مشرعۃ توضأ انسان فی المشرعۃ اواغتسل ان کان الماء متصلا بالالواح بمنزلۃ التابوت لایجوز فیہ الوضوء واتصال ماء المشرعۃ بالماء الخارج منھالاینفع کحوض کبیر تشعب منہ حوض	ایک بڑا حوض ہے جس میں سے ایک نالی نکلتی ہے اس میں کسی شخص نے وضو یا غسل کیا تو پانی اگر تختوں سے متصل ہے بمنزلہ تابوت کے تو اس میں وضو جائز نہیں اور نالی کے پانی کا خارجی پانی سے متصل ہونا نافع نہ ہوگا جیسے بڑا حوض جس سے

صغیر فتوضأ انسان فی الحوض الصغیر لایجوز وان کان ماء الحوض الصغیر متصلا بماء الحوض الکبیر کذا لایعتبر اتصال ماء المشرعۃ بما تحتھا من الماء اذا کانت الالواح مشدودۃ[1]۔	چھوٹا حوض نکالا گیا ہو پھر چھوٹے حوض سے کسی انسان نے وضو کیا تو یہ جائز نہیں اگرچہ چھوٹے حوض کا پانی بڑے حوض سے متصل ہو، اسی طرح نالی کے پانی کا نچلے پانی سے متصل ہونا معتبر نہیں جبکہ تختے بندھے ہوئے ہوں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

لوجمد حوض کبیر فنقب فیه انسان نقبا فتوضأ فیه ان کان الماء متصلا بباطن النقب لایجوز و الاجاز و کذا الحوض الکبیر اذا کان له مشارع فتوضأ فی مشرعۃ او اغتسل والماء متصل بالواح المشرعۃ ولا یضطرب لایجوز وان کان اسفل منھا جاز لانه فی الاول کالحوض الصغیر فیغترف ویتوضؤ منه لافیه وفی الثانی حوض کبیر مسقف[2]۔	اگر بڑا حوض منجمد ہو جائے اور اس میں کوئی شخص سوراخ کردے اور اس میں وضو کرے تو اگر پانی سوراخ کے اندرونی حصے سے متصل ہو تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اور اسی طرح بڑے حوض میں جب نالیاں ہوں اور وہ کسی ایک نالی سے وضو کرے یا غسل کرے حالانکہ پانی تختوں سے متصل ہو اور اس میں حرکت وارتعاش پیدا نہ ہو تو جائز نہیں اور اگر تختوں سے نیچے ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ پہلی صورت میں چھوٹے حوض کی طرح ہے تو چُلّو بھر کر اس سے وضو کرے نہ کہ اس میں، اور دوسری صورت میں بڑا حوض چھت والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

جمد ماؤہ فنقب ان الماء منفصلا عن الجمد جاز لانه کالمسقف وان متصلا لالانه کالقصعۃ حتی لو ولغ فیه کلب تنجس[3]۔	اگر اس کا پانی جم جائے اور کوئی اس میں سوراخ کیا تو اگر پانی برف سے جدا ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ چھت والے حوض کی طرح ہے اور اگر پانی متصل ہو تو جائز نہیں کیونکہ وہ بڑے پیالہ کی طرح ہوگا کہ اگر اس میں کُتّا منہ ڈال دے تو ناپاک ہو جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

[3] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۶

ای موضع الثقب دون المتسفل فلوثقب فی موضع اخر واخذ الماء منه وتوضأ جاز کما فی التاترخانیة [1] ۔	یعنی سوراخ کی جگہ نہ کہ نچلاحصّہ تو اگر کسی اور جگہ سوراخ کیا اور اُس سے پانی لیا اور وضو کیا تو جائز ہے جیسا کہ تتار خانیہ میں ہے۔(ت)

غنیہ کی عبارت مذکورہ مسئلہ اولٰی نے اسی معنی کی طرف اشارہ فرمایا جو فقیر کے بیان میں آیا،

حیث قال اذاکان الماء تحت الجمد منفصلا عنه یجوز لانه عشر فی عشر ولم تنفصل بقعة منه عن سائرہ کما فی الصورة الاولی [2] ۔	وہ فرماتے ہیں کہ جب پانی برف کے نیچے ہو اور اس سے جدا ہو تو جائز ہے اس لئے کہ وہ دہ در دہ ہے اور اس کا کوئی بقعہ دوسرے سے الگ نہیں جیسا کہ پہلی صورت میں ہے۔(ت)

ہاں (۱) تالابوں نہروں میں چھوٹے چھوٹے کنج گوشے جابجا ہوتے ہیں اُن میں ہر ایک کو مستقل ماننے میں حرج اور خلاف متفاہم عرف ہے لہذا اُس کی تقدیر ڈھائی ہاتھ چوڑے سے کی ہے کہ دس ہاتھ کی چہارم ہے اور ربع کیلئے حکم کل دیا جاتا ہے جیسے نجاست خفیفہ میں کہ بدن یا کپڑے پر لگے، خلاصہ میں فرمایا:

النهر الذی هو متصل بالحوض فکان اذاامتلاء الحوض یدخل الماء النهر فتوضأ انسان فیه انکان النهر قدر ذراعین ونصف لایجوز ولا یجعل تبعاللحوض وان کان اقل یجوز ویجعل تبعا للحوض وقیل لایجوز ولا یجعل تبعاللحوض وانکان قدر ذراع [3] ۔	وہ نہر جو حوض سے متصل ہو، اور جب حوض بھر جائے تو پانی نہر میں چلا جاتا ہو اب اگر اس نہر سے کوئی انسان وضو کرے تو اگر نہر ڈھائی ہاتھ ہے تو وضو جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں کیا جائیگا، اور اگر کم ہے تو جائز ہے اور اسکو حوض کے تابع سمجھا جائیگا ایک اور قول ہے کہ جائز نہیں اور اس کو حوض کے تابع نہیں سمجھا جائیگا۔ اگرچہ ایک ہاتھ کی مقدار ہو۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

النهر المتصل بالحوض الکبیر الممتلئ ان کان عــه	وہ نہر جو بڑے بھرے حوض سے متصل ہو اگر ڈھائی ہاتھ

عــه وقع فی نسخة الطبع ان کان الحوض وهو خطأ اھ منه غفرله۔(م)	مطبوع نسخہ میں ان کان الحوض کا لفظ واقع ہے یہ درست نہیں ہے اھ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فی الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فی الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰

قدر ذراعین ونصف لایکون تبعاله لان الربع یحکی حکایة الکل فلا یتوضؤ منه وان اقل منه فتبع وقیل لیس بتبع وان قدر ذراع[1]	ہو تو حوض کے تابع نہیں کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے تو اس سے وضو درست نہ ہوگا اور اگر اس سے کم ہو تو تابع ہے اور ایک قول ہے کہ تابع نہیں خواہ ایک ہاتھ ہو۔ (ت)

اقول: یوں ہی تالابوں نہروں کی تہ میں گڑھے بھی ہوتے ہیں ہر گڑھے کو مستقل قرار دینے میں حرج ومخالفت عرف ہے لہٰذا ارشاد مذکور کی بنا پر اُس کی تقدیر بھی پچیس ہاتھ مساحت سے چاہئے لان الربع یحکی حکایة الکل (کیونکہ چوتھا کل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ (ت) یہاں اُس تعلیل کا جواب بھی کُھل گیا کہ الکثیر یستتبع القلیل (کثیر قلیل کو تابع بناتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر حکم یہ ہونا چاہئے کہ صورت مسئولہ میں اگر نجاست طافیہ ہے کہ حصہ زیریں تک نہ پہنچی یا حصہ زیریں حصہ بالا کے ساتھ دو مختلف محل نہیں جیسے نصف دائرہ میں یا مختلف تو ہے مگر پچیس ہاتھ مساحت سے کم ہے تو ان سب صورتوں میں نجاست پڑنے سے کوئی حصہ نجس نہ ہوگا اور یہی محمل کلام علامہ شامی کا ہے اور اگر نجاست راسبہ ہے کہ حصہ زیریں تک پہنچی اور اسفل اعلیٰ سے مختلف الشکل ہے اور سو ہاتھ مساحت سے کم مگر پچیس ہاتھ سے کم نہیں تو اوپر کا حصہ بوجہ کثرت پاک رہے گا اور یہ حصہ زیریں بوجہ حوض مستقل قلیل ہونے کے ناپاک ہو جائیگا اور یہی محمل کلام علامہ طحطاوی کا ہے یہ ہے وہ جو فقیر کے لئے ظاہر ہوا اور محل محتاج تحریر وتنقیح اور جزم بالحکم دست نگر تصریح ہے،

والعلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم امامافی الحلیة تحت قول المنیة المارفی صدر ھذا الجواب الرابع حیث قال وھذا محکی فی البدائع عن ابی القاسم الصفار رحمه الله تعالٰی غیر ان فرض المسألة فیھافی الحوض الکبیر وقعت فیه النجاسة ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضه الی بعض وقعت فیه نجاسة ثم عاودہ الماء حتی امتلأ ولم یخرج منه شیئ[2] اھ۔	اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، بیشک میرا رب ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور حلیہ میں منیہ کے قول کے تحت جو اس چوتھے جواب کے شروع میں گزرا ہے کہ انہوں نے فرمایا یہ قول بدائع میں ابو القاسم صفار سے منقول ہے مگر اس میں جو مسئلہ فرض کیا گیا ہے وہ بڑے حوض میں ہے جس میں نجاست گر گئی ہو پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا پانی ایک دوسرے سے متصل ہوگیا پھر اس میں نجاست گر گئی اور پھر اس کا پانی زائد ہوگیا یہاں تک

[1] بزازیہ علی الہندیۃ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۴

[2] حلیۃ

فاقول اولا لیس ھذا مسوقا فی البدائع سیاقا واحدا فی تصویر واحد حتی یقال ان الماء الواقع فیہ النجاسۃ حین امتلاءہ وکثرۃ مساحتہ بعدما فرغ اعلاہ وبلغ السافل القلیل احتیج فی تنجیسہ الی وقوع النجاسۃ مرۃ اخری فافادان السافل القلیل لاینجس تبعا للعالی الکثیر وھو باطلاقہ یشمل ما اذا کان السافل مختلف الصورۃ بل کل منہما فرع علیحدۃ ذکرھما فی البدائع علی التعاقب عن امامین فالاولی لاتؤخذ فی الاخری وھذا نصہ لوتنجس الحوض الصغیر بوقوع النجاسۃ ثم بسط ماؤہ حتی صار لایخلص بعضہ الی بعض فھو نجس لان المبسوط ھوالماء النجس وقیل فی الحوض الکبیر وقعت فیہ النجاسۃ ثم قل ماؤہ حتی صار یخلص بعضہ الی بعض انہ طاھر لان المجتمع ھو الماء الطاھر ھکذا ذکرہ ابوبکر الاسکاف رحمہ اللہ تعالٰی واعتبر حالۃ الوقوع ولو وقع فی ھذا القلیل نجاسۃ ثم عاودہ الماء حتی امتلاء الحوض ولم یخرج منہ شیئ قال ابو القاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز التوضؤ بہ لانہ کلما دخل الماء فیہ صار نجسا[1] اھ وذلک ان لاعتبار حالۃ الوقوع

کہ حوض بھر گیا اور اس سے کچھ باہر نہ نکلا اھ۔(ت)

تو میں کہتا ہوں اوّلًا، یہ چیز بدائع میں صرف ایک ہی انداز میں مذکور نہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ جب کثیر پانی کے بھرے ہونے کی صورت میں نجاست گر جائے اور اس کا بالائی حصّہ خالی ہو کر نیچے قلیل تک آجائے تو اُسی وقت ناپاک ہوگا جب اُس میں دوبارہ نجاست گرے، تو انہوں نے یہ بتایا کہ نچلا قلیل حصہ اوپر والے حصہ کی متابعت میں ناپاک نہ ہوگا، یہ اطلاق اس کو بھی شامل ہے جبکہ نچلے کی صورت مختلف ہو، بلاکلہ ان میں سے ہر ایک علیحدہ فرع ہے، اس کو بدائع میں یکے بعد دیگرے ذکر کیا ہے، اور دونوں اماموں کی طرف منسوب کیا ہے تو ایک صورت کو دوسری میں نہیں لیا جائیگا ان کی عبارت اس طرح ہے، یا چھوٹا حوض جو نجاست کے گر جانے سے ناپاک ہوگیا ہو، پھر اُس کا پانی اتنا پھیل گیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے سے قاصر ہوگیا تو یہ نجس ہے کیونکہ مبسوط نجس پانی ہی ہے، اور وہ بڑا حوض جس میں نجاست گر گئی پھر اس کا پانی اتنا کم ہوگیا کہ اس کا بعض حصہ دوسرے بعض تک پہنچنے لگا تو یہ پاک ہے کیونکہ جو اکٹھا ہے وہ پاک پانی ہے اسی طرح اس کو ابو بکر الاسکاف نے ذکر کیا اور حالۃ وقوع کا اعتبار کیا، اور اگر اس کم میں نجاست گری پھر اس میں پانی واپس آگیا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور اس میں سے کچھ باہر

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۲

محلین الاول تغیر مساحة الماء مع بقائه فی ذاته کما کان بلانقص ولا(۱) زیادة کأن یکون الماء منبسطاً فی حوض کبیر وفیه منفذ مسدود دونه بئر مثلا قطرهاذراعان فوقعت فی الحوض نجاسة فلم یتنجس الماء لانه عشر فی عشرثم اخرجت النجاسة وفتح المخرج حتی انتقل ذلك الماء الی البئر فصار فی قطر ذراعین لم یعد نجسا لان العبرة لحین الوقوع وهو اذذاك كان كثیر المساحة وان صار الاٰن قلیلا (۲) وانكان الماء فی البئر فوقعت فیها نجاسة فنزح كلها وجعل الماء فی الحوض حتی انبسط وصار عشرا فی عشرلم یطهر اعتبارا بحال الوقوع حیث كان عندئذٍ قلیل المساحة وان صار الاٰن كثیرا وهذا مافی البزازیة لوكان دون عشر فی عشر لكنه عمیق وقع فیه مائع وانبسط حتی عد كثیرا لایتوضؤ منه ولو عشرا فی عشر ثم قل توضأ به لافیه لاعتبار اوان الوقوع[1] اھ وفی الخانیة الماء الطاھر اذاكان فی موضع ھو عشر فی عشر

کیونکہ وقوع کی حالت کے دو اعتبار ہیں پہلا تو یہ کہ پانی کی پیائش میں تغیر آجائے اور اس کی ذات بحال رہے جیسی کہ تھی نہ کمی ہو اور نہ زیادتی مثلاً یہ کہ پانی بڑے حوض میں پھیلا ہوا ہو اور اس میں ایک سوراخ ہو جو کنویں تک جاتا ہو اور یہ سوراخ بند ہو، کنویں کا قطر مثلاً دو ہاتھ ہو اب حوض میں نجاست گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا کہ یہ دہ در دہ ہے پھر نجاست نکال لی جائے اور سوراخ کھول دیا جائے اور وہ پانی کنویں کی طرف منتقل ہو جائے اور دو ذراع کے قطر میں پہنچ جائے تو نجس نہ ہوگا، کیوں کہ یہاں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور اس وقت اس کی پیائش زیادہ تھی اگرچہ اب کم ہو گئی ہے اور اگر پانی کنویں میں ہو اور اس میں نجاست گر جائے پھر کنویں کا تمام پانی نکال کر ایک حوض میں جمع کر لیا جائے حتی کہ وہ پھیل جائے اور پانی دَہ در دَہ ہو جائے تو پانی پاک نہ ہوگا کیونکہ نجاست کے واقع ہونے کے وقت کا اعتبار ہے اور اس وقت پیائش کم تھی اگرچہ اب کثیر ہو گئی ہے یہ بزازیہ میں ہے اور اگر دَہ در دَہ سے کم ہو لیکن گہرا ہو اور اس میں کوئی بہنے والی چیز گر گئی اور پھیل گئی یہاں تک کہ زیادہ ہو گئی تو اس سے وضو نہ کیا جائیگا اور اگر وہ دَہ در دَہ ہو اور پھر کم ہو جائے تو اس سے وضو کرے گا نہ کہ اس میں، یہاں بھی گرنے کے وقت کا اعتبار ہے اھ اور خانیہ میں ہے کہ پاک پانی اگر کسی ایسی جگہ میں ہے جو دہ در دہ ہو اور اس میں نجاست گر جائے پھر وہ پانی ایسی جگہ جمع ہو جائے جو دہ در دہ سے کم ہو تو وہ پانی پاک ہے اور اگر پانی تنگ جگہ میں ہو جو دہ در دہ سے کم ہے اس میں نجاست گر جائے پھر وہ پھیل کر دہ در دہ ہو جائے تو پانی ناپاک ہے اور اعتبار اس میں نجاست

[1] فتاوٰی بزازیہ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵

ووقعت فیه نجاسة ثم انبسط ذلك الماء وصار عشرا فی عشر کان نجسا والعبرة فی ھذا الوقت وقوع النجاسة[1] اھ ومثله فی الخلاصة. وفی الدرر عن التتارخانیة عن الظھیریة وفی غیرھا والثانی تغیر مساحته لزیادة فیه اونقصه کان یکون فی غدیر بطنه اکثر انحدارا من حافاته کما وصفنا من نصف الدائرة اعلاہ عشر فی عشر ثم لم یزل یقل فاذا کان ممتلئا کان کثیرا لایقبل النجاسة فاذا(۱)وقعت واخرجت وقل الماء بالاستعمال اوبحر الصیف حتی یبس فی الاطراف وبقی فی بطنه اقل من عشر فی عشر کما ھو مشاھد فی کثیر من الغدران لم یعد نجسا لانه کان حین وقعت کثیرا وان(۲)جف ماؤہ وبقی فی وسطه قلیلا وعند ذلك وقع فیه نجس ثم دخله الماء حتی امتلأ وصار کثیرا غیر انه لم یفض من جوانبه کی یطھر بالجریان فانه یبقی کما کان نجسا لما مر وھذا مافی المنیة کما تقدم. وفی الخانیة حوض اعلاہ عشر فی عشر واسفله اقل منه جاز فیه الوضوء یعتبر فیه وجه الماء فان قل ماؤہ وانتھی الی موضع ھو اقل من عشر لایجوز فیه الوضوء[2] و

کے گرنے کے وقت کا ہے اھ اور اسی قسم کا کلام خلاصہ میں ہے، اور دُر میں تتارخانیہ سے ظہیریہ وغیرہ سے منقول ہے اور دوسرا یہ کہ پانی کی پیمائش میں تغیر آجائے اس میں کمی یا زیادتی کے باعث مثلاً یہ کہ اُس کے گڑھے میں پانی کا بہاؤ بہ نسبت کناروں کے زائد ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا، یعنی دائرہ کا نصف جس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہو پھر برابر کم ہوتا گیا، اور جب بھرا ہوا ہو تو زائد ہوگا نجاست کو قبول نہ کریگا اور جب نجاست گر جائے اور نکال لی جائے اور پانی استعمال کی وجہ سے کم ہوجائے یا گرمی کے باعث اُس کے کنارے خشک ہوجائیں اور اس کے گڑھے میں دہ در دہ سے کم رہ گیا ہو جیسا کہ بہت سے گڑھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے تو وہ نجس نہ ہوگا کیونکہ جب نجاست اُس میں گری تھی تو وہ زائد تھا اگر حوض کا پانی خشک ہوجائے حتی کہ اس وسط میں تھوڑا سا پانی باقی رہے اور اس وقت نجاست گر جائے پھر پانی داخل ہو حتی کہ وہ بھر جائے اور پانی کثیر ہوگیا مگر پانی اس کے کناروں سے نکلا نہیں ورنہ وہ پانی کے بہاؤ سے پاک ہوجاتا اب وہ حسب سابق نجس ہی رہے گا اس کی دلیل گزری اور یہ منیہ میں ہے جیسا اور خانیہ میں ہے کہ ایک حوض جس کا بالائی حصہ دہ در دہ ہے اور نچلا اس سے کم ہے، اس سے وضو جائز ہے، اور اس میں پانی کی سطح کا اعتبار ہوگا، اور اگر اس کا پانی کم ہو اور وہ ایسی جگہ پہنچ جائے جو دہ در دہ سے کم تر ہو تو اس میں وضو جائز نہیں، محقق نے فتح میں فرمایا کہ کوئی نجاست دہ در دہ حوض میں گری اور پھر پانی کم ہوگیا تو وہ طاہر ہے اور جب

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فے الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فے الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴

قال المحقق فی الفتح سقطت نجاسة فی عشر فی عشر ثم صار اقل فهو طاهر واذا تنجس حوض صغیر فدخل ماء حتی امتلأ ولم یخرج منه شیئ فهو نجس [1] اھ وفی الغنیة الحاصل ان الماء اذا تنجس حال قلته لایعود طاهرا بالکثرة وان کان کثیراقبل عـــہ اتصاله بالنجاسة لایتنجس بها ولو نقص بعد سقوطها فیه حتی صار قلیلا فالمعتبر قلته وکثرته وقت اتصاله بالنجاسة سواء وردت علیه او ورد علیها هذاهو المختار [2] اھ وبینه فی التبیین باوجز لفظ فقال(۱)العبرة بحالة الوقوع فان نقص بعده لایتنجس وعلی العکس لایطهر [3] اھ فالامام ملك العلماء رحمه اللّٰه تعالٰی ذکر الفصل الاول عن الامام ابی بکر الاسکاف الا تری الی قوله ثم بسط ماؤہ وقوله المبسوط هو الماء النجس وقوله المجتمع هو الماء الطاهر فقوله قل ای مساحة لاقدرا یقطع به تعبیرہ بالمجتمع وذکر الفصل الثانی من قوله ولو وقع فی هذا القلیل عن الامام

چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا اور پھر اس میں پانی بھر گیا اور اُس سے کچھ باہر نہ نکلا تو وہ حوض اس نجاست سے ناپاک ہوگا اھ اور غنیہ میں ہے، خلاصہ یہ ہے کہ پانی جب کمی کی حالت میں ناپاک ہوگیا تو کثرت کی حالت میں پاک نہ ہوگا، اور اگر اتصالِ نجاست کے وقت زائد تھا تو نجاست سے نجس نہ ہوگا اور اگر نجاست کے گر جانے کے بعد کم ہوا تو معتبر اس میں پانی کی قلّت و کثرت ہے جبکہ اس میں نجاست گری تھی خواہ نجاست پانی پر وارد ہوئی ہو یا پانی نجاست پر وارد ہوا ہو یہی مختار ہے اھ،

تبیین میں اسی کو بہت مختصر عبارت سے بیان کیا ہے فرمایا، اعتبار وقوع کی حالت کا ہے تو اگر اس کے بعد کم ہوا تو ناپاک نہ ہوگا اور اگر برعکس ہے تو پاک نہ ہوگا اھ امام ملک العلماء رحمہ اللہ نے پہلی فصل امام ابو بکر الاسکاف سے نقل کی اس کے قول ثم بسط ماؤہ اور ان کا قول مبسوط وہ نجس پانی ہے اور ان کا قول مجتمع وہ پاک پانی ہے، کی طرف غور کریں تو ان کا قول قلَّ یعنی پیمائش کے اعتبار سے نہ کہ مقدار کے اعتبار سے جس کو وہ مجتمع سے تعبیر کرتے ہیں اور دوسری فصل کو "ولو وقع فی ھذا القلیل" سے ذکر کیا یہ امام ابو القاسم الصفار سے منقول ہے، اور اس لئے

عـــہ: **اقول**: الاولی حین کما لایخفی اھ منه غفرله ۔(م)

میں کہتا ہوں قبل کی بجائے لفظ حین کا استعمال بہتر ہے اھ (ت)

[1] فتح القدیر بحث الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص۱۰۱

[3] تبیین الحقائق بحث عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲

ابی القاسم الصفار ولذا قال عـــہ عاودہ الماء حتی امتلأ ولیست مقالة ابی بکر ماخوذة فی مقالة ابی القاسم رحمهما الله تعالٰی وان کان یوهمه زیادة هذا فی هذا القلیل وکذا قوله ثم عاودہ وقوله حتی امتلأ فان هذا شأن حوض کبیر نقص ماؤہ فبقی فی موضع قلیل ولم یمر لهذا ذکر سابقا لان الناقص لایقال له المجتمع (۱) فالاشارة وقعت غیر موقعه وثانیا علی تسلیمه فلاشك ان کلامه فی الصورة الثانیة من الصور الاربع اعنی الاختلاف صفة مع الاتحاد صورة دون الرابعة التی فیها کلامنا یقطع به تعلیله کلما دخل الماء صار نجسا مع قوله ولم یخرج منه شیئ کما ستعرفه ان شاء الله تعالٰی والله تعالٰی اعلم	فرمایا اس میں پانی لوٹا یہاں تک کہ حوض بھر گیا اور ابو بکر کا مقالہ ابو القاسم کے مقالہ میں ماخوذ نہیں ہے اگرچہ ھذا القلیل میں ھذا کی زیادتی ہے اور اسی طرح ان کے قول ثم عاودہ اور ان کے قول حتی امتلأ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کا حال ہے جس کا پانی گھٹ گیا ہے اور کم جگہ میں رہ گیا اور اس کا ذکر شروع میں نہیں ہے، کیونکہ ناقص کو مجتمع نہیں کہا جاتا ہے تو اشارہ بے موقع ہے، اور ثانیاً اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ان کا کلام چار صورتوں میں سے دوسری صورت میں ہے، میری مراد یہ ہے جب صفت میں اختلاف اور صورت میں اتحاد ہو، یہ چوتھی صورت نہیں ہے جس میں ہماری گفتگو ہے، جس کی تعلیل قطعی یہ ہے، جب بھی پانی داخل ہوگا تو نجس ہوجائیگا پھر ساتھ ہی یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ اس سے کوئی چیز نکلی نہ ہو جیسا کہ آپ اِن شاء الله تعالٰی پہچان لیں گے۔ (ت)

سوال ۵۳ پنجم:

اسی صورت میں پانی حصّہ زیریں قلیل میں تھا اور اس وقت نجاست پڑی اور اُسے نکال کر یا بے نکالے بھر دیا گیا یا بارش وسیل سے بھر گیا کہ آب کثیر ہوگیا تو اب بھی اوپر کا حصہ پاک ہے یا نہیں اور حصہ زیریں کا کیا حکم ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

یہاں اکثر کتب میں منقول تو اس قدر ہے کہ اگر بھر کر اُبل گیا کہ کچھ پانی باہر نکل گیا جب تو پاک ہوگیا کہ جاری ہولیا

عـــہ فافاد زیادة القدر دون المساحة فقط اھ منه غفرله۔ (م)	اس نے مقدار کی زیادتی کا فائدہ دیا ہے صرف پیائش کا نہیں اھ (ت)

ورنہ اوپر کا حصہ بھی ناپاک ہے اگرچہ مساحت کثیر میں ہے کہ نیچے کا حصہ جبکہ ناپاک تھاتو اس میں جتنا پانی ملتا گیا ناپاک ہوتا گیا اگر بھر کر اُبل جاتا سب پاک ہو جاتا مگر ایسا نہ ہوا تو ناپاک ہی رہا کہ ناپاک پانی کثرتِ مساحت سے پاک نہیں ہو سکتا اور بعض نے کہا پاک ہو جائیگا اور اس کی وجہ ظاہر نہیں بدائع سے امام ابو القاسم صفار کا قول گزرا نیز عبارت مُنیہ **فان امتلأ صار نجسا ایضا ای کان** (اگر حوض بھر جائے تو وہ نجس ہوگا جیسا کہ وہ تھا۔ ت) اُسی میں اس کے بعد ہے **وقیل لایصیر نجسا**[1] (اور بعض نے کہا کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت) حلیہ میں ہے **ووجھه غیر ظاھر**[2] (اور اس کی وجہ معلوم نہیں۔ ت) غنیہ میں اتنا فرمایا **والاول اصح**[3] (اور پہلا زیادہ صحیح ہے۔ ت)

اقول: وباللہ التوفیق خیال فقیر میں یہاں ابحاث جلیلہ ہیں جن کو بقدر مساعدت وقت چند تاصیلات و تفریعات میں ظاہر کرے **واللہ المعین وبہ استعین**۔

اصل ۱: ہر مائع یعنی بہتی چیز کہ ناپاک ہو جائے پانی یا اپنی جنس طاہر کے ساتھ بہنے سے پاک ہو جاتی ہے **وقد حققه فی ردالمحتار بمالامزید علیه** (اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں بطریق اتم کی ہے۔ ت)

اصل ۲: آب کثیر کے حکم جاری ہونے میں جس طرح طول عرض یا مساحت یا ایک مقدار عمق بھی ضرور ہے جاری ہونے کیلئے ان میں سے کچھ شرط نہیں مینھ کا پانی جب تک بہہ رہا ہے جاری ہے اگرچہ گرہ بھر کے پرنالہ سے آرہا ہو **کما نصوا علیه فی ماء السطح** (جیسا کہ سطح کے پانی میں فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) ولہذا یہ حکم ہر برتن کو شامل ہے مثلاً کٹورے یا تھالی میں ناپاک پانی ہو پانی اس پر ڈالیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنے لگے پانی اور برتن سب پاک ہو جائیں گے امام ملک العلماء نے بدائع آخر **فصل مایقع به التطھیر** میں فرمایا:

الحوض الصغیر اذا تنجس قال الفقیه ابو جعفر الھندوانی رحمه اللہ تعالٰی اذا دخل فیه الماء الطاھر وخرج بعضه یحکم بطھارته بعد ان لاتستبین فیه النجاسة لانه صار جاریا وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وعلی ھذا حوض الحمام اوالاوانی اذا تنجس[4]۔	چھوٹا حوض جب ناپاک ہو جائے، فقیہ ابو جعفر الہندوانی نے فرمایا جب اس قسم کے حوض میں پاک پانی داخل ہو جائے اور اس میں سے کچھ حصہ نکل جائے تو اس کے پاک ہونے کا حکم دیا جائیگا بشرطیکہ اس میں نجاست ظاہر نہ ہو کیونکہ وہ جاری ہو جائیگا، اور یہی فقیہ ابو اللیث کا قول ہے اور اس پر حمّام کا

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[2] حلیہ

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

[4] بدائع الصنائع آخر فصل مایقع بہ التطہیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

حوض یا برتن قیاس کیا جائے، یعنی نجس ہونے کی صورت میں۔ (ت) (۴)

اصل ۳: اس جریان کے تین رکن ہیں:

ا۔ دخول ۲۔ خروج ۳۔ معیت

یعنی مثلاً پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے کچھ حصّہ خارج ہو اور وہ نکلنا اُسی داخل ہونے کی حالت میں ہو اگرچہ ابتدائے دخول میں نہ ہو۔

(ا) لوٹے میں ناپاک پانی ہے اُس پر پاک پانی نہ ڈالیے۔ ٹونٹی سے وہی ناپاک پانی نکال دیجئے تو صرف خروج بلا دخول ہوا یا (۲) آدھے لوٹے میں ناپاک پانی ہے پاک پانی سے بھر دیجئے کہ کچھ نکلے نہیں تو محض دخول بلا خروج ہوا یا پاک (۳) پانی بھرنے کے بعد جھکا کر ٹونٹی سے کچھ نکال دیجئے تو خروج بحال دخول نہ ہوا۔ ان تینوں صورتوں میں طہارت نہ ہوگی بلکہ پاک (۴) پانی ڈالتے رہیے یہاں تک کہ بھر کر اُبلنا شروع ہو اُس وقت پاک ہوگا کہ ایک وقت وہ آیا کہ خروج ودخول کی معیت ہوگئی اگرچہ برتن بھرنے تک صرف دخول بلا خروج تھا۔ تبیین وفتح میں ہے:

ولو تنجس الحوض الصغیر بوقوع نجاسة فیه ثم دخل فیه ماء اٰخر و خرج الماء منه طهر وان قل اذاکان الخروج حال دخول الماء فیه لانه بمنزلة الجاری [1]۔	اور اگر چھوٹے حوض میں نجاست گر گئی اور وہ نجس ہوگیا پھر اس میں اور پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو حوض پاک ہوجائیگا خواہ کم ہی ہو جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل گیا ہو کیونکہ وہ بمنزلہ جاری کے ہے۔ (ت)

بحر میں اسی کی مثل لکھ کر فرمایا:

صححه فی المحیط وغیرہ وقال السراج الهندی وکذا البئر واعلم ان عبارة کثیر منهم تفید ان الحکم اذا کان الخروج حالة الدخول وهو کذلك فیما یظهر لانه ح یکون فی المعنی جاریا لکن ایاك وظن انه لوکان الحوض غیر ملاٰن فلم یخرج منه شیئ فی اول الامر لایکون طاهرا اذ(۲) غایته انه عند امتلائه قبل خروج الماء	محیط وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا اور سراج ہندی نے فرمایا اور اسی طرح کُنویں کا حال ہے اور جاننا چاہئے کہ اکثر علماء کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے جبکہ پانی داخل ہوتے ہی نکل جائے تو حکم بظاہر ایسا ہی ہے کیونکہ یہ جاری کے حکم میں ہے لیکن آپ یہ گمان نہ کریں کہ اگر حوض بھرا ہوا نہ ہو اور اس میں سے ابتداءً کچھ نہ نکلے تو وہ پاک نہ ہوگا کیونکہ حوض بھرنے تک نکلنے سے پہلے ناپاک ہوجائیگا پھر وہ اتنی مقدار کے نکلنے کے بعد پاک ہوجائیگا جس سے طہارت

[1] تبیین الحقائق بحث عشر فی العشر بولاق مصر ۱/۲۲-۲۳

منه نجس فيطهر بخروج القدر المتعلق به الطهارة اذا اتصل به الماء الجاری الطهور کما لوکان ممتلئا ابتداء ماء نجسا ثم خرج منه ذلك القدر لاتصال الماء الجاری به کذا فی شرح المنية[1] اھ۔ یرید حلية الامام ابن امیر الحاج۔	متعلق ہو جبکہ اس کے ساتھ طاہر اور طہور پانی متصل ہو جو جاری ہو جیسا کہ ابتداءً بھرا ہونے کی صورت میں تھا، یعنی اس میں نجس پانی تھا پھر اس میں سے اتنی مقدار نکل گئی کیونکہ اس کے ساتھ جاری پانی متصل ہوا، کذافی شرح المنیہ اھ۔ اس سے ان کی مراد ابن امیر الحاج کی حلیہ ہے۔ (ت)

ہاں علماء نے مواضع ضرورت میں اخراج کو بھی خروج رکھا ہے جیسے (۱) حمام کا حوض کہ اُس میں کسی نے ناپاک ہاتھ ڈال دیا اگر لوگ اُس میں سے پانی لے رہے ہیں مگر نل سے پانی اس میں نہیں آتا یا نل سے پانی آرہا ہے مگر لوگ اس میں سے پانی نکال نہیں رہے تو ناپاک ہوجائیگا کہ خروج یا دخول ایک پایا گیا اور اگر اُدھر نل سے پانی آرہا ہے اور اُدھر لوگوں کا اُس میں سے لینا برابر جاری ہے کہ پانی کی جنبش ساکن نہیں ہونے پاتی تو جاری کے حکم میں ہے ناپاک نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے، ہندیہ میں ہے:

حوض الحمام طاهر فان ادخل رجل یده فی الحوض وعليها نجاسة ان کان الماء ساکنا لایدخل فيه شیئ من انبوبه ولا یغترف منه انسان بالقصعة یتنجس وان کان الناس یغترفون ولایدخل من الانبوب ماء اوعلی العکس فاکثرهم علی انه یتنجس وان کان الناس یغترفون ویدخل من الانبوب فاکثرهم علی انه لایتنجس هکذا فی فتاوی قاضی خان وعليه الفتوی کذا فی المحیط[2]۔	حمام کا حوض پاک ہے اگر کسی شخص نے حوض میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ہاتھ پر نجاست تھی اگر پانی ساکن تھا ایسا کہ اس میں کوئی چیز اس کی نالی سے داخل نہ ہو اور کوئی انسان اس میں سے پیالہ سے نہ نکال رہا ہو تو وہ ناپاک ہوجائے گا اور اگر یہ لوگ اس میں سے چلّو بھر کر پانی لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل نہ ہوتا ہو یا برعکس ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک ہوجائیگا اور اگر لوگ اس سے چلّو بھر کر لیتے ہوں اور نالی سے پانی داخل ہوتا ہو تو اکثر علماء کا خیال ہے کہ وہ ناپاک نہ ہوگا اسی طرح فتاوٰی قاضی خان میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

[1] بحرالرائق بحث عشر فی العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۸/۱
[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوزبہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۸/۱

(۱)اسی طرح وضو کے حوض میں بھی اگر نالی سے پانی آرہا ہے اور لوگ برابر لے رہے ہیں عہ۱ کہ پانی ٹھہرنے نہیں پاتا ناپاک نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

حوض صغیر تنجس فدخل الماء الطاھر من جانب وسال ماء الحوض من جانب اٰخر کان الفقیه ابو جعفر رحمه الله تعالٰی یقول کما سال یحکم بطھارة الحوض وھو اختیار الصدر الشھید رحمه الله تعالٰی کذا فی المحیط وفی النوازل وبه ناخذ کذا فی التتارخانیة وان دخل الماء ولم یخرج ولکن الناس یغترفون منه اغترافا متدارکا طھر کذا فی الظھیریة والغرف المتدارك ان لایسکن وجه الماء فیما بین الغرفتین کذا فی الزاھدی[1]۔	چھوٹا حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں ایک طرف سے پاک پانی داخل ہوا اور حوض کا پانی دوسری جانب سے بہہ نکلا تو فقیہ ابو جعفر اس حوض کی طہارت کا حکم دیتے تھے، اور یہی صدر الشہید کا مختار ہے کذا فی المحیط، اور نوازل میں ہے، اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، اسی طرح تتارخانیہ میں ہے اور اگر پانی داخل ہوا اور نہ نکلا لیکن لوگ اس سے مسلسل چلّو بھر لیتے رہے تو وہ پاک ہوگا کذا فی الظہیریہ اور مسلسل چلّو بھرنا یہ ہے کہ دو چلوؤں کے درمیان پانی پُرسکون نہ ہو کذا فی الزاھدی۔(ت)

اس کی دوسری سند فتاوٰی خلاصہ سے آتی ہے (یعنی فصل چہارم میں) (۲)علّامہ خیر رملی نے کُنواں بھی اسی حکم میں عہ۲ داخل کیا جبکہ سوتوں سے پانی اُبل رہا اور اوپر سے برابر چرغ چل رہا اُدھر سے آتا ادھر سے نکل رہا ہو اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا ہاں نجاستِ مرئیہ اس میں رہنے دی اور پانی کھینچنا اتنی دیر موقوف ہوگیا کہ پانی ٹھہر گیا جنبش جاتی رہی تو اب ناپاک ہوجائیگا۔ منحۃ الخالق میں ہے:

والحقوا بالجاری حوض الحمام قال الرملی	اور جاری پانی سے علماء نے حمّام کے حوض کو ملادیا،

عہ۱: یونہی اگر اُس کنارے پر کوئی نہارہا ہے کہ پانی برابر نکل رہا ہے تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوکان یدخله الماء ولا یخرج منه لکن فیه انسان یغتسل ویخرج الماء باغتساله من الجانب الاٰخر متدارکا لایتنجس منه غفرله (م)	اگر پانی حوض میں داخل ہورہا ہو اور اس سے نکل نہ رہا ہو لیکن کوئی آدمی وہاں غسل کر رہا ہو اور اس کے غسل کا پانی مسلسل دوسری جانب نکل رہا ہو تو وہ نجس نہ ہوگا۔(ت)

عہ۲ اس کی کامل تائید تنبیہ جلیل کے آخر میں آتی ہے ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوزبہ التوضؤ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

اقول وبالاولی الحاق الأبار المعینة التی علیها الدولاب ببلادنا اذالماء ینبع من اسفلها والغرف فیها بالقواد لیس متدارك فوق تدارك الغرف من حوض الحمام فلا شك فی ان حکم مائها حکم الجاری فلو وقع فی حال الدوران فی البئر والحال هذہ نجاسة لاینجس تأمل[1] واللّٰه تعالی اعلم۔	رملی کہتے ہیں میں کہتا ہوں وہ کنویں جن پر ہمارے ملک میں رہٹ ہوتا ہے ان کو جاری پانی سے ملانا بطریقِ اولیٰ ہوگا، کیونکہ پانی ان کے نیچے سے نکلتا ہے اور ڈولوں کے ذریعے سے ان سے پانی نکالنا تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے یہ تسلسل اس سے کہیں زائد ہے جو حوض کے حمّام سے چلّو بھرنے سے ہوتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ ان کے پانی کا حکم جاری پانی کا ہے تو اگر اس حالت میں پانی کے چلتے وقت نجاست کنویں میں گرجائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا تأمل واللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

اصل ۴: اقول: (۱) اگرچہ مذہب صحیح میں اس خروج کیلئے کوئی مقدار نہیں ادنیٰ اُبلالنا کافی ہے جس پر سیلان صادق آئے،

کما تقدم عن البدائع وخرج بعضه وعن التبیین والفتح والبحر وان قل وعن المحیط کما سال وهذہ کاف الفور۔	جیسا کہ بدائع سے گزرا کہ وخرج بعضه اور تبیین، فتح، بحر میں ہے کہ وان قل اور محیط سے ہے کما سال یعنی فوراً بہنے پر، کما میں کاف فوراً کا معنی دیتا ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

فی المبتغی بالغین المعجمة هو الصحیح وفی محیط رضی الدین هو الاصح وکذلك البیر علی هذا لان الماء الجاری لما اتصل به صار فی الحکم جاریا[2]۔	مبتغٰی میں ہے غین معجمہ سے اور یہی صحیح ہے اور محیط رضی الدین میں ہے ھو الاصح، اور اسی طرح کنویں کا حال ہے کیونکہ جب جاری پانی اس سے متصل ہوگیا تو جاری کے حکم میں ہوگیا۔(ت)

مگر شک نہیں کہ یہ بہاؤ جب تک منتہی نہ ہوگا حکم جریان منقطع نہ ہوگا کہ وہ حرکت واحدہ مستمرہ ہے اُس کے بعض پر متحرک کو جاری اور باقی پر راکد و واقف ماننے کے کوئی معنی نہیں،

ولهذا ساغ لمن زادان یزید ای لم یکتف لحکم الجریان بمجرد السیلان بل شرط حرکة	اور اسی لئے جائز ہے اس شخص کے لئے جس نے زائد کیا کہ زائد ہو یعنی کافی نہ ہوا جاری ہونے کے حکم کے لئے

[1] منحۃ الخالق علی حاشیہ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

[2] حلیہ

كثيرة يعتمد بها فلولا ان هذا السائل من ذلك الماء المطلوب سيلانه لم تنفع الزيادة۔	صرف سیلان کا ہونا، بلالکہ اس کی شرط یہ ہے کہ اس میں بکثرت حرکت ہو کہ جس کا اعتبار ہو کیونکہ اگر یہ بہنے والا پانی اس پانی سے نہ ہوتا جس کا بہاؤ مطلوب ہے تو اس اضافے کا کچھ فائدہ نہ ہوتا۔(ت)

فتاوٰی خلاصہ میں نقل فرمایا:

لوامتلأ الحوض وخرج من جانب الشط على وجه الجريان حتى بلغ المشجرة يطهر اما قدر ذراع اوذراعين فلا[1]۔	اگر حوض بھر گیا اور کنارے سے نکل کر پانی بہتا ہوا مشجرہ تک پہنچ گیا تو وہ پاک ہوجائے گا بہرحال ایک ذراع یا دو ذراع ہو تو نہیں۔(ت)

ظہیریہ (۱) میں تصریح فرمائی کہ اس اُبال میں جو پانی نکل رہا ہے اندر کا پانی تو پاک ہو ہی گیا باہر نکلنے والا بھی طاہر مطہر ہے یہاں تک کہ پانی نکلتا جائے اور اُس سے کوئی وضو کرتا جائے یا کہیں جمع ہونے کے بعد کسی برتن میں لے کر وضو کرے تو وضو صحیح ہے ظاہر ہے کہ اوّل سیلان کا پانی اتنا نہ ہوگا جس سے وضو ہوجائے ردالمحتار میں ہے:

فی الظهيرية الصحيح انه يطهر وان لم يخرج مثل ما فيه وان رفع انسان من ذلك الماء الذى خرج وتوضأ به جاز اھ۔ قال ش لكن فى الظهيرية ايضا حوض نجس امتلأ ماء وفار ماؤه على جوانبه وجف جوانبه لايطهر وقيل يطهر اھ۔ وفيها ولو امتلأ فتشرب الماء فى جوانبه لايطهر مالم يخرج الماء من جانب اخر اھ۔ وفى الخلاصة المختار انه يطهر وان لم يخرج مثل مافيه فلو امتلأ الحوض وخرج من جانب الشط الى اخر مانقلنا وانهى الكلام على قوله فليتأمل اھ۔ وذكر بعده مسألة	ظہیریہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہوجائیگا اگرچہ اُس سے اُتنا پانی نہ نکلے جو حوض میں تھا اور اگر کسی انسان نے وہ پانی اٹھالیا جو خارج ہوا تھا اس سے وضو کرلیا تو جائز ہے اھ "ش" نے فرمایا لیکن ظہیریہ ہی میں ہے کہ ایسا حوض جو ناپاک ہو اگر پانی سے بھر جائے اور اس کا پانی کناروں سے بہہ نکلے پھر خشک ہوجائے اور اُس کے کنارے بھی خشک ہوجائیں تو پاک نہ ہوگا" اور ایک قول ہے کہ پاک ہوجائیگا اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی حوض اتنا بھر گیا کہ اس کے کنارے پانی سے تر ہوگئے تو وہ اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ پانی دوسری طرف سے نہ نکلے اھ اور خلاصہ میں ہے کہ مختار یہ ہے کہ وہ

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۵/۱

طھارة الاوانی فقال ھل یلحق نحو القصعة بالحوض فاذا کان فیھا ماء نجس ثم دخل فیھا ماء جار حتی طف من جوانبھا ھل تطھر ھی والماء الذی فیھا کالحوض ام لا لعدم الضرورة فی غسلھا توقفت فیه مدة ثم رأیت فی خزانة الفتاوٰی اذا فسد ماء الحوض فاخذ منه بالقصعة وامسکھا تحت الانبوب فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لایجوز اھ وفی الظھیریة فی مسألة الحوض لوخرج من جانب اٰخر لایطھر مالم یخرج مثل مافیه ثلاث مرات کالقصعة عند بعضھم والصحیح انه یطھر وان لم یخرج مثل مافیه اھ فالظاھر [عـه] ان مافی الخزانة مبنی علی خلاف الصحیح یؤیدہ مافی البدائع وعلی ھذا حوض الحمام اوالاوانی اذا تنجس اھ۔ ومقتضاہ انه علی القول الصحیح تطھر الاوانی ایضا بمجرد الجریان فاتضح الحکم وللّٰه الحمد۔ وبقی شیئ

اور اس کے بعد برتنوں کی طہارت کا مسئلہ ذکر کیا اور فرمایا آیا پیالہ جیسی چیز کو حوض پر قیاس کیا جائے گا؟ اور یہ کہ اگر اس میں ناپاک پانی ہو پھر جاری پانی اس میں داخل ہو جائے اور کناروں سے نکل جائے تو آیا وہ پیالہ اور جو پانی اس میں ہے پاک ہوگا؟ جس طرح حوض پاک ہوتا ہے، یا پاک نہ ہوگا کیونکہ اس کو دھو کر پاک کرنے میں ضرورت نہیں، تو میں نے اس مسئلہ میں ایک مدت تک توقف کیا، پھر میں نے خزانۃ الفتاوٰی میں دیکھا کہ جب حوض کا پانی فاسد ہو جائے اور اس سے کوئی شخص پیالہ بھر کرلے اور اس کو نالی کے نیچے روک کر رکھے پھر پانی داخل ہو اور پیالہ کا پانی بہہ نکلے اب اس پانی سے وضو کرے تو جائز نہ ہوگا اھ اور ظہیریہ کے حوض میں مسئلہ میں ہے، اگر پانی دوسری طرف سے نکل گیا تو اُس وقت

عـه اقول: فی(۱) الاحتجاج بکلام الظھیریة علی الخزانة نظر فلقائل ان یقول مفادہ ان عدم الطھارة فی القصعة متفق علیه للاستشھاد به والتصحیح انما یرجع الی الحوض منه۔(م)

میں کہتا ہوں ظہیریہ کے کلام سے جو استدلال خزانہ کے خلاف کیا ہے اس میں نظر ہے، کیونکہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس کا مفاد یہ ہے کہ پیالہ میں پاک نہ ہونے پر اتفاق کیا گیا ہے کیونکہ اس سے استشہاد کر رہے ہیں اور تصحیح صرف حوض کی طرف راجع ہے۔(ت)

اُخر [عہ۱] سئلت عنه(۱) وهو ان دلوا تنجس [عہ۲] فافرغ فيه رجل ماء حتی امتلأ وسال من جوائبه هل يطهر بمجرد ذلك والذی يظهر لی الطهارة اخذا مما ذكرنا هنا [عہ۳] ومما مر من انه لايشترط ان يكون الجريان بمدد نعم علی ماقدمناه علی الخلاصة من تخصيص الجريان بان يكون اكثر من [عہ۴] ذراع او	تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ جتنا اس میں تھا اس سے تین گنا زیادہ نہ نکلا ہو جیسا کہ پیالہ کا حکم ہے، یہ بعض حضرات کے نزدیک ہے، اور صحیح یہ ہے کہ پاک ہو جائیگا اگرچہ اتنا پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ پیالہ میں تھا اھ تو بظاہر خزانہ میں جو ہے وہ صحیح کے برعکس ہے، بدائع میں اس کی تائید ہے اور اسی پر حمام کے حوض یا برتنوں کا قیاس ہے، یعنی ان کے ناپاک ہو جانے کی

عــہ۱ **اقول:** هو هو (۲) بعينه لاشيئا اٰخر ولا احتمال لاختلاف الحكم باختلاف صورة القصعة والدلو منه۔(م)

اقول یہ بعینہٖ وہی ہے کوئی دوسری چیز نہیں ہے اور پیالہ اور ڈول کی صورت کے مختلف ہونے کی وجہ سے حکم کے مختلف ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔(ت)

عــہ۲ **اقول:** لابد من التقييد بتنجسه من داخل اذلو تنجس من تحت لم يعمل فيه السيلان علی ظاهره اومن خارج فمالم يسل علی الموضع المتنجس منه بحيث يذهب النجاسة كما روی عن الامام الثانی رضی الله تعالٰی عنه فی ازار المغتسل منه غفرله(م)

اقول: اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ وہ ڈول اندر سے ناپاک ہو کیونکہ اگر وہ نیچے سے ناپاک ہو تو اس میں پانی کے بہانے کا اسکے ظاہر پر کوئی اثر نہ ہوگا یا خارج سے ناپاک ہو تو ایسی صورت میں پانی کا اس جگہ پر بہانا لازم ہے جو ناپاک ہے اور اس موجود نجاست کا ختم ہو جانا ضروری ہے، جیسا دوسرے امام ابو یوسف سے منقول ہے غسل کرنے والے کے تہبند کی بابت۔(ت)

عــہ۳ **اقول:** (۳) رحمك الله ليس الجريان ههنا الا بمدد فای حاجة للبناء علی مختلف فيه منه۔(م)

میں کہتا ہوں اللہ آپ پر رحم کرے یہاں پر جریان مدد سے ہے تو اس میں اختلاف کی بنا رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔(ت)

عــہ۴ **اقول:** (۴) صوابه الاقتصار علی ذراعين اذ عبارة الخلاصة اما قدر ذراع اوذراعين فلا منه(م)

میں کہتا ہوں عبارت کو ذراعین پر ختم کرنا مناسب ہے کیونکہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے اما قدر ذراع او ذراعين فلا۔(ت)

ذراعين يتقيد بذلك هنا لكنه مخالف لاطلاقهم طهارة الحوض بمجرد الجريان[1] اھ مختصرا

صورت میں اھ اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ قول صحیح پر برتن محض پانی کے جاری ہو جانے سے پاک ہوجائیں گے، تو اب حکم واضح ہوگیا، وللہ الحمد، اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس کے بارے میں مجھ سے دریافت کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی ڈول ناپاک ہوگیا اور اس میں پانی بہایا گیا یہاں تک کہ وہ بھر کر بہنے لگا تو کیا وہ محض اس طریقہ سے پاک ہوجائیگا؟ تو مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پاک ہوجائیگا اس کی دلیل وہی ہے جو ہم نے یہاں ذکر کی اور جو گزری، یعنی یہ شرط نہیں کہ پانی کا جاری ہونا مدد کے حساب سے ہو، ہاں جو ہم نے خلاصہ سے نقل کیا ہے یعنی کہ بہنے کو اس امر سے مقید کیا جائے کہ وہ ایک یا دو ذراع سے زیادہ ہو، تو وہی قید یہاں بھی معتبر ہوگی، مگر یہ چیز فقہاء کے اطلاقات کے مخالف ہے وہ فرماتے ہیں حوض محض پانی کے جاری ہونے سے ہی پاک ہوجائیگا اھ مختصراً۔ (ت)

اقول: قد افاد واجاد، واوضح المراد، کما ھو دابه علیه رحمة الکریم الجواد، لکن عبارة الخلاصة ھکذا اما حوض الحمام اذا وقعت فیه نجاسة قال فی التجرید عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه انها لاتستقر وھو کالماء الجاری فان تنجس حوض الحمام فدخل الماء من الانبوب وخرج من الجانب الاخر فھو کالحوض الصغیر وفیه اقاویل ستأتی ولاباس بدخول الحمام للرجال والنساء وفی الفتاوی

میں کہتا ہوں انہوں نے اپنی عادت کے مطابق بڑی وضاحت سے اپنے مقصود کو ظاہر کردیا، لیکن خلاصہ کی عبارت اس طرح ہے "بہرحال حمام کا حوض جبکہ اس میں نجاست گر جائے، تجرید میں حضرت امام ابو حنیفہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایسی نجاست ٹھہرے گی نہیں اور یہ جاری پانی کی طرح ہے، اب اگر حمام کا حوض ناپاک ہوگیا اور اس میں ایک نالی سے پانی داخل ہو کر دوسری طرف سے خارج ہوگیا تو یہ چھوٹے حوض کی طرح ہے، اس میں متعدد اقوال ہیں جو عنقریب آئیں گے، اور مردوں

[1] ردالمحتار بحث عشر فی عشر مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۳

حوض الماء اذا اغترف رجل منه وبیدہ نجاسة وکان الماء یدخل من انبوبه فی الحوض والناس یغترفون من الحوض غرفا متدارکا لم یتنجس۔ الحوض الصغیر اذا تنجس فدخل الماء من جانب وخرج من جانب فیه اقاویل قال الصدر الشهید رحمه الله تعالٰی المختار انه طاهر وان لم یخرج مثل ما فیه وکذا البئر ولو امتلأ الحوض و خرج من جانب الشط علی وجه الجریان حتی بلغ المشجرة یطهر اما قدر ذراع اوذراعین فلا ولو(۱)خرج من النهر الذی دخل الماء فی الحوض لایطهر [1] اھ۔ کلامه الشریف بلفظ المنیف (۲)فقوله ولو امتلأ الحوض وهو کذلك بالواو لابالفاء فی نسختی الخلاصة القدیمة جدا لیس تتمة قول الصدر الشهید ولا داخلا تحت المختار وقد قدمنا عن الهندیة عن المحیط عن الصدر الشهید انه کما سال یطهر وقد وعد ان فیه اقاویل ستأتی فلو کان هذا تتمته لم یذکر الا قولا واحدا فوجب ان یکون هذا قولا اخر مقابل المختار ولا یمکن جعل ماذکر عن الفتاوٰی قولا اٰخر لان الکلام فی حوض تنجس وتلك صورة عدمه وقد قدم مثلها عن

اور عورتوں کو حَمام میں داخل ہونے میں حرج نہیں، اور فتاوٰی میں ہے کہ پانی کے حوض میں اگر کسی شخص نے اپنا ناپاک ہاتھ ڈالا اور اس حوض میں پانی نالی سے آرہا ہے اور لوگ اس حوض سے مسلسل چُلّو بھر کر پانی لے رہے ہیں تو یہ حوض ناپاک نہ ہوگا۔ چھوٹا حوض جب ناپاک ہوا اور اس میں پانی ایک طرف سے داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل گیا تو اس میں کئی اقوال ہیں، صدر الشہید نے فرمایا مختار یہ ہے کہ یہ پاک ہے خواہ اس سے اتنی مقدار میں پانی نہ نکلا ہو جتنا کہ اس میں موجود ہے، اور یہی حکم کنویں کا ہے اور حوض بھر کر کنارے سے نکل گیا اور بہتا رہا یہاں تک کہ مشجرہ تک پہنچ گیا تو پاک ہو جائے گا، اور ایک ہاتھ یا دو ہاتھ پاک نہ ہوگا، اور اگر اُس نہر سے پانی نکلا جس سے حوض میں داخل ہُوا تھا تو پاک نہ ہوگا اھ تو ان کا قول "ولو امتلأ الحوض" میرے پاس خلاصہ کے قدیم نسخہ میں یہ ایسا ہی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں، یہ نہ تو صدر الشہید کے قول کا تتمہ ہے اور نہ مختار کے تحت داخل ہے اور ہم نے ہندیہ سے محیط سے صدر الشہید سے نقل کیا کہ وہ بہتے ہی پاک ہو جائیگا، اور انہوں نے وعدہ کیا کہ اس میں کئی اقوال ہیں جو آئیں گے تو اگر یہ تتمہ ہوتا تو صرف ایک ہی قول ذکر کرتے تو لازم ہے کہ یہ قولِ مختار کے مقابل ہے اور جو فتاوٰی سے انہوں نے نقل کیا اس کو دوسرا قول قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ کلام اُس

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الاول فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

التجرید فان کونها لا تسقر لیس الا للغرف المتدارك فلیس فی الخلاصة اختیار تخصیص الجریان باکثر من ذراعین حتی یعکر علیه بمخالفته اطلاقهم وانما حکاه قولا وجعل المختار هو الاطلاق اما عبارتا الظهیریة الا خیرتان فاقول هما فیما دخل الماء الحوض وملأه حتی طش منه علی جوانبه علی وجه الانتضاح الخفیف اللازم للامتلاء بدخول قوی عنیف ولا یصدق علیه السیلان من الجانب الأخر(۱) فلیس فیهما ماینافی عبارته(۲) الاولی الا تری الی قوله فی الثالثة لایطهر مالم یخرج من جانب اخرنا ط الطهارة بمجرد الخروج فعلم ان ماذکر لایسمی خروجا من جانب اٰخر وما هو الا الانتضاح الذی ذکرنا هکذا ینبغی ان یفهم کلام العلماء ولله الحمد۔

وبه ظهران(۳) قول العلامة ش فی صدر المسألة حتی عـــہ طف من جوانبها حقه

حوض میں ہے جو ناپاک ہوگیا اور وہ اُس کے ناپاک نہ ہونے کی صورت ہے اور اسی کی مثل تجرید سے انہوں نے نقل کیا، کیونکہ اس کا برقرار نہ رہنا تسلسل سے چُلّو بھرنے کی ہی وجہ سے ہے، تو خلاصہ میں دو ہاتھ سے زائد جاری ہونے کی تخصیص کو اختیار نہیں کیا، اگر ایسا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ وہ ان کے اطلاقات کی مخالفت کر رہے ہیں، انہوں نے تو اس کو محض حکایت کیا ہے، اور مختار اطلاق ہی کو قرار دیا ہے، اور ظہیریہ کی دو آخری عبارتوں کے متعلق میں کہتا ہوں یہ دونوں اُس صورت سے متعلق ہیں جبکہ پانی حوض میں داخل ہوا اور اس کو بھر دیا اور اس کے کناروں سے آہستہ آہستہ چھلکنے لگا یہ چیز عام طور پر اس وقت ہوتی ہے جب حوض میں پانی یک دم سختی کے ساتھ داخل ہوتا ہے، اور اس پر دوسری جانب سے بہنا صادق نہیں آتا ہے، تو ان میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان کی پہلی عبارت کے منافی ہو، چنانچہ وہ تیسری صورت کے بارے میں فرماتے ہیں "وہ اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک دوسری طرف سے خارج

عـــہ لم ارهذا الفعل ولا مصدره فی الصحاح ولا الصراح ولا المختار ولا القاموس ولا تاج العروس ولا مفردات الراغب ولا نهایة ابن الاثیر ولا الدر النثیر ولا مجمع البحار ولا المصباح المنیر انما فی القاموس طُفّ المکوك والاناء

اس فعل اور اس کے مصدر کو میں نے صحاح، صراح، مختار، قاموس، تاج العروس، مفرداتِ راغب، نہایہ ابن اثیر، در نثیر، مجمع البحار اور مصباح المنیر میں نہیں پایا۔ قاموس میں اتنا ہی ہے کہ برتن اور پیمانے کا طف، طَفَف (حرکت کے ساتھ) اور طفاف

ان یقول حتی سال من الجانب الاٰخر فربما لایزید ماذکر علی الانتضاح اولا یبلغه ولا(۱)حاجة الی السیلان من جمیع الجوانب انما اللازم الخروج من جهة المقابل للدخول فلو(۲)کان الاناء مائلا فی ارض غیر مستویة وادخل فیه الماء من جانبه العالی وخرج من السافل کفی نعم لوصب فی الجانب السافل فعاد منه لم یکف کما فی اٰخر عبارة الخلاصة وباللہ التوفیق۔

اور اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ علامہ ش کی گفتگو مسئلہ کی ابتدا میں حتی طف من جوانبھا اس کی بجائے یوں کہنا چاہئے تھا کہ حتی سال من الجانب الاٰخر، تو جو انہوں نے ذکر کیا ہے وہ چھینٹوں سے نہیں بڑھے گا یا اس تک نہیں پہنچے گا، اور تمام کناروں سے بہنے کی حاجت نہیں ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ جس طرف سے پانی داخل ہوا ہو اس کی مخالف جہت سے بہہ نکلے، اب اگر برتن کسی ناہموار زمین پر ہے اور ایک طرف کو جھکا ہوا ہے اور اس میں پانی اوپر کی طرف سے داخل ہو کر نچلی طرف سے نکل جائے تو کافی ہے، ہاں اگر نچلے حصہ میں بہایا جائے اور اُس سے واپس آجائے تو کافی نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کی عبارت کے آخر میں ہے وباللہ التوفیق۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وطففه محرکة وطفافه ویکسر ما ملاء اصبارہ او ما بقی فیه بعد مسح رأسه او ھو جمامه اوملؤہ واناء طفّان بلغ الکیل طفافه اھ فی تاج العروس ھذا طف المکیال وطفافه اذا قارب ملأہ اھ وقوله اصبارہ ای جوانبه وجمامه ما علی رأسه فوق طفافه ویکون ذلك فی الدقیق ونحوہ یعلو رأسه بعد امتلائه منه غفرله۔(م)

(طا کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے) اس کو کہا جاتا ہے جو اس کے کناروں کو بھر دے یا جو برتن کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد باقی بچ جائے یا اس کا ابھرنا ہے یا بھرنا ہے اور اناء طفاف اس برتن کو کہا جاتا ہے جو مقرر ناپ تک بھر جائے اھ تاج العروس میں ہے کہ کہا جاتا ہے "یہ پیمانے کا طف ہے اور اس کا طفاف ہے"۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پیمانہ بھرنے کے قریب ہو اھ اور قاموس نے "اصبارہ" جو کہا ہے تو اس سے مراد اس کے اطراف ہیں، اور "جمامہ" سے مراد وہ ہے جو برتن بھرنے کے بعد اور اُبھرا ہو اور یہ چیز آٹے وغیرہ میں پائی جاتی ہے کہ برتن بھرنے کے بعد اوپر تک اٹھا ہوتا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اصل ۵: اقول یہاں سے ظاہر ہوا کہ (۱) کسی محل کے جوف میں پانی کی حرکت اگرچہ گزوں ہو اُس محل کے حق میں جریان نہ ٹھہرے گی اُس کے بطن میں پانی کی جنبش اگرچہ باہر سے داخل ہونے پر ہوئی مگر اُس سے خارج تو نہ ہوا تو جریان کے دو رکن نہ پائے گئے مگر اُس محل کے اندر اگر دوسرا محل صغیر اور ہو اور پانی اس میں جا کر اُسے ابال دے تو اس کے حق میں ضرور جریان ہو جائیگا کہ اس میں سب ارکان متحقق ہو گئے اگرچہ دوسرے کے جوف سے خروج نہ ہو مثلاً دیگ میں ایک کٹورا رکھا ہے کٹورے میں ایک مینگنی پڑ گئی وہ نکال کر پھینک دی اور کٹورے پر پانی بہایا کہ اُبل کر نکل گیا مگر دیگ سے نکلنا کیا معنی وہ بھری بھی نہیں تو بے شک کٹورا اور اس کا پانی پاک ہو گیا کہ زمین پر یا دیگ کے اندر رکھے ہونے کو حکم میں کچھ دخل نہیں **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ بہت واضح ہے۔ت)

اصل ۶: اقول: اس جریان سے اگرچہ طہارت ہو جائے گی اور نجاست (۲) مرئیہ تھی اور نکال لی یا غیر مرئیہ تھی تو مطلقاً ہمیشہ طہارت رہے گی جب تک دوبارہ نجاست عارض نہ ہو مگر اگر نجاست مرئیہ ہے اور نہ نکالی تو حکمِ طہارت اُس وقت تک ہے جب تک یہ جریان باقی ہے پانی تھمتے ہی ظرف اور اس کے اندر کا پانی پھر ناپاک ہو جائیں گے کہ سبب یعنی نجاست موجود ہے اور مانع کہ جریان تھا زائل ہو گیا **وھذا ایضا بوضوحه غنی عن الایضاح** (اور یہ بھی اپنے واضح ہونے میں کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ت) منحۃ الخالق میں شرح ہدیہ ابن العماد لسیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

اذا وضع السرقین فی مقسم الماء الی البیوت وجری مع الماء فی القسا طل[عــه] فالماء نجس	جب گوبر پانی میں ایسے مقام پر رکھ دیا جائے کہ وہاں سے پانی مختلف گھروں کو منقسم ہو کر جاتا ہو اور وہ گوبر پانی

[عــه] اعتید فی بلادنا القاء زبل الدواب فی مجاری الماء الی البیوت لسد خلل تلك المجاری المسماۃ بالقساطل اھ ش لایجری الماء الابه ای بالزبل لکونه یسد خروق القساطل لا ینفذ الماء منها ویبقی جاریا فوقه اھ شرح ھدیۃ ابن العماد قلت وھی لغۃ مستحدثۃ منه غفرله۔(م)

ہمارے ممالک میں چوپایوں کا گوبر وغیرہ پانی کی گزرگاہ میں ڈال دیتے ہیں تاکہ ان نالیوں کے سوراخ بند ہو جائیں، اس خلل کو قساطل کہتے ہیں اھ ش تو پانی اس گوبر کے ساتھ ہی جاری ہوگا کیونکہ یہ اُن سوراخوں کو بند کرتا ہے جن سے پانی جاری ہوتا ہے، تو پانی ان کے اندر سے نہیں نکلتا ہے بلکہ اوپر سے بہتا ہے اھ شرح ہدیہ ابن العماد، میں کہتا ہوں یہ جدید لغت ہے۔(ت)

فاذا رکد الزبل فی وسط القساطل وجری الماء صافیا کان نظیر مالو جری ماء الثلج علی النجاسة اوکان بطن النهر نجسا وجری الماء علیه ولم یتغیر احد اوصافه بالنجاسة فان ذلك الماء طاهر کله کذلك هذا فاذا وصل الماء الی الحیاض فی البیوت فان وصل متغیر احد اوصاف بالزبل اوعین الزبل ظاهرة فیه فهو نجس من غیر شك فاذا استقر فی حوض دون القدر الکثیر فهو نجس وان صفا بعد ذلك فی الحوض و زال تغیره بنفسه لانه ماء نجس والماء النجس لایطهر بزوال تغیره بنفسه لاسیما وقد رکد الزبل فی اسفله وان استقر فی حوض کبیر فهو نجس ایضا مادام متغیرا او زال تغیره بنفسه ایضا واما اذا استمر الماء جاریا وزوال تغیر الحوض بالماء الصافی یطهر الماء کله سواء کان الحوض صغیرا اوکبیرا وان کان الزبل فی اسفله راکدا مادام الماء الصافی فی ذلك الحوض یدخل من مکان ویخرج من مکان فاذا انقطع الجریان وکان الحوض صغیرا والزبل فی اسفله راکدا فالحوض نجس[1] اھ۔

کے ساتھ قساطل میں جاری ہوا، تو پانی ناپاک ہوجائیگا، تو اگر گوبر قساطل کے درمیان جم گیا اور صاف پانی بہنے لگا، تو یہ ایسا ہے جیسا کہ برف کا پانی نجاست پر بہنے لگے یا نہر کا پیٹ ناپاک ہو اور اس پر پانی جاری ہو اور نجاست سے اس کے اوصاف میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہوا تو یہ پورا پانی پاک ہے، اب پانی جب گھروں کے حوضوں میں پہنچے تو اگر پانی کا کوئی وصف متغیر ہو کر پہنچا ہے یا پانی میں بعینہٖ گوبر ظاہر ہے تو وہ بلاشبہ ناپاک ہے، اور اگر کثیر مقدار میں نہ ہو اور حوض میں ٹھہر جائے تو وہ ناپاک ہے، اگرچہ اس کے بعد حوض میں صاف ہوجائے اور اس کا تغیر خود بخود زائل ہوجائے کیونکہ وہ ناپاک پانی ہے اور ناپاک پانی تغیر کے از خود زائل ہونے کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا ہے خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ گندگی اس کے نیچے جمی ہوئی ہے اور اگر گندگی بڑے حوض میں جم جائے تو جب تک متغیر رہے گا ناپاک رہے گا، یا اس کا تغیر خود بخود ختم ہوجائے، اور اگر پانی مسلسل جاری رہے اور حوض کا تغیر صاف پانی کی وجہ سے ختم ہوجائے، اس صورت میں کل پانی پاک ہوجائیگا خواہ حوض چھوٹا ہو یا بڑا، اگرچہ

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۵

اقول: کلام طیب من طیب طیب اللہ تعالٰی ثراہ وقد اقرہ الشامی وغرضنا یتعلق ھھنا بجملتہ الاخیرۃ غیر ان قولہ وجری مع الماء فالماء نجس یحمل علی ما اذا تغیر فان(۱) المحقق المعتمد ان الجاری لاینجس مالم یتغیر حتی موضع المرئیۃ وکذا الکثیر الملحق بہ علی المعتمد رجحہ المحقق علی الاطلاق وقال تلمیذہ قاسم انہ المختار درواستحسنہ تلمیذہ الاٰخر ابن امیر الحاج وایدہ بالحدیث وکذا ایدہ سیدی عبدالغنی وھو ظاھر المتون ش وفی الدر عن جامع الرموز عن جامع المضمرات عن النصاب علیہ الفتوٰی وفی ش عن البحر عن الحلیۃ عن النصاب بہ یفتی فاذا کان ھو الثابت بالحدیث وھو ظاھر المتون وعلیہ الفتوی فقد سقط ماسواہ ثم قولہ رحمہ اللہ تعالٰی الماء النجس لایطھر بزوال تغیرہ بنفسہ۔ فاقول ھذا کما ذکرہ فی غیر الجاری لقول الخلاصۃ ماء نجس(۲) یجعلونہ فی نھر کبیر ان کان کثیرا بحیث لایتغیر لایتنجس وان تغیر تنجس ویطھر

گندگی اُس کی تہ میں جمی ہوئی ہو بشرطیکہ صاف پانی اس میں ایک جانب سے داخل ہوتا ہو اور دوسری جانب سے خارج ہوتا ہو، توجب پانی کا جاری ہونا بند ہوجائے اور حوض چھوٹا ہو اور گندگی اس کی تہ میں جمی ہوئی ہو تو حوض ناپاک ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں یہ بہت اچھا کلام ہے، اس کو شامی نے برقرار رکھا ہے اور یہاں ہماری غرض آخری جُملہ سے متعلق ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس کا قول "وجری مع الماء فالماء نجس" اس کو اس پر محمول کیا جائیگا جبکہ پانی میں تغیر آجائے کیونکہ محقّق معتمد قول یہ ہے کہ جاری پانی اس وقت تک نجس نہ ہوگا جب تک کہ اس میں تغیر نہ آجائے یہاں تک کہ نجاست مرئیہ کی جگہ بھی اور اسی طرح کثیر بھی قول معتمد پر اسی کے ساتھ ملحق ہے، اس کو محقق علی الاطلاق نے ترجیح دی اور ان کے شاگرد قاسم نے کہا کہ یہی مختار ہے (دُر) اور اس کو ان کے دوسرے شاگرد ابن امیر الحاج نے مستحسن قرار دیا اور اس کی تائید حدیث سے کی اور اس کی تائید سیدی عبدالغنی نے بھی کی اور متون سے بھی یہی ظاہر ہے "ش" اور دُر میں جامع الرموز سے جامع المضمرات سے نصاب سے یہ ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور شامی میں بحر سے حلیہ سے نصاب سے ہے بہ یفتی پھر جب حدیث سے یہی ثابت اور متون سے بھی یہی ظاہر اور فتوی بھی اسی پر ہے تو اس کے ہوتے ہوئے باقی سب ناقابلِ اعتبار ہے۔ پھر اُن کا قول " نجس پانی اس کے تغیر کے ازخود زائل ہونے کی وجہ سے پاک نہ ہوگا" میں کہتا ہوں یہ اُس پانی میں ہے جو جاری نہ ہو، کیونکہ خلاصہ میں ہے کہ ایک نجس پانی کو اگر بڑی نہر میں کرلیں تو اگر وہ کثیر ہے اور متغیر نہیں ہوتا ہے تو ناپاک

بساعة یعنی اذا انقطع اللون والرائحة اھ۔
زاد فی نسخة ما نصه فی نسخة القاضی الامام سلمه الله تعالٰی[1] اھ۔ ای ھذا مذکور فی نسخته والمراد به الامام فقیه النفس ولم ارہ فی فتاواہ والله تعالٰی اعلم ولقول سیدی نفسه اذا رکدا لزبل فی وسط القساطل وجری الماء صافیا طھر ، وفی ردالمحتار فی دیارنا انھار المساقط تجری بالنجاسات وترسب فیھا لکنھا فی النھار تتغیر ولا کلام فی نجاستھا ح وفی اللیل یزول تغیرھا فیجری فیھا الخلاف لجریان الماء فیھا فوق النجاسة قال فی خزانة الفتاوی(۱)لوکان جمیع بطن النھر نجسا فانکان الماء کثیرا لایری ماتحته فھو طاھر والافلا وفی الملتقط قال بعض المشائخ الماء طاھر وان قل اذا کان جاریا[2] اھ۔

اقول: مافی الملتقط مبتن علی الصحیح المفتی به وما فی الخزانة علی القول الاٰخر الدائر فی کثیر من الکتب الجاری ان جری نصفه اواکثر علی نجاسة مرئیة تنجس وھی المرادة فی الخزانة

نہ ہوگا اور اگر متغیر ہوگیا تو ناپاک ہوجائے گا اور فوراً ہی پاک ہوجائے گا یعنی جُونہی رنگ اور بُو ختم ہوگی اھ۔
زائد کیا ایک نسخہ میں، اصل عبارت یہ ہے "قاضی امام سلّمہ اللہ تعالٰی کے نسخہ میں اھ" یعنی یہ اُن کے نسخہ میں مذکور ہے اور اس سے مراد امام فقیہ النفس ہیں اور یہ چیز ان کے فتاوٰی میں نہیں دیکھی ہے **واللہ تعالٰی اعلم** اور سیدی عبدالغنی خود فرماتے ہیں کہ جب گندگی قساطل کے درمیان جم جائے اور پانی صاف جاری ہو تو پاک ہوجائیگا، اور ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے ملک میں گندگی گرنے کی جگہوں پر جو نہریں ہوتی ہیں ان میں نجاست جاری رہتی ہے اور پھر بہتی جاتی ہے اور یہ نجاست دن میں متغیر ہوجاتی ہے اور اس وقت ان کی نجاست میں کوئی کلام نہیں اور رات کو اُن کا تغیر زائل ہوجاتا ہے تو اس میں اختلاف ہے کیونکہ اس میں پانی نجاست کے اوپر جاری رہتا ہے، خزانۃ الفتاوٰی میں فرمایا "اگر نہر کا کل پیٹ ناپاک ہو تو اگر پانی کثیر ہے کہ اس کی تہہ نظر نہ آتی ہو تو وہ پاک ہے ورنہ نہیں، اور ملتقط میں ہے کہ بعض مشائخ نے فرمایا پانی پاک ہے اگرچہ کم ہو جبکہ جاری ہو اھ (ت)

میں کہتا ہوں جو کچھ ملتقط میں ہے وہ صحیح مفتی بہ پر مبنی ہے، اور جو خزانہ میں ہے وہ دوسرے قول پر مبنی ہے جو بہت سی کتابوں میں مذکور ہے کہ جاری پانی اگر اس کا نصف یا زائد کسی نجاست مرئیہ پر جاری ہو تو ناپاک ہوجائے گا، اور یہی

[1] خلاصۃ الفتاوی جنس آخر فی التوضی الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

لقول الهندية عن المحيط اذا كانت الجيفة ترى من تحت الماء لقلة الماء لالصفائه كان الذى يلاقيها اكثر اذا كان سدعرض الساقية وان كانت لاترى اولم تأخذ الا الاقل من النصف لم يكن الذى يلاقيها اكثر[1] اھ واياك ان تظن ان كلام الخزانة على ظاهر اطلاقه ولو تنجس بطن النهر بغير مرئية توهما ان بطن النهر اذا كان نجسا وهو يرى فقدمر الماء كله على نجاسة مرئية وان كان لايرى لكثرة الماء لالكدرته فانما جرى على غير مرئية فلا يتأثر بالتغير وذلك لان العبرة بالنجس لاالمتنجس كما بيناه فى فتاوٰنا لكن لقائل ان يقول ان العلة فى غير المرئية انه اذالم يظهر اثرها علم ان الماء ذهب بعينها كما فى البحر وغيره اما ههنا فبطن النهر كله نجس فالماء اينما ذهب لايلاقى الا نجسا تأمل ولا حاجة فان الفتوى على اعتبار الاثر مطلقا فى الجارى والكثير(۱)معانعم ظاهر كلام سيدى وتقرير الشامى ههنا ان الكثير الملحق بالجارى لايلحق به فى التطهير بزوال التغير لقوله وان استقر فى حوض كبير فهو نجس وان زال تغيره بنفسه	خزانہ میں مراد ہے، اس لئے کہ ہندیہ میں محیط سے ہے کہ جب مردار پانی کے نیچے نظر آئے اس کی کمی کے باعث نہ کہ پانی کی صفائی کے باعث تو جو اُس مردار سے متصل ہو جائے وہ زیادہ ہوگا، جبکہ نہر کی چوڑائی کو بند کردے، اور اگر مردار نظر نہ آئے یا آدھے سے کم راستے کو بند کرے تو جو اُس سے ملاقات کرتا ہے وہ پانی اکثر نہیں ہوگا اھ اور خزانہ کے کلام کو اُس کے ظاہر پر محمول نہ کرنا چاہئے اور اگر نہر کی تہ نجاستِ غیر مرئیہ سے ناپاک ہوگئی اس تو ہم پر کہ نہر کی تہہ جس وقت ناپاک ہو اور وہ نظر آتی ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کل پانی نجاستِ مرئیہ پر جاری ہوگیا، اگرچہ وہ نظر نہ آتی ہو پانی کی کثرت کے باعث، نہ کہ اس کے گدلے پن کے باعث، کیونکہ وہ پانی نجاستِ غیر مرئیہ پر جاری ہوا ہے تو وہ تغیر سے متاثر نہ ہوگا، کیونکہ اعتبار نجاست کا ہوگا نہ کہ ناپاک ہونے والی شَے کا، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا، لیکن کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ علۃ غیر مرئیہ میں یہ ہے کہ جب اس کا اثر ظاہر نہ ہوا تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نجاست کو پانی بہالے گیا ہے جیسا کہ بحر وغیرہا میں ہے، اور یہاں نہر کا پیٹ تمام کا تمام ناپاک ہے تو پانی جہاں بھی جائیگا نجس سے ملاقات کرے گا تأمل، اور کوئی ضرورت بھی نہیں، کیونکہ جاری اور کثیر پانی میں فتوی مطلقًا اثر کے اعتبار پر ہے، ہاں سیدی عبدالغنی

[1] ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷

فلیحرر ولینظر وجهه فان الذی فی المنیة من فصل الحیاض فی مسألة حوض الحمام مانصه الا تری ان الحوض الکبیر الحق بالماء الجاری علی کل حال لاجل الضرورة[1] قال فی الحلیة الجملة من الذخیرة[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور شامی کی تقریر کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں کثیر جو جاری کے ساتھ ملحق ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پاک ہونے میں اس کے ساتھ ملحق نہیں کیا جائیگا پاک ہونے میں تغیر کے ختم ہوجانے کے باعث کیونکہ وہ فرماتے ہیں اور اگر وہ بڑے حوض میں ٹھہر جائے تو ناپاک ہے اگرچہ اس کا تغیر از خود زائل ہوجائے، اس کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے اور اس کی وجہ پر غور کرنا چاہئے کیونکہ منیہ میں حوضوں کی فصل میں حمام کے حوض کے بیان میں ہے اس کی اصل عبارت یہ ہے "کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ بڑا حوض جاری پانی سے ملحق ہے اور یہ علٰی کل حال ہے اور اس کی وجہ ضرورت ہے، حلیہ میں فرمایا یہ تمام ذخیرہ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اصل ۷: فتوٰی اس پر ہے کہ پانی کا عرض میں پھیلنا اس کے جریان کو نہیں روکتا جبکہ پانی آگے نکل جاتا ہو، مثلًا نہ ۹ در نہ ۹ حوض ہے اُس میں پانی ایک طرف سے آیا دوسری طرف سے نکل گیا جاری ہوگیا اگرچہ عرض میں نو ہاتھ پھیلنے کے لئے ضرور وقفہ درکار ہوگا اور اُتنی جلد پانی اُس سے نہ نکل سکے گا جس قدر جلد تین چار ہاتھ کے عرض سے نکل جاتا ہندیہ میں ہے:

اذا کان الحوض صغیرا یدخل فیه الماء من جانب ویخرج من جانب یجوز الوضوء من جمیع جوانبه وعلیه الفتوی من غیر تفصیل بین ان یکون اربعا فی اربع اواقل فیجوز اواکثر فلا یجوز کذا فی شرح الوقایة وهکذا فی الزاهدی ومعراج الدرایة[3]۔	جب حوض چھوٹا ہو اور اس میں پانی ایک طرف سے دوسری طرف سے نکل جاتا ہو تو اس کے تمام اطراف سے وضو جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے، اس میں یہ تفصیل بھی نہیں کہ وہ چار در چار ہو یا کم ہو تو جائز ہوگا اور اگر زائد ہو تو جائز نہ ہوگا کذا فی الشرح الوقایہ والزاہدی ومعراج الدرایہ۔(ت)

بحر میں ہے:

فی معراج الدرایة یفتی بالجواز مطلقا	معراج الدرایہ میں ہے جواز کا مطلقاً فتوی دیا جائیگا

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۳

[2] حلیۃ

[3] ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷

واعتمدہ فی فتاوی قاضی خان[1]۔	اور قاضی خان میں اسی پر اعتماد کیا ہے۔(ت)

فتاوٰی ذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری پھر حلیہ میں ہے:

علیہ الفتوی لان ھذا ماء جار[2]۔	اسی پر فتوی ہے کیونکہ یہ جاری پانی ہے۔(ت)

بلالکہ پانی کا گھومنا ایک (۱) دائرہ پر چکر کھانا جس طرح بھنور میں ہوتا ہے یہ بھی مانع جریان نہیں کہ بھنور پانی کو روک نہیں رکھتا چکر دے کر نکال دیتا ہے اوپر سے دوسرا پانی آتا اب اسے گھما کر چھوڑ دیتا ہے یہ سلسلہ قائم رہنے کے باعث گمان ہوتا ہے کہ ایک ہی پانی گھوم رہا ہے یہ بات غیر آب کے ڈالنے سے متمیز ہوسکتی ہے مثلا اوپر سے لکڑی ڈالی جائے بھنور پر پہنچ کر چکر کھا کر اُس طرف نکل جائے گی اور اگر بھنور قوی ہوا اسے گھمانے میں د. با کر دو ۲ ٹکڑے کر دے گا اور چکّر دے کر نکال دے گا، **فسبحن من خلق ماشاء کیف شاء ولا یجری فی ملکہ الا مایشاء** (پاک وہ ذات جس نے پیدا کیا جو چاہا جیسے چاہا اور نہیں چلتی کوئی شے اس کے ملک میں مگر جسے وہ چاہے۔(ت) منیہ مسئلہ حوض چار در چار میں ہے:

الظاھر ان الماء لایستقر فی مثلہ بل یدور حولہ ثم یخرج فیکون کالجاری[3]۔	ظاہر یہ ہے کہ پانی ایسی جگہ میں نہیں ٹھہرتا بلکہ اس کے ارد گرد چکر کھاتا ہے پھر نکل جاتا ہے تو یہ جاری پانی کی طرح ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

کذا فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری حکایۃً عن الشیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی[4]۔	جیسے ذخیرۃ اور تتمۃ الفتاوی الصغری میں شیخ الامام ابی الحسن الرستغفنی سے حکایت ہے(ت)

اصل ۸: حوض وغیرہ کے جریان میں اگرچہ خروج لازم تھا مگر ملحق بالجاری یعنی دہ دردہ میں اس کی حاجت نہیں گرمیوں ۲ کے خشک تالاب میں جانوروں کے گوبر وغیرہ نجاستیں پڑی ہیں برسات میں پانی آیا اور اُسے بھر دیا اگر تالاب کے جوف میں جہاں سے پانی نے گزر کر اُسے بھرا نجاست ہے جب تو سارا تالاب نجس ہوگیا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو جب تک بھر کر اُبل نہ جائے۔

---

[1] بحرالرائق عشرفی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

[2] حلیہ

[3] منیۃ المصلی فصل فی الحیض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷۲

[4] حلیہ

اقول اس لئے کہ جب بارش یا بہاؤ کا پانی اس کے جوف میں داخل ہوا اب جب تک کہ اُس کے بطن میں متحرک رہے گا جاری نہ کہلائے گا کہ جریان کے لئے خروج شرط ہے اور یہ غیر جاری پانی نجاست سے اُس وقت مِلا کہ ہنوز دہ در دہ نہ تھا کہ جوف میں اس کے مدخل ہی پر نجاستیں تھیں تو نہ جاری ہے نہ کثیر لاجرم ناپاک ہوگیا یوں ہی جتنا پانی آتا گیا ناپاک ہوتا گیا اور نجس پانی کثیر ہو جانے سے پاک نہیں ہو سکتا جب تک جاری نہ ہو جائے اور اگر مدخل آب میں اتنی دُور تک نجاست نہیں کہ وہاں تک آنے والے پانی کے عرض طول کا مسطح سَو ہاتھ تک پہنچ گیا اُس کے بعد نجاست سے مِلا تو اب ناپاک نہ ہوگا کہ کثیر ہو کر ملا اگرچہ جوف سے باہر نہ گیا۔

اقول: وبما قررنا ظهران المسألة مبتنية على الاصل الثالث لاعلى خلافية مرور نصف الماء اواكثره على نجاسة مرئية فان الفتوى فيها على الطهارة مطلقا مالم يتغير نعم ان(۱)لقى الماء النجاسات فى طريقه على شاطيئ الغدير قبل ان يدخله كان على الخلافية لانه جار بخلاف المتحرك فى بطن الغدير كما علمت۔	**اقول**: اور جو تقریر ہم نے کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ تیسری اصل پر مبنی ہے، اس اختلافی مسئلہ پر مبنی نہیں ہے کہ آدھا پانی یا اکثر نجاست مرئیہ پر گزرے، کیونکہ اس میں فتوٰی مطلقاً طہارت پر ہے تاوقتیکہ تغیر نہ ہو، ہاں اگر پانی ملے اپنے راستہ میں ان نجاستوں کے ساتھ جو گڑھے کے کنارے پر ہے قبل اس کے کہ وہ گڑھے میں داخل ہو، تو یہ اختلافی مسئلہ ہوگا، کیونکہ وہ جاری ہے۔ بخلاف اس پانی کے جو تالاب کی تہ میں حرکت کر رہا ہو جیسا کہ تونے جانا۔ (ت)

فتاوی خانیہ وخزانۃ المفتین اور محیط پھر حلیہ نیز خلاصہ وفتح القدیر میں فتاوی اور بحر وہندیہ میں فتح اور غیاثیہ نیز ذخیرہ پھر حلیہ میں فتاوائے اہل سمرقند سے ہے:

واللفظ لفقيه النفس غدير عظيم يلبس فى الصيف وراثت الدواب فيه(زاد فى الخلاصة والفتح والذخيرة والناس)ثم دخل فيه الماء وامتلأ ينظر ان كانت النجاسة فى موضع دخول الماء فالكل نجس وان انجمد ذلك الماء كان نجسا لان كل مادخل فيه صار نجسا فلا	اور الفاظ فقیہ النفس کے ہیں، ایک عظیم تالاب جو گرمی میں خشک ہوگیا اور اس میں چوپایوں نے لید کر دی (خلاصہ اور فتح میں اور ذخیرہ میں لوگوں کا بھی اضافہ ہے) پھر اس میں پانی داخل ہوگیا اور وہ گڑھا بھر گیا، تو دیکھا جائے گا اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ پر ہے تو کل پانی نجس ہے، اور اگر یہ پانی منجمد ہوگیا تو نجس ہو جائیگا، کیونکہ اس

یطھر بعد ذلك وان لم تکن النجاسة فی موضع دخول الماء واجتمع الماء فی مکان طاھر وھو عشر فی عشر ثم تعدی الی موضع النجاسة کان الماء طاھرا والمنجمد منه طاھر مالم یظھر فیه اثر النجاسة(قال فی الذخیرة لان الماء صار کثیرا قبل ان یتنجس فلا یتنجس بعد ذلك لاتصال النجاسة به اھ زاد فی الخانیة)(ا)وکذا الغدیر اذا قل ماؤہ فصارا ربعا فی اربع ووقعت نجاسة ثم دخل الماء الی ان صار الماء الجدید عشرا فی عشر قبل ان یصل الی النجس کان طاھرا[1]۔	میں جو بھی داخل ہوگا وہ نجس ہوجائیگا، اور اس کے بعد پاک نہ ہوگا، اور اگر نجاست پانی کے داخل ہونے کی جگہ نہ ہو اور پانی پاکیزہ جگہ پر جمع ہوجائے، اور وہ دَہ در دَہ ہو پھر پانی نجاست کی جگہ چلاگیا تو پانی پاک ہوگا اور جو منجمد ہوگیا وہ اس وقت تک پاک رہے گا جب تک نجاست کا اثر اس پر ظاہر نہ ہو(ذخیرہ میں فرمایا اس لئے کہ پانی نجس ہونے سے پہلے کثیر ہوگیا تو اس کے بعد نجس نہ ہوگا نجاست کے پانی کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے اھ۔خانیہ میں اضافہ کیا)اور اسی طرح تالاب کا پانی جب کم ہوجائے اور چار در چار ہوجائے اور اس میں نجاست داخل ہوجائے پھر اس میں نیا پانی آجائے یہاں تک کہ نجاست کو پہنچنے سے قبل دہ در دہ ہوجائے تو پاک ہوجائے گا۔(ت)

ایساعــہ ہی جواہر اخلاطی میں ہے۔

اصل۹: اقول: وباللہ التوفیق ایک فائدہ نفیسہ ہے کہ شاید اس کی تحریر فقیر کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اثر نجاست قبول نہ کرنے کو پانی کا جریان چاہئے سیلان کافی نہیں سائل وجاری میں عموم وخصوص مطلق ہے ہر جاری سائل ہے اور ہر سائل جاری نہیں دیکھو بطن حوض میں جو پانی نل سے داخل ہوا اور دوسرے کنارے تک پہنچا اُس وقت ضرور سائل ہے مگر جاری نہ ٹھہرا جب تک دوسری طرف سے نکل نہ جائے اور اس پر دلیل

عــہ ونصھا حوض عشر فی عشر قل ماؤہ ثم وقعت النجاسة ثم دخل الماء حتی امتلأ الحوض ولم یخرج منه شیئ لایجوز التوضی به لانه کلما دخل الماء یتنجس اھ منه غفرله(م)	اس کی عبارت یہ ہے کہ ایک حوض دہ در دہ ہو اس کا پانی کم ہوجائے پھر اس میں نجاست پڑ جائے پھر حوض بھر جائے اور اس سے کُچھ نہ نکلے، تو اس سے وضو جائز نہیں اس لئے کہ جو پانی بھی داخل ہوگا وہ ناپاک ہوجائیگا اھ(ت)

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴ والمزید من الذخیرة وھی لیست بموجودہ

قاطع آب وضو ہے کہ ضرور اعضائے وضو پر سائل ہے **فانه غسل ولا غسل الا بالاسالة** (پس بیشک وضو دھونا ہے اور دھونا بغیر اسالۃ کے ممکن نہیں ہے۔ت) مگر جاری نہیں ورنہ مستعمل نہ ہوتا کہ آب جاری استعمال تو استعمال نجاست سے متاثر نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو یونہی بدن یا کپڑے کی ناپاکی جس پانی سے دھوئی اس نے بدن یا ثوب پر سیلان ضرور کیا ورنہ استخراج نجاست نہ کرتا مگر جاری نہیں ورنہ ناپاک نہ ہوجاتا حالانکہ تین بار (۱) دھونے میں امام کے نزدیک تینوں پانی ناپاک ہیں اور صاحبین کے نزدیک دو ناپاک ہیں تیسرا جب بدن یا کپڑے سے جدا ہوجائے پاک ہے، تنویر میں ہے:

ماء ورد علی نجس نجس کعکسه[1]۔	پانی جو وارد ہوا نجس پر نجس ہے جیسا کہ اس کا عکس ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الورود یشمل مااذا جری علیها وهی علی ارض اوسطح وما اذا صب فوقها فی اٰنیة بدون جریان[2]۔	ورود کا لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب پانی نجاست پر بہے اور وہ زمین یا سطح پر ہو اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب پانی نجاست کے اوپر بہایا جائے کسی برتن میں اور اس میں جریان نہ ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

القیاس یقتضی تنجس الماء باول الملاقاة للنجاسة لکن سقط للضرورة سواء کان الثوب فی اجانة و اورد الماء علیه اوبالعکس عندنا فهو(۲)طاهر فی المحل نجس اذا انفصل سواء تغیرا ولا وهذا فی الماءین اتفاقا اما الثالث فهو نجس عنده لان طهارته فی المحل ضرورة تطهیره وقد زالت طاهر عندهما اذا انفصل(۳)والاولی فی غسل الثوب النجس وضعه فی الاجانة	قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی پہلی ہی ملاقاۃ میں ناپاک ہوجاتا ہے نجاست کی وجہ سے لیکن ضرورت کی وجہ سے قیاس ساقط ہوگیا خواہ کپڑا ٹب میں ہو اور اس پر پانی وارد ہو یا بالعکس ہو یہ ہمارے نزدیک ہے، تو یہ اپنے محل میں طاہر ہے اور جب جُدا ہوگا تو نجس ہوگا خواہ متغیر ہو یا نہ ہو، یہ دو پانیوں میں اتفاقاً ہے، اور تیسرا تو وہ ان کے نزدیک نجس ہے کیونکہ اس کی طہارت محل میں ضرورت کی وجہ سے ہے، اور یہ ضرورت محل کی طہارت کی ہے اور وہ ضرورت

[1] الدرالمختار فصل الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۵

[2] ردالمحتار فصل الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸

من غیرماء ثم صب الماء علیہ لاوضع الماء اولا خروجا من خلاف الامام الشافعی فانہ یقول بنجاسۃ الماء [1]۔	زائل ہوگئی، صاحبین کے نزدیک جُدا ہوتے ہی پاک ہوجائیگا نجس کپڑے کو دھونے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس کو خشک ٹب میں رکھا جائے پھر اس پر پانی بہایا جائے یہ نہیں کہ پہلے ٹب میں پانی موجود ہو امام شافعی کے اختلاف سے بچنے کیلئے اس میں امام شافعی کا قول ہے کہ پانی نجس ہوجائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں اس کے بعد فرمایا:

(۱)ولا فرق علی المعتمد بین الثوب المتنجس والعضو [2]اھ۔ یشیر الی خلاف ابی یوسف لاشتراط الصب فی العضو کما فی البدائع۔ اقول وظاہر التعلیل بضرورۃ تطہیر الثوب انہ طاہر فی حق ذلك الثوب(۲)لاغیر فلو وضع الثوب النجس فی اجانۃ وصب الماء فوقع فیہ ثوب اٰخر طاہر یتنجس وان لم ینفصل الماء عن الثوب الاول بعد لان ماکان بضرورۃ تقدر بقدرھا فمن کان یصلی و وقع طرف ردائہ فی الاجانۃ فاصابہ اکثر من الدرھم وھو یتحرك بتحرکہ لم تجز صلاتہ ھذا ماظہر فلیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔	معتمد قول کے مطابق ناپاک کپڑے اور عضو کے درمیان کوئی فرق نہیں اھ ط اھ اس میں ابویوسف کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے وہ عضو پر پانی بہانے کو شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں**، اور بظاہر تعلیل یہ ہے کہ یہ کپڑا ضرورۃً پاک ہے تو یہ پاکی اِسی کپڑے تک محدود رہے گی لہٰذا اگر ایک ناپاک کپڑا طشت میں رکھا گیا اور اس پر پانی بہایا گیا پھر اسی طشت میں کوئی اور پاک کپڑا گر گیا تو وہ ناپاک ہوجائے گا اگرچہ اب تک پہلے کپڑے سے پانی جُدانہ ہوا ہو کیونکہ جو چیز بوجہ ضرورت ہوتی ہے وہ بقدرِ ضرورت ہی رہتی ہے، اب اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے اور اُس کے کپڑے کا کنارہ ٹب میں گر گیا تو اگر درہم سے زائد ہو اور وہ کپڑے کے ہلنے سے حرکت کرے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اس کو اچھی طرح سمجھ لیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اس نفیس فائدہ سے اصل ۳ پر یہ توہم زائل ہوگیا کہ پانی تالاب کے اِس کنارے سے اُس کنارے تک

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹
[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

بہتا پہنچا پھر جاری کیوں نہ ہوا یہ سیلان ہے جریان نہیں اور وہ فرق کھل گیا جو اصل ۸ میں ہم نے ذکر کیا کہ تالاب کے اندر مدخل آب کے قریب نجاست ہے اور پانی اس پر ہو کر گزرا ناپاک ہوگیا کہ وہ سائل ہے جاری نہیں اور تالاب کے باہر زمین پر کنارے کے قریب نجاست ہے اور پانی اُس پر گزرتا تالاب میں داخل ہوا تو ناپاک نہ ہوا جب تک وصف نہ بدلے کہ وہ جاری ہے اور اس کی نظیر وہ مسئلہ ہے کہ جوف زخم کے اندر خون کا سیلان معتبر نہیں جوف سے باہر بہے تو ناقض وضو ہے فافہم یہی مبنی ہے اس مسئلہ (۱) کا کہ استنجاء کرنے کو لوٹے سے پانی کی دھار ڈالی ہاتھ تک پہنچنے سے پہلے اُس دھار پر پیشاب کی چھینٹ پڑ گئی دھار ناپاک نہ ہوگی کہ جاری ہے اور یہی دھار استنجا کرنے سے ناپاک ہو جائے گی کہ بدن پر جاری نہیں ردالمحتار میں ہے:

قال فی الضیاء ذکر فی الواقعات الحسامیة لواخذ الاناء فصب الماء علی یدہ للاستنجاء فوصلت قطرة بول الی الماء النازل قبل ان یصل الی یدہ قال بعض المشائخ لاینجس لانه جار قال حسام الدین ھذا القول لیس بشیئ والا لزم ان تکون غسالة الاستنجاء غیر نجسة قال فی المضمرات وفیه نظر والفرق ان الماء علی کف المستنجی لیس بجار والنازل من الماء قبل وصوله الی الکف جار ولا یظھر فیه اثر القطرة فالقیاس ان لایصیر نجسا وما قاله حسام الدین احتیاط اھ ویؤید عدم التنجس ما ذکرنا من الفروع واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ **اقول:** وقد جزم به فی الخلاصة عازیا للفتاوٰی وفی البزازیة ولم یحکوا	ضیاء میں کہا "واقعات حسامیہ میں ہے کہ اگر برتن سے استنجاء کرنے کیلئے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا، اور پیشاب کا کوئی قطرہ اس پانی تک کسی طرح پہنچ گیا جو اوپر سے آرہا ہے اور ابھی تک عضو تک نہیں پہنچا تھا تو بعض مشائخ فرماتے ہیں ناپاک نہ ہوگا کیونکہ یہ جاری پانی ہے، حسام الدین نے فرمایا اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ورنہ تو لازم کہ استنجاء کا دھوون ناپاک نہ ہو۔ مضمرات میں فرمایا اس میں نظر ہے اور فرق یہ ہے استنجاء کرنے والے کے ہاتھ میں جو پانی ہے وہ جاری نہیں اور اُوپر سے آنے والا پانی جو ہنوز ہاتھ تک نہیں پہنچا ہے جاری پانی ہے اس میں قطرہ کا اثر ظاہر نہ ہوگا تو قیاس یہی ہے کہ نجس نہ ہو اور حسام الدین نے جو فرمایا ہے وہ بطور احتیاط ہے اھ اور ناپاک نہ ہونے پر وہ فروع دلالت کرتی ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت) **میں کہتا ہوں** اس پر خلاصہ میں جزم کیا اور اس کو فتاوٰی کی طرف منسوب کیا اور بزازیہ میں کسی اختلاف کا

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۲۳۹/۱

خلافاه نصها فی مایتصل بالماء الجاری فی الفتاوی رجل استنجی فلما صب الماء من القمقمة علی یده لاقی الماء الذی یسیل من القمقمة البول قبل ان یقع علی یده بعض ماخرج فهو طاهر [1] اھ قال ش بخلاف مسألة الجیفة فان الماء الجاری علیها لم یذهب بالنجاسة ولم یستهلکها بل هی باقیة فی محلها وعینها قائمة علی ان فیها اختلافا ولهذا استدرك الشارح بقوله ولکن قدمنا ان العبرة للاثر [2] اھ کلام الشامی وقدمنا ان ما استدرك به الشارح هو المفتی به المعتمد والله تعالٰی اعلم۔	ذکر نہیں کیا، اور اس کی اصل عبارت، جو جاری پانی سے متصل ہے فتاوٰی میں یہ ہے، کہ ایک شخص نے استنجاء کیا، تو جب اُس نے ٹونٹی سے اپنے ہاتھ پر پانی ڈالا تو وہ پانی ہاتھ پر گرنے سے قبل پیشاب کے قطرہ سے مل گیا، تو یہ پانی پاک ہے اھ "ش" نے فرمایا یہ مسئلہ مردار کے مسئلہ کے خلاف ہے کیونکہ جو پانی اس پر گرتا یا جاری ہوتا ہے وہ نجاست کو بہا کر نہیں لے جاتا ہے اور نہ ہی نجاست کو ختم کرتا ہے بلاالکہ نجاست کا عین اپنی حالت پر ہی باقی رہتا ہے، پھر اس میں اختلاف بھی ہے اس لئے شارح نے یہ کہہ کر استدراک کیا ہے ولکن قدمنا ان العبرة للاثر اھ شامی کا کلام ختم ہوااور ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ جو استدراک شارح نے کیا ہے وہی مفتی بہ اور معتمد ہے والله تعالٰی اعلم۔(ت)

اصل ۱۰: ہماری کتابوں میں اتنا فرماتے ہیں کہ پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر، دونوں کا یکساں حکم ہے **کما تقدم عن التنویر وذکر مثله الجم الغفیر وفی الغرر الوارد کالمورود** (جیسا کہ تنویر سے گزرااور اس کی مثل بہت سے لوگوں نے ذکر کیا ہےاور غرر میں ہے کہ وارد مورود کی طرح ہے۔ت)

اقول: وبالله التوفیق یہاں ایک فرق ہے غامض ودقیق اور تحقیق انیق ہے قبول کی حقیق۔ نجاست (۱) حقیقیہ کے لئے ایک دفع ہےاور ایک رفع۔ دفع یہ کہ نجاست اثر نہ کرنے پائے اور رفع یہ کہ نجاست کا اثر موجود زائل ہوجائے دفع جاری وکثیر کے ساتھ خاص ہےاور رفع ہر مائع طاہر مزیل کیلئے اور ملاقات نجاست وآب کے ثمرے چار ہیں:

(۱)اعمال (۲)اہمال (۳)انتقال (۴)استیصال

[1] خلاصۃ الفتاوٰی وما تتصل بالماء الجاری نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

اعمال یہ کہ نجاست اپنا عمل کرے۔

اہمال یہ کہ عمل نہ کرسکے۔

انتقال یہ کہ اُس کا اثر جس شے پر تھا اُس سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوجائے۔

استیصال یہ کہ نجاست سرے سے فنا ہوجائے۔

نجاست جب آب قلیل راکد یعنی غیر جاری پر وارد ہو تو صرف اعمال ہے یعنی اُسے ناپاک کردے گی اور خود اُس میں باقی رہے گی اور جب آبِ (۱) جاری یا کثیر پر وارد ہو تو محض اہمال ہے یعنی باقی تو اس میں رہے گی مگر اثر کچھ نہ کرسکے گی،

وما ذکرنا من انتقالها عند ائمة بلخ وبخاری وماوراء النهر فی الجواب الثالث فذاك انتقال فی الماء لاعن الماء۔	اور جو ہم نے تیسرے جواب میں ذکر کیاکہ یہ منتقل ہوجائیگی ائمہ بلخ یہ بخاری اور ماوراء النہر کے نزدیک ہے تو یہ پانی میں منتقل ہونا ہے نہ کہ پانی سے۔ (ت)

اور جب آبِ راکد نجاست پر وارد ہو جیسے کپڑا یا بدن پاک کرنے میں، تو یہاں انتقال ہے یعنی نجاست اُس کپڑے یا بدن سے منتقل ہو کر اس پانی میں آجائے گی وہ پاک ہوجائے گا اور یہ ناپاک۔ اور جب آب (۲) جاری نجاست پر وارد ہو جیسے حوض وغیرہ کی صورتوں میں گزرا تو یہ صورت استیصال کی ہے یعنی وہ بھی پاک ہوگیا اور یہ پانی بھی پاک رہا نجاست کہیں باقی ہی نہ رہی، ہاں جاری وکثیر اگر نجاست سے متغیر ہوجائیں تو دونوں صورتوں میں قلیل راکد کی طرح ہیں بالجملہ ورود آب بر نجاست ہیں اگر یہ پانی صرف رافع ہے تو نجاست اُس شے سے دُور کرکے اپنے اوپر لے لے گا کہ اس میں دفع کی قوت نہیں اور اگر دافع بھی ہے تو فنا کردے گا کہ اُس ناپاک شدہ شے سے رفع کی اور اپنے اوپر سے دفع کی اس کیلئے کوئی محل ہی نہ رکھا اصل ۴ میں ظہیریہ کی عبارت گزری کہ حوض بھی پاک ہوگیا اور یہ پانی جو اُس سے باہر نکل گیا اُسے اُٹھا کر کسی نے وضو کیا تو وضو ہوگیا ظاہر ہے کہ یہ اعمال ہوا نہ انتقال ہوا کہ پانی خود بھی پاک رہا نہ اہمال ہوا کہ وہ ہوتا تو اُس وقت تک ہوتا کہ پانی بہ رہا تھا جب ٹھہر گیا اور ہے قلیل تو نجاست اگر رہتی واجب تھا کہ عمل کرتی جیسا کہ اصل ۶ میں گزرا لیکن یہ بھی نہ ہوا اور اس پانی کو اٹھا کر اُس سے وضو جائز ہُوا تو یہ نہیں مگر نجاست کا استیصال۔ اسی طرح تصریح فرماتے ہیں کہ (۳) ناپاک زمین پر پانی بہایا کہ ہاتھ بھر بہ گیا زمین بھی پاک ہوگئی اور یہ پانی بھی پاک رہا،

فی ردالمحتار عن الذخیرة عن الحسن بن ابی مطیع اذا صب علیها الماء فجری قدر ذراع طهرت الارض والماء طاهر	ردالمحتار میں ذخیرہ سے حسن بن ابی مطیع سے ہے کہ جب اس پر پانی بہایا گیا اور ایک ذراع کی مقدار اس پر جاری ہوا تو زمین اور پانی پاک ہیں بمنزلہ جاری پانی کے،

بمنزلة الماء الجاری قال ش فھذا نص فی المقصود وللّٰہ الحمد[1] اھ۔	"ش" نے فرمایا یہ عبارت ہمارے مقصود پر نص صریح ہے وللّٰہ الحمد اھ (ت)

یوں ہی تصریحات ہیں کہ دو برتن ہیں (۱) ایک میں مثلاً پانی یا دُودھ پاک ہے دوسرے میں ناپاک، دونوں کی دھار ہوا میں ملا کر چھوڑی کہ ایک ہو کہ تیسرے برتن میں پہنچی یا (۲) دونوں کو ملا کر مثلاً پاک پکی چھت پر بہایا کہ ایک دھار ہو کر بہے سب پاک ہو گیا خزانہ وخلاصۃ وبزازیہ وردالمحتار میں ہے:

اناء ان ماء احدھما طاھر والاٰخر نجس فصبا من مکان عال فاختلطا فی الھواء ثم نزلا طھر کلہ ولو اجری ماء الاناء ین فی الارض صار بمنزلة ماء جار[2]۔	دو برتن ہیں ان میں ایک کا پانی پاک اور دوسرے کا ناپاک ہے، اب دونوں سے اوپر سے پانی بہایا پھر یہ دونوں پانی ہوا میں باہم مل گئے پھر نیچے آئے تو پاک ہیں، اور اگر دونوں برتنوں کا پانی زمین پر بہادیا گیا تو دونوں بمنزلہ جاری پانی کے ہوگئے۔ (ت)

اشارات تقریر سابق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ ثمرہ استیصال علی الاطلاق نجاست غیر مرئیہ میں ہے مرئیہ جب تک باقی ہے معدوم نہیں کہی جاسکتی، ہاں کثیر وجاری میں اثر نہ کرسکے گی قلیل و راکد ہوتے ہی اپنا عمل دکھائے گی مگر یہ کہ اس سے پہلے نجاست نکال دی یا پانی (۳) میں مستہلک یا مٹی (۴) کی طرف مستحیل ہوگئی تھی کہ پہلی دو صورتوں میں مرئیہ نہ رہی غیر مرئیہ ہوگئی اور پچھلی میں نجاست ہی نہ رہی منحۃ الخالق میں ہے:

قال العلامة عبدالرحمٰن افندی العمادی مفتی دمشق فی کتابہ ھدیة ابن العماد قال صاحب مجمع الفتاوٰی فی الخزانة ماء الثلج اذا جری علی طریق فیہ سرقین ونجاسة ان تغیبت النجاسة واختلطت حتی لایری اثرھا یتوضؤ منہ[3]۔	علّامہ عبدالرحمٰن آفندی عمادی مفتی دمشق نے اپنی کتاب ہدیۃ ابن العماد میں فرمایا صاحب مجمع الفتاوٰی نے خزانہ میں فرمایا کہ برف کا پانی ایسے راستے میں بہا جس پر گوبر پڑا ہوا تھا اور نجاست بھی تھی اگر نجاست اس میں اس طرح گھل مل گئی کہ اس کا اثر نظر نہیں آتا تو اُس سے وضو کیا جائے گا۔ (ت)

یوں ہی بزازیہ وخلاصہ وفتاوٰی سمرقند میں ہے شرح ہدیہ میں بعد کلام مذکور اصل ۶ فرمایا:

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۹

[3] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۵

فالحوض نجس الی ان یصیر الزبل فی اسفله حمأة وھی الطین الاسود فلا یکون نجسا حینئذ واذا کان الحوض کبیرا فالامر فیه یسیر[1]۔	تو حوض اس وقت ناپاک ہے جب تک کہ جو گندگی اس کے نیچے ہے کیچڑ میں تبدیل ہو جائے تو اس وقت وہ ناپاک نہ ہوگا، اور اگر حوض بڑا ہو تو معاملہ آسان ہے۔(ت)

منحہ میں ہے:

یعنی اذ اجری بعد ذلك لابمجرد صیرورة الزبل حمأة کمایعلم ممامر[2] اھ **اقول:** تبین مما حققنا ان المراد بالماء فی قولھم ماء ورد علی نجس نجس کعکسه ھو الماء الراکد القلیل اذبه تستقیم القضیتان علی عمومھما وقد اشار الیه ملك العلماء حیث قال لاخلاف ان النجس یطھر بالغسل فی الماء الجاری وکذا بالغسل بصب الماء الجاری وکذا بالغسل بصب الماء علیه واختلف ھل یطھر بالغسل فی الاوانی قال ابو حنیفة ومحمد یطھر حتی یخرج من الاجانة الثالثة طاھرا ،وقال ابو یوسف لایطھر البدن مالم یصب علیه الماء وفی الثوب عنه روایتان وجه قول ابی یوسف القیاس یابی الطھارة بالغسل اصلا لان الماء متی لاقی النجاسة یتنجس سواء ورد الماء علی النجاسة او وردت النجاسة علی الماء الا انا حکمنا بالطھارة لحاجة	یعنی اس کے بعد پانی جاری بھی ہوا ہو کیونکہ محض کیچڑ بن جانا کافی نہیں، جیسا کہ سابقہ بیان سے معلوم ہوتا ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** جو تحقیق ہم نے کی اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ان کے قول ماء ورد علی نجس نجس کعکسہ میں ماء سے مراد وہ تھوڑا پانی ہے جو ٹھہرا ہوا ہو، کیونکہ اسی تشریح سے دونوں قضیے درست ہوں گے اور ان کا عموم صحیح قرار پائیگا اور ملک العلماء نے اسی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نجس چیز جاری پانی میں دھونے سے پاک ہو جائے گی اور اسی طرح اگر اس پر پانی بہا کر اس کو دھو دیا جائے تو پاک ہو جائے گی، اس میں اختلاف ہے کہ آیا برتنوں میں دھو کر بھی پاک ہو گی یا نہیں؟ ابو حنیفہ اور محمد فرماتے ہیں پاک ہو جائے گی یہاں تک کہ تیسرے ٹب سے پاک نکلے گا، اور ابو یوسف نے فرمایا بدن اس وقت تک پاک نہ ہوگا جب تک کہ اس کے اوپر پانی نہ بہایا جائے اور کپڑے کے بارے میں اُن سے

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۵/۱

[2] منحۃ الخالق علی حاشیۃ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۵/۱

الناس والحاجة تندفع بالحکم بالطھارة عند ورود الماء علی النجاسة فبقی ما وراء ذلك علی القیاس فعلی ھذہ لایفرق بین البدن والثوب ووجه الفرق له علی روایة ان فی الثوب ضرورة اذکل من تنجس ثوبه لایجد من یصب ولا یمکنه الصب بنفسه، وجه قولھما ان القیاس متروك فی الفصلین لتحقق الضرورة فی المحلین اذلیس کل من اصابت النجاسة بدنه یجد ماء جاریا او من یصب وقد لایتمکن من الصب بنفسه مع ان ماذکرہ من القیاس غیر صحیح لان الماء لاینجس اصلا مادام علی المحل النجس [1] اھ مختصرا فقد افاد مرتین ان القضیتین فی غیر الجاری ای وما فی حکمه من الکثیر، والعجب ان المدقق العلائی حمل الکلام علی الجاری فقال فی شرحه(ورد)ای جری(نجس)اذا ورد کله اواکثرہ ولو اقله لاکجیفة فی نھر اونجاسة علی سطح لکن قدمنا ان العبرة للاثر (کعکسه)ای اذا وردت النجاسة علی الماء تنجس الماء اجماعا [2] اھ۔

دو روایتیں ہیں، ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ دھونے سے طہارت بالکل نہ ہو کیونکہ پانی جب نجاست سے ملاقی ہوگا تو ناپاک ہوجائیگا خواہ پانی نجاست پر وارد ہو یا نجاست پانی پر وارد ہو، مگر ہم نے لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے طہارت کا حکم دیا۔ اور حاجت پانی کے نجاست پر وارد ہونے کی صورت میں پاکی کے حکم کے ساتھ رفع ہوجاتی ہے تواُس کے علاوہ قیاس کے مطابق رہے گا، اس بنا پر بدن اور کپڑے میں فرق نہیں کیا جائیگا، اور ان کے نزدیک وجہ فرق ایک روایت پر یہ ہے کہ کپڑے میں ضرورت ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کا کپڑا ناپاک ہوجائے اس کو یہ سہولت حاصل نہیں ہوتی کہ کوئی اس کے کپڑے پر اُوپر سے پانی بہائے اور خود بھی وہ نہیں بہاسکتا ہے،

اور طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قیاس دونوں صورتوں میں متروک ہے کیونکہ دونوں جگہ ضرورت متحقق ہے کیونکہ ہر وہ شخص جس کو نجاست لگ جائے نہ تو بہتا ہوا پانی پاتا ہے اور نہ ہی کسی بہانے والے کو پاتا ہے، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خود بھی نہیں بہا سکتا ہے، اور اس کے علاوہ جو قیاس اُنہوں نے ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ پانی جب تک نجس جگہ پر رہے ناپاک نہیں ہوتا ہے اھ مختصر، تو دو مرتبہ انہوں نے

[1] بدائع الصنائع اما طریق التطہیر بالغسل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۸۷

[2] الدرالمختار باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/ ۵۵

بتایا کہ دونوں قضیے غیر جاری پانی میں ہیں یعنی اُس پانی میں جو جاری پانی کے حکم میں ہو، مثلاً کثیر پانی، تعجب ہے کہ مدقق علائی نے کلام کو جاری پانی پر محمول کیا ہے، اور اپنی شرح میں فرمایا ہے (ورد) یعنی جاری ہوا (ناپاک) جب وارد ہوا اس کا کل یا اکثر، اگر کم جاری ہوا تو یہ حکم نہیں ہوگا جیسا کہ نہر میں مردار یا چھت پر نجاست، لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا کہ اعتبار اثر کا ہے (جیسا کہ اس کا عکس) یعنی جب کہ نجاست پانی پر وارد ہو تو پانی اجماعاً ناپاک ہو جائیگا اھ (ت)

اقول: (۱) بل لا یتنجس اجماعا اذا کان جاریا مالم یتغیر بھا فالمراد الراکد القلیل قطعا (۲) ولو حمل علیه لم یحتج فی الاولی الی تقییدھا ولا الاستدراك علیھا والعجب ان السادات الثلثة ح وط و ش کلھم حملوہ علی مایعم الراکد والجاری فاعترض الاولان علی الشارح قائلین علی قوله جری ھذا خاص بما اذا جری علی ارض اوسطح ولا یشمل ما اذا صب علی نجاسة لان الصب لایقال له جریان مع ان الحکم عام فالاولی ابقاء المصنف علی عمومه اھ۔[1]	**میں کہتا ہوں** بلالکہ ناپاک نہ ہوگا اجماعاً جبکہ جاری ہو، جب تک متغیر نہ ہو، تو مراد تھوڑا سا ٹھہرا ہوا پانی ہے قطعاً، اور اگر اس پر محمول کیا جائے تو پہلی میں اس کی تقیید کی حاجت نہ ہوگی اور نہ ہی استدراک کی ضرورت ہوگی اور تعجب یہ ہے کہ سادات ثلثہ ح، ط اور ش نے اس کو ٹھہرے اور جاری پانی دونوں میں عام کر رکھا ہے تو پہلے دو نے شارح پر اعتراض کیا، اور کہا ہے کہ ان کا قول جری یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ وہ پانی زمین یا سطح پر جاری ہو اور اس صورت کو شامل نہیں ہے جبکہ کسی نجاست پر بہایا جائے کیونکہ بہانے کو جاری ہونا نہیں کہا جاتا ہے حالانکہ حکم عام ہے، تو اولیٰ وہی ہے کہ مصنّف نے اس کو اس کے عموم پر باقی رکھا ہے اھ۔ (ت)
اقول: (۳) اترون ماء جاریا اوکثیرا ورد علی نجس اوبالعکس ھل یتنجس بالورود فاین العموم واشار الثالث الی جوابین فقال فسر الورود به لیتأتی له التفصیل والخلاف اللذان ذکرھما والا فالورود اعم وایضا فالجریان	**میں کہتا ہوں** کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جاری پانی یا کثیر پانی جو کسی نجاست پر وارد ہو یا بالعکس، صرف وارد ہونے سے نجس ہو جائے گا؟ تو عموم کہاں ہوا؟ اور تیسرے نے دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ورود کی تفسیر اس کے ساتھ اس لئے کی گئی ہے تاکہ وہ اس کی تفصیل کر سکیں اور اس کے خلاف کا بھی ذکر کریں

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الانجاس بیروت ۱/۱۶۱

ابلغ من الصب فصرح به مع علم حکم الصب منه بالاولی رفعا لتوهم عدم ارادته[1] اھ

اقول: (۱) لاعموم وعلی (۲) فرضه کیف یصح تفسیره بخاص لیتأتی له تقییده وجعله خلافیة بل کان علیه ان یبقیه علی عمومه ویقول وان کان جاریا اذا ورد کله۔۔۔الخ

جن کا انہوں نے ذکر کیا، ورنہ ورود اعم ہے اور نیز جاری ہونا ابلغ ہے بہانے سے، تو اس کی تصریح کردی حالانکہ بہانے کا حکم اس سے معلوم ہوگیا تھا بطریقِ اولٰی، تاکہ ارادہ نہ کرنے کا وہم دفع ہوجائے اھ (ت)

میں کہتا ہوں کوئی عموم نہیں ہے، اگر فرض کیا جائے تو اُس کی تفسیر خاص سے کیسے صحیح ہوسکتی ہے تاکہ وہ اس کو مقید کرسکیں اور اس کو اختلافی بناسکیں، بلالکہ ان پر لازم تھا کہ وہ اس کو اس کے عموم پر باقی رکھیں، اور کہیں کہ اگرچہ جاری ہو جبکہ اس کا کُل وارد ہوالخ (ت)

یہ جواہر زواہر بحمدہ تعالٰی عطیہ سرکار رسالت علیه افضل الصّلوٰة والتحیة ہیں والحمدلله علی تواتر اٰلائه، وافضل الصلاة والسلام علی سید انبیائه، وعلیهم وعلیٰ اٰله وصحبه واولیائه، باقیین دائمین بدوامه وبقائه، اٰمین والحمدلله رب العٰلمین۔

جب یہ اصول عشرہ ممہد ہولیے اب **تفریعات** کی طرف چلئے۔

فاقول: وبالله التوفیق اس مسئلہ میں **۱۲۰** صورتیں ہیں، جواب چہارم میں حوض کی قسمیں مذکور ہوئیں۔ قسم دوم وہ کہ اسفل اُسی کا جُز ہو شکل واحاطہ میں متمیز نہ ہو جیسے نصف دائرہ۔ قسم چہارم وہ کہ اسفل شکل جداگانہ ہو۔ **صغیر تابع** وہ کہ پچیس ہاتھ مساحت سے کم ہو **مستقل** وہ کہ پچیس ہاتھ یا زائد ہو مگر سَو سے کم ہو، حوضِ زیریں **ناقابل اجرا** ایک وہ کہ پانی اُس کی حدود سے باہر تک حوض بالا کے بطن میں بھرا ہو کہ باہر سے جو پانی آئیگا اُس کا بہاؤ اُس حوضِ صغیر میں داخل ہو کر نکلنا نہ ٹھہرے گا کہ اُس کا اجرا ہو بلکہ حوض بالا ہی کے بطن میں متحرک سمجھا جائے گا کہ جریان نہیں (اصل ۳ و ۵) ظاہر ہے کہ اگر دیگ میں ایک کٹورا رکھا اور نصف دیگ میں ناپاک پانی بھرا ہے لبالب بھردینے سے بھی کٹورے کا پانی پاک نہ ہوگا نہ دیگ کا کہ اُن میں کسی کا اجرا نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صرف کٹورے میں پانی ہو اور اُس پر پاک پانی ڈالیں یہاں تک کہ بھر کر اُبلے ضرور کٹورا اور اُس کا پانی پاک ہوجائیگا کہ اُس کا اجرا ہوگیا اگرچہ جوفِ دیگ میں (اصل ۲) دوسرا وہ کہ آگے اُبل کر بہنے کو جگہ نہ ہو جیسے اس صورت میں 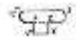 کہ اگرچہ پانی صرف

ح ع تک ہو آگے منتہی تک بلالندی ہے۔ **قابل اجرا** وہ کہ پانی اُسی کے اندر اور آگے بہنے کو جگہ ہو **قلّت منتہی** یہ کہ حوضِ بالا کی فضا کہ اس حوضِ زیریں کی محاذات میں ہے مع فضائے حوضِ زیریں دہ در دہ سے کم ہو جیسے اس شکل میں۔

1 ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۲۳۸/۱

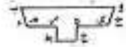

اب کہ اب سَو ہاتھ اور ح ع کم ہے **کثرت منتہی** یہ کہ یہاں بھی دہ در دہ ہو جیسے اسی شکل میں جب کہ سطح ح ع سَو ہاتھ اور سطح اب زائد ہو یا شکل سوم مذکور جواب چہارم میں کہ اب و ح ع دونوں مساوی ہیں کثرتِ مبدء یہ کہ ناپاک پانی جہاں تک بھرا ہے مثلاً بحالی قابلیت اجراہ سے رتک یا بحال عدمِ قابلیت ی سے م تک وہاں سے مدخل آب تک اتنی جگہ ہے کہ آنے والا پاک پانی وہ دہ در دہ ہو کر ناپاک پانی سے ملے گا مثلاً اسے جو پانی ح پر آیا اور پہلی صورت میں ہ سے ناپاک پانی تھا تو ہ تک پہنچنے سے پہلے سطح ح ہ میں سَو ہاتھ مساحت ہو اور دوسری صورت میں ی سے نجس پانی تھا تو ی سے اوپر اوپر سطح ح ی میں دہ در دہ کی وسعت ہو **قلّت مبدء** یہ کہ اتنی جگہ نہیں بلکہ دہ در دہ سے کم رہ کر اُس سے ملے بہر حال نجاست مرئیہ پاک پانی داخل ہونے سے پہلے نکال لی گئی تو مخرجہ ہے ورنہ **باقیہ راسبہ** خواہ طافیہ ظاہر ہے کہ حوض زیر بحث قسم دوم سے ہوگا یا چہارم سے اور چہارم تابع یا مستقل اور دونوں قابل اجرا یا ناقابل یہ پانچ صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہوگا یا قلیل بروجہ دوم منتہی بھی قلیل ہوگا یا کثیر یہ تین ہو کر پندرہ[15] ہوئیں۔ بہر حال نجاست غیر مرئیہ ہوگی یا مرئیہ اور مرئیہ **مخرجہ** یا باقیہ اور باقیہ راسبہ یا طافیہ یہ چار ہو کر ساٹھ[60] ہوئیں بہر صورت حوض بالا بھر کر اُبلا یا نہیں جملہ ایک سو بیس[120]۔ اب ہم بتوفیقہ تعالٰی ان کا ضبط کریں کہ ہر تقسیم اُسی صورت میں آئے جس سے وہاں حکم مختلف ہو۔

فاقول: وباللہ ربی استعین اولاً: حوض اگر قسمِ دوم سے ہو یا قسم چہارم سے اور صغیر ناقابل اجرا تابع خواہ مستقل اور بہر حال نہ کثیر المبدء تھا نہ بھر کر اُبلا تو مطلقاً سب ناپاک ہوگیا عام ازیں نجاست کسی قسم کی ہو اور منتہی قلیل ہو یا کثیر کہ جتنا پانی نجاست سے ملتا گیا نجس ہوتا گیا اور نجس کثیر ہو کر طاہر نہیں ہوسکتا یہ تین صورتیں ہوئیں بلکہ ایک ہی کہ ناقابلِ اجرا سب کو شامل ہے اور تفصیلاً بالحاظ کثرت و قلّت منتہی واقسام نجاست چوبیس[24]۔

ثانیاً: انہی صور ثلثہ سے پہلی دو[2] صورتوں یعنی قسم دوم وناجاری تابع میں اگر کثیر المبدء تھا یا بھر کر اُبلا تو مطلقاً سب پاک ہوگیا یہ چار صورتیں ہوئیں بلکہ دو ہی کہ نامستقل دونوں کو شامل اور تفصیلاً بتیس ۳۲ کو کثیر المبدء اُبلے یا نہیں اور اُبلنے والے قلیل المبدء میں منتہی قلیل ہو یا کثیر اور ہر ایک قسم دوم سے ہو یا ناجاری تابع اور بہر حال نجاست کسی قسم کی۔

ثالثاً: انہی کی صورت سوم ناجاری مستقل میں کثرتِ مبدء یا اُبلا لنے سے حوضِ بالا مطلقاً پاک رہے گا

کہ اُس کا پانی ناپاک پانی سے کثیر ہو کر ملا (اصل ۸) یا بعد کو بہ گیا (اصل ۱) اور صغیر مطلقاً ناپاک ہونا چاہئے۔ اگرچہ نجاست غیر مرئیہ ہو کر بہا نہیں اور مستقل ہے (جواب ۴) تو نجاست موجود اور سبب تطہیر مفقود صورت کثرت مبدء تو واضح ہے اور صورت اجرا میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کا استقلال اس کے اجرا کو اس کا اجرا ہونے سے مانع ہوگا اگر کہیے کہ مانع نہ ہوگا شکل

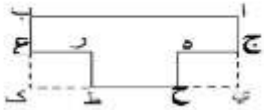

ج میں ج ح اور ر ک زمین کے ٹکڑے جنہوں نے حائل ہو کر ہ ط کو اء سے ممتاز شکل کردیا اگر ہٹادئے جائیں تو شک نہیں کہ اب کا اجرا تمام شکل اک کا اجرا ہوگا جس میں ہ ط بھی داخل تو اتنے ٹکڑے کم کرلینے سے اثر اجرا کہ ہ ط تک پہنچتا تھا ہر پر کیوں ختم ہوجائیگا تو جواب وہی ہے کہ وہ ٹکڑے ہٹ جائیں تو ر ک شکل واحد میں سب پانی ایک ہے بخلاف اس صورت کے کہ اب دو شکلوں میں دو پانی ہیں **فلیتأمل** یہ دو صورتیں ہوئیں اور تفصیلاً اُسی طرح سولہ [۱۶]۔

رابعا: صغیر قابلِ اجرا اور نہ ہوگا مگر قسم چہارم سے کہ قسم دوم اصلاً قابلِ اجرا نہیں جب تک سارا حوض بھر کر نہ بہے ظاہر ہے کہ اب جو پانی اُوپر سے آئیگا ضرور اُسے بھر کر بہادے گا (اصل ۵) تو اُس وقت اس کی طہارت میں کلام نہیں (اصل ۱) عام ازیں کہ مستقل ہو یا تابع کہ اجرا سے طہارت کے لئے کوئی مقدار شرط نہیں (اصل ۲) اب اگر نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ ہے تو عود نجاست کی کوئی وجہ نہیں کہ جریان اس نجاست کو فنا کردیتا ہے (اصل ۱۰) تو مطلقاً زیر و بالا دونوں حصّے پاک ہیں اگرچہ نہ مبدء کثیر ہو نہ منتہیٰ کہ جریان کیلئے کوئی حد خاص مقدر نہیں (اصل ۴) خواہ بھر کر اُبلے یا نہیں کہ طاہر کو اجرا کی حاجت نہیں یہ چار صورتیں ہوئیں کہ قابل اجرا تابع یا مستقل اور نجاست غیر مرئیہ یا مخرجہ بلکہ ایک ہی کہ قابل اجرا اور نجاست غیر مرئیہ کہ بعد اخراج مرئیہ بھی غیر مرئیہ ہے اور تفصیلاً چوبیس [۲۴] کہ ہر تقدیر پر مبدء کثیر ہو یا قلیل اور منتہیٰ کثیر یا وہ بھی قلیل اور ہر صورت پر اُبلے یا نہیں۔

خامسا: اسی صورت قابل اجرا میں نجاست باقیہ ہو تو مبدء یا منتہی کثیر ہونے کی حالت میں اگر نجاست طافیہ ہے مطلقاً دونوں حصے پاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل کبیر اُبلے یا نہ اُبلے کہ جریان صغیر نے اُسے پاک کردیا اور وہ اگرچہ مستقل ہو نجاست کہ طافیہ تھی اس میں نہ رہی آبِ بالا کی طرف منتقل ہوگئی اور یہ آب بالا اُسے بہانے والا اُس سے متاثر نہ ہوا اگر کثیر تھا تو ظاہر (اصل ۸) اور قلیل تھا جب بھی بحالتِ جریان تو پاک تھا ہی (اصل ۴) اور یہ جریان منتہی نہ ہوا جب تک اُس فضائے حوض کبیر کو کہ محاذات صغیر میں ہے بھر نہ دیا (اصل ۴) کہ عرض میں پھیلنا جریان کا مانع نہیں (اصل ۷) اور اس وقت دہ در دہ ہوچکا تھا بہر حال قابل قبول نجاست نہ ہوا یوں ہی اگر راسبہ ہے اور صغیر تابع کہ اگرچہ وقوف جریان کے وقت نجاست اُس میں موجود تھی مگر آبِ بالا بوجہ کثرت متاثر نہ ہوا اور یہ بوجہ تبعیت اُس کے ساتھ شئے واحد ہے تو پاک ہی رہے گا

اور جریان بالا کی حاجت نہیں جیسے حوض قسم دوم کا اسفل ہے اگرچہ مساحت میں کتنا ہی کم رہ جائے اور اُس میں نجاست موجود ہو جب اوپر کثیر ہے یا اجرا ہو جائے کوئی حصہ ناپاک نہ رہے گا ہاں اس صورت میں اگر صغیر مستقل ہے تو کبیر کہ کثیر ہے پاک رہے گا اور صغیر پھر ناپاک ہونا چاہئے کہ اُس سطح کے بھرتے ہی جریان ٹھہر گیا اور اُس وقت نجاست خود اس میں موجود ہے اور یہ تابع نہیں تو جریان بالا بھی اگر ہوا سے مفید نہیں اور اگر مبدء و منتہٰی دونوں قلیل ہیں اور حوض بالا بہا بھی نہیں تو مطلقاً دونوں حصے ناپاک رہیں گے صغیر تابع ہو یا مستقل اور نجاست طافیہ ہو یا راسبہ کہ اگرچہ اجرائے صغیر نے اسے پاک کیا اور اُس وقت تک وہ آنے والا پانی بھی پاک تھا مگر جریان ٹھہرا قلّت پر تو آب قلیل ساکن میں نجاست موجود ہے خواہ بالا میں اگر طافیہ ہے یا زیریں میں اگر راسبہ تو وہ نجس ہوگیا (اصل ۶) اور دوسرا قلیل کہ اوّل میں زیریں اور دوم میں بالا ہے اس آبِ نجس سے متصل ہے تو دونوں نجس ہوگئے اور بعد کو جو پانی بڑھا بطنِ حوض میں متحرک ہوا تو دوبارہ اجرانہ ہوا (اصل ۳ و ۵) اس بڑھنے میں سیلان سہی مگر وہ جریان کیلئے کافی نہیں (اصل ۹) اور اگر حوض بالا بہا اور صغیر تابع ہے تو سب پاک اگرچہ نجاست راسبہ ہو لما مر آنفا (جیسے ابھی گزرا۔ ت) اور مستقل ہے تو صغیر بوجہ اتصال نجاست ناپاک ہونا چاہئے اگرچہ طافیہ ہو کہ وقوف جریان کے وقت بالا بسبب قلّت ناپاک ہوگیا تھا اور یہ اُس سے متصل پھر جب بالا کا جریان ہوا وہ بوجہ استقلال اس کا جریان نہ ٹھہرنا چاہئے تو یہ نجس ہی رہا اور کبیر بوجہ جریان خود پاک ہوگیا یہ نو صورتیں ہیں کہ کثرت مبدء یا منتہٰی ہر ایک میں تین ہیں طافیہ مطلق اور راسبہ میں صغیر تابع یا مستقل یونہی قلّت ہر دو میں تین ہیں عدمِ جریان بالا مطلق اور جریان میں تبعیت واستقلال بلالکہ چھ [۶] ہی ہیں کہ دونوں کثرتیں وقوف علی الکثرۃ میں آگئیں اور تفصیلاً چوبیس کہ کثرتِ مبدء یامنتہٰی یا قلتِ ہر دو ہر ایک میں نجاست طافیہ ہے یا راسبہ۔ صغیر تابع ہے یا مستقل بالا بہا یا نہیں آٹھ آٹھ ہو کر چوبیس [۲۴] ہوئیں مجموع ایک سو بیس اور ضابطہ میں بیس [۲۰] ہی بلالکہ صرف بارہ [۱۲]۔

اختصار هذا الضابط	ضابطہ کا اختصار
اقول: ان کان جوف الحوض النجس لایجری بدخول الماء الطاهر فان کثر المبدء اوجری الکبیر طهر الکل لوالصغیر تابعا والکبیر فقط لومستقلا والا تنجس الکل وان کان یجری به و	**میں کہتا ہوں** اگر ناپاک حوض کی تہ پاک پانی کے داخل ہونے سے جاری نہیں ہوتی ہے، تو اگر مبدء زائد ہوگیا یا بڑا جاری ہوا، تو کُل پاک ہے اگر صغیر تابع ہے اور کبیر فقط اگر مستقل ہو ورنہ سب ناپاک ہوگیا، اور اگر اس کے ساتھ جاری ہو اور

النجاسة غير مرئية طهر الكل وان باقية فان وقف عن الجريان كثيرا وهی طافية اوالصغير تابع طهر الكل والا فالكبير وحده وان وقف قليلا ولم يجر الكبير تنجس الكل وان جرى طهر الكل لو الصغير تابعا والكبير فقط لو مستقلا۔	نجاست مرئیہ نہ ہو توکُل پاک اور اگرچہ نجاست باقی ہو تو اگر جاری ہونے سے بہت دیر رک جائے اور نجاست اوپر تیرتی ہو یا صغیر تابع ہو توکل پاک ورنہ کبیر صرف پاک ہوگا، اور اگر تھوڑی دیر ٹھہرا اور کبیر جاری نہ ہوا توکل ناپاک ہوا، اور اگر جاری ہوا تو کل پاک ہوا اگر صغیر تابع ہو اور کبیر فقط اگر مستقل ہو۔ (ت)

ضابطہ بروجہ دوم متفرق کہ ہر حصہ کی طہارت کا جدا ضابطہ۔

۱۔ آب طاہر کثیر ہو کر نجس تک پہنچے، یا

۲۔ حوض بھر کر ابل جائے، یا

۳۔ صغیر کو بہائے اور نجاست غیر مرئیہ رہ گئی ہو، یا

۴۔ صغیر کو بہا کر دہ در دہ پر ٹھہرے۔

اور طہارت زیریں تابع مطلقاً تابع طہارت بالا ہے اور طہارت زیریں مستقل کو تین شرطیں درکار:

اوّل: اس کا جاری ہونا۔

دوم: نجاست کا راسبہ ہونا۔

سوم: یا تو نجاست غیر مرئیہ ہو یا طافیہ ہے تو جریان حد کثرت پر ٹھہرے اُنہی کے اجتماع وافتراق سے زیر وبالا کے احکام پیدا ہوں گے طہارت بالا کی اگر کوئی صورت نہ پائی جائے دونوں حصّے مطلقاً نجس ہیں کہ اس مسئلہ میں نجاست بالا وطہارتِ زیریں معقول نہیں اور اگر اُن میں سے کوئی صورت متحقق ہو اور اُس کے ساتھ غیر صغیر مستقل نہ ہو یا ہو تو اُس کی تینوں شرطیں جمع ہوں تو سب پاک ہے اور اگر طہارت بالا کی کوئی صورت پائی گئی اور صغیر مستقل ہے اور اس کی کوئی شرط منتفی ہوئی تو اسفل ناپاک اعلیٰ پاک۔

ضابطہ بروجہ سوم کہ توزیع احکام کرے حکم تین ہیں:

۱۔ سب پاک

۲۔ سب ناپاک

۳۔ صرف حصہ بالا پاک۔ اس ضابطہ میں ہر حکم کی صورتیں جُدا کی جائیں گی۔

فاقول: اگر (۱) آب طاہر آب نجس سے نہ کثیر ہو کر ملا نہ بعد کو اُبلا نہ نجاست غیر مرئیہ میں صغیر کو بہایا

نہ باقیہ میں بہا کر دہ در دہ پر ٹھہرا توان ا اٹھائیس [۲۸] صورتوں میں دونوں حصّے مطلقًا ناپاک ہیں اور [۲] اگر حوض قسم دوم سے ہو یا چہارم میں صغیر تابع قابل اجرانہ ہو اور دونوں صورتوں میں آب طاہر کثیر ہو کر نجس سے ملا یا [۳] بعد کو اُبلا، یا [۴] آب نجس حوض صغیر تابع خواہ مستقل میں قابل اجرا تھا اور نجاست غیر مرئیہ ۲ رہ گئی تھی اگرچہ دہ در دہ سے کم پر ٹھہرا، یا [۵] مرئیہ میں وہ صغیر تابع تھا اگرچہ راسبہ ہوا اور اُسے بہا کر ۳ کثرت پر ٹھہرایا [۶] بعد کو اُبلا، یا [۷] صغیر مستقل تھا اور نجاست طافیہ اور بہا کر کثرت پر ٹھہرا ۴، ان ستر [۷۰] صورتوں میں دونوں حصے مطلقًا پاک رہیں اور اگر صغیر مستقل تھا اور آنے والے پانی نے اُسے نہ بہایا کہ جگہ نہ تھی خواہ نجس پانی اس کی حدود سے باہر تھا یا بہایا تو نجاست راسبہ تھی اور ان دونوں صورتوں میں پانی [۸،۹] اُس نجس سے کثیر ہو کر ملا خواہ صورت اخیرہ میں بہا کر کثرت پر ٹھہرایا [۱۰،۱۱] دونوں صورتوں میں بعد کو اُبلا یا [۱۲] نجاست طافیہ تھی اور قلّت پر ٹھہر کر آخر میں اُبلا ان ۵ بائیس صورتوں میں اسفل ناپاک اعلیٰ پاک۔

ا حوض قسم دوم سے ہے یا صغیر ناجاری تابع خواہ مستقل بہر حال مبدء یا مبدء و منتہی دونوں قلیل بہر صورت نجاست چاروں قسم کے کسی کی۔ ۲۴ یہ ہُوئیں اور صغیر جاری سے تابع خواہ مستقل اور نہ کثرت پر ٹھہرانہ بعد کو اُبلا بہر تقدیر نجاست طافیہ ہے یا راسبہ چار یہ ہوئیں جملہ ۲۸ اور ضابطہ میں ایک ۱۲ منہ (م)

۲ غیر مرئیہ رہ جانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ نجاست سرے سے غیر مرئیہ تھی یا تھی مرئیہ اور قبل جریان نکال دی گئی کہ غیر مرئیہ رہ گئی ۱۲ منہ (م)

۳ کثرت پر ٹھہرنا دونوں صورتوں کو شامل ہے ابتداہی سے کثیر ہو کر ملا یا کثیر ہو کر جریان پر ٹھہرا ۱۲ منہ (م)

۴ حوض قسم دوم سے ہے یا صغیر ناجاری تابع۔ بہر حال اگر مبدء کثیر ہے تو بعد کو اُبلے نہ اُبلے یا [۳] بعد کو اُبلا تو منتہی کثیر یا قلیل۔ یہ آٹھ صورتیں ہوئیں ہر صورت پر نجاست کی ہر قسم حاصل ۳۲۔ اور ضابطہ میں دو۔ اور [۴] اگر صغیر جاری ہے تابع خواہ مستقل اور نجاست غیر مرئیہ خواہ مخرجہ۔ چار ہوئیں۔ بہر صورت مبدء کثیر ہے یا قلیل اور منتہی کثیر یا دونوں قلیل بارہ [۲] ہوئیں بہر صورت اُبلا یا نہیں، حاصل ۲۴۔ اور ضابطہ میں ایک اور [۵] صغیر جاری تابع میں مبدء کثیر ہے یا منتہی بہر حال اُبلا یا نہیں چار یہ اور پانچویں یہ کہ [۶] دونوں قلیل اور اُبلا بہر صورت نجاست طافیہ یا راسبہ حاصل [۱۰]۔ اور ضابطہ میں دو [۷] صغیر جاری مستقل اور نجاست طافیہ اور منتہی کثیر اس میں ممکن کو مبدء کثیر تھا یا قلیل بہر حال اُبلا یا نہیں حاصل ۴۔ اور ضابطہ میں ایک مجموع ستّر [۷۰] اور ضابطہ میں چھ۔ منہ (م)

۵ صغیر [۸] مستقل ناجاری میں اگر مبدء کثیر ہے تو اُبلے خواہ نہیں اور [۹] اُبلا ہے تو منتہیٰ کثیر ہو یا قلیل۔ (باقی بر صفحہ آیندہ)

اقول اولا: یہیں سے ظاہر ہوا کہ کلام علمائے کرام حوض قسم دوم میں ہے ورنہ بانوے ۹۲ صورتوں سے نقض وارد ہو جن میں سے سترّ میں طہارت کل یقینی ہے اور بائیس میں طہارت اعلیٰ۔ تردّد ہے تو نجاست اسفل میں اور حوض قسم دوم میں بیشک حکم یہی ہے کہ اعلیٰ اسفل سب ناپاک صرف دو استثنا ہیں جن میں سب پاک ہوگا ایک یہ کہ بھر کر اُبل جائے یہ صراحةً اُن کے کلماتِ عالیہ میں مذکور حلیہ وبدائع وفتح سے گزرا **امتلأ ولم یخرج منه شیئ** (وہ بھر گیا اور اس سے کوئی چیز خارج نہ ہوئی۔ ت) دوسرے یہ کہ آنے والا پانی کثیر ہو کہ اُس نجس سے ملے یہ بجائے خود معلوم ومعہود کہ کثیر بے تغیر نجاست قبول نہیں کرتا تو اطلاق علمائے کرام صحیح وبے غبار ہے اور تحقیق بازغ وتنقیح بالغ یہ ہے جو بتوفیقہ عزّوجل قلبِ فقیر پر القا ہوئی۔

ثانیا: نیز یہ بھی واضح (۱) ہوا کہ قول دوم بھی بے وجہ نہیں بلالکہ وہ اُن سترّ صور پر محمول جن میں سب پانی پاک رہتا ہے وباللہ التوفیق۔

ثالثا: یہ بھی لائح ہوا کہ یہ محل (۲) ایک قول کی تصحیح دوسرے کی تضعیف کا نہیں بلالکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں،

وللہ الحمد کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحب ربنا ویرضی، وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلّم علی المصطفٰی الارضی، واٰله وصحبه وابنه وحزبه ما علت سماء ارضا، والحمدللہ ربّ العٰلمین واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اللہ ہی کیلئے بہت پاکیزہ حمد ہے اس میں برکت ہو جتنی ہمارے رب کو پسند ہے اور اتنے درود وسلام ہوں محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آپ کی آل، اصحاب، اولاد، گروہ سب پر جب تک آسمان زمین سے بلند رہے، والحمدللہ رب العالمین واللہ سبحٰنه تعالٰی اعلم۔(ت)

تنبیه جلیل

تنبیہ جلیل	
وتشیید التفریع والتاصیل، وعلی اللہ ثم علی رسوله التعویل، جل وعلا	اور اصل بیان کرنے اور فروعی مسائل کا استنباط کرنے کی بنیاد، اور بھروسا اللہ عزّوجلّ پر ہے پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ چار ہوئیں اور بہر تقدیر نجاست کی ہر قسم۔ حاصل ۱۶ اور صغیر ۱۰ مستقل جاری میں مبد و کثیر ہو یا منتہی بہر حال اُبلے یا نہیں اور نجاست خاص راسبہ۔ یہ چار ہوئیں اور ۱۱ اگر دونوں قلیل ہیں اور اُبلا تو نجاست راسبہ ہو خواہ ۱۲ طافیہ یہ دو مل کر چھ ۶ ہوئیں، حاصل ۲۲، اور ضابطہ میں ۵۔ مجموع ۱۲۰، اور ضابطہ میں ۱۲۔ منہ (م)

وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتبجیل،	اس کے رسول پر ہے، اللہ تعالٰی ان پر عظمت والا درود بھیجے۔(ت)

اصل سوم میں گزرا کہ دخول وخروج دونوں اس جریان کے رکن ہیں اُن میں سے جو نہ پایا جائے گا جریان نہ ہوگا اور اصل نہم میں ردالمحتار وضیاء وجامع المضمرات وبزازیہ وخلاصہ وفتاوٰی سے گزرا کہ لوٹے کی دھار جب تک ہاتھ پر نہ پہنچی جاری ہے حالانکہ یہ محض خروج بلادخول ہے۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ ہی کی توفیق سے میں کہتا ہوں اور اسی کی مدد سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچنا ہے۔ت) اس کی تنقیح و تطبیق ایک اور خلافیہ کی توضیح وتوفیق پر مبنی ہے علما(۱) مختلف ہوئے کہ جاری ہونے کیلئے اوپر سے مدد آنا بھی ضرور ہے یا بلامدد کسی مائع کا آپ بہنا بھی جریان ہے محقق علی الاطلاق نے اول کو ترجیح دی فتح میں فرمایا:

الحقوا بالجاری حوض الحمام اذا کان الماء ینزل من اعلاہ حتی لودخلت القصعۃ النجسۃ اوالید النجسۃ فیہ لاینجس وھل یشترط مع ذلك تدارك اغتراف الناس منہ فیہ خلاف ذکرہ فی المنیۃ ثم لابد من کون جریانہ لمدد لہ کما فی العین والنھر ھو المختار [1] اھ ۔ثم ذکر مسألۃ الاستنجاء بالقمقمۃ ونقل عن التجنیس النظر فیہ بعین مانظر الامام حسام الدین ثم قال قال ای المصنّف فی(۲)التجنیس ونظیرہ ما اوردہ المشائخ فی الکتب ان المسافر اذا کان معہ میزاب واسع(ای یسع لان یتوضأ فیہ)واداوۃ ماء یحتاج الیہ ولا یتیقن وجود الماء لکنہ ^{عہ} علی طمعہ قبل	جاری پانی کے ساتھ حمام کے حوض کو بھی شامل کیا گیا ہے، جبکہ پانی اس کے اُوپر سے اُتر رہا ہو یہاں تک کہ اگر اس میں ناپاک پیالہ یا ناپاک ہاتھ ڈالا تو ناپاک نہ ہوگا اور آیا اس میں یہ شرط بھی ہے کہ لوگ پے درپے اس میں سے چلّو بھر کر پانی نکالتے ہوں؟ اس میں اختلاف ہے، اس کو منیہ میں ذکر کیا، پھر اس کے جاری رہنے کیلئے اس کو مدد دینے والی چیز ضروری ہے جیسا کہ چشمہ اور نہر میں ہوتا ہے یہی مختار ہے اھ پھر استنجاء ٹونٹی کے ساتھ کا مسئلہ نقل کیا اور پھر تجنیس سے نقل کیا کہ اس میں نظر ہے یہ وہی نظر ہے جو حسام الدین نے کی تھی، پھر کہا کہ مصنّف نے تجنیس میں کہا ہے اور اس کی نظیر مشائخ کا یہ قول ہے کہ مسافر کے پاس جب واسع پر نالہ ہو (یعنی اس میں اتنی گنجائش ہو کہ اس میں وضو کیا جاسکے(

عـــہ **اقول:** لعل وجہ التقیید بہ التنصیص علی انہ یجوز ھذا الاحتیال وان کان علی من الماء فعند عدمہ اولی ۱۲ منہ غفرلہ(م)	اس قید کی وجہ شاید یہ ہو کہ اس بات پر نص کرنا مقصود ہو کہ یہ حیلہ جائز ہے اگرچہ پانی ملنے کی امید ہو تو جب امید نہ ہو تو بدرجہ اولٰی جائز ہوگا۔(ت)

[1] فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۶۹/۱

ینبغی ان یأمر احدا یصب الماء فی طرف المیزاب وھو یتوضؤ وعند الطرف الاٰخر اناء طاھر یجتمع فیه الماء فانه یکون الماء طاھرا وطھورا لانه جار قال بعضکم ھذا لیس بشیئ لان الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان له مدد کالعین والنھر وما اشبھه وما اشبھه حوضان صغیران یخرج الماء من احدھما ویدخل فی الاٰخر فتوضأ فی خلال ذلك جاز لانه جار وکذا اذا(۱)قطع الجاری من فوق وقد بقی جری الماء کان جائزا ان یتوضأ بما یجری فی النھر قبل استقرارہ[1] اھ بالتقاط۔	اور پانی کا برتن ہو جس کی ضرورت ہو اور پانی کا پایا جانا یقینی نہ ہو لیکن ملنے کی امید ہو، تو ایک قول یہ ہے کہ وہ کسی کو حکم دے کہ وہ پرنالے کے ایک کنارے سے پانی بہائے اور وہ شخص وضو کرے اور پرنالے کی دوسری طرف ایک پاک برتن ہو جس میں پانی جمع ہوتا ہو تو وہ پانی طاہر اور طہور ہوگا کیونکہ وہ جاری ہے بعض علماء نے فرمایا یہ کچھ نہیں کیونکہ جاری پانی مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس میں نیا پانی شامل ہو رہا ہو جیسے چشمہ اور نہر اور اس کے مشابہ چیزیں، اور اس کے مشابہ دو چھوٹے حوض ہیں جن میں سے ایک میں سے پانی نکل کر دوسرے میں داخل ہو رہا ہو تو کسی نے اس کے درمیان کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ جاری ہے اور اسی طرح اگر اوپر سے جاری پانی کو قطع کیا اور پانی کا جاری رہنا باقی ہو تو یہ جائز ہے کہ جو پانی نہر میں جاری ہو اس سے وضو کرلے اس کے استقرار سے قبل اھ (ت)

اور علامہ حدادی نے سراج وہاج اور علامہ سراج ہندی نے توشیح میں دوم کی تصحیح کی بحر وتنویر ودُر وغیرہا میں اسی پر اعتماد کیا بحر میں بعد نقل ترجیح فتح فرمایا:

وفی السراج الوھاج ولایشترط فی الماء الجاری المدد ھو الصحیح[2] اھ ثم ذکر فی البحر عن التجنیس والمعراج وغیرھا مسألة جواز الوضوء بما یجری فی نھر سد من فوقه[3]۔	اور سراج الوہاج میں ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہیں اور یہی صحیح ہے اھ پھر بحر میں تجنیس اور معراج وغیرہ سے یہ مسئلہ منقول ہے کہ وہ نہر جو اُوپر سے بند ہو اس میں جاری پانی سے وضو جائز ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر بحث الماء الجاری نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹

[2] بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

[3] بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

اقول ای فیه اوبه اذا وقع فیه نجس کما لایخفی ثم رأیت فی الحلیة اخذ بمثله علی متنه اذقال ظاهر عبارتهم فی هذه المسألة کما فی الذخیرة وواقعات الناطفی اذاسد من فوق فتوضاء بما یجری فی النهر جاز اه ان یکون الوضوء فی النهر فکان علی المصنف ان یذکر فیه لان من الواضح جدا جواز الوضوء به جاریا کان اوغیر جار خارجه اما باغتراف اواخذ منه باناء فلا یقع التقیید ببقاء جریان الماء موقعا ثم هم اعلی کعبا من ذکر مثله[1] اھ

اقول: ای(۱)عتب علی المصنف اذا کانوا هم المعبرین بالباء دون فی فهذا محل التفسیر لاالاخذ کما فعل الفقیر قال البحر فهذا یشهد لما فی السراج[2] اھ

اقول: نعم(۲)لکن لاینبغی عزوه للتجنیس فانه لیس جانحا الیه بل هو فی عداد ما رد علیه کما یظهر من عبارة الفتح حیث نقل عن التجنیس فی مسئلة القمقمة

میں کہتا ہوں یعنی اس میں یا اُس سے جبکہ اس میں نجاست گر جائے کمالایخفی، پھر میں نے حلیہ میں دیکھا کہ متن میں انہوں نے اسی کو اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں ان کی عبارت کا ظاہر اس مسئلہ میں جیسا کہ ذخیرہ اور واقعات ناطفی میں ہے کہ جب نہر کو اُوپر سے بند کر دیا جائے اور پھر کوئی شخص اس پانی سے وضو کرے جو نہر میں جاری ہے تو جائز ہے، اور یہ کہ وضو نہر میں ہو، تو مصنّف پر لازم تھا کہ "**فیه**" کا ذکر کرتے کیونکہ اس سے وضو کا جواز بہت واضح ہے، خواہ وہ جاری ہو یا نہ ہو، وضو کرنے والا نہر سے باہر چلّو کے ذریعے نہر سے پانی لے کر یا کسی برتن کے ذریعے حاصل کرکے وضو کرے بہر صورت بقائے جریان کی قید درست نہیں پھر اُن کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ اس قسم کی چیزیں وہ ذکر کریں اھ (ت)

میں کہتا ہوں جب وہ خود "باء" سے تعبیر کرتے ہیں تو مصنّف پر کیا اعتراض ہے، تو یہ تفسیر کا محل ہے نہ کہ گرفت کرنے کا، جیسا کہ فقیر نے کیا ہے، بحر نے فرمایا یہ اس چیز کی شہادت دیتا ہے جو سراج میں ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں، ہاں، لیکن اس کو تجنیس کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، کیونکہ وہ اس کی طرف مائل نہیں ہیں بلاالکہ وہ اس پر رد کرتے ہیں، جیسا کہ فتح کی عبارت سے ظاہر ہے کیونکہ انہوں نے ٹونٹی

---

[1] حلیه

[2] بحرالرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

هذا ليس بشيئ ثم قال ونظيره فذكر مسألة الميزاب ثم قال وما اشبهه وجعل منه مسألة الحوضين وهذه المسألة ثم قال في البحر وذكر السراج الهندي عن الامام الزاهد ان من(۱) حفر نهرا من حوض صغير واجرى الماء في النهر وتوضأ بذلك الماء في حال جريانه فاجتمع ذلك الماء في مكان فحفر رجل اخر نهرا من ذلك المكان واجرى الماء فيه وتوضأ به حال جريانه فاجتمع في مكان اٰخر ففعل رجل ثالث كذلك جاز وضوء الكل لان كل واحد انما توضأ بالماء حال جريانه والجاري لايحتمل النجاسة مالم يتغير[1] اھ

اقول: اى ان وقعت الحقيقية اوالحكمية ان توضأ فيه بغمس الاعضاء فلا ينبغى على نجاسة المستعمل ثم هذه مثل مسألة الحوضين بل هى بعبارة ابسط وقد ذكرها صاحب المنية عن المحيط وفى الذخيرة عن القاضى الامام على السغدى وفى الخانية و غيرها وقال فى الحلية المصنّف نقل عن المحيط تقييد الجواز بما اذا كان بين المكانين مسافة وان كانت قليلة يوافقه ما فى الخانية تاويله اذا كان بين المكانين قليل مسافة وفى مسألة الحفرتين (اى يخرج من احدهما الماء و

کے مسئلہ میں تجنیس سے نقل کیا ہے "یہ کچھ نہیں" پھر فرمایااور اس کی نظیر اس کے بعد انہوں نے پرنالہ کا مسئلہ ذکر کیا، پھر فرمایا وما اشبھہ اور اس میں دو حوضوں کے مسئلہ کو شامل کیا اور اس مسئلہ کو بھی، پھر فرمایا بحر میں "اور ذکر کیا سراج ہندی نے امام زاہد سے کہ اگر کسی شخص نے چھوٹے حوض سے ایک نہر نکالی اور نہر میں پانی چھوڑ دیا، اور جب پانی جاری ہوگیا تو اُس سے وضو کیا، پھر وہ پانی ایک جگہ جمع ہوگیا تو پھر کسی دوسرے شخص نے اس جگہ سے نہر نکالی اور اس میں پانی چھوڑ دیا اور اس پانی سے وضو کیا اس حال میں کہ پانی جاری تھا پھر وہ پانی کسی دوسری جگہ جمع ہوگیا پھر کسی تیسرے شخص نے بھی یہی عمل کیا تو سب کا وضو جائز ہے کیونکہ ہر ایک نے جاری پانی سے وضو کیا ہے اور جاری اس وقت ناپاک نہیں ہوتا ہے جب تک اس میں تغیر پیدا نہ ہو اھ (ت)۔ **میں کہتا ہوں** یعنی اس صورت میں جبکہ نجاست حقیقیہ یا حکمیہ اس میں گر گئی ہو، اگر اس نے اس میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا تو اس کی بناء مستعمل کی نجاست پر نہ ہوگی یہ دو حوضوں کے مسئلہ کی طرح ہے بلاالکہ مختصر عبارت کے ساتھ یہ بعینہٖ وہی مسئلہ ہے اس کو صاحبِ مُنیہ نے محیط سے نقل کیا ہے اور ذخیرہ میں قاضی علی السغدی سے اور خانیہ وغیرہ میں، اور حلیہ میں کہا کہ مصنّف نے محیط سے جواز کی قید کو اس صورت میں نقل کیا ہے جبکہ دونوں جگہوں میں مسافت ہو خواہ کم ہی کیوں نہ ہو، خانیہ میں بھی اس کی موافق عبارت موجود ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ جبکہ دونوں جگہوں

[1] بحر الرائق الماء الجاری سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

یدخل فی الاخری وھی مسألة الفتح)لوکان بینھما قلیل مسافة کان الماء الثانی(ای المجتمع فی الحفرة الاخری)طاھرا کذا قالہ خلف بن ایوب ونصیر بن یحیی وھذا لانہ اذا کان بین المکانین مسافة فالماء الذی استعملہ الاول یرد علیہ ماء جار قبل اجتماعہ فی المکان الثانی فلا یظھر حکم الاستعمال(ای لایثبت) اما اذا لم تکن بینھما مسافة فالماء الذی استعملہ الاول قبل ان یرد علیہ ماء جار یجتمع فی(ا)المکان الثانی فیصیر مستعملا فلا یطھر بعد ذلك انتھی وھذا کلہ بناء علی نجاسة المستعمل[1] اھ

کے درمیان کم درجہ کی مسافت موجود ہو، اور دو گڑھوں کے مسئلہ میں (یعنی ایک گڑھے سے پانی نکلے اور دوسرے میں داخل ہو اور یہ فتح کا مسئلہ ہے) اگر دونوں کے درمیان کم مسافت ہے تو دوسرا پانی (یعنی جو دوسرے گڑھے میں اکٹھا ہے) پاک ہوگا، خلف بن ایوب اور نصیر بن یحییٰ نے ایسا ہی کہا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ جب دونوں جگہوں میں مسافت ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا ہو اس پر دوسرا جاری پانی وارد ہوگا قبل اس کے کہ وہ دوسری جگہ جمع ہو، تو استعمال کا حکم ظاہر نہ ہوگا (یعنی ثابت نہ ہوگا، اور جب اُن دونوں کے درمیان مسافت نہ ہو تو وہ پانی جس کو پہلے نے استعمال کیا دوسرے جاری پانی کے وارد ہونے سے پہلے وہ دوسری جگہ اکٹھا ہو جائیگا تو مستعمل ہو جائیگا اور اب طاہر نہیں ہو سکتا ہے انتہیٰ، اور یہ تمام اُس صورت میں ہے جب مستعمل پانی کو ناپاک قرار دیا جائے اھ (ت)

اقول: حوض یکری منہ نھر فیجری فیہ ماء فیجتمع فی مکان اٰخر کیف یتصور ھذا من دون مسافة بینھما نعم یمکن فی الحفرتین ان تکونا متجاورتین یکون خروج الماء من احدھما دخولہ فی الاخری۔

میں کہتا ہوں ایک ایسا حوض جس سے نہر نکالی جائے اور اس میں پانی چھوڑ دیا جائے، پھر وہ پانی دوسری جگہ جمع ہو جائے، یہ عمل دونوں میں مسافت کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ ہاں دونوں گڑھوں میں اس امر کا امکان ہے کہ قریب قریب ہوں، کہ ایک سے پانی نکلتے ہی دوسرے میں داخل ہوتا ہو۔ (ت)

فان قلت: المراد مسافة فوق مایغمس فیھا المتوضیئ اعضائہ لیتحرك

اگر یہ کہا جائے کہ مسافت سے مراد ایسی مسافت ہے کہ جو وضو کرنے والے کے اعضاء کے ڈوبنے

[1] حلیہ

على الارض بعد انفصاله من اعضائه فيأتى عليه ماء اٰخر قبل دخوله فى المكان الثانى۔

اقول: اذھو جار فلا يتاثر ولا يفتاق الى ان يجريه جار اٰخر فلو اجتمع من فوره فى المكان الثانى لكان طهورا فالوجه(۱)ان لا يجعل هذا تقييدا(۲)ولا تاويلا بل بيانا لفائدة التصوير بكرى النهر ويوجه بانه لولا ذلك لانقطع جريانه بدخوله فى بطن الثانى كما قدمنا تحقيقه ان الحركة فى البطن سيلان لاجريان فيقع الوضوءفى الراكد فيفسد ثم(۳)البناء على مسألة فرق الملاقى كما فعلنا فلا حاجة الى البناء على مهجور لكن صاحب الحلية مال الى التسوية ثم ذكر السراج مسألة الميزاب وعزاها للشيخ الزاهد ابى الحسن الرستغفنى وقال فيها وهو يتوضؤ فيه[1]اھ

اقول: اى بالغمس وبه يتضح ماجمله فى الفتح قال لان استعماله حصل حال جريانه والماء الجارى لايصير مستعملا باستعماله ثم قال السراج ومن

سے زائد ہوتا کہ پانی اس کے اعضاء سے جُدا ہونے کے بعد حرکت کرے، اور اس کے دوسری جگہ داخل ہونے سے پہلے دوسرا پانی اس پر آجائے۔(ت)

میں کہتا ہوں چونکہ وہ جاری ہے اس لئے متاثر نہ ہوگا اور نہ محتاج ہوگا اس بات کا کہ اس کو کوئی دوسرا جاری پانی جاری کرے اب اگر وہ فوراً ہی دُوسری جگہ جمع ہوجائے تو طہور ہوگا تو وجہ یہ ہے کہ اس کو قید نہ بنایا جائے اور نہ ہی اس کو تاویل قرار دیا جائے بلالکہ وہ نہر کھودنے کے فائدے کا بیان ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا جاری ہونا دوسرے بطن میں داخل ہونے کے سبب منقطع ہوجاتا، جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے کہ حرکت بطن میں سیلان کہلاتی ہے نہ کہ جریان، اور اس طرح وضو ٹھہرے ہوئے پانی میں ہوگا اور پانی فاسد ہوجائیگا، پھر ملاقی کے فرق کے مسئلہ پر اس کی بنا ہے جیسا کہ ہم نے کیا ہے، تو کسی مہجور ومتروک چیز پر بنا کی حاجت نہیں، لیکن صاحبِ حلیہ کا میلان برابری کی طرف ہے، پھر سراج نے پرنالہ کا مسئلہ بیان کیا اور اس کو شیخ زاہد ابوالحسن الرستغفنی کی طرف منسوب کیا اور اس میں کہا "اور حالانکہ وہ اس میں وضو کررہا ہے اھ(ت)

میں کہتا ہوں یعنی وہ اعضاء کو ڈبو کر وضو کررہا ہے اور اسی سے وہ چیز واضح ہوتی ہے جس کا انہوں نے فتح میں اجمال کیا ہے۔ فرمایا کہ اس کا استعمال پانی کے جاری رہنے کی صورت میں ہوا ہے اور جاری پانی

[1] بحوالہ بحر الرائق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

المشائخ من انکر هذا القول وقال الماء الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان له مدد کالعین والنهر قال والصحیح القول الاول بدلیل مسألة واقعات الناطفی فذکر مسألة سد النهر ممن فوق قال فان هناك لم یبق للماء مدد ومع هذا یجوز التوضؤ به[1] اھ	کسی کے استعمال سے مستعمل نہیں ہوتا ہے، پھر سراج نے فرمایا: اور بعض مشائخ نے اس قول کا انکار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہیں ہوتا ہے جبکہ اس کا سوتا ہو جیسے چشمہ یا نہر، فرمایا اور صحیح پہلا قول ہے، اس پر دلیل واقعات الناطفی کی عبارت ہے، پھر انہوں نے نہر کو بند کرنے کا مسئلہ ذکر کیا کہ اس صورت میں پانی کی مدد باقی نہ رہی لیکن اس کے باوجود اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

اقول: ولا تنس ماقدمناہ (ہم نے جو پہلے ذکر کیا ہے اُسے نہ بُھولیے۔ت) علامہ نے ردالمحتار میں اور مسائل سے اس قول دوم کی تائید کی فقال ویؤیدہ ایضا مامر من انه لوسال(ا) دم رجله مع العصیر لاینجس خلافا لمحمد[2] (فرمایا اور اس کی تائید یہ عبارت کرتی ہے کہ اگر کسی شخص کا خون پھلوں کے رس کے ساتھ جاری ہوا تو نجس نہ ہوگا، اس میں محمد کا خلاف ہے اھ۔ت)

قلت المسألة فی الدرعن الشمنی وغیرہ وفی المنیة عن المحیط وفی الحلیة عن المجتبیٰ وعن مختارات النوازل وهی مقیدة بأن کان العصیر لیسیل ولم یظهر فیه اثر الدم کما نصوا علیه قال وفی الخزانة(فذکر ماقدمنا فی الاصل العاشر من مسألة اختلاط ماء الانائین فی الهواء اواجرائه فی الارض قال ونظمها المصنف فی تحفة الاقران قال وفی الذخیرة فذکر مامر فی العاشر عن الحسن بن ابی مطیع۔	میں کہتا ہوں مسئلہ دُر میں شمنی وغیرہ سے اور منیہ میں محیط اور حلیہ میں مجتبٰی سے اور مختارات النوازل سے ہے، اور یہ اس امر سے مقید ہے کہ عصیر بہہ رہا ہو اور اس میں خون کا اثر ظاہر نہ ہو، جیسا کہ علماء نے صراحت کی ہے فرمایا، اور خزانہ میں ہے پھر اُنہوں نے وہ عبارت نقل کی جو ہم نے اصل عاشر میں ذکر کی یعنی دو برتنوں کا پانی جو ہوا میں آپس میں مل گیا یا زمین پر جاری کیا، فرمایا مصنّف نے اس کو تحفۃ الاقران میں ذکر کیا فرمایا اور ذخیرہ میں ہے پھر وہ ذکر کیا جو فصل عاشر میں حسن ابن ابی مطیع سے ہے۔(ت)

[1] بحوالہ بحرالرائق بحث الماء جاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۲۳۹/۱

یہاں تک تائید قولِ دوم میں سات مسئلے ہوئے:

۱۔ حوض صغیر میں سے نہر کھود کر پانی بہا کر اُس میں وضو۔

۲۔ پرنالے میں پانی ڈلوا کر اس میں وضو۔

۳۔ نہر کہ اوپر سے اُس کا مینڈھا باندھ دیا ہے اُس میں وضو۔

۴۔ شیرہ انگور نچوڑ رہا ہے اور وہ جاری ہے کچھ خون اُس میں ٹپک گیا جس کا اثر ظاہر نہ ہوا نجس نہ ہوگا۔

۵۔ پاک ناپاک برتنوں کے پانی ہوا میں ملا کر چھوڑے۔

۶۔ یا زمین میں بہائے دونوں پاک ہوگئے۔

۷۔ ناپاک زمین پر پانی بہایا ہاتھ بھر بہ گیا زمین بھی پاک پانی بھی پاک

اقول: ان سب سے صاف تر وہ مسئلہ ہے کہ برف پگھلا اور ایسے راستہ پر بہا جس میں گوبر وغیرہ نجاسات ہیں اگر نجاسات کا اثر اس میں ظاہر نہ ہوا اس سے وضو ہو سکتا ہے،

وھو ماقدمناہ فی الاصل العاشر عن المنحۃ عن الھدیۃ عن الخزانۃ وعن البزازیۃ وعن الخلاصۃ عن الفتاوٰی۔	یہ وہ ہے جو پہلے اصل عاشر میں ذکر کر آئے ہیں منحہ سے، ہدیہ سے، خزانہ سے، بزازیہ سے، خلاصہ سے اور فتاوٰی سے۔(ت)

شرح ہدیہ میں فرمایا:

ھذا مبنی علی عدم اشتراط المدد فی الماء الجاری[1] اھ۔ **ثم اقول اولا:** ھذہ الفروع متوزعۃ علی انحاء منھا ماھو مؤید ولا شك وھی مسألۃ نھر سد من فوق والتی زدت ومنھا مالا تائید فیہ اصلا وھما المسألتان الاولیان ولا ادری کیف اتفق الفریقان علی جعلھما مما لامدد لہ فانہ انما	یہ اس بناء پر ہے کہ جاری پانی میں مدد کی شرط نہ ہو۔(ت) **پھر میں کہتا ہوں** اوّلاً یہ فروع کئی قسم کی ہیں، بعض تو وہ ہیں جن کی تائید موجود ہے اور جس میں شک نہیں، اس میں وہ فرع ہے جس میں ایسی نہر کا ذکر ہے جس کو اوپر سے بند کر دیا گیا ہو اور اس کے ساتھ وہ اضافے جو میں نے کئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کی تائید بالکل نہیں ملتی ہے اور

[1] بحوالہ منحۃ الخالق بحث الماء الجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۵/۱

(۱)یتوضؤ فی النهر بین الحوضین اوفی(۲)المیزاب ولا شك ان الحوض الاعلی والاداوة یمدان ماء هما(۳)الا تری کیف اتفقوا علی الحاق حوض الحمام بالماء الجاری اذاکان الماء من الانبوب نازلا والغرف متدارکا۔

(۴)وقد جزم به فی الفتح ههنا کما رأیت ونظیره ماقدمنا عن العلامة ش فی الاصل الرابع ان طهارة الدلو اذا افرغ فیه ماء حتی سال مبنی علی عدم اشتراط المدد ومنها ماللنزاع فیه مجال وفی * وان اومی الی التائید فمن طرف خفی. فان(۵)الماء الممتزج فی الهواء(۶)اوالجاری علی الارض فی الخامسة والسادسة یمده(۷)الصب بل وکذلك فی السابعة وان کان لفظ الذخیرة صب علیها الماء فجری قدر ذراع لا حتی جری کی یدل ظاهرا علی عدم انقطاع الصب الی هذه الغایة فان الفاء وان لم یدل دلالة حتی غیر انها لا تدل ایضا علی الانقطاع والاحتمال یقطع الاستدلال(۸)وکذلك فرع العصیر فان له مددا مادام العصر قائما.

فانقلت المسألة مرسلة فیشمل مااذا انقطع العصر **قلت:** قالوا فیها والعصیر لیسیل فالاستشهاد بها یتوقف علی کون السیلان الباقی بعد انقطاع

یہ پہلے دو مسئلے ہیں، اور میں نہیں سمجھتا کہ دونوں فریق ان دونوں مسئلوں کو مدد نہ ملنے والے پانی سے بنا دینے پر کیونکر متفق ہوگئے ہیں؟ کیونکہ وضو کرنے والا یا تو نہر میں وضو کرے گا جو دو حوضوں کے درمیان ہے یا پرنالہ سے کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ اوپر والا حوض اور برتن دونوں پانی کو مدد پہنچاتے ہیں، پھر مقامِ غور ہے کہ وہ حمّام کے حوض کو جاری پانی سے لاحق کرنے پر کیوں راضی ہوئے جبکہ پانی نالی کے ذریعہ اوپر سے اُتر رہا ہو اور چُلّو سے مسلسل پانی لیا جارہا ہو، اور فتح نے یہاں جزم کیا جیسا کہ آپ نے دیکھا اور اس کی نظیر وہ ہے جو ہم نے علّامہ "ش" سے چوتھی اصل میں نقل کی کہ ڈول کی پاکی جب اس میں پانی بہایا جائے یہاں تک کہ اس کے اوپر سے بہہ نکلے مدد کے شرط نہ ہونے پر مبنی ہے اور ان فروع میں سے بعض وہ ہیں جن میں نزاع کی گنجائش کافی ہے اور اس میں تائید کی طرف ہلکا سا اشارہ ہے کیونکہ ہوا میں ملِا ہوا پانی، یا زمین پر جاری پانچویں چھٹی صورت میں اس کو بہانا مدد دیتا ہے بلکہ ساتویں میں بھی ایسا ہی ہے اگرچہ ذخیرہ کے الفاظ "صب علیها الماء فجری قدر ذراع" الخ ہیں، نہ کہ حتی جری، اگر حتی کہا ہو تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ بہانا اس غایت تک منقطع نہیں ہوا، کیونکہ "فا" اگرچہ "حتی" کے مفہوم پر دلالت نہیں کرتی تاہم وہ انقطاع پر بھی دلالت نہیں کرتی اور جب احتمال پیدا ہوجائے تو استدلال ختم ہوجاتا ہے اور اسی طرح عصیر کی فرع کیونکہ اس کو

المدد جریانا وھو اول الکلام فانقلت نعم ھو جریان بالاتفاق الم تسمع مانقل فی الفتح والتوشیح عن شارط المدد ان الماء الجاری انما لایصیر مستعملا اذا کان له مدد زاد السراج اما اذا لم یکن له مدد یصیر مستعملا اھ[1] فقد سماہ جاریا **قلت**: جعله فی حکم الراکد والمقصود الحکم فلا شك ان المراد لیسیلان العصیر وجریان الماء مالا یقبل به اثر النجاسة ویطھر بعضه بعضًا نعم قد یقال فی الخامسة والسادسة ان الامتزاج فی الھواء اوعلی الارض انما یکون بعد الصب فقدر ما یخرج بالصب یمتزج فیحصل المزج الاخیر بعد تمام الصب فلولم یبق جاریا بعدہ نجس الممتزج الاخیر کله۔

وثانیا: الاشھر فی حد الجاری مایذھب بتبنة والاظھر مایعد جاریا کما فی الدر وھو الاصح کما فی البدائع والتبیین والبحر والنھر ولا شك انھما صادقان علی نھر سد من فوقه فانه یذھب بحزمة فضلا عن تبنة ولا یسوغ لاحد

اس وقت تک مدد ملتی رہتی ہے جب تک نچوڑنا برقرار رہتا ہے، اگر یہ کہا جائے کہ مسئلہ تو مطلق ہے یہ اُس صورت کو بھی شامل ہے جبکہ نچوڑنا ختم ہوجائے، اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ اس میں فقہاء نے فرمایا ہے اور عصیر بہہ رہا ہو تو اس سے استدلال اس امر پر موقوف ہے کہ باقی کا بہنا انقطاع مدد کے بعد جاری ہو اور یہی پہلی بات ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ہاں یہ تو بالاتفاق جاری ہوتا ہے، کیا تم نے وہ نقل نہیں سُنی جو فتح اور توشیح میں مدد کے شرط کرنے والے سے منقول ہے کہ جاری پانی اس وقت مستعمل نہ ہوگا جبکہ اس کیلئے مدد ہو سراج نے اتنا اور اضافہ کیا کہ اگر اس کیلئے مدد نہ ہوئی تو وہ مستعمل ہوجائیگا اھ تو اس کو انہوں نے جاری ہی کہا، میں کہتا ہوں انہوں نے اس کو ٹھہرے ہوئے کے حکم میں کیا ہے اور مقصود حکم ہے تو اس میں شک نہیں کہ عصیر کے بہنے اور پانی کے جاری ہونے سے مراد وہ ہے جو اثر نجاست کو قبول نہ کرے اور جس کا بعض حصہ بعض کو پاک کر دے، ہاں پانچویں چھٹی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ہوا میں ملنا یا زمین پر جاری ہونا بہنے کے بعد ہی ہوگا تو جس قدر بہانا ہوگا وہ مل جائے گا اور آخری ملنا مکمل بہانے کے بعد ہی متحقق ہوگا تو اگر وہ جاری نہ رہا اس کے بعد تو آخری ملنے والا مکمل طور پر نجس ہوجائے گا۔ (ت) اور ثانیا، جاری کی جو مشہور تعریف ہے وہ یہ ہے کہ جاری پانی وہ ہے جو تنکا بہا کر لے جائے اور اظہر یہ ہے کہ جس کو جاری سمجھا جائے جیسا کہ دُر میں ہے اور وہ ہی صحیح ہے جیسا کہ بدائع، تبیین، بحر اور نہر میں ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دونوں تعریفات اُس نہر پر صادق ہیں جو اوپر سے

1

اهل العرف ان يقول انه راكد فمن(۱) العجب بعد ذكره اختيار اشتراط المدد الا ان يقال ان الوضوء بغمس الاعضاء انما يكون فيما بعد السد منفصلا عنه لا فى الاجزاء الملاصقة له وما انفصل عن السد فله من فوقه مدد تأمل۔

وثالثا:(۲) يظهر لى والله تعالٰى اعلم ان ليس(۳) جريان الماء الا حركته بطبعه فى فضاء وبقاؤه جاريا على محل واحد هو الذى يحتاج الى المدد لان الجارى لايقف فلولم يمد لاخلى المحل وبالمدد يتجدد عليه امثاله فيستمر جاريا عليه مادام المدد غيران الجريان دافع لاثر النجاسة عن الماء ما استمر جاريا لارافع له عنه(۴) فلوجرى الماء المتنجس بنفسه بان كان فى صبب سد مجراه ففتح ففاض لم يطهر ابدا بل لابد للطهارة من جريانه مع الطاهر فجريان الطاهر لايحتاج الى المدد كنهر سد من فوقه وكما ترى اذا اشتد المطر ووقف لايزال الماء الواقع على الارض والسطوح جاريا مدة بعده ولا يصح لاحد ان يقول وقف الواقع فور وقوف المطر وجريان النجس المطهرله يحتاج الى مدد من طاهر فليكن محمل

بند کردی گئی ہو کیونکہ یہ تو پورا ایک گھٹا بہر کرلے جائے گی چہ جائیکہ تنکا اور اہلِ عرف میں سے کسی کو روا نہیں کہ وہ اس پانی کو ٹھہرا ہوا کہے، تعجب ہے کہ یہ بات ذکر کرنے کے بعد انہوں نے مدد کے شرط ہونے کو اختیار کیا ہے، تاہم یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ اعضاء ڈبو کر وضو اسی پانی سے ہوسکتا ہے جو بندش کے بعد اس سے جدا ہو، اس پانی میں نہیں ہوسکتا جس کے اجزاء بندش کے ساتھ ملے ہوئے ہوں اور جو بندش سے جدا ہے اس کو اوپر سے مدد مل رہی ہے تامل

محل واحد پر جاری رہنا مدد کا محتاج ہے کیونکہ جو جاری ہے وہ ٹھہرے گا نہیں، تو اگر اس کو مدد نہ ملے تو وہ جگہ خالی ہوجائے گی اور مدد کی اور **ثالثاً**، جو اللہ کے فضل سے مجھ پر منکشف ہوا ہے وہ یہ ہے کہ پانی کے جاری ہونے سے فضا میں اس کی طبعی حرکت مراد ہے اور اس کا وجہ سے اس پر اس کے امثال کا تجدد ہوگا تو وہ اس پر جاری رہے گا جب تک مدد ملتی رہے گی، البتہ جریان پانی سے نجاست کے اثر کو دفع کرنے والا ہے جب تک کہ وہ جاری ہے اس سے رفع کرنے والا نہیں ہے تو اگر ناپاک پانی ازخود جاری ہوا مثلاً کسی ڈھلوان میں تھا جو بند تھا پھر اس کو کھولا گیا تو وہ پانی جاری ہوگیا تو اس طرح وہ کبھی پاک نہ ہوگا بلکہ پاکی کیلئے ضروری ہے کہ وہ پاک پانی کے ساتھ جاری ہو، تو پاک کا جاری ہونا مدد کا محتاج نہیں جیسے کوئی نہر کہ اوپر سے بند کردی جائے، اور جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں کہ شدید

القولین وباللہ التوفیق۔

بارش کے بعد چھتوں وغیرہ پر جمع شدہ پانی بہت دیر تک بہتا رہتا ہے اور کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ گرنے والا پانی بارش کے ٹھہرنے کے فوراً بعد ٹھہر گیا اور ناپاک پانی کا بہنا جو اس کو پاک کردے، پاک پانی کی مدد کا محتاج ہے تو دونوں قولوں کا یہ محمل ہے وباللہ التوفیق۔ (ت)

ثم اقول: (۱) ھذا اذا کان الماء فی فضاء اما اذا کان فی جوف کحوض اوظرف فلا بد مع ذلک من خروجه عنه لان الماء کان واقفا فیه والماء لایقف ماصادف منحدرا فدل وقوفه علی عدمه فاذا دخله ماء اٰخر فلا یدفعه الی منحدر بل یعلیه الی فوق فلا یکون جاریا الی ان یقطع العوائق بامتلاء المحل فیجد متسعا فینحدر فعند ذلک یصیر جاریا فمن اجل ھذا شرط فیه مع الدخول الخروج (۲) فاذا کان حوض فی حوض والماء وراء الصغیر اوماؤہ کان واقفا فیه لانعدام المنحدر فلا یجری مالم یخرج من الاعلی لما علمت اما اذا لم یکن الا فی الصغیر ووراءہ مسیل فدخل الطاھر وملأہ وجعل الماء یخرج منه ویسیل فقد جری الی ان یصل الی مایحاذیه من سطح الکبیر فیقف لانعدام المنحدر فما یدخل الیه بعدہ لایجریه بل یعلیه الی ان یملأ الاعلی ثم یفیض۔

پھر میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ پانی فضا میں ہو، لیکن پانی اگر کسی تہ میں ہے جیسے حوض یا برتن تو ضروری ہے کہ وہ اس برتن سے خارج بھی ہو کیونکہ پانی اس میں ٹھہرا ہوا تھا اور پانی اترتی ہوئی چیز سے متصل ہونے کے وقت ٹھہر نہیں سکتا ہے، تو اس کا ٹھہرنا اس کے عدم کی دلیل ہے تو اب جب اس میں دوسرا پانی داخل ہوا تو اس کو ڈھلوان کی طرف دھکا نہیں دے گا بلکہ اس کو اوپر کی طرف بلند کرے گا تو وہ اس وقت تک جاری نہ ہوگا جب تک کہ وہ رکاوٹوں کو محل کے پُر کرنے سے دُور نہ کردے، پھر وہ کشادگی پائیگا اور اُترے گا اُس وقت وہ جاری ہوگا، اسی وجہ سے اس میں دخول کے ساتھ ہی خروج کی شرط بھی رکھی گئی ہے، تو جب ایک حوض دوسرے حوض میں ہو اور پانی چھوٹے حوض کے پیچھے ہو یا اس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو کیونکہ اس میں ڈھلوان موجود نہیں تو جب تک اوپر سے خارج نہ ہو جاری نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے جانا اور اگر پانی صرف چھوٹے میں ہو اور اس کے پیچھے پانی کے بہنے کا راستہ ہو اور پاک اس میں داخل ہوگیا ہو اور اس کو بھر دیا ہو یہاں تک کہ پانی اُس میں سے بہہ کر نکل رہا ہو تو اب جاری ہوگا یہاں تک کہ بڑے حوض کی مقابل سطح تک جا پہنچے، اب ٹھہر جائیگا کیونکہ ڈھلوان موجود نہیں ہے

ثم اقول: هذا كله فى الجريان الحقيقى اما ما الحقوا به كحوض صغير للحمام اوللوضوء يدخل فيه الماء من الانابيب والميازيب ويخرج بالغرف المتدارك والبئر(ا)ينبع فيها الماء من تحت ويخرج بالاستقاء المتوالى او بفتح منفذ فيها ان امكن كمامر عـه عن الهندية عن الظهيرية وعن المنحة عن الخير الرملى وفى البحر عن البدائع عن الامام الحسن بن زياد عند تكرار النزح ينبع الماء من اسفله ويؤخذ من اعلاه فيكون [1] كالجارى اه وهو عندى محمل مافى الحلية عن الامام محمد قال اجتمع رأيي ورأى ابى يوسف على ان ماء البئر فى حكم الماء الجارى لانه ينبع من اسفل ويؤخذ من اعلاه فلا يتنجس بوقوع النجاسة فيه [2] اه ونقله فى العناية بلفظ قال محمد الخ ثم رأيت الامام ملك العلماء نقله فى البدائع بعين لفظ الحلية وذكر تمامه كحوض الحمام

تواب اس کے بعد جو آئے گا وہ اس کو جاری نہ کرے گا بلالکہ اس کو بلالند کرے گا یہاں تک کہ اُوپر والے کو بھر دے گا پھر بہے گا۔(ت)

پھر میں کہتا ہوں یہ سب بحث جریان حقیقی میں ہے، لیکن فقہاء نے اس کے ساتھ جس کو لاحق کیا ہے جیسے چھوٹا حوض نہانے کیلئے یا وضو کیلئے جس میں پانی نلوں یا پرنالوں سے آتا ہے اور مسلسل چلّو بھرنے سے نکلتا ہے، اور یا وہ کنواں جس میں نیچے پانی کے سوتے ہیں، اور مسلسل بھرنے سے وہ پانی نکلتا رہتا ہے یا اس میں کوئی سوراخ کھول دیا گیا ہے اگر ممکن ہو، جیسا کہ ہندیہ سے ظہیریہ سے اور منحہ سے خیر رملی سے گزرا، اور بحر میں بدائع سے امام حسن بن زیاد سے منقول ہے کہ پانی بار بار نکالا جائے تو نیچے سے نکلتا رہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے، تو یہ مثل جاری کے ہوگا اھ

اور میرے نزدیک یہ اس چیز کا محمل ہے جو حلیہ میں امام محمد سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا میری اور ابو یوسف کی یہ رائے ہے کہ کنویں کا پانی جاری پانی کے حکم میں ہے کیونکہ وہ نیچے سے نکلتا ہے اور اوپر سے لے لیا جاتا ہے تو اس میں نجاست کے گرنے سے نجس نہ ہوگا اھ اور عنایہ میں اس کو "**قال محمد**" کے لفظ سے ذکر کیا الخ پھر بدائع میں اس کو بعینہٖ انہی الفاظ میں ذکر کیا جو حلیہ کے ہیں فرمایا

عـه نشر علی ترتیب اللف ۱۲(م)

اجمال کی ترتیب پر تفصیل ہے۔(ت)

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[2] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

اذا کان یصب الماء فیه من جانب ویغترف من جانب اٰخر انه لاینجس بادخال الید النجسة فیه[1] اھ وکذلك فی الفتح الی قوله کحوض الحمام[2] اھ فاکد ذلك ماذکرته من المحمل۔

اقول: وعند ھذا فھو فرع جید مقبول(۱)ولا وجه لردہ کما یعطیه کلام الحلیة تبعا للبدائع انه کان القیاس فی البئر ان لاتتنجس اصلا کما نقل عن محمد اولا تطھرا بدا کما قاله بشر المریسی الا ان اصحابنا ترکوا القیاسین بالاٰثار ھذا حاصل مافیھا حملا منھما ایاہ علی الاطلاق ولیس الاولی بنا ان نرد ما جاء عن الائمة مع وجود محمل له صحیح فقد(۲)تظافرت کلماتھم علی قبول ھذا المعنی فی الحوض الصغیر فلم لایقبل فی البئر ولا تخالفه الا فی حیأة ولامدخل لھا فی الحکم فکل صغیر سواء او ان الماء یدخل فیه من اعلاہ وفیھا من اسفلھا ولا یختلف به الحکم فقد قال فی(۳)الفتح لوتنجست بئرفاجری ماؤھا بان حفرلھا منفذ فصار الماء یخرج

جیسے حمام کا حوض کہ اس میں ایک جانب سے پانی ڈالا جائے اور دوسری جانب سے چُلّو کے ذریعہ نکالا جائے تو ناپاک ہاتھ کے ڈالے جانے سے نجس نہ ہوگا اھ اور اسی طرح فتح میں "کحوض الحمام" تک ہے اھ تواِس نے تاکید کردی اُس محمل کی جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں اور اس وقت یہ اچھی فرع ہے مقبول ہے، اور اس کے رد کی کوئی وجہ نہیں جیسا کہ حلیہ میں بدائع کی تبعیت میں ہے کہ کنویں میں قیاس یہ تھا کہ کبھی ناپاک نہ ہو جیسا کہ محمد سے منقول ہے یا یہ کبھی پاک نہ ہو جیسا کہ بشر مریسی سے منقول ہے، مگر ہمارے اصحاب نے دونوں قیاسوں کو آثار کی وجہ سے ترک کردیا، یہ اُن دونوں کتابوں کا حاصل ہے کہ انہوں نے اس کو اطلاق پر محمول کیا ہے، اور جو چیز ائمہ سے منقول ہے اور اس کا مناسب محمل بھی موجود ہو تو اس کو رَد کردینا مناسب نہیں، کیونکہ چھوٹے حوض میں وہ اس حکم کو قبول کرتے ہیں تو پھر اس کو کنویں میں کیوں نہ قبول کیا جائے حالانکہ کنواں چھوٹے حوض سے صرف صورت میں مختلف ہے یا صورت کا حکم میں کیا دخل ہے؟ ہر چھوٹا برابر ہے، اور یہ کہ حوض میں پانی اوپر سے آتا ہے اور اس میں نیچے سے آتا ہے، تو اس سے حکم مختلف نہ ہوگا، چنانچہ

[1] بحوالہ بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۶

منه حتى خرج بعضه طهرت لوجود سبب الطهارة وهو جريان الماء وصار كالحوض اذا تنجس فاجرى فيه الماء حتى خرج بعضه[1] اھ واغترف منه فی البحر واقره وفی الدر يكفی نزح ماوجد وان قل وجريان بعضه[2] اھ قال ش بان حفرلها منفذ يخرج منه بعض الماء كما فی الفتح[3] اھ وقدمنا فی الاصل الثالث عن البحر فی مسألة جريان الحوض الصغير بدخول ماء اٰخر فيه وخروج البعض منه حال دخوله قال السراج الهندی وكذا البئر[4] اھ ومثله فی البزازية وقدمناه عن الخلاصة فلولا انهم اعتبروا نبع الماء من اسفله لم يكن له معنى فان الجريان دافع لارافع فالنجس لايطهر به ابدا مالم يجرمع الطاهر(ا) هذا وبالجملة كل ماالحق بالجاری على هذا المنوال اعنی اقامة الاخراج مقام الخروج فقد زيد فيه قيد اٰخرو هو توالی الاخراج واستمرار تحركه به حتی لوسكن لم يلتحق وذلك لان لازم الجريان شئان تعاقب الاجزاء

فتح میں فرمایا کہ اگر کنواں ناپاک ہوجائے اور اس کا پانی جاری کیا جائے مثلاً اس میں کوئی سوراخ کردیا جس سے کنویں کا کچھ پانی نکل گیا تو کنواں پاک ہوگیا، کیونکہ سببِ طہارت پایا گیا اور وہ پانی کا جاری ہونا ہے اور یہ حوض کی طرح ہوا کہ ناپاک ہوجائے اور اس میں پانی جاری کیا جائے یہاں تک کہ کچھ پانی نکل جائے اھ اس کو بحر میں ذکر کیا اور برقرار رکھا اور دُر میں ہے کہ جو پانی اس میں ہے اس کا نکال دینا کافی ہے خواہ کم ہی ہو اور جاری ہونا بعض کا اھ "ش" نے کہا کہ مثلاً کنویں میں کوئی سوراخ کردیا جس سے کچھ پانی نکال دیا جیسا کہ فتح میں ہے اھ اور ہم نے تیسری اصل میں بحر سے چھوٹے حوض کے جاری ہونے کے مسئلہ میں بیان کیا کہ اس میں نیا پانی داخل ہو اور اس کے داخل ہوتے وقت کچھ اس سے خارج ہو، سراج ہندی نے کہا کہ اس طرح کنویں کا حال ہے اھ اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اور ہم نے اس کو پہلے خلاصہ سے نقل کردیا ہے تو اگر وہ پانی کے نیچے سے پھُوٹنے کا اعتبار نہ کرتے تو یہ بے معنی بات ہوتی کیونکہ جاری ہونا دافع ہے رافع نہیں تو جب تک وہ نجس طاہر کے ساتھ جاری نہ ہو کبھی بھی پاک ہونے کا نہیں، اس کو اچھی طرح سمجھئے۔ خلاصہ

---

[1] فتح القدیر آخر فصل فی البئر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۹۳

[2] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[3] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۰

[4] بحرالرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۸

یزول منہ جزء فیخلفہ اٰخر وعدم الاستقرار بدوام التحرک فاذا دخل الماء فی الحوض والبئر من جانب واخرج من اٰخر بالغرف والاستقاء وجد الاول واذا استمر ذلک حصل الثانی فتم الشبہ فساغ الالتحاق ولذا اعتبروا تدارک الغرفات بان لایسکن وجہ الماء بین الغرفتین لا الموالاۃ الحقیقیۃ اذ بھذا القدر یحصل دوام التحرک المحصل للشبہ ھذا ما عندی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ کہ ہر وہ پانی جس کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے اور اس میں اخراج کو خروج گردانا گیا ہے تو اس میں ایک اور قید کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ تسلسل کے ساتھ اخراج کی قید ہے اور اس کی وجہ سے اس کا مسلسل متحرک رہنا، اور اگر وہ ٹھہر گیا تو جاری کے حکم میں نہ ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جاری ہونے کو دو چیزیں لازم ہیں ایک تو اجزاء کا تعاقب کہ ایک جزء زائل ہو اور دوسرا جزء اس کے پیچھے آئے، اور مسلسل حرکت کی وجہ سے ایک جگہ نہ ٹھہرتا، تو جب حوض اور کُنویں میں پانی ایک طرف سے داخل ہو اور دوسری طرف سے چلّوؤں اور ڈولوں یا نالیوں کے ذریعہ نکالا جائے تو پہلی چیز حاصل ہوگی اور یہ سلسلہ جاری رہے تو دوسری چیز حاصل ہوگی اور مشابہت مکمل ہوجائیگی اور اس کا لاحق کیا جانا جائز ہوگا اور اس کیلئے چلّوؤں کا پے درپے ہونا معتبر ہوگا، اور پے درپے کا مطلب ہے کہ دو چلّوؤں کے درمیان پانی میں ٹھہراؤ نہ آئے حقیقی موالات مراد نہیں ہیں کیونکہ اس مقدار سے تحرک کا دوام حاصل ہوجاتا ہے جس سے مشابہت پوری ہوتی ہے ھذا ماعندی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

اس [1]تقریر سے واضح ہوا کہ ندی[1] کا پانی جس کا مینڈھا اوپر سے باندھ دیا ہو اور [2] گلا ہوا برف کہ زمین پر بہ رہا ہو اور [3] مینہ کا پانی کہ بارش تھمنے پر ہنوز رواں ہو اور [4] دو پانیوں کی دھار جو ہوا میں مل کر اُتر رہی ہے یا [5] زمین پر ایک ہو کر بہ رہی ہے اور [6] انگور کا شیرہ کہ ابھی رواں ہے اگرچہ ان کی مدد منقطع ہوگئی ہو جب تک کسی ایسی شے تک نہ پہنچیں جو آگے مرور کو مانع ہو سب جاری ہیں تو لوٹے کی دھار کہ ابھی ہاتھ تک نہ پہنچی بدرجہ اولٰی اور دخول وخروج دونوں کی شرط اُس مائع میں ہے جو کسی جوف میں رُکا ہوا ہے اور پانی ایک طرف سے آنا اور دوسری طرف سے جلد جلد کھینچا جانا کہ جنبش تھمنے نہ پائے یہ ملحق بہ آب جاری میں ہے والحمدللہ علی توالی اٰلائہ، وافضل صلوٰتہ واکمل تسلیمات علی افضل انبیائہ، وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ وابنہ واحبائہ، والحمدللہ رب العٰلمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

تجدید النظر بوجہ آخر، وابانۃ موھو احلی وازھر، واجلی واظھر

ایک اور طریقہ سے نظرِ ثانی، اور عمدہ، روشن اور اظہر طریقہ پر وضاحت:

اللھم لك الحمد، والیك الصمد، ارعبیدك الصواب، وقه التباب، فی کل باب، یاوھاب، وصلّ وسلّم وبارك علی السید الاواب، الذی تحکی نفحۃ من کرمه الریح المرسلة ورشحة من فیضه ھامر السحاب، وعلی اٰله وصحبه وابنه وحزبه خیر حزب واٰل واصحاب، اٰمین۔	اے اللہ تیرے لئے یہ حمد ہے اور تُو بے نیاز ہے، اے وہاب! اپنے بندوں پر ہر معاملہ میں اچھا راستہ کھول اور ہلاکت سے بچا، اور صلوٰۃ وسلام اور برکتیں ہوں رجوع لانے والے آقا پر جس کے کرم کا ایک جھونکا، چلتی ہوئی ہوا کے مشابہ ہے اور جس کے فیض کا ایک چھینٹا بہت برسنے والے بادل کی طرح ہے اور آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور گروہ سب پر سلامتی ہو۔ آمین۔ ت

جماہیر مشاہیر کتب معتمدہ متداولہ مستندہ کی تصریحات واضحہ وتلویحات لائحہ کا یہی مفاد کہ جو پانی یا مائع کسی جوف میں ہو تازہ آمد کتنی ہی ہو اُسے جاری نہ کرے گی جب تک بھر کر نہ اُبلے حوض وغیرہ کے بطن میں پانی کا بہنا اُس کے پانی کے لئے جریان نہیں کتب کثیرہ سے فروع متکاثرہ وتصریحاتِ متوافرہ اس معنی پر جوابات سابقہ میں گزریں، جواب سوم کے بعض احکام اور آخر چہارم کی تقریر اور پنجم کے اکثر مباحث اسی پر مبنی تھے اور اصل سوم تو خود یہی تھی اور یہی اصل پنجم کی تمہید اور ششم کا حصہ اولین اور نہم کا اوّل واخیر پھر تفریعات میں جو کچھ ان پر متفرع ہے لیکن یہاں ایک قول یہ ہے کہ جریان کیلئے خروج شرط نہیں، حوض کبیر جس کی تہہ میں نجاستیں یا نجس پانی تھا مجرد بھر جانے سے پاک ہو جائیگا منیہ[1] میں اگرچہ اس قول کو بصیغہ ضعف نقل کیا کہ وقیل لایصیر نجسا اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں ہوگا۔ ت اور حلیہ[2] میں اُس کا ضعف اور مستجّل کردیا کہ اس کی کچھ وجہ ظاہر نہیں غنیہ[3] میں اس کے خلاف کی تصریح تصحیح کی امام ابو القاسم صفار[4] وامام فقیہ ابو جعفر[5] وامام فقیہ ابو اللیث[6] وامام صدر الشہید[7] وامام ابو بکر اعمش[8] وامام علی سغدی[9] وامام نصیر بن یحیٰی[10] وامام خلف بن ایوب[11] وغیر ہم اجلّہ اکابر قدست اسرارہم ورحمنا اللہ تعالٰی بہم فی الدارین کے ارشادات واختیارات اور ظہیریہ[12] ومبتغی[13] ومحیط[14] وبرہانی ورضوی[15] وغنیہ کی تصحیحات اس کے خلاف پر ہیں ان کتابوں اور ان کے سوا بدائع[16] وفتح القدیر[17] وتبیین[18] وتوشیح[19] وبحر[20] وتاتارخانیہ[21] وخانیہ[22] وخلاصہ[23] وذخیرہ[24] وفتاوٰی اہل سمرقند[25] وغیاثیہ[26] وعالمگیریہ[27] وخزانۃ المفتین[28] وجواہر اخلاطی[29] وشرح ہدیہ ابن العماد[30] وغیرہا عامہ کتب جلیلہ نے فروع

کثیرہ وافرہ میں اصلاً اس کی طرف التفات بھی نہ کیا یہ امور بتاتے ہیں کہ وہ قول مہجور جمہور و نامقبول و نامنصور ہے ولہٰذا ہم نے بھی باتباع ائمہ اُس کی طرف میل نہ کیا مگر انصافاً (۱) وہ ساقط محض نہیں بجائے خود ایک قوت رکھتا ہے متعدد مشائخ اور کثیر یا اکثر فقہائے بخارا و بعض ائمہ بلخ نے اُسے اختیار کیا اور امام یوسف ترجمانی نے اسے **بہ یفتی** کہا۔ امام کردری نے وجیز میں اسے مقرر رکھا اور یہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے منیہ کی عبارت کہ ابھی مذکور ہوئی اس کے متصل ہی ہے:

حوض کبیر و فیہ نجاسات فامتلاء قیل ھو نجس وقیل لیس بنجس وبہ اخذ اکثر مشائخ بخاری رحمھم اللہ ذکرہ فی الذخیرۃ[1]	حوض کبیر جس کی تہہ میں نجاستیں ہوں پھر وہ بھر جائے تو ایک قول کے مطابق نجس ہے اور ایک قول یہ ہے کہ نجس نہیں بخارا کے اکثر مشائخ (اللہ ان پر رحم کرے) نے اسی کو اختیار کیا ہے اس کو ذخیرہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

غنیہ میں قولِ اوّل کی تعلیل کی:

لتنجس الماء شیئًا فشیئًا[2]۔	کیونکہ پانی تھوڑا تھوڑا کرکے نجس ہوتا جاتا ہے۔ (ت)

اور دوم کی:

لکونہ کبیرا فصار کما لوکان ممتلئا فوقعت فیہ النجاسات[3]۔	کیونکہ یہ بڑا حوض ہے تو یہ اسی حکم میں ہوگا کہ پہلے وہ بھر گیا ہو پھر اس میں نجاستیں واقع ہوئی ہوں۔ (ت)

حلیہ میں ذخیرہ کا نص یوں ذکر کیا:

وفی نظم الزندویسی اذا کان الحوض کبیرا وفیہ نجاسات فدخل الماء فامتلاء قال اھل بلخ وابو سھل الکبیر البخاری ھو نجس وقال الفقیہ ابوجعفر البلخی والفقیہ اسمٰعیل وابن الحسن الزاھدی البخاری الکل طاھر وبہ اخذ کثیر من	اور نظم زندویسی میں ہے کہ جب حوض بڑا ہو اور اس میں نجاسات ہوں، پھر پانی داخل ہو کر اس کو بھر دے تو بلخ والوں اور ابو سہیل کبیر بخاری کا قول ہے کہ یہ نجس ہے اور فقیہ ابو جعفر البلخی، فقیہ اسمٰعیل اور ابن الحسن الزاہدی البخاری نے کہا کہ سب پاک ہے اور اس قول کو بخارا کے کثیر فقہاء نے

[1] منیۃ المصلی فصل فی الحیاض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۷۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۱

فقهاء بخارٰی وهکذا افتی عبدالواحد مرارا وهکذا کان یفتی الفقیه ابو بکر العیاضی وکان یقول الماء الکثیر فیحکم الماء الجاری انتهٰی[1]۔	اختیار کیا ہے، اور عبدالواحد نے بھی اس پر کئی بار فتوٰی دیا اور ابو بکر عیاضی بھی اسی طرح فتوٰی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ کثیر پانی جاری پانی کے حکم میں ہے انتہی۔(ت)

پھر فرمایا:

ونقل الزاهدی عن یوسف الترجمانی فی انه قال وبه یفتی[2]۔	زاہدی نے یوسف الترجمانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

تنجس الحوض ثم دخل فیه ماء کثیر وخرج منه ایضا قیل طهر الحوض وان قل الخارج وقیل لاحتی یخرج مثل مافیه وقیل مثلاه اوثلثة امثاله وقیل یطهر وان لم یخرج شیئ قال ابو یوسف الترجمانی رحمه الله تعالٰی وبه یفتی[3] اھ **اقول:**(۱)تفرد بشیئین احدهما قید الکثیر فی الماء الداخل وهم قاطبة ارسلوه وقال ش وان قل الداخل[4] اھ وکانه والله تعالٰی اعلم رعایة للقول الاخیر اذ یختص بالحوض الکبیر فدل علی کبره بدخول الماء الکثیر والاٰخر زیادة	حوض ناپاک ہوگیا پھر اس میں بہت سا پانی داخل ہوگیا اور نکل گیا تو ایک قول ہے کہ حوض پاک ہوگیا خواہ نکلنے والا پانی کم ہی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ جب تک اتنا پانی نہ نکلے جتنا کہ حوض میں تھا پاک نہ ہوگا جبکہ ایک قول یہ ہے کہ جب تک حوض کا دوگنا یا تین گنا پانی نہ نکلے پاک نہ ہوگا اور ایک قول یہ ہے کہ پاک ہو جائے گا خواہ کچھ بھی نہ نکلے، یوسف الترجمانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اسی پر فتوٰی ہے۔(ت) میں کہتا ہوں وہ دو چیزوں میں متفرد ہیں ایک تو داخل ہونے والے پانی میں کثرت کی قید لگانے میں، جبکہ تمام فقہاء نے یہ قید نہیں لگائی ہے اور "ش" نے فرمایا اگرچہ داخل ہونے والا پانی قلیل ہو اھ اور گویا واللہ تعالٰی اعلم آخری قول کی رعایت ہے کیونکہ یہ بڑے حوض کے ساتھ خاص ہے

---

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] بزازیہ علی الھندیۃ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸

[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

مثلیه وانما یذکرون مثلا وثلاثا فالثانی لتثلیث الغسل والاول قیاسا علی البئر فان نزح مافیها لها تطهیر افاده فی البدائع اما التثنیة فلا وجه لها هذا. ثم قال فی الحلیة لکن فی الذخیرة قبل هذه المسألة وفی فتاوٰی اهل سمر قند غدیر کبیر لایکون فیه ماء فی الصیف ویروث فیه الناس والدواب (فذکر ماقدمنا عن الخانیة وغیرها عشرة کتب فی الاصل الثامن) قال فعلی قیاس الجواب فی هذه المسألة یکون الجواب ایضا فی المسألة التی ذکرها المصنف ان کان الماء الذی یدخل اولا یدخل علی ماء نجس اومکان نجس فهو نجس وان کان یدخل علی طاهر ویستقر فیه حتی یصیر عشرا فی عشر ثم یتصل بالنجس فهو طاهر قال فهذا قول ثالث فی المسألة المذکورة تخریجا کما یمکن ان یتأتی القولان المذکوران فیها نصا فی هذه المسألة التی ذکرناها نحن عن الذخیرة ایضا تخریجا[1] اھ

اقول: رحم الله المحقق لاتثلیث

تو کثیر پانی کا داخل ہونا حوض کی بڑائی پر دلالت کرے گا، اور دوسری چیز دگنا ہونے کی زیادتی، اور دوسرے فقہا ایک گنا اور تین گنا کا ذکر کرتے ہیں، تو دوسرا دھونے میں تثلیث کے لئے ہے اور پہلا کنویں پر قیاس کرتے ہوئے ہے، کیونکہ کنویں میں جو کچھ ہے وہ اگر نکال لیا جائے تو کنواں پاک ہوجائیگا، بدائع میں یہی ہے، اور دگنا ہونے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں، ہذا۔ پھر حلیہ میں فرمایا اور لیکن ذخیرہ میں اس مسئلہ سے قبل اور اہل سمرقند کے فتاوٰی میں ہے کہ اگر کوئی بڑا تالاب ایسا ہو جو گرمیوں میں سُوکھ جاتا ہو اور اس میں انسان اور چوپائے بول وبراز کرتے ہوں (تو اس کا حکم وہ بیان کیا جو ہم نے آٹھویں اصل میں خانیہ وغیرہا دس کتب سے نقل کیا) فرمایا اس مسئلہ کے جواب پر قیاس کرتے ہوئے مصنّف نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے اس کا بھی جواب ہوگا، اور وہ یہ کہ اگر داخل ہونے والا پانی پہلے نجس پانی پر داخل ہوتا ہے یا نجس جگہ پر تو وہ نجس ہے اور اگر پاک پر داخل ہوتا ہے اور اس میں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ دہ در دہ ہوجائے پھر نجس سے متصل ہو تو وہ پاک ہے فرمایا یہ مسئلہ مذکورہ بطور تخریج تیسرا قول ہے اور دو مذکور قول اس میں بطور نص ہیں جس کو ہم نے ذخیرہ سے بطور تخریج نقل کیا ہے۔ اھ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ محقق پر رحم کرے نہ تو

[1] حلیہ

ولا تخریج(۱)اما الثانی فظاهر فان المسألة المذکورة مسألة المتن حوض کبیر وفیه نجاسات فامتلأ والتی اوردتموها عن الذخیرة غدیر کبیر لایکون فیه ماء فی الصیف ویروث فیه الناس والدواب وای فرق بینهما الا فی اللفظ فلا قیاس ولا تخریج بل القولان المذکوران فی المتن منصوص علیهما فی مسألة الذخیرة والتفصیل المذکور فیها منصوص علیه فی مسألة المتن.(۲)واما الاول فلانه لیس لاحد ان یقول الماء وان کثر فی بطن الحوض قبل وصوله الی النجس یتنجس حین یصل الیه وکیف یتنجس وقد فرض کثیرا هذا خلاف الاجماع فالتفصیل المذکور فی الذخیرة هو المراد قطعا فی القول الاول وانما طووا ذکره للعلم به کما قلتم ههنا ان من المعلوم حیث قلنا فی هذه المسألة وامثالها ان الماء طاهر فهو مشروط بکونه لااثر للنجاسة فیه فترك التقیید به فی ذلك للعلم به وایاك والذهول عنه فیذهبن بك الوهم الی تخطئتهم فی ذلك وهم من ذلك براء اھ[1].(۳)فهل یسوغ لاحد ان یجعل التقیید بعدم ظهور الاثر قولا رابعا فی المسألة وقد اشرنا الیه بعد ذکر الضابط الثالث فما ثم الا قولان التفصیل المذکور

تثلیث ہے اور نہ تخریج، دوسرا تو ظاہر ہے کیونکہ مسئلہ مذکورہ متن کا مسئلہ ہے تثلیث کہ ایک بڑا حوض ہو جس میں نجاستیں ہوں اور بھر جائے، اور جس کو تم نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے یعنی بڑا تالاب جو گرمیوں میں خشک ہو جاتا ہے اور اس میں انسان اور جانور بول و براز کرتے ہوں، ان دونوں میں لفظی فرق کے علاوہ اور کیا فرق ہے، تو نہ قیاس ٹھیک ہے اور نہ تخریج درست ہے بلاکہ دونوں قول جو متن میں مذکور ہیں اور ان کو ذخیرہ میں صراحت سے ذکر کیا ہے اور اس میں جو تفصیل ہے وہ متن میں منصوص ہے، لیکن پہلا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا جبکہ پانی حوض میں کثیر ہو نجس تک پہنچنے سے پہلے، تو وہ نجس ہو جائیگا جب وہ نجاست تک پہنچے گا، اور نجس کیسے ہوگا حالانکہ اس کو کثیر فرض کیا گیا ہے یہ اجماع کے خلاف ہے جو تفصیل ذخیرہ میں ہے وہی قطعاً مراد ہے پہلے قول میں اور اس کو ذکر اس لئے نہیں کیا کہ وہ پہلے ہی معلوم ہے، جیسا کہ تم نے یہاں کہا ہے کہ یہ بات معلوم ہے جبکہ ہم نے اس مسئلہ میں اور اس جیسے مسائل میں کہا کہ پانی پاک ہے، مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نجاست کا اثر اس میں ظاہر نہ ہو تو اس قید کو معلوم ہونے کی بنا پر چھوڑ دیا گیا ہے، اس سے آپ غافل نہ ہوں ورنہ آپ ان کو خطاکار قرار دیں گے حالانکہ وہ بے قصور ہیں اھ تو کیا کوئی اثر کے ظاہر نہ ہونے کی قید لگانے کو چوتھا قول قرار دے سکتا ہے۔

[1] حلیہ

فی الکتب العشرۃ واطلاق الطھارۃ وباللہ التوفیق۔	اور ہم نے تیسرے ضابطہ کے بعد اس کی طرف اشارہ کیا ہے، تو وہاں صرف دو ہی قول ہیں مذکورہ تفصیل دسوں کتب میں ہے اور طہارت کا اطلاق ہے۔ (ت)

ثم اقول: وبہ استعین (اللہ سے مدد چاہتے ہوئے میں کہتا ہوں) یہاں دو بحثیں ہیں:

بحث اوّل ہم اوپر بیان کر آئے کہ جریان آب نہیں مگر فضا میں اس کا اپنے میل طبعی سے رواں ہونا اور فضائے غیر محدود غیر مقصود اور محدود بطن حوض میں بھی موجود بارش یا سیل وغیرہ کا پانی کہ اوپر سے بہتا ہوا آیا اور بطنِ حوض میں داخل ہوا وہ قطعاً اب بھی بہ رہا ہے جب تک کنارہ مقابل پر جاکر رک نہ جائے۔

اولاً: جاری کی دونوں تعریفیں اشہر واظہر اس پر صادق ہیں وہ ایک تنکا کیا ایک گھٹا بہالے جائیگا اور بے شک جب تک اُس کا بہاؤ نہ ٹھہرے بہتا ہی کہا جائیگا اہل عرف میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ سیلاب حوض کے کنارے تک پہنچتے ہی تھم گیا اب اس میں روانی نہ رہی جب تک بھر کر اُبال نہ دے پہلے کنارے پر تھم جائے تو حوض کو بھرے کون اور اُبالے کیوں کر۔

ثانیاً: نہر جاری میں سیلاب کی دھار آکر گری اب چاہیئے کہ وہ نہر جاری نہ رہے جب تک بھر کر اُبل نہ جائے کہ اعتبار وئے آب کا ہے اور اب روئے آب یہ سیلاب ہے جسے جوفِ نہر میں داخل ہوتے ہی ساکن مان لیا گیا۔

ثالثاً: مینہ کا پانی (ا) کہ چھت پر بہتا پر نالوں سے گرتا صحنِ خانہ میں رواں ہو قطعاً آب جاری ہے اگرچہ ابھی مکان کی نالی سے بھی نہ نکلے مکان کو چھت تک لبریز کرکے دیواروں پر سے اُبال دینا تو قیامت ہے،

بدائع میں ہے:

ان کانت الانجاس متفرقۃ علی السطح ولم تکن عند المیزاب ذکر عیسٰی بن ابان (ای تلمیذ محمد رحمھما اللہ تعالٰی) انہ لایصیر نجسا مالم یتغیر وحکمہ حکم الماء الجاری وقال محمد ان کانت النجاسۃ فی جانب من السطح اوجانبین لاینجس الماء ویجوز التوضوء بہ وان کانت فی ثلثۃ جوانب ینجس اعتبار	اگر نجاستیں چھت پر پراگندہ ہوں اور یہ پرنالہ کے پاس نہ ہوں، تو عیسٰی بن ابان نے ذکر کیا (یعنی محمد کے شاگرد نے) کہ وہ نجس نہ ہوگا جب تک کہ متغیر نہ ہو اور اس کا حکم جاری پانی کی طرح ہے اور محمد نے فرمایا کہ اگر نجاست چھت کی ایک جانب یا دو جانب ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضو جائز ہے اور اگر نجاست تین کناروں پر ہو تو غالب کا اعتبار کرتے ہوئے پانی

اللغالب [1] اھ	ناپاک ہوجائیگا اھ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لوکان علی السطح عذرۃ فوقع علیہ المطر فسال المیزاب ان کانت النجاسۃ عند المیزاب وکان الماء کلہ یلاقی العذرۃ اواکثرہ اونصفہ فھو نجس والا فھو طاھر وان کانت العذرۃ علی السطح فی مواضع متفرقۃ ولم تکن علی رأس المیزاب لایکون نجسا وحکمہ حکم الماء الجاری کذا فی السراج الوھاج، وفی(۱)بعض الفتاوٰی قال مشائخنا المطر مادام یمطر فلہ حکم الجریان حتی لواصاب العذرات علی السطح ثم اصاب ثوبا لایتنجس الا ان(۲)یتغیر المطر اذا اصاب السقف وفی السقف نجاسۃ فوکف واصاب الماء ثوبا فالصحیح انہ اذا کان المطر لم ینقطع بعد فما سال من السقف طاھر ھکذا فی المحیط وفی العتابیۃ اذا لم یکن متغیرا کذا فی التاتارخانیۃ(۳)واما اذا انقطع المطر وسال من السقف شیئ فما سال فھو نجس کذا فی المحیط وفی النوازل قال مشائخنا المتأخرون ھو المختار کذا	اگر چھت پر پاخانہ پڑا ہو اور بارش ہوجائے پھر پرنالہ بہے تو اگر نجاست پرنالہ کے پاس ہو اور کل پانی پاخانہ سے لگ کر آرہا ہو یا اکثر یا نصف تو وہ ناپاک ہے ورنہ پاک ہے اور اگر نجاست چھت پر متفرق جگہوں پر ہو اور پرنالہ کے سر پر نہ ہو تو ناپاک نہ ہوگا اور اس کا حکم جاری پانی کا سا ہے۔ اسی طرح سراج الوہاج میں ہے، اور بعض فتاوٰی میں ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا اگر بارش ہورہی ہو تو جاری پانی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ اگر یہ پانی چھت پر پڑے ہوئے پاخانہ سے لگ کر بھی آئے اور پھر کپڑوں کو لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے، ہاں اگر بارش متغیر ہوجائے جبکہ چھت پر پہنچے اور چھت پر نجاست ہو اور پھر چھت ٹپکنے لگے اور یہ پانی کسی کپڑے پر لگ جائے تو صحیح یہ ہے کہ اگر بارش ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے تو جو پانی چھت سے بہا وہ پاک ہے ھکذا فی المحیط۔ اور عتابیہ میں ہے کہ جبکہ متغیر نہ ہو، اور اسی طرح تاتارخانیہ میں ہے اور اگر بارش بند ہونے کے بعد چھت سے پانی ٹپکے تو جو بہا ہے وہ ناپاک ہے کذا فی المحیط، اور نوازل میں ہے کہ ہمارے متاخر مشائخ نے فرمایا یہی

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

ی التتارخانیة[1] اھ **اقول:** سال من السقف ای وکف کما قدم اما السائل من المیزاب فجار قطعا وان وقف المطر کما قدمنا۔	مختار ہے کذا فی التتارخانیہ اھ (ت) **میں کہتا ہوں** چھت سے بہنے کا مطلب چھت سے ٹپکنا ہے جیسا کہ گزرا اور جو پرنالے سے بہتا ہے وہ قطعاً جاری ہے خواہ بارش ٹھہری ہوئی ہو۔ (ت)

بالجملہ آنے والے پانی کے بطن حوض میں جاری ہونے سے انکار ظاہر نہیں، ہاں جب حد مقابل پر پہنچے جہاں جاکر رک جائیگا یا تحریک پہنچی تو آگے نہ بڑھے گا بلالکہ اُوپر چڑھے گا یہ حرکت طبعی نہ ہوگی بلالکہ قسری خلاف طبع تو اُس وقت بیشک جریان جاتا رہے گا۔

بحث دوم: آب نجس کی تطہیر کو آبِ طاہر سے مل کر اُس کا جاری ہونا درکار ہے یا آب طاہر جاری کا اُس پر آنا کافی اول نص محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے،

فی ردالمحتار عن جامع الرموز عن التمرتاشی عن محمد المائع کالماء والدبس وغیرھما طھارتہ باجرائہ مع جنسہ مختلطا بہ[2]۔	اور ردالمحتار میں جامع الرموز سے تمرتاشی سے محمد سے ہے۔ کہ بہنے والا جیسے پانی اور شیرہ وغیرہ اس کی طہارت اس کو اسی کی جنس کے ساتھ ملا کر جاری کردینے سے حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

اقول: اور اسی کے مؤید ہے اُسے قول دائر وسائر الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا (کہ بعض جاری پانی بعض دوسرے پانی کو پاک کردیتا ہے۔ ت) کے تحت میں لانا،

فانھما اذا جریا مختلطین کان بعض الجاری طاھرا وبعضہ نجسا فیطھر الاول الاٰخر بخلاف مااذا لم یجر النجس وقد یمکن ان یستأنس للثانی بما قدمنا فی الاصل الرابع عن الحلیة عن المحیط الرضوی ان الماء الجاری لما اتصل بہ صار فی الحکم جاریا[3] اھ۔ لکنہ ذکرہ	کیونکہ وہ دونوں جب مل کر بہیں تو بعض جاری پاک اور بعض نجس ہوگا تو پہلا دُوسرے کو پاک کردیگا بخلاف اس صورت کے جبکہ نجس جاری نہ ہو اور دوسرے کیلئے جو ہم نے چوتھی اصل میں حلیہ سے محیط رضوی سے نقل کیا ہے استدلال ہوسکتا ہے کہ جب جاری پانی اس میں مل گیا تو جاری کے حکم میں ہوگا اھ لیکن اس کا تذکرہ انہوں نے وہاں کیا ہے جہاں
فی اشتراط الخروج من الجانب الاٰخر وان قل	دوسری جانب سے نکل جانے کی شرط لگائی ہے خواہ کم ہی ہو

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فیما یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷
[2] ردالمحتار مطلب یطھر الحوض بمجرد الجریان مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۴
[3] حلیہ

فالمراد الاتصال فی الجریان ومعلوم ان الجاری بعضہ لاکل مافیہ ویحکم بطھارۃ الکل فلذا قال صارفی الحکم جاریا فافھم۔	تو مراد جاری ہونے میں اتصال ہے اور یہ معلوم ہے کہ جاری بعض ہی ہے کل نہیں ہے۔ اور حکم کل کی طہارت کا لگایا جائیگا اور اسی لئے فرمایا کہ یہ جاری کے حکم میں ہوگیا۔ (ت)

فقیر کے نزدیک منشاء اختلاف یہی ہے اُن بعض نے جبکہ دیکھا کہ نیا آنے والا پانی بہتا ہوا اس آب نجس سے ملا اس کی طہارت کا حکم دیا پھر اگر نجاست غیر مرئیہ ہے یا مرئیہ تھی اور نکال دی گئی جب تو ظاہر ہے کہ ان کے طور پر سب پانی پاک رہنا چاہئے اگرچہ حوض صغیر ہو کہ جاری میں کثیر کی شرط نہیں اور آب جاری جب نجاست غیر مرئیہ پر وارد ہو اُسے فنا کردیتا ہے **کما حققناہ فی الاصل العاشر** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اصل عاشر میں کی ہے۔ت) تو بعد وقوف اگرچہ محل قلیل میں ٹھہرا نجاست ہی معدوم ہے ہاں نجاست مرئیہ باقیہ میں ضرور کبر محل درکار کہ وقت وقوف بوجہ کثرت عود نجاست نہ ہوسکے اور جمہور نے یہ نظر فرمائی کہ آب داخل اگرچہ جاری ہو مگر آب نجس کو جاری نہ کیا کہ بطنِ حوض میں رُکا ہوا تھا اور اُس کا رُکنا ہی دلیل واضح تھا کہ اُسے آگے بڑھنے کو جگہ نہیں تو آب داخل اُسے آگے نہ بڑھائے گا بلکہ اوپر چڑھائیگا تو اُس کا اجرا نہ ہوگا جو اُس کی طہارت کو درکار ہے مگر یہ کہ حوض بھر جائے اُس وقت تک تو سب ناپاک ہے اب جو اُبلے گا پاک ہوجائیگا کہ اب آگے بڑھنے اور منحدر میں اُترنے کو جگہ وسیع ہے اگر کہیے مانا کہ بطن حوض میں آب نجس کا اجرا نہ ہوگا مگر غسل یعنی دھونا تو ہوجائیگا کہ آب جاری بہتا ہوا آکر اُس کے تمام اجزا پر چھاگیا۔

اقول اولاً: پانی کو دھونا شرع سے معہود نہیں مگر وہی طاہر سے ملا کر اُس کا اجرا۔

ثانیاً: غسل ہوگا تو فقط سطح بالائے آب نجس کا اور وہ کوئی جامد (۱) شیئ نہیں کہ ضرورۃً غسل سطح قائم مقام غسل کل ہو،

وھذہ فائدۃ استنبطھا الفقیر مما فی فتح القدیر فی بیان مذھب الصاحبین ان(۲) کانت الانفحۃ جامدۃ تطھر بالغسل [1] اھ ای اذا اخذت من بطن جدی میت	یہ فائدہ خود فقیر نے جہاں صاحبین کا مذہب فتح القدیر میں بیان ہوا ہے میں نے مستنبط کیا ہے، اگر دُودھ خشک ہو تو دھونے سے پاک ہوجائیگا اھ یعنی مُردہ بکری کے بچّے کے پیٹ سے نکالے گئے ہوں کیونکہ

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء سکھر ۱/۸۴

لتنجسها عندهما بوعائها المتنجس بالموت واستظهره فی مواهب الرحمٰن وذکر طهارتها جامدة بالغسل کالفتح وعند الامام طاهرة لانه لااثر للتنجس شرعا مادامت فی الباطن النجاسة فضلا عن غیرها فتح وهو الراجح دروالانفحة اللبن فی بطن الجدی الراضع۔	صاحبین کے نزدیک وہ ظرف کے ناپاک ہونے کی وجہ سے نجس ہوجائیں گے کیونکہ اس کا ظرف موت کی وجہ سے ناپاک ہوگیا، اور مواہب الرحمٰن میں اس پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ خشک ہوں (یعنی دودھ جم جائے) تو دھونے سے پاک ہوجائیں گے، جیسا کہ فتح میں ہے اور امام صاحب کے نزدیک پاک ہیں کیونکہ جب باطن میں کوئی نجاست ہو تو شرعاً وہ نجاست نہیں چہ جائیکہ اور کوئی چیز ہو فتح، اور یہی راجح ہے در، اور انفحہ اس دُودھ کو کہتے ہیں جو بکری کے شیر خوار بچّے کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ (ت)

ثالثاً: علی التسلیم (غُسل (دھونا) اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو۔ت)[1] غسل کیلئے تثلیث درکار ہوتی یا ذہاب نجاست پر غلبہ ظن۔ بہرحال مائے غاسل کا مغسول پر سے زوال ضرور کہ جب تک جُدا نہ ہوا مغسول سے زوال نجاست نہ ہوا تو حکم طہارت نہ ہوا۔ یوں بھی خروج لازم ہوگیا ظاہر ان وجوہ سے جمہور نے حکمِ نجاست دیا۔

اقول: مگر جس طرح قول دوم پر بحث دوم وارد ہوئی یونہی قول اوّل پر بحث اول وارد ہوگی۔ ان اکابر نے بطن حوض میں سَیلان آب کو جریان ہی نہ ٹھہرایا شرط خروج کی تصریحات و تصحیحات کہ جوابِ دوم میں غنیہ[1] و ظہیریہ[2] اور جواب پنجم اصل دوم میں ملک العلماء[3] وفقیہ ہندوانی[4] وفقیہ سمرقندی[5] اور اصل سوم میں تبیین[6] و فتح[7] و بحر[8] و محیط[9] و توشیح[10] وامام حسام شہید[11] وتاتارخانیہ[12] و ظہیریہ[13] وہندیہ[14] اور اصل چہارم میں مبتغی[15] و محیط[16] رضوی وحلیہ[17] وخلاصہ[18] وردالمحتار[19] ودو[20] عبارت ظہیریہ[21] وامام[22] ابوبکر اعمش[23] وغیرہ اور اصل ششم میں شرح[24] ہدیہ ومنحہ[25] سے گزریں ان کی تو یہ توجیہ واضح ہے کہ جو نجس پانی حوض میں تھا اس کے جریان و تطہیر کیلئے خروج ضرور ہے تازہ پانی کہ اُوپر سے آیا ان سے اس کے جریان کی نفی نہیں ہوتی مگر ان نصوص کثیر کا کیا جواب جو صراحۃً اس آب داخل ہی کے جریان کا ابطال کرتے ہیں اگرچہ بطنِ حوض میں کتنی ہی دُور حرکت کرتا جائے مثلاً:

اولاً: وہ تصریحیں کہ پانی اگر بطنِ حوض میں دہ در دہ ہونے سے پہلے نجاست سے ملے گا جتنا آتا جائیگا ناپاک ہوتا جائے گا جیسا کہ جواب چہارم میں امام[1] صفار سے گزرا امام[2] ملک العلماء نے اُسے مقرر رکھا اصل ہشتم فتاوٰی[3] امام قاضی خان وجواہر[4] اخلاطی سے اور ایسا ہی خزانۃ[5] المفتین وفتاوٰی[6] ذخیرہ میں ہے حلیہ[7] میں اُس پر تقریر ہے غنیہ[8] میں اس کے معنے ہیں اگر جاری مانا جاتا وہ دہ در دہ ہونا کیا شرط ہوتا کہ جاری کتنا ہی قلیل ہو ناپاک

نہیں ہو سکتا جب تک نجاست سے اس کا کوئی وصف نہ بدلے لوٹے کی دھار کا مسئلہ اصل ۹ میں گزرا۔

ثانیاً یہ تعلیل وشرط نہ بھی ہوتی تو اس مسئلہ دوّارہ کا نفس حکم کہ کتبِ معتمدہ جماہیر مشاہیر میں دائر وسائر ہے خود اُسے جاری نہ ماننے پر برہان ظاہر ہے جواب چہارم میں منیہ[9] وبدائع[10] وصفار[11] وحلیہ[12] اور پنجم میں حلیہ[13] وغنیہ[14] اور اس کی اصل ہشتم میں خانیہ[15] وخزانۃ[16] المفتین ومحیط[17] وحلیہ[18] وخلاصہ[19] وفتح[20] وفتاوٰی[21] سمرقند وبحر[22] وہندیہ[23] وغیاثیہ[24] وذخیرہ[25] وفرع[26] آخر قاضی خان وجواہر[27] الاخلاطی سے تصریحیں اور تصحیحیں گزریں کہ حوض کتنا ہی کبیر ہو جب اس میں قلیل پانی ناپاک تھا پھر پانی آیا اور لبالب بھر گیا ناپاک ہی رہا۔ بھلا جب تک حد قلّت میں تھا یہ کہہ سکتے تھے کہ آنے والا پانی اگرچہ اپنے داخل ہونے سے دوسری جانب پہنچنے تک جاری رہا مگر وہاں جاکر تو رُک گیا اور ہے قلیل اور نجاست یا آب نجس سے متصل تو اب ناپاک ہوجائیگا اسی طرح جو پانی آتا جائے گا حدِ قلّت تک یہی حکم پائیگا وھم انما قالوا کل ماد خل صار نجسا لا کما دخل تنجس مگر حوض تو کبیر ہے جب حدِ قلّت سے آگے بڑھے گا کیا کہا جائے گا۔ آیا بہتا ہوا اور ٹھہرا کثیر ہو کر تو کسی وقت قابلِ قبول نجاست نہ ہوا پھر یہ حکم کیوں ہے کہ لبالب بھرنے پر بھی سب ناپاک۔ بلاکہ لازم تھا کہ یا تو حصہ بالا کو جہاں سے حدِ کثرت ہے اور ممکن ہے کہ حوضِ کبیر کا معظم حصہ وہی ہو پاک کہیں اور حدِ قلّت سے نیچے تک ناپاک یا نظر برآں کہ حصّہ زیریں ممتاز صورت نہ رکھنے کے باعث بالا کا تابع ہے سب پاک۔

اقول: اور ظاہر ایہی اقیس ہوتا آخر نہ دیکھا کہ حوض کتنا ہی (۱) عمیق ہو بلاکہ گہرے سے گہرا کنواں اگر لبالب بھر کر اُبل جائے اوپر سے نیچے تک سب پاک ہوگیا کہ آب جاری ہو گیا حالانکہ یقیناً حرکت جریانی صرف اوپر کے قلیل حصہ کو پہنچے گی آنے والا پانی جہاں تک کے پانی کو دبا کر ساتھ بہا کر اُبلے اُبالے گا اُتنے ہی پر جریان واقع ہو گا نیچے گزوں تک کے پانی کو خبر بھی نہ ہو گی اور ٹھہرا سب پاک۔ اُسی لئے کہ صورت واحدہ وشیئ واحد ہے، یوں[2] ہی آبِ کثیر کی صورت واحدہ رکھتا اور اوپر قلیل حصہ کثیر اور نیچے سب قلیل ہے اور نجاست راسبہ پڑی کہ تہ تک پہنچی سب پاک رہے گا روئے آب کی کثرت وطہارت تہ تک عمل کرے گی کذا ھذا۔

فان قلت: فی الجواب عنھما ان العبرۃ فی الکثرۃ والقلۃ لا وان الوقوع وھذا کان قلیلا عندہ والمستشھد بہ کثیرا فافترقا اما الجریان فمعتبر بنفسہ لالحاظ فیہ لکثرۃ اوقلۃ وقت الوقوع فاذا اجری وجھہ وھو شیئ واحد	اگر تم ان دونوں کی طرف سے جواب میں یہ کہو کہ کثرت وقلّت میں اعتبار گرنے کے وقت کا ہے اور یہ گرتے وقت قلیل تھا اور جس پر استدلال کیا جارہا ہے وہ کثیر ہے تو دونوں میں فرق ہوگیا، اور جاری ہونا تو وہ بنفسہ معتبر ہے اس میں کثرت وقلّت کا کوئی اعتبار نہیں، وقوع کے وقت میں، تو جب وہ جاری

فقد جری کلہ فلا یقاس علیہ طہارۃ الاعلی لاستقرارہ علی الکثرۃ فانہا غیر الجریان

اقول: اولا اذ احکمنا بطہارۃ الکل لاجل الجریان انقطع حکم وقت الوقوع فاذا وقف فکانما الاٰن وقع وھو حینئذ کثیر اذالعبرۃ للوجہ وما تحتہ تبعہ فما وقع الا فی الکثیر والفصل الاٰن بین الا علی والاسفل بالکثرۃ والقلۃ خروج عن حکم الواحدۃ وعلی ھذا یلزم تنجس الاسفل المستشھدبہ ایضا لان النجس الراسب لم یصل الیہ الاحین قلتہ ھف

۔وثانیا: لئن سلم فھذا مضر سیعود نافعا فان الماء الداخل حیث کان جاریا حتی الوصول الی المنتھی والصورۃ واحدۃ فقد جری الکل فانتفت النجاسۃ رأسا ان کانت غیر مرئیۃ وکذا لومرئیۃ وقد اخرجت فلا معنی لعودھا حین استقرارہ ولو علی القلۃ وانتقلت الی الاعلی الکثیر لو باقیۃ طافیۃ فلم یتنجس اذا استقر کثیرا وقد طھر ماتحتہ بالجریان فلا یبقی الا ما اذا کانت مرئیۃ باقیۃ راسبۃ وکلامھم مطلق حاو للصور قاطبۃ۔

ہوا اسکی سطح سے حالانکہ وہ شیئ واحد ہے تو گویا کل جاری ہوا، تو اس پر اوپر والے کی طہارت کو قیاس کرنا درست نہ ہوگا کہ وہ کثرت پر مستقر ہے کیونکہ یہ جریان نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں اولاً جب ہم نے کل کی طہارت کا حکم لگایا جاری ہونے کی وجہ سے تو گرنے کے وقت کا حکم منقطع ہوگیا، تو جب ٹھہرا تو گویا وہ ابھی گرا ہے اور اس وقت وہ کثیر ہے کیونکہ اعتبار سطح کا ہے، اور جو اس کے نیچے ہے وہ اُس کے تابع ہے تو کثیر ہی میں واقع ہوا اور اعلیٰ اور اسفل میں اب کثرت و قلّت کے اعتبار سے فرق کرنا وحدتِ حکم سے خروج ہوگا اور اس بنا پر نیچے والے کا نجس ہونا لازم آئیگا جس سے استشہاد بھی کیا گیا ہے کیونکہ نجاست راسبہ اس تک نہیں پہنچی ہے مگر قلّت کے وقت یہ خلاف مفروض ہے۔

اور **ثانیاً** اگر تسلیم کر لیا جائے تو یہ ہمارے لئے مضر ہے اور عنقریب نافع ہوجائیگا، کیونکہ داخل ہونے والا پانی جاری تھا یہاں تک کہ وہ اپنی انتہا کو پہنچا اور صورتِ واحدہ ہے تو کل جاری ہوگیا اور نجاست اگر غیر مرئیہ ہو اور اس طرح اگر مرئیہ نکال دی گئی ہو تو سرے سے ختم ہوجائیگی تو اس کے لوٹنے کے کوئی معنی نہیں جب کہ پانی ٹھہرا ہوا ہو اگرچہ کم ہی ہو اور وہ نجاست اوپر والے کثیر پانی کی طرف منتقل ہوگئی، اگرچہ وہ اوپر تیر رہی ہو، تو جب کثیر پانی ٹھہرا ہو تو وہ ناپاک نہ ہوگا اور اس کا نچلا حصہ پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہوگیا تو باقی نہ رہے گا مگر جو مرئی اور تہ میں باقی ہو اور ان کا کلام مطلق ہے اور تمام صورتوں کو شامل ہے۔(ت)

ثالثاً جواب چہارم میں عبارت ۲۸ فتح القدیر دربارہ حوضِ صغیر کہ بھر کر بھی ناپاک رہے گا اُسی عدم تسلیم جریان پر دال ورنہ نجاست غیر مرئیہ یا مرئیہ کہ نکال دی ضرور زائل ہوجاتی۔

رابعاً تنبیہ جلیل میں منیہ ۲۹ ومحیط ۳۰ وحلیہ ۳۱ وخانیہ ۳۲ وہندیہ ۳۳ وذخیرہ ۳۴ کی عبارات ائمہ اجلہ علی سغدی ۳۵ ونصیر ۳۶ بن یحیٰی وخلف ۳۷ بن ایوب رحمہم اللہ تعالٰی کے ارشادات کہ ایک حوض سے دوسرے میں انتقال آب کے جریان ہونے کو اُن میں کچھ مسافت ہونا ضرور ورنہ اس میں سے نکل کر اُس کے جوف میں جاتے ہوئے اُس میں وضو کیا جائے تو وضو نہ ہوگا اگر بطن میں حرکت کو جریان مانتے تو جس وقت پانی اول سے دوم میں گر رہا اور یہاں سے منتہی تک بہ رہا ہے اُس میں وضو ضرور آبِ جاری میں وضو ہوتا بیچ میں فاصلہ مسافت کی ضرورت نہ ہوتی **کما اشرنا الیه ثمه** ان ۳۷ عبارتوں سے روشن کہ جمہور اس سیلان کو خود اُس آب داخل ہی کا جریان نہیں مانتے اور یہ اُنہیں وجوہ سے کہ بحث اول میں گزریں اشکال سے خالی نہیں۔ اگر کہیے آبِ راکد کے کثیر وناقابل نجاست ہونے کے لئے صرف مساحت سطحِ آب یا طول وعرض دہ در دہ کافی نہیں بلکہ اتنا عمق ۱ بھی درکار ہے کہ اس میں سے پانی ہاتھ سے لیں تو زمین کُھل نہ جائے یہی صحیح ہے ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ اسی پر فتوٰی ہے ظہیرہ خلاصہ درایہ جوہرہ وغیرہا ولہٰذا ۲ فتاوٰی امام اجل قاضی خان پھر ہندیہ وغنیہ میں فرمایا: **واللفظ لھا** یعنی الفاظ غنیہ کے ہیں:

ان علا الماء من ثقب الجمد وانبسط علی وجه الجمد وکان عشرا فی عشر فان کان بحیث لوغرف منه لاینحسر ماتحته من الجمد عـــه **لم یفسد بوقوع المفسد وان کان ینحسر اوکان دون عشر فی عشر یفسد**[1] **به۔**	جب پانی برف کے سوراخ سے اوپر چڑھے اور پھیل جائے برف کی سطح پر اور پانی دہ در دہ ہو اس طور پر کہ اگر کسی نے چُلّو بھر کر اس سے پانی لیا اور اس کے نیچے برف نہ کھلی تو مفسد کے گرنے سے فاسد نہ ہوگا اور اگر نیچے والی برف کھل گئی یا وہ پانی دہ در دہ نہ تھا تو وہ پانی فاسد ہوجائیگا۔ (ت)

عـــه **ولفظ الاولین جاز فیه الوضوء والافلا اھ فلیتنبه فستأتیك فائدته فی الرسالة الاٰتیة ان شاء اللہ تعالٰی منه غفرله۔** (م)	پہلی دو کتابوں کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں وضو جائز ہے ورنہ نہیں اھ خبردار اس کا فائدہ آئندہ رسالہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث عشر فی عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۰۰

تحفۃ الفقہاء وبدائع میں امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی اور تبیین الحقائق میں دربارہ آب جاری امام ابو یوسف سے اور عبد الحلیم علی الدرر وجامع الرموز میں تصریح کی کہ دونوں ہاتھوں سے، پانی لینا مراد ہے یعنی لپ بھر کر لینے میں نہ کُھلے اور قہستانی سے مفہوم کہ اُس کا اندازہ، پانچ انگل دَل ہے۔

حیث قال (ان کان) وجه الماء (عشرا فی عشر لاینحسر ارضه بالغرفة) ای یرفع الماء بالکفین وهذا قول بعض المشائخ فی تقدیر العمق وعلیه الفتوی کما فی الخلاصة وهو علی مااختاره من المقدارین والعمق الذی هو خمس اصابع تقریبا[1] الخ	قہستانی نے کہا کہ اگر پانی کا بالائی حصہ ایسا دہ در دہ ہو کہ چُلّو بھرنے سے پانی کی زمین نہ کھلے یعنی دونوں ہاتھوں سے پانی اٹھانے سے۔ اور عمق کی مقدار میں یہ بعض مشائخ کا قول ہے اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے، اور یہ وہ ہے جس کو مقداروں میں سے اختیار کیا ہے، اور عمق تقریباً پانچ انگل ہے الخ (ت)

اقول: وهو تقریب قریب مشهود له بالتجربة (یہ اچھی تقریب ہے تجربہ اس پر گواہ ہے۔ت) تو آبِ کثیر ہونے کو یہ چاہئے کہ سو ہاتھ مساحت میں تقریباً پانچ انگل دَل کا پانی پھیلا ہوا ہو کہیں اس سے کم دل نہ ہو تالاب یا حوض کہ بارش کے بہاؤ یا چرخ وغیرہ سے بھرتے ہیں ان کی دھار کبھی اتنی نہیں ہوتی کہ تالاب یا حوض میں گر کر تمام سطح مطلوب پر اُس کنارے تک معاً پانچ اُنگل پانی چڑھادے پانی بالطبع طالب مرکز ہے اُس کے اجزاء زیر و بالا اُسی وقت تک رہ سکتے ہیں کہ اوپر کے اجزاء ڈھلکنے کی جگہ نہ پائیں جب محل پائیں گے فوراً اتر کر پھیل جائیں گے پرنالے سے جتنے دَل کی دھار اُتر رہی ہے زمین پر آکر ہر گز اُتنے دل پر نہ رہے گی معاً پھیلے گی یہی سبب ہے کہ مثلاً حوض میں ایک پورے کنارے سے پانی جس حجم کا اتارے باآنکہ مدد برابر جاری اور حوض کے سارے عرض میں معاً ساری ہے تو چاہئے تھا کہ یہی حجم آخر تک محفوظ رہتا اور دوسرے کنارے پر معاً اُتنے دَل کا پانی ہو جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا بلکہ اُس کنارے پر بتدریج بڑھتا ہے اور اوپر گزرا کہ دوسرے کنارے پر پہنچ کر یہ جریان ٹھہر جاتا ہے تو مساحت کی کثرت کیا نفع دے گی جبکہ معاً پانچ انگل دَل نہ ہو بتدریج ہوا تو ہر وقت آب قلیل ہے اتنا ناپاک ہو گیا اور آیا وہ بھی یونہی کم تھا یونہی ناپاک ہوا یہاں تک کہ حوضِ کبیر بھر گیا اور ناپاک ہی رہا۔ ہاں عظیم سیلابوں میں اتنے اور اس سے زیادہ حجم کا پانی اُس کنارے پر معاً چڑھتا ہے مگر وہ دم کے دم میں

[1] جامع الرموز بحث عشر فی عشر مطبعہ کریمیہ قزان، ایران ۱/۴۸

تالاب کو بھر کر اُبال دیں گے تو اس صورتِ نزاع میں رہے گا ہی نہیں اور بالفرض اگر کبھی ایسی صورت ہو کہ اُتنے عظیم بہاؤ کا پانی آئے اور کنارے ہی پر رک رہے تو یہ بغایت نادر ہے اور احکامِ فقہیہ میں نادر کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ ہے اُس حکم دائر سائر کا منشا اور یہ ہے اُس تعلیل کا مفاد کہ کل ماد خل صار نجسا یہ ہے وہ غایت عذر کہ تالاب میں باہر سے آنے والے پانی کو جاری مان کر بھی بحال نجاست مرئیہ باقیہ تمام تالاب کو ناپاک ٹھہرائے کتنا ہی کبیر ہو اگرچہ مسئلہ حوضین ومسئلہ نجاست غیر مرئیہ یامرئیہ مخرجہ کااب بھی جواب نہ ہوا۔

اقول: مگر اس تقریر پر وہ صورت وارد ہے کہ اگر پانی تالاب میں داخل ہو کر پہلے دہ در دہ ہو لیا پھر نجاست سے ملا تو ناپاک نہ ہوگا کہ وہ دہ در دہ سہی پانچ اُنگل دَل بھی تو درکار۔ اگر کہیے ملنے سے پہلے اُس پُوری مساحت میں اُتنا دَل پیدا ہونا بعید نہیں کہ پھیلنا تو بہتے میں ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ ملنے سے پہلے کہیں ٹھہر کر دَل پیدا کرلے پھر ملے۔ یہی سِر ہے کہ صورتِ مذکورہ خانیہ میں ان لفظوں سے ارشاد ہوئی:

واجتمع الماء فی مکان طاھر وھو عشر فی عشر[1]۔	اور پانی پاک جگہ اکٹھا ہوگیا اور وہ دہ در دہ ہے۔(ت)

خلاصہ میں:

ان کان الماء الذی یدخل فی الغدیر یستقر فی مکان طاھر حتٰی صار عشرا فی عشر[2]۔	اگر وہ پانی جو تالاب میں داخل ہورہا ہے پاک جگہ ٹھہر گیا یہاں تک کہ دہ در دہ ہوگیا۔(ت)

فتح القدیر وبحر الرائق میں:

انکان دخل فی مکان طاھر واستقر فیہ حتی صار عشرا فی عشر[3]۔	اور اگر پاک جگہ پانی داخل ہو کر ٹھہر گیا یہاں تک کہ وہ دہ در دہ ہوگیا۔(ت)

ذخیرہ وحلیہ میں:

انکان الماء الذی یدخل الغدیر ولا	اگر وہ پانی جو تالاب میں داخل ہوتا ہے داخل ہوتے ہی پاک

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الحیاض نولکشور لکھنؤ ۱/۵

[3] فتح القدیر الغدیر العظیم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷

انکان الماء الذی یدخل الغدیر ولایستقر فی مکان طاھر حتی یصیر عشرا فی عشر [1]۔	جگہ نہیں ٹھہرتا ہے یہاں تک کہ دہ در دہ ہوجائے۔(ت)

ورنہ صرف دہ در دہ ہونے کیلئے کسی مکان میں ٹھہر کر جمع ہولینا کیوں درکار ہوتا۔

اقول: اس وقت کادَل کیا فائدہ دے گا جبکہ اُسے آگے بڑھ کر نجاستوں سے ملنا ہے۔بڑھے گا پھر اُسی بہنے پھیلنے سے جواُس میں وہ حجم نہ رہنے دیں گے۔ اگر کہیے اتصال نجاست یوں بھی ممکن کہ آبِ نجس بڑھ کراُس سے ملے۔

اقول: یہ تصویر مفروض کے خلاف ہےاور خانیہ میں الفاظ مذکورہ کے بعد تصریح ہے: **ثم تعدی الی موضع النجاسة** [2] (پھر نجاست کی جگہ تک تجاوز کرجائے۔ت) بقیہ کتب مذکورہ میں ہے: **ثم انتھی الی النجاسة** عـــہ [3] (پھر نجاست تک پہنچ جائے۔ت) بالجملہ کلمات جمہور کسی طرح اُس آنے والے پانی کا بھی بطن حوض میں جریان درست نہیں آتا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق تحقیق (۱) یہی ہے کہ وہ جاری نہیں ورنہ اگر مثلًا نصف لوٹے میں ناپاک پانی ہو جس میں نجاست غیر مرئیہ ہو یا مرئیہ تھی اور نکال دی اُس کے بعد لوٹا بھر دیا اور کناروں سے کچھ نہ نکلا بلالکہ بھرا بھی نہیں کچھ پانی ڈال دیا جو اُس کے ایک کنارے سے دوسرے تک بہہ گیا تو چاہئے کہ سب پانی اور لوٹا پاک ہوجائے کہ جریان ہوگیا اور وہ نجاست غیر مرئیہ کو فنا کردیتا ہےاور اُس میں کوئی مساحت شرط نہیں اور بعد فنائے نجاست قلّت پر استقرار کیا مضر حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں یہ مشائخ کہ خروج اصلا شرط نہیں کرتے اُن کا کلام بھی حوض کبیر میں ہے ولہذا منیہ وذخیرہ ونظم زندویسی میں فرمایا **اذا کان الحوض کبیرا** [4]

عـــہ: تنبیہ اس مسئلہ کی تحقیق جلیل رسالہ ہبۃ الحبیر میں آتی ہے وہاں سے بتوفیق الٰہی یہ توفیق ظاہر ہوگی کہ پانی کے فی نفسہ کثیر ہونے کیلئے عمق درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ زمین کہیں کھلی نہ ہو اور یہ جو اتنا عمق شرط کیا گیا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلے اُس حالت میں ہے کہ اُس کے اندر وضو وغسل کریں اس تقدیر پر توجیہ مذکور کی گنجائش ہی نہیں **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ غفرلہ (م)

---

[1] حلیہ

[2] قاضی خان الماء الراکد نول لکشور لکھنؤ ۱/۴

[3] بحر الرائق ابحاث الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

[4] منیۃ المصلی فصل فی الحیض مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۷

بزازیہ میں بظاہر حوض کو صفت کثرت سے مطلق رکھ کر فرمایا: ثم دخل ماء کثیر [1] (پھر کثیر پانی داخل ہو۔ ت) غنیہ میں اُن کے حکم کی تعلیل یوں فرمائی:

(قیل لیس بنجس)لکونہ کبیرا [2] الخ کما تقدم کل ذلك۔	(کہا گیا ہے کہ یہ نجس نہیں ہے) کیونکہ یہ بڑا ہے الخ جیسا کہ یہ سب کچھ پہلے گزر چکا ہے۔(ت)

تو یہ اعتراض بھی اسی قول دوم پر رہا مگر یہ اُن کا کلام مرئیہ باقیہ سے مخصوص کیا جائے۔ اب رہے وجوہ ثلثہ مذکورہ بحث اول اقول وبہ استعین جو ظرف حبس وحفظ آب کیلئے ہو اُس میں پانی کی حرکت عرفاً جریان نہیں کہلاتی مشک کی تہ میں کٹورا بھر پانی ہو اسے دہانہ باندھ کر زیر وبالا کیجئے کہ پانی اِدھر سے اُدھر جائے اسے کوئی جاری ہو نا نہ کہے گا۔ جب دہانے سے نکل کر بہے گا اب کہیں گے کہ پانی بہا یہاں سے تینوں وجوہ کا جواب ہو گیا کہ بطن ظرف میں متحرک کو عرفاً جاری نہیں کہتے اور مکان اور اس کی دیواریں کوئی ظرفِ آب نہیں اور نہر ظرف ہے مگر نہ ظرف حبس بلکہ محلِ جریان بخلاف تالاب اور حوض کے، اگرچہ کبیر ہو، تو بحمد اللہ تعالٰی قول جمہور ہی پر عرش تحقیق مستقر ہوا اور کیوں نہ ہو کہ:

العمل علی قول الاکثر ویداللہ علی الجماعۃ ھذا کلہ ما فاض علی قلب الفقیر، من فیض اللطیف الخبیر، مع تشتت البال، وتراکم البلبال، وھجوم الحساد، بانواع الفساد، واللہ المستعان، وعلیہ التکلان، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، نعم المولٰی ونعم النصیر، عدت العادون وجاروا ورجوت اللہ عجیرا وکفٰی باللہ ولیا وکفٰی باللہ نصیرا	عمل اکثر کے قول پر ہی ہوتا ہے، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہی ہوتا ہے، یہ سب کچھ فقیر کے دل پر اُترا، مہربان باخبر خدا کے فیض کرم سے ہے، حالانکہ طبیعت پر اگندہ اور پیہم مصائب میں گرفتار ہوں اور حاسدوں نے الگ کئی قسم کے فساد برپا کر رکھے ہیں اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے اور طاقت وقوت اللہ ہی سے ملتی ہے جو بلند اور باعظمت ہے، ہمیں اللہ کافی ہے اور معتبر کارساز ہے، بہترین آقا اور بہترین مددگار ہے دشمنوں نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ اور میں اللہ کے کرم کی امید کرتا ہوں حالتِ انکساری میں اور اللہ کافی کارساز ہے اور اللہ کافی مددگار ہے

[1] بزازیہ مع الہندیہ نوع فی الحیض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸
[2] غنیہ المستملی عشر فی عشر سہیل اکیڈمی لاہور ص۱۰۱

وما قلت فیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، مستجرا بذیله الاکرم، رسول الله انت المستجاب فلا اخشی الاعادی کیف جاروا
بفضلك ارتجی ان عن قریب تمزّق کیدھم والقوم باروا
وقلت رسول الله انت بعثت فینا کریما رحمة حصنا حصینا تخوّفنی العدٰی کیدا متینا اجرنی یا امان الخائفینا وما قلت قدیما فی ربیع الاٰخر سنة الف وثلثمائة فرأیت الاجابة فوق العادة، وفوق المطلب والارادة، سریعا فی الساعة ولله الحمد ابدا، وارجو مثله سرمدا۔
الحمد للمتوحد بجلاله المتفرد وصلاته دوما علی خیرا لانام محمد والاٰل والاصحاب ھم مأوای عند شدائدی فالی العظیم توسلی بکتا به وبا حمد وبمن عــه اتی بکلامه وبمن ھدی وبمن ھدی وبطیبة وبمـ جوّت وبمنبر وبمسجد

میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں آپ کے دامن کی پناہ حاصل کرنے کیلئے یہ اشعار کہے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، تو اب مجھے دشمنوں کا کچھ خوف نہیں کہ وہ کیا ظلم ڈھائیں گے، مجھے آپ کے فضل سے امید ہے کہ عنقریب ان کا مکر پارہ پارہ ہو جائیگا اور وہ ہلاک ہو جائیں گے۔
اور عرض کیا ہے اے اللہ کے رسول! آپ ہم میں مبعوث کئے گئے رحمت بنا کر اور مضبوط قلعہ بنا کر۔ مجھے دشمن اپنی مضبوط چالوں سے ڈراتے دھمکاتے ہیں اے خوفزدہ لوگوں کی پناہ! مجھے پناہ دیجئے۔ اور اس سے پہلے ربیع الآخر ۱۳۰۰ھ میں کہا تھا تو امید سے فزوں تر حیرت انگیز طور پر میری مرادیں پُوری ہوگئیں ولله الحمد، خدا کرے ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے۔
تمام تعریفیں خدائے یکتا کو سزاوار ہیں جو اپنے جلال میں یکتا ہے، اور اس کی رحمتیں مدام، بہترین مخلوق محمد پر نازل ہوں، اور آل واصحاب پر، جو سختیوں میں میری پناہ گاہ ہیں، تو خداوند عظیم کی بارگاہ میں، میں وسیلہ لاتا ہوں، اس کی کتاب اور احمد کا۔ اور ان کا جو اللہ کے کلام کو

عــه ھو جبریل علیه الصلاة والسلام ونبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم وحملة القرآن من اٰله وصحبه وامته (صلی الله تعالٰی علیه وعلیھم وسلم) منه غفرله (م)

اور وہ جبریل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حاملینِ قرآن آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل، اصحاب اور امت میں سے ہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

وبکل من وجد الرضا من عند رب واجد
لاھمّ عـــہ قد ھجم العدای من کل شأوٍ ابعد
فی خیلھم ورجالھم مع کل عاد معتد
ھاوین زلۃ مثبتٍ باغین ذلۃ مھتد
لکنّ عبدك اٰمن اذمن دعاك یؤید
لا اختشی من باسھم ید ناصری اقوی ید
لاھُمَّ فادفع شرھم وقنی مکیدۃ کائد
وآدِم صلاتك والسلا م علی الجیب الاجود
والاٰل امطار النّدا والصحب سحب عوائد
ماغرّدتْ ورقا علی بانٍ کخیر مغرّد
واجعل بھا احمد رضا عبدا بحرز السید

واللہ تعالٰی وتبارک، صلی وسلم وبارک، علی المولی الکریم المبارک، واٰلہ وصحبہ، وابنہ وحزبہ، صلاۃً تخل العقد، تُحِلُّ المدد، وتقینا شر حاسد اذا حسد، ومکرحا قد اذا حقد، وضر عاند اذا عند، بحرمۃ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

والحمد للہ رب العالمین الی الابد، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

لائے اور جنہوں نے ہدایت دی اور جن سے ہدایت لی جاتی ہے، اور مدینہ منورہ کو اور ان کو جو مدینہ میں رہتے ہیں، اور منبر اور مسجد شریف کو اور ان تمام کو جنہیں خوشنودی میسر آئی رب کی جانب سے۔ اے اللہ ! دشمنوں نے مجھ پر ہلّہ بول دیا ہے ہر دُوری سے ان کے پیادوں اور ان کے سواروں نے، ہر حد سے تجاوز کرنے والے ظالم نے، جو ثابت قدم کی لغزش کی امید کرتے ہیں، اور ہدایت یافتہ کی ذلت کے خواہاں ہیں، مگر آپ کا غلام بے خوف ہے کیونکہ جو آپ کو پکارتا ہے اس کی تائید کی جاتی ہے، میں ان کی طاقت وقوت سے خوفزدہ نہیں۔ میرے مددگار کا ہاتھ مضبوط تر ہے۔ یا اللہ ! ان کے شر کو دفع کردے، اور مکار کے مکر سے مجھے بچالے، اور اپنے صلوٰۃ وسلام کو سخی تر حبیب پر ہمیشہ نازل فرما، اور اُن کی آل پر جو جُود وسخا کی بارش ہیں، اور اصحاب پر جو فوائد کے بادل ہیں، جب تک قمریاں بان کے درخت پر بہترین گانے گاتی رہیں۔ اور اس صلوٰۃ وسلام کے طفیل احمد رضا کو، آقا کا امان یافتہ غلام بنادے۔ اور اللہ تبارک وتعالٰی صلوٰۃ وسلام اور برکتیں نازل فرمائے آقا، کریم اور مبارک پر، اور ان کی آل واصحاب اور بیٹے اور ان کی جماعت پر، وہ صلوٰۃ جو گرہوں کو کھول دے اور مدد عطا کردے، اور ہمیں حاسدوں کے حسد سے اور کینہ پروروں کے کینوں سے اور سرکشوں کی شرارت سے بچادے، بطفیل قل ھو اللہ احد الخ کے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

عـــہ: لغۃ فی اللھم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اَللّٰھُمَّ میں ایک لغت ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتوٰی مسمّٰی به
هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر ۱۳۳۴ھ

ابرِ باراں کا عطیہ زیادہ پانی کی گہرائی میں (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۵۴: ۴ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آبِ **کثیر کے لئے جو** مثل جاری نجاست قبول نہ کرے کتنا عمق درکار ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کھُلے اس سے چُلّو مراد ہے یا لپ، **بیّنوا توجروا۔**

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اُس کے عُمق میں گیارہ۱۱ قول ہیں:

(۱) کُچھ درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ اُتنی مساحت میں زمین کہیں کھُلی نہ ہو۔

(۲) بڑا درہم کہ ۴۰ ماشے ہوتا ہے اُس کے عرض سے کچھ زیادہ گہرا ہو۔

(۳) اُس میں سے پانی ہاتھ سے اُٹھائیں تو زمین کھُل نہ جائے۔

(۴) پانی لینے میں ہاتھ زمین کو نہ لگے۔

اقول یہ اپنے سابق سے زائد ہے **کما لایخفی۔**

(۵) ٹخنوں تک ہو۔

(۶) چار اُنگل کشادہ

اقول: یہ تقریباً نوانگل یعنی تین گرہ ہوا۔

(۷)ایک بالشت

(۸)ایک ہاتھ

(۹)دوہاتھ

(۱۰) سفید سکہ اس میں ڈال کر مرد کھڑے سے دیکھے تو روپیہ نظر نہ آئے۔

اقول: یعنی پانی کی کثرت سے نہ کہ اس کی کدرت سے۔

(۱۱)اپنی طرف سے کوئی تعیین نہیں ناظر کی رائے پر موقوف ہے۔

اقول: یعنی جو جتنے گہراؤپر سمجھے کہ آب کثیر ہوگیا، اس کے حق میں وہ کثیر ہے دوسرا نہ سمجھے تو اس کیلئے قلیل ہے۔

اقول وھو غیر الاول فھو سلب التقدیر وھذا تفویضہ الی رأی المبتلی بہ وبالجملۃ فالاول حکم العدم وھذا عدم الحکم فانقلت انما التفویض فی ظاھر الروایۃ فی الطول والعرض اذبھما الخلوص وعدمہ وفیم یفوض الیہ النظر فی العمق۔	میں کہتا ہوں وہ اول کا غیر ہے تو وہ سلب تقدیر ہے، اور یہ اُسی شخص کی رائے کی طرف سپرد کرنا ہے جو اس میں مبتلا ہو، اور خلاصہ یہ ہے کہ پہلا حکمِ عدم ہے اور یہ عدم حکم ہے۔ تو اگر تم کہو کہ تفویض ظاہر روایت میں صرف طول و عرض میں ہے کیونکہ انہی دونوں سے خلوص اور عدمِ خلوص کا علم ہوتا ہے تو عمق میں اس کی رائے کی طرف کیونکر سپرد کیا جائے گا۔ (ت)
اقول: اختلفوا فی معیار عدم الخلوص ھل ھو التحریك وھی الروایۃ المتفقۃ عن اصحابنا ام الصبغ وھو قول الامام ابی حفص الکبیر البخاری ام التکدیر وھو قول الامام ابی نصر محمد بن محمد بن سلام ام المساحۃ وھو قول الامام ابی سلیمٰن الجوزجانی الکل فی البدائع ولا شك ان التکدیر یختلف باختلاف العمق فلعل ھذا القائل قائل بھذا القول	**میں کہتا ہوں** عدمِ خلوص کے معیار میں اختلاف ہے کہ آیا وہ تحریک ہے اور یہی متفقہ روایت ہمارے اصحاب کی ہے، یا صرف رنگنا ہے اور یہی قول امام ابو حفص الکبیر بخاری کا ہے، یا گدلا کرنا ہے، اور یہ امام ابو نصر محمد بن محمد بن سلام کا ہے، یا مساحت ہے اور یہ امام ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے۔ یہ تمام تفصیل بدائع میں ہے، اور اس میں شک نہیں کہ گدلا کرنا گہرائی کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے، اور غالباً یہ قائل اسی قول کی طرف۔

ففوضہ الی رای الناظر واللہ تعالیٰ اعلم۔	مائل ہے اور اسی لئے انہوں نے اس معاملہ کو دیکھنے والوں کی رائے کی طرف سپرد کیا ہے۔(ت)

ان میں قول سوم عامہ کتب میں ہے اور اوّل ودوم وہفتم وہشتم بدائع وتبیین وفتح میں نقل فرمائے اور چہارم خانیہ وغنیہ پنجم جامع الرموز ششم غنیہ نیز مثل نہم ویازدہم قہستانی ونہم شرح نقایہ برجندی میں۔

ان میں صرف دو قول مصحح ہیں اوّل وسوم وبس۔

اما ما رأیت فی جواھر الاخلاطی من قولہ جمع الماء فی خندق لہ طول مثلا مائۃ ذراع وعرضہ ذراع اوذراعان فی جنس ھذہ المسألۃ اقوال فی قول یجوز التوضی منہ بغیر فصل وھو الماخوذ وفی قول لووقعت فیہ نجاسۃ یتنجس من طولہ عشرۃ اذرع وفی قول ان کان الماء مقدار مالوجعل فی حوض عرضہ عشرۃ فی عشرۃ ملیئ الحوض وصار عمقہ قدر شبر یجوز التوضی بہ والا فلا وھو الصحیح تیسیرا للامر علی الناس وقیل لایجوز التوضی فیہ وان کان من بخاری الی سمرقند[1] اھ **فاقول:** قولہ ھو الصحیح ناظر الی اعتبار المساحۃ وحدھا من دون اشتراط الامتدادین وبہ یوافق تصحیحہ الاول بقولہ ھو الماخوذ الی اشتراط عمق شبر والدلیل علیہ قول البرجندی، قال	جواہر الاخلاطی میں ہے کہ کسی شخص نے کسی خندق میں پانی جمع کیا جس کا طول سو ہاتھ اور چوڑائی ایک ہاتھ یا دو ہاتھ ہو، تو اس مسئلہ میں چند اقوال ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس سے وضو مطلقًا جائز ہے اور یہی قول ماخوذ ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں نجاست گر جائے تو وہ لمبائی میں دس ہاتھ ناپاک ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس میں اتنا پانی ہے کہ اگر اس کو ایک ایسے حوض میں کر لیا جائے جس کی چوڑائی دہ در دہ ہو تو حوض بھر جائے، اور اس کی گہرائی ایک بالشت ہو، تب تو اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں اور یہی صحیح ہے کہ اس میں لوگوں پر آسانی ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں اگرچہ وہ بخارا سے سمرقند تک ہو اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** ان کا قول ھو الصحیح صرف پیائش کو دیکھتے ہوئے ہے، دونوں امتدادوں کی اس میں شرط نہیں، اور اسی کی وجہ سے یہ ان کی پہلی تصحیح کے مطابق ہو جائیگا، وہ فرماتے ہیں یہی ماخوذ ہے، اس میں ایک بالشت کی گہرائی کی

[1] جواہر الاخلاطی

الامام ابو بکر الطرخانی اذ الم یکن لہ عرض صالح وکان طولہ من بخارٰی الی سمرقند لایجوز التوضی منہ وقال محمد بن ابرھیم المیدانی ان کان بحال لوجمع ماؤہ یصیر عشرا فی عشرو صار عمقہ بقدر شبرجاز التوضی بہ الکل فی الفتاوی الظھیریۃ وذکر فی الخلاصۃ ان الفقیہ ابا اللیث اخذ بہ وعلیہ اعتماد الصدر الشھید وفی الملتقط انکان عرض الغدیر ذراعین وبلغ طولہ فی عرضہ عشرا فی عشر فبال فیہ انسان فالماء طاھر [1] اھ" فانما الضمیر فی قول اخذ بہ وقولہ علیہ اعتماد الی اعتبار المساحۃ ولو بالجمع والا لم تکن الحوالۃ رائجۃ لان عبارۃ الخلاصۃ فی جنس فی النھر ھکذا ان کان الماء لہ طول وعمق ولیس لہ عرض کانھار بلخ ان کان بحال لوجمع یصیر عشرا فی عشر یجوز التوضی بہ وھذا قول ابی سلیمان الجوزجانی وبہ اخذا لفقیہ ابو اللیث وعلیہ اعتماد الصدر الشھید وقال الامام ابوبکر الطرخانی لایجوز وان کان من ھنا الی سمرقند [2] اھ

شرط نہیں اور اس کی دلیل برجندی کا قول ہے امام ابو بکر طرخانی نے فرمایا جب اس کی چوڑائی مناسب نہ ہو اور اس کی لمبائی خواہ بخارٰی سے سمرقند تک ہو تو اُس سے وضو جائز نہیں"۔ اور محمد بن ابراہیم میدانی نے فرمایا اگر حوض اتنا بڑا ہو کہ اگر اس کا پانی اکٹھا کیا جائے تو وہ دہ در دہ ہو جائے اور اس کی گہرائی بقدر ایک بالشت ہو تو اس سے وضو جائز ہے، یہ سب فتاوٰی ظہیریہ سے ماخوذ ہے، اور خلاصہ میں ذکر کیا کہ فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور ملتقط میں ہے کہ اگر تالاب کی چوڑائی دو ہاتھ ہو اور اس کی لمبائی چوڑائی میں دہ در دہ ہو اور اس میں کوئی انسان پیشاب کردے تو پانی پاک ہے اھ

اور ضمیر ان کے قول اخذ بہ اور علیہ میں اعتبار مساحت کی طرف راجع ہے اگرچہ جمع کے اعتبار سے ہو ورنہ تو حوالہ رائج نہ ہوتا کیونکہ خلاصہ کی عبارت جنس فی النھر میں اس طرح ہے کہ اگر پانی کیلئے لمبائی گہرائی ہو اور چوڑائی نہ ہو جیسے بلخ کی نہریں، ان میں کا پانی اگر جمع کر لیا جائے تو وہ دہ در دہ ہو جائے تو اُس سے وضو جائز ہے اور یہ ابو سلیمان الجوزجانی کا قول ہے اور فقیہ ابو اللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اسی پر صدر الشہید کا اعتماد ہے، اور امام ابو بکر الطرخانی نے فرمایا جائز نہیں اگرچہ یہاں سے

[1] نقایۃ برجندی کتاب الطہارت نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی جنس فی الانہار نولکشور لکھنؤ ۱/۹

فلیس فیه ذکر العمق اصلا فضلا عن تقدیره بشبر کیف والامام الجوزجانی اُخذ فی العمق بالقول الاول وھو نفی التقدیر رأسا قال فی البدائع اما العمق فھل یشترط مع الطول والعرض عن ابی سلیمان الجوزجانی انه قال ان اصحابنا رضی الله تعالٰی عنھم اعتبروا البسط دون العمق[1] اھ فالمیدانی اخذ بقوله فی اعتبار المساحة دون الامتدادین وزاد من عند نفسه قدر العمق فنقلاہ فی الجواھر وشرح النقایة وذکرا تصحیحه باعتبار اصله مع قطع النظر عن الزیادة لان المحل محل الخلافیة الاصل لاخلافیة العمق والله تعالٰی اعلم۔	سمرقند تک ہو اھ اس میں گہرائی کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ چہ جائیکہ ایک بالشت کے اندازے کا ذکر ہو پھر امام جوزجانی نے گہرائی کے بابت پہلا قول ہی اختیار کیا ہے، جس میں اندازہ کو مطلقًا ترک کیا گیا ہے، بدائع میں فرمایا کہ گہرائی کی بابت سوال یہ ہے کہ اس کو طول وعرض کے ساتھ مشروط کیا جائے گا، ابو سلیمان الجوزجانی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہمارے اصحاب نے چوڑائی کا اعتبار کیا ہے گہرائی کا نہیں، اھ تو میدانی نے پیائش میں ان کے قول کو لیا ہے نہ کہ دو امتدادوں میں اور اپنی طرف سے انہوں نے گہرائی کی مقدار کا اضافہ کیا، تو ان دونوں نے اس کو جواہر اور شرح نقایہ میں ذکر کیا اور ان دونوں نے اس کی تصحیح اصل کے اعتبار سے کی ہے اور زیادتی سے قطع نظر کیا ہے، کیونکہ یہ محل ہے جس کے اصل میں اختلاف ہے نہ کہ جس کے عمق میں اختلاف ہے واللہ اعلم۔(ت)

قول اول کی تصحیح امام زیلعی نے فرمائی:

قال فی التبیین والصحیح اذا اخذ الماء وجه الارض یکفی ولا تقدیر فیه فی ظاھر الروایة[2]۔	تبیین میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ جب زمین کی سطح پر پانی پھیل جائے تو وہ کافی ہے ظاہر الروایۃ میں کسی مقدار کا ذکر نہیں۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

ھو الاوجه لما عرف من اصل ابی حنیفة[3]۔	یہی اوجہ ہے جیسا کہ ابو حنیفہ کی اصل سے معلوم ہوا۔(ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس تصحیح کی تضعیف کی **فقال قیل والصحیح اذا اخذ**

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر بہ المحل نجساً ایچ۔ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳

[2] تبیین الحقائق بحث عشر فی عشر بولاق مصر ۱/۲۲

[3] بحر الرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

الماء الخ[1]	وہ فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا صحیح یہ ہے کہ جب پانی لے الخ۔(ت)

اقول: یہاں دو نظریں ہیں ایک بظاہر قوی اس قول کی تزییف میں دوسری کمال ضعیف اس کی تایید میں اور شاید اسی لئے امام ابن الہمام نے اس تصحیح کو ضعیف کیا مگر نظر دقیق اس کی قوت پر حاکم وباللہ التوفیق

اما التائید فلعل زاعما یزعم ان الکثیر قدالحق بالجاری فی کل حکم کما حققه فی الفتح والجاری لاتقدیر فیه للعمق کما دلت علیه فروع کثیرة منها مسألة المطر النازل علی سطح فیه نجاسات فکذا ھھنا۔ **اقول:** ھب ان الکثیر ملحق بالجاری فی جمیع الاحکام لکن الکلام انه متی یکون کثیرا فلا یمکن الالحاق قبل اثبات ان الکثرة لاتحتاج الی العمق الا تری ان الجاری لاتقدیر فیه بشیئ من الطول ولا العرض کما دلت علیه فروع جمة ذکرناھا فی رحب الساحة منھا الماء النازل من الابریق علی ید المستنجی قبل وصوله الیھا ولا یلزم منه عدم التقدیر بھما ھھنا ایضا فکذا العمق واللہ تعالی اعلم۔واما التزییف ففی الراکد الکثیر قولان معتمدان الاول ظاھر الروایة وھو اعتبار عدم الخلوص ظنا وتفویضه الی رأی المبتلی به من دون تقدیر بشیئ ومعرّف ذلك التحریك عند ائمتنا الثلثة رضی اللہ تعالی	اور جہاں تک تائید کا تعلق ہے شاید کوئی گمان کرنے والا گمان کرے کہ کثیر کو جاری کے حکم میں کیا گیا ہے تمام احکام میں، جیسا کہ اس کی تحقیق فتح میں ہے اور جاری کی گہرائی میں کوئی مقدار نہیں ہے، اور اس پر فروع کثیرہ دلالت کرتی ہیں ایک فرع ان میں سے یہ ہے کہ بارش چھت پر ہو اور وہاں مختلف نجاستیں ہوں تو یہاں بھی ایسا ہی ہے۔(ت) میں کہتا ہوں مان لیا کہ کثیر تمام احکام میں جاری کے ساتھ ملحق ہے لیکن اصل گفتگو تو اس میں ہے کہ وہ کب کثیر ہوگا تو اس کو اس کے ساتھ ملحق کرنا اس وقت تک درست نہ ہوگا جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ کثرت گہرائی کی محتاج نہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جاری میں طول وعرض کا کوئی اندازہ نہیں، اس پر بہت سی فروع دلالت کرتی ہیں جن کا ذکر ہم نے رحب الساحة میں کیا، ایک فرع یہ ہے کہ لوٹے سے پانی استنجاء کرنے والے کے ہاتھ پر گرے اس تک پہنچنے سے قبل اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان دونوں کا اندازہ نہ ہو یہاں بھی، تو عمق کا بھی یہی حال ہے واللہ تعالٰی اعلم۔اور تزییف کا بیان یہ ہے کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں دو۲ معتمد قول ہیں پہلا ظاہر الروایۃ ہے اور وہ بطور گمان عدم خلوص کا اعتبار ہے اور اس میں کوئی مقدار نہیں بلاکہ جو اس

[1] فتح القدیر بحث عشر فی عشر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱

عنهم وهو بالتوضی علی الاصح والثانی معتمد عامة المتأخرين وعليه الفتوی وهو التقدير بعشر فی عشراعنی مساحة مائة علی الصحيح فعدم التقدير الموافقُ لاصل الامام رضی الله تعالٰی عنه انما هو علی الرواية الاولی اما الاٰن فالكلام علی تقدير التقدير فكيف يلاحظ فيه اصل عدم التقدير كما فعل البحرام كيف يراعی فيه ظاهر الرواية كما فعل الامام الفخر ونفس العشر فی عشر ليست فی ظاهر الرواية۔

اقول:(۱)والتحقيق عندی ان التقدير بعشر فی عشر ليس حكما منحازا برأسه(۲)فيحتاج الی ابداء اصل له كما تجشمه الامام صدر الشريعة(۳)ويطعن فيه بانه لايرجع الی اصل فی الشرع كما قاله فی البحر وتبعه فی الدر ويرد بمخالفته لقول الامام المصحح من كثيرين اعلام كما يتوهم بل هو تقدير منهم رحمنا الله تعالٰی بهم لما فی ظاهر الرواية من عدم الخلوص وجدوا هذا القدر لايخلص فحكموا به

قال فی البدائع ذكر ابوداؤد لايكاد يصح لواحد من الفريقين حديث عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی تقدير الماء ولهذا رجع اصحابنا فی التقدير الی الدلائل

میں مبتلی ہے اس کی رائے پر چھوڑا گیا ہے اور اس کی پہچان ہمارے ائمہ ثلثہ کے نزدیک حرکت دینا ہے اور یہ حرکت اصح قول کے مطابق وضو سے ہوگی، اور دوسرا قول عام متأخرین کا مختار ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور اس سے مراد دہ در دہ کی مقدار ہے، یعنی سو ہاتھ کی پیمائش صحیح قول پر ہے، اور اندازہ نہ ہونا جو امام کی اصل کے مطابق ہے وہ پہلی روایت کے مطابق ہے، اور اب گفتگو مقدار کی تقدیر پر ہے تو اس میں عدم تقدیر کی اصل کا لحاظ کیسے ہوگا جیسا کہ بحر نے کیا ہے یا اس میں ظاہر الروایۃ کی رعایت کیسے ہوگی؟ جیسا کہ امام فخر نے کیا ہے جبکہ دَہ در دہ ظاہر روایۃ میں کوئی قول نہیں۔(ت)

میں کہتاہوں میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ دہ در دہ کا اندازہ مستقل حکم نہیں ہے کہ اس کیلئے کوئی اصل تلاش کرنا ہو، جیسا کہ صدر الشریعۃ نے اس کی کوشش کی ہے، اور اس پر یہ اعتراض کہ یہ چیز شریعت کی کسی اصل پر متفرع نہیں، جیسا کہ بحر میں فرمایا اور دُر نے اس کی متابعت کی اور اس کو اس بنا پر رد کر دیا جائے کہ یہ قول اکثر علماء کے مطابق امام کے صحیح قول کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے جیسا کہ وہم ہوتا ہے بلاکلہ یہ اُن کی طرف سے اندازہ ہے، کیونکہ ظاہر روایۃ میں عدم خلوص ہے اور اس مقدار میں انہوں نے خلوص نہ پایا تو انہوں نے اس پر یہ حکم لگایا۔

بدائع میں فرمایا ابو داؤد نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث جو پانی کے اندازہ سے متعلق ہے فریقین میں سے کسی کیلئے کوئی حدیث

الحسية دون السمعية ثم اختلفوا فی تفسير الخلوص فاتفقت الروايات عن اصحابنا انه يعتبر بالتحريك وابو حفص الكبير اعتبر الخلوص بالصبغ وابو نصر بالتكدير والجوزجانی بالمساحة فقال ان كان عشرا فی عشر فهو مما لايخلص وان كان دونه فهو مما يخلص [1] اھ ـ فقد جعل هذا تفسير الما فی المذهب وقال فی الغنية تحت قوله الحوض اذا كان عشرا فی عشر المقصود من هذا التقدير حصول غلبة الظن بعدم خلوص النجاسة [2] اھ ـ فاذا كان هذا تفسير مافی ظاهر الرواية وجبت رعايتها فيه وبقی عمقه علی اصل الامام لان هذا انما هو تقدير ما لايخلص وما لايخلص لم يعتبر فيه عمق فی ظاهر الرواية فلا داعی الی اعتباره هنا اللهم الا ان يثبت ان للعمق مدخلا فی خلوص الحركة وعدمه ايضا فح يقال ان ظاهر الرواية حيث احالت الامر عليه ارسلت الامتدادات ارسالا وكان ذلك الواجب حينئذ اما انتم فقدرتم الامتدادين وليس ان كل عمق

صحیح نہیں، اور اسی لئے ہمارے اصحاب نے اندازہ میں دلائل حسّیہ کی طرف رجوع کیا نہ کہ سمعیۃ کی طرف اب خلوص کی تفسیر میں اختلاف ہے تو ہمارے اصحاب کی متفقہ روایت میں ہلانے کا اعتبار ہے اور ابو حفص کبیر نے خلوص رنگنے کو کہا اور ابو نصر نے گدلا ہونے کو کہا اور جوزجانی نے پیائش کو کہا، فرمایا کہ اگر وہ دہ در دہ ہو تو اس میں خلوص نہیں اور اگر اس سے کم ہے تو اس میں خلوص ہے اھ انہوں نے یہ مذہب کی تفسیر بنائی ہے غنیہ میں مصنف کے قول الحوض اذا کان عشر فی عشر کے تحت ہے کہ اس تقدیر سے مقصود نجاست کے عدم خلوص کی بابت ظن غالب کا حصول ہے اھ اور جب یہ ظاہر روایت کی تفسیر ہے تو اس کی رعایت اس میں لازم ہے، اور امام کی اصل کے مطابق عمق باقی رہا کیونکہ یہ اسکی تقدیر ہے جس میں خلوص نہ ہو اور جس میں خلوص نہ ہو ظاہر الروایۃ کے مطابق اس میں عمق معتبر نہیں، تو یہاں اس کے اعتبار کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اگر عُمق کا دخل خلوص حرکت اور عدمِ خلوص میں ثابت کر دیا جائے، تو اُس وقت کہا جائیگا کہ ظاہر روایت نے جہاں معاملہ کا دار ومدار اس پر رکھا ہے تو امتدادات کو مطلق رکھا ہے اور اس وقت یہی لازم تھا اور تم نے دونوں امتدادوں کی تقدیر کی ہے اور ان دونوں کے بعد ہر عمق برابر نہیں تو تم پر لازم ہے کہ ایک ایسے عمق کی تقدیر کرو

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی
[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام الحیاض سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۸

بعدھما سواء فیجب علیکم تقدیر عمق لایقبل معہ الامتدادان الخلوص فافھم۔ فافھم،وح لایضاد القول الحادی عشر للقول الاول اذ ترك التقدیر فی ظاھر الروایۃ لایکون اذن لنفیہ بل لعدم تعینہ واختلافہ باختلاف الامتدادات فیصح التفویض الی رأی الناظر لکنہ شیئ یحتاج الی ثبت ودونہ خرط القتاد بل یدفعہ ان لوکان کذلك لم یصح تعیین عشر فی عشر فانہ یختلف الامتدادان المانعان للخلوص علی ھذا باختلاف الاعماق فکیف یجوز التحدید علی شیئ منھا وھو عود علی المقصود بالنقض فترجح ان الاوجہ ھو ظاھر الروایۃ بل ھی الوجہ ھذا ماعندی واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ اس کے ہوتے ہوئے دونوں امتداد خلوص کو قبول نہ کریں۔اس صورت میں گیارھواں قول پہلے قول کی ضد نہ ہوگا کہ ظاہر روایت میں تقدیر کاترک کرنا اس کی نفی کیلئے نہ ہوگا بلالکہ اس کی عدمِ تعیین کیلئے ہوگا اور اس کا اختلاف امتدادات کے اختلاف کی وجہ سے ہوگا تو دیکھنے والے کی رائے کی طرف اس کو سپرد کرنا صحیح ہوگا، مگر یہ ایک ایسی چیز ہے جس کو دلیل کی ضرورت ہے حالانکہ اس کی دلیل مشکل ہے بلالکہ اس کارَد یہ ہے کہ اگر بات یہی ہوتی تو دہ در دہ کی تعیین صحیح نہ ہوئی، کیونکہ جو دو امتداد خلوص کے مانع ہیں اس بنا پر گہرائیوں کے اختلاف سے مختلف ہونگے تو ان میں سے کسی ایک کی تحدید کیونکر درست ہوگی اور یہ تو نقض کے سبب مقصود کی طرف عود کرنا ہے تو راجح یہی قرار پایا کہ ظاہر روایت ہی درست ہے بلالکہ صرف ایک یہی وجہ ہے ھذا ماعندی الخ(ت)

اس قول کی تصحیح امام زیلعی کے سوا دوسرے سے نظر میں نہیں:

اما ما فی البحر فی البدائع اذا اخذ ای الماء وجہ الارض یکفی ولا تقدیر فیہ فی ظاھر الروایۃ وھو الصحیح[1] اھ **فاقول:** ھذا کما تری کلام التبیین ولیس فی البدائع انما ذکر فیہ عن الجوزجانی ماتقدم ثم قال وعن الفقیہ ابی جعفر	اور جو بحر میں ہے کہ بدائع میں ہے جب پانی زمین کی سطح کو چھپادے یہ اس کیلئے کافی ہے اور ظاہر الروایۃ میں کوئی تقدیر متعین نہیں،اور یہی صحیح ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** یہ تبیین کا کلام ہے اور یہ بدائع میں نہیں اس میں تو جوزجانی سے جو منقول ہے وہ بیان ہوچکا ہے پھر فرمایا فقیہ ابو جعفر

[1] بحر الرائق بحث عشر فی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۷

الهندوانی ان کان بحال لورفع انسان الماء بکفیه انحسرا سفله ثم اتصل لایتوضؤ به[1] ثم ذکر الزیادة علی عرض الدرهم والشبر والذراع ولم یصحح شیئا منها نعم قال قبله فی الماء الجاری اختلف المشائخ فی حد الجریان قال بعضهم هو ان یجری بالتبن والورق وقال بعضهم ان کان بحیث لووضع رجل یده فی الماء عرضا لم ینقطع جریانه فهو جار والا فلا. وروی عن ابی یوسف ان کان بحال لواغترف انسان الماء بکفیه لم ینحسر وجه الارض بالاغتراف فهو جار والا فلا وقیل مایعده الناس جاریا فهو جار وما لا فلا وهو اصح الاقاویل[2] اھ فقد افاد(۱)تصحیح عدم التقدیر بعمق لکنه فی الجاری وهو کذٰلك فیه بلاشك والکلام ههنا فی الراکد الکثیر

اما قول البحر هو الاوجه فاقول هو رحمه الله تعالٰی مع علو کعبه الرجیح، لیس من ارباب الترجیح، کما یعرفه من رزق حظا من النظر الصحیح، وخدمة هذا

ہندوانی کہتے ہیں کہ اگر پانی ایسا ہے کہ آدمی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اس کی تہ کھل جائے پھر جُڑ جائے تو اُس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے، پھر درہم، بالشت اور ایک ہاتھ سے زائد کی چوڑائی کا ذکر کیا اور ان میں سے کسی کی تصحیح کا ذکر نہیں کیا ہاں اس سے قبل جاری پانی کی بابت کہا کہ مشائخ کا حدِ جریان میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا ہاتھ پانی میں چوڑائی میں ڈالے تو پانی کا جاری رہنا ختم نہ ہو تو وہ جاری ہے ورنہ نہیں (بعض نے فرمایا کہ اگر اس پانی میں کوئی تنکا ڈالا جائے یا پتّہ ڈالا جائے تو بہا لے جائے)، اور ابو یوسف سے مروی ہے کہ وہ ایسا پانی ہو کہ اگر کوئی شخص اس میں سے چُلّو بھر کر پانی لے تو زمین کھلنے نہ پائے، ایسا پانی جاری ہے ورنہ نہیں، ایک قول ہے کہ جس کو لوگ جاری سمجھیں وہ جاری ہے اور جس کو جاری نہ سمجھیں وہ جاری نہیں اور سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے اھ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے گہرائی کا تعین نہیں فرمایا، لیکن یہ جاری پانی میں ہے اور اس میں شک نہیں، اور گفتگو یہاں ٹھہرے ہوئے کثیر پانی میں ہے۔ لیکن بحر کا قول معقول تر ہے، **میں کہتا ہوں** وہ بلالندی مقام کے باوجود اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں جیسا کہ صاحبِ نظر اور فن کا ماہر جانتا ہے، ابن عابدین نے اپنی منظوم کی شرح عقود رسم المفتی میں بحر سے نقل کے

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳
[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان المقدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۱

الفن یفکر نجیح، وقال سیدی محمد بن عابدین رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح منظومۃ عقود رسم المفتی بعد مانقل عن البحر فیما نقلوا عن اصحابنا انہ لایحل لاحدان یفتی بقولنا حتی یعلم من این قلنا ان ھذا الشرط کان فی زمانھم اما فی زماننا فیکتفی بالحفظ کما فی القنیۃ وغیرھا فیحل الافتاء بقول الامام بل یجب وان لم نعلم من این قال فینتج من ھذا انہ یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافہ [1]اھ مانصہ یؤخذ من قول صاحب البحر یجب علینا الافتاء بقول الامام الخ انہ نفسہ لیس من اھل النظر فی الدلیل فاذ اصحح قولا مخالفا لتصحیح غیرہ لایعتبر فضلا عن الاستنباط والتخریج علی القواعد خلافا لما ذکرہ البیری عند قول صاحب البحر فی کتابہ الاشباہ النوع الاول معرفۃ القواعد التی تردُّ الیھا وفرعوا الاحکام علیھا وھی اصول الفقہ فی الحقیقۃ وبھا یرتقی الفقیہ الی درجۃ الاجتھاد ولو فی الفتوٰی واکثر فروعہ ظفرت بہ [2]الخ فقال البیری بعد ان عرف المجتھد فی المذھب بما

بعد جو اصحاب سے نقل کیا وہ یہ کہ کسی شخص کیلئے یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتوٰی دے تاوقتیکہ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ ہم نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کے بعد فرمایا یہ اُن کے زمانہ میں تھا، مگر ہمارے زمانہ میں صرف یاد پر اکتفاء کرنا کافی ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے تو امام کے قول پر فتوٰی حلال ہے بلالکہ واجب ہے خواہ یہ معلوم نہ ہو کہ انہوں نے کہاں سے یہ قول لیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم پر قول امام پر فتوٰی دینا واجب ہے خواہ یہ قولِ مشائخ کے خلاف ہو اھ صاحبِ بحر کا قول یہ ہے "ہم پر قول امام پر فتوٰی واجب ہے الخ وہ خود دلیل میں غور وفکر کی اہلیت نہیں رکھتے، اب اگر وہ کسی قول کی تصحیح کریں جو غیر کی تصحیح کے خلاف ہو تو اعتبار نہ ہوگا چہ جائیکہ استنباط وتخریج جو قواعد کے مطابق ہو، بیری نے اس کے خلاف کیا ہے، یہ صاحب بحر کے اس قول کے پاس ہے جہاں وہ اپنی کتاب "الاشباہ" میں فرماتے ہیں، پہلی قسم اُن قواعد کی معرفت میں جن پر فقہاء نے احکام متفرع کئے ہیں، اور یہی حقیقۃ میں اصولِ فقہ ہیں، اور ان کے ذریعہ فقیہ درجہ اجتہاد تک پہنچتا ہے خواہ یہ اجتہاد فتوٰی میں ہو، اور اُس کی اکثر فروع پر مجھے کامیابی ہوئی ہے الخ بیری نے مجتہد فی المذہب کی تعریف کی جو ہم نے

---

[1] شرح المنظومۃ المسماۃ بعقود رسم المفتی من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲۸/۱

[2] الاشباہ والنظائر بکون ہذا النوع الثانی منہا ادارۃ القرآن کراچی ۱۵/۱

قدمناہ عنہ۔وفی ھذا اشارۃ الی ان المؤلف قدبلغ ھذہ المرتبۃ فی الفتوٰی وزیادۃ وھو فی الحقیقۃ قد من اللہ تعالٰی علیہ بالاطلاع علی خبایا الزوایا وکان من جملۃ الحفاظ المطلعین انتھی اذ لایخفی ان ظفرہ باکثر فروع ھذا النوع لایلزم منہ ان یکون لہ اھلیۃ النظر فی الادلۃ التی دل کلامہ فی البحر علی انھا لم تحصل لہ وعلی انھا شرط الاجتھاد فی المذھب فتأمل [1]اھ

اقول: ای بالمعنی الذی عرفہ بل بیری زادہ شاملا للمجتھد فی المسائل واھل التخریج والمجتھد فی الفتوی حیث(۱) قال المجتھد فی المذھب عرف بانہ المتمکن من تخریج الوجوہ علی منصوص امامہ والمتبحر فی مذھب امامہ المتمکن من ترجیح قول لہ علی اٰخر [2]اھ لا المجتھد فی المذھب الذی ھی الطبقۃ الثانیۃ الفائقۃ علی الثلثۃ الباقیۃ لقول البحر ولو فی الفتوی۔

واقول: لم یدع البحران من عرف

بیان کی پھر فرمایا کہ اس میں اشارہ ہے کہ مصنف فتوی میں خود اس مرتبہ پر فائز ہے، بلاکہ اس سے زیادہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کو اسرار و رموز پر مطلع فرمایا تھااور وہ حفاظ میں سے تھے انتہی، یہ مخفی نہ رہے کہ اُن کا اس کی اکثر فروع پر مطلع ہونا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ صاحبِ فکر ونظر بھی ہیں کہ یہ مقام ان کو حاصل نہیں، یہ مجتہد فی المذہب کی شرائط ہیں **فتأمل** اھ (ت)

میں کہتا ہوں، یعنی اُس معنی کے اعتبار سے جو بیری زادہ نے کیے ہیں یہ مجتہد فی المسائل کو بھی شامل ہے اور اہلِ تخریج اور مجتہد فی الفتوی کو بھی، انہوں نے فرمایا کہ مجتہد فی المذہب کی تعریف اس طرح کی گئ ہے کہ وہ ایسا عالم ہوتا ہے جو اپنے امام کے بیان کردہ مسئلہ کی وجوہ کی تخریج پر قادر ہو، اور مذہب امام کا متبحر عالم ہو اس کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر ترجیح دے سکتا ہو، نہ کہ مجتہد فی المذہب، جو دوسرے طبقہ میں ہوتا ہے جو باقی تین پر فائق ہوتا ہے، کیونکہ بحر نے فرمایا "اگرچہ فتوی میں"۔(ت)

میں کہتا ہوں بحر نے یہ دعوی نہیں کیا کہ جو

[1] بیری زادہ
[2] بیری زادہ

الفروع ارتقی الی مرتبة الاجتھاد واین جمعھا من اھلیة النظر فی الدلیل والصیدلة من الطب وانما اراد ان تلك القواعد من ادرك حقائقھا وان الفروع کیف تستنبط منھا وتردُّ الیھا کان ذلك سلّما له یرتقی بھا الی ادنی درجات الاجتھاد ولم یدع ھذا لنفسه انما ذکر الظفر باکثر الفروع فاین ھذا من ذاک(۱) والعجب کیف خفی ھذا علی العلامة بیری مع وضوحه ثم ھو ایضا لم (۲) یشھد بحصول درجة الاجتھاد فی الفتوی له رحمھما اللّٰه تعالٰی انما زعم ان فی کلام البحر اشارة الیه وشھد بکونه من الحفاظ المطلعین وھذا لاشك فیه وقد قال السید ابو السعود الازھری فی فتح اللّٰه المعین لایعتمد علی فتاوی ابن نجیم ولا علی فتاوی [عـــه]	شخص بھی فروع کو جانے گا وہ مرتبہ اجتہاد پر فائز ہو جائے گا، فروع کا یاد کرنا اور ہے اور فکر و نظر چیزے دگراست، یہ بالکل ایسا ہے جیسے دوافروش اور طبیب کا فرق ہوتا ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص ان قواعد کو پہچاننے لگے اور اُن سے استنباطِ مسائل کا طریقہ معلوم کرلے، تو یہ اجتہاد کے ادنی درجہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور انہوں نے خود اپنے لئے اس مقام کا دعوی نہیں کیا ہے انہوں نے تو محض یہ کہا ہے کہ وہ اکثر فروع کو جاننے میں کامیاب ہوئے ہیں دونوں میں بڑا فرق ہے تعجب ہے کہ یہ حقیقت علامہ بیری پر کیسے مخفی رہی، حالانکہ بالکل واضح ہے، پھر اُنہوں نے اپنے لئے درجہ اجتہاد فی الفتوی کا دعوی بھی نہیں کیا ہے رحمہما اللہ تعالٰی، صرف یہ کہا ہے کہ بحر کے کلام میں اس طرف اشارہ ہے اور انہوں نے اس امر کی شہادت دی ہے

عـــه **اقول**: کذا قال ولم اطلع علیھا لاعلم حالھا لکن قال فی کشف الظنون من الذال تحت ذخیرة الناظر فی الاشباہ والنظائر انھا للعالم الفاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی ۱۰۰۴ھ اربع والف ثم قال قال الامینی فی خلاصة الاثر اخذ عن الشیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ حتی برع وتفنن والف مؤلفات ورسائل فی الفقه کثیرة کان یفتی وفتاواہ جیدة	**میں کہتا ہوں** انہوں نے یہی فرمایا ہے، لیکن میں اس پر مطلع نہیں ہوا، مگر کشف الظنون میں ذال کی تحتی میں ذخیرۃ الناظر فی الاشباہ والنظائر کے تحت ہے کہ یہ کتاب عالم فاضل علی الطوری المصری الحنفی المتوفی ۱۰۰۴ھ کی ہے پھر انہوں نے کہا کہ امینی نے خلاصۃ الاثر میں کہا کہ انہوں نے شیخ زین الدین بن نجیم وغیرہ سے علم حاصل کیا یہاں تک کہ وہ عظیم المرتبت عالم ہوگئے اور علم فقہ میں بہت سی کتب ورسائل تصنیف کیے وہ فتوے دیتے تھے اور ان کے فتوے (باقی بر صفحہ آیندہ)

الطوری [1] اھ واقرہ ش فی غیر موضع من رد المحتار، وفی ط عنہ سمعت کثیرا من شیخنا (یرید اباہ السید علیا رحمہما اللہ تعالٰی) فتاوی الطوری کفتاوی الشیخ زین لایوثق بہما الا اذا تأیدت بنقل اخر [2] اھ وکیف یصح لمجتھد فی الفتوی ان یمنع العمل بفتاواہ۔	کہ وہ حفاظ میں سے ہیں، اور اس میں شک کی گنجائش نہیں، ابو السعود الازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا نہ تو ابن نجیم کے فتاوٰی پر اعتماد کیا جائے اور نہ ہی طوری کے فتاوی پر اھ اور اس کو "ش" نے برقرار رکھا یہ چیز ردالمحتار کے کئی مقامات پر مذکور ہے، اور "ط" میں انہی سے منقول ہے کہ ہم نے اپنے شیخ سے بکثرت سُنا ہے (اس سے مراد ان کے باپ سید علی ہیں) وہ فرماتے تھے فتاوٰی طوری شیخ زین کے فتاوٰی کی طرح ہیں، ان دونوں کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر کسی اور نقل سے ان کی تائید ہوجائے تو اور بات ہے، اور ایک مجتہد فی الفتوی کو یہ بات کب زیب دے سکتی ہے کہ وہ اپنے فتوی پر عمل کی مخالفت کردے۔ (ت)

قول سوم کی ترجیح عامہ کتب میں ہے وقایہ[۱] ونقایہ[۲] واصلاح[۳] وغرر[۴] وملتقی متون[۵] ووجیز کردری[۶] وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا امام اجل قاضی خان[۷] نے اسی کو مقدم رکھا اور امام اعظم سے امام ابو یوسف کی روایت بتایا ہدایہ[۸] ودرر[۹] ومجمع الانہر[۱۰] ومسکین[۱۱] ومراقی الفلاح[۱۲] وہندیہ[۱۳] میں اسی کو صحیح اور ذخیرہ العقبی[۱۴] میں اصح اور غیاثیہ[۱۵] وغنیہ[۱۶] وخزانۃ المفتین[۱۷] میں مختار کہا معراج[۱۸] الدرایہ وفتاوی ظہیریہ[۱۹] وفتاوی خلاصہ[۲۰] وجوہرہ نیرہ[۲۱] وشلبیہ[۲۲] وغیرہا میں علیہ الفتوی فرمایا اس قول میں عبارت علماء تین طور پر آئیں:

اول مطلق اغتراف یا غرف کہ ہاتھ سے پانی لینا ہے ایک سے ہو خواہ دونوں سے دونوں کو شامل ہے عام عبارات اسی طرح ہیں جیسے خانیہ وخزانہ کے سوا اکثر کتب مذکورہ اور بحر وشامی وغیرہا۔

دوم لفظ کف یا ید بصیغہ مفرد سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں ہی مروی ہوا، فتاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مقبولۃ و بالجملۃ فھو فی فقہ الحنفیۃ الجامع الکبیر لہ الشہرۃ التامۃ فی عصرہ والصیت الذائع انتھی ۱۲ منہ غفرلہ (م)	بہت عمدہ اور مقبول ہوتے تھے، خلاصہ یہ کہ یہ کتاب فقہ حنفی میں جامع ہے اور اسے اپنے زمانہ میں شہرت تامہ حاصل ہے۔ (ت)

[1] فتح المعین بحوالہ ردالمحتار رسم المفتی مصطفی البابی مصر ۱/۵۲

[2] طحطاوی

امام قاضی خان میں ہے:

ان کان بحال لو رفع الماء بکفه لاینحسر ماتحته من الارض فهو عمیق رواہ ابویوسف عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہما[1]۔	اگر پانی اس حال پر ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے تو زمین نیچے سے نہ کھلے تو وہ گہرائی والا ہے اس کو ابویوسف نے ابو حنیفہ سے روایت کیا۔(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

وعمقه بحال لو رفع الماء بکفه لاینحسر ماتحته من الارض وھو المختار[2]۔	پانی کی گہرائی یہ ہے کہ اگر ہتھیلی سے پانی اٹھائے زمین نیچے سے نہ کھلے یہی مختار ہے۔(ت)

چلپی علی صدر الشریعۃ میں ہے:

والغرف اخذ الماء بالید للتوضی وھو الاصح[3]۔	غرف ہاتھ کے ذریعے وضو کیلئے پانی لینے کو کہتے ہیں اور یہی اصح ہے۔(ت)

سوم کفین بصیغہ تثنیہ یہ امام ابویوسف سے مروی آیا اور اسی کو امام فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے اختیار فرمایا زیلعی علی الکنز میں ہے:

عن ابی یوسف اذا کان لاینحسر وجه الارض بالاغتراف بکفیه فھو جار[4] اھ وقدمناہ عن ملك العلماء واذا کان ھذا فی الجاری حقیقة ففی الملحق عـــه	اور ابویوسف سے مروی ہے کہ جب دو چلّو بھر کر پانی اٹھانے سے زمین کی سطح نہ کھلے تو یہ پانی جاری ہے اھ ہم اس کو ملک العلماء سے پہلے ہی نقل کرآئے ہیں، جب یہ بات حقیقی جاری پانی میں ہے تو

عـــه **اقول:** وھذا بخلاف مافعل فی البحر فان تصحیح الاطلاق فی الجاری لایستلزم تصحیحه فی الملحق به واشتراط العمق فیه یستلزم اشتراطه فی الملحق بالاولی منه غفرله۔(م)	**میں کہتاہوں** یہ اس کے خلاف ہے جو بحر میں کیا ہے کیونکہ جاری میں اطلاق کی تصحیح سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو جاری سے ملحق ہو اس میں بھی یہی تصحیح ہوگی اور گہرائی کی شرط اس میں اس امر کو مستلزم ہے کہ یہی شرط ملحق میں بھی ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/۴

[2] خزانۃ المفتین

[3] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الطہارت مطبعہ اسلامیہ لاہور ۱/۶۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعہ الازہریہ مصر ۱/۳۳

بہ بالاولی۔	جو جاری پانی سے ملحق ہوگا اس میں بطریق اولیٰ ہوگی۔(ت)

بدائع میں ہے:

عن الفقیه ابی جعفر الهندوانی ان کان بحال لو رفع انسان الماء بکفیه انحسر اسفله ثم اتصل لایتوضؤ به وان کان لاینحسر اسفله لابأس بالوضوء منه [1]۔	فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے منقول ہے کہ وہ پانی ایسا ہو کہ اگر کوئی اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھائے تو اس کے نیچے زمین کھل جائے اور پھر مل جائے، ایسے پانی سے وضو نہیں ہوگا اور اگر اس کے نیچے سے زمین نہ کھلتی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

بالغرفة ای برفع الماء بالکفین [2]۔	بالغرفۃ یعنی دو ہتھیلیوں سے پانی اٹھانا۔

عبدالحلیم الدرر میں ہے:

ای باخذ الماء بالکفین [3]۔	یعنی دو ہتھیلیوں میں پانی لینا۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قوله بالغرف منه ای بالکفین کما فی القهستانی وفی الجوهرة علیه الفتوی [4]۔ **اقول:**(۱) ربما یتوهم منه ان الفتوی علی الکفین ولیس کذلك فانما عبارة الجوهرة اما مقدار العمق فالاصح ان یکون بحال لاتنحسر الارض بالاغتراف وعلیه الفتوی [5] اھ فکان ینبغی ان یقدم	بالغرف منہ یعنی دو ہتھیلیوں سے جیسا کہ قہستانی میں ہے اور جوہرہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** ممکن ہے اس سے یہ وہم پیدا ہو کہ فتوی کفین پر ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ جوہرہ کی عبارت یہ ہے "اور گہرائی کی مقدار میں اصح یہ ہے کہ چلّو بھرنے سے زمین نہ کھلتی ہو، اسی پر فتوی ہے اھ۔ تو ان کو جوہرہ کی عبارت پہلے لانی چاہئے تھی۔

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار الخ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۳
[2] جامع الرموز بحث عشر فی عشر الکریمیہ قزان ایران ۱/۴۸
[3] حاشیۃ علی الدرر للعبدالحلیم مطبعہ عثمانیہ مصر ۱/۱۷
[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶
[5] الجوہرۃ النیرۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۶

عبارتها ويقول قوله بالغرف عليه الفتوى جوهرة اى بالكفين قهستانى۔	اور یوں کہنا چاہئے تھا قولہ بالغرف علیه الفتوى جوهرة یعنی بالکفین قہستانی۔(ت)

علامہ برجندی نے کف واحد کو مرجح اور کفین کو محتمل رکھا:

حيث قال بالكف الواحد على ماهو المفهوم من اطلاقات الكتب ويحتمل ان يكون المراد بالغرف الاخذ بالكفين معا على ماهو المتعارف اھ[1] **اقول:** وقد يؤخذ ترجيح له من فحوى الدرر فان نصها الصحيح ان يكون بحيث لاتنكشف ارضه بالغرف للتوضى وقيل للاغتسال[2] اھ۔ وذلك لان المراد ههنا الغرف بالايدى دون الاوانى ولا يظهر الفرق بين الغرف للوضوء والاغتسال بالايدى الا ان الاول بكف والأخر بالكفين كما هو المعتاد فى الغسل وح يعود اليه تصحيح ذخيرة العقبى المذكور ويزيده قوة انه المروى عن الامام هذا كله ظاهر النظر۔	اس لئے فرمایا کہ بالکف الواحد، یہی کتابوں کے اطلاقات سے مفہوم ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بالغرف سے مراد دونوں چُلّوؤں سے لینا ہو، جیسا کہ متعارف ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** کبھی اس کی ترجیح درر کے فحوی سے بھی معلوم ہوتی ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ صحیح یہ ہے کہ وضو کیلئے چلّو سے پانی لیتے وقت اس کی زمین نہ کھلتی ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ غسل کیلئے پانی لیتے ہوئے نہ کھلتی ہو اھ کیونکہ یہاں چُلّو سے مراد ہاتھ کا چلّو بھرنا ہے نہ کہ برتن کا چلّو، اور وضو کیلئے چلّو سے پانی لینے اور ہاتھ سے غسل کرنے میں صرف یہی فرق ہے کہ وضو ایک ہاتھ سے اور غسل دو ہاتھ سے ہوتا ہے، جیسا کہ عادتاً غسل میں کیا جاتا ہے اور اس وقت اس کیلئے ذخیرۃ العقبٰی کی تصحیح ہوگی، اور اس کو مزید تقویت اس سے ہوتی ہے کہ یہ امام سے مروی ہے یہ جو کچھ ہے ظاہر نظر میں ہے۔(ت)

واقول: وباللّٰه التوفیق ترجیح علامہ برجندی میں نظر ہے،

اولا(۱) اذ اعترف انه المتعارف فلم لاينصرف المطلق اليه۔	جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہی متعارف ہے تو مطلق اسی کی طرف کیوں نہیں پھرتا۔(ت)

ثانیا: وہ عند التحقیق (۲) منعکس ہے اطلاقات متون وعامہ کتب سے اعتراف کفین ہی مستفاد،

[1] قہستانی برجندی کتاب الطہارۃ نولکشور بالسرور ۱/۳۳

[2] الدرر فرض الغسل دارالسعادۃ مصر ۱/۲۲

وذلك لان الغرف كما قلتم مطلق شامل باطلاقه الغرفة بكف وكفين غير انه ليس ههنا فى كلام موجب بل سالب(۱)والمطلق وان كان يوجد بوجود فرد لاينتفى الابانتفاء الافراد جميعاً فى التحرير ثم فواتح الرحموت من بحث النكرة المنفية نفى المطلق يوجب نفى كل فرد[1] اھ

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسا آپ نے کہا غرف مطلق ہے خواہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے، البتہ یہ کلام موجب میں نہیں ہے کلام سالب میں ہے، اور مطلق اگرچہ ایک فرد کے پائے جانے سے پایا جاتا ہے مگر اس کا انتفاء اسی وقت ہوگا جب تمام افراد کا انتفاء ہوگا تحریر میں پھر فواتح الرحموت میں نکرہ منفیہ کی بحث سے ہے کہ مطلق کی نفی ہر فرد کی نفی کو ثابت کرتی ہے۔(ت)

بل **اقول**: اللام فى الغرف والاغتراف ليس للعهد ضرورة فان كان للاستغراق فذاك فانه لكل فردلا لمجموع الافراد والا فللجنس وهو الوجه المفهوم ونفى(۲)الجنس فى العرف واللغة لايكون الابنفى جميع الافراد[2]فواتح فافهم،

بلالکہ **میں کہتا ہوں** لام "**الغرف**" اور "**الاغتراف**" میں عہد کیلئے نہیں، اور اگر یہ استغراق کیلئے ہو تو درست ہے کہ وہ ہر فرد کیلئے ہے مجموعہ افراد کیلئے نہیں، ورنہ یہ جنس کیلئے ہوگا، اور یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے، اور جنس کی نفی عرف ولغت میں تمام افراد کی نفی سے ہی ہوتی ہے، فواتح فافہم،

ولا شك ان من اغترف بكفيه فانحسرت الارض يقول انها ارض تنحسر بالغرف وان كانت لاتنحسر بكف واحدة واذا صدق به الانحسار لايصدق عدمه الا اذالم تنحسر بشيئ من الغرفات وتوجيه الدرر بما فيه ان المعتاد فى الوضوء ايضا الاغتراف بالكفين فى غسل الوجه مطلقا وفى غسل الرجلين اذالم يكن بالغمس لاجرم ان اطلق البرجندى تعارفه على

اور اس میں شک نہیں کہ جس نے دونوں ہتھیلیوں سے پانی لیا اور زمین کھلی تو یہی کہا جائیگا کہ چلّو بھرنے سے زمین کھلی ہے، اگرچہ ایک ہتھیلی سے نہ کھلے اور جب اس کی وجہ سے کھلنا صادق آگیا تو نہ کھلنا صادق نہیں آئے گا، صرف اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب کہ کسی چلّو سے زمین نہ کھلے اور درر میں یہ توجیہ ہے کہ وضو میں بھی عام طور پر دونوں ہاتھ سے چلّو بھرا جاتا ہے چہرے کے دھونے میں مطلقًا اور دونوں پیروں کے دھونے میں جبکہ ڈبو کر نہ دھویا جائے، برجندی نے تعارف کو مطلق

[1] فواتح الرحموت بحث النكرة المنفية مطبعة امير قم ۱/۲۶۱

[2] فواتح الرحموت بحث النكرة المنفية مطبعة امير قم ۱/۲۶۰

انی لم (۱) ار من فرق ھھنا بالوضوء والغسل انما المعروف ذلك فی معرفة الخلوص من جانب الی آخر بالتحریك ولم یتکلم علیه محشوہ الشرنبلالی وعبدالحلیم والحسن العجیمی والخادمی رحمھم الله تعالٰی وردہ الثانی بقوله ان کلامنھما(ای من الوضوء والغسل یحتاج الی اخذہ بھما(ای بالیدین)قال فظھران لاوجه لتضعیف الثانی[1] اھ

اقول: والوجه عندی ان یراد بالغرف للوضوء الغرف بالایدی وللغسل بالقصاع والاباریق والله تعالٰی اعلم اما المروی عن الامام فلیس نصا فی الوحدۃ قال فی غمز العیون اطلق الید و اراد الیدین لانه اذا(۲)کان الشیأن لایفترقان من خلق اوغیرہ اجزاء من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول کحلت عینی وانت ترید عینیك ومثل العینین المنخران والرجلان والخفان والنعلان تقول لبست خفی ترید خفیك کذا فی شرح الحماسة[2] اھ وقد بسطت الکلام علی ھذا فی رسالتی صفائح اللجین فی

رکھا ہے علاوہ ازیں میں نے نہیں دیکھا کہ یہاں کسی نے وضو اور غسل میں فرق کیا ہو، اس سلسلہ میں معروف یہ ہے کہ خلوص کی معرفت ایک جانب سے دُوسری جانب تک حرکت کے ذریعے ہوگی اس پر اس کے حاشیہ نگاروں، شرنبلالی، عبدالحلیم، حسن العجیمی اور خادمی رحمھم اللہ نے کلام نہیں کیا، اور دوسرے نے اس کی تردید اس طرح کی ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک (یعنی غسل و وضوء میں سے) محتاج ہوتا ہے پانی کیلئے (دونوں ہاتھوں کی طرح) فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کی تضعیف کی کوئی وجہ نہیں ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں میرے نزدیک وجہ یہ ہے کہ وضو کیلئے چلّو بھر لینے سے مراد ہاتھوں سے چلّو بھرنا مراد ہو اور غسل کیلئے پیالوں اور لوٹوں کے ذریعہ پانی کا لینا مراد ہو واللہ تعالٰی اعلم، اور جو چیز امام سے مروی ہے وہ وحدت میں نص نہیں ہے، غمز العیون میں فرمایا ید بول کر یدین کا ارادہ کیا ہے، کیونکہ جو دو چیزیں پیدائشی طور پر جُڑی ہوئی ہوں یا کسی اور سبب سے تو ان میں سے ایک کا ذکر دوسری کے ذکر کو بھی کافی ہوگا، جیسے عین، کہا جاتا ہے کحلتُ عینی اور اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں میں سُرمہ لگایا اور آنکھ کی طرح نتھنے، پیر، موزے اور جوتے ہیں لبست خفی کہا جاتا ہے اور

[1] حاشیۃ علی الدرر للعبدالحلیم بحث عشر فی عشر عثمانیہ مصر ۱/۱۷

[2] غمز العیون مع الاشباہ الفن الاول قواعد کلیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹

کون التصافح بکفی الیدین۔	اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ میں نے دونوں موزے پہنے، کذافی شرح الحماسۃ اھ، میں نے اس پر مکمل تفصیلی گفتگو اپنے رسالہ "صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین" (چاندی کی تختیاں، اس مسئلے میں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہوتا ہے۔ت) میں کی ہے۔(ت)

توراجح یہی ہے کہ دونوں ہاتھوں سے پانی لینا مراد ہے،

اوّلاً یہی متون کا مفاد

ثانیاً یہی عامہ کتب سے مستفاد

ثالثاً کتب متعددہ میں اُس پر تنصیص اور کف واحد پر کوئی نص نہیں۔

رابعاً کف سے کفین مراد لے سکتے ہیں نہ بالعکس تواس میں توفیق ہے اور وہ نصب خلاف سے اولیٰ۔

خامساً زمین نہ کھلنے سے مقصود یہ ہے کہ مساحت برقرار رہے ورنہ دو۲ پانی جُدا ہو جائیں گے۔

تبیین میں ہے:

المعتبر فی العمق ان یکون بحال لاینحسر بالاغتراف لانه اذا انحسر ینقطع الماء بعضه عن بعض ویصیر الماء فی مکانین وھو اختیار الهندوانی اھ[1] ثم ذکر التصحیح المار۔	گہرائی میں معتبر یہ ہے کہ وہ حوض ایسا ہو کہ چلّو بھرنے سے کھُل نہ جاتا ہو کیونکہ اگر کھلا تو پانی کا ایک حصہ دوسرے حصے سے جُدا ہو جائیگا، اور پانی دو جگہوں میں ہو جائیگا، ہندوانی نے اسی کو اختیار کیا ہے اھ پھر اس نے گزشتہ تصحیح کو ذکر کیا ہے۔(ت)

مثلاً حوض پورا دہ در دہ ہے اُس کے وسط میں سے پانی اٹھایا اور زمین کھُل گئی تو اُس وقت وہ کسی طرف دس۱۰ ہاتھ نہیں بلاکہ طول وعرض ہر ایک کے دو ٹکڑے ہوگئے۔ ہر ٹکڑا پانچ ہاتھ سے بھی قدرے کم تو آب قلیل ہوگیا لہذا لازم ہوا کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلنے پائے اور اس کی ضرورت وضو وغسل دونوں کیلئے ہے بلاکہ غسل کیلئے زائد۔

ہدایہ میں فرمایا:

الحاجة الی الاغتسال فی الحیاض اشد منها الی التوضی[2]۔	حوضوں میں نہانے کی ضرورت بہ نسبت وضو کے زیادہ ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق عشر فی عشر بولاق مصر ۲۲/۱

[2] الهدایۃ الغدیر العظیم مکتبہ عربیہ کراچی ۲۰/۱

عنایہ میں فرمایا:

لان الوضوء یکون فی البیوت عادۃ [1]۔	کیونکہ وضوعام طور پر گھر میں ہوتا ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ حوض یا تالاب میں نہاتے ہوئے پانی لپوں سے لیتے ہیں نہ چلّوؤں سے تو ضرور ہوا کہ دونوں ہی ہاتھ سے لینا مراد واللہ تعالٰی اعلم بالحق والسداد۔

توفیق انیق وتحقیق دقیق بحسن التوفیق، والحمدللہ علٰی تیسر الطریق۔

اقول: وباللہ استعین، وھو نعم المعین، یہ سب تنقید وتنقیح وتصحیح وترجیح اُس ظاہر خلاف پر تھی جو عبارات کتب سے مفہوم اور بعونہ عزجلالہ وعم نوالہ قلب فقیر پر القا ہوتا ہے کہ ان اقوال میں اصلاخلاف نہیں قول اول کی نسبت ہم بیان کر آئے کہ وہی ظاہر الروایۃ اور وہی اقوی من حیث الدرایۃ ہے اور مذیل بطراز تصحیح بھی اور ظاہر الروایۃ اوجہ ومصحح سے عدول کی کوئی وجہ نہیں قول دیگر کہ عامہ کتب میں مختار ومرجح ومفتی بہ ہے اسی ظاہر الروایۃ پر متفرع اور اُسی کے حکم کے تحفظ کو ہے ظاہر ہے کہ مساحت معینہ ہو مثلاً دہ در دہ یا عدمِ خلوص پر مفوضہ بہر حال اُتنی مقدار میں پانی کا اتصال ضرور ورنہ وہ مساحت نہ رہے گی ولہٰذا ظاہر الروایۃ نے فرمایا کہ کہیں سے زمین کھلی نہ ہو تو اُس قدر کا شرط کثرت ہونا بداہۃً ثابت، مگر کثرت ۲ وقت استعمال چاہئے پہلے کثیر تھا اور استعمال کرتے وقت قلیل ہوگیا تو کثرت سابقہ کیا مفید ہوگی اب اس میں پانی لیتے ہوئے زمین اگر کھُل گئی تو ظاہر الروایۃ نے جو امر کثرت کیلئے شرط کیا تھا کب باقی رہا اتنی دیر کو پانی قلیل ہوگیا پہلے سے اگر نجاست پڑی تھی اور بوجہ کثرت مؤثر نہ ہوئی تھی اب قلیل ہوتے ہی مؤثر ہوگئی اور پھر پانی مل جانا طاہر نہ کردیگا کہ آب نجس کثیر ہو کر پاک نہیں ہوجاتا اور جن کے نزدیک مائے مستعمل نجس ہے پہلے سے کسی نجاست پڑی ہونے کی حاجت نہیں پہلے لپ کا پانی بدن پر ڈالا یہ مستعمل ونجس ہو کر پانی میں گرا دوبارہ لپ لیا پانی قلیل ہو کر اسی مائے مستعمل سے نجس ہوگیا۔ یوں ہی جن کے نزدیک آب مستعمل اگرچہ پاک ہے مگر مائے مطلق سے اُس کا اختلاط مطلقاً اُسے ناقابلِ طہارت کردیتا ہے اگرچہ مغلوب ہو لہٰذا وقت اغتراف حفظ کثرت کیلئے یہ شرط لگائی کہ اغتراف آب کثیر سے ہو اُس وقت بھی ظاہر الروایۃ کا ارشاد یأخذ الماء وجہ الارض صادق ہو کہ زمین کہیں سے کھلی نہ ہو تو یہ عمق شرط کثرت نہیں بلاکہ وقت اغتراف شرط بقائے کثرت۔

اس توفیق رفیق کے مؤیدات **اقول اولا** خود یہی تبیین مبین تعلیل تبیین کہ اتنا عمق اس لئے رکھا گیا کہ پانی لیتے وقت زمین کھُل کر دو پانی نہ ہوجائیں کہ مساحت نہ رہے گی قلیل ہوجائیگا معلوم ہوا کہ تابقائے

[1] العنایۃ علی حاشیۃ فتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۰

مساحت کثیر ہے تفریق مساحت تقلیل کرے گی۔

ثانیاً اگر کثرت فی نفسہٖ اس پر موقوف ہو تو یہ شرط بھی کام نہ دے گی اور وقت اغتراف وہی دقّت پیش آئے گی۔ شرط ہے تو ساری مساحت میں نہ کہ بعض میں۔ غیاثیہ میں ہے:

المختار ان لاینحسر بالاغتراف مطلقا غیر مقید بکونہ من اعمق المواضع[1]۔	مختار یہ ہے کہ چلّو لینے سے زمین نیچے سے نہ کھلے مطلقًا اس میں زیادہ گہرا ہونے کی کوئی قید نہیں ہے۔ (ت)

اب کہ پانی لیا اور زمین کھلی تو نہیں مگر اُتنی جگہ صرف جو بھی عرض کا پانی رہ گیا تو اب کیا آبِ قلیل نہ ہوگیا کہ اتنی دیر ساری مساحت میں اُتنا عمق نہیں۔ ظاہر ہوا کہ یہ عمق مطلوب نہ تھا بلکہ وہی زمین کا کہیں سے کھلانہ ہونا کہ وقت اغتراف یہی باقی رہے گا نہ وہ عمق۔

ثالثاً: اسی پر شاہد ہے سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے وہ روایت کہ بدائع و تبیین سے گزری کہ خود جاری پانی میں بھی اتنا عمق شرط فرماتے ہیں یہ ہرگز نفس جریان کی شرط نہیں ہوسکتا کون عاقل کہے گا کہ مینہ کا پانی جو چھت یا زمین پر بہ رہا ہے جاری نہ ہوگا جب تک چار پانچ انگل دَل نہ ہوجائے امام ابو یوسف کی شان اس سے ارفع واعلٰی ہے وہ قطعاً عرفاً و شرعاً ہر طرح جاری ہے اگرچہ صرف جو بھر[عہ] دَل ہو لاجرم کوئی شبہ نہیں کہ یہ وقت اغتراف بقائے جریان کیلئے شرط فرمائی ہے کہ اگر پانی لیتے وقت زمین کھل گئی دو پانی ہوگئے اور اس وقت جریان جاتا رہا کہ اُتنی دیر اُوپر کا پانی رک گیا اور نیچے کا مدد بالا سے منقطع ہوگیا، اور ہم رسالہ رحب الساحۃ میں بیان کر چکے کہ جریان کیلئے مدد کا اشتراط بھی ایک قول مصحح ہے امام ابن الہمام نے اس کو ترجیح دی اور یہی امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ کی کتاب تجنیس اور امام حسام الدین کے

عـــہ بلکہ فتاوے امام قاضی خان میں ہے:

الجنب اذا قام فی المطر الشدید متجردا بعد ما تمضمض واستنشق حتی اغتسلت اعضاؤہ جاز لانہ جار

یعنی (فــ۱) جنب اگر کُلی کرکے ناک میں پانی موضع فرض تک چڑھا کر زور کے مینہ میں ننگا کھڑا ہو کہ سارا بدن دُھل گیا غسل ہوگیا کہ مینہ جاری پانی ہے ظاہر ہے کہ مینہ کی دھاریں متفرق ہوتی ہیں اور اُن میں کوئی دھار آدھا انگل بھی دَل نہیں رکھتی بلکہ اکثر جو بھر سے زیادہ نہیں ہوتا مگر وہ بلاخلاف جاری پانی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] فتاوٰی غیاثیہ باب المیاہ مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ ص ۵

واقعات سے مستفاد یہ روایت امام ابو یوسف اسی قول پر مبنی تو یہ شرط اس لئے فرمائی کہ پانی لیتے وقت بھی جاری رہے نہ کہ ہر جاری میں یہ عمق درکار یوں ہی یہاں نفس کثرت اس سے مشروط نہیں بلالکہ وقت اغتراف کثیر رہنا **وللہ الحمد**۔

رابعاً اسی کے مؤید ہے وہ کہ ہمارے رسالہ رحب الساحۃ میں کتب کثیرہ جلیلہ معتمدہ سے منقول ہوا کہ بڑے تالاب کے بطن میں نجاستیں پڑی ہیں بارش کا پانی آیا اگر ان نجاستوں تک پہنچنے سے پہلے یہ پانی تالاب کے اندر دہ در دہ ہوگیا اُس کے بعد نجاستوں کی طرف بڑھ کر اُن سے ملا ناپاک نہ ہوا یوں سارا تالاب پاک رہے گا۔ ظاہر ہے کہ بڑھتے وقت ساری مساحت میں پانچ انگل دل ہونا ضرور نہیں بلالکہ نادر ہے جس کا بیان اُسی رسالہ میں گزرا مگر اس کا لحاظ نہ فرمایا اور مطلقاً حکم طہارت دیا اس کا وہی مبنی ہے کہ فی نفسہٖ کثرت کے لئے دَل کی حاجت نہیں بالجملہ روشن ہوا کہ کثرت کیلئے صرف اس قدر درکار کہ مساحت بھر میں کوئی جگہ پانی سے کھلی نہ ہو یہی ظاہر الروایۃ و تصحیح اول ہے اسی بنا پر پانی لیتے وقت کثرت باقی رہنے کیلئے لازم کہ اُس سے زمین کھل نہ جائے ورنہ قلیل ہوجائے گا یہی مطلب عامہ کتب و تصحیح دوم ہے۔

ثم اقول یہ توفیق انیق بعض فیصلے اور کرے گی۔

اوّل اغتراف [1] مطلق رہے گا جس طرح متون وہدایہ وعامہ کتب میں ہے کہ پانی فی نفسہٖ ہر طرح کثیر ہے مقصود اُس وقت زمین کا بالفعل نہ کھُلنا ہے نہ کوئی صلاحیت عامہ تو چلّو ہو یا لپ جس طرح پانی لیا اُس سے نہ کھلنا چاہئے اگرچہ دوسری طرح انکشاف ہوسکے بلکہ ہاتھ کی بھی تخصیص نہیں برتن سے لیں خواہ کسی سے اُس وقت زمین کھُلے نہیں۔

دوم ساری [2] مساحت میں اس عمق کی حاجت نہیں صرف وہیں کافی ہے جہاں سے پانی لیا گیا۔

سوم یہ شرط دہ در دہ میں فرمائی ہے پانی اگر [3] اس درجہ کثیر ہے کہ جہاں سے لیا گیا اگر زمین کھُل بھی جائے تو ہر طرف کا ٹکڑہ دہ در دہ رہے تو کھُلنا مضر نہ ہوگا کہ اگرچہ دو پانی ہوگئے مگر دونوں کثیر ہی ہیں۔

چہارم مذہب معتمد یہ ہے کہ آب مستعمل طاہر ہے اور آبِ مطلق میں اُس کا اختلاط مانع طہارت نہیں جب تک مقدار میں اُس سے زائد نہ ہوجائے اور آب قلیل کتنا ہی کثیر ہو بدن محدث اُس میں پڑنے سے سب مستعمل ہوجاتا ہے مگر بضرورتِ اغتراف ہاتھ ڈالنا معاف ہے یہ سب مسائل ہمارے رسائل **الطرس المعدل والنمیقۃ الانقی** میں مبرہن ہوچکے تو وہ پانی [4] جس میں سے وقتِ اغتراف زمین کھل کر اُس کے ٹکڑے دہ در دہ نہ رہیں اگر اس میں پہلے سے نجاست موجود تھی اس کھلنے سے ضرور ناپاک ہوجائیگا

یوں عـــہ ہی اگر ضرورت چُلّو کی تھی اور لپ سے لیا سب پانی مستعمل ہو جائیگا کہ دُوسرا بے دُھلا ہاتھ بے ضرورت پڑا عام ازیں کہ چلّو سے بھی زمین کھلتی یا نہیں اگر کہئے استعمال بعد انفصال ید ہوگا اور اس وقت اتصال آب ہو کر کثیر ہو جائیگا۔

اقول: انفصال سے استعمال کی بعدیت ذاتیہ ہے کہ وہ علت استعمال کا جزء اخیر ہے تو تخلف محال اور اتصالِ آب کی بعدیت زمانیہ ہے کہ جتنی جگہ کھلی تھی بعد انفصال ید حرکتِ آب سے بھرے گی

عـــہ **اقول:** ظهر بهذا التحقيق ان مسألة الخانية وغيرها من الكتب المعتمدة ان خرج الماء من النقب وانبسط على وجه الجمد بقدر مالو رفع الماء بكفه لاينحسر ماتحته من الجمد جاز فيه الوضوء والا فلا اهـ نقلها فى الغنية بالمعنى فاقام مقام جواز الوضوء فيه وعدمه فساده بوقوع المفسد وعدمه وليس كذلك عند التحقيق فانه اذا كان كثيرا لمساحة لايفسد بوقوع شيئ مالم يتغير اوينحسر بوقوعه فيبقى ماء بين قليلين بخلاف الوضوء فيه بغمس الاعضاء فانه يفسد به مطلقا لان الفرض انه ينحسر بالغرف فبالغمس اولى وبه ظهر ان الاولى ترك النقل بالمعنى مطلقا فلربما يحصل به تغير دقيق فى غاية الخفاء وبالله التوفيق اهمنه غفرله۔(م)

میں کہتا ہوں کہ ہماری اس تحقیق سے ظاہر ہوگیا کہ فتاوٰی خانیہ وغیرہ کتب معتبرہ میں جو یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر پانی سوراخ سے نکلا اور منجمد پانی پر اتنا پھیل گیا کہ اگر کوئی شخص ہاتھ سے پانی اٹھائے تو نیچے کا جامد پانی منکشف نہیں ہوتا اس صورت میں اس پانی میں وضو کرنا جائز ہے ورنہ اس سے وضو جائز نہیں (اھ) اس مسئلے کو غنیہ میں معنیً نقل کرتے ہوئے وضو کے جواز اور عدمِ جواز کی جگہ پلیدی کے واقع ہونے سے اس پانی کے پلید ہونے اور نہ ہونے کو رکھ دیا، حالانکہ تحقیق کی رُو سے اس طرح نہیں ہے، کیونکہ جب پانی کی پیمائش زیادہ ہو تو کسی چیز کے واقع ہونے سے وہ فاسد نہیں ہوگا جب تک اس میں تغیر نہ آئے یا پلیدی کے گرنے سے نیچے کی سطح منکشف نہ ہوجائے، اس صورت میں پانی دو تھوڑے حصّوں میں تقسیم ہو جائیگا برخلاف اس صورت کے کہ اس پانی میں اعضاء ڈبو کر وضو کیا جائے تو اس سے پانی مطلقًا فاسد ہو جائیگا کیونکہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ چلّو میں پانی لینے سے نیچے کی سطح منکشف ہو جاتی ہے تو ڈبونے سے بطریقِ اولٰی منکشف ہو جائیگی، اس بیان سے واضح ہوگیا کہ بہتر یہ ہے کہ مسئلہ معنیً مطلقًا نقل نہ کیا جائے، ورنہ اس سے بہت ہی پوشیدہ اور باریک فرق پیدا ہو جائیگا، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔(ت)

اور حرکت تدریجیہ ہے تو بفور انفصال قبل اتصال حکم استعمال نازل ہو جائیگا فافہم اور اگر پہلے سے کوئی نجاست نہیں اور چلّو یا لپ حسبِ ضرورت لیا اور زمین کھل گئی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ وسط حوض میں جاکر پانی لیا ہو کہ اگرچہ زمین کھُلنے سے پانی قلیل ہوگیا مگر ضرورت اغتراف تو مٹکے میں بھی معاف ہے جبکہ کوئی چھوٹا برتن پانی لینے کیلئے نہ ہو اور اس وقت اگرچہ اس کے پاؤں اُس قلیل پانی میں ہیں مگر اندر جاتے ہوئے دُھل چکے ہیں ہاں اُس زمین کے کھُلتے وقت اسے حدث واقع ہو تو ضرور پاؤں کی وجہ سے سارا پانی مستعمل ہو جائیگا ان وجوہ کی نظر سے وہ شرط کی گئی تو ظاہر الروایۃ اور یہ قول مفتی بہ دونوں متوافق اور باہم اصل وفرع ہیں وللہ الحمد۔

هذا كله ماظهر لكثيرا لسيأت وبه تجتمع الكلمات، وتندفع الشبهات، والحمدلله واهب المرادات، وصلى الله تعالٰى وسلم وبارك على مصحح الحسنات، مقيل العثرات، واله وصحبه الاكارم السادات، وابنه وحزبه الاجلة الاثبات، وعلينا معهم، وبهم ولهم، الى يوم يقوم حبيبنا فيه بالشفاعات، عليه وعليهم الصلوات الزاكيات، والتسليمات الناميات، والتحيات المباركات، اٰمين، والحمدلله رب العٰلمين، ومع ذلك لااقول ان الحكم هذا انما اقول هذا ماظهر لى فان كان صوابا فمن الوهاب الكريم وله الحمد وان كان خطأ فمنى ومن الشيطان وانا ابرؤ الى الله منه والحمد لله رب العٰلمين والله تعالٰى اعلم۔ **بشارة:** ماتقدم من قول البحران العمل والفتوى ابدا بقول الامام الاعظم رضى الله تعالٰى عنه۔	یہ تمام وہ ہے جو اس کثیر المعاصی پر ظاہر ہوا اور اس سے ائمہ کے ارشادات جمع ہوجاتے ہیں اور شبہات دفع ہوجاتے ہیں، تمام تعریفیں مرادیں دینے والے اللہ تعالٰی کیلئے، اور اللہ تعالٰی رحمتیں نازل فرمائے نیکیوں کے صحیح کرنے والے اور غلطیوں کو معاف فرمانے والے پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ ساداتِ کرام پر، اور آپ کے بیٹے اور جلیل القدر راسخ علم والی جماعت پر اور ان کے ساتھ ہم پر، ان کی بدولت اور ان کے وسیلے سے اس دن تک جب ہمارے حبیب شفاعتوں کیلئے کھڑے ہوں گے، ان پر اور ان کے تمام متبعین پر پاکیزہ رحمتیں، نشو ونما پانے والے سلام اور بابرکت تحفے، آمین، سب تعریفیں اللہ رب العٰلمین کیلئے، اس کے باوجود میں یہ نہیں کہتا کہ حکم یہ ہے، میں تو صرف اتنا کہتا ہوں کہ حکم یہ ہے جو مجھے ظاہر ہوا، اگر درست ہے تو اللہ تعالٰی وہابِ کریم کی طرف سے اور اس کے لیے حمد ہے، اور اگر خطا ہے تو میری طرف سے اور شیطان سے ہے، میں اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں شیطان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں، تمام تعریفیں اللہ رب العٰلمین کیلئے، اللہ بہتر جانتا ہے۔ **بشارت:** اس سے پہلے بحر کا جو قول بیان ہوا کہ عمل

وان افتی المشائخ بخلافه اقره الشامی فی مواضع ونازعه فی مواضع وکنت اردت ان اذکر هذا البحث ثمه ثم رأیت ان الکلام یطول، ویقطع بالاجنبی الفصل الطویل، فطویته ثمه، وافرزته بحمدالله تعالٰی رسالة مهمة، رأیت الحاقها ههنا اتماما للکلام، واسعافا بالمرام، وهاهی ذه والحمدلله ولی الانعام۔	اور فتوٰی ہمیشہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دیں، علامہ شامی نے متعدد مقامات میں اس قول کی تائید کی اور کئی جگہوں میں اس سے اختلاف کیا، میرا ارادہ تھا کہ اس بحث کو اس جگہ ذکر کرتا، پھر خیال ہوا کہ کلام طویل ہو جائیگا، اور غیر متعلق گفتگو سے فاصلہ طویل ہو جائیگا، لہذا اس جگہ میں نے گفتگو سمیٹ لی اور بحمداللہ تعالٰی اسے اہم رسالے کی صورت میں الگ کر دیا، گفتگو کی تکمیل اور مقصد کے پورا کرنے کیلئے اس جگہ اس کے لاحق کرنے کا فیصلہ کیا، اور وہ رسالہ یہ ہے، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی مالک انعام کیلئے۔ (ت)

(**نوٹ:** اصل کتاب میں یہاں رسالہ "اجلی الاعلام" تھا جسے رسم المفتی کے طور پر جلد اول میں شامل کر دیا گیا ہے)

فتوی مسمّٰی بہ
النوروالنورق[عـــه] لاسفار الماء المطلق ۱۳۳۴ھ
(آب مطلق کا حکم روشن کرنے کیلئے نور اور رونق)

مسئلہ ۵۵ :　　　۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آب مطلق کہ وضو و غسل کیلئے درکار ہے اُس کی کیا تعریف ہے آبِ مقید کسے کہتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللہ الذی انزل من السماء ماء طھورا لیطھرنا بہ تطھیرا، حمدا مطلقاً غیر مقید بعدد او امد دائما ابدا کثیرا کثیرا والصلاۃ و السلام علی الطیب الطاھر الطھور المطھر المفضل علی الخلق فضلا کبیرا، وعلی اٰلہ و صحبہ وابنہ وحزبہ ما امطرت السحب ماء نمیرا امین اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس نے آسمان سے پاک پانی اتارا کہ اس کے ذریعے ہمیں پاک صاف کرے مطلق تعریفیں بغیر کسی قید عددی اور غائی کے ہمیشہ ہمیشہ بہت زیادہ اسی کیلئے ہیں طیب، طاہر، پاک کرنے والے اور مخلوق پر فضیلت رکھنے والے پر اور آپ کے آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ پر بے شمار صلوٰۃ وسلام ہوں جب تک بادل وافر پانی برساتے رہیں، آمین۔ اے اللہ ہمیں سچّے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما۔ (ت)

یہ سوال بظاہر چھوٹا اور اس کا جواب بہت طول چاہتا ہے یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآرا ہے۔ فقیر بتوفیق القدیر اول[1] جزئیات منصوصہ ذکر کرے پھر[2] تعریفِ مطلق و مقید کہ اصالۃً ضابطہ جامعہ کلیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لئے معیار پھر[3] ضوابط جزئیہ متون پھر[4] ضوابط کلیہ متاخرین پھر[5] جزئیات جدیدہ کے احکام وما توفیقی الا باللہ

عـــه: اگرچہ تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ "النورق" ہے مگر کتب لُغت میں یہ لفظ نہیں ملا۔ میری رائے میں یہ "الرونق" ہونا چاہئے اس سے عدد اور معنٰی دونوں درست رہتے ہیں۔ (دائم)

علیه توکلت والیه انیب۔

یوں یہ کلام پانچ فصل پر منقسم ہوا:

فصل اول: جزئیات منصوصہ، اور وہ تین قسم ہیں:

قسم اول: وہ پانی جن سے وضو صحیح عـــہ۱ ہے:

(۱) مینہ، دریا، نہر، چشمے، جھرنے، جھیل، بڑے تالاب، کنویں کے پانی تو ظاہر ہیں بالخصوص قابلِ ذکر مائے مبارک زمزم شریف عـــہ۲ ہے کہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک اُس سے وضو و غسل بلاکراہت جائز ہے اور ڈھیلے کے بعد استنجا مکروہ اور نجاست دھونا ممنوع۔ تنویر و درمختار میں ہے:

یرفع الحدث مطلقا بماء مطلق کماء سماء واودیة وعیون وابار وبحار وماء زمزم بلا کراهة وعن احمد یکره[1]۔	حدث مطلق پانی سے رفع ہوتا ہے جیسے آسمان کا پانی، وادیوں، چشموں، کنوؤں، نہروں، سمندروں اور زمزم کا پانی، زمزم کے پانی سے رفع حدث بلا کراہت ہوتا ہے جبکہ امام احمد کے نزدیک کراہت کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

نیز حج در میں ہے:

یکره الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[2]۔	زمزم کے پانی سے استنجا مکروہ ہے غسل کرنا مکروہ نہیں۔ (ت)

شامی میں ہے:

وکذا ازالة النجاسة الحقیقیة من ثوبه اوبدنه حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلك اھ[3]۔	اور اسی طرح بدن یا کپڑے سے نجاست حقیقیہ کا دور کرنا، یہاں تک بعض علماء نے تو اس کو حرام تک لکھ دیا ہے۔ (ت)

عـــہ۱ یعنی اُن سے طہارت کی جائے تو ہو جائے گی اور اس سے نماز صحیح ہوگی اگرچہ اُس پانی کا استعمال مکروہ بلکہ حرام ہو جیسا کہ مفصلاً بیان ہوگا ۱۲ (م)۔ عـــہ۲ سب سے اعلیٰ سب سے افضل دونوں جہان کے سب پانیوں سے افضل، زمزم سے افضل، کوثر سے افضل وہ مبارک پانی ہے کہ بارہا براہِ اعجاز حضور انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے دریا کی طرح بہا اور ہزاروں نے پیا اور وضو کیا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وہ پانی زمزم و کوثر سب سے افضل مگر اب وہ کہاں نصیب اور آگے ہر قسم کے پانی مذکور ہوں گے اُن کے سلسلے میں بلاضرورت اس کا نام لینا مناسب نہ جانا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] درمختار آخر کتاب الحج مجتبائی دہلی ۱/۱۸۴

[3] ردالمحتار آخر کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/۲۷۸

اقول: (۱)مطلق الکراھة للتحریم (۲) واطلاق الحرام علی المکروہ تحریماً غیر بعید (۳) فلاخلف نعم (۴) اذا استنجی بالمدر فالصحیح انه مطھر فلا یبقی الا اساءة ادب فیکرہ تنزیھاً بخلاف الاغتسال ففرق بیّن بین القصدی والضمنی ھذا ماظھر لی۔	**میں کہتا ہوں** مطلق کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہوتی ہے، اور حرام کااطلاق مکروہ تحریمی پر کوئی بعید امر نہیں، تو کوئی مخالفت نہیں، ہاں اگر کسی نے ڈھیلے سے استنجا کرلیا تو صحیح یہ ہے کہ یہ پاک کرنے والا ہے تو ایسی صورت میں صرف سوءِ ادبی رہے گی اور مکروہِ تنزیہی ہوگا۔بخلاف غسل کے تو ارادی اور ضمنی کاموں میں واضح فرق ہوتا ہے ھذا ماظھر لی۔(ت)

اقول: یہ بھی دلیل واضح ہے کہ ہمارے ائمہ سے روایت صحیحہ طہارت مائے **مستعمل** ہے ورنہ غسل واستنجا میں فرق نہ ہوتا۔(۲) سمندر کا پانی بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کہ اُس سے وضو ناجائز جانتے اور ہمارے اور جمہور امت کا اُس سے جواز وضو پر اجماع ہے،

فی البحر وفی قوله والبحر رد قول من قال ان ماء البحر لیس بماء حتی حکی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انه قال فی ماء البحر التیمم احب الی منه کما نقله عنه فی السراج الوھاج [1] اھ وقال السید ط فی حاشیة المراقی قال ابن سیدہ فی المحکم البحر الماء الکثیر ملحاً اوعذباً وغلب علی الملح فالتنصیص علیه دفع لتوھم عدم جواز التطھیر به لانه مرمنتن کما توھم بعض الصحابة [2] اھ۔**اقول:** (۵) ھذا اللفظ بعید عن الادب فلیجتنب قال وفی الخبر من لم یطھرہ ماء البحر فلا طھرہ اللہ [3] اھ **قلت:** رواہ الدار قطنی والبیھقی	اور اس کے قول "**والبحر**" میں ان لوگوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں ماء البحر پانی نہیں ہے یہاں تک کہ ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ فرماتے تھے سمندری پانی سے میرے نزدیک تیمّم کرلینا زیادہ پسندیدہ عمل ہے، سراج الوہاج میں نقل کیا ہے، اور "ط" نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا کہ ابن سیدہ نے محکم میں فرمایا بحر سے مراد کثیر پانی ہے خواہ میٹھا ہو یا نمکین، لیکن عام طور پر اس کا استعمال نمکین کے لئے ہوتا ہے، اس کی تصریح اس وہم کو دفع کرنے کیلئے ہے کہ اس سے پاکی کا حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے جیسے کہ بعض صحابہ نے توہم کیا اھ۔**میں کہتا ہوں** یہ لفظ بے ادبی کے ہیں، ان سے بچنا چاہئے، فرمایا ایک روایت میں ہے کہ جس کو سمندر کا پانی پاک نہ کرسکے تو خدا اسکو کبھی پاک نہ کرے۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس کو دار قطنی اور بیہقی نے

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ بحث الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] حاشیۃالطحطاوی علی المراقی نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

[3] حاشیۃالطحطاوی علی المراقی نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

کلاھما فی السنن بسند واہ بدون لفظ ماء عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالاولی (۱) الاقتصار علی ماتمسك بہ شارحہ اعنی العلامۃ الشرنبلالی حیث قال لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو الطھور ماؤہ الحل میتتہ[1] اھ ۔**قلت**: رواہ احمد والاربعۃ وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح واحمد وابن ماجۃ والاخیران والدار قطنی والطبرانی فی الکبیر عن جابر وابن ماجۃ عن ابی الفراسی والدار قطنی والحاکم عن علی وعن ابی عمرو وعبدالرزاق عن انس والدار قطنی عنہ وایضا عن ابن عمر وایضا عن جابر عن ابی بکر الصدیق وابنا مردویہ والنجار عن ابی الطفیل عن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی اخری لابن مردویہ کالدار قطنی عن ابی الطفیل عن الصدیق من قولہ ولعبد الرزاق وابی بکر بن ابی شیبۃ عن عکرمۃ ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سئل عن الوضوء من ماء البحر فقال سبحٰن اللہ فای ماء اطھر من ماء البحر وفی لفظ اطیب[2] ولھذا وابن عبد الحکم فی فتوح مصر والبیھقی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اغتسلوا

اپنی سنن میں کمزور سند سے روایت کیا، یہ ابو ہریرہ کی روایت نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے اور اس میں ماء کا لفظ نہیں ہے تو زیادہ بہتر ہے کہ اس پر اکتفاء کیا جائے جس سے اس کے شارح نے استدلال کیا ہے، یعنی علامہ شرنبلالی نے، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "سمندر کا پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مُردہ حلال۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس کو احمد اور چاروں نے اور ابن حبان، حاکم نے ابوھریرہ سے بسند صحیح روایت کیا ہے، اور احمد ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم، دار قطنی اور طبرانی نے کبیر میں جابر سے اور ابن ماجہ نے ابوالفراسی سے اور دار قطنی اور حاکم نے علی سے اور ابن عمرو سے اور عبدالرزاق نے انس سے اور دار قطنی نے انس سے اور ابن عمرو سے نیز جابر سے ابو بکر صدیق سے اور ابن مردویہ اور ابن نجار نے ابوالطفیل سے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سب نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، دوسری سند میں ابن مردویہ نے دارقطنی کی طرح ابو الطفیل سے ابو بکر صدیق سے ان کے قول سے۔ اور عبدالرزاق اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے عکرمہ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سمندر سے وضو کی بابت دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ، سمندر کے پانی سے زیادہ کون سا پاک ہے، اور ایک روایت میں اطیب کا لفظ ہے، اور ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابن عبدالحکم نے فتوح مصر میں اور بیہقی نے اُن سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا سمندر کے پانی سے غسل کرو کیونکہ وہ مبارک ہے،

[1] مراقی الفلاح بحث الماء البحر ص ۱۳ مطبعہ ازہریہ مصر
[2] مصنف عبدالرزاق باب الوضوء من ماء البحر ۹۵/۱ مکتبۃ الاسلامی بیروت

من ماء البحر فانه مبارك[1]

قال ط ومن الناس من کرہ الوضوء من[2] البحر (۱) الملح لحدیث ابن عمر انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لایرکب البحر الا حاج او معتمر او غازی فی سبیل الله فان تحت البحر نارا وتحت النار بحرا تفرد به ابو داؤد[3] اھ

اقول: لم یتفرد به بل (۲) رواہ قبله سعید بن منصور فی سننه واٰخرون الا ان یرید التفرد من بین الستة ثم لیس ھذا (۳) حدیث ابن عمر الفاروق رضی الله تعالٰی عنھم انما رواہ د عن مطرف ھو ابن طریف ثقة فاضل عن بشر ابی عبدالله ھو الکندی مجھول قال الذھبی لایکاد یعرف عن بشیر[4] بن مسلم ھو ابو عبدالله الکندی الکوفی مجھول عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنھما یعنی ابن العاص قال خ لم یصح حدیثه واوردہ ابن حبان علی قاعدته فی ثقات اتباع التابعین وقال روی عن رجل عن ابن عمرو والله تعالٰی اعلم[5] نعم فی مسند

"ط" نے کہا کچھ لوگ نمکین سمندر سے وضو کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ان کا استدلال ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے کہ سمندر میں صرف حاجی یا عمرہ کرنے والا یا غازی سفر کرے غیر نہیں کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے، اس کی روایت میں ابو داؤد متفرد ہیں۔ (ت)

میں کہتا ہوں وہ متفرد نہیں ہیں بلاالکہ اُن سے قبل اسی کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے، ہاں چھ کے درمیان تفرد کا دعوٰی ہو تو درست ہے۔ پھر یہ حدیث ابن عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نہیں ہے اس کو "د" نے مطرف سے جو ابن طریف ہیں روایت کیا اور وہ ثقہ ہیں فاضل ہیں، بشر ابو عبداللہ الکندی سے، یہ مجہول ہیں، ذہبی نے کہا کوئی نہیں جانتا بشیر بن مسلم سے وہ ابو عبداللہ الکندی الکوفی مجہول ہیں، عبداللہ بن عمرو سے یعنی ابن العاص سے، خ نے کہا ان کی حدیث صحیح نہیں اور اس کو ابن حبان نے اپنے قاعدہ کے مطابق اتباع تابعین کے ثقات میں ذکر کیا اور فرمایا ایک شخص سے مروی ہے ابن عمرو سے واللہ تعالٰی اعلم، ہاں مسند فردوس

---

[1] بحوالہ کنز العمال فصل فی المیاہ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵۷۲/۹

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث الماء البحر مطبعہ ازہریہ مصریہ ص ۱۳

[3] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث الماء البحر مطبعہ ازہریہ مصریہ ص ۱۳

[4] میزان الاعتدال بشر عبداللہ بیروت ۳۲۷/۱

[5] میزان الاعتدال بشیر بن مسلم بیروت ۳۲۹/۱

الفردوس عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما رفعه تحت البحر نار وتحت النار بحر وتحت البحر نار [1] اھ ویمکن ان تکون فی قوله تعالٰی والبحر المسجور اشارة الیه والله تعالٰی اعلم قال ط وکان ابن عمر لایری جواز الوضوء به ولا الغسل عن جنابة [2] اھ اقف له علی اصل فالله اعلم به

اقول: یذکر عنه رضی الله تعالٰی عنه انه قال ماء البحر لایجزئ من وضوء ولا جنابة ان تحت البحر نارا ثم ماء ثم نارا حتی عد سبعة ابحر وسبع انیار [3] ولم وانما الذی فی الحلیة ان کون الطهارة جائزا بهذه المیاه سواء کانت عذبة اومالحة مما دل علیه الکتٰب والسنة ولم یعرف فی شیئ منها خلاف نعم نقل عن بعض الصحابة کراهة الوضوء بماء البحر منهم عبدالله بن عمر و الجمهور علی عدم الکراهة [4] اھ وفی هامش الا نقرویة عن مختارات النوازل حکی عن ابن عباس وابن عمر رضی الله تعالٰی عنهم انهما قال الوضوء بماء البحر مکروہ [5]

میں ابن عمر سے مروی ہے کہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے اھ، اس کو انہوں نے مرفوعًا روایت کیا، اور ممکن ہے کہ اللہ کے قول والبحر المسجور میں اس طرف اشارہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم "ط" نے فرمایا: ابن عمر سمندر سے وضو اور غسلِ جنابت کو جائز نہیں سمجھتے تھے اھ (ت)

میں کہتا ہوں ابن عمر سے یہ روایت منسوب ہے کہ سمندر کا پانی وضو اور غسلِ جنابت کیلئے کافی نہیں بیشک سمندر کے نیچے آگ ہے پھر پانی پھر آگ ہے یہاں تک کہ انہوں نے سات سمندروں اور سات آگوں کا ذکر کیا، اور مجھے اس کی کسی اصل پر اطلاع نہیں واللہ اعلم، حلیہ میں یہ ہے کہ ان پانیوں سے طہارت جائز ہے خواہ میٹھے ہوں یا نمکین ہوں، اس پر کتاب وسنّت دلالت کرتے ہیں، اور اس میں کوئی خلاف معروف نہیں، ہاں بعض صحابہ سے کراہت منقول ہے کہ اِن سے وضو مکروہ ہے، اُن میں عبداللہ بن عمر بھی شامل ہیں، اور جمہور کا قول ہے کہ کراہت نہیں ہے اھ اور انقرویہ کے حواشی میں مختارات النوازل سے ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر سے مروی ہے کہ دونوں

[1] مسند فردوس

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

[3] یذکر عن ابن عمر

[4] حلیہ

[5] علی حاشیة فتاوٰی انقرویہ بحث ماء البحر دار الاشاعة العربیہ قندھار ۱/۲

اھ۔ قال ط وکذا روی ابی ھریرۃ[1] اھ

اقول: وھذا عجب مع ما صح عنه عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ماسمعناك نعم فی البدائع روی عن ابی العالیة الریاحی انه قال کنت فی جماعة من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم فی سفینة فی البحر فحضرت الصلاۃ قضی ماؤھم ومعھم نبیذ التمر فتوضأ بعضھم نبیذ التمروکرہ التوضؤ بماء البحر وتوضأ بعضھم بماء البحر ذکرہ التوضؤ بنبیذ التمرو عـــہ ،وھذا حکایة الاجماع فان من کان یتوضؤ بماء البحر کان یعتقد

حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ قرار دیا ہے اھ "ط" اسی طرح ابوہریرہ سے مروی ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ زیادہ عجیب ہے حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروایت صحیح جو تھا وہ ہم نے نقل کیا، ہاں بدائع میں ابو العالیۃ الریاحی سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سمندری سفر میں تھا کہ نماز کا وقت آگیا کشتی والوں کے پاس پانی ختم ہوچکا تھا ان کے پاس شیرہ کھجور تھا تو بعض نے اسی سے وضو کرلیا اور سمندر کے پانی سے وضو کو مکروہ سمجھا اور بعض نے سمندر کے پانی سے وضو کرلیا، یہ اجماع کی حکایت ہے کیونکہ جو حضرات سمندر کے پانی سے وضو کررہے تھے تو وہ اس کے پانی سے وضو کے جواز کے قائل تھے اور انہوں نے

عـــہ **اقول:** لم یبلغ فھمی القاصر کیف کان ھذا حکایة الاجماع علی جواز الوضوء بنبیذ التمر عند عدم الماء فان من توضأ بماء البحر جاز ان لم یر الوضوء بالنبیذ فی الحالة الراھنة لوجود الماء وجاز ان لم یر الوضوء به اصلا حتی لووجدہ وعدم الماء تیمم کما ھو المفتی به عندنا والکراھة فی عرف السلف لایدل علی الجواز منه غفرله (م)

میں کہتا ہوں میری ناقص سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ یہ اجماع کیونکر ہوگیا کہ پانی نہ ہونے کے وقت نبیذ تمر سے وضو جائز ہے، کیونکہ جن حضرات نے سمندر کے پانی سے وضو کیا ممکن ہے کہ وہ موجودہ حالت میں نبیذ تمر سے وضو کو جائز نہ سمجھتے ہوں کیونکہ پانی موجود ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ نبیذ تمر سے وضو کو بالکل جائز نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ اگر نبیذ موجود ہو اور پانی نہ موجود ہو تو وہ تیمّم کے قائل ہوں جیسا کہ یہ ہمارے نزدیک مفتی بہ ہے اور سلف کی عرف میں کراہت جواز پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ (ت)

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح بحث ماء البحر ازہریہ مصر ص ۱۳

جواز التوضؤ بماء البحر فلم یتوضأ بنبیذ التمر لکونه واجدا للماء المطلق ومن کان یتوضؤ بالنبیذ کان لایری ماء البحر طھورا اوکان یقول ھو ماء سخطة ونقمة کانه لم یبلغه قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی صفة البحر ھو الطھور ماؤہ الحل میتة فتوضأ بنبیذ التمرلکونه عادما للماء عــه الطاھر [1] اھ فھذا ما ابداہ احتمالا وانما لفظ الروایة ماسمعت۔

نبیذ تمر سے وضواس لئے نہ کیا کہ انہوں نے ماء مطلق کو پایا اور جو نبیذ تمر سے وضو کر رہے تھے وہ سمندر کے پانی کو طہور نہیں سمجھتے تھے، یا وہ یہ کہتے تھے کہ یہ پانی ناراضگی اور عذاب کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے شاید ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں پہنچی کہ سمندر کا پانی پاک کرنے والا اور اس کا مردہ حلال ہے تو پانی نہ ہونے کی صورت میں انہوں نے نبیذ تمر سے وضو کیا اھ تو یہ انہوں نے بطور احتمال فرمایا ورنہ روایت کے الفاظ وہ ہیں جو آپ نے سُنے۔ (ت)

اقول: ویجوز ان یکونوا معتقدین جواز الوضوء بھما اذا کان الماء غالبا فی النبیذ کما سیأتی اِن شاء الله تعالٰی فمن توضأ به کرہ التوضوء بماء البحر کراھة تنزیه ولم یشك ان النبیذ الذی عندہ ماؤہ غالب ومن توضأ بماء البحر شك فی النبیذ الذی عندہ فکرہ التوضوء به کراھة امتناع وتوضأ بماء البحر والله تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ وہ دونوں سے وضو کے جواز کے قائل ہوں جبکہ نبیذ پر پانی غالب ہو، جیسا کہ اِن شاء اللہ آئے گا، تو جس نے اس سے وضو کیا اس نے سمندری پانی سے وضو کو مکروہ تنزیہی سمجھا اور اس میں شک نہیں جانا کہ جو نبیذ اس کے پاس ہے اس کا پانی غالب ہے اور جس نے سمندری پانی سے وضو کیا اس کو اس نبیذ میں شک تھا جو اُس کے پاس موجود تھا تو اس نے بطور کراہت تحریمی اس سے وضو نہ کیا اور سمندری پانی سے وضو کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عــه ھکذا فی نسختی البدائع وکأنھا زلة من قلم الناسخ والوجه الطھور منه غفرله (م)

میرے پاس بدائع کا جو نسخہ ہے اس میں اسی طرح ہے شاید کاتب نے غلط لکھ دیا مناسب الطھور ہے۔ (ت)

(۳ و ۴) پالا اولے جب پگھل کر پانی ہوجائیں کہ یہ بھی وہی آسمانی پانی ہیں کہ کُرہ زمہریر کی سردی سے

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶

یخ بستہ ہوگیا،

فی الدر یرفع الحدث بماء مطلق کالثلج مذاب وبرد و جمد وندی [1] اھ وفی البحر والنھر وعن ابی یوسف یجوز وان لم یکن متقاطرا والصحیح ولفظ النھر الاصح قولھما [2] اھ ونسبہ فی جامع الرموز للصاحبین حیث قال لایتوضوء بالثلج الا اذا تقاطر وعن الصاحبین انہ یتوضوء بہ والاول ھو الصحیح کما فی الظھیریۃ [3] اھ۔ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ **اقول:** (۱) لیس ھذا محل خلاف وتصحیح اذ لاوضوء الابالغسل ولا غسل الا بالاسالۃ ولا اسالۃ الا بالتقاطر فھو المراد اھ۔ ماکتبت علیہ اقول نعم یروی عن الثانی ان الغسل بل المحل وان لم یسل [4] کما فی البحر وھذا لا یختص بالثلج والبرد وقدمنا فی تبیان الوضوء ان مرادہ سال من العضو قطرۃ اوقطرتان ولم یتدارک فلا خلاف [5] قال ش الظاھر ان معنی لم یتدارک لم یقطر علی الفوربان قطر بعد مھلۃ [6] اھ	دُر میں ہے حدث کو دُور کیا جاسکتا ہے مطلق پانی سے جیسے برف یا اَولوں کا پگھلا ہوا پانی، منجمد پانی یا تری اھ اور بحر و نہر میں ابو یوسف سے منقول ہے کہ وضو جائز ہے اگرچہ ٹپکنے والا نہ ہو یہ صحیح ہے اور لفظ نہر اصح ہے ان دونوں کا قول اھ اور جامع الرموز میں اس کو صاحبین کی طرف منسوب کیا ہے، فرمایا کہ برف سے اس وقت تک وضو نہ کرے جب تک وہ ٹپکنے نہ لگے اور صاحبین سے مروی ہے کہ اس سے وضو کرے، اور پہلا ہی صحیح ہے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اھ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ یہ محل خلاف اور تصحیح نہیں ہے کیونکہ دھوئے بغیر تو وضو ہو نہیں سکتا ہے اور دھونا بہائے بغیر نہ ہوگا اور بہانا بغیر تقاطر کے نہ ہوگا، اور یہی مراد ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** ہاں دوسرے امام سے یہ مروی ہے کہ دھونا جگہ کے تر کرنے کو کہتے ہیں خواہ نہ بہے، جیسا کہ بحر میں ہے اور یہ چیز برف اور اَولوں کے ساتھ خاص نہیں ہے اور ہم نے تبیان الوضوء میں بیان کیا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ عضو سے ایک یا دو قطرے بہہ جائیں

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۳۴/۱
[2] بحر الرائق آخر الماء البحر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۷/۱
[3] جامع الرموز بحث الماء السماء مطبعۃ کریمیہ قزان ایران ۴۶/۱
[4] بحر الرائق فرض الوضوا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱/۱
[5] ردالمحتار فرض الوضو البابی مصر ۷۱/۱
[6] ردالمحتار فرض الوضو البابی مصر ۷۱/۱

اور تدارک نہ ہو اس میں اختلاف نہیں "ش" نے فرمایا کہ لم یتدارك کے معنی یہ ہیں کہ فورًا قطرات نہ بہیں، بلاالکہ مہلت کے بعد قطرات بہیں اھ (ت)

اقول: (ا) بل الظاھر ان المعنی لم تتتابع القطر کثرۃ یقال تدارك القوم ای تلاحقوا ومنہ قولہ تعالٰی حتی اذا دارکوا فیھا کما فی الصحاح [1] ومعلوم انہ لم یثبت الفور فی دخول طائفۃ منھم بعد اخری واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** بلکہ معنی یہ ہیں کہ قطرات کثرت سے نہ بہیں کہتے ہیں "تدارك القوم" یعنی ایک دوسرے سے ملے اور اسی سے فرمان الٰہی ہے "حتی اذا دارکوا فیھا" صحاح میں بھی ایسا ہی ہے اور یہ معلوم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت کا دوسری جماعت کے فورًا بعد داخل ہونا مراد نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۵) یوں ہی کل کا برف جب پگھل جائے کہ وہ بھی پانی ہی تھا کہ گیس کی ہوا سے جم گیا ومر عن الدر وجمد وھو محرکا الماء الجامد ط عن ح عن القاموس (اور گزرا ہے کہ اَلْجَمَد حرکت کے ساتھ جما ہوا پانی (برف) ہے یہ ط سے ح سے قاموس سے ہے۔ت)

(۶) شبنم

اقول: یعنی جبکہ پتّوں پھُولوں پر سے یا پھیلے ہوئے کپڑے نچوڑ کر اتنی جمع کرلی جائے کہ کسی عضو یا بقیہ عضو کو دھودے مثلاً روپے بھر جگہ پاؤں میں باقی ہے اور پانی ختم ہوگیا اور شبنم جمع کیے سے اتنی مل سکتی ہے کہ اُس جگہ پر بہ جائے تو تیمّم جائز نہ ہوگا یا اوس (۲) میں سر برہنہ بیٹھا اور اس سے سر بھیگ گیا مسح ہوگیا اگر ہاتھ نہ پھیرے گا وضو ہوجائیگا اگرچہ سنّت ترک ہوئی یوں ہی شبنم (۳) سے تر گھاس میں موزے پہنے چلنے سے موزوں کا مسح ادا ہوجائے گا جبکہ شبنم سے ہر موزہ ہاتھ کی چھنگلیا کے طول وعرض کے سہ چند بھیگ جائے۔

ومر عن الدر وندا قال ش قال فی الامداد وھو الطل وھو ماء علی الصحیح وقیل نفس دابۃ [2] اھ	اور دُر سے گزرا وندًا "ش" نے امداد میں کہا یہ شبنم ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ پانی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ چوپائے کا سانس ہے۔ (ت)

[1] صحاح الجوہری درک بیروت ۱۵۸۲/۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱۳۲/۱

اقول: لااعلم له اصلا ولو کان کذا لم یجز الوضوء به لانه لیس بماء ولو جاز به لکان ریق الانسان وعرقه احق بالجواز ثم رأیت فی مسح الخفین من الفتح ولا فرق بین حصول ذلك بیده اوباصابة مطر اومن حشیش مشی فیه مبتل ولو بالطل علی الاصح وقیل لایجوز بالطل لانه نفس دابة لاماء ولیس بصحیح [1] اھ۔	**میں کہتا ہوں** مجھے اس کی اصل معلوم نہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اس کے ساتھ وضو جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ پانی نہیں اور اگر اس سے وضو جائز ہوتا تو انسان کے تھوک اور پسینہ سے بطریق اولٰی جائز ہوتا، پھر فتح کے مسح علی الخفین میں ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں کہ یہ ہاتھ سے ہو یا بارش کی وجہ سے ہو یا تر گھاس میں چلنے کی وجہ سے ہو یا شبنم سے ہو اصح قول کے مطابق، اور ایک قول یہ ہے کہ شبنم سے جائز نہیں کیونکہ وہ چوپائے کا سانس ہے پانی نہیں، اور یہ صحیح نہیں اھ (ت)

(۷) زلال

اقول: لغۃً وعرفاً مشہور یہی ہے کہ زلال میٹھے ٹھنڈے ہلکے خوشگوار صاف خالص پانی کو کہتے ہیں،

فی القاموس ماء زلال کغراب وامیر وصبور وعلابط سریع المرفی الحلق باردعذب صاف سهل سلس [2] اھ۔ ولم یعرج علی معنی غیره وفی صحاح الجوهری ماء زلال ای عذب [3] اھ وفی حیاة الحیوان الکبری المشهور علی الالسنة ان الزلال هو الماء البارد [4]۔	قاموس میں ہے ماء زلال، زلال غراب کے وزن پر بھی آتا ہے اور امیر، صبور اور عُلابِط کے وزن پر بھی (یعنی زلیل زُلول زلازِل) اس پانی کو کہا جاتا ہے جو حلق سے بآسانی گزرے اور ٹھنڈا، میٹھا، صاف، لطیف اور رواں ہو اھ اور اس کے علاوہ کوئی معنٰی نہیں بتائے، اور صحاح جوہری میں ماء زلال یعنی میٹھا اھ اور حیوۃ الحیوان میں ہے زبانوں پر مشہور یہ ہے کہ زلال ٹھنڈے پانی کو کہتے ہیں (ت)

---

[1] فتح القدیر مسح الخفین رضویہ سکھر ۱/۱۳۲

[2] القاموس المحیط (زللت) مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۰

[3] صحاح الجوہری (زلل) بیروت ۴/ ۱۷۱۸

[4] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۷

اس تقدیر پر تو اس کے شمار کی کوئی وجہ نہیں مگر علامہ شامی نے امام ابن حجر مکی سے نقل کیا کہ برف میں ایک چیز جانور کی شکل پر ہوتی ہے اور حقیقۃً جانور نہیں اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے،

حیث قال عقیب ذکر الطل اقول وکذا الزلال قال ابن حجر وھو مایخرج من جوف صورۃ توجد فی نحوا الثلج کالحیوان ولیست بحیوان [1]۔	انہوں نے طل کے ذکر کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اور اسی طرح "زلال" ہے، ابنِ حجر فرماتے ہیں کہ برف میں حیوانی شکل کی ایک چیز پائی جاتی ہے جو دراصل حیوان نہیں ہوتی ہے اس کے پیٹ سے جو پانی نکلتا ہے وہ زلال ہے۔ (ت)

اقول: یہ اگر ثابت (ا) ہو تو اُس کے جانور ہونے سے انکار محتاج دلیل ہے اُس کی صورت جانور کی ہے اور کتابوں اور جمہور ائمہ شافعیہ کی کتب میں اُسے حیوان کہا انگلی برابر قد سفید رنگ زرد چتّیاں اور خود اُس جانور ہی کا نام زلال بتایا تاج العروس میں ہے:

الزلال بالضم حیوان صغیر الجسم ابیضہ اذا مات جعل فی الماء فیبردہ ومنہ سمی الماء البارد زلالا [2]۔	زُلال، پیش کے ساتھ سفید جسم کا ایک چھوٹا سا جانور ہے، جب مرجاتا ہے تو اس کو پانی میں ڈال دیتے ہیں یہ پانی کو ٹھنڈا کرتا ہے، اور اسی لئے ٹھنڈے پانی کو ماءِ زُلال کہتے ہیں۔ (ت)

حیاۃ الحیوان امام دمیری شافعی میں ہے:

الزلال بالضم دود یتربی فی الثلج وھو منقط بصفرۃ یقرب من الاصبع یاخذہ الناس من اماکنہ لیشربوا مافی جوفہ لشدۃ بردہ [3]۔	زُلال پیش کے ساتھ، ایک کیڑا جو برف میں پلتا ہے اس پر پیلے رنگ کی چتیاں ہوتی ہیں، تقریبًا ایک انگلی کے برابر ہوتا ہے لوگ اس کو پکڑتے ہیں تاکہ اس کے پیٹ میں سے جو نکلتا ہے وہ پی سکیں، کیونکہ یہ پانی بہت ٹھنڈا ہوتا ہے (ت)

اُس کے حیوان ہونے کی تقدیر پر امام ابنِ حجر شافعی نے اُس پانی کو قے ٹھہرا کر ناپاک بتایا۔

قال ش عن ابن حجر بعد مامر فان تحقق	ش نے ابنِ حجر سے نقل کیا پس اگر متحقق ہو (یعنی

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۲

[2] تاج العروس فصل الزا من باب الدم مطبوعہ احیاء التراث العربی ۷/ ۳۵۹

[3] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/ ۵۳۶

(ای کونہ حیوانا) کان نجسا لانہ قیئ [1]۔	اس کا حیوان ہونا ثابت ہوجائے) تو وہ نجس ہوگا اس لئے کہ وہ قے ہے۔(ت)

اقول: قے کی تعریف[1] اس پر صادق آنے میں کلام ہے اور کتبِ شافعیہ میں اُس سے جوازِ وضو مصرح شرح وجیز ابوالفرج عجلی شافعی میں ہے:

الماء الذی فی دود الثلج طھور [2]۔	وہ پانی جو برف والے کیڑے میں ہوتا ہے پاک طہور ہے۔(ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الذی قالہ یوافق قول القاضی حسین فیما تقدم فی الدود [3]۔	جو انہوں نے کہا وہ قاضی حسین کے قول کے موافق ہے جیسا کہ دود کے ذکر میں پہلے گزرا۔(ت)

علامہ شامی نے جب تک اُس جانور کا دموی ہونا ثابت نہ ہو پانی پاک مگر ناقابلِ وضو بتایا۔

حیث قال نعم لایکون نجسا عندنا مالم یعلم کونہ دمویا اما رفع الحدث بہ فلا یصح وان کان غیر دموی [4]۔	انہوں نے فرمایا جب تک اس کا دموی ہونا معلوم نہ ہو ہمارے نزدیک نجس نہیں، رہا اس سے پاک حاصل کرنا تو یہ صحیح نہیں اگرچہ وہ غیر دموی ہو۔(ت)

اقول: ظاہراً اُس پانی کی طہارت محلِ اشتباہ نہیں جیسے ریشم[2] کا کیڑا کہ خود بھی پاک ہے اور اس کا پانی بلکہ بیٹ بھی پاک عالمگیریہ میں ہے:

ماء دود القز وعینہ وخرؤہ طاھر کذا فی القنیۃ [5]۔	ریشم کا کیڑا اس کا پانی اور اس کی بیٹ پاک ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔(ت)

لکہ خلاصہ میں ہے:

(۳) الدودۃ اذا تولدت من النجاسۃ قال شمس الائمۃ الحلوائی انھا لیست	کیڑا جو نجاست میں پیدا ہو تو شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں کہ وہ ناپاک نہیں ہے اور یہی حال ہر حیوان کا ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/ ۱۳۲

[2] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/ ۵۳۶

[3] حیاۃ الحیوان الکبرٰی (زلال) البابی مصر ۱/ ۵۳۶

[4] ردالمحتار باب المیاہ البابی مصر ۱/ ۱۳۲

[5] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الاعیان النجسۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۶

بنجسة وکذا کل حیوان حتی لوغسل ثم وقع فی الماء لاینجسه وتجوز الصلاۃ معها[1]۔	تو اگر کسی حیوان کو دھویا جائے پھر وہ پانی میں گر جائے تو اس کو ناپاک نہیں کرے گا، اور اس کے ساتھ نماز جائز ہے۔ (ت)

(ا) اور جب طاہر ہے تو جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ پانی نہیں بلاکلہ اُس کیڑے ہی کے پیٹ کی رطوبت ہے یا اُس کی رطوبت اِس میں نصف یا زاید ملی ہوئی ہے ناقابلِ وضو ہونے کی کوئی وجہ نہیں ظاہرًا وہ برف ہی کا پانی ہے کہ اس کے جوف میں ملتا ہے اور پاک پانی کے غیر طہور ہونے کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو خلط غیر سے مائے مطلق نہ رہے یا اسقاط فرض خواہ اقامت قربت سے مستعمل ہو جائے ثانی یہاں قطعًا منتفی اور اول کا ثبوت نہیں اور کوئی مطلق بلا ثبوت مقید نہیں ہو سکتا۔

الاتری ان النجاسة لاتثبت بالشك وھی تسلب الطھوریة والطھارۃ معا فضلا عن التقیید۔	نجاست شک سے ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ طہوریت کو سلب کرتی ہے اور طہارت کو بھی چہ جائیکہ تقیید۔ (ت)

(۸) گرم پانی

وھذا وفاق الا مایحکی عن مجاھد من کراھة۔ (اس بات میں اتفاق ہے مگر وہ جو مجاہد سے اس کی کراہت منقول ہے۔ ت)

اقول: مگر اتنا گرم کہ (۱) اچھی طرح ڈالا نہ جائے تکمیل سنت نہ کرنے دے مکروہ ہے یونہی اتنا سرد اور اگر تکمیل فرض سے مانع ہو تو حرام اور وہ وضو نہ ہوگا وفی صحیح البخاری توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنه بالحمیم[2] (صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گرم پانی سے وضو فرمایا۔ ت)

(۹) اُپلوں سے گرم کیا ہُوا اور بچنا بہتر، درمختار میں ہے: وکرہ احمد المسخن بالنجاسة[3] (نجاست کے ذریعے گرم شدہ پانی کو امام احمد نے مکروہ گردانا ہے۔ ت)

(۱۰) دھوپ کا گرم پانی مطلقًا مگر گرم ملک (۲) گرم موسم میں جو پانی سونے چاندی کے سوا کسی اور دھات کے برتن میں دھوپ سے گرم ہو جائے وہ جب تک ٹھنڈا نہ ہولے بدن کو کسی طرح پہنچانا نہ چاہئے وضو سے غسل سے نہ پینے سے یہاں تک کہ جو کپڑا اس سے بھیگا ہو جب تک سرد نہ ہو جائے پہننا مناسب نہیں کہ اُس پانی کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل السابع فیمایکون نجسًا الخ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴
[2] جامع للبخاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲
[3] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی لاہور ۱/ ۳۴

بدن کو پہنچنے سے معاذ اللہ احتمالِ برص ہے اختلافات اس میں بکثرت ہیں اور ہم نے اپنی کتاب منتہی الآمال فی الاوفاق والاعمال میں ہر اختلاف سے قول اصح وارجح چنا اور مختصر الفاظ میں اُسے ذکر کیا اُسی کی نقل بس ہے

وھو ھذا قط (ای الدارقطنی) عن عامر والعقیلی عن انس مرفوعا قط والشافعی عن عمر الفاروق موقوفا لاتغتسلوا بالماء انشمس فانه یورث البرص [1] قط وابو نعیم عن ام المؤمنین انها سخنت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماء فی الشمس فقال لاتفعلی یاحیمراء فانه یورث البرص [2] وقیدہ العلماء بقیود ان یکون فی قطر ووقت حارین وقد تشمس فی منطبع صابر تحت المطرقة کحدید ونحاس علی الاصح الا النقدین علی المعتمد دون الخزف والجلود والا حجار والخشب ولا للشمس فی الحیاض والبرك قطعا وان یستعمل فی البدن ولو شربا لا فی الثواب الا اذا لبسه رطبا اومع العرق وان یستعمل حارا فلو برد لاباس علی الاصح وقیل لافرق علی الصحیح وجه ورد فالاول الاوجه قیل وان لایکون الاناء منکشفا والراجح ولو فالحاصل منع ایصال الماء المشمس فی اناء منطبع من غیر النقدین الی البدن فی وقت وبلد حارین	دارقطنی نے عامر سے اور عقیلی نے انس سے مرفوعًا روایت کی، دارقطنی اور شافعی نے عمر فاروق سے موقوفًا روایت کی کہ تم آفتاب سے گرم شدہ پانی سے غسل نہ کرو کہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے، دارقطنی اور ابو نعیم نے ام المؤمنین سے روایت کی کہ آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے آفتاب سے پانی گرم کیا تو آپ نے فرمایا: آئندہ ایسا نہ کرنا اے حمیراء کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔ اور علماء نے اس میں کچھ قیود لگائی ہیں مثلًا یہ کہ گرم پانی گرم علاقہ میں ہو، گرم وقت میں ہو، یہ کہ پانی کسی دھات کے بنے ہوئے برتن میں جیسے پانی لوہے تانبے کے برتن میں گرم ہوا ہو اصح قول کے مطابق مگر سونے چاندی کے برتن میں گرم نہ کیا گیا ہو معتمد قول کے مطابق مٹی کھال پتھّر اور لکڑی کے برتنوں کو دھوپ میں رکھ کر گرم نہ کیا گیا ہو۔ حوض اور گڑھے میں سورج کا گرم شدہ پانی قطعًا نہ ہو، یہ پانی بدن میں استعمال ہوا ہو، اگرچہ پی لیا تو بھی یہی خطرہ ہے، کپڑے دھوئے تو حرج نہیں، ہاں اگر کپڑا دھو کر تر ہی پہن لیا تو خطرہ ہے، یا کپڑا پہنا اور جسم پر پسینہ تھا، یہ پانی گرم استعمال کیا جائے اگر ٹھنڈا ہونے کے بعد استعمال کیا تو حرج نہیں، اصح قول یہی ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے

[1] سنن الدارقطنی باب الماء المسخن نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۹

[2] سنن الدارقطنی باب الماء المسخن نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۸

مالم یبرد واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ فرق نہیں، اور یہی صحیح ہے، اس کی توجیہ بھی ہے اور اس پر رد ہے، تو اول کی وجہ زیادہ درست ہے، ایک قول یہ ہے کہ برتن کھُلا ہوانہ ہو، اور راجح ولو کان الاناء منکشفاہے (یعنی اگرچہ برتن کھلا ہو) تو خلاصہ یہ ہے کہ دھوپ کے گرم پانی کا سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کے برتن سے جسم پر پہنچانا، گرم وقت میں اور گرم علاقہ میں بلا ٹھنڈا کیے ممنوع ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اور تحقیق[1] یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اُس پانی سے وضو وغسل مکروہ ہے کما صرح بہ فی الفتح والبحر والدرایۃ والقنیۃ والنھایۃ (جیسا کہ فتح، بحر، درایہ، قنیہ اور نہایہ میں صراحت کی گئی ہے۔ ت) اور یہ کراہت شرعی تنزیہی ہے

کما اشار الیہ فی الحلیۃ والامداد ھذا ماحققہ ش خلافا للتنویر والدر حیث نفیا الکراھۃ اصلا ویمکن حمل التنویر علی التحریم اما الدر فصرح انھا طبعیۃ عند الشافعیۃ وھو خلاف نصھم۔ **اقول:** (۲) وزیادۃ التنویر قید القصد حیث قال وبماء قصد تشمیسہ لیس اتفاقیا بل الدلالۃ علی الاول واشارۃ الی نفی ماوقع فی المعراج ان الکراھۃ مقیدۃ عند الشافعی بالقصد فافھم۔	جیسا کہ حلیہ اور امداد میں اشارہ کیا "ش" نے یہی تحقیق کی، تنویر اور دُر میں اس کے خلاف ہے، ان دونوں حضرات نے مطلقًا کراہت کا انکار کیا ہے، اور تنویر کی عبارت کو مکروہ تحریمی پر محمول کرنا ممکن ہے مگر در میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ شافعیہ کے نزدیک وہ کراہت طبعیہ ہے اور یہ ان کی تصریحات کے خلاف ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** تنویر میں ارادہ کی قید کا اضافہ ہے انہوں نے فرمایا "اور اس پانی سے جس کو دھوپ میں قصدًا گرم کیا گیا ہے، یہ قید اتفاقی نہیں ہے بلاکہ پہلی پر دلالت کے لئے ہے اور جو معراج میں فرمایا ہے اسکی نفی کیلئے ہے کہ شافعیوں کے نزدیک کراہت اس وقت ہے جب بالقصد ہو فافہم۔ (ت)

(۱۱) عورت کی طہارت سے بچا ہوا پانی اگرچہ جنب یا حائض ہوا گرچہ اس پانی سے خلوتِ تامّہ میں اُس نے طہارت کی ہو، خلافا لاحمد والمالکیۃ (اس میں احمد اور مالکیہ کا اختلاف ہے۔ ت) ہاں مکروہ (۳) ضرور ہے۔

بل فی السراج لایجوز للرجل ان یتوضأ ویغتسل بفضل وضوء المرأۃ[1] اھ وھو نص	بلکہ سراج میں ہے کہ مرد کو جائز نہیں کہ وہ عورت کے غسل یا وضو کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے اھ

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸

فی کراھۃ التحریم واستظھرھا ط من قول الدر من منہیاتہ التوضی بفضل ماء المرأۃ[1] قال وفیہ نظر واجاب ش بانہ یشمل المکروۃ تنزیھا فانہ منھی عنہ اصطلاحا حقیۃ کما قدمناہ عن التحریر[2] اھ۔ وعللہ ط بخشیۃ التلذذ وقلۃ توقیھن النجاسات لنقص دینھن قال وھذا یدل علی ان کراھتہ تنزیھیۃ[3]۔

اقول: علی (۱) الاول یعم النھی عکسہ اعنی توضوء المرأۃ من فضل طھورہ وفیہ کلام یاتی اما الثانی۔

فاوّلا: یقتضی (۲) تعمیمہ رجال البدو والعبید والجھلۃ واشد من الکل (۳) العمیان فلا تبقی خصوصیۃ للمرأۃ۔

وثانیًا: لا یتقید بطھورھا فضلا عن اختلائھا بہ لك اذن یکفی مسھا۔

وثالثًا: (۵) فی قلۃ توقیھن النجاسات نظر ونقص دینھن ان احدٰھن تقعد شطر دھرھا لاتصوم ولا تصلی کما فی الحدیث وھذا لیس من صنعھا الا ان یعلل بغلبۃ

باور یہ مکروہ تحریمی میں نص ہے، اور طحطاوی نے اس پر دُر کے قول "عورت کے باقیماندہ پانی سے وضوء نہ کیا جائے" سے استدلال کیا ہے، فرمایا اس میں نظر ہے، اور 'ش' نے جواب دیا کہ یہ مکروہ تنزیہی کو شامل ہے کہ یہ منھی عنہ ہے اصطلاحی طور پر حقیقۃً جیسا کہ ہم نے تحریر سے نقل کیا اھ اور طحطاوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس میں ایک تو تلذذ کا خطرہ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اپنے دینی نقصان کی وجہ سے نجاستوں سے نہیں بچتی ہیں، فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد کراہت تنزیہی ہے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں پہلے قول کے مطابق نہی اُس کے عکس کو شامل ہے یعنی عورت کا مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنا، اس میں کچھ بحث ہے جو آئے گی۔ رہا دوسرا قول تو اس میں پہلی چیز یہ ہے کہ یہ دیہاتی، غلام اور جاہل سب کو عام ہے، اور سب سے زیادہ نابینا لوگوں کو۔ تو اس میں عورت کی کوئی خصوصیت نہیں۔ اور **ثانیا**، یہ قید نہیں کہ اس کا طہور ہو چہ جائیکہ عورت کا خلوت میں اس کو استعمال کرنا، بلالکہ اس کا محض پانی کو چھُولینا بھی کافی ہوگا۔ اور تیسرا یہ کہ اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ نجاستوں سے کم بچتی ہیں اس میں اعتراض ہے،

[1] طحطاوی علی الدر المختار مکروہات الوضوء بیروت ۱/ ۷۶
[2] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸
[3] طحطاوی علی الدر المختار مکروہات الوضوء بیروت ۱/ ۷۶

الجهل علیهن فیشار کهن العبید والاعراب۔
ورابعاً: (۱) العلة توجد فی حق المرأة الاخری والکراهة خاصة بالرجل وجعل ش النهی تعبدیا۔
اقول: وهو الاولی لما عرفت عدم انتهاض العلل وبه صرحت الحنابلة ولا بدلهم عن ذلك اذعدم الجواز لایعقل له وجه اصلا وکونه تعبدیا لما رواه الخمسة عــه انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم نهی ان یتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة[1] ثم ذکر عن غرر الافکار نسخه بحدیث مسلم ان

اور ان کے دین کا نقص محض یہ ہے کہ وہ ایک زمانہ تک گھر بیٹھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے اور نہ نماز پڑھتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے، اور اس میں اس کا اپنا کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کی تعلیل یہ ہوسکتی ہے کہ ان میں جہل کا غلبہ ہوتا ہے تو یہ بات غلاموں اور دیہاتی لوگوں میں بھی ہوتی ہے۔
چوتھے، یہ علّت دوسری عورت کے حق میں بھی پائی جاتی ہے حالانکہ کراہت مرد کے ساتھ خاص ہے اور "ش" نے اس مخالفت کو محض تعبّدی امر قرار دیا ہے۔ (ت)

عــه: اقول المعروف فی اطلاق الخمسة ارادة الستة الا البخاری وهذا انما رواه احمد والاربعة نعم هو اصطلاح عبدالسلام ابن تیمیة فی المنتقی لانه ادخل الامام احمد فی الجماعة فاذ اراده غیر الشیخین قال رواه الخمسة منه غفرله۔ (م)

میں کہتا ہوں عام طور پر خمسہ کا اطلاق بخاری کے علاوہ باقی اصحابِ ستّہ پر ہوتا ہے جبکہ اس کو امام احمد اور اربعہ نے روایت کیا ہے۔ ہاں منتقی میں عبدالسلام ابن تیمیہ کی یہ اصطلاح ہے کہ کیونکہ وہ امام احمد کو بھی اصحابِ صحاح کی جماعت میں داخل کرتے ہیں جس حدیث کو شیخین کے علاوہ باقی اصحابِ صحاح نے روایت کیا ہو تو کہتے ہیں رواہ الخمسة منه غفرله (ت)

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۱/ ۹۸

میمونه قالت اغتسلت من جفنة ففضلت فیھا فضلة فجاء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغتسل فقلت انی اغتسلت منه فقال الماء لیس علیه جنابة قال ش مقتضی النسخ انه لایکرہ عندنا ولا تنزیھا وفیه ان دعوی النسخ تتوقف علی العلم یتأخرا لناسخ ولعله ماخوذ من قول میمونة رضی الله تعالی عنھا انی قد اغتسلت فانه یشعر بعلمھا بالنھی قبله قال وقد صرح الشافعیة بالکراھة فینبغی کراھته وان قلنا بالنسخ مراعاة للخلاف فقد صرحوا بانه یطلب مراعاة الخلاف وقد علمت انه لایجوز التطھیر به عند احمد[1] اھ۔

اقول: ولاقرب الی الصواب ان لانسخ ولا تحریم بل النھی للتنزیه والفعل لبیان الجواز وھو الذی مشی علیه القاری فی المرقاة نقلا عن السید جمال الدین الحنفی وبه اجاب الشخ عبدالحق الدھلوی فی لمعات التنقیح ان النھی تنزیه لاتحریم فلا منافاة[2] وقال فی الباب قبله اجیب

میں کہتا ہوں یہی بات بہتر ہے، کیونکہ دوسری علتیں درست نہیں ہے، اور حنبلی حضرات نے بھی یہ علت بیان کی ہے، اور ایسا کرنا ان کیلئے ضروری تھا، کیونکہ عدم جواز کی کوئی وجہ موجود نہیں، اور اس کے تعبدی ہونے پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو پانچوں محدثین نے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر غرر الافکار کے حوالہ سے اس کا منسوخ ہونا نقل کیا۔ اس میں مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے ایک ٹب میں غسل کیا اس میں کچھ پانی بچ گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے غسل کا ارادہ فرمایا" تو انہوں نے عرض کی کہ "ہم نے اس سے غسل کیا ہے"۔ آپ نے فرمایا "پانی پر جنابت کا اثر نہیں ہوتا"۔ ش نے فرمایا نسخ کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارے نزدیک نہ وہ مکروہ تحریمی ہے نہ مکروہِ تنزیہی، اس میں اعتراض ہے کہ نسخ کا دعوی اس پر موقوف ہے کہ ناسخ کے متاخر ہونے کا علم ہو، اور شاید یہ حضرت میمونہ کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ میں نے غسل کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس سے قبل ہی نہی کا علم تھا، اور شافعیہ نے کراہت کی تصریح کی ہے تو چاہئے کہ یہ مکروہ ہو، اگرچہ ہم اختلاف کی رعایت کرتے ہوئے نسخ کا قول کریں، کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خلاف کی رعایت کی جائے اور یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ احمد کے نزدیک اس پانی سے طہارت جائز نہیں اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** زیادہ صحیح بات یہ ہوگی کہ نہ تو نسخ ہے اور نہ ہی تحریم ہے بلاکہ نہی محض تنزیہی ہے اور فعل بیان جواز کے لئے ہے ملّا علی قاری نے بھی مرقاۃ میں سید جمال الدین حنفی سے یہی نقل کیا ہے اور لمعات التنقیح میں محدث عبدالحق دہلوی نے بھی یہی جواب دیا ہے کہ نہی تنزیہی ہے تحریمی نہیں

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء البابی مصر ۹۸/۱
[2] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۱۲۲

ان تلك عزيمة وهذا رخصة[1] اه وبهذا جزم فی الاشعة من باب مخالطة الجنب وقال الامام العينی فی عمدة القاری اما فضل المرأة فيجوز عند الشافعی الوضوء به للرجل سواء خلت به اولاقال البغوی وغيره فلا كراهة فيه للاحاديث الصحيحة فيه وبهذا قال مالك وابو حنيفة وجمهور العلماء وقال احمد وداود لايجوز اذا خلت به و روی هذا عن عبدالله بن سرجس والحسن البصری و روی عن احمد كمذهبنا وعن ابن المسيب والحسن كراهة فضلها مطلقًا[2] اهـ واذ احملنا المنفية علی كراهة التحريم لم يناف ثبوت كراهة التنزيه وكيفما(ا) كان فما فی السراج غريب جدا ولم يستند لمعتمد وخالف المعتمدات ونقول الثقات ولا يظهر له وجه وقد قال(۲) فی كشف الظنون السراج الوهاج عده المولی المعروف ببركلی جملة الكتب المتداولة الضعيفة غير المعتبرة اهـ قال چلپی ثم اختصر هذا الشرح وسماه الجوهر النير[3] اهـ

اقول: بل الجوهرة النيرة وهی من

تو کوئی منافاۃ نہیں، اس پہلے باب میں فرمایا کہ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ عزیمۃ تھی اور یہ رخصۃ ہے اھ اور اشعۃ اللمعات میں اسی پر جزم کیا ہے عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے عورت کا بچے ہوئے پانی سے امام شافعی کے نزدیک مرد کیلئے وضو جائز ہے خواہ اُس عورت نے اس سے خلوت کی ہو یا نہ کی ہو بغوی وغیرہ نے فرمایا تو اس میں کراہت نہیں ہے کہ صحیح احادیث اس بارے میں موجود ہیں یہی قول مالک، ابو حنیفہ اور جمہور علماء کا ہے، اور احمد اور ابو داؤد نے فرمایا کہ جب عورت اس پانی کے ساتھ خلوت کرے تو جائز نہیں، یہ قول عبداللہ بن سرجس اور حسن بصری سے منقول ہے، اور احمد کی ایک روایت مذہب ابی حنیفہ کے مطابق ہے، اور ابن المسیّب اور حسن سے اس بچے ہوئے کی کراہت مطلقًا منقول ہے اھ اور اگر ہم منفی کو کراہتِ تحریم پر محمول کریں تو اس سے کراہت تنزیہی کے ثبوت کی نفی لازم نہ آئے گی، بہر صورت جو سراج میں ہے وہ بہت ہی غریب ہے اور کسی معتمد کتاب کی سند اس پر موجود نہیں، بلکہ کتب معتمدہ اور نقول مستندہ کے صریح خلاف ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں ہوتی ہے، کشف الظنون میں ہے کہ سراج الوہاج کو مولی المعروف برکلی نے کتبِ متداولہ، ضعیفہ غیر معتبرہ میں شمار کیا ہے اھ اور چلپی نے فرمایا پھر اس کتاب کو مختصر کیا گیا اور اس کا نام جوہر نیر ہوا اھ (ت) **میں کہتا ہوں** بلکہ جوہرہ نیرہ ہے اور وہ کتب معتبرہ سے

[1] لمعات التنقیح باب الغسل المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۱۱۲

[2] عمدۃ القاری وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/ ۸۳

[3] کشف الظنون ذکر مختصر القدوری بغداد ۲/ ۱۶۳

الکتب المعتبرۃ کما نص علیہ فی ردالمحتار ونظیرہ(۱) ان مجتبی النسائی المختصر من سننہ الکبرٰی من الصحاح دون الکبری۔

ثم اقول: ھھنا اشیاء یطول الکلام علیھا ولنشر الی بعضھا اجمالا منھا(۲) لاتبتنی کراھتہ مطلقا علی قول الامام احمد بعدم الجواز لانہ مخصوص عندہ بالاختلاء ومنھا(۳) ان مراعاۃ الخلاف انما ھی(۴) مندوب الیھا فیما لایلزم منھا مکروہ فی المذھب کما نص علیہ العلماء منھم العلامہ ش نفسہ وترک(۵) المندوب لایکرہ کما نصوا علیہ ایضا منھم نفسہ فی ھذا الکتاب فکیف تبتنی الکراھۃ علیھا لاسیما بعد تسلیم(۶) ان نسخ التحریم ینفی کراھۃ التنزیہ ایضا ومنھا(۷) ھل الحکم مثلہ فی عکسہ ای یکرہ لما ایضا فضل طھورہ ردی احمد وابو داو،د والنسائی عن رجل صحب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اربع سنین وابن ماجۃ عن عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنھما نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تغتسل المرأۃ بفضل الرجل اویغتسل بفضل المرأۃ[1] لکن قال الشیخ ابن حجر

ہے جیسا کہ اس کی صراحۃ ردالمحتار میں موجود ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ نسائی کی مجتبٰی جو ان کی سنن کبرٰی سے مختصر ہے صحاح میں شمار ہوتی ہے جبکہ کبری صحاح میں شمار نہیں ہوتی۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں یہاں بعض چیزیں ایسی ہیں جن سے کلام میں طوالت ہوگی تاہم کچھ کا ذکر اجمالی طور پر کیا جاتا ہے، کراہت کی بنیاد مطلقاً امام احمد کے عدمِ جواز کا قول نہیں، کیوں کہ اُن کے نزدیک یہ قول خلوت کے ساتھ مختص ہے، خلاف کی رعایت ایسے امور میں مندوب ہے جن میں اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہ آئے جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت کی ہے، خود علامہ 'ش' نے ایسا ہی کیا ہے اور مندوب کا ترک مکروہ نہیں جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے خود 'ش' نے اس کتاب میں صراحت کی ہے، تو پھر کراہت اس پر کیسے مبنی ہوگی؟ خاص طور پر جبکہ اس امر کو تسلیم کرلیا گیا کہ تحریم کا منسوخ ہوجانا تنزیہی کراہت کی بھی نفی کرتا ہے، کیا اس کے عکس میں بھی ایسا ہی حکم ہوگا؟ یعنی عورت کیلئے بھی مرد کا چھوڑا ہوا پانی استعمال کرنا مکروہ ہوگا؟ تو احمد، ابو داو،د اور نسائی نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک صحابی جو چار سال تک آپ کے ساتھ رہے، سے روایت کی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن سرجس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا کہ عورت

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب مخالطۃ الجنب مجتبائی دہلی ص ۵۰

المکی فی شرح المشکوٰۃ لاخلاف فی ان لہا الوضوءبفضلہ [1] اھ وقال ایضا ان احدالم یقل بظاھرہ ومحال ان یصح وتعمل الامۃ کلہا بخلافہ [2] اھ وتعقبہ الشیخ المحقق الدھلوی فی اللمعات بقولہ قد قال الامام احمد بن حنبل مع مافیہ من التفصیل والخلاف فی مشایخ [3] مذھبہ الی اخر ماذکر من خلافیاتھم۔ **اقول:** (۱) رحم اللہ الشیخ ورحمنا بہ کلام ابن حجر فی وضوئہا بفضلہ وقول الامام احمد وخلافیات مشایخ مذھبہ فی عکسہ نعم قال الامام العینی فی العمدۃ حکی ابو عمر خمسۃ مذاہب الثانی یکرہ ان یتوضأ بفضلہا وعکسہ والثالث کراھتہ فضلہا لہ والرخصۃ فی عکسہ والخامس لاباس بفضل کل منہما وعلیہ فقہاء الامصار [4] اھ ملتقطا فھذا یثبت الخلاف واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے یا مرد عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرے۔ مگر شیخ ابن حجر مکّی نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ اس میں اختلاف نہیں کہ عورت مرد کے بچے ہوئے پانی سے وضوء کرسکتی ہے اھ۔ نیز فرمایا کہ کسی ایک نے بھی اس کے ظاہر کے خلاف نہیں فرمایا اور یہ محال ہے کہ ایک چیز صحیح بھی ہو اور تمام اُمّت اس کے خلاف عمل پیرا ہو اھ۔ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس پر رد کیا اور فرمایا احمد بن حنبل نے جو فرمایا ہے اس میں تفصیل ہے اور ان کے مذہب کے مشائخ میں بھی اختلاف رہا ہے، پھر وہ اختلاف ذکر کیا۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اللہ رحم کرے شیخ پر اور ہم پر، ابن حجر نے مرد کے بچے ہوئے پانی سے عورت کے وضو کرنے کی بابت جو کلام کیا ہے اور امام احمد کا قول اور ان کے مشائخ مذہب کے اختلافات اس کے برعکس صورت میں ہیں، ہاں عینی نے عمدہ میں فرمایا کہ ابو عمر نے پانچ مذاہب گنائے ہیں، ان میں دوسرا یہ ہے کہ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے اور اس کا عکس بھی مکروہ ہے اور تیسرا یہ ہے کہ عورت کا بچا ہوا مرد کیلئے مکروہ ہے اور اس کے عکس میں رخصت ہے اور پانچواں یہ ہے کہ دونوں کے بچے ہوئے پانی میں کچھ حرج نہیں، اور اسی پر شہروں کے فقہاء ہیں اھ۔ ملتقطا، اس سے خلاف ثابت ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۲) اُس کنویں یا ۲ حوض کا پانی جس سے بچّے عورتیں گنوار جہّال فسّاق ہر طرح کے لوگ اپنے میلے کچیلے

---

[1] شرح المشکوٰۃ لابن حجر

[2] شرح المشکوٰۃ لابن حجر

[3] لمعات التنقیح باب مخالطۃ الجنب المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۱۳۰

[4] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہ مصر ۳/ ۸۵

گھڑے ڈال کر پانی بھریں جب تک نجاست معلوم نہ ہو فتح القدیر میں ہے:

یتوضوء من البئر التی یدلی فیہ الدلاء والجرار الدنسۃ یحملھا الصغار والعبید الذین لایعلمون الاحکام ویمسھا الرستاقیون بالایدی الدنسۃ مالم یتعلم نجاسۃ [1]۔	جس کو کنویں میں بچّے اور غلام میلے ڈولوں اور ٹھلیوں سے پانی بھرتے ہوں اور جن کو سقّے مَیلے ہاتھ لگاتے ہوں ایسے کنوؤں سے وضو کرنے میں حرج نہیں، ہاں اگر نجاست کا یقین ہو تو جائز نہیں (ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

قال الامام محمد حوض تملؤ منہ الصغار والعبید بالایدی الدنسۃ والجرار الوسخۃ یجوز الوضوء منہ مالم تعلم نجاسۃ [2]۔	امام محمد نے فرمایا وہ حوض جس سے چھوٹے بچّے اور غلام پانی بھرتے ہوں، اُن کے ہاتھ اور ٹھلیاں مَیلی ہوں تو جب تک نجاست کا یقین نہ ہو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۱۳) وہ پانی جس میں ایسا برتن ڈالا گیا ہو جو زمین پر رکھا جاتا ہے جس کے پیندے کی طہارت پر یقین نہیں جب تک نجاست پر یقین نہ ہو فتح القدیر میں ہے:

قالوا ولاباس بالتوضی من حب یوضع کوزہ فی نواحی الدار ویشرب منہ مالم یعلم بہ قذر [3]۔	فقہاء نے فرمایا وہ تالاب جس کے کوزے گھر کے گوشے میں رکھے جاتے ہوں اور اس سے پانی پیا جاتا ہو تو اُس سے وضو کرنے میں حرج نہیں، جب تک اس کی گندگی کا علم نہ ہو۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوٰی سے ہے:

وکذا الکوز الموضوع فی الارض اذا ادخل فی الحب للشرب منہ یعنی یجوز مالم یعلم النجاسۃ [4]۔	اسی طرح وہ لوٹا جو زمین پر رکھا ہوا ہو جب اس کو تالاب میں ڈال کر اس سے پینے کیلئے پانی نکالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے، یعنی جب تک نجاست کا علم نہ ہو۔ (ت)

یہی حکم اُن ۲ لوٹوں کے پیندوں کا ہے جو زمین پر رکھے جاتے بلاکلہ بیت الخلاء میں لے جاتے ہیں جبکہ موضع نجاست

---

[1] فتح القدیر غدیر عظیم سکھر ۱/ ۷۲

[2] الاشباہ والنظائر الیقین لایزول بالشک ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۸۷

[3] فتح القدیر غدیر عظیم سکھر ۱/ ۷۲

[4] حدیقہ ندیہ صنف ثانی من المصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۶۷

سے جُدا ہوں۔

(۱۴) ہنود[1] وغیرہم کفار کے کنوؤں یا برتنوں کا پانی اس سے طہارت ہو سکتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت رہے گی جب تک طہارت نہ معلوم ہو کہ وہ مظنۂ ہر گونہ نجاست ہیں عینی شرح بخاری میں زیر اثر **توضأ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من بیت نصرانیۃ** (حضرت عمر نے ایک نصرانی عورت کے گھر سے وضو کیا۔ ت) فرمایا:

الذی یدل ھذا الاثر جواز استعمال میاھھم ولکن یکرہ استعمال اوانیھم وثیابھم سواء فیہ اھل الکتاب وغیرھم وقال الشافعیۃ فان تیقن طھارتھا فلا کراھۃ ولا نعلم فیھا خلافا واذا تطھر من اناء کافر ولم یتیقن طھارتہ ولا نجاستہ فان کان من قوم لایتدینون باستعمالھا صحت طھارتہ قطعا والا وجھان اصحھما الصحۃ وممن کان لایری بأسا بہ الاوزاعی والثوری وابو حنیفۃ والشافعی واصحابھما وقال ابن المنذر لااعلم احدا کرھہ الا احمد وابن اسحٰق قلت وتبعھما اھل الظاھر واختلف قول مالک ففی المدونۃ لایتوضوء بسؤر النصرانی ولا بمأ ادخل یدہ فیہ وفی العتبیۃ اجازہ مرۃ وکرھہ اخری[1] اھ	اس اثر سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے پانیوں کا استعمال جائز ہے لیکن ان کے برتنوں اور کپڑوں کا استعمال مکروہ ہے اس میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب برابر ہیں اور شافعی حضرات فرماتے ہیں اگر ان کی پاکی کا یقین ہو تو کراہت بھی نہیں، اور ہم اس میں کوئی اختلاف نہیں جانتے اور جب کسی برتن سے کسی کافر نے پاکی حاصل کی اور اس کی طہارت ونجاست میں سے کسی کا یقین نہیں، تو اگر وہ ایسے لوگوں کا برتن ہے جو نجاست کے استعمال کو جائز نہیں سمجھتے، تو اس کو طہارت قطعًا ثابت ہے ورنہ اس میں دو صورتیں ہیں، دونوں میں اَصَحّ صحت ہے، امام اوزاعی، ثوری، ابو حنیفہ، امام شافعی اور دونوں کے اصحاب اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اور ابنِ منذر فرماتے ہیں میں کسی کو نہیں جانتا جس نے اس کو مکروہ سمجھا ہو سوائے احمد اور ابن اسحاق کے، میں کہتا ہوں اہلِ ظاہر نے ان دونوں کی متابعت کی اور مالک کے قول میں اختلاف پایا جاتا ہے، مُدوّنہ میں ہے نصرانی کے جھوٹے سے اور اُس پانی سے جس میں اُس نے اپنا ہاتھ ڈالا ہو وضو نہ کیا جائے، اور عتبیہ میں ایک قول جواز کا ہے اور ایک کراہۃ کا۔ (ت)

[1] عمدۃ القاری باب وضوء الرجل مع امرأتہٖ مصر ۳/ ۸۲

اقول: افاد کراھۃ التحریم لمقابلتھا بالاجازۃ وھی محمل قول احمد واسحٰق ونفی البأس مرجعہ الی خلاف الاول وقد بینا المسألۃ بابسط مماھنا فی فتاوٰنا۔	بلہ اجازت سے ہے، اور اسی پر احمد اور اسحاق کے قول کو محمول کیا گیا ہے اور جہاں بأس کی نفی ہے اس کا مطلب خلاف اولیٰ ہے، ہم نے اس مسئلہ کو بہ نسبت اِس مقام کے اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس سے کراہت تحریمی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس کا مقاب

ذخیرہ میں ہے:

یکرہ الاکل(۱) والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسۃ [1]۔	مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے کیونکہ ان کے برتن میں بظاہر ناپاک ہوتے ہیں۔ (ت)

(۱۵) جس پانی[۲] میں بچّہ نے ہاتھ یا پاؤں ڈال دیا یہاں بھی وہی حکم ہے کہ قابلِ طہارت ہے جب تک نجاست پر یقین نہ ہو مگر اولیٰ احتراز ہے جب تک طہارت پر یقین نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا ادخل الصبی یدہ فی کوزماء اورجلہ فان علم ان یدہ طاھرۃ بیقین یجوز التوضؤ بہ وان کان لایعلم انھا طاھرۃ اونجسۃ فالمستحب ان یتوضأ بغیرہ ومع ھذا لوتوضأ اجزأہ کذا فی المحیط [2]۔	بچّہ نے پانی کے کُوزے میں اگر ہاتھ یا پیر ڈالا تو اگر یقین سے یہ معلوم ہے کہ اس کا ہاتھ یا پَیر پاک ہے تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر معلوم نہیں کہ وہ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب یہ ہے کہ دوسرے پانی سے وضو کیا جائے، لیکن اگر وضو کرہی لیا تو جائز ہے کذا فی المحیط۔ (ت)

(۱۶) یوں ہی ۳ جس میں مشکوک کپڑا اگر گیا حتی کہ بچّے کے نہالچے کی روئی جبکہ نجاست معلوم نہ ہو مگر کراہت ہے کہ مظنہ زیادہ ہے، جواہر الفتاوٰی باب اول فتاوٰی امام رکن الدین ابوالفضل کرمانی میں ہے:

قطعۃ قطن من فراش صبی وقعت فی بئرولا یدری انھانجسۃ ام طاھرۃ	بچّے کے بچھونے سے رُوئی کاایک ٹکڑا کُنویں میں گر گیااور یہ معلوم نہیں کہ یہ پاک ہے یا ناپاک، تو محض شک

[1] حدیقہ ندیۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل فیمالایجوزبہ التوضؤ پشاور ۱/ ۲۵

قال لایحکم بکونھا نجسة بالشك والاحتمال ولو احتیط ونزح کان اولی[1]۔	اور احتمال کی بنا پر اس کی نجاست کا حکم نہیں دیا جائیگا اور اگر احتیاط سے کام لیا جائے اور تمام پانی نکال دیا جائے تو بہتر ہے۔(ت)

(۱۷) وہ پانی جس میں استعمال جُوتا گر گیا جبکہ نجاست نہ معلوم ہو یہاں پر بھی وہی حکم ہے تاتارخانیہ پھر طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیة وھی البئر وجد فیھا خف ای نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیه اثر النجاسة ھل یحکم بنجاسة الماء قال لا[2] اھ ملخصا۔	امام خجندی سے ایسے کنویں کی بابت دریافت کیا گیا جس میں ایسا موزہ (ہلکا جوتا) پایا گیا جسے پہن کر عام راستوں پر چلا جاتا ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ وہ کب گرا ہے، اور اس پر بظاہر نجاست کا اثر بھی نہیں تو کیا کنواں ناپاک ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں اھ (ت)

(۱۸تا۲۱) شکاری پرندوں اور حشرات الارض اور بلّی اور چھوٹی ہوئی مرغی کا جھوٹا جبکہ طہارت یا نجاست پر یقین نہ ہو یہ اُس وقت مکروہ ہے جبکہ دوسرا صاف پانی موجود ہو وقد بیناہ فی فتاوٰنا (ہمارے فتاوٰی میں بیان کر دیا گیا ہے۔ت)

(۲۲) اُس جانور کا جھوٹا جس میں خون سائل نہیں جیسے بچھّو وغیرہ اس میں کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

سؤر مالادم له طاھر طھور بلاکراھة[3]۔	اس جانور کا جھُوٹا جس میں خون سائل نہیں بلاکراہت پاک اور پاک کرنے والا ہے۔(ت)

(۲۳) حوض ۲ کا پانی جس میں بدبُو آتی ہو جبکہ اُس کی بُو نجاست کی وجہ سے ہونا معلوم نہ ہو۔ خانیہ میں ہے:

یجوز التوضوء فی الحوض الکبیر المنتن اذالم تعلم نجاسة لان تغیر الرائحة	بڑے حوض میں اگر بدبو ہو تو بھی اس سے وضوء جائز ہے بشرطیکہ اس میں نجاست معلوم نہ ہو کیونکہ

[1] جواہر الفتاوٰی

[2] حدیقہ ندیۃ صنف ثانی من الصنفین نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[3] الدرالمختار فی البئر مجتبائی دہلی ۱/ ۴۰

قد یکون بطول المکث[1] اھ اقول: وکذا الصغیر وانما قید بالکبیر لاجل فی معناہ ان الکبیر اذا تغیر احد اوصافه بنجس ینجس فالحوض الکبیر المنتن قدیتوقاہ الموسوس توھما ان نتنه بالنجس فافادانه وھم لایعتبر۔	پانی کے ٹھہرے رہنے کی وجہ سے بھی کبھی بدبُو پیدا ہوجاتی ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** چھوٹے حوض کا بھی یہی حکم ہے، بڑے کی قید محض اس لئے لگائی ہے کہ بڑے حوض کا پانی جب نجاست کی وجہ سے متغیر ہوجائے اور اس کا کوئی وصف بدل جائے تو نجس ہے اگر بڑے حوض میں بدبو پائی جائے تو وہمی شخص اس سے پرہیز کرسکتا ہے کہ شاید اس کی بدبو نجاست کے باعث ہے، لیکن اس عبارت سے یہ بتادیا کہ یہ وہم معتبر نہیں ہے۔ (ت)

(۲۴) مولٰی کریم رؤف رحیم عزجلالہ، اپنے حبیب اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وجاہت کریمہ کے صدقہ میں اپنے غضب سے دونوں جہان میں بچائے جس بستی پر (۱) عیاذًا باللہ عذاب اُترا اُس کے کُنوؤں تالابوں کا پانی کہ اُس کا استعمال کھانے پینے طہارت ہر شے میں مکروہ ہے یوں ہی اس کی مٹی سے تیمّم، ہاں زمین (۲) ثمود کا وہ کُنواں جس سے ناقۂ صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام پانی پیتا اُس کا پانی مستثنٰی ہے، صحاح میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہ رکاب اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمین ثمود پر اُترے وہاں کے کنوؤں سے پانی بھرا اُس سے آٹے گوندھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پانی پھینک دیں اور آٹا اونٹوں کو کھلادیں چاہِ ناقہ سے پانی لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ینبغی کراھة التطھیر ایضا اخذا مما ذکرناہ وان لم ارہ لاحد من ائمتنا بماء وتراب من کل ارض غضب علیھا الا بئرالناقة بارض ثمود وقد صرح الشافعیة بکراھته ولا یباح عند احمد ثم نقل الحدیث عن شرح المنتھی الحنبلی وانه قال ظاھرہ منع الطھارۃ	جس زمین پر بھی غضب نازل ہوا ہو، اس کے پانی اور مٹّی سے طہارت حاصل کرنا مکروہ ہونا چاہئے سوائے ناقہ کے کنویں کے جو زمین ثمود میں پایا جاتا ہے۔ یہ بات اس تحقیق سے معلوم ہوتی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، اگرچہ میری نظر سے نہیں گزرا کہ ہمارے ائمہ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہو، البتہ شافعیہ نے اس کے مکروہ ہونے کی

[1] قاضی خان الماء الراکد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴

به قال وبئر الناقة هي البئر الكبيرة التي يردها الحجاج في هذه الازمنة [1] اهـ وقوله اخذا مما ذكرنا يشير الى ماقدم من تعليل الكراهة بمراعاة الخلاف۔ **اقول:** (۱) وفيه ماقدمنا لكن الكراهة ههنا واضحة فقد كره الأجر في القبر مما يلي الميت لاثر النار كما في البدائع وغيرها فهذا اولى بوجوه كما لايخفى على من اعتبر فجزاه الله تعالٰى خيرا كثيرا في جنات الفردوس كما نبه على هذه الفائدة الفازة۔	تصریح کی ہے، اور امام احمد کے نزدیک مباح نہیں ہے، پھر حدیث نقل کی شرح منتہی حنبل سے، اور فرمایا اس سے بظاہر طہارت کا ممنوع ہونا مفہوم ہوتا ہے، فرمایا اونٹنی کے کنویں سے مراد وہ بڑا کنواں ہے جس پر آج کل حاجی آتے ہیں اور اس کے قول اخذا مما ذکرنا سے مراد کراہت کی علّت ہے جو انہوں نے بیان کی کہ اختلاف کی رعایت مقصود ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس پر وہ اعتراض ہے جو ہم نے ذکر کیا، لیکن کراہت یہاں واضح ہے، کیونکہ آگ میں پکی ہوئی اینٹ قبر میں میت سے لگا کر استعمال کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں آگ کا اثر ہوتا ہے، جیسا کہ بدائع وغیرہ میں ہے تو یہ بطریق اولٰی مکروہ ہے کئی وجوہ سے جیسا کہ عبرت حاصل کرنے والے پر مخفی نہیں اللہ تعالٰی اسے جنۃ الفردوس میں خیر کثیر عطا فرمائے جیسا کہ اس عمدہ فائدہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ (ت)

(۲۵) آبِ [۲] مغصوب۔ آبِ مغصوب میں تو کراہت ہی تھی آبِ مغصوب کا استعمال صرف کھانے پینے میں ہو خواہ طہارت میں محض حرام ہے مگر وضو وغسل صحیح ہو جائیں گے اور ان سے نماز ادا ہو جائے گی **لان المنع للمجاور** (یہ ممانعت ساتھ ملنے کی وجہ سے ہے۔ ت) ردالمحتار میں زیر قول شارح یجوز رفع الحدث بما ذکر (حدث کا دور کرنا جائز ہے ان چیزوں سے جو ذکر کی گئیں) فرمایا **ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب** [2] (یعنی صحیح ہے اگرچہ حلال نہیں مغصوب پانی کی شکل میں۔ ت)

(۲۶) وہ [۳] پانی کہ کسی کے مملوک کنویں سے بے اس کی اجازت بلکہ باوصف ممانعت کے بھرا اس کا پینا وضو وغیرہ میں خرچ کرنا سب جائز ہے یہ مغصوب کی حد میں نہیں کہ کنویں [۴] کا پانی جب تک کنویں میں ہے کسی کی مِلک نہیں آبِ باراں کی طرح مباح وخالص مِلکِ اللہ عزجلالہ ہے۔ ردالمحتار میں ہدایہ سے ہے: **الماء فی البئر غیر مملوك** [3] (کنویں کے اندر کا پانی کسی کی ملکیت نہیں ہے۔ ت) اُسی میں ولوالجیہ سے ہے:

[1] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸
[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۵
[3] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۶

اونزح ماء بئر رجل بغیر اذنه حتی یبست لاشیئ علیه لان صاحب البئر غیر مالك للماء[1]۔	اگر کسی شخص کے کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر نکالا اور اتنا نکالا کہ وہ کنواں خشک ہوگیا تو اس شخص پر کوئی ضمان نہیں، کیونکہ وہ شخص پانی کا مالک نہیں۔ (ت)

اُسی میں ذخیرہ سے ہے:

الماء قبل الاحراز بالاوانی لایملك فقد اتلف مالیس بمملکوك لغیرہ[2]۔	پانی کو جب تک برتنوں میں نہ بھر لیا جائے مِلک ثابت نہیں ہوتی ہے، تو اس نے وہ چیز تلف کی ہے جو غیر کیمملوک نہیں۔ (ت)

اُسی میں درمختار سے ہے:

الماء تحت الارض لایملك[3]۔	زمین کے نیچے جو پانی ہے اس پر کسی کی مِلک نہیں۔ (ت)

اِسی طرح کُتب کثیرہ میں ہے:

اقول: والعبرة للمنقول وان بحث البحر تبعاً للفتح لزوم کون ماء البئر مملوکا للحافر بناء علی احد قولین فی الکلاء۔ **اقول:** وقد کان یخالج صدری نظر الی ان من نصب(۱) شبکة لیتعلق بها صید ملکه لا لونصبها للجفاف تنویروغیرہ وان من وضع اناء لجمع ماء المطر ملکه اما اذالم یضع* لذلك واجتمع*فالماءلمن رفع خیریة وغیرها	میں کہتا ہوں اعتبار منقول کو ہے، اگرچہ بحر نے اس پر فتح کی متابعت میں بحث کی ہے، اور فرمایا ہے کہ جس نے کنواں کھودا ہے پانی بھی اسی کی ملکیت میں ہے اس بناء پر کہ گھاس میں بھی ایک قول یہی ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** میرے دل میں یہ خلجان تھا کہ جس شخص نے جال لگایا کہ اس میں کوئی شکار پھنس جائے تو شکار اسی کی ملکیت ہوگا بشرطیکہ اس نے جال خشک کرنے کیلئے نہ لگایا ہو، تنویر وغیرہ۔ اور اگر کسی شخص نے برتن رکھا کہ اس میں بارش کا پانی جمع ہو جائے، پھر پانی جمع ہوا تو وہ اسی کی مِلک ہے،

[1] فتاوٰی خیریہ مسائل الشرب بیروت ۲/ ۱۸۶

[2] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۷

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۰۸

وظهر الجواب بحمدہ تعالٰی ان ملک(۱) المباح بالاستیلاء والاستیلاء بالاحراز وقدتم فی الشبکة والاناء بخلاف البئر ففی ش عن جامع الرموز ملاء الدلو من البئر ولم یبعدہ من رأسها لم یملکه عندالشیخین اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین [1] اھ۔ اماما بحثه الفتح فقد اجاب عنه فی النهر فراجع ش من البیع الفاسد مسألة بیع المراعی۔

اقول: (۲) ویؤیدہ مافی الهندیة عن المبسوط ماانبته صاحب الارض (۳) بان سقی ارضه وکربها لینبت فیها الحشیش لدوابه فهو احق بذلك ولیس لاحدان ینتفع بشیئ منه الابرضاہ لانه کسبه والکسب للمکتسب [2] اھ فلا یقاس علیه ماء البئر فانه لیس من کسب حافرها انما صنعه فیه رفع الحجاب کالفصاد۔

قال تعالٰی

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَکَهٗ یَنَابِیْعَ فِی

جب برتن پانی جمع ہونے کیلئے نہ رکھا ہو اور پانی جمع ہو جائے تو وہ پانی اس کی ملکیت میں ہوگا جس میں اٹھایا، خیر یہ وغیرہ۔ اور یہ جواب معلوم ہوا کہ مباح چیز پر ملکیت استیلاء اور غلبہ سے ہوتی ہے اور استیلاً اس چیز کو قبضہ میں لے لینے سے ہوتی ہے، اور یہ چیز جال اور برتن کی شکل میں تو پائی جاتی ہے لیکن کنویں کی صورت میں نہیں "ش" میں جامع الرموز سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کنویں سے ڈول بھرا لیکن اس کو کنویں کے منہ سے دُور نہ کیا تو وہ اس کی ملک میں نہ ہوگا، یہ شیخین کے نزدیک ہے، کیونکہ احراز کسی چیز کو محفوظ جگہ رکھنے کو کہا جاتا ہے اھ اور جو بحث فتح میں ہے تو اس کا جواب نہر میں ہے اس سلسلہ میں بیع فاسد کا باب تحت مسئلہ چراگاہوں کے بیچنے 'ش' میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس کی تائید ہندیہ کے اُس حوالہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے مبسوط سے نقل کیا ہے، حوالہ یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی زمین میں جانوروں کو کھلانے کیلئے گھاس اگائی تو وہ اسی کی ہے اور کوئی شخص اُس سے اس کی مرضی کے بغیر استفادہ نہیں کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی کمائی ہے، اور ہر شخص کی کمائی اسی کی ہوتی ہے اھ مگر اس پر کنویں کے پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں کیونکہ پانی کنویں کے کھودنے والے کی کمائی نہیں ہے اُس نے تو صرف اتنا کام کیا کہ پانی پر جو حجاب تھا وہ رفع کردیا،

---

[1] ردالمحتار فصل الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۷

[2] الفتاوٰی الہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/ ۳۹۲

الْاَرْضِ [1] وتقریر الاٰیۃ فی میاہ الدر واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسے فصد کے عمل میں ہوتا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو اللہ تعالٰی نے اس کو چشموں میں جاری کردیا، اس آیت کی تقریر در کے باب المیاہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲۷) یونہی [۱] کسی کا برتن صحن میں تھا، مینہ برسا، برتن بھر گیا، پانی بھی اس کی ملک نہ ہوا اپنی اصل اباحت پر باقی ہے اگرچہ برتن اور مکان اس کی ملک ہے جو اس پانی کو لے لے وہی اس کا مالک ہوجائے گا اگرچہ برتن کا مالک منع کرتا ہے ہاں اس کے برتن کا استعمال بے اجازت جائز نہ ہوگا۔

(۲۸) اگر [۲] اس نے برتن اسی نیت سے رکھا تھا کہ آبِ باراں اس میں جمع ہو تو اب وہ پانی اُس کی ملک ہے دوسرے کو بے اس کی اجازتِ صحیحہ کے حرام ہے ہاں طہارت یوں بھی ہوجائے گی گناہ کے ساتھ فتاوٰی کبرٰی پھر ہندیہ میں ہے:

وضع طستا علی سطح فاجتمع فیہ ماء المطر فجاء رجل ورفع ذلك فتنازعا ان وضع صاحب الطست الطست لذلك فھو لہ لانہ احرزہ وان لم یضعہ لذلك فھو للرافع لانہ مباح غیر محرز [2]۔	کسی شخص نے چھت پر پانی کا طشت رکھا تو اس میں بارش کا پانی جمع ہوگیا، اب ایک شخص نے آخر وہ طشت اٹھالیا، تو اگر طشت کے مالک نے یہ طشت اسی مقصد سے رکھا تھا تو وہ مالک کا ہی ہے اور اگر اس نے یوں ہی رکھ دیا تھا تو جس نے طشت اٹھایا پانی اسی کا ہوا کیونکہ احراز کا فعل اس کی طرف منسوب ہوگا۔ (ت) اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

(۲۹) سبیل [۳] جو پینے کیلئے لگائی گئی ہو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اُس سے وضو، غسل اگرچہ صحیح ہوجائیں گے جائز نہیں یہاں تک کہ اگر اُس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اسے وضو یا غسل کی حاجت ہے تو تیمم کرے اس سے طہارت نہیں کرسکتا۔

اقول: مگر جبکہ مالک [۴] آب کی اجازت مطلقًا یا اس شخص خاص کیلئے صراحۃً خواہ دلالۃً ثابت ہو، صراحۃً یہ کہ اُس نے یہی کہہ کر سبیل لگائی ہو کہ جو چاہے پیئے وضوء کرے نہائے، اور اگر فقط پینے اور وضوء کے لئے کہا تو اس سے غسل روانہ ہوگا اور خاص اس شخص کیلئے یوں کہ سبیل تو پینے ہی کو لگائی مگر اُسے اُس سے وضوء یا غسل کی اجازت خود یا اس کے سوال پر دے دی اور دلالۃً یوں کہ لوگ اس سے وضوء کرتے ہیں اور وہ منع نہیں

---

[1] القرآن ۲۱/۳۹

[2] فتاوٰی خیریۃ بالمعنی مسائل الشرب بیروت ۱۸۶/۲

نہیں کرتا یا سقایہ قدیم ہے اور ہمیشہ سے یوں ہی ہوتا چلاآیا ہے یا پانی اس درجہ کثیر ہے جس سے ظاہر ہے کہ صرف پینے کو نہیں مگر جبکہ ثابت ہوا کہ اگرچہ کثیر ہے صرف پینے ہی کی اجازت دی ہے فان الصریح یفوق الدلالۃ (کیونکہ صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ت) اور شخص خاص کے لئے یوں کہ اس میں اور مالک آب میں کمال انبساط واتحاد ہے یہ اُس کے ایسے مال میں جیسا چاہے تصرف کرے اُسے ناگوار نہیں ہوتا۔

لان المعروف کالمشروط کما ھو معروف فی مسائل لاتحصی وفی الھندیۃ عن السراج الوھاج ان کان بینھما انبساط یباح والافلا [1]۔	کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے، اور یہ چیز بے شمار مسائل میں ہے، اور ہندیہ میں سراج الوہاج سے ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان بے تکلفی کا رشتہ ہو تو یہ مباح ہے ورنہ نہیں۔(ت)

محیط وتجنیس ووالوالجیہ وخانیہ وبحر ودرمختار میں ہے:

واللفظ لہ الماء المسبل فی الفلاۃ لایمنع التیمّم مالم یکن کثیرا فیعلم انہ للوضوء ایضا قال ویشرب ماللوضوء [2]۔	لفظ درمختار کے ہیں وہ پانی جو جنگل میں سبیل کے طور پر ہو مانع تیمّم نہیں تاوقتیکہ کثیر نہ ہو، اگر کثیر ہو تو معلوم ہوگا کہ یہ وضوء کے لئے بھی ہے۔ نیز فرمایا: جو پانی وضوء کیلئے ہے وہ پیا جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ المسبل ای الموضوع فی الحباب لابناء السبیل قولہ لایمنع التیمّم لانہ لم یوضع للوضوء بل للشرب فلا یجوز الوضوء بہ وان صح قولہ مالم یکن کثیرا قال فی شرح المنیۃ الاولی الاعتبار بالعرف لابالکثرۃ الا اذا اشتبہ [3]اھ کلام ش۔ **اقول:** وانت(۱) تعلم ان ماذکر الفقیر	ان کا قول مسبل یعنی وہ پانی جو مٹکوں میں ہو مسافروں کیلئے، ان کا قول "لایمنع التیمم" کیونکہ وہ وضوء کیلئے نہیں رکھا گیا ہے بلکہ پینے کیلئے ہے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں اگرچہ صحیح ہے ان کا قول مالم یکن کثیرا، شرح منیہ میں ہے بہتر یہ ہے کہ اعتبار عرف کا ہے نہ کہ کثرۃ کا، مگر جب مشتبہ ہو اھ کلام ش۔(ت) میں کہتا ہوں جو کچھ فقیر نے ذکر کیا ہے

---

[1] سراج الوہاج

[2] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/ ۴۵

[3] ردالمحتار باب التیمم مصر ۱/ ۱۸۵

اجمع واشمل وانفع واکمل۔	وہ جامع، مانع، زیادہ مفید اور مکمل ہے۔ (ت)

تنبیہ: یہ جو شخص خاص کی اجازت صراحۃً خواہ دلالۃً ہم نے ذکر کی اُس حالت میں ہے کہ پانی وقتِ اجازت بھی اجازت دہندہ کی مِلک ہو اور اگر وقف کا پانی ہے تو اس میں نہ کسی کو تغیر کا اختیار نہ کسی کی اجازت کا اعتبار،

فی البحر ثم الدر من الوضوء مکروھه الاسراف فیه لوبماء النهر والمملوك له اما الموقوف علی من یتطھر به ومنه (۲) ماء المدارس فحرام [1] اھ وفی ش عن الحلیة لانه انما یوقف ویساق لمن یتوضوء الوضوء الشرعی ولم یقصد اباحتها لغیر ذلك [2] اھ وفی ط تحت عبارة الدر السابقة قوله المسبل ای الموقوف الذی یوضع علی السبل قوله مالم یکن کثیرا محل ذلك عنه عدم التیقن بانه للمشرب اما اذا تیقن انه للشرب فیحرم الوضوء لان شرط الواقف کنص الشارع قوله (۳) وشرب ماللوضوء ظاهره وان لم یکن للضرورة وفیه انه لایلزم مخالفة شرط الواقف [3] اھ واشار 'ش' الی الجواب عن ھذا بقوله کأن الفرق ان الشرب اھم لانه لاحیاء النفوس بخلاف الوضوء لان له بدلا فیاذن صاحبه بالشرب منه عادة [4] اھ	بحر اور دُر کے باب الوضوء میں ہے وضوء میں پانی کا اسراف مکروہ ہے خواہ نہر کا پانی ہو یا اپنا مملوک پانی ہو، اور جو پانی پاکی حاصل کرنے والوں کیلئے وقف ہوتا ہے، جس میں مدارس کا پانی بھی شامل ہے، اس کا اسراف عام ہے اھ اور 'ش' میں حلیہ سے منقول ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی انہی لوگوں کیلئے وقف ہے جو شرعی وضوء کرنا چاہتے ہیں، اور دوسروں کیلئے مباح نہیں ہے اھ اور 'ط' میں در کی سابقہ عبارت کے تحت فرمایا 'مسبل' وہ پانی جو راستوں میں وقف رکھا جاتا ہے اور اس کے قول مالکم یکن کثیرا اس کے مفہوم یہ ہے کہ جب یہ یقین نہ ہو کہ یہ پینے کیلئے ہے، اگر یہ یقین ہو کہ یہ پینے کیلئے ہے تو اس سے وضو حرام ہے کیونکہ شرط واقف نص شارع کی طرح ہوتی ہے۔ اور ان کا قول "شرب ماللوضوء" کا بظاہر یہ مفہوم ہے کہ اگرچہ وہ پانی ضرورت کیلئے نہ ہو، اور اس میں یہ قباحت ہے کہ اس میں شرط واقف کی مخالفت ہے اھ اور 'ش' نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، غالبًا اس میں

[1] الدرالمختار مکروہات الوضوء مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴
[2] ردالمحتار مکروہات الوضوء مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸
[3] طحطاوی علی الدر باب التیمم بیروت ۱/۱۲۳
[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۵

فرق یہ ہے کہ پانی کا پینا اہم ہے کیونکہ اس میں زندگی بچانا ہے جبکہ وضوء میں یہ چیز نہیں، کیونکہ وضو کا متبادل ہوتا ہے اس لئے مالک عام طور پر پینے کی اجازت دے دیتا ہے اھ (ت)

اقول: ای یکون ذلك منویا عند الوقف بحکم العادۃ فلا یلزم خلاف الشرط ولیس المراد حدوث الاذن الاٰن کما یوھمه تعبیر یاذن فان الوقف اذا تم خرج عن ملکه فلا یعمل فیه اذنه کما ھو ظاھر (۱) لکن ھھنا تحقیق شریف للعبد الضعیف فی بحث صحۃ وقف الماء لابد من التنبه له قال فی التنویر والدر (و) (۲) صح وقف کل (منقول) قصدا (فیه تعامل) للناس (کفأس وقدوم) بل (ودراھم (۳) ودنانیر) ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنه مضاربة اوبضاعة فعلی ھذ (۴) لووقف کرا علی شرط ان یقرضه لمن لابذر له لیزرعه لنفسه فاذا ادرك اخذ مقدارہ ثم اقرضه لغیرہ وھکذا جاز خلاصة (۵) وفیھا وقف بقرۃ علی ان ماخرج من لبنھا اوسمنھا للفقراء ان اعتادوا ذلك رجوت ان یجوز (۶) (وقدر وجنازۃ) وثیابھا ومصحف وکتب لان التعامل یترك به القیاس[1] اھ قال ش قال الرملی لکن فی الحاقھا بمنقول فیه تعامل نظر	میں کہتا ہوں، یعنی یہ چیز عادۃً وقف کے وقت واقف کی نیت میں ہوتی ہے تو ایسی صورت میں شرط واقف کی خلاف ورزی لازم نہ آئے گی، یہ مراد نہیں کہ اب اجازت دی ہے، جیسا کہ "یاذن" کے لفظوں سے ظاہر ہے، کیونکہ وقف جب مکمل ہوجاتا ہے تو ملک واقف سے نکل جاتا ہے تو اس کی اجازت کا کوئی اثر نہ ہوگا، جیسا کہ ظاہر ہے میں نے پانی کے وقف کے سلسلہ میں ایک تحقیق کی ہے، اس کا جاننا ضروری ہے، تنویر اور دُر میں فرمایا (اور) صحیح ہے وقف ہر (منقول کا) قصدا جس میں لوگوں کا تعامل ہو (جیسے پھاوڑا اور کلھاڑی) بلاکہ (دراہم ودنانیر کا) اور ناپ تول والی چیز کا، تو اس کو بیچا جائے گا اور اس کی قیمت بطور مضاربت دی جائے گی یا بطور سامان۔ اس بنا پر اگر کسی شخص نے ایک بوری غلّہ اس شرط پر وقف کیا کہ یہ ایک شخص کو قرض دیا جائے جو اپنے لئے کاشت کرتا ہو، اور جب اس کی کھیتی پک جائے تو اُس سے یہ مقدار واپس لے لی جائے اور کسی دوسرے کو قرض دے دیا جائے اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے تو یہ جائز ہے، خلاصہ اسی کتاب میں ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک گائے

[1] الدرالمختار باب الوقف مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

اذھی مما لاتنتفع بھا مع بقاء عینھا وما استدل بہ فی المنح فی مسألۃ البقرۃ ممنوع بما قلنا اذینتفع بلبنھا وسمنھا مع بقاء عینھا اھ قلت ان الدراھم لاتتعین بالتعیین فھی وانکانت لاینتفع بھا مع بقاء عینھا لکن بدلھا قائم مقامھا لعدم تعینھا فکأنھا باقیۃ ثم قال عن الفتح عن الخلاصۃ عن الانصاری وکان من اصحاب زفر فیمن وقف الدراھم اوما یکال اویوزن ایجوز قال نعم قیل وکیف قال یدفع الدراھم مضاربۃ ثم یتصدق بھا فی الوجہ الذی وقف [1]اھ ورأیتنی کتبت علیہ مانصہ۔ **اقول:** ھذا التعلیل من العلامۃ الرملی لمنع وقف الدراھم وجواب المحشی بانھا لاتتعین فکانھا باقیۃ ببقاء بدلھا وما ذکر الامام الانصاری وتبعہ فی الخلاصۃ والفتح والدر وکثیر من الاسفار الغر من طریق الابقاء فی الدراھم والمکیل والموزون ومامر (ای فی ردالمحتار) من ان التأبید معنی شرط صحۃ الوقف بالاتفاق علی الصحیح وقد نص علیہ محققو المشایخ کل ذلك یقضی بان الماء المسبل لایکون وقفا لعدم امکان

اس شرط پر وقف کی کہ اس کا دُودھ اور گھی فقراء کے استعمال میں لایا جائے، تو اگر یہ چیز ان کی عرف میں ہے تو امید ہے کہ جائز ہے (اور دیگ اور جنازہ کی چارپائی) اور جنازہ کی چادریں اور مصحف اور کتابیں، کیونکہ تعامل کے مقابلالہ میں قیاس کو ترک کردیا جاتا ہے اھ

"ش" نے کہا کہ رملی نے فرمایا اس کو منقول سے ملانے میں جس میں تعامل ہو اعتراض ہے کہ اس کے عین کے باقی رہتے ہوئے اس سے انتفاع نہیں ہوتا ہے اور گائے کا مسئلہ جس سے منح میں استدلال کیا ہے ناقابلِ تسلیم ہے، کیونکہ اس کے دودھ اور گھی سے گائے کو باقی رکھتے ہوئے نفع حاصل کیا جاتا ہے اھ میں کہتا ہوں دراہم متعین کردینے سے متعین نہیں ہوتے ہیں، تو ان کو باقی رکھتے ہوئے اگرچہ ان سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، لیکن ان کا بدل ان کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ خود متعین نہیں، تو گویا کہ یہ باقی ہیں۔ پھر فتح سے خلاصہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انصاری جو اصحاب زفر سے تھے ان سے پُوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے دراہم یا کیلی یا وزنی چیز وقف کی تو کیا جائز ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: ہاں۔ اُن سے دریافت کیا گیا کہ اس کی شکل کیا ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا دراہم مضاربت پر کسی کو دے دے پھر اُن کو اُس مقصد پر خرچ کرتا رہے جس کیلئے ان کو صدقہ کیا گیا تھا اھ میں نے ان کی بیان کردہ نص

[1] ردالمحتار باب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۱۰

الانتفاع بہ الا باستھلاکہ فیکون من باب الاباحۃ دون الوقف نعم (۱) السقایۃ بناء تعورف وقفہ کالقنطرۃ فیصح ولا یقال ان فی السقایۃ الموقوفۃ یصیر الماء وقفا (۲) تبعا للسقایۃ وھو جائز وفاقا کما تقدم فی الشرح وذلك لان الماء ھو (۳) المقصود بالسقایۃ وھی تبع فلا یعکس الامر ولای شی تجعل السقایۃ وقفا مقصودا فیتبعہ الماء علا انہ ان تبع تبع مافیھا دون الابدال المتعاورۃ ولیس الماء مما لایتعین حتی یجعل بقاء الابدال بقاء ہ مع (۴) ان لی نظرا فی ھذا العذر فقد افاد ش فی فصل فی التصرف فی المبیع والثمن ان عدم تعین النقد لیس علی اطلاقہ بل ذلك فی المعاوضات[1] الخ وذکر تفصیلا وقع فیہ خلط وخبط من الناسخین نبھت علیہ فیما علقت علیہ وقال (۵)قبلہ فی البیع الفاسد الدراھم والدنانیر تتعین فی الامانات والھبۃ والصدقۃ والشرکۃ والمضاربۃ والغصب[2] اھ فالوقف اشبہ شیئ بالصدقۃ بل ھو منھا عند الامام ویظھرلی واللہ تعالٰی اعلم ان النقدین والتجارات نامیات

پر لکھا ہے

اقول: عدم تسلیم کی یہ علت جو رملی نے بیان کی ہے دراہم کے وقف کے ممنوع ہونے کی بابت ہے اور محشی کا یہ جواب دینا کہ دراہم متعین نہیں ہوتے، تو اپنے بدل کے باقی رہنے کی وجہ سے باقی رہیں گے، اور جو امام انصاری نے ذکر کیا اور خلاصہ اور فتح اور در اور بہت سی کتب میں اس کی متابعت کی گئی ہے کہ کس طرح دراہم اور مکیل وموزون باقی رہتے ہیں اور جو گزرا (یعنی درمختار میں) یعنی صحت وقف کے شرائط میں سے اس کا ہمیشہ کیلئے ہونا ہے، یہی صحیح ہے اور اس پر اتفاق ہے اور محققین مشائخ نے اس پر نص کیا ہے، اور اس تمام بحث کا تقاضا یہی ہے کہ سبیل کا پانی وقف نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کو ختم کئے بغیر اس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہیں، تو یہ اباحت قرار پائے گا نہ کہ وقف، ہاں سقایہ جو عمارت ہوتی ہے اس کا وقف کرنا متعارف ہوگیا ہے جیسا کہ پُل ہوتا ہے تو یہ صحیح ہے، اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ جب سقایہ وقف ہوا تو پانی بھی اس کی متابعت میں وقف ہوگیا، اور اس پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح میں گزرا، کیونکہ سقایہ میں مقصود تو پانی ہی ہے اور سقایہ تو تابع ہے تو معاملہ برعکس نہیں کیا جائے گا، اور پھر سقایہ کیونکر وقف مقصود ہوسکتا ہے تاکہ پانی اس کا تابع ہو

[1] ردالمحتار فصل فی التصرف فی المبیع البابی مصر ۴/ ۱۸۵
[2] ردالمحتار فصل فی التصرف فی المبیع البابی مصر ۴/ ۱۸۵

شرعا وحسا فبقاؤها بنماء ها اذهی الاصل المتولد منه فتشبه مالیتها شجرۃ تبقی فتؤتی اکلها کل حین باذن ربها وکیفما کان لایقاس علیها الماء وقد عللوا مااذا ملأ صبی کوزا من حوض ثم صبه فیه لایحل لاحد شربه بان الصبی ملك مااخذه من ماء الحوض المباح فاذاصبه فیه اختلط ملکه به فامتنع استعماله[1] کما فی الحدیقة الندیة اخر نوع العشرین من اٰفات اللسان وغمز العیون من احکام الصبیان والطحطاوی من فصل فی الشرب وفی هذا الکتاب اعنی ش من الفصل المذکور عن ط عن الحموی عن الدرایة عن الذخیرۃ والمنیة وقد جعلوا ماء الحوض مباحا ولو کان وقفا لم یملکه الصبی باخذه فی کوزه فان (ا) الوقف لایملك وقد عرفه شمس الائمة السرخسی بانه حبس المملوك عن التملیك عن الغیر[2] اھ کما فی ش بخلاف غلة ضیعة موقوفة علی الذراری فانهم یملکونها عند ظهورها فمن مات منهم بعده یورث عنه قسطه کما یاتی فی الکتاب فان الوقف هی الضیعة وهذه نماؤها۔

علاوہ ازیں یہ کہ اگر پانی تابع ہو بھی تو اسی قدر تابع ہوگا جو سقایہ میں موجود ہے نہ کہ اس کے بدل جو بار بار لوٹ کر آرہے ہیں اس کے تابع ہوں، اور پانی ایسی چیز نہیں جو متعین نہ ہوتا کہ بدل کے باقی رہنے کو اس کی بقاء قرار دیا جائے۔ مجھے اس عذر پر اعتراض ہے "ش" نے "تصرف فی المبیع والثمن" کی بحث میں فرمایا کہ نقود کا غیر متعین ہونا مطلق نہیں، یہ صرف معاوضات میں ہے الخ پھر انہوں نے اس میں ایک تفصیل ذکر کی جس میں ناقلین سے کچھ خلطِ مبحث ہوگیا، میں نے اس پر جو تعلیقات کی ہیں ان میں اس پر تنبیہ کی ہے، اور اس سے قبل باب 'بیع فاسد' میں فرمایا: اور دراہم ودنانیر، امانات، ہبہ، صدقہ، شرکۃ، مضاربۃ اور غصب میں متعین ہوجاتے ہیں اھ۔ وقف صدقہ سے بہت مشابہ چیز ہے بلکہ امام کے نزدیک صدقہ ہی ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں (واللہ تعالٰی اعلم) کہ سونا چاندی اور تجارتی معاملات شرعًا اور حسًّا نامی چیزیں ہیں تو ان کی بقاء ان کی نماز کے باعث ہوگی، کیوں کہ ان سے جو چیز متولد ہوتی ہے وہ یہی ہے، تو ان کی مالیت اُس درخت کی طرح ہوگی جو باقی رہتا ہے اور موسم پر اس کا پھل آتا رہتا ہے اور جو بھی صورت ہو بہرحال اس پر پانی کو قیاس نہیں کرسکتے ہیں۔ اگر کسی بچّے نے ایک حوض سے پانی کا ایک کوزہ بھرا

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع العشرین من آفات اللسان رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف البابی مصر ۳/ ۳۹۲

پھراس کواس میں انڈیل دیا، تواب اس حوض کا پانی کسی کو پینا جائز نہیں اور اس کی علّت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ بچّے نے مباح حوض سے جو پانی لیا، وہ پانی اس کی ملکیت میں آگیا، اور پھراُس پانی کو جب اسی حوض میں ڈال دیا تواس کی ملک اس کے ساتھ مخلوط ہوگئی تواب اس کا استعمال ممنوع ہوگیا، حدیقہ ندیہ آفات اللسان، بیسویں نوع کا آخر۔ غمزالعیون، بچّوں کے احکام۔ طحطاوی، فصل شرب۔ اور 'ش' میں، مذکور فصل میں 'ط' سے 'حموی' سے 'درایہ' سے 'ذخیرہ سے' اور منیہ سے ہے کہ فقہاء نے حوض کے پانی کو مباح قرار دیا ہے، اگر یہ پانی وقف ہوتا تو بچہ اس کو کوزہ میں لینے سے اس کا مالک نہ ہوجاتا، کیونکہ وقف پر ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے وقف کی تعریف اس طرح کی ہے کہ یہ مملوک کو تملیک سے روکنا ہے، یعنی غیر اس کا مالک نہیں ہوسکتا اھ جیسا کہ "ش" میں ہے، یہ اس کے خلاف ہے کہ کوئی شخص ذرّیت پر کسی زمین کی آمدنی وقف کردے، کیونکہ جب یہ آمدنی ظاہر ہوگی تو ذرّیت اس کی مالک ہوجائے گی، ذریت میں سے جو اس کے بعد وفات پائے گا اس کی میراث جاری ہوگی، جیسا کہ کتاب میں آئے گا، کیونکہ وقف تو زمین ہے اور یہ اس کا "نماء" ہے۔ (ت)

فان قلت: الیس قد تقدم فی وضؤ الکتاب مانصه مکروهه الاسراف فیه الٰی آخر مامر نقله **اقول:** وبالله التوفیق (۱) المراد به الماء المسبل بمال الوقف کماء المدارس والمساجد والسقایات التی تملؤ من اوقافها فان هذا الماء لایملکه احد ولا یجوز صرفه الا الی جهة عینها الواقف وهذا هو حکم الوقف اما(۲) الماء الذی یسلبه المرء من ملکه فلا یصیر وقفا سواء کان فی الحباب اوالجرار اوالحیاض اوالکسقایات انما غایته الاباحة یتصرف فیها الناس وهو علی ملکه فلا تتأتی فیه مسألة کوزا لصبی المذکورة هذاماظهرلی وارجوان یکون هو الصواب* باذن الملك الوهاب* وله الحمد وعلی حبیبه الکریم والاٰل والاصحاب، صلاة	اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کتاب کے وضو کی بحث میں گزرا ہے، اس وضوء کے مکروہات میں اسراف ہے الیٰ آخر مانقلہ میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد سبیل کا پانی ہے جو وقف ہو، جیسا کہ مدارس، مساجد، سقایات کا پانی جو ان کے اوقاف کی آمدنی سے بھرا جاتا ہے، کیونکہ اس پانی کا کوئی مالک نہیں، اور اس کو فقط اُسی جہت میں صَرف کیا جاسکتا ہے جو اُس کے واقف نے اس کیلئے متعین کی ہے، اور یہی وقف کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنی مِلک سے پانی کی سبیل لگائے تو وہ وقف نہ ہوگی، خواہ وہ مٹکوں میں ہو یا چھوٹے گھڑوں میں یا حوضوں اور سقایوں میں، کیونکہ اُس سے تو صرف اتنا مقصود ہے کہ پانی مالک کی مِلک میں رہتے ہوئے لوگوں کیلئے مباح کردیا جائے تو اس میں بچّے کے کوزہ کا مذکورہ مسئلہ نہیں چلے گا، مجھ پر یہی ظاہر ہوا ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی

وسلام یدومان بلاعدد ولا حساب اٰمین۔	صحیح ہوگا.... (ت)

(۳۰) اقول: یوں ہی مسجد کے سقائے[1] یا حوض جو اہلِ جماعتِ مسجد کی طہارت کو بھرے جاتے ہیں اگر مالِ وقف سے بھرے گئے ہوں تو مطلقاً جب تک ابتدا سے واقف کی اجازت ثابت نہ ہو اور کسی نے اپنی مِلک سے بھروائے ہوں تو بے اس کی اجازت قدیم خواہ جدید کے گھروں میں اُن کا پانی اگرچہ طہارت ہی کیلئے لیجانا روا نہیں طہارت ہو جائیگی مگر گناہ ہوگا اجازت واقف ومالک کی وہی تفصیل ہے جو آبِ سبیل میں گزری والدلیل الدلیل (اور دلیل بھی وہی ہے جو پہلے گزر چکی ہے) جاڑوں[2] میں کہ سقائے گرم کئے جاتے ہیں بعض لوگ گھروں میں پانی لے جاتے ہیں اس میں بہت احتیاط چاہئے کہ غالبًا بے صورتِ جواز واقع ہوتا ہے۔

اما ما فی الخانیة ثم الھندیة من کتاب الشرب یجوز ان یحمل ماء السقایة الی بیته لیشرب اھله اھ۔ فھو فی المعد للشرب بدلیل اٰخرہ وصدرہ اختلفوا فی التوضی بماء السقایة جوز بعضھم وقال بعضھم ان کان الماء کثیرا یجوز والا فلا وکذا کل ماء اعد للشرب حتی قالوا فی الحیاض التی اعد للشرب لایجوز فیه التوضی ویمنع منه وھو الصحیح ویجوز ان یحمل[1] الخ بناء علی ان الذی (۳) یعد للشرب لایمنع منه مخدرات الحجال وبالجملة لاشك ان المبنی العرف فان (۴) علمنا ان المسبل للشرب خص به الواردین ولا یرضی بحمله الی البیوت لم یجز ذلك قطعا بل لو علم خصوص فی المارة لم یجز لغیرھم من الواردین کما یفعله بعض الجھلة فی عشرة المحرم بسبل	پھر خانیہ اور ہندیہ کے کتاب الشرب میں ہے کہ اگر کوئی شخص سقایہ کا پانی اپنے گھر بیوی بچّوں کو پلانے کیلئے لے جائے تو جائز ہے اھ تو اس سے مراد وہ پانی ہے جو خاص پینے ہی کیلئے رکھا گیا ہو، عبارت کا اوّل وآخر یہی بتاتا ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ "سقایہ" کے پانی سے وضوء جائز ہے یا نہیں، بعض نے جواز کا قول کیا، اور بعض نے کہا کہ اگر پانی زائد ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور یہی حکم ہر اُس پانی کیلئے ہے جو پینے کیلئے رکھا گیا ہو، یہاں تک فقہاء نے اُس حوض کی بابت بھی یہی فرمایا ہے جو پینے کیلئے بنایا گیا ہو کر اُس میں وضوء جائز نہیں، اور اگر کوئی کرے تو اس کو منع کیا جائیگا، اور یہی صحیح ہے۔ اور یہ جائز ہے کہ وہ پانی گھر لے جائے الخ اس کی بنیاد یہ ہے کہ جو پانی پینے کیلئے رکھا جائے اس سے پردہ نشینوں کو محروم نہ رکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اصل دارومدار عُرف پر ہے۔ اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ سبیل کا پانی پینے کیلئے ہے اور وہی لوگ اس سے

[1] ہندیۃ الباب الاول من کتاب الشرب پشاور ۵/ ۳۹۱

الماء والشربة لمن مع الضریح المختلق بدعة محدثة یسموھا تعزیۃ فلا یجوز شربہ لغیرھم وان جعلوہ لمن مع الضریح الفلانی لم یجز لاھل ضریح وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم لاجرم ان قال فی متفرقات کراھیۃ البزازیۃ حمل ماء السقایۃ الی اھلہ ان مادونا للحمل یجوز والالا[1] اھ۔ وھذا عین ماقررت وللہ الحمد۔	استفادہ کرسکیں گے جو اس پر وارد ہوں تو ایسے پانی کو گھر نہیں لے جایا جاسکتا ہے بلاالکہ اگر بطور خاص گزرنے والوں کیلئے ہے تو دوسرے وارد ہونے والوں کو اُس کا استعمال جائز نہ ہوگا، چنانچہ بعض جاہل محرّم کے عشرہ میں پانی یا دُودھ کی سبیل تعزیہ کے ساتھ گزرنے والوں کے لئے بطور خاص لگاتے ہیں، یہ بدعت محدثہ ہے، اس کا استعمال دوسروں کو جائز نہیں بلاالکہ اگر ایک تعزیہ کے لئے جائز ہے تو دوسرے تعزیہ کے شرکاء کو اس کا استعمال جائز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ بزازیہ میں ہے (متفرقات کراہیۃ میں) (ت) سِقایہ کا پانی گھر والوں کیلئے لے جانا اگر اُس کی اجازت ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں اھ اور یہ بعینہٖ وہی ہے جو میں نے کہا ہے وللہ الحمد (ت)

(۳۱) سفر میں۱ طہارت کو پانی پاس ہے مگراس سے طہارت کرتا ہے تواب یا بعد کو یہ یااور کوئی مسلمان یااُس جانور اگرچہ وہ کُتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسارہ جائے گا یاآٹا گوندھنے یا اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے مانع نماز نہ رہے پانی نہ ملے گا توان صورتوں میں اُس پانی سے طہارت اگرچہ ہوجائے گی منع ہے بلکہ اپنے یا دُوسرے مسلمان کے ہلاک کاخوف غالب ہو تو سخت حرام ہے ان سب صور میں تیمّم کرے اور پانی محفوظ رکھے ہاں۲ جانوروں کی پیاس کیلئے اگر وضو یا غسل کا پانی کس برتن میں رکھ سکتا ہے تو طہارت فرض ہے اور تیمّم باطل۔

اقول: یوں۳ ہی اگر طہارت اس طرح ممکن ہو کہ پانی مستعمل نہ ہونے پائے جس کا طریقہ پر نالے وغیرہ میں وضو کرنے کا ہم نے رحب الساحہ میں بیان کیا تو اعذار مذکورہ سے کوئی عذر مبیح تیمّم نہ ہوگا اور طہارت فرض ہوگی **کمالا یخفی۔**

بحرالرائق ودُرمختار میں ہے:

والنظم للدر (من عجز عن استعمال الماء لخوف عدو اوعطش) ولو لکلبہ اورفیق القافلۃ حالا اومالا وکذا لعجین اوازالۃ نجس وقید ابن الکمال عطش	عبارت دُر کی ہے (جو شخص بوجہ خوفِ دشمن یاپیاس پانی کے استعمال سے عاجز ہو) خواہ اپنے کُتّے یارفیق قافلہ کیلئے، اب یا آیندہ، اور اسی طرح آتا گوندھنے کیلئے یا نجاست دور کرنے کیلئے، اور

[1] بزازیۃ الہندیۃ التاسع فی المتفرقات من الکراہیۃ پشاور ۶/ ۳۷۲

دوابہ بتعذر حفظ الغسالة لعدم الاناء (تیمم)[1]۔	ابن الکمال نے یہ قید لگائی کہ اس کے جانور پیاسے رہ جائیں گے کہ برتن نہ ہونے کی وجہ سے وہ دھوون کو محفوظ نہیں رکھ سکتا ہے (تو ایسی صورتوں میں وہ تیمّم کرے)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو لکلبه قیده فی البحر والنهر بکلب الماشیة والصید ومفادہ انه لولم کذلك لایعطی هذا الحکم والظاهر ان کلب الحراسة للمنزل مثلهما ط قوله اورفیق القافلة سواء کان رفیقه المخالط له اوآخر من اهل القافلة بحرو عطش دابة رفیقه کعطش دابته نوح قوله حالا اومآلا ظرف لعطش اوله ولرفیق علی التنازع کما قال ح ای الرفیق فی الحال اومن سیحدث له قال سیدی عبدالغنی فمن عنده ماء کثیر فی طریق الحاج اوغیرہ وفی الرکب من یحتاج الیه من الفقراء یجوز له التیمم بل ربما یقال اذا تحقق احتیاجهم یجب بذله الیهم لاحیاء مهجهم قوله وکذا لعجین فلو احتاج الیه لاتخاذ المرقة لایتیمم لان حاجة الطبخ دون حاجة العطش بحر قوله اوازالة نجس ای اکثر من قدرا لدرهم وفی الفیض لومعه مایغسل بعض النجاسة	اس کا قول اور اگرچہ اپنے کُتّے کیلئے، اس کتے کو بحر و نہر میں، اُس کُتّے سے مقید کیا گیا ہے جو مویشی کی حفاظت یا شکار کیلئے رکھا گیا ہو، اُس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ حکم نہ ہوگا اور ظاہر یہ ہے کہ گھر کی حفاظت کیلئے جو کتا پالا جائے اس کا بھی یہی حکم ہے ط، اس کا قول یا رفیق قافلہ کیلئے عام ازیں کہ وہ اس کا اپنا شریک رفیق ہو یا دوسرا ہو اہل قافلہ سے (بحر) اور اس کے ساتھی کی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خود اس کی اپنی سواری کے پیاسا رہ جانے کا خطرہ ہے (نوح) اس کا قول حالًا او مآلًا، عطش کا ظرف ہے یا اس کا اور رفیق کا بر سبیل تنازع ہے جیسا کہ "ح" نے فرمایا یعنی رفیق فی الحال یا من سیحدث لہ، عبدالغنی نے فرمایا جس کے پاس حاجیوں وغیرہ کے راستے میں زائد پانی ہو، اور قافلہ میں کوئی فقیر پانی کا ضرورت مند ہو، تو اس کو تیمّم جائز ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اگر اُس پانی کی ضرورت واقعی اہلِ قافلہ کو ہو تو ان کی زندگیاں

[1] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/ ۴۱

لایلزمه اھ۔ **قلت**: وینبغی تقییدہ بما اذالم تبلغ اقل من قدر الدرھم فاذا کان فی طرفی ثوبه نجاسة وکان اذاغسل احد الطرفین بقی مافی الطرف الاٰخر اقل من قدر الدرھم یلزمه[1] اھ

اقول: ھھنا ابحاث الاول کلب حراسة المنزل مساو لکلب الماشیة بل اولی ولکلب الصیدان کان الحاجة الیه للاکل فان المال شقیق النفس والافاولی وعلی کل ھو ثابت منھما بالفحوی فلیس (۱) ھذا محل الاستظھار ولذا عبرت بکلب یحل اقتناؤہ وفی الحدیث الصحیح الا کلب صید اوزرع اوماشیة[2] **الثانی** قید (۲) رفیق القافلة وفاق فربما تسایر قافلتان اواکثر ولا یعد من فی احدھما رفیق من فی الاخری والحکم لایختص بمن فی قافلته فان احیاء مھجة المسلم فریضة علی الاطلاق فلذا غیرته وبمسلم عبرته۔

بچانے کیلئے پانی صرف کرنا واجب ہے قولہ وکذا العجین، تو اگر کسی کو شوربہ بنانے کیلئے پانی کی ضرورت ہو تو تیمّم جائز نہ ہوگا کیونکہ کھانا پکانے میں جو ضرورت ہے وہ پیاس سے کم ہے، بحر، قولہ اوازالۃ نجس، اس سے مراد نجاست ہے جو ایک درہم سے زاید ہو، اور فیض میں ہے، اگر اس شخص کے پاس اتنا پانی موجود ہو کہ کچھ نجاست کو دھولے گا تو دھونا لازم نہیں اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس میں یہ قید لگانی چاہئے کہ یہ نجاست درہم سے کم نہ ہو، تو اگر اس کے کپڑے کے دونوں جانب نجاست ہو، اور ایک طرف دھونے سے دوسری طرف باقی رہتی ہو، مگر ایک درم سے کم رہتی ہے تو اس کا دھونا لازم ہے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں یہاں کئی بحثیں ہیں:

پہلی بحث: گھر کی حفاظت کیلئے جو کتا پالا گیا وہ ریوڑ کی حفاظت کے کتے کے برابر بلکہ اُس سے اولیٰ ہے، اسی طرح شکار کے کتے کی مانند ہے، جبکہ شکار کھانے کی ضرورت ہو کیونکہ مال جان کا ہم پلہ ہے ورنہ تو وہ اولیٰ ہے، اور بہر صورت یہ چیز دونوں کے منطوق سے ثابت ہے، اور یہ محل استظہار نہیں اور اس لئے میں نے کہا ہے، وہ کتا جس کا پالنا جائز ہو، اور حدیث صحیح میں ہے مگر شکار، کھیتی یا جانوروں کا کتّا۔

دوسری بحث: "رفیق قافلہ" کی قید اتفاقی ہے کیونکہ عام طور پر دو یا دو سے زیادہ قافلے چلتے ہیں اور ایک قافلے کا آدمی دوسرے کا رفیق شمار نہیں ہوتا، اور یہ حکم اس کے ساتھ خاص نہیں جو اُس کے قافلہ

---

[1] ردالمحتار باب التیمم البابی مصر ۱/ ۱۷۳

[2] صحیح للمسلم باب الامر بقتل الکلاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱

اقول: (۱) ویدخل فی الحکم الذمی فیما یظهر فان لهم مالنا وعلیهم ماعلینا نعم الحربی لاحرمة لروحه بل امرنا بافنائه فکیف یلزمنا السعی فی ابقائه ولذا صرحوا(۲) ان لووجد فی بریة کلبا وحربیا یموتان عطشا ومعه ماء یکفی لاحدهما یسقی الکب ویخلی الحربی یموت ومن (۳) الحربیین کل رجل یدعی الاسلام وینکر شیأا من ضروریات الدین لان المرتد حربی کما نصوا علیه وهم مرتدون کما حققناه فی المقالة المسفرة ۱۲۹۹ھ عن حکم البدعة المکفرة۔

الثالث التیمم لعطش رفیق سیحدث یجب تقییده بما اذا تیقن لحوقه وانه لاماء معه والا فلا یجوز التیمم للتوهم الرابع (۴) تحقق الاحتیاج بمعنی ثبوته عینا لایتوقف علیه وجوب البذل الا تری الی قولهم لخوف عطش وبمعنی ثبوته ذهنا ان ارید به الیقین فکذا (۵) فان الظن الغالب ملتحق به فی الفقه اومایشمله فلا محل للترق اذعلیه یدورالحکم والظن المجرد مثل الوهم **الخامس** (۶) حاجة الطبخ لیست دون حاجة العطش اذالم یتأت الاکل

میں کہتا ہوں، بظاہر اس میں ذمی بھی شامل ہے، کیونکہ جو حقوق ہمارے لئے ہیں وہی ذمیوں کیلئے بھی ہیں، اور جو فرائض ہم پر ہیں وہ ذمیوں پر بھی ہیں، ہاں حربی کی جان کی کوئی حرمت نہیں ہے، بلاالکہ ہمیں اُس کے فنا کردینے کا حکم ہے، توہم پر اس کی زندگی بچانے کی سعی کیونکر لازم ہوگی؟ اس لئے فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر کسی جنگل میں ایک کتا اور ایک حربی ملے اور دونوں پیاس سے مر رہے ہیں اور اس کے پاس صرف اتنا پانی ہو کہ ایک بچ سکتا ہو تو کتے کو پلا دے اور رحربی کو مرنے کیلئے چھوڑ دے، اور جو شخص ضروریات دین میں سے کسی کا انکار کرتا ہو وہ حربی ہے، کیونکہ فقہاء کی تصریح کے مطابق مرتد حربی ہے، اور یہ سب حربی ہیں ہم نے اس کی تصریح المقالة المسفرة عن حکم البدعة المکفرة میں کردی ہے۔

تیسری بحث: کسی دوست کی پیاس کیلئے تیمّم کرنا جس کی ملاقات متوقع ہو، اس میں یہ قید لگانا ضروری ہے کہ اس دوست کے قافلے کے ساتھ ملنا یقینی ہو، اور اس کے پاس پانی نہ ہو، ورنہ محض وہم کی بنیاد پر تیمّم جائز نہیں۔

چوتھی بحث: ضرورت کا یہ مفہوم لینا کہ وہ وقت محسوس طور پر موجود ہو، درست نہیں، اور نہ ہی اس پر پانی کا خرچ کرنا موقوف ہے، چنانچہ فقہاء کا قول ہے "لخوف عطش" اور اس کا ذہناً ثابت ہونا، اگر اس سے یقین مراد ہو تو ایسا ہی ہے، کیونکہ فقہ میں ظن غالب کا حکم وہی ہے جو یقین کا ہے یا جو یقین کو

الا بالطبخ الاتری ان حاجة العجن ساوت حاجة العطش لان عامة الناس لایمکنهم التعیش باستفاف الدقیق فما العجن الا للخبز وما هو الامن الطبخ فالاولی ان یقال ان حاجة المرقة دون حاجة العطش **السادس** (۱) قید الزیادة علی درهم مساحة اومثقال زنة فی النجاسة الغلیظة اما الخفیفة فمقدرة بالربع فلذا عبرت بالقدر المانع **السابع** مابحث السید ش فی تقلیل النجاسة حسن وجیه فلذا عبرت بمالا یبقیها مانعة۔	شامل ہو، توترقی کا کوئی محل نہیں، کیونکہ حکم کادارومدار اسی پر ہے اور محض ظن تووہم کے حکم میں ہے۔ **پانچویں بحث:** پکانے کی حاجت پیاس کی حاجت سے کم نہیں جبکہ وہ چیز بلا پکائے نہ کھائی جاسکتی ہو، مثلاً آٹا گوندھنا پیاس کے برابر ہے، کیونکہ عام لوگ آٹا پھانک کر زندہ نہیں رہ سکتے ہیں، توآٹا گوندھنا روٹی پکانے کیلئے ہے اور یہ بھی پکانے کا ایک حصہ ہے تو اولٰی یہ ہے کہ کہا جائے کہ شوربہ کی ضرورت پیاس کی ضرورت سے کم ہے۔

چھٹی بحث: ایک درہم سے زیادہ ہونے کی قید پیائش میں اور ایک مثقال سے زیادہ کی قید وزن میں، نجاست غلیظہ میں ہے اور خفیفہ میں اس کی تقدیر چوتھائی سے ہے اسی لئے میں نے یہ تعبیر کی ہے کہ "جس سے مانع نماز نہ رہے۔"

ساتویں بحث: سید 'ش' نے نجاست کی کمی میں جو بحث کی ہے وہ بہت اچھی ہے اس لئے میں نے اس کی تعبیر "**مالا یبقیها مانعة**" سے کی ہے۔ (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

(رسالہ ضمنیہ) عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ

(بچے کے حاصل کردہ پانی کے احکام کے متعلق نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عطیہ)

(۳۲ تا ۴۸) نابالغ [۲] کا بھرا ہوا پانی یہ مسئلہ بہت طویل الذیل وکثیر الشقوق ہے کتابوں میں اس کی تفصیل تام درکنار بہت صورتوں کا ذکر بھی نہیں فقیر بتوفیق القدیر اُمید کرتا ہے کہ اُس میں کلام شافی وکافی ذکر کرے **فاقول وباللّٰہ التوفیق** پانی تین قسم ہیں ا مباح غیر مملوک ۲ مملوک غیر مباح ۳ مباح مملوک

اول: دریاؤں نہروں کے پانی تالاب جھیلوں ڈبروں کے برساتی پانی مملوک کنویں کا پانی کہ وہ بھی جب تک بھرا نہ جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا جس کی تحقیق ابھی گزری مساجد وغیرہا کے حوضوں سقایوں کا پانی کہ مالِ وقف سے بھرا گیا اس کا بیان بھی گزرا یہ سب پانی مباح ہیں اور کسی کی مِلک نہیں۔

دوم: برتنوں کا پانی کہ آدمی نے اپنے گھر کے خرچ کو بھرایا بھروا کر رکھا وہ خاص اس کی مِلک ہے۔ بے اس کی

اجازت کے کسی کو اس میں تصرف جائز نہیں۔

سوم: سبیل یا سقایہ کا پانی کہ کسی نے خود بھرا یا اپنے مال سے بھروایا بہر حال اس کی مِلک ہو اور اس نے لوگوں کیلئے اس کا استعمال مباح کردیا وہ بعد اباحت بھی اُسی کی مِلک رہتا ہے یہ پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی۔ظاہر ہے کہ قسم اخیر کا پانی بالغ بھرے یا نابالغ کچھ تفاوت احکام نہ ہوگا کہ لینے والا اس کا مالک ہی نہیں ہوتا۔یوں ہی قسم دوم میں جبکہ مالک نے اسے بطور اباحت دیا ہاں اگر مالک کیا تو اب فرق احکام آئے گا اور اگر بے اجازت مالک لیا یا دونوں قسم اخیر میں مالک بوجہ صغر یا جنون اجازت دینے کے قابل نہ تھا تو وہ آب مغصوب ہے۔زیادہ تفصیل طلب اور یہاں مقصود بالبحث قسم اوّل ہے اس کیلئے

تنقیح اول: (۱)ان اصول پر نظر لازم جو اموال مباحہ جیسے آبِ مذکور یا جنگل کی خودرو گھاس پیڑ پھل پھول وغیرہا پر حصول مِلک کیلئے ہیں کتب میں اس کے جزئیات میں متفرق طور پر مذکور ہوئے جن سے نظر حاضر ایک ضابطہ تک پہنچنے کی امید رکھتی ہے واللہ الھادی۔

فاقول: وبہ استعین یہ تو ظاہر ہے کہ مباح[۲] چیز احراز واستیلا سے مِلک ہو جاتی ہے اول بار جس کا ہاتھ اُس پر پہنچا اور اس نے اپنے قبضے میں کرلیا اُسی کی مِلک ہو جائیگی مگر یہ قبضہ کبھی دوسرے کی طرف منتقل ہوتا اور اُس کا قبضہ ٹھہرتا ہے اس کی تفصیل یہ[۳] ہے کہ مال مباح کا لینے والا دو حال سے خالی نہیں اُس[۱] شے کو اپنے لئے لے گا یا دُوسرے کیلئے۔برتقدیر ثانی بطور خود یا اس سے کہے سے۔برتقدیر ثانی بلامعاوضہ[۳] یا باجرت۔برتقدیر ثانی اُس دوسرے کا اجیر[۴] مطلق ہے جیسے خدمتگار یا خاص اسی مباح کی تحصیل کیلئے اجیر کیا برتقدیر ثانی اجارہ[۵] وقت معین پر ہوا مثلاً آج صبح سے دوپہر تک یا بلا تعین۔برتقدیر ثانی وہ شے مباح[۶] متعین کردی تھی۔مثلاً یہ خاص درخت یا یہاں سے یہاں تک کہ یہ دس پیڑ یا اس قطعہ مخصوصہ کا سبزہ یا اس حوض کا سارا پانی یا یہ تعیین بھی نہ تھی۔برتقدیر ثانی اجیر[۷] قبول کرتا ہے کہ یہ شے میں نے مستاجر کیلئے لی یا نہیں۔برتقدیر ثانی اگر اس شے کا احراز مثلاً کسی ظرف میں ہوتا ہو تو وہ ظرف[۸] مستاجر کا تھا یا نہیں،یہ نو[۹] صورتیں ہُوئیں۔ان میں صورت اولٰی میں تو ظاہر ہے کہ وہ شے اُسی قبضہ کرنے والے کی مِلک ہوگی دوسرے کو اس سے علاقہ ہی نہیں،یوں ہی صورت دوم میں بھی کہ شرع مطہر نے سبب مِلک استیلا رکھا ہے وہ اس کا ہے دوسرے کیلئے محض نیت اس ملک کو منتقل نہ کردے گی۔فتح القدیر میں ہے:

لوقیل علیہ ھذا اذا استولی علیہ بقصدہ لنفسہ فاما اذا قصد ذلك لغیرہ فلم لایکون للغیر یجاب بان اطلاق نحو قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس	اگر اس پر کہا جائے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس پر استیلاء کیا اور قصد اپنے نفس کے لئے کیا،اور اگر کسی دوسرے کیلئے اس کا ارادہ کیا،تو یہ غیر کیلئے کیوں نہ ہوگا،اس کا یہ جواب ہے کہ حضور

شرکاء فی ثلاث لایفرق بین قصد وقصد[1] اھ۔ وکتبت علیه۔**اقول:** الاحراز سبب الملك وقدتم له فملك ولا ینتقل لغیرہ بمجرد القصد کمن شری غیر مضاف الٰی زید ونیته انه یشتریه لزید لم یکن لزید۔	صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں" ایک قصد اور دوسرے قصد میں فرق نہیں کرتا ہے اھ اس پر میں نے لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں حاصل کرلینا اسبابِ ملک میں سے ہے اور ملک اس کیلئے تام ہوچکی ہے اور وہ مالک ہوگیا اور یہ ملک دوسرے کی طرف محض قصد کی وجہ سے منتقل نہ ہوگی، جیسے کوئی شخص کوئی چیز خریدے اور اس کو زید کی طرف مضاف نہ کرے اور نیت یہ ہو کہ وہ زید کیلئے ہے، تو وہ زید کیلئے نہ ہوگی۔(ت)

اسی طرح صورتِ سوم میں بھی کہ تحصیل' مباح کیلئے دوسرے کو اپنا نائب ووکیل وخادم ومعین بنانا باطل ہے درمختار کتاب الشرکۃ فصل شرکت فاسدہ میں ہے:

التوکیل فی اخذ المباح لایصح[2]۔	مباح چیز کو لانے کیلئے کسی کو وکیل بنانا درست نہیں ہے۔(ت)

جامع الصغار فصل کراہیت میں ہے:

الاستخدام فی الاعیان المباحة باطل[3]۔	اعیان مباحہ میں استخدام باطل ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الشرع جعل سبب ملك المباح سبق الید الیه فاذا وکله به فاستولی علیه سبق ملکه له ملك الموکل[4]۔	شریعت نے مباح اشیاء میں مِلک کا سبب سبقت ید کو بتایا ہے، توجب کسی نے اس پر کسی کو وکیل بنایا اور اس نے اس پر استیلاء حاصل کرلیا موکل کی مِلک اس پر ثابت ہوجائیگی تو وکیل مالک ہوجائیگا۔(ت)

ہندیہ اجارات باب ۱۶ میں قنیہ سے ہے:

[1] فتح القدیر فصل فی شرکۃ فاسدہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۰

[2] الدرالمختار شرکۃ فاسدہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴

[3] جامع احکام الصغار مع جامع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

[4] فتح القدیر فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ سکھر ۵/ ۴۱۰

قال(۱) نصیر (هو ابن یحیی) قلت (ای للامام ابی سلیمٰن الجوزجانی رحمهما الله تعالٰی) فان استعان بانسان یحتطب ویصطاد له (ای من دون اجر) قال الحطب والصید للعامل وکذا ضربة القانص قال استاذنا (وهو البدیع استاذ الزاهدی) وینبغی ان یحفظ هذا فقد ابتلی به العامة والخاصة یستعینون بالناس فی الاحتطاب والاحتشاش وقطع الشوك والحاج عـــه واتخاذ المجمدة فیثبت الملك للاعوان فیها ولا یعلم الکل بها فینفقونها قبل الاستیهاب بطریقه اوالاذن فیجب علیهم مثلها اوقیمتها وهم لایشعرون لجهلهم وغفلتهم اعاذنا الله عن الجهل ووفقنا للعلم

نصیر (ابن یحیٰی نے) کہا، میں نے کہا (یعنی امام ابو سلیمان الجوزجانی کو) اگر کسی شخص نے لکڑیاں جمع کرنے یا شکار کرنے کیلئے دوسرے شخص کی مدد حاصل کی (یعنی بلا اجر) فرمایا اس صورت میں لکڑیاں اور شکار اُسی کا ہے جس نے کیا ہو، اور اسی طرح شکاری کا ایک مرتبہ جال ڈال کر شکار نکالنا، ہمارے استاذ نے فرمایا (یعنی بدیع استاذ الزاہدی) اور اسے یاد کرلینا چاہیئے کیونکہ اس میں ہر عام وخاص مبتلا ہے، لوگ دوسروں سے لکڑیاں جمع کرانے، کانٹے اکٹھے کرانے اور گھاس جمع کرانے میں مدد لیتے ہیں، اسی طرح ایک قسم کا درخت منگواتے ہیں یا آسمانی برف جمع کراتے ہیں، توجو لوگ عملاً یہ کام کرتے ہیں ان پر انہی لوگوں کی مِلک ثابت ہوجائے گی، لوگ یہ مسئلہ نہیں جانتے، وہ ان لوگوں سے نہ تواجازت

عـــه: الحاج باهمال اوله واعجام اٰخره جمع حاجة وهی الشوك وقیل نبت من الحمص وقال ابن سیده ضرب من الشوك وقیل شجر وقال ابو حنیفة الدینوری الحاج مماتدوم خضرته وتذهب عروقه فی الارض بعیدا یتداوی بطبیخه وله ورق دقاق طوال کانه مساو للشوك فی الکثرة اهـ من تاج العروس ۱۲ منه غفرله۔ (م)

الِحاج، حاءِ مہملہ اور جیم کے ساتھ، جمع حاجہ کی ہے، کانٹوں کو کہتے ہیں، ایک قول کے مطابق ترش گھاس ہے۔ ابن سیدہ کے مطابق کانٹوں کی ایک قسم ہے۔ ایک قول کے مطابق درخت ہے۔ اور ابو حنیفہ الدینوری نے فرمایا یہ ایسا درخت ہے جو سدا بہار رہتا ہے اور اُس کی جڑیں زمین میں دور تک چلی جاتی ہیں اس کو ابال کر دوا کے کام میں لایا جاتا ہے، اس کے پتّے باریک اور لمبے ہوتے ہیں اور کانٹوں کی طرح زیادہ ہوتے ہیں اھ تاج العروس ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

والعمل[1] اھ **اقول:** وقوله لایعلم الکل بھا اشارة الی الجواب عن سؤال وھم انھم اذا اتوا به الی المستعین واعطوه واخذ کان ھبة بالتعاطی فاجاب بانه ھذا یکون لوعلموا ان الملك قدثبت للاعوان فیکون الاعطاء والاخذ ایجاب الھبة وقبولھا لکنھم جمیعا عنه غافلون وانما یحسبون المعونة فی کفایة المؤنة کمن ارسل احد الی داره لیحمل منھا کرسیا مثلا یاتیه به۔ **اقول:** ھو کما قال لکن(ا)الاذن ثابت لاشك وھم انما ینوون الاخذ له ولا یؤدونه الیه الا لیتصرف فیه ولا غصب منه حتی یجب الضمان۔ **فانقلت** لایحسبون انفسھم ملاکه وھو یاخذه بجعل نفسه کانه ھو المستولی علیه بدء فیتصرف فیه علی انه ملکه فلم یتحقق الاذن لانھم لایدرون انه لھم وبجعلھم یصیرله حتی یاذنوا له فی التصرف وانما یظن ویظنون انه	لیتے ہیں، اور نہ ہی بطور ہبہ لیتے ہیں اور اِن اشیاء کو خرچ کر بیٹھتے ہیں، تو ان پر ان کا مثل واجب ہوگا یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں یا قیمت لازم آئے گی، ان کو جہالت کی وجہ سے اس کا علم نہیں اللہ ہمیں جہل سے محفوظ رکھے اور ہمیں علم وعمل کی توفیق دے (آمین) اھ (ت) **میں کہتا ہوں** اس کا قول "لایعلم الکل بھا" ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کارندے اِن اشیاء کو اُس شخص کے پاس لے آئیں جس نے ان کو جمع کرنیکا حکم دیا ہے تو وہ اسکو دے دیں اور یہ حاصل کرلے تو گویا انکی طرف سے دینا شمار ہوگا اور اس کی طرف سے لینا ہوگا، اور یہ ہبہ کا ایجاب وقبول شمار ہوگا تواس کاجواب دیا کہ یہ اس وقت ہے کہ جب انہیں علم ہو کہ اعوان کیلئے ملک ثابت ہے تو یہ دینا لینا ہبہ کا ایجاب قبول ہوگا لیکن وہ سب کے سب اس سے غافل ہیں، اور وہ مدد کفایت مؤنت میں سمجھتے ہیں مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو گھر میں بھیجا کہ وہاں سے کُرسی اٹھالائے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ انہوں نے فرمایا لیکن اِذن بلاشبہ ثابت ہے اور ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ وہ اُس شخص کیلئے لیں، اور اس کو دیتے بھی اس لئے ہیں کہ وہ اُس میں تصرف کرے، وہ غصب تو نہیں کررہا ہے کہ ضمان واجب ہو۔ (ت) **اگر یہ اعتراض کیا جائے** کہ وہ لوگ اپنے آپ کو ان اشیاء کا مالک نہیں سمجھتے ہیں، اور وہ شخص ان چیزوں پر اس طرح قابض ہوتا ہے گویا وہ ان چیزوں کا پہلا مالک ہے، اور اس طرح تصرف کرتا ہے گویا وہ اِن چیزوں کا مالک ہو تو ایسی صورت میں اذن متحقق نہ ہوگا کیونکہ ان کو تو پتا ہی نہیں کہ

[1] فتاوی ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

لمالك له ولا عبرة بالظن البين خطؤه كمن(۱) حسب ان الشيئ الفلانی من ودائع زيد عند ابيه فاداه الى وارثيه فتصرفوا ثم تبين انه لابيه لالزيد فان له ان يرجع عليهم به قائما اوبضمانه هالكا۔ فی العقود الدرية من كتاب الشركة من دفع شيأا ليس بواجب عليه فله استرداده الا اذا دفعه على وجه الهبة واستهلكه القابض كما فی شرح النظم الوهبانی وغيره من المعتبرات [1] اھ وفيها وفی الخيرية من كتاب الوقف قد صرحوا(۲) بان من ظن ان عليه دينا فبان خلافه يرجع بما ادى ولو كان قداستهلكه رجع ببدله [2] اھ۔

اقول: هذا فيما لوعلم انه ليس للمدفوع اليه لم يدفع اليه اماهنا فانما ياتون به له ولوعلموا ان الملك يقع لهم لم يتخلفوا عن اعطائه له فرضاهم بتصرفه فيه ثابت على كل تقدير ولهذا لم يكترث

یہ چیز ان کی ملکیت میں ہے اور اُس کی مِلک میں اُسی وقت ہوگی جب وہ اِذن دیں، اور اِس صورت میں اس کو گمان ہے کہ وہ مالک ہے اور ان کو بھی گمان ہے کہ وہی مالک ہے، اور جس گمان کا خطا ہونا ظاہر ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں، مثلاً کوئی شخص یہ گمان کر بیٹھے کہ فلاں چیز زید کی امانتوں میں سے اس کے باپ کے پاس ہے اور اس پر گمان پر وہ چیز زید کے وارثوں کو دے دیتا ہے اور وہ اس میں تصرف کرلیتے ہیں پھر بعد میں اس کو پتا چلتا ہے کہ وہ چیز تو اس کے باپ ہی کی ہے زید کی نہیں ہے، تو اگر وہ چیز موجود ہو تو وہ ان سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ہلاک ہو گئی ہے تو اس کا ضمان لے سکتا ہے، "العقود الدریہ" کے کتاب الشرکۃ میں ہے کہ جس نے کوئی ایسی چیز دی جو اُس پر واجب نہ تھی تو وہ اس کو واپس لے سکتا ہے، ہاں اگر بطور ہبہ دی ہو اور اس کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی ہو تو واپس نہیں لے سکتا ہے، یہی چیز شرح نظم وہبانی وغیرہ معتبر کتب میں ہے اھ اور اس میں اور الخیریہ کے کتاب الوقف کے حوالہ سے ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ گمان کیا کہ اُس پر دین ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ غلط ہے، تو جو دیا ہے وہ واپس لے گا، اور اگر وہ ہلاک ہوگیا ہو تو اس کا بدل لے گا اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں ہے جبکہ اس کو یہ علم ہوا ہو کہ یہ مدفوع الیہ کے لئے نہ تھا تو اُس کو نہ دے گا، اور یہاں تو وہ اُسی کیلئے لاتے ہیں اور اگر ان کو یہ علم ہو کہ مِلک ان کیلئے واقع ہوگی تو اس کے دینے سے تخلف نہ کریں گے، تو

[1] عقود الدریہ کتاب الشرکۃ قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف بیروت ۱/ ۱۳۰

به الخاصة فضلا عن العامة کما اعترف به فلاوجه لنسبتهم الی الجهل والغفلة واقامة النکیر۔ھذا ماعندی والعلم بالحق عند اللطیف الخبیر۔	اُن کا اُس کے تصرف پر راضی ہونا بہر تقدیر ثابت ہے اور اس لئے خاص لوگ بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے چہ جائیکہ عام لوگ، جیسا کہ خود انہوں نے اعتراف کیا، تو کوئی وجہ نہیں کہ ان کو جہل، غفلت کی طرف منسوب کیا جائے یا انہیں نکیر کی جائے ھذا ماعندی الخ (ت)

تنبیہ اوّل: یہ بلا' معاوضہ تین صورتوں کو شامل ہے: ایک یہ کہ وہ اس کا اجیر ہی نہ ہو۔
دوسرے یہ کہ اس کا اجیر تو ہے مگر اس کام پر نہیں کسی اور خاص کام پر ہے تو یہ بلا معاوضہ ہی ہوا۔ تیسرے یہ کہ مطلق کام خدمت پر نوکر ہے جس میں یہ کام بھی داخل مگر نوکری کے غیر وقت میں اُس سے اس کام کیلئے کہا مثلاً دن کا نوکر ہے اُس سے رات کو پانی بھروایا کہ یہ وقت بھی بلامعاوضہ ہے ولہٰذا ہم نے اِن صورتوں کو تشقیق میں نہ لیا۔
صورت چہارم میں وہ مباح آقا کی مِلک ہوگا یعنی جب کہ اُس کی نوکری کے وقت میں یہ کام لیا ورنہ صورت سوم میں داخل ہے کمامر اِس صورت میں مِلک آقا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نوکری کے وقت میں نوکر کے منافع اُس کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں اور اُس کا اُس کے حکم سے قبضہ بعینہٖ اُس کا قبضہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

((۲)الاجیر الخاص الذی یستحق الاجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استؤجر شهرا للخدمة اولرعی الغنم)وانما سمی اجیر وحدلانه لایمکنه ان یعمل لغیره لان منافعه فی المدة صارت مستحقة له والاجر مقابل بالمنافع ولهذا یبقی الاجر مستحقا وان نقض العمل(لاضمان علی ماتلف من عمله)لان المنافع متی صارت مملوکة للمستأجر فاذا امره بالتصرف فی ملکه صح ویصیر نائبا منابه فیصیر فعله منقولا الیه	وہ خاص اجیر جو اجرت کا مستحق ہوتا ہے کہ ایک مدت کے لئے اپنے آپ کو سپرد کردے خواہ کام نہ کرے(مثلاً کسی شخص کو ایک ماہ کے لئے خدمت یا بکریاں چرانے کیلئے اجرت پر لیا)اس کو اجیر وحد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے کا کام نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس مدت میں اس کے منافع سب اس کیلئے مخصوص ہوگئے ہیں اور اجر منافع کے مقابل ہوتا ہے اس لئے اجیر مستحق رہتا ہے اگرچہ کام ختم ہوجائے(اس کے عمل سے اگر کوئی چیز تلف ہوجائے تو اس پر ضمان نہیں ہے) کیونکہ منافع جب مستاجر کی مِلک ہوگئے تو اب جب اُس نے اپنی مِلک میں تصرف کا حکم دیا تو صحیح ہوگیا، اور وہ

کانہ فعلہ بنفسہ فلھذا لایضمنہ[1]۔	اس کا قائم مقام ہوگا اور اس کا فعل اس کی طرف منقول ہوگا گویا یہ فعل اس نے خود کیا ہے، اس لئے وہ اس کا ضامن نہ ہوگا۔(ت)

یوں ہی صورت پنجم میں اور اجیر اجر مقرر کا مستحق ہوگا کہ یہ اجارہ صحیحہ ہے اور صورت ششم میں بھی وہ شے مباح مِلک مستأجر ہوگی مگر اجیر مثل پائے گیا جو مسمّٰی سے زاید نہ ہو کہ یہ اجارہ فاسدہ ہے۔

اقول: ویظھر لی ان الوجہ فیہ واللہ تعالٰی اعلم ان الاجارۃ اما علی العمل اعنی التصرف فی شیئ من النقل والحمل والقطع والقلع وغیر ذلك وھو فی الاجیر المشترك والمقصود فیہ حصول ذلك التصرف کیفما کان ولذا لم یتقید بعمل الاجیر نفسہ واما علی منافع الاجیر وھو فی الاجیر الخاص والاجارۃ فی المباحات لاتعقل علی الوجہ الاول لانھا لاتختص بالمستأجر ونسبتھا الی الکل سواء فکیف یکون حصول تصرف فیھا موجبا للاجر علی المستأجر بل انما الاجر مقابل فیھا بمنافع الاجیر حیث یرید المستأجر ان یستعملہ فی حاجتہ فلا یکون الا اجیر وحد ولا تتقدر منافعہ الا بتعیین المدۃ فاذالم تذکر بقی المعقود علیہ مجھولا ففسدت ولذا لوکان الشیئ ملك المستأجر کأن یقول اقطع شجرتی ھذہ بدرھم جاز کما یاتی واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** مجھے اس کی جو وجہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالٰی اعلم وہ یہ ہے کہ اجارہ یا تو عمل پر ہوگا یعنی کسی چیز میں تصرف کرنا، نقل وحمل، کاٹنے یا اکھاڑنے کے طور پر اور اس کو اجیر مشترک کہتے ہیں، اور مقصود اس میں اس تصرف کا حاصل ہونا ہے خواہ کسی طرح ہو لہذا اس میں یہ قید نہیں کہ اجیر خود ہی عمل کرے اور یا اجارہ اجیر کے منافع پر ہوگا یہ اجیر خاص میں ہوتا ہے، اور مباح چیزوں میں پہلی صورت میں اجارہ متصور نہیں، کیونکہ وہ مستاجر کے ساتھ مخصوص نہیں، اور سب کی طرف اس کی نسبت یکساں ہے، تو اس میں تصرف کا حصول مستاجر پر اجر کو کیونکر لازم کرے گا، بلکہ ان میں اجر اجیر کے منافع کے مقابل ہے کہ مستاجر چاہتا ہے کہ اس کو اپنی حاجت میں استعمال کرے، تو یہ اجیر وحد ہوگا، اور اس کے منافع کا اندازہ مدۃ کی تعیین وتحدید سے ہی ہوگا اور جب مدۃ کا ذکر نہیں کیا گیا تو معقود علیہ مجہول رہے گا اور اجارہ فاسد رہے گا، اور اسی لئے اگر کوئی چیز مستاجر کی مِلک ہو، مثلاً مستاجر یہ کہے کہ میرا یہ درخت ایک درہم میں اٹ دو تو جائز ہے جیسا کہ آئے گا، واللہ اعلم۔(ت)

[1] الہدایۃ باب ضمان الاجیر مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۰۸/۲

فتاوٰی علمگیریہ میں قنیہ سے ہے:

قال(۱)نصیر سألت ابا سلیمٰن عمن استأجرہ لیحتطب لہ الی اللیل قال ان سمی یوما جاز والحطب للمستأجر(۲)ولوقال ھذا الحطب فالاجارۃ فاسدۃ والحطب للمستأجر وعلیہ اجر مثلہ(۳)ولوکان الحطب الذی عینہ ملك المستأجر جاز[1]۔ اقول: والمراد اجر المثل بالغاما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منہ ومن المسمی کما ھو الاصل المعروف ولذا عولت علیہ وسیاتی التصریح بہ۔	نصیر نے فرمایا میں نے ابو سلیمان سے پوچھا کہ ایک شخص کسی مزدور سے معاہدہ کرے کہ وہ رات تک اس کیلئے لکڑیاں جمع کرے، توفرمایا کہ اگرایک دن کا نام لیاتو جائز ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہوں گی،اور اگر اشارہ کرکے کہا کہ یہ لکڑیاں تو اجارہ فاسد ہے اور لکڑیاں مستاجر کی ہیں اور اس پر اجرِ مثل ہے،اگر وہ لکڑیاں مستاجر کی مِلک ہیں تو جائز ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** مراد اجر مثل ہے خواہ جتنا بھی ہو اگراس نے معین نہ کیا ہو ورنہ اجر مثل اور اجر معین سے جو کم ہو وہ دیا جائے گا، جیساکہ کلیہ معروف ہے،اس لئے میں نے اس پر اعتماد کیااور اس کی تصریح بھی آجائے گی(ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(استأجرہ لیصیدلہ اویحتطب لہ فان وقت)لذلك وقتا(جاز والالا)فلولم یوقت وعین الحطب فسد (الا اذعین الحطب وھو)ای الحطب(ملکہ فیجوز) مجتبی وبہ یفتی صیرفیۃ[2]اھ۔قال العلامۃ ش قولہ والالا ی والحطب للعامل ط قولہ فسد قال فی الھندیۃ ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر مانقلنا قال قولہ وبہ یفتی صیرفیۃ قال فیھا ان ذکر الیوم	(اس کواس لئے مزدوری پر لیاکہ وہ اس کے لئے شکار کرے یا لکڑیاں چنے تو اگر اس کا وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں)اور اگر وقت مقرر نہ کیا،اور لکڑیاں مقرر کردیں تو یہ عقد فاسد ہے(ہاں اگر لکڑیاں متعین کردیں اور وہ لکڑیاں اسی کی مِلک ہیں تو جائز ہے) مجتبٰی اسی پر فتوی ہے "صیرفیۃ اھ"۔علامہ "ش" نے فرمایا "اور اس کا قول والالا یعنی لکڑیاں عامل کی ہوں گی ط ان کا قول "فسد" ہندیہ میں ہے ولو قال ھذا الحطب الی اٰخر

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

[2] الدرالمختار اجارہ فاسدہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

اقول: والمراد اجر المثل بالغاما بلغ ان لم یسم معینا والا فالاقل منه ومن المسمی کما ھو الاصل المعروف ولذا عولت علیه وسیاتی التصریح به۔ فالعلف للاٰمر والا فللمامور وھذہ روایة الحاوی وبه یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبٰی ومن ثم عولنا علیه فی المختصر[1] اھ۔

جو ہم نے نقل کیا ہے فرمایا ان کا قول وبه یفتی صیرفیہ اس میں ہے کہ اگر مستاجر نے دن کا ذکر کیا تو چارہ حکم دینے والے کے لئے ہوگا ورنہ اس کا ہوگا جس کو حکم دیا گیا، اور یہ حاوی کی روایت ہے اور اس پر فتوی ہے۔ منح میں ہے اور یہ اُس کے موافق ہے جو ہم مجتبٰی سے نقل کر آئے ہیں اور اس لئے ہم نے اس پر مختصر میں اعتماد کیا اھ۔ (ت)

اقول: ھھنا تنبیھان الاول کون الحطب للعامل اذالم یوقت علی مافی الصیرفیة وتبع اطلاقھا الفاضلان ط و ش محله مااذالم یعین الحطب ایضا والاکان للاٰمر کما قدمنا عن الھندیة عن القنیة عن نصیر عن ابی سلیمٰن وقد نقلاہ ایضا واقراہ وفی غمز العیون استأجرہ لیصید له اولیحتطب جاز ان وقت بان قال ھذا الیوم اوھذا الشھر ویجب المسمی لان ھذا اجیر وحد وشرط صحته بیان الوقت وقد وجد وان لم یوقت ولکن عین الصید والحطب فالاجارة فاسدة لجھالة الوقت فیجب اجر المثل وما حصل یکون للمستأجر کذا فی الولوالجیة[2] اھ۔ وفی خزانة المفتین رجل استأجر اجیرا لیخیط له الی اللیل بدرھم جاز وکذا لیصتاد له الی اللیل اولیحتطب جاز ویکون الحطب والصید للمستأجر ولوقال لیصطاد ھذا الصید اولیحتطب

میں کہتا ہوں یہاں دو تنبیہات ہیں:

پہلی تنبیہ: لکڑیوں کا عامل کیلئے ہونا جبکہ اس نے وقت کا تعین نہ کیا ہو، جیسا کہ صیرفیہ میں ہے، اور ۲ فاضلوں یعنی ط اور ش نے اس کے اطلاق کی متابعت کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب لکڑیوں کا تعین بھی نہ کیا ہو ورنہ لکڑیاں آمر کی ہوں گی، جیسا کہ ہم نے ہندیہ اور قنیہ کے حوالہ سے نقل کیا، یہ روایت نصیر کی ابو سلیمان سے ہے، اور اُن دونوں نے اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا، اور غمز العیون میں ہے کسی شخص نے مزدور کو اُجرت پر لیا کہ اُس کیلئے شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے تو یہ جائز ہے بشرطیکہ اس نے اس وقت کا تعین کردیا ہو مثلاً یہ کہا ہو کہ اس دن یا اِس ماہ میں، اور جو طے کیا ہو وہ واجب ہوگا کیونکہ یہ اجیر محض ہے، اور اس کی صحت کی شرط وقت کا بیان ہے جو پائی گئی ہے اور اگر وقت کا تعین نہ کیا ہو لیکن شکار اور لکڑیوں کا تعین کیا ہو تو اجارہ فاسدہ ہے کہ وقت کی جہالت ہے، تو اس صورت میں اجرِ مثل

[1] ردالمحتار اجارہ فاسدہ البابی مصر ۵/ ۴۳

[2] غمز العیون مع الاشباہ کتاب الاجارۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

هذا الحطب فهو اجارة فاسدة والحطب والصيد للمستأجر وعليه للاجير اجر المثل ولو استعان من انسان فی الاحتطاب والاصطياد فان الصيد والحطب يكون للعامل [1] اھ۔

(۱)وفی الهندية عن محيط السرخسی عن محمد رحمه الله تعالٰی فيمن قال لغيره اقتل هذا الذئب او هذا الاسد ولك درهم و الذئب او الاسد صيد فله اجر مثله لايجاوز به درهما والصيد للمستأجر [2] اھ۔وبالجملة النقول فيه مستفيضة فما(۲)كان ينبغی اطلاق كون الحطب للعامل عند عدم التوقيت لشموله صورة تعيين الحطب وقد(۳)ذكرها الشارح تفريعا عليه بل(۴)اشار اليها الماتن ايضا كما ترى والثانی وقع فی الهندية عن القنية قبل مانقلناه متصلا به مانصه استأجر ليقطع له اليوم حاجا ففعل لاشیئ عليه والحاج للأمور قال نصير سألت ابا سليمٰن [3] الخ۔وكتبت عليه مانصه۔

واجب ہوگا،اور جو حاصل ہوگا وہ مستأجر کو ملے گا کذا فی الولوالجیہ اھ۔اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ کسی شخص نے ایک اجیر لیا کہ وہ رات تک اس کے لئے سلائی کرے اور ایک درہم لے،تو جائز ہے،یا رات تک شکار کرے یا لکڑیاں جمع کرے،اور یہ لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا،اور اگر کہا کہ یہ شکار کرے یا یہ لکڑیاں اکٹھی کرے،تو اجارہ فاسد ہے،اور لکڑیاں اور شکار مستاجر کا ہوگا اور اس کے ذمہ اجیر کیلئے اجر مثل ہوگا،اور اگر کسی انسان سے لکڑیاں اکٹھی کرنے یا شکار میں مدد طلب کی تو شکار اور لکڑیاں عمل کرنے والے کی ہونگی اھ۔اور ہندیہ میں محیط السرخسی سے محمد رحمۃاللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی سے کہا کہ یہ بھیڑیا ہلاک کردو یا یہ شیر،اور تم کو ایک درہم ملے گا۔تو بھیڑیا اور شیر شکار شمار ہوگا اور اُس کا اجر مثل ملے گا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگا،اور شکار مستاجر کا ہوگا اھ۔خلاصہ یہ کہ اس میں نقول مشہور ہیں تو وقت کی تعیین نہ ہونے کی صورت میں لکڑیوں کا مطلقاً عامل کیلئے قرار دینا درست نہیں،کیونکہ یہ لکڑیوں کے متعین کرنے کی صورت کو بھی شامل ہے،اور اس کو شارح نے اس کی تفریع کے طور پر ذکر کیا ہے،بلکہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ماتن نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے____

دوسری تنبیہ: ہندیہ نے قنیہ سے یہ بھی نقل کیا ہے

[1] خزانۃ المفتین

[2] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

[3] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

اقول: (۱) انظر ما وجهه فانه اجير وحد وشرطه بيان المدة وقد وجد كما فى الغمز وش (۲) وقد قال عن ابى سليمٰن بعده ان مسمى يوما جازو ذكر بعده باسطر عن محيط (۳) السرخسى لو استأجر ليصيد له اوليغزل له اوللخصومة اوتقاضى الدين اوقبض الدين لايجوز فان فعل يجب اجر المثل ولو ذكر مدة يجوز فى جميع ذلك[1] اهـ ويظهر لى فى تأويله ان ليس المراد باليوم الوقت المعلوم الممتد الى غروب الشمس بل هو فيه بعمنى الظرفية اى يقع القطع فى هذا اليوم فهو للاستعجال مثل خطه لى اليوم بدرهم فى (۴) الهداية من استأجر رجلا ليخبزله هذه العشرة المخاتيم من الدقيق اليوم بدرهم فهو فاسد عند ابى حنيفة وقال ابو يوسف ومحمد رضى الله تعالٰى عنهم جازلانه يجعل المعقود عليه عملا وذكر اللوقت للاستعجال تصحيحا للعقد وله ان المعقود عليه مجهول لان ذكر الوقت يوجب كون المنفعة معقودا عليها وذكر العمل يوجب كونه معقودا عليه

کسی نے کوئی مزدور اس کام کیلئے لیا کہ وہ آج اُس کیلئے گھاس کاٹے گا، اُس نے ایسا ہی کیا تو اس کیلئے کوئی اُجرت لازم نہیں، اور گھاس اُسی کی ہو جائے گی۔ نصیر نے کہا میں نے ابو سلیمٰن سے دریافت کیا الخ۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض اجیر ہے، اور اس کی شرط بیان مدۃ ہے جو پائی گئی کما فی الغمز و 'ش' اور اس کے بعد ابو سلیمان سے کہا کہ اگر ایک دن کا کہا تو جائز ہے اور چند سطور بعد محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اگر کسی کو اجرت پر لیا تاکہ اس کے لئے شکار کرے یا سُوت کاتے یا اُس کی وکالت کرے یا قرض طلب کرے یا قرض وصول کرے تو جائز نہیں، تو اگر ایسا کیا تو اجر مثل واجب ہوگا اور اگر مدۃ کا ذکر کیا تو ان تمام صورتوں میں جائز ہے اھ۔ اور اس کی تاویل مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ یوم سے مراد دن کا وہ معین وقت نہیں ہے جو غروبِ آفتاب تک دراز ہو، بلاالکہ اس یہاں ظرفیت کے معنی ہیں یعنی گھاس کا کاٹنا اس دن میں واقع ہو، تو یہ جلدی کے اظہار کیلئے ہے، جیسے یہ کہا کہ آج ہی یہ چیز مجھے سی کردو، ایک روپے میں، ہدایہ میں ہے جس نے کسی شخص کو اُجرت پر لیا تاکہ آج ایک درہم میں یہ دس بوری آٹا پکادے تو یہ اجارہ ابو حنیفہ کے نزدیک فاسد ہے، اور صاحبین نے فرمایا جائز ہے، صاحبین معقود علیہ عمل کو قرار دیتے ہیں اور ذکرِ وقت کو عجلت کیلئے قرار دیتے ہیں تاکہ عقد صحیح ہو، امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ معقود علیہ مجہول ہے کیونکہ

[1] ہندیۃ الباب السادس عشر پشاور ۴/ ۴۵۱

ولا ترجیح ونفع المستأجر فی الثانی ونفع الاجیر فی الاول فیفضی الی المنازعة(۱)وعن ابی حنیفة انه یصح الاجارة اذا قال فی الیوم وقدسمی عملا لانه للظرف فکان المعقود علیه العمل بخلاف قوله الیوم وقدمر مثله فی الطلاق [1] اھ۔اوالامران القنیة ذکرت ھذا برمز ثم رمزت لاٰخر وذکرت ماعن نصیر فیکون ھذا قول بعض علی خلاف ماعلیه الناس وعلی خلاف ماعلیه الفتوی کما فی(۲)الصیرفیة ومن عادة الھندیة نقل عبارة القنیة بحذف(۳)الرموز فتصیر الاقوال کقول واحد کما نبھت علیه فی بعض المواضع من ھو امشھا واللہ تعالٰی اعلم۔	وقت کا ذکر منفعت کو معقود علیہا بناتا ہے،اور عمل کا ذکر اس کو معقود علیہ کرتا ہے،اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں ہے، مستاجر کا نفع دوسرے میں ہے اور اجیر کا پہلے میں ہے، تو اس میں جھگڑا پیدا ہوگا،اور ابو حنیفہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ اجارہ اس وقت صحیح ہوگا جبکہ "دن میں" کہا اور کسی عمل کا نام لیا، کیونکہ یہ ظرف ہے تو معقود علیہ عمل ہوا بخلاف اس کے قول "الیوم" کے اور اسی کی مثل طلاق کے باب میں گزرا اھ یا معاملہ اس طرح ہے کہ قنیہ نے اسکو ثم کے رمز سے ذکر کرکے دوسرے کی طرف اشارہ کیا،اور جو کچھ نصیر سے مروی ہے وہ نقل کیا،یہ بعض کا قول ہے اور بعض کے خلاف ہے،اور فتوٰی بھی اس کے خلاف پر ہے کما فی الصیرفیة اور ہندیہ کی عادت ہے کہ وہ قنیہ کی عبارت رموز کے بغیر ہی نقل کردیتے ہیں،تو چند اقوال ایک ہی قول کے مانند ہوجاتے ہیں،اس پر میں نے اس کے بعض حواشی پر تنبیہ کی ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

صورت ہفتم خود ظاہر ہے کہ اُس کے اقرار سے ملک مستاجر ہے۔

اقول:وذلك لان الاجیر عامل لغیرہ وقد اعترف انه عمل علی وجه الاجارة واخذہ لمن استأجرہ۔	**میں کہتا ہوں** اس کی وجہ یہ ہے کہ اجیر دوسرے کا عامل ہوتا ہے اور اس نے یہ اعتراف کیا ہے وہ وہ بطور اجیر کام کررہا ہے اور وہ چیز مستاجر کیلئے لے رہا ہے۔(ت)

یوں ہی صورتِ ہشتم میں کہ ظرف مستاجر میں احراز دلیل ہے کہ مستاجر کیلئے ہے، جامع الصغار میں ہے:

[1] الہدایۃ اجارہ فاسدہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۰۴

الاجير اذا حمل الماء بكوز المستأجر يكون محرزا للمستأجر [1]۔	اجیر جب مستاجر کے کُوزے میں پانی لائے تو وہ مستاجر کا ہوگا۔(ت)

رہی صورت نہم ظاہر ہے کہ اس میں مِلک اجیر ہے۔

اقول: اور اس پر تقریر دلیل یوں کہ یہ اجیر نہ بیان مدّت کے ساتھ اپنے منافع بیچ چکا ہے کہ اس وقت میں اُس کا کام خواہی نخواہی آمر کیلئے ہو نہ شیئ کی تعیین ہوئی کہ بوجہ قبول اُس کا پابند ہو تو وہ اپنی آزادی پر ہے کیا ضرور ہے کہ اس وقت جو اُس نے لیا بربنائے جارہ بغرض مستاجر لیا ہو نہ وہ مقر ہے نہ ہشتم کی طرح کوئی دلیل ظاہر ہے لہٰذا مِلک اجیر ہی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

اقول: ويترا أى لى ان مَثَل الاستيلاء، عند الفقهاء، كمثل الشراء، مهما وجد نفاذ(۱) انفذ فاذا وكله بشراء عبد، والموكل لم يعين العبد، ولا الوكيل اضاف اليه العقد، ولا وقع من ماله النقد، ولا اقرانه شراه له، فانه يكون للشارى لالمن وكله، والمسألة فى الهداية والدر، وعامة الاسفار الغر، فالتوقيت ههنا كالاضافة ثمه لانتقال فعله الى الأمر كمامرو الاحراز بظرفه كالنقد من ماله والا قرار الاقرار والتعيين التعيين والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔	اور مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے کہ استیلاء کی مثال فقہاء کے نزدیک شراء کی سی ہے جب نفاذ پایا جائیگا اس کو نافذ کر دیا جائیگا۔اب کسی نے کسی شخص کو غلام خریدنے کیلئے کہا اور موکل نے غلام کی تعیین نہ کی اور نہ وکیل نے عقد کو اس کی طرف مضاف کیا اور نہ اس کے مال سے ادائیگی کی اور نہ یہ کہا کہ اُس نے اس کیلئے خریدا ہے، تو یہ غلام خریدنے والے کا ہوگا نہ کہ حکم دینے والے کا، یہ مسئلہ ہدایہ، در اور عام کتب میں مذکور ہے، تو یہاں توقیت کی حیثیت وہاں اضافت کی طرح ہے کیونکہ اس کا فعل آمر کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور اُس کے ظرف کا حاصل کرلینا اس کے مال سے ادائیگی کی طرح ہے اور یہ اقرار اس اقرار کی طرح اور یہ تعیین اس تعیین کی طرح ہے، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**(ت)

بالجملہ یہ نو صورتیں ہیں جن میں سے چار میں وہ شے مباح لینے والے کی مِلک ہے اور پانچ میں دوسرے کی۔ یہ جبکہ لینے والا حُر ہو ورنہ مملوک کسی شے کا مالک نہیں ہوتا اس کا جو کچھ ہے اس کے مولی کا ہے **ھذا**

[1] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

ماظھر لی نظرا فی کلماتھم وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا ان کے کلمات کو دیکھتے ہوئے اور مجھے امید ہے کہ یہی صحیح ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ت)

تنقیح دوم : یہ اصول مطلق استیلائے مباح میں ہُوئے یہاں کہ گفتگو نابالغ میں ہے یہ بھی دیکھنا ضرور کہ اُس کے والدین اگر اُس سے کوئی شے مباح مثلاً کنوئیں سے پانی یا جنگل سے پتّے منگائیں تو اُس نسبت بنوت کے سبب احکام مذکورہ استیلاء میں کوئی تفاوت آئے گا یا نہیں، اگر آئے گا تو کیا۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں:

اوّل کہ زیادہ مشہور ہے یہ کہ والدین کو بھی مباحات میں استخدام کا اختیار نہیں صبی اگرچہ ان کے حکم سے اُنہیں کے لئے انہیں کے ظرف میں لے خود ہی مالک ہوگا اور والدین کو اُس میں تصرف حرام مگر بحالت محتاجی۔

اقول : یعنی بحالت فقر بلاقیمت اور بحالتِ احتیاج حاضر مثلاً سفر میں ہوں اور مال گھر میں بوعدہ قیمت تصرف کرسکتے ہیں ذخیرہ ومنیہ پھر معراج الدرایہ پھر حموی کنز پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

لوامر صبیا ابوہ اوامہ باتیان الماء من الوادی اوالحوض فی کوز فجاء بہ لایحل لابویہ ان یشربا من ذلك الماء اذالم یکونا فقیرین لان الماء صار ملکہ ولایحل لھما الاکل ای والشرب من مالہ بغیر حاجۃ[1]۔	اگر کسی بچّہ کو اپنے باپ یا ماں نے وادی یا حوض سے لوٹے میں پانی لانے کو کہا پھر وہ پانی لے آئے تو اس کے ماں باپ کیلئے اس پانی کو پینا جائز نہیں بشرطیکہ وہ فقیر نہ ہوں، کیونکہ پانی اُس بچّہ کی مِلک ہوگیا اور اُن دونوں کیلئے اس کے مال سے بلاحاجت کھانا پینا جائز نہیں۔(ت)

جامع احکام الصغار پھر حموی اشباہ اور تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

(۲)اذا احتاج الاب الی مال ولدہ فان کانا فی المصر واحتاج لفقرہ اکل بغیر شیئ وانکانا فی المفازۃ واحتاج الیہ لانعدام الطعام معہ فلہ الاکل بالقیمۃ[2]۔	جب باپ کو بچّہ کے مال کی حاجت ہو اور وہ شہر میں ہو اور فقر کی وجہ سے بچہ کا مال کھانے کا محتاج ہو تو کھالے اور اس پر کوئی شے نہیں، اور اگر یہ صورت حال جنگل میں پیش آئے اور باپ کے پاس کھانا موجود نہ ہو اور اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو وہ قیمت کے ساتھ کھاسکتا ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۳

جامع الفصولین فوائد امام ظہیر الدین سے ہے:

لوکان الاب فی فلاۃولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ اکلہ بقیمۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف والمعروف ان یتناولہ بغیر شیئ لوفقیرا والا فبقیمتہ[1]۔	اگر باپ جنگل میں ہو اور اس کے پاس مال ہو اور پھر اس کو اپنے بیٹے کا مال کھانے کی ضرورت لاحق ہو تو وہ اس کی قیمت دے کر کھا سکتا ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ باپ کو اپنے بیٹے کے مال کا معروف طریقہ کے مطابق زیادہ حق ہے اور معروف طریقہ یہی ہے کہ بلاقیمت استعمال کرے اگر فقیر ہو، ورنہ قیمت کے ساتھ استعمال کرے۔(ت)

مگر اس اجازت سے احکام مذکورہ استیلا میں کوئی تغیر نہ ہوا کہ مِلک نابالغ ہی کی قرار پائی۔ماں باپ کو قیمتاً یا مفت اُس میں تصرف کی اجازت کچھ اسی مال استیلاء سے خاص نہیں صبی کی ہر مِلک میں ہے۔

دوم: فقیر والدین کی طرح غنی ماں باپ کو بھی بچہ سے ایسی خدمت لینے کا حق ہے اور وہ پانی رواکہ عرف ورواج مطلق ہے یہ امام محمد سے ایک روایت ہے ذخیرہ اور اس کے ساتھ کی کتابوں میں بعد عبارت مذکورہ ہے: **وعن محمد یحل لھما ولوغنیین للمعروف والعادۃ**[2]۔(محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ان دونوں کے لئے حلال ہے اگرچہ دونوں غنی ہوں کیونکہ عرف اور عادت کا اعتبار ہے۔ت)

اقول: اس تقدیر پر ظاہر یہ ہوتا کہ جو مباح صبی نے فرمائش والدین سے لیا اس کے مالک والدین ہی ٹھہریں ورنہ بحالِ غنا ان کو تصرف ناروا ہوتا قال تعالٰی **مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ**[3] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے۔ت) تو یہ روایت صور نہ گانہ استیلاء سے صورت سوم کے حکم میں والدین کا استثناء کرتی مگر امام محمد ہی سے ایسی ہی نادرہ روایت آئی ہے کہ اگر بچہ کھانے پینے کی چیز اپنے ماں باپ کو ہدیۃ دے تو وہ والدین کے لئے مباح ہے تو یہ روایت بھی احکامِ مذکورہ پر کچھ اثر نہ ڈالے گی کہ مالک صبی ہی ٹھہرا۔ جامع احکام الصغار میں ہے:

فی ھبۃ فتاوی القاضی ظھیر الدین	قاضی ظہیر الدین کے فتاوٰی کی ہبہ کی بحث میں ہے

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲
[2] جامع الفصولین الفصل السابع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹
[3] القرآن ۴/ ۶

رحمه الله تعالٰی اذا اهدی الصغیر شیأ من المأکولات روی عن محمد رحمه الله تعالٰی انه یباح لوالدیه وشبه ذلك بضیافة المأذون واکثر مشایخ بخارٰی انه لایباح[1]۔	کہ جب بچّہ کھانے کی کوئی چیز بطور ہدیہ دے تو امام محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو اس میں سے کھانا جائز ہے، اور انہوں نے اس کو ماذون کی ضیافت کے مشابہ قرار دیا اور بخارا کے اکثر مشائخ کہتے ہیں یہ مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شامی میں تاتارخانیہ وذخیرہ سے ہے اس روایت کی تحقیق بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور یہ کہ وہ اس مقام سے بے علاقہ ہے مگر اقرب یہی ہے کہ یہ روایت والدین کیلئے اباحتِ تصرف کرتی ہے نہ کہ اثباتِ مِلک تو ضابطہ بحال ہے۔

سوم: اگر ماں باپ کے برتن میں لیا تو وہ مالک ہوں گے ورنہ صبی جیسے اجیر۔

اقول: یعنی جس کا نہ وقت معین کیا نہ کسی معین شے کیلئے اجیر نہ اُس نے مستاجر کیلئے اقرار کہ ان حالتوں میں ظرف پر لحاظ نہیں، جامع الصغار میں ہے:

فی بیوع فوائد صاحب المحیط الاب اوالام اذا امر ولده الصغیر لینقل الماء من الحوض الی منزل ابیه ودفع الیه الکوز فنقل قال بعضهم الماء الذی فی الکوز یصیر ملکا للصبی حتی لایحل للاب شربه الا عند الحاجة لان الاستخدام فی الاعیان المباحة باطل وقال بعضهم ان کان الکوز ملکا للاب یصیر ملکا للاب ویصیر الابن محرز الماء لابیه کالاجیر اذاحمل الماء بکوز المستأجر یکون محرز اللمستأجر کذا هذا[2]۔	صاحبِ محیط کی فوائد کے باب البیوع میں ہے کہ ماں باپ نے چھوٹے بچے کو حوض سے اپنے گھر پانی لانے کو کہا اور اس کو لوٹا بھی دیا چنانچہ وہ پانی لے آیا، تو ایسی صورت میں بعض علماء کے نزدیک لوٹے کا پانی بچّہ کی مِلک ہے یہاں تک کہ باپ بلا ضرورت اس میں سے پی بھی نہیں سکتا کیونکہ مباح اشیاء کے حصول کیلئے اس سے خدمت لینا باطل ہے، اور بعض نے کہا کہ اگر لوٹا باپ کی ملک ہے تو پانی بھی باپ کی ملک ہوگا اور بیٹا مزدور کی طرح پانی کو اپنے باپ کے لئے جمع کرنے والا قرار پائے گا کیونکہ اجیر اگر مستاجر کے لوٹے میں پانی لائے تو وہ پانی مستاجر ہی کا ہوگا، یہی حال اس کا ہے۔ (ت)

[1] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

[2] جامع احکام الصغار مع الفصولین اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

اول کو وہ سید علامہ طحطاوی وشامی نقل کرکے فرمایا اس میں حرج عظیم ہے اور واقعی حرج ہے اور حرج نص قرآنی سے مدفوع ہے،

وحاول ش ان یوھنه بالدلیل فنازعه بان للاب ان یستخدم ولده قال فی جامع(۱)الفصولین وللاب ان یعیر ولده الصغیر لیخدم استاذه لتعلیم الحرفة(۲)وللاب او الجد اوالوصی استعماله بلاعوض بطریق التھذیب والریاضة[1] اھ۔قال الا ان یقال لایلزم من ذلك عدم ملکه لذلك الماء المباح وان امره به ابوه واللّٰه تعالٰی اعلم[2] اھ۔	اور "ش" نے اس کو دلیل کے ذریعہ کمزور دکھانے کی کوشش کی اور فرمایا کہ باپ کو تو ویسے بھی حق ہے کہ بلامعاوضہ بیٹے سے کام لے۔جامع الفصولین میں فرمایا کہ باپ اپنے چھوٹے بیٹے کو استاد کی خدمت کیلئے متعین کرسکتا ہے تاکہ استاد اس کو صنعت وحرفت سکھائے،اور باپ دادا اور وصی بچّے سے کام لے سکتے ہیں تاکہ اس کو ادب وتہذیب سکھائیں اور اس کو کام کرنے کی عادت ہو اھ۔فرمایا مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ پانی کا مالک نہیں ہوگا،خواہ اس نے اپنے باپ کے حکم سے پانی لیا ہو واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)
اقول:(۳)الجواب صحیح نظیف ماکان یستاھل التزییف بل(۴)کان واضحا من قبل فلم یکن للسؤال محل(۵)بل السؤال ساقط من رأسه فھم لاینکرون جواز الاستخدام للاب لکن ذلك حیث یصح ویتحقق فان الشیئ انما یجوز بعد مایصح والباطل لاوجود له وقد علمت انه فی الاعیان المباحة باطل وبه انکشف ایھا مان واقعا فی کلامه فی کتاب الشرکة حیث کان فی التنویر(٦)والدر لاتصح شرکة فی احتطاب	میں کہتا ہوں،جواب بالکل درست ہے اس کو ضعیف قرار دینا درست نہ ہوگا،بلکہ پہلے سے واضح تھا،تو سوال کی گنجائش ہی نہ تھی،بلاکہ سوال کی بنیاد ہی ساقط ہے،کیونکہ مشائخ اس امر کا انکار نہیں کرتے ہیں کہ باپ بیٹے سے خدمت لے سکتا ہے لیکن یہ صرف اُسی صورت میں ہے جبکہ متحقق ہو اور صحیح ہو،کیونکہ شے اسی وقت جائز ہوتی ہے جبکہ صحیح ہو اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور آپ جان چکے ہیں کہ یہ اعیان مباحہ میں باطل ہے،ان کی کتاب کی کتاب الشرکۃ میں دو وہم تھے وہ بھی اس

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

واحتشاش واصطیاد واستقاء وسائر مباحات لتضمنها اوکالة والتوکیل فی اخذ المباح لایصح وما حصله احدهما فله وما حصلاه معا فلهما نصفین ان لم یعلم مالکل وما حصله احدهما باعانة صاحبه فله ولصاحبه اجر مثله[1] اھ۔

فکتب رحمه الله تعالٰی علی قوله وما حصلاه فلهما یؤخذ من هذا ماافتی به فی الخیریة(۱) لواجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونَمَا المَالُ فهو بینهم سویة ولو اختلفوا فی العمل والرای اھ۔ قال ثم هذا فی غیر الابن مع ابیه لما فی القنیة(۲) الاب وابنه یکتسبان فی صنعة واحدة ولم یکن لهما شیئ فالکسب کله للاب انکان الابن فی عیاله لکونه معیناله[2] اھ۔

اقول: (۳) فایراده هذا الفرع فی هذا المبحث ربما یوهم ان لواجتمع رجل وابنه فی عیاله فی تحصیل مباح کان کله للاب ویجعل الابن معیناله(۴) ولیس کذلك فان الشرع المطهر جعل فی المباح

بگفتگو سے ختم ہو گئی، دُر اور تنویر میں ہے لکڑیاں اکٹھی کرنے، گھاس جمع کرنے، شکار کرنے اور پانی بھرنے میں شرکت جائز نہیں، اور یہی حال دوسری مباحات کا ہے کیونکہ یہ وکالت کو متضمن ہے اور مباح کے لینے میں توکیل جائز نہیں، دو میں سے کسی ایک نے جو حاصل کیا وہ اسی کا ہوگا اور جو دونوں نے مل کر حاصل کیا ہو تو وہ آدھا آدھا ہے، اگر یہ معلوم نہ ہو کہ کس نے کتنا لیا تھا اور جو کچھ ایک نے اپنے ساتھی کی مدد سے لیا وہ اُسی ایک کا ہوگا اور ساتھی کو اجر مثل ملے گا اھ۔ تو انہوں نے اس کے قول وماحصلاہ فلھما پر لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خیریہ میں جو فتوی ہے وہ اسی سے ماخوذ ہے اگرچہ کچھ بھائی مل کر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کریں، اور پھر کچھ مال حاصل ہوا تو وہ ان کے درمیان برابری کی بنیاد پر تقسیم ہوگا خواہ عمل اور رائے میں اختلاف ہی کیوں نہ رہا ہو اھ۔ فرمایا یہ حکم اُس صورت میں نہیں ہے جبکہ بیٹا باپ کے ساتھ مصروف عمل ہو، کیونکہ قنیہ میں ہے اگر باپ بیٹا ایک ہی صنعت میں کام کرتے ہوں اور اُن کے پاس اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو کل کمائی باپ کی شمار ہوگی بشرطیکہ بیٹا باپ کے عیال میں ہو، کیونکہ وہ اس کا مددگار ہے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں ان کا اِس فرع کو اس بحث میں لانا یہ وہم پیدا کرتا ہے اگر بیٹا باپ کے عیال میں ہو اور باپ بیٹا کسی مباح چیز کے حاصل ہونے میں مل کر کام کریں تو حاصل شدہ چیز پوری کی پوری باپ کی ہوگی اور بیٹا اس کا مددگار قرار پائے گا،

[1] الدرالمختار شرکت فاسدۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۴

[2] ردالمحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/ ۳۸۳

سبب الملك الاستیلاء فمن استولی فهو المالك ولا ینتقل الملك الٰی غیره الابوجه شرعی کهبة وبیع ولا ینسب اخذه لغیره الابوجه شرعی ککونه عبده اواجیره علیه اما الاعانة مجانا فهی الخدمة وقد علمت بطلان الاستخدام فی تلك الاعیان وکتب علی قوله باعانة صاحبه سواء کانت الاعانة بعمل کما اذا اعانه فی الجمع والقلع اوالربط اوالحمل اوغیره اوبآلة کما لودفع له بغلا او راویة لیستقی علیها اوشبکة لیصید بها حموی وقهستانی ط [1] اھ۔

اقول:(۱)فلا یتوهمن منه الاعانة فی قلع الحطب بأن یقلع البعض هذا والبعض هذا لانه هو تحصیلهما(۲)بل المعنی انه وضع یده مع یده فی القلع حتی ضعف تعلقه فقلعه المعان اوعمل هذا اولا وترکه قبل ان ینقلع ثم عمل ذاك فقلعه یکون الاول معینا والملك للقالع(۳)کمن استقی من بئر فاذا دنا الدلو من رأسه اخرجها ونحاها عن رأس البئر غیره فان الملك للثانی وکذلك اذا

حالانکہ بات یہ نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مباح اشیاء ہیں مِلک کا سبب استیلاء کو قرار دیا ہے تو جو بھی کسی مباح پر قابض ہوجائے وہی مالک ہے اور دوسرے کی طرف اب اس کی ملک شرعی طریقوں سے ہی منتقل ہوسکتی ہے جیسے ہبہ اور بیع وغیرہ اور اس کا لینا اس کے غیر کی طرف صرف شرعی سبب سے ہی منسوب ہوگا، مثلاً یہ کہ وہ اس کا غلام ہو، یا مزدور ہو، اور مفت کی اعانت تو یہ خدمت ہے، اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ مباح چیزوں میں خدمت لینا باطل ہے، اور "باعانۃ صاحبہ" پر لکھا کہ عام ازیں اعانت عملی ہو، جیسے کسی چیز کے جمع کرنے، اکھاڑنے، باندھنے، اٹھانے وغیرہ میں مدد کرے، یا آلہ کے ذریعے مدد ہو جیسے اس کو خچر دیا، پانی بھرنے کا بڑا ڈول دیا یا شکار کے لئے جال دیا، حموی وقہستانی ط اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں اس سے یہ وہم پیدا نہ ہو کہ لکڑیاں اکھاڑنے میں مدد دینا بھی اسی طرح ہے، مثلاً بعض لوگ اس طرف سے اور بعض اُس طرف سے لکڑیاں اکھاڑیں اس لئے یہ اُن دونوں کا حاصل کرنا ہے، بلاالکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ایک ہی لکڑی پر ہاتھ رکھیں اور دونوں ایک ساتھ اس کو اکھاڑیں، یا یہ کہ پہلے ایک شخص نے ایک درخت پر زور آزمائی کی اور ہٹ گیا پھر دوسرے نے زور آزمائی کی اور اس کو اکھاڑ لیا، تو پہلا مددگار قرار پائے گا اور ملک اکھاڑنے والے کی ہوگی، جیسے کوئی شخص ڈول بھر کر کنویں سے

[1] ردالمحتار شرکت فاسدۃ البابی مصر ۳/ ۳۸۳

اثار احد صیدا وجاء به علی اخر فاخذه کان للاٰخذ وما احسن وابعد عن الایھام عبارۃ الھدایۃ حیث قال(۱)وان عمل احدھما واعانه الاٰخر فی عمله بان قلعه احدھما وجمعه الاٰخر اوقلعه وجمعه وحمله الاٰخر فللمعین اجر المثل [1]۔	پانی نکالے اور جب ڈول کنویں کے دہانے تک آجائے تو دوسرا شخص نکال کر رکھ دے۔اس صورت میں مِلک دوسرے کی ہوگی،اسی طرح کسی نے شکار کو ہنکایا اور دوسرے شخص کے قریب آیا اور دوسرے شخص نے پکڑ لیا،تو جس نے پکڑا اسی کا ہوگا۔مگر ہدایہ کی عبارت ہر قسم کے وہم سے پاک صاف ہے اس میں ہے کہ اگر عمل ایک نہ کیا اور دوسرے نے اس عمل میں معاونت کی،مثلاً یہ کہ درخت ایک شخص نے اکھاڑے اور دوسرے نے جمع کئے یا اکھاڑے اور جمع کئے لیکن اٹھائے دوسرے نے،تو مددگار کو اجر مثل ملے گا۔(ت)

دوم:کہ نص محرر المذہب سے مروی نظر ظاہر گمان کرے گی کہ بہت کتب معتمدہ مشہورہ نے اُس پر اعتماد کیا فتاوٰی(۱)اہل سمرقند پھر فتاوٰی خلاصہ میں اُس کے حوالہ سے ہے:

رجل(۲)وھب للصغیر شیأا من المأکول یباح للوالدین ان یاکلا منه کذاروی عن محمد رحمهالله تعالٰی [2]۔	اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کیلئے وہ چیز بھی کھانا جائز ہے محمد رحمہ اللہ سے یہی مروی ہے۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

وھب للصغیر من المأکول شیأ یباح للوالدین ان یاکلاہ [3]۔	اگر کسی شخص نے بچے کو کھانے کی چیز ہبہ کی تو اس کے والدین کو اس چیز کا کھانا صحیح ہے۔(ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

اذا وھب الصبی شیئا من الماکول قال محمد رحمه الله تعالٰی مباح لوالدیه ان یاکلا منه وقال اکثر مشایخ	اگر کسی نے بچہ کو کھانے کی کوئی چیز ہبہ کی تو محمد نے فرمایا اس کے والدین کیلئے اس میں سے کھانا مباح ہے۔اور بخارٰی کے اکثر مشائخ نے فرمایا

[1] الہدایۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ جزثانی المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۶۱۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

[3] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ کتاب الہبۃ پشاور ۶/ ۲۳۷

بخارٰی لایحل [1] اھ **اقول**:(۱)وتفرد بتعبیر قال محمد فان عبارۃ العامۃ روی عندہ واللہ تعالٰی اعلم۔	والدین کو کھانا حلال نہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** "قال محمد" کی عبارت تنہا انہوں نے ہی استعمال کی ہے کیونکہ عام کتب کی عبارت یہ ہے کہ ان سے مروی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

فتاوٰی(۵) ظہیریہ پھر غمز(۶)العیون میں ہے:

اذا اھدی للصغیر شیئ من المأکولات روی عن محمد انہ یباح لوالدیہ وشبہ ذلك بالضیافۃ واکثر مشایخ بخارٰی علی انہ لایباح بغیر حاجۃ [2]۔	جب بچہ کو کسی نے کھانے کی چیزیں ہدیہ میں دیں، تو محمد سے مروی ہے کہ اس کے والدین کو ان کا کھانا مباح ہے اور یہ ضیافت کی طرح ہے اور بخاری کے اکثر مشائخ کا کہنا ہے کہ بغیر حاجت جائز نہیں۔(ت)

بحرالرائق(۷) میں ہے:

یباح للوالدین ان یاکلا من المأکول الموھوب للصغیر کذا فی الخلاصۃ فافاد ان غیر المأکول لایباح لھما الا عند الاحتیاج کما لایخفی [3]۔	والدین کو بچّہ کی موہوبہ چیز کا کھانا مباح ہے کذا فی الخلاصہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر ماکول کو استعمال میں لانا مباح نہیں، ہاں ضرورۃً جائز ہے کمالایخفی۔(ت)

درمختار میں ہے:

وفیھا ای فی السراجیۃ یباح لوالدیہ ان یاکلا من مأکول وھب لہ وقیل لاانتھی۔فافاد ان غیر الماکول لایباح لھما الا لحاجۃ [4] اھ اقول: وکانہ اخذہ من ان العمل	سراجیہ میں ہے بچہ کے والدین کو مباح ہے کہ بچہ کو ہدیہ کی گئی چیز سے کھائیں اور ایک قول ہے کہ جائز نہیں انتہی، اس سے معلوم ہوا کہ غیر ماکول سے بلاحاجۃ استفادہ جائز نہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** شاید انہوں نے یہ فتوی اس اصول سے

[1] فتاوٰی سراجیۃ مسائل متفرقۃ من ہبۃ لکھنؤ ص ۹۶
[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶
[3] بحرالرائق کتاب الھبۃ سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸۸
[4] الدرالمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

بقول اصحاب الامام اذا لم یوجد عنہ قول ولا یوازیہ قول المشایخ وان کثروا کماذکرنا نصوصہ فی رسالتنا اجلی الا علام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام لاسیما وقد عبرہ بقال محمد والا فلیس فی السراجیۃ قیل کما اسمعناك نصھا۔	اخذ کیا ہے کہ امام کے اصحاب کے قول پر اس وقت عمل ہوگا جب امام سے کوئی قول نہ پایا جائے اور امام کے قول کے ہمسر مشائخ کے اقوال نہیں ہو سکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں اس کے نصوص ہم نے اپنے رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام میں ذکر کئے ہیں خاص طور پر انہوں نے اس کو "قال محمد" سے تعبیر کیا ہے ورنہ سراجیہ میں قلیل نہیں ہے جیسا کہ ہم نے اس کی نص ذکر کی ہے۔(ت)

تاتارخانیہ[9] پھر ردالمحتار[10] میں ہے:

روی عن محمد نصا انہ یباح وفی الذخیرۃ واکثر مشائخ بخارٰی علی انہ لایباح[1]	محمد سے مروی ہے بطور نص کہ یہ مباح ہے اور ذخیرۃ میں ہے کہ اکثر مشائخ بخاری اس پر ہیں کہ مباح نہیں۔(ت)

اسی طرح جواہر[11] اخلاطی وہندیہ[12] میں ہے جامع[13] الصغار کی عبارت اوپر گزری۔

اقول: مگر نظر دقیق حاکم ہے کہ دونوں روایتیں اگرچہ امام محرر المذہب رحمہ اللہ تعالٰی سے ہیں لیکن اس روایت اور ان عبارات کو اس روایت سے علاقہ نہیں یہاں وہ شے مِلک صبی نہیں بلکہ دوسرے نے صبی کے نام ہدیہ بھیجی ہے اور عادت فاشیہ جاری ہے کہ کھانے پینے کی تھوڑی چیز بچّوں ہی کے نام کرکے بھیجتے ہیں اور مقصود ماں باپ کو دینا ہوتا ہے اور یہ توقطعًا نہیں ہوتا کہ ماں باپ پر حرام سمجھتے ہوں اس عرف کا انتشار تام وعام دیکھ کر مطلق حکم فرمایا یا کہیں تفصیل وتوضیح فرمادی۔ فتاوٰی[1] سمرقند پھر تاتاخانیہ[2] پھر شامیہ[3] نیز کتاب[4] **التجنیس والمزید** پھر جامع[5] الصغار میں ہے:

اذا اھدی الفواکہ الی الصبی الصغیر یحل للاب والام الاکل اذا ارید بذلك برالاب والامام لکن اھدی الی الصغیر استصغار اللھدیۃ[2]۔	جب چھوٹے بچے کو کسی نے میوہ جات ہدیہ کئے تو اس کے ماں باپ کو اس میں سے کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس ہدیہ کا مقصد ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک ہو اور بچہ کو محض اس لئے ہدیہ کیا گیا ہو کہ ہدیہ کو چھوٹا سمجھا گیا ہو۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

[2] جامع الصغار مع الفصولین الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۶

ملتقط[6] پھر اشباہ[7] کی تعبیر اور احسن ہے جس سے اس عادت کا فاشیہ ہونا روشن ہے۔

حیث قالا اذا(ا)اهدی للصبی شیئ وعلم انه له فلیس للوالدین الا کل منه لغیر حاجة [1] اھ۔ **اقول:** بنی المنع علی علم انه للصغیر فافاد الاباحة اذالم یعلم شیئ ردا الی العادة الفاشیة۔	انہوں نے فرمایا کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہدیہ کی گئی ہو اور معلوم ہو کہ وہ صرف بچے کیلئے ہے تو والدین اس میں سے بلاحاجت نہیں کھا سکتے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** والدین کیلئے اس کا استعمال جائز نہ ہونا اس شرط سے مشروط ہے کہ اُسے علم ہو کہ یہ بچّہ کا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ جب علم نہ ہو تو مباح ہے عرف کا لحاظ رکھتے ہوئے کہا گیا ہے۔(ت)

امام ظہیر الدین نے اُن عبارات مطلقہ کی دلیل بیان فرما کر اس امر کا تصفیہ فرمادیا، ظہیریہ[8] پھر علمگیریہ[9] میں ہے:

اهدی للصغیر الفوا که یحل لوالدیه اکلها لان الاهداء الیهما وذکر الصبی لاستصغار الهدیة [2] اھ۔ **اقول:** ومن ههنا ظهر ان ماتقدم عن جامع الصغار عن الظهیریة اذا اهدی الصغیر شیا من الماکولات ان لم یکن عن نقله بالمعنی لان المسألة فی سائر الکتب فیما وهب شیئ للصغیر وقد نقل عن الظهیریة نفسها فی الغمز بلفظ اذا اهدی للصغیر شیئ کما سمعت فلیس مراده الا اهداؤه مما اهدی الیه لاان یبتدی الصبی فیهدی من ملکه شیا	بچہ کو پھل ہدیہ کیے گئے تو اس کے والدین کو اُن کا کھانا جائز ہے کیونکہ ہدیہ دراصل والدین کو ہی تھا بچہ کے ہاتھ میں اس لئے دیا گیا کہ ہدیہ کو معمولی سمجھا گیا۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس سے معلوم ہوا کہ جو عبارت جامع صغیر سے ظہیریہ سے گزری کہ جب بچہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہدیہ کرے، اگر یہ اس کی نقل بالمعنی نہیں ہے کیونکہ تمام کتب میں یہ مسئلہ اس طرح مذکور ہے کہ کوئی چیز بچہ کو ہبہ کی گئی اور خود ظہیریہ میں غمز سے ان الفاظ میں منقول ہے کہ جب بچہ کو کوئی چیز ہبہ کی گئی جیسا کہ تم نے سنا، تو ان کی مراد یہ ہے کہ بچّہ اس چیز سے ہدیہ کرے جو اس کو ہدیہ کی گئی ہو، یہ نہیں کہ بچہ ابتداء کرے اور اپنی مِلک سے کچھ ہدیہ کرے، اور اس کی دلیل

[1] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۴۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث من الھبۃ پشاور ۴/ ۳۸۱

والدليل عليه قوله وشبه ذلك بضيافة المأذون فالمأذون(۱)لايضيف من مال نفسه بل مولاه ومولاه انما اذن فى التجارة لكن العوائد قضت ان امثال الضيافات لابد منها فى التجارات فكان اذنه فى التجارة اذنا فيها كذلك الصبى لاهدى من مال نفسه بل مال المهدى والمُهدى انما سمى الصبى لكن فشت العوائد ان امثال الهدايا لايمنع عنها ابواه فكان اهداؤه اليه اهداء اليهما۔

ان کا یہ قول ہے کہ اور یہ مشابہ ماذون کو ضیافت کے ہے کہ ماذون اپنے مال سے ضیافت نہیں کرتا ہے بلکہ اپنے مولٰی کے مال سے کرتا ہے اور اس کے مولٰی نے اس کو تجارت کی اجازت دی ہے، لیکن عرف میں یہ عادت ہے کہ تجارت میں اس قسم کی ضافتیں ہوتی ہی رہتی ہیں، تو تجارت کی اجازت دینا ضیافت کی اجازت کے مترادف ہے، اسی طرح بچہ اپنے مال سے ہدیہ نہیں دیتا ہے بلالکہ ہدیہ دینے والے کے مال سے ہی ہدیہ دیتا ہے اور ہدیہ دینے والے نے بچہ کا نام لیا مگر عام طور پر عادت یہ ہے کہ اس قسم کے ہدایا سے ماں باپ کو منع نہیں کیا جاتا ہے تو بچوں کو ہدیہ دینا ماں باپ کو ہدیہ دینا سمجھا جاتا ہے۔(ت)

اقول: والوجه فيه ان المأكولات ممايتسارع اليها الفساد فيكون اذنا من المهدى لهما فى التناول دلالة وذلك بان يقع الملك لهما بخلاف مايدخر فظهر اصابة البحر والدر فى قولهما افادان غير المأكول لايباح لهما الا لحاجة [1] (۲)واندفع ماوقع للعلامة ش حيث قال بعد نقل مامر عنه عن التتارخانية عن فتاوى سمرقند قلت:وبه يحصل التوفيق ويظهر ذلك بالقرائن وعليه فلا فرق بين المأكول وغيره بل غيره اظهر [2] اھ

میں کہتا ہوں کھانے پینے کی چیزیں عام طور پر جلدی گل سڑ جاتی ہیں تو ہدیہ دینے والے کی طرف سے والدین کو اشارۃً کھانے کی اجازت سمجھی جائے گی، اور اس طرح مِلک والدین کے لئے ثابت ہوگی اور جو اشیاء جلد خراب ہونے والی نہیں ہیں ان کا یہ حکم نہیں ہے، تو بحر اور دُر کے قول کی صحت ظاہر ہوگئی، ان کا قول ہے کہ جو چیزیں کھانے پینے کی نہیں ان کا استعمال والدین کے لئے جائز نہیں، ہاں حاجت کے وقت جائز ہے، اور علامہ "ش" کا اعتراض ختم ہوا انہوں نے تو وہ عبارت نقل کی جو تتارخانیہ، فتاوی سمرقند سے گزری، پھر فرمایا **میں کہتا ہوں**

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷۲

ای فان ارادةالولد بھبة المأکول اظھر واکثر فاذا ساغ الاکل ثمہ عند عدم دلیل یقتضی باختصاص الھدیة بالولد فھذا اولی وقد عرفت الجواب وباللہ التوفیق۔	اس سے موافقت ظاہر ہوگئی اور یہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے اس میں ماکول اور غیر ماکول کا کوئی فرق نہیں بلاکلہ اس کا غیر اظہر ہے اھ۔ یعنی ماکول کے ہبہ سے بچہ کا ارادہ اظہر ہے اور اکثر ہے تو جب وہاں کھانا جائز ہوا کسی ایسی دلیل کے نہ ہونے کے وقت جو ہدیہ کے بچہ کے ساتھ مختص ہونے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ اولٰی ہے اور آپ کو اس کا جواب مل چکا ہے وباللہ التوفیق۔(ت)

بالجملہ یہ روایات غیر مِلک صبی میں ہیں اور یہاں کلام مِلکِ صبی میں کہ مباح پانی بلاشبہ بھرنے والے کی مِلک ہوگا جبکہ بروجہ اجارہ نہ ہو اور صبی کی مِلک والدین کو بے احتیاج حلال نہیں مقتضائے نظر فقہی تو یہ ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق مگر شک نہیں کہ عرف وعادت اس کے خلاف ہے اور وہ بھی دلائل شرعیہ سے ہے تو مناسب کہ اسے قلیل عفو قرار دیں جس پر قرآن وحدیث سے دلیل ہے **قال اللہ عزوجل:**

وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ[1]

اور وہ آپ سے یتیموں کی بابت پُوچھتے ہیں فرمادیجئے ان کی اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ اپنا مال ملا کر کھاؤ وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مفسد کو مصلح سے جانتا ہے۔(ت)

اس آیت میں احد التفسیرین پر یتیم کے ساتھ جواز مخالطت مال ہے اور ظاہر کہ بحال مخالطت کامل امتیاز قریب محال ہے۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے:

وفی الزاھدی قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما المخالطة ان تأکل من ثمرہ ولبنہ و قصعتہ وھو یاکل من ثمرتك ولبنك وقصعتك (ا)والاٰیة تدل علی جواز المخالطة فی السفر والحضر یجعلون النفقة علی السواء ثم لایکرہ ان یاکل احدھما اکثر لانہ لما جاز	اور زاہدی میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ مخالطت یہ ہے کہ تم اس کے پھل اس کا دودھ اور اس کے پیالہ میں کھاؤ اور وہ بھی اسی طرح تمہارے ساتھ تمہارے پھل کھائے اور تمہارا دودھ پئے اور تمہارے پیالے میں کھائے اور یہ آیت مخالطت کے جواز پر دلالت کرتی ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں ہو جبکہ نفقہ کو

[1] القرآن ۲/ ۲۲۰

فی اموال الصغار فجوازہ فی اموال الکبار اولی ھذا لفظه فاحفظه فانه نافع وحجة علی کثیر من المتعصبین فی زماننا[1] اھ۔	برابر کارکھیں، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں کہ ان میں سے کوئی زائد کھالے کیونکہ یہ چیز جب بچوں کے مال میں جائز ہے تو بڑوں کے اموال میں بطور اولیٰ جائز ہے، یہ ان کے الفاظ ہیں ان کو بخوبی یاد رکھیں، یہ مفید بھی ہیں اور ہمارے عہد کے بہت سے متعصبین پر حجت بھی ہیں اھ۔(ت)
اقول:(۱)فاذن مافی جامع الصغار عن فتاوٰی رشید الدین من باب دعوی الاب والوصی لولم تکن الام محتاجة الی ماله ولکن خلطت مالھا بمال الولد واشترت الطعام واکلت مع الصغر ان اکلت مازاد علی حصتھا لایجوز لانھا اکلت مال الیتیم[2] اھ۔معناہ الزیادة(۲)المتبینة ففی جامع الرموز عن الباب المذکور من الفتاوی المذبورة قبیل ھذا صبی یحصل المال ویدفع الی امه والام تنفق علی الصبی وتأکل معه قلیلا نحو لقمة اولقمتین من غیر زیادة لایکرہ[3]۔	**میں کہتا ہوں،** تو جامع الصغار میں فتاوٰی رشید الدین سے (دعوی الاب والوصی میں) جو منقول ہے اگر ماں بچہ کے مال کی محتاج نہ ہو، لیکن اس نے بچہ کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانا خریدا اور بچّہ کے ساتھ کھایا تو اگر اپنے حصہ سے زیادہ کھایا تو جائز نہیں کیونکہ اس نے یتیم کا مال کھایا اھ۔اس سے مراد یہ ہے کہ اتنی زیادتی جو بالکل واضح اور ظاہر ہو،اسی فتاوی کے مذکور باب سے جامع الرموز میں منقول ہے،اس سے کچھ ہی پہلے، کہ ایک بچہ ہے جو مال لاتا ہے اور ماں کو دیتا رہتا ہے اور ماں اس پر خرچ کرتی رہتی ہے اور لقمہ دو لقمہ خود بھی اس کے ساتھ کھاتی رہتی ہے زیادہ نہیں، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔(ت)

صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عباس سے ہے:

قال کنت العب مع الصبیان فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فتواریت خلف	فرمایا میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں

[1] تفسیراتِ احمدیۃ بیان اصلاح کریمی کتب خانہ بمبئی ص ۱۰۳

[2] جامع الصغار مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[3] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸

باب فجاء فحطأنی حطأة عــہ وقال اذهب ادع لی معویة[1]۔	ایک دروازہ کے پیچھے چھُپ گیا تو آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے دونوں کندھوں کے درمیان اپنے ہاتھ سے (پیار سے) تھپکی دی اور کہا کہ معٰویہ کو بلالاؤ۔(ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

فیه جواز ارسال صبی غیرہ ممن یدل علیه فی مثل هذا ولا یقال هذا تصرف فی منفعة الصبی لان هذا قدر یسیر ورد الشرع بالمسامحة فیه للحاجة واطرد به العرف وعمل المسلمین[2]۔	اس سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے بچہ کو اس جیسے کام کیلئے بھی بھیجا جاسکتا ہے اور اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ بچہ کی منفعت میں تصرف کیا کیونکہ یہ معمولی چیز ہے اور شریعت نے ضرورتاً اس قسم کی چیزوں کی اجازت دی ہے اور عام طور پر مسلمانوں کا اس پر عمل ہے۔(ت)

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ، نے حدیقہ ندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ سوم میں امر ابوین کو اجارہ پر قیاس کیا۔
اقول اولا: یہ صحت توکیل کو چاہتا ہے اور اعیان (۲) مباحہ میں توکیل خلاف نصوص ہے وعللوہ بوجوہ (اور انہوں نے اس کی کئی علتیں بیان کی ہیں)

الاول: ان صحة التوکیل تعتمد صحة امر الموکل بما وکل به وصحة الامر تعتمد الولایة ولا ولایة للموکل علی المباح ونقض بالتوکیل بالشراء فان الموکل لاولایة له علی المشری۔والثانی ان التوکیل احداث ولایة للوکیل ولا یصح هنا لانه یملك اخذ المباح بدون تملیکه ونقض بالتوکیل	**اول:** توکیل کی صحت کا دارومدار اس پر ہے کہ جو کام موکل نے وکیل کو سپرد کیا ہے وہ درست ہے اور اس کام کی صحت کا مدار ولایت پر ہے اور مُباح کام پر موکل کو کوئی ولایت نہیں ہے اور اس پر توکیل بالشراء سے اعتراض وارد ہے، کیونکہ موکل کو خریدی جانے والی چیز پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔**دوم:** توکیل کے معنی وکیل کیلئے ولایت

عــہ: حطأنی بحاء ثم طاء مهملتین وبعدهما همزة وهو الضرب بالید مبسوطة بین الکتفین اھ حدیقه ندیه۔	حطاء نی حاء پھر طاء دونوں بغیر نکتہ کے اور ان کے بعد ہمزہ ہے، معنٰی ہے دو کندھوں کے درمیان ہاتھ سے تھپکی دینا اھ حدیقہ ندیہ۔(ت)

[1] صحیح للمسلم باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵
[2] شرح للنووی باب من لعنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۵

بشراء شیئ لابعینه فان الوکیل یملکه قبل التوکیل وبعده واجاب فی العنایة ان معناه یملکه بدون امر الموکل بلا عقد وصورة النقض لیست کذلك فانه لایملکه الا بالشراء[1] اھ۔

اقول: (ا) رحمك الله تعالٰی لیس المراد ملك العین بل ولایة ذلك الفعل کالاخذ ثمه والشراء ھھنا وھو لایملکه بالعقد بل العقد ناشیئ عن ملکه ثم رأیت سعدی افندی اومأ الیه اذقال فیه تأمل فان الموکل به ھو الشراء فالوکیل یملکه فلا یندفع النقض[2] اھ۔ والصواب فی الجواب انه لم یکن له من قبل ولایة ان یشغل ذمة الموکل بالثمن وردہ المحقق فی الفتح بان حاصل ھذا ان التوکیل بما یوجب حقا علی الموکل یتوقف علی اثباته الولایة علیه فی ذلك والکلام فی التوکیل بخلافه[3] اھ ای باخذ المباح فانه لایثبت فیه حق علی الموکل۔

کا ایجاد کرنا ہے اور وہ یہاں درست نہیں ہے کیونکہ وہ اس کی تملیک کے بغیر ہی مباح کو لے سکتا ہے اور اس پر یہ نقض ہے کہ کسی کو غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا، کیونکہ وکیل تو توکیل سے پہلے اور اس کے بعد بھی اس کا مالک ہے۔ اور عنایہ میں اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کا مالک ہے موکل کے حکم کے بغیر، اور بغیر عقد کے۔ اور نقض کی صورت یہ نہیں ہے، کیونکہ وہ خریدے بغیر اس کا مالک نہیں ہے اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس سے مراد ملک عین نہیں ہے ب ملک عین نہیں ہے بلکہ اُس کام کے کرنے کا اختیار ہے جیسے وہاں لینا اور یہاں خریدنا، اور وہ عقد کی وجہ سے اس کا مالک نہیں، بلاالکہ عقد تو خود اس کی مِلک سے پیدا ہوتا ہے پھر میں نے دیکھا کہ سعدی افندی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے وہ فرماتے ہیں اس میں تامل ہے، کیونکہ جس چیز کا وکیل بنایا ہے وہ "شرا" ہے تو وکیل اس کا مالک ہے، تو نقض مرتفع نہ ہوگا اھ۔ تو اس کا صحیح جواب یہ ہوگا کہ موکل کو پہلے یہ ولایت حاصل نہ تھی کہ وہ موکل کے ذمہ کو ثمن کے ساتھ مشغول رکھے، اور محقق نے اس کا فتح میں رد کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایسی چیز کی توکیل جو موکل پر حق ثابت کرے اس امر پر موقوف ہے کہ وہ اس پر ولایت کو ثابت کرے اور گفتگو توکیل میں اس کے برخلاف ہے اھ۔ یعنی مباح کے لینے میں، کیونکہ اس میں موکل پر حق ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] عنایة مع الفتح القدیر الشرکة الفاسدة نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۰۹

[2] حاشیة چلپی الشرکة الفاسدة نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۰۹

[3] فتح القدیر الشرکة الفاسدة نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۰

اقول:(۱)هذا اعتراف بالمقصود فان التوكيل مطلقاً اثبات ولاية للوكيل لم تكن من قبل ولايوجد ههنا فلايصح التوكيل به بخلاف الشراء وليس ان احداث الولاية مطلوب خصوصاً فى التوكيل بما يوجب حقاً على الموكل حتى يقال ليس التوكيل باخذ المباح من هذا الباب فلا يحتاج الى احداث الولاية۔

میں کہتا ہوں یہ مقصود کا اعتراف ہے کیونکہ توکیل مطلقاً وکیل کے لئے ولایت کااثبات ہے، ایسی ولایت جو اس کو پہلے حاصل نہ تھی، اور وہ یہاں پائی نہیں جاتی ہے، تو اس کی توکیل صحیح نہ ہوگی، اور شراء میں یہ چیز نہیں ہے، اور ولایت کا ایجاد و احداث مطلوب نہیں ہے خاص طور پر اس توکیل میں، جو موکل پر کسی حق کو واجب کرتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ مباح کے لینے پر وکیل بنانا اس باب سے نہیں ہے، تو اس میں ولایت کی ایجاد کی حاجت نہیں ہے۔ (ت)

والثالث ان المقصود بالتوكيل نقل فعل الوكيل الى الموكل ولا يتحقق ههنا فان الشرع جعل سبب ملك المباح سبق اليد اليه والسابقة يد الوكيل فيثبت الملك له ولا ينتقل الى الموكل الا بسبب جديد اشار اليه المحقق۔

سوم: توکیل سے مقصود یہ ہے کہ وکیل کے فعل کو موکل کی طرف نقل کیا جائے اور یہ چیز یہاں متحقق نہیں کیونکہ شریعت نے مباح کی ملکیت کا سبب قبضہ میں پہل کو قرار دیا ہے، اور یہاں وکیل نے قبضہ میں پہل کی ہے، تو ملک اس کیلئے ثابت ہوگی اور موکل کی طرف اسی وقت منتقل ہوگی جبکہ اس کا سبب جدید ہو، محقق نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

ثانیًا: یہ قیاس صحیح ہو تو صرف ظرف پر حکم نہ رہے بلاکہ والدین کی نیت سے لینا ہی اُن کے لئے مثبت مِلک ہو اگرچہ اُن کے ظرف میں نہ لے کہ مقیس علیہ اعنی اجارہ مذکورہ میں حکم یہی ہے اصل مدار (۲) نیت پر ہے جبکہ نہ اجیر کا یہ وقت بکا ہے نہ شیئ معین ہے تو وہ اپنے لئے بھی لے سکتا ہے اور اپنے مستاجر کیلئے بھی جس کیلئے لے گا اُسی کی مِلک ہوگی، ہاں اگر لیتے وقت کسی کی نیت نہ تھی یا وہ کہے میں نے اپنے لئے نیت کی تھی اور مستاجر کہے میرے لئے کی تھی تو اُس وقت ظرف پر فیصلہ رکھیں گے اُس کے ظرف میں لی تو اُس کیلئے ہے ورنہ اپنے لئے۔

واصل ذلك الوكيل بشراء شيئ لابعينه الحكم (۳)فيه للاضافة فان لم توجد فللنية فان لم توجدا وتخالفا فيها فللنقد اى ان اضاف العقد الى مال الموكل فالشراء للموكل

اور اس کی اصل یہ مسئلہ ہے کہ کسی شخص کو غیر معین شیئ کے خریدنے کا وکیل بنایا تو اس میں حکم اضافت کا ہے، اگر اضافت نہ پائی گئی تو نیت معتبر ہوگی، اگر نیت بھی نہ پائی گئی یا دونوں میں اختلاف ہوا تو حکم

وان زعم انه اشتری لنفسه اوالی مال نفسه فلنفسه اوالی مطلق مال فلایهما نوی کان له فان لم تحضره النیة عند الشراء اوقال نویت لی وقال الموکل اوبالعکس حکم النقد فی الثانی بالاجماع وفی الاول عند ابی یوسف خلافا لمحمد فانه یجعل اذن للعاقد [1] وقع فی ردالمحتار عکس هذا وهو سهو۔

اقول: (۱) وقدم قاضی خان قول ابی یوسف واخر فی الهدایة دلیله فافادا ترجیحه وقال فی البحر تحت قول الکنز ان کان بغیر عینه فالشراء للوکیل الا ان ینوی للموکل اویشتریه بماله مانصه ظاهر مافی الکتاب ترجیح قول محمد من انه عند عدم النیة یکون للوکیل لانه جعله للوکیل الا فی مسألتین [2] اھ۔ای النیة للموکل واضافة العقد الی ماله اذهو المراد من الشراء بماله کما فی الهدایة فاذالم یضف ولم ینو کان للعاقد کما هو

نقد کا ہے، یعنی اگر عقد کو موکل کے مال کی طرف مضاف کیا تو خریدنا موکل کیلئے ہوا اگرچہ اس نے یہ گمان کیا کہ اُس نے اپنے لئے خریدا ہے، اور اگر اضافت خود اس کے مال کی طرف ہے تو خریدنا اس کیلئے ہوا، اور اگر مطلق مال کی طرف اضافت ہے تو دونوں میں سے جس کی نیت کی اس کیلئے ہوگا، اور اگر خریدنے کے وقت کوئی نیت ہی نہ تھی یا کہا کہ میں نے اپنے لیے نیت کی تھی اور موکل نے کہا کہ میرے لئے کی تھی یا بالعکس تو دوسرے میں بالاجماع نقد کو حکم بنایا جائیگا اور پہلے میں صرف ابویوسف کے نزدیک ہوگا، امام محمد اس کو اس صورت میں عاقد کیلئے قرار دیتے ہیں، اور ردالمحتار میں اس کا برعکس کہا ہے اور یہ سہو ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں قاضی خان نے ابویوسف کا قول مقدم کیا ہے اور ہدایہ میں اس کی دلیل کو موخر کیا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، اور بحر نے کنز کے اس قول کے تحت فرمایا کہ اگر غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل بنایا تو شراء وکیل کیلئے ہے، مگر یہ کہ موکل کی نیت کرلے یا اس کو اپنے مال سے خریدے۔ان کی عبارت یہ ہے کتاب میں جو ہے اس سے بظاہر محمد کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، یعنی یہ کہ نیت نہ ہونے کی صورت میں وہ شراء وکیل کیلئے ہوگی، کیونکہ انہوں نے شراء وکیل کیلئے ہی کی ہے سوائے دو مسئلوں کے اھ۔یعنی یہ کہ نیت

---

[1] عنایة مع فتح القدیر وکالة بالشراء سکھر ۷/ ۴۵

[2] بحرالرائق وکالة بالبیع والشراء سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۰

مذہب محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔

اقول: (۱) لکن الامام ابا یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انما حکم النقد لانہ دلیل النیۃ قال فی الھدایۃ عند ابی یوسف یحکم النقد لان مع تصادقھما یحتمل النیۃ للاٰمر وفیما قلناہ حمل حالہ علی الصلاح کما فی حالۃ التکاذب[1] قال فی العنایۃ (یحتمل) انہ کان نوی للاٰمر ونسیہ (وفیما قلنا) یعنی تحکیم النقد (حمل حالہ علی الصلاح) لانہ اذا کان النقد من مال الموکل والشراء لہ کان غصبا (کما فی حالۃ التکاذب[2]) اھ۔ فعلم ان تحکیم النقد داخل فی اعتبار النیۃ ولایستغرب مثلہ فی ایجاز الکنز۔

موکل کیلئے ہو اور اضافت اُس کے مال کی طرف ہو، اس لئے کہ اس کے مال سے خریدنے کا یہی مطلب ہے، جیسا کہ ہدایہ میں ہے، توجب اضافت نہ کی اور نیت بھی نہ کی تو عاقد کیلئے ہوگی جیسا کہ محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں، لیکن امام ابویوسف نے نقد کو حکم بنایا کیونکہ وہ نیت کی دلیل ہے۔ ہدایہ میں فرمایا ابویوسف کے نزدیک نقد کو حکم بنایا جائیگا، کیونکہ اگر وہ دونوں اتفاق کرلیں تو احتمال ہے کہ نیت حکم دینے والے کی ہو، اور جو ہم نے کہا ہے اس میں اُس کے حال کو صلاح پر محمول کیا گیا ہے، جیسے کہ دونوں ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے، عنایہ میں فرمایا (احتمال ہے) کہ اُس نے حکم دینے والے کیلئے نیت کی ہو اور پھر بھُول گیا ہو (اور جو ہم نے کہا اُس میں) اس سے مراد نقد کو حکم بنانا ہے (اس کے حال کو صلاح پر محمول کرنا ہے) کیونکہ جب ادائیگی موکل کے مال سے ہو اور خریدنا اس کے لئے ہو تو یہ غصب ہوگا (جیسے کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں ہے) اھ۔ تو معلوم ہوا کہ نقد کو حکم بنایا نیت کے اعتبار میں داخل ہے اور کنز کے ایجاز میں ایسی بات عجیب نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ قول سوم خلاف اصول و مخالف منقول ہے اور قول اول میں حرج بشدت اور دوم کہ نص محرر المذہب سے ماثور مؤید بعرف وکتاب وسنت لہٰذا فقیر اُسی کے اختیار میں اپنے رب عزوجل سے استخارہ کرتا ہے وباللہ التوفیق تو ثابت ہوا کہ احکام مذکورہ صور استیلاء میں نسبت ابوت وبنوت سے کوئی تغیر نہیں آتا جب یہ اصل بعونہ تعالٰی ممہد ہولی واضح ہوا کہ نابالغ کا بھرا ہوا پانی ایک نہیں بہت سے پانی ہیں جن کا سلسلہ شماریوں ہے۔

(۳۲) وہ پانی کہ نابالغ نے آب مملوک مباح سے لیا۔

---

[1] الہدایۃ وکالۃ بالبیع والشراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۸۳

[2] عنایۃ مع الفتح القدیر وکالۃ بالبیع والشراء نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۶

(۳۳) وہ کہ مملوک غیر مباح سے بے اجازت لیا۔

(۳۴) وہ کہ اس سے باجازت لیا مگر مالک نے اسے ہبہ نہ کیا صرف بطورِ اباحت دیا۔

(۳۵) نابالغ خدمتگار نے آقا کے لئے نوکری کے وقت میں بھرا۔

(۳۶) خاص پانی ہی بھرنے پر اُس کا اجیر بتعیین وقت تھا اُسی وقت میں بھرا۔

(۳۷) مستاجر نے پانی خاص معین کر دیا تھا مثلاً اس حوض یا تالاب کا کل پانی۔

اقول: اور یہ تعین نہ ہوگا کہ اس حوض یا کنوئیں سے دس مشکیں کہ دس مشک باقی سے جدا نہیں جس کی تعیین ہو سکے۔

(۳۸) اس نے باذن ولی یہ مزدوری کی اور کہتا ہے کہ یہ پانی مستاجر کیلئے بھرا۔

(۳۹) اسی صورت میں اگرچہ زبان سے نہ کہا مگر اُس کے برتن میں بھرا۔

(۴۰) نابالغ کسی کا مملوک ہے ان نو صورتوں میں وہ نابالغ اُس پانی کا مالک ہی نہ ہوا پہلی تین صورتوں میں مالک آب کا ہے پھر ۳۵ سے ۳۹ تک پانچ صورتوں میں مستاجر کا۔ اخیر میں اگر باذنِ مولٰی کسی کے لئے اجارہ پر بھرا اور وہی صورتیں ملک مستاجر کی پائی گئیں تو پانی مستاجر کا ورنہ بہرحال اس کے مولٰی کا یہاں تک کہ خاص اپنے لئے جو بھرا ہو وہ بھی مولٰی ہی کی مِلک ہوگا۔ یہ پانی جس جس کی مِلک ہو اُسے تو جائز ہی ہیں اُس کی اجازت سے ہر شخص کو جائز ہیں جبکہ وہ عاقل بالغ مختار اجازت ہو بلالکہ بحال[1] انبساط اجازت لینے کی بھی حاجت نہیں مثلاً کسی کے نابالغ نوکر اجیر یا غلام نے پانی بھرا اس کے بھائی یا دوست جو اس کے ایسے مال میں تصرف کرتے اور وہ پسند رکھتا ہے اُس سے بے پُوچھے بھی نابالغ مذکور کا بھرا ہوا پانی اُس سے لے کر اپنے صرف میں لاسکتے بلکہ غلام سے مطلقاً اور اُس کے نوکر سے وقت نوکری میں بھرواسکتے ہیں کہ بہرحال اُس دوست کی مِلک میں تصرف ہے نہ نابالغ کی۔

(۴۱) نابالغ[2] حُر کو مالک آب نے پانی تملیکاً دیا۔

(۴۲) حُر غیر اجیر نے آب مباح غیر مملوک سے اپنے لئے بھرا۔

(۴۳) دوسرے کیلئے بطور خود۔

(۴۴) اُس کی فرمائش سے بلا معاوضہ۔

(۴۵) اجیر کے آقا کے کہنے سے بھرا اگر اس کے یہاں کسی اور خاص کام کیلئے نوکر تھا جس میں پانی بھرنا داخل تھا۔

(۴۶) داخل تھا جیسے خدمت گاری مگر نوکری کے وقتِ مقرر سے باہر بھروایا۔

(۴۷) خاص پانی ہی بھرنے پراسے اجیر کیانہ وقت مقررہ ہوانہ پانی معین نہ یہ مقرر کہ اُس کے لئے بھرا نہ اُس کا برتن تھا جس میں بھرا۔

(۴۸) وقت مقرر ہوااور اُس سے باہر یہ کام لیاان آٹھ صورتوں میں وہ پانی اُس نابالغ کی مِلک ہے اور اُس میں غیر والدین کو تصرف مطلقًا حرام حقیقی بھائی اُس پانی سے نہ پی سکتا ہے نہ وضو کرسکتا ہے ہاں طہارت ہوجائے گی اور ناجائز تصرف کا گناہ اور اُتنے پانی کااس پر تاوان رہے گا مگر یہ کہ اس کے ولی سے یا بچّہ ماذون[1] ہو جس کے ولی نے اسے خرید فروخت کااذن دیا ہے تو خود اس سے پُورے داموں خرید لے ورنہ[2] مفت یا غبن فاحش کے ساتھ نابالغ کی مِلک دوسرے کو نہ خود وہ دے سکتا ہے نہ اُس کا ولی۔ رہے والدین وہ بحالت حاجت مطلقًا اور بے حاجت حسبِ روایت امام محمد اُن کو جائز ہے کہ اُس سے بھروائیں اور اپنے صرف میں لائیں باقی صورتوں میں اُن کو بھی رواہ نہیں مگروہی بعد شرا۔

تنبیہ ۱: یہاں[3] سے اُستاد سبق لیں معلموں کی عادت ہے کہ بچّے جواُن کے پاس پڑھنے یاکام سیکھنے آتے ہیں اُن سے خدمت لیتے ہیں یہ بات باپ دادا یا وصی کی اجازت سے جائز ہے جہاں تک معروف ہے اور اس سے بچّے کے ضرر کا اندیشہ نہیں مگر نہ اُن سے پانی بھرواکر استعمال کرسکتے ہیں نہ اُن کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں۔

اقول: وعرفھم الحادث علی خلاف الشرع لا یعبؤبه فانه لم یکن فیمن مضی من اھل الخیر ومر الامام الکسائی رحمه الله تعالٰی علی سکة عطشان فاستسقی من بعض بیوتھا ثم تذکر انه اقرأ بعض اھلھا فمرولم یشرب۔	**اقول:** اور ان کی نئی اصطلاح جو شریعت کے برخلاف ہے،اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ اصطلاح سلف صالحین کے زمانہ میں نہ تھی۔ ایک مرتبہ امام کسائی کا گزر ایک گلی سے ہواآپ پیاسے تھے تو ایک گھر سے پانی طلب کیا، پھر انہیں یاد آیا کہ انہوں نے اس گھر کے کچھ لوگوں کو پڑھایا ہے، چنانچہ آپ نے پانی واپس کردیا اور پیاسے ہی وہاں سے گزر گئے۔(ت)

تنبیہ ۲: کنوئیں کا پانی جب تک کنوئیں سے باہر نہ نکال لیا جائے کسی کی مِلک نہیں ہوتا فان سببه الملك الاحراز ولا احراز الابعد التنحیة عن رأس البئر[1] (سبب مِلک احراز ہے اور احراز پانی کو کنوئیں کی منڈیر سے الگ کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ت) تو استاد[1] جسے بچّے سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کرسکتا ہے کہ پانی بچّے سے بھروائے یہاں تک کہ ڈول کنوئیں کے لب تک آئے اُس کے بعد خود اسے نکال لے کہ یہ پانی بچّہ کی مِلک نہ ہوگا بلکہ خود اُس کی۔

فی الھندیة عن القنیة والساقین	ہندیہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ جو شخص

---

[1] اس کی تحقیق نمبر ۲۶ میں گزری ۱۲(م)

ترجمہ	عربی متن
کنویں سے پانی بھرتا ہے وہ محض ڈول کے بھرنے سے پانی کا مالک نہیں ہوجائے گا، اُس وقت مالک ہوگا جب اُس پانی کو کنویں کی منڈیر سے الگ کرکے رکھ دے اھ۔	من البئر لایملك بنفس ملأ الدلو حتی ینحیه عن رأس البئر [1] اھ۔
اور ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے ٹھلیا، مٹکے یا مسجد کے حوض میں پانی جمع کیا، یہ حوض تانبے، پیتل یا گچ کا ہو، اور اس طرح پانی کا بہنا بند ہوگیا ہو تو وہ اس کا مالک ہوجائے گا، انہوں نے اس کو اِحراز سے تعبیر کیا، اخذ سے نہیں۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر ڈول کنویں سے بھرا مگر وہاں سے ہٹایا نہیں تو شیخین کے نزدیک وہ اس کا مالک نہ ہوگا کیونکہ "اِحراز" کے معنی کسی چیز کو محفوظ جگہ پر رکھنے کے ہیں اھ۔ (ت)	وفی ردالمحتار لواحرزه فی جرة اوجب اوحوض مسجد من نحاس اوصفر اوجص وانقطع جریان الماء فانه یملکه وانما عبربالاحراز لا الاخذ اشارة الی انه لوملأ الدلو من البئر ولم یبعده عن رأسها لم یملك عند الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما اذ الاحراز جعل الشیئ فی موضع حصین [2] اھ۔
میں کہتا ہوں جب یہ شخص اس طرح اس کا مالک نہ ہوا تو پانی اپنی اباحت پر ہی باقی رہا، تو جس نے اس کو کنویں سے ایک طرف ہٹا کے رکھا اس نے اس اس کو محفوظ کیا تو وہی اس کا مالک ہوا۔ (ت)	**اقول:** فاذالم یملکه کان باقیا علی اباحته فالذی نحاه هو الذی احرز المباح فیملکه اھ۔

تنبیہ ۳: بہشتیوں (۱) کے بچّے اکثر کنویں پر پانی بھرتے ہیں لوگوں کی عادت ہے کہ ان سے وضو یا پینے کو لے لیتے ہیں یہ حرام ہے اور عوام کو اس میں ابتلائے عام ہے **ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔**

اقول: مگر یہاں ۲ ایک دقیقہ ہے یہ بچّے داموں پر پانی بھرتے ہیں اور کہیں مشکیں مقرر ہوتی ہیں کہیں گھر کے برتن معین یہ شخص جس نے نابالغ بہشتی سے پانی لیا اگر وہ ۱ اس کے یہاں نہیں بھرتا تو اسے مطلقاً جائز نہیں اور اگر بھرتا ہے مگر یہ ۲ مشک جسے وہ بھر رہا تھا اور اُس کے ڈول سے پانی اس نے لیا دوسرے کے یہاں لے جائے گا تو ناجائز ہے اور اگر ۳ اسی کے یہاں لے جانے کو ہے مگر قرارداد برتنوں کا بھرنا ہے اور وہ پورے بھر دئے جائیں گے تو ناجائز ہے کہ یہ پانی اُس سے زائد ہے یوں ۴ ہی اگر مشکوں کا قرارداد ہے اور یہ مشک بھی اُس سے پوری لی تو ناجائز ہے ہاں ۵ اگر یہ مشک اتنی خالی لی تو ایسا ہوا کہ اتنا پانی گھر پر نہ پہنچوایا یہیں لے لیا یا ۶ برتنوں کا قرارداد ہے اور اتنا خالی رکھنے کو کہہ دیا یا ۷ جس دوسرے کے یہاں یہ مشک لے جاتا ہے اُس سے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب من کتاب الشرب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۱

اس قدر پانی کی اجازت لے لی اور اُس نے مشک یا برتن اتنے خالی رکھوائے تو جائز ہونا چاہئے کہ اگرچہ پانی[1] ابھی سقا ہی کی مِلک تھا جب برتنوں میں ڈالے گا اُس وقت اس کی بیع ہوگی اور جس کے یہاں بھرا گیا اُس کی مِلک ہوگا یہ اس لئے کہ بہشتی اجیر مشترک ہیں نہ اُن کا وقت معین ہوتا ہے نہ اتنا پانی قابل تعین ہے اور اپنے ڈول سے بھرتے ہیں اور جب تک مشک کہیں ڈال نہ دیں پانی اپنا ہی جانتے ہیں اُس میں جو چاہیں تصرف کرتے ہیں لہذا اُس وقت تک پانی انہی کا ہوتا ہے مگر مقصود اس مول لینے والا کا قبضہ ہے اور اس کی اجازت سے جو تصرف ہو وہ اسی کا قبضہ ہے اگر دس مشکیں اس کے یہاں ٹھہری ہوئی ہیں اور وہ کہے کہ اُن میں سے دو کا چھڑکاؤ یہیں سڑک پر کردو ضرور بیع صحیح ہو جائیگی اسی طرح اگر اس میں سے ایک لوٹا یا جس قدر چاہا زید کو دلوایا، **ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

تنبیہ ۴ : معتوہ[2] بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو وہ تمام احکام میں صبی عاقل کی مثل ہے تو یہ سب احکام بھی اُس میں یوں ہی جاری ہوں گے۔

اقول: مگر غنی ماں[3] باپ کا اُس کے بھرے ہوئے سے انتفاع امام محمد سے در بارۂ صبی مروی اور اُس کا مبنی عرف وعادت اور معتوہ میں اس کی عادت ثابت نہیں اور منع میں بوجہ ندرتِ عتہ لزوم حرج نہیں تو یہاں ظاہرًا قول اول ہی مختار ہونا چاہئے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

فائدہ: یہاں تک وہ پانی تھے جن میں اُن کا غیر نہ مِلا آگے خلط غیر کی صورتیں ہیں۔

(۴۹ تا ۶۵) کتب کثیرہ معتمدہ میں تصریح ہے کہ اگر نابالغ[4] نے حوض میں سے ایک کوزہ بھرا اور اس میں سے کُچھ پانی پھر اُس حوض میں ڈال دیا اب اُس کا استعمال کرنا کسی کو حلال نہ رہا۔

فی ش[1] عن ط[2] عن الحموی[3] عن الدرایة[4] عن الذخیرة[5] والمنیة[6] وفی غمزالعیون[7] عن شرح المجمع[8] لابن الملك عن الذخیرة وفی الاشباہ[9] من احکام الصبیان وفی الحدیقة الندیة[10] عن الاشباہ فی النوع العشرین من افات اللسان وفی غیرھا من الکتب الحسان عبد اوصبی اوامة ملأ الکوز من ماء الحوض واراق	ش میں ط سے حموی سے درایہ سے ذخیرہ سے اور منیہ سے ہے اور غمزالعیون میں شرح مجمع سے یہ ابن ملک کی کتاب ہے ذخیرہ سے ہے، اور اشباہ میں احکام الصبیان میں اور حدیقہ ندیہ میں اشباہ آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اور دوسری کتب میں ہے کسی غلام بچّے یا باندی نے حوض کے پانی س لوٹا بھرا پھر اس میں سے کچھ اُسی کے اندر انڈیل دیا تو اب کسی کے لئے جائز نہیں کہ اِس حوض سے

بعضه فيه لايحل لاحدان يشر من ذلك الحوض لان الماء الذى فى الكوز يصير ملكا للاٰخر فاذا اختلط بالماء المباح ولا يمكن التمييز لايحل شربه[1]۔	پانی پئے کیونکہ حوض کا پانی لینے والے کی ملک ہوجاتا ہے توجب یہ ملک مباح سے مل گیااور اس میں تمیز ممکن نہیں تو اس کا پینا حلال نہ ہوگا عـــه۔(ت)

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسے نقل کرکے فرمایا اس حکم میں حرج عظیم ہے۔

اقول: یہاں بہت استثنا و تنبیہات ہیں: **اول:** مراد (۱) آب مباح غیر مملوک ہے توحکم نہ ہر حوض کو شامل نہ حوض سے خاص بلالکہ کنوؤں کو بالعموم حاوی ہے کہ کُنواں اگرچہ مملوک ہو اس کا پانی مملوک نہیں **کما تقدم تحقیقه** (جیساکہ اس کی تحقیق گزرچکی ہے۔ت) اور وہ حوض جس کا پانی مملوک ہے اُس کا مالک اگر عاقل بالغ ہے توبچّہ ہزار بار اس میں سے پانی بھر کر اس میں پلٹ دے کچھ حرج نہ آئے گا کہ مال جس کا(۲) تناول اس کے مالک نے مباح کیا ہو بعد اخذ تصرف بھی ملک مالک سے خارج نہیں ہوتا یہاں تک کہ دعوت کا کھانا کھاتے وقت بھی میزبان ہی کی مِلک پر کھایا جاتا ہے توبچہ اس پانی کا مالک ہی نہ ہوگا اصل پانی کی ملک پر رہے گا اور ڈال دینے سے اُسی کی ملک میں جائے گا۔ **دوم:** ہماری تحقیقاتِ بالا سے واضح ہوا کہ ہر مباح بھی مطلقاً آخذ کی ملک نہیں ہوجاتا تو پانی کو مباح ومملوک کو شامل لے کر وہی سترہ ۱۷ صورتیں یہاں بھی پیدا ہوں گی جو نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں گزریں نو ۹ صورتوں میں وہ پانی اُس بھرنے والے کی مِلک نہ ہوگا بلالکہ اصل مالک آب یا مستاجر یا مولیٰ کی مِلک ہوگا وہ اگر عاقل یا

عـــه: حکم کی شدت نے اس مسئلہ کو مشکل بنادیا ہے کیونکہ عوام وخواص کے ابتلاء کی وجہ سے یہ حکم بموجب حرج اور تنگی ہے جبکہ ابتلاء عوام داعی یسر وآسانی ہے اللہ تعالیٰ بے حساب رحمتیں نازل فرمائے فقہاءِ کرام پر جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت فرمائی اور ایسے پیچیدہ اور مشکل مسائل کو حل فرمایا جس سے عوام الناس کیلئے آسانی اور سہولت کی راہ ہموار ہوئی چنانچہ امام احمد رضا بریلوی (مصنف) نے اس مسئلہ کی شدّت کو محسوس فرمایا اور انہوں نے فقہاء احناف کے اقوال کی روشنی میں اس کا حل صفحہ ۵۴۷ پر خود بیان فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے مسئلہ مذکورہ اگرچہ جنابت وطہارت کا نہیں بلالکہ اسکا تعلق حظر واباحت سے ہے، تاہم پاک پانی میں نجس پانی کے اختلاط کے مسئلہ میں فقہاءِ احناف کے بیان کردہ قواعد کی روشنی میں اس کو حل کیا جاسکتا ہے عراقی فقہاء نے پاک پانی میں نجس پانی گرنے سے متعلق فرمایا کہ بڑے حوض کے کثیر پانی میں جس جگہ نجس پانی گرا ہو اس جگہ کو چھوڑ کر باقی حوض سے وضو جائز ہے کیونکہ باقی جگہوں تک نجاست کا پہنچنا مشکوک ہے لہٰذا شک کی بناپر باقی پانی کی طہارت زائل نہ ہوگی جبکہ جمہور فقہاء نے ایسی صورت میں تمام حوض حتّی کہ جس جگہ نجاست گری ہے اس جگہ پر بھی وضو کو جائز فرمایا کیونکہ پانی طبعی طور پر سیال ہے اور ہواؤں وغیرہ کی تحریک کی وجہ سے پانی ایک جگہ ساکن نہیں رہتا لہٰذا حوض کے باقی حصّوں میں نجاست پہنچنے نہ پہنچنے کے احتمال کی وجہ سے باقی بلالکہ تمام پانی کو بالیقین نجس نہیں کہہ سکتے لہٰذا نجاست کا یقین زائل ہوجانے پر پانی کا اصل حکم یعنی طہارت باقی رہے گا اس طرح حوض کے ہر حصہ کے پانی کو پاک قرار دیا جائیگا، عراقی یا جمہور فقہاء کرام کے ضابطہ پر نابالغ بچّے کی ملکیت پانی کو قیاس کرتے ہوئے مذکورہ مشکل مسئلہ کا حل واضح ہوجاتا ہے، عراقی ضابطہ کے پیش نظر جہاں نابالغ بچّے کا پانی گرا اُس جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام پانی کا استعمال مباح ہوگا جبکہ جمہور فقہاء کے ضابطہ کے تحت نابالغ کے پانی گرنے کی جگہ سمیت تمام پانی مباح ہوگا مصنّف کی اصل عبارت میں تفصیل موجود ہے۔ عبدالستار سعیدی

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفیٰ البابی مصر ۵/۲

بالغ نہیں تو البتہ یہی دقّت عود کرے گی ورنہ اُس عاقل بالغ کی اجازت پر توقف رہے گا۔

سوم: صبی کی خصوصیت نہیں معتوہ بھی اسی کے حکم میں ہے **کما تقدم**۔

چہارم: جس طرح کلامِ علماء میں پینے کا ذکر مثال ہے مراد کسی قسم کا استعمال ہے اسی طرح کچھ یہی شرط نہیں کہ حوض یا کنویں سے پانی لے کر ہی ان میں ڈالے یا جس حوض یا چاہ سے لیا اس میں واپس دے یا وہ نابالغ ہی اپنے ہاتھ سے ڈالے بلالکہ مقصود اُسی قدر ہے کہ مال مباح میں نابالغ کی مِلک کا اس طرح مل جانا کہ جُدا نہ ہوسکے تو اگر صبی[1] کی مِلک کا پانی اُس کے گھر سے لاکر کسی شخص اگرچہ خواہ اُس کے ولی نے کسی کنویں یا مباح حوض میں ڈال دیا اس کا استعمال تابقائے آب مذکور ناجائز ہوگیا۔

پنجم: ظاہر ہے کہ یہ عدم جواز اوروں کے حق میں بوجہ اختلاط ملک صبی ہے خود صبی استعمال کرسکتا ہے کہ وہ نہیں مگر اسکی ملک یا مباح۔

ششم: اُس کے[2] ماں باپ بھی بشرطِ حاجت بالاتفاق اور بلاحاجت روایت امام محمد پر استعمال کرسکتے ہیں تو **لایحل لاحد** (کسی کیلئے جائز نہیں۔ت) عام مخصوص ہے۔ ہفتم: اگر وہ کنواں یا حوض ترک کردیں اور صبی بلوغ کو پہنچے اور اُس وقت اس پانی کو مباح کردے تو اب کوئی مانع نہیں۔

ہشتم: اگر وہ صبی انتقال کرجائے اس کے سب ورثہ عاقل بالغ ہوں تو اب ان کی اجازت پر دقّت نہ رہے گی اور اگر ایک ہی وارث ہے تو اسے خود حلال خالص ہے کسی کی اجازت کی بھی حاجت نہیں۔

نہم: اگر وہ پانی کہ صبی کی ملک سے اُس میں مخلوط ہوا باقی نہ رہے تو اب سب کو مباح ہوجائے گا کہ مانع زائل ہوگیا۔

دہم: مسئلہ[3] سابقہ یعنی نابالغ کے بھرے ہوئے پانی میں جو ایک صورتِ جواز اُس سے اگر ماذون ہو ورنہ اُس کے دل سے خرید لینے کی تھی یہاں جاری نہیں ہوسکتی کہ مِلک صبی کا پانی جب اُس آبِ مباح میں مل گیا قابلِ بیع نہ رہا کہ مقدور التسلیم نہیں۔

یازدہم: آبِ مباح کی ضرورت بھی اُس حالت میں ہے کہ بچّہ کا اُس میں سے بھر کر اُس میں ڈال دینا لیں کہ مباح پر ملک یوں ہی ہوگی ورنہ[4] مِلک نابالغ کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا تو اُس کا استعمال بھی حرام ہوجائے گا حتی کہ اُس مالک آب کو۔

دوازدہم: ایک یا دونوں طرف کچھ پانی کی خصوصیت نہیں بلالکہ کسی کے[5] مملوک پانی میں بچے کی مِلک کا عرق یا دودھ یا کسی کے مملوک عرق یا دُودھ میں بچّے کی ملک کا پانی یا چاول میں چاول گیہوں میں گیہوں مل جائیں

جب بھی یہی حکم ہے کہ اس میں تصرف خود مالک کو بھی حرام ہوگیا تو مسئلہ کی تصویر (۱) یوں ہونی چاہئے کہ اگر کسی شے مباح یا مملوک میں کسی غیر مکلّف کی مِلک اس طرح خلط ہو جائے کہ تمیز نا ممکن ہوا گرچہ یونہی کہ مثلاً مباح غیر مملوک پانی سے صبی یا معتوہ حر غیر اجیر نے بھرا اور اگر وہ کنواں ہے تو اُس سے بھر کر باہر نکال لیا اور اگر اجیر ہے تو نہ وقت معین نہ وہ مباح معین نہ یہ مستاجر کیلئے لینے کا مقرر نہ اُس کے ظرف میں لیا پھر ان صورتوں میں اُس کا کوئی حصّہ اُس میں کسی نے ڈال دیا یا پڑ گیا تو جب تک اُس غیر مکلّف کی مِلک اُس مباح یا مملوک میں باقی ہے اور وہ غیر مکلّف ہے اور مِلک اُس سے منتقل نہ ہو گئی اُس وقت اُس غیر مکلّف یا بحال حاجت خواہ ایک روایت پر پانی میں مطلقاً اُس کے ماں باپ کے سوا کسی کو اُس میں تصرف حلال نہیں۔

سیزدہم: حدیث العبد والامة ردہ ش بان العبد لایملك وان ملك فیكون لمالكه لانه مالك اكسابه[1] اھ۔

سیزدہم: غلام اور باندی کے مسئلہ کو "ش" نے یہ کہہ کر رد کیا ہے کہ غلام پانی کا مالک نہیں بنے گا اور اگر مالک ہوگا بھی تو وہ پانی اُس کے مالک کی ملکیت میں آجائے گا کیونکہ اس کی تمام کمائی کا مالک اُس کا مالک ہی ہے۔ (ت)

اقول: (۲) ماکانوا لیذھلوا عن مثل ھذا وانما القصد ابانة الفرق بین الحر العاقل البالغ وبین الصبی والمعتوہ والرقیق فان الاول اذا ملأ ملك فاذا صب اباح وھؤلاء لایملكون الاباحة فلا یحل بصبھم ولیس المراد تأبید التحریم بل الی ان تلحق الاجازة ممن ھی له ففی الصبی اوالمعتوہ حتی یبلغ اویعقل فیجیز وفی (۳) الرقیق حتی یجیز المالك المكلف الحاضر حالا اومآلا اویبلغ الغائب اویبلغ الصبی اویفیق المعتوہ فیجیزوا۔

میں کہتا ہوں فقہاء سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی ہے کہ اتنی معمولی سی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی ہو، دراصل ان کا مقصود آزاد عاقل بالغ اور بچہ، بیوقوف اور غلام کے درمیان فرق کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ آزاد شخص جب پانی بھرے گا تو مالک ہوجائے گا اور جب بہائے گا تو مباح کردے گا، اور یہ لوگ اباحت کا حق نہیں رکھتے ہیں، لہٰذا پانی ان کے انڈیل دینے سے مباح نہ ہوگا اور مراد یہ نہیں کہ حرمت ہمیشہ رہے گی، بلکہ یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ اس کا مالک اجازت نہ دے دے، چنانچہ بچہ اور بیوقوف کی صورت میں بلوغ یا عقل کی درستی کے بعد اجازت دینے سے اس کا پینا حلال ہوجائے گا اور غلام کی صورت میں اس کے آقا کی اجازت سے جو مکلّف حاضر ہو

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

چاردہم: عدش من اشکالاته انه لویبین متی یحل الشرب منه[1] اھ۔(۱)واشرت الی جوابه بقولی مابقی فیه ذلك الماء لان المنع لاجله فاذا ذھب ذھب۔

پانزدہم: قال وھی ثم فرق بین الحوض الجاری اومافی حکمه وبین غیرہ[2] اھ۔

اقول:(۲)تعبیرھم بالحوض(۳)ظاھر فی رکودہ فان الجاری یسمی نھرا لاحوضا(۴)والاطلاق یشمل الصغیر والکبیر وھو الوجه فان الماء الجاری یذھب ذلك الماء یقینا فیزول السبب ولاکذلك الراکد۔

شانزدہم: قال وینبغی ان یعتبر غلبة الظن بانه لم یبق مما اریق فیه شیئ منه بسبب الجریان اوالنزح و الا یلزم ھجر الحوض وعدم الانتفاع به اصلا[3] اھ۔

فی الحال یا فی المآل، یا غائب پہنچ جائے یا بچہ بالغ ہوجائے یا بیوقوف عاقل ہوجائے، اور وہ اجازت دے دیں۔(ت)

چہاردہم: "ش" نے اس پر یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ انہوں نے یہ بیان نہیں کیا کہ اس کا پینا کب حلال ہوگا اھ۔ میں نے اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جب تک اس میں یہ پانی باقی ہے کیونکہ حرمت اسی کی وجہ سے ہے جب یہ ختم ہوجائےگا تو حرمت بھی ختم ہوجائے گی۔(ت)

پندرھواں، کیا حوض جاری اور جو اس کے حکم میں ہے اس میں اور دوسرے پانیوں میں اس سلسلہ میں فرق ہے؟(ت)

میں کہتا ہوں فقہاء کا حوض سے تعبیر کرنا اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کی مراد ٹھہرا ہوا پانی ہے کیونکہ جاری پانی کو نہر کہا جاتا ہے حوض نہیں کہتے ہیں اور اطلاق چھوٹے بڑے دونوں کو شامل ہے اور یہی معقول وجہ ہے کیونکہ جاری پانی اِس پانی کو جو پھینکا گیا ہے بہالے جائے گا، تو سببِ حُرمت زائل ہوجائے گا اور ٹھہرے ہوئے پانی کی یہ صورت نہیں۔(ت)

سولھواں: فرمایا غلبہ ظن کا اعتبار بھی کیا جانا چاہئے یعنی یہ کہ پانی کے جاری رہنے یا اُس میں سے پانی کے نکالے جانے کے باعث جو پانی کہ اس میں ڈالا گیا تھا اُس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہا، ورنہ تو پھر حوض کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہنا پڑے گا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

[3] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

اقول: (۱) لاینبغی الشك فی الجواز بعد النزح لما سیاتی انما الشأن فی جواز النزح (۲) وکیف یحل مع ان فیه اضاعة ملك الصبی ان صب فی الارض اولانتفاع به ان سقی به نحو زرع اوبستان وکذلك الاجراء وان ابیح ذلك الاٰن فلم لایباح الشرب والاستعمال من رأس اذلیس فیه فوق هذا باس نعم (۳) ان جری بمطر اوسیل فذلك حل من دون اثم۔

میں کہتا ہوں، جب اس حوض کا پانی نکل جائے تو پھر جواز میں کوئی شک نہیں لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ آیا اُس تمام پانی کا نکال دینا جائز ہے؟ اس میں اشکال یہ ہے کہ نکال کر اگریوں ہی بہا دیا جائے تو بچہ کا مال ضائع ہو جائے گا اور کسی باغ یا کھیت وغیرہ کو لگا دیا جائے تو اُس سے نفع حاصل کرنا لازم آئے گا، اسی طرح جاری کرکے بہا دینا بھی درست نہیں اور اگر اس سے یہ تمام کام کرنا جائز ہیں تو شروع ہی سے اس کا پینا اور اس کو استعمال کرنا کیوں جائز نہیں، اُس میں اس سے زیادہ کیا حرج تھا؟ ہاں یہ صورت ہو سکتی ہے کہ بارش یا سیلاب کی وجہ سے حوض کا پانی بہہ نکلا تو وہ بلاحرج حلال ہو جائے گا۔ (ت)

ہفدہم: قال ویمکن ان یعتبر بالنجاسة فیحل الشرب من نحو البئر بالنزح ومن غیرها بالجریان بحیث لوکان نجاسة لحکم بطهارتها فلیتامل[1] اھ۔

سترھواں: فرمایا یہ ممکن ہے کہ نجاست کا اعتبار کیا جائے، تو کنویں سے پانی نکال کر پینا جائز ہوگا، اور کنویں کے علاوہ دوسری چیزوں سے اُس پانی کے جاری ہونے کی وجہ سے پینا جائز ہو جائے گا، گویا اگر اس میں نجاست بھی ہوتی تو اس کی طہارت کا حکم دیا جاتا، فلیتامل اھ۔ (ت)

اقول: (۴) عرفت مافیه (۵) والنزح فی النجاسة معدول به عن سنن القیاس فکیف یعتبر به وکأنه رحمه الله تعالٰی الٰی هذه الابحاث اشار بقوله فلیتأمل۔

میں کہتا ہوں، اس پر جو اعتراض ہے وہ معلوم ہو چکا ہے، اور کل پانی کا نجاست کی صورت میں نکالنا برخلاف قیاس ہے تو اس پر آگے قیاس کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور غالبًا انہوں نے ان ابحاث کی طرف فلیتأمل سے اشارہ کیا ہے (ت)

ہیجدہم: (۶) سب سے زیادہ اہم اس کا علاج ہے کہ یہ پانی قابل استعمال کیونکر ہو سید طحطاوی نے تو اتنا فرمایا کہ اس میں حرج عظیم ہے سید شامی نے جو علاج بتائے دفع اثم کو کافی نہیں ہوتا،

[1] ردالمحتار فصل فی الشرب مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۱۲

واشار سیدی العارف باللہ عبدالغنی النابلسی قدس سرہ فی الحدیقۃ الی ان تفریجہ باذن الولی حیث قال فی النوع العشرین من اٰفات اللسان بعد مانقل المسألۃ عن الاشباہ وعللھا بما قدمنا مانصہ وظاھرہ الا ان یاذن الولی قال ونظیرہ عدم حل الشرب من کیزان الصبیان الاباذن الولی وکذلك فی اکل مامعھم اذا اعطوہ لاحد[1] اھ۔فلاوجہ لصحتہ ولا باذن الولی وھذا من الثالث و وجہ ھذا السھو منہ رحمہ اللہ تعالٰی قول الماتن فی الطریقۃ المحمدیۃ حیث ذکر السؤال المنھی عنہ

اقول: رحم اللہ سیدی ورحمنا بہ(۱)انما الولایۃ نظریۃ ولیس للولی اتلاف مالہ ولا ان یاذن بہ غیرہ(۲)کیف وقد تقرر ان التصرفات ثلاثۃ نفع محض کقبول ھبۃ فیستبدبہ الصبی العاقل ودائر بین النفع والضرر کالبیع والشراء فیحتاج الی اذن الولی وضرر محض کالطلاق والعتاق والھبۃ ثم(۳)قال(حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال بل تعم الاستخدام خصوصا اذا کان صبیا اومملوکا للغیر۔(۴)اماصبی نفسہ

عارف باللہ سید عبدالغنی نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا حل یہ ہے کہ اگر ولی اجازت دے تو جائز ہے یہ بات انہوں نے آفات اللسان کی بیسویں نوع میں اس مسئلہ کو اشباہ سے نقل کرنے اور اس کو علّت بیان کرنے کے بعد کہی ہے جس کی عبارت ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ "مگر یہ کہ ولی اجازت دے دے" اور اس کی مثال یہ ہے کہ بچوں کے کوزوں سے پانی پینا ولی کی اجازت ہی سے جائز ہے،اور اسی طرح دوسری کھانے والی اشیاء کا حال ہے بچّے جب وہ کسی کو دیں۔(ت)

میں کہتا ہوں اللہ عبدالغنی پر رحم کرے اور ہم پر بھی ولی کی ولایت صرف نظری(بچہ کی بھلائی کیلئے)ہے ولی بچہ کا مال تلف نہیں کرسکتا ہے اور نہ دوسروں کو دے سکتا ہے،یہ بات طے شدہ ہے کہ تصرفات تین قسم کے ہیں نفع محض جیسے بچّہ کا ہبہ کا قبول کرنا،عاقل بچہ بذاتِ خود ہبہ قبول کرسکتا ہے اور ایک وہ جس میں نفع کا بھی احتمال ہے اور نقصان کا بھی۔جیسے خرید وفروخت اس میں ولی کی اجازت ضروری ہوگی اور سراسر نقصان والی بات،جیسے طلاق،آزاد کرنا اور ہبہ کرنا،تو اس کی صحت کی کوئی صورت نہیں،ولی کی اجازت سے بھی نہیں،اور یہ تیسری قسم ہی میں شامل ہے،اُن کو یہ سہو اس لئے لاحق ہوا کہ ماتن نے طریقہ محمدیہ میں منہی عنہ کے سوال کا ذکر کیا ہے۔پھر یہ لفظ کہے ہیں"حرمۃ السؤال لاتقتصر علی المال الخ سوال جو بے ضرورت شرعیہ حرام ہے یہ صرف مال

[1] حدیقہ ندیہ النواع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۹

فیجوز)للاب والام والجد والجدة(استخدامه ان کان)المستخدم (فقیرا)لاقدرة له علی شراء خادم اواستئجارہ(اواراد تھزیبه وتأدیبه بخلاف عـه[1] استخدام مملوکه واجیرہ(۱) وزوجته فی مصالح البیت وتلمیذہ)فی تعلیم قراٰن اوعلم اوصنعة(باذنه)یعنی برضاہ(ان کان بالغا اوباذن ولیه ان کان صبیا)فان الصبی محجور علیه من التصرف فی ماله فی منافع نفسه الا باذن الولی[2] اھ۔ملتقطا.مزیدا من شرحة رحمه الله تعالٰی(۲)فالاذن الذی ذکرہ الماتن فی استخدامه عداہ الی ماله وشتان ماھما فان فی الاول نفعه من تأدیبه وتھذیبه مع ضرر استعماله فکان من القسم الثانی فجاز باذن الولی بخلاف الثالث(۳)والذی افاد من حل الشرب من کوز الصبی واکل مامعه باذن الولی۔ (ت)	مانگنے پر ہی موقوف نہیں بلالکہ اجنبی سے کسی خدمت کا کہنا بھی حرام سوال میں داخل ہے خصوصًا دوسرے کے نابالغ بچے یا غلام سے۔اگر کسی کا اپنا بچہ ہے تو باپ،ماں،دادا اور دادی کیلئے (اس سے خدمت لینا جائز ہے،اگر)خدمت لینے والا (فقیر ہو) خادم نہ خرید سکا ہو یا کسی کو ملازم نہ رکھ سکتا ہو (یا بچہ کی تہذیب وتربیت کا ارادہ ہو مگر اس شرط میں غلام،مزدور،بیوی سے گھر کا کام کاج کرانا شامل نہیں کہ ان سے بغیر احتیاج کے گھر کا کام لینا جائز ہے اور شاگرد سے خدمت لینا درست ہے مثلًا طالبعلم سے قرآن سکھانے یا کوئی علم سکھانے یا کسی حرفت کے سکھانے کا کام لیا جائے (اس کی مرضی سے،اگر وہ بالغ ہے،ورنہ اس کے ولی کی رضا سے اگر وہ بچّہ ہے) کیونکہ بچہ اپنی منفعت کیلئے بھی اپنے مال میں ولی کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا ہے اھ ملتقطا ہے اور شرح سے اضافہ ہے تو وہ اجازت جس کا ذکر ماتن نے کیا ہے اس کے استخدام ہیں،تو شارح نے اس کو مال تک بڑھادیا ہے اور دونوں میں بہت فرق ہے،کیونکہ پہلی صورت میں اس کا نفع ہے کہ اس کی تادیب وتہذیب ہے جبکہ اُس سے کام کرانے میں ضرر بھی ہے،تو یہ دوسری قسم میں داخل ہوا،اس لئے ولی کی اجازت سے جائز ہوگا،جبکہ تیسرا ایسا نہیں ہے،اور جس کا انہوں نے فائدہ دیا ہے وہ بچہ کے کُوزہ سے پانی پینے کا جواز ہے یا جو چیز بچّہ کے پاس ہے اس کے کھانے کا جواز ہے ولی کی اجازت سے۔(ت)

عـه: ناظرًا الی قوله اذا کان صبیا اومملوکا للغیر ۱۲ منه غفرله۔(م)	اس کے قول اذا کان صبیا او مملوکا للغیر کی طرف نظر کرتے ہوئے۔(ت)

[1] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۷

[2] حدیقہ ندیہ النوع العشرون من افات اللسان نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۶۸

فاقول:(۱)محله اذا کان الماء والطعام للولی اعطاهما الصغیر علی وجه الاباحة دون الهبة فحینئذ یکون للولی ان یاذن لمن شاء فبقائهما علی ملکه بخلاف ما اذا کان الشیئ مملوکا للصغیر فلا معنی اذًا لاذن الولی باستهلاکه من دون عوض وقد تقدمت مسألة الذخیرة والمنیة ومعراج الدرایة فی ماء جاء به الصبی من الوادی لایجوز لابویه الشرب منه الا فقیرین[1]۔	تو **میں کہتا ہوں** اگر پانی اور کھانا ولی کا ہے اور بطورِ اباحت (نہ بطور ہبہ) اس نے بچہ کو دے رکھا ہے تو ایسی صورت میں ولی کسی کو بھی اجازت دے سکتا ہے، کیونکہ یہ دو چیزیں اب بھی ولی کی ملکیت میں باقی ہیں یہ اُس صورت سے مختلف ہے جبکہ یہ اشیاء بچہ کی ملکیت میں ہوں تو ایسی صورت میں ولی کی اجازت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں ولی کی اجازت سے صغیر کے مال کو بغیر عوض ضائع کرنا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور ذخیرہ، منیہ اور معراج الدرایہ کا مسئلہ گزر چکا ہے کہ بچّہ وادی سے جو پانی لائے اس کو والدین کے لئے پینا جائز نہیں سوائے اس صورت کے کہ وہ فقیر ہوں۔(ت)

غرض مسئلہ مشکل ہے اور اس میں ضرور حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص ہے۔

وانا اقول: **وباللہ التوفیق** پانی کی مِلک صبی ہوا نجس نہیں کہ اُس کے گرنے سے اور پانی ناپاک ہوجائے حرمت اس وجہ سے ہے کہ مباح ومحظور مختلط ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ مباح استعمال کیا جائے اور اس میں کوئی حصہ محظور کا نہ آنے پائے تو بلاشبہ جواز ہوگا اور ہم نے رحب الساحہ جواب سوال سوم میں بیان کیا ہے کہ مشائخ عراق کے نزدیک حوض کبیر میں نجاست غیر مرئیہ کے موقع وقوع سے وضو جائز نہیں کہ پانی ٹھہرا ہوا ہے منتقل نہ ہوگی اور مشائخ بلخ وبخارا اور ماوراء النہر کے نزدیک سب جگہ سے جائز کہ پانی بالطبع سیال ہے ہواؤں وغیرہا کی تحریک سے اُسے ایک جگہ نہ رہنے دے گا تو جہاں کہیں وضو کیا جائے وہاں نجاست ہونے کا یقین نہیں اگرچہ خاص موقع وقوع سے ہو تو پانی کہ بالیقین طاہر تھا شک سے نجس نہ ہوگا اب یہاں اگر قول عراقیاں لیا جائے جب تو خاص اُسی جگہ کا پانی ممنوع الاستعمال ہوگا جہاں نابالغ کی مِلک کا پانی گرا ہے باقی اپنی اباحت پر باقی ہے **لما علمت انه لاتعدیة فیه فکان کغیر مرئیة فی حوض کبیر** (جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس میں تجاوز نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا حوضِ کبیر میں نجاست غیر مرئیہ ہو)(ت) اور اگر قول جمہور لیا جائے اور وہی صحیح ہے تو بوجہ احتمال انتقال اختلاط مِلک صبی کا یقین کسی موضع معین میں نہیں بلاکہ موضع مجہول ومبہم میں ہے اور ایسے[۲] یقین پر جب اُس شے کے بقاوزوال میں شک طاری ہو یقین زائل اور حکم اصل حاصل ہوتا ہے جیسے دائین[۳] چلانے میں بیل ضرور پیشاب کرتے اور اناج کا ایک حصہ یقیناً ناپاک ہوتا ہے مگر متعین نہ رہا

[1] ردالمحتار بالمعنی باب الشرب البابی مصر ۵/ ۳۱۲

تو بعد تقسیم یا اُس سے کُچھ ہبہ یا صدقہ کرنے سے سب پاک ہوجائے گا کہ ہر ایک کہے گا ممکن کہ ناپاک دانے دوسرے حصے میں رہے یا گئے ہوں، یوں ہی (۱) چادر پر ناپاکی کی یقین ہے اور جگہ معلوم نہیں یا یاد نہ رہی اور تحری کسی طرف نہیں پڑی کہیں سے پاک کرلی جائے پاک ہوجائے گی کہ اب اس متیقن مبہم کی بقامیں شک ہوگیا اور سب (۲) سے زائد وہ مسئلہ ہے کہ محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اتنا معلوم ہے کہ اس میں ایک ذمی ہے مگر اُسے پہچانتے نہیں اُن کفار کا قتل حرام ہے ہاں اگر اُن میں سے بعض نکل جائیں یا کوئی قتل کردے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہوگیا کہ وہ یقین مجہول اس شک سے زائل ہوگیا۔

وقد حققه العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة فافاد واجاد* علیه رحمة الجواد* فراجعه فانه من اهم مایستفاد* ویکفینا منه هنا قوله تنجس طرف من الثوب فنسیه فغسل طرفا منه بتحر او بلا تحر طهر لان بغسل بعضه مع ان الاصل طهارة الثوب وقع الشك فی قیام النجاسة لاحتمال کون المغسول محلها فلا یقضی بالنجاسة بالشك کذا اورده الاسبیجابی فی شرح الجامع الکبیر قال وسمعت الشیخ الامام تاج الدین احمد بن عبدالعزیز بقوله ویقیسه علی مسألة فی السیر الکبیر هی اذا فتحنا حصنا وفیهم ذمی لایعرف لایجوز قتلهم لقیام المانع بیقین فلوقتل البعض اواخرج حل قتل الباقی للشك فی قیام المحرم کذا هنا۔[1]	اس کی تحقیق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں بہت اعلٰی اور مفید طریق پر کی ہے جس کو دیکھنا ہو وہاں ملاحظہ کرے، یہاں اس کی صرف یہ عبارت نقل کرنا کافی ہوگی "اگر کپڑے کا ایک کنارہ ناپاک ہوگیا مگر بھُول گیا کہ کون سا کنارہ ہے تو تحرّی کرکے یا بلاتحرّی ایک کنارہ دھولیا تو کپڑا پاک ہوجائے گا" کیونکہ کپڑے میں اصل طہارت ہے اور جب ایک کنارہ دھولیا تو اب نجاست کے ہونے میں شک ہوگیا، کیونکہ جو حصہ دھویا گیا ہے اس میں امکان ہے کہ وہی ہو جو نجس تھا، تو شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اسبیجابی نے شرح جامع کبیر میں ایسا ہی لکھا ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ تاج الدین احمد بن عبدالعزیز کو فرماتے ہوئے سنا وہ اس کو سیر کبیر کے اس مسئلہ پر قیاس کرتے تھے کہ اگر ہم نے ایک قلعہ فتح کیا اور اس میں ایک ذمی ہے مگر معلوم نہیں کہ کون ہے، تو اس قلعہ کے لوگوں کا قتل جائز نہیں، کیونکہ یقین کرنے کا مانع موجود ہے، اور اگر بعض کو قتل کردیا گیا یا نکال دیا گیا تو باقی کو قتل کرنا جائز ہے کیونکہ محرِّم کی موجودگی میں شک ہے۔(ت)

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

جب یہ قاعدہ نفیسہ معلوم ہولیا یہاں بھی اُس کا اجرا کریں جتنا (ا) پانی اُس نابالغ نے ڈالا ہے اسی قدر یا اُس سے زائد اُس حوض یا کنویں سے عہ۱ نکال کر اُس نابالغ عہ۲ کو دے دیں یہ دینا یقینا جائز ہوگا کہ اگر اِس میں مِلک صبی ہے تو صبی ہی کے پاس جاتی ہے بخلاف بہادینے یا ڈول کھینچ کر پھینک دینے کے کہ وہ مِلک صبی کا ضائع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں اب کہ اُس قدر یا زائد پانی اُس صبی کو پہنچ گیا اُس کے ڈالے ہوئے پانی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا تو وہ یقین کہ موضع مجهول کیلئے تھا زائل ہوگیا اور حوض وچاہ کا باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا۔

ثم اقول: اس پر واضح دلیل مثلیات۲ مشترکہ مثلاً گیہوں وغیرہ میں وارث کبیر کا اپنا حصہ وارث نابالغ کے حصے سے جدا کرلینے کا جواز ہے اور اس کی یہ تقسیم جائز ومقبول رہے گی اگر نابالغ کا حصہ اُس کیلئے سلامت رہے تلف نہ ہوجائے جامع الفصولین میں فتاوٰی اور جامع الصغار میں ذخیرہ سے ہے:

کیلی او وزنی بین حاضر وغائب اوبین بالغ وصبی اخذ الحاضر اوالبالغ نصیبہ فانما تنفذ قسمتہ بلاخصم لوسلم نصیب الغائب والصبی حتی لوھلك مابقی قبل ان یصل الی الغائب اوالصبی ھلك علیھما[1]۔	کوئی مکیل یا موزوں شے حاضر وغائب کے درمیان یا بالغ اور بچّہ کے درمیان مشترک ہے تو حاضر یا بالغ نے اپنا حصّہ لے لیا اور اس کی تقسیم بلاخصم نافذ ہوجائے گی بشرطیکہ غائب اور بچہ کا حصہ باقی رہا اور اگر غائب اور بچہ تک پہنچنے سے قبل ہی وہ حصہ ہلاک ہوگیا تو ان کا حصہ ہی ہلاک ہوگا۔ (ت)

عہ۱: اگر کہیے مائے مباح سے جولے گا مالک ہوگا تو یہ پانی کہ کوئی شخص کنویں یا مباح حوض سے بھر کر نابالغ کو دے گا اپنی ملک دے گا اور ایک شے پر دو مِلکیں جمع نہیں ہوسکتیں تو یہ پانی مِلک صبی نہ تھا پھر اس کے نکلنے سے مِلک صبی کا نکل جانا کیونکر محتمل ہوا۔

اقول: جبکہ اس پانی میں مِلک صبی مخلوط ہے تو اب مائے مباح نہیں مائے محظور ہے بھرنے والا اس کا مالک نہ ہوگا جو بھرا محتمل ہے کہ وہی مائے مملوک صبی ہو یا مائے مباح کا حصہ اول پر بھرنے والا اُس کا مالک نہیں ہوسکتا ہے اور دوم ہے تو ہوگا اور مِلک شک واحتمال سے ثابت نہیں ہوسکتی لہٰذا وہ احتمال قائم رہا کہ یہ وہی پانی ہے جو ملک صبی تھا ۱۲منہ غفرلہ (م)

عہ۲: **اقول**: بلاکہ اگر خود نابالغ نے دوبارہ اُتنا یا اُس سے زائد پانی اُس میں سے بھر لیا تو اب بھی رفع مانع ہوجانا چاہئے کہ اگرچہ نابالغ کیلئے پانی ممنوع نہیں جیساکہ تنبیہ پنجم میں گزرا اور وہ جو دوبارہ بھرے گا ضرور اس کا مالک ہوگا مگر یہ اُس احتمال کا مانع نہیں کہ اس بار وہی پانی آیا جو اس نے پہلے ڈال دیا تھا اور یہی احتمال رفع منع کو بس ہے **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲منہ غفرلہ (م)

---

[1] جامع الصغار مع جامع الفصولین مسائل القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۰

ظاہر ہے کہ یہاں بھی مِلک صبی ایسی ہی مختلط تھی کہ جُدا کرنا ممکن نہ تھا اور بالغ کو اس میں تصرف ناروا تھا بقدر حصہ صبی اُس میں سے الگ کردینا حصہ صبی کا جدا ہوجانا اور بالغ کے لئے جواز تصرف کا سبب ہوا۔

اقول:(ا) ولاشك ان الماء مثلی بمعنی ان اجزاءہ لاتتفاوت وبہ جزم کثیرون کما فی الخیریۃ من احیاء الموات فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لوصب ماء رجل کان فی الحب یقال لہ املأ الماء فان صاحب الحب مالك للماء وھو من ذوات الامثال فیضمن مثلہ [1] اھ وان کان قیمیا لانہ لایکال ولایوزن کما فی الخیریۃ من البیوع عن جامع الفصولین عن فوائد صاحب المحیط وفتاوٰی رشید الدین الماء قیمی عند ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما وفیہ عن مختلفات القاضی ابی القاسم العامری عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ الماء لایکال ولا یوزن قال الطحاوی معناہ لایباع بعضہ ببعض وعن محمد رحمہ اللہ تعالٰی الماء مکیل [2] اھ وبالجملۃ لاشك انہ یقبل الافراز کالحب بل ابلغ فربما تتفاوت قلیلا حبات طعام واحد بخلاف قطرات ماء واحد۔	اقول: اور اس میں شک نہیں کہ پانی مثلی ہے یعنی اس لئے کہ اُس کے اجزاء میں تفاوت نہیں، اور بہت سے مشائخ نے اسی پر جزم کیا ہے، جیسا کہ خیریہ (احیاء الموات) اور ولوالجیہ میں ہے اور بہت سی کتب میں ہے، اگر کسی شخص نے مٹکے کا پانی گرادیا تو اس سے کہا جائے گا کہ مٹکا بھرے کیونکہ مٹکے کا مالک پانی کا بھی مالک تھا، اور پانی مثلی اشیاء میں سے ہے تو وہ اس کے مثل کا ضامن ہوگا اھ اگرچہ وہ قیمت والی چیز ہے، اس لئے کہ وہ نہ مکیل ہے اور نہ ہی موزون ہے جیسا کہ خیریہ کی بیوع میں جامع الفصولین سے، فوائد صاحب المحیط سے اور فتاوٰی رشید الدین میں ہے کہ پانی ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک قیمت والی چیز ہے اور اس میں مختلفات ابی القاسم العامری سے ابو یوسف سے ابو حنیفہ سے ہے کہ پانی نہ کیلی ہے نہ وزنی ہے۔ طحاوی نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ پانی کا بعض، بعض سے بیچا نہیں جاتا ہے اور محمد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ پانی کیلی ہے اھ خلاصہ یہ کہ پانی کو الگ کیا جاسکتا ہے جیسے مٹکے میں، بلکہ زیادہ ہے کیونکہ بسا اوقات کھانے کی ایک ہی چیز کے دانوں میں فرق ہوتا ہے لیکن پانی کے قطرات میں نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریۃ فصل فی الشرب بیروت ۲/ ۱۸۶

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب البیوع بیروت ۱/ ۲۲۸

ثم اقول: یہ طریقہ اثم سے بچنے کو ہے اور اگر بغیر اس کے کوئی شخص نادانستہ یا دیدہ ودانستہ براہِ جہالت خواہ بے پرواہی احکامِ شریعت اُس میں سے اُتنا پانی یا اُس سے زاید بھر کرلے گیا تو اگرچہ وہ گنہگار ہو باقی پانی جائز الاستعمال ہوگیا کہ اُتنا نکل جانے سے حوض وچاہ میں اُس کی بقا پر یقین نہ رہا کما قال محمد لایجوز قتلھم فلوقتل البعض حل قتل الباقی [1] (جیسا کہ امام محمد فرماتے ہیں ان کا قتل جائز نہیں اگر بعض قتل ہوجائیں تو باقی کا قتل جائز ہوگا۔ت)

تنبیہ اقول: یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ جریان[1] نہ ضرور نہ کافی اگر صبی[2] کا پانی اتنا قلیل تھا کہ چھلکنے میں نکل سکتا ہے تو جریان کی حاجت نہیں۔ اور اگر اتنا کثیر تھا کہ جتنے خروج پر جریان صادق آتا ہے اس میں نہ نکلے گا تو یہ جریان کافی نہیں جب تک اُس قدر نکل نہ جائے۔

اقول: (۳) وبه فارق النجاسة لان زوال وصفها وحصول ضدها بالجریان لمعنی فیه وهوانه لایقبل النجاسة بحکم النص وما قام به طهر بعضه بعضا ولایلزم منه حل الانتفاع بملك الصبی فلا بد من خروج قدر المصبوب، هذا ماظهرلی وقد انکشفت به الغمة علی احسن وجه مطلوب، والحمد لله سبحنه کاشف الکروب، والصلوٰة والسلام علی اکرم محبوب، وعلی اٰله وصحبه هداة القلوب، اٰمین۔	**میں کہتا ہوں** اور اسی وجہ سے نجاست سے دور ہوگیا، کیونکہ نجاست کے وصف کا زائل ہونا اور جاری ہونے کی وجہ سے اسکی ضد کا حاصل ہونا ایک معنی سے ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ وصف یعنی جریان نجاست کو قبول نہیں کرتا ہے، کیونکہ نص میں یہی ہے، اور جو اس کے ساتھ قائم ہے اس کے بعض نے بعض کو پاک کردیا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ بچہ کی ملک سے نفع حاصل کرنا جائز ہو، تو جتنا بہا ہے اُس کی مقدار میں نکلنا ضروری ہے، یہ بحث وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی، اور اس سے عمدہ طور پر پریشانیاں دُور ہوگئیں۔ اللہ تعالٰی کیلئے حمد ہے جو مصیبتوں کو دُور کرنے والا ہے اور اس کے محبوب ترین اور اس کی آل وصحابہ پر صلوٰۃ وسلام۔ آمین (ت)

(۳) نمبر ۳۲ سے یہاں تک نابالغ کے پانی کا بیان جس تفصیل وتحقیق سے ہوا کتابوں میں اُس چند سطروں سے زائد نہ ملے گا۔ ممکن ہے کہ اسے رسالہ مستقلہ کیجئے اور عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی [۱۳۳۴ھ] نام رکھئے، وللہ الحمد۔ رسالہ ضمنیہ عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی تمام ہوا۔

(۶۶) جس[۴] پانی میں مائے مستعمل کے واضح قطرے گرے خصوصًا جبکہ اس کی دھار پہنچی جب تک مطہر پانی سے کم رہے ہاں بوجہ خلاف بچنا مناسب تر ہے جبکہ وہ چھینٹیں وضو وغسل کرتے ہیں نہ پڑی ہوں۔

وذلك انه روی الافساد مطلقا وان قل الاماترشش فی الاناء عند التطهر فهو عفو	یہ اس لئے کہ مستعمل پانی کے بارے میں ایک روایت ہے کہ مستعمل مطلقًا خواہ قلیل ہو، پانی کو فاسد کردیتا ہے

[1] غنیۃ المستملی فروع من النجاسۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۴

دفعاً للحرج ولا عبرۃ لمن اطلق وقد نص فی البدائع انہ فاسد [1]۔

وروی الافساد بالکثیر ثم الکثرۃ باستبانۃ مواقع القطر فی الماء الطھورام ان یسیل فیہ سیلاناً قولان ففی الجامع الصغیر للامام قاضی خان انتضاح الغسالۃ فی الماء اذا قل لایفسد الماء یروی ذلك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ولان فیہ ضرورۃ فیعفی القلیل وتکلموا فی القلیل عن محمد وما کان مثل رؤس الابر فھو قلیل وعن الکرخی ان کان یستبین مواقع القطر فی الماء فکثیر وان کان لایستبین کالطل فقلیل [2] اھ نقلہ فی زھر الروض وفی الخلاصۃ جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شیء فی انائہ لم یفسد علیہ الماء اما اذا کان یسیل فیہ سیلاناً افسدہ وکذا حوض الحمام علی ھذا وعلی قول محمد لایفسدہ مالم یغلب علیہ یعنی لایخرجہ من الطھوریۃ [3] اھ ثم عللہ بعضھم بان الماء مفروض راکدا قلیلا فلا ینتقل الماء المستعمل الواقع فیہ من موقعہ الیہ اشار فی وجیز الکردری اذیقول التوضئ من سردا بہ لایجوز لانہ

مگر طہارت کے وقت جو چھینٹے پانی والے برتن میں پڑیں وہ معاف ہیں تاکہ حرج لازم نہ آئے، ان چھینٹوں کے بارے میں اطلاق کا اعتبار نہیں ہوگا حالانکہ بدائع میں اس کو فاسد کہا ہے۔

اور ایک روایت میں کثیر کو فاسد کرنے والا کہا گیا، پھر کثیر کی تعریف میں دو قول ہیں، یا تو پاک پانی میں وہ نمایاں طور پر معلوم ہو یا مستعمل پاک پانی میں بہہ کر داخل ہو، پھر امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ دھوون اگر کم مقدار میں پانی میں گرا تو پانی کو فاسد نہیں کرے گا یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے نیز ضرورت کی بنا پر قلیل معاف ہوگا۔ اب انہوں نے قلیل کے بارے میں بحث کی ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ اگر مستعمل پانی کے چھینٹے سوئی کے سوراخ کے برابر ہوں تو قلیل ہے اور امام کرخی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر پانی میں گرنے کی جگہ نمایاں معلوم ہو تو کثیر ہے ورنہ قلیل ہے جیسے شبنم کے قطرے، اس مضمون کو زہر الروض میں نقل کیا ہے، اور خلاصہ میں ہے کہ اگر اجنبی شخص سے غسل کرتے وقت اپنے برتن میں چھینٹے پڑ گئے تو اس سے پانی نجس نہ ہوگا۔ اگر غسالہ بہہ کر برتن میں پڑا تو پھر برتن کا پانی ناپاک ہوجائے گا۔ حمام کے حوض کا بھی یہ حکم ہے۔ اور امام محمد کے قول کے مطابق اس صورت میں ناپاک نہ ہوگا تاوقتیکہ مغلوب نہ ہوجائے

---

[1] بدائع الصنائع طہارۃ حقیقیۃ سعید کمپنی کراچی ۶۸/۱

[2] جامع صغیر للقاضی خان

[3] خلاصۃ الفتاوی مع الہندیۃ الماء المستعمل نولکشور لکھنؤ ۸/۱

یتکر الاستعمال[1] اھ	یعنی اس کو طہوریت سے نہیں نکالے گا اھ

پھر بعض نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو پانی فرض کیا گیا ہے وہ ٹھہرا ہوا قلیل ہے تو مستعمل پانی جو اس میں گرا ہے اپنے گرنے کی جگہ سے اس کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ امام کُردری کی وجیز میں اسی صورت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب انہوں نے یہ کہا کہ چھوٹے حوض میں وضو کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ پانی دوبارہ استعمال میں آتا ہے اھ۔(ت)

اقول: ویلزمھم التجویز اذا حرك الماء عند کل غرفة او اغترف کل مرة من غیر موقع الغسالة واٰخرون بان الماء المستعمل من جنس المطلق فلا یستهلك فیه فیؤثر فی کله لقلته بخلاف اللبن اوبول الشاة علی قول محمد بطھارته ھکذا اختلفوا والصحیح المعتمد فی المذھب الاعتبار بالغلبة فلا یخرج عن الطھوریة مادام اکثر من المستعمل ھو الذی اعتمدہ الامة وصححه الائمة۔	**میں کہتا ہوں** ان کو یہ قول کرنا لازم ہوگا کہ اگر ہر چُلو پر پانی کو حرکت دے یا ہر دفع غسالہ کی بجائے دوسری جگہ سے چُلو لے تو وضو جائز ہونا چاہئے۔ بعض نے کہا کہ مستعمل پانی مطلق پانی کا ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس میں فنا نہیں ہوگا اور اس کے کل میں اثر کرے گا کیونکہ وہ کم ہے۔ بخلاف دودھ یا بکری کے پیشاب کے بقول امام محمد، کیونکہ وہ اس کی طہارت کے قائل ہیں اس طرح مستعمل پانی کے بارے میں یہ اختلاف ہے لیکن صحیح اور مذہب قابل اعتماد یہ ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار ہے لہٰذا جب تک مطلق پانی غالب اور زیادہ ہے تو مستعمل پانی کے ملنے سے ناپاک نہ ہوگا اور قابلِ طہارت رہے گا، یہی اُمت کا معمول اور ائمہ کرام کا صحیح کردہ مسلک ہے۔(ت)

یہ ۶۶ وہ پانی تھے جن میں شیئ غیر کا اصلاً خلط نہ تھا یا تھا تو آب غیر کا نہ غیر آب کا۔ اب وہ پانی ہیں جن میں غیر آب کا خلط ہے۔ (۶۷ و ۶۸) وہ پانی جس میں آبِ دہن یا آبِ بینی یعنی تھوک یا کھنکار یا ناک کی ریزش پڑ جائے اس سے وضوء جائز مگر مکروہ ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

الماء اذا اختلط بالمخاط اوبالبزاق جازبه التوضیٔ ویکرہ[2]۔	اگر پانی میں تھوک یا ناک کا پانی گرے تو اس سے وضو جائز ہے مگر مکروہ ہے۔(ت)

(۶۹) وہ پانی جس ۲ میں مٹی، ریتا، کیچڑ کسی قدر مل جائے جب تک اس کی روانی باقی ہو اعضا پر پانی کی

[1] فتاوٰی بزازیہ نوع فی الحیاض نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوز بہ التوضیٔ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

طرح بہے۔

(۷۰) یونہیں اہلے کا پانی اگرچہ کتنا ہی گدلا ہوا گرچہ رنگ کے ساتھ مزہ بھی بدلا ہوا گر ریتے مٹی کے سوا کچھ بھی بہا کر لایا ہو جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے۔

(۷۱) یوہیں وہ ندیاں جو برسات میں گدلی ہوجاتی ہیں۔ امام ملک العلما بدائع میں فرماتے ہیں:

لوتغیر الماء المطلق بالطین اوبالتراب یجوز التوضیٔ بہ[1]۔	اگر مطلق پانی کیچڑ یا مٹی سے تبدیل ہوگیا تو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لاباس بالوضوء بماء السیل مختلطا بالطین ان کانت رقۃ الماء غالبۃ فان کان الطین غالبا فلا[2]۔	سیلاب کا پانی جس میں کیچڑ کی آمیزش ہو اُس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ اس میں پانی کی رقت غالب ہو اور اگر کیچڑ غالب ہو تو جائز نہیں۔(ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

خصہ بالذکر لانہ یاتی بغثاء واشجار واوراق[3]۔	بطور خاص اس کو ذکر کیا کیونکہ سیلاب کے پانی میں میل کچیل، درخت اور پتّے وغیرہ بھی بہہ کر آتے ہیں۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

ماء السیل لورقیقا لیسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[4]۔	سیلاب کا پانی اگر اتنا رقیق ہو کہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

منیہ میں ہے:

یجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر فغیر احد اوصافہ کماء المد والماء الذی اختلط بہ الزعفران بشرط ان	اس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اس کے اوصاف میں سے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز الخ سکھر ۱/۶۵

[3] جوہرۃ نیرۃ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[4] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ نوع المستعمل الخ پشاور ۴/۱۰

یکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنہ اسم الماء وان یکون رقیقا بعد فحکمہ حکم الماء المطلق [1]۔	جس میں زعفران مل گئی ہو، بشرطیکہ اجزا کے اعتبار سے غلبہ پانی کو ہی ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو اور یہ کہ رقیق ہو، تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

المد السیل وانما خصہ بالذکر لانہ یجیئ بغثاء ونحوہ الا ان قولہ غیر احد اوصافہ وقد سبقہ الی ھذہ العبارۃ القدوری فی مختصرہ یفید ان الجواز مقید بما اذاغیر وصفا واحدا لاغیر وحینئذ لایحتاج الی ان یقول بشرط ان یکون الغلبۃ للماء من حیث الا جزاء ولم یزل عنہ اسم الماء وان یکون رقیقا بعدمع ان قولہ بشرط ان تکون الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء مغن عن الثانی کما ھو ظاھر لان المخالط المذکور اذا لم یغیر سوی وصف واحد لایکون بحیث یغلب الماء من حیث الاجزاء لیقع الاحتراز عنہ ویجعل شرطا [2] اھ **اقول: اولاً**(۱)سیاق الکلام ان شاء اللہ تعالٰی علی مقتضی التعبیر باحد وحسبك ان الزعفران یغیر اوصاف الماء الثلثۃ وکذا السیل ربما یتغیرلہ وصفان	"المد" سیلاب کو کہتے ہیں اور اس کو بطور خاص ذکر کرنا اس لئے ہے کیونکہ سیلاب کا پانی کوڑا کرکٹ بھی ساتھ لاتا ہے مگر یہ کہ ان کا قول "اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدل دیا" اور ان سے پہلے قدوری بھی اپنی مختصر میں یہ عبارت لاچکے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے جواز اس صورت سے مقید ہے کہ جب صرف ایک وصف بدل جائے اس وقت یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ "شرط یہ ہے کہ غلبہ پانی کو ہو اجزاء کے اعتبار سے" اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہو، اور یہ کہ رقیق ہو، باوجودیکہ ان کا قول بشرطیکہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو ہو، یہ دوسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لئے کہ ملنے والی مذکورہ شے پانی کا اگر صرف ایک ہی وصف بدلے تو وہ پانی کے اجزاء پر غالب نہ ہوگی تاکہ اس سے احتراز ہو اور اس کو شرط کیا جائے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** اوّل "احد" سے تعبیر کرنے پر کلام آگے آئے گا، اور پھر یہ دلیل کافی ہے کہ زعفران جو پانی کے تینوں اوصاف تبدیل کردیتی ہے، اور اسی طرح سیلاب کہ اس سے کبھی دو وصف بدل جاتے ہیں

[1] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ، لاہور ص ۶۳

[2] حلیہ

بل الکل **وثانیا**:(۱)الماء قد یخالطه شیئ لایخالفه الا فی وصف واحد فلا یغیر الا ایاہ وان زاد علی الماء اجزاء والوضوء به باطل وفاقا فلیس فی التعبیر باحد غنی عن شرط غلبة الماء من حیث الاجزاء کما ذهب الیه وهله رحمه الله تعالی **وثالثا** قد(۲)لایغلب الشیئ علی الماء اجزاء ویزیل اسمه عنه کما یاتی فی الزعفرانی والزاج والعفص والنبیذ فلا یغنی الشرط الاول عن الثانی ورابعا لایخفی ان(۳)الثانی مغن عن الثالث لان بزوال الرقة لایسمی ماء قال فی الفتح ماخالط جامدا فسلب رقته لیس بماء مقید بل لیس بماء اصلا کما یشیر الیه قول المصنف فی المختلط بالاشنان الا ان یغلب فیصیرکالسویق لزوال اسم الماء عنه [1] اھ فالعجب تعرضه بحکم الاغناء حیث لم یکن وترکه حیث کان ثم راجعت الغنیة فرأیته عکس فاصاب وافادان الثالث تفسیر قال واشتراط عدم زوال اسم الماء یغنی عن اشتراط الرقة فان الغلیظ قدزال عنه اسم الماء بل زوال الرقة یصلح ان یکون تفسیر الزوال اسم الماء [2]۔

اور کبھی تمام اوصاف بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔

دوم: پانی میں کبھی ایسی چیز مل جاتی ہے جو صرف ایک وصف میں اُس کے مخالف ہوتی ہے اور اسی ایک وصف کو بدلتی ہے خواہ اجزاء کے اعتبار سے وہ پانی سے زائد ہی ہو، ایسے پانی سے بالاتفاق وضو باطل ہے، لہٰذا "ایک وصف بدلنے" کا ذکر اس قید سے بے نیاز نہیں کرتا ہے کہ پانی کا اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، جیسا کہ وہلہ رحمہ اللہ نے اس کو ذکر کیا۔

سوم: بعض چیزیں اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب نہیں آتیں اور اس سے پانی کا نام سلب ہوجاتا ہے جیسے زعفران، پھٹکڑی، مازو اور نبیذ میں ہوتا ہے تو پہلی شرط دوسری سے بے نیاز نہیں کرے گی۔

چہارم: مخفی نہ رہے کہ دوسرا تیسرے سے بے نیاز کرنے والا ہے کیونکہ جب رقّت زائل ہوگئی تو اب اس کو پانی نہیں کہا جائے گا، فتح میں فرمایا پانی کسی جامد سے ملا اور اس کی رقت ختم ہوگئی تو یہ مقید پانی نہیں بلکہ سرے سے پانی ہی نہیں جیسے کہ مصنف نے مختلط بالاشنان میں اشارہ کیا ہے، مگر یہ کہ اتنا غالب ہوجائے کہ ستوؤں کی مثل بن جائے کہ اب اس پر پانی کا نام

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء سکھر ۱/ ۶۵

[2] غنیۃ المستملی المیاہ سہیل اکیڈمی، لاہور ص ۹۰

نہیں بولا جائے گا اھ تو تعجب اس پر ہے کہ جہاں اِغناء نہ تھا وہاں وہ اِغناء کا ذکر کر رہے ہیں اور جہاں تھا وہاں چھوڑ دیا ہے، پھر میں نے خود غنیہ کو دیکھا تو وہاں اُلٹ نکلا، تو انھوں نے مفید اور درست بات کہی کیونکہ وہ فرماتے ہیں تیسرا تفسیر ہے، اور پانی کا نام زائل نہ ہونے کی شرط رقت کی شرط لگانے سے بے نیاز کرتی ہے، کیونکہ گاڑھے سے پانی کا نام ختم ہوگیا، بلاالکہ زوالِ رقت میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ پانی کے نام کے زوال کی تفسیر بن سکے۔ (ت)

(۷۲) وہ پانی کہ کاہی کی کثرت سے جس کی بُو وغیرہ میں تغیر آگیا، جوہرۃ نیرۃ میں ہے:

لوتغیر الماء بالطحلب کان حکمه حکم الماء المطلق[1]۔	اگر پانی کاہی (پانی میں سبز دھاریاں ہوتی ہیں) سے متغیر ہوجائے تو اس کیلئے مطلق پانی کا حکم ہے۔ (ت)

(۷۳) کچی کنیاں کا پانی جس میں بھرا سڑ کر بدبو آجاتی بلاالکہ رنگ ومزہ سب متغیر ہوجاتا ہے۔

(۷۴) وہ تالاب جس میں سن گلائی گئی اور اس کے سبب اس کے تینوں وصف بدل گئے۔ فتاوٰی شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمر تاشی میں ہے:

سئل عن الوضوء والاغتسال بماء تغیر لونه وطعمه وریحه بحبله المعلق علیه لاخراج الماء منه فهل یجوز ام لا اجاب یجوز عند جمهور اصحابنا[2] اھ ملتقطا۔	اُن سے اُس پانی سے وضو اور غسل کی بابت دریافت کیا گیا جس کا رنگ، مزا اور خوشبو اُس رسّی کے باعث بدل گئے جس پر کہ اس رسّی کو لٹکایا گیا تھا، تاکہ اُس سے پانی نکالا جائے، تو کیا جائز ہے یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ ہمارے جمہور اصحاب کے نزدیک جائز ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

(۷۵) کُونڈے میں آٹے کا لگاؤ ہو اُس میں پانی رکھنے سے مزے وغیرہ میں تغیر آجاتا ہے اس پانی سے وضو روا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

قداغتسل صلی اللہ تعالٰی علیه وآلهٖ وسلم یوم الفتح من قصعة فیها اثر العجین رواه النسائی والماء بذلك یتغیر ولم یعتبر للمغلوبیة[3]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایسے پیالے میں وضو فرمایا جس میں گوندھے ہوئے آٹے کا اثر تھا اس کو نسائی نے روایت کیا، اس سے پانی میں تغیر آتا ہے اور مغلوبیت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہ فرمایا۔ (ت)

---

[1] جوہرۃ نیرۃ طہارت امدادیہ ملتان ۱/ ۱۴

[2] فتاوٰی غزی تمر تاشی

[3] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء سکھر ۱/ ۶۴

(۷۶) حوض کے کنارے درخت ہیں موسمِ خزاں میں پتّے کثرت سے گرے کہ حوض کا پانی دیکھنے میں سبز معلوم ہوتا ہے مگر ہاتھ میں لینے سے صاف نظر آتا ہے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

(۷۷) پتّے اتنے گرے کہ واقعی پانی سبز ہوگیا چُلّو میں بھی سبز معلوم ہوتا ہے صحیح مذہب میں اب بھی قابلِ وضو ہے جب تک گاڑھا ہو کر اپنی رقت سے نہ اُتر جائے۔

اقول: ہاں مگر اس حالت میں اُس سے احتراز بہتر ہے کہ ایک جماعتِ علماء اُس سے وضو صحیح نہ ہونے کی قائل ہے۔امام صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں فرمایا:

اما الماء الذی تغیر بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ حتی اذارفع فی الکف یظھر فیہ لون الاوراق فلا یجوز بہ الوضوء لانہ کماء الباقلی [1]۔	وہ پانی جو پتّوں کے زیادہ گرنے کی وجہ سے بدل گیا،اتنا کہ ہاتھ میں اٹھایا جائے تو پتّوں کا رنگ آئے تو اُس سے وضو جائز نہیں جیسے کہ باقلی (لوبیا) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔(ت)

فتاوٰی غزی میں ہے:

وبعضھم ذھب الی عدم الجواز بالماء الذی غیرتہ کثرۃ الاوراق بحیث یظھر لونھا فی کف عند رفعہ کما جزم بہ فی الکنز وغیرہ [2] اھ **اقول:**(۲)انما نص الکنز لابماء تغیر بکثرۃ الاوراق [3] اھ ولیس فیہ ذکر ظھور اللون بالرفع فی الکف وانما ضمیر تغیر للماء والماء عبارۃ عن العین وتغیر عینہ بذھاب رقتہ لاجرم ان قال فی البحر محمول علی ما اذا زال عنہ اسم الماء بان	اور بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ اُس پانی سے وضو جائز نہیں جس کو پتّوں کی کثرت نے بدل دیا ہو تو ہاتھ میں اٹھانے سے اس میں پتّوں کا رنگ نظر آتا ہو، جیسے کنز وغیرہ میں اس پر جزم کیا ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** کنز کا نص تو یہ ہے کہ نہ اُس پانی سے جو پتّوں کی کثرت سے متغیر ہوگیا ہو اھ۔اور اس میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ میں اٹھانے سے پتوں کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہو،اور تغیر کی ضمیر پانی کی طرف لوٹتی ہے،اور پانی ایک عین ہے اور اُس کے عین کا تغیر اس وقت ہوگا جب اس کی رقت

[1] شرح وقایہ، مایجوز بہ الوضوء، المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۸۶

[2] فتاوٰی غزی

[3] کنزالدقائق میاہ الوضوء سعید کمپنی کراچی ص ۱۱

صار ثخینا [1] اھ۔ورحم اللہ العلامۃ الحلبی اذ اوضح المرام وازاح الاوھام بقولہ فی متنہ الملتقی لابماء خرج عن طبعہ بکثرۃ الاوراق [2] اھ قال فی مجمع الانھر طبعہ ھو الرقۃ والسیلان [3] اھ

اقول: (۱) ولم یکن بعدہ محل لان یعللہ بتغیر اوصافہ جمیعا ویقول وان جوزہ الاساتذۃ اما مانقل عن الفرائد عن اخی چلپی انہ لایمکن الحمل الا علی اختلاف الروایتین ثم قال لکن یمکن الحمل علی مابین انفا [4] اھ

فاقول: (۲) اولا مابین صریح منطوق المتن فتعبیرہ بالحمل (۳) ثم تضعیفہ بیمکن لامحل لھما **وثانیا:** (۴) لامحل لھذا الحمل فی کلام صدر الشریعۃ وما یاتی من کلام المیدانی فلا محید عن الاختلاف (۵) ومن المسامحۃ تعبیرہ باختلاف الروایتین (۶) فان قول المشائخ لایقال لہ روایۃ۔

ختم ہوجائے، اس لئے بحر میں فرمایا یہ اس پر محمول ہے جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو، مثلًا یہ کہ وہ گاڑھا ہوگیا اھ۔ اللہ تعالٰی حلبی پر رحم فرمائے کہ انہوں نے شبہات کو دُور فرما کر وضاحت مقصود کردی، وہ ملتقی کے متن میں فرماتے ہیں "نہ اس پانی سے جو پتوں کی کثرت کی وجہ سے پانی کی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو اھ"۔ مجمع الانہر میں فرمایا پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اھ۔(ت)

میں کہتا ہوں اس کے بعد اس کا موقع نہ تھا کہ اس کی علت یہ بیان کریں کہ اس کے تمام اوصاف بدل جائیں اور یہ فرمائیں کہ "اگرچہ اس کو اساتذہ نے جائز قرار دیا ہے" اور اخی چلپی سے فرائد سے جو منقول ہے کہ "اس کو صرف اختلاف روایتین پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے" پھر فرمایا اس کا حمل اس پر ممکن ہے جس کو انہوں نے ابھی بیان کیا ہے اھ۔(ت) **تو میں کہتا ہوں** اوّلًا جو انہوں نے بیان کیا ہے وہ متن کی صریح عبارت ہے تو اس کو حمل سے تعبیر کرنا پھر اس کو تضعیف یمکن کے لفظ سے، ان دونوں باتوں کا یہ محل نہیں۔ سے تو کوئی مفَر نہیں، اور اس کو اختلاف روایتین سے تعبیر کرنا اس میں مسامحت ہے کہ قولِ مشائخ کو روایت نہیں کہا جاتا ہے۔(ت) دوم، اِس حمل کا صدرالشریعۃ کے کلام میں کوئی محل نہیں، اور اسی طرح میدانی کے کلام میں بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں، تو اختلاف

---

[1] بحر الرائق میاہ الوضوء سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸

[2] الملتقی الابحر شرح مجمع الانہر الطہارۃ بالماء المطلق عامرہ مصر ۱/ ۲۸

[3] الملتقی الابحر شرح مجمع الانہر الطہارۃ بالماء المطلق عامرہ مصر ۱/ ۲۸

[4] عقد الفرائد

منیہ میں ہے:

اذا تغیر لون الماء اوریحه اوطعمه بطول المکث اوبسقوط الاوراق تجوز به الطهارة الا اذا غلب لون الاوراق فیصیر مقیدا[1]۔	جب پانی کا رنگ، بُو یا مزہ تبدیل ہو جائے زیادہ ٹھہرا رہنے کی وجہ سے، یا اس میں پتّوں کے گرنے کی وجہ سے، تو اس سے طہارت جائز ہے ہاں اگر پتّوں کا رنگ غالب ہوگیا تو اب یہ پانی مقید ہوگیا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

اخذہ مما فی الذخیرة الفتاوی الصغری سئل الفقیه احمد بن ابراهیم المیدانی عن الماء الذی تغیر لونه لکثرة الاوراق الواقعة فیه حتی یظهر لون الاوراق فی الکف اذا رفع الماء منه هل یجوز التوضی به قال لاولکن یجوز شربه وغسل الاشیاء به اما شربه وغسل الاشیاء فلانه طاهر واما عدم جواز التوضی به فلانه لما غلب علیه لون الاوراق صار مقیدا کماء الباقلاء وغیرہ لکن نص فی تحفة الفقهاء علی انه عند الضرورة یجوز التوضی بماء تغیر بامتزاج غیرہ من حیث اللون والطعم بان وقع الاوراق والثمار فی الحیاض حتی تغیر لانه تتعذر صیانة الحیاض عنها[2]۔ **اقول:** فاذن یکون هذا قولا ثالثا	اس کو ذخیرہ اور فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ سے لیا ہے، فقیہ احمد بن ابراہیم المیدانی سے اُس پانی کی بابت دریافت کیا گیا جس کا رنگ پتّوں کی کثرت کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو یہاں تک کہ جب پانی کو ہاتھ میں اٹھایا جائے تو اس میں پتّوں کا رنگ ظاہر ہوتا ہو، آیا اِس پانی سے وضو جائز ہے؟ تو فرمایا "نہیں" لیکن اس کو پی سکتے ہیں اور اس سے دوسری اشیا کو دھو سکتے ہیں، اس کا پینا اور دوسری اشیا کا دھونا اس لئے جائز ہے کہ یہ پانی پاک ہے اور وضو اس لئے جائز نہیں کہ اس پر پتّوں کا رنگ غالب ہوچکا ہے اور یہ مقید پانی ہوگیا ہے جیسے باقلی (لوبیا) وغیرہ کا پانی۔ مگر تحفۃ الفقہاء میں صراحت ہے کہ ایسے پانی سے جس میں کسی چیز کے مل جانے کی وجہ سے رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو، ضرورت کے وقت وضو جائز ہے جیسے حوضوں میں پھل اور پتّے گرتے رہتے ہیں اور پانی متغیر ہو جاتا ہے کہ ان چیزوں سے حوضوں کا بچانا متعذر ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** اس صورت میں یہ تیسرا قول

[1] منیۃ المصلی مکتبہ قادریہ لاہور ص ۶۴

[2] حلیہ

انه انما یجوز الوضوء به عند الضرورة والا لا وتبعه فی مجمع الانهر(۱) ولیس هکذا وانما نص البدائع شرح التحفة وهو عین نصها ولوتغیر الماء المطلق بالطین اوبالتراب اوبالجص او بالنورة اوبوقوع الاوراق اوالثمار فیه اوبطول المکث یجوز التوضئ به لانه لم یزل عنه اسم الماء وبقی معناه ایضا مع مافیه من الضرورة الظاهرة لتعذرصون الماء عن ذلك [1] اھ فلم یقیده بالضرورة ولم یقصر وجهه علیها بل علله بانه ماء مطلق باق علی اطلاقه وایده بانه ساقط الحکم للضرورة(۲)وفرق بین بین بناء الحکم علی الضرورة بحیث یتقید بها وبین اسقاط حکم رأسا لضرورة لازمة وهذا من ذاك(۳)الاتری انه نظمه مع المخلوط بالتراب ونحوه فی سلك واحد وهل یسوغ لاحد ان یقول انما یجوز الوضوء بماء کدر اذا لم یجد غیره والا لم یصح ثم(۴)لانظیر لهذا فی المذهب ان یجوز الوضوء بماء عند الضرورة لافی السعة امانبیذ التمر فانما الحکم فیه علی خلاف المعتمد المفتی به لاجل ورود النص فعدل به عن سنن القیاس عند عدم الماء المطلق کما نصوا علیه و

ہوگا یعنی یہ کہ بوقت ضرورت اس سے وضو جائز ہے ورنہ نہیں، اور مجمع الانہر میں اس کی متابعت کی، اور بات ایسی نہیں ہے اور بدائع شرح تحفہ کا نص بعینہٖ یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ "اگر مطلق پانی کیچڑ، مٹی، گچ یا نورہ سے بدل گیا یا اس میں پتّے اور پھل گرے اور بدل گیا یا زیادہ عرصہ تک کھڑا رہنے کی وجہ سے بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا، اور اس کے معنی بھی باقی ہیں، اور بظاہر اس میں ضرورت بھی ہے کیونکہ پانی کو ان اشیاء سے بچانا متعذر ہے اھ۔ تو اس کو ضرورت سے مقید نہیں کیا اور اس کی وجہ اس مقصور نہ کی بلکہ اس کی تعلیل اس طرح کی کہ وہ مطلق پانی ہے اور اپنے اطلاق پر باقی ہے اور اس کی تائید میں فرمایا کہ اس کا حکم بوجہ ضرورت ساقط ہوگیا، اور اس میں کہ حکم ضرورت کی وجہ سے لگایا جائے اور وہ ضرورت سے متقید ہوجائے اور اس میں کہ حکم ضرورت لازمہ کی وجہ سے بالکل ساقط کیا جائے، بڑا فرق ہے، اور یہ اُسی قبیل سے ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے اس کو مخلوط بالتراب اور اس کی مثل کے ساتھ ملایا ہے، اور ان دونوں کو ایک ہی قرار دیا ہے، اور کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ گدلے پانی کے ساتھ وضوٗ جائز ہے بشرطیکہ دُوسرا موجود نہ ہو ورنہ نہیں؟ پھر اس پر مذاہب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں کہ

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵

سیاتی ولامساغ لھذا ھھنا وباﷲ التوفیق۔ ثم اورد علیه فی الحلیة نفسھا بما حاصله ان لامعنی للتفرقة بین السعة والضرورة فان الشرع لم ینقل المکلف عن الماء المطلق عند عدم القدرة علیه الیه الماء المقید فی حالة دون حالة بل نقله عند العجز عنه الی التیمم فی سائر الحالات اعنی سواء کان یجد مع ذلك الماء المقید اولم یجدہ ایضا فان کان ھذا ماء مطلقا جاز الوضوء مطلقا والا لم یجز مطلقا اھ۔[1] بمحصله اقول: ھذا ایراد علی مافھمه رحمه اﷲ تعالٰی من کلام التحفة لاعلیه کما علمت وﷲ الحمد۔	کسی پانی سے ضرورت کے وقت تو وضو جائز ہو اور بلا ضرورت جائز نہ ہو، اور جہاں تک نبیذ تمر کا معاملہ ہے سو اس میں جو حکم ہے وہ معتمد مفتی بہ کے خلاف ہے، کیونکہ نص وارد ہے لہٰذا وہاں قیاس سے عدول کیا گیا ہے جبکہ مطلق پانی نہ ہو، جیسا کہ فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، اور یہ عنقریب آئے گا، اور یہ چیز یہاں نہیں چل سکتی ہے، پھر انہوں نے خود حلیہ میں اعتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ گنجائش اور ضرورت کی صورتوں میں فرق کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ شریعت نے مکلّف کو مطلق پانی سے قدرت نہ ہونے کی صورت میں مقید پانی کی طرف منتقل نہیں کیا ہے کسی خاص حالت میں، بلاالکہ ایسی صورت میں اس کو تیمّم کرنے کا حکم دیا ہے تمام حالات میں، خواہ اس کو مقید پانی مل رہا ہو یا نہ مل رہا ہو، تو اگر یہ مطلق پانی ہے تو وضو مطلقًا جائز ہے ورنہ مطلقًا وضو جائز نہیں اھ۔ میں کہتا ہوں یہ اعتراض اُس مفہوم پر ہے جو انہوں نے تحفہ سے سمجھا خود تحفہ پر نہیں ہے جیسا کہ آپ نے جان لیا وﷲ الحمد۔ (ت)

(۷۸) پھلوں کے گرنے

(۷۹) تالاب میں سنگھاڑے کی بیل سڑ جانے سے پانی کے سب اوصاف بدل جائیں جب بھی حرج نہیں جب تک رقیق وسیال رہے۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(یجوز ماء خالطه طاھر جامد) مطلقا (کفاکھة و ورق شجر) وان غیر کل اوصافه (فی الاصح ان بقیت رقته) ای واسمه[2] اھ۔ **اقول:** احتاج الی زیادة واسمه لکلامه	(وضو ایسے پانی سے جائز ہے جس میں کوئی جامد پاک چیز مل گئی ہو) مطلقًا (جیسے خشک میوہ اور درخت کے پتّے) خواہ اس کے تمام اوصاف کو بدل دیا ہو (اصح یہی ہے بشرطیکہ اس کی رقت باقی رہی ہو) یعنی

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

فی کل طاهر جامد ومنه مایزیل الاسم مع بقاء الرقة کما یاتی فی الزعفران ونحوه فلا یجوز الوضوء به مع بقاء رقته ونحن فی غنی من هذا القید هنا فانه هنا لایتبدل الاسم مادامت الرقة فلذا لم نعرج علیه۔	اس کا نام بھی اھ۔ **میں کہتا ہوں** ہر طاہر جامد کے ساتھ نام کے باقی رہنے کی قید ضروری ہے، اسی میں وہ بھی ہے جس کا نام توختم ہوگیا مگر رقت باقی رہی ہو جیسا کہ زعفران وغیرہ میں آئے گا تو رقت کے باقی رہتے ہوئے بھی وضو جائز نہ ہوگا، اور ہمیں یہ قید لگانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں نام اس وقت تک تبدیل ہوتا ہی نہیں جب تک کہ رقت باقی رہتی ہے، اسی لئے ہم نے یہ قید نہیں لگائی۔ (ت)

غرر ودرر میں ہے:

وان غیر اوصافه فی الاصح [1]	(اصح یہ ہے کہ اگرچہ وہ پانی کے اوصاف کو بدل دے۔ ت)

عبدالحلیم میں ہے:

هو الاصح بل الصحیح کما قال فی المنبع [2]۔	(یہی اصح ہے بلکہ صحیح ہے، جیسا کہ منبع میں فرمایا۔ ت)

سراج الوہاج وعلمگیریہ وجوہرہ نیرہ وفتاوی غزی میں ہے:

فان تغیرت اوصافه الثلثة بوقوع اوراق الاشجار فیه وقت الخریف فانه یجوزبه الوضوء عند عامة اصحابنا رحمهم الله تعالٰی [3]۔	اگر اس کے تینوں اوصاف موسم خزاں کے پتوں کے گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوگئے، تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔ (ت)

مجتبٰی، شرح قدوری پھر فتاوٰی غزی میں ہے:

لوغیر الاوصاف الثلثة بالاوراق ولم یسلب اسم الماء عنه ولا معناه فانه یجوز التوضئ به [4]۔	اگر پانی کے تینوں اوصاف پتّوں کے گرنے کی وجہ سے متغیر ہوگئے اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا اور نہ اس کے معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

---

[1] درر غرر ملّا خسرو فرض الغسل مطبعہ کاملیۃ بیروت ۱/۲۱

[2] درر غرر عبدالحلیم فرض الوضوء مطبعہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۷

[3] ہندیۃ فیما لایجوز بہ الوضوء پشاور ۱/۲۱

[4] فتاوٰی غزی

نہایہ امام سغناقی پھر عنایہ وحلیہ وغنیہ وبحر ونہر ومسکین وردالمحتار کتبِ کثیرہ میں ہے:

المنقول عن الاساتذة انه یجوز حتی لو ان اوراق الاشجار وقت الخریف تقع فی الحیاض فیتغیر ماؤها من حیث اللون والطعم والرائحة ثم انهم یتوضؤون منها غیر نکیر [1]۔	اساتذہ سے یہ منقول ہے کہ جائز ہے، یہاں تک موسم خزاں میں درختوں کے پتّے حوضوں میں گرنے کی وجہ سے پانی کا رنگ، مزہ، بُو بدل جاتا ہے پھر بھی وہ ایسے پانی سے وضو کرلیتے تھے، اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوتا تھا۔

ردالمحتار میں زیر قول مذکور وان غیر کل اوصافه فی الاصح فرمایا:

مقابلاله ماقیل انه ان ظهر لون الاوراق فی الکف لایتوضأ به لکن یشرب والتقیید بالکف اشارة الی کثرة التغیر لان الماء قد یری فی محله متغیرا لونه لکن لورفع منه شخص فی کفه لایراه متغیرا تأمل [2] اھ۔ **اقول:** لاادری لم امر بالتأمل وهو امر صحیح مشاهد هذا وزعم یوسف چلپی فی ذخیرة العقبی الاصح ماذکره الشارح یرید صدرالشریعة لانه بغلبة لون الاوراق صار مقیدا [3] اھ۔ **اقول:**(۱)هو رحمه الله تعالٰی (۲)لیس من اهل الترجیح ولم یسنده لمعتمد فلا یعارض	اس کے مقابل یہ قول ہے کہ اگر پتّوں کا رنگ چُلو کے پانی میں ظاہر ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں، لیکن یہ پانی پیا جاسکتا ہے، اور ہتھیلی کی قید لگانا یہ ظاہر کرنے کیلئے ہے کہ تغیر بہت زیادہ واقع ہوا ہے، کیونکہ پانی اپنے محل میں کبھی متغیر نظر آتا ہے لیکن اگر اُسے چُلّو میں اٹھایا جائے تو متغیر نظر نہیں آتا ہے تاٴمل اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** کہ معلوم نہیں، انہوں نے تاٴمل کا حکم کیوں دیا، یہ ایک صحیح بات ہے جس کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، اور یوسف چلپی نے ذخیرہ العقبٰی میں فرمایا کہ اصح وہ ہے جس کو شارح نے ذکر کیا، ان کی مراد صدر الشریعۃ ہیں، کیونکہ وہ پتّوں کے رنگ کے غلبہ کی وجہ سے مقید پانی ہوگیا ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** وہ (رحمہ اللہ) اصحاب ترجیح سے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی قابل اعتماد شخصیت کی طرف نسبت

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۷

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۷

[3] ذخیرۃ العقبٰی المبحث فی الموجبات الغسل مطبع الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۴۵

ماعلیه الجمهور ونصوا انه الاصح ونص الامام النسفی فی المستصفی عن شیخه شمس الائمة الکردری انها الروایة الصحیحة کما سیاتی فی ۹۷ اما(۱)ما استدل به فمصادرة علی المطلوب وکفی(۲)ردا علیه قول المحقق فی الفتح تقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدهما للأخر هنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقه مع تغیر اوصافه بانتقاعها فظهر لنا من اللسان ان المخالط المغلوب لایسلب الاطلاق[1] اھ۔وقال المحقق فی الحلیة لعل مانقل من وضوء الاساتذه من الماء المذکور کان فیه ادنی تغیر فی صفاته الثلثة عـہ بحیث لم یزل عنه اسم الماء المطلق اذلیس کل تغیر فی مجموع الصفات الثلاث یوجب جعل ذلك الماء مقیدا بل هذا هو الظاهر من حالهم اذلا یظن بهم الوضوء بالماء المقید[2] اھ۔

اقول: (۳)ان اراد ان کثرة تغیر الاوصاف

بھی نہیں کی، تو یہ جمہور کے قول سے متعارض نہ ہوگا، جمہور نے تصریح کی ہے کہ یہی اصح ہے، اور امام نسفی نے مستصفٰی میں اپنے شیخ شمس الائمہ کردری سے نقل کیا کہ یہی صحیح روایت ہے، جیسا کہ عنقریب ۹۷ میں آئے گا اور جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے تو وہ مصادرہ علی المطلوب ہے اور محقق نے اس کی تردید فتح میں کردری ہے کہ موسم خزاں میں پتّے حوضوں میں گرتے ہیں اب وہاں سے دو دوست گزرتے ہیں ایک دُوسرے سے کہتا ہے کہ آؤ یہاں پانی موجود ہے اسے پیتے ہیں اور اس سے وضو کرتے ہیں تو وہ اس پر پانی کا اطلاق کرتا ہے حالانکہ اُس کے اوصاف متغیر ہوچکے ہیں تو معلوم ہوا کہ عام محاورہ میں اس سے پانی کا نام سلب نہیں ہوتا ہے اھ۔ محقق نے حلیہ میں فرمایا اساتذہ کا جو اس پانی سے وضو کرلینا مذکور ہے تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ اس پانی کے اوصاف میں زیادہ تغیر واقع نہ ہوا ہوگا اتنا کہ اُس سے مطلق پانی کا نام ہی مسلوب ہوجائے کیونکہ اوصافِ ثلثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بناتا ہے بلکہ اُن کے حال سے یہی ظاہر ہے، کیونکہ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ مقید پانی سے وضو کرلیا کرتے تھے۔(ت)

میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد یہ ہے کہ پانی کے

عـہ کذا هو فی نسختی الحلیة باثبات التاء فی الثلثة ۱۲منه غفرله

میرے پاس موجود حلیہ کے نسخہ میں اسی طرح ثلثۃ میں تاء کو ثابت رکھا گیا ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء سکھر ۱/ ۶۴

[2] حلیہ

بوقوع الاوراق یجعل الماء مقیدا مع بقاء رقتہ فغیر مسلم ولا واقع فبوقوع الاوراق مع بقاء الرقۃ لایزول اسم الماء ابدا وان تغیرت الاوصاف مھما تغیرت وان اراد بالتغیر الکثیر زوال الرقۃ فلا حاجۃ الی الترجی بل ھو المراد قطعا قال فی العنایۃ بعد نقل النھایۃ وکذا اشار فی شرح الطحاوی الیہ لکن شرطہ انیکون باقیا علی رقتہ اما اذا غلب علیہ غیرہ وصاربہ ثخینا فلایجوز[1] اھ۔ثم قال فی الحلیۃ کما ان الظاھر ان محل جواب المیدانی المذکور مابلغ بہ بماوقع فیہ من الاوراق الی حد التقیید فان تغیر لون الماء بکثرۃ الاوراق الواقعۃ فیہ یوجب تغییر الطعم بل والرائحۃ ایضا انکانت الاوراق ذات رائحۃ[2] اھ۔

اقول:(۱)فکان ماذا فقد ذکرتم ان لیس کل تغیر فی الصفات الثلاث جمیعا یوجب جعل الماء مقیدا ولا تقیید ھھنا الازوال الرقۃ والامام المیدانی انما بنی الجواب علی ظھور لون الاوراق فی الکف وبھذا

اوصاف میں پتّوں کے وقوع سے زیادہ تغیر پیدا ہونے سے پانی مقید ہوجاتا ہے باوجودیکہ اُس کی رقت باقی رہتی ہے، تو یہ بات نہ تو مسلّم ہے اور نہ ایسا واقع ہے، کیونکہ پتّوں کے گرنے سے جبکہ رقت باقی ہو ہمیشہ پانی کانام تبدیل نہیں ہوتا ہے اگرچہ اوصاف تبدیل ہوتے رہیں،اور اگر ان کی مراد کثرتِ تغیر سے یہ ہے کہ رقّت زائل ہوجائے، تو ترجی (لفظ لعل) کی حاجت نہیں، بلاالکہ قطعیت کے ساتھ یہی کہنا ہوگا،عنایہ میں نہایہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا۔طحطاوی نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن یہ شرط یہ ہے کہ اس کی رقّت باقی ہو،اور اگر پانی پر کوئی دوسری چیز غالب ہوگئی اور اُس کی وجہ سے وہ گاڑھا ہوگیا تواُس سے وضو جائز نہیں اھ۔پھر حلیہ میں فرمایا جیسا کہ یہ ظاہر ہے کہ میدانی کامذکور جواب پتّوں کی اُس مقدار سے متعلق ہے جس کی وجہ سے پانی مقید ہوجائے، کیونکہ پتّوں کی کثرت کے باعث جب پانی کا رنگ تبدیل ہوتا ہے توساتھ ہی مزہ بلاالکہ بُو بھی تبدیل ہوجاتی ہے بشرطیکہ پتّوں میں کوئی خاص بُو موجود ہو۔(ت)

میں کہتا ہوں اس سے کیا ثابت ہوا؟آپ نے خود بھی ذکر کیا ہے کہ اوصاف ثلٰثہ کا ہر تغیر پانی کو مقید نہیں بنادیتا ہے،اور یہاں کوئی تقیید زوالِ رقّت کے سوا نہیں ہے اور میدانی کے جواب کی بنیاد یہ ہے کہ پتّوں کا رنگ چُلّو میں ظاہر ہوجائے،اور

---

[1] عنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضوء سکھر ۱/ ۶۳

[2] حلیہ

القدر جعله مقيدا وبه صرح صدرالشريعة ومعلوم انه لايستلزم الثخانة فاني ينفع التاويل، وعلى الله ثم على رسوله التعويل، جل جلاله وعليه الصلاة والسلام بالتعجيل۔	اس مقدار سے انہوں نے پانی کو مقید بنادیا، اور اسی کی تصریح صدر الشریعۃ نے کی ہے اور یہ معلوم ہے کہ اس سے اس کا گاڑھا ہونا لازم نہیں، تو تاویل کا کچھ فائدہ نہیں۔۔۔۔(ت)

(۸۰ و ۸۱) شنجرف یا کسم زردی کاٹنے کے لئے پانی میں بھگودیتے ہیں جب زردی کٹ آئی پانی پھینک دیتے ہیں یہ پانی اگرچہ اس کی رنگت وغیرہ بدل گئی قابلِ وضو ہے جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو،

خانیہ میں ہے:

التوضئ بزردج العصفر يجوز ان كان رقيقا والماء غالب [1] اھ۔ **اقول:** والحاصل واحد فكانه اضيف اليه بالعطف عليه تعليلا له۔	پیلے رنگ کے زردج کے پانی سے وضو جائز ہے اگر پتلا ہو اور پانی غالب ہو اھ (ت) **میں کہتا ہوں** حاصل ایک ہی ہے، تو غالبًا یہ چیز بطور عطف اس کے ساتھ اس کی تعلیل کیلئے ملائی گئی ہے۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

ماء الزردج والصابون والعصفر لو رقيقا يسيل على العضو يجوز [2]۔	زردج، صابون اور عُصفر کا پانی اگر اتنا پتلا ہو کہ عضو پر بہہ سکے تو اُس سے وضو جائز ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

وهو الصحيح كذا اختاره الناطفي والامام السرخسي رحمهما الله تعالٰى [3]۔	اور یہی صحیح ہے، اسی کو ناطفی اور امام سرخسی رحمہما اللہ نے پسند کیا ہے۔(ت)

مغرب میں ہے:

ماء الزردج هو ماء يخرج من العصفر المنقوع فيطرح ولايصبغ به [4]۔	زردج کا پانی وہ ہے جو نچوڑے ہوئے عصفر سے نکلتا ہے پھر اس کو پھینک دیتے ہیں اور یہ رنگنے کے کام نہیں آتا ہے۔(ت)

---

[1] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضئ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الماء المقید وغیرہ پشاور ۴/ ۱۰

[3] الہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

[4] جوہرۃ نیرۃ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۴

اسی طرح جوہرہ وغنیہ وحلیہ وعنایہ میں ہے۔

اقول: انما الزردج معرب زردہ وھی الصفرۃ التی تخرج من العصفر فی الماء المنقوع فیه فیسمی ذلك الماء ماء الزردج لاان ماء یخرج من العصفر یسمی ماء الزردج ھذا ھو الوجه عندی فی اللفظ وتبعوا فیه المطرزی وکانه لم یتقنه لخلو کتب اللغة عنه حتی القاموس المدعی الاحاطة وتاج العروس المستدرك علیه بکثیر ولا الکلمة من لسان العرب واللّٰه تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** "زردج" زردہ کا معرّب ہے، یہ وہ زردی ہے جو عُصفر سے نکل کر اس پانی میں آجاتی ہے جس میں اسے ڈبویا گیا ہو اس کو ماءِ زردج کہتے ہیں۔یہ نہیں کہ خود عصفر سے جو پانی نکلتا ہے اس کو ماءِ زردج کہا جاتا ہو، میرے نزدیک اس لفظ کا صحیح مفہوم یہی ہے، جبکہ دوسرے حضرات نے اس میں مطرزی کی پیروی کی ہے، غالبًا مطرزی اس کو اچھی طرح نہیں سمجھتا، کیونکہ لغت کی کتب میں یہ موجود نہیں، یہاں تک کہ قاموس جس کا دعوی ہے کہ اس نے تمام کلمات کا احاطہ کیا ہے اس سے خالی ہے، اور پھر تاج العروس جس میں اس سے بھی زیادہ کلمات کا احاطہ ہے اس میں بھی یہ موجود نہیں، اور نہ ہی یہ کلمہ لسان العرب میں ہے، و اللّٰه تعالٰی اعلم۔(ت)

(۸۲و۸۳) جس پانی میں گچ یا چُونا مل جائے لقوله لم یزل عنه اسم الماء وبقی معناہ ایضا (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور معنی بھی باقی ہے۔ت)

(۸۴) چُونے کا پانی، گٹی بجھنے کے بعد تہ نشین ہوتی اور اوپر نتھرا پانی رہ جاتا ہے جس میں قدرے سپیدی متفرق طور پر رہتی ہے اسے چُونے کا پانی کہتے ہیں قابلِ وضو ہے اذلم یزل اسم الماء ولاطبعه (کیونکہ نام بھی سلب نہیں ہوا اور طبیعت بھی زائل نہیں ہوئی۔ت)

(۸۵) ریشم کو پکانے کیلئے کپیوں کو پانی میں جوش دیتے ہیں اور اُن میں ریشم کے کیڑے ہوتے ہیں اُس پانی سے وضو جائز ہے کیڑے تر ہوں یا خشک جب تک اس کثرت سے نہ ہوں کہ اُن کے اجزا پانی پر غالب آجائیں۔جواہر الفتاوٰی باب ثانی فتاوٰی امام جمال الدین بزدوی میں ہے:

الفیلق اذاطرح فی الماء الذی اغلی بالنارلسدا الا بریسم وفی الفیلق دودمیتة یابسة اوغیریابسة بقیت فی الماء یکون طاھرا لانه لیس له دم سائل وان غلب	کپیوں کو جب آگ پر جوش دئے ہوئے پانی میں ڈالا جائے تاکہ ابریشم کا تار حاصل کیا جاسکے، اور ان کپیوں میں مُردہ کیڑے بھی موجود ہوں، خواہ خشک حالت میں یا غیر خشک حالت میں تو یہ پانی جس میں

اجزاؤھا علی الاماء یمنع التوضی بہ کما لوغلب شیئ اٰخر [1]۔	یہ کپیاں ڈالی گئی ہوں پاک رہے گا،اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کیڑوں میں سیال خون نہیں ہوتا ہے،اور اگر ان کیڑوں کے اجزاء پانی پر غالب ہوجائیں تو دوسری اشیاء کی طرح اس سے وضو جائز نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

فی الوھبانیۃ دود القز ومأؤہ وبذرہ وخرؤہ طاھر کدودۃ متولدۃ من نجاسۃ [2]۔	وہبانیہ میں فرمایا ریشم کا کیڑا،اس کا پانی،اس کا انڈااور اس کی بیٹ اُسی طرح پاک ہے جس طرح نجاست سے پیدا ہونے والے دوسرے کیڑوں کا حکم ہے۔(ت)

ردالمحتار میں شرح وہبانیہ للعلّامہ عبدالبر سے ہے:

یحتمل ان المراد مایوجد فیما ھلك منہ قبل ادراکہ وھو شبیہ باللبن اوالذی یغلی فیہ عند حلہ حریرا [3]۔	ہوسکتا ہے کہ پانی سے مراد وہ پانی ہو جو ان کیڑوں میں پایا جاتا ہے جو کپیوں کے پکنے سے پہلے ہی ہلاک ہوجاتے ہیں،یہ پانی دودھ کے مشابہ ہوتا ہے یا وہ پانی ہوسکتا ہے جس میں انکو ریشم نکالتے وقت اُبالا جائے۔(ت)

(۸۶) پانی' میں مینڈک یا کوئی آبی جانور یا وہ غیر آبی جس میں خون سائل نہ ہو جیسے زنبور،کژدم، مکّھی وغیرہا مر جائے اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ ریزہ ریزہ ہوکر اس کے اجزاء پانی میں ایسے مل جائیں کہ جُدا نہ ہوسکیں بشرطیکہ پانی اپنی رقّت پر رہے،ہاں اس حالت میں اس کا پینا یا شوربا کرنا حرام ہوگا جبکہ وہ جانور حرام ہو،اور اگر ٹیری یا غیر طافی مچھلی ہے تو یہ بھی جائز۔درمختار میں ہے:

لوتفتت فیہ نحوضفدع جاز الوضوء بہ لاشربہ لحرمۃلحمہ [4] قال ش عن البحر لانہ صارت اجزاؤہ فی الماء فیکرہ الشرب تحریما [5] اھ	اور اگر پانی میں مینڈک کی قسم کی کوئی چیز پھُول پھٹ جائے تو اُس سے وضو جائز ہے پینا جائز نہیں کہ اس کا گوشت حرام ہے،ش نے بحر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا اس لئے کہ اس کے اجزاء پانی میں شامل ہوگئے تو اس کا پینا مکروہ تحریمی ہوگا۔(ت)

---

[1] جواہر الفتاوی

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۵

[4] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

[5] درمختار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۶

اقول: کل(۱) مالادم فیه حرام غیر الجراد والسمك الغیر الطافی واذا اختلطت اجزاؤہ بالماء فازدادھا فی شربه متیقن فای وجه للنزول من الحرمة الی کراھة التحریم وراجعت البحر فوجدت نصه ھکذا روی عن محمد رحمه اﷲ اذا تفتت الضفدع فی الماء کرهت شربه لاللنجاسة بل لحرمة لحمه وقدصارت اجزاؤہ فی الماء وھذا تصریح بان کراھة شربه تحریمیة وبه صرح فی التجنیس [1] فقال یحرم شربه۔	**میں کہتا ہوں** ہر وہ جانور جس میں خون نہ ہو وہ حرام ہے سوائے ٹڈی اور اُس مچھلی کے جو مُردہ حالت میں سطحِ سمندر پر تیرتی ہوئی نہ پائی گئی ہو، اور جب اس کے اجزا پانی میں مل جائیں توان کا پیتے وقت پانی میں شامل ہونا یقینی امر ہے تو پھر حرمت سے گھٹ کر کراہت تحریم کا حکم کیوں لگایا گیا؟ میں نے بحر کو دیکھا تواس میں یہ تھا "امام محمد سے مروی ہے جب مینڈک پانی میں پھُول پھٹ جائے تو میں اس پانی کے پینے کی کراہت کا قول کروں گااس کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلاکلہ اس کے گوشت کی حرمت کی وجہ سے اور اس حرام گوشت کے اجزاء پانی میں بھی شامل ہوگئے ہیں، یہ اس امر کی صراحت ہے کہ اس کے پینے کی کراہت تحریمی ہے اور اسی کی تصریح تجنیس میں ہے، فرمایا کہ اس کا پینا حرام ہے۔(ت)
اقول:(۲)الکراھة عرف القدماء اعم من الحرمة یقولون اکرہ کذا والمعنی احرمه راجع کتابی فصل القضاء فی رسم الافتاء فمعنی قول البحران الکراھة فی کلام الامام للتحریم(۳) الاتری الی قوله وبه صرح فی التجنیس وانما صرح بانه حرام۔	**میں کہتا ہوں** کراہت کا لفظ متقدمین کے عرف میں حُرمت کو بھی عام ہے وہ فرماتے ہیں میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ میں اس کو حرام سمجھتا ہوں۔ دیکھئے میری کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" تو بحر کی مراد یہ ہے کہ امام کے کلام میں کراہت سے مراد تحریم ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا وبه صرح فی التجنیس اور اس میں ان کی تصریح یہ ہے کہ حرام ہے۔(ت)

(۸۷) چاول کھچڑی دال دھو کر ڈالے جاتے ہیں ان کے دھونے سے جو پانی بچا قابلِ وضو ہے جبکہ بے وضو ہاتھ سے نہ دھوئے ہوں اگرچہ اس کے رنگ میں ضرور تغیر آجاتا ہے بلاکلہ اگرچہ مزہ بُو بھی بدل جائیں۔

اقول: وھذا عندی وفاقا حتی ممن یجعل ماء الحمص والباقلاء المنقوعین	میں کہتا ہوں یہ میرے نزدیک متفقہ طور پر ہے، یہاں تک کہ جو حضرات چنوں اور باقلی (لوبیا)

[1] بحر الرائق موت مالادم له سعید کمپنی کراچی ۱/۸۹

فیہ مقید الان بمجرد الغسل لایسری الیہ مایسری بالنقع والتغیر الذی یحدث بہ لیس للحب بل لما علیہ من نحو الغبار و اللہ تعالٰی اعلم۔	کے صاف کئے ہوئے پانی کو مقید قرار دیتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیونکہ صرف دھونے سے پانی میں وہ اثر پیدا نہیں ہوتا ہے جو صاف کرنے سے ہوتا ہے، اور جو تغیر پانی میں پیدا ہوتا ہے وہ دانہ کے باعث نہیں ہے بلاکلہ اس کے اوپر غبار کی وجہ سے ہے و اللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۸۸) جس پانی میں چنے بھگوئے کتنی ہی دیر بھیگے رہیں تحقیق یہ ہے کہ اُس سے وضو جائز ہے مگر یہ کہ ناج کے اجزا اُس میں مل کر اُسے گاڑھا کردیں کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی نہ رہے۔

(۸۹) یوں ہی جس میں باقلا عـہ بھگوئیں یونہی ہر ناج۔ مختصر امام ابوالحسن قدوری میں تھا:

لا (ای یجوز الوضوء) بماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلا والمرق [1]۔	نہیں (یعنی وضو جائز نہیں) اُس پانی سے جس پر اُس کے غیر کا غلبہ ہوگیا ہو، اور اس وجہ سے پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کردیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ (ت)

اس پر ہدایہ میں فرمایا:

المراد بماء الباقلاء وغیرہ ماتغیر باطبخ فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی بہ [2] اھ۔ واقرہ علیہ فی الفتح والعنایۃ وتبعہ فی الجوھرۃ فقال قولہ وماء الباقلاء المراد المطبوخ بحیث اذا برد ثخن وان لم یطبخ فھو من قبیل وتجوز الطھارۃ بماء خالطہ شیئ طاھر [3] اھ	باقلاء کے پانی سے مراد وہ پانی ہے جو پکائے جانے کی وجہ سے متغیر ہوگیا ہو اور اگر بلا پکائے متغیر ہوگیا ہو تو اُس سے وضو جائز ہوگا اھ۔ اور اس کو اس پر برقرار رکھا فتح اور عنایہ میں اور جوہرہ میں اس کی متابعت کی اور فرمایا: ان کا قول "اور باقلی کا پانی" اس سے مراد پکاہُوا پانی ہے جو ٹھنڈا کئے جانے پر گاڑھا ہو جاتا ہے، اور اگر اس کو پکایا نہ گیا ہو تو یہ اس پانی کی طرح ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

عـہ: یہ بھی ایک معروف غلہ ہے اگرچہ یہاں اس کا رواج نہیں اس کی پھلیاں پکاتے ہیں سالن کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ (م)

---

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجیدی کان پور، ص ۶

[2] الہدایۃ کتاب الطہارت مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

[3] جوہرۃ نیرۃ کتاب الطہارت امدادیہ ملتان ۱/ ۱۴

اقول: رحم اللہ الشیخ الامام ورحمنا بہ کلام [عہ] ابی الحسن فیما اذا اخرجہ عن طبع الماء بان اختلطت فیہ اجزاؤہ فثخن ولم یبق رقیقا وحینئذ لایجوز التوضی بہ وان لم یطبخ وقد قال فی الوقایۃ لابماء زال طبعہ بغلبۃ غیرہ اجزاء اوبالطبخ کماء الباقلی والمرق فقال الامام الشارح المراد بہ ان یخرجہ عن طبع الماء وھو الرقۃ والسیلان وماء الباقلی نظیر ماغلب علیہ غیرہ اجزاء والمرق نظیر ماغلب علیہ بالطبخ[1] اھ۔

وفی الاصلاح والایضاح لابماء زال طبعہ وھو الرقۃ والسیلان بغلبۃ غیرہ اجزاء کماء الباقلا[2] اھ۔نعم الظاھر مامر عن الذخیرۃ والتتمۃ عن المیدانی وتبعہ صدر الشریعۃ من قیاس ماتلون بوقوع الاوراق علی ماء الباقلی ان المراد مانقع فیہ فغیرہ وصفا لاذاتا وھو خلاف المعتمد۔ففی الخانیۃ یجوز التوضؤ بما القی فیہ حمص اوباقلاء لیبتل وتغیر لونہ وطعمہ

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی شیخ الامام پر اور ہم پر رحم فرمائے، ابو الحسن کی گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جب کہ پانی کو اس کی طبیعت سے نکال دے مثلاً یہ کہ اس میں اس کے اجزاء مل جائیں اور وہ گاڑھا ہو جائے اور اس کی رقّت باقی نہ رہے تو ایسی صُورت میں اس سے وضوء جائز نہ ہوگا خواہ پکایا نہ گیا ہو، اور وقایہ میں فرمایا "نہ کہ اُس پانی سے جو دُوسری شیئ کے غلبہ کی وجہ سے اپنی طبیعت سے خارج ہوگیا ہو یا پکائے جانے کی وجہ سے طبیعت ماء سے خارج ہوگیا ہو، جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی یا شوربہ۔امام شارح نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو پانی کی طبیعت رقت اور سیلان ہے اور باقلی (لوبیا) کا پانی اُس پانی کی نظیر ہے جس پر دوسرے اجزاء غالب آگئے ہوں، اور شوربہ اُس پانی کی مثال ہے جس کو پکایا گیا ہو تو اس پر دوسری شیئ غالب آجائے اھ۔اور اصلاح اور ایضاح میں ہے کہ نہ اُس پانی سے کہ جس کی طبیعت زائل ہوگئی ہو یعنی رقّت اور سیلان، اور یہ دوسری

عہ: الحمد للہ فتح المولی سبحنہ وتعالٰی بما یصحح الکلام ویوضع المرام ویزیل الاوھام کما یاتیك فی سادس ضوابط الفصل الثالث ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ وحفظہ ربہ

اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اللہ پاک نے وہ کھول دیا ہے جس کے ذریعے کلام صحیح ہوتا ہے، مقصود واضح ہوتا ہے اور وہم ختم ہوتے ہیں جیسا کہ فصلِ ثالث کے چھٹے ضابطہ میں آئے گا۔(ت)

[1] شرح وقایۃ کتاب الطہارت رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۵

[2] اصلاح والایضاح

ولکن لم تذھب رقتہ[1] اھ۔ وفی الفتح فی الینابیع لونقع الحمص والباقلاء وتغیر لونہ وطعمہ وریحہ یجوز التوضی بہ[2] اھ۔ ومثلہ عنھا فی فتاوی الغزی ومثلہ فی المنیۃ وعزاہ فی الحلیۃ للملتقط وتجنیس الملتقط والظھیریۃ۔	اشیاء کے اجزاء کے غلبہ کی وجہ سے ہوا ہو جیسے باقلی (لوبیا) کا پانی اھ۔ہاں ذخیرہ اور تتمہ کی گزشتہ عبارت جو میدانی سے منقول ہے اور جس کی متابعت صدرالشریعۃ نے کی ہے، جس پانی میں چنّے گرے ہوں اور اس کارنگ بدل گیا ہو اس کو باقلی کے پانی پر قیاس کیا، اور کہا کہ اس سے مراد وہ پانی ہے جس میں کسی چیز کو صاف کیا گیا ہو، جس سے پانی کا وصف بدل گیا ہو نہ کہ ذات بدلی ہو، اور یہ معتمد کے خلاف ہے۔ خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں چنے ڈال دئے گئے ہوں یا باقلی (لوبیا) ڈال دیا ہو تاکہ تر ہوجائے اور اس سے اس کارنگ اور مزا بدل گیا ہو لیکن اس کی رقت ختم نہ ہوئی ہو اھ۔ اور فتح میں ہے ینابیع میں ہے کہ اگر چنوں اور باقلی کو پانی میں صاف کیا جس سے پانی کارنگ، مزا اور بُو بدل گئی تو اُس سے وضو جائز ہے اور اسی کی مثل اس سے فتاوٰی غزی میں ہے اور اسی کی مثل منیہ میں ہے اور حلیہ میں اس کو ملتقط اور تجنیس ملتقط اور ظہیریہ کی طرف منسوب کیا۔ (ت)

فائدہ: اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ گھوڑے کے دانے سے جو پانی توبڑے میں بچ رہے قابلِ وضو ہے جبکہ رقیق سائل ہو اور اسے بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو کہ مذہب[۱] صحیح میں گھوڑے کا جھوٹا قابلِ وضو ہے۔ درمختار میں ہے:

وسؤر ماکول لحم ومنہ الفرس فی الاصح طاھر طھور بلاکراھۃ[3]۔	وہ جانور جن کا گوشت حلال ہے ان کا جھوٹا پاک ہے اور اس سے بلاکراہت طہارت حاصل ہوتی ہے اور گھوڑا بھی انہی میں سے ہے اصح قول کے مطابق۔ (ت)

(۹۰) یہ ہوا اور۔ **(۹۱)** گائے بھینس[۲] بکری وغیرہ حلال جانوروں کا جھُوٹا جبکہ اُس وقت اُن کے منہ کی نجاست نہ معلوم ہو اگرچہ نر ہو اور بعض[۳] نے کہا نر کا جھوٹا ناپاک ہے کہ اُس کی عادت ہوتی ہے کہ جب مادہ پیشاب کرے اپنا منہ وہاں لگا کر سُونگھتا ہے نیز زمین پر اگر اس کا پیشاب پڑا پائے تو اُسے مگر صحیح طہارت ہے۔ درمختار

---

[1] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتح القدیر فیما لایجوز بہ التوضی سکھر ۱/۶۵

[3] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

میں ہے:

سؤر حمار اھلی ولو ذکرا فی الاصح مشکوك فی طھوریتہ لاطھارتہ [1]۔	پالتو گدھے کے جھُوٹے کی طہوریت مشکوک ہے طہارت مشکوک نہیں اصح قول کے مطابق۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح قالہ قاضیخان ومقابلالہ القول بنجاستہ لانہ ینجس فمہ بشم البول قال فی البدائع وھو غیر سدید لانہ امر موھوم لایغلب وجودہ فلا یؤثر فی ازالۃ الثابت بحر [2] اھ **اقول:**(۱)ان کان المناط الندرۃ یظھر تنجیس سؤر التیس فان شمہ بول العنز انکان نادرا فانہ یتکرر منہ کل یوم مرارا انہ یدلی ذکرہ والمذی والبول نابعان فیمصہ بل الوجہ عندی و اللہ تعالٰی اعلم ان (۲) الجفاف سبب الطھارۃ فی ابدان الحیوانات کما فی الارض وقد حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی باب الانجاس من فتاونا واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا قول "فی الاصح" یہ قاضی خان کا قول ہے اور اس کے مقابل اس کی نجاست کا قول ہے اس لئے کہ اس کا منہ پیشاب کو سُونگھنے کی وجہ سے نجس ہوجاتا ہے، بدائع میں فرمایا یہ درست نہیں کیونکہ یہ بات محض وہم ہے، عام طور پر ایسا نہیں ہوتا ہے تو جو ثابت ہے اس کے ازالہ میں موثر نہ ہوگا بحر اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** اگر مناط(علت) نادر ہونا ہے تو بکرے کے جھُوٹے کا نجس ہونا بھی ظاہر ہوگا، کیونکہ وہ بکری کے پیشاب کو تو کم ہی سُونگھتا ہے مگر یہ عمل دن میں کئی بار اس سے سرزد ہوتا ہے کہ وہ اپنا ذکر لٹکاتا ہے اور مذی اور پیشاب دونوں اس سے نکلتے ہیں، تو وہ بکرا اس ذکر کو چوستا ہے بلاکہ اس کی وجہ میرے نزدیک (واللہ اعلم) یہ ہے کہ خشک ہونا حیوانات کے بدن میں سبب طہارت ہے جیسا کہ زمین کا حال ہے اور ہم نے بتوفیق اللہ اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کے باب الانجاس میں کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اقول: ہاں [۳] اگر دیکھیں کہ بیل وغیرہ نے مادہ کا پیشاب سُونگھا یا بکرے نے اپنا آلہ تناسل نکال کر چُوسا اور اُس وقت مذی اور بول نکل رہے تھے اور قبل اس کے کہ اس کا منہ پاک ہوجائے پانی میں ڈال دیا تو

[1] درمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[2] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۶۵

اب بیشک پانی ناپاک ہوجائے گا، اور اگر چار برتنوں[1] میں منہ ڈالا تو پہلے تین ناپاک ہیں چوتھا پاک و قابلِ وضو۔ اسے نمبر ۲۲ کے ساتھ لکھنا تھا مگر ارادہ الٰہیہ یونہی واقع ہوا وله الحمد على ماصنع، وعلى ماأعطى وعلى مامنع، وصلى الله تعالى وبارك وسلم على الشفيع المشفع، وآله وصحبه وابنه وحزبه اجمع۔

(۹۲) پانی میں کولتار پڑ گیا جس سے اس میں سخت بدبُو آگئی مگر گاڑھا نہ ہوگیا اس سے وضو جائز ہے۔ فتاوٰی زینیہ میں ہے:

سئل عن الماء المتغير ريحه بالقطران هل يجوز الوضوء منه ام لا اجاب نعم يجوز [1] اھ والقطران بالفتح وبالكسر كظربان عصارة الابهل والارز [2] قاموس والارز ثمر الصنوبر قاله ابو حنيفة [3] تاج العروس ومثله فی بلادنا ماذكرت۔	سوال کیا گیا کہ وہ پانی جس کی بُو کولتار کی وجہ سے متغیر ہوگئی ہو، کیا اس سے وضو جائز ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: ہاں، اور قطران بالفتح اور بالکسر ظربان کی طرح ابہل اور ارز کا نچوڑ ہے قاموس، اور ارز صنوبر کے درخت کا پھل ہوتا ہے، یہ ابو حنیفہ کا قول ہے تاج العروس۔ اس قسم کا ہمارے ملک میں ہوتا ہے جیسا میں نے ذکر کیا۔ (ت)

اقول: مگر بوجہ[2] خبث رائحہ مکروہ ہونا چاہئے خصوصاً اگر اس کی بدبُو نماز میں باقی رہی کہ باعث کراہت تحریمی ہوگی۔

(۹۳) پانی میں روٹی بھگوئی اس کے تو اجزاء جلد منتشر ہوجاتے ہیں مگر جب تک پانی کو ستّو کی طرح گاڑھا نہ کردیں رقیق وسیال رہے قابلِ وضو ہے اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں، خانیہ میں ہے:

لو بل الخبز بالماء وبقی رقیقا جاز به الوضوء [4]۔	اگر روٹی کو پانی میں بھگویا اور وہ پانی پتلا رہا تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

(۹۴) یونہی جس میں آم بھگوئے۔

(۹۵) اقول اسی طرح گوشت کا دھوون اگرچہ پانی میں ایک گونہ سُرخی آجائے کہ صحیح[2] مذہب میں

---

[1] فتاوٰی زینیہ علی حاشیہ فتاوٰی غیاثیہ کتاب الطہارۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳

[2] قاموس المحیط باب الراء فصل القاف مصر ۱۳۲/۲

[3] لسان العرب بیروت ۳۰۶/۵

[4] قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

گوشت کاخون بھی پاک ہے نہ کہ وہ سُرخی کہ بعض جگہ اُس کی سطح پر ہوتی اور پانی میں دُھل جاتی ہے۔

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

الدم الخارج من اللحم المھزول عند القطع ان منه فطاھر وکذادم مطلق اللحم [1]۔	دبلے گوشت سے نکلنے والا خون کاٹتے وقت، اگراس سے نکلے تو پاک ہے اوراسی طرح مطلق گوشت کے خُون کاحکم ہے۔(ت)

(۹۶) صابون

(۹۷) اُشنان کہ ایک گھاس ہے اُسے حُرض بھی کہتے ہیں۔

(۹۸) ریحان جسے آس بھی کہتے ہیں۔

(۹۹) بابونہ

(۱۰۰) خطمی

(۱۰۱) بیری کے پتّے کہ یہ چیزیں میل کاٹنے اور زیادتِ نظافت کوآب غسل میں شامل کی جاتی ہیں اس سے غسل ووضو جائز ہے اگرچہ اوصاف میں تغیر آجائے جب تک رقّت باقی رہے مختصر امام ابوالحسن میں ہے:

یجوز الطھارۃ بماء خالطه شیئ طاھر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی اختلط به اللبن او الزعفران اوالصابون اوالاشُنان [2]۔	اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل کر اُس کے کسی وصف کو بدل دے جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں دودھ، زعفران، صابون یا اُشنان ملی ہو۔(ت)

اس پر جوہرہ نیرہ میں ہے:

فان غیر وصفین فعلی اشارۃ الشیخ لایجوز الوضوء ولکن الصحیح انه یجوز کذا فی المستصفی [3]۔	تو اگروہ اس کے دواوصاف کوبدل دے توشیخ کے اشارہ کے مطابق اس سے وضو جائز نہیں، لیکن صحیح یہ ہے کہ جائز ہے کذا فی المستصفٰی۔(ت)

حلیہ میں ہے:

التقیید باحد الاوصاف الثلثة فیه	تین میں سے ایک وصف کے ساتھ مقید کرنے

[1] بزازیہ مع الہندیہ السابع فی النجس پشاور ۲۱/۴

[2] قدوری الطہارت مجیدی کانپورص ۶

[3] جوہرۃ نیرۃ الطہارت امدادیہ ملتان ۱/۱۴

نظر فقد نقل الشیخ حافظ الدین فی المستصفی عن شیخه العلامة الکردری ان الروایه الصحیحة خلافه[1]۔	میں نظر ہے، کیونکہ شیخ حافظ الدین نے مستصفٰی میں اپنے شیخ علّامہ کردری سے نقل کیا ہے کہ صحیح روایت اس کے برخلاف ہے۔(ت)

مجتبٰی شرح قدوری میں ہے:

قول المصنف فغیر احد اوصافه لایفید التقیید به حتی لوتغیرت الاوصاف الثلثة بالاشنان اوالصابون اوالزعفران ولم یسلب اسم الماء عنه ولا معناه فانه یجوز التوضو به[2]۔	مصنف کا قول "فغیر احد اوصافہ" اس کے ساتھ تقیید مفید نہیں ہے یہاں تک کہ اگر تینوں اوصاف اُشنان، صابون یا زعفران سے بدل گئے اور اُس سے نہ تو پانی کا نام سلب ہوا اور نہ معنی سلب ہُوئے تو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

ماء صابون وحرض ان بقیت رقته ولطافته جازالتوضوء به[3]۔	صابون اور حرض (اُشنان جس سے کھانے کے بعد ہاتھ دھوتے ہیں) کے پانی کی رِقّت ولطافت اگر باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے۔(ت)

(۱۰۲تا۱۰۷) یہی چھ چیزیں اگر پانی میں ڈال کر جوش دی جائیں جب بھی وضو جائز ہے جب تک رقت باقی ہے،

ہدایہ میں ہے:

ان تغیر بالطبخ بعد ماخلط به غیرہ لایجوز التوضی به الا اذاطبخ فیه مایقصد به المبالغة فی النظافة کالاشنان ونحوہ لان المیت قد یغسل بالماء الذی اغلی بالسدر بذلك وردت السنة الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق	اگر پانی دوسری چیز کی ملاوٹ کے بعد پکانے سے متغیر ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں، ہاں اگر اس میں ایسی چیز ڈال کر پکائی گئی جس سے نظافت میں زیادتی مطلوب ہو جیسے اُشنان وغیرہ کیونکہ مُردہ کو کبھی بیری (کے پتّے) ڈال کر اُبلے ہُوئے پانی سے غُسل دیا جاتا ہے، اور یہ حدیث میں بھی مذکور ہے،

[1] حلیہ
[2] البنایہ شرح ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ملک سنٹر فیصل آباد ۱/۱۸۹
[3] فتاوٰی قاضی خان فیمالایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

المخلوط لزوال اسم الماء عنه [1]۔	ہاں اگر اس قسم کی چیزیں پانی پر غالب آجائیں اور وہ پانی ستوؤں کی طرح ہوجائے تو وضو جائز نہیں کہ اب اس پر پانی کا اطلاق نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی شیخ الاسلام غزی میں ہے:

ماء الصابون لو رقیقا یسیل علی العضو یجوز الوضوء به وکذا لو اغلی بالاشنان وان ثخن لا کما فی البزازیه [2]۔	صابون کا رقیق پانی جو اعضاء پر بہے اس سے وضو جائز ہے، اسی طرح اگر پانی میں اُشنان ڈال کر جوش دیا گیا تو وضو جائز ہے اگر وہ گاڑھی ہوجائے تو وضو جائز نہیں کما فی البزازیہ۔(ت)

خانیہ میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

وکذا لو طبخ بالماء مایقصد به المبالغة فی التنظیف کالسدر والحرض وان تغیر لونه ولکن لم تذهب رقته یجوز وان صار ثخینا مثل السویق لا [3]۔	اور اسی طرح اگر پانی میں ایسی چیز کو جوش دیا گیا جس سے نظافت میں مبالغہ مقصود ہو، جیسے بیری (کے پتّے) اور حرض، خواہ اس کا رنگ بدل جائے لیکن اس کی رقت ختم نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھی ہوجائے تو جائز نہیں۔(ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(ذکر فی المحیط لو توضأ بماء اغلی باشنان او بأس جاز الوضوء به مالم یغلب علیه) بان اخرجه عن رقته [4]۔	(محیط میں ذکر کیا کہ اگر کسی نے ایسے پانی سے وضو کیا جس کو اُشنان یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) میں جوش دیا گیا تو اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ وہ پانی پر غالب نہ ہو کہ اس کو اس کی رقّت سے نکال دے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

فی الذخیرة وتتمة الفتاوی الصغری نقلا	ذخیرہ اور تتمہ فتاوٰی صغری میں ابو یوسف سے

---

[1] الہدایہ کتاب الطہارۃ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] فتاوٰی غزی

[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[4] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی اذا طبخ الاٰس اوالبابونج فی الماء فان غلب علی الماء حتی یقال ماء البابونج والاٰس لایجوز التوضی به انتهی وعزی الی الاجناس بمانصه قال محمد رحمه الله تعالٰی فی الماء الذی یطبخ فیه الریحان اوالاشنان اذالم یتغیر لونه حتی یحمر بالاشنان اویسود بالریحان وکان الغالب علیه الماء فلاباس بالوضوء به فمحمد یراعی لون الماء وابو یوسف غلبة الاجزاء ثم فی التتمة والذخیرة والحاصل من مذهب ابی یوسف ان کل ماء خلط بشیئ یناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء وهو التطهیر فالتوضی به جائز بشرط ان لایغلب ذلك المخلوط علی الماء حتی لاتزول به الصفة الاصلیه وهی الرقة وذلك مثل الصابون اوالاشنان وانکان ذلك المخلوط لایناسب الماء فیما یقصد من استعمال الماء ففی بعض الروایات اشترط لمنع جواز التوضی غلبة ذلك الشیئ الماء وفی بعض الروایات لم یشترط ومحمد اعتبر فی جنس هذه المسألة غلبة المخلوط الماء لمنع جواز التوضی ولکن فی بعضها اشار الی الغلبة من حیث اللون وفی بعضها اشار الی الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب صفة الرقة من الماء ویبدلها بضدها

منقول ہے جب آس یا بابونہ کو پانی میں ابالا جائے اور وہ پانی پر غالب آجائے یہاں تک کہ بابونہ یا آس (ایک درخت جو ریحان کے نام سے مشہور ہے) کا پانی کہلانے لگے تو اس سے وضو جائز نہیں انتہی، اور اجناس کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ امام محمد نے اُس پانی کی بابت فرمایا جس میں ریحان (پھول) یا اُشنان کو جوش دیا گیا ہو اور اس کا رنگ تبدیل نہ ہوا ہو، یعنی نہ تو اُشنان کی وجہ سے سرخ ہوا ہو اور نہ ریحان کی وجہ سے سیاہ ہوا ہو، اور اس پر پانی ہی کا غلبہ ہو تو اس سے وضو کرنے میں حرج نہیں، تو امام محمد پانی کے رنگ کا اعتبار کرتے ہیں اور ابو یوسف غلبہ اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں، پھر تتمہ اور ذخیرہ میں ہے کہ ابو یوسف کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو پانی سے مناسبت رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس کے مطابق ہو اگر وہ پانی میں مل جائے تو وہ مطہر ہے اس سے وضو جائز ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ مخلوط شَے پانی پر غالب نہ ہو تاکہ پانی کی صفت اصلیہ یعنی رقّت زائل نہ ہو۔ اس کی مثال صابون اور اُشنان ہے اور اگر یہ مخلوط پانی سے مناسبت نہ رکھتی ہو اور پانی کے استعمال سے جو مقصود ہے اس سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو بعض روایات کے مطابق اس سے وضو کا عدمِ جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہوگا کہ یہ شیئ پانی پر غالب آجائے اور بعض روایات میں کوئی شرط نہیں، اور امام محمد اس طرح کے مسئلہ میں پانی پر مخلوط شیئ کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہوئے اس سے وضو جائز قرار نہیں دیتے

وھی الثخونة انتھی [1]۔	لیکن بعض روایات میں اس طرف اشارہ ہے کہ غلبہ سے مراد رنگ میں غلبہ ہے اور بعض میں اشارہ غلبہ من حیث الاجزاء مراد ہے کہ پانی کی صفت رقّت سلب ہوجائے اور اس کے بدلے میں گاڑھا پن اس میں پیدا ہوجائے انتہٰی۔(ت)

نیز حلیہ میں ایک کلام بدائع نقل کرکے فرمایا:

ذکر فیھا وفی التحفة ومحیط رضی الدین وفتاوٰی قاضی خان وغیرھا اذا کان المخالط مما یطبخ الماء بہ اویخلط الزیادة التطھیر لایمنع التوضی بہ ولو تغیر لون الماء وطعمہ وذلك کالصابون والاشنان والسدر الا اذا صار غلیظا بحیث لا یجری علی العضو فانہ حینئذ لایجوز لانہ زال عنہ اسم الماء [2] اھ۔ **اقول:** واضفت الخطمی اخذا مما قالوہ فی الجنائز (۱)یغسل رأسہ ولحیتہ بالخطمی ان وجد والا فبالصابون ونحوہ [3] تنویروفی التبیین اغتسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغسل رأسہ بالخطمی وھو جنب واکتفی بہ ولم یصب علیہ الماء [4]۔	اس میں اور تحفہ اور محیط رضی الدین اور فتاوی قاضیخان وغیرہ میں ذکر کیا کہ پانی میں مخلوط شیئ اگر اس قسم کی ہے کہ اس کو پانی میں پکانے یا خلط کرنے سے مقصود تطہیر میں زیادتی ہوتی ہے تو اس سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی کا رنگ اور مزہ تبدیل ہوگیا ہو، جیسے صابن، اشنان اور بیری (کے پتّے)، ہاں اگر پانی اتنا گاڑھا ہوگیا کہ اس کا سیلان ختم ہوگیا اور وہ عضو پر بہنے کے لائق بھی نہ رہا، تو اس صورت میں اس سے وضو جائز نہیں، کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ہی سلب ہوگیا ہے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** میں نے مذکورہ اشیاء میں خطمی کا اضافہ کیا ہے، یہ فقہاء کے اُن اقوال کی روشنی میں ہے جو انہوں نے جنائز میں ذکر کئے ہیں فرماتے ہیں میت کے سر اور داڑھی کو خطمی سے دھویا جائے اگر میسر ہو، ورنہ صابن وغیرہ سے دھوئیں اور یہ تنویر میں ہے، اور تبیین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا اور جنابت کی حالت میں اپنے سر کو خطمی سے دھویا اور اسی پر اکتفاء کیا اور اسی پر مزید پانی نہ بہایا۔(ت)

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] درمختار صلوٰۃ الجنائز مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[4] تبیین الحقائق کتاب الطہارت بولاق مصر ۱/۲۱

(۱۰۸و۱۰۹) اقول: دوا یا غذا پانی میں پکانے کو ڈالی اور آنچ کی مگر وہ شے ابھی کچی ہے اور پانی گاڑھا نہ ہو گیا تو اس سے وضو جائز ہے،

لانہ لم یوجد الطبخ ولا زوال الطبع فلا الاسم قال ش عن(۱) القاموس الطبخ ھو الانضاج استواء عـہ۱ اھ [1] وقال فی الغنیہ القاعدۃ فی المخالطۃ بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء [2]۔	کیونکہ اس میں نہ تو پکانا پایا گیا ہے اور نہ ہی طبیعت ماء زائل ہوئی تو اسم بھی زائل نہ ہوا، "ش" نے قاموس سے نقل کرتے ہوئے فرمایا طبخ کے معنی استواء پکانے کے ہیں اھ اور غنیہ میں فرمایا مخالطۃ بالطبخ میں قاعدہ یہ ہے کہ مطبوخ پانی میں پک جائے۔ (ت)

(۱۱۰) اقول: یونہی چائے دم کرنے کو گرم پانی میں ڈالی یا جوش ہی میں شریک کی اور جلد نکال لی کہ اثر نہ کرنے پائی اس قابل نہ ہوا کہ اُسے چائے کہہ سکیں اگرچہ ہلکی سے ہلکی، تو اُس سے بھی وضو میں حرج نہیں لبقاء الاسم والطبع وایضا عدم الانضاج والطبخ (کیونکہ پانی کا نام اور طبیعت باقی ہے اور پکنا پکانا بھی نہیں پایا گیا۔ (ت) یہاں پانی کی رنگت پر نظر ہوگی اور صورت سابقہ میں اُس کی رقّت اور شے جوشاندہ کی حالت پر۔

(۱۱۱ تا ۱۱۴) عرق گاؤزبان یا اُترے ہوئے گلاب کیوڑا بید مشک جن میں خوشبو نہ رہی اور اتنے ہلکے ہیں کہ کوئی مزہ بھی محسوس نہیں ہوتا پانی میں کسی قدر مل جائیں جب تک پانی سے مقدار میں کم ہوں گی مثلاً لبالب گھڑے میں وہی گھڑا گلے تک بھرا تو اُس سے وضو ہو سکتا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

ان کان مائعا موافقا للماء فی الاوصاف الثلثۃ کالماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان الثور وماء الورد الذی انقطعت عـہ۲ رائحتہ	اگر کوئی مائع پانی کے ساتھ اوصاف ثلثہ میں مطابقت رکھتا ہے اور رقیق ہے جیسے وہ پانی جو عمل تقطیر کے ذریعہ گاؤزبان سے حاصل کیا جائے اور گلاب کا

عـہ۱ سیاتی مافیہ فی الفصل الثالث بیان الطبخ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)	اس میں ایک اعتراض ہے جو فصل ثالث میں طبخ کے بیان میں آئے گا۔ (ت)
عـہ۲ و زدت انقطاع الطعم لما ستعلم ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ غفرلہ (م)	اور میں نے انقطاعِ طعم کا اضافہ کیا ہے اس کی وجہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ جان لیں گے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۵

[2] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

اذا اختلط بالمطلق فالعبرة للاجزاء فان کان الماء المطلق اکثر جاز الوضوء بالکل وان کان مغلوبا لایجوز وان استویا لم یذکر فی ظاھر الروایه وفی البدائع قالوا حکمه حکم الماء المغلوب احتیاطا[1] اھ وعبارة الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر تعتبر فیه الغلبة بالاجزاء[2] اھ **اقول:**(۱) واطلاقه ینافی ضابطته التی تبع فیھا الامام الزیلعی فان من المستقطر مایخالف الماء فی وصف او وصفین او الثلثة کما لایخفی۔	پانی جس کی خوشبو جاتی رہی ہو جب وہ مطلق پانی کے ساتھ ملایا جائے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا تو اگر مطلق پانی زیادہ ہو تو سب سے وضو جائز ہے اور اگر مغلوب ہو تو جائز نہیں اور اگر دونوں برابر ہوں تو ظاہر روایت میں اس کا حکم مذکور نہیں اور بدائع میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اس کا حکم بھی احتیاطًا وہی ہے جو مغلوب پانی کا ہے اھ اور درر میں ہے کہ جڑی بُوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے اس میں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔(ت) **میں کہتا ہوں** ان کا اس کو مطلق رکھنا ان کے اس ضابطہ کے منافی ہے جس میں انہوں نے امام زیلعی کی متابعت کی ہے، کیونکہ عمل تقطیر سے جو پانی حاصل ہوتا ہے وہ عام پانی سے ایک وصف یا دو یا تین میں مختلف ہوتا ہے کما لایخفی۔(ت)

(۱۱۵) یونہی ہر عرق کہ پانی سے رنگ ومزہ وبُو کسی میں ممتاز نہ ہو جیسے عطاروں کے یہاں کے اکثر عرق۔ **ثم اقول:** کمی بیشی میں اعتبار مقدار کا ہے اور ان میں بہت چیزیں پانی سے ہلکی ہوتی ہیں تو اگر وزن میں کمی لی جائے بارہا مقدار میں بیشی ہوجائے گی لہٰذا ہم نے لبالب گھڑے اور گلے تک بھرے سے تمثیل دی۔

وبه(۲) ظھر مافی عبارة المنحة حیث فسر العبرة للاجزاء بقوله ای القدر والوزن[3] اھ وفی عبارة ابی السعود اذقال الغلبة من حیث الوزن[4] وقد نص(۳) محمد ان الماء کیلی	اور اسی سے وہ ظاہر ہوا جو منحہ کی عبارت میں ہے، جہاں انہوں نے اجزاء کی تعبیر مقدار اور وزن سے کی ہے، اور جو ابو السعود کی عبارت میں ہے اس لئے کہ غلبہ وزن کے اعتبار سے ہے اور امام محمد نے

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[2] درر علی الغرر فرض الغسل کاملیہ بیروت ۱/ ۲۳
[3] منحۃ الخالق علی البحر الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۹
[4] فتح المعین الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۴

واجمع ائمتنا انه لیس وزنیا وقال العینی ثم ابن الشلبی لوکان الماء رطلین والمستعمل رطلا فحکمه حکم المطلق وبالعکس کالمقید [1] اھ ولکن(ا) العجب من العلامة الشرنبلالی قال فی نور الایضاح وشرحه الغلبة فی مائع لاوصف له یخالف الماء تکون بالوزن فان اختلط رطلان من المستعمل اوماء الورد الذی انقطعت رائحته برطل من الماء المطلق لایجوز به الوضوء وبعکسه جاز اھ فذکر الوزن وعاد الی الکیل [2]۔	تصریح کی ہے کہ پانی کیلی چیز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ پانی وزنی چیز نہیں، اور عینی نیز ابن الشلبی نے فرمایا کہ اگر پانی دو رطل ہے اور مستعمل ایک رطل ہے تو اس کا حکم مطلق پانی کا ہے اور اگر بالعکس ہو تو اس کا حکم مقید کا سا ہے اھ لیکن علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے انہوں نے نورالایضاح اور اس کی شرح میں فرمایا کہ سیال چیز جس کا کوئی وصف ایسا نہ ہو جو پانی کے مخالف ہو، تو غلبہ وزن کے اعتبار سے ہوگا تو اگر دو رطل مستعمل پانی یا گلاب کا پانی جس کی خوشبو ختم ہوچکی ہو ایک رطل مطلق پانی میں ملے گا تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہو تو وضو جائز ہے اھ تو ذکر وزن کا کیا اور لوٹ کر کیل کی طرف آئے۔(ت)

نوع آخر اس نوع میں وہ اشیاء مذکور ہوں گی جن کی بعض صورتوں میں حکم منقول عہ کتب کچھ ہے اور

عـــہ: **تنبیہ ضروری:** واضح ہو کہ مائے مقید میں ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول صرف دو [۲] قول ہیں:

اول: قولِ امام ابویوسف جنہوں نے تبدلِ اوصاف آب کا اعتبار ہی نہ فرمایا صرف غلبہ اجزاء اُن معانی پر کہ فصل ثالث میں بیان ہوں گے معتبر رکھا اور یہی صحیح و معتمد و مختار جمہور ہے۔

دوم: قولِ امام محمد جس میں تبدل اوصاف پر بھی لحاظ فرمایا یہاں ہم کو ضابطہ امام زیلعی رحمہ اللہ تعالٰی پر کلام کرنا منظور ہے انہوں نے بھی لحاظِ اوصاف کیا ہے تو قول امام ابی یوسف کا خلاف تو ابتداہی سے ہُوا قولِ امام محمد پر جو احکام کتب میں منقول ہیں اُن سے ضابطہ زیلعیہ کا موازنہ کرنا ہے کہ اتنی جگہ اس کے موافق پڑا اور ان ان مواضع میں اس کے بھی خلاف رہا تو اقوالِ ائمہ مذہب سے یکسر خارج ہُوا ان مباحث میں اتفاق اختلاف سے یہی مراد ہے کہ مذہب امام محمد پر احکام منقولہ اور مقتضائے زیلعیہ کا توافق یا تخالف ورنہ اصل

(باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] الشلبی علی التبیین الطہارت بولاق مصر ۱/ ۲۰

[2] مراقی الفلاح الطہارت بولاق مصر ص ۱۷

ضابطہ امام زیلعی جس کا بیان بعونہٖ تعالٰی فصل چہارم میں آتا ہے اس کا مقتضٰی کچھ۔ان اشیاء کی جس صورت میں حکم منقول مقتضائے ضابطہ جواز پر متفق ہیں وہ اس قسم اول میں مذکور ہوگی اور جس میں عدم جواز پر متفق ہیں وہ قسم دوم میں اور جہاں دونوں مختلف ہیں وہ صورتیں قسم سوم کیلئے ہیں۔یہ اشیاء دو صنف ہیں: **صنف اوّل** خشک چیزیں۔

(۱۱۶) پانی میں چھوہارے ڈالے اور ابھی تھوڑی دیر گزری کہ نبیذ نہ ہوگیا اگرچہ خفیف سی شیرینی اس میں آگئی اس سے بالاتفاق وضو جائز ہے کتاب المفید والمزید پھر عینی شرح صحیح بخاری و تبیین وحلیہ عـــہ وہندیہ وغیرہا میں ہے:

الماء الذی القی فیہ تمیرات فصار حلوا ولم یزل عنہ اسم الماء وھو رقیق یجوز بہ الوضوء بلاخلاف بین اصحابنا[1] اھ	وہ پانی جو کھجوروں کے ڈالے جانے کی وجہ سے میٹھا ہوگیا مگر اس کو پانی ہی کہا جاتا ہو اور اس کی رقّت بھی زائل نہ ہوئی تو اُس سے وضو کے جواز میں ہمارے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اھ (ت)
اقول: امامافی البدائع لابد من معرفۃ نبیذ التمر الذی فیہ الخلاف وھو ان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوتہ الی الماء وھکذا ذکر ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تفسیر نبیذ التمر الذی توضأ بہ	**میں کہتا ہوں** بدائع میں ہے کہ وہ نبیذ تمر جس میں اختلاف ہے اس کی معرفت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں تو ان کی مٹھاس پانی میں آجائے،ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے نبیذ تمر کی یہی تفسیر منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)مذہب صحیح معتمد کہ مذہب امام ابویوسف ہے وہ تو صور عدم جواز میں ان کے اتفاق سے بھی بعض جگہ خلاف پڑے گا جسے ہم آخر میں ذکر کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی نیز ان نقول کے لانے میں بڑا فائدہ مذہب امام محمد پر اطلاع ہے کہ وہ بھی بجائے خود ایک باقوت قول ہے تو بنظرِ احتیاط اُس کا لحاظ مناسب وب اللہ التوفیق ۱۲منہ غفرلہ وحفظ ربہ عزوجل (م)

عـــہ عزاہ للحلیہ فی الھندیہ ولم ارہ فیھا لافی التیمم ولا فی المیاہ فلعلہ ساقط من نسختی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ(م)	ہندیہ میں حلیہ کی طرف نسبت کی ہے اور مجھے اس میں یہ بات نہیں ملی نہ باب التیمم میں نہ باب المیاہ میں شاید یہ میرے نسخہ سے ساقط ہو واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فیمالایجوزبہ التوضو پشاور ۱/۲۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیلة الجن فقال تمیرات القیتها فی الماء [1] اھ فیحمل علی ما حلا و خرج عن الاطلاق کیف وفی صدر الحدیث عند ابن ابی شیبة ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال له هل معك من وضوء قال قلت لاقال فما فی اداوتك قلت نبیذ تمر قال تمرة حلوة وماء طیب [2] فلولا انه خرج من الاطلاق لما قال لا۔	نے اسی سے لیلة الجن میں وضو فرمایا تھا، آپ نے فرمایا میں نے کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی تھیں اھ تو اس کو اس پانی پر محمول کیا جائے جس میں مٹھاس پیدا ہو گئی ہو اور مطلق پانی سے نکل گیا ہو، جیسا اس حدیث کی ابتداء میں بروایت ابن شیبہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کیا تمہارے پاس وضو کا پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔آپ نے فرمایا تمہارے توشہ دان میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا نبیذ تمر ہے۔آپ نے فرمایا یہ تو میٹھی کھجوریں اور پاک پانی ہے، تو اگر وہ پانی مطلق ہوتا تو آپ جواب میں نہ نہ فرماتے۔(ت)
اقول: وبهذا(ا) یضعف ماجاب به ابنا حجر فی شرحی البخاری والمشکوة انه محمول علی ماء القیت فیه تمرات یابسة لم تغیرله وصفا قال العسقلانی وانماکانوا یصنعون ذلك لان غالب میاههم لم تکن حلوة [3] اھ واستشعر المکی ان هذا لایسمی نبیذا فقال وتسمیه ابن مسعود له نبیذامن مجاز الاول زادا والمراد به الوضع اللغوی وهوماینبذ فیه شیئ وان لم یغیره [4] اھ	**میں کہتا ہوں** اس سے معلوم ہوا کہ دو ۲ شرحوں (شرح بخاری وشرح مشکوٰۃ) میں دو ابن حجر نے جو جواب دیا ہے وہ ضعیف ہے وہ جواب یہ ہے کہ..... اس پانی سے مراد وہ پانی ہے جس میں خشک کھجوریں ڈال دی گئی ہوں جس نے پانی کا وصف نہ بدلا ہو، عسقلانی نے فرمایا اہل عرب ایسا اس لئے کرتے تھے کہ عام طور پر اُن کا پانی میٹھا نہیں ہوتا تھا اھ اور مکی نے فرمایا کہ اس کو نبیذ نہیں کہا جاتا ہے، اور فرمایا ابن جائے خواہ وہ اس پانی کو متغیر نہ کرے اھ۔(ت)

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] مصنف ابن ابی شیبۃ وضو بالنبیذ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۶

[3] فتح الباری لایجوز الوضوء بالنبیذ بیروت ۱/۳۰۵

[4] شرح مشکوٰۃ لملّا علی قاری باب احکام المیاہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۶۰

اقول:(۱)وکل ھذا کما تری خروج عن الظاھر غیران ملك العلماء قال بعدماقدمناعنه لان من عادۃ العرب انھاتطرح التمر فی الماء الملح لیحلو [1] اھ۔	مسعود نے اس کو مجازًا نبیذ کہا تھا اول نے مزید فرمایا کہ یا اس سے مراد اس کے لغوی وضعی معنی ہیں، یعنی وہ پانی جس میں کوئی چیز ڈال دی میں کہتا ہوں یہ تمام تاویلات ظاہر کے برخلاف ہیں، تاہم ملک العلماء نے اس تمام گفتگو کے بعد جو ہم نے اوپر ذکر کی، فرمایا: عرب کی عادت تھی کہ وہ کھاری پانی میں کھجوریں ڈالتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہوجائے۔(ت)
اقول: (۲)فھذا میل الی ماقالاہ ولا اراہ یستقیم اذلوکان کذا لبقی علی مائتیه وکان مطلقا فجاز به الوضوء مطلقا وقد قال الشیخ الامام فی اٰخر الکلام الجواز فی نبیذ التمر ثبت معدولابه عن القیاس لان القیاس یابی الجوازالا بالماء المطلق وھذا لیس بماء مطلق بدلیل انه لا یجوز التوضو به مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفناالجواز بالنص [2] اھ ولذا احتجناالی الجواب عن الحدیث بانه منسوخ باٰیۃ التیمم ونو زع ولذامال الاتقانی الی قول(۳)محمدانه یجمع بینھما لیقع الطھر بالیقین۔اقول وھو حسن جدا واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** یہ جواب بھی اُن دو حضرات کے قول کی طرف میلان ہے، مگر میرے نزدیک یہ جواب درست نہیں، کیونکہ اگر یہی بات ہوتی تو پانی کا نام باقی رہتا اور مطلق رہتا اور اس سے مطلقا وضو جائز ہوتا۔ شیخ نے آخر میں فرمایا نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے برخلاف ثابت ہے، کیونکہ قیاس تو یہ چاہتا ہے کہ وضو صرف مطلق پانی سے ہی جائز ہو، اور یہ مطلق پانی نہیں ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ماء مطلق پر قدرت ہوتے ہوئے اُس سے وضو جائز نہیں، لیکن اس کا جواز ازروئے نص ثابت ہے اھ اس لئے ہمیں ضرورت ہوئی کہ ہم حدیث کا جواب دیں، اور جواب یہ ہے کہ یہ آیت تیمّم سے منسوخ ہے، اور اس لئے اتقانی امام محمد کے قول کی طرف مائل ہوئے کہ وضو اور تیمّم دونوں کو جمع کیا جائے تاکہ طہارت بالیقین حاصل ہوجائے۔(ت) **میں کہتا ہوں** یہ جواب بہت اچھا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۱۱۷)**اقول:** یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر پانی میں شکّر یا بتاشے اتنے کم پڑے کہ شربت کی حد تک

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

نہ پہنچا اگرچہ ایک ہلکی سی مٹھاس آ گئی تو اُس سے وضو روا ہے۔

(۱۱۸) **اقول:** یوں ہی دوا پانی میں بھگوئی جب تک پانی میں اُس کا اثر نہ آ جائے کہ اب اسے دوا کہیں پانی نہ کہیں اُس وقت تک اُس سے وضو جائز ہے اگرچہ پانی کے اوصاف بدل جائیں **وکفی شاھدا علیه مسألة الاوراق فی الحیاض** (اس پر دلیل حوضوں میں پتّوں کا مسئلہ کافی ہے۔ت)

(۱۱۹) کسم

(۱۲۰) کیسر

(۱۲۱) کسیس

(۱۲۲) مازو

یہ چیزیں اگر پانی میں اتنی کم حل ہُوئیں کہ پانی رنگنے یا لکھنے حرف کا نقش بننے کے قابل نہ ہو گیا تو اُس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

وذلك ان العبارات جاءت فیہا علی اربعة مسالك الاوّل یجوز مطلقا مالم تغلب علی الماء بالاجزاء قال فی الهدایه قال الشافعی رحمه اﷲ تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباهه ممالیس من جنس الارض لانه ماء مقید الاترٰی انه یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلوعنها عادة ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الا ترٰی انه لم یتجدد له اسم علیحدة واضافته الی الزعفران کاضافته الی البئر والعین ولان الخلط القلیل لامعتبر به لعدم امکان الاحتراز عنه کما فی اجزاء الارض فیعتبر الغالب والغلبة بالاجزاء لابتغیر اللون هو الصحیح[1] اھ	**پہلا مسلک:** وضو مطلقًا جائز ہے تاوقتیکہ اُس کے اجزاء پانی پر غالب نہ ہوجائیں، ہدایہ میں ہے امام شافعی نے فرمایا زعفران اور اسی کی مثل دوسری اشیاء کے پانی سے وضو جائز نہیں یعنی وہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں، کیونکہ یہ مقید پانی ہے۔اس لئے کہتے ہیں زعفران کا پانی، اور زمین کے اجزاء کا معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ پانی عام طور پر ان اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے کیونکہ اس کا کوئی نیا نام نہیں ہے، اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہے جیسے پانی کی اضافت کُنوئیں اور چشمے کی طرف ہوتی ہے اور تھوڑی ملاوٹ کا

[1] ہدایہ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

وفی الانقرویہ یجوزالتوضی بماء الزعفران عندناوعند الشافعی لایجوز [1] اھ وفی الظھیریہ ثم البحر وفی الخانیہ اذا طرح الزاج فی الماء حتی اسود(زاد فی الخانیہ لکن لم تذھب رقتہ)جاز بہ الوضو [2] اھ ومثل الخانیہ فی المنیہ عن الملتقط وزاد وکذا العفص اھ قال فی الغنیہ عـہ جازمع تغیر لونہ وطعمہ وریحہ [3] اھ وفی الخانیہ لابماء ورد وزعفران اذاذھبت رقتہ وصار ثخیناوان بقیت رقتہ ولطافتہ جاز [4] اھ وفی جواھر الاخلاطی اذاخالط شیئ من الطاھرات ولم یطبخ کالزعفران والزردج یجوز التوضی بہ [5] اھ ای وقید بقاء الرقۃ معلوم لاحاجۃ الی ابانتہ وفی مسکین علی الکنز لایجوز بماغلب علیہ

کوئی اعتبار نہیں کہ اُس سے بچنا ممکن نہیں، جیسا کہ زمین کے اجزاء میں ہوتا ہے، تو غالب کا اعتبار ہوگا اور غلبہ باعتبار اجزاء ہوتا ہے نہ کہ رنگ کے بدلنے سے، یہی صحیح ہے اھ (خانیہ میں یہ اضافہ بھی یہ ہے مگراس کی رقت زائل نہ ہوئی) تو اس سے وضو جائز ہے اھ۔اور فتاوٰی انقرویہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک زعفران کے پانی سے وضو جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز نہیں اھ، ظہیریہ، بحر اور خانیہ میں ہے کہ جب زردج پانی میں ڈالا گیا خانیہ میں یہ اضافہ بھی ہے مگر اسکی رقت زائل نہ ہوئی) وضو جائز ہے اھ اور خانیہ کی طرح منیہ میں ملتقط سے منقول ہے اس میں عفص کا اضافہ بھی ہے اھ غنیہ میں ہے اس کے مزے بُو اور رنگ کے بدل جانے کے باوجود وضو جائز ہے اھ اور خانیہ میں ہے نہ کہ گلاب اور زعفران کے پانی سے جبکہ اس کی رقّت ختم ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے، اور اگر اس کی رقّت ولطافت باقی رہے تو اُس سے وضو جائز ہے اھ جواہر اخلاطی میں ہے کہ جب کوئی پاک شیئ پانی میں مل جائے اور اس کو

عـــہ: وفی صغیرہ القلیل من الزعفران یغیر الاوصاف الثلثۃ مع کونہ رقیقا فیجوز الوضوء و الغسل بہ ۱۲ منہ(م)

اور اس کی شرح صغیر میں ہے کہ تھوڑی زعفران پانی کے تینوں اوصاف کو بدل دے مگر پانی رقیق ہو تو اس سے وضو اور غسل جائز ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] رسائل الارکان بالمعنی فصل فی المیاہ مطبع علوی ص ۲۴

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۹/۱

[3] غنیہ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[4] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضی خان فصل فیما لایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱۹/۱

[5] جواہر الاخلاطی

غیر الماء مثل الزعفران اجزاء وھو احتراز عن الغلبة لونا وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی[1] اھ وفی وجیز الکردری ماء الزردج والصابون والعصفر والسیل لورقیقا یسیل علی العضو یجوز التوضی بہ[2] اھ بل فی الغرر یجوز وان غیر اوصافہ جامد کزعفران وورق فی الاصح[3] وفی نورالایضاح لایضر تغیراوصافہ کلھابجامع کزعفران[4] اھ فھذہ نصوص متظافرۃ امامافی الخانیہ التوضو بماء الزعفران وزردج العصفر یجوز انکان رقیقاوالماء غالب فان غلبتہ الحمرۃ وصار متماسکالایجوز[5] اھ۔

فاقول: اولہ صریح فی اعتبارالرقۃ وفی اٰخرہ وان ذکرالحمرۃ فقد تدارکہ بقولہ وصار متماسکا فلم یکتف بغلبۃ اللون مالم یثخن ثم اکدہ بان قال

پکایا نہ گیا ہو جیسے زعفران اور زردج، تو اس سے وضو جائز ہے اور رقت کے بقاء کی قید سب کو معلوم ہے لہٰذا اظہار کی طرف کوئی محتاجی نہیں اور مسکین علی الکنز میں ہے کہ جب پانی پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران جبکہ یہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہو، اور اجزاء کی قید سے لون (رنگ) اس سے خارج ہوگیا اور یہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے اھ اور وجیز کردری میں ہے کہ زردج، صابون، عصفر اور سیلاب کا پانی اگر رقیق ہو اور یہ پانی عضو پر بہہ سکتا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اھ بلالکہ غرر میں ہے کہ اگرچہ کوئی جامد چیز اس کے اوصاف کو بدل دے تو بھی وضو جائز ہے جیسے زعفران اور پتّے، اصح قول کے مطابق۔ اور نور الایضاح میں ہے کہ کسی جامد چیز کا پانی کے اوصاف کو متغیر کردینا مضر نہیں، جیسے زعفران اھ تو یہ نصوص ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں، اور جو خانیہ میں ہے کہ زعفران، زردج، عصفر کے پانی سے وضو جائز ہے بشرطیکہ رقیق ہو اور پانی کا غلبہ ہو پس اگر اس پر سرخی غالب ہوجائے اور گاڑھا ہوجائے تو وضو جائز نہیں اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس کی ابتداء رقت کے اعتبار میں صریح ہے اور اس کے آخر میں اگرچہ سرخی کا ذکر ہے لیکن اس کا تدارک اس لفظ سے کردیا کہ وہ گاڑھا ہوجائے، تو جب تک گاڑھا نہ ہو رنگ کے غلبہ کا

---

[1] فتح المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[2] فتاوٰی بزازیہ علی الہندیہ نوع المستعمل والمقید والمطلق نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۰

[3] الغرر متن الدرر کتاب الطہارۃ مطبعۃ کاملیہ بیروت ۱/ ۲۱

[4] نور الایضاح کتاب الطہارت مطبعۃ علیمیہ لاہور ص ۳

[5] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی مطبعۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

متصلا به اما عند ابی یوسف رحمه ا لله تعالٰی تعتبر الغلبة من حیث الاجزاء لامن حیث اللون هو الصحیح [1] اھ ومثل هذا مافی الخلاصة رجل توضأ بماء الزردج اوالعصفر اوالصابون انکان رقیقایستبین الماء منه یجوزوان غلبت علیه الحمرة وصار نشاستج لایجوز [2] ھ فصرح بالبناء علی الثخونة وبقی ذکرالحمرة فی الکتابین کالمستدرك عـہ۔

الثانی: لایجوزمطلقافی شرح الطحاوی ثم خزانة المفتین المقید مثل ماء الاشجاروالثمار وماء الزعفران [3] اھ وفی المنیه لاتجوز بالماء المقید کماء الزعفران [4] اھ قال فی الحلیه محمول علی ماذا کان الزعفران غالبا [5] اھ

اقول: هذا مبهم یحتمل الغلبة

اعتبار نہیں پھر اس کی تائید میں متصلاً فرمایا کہ ابو یوسف کے نزدیک اجزاء کے اعتبار سے غلبہ معتبر ہے رنگ کے اعتبار سے نہیں، یہی صحیح ہے اھ اور اسی کی مثل خلاصہ میں ہے کہ کسی شخص نے زردج، عصفر یا صابن کے پانی سے وضو کیا، اگر وہ رقیق ہو جس سے پانی واضح ہوتا ہو تو وضو جائز ہے اور اگر اس پر سُرخی غالب ہو گئی ہو اور نشاستہ بن گیا ہو تو وضو جائز نہیں اھ تو اس میں اس کی تصریح ہے کہ دار و مدار گاڑھے پن پر ہے اور دونوں کتابوں میں سرخی کا ذکر مستدرک کی طرح ہے۔(ت)

دُوسرا مسلک: مطلقاً جائز نہیں، شرح طحاوی اور خزانۃ المفتین میں ہے مقید جس طرح درخت، اور پھلوں کا پانی اور زعفران کا پانی اھ اور منیہ میں ہے کہ مقید پانی سے وضو جائز نہیں جیسے زعفران کا پانی اھ حلیہ میں کہا کہ یہ اُس صورت پر محمول ہے جبکہ زعفران غالب ہو اھ۔(ت)

میں کہتا ہوں یہ مبہم ہے اس میں اجزاء کے

عـــہ: ستأتی فائدۃ له اٰخر الضابطة السادسة من الفصل الثالث ولذا قال کالمستدرك ای فی النظر الظاهر ۱۲ منه غفرله(م)

تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ کے آخر میں اس کے لئے ایک فائدہ بیان کیا ہے اس لئے فرمایا کالمستدرک یعنی نظر ظاہر میں ۱۲ منہ (ت)

---

1 فتاوٰی قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۱

2 خلاصۃ الفتاوٰی بیان الماء المقید مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۸

3 خزانۃ المفتین

4 منیہ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳

5 حلیہ

بالاجزاء وباللون وافصح فی الغنیه فقال المراد ماخثر به وخرج عن الرقة اومایستخرج منه رطبا کمایستخرج من الورد [1] اھ

اعتبار سے بھی غلبہ کا احتمال ہے اور رنگ کے اعتبار سے بھی ہے، اور غنیہ میں وضاحت ہے، فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو گاڑھا ہوگیا ہو اور رقّت ختم ہو گئی ہو، یا وہ ہے جو اس سے تر نکلتا ہو جیسا کہ گلاب سے نکلتا ہے اھ (ت)

اقول: فعلی الثانی یخرج من البین وعلی الاول یرجع الی الاول وھوالذی نص علیه فی المنیه نفسهامن بعداذقال تجوزالطھارة بالماء الذی اختلط به الزعفران بشرط ان تکون الغلبة للماء من حیث الاجزاء ولم یزل عنه اسم الماء [2] اھ۔

میں کہتا ہوں تو دوسری صورت میں یہ اختلافی صورت سے الگ ہو جائیگا، اور پہلی صورت میں پہلی کی طرف رجوع کرے گا یہ وہ ہے جس پر منیہ میں صراحت ہے، انہوں نے کہا کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں زعفران ملائی گئی ہو بشر طیکہ اجزاء کے اعتبار سے پانی کو غلبہ ہو، اور پانی کا اطلاق اس پر ہوتا ہو۔ (ت)

الثالث: یجوز عــه مالم یصلح للصبغ والنقش فی الفتح والحلیه صرح فی التجنیس

تیسرا مسلک: اس سے وضو جائز ہے جو رنگنے اور نقش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یہ فتح اور

عــه فی الارکان الاربعة للمولی بحر العلوم الکنوی لا یجوز التوضی بماء الزعفران و العصفر و الزردج اذا کان بحیث یلون البدن او الثوب لانه ذھب اسم الماء حقیقة و اما اذا صار بلیدا فلیس ماء مطلقا ولاماء مقیدا فلا یطلق علیه الماء لا حقیقة ولا مجازا اھ۔

بحر العلوم کی ارکان اربعہ میں ہے زعفران، عصفر اور زردج کے پانی کے ساتھ وضو جائز نہیں جبکہ وہ بدن یا کپڑے کو رنگ دے کیونکہ اب حقیقةً پانی کا نام اس سے ختم ہوگیا اور جب وہ گاڑھا ہو جائے تو نہ مطلق پانی ہے اور نہ مقید پانی ہے اور اس پر نہ تو پانی کا حقیقةً اطلاق ہوتا ہے اور نہ مجازاً اھ

اقول: فیه(۱) **اوّلا** ان ماصلح منه للصبغ لم یتبدل ذا تا فی الحقیقة انما تغیر وصف له فھوماء حقیقة نعم لم یبق ماء

میں کہتا ہوں اوّلاً اگر پانی رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پانی ذات کے اعتبار سے حقیقةً نہیں بدلا، صرف اس کا وصف بدلا ہے، تو وہ حقیقةً پانی ہے (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

[2] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۳

بان من التفریع علی اعتبار الغلبة بالاجزاء	حلیہ میں ہے، تجنیس میں ہے کہ تفریع باعتبار غلبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مطلقا الا ان یرید الحقیقة العرفیه المفهومة عند الاطلاق۔ **وثانیا:** (۱) سیغصل عنه الثخین بانه لیس ماء مطلقا ولا مقیدا فقد افادان هذا ماء مقید فکیف لایکون ماء حقیقة فان المطلق والمقید صنفان من الماء۔ **وثالثا:** (۲) الثخین وان لم یبق ماء اصلا علی ماافاده فی الفتح فلامانع من اطلاق الماء مجازا باعتبار ماکان۔ **و رابعا:** (۳) الحکم المنقول فی ماء الزردج ماقدمنا فی ۸۱ من ان العبرة بالرقة ولم ارماوقع ههنا لغیره ویظهر لی ان لامحل له لانه لیس مما یصبغ به کما تقدم ثمه وکونه مما یلون الثوب ان اصابه لایجعله نوعا اٰخر غیر الماء مادام رقیقا اذالانواع عندنا بالاغراض الا تری ان التمر والزبیب اذاالقیا فی الماء یغیران لونه وطعمه قبل ان یصیرانبیذا ویجوز الوضوء به بالاجماع کمامر فی ۱۱۶ مع انهما لواصابا ثوبا ابیض لوناه وذلك لان المقصود ههنا النبیذ دون الصبغ فلا یزول الاسم الا بحصول المقصود علیه الرحمة۔ اربع[۱،۲،۳،۴] معروضات علی المولی بحر العلوم عبدالعلی الکنوی۔

صرف مطلق پانی نہیں رہا، ہاں اگر حقیقۃ عرفیہ کا ارادہ کیا جائے جو اطلاق کے وقت سمجھی جاتی ہے تو اور بات ہے۔

ثانیا: گاڑھا ہونے سے وہ نہ مطلق پانی رہا اور نہ مقید، تو انہوں نے بتایا کہ یہ مقید پانی ہے، اس صورت میں وہ حقیقۃً پانی کیوں نہ ہوگا کیونکہ مطلق اور مقید دونوں ہی پانی کی اقسام ہیں۔

ثالثا: گاڑھا اگرچہ فتح کے بقول پانی نہ رہا تو باعتبار ماکان مجازًا اس پر پانی کے اطلاق میں کوئی مانع نہیں۔

رابعا: وہ حکم جو زردج کے پانی کی بابت منقول ہے جو ہم نے ۸۱ میں نقل کیا کہ اعتبار رقّت کا ہے اور میں نے دوسروں کا بیان نہیں دیکھا اور مجھے لگتا ہے کہ اس کا یہاں محل نہیں، کیونکہ اس سے رنگا نہیں جاتا ہے جیسا کہ وہاں گزرا اور اس کے کپڑے کو رنگنے سے اگر کپڑے کو لگ جائے اس کا ایک مستقل نوع بنانا لازم نہیں آتا جب تک وہ رقیق ہے دوسری نوع نہیں بنے گا کیونکہ ہمارے نزدیک انواع اغراض سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً کھجور اور منقٰی جب پانی میں ڈالے جائیں تو وہ اس کے رنگ اور مزے کو بدل دیتے ہیں، اور ابھی وہ نبیذ نہیں بنا ہوتا ہے، اور اس سے وضو بالاجماع جائز ہوتا ہے جیسا کہ ۱۱۶ میں گزرا حالانکہ اگر یہ دونوں چیزیں سفید کپڑے کو لگ جائیں تو اس کا رنگ بدل دیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود نبیذ ہے نہ کہ رنگ، تو اس کا نام اس وقت تک نہ بدلے گا جب تک مقصود حاصل نہ ہو۔ یہ چار معروضات بحر العلوم پر ہیں۔ (ت)

قول الجرجانی اذاطرح الزاج اوالعفص فی الماء جاز الوضوء به انکان لاینقش اذا کتب فان نقش لایجوز والماء هو المغلوب [1] اھ ومثله فی الهندیه عن البحر عن التجنیس من قوله اذاطرح الی قوله لایجوز وفی القنیه ثم معراج الدرایه ثم البحر ثم الدر ثم فتح ا الله المعین الزعفران اذاوقع فی الماء ان امکن الصبغ فیه فلیس بماء مطلق [2] اھ

الرابع: یجوز مالم یغلب لونها لون الماء فی الشلبیه عن یحیی عن الامام القاضی الاسبیجابی الماء ان اختلط به طاھر فان غیرلونه فالعبرة للون فان کان الغالب لون الماء جازالوضوء به والا فلا وذلك مثل اللبن والخل والزعفران یختلط بالماء [3] اھ ومثله فی خزانة المفتین والبرجندی۔

اقول: قدمنا ۱۱۶ اجماع اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم علی جوازالوضوء بماء القی فیه تمیرات فحلاولم یصر نبیذاومعلوم قطعاان اللون اسبق تغیرافیه من الطعم فاستقرالاجماع علی ان تغیر اللون و

جرجانی کا قول ہے جب زاج یا عفص پانی میں ڈالا جائے تو اس سے وضو جائز ہے، یہ اس وقت ہے کہ جب اس کے ذریعہ لکھنے سے نقش نہ آتا ہو اگر نقش آئے تو جائز نہیں، جبکہ پانی مغلوب ہو اھ، اور اسی کی مثل ہندیہ میں بحر سے تجنیس سے ہے، ان کے قول اذاطرح سے لایجوز تک اور قنیہ، معراج، بحر، در پھر فتح اللہ المعین میں ہے کہ اگر زعفران پانی میں پڑ جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے اھ

چوتھا مسلک: وضو جائز ہے جب تک اس کا رنگ پانی کے رنگ پر غالب نہ ہو، شلبیہ میں یحیٰی سے امام قاضی اسبیجابی سے منقول ہے کہ پانی میں اگر کوئی پاک چیز مل جائے اور اس کے رنگ کو بدل دے تو اعتبار رنگ کا ہوگا اگر پانی کا رنگ غالب ہو تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، مثلاً دودھ، سرکہ اور زعفران پانی میں مل جائے اھ اسی کی مثل خزانۃ المفتین اور برجندی میں ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں ہم نے ۱۱۶ میں اپنے اصحاب کا اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں تو نبیذ بننے سے پہلے پہلے اس میں مٹھاس آجائے اور یہ قطعی معلوم ہے کہ رنگ مزہ کے متغیر ہونے سے پہلے بدل جاتا ہے تو اجماع اس پر قائم ہے کہ

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

[2] دُرمختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[3] شلبی علی التبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

الطعم بجامد لایضر مالم یزل الاسم فیجب حمل هذاالرابع وکذاالثانی علی الثالث ثم قد انعقد الاجماع والاطباق*من جمیع الخداق* بغیرخلف وشقاق*ان زول الاسم یسلب الاطلاق* کیف وانما عین الشرع للوضوء الماء* وهذا اذا زال الاسم لیس بماء* فهذا الشرط ملحوظ ابدابلا امتراء* وانکان یطوی ذکرہ* للعلم بالعلم به اذشاع امرہ* فیجب حمل عــه الاول ایضًا	رنگ اور مزے کا کسی جامد سے بدلنا اس وقت تک مضر نہیں جب تک کہ نام نہ بدل جائے تو اس چوتھے اور دوسرے کا تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے۔ پھر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ جب نام زائل ہوجائے تو اطلاق باقی نہیں رہتا کیونکہ شریعت نے وضو کیلئے پانی کو متعین کررکھا ہے اور جب نام زائل ہوگیا تو پانی نہ رہا یہ شرط اگرچہ مذکور نہ ہو معتبر رہے گی، تو پہلے کو بھی تیسرے پر حمل کرنا لازم ہے، اس طرح

عــه: (۱) ولکن العجب من العلامة الخادمی اذرد الثالث بالاول حیث قال عند قول الغرر المار یجوزوان غیر اوصافه جامدکزعفران فی الاصح مانصه قیل عن البحران امکن الصبغ به لم یجز کنبیذ التمر لکن الظاهر انه علی الروایه المشار الی نفیهابقوله فی الاصح اذهذا القول اشارة الی نفی ماعن الفقیه احمد بن ابرهیم انه لوظهرلون المخالط فی الکف لایجوز اھ فقدعلمت انه لامساس له بنفی الثالث بل یجب ردہ الی هذا نعم نفی قول الفقیه صحیح وجیه لان ظهور لون الاوراق فی الکف فی ماء الحوض لایزیل عنه اسم الماء بخلاف الزعفران اذاجعله صالحاللصبغ **ثم**(۲) من العجب کلام الفقیه انماکان فی الاوراق

لیکن علامہ خادمی پر تعجب ہے کہ انہوں نے پہلے سے تیسرے کا رد کیا ہے۔ جہاں انہوں نے غرر کے گزشتہ قول "وان غیر اوصافہ جامد الخ" کے تحت فرمایا کہ بحر سے منقول ہے اگر وہ رنگنے کے قابل ہو تو جائز نہیں، جیسے نبیذ تمر سے، لیکن ظاہر میں روایت مشار پر اس کی نفی ہے اس کے قول فی الاصح سے، کیونکہ یہ قول اشارہ ہے اس کی نفی پر جو فقیہ احمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ اگر ملنے والی چیز کا رنگ ہتھیلی میں ظاہر ہو تو اس پانی سے وضو جائز نہیں اھ آپ جانتے ہیں کہ تیسرے کی نفی سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلاکہ اس کی طرف اس کا رد واجب ہے۔ ہاں فقیہ کے قول کی نفی درست ہے، کیونکہ حوض سے پانی لینے میں ہتھیلی پر پتّوں کے رنگ کے ظہور سے پانی کا نام زائل نہیں ہوتا۔ زعفران کا حکم اس کے برخلاف ہے جبکہ وہ پانی کو رنگنے کے قابل کردے۔ پھر تعجب ہے کہ فقیہ کا (باقی برصفحہ آیندہ)

علی الثالث فیزول الشقاق* ویحصل الوفاق* واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مسئلہ متفقہ ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۱۲۳) **اقول:** یونہی رنگت کی پُڑیاں کہ اب چلی ہیں اور ہماری تحقیق میں ان کی طہارت پر فتوٰی ہے جب پانی میں اتنی خفیف ملیں کہ رنگنے کے قابل نہ ہوجائے اگرچہ رنگت بدل جائے۔

(۱۲۴) یونہی روشنائی جبکہ اس کے ملنے سے پانی لکھنے کے لائق نہ ہوجائے اقول یعنی اُس سے حرف کا نقش نہ بنے جو بعد خشکی پڑھنے میں آئے اگرچہ پھیکا ہو۔

صنف دوم بہتی چیزیں۔

(**۱۲۵و۱۲۶**) جس پانی میں زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اتنا کم پڑے کہ ان پانیوں کی رنگت اُس سادہ پانی پر غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے۔

قال الامام ملك العلماء فی البدائع الماء المطلق اذاخالطه شیئ من المائعات الطاھرۃ کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك ینظر انکان یخالف لونه لون الماء کاللبن	ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا "مطلق پانی میں جب کوئی سیال پاک چیز مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقّٰی کا عرق وغیرہ تو یہ دیکھا جائیگا کہ اس کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہے یا نہیں، مثلاً دودھ،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبدله الفاضل الناقل بالمخالط فعم الزعفران واللہ المستعان **ثم**(۱) العجب کل العجب ان الفاضل نفسه زاد بعد قول الغرر ان بقی رقته لفظة واسمه ایضا اھ فقدکان یعلم ان الرقة لاتنفع اذازال الاسم فکیف یجعل القول الثالث مبنیاعلی الروایه المنفیه ۱۲ منه غفرله(م)

کلام تو پتّوں سے متعلق تھا اور فاضل ناقل نے اسے مخالط سے بدل دیا ہے تو اس نے زعفران کو شامل کرلیا ہے واللہ المستعان، پھر بڑا تعجب ہے کہ خود فاضل نے غرر کے قول "وان بقی رقته" کے بعد ایک لفظ "واسمه ایضا اھ" کا اضافہ کیا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پانی کے نام کے زوال کے بعد رقت کا کوئی فائدہ نہیں تو قولِ ثالث کو روایت منفیہ پر مبنی کس طرح کیا جائے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وماء العصفر والزعفران تعتبر الغلبة فی اللون [1] اھ وفی الحلیہ نقل فخر الدین الزیلعی عن الاسبیجابی ونجم الدین عـہ الزاھدی عن زادالفقہاء قالوا انکان المخالط شیألونہ یخالف لون الماء مثل اللبن والخل وماء الزعفران انکانت الغلبة للون الماء یجوز التوضی بہ وانکان مغلوبالایجوز [2] اھ	عُصفر یا زعفران کا پانی، اگر ایسا ہے تو پانی میں رنگت کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اور حلیہ میں ہے فخر الدین زیلعی نے اسبیجابی سے اور نجم الدین زاہدی نے زاد الفقہاء سے نقل کیا، ان حضرات نے فرمایا کہ اگر ملنے والی اشیاء کا رنگ پانی کے رنگ سے مختلف ہو جیسے دودھ، سرکہ اور زعفران کا پانی، اور ایسی صورت میں غلبہ پانی کے رنگ کو ہو تو وضو جائز ہے اور اگر پانی کا رنگ مغلوب ہو تو وضو جائز نہیں۔ (ت)
اقول: ولا شك ان ھذا الماء یخالف الماء المطلق فی الاوصاف الثلثة فعلی ضابطة الامام الزیلعی یعتبر تغیر وصفین فکان یحتمل ان تقتضی الضابطة خلاف ھذاالحکم المنقول فیمااذا غلب علی المطلق طعمہ وریحہ دون لونہ لکنہ غیر معقول لان اللون اقوی اوصافہ واسرع اثرا فان تغیر شیئ من اوصاف الماء تغیرلونہ قبلہ وان لم یتغیر شیئ فلم یحصل فی جانب الجواز خلاف۔	**میں کہتا ہوں** اس میں شک نہیں کہ یہ پانی مطلق پانی سے تینوں اوصاف میں مختلف ہوگا تو امام زیلعی کے ضابطہ کے مطابق اس میں دو۲ وصفوں کے تغیر کا اعتبار ہوگا، اس میں یہ احتمال تھا کہ اس ضابطہ کی رُو سے مذکور حکم کے برخلاف حکم اس صورت میں ہوتا جبکہ مطلق پانی پر مزہ اور بُو کا غلبہ ہوا ہو نہ کہ رنگ کا۔ مگر یہ بات معقول نہیں ہے کیونکہ رنگ پانی کے اوصاف میں قوی تر اور زُود اثر ہے تو اگر پانی کے اوصاف میں سے کوئی وصف بدلتا تو سب سے پہلے تو رنگ ہی بدلتا، اور رنگ نہیں بدلا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ کوئی وصف نہیں بدلا، تو جواز کی صورت میں کوئی اختلاف نہ رہا۔ (ت)

(۱۲۷) یوں ہی پُڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں ملنے سے اس کی رنگت غالب نہ آئے تو وضو روا ہے۔

اقول: لانہ انکان ذاریح فکماء الزعفران والعصفر اولا فذو وصفین	**میں کہتا ہوں** اس لئے اگر وہ چیز خوشبودار ہو تو جیسے زعفران اور عُصفر کا پانی ہے یا نہ ہو تو دو وصف

عـہ بالرفع عطفا علی فخر الدین ۱۲ منہ غفرلہ (م) | رفع کے ساتھ کیونکہ اس کا فخر الدین پر عطف ہے (ت)

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المطلق سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] حلیہ

ولا یتغیر الطعم مالم یتغیر اللون فلا یحصل الخلاف۔	والی ہو گی، اور مزہ اس وقت نہ بدلے گا جب تک رنگ نہ بدلے تو اختلاف نہ ہوا۔ (ت)

(۱۲۸) آبِ تربوز جسے تربوز کا شربت کہتے ہیں جس میٹھے پانی میں اتنا ملے کہ اس کا مزہ پانی پر غالب نہ ہو جائے اس سے بالاتفاق وضو ہو سکتا ہے۔ تبیین الحقائق و فتح القدیر و حلیہ و غنیہ و درر و بحر وغیرہا میں ہے:

ماء البطیخ تعتبر الغلبة فیه بالطعم [1] اھ اقول ویظهر لی تقییده بالماء العذب کما فعلت فان الماء الملح ربما تبلغ ملوحته بحیث لو خلط به ماء الحبحب اکثر من نصفه لم یغلب علی طعمه بل کانت حلاوة هذا هی المغلوبة فاعتبار الطعم ههنا تضییق یؤدی الی توسیع خارج عن القوانین بمرة فلیتنبه۔	آبِ خربوزہ میں مزہ کے غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ اقول اور اس کو میٹھے پانی سے مقید کرنا ضروری ہے جیسا کہ میں نے کہا ہے کیونکہ کھارے پانی کی نمکینی بعض اوقات اس درجہ زیادہ ہوتی ہے کہ اگر اس میں تربوز کا پانی آدھے سے بھی زیادہ ملا دیا جائے تو اس کا مزہ نہیں بدلتا ہے، بلکہ اس کی مٹھاس مغلوب ہو جاتی ہے، تو یہاں مزہ کا اعتبار کرنا بڑی تنگی ہے، اس سے معاملہ بہت پھیل جائے گا جو شرعی قوانین کے بالکل مخالف ہے فلیتنبه۔ (ت)
اقول: وھو وان کان ذا الاوصاف الثلثة۔ کما سیاتی لکن طعمه اقوی فاذا لم یتغیر لم یتغیر شیئ فلا یحصل الخلاف فی جانب الجواز واللّٰه تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** وہ پانی اگر تین اوصاف والا ہو (جیسا کہ آئے گا) لیکن اس کا مزہ قوی تر ہو، تو جب مزہ نہ بدلا تو کوئی وصف نہیں بدلے گا تو جواز کی جانب میں کوئی خلاف نہ ہوگا، واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۲۹) یوں ہی سپید انگور کا شیرہ اگر شیریں پانی میں ملے مزہ کا اعتبار ہے اگر اُس کا مزہ غالب نہ ہوا قابلِ وضو ہے، بدائع میں ہے:

ان کان لا یخالف الماء فی اللون ویخالفه فی الطعم کعصیر العنب الابیض وخله تعتبر الغلبة فی الطعم [2] اھ اقول وقیدته بالعذب لما علمت وحصول الوفاق لما سمعت۔	اگر وہ پانی کے رنگ میں مخالف نہ ہو مگر مزہ میں مخالف ہو جیسے شیرہ انگور سفید اور سفید انگور کا سرکہ تو مزہ میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ میں کہتا ہوں میں نے میٹھے کی قید اس لئے لگائی کہ آپ جان چکے ہیں اور اتفاق کا حاصل ہو جانا بھی آپ کو معلوم ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

(۱۳۰) سپید انگور کا سرکہ اگر اُس کا مزہ اور بُو پانی پر کچھ غالب نہ آئے اُس سے وضو بالاتفاق جائز ہے،

اقول لانه ذووصفين وريحه اقوى فان تغير ريح الماء دون طعمه لم يجز على قضيه الضابطة خلافا للحكم المنقول المار انفا عن البدائع فلم يحصل الوفاق فى جانب الجواز الا اذالم يتغير شيئ۔	**میں کہتا ہوں** اس لئے کہ اس میں دو وصف ہیں، اور اس کی بُو قوی تر ہے تو اگر پانی کی بُو بدل گئی مزہ نہ بدلا تو ضابطہ کی رُو سے وضو جائز نہ ہوگا لیکن بدائع کے حوالے سے جو حکم ابھی گزرا ہے یہ اُس کے برخلاف ہے تو جواز کی جانب میں اتفاق حاصل نہ ہوا، یہ صرف اس صورت میں ہوگا جبکہ کوئی وصف نہ بدلے۔ (ت)

(۱۳۱) اور سرکے کہ رنگت بھی رکھتے ہیں اگر پانی میں اتنے ملیں کہ اُن کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف بُو غالب آئے اُس سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

اقول: وذلك لانهاذوات الثلاث ومعلوم ان ريح الخل اقوى شيئ فلا يقع ان يتغيرطعم الماء وحده اولونه فقط اوهمامعالا ريحه بل امالا يتغير (۱) شيئ او(۲) يتغيرالكل او(۳) الريح وحده او(۴) مع اللون او(۵) مع الطعم والعبرة فى الضابطة للغلبة بوصفين والمنقول الغلبة باللون وحده كمامر عن حليه عن الزيلعى عن الاسبيجابى وعن النجم الزاهدى عن زاد الفقهاء وتقدم عن الامام ملك العلماء فيتفق المنقول والضابطة فى الصورة الاولى والثالثة على الجواز وفى الثانيه والرابعة على المنع وفى الخامسة تتفرد الضابطة بالمنع۔	**میں کہتا ہوں** اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تین وصف والے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ سرکہ کی بُو قوی تر شیئ ہے تو یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف پانی کا مزہ بدلے یا رنگ بدلے یا دونوں بدل جائیں اور بُو نہ بدلے، بلاکہ یا تو کچھ نہیں بدلے گا یا سب کچھ بدل جائے گا یا صرف بُو بدلے گی یا رنگ کے ساتھ یا مزہ کے ساتھ اور ضابطہ میں اعتبار غلبہ کو ہے دو وصفوں کے ساتھ، اور جو منقول ہے وہ صرف رنگ کا غلبہ ہے جیسا کہ حلیہ سے زیلعی سے اسبیجابی سے اور نجم زاہدی سے زاد الفقہا سے گزرا، اور امام ملک العلماء سے بھی یہی منقول ہوا ہے اس لئے نقل اور ضابطہ میں اتفاق ہوگیا، پہلی صورت اور تیسری میں اتفاق جواز پر ہے اور دوسری اور چوتھی میں عدمِ جواز پر اور پانچویں صورت میں ضابطہ کی رُو سے عدمِ جواز ہے۔ (ت)

(۱۳۲) **اقول:** اگر کوئی ذی لون سرکہ ایسا ہو کہ اُس کا مزہ اس کے سب اوصاف سے اقوی ہو کہ اس کا قلیل سب سے پہلے پانی کے مزے کو بدلے اُس سے زاید ملے تو بُو یا رنگ میں تغیر آئے اس صورت میں

اگر پانی کا کوئی وصف نہ بدلے یا صرف مزہ متغیر ہو تو اس سے وضو بالاتفاق جائز ہے **لعدم غلبة اللون فی المنقول ولا تغیر وصفین فی الضابطة** (کیونکہ رنگ کا غلبہ نہیں ہے منقول میں اور دو وصفوں کا تغیر نہیں ہے ضابطہ میں۔ت)

(**۱۳۳**) اقول اور اگر بالفرض اس کی رنگت سب سے قوی تر اور پہلے اثر کرنے والی ہو تو اس کے ملنے سے وضو بالاتفاق اُسی وقت جائز ہوگا کہ اس کے کسی وصف میں تغیر نہ آئے **لان ای وصف منه تغیر تغیر لونه وبه العبرة فی المنقول** (کیونکہ اس کا جو وصف بھی بدلے گا اس کا رنگ بھی بدل جائے گا اور منقول میں اسی کا اعتبار ہے۔ت)

(**۱۳۴**) دُودھ سے اگر پانی کا رنگ نہ بدلا دُودھ کا رنگ اس پر غالب نہ ہوگیا اس سے وضو بالاتفاق روا ہے۔

اقول: یہ ہے وہ حکم متفق علیہ کہ فقیر نے کلمات کثیرہ مختلفہ سے حاصل کیا **وذلك لان الاقوال جاءت ههنا علی خمسة وجوه** (یہاں پانچ اقوال ہیں) (ا) **یجوز مطلقا**، (ا) مطلق جواز ہے،

اقول: ای مالم یغلب علی الماء اجزاء فانه معلوم الاستثناء اجماعا۔ (**ب**) **یجوز ان غیر احد اوصافه وستعرف ان العلماء اختلفوا فی اخذ احد هذا فی مرتبة لابشرط شیئ فیشمل ماذاغیر غیر واحد ولو الکل وحینئذ یرجع الی القول الاول اوفی مرتبة بشرط لاشیئ فیتقید بما اذا اقتصر التغیر علی وصف واحد ولولونا۔** (**ج**) **یجوز ان لم یغیر اللون۔** (**ع**) **ان لم یغیر اللون ولا الطعم۔** (**ه**) **ان لم یغیرهما معا ففی عمدة' القاری شرح صحیح البخاری للامام**	**میں کہتا ہوں** اس سے مراد یہ ہے کہ جب تک پانی پر اس کے اجزاء کا غلبہ نہ ہو، کیونکہ یہ اجماعی طور پر معلوم الاستثناء ہے۔ (**ب**) جائز ہے اگر اس کے اوصاف میں سے کسی ایک کو بدلا ہو، اور یہ عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ علماء نے اس کو لابشرط شیئ کے مرتبہ میں قبول کرنے سے اختلاف کیا ہے تو یہ اس صورت پر بھی صادق آئے گا جب پانی کا ایک سے زاید وصف بدل گیا ہو خواہ سب اوصاف ہی بدل گئے ہوں اور اس وقت پہلے قول کی طرف رجوع کرنا ہوگا یا یہ **بشرط لاشیئ** کے مرتبہ میں ہو تو یہ صرف اسی صورت میں منحصر رہیگا جبکہ تغیر ایک ہی وصف میں ہو خواہ رنگ ہی بدلا ہو۔ (**ج**) جائز ہے اگر رنگ کو نہ بدلا ہو۔

البدرمحمود التوضو بماء خالطه لبن یجوز عندناخلافا للشافعی [1] اھ وفی متن الھدایه تجوز الطھارة بماء خالطه شیئ طاھر فغیر احد اوصافه کالماء الذی اختلط به اللبن [2] اھ واقرہ فی العنایه وغیرھاوسمعت [۳] نصوص الحلیه عمن ذکروا والبدائع ان العبرة باللون وقال [۴] فی التبیین المخالط ان کان مخالفاللماء فی وصف واحدا ووصفین تعتبر الغلبة من ذلك الوجه کاللبن مثلا یخالفه فی اللون والطعم فان کان لون اللبن اوطعمه ھوالغالب فیه لم یجز الوضوء به و الاجاز [3] اھ وھکذا عبربه تبعاله فی الحلیه و البحر وغیرھما بلفظة اوللتردیدواتی به فی الغنیه قاطعا لوھم خطأالکتابة فقال وان خالف الماء فی وصفین کاللبن یخالفه فی اللون والطعم فالمعتبر ظھور غلبة احد الوصفین [4] بل افصح به کذلك الزیلعی

(ع) اگر نہ رنگ بدلا ہو اور نہ مزہ۔

(ھ) اگر رنگ اور مزہ دونوں کو اکٹھا نہ بدلا ہو، امام بدر محمود کی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ہے کہ ہمارے نزدیک اُس پانی سے وضو جائز ہے جس میں دودھ مل گیا ہو اس میں شافعی کا اختلاف ہے اھ اور متن ہدایہ میں ہے اُس پانی سے طہارت جائز ہے جس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو اور اُس نے پانی کے کسی ایک وصف کو بدل دیا ہو جیسے وہ پانی جس میں دودھ مل گیا ہو اھ اور اس کو عنایہ وغیرہ میں برقرار رکھا، حلیہ اور بدائع کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ اعتبار رنگ کا ہے، اور تبیین میں ہے کہ ملنے والی چیز اگر پانی سے ایک یا دو اوصاف میں مختلف ہو تو اسی وجہ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا، مثلاً دُودھ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف ہے تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ اس میں غالب ہو تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا اھ (ت) اور اسی طرح انہوں نے اس کی تعبیر کی ان کی اتباع کرتے ہوئے حلیہ اور بحر وغیرہ میں او کے کلمہ کے ساتھ جو تردید کے لئے ہوتا ہے اور غنیہ میں اس کو اس انداز سے ذکر کیا کہ کتابت کی غلطی کا وہم نہ رہے چنانچہ فرمایا اور اگر وہ چیز پانی سے دو وصفوں میں مخالف ہو جیسے دودھ کہ پانی سے رنگ اور مزہ میں مختلف

---

[1] عمدۃ القاری باب لایجوز الوضوء بالنبیذ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۱۷۹/۳

[2] ہدایہ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوز مطبع عربیہ کراچی ۱۸/۱ نوٹ: اللبن کی جگہ پر کتاب مذکور میں الزعفران ہے۔

[3] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ مصر ۲۰/۱

[4] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام الماء مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ۹۱

فی اٰخر الکلام لکن۵ المحقق فی الفتح مع نقله عن التبیین عبربالواوفقال اوفی بعضها فبغلبة مابه الخلاف کاللبن یخالف فی الطعم واللون فان غلب لونه وطعمه منع والاجاز [1] وکذلك فی الدرر واعترضه الشرنبلالی فقال یجب ان یقال لونه اوطعمه باولابالواو کما قال الزیلعی المقتحم لهذا الضابط [2] اه واجاب العلامة عبد الحلیم بانه فی اللبن صفتان یغایر بهما الماء المطلق احدهما اقوی من الاخری لمان تغیر اللون یحصل فیه بالقلیل فکان الغلبة ان توجد الاخری وذا کالبدیهی ومن ذلك لم یقل اوطعمه باوکمافی عبارة الزیلعی رداعلیه [3] اه

اقول: اولاً(۱)ان ارادالقلیل بالنسبة الی الماء فنعم ولکن لانظرههناالی الاجزاء باجماع اهل الضابطة التی صاحب الدررههنابصددبیانها وانماالعبرة بهافیمایوافق الماء فی الاوصاف وقد(۲)مشی

ہوتا ہے تو اعتبار ایک وصف کے غلبہ کے ظہور کا ہوگا، بلاالکہ اسی طرح اس کی وضاحت زیلعی نے کلام کے آخر میں کر دی، لیکن محقق نے فتح القدیر میں تبیین سے نقل کرتے ہوئے واؤ سے تعبیر کیا اور کہا یا بعض میں اختلاف ہو تو اس صورت میں اس چیز کے غلبے کااعتبار ہوگا جس کی وجہ سے اختلاف ہے جیسے دودھ کہ پانی سے مزہ اور رنگ میں مخالف ہوتا ہے تو اگر اس کا رنگ اور مزہ غالب ہوجائے تو اس سے طہارت نہیں ہوسکتی ہے ورنہ جائز ہے، اس طرح درر میں ہے، اس پر شرنبلالی نے اعتراض کیا ہے اور کہا ہے کہ لونہ **اوطعمہ** کہنا چاہئے **اَو** کے ساتھ، واؤ کا استعمال نہ کرنا چاہئے، جیسا کہ زیلعی نے کہا جو اس ضابطہ کے تکلف میں پڑنے والے ہیں، علامہ عبدالحلیم نے جواب دیا کہ دودھ میں دو صفات ہیں جن کی وجہ سے وہ مطلق پانی سے ممتاز ہوتا ہے، ایک صفت دوسری سے قوی تر ہے، کیونکہ اس میں رنگ کا تغیر تھوڑی سی مقدار سے ہی حاصل ہوجاتا ہے تو غلبہ یہ ہوگا کہ دوسری صفت پائی جائے اور یہ بدیہی کی طرح ہے اور اس لئے "**اوطعمہ**" نہ کہا "**اَو**" کے ساتھ، جیسے کہ زیلعی میں ہے تاکہ اس پر رَد ہوجائے اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں اول** اگر تو وہ اسکو بہ نسبت پانی کے قلیل کہتے ہیں، تو درست ہے، لیکن اہل ضابطہ کے اجماع سے یہاں اجزاء پر نظر نہیں کی جاتی ہے، اس ضابطہ سے مراد وہ ضابطہ ہے جس کو صاحبِ درر یہاں بیان کر رہے ہیں ان اجزاء کا اعتبار اُن اوصاف میں ہے جو پانی

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

[2] حاشیہ علی الدرر للشرنبلالی ابحاث الماء المطبعۃ الکاملیہ بیروت ۱/ ۲۳

[3] حاشیہ علی الدرر للمولی عبدالحلیم بحث الماء ۱/ ۱۸

علیه الدرر ھھنافجعله حکم مالایخالف الماء فی صفة وجعل اللبن قسیمه لاسھیمه وان اراد القلیل فی نفسه فھو ھھناالمغلوب المستھلك الذی لایظھرله اثر بین واللبن اذااحال الماء الی لونه کیف یعد قلیلا۔

وثانیًا: ھذا(۱)ھو قضیه القیاس فی الضابط لان ماخالف الماء فی الاوصاف الثلثة اعتبر فیه الغلبة بوصفین لان للاکثر حکم الکل وما خالف فی وصف واحد اعتبر فیه الغلبة به بقی ماخالف فی وصفین فان غلب بھما معا فلا کلام وان غلب باحدھما کان الغلبة بالنصب والنصف احق ان یلحق بالکل من ان یطرح بالکلیه ھذا ولکن الحق عندی فی اللبن علی الضابط المذکور ان تعتبر فیه الغلبة بوصفین اثنین لابوصف واحد(۲)لان اللبن مما یخالف الماء فی الاوصاف الثلثة جمیعا ولخفاء رائحته غالبا ولواغلی لظھرت ذھب الوھم الی انه لایخالف الا فی وصفین وقد قال العلامة الرملی فی حاشیه البحر ثم الشامی فی المنحة وردالمحتار المشاھد فی اللبن مخالفته للماء فی الرائحة ایضا[1]اھ

کے موافق ہوں اوصاف میں، اور درر نے یہاں ان کو بیان کیا ہے، تو انہوں نے اس کو اس چیز کا حکم قرار دیا جو پانی کے مخالف نہ ہو کسی صفت میں اور دودھ کو اس کا قسیم قرار دیا نہ کہ اس کا سہیم، اور اگر فی نفسہ کم کا ارادہ کیا تو وہ یہاں نہ ہونے کے برابر ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے جس کا کوئی واضح اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے، اور جب پانی دودھ کا رنگ اختیار کرے تو دودھ کو کس طرح کم کہا جاسکتا ہے؟(ت)

اور دوم یہ ہے کہ یہ ضابطہ میں قیاس کا تقاضا ہے، کیونکہ جو چیز پانی کے اوصافِ ثلثہ میں پانی سے مختلف ہے اس میں معتبر دو صفوں کا غلبہ ہے، کیونکہ اکثر کیلئے کل کا حکم ہے اور جو چیز پانی سے ایک وصف میں مختلف ہو اس میں ایک وصف کا غلبہ معتبر ہوگا، اب صرف وہ چیز رہ گئی جو دو صفوں میں پانی کے مخالف ہو اگر دونوں وصفوں میں پانی کے مخالف ہو اگر دونوں وصفوں میں اکٹھا غلبہ ہوجائے تب تو بات واضح ہے اور ایک میں غلبہ ہو تو غلبہ آدھے سے ہوگا اور نصف اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو کل سے ملایا جائے نہ یہ کہ اس کو بالکلیہ ساقط کیا جائے، اس کو یاد رکھئے۔ لیکن میرے نزدیک حق، اس ضابطہ کے مطابق یہ ہے کہ اس میں دو وصفوں کے غلبہ کا اعتبار کیا جائے نہ کہ ایک وصف کا، کیونکہ دُودھ پانی سے تینوں وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، چونکہ اس کی بُو بہت ہلکی ہوتی ہے ابالنے پر ظاہر ہوتی ہے اس لئے یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ صرف دو وصفوں میں مخالف ہوتا ہے، علامہ رملی نے بحر کے حاشیہ میں فرمایا، شامی

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

اقول: غیران اقوی اوصاف اللبن لونہ ثم طعمہ ثم ریحہ ولا یتغیر بہ فی الماء وصف لاحق الا وقد سبقہ سابقہ فاذا تغیر شیئ منہا فقد تغیر اللون واذا لم یتغیر اللون لم یتغیر شیئ منہا فاتفقت الاقوال علی جواز الوضوء بماء خالطہ لبن لم یتغیر لونہ وبہ ظہر ان تردید (ا)الامام الزیلعی مستغنی عنہ فان تغیر الطعم مستلزم تغیر اللون فکان ینبغی الاقتصار علی اللون کما فعل المتقدمون وقد نقلہ الزیلعی عن الاسبیجابی کما علمت واللہ تعالٰی اعلم۔	نے منحۃ میں اور ردالمحتار میں فرمایا کہ دُودھ پانی سے بُو میں بھی مخالف ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** دراصل دُودھ کے اوصاف میں قوی تر اس کا رنگ ہے پھر مزہ اور پھر بُو ہے اور اس سے پانی کا جو وصف لاحق بھی متغیر ہوتا ہے اس سے قبل کوئی سابقہ ضرور ہوتا ہے، تو جب ان اوصاف میں کوئی تغیر ہوتا ہے تو رنگ ضرور بدلتا ہے اور جب رنگ نہ بدلے تو کوئی وصف نہیں بدلتا ہے، تو تمام اقوال اس پر متفق ہیں کہ اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں دودھ ملا ہو اور اس کا رنگ نہ بدلا ہو، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ امام زیلعی کا "او" کہنا ضرور کا نہیں کیونکہ مزہ کا بدل جانا رنگ کے بدل جانے کو مستلزم ہے تو رنگ پر اکتفاء کرنا چاہئے تھا جیسا کہ متقدمین نے کیا ہے، اس کو زیلعی نے اسبیجابی سے نقل کیا، جیسا کہ آپ نے جان لیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تذییل اوّل: (۱۳۵) انڈے جس پانی میں نیم برشت کے قابلِ وضو ہے اگر انڈے پاک تھے۔

(۱۳۶) آہن تاب، سیم تاب، زرتاب یعنی جس پانی میں لوہا یا چاندی یا سونا تپا کر بجھایا **لبقاء الاسم والطبع اقول:** اگرچہ اس سے پانی کی بعض رطوبات کم ہوں گی اس میں ان فلزات کی قوت آئے گی من وجہ ایک دوا و علاج ہوگا مگر وہ کوئی شے غیر نہ ہو جائیگا پانی ہی تھا اور پانی ہی رہے گا یہ عمل پانی ہی کی اصلاح کو ہے نہ کہ اُس سے کوئی اور چیز بنانے کو۔

(۱۳۷) باوضو شخص یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو اعضاء ٹھنڈے یا میل دُور کرنے کو جس پانی سے وضو یا غسل بے نیت قربت کیا۔

(۱۳۸) معلوم تھا کہ عضو تین بار دھو چکا ہے اور پانی ہنوز خشک بھی نہ ہوا تھا چوتھی بار بلاوجہ ڈالا یہ پانی قابل وضو رہے گا یہاں تک کہ یہ پانی کسی برتن میں لے لیا تو اس سے وضو میں کوئی عضو دھو سکتے ہیں یا اگرچہ چوتھی بار ہاتھ پر اس طرح ڈالا کہ پاؤں پر گر کر بہہ گیا اُتنا پاؤں پاک ہوگیا۔

(۱۳۹) جسے حاجتِ غسل نہیں اُس نے اعضائے وضو کے سوا مثلاً پیٹھ یا ران دھوئی اگرچہ اپنے زعم میں قربت کی نیت کی۔

(۱۴۰) باوضو یا نابالغ نے اگرچہ بے وضو ہو کھانا کھانے کو یا کھانے کے بعد ویسے ہی ہاتھ منہ صاف کرنے کو ہاتھ دھوئے کُلّی کی اور ادائے سنّت کی نیت نہ کی۔

(۱۴۱) باوضو یا نابالغ نے صرف کسی کو وضو سکھانے کی نیت سے وضو کیا۔

(۱۴۲) مسواک کرنے کے بعد اُسے دھو کر رکھنا سنّت ہے کمابینا فی بارق النور (جیسا کہ "بارق النور" میں بیان کیا گیا۔ت) یہ پانی[1] اگرچہ اس سے ادائے سنّت ہوگا قابلِ وضو رہے گا کما حققنا فی الطرس المعدل ان الشرط استعماله فی بدن الانسان (جیسا کہ ہم نے "الطرس المعدل" میں ثابت کیا ہے کہ پانی کے مستعمل ہونے کیلئے پانی کا بدنِ انسان پر استعمال ہونا شرط ہے۔ت) مگر مکروہ ہوگا کہ لعابِ دہن کو دھوئے گا کما تقدم عن الخانیه۔

(۱۴۳) مسواک[2] کرنے سے پہلے بھی اسے دھونا سنّت ہے یہ پانی مکروہ بھی نہ ہوگا اگر مسواک نئی ہے یا پہلے دُھل چکی ہے۔

(۱۴۴) آداب[3] وضو سے ہے کہ آفتابہ اگر دستہ دار ہے غسل اعضاء کے وقت دستہ پر ہاتھ رکھے اس کے سر پر نہیں اور دستہ کو تین پانیوں سے دھولے۔ فتح القدیر پھر ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

منها ای من اداب الوضوء ان یغسل عروة الابریق ثلثا ووضع یده حالة الغسل علی عروته لاعلی رأسه[1] اھ ومثله فی الحلیه بغیر ثلثا۔	ان سے یعنی آدابِ وضو سے یہ ہے کہ لوٹے کے دستے کو تین مرتبہ دھویا جائے اور غسل کے وقت ہاتھ دستے پر ہی رکھا جائے نہ کہ سر پر اور ایسا ہی حلیہ میں ہے مگر ثلثا کا لفظ نہیں ہے۔(ت)

(۱۴۵) کوئی پاک کپڑا دھویا اگرچہ ثواب کے لئے جیسے ماں باپ کے میلے کپڑے۔

(۱۴۶) کھانے کے برتن جن میں کھانا پکایا یا اتارا تھا دھوئے اگرچہ ان میں سالن وغیرہ کے لگاؤ سے پانی کے اوصاف بدل گئے جب تک رقت باقی رہے اگرچہ اس دھونے سے سنت تنظیف کی نیت ہو۔

(۱۴۷) یوں ہی جس پانی سے سِل یا پتّھر دھویا اگرچہ مسالے کے اثر سے اوصاف میں تغیر آیا اور پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۴۸) برادہ صاف کرنے کو برف دھویا اور برادہ نے پانی کی رقت پر اثر نہ کیا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۹۲

(۱۴۹) چیک صاف کرنے کو آم یا کسی قسم کے پھل دھوئے۔

(۱۵۰) تختی دھوئی اور سیاہی سے پانی گاڑھا نہ ہوا۔

(۱۵۱) پکّا فرش گرد و غبار سے پاک کرنے کو دھویا اگرچہ مسجد کا بہ نیت قربت۔

(۱۵۲) ناسمجھ بچّے نے وضو کیا۔

(۱۵۳) نابالغ کو نہلایا۔

(۱۵۴) گھوڑے وغیرہ کسی جانور کو نہلایا اگرچہ ان دونوں سے نیت ثواب کی ہو جبکہ ان تینوں کے بدن پر کوئی نجست نہ ہو یہ سب پانی قابلِ وضو ہیں۔

(۱۵۵) دفع نظر کے[۱] لئے نظر لگانے والے کے بعض اعضاء دھو کر چشم زدہ کے سر پر ڈالنے کا حکم ہے جس کا مفصل بیان ہماری "کتاب منتهی الآمال فی الاوفاق والاعمال" میں ہے وہ اگر باوضو تھا یہ پانی قابلِ وضو رہنا چاہئے اگرچہ اس نے یہ امتثال امر واذا استغسلتم فاغسلوا (اگر تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو دھو ڈالو۔ت) نیت قربت کی ہو تأمل وراجع ماقررنا من شرائط الاستعمال فی رسالتنا الطرس المعدل (غور کرو اور ہم نے اپنے رسالہ الطرس المعدل میں پانی کے مستعمل ہونے کی جو شرائط بیان کی ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ت)

(۱۵۶) دُلھن کو[۲] بیاہ کر لائیں تو مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے یہ پانی بھی قابلِ وضو رہنا چاہئے اگر دُلھن باوضو یا نابالغہ تھی کہ یہ اور اس کا سابق از قبیل اعمال ہیں نہ از نوع عبادات اگرچہ نیت اتباع انہیں قربت کردے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۵۷) حائض و نفسا نے قبل انقطاع دم بے نیت قربت غسل کیا یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے۔

(۱۵۸) مرد کے وضو و غسل سے جو پانی بچا قابلِ طہارت بلا کراہت ہے اگرچہ عورت اس پانی سے طہارت کرے بخلاف عکس کہ مکروہ ہے کما تقدم۔

(۱۵۹) بعض دوائیں مغسول استعمال کی جاتی ہیں جیسے یاقوت و شادنج و حجر ارمنی و گلِ ارمنی و لک و توتیا و شنجرف و مرداسنج وغیرہا کہ خوب باریک پیس کر پانی میں ملاتے ہیں جو غبار سا ہو کر پانی میں مل جائے یا جس میں سنگریزہ رہے پھینک دیا جائے اب یہ آبِ غبار آمیز ڈھانک کر رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ وہ غبار تہ نشین ہو کر پانی سے جدا ہو جائے اُس وقت پانی نتھار کر دوا استعمال میں لائیں یہ پانی بھی قابلِ وضو ہے اگر بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو۔

(۱۶۰) حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مُوئے مبارک یا جُبۂ مقدسہ یا نعل شریف یا

کاسۂ مطہرہ تبرک کیلئے جس پانی میں دھویا قابلِ وضو ہے اگرچہ اس میں قصدِ قربت بھی ہوا۔ہاں (۱) پاؤں پر نہ ڈالا جائے کہ خلافِ ادب ہے اگر منہ پر جاری کیا منہ کا وضو ہوگیا اُن کا تو نام پاک لینے سے دل کا وضو ہو جاتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ وبارك وسلم وعلٰی ابنہ الکریم الغوث الاعظم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔الحمد للہ ان پاک کرنے والے پانیوں کی ابتداز مزم شریف بلالکہ اُس آبِ اقدس سے ہُوئی جو انگشتانِ مبارک حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بکمال رحمت جوش زن ہوا اور انتہا اس پانی پر ہوئی جو حضور کے آثارِ شریفہ کو دھو کر برکاتِ عالیہ کا منبع ومخزن ہُوا والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔

قسم دوم جن سے وضو صحیح نہیں۔

(۱۶۱) آبِ نجس۔ **(۱۶۲)** مستعمل کہ ہمارے رسالہ الطرس المعدل میں جس کا بیان مفصّل۔

(۱۶۳تا۱۶۵) گلاب کیوڑا بید مشک، ہدایہ وخانیہ میں ہے:

لابماء الورد[1] اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین وعد فی السعدیہ مع ماء الورد ماء الھندبا وماء الخلاف واشباھھا[2]۔	نہ گلاب کے پانی سے اھ اور اسی کی مثل خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے اور سعدیہ میں گلاب کے پانی کے ساتھ عرق ہندبا، عرق خلاف وغیرہ کو بھی شمار کیا۔(ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لایجوز) الطھارۃ الحکمیہ (بماء الورد) وسائر الازھار[3]۔	طہارت حکمیہ گلاب اور دوسرے پھولوں کے پانی سے جائز نہیں ہے۔(ت)

(۱۶۶) عرق گاؤزبان وعرق بادیان وعرق عنب الثعلب وغیرہا جتنے عرق کشید کئے جاتے ہیں کسی سے وضو جائز نہیں وتقدمت فی ۱۱۱ عبارۃ البحر فی الماء الذی یؤخذ بالتقطیر من لسان

---

1 فتاوٰی ہندیہ فصل فیما لایجوز بہ التوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱

2 السعدیہ

3 غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۹

الثور[1] ولفظ الدرر والمستخرج من النبات بالتقطیر[2]	(بحر کی عبارت اس پانی کی بابت جو عمل تقطیر سے گاؤزبان سے نکالا جائے اور درر میں ہے کہ جڑی بُوٹیوں کا پانی جو تقطیر سے نکالا جائے ۱۱۱ میں گزر چکی ہے۔ت)

(۱۶۷و۱۶۸) آب کاسنی آب مکوہ اگرچہ مروق ہوں کہ اجزائے کثیفہ جدا ہو کہ زیادہ رقیق ولطیف ہو جاتے ہیں ومر کلام سعدی افندی۔

(۱۶۹) وہ پانی کہ زعفران سے نکالا جائے **وتقدم کلام الغنیہ فی ۱۲۵** (اور غنیہ کا کلام ۱۲۵ میں گزرا۔ت)

(۱۷۰ تا ۱۷۹) خربوزہ، تربوز، ککڑی، کھیرے، سیب، بہی، انار، کدو وغیرہا میووں پھلوں کا عرق کہ اُن سے نکلتا یا نچوڑ کر نکالا جاتا ہے، یوں ہی گنّے کا رس اور بالخصوص وہ پانی کہ کچے ناریل کے اندر ہوتا ہے جو پگھل کر پانی نہ ہوا بلاکہ ابتداء پانی ہی تھا۔

(۱۸۰) اُس سے بھی زیادہ قابلِ تنبیہ وہ پانی ہے کہ سُنا گیا خطِ استواء کے قریب بعض وسیع ریگستانوں میں جہاں دُور دُور تک پانی نہیں ملتا ریتے کے نیچے ایک تربوز نکلتا ہے جس میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ سوار اور اس کے گھوڑے کو سیراب کردے رحمت نے بے آب جنگل میں حیاتِ انسان کا یہ سامان فرمایا ہو تو کیا دُور ہے مگر وہ پانی اگرچہ نتھرے خالص پانی کی طرح ہو اور اس تربوز میں اس کے سوا کچھ نہ ہو جب بھی قابلِ وضو نہیں کہ ثمر کا پانی ہے مائے مطلق کے تحت میں نہیں آسکتا۔ رہا وضو اس کیلئے بحمد اللہ وہ رحمتِ عامہ موجود ہے جو صدیقہ بنت الصدیق محبوبۂ محبوبِ رب العلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہما وسلم کے صدقہ میں ہر مسلمان کے لئے ہر جگہ موجود ہے کہ

تیمموا صعیدا طیبا جعلت لی الارض مسجد او طھورا[3] **اقول**: (۱) وھنالك یظھر ان الاعتصار لامفھوم لہ وان احتج بہ بعض الکبراء علی جواز الوضوء بقاطر الکرم کما سیاتی واللہ تعالٰی اعلم۔	پاک مٹی سے تیمم کرو میرے لئے زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنادی گئی ہے۔ **میں کہتا ہوں** اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعتصار کا کوئی مفہوم مخالف نہیں اگرچہ بعض اکابر نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ انگور سے ٹپکنے والے پانی سے وضو جائز ہے، کما سیاتی واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[2] الدرر الحکام للمولی خسرو بحث الماء الکاملیہ بیروت ۱/۲۳

[3] جامع للبخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸

خانیہ وہندیہ میں ہے:

لایجوز التوضوء بماء البطیخ والقثاء والقثد[1] اھ وفی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین مکان القثد وماء الخیار[2]	وضوء جائز نہیں ہے خربوز، ککڑی اور کھیرے کے پانی سے اھ اور خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے قثد (کھیرے) کے بجائے ماء الخیار (ککڑی کا پانی) ہے۔(ت)

منیہ وغنیہ میں ہے:

(لاتجوز بماء الثمار) مثل التفاح وشبھہ[3] وذکر فی الجوھرۃ ماء الدباء[4] ویاتی۔	طہارت پھلوں کے پانی سے جائز نہیں، جیسے سیب اور اس کے مشابہ اھ اور جوہرہ میں ذکر کیا کدو کا پانی، اور یہ آئیگا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

لایجوز التوضوء بماء الفواکہ[5]۔	پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں۔(ت)

یونہی وہ پانی کہ کسی درخت کی شاخیں یا پتّے کوٹ کر نکالا جائے۔ خزانۃ المفتین میں شرح مجمع البحرین سے ہے:

لایجوز الوضوء بماء القضبان[6]۔	قضبان (کٹی ہوئی شاخوں) کے پانی سے وضو جائز نہیں۔(ت)

(۱۸۳تا۱۸۵) شربتِ انار شیریں، شربتِ انار ترش، شربتِ انگور وغیرہا جتنے شربت قوام میں بنائے جاتے ہیں ہدایہ میں ہے:

لایجوز بالاشربۃ[7] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیمالایجوزبہ التوضوء نورانی کتب خانہ کراچی ۲۱/۱

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوزبہ التوضوء نولکشور لکھنؤ ۹/۱

[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

[4] جوہرۃ نیرۃ ابحاث الماء امدادیہ ملتان ۱۴/۱

[5] فتاوٰی قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضو نولکشور لکھنؤ ۹/۱

[6] خزانۃ المفتین

[7] ہدایہ الماء الذی یجوزبہ الوضو عربیہ کراچی ۱۸/۱

عنایہ میں ہے: کشرب الرمان والحماض [1] (جیسے انار اور حماض (ایک قسم کی گھاس) کا پانی۔ت) شلبیہ علی التبیین میں مستصفٰی سے ہے:

الاشربة المتخذة من الشجر کشراب الریباس ومن الثمر کالرمان والعنب [2] اھ ووقع فی الدرر بعد ماقال لابما اعتصر من شجر اوثمر ولا بماء زال طبعه بالطبخ کشراب الریباس مانصه وھذه العبارة احسن مما قیل کالاشربة فانه علی عمومه مشکل [3] اھ۔	درختوں سے حاصل کے ہوئے عرق جیسے ریباس (چقندر کی طرح ایک سبزی) کا عرق، اور پھلوں کا رس جیسے کہ انگور اور انار کا رس۔اور درر میں لابما اعتصر من شجر اوثمر الخ کے بعد ہے کہ نہ اُس پانی سے جس کی طبیعت پکانے کی وجہ سے بدل گئی ہو جیسے ریباس کا عرق، ان کی عبارت یہ ہے اور یہ عبارت اِس قول سے بہتر ہے کہ کالاشربۃ، کیونکہ اس کو عموم پر رکھنا مشکل ہے اھ (ت)
اقول: ھو کما تری (۱) نص الھدایة واقرہ الشراح ومثله فی مختصر القدوری والوافی والوقایه والاصلاح والملتقی والبدائع والخانیه والخلاصة وشرح مجمع البحرین وخزانة المفتین والغنیه والھندیه وغیرھا مما لایکاد یحصی (۲) سبحٰن اللہ مالی اعد الکتب وھو نص صاحب المذھب ففی الجامع الصغیر محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھم لایتوضو بشیئ من الاشربة غیر نبیذ التمر [4] اھ ولا ادری	**میں کہتا ہوں** وہ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ہدایہ کا نص ہے اور شراح نے اس کو برقرار رکھا ہے اور اس کی مثل مختصر القدوری میں ہے نیز وافی، وقایہ، اصلاح، ملتقی، بدائع، خانیہ، خلاصہ، شرح مجمع البحرین، خزانۃ المفتین، غنیہ اور ہندیہ وغیرہ لاتعداد کتابوں میں ہے سبحان اللہ، میں کتابیں کیوں گنواؤں؟ یہ تو صاحب مذہب کی تصریح ہے، چنانچہ جامع صغیر میں روایت ہے، محمد روایت کرتے ہیں یعقوب سے ابو حنیفہ سے مروی ہے کہ سوائے نبیذ تمر کے کسی عرق سے وضو نہ کیا جائے اھ اور میں نہیں سمجھتا کہ اس کے عموم میں کیا اشکال ہے، اور اس کے

[1] عنایہ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ عربیہ کراچی ۱/۱۸
[2] شلبیہ مع التبیین کتاب الطہارت الامیریہ مصر ۱/۱۹
[3] درر الاحکام کتاب الطہارۃ دارالسعادۃ مصر ۱/۲۳
[4] جامع الصغیر فیما لایجوزبہ التوضو یوسفی لکھنؤ ص ۸

ای اشکال فی عمومه ولم یتکلم(۱) علیه ناظروه الشرنبلالی وعبدالحلیم والحسن العجیمی واتی الخادمی عـــه بمالایغنی واللّٰه تعالٰی اعلم۔	دیکھنے والوں نے اس پر کلام نہیں کیا جن میں شرنبلالی، عبدالحلیم اور حسن عجیمی شامل ہیں اور خادمی نے بہت سی باتیں کی ہیں جو بے نیاز نہیں کرتیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عـــه: اذقال انه علی عمومه مشکل اذالا شربة فی الاصل اسم لکل مایشرب فشامل لنحو ماء التمر وغیره والمقصود ھھنا الاختصاص بشراب الریباس کمافھم من الایضاح فافھم اھ

اقول: ترکھم(۲) التکلم احسن من ھذا والمقصود اعطاء حکم عام وتمثیله بجزئی لاتخصیص الکلام بالجزئی والاشربة فی العرف ھی ھذه المتخذة من الثمار والاشجار والا فالماء ایضا شراب ﴿هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ﴾ ولا شك ان الحکم یعمھا **فان قلت** ھو رحمه اللّٰه تعالٰی یمیل الی جواز التوضی بنبیذ التمر لقوله فی سؤر الحمار (یتوضو به ویتیم ان عدم غیره بخلاف نبیذ التمر) حیث یتوضو به عند ابی حنیفة وان قال ابو یوسف بالتیمم فقط ومحمد جمع بینھما اھ

اقول: انما یستشکل مالایظھر وجه صحته ولیس لمن یختار جانبا من قولین متساویین ان یستشکل علی الاٰخر فضلا

انہوں نے فرمایا یہ اپنے عموم پر مشکل ہے کیونکہ "اشربة" ہر اس چیز کا نام ہے جو پی جاتی ہے تو یہ کھجور وغیرہ کے پانی کو شامل ہوگااور یہاں مقصود ریباس کے عرق کی تخصیص ہے جیسا کہ ایضاح سے مفہوم ہے، فافہم اھ۔

میں کہتا ہوں ان کا کلام نہ کرنا اس سے بہتر ہے اور مقصود عام حکم لگانا ہے اور مثال اس کی ایک جزئی سے دی گئی ہے کلام کو جزئی سے خاص کرنا مقصود نہیں، اور اشربہ عرف میں پھلوں اور درختوں سے حاصل شدہ عرقیات ہی کو کہتے ہیں، ورنہ تو پانی بھی شراب ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ﴿هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ﴾، اور کوئی شک نہیں کہ حکم ان سب کو عام ہے، اگر تم کہو کہ وہ رحمہ اللہ نبیذ تمر سے وضو کے جواز کی طرف مائل ہیں کیونکہ انہوں نے گدھے کے جوٹھے کے بیان میں فرمایا (اس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی اگر اور پانی نہ ہو، بخلاف نبیذ تمر کے) کیونکہ اس سے ابوحنیفہ کے نزدیک وضو کیا جاسکتا ہے اگرچہ ابویوسف صرف تیمّم کے قائل ہیں، اور امام محمد وضو اور تیمّم دونوں کا قول کرتے ہیں۔اھ (ت)

میں کہتا ہوں اشکال صرف اس وقت ہوگا جس کی وجہ صحت ظاہر نہ ہو اور وجود وبرابر اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کرتا ہے اس کیلئے دوسرے (باقی برصفحہ آیندہ)

(۱۸۶و۱۸۷) ہر قسم کا سرکہ اور مقطر

(۱۸۸) آب کامہ جسے عربی میں کامخ بفتح میم ومرّی بتشدید راؤ یائے نسبت کہتے ہیں شوربے کی طرح ایک رقیق نانخورش ہے کہ دہی اور سرکے وغیرہ اجزاء سے بنتی ہے اصفہان میں اُس کا زیادہ رواج ہے۔ خانیہ وخزانۃ المفتین وشرح مجمع البحرین میں ہے:

لایجوز الوضوء بالخل والمری [1] اھ وقد ذکر الخل فی الکثیر۔	سرکہ اور نانخورش (شوربا) سے وضو جائز نہیں اھ سرکہ کا ذکر بہت سی کتابوں میں ہے۔ (ت)

(۱۸۹) نمک کا پانی کہ نمک بہ کر ہوتا ہے اس پر اجماع ہے۔

(۱۹۰) نمک کا پانی کہ نمک بن جاتا ہے اس میں اختلاف ہے اور اکثر کا رجحان عدمِ جواز کی طرف ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عمن یختار قیلا ضعیفا مھجور الجمھور واللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ ثم رأیت السیر ابا السعود نقل عن العلامۃ نوح افندی وجہ الاشکال ماقد اشرت الیہ بقولی الماء ایضا شراب ولم یعجبنی ان اجعل مثلہ تفسیرا لکلام الدرر فقال وجہ الاشکال شمول الاشربۃ لغیر المتخذۃ من الشجر والثمر اذا المطلق من الماء شراب قال وانما قال احسن لامکان توجیہ العبارۃ بان یقال ارادا لاشربۃ المتخذۃ منھما اھ وانت تعلم (۱) ان مثل ھذا لایستاھل الذکر فضلا عن حمل کلام مثل مولی خسرو علیہ ثم تعبیر (۲) التوجیہ بالامکان واللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

پر کوئی اشکال نہیں، چہ جائیکہ وہ شخص جو ضعیف مخالف جمہور کو لیتا ہے و اللہ تعالٰی اعلم بمراد عبادہ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ ابو السعود نے نوح آفندی سے وجہ اشکال وہی نقل کی جس کی طرف میں نے اپنے قول سے اشارہ کیا ہے کہ پانی کو بھی شراب کہتے ہیں اور مجھے اچھا معلوم ہوا کہ میں اسی کی مثل درر کا کلام کروں وہ فرماتے ہیں وجہ اشکال یہ ہے کہ "اشربہ" کا لفظ درخت اور پھلوں کے عرقیات کے علاوہ کو بھی شامل ہے کیونکہ مطلق پانی بھی شراب ہے، جو انہوں نے کہا ہے وہ زیادہ اچھا ہے کیونکہ عبارت کی توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ "اشربہ" سے وہ مراد ہیں جو ان دونوں سے بنائے جائیں اھ اور آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کی تاویل قابلِ ذکر بھی نہیں چہ جائیکہ مولٰی خسرو کے کلام کو اس پر محمول کیا جائے، پھر توجیہ کو امکان سے تعبیر کرنا، و اللہ المستعان ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما یجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

کہ وہ طبیعت آب کے خلاف ہے پانی سردی سے جمتا ہے اور وہ گرمی میں جمتا جاڑے میں پگھلتا ہے۔ تبیین الحقائق و بحر الرائق وبزازیہ میں ہے:

لایجوز بماء الملح وھو یجمد فی الصیف ویذوب فی الشتاء عکس الماء [1]۔	نمک کے پانی سے وضو جائز نہیں، نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور سردی میں پگھلتا ہے پانی کے برعکس۔

غرر و تنویر و درر و در میں ہے:

والنظم للدرر(یجوز ان)ای الوضوء والغسل بماء ینعقد به الملح)کذا فی عیون المذاھب(لابماء الملح)الحاصل بذوبان الملح کذا فی الخلاصة ولعل الفرق ان الاول باق علی طبیعته الاصلیه والثانی انقلب عـه الی طبیعة	عبارت درر کی ہے وضو اور غسل جائز ہے(اس پانی سے جس سے نمک بنا ہے)یہی عیون المذاہب میں ہے(نہ کہ نمک کے پانی سے)جو نمک سے پگھل کر حاصل ہوتا ہے، خلاصہ میں یہی ہے اور غالبًا فرق یہ ہے کہ اوّل اپنی اصل طبیعت پر واقع ہے اور دوسرا دوسری

عـه قال الخادمی اورد الجمد والبخار اھ اقول توھم (۱)الانقلاب فی الجمد انما یتأتی ممن یزعم ان السمن فی الشتاء لایبقی سمنابل ینقلب ماھیه اکری قال واجیب المراد الطبیعة غیر الملائمة للمائیه اھ اقول ومراد الایرادان الماء یجمد ویصیربخارا فلا یتوضو به ثم اذا ذاب ذاك وتقاطر ھذا جاز لعودھما الی المائیه کماکانا علیھا فلو ان الماء الذی سینعقد ملحا کان باقیا علی طبیعة الاصلیه کما قلتم انما لایجوز الوضوء به حین یصیر ملحا فاذا ذاب فقد عاد الی طبیعة الاولی فما وجه الفرق بین

خادمی نے کہا کہ جمد اور بخار سے اعتراض کیا گیا ہے اھ میں کہتا ہوں جمد میں انقلاب کا وہم یہ وہی کہہ سکتا ہے جس کو یہ گمان ہو کہ گھی سردیوں میں گھی نہیں رہتا ہے بلاکہ اس کی ماہیت بدل جاتی ہے فرمایا، جواب دیا گیا ہے کہ مراد وہ طبیعت ہے جو پانی کے مناسب نہ ہو اھ میں کہتا ہوں کہ اعتراض یہ ہے کہ پانی جم کر بخار بنتا ہے تو اس سے وضو نہیں کیا جاتا ہے، پھر جب یہ پگھلتا ہے اور ٹپکتا ہے تو وضو جائز ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں پانی بن جاتے ہیں، تو جو پانی جم کر نمک ہو جاتا ہے اگر بقول آپ کے اپنی اصلی طبیعت پر باقی ہو تو اس سے نمک ہونے کی حالت میں وضو جائز نہ ہوگا، اور جب وہ پگھلے گا تو اپنی پہلی طبیعت کی طرف واپس آجائے گا تو جو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹

طبیعت کی طرف منتقل ہوگیا اھ اس پر اس کے محشّی	اخری[1] اھ واعترضہ محشیہ العلامۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ماسینعقد وماکان انعقد فان ضر تخلل الانقلاب الی طبیعۃ اخری فلیضر فی الجمد الذائب والسحاب الصائب وحاصل الجواب ان المضر تخلل طبیعۃ لاتناسب طبیعۃ الماء وذلک فی الملح بخلاف الجمد والبخار اھ۔ **اقول:** (ا) ویکدرہ ان لیس بین ماء ملح سینعقد ملحاوبین الملح الا السیلان والجمود وبھذا لقدر لایحصل تباین الطبیعتین وعدم التناسب بینھما کیف وھو حین ھو علی شرف الانعقاد فیہ کل ما فی الملح غیر انہ لم یجمد وسیجمد کالسمن والعسل فی الصیف والشتاء فکیف یقال ان الطبیعۃ الملحیہ لاتناسب طبیعۃ ذالک الماء **فانقلت** المراد بطبیعۃ الماء ھی الرقۃ ولا شک ان الجمود یباینھا **اقول:** فیعود الایراد بالجمد فان التباین بین الرقۃ والجمود لذاتیھما لالمایعرضانہ من ماء اوملح فعلیک بالتثبت و اللہ تعالٰی اعلم ثم رأیت الجواب المذکور فی الخادمی للدانی افندی قال بعدہ وھی طبیعۃ الملحیہ فیکون ماؤہ

منعقد ہوگا اور جو منعقد ہوچکا ہے اس میں فرق کی کیا وجہ ہے تو اگر پانی کا دوسری طبیعت کی طرف انقلاب خلل پیدا کرتا ہے تو یہ چیز اس جمد میں بھی مضر ہونی چاہئے جو پگھل گیا ہے اور اسی طرح بہنے والے بادل میں اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضر ایسی طبیعت کا خلل انداز ہونا جو پانی کی طبیعت سے مناسب نہ ہو، اور یہ چیز نمک میں ہے، بخلاف جمد اور بخار کے۔ میں کہتا ہوں اس کو یہ چیز مکدر کرتی ہے کہ جو نمکین پانی نمک بننے والا ہے اور جو بالفعل نمک ہے اس میں سوائے سیلان اور جمد کے کیا فرق ہے اور دونوں عدمِ مناسبت بھی نہ ہوگی، پھر جب وہ جمنے کے قریب ہوتا ہے تو اس میں وہ تمام خصوصیات ہوتی ہیں جو نمک میں ہوتی ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ابھی جما نہیں ہے اب جم جائیگا جیسے گھی اور شہد گرمی اور جاڑے میں، تو یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ نمک کی طبیعت اس پانی کے مناسب نہیں، اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پانی کی طبیعت سے مراد رقّت ہے اور کچھ شک نہیں کہ جمود اس کے مخالف ہے۔ میں کہتا ہوں پھر وہی اعتراض ہوگا کہ جمد میں تباین رقّت اور جمود کا ذاتی ہے عارضی نہیں کہ پانی یا نمک کی وجہ سے ہو، تو غور کرنا لازم ہے، و اللہ تعالٰی اعلم۔ پھر میں نے مذکور جواب دانی آفندی کی خادمی (باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] درر غرر کتاب الطہارۃ دار السعادۃ مصر ۱/۲۱

نوح افندی کمافی ش بان عبارۃ الخلاصۃ ولوتوضو بماء الملح لایجوز ثم نقل عن البزازیہ و الزیلعی ماقدمناقال واقرہ صاحب البحر والعلامۃالمقدسی ومقتضاہ انہ لایجوز بماء الملح مطلقا ای سواء انعقد ملحا ثم ذاب اولا وھو الصواب عندی[1] اھ ملخصا۔	علامہ نوح آفندی نے اعتراض کیا ہے، جیسا کہ "ش" میں ہے کہ خلاصہ کی عبارت یہ ہے کہ اگر کسی نے نمک کے پانی سے وضو کیا تو جائز نہیں۔ پھر بزازیہ اور زیلعی سے انہوں نے وہی نقل کیا جو ہم نے بیان کیا اور فرمایا اس کو صاحب بحر اور علامہ مقدسی نے برقرار رکھا اس کا مفہوم وہی ہے کہ نمک کے پانی سے مطلقًا وضو جائز نہیں ہے خواہ نمک بن کر پھر پگھلا ہو یا نہ اور میرے نزدیک یہی صواب ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اقول: نمک اقسام ہے ایک وہ رطوبت کہ پہاڑ یا غار سے جوش کرکے نکلتی اور جم جاتی ہے جیسے نمک لاہوری واندرانی اور سانبھر یہ ابتداء جب تک بستہ نہ ہوئی تھی یقینا اُسی کی مانند ہے جب بستہ ہو کر پگھل جائے کہ وہ پانی کی نوع ہی سے نہیں، دوم دریائے نمک کا منجمد حصہ یہ بعض تیز و تند و حار وحاد چشموں کا پانی ہے کہ جب حرارتِ آفتاب اس میں عمل کرتی ہے کناروں کناروں سے جم جاتا ہے بیچ میں بہتا پانی رہتا ہے اس میں جو چیز پڑے ایک مدت کے بعد نمک ہو جاتی ہے اختلاف اسی پانی میں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعد الذوبان کماء الذھب والفضۃ بخلاف الجمد اذا انقلب ماء فانہ ملائم یطبع الماء اھ نقلہ السید الازھری اقول والرد علی ھذااظھر فانہ لاینقلب بعد الذوبان الا الی ماکان علیہ وقد کان عندکم علی طبیعتہ الاصلیہ فکذالك بعد الزوبان ۱۲ منہ غفرلہ (م)	میں دیکھا اس کے بعد انہوں نے کہا کہ وہ نمک کی طبیعت ہے تو اس کا پانی پگھلنے کے بعد سونے چاندی کے پانی کی طرح ہوگا بخلاف جمد کے جب وہ پانی ہو جائے کیونکہ یہ پانی کی طبیعت کے مناسب ہے اھ اس کو سید ازہری نے نقل کیا۔ میں کہتا ہوں اس پر رد اظہر ہے کیونکہ وہ پگھلنے کے بعد پہلی ہی حالت کی طرف لَوٹے گا اور تمہارے نزدیک وہ اصل طبیعت پر تھا تو اسی طرح پگھلنے کے بعد ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۲

والذی یظھر لی انہ ان(۱) کان ماء حقیقۃ کما ھو الظاھر فلا ینبغی الریب فی جواز الوضوء بہ لان الماء ماء سواء کان عذبا فراتا او ملحا اجاجا وقد قال فی الخانیۃ لوتوضأ بماء السیل یجوز وان خالطہ التراب اذا کان الماء غالبا رقیقا فراتا کان اواجاجا[1] اھ(۱) وکونہ یجمد صیفاویذوب شتاء لا یجعلہ نوعاًاٰخر غیر الماء فلیس من ارکان ماھیۃ الماء ولا من شرائطھا الجمودشتاء و الذوبان صیفاوانماھذہ اوصاف تختلف باختلاف الاصناف ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج ھذا ینبت ویروی وھذا لایفعل شیا منہ وقد یمکن(۲) عقد الملح بماء البحر بالطبخ ولا یخرجہ ھذا عن المائیۃ فکذا لواجتزأ بعض المیاہ لشدۃ حدتہ عن الطبخ بحرارۃ الشمس لم یکن فیہ اختلاف الماھیۃ فھذا ربمایقضی لما فی الدر والدرر بالترجیح* لکن لمااختلفوا ولم یتبین الامر قدمت الحاظر علی المبیح* ولکن العجب من العلامۃ الشرنبلالی علل فی المراقی المنع من ذائب الملح بما مرانہ یذوب شتاء ویجمد صیفا ثم قال وقبل انعقادہ ملحا طھور[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

میرے نزدیک اگر وہ حقیقۃً پانی ہی تھا جیسا کہ ظاہر ہے تو اس سے وضو کے جواز میں کوئی شک نہ ہونا چاہئے کیونکہ پانی تو پانی ہی ہے خواہ سخت میٹھا ہو یا سخت کڑوا ہو، خانیہ میں ہے اگر سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے خواہ اس میں مٹی ملی ہُوئی ہو جبکہ پانی غالب رقیق ہو، میٹھا ہو یا نمکین ہو اھ اور یہ بات کہ وہ گرمیوں میں جم جاتا ہے اور سردیوں میں پگھل جاتا ہے اس کو پانی کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں بنادیتا ہے کیونکہ جاڑوں میں جمنا گرمیوں میں پگھلنا نہ تو پانی کی ماہیت کے ارکان سے ہے اور نہ شرائط سے ہے اور یہ اوصاف ہیں جو قسموں کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں، کوئی سخت میٹھا، کوئی سخت نمکین، کوئی اُگانے والا اور سیراب کرنے والا ہوتا ہے اور کچھ بے فائدہ ہوتا ہے اور کبھی سمندری پانی کو ابال کر نمک بنالیا جاتا ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ پانی نہیں تھا، اسی طرح اگر کوئی پانی آفتاب کی گرمی سے گرم ہونے کی وجہ سے متحجری ہوگیا تو یہ اس کی ماہیت کو تبدیل نہیں کرتا، اس سے اس چیز کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے جو در اور درر میں ہے لیکن فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے میں نے منع کرنے والی دلیل کو مباح کرنے والی دلیل پر ترجیح دی ہے، مگر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انہوں نے مراقی الفلاح میں منع کی علت پگھلے ہوئے نمک میں یہ بتائی کہ وہ سردی میں پگھلتا اور گرمیوں میں جمتا ہے اور نمک بننے سے قبل وہ پاک ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضی خان　فصل فیمالایجوز التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی، کتاب الطہارت نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۳

(۱۹۱) نوشادر کا پانی کہ اس کے بہنے سے حاصل ہوتا ہے۔

(۱۹۲) آبِ کافور کہ اس کے پگھلنے سے حاصل ہو ریاحی کافور جسے یہاں بھیم سینی کہتے ہیں دھوپ کی گرمی سے پگھل جاتا ہے۔

(۱۹۳) آبِ کافور کہ درخت کافور کاٹتے وقت اس سے ٹپکتا ہے۔

(۱۹۴) آبِ نفط بالکسر ایک روغنی رطوبت تیز رائحہ ہے کہ بعض زمینوں سے اُبلتی ہے۔

(۱۹۵) مٹی کا تیل مثل آبِ نفط ہے۔ بزازیہ میں ہے: **ماء الملح لایجوز الوضوء به وکذا ماء النفط**[1] (نمک کے پانی سے وضو جائز نہیں، اور ایسے ہی ماء النفط (ایک معدنی تیل) سے۔ت)

(۱۹۶) زِفت بالکسر درخت صنوبر نر کامد جو پھل نہیں دیتا۔

(۱۹۷) راتیانج درخت صنوبر مادہ کامد جس میں پھل آتا ہے۔

(۱۹۸) قطران ایک قسم کا درخت سرو کامد۔

(۱۹۹) قیر ایک سیاہ رطوبت کہ بعض زمینوں یا گرم چشموں سے ابلتی ہے۔

(۲۰۰) قفر الیہود ایک بودار رطوبت بنفشی رنگ کہ مثل قیر بعض دریاؤں سے نکلتی ہے۔

(۲۰۱) عنبر کہ یہ بھی ایک قول میں ایک معدنی رطوبت ہے بعد کو حرارت آفتاب وغیرہ سے منجمد ہو جاتی ہے۔

(۲۰۲) مومیائی

(۲۰۳) سلاجیت یہ دونوں پتھر کے مد ہیں اور ابتدا میں سیال ہوتے ہیں **وکل ذلك فی معنی ماء النفط** (یہ سب ماء النفط (ایک معدنی تیل) کے معنی میں ہیں۔ت)

(۲۰۴) نیم وغیرہ درختوں کا مد

(۲۰۵) موسم بہار میں انگور کی بیل سے خود بخود پانی ٹپکتا ہے اس میں اختلاف ہے اور راجح یہی ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں۔

فی الهدایة (لایجوز بما اعتصر من الشجر والثمر لانه لیس بماء مطلق والحکم عند فقده منقول الی التیمم اما الماء الذی	ہدایہ میں ہے (وضو اس پانی سے جائز نہیں جو درخت اور پھل سے نچوڑا گیا ہو) کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں رہا، اور جب مطلق پانی نہ ہو تو پھر حکم تیمّم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع العالمگیری نوع فی المستعمل والمطلق والمقید نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰/۱

يقطع من الكرم فيجوز التوضى به لانه ماء يخرج من غير علاج ذكره فى جوامع ابى يوسف رحمه الله تعالٰى وفى الكتاب اشارة اليه حيث شرط الاعتصار [1] اھ واقره فى العناية والفتح وغيرهما وتبعه صاحب المجمع فى شرحه وفى التبيين ان كان يخرج من غيرعلاج لم يكمل امتزاجه فجاز الوضوء به كالماء الذى يقطر من الكرم [2] اھ وتبعه المحقق فى الفتح وقال صدرالشريعة وتبعه ابن كمال باشا فى ايضاحه اماما يقطر من شجر فيجوز به الوضوء [3] اھ وهو اختيار الامام الاسبيجابى كما ياتى فى سادس ضوابط الفصل الثالث وادخله العلامة التمرتاشى فى متنه فقال لا بعصير نبات بخلاف مايقطر من الكرم بنفسه [4] اھ واغرب المدقق العلائى فى شرحه فزادبعدقوله من الكرم اوالفواكه ولم اره لغيره والجمهور على المنع ونصوا عـــه	بہر حال وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے کہ وہ بغیر عمل کے نکلا ہے اس کو جوامع ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں نچوڑ کی شرط ہے اھ اور اس کو عنایہ اور فتح وغیرہ میں برقرار رکھا اور صاحب المجمع نے اس کی شرح میں اس کی متابعت کی اور تبیین میں ہے کہ بغیر عمل کے اگر عرق نکل آئے تو اس کا امتزاج پورا نہ ہوگا اور اس سے وضو جائز ہے جیسے انگور کی بیل سے ٹپکنے والا پانی اھ محقق نے فتح میں اس کی پیروی کی اور صدرالشریعۃ نے فرمایا ابن کمال پاشا نے اپنی ایضاح میں اس کی پیروی کی فرمایا جو پانی درخت سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اھ اور وہ امام اسبیجابی کا مختار ہے جیسا کہ تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئیگا اور علامہ تمرتاشی نے اس کو متن میں داخل کیا اور فرمایا گھاس کے عرق سے جائز نہیں بخلاف اس پانی کے جو انگور کی بیل سے خود بخود ٹپکتا ہے اھ (ت) اور مدقق علائی نے اپنی شرح میں بڑی عجیب بات کہی یعنی یہ کہ من الکرم کے بعد انہوں نے "اوالفواکہ" کا اضافہ کیا، میں نے ان کے علاوہ کسی اور کے کلام میں

عـــه: وقد مر تأييده فى ۱۸۰ فتذكر ۱۲ منه غفرله (م)

اس کی تائید گزر چکی ہے ملاحظہ ہو ۱۸۰۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ہدایۃ باب الماء الذی یجوبہ ومالایجوز مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۶

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

[3] شرح الوقایۃ مالایجوزبہ الوضوء المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۸۴

[4] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

انه الاوجه الاظهر الاحوط ففی الکافی[۱] ثم ابن الشلبی[۲] علی الزیلعی والانقرویة[۳] لایتوضوء بماء یسیل من الکرم لکمال الامتزاج ذکره فی المحیط[۴] وقیل یجوز لانه خرج من غیر علاج [1]اھ وفی الخانیة[۵] لابالماء الذی یسیل من الکرم فی الربیع وکذا ذکره شمس الائمة الحلوانی [2]اھ وفی الحلیة[۷] والظاهر انه اوجه اھ ثم اعاد فقال الظاهر انه الاوجه [3]اھ وفی الغنیة[۸] هوالاحوط [4]اھ وفی غنیة[۹] ذوی الاحکام هوالاظهر کما فی البرهان[۱۰] [5]وفی نور الایضاح" لا یجوز بماء شجر وثمر ولوخرج بنفسه من غیرعصر فی الاظهر [6]اھ وفی مراقی الفلاح[۱۲] احترز به عما قیل انه یجوز بمایقطر بنفسه لانه لیس لخروجه بلا عصر تاثیر فی نفی القیدوصحة نفی الاسم عنه [7]اھ وفی الدر[۱۳] هوالاظهر کما فی الشرنبلالیة عن البرهان واعتمده القهستانی[۱۴]" فقال والاعتصار یعم الحقیقی والحکمی

یہ نہ دیکھا، اور جمہور کے نزدیک ممنوع ہے اور صراحت کی ہے کہ یہی اوجہ، اظہر اور احوط ہے، کافی، ابن شلبی علی الزیلعی اور انقرویہ میں ہے کہ اس پانی سے وضو نہ کرے جو انگور کی بیل سے بہتا ہے کیونکہ اس میں کمال امتزاج پایا جاتا ہے، اس کو محیط میں ذکر کیا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جائز ہے کیونکہ بغیر عمل کے نکلا ہے خانیہ میں ہے کہ اس پانی سے جائز نہیں جو موسم ربیع میں انگور کی بیل سے نکلتا ہے، اسی طرح اس کو ذکر کیا ہے شمس الائمہ حلوانی نے اھ اور حلیہ میں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ یہی اوجہ ہے اھ پھر اعادہ کیا اور فرمایا ظاہر یہی ہے کہ یہ اوجہ ہے اھ اور غنیہ میں ہے کہ یہ احوط ہے اھ اور غنیہ ذوی الاحکام میں ہے یہی اظہر ہے جیسا کہ برہان میں ہے اور نور الایضاح میں ہے وضو جائز نہیں درخت یا پھل کے پانی سے خواہ بلا نچوڑے از خود نکل آئے، اظہر یہی ہے اور مراقی الفلاح میں ہے اس سے اس قول سے احتراز کیا کہ وضو اس پانی سے جائز ہے جو بلا نچوڑے خود نکل آئے، کیونکہ اس کے بلا نچوڑے نکلنے میں نفی قید میں کوئی تاثیر نہیں ہے اسی طرح اس سے

---

1 حاشیۃ الشلبی علٰی تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۲۰/۱

2 قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

3 حلیہ

4 غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۲

5 غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر کتاب الطہارت مطبعۃ الکاملیۃ بیروت ۲۱/۱

6 نور الایضاح کتاب الطہارۃ علمیہ لاہور ص ۳

7 مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ص ۱۴

کماء الکرم وکذا ماء الدابوغة عـه والبطیخ بلا استخراج [1]اھ واقرہ ط وفی الھندیة ولا بماء یسیل من الکرم کذا فی الکافی والمحیط وفتاوٰی قاضی خان وھو الاوجه ھکذا فی البحر وھوالاحوط کذا فی شرح منیة المصلی لابرھیم الحلبی [2]اھ وفی البحرالرائق والنھر الفائق المسرح به فی کثیر من الکتب انه لایجوز الوضوء به واقتصر علیه قاضی خان فی الفتاوٰی وصاحب المحیط وصدربه فی الکافی وذکرالجواز بصیغة قیل وفی شرح منیة المصلی الاوجه عدم الجواز فکان ھوالاولی لما انه کمل امتزاجه کما صرح به فی الکافی فما وقع	اس نام کے سلب کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے اھ اور در میں اسی کو اظہر کہا جیسا کہ شرنبلالیہ میں برہان سے ہے اور اسی پر قہستانی نے اعتماد کیا اور کہا نچوڑنا حقیقی اور حکمی دونوں کو عام ہے جیسے انگور کا پانی اسی طرح تربوز کا پانی، اور خربوزے کا پانی بلا نکالے ہوئے اھ اور اس کو 'ط' نے برقرار رکھا اور ہندیہ میں ہے نہ اس پانی سے جو انگور کی بیل سے نکلتا ہے اسی طرح کافی، محیط میں ہے اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے یہی اوجہ ہے یہی بحر میں ہے اور یہی احوط ہے اسی طرح شرح منیۃ المصلی میں ہے جو ابراہیم حلبی کی ہے اھ اور بحر اور نہر میں ہے کہ بہت سی کتب میں صراحت ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں، اور اس پر قاضیخان نے فتاوٰی میں اکتفاء

عـه: الدا بوغة والدابوقة والحبحب ھوالبطیخ الاخضر کما فی ش عن بعض المحشین عن کتب الطب وذکر فی التحفة والمخزن دابوقة بالقاف وزعما انه من اسمائه بالعربی وذکرامنھا اللاغ و البطیخ الھندی والبطیخ الشامی والبطیخ الفلسطینی وبالفارسیة ھندوانه وبالھندیة تربوز ولم یذکر ادا بوغه بالغین ۱۲ منه۔(م)

دابوغہ، دابوقہ اور حبحب تربوز کو کہتے ہیں جیسا کہ شامی میں ہے کہ بعض حاشیہ نگاروں نے کتبِ طب سے اس کی یہی تشریح نقل کی ہے اور تحفہ اور مخزن میں دابوقہ "ق" سے ہے، ان کا خیال ہے کہ یہ اس کا عربی نام ہے ان دونوں کتب میں لاغ اور بطیخ ہندی، بطیخ شامی اور بطیخ فلسطینی کا ذکر ہے فارسی میں ہندوانہ اور ہندی میں تربوز کہتے ہیں ان دونوں کتابوں میں دابوغہ "غ" کے ساتھ کا ذکر نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] در مختار کتاب الطہارت مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴

[2] ہندیۃ فیما لایجوز بہ التوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۱

فی شرح الزیلعی انه لم یکمل امتزاجه ففیه نظر [1] اھ وفی ش [۱۹] عن الرملی [۲۰] علی المنح من راجع کتب المذھب وجدا کثرھا علی عدم الجواز فیکون المعمول علیه فما فی ھذا المتن (یرید التنویر) مرجوع بالنسبة الیه [2] اھ۔	کیا، اسی طرح صاحبِ محیط نے اس پر اکتفاء کیا اور اس کو ابتداء میں ذکر کیا کافی میں اور جواز کا ذکر بصیغہ قیل کیا اور شرح منیۃ المصلی میں ہے کہ اوجہ عدمِ جواز ہے تو یہی اولٰی ہے کیونکہ اس کا امتزاج مکمل ہو گیا ہے جیسا کہ کافی میں مصرّح ہے تو شرح زیلعی میں اس کے امتزاج کو مکمل نہ بتانا قابلِ اعتراض ہے اھ اور 'ش' میں رملی علی المنح سے منقول ہے کہ جس نے کُتبِ مذہب کو دیکھا ہے اس کو معلوم ہوگا کہ اکثر میں عدم جواز ہے تو اسی پر اعتماد ہوگا، تو جو اس متن (تنویر) میں ہے وہ اس کی نسبت مرجوع ہے اھ۔ (ت)

(۲۰۶) تاڑی **(۲۰۷)** سیندھی

اقول: حتی علی قول من یجوز بقاطر الکرم فانه [عــه] ماء کان تشربه فاذا ارتوی ردہ	**میں کہتا ہوں** یہاں تک کہ جو حضرات انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی سے وضو کے جواز کے قائل ہیں تو وہ یہی

عــه ھذا ھو صریح مفاد کلام الزیلعی ومن تبعه لکن فی الارکان الاربعة لبحر العلوم مانصه اختلفوا فی ماء سال من الکرم ونحوہ بنفسه ففی الھدایة یجوز به التوضی وفی الکافی وفتاوی قاضی خان لایجوز لانه لیس ماء انما ھو شبیه بالماء ویطلق علیه الماء مجازا اھ **اقول** لیس التعلیل فی الکافی ولا فی الخانیة بل لم ارہ لاحد قبله بل (ا) زعم

یہ صریح مفہوم ہے زیلعی کے کلام کا اور اس کے متبعین کے کلام کا، لیکن بحر العلوم کی ارکانِ اربعہ میں ہے اُس پانی میں اختلاف ہے جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے، ہدایہ میں ہے اس سے وضو جائز ہے، کافی اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی نہیں ہے پانی کے مشابہ ہے اور اس پر پانی کا اطلاق مجاز ہے اھ میں کہتا ہوں کہ تعلیل نہ کافی میں ہے اور نہ خانیہ میں ہے بلکہ میں نے اُن سے پہلے کسی کے کلام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

کما یدل علیه قول الزیلعی کمال الامتزاج بتشرب النبات الماء بحیث لایخرج منه الابعلاج ثم ذکر قاطر الکرم بما مر بخلاف الرطوبات السائلة من هذہ الاشجار فانها کالقارات النابعة من الاحجار واللہ تعالٰی اعلم۔	کہتے ہیں کہ دراصل یہ پانی تھاجب بیل میں جذب ہونے سے بچاتو بہنے لگا جیسا کہ قول زیلعی سے معلوم ہوتا ہے،امتزاج کا کمال یہ ہے کہ گھاس پانی کو اچھی طرح پی لے کہ بلا نکالے پانی نہ نکلے، پھرانہوں نے انگور کی بیل سے ٹپکنے والے پانی کاذکر کیا بخلاف ان رطوبتوں کے جو اِن درختوں سے بہتی ہیں کیونکہ یہ ان روغنیات کی طرح ہیں جو پتھروں سے نکلتے ہیں و اللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲۰۸) ماء الجبن کہ دودھ پھاڑ کر اس کی مائیت نکالتے ہیں۔

(۲۰۹) دہی کا پانی کہ کپڑے میں باندھ کر ٹپکائیں یا اس کے کونڈے میں اس سے چھٹے۔

(۲۱۰) مٹھا جسے چھاچھ بھی کہتے ہیں دہی سے مکھن جُدا ہونے کے بعد جو پانی رہ جائے۔

(۲۱۱) چاولوں کی پیچ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة ابن کمال الوزیر فی الایضاح عند قول متنه لابما اعتصر من شجر اوثمر الروایة بالقصر کانهم ابوا عن اطلاق اسم الماء علیه ایماء الی قصورہ عن حد الماء المطلق ولذلك لایجوز التوضی به اھ فهذا یوھم بل کمصرح ان کل عصارة ثمر اوشجر ماء حقیقة غیرانه مقید لامطلق وھو باطل قطعا والذی یقبله القلب فی ماء الکرم القاطر ایضاماقاله بحر العلوم واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله۔(م)	میں یہ نہیں دیکھا، بلالکہ علامہ ابن کمال وزیر نے ایضاح کے متن کے پاس فرمایانہ اس پانی سے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہو روایت قصر سے ہے، گویا وہ اس پر پانی کے نام کا اطلاق نہیں کرنا چاہتے ہیں،اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ وہ ماءِ مطلق میں شامل نہیں،اور اس لئے اس سے وضو جائز نہیں ہے اھ اس سے وہم ہوتا ہے بلالکہ صراحت ہی کہنی چاہئے کہ درختوں اور پھلوں کا پانی حقیقۃً پانی ہے،البتہ وہ مقید ہے مطلق نہیں ہے،حالانکہ یہ قطعًا باطل ہے اور انگور کی بیل کے پانی کی بابت دل لگتی بات بحر العلوم ہی کی ہے و اللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۲۱۲) گوشت کا پانی کہ سربند بویام میں بے پانی رکھ کراوپر پانی بھر کرآنچ دینے سے خود گوشت سے مثل عرق نکلتا ہے۔

(۲۱۳) ماء اللحم کہ عرقیات کی طرح گوشت واجزائے مناسبہ سے ٹپکا کرلیتے ہیں۔

المخالطات

(۲۱۴) یخنی کہ پانی میں گوشت کا آبجوش نکالتے ہیں۔

(۲۱۵) ہر قسم کا شوربا۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز بالمرق فانہ لایسمی ماء مطلقا[1]۔	شوربا سے وضو جائز نہیں کہ اس کو مطلق پانی نہیں کہتے ہیں۔ (ت)

(۲۱۶و۲۱۷) جس پانی میں چنے یا باقلا پکایا اگر پانی میں ان کے اتنے اجزاء مل گئے کہ ٹھنڈا ہو کر پانی گاڑھا ہوجائے گاتو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

اقول: وذلك ان العبارات الواضحۃ عــہ جاء ت ھھنا علی ثلثۃ وجوہ۔ **الاول**: لایجوز مطلقالان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج فیفیدالتقیدوھذا مایاتی فی ضابطۃ الامام الزیلعی واتباعہ رحمھم اللہ تعالٰی۔ **الثانی**: لایجوز اذا وجد منہ ریح المطبوخ۔ **الثالث**: یجوز مالم یثخن وعلیہ الاکثروھو الاشھر والمنصوص	**میں کہتا ہوں** اس سلسلہ میں واضح عبارات تین قسم کی ہیں: **اول**: مطلقًا جائز نہیں کیونکہ پکانے سے مکمل امتزاج حاصل ہوتا ہے لہٰذا مقید کرنا مفید ہوگا۔ امام زیلعی اور ان کے متبعین کے ضابطہ میں اس کا بیان آئیگا، رحمہم اللہ تعالٰی۔ **دوم**: وضو جائز نہیں جبکہ اس میں سے پکی ہوئی چیز کی بُو آتی ہو۔ **سوم**: جب تک گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے، اکثر اسی پر ہیں اور یہی مشہور تر ہے، اور عام متون میں

عــہ ستأتی عبارۃ اخری مجملۃ وھی التغیر بالطبخ ویاتی الکلام علیھا ۱۲ منہ (م)	عنقریب ایک مجمل عبارت آئے گی اور وہ پکانے سے تبدیل ہونا ہے اور اس پر کلام بھی آئیگا ۱۲ منہ (ت)

[1] ہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

علیه فی(۱)عامة المتون وفی الخانیة لوطبخ فیه الحمص اوالباقلاء وریح الباقلاء یوجد منه لایجوز به التوضوء وذکر الناطفی اذالم تذهب رقته ولم یسلب منه اسم الماء جاز [1] اھ وفی(۲)الجامع الکبیر ثم المنیة والینابیع ثم الزیلعی والفتح وتجنیس الامام صاحب الهدایة ثم البحروتجنیس الملتقط ثم الحلیة والفتاوی الظهیریة ثم البرجندی واللفظ للفتح فی الینابیع لو تقع الحمص والباقلاء وتغیر لونه وطعمه وریحه یجوز التوضی به فان طبخ فان کان اذابرد ثخن لایجوزالوضوء به اولم یثخن ورقة الماء باقیة جاز [2] اھ وهذاکما تری اوسع الاقوال فاذا حصل شرطه فی المنع حصل المنع بالاجماع۔

ثم اقول: وبالله التوفیق بل لاخلاف اما القولان الاولان فالتوفیق بینهما واضح

یہی ہے،اور خانیہ میں ہے اگر پانی میں چنے یا باقلا پکایا گیا اور باقلا کی بُو اس میں آ گئی تو اس سے وضو جائز نہیں اور ناطفی نے فرمایا اگر اس کا پتلا پن ختم نہیں ہوا ہے اور اس پر پانی کا اطلاق ہوتا ہے تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں، جامع کبیر، منیہ، ینابیع، زیلعی، فتح، تجنیس (صاحب ہدایہ کی کتاب) پھر بحر، ملتقط کی تجنیس، حلیہ، فتاوٰی ظہیریہ اور برجندی میں ہے، عبارت فتح کی بحوالہ ینابیع ہے اگر چنے اور باقلاء پانی میں نچوڑ لیے گئے اور اس کا رنگ مزہ اور بُو بدل گئے تو اُس سے وضو جائز ہے، تو اگر پکایا گیا اور ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہو گیا تو وضو جائز نہیں، اور اگر گاڑھا نہ ہوا اور پانی کی رقت ہنوز باقی ہے تو جائز ہے اھ جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں اس قول میں سب سے زیادہ گنجائش ہے، تو جب اس کی شرط منع میں حاصل ہو تو بالاجماع منع ثابت ہوگا۔(ت)

پھر میں کہتا ہوں وب اللہ التوفیق، بلاکہ کوئی خلاف ہی نہیں، اور دو ۲ پہلے اقوال میں تطبیق واضح ہے

(۱)کالوقایة والملتقی والغرر والتنویر ونور الایضاح حیث اعتبر وازوال الطبع بالطبخ ویاتی نصوصها فی الفصل الثالث ۱۲منه غفرله۔

(۲)هکذا فی الحلیة وفی نسختی المنیة والجامع الصغیر وعلیها شرح فی الغنیة ۱۲منه غفرله(م)

جیسے وقایہ، ملتقی، غرر، تنویر اور نور الایضاح، ان حضرات نے پکانے سے طبیعت کے زوال کا اعتبار کیا ہے تیسری فصل میں ان کتب کی عبارات آئیں گی ۱۲منہ غفرلہ

اسی طرح حلیہ میں ہے اور میرے پاس موجود منیہ اور جامع صغیر کے نسخوں پر اس کی شرح غنیہ میں ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوزبہ التوضی مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

فانه اذ انضج الباقلی فی الماء وادرك وجد ریحه من الماء لامحالة وھذا ھومعنی الطبخ کما تقدم فی ۱۰۸(ا)نعم علی ھذا یضیع الشرط ولا امکان لحمل الطبخ علی الالقاء بقصدہ لیکون احترازاعما اذا اُخرج قبل ان یؤثر فی الماء فانه ح یشمل ما اذا اُخرج بعدما غیرریح الماء بل ان ینطبخ فان تغیر الریح لایتوقف علی النضج فعلی ھذا یکون مجرد تغیر الریح بدون الطبخ موجباللتقیید وھوخلاف النصوص المذکورة فی ۸۹ فان عندعدم الطبخ لاوجه للفرق بینه وبین النقیع تأمل واماالقول الثالث فافاد فی الغنیة مایعطی وفاقه حیث قال التقیید یحصل للماء بکمال الامتزاج بالطبخ بان یطبخ فی الماء شیئ حتی ینضج فحینئذ یخرج الماء عن طبعه وھو سرعة السیلان ولا شك انه اذذاك اذابرد یثخن غالبافکانت القاعدة فی المخالطة بالطبخ ان ینضج المطبوخ فی الماء وفی المخالطة بدونه ان تزول رقته[1] اھ وتبعه فی مراقی الفلاح فقال لابماء زال طبعه بالطبخ لانه اذابرد ثخن[2]۔

کہ جب باقلا پانی میں اچھی طرح پک جائے تو لامحالہ اس کی بُو پانی میں آئے گی اور پکنے کے یہی معنی ہیں جیسا کہ ۱۰۸ میں گزرا۔ہاں اس تقدیر پر شرط لگانا بے سود ہوگا اور یہ امکان نہیں ہے کہ طبخ کو اس پر محمول کیا جائے کہ پکانے کے ارادہ سے ڈالنا، تاکہ اس صورت سے احتراز کیا جائے جب کہ اُس کو پانی میں اثر انداز ہونے سے قبل نکال لیا جائے کیونکہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جس کو نکالا جائے اس وقت جبکہ اس سے پانی کی بُو تبدیل ہوجائے اور وہ پکنے نہ پائے، کیونکہ بُو کا بدلنا پکنے پر موقوف نہیں اس بناء پر صرف بُو کا بدلنا بلاپکائے موجبِ تقیید ہوگا اور یہ نصوص مذکورہ کے خلاف ہوگا، نصوص ۸۹ میں مذکور ہیں، کیونکہ نہ پکنے کی صورت میں اُس میں اور نقیع (نچوڑا ہوا) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ مقامِ غور ہے، تیسرا قول، غنیہ کے مطابق وہ ہے جس سے اتفاق معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں تقیید پانی میں اس وقت ہوتی ہے جب پکنے سے مکمل امتزاج حاصل ہوجائے، مثلاً یہ کہ پانی میں کوئی چیز پکائی جائے حتّٰی کہ مکمل طور پر پک جائے، تو اس وقت وہ پانی اپنی طبیعت سے خارج ہوجائیگا اور یہ اس کا تیزی سے بہنا ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں وہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہوجائیگا تو پکانے والی چیز میں مخالطة کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ چیز پانی میں پک جائے، اور پکائے بغیر مخالطة میں یہ ہے کہ

[1] غنیۃ المستملی فصل احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریۃ مصر ص ۱۵

اقول : لاطبخ الا بالنضج كما علمت فكان الطبخ نفسه القاعدہ من دون شريطة زائدة وهذا يوافق اهل الضابطة ثم اذاكان الطبخ يورث الثخونة مطلقاحصل توافق الاقوال ومجال المقال فيه من وجوہ۔

الاول: مااقول انه على هذالم يبق الفرق بين النيئ والمطبوخ اذصار المدارفيهماجميعا الثخونة وكلام الشيخ يؤذن بالتفرقة۔

والثانى: مااقول ايضاتقسيم الطبخ فى الينابيع الى صورة الثخونة وبقاء الرقة يؤذن بان الطبخ لايوجب الثخانة ولا ينفع قوله غالبالانه اذابردفلم يثخن وجب جوازالوضوء به لاحاطة العلم بعدم المانع۔

والثالث: قال المحقق البحر فى البحر لايتوضوء بماء تغيربالطبخ بمالايقصد به التنظيف كماء المرق والباقلاء لانه ح ليس بماء مطلق لعدم تبادرہ عند اطلاق اسم الماء امالوكانت النظافة تقصد به كالسدر والصابون والاشنان يطبخ به فانه يتوضوء به الا اذاخرج الماء عن طبعه من الرقة والسيلان وبماتقرر علم

اس کی رقّت ختم ہوجائے اھ اور یہی بات مراقی الفلاح میں کہی گئی ہے، فرمایانہ اس پانی سے جس کی طبیعت پکائے جانے کی وجہ سے ختم ہوگئی کیونکہ جب وہ ٹھنڈا ہوگا گاڑھا ہوجائے گا۔(ت)

میں کہتا ہوں طبخ بلانضج نہیں ہوتا ہے جیسا کہ آپ نے جانا، تو طبخ بجائے خود قاعدہ ہے اس میں کسی زائد شرط کی حاجت نہیں اور یہ ضابطہ والوں کے موافق ہے، پھر جب طبخ سے مطلقاً گاڑھا پن پیدا ہوتا ہے تو اقوال میں توافق پیدا ہوگا، اور اس میں کئی وجوہ سے کلام ہوسکتا ہے۔ **اوّل**: یہ جو میں کہتا ہوں کہ اس بنا پر کچے اور پکے ہوئے میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں میں دارومدار گاڑھا ہونا ہے اور شیخ کے کلام سے دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے۔

دوم: میں کہتا ہوں ینابیع میں طبخ کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ صورتاً گاڑھا پن ہو اور رقت باقی ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبخ سے گاڑھا پن لازمی نہیں ہوتا ہے، اور ان کے قول غالب کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ جب ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہو تو اس سے وضو جائز ہے کیونکہ مانع کے نہ ہونے کا علم ہے۔

سوم: محقق نے بحر میں فرمایا کہ اس متغیر پانی سے وضو نہ کیا جائے جس کو کسی ایسی چیز کے ساتھ پکایا گیا ہو جو تنظیف کیلئے نہیں ہوتی ہے جیسے شوربہ اور باقلا کا پانی، کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے اس لئے کہ جب پانی کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہ پانی متبادر نہیں ہوتا ہے اور اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس سے نظافت مقصود ہو جیسے جھربیری، صابون اور اشنان کو پانی کے ساتھ پکایا جائے تو اس پانی سے وضو کیا جائیگا، ہاں اگر

ان ماذکرہ فی التجنیس والینابیع (فاثر مامر اٰنفا) لیس ھو المختار بل ھو قول الناطفی من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی یدل علیہ ماذکرہ قاضی خان (فنقل ماتقدم الاٰن) قال وبما قررناہ علم ان الماء المطبوخ بشیئ لایقصد بہ المبالغۃ فی التنظیف یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولم یتغیر فحینئذ لاینبغی عطفہ فی المختصر علی بکثرۃ الاوراق الا ان یقال انہ لما صار مقیدا فقد تغیر بالطبخ [1] اھ وتبعہ ش فقال فی المرق والباقلا انہ یصیر مقیدا سواء تغیر شیئ من اوصافہ اولا وسواء بقیت فیہ رقۃ الماء اولا فی المختار کما فی البحر [2]۔

والرّابع: قال العلامۃ البرجندی تحت قول النقایۃ وان تغیر بالمکث اواختلط بہ طاھر الا اذا اخرجہ عن طبع الماء اوغیرہ طبخا [3] نصہ واطلاق التغییر وجعلہ قسیما للاخراج من طبع الماء یتبادر منہ ان مطلق التغیر بالطبخ مانع سواء اخرجہ عن

پانی اپنی طبیعت سے نکل جائے یعنی رقت اور سیلان ختم ہوجائے تو وضوجائز نہ ہوگا،اور گزشتہ تقریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کچھ تجنیس اور ینابیع میں ہے (وہ نقل کیا جو ابھی گزرا) وہ مختار نہیں ہے بلالکہ وہ ہمارے مشائخ میں سے ناطفی کا قول ہے، قاضی خان کا قول اس پر دلالت کرتا ہے (جو ابھی گزرا وہ نقل کیا) فرمایا ہماری تقریر سے معلوم ہوا کہ پانی کو اگر کسی ایسی چیز سے جوش دیا جائے جس سے زیادہ تنظیف مقصود نہ ہو تو وہ مقید ہوجائیگا خواہ اس کے اوصاف میں تغیر ہو یا نہ ہو اس صورت میں اس کا عطف مختصر میں "بکثرۃ الاوراق" پر مناسب نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب وہ مقید ہوگیا تو پکنے سے متغیر ہوگیا اھ "ش" نے بھی یہی لکھا اور شوربا اور باقلاً میں لکھا کہ وہ مقید ہوجائیگا خواہ اس کے اوصاف میں تبدیلی ہو یا نہ ہو، عام ازیں کہ اس میں پانی کی رقّت رہے یا نہ رہے، مختار یہی ہے جیسا کہ بحر میں ہے اھ (ت)

چہارم: علامہ برجندی نے نقایہ کے قول وان تغیر بالمکث الخ کے تحت فرمایا، تغیر کو مطلق رکھنا اور اس کو اخراج من طبع الماء کا قسیم بنانا، اس سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ مطلق تغیر پکانے کی وجہ سے مانع ہے، خواہ وہ اس کو پانی کی طبیعت سے نکالے یا نہ نکالے، ہدایہ سے یہی مفہوم ہے، اس کی تائید

[1] بحرالرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

[3] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

طبع الماء اولا وھذا ھو المفھوم من الھدایة ویؤیدہ ما فی الخزانة وفتاوٰی قاضی خان انه اذاطبخ فیه الباقلی وریح الباقل یوجد منه لایجوز به التوضی وقد ذکر فی الفتاوی الظھیریة انه اذاطبخ الحمص اوالباقلی[1] الی اٰخر ماتقدم عن الفتح۔

خزانہ اور فتاوٰی قاضی خان سے ہوتی ہے کہ اگر اس میں باقلی پکایا گیا اور اس کی بُو پانی میں آگئی تو اس سے وضو جائز نہیں،اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ اذاطبخ الحمص اوالباقلی الخ جو فتح سے نقل ہوا۔(ت)

وانا اقول: وبا لله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق فعل النار والعیاذ باللہ تعالٰی منھا تفریق الاتصالات فاذاطبخ شیئ تنزیل النارصلابته وتفتح منافذہ فیداخله الماء وتخرج اجزاؤہ اللطاف فی الماء فتورثه ثخونة اذا کان الماء علی ماھو المعتاد فی طبخ الاشیاء وان لم تظھر اذا کثر الماء جدافان الکلام فی الطبخ المعھود ولا یجعل فیه من الماء الاقدر معلوم موافق لحصول الامتزاج وھذاماافادالزیلعی واتباعه ان بالطبخ یحصل کمال الامتزاج نعم الحرارة توجب اللطافة فمادام حارا لایظھر ذلك التغیرعلی ماھوعلیه وبه ظھر سرما قالوا اذاصاربحیث اذبرد ثخن وھذاھو الفارق بین النیئ و المطبوخ فان النیئ لیس فیه مایمنع ظھورالثخانة فاحیل فیه علی نفس ذھاب الرقة بخلاف

میں کہتا ہوں وب اللہ التوفیق آگ کا کام متصل کو منفصل کرنا ہے جب کوئی چیز آگ پر پکائی جاتی ہے تو آگ اس کی سختی کو زائل کردیتی ہے اور اُس کے سوراخوں کو کھول دیتی ہے جس کی وجہ سے اس میں پانی داخل ہوجاتا ہے اور اس کے لطیف اجزاء پانی میں آجاتے ہیں،اس طرح پانی گاڑھا ہوجاتا ہے جبکہ پانی عادت کے مطابق پکایا جائے اور جب پانی بہت زیادہ ہوتا ہے تو یہ گاڑھا پن ظاہر نہیں ہوتا ہے، کیونکہ گفتگو متعارف پکانے میں ہے اوراس میں ایک معین مقدار کے پانی کی آمیزش کی جاتی ہے تاکہ امتزاج حاصل ہوجائے،زیلعی وغیرہ میں یہی ہے کہ پکانے سے کمال امتزاج حاصل ہوتا ہے،ہاں حرارت لطافت کا موجب ہوتی ہے توجب تک وہ گرم رہتا ہے تو یہ تغیر ظاہر نہیں ہونے پاتا ہے،اسی سے یہ راز سربستہ بھی منکشف ہوگیاکہ فقہاء فرماتے ہیں جب پانی ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہوجائے،اور یہی چیز مابہ الامتیاز ہے کچّے اور پختہ میں، کیونکہ کچّے میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے

[1] شرح النقایۃ للبرجندی مسائل الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

المطبوخ مالم یبرد فیحال فیه علی النظر فان ظھر انه یثخن اذا برد لم یجز الوضوء به والا جاز والمرجع فی ھذا ھو حصول النضج والادراك فان عند ذلك یحصل کمال الامتزاج وھو یوجب فی المعتاد ثخونة الماء فبھذا التقریر و ﷲ الحمد انحلت الاشکالات عن اٰخرھا۔

فالاول: قد ظھر الفرق بین النیئ والمطبوخ۔

والثانی: الطبخ فی کلام الینابیع الاغلاء فی الماء علی النار وان لم ینضج علی سبیل عموم المجاز لابل بیان لحکم یعم المعتاد وغیرہ کمن وضع کفا من حمص فی قدر قربة من الماء فانه لایثخن حین یبرد وان نضج الحمص وادرك وھذا ھو منشؤ التقیید بغالبا فی کلام الغنیة ونظر الشرنبلالی الی المعتاد المعھود فاطلق القول انه اذا برد ثخن وباﷲ التوفیق۔

والثالث فیه اشیاء۔

فاقول: اولا(۱) تبین ان فرض عدم التغیر اصلا مع حصول الطبخ فرض مالا وقوع له۔

وثانیا:(۲) قد علمت ان مافی الخانیة

جو گاڑھے پن کو ظاہر ہونے سے روکتی ہو تو اس میں دار ومدار صرف رقّت کے ختم ہونے پر ہے۔ برخلاف پکے ہوئے کے جو ٹھنڈا نہ ہوا ہو تو اس کا دار ومدار اس پر ہے کہ دیکھا جائے اگر یہ ظاہر ہو کہ ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو جائیگا تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا، اور دار ومدار اس میں پکنا ہے کیونکہ اسی وقت کمال امتزاج پایا جاتا ہے اور یہی چیز عام طور پر پانی کے گاڑھا ہونے کا موجب ہوتی ہے، اس تقریر سے تمام اشکالات رفع ہوگئے۔

اول: کچے اور پکے کا فرق ظاہر ہوا۔

دوم: ینابیع کی عبارت میں طبخ سے مراد شیئ کو جوش دینا ہے پانی میں آگ پر خواہ پکا ہو انہ ہو، یہ بطور عموم مجاز کے ہے، نہیں بلالکہ یہ ایسے حکم کا بیان ہے جو معتاد وغیر معتاد دونوں کو عام ہے، مثلاً کسی نے ایک مُٹھی چنے ایک ہانڈی بھر پانی میں ڈال دیئے تو یہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا نہ ہوگا خواہ چنے کتنے ہی پک جائیں، اور غنیہ کی عبارت میں غالبًا کی قید کا یہی مفاد ہے اور شرنبلالی کی نظر معہود پر گئی تو انہوں نے مطلق قول رکھا کہ جب ٹھنڈا ہوگا تو گاڑھا ہو جائے گا وباﷲ التوفیق۔

سوم: اس میں چند اور قابل ذکر باتیں ہیں:

میں کہتا ہوں اول: پکنے کے باوجود یہ مفروضہ قائم کرنا کہ تغیر نہیں ہوا ہے باوجود حصول طبخ کے ایک ایسی چیز کا فرض کرنا ہے جو واقع نہیں ہوئی ہے۔

دوم: خانیہ میں جو ناطفی سے منقول ہے یہ

عن الناطفی لایخالف ماقدمه لاجرم ان عزا العلامة القوام الکاکی شارح الهدایة ثم ابن الشلبی محشی الزیلعی ماعن الناطفی الی قاضی خان ایضافقالا اذا طبخ ولم یثخن بعد ورقة الماء فیه باقیة جازالوضوء به ذکره الناطفی وفی فتاوٰی قاضی خان[1]اھ والیه یشیرکلام الحلیة اذجعل کلام الناطفی مفاد مافی قاضی خان حیث قال تحت قول الماتن لاتجوزبماء الباقلاء ما نصه سیذکر عن الجامع الکبیر تقیید عدم الجواز بماء الباقلا بما اذا کان مطبوخاوهو بحال اذا برد ثخن وزالت عنه رقة الماء فیحمل هذا الاطلاق وان وقع مثله لغیرالمصنف علی ذلك دفعا للتناقض ومن ثمه لما ذکر القدوری فی غدادما لا یجوزالطهارة به ماء الباقلا قال فی الهدایة المراد ماتغیر بالطبخ و احسن منه حمله علی مااذا کان مسلوبا منه اسم الماء مطبوخا اولا کما یفیده مافی الخانیة فذکر کلامه المارفی النیئ والمطبوخ تماما[2] وفیه حدیث الریح فلوحسبه مخالفالقول الناطفی لکان قوله مرجوحالانه انما یقدم الاظهرالاشهر فلم یکن یحسن نسبة مازیفه الیه ومن

گزشتہ قول کے منافی نہیں، اسی لئے علامہ کاکی شارح ہدایہ اور ابن شلبی محشیٔ زیلعی نے ناطفی کے قول کو قاضی خان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، ان دونوں حضرات نے فرمایا جب پکایا گیا اور گاڑھانہ ہوا اور پانی کی رقت اس میں باقی رہی تو اس سے وضو جائز ہے، اس کو ناطفی نے ذکر کیا ہے، اور یہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے اھ اس طرف حلیہ میں اشارہ ہے کیونکہ انہوں نے ناطفی کے کلام کو قاضی خان کی گفتگو کا ماحصل قرار دیا ہے، وہ ماتن کے قول لاتجوز بماء الباقلی کے تحت فرماتے ہیں کہ عنقریب جامع کبیر سے باقلی کے پانی کے ساتھ عدم جواز کے مقید کرنے کی وجہ بیان کرینگے کہ وہ ایسا پکا ہوا ہو کہ جب ٹھنڈا ہو تو گاڑھا ہو جائے اور اس کی رقت زائل ہو جائے تو یہ اطلاق (اگرچہ مصنّف کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی ایسا ہی کیا ہے) اس پر محمول کیا جائے گا کہ تناقض مرتفع ہو جائے، اس لئے جب قدوری نے اُن اشیاء کا ذکر کیا جن سے وضو جائز نہیں ہے تو باقلی کے پانی کو ذکر کیا، ہدایہ میں فرمایا اس سے مراد وہ پانی ہے جو پکائے جانے سے بدل گیا ہو اور اس کا حمل اس پر زیادہ اچھا ہوگا جبکہ اس پر پانی کا اطلاق ختم ہوگیا ہو خواہ وہ پکا ہوا ہو یا نہ ہو، جیسا کہ خانیہ سے پتا چلتا ہے، پھر انہوں نے اپنا گزشتہ کلام ذکر کیا جو کچے اور پختہ سے متعلق ہے، اسی میں بُو کا بھی تذکرہ ہے تو اگر وہ اس کو ناطفی کے قول کے

[1] حاشیۃ الشلبی علی التبیین بحث الماء بولاق مصر ۱/۱۹

[2] حلیہ

الدلیل علیه ان الامام قاضی خان نفسه صرح بهذا الذی قاله الامام الناطفی وجزم به فی عامة المعتمدات فی شرحه للجامع الصغیر کما عزاه له فی الغنیة۔	مخالف سمجھتے تو ان کا قول مرجوح ہوتا، کیونکہ وہ اظہر واشہر کو مقدم کرتے ہیں، تو جس قول کو انہوں نے ناپسندیدہ قرار دیا اسی کی نسبت ان کی طرف اچھی نہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ خود قاضی خان نے اس چیز کی تصریح کی ہے جو امام ناطفی نے ذکر کیا ہے اور اسی پر انہوں نے اپنی عام معتمدات میں جامع صغیر کی شرح میں جزم کیا ہے اور غنیہ میں اس کو ان کی طرف منسوب کیا ہے۔
وثالثا العجب(۱)انه رحمه الله تعالٰی یحتج بعبارة الخانیة وقد شرط وجود الرائحة ثم یقول سواء تغیر شیئ من اوصافه اولا[1]	**سوم:** تعجب اس پر ہے کہ وہ خانیہ کی عبارت سے استدلال کر رہے ہیں اور انہوں نے بُو کی شرط لگائی ہے پھر فرمایا عام ازیں کہ اس کے اوصاف میں سے کچھ بدلا ہوا ہو یا نہ بدلا ہوا ہو۔
ورابعا:(۲)انکر العطف علی بکثرة الاوراق ولیس ثمه مایصلح لعطفه الاهو فان عبارة المختصر یتوضوء بماء السماء العین والبحر وان غیر طاهر احداوصافه اوانتن بالمکث لابما تغیر بکثرة الاوراق اوبالطبخ[2] فان لم یعطف علی بکثرة یعطف علی بما تغیرای لایتوضوء بالطبخ وهو کلام مغسول	**چہارم:** بکثرة الاوراق پر عطف کاانکار کیاے حالانکہ وہاں صرف اسی پر عطف ممکن ہے کیونکہ مختصر کی عبارت یہ ہے یتوضوء بماء السماء الخ تو اگر بکثرة پر عطف نہ کیا جائے تو بما تغیر پر کرنا ہوگا، اور یہ غلط ہے۔
وخامسا:(۳)تأویله بان المراد تغیر طبعه اووصفه بل اطلاقه لایتمشی فی عبارة النقایة والاصلاح تغیر بالطبخ معه وهو مما لایقصد به النظافة اذیفید علی هذا جواز الوضوء بما تغیر من الاطلاق بالطبخ مع المنظف ولیس مرادقطعافانماالامرانه لماتغیر بالطبخ صار مقیدا تغیر بالطبخ۔	**پنجم:** اس کی یہ تاویل کرنا کہ مراد اس کی طبیعت یا وصف کا بدلنا نہیں ہے، بلاکہ ان کی عبارت کا اطلاق اصلاح ونقایہ کی عبارت میں نہیں چل سکتا ہے کہ تغیر بالطبخ معہ ہے، اور یہ وہ چیز ہے جس سے نظافت مقصود نہ ہو، اس لئے کہ اس بناء پر اُس چیز سے جس سے تغیر واقع ہو وضو جائز ہوگا، یعنی جب کہ نظافت والی چیز کے ساتھ پکانے کو مطلق رکھا جائے،

[1] بحرالرائق بحث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] کنزالدقائق بحث الماء ایجوکیشنل پریس کراچی ۱/۱۱

اقول: (۱) وقع فی تعبیر ش تغییر لمفاد البحر فان قوله فی المختار کما فی البحر یوقع من لایراجع البحر فی توھم انه تصحیح منقول فی البحر عن اھله فانه رحمه اللّٰه تعالٰی لم یکن من اصحابه کما اعترف به ش فی عقود رسم المفتی وبیناہ فی رسالتنا ھبة الجیر فی عمق ماء کثیر ولیس کذلك وانما قال لخلافه من قبل نفسه لیس ھو المختار۔	حالانکہ یہ قطعًا مراد نہیں ہے، کیونکہ جب پکانے سے متغیر ہوگیا تو مقید ہوگیا یہ نہیں کہ جب مقید ہوگیا تو پکانے سے متغیر ہوگیا۔ (ت) **میں کہتا ہوں** "ش" کی عبارت میں تبدیلی بحر کے مفاد کیلئے ہے کیونکہ ان کا قول فی المختار کما فی البحر ایک ایسے شخص کو جس نے بحر نہ دیکھی ہو اس وہم میں مبتلا کر سکتا ہے کہ یہ بحر کے منقول کی تصحیح ہے جو انہوں نے کسی سے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے اصحاب سے نہیں جیسا کہ اس کا اعتراف "ش" نے عقود رسم المفتی میں کیا ہے اور ہم نے اس کو "ھبۃ الجیر فی عمق ماء کثیر" میں ذکر کیا ہے جبکہ امر واقعہ یہ نہیں ہے، یہ بات انہوں نے اس لئے کہی ہے کہ وہ اپنی طرف سے اس کے مخالف ہیں، وہ مختار نہیں سمجھتے (ت)
والرابع: (۲) لماکان زوال الطبع بالطبخ ربمالا یظھر الا اذابرد صح التقسیم فیحال فی النیئ علی عین الثخونة وفی المطبوخ علی دلیلھا وکأنه الی ھذا یشیر البرجندی بتعقیبه بکلام الظھیریة فاستقر ان شاء اللّٰه تعالٰی وله الحمد عرش التحقیق * بحسن التوفیق * علی التطبیق والتوفیق * وباللّٰه سبحنه وتعالٰی التوفیق۔	**چہارم:** پکنے کی وجہ سے طبیعت کا زائل ہونا کبھی ظاہر نہیں ہوتا ہے، ہاں جب ٹھنڈا ہوتا ہے تو تقسیم صحیح ہے، تو کچے کا دارومدار گاڑھے پن پر ہوگا اور پکے ہوئے میں اس کی دلیل پر ہوگا اور غالبًا برجندی اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ وہ اس کے بعد ظہیریہ کے کلام کو لائے ہیں، یہ اس کی مکمل تحقیق ہے۔ (ت)

(۲۱۸) پانی میں میوے جوش دے کر اُن کا عرق نچوڑا یہ عرق اگرچہ پانی سے مخلوط ہوگا کہ حرارت نار کے سبب میوے پانی کا تشرب کریں گے خصوصًا جبکہ کُوٹ کر ڈالے اس سے وضو جائز نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

لایجوز التوضوء بماء الفواکه وتفسیرہ ان یدق التفاح اوالسفرجل دقاناعما ثم	پھلوں کے پانی سے وضو جائز نہیں اس کا مفہوم یہ ہے کہ سیب یا امرود کو باریک باریک کُوٹ لیا جائے اور

یعصرہ فیستخرج منہ الماء وقال بعضھم تفسیرہ ان یدق التفاح اوالسفرجل ویطبخ بالماء ثم یعصر فیستخرج منہ الماء وفی الوجھین لایجوز بہ التوضوء لانہ لیس بماء مطلق[1]۔	پھر ان کو نچوڑ کر اُن سے پانی نکالا جائے، بعض نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ سیب یا امرود کو باریک کرکے پانی کے ساتھ پکایا جائے پھر نچوڑا جائے اور پانی نکالا جائے اور دونوں صورتوں میں اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ مطلق پانی نہیں ہے۔(ت)

(۲۱۹) یہ پانی جس میں میوے جوش دے اس کا حکم ذکر نہ فرمایا۔

واقول: وبہ استعین اگر میوے خفیف جوش دے جس میں قدرے نرم ہو کر نچوڑنے میں اچھی طرح آئیں اور نکال لئے کہ پانی میں اُن کے اجزائے لطیفہ قدر تغیر نہ ملنے پائے تو اُس پانی سے وضو جائز ہونا چاہئے اور اب یہ پانی نمبر ۱۰۸و۱۰۹ میں داخل ہوگا اور اگر میوے اس میں پک گئے کہ اُسے متغیر کردیا تو اُن کے نکال لینے کے بعد بھی اس پانی سے وضو ناجائز ہے یہ ۲۱۹ نمبر ہوگا۔

(۲۲۰) سر پر مہندی یا کوئی خضاب یا ضماد لگا ہوا ہے اور مسح کرتے میں ہاتھ اس پر گزرتا ہوا پہنچایوں کہ یا تو وہ ضماد (۱) وخضاب رقیق بے جرم مثل روغن ہے تو اُسی کی جگہ مسح کیا وہ جرم دار ہے تو اس کے باہر چہارم سر کی قدر مسح کیا مگر ہاتھ اس پر ہوتا گزرا اگر اس گزرنے میں ہاتھ کی تری میں اُس خضاب وضماد کے اجزاء ایسے مل گئے کہ اب وہ تری پانی نہ کہلائے گی تو مسح جائز نہ ہوگا ورنہ جائز۔

یہ نمبر **(۲۲۱)** ہوا جس کا جائزات میں اضافہ ہونا چاہئے، وجیز امام کردری فصل مسح میں ہے:

مسحت علی الخضاب ان اختلطت البلۃ بالخضاب حتی خرجت عن کونھا ماء مطلقا لم یجز[2] اھ **اقول:** ولا بدمن تقیید مفھومہ بما ذکرت فاعرف۔	خضاب پر مسح کیا اگر تری خضاب سے مل گئی یہاں تک کہ ماءِ مطلق ہونے سے خارج ہوگئی تو اُس سے مسح جائز نہیں اھ **میں کہتا ہوں** اس کے مفہوم کو مقید کرنا ضروری ہے اس قید کے ساتھ جو میں نے ذکر کی ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔(ت)

(۲۲۲) پانی میں سَتّو گھُلے ہوں کہ وہ رقیق نہ رہے اُس سے وضو ناجائز ہے، ہدایہ وکافی میں ہے:

الا ان یغلب علی الماء فیصیر کالسویق	مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو کہ پانی مثل ستوؤں کے ہوجائے،

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[2] فتاوٰی بزازیہ مع العالمگیری الرابع فی المسح ، نورانی کتب خانہ پشاور ۴ / ۱۵

لزوال اسم الماء عنه [1]۔	کیونکہ اب اس سے پانی کا نام ختم ہوگیا ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وان صار ثخینا مثل السویق لا [2]۔	اور اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہو جائے تو جائز نہیں۔(ت)

المقابلات [عــہ]

(۲۲۳) اہلے میں اگر اس قدر مٹی کُوڑے وغیرہ کا خلط ہے کہ پانی کیچڑ کی طرح گاڑھا ہوگیا تو اُس سے وضو جائز نہیں، خانیہ میں ہے:

توضأ بماء السیل یجوز وانکان ثخینا کالطین لا [3]۔	اگر کسی نے سیلاب کے پانی سے وضو کیا تو جائز ہے اور اگر کیچڑ کی طرح گاڑھا ہو تو جائز نہیں۔(ت)

اجناس امام ناطفی پھر منیہ میں ہے:

التوضی بماء السیل ان لم تکن رقة الماء غالبة لایجوز [4]۔	اگر پانی کی رقت غالب نہ ہو تو سیلاب کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے۔(ت)

اقول: علمائے کرام پر اللہ عزوجل کی رحمتیں احتیاط کے لئے ایسی نادر صورتیں بھی ذکر فرماتے ہیں ورنہ سیلاب کا ایسا ہونا بہت بعید ہے وہ اس سے تنبیہ فرماتے ہیں کہ جب اس قدر آبِ کثیر وغزیر اتنے اختلاط تراب سے ناقابلِ وضو ہوگیا تو برساتی ندیوں یا گھڑے لوٹے کے پانی کیا ذکر؟

(۲۲۴ تا ۲۵۱) کاہی آٹا ستّو پھل بیلیں شنجرف یا کسم کی زردیاں کچ چونا ریشم کے کیڑے مینڈک وغیرہ غیر دموی جانور کے اجزا چنے باقلا وغیرہ ناج کے ریزے کولتار روٹی کے ذرّے صابون اُشنان ریحان بابونہ خطمی برگ کنار کچے خواہ یہ چھ نظافت کیلئے پانی میں پکائے ہوئے غرض کوئی چیز حتی کہ برف جو اصل پانی ہے اگر پانی ہے اگر پانی میں مل کر اُس رقت زائل کردے اُس سے وضو ناجائز ہوگا۔

عــہ: یعنی وہ پانی جن کی صورت جواز جائزات میں گزری یہ صورتیں ان کے مقابل ہیں ۱۲(م)

---

[1] ہدایة باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالایجوزبہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[3] قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹

[4] متن غنیة المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

اقول: وھذا ھو محمل مافی خزانۃ المفتین عن شرح مجمع البحرین لایجوز الوضوء بماء الباقلی وماء الصابون وماء الاشنان [1] اھ کما ان الاول محمل اطلاق القدوری وغیرہ الجواز فی الصابون والاشنان غیرانہ حمل قریب لان المعھودھو خلطھما قلیلا بحیث لایذھب الرقۃ (ا)وانما البعد فی(ا)مافی شرح المجمع۔	**میں کہتاہوں** خزانۃ المفتین میں جو شرح مجمع البحرین سے ہے اس کا محمل یہی ہے،اس کی عبارت یہ ہے کہ باقلی اور صابون اور اُشنان کے پانی سے وضو جائز نہیں ہے اھ جیسا کہ اوّل قدوری وغیرہ کے اطلاق کا محمل ہے ان کے اطلاق سے اشنان اور صابون کے پانی سے جواز معلوم ہوتا ہے،یہ حمل قریبی ہے کیونکہ عام طور پر یہ دونوں چیزیں کم مقدار میں ملائی جاتی ہیں کہ اس سے پانی کی رقت ختم نہیں ہوتی ہے،اور شرح مجمع میں جو ہے وہ بعید ہے۔(ت)

ان پر اکثر نصوص ان کے مقابلات میں اپنے اپنے محل پر مذکور ہُوئے اور خانیہ میں فرمایا:

لووقع الثلج فی الماء وصار ثخینا غلیظا لایجوز بہ التوضوء لانہ بمنزلۃ الجمد وان لم یصر ثخینا جاز[2]۔	اگر برف پانی میں گر گئی اور پانی گاڑھا ہوگیا تو اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ یہ بمنزلہ جمد کے ہے اور اگر گاڑھا نہ ہو تو جائز ہے۔(ت

یہ برف کا نص ہے کہ اگر پانی کو گاڑھا کردے اس سے وضو ناجائز ہوگا جب تک پگھل کر پانی کی رقت عود نہ کرے اور گاڑھا نہ کرے تو جائز یہ نمبر(**۲۵۲**) ہوا کہ جائزات میں اضافہ ہوگا۔

(**۲۵۳و۲۵۴**) جس پانی میں کوئی دوا یا غذا پکا کر تیار کی متون میں ہے **لابما تغیر بالطبخ**(نہ اس پانی سے جو پکانے سے متغیر ہوجائے۔ت)

(**۲۵۵و۲۵۶**) یوں ہی چائے یا کافی جن کے پکانے سے پانی کی رقت میں فرق آئے اگرچہ ان سے سیلان نہیں جاتا رقّت وسیلان کافرق ضوابط میں مذکور ہوگا اِن شاء اللہ قہوہ میں گاڑھا پن ضرور مشہود ہوا ہے اور اگر اُسے بھی پانی میں اثر کرنے سے پہلے نکال لیا تو جواز رہے گا **لعدم الطبخ وبقاء الطبع کما فی ۱۱۰** یہ(**۲۵۷**) بھی جائزات میں زائد کیا جائے۔

(**۲۵۸تا۲۶۲**) عرق گاؤزبان گلاب کیوڑا بید مشک خوشبوہوں یا اترے ہوئے یوں ہی

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

ہر عرق اوصاف میں پانی کے خلاف ہو یا موافق غرض جو بہتی چیز پانی کی نوع سے نہیں جب پانی کی مقدار سے زیادہ اُس میں مل جائے بالاجماع اُس سے وضو نہ ہوسکے گا۔

فان استویا فی الاجزاء لم یذکر هذا فی ظاهر الروایة وقالوا حکمه حکم الماء المغلوب احتیاطا [1] وقال فی الغنیة وکذا ان کانت مساویة احتیاطا حتی یضم الیه التیمم عند المساواة [2]۔	اگر دونوں اجزاء میں برابر ہوں تو یہ چیز ظاہر روایت میں نہیں ہے، فقہاء نے فرمایا اس کا حکم احتیاطًا مغلوب پانی کا سا ہے۔ غنیہ میں کہا اور اسی طرح ہے جب وہ مساوی ہوں احتیاطًا حتی کہ جب دونوں برابر ہوں تو وضو کے ساتھ تیمّم بھی کرلیا جائے اھ (ت)
اقول: لم یسنده لاحد ولم اره لغیره وفیه نبوء عن القواعد فما(۱)اجتمع حاظر ومبیح الاغلب الحاظر ولا حکم للمغلوب وایضا اذا استویا(۲)فقد تعارضا واذا تعارضا تساقطا وایضا لیس(۳) تسمیته ماء باولی من تسمیة غیره فکیف ینطلق علیه اسم الماء المطلق وما لیس بماء مطلق لایصح الوضوء به اصلا والاشتغال بما لایصح یکره تحریما کما فی الدر عن القنیة بل هو اضاعة المال فیحرم تأمل وراجع وکانه فهم من قولهم احتیاطا ان لهم شکا فی کونه ماء فاحترزوا عنه للاحتیاط فان لم یکن ماء لم یجز الوضوء به وان کان ماء لم یجز التیمم مع وجوده	**میں کہتا ہوں** اس کو انہوں نے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور ان کے علاوہ کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا، اور یہ قواعد سے دُوری ہے، جس چیز میں بھی حرام کرنیوالی اور مباح کرنیوالی دلیل جمع ہوجائے تو حرام کرنے والی غالب رہے گی اور مغلوب کا کوئی حکم نہ ہوگا اور جب دونوں برابر ہوں تو تعارض ہوگا اور تساقط ہوجائیگا، پھر اس کا پانی کہا جانا کسی دوسرے نام سے اولٰی نہیں ہے تو اس پر مطلق پانی کا نام کیسے بولا جائیگا اور جو مطلق پانی نہ ہو اس سے وضو بالکل جائز نہیں اور جو چیز صحیح نہ ہو اس میں مشغولیت مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ در میں قنیہ سے ہے، بلکہ یہ تو مال کا ضائع کرنا ہے لہٰذا حرام ہوگا، اس پر غور کیجئے اور مراجعت کیجئے، اور شاید انہوں نے ان کے قول احتیاطًا سے یہ سمجھا کہ ان کو اس کے پانی ہونے میں شک ہے

[1] بدائع الصنائع فصل فی الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

فیجمع بینهما خروجا عن العهدة بیقین فانه انکان ماء فقد توضأ وان لم یکن فقد تیمم کما فی سؤر(۱)الحمار للشك فی طهوریته ولیس(۲)کذلك بل الاحتیاط ههنا بمعنی العمل باقوی الدلیلین لایستقیم لاحد ان یسمیه ماء مطلقا فهو خارج عنه بالیقین من دون شك ولا تخمین والله تعالٰی اعلم۔	تو احتیاطاً اس سے انہوں نے پرہیز کیا ہے اب اگر وہ پانی نہیں تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر پانی ہے تو اس سے تیمّم جائز نہیں، تو تیمّم اور وضو دونوں کو جمع کیا جائیگا تاکہ یقین سے فریضہ ادا ہوجائے، کیونکہ اگر درحقیقت پانی ہو تو وضو ہوگیا اور اگر پانی نہیں تو تیمّم ہوگیا، جیسا کہ گدھے کے جُوٹھے کا حکم ہے، کیونکہ اس کے طہور ہونے میں شک ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ یہاں یہ احتیاط ہے کہ اقوی الدلیلین پر عمل ہوجائے، کوئی اس کو مطلق پانی نہیں کہتا یہ اس سے یقیناً خارج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲۶۳ تا ۲۶۶) اقول ایسی بے لون چیزیں اگر مزہ پانی کے خلاف رکھتی ہوں کہ نصف سے کم مل کر بدل دیں تو باتفاق منقول وضابطہ اُس سے وضو کا عدمِ جواز چاہئے۔

اما المنقول فلان العبرة بالطعم حیث لالون واما الضابطة فلانها ذوات وصف اووصفین وعلی کل یکفی تغیر وصف واحد فمامر عن البحر من(۳)العبرة بالاجزاء فی ماء لسان الثور وماء الورد المنقطع الرائحة[1] ومثله فی الغنیة غیر مسلم فلیتنبه۔	رہی نقل دلیل تو اعتبار مزے کا ہے جہاں رنگ نہ ہو اور ضابطہ یہ ہے کہ وہ دو وصفوں والی چیز ہے یا ایک وصف والی چیز ہے اور بہر صورت ایک وصف کا بدلنا کافی ہے اور بحر میں جو ہے کہ زبانِ ثور اور گلاب کے پانی میں جس کی خوشبو ختم ہوچکی ہو اجزا کا اعتبار ہے، مسلم نہیں، فلیتنبه۔(ت)

نوع آخر مقابلات نوع آخر قسم اول

صنفِ اول ــ جامدات

(۲۶۷ تا ۲۷۵) نبیذ میں چھوہارے یا کشمش خواہ کوئی میوہ شربت میں شکر بتاسے مصری خواہ کوئی خشک شیرینی خیساندہ میں دوا رنگ میں کسم کیسر پڑیا روشنائی میں کسیس مازو خواہ اور اجزاء جب اتنے

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

ڈالیں کہ پانی اپنی رقّت پر نہ رہے اس سے بالاجماع وضو ناجائز ہے۔ قدوری وہدایہ ونقایہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لابماء غلب علیہ غیرہ فاخرجه عن طبع الماء [1]۔	نہ اس پانی سے جس پر غیر کا غلبہ ہو تو اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دے۔ (ت)

صنفِ دوم ـ مائعات

(۲۷۶ تا ۲۷۸) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر پانی میں مل کر اُس کی رنگت کے ساتھ مزہ یا بُو بھی بدل دے تو اُس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے۔

لتغیر اللون علی الحکم المنقول واکثر من وصف علی الضابطة	اس لئے کہ رنگ متغیر ہوگیا، اس حکم پر جو منقول ہوا، اور ایک وصف سے زاید ہے ضابطہ پر۔ (ت)

یوں ہی پڑیا حل کیا ہوا پانی جب رنگ اور ایک وصف اور بدل دے۔

لانه انکان ذا الثلاثة کفی تغیروصفین للوفاق فکیف اذاکان ذاوصفین۔	اس لئے کہ اگر وہ تین اوصاف والا ہو تو اس میں دو وصفوں کا تغیر کافی ہے اس پر اتفاق ہے تو پھر دو وصفوں کا کیا حال ہوگا؟ (ت)

(۲۷۹) تربوز کا شیریں پانی جبکہ پانی میں پڑ کر رنگ کے ساتھ اس کا ایک وصف اور بدل دے، ہاں رنگ نہ رکھتا ہو تو مزے کا اعتبار ہے۔

وھومحمل قول الزیلعی والافھوذوالثلاثة کماھو معلوم مشاھد وقال فی المنحة قال الرملی لمشاھد فی البطیخ مخالفته للماء فی الرائحة وایضافی البطیخ مالونه احمر وفیه مالونه اصفر [2]اھ **اقول:** ای لون مائه اذفیه الکلام	اور یہی زیلعی کے قول کا مطلب ہے، قول یہ ہے ورنہ وہ تین وصفوں والا ہے، جیسا کہ مشاہد و معلوم ہے، اور منحہ میں فرمایا رملی نے کہا تربوز میں مشاہدہ یہ ہے کہ وہ بُو میں پانی کے مخالف ہوتا ہے اور بطیخ میں کچھ سرخ رنگ کے اور کچھ پیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس سے مراد اس کے پانی کا رنگ ہے

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء العربیہ کراچی ۱۸/۱
[2] منحۃ الخالق مع البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۰/۱

لالون عینه۔	کیونکہ کلام اسی میں ہے اس سے مراد خود بطیخ ذات کا رنگ نہیں۔ (ت)

(۲۸۰) سپید انگور کا شیرہ جب پانی کے مزے پر اس کا مزہ غالب آجائے۔

لتغیر الطعم علی المنقول وھو ذووصفین فیکفی تغیر واحد علی الضابطة فھذا مما لایتأتی فیه الخلاف فی شیئ من جانبی الجواز وعدمه۔	کیونکہ مزہ کا تغیر ہے منقول کے مطابق، اور وہ دو ۲ وصفوں والا ہے تو ایک میں تغیر کافی ہے ضابطہ کے مطابق، یہ وہ ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں جواز وعدمِ جواز کے جانبین میں۔ (ت)
فان قلت بلی فان الحکم لایقتصر عند اھل الضابطة علی الطعم بل کذٰلك لوغلب الریح۔	**اگر یہ کہا جائے** کہ حکم اہلِ ضابطہ کے نزدیک مزہ پر موقوف نہیں بلاالکہ بُو کے غلبہ کی صورت میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)
اقول: طعمه اسرع عملا فلا یتغیر الریح مالم یتغیر۔	تو میں کہتا ہوں اس کے مزے کا عمل تیز تر ہوتا ہے تو جب تک مزہ نہ بدلے بُو نہیں بدل سکتی ہے۔ (ت)

(۲۸۱) سپید انگور کا سرکہ ملنے سے اگر پانی کا مزہ بدل گیا سرکہ کا مزہ اس پر غالب ہوگیا۔ لما مرو یتأتی فیه الخلاف کما یاتی (اس کا حکم گزرا اور اس میں اختلاف آتا ہے۔ ت)

(۲۸۲) رنگت دار سرکہ جب پانی میں مل کر رنگ اور بُو (اس لئے کہ عام سرکوں کی بُو قوی تر ہوتی ہے ۱۲ منہ) دونوں بدل دے۔

لحصول اللون علی المنقول ووصفین علی الضابطة۔	منقول کے مطابق رنگ والا ہے اور ضابطہ کے مطابق دو وصفوں والا ہے۔ (ت)

(۲۸۳) ایسے سرکہ کا مزہ اقوی ہو تو جب اُس سے مزہ کے ساتھ رنگت بھی بدل جائے۔

(۲۸۴) جس سرکہ کا رنگ قوی تر ہو جب رنگ کے ساتھ ایک وصف اور بدل دے والوجہ قد علم (اس کی وجہ معلوم ہے۔ ت)

(۲۸۵) دودھ جب اس کا رنگ اور مزہ دونوں پانی پر غالب آجائیں۔

لان العبرة فی المنقول باللون وعند الزیلعی وکثیر من اتباعه باحد وصفین اللون	اس لئے کہ اعتبار منقول میں رنگ ہی کا ہے اور زیلعی کے نزدیک (نیز ان کے اکثر متبعین کے نزدیک)

والطعم وعند المحقق علی الاطلاق وصاحب الدرر بهما معا فاذا تغیر احصل الوفاق علی سلب الاطلاق۔	دو اوصاف میں سے ایک کا اعتبار ہے (یعنی رنگ یا مزہ)، اور محقق علی الاطلاق اور صاحبِ درر کے نزدیک دونوں کا ایک ساتھ اعتبار ہے، اب جبکہ دونوں وصف ہی بدل جائیں تو پانی کا اطلاق نہ ہونے پر اتفاق ہو جائے گا۔ (ت)

یہ ایک عہ۱ سو بائیس وہ ہیں جن سے وضو بالاتفاق عہ۲ ناجائز ہے یعنی نہ ہو سکتا ہے نہ اُس سے نماز جائز ہو **و الله تعالٰی اعلم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہٖ وصحبه وبارك وسلم۔**

قسم سوم جن سے صحتِ وضو میں حکم منقول ومقتضائے ضابطہ امام زیلعی کا خلاف ہے **صنف اول** خشک اشیا (۲۸۶ و۲۸۷) چھوہارے کے سوا کشمش انجیر وغیرہ کوئی میوہ **بالاجماع الاماعن الامام الاوزاعی ان ثبت عنه** (مگر وہ جو امام اوزاعی سے مروی ہے اگر ان سے ثابت ہو۔ت) اور مذہب صحیح معتمد مفتی بہ مرجوع الیہ میں چھوہارے بھی جبکہ تادیر تر کرنے سے پانی میں اُس میوہ کی کیفیت اس قدر آجائے کہ اب اُسے پانی نہ کہیں نبیذ کہیں اس سے وضو نہیں ہو سکتا اگرچہ رقیق ہو، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

قیاس ماذکرنا انه لایجوز الوضوء بنبیذ التمر لتغیر طعم الماء وصیرورته مغلوبا بطعم التمر و بالقیاس اخذ ابویوسف وقال لایجوز التوضوء به الا ان ابا حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ترك القیاس بالنص فجوز التوضوء به وروی نوح فی الجامع المروزی عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه رجع عن ذلك وقال لایتوضوء به	جن چیزوں سے ہم نے وضو کے جائز نہ ہونے کا قول کیا ہے وہ نبیذ تمر پر قیاس کی گئی ہیں، کیونکہ پانی کا مزہ بدل گیا ہے اور وہ کھجور کے مزہ سے مغلوب ہو گیا ہے قیاس پر ابو یوسف نے عمل کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اُس سے وضو جائز نہیں، اور امام ابو حنیفہ نے نص کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا اور اُس سے وضو کو جائز قرار دیا، اور نوح نے جامع مروزی میں ابو حنیفہ سے روایت کی کہ آپ نے اس سے رجوع

عـــہ۱: ۱۶۰ کے بعد ۱۲۵ ہوئے مگر ان میں تین نمبر ۲۲۱ و ۲۵۷، ۲۵۲ جائزات کے تھے لہذا ایک سو بائیس ۱۲۲ رہے ۱۲ (م)

عـــہ۲: یعنی ضابطہ زیلعی اور اُن احکام کے اتفاق سے جو قول امام محمد پر مبنی ہیں جیسا کہ تنبیہ ضروری میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

وھو الذی استقر علیہ قولہ کذا قال نوح وبہ اخذ ابو یوسف [1]۔	کرلیا اور فرمایا کہ اس سے وضو نہ کیا جائے اور ان کے اس قول پر اتفاق ہوا، یہی نوح کا قول ہے اور یہی ابو یوسف نے لیا ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

وجب تصحیح الروایۃ الموافقۃ لقول ابی یوسف لان اٰیۃ التیمم ناسخۃ لہ لتاخرھا اذھی مدنیۃ وعلی ھذا مشی جماعۃ من المتأخرین [2]۔	اس روایت کی تصحیح جو ابو یوسف کے قول سے مطابقت رکھتی ہے لازم ہے، کیونکہ آیۃ تیمّم اس کو منسوخ کرنے والی ہے وہ مدنی ہونے کی وجہ سے متاخر ہے، اور متاخرین کی ایک جماعت اسی طرف گئی ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

ذکر نوح الجامع والحسن بن زیاد ان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ رجع الی انہ یتیمم ولا یتوضوء کما ھو مختار ابی یوسف وقول اکثر العلماء منھم مالک والشافعی واحمد قال قاضی خان وھو الصحیح [3] اھ	نوح اور حسن بن زیاد نے ذکر کیا کہ ابو حنیفہ نے اس سے رجوع کرلیا اور فرمایا بجائے وضو کے تیمّم کرنا چاہئے، یہی ابو یوسف کا مختار ہے اور اکثر علماء مثلًا شافعی، مالک اور احمد کا قول ہے اور قاضی خان نے کہا یہی صحیح ہے اھ۔(ت)

غنیہ میں شرح جامع صغیر قاضی خان سے ہے:

روای اسد بن عمر ونوح بن ابی مریم والحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ رجع الی قول ابی یوسف والصحیح قول ابی حنیفۃ الاٰخر [4] اھ اقول فھذان متابعان قویان لنوح الجامع فزال ماکان	روایت کیا اسد بن عمرو اور نوح بن ابی مریم اور حسن نے ابو حنیفہ سے کہ انہوں نے ابو یوسف کے قول کی طرف رجوع کرلیا اور صحیح ابو حنیفہ کا دوسرا قول ہے اھ میں کہتا ہوں یہ دو مضبوط تائیدیں نوح کے حق میں ہیں، اس سے ملک العلماء کی برآت کا خطرہ زائل ہوگیا، ملک العلماء

[1] بدائع الصنائع فصل الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ومالا یجوزبہ نوریہ رضویہ سکھر

[3] حلیہ

[4] شرح جامعہ الصغیر لقاضی خان

یخشی من تبری ملك العلماء اذقال کذا قال نوح۔	نے فرمایا کذا قال نوح۔(ت)

غنیہ میں ہے:

لایتوضوء به هی الروایة المرجوع الیهاعن ابی حنیفة رضی ا لله تعالٰی عنه وعلیهاالفتوی لان الحدیث وان صح لکن اٰیة التیمم ناسخة له اذ مفهومهانقل الحکم عند عدم الماء المطلق الی التیمم ونبیذ التمر لیس ماء مطلقا[1]۔	اس سے وضو نہ کیا جائے، یہ ابو حنیفہ کی وہ روایت ہے جس کی طرف رجوع کیا ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن تیمّم کی آیت اس کی ناسخ ہے کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب مطلق پانی نہ ہو تو حکم کو تیمّم کی طرف منتقل کردیا جائے اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے۔(ت)

بحر میں ہے:

لایتوضوء به وهو قوله الاٰخر قدرجع الیه وهو الصحیح واختاره الطحاوی وبالجملة فالمذهب المصحح المختار المعتمد عندنا عدم الجواز[2]۔	نبیذ سے وضو نہ کیا جائے، یہی امام ابو حنیفہ کا آخری قول ہے، انہوں نے اس کی طرف رجوع کرلیا تھا، یہی صحیح ہے اور اسی کو طحاوی نے اختیار کیا، خلاصہ یہ کہ ہمارے نزدیک تصحیح شدہ، مختار، معتمد مذہب وضو کے عدم جواز کا ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

هو قول ابی حنیفة الاٰخر[3]۔	یہی ابو حنیفہ کا آخری قول ہے۔(ت)

ہندیہ میں عینی شرح کنز سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف[4]۔	فتوٰی ابو یوسف کے قول پر ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یقدم التیمم علی نبیذ التمر	تصحیح شدہ قول کے مطابق نبیذ تمر پر

[1] غنیۃ المستملی، باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲
[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۷
[3] قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی، نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹
[4] ہندیہ فیمالایجوزبہ التوضی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۳

علی المذھب المصحح المفتی بہ لان المجتھد اذارجع عن قول لایجوز الاخذ بہ [1] اھ وقولہ یقدم ای یرجح ویختار و یوثر فیفعلہ لا الوضوء بہ۔	تیمّم کو مقدم کیا جائیگا، یہی صحیح مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، کیونکہ جب کوئی مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل جائز نہیں، اور ان کا قول "مقدم کیا جائیگا" سے مراد یہ ہے کہ اس کو ترجیح دی جائیگی اور اختیار کیا جائیگا اور نبیذ سے وضو نہ کیا جائیگا۔ (ت)

بدائع میں ہے:

اما نبیذ الزبیب وسائر الانبذۃ فلایجوز التوضوء بھا لان القیاس یابی الجوازالابالماء المطلق وھذالیس بماء مطلق بدلیل انہ لایجوزالتوضوء بہ مع القدرۃ علی الماء المطلق الا انا عرفنا الجواز بالنص والنص ورد فی نبیذ التمر خاصۃ فیبقی ماعداہ علی اصل القیاس [2]۔	نبیذ منقّی اور دوسرے نبیذوں سے وضو جائز نہیں کیونکہ قیاس کی رُو سے وضو صرف مطلق پانی سے ہوسکتا ہے اور یہ مطلق پانی نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مطلق پانی کے موجود ہونے کی صورت میں اس سے وضو جائز نہیں، مگر ہمیں اس کا جواز نص سے معلوم ہوا ہے اور نص خاص نبیذ تمر کی بابت وارد ہوا ہے تو باقی نبیذوں پر قیاس کے مطابق ہی عمل ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لایجوز التوضی بما سواہ من الانبذۃ جریا علی قضیۃ القیاس [3]۔	دوسرے نبیذوں سے وضو قیاس کے مطابق جائز نہ ہوگا۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

لایجوز نبیذ الزبیب والتین وغیر ذلك [4]۔	منقّی، انجیر وغیرہ کے نبیذ سے وضو جائز نہیں۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

سائر الاشربۃ سوی نبیذ التمر لیس فی	نبیذ تمر کے علاوہ باقی نبیذوں سے وضو کے عدمِ جواز

[1] درمختار باب التیمم، مجتبائی دہلی ۱/۴۱

[2] بدائع الصنائع، مطلب الماء المقید، سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[3] ہدایہ الماء الذی یجوزبہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۳۲

[4] عنایہ مع فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

عدم جواز التوضی بہ خلاف [1]۔	میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ کتب میں ہے۔

فان قلت من این قولك انكان رقیقا قلت لاطلاقهم ویقطع الوهم انهم صرحوا ان نبیذ التمر المختلف فی جواز الوضوء به ماكان رقیقا اما الغلیظ فلا ثم قالوا ولایجوز بما سواہ من الانبذة لان نبیذ التمرخص بالاثر فوضح قطعا ان المراد نفی التوضی بالرقیق منها اما الغلیظ فمعلوم الانتفاء ولا تخالف فیه بین نبیذ التمر وسائر الانبذة۔	اگر یہ سوال ہو کہ وان کان رقیقا تم نے کہاں سے لیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فقہاء کے اطلاقات سے مفہوم ہے، اور وہم اس طرح دُور ہوجاتا ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ نبیذ جس سے وضو کے ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہے رقیق ہے اور گاڑھے میں کوئی اختلاف نہیں، پھر فرمایا اس نبیذ کے علاوہ باقی نبیذوں سے جائز نہیں کیونکہ نبیذ تمر نص سے مخصوص ہے، اس سے قطعی طور پر واضح ہوا کہ رقیق نبیذ سے وضو کی نفی مراد ہے کیونکہ گاڑھے میں تو اختلاف پہلے ہی نہیں تھا تو گاڑھے نبیذ میں نبیذ تمر اور باقی نبیذیں برابر ہیں۔(ت)

بالجملہ نبیذ تمر سے مطلقًا وضو صحیح نہ ہونا مذہب صحیح معتمد مفتٰی بہ ہے اور باقی نبیذوں سے نہ ہونے پر تو اجماع ہے مگر ضابطہ زیلعیہ کا اقتضا یہ ہے کہ جب تک رقت باقی ہے صحیح ہو لیکن یہ ہر گز صحیح نہیں کہ اسے نبیذ کہیں گے نہ کہ پانی تو نام آب باقی نہ رہنے کے سبب آب مطلق نہ رہا اور وضو آبِ مطلق ہی سے جائز ہے وبس۔

وبیان ذلك انها من الجامدات اوضابطة التقیید عنده فی الجامد زوال الرقة فحسب قال رحمه الله تعالی المخالط انكان جامدا فمادام یجری علی الاعضاء فالماء هو الغالب [2]اھ وتبعه فی الحلیة والدرر فاقتصرا علی ذكر الجریان۔ **اقول:** (۱) وكان البعد فیه اكثر لان الجریان علی الاعضاء هو السیلان والرقة اخص منه كما سیاتی فكان یقتضی جواز الوضوء	اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ جامدات سے ہے اور ان کے نزدیک جامد میں تقیید کا ضابطہ یہ ہے کہ رقّت زائل ہوجائے، انہوں نے فرمایا اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہہ سکے تو پانی ہی غالب ہوگا اھ اور حلیہ اور درر میں اس کی متابعت کی اور دونوں نے جاری ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس میں بُعد زائد تھا کہ جاری ہونا اعضاء پر سیلان ہے اور رقّت سیلان سے اخص ہے کما سیاتی تو اس کا مفہوم یہ نکلا کہ اگرچہ

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۲۰/۱

وان زالت الرقة مع بقاء السیلان لکن الامام الزیلعی وبالنقل عنه الحلبی تدارکاہ بقولهما بعدہ فیحمل قول من قال ان کان رقیقا یجوز الوضوء به والا فلا علی ماإذا کان المخالط له جامدا[1] اھ ویقرب منه قول المحقق فی الفتح والبحر فی البحر وغیرهما فان کان جامدا فبانتفاء رقة الماء وجریانه علی الاعضاء[2] اھ فجمعوا بینهما فابتنی الحکم علی انتفائهما معا وعاد المحذور الا ان یقال ان الواو بمعنی او وحینئذ یکون ذکر الجریان والسیلان بعد الرقة مستدرکا غیر انه قد شاع وذاع والخطب سهل فالاحسن عبارة الغنیة المعتبر فی صیرورة الماء مقیدا بمخالطة الجامد زوال رقته[3] اھ والبحر من بعد اذقال فان کان المخالط جامدا فغلبة الاجزاء فیه بثخونته[4] اھ

وانت تعلم ان المدار الباب علی زوال الاسم کما اعترف به الامام الضابط بقوله زوال اسم الماء عنه هو المعتبر فی الباب اھ وبخلط الجامد ربما یزول

رقّت زائل ہوجائے اور سیلان باقی رہے تو وضو جائز ہے، مگر امام زیلعی اور ان کی متابعت میں حلبی نے اس شبہ کا تدارک کرتے ہوئے فرمایا، تو جن حضرات نے فرمایا کہ اس سے وضو جائز ہے اگر رقیق ہو ورنہ نہیں اس کو اس صورت پر محمول کیا جائیگا کہ جب اس میں ملنے والی چیز جامد ہو اھ اور اسی کے قریب قریب محقق کا قول فتح میں اور صاحب بحر کا بحر وغیرہما میں ہے کہ اگر وہ شیئ جامد ہے تو وضو اس وقت جائز نہ ہوگا جب پانی کی رقّت ختم ہوجائے اور وہ اعضاء پر جاری نہ ہوسکے اھ تو فقہاء نے دونوں باتوں کو جمع کردیا اور حکم دونوں کے معًا انتفاء پر ہوا، اور جو محذور تھا وہ لوٹ آیا، ہاں ایک صورت یہ ہے کہ واؤ بمعنی اَو ہو اور اس صورت میں جریان اور سیلان کا ذکر رقّت کے بعد اضافی ہوگا، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے تو غنیہ کی عبارت بہتر ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے مقید ہونے میں معتبر اس کی رقت کا زائل ہونا ہے اھ اور بحر نے اس کے بعد فرمایا کہ اگر ملنے والی چیز جامد ہو تو اس میں اجزاء کے غلبے کا پتا اس کے گاڑھا پڑ جانے سے ہوگا اھ (ت)

آپ کو معلوم ہے کہ اس سلسلہ میں مدار نام کے زائل ہونے پر ہے جیسا کہ امام نے اعتراف کیا ہے انہوں نے ضابطہ یہ بیان کیا کہ اس بات میں نام کا زائل ہونا ہی بہتر ہے اھ اور جب کوئی جامد شیئ پانی میں ملتی ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبعۃ الامیریہ مصر ۱/ ۲۰
[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹
[3] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱
[4] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

الاسم قبل زوال الرقة کماء الزعفران الصالح للصبغ والنبیذ وقد صرحوا ان الاختلاف انما کان فی نبیذ التمر الرقیق قال فی الهدایة النبیذ المختلف فیه ان یکون حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء اھ[1] زاد فی الکافی فان کان غلیظا کالدبس لم یجز الوضوء به[2] اھ۔ وفی البدائع وان کان غلیظا کالرب لایجوزالتوضوء به بلاخلاف وکذاان کان رقیقا لکنه غلا و اشتدوقذف بالزبد لانه صارمسکراو المسکرحرام فلایجوزالتوضوء به ولان النبیذ الذی توضأبه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان رقیقاحلوافلا یلحق به الغلیظ المر[3] وھکذا فی الحلیة والغنیة والبحر والدروعامة الکتب عہ بل فی العنایة النبیذ	تو رقت کے زائل ہونے سے قبل ہی نام زائل ہوجاتا ہے، جیسے زعفران کا پانی جس سے کوئی چیز رنگی جاسکتی ہو، اور نبیذ، اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اختلاف رقیق نبیذ میں ہے۔ ہدایہ میں ہے اختلاف اس میں ہے کہ نبیذ میٹھا اور پتلا ہو اور اعضاء پر پانی کی طرح بہتا ہو اھ کافی میں یہ اضافہ کیا کہ اگر وہ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ اگر نبیذ شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بلااختلاف اس سے وضو جائز نہیں ہے اور اسی طرح اگر رقیق ہے مگر اس میں اتنا جوش آگیا ہو کہ جھاگ دے گیا ہو کیونکہ اب یہ مُسکر ہوگیا اور مسکر حرام ہے لہٰذا اس سے وضو جائز نہیں، نیز یہ کہ جس نبیذ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تھا وہ رقیق اور میٹھا تھا لہٰذا کڑوا اور گاڑھا نبیذ اس کے حکم میں نہیں

عہ: فی مسکین علی الکنزالنبیذالمختلف فیه ان یکون حلوارقیقا یسیل علی الاعضاء کالماء اھ قال السید ابو السعود ای والغلبة للماء لیوافق ماتقدم عن خزانة الاکمل فان لم یحل فلا خلاف فی جواز الوضوء به نهر اھ **اقول**(۱) سبحٰن الله اذاکان الغلبة للماء

مسکین علی الکنز میں ہے کہ وہ نبیذ جس میں اختلاف ہے رقیق اور میٹھا ہے جو پانی کی طرح اعضاء پر بہتا ہو اھ ابو السعود نے فرمایا یعنی غلبہ پانی کا ہو تاکہ خزانہ اکمل سے جو منقول ہوا اس کے موافق ہوجائے، کیونکہ اگر میٹھا نہ ہو تو اس سے وضو کے جواز میں کوئی خلاف نہیں، نہر اھ **میں کہتا ہوں** سبحان اللہ جب پانی کا غلب

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] ہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء مکتبہ عربیہ کراچی ۳۲/۱

[2] کافی

[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱۷/۱

المختلف فیه ذکرمحمد فی النوادرهوان تلقی تمیرات فی ماء حتی صارالماء حلوارقیقا اھ[1]۔ وزوال اسم الماء عنه مقطوع به مجمع علیه ولاجله صارالمذهب المختارالمعتمدعدم جوازالوضوء به الا تری ان فی قول الامام الاول المرجوع عنه انمایجوزالوضوء به اذالم یجد الماء ولا یجوز الا منویاواذاوجد ماء مطلقاینتقض فهو فی کل ذلك کالتیمم ذکره فی العنایة والفتح والحلیة عن شرح الامام القدوری	ہوسکتا ہے، یہی حلیہ، غنیہ، بحر، دراور عام کتب میں ہے، بلاالکہ عنایہ میں ہے کہ مختلف فیہ نبیذ کے بارے میں محمد نے نوادر میں لکھا ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ کچھ کھجوریں پانی میں ڈال دی جائیں حتی کہ وہ میٹھاپتلا ہوجائے اھ اور پانی کا نام اس سے قطعی طور پر ختم ہوجاتا ہے اس پر اجماع ہے، لہٰذا مذہب مختار معتمدیہ ہے کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کا پہلا قول جس سے انہوں نے رجوع کرلیااس سے وضواُسی صورت میں جائز ہے جبکہ پانی نہ پائے، اور صرف نیت کے ساتھ ہی جائز ہوگا، اور جب مطلق پانی مل جائے تو یہ وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جاز الوضوء به بالاجماع کمامر فی ۱۱۶ وای حاجة الی النقل مع اجماع الشرع والعرف والعقل علی ان العبرة للغالب فکیف یکون مختلفا فیه وانما حقه ان یقول ای والغلبة للتمر فانه الذی کان الامام یعدل به عن سنن القیاس لو ورد الحدیث ثم (۱) نصب خلاف لایوافق قط مافی خزانة الاکمل لانه ارجع الاجوبة کلها الی الاحکام الاجماعیة وقوله ان لم یحل اقول وکذا ان حلا والماء غالب بعد ما تقدم فی ۱۱۶ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

ہوگاتو بالاجماع وضو جائز ہوگا کمامر فی ۱۱۶ پھر اجماع کے ہوتے ہوئے کسی اور نقل کی کیا ضرورت ہے کیونکہ اجماع شرعی اور عرفی اور عقلی تینوں سے ثابت ہے کہ اعتبار غالب کا ہے، تو پھر یہ مختلف فیہ کیسے ہوگا؟ اسے یوں کہنا چاہئے کہ "یعنی غلبہ کھجوروں کا ہو کیونکہ اس میں امام نے قیاس سے عدول کیا ہے کیونکہ اس میں حدیث وارد ہے، پھر خلاف کا ذکر مَا فِیْ خِزَانَۃِ الْاَکْمل سے بالکل موافقت نہیں رکھتا ہے، کیونکہ انہوں نے تمام جواب احکامِ اجماعیہ کی طرف راجع کردیئے ہیں اور ان کا قول "ان لم یحل" میں کہتا ہوں اگر میٹھا بھی ہو تو اس کا حکم یہی ہے بشرطیکہ پانی غالب ہو جیسا کہ پانی کی قسم ۱۱۶ میں گزرا، و اللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] عنایۃ مع الفتح مطلب الماء المقید نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۵

لمختصر الامام الکرخی عن اصحابنا رضی اﷲ تعالٰی عنھم وقال فی الحلیۃ وجہ قول ابی یوسف ان اﷲ تعالٰی اوجب التیمم عند عدم الماء المطلق ونبیذ التمر لیس بماء مطلق والا لجاز الوضوء بہ مع وجود غیرہ من المیاہ المطلقۃ [1] اھ وتقدم مثلہ عن البدائع اقول وبہ ظھر (۱) الجواب عما تجشمہ الامام الزیلعی اذ قال اما قولھم لیس بماء مطلق قلنا ھو ماء شرعا الا تری الی قولہ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم ماء طھور ای شرعا فیکون معنی قولہ تعالٰی فلم تجدوا ماء ای حقیقۃ اوشرعا [2] اھ فیاسبحٰن اﷲ ان کان ھذا معنی الاٰیۃ فلم لم یجز الوضوء بہ مع وجود ماء اٰخر ومن اوجب الترتیب بین المائین بتقدیم اللغوی علی الشرعی اما احتجاجہ عہ

ٹوٹ جائیگا تو یہ تمام احکام میں مثل تیمّم ہے، یہ عنایۃ، فتح اور حلیہ میں شرح قدوری سے منقول ہے جو امام کرخی نے ہمارے اصحاب سے نقل کیا ہے اور حلیہ میں فرمایا ابو یوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تیمّم اس وقت واجب کیا ہے جب مطلق پانی نہ ہو اور نبیذ تمر مطلق پانی نہیں ہے ورنہ دوسرے مطلق پانیوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے وضو جائز ہوجاتا ہے اھ یہی بدائع سے گزرچکا ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے امام زیلعی کی اس گفتگو کا جواب بھی نکل آتا ہے کہ ان کا قول "یہ مطلق پانی نہیں ہے" ہم کہتے ہیں یہ شرعًا پانی ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "پاک پانی" یعنی شرعًا تو اللہ کے قول "تو تم پانی نہ پاؤ" کا معنی ہوگا یعنی حقیقۃً اور شرعًا پانی نہ پاؤ، تو اگر آیت کے یہی معنی ہیں تو دوسرے پانی کے ہوتے ہوئے اس سے وضو کیوں جائز نہیں؟ اور جن حضرات نے دونوں پانیوں میں ترتیب کو لازم قرار دیا ہے

عہ: تبعہ فیہ المولی بحر العلوم فی الارکان الاربعۃ فقال قولہ صلی اﷲ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم تمرۃ طیبۃ وماء طھور یفید ان النبیذ لم یخرج عن کونہ ماء بوقوع التمر فواجد النبیذ لایصدق علیہ انہ

بحر العلوم نے ارکان اربعہ میں ان کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "تمرۃ طیبۃ وماء طھور" سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیذ پانی ہونے سے خارج نہیں ہوا ہے کھجور کے وقوع سے، تو جس شخص کے پاس نبیذ ہو تو اس پر یہ صادق (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] حلیہ

[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماء طهور **فاقول**:(۱) الحدیث من اوله تمرة طیبة وماء طهور فانما هولبیان اجزائه التی ترکب منهالاالاخبار عنه بانه ماء والالکان اخبارا ایضابانها تمرة وهو باطل لغة وعرفاوشرعاوفی صدرالحدیث قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لعبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنه هل معك ماء اتوضوء به قال لاالانبیذتمرلایقال انه رضی اللہ تعالٰی عنه انمانفی الماء اللغوی لان السؤال کان عن الماء الشرعی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتوضوء به الا ان یقال لم یکن عبداللہ اذذاك یعلم انه ماء شرعاوقد(۲)اعترف الامام الزیلعی نفسه انه نفی عنه ابن مسعود اسم الماء [1] اھ اذاثبت هذاعلم ان قصرالحکم فی الجامد علی زوال الرقة غیرصحیح وقد تنبه لهذا البحر فی البحر فقال بعد ایراد الضابطة وهھنا تنبیهات مهمة۔

کہ لغوی کو شرعی پر مقدم کیا ہے اور ان کا استدلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "ماءٌ طھور" سے تو اس کی بابت میں کہتا ہوں دراصل حدیث کی ابتداء اس طرح ہے "تمرة طیبة وماء طھور" تو یہ اس کے اجزاءِ ترکیبیہ کے بیان کے لئے ہے صرف اتنا بتانا مقصود نہیں کہ یہ پانی ہے ورنہ یہ بھی خبر ہوتی کہ یہ کھجور ہے اور یہ عرفاً لغۃً اور شرعاً ہر طرح باطل ہے اور حدیث کی ابتداء میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا "کیا تمہارے پاس پانی ہے تاکہ میں اُس سے وضو کروں؟ انہوں نے کہا نہیں سوائے نبیذ تمر کے"۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ حضرت عبد اللہ نے صرف لغوی پانی کی نفی کی تھی اس لئے کہ سوال شرعی پانی کی بابت تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا، تاکہ میں اس سے وضو کروں۔ ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبد اللہ کو اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ یہ شرعاً پانی ہے، اور خود امام زیلعی نے اعتراف کیا ہے کہ ابن مسعود نے اس سے پانی کی نفی کی ہے اھ جب یہ ثابت ہوگیا تو معلوم ہوا کہ جامد میں حکم کا زوالِ رقّت پر منحصر کردینا صحیح نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لم یجد ماء فلا تعارضه اٰیة التیمم حتی یکون ناسخا هذاماعندی اھ وکأنه لم یطلع علی کلام الامام الزیلعی رحمهما اللہ تعالٰی قدس سرہ۔

نہیں آتا کہ وہ پانی کا پانے والا نہیں ہے تو آیہ تیمّم اِس کے معارض نہیں، تاکہ اس کو ناسخ قرار دیا جائے "ھذا ماعندی" اھ اور غالباً وہ امام زیلعی کے کلام پر مطلع نہ ہوئے۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۵

الاول: مقتضی ماقالوہ ھناجوازالتوضوء بنبیذ التمروالزبیب ولو غیرالاوصاف الثلثة وقد صرحواقبل باب التیمم ان الصحیح خلافہ وان تلك روایة مرجوع عنھاوقدیقال ان ذلك مشروط بمااذالم یزل عنہ اسم الماء وفی مسألة نبیذالتمر زال عنہ اسم الماء فلا مخالفة کمالایخفی۔

الثانی: انہ یقتضی ان الزعفران اذااختلط بالماء یجوزالوضوء بہ مادام رقیقاسیالاولو غیرالاوصاف کلھالانہ من الجامدات والمصرح بہ فی معراج الدرایة معزیاالی القنیة ان الزعفران اذاوقع فی الماء ان امکن الصبغ فیہ فلیس بماء مطلق من غیرنظرالی الثخونة ویجاب عنہ بما تقدم من انہ زال عنہ اسم الماء [1] اھ وردہ اخوہ وتلمیذہ المحقق فی النھرکمافی ط بان الزیلعی لم یذکر ذلك وان ھذاالتقیید لایجدی نفعا [2] اھ واجاب عنہ السید العلامة ابو السعود الازھری

صاحب بحر کو بحر میں اس پر تنبہ ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ضابطہ کے بعد فرمایا،

یہاں چند اہم تنبیہات ہیں:

تنبیہ اول: جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اس کا مقتضٰی نبیذ تمر اور نبیذ منقی سے وضو کا جواز ہے خواہ اوصاف ثلٰثہ ہی کیوں نہ بدل گئے ہوں، اور تیمّم کے باب سے پہلے انہوں نے تصریح کی ہے کہ صحیح اس کے برخلاف ہے اور اس روایت سے رجوع کرلیا ہے، اور یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اس پر سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، اور نبیذ تمر کے مسئلہ میں اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے تو کوئی مخالفت نہیں، کمالایخفی۔

تنبیہ ثانی: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زعفران جب پانی میں مل جائے تو اس سے اس وقت تک وضو جائز ہو جب تک وہ سیال ورقیق ہو خواہ اس کے تمام اوصاف بدل گئے ہوں، کیونکہ وہ جامدات سے ہے، اور معراج الدرایہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ اگر زعفران پانی میں ڈال دی جائے تو اگر اس سے رنگنا ممکن ہو تو وہ مطلق پانی نہیں ہے، اس میں گاڑھے پن کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا ہے اھ (ت)

اس کو ان کے بھائی اور شاگرد محقق نے نہر میں رد کیا ہے جیسا کہ ط میں ہے کہ زیلعی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے اور اس تقیید سے کچھ نفع نہ ہوگا اھ اس کا جواب علامہ ابوالسعود نے فتح اللہ المعین میں دیا ہے،

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۰

[2] طحطاوی علی الدر باب المیاہ بیروت ۱/ ۱۰۳

فی فتح اللہ المعین وتبعہ ط بان الکلام فیما اذالم یزل عنہ اسم الماء کما ذکرہ الزیلعی فتنظیر النھر ساقط وما ذکر فی البحر من الجواب ماخوذ من صریح کلام الزیلعی [1]۔فھؤلاء ثلثۃ اجلاء اختلف انظارھم فی کلام الامام الزیلعی اماالاخوان العلامتان فاتفقاعلی ان الزیلعی لم یذکر فی الجامد قید بقاء الاسم غیران البحر یقول انہ مطوی منوی فالمعنی انکان جامدافمادام باقیاعلی رقتہ فالماء ھو الغالب یشرط ان لایزول عنہ اسم الماء والنھر یقول انہ لم یذکرہ کما تری ولم یردہ لانہ لایجدی نفعاواماالسید فزعم انہ مذکور فی صریح کلام الزیلعی وان کلامہ انما ھو فیہ وان البحر انما اخذہ منہ۔ھکذا اختلفو واناانقلہ لک کل کلام الزیلعی لتجلی لک جلیۃ الحال قال رحمہ اللہ تعالٰی بعد مانقل اقوالًا متخالفۃ ھکذا جاء الاختلاف فلابد من ضابط وتوفیق فنقول ان الماء اذا بقی علی اصل خلقہ ولم یزل عنہ اسم الماء جاز الوضوء بہ وان زال وصار مقیدا لم یجز والتقیید اما بکمال الامتزاج اوبغلبۃ الممتزج فکمال الامتزاج بالطبخ بطاھر لایقصد بہ التنظیف اوبتشرب النبات وغلبۃ الممتزج

اور اس کی پیروی ط نے کی ہے کہ گفتگو اس میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو جیسا کہ زیلعی نے ذکر کیا ہے،تو نہر کا نظیر دیناساقط ہے درست نہیں،اور جو جواب بحر میں ہے وہ زیلعی کے صریح کلام سے ماخوذ ہے۔(ت) تو یہ تین جلیل القدر علماء ہیں جن کی آراء زیلعی کے کلام کی بابت مختلف ہیں،دونوں برادران اس پر متفق ہیں کہ زیلعی نے جامد میں نام کے بقا کی قید ذکر نہیں کی ہے،البتہ بحر کہتے ہیں یہ نیت میں مضمر ہے،تو معنی یہ ہے کہ اگر وہ جامد ہے تو جب تک وہ رقیق ہے تو پانی ہی غالب ہے بشرطیکہ اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو،اور نہر کا کہنا ہے کہ انہوں نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے جیساکہ آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کو انہوں نے رَد نہیں کیاہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں،اور سید کا گمان ہے کہ یہ زیلعی کے کلام میں صریحًا مذکور ہے اور ان کا کلام اسی میں ہے اور بحر نے اُسی سے اخذ کیا ہے۔(ت)

اسی طرح انہوں نے اختلاف کیا ہے،اور اب میں زیلعی کا کلام نقل کرتا ہوں تاکہ بات پُوری طرح واضح ہوجائے،انہوں نے پہلے تو مخالف اقوال ذکر کئے،پھر فرمایا،اسی طرح اختلاف ہوا ہے،تو کوئی ضابطہ اور توفیق ضروری ہے،تو ہم کہتے ہیں کہ پانی جب اپنی اصلی خلقت پر ہو اور اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوا ہو تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر نام زائل ہوجائے

[1] فتح اللہ المعین ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴

بالاختلاط من غیر طبخ ولا تشرب نبات ثم المخالط ان جامدافمادام یجری علی الاعضاء فالماء الغالب وان مائعافان لم یکن مخالفافی شیئ کالماء المستعمل تعتبر بالاجزاء وان مخالفافیهافان غیرا کثرها لایجوزالوضوء به والاجازوان خالف فی وصف اووصفین تعتبر الغلبة من ذلك الوجه کاللبن یخالفه فی اللون والطعم فان کان بون اللبن اوطعمه هو الغالب لم یجز والاجاز وماء البطیخ یخالفه فی الطعم فتعتبر الغلبة فیه بالطعم فعلی هذا یحمل ماجاء منهم علی مایلیق به فقول من قال ان کان رقیقایجوز والا لاعلی مااذا کان المخالط جامداومن قال ان غیراحداوصافه جاز علی ماخالفه فی الثلثة ومن قال اذا غیر احداوصافه لایجوز علی ماخالفه فی وصف او وصفین ومن اعتبر بالاجزاء علی مایخالفه فی شیئ فاذانظرت وتأملت وجدت ماقاله الاصحاب لایخرج عن هذا و وجدت بعضها مصرحا به وبعضها مشارالیه [1] اھ هذاکل کلامه قدلخصته ولم اخرم منه حرفاغیرماذکر فی التشرب من الفرق بین الخروج والاستخراج فانه غیر صحیح

اور مقید ہوجائے تو جائز نہیں،اور تقیید یا تو کمالِ امتزاج کے ساتھ یا ملی ہوئی چیز کے غلبہ کے ساتھ ہوگی،تو کمالِ امتزاج یہ ہے کہ پانی میں ایسی پاک چیز ڈال کر پکائے جس سے تنظیف مقصود نہ ہو یا گھاس میں پانی جذب ہوجائے اور ملی ہوئی چیز کا غلبہ یہ ہے کہ پانی کا اختلاط بلا پکائے ہو اور گھاس میں پانی جذب کیے بغیر ہو پھر ملنے والی چیز اگر جامد ہو تو جب تک وہ اعضاء پر بہے تو پانی غالب ہوگا،اور اگر ملنے والی چیز بہنے والی ہے تو وہ اگر کسی چیز میں پانی کے مخالف نہیں ہے،جیسے مستعمل پانی تو غلبہ کا اعتبار اجزاء سے ہوگا،اور اگر وہ پانی کے مخالف ہو تو اگر اکثر اوصاف کو بدل دے تو اس سے وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہے،اور اگر ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے تو اسی وجہ سے غلبہ معتبر ہوگا،جیسے دودھ کہ پانی کے مخالف ہے رنگ اور مزے میں،تو اگر دودھ کا رنگ یا مزہ غالب ہو تو وضو جائز نہیں ورنہ جائز ہوگا۔اور خربوزہ کا پانی،پانی سے صرف مزہ میں مختلف ہے تو اس میں غلبہ باعتبار مزہ ہوگا،لہٰذا فقہاء کی نصوص کو انہی مفاہیم پر محمول کرنا چاہئے جو اس کے لائق ہوں،اب جو یہ کہتا ہے کہ اگر وہ رقیق ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں،تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملنے والی اگر جامد ہے تو یہ حکم ہے۔اور جو کہتا ہے کہ اگر اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو بدل دیا تو جائز ہے،یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ چیز پانی کے ساتھ تینوں وصفوں میں مخالف ہے،اور جو کہتا ہے کہ جب اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دے تو جائز نہیں،اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پانی سے ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے،

[1] تبیین الحقائق بحث الماء بولاق مصر ۱/۲۰

ولا یتعلق بہ الغرض ھھنا۔

اور جو کہتا ہے کہ اگر اس کے اوصاف میں سے کسی وصف کو بدل دیا تو جائز ہے، یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ چیز پانی کے ساتھ تینوں وصفوں میں مخالف ہے، اور جو کہتا ہے کہ جب اس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دے تو جائز نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پانی سے ایک یا دو وصفوں میں مخالف ہے، اور جس نے غلبہ باعتبار اجزاء لیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ چیز پانی کے ساتھ کسی چیز میں مخالف نہ ہو، تو جب آپ غور کریں گے تو اسی نتیجہ پر پہنچیں گے جو کچھ اصحاب نے فرمایا ہے وہ اس بیان سے خارج نہیں، ان میں سے بعض امور تو کتب میں بصراحت مذکور ہیں اور بعض کا ذکر اشارتًا ہے اھ یہ ان کا مکمل کلام ہے جو بلاکم وکاست میں نے نقل کردیا ہے، صرف تَشرُّب میں جو فرق خروج واستخراج میں ہے، وہ صحیح نہیں، اور نہ ہی اس سے کوئی غرض یہاں متعلق ہے۔ (ت)

اقول: فقد بان لك من کلامه ثلثة امور الاول(۱) لاذکر فی کلامه لتقیید حکم الجامد ببقاء الاسم حتی بالاشارۃ فضلا عن التصریح انما قال مادام یجری علی الاعضاء فالماء غالب ای مطلق غیر مقید فھذا کما تری مطلق غیر مقید ثم اذا اتی علی تطبیق الضابطۃ علی الروایات المختلفۃ حمل علی الجامد قول من قال ان کان رقیقا یجوز والا لا والقول فی الاصل مرسل وفی الحمل مرسل ارسالا فمتی جنح الی التقیید وکذلك تلونا علیك کلام الاٰخذین عنه اصحاب الفتح والحلیۃ والغنیۃ والدرر ونور الایضاح حتی البحر الذی ابدی ھذا التقیید لم یلم احد منھم فی تلخیص الضابطۃ الیه لاجرم ان صرح الشامی بانه من زیادات البحر الثانی ذکر رحمه اللّٰه تعالٰی اولا اصلا مجمعا علیه ان الوضوء انما یجوز بالماء المطلق وھو الذی لم یزل عنه طبعه

میں کہتا ہوں اُن کی گفتگو سے آپ کو تین باتیں معلوم ہوئیں:
اول: ان کے کلام میں جامد کے حکم کو نام کی بقاء سے مقید کرنے کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے صراحت تو الگ رہی اشارہ تک نہیں، انہوں نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جب تک وہ اعضاء پر جاری رہے تو پانی غالب ہے یعنی مطلق ہے مقید نہیں، تو جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں یہ مطلق ہے مقید نہیں، پھر جب وہ ضابطہ کو مختلف روایات پر منطبق کرنے لگے، تو جن لوگوں نے کہا ہے کہ اگر رقیق ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں انکے اس قول کو جامد پر محمول کیا ہے حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور حمل میں بھی مرسل ہے تو قید لگانے کی طرف کب مائل ہوئے؟ اسی طرح ہم نے اُن حضرات کا کلام بھی نقل کردیا جنھوں نے اس سے لیا ہے یعنی فتح، حلیہ، غنیہ، درر اور نور الایضاح کے مصنفین، یہاں تک کہ صاحبِ بحر جنھوں نے یہ قید لگائی، ان میں سے کسی نے ضابطہ کا خلاصہ یہ نہیں کیا، اس لئے شامی نے تصریح کردی کہ یہ زیادات بحر سے ہے۔
دوم: پہلے تو انھوں نے ایک متفق علیہ اصل

ولااسمه دون المقید الزائل عنه اسمه۔

اقول: ولم یذکر الطبع لان زوال الطبع یوجب زوال الاسم فذکرہ اولا ایضاحاوحذفه اٰخرا اجتزاء فهذاالقدرمما لاخلاف فیه لاحد انما الشان فی معرفة المطلق والمقید ای معرفة انه متی یزول الاسم فیحصل التقیید فتشمر لاعطاء ضابطة ذلك تتمیز بها مواضع زوال الاسم عن محال بقائه فقال التقیید باحد امرین کمال الامتزاج اوغلبة الممتزج الخ فلاشك انه کلام فیمالم یزل عنه اسم الماء کماذکرہ السید کانه مسوق لبیان مایحصل به التقیید والتقیید انما یکون للمطلق فان تقیید المقید تحصیل الحاصل وما المطلق الامالم یزل عنه اسم الماء ففیه الکلام وماکان انکرہ احد لکنه(۱)لایدفع الایراد بل انما منه منشؤہ فانه افادان الماء المطلق لایتقید فی خلط الجامد الابالثخونة والحکم خلافه فانه ربما یتقید قبل ان یثخن کما فی الزعفران والنبیذ وثبوت الحصر اولابالقصر کماعلمت **واقول ثانیا** محال ان یزول اسم الماء عنه مع بقاء رقته الا بتغیر وصف لانه اذابقی طبعه واوصافه

ذکر کی اور وہ یہ کہ وضو مطلق پانی سے جائز ہوتا ہے، اور مطلق پانی وہ ہے جس کی طبیعت اور نام زائل نہ ہوا ہو نہ کہ مقید پانی سے جس کا نام زائل ہوگیا ہو۔ (ت)

میں کہتا ہوں انہوں نے طبیعت کا ذکر نہیں کیا کیونکہ طبیعت کے زائل ہونے سے نام بھی زائل ہوجاتا ہے تو پہلے بطور وضاحت ذکر کیا ہے، اور بعد میں اختصارًا حذف کیا ہے، اور اس میں کسی کا خلاف نہیں، مسئلہ دراصل مطلق ومقید کی پہچان کا ہے، یعنی یہ جاننے کا ہے کہ کب نام زائل ہوگا اور تقیید حاصل ہوگی، تو انہوں نے ایک ضابطہ بیان کیا جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ کب زائل ہوگا اور کب باقی رہے گا، یا تو کمالِ امتزاج یا ملنے والی چیز کے غلبہ سے الخ تو اس میں کچھ شک نہیں کہ ان کا کلام اس پانی میں ہے جس سے پانی کا نام زائل نہیں ہوا ہے جیسا کہ سید نے ذکر کیا اس لئے کہ کلام اُس چیز کے بیان کیلئے ہے جس سے تقیید پیدا ہوتی ہے اور تقیید تو مطلق کی ہوتی ہے کیونکہ مقید کی تقیید تو تحصیل حاصل ہے، اور مطلق تو وہی ہے جس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا ہو، تو گفتگو اسی میں ہے اور اس کا کسی نے انکار نہیں کیا، مگر اس سے اعتراض مرتفع نہیں ہوتا ہے، بلاکہ اس سے تو پیدا ہوتا ہے، کیونکہ اس کا مفہوم تو یہ ہے کہ مطلق پانی جامد کے ملنے سے تب ہی مقید ہوگا جبکہ گاڑھا ہوجائے حالانکہ حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ بسااوقات وہ گاڑھا ہونے سے پہلے ہی مقید ہوجاتا ہے جیسا کہ زعفران اور نبیذ۔ اور حصر کا ثبوت اولًا تو یہ ہے کہ اس میں قصر ہے

فزوال اسمه عنه يكون بغيرموجب وهو باطل اماماامتزج به غيره ممالايخالف عـه وصفاله مساويا له فى الاجزاء اواكثر فانما يزول فيه اسم الماء عن الكل المركب من الماء وغيره المساوى له اوالغالب عليه لاعن الماء الذى فيه حتى لوامكن افراز الماء عن ذلك المخالط لكان ماء جائزابه الوضوء وهو رحمه الله تعالى لم يذكر فى الجامد غيرالثخونة ولم يعتبر فيه الاوصاف انما اعتبرها فى مقابله المائع والمقابلة تنافى الخلط فقد افاد قطعا ان لاغلبة فى الجامد بالاوصاف وقد افصح به الشرنبلالى فى تلخيص ضابطته اذقال ولايضر تغيراوصاف كلها [1] اھ وما كان زوال الاسم الالاحد امرين زوال الرقة	جیسا کہ آپ نے جانا، اور میں ثانیاً کہتا ہوں، یہ امر محال ہے کہ رقت کے باقی رہتے ہوئے اس سے پانی کا نام زائل ہو، الّا یہ کہ اس کا کوئی وصف متغیر ہوجائے اس لئے کہ جب اس کی طبیعت باقی ہو اور اس کے اوصاف باقی ہوں تو اس سے اس کے نام کا زائل ہونا بغیر موجب کے ہوگا اور یہ باطل ہے، اور جو غیر اس کے ساتھ مل جائے اور یہ غیر اُن چیزوں میں سے ہو جو کسی وصف میں اس پانی کے مخالف نہ ہو، اور وہ غیر اس کے اجزاء میں مساوی ہو یا زیادہ ہو تو اس میں پانی کا نام کل مرکب سے زائل ہوجائیگا جو پانی اور اس کے غیر سے مرکب ہو اور اس کے مساوی ہو یا اس پر غالب ہو نہ کہ اُس پانی سے جو اس میں ہے، یہاں تک کہ اگر اس آمیزش سے پانی کا جدا کرنا ممکن ہوتا تو اس پانی سے وضو جائز ہوتا، اور انہوں نے (رحمہ اللہ) جامد میں صرف گاڑھے پن کا ذکر کیا ہے، اور اس میں اوصاف کا اعتبار نہیں کیا ہے،

عـه: **اقول**: ای ان وجداماامثلوابه من ماء لسان الثورماء الورد المنقطع الرائحة فليس منه للاختلاف فى الطعم وماامثلوابه من الماء المستعمل فهو بنفسه على تحقيقنامن الماء المطلق فكيف يجعل امتزاجه بالمطلق المطلق مقيدا ۱۲ منه غفرله۔(م)	**میں کہتا ہوں** یعنی اگر پایا جائے، اور لسان ثور، اور گلاب کا پانی جس میں خوشبو نہ رہی ہو، کی مثالیں جو انہوں دی ہیں وہ اس سے نہیں ہے، کیونکہ مزہ کی تبدیلی میں اختلاف ہے، اور مستعمل پانی کی مثال جو دی ہے تو وہ خود ہماری تحقیق کے مطابق مطلق پانی ہے تو مطلق کو مطلق سے ملا کر مقید کیونکر کیا جاسکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] نورالایضاح کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳

اوتغیر الوصف وقد نفی ھذا فی خلط الجامد فلم یبق الا الاول وظھر انه یقول لایزول الاسم فیه بوجه من الوجوہ مادامت الرقة باقیة وھذا ھومحل الایراد فاین المحیص نعم ذکر فی صدر الکلام لفظ زوال الاسم و ھو انما ھو تمهید ضابطته خارجاعنهابیانا للمحوج الیها کما علمت فضلا عن ان یکون قیدا فی حکم الجامد۔

فان قلت: الیس قدقال قبل ھذا تحت قول المختصر اوبالطبخ ان زوال الاسم ھو المعتبر فی الباب کماتقدم فکان صریح منطوقه الادارۃ علیه حیث کان **اقول** بلی وھو جملة القول فی الباب وماالضابطة الا لتفصیله وبیان انه متی یحصل وقدصرح فیهاانه لایحصل فی خلط الجامد الا بالثخونة فانی تنفع الادارۃ۔

الثالث: ھو بصدد اعطاء ضابط یمیز بین المقید والمطلق وما الضابط الا مایحیط بالصور فیجب ان یستوعب کلامه بیان کل مایحصل به التقیید ای کل مایزول به الاسم اذلاتقیید الابه

اِن اوصاف کا اعتبار اس کے مقابل مائع میں کیا ہے اور مقابلالہ ملاوٹ کے خلاف ہے، توانہوں نے قطعًا یہ بات بتائی ہے کہ جامد میں اوصاف سے غلبہ نہیں ہوتا ہے، اور یہی بات شرنبلالی نے اپنے ضابطہ کے خلاصہ میں کہی ہے، انہوں نے کہاکہ اس کو تمام اوصاف کا متغیر ہوجانا مضر نہیں اھ اور نام کازائل ہونا دوچیزوں میں سے ایک کی وجہ سے ہے، یا تورقتہ کاختم ہونا یاوصف کا تبدیل ہونا اور یہ چیز جامد کے ملنے کی صورت میں نہیں، تو صرف پہلی صورت میں باقی رہے اور یہ ظاہر ہوگیاکہ وہ کہتے ہیں جب تک رقت باقی رہے گی نام کسی طرح زائل نہ ہوگا، یہ اعتراض کی صورت ہے، تو چھٹکارے کی کیا سبیل ہوگی؟ ہاں ابتداء کلام میں نام کے زائل ہونے کاذکر کیا تھا، یہ ان کے ضابطہ کی تمہید ہے اس میں داخل نہیں، اس چیز کا بیان ہے کہ ضابطہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جیساکہ آپ نے جان لیا، یہ جامد کے حکم میں قید نہیں۔(ت) اگر یہ اعتراض کیاجائے کہ انہوں نے اس سے قبل مختصر کے قول "اوبالطبخ" کے تحت فرمایا تھاکہ اس باب میں نام کازائل ہونا ہی معتبر ہے جیساکہ گزرا، توانہوں نے اسی چیز کو صریحًا مدار بنایا جہاں بھی یہ پایا جائے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے اور اس باب کا خلاصہ یہی ہے، اور ضابطہ تو اس کے بیان اور تفصیل کے لئے ہے اور یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ صورت کب پیدا ہوتی ہے، اور انہوں نے اس میں تصریح کی ہے کہ یہ جامد کے مل جانے میں صرف گاڑھا ہونے سے حاصل ہوتی ہے، تو اس پر مدار رکھنا مفید نہیں۔ سوم: وہ ایک ضابطہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو مقید اور مطلق کے درمیان تمیز پیدا کردے اور ضابطہ وہی ہوتا ہے جو تمام صورتوں کااحاطہ کرے تولازم ہے

(۱)فتقیید شیئ من احکامه بان لایزول الاسم افساد لمقصوده واخراج للضابط عن ان یکون ضابطاوارجاع للتمیز الی التجهیل،وللتفصیل الی التعطیل،فانه یؤل الی ان فی خلط الجامد بدون الثخونة لایزول الاسم بشرط ان لایزول الاسم وهوکلام مغسول،لایرجع الی طائل و محصول، هذامعنی قول النهرانه لایجدی نفعا فتبین انه لامذکو ر ولامطوی ولامنوی وان الحق فیه بیدالنهر،وان هذا شیئ سقط عن الفخر،فلقعه البحر ،وذکره فی تنبیه علی حدة فجاء الدر فنظمه فی سلك الضابطة اذقال فلوجامدا فبثخانة مالم یزل الاسم کنبیذتمر [1] اھ ونعمافعل لانه صح الحکم وان انحلت عری الضابطة،واحتاج مطّلعها الی ضابط اٰخر یلقط له ساقطه،هکذا ینبغی التحقیق،وا لله تعالی ولی التوفیق،وکان الحری بنا ان نؤخر هذا البحث الی الفصل الرابع حیث نتکلم ان شاء ا لله تعالی علی الضابطة ولکن الحاجة مست الیه ههناکیلا یعتری احداشك فیما نبدی من المخالفات بین الاحکام المنقولة وقضیة الضابطة وبا لله تعالی التوفیق۔

کہ ان کا کلام اُن تمام صورتوں کااحاطہ کرے جن سے تقیید پیدا ہوتی ہے یعنی وہ تمام صورتیں جن میں زائل ہوجاتا ہے کہ تقیید تواسی سے حاصل ہوگی، تواس کے احکام میں سے کسی کو اس سے مقید کرناکہ نام زائل نہیں ہوااس کے مقصود کو فاسد کرنااور ضابطہ کو ضابطہ ہونے سے خارج کرنا ہے،اور بجائے اس کے کہ امتیاز پیداہوابہام پیدا کرنا ہے،اور تفصیل کو ختم کرنا ہے،اوراس کاانجام یہ ہوگاکہ جامد کی آمیزش میں گاڑھانہ ہونے کی صورت میں نام زائل نہ ہو بشرطیکہ نام زائل نہ ہو،اور یہ کلام لغو بے فائدہ ہے، نہر کے قول کہ "یہ مفید نہیں" کا یہی مطلب ہے، یہ بھی ظاہر ہوگیاکہ نہ توکچھ مذکور ہے اور نہ منوی ہےاوراس بارے میں حق نہر کے ساتھ ہےاور یہ وہ چیز ہے جو فخر سے رہ گئی تھی اور بحر نے اس کو لیاتھااور اس پر الگ تنبیہ کی تھی اور صاحبِ در نے اس کو ضابطہ کی شکل میں پیش کردیا، وہ فرماتے ہیں "اگر آمیزش جامد کی ہو تو دارومدار گاڑھا ہونے پر ہے جب تک نام زائل نہ ہو جیسے نبیذ تمر اھ اور انہوں نے یہ اچھاکام کیاہے کہ حکم صحیح ہوگیاہے اگرچہ اس سے ضابطہ ڈھیلاپڑ گیااوراس صورت میں ایک مزید ضابطہ کی حاجت ہوگئی، تحقیق کا یہ طریقہ ہوناچاہئے، ہمیں یہ بحث چوتھی فصل تک مؤخر کرنی چاہئے تھی جہاں ہم ضابطہ پر گفتگو کریں گے، مگر یہاں ضرورۃً بحث کرنا پڑی ہے تاکہ احکام منقولہ اور ضابطہ میں کسی کو شک وشبہ لاحق نہ ہوجائے وب اللہ التوفیق۔(ت)

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

(۲۸۸) یوں ہی شربت سے وضو ناجائز ہے شکّر، بتاشے، مصری، شہد کسی چیز کا ہو نمبر ۱۸۵ میں ہدایہ وغیرہا کتابوں سے گزرا: لایجوز بالاشربة[1] (شربتوں سے وضو جائز نہیں۔ ت) اس پر عنایہ وبنایہ وکفایہ وغایہ میں فرمایا:

ان ارادبالا شربة الحلوالمخلوط بالماء کالدبس والشھد المخلوط بہ کانت نظیر الماء الذی غلب علیہ غیرہ[2]۔	اگر ان کی مراد "اشربہ" سے میٹھے شربت ہیں جیسے شیرہ اور شہد جو پانی میں ملے ہوں تو اس پانی کی نظیر ہے جس پر کوئی دوسری چیز غالب ہو گئی ہو۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال صاحب الفرائد المراد من الاشربة الحلوا لمخلوط بالماء کالدبس والشھد[3]۔	صاحب الفرائد نے فرمایا اشربہ سے مراد میٹھا شربت ہے جو پانی میں شامل ہو گیا ہو جیسے شیرہ اور شہد۔ (ت)

مگر اصحاب ضابطہ غیر بحر وڈُر پر لازم کہ اُس سے وضو جائز مانیں جب تک پانی کی رقت نہ زائل ہو اور یہ شربت میں عادۃً نہیں ہوتا شکّر، بتاشے، مصری تو ظاہر ہیں اور یوں ہی شہد جبکہ جما ہوا ہو مگر یہ اُسی وجہ سے صحیح نہیں کہ شربت کو پانی نہیں کہتے نام بدل گیا تو آب مطلق نہ رہا۔

(۲۸۹) یوں ہی دوا کا خیساندہ قابلِ وضو نہیں اگر گاڑھا نہ ہو گیا ہو کہ وہ دوا کہلائیگی نہ پانی مگر اہل ضابطہ پر جواز لازم۔

(۲۹۰ تا ۲۹۵) یونہی کسم، کیسر، رنگت کی پڑیاں جب پانی میں اس قدر ملیں کہ رنگنے کے قابل ہو جائے کسیس، مازو، روشنائی مل کر حرف کا نقش بننے کے لائق ہو جائے بحکم تجنیس وفتح القدیر وحلیہ ومعراج الدرایہ وبحر الرائق وڈُر مختار وقنیہ وہندیہ وفتح اللہ المعین وامام جرجانی جس کی عبارت نمبر ۱۲۴ میں گزریں اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ رنگ یا سیاہی یا روشنائی کہلائے گا نہ پانی مگر بحکم ضابطہ جواز ہے خصوصًا پڑیا کا پانی کہ بہت کم مقدار میں ملائی جاتی ہے جس کا پانی کی رقت پر اثر نہیں ہو سکتا۔

اقول: وھو وان کان ظاھر عامة الکتب	میں کہتا ہوں اگرچہ ظاہر عام کتب کا وہی ہے

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ

[3] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالا یجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ

کمامر ثمہ لکن ھذاھو قضیۃ الاصل المجمع علیہ الغیر المنخرم ان زوال الاسم یسلب الاطلاق واللہ تعالٰی اعلم۔	جو گزرا لیکن اس اصل کا یہی تقاضا ہے جس پر قطعی اجماع ہے کہ نام کے زائل ہونے سے اطلاق کی کیفیت ختم ہوجاتی ہے۔(ت)

ہاں روشنائی وغیرہ کا گاڑھا پانی بروئے ضابطہ بھی قابلِ وضو نہیں۔

صنف دوم سیال اشیاء

(**۲۹۶تا۲۹۸**)**اقول:** گلاب کیوڑا بید مشک بلاشبہ مزہ آب کے خلاف مزہ رکھتے ہیں اور ان کی بُو قوی تر ہے گھڑے بھر پانی میں تولہ بھر اُسے خوشبُودار کردیتا ہے اور مزہ نہیں بدلتا تو بحسب حکم منقول اُس سے وضو جائز رہے گا جب تک اس قدر کثرت سے نہ ملے کہ پانی پر اُس کا مزہ غالب آجائے مگر اہلِ ضابطہ کے نزدیک اُس سے وضو ناجائز ہونا لازم لانہ ذووصفین وقد تغیر واحد (کیونکہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ت) مگر یہ سخت بعید بلاکلہ بداہۃً باطل ہے عرفاً لغۃً شرعاً اُس گھڑے بھر پانی کو جس میں چند قطرے گلاب کے پڑے ہیں پانی ہی کہا جائے گا تو وہ یقیناً آب مطلق ہے اور اس سے بلاشبہ وضو جائز۔

(**۲۹۹و۳۰۰**) زعفران حل کیا ہوا پانی یا شہاب اگر اتنا ملے کہ پانی کا صرف رنگ بدلے تو حکم مذکور نمبر ۱۲۶ سے وہ پانی قابلِ وضو نہ رہے گا اور اہلِ ضابطہ جائز کہیں گے۔

لانھما من ذوات الثلثۃ فلایکفی تغیروصف واحد ولونھمااقوی اوصافھمافیعمل قبل ان یعمل الباقیان۔	کیونکہ یہ تین اوصاف والا ہے تو اس میں ایک کا تغیر کافی نہ ہوگا اور اس کے اوصاف میں سے رنگ قوی تر ہے تو باقی دو کے مؤثر ہونے سے قبل ہی یہ مؤثر ہوجائیگا۔(ت)

(**۳۰۱**) یوں ہی پڑیا حل کیا ہوا پانی پانی میں پڑ کر صرف رنگت بدل دے تو کتب مذکورہ کے حکم سے قابلِ وضو نہیں اور اہلِ ضابطہ کے نزدیک بھی ناجائز ہے اگر پڑیا کسی قسم کی بُو نہ رکھتی ہو ورنہ جائز کہیں گے۔

(**۳۰۲**) آب تربوز سے جب پانی کا صرف مزہ بدلے خود اہلِ ضابطہ نے عدمِ جواز وضو کی تصریح کی کمامر فی ۱۲۸ مگر اُن کا ضابطہ جواز چاہتا ہے۔

لانہ ذوالثلثۃ فلایکتفی بوصف وطعمہ اغلب اوصافہ فلایستلزم غلبتہ غلبۃ احد الباقیین۔	کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے، تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائے گا، اور اس کا مزہ اس کے اوصاف میں قوی تر ہے تو اس کے غلبہ سے دو[2]

باقیماندہ وصفوں میں سے کسی ایک کا غلبہ لازم نہیں آئے گا۔(ت)

(۳۰۳) سپید انگور کے سرکہ کی جب صرف بُو پانی میں آجائے غالب نہ ہو بحکم بدائع منقول نمبر ۱۳۰ قابل وضو ہے مگر بروئے ضابطہ جواز نہ چاہئے لانہ ذو وصفین وقد تغیر احدھما (کیونکہ یہ دو وصفوں والا ہے اور ایک وصف بدل چکا ہے۔ت)

(۳۰۴) سرکہ کہ رنگت بھی رکھتا ہے اور اُس کی بُو سب اوصاف سے اقوی ہے اگر پانی میں اُس کا مزہ اور بُو آجائے اور رنگ نہ بدلے بحکم منقول مصرح امام ملک العلماء وامام اسبیجابی وامام فخر الدین زیلعی ونجم الدین زاہدی وزاد الفقہاء وامام ابن امیر الحاج حلبی مذکور نمبر ۱۲۶ قابلِ وضو ہے مگر اتباعِ ضابطہ نے عدمِ جواز کی تصریح کی، غنیہ میں ہے:

ان کان یخالفه فی الاوصاف کلھا کالخل فالمعتبر غلبة اکثرھا [1]۔	اگر وہ پانی کے تمام اوصاف میں اس کے مخالف ہے جیسے سرکہ تو معتبر ان میں سے اکثر کا غالب ہونا ہوگا۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

الغلبة توجد بظھور وصفین من خل له لون وطعم وریح ای وصفین منھا ظھرا منعا صحة الوضوء ولو واحد لایضر لقلته [2]۔	سرکہ کے وصفوں میں سے دو کے ظہور سے غلبہ پایا جائیگا کیونکہ اس کے تین اوصاف ہیں مزہ، رنگ اور بُو، کوئی سے دو وصف ان میں سے غالب ہوجائیں تو اس سے وضو نہیں ہوسکتا ہے اور اگر ایک وصف متغیر ہوتا ہے تو کم ہونے کی وجہ سے مضر نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فالغلبة بتغیر اکثرھا وھو الوصفان فلا یضر ظھور وصف واحد فی الماء من اوصاف الخل [3] اھ **اقول:** وقدکان ملك العلماء قدس سرہ احال الامر اولا علی زوال الاسم	تو اعتبار اکثریت کے تغیر کا ہے اور یہ دو وصف ہیں تو سرکہ کے صرف ایک وصف کا پانی میں ظاہر ہونا کچھ مضر نہ ہوگا۔(ت) **میں کہتا ہوں** ملک العلماء نے پہلے تو مدار نام کے زائل ہونے پر رکھا تھا، اور یہی صحیح بھی تھا، وہ فرماتے ہیں

[1] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱

[2] مراقی الفلاح کتاب الطہارت الامیریۃ بولاق مصر ص ۱۶

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۴

وھی الجادۃ الواضحۃ حیث قال الماء المطلق اذا خالطہ شیئ من المائعات الطاھرۃ کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلک علی وجہ زال عنہ اسم الماء بان صار مغلوبا بہ فھو بمعنی الماء المقید [1] اھ لکن ثم عاد عـــہ الی اعتبار اللون فی مثلہ فقال متصلا بہ ثم ینظر ان کان یخالف لونہ لون الماء یعتبر الغلبۃ فی اللون [2]۔	مطلق پانی میں جب کوئی سیال شَے مل جائے جیسے دودھ، سرکہ، منقی کا پانی وغیرہ، اور اس سے پانی کا نام زائل ہوجائے کہ پانی مغلوب ہو تو اب یہ پانی مقید ہے اھ لیکن پھر وہ اس جیسی صورت میں رنگ کے اعتبار کا ذکر کرتے ہیں چنانچہ اسی کے متصل فرماتے ہیں، پھر دیکھا جائیگا کہ اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہے تو رنگ میں غلبہ معتبر ہوگا۔

(۳۰۵) جس سرکہ کا مزہ رنگ وبُو سے اقوی ہو جب اس کے مزہ وبُو پانی پر غالب آئیں اور رنگ نہ بدلے بحکم مذکور ائمہ قابلِ وضو ہے اور ضابطہ مخالف۔

(۳۰۶) جس سرکہ کا رنگ غالب تر ہو جب اُس سے صرف رنگ بدلے تو اس کا عکس ہے یعنی بحکم ائمہ اُس سے وضو ناجائز اور ضابطہ مقتضی جواز۔

(۳۰۷) دُودھ سے جب پانی کا صرف رنگ بدلے بحکم ائمہ مذکورین قابلِ وضو نہیں اور عجب کہ امام زیلعی نے بھی اُن کی موافقت کی حالانکہ اُن کا ضابطہ مقتضی جواز ہے لانہ ذوالثلثۃ ولونہ اقوی فلایکفی وصف واحد (کیونکہ یہ تین وصفوں والا ہے اور اس کے اوصاف میں رنگ قوی تر ہے تو ایک وصف پر اکتفاء نہ کیا جائیگا۔ت) ہاں امام ابن الہمام وکافی وقدوری وہدایہ وعنایہ وعمدۃ القاری جانب جواز ہیں کما تقدم کل ذلک ۱۳۴ واللہ تعالٰی اعلم (اس کی پُوری بحث ۱۳۴ میں گزر چکی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

تکمیل جزئیات نامحصور ہیں بہتی ہوئی چیز کہ پانی سے کسی وصف میں مخالف ہے اس کے بارے میں اس اختلاف واتفاق کا ضابطہ ملاحظہ چند امور سے واضح:

(۱) اگر کوئی وصف نہ بدلے پانی بالاجماع قابلِ وضو ہے۔

عـــہ: سیاتی بحمداللہ تعالٰی تحقیق السر فی ذلک فی سادس ضوابط الفصل الثالث ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)	اس کی حکمت تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں آئے گی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵

[2] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵

(۲) مخالفت اگر صرف رنگ یا مزہ میں ہے اور وہ بدل جائے بالاتفاق قابلِ وضو نہیں۔

تنبیہ: بدلنے سے کیا مراد ہے اس کی تحقیق اِن شاء اللہ العزیز فصل سوم میں آئے گی۔

(۳) اگر دو وصف میں مخالفت ہے اور دونوں بدل جائیں بالاتفاق عدمِ جواز ہے۔

(۴) اگر صرف رنگ ومزہ یا رنگ وبُو میں تخالف ہے اور رنگ بدلے تو بالاتفاق نا قابل ہے اور دوسرا بدلے تو بحکم منقول جواز اور بروئے ضابطہ ناجائز۔

(۵) اگر صرف مزہ وبُو میں اختلاف ہے اور مزہ بدلے تو بالاتفاق اور بُو بدلے تو صرف بروئے ضابطہ عدم جواز ہے منقول جواز۔

(۶) اگر تینوں وصف مختلف ہیں اور سب بدل جائیں بالاتفاق ناجائز۔

(۷) اگر اس صورت میں صرف مزہ یا بُو بدلے بالاتفاق جواز ہے اور فقط رنگ بدلے تو بحکم منقول ناجائز اور حکم ضابطہ جواز۔

(۸) اسی صورت میں اگر رنگ ومزہ یا رنگ وبُو بدلیں بالاتفاق ناجائز اور مزہ وبُو بدلیں تو ضابطہ پر ناجائز اور منقول جواز۔

(۹) تخالف وتبدل دونوں کی جمیع صور کا احاطہ تو ان آٹھ میں ہوگیا، رہا یہ کہ تبدل کی کون سی صورت کہاں ممکن ہے اُس کا بیان یہ کہ جو ایک ہی وصف میں مخالف ہے ظاہر ہے کہ وہ تو اُسی کو بدل سکتا ہے اور اگر دو میں تخالف ہے تو تین صورتیں ہیں اوّل اقوی ہوگا یا دوم یا دونوں مساوی، یعنی بدلیں تو دونوں ایک ہی ساتھ بدلیں اُن میں آگا پیچھا نہیں اگر ایک قوی ہے تو ایک کے تغیر میں اُسی کا تغیر ہوگا صرف دوسرے کو متغیر فرض نہیں کرسکتے ہاں دونوں کا بدلنا تینوں صورتوں میں ہوسکتا ہے۔

(۱۰) اگر تینوں وصف مختلف ہیں تو اس میں سات احتمال ہیں: اوّل اقوی ہو یا دوم یا سوم یا اول ودوم یا اول وسوم یا دوم وسوم یا سب مساوی جن میں ایک اقوی ہو تنہا ایک کے تبدل میں وہی مفروض ہوسکتا ہے اور دو کے تبدل میں ایک وہ ہونا ضرور۔ اُس کے بغیر باقی دونوں کا تنہا یا معًا تغیر فرض نہیں کرسکتے اور دو اقوی ہیں تو اُسی میں نہ ایک کا تبدل ہوسکتا ہے نہ ایسے دو کا جن میں ایک وہ تیسرا ہو، ہاں تینوں بدل سکتے ہیں اور جہاں تینوں مساوی ہیں وہاں یہی صورت فرض ہوسکتی ہے کہ سب بدل جائیں یا کوئی نہ بدلے واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد الکریم الاکرم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم آمین والحمدللہ رب العٰلمین۔

فصل ثانی مطلق ومقید کی تعریف میں

یہاں عبارات علما مختلف آئیں،

اما لفظا اومعنی ایضا فمنها صحیح وخلافه و الصحیح منها حسن واحسن فنذکرها ومالها وعلیها لیتبین المنتجب من المجتنب.فیراعی معیارا فی کل مطلب.واللّٰه الموفق ماغیرہ رب۔	یا تو لفظاً یا معنیً بھی،ان میں سے کچھ صحیح ہیں اور کچھ اس کے برخلاف صحیح میں سے کچھ حسن اور کچھ احسن ہیں،تواب ہم انہیں اور ان پر جو ابحاث ہیں انہیں ذکر کرتے ہیں تاکہ صحیح اور غلط ظاہر ہو تاکہ ہر بحث میں معیار کی رعایت کی جاسکے (ت)

اوّل مطلق وہ کہ شے کی نفس ذات پر دلالت کرے کسی صفت سے غرض نہ رکھے نہ نفیانہ اثباتاً قالہ فی الکفایۃ (یہ تعریف کفایہ میں ہے۔ت) اور مقید وہ کہ ذات کے ساتھ کسی صفت پر بھی دال ہو، عنایہ میں ہے:

ان اللّٰہ تعالٰی ذکر الماء فی الاٰیۃ مطلقا والمطلق مایتعرض للذات دون الصفات ومطلق الاسم ینطلق علی ھذہ المیاہ[1] اھ ای ماء السماء والاودیۃ والعیون والاٰبار ذکرہ مستدلا علی جواز التوضی بھا بقولہ تعالٰی وَاَنْزَلْنَامِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۔ **اقول:** (۱)ھذا ھو المطلق الاصولی ولیس مراداھٰنا قطعا فانہ مقسم المقیدات وھذا قسیمھا وھو ینطلق علی جمیع المقیدات فیلزم جوازالتوضی بھابل المطلق ھھنا مقید بقید الاطلاق فی مرتبۃ بشرط لاشیئ ای مالم یعرض لہ مایسلب عنہ اسم الماء	اللہ تعالٰی نے آیہ مبارکہ میں پانی کو مطلق ذکر کیا ہے،اور مطلق وہ ہے جس میں صرف ذات کا ذکر ہو صفات کا نہ ہو،اور پانی کا مطلق نام انہی پانیوں پر بولا جاتا ہے اھ یعنی آسمان، وادیوں، چشموں اور کنوؤں کے پانیوں پر،اس کا ذکر وضو کے جواز کے سلسلہ میں کیا ہے فرمانِ الٰہی ہے وَاَنْزَلْنَامِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا۔ (ت) **میں کہتا ہوں** یہ اصولی مطلق ہے اور وہ یہاں قطعاً مراد نہیں کیونکہ وہ مقیدات کا مقسم ہے اور یہ اُن کا قسیم ہے اور یہ تمام مقیدات پر جاری ہے تو ان تمام سے وضو کا جواز لازم آتا ہے بلاکہ مطلق یہاں بقید اطلاق مقید ہے اور بشرط لاشیئ کے مرتبہ میں ہے، یعنی اس کو جب تک ایسی چیز لاحق نہ ہو جو اس سے

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماالذی یجوز بہ الوضو ومالا یجوز نوریہ رضویہ سکھر ۶۰/۱

المرسل ولاشك ان هذا متعرض لوصف زائد على نفس الذات فالمطلق ههنا قسم من المقيد وقسيم لسائر المقيدات وقد تنبه لهذا السيد العلامة الشامى فنبه عليه بقوله واعلم ان الماء المطلق اخص من مطلق ماء لاخذ الاطلاق فيه قيدا ولذا صح اخراج المقيد به واما مطق ماء فمعناه اى ماء كان فيدخل فيه المقيد المذكور ولايصح ارادته ههنا [1] اھ ووقع فى البحر بعد ماعرف المطلق بما ياتى والمطلق فى الاصول هوالمتعرض للذات دون الصفات لابالنفى ولا بالاثبات كماء السماء والعين والبحر [2]اھ فقدكان يفهم بالمقابلة انه ليس مراداههنا لكن(۱) جعل المياه المطلقة مثالا صرف الكلام الى الايهام فالاحسن مافى الكافى عـــہ والبناية	مطلق پانی کا نام سلب کرلے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ نفس ذات پر ایک زائد وصف کی طرف اشارہ ہے، تو مطلق یہاں مقید کی قسم ہے اور باقی مقیدات کا قسیم ہے علامہ شامی نے اس کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا "جاننا چاہئے کہ ماءِ مطلق مطلق ماء سے اخص ہے کیونکہ اس میں اطلاق کی قید ہے، اس لئے مقید کا اس سے خارج کرنا درست ہے، اور مطلقِ ماء کے معنی ہیں کوئی بھی پانی ہو تو اس میں مذکور مقید بھی داخل ہوگا، اور یہاں اس کا ارادہ صحیح نہیں ہے اھ بحر میں مطلق کی تعریف کے بعد ہے "مطلق اصول میں معترض ذات کو بیان کرتا ہے نہ کہ صفات کو، نہ نفی سے نہ اثبات سے، جیسے آسمان، چشمہ اور دریان کا پانی اھ مقابلالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں مراد نہیں ہے لیکن مطلق پانیوں کی اس کی مثال بنانا کلام میں ایہام پیدا کرنا ہے تو احسن وہی ہے جو کافی، بنایہ اور مجمع الانہر میں ہے، اِن

عـــہ وفى غاية البيان المراد هنامايفهم بمجرد اطلاق اسم الماء والافالمياه المذكورة ليست بمطلقة لتقييدهابصفة وفى اصطلاح اهل الاصول هو المتعرض للذات دون الصفة اھ **اقول**: لاوجود للمطلق فى الاعيان الا فى ضمن للمقيد فلاتخصيص للمياه والمذكورة ۱۲ منه غفرله۔(م)

اور غایۃ البیان میں ہے کہ مراد یہاں پر وہ ہے جو محض ماء کے نام کے اطلاق سے سمجھا جاتاہے ورنہ مذکورہ پانی مطلق پانی نہیں کیونکہ یہ پانی کسی صفت سے مقید ہیں، اور اصولیین کے نزدیک مطلق وہ ہے جو صرف ذات کو بتائے نہ کہ صفت کو اھ میں کہتا ہوں مطلق کا وجود اعیان میں نہیں مقید کے ضمن ہی میں ہوتاہے، تو مذکورہ پانیوں میں تخصیص نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۲
[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۶

ومجمع الانھر اذاذکروا المطلق الاصولی ثم قالوا واریدھھنا مایسبق الی الافھام [1] الخ	سب نے اصولی مطلق کا ذکر کیا ہے، پھر فرمایا ہے، یہاں وہی مراد جو ذہنوں کی طرف سبقت کرتا ہے الخ(ت)

دوم مطلق: وہ کہ اپنی تعریف ذات میں دوسری شَے کامحتاج نہ ہو اور مقید وہ کہ جس کی ذات بے ذکر قید نہ پہچانی جائے۔

ذکرہ فی مجمع الانھر علی جھۃ التمریض فقال ویقال المطلق مالایحتاج فی تعریف ذاتہ الی شیئ اٰخر والمقید مالایتعرف ذاتہ الابالید [2]اھ **اقول:** وھو بظاھرہ افسد من الاول فان شیأ اماقط لایحتاج فی تعریف ذاتہ الیٰ شیئ اٰخر ولکن المقصودانہ الباقی علی طبیعۃ الماء وصرافۃ المائیۃ لم یداخلہ مایخرجہ عن طبعہ اویجعلہ فی العرف مرکبامع غیرہ فیصیرذاتااخری غیر ذات الماء لایطلق علیہ محض اسم الماء ولاتعرف ذاتہ باطلاقہ واوضح منہ قول الغنیۃ ھومایسمی فی العرف ماء من غیر احتیاج الی تقیید فی تعریف ذاتہ [3] اھ وھو ماخوذ عن الامام حافظ الدین فی المستصفی کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	اس کو مجمع الانہر میں ناپسندیدہ قول کے طور پر بیان کیا ہے فرمایااور کہاجاتاہے کہ مطلق وہ ہے جو اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کامحتاج نہیں ہوتا ہے اور مقید وہ ہے جس کی ذات قید کے بغیر نہیں جانی جاتی ہے اھ(ت) **میں کہتاہوں**، یہ بظاہر پہلے سے بھی زیادہ غلط ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اپنی ذات کی تعریف میں کسی دوسری چیز کی محتاج نہیں ہوتی ہے، لیکن مقصود یہ ہے کہ وہی پانی کی طبیعت پر باقی ہے،اور پانی کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں ہوئی جو اس کواس کی طبیعت سے خارج کردے یا عرف میں اس کے غیر کے ساتھ مرکب کردے تو وہ پانی کے علاوہ دوسری چیز بن جائے جس پر محض پانی کے نام کا اطلاق نہ ہو،اور اس کے اطلاق سے اس کی ذات نہ پہچانی جائے اور اس سے زیادہ واضح غنیہ کی عبارت ہے کہ وہ،وہ ہے جو عرف میں پانی کہلاتا ہے،اس کی ذات کی تعریف میں کسی تقیید کی حاجت نہ ہو اھ یہ تعریف امام حافظ الدین نے مستصفٰی میں کی ہے، جیسا آئیگا اِن شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

[1] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعہ عامرہ مصر ۱/ ۲۷

[2] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعہ عامرہ مصر ۱/ ۲۷

[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸

سوم: مطلق وہ کہ اپنی پیدائشی اوصاف پر باقی ہو، خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

هو الباقی علی اوصاف خلقته[1] **اقول:** ان ارید(۱) بالاوصاف الاوصاف الثلثة خاصة اومع الرقة والسیلان انتقض بمنقوع الحمص والباقلا وماخلط بصابون واشنان ولو طبخ بهما اوبسدر مادام باقیاعلی رقته وکذاماالقی فیه تمیرات فحلاولم یصر نبیذ التغیر اوصافهاکلا اوبعضامع جوازالوضوء بهااتفاقا(۲) وکذا بماخلط بمائع موافق فی الاوصاف اکثر منه اومساویا مع امتناع الوضوء به وفاقا فانتقض طرادوعکساوان ارید الاعم اتسع الخرق فانتقض بنحو الحمیم ایضا۔	یہ وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہے، میں کہتا ہوں اگر اوصاف سے محض اوصاف ثلثہ مراد ہیں، یامع رقت وسیلان کے، تو اس پر چنوں اور باقلی کے پانی سے اعتراض ہے، اور اس پانی سے اعتراض ہے جس میں صابون اور اُشنان ملایا گیا ہو، اگرچہ ان دونوں کے ساتھ پکایا گیا ہو، یا جھربیری کے ساتھ پکایا گیا ہو جب تک اس میں رقّت باقی ہو، اور اسی طرح وہ پانی جس میں کھجوریں ڈالی گئی ہوں اور میٹھا ہوگیا ہو اور نبیذ نہ بنا ہو کیونکہ اس کے اوصاف میں کُلی یا جزوی تغیر پیدا ہوگیا ہے حالانکہ اس کے ساتھ وضو اتفاقاً جائز ہے اور اسی طرح وہ پانی جو کسی مائع (سیال) سے مل گیا ہو جو پانی کے اکثر اوصاف میں اس کے مشابہ ہو یا مساوی ہو حالانکہ اس سے وضو اتفاقاً ناجائز ہے یہ طرداً وعکساً منتقض ہوگیا، اور اگر عام کا ارادہ کیا ہو تو نقض وسیع ہوجائیگا تو گرم پانی کی مثل سے بھی نقض وارد ہوگا۔ (ت)

چہارم مطلق وہ کہ اپنی رقت وسیلان پر باقی ہو شلبیہ علی الزیلعی میں ہے:

الماء المطلق مابقی علی اصل خلقته من الرقة والسیلان فلو اختلط به طاهرا وجب غلظه صار مقیدا[2] اھ یحیی اھ **اقول:** (۳) هذا افسد وقد تضمن سابقه الرد علیه ویزید هذاانتقاضابماخلط بکل مائع لایسلبه رقته وان	مطلق پانی جب تک ہے کہ اپنی اصل خلقت پر ہو، یعنی اس میں رقّت اور سیلان باقی ہو اور جب اس میں کوئی پاک چیز مل کر اس میں گاڑھا پن پیدا کردے تو وہ مقید ہوجائیگا اھ یحیی اھ (ت) **میں کہتا ہوں** یہ اور بھی زائد فاسد ہے، اور گزشتہ بحث میں اس پر رد ہوچکا ہے اور اس پر یوں بھی اعتراض وارد ہوتا ہے اُس کے ساتھ کہ

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/ ۱۰۲

[2] شلبی علی التبیین کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹

غیر اوصافه کاللبن والخل والعصیر ونحو ذلک۔	اس میں کوئی ایسی مائع شے شامل ہوجائے جو اس کی رقت کو ختم نہ کرے خواہ اُس کے دوسرے اوصاف میں تغیر پیدا کردے، جیسے دودھ، سرکہ، عرق وغیرہ۔ (ت)

پنجم: مطلق وہ جس کے لئے کوئی نیا نام نہ پیدا ہوا، ہدایہ میں فرمایا:

قال الشافعی رحمه الله تعالٰی لایجوز التوضی بماء الزعفران واشباهه مما لیس من جنس الارض لانه ماء مقید الاتری انه یقال ماء الزعفران بخلاف اجزاء الارض لان الماء لایخلو عنها عادة ولنا ان اسم الماء باق علی الاطلاق الاتری انه لم یتجدد له اسم علی حدة واضافته الی الزعفران کاضافته الی البئر والعین [1] اھ	امام شافعی نے فرمایا وہ اشیاء جو زمین کی جنس سے نہیں ہیں جیسے زعفران کا پانی وغیرہ اُن سے وضو جائز نہیں، کیونکہ وہ مقید پانی ہے، اس لئے اس کو زعفران کا پانی کہتے ہیں، بخلاف زمینی اجزاء کے، کیونکہ عام طور پر کوئی پانی زمینی اجزاء سے خالی نہیں ہوتا ہے، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے اور اس کا کوئی نیا نام وضع نہیں ہوا ہے اور اس کی اضافت زعفران کی طرف ایسی ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں یا چشمے کی طرف ہوتی ہے اھ (ت)
اقول: (۱) ظاهره منتقض بالحمیم فقد حدث له اسم لم یکن فان قلت اسم الماء باق علیه فالمراد ماتجدد له اسم مع انتفاء اسم الماء الاتری الی قوله ان اسم الماء باق علی الاطلاق اقول اولا قوله قدس سره لم یتجدد له مفصول عماقبله الا تری الی قوله الا تری فقد جعله دلیلا علی بقاء الاسم لاان بقاء الاسم ماخوذ فیه وثانیا بقاء الاسم علی الاطلاق کاف علی الاطلاق لایحتاج بعده الی عدم حدوث ولا یضر معه الف حدوث فضمه الیه یجعله لغوا۔ هذا اورده الفاضل عصام فی حاشیة بانه منقوض	**میں کہتا ہوں** بظاہر اس پر گرم پانی کا اعتراض وارد ہوتا ہے کیونکہ اس پر ایک ایسا نام بولا جارہا ہے جو پہلے نہ تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میں بھی پانی کا نام باقی ہے، تو مراد یہ ہے کہ جس کا نیا نام پڑ گیا ہو اور پانی کا نام ختم ہوگیا ہو، چنانچہ انہوں نے فرمایا "پانی کا نام علی الاطلاق باقی ہے۔ **میں کہتا ہوں اوّل** تو ان کا قول "لم یتجدد له" ماقبل سے منفصل اور الگ ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا ہے "الاتری" تو اس کو انہوں نے نام کے باقی رہنے پر دلیل بنایا ہے یہ نہیں کہ نام کا باقی رہنا اس میں ماخوذ ہے، ثانیا نام کا علی الاطلاق باقی رہنا اطلاق کے لئے کافی ہے اس کے بعد وہ عدم حدوث کا محتاج نہیں اور اس کے ہوتے ہوئے ہزار حدوث بھی مضر نہیں، تو

[1] الهدایة باب الماء الذی یجوز به الوضوء ومالایجوز به مطبع عربیه کراچی ۱/ ۱۸

بماء الباقلاء حيث لم يتجدد له اسم ولم يبق ماء مطلقاثم قال والجواب ان المراد هو الاستلزام الاكثرى فان الغالب فى المقيد تجدد الاسم كالخبز عــه۱ المرقة والصبغ ونحو ذلك بخلاف المطلق وهذاالقدركاف فى غرضنا اذالاولى فى الفرد عــه۲ الذى يشتبه حاله ان يلحق بالاكثر الاغلب [1] اه وتعقبه العلامة سعدى افندى بقوله لك ان تمنع الاكثرية الاترى الى ماء الورد وماء الهندباء وماء الخلاف واشباهها [2] اه

اقول: السؤال والجواب والتعقب كل ذلك نداء من وراء حجاب(۱) اما التعقب فلان كثرة مايقال له ماء كذا لاتنفى اكثرية ماتجددت له الاسماء وهى معلومة قطعابلا امتراء واما الجواب **فاولا** (۲) حاصل الجدل ان الامام الشافعى رضى اللّٰه

اِس کا اُس کے ساتھ ملادینا اس کو لغو قرار دیگا۔ یہ عصام نے اپنے حاشیہ میں لکھا کہ اس پر باقلاء کے پانی سے اعتراض وارد ہوگا اس لئے کہ اس کا کوئی نام نیا نہیں پیدا ہوا اور مطلق پانی بھی نہ رہا پھر فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ مراد استلزام اکثری ہے، کیونکہ مقید میں عام طور پر نام نیا ہوجاتا ہے، جیسے روٹی، شوربہ اور رنگ وغیرہ بخلاف مطلق کے، اتنی مقدار ہماری غرض میں کافی ہے، کیونکہ اولیٰ اُس فرد میں جس کا حال مشتبہ ہو یہ ہے کہ اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جائے اھ اس پر علامہ سعدی آفندی نے تعاقب کیا، اور فرمایا اس میں اکثریت کے وجود کا انکار کیا جاسکتا ہے، جیسے گلاب کا پانی، کاسنی کا پانی، اور بید کا پانی اور اسی طرح دوسری اشیا کا پانی اھ (ت)

میں کہتا ہوں سوال وجواب اور تعقب یہ سب پردے کو پیچھے پکارنا ہے، تعقب تو اس لئے کہ جن اشیاء کو کہا جاتا ہے کہ "فلاں چیز کا پانی" ان کی کثرت، اُن اشیاء کے اکثر ہونے کے منافی نہیں جن کے نام نئے پڑ گئے ہوں اور یہ بلاشبہ معلوم ہیں، اور جواب کی بابت اول تو یہ ہے کہ جھگڑے کا حاصل یہ ہے

عــه۱: **اقول:** من العجب عدالخبز من المياہ المقيدة۔ (م)

عــه۲: اى فيلحق ماء الزعفران بالماء المطلق وماء الباقلاء لتبين حاله بالمقيد وان لم يتجدد له ايضا اسم اذلا تدع ان كل لامتجدد مطلق ۱۲ منه غفرله۔

میں کہتا ہوں بڑے تعجب کی بات ہے کہ روٹی کو مقید پانیوں میں شمار کیا ہے۔ (ت)

یعنی زعفران کے پانی کو مطلق پانی اور باقلی کے پانی سے ملحق کیا جائیگا تاکہ اس کا حال مقید سے جدا ہوجائے، اگرچہ اس کا بھی کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے کیونکہ ہمارا یہ دعوی نہیں ہے کہ ہر وہ پانی جس کا نیا نام نہ ہو وہ مطلق ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] حاشیۃ سعدی چلپی مع الفتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

[2] اشیۃ سعدی چلپی مع الفتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

تعالٰی عنه استدل علی کونه ماء مقیدا بانه یقال له ماء الزعفران فاحتاج الی التقیید وکل مااحتاج الی التقیید مقید واجاب عنه الشیخ قدس سره بمنع ومعارضة اماالمنع فقول واضافته الی الزعفران الخ ای لانسلم ان کل اضافة للاحتیاج بل ربما یکون لتعریف شیئ وراء الذات کماء البئر والعین واما المعارضة فقوله ان اسم الماء باق الخ فاستدل علی الاطلاق ببقاء اسم الماء المطلق وعلی ببقائه بانه لم یتجدد له اسم فلا بدمن ضم الکلیة القائلة ان کل مالم یتجدد له اسم فاسم المطلق باق علیه فنقض المعترض الکلیة بماء الباقلاء ونحوه ولایمسه الجواب بالاکثریة لانتفاء التعدید(۱) **وثانیا** اللازم من قوله الغالب فی المقید تجدد الاسم اکثریة الاستلزام للتجدد من جهة التقییدای اکثرالمقیدات متجددات والنافع له عـــه اکثریة الاستلزام للاطلاق من جهة عدم التجددای اکثر مالم یتجددله اسم فهو مطلق لیلحق هذا الذی لم یتجددله اسم بالاکثر الاغلب لکن لایلزم هذامن ذلك بل یمکن ان یکون اکثر ماتقیید تجدد

کہ امام شافعی نے اس کے مقید پانی ہونے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے تو اس میں قید کی ضرورت ہوئی اور ہر وہ چیز جس میں قید کی ضرورت ہو مقید ہوتی ہے تو اس کا جواب شیخ قدس سرہ، نے منع اور معارضہ کے ساتھ دیا ہے۔ منع تو اس اعتبار سے، پس ان کا قول واضافتہ الی الزعفران الخ یعنی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہر اضافت احتیاج کیلئے ہے، بلاکہ اضافت کبھی کسی شے کی تعریف کیلئے ہوتی ہے، ذات کے علاوہ جیسے کنویں کا پانی چشمے کا پانی، باقی رہا معارضہ تو ان کا قول ان اسم الماء باق الخ تو انہوں نے اطلاق پر مطلع پانی کے نام کے باقی ہونے سے استدلال کیا ہے اور اس کے باقی رہنے پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ اس کا کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے، تو اس میں یہ قاعدہ کلیہ ملانے کی ضرورت ہے کہ مُردہ پانی جس کا نیا نام نہ پڑا ہو تو مطلق کا نام اس پر باقی ہے تو معترضٍ نے اس کلیہ پر نقض وارد کیا ہے باقلی وغیرہ کے پانی سے، اور اکثریت والے جواب کا اس سے تعلق نہیں ہے کیونکہ اس میں "تعدیہ" نہیں پایا جاتا ہے، اور ثانیا، لازم ان کے قول "مقید میں غالب نام کا تجدد ہے" سے تجدد من جھۃ التقیید کے استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر مقیدات، متجدد ہیں حالانکہ ان کے حق میں نفع بخش اطلاق من جہۃ عدم التجدد کے

عـــه ای فی توجیه کلام الامام المصنف قدس سره لجعل ماء الزعفران من المیاہ المطلقة ۱۲ منه غفرله(م)

یعنی مصنف کے کلام کی توجیہ میں، زعفران کے پانی کو مطلق پانیوں میں شمار کرنے کیلئے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ولایکون اکثر مالم یتجدد لم یتقید فان القضیۃ الاکثریۃ لایجب ان تنعکس بعکس النقیض کنفسہالجوازان تکون افراد مالم یتجددلہ اسم اقل بکثیر من افراد المقید و یکون اکثرھاداخلا فی المقید فیکون اکثر افرادالمقید متجدداواکثر افراد اللامتجدد مقیدامثلا یکون المقید من المیاہ الفاقد تجددالاسم لثمانمائۃ منہادون مائتین ومالم یتجدد لہ الاسم من المیاہ سواء کان مطلقا او مقیدا ثلثمائۃ مائۃ منہامن الماء المطلق والباقی من المقید فیصدق ان اکثر المقید متجدد ولایصدق ان اکثر اللامتجدد لامقید بل اکثرہ مقید کماعلمت۔

فان قلت بل نقرر ھکذا لوکان ھذا مقید التجدد لہ اسم بالنظر الی الغالب لکن لم یتجدد لہ اسم فلیس بمقید ظنا والظن یکفی لانہ مشتبہ الحال فیحال علی الغالب والغالب فی المقید التجدد فانتفاء اللازم الاکثری یدل علی انتفاء الملزوم ظنا کماان انتفاء اللازم الکلی یدل علی انتفاء الملزوم قطعا وحاصلہ

استلزام کی اکثریت ہے، یعنی اکثر وہ کہ جن کا کوئی نیا نام نہیں پڑا ہے تو وہ مطلق ہے تاکہ یہ جس کا نام نیا نہیں ہے اس کو اکثر واغلب سے لاحق کیا جاسکے، لیکن یہ اُس سے لازم نہیں آتا ہے، بلاکہ ممکن ہے کہ جو چیزیں مقید ہیں ان میں سے اکثر کا نیا نام ہوگیا ہو اور اکثر وہ چیزیں جن کا نیا نام نہ ہو متقید نہ ہوئی ہوں، کیونکہ جو قضیہ اکثر یہ ہوتا ہے ضروری نہیں کہ اس کا عکس نقیض اس کے مساوی ہو، اس لئے کہ یہ جائز ہے کہ جن کا نام نیا نہیں ہے ان کے افراد مقید کے افراد سے بہت ہی کم ہوں اور ان کے اکثر مقید میں داخل ہوں تو مقید کے اکثر افراد نئے نام والے ہوجائیں گے اور لامتجدد کے اکثر افراد مقید ہوجائیں گے، مثلاً وہ مقید پانی جس کے لئے ہزار نام ہو، ان میں سے آٹھ سو افراد کا نام بدل گیا ہو، دو سو کا نہ بدلا ہو، اور جن پانیوں کا نام نہ بدلا ہو خواہ وہ مطلق ہوں یا مقید تین سو ہوں، سو ان میں سے مطلق پانی کے اور باقی دو سو مقید پانی کے ہوں تو اب یہ قضیہ تو صادق ہے کہ اکثر مقید متجدد ہے اور یہ صادق نہیں کہ اکثر لامتجدد لامقید ہے، بلاکہ اس کا اکثر مقید ہے، جیسا کہ آپ نے جانا۔ (ت)

اگر کہا جائے کہ ہم اس کی تقریر اس طرح کرتے ہیں کہ اگر یہ مقید ہوتا تو اس کا کوئی نیا نام ہوتا، غالبًا ایسا ہی ہوتا ہے، لیکن چونکہ اس کا نیا نام نہیں ہوا اس لئے وہ ظنی اعتبار سے مقید نہیں اور اس میں ظن کافی ہے کیونکہ اس کا حال مشتبہ ہے تو اس کا دار و مدار غالب پر رکھا جائے گا اور غالب مقید میں تجدد ہے، تو لازم اکثری کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر ظنی طور پر

التمسك بغلبة التجدد فی المقید من دون حاجة الی غلبة الاطلاق فی اللامتجدد۔
انما یظن ماهو اکثر والاکثریة فی استلزام وجود ا لوجود ب لاتستلزم اکثریة استلزام انتفاء ب لانتفاء افقی مثله انما یظن بوجود اللازم عند تحقق الملزوم لابانتفاء الملزوم عند انتفاء اللازم۔
وثالثا:(۱)ماالفارق بین ماء الباقلاء وماء الزعفران حتی کان هذامشتبها فالحق بالغالب وذاك متعینافلم یلحق واما السؤال(عہ)فلان ماء الباقلاء اسم جدید

دلالت کرتا ہے، جیسا کہ لازم کلی کا انتفاء ملزوم کے انتفاء پر قطعًا دلالت کرتا ہے،اور اس کا حاصل مقید میں غلبہ تجدد سے استدلال ہے،اور لامتجدد میں غلبہ اطلاق کی حاجت نہیں ہے۔(ت)
میں کہتا ہوں جو اکثر ہو اسی کا ظن ہوتا ہے اکے وجود کی اکثریت کا ب کے وجود کی اکثریت کو مستلزم ہونا اکے انتفاء کی وجہ سے ب کے انتفاء کے استلزام کی اکثریت کو مستلزم نہیں ہے تو اس جیسی صورت میں ملزوم کے وجود کے تحقق کے وقت لازم کے وجود کا ظن ہوتا ہے نہ کہ انتفاء ملزوم بوقت انتفاء لازم کے۔(ت)
ثالثًا، یافرق ہے باقلی کے پانی اور زعفران کے پانی میں، کہ اس کو مشتبہ قرار دیا جائے،اور غالب سے لاحق کیا جائے اور وہ متعین ہے تو لاحق نہ کیا جائے گا باقی رہا سوال تو باقلاء کا پانی نیا نام ہے، پانی کے نام

عہ ثم رأیت اجاب عنه فی البنایة بان المضاف ههناخارج من المضاف الیه بالعلاج فلایجوز وان لم یتجدد له اسم اھ
اقول:(۲)تسلیمه عدم تجدد الاسم قدعرفت مافیه و ماقاله مبنی علی ماذکره فی تعریف اضافة التقیید(۳) و سیاتی مافیه،بعونه تعالی وعلی کل فقد سلم ان التعریف بتجدد الاسم غیر جامع ثم قال وقال تاج الشریعة الدلیل یقتضی الجواز ولکن الطبخ والخلط یثبتان نقصانا فی کونه

پھر میں نے دیکھا کہ انہوں نے بنایہ میں اس کا جواب دیا کہ یہاں مضاف، مضاف الیہ سے خارج ہے علاج کی وجہ سے تو جائز نہیں اگرچہ اس کا نیا نام نہ ہو اھ
میں کہتا ہوں نام کے نیا نہ ہونے کا تسلیم کرنا،اس پر جو اعتراض ہے وہ آپ نے جان لیا،اور جو انہوں نے کہا ہے وہ اس چیز پر مبنی ہے جس کو انہوں نے اضافت تقیید کی تعریف میں ذکر کیا ہے،اور یہ عنقریب آئے گا اور بہرحال یہ تعریف کہ نام نیا ہوجائے جامع نہیں اس کو انہوں نے تسلیم کیا ہے پھر کہا کہ تاج الشریعۃ نے فرمایا دلیل جواز کا تقاضا کرتی ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

غیر اسم الماء وکون اسم الماء جزء منه لاینافی الجدة الاتری انه لایصلح ان یقال له ماء لکونه ثخیناوالماء رقیق بخلاف ماء الزعفران فان المرادبه مالم یثخن وهذابالوفاق بل مالم یصلح للصبغ وهذاعندالتحقیق کما تقدم فی ۱۲۰هذا ماظهرلی ثم رأیت المحقق ابن امیر الحاج اشارالیه فی الحلیة اذ قال ذات ماء الورد مرثلا لاتعرف من مجرد قول القائل ماء حتی یضیفه الی الورد ولهذا کانت الاضافة لازمة لکونهااضافة الی مالا بدمنه وبواسطة هذا اللزوم حدث له اسم آخر علحدة فلا تسوغ تسمیته ماء علی الاطلاق الا علی سبیل المجاز اھ واللہ الموفق لارب سواہ۔ **ثم اقول**: ان تحقق [عـه] ان(ا)من المیاہ

کا غیر ہے اور پانی کا اس کے نام کا جُزئی ہونا جدّت کے منافی نہیں، اس لئے اس کو پانی نہیں کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ گاڑھا ہے اور پانی پتلا ہوتا ہے۔ بخلاف زعفران کے پانی کے، کیونکہ اس سے مراد وہ ہے جو گاڑھا نہ ہوا ہو، اور یہ اتفاقاً ہے، بلالکہ جب تک رنگنے کے لائق نہ ہو، اور یہ تحقیق کی بنا پر ہے جیسا کہ پانی کی تقسیم ۱۲۰ میں گزرا یہ مجھ پر ظاہر ہوا پھر میں نے محقق ابن امیر الحاج کو دیکھا کہ انہوں نے اس کی طرف حلیہ میں اشارہ فرمایا، وہ فرماتے ہیں گلاب کے پانی کی ذات مثلاً کسی قائل کے صرف اس قول سے معلوم نہیں ہوتی ہے کہ "پانی" جب تک کہ وہ اسے گلاب کی طرف مضاف نہ کرے، اس لئے اضافت لازم ہوئی کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جس کی طرف اضافت ضروری ہے اور اس لزوم کے واسطہ سے اس کا الگ نام پڑگیا، تو اس کو مطلقاً پانی کہنا درست نہ ہوگا، ہاں مجازاً کہا جاسکتا ہے اھ واللہ الموفق (ت) **پھر میں کہتا ہوں** اگر یہ ثابت ہوجائے کہ بعض مقید

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مائعا اھ۔ **اقول**: هذا یوافق ماذکر الحقیر حیث اشار الی ان المنع لاجل الثخن ۱۲ منه غفرله (م)

عـه قاله لانه یتصور علی قول محمد اما علی قول ابی یوسف الصحیح علی مایاتی

لیکن پکنا اور مل جانا پانی کے مائع ہونے میں خلل پیدا کرتے ہیں اھ **میں کہتا ہوں** یہ اس کے مطابق ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ منع گاڑھے ہونے کی وجہ سے ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

یہ بات انہوں نے اس لئے کہی ہے کہ یہ محمد کے قول پر متصور ہے لیکن ابویوسف کے قول پر، جیسا کہ ہم (باقی برصفحہ آئندہ)

المقیدة مالا یتجددله اسم فی العرف لعدم تعلق الغرض به مثلا انمایزول عنه اسم الماء المطلق کان ذلك نقضا علی المنع کما کان الحمیم نقضاعلی الجمع(۱) ویکون هذا اظهر عـه ورودا علی الفتح اذقال فیه فی بیان التقیید ھو بان یحدث له اسم علیحدة ولزوم التقیید یندرج فیه وانما یکون ذلك اذا کان الماء مغلوبا اذفی اطلاقه علی المجموع حینئذ اعتبار الغالب عدما وھو عکس الثابت لغة وعرفا وشرعا اھ۔ **اقول:**(۲) انما الثابت به انه کلما تجدد الاسم کان الماء مغلوبا اما فی جهت العکس فانما ثبت انه کلما کان الماء مغلوبا لم یصح اطلاق الماء المطلق علیه لا انه یحدث له اسم برأسه ولابد فحصر التقیید فی حدوث الاسم محل نظر واللّٰه تعالٰی اعلم۔	پانی ایسے ہیں جن کیلئے کوئی نیا نام عرف میں مقرر نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس سے کوئی غرض متعلق نہیں، مثال کے طور پر، اس سے مطلق پانی کا نام زائل ہوگا تو یہ نقض ہوگا منع پر، جیسا کہ حمیم نقض ہوگا جمع پر اور یہ فتح پر ورود زیادہ ظاہر ہوگا کیونکہ انہوں نے بیانِ تقیید میں فرمایا، تقیید یہ ہے کہ اس کا نیا نام پڑ جائے، اور لزوم تقیید اسی میں شامل ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ پانی مغلوب ہو کیونکہ اس کے مجموعہ پر اطلاق ہونے میں اس وقت غالب کا اعتبار ہوگا عدمی طور پر اور یہ لغت سے ثابت شدہ کا اور عرف وشرع سے ثابت شدہ کا برعکس ہے اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب بھی اس کا نیا نام ہوگا تو پانی مغلوب ہوگا، اور اس کے عکس میں یہ چیز ثابت شدہ ہے کہ جب بھی پانی مغلوب ہوگا تو اس پر مطلق پانی کا اطلاق صحیح نہ ہوگا یہ نہیں کہ اُس کے لئے کوئی نیا نام وضع کرلیا جائے گا، اور یہ ضروری ہے، تو تقیید کو نئے نام پڑ جانے میں منحصر کردینا محلِ نظر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) من العبد الضعیف تحقیقه ان شاء اللّٰه تعالٰی بعد تمام سرد التعریفات فلا یتقید الا اذا صلح المقصود اٰخر فح یسمی باسم مایقصد به ذلك المقصود تأمل ۱۲ منه غفرله۔(م) عـــه فان حصر التقیید فی حدوث الاسم فی الفتح منطوق وعن الهدایة مفهوم ۱۲ منه غفرله۔(م)	تحقیق سے پیش کریں گے، تو یہ مقید نہ ہوگا مگر جبکہ مقصود آخر کیلئے صالح ہو، تو اس وقت اس کا نام وہی ہوگا جو اُس کا مقصود ہے، غور کرو ۱۲ منہ غفرلہ (ت) فتح میں تقیید کا نام کے نئے ہونے میں منحصر ہونا منطوق ہے، اور ہدایہ سے مفہوم ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ششم مطلق عہ وہ ہے جسے دیکھنے والا دیکھ کر پانی کہے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے ہے:

المطلق ماذا نظر الناظر الیه سماہ ماء علی الاطلاق [1] اھ اقول: (۱) رب ماء لایدرك البصر تقییدہ ولا اطلاقه کالمخلوط بمائع موافق فی اللون یتوقف الامر فیه علی غلبة الطعم او الاجزاء (۲) وما القی فیه تمر اوزبیب یتوقف علی صیرورته نبیذ اولا یضر مجرد اللون وما خلط بعصفر اوزعفران یتوقف علی صلوحه للصبغ وشیئ من ذلك لایدرك بالبصر فلایصح جمعا ولا منعا۔	مطلق وہ ہے کہ جب دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس کو مطلق پانی کا نام دے اھ **میں کہتا ہوں** بہت سے پانی ایسے ہیں کہ نگاہ سے نہ تو ان کا مقید ہونا معلوم ہوتا ہے اور نہ مطلق ہونا جیسے وہ پانی جو کسی سیال میں مخلوط ہو اور دونوں ہم رنگ ہوں، اس میں دارومدار مزے اور اجزاء کے غلبہ پر ہوگا، اور جس میں کھجور اور منقّٰی ڈالا جائے اس میں دارومدار اسی کے نبیذ ہونے پر ہوگا، محض رنگ مضر نہیں، اور جو عُصفر اور زعفران میں ملایا جائے تو اس میں یہ دیکھا جائیگا کہ آیا اس سے کوئی دوسری چیز رنگی جاسکتی ہے یا نہیں، اور ان میں سے کوئی چیز آنکھ سے معلوم نہیں ہوسکتی، تو یہ جمع و منع کے اعتبار سے صحیح نہیں۔ (ت)

ہفتم مطلق وہ ہے جسے بے کسی قید کے بڑھائے پانی کہہ سکیں فتح القدیر میں ہے:

الخلاف فی ماء خالطه زعفران ونحوہ مبنی علی انه تقیید بذلك اولا فقال الشافعی وغیرہ تقید لانه یقال ماء الزعفران ونحن لاننکرانه یقال ذلك ولکن لایمتنع مع ذلك مادام المخالط مغلوبا ان یقول القائل فیه ھذا ماء من غیر زیادۃ [2] اھ۔	جس پانی میں زعفران یا اسی کے مثل کوئی چیز مل جائے اس میں اختلاف اس امر پر مبنی ہے کہ وہ اس کے ساتھ مقید ہوا یا نہیں، امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں مقید ہوگیا، کیونکہ اس کو زعفران کا پانی کہا جاتا ہے اور ہم اس کے منکر نہیں کہ اس کو ماءِ زعفران کہا جاتا ہے، لیکن جب تک مخلوط پانی ہونے والی چیز پانی سے مغلوب ہو یہی کہا جائیگا کہ یہ پانی ہے، اس میں کچھ اضافہ نہیں اھ (ت)

عــہ: ویشیر الیه قول البنایة فی ماتغیر بالطبخ لان الناظر لونظر الیه لایسمیه ماء مطلقا اھ ۱۲ منه غفرله (م)	بنایہ کا قول اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کے بارہ میں جو پکانے سے متغیر ہوجائے کیونکہ اگر دیکھنے والا اس کی طرف دیکھے تو اسے مطلق پانی نہیں کہے گا اھ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] خزانۃ المفتین

[2] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز بہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

اقول: لاشك ان الماء المقید قسم من الماء وحمل المقسم علی القسم لایمتنع ابدا واین عدم التقیید من التقیید بعدم التقیید والکلام فی ھذالا ذاك والجواب انه ماء لغة لاعرفا لصحة النفی تقول لیس ماء بل صبغ والکلام فی العرف۔	میں کہتا ہوں مقید پانی، پانی ہی کی ایک قسم ہے اور مقسم کو قسم پر حمل کرنا ہر گز ممنوع نہیں اور عدم تقیید کو تقیید بعدم التقیید سے کیا نسبت؟ اور گفتگو اس میں ہے نہ کہ اُس میں۔اور جواب یہ ہے کہ وہ لغۃً پانی ہے نہ کہ عرفاً، کیونکہ نفی صحیح ہے،آپ کہہ سکتے ہیں یہ پانی نہیں ہے بلاالکہ رنگ ہے اور کلام کادارومدار عرف پر ہوتا ہے۔(ت)

ہشتم مطلق وہ ہے جس سے پانی کی نفی نہ ہوسکے یعنی نہ کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں۔

اقول: وھذا معنی سابقه غیران صحة الاطلاق وامتناع النفی قدیتفارقان فیما کان ذاجھتین یصح فیه الحمل من وجه والسلب من وجه اٰخر۔	میں کہتا ہوں یہ گزشتہ معنی ہیں،البتہ صحتِ اطلاق اور امتناع نفی،جب دو جہت والے ہوں تو کبھی ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں من وجہ حمل اور من وجہ سلب صحیح ہوتا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

اضافة الی الزعفران للتعریف بخلاف ماء البطیخ ولھذا ینفی اسم الماء عنه ولایجوز نفیه عن الاول [1] اھ۔**اقول:** ان ارید نفی الماء المطلق داراومطلق الماء فلایجوز نفی المقسم عن القسم قط والماء الذی یخرج من البطیخ لیس من جنس الماء فالحق انه لیس ماء مقیدا بل خارج من مطلقه کالادھان والجواب الجواب۔	پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کیلئے ہے بخلاف "ماء البطیخ" کے اس لئے اس سے پانی کے نام کی نفی کی جاتی ہے اور پہلے سے اس کی نفی جائز نہیں ہے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا یا مطلقِ ماء کی نفی کی جائے تو مقسم کی نفی قسم سے قطعًا جائز نہیں اور وہ پانی جو بطیخ سے نکلتا ہے جنس ماء سے نہیں ہے تو حق یہ ہے کہ وہ مقید پانی نہیں ہے بلاالکہ مطلقِ ماء سے خارج ہے جیسے تیل والجواب الجواب۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

نہم: مطلق وہ جس سے پانی کا نام زائل نہ ہو،

وھو معنی سابقه واشیرالیه فی کثیر من الکتب ففی التبیین زوال اسم الماء عنه هو المعتبر فی الباب [1] اھ وفی الهدایة والکافی الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنه [2] اھ افی المنیة عن شرح القدوری للاقطع اذا اختلط الطاھر بالماء ولم یزل اسم الماء عنه فهو طاھر وطهور [3] اھ۔	یہ اس کے سابقہ معنے ہیں، اس کی طرف بہت سی کتب میں اشارہ کیا گیا ہے، تبیین میں ہے اس سے پانی کے نام کا زائل ہونا ہی معتبر ہے اھ اور ہدایہ اور کافی میں ہے مگر یہ کہ وہ پانی پر غالب ہو تو ستّو کی طرح ہو جائے، کیونکہ اس سے پانی کا نام زائل ہوگیا اھ اور منیہ میں ابو نصر اقطع کی شرح قدوری سے ہے کہ جب پاک چیز پانی میں مل جائے اور اس سے پانی کا نام زائل نہ ہو تو وہ طاہر بھی ہے طہور بھی ہے اھ (ت)
اقول: هذا حق فی نفسه لکن لایصلح تعریفا اذلو ارید بالماء الماء المطلق دارو الافلا زوال عن المقید ایضا اصلا کما علمت مع جوابه وفسره فی الغنیة مرة بالسادس اذقال تحت قول الماتن اذالم یزل عنه اسم الماء مانصه بحیث لوراٰہ الرائی یطلق علیه اسم الماء [4] اھ	**میں کہتا ہوں** یہ فی نفسہ حق ہے لیکن یہ تعریف نہیں بن سکتا ہے کیونکہ اگر پانی سے مطلق پانی کا ارادہ کیا جائے تو دور لازم آئے گا ورنہ مقید سے بھی زوال نہ ہوگا جیسا کہ آپ نے مع جواب کے جانا، اور اس کی تفسیر غنیہ میں ایک جگہ "چھٹے" سے کی کیونکہ انہوں نے ماتن کے قول کہ جب اس سے پانی کا نام زائل نہ ہوا، کے تحت فرمایا کہ اگر دیکھنے والا اس کو دیکھے تو اس پر پانی کا نام بولے اھ (ت)
اقول: (ا) وقد علمت فسادہ ومرة زاد فیه الخامس اذقال تحت قول الاقطع ولم یتجدد له اسم اٰخر بان سمی شرابا	**میں کہتا ہوں** اس کا فساد آپ کو معلوم ہو چکا ہے اور کبھی اس میں پانچویں کو زیادہ کیا کیونکہ انہوں نے اقطع کے قول کے تحت فرمایا اس کا کوئی نیا نام نہیں

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبعۃ الامیریہ مصر ۱/۱۹

[2] ہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوالخ مطبعہ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[3] منیۃ المصلی فی المیاہ مطبعہ یوسفی لکھنؤ ص ۶۴

[4] غنیۃ المستملی فی المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

اونبیذا اونحو ذلك [1] اھ اقول ان(ا) عطفه تفسیرافموقوف علی ثبوت ان کل مازال عنه اسم الماء وجب ان یوضع بازائه اسم اٰخر اوان اراد الزیادة کان المعنی ان الاطلاق یتوقف علی اجتماع العدمین فان وجد احدھماکأن زال عنه اسم الماء ولم یتجدد اسم اٰخر اوتجدد اسم اٰخر ولم یزل اسم الماء کان مقیدا وھذا الثانی باطل کما فی الحمیم۔	پڑا مثلًا یہ کہ شربت یا نبیذ وغیرہ کہا جائے اھ میں کہتا ہوں اس کا عطف تفسیری ہے اور اس امر پر موقوف ہے کہ ہر وہ چیز جس سے پانی کا نام زائل ہوا ہو لازم ہے کہ اُس کے بالمقابل کوئی اور نام وضع کیا جائے اور اگر زیادتی کا ارادہ کیا تو معنٰی یہ ہوں گے کہ اطلاق موقوف ہے دو عدموں کے اجتماع پر تو اگر ان میں سے کوئی ایک پایا جائے مثلًا یہ کہ اس سے پانی کا نام زائل ہو جائے اور اس کا کوئی نیا نام نہ پڑے یا نیا نام پڑ جائے مگر پانی کا نام زائل نہ ہو تو مقید ہو جائیگا اور یہ دوسری شق باطل ہے جیسا کہ گرم پانی میں۔(ت)

دہم: مطلق وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن سبقت کرے بشرطیکہ اُس کا کوئی اور نام نہ پیدا ہوا ہو اور جس کی طرف لفظ آب سے ذہن سبقت نہ کرے یا اس کا کوئی نیا نام ہو وہ مقید ہے حلیہ میں ہے:

الماء المطلق فیه عبارات من احسنها مایتسارع افهام الناس الیه عند اطلاق الماء مالم یحدث له اسم علی حدة والماء المقید مالاتتسارع الیه افهام الناس من اطلاق لفظ الماء اوما حدث له اسم علیحدة [2] اھ **اقول: اولا** ھذا اصلح من سابقه فی العکس فانه لاینتقض منعاوان وجد مقید لم یحدث له اسم(ا) واقبل ایرادا منه فی الطرد فانه صرح بان تسارع الافهام	مطلق پانی کے متعلق کئی عبارتیں ہیں، سب سے عمدہ یہ ہے کہ مطلق پانی وہ ہے کہ جب صرف پانی کہا جائے تو ذہن اُس کی طرف منتقل ہو جائیں، جب تک کہ اس کیلئے کوئی نیا نام نہ پڑے اور مقید پانی وہ ہے کہ جب صرف پانی کا لفظ بولا جائے تو ذہن اس کی طرف نہ جائے یا وہ کہ جس کا کوئی نیا نام ہوا ھ (ت) **میں کہتا ہوں** اوّلًا مانعیت کے اعتبار سے یہ تعریف پہلی سے بہتر ہے کیونکہ اس پر ایسے مقید پانی کا اعتراض نہ ہوگا جس کو ابھی نیا نام نہیں دیا گیا اور جامعیت کے اعتبار سے یہ پہلی سے زیادہ قابل اعتراض ہے اگر اس کا نیا نام پڑ جائے تو ذہنوں کا اس کی طرف سبقت رکھنا کچھ مفید نہ ہوگا، اور ثانیا اس سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ شرط فضول اور بے محل ہے کیونکہ اس نام کا

[1] غنیۃ المستملی فی المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[2] حلیۃ

الیه لایجدی عنه حدوث اسم اٰخر **وثانیًا**(۱) مع قطع النظر عنه لاشك ان هذا الشرط ضائع لامحل له اصلا فان حدوث الاسم الذی یکون فی المقید لاامکان لاجتماعه مع تسارع الافهام الیه عند الاطلاق۔	پیدا ہونا جو مقید میں ہے اُس کا، اُس کے ساتھ مجتمع ہونے کا کوئی امکان نہیں، حالانکہ اذہان اُس کی طرف عندالاطلاق سبقت کرتے ہیں۔ (ت)

یازدھم مطلق وہ ہے جس کی طرف نامِ آب سے ذہن سبقت کرے اور اس میں نہ کوئی نجاست ہو اور نہ اور کوئی بات مانع جواز نماز یہ قیدیں بحر میں اضافہ کیں تاکہ آبِ نجس و مستعمل کو خارج کردیں۔

اقول: ولو اکتفی بالاٰخر لکفی ونصه المطلق مایسبق الی الافهام بمطلق قولنا ماء ولم یقم به خبث ولامعنی یمنع جواز الصلاۃ قال فخرج الماء المقید والمتنجس والمستعمل [1] اھ **اقول:**(۱) هل المستعمل واخوه داخلان فیما یسبق الیه الذهن باطلاق الماء ام لاعلی الثانی ضاع القیدان وسقط تفریع خروجهما علی زیادۃ القیدین وعلی الاول(۲) لاشك انهما من الماء المطلق اذلا نعنی بالمطلق الا هذا وعلیه اقتصر الائمة قبله بل(۳) هو نفسه فیمابعد ذلك بورقة اذقال لانعنی بالمطلق الا مایتبادر عند اطلاق اسم الماء [2] اھ وهذه	میں کہتا ہوں اگر وہ آخر پر اکتفا کرتے تو کافی ہوتا اور اُس کی عبارت یہ ہے کہ مطلق وہ ہے جس کی طرف اذہان مطلق ماء کے بولنے سے منتقل ہوجاتے ہیں، اور یہ وہ پانی ہے جس میں کوئی ناپاکی نہ ہو اور نہ ایسا کوئی وصف ہو جو جواز صلوٰۃ کے منافی ہو تو اس قید سے مقید، متنجس اور مستعمل پانی خارج ہوگیا اھ (ت) **میں کہتا ہوں** کیا مستعمل اور اس کا مثل پانی اُس پانی میں داخل ہیں جن کی طرف لفظِ ماء بولتے ہی ذہن فوری طور پر منتقل ہوجاتا ہے یا نہیں، دوسری صورت میں دونوں قیدیں ضائع ہوجائیں گی، اور دو قیدوں کی زیادتی پر ان دونوں کے خروج کی تفریع ساقط ہوجائے گی، اور برتقدیر اول اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دونوں مطلق پانی سے ہیں کیونکہ مطلق سے یہی مراد ہے اور اُن سے قبل ائمہ نے اسی پر اکتفا کیا

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

[2] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

اھ۔

مناقضة (۱) بل فی نفس الکلام ایضا شوب منھا اذ یقول فخرج المقید والمتنجس والمستعمل ولذا قال ش ظاھرہ ان المتنجس والمستعمل غیر مقید مع عــہ۱ انہ منہ لکن عند العالم بالنجاسۃ او الاستعمال ولذا قید بعض العلماء التبادر بقولہ بالنسبۃ للعالم بحالہ [1] اھ

بلالکہ انہوں نے خود ہی ایک ورق بعد فرمایا ہماری مراد مطلق سے وہ پانی ہے کہ جب پانی کا لفظ بولا جائے تو اسی کی طرف ذہن متبادر ہو اور یہ مناقضہ ہے بلالکہ نفس کلام میں اس کی ملاوٹ ہے، وہ فرماتے ہیں تو مقید، متنجس اور مستعمل اس سے نکل گئے اور اس لئے "ش" نے فرمایا کہ اس کا ظاہر یہ ہے کہ متنجس اور مستعمل غیر مقید ہے حالانکہ یہ مقید سے ہے، مگر اس کے نزدیک جس کو نجاست یا استعمال کا علم ہو، اس لئے بعض علماء نے متبادر میں بالنسبۃ للعالم بحالہ کی قید بڑھائی ہے۔ (ت)

اقول: (۲) رحمك اللہ اذا کان ھذا عارضا خفیا لایظھر لمن لم یعلم بحالہ الا بالاخبار من خارج ظھران الماء فیھما باق علی صرافۃ مائیتہ لم یعرضہ مایخرجہ عنھا والالظھر لمن نظر وسیرفان الانسان فی معرفۃ الماء من غیرہ لایحتاج الی تعلیم من خارج فکیف یکون مقیدا وبالجملۃ ھذا شیئ تفرد بہ البحر لم ارہ عــہ۲ لغیرہ وتبعہ عــہ۳ علیہ ش وکذا محشی الدرر عبدالحلیم

میں کہتا ہوں جب یہ چیز ایسی مخفی ہے کہ صرف واقف حال ہی جان سکتا ہے یا خارج سے اطلاع پر معمول ہو سکتی ہے تو یہ ظاہر ہوا کہ پانی اُن دونوں میں اپنے اطلاق پر باقی ہے اس کو کوئی ایسی چیز عارض نہ ہوئی جو اُس کو پانی ہونے سے خارج کردے ورنہ ہر صاحبِ نظر کو ظاہر ہو جاتا، کیونکہ پانی کے بارے میں جاننے کیلئے انسان کو باہر سے جاننے کی ضرورت نہیں، تو یہ کیسے مقید ہوگا؟ خلاصہ یہ کہ یہ ایسی چیز ہے جس میں بحر متفرد ہیں میں نے اور کسی کے کلام میں اس کو

عــہ۱ ای المذکور اوکل منھما ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

یعنی مذکور یا ان دونوں میں سے ہر ایک ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

عــہ۲ ثم رأیت السید الشریف العلامۃ رحمہ اللہ تعالی سبقہ الیہ فی التعریفات کما سیاتی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)۔

پھر میں نے دیکھا کہ سید شریف نے التعریفات میں بھی یہی لکھا ہے، جیسا کہ آئے گا، ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــہ۳ وکذا تلمیذہ شیخ الاسلام الغزی فی المنح واقرہ علیہ ط فصار واسبعۃ

اور اسی طرح اُن کے شاگرد شیخ الاسلام غزی نے منح میں ذکر کیا اور اس کو ط نے برقرار رکھا تو یہ سات (باقی بر صفحہ آیندہ)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۴

والخادمی وذلك حین قول الدرر زوال اطلاقه اما بکمال الامتزاج اوبغلبة الممتزج	نہیں دیکھا اور انکی متابعت ش نے کی اسی طرح درر کے محشی عبدالحلیم اور خادمی نے کی، صاحبِ درر فرماتے ہیں اس کے اطلاق کازوال

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

السید والبحر والغزی وعبدالحلیم والخادمی و ط و ش رحمة اللّٰه تعالٰی علیهم وعلینا اجمعین قال علامة ط علی قول الدرر هومایتبادرعندالاطلاق ای یبدر للذهن فهمه بمجرد سماعه مطلقاوهو بمعنی قول المنح هو الباقی علی اوصاف خلقته ولم یخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ اھ ولفظ السید فی التعریفات هو الماء الذی بقی علی اصل خلقته ولم تخالطه نجاسة ولم یغلب علیه شیئ طاهر اھ۔

اقول: وهواحسن ممافی المنح بوجهین احدهما(۱)انه قیدالشیئ بالطاهرفلم یصرقوله لم تخالطه نجاسة مستدرکابخلاف عبارة المنح فان ماخالطه نجاسة فقدغلبه شیئ **والاٰخر** انه(۲)اتی بالاصل مکان الاوصاف فلا یردعلیه(۳)الجمد بخلاف المنح فان الماء بانجماده لایتغیر اللون ولا طعم ولا رائحة وهی المتبادرة من ذکرالاوصاف والمعتبر فی التعریف هو المتبادروظاهر انه لم یخالطه نجس ولا

ہوگئے، سید، بحر، غزی، عبدالحلیم، خادمی، ط اور ش رحمہم اللہ تعالٰی علیہم وعلینا اجمعین، علّامہ 'ط' نے درر کے قول پر فرمایا، وہ عندالاطلاق متبادر ہوتا ہے، یعنی ذہن کی طرف فہم سبقت کرتا ہے محض سننے سے مطلقًا، اور یہ منح کے قول "وہی باقی ہے اپنے خلقی اوصاف پر اور اس میں کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی شے غالب نہیں ہوئی ہے اھ کے مطابق ہے، اور سید کے لفظ التعریفات میں یہ ہیں یہ وہی پانی ہے جو اپنی اصلی خلقت پر باقی ہے اور اس کو کوئی نجاست نہیں ملی ہے اور اس پر کوئی پاک شے غالب نہیں ہوئی ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ منح کی عبارت سے دو طرح اچھا ہے ایک تو یہ کہ انہوں نے شیئ کو طاہر سے مقید کیا تو ان کا قول "نہیں ملی اس سے نجاست" زائد نہ ہوگا بخلاف عبارت منح کے، کیونکہ جس میں نجاست ملی تو بلاشبہ اس پر کوئی چیز غالب ہوگئی، اور دوسرے یہ کہ وہ اصل کو لائے بجائے اوصاف کے تو ان پر جمد کے ذریعہ اعتراض وارد نہ ہوگا بخلاف منح کے کہ پانی منجمد ہونے کے باعث نہ تو رنگ کو بدلتا ہے اور نہ مزے اور بو کو اور اوصاف کے ذکر سے متبادر یہی ہے اور تعریف میں متبادر ہی معتبر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی نجس (باقی اگلے صفحہ پر)

قالا علیه اورد علی الحصر الماء المستعمل واجاب الاول بان کلام المصنف فی زواله باختلاط المحسوس[1] اھ۔

یا تو کمالِ امتزاج سے ہوگا یا ممتزج کے غلبہ سے ہوگا، اس پر ان دونوں نے اعتراض کیا ہے کہ حصر اعتراض مستعمل پانی سے کیا گیا ہے، اور پہلے نے جواب دیا کہ مصنف کا کلام اُس کے زوال میں ہے کسی محسوس چیز کے اختلاط کی وجہ سے اھ (ت)

اقول: کیف(۱)وقد ذکرالمستقطرمن النبات والثانی بان المقسم الماء الطاھروالمستعمل کالنجس فلاغبار[2] اھ۔

میں کہتا ہوں یہ کیسے، حالانکہ انہوں نے گھاس سے ٹپکائے جانے والے کا ذکر کیا ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ مقسم پاک پانی ہے اور مستعمل نجس کی طرح ہے تو اس پر کوئی غبار نہیں اھ (ت)

اقول:(۲)قدعلمت ان کلام الائمة یؤذن بدخول المتنجس فی المطلق فضلا عن المستعمل وکذلك کلام اھل الضابطة قبل البحرحیث لم یزیلو الاطلاق الا بالامرین ثم رأیت فی کلام ملك العلماء مایدل علیه صریحا اذقال قدس سرہ اما شرائط ارکان الوضوء فمنھا ان یکون الوضوء بالماء ومنھا انیکون بالماء المطلق ومنھا ان یکون الماء

میں کہتا ہوں کہ ائمہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ناپاک مطلق میں داخل ہے چہ جائیکہ مستعمل، اور اسی طرح اہلِ ضابطہ کا کلام بحر سے پہلے، کیونکہ ان کے نزدیک اطلاق زوال صرف دو امروں سے ہے پھر میں نے ملک العلماء کے کلام میں اس کی صراحت پائی، وہ فرماتے ہیں بہر حال ارکانِ شرائطِ وضو، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وضو پانی سے ہو اور یہ کہ ماء مطلق سے ہو اور پانی پاک ہو تو نجس پانی سے جائز نہیں، ایک یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غلبه شیئ الا ان یعمم الاوصاف الرقة والسیلان ولوان السیداسقط قوله لم تخالطه نجاسة لم یخالطه نکارة وکان من احسن التعریفات الا مافی معنی الغلبة من الخفاء کما لایخفی ۱۲ منه غفرله۔(م)

اس سے ملا نہیں اور کوئی شیئ اس پر غالب نہ ہُوئی، ہاں اگر اوصاف کو عام کر لیا جائے اور رقت وسیلان کو اس میں شامل کرلیا جائے، اور اگر سید اپنا قول لم تخالطه نجاسة ساقط کردیتے تو ان پر کوئی اعتراض نہ ہوتا، اور یہ بہترین تعریف ہوتی، ہاں صرف غلبہ کے معنی میں کچھ پوشیدگی ہے، کما لایخفی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] حاشیۃ الدرر علی الغرر لعبد الحلیم بحث الماء مکتبہ عثمانیہ بیروت ۱/۱۸

[2] الحاشیۃ علی الدرر شرح الغرر لابی سعید الخادمی بحث الما مکتبہ عثمانیہ بیروت ص ۲۱

طاهرافلايجوز بالماء النجس ومنها ان يكون طهورا فلايجوز بالماء المستعمل [1] اھ ملتقطا فهو صريح فی ان اشتراط اطلاق الماء لم يخرجهما حتی احتيج الی شرطين اُخرين وكذلك كلام المنية اذيقول تجوزالطهارة بماء مطلق طاهر [2] اھ فافادعموم المطلق للطاهر وغيره واستدرك عليه فی الحلية بقوله كان الاولی ان يقول طهورمكان طاهرلان الطهارة لاتجوز بماء طاهر فقط [3] اھ فافاد عمومه المستعمل وقد صرح به فی الغنية فقال يسمی المتنجس ماء مطلقافاحتاج الی الاحترازعنه بقوله طاهرولوكانت المجاورة تكسبه تقييدالماء احتيج بعد ذكر الاطلاق الی ذكر الطاهرا [4] اھ واليه اشار فی البناية اذقال التوضی به جائز مادامت صفة الاطلاق باقية ولم تخالطه نجاسة [5] اھ **اقول:** ولعل الحامل للبحرعليه	کہ طہور ہو تو مستعمل پانی سے جائز نہیں اھ ملتقطا، تو یہ اس میں صراحت ہے کہ مطلق پانی کی شرط نے ان دونوں کو خارج نہیں کیا، تاکہ دو دوسری شرطوں کی حاجت پڑے، اور یہی گفتگو منیہ میں ہے وہ فرماتے ہیں ماءِ مطلق طاہر کے ساتھ طہارت جائز ہے اھ تو عموم مطلق نے طاہر اور غیر طاہر کا افادہ کیا اور حلیہ میں اس پر یہ استدراک کیا ہے، فرمایا بہتر یہ تھا کہ طہور کہتے بجائے طاہر کے، کیونکہ طہارت صرف طاہر پانی سے نہیں ہوتی ہے اھ تو انہوں نے اس کے مستعمل کو عام ہونے کا افادہ کیا اور غنیہ میں اس کی تصریح کی فرمایا ناپاک پانی کو مطلق پانی کہا جاتا ہے پھر ان کو اس سے احتراز کی حاجت ہوئی تو فرمایا طاہر ہو اور اگر مجاورۃ سے اس میں تقیید ہوجاتی تو اطلاق کے بعد طاہر کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی اھ اور بنایہ میں اسی طرف اشارہ کیا، فرمایا اس سے وضو جائز ہے جب تک اس میں صفت اطلاق باقی ہو اور اس میں نجاست نہ ملی ہو اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** غالبًا بحر کو یہ کہنے کی ضرورت اس لئے

[1] بدائع الصنائع ارکان الوضوء سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[2] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۶۱
[3] حلیہ
[4] غنیۃ المستملی فصل فی بیان احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۸
[5] بنایہ شرح ہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۷

قول بعضھم تجوزالطھارۃ بالماء المطلق ارسلہ ارسالا فلوشملھمااوھم جواز الطھارۃ بھماولیس بشیئ فان امثال القیود تطوی عادۃ للعلم بھا فی محلہ الاتری ان الاکثرین لم یقیدوا بالاطلاق ایضاانماقالوا تجوز بماء السماء والاودیۃ الخ	پڑی کہ بعض فقہاء نے فرمایا مطلق پانی سے طہارۃ جائز ہے، اس کو انھوں نے مطلق رکھا، تو اگر یہ ان دونوں کو شامل ہوتا تو ان دونوں سے طہارت کے جواز کا وہم ہوتا، اور یہ کچھ نہیں، کیونکہ قیود کی مثالیں عام طور پر ذکر نہیں کی جاتی ہیں کہ ان کا علم ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر فقہاء نے اس کو اطلاق کی قید سے بھی مقید نہیں کیا ہے پس فرمایا ہے طہارت جائز ہے آسمان کے پانی سے وادیوں کے پانی سے الخ۔ (ت)

دوازدھم: حلیہ وبحر کی قیدوں سے آزاد مطلق صرف وہ ہے کہ پانی کا نام لینے سے جس کی طرف ذہن جاتا ہے **ملک العلماء بدائع** میں فرماتے ہیں:

الماء المطلق ھو الذی تتسارع افھام الناس الیہ عند اطلاق اسم الماء کماء الانھار والعیون و الاٰبار والسماء والغدران والحیاض والبحار۔	مطلق پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوجائیں، جیسے نہروں، چشموں، کنوؤں، بادلوں، تالابوں، حوضوں اور دریاؤں کا پانی۔ (ت)

پھر فرمایا:

واما المقید فھو مالا تتسارع الیہ الافھام عند اطلاق اسم الماء وھو الماء الذی یستخرج من الاشیاء بالعلاج کماء الاشجار والثمار وماء الورد ونحو ذلک[1] اھ۔ **اقول:** والحصرالمستفادمن قولہ ھو الماء الذی یستخرج غیر مراد قطعاوانماالمعنی کالماء الذی فلیتنبہ۔	بہرحال مقید پانی وہ ہے کہ جب پانی کا نام لیا جائے تو ذہن اس کی طرف سبقت نہ کرے، اور یہ وہ پانی ہے جو کسی عمل کے ذریعہ چیزوں سے نکالا جائے جیسے درختوں، پھلوں اور گلاب وغیرہ کا پانی اھ۔ (ت) **میں کہتا ہوں** وہ حصر جو ان کے کلام "یہ وہ پانی ہے جو نکالا جائے" میں ہے، مراد نہیں ہے قطعًا، اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ مثل اُس پانی کے، تو متنبہ رہنا چاہئے۔ (ت)

درمختار میں ہے: (**یرفع الحدث بماء مطلق) ھومایتبادر عند الاطلاق**[2] (حدث کو رفع

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[2] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

کیا جائے مطلق پانی سے، یہ وہ ہے جو اطلاق کے وقت متبادر ہو۔ت) بحر سے گزرا: لانعنی بالمطلق الا مایتبادر عنداطلاق اسم الماء[1] (ہم مطلق سے وہی مراد لیتے ہیں جو ماء کااطلاق کرتے وقت متبادر ہوتا ہے۔ت) کافی وبنایہ ومجمع الانہر میں ہے: المرادبه ھھنامایسبق الی الافھام بمطلق قولناالماء[2] (اس سے مراد یہاں وہ ہے جو ہمارے قول پانی کے اطلاق سے فوری سمجھا جائے۔ت) عنایہ وبنایہ میں ہے:

لایجوز بما اعتصر لانه لیس بماء مطلق لانه عند اطلاق الماء لاینطلق علیه وتحقیق ذلك انالوفرضنا فی بیت انسان ماء بئراوبحراوعین وماء اعتصر من شجر اوثمر فقیل له ھات ماء لایسبق الی ذھن المخاطب الا الاول ولا نعنی بالمطلق والمقید الا ھذا[3]۔	جو پانی نچوڑا جائے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ مطلق پانی نہیں کیونکہ جب ماء کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ اگر ہم فرض کریں کہ کسی شخص کے گھر میں پانی کا کنواں ہے یا دریا چشمہ ہے اور وہ پانی بھی ہے جو درخت یا پھل سے نچوڑا گیا ہے، پھر ہم اس سے پانی مانگیں تو مخاطب کا ذہن پہلے پانی ہی کی طرف منتقل ہوگا، اور مطلق ومقید سے یہی مراد ہے۔(ت)

اقول: یہی اصح واحسن تعریفات ہے کماقال فی الحلیة لولا مازاد (جیسا کہ حلیہ میں کہا ہے اگر وہ نہ ہوتا توزیادتی نہ ہوتی۔ت) مگر محتاج توضیح وتنقیح ہے

واقول: (۱) وبالله التوفیق العوارض لاھی تفھم عندالاطلاق٭ ولاھی مطلقاتسلب الاطلاق٭ فان الذات ھی المفھومة من الاطلاق کمااذاقلت انسان لایتسارع الفھم منه الی الرومی والزنجی اوالعالم والجاھل اوالطویل والقصیر اوالحسین	**اقول:** وب اللہ التوفیق عوارض نہ تو عندالاطلاق مفہوم ہوتے ہیں اور نہ مطلقاً سلب ہوتے ہیں، کیونکہ عندالاطلاق ذات ہی مفہوم ہوتی ہے، جیسے آپ انسان کا لفظ بولتے ہیں تو ذہن رومی، حبشی، عالم، جاہل، لمبے، چھوٹے، حسین، بدشکل وغیرہ کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، مگر اس سے یہ بھی

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

[2] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مکتبہ عامرہ مصر ۱/۲۷

[3] العنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۱

والدمیم وامثال ذلك من العوارض ولا یلزم منه خروج ھؤلاء عن الانسان المطلق فان ذاتھم لیست الامافھم من لفظ الانسان ولم یعرضھم مایقعدھم عن الدخول فیماتتسارع الیه الافھام بسماع لفظ الانسان ولوان العوارض مطلقا تمنع الدخول لعدم انفھامھامن المطلق لما دخل تحته شیئ من افرادہ لان لکل فرد تشخصالایسبق الیه الذھن عند ذکر اسم المطلق فکان ھذا یقتضی التسویة بین مطلق الماء والماء المطلق لکن ثمه عوارض تمنع ذویھاعن الدخول تحت الشیئ المطلق ویقال فیھاان اسم المطلق لم یتناولھالکونھا ممالا تتسارع الیه الافھام کمقطوع الیدین والرجلین فی الرقبة فان المفھوم الذات الکاملة ونبیذ التمر وماء العصفر الصالح الصبغ فان اسم الماء المطلق لایطلق علیھماولایسبق الافھام عند اطلاقه الیھمامع ان اصحاب تلك العوارض ایضا لیست ذاتھاالامافھم من الاطلاق وعدم انفھام العوارض مشترك فی کل عارض فلابد من الفرق ولم ارمن حام حول ھذا۔

فاقول: علی مابی من قلة البضاعة*

لازم نہیں آتا کہ یہ لوگ مطلق انسان کے زمرے سے خارج ہیں، کیونکہ ان کی ذات وہی ہے جو لفظ انسان سے مفہوم ہے اور ان کو کوئی ایسا مانع درپیش نہیں کہ یہ لوگ اس مفہوم میں داخل نہ ہوں جو لفظ انسان سنتے ہیں ذہن میں آجاتا ہے، اور اگر عوارض مطلّقا دخول سے مانع ہوتے، کیونکہ یہ مطلق سے سمجھے نہیں جاتے ہیں تو مطلق کے تحت اس کے افراد میں سے کوئی شیئ داخل نہ ہوتی کیونکہ ہر ایک فرد کیلئے تشخص ہے جس کی طرف مطلق نام کے ذکر کرنے سے ذہن منتقل نہیں ہوتا ہے تو یہ تقاضا کرتا ہے کہ مطلق ماء اور ماء مطلق کے درمیان مساواۃ ہے لیکن وہاں ایسے عوارض موجود ہیں جو ان کے ذوات کو مطلق شی کے تحت داخل ہونے سے مانع ہیں، اور ان میں کہا جاتا ہے کہ مطلق اسم اُن کو شامل نہیں ہے کیونکہ ذہن ان کی طرف تیزی سے منتقل نہیں ہوتا ہے جیسے کہ رقبۃ میں مقطوع الیدین والرجلین، کیونکہ مفہوم ذات کاملہ ہے اور نبیذ تمر اور عُصفر کا پانی جو رنگائی کے لائق ہو کیونکہ ماءِ مطلق ان دونوں پر نہیں بولا جاتا ہے اور اطلاق کے وقت ذہن ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ان عوارض والے ان کی ذات نہیں ہیں، مگر وہ جو اطلاق کے وقت مفہوم ہو اور عوارض کا مفہوم نہ ہونا ہر عارض میں مشترک ہے، تو فرق ہونا ضروری ہے، مگر میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ فرق بتایا ہو۔ (ت)

پھر میں علمی بے بضاعتی کے باوجود **کہتا ہوں**

وقصور الصناعة* مستعینا بربی ثم بصاحب الشفاعة* صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم توضع الاسماء بازاء الحقائق وتمایز الحقائق بتفاوت المقاصد ولذا کان بعض الاوصاف تجری مجری الاجزاء کالاطراف فی الحیوان والاغصان فی الاشجار لان بفواتہا فوات منافع الذات والشیئ اذا خلا عن مقصودہ بطل فیتطرق بہ التغیر الی الذوات المدلول علیہا عرفا بالاسماء ومعلوم ان المرکب من الشیئ وغیرہ غیرہ ان العرف بل والشرع واللغۃ جمیعا تلاحظ الغلبۃ فاذا کان الممازج اکثر قدرا من الشیئ کان المرکب احق باسم الممازج من اسم الشیئ وان تساویا تساقطا فلم یکن المرکب مفہوما من اطلاق اسم شیئ منہما لان وضع الاسمین بازاء کل بحیالہ لا بازاء الکل مجموعا نعم ان کان اقل لم یعتبر الا ان تحدث بامتزاجہ حقیقۃ عرفیۃ مرکبۃ ممتازۃ مقصودۃ لمقاصد منحازۃ فیصیر المرکب ذاتا اخری عرفا لاختلاف المقاصد فلا یبقی داخلا تحت المفہوم عرفا من الاطلاق فثبت ان عـــہ المتفاہم	اسماء کی وضع حقائق کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور حقائق میں امتیاز مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے اور اس لئے بعض اوصاف اجزاء کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے حیوانات کے اعضاء اور درختوں کی ٹہنیاں کیونکہ ان چیزوں کے خاتمہ سے ذات کی منفعتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں، اور جب کسی چیز کا مقصود ہی فوت ہوجائے تو وہ چیز باطل ہوجاتی ہے اور اس طرح ذات بھی متغیر ہوجاتی ہے جس پر اسماء کے ذریعہ عرفاً دلالت کی جاتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ جو چیز کسی چیز اور اُس کے غیر سے مرکب ہوتی ہے وہ اس کا غیر ہوتی ہے، لیکن عرف، شریعت اور لغۃ سب ہی میں غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے تو جب ملنے والی چیز اصلی شَے سے مقدار میں زیادہ ہو تو مرکب پر وہ نام پڑنا چاہئے جو اس ملنے والی اکثر شَے کا ہے نہ کہ اصل شے کا اور اگر دونوں میں برابری ہو تو تساقط ہوگا تو ان میں سے جب کسی شَے کا اطلاق ہوگا تو مرکب مفہوم نہ ہوگا کیونکہ نام تو ہر ایک کے مقابل مستقلاً ہے، مجموعہ کے مقابل نہیں، ہاں اگر وہ کم ہو تو معتبر نہ ہوگا ہاں اگر اس کے ملنے سے ایک نئی حقیقت عرفیہ وجود میں آجائے جو مرکب اور ممتاز ہو، اور خاص مقاصد کیلئے ہو تو مرکب عرفاً ایک نئی ذات ہوگا، اس لئے کہ مقاصد مختلف ہوگئے، تو وہ اطلاق سے عرفاً مفہوم کے تحت داخل نہ ہوگا، پس ثابت ہوا کہ لفظ کے اطلاق

عـــہ اقول وبھذا (۱) وللہ الحمد ظھر

میں کہتا ہوں اس سے فقہائے کے اس قول کے معنی (باقی بر صفحہ آئندہ)

من اطلاق اللفظ ھی الذات الموضوع لھامن دون نقص ولازیادۃ یغیرانھافکل عارض لایعتری بھاالمعروض تغیر فی ذاتہ وان کان ھناك نقص اوزیادۃ فی امرخارج فھو لایمنع المعروض من الدخول تحت الشیئ المطلق والامنع وبہ علم ان بطلان	سے وہی ذات مراد ہوتی ہے جس کے لئے لفظ وضع کیا گیا ہو،اس میں نہ تو کوئی کمی نہ زیادتی،جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر آتا ہو،توہر وہ عارض جس کی وجہ سے ذات میں کوئی تغیر نہ ہو خواہ کسی خارجی امر میں کمی بیشی ہو تو یہ چیز معروض کے مطلق شیئ کے تحت آنے میں منخل نہ ہوگی ورنہ مانع ہوگی۔اسی سے یہ بھی معلوم ہوا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

معنی قولھم المطلق ینصرف الی الفرد الکامل وقولھم المطلق ینصرف الی الادنی وتبین انہ لاخلاف بینھما فالمطلق ینصرف فی الطلب الی ادنی مایطلق علیہ سواء کان مطلوب الفعل اذیکفی لبراءۃ الذمۃ اوالترك اذ الممنوع جنسہ فلایجوز شیئ منہ لکن ینصرف الی فرد کامل فی الذات لم یعرضہ مایجعلہ ناقصافی ذاتہ بالمعنی المذکور لعدم انفھامہ ح من المطلق فالمنصرف الیہ ادنی ما کمل فیہ الذات ھذا ھو التحقیق الانیق اماما قال الشامی ان انصراف المطلق الی الفرد الکامل یذکر فی مقام الاعتذار فمحلہ اذاحمل المطلق علی کامل فی وصف اٰخر وراء الکمال فی الذات اتقنہ فانہ علم نفیس وباللہ التوفیق ۱۲منہ غفرلہ حفظہ ربہ تعالٰی۔(م)

واضح ہوگئے کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے،نیز یہ کہ مطلق کو ادنٰی کی طرف پھیرا جاتا ہے اور یہ کہ دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں،کیونکہ طلب میں مطلق سے ادنٰی مراد ہوتا ہے،عام ازیں کہ مطلوب فعل ہو کہ وہ برات ذمہ کیلئے کافی ہوتا ہے یاترک ہو کر ممنوع اس کی جنس ہوتی ہے تواس میں سے کچھ بھی جائز نہیں ہوتا ہے لیکن فرد کامل فی الذات مراد ہوتا ہے،اس میں کوئی چیز ایسی نہ ہونی چاہئے جو اس کی ذات میں مذکور معنی کے اعتبار سے موجب نقص ہو کیونکہ اس صورت میں وہ مطلق سے مفہوم نہ ہوگا،توجس کی طرف پھیرا جاتا ہے وہ ادنٰی ہے اس چیز کا جس میں ذات مکمل ہوئی ہو یہ تحقیق انیق ہے،اور شامی نے جو کہا ہے کہ مطلق کا فرد کامل کی طرف پھرنا مقامِ اعتذار میں ذکر کیا جائیگا تو اس کا محل یہ ہے کہ مطلق جب کسی ایسے امر پر محمول ہو جو کسی دوسرے وصف میں کامل ہو ذات کے علاوہ۔اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ یہ نفیس علم ہے ۱۲منہ غفرلہ حفظہ رب تعالٰی۔(ت)

الحقیقة فی المرکب مع المساوی والغالب لغة وعرفاوشرعامطلقاومع القلیل المذکورعرفامع بقاء الحقیقة اللغویة ولذا کان المقید قسما من مطلق الماء وفی جهة النقص قدتبطل مطلقااذاکان ذلك الوصف جاریامجری الرکن فی الوضع اللغوی ایضاکالسیلان للماء وقد تبقی لغة وتبطل عرفاعنی عن المتفاهم العرفی عند اطلاق الاسم وذلك اذا تبدلت المقاصد العرفیة کالرقبة علی الاقطع فانها حقیقة فیه لغة ولایفهم منهاعرفااذاعلمت هذا فالنقص فی الماء بزوال سیلانه اورقته فالثخین لایسمی ماء فضلا عن الجمد والزیادة باختلاطه باکثر منه قدرااومساواوبمایصیر به مرکباممتازا منحازابالغرض کالمنقوع فیهالتمراذاصارنبیذا والمطبوخ فیه اللحم اذاصارمرقا والمحلول فیه الزعفران اذاصار صبغاوالمخلوط فیه اللبن اذاصارضیاحافعن هذا تتشعب(ا)الفروع جمیعاعلی مذهب قاضی الشرق والغرب الصحیح المصحح کما تقدم عن الهدایة والخانیة ولاشك ان فی هذه الوجوه الاربعة تبدل الذات حقیقة اوعرفاومحمد زادخامساوهوماشبه المائع الممازج له بحیث یکاد یحسبه الذی

کہ حقیقت کا مرکب میں باطل ہونا مساوی اور غالب کے ساتھ ہے لغۃً، عرفاً اور شرعاً، مطلقاً، اور قلیل مذکور کے ساتھ عرفا مع حقیقت لغویہ کے باقی رہنے کے اس لئے مقید، مطلق ماء کی قسم ہوتا ہے، اور نقص کی جہت میں کبھی حقیقۃ مطلقاً باطل ہوجاتی ہے جبکہ وصف وضع لغوی اعتبار سے بھی رکن کے قائم مقام ہو جیسے پانی کیلئے سیلان، اور کبھی حقیقۃ لغۃً تو باقی رہتی ہے اور عرفاً باطل ہوجاتی ہے، یعنی نام کو بولے جانے کے وقت عرف کے فہم میں نہیں آتی، اور یہ اُسی وقت ہوتا ہے جب مقاصد عرفیہ بدل جائیں جیسے "رقبۃ" اقطع پر کیونکہ یہ اس میں حقیقۃ ہے لغۃً لیکن عرفا اس سے نہیں سمجھا جاتا ہے۔ جب آپ نے یہ جان لیا تو پانی میں نقص کی صورت یہ ہوگی کہ اس کا سیلان یا اس کی رقت ختم ہوجائے تو گاڑھے کو پانی نہیں کہیں گے چہ جائیکہ جمد کو، اور اس میں زیادتی کی صورت یہ ہوگی کہ وہ کسی ایسی چیز میں مخلوط ہوجائے جو مقدار میں اُس سے زیادہ یا اس کے برابر ہو یا اُس چیز سے جس سے مرکب ہو کر وہ ممتاز ہوجائے اور مقصد کے اعتبار سے بالکل مختلف ہوجائے، جیسے وہ پانی جس میں کھجوریں بھگوئی جائیں تو وہ نبیذ بن جائے، اور جس میں گوشت پکایا جائے اور وہ شوربہ ہوجائے، اور جس میں زعفران ملایا جائے اور وہ رنگ بن جائے اور جس کو دودھ میں ملایا جائے یہاں تک کہ وہ لسّی ہوجائے، اسی اصل پر قاضی شرق وغرب کے مذہب پر تمام فروع متفرع ہوتی ہیں، جیسا کہ ہدایہ اور خانیہ سے گزرا، اور اس میں شک

لایعلم حاله ذلك المائع ویظن انه لیس بماء فمثل هذالایدخل عنده فی المتفاهم من مطلق الماء فمناط المنع عند ابی یوسف صیر ورته غیر الماء ولوظنا وبالجملة یرتاب فی کونه ماء وعلیه بناء ضابطة الامامین الاسبیجابی وملك العلماء رحمهما الله تعالٰی وهی التی قابلناها بالضابطة الزیلعیة وبینا فی القسمین الاولین ماتفقتا فیه علی الجواز اوالمنع وفی الثالث مااختلفتا فیه وسیاتی بیان کل ذلك ان شاء الله الکریم الوهاب۔

فان قلت: علی ماقررت یلزم خروج الماء المتنجس والمستعمل من الماء المطلق فان من اعظم مقاصد الماء حصول التطهیر به قال الله تعالٰی وینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم به وقد سقط هذا منهما فیزاد فی جانب النقص علی زوال السیلان والرقة زوال صفة الطهوریة

اقول:(۱)الحقائق الشرعیة للمقاصد الشرعیة فبفواتها تفوت کالصوم والصلاۃ اما الماء

نہیں کہ ان چاروں صورتوں میں ذات حقیقۃ یا عرفاً تبدیل ہوجاتی ہے، اور امام محمد نے ایک پانچویں صورت کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ، وہ پانی ہے جو اس سیال شَے سے مشابہ ہو جو اس میں ملائی گئی ہے، اور وہ ایسا ہوجائے کہ ناواقف حال اس کو وہی شیئ سمجھے پانی نہ سمجھے، اس قسم کی چیز ان کے نزدیک مطلق ماء کے مفہوم میں داخل نہیں، تو ابویوسف کے نزدیک منع کا دارومدار اس پر ہے کہ وہ پانی کا غیر ہوجائے خواہ عرفاً ہی۔ اور امام محمد کے نزدیک اس پر ہے کہ اس کو استعمال کرنے والا پانی کے علاوہ کوئی اور مائع سمجھنے لگے خواہ صرف گمان ہی ہو۔ خلاصہ یہ کہ وہ اس کے پانی ہونے میں شک کرے، اور اسی پر ضابطہ مبنی ہے، یہ ضابطہ امام اسبیجابی اور ملک العلماء نے بیان کیا ہے، یہی وہی ضابطہ ہے جس کا مقابلہ ہم نے ضابطہ زیلعیہ سے کیا ہے اور پہلی دو قسموں میں بیان کیا ہے کہ ان کا اتفاق جواز اور منع میں ہے اور تیسرے میں وہ جس میں ان کا اختلاف ہے اس کا بیان اِن شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔ **اگر یہ اعتراض کیا جائے** کہ اس بنا پر ناپاک اور مستعمل پانی کا ماء مطلق سے خارج ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ پانی کا سب سے بڑا مقصد پاکی کا حصول ہے فرمانِ الٰہی ہے "وہ تم پر آسمان سے پانی نازل فرماتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاک کرے" اور یہ وصف اُن دونوں پانیوں سے ختم ہوگیا، تو جانب نقص میں زوالِ سیلان ورقت پر صفتِ طہوریۃ کے زوال کا اضافہ کیا جائیگا۔ میں کہتا ہوں حقائقِ شرعیہ مقاصد شرعیہ کیلئے ہوتے ہیں، توجب مقاصد شرعیہ فوت ہوجائیں

فحقیقة عینیة والمعتبر فی بقائها المقاصد العرفیة الاتری ان اعظم المقصود من الانسان العبادة قال تعالٰی وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون وقد فاتت الکافر اذلیس اھلالھا ومع ذلك لم یخرج من المتفاھم باطلاق الانسان قال تعالٰی ان الانسان لفی خسر الاالذین اٰمنو اوقال تعالٰی قتل الانسان مااکفرہ۔	توحقائق بھی فوت ہوجاتے ہیں، جیساکہ روزہ اور نماز اور پانی حقیقۃً عینیہ ہے اور اسی کی بقاء میں مقاصد عرفیہ ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ انسان کا بڑا مقصود عبادت ہے فرمانِ الٰہی ہے "اور میں نے انس وجن کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا ہے" اور یہ چیزیں کافر میں نہیں پائی جاتی ہیں کیونکہ وہ عبادت کا اہل نہیں، اس کے باوجود جب لفظ انسان کا اطلاق کیا جاتا ہے تو مفہوم انسان سے خارج نہیں ہوتا ہے فرمانِ الٰہی ہے "بلاشبہ انسان خسارے میں ہے سوائے ایمان والوں کے"۔ فرمانِ الٰہی ہے "لعنت ہو انسان پر کتنا ناشکرا ہے۔ (ت)

بالجملہ تحقیق (۱) فقیر غفرلہ، میں مائے مطلق کی تعریف عـــہ یہ ہے کہ وہ پانی کہ اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہے اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط وممتزج نہیں جو اُس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہے نہ ایسی جو اُس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جُدا مقصد کے لئے کہلائے ان تمام مباحث بلالکہ فہیم کیلئے جملہ فروع مذکورہ وغیر مذکورہ کو ان دوبیت میں منضبط کریں۔

مطلق آبے ست کہ بروقتِ طبعی خود ست　　نہ درومزج دگر چیز مساوی یا بیش
نہ بخلطے کہ بترکیب کُند چیز دگر　　کہ بود زآب جُدا در لقب ومقصد خویش

عـــہ: منح وسید کی تعریفیں کہ حاشیہ پر گزریں ۱۳ و ۱۴ تھیں اور یہ تعریف رضوی بحمدہ تعالٰی **پانزدھم**

ثم وجدت عن المجتبی تعریفاًاٰخر ذکرہ عنه فی انجاس البحران الماء المقید مااستخرج بعلاج کماء الصابون والحرض والزعفران والاشجار والاثمار والباقلاء اھ فالمطلق خلافه **اقول**: (۲) لیس بشیئ ویوافقه اول الاقوال الاٰتیة فی الاضافات وسیاتی ردہ ثمه ۱۲ منه غفرله۔ (م)	پھر میں نے مجتبٰی سے ایک اور تعریف بحر کے انجاس میں دیکھی کہ مقید پانی وہ ہے جو کسی عمل کے ذریعہ نکالا جائے، جیسے صابون کا پانی اور حرض، زعفران، درختوں، پھلوں اور باقلی کا پانی اھ اور مطلق اس کے خلاف ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ بھی نہیں، اس کی موافقت اضافات میں وارد شدہ پہلے قول سے ہوتی ہے، اس کی تردید وہاں ہوگی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وبا للہ التوفیق* ولہ الحمد علی اراءۃ الطریق* وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی الحبیب الرفیق* واٰلہ وصحبہ اولی التحقیق وسائر من دانہ بالایمان والتصدیق* اٰمین* والحمد للہ رب العٰلمین۔

اضافات(۱) بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شَے کی طرف مضاف کرکے بولا جاتا ہے اُن میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاق آب محض بطور تشبیہ جیسے آبِ زر آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں آب دریا اور کچھ مائے مقید جیسے ماء العسل ماء الشعیر اول کو اضافت تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علماء نے ان میں چند طرح فرق فرمایا:

اوّل جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اُس کی طرف پانی کی اضافتِ تقیید ہوگی ورنہ اضافتِ تعریف، عنایہ وبنایہ میں ہے:

اضافتہ الی الزعفران للتعریف لاللتقیید الفرق بینھماان المضاف ان لم یکن خارجا عن المضاف الیہ بالعلاج فالاضافۃ للتعریف وانکان خارجامنہ فللتقیید کماء الورد [1] اھ **اقول:** ان(۲)کان المراد حدوثہ بالتدبیر کما ھو فی ماء الوردو سائر المستقطرات ورد ماء النارجیل وماء الجبحب وماء النخل الھندی المسمی تارفانھاموجودۃ وانما التدبیر لاخراجھاکالفصد لاخراج الدم وان ارید ظھورہ بہ فان لم یرد ماء البئر لان ظھورہ من الارض بالتدبیر بحفر البئر لامن المضاف الیہ ورد ماء العسل فان الماء	پانی کی اضافت زعفران کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کیلئے، اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر مضاف، مضاف الیہ سے عمل کے ذریعہ نہ نکالا گیا ہو تو اضافت تعریف کیلئے ہے اور اگر تدبیر سے خارج ہو تو تقید کیلئے ہے جیسے گلاب کا پانی اھ میں کہتا ہوں اگر ان کی مراد اس کا حدوث ہے تدبیر سے جیسے گلاب کے پانی میں یا دوسرے اُن پانیوں میں ہے جو نچوڑ کر نکالے جاتے ہیں تو ناریل کا پانی، تربوز کا پانی، تاڑی کا پانی، اس کے علاوہ ہیں کہ یہ پانی سے ہی موجود ہوتے ہیں تدبیر صرف ان کے نکالنے کیلئے کی جاتی ہے جیسے خون نکالنے کیلئے فصد کھلوائی جاتی ہے، اور اگر یہ مراد ہو کہ اس کا اس کے ذریعہ ظہور ہو، پس اگر کنویں کے پانی سے اعتراض نہ ہو کہ اس کا ظہور بھی زمین کے کھودے

[1] العنایۃ مع الفتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۶۳/۱

فان الماء ظاهر بنفسه انماالتدبیر فی امتزاجه طبخابالعسل فانارید عـه ماء العسل من حیث هو ماء العسل فحدوثه بالتدبیر لامجرد ظهوره۔	سے ہوتا ہے مضاف الیہ سے نہیں ہوتا تو شہد کے پانی کے ذریعہ اعتراض وارد ہوگا، کیونکہ پانی بنفسہ ظاہر ہے تدبیر تواس کو شہد میں ملا کر پکانے سے ہوتی ہے اور اگر شہد کا پانی من حیث ھو مراد ہو تواس کا حدوث تدبیر سے ہوگا نہ کہ محض ظہور سے۔(ت)

دوم جہاں ماہیت مضاف کامل ہو اضافت تعریف کیلئے ہے جیسے نماز فجر اور قاصر ہو تو تقیید کیلئے جیسے نمازِ جنازہ کہ رکوع وسجود وقراءت وقعود نہیں رکھتی، کفایہ ومجمع الانہر میں ہے:

علامة اضافة التقیید قصور الماهیة فی المضاف کأن قصورها قیده کیلا یدخل تحت المطلق مثاله(۱)حلف لا یصلی فصلی الظهر یحنث لانهاصلاة مطلقة واضافتها الی الظهر التعریف ولایحنث بصلاة الجنازة لانها لیست بصلاة مطلقة واضافتها الیها للتقیید [1]۔	تقیید کی اضافت کی علامت مضاف میں ماہیۃ کا ناقص ہونا ہے، گویا اس کا ناقص ہونا اس کی قید ہے تاکہ مطلق کے تحت داخل نہ ہو، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے حلف اٹھایا کہ وہ نماز نہ پڑھے گا پھر اس نے ظہر کی نماز پڑھی تو حانث ہوجائیگا کہ وہ مطلق نماز ہے اور اس کی اضافت ظہر کی طرف تعریف کیلئے ہے اور نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا کیونکہ وہ مطلق نماز نہیں ہے اور اس کی اضافت جنازہ کی طرف تقیید کیلئے ہے۔(ت)

اسی طرح شلبیہ علی الزیلعی میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے نیز اُسی میں مشکلات امام خواہر زادہ

عـــه: هذا هو مفاد کلام الامام العینی اذجعل ماء الباقلی خارجا بالتدبیر والا فالماء لاحدث به ولاظهر بل کان موجودا ظاهرا من قبل انما حدث الممزوج من حیث هو ممزوج فتعین فی کلامه الشق الاول ۱۲ منه غفرله۔(م)	یہ عینی کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے، انہوں نے باقلی کے پانی کو تدبیر سے خارج ہونے والا پانی قرار دیا ہے ورنہ تو پانی میں نہ کوئی حدوث ہے اور ظہور، بلالکہ وہ موجود وظاہر پہلے تھا البتہ ممزوج من حیث الممزوج بعد میں پیدا ہوا، توان کے کلام میں شق اول متعین ہوگئی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] شلبیہ علی التبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

سے ہے:

کل ماکانت الماھیة فیه کاملة فالاضافة فیه للتعریف وماکانت ناقصة فالاضافة للتقیید نظیر الاول ماء السماء وماء البحر وصلاة الکسوف ونظیر الثانی ماء الباقلاء وصلاة الجنازة[1] اھ **اقول**: (۱) قصور الماھیة انما ھو فی ماء الباقلا ونحوہ عما ثخن وزالت رقته امافی المتغیر بالزیادة کالانبذة والمذق فتبدلت لانقصت الا ان یراد بالقصور والنقص مایعم الانتفاء مجازا (۲) تقول العرب قل ای عدم کما فی نسیم الریاض۔	ہر وہ چیز جس میں ماہیت کامل ہو تو اس میں اضافت تعریف کیلئے ہے اور جس میں ماہیت ناقص ہو تو اس میں اضافت تقیید کیلئے ہے پہلے کی نظیر ماء السماء اور ماء البحر اور صلوٰۃ الکسوف ہے اور دوسری کی مثال ماء الباقلی اور صلاۃ الجنازہ ہے اھ **میں کہتا ہوں** ماہیت کا ناقص ہونا ماء الباقلی میں ہے یا اس قسم کے اور پانیوں میں جو گاڑھے پڑ گئے ہوں اور اُن میں سے رقت ختم ہوگئی ہو لیکن وہ پانی جو کسی زیادتی کے باعث متغیر ہوگئے ہوں جیسے نبیذ ومذق تو یہ تبدیل ہوئے ہیں کم نہیں ہوئے۔ہاں اگر قصور و نقص سے مراد وہ ہو جو انتفاء کو عام ہو مجازاً، عرب کے لوگ کہتے ہیں قَلَّ یعنی معدوم ہوگیا، نسیم الریاض میں ایسا ہی ہے۔(ت)

سوم: جسے بے حاجت ذکر قید پانی کہہ سکیں وہاں اضافت تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکر قید ضروری ہو تقیید کی، مراقی الفلاح میں ہے:

الفرق بین الاضافتین صحة اطلاق الماء علی الاول دون الثانی اذلا یصح ان یقال لماء الورد ھذا ماء من غیر قید بالورد بخلاف ماء البئر لصحة اطلاقه فیه۔[2]	دونوں اضافتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی پر پانی کا اطلاق صحیح ہے دوسری پر نہیں ہے کیونکہ گلاب کے پانی کو ھٰذا ماءٌ کہنا صحیح نہیں، اس میں وردٌ کی قید لگانا ضروری ہے، ہاں کنویں کے پانی کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں۔(ت)

بحر میں ہے:

ماء البحر الاضافة فیه للتعریف بخلاف الماء المقید فان القید لازم له لایجوز	ماء البحر اس میں اضافت تعریف کے لئے ہے بخلاف مقید پانی کے، کیونکہ قید اس کو لازم ہے

---

[1] شلبیة علی التبیین الحقائق کتاب الطھارۃ مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۲۱/۱

[2] مراقی الفلاح کتاب الطھارۃ مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ص ۱۳

اطلاق الماء علیه بدون القید کماء الورد [1] اھ **اقول:** ھذا ھو السابع فی تعریفات المطلق والکلام الکلام فیقال ماء الورد لیس ماء حقیقة فعلی التحقیق لیس من المقید اما المقید کماء الزعفران الصالح للصبغ فماء قطعا ویصح ان یقال ھذا ماء لان صحة حمل المقسم علی القسم من الضروریات نعم لایفھم من اطلاق قولنا الماء وھذا شیئ غیر الحمل ولایصح ارادة حمل الماء المطلق فیرجع الی ان المقید یحمل علیه الماء المطلق مع ذکر القید وھذا جمع بین النقیضین والجواب مامر۔	اس پر پانی کا اطلاق بلاذکر قید جائز نہیں جیسے گلاب کا پانی اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** یہ مطلق کی ساتویں تعریف ہے اور اس پر وہی گفتگو ہے جو گزری، کہا جاتا ہے گلاب کا پانی، حالانکہ درحقیقت یہ پانی نہیں ہے تو تحقیقی طور پر یہ مقید نہیں مقید جیسے ماء الزعفران جو رنگنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ قطعًا پانی ہے اور اس کو ھذا ماءٌ کہہ سکتے ہیں کیونکہ مقسم کا قسم پر محمول ہونا بدیہیات میں سے ہے، ہاں جب ہم الماء اور ھذا کہتے ہیں تو اس سے سوائے حمل کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور ماء مطلق کے حمل کا ارادہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مقید پر الماء المطلق محمول ہوگا اور قید بھی ذکر کی جائے گی اور یہ جمع بین النقیضین ہے اور جواب وہ ہے جو گزرا۔(ت)

چہارم جس سے پانی کی نفی کرسکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں وہاں اضافت تقیید کی ہے ورنہ تعریف کی، تبیین میں ہے:

اضافته الی الزعفران ونحوہ للتعریف کاضافته الی البئر بخلاف ماء البطیخ ونحوہ حیث تکون اضافته للتقیید ولھذا ینفی اسم الماء عنه ولایجوز نفیه عن الاول [2] اھ **اقول:** ھذا ھو ثامن تعریفات المطلق	اس کی اضافت زعفران وغیرہ کی طرف تعریف کیلئے ہے جیسے پانی کی اضافت کنویں کی طرف، بخلاف ماء البطیخ وغیرہ کے، وہاں اضافت تقیید کیلئے ہے، اس لئے پانی کا نام اُس سے منفی کیا جاتا ہے اور اس کی نفی اول سے جائز نہیں اھ(ت) **میں کہتا ہوں** یہ مطلق کی آٹھویں تعریف ہے

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶
[2] تبیین الحقائق کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۱

والبحث البحث فيقال ان القسم لايصح نفى المقسم عنه حقيقة ابداوان اريد نفى الماء المطلق مع بعده عن ظاهر العبارة يرجع الى ان اضافة التقييد فى الماء المقيد وهذا لايجدى شبه الحمل الاولى والجواب مامر۔	اور اس میں جو بحث ہے وہ بحث ہے اس میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ قسم سے مقسم کی نفی صحیح نہیں حقیقۃً، اور اگر ماءِ مطلق کی نفی کا ارادہ کیا جائے، حالانکہ بظاہر عبارۃ سے یہ بعید ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اضافتِ تقیید ماءِ مقید میں ہے، اور یہ پہلے حمل کی طرح غیر مفید ہے اور جواب وہ ہے جو گزرا۔ (ت)

پنجم: جہاں امور خارجہ عن الذات مثل محل یا صفت یا مجاور کی طرف اضافت ہو تعریف ذات اُس کی محتاج نہ ہو وہ اضافت تعریف ہے غنیہ میں ہے:

مايسمى فى العرف ماء من غير احتياج الى التقييد فى تعريف ذاته فاضافته الى محل كماء البئر اوصفته كماء المد ا ومجاوره كماء الزعفران ليست بقيد[1]۔	وہ جس کو عرف میں پانی کہا جاتا ہے جس کی ذات کی تعریف میں تقیید کی ضرورت نہیں، تو اس کی اضافت اس کے محل کی طرف ہے جیسے ماء البئر یا اس کی صفت کی طرف ہے جیسے ماء المد یا اس کے مجاور کی طرف ہے جیسے ماء الزعفران یہ قید نہیں ہے۔ (ت)

ششم: جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافت تقیید ہے ولہذا اُس پر بلاقید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکر قید اطلاق لفظ صحیح ہو اضافت تعریف ہے، حلیہ میں ہے:

المقيد لاتعرف ذاته الابالقيد ولهذا كانت الاضافة لازمة فلايسوغ تسميته ماء على الاطلاق بخلاف اضافة الماء المطلق الى نحو البئر والعين فانها اضافة الى مامنه بدفهى عارضة لافادة عارض من عوارضه وهو بيان محله الكائن فيه اوالخارج منه الذى يمكن الاستغناء عن ذكره فى صحة اطلاق لفظ الماء عليه و	مقید کی ذات کی معرفت بلاقید نہیں ہوتی ہے اس لئے اضافت لازم ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کو مطلق پانی کہنا جائز نہیں بخلاف ماء مطلق کی اضافت کے کنویں اور چشمے کی طرف، کیونکہ یہ ایسی چیز کی طرف اضافت ہے جو ضروری نہیں، تو یہ عارضی ہے، کیونکہ یہ اُس کے عوارض میں سے کسی ایک عرض کا فائدہ دے رہی ہے، اور یہ اس کے محل کا بیان ہے جس میں کہ وہ ہے یا جس سے وہ خارج ہو کہ اس کے ذکر سے استغنا ممکن

[1] غنیۃ المستملی، فصل فی بیان احکام المیاہ، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۸۸

لهذا ساغ ان يطلق القائل عليه ماء اطلاقا حيقيقيا من غير تقييد بالبئر ونحوها وقد ظهر من هذا التقييد انه لم يمنع اندراج المقيد به تحت الماء المطلق بخلاف الاول[1] اھ۔	ہو اور اس پر صرف ماء کا اطلاق صحیح ہو، اس لئے اس پر ماء کا اطلاق حقیقی بئر وغیرہ کی قید کے بغیر بھی جائز ہے، اس تقیید سے ظاہر ہوا کہ جو اس قید کے ساتھ مقید ہو اس کا ماءِ مطلق میں داخل ہونا ممنوع نہیں بخلاف اول کے اھ (ت)
اقول: اقتصر لغنية على الثانی من تعريفات المطلق وجمع الحلية بينه وبين السابع فمشى على الثانی فی تحديد اضافة التقييد وعلى السابع فی تعريف اضافة التعريف ولا غزو فالامر قريب۔	**میں کہتا ہوں** غنیہ نے مطلق کی دوسری تعریف پر اکتفا کیا ہے اور حلیہ نے اس کو اور ساتویں کو جمع کیا ہے، اور اضافتِ تقیید کی تعریف میں انہوں نے دوسری کو ملحوظ رکھا ہے اور اضافتِ تعریف میں ساتویں کو، مگر یہ قریب قریب درست ہے۔ (ت)

ہفتم عـہ جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔ شلبیہ علی الزیلعی میں امام حافظ الدین کی مستصفٰی سے ہے:

فان قيل مثل هذه الاضافة يعنى ماء الباقلاء واشباهه موجود فيما ذكرت من المياه المطلقة لانه يقال ماء الوادی وماء العين قلنا اضافته الى الوادی والعين اضافة تعريف لاتقييد لانه تتعرف ماهيته	اگر کہا جائے کہ اس جیسی اضافت یعنی ماء الباقلی وغیرہ کی مذکورہ مطلق پانیوں میں بھی موجود ہے، اس لئے کہ ماء الوادی اور ماء العین کہا جاتا ہے، ہم کہتے ہیں پانی کی اضافت وادی اور عین کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کیلئے، کیونکہ ان کی ماہیت کو

عـہ **اقول:** هذه سبع عبارات الثلاث الأخرى منها متقاربة المعنى بل متحدة المآل مختلفة المبنى والثالثة والرابعة تعريفان بما يستلزم هذا المعنى والنقص و القصور فی الاوليين والله تعالٰى اعلم ۱۲ منه غفرله۔ (م)	**میں کہتا ہوں** یہ سات عبارتیں ہیں ان میں سے آخری تین معنوی اعتبار سے قریب ہیں بلکہ انجام کے اعتبار سے متحد ہیں، عبارت میں مختلف ہیں، تیسری اور چوتھی تعریفیں اُس چیز کے ساتھ ہیں جو اس معنی کو مستلزم ہیں، اور نقص و قصور پہلی دو تعریفوں میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] حلیہ

بدون هذه الاضافة وتفهم بمطلق قولنا الماء بخلاف ماء الباقلاء واشباهه فانه لاتتعرف ماهيته بدون ذلك القيد ولاينصرف الوهم اليه عند الاطلاق ولهذا صح نفى اسم الماء عنه فيقال فلان لم يشرب الماء وان كان شرب الباقلاء اوالمرق ولوكان ماء حقيقة لماصح نفيه لان الحقيقة لاتسقط عن المسمى ابدا ويكذب نافيها وهذا كمايقال صلاة الجمعة ولحم الابل وصلاة الجنازة(ا) ولحم السمك[1] اھ وقد ذكر نحوه فى كافيه وجلال الدين فى كفايته والبدر محمود فى بنايته **اقول:** جمع بين الثانى والثانى عشر بل والثامن ارشادا الى تقاربها ولو اكتفى بالوسط عـــه لكفى وصفا عن

اس قید کے بغیر بھی سمجھا جاسکتا ہے اور مطلق لفظ ماء سے سمجھ میں آجاتے ہیں بخلاف باقلی وغیرہ کے پانیوں کے، کیونکہ ان کی ماہیت اس قید کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی ہے اور جب مطلق لفظ ماء بولا جاتا ہے تو ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، اس لئے پانی کے لفظ کی نفی ان پانیوں سے درست ہے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ فلاں نے پانی نہیں پیا، اگرچہ اس نے شوربہ یا باقلی کا پانی پیا ہو، اور اگر یہ حقیقۃ پانی ہوتے تو یہ نفی صحیح نہ ہوتی۔ کیونکہ حقیقت کبھی اپنے مسمّٰی سے ساقط نہیں ہوتی ہے اور جو شخص اس کی نفی کرے اس کی تکذیب کی جاتی ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ صلٰوۃ الجمعۃ، لحم الابل، صلاۃ الجنازۃ اور لحم السمك کہا جاتا ہے اھ اسی قسم کی چیز انہوں نے اپنی کافی میں ذکر کی اور جلال الدین نے کفایہ

عـــه: ثم رأيت الامام العينى كذلك فعل فى البناية اذقال الاضافة نوعان اضافة تعريف كغلام زيد وانه لايغير المسمى واضافة تقييد كماء العنب وانه يغيره وانه لايفهم من مطلق اسم الماء اھ **اقول:** استدلال انى والمراد بماء العنب مانقع فيه العنب لانه الماء المقيد لامايخرج بعصره فانه ليس من الماء اصلا كما قدمنا فى حاشيته ٢٠٧ خلافا

اقول: پھر امام عینی نے بنایہ میں ایسا ہی کیا ہے فرمایا اضافت کی دو قسمیں ہیں ایک اضافت تعریف کیلئے ہے جیسے غلام زید، یہ مسمّٰی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتی ہے اور دوسری اضافت برائے تقیید، جیسے ماء العنب، یہ مسمّٰی کو متغیر کردیتی ہے اور مطلق ماء کے نام سے مفہوم نہیں ہوتا ہے اھ **میں کہتا ہوں** یہ استدلال "اِنّی" ہے اور ماء العنب سے مراد وہ پانی ہے جس میں انگور پڑے ہوئے ہوں کیونکہ یہی ماءِ مقید ہے وہ نہیں جو (باقی برصفحہ آئندہ)

---
[1] شلبیہ مع تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

مجال کل جدال۔	میں اور بدر محمود نے بنایہ میں۔ میں کہتا ہوں انہوں نے دوسرے اور بارہ کو یکجا کردیا ہے بلاالکہ آٹھ کو بھی، تاکہ ان کے قریب ہونے کا پتا چل جائے، اور اگر درمیانی پر اکتفا کرلیتے تو کوئی جھگڑا باقی نہ رہتا۔(ت)

بالجملہ اصح واحسن وہی تعریف اخیر مائے مطلق پر یہاں بھی حوالہ ہے کہ جس کی طرف مطلق آب کہنے سے افہام سبقت کریں اُس کی اضافت اضافتِ تعریف ہے ورنہ اضافتِ تقیید اقول یعنی جبکہ جنس آب حقیقی لغوی سے خارج نہ ہو ورنہ اضافتِ تقیید بھی نہیں مجاز ہے جیسے آبِ زر واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل ثالث ضوابط جزئیہ متون وغیرہا

اقول: وباللہ التوفیق اوّل چند مسائل اجماعیہ ذکر کریں کہ کوئی ضابطہ اُن کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لما اوھم العلامۃ ابن کمال ثم رأیت فی نص الکفایۃ التصریح بما ذھبت الیہ اذقال لایجوز بما اعتصر لانہ لیس بماء حقیقۃ ثم اقول احال الامام العینی امر التعریف والتقیید علی التغیر وعدمہ وعللہ بالانفھام من المطلق وعدمہ وھذا اجلی من التغیر المبھم فکان الاولی الارادۃ علیہ کما فعل قبلہ فی غایۃ البیان اذقال واضافتہ الی البئر للتعریف لاللتقیید اذا یفھم بمطلق قولنا الماء اھ والعجب ان العینی مشی ھھنا علی ھذا الصحیح ثم بعد ورقتین عاد الی الاول الجریح ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)

نچوڑنے سے نکلے، کیونکہ وہ تو پانی ہے ہی نہیں، جیسا کہ ہم نے ۲۰۷ کے حاشیہ میں ذکر کیا، یہ علامہ ابن کمال کے وہم کے برخلاف ہے پھر مجھے کفایہ میں یہی تصریح مل گئی، وہ فرماتے ہیں اس پانی سے وضو جائز نہیں جو نچوڑا گیا ہو کیونکہ وہ درحقیقت پانی نہیں ہے۔ پھر میں کہتا ہوں امام عینی نے تعریف وتقیید کا دارومدار تغیر وعدمِ تغیر پر رکھا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی کہ وہ مطلق سے مفہوم ہوتا ہے یا نہیں، اور یہ تغیر مبہم سے زیادہ واضح ہے تو اولٰی یہ ہے کہ اسی پر دارومدار کیا جائے جیسا کہ اس سے قبل غایۃ البیان میں کیا ہے فرمایا اس کی اضافت کنویں کی طرف تعریف کیلئے ہے نہ کہ تقیید کیلئے کیونکہ وہ مطلق المأ سے مفہوم ہوجاتا ہے اھ اور تعجب ہے کہ عینی نے اس صحیح قول کو اختیار کیا، پھر دو۲ ورق بعد وہ پہلے مجروح قول کی طرف آگئے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۱) اجماعِ اُمّت ہے کہ پانی کے سوا کسی مائع سے وضو و غسل یعنی ازالہ نجاست حکمیہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اجماع ہے کہ وہ پانی مائے مطلق ہونا چاہئے مائے مقید سے وضو نہیں ہوسکتا سوائے نبیذ تمر کے کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتدا نظر بحدیث اُس سے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمائی اور اُس سے بھی عدم جواز پر اجماع منعقد ہوگیا الا مایذکر من امام عـہ۱ الشام الاوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی من التجویز بکل نبیذ ان ثبت عنہ واللہ تعالٰی اعلم (مگر وہ جو امام اوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہر نبیذ سے وضو جائز ہے بشرطیکہ یہ روایت ان کی طرف درست منسوب ہو واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

(۳) اجماع ہے کہ غسل بالفتح یعنی کسی عضو کے دھونے میں اُس پر پانی کا بہنا ضرور ہے صرف تر ہوجانا کافی نہیں کہ وہ مسح ہے اور حضرت عزت عزجلالہ، نے غسل و مسح دو وظیفے جُدا رکھے ہیں الا ما عـہ۲ حکی عن الامام الثانی رحمہ اللہ وھو مؤول کما تقدم (مگر وہ جو امام یوسف سے منقول ہے وہ مؤول ہے جیسا گزرچکا۔ت) تو پانی کا اپنے سیلان پر باقی رہنا قطعًا لازم۔

عـہ۱ وقال فی البنایۃ شذ الحسن بن صالح وجوز الوضوء بالخل وماجری مجراہ ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)

بنایہ میں ہے کہ حسن بن صالح نے شذوذ کرتے ہوئے سرکہ اور اس قسم کی دوسری اشیاء سے وضو کو جائز قرار دیا ۱۲ منہ غفرلہ،۔(ت)

عـہ۲ وقال فی البنایۃ التوضی بالثلج یجوز ان کان ذائبا یتقاطر والا فلا ثم قال وفی مسألۃ الثلج اذاقطر قطرتان فصاعدا جاز اتفاقا والافعلی قولھما لایجوز وعلی قول ابی یوسف یجوز اھ

اقول: (۱) ماکان ینبغی ان یقال قولہ الموھم خلاف الواقع فانما ھی حکایۃ نادرۃ عنہ وقد قال قبلہ فی البنایۃ السیلان شرط فی ظاھر الروایۃ فلایجوز الوضوء مالم یتقاطر الماء وعن ابی یوسف انہ لیس بشرط اھ ثم الروایۃ مؤولۃ کما علمت

بنایہ میں ہے کہ برف سے وضو جائز ہے بشرطیکہ پگھل کر ٹپک رہا ہو ورنہ نہیں، پھر برف کے مسئلہ میں فرمایا جب اُس سے دو یازائد قطرے ٹپکیں تو وضو جائز ہے اتفاقًا ورنہ طرفین کے قول پر جائز نہیں ہے اور ابویوسف کے قول پر جائز ہے اھ

میں کہتا ہوں یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ ان کا وہم پیدا کرنے والا قول خلاف واقع ہے کیونکہ یہ تو ان سے ایک نادر حکایت ہے اور اس سے قبل وہ بنایہ میں فرماچکے ہیں کہ سیلان ظاہر روایت میں شرط ہے توجب تک پانی کے قطرے نہ ٹپکیں وضو جائز نہیں، اور ابویوسف سے ہے کہ سیلان (باقی برصفحہ آئندہ)

(۴) اجماع لغت وعرف وشرع ہے کہ دو۲ چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کیلئے ہے وقد قدمناہ عن المحقق علی الاطلاق فی التعریف الخامس للماء المطلق (اور ہم نے محقق علی الاطلاق سے مطلق پانی کی پانچویں تعریف میں اس کو پہلے ذکر کر دیا ہے۔ت) تو پانی میں جب اُس کا غیر اُس سے زائد مقدار میں مل جائے بحکمِ اجماع اوّل قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۵) اجماع عقل ونقل ہے کہ تعارض موجب تساقط ہے اور اجتماع حاضر ومبیح میں حاضر غالب تو اگر دوسری چیز مساوی القدر بھی ملے گی قابلِ وضو نہ رکھے گی وقد عـــہ تقدم فی ۲۶۲ (جیسا کہ ۲۶۲ میں گزر چکا۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثمہ(۱) فلاینبغی ذکرھا الابتاویلھا کیلا یتجرأ جاھل علی مخالفۃ امر اللہ تعالٰی متشبثا بھا ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)

عـــہ تقدم ھناك قول الغنیۃ یضم الیہ التیمم عند المساواۃ اھ وماتعقبتھا بہ والاٰن رأیت فی البنایۃ حین ارسل الی نقل ھذا الباب منھا بعض اصحابی مانصہ حکی عن ابی طاھر الدباس انہ قال انما اختلف(۲) اجوبۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاختلاف الاسئلۃ فانہ سئل عن(۳) التوضوئ اذا کانت الغلبۃ للحلاوۃ قال یتیمم ولا یتوضو وسئل عنہ ایضا کان الماء والحلاوۃ سواء ولم یغلب احدھما علی الاٰخر قال یجمع بینھما وقال السغناقی وعلی ھذہ الطریقۃ لایختلف الحکم بین نبیذ التمر وسائر

شرط نہیں اھ یہ روایت مؤول ہے جیسا آپ نے جانا تو اس کو بلاتاویل ذکر کرنا درست نہیں تاکہ کوئی اس کو دیکھ کر اللہ تعالٰی کے حکم کی مخالفت کی جُرات نہ کر بیٹھے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

یہاں غنیہ کا قول گزر چکا ہے کہ اس کے ساتھ مساوات کے وقت تیمّم کو بھی شامل کرلینا چاہئے اھ اور اس پر جو اعتراضات میں نے کئے ہیں وہ بنایہ میں بھی ہیں، میرے ایک دوست نے بنایہ کا یہ حصہ مجھے نقل کرکے بھیجا ہے اس میں ہے ابو طاہر الدباس سے منقول ہے کہ اس سلسلہ میں ابو حنیفہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے اُن سے دریافت کیا گیا کہ مٹھاس کا غلبہ ہو تو کیا کریں تو فرمایا تیمم کرے وضو نہ کرے ان سے دریافت کیا گیا کہ جب پانی مٹھاس برابر ہو تو کیا کریں؟ فرمایا وضو اور تیمم دونوں کریں، سغناقی نے فرمایا اس انداز میں نبیذ تمر اور دوسرے نبیذوں کا حکم مختلف نہ ہوگا، یہ (باقی برصفحہ آیندہ)

(۶) اجماع ائمہ حنفیہ ہے کہ قلیل مستہلک کا خلط مزیل اطلاق نہیں اگرچہ وہ قلیل جنس ارض سے نہ ہو، ہدایہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الانبذة وسئل عنه ایضا اذا کانت الغلبة للماء فقال یتوضو به ولا یتیمم اھ۔

اقول: الحلاوة ان لم تبلغ مبلغا تجعله نبیذا کانت مغلوبة وان بلغت فقد غلبت ولا واسطة بینهما وایضا لامعنی التساوی الماء والحلاوة فان التساوی والتفاضل فی کمین متجانسین فوجب ان المراد المساواة فی الاحتمال ای لایغلب علی الظن احدطرفی صیرورته نبیذا اوبقائه ماء بل یحتملان علی السواء فالحاصل حصول الشك والتردد وبه عبر غیره ففی التبیین والفتح عن خزانة الاکمل وفی الحلیة عنها وعن غیرها قال مشایخنا انما اختلفت اجوبته رضی الله تعالٰی عنه لاختلاف المسائل سئل مرة ان کان الماء غالبا قال یتوضو وسئل مرة ان کانت الحلاوة غالبة قال یتیمم ولا یتوضو وسئل مرة اذالم یدر ایهما الغالب قال یجمع بینهما اھ هذا لفظ الفتح وقال بعده وعلی هذایجب التفضیل فی الغسل ان کان النبیذ غالب الحلاوة قریبا من سلب الاسم لایغتسل به اوضده فیغتسل الحاقا بطریق الدلالة

سوال کیا گیا کہ جب پانی کا غلبہ ہو تو کیا حکم ہے؟ فرمایا وضو کرلے اور تیمم نہ کرے۔

میں کہتا ہوں کہ مٹھاس اگر اس درجہ نہ ہو کہ پانی کو نبیذ بنادے تو مٹھاس مغلوب سمجھی جائے گی، اور اگر اس درجہ ہو تو غالب ہو گی اور ان دونوں میں کوئی واسطہ نہیں، نیز پانی اور مٹھاس کی مساوات کے کوئی معنٰی نہیں، کیونکہ تساوی اور تفاضل دو ہم جنس کمیتوں میں ہوتے ہیں، تو ضروری ہوا کہ یہ مساواۃ احتمال ہے یعنی اس کا نبیذ ہونا یا پانی رہنا، غالب گمان میں نہیں ہے بلالکہ دونوں چیزوں میں برابر کا احتمال ہے، تو حاصل شک وتردد کا حصول ہے، اور ان کے غیر نے اس کی یہی تعبیر کی ہے۔ تبیین اور فتح میں خزانۃ الاکمل سے اور حلیہ میں خزانہ وغیرہا سے ہے کہ ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے جوابات کے مختلف ہونے کی وجہ سوالات کا اختلاف ہے۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ اگر پانی غالب ہو، تو آپ نے فرمایا وضو کرے اور جب یہ پوچھا کہ اگر مٹھاس غالب ہو، تو جواب میں فرمایا کہ وضو اور تیمّم دونوں کو جمع کرے اھ، یہ فتح کے الفاظ ہیں اور اس پر پھر یہ کہا اس بنا پر غُسل میں بھی ضرور تفصیل ہوگی کہ اگر نبیذ میں مٹھاس اتنی غالب ہوجائے کہ پانی کا نام اس پر نہ بولا جائے تو اس سے

میں ہے:

الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان	پانی میں معمولی ملاوٹ کااعتبار نہیں کیونکہ مٹّی کے اجزاء

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اومترددا فیہ یجمع بین الغسل والتیمم اھ۔

اقول:(۱)لاحاجۃ الی الالحاق مع بقاء الاطلاق اما الذین اختلفوا فی جواز الغسل بہ فصحح فی المبسوط الجواز وصحح فی المفید عدمہ لان الجنابۃ اغلظ کما ذکرہ فی الفتح بعدہ۔

فاقول: کلامھم فی ماصار نبیذا وھو غیر ھذا التوفیق الانیق وعلیہ یضطر القائل بجواز الاغتسال بہ الی الحاقہ بالوضوء دلالۃ لاقیاسالان الجواز فی نبیذ التمر معدول بہ عن سنن القیاس وماکان کذا یجوز الالحاق بہ دلالۃ لاقیاسا اما علی ھذا التوفیق فلاشك ان الوضوء والغسل سیان فی جوازھما بالماء المطلق فلایجعل احدھما اصلا والاٰخر ملحقا بہ ھذا ومثلہ لفظ التبیین والحلیۃ اذالم یدرایھما الغالب فھذا فی المشکوك دون المخالط المساوی

غسل نہ کیا جائے اور اگر اس کے خلاف ہو کہ مٹھاس مغلوب ہو اور اس کو پانی کہا جائے تو غسل کرے کیونکہ دلالت کے طور پر غسل کا حکم وضو سے ملحق قرار پائے گا اور اگر نبیذ میں غلبہ کے بارے میں تردّد ہو تو غسل اور تیمّم کو جمع کرے اھ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اطلاق کی موجودگی میں الحاق کی ضرورت نہیں، نبیذ سے غسل کے جواز کے بارے میں اختلاف کرنے والوں نے جیسا کہ مبسوط میں جواز کی صحت کی ہے اور مفید میں عدمِ جواز کو صحیح کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جنابت زیادہ غلیظ ہے جیسا کہ بعد میں اسے فتح میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

پس میں کہتا ہوں کہ ان کا کلام اس صورت میں ہے جب نبیذ بن جائے تو اس میں مذکورہ توفیق جاری نہ ہوگی لہذا غسل کے جواز کے قائل وضو کے ساتھ الحاق کرنے میں دلالت کے قول پر مجبور ہیں اور وہ قیاس کو یہاں استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ نبیذ تمر سے وضو کا جواز قیاس کے قاعدہ پر نہیں ہے، جو قیاس کے خلاف ہو تو اس سے الحاق بطور دلالت ہو سکتا ہے اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا پس اس طرح وضو اور غسل دونوں مطلق پانی سے جواز میں مساوی ہیں ایک کو اصل اور دوسرے کو ملحق نہیں قرار دیا جا سکتا، ہذا، تبیین اور حلیہ کے الفاظ بھی اسی طرح ہیں، تو جب (باقی اگلے صفحہ پر)

الاحتراز عنه کما فی اجزاء الارض [1]۔	کی طرح ایسی ملاوٹ سے پانی کا محفوظ ہونا مشکل ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

قد رأیناه یقال فی ماء المد والنیل حال غلبة لون الطین علیه وتقع الاوراق فی الحیاض زمن الخریف فیمر الرفیقان ویقول احدھما للأخر ھنا ماء تعال نشرب نتوضأ فیطلقه مع تغیر اوصافه بانتقاعها فظهرلنا من اللسان ان المخلوط المغلوب لایسلب الاطلاق فوجب ترتیب حکم المطلق علی الماء الذی ھو کذلك وقد اغتسل صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم الفتح من قصعة فیها اثر العجین رواه النسائی والماء بذلک	مد اور نیل کے پانی میں مٹی کا رنگ غالب ہوتا ہے اور حوضوں میں موسم خزاں کے پتّے گرتے ہیں اس کے باوجود ہم نے دیکھا کہ دو ساتھی وہاں سے گزرتے ہوئے ایک دوسرے کو کہتے ہیں یہ پانی ہے آؤپئیں اور وضو کریں اسی کو مطلق پانی قرار دیتے ہیں حالانکہ ان چیزوں کے ملنے کی وجہ سے پانی کے اوصاف متغیر ہوچکے ہوتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ملنے والی مغلوب چیز پانی کو اپنے اطلاق سے خارج نہیں کرتی لہٰذا ایسے پانی پر مطلق کا حکم مرتّب ہوگا نیز فتح مکّہ کے روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ایسے پیالے سے وضو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قدرا فلیس فیه مایمیل الی مافی الغنیة فتثبت ولله الحمد۔ **اقول:**(۱)ونظیر ھذاالاختلاف عن الامام مافی الحدیث انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم سئل عن تقبیل الصائم عرسه فاجاز فسئل اخری فنهی فاذا الذی اباه له شیخ والذی نهاه عنه شاب ۱۲ منه غفرله(م)	دونوں میں سے کسی کا غلبہ معلوم نہ ہو، تو یہ مشکوک کی بات ہوئی مقدار کے اعتبار سے مساوی مخلوط کی بات نہیں ہے، یہاں غنیہ والی بات کی طرف میلان ثابت نہیں ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے ایک بار یہ سوال ہوا کہ اگر روزے والا اپنی بیوی کا بوسہ لے تو کیا حکم ہے،تو جواب میں اجازت فرمائی۔اور دوسری بار یہی سوال کیا گیا تو آپ نے منع فرمایا۔تو اسی ایک سوال کے مختلف جوابات کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ روزے والا بوڑھا ہو تو جائز فرمایا اور اگر وہ جوان ہے تو منع فرمایا،اس طرح امام ابو حنیفہ نے نبیذ کے بارے میں مختلف قول فرمائے کیونکہ ہر جواب علیحدہ نقطہ سے متعلق ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

یتغیر ولم یعتبر المغلوبیۃ [1]۔	فرمایا جس میں آٹا لگا ہوا تھا، اس کو نسائی نے روایت کیا ہے اور پانی اس آٹے کی وجہ سے متغیر ہوتا ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی کچھ پروانہ کی۔(ت)

(۷) اجماع عرف وشرع ہے کہ زوال اسم موجب زوال اطلاق ہے وقد تقدم فی تعاریف المطلق لاسیما التاسع (مطلق کی تعریفوں خصوصًا نویں تعریف میں گزر چکا ہے۔ت) وللذا نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہونے پر اجماع ہوا اگرچہ پانی اپنی رقّت پر رہے وقد تقدم فی ۲۸۶ (۲۸۶ میں گزر چکا۔ت)

(۸) اجماع ائمہ حنفیّہ ہے کہ پانی کے اوصاف میں قلیل تغیر مانع اطلاق نہیں وقد تقدم فی ۱۱۶ (۱۱۶ میں گزر چکا ہے۔ت)

یہ آٹھ اجماع واجب بالاتباع ناقابل نزاع غیر صالح الاندفاع ہیں اور یہی بحمد اللہ تعالٰی وہ معیار کامل ہے جو مائے مطلق کی تعریف رضوی میں گزرا وللہ الحمد یہ احکام منقحہ ہاتھ میں رکھ کر ضوابط کی طرف چلئے۔

ضابطہ ا: کسی پھل یا پیڑ یا بیل یا پتّوں یا گھاس کے عرق یا عصارے سے وضو جائز نہیں۔ قدوری ہدایہ وقایہ نقایہ کنز اصلاح غرر نورالایضاح متون وغیرہا عامہ کتب میں ہے لایجوز بمااعتصر من شجر اوثمر [2] (درخت اور پھل کے نچوڑے ہوئے پانی سے وضو جائز نہیں۔(ت) اور صحیح یہ کہ یہ حکم قاطر ومستقطر ومعتصر سب کو عام ہے کما تقدم فی ۲۰۵ (جیسا کہ بحث ۲۰۵ میں گزر چکا ہے۔(ت)

اقول: ھو عندی من فروع الاجماع الاول حتی فی قاطر الکرم وقد تقدم فی حاشیۃ ۲۰۷۔	میں کہتا ہوں کہ یہ میرے نزدیک پہلے اجماع کے فروعات میں سے ہے حتی کہ انگور کے درخت سے نکلنے والے قطروں کو شامل ہے اور یہ بات بحث ۲۰۷ کے حاشیہ میں گزر چکی ہے۔(ت)

ضابطہ ۲ تا ۴: مطہر پانی کے ناقابل وضو ہو جانے کیلئے متون معتمدہ میں تین سبب ارشاد ہوئے:

(۱) زوال طبع آب

(۲) غلبہ غیر

(۳) طبخ باغیر۔ اگرچہ بعض نے ایک سبب بیان کیا بعض نے دو بعض نے اجمالًا سب، اور ان سے تعبیر میں بھی عبارات

---

[1] فتح القدیر، باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء، مطبع عربیہ کراچی ۱/۶۴

[2] نورالایضاح، کتاب الطہارۃ، مطبع علمیہ لاہور ص ۳

مختلف آئیں مگر عند التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی سب اُسی معیار کے دائرے میں ہیں عبارات میں یہ ہیں:

(۱) **قدوری** لایجوز بما غلب علیه غیرہ فاخرجه عن طبع الماء کماء الباقلی والمرق وماء الزردج[1] (وضو جائز نہیں ہے اُس پانی سے جس پر کسی دوسری شے کا غلبہ ہوگیا ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو، جیسے باقلی کا پانی اور زردج کا پانی۔ت)

(۲) **ہدایہ** مثله وانما اخذ عنه وان زاد بعض الامثلة[2] (ہدایہ میں اسی کی مثل ہے انہوں نے قدوری سے لیا ہے اگرچہ بعض مثالوں کا اضافہ کیا ہے۔ت)

(۳) **وقایہ** ولابماء زال طبعه بغلبة غیرہ اجزاء اوبالطبخ کماء الباقلی والمرق[3] (وقایہ میں ہے اور نہ اس پانی سے جس پر غیر کا بصورت اجزاء یا پکانے کی وجہ سے غلبہ ہوگیا ہو جیسے باقلی کا پانی اور شوربہ۔ت)

(۴) **نقایہ** یتوضو بماء السماء والارض وان اختلط به طاھر الا اذا اخرجه عن طبع الماء اوغیرہ طبخا وھو ممالایقصد به النظافة[4] (نقایہ میں ہے آسمان اور زمین کے پانی سے وضو کرے اگرچہ اس میں کوئی پاک چیز مل گئی ہو، الّا یہ کہ اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو یا پکنے کی وجہ سے اس کو پانی کی طبیعت سے خارج کردیا ہو اور وہ غیر چیز ایسی نہ ہو جس سے نظافت مطلوب ہوتی ہے۔ت)

(۵و۶) **کنزووافی** لابما تغیر بکثرۃ الاوراق اوبالطبخ اوغلب علیه غیرہ اجزاء[5] (کنزووافی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتّوں کی کثرت یا پکنے یا غلبہ اجزا کی وجہ سے بدل گیا ہو۔ت)

(۷) **اصلاح** لابماء زال طبعه بغلبة غیرہ اجزاء اوتغیر بالطبخ معه وھو ممالایقصد به النظافة[6] (اصلاح میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو دوسرے کے اجزاء کے غلبہ سے یا پکنے کی وجہ سے اور وہ چیز ایسی ہو جس سے نظافت کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو۔ت)

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجتبائی کانپور ص۶

[2] ہدایۃ المبتدی

[3] شرح الوقایۃ کتاب الطہارت مطبع رشیدیہ دہلی ۱/ ۸۵

[4] جامع الرموز کتاب الطہارت مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/ ۴۵

[5] کنزالدقائق میاہ الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱

[6] اصلاح

(۸) ملتقی لابماء خرج عن طبعه بکثرة الاوراق او بغلبة غیرہ او بالطبخ کماء الباقلاء والمرق[1] (ملتقی میں ہے اس پانی سے وضو جائز نہیں جو پتّوں کی کثرت یا غیر کے غلبہ یا پکانے کے سبب اپنی طبیعت کھو بیٹھا ہو جیسے باقلا کا پانی اور شوربہ۔ت)

(۹) **غرر** لابماء زال طبعه بالطبخ کالمرق او بغلبة غیرہ علیه[2] (غرر میں ہے جس پانی کی طبیعت زائل ہوچکی ہو اس سے وضو جائز نہیں خواہ پکنے کی وجہ سے یا غیر کے غلبہ کی وجہ سے۔ت)

(۱۰) **تنویر** لابماء مغلوب بطاھر ولا بمازال طبعه بطبخ کمرق[3] (تنویر میں ہے جو پانی کسی پاک چیز کے ملنے سے مغلوب ہوچکا ہو یا پکنے سے طبیعت کھوچکا ہو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ت)

(۱۱) **نورالایضاح** لابماز ال طبعه بالطبخ او بغلبة غیرہ علیه[4] اھ (نورالایضاح میں ہے جس پانی کی طبیعت پکنے یا غیر کے غلبہ کی بناپر زائل ہوچکی ہو اس سے وضو جائز نہیں۔ت)

اقول: وترکنا ماذکر بعدہ من تلخیص الضابطة الزیلعیة فان (۱) وضع المتون لنقل المذھب دون الابحاث الحادثة۔	**میں کہتا ہوں** انہوں نے اس کے بعد جو ضابطہ زیلعیہ کی تلخیص ذکر کی ہے ہم نے اسے ترک کردیا ہے کیونکہ متون کو مذہب نقل کرنے کے لئے وضع کیا ہے نئی ابحاث کیلئے نہیں۔(ت)

---

[1] ملتقی الابحر تجوز الطہارت بالماء المطلق عامرہ مصر ۱/ ۲۸

[2] غرر فرض الغسل دار السعادة مصر ۱/ ۲۳

[3] تنویر الابصار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴

[4] نورالایضاح کتاب الطہارة علمیہ لاہور ص ۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مآخذومراجع

نام		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱_۸
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبّی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التھذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

<u>ح</u>

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعداللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

<u>خ</u>

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

<u>د</u>

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	٦١٦
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی التوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸٦١
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱٦
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدار قطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المروف بیر کلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴۔	عمدة القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

www.dawateislami.net

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶ـ	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷ـ	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸ـ	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹ـ	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰ـ	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱ـ	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۲۰۲ـ	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳ـ	الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴ـ	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵ـ	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶ـ	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷ـ	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸ـ	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹ـ	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰ـ	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱ـ	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲ـ	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳ـ	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴ـ	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵ـ	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶ـ	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷ـ	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸ـ	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۲۴۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایة	محمود بن صدر الشریعة	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایة فی شرح البدایة	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفة الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۳

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

فتاوٰی رضویہ جلد سوم 7

فہرست جلد سوم 9

ابواب و مسائل 9

فہرست ضمنی مسائل 20

رسالہ ضمنیہ 41

الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان ۱۳۳۴ھ 41

(پانی کی) رقّت وسیلان کا واضح بیان (ت) 41

فصل فی البئر 261

بابُ التیمم 297

رسالہ حسن التعمّم لبیان حدالتیمّم تیمّم کی ماہیت وتعریف کا بہترین بیان (ت) 311

سمح الندری فیما یورث العجز عن الماء ۱۳۳۵ھ 411

رسالہ ضمنیہ الظفرلقول زفر ۱۳۳۵ھ وقت کی تنگی کے باعث جوازِ تیمّم کے بارے میں امام زفر کے قول کی تقویت کا بیان (ت) 441

رسالہ ضمنیہ المطر السعید علی نبت جنس الصعید ۱۳۳۵ھ جنس صعید کی نبات پر بارانِ مسعود (ت) 579

رسالہ ضمنیہ الجدّ السّدید فی نفی الاستعمال عن الصعید ۱۳۳۵ھ جنسِ زمین کے مستعمل نہ ہونے میں بہت عمدہ بیان (ت) 717

مآخذ و مراجع 743

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد سوم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر 7657314

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد سوم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ________ محقق عظیم علامہ محمد احمد مصباحی (بھیروی) ہندوستان

پیش لفظ ________ مولانا محمد صدیق ہزاروی جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ ۱_ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲_ مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی مدظلہ

ترتیبِ فہرست ________ حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ________ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

اشاعت اوّل ________ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ/نومبر ۱۹۹۲ء

تعداد ________ ایک ہزار

صفحات ________ ۷۵۶

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* شبّیر برادرز، ۴۰ اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۲۴۶۰۰۶

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

o پیش لفظ ________ ۵
o باب المیاہ ________ ۴۱
o باب التیمم ________ ۲۹۷
o مآخذ و مراجع ________ ۶۹۷

فہرست رسائل

o النور و النورق ________ از ۴۵۱ جلد دوم تا ۲۴۹ جلد سوم
o الدقۃ و التبیان ________ ۴۱ تا ۸۸
o حسن التعمم ________ ۳۱۱ (یہ رسالہ جلد چہارم میں ختم ہوگا)
o سمح الندرٰی ________ ۴۱۱ تا ۵۴۳
o الظفر لقول الزفر ________ ۴۴۱ تا ۴۶۳
o المطر السعید ________ ۵۷۹ تا ۷۰۷
o الجد السدید ________ ۷۱۷ تا ۷۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

علم وفضل کے آفتابِ نیم روز، زُہد و تقوی کے بدرِ منیر، تحقیق وتدقیق کے دُرِ بے بہا، سیاستِ صادقہ کے گوہر نایاب اور تحریک عشقِ رسالت کے قافلہ سالار امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہ سے ہر ذی شعور، علم دوست اور حق شناس فرد متعارف ہی نہیں، اس مردِ حق آگاہ کی دینی، ملّی، روحانی اور سیاسی خدمات کا معترف بھی ہے اور خوشہ چین بھی۔

کسی بھی عظیم شخصیت کی دینی، ملیّ اور قومی خدمات کو پس پردہ لے جانے اور ملّت اسلامیہ کو اس کے علمی جواہر پاروں سے محروم رکھنے کے لیے بنیادی طور پر دو باتیں کارفرما ہو سکتی ہیں:

۱۔ مخالفین کا جھوٹا پروپیگنڈا۔

۲۔ اپنوں کی ناقص منصوبہ بندی۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ جن کے علمی تحقیقی شہ پاروں سے عرب وعجم کے مسلمانوں نے شمعِ علم روشن کی اور افریقہ ویورپ کے باسیوں کو آپ سے اکتسابِ فیض کا شرف حاصل ہوا، کا علمی اور تحقیقی خزانہ انگریز اور ہندو کی شاطرانہ چال، کانگریس کے ہمنوا نام نہاد مسلمانوں کے جھوٹے پروپیگنڈے اور نام لیواؤں، عقیدت مندوں اور محبت کا دم بھرنے والوں کی ناقص منصوبہ بندی کی دبیز تہوں کے نیچے دب کر رہ گیا تھا۔

الحمدللہ ! اب دردمند اور حساس مسلمانوں کی کوشش سے مخالفت، تعصّب اور لاشعوری کی یہ دبیز تہیں ہٹنے لگیں، رضوی علم وفضل کے آسمان پر چھاجانے والے جھوٹے پروپیگنڈے کے مہیب بادل

چھٹنے لگے اور یوں عرب وعجم کی اس عظیم علمی وروحانی شخصیت کا روشن اور جگمگاتا ہوا حقیقی چہرہ نکھر کر سامنے آگیا۔ چنانچہ اس وقت دنیا بھر کے مختلف جامعات میں امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی علمی تحقیقات پر نہایت وقیع مقالات لکھے جارہے ہیں[1]۔

رضافاؤنڈیشن لاہور بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس فاؤنڈیشن کے بانی مخدومِ ملّت، استاذالعلماء، مفتی اعظم حضرت علّامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ کی علم دوست، فرض شناس اور دردمند شخصیت سے کون واقف نہیں۔ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی خاموش تبلیغ وتحریک نے گلستان سنّیت میں جتنے پھول کھلائے ہیں ان کی عطر بیز مہک نے شرق وغرب اور شمال وجنوب کو معطّر کر رکھا ہے۔ اللہ تعالٰی حضرت مفتی صاحب کی مساعی کو برکات سے اور ان کے اہم علمی دینی منصوبوں کو تکمیل کے زیور سے آراستہ فرمائے، آمین!

رضافاؤنڈیشن نے خیابانِ رضا سے جس اہم پھول کا انتخاب کیا ہے وہ اپنوں اور بیگانوں سب سے دادِ تحسین وصول کرچکا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تحقیقی اعتبار سے فتاوٰی رضویہ کی نظیر ملنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ ایک ایک مسئلے پر دلائل کے انبار لگادینا بلاشبہ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ ہی کا حصہ ہے۔

"مشتے نمونہ از خروارے" کے مطابق حضرت فاضل بریلوی کی فقہی بصیرت اور تحقیقی صلاحیت کی صرف ایک جھلک پیش خدمت ہے۔ پانی کے حصول یا اس کے استعمال سے عجز کی صورت میں تیمّم کی اجازت ہے عام کتب فقہ اور فتاوٰی میں اس عجز کی چند صورتیں بیان کی جاتی ہیں لیکن امام احمد رضا رحمہ اللہ نے پانی سے عجز کی ایک سو پچھتّر ۱۷۵ صورتیں بیان کی ہیں لیکن اس کے باوجود خود پسندی اور بڑائی کے اظہار کی بجائے عجز اور فروتنی کا مجسمہ بنے نظر آتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

"الحمدللہ! یہ پانی سے عجز کی پونے دوسو ۱۷۵ صورتیں اس رسالہ کے خواص سے ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گی اگرچہ جو کچھ ہے علماءِ کرام ہی کا فیض ہے[2]۔"

دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق فتاوٰی رضویہ کو آسان اور دلکش پیرائے میں قارئین تک پہنچانا وقت کی اہم ضرورت تھی، چنانچہ رضافاؤنڈیشن نے اللہ تعالٰی کی ذات پر بھروسا کرتے ہوئے اس اہم ذمّہ داری کا بیڑا اٹھایا اور عزمِ صمیم کے ساتھ میدانِ عمل میں قدم رکھ دیا۔

دیکھتے ہی دیکھتے فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد کا نصف اوّل، عربی عبارات کے ترجمہ، حوالہ جات کی تخریج

---

1 تفصیل کے لیے دیکھیے ''حیاتِ امامِ اہلسنّت'' از ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی مرکزی مجلسِ رضا لاہور

2 حوالہ کے لیے پیشِ نظر جلد کے صفحات ۴۱۱ تا ۵۴۲ ملاحظہ کیجئے

اور عمدہ طباعت کے ساتھ دوخوب صورت جلدوں میں جلوہ گرہو کر اہلِ علم سے خراج تحسین وصول کرگیااور اب اسی آب وتاب کے ساتھ نصفِ آخر کاآدھا حصہ تیسری جلد کی صورت میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

فتاوٰی رضویہ جلد سوم

شروع شروع میں خیال تھاکہ فتاوٰی رضویہ کہ پہلی جلد (مکمل) اور دوسری جلد سے طہارت کی بحث کو تین جلدوں میں شائع کیاجائے لیکن پہلی دو جلدوں کی طباعت سے اندازہ ہواکہ کتاب الطہارت کی مکمل بحث چار جلدوں کی متقاضی ہے، لہٰذا یہ تمام بحث چار ۴ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوگی۔

پیش نظر جلد، پرانی جلد کے صفحہ ۴۸۴ سے ۷۳۵ تک کے مضامین پر مشتمل ہے۔اس جلد میں اُنسٹھ ۵۹ سوالات کے جوابات (فتاوٰی) ،اقولُ کے عنوان سے ۱۳۲۱ علمی فوائد اور ۱۰۵ تطفلات ومعروضات مندرج ہیں[1]۔

اس جلد میں بنیادی طور پر طہارت سے متعلق تین موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے:

(۱) پانی کی طبع یعنی رقّت وسیلان۔

(۲) کنویں کے مسائل۔

(۳) تیمّم سے متعلق تمام ضروری ابحاث۔

پیش نظر جلد میں درج ذیل چھ ۶ رسائل بھی شامل ہیں:

(۱) الدقة والتبیان لعلم الرقة والسیلان ۱۳۳۴ھ (پانی کی) رقّت وسیلان کاواضح بیان

(۲) حسن التعمم لبیان حد التیمّم ۱۳۳۵ھ تیمّم کی ماہیّت وتعریف کابہترین بیان

(۳) سمح الندرٰی فیما یورث العجز من الماء ۱۳۳۵ھ پانی سے عجز کی پونے دوسو۱۷۵ صورتوں کابیان

(۴) الظفر لقول زفر ۱۳۳۵ھ وقت کی تنگی کے باعث جوازِ تیمّم کے بارے میں امام زفر رحمہ اللہ کے قول کی تقویّت۔

(۵) المطر السعید علی نبت جنس الصعید ۱۳۳۵ھ جنسِ زمین سے کیامراد ہے۔ (تحقیقی بیان)

---

[1] حضرت امام احمد رضابریلوی رحمہ اللہ نے بعض مقامات پر اسلاف فقہاء کرام سے فقہی علمی اختلاف کیاہے لیکن اسے ادباً **تطفل ومعروضہ** سے تعبیر کیاہے۔ تطفل کامطلب اپنے آپ کو چھوٹا سمجھنا ہے گویاامام احمد رضابریلوی قدس سرّہ کی طرف سے ان بزرگوں پر اعتراض نہیں بلکہ ان کی خدمت میں عرض وگزارش ہے۔

(۶) الجد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید ۱۳۳۵ھ جنسِ زمین بالکل مستعمل نہیں ہوتی۔

فتاوٰی رضویہ جلد اول (قدیم) کے حاشیہ پر مبسوط فوائد کو یک جا کرکے "فوائد جلیلہ" کے نام سے چوتھی جلد کے آخر میں لایا جارہا ہے۔ان فوائد کی ترتیب و تبویب کا فریضہ فاضلِ جلیل مولانا محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور نے انجام دیا ہے۔

رضا فاؤنڈیشن کے ارکان، ہندوستان کے عظیم محقق علّامہ محمد احمد مصباحی (بھیروی) دامت برکاتہم العالیہ کے بے حد ممنون ہیں جنہوں نے اپنی گوناگوں علمی مصروفیات کے باوجود مختصر وقت میں باب التیمم سے آخر تک کی عربی عبارات کا نہایت سلیس اور شستہ ترجمہ فرمایا۔

علّامہ محمد احمد مصباحی (بھیروی) حضرت حافظِ ملّت علّامہ عبدالعزیز محدّث مرادآبادی رحمہ اللہ تعالٰی کے قابلِ فخر شاگرد اور برصغیر پاک وہند کی مایہ ناز مادر علمی "الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور (ہندوستان) کے شیخ الادب ہیں۔آپ قدیم وجدید علوم کے ماہر، کئی علمی تحقیقی کتب کے مصنف اور مترجم ہیں۔حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ کے متعدد رسائل اور فتاوٰی کو ترجمہ ، تحقیق اور تحشیہ کے بعد عام اُردو خوان حضرات کے لیے آسان بناچکے ہیں۔اس وقت فنِ لُغت پر ایک مبسوط اور وقیع کتاب تحریر کررہے ہیں۔

علامہ مصباحی، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی علمی شخصیّت اور آپ کی تحقیقات جلیلہ کو علم ودانش کی دنیا میں متعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کرنے والے ادارے المجمع الاسلامی مبارک پور کے روح رواں ہیں۔ اور بقول علّامہ بدرالقادری (ہالینڈ) علّامہ محمد احمد مصباحی، حضرت حافظِ ملّت علیہ الرحمۃ کی نگاہِ کیمیا کا انتخاب اور ان کی پاکیزہ دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔اللہ تعالٰی علّامہ محمد احمد مصباحی مدظلہ کی دینی وملّی خدمات کو شرفِ قبولیت اور اُمتِ مسلمہ کو ان کے علمی جواہر پاروں سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

قارئین کرام! رضا فاؤنڈیشن نے ایک علمی ذخیرہ آپ کے حوالے کردیا ہے،اس کو بہتر سے بہترین کی طرف لے جانے کے لیے اپنے قیمتی مشوروں اور اس اہم منصوبے کی تکمیل کے لیے اپنی پرخلوص دعاؤں سے نوازتے رہئے۔اللہ تعالٰی ہم سب کا حامی وناصر ہو۔آمین بجاہِ نبیہ الکریم علیہ التحیۃ والتسلیم!

۴ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ * محمد صدیق ہزاروی

۹ فروری ۱۹۹۲ء جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست جلد سوم

ابواب و مسائل

باب المیاہ		پانی میں کوئی چیز ڈال کر پکانے کی صورتیں اور اُن کے احکام۔	۱۲۲
پانی میں کسی شے کے ملنے کی تین صورتیں اور ان کے احکام۔	۸۵	اُن ۳۰۷ کے علاوہ اور ۴۳ پانیوں کا بیان جن سے وضو ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۱۴
پانی میں ستّو وغیرہ کچھ مل جائے تو اس سے کس وقت تک وضو جائز ہے۔	۸۶	**فتوی ۵۶**۔ وضو کے قطرے لوٹے میں گرے تو پانی قابل وضو رہے گا۔	۲۵۰
بعض بہتی چیزوں کا ملنا بھی پانی کی رقّت کھو دیتا ہے۔	۸۸	**فتوی ۵۷**۔ پانی مربّع، مثلث، مدوّر یا طویل بلا عرض کا حکم۔	۲۵۰
پانی میں کوئی چیز پکانے سے کس وقت آب مطلق نہ رہے گا۔	۱۰۵	**فتوی ۵۹**۔ بے نمازی بہشتی ڈول میں ہاتھ ڈال کر پانی مشک میں بھرتے ہیں اور گھڑوں میں ڈالتے وقت مشک کے دہانے پر اُن کا ہاتھ ہوتا ہے یہ پانی قابل وضو ہے یا نہیں۔	۲۵۲
پکانے کی صورتیں اور ان کے نتائج۔	۱۲۱	مشک بھرتے وقت پانی کہ ڈول سے نکل کر مشک میں جارہا ہے جب تک دہانہ مشک میں داخل نہ ہو جاری ہے۔	۲۵۲
دیگچہ بھر پانی میں چھٹانک بھر گوشت پکایا تو پانی قابل وضو رہے گا۔	۱۲۲	**فتوی ۶۰**۔ تالاب میں زراعت کثیر ہے اس میں تھوڑی جگہ خالی کرکے نجس کپڑا دھوئیں تو پاک ہوگا یا نہیں۔	۲۵۳

I.T. Majlis of DawateIslami

فتوی ۶۱۔ جُنب یا حیض والی کا ہاتھ پانی میں ڈوبے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۴	**فتوی ۷۱**۔ جوتا گرا اور ہندو بے نہائے گھسا کنویں کا کیا حکم ہے۔	۲۶۹
فتوی ۶۲۔ کنویں پر کھڑے ہو کر لوگ نہاتے ہیں پانی اندر جاتا ہے کیا حکم ہے۔	۲۵۴	گائے بکری کا بچہ پیدا ہوتے ہی اپنی رطوبتوں میں آلودہ کنویں میں گر گیا کنواں پاک ہے۔	۲۹۲
فتوی ۶۳۔ جنب نے ڈول بھرایا اس کے ہاتھ پڑے ہوئے پانی سے نہایا غسل ہوا یا نہیں۔	۲۵۴	**فتوی ۷۲**۔ عورتوں کے بھرنے سے کنویں میں کچھ خلل نہیں آتا۔	۲۷۱
فتوی ۶۴۔ ہندو کے بھرے پانی سے غسل و وضو درست ہے۔	۲۵۵	لہنگے والی عورت کے بھرنے سے بھی کچھ خلل نہیں آ۔	۲۷۱
فتوی ۶۵۔ در بارہ جلد مذبوح در باب انجاس۔	۲۵۶	**فتوی ۷۳**۔ کنویں کے پاس چہ بچہ ہے اس میں وضو و غسلِ جنابت ہر طرح کا پانی جاتا ہے اور ایک سوراخ سے نکلتا رہتا ہے پیچک اس میں گر کر کنویں میں گری کنویں کا کیا حکم ہے۔	۲۷۱
جس خچر کی ماں گھوڑی ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔	۵۰۳	**فتوی ۷۴**۔ چہ بچہ میں پاک و ناپاک پانی سب طرح کے آتے ہیں اور اس میں آدھ گز اونچا سوراخ ہے پانی اس سے اونچا ہو کر نکلتا ہے ورنہ ٹھہرا رہتا ہے اور اس میں بو بھی آتی ہے اس میں گری ہوئی پیچک کنویں میں گری تو کیا حکم ہے۔	۲۷۲
فصل فی البئر		**فتوی ۷۵**۔ مرغی نکالنے کو اس کا کھانچا کنویں میں ڈالا کتنے ڈول نکالے جائیں اور ان کے نکالنے کی اُجرت مرغی کے مالک پر ہے یا نہیں۔	۲۷۵
فتوی ۶۶۔ کنویں میں گرگٹ گرنے کا حکم۔	۲۶۱	**فتوی ۷۶**۔ چھپکلی گرنے کا حکم۔	۲۷۵
فتوی ۶۷۔ دلو وسط کی مقدار۔	۲۶۱	**فتوی ۷۷**۔ مسلمان نہا کر کنویں میں گیا تو کچھ ڈول نکلیں گے یا نہیں۔	۲۷۸
فتوی ۶۸۔ گائے بھینس کا پٹھا کنویں سے نکلا تو کیا حکم۔	۲۶۶	**فتوی ۷۸**۔ ہندوؤں کے نہانے اور دھوتیوں کی چھینٹیں کنویں میں جاتی ہیں کنواں پاک ہے یا ناپاک۔	۲۷۸
فتوی ۶۹۔ بچّے کا نال کنویں میں گر گیا اور دو روز تک بے خبری میں پانی پیا۔	۲۶۶	**فتوی ۷۹**۔ پیڑھی جس پر بچے کے پیشاب کا گمان ہے یا پائے میں مرغی کی بیٹ لگنے کا وہ اگر کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے۔	۲۷۹
فتوی ۷۰۔ پھکنا کنویں میں گر گیا تو کیا حکم ہے۔	۲۶۷		

فتوی۸۰۔ گورنمنٹ کی طرف سے جوپڑیا ڈالی جاتی ہے پانی وضواور پینے کے قابل رہتا ہے یانہیں۔	۲۸۰	نجاست نکلنے کے وقت کنویں میں جتنا پانی تھاسب نکالنے کاحکم ہے اگرچہ ہزاروں ڈول ہو دوتین سوکامسئلہ یہاں جاری نہیں۔	۲۸۶
فتوی۸۱۔ کوئی شخص ایک لڑکے سے کہہ گیا ہے کہ کنویں میں چھپکلی گری ہے مگرنہ وہ ملی نہ اس شخص کاپتاچلااس میں کیاحکم ہے۔	۲۸۰	پانی توڑنے کے معنی	۲۸۶
فتوی۸۲۔ ہندومرد وعورت کے بھرنے سے کنویں میں نقصان آتا ہے یانہیں۔ مسلمان کوشش کریں کہ ہندو مسجد کے کنویں سے نہ بھریں اور ایک شخص اس کوشش سے بازرکھے وہ کیساہے۔	۲۸۱	کل پانی نکالنے کے معنی۔	۲۸۶
فتوی۸۳۔ کنویں سے مردہ کتّا نکلا کل تک اس کا پانی استعمال ہوتارہا۔ بدن اور کپڑوں کاکیاحکم ہے۔	۲۸۱	**فتوی ۸۸**۔ کنویں میں نل لگایاہے نل میں نجاست گرے تو کنواں اور کنویں میں گرے تونل کاپانی ناپاک ہو گا یا نہیں	۲۸۶
فتوی۸۴۔ کنویں میں استعمال جوتا گرجائے توکیاحکم ہے۔	۲۸۲	قلیل مینگنی، لید، گوبر سے کنواں ناپاک ہوگا یانہیں۔	(حاشیہ) ۲۸۵
فتوی۸۵۔ لوگ ڈول بھراپنے صرف کے لائق لے کرباقی کنویں میں لوٹ دیتے ہیں اس کاکیاحکم ہے۔	۲۸۳	ان چیزوں کاقلیل ضرورت کے لیے معاف ہے	(حاشیہ) ۲۸۵
فتوی۸۶۔ گوبرکابھراگھڑاکنویں میں ڈالنے سے کتنا پانی نکالاجائے اور غیرثقہ مسلمان کی خبراس باب میں معتبر ہے یانہیں۔ کنویں کے ڈول سے ایک ڈول دوچند ہے اس سے پانی نکالا یہاں تک کہ وہ نصف سے کم ڈوبنے لگا پاک ہوا یانہیں۔ نکالنے والا ہندوتھا نصف سے کم ڈوبنے کی خبراس نے دی یہ معتبر ہے یانہیں۔ کنواں پھربھرگیاہے اب نکالیں توکتنا، کون سے ڈول کااعتبار ہے۔	۲۸۴	خود اگرکوئی ایک ریزہ گوبر کاکنویں میں ڈال دے گا کنواں ناپاک ہوجائے گااور اس عام کنویں کاحکم جس میں ہندو گنوار بھرتے اور گوبرکے سنے گھڑے ڈالتے ہیں۔	۲۸۵ (حاشیہ)
فتوی۸۷۔ کنویں کاقطرتین ہاتھ اور ۱۴چودہ فٹ پانی ہے کل نکالنے کاحکم ہو توکیاکیاجائے۔ کل پانی نکالنے یاپانی توڑنے کے کیامعنی، بڑے کنویں سے دوتین سوڈول نکال دیناکافی ہے یانہیں۔	۲۸۶	کنویں سے کچھ فاصلہ پرنجاست کاچہ بچہ ہے اور اس کااثرکنویں میں ظاہر ہواپانی ناپاک ہوگا۔	۲۸۵ (حاشیہ)

فتوٰی۸۹۔ سڑا ہوا جانور کنویں سے نکلے تو کیا حکم ہے۔	۲۸۸	**باب التیمّم**	
فتوٰی۹۰۔ رافضی نمازی کنویں میں گھسے تو کیا حکم ہے۔	۲۸۸	**فتوٰی۹۸**۔ کس نماز کے جانے کے خوف سے ترک وضو کی اجازت ہے۔	۲۹۷
فتوٰی۹۱۔ کنویں سے زندہ خنزیر نکل آیا اور اس میں بارہ گز پانی ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۸۸	**فتوٰی۹۹**۔ تیمّم میں موزہ اتارنے کی حاجت نہیں۔	۲۹۷
جتنا پانی نکالنے کا حکم ہوا ایک ساتھ نکالنا ضرور نہیں۔	۲۸۹	**فتوٰی۱۰۰**۔ مثل قیمت وغبن یسیر وغبن فاحش وتقویم مقومین کے معنی۔	۳۰۰
فتوٰی۹۲۔ گائے بکری کنویں سے زندہ نکل آئے تو کنواں کس وجہ سے پاک رہتا ہے حالانکہ اس کے پاؤں وغیرہ روز پیشاب مس بھرتے ہیں۔	۲۸۸	**فتوٰی۱۰۱**۔ جو چیز جنس ارض سے نہ ہو اس پر تیمّم کے لیے اتنا غبار درکار کہ ہاتھ پھیرنے سے انگلیوں کا نشان بن جائے۔	۳۰۲
فتوٰی۹۳۔ ناپاک کنویں سے انجانی میں نہایا، کپڑے دھوئے، کھانا پکایا تو کیا حکم ہے۔	۲۹۳	**فتوٰی۱۰۲**۔ پانی ہوتے ہوئے بغیر ضرر کے تیمّم جائز نہیں۔	۳۰۴
فتوٰی۹۴۔ چشمہ دار کنواں جس کا پانی توڑنا دشوار ہے اگر کل نکالنے کا حکم ہو کیا کرے اور تین سو ڈول کافی ہیں یا نہیں اور تھوڑے تھوڑے کرکے نکالیں تو کیا حکم ہے۔	۲۹۳	**فتوٰی۱۰۳**۔ **درباب الوضو۔**	۳۰۵
فتوٰی۹۵۔ چڑیا گلی ہوئی نکلی اور بے وضو یا بے غسل یا بے نمازی کنویں میں گر کر زندہ نکل آئے تو کیا حکم ہے۔	۲۹۴	پانی پاتے ہوئے خوف فوت نماز جنازہ کے لیے تیمّم کیا اس تیمّم سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ قرآن مجید چھو سکتا ہے۔	۳۰۵
فتوٰی۹۶۔ پھولا ہوا چوہا نکلا اور پانی ٹوٹ نہیں سکتا تو کیا حکم ہے اور کتنی نمازیں پھیرے۔	۲۹۴	پانی سے عاجز نے نماز جنازہ کے لیے تیمّم کیا اس سے ہر نماز پڑھ سکتا ہے۔	۳۰۶
فتوٰی۹۷۔ کل پانی کے نکالنے کا حکم تھا صرف تین سو ساٹھ ڈول نکال کر کئی دن سے وضو ونماز شروع کردی، ان کا کیا حکم ہے۔	۲۹۵	**فتوٰی۱۰۴**۔ ورزش کی گرمی اور پسینے کی حالت میں اگر پانی مضر ہو تیمّم کرے۔	۳۰۶
		فتوٰی۱۰۵۔ حقّہ کا پانی پاک ہے اور سفر میں اگر اور پانی نہ ملے تو اس کے ہوتے ہوئے تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۳۰۶

فتوٰی ۱۰۶۔ جماع کیا صبح تنگ وقت آنکھ کھلی فقط ستر دھو کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔	۳۰۷	تیمّم کی نیت سے آتے ہوئے غبار کے سامنے کھڑا ہوا جب تک ہاتھ نہ پھیرے تیمّم نہ ہوا۔	۳۴۱
فتوٰی ۱۰۷۔ جوڑوں میں درد کہنی میں چوٹ ہے تو تیمّم جائز یا نہیں۔	۳۰۸	جھاڑو دی یا گیہوں تولے ان کے غبار کا بھی وہی حکم ہے۔	۳۴۱
فتوٰی ۱۰۸۔ عارضہ فیل پا کے سبب تیمّم کرے یا اس پاؤں پر مسح۔	۳۰۸	غبار کی جگہ بہ نیت تیمّم سر اور ہاتھ داخل کیے اگر سب جگہ غبار پہنچ گیا تیمّم ہوگیا۔	۳۴۲
فتوٰی ۱۰۹۔ عارضہ فیل پا میں غسل کی جگہ تیمّم جائز ہے یا نہیں۔	۳۰۹	اُڑتے ہوئے غبار میں تیمّم کی نیت سے سر اور ہاتھوں کو جنبش دی تیمّم ہوگیا۔	۳۴۲
فتوٰی ۱۱۰۔ گاؤں سے باہر کھیت ہے نماز صبح کا وقت ہوا اور پانی نہیں تیمّم کرے یا کیا۔	۳۰۹	چہرے اور ہاتھوں پر ریتا یا خاک سب جگہ چھڑکنے سے تیمّم نہیں ہوتا جب تک ہاتھ نہ پھیرے۔	۳۴۲
فتوٰی ۱۱۱۔ تنگی وقت کے سبب غسل کی جگہ تیمّم کرکے پڑھے پھر نہا کر اعادہ کرے۔	۳۱۰	منہ اور ہاتھوں پر تیمّم کی نیت سے گرد اڑائی تیمّم نہ ہوا ہاں اس اُڑتی گرد میں سر و دست کو بہ نیتِ تیمّم جنبش دی تو ہوگیا۔	۳۴۳
فتوٰی ۱۱۲۔ تیمّم کی تعریف وماہیّت شرعیہ۔	۳۱۱	راہ چل رہا ہے اور گرد آکر محیط ہورہی ہے اگر بہ نیت تیمّم سرودست کو جنبش دے گا تیمّم ہوجائے گا ورنہ نہیں۔	۳۴۳
مصنّف کی تحقیق کہ ہر پاک زمین پاک کنندہ ہے۔	۳۱۵	تیمّم میں کس طرح کا فعل شرط ہے۔	۳۴۳
ہاتھ کہ بہ نیت تیمّم جنس ارض پر مارے گئے خود ہی جنسِ ارض کے حکم میں ہوجاتے ہیں۔	۳۲۸	کپڑا اجھاڑ کر غبار سے تیمّم کا طریقہ	۳۴۷
تیمّم میں ہاتھوں پر غبار لگنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ سنّت یہ ہے کہ لگا ہو تو جھاڑ دے۔	۳۲۸	ترچیز ناپاک پر غبار پڑ کر سوکھ گیا اس سے تیمّم جائز نہیں اور خشک ناپاک پر غبار پڑا اس سے جائز ہے۔	۳۴۷
گرد آلودہ ہاتھ چہرے پر پھیرنا منع ہے۔	۳۲۹	جس کے ہاتھ شل ہوں اس کے تیمّم کا طریقہ۔	۳۴۸
تیمّم میں جنسِ ارض پر ہاتھ ملنا سنّت ہے۔	۳۳۵	**مصنّف کی تحقیق** کہ تیمّم چار طرح ہوتا ہے۔	۳۶۶
جائز ہے کہ دوسرے سے کہے مجھے تیمّم کرادے اور اس وقت نیّت اسی کی شرط ہوگی نہ اس دوسرے کی۔	۳۴۰	اڑتے ہوئے غبار میں بہ نیت تیمّم گیا غبار سب اعضا کو پہنچ گیا تیمّم ہوگیا اور اگر یہ نہ گیا بلکہ غبار اعضا پر آیا تو بہ نیت تیمّم سرودست کی جنبش سے تیمّم ہوگا اور اگر غبار اعضا پر بیٹھ گیا تو بے ہاتھ پھیرے تیمّم نہ ہوگا۔	۳۷۱
آندھی سے چہرے اور ہاتھوں پر غبار پڑا تیمّم ہوا یا نہیں۔	۳۴۱		

مصنف کی تحقیق کہ جنسِ ارض پر ہاتھ مارتے وقت نیّت شرط ہے۔	۳۷۳	ہاتھ مار کر گرد جھاڑنا سنّت ہے جتنی بار میں ہاتھ صاف ہوں۔	۳۸۳
تیمّم میں تکرارِ مسح سنّت نہیں۔	۳۷۴	بے نیّت تیمّم زمین پر ہاتھ رکھے تھے ان میں گرد لگی ہوئی ہے اب نیت کرکے ان ہاتھوں کو ایک عضو پر پھیر سکتا ہے۔	۳۸۴
جنس ارض پر بہ نیت تیمّم ہاتھ مارنے سے ہی ہتھیلیوں کا مسح ہوجاتا ہے ان کا دوبارہ مسح نہ کرے۔	۳۷۴	**مصنّف کی تحقیق** کہ ہاتھ مارنے کے بعد حدث ہوگیا دوبارہ پھر ضرب لازم ہے۔	۳۸۵
ضرب ہتھیلیوں سے سنت ہے نہ صرف پشتِ دست سے۔	۳۷۵	زید نے عمرو سے کہا مجھے تیمّم کرادے، عمرو نے جنس ارض پر ہاتھ مارے اس کے بعد زید کو حدث ہوگیا مصنف کی تحقیق میں یہ ضرب بے کار نہ ہوئی، اور اگر عمرو کو حدث ہوگیا تو مصنف کی تحقیق میں بے کار ہوگئی۔	۳۹۲
پشتِ دست بھی جنسِ ارض پر مارے ان کا مسح بھی ہوجائے گا جبکہ ان کا ہر جز مٹّی سے چھوجائے۔	۳۷۶	تیمّم معہود وغیر معہود کا بیان تحقیقاتِ مصنف سے۔	۳۹۴
مصنف کی تحقیق کہ جب ہتھیلیاں تیمّم کے لیے جنسِ ارض پر رکھیں اب دوبارہ ان پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے۔	۳۷۶	تیمّم میں جنس ارض پر ہاتھ رکھنا ہی کافی ہے، بقوت مارنا ضرور نہیں ہاں بہتر ہے۔	۳۹۷
تیمّم ہوتے ہوئے دوبارہ تیمّم مکروہ ہے۔	۳۷۷	پانی سے عجز کی پونے دوسو ۱۷۵ صورتیں۔	۴۱۱
تیمّم میں ایک عضو پر دوبارہ مسح کے احکام۔	۳۷۷	اپنے شہر میں ایسی جگہ ہو جہاں سے ہر جگہ پانی میل بھر دور ہو تیمّم کرسکتا ہے۔	۴۱۱
تیمّم میں ہاتھوں کے مسح کا بہتر طریقہ۔	۳۷۷	اگر مسافر کو امید ہو کہ وقتِ مستحب میں پانی تک پہنچ جائے گا انتظار مستحب ہے اور چاہے تو ابھی تیمّم سے پڑھ لے۔	۴۱۱
اس کا دوسرا طریقہ۔	۳۷۸	پانی اگر اس جگہ اس وقت کے معمولی بھاؤ پر ملتا ہے اگرچہ ایک مشکیزہ ایک روپیہ کو اور یہ خرید سکے تو خریدنا فرض اور تیمّم ناجائز۔	۴۱۴
سنّت یہ ہے کہ جنسِ ارض پر پہلے ہتھیلیاں رکھے پھر ان کی پیٹھ۔	(حاشیہ) ۳۷۵	قیمت پاس نہیں اور دینے والا ادھار دینے پر راضی، جب بھی خریدنا واجب۔	۴۱۴

پانی کی قیمت قرض لیناواجب نہیں۔	۴۱۴	دشمن یاچور یاآگ یادرندہ یاسانپ کے چلے جانے کاانتظار واجب نہیں تیمّم کرکے پڑھ سکتاہے اور اعادہ نہیں ہاں گنجائش ہوتوانتظار بہتر ہے۔	۴۶۰
وضویاغسل میں نقصان کانرااندیشہ کافی نہیں نہ کسی ڈاکٹر یافاسق یاناقص طبیب کاکہنا۔	۴۱۴	فقط مباح کرنے سے پانی پر قدرت ہوجاتی ہے اگرچہ ہبہ نہ کرے۔	۴۶۴
سردی کے خوف سے تیمّم جائز نہیں مگرجبکہ ضرر کاصحیح اندیشہ ہو۔	۴۱۵	فقط وعدہ سے پانی پر قدرت سمجھی جاتی ہے۔	۴۶۴
عادتِ پردہ میں عورات کے اقسام اور دربارہ تیمّم اُن کے احکام۔	۴۱۷	کسی نے پانی دینے کاوعدہ کیاجب اس نے وقت جاتادیکھا تیمّم سے نماز شروع کردی اب وہ پانی لے آیا اس صورت میں کیاحکم ہے۔	۴۶۵
پانی پردشمن ہونے کے سبب تیمّم کی اجازت ہے اور ایک صورت میں پھرنماز پھیرنا بھی نہیں۔	۴۱۹	پانی نہ ہونے کے سبب تیمّم کیاتھا پھرایسا بیمار ہوگیاکہ وضو نقصان کرے گااب پانی پایاتو دوبارہ بیماری کاتیمّم کرے کہ وہ تیمّم کہ پانی نہ ہونے کاتھاجاتارہا۔	۴۶۵
اگرکسی کونہانا ہے اور وہاں کچھ لوگ موجودہیں یاعورت کووضوکرنا ہے اور وہاں نامحرم لوگ ہیں تواس صورت میں تیمّم واعادہ نماز کاکیاحکم ہے۔	۴۲۰	پانی نہ ہونے کے سبب تیمّم کیاتھااب پانی توملامگراس پر دشمن یادرندہ وغیرہ ہے جس کے سبب پانی لے نہیں سکتا پہلا تیمّم نہ ٹوٹے گا۔	۴۶۶
جو تیمّم تنگی وقت کے سبب کیاتھااس سے دوسری عبادت کہ بے طہارت جائز نہیں جائز نہیں۔	۴۲۵	تیمّم کے لیے پانی معدوم ہونے کے معنی۔	۴۶۷
مصنف کی تحقیق کہ نماز مستحب کاوقت جاتاہوتو اس کے لیے تیمّم روانہیں۔	۴۲۹	پانی سامنے ہے مگراس تک پہنچ نہیں سکتاتومعدوم ہے۔	۴۶۸
چڑھنااترنا ممکن اور پانی میل بھرسے کم دورہوتو تیمّم جائز نہیں۔	۴۳۸	اگرپانی سے عجز کاسبب نہ بدلے اور سبب کاسبب بدل جائے تو تیمّم نہ ٹوٹے گااور اس کی مثال۔	۴۶۸
نماز پنجگانہ وجمعہ وتنگی وقت سے تیمّم کی تفصیل	۴۳۹	گرم پانی نہانے کومل سکے اگرچہ حمام میں اُجرت دے کر توسردی کے خوف سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۴۷۴
اگرپانی سے طہارت کرکے وقت میں فقط فرض پڑھ سکتاہے توتیمّم کی اجازت نہیں۔	۴۳۹	جو تیمّم محتلم نے مسجد سے نکلنے کے لیے کیااس سے تلاوتِ قرآن مجید حلال نہیں۔	۴۸۰
سفر قلیل وکثیر کافرق تین مسئلوں میں ہے۔	۴۴۹		

مسجد میں احتلام ہوا اور باہر جا نہیں سکتا ٹھہرنے کے لیے تیمم کیا اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا پانی نہ پائے تو نماز کے لیے دوبارہ تیمّم کرے۔	۴۸۱	سر کے مرض کے سبب اگر گلے سے بھی نہانا مضر ثابت ہو تو تیمّم کرے۔	۵۱۲
حوض دَہ دردَہ سے کم ہے اور پانی تک ہاتھ نہیں پہنچتا تو اس کے اندر نہانے کا کس صورت میں حکم ہے اور کس صورت میں تیمّم کرے۔	۴۹۴	پانی معلوم تھا اور سمجھا کہ خرچ ہوگیا تیمّم سے پڑھ لی اس کا پھیرنا فرض ہے اگرچہ وقت جاتا رہا ہو۔	۵۲۱
نہانے کی حاجت ہے اور پانی مسجد کے اندر ہے اور لانے والا موجود ہے تو واجب ہے کہ اس سے کہے تیمّم کرکے خود نہیں جاسکتا، ہاں وہ انکار کردے تو تیمّم کرکے خود لائے۔	(حاشیہ) ۴۹۵	پانی بیٹے کی ملک پر ہے وہاں تک پہنچنے سے پہلے باپ نے کہہ دیا میں لوں گا تو اگر اس کا تیمّم تھا پہنچنے پر نہ ٹوٹے گا اور باپ نے ایسا نہ کہا تو پہنچنے پر تیمّم ٹوٹ گیا پھر اگر باپ نے لے لیا تو بیٹا دوبارہ تیمّم کرے۔	۵۳۰
پانی سے استعمال کی ممانعت شرعی بھی وجہِ عجز ہے۔	۵۰۰	جنگل میں جنب وحائض ومحدث ومیت ہیں اتنا پانی ملا کہ ایک کو کافی ہے بہتر یہ ہے کہ جنب اُس سے نہائے باقیوں کے لیے تیمّم۔	۵۳۰
گدھے کا جوٹھا پانی ہے یا وہ نبیذ جس کے نبیذ ہونے میں شبہ ہے تو لازم ہے کہ اس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی اور وضو پہلے کرلینا بہتر ہے اور ان پانیوں سے وضو بے نیت نہیں ہوسکتا۔	۵۰۳	اگر اس میں سب کی شرکت ہے تو مناسب یہ ہے کہ میّت کو نہلادیں آپ تیمّم کریں اگر اس میں نابالغ کا حصہ نہ ہو۔	۵۳۰
اعضائے وضو میں اگر مجروح گنتی میں زیادہ ہیں تیمّم کرے اور صحیح اعضا زیادہ ہوں تو وضو کرے اور مجروح پر مسح اور اس گنتی میں سر بھی شمار کیا جائے گا جبکہ تین چوتھائی سے زیادہ مجروح ہو۔	۵۰۶	جنب وحائض ومحدث تیمّم سے تھے مباح پانی اتنا ملا کہ ایک کو کافی ہے سب کا تیمّم ٹوٹ گیا پھر جب مثلاً بوجہ اولویت جنب نہالیا باقی پھر تیمّم کریں۔	۵۳۱
وضو میں اگر سر کا مسح یا غسل میں سر دھونا مضر ہو تو اس کے احکام کی تفصیل اور یہ کہ اس وجہ سے تیمّم جائز نہیں۔	۵۰۹	مباح پانی اگرچہ ایک ہی کے لائق ہو کہ جو چاہے اس سے طہارت کرسکے اور دو کو کافی نہ ہو اور ہیں ہزار تو سب کا تیمّم ٹوٹ گیا۔	۵۳۱
		باپ پانی لینا چاہے تو بیٹے کو اس کی مزاحمت نہیں پہنچتی۔ اور بیٹے کے لیے یہ صورت عجز ہے۔	۵۳۱

پانی چند شخصوں کی ملک فاسد ہے انہوں نے اپنے میں سے ایک کو اجازت دے دی اس کا تیمّم نہ جائے گا۔	۵۳۱	زیارت قبور یا عیادت مریض کیلئے تیمّم کیا اس سے نماز نہ ہوگی۔	(حاشیہ) ۵۵۵
جنب ومحدث وحائض ومیّت میں جنب کیوں اولیٰ ہے۔	۵۳۲	پانی نہ ہونے کی حالت میں جواز تیمم کے لیے دو میں سے ایک نیت شرط ہے۔	۵۵۶
پانی موجود ہوتے ہوئے بلاعذر کسی عبادت کے لیے تیمّم جائز نہیں۔	۵۴۴	پانی ہوتے ہوئے صرف اس عبادت مؤکدہ کے لیے تیمّم جائز ہے جو پانی سے طہارت کرنے میں بلابدل فوت ہوتی ہو۔	۵۵۷
سفر میں کس حالت میں پانی تلاش کرنا فرض ہے کہ بے تلاش تیمّم باطل اور کس حالت میں ضروری نہیں۔	۵۴۵	بے وضو مسجد میں بیٹھنے یا ذکرِ الٰہی کے لیے تیمّم بہتر ہے مگر اس سے نماز نہ ہوگی۔	۵۵۷
سفر میں کس حالت میں پانی کی تلاش مستحب ہے پانی کسی کے پاس تھا اور بے مانگے نماز پڑھ لی نماز کا کیا حکم ہے۔	۵۵۱	مسجد میں سونے کے لیے تیمّم محض لغو ہے۔	۵۵۷
سفر میں پانی کی تلاش کی کیا حد ہے۔	۵۵۳	پانی ہوتے ہوئے مسِ مصحف یا تلاوت کے لیے تیمّم لغو ہے اس سے نہ مصحف چھو سکتا ہے نہ جنب تلاوت کرسکتا ہے۔	۵۵۸
کافر تیمّم کرکے مسلمان ہوا اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، پانی نہ ہو تو دوبارہ تیمّم کرے۔	۵۵۴	پانی ہوتے ہوئے تنگیِ وقت کے باعث تہجد یا چاشت یا چاند گہن کی نماز کے لیے تیمّم لغو ہے۔	۵۵۸
تیمّم میں کیا نیت چاہیے۔	۵۵۵	پانی ہوتے ہوئے زیارت قبور یا عیادت مریض یا سونے کے لیے تیمّم باطل ہے۔	۵۵۸
تیمّم کی وہ نیت جس سے نماز وغیرہ سب ادا کرسکے۔	۵۵۵	صرف اتنی نیت کہ تیمّم کرتا ہوں صحت تیمّم کیلئے کافی نہیں۔	۵۵۹
کس عبادت کی نیت سے تیمّم کریں کہ اس سے نماز جائز ہو۔	۵۵۵	حدث وجنابت میں تمیز کی نیّت تیمّم میں ضرور نہیں۔	۵۵۹
پانی موجود نہیں اور بے وضو شخص قرآن مجید چھونا یا جنب مسجد میں جانا چاہتا ہے تیمّم کریں مگر اس تیمّم سے نماز روانہ ہوگی۔	۵۵۶	غسل کا تیمم بہ نیّتِ وضو اور وضو کا بہ نیت غسل ہوسکتا ہے۔	۵۶۱
بے وضو یادپر تلاوت یا جنب کلمہ طیبہ ودرود شریف پڑھنے کے لیے براہ ادب تیمّم کریں رواہے مگر اس سے نماز نہ ہوگی۔	۵۵۶	حدث جب تک منقطع نہ ہوجائے غیر معذور تیمّم نہیں کرسکتا۔	۵۷۰

تیمّم کی دس نیتیں اور اُن کے احکام۔	۵۷۰	وقت میں گنجائش نہ ہو تو گیلی ہی مٹی سے تیمّم کرے۔	۶۶۸
مصنف کی تحقیق کہ تیمّم میں اصل نیت تطہیر ہے وبس۔	۵۷۳	کیچڑ سے تیمّم کی ضرورت ہو تو کس طرح کرے۔	۶۶۸
اُن اشیا کا بیان جن کی نیت سے تیمّم کرنا صرف ان کے حق میں طہارت ہوتا ہے مطلقاً نہیں۔	۵۷۴	گوبر ملی ہوئی مٹی کہاں تک جلانے سے اس پر تیمّم جائز ہوگا۔	۶۷۴
جس چیز میں اجزائے ارضیہ وغیر ارضیہ کا خلط ہے اگر اجزائے ارضیہ غالب ہیں جنسِ ارض سے ہے ورنہ نہیں۔	۶۱۱	راکھ سے تیمّم کیوں ناجائز ہے۔	۶۷۷
اُن ایک سو اسی ۱۸۰ چیزوں کا بیان جن سے تیمّم جائز ہے۔	۶۲۸	اس کی تحقیق کہ مونگا پتھر ہے۔	۶۸۶
ایک سو سات ۱۰۷ چیزیں کہ مصنف نے زائد کیں۔	۶۴۲	کسی چیز پر اگر مٹی کا باریک خشک لیس ہے کہ اس پر ہاتھ پھیرنے سے نشان نہ بنے گا جب بھی اس پر تیمّم جائز ہے۔	۶۹۵
پِسے ہوئے سُرمہ سے بے ضرورت تیمّم منع ہے اگرچہ ہو جائے گا۔	۶۴۰	سونے چاندی دھاتوں پر تیمّم میں قول فیصل۔	۶۹۵
زمین اور سڑک اور کھرنجے پر تیمّم کس وقت جائز ہے۔	۶۴۳	جنس ارض میں غیر جنس ملی ہونے کا مسئلہ۔	۶۹۵
ناہموار پتھر یا دیوار پر تیمّم میں کیا شرط ہے۔	۶۴۷	جنسِ ارض میں اس کا غیر ملا ہو تو پکانے جلانے کے بعد کیا حکم ہے۔	۷۰۰
اگر ساری ہتھیلیاں زمین کو نہ لگیں تو کیا کرے۔	۶۴۷	تیمّم کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر تیمّم کرے نہ اس وقت اس کی ناپاکی معلوم ہو نہ بعد کو ثابت ہو۔	۷۰۷
اُن ایک سو بتیس ۱۳۲ چیزوں کا شمار جن سے تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۶۵۰	جو جگہ یا چیز مظنہ نجاست ہو اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا اگرچہ اس وقت اس پر نجاست نہ معلوم ہو۔	۷۰۷
تہتر چیزیں کہ مصنف نے زائد کیں۔	۶۵۵	کسی چیز پر تیمّم کیا پھر کسی نے خبر دی کہ یہ ناپاک تھی تو کیا حکم ہے۔	۷۰۷
کھریا پتھر نہیں اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۶۵۶	جس چیز پر تیمّم کیا نہ وہ مظنہ نجاست تھی نہ بعد کو اس کا نجس ہونا ثابت ہوا تیمّم صحیح ہوگیا اگرچہ واقع میں وہ نجس تھی۔	۷۰۷
سنگ بصری پتھر نہیں اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۶۵۸	رواہے کہ دوسرے سے بشرائط آئندہ تیمّم کرالے۔	۷۰۸
کیچڑ کے سوا تیمّم کو کچھ نہ ملے اگر وقت میں وسعت ہو تو کپڑے یا پاؤں میں سان لے خشک ہونے پر تیمّم کرے۔	۶۶۷		

بلاضرورت دوسرے سے اپنا تیمّم کرانا مکروہ ہے۔	۷۰۸	تیمّم میں ترتیب شرط نہیں ہاں سنّت ہے کہ پہلے منہ کا مسح کرے پھر دہنا ہاتھ پھر بایاں۔	۷۱۴
ضرور ہے کہ دوسرے کا اسے تیمّم کرانا اس کے حکم سے ہو اگرچہ دلالۃً۔	۷۰۸	تیمّم معہودہ بارہ[۱۲] طرح ہوسکتا ہے جن میں ایک سنت ہے اور باقی بھی جائز۔	۷۱۴
جس وقت وہ دوسرا ضرب کرے ضرور ہے کہ یہ حکم دینے والا اس وقت نیت کرے۔	۷۰۸	لازم ہے کہ انگوٹھی، چھلے اُنگلی کلائی کا ہر گہنا اتار کر انہیں ہٹاہٹا کر مسح کریں ورنہ تیمّم نہ ہوگا۔	۷۱۵
اس مسئلہ میں حکم صراحۃً ودلالۃً ووقت نیت کی تفصیل **تحقیقات مصنف سے۔**	۷۰۹	مواضع حرج مستثنٰی ہیں۔	۷۱۵
تیمّم معہود میں جنس ارض پر خاص ہاتھوں کا لگانا ضروری ہے لکڑی، کاغذ، کپڑا وغیرہ مٹی پر لگا کر منہ اور ہاتھوں پر پھیرنا کافی نہیں۔	۷۱۲	**فتوٰی ۱۱۳۔** تیمّم سے مٹی مستعمل نہیں ہوتی۔	۷۱۷
کپڑا وغیرہ مٹی پر لگانے سے اگر اس میں مٹی اتنی بھر گئی کہ اسے منہ اور ہاتھوں پر پھیرنے سے سب جگہ مٹی پہنچ گئی تیمّم ہوگیا۔	۷۱۲	ایک جگہ سے ہزار شخص اور ایک شخص ہزار بار تیمّم کرسکتا ہے۔	۷۱۸
دستانے پہنے ہوئے جنسِ ارض پر مار کر تیمّم کیا تو ہوجانا چاہئے۔	۷۱۲	تیمّم کرنے والوں کے منہ اور ہاتھوں سے جو مٹی جھڑی اسے جمع کرکے اس پر بھی تیمّم ہوسکتا ہے۔	۷۲۰
ہتھیلیوں پر خشک لیپ ہے اور چھڑانا مضر تو اسی طرح تیمّم کرے۔	۷۱۳	ایک عضو کے لیے کئی ضربیں بالاجماع مکروہ ہیں۔	۷۲۹
دو عضووں کو ایک ہتھیلی کی ضرب واحد کافی نہیں۔	۷۱۳	**فتوٰی ۱۱۴۔** مسجد کی دیوار سے تیمّم جائز ہے اور گنگوہی کا رد۔	۷۳۸
اگر دوسرے زندہ یا مردہ کو تیمّم کرانے میں دونوں ہتھیلیوں سے اس کے ایک ہاتھ کو مسح کیا تو دوسرے ہاتھ کے لیے تیسری ضرب درکار ہوگی۔	۷۱۴	کسی دیوار پر تیمّم دیوار میں تصرّف نہیں۔	۷۴۰

فہرست ضمنی مسائل

باب الوضوء		بدن پر دوا لگی ہے اور چھڑانا مضر تو اس پر پانی بہائے اور اس سے بھی ضرر ہو تو مسح کرلے اور اس سے بھی ضرر ہو تو معاف۔	۵۱۶
جنازہ کے لیے جو وضو کیا اس سے ہر نماز پڑھ سکتا ہے۔	۳۰۶	پانی بیکار صرف کرنا یا پھینک دینا حرام ہے۔	۵۱۹
وضو کرنے بیٹھا چلو میں پانی لیا حدث ہوگیا یہ چلّو ہاتھ دھونے میں صرف کرسکتا ہے۔	۳۸۶	کافر وضو یا غسل کرکے اسلام لایا اور اس کے بعد حدث نہ ہوا اسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔	۵۵۴
منہ دھویا پھر ہاتھ دھونے کے لیے چلّو میں پانی لیا کہ حدث ہوگیا یہ پانی ہاتھوں پر ڈال سکتا ہے۔	۳۸۶	ایک دو انگلی سے سر اور موزہ کا مسح جائز نہیں ہاں اگر بار بار انگلی ترکرکے مختلف جگہ پر رکھے کہ قدر مطلوب کو پہنچ جائے تو جائز ہے۔	۷۱۱
منہ دھونے کو پانی لَپ میں لیا پھر حدث ہوگیا وہ پانی منہ دھونے کو کافی نہ ہونا چاہئے۔	۳۸۸	وضو میں مسح سر کا بہتر طریقہ۔	۷۳۰
وضو وغسل میں جس عضو کا دھونا مضر ہو تو مسح کرلے۔	۵۱۲	ایضاً دوسرا طریقہ۔	۷۳۲
دھونا اور مسح کرنا جمع ہوسکتے ہیں جتنے ٹکڑے کا دھونا مضر ہے مسح کرے باقی کو دھوئے۔	۵۱۳	سر کے مسح میں انگلیوں کی تری ختم ہوگئی تو کانوں کے مسح کے لیے نئی تری لیں۔	۷۳۱
دھونا اور پٹی کا مسح کرنا جمع ہوسکتے ہیں۔	۵۱۳	**نواقضِ وضو**	
اعضا پھٹ گئے ہوں تو ان کے دھونے یا مسح کرنے کی تفصیل۔	۵۱۶	نجاست کا پانی اپنی قوت سے بہہ کر نکلنا ناقض وضو ہے اگرچہ اس کے ساتھ اور پاک رطوبت اس سے زائد مخلوط ہو۔	۱۷۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رقیق خون سر سے آئے یا جوف سے کتنا ہی قلیل ہو ناقض وضو ہے۔	۱۷۲	**انجاس**	
قے میں بستہ خون جوف سے آیا اگر منہ بھر کر ہو، ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔	۱۷۳	دودھ، گھی، تیل، روغنِ زیتون سے دھونا نجاست کو پاک نہیں کرتا۔	۵۰
خون کہ جوف سے قے میں آئے مطلقًا ناقضِ وضو ہے رنگت کا اس میں اعتبار نہیں۔	۱۷۳	سرکہ یا چنے یا باقلا کا پانی جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو نجاست کو پاک کردے گا مگر بلاضرورت جائز نہیں۔	۵۱
ورزش سے وضو نہیں جاتا۔	۳۰۶	رقیق اور دَلدار نجاستوں کی مقداریں اور احکام۔	۵۳
معاصی و مکروہات کا ارتکاب بھی ایک طرح کی نجاست حکمیہ ہے اگرچہ ان سے وضو نہیں جاتا۔	۴۰۹	تیل روپے بھر سے زیادہ جگہ پر نہ ہو اس وقت تک اس کپڑے سے نماز ہوجائے گی پھر پھیل کر زیادہ ہوگیا تو اب نہ ہوگی۔	۵۴
مصنف کی تحقیق کہ مسلمان کی موت حدث ہے نجاست نہیں۔	(حاشیہ) ۴۰۳	جرم دار نجاست رگڑ کر جھڑ جانے سے جوتا اور موزہ پاک ہوجاتا ہے۔	۵۴
نجاست حکمیہ نجاست حقیقیہ سے سخت تر ہے اس کا ایک حصہ معاف ہوتا ہے یہاں کوئی ذرہ معاف نہیں۔	۵۱۴	جو نجاست دَلدار نہیں اسے بے دھوئے جوتا پاک نہ ہوگا۔ ذی جرم و بے جرم کی تعریف۔	۵۴
باب الغسل		**تحقیق شریف للمصنّف فی ان المرئی وغیرہ لہ معنیان وتوزیع ارادتھما علی المقامات۔**	۷۲
سر دھونا نقصان کرے گلے سے نہائے سر کا مسح کرے۔	۵۱۴	نجاست کے بارے میں شک وظن کا اعتبار نہیں اور اس کی مفید مثالیں۔	۲۵۲
مسح خفین		جانور کہ مزارات پر لے جاکر ذبح کرتے ہیں ان کی کھال پاک ہے۔	۲۵۶
غسل میں موزوں کا مسح جائز نہیں، موزہ اتار کر پاؤں دھونا فرض ہے۔	۲۹۸	مرتد یا مشرک کے ذبیحہ کی کھال ناپاک سمجھی جائے، زیادہ احتیاط اسی میں ہے۔	۲۵۷
یہ جائز نہیں کہ ایک پاؤں دھوئے ایک موزہ پر مسح کرے۔	۵۱۳	رحم کی رطوبت پاک ہے۔	۲۶۸

شہید کا خون جب تک اس کے بدن پر ہے پاک ہے۔	۲۶۸	نجاست دھونے میں کیسا اثر باقی رہنا معاف ہے۔	۴۷۱
زمین خشک ہو کر نماز کے لیے پاک ہو جاتی ہے نہ تیمّم کے لیے جب تک دھو کر پاک نہ کرلیں۔	۲۹۱	گوبر وغیرہ نجاسات جل کر بالکل راکھ ہو جائیں تو وہ راکھ پاک ہے جب تک ذرا بھی جان باقی ہے ناپاک ہے۔	۴۷۶
گھوڑے کو نہلایا اس کی چھینٹیں بدن یا کپڑے پر پڑیں کچھ حرج نہیں جب تک نجاست تحقیق نہ ہو۔	۲۹۱	**استنجا**	
گھوڑے کا پسینہ پاک ہے۔	۲۹۱	استنجا کا پانی پاک ہے یا نہیں ڈھیلے سے استنجا طہارت کر دیتا ہے یا نہیں۔	۲۷۲
گھوڑا پانی میں اتارا اس کی دُم کی چھینٹیں آئیں حرج نہیں۔	۲۹۱	**مسائل نماز**	
زمین خشک ہو کر خفیف نجاست رہ جاتی ہے جو نماز میں عفو ہے۔	۳۱۶	وضو وغسل وسجدہ میں عوام کی بے احتیاطیاں جن سے نمازیں باطل ہوتی ہیں۔	۲۵۲
کسی شخص یا شَے کے حق میں کسی چیز کے پاک یا ناپاک ہونے کے معنی۔	۳۱۷	قراءت قرآن مجید میں عوام درکنار یہاں کے خواص کی بے احتیاطیاں۔	۲۵۳
اس کی صورت کہ کپڑا ایک کے لیے پاک ہے دوسرے کے لیے ناپاک۔	۳۱۷	شہید کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھی تو کیا حکم ہے۔	۲۶۸
ان چیزوں کا بیان جن کو بے دھوئے پاک ہونے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ اس کے بعد انہیں پانی پہنچنا بھی ناپاک نہ کرے گا۔	۳۲۰	صرف ڈھیلے سے استنجا کرکے نماز پڑھی تو کیا حکم ہے۔	۲۷۲
جن میں بے دھوئے حکمِ طہارت دیا گیا اُن میں خفیف اجزائے نجاست باقی رہتے ہیں کہ پانی کے حق میں بھی معاف ہیں۔	۳۲۰	بکری کا بچہ اسی وقت کا پیدا ہوا کہ رطوبت رحم سے گیلا تھا گود میں اُٹھا کر نماز پڑھی ہو گئی۔	۲۹۲
موت نجاست حقیقیہ ہے یا حکمیہ۔	۴۰۲	دو۲ نمازیں ایک وقت میں ملا کر پڑھنا حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔	۳۰۴
غسل سے پہلے اگر میت کا عضو آب قلیل میں پڑ جائے تو احتیاطاً پانی غیر طاہر کہا جائے گا۔	(حاشیہ) ۴۰۷	جب جانے کہ سویا تو نماز نہ ملے گی تو سونا جائز نہیں مگر جبکہ کسی جگا دینے والے پر اعتماد ہو۔	۳۰۷
کافر کا مردہ مثل خنزیر نجس العین ہے لاکھ بار نہلائے سے بھی پاک نہیں ہوتا۔	(حاشیہ) ۴۰۷	ایسے وقت سویا کہ عادۃً آنکھ کھل جاتی ہے مگر اتفاقاً نہ کھلی تو گنہگار نہیں۔	۳۰۷

پیش از غسل کسی مُردے کو اُٹھا کر نماز پڑھی اعادہ کرے۔	(حاشیہ) ۴۰۷	ظہر یا جمعہ کی سنتیں شرکت جماعت کے سبب نہ ملیں تو بعد نماز وقت کے اندر پڑھنا ضرور ہے بعد وقت نہ ہوسکیں گی۔	۴۲۷
جو پولیس کے خوف سے چھپا بیٹھا ہو اس پر سے جمعہ وجماعت ساقط ہیں۔	۴۱۳	نماز تہجّد مستحب ہے۔	۴۲۹
سواری سے اتر نہیں سکتا تو اسی پر نماز پڑھے۔	۴۲۲	صبح کی سنتیں قضا ہوجائیں تو بلندی آفتاب کے بعد ضحوہ کبرٰی تک اُن کی قضا مستحب ہے۔	۴۲۹
عورت کے لیے سواری سے اتارنے چڑھانے کو نہ کوئی محرم ساتھ نہ شوہر تو سواری ہی پر نماز پڑھے۔	۴۲۳	چاند گہن کی نماز مستحب ہے اور سورج گہن کی سنت مؤکدہ۔	۴۳۲
سفر میں گھوڑا بدرکاب ہے کہ اُتر کر چڑھنے نہ دے گا اُسی پر نماز پڑھے۔	۴۲۳	سورج گہن کی نماز عیدگاہ یا مسجد جامع میں پڑھنا بہتر۔	۴۳۵
اترنے چڑھنے میں مرض بڑھے گا سواری پر نماز پڑھے۔	۴۲۴	سخت آندھی، زلزلہ، کڑک وغیرہ ہولناک باتوں کے وقت نفل پڑھنا مستحب ہے۔	۴۳۷
کھڑا ہو تو زخم بہے یا قطرہ آئے بیٹھ کر نماز پڑھنی لازم۔	۴۲۵	شہر سے باہر سواری پر نماز نفل اشارہ سے پڑھنا جائز ہے اگرچہ مسافر نہ ہو۔	۴۳۸
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔	۴۲۵	مسافر ایسی جگہ ہو کہ ساری زمین ناپاک اور بھیگی ہوئی ہو تو کیا کرے۔	۴۴۳
نماز عیدین امامِ جمعہ کے سوا کسی کے پیچھے نہیں ہوسکتی۔	۴۲۶	چند آدمی برہنہ ہیں ستر عورت کے لائق صرف ایک کپڑا ہے کہ باری باری سے اسے باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو اُن میں جو یہ جانے کہ مجھ پر باری وقت کے بعد پہنچے گی وہ یوں ہی پڑھ لے پھر پھیرے۔	۴۵۳
سورج گہن میں بھی صرف امامِ جمعہ امامت کرسکتا ہے۔	۴۲۶	کشتی یا ریل یا تنگ مکان میں کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھے پھر اعادہ کرے۔	۴۵۳
سورج گہن میں جماعت ضروری نہیں۔	۴۲۶	ستر کے قابل کپڑا ناپاک ہے اور دوسرا کپڑا نہیں اور پاک کرنے میں وقت جاتا رہے گا یوں ہی پڑھ لے پھر پھیرے۔	۴۵۳
گہن چھوٹنے کے بعد گہن کی نماز شروع نہیں کرسکتا۔	۴۲۶	مریض اس وقت قیام پر قادر نہیں اور جانتا ہے کہ بعد وقت قادر ہوجائے گا بیٹھ کر پڑھ لے اور اعادہ نہیں۔	۴۵۳

مریض کو اس وقت پانی سے ضرر ہے اور بعد وقت ضرر نہ رہے گا تیمّم سے پڑھے اور اعادہ نہیں۔	۴۵۳	تیمّم والے کے پیچھے پانی سے طہارت والا نماز پڑھ سکتا ہے مگر افضل عکس ہے۔	۵۳۲
کپڑے والے نے برہنہ سے کپڑا دینے کا وعدہ کیا آخر وقت تک انتظار کرکے پڑھ لے اور اعادہ نہیں۔	۴۵۴	جنگل میں اگر سمتِ قبلہ معلوم نہ ہو تو کیا کرے۔	۵۵۲
آنکھ بنوائی طبیب نے جنبش سے منع کیا اشارہ سے نماز پڑھے اور اعادہ نہیں۔	۴۵۶	اُس حالت میں جدھر دل جمتا تھا اس کے خلاف نماز پڑھی باطل ہوئی۔	۵۵۲
نماز صبح و جمعہ و عیدین میں تسبیح وغیرہ سنتوں کا وقت نہ ہو تو فقط واجبات ادا کرے، واجبات کا وقت نہ ہو تو صرف فرائض پر اقتصار کرے پھر پھیرے۔	۴۵۹	جہاں نہ پانی ہو نہ مٹی نماز کس طرح پڑھے۔	۶۵۹
آدمی اس وقت جس طرح نماز پر قادر ہے اسی قدر کا حکم ہے، ہاں اگر جانے کہ وقت کے اندر اس سے بہتر حالت ہو جائے گی تو انتظار بہتر۔	۴۶۰	**احکام مسجد**	
ایسی اندھیری کہ راہ نظر نہ آئے جمعہ وجماعت کا وجوب ساقط کرتی ہے۔	۴۷۰	غیر معتکف کو مسجد میں سونا منع ہے۔	۴۷۹
کھڑے ہونے سے مرض بڑھے یا دیر میں اچھا ہو یا درد شدید ناقابلِ تحمل ہو تو بیٹھ کر اجازت ہے ورنہ نہیں۔	۴۷۱	مسجد میں سوتا تھا احتلام ہو گیا اب کیا کرے۔	۴۷۹
کیسی ہی اندھیری ہو ترک جماعت کے لیے عذر نہیں جبکہ روشنی پر قادر ہو۔	۴۷۲	ناپاکی کی حالت میں مسجد میں گزرنا چلنا بھی حرام ہے۔	۴۸۰
کس حال میں اندھیری ترکِ جماعت کے لیے عذر ہو سکتی ہے۔	۴۷۲	جنب نے بھولے سے مسجد میں ایک قدم رکھا فوراً بلا تیمّم وہ قدم باہر نکال لے۔	۴۸۰
اندھیری میں مسجد کو جانے کی فضیلتیں۔	۴۷۲	جس کے مکان کا راستہ مسجد میں ہو کر ہے اور اسے بدلنے پر قادر نہیں وہ بھی بحالِ جنابت مسجد میں نہیں گزر سکتا پانی نہ پائے تو تیمّم کرے۔	۴۸۵
سخت تاکید جماعت کی حدیثیں۔	۴۷۳	مسجد میں وضو و غسل حرام ہے مگر تین صورتوں میں۔	۴۸۶
سخت دھوپ وغیرہ وہ چیزیں جن کے سبب جمعہ وجماعت کی حاضری معاف ہے۔	۴۷۵	خطبہ سنتا تھا وضو جاتا رہا لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نکلنے کی اجازت نہیں اب کیا کرے۔	۴۸۶
اُن معذوروں کا بیان جن پر جمعہ وجماعت واجب نہیں۔	۴۷۸	**مصنّف کی تحقیق** کہ مسجد میں کسی برتن میں وضو کرنے کا کیا حکم ہے۔	۴۸۷

www.dawateislami.net

مسجد کو ہر گھن کی چیز سے بچانا واجب ہے بعض لوگ کہ وضو کے بعد منہ اور ہاتھوں سے پانی پونچھ کر مسجد میں جھاڑتے ہیں محض حرام ہے۔	۴۳۹	بچے نے جب تک بات نہ کی ہو اسے مرد و عورت دونوں نہلا سکتے ہیں۔	۵۳۷
گرد و غبار کہ ہوا باہر سے لائی اجزائے مسجد سے نہیں اس کے صاف کرنے کا حکم ہے۔	۴۳۹	وہ دس صورتیں جن میں زوجہ کو جائز نہیں کہ اپنے مردہ شوہر کے کسی حصہ بدن کو ہاتھ لگائے۔	۵۴۰
مسجد کی زمین یا دیوار یا ستون یا اس گرد سے جو پھیلی ہوئی ہے پاک کیچڑ پونچھنے کی بھی اجازت نہیں۔	۴۳۹	کنیز کہ اُمّ ولد ہو موت مولٰی کے بعد اس کا ہاتھ نہیں چھو سکتی۔	۵۴۲
گرد جھاڑ کر کسی گوشہ میں جمع کردی ہے اس سے کیچڑ سنے پاؤں پونچھنے میں حرج نہیں۔	۴۳۹	میت نے کچھ مال نہ چھوڑا تو اس کا کفن دفن اس پر واجب ہے جس کے ذمہ زندگی میں اس کا نفقہ تھا۔	۵۴۲
مسجد کے چراغ سے کس حال میں کتاب بینی یا درس وغیرہ کرسکتا ہے۔	۴۴۰	عورت کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے۔ اگرچہ عورت غنی ہو۔	۵۴۲
جنائز		لاوارث میّت کا کفن دفن کس پر واجب ہے۔	۵۴۲
پانی نہ ہو یا کوئی ایسا نہ ہو جسے میّت کا نہلانا شرعاً جائز ہو تو اسے تیمّم کرائیں۔	۴۰۲	میت کے پاس قبل غسل تلاوت قرآن نہ کی جائے جب تک اس کا سارا بدن ڈھانک نہ لیں۔	۵۵۵
میّت کو تیمّم کرانے میں نیّت شرط ہے۔	۴۱۰	زیارت قبور وعیادت مریض عبادت الٰہی ہیں۔	۵۶۳
میت کا غسل ایک بار فرض ہے اور تین بار سنّت۔ حاشیہ	۴۰۸	دفنِ مسلم بھی عبادتِ الٰہی ہے باوضو ہونا چاہئے پانی نہ ہو تو تیمّم کرے۔	۵۶۳
نماز جنازہ تکبیروں پر ختم ہوجاتی ہے چوتھی تکبیر کے بعد نیا آدمی نہیں مل سکتا اگرچہ ابھی سلام نہ ہوا ہو۔	۴۲۵	تنگی مہلت کے سبب نماز جنازہ کے لیے تیمّم کیا تو اس سے دوسرا جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتا جبکہ اس کے لیے وضو کی مہلت پائے ورنہ پڑھ سکتا ہے۔	۵۷۰
نماز جنازہ ولی پڑھ لے تو دوبارہ نہیں ہوسکتی۔	۴۲۶		

مسائل روزہ		خوشبو ملی ہوئی چیز کا احرام میں پینا کیا حکم رکھتا ہے۔	۱۸۴
دانتوں سے خون نکلا روزہ میں نگل لیا اگر حلق میں مزہ معلوم ہوا روزہ جاتا رہا ورنہ نہیں۔	۱۶۹	اگر محتاج کو کوئی اتنا مال ہبہ تو نہ کرے لیکن مباح کرے جس سے وہ حج کرسکے تو حج واجب نہ ہوگا اور اس کا قبول ضرور نہیں۔	۴۶۴
کلّی کے بعد تری کہ منہ میں رہ جاتی ہے کس صورت میں اس کے نگلنے سے روزہ نہ جائے گا۔	۱۷۳	سفر حج میں آبِ زمزم شریف استعمالِ وضو سے بچانے کی تدبیریں۔	۴۹۶
منہ میں کھانے یا پان کا ایسا اثر رہ جائے کہ آپ حلق میں اُترنے کے قابل نہ ہو اگر لعابِ دہن کے ساتھ اتر جائے گا روزہ نہ جائے گا۔	۱۷۳	**مسائل نکاح**	
جو چیز منہ میں رہ گئی اس کے نگلنے سے روزہ کس طرح نہ جائے گا۔	۱۷۳	دوا ملا کر عورت کا دودھ بچہ کو پلایا تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں۔	۱۶۹
جو چیز منہ میں لگی رہ گئی اس کے قلیل وکثیر کا فرق۔	۱۷۳	منہ یا ناک کے ذریعہ سے عورت کا دودھ جو بچہ کے جوف میں پہنچے گا حرمتِ رضاعت لائے گا۔	۱۷۰
روزہ میں تل کے ایک دانہ کے چبانے یا نگلنے کا حکم۔	۱۷۴	کھانے میں عورت کا دودھ ملا کر بچہ کو کھلانے سے حرمتِ رضاعت مطلقًا ثابت نہ ہوگی۔	۱۷۴
روزے میں بھول کر جماع میں مشغول ہوا پھر یاد آیا رات سے مشغول تھا اور اسی اثنا میں صبح چمکی تو کیا حکم ہے۔	۴۹۰	نماز کا اتنا وقت ہے کہ بعد جماع نہا کر نماز نہ ملے گی تو جماع جائز نہیں۔	۳۰۷
مسائلِ حج		بہت صورتوں میں زوجہ سے صحبت حرام ہوتی ہے۔	۳۰۷
زعفران ملے ہوئے پانی سے احرام میں نہایا تو کیا حکم ہے۔	۱۸۳	عقد نکاح میں یہ قید لگائی کہ مثلًا سو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا اور دل میں نیت ہے کہ گھڑی بھر بعد چھوڑ دوں گا تو ہو جائے گا۔	(حاشیہ) ۵۰۲
خوشبو ملا ہوا کھانا احرام میں کھانے کے احکام۔	۱۸۴	چچا کے بعد چچازاد بھائی عورت کا ولی ہے اس حالت میں اگر اس نے عورت سے کہا میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں وہ چپ رہی اس نے دو گواہوں کے سامنے عورت کی تعیین کرکے کہہ دیا کہ میں اسے اپنے نکاح میں لایا نکاح ہوگیا جبکہ کفو ہو اور کفو کے معنی۔	۷۰۹
بحالتِ احرام بدن میں کسی خوشبو کے استعمال کا حکم۔	۱۸۴	عمرو نے بطور خود زید کا نکاح کردیا نکاح صحیح ہوگیا مگر اجازت زید پر موقوف رہا اور اجازت کی صورتیں۔	۷۱۰

مسائلِ عتق		**مسائلِ بیع**	
جس کنیز کی مولٰی سے اولاد ہو اور مولٰی اقرار کرے کہ وہ میری اولاد ہے وہ اُم ولد کہلاتی ہے مولٰی کے مرتے ہی آزاد ہوجائے گی۔	۵۴۲	بیع تعاطی یعنی لینے دینے سے بھی ہوجاتی ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہیں مثلاً روٹی کا عام بھاؤ ایک پیسہ ہے اس نے چار پیسے رکھے اور چار روٹیاں اس کے سامنے اٹھالیں بیع ہوگئی۔	۷۱۰
مسائلِ قسم		زید کی نیت سے عمرو کا خریدنا زید کو مالک نہ کردے گا جب تک عمرو اسے دے نہ دے ہاں اگر عقد بیع زید کے نام پر ہوا تو زید کی اجازت پر موقوف رہے گا جائز کیا تو زید ہی مالک ہوا اور رَد کیا تو رَد ہوگئی۔	۷۱۰
ایک شخص کی چار عورتیں تھیں اور دس یا زیادہ غلام اس نے قسم کھائی کہ ایک عورت کو طلاق دے تو ایک غلام آزاد ہے اور دو کو تو دو اور تین کو تو تین اور چار کو تو چار اس صورت میں اگر چاروں کو طلاق دی معاً خواہ فاصلہ سے تو دس غلام آزاد ہوئے۔	۱۳۷	**مسائلِ وکالت**	
پانی پینے کی قسم کھائی اور زعفران ملا پانی پیا تو کیا حکم ہے۔	۱۸۳	پانی لینے کو وکیل کیا اس نے رنگت ملا پانی خریدا تو کیا حکم ہے۔	۱۸۳
مسائلِ حدود		**مسائلِ ہبہ**	
شراب کی ایک بوند پانی کو نجس وحرام کردے گی مگر شراب ملے پانی سے حد نہ آئے گی جب تک نشہ نہ ہو۔	۱۷۴	دی ہوئی چیز پھیر لینا گناہ ہے اگرچہ موہوب لہ خوشی سے پھیرے۔	۵۰۲
مسائلِ سِیَر		**مسائل شکار وذبیحہ وقربانی**	
عالمِ دین سُنّی صحیح العقیدہ کی توہین کفر ہے۔	۲۸۱	جو جانور نیازِ اولیا کے لیے ذبح کرتے ہیں حلال ہے۔	۲۵۶
		مالک نے کوئی نیت کی ہو ذابح نے تکبیر کہہ کر اللہ کے لیے ذبح کیا جانور حلال ہے۔	۲۵۶

جس خچر کی ماں گھوڑی ہے اس کا کھانا حرام نہیں مکروہ ہے۔	۵۰۳	جہاں کوئی نجاست پڑی ہو وہاں تلاوت مکروہ ہے۔	۵۵۵
جانوروں میں ماں کا اعتبار ہے ماں اگر حلال ہے تو بچہ بھی اور ماں اگر قربانی کا جانور ہے تو بچہ بھی اگرچہ باپ حرام ہے۔	۵۰۳	جنب وحیض ونفاس والی عورت کے پاس تلاوت میں حرج نہیں بلکہ اپنی عورت حائضہ کی گود میں سر رکھ کر تلاوت کرسکتا ہے۔	۵۵۵
بچھو کی خاک کہ سنگِ گردہ میں کھلاتے ہیں حرام ہے اور ایسا علاج ناجائز۔	۶۰۰	صرف تانا ریشم ہو تو جائز اور بانا ریشم ہو تو مرد کو ناجائز۔	۶۰۲
مسائلِ حظر واباحت		سیپ کا چونا حرام ہے جس پان پر لگا ہو اس کا کھانا حرام۔	۶۵۷
رافضی کے یہاں کچھ کھانا پینا ہرگز نہ چاہیے۔	۲۸۸	بلاضرورت دوا منہ پر کوئی ایسی چیز سانا جس سے صورت بگڑے ناجائز ہے۔	۶۶۷
جواب سلام میں دیر جائز نہیں۔	۴۲۷	حربی کافروں کے بھی بعد قتل ناک کان کاٹنا حرام ہے۔	۶۶۷
سلام شروع ملاقات کے وقت ہے دیر کے بعد یا کچھ کلام کرکے خلاف سنّت ہے۔	۴۲۷	بعض نوجوان جو آپس میں کیچڑ سے کھیلتے ہیں ایک دوسرے کو منہ پر کیچڑ ملتے ہیں یا ہنسی سے کسی کے سوتے میں اس کے منہ پر کالک لگاتے ہیں یہ سب حرام ہے۔	۶۶۷
دوسرے کی کنیز کا کتنا بدن دیکھنا جائز ہے اور کس حالت میں چھونا۔	۵۴۱	**مسائلِ احیائے موات**	
اجنبی آزاد عورت کا بدن چھونا مطلقاً حرام ہے شیخ کو جائز نہیں کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بیعت لے اور دیکھنے کے حکم کی تفصیل۔	۵۴۱	جو سرکاری زمین میں باذنِ سلطان کنواں کھودے اس کے گرد چالیس ۴۰ ہاتھ تک دوسرے کو کنواں کھودنے کی اجازت نہ ہوگی۔	۶۸۶
دوسرے کی کنیز شرعی کا اس کے ہاتھ پاؤں دبانا یا سر میں تیل ڈالنا یا پیٹ پیٹھ ملنا کیسا ہے۔	۵۴۱		

I.T. Majlis of DawateIslami

مسائلِ مدانیات		اختلاف اسباب الرخصة یمنع الاحتساب بالاولی۔	۴۶۵
مدیون پر ڈگری ہوئی پہننے کے ضروری کپڑے کے علاوہ اس کامال ادائے دین میں لیاجائے گا۔	۵۴۲	احکام الٰہیہ بجالانے میں قلیل مشقت عذر نہیں۔	۴۷۱
مسائلِ فرائض		جو عقد حیلہ شرعیہ کی غرض سے کیاجائے محض برائے گفتن نہ ہو بلکہ حقیقی طور پر اس کی نیت کرے۔	۵۰۱
میّت کے غسل وکفن کی حاجت اس کے مال میں سب پر مقدم ہے جب تک یہ ہولے قرض خواہ کو بھی نہ دیں گے وارث توبعد کو ہے۔	۵۴۲	ثواب کی بات میں یہ نہ چاہے کہ وہ دوسرے کو اپنے پر ترجیح دے مگر محلِ ادب میں۔	۵۳۶
فوائدِ فقہیّہ		عبادت کی چار قسمیں مقصودہ وغیر مقصودہ اور ہر ایک مشروطہ بطہارت وغیر مشروطہ اور ان کی مثالیں۔	۵۵۶
الخلط لایضاف الا الی المغلوب۔	۴۹	تواریخ تصنیفِ درر وذخیرۃ العقبیٰ۔	۵۹۱
استار ایک تولہ ۸ ماشے سے ۲رتی اور رطل ۳۳ تولے ۹ ماشے۔	۲۶۳	**رسم المفتی**	
درم شرعی کی مقدار۔	۴۱۲	ربما یطلقون مقید احتی فی الشروح وھذا من اعظم وجوہ العسر فی ادراک الفقه۔	۱۲۳
وہ عبادتیں کہ فوت ہوجائیں توان کا کوئی عوض نہیں۔	۴۲۵	المطلق فی کلام الفقھاء یحمل علی المقید	۱۶۱
بین الواجب وشعار الاسلام عموم من وجه۔	۴۳۶	کوئی امام معتمد ایک قید ذکر فرمائے کہ اوروں کے یہاں نہیں توچار صورتیں ہیں۔	۳۰۲
اللیث بن سعد کان حنفیا۔	۴۴۴	تقیید شراح اطلاق متون کی مخالفت نہیں بلکہ بیان مراد ہے۔	۳۰۳
شرع مطہر جو رخصتیں عطافرماتی ہے اس میں مطیع وعاصی سب شریک ہیں۔	۴۵۰	کل روایة فی مسألة روایة فی نظیرتھا التی لا تفارقھا فی المعنی فما کان مثلا قول الامام فی تلک فھو قوله فی ھذہ وان ثبت عنه خلافه فی ھذہ فله فیھا قولان۔	۴۴۳

النصاب والخلاصة کلاھما للامام طاھر بن عبدالرشید البخاری۔	۶۷۷	**فوائد حدیثیه**	
ماذکر حکما مقدم علی ماذکر فی التعلیل۔	۷۳۷	الثناء علی الراوی لیس ثناء علی روایته۔	۳۵۳
فی بعض الکتب نقل مجھول لایکفی۔	۷۳۹	سکت علیه ابوداؤد فھو حجة۔	۴۲۸
عقائد		**فضائل ومناقب**	
جہنم میں اصلًا روشنی نہیں اور گنگوہی کارد۔	۲۴۲	ہر چیز ہر نعمت ہر مراد ہر دولت دین میں دنیا میں آخرت میں روزاوّل سے آج تک آج سے ابدالآباد تک جسے ملی یا ملتی ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس سے ملی اور ملتی ہے معطی حقیقی اللہ تعالٰی ہے اور اس کی تمام نعمتوں کے بانٹنے والے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے سے کوئی نعمت کوئی مراد کسی کو کبھی ملی نہ ملے۔	۲۰۸
انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام بعد وفات بھی حقیقۃً ویسے ہی زندہ ہیں جیسے حالِ حیاتِ ظاہری میں تھے ان کی موت صرف ایک آن کے لیے تھی۔	۴۰۳	اللہ اکبر کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوئی صرف خُرمے اور پانی پر اہلبیت طہارت کی گزر رہتی۔	۲۴۳
تمام کافر اگرچہ کلمہ گو ہوں اللہ سے محض جاہل ہیں۔	۵۵۴	کوثر افضل ہے یا زمزم۔	۲۴۵
مسائل کلامیه		رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی چیز سے شرف نہ پایا بلکہ جو چیز حضور کی طرف منسوب ہوگئی اسے شرف مل گیا۔	۲۴۷
للافضل معنیان	۲۴۶		

اس کی حکمت کہ ولادت اقدس جمعہ ورمضان وکعبہ معظّمہ میں نہ ہوئی بلکہ دوشنبہ وربیع الاول ومکان ولادت میں ہوئی۔	۲۴۷	جوبات واقع پر مبنی ہو اور یہ علم واقع حاصل کرسکتا ہو اس وقت گمان وظن پر عمل کرنا جائز نہیں۔	۵۵۲
دلائل افضلیت کوثر۔	۲۴۳	الاصل فی الاسماء الشرعیة اعتبار حقائقھا اللغویة فیھا۔	۵۷۲
انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام حال حیات وحالِ وفات میں ہمیشہ ہروقت طیّب وطاہر ہیں۔	۴۰۳	یجوز عطف الخاص علی العام بالواو وحتی بل وباو وثم۔	۶۱۸
فوائدِ اُصولیہ		**طبعیات**	
مجاز الاول اولی من التجوز بماکان۔	۱۱۵	پانی میں کچھ رنگ ہے یانہیں۔	۲۳۵
لایلزم فی لفظ احد او واحد اعتبار صفة الواحدة۔	۱۳۷	پانی کارنگ سفید ہے یاسیاہ۔	۲۳۸
تحقیق المصنّف فی اعتبار وصف الوحدة فی لفظة احد وواحد وعدمه	۱۳۸	کیاسبب ہے کہ موتی شیشہ بلور پیسنے سے خوب سفید ہوجاتے ہیں۔	۲۳۹
رب تقیید لحفظ العموم دون نفی ماعداہ۔	۲۰۴	دریا بلکہ رنگین پیشاب کے بھی جھاگ کیوں سفید معلوم ہوتے ہیں۔	۲۳۹
التغلیب من المجاز۔	۲۴۴	آئینہ میں درز پڑجائے تووہاں سپیدی کیوں معلوم ہوتی ہے۔	۲۴۰
التغلیب فی الاسماء لاوصفین متضادین۔	۲۴۴	اوس کہ آسمان سے گر کر جم جاتی ہے کیوں سپید معلوم ہوتی ہے۔	۲۴۰
مثل التیمم ضربتان لیس صریحا فی رکنیة المحمول للموضوع۔	۳۵۵	آئینہ میں اپنی صورت اور وہ چیزیں جو پیٹھ کے پیچھے ہیں کس طرح نظر آتی ہیں۔	۲۴۰
رکن وشرط وشرط شرعی شبیہ برکن کابیان۔	۳۹۴	آئینہ میں دہنی جانب بائیں اور بائیں دہنی کیوں معلوم ہوتی ہے۔	۲۴۰
العدد ینفی الزیادة۔	۴۲۹	جوچیز جتنے فاصلے پر ہو آئینہ میں اتنی ہی دور پر کس لیے نظر آتی ہے۔	۲۴۰
قدیکون الوصف مقصودا بالذات۔	۴۵۸	برف کے سپید نظر آنے کادوسراسبب۔ سراب نظر آنے کاسبب۔	۲۴۰
فرضِ عین فرضِ کفایہ سے قوی تر ہے۔	۵۳۶		

شعاع کی جنبش۔	۲۳۹	چاروں عنصروں میں ایک کی دوسرے سے تبدیل کی بارہ صورتیں۔	۶۱۲
شعاعیں جتنے زاویوں پر جاتی ہیں اتنوں ہی پر پلٹتی ہیں۔	۲۳۹	اجزائے ارضیہ بلاواسطہ بھی آگ ہوجاتے ہیں۔	۶۱۲
رنگتیں تاریکی میں موجود رہتی ہیں۔	۲۴۱	کان کی ہر چیز گندھک پارے کی اولاد ہے گندھک نر ہے پارہ مادہ۔	۶۲۳
احتراق کی چار صورتیں۔	۵۸۰	**متفرقات**	
انطباق کی حقیقت اور اس میں یہ تحقیق مفرد کہ اشیامیں اس کاسبب کیاقرار دیاجائے گا۔	۶۰۱	رقیق ودقیق میں فرق۔	۵۶
اجسام میں آگ سے کیاکیااثرپیداہوتے ہیں۔	۶۰۳	شریب وشروب وشراب میں فرقِ معنی۔	۱۰۴
پتھر کس طرح بنتا ہے۔	۶۰۳	بچے کے لیے بھی اس کے قابل گناہ ہیں اسے جو تکلیف پہنچتی ہے انہیں کا عوض ہے۔	۴۰۹
ضعیف الترکیب جسم منطبع بالنار نہیں ہوسکتا۔	۶۰۳	کوئی جانور ذبح نہیں کیاجاتا، کوئی پیڑ کاٹا نہیں جاتا، کوئی پتّا نہیں گرتا مگر جبکہ تسبیح الٰہی میں غفلت کرتا ہے۔	۴۰۹
پارا آگ پر کیوں نہیں ٹھہرتا۔	۶۰۳	رماد کے تین طلاق۔	۵۹۹
انطراق کے معنے اور اجساد سبعہ کے منطرق ہونے کاسبب۔	۶۰۴	اهل اللغة اذاعرفوا انکروا واذا انکروا عرفوا۔	۳۳۱
مطبع بالنار صرف اجسام منطرقہ ہوتے ہیں۔	۶۰۴	گل مختوم کابیان۔	۳۳۲
سونے چاندی کے پگھلنے اور چرخ کھانے کاسبب۔	۶۰۴	بحث ان الزمرد غیر الزبرجد۔	۶۳۹ (حاشیہ)
نار کا کیاکیا اثر اصلی ہے کیاکیا تابع۔	۶۰۴	ابرک ایک قسم کا پتھر ہے چونے کا پتھر بھی ایک قسم کی ابرک ہے۔	۶۴۷
لین وذوبان کے طرح ہیں اور اُن میں نار کا اثر اصلی کیا ہے۔	۶۰۵	اطلاق رصاص کی تحقیق اور رانگ اور سیسے کے خاص نام۔	۶۵۱
سبب کون النار مفرقة للمتخالفات۔	۶۰۶	معنی صفر کی تحقیق اور یہ کہ اس کا ترجمہ پیتل صحیح نہیں۔	۶۵۲
سبب کون النار جامعة للمتشاکلات۔	۶۰۶	اجساد سبعہ یعنی ساتوں دھاتوں کا بیان اور یہ کہ پیتل ان میں نہیں کہ مصنوعی چیز ہے۔	۶۵۲
معدنیات میں چار قسمیں ناقص الترکیب ہیں۔	۶۱۰		

زاج پھٹکڑی نہیں۔	۶۵۴	کھجور کا درخت ایک حصہ حیوانیت کا رکھتا ہے جس طرح مونگا شجریت کا۔	۶۸۷
گلِ حکمت کا عمدہ نسخہ۔	(حاشیہ) ۶۵۶		

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

مجمل فہرست مضامین رسائل

آب مطلق نہ رہنے کے تین سبب	۴۱	رقت اور سیلان اور جامد ہونے کی اصل حقیقت میں مصنف کی تحقیق کہ اور کہیں نہ ملے گی۔	۵۵
سبب اوّل زوال طبع اور اس میں چار ابحاث	۴۱	رقت کے اطلاقات۔	۵۵
رسالہ ضمنیہ۔الدقة والتبیان لعلم الرقة والسیلان۔ تحقیق معنی رقت وسیلان میں۔	۴۱	مصنف کی تحقیق کہ رقت دو قسم ہے بالفعل اور بالقوہ پانی کی بحث میں بالقوہ مراد ہے۔	۵۶
بحث ا۔ معنی طبیعت والکلام مع العلامتین ط وش۔	۴۱	بحث ۴۔ یہاں کس حد کی رقّت معتبر ہے،عبارات یہاں تین طرح آئیں اور مصنف کی تحقیق اور اس پر تین مقدمات سے اقامت دلیل۔	۵۷
بحث ۲۔ پانی کی طبیعت رقت وسیلان ہے والکلام مع الخادمی البرجندی ولامام العینی۔	۴۲	مقدمہ ا۔ رقیق بے جرم ہے اور کثیف ذی جرم۔	۶۳
بحث ۳۔ معنی رقّت وسیلان والکلام مع العلامۃ الشرنبلالی۔	۵۰	مقدمہ ۲۔بے جرم سے مراد والکلام مع مجمع الانہر والدر والشامی و مسکین والحموی وابی السعود و الغنیة والعنایة وچلپی والقهستانی والبرجندی و البحر زوالطحطاوی و عبدالحلیم و الحلیة والشامی و الجوهرة النیرة والرد علی اللکنوی۔	۶۹

مقدمہ ۳۔ تحقیق معنی رقیق۔	۸۴	حل الاشکال بفضل المتعال والکلام مع السیدین ابی السعود و ط۔	۱۱۵
شعر تعریف رقّت۔	۸۶	دربارہ طبخ مصنف کی تحقیق مفرد والکلام مع البحر والنھر والقھستانی والخلاصۃ۔	۱۲۰
بیس ۲۰ فوائد۔	۸۷	حاصل تنقیح المصنّف	۱۲۲
سبب دوم۔ غلبہ غیر اور اس میں تین ابحاث۔	۸۸	ارشادات متون پر نظر اور مصنّف کا موازنہ۔	۱۲۳
بحث ۱۔ کس امر میں غلبہ مراد ہے والکلام مع جمیع اھل الضابطۃ وعامۃ الشراح والشامی والعنایۃ والبنایۃ وغایۃ البیان وملتقی الابحر والفرائد ومجمع الانھر والقرہ باغی۔	۸۸	ضابطہ ۵ تغیر اوصاف اور اس میں عبارات متون اور بیانِ مراد میں شروح کا اختلاف۔	۱۲۶
بحث ۲۔ غلبہ اجزاسے مراد والکلام مع الشامی والبحر۔	۹۴	بحث احدالاوصاف والکلام مع مجمع الانھر والخادمی و التبیین والفتح والنھایۃ والعنایۃ والبنایۃ والدرایۃ والکفایۃ والغایۃ وسعدی والجوھرۃ والحلیۃ وابی السعود ومسکین واٰخرین۔	۱۲۸
بحث ۳۔ ان میں کس معنی کو ترجیح ہے والکلام مع الجوھرۃ والغنیۃ ومجمع الانھر والمنبع وغیرھم۔	۱۰۱	ضابطہ ۶۔ قول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۱۴۰
سبب سوم۔ طبخ باغیر۔ اس میں دو بحثیں:	۱۰۱	**بحث ۱۔** مذہب محمد میں عبارات علماء والکلام مع بحر العلوم۔	۱۴۱
بحث ۱۔ طبخ کی حقیقت میں تحقیق مصنّف والکلام مع الشامی والعنایۃ والبنایۃ والحموی۔	۱۰۱	**تنقیح المصنّف** مذھب محمد والکلام مع الجوھرۃ۔	۱۵۱
بحث ۲۔ طبخ میں منع کس وجہ سے ہے اور اس میں مصنف کی تحقیق جلیل والکلام مع القھستانی والنھر والحموی وابی السعود وابن کمال باشا۔	۱۰۴	**بحث ۲۔ سعی المصنّف** فی توجیہ احکام الامام محمد الاستشھادلہ بمسائل وقوع النجاسۃ والوضوء والصوم والرضاع والکلام مع مجمع الانھر۔	۱۶۴
اشکال قوی للمصنّف علی عبارۃ الھدایۃ لم یحم حولہ الشراح **والکلام** مع الکفایۃ والدرایۃ والبنایۃ وابن الشلبی والدروح و ط و ش وعبدالحلیم۔	۱۱۲	**جواب المصنّف** عن دلائل محمد من قبل الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۱۷۱

فصل چہارم ضوابط کلیہ	۱۷۵	**فوائد منثورہ** سات نفیس فائدے والکلام مع البرجندی وابن ترکی المالکی والسیدالشریف ومع الفاضل السفطی المالکی وشیوخه باربعةعشروجهاو مع الائمة الشافعية والبلقينی وابن حجر والرملی بستة وجوه والرد علی الکنکوهی۔	۲۲۳
(۱) ضابطہ امام ابویوسف	۱۷۵	**رسالہ ۲۔** حسن التعمم لبيان حد التيمم بیان ماہیت تیمّم میں بے مثل عظیم تحقیقات جلیلہ پر مشتمل کتاب کامل النصاب۔	۳۱۱
(۲) ضابطہ امام محمد۔	۱۷۶	کلام علما سے تیمّم کی ۶ تعریفیں۔	۳۱۲
(۳) ضابطہ علامہ برجندی اور انیس ۱۹ وجہ سے اس پر کلام مصنّف۔	۱۷۶	**تعریف۱۔** ازشرح ہدایہ والکلام مع العلامة الشامی والقهستانی والبحروعبدالحليم۔	۳۱۲
(۴) ضابطہ امام زیلعی اور چھتیس ۳۶ وجہ سے اس پر کلامِ مصنّف وایضا الکلام مع الفتح والطحطاوی۔	۱۸۰	تحقيق ان الطهور بمعنى المطهر فی عرف الشرع بالاجماع والکلام مع البحر۔	(حاشیہ) ۳۱۸
ضابطہ زیلعیہ کی تبعیت میں کلام بحرالرائق اور چھبیس ۲۶ وجہ سے اس پر کلامِ مصنّف۔	۱۹۲	**تعریف۲۔** ازامام ملک العلماء والکلام مع الفاضل عبد الحليم والنهر و ط وش۔	۳۲۳
اسی باب میں کلام علامہ شامی اور بارہ ۱۲ وجہ سے اس پر کلامِ مصنف۔	۲۰۳	تحقيق المصنّف وتقسيم الصعيد الی حقيقی وحکمی۔	۳۲۸
(۵) ضابطہ امام نسفی اور تائید مصنّف اور یہ کہ اس کا مآل ضابطہ امام ابویوسف ہے والکلام مع الکافی والکفاية۔	۲۱۰	**تعریف۳۔** ازتنویرالابصار والکلام مع ش۔	۳۳۱
(۶) ضابطہ رضویہ مصنف کاضابطہ کلیہ کہ تفصیل ضابطہ امام ابویوسف اور جمیع ضوابط صحیحہ جزئیہ کاجامع ہے۔	۲۱۲	**تعریف۴۔** ازمحقق علی الاطلاق والکلام مع البحرو الشامی۔	۳۳۲
فصل پنجم جزئیات جدیدہ والکلام مع الامام ابن حجر المکی والعلامة الشامی۔	۲۱۴	**تعریف۵۔** ازعلامہ ابن کمال پاشا والکلام علیه ومع مجمع الانهر والبرجندی۔	۳۳۳

تعریف ۶۔ازمتون والکلام علی الفاضل یحیی وابن الشلبی والحلیة وعبدالحلیم و ط وش۔	۳۳۴	رسالہ ۳ ضمنیہ۔سمح الندری فیمایورث العجزعن الماء پانی سے عجز کی پونے دوسو ۱۷۵ صورتیں والکلام مع ش والرحمتی والحلیة وط والعنایة وملک العلماء والبحر والنهروابی السعودو الذخیرۃوخزانة المفتین و التتارخانیة والهندیة والخیریة و السراج و الازهری و المقدسی والفیض والدروالتبیین والحموی والخانیة۔	۴۱۱
مبحث جلیل هل الضربتان ارکان التیمم۔	۳۳۷	رسالہ ۴ ضمنیہ۔الظفرلقول زفر تقویتِ قول امام زفر میں کہ تنگیِ وقت کے سبب تیمّم رواہے والکلام مع ش و الفتح والحلیة ومع البحر بستة عشر وجها۔	۴۴۱
۱۵ابحاثا من المصنّف والکلام مع الاتقانی والبحر والحلیة و المناوی والامام السیوطی والامام الاجل ابن شجاع و الفتح و الخادمی مع الامام الاسبیجابی ومن معه بسبعة وجوه ومع الشرنبلالی والازهری والطحطاوی والعنایة والجوهرة والحلبی والشامی والغنیة۔	۳۵۲	الجملة ۱۔موافقة الائمة الثلثة له	۴۴۱
تحقیق المصنّف معنی المسح والکلام مع ابن الاثیر والدرالنثیر ومجمع البحار والقاموس۔	۳۶۳	الجملة ۲۔فروع تشهدله واختیارالکبراء قوله۔	۴۴۴
عشرفوائد لتقریر المصنف۔	۳۶۹	الجملة ۳۔تقویة دلیله بسعة دلائل	۴۴۷
مصنف کی تحقیق مفرد اور نزاع ہزار سالہ کا فیصلہ۔	۳۹۴	بقیة شرح التعریف الرضوی والکلام مع الدر وش والحلیة۔	۵۴۳
مصنّف کی تحقیق تیمّم کی معہود وغیر معہود کی طرف تقسیم۔	۳۹۴	مباحث نیة التیمم والکلام مع ش والدر والبحروالحلیة والامام النووی والمحقق اطلق۔	۵۵۵
تعریف ہفتم رضوی اور سات ۷ جزپر اس کی شرح۔	۴۱۰	رسالہ ۵ ضمنیہ۔المطرالسعید علی نبت جنس الصعید جنس ارض کسے کہتے ہیں اور اس میں وہ نادر تحقیقاتِ رفیعہ کہ بحمدہٖ تعالٰی خاص حصہ مصنف ہیں چار مقام پر مشتمل۔	۵۷۹
تحقیق المصنّف ان المسلم لاینجس بالموت والکلام مع الفتح والغنیة والشامی۔	(حاشیہ) ۴۰۵		

مقامِ اوّل جنسِ ارض کی تعریف۔	۵۷۹	مقامِ سوم۔ وہ کہ جنسِ ارض سے نہیں والرد علی الانطاکی وکثیر من المتطببین۔	۶۴۹
احتراق، ترمد، لین، ذوبان، انطباع کے معنی۔ ان کی باہمی نسبتوں کا بیان۔	۵۸۴	مقامِ چہارم۔ جن میں اختلاف ہے۔ ترزمین کی بحث والکلام مع البرجندی والحلیۃ۔	۶۵۸
ان کے بیان میں علماء کی ۱۴ عبارتیں مختلف اور اُن میں اشکالات والکلام مع النافع والعنایۃ واخی چلپی والبحر والدرر والشرنبلالی والازھری۔	۵۸۵	کیچڑ کی بحث والکلام مع البرجندی و ایضاح الامام الکرمانی والحلیۃ والنھر والرملی وش والبحر۔	۶۶۴
تحقیق وتوفیق مصنف سے	۵۹۹	زمین وخاک سوختہ کی بحث والکلام مع البحر۔	۶۷۴
چار ۴ نکتے افادات مصنف سے	۶۰۱	خاکستر کی بحث۔	۶۷۶
نکتہ ۱۔ انطباع کی حقیقت وسبب۔	۶۰۱	پکی اینٹ کی بحث۔	۶۷۸
نکتہ ۲۔ اجسام میں آثار نار کی تفصیل وتحقیق۔	۶۰۲	زمین شور کی بحث والکلام مع الحلیۃ۔	۶۸۱
نکتہ ۳۔ ان آثار میں کیا کیا نار کا اثرِ اصلی ہے اور کیا کیا تابع والکلام مع القاضی البیضاوی ومع شرح المقاصد بسبعۃ وجوہ والمواقف وشرحھا بثمانیۃ وجوہ ومع شرح التجرید ومطالع الانظار۔	۶۰۴	نمک کی بحث والکلام مع الغنیۃ۔	۶۸۱
نکتہ ۴۔ ان آثار میں کیا کیا طبیعت زمین کے مخالف ہے والرد علی الفلاسفۃ۔	۶۱۱	شیشے کی بحث والکلام مع ط۔	۶۸۳
حلِ اشکالات وتوفیق عبارات۔	۶۱۴	مردار سنگ کی بحث۔	۶۸۴
تعریف جنس ارض میں عبارتِ رضویہ۔	۶۱۶	مرجان کی بحث والکلام مع الفاضل عبدالحلیم والمنح۔	۶۸۴
ایک قوی شبہہ اور اس پر کلام۔	۶۱۷	سونے چاندی کی بحث والکلام مع القھستانی والشامی والبحر والطحطاوی والفتح والدر والحلیۃ۔	۶۸۸
مقامِ دوم۔ وہ اشیا کہ جنسِ ارض سے ہیں والرد علی الانطاکی والتنکابنی وبعض الحجریین والمطرزی والمخزن والکلام مع الحلیۃ والنوازل وش والبرجندی۔	۶۲۸	مسئلہ خلط وخزف والکلام مع الازھری والطحطاوی والجوھرۃ والحلیۃ ومع الغنیۃ بخمسۃ وجوہ۔	۶۹۵

مقامِ اوّل جنسِ ارض کی تعریف۔	۵۷۹	**مقامِ سوم**۔ وہ کہ جنسِ ارض سے نہیں والرد علی الانطاکی وکثیر من المتطببین۔	۶۴۹
احتراق، ترمد، لین، ذوبان، انطباع کے معنی۔ ان کی باہمی نسبتوں کا بیان۔	۵۸۴	**مقامِ چہارم**۔ جن میں اختلاف ہے۔ تزمین کی بحث والکلام مع البرجندی والحلیۃ۔	۶۵۸
ان کے بیان میں علماء کی ۱۴ عبارتیں مختلف اور اُن میں اشکالات والکلام مع النافع والعنایۃ واخی چلپی والبحر والدرر والشرنبلالی والازہری۔	۵۸۵	کیچڑ کی بحث والکلام مع البرجندی وایضاح الامام الکرمانی والحلیۃ والنہر والرملی وش والبحر۔	۶۶۴
تحقیق وتوفیق مصنف سے	۵۹۹	زمین وخاک سوختہ کی بحث والکلام مع البحر۔	۶۷۴
چار [۴] نکتے افادات مصنف سے	۶۰۱	خاکستر کی بحث۔	۶۷۶
نکتہ ۱۔ انطباع کی حقیقت وسبب۔	۶۰۱	پکی اینٹ کی بحث۔	۶۷۸
نکتہ ۲۔ اجسام میں آثار نار کی تفصیل وتحقیق۔	۶۰۲	زمین شور کی بحث والکلام مع الحلیۃ۔	۶۸۱
نکتہ ۳۔ ان آثار میں کیا کیا نار کا اثرِ اصلی ہے اور کیا کیا تابع والکلام مع القاضی البیضاوی ومع شرح المقاصد بسبعۃ وجوہ والمواقف وشرحھا بثمانیۃ وجوہ ومع شرح التجرید ومطالع الانظار۔	۶۰۴	نمک کی بحث والکلام مع الغنیۃ۔	۶۸۱
نکتہ ۴۔ ان آثار میں کیا کیا طبیعت زمین کے مخالف ہے والرد علی الفلاسفۃ۔	۶۱۱	شیشے کی بحث والکلام مع ط۔	۶۸۳
حلِ اشکالات وتوفیق عبارات۔	۶۱۴	مردار سنگ کی بحث۔	۶۸۴
تعریف جنس ارض میں عبارتِ رضویہ۔	۶۱۶	مرجان کی بحث والکلام مع الفاضل عبدالحلیم والمنح۔	۶۸۴
ایک قوی شبہہ اور اس پر کلام۔	۶۱۷	سونے چاندی کی بحث والکلام مع القہستانی والشامی والبحر والطحطاوی والفتح والدر والحلیۃ۔	۶۸۸
مقامِ دوم۔ وہ اشیا کہ جنسِ ارض سے ہیں والرد علی الانطاکی والتنکابنی وبعض الحجریین والمطرزی والمخزن والکلام مع الحلیۃ والنوازل وش والبرجندی۔	۶۲۸	**مسئلہ خلط وخزف** والکلام مع الازہری والطحطاوی والجوہرۃ والحلیۃ ومع الغنیۃ بخمسۃ وجوہ۔	۶۹۵

بقیة شرح التعریف الرضوی۔	۴۰۷	جنسِ ارض اصلا مستعمل نہیں ہوتی۔	۴۱۷
بحث۔تیمم الغیر وتحقیق المصنّف فیه۔	۴۰۸	مصنّف کا اس پر دلیلیں قائم کرنا والکلام مع البرهان والشرنبلالی والغنیة والبحر۔	۴۱۸
بحث اشتراط التیمم باکثر الکف والکلام مع الشامی والحلیة۔	۴۱۲	حلِ شبہات والکلام مع الشامی والائمة فقیه النفس والزیلعی والفتح والحلیة والنهر۔	۴۲۶
رساله۶ضمنیه۔الجدّ السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید	۴۱۷	بحث تیمّم بدیوارِ مسجد اور گنگوہی پر سات ضربیں۔	۴۳۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

رسالہ ضمنیہ
الدقۃ والتبیان لعلم الرقۃ والسیلان ۱۳۳۴ھ
(پانی کی) رقّت وسیلان کا واضح بیان (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اب فقیر بتوفیق الملک القدیر عزجلالہ اسباب ثلثہ پر کلام اور ہر ایک کے متعلق ابحاث مہمہ ذکر کرے۔

زوال طبع اس میں چند ابحاث ہیں:

بحث اوّل معنی طبیعت۔

اقول: طبع آب سے مراد اس کا وہ وصف ہے کہ لازم ذات ومقتضائے ماہیت ہو جس کا ذات سے

تخلف ممتنع ہو وقال السیدان ط و ش طبعه ای وصفه الذی خلق الله تعالٰی علیه [1] (سید طحطاوی اور سید شامی نے فرمایا پانی کی طبیعت یعنی اس کا وہ وصف جس پر اللہ تعالٰی نے پانی کو پیدا کیا ہے۔ت

اقول: (۱) ھذا یشمل اللون والطعم والریح ولم یعدھا احدمن الطبع (۲) ویلزمه ان لایجوز الوضوء بما انتن اوتغیر لونه اوطعمه بطول المکث مثلا لخروجه اذن عن طبع الماء وھو خلاف اجماع من یعتدبه (۳) وکذا یرده اجماع اصحابنا المذکور فی الی غیر ذلك عـه من الاستحالات۔	میں کہتا ہوں کہ یہ تعریف رنگ، ذائقہ اور بُو پر مشتمل ہے حالانکہ کسی نے ان چیزوں کو پانی کی طبیعت میں شمار نہیں کیا اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ ایسے پانی سے وضو جائز نہ ہو جو بدبودار ہوچکا ہو یا زیادہ دیر پڑے رہنے کی وجہ سے اس کا رنگ اور ذائقہ تبدیل ہوچکا ہو کیونکہ اس وجہ سے وہ پانی اپنی طبیعت سے خارج ہوچکا ہے حالانکہ یہ بات معتبر اجماع کے خلاف ہے اور یوں ہی یہ بات ہمارے اصحاب (احناف) کے اجماع جس کا ذکر بحث ۱۱۶ میں ہوچکا ہے، سے مردود ہے، اس قسم کے بہت سے استحالات لازم آئیں گے۔ (ت)

بحث دوم: طبع آب کی تعیین، عامہ علماء نے اسے رقت (۱) وسیلان سے تفسیر کیا اور یہی صحیح ہے ایضاح و

عـه منها ان لایجوزالوضوء بماء حار ولابارد ولو باثر ریح لانه لم یبق علی وصفه الذی خلق علیه ونقول لایخلوان الماء بدوخلقه حارا اوباردا اومعتدلا وایاما کان لم یجز الوضوء بالباقیین الا ان یقال ان المراد بالوصف الثلثة لاغیر فانها ھی المتعارف فیما بینهم عنداطلاق اوصاف الماء ۱۲ منه غفرله۔ (م)	ان محالات میں سے ایک یہ کہ لازم آئے گا کہ گرم یا ٹھنڈا پانی، خواہ ہوا سے سرد ہو، سے وضو جائز نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ پانی اپنی اصلی طبیعت سے خارج ہوچکا ہے کیونکہ اس وصف پر باقی نہ رہا جس پر اس کو پیدا کیا گیا تھا یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ پانی کی پیدائش گرم تھی یا سرد تھی یا معتدل تھی جو بھی قرار دی جائے تو دوسری دو صورتوں میں وضو جائز نہ ہو الّا یہ کہ یوں کہا جائے کہ پانی کی طبیعت صرف تین وصف رنگ، بُو اور ذائقہ ہیں اور کوئی وصف گرم، سرد وغیرہ معتبر نہیں ہے کیونکہ پانی کے یہی تین وصف متعارف ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی کے جاوصاف کا جب ذکر ہوتا ہے تو یہی تینوں اوصاف متعارف ہوتے ہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

بحر و صدرالشریعۃ وشلبیہ ومجمع الانہر وامداد الفتاح وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے **ھو الرقۃ والسیلان**[1] (طبعِ آب رقت وسیلان ہے۔ت) اسی طرح فتح وغیرہ سے مستفاد یہی فروع میں بہت کلمات کا مفاد،

كما يظهر بمراجعة ماتقدم واقتصر القهستانی و عبدالحليم على الرقة وعليه مشى فی الغنية عندذكر الضابطة كمامر فی وتراه مفادكلام الاكثرين فی الفروع اذا تذكرت ماسلف اقول: وهو حسن وجيه لماقدمنا ان الرقة تستلزم السيلان ومنهم من اقتصر على السيلان كالزيلعی والحلية جوالدرر فی ذكر الضابطة۔	جیسا کہ گزشتہ بحثوں کے پیش نظر ظاہر ہوتا ہے قہستانی اور عبدالحلیم نے صرف رقت کو پانی کی طبیعت قرار دیا ہے، غنیہ نے بھی ضابطہ کو ذکر کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے جیسا کہ بحث ۲۸۷ میں گزرا، اور جب گزشتہ ابحاث کو تُو یاد کرے تو تجھے معلوم ہوگا کہ اکثر حضرات کے کلام کا ماحصل یہی ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ یہی خوبصورت وجہ ہے کیونکہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ رقت سیلان کو مستلزم ہے، اور بعض حضرات نے صرف سیلان کو پانی کی طبیعت قرار دیا ہے جیسا کہ زیلعی اور حلیہ نے کہا ہے اور درر نے اس کو ضابطہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)
اقول: يحمل على السيلان المعهود من الماء فيستلزم الرقةيدل عليه قول الغنية طبعه سرعة[2] **اھ فهذه مسالك تؤل الى شيئ واحد لكن ثمه مايخالفها ففی الدر والدرر طبعه السيلان والارواء والانبات**[3] **اھومثله فی چلپی على صدرالشريعة واقتصرعليه الوانی فی حاشية الدررمن الاخيرين على الانبات قال نوح افندی ثم السيد الازهری ثم ط ثم ش اقتصر عليه لاستلزمه الارواء دون العكس فان**	**میں کہتا ہوں** کہ اس قول کو پانی کے معینہ سیلان پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ سیلان رقّت کو مستلزم ہے اس پر غنیہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ پانی کی طبیعت جلد بہنا ہے اھ یہ تمام مسالک ایک ہی چیز کی طرف راجع ہیں مگر یہاں ان کے مخالف بھی قول ہے جیسا کہ دُر اور دُرر میں ہے کہ پانی کی طبیعت سیلان، سیرابی، اور اگانا ہے۔اور صدرالشریعۃ کے حاشیہ پر چلپی میں بھی اسی طرح ہے اور دُرر کے حاشیہ میں الوانی نے صرف انبات (اگانے) کو ہی لیا ہے، نوح آفندی پھر سید ازہری اور پھر طحطاوی

[1] شلبیہ علی التبیین کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹
[2] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

الاشربة تروی ولاتنبت [1] اھ وفی الجوھرة طبعه الرقة والسیلان وتسکین العطش [2] اھ وفی خزانة المفتین عن الاختیار شرح المختار طبع الماء کونه سیالا مرطبامسکنا للعطش [3] اھ وفی مراقی الفلاح طبعه ھو الرقة والسیلان والارواء والانبات [4] اھ قال السید ط فی حاشیته الرقة والسیلان اقتصر علیھما فی الشرح عــه وھو الظاھر لان الاخیرین لایکونان	اور شامی نے کہا ہے کہ الوانی نے اس لئے صرف انبات کو لیا ہے اور سیرابی کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ انبات کو سیرابی لازم ہے اور سیرابی کو انبات لازم نہیں ہے کیونکہ شربت سیراب تو کرتے ہیں لیکن انبات نہیں کرتے اھ اور جوہرہ میں ہے کہ پانی کی طبیعت رقّت، سیلان اور پیاس بجھانا ہے اھ اور خزانۃ المفتین میں الاختیار شرح المختار سے منقول ہے کہ پانی کی طبیعت سیال تَر کرنا اور پیاس بجھانا ہے اھ اور مراقی الفلاح میں ہے

عــه **اقول:** (۱) ومن العجب اقتصار البنایة علی الارواء اذقال طبع الماء کونه مرویا لانه یقطع العطش قال وقیل قوة نفوذه [5] اھ **اقول:** ھذا ھو قضیة رقته وسیلانه (۲) فالعجب تزییف ھذا واختیار طبع لاتعلق له بماھنا قال وقیل کونه غیر متلون [6] اھ اقول: ھذا خلاف المشھود والمشھور (۳) ودوار فی الکتب ذکر لون الماء (۴) وقد جاء	**اقول:** تعجب ہے کہ بنایہ نے صرف سیرابی پر اکتفا کیا ہے جہاں انہوں نے کہا ہے کہ پانی کی طبیعت سیراب کرنا ہے کیونکہ اس سے پیاس بجھتی ہے اور انہوں نے کہا کہ بعض نے پانی کو قوتِ سرایت کو کہا ہے اھ **میں کہتا ہوں** کہ یہ تو پانی کی رقت اور سیلان کا معاملہ ہے، اس کو کمزور بنانا اور ایسی چیز کو طبیعت بتانا جس کا یہاں کوئی تعلق نہیں ہے تعجب انگیز بات ہے انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ بعض نے پانی کی طبیعت غیر متلون (بے رنگ) ہونا بتایا ہے اھ **میں کہتا ہوں** کہ یہ بات مشاہدہ اور شہرت دونوں کے خلاف ہے اور کتب میں پانی کے رنگ کا بار بار ذکر ہے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] ردالمحتار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[3] اختیار شرح مختار یجوز الطہارۃ فی الماء مصطفی البابی مصر ۱/۱۴

[4] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ص ۱۵

[5] البنایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۱۸۸

[6] البنایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۱۸۸

فی ماء البحر الملح [1] اھ وبه تُعقب علی الدرر فاجاب الوانی ثم السادة ابو سعود و ط و ش ان فی طبعه انباتاالا ان عدم انباته لعارض کالماء الحار [2]اھ ورده الخادمی بان ماء البحر م یزل عن طبعه بعارض کالماء الحار بل عند تخلیته علی	کہ پانی کی طبیعت رقت، سیلان، سیراب کرنا اور اگانا ہے اھ۔ سید طحطاوی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ انہوں نے شرح میں صرف رقّت اور سیلان کو ہی ذکر کیا ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے اس لئے کہ آخری دونوں یعنی سیراب کرنا اور انبات (اگانا) سمندر کے نمکین پانی میں نہیں پائے جاتے اھ کیونکہ آخری دووصف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی مرسل صحیح رواہ الامام الطحاوی عن راشد ابن سعد عن سید المرسلین صلی اللہ علیه وسلم الماء لاینجسه شیئ الا ماغلب علی ریحه اوطعمه اولونه [3] وھو فی ابن ماجة موصولا من حدیث راشد بن سعد عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان الماء طھور ولا ینجسه الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه [4] والاخراج علی طبعه ان لایبقی له اثر الغلیان [5]اھ کذا وھو فی نسخة سقیمة جدا ولعله مایقبل ای طبعه ان یرتفع وینخفض عندالاغلاء **اقول:** وھو ایضا من اثر الرقة والسیلان واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله۔ (م)

امام طحاوی نے صحیح مرسل کے طور پر راشد بن سعد سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پانی کو ناپاک کرنے والی کوئی چیز نہیں ماسوائے اس کے جو اس کے ذائقہ، بُو اور رنگ پر غالب ہوجائے اور یہ حدیث ابن ماجہ میں موصولًا راشد بن سعد نے ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پانی پاک کرتا ہے اس کو ناپاک کرنے والی صرف یہی صورت ہے کہ جب کوئی چیز اس کی بُو، ذائقہ اور رنگ پر غلبہ پالے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بعض نے کہا کہ پانی کی طبیعت یہ ہے کہ اس میں اُبالنے کی صلاحیت باقی ہو اور اس کو طبیعت سے خارج کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس میں ابالنے کا اثر باقی نہ رہے اھ کمزور ترین نسخے میں ایسے ہی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ پانی کی طبیعت یہ ہے کہ اُبالنے میں وہ بلالند وپست ہوسکے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بھی رقت وسیلان کا اثر ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطھارت نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۵

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۵

[3] شرح معانی الآثار، کتاب الطھارۃ ۱/۱۹

[4] سنن ابن ماجہ ابواب الطھارۃ ص ۴۰

[5] البنایۃ ۱/۱۸۸

طبعه شأنه عدم الانبات [1] اھ

اقول: وھذا وجیه فان الاصل عدم العارض وان کان لایتم الاستدلال علیه بقوله عزوجل وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا [2]. فان المرج ھوالخلط والارسال ولایلزم ان یکون فی بدء خلقھما بل بعد تغیر احدھما بعارض واللہ تعالٰی اعلم فلو اکتفی الخادمی بھذا کان رداعلی دعوی ان الثلثة من طبع الماء لکنه اراد قبله النقض علی قاعدة المتن فی منع الوضوء فانعکس علیه الامر اذردد فبددفقال ان ارید المجموع من حیث ھو مجموع فیرد بماء البحر اذلیس فیه ارواء وانبات وان ارید واحد منھا فبنحوماء البطیخ اذفیه ارواء ولم یجز به الوضوء [3] اھ

سمندری پانی میں نہیں ہوتے اھ

اور اس سے درر پر تعقیب کی گئی ہے، تو اس کا جواب الوانی، ابو السعود، ط اور ش نے یہ دیا کہ اس کی طبیعت میں انبات ہے مگر اس کا عدمِ انبات کسی عارض کی وجہ سے ہے، جیسے گرم پانی میں ہوتا ہے اھ اور اس کو خادمی نے رد کیا کہ گرم پانی کی طرح سمندری پانی اپنی طبیعت سے زائل نہیں ہوا ہے کسی عارض کی وجہ سے، بلاالکہ اگر اس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ دیا جائے تب بھی اس میں عدمِ انبات ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں یہ بات مدلل ہے کہ اصل عارض کا نہ ہونا ہے اگرچہ اس پر استدلال اللہ تعالٰی کے قول وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾ سے تام نہیں ہوتا، کیونکہ مرج کے معنی ملانے اور چھوڑنے کے ہیں، اور یہ لازم نہیں کہ یہ صورت ان کی ابتداء تخلیق میں ہو، بلاالکہ ان میں سے کسی ایک کو عارض کی وجہ سے متغیر ہونے کے باعث ہو واللہ تعالٰی اعلم، تو اگر خادمی اسی پر اکتفا کرلیتے تو یہ اس دعوٰی کا رد ہوجاتا کہ یہ تینوں چیزیں پانی کی طبیعت ہیں، لیکن انہوں نے اس سے قبل نقض کا ارادہ کیا وضو کے ناجائز ہونے کے بارہ میں متن کے قاعدہ پر، لیکن معاملہ اُلٹ ہوگیا، اس لئے کہ انہوں نے تردید کی اور تفریق کی، پس فرمایا اگر تینوں کا من حیث المجموع کا ارادہ کیا جائے تو اس کا رد سمندر کی پانی سے کیا جائے گا، کہ اس میں نہ اگانا ہے اور نہ زرخیزی،

---

[1] درر شرح غرر للخادمی کتاب الطھارت مکتبہ عثمانیہ مصر ۲۱/۱

[2] القرآن ۲۵/۵۳

[3] درر شرح غرر للخادمی کتاب الطھارۃ مکتبہ عثمانیہ مصر ۲۱/۱

اقول: (۱) انما قاعدۃ المتن ماتقدم نقله من قوله لابماء زال طبعه الخ فان ارید المجموع لم یرد ماء البحر اذلم یزل منه الکل لبقاء السیلان وان ارید واحد منهالم یرد ماء البطیخ لانه قدزال منه الانبات ھذا ان ارید به ماخالطه ولو اراد مایستخرج منه خرج رأسا بقوله ماء فکان علیه ان یعکس فیقول ان ارید الکل یرد ماء البطیخ لبقاء اثنین السیلان والارواء وان ارید واحد منها یرد ماء البحر لزوال اثنین الانبات والارواء نعم لوکانت عبارۃ المتن یجوز بماء بقی علی طبعه کان النقض کماذکر۔

فان قلت لم لایقال انه صرف الکلام من المنطوق الی المفهوم ولاشك ان المفھوم منه ھو ھذا ای الجواز بما بقی علی طبعه۔

اقول: لیس ھذا مفھومه بل مفھومه الجواز بمالم یزل طبعه فیبقی التعکیس کما کان لانه اذا ارید بالطبع المجموع

(حالانکہ اس سے وضو جائز ہے) اور اگر ان میں سے ایک کا ارادہ کیا جائے تو تربوز کے پانی وغیرہ سے رد ہوگا کہ اس میں سیراب کرنا ہے لیکن اس سے وضو جائز نہیں اھ (ت)

میں کہتا ہوں متن کا قاعدہ وہ ہے جو منقول ہوا، ان کے قول لابماء زال طبعہ الخ میں، اور اگر مجموع کا ارادہ کیا جائے تو سمندری پانی سے اعتراض نہ ہوگا کہ اس کے تمام اوصاف زائل نہیں ہوئے ہیں کیونکہ اس میں سیلان باقی ہے، اور اگر ان میں سے ایک کا ارادہ کیا جائے تو تربوز کے پانی سے اعتراض نہ ہوگا کیونکہ اس میں ایک وصف انبات زائل ہوا ہے یہ تقریر اس صورت میں کہ جب تربوز کا مخلوط مادہ مراد لیا جائے اور اگر اس سے خارج کیا ہوا پانی مراد لیا جائے تو پھر تقریر اس کے برعکس ہوگی اور یوں کہا جائے گا کہ اگر تینوں امور کا مجموعہ مراد ہو تو پھر تربوز کے پانی سے اعتراض وارد ہوگا کیونکہ اس سے تینوں کا زوال نہیں ہے بلالکہ اس میں سیلان اور سیرابی باقی ہے اور اگر تینوں میں سے کسی ایک کو طبیعت قرار دیا جائے تو سمندری پانی سے اعتراض ہوگا کہ اس کے دو وصف زائل ہوئے ہیں، اگانا اور سیراب کرنا، ہاں اگر متن کی عبارت یوں ہوتی کہ وضو جائز ہے اس پانی سے جو اپنی طبیعت پر باقی ہو تو نقض وہ ہوتا جو ذکر کیا۔ (ت)

اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیوں نہیں کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کلام کو منطوق سے مفہوم کی طرف پھیر دیا ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس کا مفہوم یہی ہے، یعنی جو پانی اپنی طبیعت پر باقی ہو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں یہ اس کا مفہوم نہیں، بلالکہ اس کا مفہوم اس پانی سے وضو کا جواز ہے جس کی طبیعت ختم نہ ہوئے ہو، تو تعکیس ایسی ہی رہے گی، کیونکہ جب

كان المعنى يجوز بمالم يزل عنه الكل فلا يرد ماء البحر لبقاء السيلان فيه واذا اريد واحد كان المعنى يجوز بمالم يزل عنه شيئ اصلا فلايرد ماء البطيخ لزوال الانبات بخلاف قولك يجوز بمابقى على طبعه فانه لواريد الكل كان الجواز منوطا ببقاء الكل فيرد ماء البحر اوالبعض فماء البطيخ هذا وقال العلامة البرجندى المراد طبع جنس الماء وهو الرقة والسيلان كذا قيل وفى الخزانة طبع الماء كونه سيالا مرطبا مسكنا للعطش ولايخفى ان ماء بعض من الفواكه كذلك فلو اختلط بالماء وغلبه ينبغى ان يجوز التوضى منه وليس كذلك [1]۔	طبیعت سے مجموعہ کا ارادہ کیا جائے تو اس کے معنی ہوں گے وضو جائز ہے اس پانی سے جس سے کل زائل نہ ہوں، تو سمندری پانی سے اس پر اعتراض وارد نہ ہوگا کیونکہ اس میں سیلان کا وصف باقی ہے اور جب ایک کا ارادہ کیا جائے تو معنی یہ ہوں گی وضو جائز ہے اُس پانی سے جس سے کچھ زائل نہ ہوا ہو، تو بطیخ کے پانی سے اعتراض وارد نہ ہوگا کہ اس سے ایک انبات کا وصف زائل ہے بخلاف آپ کے اس قول کے "وضو جائز ہے اس پانی سے جو اپنی طبیعت پر باقی ہو" کیونکہ اگر کل کا ارادہ کیا جائے تو جواز کا دارومدار کل کے باقی رہنے پر ہوگا تو سمندری پانی پر اعتراض وارد ہوگا اگر بعض کا ارادہ کیا جائے تو بطیخ کے پانی سے اعتراض ہوگا۔ اس کو یاد رکھو۔ علامہ برجندی نے فرمایا مراد جنس پانی کی طبیعت ہے اور وہ رقت وسیلان ہے، اسی طرح کہا گیا ہے، اور خزانہ میں ہے پانی کی طبیعت اس کا سیال ہونا، تر کرنے والا ہونا، پیاس کے لئے تسکین بخش ہونا ہے اور مخفی نہ رہے کہ بعض پھلوں کا پانی ایسا ہی ہوتا ہے تو اگر وہ پانی میں مل جائے اور غالب ہو جائے تو چاہیے کہ اُس سے وضو جائز ہو، حالانکہ ایسا نہیں ہے اھ (ت)
اقول: ان خص الایرادبعبارۃ الخزانۃ کماھوظاھرسیاقه فلاوجه له لوروده على الاول ایضاسواء بسواء فان ماء بعض الفواکه لایسلبه الرقة ایضاکمالایسلبه الارواء وان عممها فلاوجه له فان اعتبار الرقة مجمع علیه وقد مشى ھوایضاعلیه فی ضابطته	**میں کہتا ہوں** اگر اعتراض بطور خاص خزانہ کی عبارت پر ہے جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے تو اس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ وہ اول پر بھی برابر سے وارد ہے کیونکہ بعض پھلوں کے پانی سے رقت سلب نہیں ہوتی جیسے اس سے سیرابی سلب نہیں ہوتی اور اگر وہ دونوں کو عام ہے تو اِس کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ رقت کا اعتبار اجماعی ہے اور وہ بھی اپنے ضابطہ میں اسی پر

[1] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

التی وضعها کما سیأتی فی الفصل الاٰتی ان شاء الله تعالٰی فاذن کان ینبغی الاخذ علی المتن فانه لم یستثن فی خلط الطاھر الاما اخرج الماء عن طبعه اوغیره طبخا ولیس فی خلط ھذا الماء شیئ من ذلك فان ارادالرد علی المتن فلاوجه له فانه قال وان اختلط به طاھر والعرف قاض انه لایقال الا اذاکان الماء اکثر (۱)لان الخلط لایضاف الا الی المغلوب ففی مزج الماء والحلیب ان کان اللبن اکثر یقال لبن فیه ماء اوالماء فماء خالطه لبن وقدنبه علیه فی مجمع الانھر اذقال الخل مثلا اذا اختلط بالماء والماء مغلوب یقال خل مخلوط بالماء لاماء مخلوط بالخل[1] اھ فلایشمل مااذاغلب علی الماء ماء الفاکھة وبالجملة لااری لھذا الایراد محلا ومحملا والله تعالٰی اعلم۔

ثم اقول: الذی یظھر لی ان الزائدین علی الرقة والسیلان انماارادوا بیان طبع الماء فی نفسه لاطبع لولاہ لم یجز الوضوء کیف وھم قاطبة اذااتواعلی الفروع لایبنون

چلے ہیں جیسا کہ اِن شاء اللہ تعالٰی آیندہ فصل میں آئے گا، تو اس صورت میں متن پر اعتراض کرنا چاہئے تھا، کیونکہ انہوں نے پاک کے ملنے میں صرف اُس کا وضو کے جواز سے استثناء کیا ہے جو پانی کو اس کی طبیعت سے خارج کردے، یا پکنے کی وجہ سے اس کو تبدیل کردے اور اِس پھل کے پانی کی ملاوٹ میں اُن میں سے کوئی چیز نہیں ہے، تو اگر متن پر رد کا ارادہ کیا ہے تو اِس کی کوئی وجہ نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا ہے "اور اگر اس کے ساتھ کوئی طاہر چیز مل جائے" اور عرف فیصلہ کرنے والا ہے کہ یہ بات اُسی وقت کہی جائے گی جبکہ پانی زائد ہو کیونکہ خلط مغلوب ہی کی طرف مضاف ہوتی ہے، تو پانی اور دودھ کے ملانے میں اگر دودھ زائد ہو تو کہا جاتا ہے یہ دودھ ہے جس میں پانی ہے، یا پانی زائد ہے تو کہا جائے گا یہ پانی ہے جس میں دودھ ملا ہوا ہے، اس پر مجمع الانہر میں تنبیہ کی ہے اور فرمایا کہ مثلًا سرکہ جب پانی میں مل جائے اور پانی مغلوب ہو تو کہا جاتا ہے سرکہ میں پانی مخلوط ہے یہ نہیں کہتے کہ پانی میں سرکہ ملا ہوا ہے اھ، تو یہ اس صورت کو شامل نہیں جبکہ پھلوں کے پانی پر پانی کا غلبہ ہو جائے، اور خلاصہ یہ کہ میں اس اعتراض کا نہ محل پاتا ہوں اور نہ محمل، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ پانی کی طبیعت میں رقت اور سیلان پر دو چیزوں کی زیادتی کا قول کرتے ہیں وہ فی نفسہٖ پانی کی طبیعت کا ارادہ کرتے ہیں نہ کہ اُس طبیعت کا کہ اگر وہ نہ ہو تو وضو جائز نہ ہو، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جب وہ فروع کے

---

[1] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبع عامرہ مصر ۱/۲۸

الا مرالا علی الرقة والسیلان ولن تری احدا منھم یقول ان لم ینبت اویرو لم یجزبه الوضوء فانجلی الامروا نقشع الستروللّٰه الحمد۔	بیان پر آتے ہیں تو معاملہ کو رقت وسیلان پر ہی مبنی کرتے ہیں، اور ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا ہے کہ اگر پانی میں اُگانی اور سیراب کرنے کی صلاحیت ختم ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا، اس سے معاملہ صاف ہوگیا وللّٰہ الحمد (ت)

بحث سوم معنی رقّت وسیلان کی تحقیق اور اُن کا فرق۔

قال العلامة الشرنبلالی رحمه اللّٰه تعالٰی فی نورالایضاح وشرحه مراقی الفلاح (الغلبة فی الجامد باخراج الماء عن رقته) فلاینعصرعن الثوب (وسیلانه) فلا یسیل علی الاعضاء سیلان الماء [1] اھ **اقول: اولا** (۱)لایخفی علیك ان الانعصارمن الثوب اخص تحققامن السیلان فلاینعصر الا مایسیل ولایجب انعصار کل سائل کالدھن والزیت والسمن واللبن والعسل کل ذلك یسیل لانھا من المائعات وما المیع الا السیلان اواخص قال فی القاموس ماع الشیئ یمیع جری علی وجه الارض منبسطا فی ھینة [2] قال فی تاج العروس کالماء	علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی نے نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں کہا (جامد میں غلبہ کا تحقق پانی کو اُس کی رقّت سے خارج کرنے پر ہے) پس وہ کپڑے میں سے نچوڑا نہ جاسکے گا (اور اس کا سیلان) سے اخراج یہ کہ وہ اعضاء پر پانی کی طرح بہہ نہ سکے گا اھ (ت) **میں اوّلاً کہتا ہوں** کہ سیلان کی نسبت کپڑے سے نچوڑا جانا تحقق کے اعتبار سے اخص ہے تو وہی نچوڑا جاسکتا ہے جو بہتا ہو، اور ہر بہنے والی چیز کا نچوڑا جانا لازم نہیں، جیسے تیل، گھی، دودھ اور شہد، یہ سب بہنی والی چیزیں ہیں کیونکہ یہ مائع ہیں اور مائع کا مطلب ہی بہنی والی چیز ہے یا مائع سیلان سے اخص ہے، قاموس میں ہے ماع الشیئ یمیع زمین پر کسی چیز کا پھیل کر بہنا۔ تاج العروس میں ہے جیسے پانی اور خون۔ اور قاموس میں ہے سال یسیل

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ص ۱۵

[2] قاموس المحیط فصل المیم والنون، باب العین مصطفٰی البابی مصر ۸۹/۳

والدم [1] سیلا وسیلانا جری [2] اھ ولیس شیئ منھا ینعصر (۱) ولذا لم یجز تطھیر النجاسة الحقیقیة بھا قال فی الھدایة یجوز تطھیرھا بالماء وبکل مائع طاھر یمکن ازالتھا بہ کالخل وماء الورد ونحوہ مما اذا عصر انعصر [3] قال المحقق فی الفتح قولہ اذا عصر انعصر یخرج الدھن والزیت واللبن والسمن (۲) بخلاف الخل وماء الباقلاء الذی لم یثخن [4] اھ وفی المنیة ان غسل بالعسل اوالسمن اوالدھن لایجوز لانھا لاتنعصر بالعصر [5] قال فی الحلیة لان لھذہ الاشیاء لصوقا بالمحل وایضا فی العسل من غلظ القوام مایمنع من المداخلة فی الثوب [6] اھ وفی مراقی الفلاح لاتطھر بدھن لعدم خروجہ بنفسہ [7] قال ط فی حاشیتہ ای فکیف یخرج النجاسة [8] وقد تقدم فی

سیلا وسیلانا، جاری ہوا اھ اور ان میں سے کسی چیز کو نچوڑا نہیں جاتا ہے اور اسی لئے نجاست حقیقیہ کو اِن سے پاک کرنا جائز نہیں۔ ہدایہ میں فرمایا اس کا پاک کرنا پانی اور ہر مائع سے جائز ہے جو خود پاک ہو، اور نجاست کا اُس سے زائل کرنا بھی ممکن ہو، جیسے سرکہ گلاب کا پانی وغیرہ، یعنی وہ چیزیں جو نچوڑے جانے سے نچوڑی جاسکیں، محقق نے فتح میں فرمایا "ان کا قول جب نچوڑا جائے تو نچڑ جائے، سے تیل، روغن زیتون، دُودھ اور گھی خارج ہوجاتے ہیں بخلاف سرکہ اور باقلاء کے پانی کے جو گاڑھا نہ ہو اھ اور منیہ میں ہے کہ اگر شہد سے دھویا جائے یا گھی سے یا تیل سے تو جائز نہیں، کیونکہ یہ نچوڑے جانے سے نہیں نچڑتے ہیں، حلیہ میں فرمایا اس لئے کہ یہ چیزیں اپنے محل سے چپکی ہوئی ہوتی ہیں اور شہد کی قوام کی سختی اس کو کپڑے میں داخل ہونے سے منع کرتی ہے اھ اور مراقی الفلاح میں ہے تیل سے پاک نہ ہوگا کیونکہ وہ خود نہیں نکلتا ہے "ط" نے

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] تاج العروس فصل المیم من باب العین مطبوعہ احیاء التراث العربی مصر ۵۱۶/۵

[2] قاموس المحیط فصل السین والشین واللام مصطفی البابی مصر ۴۱۰/۴

[3] ہدایۃ باب الانجاس وتطہیرہا مکتبہ عربیہ کراچی ۵۴/۱

[4] فتح القدیر باب الانجاس وتطہیرہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۷۰/۱

[5] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۸

[6] حلیۃ

[7] مراقی الفلاح باب الانجاس والطہارۃ مطبعۃ ازہریہ مصر ص ۹۳

[8] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الانجاس والطہارۃ مطبعۃ ازہریہ مصر ص ۹۳

ان ھذا یوھم بقاء الاطلاق مع انتفاء الرقۃ اذالم یسلب السیلان ولیس کذلک۔

فان قلت انہ رحمہ اللہ تعالٰی تدارکہ فی الشرح بتقیید السیلان بسیلان کالماء وظاھر ان المراد بہ الماء الصافی الذی لم یخالطہ شیئ ولم یتغیرعن صفتہ الاصلیۃ ولا تسیل تلك المائعات مثلہ لکونہ ارق اماالذی یسیل کسیلانہ فلابد ان ینعصرکانعصارہ فان کان کل منعصر یسیل کالماء تساوی الرقۃ وھذاالسیلان والا کانت الرقۃ اعم وعلی کل لایلزم المحذورفانہ کلماانتفت انتفی،غایتہ ان یبقی ذکر السیلان مستدرکاعلی تقدیر خصوصہ اما علی التساوی فلاغروفی جمع المتساویین تاکیدا۔اقول فیہ عـہ نظر بالنسبۃ الی بعض

اس کے حاشیہ میں فرمایا تو نجاست کیسے نکالے گا۔ اور ۲۸۶ میں گزراکہ یہ پانی کے اطلاق کو باقی رہنے کا وہم پیدا کرتا ہے جبکہ رقت منتفی ہو اور سیلان باقی ہو حالانکہ ایسا نہیں۔(ت)

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ انہوں نے شرح میں اس کا تدارک اس طرح کیا ہے کہ سیلان کو مقید کیا ہے اُس سیلان سے جو پانی کی طرح ہو اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد صاف پانی ہے جس میں کوئی چیز ملی نہ ہو اور وہ اپنی اصلی صفت سے متغیر نہ ہوا ہو اور یہ مائعات اس کی طرح نہیں بہتے کیونکہ پانی زیادہ پتلا ہے، بہرحال وہ چیز جو پانی کی طرح بہے توضروری ہے کہ وہ پانی کی طرح نُچڑے تو اگر ہر نچڑنے والی چیز پانی کی طرح بہتی ہو تو رقت اور یہ سیلان مساوی ہوجائیں گی ورنہ تو رقت اعم ہوگی اور ہر صورت میں کوئی محذور لازم نہ آئے گا، کیونکہ جب رقت منتفی ہوگی تو سیلان منتفی ہوگا، نتیجہ یہ کہ سیلان کا ذکر مستدرک ہوگا، برتقدیر اُس کے خاص ہونے کے اور تساوی کی شکل میں تو متساویین کے جمع ہونی میں کوئی حرج نہیں تاکیدا۔(ت)

میں کہتا ہوں دودھ کے بعض اقسام کے اعتبار

عـہ **فان قلت** الیس ھذا عین ماقدمت انفا فی البحث الاول فی تبیین کلام التبیین وغیرہ اواقتصروا علی السیلان فقلت یحمل علی السیلان المعھود من الماء فیستلزم الرقۃ **اقول:** نعم شتان ماھما فالسیل کمسیل الماء یستلزم الرقۃ بالمعنی الذی حققت لا الانعصار کالالبان ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اگر آپ اعتراض کریں کہ کیا یہ بیان آپ کے اس بیان کے عین مطابق نہیں ہے جو ابھی آپ نے تبیین وغیرہ کے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے پہلی بحث میں فرمایا کہ "انہوں نے صرف سیلان کو کافی قرار دیا ہے" اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ اس سیلان کو پانی والے سیلان پر محمول کیا جائے گا جس کو رقت لازم ہے۔ میں کہتا ہوں دونوں مختلف ہیں، سیلاب کے پانی کی رقت میں نچڑنے کی وہ صلاحیت نہیں جو خالص پانی کی رقت میں ہے سیلاب کے پانی کی رقت دودھ کی رقت جیسی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

الالبان بل لبن المعزربمایکون ارق من بعض المیاہ وعلی التسلیم لانسلم ان کل ماسال کالماء ینعصر لجواز ان یکون فیه مایمنعه من الانعصار دون السیل کالدسم فان کان کل منعصر سائلا مثلا عادت الرقة اخص مطلقًا والا فمن وجه وعلی کل عاد المحذور۔

وثانیا: (۱)افاد رحمه الله تعالٰی ان کل مالاینعصر لیس برقیق فعکسه کل رقیق ینعصر* وفیه نظر لایستتر* فان الدھن رقیق ولاینعصر* والامر فی اللبن اظھر امارقة الدھن فلما صرحوا ان المعتبر فی المقدارالمانع من (۲) النجاسة الغلیظة وزن الدرھم فی الشیئ الغلیظ ومساحته فی الرقیق کتب المذھب طافحة بذلك وفی البحر وفق الھندوانی بان روایة المساحة فی الرقیق والوزن فی الثخین واختار ھذا التوفیق کثیرمن المشائخ وفی البدائع ھوالمختارعندمشائخ ماوراء النھروصححه الزیلعی وصاحب المجتبی واقرہ فی فتح القدیر[1] اھ وفی الغنیة قال الفقیه ابو جعفر یقدر

سے اس میں اعتراض ہے، بلاکہ بکری کا دودھ بعض پانیوں کے اعتبار سے زائد رقیق ہوتا ہے اگر مان بھی لیا جائے تو ہم یہ نہیں مانتے کہ ہر وہ چیز جو پانی کی طرح بہتی ہو وہ نچڑتی بھی ہو کیونکہ یہ جائز ہے کہ اس میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے نچڑنے سے مانع ہو نہ کہ بہنے سے جیسے چکناہٹ، تو اگر ہر نچڑنے والی چیز اس کی طرح بہنے والی ہو تو رقت اخص مطلق ہوجائے گی ورنہ من وجہ ہوگی اور بہر صورت محذور لوٹ آئے گا۔اور **ثانیا** علامہ شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو نچڑتی نہیں وہ رقیق نہیں ہے، تو اس کا عکس یہ ہوگا کہ ہر رقیق چیز نچڑتی ہے، اور اس میں ظاہری نظر ہے کہ تیل رقیق ہے مگر نچڑتا نہیں اور دودھ کا معاملہ زیادہ ظاہر ہے اور تیل کی رقت تو جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ معتبر وہ مقدار جو نجاست غلیظہ کے مانع ہے، گاڑھی چیز میں ایک درہم کا وزن ہے، اور رقیق میں ایک درہم کی پیمائش معتبر ہے، کُتب مذہب اِس سے پُر ہیں اور بحر اور ہندوانی میں ہے کہ مساحت کی روایت رقیق میں اور گاڑھی میں وزن کی ہے، اور اس توفیق کو بہت سے مشائخ نے پسند کیا ہے اور بدائع میں ہے کہ ماوراء النہر کے مشائخ کے نزدیک یہی مختار ہے اور اس کو زیلعی اور صاحبِ مجتبٰی نے صحیح قرار دیا ہے اور اس کو فتح القدیر میں برقرار رکھا ہے اھ اور غنیہ میں ہے فقیہ ابو جعفر نے کہا ہے جو نجاستیں جسم والی ہیں ان میں وزن سے اندازہ

[1] بحر الرائق باب الانجاس سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۸

بالوزن فی المستجسدۃ ذات الجرم وبالبسط فی الرقیقۃ کالدم المائع ووافقہ علی ذلك من بعدہ وقالواھو الصحیح[1] اھ ثم (۱)اختلفوا فی دھن متنجس اصاب الثوب اقل من درھم ثم انبسط فزاد قال الاکثرون یمنع الصلاۃ لانہ الاٰن اکثر قال فی المنیۃ بہ یؤخذ وقال جمع انما العبرۃ بوقت الاصابۃ المسألۃ دوارۃ[2] فی الکتب کالفتح والبحر والدر وغیرہا وھوصریح دلیل علی ان الدھن من الرقیق والالم یتصورالاختلاف لان البسط لایزیدہ وزنا وقال فی الغنیۃ اصابہ دھن نجس اقل من قدرالدرھم ثم انبسط یمنع الصلاۃ لان مساحۃ النجاسۃ وقت الصلوۃ اکثرمن قدرالدرھم وتحقیقہ ان المعتبر فی المقدارمن النجاسۃ الرقیقۃ لیس جوھر النجاسۃ بل جوھر المتنجس عکس الکثیفۃ[3] اھ فثبت ان من الرقیق مالاینعصر۔	لگایا جائے گا، اور رقیق میں پھیلاؤ کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے مائع خون اور ان کی موافقت کی ان کے بعد والوں نے، اور کہاکہ وہی صحیح ہے اھ پھر فقہاء کااختلاف ہے ناپاک تیل میں جو کسی کپڑے کو ایک درہم سے کم مقدار میں لگ جائے پھر پھیل جائے اور زائد ہوجائے اکثر نے فرمایا یہ مانع صلوٰۃ ہے کیونکہ یہ اب زائد ہے، منیہ میں فرمایا اسے کو لیا جائے گا،اور ایک جماعت نے فرمایا اس وقت کا اعتبار ہوگا جبکہ یہ لگا ہو،یہ مسئلہ عام طور پر کتب میں موجود ہے، جیسے فتح، بحر اور دُر وغیرہ اور یہ صریح دلیل ہے اس امر کی کہ تیل رقیق ہے ورنہ تو اختلاف ہی متصور نہ تھا، کیونکہ پھیلنے سے اس کا وزن زائد نہ ہوگا، اور غنیہ میں فرمایا اگر اس کو نجس تیل لگا ایک درہم سے کم پھر پھیل گیا تو نماز نہ ہوگی، کیونکہ نجاست کی پیائش نماز کے وقت درہم کی مقدار سے زائد ہوگئی ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ رقیق نجاست میں معتبر جوہرِ نجاست نہیں بلکہ نجس ہونے والی چیز کا جوہر ہے یہ کثیفہ نجاست کا عکس ہے اھ تو ثابت ہوا کہ بعض رقیق چیزیں وہ ہیں جو نُچڑتی نہیں۔ (ت)

واناقول: (۲) وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ ت) اہل سنت (۳) حفظھم اللہ تعالٰی کے نزدیک ترکیب اجسام اگرچہ جواہر فردہ متجاورہ غیر متلاصقہ سے ہے اور یہی حق ہے فقیر نے بحمد للہ تعالٰی اپنے فتاوٰی کلامیہ میں اسے

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الاسار سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۲
[2] منیۃ المصلی فصل فی الاسار مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۳۶
[3] غنیۃ المستملی فصل فی الاسار سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۲

قرآن عظیم سے ثابت کیا ہے جس کی طرف علماء متکلمین کی نظر اب تک نہ گئی تھی **فیما اعلم واللہ اعلم اذلم اقف علیہ فی کلامھم** (اس میں جو میں جانتا ہوں اور اللہ زیادہ جانتا ہے کہ اس معاملہ میں ان کے کلام میں واقفیت حاصل نہ کرسکا۔ ت) مگر اتصال حسی ضرور ہے **کما بیناہ فی رسالتنا النمیقۃ الانقی** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ **النمیقۃ الانقی** میں بیان کیا ہے۔ ت) تمام احکامِ دین ودنیا اسی اتصال مرئی پر مبنی ہیں، یہ اتصال دو قسم ہے: قوی وضعیف۔ قوی یہ کہ جب تک خارج سے کوئی سبب نہ پیدا ہو انفکاک نہیں ہوتا، ایسی ہی شی کا نام **جامد** ہے۔ پھر یہ خود قوت وضعف میں بریان پاپڑ سے لے کر سنگ خارا کی چٹان اور فولاد تک مختلف ہے مگر یہ نہ ہوگا کہ خود بخود اس کے اجزا بکھر جائیں یا بہ کر اُتر جائیں۔ ضعیف یہ کہ محض مجاورت کے سوا اجزا میں عام بستگی و گرفتگی نہ ہو دَل پیدا کرنے والا ترا کم کہ اجزای کے بالائے دیگرے ہیں جگہ نپانے کی باعث ہو گنجائش ملتی ہی اجزا اُتر کر پھیلنے لگیں ایسی ہی شی کا نام **مائع وسائل** ہے اور ازاں جاکہ اجزاء میں تماسک یعنی جامدات کی مانند بستگی و گرفتگی نہیں اور میل طبعی ہر ثقیل کا جانب تحت ہے تو نشیب پاتے ہی جو حرکت ثقیل اشیاء میں پیدا ہوتی ہے جبکہ کوئی مانع نہ ہو جامد میں سارے جسم کو معًا متحرک کرتی تھی کہ اجزا اول سے آخر تک ایک دوسرے کو پکڑے ہوئے ہیں یہاں ایسا نہ ہوگا بلاکلہ جانب نشیب کے پہلے اجزاء حرکت میں پچھلوں کا انتظار کریں گے ان کے آگے بڑھتے ہی ان کے متصل جو اجزاء تھے جگہ پائیں گے اور وہ اپنے پچھلوں کے منتظر نہ رہ کر جنبش کریں گے یوں ہی یہ سلسلہ اخیر اجزاء تک پہنچے گا تو اس جسم کی حرکت حرکتِ واحدہ نہ ہوگی بلاکلہ حرکات عدیدہ متوالیہ اور ازانجا کہ اگلوں کا بڑھنا اور پچھلوں کا اُن سے آملنا مسلسل ہے کہیں انفکاک محسوس نہ ہوگا جسم واحد کے اجزا میں اسی سلسلہ وار حرکت متوالی کا نام **سیلان** ہے پھر جس طرح جامدات قوت وضعف میں اُس درجہ مختلف تھے یوں ہی ان مائعات میں یہ اختلاف ہے کہ جہاں بوجہ مانع انفکاک حسی کے محتاج ہوں بعض بہت باریک ذروں پر منقسم ہو سکیں گے اور بعض زیادہ حجم کے اجزاء پر کہ ایک نوع تماسک سے خالی نہیں اگرچہ جامدات کی طرح عام تماسک نہیں چھاننے میں اختلاف مائعات کی یہی وجہ ہی ظاہر ہے کہ کپڑا یا چھلنی جس چیز میں چھانیے اُس میں کچھ تو منافذ ومسام ہوں گے کہ اجزائے مائع کو نکلنے کی جگہ دیں گے اور کچھ کپڑے یا لوہے وغیرہ کی تار ہوں گے کہ اپنے محاذی اجزاء کو روکیں گے ناچار مائع اپنے اجزاء کی تفریق کا محتاج ہوگا پھر جو جس قدر باریک اجزا پر منقسم ہو سکے گا اُتنے ہی تنگ منفذ سے نفوذ کر جائے گا اور دوسرا اس پر قادر نہ ہوگا یہی سبب ہے کہ بعض مائعات چھانتی میں سنگین کپڑے سے نفوذ کر جاتے ہیں کہ اُس کپڑے کی باریک مسام سے بھی زیادہ باریک اجزاء پر متفرق ہو سکتے ہیں اور بعض باریک کپڑے سے نکل سکیں گے جو زیادہ گھنا نہ بُنا ہو بعض چھلنی کی وسیع منفذ چاہیں گے وعلٰی ہذا القیاس اسی منشاء اختلاف کا نام مائع کی **رقت وغلظت** ہے ورنہ جامدات (۱) میں بھی رقیق وغلیظ ہوتے ہیں پتلے کپڑے کو ثوبِ رقیق کہتے ہیں پتلی چپاتی کو خبزِ رُقاق، استخوان زمان پیری کو عظمِ رقیق، حدیث امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ

میں ہے:

اللھم کبر سنی و رق عظمی فاقبضنی الیك غیرعاجزولاملوم۔	اے اللہ میری عمر بڑی ہو گئی اور میری ہڈی پتلی ہو گئی پس مجھے عاجز اور شرمسار کئے بغیر اپنے دربار میں حاضر کرلے۔(ت)

شیشہ کہ باریک دَل کا ہو زجاج رقیق۔ قال قائلھم ع:

رق الزجاج ورق الخمر فاشتبھا

(ترجمہ: شیشہ پتلا (باریک) ہوا، اور شراب پتلی ہوئی، یوں دونوں آپس میں مشابہ ہوئے۔ت)

بالجملہ (۱) رقت ودقت متقارب ہیں رقیق پتلا دقیق باریک۔

اقول: مگر دقت میں کمی عرض کی طرف لحاظ ہے ولہٰذا خط کو دقیق کہیں گے اور رقت میں کمی عمق کی جانب تو سطح رقیق ہے یہ وہ ہے جو نظر بمحاورت خیال فقیر میں آیا پھر تاج العروس میں اس کی تصریح پائی۔

حیث قال قال المناوی فی التوقیف الرقۃ کالدقۃ لکن الدقۃ یقال اعتبار المراعاۃ جوانب الشیئ والرقۃ اعتبارا بعمقہ[1]۔	فرمایا کہ مناوی نے توقیف میں فرمایا رقت مثل دقت ہے لیکن دقتہ میں کسی چیز کے کناروں کا اعتبار ہوتا ہے اور رقت میں اس کی گہرائی کا۔(ت)

اسی لئے تالاب یا نالے میں جب پانی تھوڑی دَل کا رہ جائے اُسے رُق ورُقارِق کہتے ہیں قاموس میں ہے:

الرقارق بالضم الماء الرقیق فی البحر اوالوادی لاغزر لہ[2] اھ وقدم مثلہ فی الرق الا قولہ لاغزرلہ فزادہ الشارح۔	رقارق بالضم پتلا پانی دریا یا وادی میں جو گہرا نہ ہو اھ اور اس کی مثل الرق میں گزرا اس کے قول لاغزر کا ذکر نہیں، اس کا اضافہ شارح نے کیا ہے۔(ت)

نیز اُسی میں ہے:

استرق الماء نضب الایسیرا[3]۔	نیز اس میں ہے پانی رقیق ہوا یعنی قلیل گہرائی والا ہو۔(ت)

اقول: یہ **رقت** (۲) **بالفعل** ہے اور مائع کا اس قابل ہونا کہ چھاننی میں باریک اجزاء پر منقسم ہوسکے

---

[1] تاج العروس فصل الراء من باب القاف احیاء التراث العربی مصر ۳۵۸/۶

[2] قاموس المحیط فصل الراء باب القاف مصطفی البابی مصر ۲۴۵/۳

[3] قاموس المحیط فصل الراء باب القاف مصطفی البابی مصر ۲۴۵/۳

رقت بالقوہ یہی ان مسائل میں ملحوظ و مبحوث عنہ ہے۔

ثم اقول: جانب زیادت انتہائے رقت تو جواہر فردہ پر ہے کہ اُن سے زیادہ باریکی محال ہے باقی ایک مائع دوسرے کے اعتبار سے رقیق اضافی ہے گائے کا دودھ ہر حال میں بھینس کے دُودھ سے رقیق ہے مگر برسات کی گھاس چرے اور کھلی اور دانہ کھائے تو خود اُس کی پہلی صورت کا دودھ دوسری سے رقیق تر ہے یوں ہی یہ اختلاف بکری کے دودھ سے نہ جمی ہوئی راب تک متفاوت ہے اور جانب کمی اُس کی انتہا اختتام سیلان پر ہے۔ جب شی سائل نہ رہے گی یہاں سے ظاہر ہوا کہ رقیق بالقوہ وسائل بجائے خود متساوی ہیں ہر رقیق بالقوہ سائل ہے اور ہر سائل رقیق بالقوہ عام ازیں کہ کپڑے سے نچڑ سکے جیسے پانی یا نہیں جیسے تیل، گھی، شیر، شہد وغیرہا۔ اب رہا یہ کہ جب رقت مبحوث عنہا اجزائے لاتتجزی سے اخیر حد مائع تک بتفاوت شدید پھیلی ہوئی ہے تو یہاں جس مقدار کی انتفا پر زوال طبع آب کہتے ہیں اُس کی تحدید کیا ہے۔ پانی کس حد کی رقت تک نامتغیر کہا جائے گا اور کیسا ہو کر زائل الطبع کہلائے گا یہی اصل مقصد بحث ہے اس کا انکشاف بعونہٖ تعالٰی بحث آئندہ کرتی ہے

وباللہ التوفیق* ولہ الحمد علی ہدایۃ الطریق* وصلی اللہ تعالٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اولی التحقیق۔

بحث چہارم: رقت معتبرہ مقام کی حد بست۔

اقول: رأیت العبارات فیہ علی ثلثۃ مناھج۔ **الاول:** قال فی الغنیۃ لاتجوز بالمقید کماء الزرج اذا کان ثخینا اما اذاکان رقیقا علی اصل سیلانہ فتجوز کماء المد ونحوہ ثم قال مادام رقیقا یسیل سریعا کسیلانہ عند عدم المخالطۃ فحکمہ حکم الماء المطلق ثم قال وضابطہ بقاء سرعۃ السیلان کماھو طبع الماء قبل المخالطۃ ثم قال (لوبل الخبز فی الماء ان بقیت رقتہ) کماکانت (جازوان صار ثخینا لا [1] اھ)	**میں کہتا ہوں** میں نے اس سلسلہ میں تین قسم کی عبارات دیکھیں: **پہلی:** غنیہ میں فرمایا مقید سے جائز نہیں، جیسے زردج کا پانی جبکہ گاڑھا ہو، اور جب گاڑھا نہ ہو اور اصلی سیلان پر ہو تو جائز ہے، جیسے سیلاب وغیرہ کا پانی۔ پھر فرمایا جب تک رقیق ہو جلدی بہتا ہو جیسے مخالطت کے نہ ہونے کے وقت بہتا ہے، تو اس کا حکم مطلق پانی جیسا ہے پھر فرمایا اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ تیزی سے سیلان کا باقی رہنا، جیسا کہ وہ پانی کی طبیعت ہے مخالطت سے پہلے، پھر فرمایا (اگر روٹی پانی میں تر ہو گئی تو اگر اس کی رقت باقی ہے)

[1] غنیۃ المستملی، فصل فی بیان احکام المیاہ، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۸۸۔۹۱

وفی العنایة والبنایة فی جوازالوضوء بماء تقع فیه الاوراق شرطه ان یکون باقیا علی رقته اما اذا صار ثخینا فلا[1] اھ	جیسے کہ پہلے تھی (تو جائز ہے اور اگر گاڑھا ہوگیا تو جائز نہیں) اھ اور عنایہ اور بنایہ میں ہے کہ جس پانی میں پتّے گر گئے ہوں اُس سے وضو کے جواز میں شرط یہ ہے کہ اُس کی رقت باقی ہو اور جب گاڑھا ہو جائے تو وضو جائز نہیں اھ
فالضمیر فی رقته ربمایشیرالی مامال الیه فی الغنیة وقد یعارضه المقابلة بصیرورته ثخینالکن قالا بعده فی ماء الزعفران وغیره یعتبر فیه الغلبة بالاجزاء فان کانت اجزاء الماء غالبة ویعلم ذلك ببقائه علی رقته جازالوضوء وانکانت اجزاء المخالط غالبة بان صار ثخینا زالت عنه رقته الاصلیة لم یجز اھ۔	تو رقتہ کی ضمیر بسا اوقات اس کی طرف اشارہ کرتی ہے جس کی طرف وہ غنیہ میں مائل ہوئے، اور اس کا معارضہ "بصیر ورته ثخینا" کے تقابل سے ہوسکتا ہے، لیکن اُن دونوں نے اس کے بعد فرمایا زعفران وغیرہ کے پانی میں کہ اس میں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا، تو اگر پانی کے اجزاء غالب ہوں، اور اس کا علم اس کی رقت سے ہوگا، تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر مخالط کے اجزاء غالب ہوں بایں طور کہ وہ گاڑھا ہو اس سے اس کی اصلی رقت زائل ہو گئی تو جائز نہیں اھ (ت)
الثانی: قال فی العنایة ایضا فی المطبوخ مع الاشنان ونحوه یجوز التوضی به الا اذاصار غلیظا بحیث لایمکن تسییله علی العضو[2] اھ ولفظ الحلیة عن البدائع والتحفة والمحیط الرضوی والخانیة وغیرها اذاصار غلیظا بحیث لایجری علی العضو[3] اھ	دوسرے یہ کہ عنایہ میں بھی ہے کہ جس پانی میں اُشنان وغیرہ پکائی جائے تو اس سے وضو جائز ہے سوائے اس کے کہ وہ اتنا گاڑھا ہو جائے کہ اس کو اعضاء پر بہایا نہ جاسکے اھ اور حلیہ میں بدائع، تحفہ، محیط رضوی اور خانیہ وغیرہ سے ہے کہ جب وہ اتنا گاڑھا ہو جائے کہ اعضاء پر نہ بہہ سکے اھ اور تبیین، حلیہ اور درر

[1] العنایة مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبه الوضوالخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳، والبنایة شرح ہدایة باب الماء الذی یجوزبه الوضوالخ مطبع امدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۱۸۹

[2] العنایة مع الفتح باب الماء الذی یجوزبه الوضوالخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

[3] حلیہ

وفی التبیین والحلیة والدرران جری علی الاعضاء فالغالب الماء [1] اھ **الثالث**: قال المحقق فی الفتح لاباس بالوضوء بماء السیل مختلطا بالطین ان کانت رقة الماء غالبة فان کان الطین غالبا فلا [2] اھ وفی اجناس الناطفی والمنیة ان لم تکن رقة الماء غالبة لایجوز [3] اھ وفی الذخیرة والتتمة والحلیة الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب صفة الرقة من الماء ویبدلها بضدها وھی الثخونة [4] اھ وفی الخانیة فی ماء الزعفران والزردج ان صار متماسکا [5] لایجوزاھ وفی الخلاصة ان کان رقیقایستبین الماء منه یجوز وان صار نشاستج [6] لایجوز اھ وفی فتاوٰی الامام فقیه النفس توضأ بماء السیل یجوز وان کان ثخینا کالطین لا [7] اھ وفی الھدایة والکافی فی مطبوخ الاشنان الا ان یغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق	میں ہے کہ اگر وہ اعضاء پر جاری ہو تو غالب پانی ہی ہوگا اھ (ت) تیسرے یہ کہ محقق نے فتح میں فرمایا وہ پانی جس میں کیچڑ ملی ہوئی ہو، اگر وہ اعضاء پر بہتا ہو تو اس سے وضو میں حرج نہیں، اور اگر اس میں مٹّی غالب ہو تو وضو جائز نہیں اھ اور ناطفی کی اجناس میں اور منیہ میں ہے اگر پانی کی رقت غالب نہ ہو تو وضو جائز نہیں اھ اور ذخیرہ، تتمہ، حلیہ میں ہے کہ اجزاء کے اعتبار سے غلبہ اس انداز میں کہ پانی کی رقت ختم ہوجائے اور اس کی ضد یعنی گاڑھا پن اس میں پیدا ہوجائے اھ اور خانیہ میں ہے زعفران اور زردج کا پانی اگر گاڑھا ہو تو وضو جائز نہیں اھ اور خلاصہ میں ہے کہ اگر اتنا رقیق ہو کہ پانی اس سے الگ ظاہر ہوتا ہو تو وضو جائز ہے اور اگر نشاستہ بن گیا ہو تو جائز نہیں اھ اور فقیہ النفس کے فتاوٰی (قاضیخان) میں ہے سیلاب کے پانی سے وضو جائز لیکن اگر گاڑھا ہو تو جائز نہیں جیسے کیچڑ اھ اور ہدایہ اور کافی میں ہے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۲۱/۱
[2] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۶۵/۱
[3] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰
[4] فتاوٰی ذخیرۃ
[5] قاضیخان فیما لایجوز بہ التوضی ولکشور لکھنؤ ۹/۱
[6] خلاصۃ الفتاوٰی، الماء المقید، نولکشور لکھنؤ، ۸/۱
[7] قاضیخان، فیما لایجوز بہ التوضی، نولکشور لکھنؤ ۹/۱

المخلوط لزوال اسم (ا) الماء عنه[1] اھ وفی الخانیة وان صار ثخینا مثل السویق لا[2] اھ وفی البدائع الا اذا صار غلیظا کالسویق المخلوط لانه حینئذ یزول عنه اسم الماء ومعناہ ایضا[3] اھ وفی الکافی ثم الھندیة اذا کان النبیذ غلیظا کالدبس لم یجز الوضوء به[4] اھ وفی الخلاصة ھذا (یرید الاختلاف فی جواز الوضوء) اذا کان حلوا رقیقا یسیل علی الاعضاء فان کان ثخینا کالرب لایجوز بالاجماع[5] اھ۔ وفی البدائع عـہ ان کان غلیظا کالرب لایجوز بلاخلاف[6] اھ فظاھر الاول ان لایسری التغیر اصلا الی رقة الماء وسرعة سیلانه۔	کہ وہ پانی جس میں اُشنان پکائی جائے، مگر یہ کہ وہ پانی پر ایسی غالب ہو جائے کہ وہ ستّو بن جائے، کیونکہ اب اس پر پانی کا نام نہیں بولا جائے گا اھ اور خانیہ میں ہے اگر ستّوؤں کی طرح گاڑھا ہو جائے تو وضو جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ اگر ستوؤں کی طرح گاڑھا ہو جائے، کیونکہ اس صورت میں اس پر پانی کا نام نہیں بولا جائے گا اور نہ ہی معنًا وہ پانی رہے گا اھ اور کافی، ہندیہ میں ہے کہ جب نبیذ گاڑھا ہو جیسا شیرہ تو اس سے وضو جائز نہیں اھ اور خلاصہ میں ہے یہ (جواز وضو میں اختلاف مراد ہے) جبکہ میٹھا رقیق ہو اور اعضاء پر بہتا ہو اور اگر شیرہ کی طرح گاڑھا ہو تو بالاجماع جائز نہیں اھ اور بدائع میں ہے کہ جب شیرہ کی طرح گاڑھا ہو جائے تو بلاخلاف جائز نہیں اھ تو اول کا ظاہر یہ ہے کہ تغیر پانی کی رقّت کی طرف اور اس کی سرعتِ سیلان کی طرف سرایت نہ کرے۔ (ت)

عـہ قوله فی البدائع بل تقدم فی ۱۰۷ عن الحلیة عنھا وعن التحفة والمحیط الرضوی والخانیة وغیرھا اذا صار غلیظا بحیث لایجری علی العضو الخ ۱۲ منه غفرله (م)	ان کا قول بدائع میں ہے بلاکہ ۱۰۷ میں حلیہ کی نقل اُن سے گزری نیز تحفہ، محیط رضوی اور خانیہ وغیرہا سے ہے کہ جب اتنا گاڑھا ہو جائے کہ اعضاء پر نہ بہے الخ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۱۸

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[4] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما لایجوز بہ التوضو نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۲

[5] خلاصۃ الفتاوٰی الماء المقید نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[6] بدائع الصنائع الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

اقول: ولیس مراداقطعافان ماء المدالحامل للطین والتراب والرمل والغثاء یستحیل ان یبقی علی رقة الصافی وقداعترف انه باق علی رقته واصل سیلانه وظاهر الثانی الاکتفاء بنفس السیلان وقد اکده فی العنایة بزیادة الامکان فلم یخرج الا مابلغ مبلغ الجامدات حتی خرج عن صلاحیة الاسالة اصلا فهو مع الاول علی طرفی نقیض۔

میں کہتا ہوں یہ قطعًا مراد نہیں، کیونکہ سیلاب کے پانی میں کیچڑ، مٹی، ریت اور کوڑا کرکٹ ملا ہوا ہوتا ہے اور محال ہے کہ صاف پانی کی سی رقت پر باقی رہے اور وہ اعتراف کرچکے ہیں کہ وہ اپنی رقت اور اصل سیلان پر باقی ہے اور دوسرے کا ظاہر نفس سیلان پر اکتفاء کرنا ہے اور اس کو عنایہ میں زیادۃ امکان سے مؤکد کیا ہے تو وہ اُسی حد تک پہنچا جس حد تک جامدات پہنچتی ہیں، یہاں تک کہ وہ اسالت کی صلاحیت سے بالکل خارج ہوگیا تو وہ اول کے ساتھ نقیض کی دو طرفوں پر ہے۔ (ت)

اقول: ولیس مراداقطعا فان الطین والنشاوالسویق المخلوط والدبس والرب من المائعات الممکن تسییلهاواذا بلغ الماء الی هذه الحال لایشك احد فی ماحدث لطبعه من التغیر والزوال وهل تری احدا یسمی الطین والسویق ماء فالصواب هوالثالث المنصوص علیه صریحا فی کلام کبارالائمة والثانی یرجع الیه باقرب تاویل کماتقدمت الاشارة الیه فی صدر الکلام۔

میں کہتا ہوں وہ قطعًا مراد نہیں کیونکہ کیچڑ اور نشا (گارا) اور مخلوط ستّو، شیرہ اور راب ایسے مائعات میں سے ہے جن کا بہانا ممکن ہے اور جب پانی اس حال پر پہنچ جائے تو کوئی بھی اس کی طبیعت میں پیدا ہونے والے تغیر پر اور زوال پر شک نہیں کرے گا، کیا کوئی ستّوؤں اور کیچڑ کو پانی کہتا ہے؟ تو صحیح تیسرا ہے جس کی صراحت بڑے بڑے ائمہ کے کلام میں موجود ہے، اور دوسرا اس کی طرف قریب ترین تاویل سے رجوع کرتا ہے جیسا کہ اس کی طرف صدر کلام میں اشارہ گزرا ہے۔ (ت)

بقی الاول **فاقول:** کلام العنایة فیه قریب غیر بعید فانه لم یفسره تفسیر الغنیة بزیادة ماقبل المخالطة والاناقض کلامه فی الثانی وکلام الغنیة یفسره هکذاوقد تفرد [عه] به فیمااعلم ثم یجعل ماء المد

پہلا باقی رہاتو **میں کہتا ہوں** عنایہ کا کلام اس میں قریب ہے دُور نہیں کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر غنیہ کی طرح نہ کی، اور اس میں مخالطۃ سے ماقبل کا اضافہ نہیں کیا ورنہ ان کا کلام دوسرے میں متناقض ہوتا ہے، اور وہ اس میں متفرد ہیں ا جیسا کہ میں جانتا ہوں، پھر سیلاب کے

عہ انما وافقه ممن اتی بعده کلام

ان کی موافقت ان لوگوں نے کی ہے جو ان کے بعد

کاللامخالط فادنی عـــہ احواله الاضطراب فالماخوذمانص علیه الاصحاب* والله تعالٰی اعلم بالصواب	پانی کو اس پانی کی طرح کرتے ہیں جو مخلوط نہ ہو، تو کم از کم اضطراب تو ہے ہی، تو ماخوذ وہی ہے جس پر اصحاب نے نص کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

ثم اقول: وباللّٰہ التوفیق ہماری تقریر سابق سے واضح ہوا کہ مائعات دو قسم ہیں، ایک وہ جن کے اجزا میں اصلاً تماسک نہیں جیسے نتھرا پانی، دوسری جن میں نوع تماسک ہے جیسے شہد۔ یہاں سے جس طرح اُن کی رقت وغلظت کا فرق پیدا ہوتا ہے کہ اوّل اپنے اتصال حسی کہ بہت باریک اجزاء پر تقسیم کرسکتا ہے بخلاف ثانی یوں ہی اُن کے سیلان میں بھی تفاوت آئے گا اول جب جگہ پائے گا بالکل منبسط ہوجائے گا اول اصلا نہ رہے گا کہ اجزاء جو عدمِ وسعت کے سبب زیر وبالا متراکم تھے وسعت پاکر سب پھیل جائیں گے کہ ہر جز طالب مرکز ہے اگر اجزائے بالا بالاہی رہیں بہ نسبت اجزائے زیریں مرکز سے دُور ہوں گے جگہ پاکر بلامانع دور رہنا مقتضائے طبیعت سے خروج ہے کہ عادۃً ممکن نہیں **خلافا لجهلة الفلاسفة الذین یحیلونه عقلالان الفاعل عندهم موجب وعندنا(ا)مختار تعٰلی الله عما یقول الظلمون علوا کبیرا وسبحن الله رب العرش عمّایصفون** (اس میں جاہل فلاسفہ کا اختلاف ہے، جو اس کو عقلا محال قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک فاعل موجب ہے اور ہمارے نزدیک مختار ہے تعالٰی اللہ **عما یقول الظلمون علوًا کبیرا وسبحان الله رب العرش العظیم**۔ ت) بخلاف ثانی کہ اجزا میں ایک نوع تماسک کے سبب سب نہ پھیل سکیں گے ختم سیلان پر بھی مبدء سے منتہی تک ایک اُبھرا ہوا جرم نظر آئے گا جیسا کہ مرئی ومشاہد ہے کہ اگر پختہ زمین یا تخت یا سینی یا لوہے کی چادر پر شہد بہایئے بہاؤ رُکنے پر بھی یہاں سے وہاں تک اُس سطح سے اونچا شہد کا ایک دَل قائم رہے گا جسے خشک ہونے کے بعد چھیل سکتے ہیں بے اس کے کہ زمین کا کچھ حصّہ چھلے لیکن اگر پانی بہایئے اور پُورا بہہ جانے سے کوئی روک نہ ہو تو ختمِ سیلان کے وقت اُس سطح پر اول تا آخر ایک تری کے سوا پانی کا کوئی دَل نہ رہے گا ہمارے ائمہ اسی قسم اول کا نام رقیق اور ثانی کا کثیف رکھتے ہیں فقیر اسے روشن دلیل سے واضح کرے **فاقول وباللّٰہ التوفیق** یہ دلیل ایک قیاس مرکب ہے تین مقدمات پر مشتمل:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **المولی بحرالعلوم قال فی الارکان الاربعة الغلبة بالاجزاء بان تذهب رقة الماء علی ماکان الماء علیها**[1] اھ ۱۲ منه غفر له (م)	آئے ہیں، بحرالعلوم نے ارکان اربعہ میں فرمایا اجزاء کے ساتھ غلبہ یہ ہے کہ پانی کی رقت ختم ہوجائے۔ اس طور پر کہ پانی کے اجزاء مخالط کے اجزاء پر غالب ہوں (ت)
عـــہ لکن سیأتی بتوفیق الله تعالٰی التوفیق البازغ فانتظر منه غفرله۔ (م)	انتظار کرو، اللہ تعالٰی کی مدد سے اس کی روشن توفیق آتی ہے۔ (ت)

[1] رسائل الارکان فصل فی المیاہ مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۴

مقدمہ اولٰی: ہمارے ائمہ (۱) نے باب نجاسات میں دو قسمیں فرمائی ہیں جرم دار وبے جرم، اول کی مثال لید وغیرہ سے دیتے ہیں اور دوم کی بول وخمر وغیرہما سے امام برہان الدین فرغانی ہدایہ میں فرماتے ہیں:

نجاسۃ لھاجرم کالروث ومالاجرم لہ کالخمر [1]۔	کوئی نجاست ایسی ہو کہ اُس کا جرم (جسم) ہو جیسے لید اور وہ جس کا جِرم نہ ہو جیسے شراب۔ (ت)

عنایہ میں ہے:

النجاسۃ اما ان یکون لھا جرم کالروث اولا کالبول [2]۔	نجاست کا یا جرم ہوگا جیسے لید یا نہ ہو جیسے پیشاب۔ (ت)

امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الواقع فی البئر اماان یکون مستجسدا اوغیر مستجسد فان کان غیر مستجسد کالبول والدم والخمر ینزح ماء البئر الخ [3]۔	کنویں میں گرنے والی چیز یا تو جسم والی ہوگی یا غیر جسم والی، اگر غیر جسم والی ہو جیسے پیشاب، خون اور شراب، تو کنویں کا تمام پانی نکالا جائے گا۔ (ت)

مسئلہ کفش وموزہ (۲) میں متون وشروح وفتاوی عامہ کتب مذہب نے یہی ذی جرم وبے جرم کی تقسیم فرمائی اور ایسی مثالیں دی ہیں ازاں جملہ امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

الخف اذا اصابتہ نجاسۃ ان کانت مستجسدۃ کالروث والمنی یطھر بالحك وان لم تکن مستجسدۃ کالخمر والبول لا یطھر الا بالغسل وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اذا القی علیھاترابا فمسحھایطھر لانھا تصیر فی معنی المستجسدۃ وبہ ناخذ [4]۔	موزے پر اگر نجاست لگ جائے تو اگر وہ جسد والی ہو جیسے لِید اور منی، تو وہ رگڑ دینے سے پاک ہوجائے گی اور اگر جسد والی نہ ہو جیسے شراب اور پیشاب، تو دھوئے بغیر پاک نہ ہوگی اور ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ اگر اس پر مٹی ڈال کر رگڑ دے تو پاک ہوجائے گی کیونکہ اب یہ معنًی جسد والی ہوجائے گی، اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (ت)

---

[1] ہدایہ باب الانجاس وتطہیرہا مطبع عربیہ کراچی ۱/۵۶

[2] العنایۃ مع فتح القدیر باب الانجاس وتطہیرہا مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۱

[3] بدائع الصنائع امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسا مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۶

[4] فتاوٰی خانیہ المعروف قاضیخان فصل فی النجاسۃ التی تصیب الثوب والخف اوالبدن ۱/۱۳

اب ہم دکھاتے ہیں کہ اُن کی نزدیک ادھر تو ذی جرم اور کثیف و ثخین وغلیظ کہ مقابل رقیق ہیں اُدھر خود بے جِرم و رقیق ایک معنی رکھتے ہیں، اولاً کتابوں میں واحد سے اختلاف تعبیر،

(۱) امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسی حکم اخیر خانیہ کو ان لفظوں سے ادا فرمایا:

غیر المنی من النجاسات ان کانت رقیقة کالخمر والبول لایطهر الا بالماء وعن ابی یوسف اذا القی التراب علی الخف فمسحها یطهر لانه یصیر فی معنی المستجسدة[1]۔	نجاستوں میں منی کے علاوہ اگر رقیق ہو جیسے شراب اور پیشاب، تو صرف پانی سے ہی پاک ہوگا، اور ابویوسف سے ایک روایت ہے کہ جب موزے پر مٹی ڈالی گئی اور اس کو پونچھ دیا گیا تو وہ پاک ہوجائے گا کیونکہ وہ معنیً متجسد ہوگئی۔ (ت)

(۲) نجاست غلیظہ میں اعتبار مساحت ووزن درہم کہ رقیق وکثیف پر منقسم جس کی بعض عبارات بحث سوم میں گزریں، اور ہدایہ میں ہے:

قیل فی التوفیق بینهما ان الاولی فی الرقیق والثانیة فی الکثیف[2]۔	ان دونوں میں تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ پہلی رقیق میں ہے اور دوسری کثیف میں ہے (ت)

کافی میں ہے:

قال الفقیه ابو جعفر الاولی فی الرقیق والثانیة فی الکثیف وهو الصحیح[3]۔	فقیہ ابو جعفر نے فرمایا: پہلی رقیق میں ہے اور دوسری کثیف میں ہے اور وہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح وقایہ ونقایہ واصلاح وملتقی وخلاصہ وبزازیہ وجوہرہ نیرہ وجواہر اخلاطی وغیرہا کتبِ کثیرہ میں ہے:

وعبر فی الجوهرة الکثیف بالثخین وفی الجواهر بالغلیظ وزاد هو الصحیح من المذهب[4]۔	اور جوہرہ میں کثیف کو ثخین سے تعبیر کیا ہے اور جواہر میں غلیظ سے، اور یہ زیادہ کیا کہ یہی صحیح مذہب ہے (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الغسل والثوب والدھن الخ نولکشور لکھنؤ ۴۲/۱

[2] الہدایۃ باب الانجاس مطبوعہ عربیہ کراچی ۵۷/۱

[3] کافی

[4] الجوہرۃ النیرۃ، باب الانجاس، امدادیہ ملتان، ۴۵/۱

امام ملک العلماء نے اسے یوں تعبیر فرمایا:

قال الفقیہ ابو جعفر الھندوانی اذا اختلفت عبارات محمد فی ھذا فنوفق ونقول اراد بذکر العرض تقدیر المائع کالبول والخمر وبذکر الوزن تقدیر المستجسد[1]۔	فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے فرمایا جب محمد کی عبارات مختلف ہوجائیں تو ہم تطبیق دیں گے اور کہیں گے کہ انہوں نے عرض (چوڑائی) کے ذکر سے مائع کا اندازہ مراد لیا جیسے پیشاب اور شراب اور وزن سے جسم والی کی مقدار کا ارادہ کیا۔ (ت)

(۳) بعینہٖ اسی طرح امام زیلعی نے اول کو مائع دوم کو مستجسد سے تعبیر کرکے فرمایا **وھذا ھو الصحیح**[2] (اور یہی صحیح ہے۔ت) (۴) اسی طرح مراقی الفلاح میں ہے:

عفی قدر الدرھم وزنا فی المستجسدۃ ومساحۃ فی المائع[3]۔	مراقی الفلاح میں ایک درہم وزن کی مقدار نجاست متجسدہ میں معاف ہے اور ایک درہم کی مساحت مائع میں۔ (ت)

(۵) یہی فتاوٰی امام قاضی خان میں یوں ہے:

فی المستجسدۃ کالروث یعتبر وزنا وفی غیر المستجسدۃ کالبول والخمر والدم بسطا[4]	اور نجاست متجسدۃ میں جیسے لید وزن کا اعتبار کیا جائے گا اور غیر متجسدہ میں پھیلاؤ کا جیسے پیشاب، شراب اور خون۔ (ت)

ثانیاً کتابوں سے نقل میں تغیر تعبیر۔

(۶) ہندیہ میں ہے:

الصحیح ان یعتبر بالوزن فی المستجسدۃ وبالمساحۃ فی غیرھا ھکذا فی التبیین	صحیح یہ ہے کہ متجسد نجاست میں وزن سے اعتبار کیا جائے گا اور اس کی غیر میں مساحت سے

---

[1] بدائع الصنائع المقدار الذی یصیر المحل بہ نجسًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۰

[2] تبیین الحقائق باب الانجاس الامیریہ بولاق مصر ۱/۷۳

[3] مراقی الفلاح باب الانجاس والطہارۃ الازہریہ مصر ص ۸۹

[4] قاضی خان فصل فی النجاسۃ التی تصیب الثوب الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

والکافی واکثر الفتاوی[1]۔	اسی طرح تبیین، کافی اور اکثر فتاوٰی میں ہے۔ (ت)

حالانکہ کافی میں رقیق اور تبیین میں[2] میں مائع کا لفظ تھا کما علمت۔

ثالثًا : علماء کا اپنے ہی کلام میں تفننِ تعبیر۔

(۷) بحر میں ہے:

(۱)اشتراط الجرم قول الکل لانہ لواصابہ بول فیبس لم یجزہ حتی یغسلہ لان الاجزاء تتشرب فیہ فاتفق الکل علی ان المطلق (ای الاذی الذی یصیب الخف مقید فقیدہ ابو یوسف بغیر الرقیق وقیداہ بالجرم والجفاف[3]۔	جرم کی شرط لگانا تمام کا قول ہے کیونکہ اگر کسی کو پیشاب لگ گیا اور خشک ہوگیا تو بلادھوئے کام نہیں چلے گا کیونکہ پیشاب کے اجزاء اس میں جذب ہوجاتے ہیں توکُل کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مطلق (یعنی وہ گندگی جو موزے کو لگی ہے وہ مقید ہے تو ابویوسف نے اس کو غیر رقیق سے مقید کیا اور ان دونوں نے اس کو جِرم اور خشک ہونے سے مقید کیا۔ (ت)

اس پر منحۃ الخالق میں فرمایا:

الحاصل انھم اتفقوا علی التقیید بالجرم وانفرد ابو حنیفۃ ومحمد بزیادۃ الجفاف[4]۔	حاصل یہ ہے کہ وہ سب جرم کی قید لگانے پر متفق ہیں اور ابوحنیفہ اور محمد خشک ہونے کی قید لگانے میں متفرد ہیں۔ (ت)

(۸) اسی میں ہے:

لم یعف عن التشرب فی الرقیق لعدم الضرورۃ اذ قد جوز وا کون الجرم من غیرھا بان یمشی بہ علی رمل او تراب فیصیر لھا جرم[5]۔	رقیق میں سرایت کرنے کی وجہ سے معاف نہیں کہ وہاں ضرورت نہیں اس لئے کہ انہوں نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ جرم اس کے غیر سے ہو بایںطور کہ ریت یا مٹی پر چلے اور جرم حاصل ہوجائے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب الانجاس الامیریہ بولاق مصر ۱/۷۳، وفتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الاعیان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۵

[2] تبیین الحقائق، باب الانجاس، الامیریہ مصر، ۱/۷۳

[3] بحرالرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[4] منحۃ الخالق مع البحرالرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[5] بحرالرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۴

(۹) فتح القدیر میں ہے:

الحاصل بعد ازالة الجرم کالحاصل قبل الذلك فی الرقیق [1]۔	جرم کو زائل کرنے کے بعد وہی چیز حاصل ہوگی جو رقیق میں جرم کو زائل کئے بغیر ہوتی ہے۔(ت)

(۱۰) غنیہ میں ہے:

عمل ابو یوسف باطلاقه الا انه استثنی الرقیق کما قال المصنف (وان لم یکن لها جرم کالبول والخمر فلابد من الغسل) بالاتفاق [2]۔	ابو یوسف نے اس کے اطلاق پر عمل کیا البتہ انہوں نے رقیق کا استثناء کیا جیسا کہ مصنف نے فرمایا (اور اگر اس کا جرم نہ ہو جیسے پیشاب اور شراب تو اس کا دھونا لازم ہے) بالاتفاق۔(ت)

(۱۱) اُسی میں حدیث مطلق نقل کرکے قید لھا جرم کی تعلیل میں فرمایا:

قال فی الکفایة وغیرها خرجت النجاسة الرقیقة من اطلاق الحدیث بالتعلیل [3] الخ	کفایہ وغیرہ میں ہے رقیق نجاست حدیث کے اطلاق سے تعلیل کی وجہ سے نکل گئی الخ(ت)

(۱۲) اُسی میں ہے:

من اصاب نعله النجاسة الرقیقة اذا استجسد بالتراب اوالرمل لومسحه یطهر [4]۔	جس کے جُوتے کو رقیق نجاست لگی پھر مٹی یا ریت کی وجہ سے متجسد ہو گئی اب اگر وہ اس کو رگڑے تو پاک ہو جائے گی۔(ت)

(۱۳) اُسی میں ہے:

المختار للفتوی الطهارة بالدلك فی الخف ونحوه سواء کانت ذات جرم من نفسها اوبغیرها کالرقیقة المستجسدة بالتراب رطبة کانت اویابسة [5]۔	فتوٰی کے لئے مختار موزہ وغیرہ کی طہارت میں یہ ہے کہ اس کو رگڑ لیا جائے چاہے خود اُس کا اپنا جرم ہو یا کسی اور کی وجہ سے جیسے وہ جو مٹی میں مل جانے کی وجہ سے جسم والی ہو جائے خواہ تر ہو یا خشک۔(ت)

---

[1] فتح القدیر باب الانجاس نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲

[2] غنیۃ المستملی الشرط الثانی الطہارۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[3] غنیۃ المستملی الشرط الثانی الطہارۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[4] غنیۃ المستملی الشرط الثانی الطہارۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[5] غنیۃ المستملی الشرط الثانی الطہارۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۹

(۱۴) حلیہ میں اسے مسئلہ اصابتہ نجاستہ لھا جرم پر حدیث سے استدلال کرکے فرمایا:

هذا الاطلاق حجة لابی یوسف فی مساواته بین الرطب والیابس نعم علی ابی یوسف ان یقول بالطهارة فی الرقیق ایضا لان الاطلاق یتناوله کمایتناول الکثیف مطلقًا[1]۔	یہ اطلاق ابو یوسف کی حجت ہے وہ رطب ویابس میں فرق نہیں کرتے ہیں، اس کے علاوہ ابویوسف پر لازم ہے کہ وہ رقیق میں بھی طہارت کا قول کریں کیونکہ اطلاق کثیف کی طرح اس کو بھی شامل ہے۔ (ت)

(۱۵) اُسی میں اس جواب اور اُس پر بحث نقل کرکے فرمایا:

علی ان فی البدائع ان ابایوسف فی روایة عنه سوی فی طهارته بین ان تکون مستجسدة اومائعة[2]۔	علاوہ ازیں بدائع میں ہے کہ ابویوسف کی ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے جسم والی اور مائع میں مساوات رکھی ہے۔ (ت)

رابعًا صریح تفسیر۔

(۱۶) تنویر میں تھا: **عفی عن قدر درهم فی کثیف**[3] (ایک درہم کی مقدار کثیف میں معاف ہے۔ت)

درمختار میں اس کی تفسیر کی **له جرم**[4] (جس کیلئے جرم ہو۔ت) ردالمحتار میں ہے: **قوله له جرم تفسیر الکثیف**[5] (ان کا قول لہ جرم کثیف کی تفسیر ہے۔ت)

(۱۷) جامع الرموز میں ہے: **الکثیف ماله جرم والرقیق مالاجرم له**[6] (کثیف وہ ہے جس کا جرم ہو اور رقیق وہ ہے جس کا جرم نہ ہو۔ت) شامی میں حلیہ سے ہے:

عدمنه(ای ماله جرم) فی الهدایة الدم وعده قاضیخان مالیس له جرم ووفق فی الحلیة بحمل الاول علی	شمار کیا گیا ہے اس سے (یعنی اس سے جس کا جرم ہو) ہدایہ میں ہے خون کو، اور اس کو قاضیخان نے اس میں شمار کیا جس کا جرم نہ ہو۔اور حلیہ میں اسی طرح توفیق

[1] حلیہ

[2] حلیہ

[3] درمختار، باب الانجاس، مجتبائی دہلی، ۱/۵۴

[4] درمختار باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۴

[5] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۳

[6] جامع الرموز فصل یطہر الشیئ اسلامیہ گنبد ایران ۱/۱۵۲

ماذا کان غلیظاً والثانی علی ماذا کان رقیقاً اھ وھذا یؤدی مؤدی التفسیر وان لم یکن سوقہ لہ [1]۔	کی گئی ہے کہ اول کو غلیظ پر محمول کیا جائے اور دوسری کو رقیق پر یہ تفسیر کا فائدہ دیتا ہے اگرچہ اس کا اس کیلئے سیاق نہیں ہے۔ت)

بالجملہ اصطلاح فقہائے کرام میں رقیق وبے جرم ایک چیز ہیں۔

مقدمہ ثانیہ: جسم کثیف (۱) ہو خواہ رقیق اِس کا بے جرم ہونا کیونکر متصور کہ جرم وجسم ایک شَی ہیں اور اگر جرم بمعنی ثخن لیجئے یعنی عمق جسے دَل کہتے ہیں تو جسم کو اُس سے بھی چارہ نہیں کہ اُس میں ابعاد ثلثہ ضرور ہیں للذا خود علماء نے اس کی تفسیر فرمائی کہ بے جرم سے یہ مراد کہ خشک ہونے کے بعد مثلاً بدن یا کپڑے کی سطح سے اُبھرا ہوا اُس کا کوئی دَل محسوس نہ ہو اگرچہ رنگ نظر آئے۔ان مباحث میں اسی کو غیر مرئی بھی کہتے ہیں یعنی بنظرِ جرم نہ بنظرِ لون۔ تبیین الحقائق وبحر الرائق ومجمع الانہر وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی المراقی وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الفاصل بینھماان کل مایبقی بعدالجفاف علی ظاھرالخف فھو جرم ومالایری بعد الجفاف فلیس بجرم [2]اھ۔ **اقول:** لم یردبظاھرہ ظھرہ لعدم اختصاص الحکم بہ بل بطنہ ھوالاکثراصابۃ انماارادالسطح الظاھرمن ظھرہ وبطنہ وقید بہ تحرزاعمایتشربہ داخل الخف فانہ لایختص بذی الجرم بل التشرب من الرقیق اکثروانمااحتاج الیہ لقولہ یبقی ولوقال یری لاستغنی عنہ کما فی مقابلہ فان البصر لایدرک الا ماعلی الظاھرولذااسقطہ السیدان الازھری وط لابدالھماالباقی بالمرئی (۲) ومن اغفل ھذا ابدل وابقی کما	دونوں میں فصل کرنے والی چیز یہ ہے کہ جو خشک ہونے کے بعد موزے کے ظاہر پر نظر آئے تو وہ ذی جرم ہے اور جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے وہ ذی جرم نہیں ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** انہوں نے اس کے ظاہر سے اس کی پشت کا ارادہ نہیں کیا ہے کیونکہ حکم اس کے ساتھ ہی مختص نہیں بلاکلہ پُشت کے اندرونی حصہ کو زیادہ پہنچتا ہے بلاکلہ ان کا ارادہ اس کی ظاہری سطح ہے خواہ پشت ہو یا باطن،اور یہ قید اس لئے لگائی تاکہ اس سے احتراز ہو سکے جس کو موزہ کا داخلی حصہ جذب کرلیتا ہے کیونکہ یہ جرم دار شیئ کے ساتھ مختص نہیں ہے،بلاکلہ رقیق میں جذب زیادہ ہوتا ہے اور اس کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ انہوں نے یبقٰی فرمایا ہے اگر وہ یُرٰی فرماتے تو اس کی ضرورت نہ ہوتی جیساکہ اس کے مقابل میں ہے

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبعۃ مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۳

[2] تبیین الحقائق باب الانجاس مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۷۱

قال فی مجمع الانھر کل مایرٰی بعد الجفاف علی ظاھر الخف فھو ذوجرم [1] الخ و (ا) اعجب منه صنیع العلامة ش اذقال فی الدر ھو کل مایری بعد الجفاف فقال ای علی ظاھر الخف [2] کأنه قید سقط عن الدر فزادہ۔	کیونکہ آنکھ تو صرف مقابل آنے والی چیز کاادراک کرتی ہے اس لئے ازہری اور ط نے اس قید کو ساقط کردیا، کیونکہ انہوں نے باقی کو مرئی سے بدل دیا ہے اور جس نے اس سے غفلت کی اُسے بدلااور باقی رکھا، جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے ہر وہ چیز جو خشک ہونے کے بعد موزہ کے ظاہر پر نظر آئے وہ جرم دار ہے الخ اور اس سے زیادہ عجیب وہ ہے جو علامہ "ش" نے کیا جب مصنف نے دُر میں یہ فرمایا "وہ ایسی چیز ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر آتی ہے اس پر "ش" نے فرمایا یعنی موزہ کے "ظاہر" پر، گویا قید دُر سے ساقط ہوگئی ہے، توانہوں نے اس کو زائد کردیا۔ (ت)

فتاوٰی ذخیرہ پھر حلیہ وبحر وعبدالحلیم میں ہے:

المرئیة ھی التی لھاجرم وغیرالمرئیة ھی التی لاجرم لھا [3]۔	مرئیہ جرم دار کو کہتے ہیں اور غیر مرئیہ اس کو جس کا جسم نہ ہو۔(ت)

شرح طحاوی وفتاوٰی صغرٰی وتتمہ ومنبع پھر بترتیب ان کے حوالہ سے عبدالعلی برجندی وشمس قہستانی وابن امیر الحاج حلبی وعبدالحلیم رومی نے غیر مرئیہ میں زائد فرمایا: سواء کان لھا لون اولم یکن [4]۔

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

ذی جرم ھو کل مایبقی بعد الجفاف علی ظاھر الخف سواء کان جرمه من نفسه کالنجس المتعارف والدم والمنی والروث اومن غیرہ کالبول والخمر المتجسدبالرمل اوالتراب اوالرما دبان مشی علیھافالتصق بالخف اوجعل علیه شیئ منھا [5]۔	جِرم دار وہ نجاست ہے جو خشک ہونے کے بعد موزے کے ظاہر پر نظر آئے خواہ اس کا جرم اسی کا ہو جیسے معروف نجاستیں، اور خون، منی اور لید یا اس کے غیر سے ہو جیسے پیشاب اور شراب جو ریت یا مٹی یا راکھ میں ملنے کی وجہ سے جِرم دار ہوگیا ہو، مثلاً اس پر چلا اور وہ موزے میں لگ گیا یا خود موزے پر ڈال لیا۔ (ت)

[1] مجمع الانھر باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۸/۱
[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۲۲۷/۱
[3] بحرالرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۳۶/۱
[4] جامع الرموز فصل یطھر الشیئ مطبع اسلامیہ گنبد ایران ۹۵/۱
[5] ذخیرۃ العقبٰی باب الانجاس الامیریہ مصر ۲۴۱/۱

اس تمام مضمون کو مع زیادت افادات فتوی در مختار نے ان معدود لفظوں میں افادہ کیا:

(ذی جرم)ھو کل مایری بعد الجفاف ولومن غیرھا کخمر وبول اصاب تراب بہ یفتی اھ[1] **اقول**: ولو (ا) اسقط ھو کل ماء لکان عہ اخصر واظھر۔	جرم دار وہ نجاست ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر آئے خواہ اس کے غیر سے ہو جیسے شراب اور پیشاب جس میں مٹی مل گئی ہو، اسی پر فتوی ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اگر وہ "کل ماءٌ" کو ساقط کردیتا تو یہ مختصر ہوجاتا اور زیادہ اظہر ہوتا۔ (ت)

اس پر طحطاوی نے زائد کیا:

ومالایری بعد الجفاف فلیس بذی جرم[2] اھ اقول: واکتفی الدر عنہ بالمفھوم	اور جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے وہ جرم دار نہیں۔(ت) **میں کہتا ہوں** صاحبِ در نے اس کے مفہوم پر اکتفاء کیا ہے۔ (ت)

شامی نے کہا:

مفادہ ان الخمر والبول لیس بذی جرم مع انہ قدیری اثرہ بعد الجفاف فالمراد بذی الجرم ماتکون ذاتہ مشاھدۃ بحس	اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب اور شراب جرم دار نہیں حالانکہ ان کا اثر کبھی خشک ہونے کے بعد بھی نظر آتا ہے تو جرم دار سے مراد وہ ہے جس کی

عـہ اما کونہ اخصر فظاھر واما کونہ اظھر واحسن وازھر فلان رؤیۃ الشیئ تعم رؤیتہ بلالونہ بل لارؤیۃ ھھنا الا ھکذا فیوھم تناول ملون لایبقی لہ بعد الجفاف جرم شاخص فوق المصاب بخلاف ماذا اسقط لانہ یصیر صفۃ لجرم فیصیر نصافی المقصود ۱۲ منہ غفرلہ (م)	اس کا مختصر ہونا تو ظاہر ہے اور اس کا اظہر واحسن ہونا یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ کسی چیز کا دیکھنا اس کے رنگ کے دیکھنے کو بھی شامل ہے، بلاالکہ اس کی رؤیت یہاں اسی طرح ہے، تو اس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ اُس رنگین کو شامل ہے جو خشک ہونے کی بعد باقی نہیں رہتا ہے یعنی اس کا ابھرا ہوا جرم نہیں رہتا ہے.بخلاف اس کے کہ اگر اس کو ساقط کردیا جائے کیونکہ یہ جرم کی صفت ہوجائے گا تو یہ مقصود میں نص ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] درمختار باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/۵۴

[2] طحطاوی علی الدرالمختار باب الانجاس بیروت ۱/۱۵۷

البصر وبغیرہ مالایکون کذلك کما سنذکرہ مع مافیه من البحث [1]۔	ذات کا آنکھ سے مشاہدہ ہو سکے اور غیر جرم دار وہ ہے جو ایسے نہ ہو جیسا کہ ہم اس کو مع بحث کے ذکر کریں گے۔ (ت)

درمختار کی عبارت مذکورہ نمبر ۱۶ پر شامی میں ہے:

المراد بذی الجرم ماتشاھد بالبصر ذاته لااثرہ عہ کمامرویأتی [2]۔	ذی جرم سے مراد وہ ہے جس کی ذات آنکھ سے نظر آئے، نہ کہ اس کا اثر، جیسا کہ گزرا۔ (ت)

اسی طرح حلیہ میں ہے کماسیأتی۔

تحقیق شریف* فتح به اللطیف* علی عبدہ الضعیف* بفضله المنیف* اعلم ان ھذا المقام* زلت فیه اقدام اقلام* **فالاول:** قال الامام اکمل الدین البابرتی رحمه الله تعالٰی فی العنایة عند قول الھدایة فی مسألة تطھیر النجاسة بازالة العین والغسل الٰی غلبة الظن بالطھارۃ النجاسة ضربان مرئیة وغیر مرئیة الخ مانصه الحصر ضروری لدورانه	یہ تحقیق ہے جو اللہ تعالٰی نے اپنے فضل سے اپنے کمزور بندے پر ظاہر فرمائی جان لے کہ یہ وہ مقام ہے جہاں قلموں کے قدم پھسل جاتے ہیں۔ (ت) **اول،** امام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ میں فرمایا، ہدایہ میں جہاں یہ ذکر ہے کہ نجاست کی تطہیر کیلئے نجاست کا دور کرنا اور دھونا ضروری ہے، کہ طہارت کا غلبہ ظن ہوجائے، یہاں بابرتی نے کہا کہ نجاست کی دو قسمیں ہیں مرئیہ اور غیر مرئیہ الخ ان کی نص یہ ہے کہ حصر ضروری ہے اس لئے کہ یہ نفی اور

عہ اقول ای مایشاھد اثرہ یعم مالایشاھد منه الا الاثر فھو عطف علی ماتشاھد بحذف متعلقه لاعلی ذاته کما یتوھم فیکون عدم رؤیة الاثر شرطا فی ذی الجرم ولیس کذلك ۱۲ منه غفرله (م)	اقول: یعنی جس طرح اس کا اثر دیکھا جاتا ہے تاکہ اس کو بھی عام ہو جس کا مشاہدہ نہیں کیا جاتا ہے صرف اس کے اثر کا مشاہدہ ہوتا ہے تو اس کا عطف ماتشاھد پر ہے اس کا متعلق محذوف ہے "ذاته" پر عطف نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا ہے، تو اثر کا نہ دیکھا جانا جرم دار میں شرط ہوگا حالانکہ ایسا نہیں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۳۳

بین النفی والاثبات وذلك لان النجاسة بعد الجفاف اما ان تکون مستجسدة کالغائط والدم اوغیرھاکالبول وغیرہ [1] اھ وتبعہ چلپی علی صدر الشریعۃ۔	اثبات کے درمیان دائر ہے اور یہ اس لئے کہ نجاست خشکی کے بعد یا تو جرم دار ہوگی جیسے پاخانہ اور خون وغیرہ، یا غیر جرم دار ہوگی جیسے پیشاب وغیرہ اھ اس کی پیروی چلپی علی صدرالشریعۃ نے کی۔ (ت)
الثانی: فی تلك المسألة نقل القھستانی عبارۃ الصغری المارۃ ان غیر ذات جرم غیر مرئیۃ وانکان لھالون [2]۔	**دوسرے** اس مسئلہ میں قہستانی نے صغری کی عبارت نقل کی جو گزری کہ وہ نجاست کہ جس کا جرم نہ ہو مرئی نہ ہوگی اور اگرچہ اس کارنگ ہو
الثالث: فیھا نقل البرجندی عبارۃ شرح الطحاوی مثلہ ثم قال وھذا یخالف مافی بعض الشروح من ان غیر المرئی مالایری اثرہ بعد الجفاف والمرئی فی مقابلہ [3] اھ	**تیسرے** برجندی نے اس میں شرح طحاوی سے ایسے ہی عبارت نقل کی پھر فرمایا یہ دوسری شروح سے مختلف ہے جن میں ہے کہ غیر مرئی وہ ہے جس کا اثر خشکی کے بعد نہ دیکھا جائے، اور مرئی اس کے مقابل ہے اھ۔
الرابع: فیھا نقل فی البحر عبارۃ الذخیرۃ وجعلھا معنی ماقال ھھنا فی غایۃ البیان ان المراد بالمرئی مایکون مرئیا بعد الجفاف ومالیس بمرئی ھو مالایکون مرئیا بعد الجفاف کالبول [4] اھ وتبعہ ط۔	**چوتھے**، بحر نے اس مسئلہ میں ذخیرہ کی عبارت نقل کی اور اس کو اس کے ہم معنی قرار دیا جو یہاں غایۃ البیان میں کہا کہ مرئی سے مراد وہ ہے جو خشکی کے بعد نظر آئے اور جو غیر مرئی ہے اس سے مراد وہ ہے جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسا کہ پیشاب اھ اور ط نے اس کی متابعت کی ہے۔
الخامس: فیھا نقل عبدالحلیم الرومی	پانچواں، اس میں عبدالحلیم رومی کی نقل

[1] العنایۃ مع الفتح باب الانجاس نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۲
[2] جامع الرموز فصل یطھر الشیئ اسلامیہ گنبد ایران ۱/۹۶
[3] نقایۃ للبرجندی فصل تطہیر الانجاس نولکشور لکھنؤ ۱/۶۴
[4] بحر الرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۶

عن شرح الطحاوی والمنبع والذخیرۃ مامر ثم نقل کلام البرجندی انہ یخالف بعض الشروح ثم کلام البحر وجعلہ ایاہ بمعنی الاول ثم قال ردا علیہ انت خبیر بان بینھما مخالفۃ اذرب شیئ لیس لہ جرم ولہ اثر کاللون یبقی اثرہ بعد الجفاف فعلی الاول غیر مرئی وعلی الثانی مرئی والمنصور ھو الاول کمالایخفی اھ[1]

شرح طحاوی، منبع اور ذخیرہ سے ہے جو گزری، پھر انہوں نے برجندی کا کلام نقل کیا کہ وہ بعض شروح کے مخالف ہے، پھر بحر کا کلام نقل کیا ہے اور اس نے اس کو اول کے ہم معنی کہا پھر ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اُن دونوں میں مخالفت ہے کیونکہ کئی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کا جرم تو نہیں ہے مگر ان کا اثر ہے، جیسے رنگ کہ اس کا اثر خشک ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے تو یہ پہلی صورت کے لحاظ سے غیر مرئی ہے اور دوسری کی لحاظ سے مرئی ہے اور راجح پہلا ہی ہے جیسا کہ مخفی نہیں اھ (ت)

السادس: فیھا نقل فی الحلیۃ کلام الذخیرۃ والتتمۃ والیہ رد عبارۃ غایۃ البیان المذکورۃ فقال مراد بہ ماتکون ذاتہ مشاھدۃ بالبصر بعد الجفاف ومالا فلیس بینھا وبین مافی عامۃ الکتب مخالفۃ فی تفسیرھماومایرشد الی ماذکرنا التمثیل المذکور فان بعض الابوال قدیری لہ لون بعد الجفاف اھ[2]۔

چھٹا، اس مسئلہ میں حلیہ میں ایک نقل ذخیرۃ اور تتمہ سے ہے اور اسی کی طرف غایۃ البیان کی مذکورہ عبارت کو موافق کیا ہے، اور کہا ہے اس سے مراد وہ ہے جس کی ذات خشک ہونے کے بعد مشاہدہ میں آئے، اور جو ایسا نہ ہو وہ مرئی نہیں تو اس میں اور جو عام کتب میں ہے کوئی مخالفت نہیں، اور ہمارے قول پر دلیل وہ ہے جو مثال گزشتہ میں گزرا، کیونکہ بعض پیشاب ایسا ہوتا ہے جس کا رنگ خشک ہونے کے بعد نظر آتا ہے اھ (ت)

السابع: فیھا قال فی الشامی قولہ بعد جفاف ظرف لمرئیۃ وقید بہ لان جمیع النجاسات تری قبلہ وتقدم ان مالہ جرم ھو مایری بعد الجفاف فھو مساو للمرئیۃ و

ساتواں، اس بحث میں، شامی میں فرمایا کہ ماتن کا قول "بعد جفاف" یہ مرئیہ کا ظرف ہے اور یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ تمام نجاستیں خشک ہونے سے قبل دیکھی جاسکتی ہیں اور یہ پہلے گزرا کہ جرم دار وہ ہے

[1] حاشیۃ الدرر للمولی عبدالحلیم باب تطہیر الانجاس مکتبہ عثمانیہ مصر ۱/۴۰

[2] حلیہ

قدعد منه فی الهداية الدم وعده قاضیخان مما لاجرم له وقدمنا عن الحلية التوفيق بحمل الاول علی ما اذا کان غلیظا والثانی علی ما اذا کان رقیقا اھ ثم نقل عبارة غاية البيان وعقبها بعبارة التتمة ثم ذکر تاویل الحلية المار اٰنفا قال ویوافقه التوفیق المار لکن فیه نظر لانه یلزم منه ان الدم الرقیق والبول الذی یری لونه من النجاسة الغیر المرئیة وانه یکتفی بالغسل ثلثا بلااشتراط زوال الاثر مع ان المفهوم من کلامهم ان غیر المرئیة مالایری له اثر اصلا لاکتفائهم فیها بمجرد الغسل بخلاف المرئیة المشروط فیها زوال الاثر فالمناسب مافی غاية البيان وان مراده بالبول مالالون له والاکان من المرئیة اھ[1]۔

الثامن: عبارة الکنز الصحیحة النجس المرئی یطهر بزوال عینه وغیره بالغسل زاد فیها مسکین مایفسدهااذقال (النجس المرئی) عینه ثم قال (وغیره) ای غیر المرئی عینه لکنه تدارکه بوصل قوله وهو الذی لایری اثره

جو خشک ہونے کے بعد دیکھا جائے تو یہ مرئیہ کے مساوی ہے اور ہدایہ میں اس میں سے خون کو شمار کیا ہے اور قاضی خان نے خُون کو اُن چیزوں میں شمار کیا ہے جو جرم دار نہ ہوں۔ اور ہم نے حلیہ سے تطبیق نقل کی ہے کہ پہلے کو گاڑھے پر محمول کیا جائے اور دوسرے کو رقیق پر اھ پھر انہوں نے غایۃ البیان کی عبارت کو نقل کیا اور اس کے بعد تتمہ کی عبارت لائے پھر حلیہ کی گزشتہ تاویل کو ذکر کیا لیکن اس میں نظر ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ رقیق خون اور پیشاب جس کا رنگ نظر آتا ہے کہ نجاست غیر مرئیہ سے ہو اور یہ کہ تین مرتبہ دھونے پر اکتفاء کیا جائے اور اس میں اثر کے زوال کی شرط نہ رکھی جائے حالانکہ اُن کے کلام سے مفہوم یہ ہے کہ غیر مرئیہ وہ ہے جس کا کوئی اثر نظر آئے، کیونکہ وہ اس میں صرف دھونے پر اکتفا کرتے ہیں بخلاف مرئیہ کے جس میں اثر کا زائل ہونا بھی شرط ہے تو مناسب وہی ہے جو غایۃ البیان میں ہے اور یہ کہ ان کی مراد پیشاب سے وہ ہے جس کا رنگ نہ ہو ورنہ وہ بھی نجاست مرئیہ ہوتا اھ (ت)

آٹھواں، کنز کی عبارت ہے جو صحیح ہے کہ نجاست مرئیہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے عین کے زوال کے بعد وہ طاہر ہو جاتا ہے اور جو اس کے علاوہ ہو وہ صرف دھونے سے پاک ہوتا ہے مسکین نے اس میں یہ اضافہ کیا (کہ دیکھی جانے والی نجاست) یعنی جس کا جرم نظر آئے، پھر کہا (اور اس کے علاوہ)

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۰

بعد الجفاف [1] اھ فلم (ا) یبق علیه الاضیاع زیادۃ عینه فی الموضعین بل ایھامها خلاف المراد ثم بالتدارك رجوع الکلام الی عدم التفرقة بین العین والاثر وکأنه اخذه من عبارۃ الامام القدوری النجاسة ان کان لها عین مرئیة فطهارتها زوال عینها الا ان یبقی من اثرها مایشق ازالتها ومالیس لها عین مرئیة فطهارتها ان تغسل [2] الخ فالمراد العین المرئیة ولو برؤیة لونها الا تری الی استثنائه الاثر من العین بل المقرر ان بصر البشر فی الدنیا لایدرك الا اللون والضوء وبالجملة استقام الکلام بالتدارك لکن السید اباالسعود نقلا عن السید الحموی اراد ردہ الی خلافه فقال علی قوله وهو الذی لایری اثرہ حکاہ فی الصغری بقیل بعد ان صدر بقوله المرئی عـہ ماله جرم سواء کان له لون ام لا [3] اھ

یعنی جس کا جرم نظر نہ آئے، پھر اس کا تدارک اپنے اس قول سے کیا کہ جس کا اثر خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے اھ تو اُن کے ذمہ صرف یہ اعتراض رہا کہ دونوں جگہ لفظ عین کا لانا فضول ہوا، بلاکلہ یہ خلاف مراد کا وہم پیدا کرتا ہے پھر تدارک کے ساتھ کلام کا ماحصل یہ نکلتا ہے کہ عین واثر میں فرق نہیں رہتا اور غالبًا انہوں نے یہ قید قدوری کے کلام سے اخذ کی ہے، وہ یہ ہے کہ ایسی نجاست کہ اگر اس کا جرم نظر آتا ہے تو اس کی پاکی اس طرح ہوگی کہ اس کا جرم ختم ہوجائے، اگر اُس کا کوئی ایسا نشان باقی رہ جائے کہ اس کا ازالہ دشوار ہو تو حرج نہیں اور جس نجاست کا جرم نظر نہیں آتا تو اس کی طہارت یہ ہے کہ اسے دھویا جائے الخ تو مراد وہ جرم ہے جو نظر آتا ہے خواہ اس کا رنگ ہی نظر آئے، جیسا کہ اُن کے استثناء سے مفہوم ہوتا ہے جو عین سے ہے بلاکلہ یہ طے شدہ امر ہے کہ انسانی آنکھ دنیا میں سوائے رنگ اور روشنی کے کچھ اور نہیں دیکھتی ہے

عـہ اقول کما فسرفی الصغری المرئی بھذا فسر غیر المرئی بقوله مالاجرم له سواء کان له لون اولا کمافی جامع الرموز فکان اولی نقله لان الکلام ھھنا فی غیر المرئی ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: مرئی کی صغرٰی میں جس طرح تفسیر اس کے ساتھ کی ہے اس طرح غیر مرئی کی تفسیر یوں کی ہے کہ جس کا جرم نہ ہو خواہ اس کا رنگ ہو یا نہ ہو جیسا کہ جامع الرموز میں ہے تو اولٰی اس کا نقل کرنا ہے کیونکہ کلام یہاں غیر مرئی میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتح اللہ المعین باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۰

[2] قدوری باب الانجاس مجتبائی دہلی ص ۱۸

[3] فتح اللہ المعین باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۱

التاسع: فسرھما العلامۃ ش فی مسألۃ الخف علی الوجہ الصحیح ثم حادعنہ فقال سنذکر مافیہ من البحث کماتقدم والبحث ماعلمت فی السابع۔

العاشر: قال فی الجوھرۃ (اذا اصاب الخف نجاسۃ لھاجرم) ای لون و اثر بعد الجفاف کالروث والدم والمنی [1] اھ فرد الصحیح الی الغلط الصریح۔

اقول: وتعرف مافی کل ھذہ بحرف واحد فاعلم ان المسائل ھھنا اربع مسألۃ التطھیر بازالۃ العین اوغلبۃ الظن ومسألۃ وقوع نجس فی حوض کبیر ومسألۃ الخف ومسألۃ التقدیر بوزن الدرھم اومساحتہ وزاد فی البدائع اخری مسألۃ الوقوع فی البئر فمسألۃ التطھیر والحوض الکبیر فریق وسائرھن فریق والمراد بالمرئی فی الفریق الاٰخر ھو المتجسد ای مایری لہ بعد الجفاف جرم شاخص فوق سطح المصاب ولا یکفی مجرد اللون وبغیر المرئی غیر

اور خلاصہ یہ کہ کلام تدارک کے ساتھ درست ہوگیا لیکن ابو السعود نے حموی سے نقل کرتے ہوئے اس کے مخالف معنی لینے کا ارادہ کیا ہے تو ان کے قول ھوالذی لایری اثرہ پر فرمایا کہ صغرٰی میں اس کو "قیل" سے ذکر کیا ہے اور ابتدا اس طرح کی ہے کہ مرئی وہ ہے جس کا جرم ہو خواہ رنگ ہو یا نہ ہو اھ (ت)

نواں، اِن دونوں کی تفسیر علامہ "ش" نے موزے کی مسئلے میں صحیح طریقہ پر کی ہے، پھر اُس سے انحراف کیا، اور فرمایا اس میں جو بحث ہے ہم اس کو ذکر کریں گے جیسا کہ گزرا، یہ بحث ساتویں تحقیق میں آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

دسواں، جوہرہ میں کہا (جب موزے کو جرم دار نجاست لگ جائے) یعنی جس کا خشک ہونے کے بعد رنگ اور اثر ہو جیسے لید، خون اور منی اھ تو صحیح سے انہوں نے صریحًا غلط مطلب نکالا۔ (ت)

میں کہتاہوں جو کچھ مذکورہ ابحاث میں ہے وہ صرف ایک حرف سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ دراصل یہاں چار مسائل ہیں، پاک کرنے کیلئے نجاست کے عین کو زائل کردینا یا اس کے زوال کا غلبہ ظن حاصل ہونا، بڑے حوض میں نجاست کے گرنے کا مسئلہ، موزے کا مسئلہ، وزن درہم سے اندازہ یا اس کی پیمائش کا لحاظ۔ اور بدائع میں ایک اور مسئلہ کا اضافہ کیا، کنویں میں گرنے کا مسئلہ، تو پاکی، اور بڑے حوض کا مسئلہ ایک فریق ہے اور باقی دوسرا فریق ہے اور مرئی سے دوسرے فریق میں جسم والا مراد ہے، یعنی جس کا جرم خشک ہونے کے بعد بھی ابھرا ہوا نظر آئے

[1] الجوہرۃ النیرۃ باب الانجاس امدادیہ ملتان ۴۲/۱

المتجسد ای مالا یری بعد الجفاف جرم شاخص وان بقی اللون وھذا مافی الصغری والتتمۃ وشرح الطحاوی والذخیرۃ والمنبع والمراد بالمرئی فی مسألۃ التطھیر والحوض الکبیر ما یدرکه البصر وان جف ولوبمجرد لونه من دون جرم مرتفع فوق المصاب وبغیر المرئی مالایحس له بالبصر بعد الجفاف اوفی الماء عین ولا اثر وھذا مافی غایۃ البیان وغیرھا۔ والدلیل علی ھذا التوزیع:

اور اس میں صرف رنگ نظر آنا کافی نہیں ہے، اور غیر مرئی سے مراد غیر متجسد ہے، یعنی خشک ہوجانے کے بعد اُس کا اُبھرا ہوا جرم نظر نہ آئے اگرچہ اس کا رنگ باقی ہو، یہ وہ ہے جو صغرٰی، تتمہ، شرح طحاوی، ذخیرہ اور منبع میں ہے، اور مسئلہ تطہیر، اور بڑے حوض میں مرئی سے مراد وہ ہے جو نظر میں آئے اگرچہ خشک ہوجائے، اگرچہ صرف رنگ نظر آئے جرم نظر نہ آئے، اور غیر مرئی سے مراد جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے یا پانی میں کوئی جرم ہو اور نشان نہ ہو یہ غایۃ البیان وغیرہ میں ہے اور اس توزیع کی دلیل یہ ہے: (ت)

اولا ماأستدلوا به علی احکام للفریقین کمالایخفی علی من طالع الکتب المعللۃ کالبدائع والھدایۃ والتبیین والکافی والفتح والغنیۃ والحلیۃ والبحر وغیرھا من ذلك قول الھدایۃ اذا اصاب الخف نجاسۃ لھا جرم فجفت فدلکه جازلان الجلد لصلابته لاتتداخله اجزاء النجاسۃ الا قلیلا ثم یجتذبه الجرم اذا جف فاذا زال زال ماقام به وان اصابه بول لم یجز وکذا کل مالاجرم له کالخمر لان الاجزاء تتشرب فیه ولا جاذب یجذبھا[1] اھ

وفی الحلیۃ لانھا مجردبلۃ فتدخل فی اجزاء الخف ولاجاذب لھا[2] اھ

اوّلاً: وہ جو انہوں نے استدلال کیا ہے مسائل کے فریقین کے احکام پر، جیسا کہ مخفی نہیں اس پر جس نے اُن کتب کا مطالعہ کیا ہے جو احکام کی علتیں بیان کرتی ہیں، جیسے بدائع، ہدایہ، تبیین، کافی، فتح، غنیہ، حلیہ اور بحر وغیرہ۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے کہ اگر موزے کو کوئی جرم دار نجاست لگ جائے اور خشک ہوجائے تو وہ رگڑنے سے پاک ہوجاتا ہے، کیونکہ کھال کی سختی کی وجہ سے اس میں نجاست کے اجزاء داخل نہیں ہوسکتے سوائے معمولی اجزاء کے اور جب موزہ خشک ہوگا تو اُن اجزاء کو جرم جذب کرلے گا اور جب وہ جرم زائل ہوگا تو جو اُس کے ساتھ ہوگا وہ بھی زائل ہوجائے گا اور اگر موزے پر پیشاب لگ جائے تو

[1] الہدایہ باب الانجاس مطبع عربیہ کراچی ۵۶/۱

[2] حلیہ

اھ وانت تعلم انه لااثر فی ھذا للاثر بقی اولا بخلاف مسألة التطهیر فان المقصود فیها ازالة المصیب وذلك بالیقین فی المرئی وبغلبة الظن فی غیرہ لانه اذالم یحس لم یبق سبیل الی الیقین بزواله فاکتفی باکبر الرأی الملتحق فی الفقهیات بالیقین اما مایری له عین اواثرفنعلم زواله بزواله وبقاءہ ببقاءہ لان الاثر لایقوم الابالعین والعرض لاینتقل من عین الی عین قال فی البدائع انکانت النجاسة مرئیة کالدم ونحوہ فطهارته زوال عینها ولاعبرة فیه بالعددلان النجاسة فی العین فان زالت زالت وان بقیت بقیت ولو زالت العین مابقی الاثر فان کان ممایزول اثرہ لایحکم بطهارته مالم یزل الاثر لان الاثر لون عینه لالون الثوب فبقاؤہ یدل علی بقاء عینه وانکانت مما لایزول اثرہ لایضر بقاء اثرہ لان الحرج عه مدفوع[1] اھ ملتقطا وبھذا یفترقان فی الحوض فغیر

جائز نہیں، اور اسی طرح ہر اس نجاست کا حال ہے جس کا جرم نہ ہو جیسے شراب، کیونکہ شراب کے اجزاء اس میں جذب ہوتے ہیں اور ان کا کوئی جاذب نہیں ہے اھ اور حلیہ میں ہے کیونکہ وہ محض تری ہے تو وہ موزے کے اجزاء میں داخل ہوگی اور اس کا کوئی جاذب نہیں اھ اور تم جانتے ہو کہ اس میں اثر کا کوئی دخل نہیں جو باقی رہا یا نہ رہا بخلاف مسئلہ تطہیر کے، کیونکہ وہاں مقصود لگی ہوئی چیز کا ازالہ ہے، اور یہ اُسی وقت ہوگا جبکہ مرئی میں ازالہ کا یقین ہو اور غیر مرئی میں غلبہ ظن ہو کیونکہ جب وہ محسوس نہ ہو تو اس کے زوال کا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں، تو ظنِ غالب پر اکتفاء کرلیا گیا، جس کو فقہی مسائل میں یقین کا قائم مقام سمجھا گیا ہے، اور وہ نجاستیں جن کا جرم یا اثر ہو تو اُن کے زوال کا حال اُن کے زوال سے معلوم ہو جاتا ہے اور اُس کی بقاء ان کے باقی رہنے سے معلوم ہو جاتی ہے کہ اثر تو عین سے قائم ہوتا ہے اور عرض ایک عین سے دوسرے عین کی طرف منتقل نہیں ہوتا ہے، بدائع میں فرمایا اگر نجاست مرئیہ ہو جیسے خون اور اسی کی مثل

عه اقول استدل رحمه الله تعالٰی علی ھذا باربعة اوجه ھذااحسنهافاقتصرت علیه تبعا للهدایة ولوذکرت سائرالوجوہ بمالها وعلیها طال الکلام ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: احبِ بدائع نے اس پر چار طرح سے دلیل قائم کی ہے میں نے ہدایہ کی اتباع میں صرف اس کو بیان کیا ہے اور اگر میں تمام وجوہ کو ہمہ پہلو ذکر کرتا تو بات طویل ہو جاتی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع شرائط التطہیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۸

المرئیة عـہ تنعدم والمرئیة تبقی ولاتؤثر حتی ان قلت مساحة الماء اثرت۔	تو اس کی طہارت اس کے عین کے زوال پر موقوف ہوگی، اور اس میں عدد کا اعتبار نہیں، کیونکہ نجاست عین میں ہے تو اگر وہ زائل ہوگا تو وہ زائل ہوگی اور وہ باقی رہے گا تو وہ باقی رہے گی، اور اگر عین زائل ہوگیا تو اثر باقی نہ رہیگا، اور اگر وہ اس قسم کا ہے کہ اس کا اثر زائل ہوجاتا ہے تو اس کی طہارت کا حکم اس وقت تک نہیں لگایا جائے گا جب تک کہ اثر زائل نہ ہو کیونکہ اثر اس کے عین کا رنگ ہے نہ کہ کپڑے کا، تو اس کی بقاء اس کے عین کی بقاء پر دلالت کرتی ہے اور اگر وہ ایسا ہے کہ اس کا اثر زائل نہیں ہوتا تو اس کے اثر کا باقی رہنا مضر نہیں کیونکہ حرج مدفوع ہے اھ ملتقطاً، تو اس طرح یہ دونوں حوض میں جُدا ہوجائیں گے تو غیر مرئیہ معدوم ہوجائے گی اور مرئیہ باقی رہے گی اور اثر انداز نہ ہوگی یہاں تک کہ جب پانی کی پیائش کم ہوگی تو پھر اثر انداز ہوگی۔ (ت)
وثانیا:عد ملك العلماء الدم من المرئی کمارأیت اٰنفاوقدعده قبل هذا بورقتین من غیر ذوات الجرم فقال ان کان غیر مستجسدکالبول والدم والخمر ینزح ماء البئر کله [1] اھ وکذلك قول الهدایة مالاجرم له کالخمر ومعلوم ان الدم والخمر من ذوات اللون فعلم ان لاعبرة به فی مسألة الخف والبئر وکذا مسألة التقدیر لان اللون لااثر له فی الکثافة والرقة ولذا قال فی الخانیة فی غیرالمستجسدة کالبول والخمر والدم یعتبر القدر بسطاً [2] اھ بخلاف مسألة التطهیر المشروط فیها زوال الاثر	اور **ثانیاً** ملک العلماء نے خون کو مرئیہ میں سے شمار کیا ہے جیسے کہ آپ نے ابھی دیکھا، حالانکہ دوورق پہلے انہوں نے اس کو غیر جرم والی نجاستوں میں شمار کیا تھا، فرمایا اگر وہ جرم دار نہ ہو جیسے پیشاب، خون اور شراب، تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائے اھ اور ہدایہ کا قول بھی ایسے ہے کہ جس کا جرم نہ ہو جیسے شراب، اور یہ بات معلوم ہے کہ شراب اور خون رنگ والی چیزیں ہیں پس معلوم ہوا کہ موزہ اور کُنویں کے مسئلہ میں رنگ کا اعتبار نہیں ہے اسی طرح اس میں مقدار کا اعتبار نہیں کیونکہ رنگ میں کثافت اور رقت کا اثر نہیں ہوتا، اسی لئے خانیہ میں کہا کہ غیر جسم والی نجاستوں جیسے پیشاب، شراب اور خون میں پھیلاؤ

عـہ کما حققناه فی الاصل السادس والعاشر من الجواب الخامس فی رسالتنارحب الساحة ۱۲ منه غفرله (م)	جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "رحب الساحة" میں پانچویں جواب کے تحت چھٹے اور دسویں قاعدہ میں اس کی تحقیق کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع مقدار الذی یصیر المحل نجسا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۶

[2] قاضی خان فصل فی النجاسۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

مالم یشق فلذا جعله ملك العلماء فیھا من المرئی۔

وثالثًا: لك العلماء عبرفی مسائل الفریق الاخیر بالمستجسد وغیر المستجسد او المستجسد و المائع ثم قال فی الفریق الاول النجاسة المرئیة قط لاتزول بالمرة الواحدة فکذا غیر المرئیة ولافرق سوی ان ذلك یری بالحس وھذا یعلم بالعقل[1] اھ وھذا من اجلی نص علی ان المرئی بلونه من المرئی فی مسئلة التطھیر۔

و رابعًا: کذلك الامام تاج الشریعة عبر فی مسألة التقدیر بالکثیف والرقیق وفی مسألة الخف بذی جرم ومالاجرم له وقال فی مسألة التطھیر یطھر عمالم^عہ^ یراثرہ

کے اعتبار سے اندازہ ہوگا اھ بخلاف مسئلہ تطہیر کے کہ اس میں زوالِ اثر مشروط ہے جب تک کہ دشوار نہ ہو، اس لئے اس کو اس میں ملک العلماء نے مرئی قرار دیا ہے۔(ت)

ثالثًا: آخری فریق کے مسائل میں ملک العلماء نے جسم والی اور غیر جسم والی، یا جسم والی اور مائع سے تعبیر کیا، پھر فرمایا کہ فریق اول میں نجاست مرئیہ کبھی ایک مرتبہ میں زائل نہیں ہوتی ہے تو اسی طرح غیر مرئیہ ہوگی اور کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ مرئیہ حِس سے نظر آتی ہے اور غیر مرئیہ عقل سے معلوم ہوتی ہے اھ اور یہ بڑی واضح نص ہے مسئلہ تطہیر میں رنگ والی مرئیہ میں سے ہے۔(ت)

اور **چوتھا،** اسی طرح امام تاج الشریعۃ نے مقدار کے مسئلہ میں کثیف اور رقیق سے تعبیر فرمایا، اور موزے کے مسئلہ میں جرم دار یا غیر جرم دار سے تعبیر کیا، اور مسئلہ تطہیر میں فرمایا کہ جس نجاست کا اثر غیر مرئی ہو

عـہ ولکن اکرم بعقل الذی یری ھذا التصریح المفیض* ثم یقوم یفسر النقیض بالنقیض* وھو العصری اللکنوی اذقال فی عمدۃ الرعایة وھی التی لاجرم لھا ولاتحس بعد الجفاف سواء کان له لون ام لا کذا فی خزانة الفتاوی[2] اھ فسبحٰن الله یقول التاج لم یراثرہ وھذا یفسرہ بمایری اثرہ اولا ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم ۱۲ منه غفرله (م)

لیکن آپ اس کی عقل کو داد دیں جس نے یہ تصریح دیکھ کر اس کی تفسیر اس کی نقیض کے ساتھ کردی اور یہ معاصر لکھنوی ہیں جنہوں نے عمدۃ الرعایۃ میں کہا کہ یہ وہ نجاست ہے جس کا جرم نہ ہو اور وہ خشک ہونے کے بعد محسوس بھی نہ ہو خواہ اس کا رنگ ہو یا نہ ہو خزانۃ المفتین میں ایسے ہے اھ پس سبحان اللہ تاج الشریعۃ تو یہ فرمائیں کہ "وہ جس کا اثر نظر نہ آئے" اور یہ صاحب اس کی تفسیر کرتے ہیں کہ اس کا اثر دیکھا جائے یا نہ دیکھا جائے لاحول ولاقوۃ الاباللّٰه العلی العظیم ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] بدائع الصنائع شرائط التطہیر سعید کمپنی کراچی ۸۸/۱

[2] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب الانجاس المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱۳۷/۱

بغسله ثلثا فابان ان مایری اثرہ من المرئی ولا اقول کما قال فی (۱) الغنیة تحت قوله ان لم تکن النجاسة مرئیة ای ان لم یکن لها لون مخالف اللون الثوب[1] اھ فانه یحصر المرئی فی الرؤیة باللون ویخرج مایری له جرم شاخص فوق سطح المصاب مع موافقته له فی اللون علی انه (۲) یرفع الامتیاز بین المرئی وغیرہ فکل شیئ اصاب ما یخالفه فی اللون کان مرئیا واذا اصاب مایوافه فیه کان غیر مرئی۔

وخامسا: اتفقت المتون والاقدمون علی التعبیر فی مسألتی الخف والتقدیر بذی جرم وغیر ذی جرم والکثیف والرقیق وفی مسألتی التطهیر والحوض الکبیر بالمرئی وغیر المرئی لاشك ان المرئی لونه مرئی بل لامرئی منه الا اللون سواء کان کثیفا او رقیقا والذی لاجرم له شاخصا بعد الجفاف رقیق ولیس اللون جرما فتبین ان اللون معتبر فی هذا الفریق دون الاٰخر ولومشت الشروح علی التفسیر فی الموضعین بماھو مؤدی نفس الالفاظ لم یقع الاشتباہ لکنھم کمافسروا فی مسألة التطهیر بما یری بعد الجفاف ومالایری

وہ تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوگی تو انہوں نے واضح کردیا کہ جس کا اثر نظر آئے وہ نجاست مرئیہ ہے، اور میں وہ نہیں کہتا جو غنیہ میں ان لم تکن النجاسۃ مرئیۃ کے تحت فرمایا، یعنی اگر اس کا رنگ کپڑے کے رنگ سے مختلف نہ ہو اھ، کیونکہ یہ مرئی کو رؤیۃ باللون میں منحصر کرتا ہے اور اس سے وہ خارج ہوجائے گا جس کا اُبھرا ہوا جرم نظر آتا ہو حالانکہ وہ رنگ میں کپڑے کے رنگ کے موافق ہوتا ہے علاوہ ازیں ان کا بیان مرئی اور غیر مرئی کے درمیان امتیاز کو ختم کردیتا ہے کیونکہ اس طرح ہر وہ چیز جو ایسی چیز کو لگ جائے جو اُس کے رنگ میں مخالف ہو تو وہ مرئی ہوگی اور جب وہ ایسی چیز کو لگی جو رنگ میں اس کے موافق ہو تو غیر مرئی ہوگی۔ (ت)

پانچواں، متون اور متقدمین علماء کا موزے اور مقدار کے مسئلہ میں جرم والی اور غیر جرم والی اور کثیف و رقیق کی تعبیر میں متفق ہیں اور تطہیر اور حوض کبیر کے مسائل میں مرئی اور غیر مرئی کی تعبیر میں اتفاق ہے اور کچھ نہیں کہ مرئی وہ ہے جس کا رنگ نظر آئے بلاکہ مرئی کا رنگ ہی نظر آتا ہے خواہ کثیف ہو یا رقیق ہو اور وہ کہ جس کا جرم خشک ہوجانے کی بعد اُبھرا ہوا نظر نہ آئے وہ رقیق ہے، اور رنگ کوئی جرم نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ رنگ معتبر ہے اس تطہیر اور حوض کے فریق میں نہ کہ دوسرے فریق میں، اور اگر شروح میں دونوں مقامات پر وہی تفسیر ہوتی جو نفسِ الفاظ سے مستفاد ہوتی ہے تو کوئی اشتباہ واقع نہ ہوتا لیکن انہوں نے تطہیر کے مسئلہ میں

[1] غنیۃ المستملی الشرط الثانی الطہارۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۸۳

بعدہ کما مرعن غایۃ البیان وعنھا فی البحر والشرنبلالیۃ والطحطاوی علی المراقی ومثلہ فی الدر وغیرہ کذلك فسروا بھما ذا الجرم وغیر ذی الجرم فی مسألۃ الخف کماتقدم فذھب الوھل الی ان المراد واحد فی الموضعین ولیس کذلك بل ھو علی ظاھرہ فی مسألۃ التطھیر ومؤول برؤیۃ الجرم وعدمھا فی الفریق الاٰخر فھذا ھو التحقیق الانیق الذی لوحانت منھم التفاتۃ الیہ (۱) **لما** فسرھماالعنایۃ وچلپی فی الفریق الاول بالمستجسدۃ وغیرھا (۲) **ولا** نقل فیھاالقھستانی عبارۃ الصغری (۳) **ولا** البرجندی عبارۃ شرح الطحاوی (۴) **ولا** نصب الخلاف بینھا وبین مافی بعض الشروح (۵) **ولا** جعل البحر وط معنی العبارتین واحدا ولا نقل فیھا عبدالحلیم مانقل (۶) **ولا** اثبت الخلاف بین واردین غیر مورد واحد (۷) **ولا** جعل المنصور ھھنا الاول (۸) **ولا** صرف الحلیۃ کلام الغایۃ الی غیر المحمل اما کون بعض الابوال قدیری لہ لون فلایقدح فی المثال ولایحصر فیہ مراد المقال (۹) **ولا** اضطرب کلام الشامی فیہ فجزم فی مسألۃ التقدیر بحمل المرئی علی مرئی الجرم ثم انکرہ (۱۰) **ولا** احتاج الی ترجیح مافی الغایۃ علی مالایخالفہ اصلا (۱۱) **ولا** تمسك بالتوفیق فان کلام الھدایۃ فی مسئلۃ الخف

اس طرح تفسیر کی ہے کہ وہ جو خشک ہوجانے کے بعد نظر آئے اور وہ جو خشک ہونے کے بعد نظر نہ آئے جیسا کہ غایۃ البیان سے گزرا، اور اسی سے بحر، شرنبلالیہ، طحطاوی علی مراقی الفلاح اور اسی کی مثل دُر وغیرہ میں ہے، اسی طرح انہوں نے موزے کے مسئلہ میں دونوں کی تفسیر جرم دار اور غیر جرم دار سے کی جیسا کہ گزرا تو معاً ذہن اس طرف منتقل ہوتا ہے کہ دونوں جگہ مراد واحد ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ مسئلہ تطہیر میں ظاہر ہے اور جرم کے دیکھنے نہ دیکھنے کے ساتھ فریق آخر میں یہ مؤول ہے تو یہی تحقیق انیق ہے اگر ان کی توجہ اس طرف ہوجاتی تو عنایہ اور چلپی فریق اول میں جسم والی اور غیر جسم والی سے مرئی اور غیر مرئی کی تفسیر نہ کرتے اور نہ قہستانی اس میں صغرٰی کی عبارت نقل کرتے اور نہ برجندی طحاوی کی شرح کی عبارت نقل کرتے، اور نہ وہ اس میں اور بعض شروح کی عبارات میں خلاف قائم کرتے اور نہ بحر اور ط دونوں عبارتوں کاایک معنی بتاتے اور نہ اس بارے میں عبدالحلیم وہ نقل کرتے جو انہوں نے نقل کیا، اور نہ وہ دونوں مواقع کا خلاف متعدد جگہ ثابت کرتے اور نہ وہ یہاں پہلے کو مضبوط قرار دیتے، اور نہ حلیہ، غایۃ کے کلام کو غیر محمل پر پھیرتے تاہم بعض پیشاب رنگ والے نظر آتے ہیں اس کو مثال کے طور پر ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور وہ کلام کی مراد کو اس میں منحصر نہ کرتے، اور نہ شامی کا کلام اس میں مضطرب ہوتا کہ مقدار کے بیان میں انہوں نے مرئی کو مرئی الجرم قرار دے کر پھر انہوں نے انکار کردیا، اور نہ وہ غایۃ کے بیان کردہ کو بلاوجہ ترجیح دیتے ایسی چیز پر جو بالکل مخالف نہ تھی اور

قال اذااصاب الخف نجاسة لهاجرم كالروث والدم والمنى [1] الخ وكذا كلام الخانية فى مسألة التقدير كماتقدم اٰنفا وهما من الفريق عـه الاٰخر فكون الدم الرقيق من غير المرئى فيه لاينافى كونه مرئيا فى مسئلة التطهير (۱)ولا اورد السيدان على كلام مسكين عبارة الصغرى (۲)ولا فسر الجوهرة فى مسألة الخف الجرم باللون واين الجرم واين اللون واين العين واين الاثر فانما نشأكل ذلك من عدم الفرق بين المقامين وهذه زلة فاشية لم ارمن تنبه لهااو نبه عليهاوالله الموفق لارب سواه* وصلى الله تعالى على مصطفاه* واٰله وصحبه ومن والاه*	نہ وہ عبارتوں کی توفیق کو دلیل بناتے کیونکہ خُف کے مسئلہ میں جہاں ہدایہ نے کہا، جب موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کا جرم ہوتا ہے جیسے گوبر، خون اور منی الخ اسی طرح مقدار کے مسئلہ میں خانیہ کا کلام جو ابھی گزرا، یہ دونوں کلام دوسرے فریق کے بارے میں ہیں پس رقیق خون کا خُف کے مسئلہ میں غیر مرئی ہونا تطہیر کے مسئلہ میں مرئی ہونے کے مخالف نہیں، اور نہ دونوں رہنما، علامہ مسکین کے کلام پر صغرٰی کی عبارت سے اعتراض کرتے اور نہ جوہرۃ موزے کے مسئلہ میں جرم کی تفسیر رنگ سے کرتے، کہاں رنگ اور کہاں جرم، کہاں رنگ اور کہاں عین اور کہاں اثر، مذکورہ تمام امور اس لئے پیدا ہوئے کہ دونوں مقاموں (فریقوں) میں فرق نہ کیا گیا، اور یہ بہت واضح بے احتیاطی ہے اس بے احتیاطی کی توجہ کرنے والا یا توجہ دلانے والا مجھے کوئی نظر نہیں آیا واللہ الموفق ولارب سواہ وصلی اللہ تعالٰی مصطفاہ وآلہ وصحبہ ومن والاہ۔ (ت)

مقدمہ ثالثہ: ثابت ہوا کہ رقیق وہ ہے کہ زمین وغیرہ جس شی پر پڑے خشک ہونے کی بعد اس کا دل محسوس نہ رہے اور بالبداہۃ ظاہر کہ یہ اُسی شی میں ہوگا جو بہنے میں تمام وکمال پھیل جائے ورنہ اجزاء زیروبالا رہے تو ضرور دَل محسوس ہوگا تو دلیل قطعی سے روشن ہوا کہ یہاں رقیق اس مائع قسم اول کا نام ہے یہ ہی وہ تحقیق معنی رقیق کہ ان سطور کے سوانہ ملے گی وباللہ التوفیق وله الحمد على هداية الطريق۔

عـه اى فالتوفيق فى محله فيطهر الخف من دم غليظ بالحت ويقدر رقيق اصاب ثوبا بالمساحة لكن لايصح نقله الى مسألة التطهير التى فيها كلام الشامى فالدم الرقيق لايصح جعله فيها غير مرئى ۱۲ منه غفرله (م)	یعنی توفیق اپنی جگہ پر ہے غلیظ خون لگنے پر موزے کو رگڑ کر پاک کیا جاسکتا ہے اور وہ رقیق خون جو کپڑے کو لگے تو اس کے پھیلاؤ کی مقدار کا اندازہ کیا جائے گا لیکن اس حکم کو علامہ شامی کے بیان کردہ تطہیر کے مسئلہ میں منتقل نہیں کیا جائے گا للذا اس مسئلہ میں رقیق خون کو غیر مرئی قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

[1] الہدایۃ باب الانجاس مطبع عربیہ کراچی ۱/۵۶

ثم اقول: (۱) ظاہر ہے کہ پانی فی نفسہٖ ایسا ہی ہے جسے بے جرم سے تعبیر کیا گیا اب اُس میں دوسری شی جرم دار ملنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) استہلاک (۲) اختلاط (۳) امتزاج

استہلاک: یہ کہ وہ شی اس میں مل کر گم ہوجائے پانی سے اُس کا جرم ظاہر نہ ہو جیسے چھنا ہوا شربت کہ اُس میں شکر کے اجزاء ضرور ہیں مگر ان کا جرم اصلا محسوس نہ رہا اُسی بہائیے تو خالص پانی کی طرح اُس کے سب اجزاء پھیل جائیں گے کہیں دَل نہ رہے گا تو رقت بحال خود باقی ہے اگرچہ رقت اضافیہ میں ضرور فرق آئے گا کہ مخلوط و نا مخلوط یکساں نہیں ہوسکتے۔

اختلاط: یہ کہ اُس کا جرم کُلًّا یا بعضًا باقی رہے مگر پانی کو جرم دار نہ کرے بہانے میں اس کے اجزاء الگ رہ جائیں اور پانی اُنہیں چھوڑ کر خود پھیل جائے جیسے بے چھنا شربت جس میں شکر یا بتاشوں کے کچھ ریزے رہ گئے ہوں ان ریزوں کو اختلاط تھا اور جس قدر کھُل گئے اُن کا استہلاک مگر ان میں کوئی پانی کے اجزاء پھیلنے کو مانع نہ ہوا۔

امتزاج: [عہ] یہ کہ پانی اور وہ شی مل کر ایک ذات ہوگئے ہوں پانی اُسے چھوڑ کر نہ بہ سکے بلالکہ ہر جگہ وہ اس کے ساتھ گھال میل رہے ظاہر ہے کہ یہ مجموع مرکب تمام و کمال نہ پھیل سکے گا اور ضرور جرم دار شی کی طرح ختم سیلان پر بھی دَل رکھے گا۔

پہلی دو صورتوں میں پانی اپنی رقت پر ہے اول پر تو ظاہر کہ وہاں کوئی جرم محسوس ہی نہ ہوا اور دوم پر جرم جُدا ہے اور پانی جُدا تو پانی بدستور رقیق ہی رہا جیسے کنکریلی یا سنگلاخ زمین میں تالاب کا پانی یا جس لوٹے میں پتھّر لوہے کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں کوئی عاقل نہ کہے گا کہ اس سے پانی ہی رقیق نہ رہا بخلاف صورت سوم کہ بلاشُبہ رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوئی زوال طبع سے یہی مراد ہے وللہ الحمد۔

اقول: اب بتوفیقہ تعالٰی سب اقوال متوافق ہوگئے اور اشارات علماء کے معنی واضح،

اوّلًا: رقت اضافیہ ضعف و قوت و قلّت و کثرت میں بشدت متفاوت ہوتی ہے جس کا بیان اوپر گزرا اس کی انتہا تو شَی کے جامد ہوجانے پر ہے جب تک سیلان کچھ بھی باقی ہے رقت باقی ہے اگرچہ کیسی ہی خفیف اور شک نہیں کہ تینوں صورتوں میں سیلان موجود تو رقت بھی موجود اگرچہ بتفاوت لہٰذا دو صورت اولی میں محقق علی الاطلاق نے رقت آب کو غالب بتایا اور صورت ثالثہ میں امام ناطفی نے مغلوب۔

ثانیًا: رقّت جس معنی پر محقق ہوئی یعنی بے جرم ہونا ختم سیلان کے بعد دَل نہ رہنا اس میں تفاوت افراد نہیں دَل اگر کچھ بھی ہوگا یہ رقت معدوم ہوجائے گی اصلًا نہ ہوگا بحال خود باقی رہے گی لہٰذا دو صورت اولٰی کو غنیہ میں

عـہ) کافی وکفایہ وبنایہ میں فرمایا: الامتزاج الاختلاط بین شیئین حتی یمتنع التمییز اھ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

امتزاج یہ ہے کہ دو چیزیں آپس میں اس طرح مل جائیں کہ ان کے درمیان تمیز نہ ہوسکے اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

یوں بتایا کہ پانی ویسا ہی اپنی رقت پر رہے جیسا کہ قبل اختلاط تھا اور صورت ثالثہ کو ذخیرہ وتتمہ وحلیہ نے یوں کہ رقت یکسر مسلوب۔

ثالثًا: دو صورت اولیٰ ہی کی طرف خلاصہ کا ارشاد کہ پانی اُس میں آشکار ہو مشیر کہ جب تک امتزاج نہ ہو پانی کا ظہور ظاہر ومستنیر۔

رابعًا: خانیہ کا ارشاد کہ اگر متماسک ہو جائے وضو جائز نہیں صورت ثالثہ ہی کا بیان ہے کہ دَل باقی رہنا تماسک اجزاء ہی سے ہوتا ہے اور بحال تماسک دَل ضرور رہتا ہے۔

خامسًا: اسی کو علماء کرام نے رُب ودبس ونشاستج وطین وسویق کی مثالیں دے کر بتایا کہ یہ سب اشیا اگرچہ سائل ورقیق اضافی ہیں مگر ان کے اجزا تماسک سے خالی نہیں ولہذا ختم سیلان پر ان میں ضرور دَل رہتا ہے۔ رُب بالضم میووں کا عرق کہ جوش دے کر قوام پر لایا گیا اور غلیظ وبَستہ ہوگیا، دِبس دوشاب اور اس کے مطلق سے دوشاب خرما مراد کہ عرق خرما بدستور نکال کر اتنا جوش دیں کہ انگلی سے اٹھائیں تو انگلی میں لپٹ آئے، نشاستج بالفتح جسے عربی میں نشا اور فارسی میں نشاستہ کہتے ہیں۔ نشاستج اس کا معرب ہے یہ کہ گیہوں پانی میں اتنی مدت تک بھگوئے جائیں کہ عفونت لے آئیں اور پوست چھوڑ دیں مغز باریک کوٹ کر صافی میں چھان کر رکھیں یہاں تک کہ گیہوں کے اجزا تہ نشین ہو جائیں پانی اوپر رہ جائے اُسے پھینک کر تہ نشین کو سکھالیں ظاہر ہے کہ جب تک اجزاء تہ نشین نہ ہوں گے پانی سے ممتزج رہیں گے طین، کیچڑ، سویق، ستّو یہ مثالیں یاد رکھنے کی ہیں کہ غلظت کی صورت ذہن میں رہے ان کو ہم ایک مصرع میں جمع کریں۔

رُبّ ودِبس ونشا وطین وسویق　　　ہرچہ زینگونہ شد نہ ماند رقیق

(راب، شیرہ، نشاستہ، کیچڑ اور ستّو ان میں سے جو بھی گاڑھا ہو جائے رقیق نہ رہے گا۔ت)

سادسًا: ہدایہ وبدائع وغیرہما میں سویق کو مخلوط سے مقید فرمانا صورت ثانیہ وثالثہ کے فرق کی طرف اشارہ فرماتا ہے پانی میں اگر ستّو ڈال دیے کہ تہہ نشین ہوگئے نتھرا پانی یا خفیف آمیزش کا اوپر رہ گیا جو اُسے جرم دار نہ کردے تو وضو جائز نہ ہوگا ولہذا کالسویق المخلوط فرمایا یعنی گھلے ہُوئے ستّو کہ پانی سے ممتزج ہو جائیں، الحمدللہ کہ رقت مطلوبہ کی حد بندی اُس وجہ رفیع پر ہوئی کہ اس رسالہ کے غیر میں نہ ملے گی۔ اُس کے بیان (ا) کا بھی ایک شعر اشعار تعریف مائے مطلق میں اضافہ کریں۔

رقت آن دان کہ بہ سیلان ہمہ یک سطح شود　　　خالی از جرم اگر مانع او ناید پیش

(رقّت یہ ہے کہ بہنے پر سطح برابر ہو اور اس کا حجم نہ بنے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو۔ت)

یا یوں کہیے:

آں رقیق ست کہ اجزاش بختم سیلان زیر و بالا نبود ہیچ سوائے پس و پیش

(رقیق وہ چیز ہے کہ بہاؤکے ختم ہونے پر اس کے اجزاء کا حجم نہ بنے بلاکہ بہنے میں صرف ان کا تقدم وتاخر ہو۔ت)

الحمدللہ اس تقریر منیر سے فوائد کثیر حاصل ہوئے:

فائدہ۱: طبیعت اور اس کی بقاو زوال کا بیان۔

فائدہ۲: حقیقت سیلان اور اس کا فلسفہ اور جامد وسائل کا فرق اور یہ کہ اگر اُوپر سے نشیب میں مثلاً گیہوں کے دانے اور کوئی تختہ اور پانی گرائیں سب اپنی حرکت بالطبع سے متحرک ہو کر نیچے اُتر جائیں گے مگر ان میں پانی ہی کی حرکت کو سیلان کہیں گے نہ ان دو کی اس کی وجہ کہ اول اجسام منفصلہ کی حرکات عدیدہ ہیں اور دوم جسم واحد کی حرکت واحدہ اور سوم جسم واحد متصل حسّی کے اجزائے متجاورہ کی متوالی حرکات طبیعہ پے درپے کہ انکاک حسّی نہ ہونے دیں اسی کا نام سیلان ہے۔

فائدہ۳: رقت مطلق کے معنی اور اس کے مواضع اطلاق۔ **فائدہ۴:** وہ امر اضافی ومقول بالتشکیک ہے۔

فائدہ۵: وہ اپنے نفس معنی کے لحاظ سے سیلان کے ساتھ مساوی بلکہ معنی شامل جامدات پر اُس سے عام مطلقاً ہے اور ہنگامِ اضافت عام من وجہ کہ شیر شتر بہ اضافت شیر بز رقیق نہیں اور سائل ہے اور گلاب کا شیشہ حلبی آئینہ کے اعتبار سے رقیق ہے اور سائل نہیں۔ **فائدہ۶:** مسائل خف وغیرہ میں معنی جرم وعدم جرم۔

فائدہ۷: اُن میں معنی مرئی وغیر مرئی۔ **فائدہ۸:** مرئی وغیر مرئی معتبر مسئلہ تطہیر ومسئلہ حوضِ کبیر سے اُن کا فرق۔

فائدہ۹: انظار ماہرین کی ان میں انواع انواع لغزش۔

فائدہ۱۰: رقت مطلوبہ ومصطلحہ ائمہ کے معنی یہ سب بھی روشن طور پر واضح ہوگئے۔

فائدہ۱۱: جرم میں بے جرمی کیونکر ہوتی ہے۔ **فائدہ۱۲:** نیز یہاں کلام ائمہ میں بمعنی تماسک۔

فائدہ۱۳: کہ رقت مطلوبہ وبے جرمی ایک شے ہیں اور غلظت یہ کہ بعد ختم سیلان دَل باقی رکھے۔

فائدہ۱۴: رقتِ آب غالب ومغلوب یا موجود ومسلوب ہونے سے مراد یہ کہ اُن کا ایک ہی مفاد۔

فائدہ۱۵: کہ یہ رقت سیلان سے خاص ہے اور اس کے بعد محل اثبات میں ذکر سیلان کی حاجت نہیں مثلاً یوں کہنا کہ فلاں صورت میں رقت وسیلان باقی رہیں تو وضو جائز ہے، ہاں یوں کہنے میں حرج نہیں کہ سیلان ورقت باقی رہیں کہ ذکر سیلان ذکر رقت سی مغنی نہیں اگرچہ تنہا ذکر رقت بس ہے تو اطناب ہوا نہ اہمال۔

فائدہ۱۶: محل نفی میں ذکر سیلان بحرفِ واو مضر وموہم خلاف مقصود ہے اور بحرف یا کہ تردید کیلئے ہے بیکار۔

فائدہ۱۷: کپڑے سے نہ نچڑ سکنا اس رقت سے خاص ہے دُودھ رقیق ہے اور نچڑ نہیں سکتا۔

فائدہ۱۸: یہ رقت نہ معنی اضافی ہے نہ اس میں تشکیک۔

فائدہ ۱۹: پانی میں جرم دار اشیا ملنے کی صورتیں اور اُن کے احکام۔

فائدہ ۲۰ جلیلہ (۱): پانی کی رقت زائل ہونا کچھ جامدات ہی کے خلط پر موقوف نہیں (۲) خلافا لما تظافرت علیه کلمات الشراح واهل الضابطة (یہ اس کے خلاف ہے جس پر شراح حضرات اور اہل ضابطہ کا کلام گزر چکا ہے۔ت) بلاکہ جرم دار مائعات مثل شہد وشیرہ و رُب و دِبس جب اس سے ایسے ممتزج ہوجائیں کہ بمعنی مذکور جرم دار کردیں ضرور رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوجائے گی یہ فائدہ بہت ضروری یاد رکھنے کا ہے کہ فصل آئندہ میں کام دے گا اِن شاء اللہ تعالٰی یہ ہے وہ تحقیق بازغ کہ مولی عزوجل کے فضل بالغ سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئی ولله الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه کمایحب ربنا ویرضی* وصلی الله تعالٰی وبارك وسلم علی الحبیب الکریم الرؤف الرحیم الارضی* واٰله وصحبه وابنه وحزبه ماعلت سماء ارضا* والحمدلله رب العٰلمین۔

غلبہ غیر اس میں تین بحثیں ہیں:

بحث اوّل: کسی امر میں غلبہ مراد ہے۔

اقول: یہاں چار چیزیں ہیں: طبیعت، اوصاف، اجزا، مقاصد۔ اور ان سب کے اعتبار سے غلبہ لیا گیا ہے غلبہ بحسب اوصاف تو قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ہے جس کا بیان بعونہ تعالٰی آگے آتا ہے باقی تین میں اعتبار غلبہ مجمع علیہ ہے غلبہ بحسب طبع وہی زوال رقت ہے اس کے اعتبار پر اجماع ظاہر اور غلبہ بحسب اجزا کہ خاص مذہب امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کہا گیا اور امام برہان الدین عـــہ صاحب ہدایہ وامام

عــــہ: ہدایہ میں زیرِ مسئلہ آبِ زردج فرمایاھوالصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) بنایہ میں ہے المروی عن ابی یوسف ھو الصحیح (جو امام ابویوسف سے مروی ہے وہ صحیح ہے۔ت) نہایہ میں ہے قوله ھو الصحیح احتراز عن قول محمد (اس کے قول ھو الصحیح سے امام محمد کے قول سے احتراز ہے۔ت) نیز ہدایہ میں فرمایا الغلبة بالاجزاء لابتغیر اللون (غلبہ اجزاء کے اعتبار سے تغیر لون سے نہیں۔ت) بنایہ میں ہے اشاربه ایضاالٰی نفی قول محمد (اس سے امام محمد کے قول کی نفی کا اشارہ بھی ہے۔ت) عنایہ میں ہے نفی لقول محمد فانه یعتبر الغلبة بتغیر اللون والطعم (امام محمد کے قول کی نفی ہے کیونکہ وہ غلبہ باعتبار تغیر لون وطعم مراد لیتے ہیں۔ت) کنز میں تھا اوغلب علیه غیرہ اجزاء (یا اس پر غیر کا غلبہ بطور اجزاء ہو۔ت) اس پر شارح ہروی نے فرمایا احتراز عن قول محمد رحمه الله تعالٰی اھ (یہ امام محمد رحمہ اللہ کے قول سے احتراز ہے۔ت) ۱۲ منہ غفرلہ (م)

قاضی[۲] خان وامام[۳] شمس الائمہ کردری وامام[۴] حافظ الدین نسفی وغیرہم اکابر نے اُس کی تصحیح کی اسی کو درر[۵] ودر[۶] میں اصح اور منیع[۷] میں صحیح اور سراج[۸] وہاج وجوہرہ[۹] نیرہ وفتاوٰی[۱۰] غزی وفتاوٰی[۱۱] عالمگیریہ میں قول جمہور اور نہایہ[۱۲] وعنایہ[۱۳] وحلیہ[۱۴] وغنیہ[۱۵] وبحر[۱۶] ونہر[۱۷] وغیرہا میں اساتذہ کرام سے منقول وماثور بتایا **کماتقدم کل ذلك فی نمرۃ ۱۲۲ و۱۰۱ و۷۹** (جیسا کہ نمبر ۱۰۱، ۱۲۲اور ۷۹ میں گزر چکا ہے۔ت) جامع الرموز[۱۸] میں ہے **اعتبر الغلبۃ من حیث الاجزاء وھو الصحیح لتقدم الجزء علی الوصف فی الاعتبار کمافی حاشیۃ** [1] الھدایۃ[۱۹] (غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اور یہی صحیح ہے کیونکہ اعتبار میں جز وصف پر مقدم ہوتا ہے جیسے کہ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے۔ت) (جامع الرموز باب جوہرہ نیرہ میں ہے **الاصح ان المعتبر بالاجزاء** [2] (اصح یہی ہے کہ اجزاء کا اعتبار ہوگا۔ت) نیز عنایہ[۲۰] سے آتا ہے کہ صحیح قول ابویوسف ہے غایۃ البیان[۲۱] میں اسی کو ہمارے ائمہ نے ظاہر الروایۃ بتایا غایہ وعنایہ وبنایہ نے شرح طحاوی[۲۲] امام اسبیجابی سے اس کی تائید کی اس کے خلاف یعنی اعتبار اوصاف کو امام کرخی[۲۳] وغیرہ اکابر نے خلاف صحیح بتایا۔ بنایہ[۲۴] میں ہے **الروایۃ الصحیحۃ بخلافھا** (روایۃ صحیحہ اس کے خلاف ہے۔ت) اُسی میں ہے **صحۃ الروایۃ بخلافہ کذا عن الکرخی** [3] اھ (صحتِ روایت اس کے خلاف ہے ایسا ہی کرخی سے ہے۔ت)

اقول: اس نسبت وتصحیحات وترجیحات کے یہ معنی نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس کے قائل نہیں بلاکلہ یہ کہ امام ابویوسف صرف اسی کو اعتبار فرماتے ہیں اور امام محمد اس کے ساتھ غلبہ اوصاف کو بھی ورنہ غلبہ بحسب اجزاجس معنی پر لیا گیا جن کی تفصیل بحولہ تعالٰی آتی ہے وہ سب بلاشبہ سب کو تسلیم ہیں۔

فلاتغرنك المقابلۃ الواقعۃ فی قول الفتح ان محمدایعتبرہ باللون وابایوسف بالاجزاء وقول الاجناس فی نمرۃ ۰ محمد یراعی لون الماء وابویوسف غلبۃ الاجزاء الاتری الی [4] قول العنایۃ محمد یعتبر الغلبۃ باللون ثم الطعم ثم الاجزاء والصحیح قول	فتح کے کلام میں امام محمد اور امام ابویوسف کے اقوال کا مقابلہ تجھے دھوکا میں مبتلا نہ کرے کہ امام محمد رنگ کا اور امام ابویوسف اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں،اور اسی طرح الاجناس کا قول کہ نمبر ۱۰۷ میں مذکور ہوا کہ امام محمد پانی کے رنگ کا اور امام ابویوسف اجزاکے غلبہ کی رعایت کرتے ہیں کیونکہ آپ نے دیکھا کہ عنایہ

[1] جامع الرموز باب المیاہ، مطبع الاسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۶

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مطبع امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[3] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء الامدادیہ مکۃ المکرم ۱/۱۸۹

[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

ابی یوسف لان الغلبة بالاجزاء غلبة حقیقیة اذوجود المرکب باجزائه فکان اعتبارہ اولی [1] اھ وھی الضابطة التی مشی علیھا ملك العلماء والامام الاسبیجابی رحمھماالله تعالٰی کمامرو یاتی تفصیله ان شاء الله تبارك وتعالٰی فافھم وتثبت۔	کا قول ہے کہ امام محمد رنگ پھر ذائقہ اور پھر اجزاء کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں اور صحیح امام یوسف کا قول ہے کیونکہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوتا ہے کیونکہ مرکب کا وجود اجزا سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا اس غلبہ کا اعتبار اولیٰ ہے، اور یہی وہ ضابطہ ہے جس کو ملک العلماء اور امام اسبیجابی رحمہما اللہ نے اپنایا ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس کی تفصیل ان شاء اللہ تبارک وتعالیٰ آئندہ بھی آرہی ہے سمجھو اور قائم رہو۔ (ت)

رہا غلبہ بحسب مقاصد جسے اس کے لازم اعم زوال اسم سے تعبیر کرتے ہیں اس پر اجماع بھی ظاہر

کما مرمرارا منھا فی نمرۃ وان الامام الزیلعی قدنص علیه وان اغفله فی ضابطته وان الخلاف انما کان فی نبیذ التمر لاجل النص علی خلاف القیاس ثم انقطع برجوع الامام ویأتی قول الحلیة۔	جیسا کہ متعدد بار نمبر ۲۸۷ میں گزرا، اور امام زیلعی نے اس پر نص کی ہے اگرچہ انہوں نے ضابطہ میں غفلت سے کام لیا ہے اور بیشک نبیذ تمر میں اس کا خلاف ہے تو اس لئے کہ اس بارے میں مخالف قیاس نص وارد ہوئی ہے اور یہ خلاف بھی امام ابو حنیفہ کی رجوع کی وجہ سے ختم ہوگیا، اور حلیہ کا قول آئے گا۔ (ت)

بالجملہ ان تین پر اجماع میں شک نہیں اور یہاں تینوں طور پر اُس کی تفسیر کی گئی۔

غلبۂ طبع قدوری وہدایہ سے گزرا **غلب علیه غیرہ فاخرجه عن طبع الماء** [2] (پانی کو غیر کے غلبہ نے اس کی طبیعت سے خارج کردیا۔ ت) ملتقی الابحر سے **لابماء خرج عن طبعه بغلبة غیرہ** [3] (نہ ایسے پانی سے جو غیر کے غلبہ کی وجہ سے اپنی طبیعت سے خارج ہوچکا ہو۔ ت) غُرر و نور الایضاح سے **لابماء زال طبعه بغلبة غیرہ** [4] (ایسے پانی سے وضو جائز نہیں جس کی طبیعت غیر کے غلبہ کے وجہ سے ختم ہوچکی ہو۔ ت) ہدایہ سے نمبر ۱۰۷ میں **الا ان یغلب علی الماء فیصیر کالسویق المخلوط** [5] (مگر وہ پانی میں مل کر غالب ہوجائے

---

[1] العنایۃ مع الفتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء۔ مطبعۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

[2] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

[3] ملتقی الابحر فصل تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعۃ عامرہ مصر ۱/۲۸

[4] نور الایضاح کتاب الطہارت مطبعۃ علمیہ لاہور ص ۳

[5] الہدایۃ الماء الذی یجوز بہ الوضوء مطبعۃ عربیہ کراچی ۱/۱۸

توحکم مخلوط ستّوؤں کی طرح ہوگا۔ت)

نیز غنیہ سے **مالم یغلب علیه بان اخرجه عن رقته**[1] وضو جائز ہے جب تک غیر نے اس پر غلبہ پاکر رقت سے خارج نہ ردیا ہو۔ت) نیز ذخیرۃ وتتمہ وحلیہ سے **یغلب علی الماء حتی تزول به الرقة**[2] (وہ چیز پانی پر اس طرح غالب ہوجائے کہ پانی کی رقت زائل ہوجائے۔ت) نمبر ۱۱۹ میں خانیہ سے **ان غلبة الحمرة وصار متماسکا لایجوز**[3] (اگر پانی پر سرخی غالب ہوگئی اور وہ گاڑھا ہوگیا تو وضو جائز نہیں۔ت) نیز خلاصہ سے **ان غلب علیه الحمرة وصار نشاستج لایجوز**[4] (اگر اس پر سُرخی غالب ہوگئی اور وہ نشاستہ کی طرح ہوگیا تو وضو جائز نہیں۔ت)

غلبۂ مقاصد نمبر ۱۰۷ میں حلیہ وتتمہ وذخیرہ سے قول امام ابی یوسف گزرا **ان غلب علی الماء حتی یقال ماء البابونج والاٰس لایجوز**[5]۔(اگر پانی پر اس طرح غلبہ ہوجائے کہ اس کو بابونہ کا عرق یا جوس کہا جائے تو وضو جائز نہیں۔ت)

نمبر ۳۰۴ میں قول ملک العلما **اذا خالطه علی وجه زال عنه اسم الماء بان صار مغلوبا به**[6] (جب پانی پر اس طرح غلبہ پاتے ہوئے ملے کہ اس کا نام پانی نہ رہے۔ت) عنایہ، بنایہ، غایۃ البیان میں ہے **وان اراد بالاشربة الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد المخلوط وبه من الخل الخل المخلوط بالماء کانت نظیر**عـــہ **ماء غلب علیه غیرہ**[7] (اگر شربت سے مراد پانی میں مخلوط میٹھا ہو جیسا کھجور کا شیرہ اور شہد پانی ملا ہوا ہو، اور سرکہ سے مراد وہ جس میں پانی ملا ہو تو یہ پانی پر غیر کے غلبہ کی نظیر ہوگی۔ت) یونہی مجمع الانہر

عـــہ **اقول: لکن ھذا صحیح علی ماحملنا علیه لاعلی (ا) ماحملوا لان عبارۃ الھدایة**

اقول: لیکن یہ ہمارے بیان کردہ محمل پر درست ہے ان کے محمل پر درست نہیں، کیونکہ ہدایہ کی عبارت (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۱
[2] فتاوٰی ذخیرۃ
[3] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۱/۹
[4] خلاصۃ الفتاوٰی الماء المقید نولکشور لکھنؤ ۱/۸
[5] حلیہ
[6] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[7] عنایۃ مع القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲

میں فرائد سے ہے جعل المصنف الاشربة والخل مثالین لما غلب علیه غیره فیکون المراد من

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بماء غلب علیه غیره فاخرجه عن طبع الماء[1] اھ والشهد والدبس لایخلطان فی الاشربة بحیث یخرجان الماء عن رقته (۱) وان فرض فکیف یستقیم هذا فی الخل فالصواب ماافاد فی الغایة اخراوفی العنایة والبنایة اولا انه وان ارادبها الاشربة المتخذة من الشجر کشراب الرمان والحماض وبالخل الخالص کانا من نظیر المعتصر من الشجر والثمر[2] اھوقد نص علی عـه

یوں ہے وہ پانی جس پر غیر غالب ہو جائے اور وہ پانی کو اس کی طبیعت سے نکال دے اھ جبکہ شہد اور شیرہ کو پانی میں ملائیں تو ان کے ملنے میں پانی اپنی رقت سے خارج نہیں ہوتا اور بالفرض یہ مان لیا جائے تو سرکہ میں یہ بات کیسے درست ہوگی (کیونکہ سرکہ خود رقیق ہے پانی کی رقت کو ختم نہیں کرتا) لہٰذا غایۃ میں آخری اور عنایۃ اور بنایۃ میں اول جو مفاد حاصل ہوا وہ درست ہے کہ اگر شربت سے انار کا یا لیموں وغیرہ کا جوس مراد ہو اور سرکہ سے خالص سرکہ

(باقی بر صفحہ آیندہ)

عـه **اقول:** (۲)والعجب من الفاضل قره باغی فی حاشیة صدر الشریعة استظهر مالایصح واعرض عن نص صدر الشریعة الصحیح کانه یرید الرد علیه فقال الظاهران المراد من قول المصنف کالاشربة الاشربة التی تتخذمن الدبس والشهدوالسکر یخلطها مع الماء فحینئذ یکون قوله کالاشربة نظیر مازال طبعه بغلبة غیره اجزاء وقوله ماء الباقلاء والمرق نظیرمازال طبعه بالطبخ اھ وفیه کلام من وجوه اخر لانطیل بها ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: فاضل قرہ باغی پر تعجب ہے کہ انہوں نے صدر الشریعۃ کے حاشیہ میں غلط کو ظاہر کیا اور صدر الشریعۃ کی صحیح نص سے اعراض کیا جس سے انہوں نے مصنف پر اعتراض کا ارادہ کرتے ہوئے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ مصنف کے قول کالاشربۃ سے مراد وہ شربت ہیں جو شہد، شیرہ اور شکر ملا کر پانی بنایا گیا ہو تو اس صورت میں یہ شربت اس پانی کی نظیر بن جائیں گے جس پر غیر کے غلبہ کی وجہ سے اس کی طبع ختم ہو چکی ہو اور مصنف کا قول ماء الباقلاء والمرق اس پانی کی نظیر ہوگی جو پکانے کی وجہ سے طبع ختم کر چکا ہو، اس فاضل کے کلام میں دوسری وجوہ سے اعتراض ہیں جن کے بیان سے ہم کلام کو طویل نہیں کرتے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجعز بہ الوضوء ۱/ ۱۸

[2] العنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضو ۱/ ۶۲

الاشربۃ الحلو المخلوط بالماء کالدبس والشھد ومن الخل الخل المخلوط بالماء علی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ذلك فی شرح الوقایۃ وغیرہ نعم (۱) ذھب ھذا عن العلامۃ ابراھیم الحلبی فی متنہ الملتقی فاسقط ماکان فی اصولہ القدوری والوقایۃ من ذکر مااعتصرمن شجر اوثمر وابقی فی الامثلۃ الاشربۃ والخل وجعل الغلبۃ باعتبار المطبع حیث قال لابماء خرج عن طبعہ بغلبۃ غیرہ اوبالطبخ کالاشربۃ والخل وماء الورد والباقلاء والمرق اھ فلزمہ مالزم العنایۃ فی العنایۃ الاخری بالخل والاشربۃ وشیئ (۲) زائد وھو ماء الورد فلیس قطعا ماء خرج عن طبعہ بغلبۃ غیرہ اوبالطبخ (۳) وکذلك یرد ھذا علی الفرائد امامارد بہ علیہ فی مجمع الانھر اذقال لاوجہ لان یکون الخل مثالا لماغلب علیہ غیرہ وانکان مخلوطا بالماء فانہ لایصدق علیہ انہ ماء غلب علیہ غیرہ فان الخل اذا اختلط بالماء والماء مغلوب یقال خل مخلوط بالماء لاماء مخلوط بالخل تدبر اھ **فاقول**: لیس (۴) بشیئ اذلیس الکلام ھھنا فی بقاء اطلاق اسم الماء بل بیان للواقع ان ماء خلط بالخل والخل اکثر لایجوز الوضوء بہ

مراد ہو، تو پھر یہ دونوں شجر وثمر کے جوس کی نظیر ہیں اھ شرح وقایہ وغیرہ میں یہ منصوص ہے، ہاں علّامہ ابراہیم چلپی سے یہ بات چھُوٹ گئی ہے اور انہوں نے اپنے متن ملتقی میں اس کے اصول قدوری اور وقایہ کی عبارت میں مااعتصر من شجر اوثمر کے ذکر کو ساقط کردیا اور شربت اور سرکہ کی مثالوں کو باقی رکھا اور غلبہ کو طبع کے اعتبار سے قرار دیا، اور یوں کہا جو پانی اپنی طبع سے غیر کے غلبہ یا پکانے کی وجہ سے خارج ہوچکا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں، جیسے شربت اور سرکہ، عرق گلاب وباقلاء اور شوربا اھ تو ان کو عنایہ والی آخری دشواری لازم آئی جس کی وجہ سرکہ، شربت اور مزید عرق گلاب کا ذکر ہے اور یہ قطعًا ایسے پانی نہیں ہیں جو غیر کے غلبہ یا پکانے کی وجہ سے اپنی طبیعت سے یعنی رقت سے خارج ہوئے ہوں اور یہی اعتراض فرائد پر بھی لازم آتا ہے لیکن فرائد پر مجمع الانہر میں جو اعتراض کیا، جہاں یہ کہا کہ اس کی کوئی وجہ نہیں کہ سرکہ کو غیر کے غلبہ کی مثال قرار دیا جائے اگرچہ وہ پانی سے مخلوط ہو، کیونکہ جب سرکہ میں پانی ملایا جائے اور پانی مغلوب ہو تو اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ ایسا پانی ہے جس پر غیر کا غلبہ ہے کیونکہ سرکہ جب پانی میں ملے اور پانی مغلوب ہو تو کہا جاتا ہے یہ سرکہ ہے جس میں پانی ملایا گیا نہ کہ یہ پانی ہے جس میں سرکہ ملایا گیا تدبر اھ پس اس بارے میں

(باقی برصفحہ آئندہ)

ماا شیر الیه فی النهایة والعنایة[1] (مصنف نے شربت اور سرکہ کو غیر کے غلبہ کی مثالیں قرار دیا ہے تو شربت سے مراد پانی سے مخلوط میٹھا ہوگا جیسے شیرہ اور ہد، اور سِرکہ سے پانی میں مخلوط سِرکہ مراد ہوگا جیسا کہ نہایہ اور عنایہ میں ہے۔ ت) غلبہ اجزاء کنز سے گزرالابماء غلب علیه غیرہ اجزاء[2] (جس پانی پر اجزاء کے لحاظ سے غیر کا غلبہ ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ت) ہدایہ سے ۱۲۲ میں الغلبة بالاجزاء هو الصحیح[3] (غلبہ میں اجزاء کا اعتبار ہے اور یہی صحیح ہے۔ت) نیز خانیہ سے تعتبر من حیث الاجزاء هو الصحیح[4] (غلبہ میں اجزاء کا اعتبار ہے اور یہی صحیح ہے۔ ت) ۷۱ میں منیہ سے الغلبة من حیث الاجزاء[5] (غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ت) ۸۵ میں جواہر الفتاوٰی سے ان غلب اجزاؤها علی الماء یمنع التوضی[6] (اگر ملنے والی چیز کے اجزاء پانی پر غالب ہو جائیں تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ت)

بحث دوم: غلبہ اجزاء سے کیا مراد ہے اقول یہ صحیح معتمد قول بھی ان تینوں اجماعی باتوں سے تفسیر کیا گیا اُس سے ظاہر تو کثرت اجزا ہے یعنی پانی میں جو چیز ملے پانی سے مقدار میں زائد ہو اور نمبر ۲۶۲ میں گزرا کہ مساوی کا حکم بھی مثل زائد ہے۔

اقول: ومن العجب قول العلامة	میں کہتا ہوں اور مجھے علّامہ شامی کے اس قول سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولاشك انه ماء وقد قلتم والماء مغلوب اما الاسم وقد اشار الیه المتن اذعبر عنه بالخل لابالماء ۱۲ منه غفرله (م)

میں کہتا ہوں کہ یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہاں پانی کے نام کے اطلاق کی بقاء کا بیان نہیں ہے بیلکہ یہ تو بیان واقع ہے کہ جب پانی سرکہ میں ملے اور سرکہ غالب ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہے،اور بیشک یہ پانی ہے تم نے خود اس میں پانی کا ذکر کیا کہ یہ پانی مغلوب ہے لیکن پانی کے نام کا مسئلہ تو اس کی طرف ماتن نے اشارہ کرتے ہوئے اس کو سرکہ سے تعبیر کیا ہے پانی سے تعبیر نہیں کیا۔ (ت)

[1] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ الماء المطلق عامرہ مصر ۲۸/۱
[2] کنزالدقائق باب المیاہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱/۱
[3] الہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء عربیہ کراچی ۱۸/۱
[4] قاضی خان فیمالایجوزبہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱
[5] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۸
[6] جواہر الفتاوی

ش التقیید بالمغلوب بناء علی الغالب والافقد یمنع التساوی فی بعض الصور کما یأتی[1] اھ وای صورۃ لایمنع فیہ التساوی۔	تعجب ہوا، جس میں انہوں نے پانی کے مغلوب ہونے کی قید پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ مغلوب ہونا اکثر حالات کی بنا پر کہا گیا ورنہ بعض صورتوں میں پانی اور اس میں ملنے والی چیز کے مساوی ہونے پر بھی وضو ناجائز ہوتا ہے، جیسے آئندہ آئے گا اھ (تعجب کی وجہ یہ ہے کہ علامہ نے مساوی کو بعض صورتوں میں مانع قرار دیا حالانکہ اجزاء کے لحاظ سے ملنے والی کا غلبہ ہو یا مساوات ہو دونوں کا حکم ایک ہے لہذا غیر کے اجزاء کی مساوات کلی طور پر مانع ہے) اگر علامہ شامی کی نظر میں کوئی مساوات والی مانع نہ بنتی ہو تو وہ کون سی صورت ہے (ت)

غنیہ میں ہے:

(الغلبۃ للماء من حیث الاجزاء) بان تکون اجزاء الماء اکثر من اجزاء المخالط[2]۔	پانی کے اجزاء کا غلبہ تب ہوگا جب پانی کے اجزاء اس میں ملنے والی چیز کے اجزا سے زیادہ ہوں (یعنی اگر پانی کے اجزاء مساوی ہوں تو پھر پانی مغلوب رہے گا)۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

العبرۃ فیہ بکثرۃ الاجزاء انکان اجزاء الماء اکثر یجوز التوضی بہ والافلا[3] اھ وھو قطعۃ من الضابطۃ الشیبانیۃ وستأتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	غلبہ میں پانی کے اجزاء اس میں ملنے والی چیز کے اجزا کی کثرت کا لحاظ ہے اگر پانی کثیر ہو تو وضو جائز ورنہ ناجائز ہے اھ یہ ضابطہ شیبانیہ کا ایک حصہ ہے عنقریب آئے گا اِن شاء اللہ تعالٰی (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

غلبۃ غیرہ بان تکون اجزاء المخالط ازید من اجزاء الماء وھو قول ابی یوسف لانہ غلبۃ حقیقۃ لرجوعھا الی الذات بخلاف الغلبۃ باللون فانھا راجعۃ الی	غیر کے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں ملنے والی چیز پانی سے زائد ہو، یہ امام ابو یوسف کا قول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل غلبہ وہی ہے جس کا تعلق ذات سے ہو اور اس کے خلاف رنگ کے غلبہ کا تعلق وصف سے

---
[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

[2] غنیۃ المستملی باب احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۹۰

[3] خزانۃ المفتین

الوصف ومحمد اعتبر الغلبة باللون فی الصحیح عنه لان اللون مشاهد[1]۔	ہوتا ہے، امام محمد نے اس کا اعتبار اس لئے کیا کہ وہ نظر آتا ہے۔ (ت)

یہی مضمون ابھی عنایہ سے گزرا، حلیہ میں بحوالہ زاہدی زاد الفقہا سے نیز بنایہ میں ہے:

تعتبر الغلبة فی الاجزاء فان کان اجزاء الماء اکثر یجوز والالا[2]۔	غلبہ میں اجزا کا اعتبار ہے اگر پانی کے اجزا غالب ہوں تو وضو جائز ورنہ نہیں۔ (ت)

جوہرہ نیرہ میں ہے:

الاصح ان المعتبر بالاجزاء وھو ان المخالط اذا کان مائعا فمادون النصف جائز فان کان النصف او اکثر لایجوز[3] اھ۔ **اقول:** اراد بالمخالط الممازج وستعرف ان المائع غیر مقصور علی الحکم وان کان الحکم مقصور علی المائع۔	صحیح ترین یہ ہے کہ غلبہ میں اجزاء کا اعتبار ہے اگر پانی میں ملنے والی چیز بہنے والی ہو تو اگر وہ نصف سے کم ہو تو اس پانی سے وضو جائز ہے اور اگر وہ ملنے والی چیز برابر ہو یا پانی سے زیادہ ہو تو پھر وضو جائز نہیں۔ (ت) **میں کہتا ہوں** پانی میں مخلوط چیز سے مراد وہ صورت ہے جب اس کے اور پانی کے اجزاء آپس میں ممتاز نہ رہیں، اور آپ کو عنقریب معلوم ہوگا کہ ہر بہنے والی چیز کا یہ حکم نہیں ہے اگرچہ یہ حکم صرف بہنے والی چیز میں پایا جاتا ہے۔ (ت)

نمبر ۲۶۲ میں بدائع سے گزرا:

تعتبر الغلبة فی الاجزاء فان استویا فی الاجزاء قالوا حکمه حکم الماء المغلوب[4]۔	پانی کے غالب ہونے میں اس کے اجزاء کی کثرت کا اعتبار ہے اگر پانی کے اجزاء ملنے والی چیز کے مساوی ہوں تو اس پر فقہا نے فرمایا کہ ایسی صورت میں پانی مغلوب ہوگا۔ (ت)

اور اہلِ ضابطہ زیلعیہ عموماً یہی کثرتِ اجزا مراد لیتے ہیں نمبر ۱۱۵ میں مراقی الفلاح وابوالسعود ومنحۃ الخالق سے گزرا: **الغلبة بالوزن**[5] (غلبہ وزن کے اعتبار سے ہوگا۔ ت)

---

[1] مجمع الانہر فصل تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبع عامرہ مصر ۱/۱۸

[2] بنایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ مطبع امدادیہ مکۃ المکرم ۱/۱۹۲

[3] جوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[4] بدائع الصنائع الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

[5] منحۃ الخالق علی البحر الطہارت، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

غنیہ میں ہے:

المعتبر کون اجزاءہ اکثر من اجزاء الماء [1]۔	معتبر یہ ہے کہ ملنے والی چیز کے اجزاء پانی کے اجزاء سے زیادہ ہوں۔ (ت)

بحر وطحطاوی میں:

العبرۃ للاجزاء فان کان الماء اکثر جاز وان مغلوبا لا [2]۔	اعتبار اجزاء کا ہے اگر پانی کے اجزاء زیادہ ہوں تو اس سے وضو جائز ہے اور اگر پانی کے اجزاء مغلوب ہوں تو وضو جائز ہیں۔ (ت)

درمختار میں:

بالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز والالا [3]۔	مطلق پانی کے اجزاء اگر نصف سے زیادہ ہوں تو وضو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

زوالِ رقت سے اس کی تفسیر،

اقول: الرقۃ طبع الماء والطبع لازم الاجزاء وغلبۃ الملزوم تلزمها غلبۃ اللازم فمغلوبیۃ الطبع تدل علی مغلوبیۃ الاجزاء ھذا ما ظھر لی فی توجیہ ھذا التفسیر فافھم فلا یخلو عن مقال فالاولی ان یقال تقیید لاتفسیر ای المراد غلبۃ الاجزاء لامن حیث ذواتھا بل من حیث طبعھا ومقتضی ذاتھا **فانقلت** لم نسبت للاجزاء دون الکل **اقول:** لما اعلمناک ان الثخن لتماسك فی الاجزاء والرقۃ لعدمه۔	**میں کہتا ہوں** رقت پانی کی طبیعت ہے اور طبع اجزا کو لازم ہے تو ملزوم کا غلبہ لازم کے غلبہ کو مستلزم ہے تو طبع (رقت) کی مغلوبیت، اجزاء کی مغلوبیت پر دلالت کرے گی، اس تفسیر میں مجھے یہ سمجھ آئی ہے، غور کرو اس میں اعتراض ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کو تفسیر کی بجائے تقیید قرار دیا جائے، یعنی یوں کہا جائے کہ غلبہ میں اعتبار تو اجزاء کا ہوگا مگر اجزاء کی ذات کا لحاظ نہیں بلکہ ان کی طبیعت کے لحاظ سے غلبہ معتبر ہوگا۔ اگر تو اعتراض کرے کہ تم نے اجزاء کی طبیعت کہہ کر طبیعت واجزاء کی طرف منسوب کیا، کُل کی طرف کیوں منسوب نہیں کیا؟ تو میں جواب دیتا ہوں کہ چونکہ گاڑھا اور غلیظ ہونا اجزاء کی طرف منسوب ہے لہٰذا اس کی ضد (رقیق ہونا) بھی اجزاء

[1] غنیۃ المستملی احکام المیاہ سہیل اکیڈمی لاہور ص۹۱

[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

	کی طرف منسوب ہوگا (جبکہ رقت ہی پانی کی طبیعت ہے)۔ (ت)

وقایہ واصلاح سے گزرا:

لابماء زال طبعه بغلبة غیره اجزاء[1]۔	غیر کے اجزاء کے غلبہ کی وجہ سے جس پانی کی طبع زائل ہوچکی ہے اس سے وضو جائز نہیں (ت)

دونوں شرحوں سے گزرا: هو الرقة والسیلان[2] (طبع رقت وسیلان ہے۔ت)

۷۰میں حلیہ وتتمہ وذخیرہ سے گزرا: الغلبة من حیث الاجزاء بحیث تسلب رقة الماء[3] (غیر کا اجزاء کے لحاظ سے ایسا غلبہ جس سے رقّت ختم ہوجائے۔ت) شلبیہ میں منبع سے ہے:

المراد بغلبة الاجزاء ان تخرجه عن صفة الاصلیة بان یثخن لاالغلبة باعتبار الوزن[4]۔	اجزاء کے اعتبار سے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ پانی کو صفت اصلیہ سے نکال دے کہ وہ گاڑھا ہوجائے نہ کہ وزن میں غلبہ ہوجائے۔ (ت)

ارکان اربعہ میں ہے:

الغلبة بالاجزاء بان تذهب رقة الماء[5]۔	اجزاء کا غلبہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے پانی کی رقت ختم ہوجائے۔ (ت)

عنایہ وبنایہ میں ہے:

الخلط یعتبر فیه الغلبة بالاجزاء فان کانت اجزاء الماء غالبة ویعلم ذلك ببقائه علی رقته جاز الوضوء به وانکانت اجزاء المخلوط غالبة بان صار ثخینا زال عنه رقته الاصلیة لم یجز اھ[6]۔	پانی میں مخلوط چیز کا غلبہ یہ ہے کہ اس کے اجزا غالب ہوں اگر پانی کے اجزاء کا غلبہ ہو جو پانی کی رقت سے معلوم ہوتا ہے تو وضو جائز ہے ورنہ اگر ملنے والی چیز کے اجزاء کا غلبہ ہو جو پانی کے گاڑھا ہونے سے معلوم ہوتا ہے جبکہ پانی کی رقتِ اصلیہ ختم ہوجائے تو وضو ناجائز ہے اھ (ت)

[1] شرح وقایہ فیما یجوزبہ الوضو رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[2] شرح وقایہ فیما یجوزبہ الوضو رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[3] حلیہ

[4] شلبیہ علی التبیین کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ۱/۲۰

[5] رسائل الارکان فصل المیاہ یوسف فرنگی محلی لکھنؤ ص ۲۴

[6] العنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

اقول: لکن الاکمل ذکر بعدہ فی تصحیح قول الثانی ماتقدم فی البحث الاول ان وجود المرکب باجزائہ فاعتبارھااولی فھذایمیل الی ان المرادکثرۃ الاجزاء کماافصح بہ فی مجمع الانھرلان الترکب منھا لامن طبائعھاوانما الطبع وصف لازم فان اعتبرت من حیث اوصافھالم یتم نفی قول الامام الثالث فان فرق باللازم والعارض فعلی تمامیتہ ھوبحث اٰخر غیرالترجیح بان ھذہ حقیقیۃ ذاتیۃ وتلك مجازیۃ عرضیۃ ھذاوقال فی البحر ذکر الحدادی ان غلبۃ الاجزاء فی الجامد تکون بالثلث وفی المائع بالنصف [1] اھ قال عبدالحلیم لعلہ امتحنہ فوجدہ یصیر مغلوبابالقدرالمذکور فعینہ کماشرح المقدسی [2] اھ **اقول:** ملحظہ الی ماوفق بہ فی البحربین ھذین القولین بانہ ان کان المخالط جامدا فغلبۃ الاجزاء فیہ بثخونتہ وان کان مائعا موافقا للماء فغلبۃ الاجزاء فیہ	**میں کہتا ہوں** مگراس کے بعد اکمل نے دوسرے قول کی تصحیح میں ذکر کیا ہے جو پہلے بحث اول میں گزر چکا ہے کہ مرکب کا وجود اس کے اجزاء سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا غلبہ میں اجزاء کا اعتبار بہتر ہے،اس سے غلبہ میں کثرت اجزاء کا اعتبار بہتر ہے،اس سے غلبہ میں کثرتِ اجزاء کا رُجحان پایا جاتا ہے، جیسا کہ مجمع الانہر میں اس کو بیان کیا ہے، کیونکہ ترکیب اجزا سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ طبع سے طبع تو ایک وصف اس کو لازم ہے اگر اوصاف کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار کیا جائے تو امام محمد کے قول کی نفی تام نہ ہوگی (جو کہ رنگ، بُو اور ذائقہ جیسے اوصاف سے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں) اگر طبع اور دیگر اوصاف میں یہ فرق کیا جائے کہ طبع پانی کیلئے وصف لازم اور رنگ وغیرہ وصف عارض ہیں تو یہ ترجیح سے ہٹ کر ایک نئی بحث ہو جائے گی کہ طبیعت پانی کی حقیقۃ ذاتیہ ہے اور دوسرے اوصاف مجازی اور عرضی ہیں، اس کو محفوظ کرو، اور بحر میں یہ ذکر ہے کہ حدادی نے کہا ہے کہ جامد میں اجزاء کا غلبہ ایک تہائی سے ہوجاتا ہے اور بہنے والی چیز کا پانی میں غلبہ نصف (مساوی) سے ہوجاتا ہے اھ اس پر عبدالحلیم نے کہا ہوسکتا ہے کہ شاید انہوں نے تجربہ کیا ہو اور جامد کی مذکورہ مقدار کے ملنے پر پانی مغلوب ہوا ہو اس لئے انہوں (حدادی) نے اس ایک تہائی کو مقرر کردیا جیسا کہ مقدسی کی شرح میں ہے اھ۔(ت) **میں کہتا ہوں** اس کا خلاصہ یہ ہے جو بحر میں ان دونوں قولوں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا کہ پانی میں ملنے والی چیز جامد ہو تو پھر اس کے اجزا کے غلبہ کا مطلب پانی کا گاڑھا ہونا ہے اور وہ چیز

[1] بحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] حاشیۃ الدرر للمولٰی عبدالحلیم فرض الوضو مکتبہ عثمانیہ مصر ۱/۱۸

بالقدر [1] اھ وکانه رأی ان الثخن لایحصل مالم یکن الجامد نصف الماء فقدره بالثلث واللہ تعالٰی اعلم۔ **اقول:** تقییده بالموافقة لاتباع الضابطة (۱) ولاتنس ماقدمناان الرقة ربماتزول بامتزاج مائع ایضااذاکان ذاجرم فالتوزیع غیرمسلم وبه ظهر ماقدمنا تحت قول الجوهرة۔	بہنے والی پانی کے موافق ہو تو اس کے غلبہ کا مطلب اس کی مقدار کا غلبہ ہے اھ گویا کہ حدادی نے یہ سمجھا کہ جب پانی میں جامد نصف برابر ہونے پر پانی مکمل گاڑھا ہو جاتا ہے تو ایک تہائی سے ضرور غلبہ ہو جاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت) **میں کہتا ہوں** کہ بحر کا یہ کہنا بہنے والی چیز پانی کے موافق ہو محض ضابطہ کے لحاظ سے ہے، یہ بات نہ بھُولنا کہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ کبھی پانی کی رقت ایسے مائع (بہنے والی) سے زائل ہوجاتی ہے جو جِرم والی ہو، لہٰذا بحر کی مذکورہ تقسیم غیر مسلّم ہے اسی سے وہ بات واضح ہو گئی جو ہم نے جوہرہ کے قول کے تحت کہی تھی۔ (ت)

زوالِ اسم سے تفسیر، ۱۲۲ میں فتح وحلیہ سے گزرا:

صرح فی التجنیس ان من التفریع علی غلبة الاجزاء قول الجرجانی اذا طرح الزاج فی الماء جاز الوضوء ان کان لاینقش اذا کتب والا فالماء هو المغلوب [2] اھ **فان قلت** ای نظر ههنا الی الاجزاء حتی یسمی غلبة من حیث الاجزاء اقول بلالی لابدلصلاحیة النقش اوالصبغ بازاء قدرمعلوم من الزاج والعفص او الزعفران والعصفرقدرمخصوص من الماء حتی لو طرح فیه اقل من القدر اوهذا القدر فی اکثر منه لم ینقش ولم	تجنیس میں تصریح کی ہے کہ غلبہ اجزاء کی ایک تفریع جرجانی صاحب کا یہ قول ہے کہ جب پانی میں زاج (سیاہی) ڈالی جائے تو اگر لکھائی میں اس سے نقوش ظاہر نہ ہوں تو وضو جائز ہے ورنہ پانی مغلوب ہوگا اھ **اگر تو اعتراض کرے** یہاں اجزاء کا اعتبار کیسے ہوا جس کی بنا پر یہ کہا جائے کہ یہ اجزاء کے لحاظ سے غلبہ ہے، (تو میں اس کے جواب **میں**) **کہتا ہوں** کہ کتابت میں نقوش ظاہر ہونے کی صلاحیت زاج، عفص، زعفران اور عصفر کی ایک خاص مقدار پانی میں ملانے سے حاصل ہوتی ہے اگر اس مقدار سے کم پانی میں ملائی جائے یا اتنی مقدار زیادہ پانی میں ملادی جائے تو کتابت میں رنگ ونقوش

[1] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۹/۱
[2] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۹/۱

یصبغ فکانت اجزاؤھا مغلوبۃ بالماء اذلم تعمل فیہ بخلاف ما اذا صلح فقد غلبتہ اذ غیرتہ۔	ظاہر نہ ہوں گے لہٰذا پانی غالب ہوگا اور اگر ان مذکورہ چیزوں کے ملانے سے کتابت کا عمل درست ہوجائے تو معلوم ہوگا کہ پانی مغلوب ہے اور ان مذکورہ چیزوں کے اجزا غالب ہوگئے۔ (ت)

بحث سوم: ان میں کس معنی کو ترجیح ہے **اقول** ان میں تنافی نہیں دوشاب خرما کہ پانی میں برابر سے زیادہ ممتزج ہو وہاں کثرت اجزا اور زوال طبع وزوال اسم سب کچھ ہے پھر زوال اسم ان دونوں اور ان کے غیر کو بھی شامل ظاہر ہے کہ رقت نہ رہے تو پانی نہ کہلائے گا کیچڑ کو کوئی پانی نہیں کہتا اور اگر جنس دیگر برابر یا زائد مل جائے تو ارتفاع نام اظہر ہے **کماتقدم قبیل الاضافات وفی نمرۃ ۲۶۲** (جیسا کہ اضافات کی بحث سے ذرا پہلے اور نمبر ۲۶۲ میں گزرا۔ ت) تو اس کا اعتبار[عہ] دونوں سے مغنی اور سب صورتوں کو جامع تو قول امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ میں اسی کا ارادہ الیق وانسب کہ محیط صور وضابطہ کلیہ ہو تعریف مطلق میں کہ چار سبب منع بیان ہوئے تھے سب اس میں آگئے ولہٰذا امام زیلعی نے فرمایا **زوال الاسم ھو المعتبر فی الباب** (نام کا ختم ہوجانا ہی اس بارے میں معتبر ہے۔ت) حلیہ سے آتا ہے کہ یہی تمام اقوال کا مرجع ہے **وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم۔**

طبخ باغیر یہاں دو بحثیں ہیں:

بحث اول: طبخ کی حقیقت اور یہ کہ اُس کے صدق کو کیا کیا درکار **اقول: وباللہ التوفیق** اسی میں چند امور کا لحاظ ضرور:

عـہ **اقول:** وبہ (۱) ظھران قصر التفسیر علی کثرۃ الاجزاء کماتوھمہ عبارۃ الغنیۃ ومجمع الانھر والجوھرۃ (۲) وغیرھا اوعلی زوال الطبع کماتوھمہ عبارۃ المنبع وغیرھا لیس کماینبغی وعلی ھذا یحمل مافعل فی العنایۃ والبنایۃ وغیرھما من التفسیر مرۃ بھذا ومرۃ بذاك ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)	میں کہتا ہوں کہ غلبہ کی تفسیر میں صرف کثرۃ الاجزاء کو ذکر کرنا جیسا کہ غنیہ، مجمع الانہر اور جوہرۃ وغیرہ کی عبارات سے وہم ہوتا ہے یا صرف زوالِ طبع کو سمجھنا جیسا کہ منبع وغیرہ کی عبارت سے وہم ہوسکتا ہے، درست نہیں ہے بنایہ اور عنایہ میں غلبہ کی تفسیر کبھی یوں اور کبھی یوں کی گئی ہے (کہ غلبہ کی مواقع کے لحاظ سے تفاسیر مختلف ہیں) اس کی یہی وجہ ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۱) تنہا پانی کا جوش دینا پکانا نہیں کہا جاتا جب تک اُس میں کوئی اور چیز نہ ڈالی جائے سادات ثلثہ ابوالسعود ازہری علی مسکین پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الطبخ یشعر بالخلط والا فمجرد تسخین الماء بدون خلط لایسمی طبخا [1] اھ زاد الشامی ای لان الطبخ هو الانضاج استواء عـه قاموس [2] اھ ای ومعلوم ان الماء لاینضج اقول: وعلیه	کہ پکنا، خلط کرنے سے عبارت ہے اگر صرف پانی گرم کیا جائے اور اس میں کسی چیز کا خلط نہ ہو تو اس کو پکنا نہیں کہیں گے اھ اس پر شامی نے یہ زیادہ کیا اور کہا "پکنا مکمل طور پر پک کر اور بھُن کر تیار ہونے کو کہتے ہیں" قاموس

عـه اقول: (۱) فهمه رحمه الله تعالٰی بالسین المهملة فاقتصر علیه وصوابه بالمعجمة وتمامه واقتدارا کمافی القاموس فالاشتواء الشیُّ ومنه الشواء ویکون بلاماء والاقتدار من القدر بالکسر ای الطبخ فی القدر قال فی القاموس القدار الطابخ فی القدر کالمقتدر [3] قال فی تاج العروس یقال اقتدر وقدر مثل طبخ واطبخ ومنه قولهم اتقتدرون ام تشتوون [4] اھ ومعنی النضج هو الادراك کما فی القاموس ویؤدی مؤداه الاستواء بالمهملة فلذا ذهب الیه وهله رحمه الله تعالٰی ولم یعد نظره الی قوله واقتدارا منه غفرله۔ (م)

میں کہتا ہوں کہ علامہ شامی نے "استواء" کو "س" مہملہ سے سمجھا للذا یوں بیان کردیا اور صحیح یہ ہے کہ یہ ش معجمہ کے ساتھ "اشتواء" ہے اور قاموس میں مکمل یوں ہے "اشتواءً" واقتدارً ہے، الاشتواء، الشی اور اسی سے الشواء ہے بغیر پانی بھُنی ہوئے چیز کو کہتے ہیں۔ الاقتدار، قِدر کسرہ کی ساتھ ہے جس کا معنی ہانڈی میں پکانا ہے، قاموس میں بیان ہے القدّار ہانڈی میں پکانے والا، جیسے کہ المقتدر کا یہی معنی ہے۔ تاج العروس میں ہے اِقتدر اور قَدّر، طَبَخ اور اطّبخ کی طرح ہے۔ اسی لفظ سے عرب کہتے ہیں اتقتدرون ام تشتوون یعنی ہانڈی میں پکاؤ گے یا خشک بھُونو گے اھ اور النضج کا معنی "تیار ہونا" ہے جیسا کہ قاموس میں ہے الاستواء (س مہملہ) بھی یہی معنی دیتا ہے اس لئے علامہ شامی رحمہ اللہ کا خیال "الاستوا" کی طرف گیا اور انہوں نے بعد والے لفظ اقتدارًا کی طرف توجہ نہ فرمائی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتح المعین اکل الطعام المتغیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۳/۱

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱۴۵/۱

[3] القاموس المحیط باب الربوا فصل القاف مصطفے البابی مصر ۱۱۸/۱

[4] تاج العروس بیروت ۴۸۳/۳

قول الوقایة والنقایة والوافی والکنز والملتقی والغرر والتنویر ونور الایضاح وکثیرین لایحصون اذاقتصروا علی ذکر الطبخ ولم یقیدوا بکونه مع غیرہ لانه قد انفهم من نفس اللفظ فمن التجرید لاجل التوضیح قول الاصلاح اوتغیر بالطبخ معه والهدایة فان تغیر بالطبخ بعد ماخلط به غیرہ (ا) وبه یضعف مافی العنایة والبنایة انما قید به ای بالخلط لان الماء اذاطبخ وحدہ وتغیر جاز الوضوء به [1] اھ ومافی الحموی علی قول مسکین ای تغیر بسبب الطبخ بخلط طاهرالخ انه اشاربهذہ الزیادة الی اصلاح کلام المصنف لان مجرد الطبخ دون الخلط لایکون مانعا [2] اھ وقدتعقبه السید الازهری بمامرفاصاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	اھ یعنی یہ بات معلوم ہے کہ پانی بھُن کر تیار نہیں ہوتا، **میں کہتا ہوں** اسی بنیاد پر وقایہ، نقایہ، وافی، کنز، ملتقٰی، غرر ، تنویر ، نورالایضاح اور بے شمار لوگوں نے صرف طبخ کو ذکر کرکے یہی معنی مراد لیا ہے جبکہ اس کے ساتھ کسی دوسری چیز کے پکنے کا ذکر نہ کیا، کیونکہ خود لفظ سے یہ معنی سمجھ آتا ہے،اور اصلاح کے قول تغیر بالطبخ معه (دوسری چیز کے ساتھ پک کر متغیر ہوجائے) اور ہدایہ کے قول، غیر کے ساتھ مل کر پکے اور متغیر ہوجائے (جہاں طبخ ذکر کرنے کے باوجود اس کے ساتھ خلط کا ذکر کیا گیا) کو وضاحت کیلئے تجرید قرار دیں گے (یعنی طبخ کو خلط کے معنی سے خالی کرنے کے بعد خلط کو ذکر کیا ہے) اور اسی معنی کی بنا پر عنایہ اور بنایہ کے اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے جس میں انہوں نے طبخ کو خلط کے ساتھ ذکر کرنے کو قید قرار دیا اور کہا کہ طبخ کو خلط کے ساتھ مقید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر پانی اکیلا پکایا جائے اور متغیر ہوجائے تو اس سے وضو جائز ہے اھ (یہ تضعیف اس لئے کہ خلط، طبخ کے معنی کا جز ہے اس کو قید بنانا درست نہیں) اور اسی بنا پر مسکین کے قول "کسی پاک چیز کے ساتھ پکنے سے پانی میں تغیر الخ" پر حموی کے اس قول کو ضعیف قرار دیا گیا ہے جس میں انہوں نے کہا کہ مسکین نے طبخ کے ساتھ غیر کے خلط کا ذکر کرکے مصنف کے کلام کو درست کیا ہے کیونکہ خلط کے بغیر طبخ، وضو سے مانع نہیں ہے، حموی کے اس قول پر سید ازہری نے یہی اعتراض کیا اور درست کیا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (ت)

(۲) جو چیز آگ پر رکھی جائے بالطبع نرم ہو کہ آگ کا اثر جلد قبول کرسکے جس سے اس کے اجزا متخلخل ہوجائیں پہلے جو صلابت تھی باقی نہ رہے خامی جاکر استعمال مطلوب کے لئے مہیا ہوسکے لوہے یا پتھر کنکر کو تنہا یا پانی میں

[1] العنایة مع فتح القدیر الماء الذی یجوزبه الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

[2] فتح المعین اکل الطعام المتغیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳

ڈال کر آگ پر رکھنے کو پکانا نہ کہیں گے **وھذا حاصل بنفس مدلول الانضاج کمالایخفی** (اور یہی حاصل ہے مکمل طور پر پکنے کا، جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

(۳) صرف اُس شے کا یہ قابلایت رکھنا کافی نہیں یہاں کہ آگ پر رکھی جائے کہ یہ امور بالفعل حاصل ہو جائیں اگر پہلے ہی جُدا کرلی گئی پکانا نہ کہیں گے بلاکلہ کچا رکھنا۔

(۴) بعد حصول اتنی دیر نہ ہو کہ زائل ہو جائیں اگر اثر نار اور بڑھا کہ استعمال مطلوب کی صلاحیت سے نقل گئے تو پکانا نہ کہیں گے بلاکلہ جلانا **وھذا التوسط ھوالانضاج** (یہ واسطہ وہ تیار ہونا ہے۔ت)

(۵) پکانے کو ضرور ہے کہ وہ شے مقصود ہو اگر پانی میں جوش دینے سے مقصود صرف پانی ہے مثلاً اس کی اصلاح ورفع غائلہ وغیرہ کے لئے دوسری شے کا صرف اثر لے کر پھینک دینا تو اسے اس چیز کا پکانا نہ کہیں گے زخم دھونے کیلئے پانی میں نیم ڈال کر جوش دینے کو نہ کہا جائے گا کہ نیم کی پتّی باریک رہے ہیں۔

تنبیہ پانی میں پکانے سے کبھی پانی بھی مقصود ہوتا ہے جیسے شوربادار گوشت مگر یہ طبخ کیلئے لازم نہیں جیسے پانی میں شنجرف پکاتے نشاستہ کیلئے گیہوں آش کیلئے جواور وہ پانی پھینکے اور یہ چھ چھ بدلے جاتے ہیں **امافی المغرب قال الکرخی الطبیخ مالہ مرق وفیہ لحم اوشحم فاماالقلیۃ الیابسۃ ونحوھا فلا**[1] اھ (مغرب میں ہے کہ کرخی نے فرمایا طبیخ وہ ہے جس میں شوربا اور اس کے ساتھ گوشت اور چربی ہو لیکن خالص مشک بھُونی ہوئی چیز وغیرہ کو طبیخ نہیں کیا جائے گا۔ت)

فاقول: فی خصوص اللفظ لاعموم الطبخ (۱) کالشریب لماء لیس فی عذوبۃ وقد یشرب علی مافیہ والشروب ادون منہ ولایشرب الاضرورۃ کمافی التاج عن التھذیب عن ابی زید قال ومثلہ حکاہ صاحب کتاب المعالم وابن سیدہ فی المخصص والمحکم[2] اھ فھو فی خصوص اللفظین لافی الشرب والشراب وسائر مشتقاتہ۔

پس میں کہتا ہوں خاص طبیخ لفظ کے بارے میں یہ قول ہے ورنہ عام طبخ میں یہ خصوصیت نہیں، جیسا کہ شریب خاص ایسے مشروب کو کہا جاتا ہے جس میں میٹھا نہ ہو حالانکہ میٹھا بھی مشروب ہوتا ہے اور لفظ شروب اس سے بھی کم درجہ ہوتا ہے جس کو صرف ضرورت کے وقت پیا جاتا ہے اس کو تاج العروس میں تہذیب کے حوالہ سے ابوزید سے نقل کیا اور اس نے کہا کہ اس کو کتاب المعالم اور ابن سیدہ نے مخصص اور محکم میں بیان کیا ہے اھ لہٰذا یہ خاص معانی لفظِ "شریب" اور "شروب" کے بارے میں ہیں اس مادہ سے دوسرے مشتقات شرب، شراب وغیرہ کیلئے یہ خصوصیات نہیں ہیں۔(ت)

بحث دوم: طبخ میں منع کس وجہ سے ہے ۲۱۷(۲) میں طبخ کی بحث گزری اور یہ کہ اس میں عبارات مختلف آئیں

---

[1] المغرب

[2] تاج العروس باب الباء فصل الشین احیاء دار التراث العربی بیروت ۱/۳۱۲

اور یہ کہ طبخ موجب کمال امتزاج ہے ذی جرم شے معتدبہ کا پانی سے کامل امتزاج ضرور اس کی رقت میں فرق لائے گا، اور یہ کہ یہی مآل جملہ عبارات مذکورہ ہے اور یہ کہ امام[۱] ناطفی وعامہ کتب جامع[۲] کبیر ومنیہ[۳] وینابیع[۴] وتبیین[۵] وفتح القدیر[۶] وتجنیس[۷] امام صاحب ہدایہ وتجنیس[۸] ملتقط وحلیہ[۹] وظہیریہ[۱۰] وغنیہ[۱۱] ومراقی[۱۲] الفلاح نے پکانے سے اسی زوال رقت آب پر مدار حکم رکھا اسی کو غنیہ نے جامع[۱۳] صغیر امام قاضی خان سے نقل کیا اسی پر متون سے وقایہ[۱۴] وملتقی[۱۵] وغرر[۱۶] وتنویر[۱۷] ونور[۱۸] نے جزم فرمایا کہ **لابماء زال طبعه بالطبخ**[1] (جس پانی کی طبیعت پکانے سے زائل ہوجائے اس سے وضو جائز نہیں۔ت) امام[۱۹] صدر الشریعۃ نے شرح میں فرمایا: **المراد به ان یخرجه عن الرقة**[2] (اس سے مراد وہ پانی ہے جس کو رقت سے خارج کردے۔ت)

اقول: یہی مختصر[۲۰] امام ابو الحسن وہدایہ[۲۱] امام برہان الدین سے مستفاد **لانهما احلا الامر علی اخراج الماء عن طبعه وذکرا فی الامثلة المرق**[3] (وہ دونوں معاملہ کامدار اس پر رکھتے ہیں کہ پانی کو اس کی طبع سے نکال دے، اس کی مثال میں شوربا ذکر کیا۔ت) نیز ان دونوں نے زوال طبع کی مثال میں آب باقلا گنا ہدایہ[۲۲] نے اُسے مطبوخ پر حمل کیا اسی طرف کافی[۲۳] نے اشارہ فرمایا بنایہ[۲۴] وکفایہ[۲۵] وعنایہ[۲۶] وغایۃ[۲۷] البیان وفتح نے اسے مقرر رکھا نمبر ۸۹ میں جوہرہ[۲۸] نیرہ کی عبارت گزری **المراد المطبوخ بحیث اذا برد ثخن**[4] (ایسا مطبوخ مراد ہی جو ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہوجائے۔ت) یہی مضمون کفایہ وبنایہ وغایہ نیز معراج[۲۹] الدرایہ پھر شلبیہ[۳۰] علی الزیلعی سے آتا ہے نیز ان دو سے نمبر ۲۱۷ میں گزرا اور یہ کہ انہوں نے یہی مفاد خانیہ ٹھہرایا اور یہی مطلب خانیہ[۳۱] حلیہ نے بتایا کفایہ بھی اس میں شریک درایہ ہے **کما سیأتی** (جیسا کہ آئے گا۔ت) بالجملہ عبارات اس پر متظافر ومتواتر ہیں اور اس درجہ تواتر کے بعد ہدایہ ونقایہ[۳۲] ووافی[۳۳] وکنز[۳۴] واصلاح کی تعبیر تغیر طبع مراد لینا بہت واضح وآسان ہے۔

اقول: بلکہ وہ نفس لفظ کا مفاد ہے کہ انہوں نے پانی کا تغیر لیا اور پانی ذات ہے نہ کہ وصف وصف عارض کا تغیر ذات کا تغیر نہیں عوارض بدلتے رہتے ہیں اور ذات بدستور رہتی ہے ذات نہ رہے تو عوارض بدلیں کس پر، بخلاف وصف لازم کہ انتفائے لازم انتفائے ملزوم ہے اور اصل کلام میں حقیقت ہے جب تک وہ ممکن ہو مجاز ممکن نہیں جس طرح عنایہ میں فرمایا کہ **الغلبة بالاجزاء غلبة حقیقیة**[5] (اجزاء کے لحاظ سے غلبہ حقیقی ہے۔ت)

---

[1] شرح الوقایۃ فصل فیمالایجوز الوضوء ومالایجوز رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[2] شرح الوقایۃ فصل فیمالایجوز الوضوء ومالایجوز رشیدیہ دہلی ۱/۸۵

[3] الہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء عربیہ کراچی ۱/۱۸

[4] الہدایۃ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[5] عنایۃ مع فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

مجمع الانہر میں بڑھایا: بخلاف الغلبة باللون فانها راجعة الى الوصف [1] اھ وقد قدمنا هذا البحث فی قول الکنز فی ۷۷ (رنگ کے اعتبار سے غلبہ اس کے خلاف ہے کہ وہ وصف کی طرف راجع ہے اس بحث کو ہم نے نمبر ۷۷ میں کنز کے قول میں ذکر کیا ہے۔ت)

اقول: وبه یضعف مافی جامع الرموز تحت قوله اوغیره طبخا فیه اشارة الی ان الغلبة مانعة فیما طبخ من هذا الجنس سواء کانت بالاجزاء اوباللون [2] اھ ویأتی دفع اٰخر۔	**میں کہتا ہوں** اور اسی سے جامع الرموز کی اس عبارت کی کمزوری سمجھی گئی ماتن کے قول "اوغیرہ طبخا" کے تحت ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس جنس میں پکانے سے غلبہ حاصل ہوگا یہ غلبہ اجزاء کے لحاظ سے ہو خواہ رنگ کے اعتبار سے ہو اھ آگے ایک اور اعتراض ہوگا۔ (ت)

لاجرم امام قوام الدین کاکی پھر علامہ احمد ابن الشلبی نے فرمایا:

عنی بالتغیر بالطبخ الثخانة والغلظ [3] اھ وقد تقدم تمامه فی۔	پکانے کی بناء پر تغیر سے انہوں نے گاڑھا اور غلیظ مراد لیا ہے اھ اس کی پوری بحث ۲۱۷ میں گزر چکی ہے۔ (ت)

کفایہ میں ہے:

عنی بالتغیر الثخونة حتی اذاطبخ ولم یثخن بعد بل رقة الماء باقیة جاز الوضوء به ذکره الناطفی کذا فی فتاوٰی قاضی خان [4]۔	پکانے کے سبب تغیر سے انہوں نے گاڑھا ہونا مراد لیا ہے حتی کہ اگر پکایا اور گاڑھا نہ ہوا اور اس میں رقت باقی تھی تو اس سے وضو جائز ہوگا اس کو ناطفی نے ذکر کیا ہے فتاوٰی قاضیخان میں ایسے ہی ہے (ت)

بنایہ میں ہے:

م تغیر بالطبخ ش بان صار ثخینا حتی صار کالمرق حتی اذا طبخ ولم یثخن	متن میں تغیر بالطبخ پر شارح نے کہا کہ وہ گاڑھا ہو جائے حتی کہ شوربے جیسا ہو جائے لیکن اگر پکایا اور گاڑھا

---

[1] مجمع الانہر فصل یجوز الطہارۃ بالماء المطلق دار الطباعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۲۸

[2] جامع الرموز باب الطہارت مکتبہ اسلامیہ گنبد ایران ۱/ ۴۷

[3] شلبیۃ علی التبیین باب الطہارت المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹

[4] الکفایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضوء مطبعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۲

ورقة الماء فیه باقیة یجوز الوضوء به [1]۔	نہ ہوا اور اس میں رقت باقی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح امام اکمل نے عنایہ میں نقل کرکے مقرر رکھا۔

ولو بلفظة قیل اذقال قوله تغیر بالطبخ قیل المراد بالتغیر الثخونة فانه یصیر مرقا [2]۔	اگرچہ قیل کے لفظ کے ساتھ ہے جبکہ انہوں نے ماتن کے قول تغیر بالطبخ پر کہا، بعض نے کہا کہ اس تغیر سے مراد گاڑھا ہونا ہے کیونکہ وہ شوربا بن جاتا ہے۔ (ت)

اسی طرح غایۃ البیان میں ہے یہ تو عام بحث تھی رہی ان میں ہر کتاب پر خاص نظر۔

(۱) ہدایہ اقول متن میں زوال طبع تھا شرح نے اُسے مقرر رکھ کر آبِ باقلاء وغیرہ سے مطبوخ مراد لیا پھر ان تغیر بالطبخ لایجوز التوضی به [3] (اگر پکانے سے متغیر ہوجائے تو اس سے وضو جائز نہیں۔ت) فرمایا لاجرم وہی تغیر معھود ومقصود ھذا مایقتضی به موافقة الشرح لمشروحه لکن فیه اشکال قوی سنعود الی بیانه اٰخر ھذا البحث بعونه تعالٰی (شرح اور مشروح کی موافقت کا یہی تقاضا ہے لیکن اس میں ایک قوی اشکال ہے اس کو بیان کریں گے بحث کے آخر میں اِن شاء اللہ تعالٰی۔ت)

(۲) نقایہ اقول اس کی اصل وقایہ میں زوال طبع ہے اور خود امام صاحب نقایہ نے شرح میں اعتبار رقت کی تصریح فرمائی اگر کہیے ممکن کہ نقایہ میں رائے کو تغیر ہوا کہ جانب تغیر گئی اقول تالیف شرح تصنیف نقایہ سے متاخر ہے کمالایخفی علی من طالعه (اس پر مخفی نہیں جس نے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ت) اگر کہئے پھر تغیر سے تغییر کیوں فرمائی اقول وہی اشارہ غامضہ کہ ہم نے ۲۱۷ میں بیان کیا کہ طبخ میں زوال رقت کا بالفعل ظہور ضرور نہیں بلالکہ اس قابل ہوجانا کہ ٹھنڈا ہوکر رقیق نہ رہے کماتقدم التنصیص علیه من الائمة الجلة وبه اندفع مافی شرح نقایة البرجندی من الاستشھاد علی التغایر بجعل التغیر قسیم زوال الطبع کماقدمناہ ثمه (جیسا کہ اس پر جلیل القدر ائمہ کرام کی تصریح گزر چکی ہے اور اسی سے علامہ برجندی کی شرح نقایہ میں تغایر کیلئے تغیر کو زوال طبع کے مقابل قرار دینے کو دلیل بنانے کا اعتراض ختم ہوگیا، جس کو ہم نے وہاں ذکر کردیا تھا۔ت)

---

[1] البنایة الماء الذی یجوز به الوضوء الخ ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹

[2] العنایة مع الفتح الماء الذی یجوز به الوضوء الخ مطبعۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲

[3] الہدایۃ الماء الذی یجوز به الوضوء الخ مطبعۃ عربیہ کراچی ۱/۱۸

(۳و۴) کنزو وافی اقول اُن میں بالطبخ کا عطف بکثرۃ الاوراق پر ہے اور وہاں تغیر طبع ہے مراد تو بالطبخ اس کے نیچے داخل وتاویل عـــہ البحر قدعلمت مافیہ اعترف بھذا فی النھرو

عـــہ: تذکر ماتقدم فی من حمل البحر التغیر علی تغیر الاطلاق وقولی انہ لایتمشی فی عبارۃ النقایۃ والاصلاح۔

بحر کے اس قول جس میں انہوں نے "تغیر" سے اطلاق کا تغیر مراد لیا ہے جو نمبر ۲۱۷ میں گزرا، اور میرے اس قول کو جس میں کہا تھا کہ یہ بات نقایہ اور اصلاح کی عبارت میں درست نہیں ہوگی، کو یاد کرو۔

فان قلت ھلا قلت وفی نفس الکنز فان المفاھیم معتبرۃ فالکتب فاذا حمل التغیر علی تغیر الاطلاق کان المعنی لایجوز الوضوء بماتغیر عن اطلاقہ بالطبخ امالوتغیر عنہ بغیر الطبخ جاز وھو باطل۔

اگر تو اعتراض کرے کہ تم نے اس بارے کنز کا ذکر کیوں نہیں کیا، حالانکہ کتب فقہ میں مفہومات کا اعتبار ہوتا ہے پس جب طبخ والے تغیر سے مراد، اطلاق کا تغیر ہے تو پھر معنی یوں ہوگا کہ پکانے کی وجہ سے جو تغیر پانی کے اطلاق میں پیدا ہوا ہے اس سے وضو جائز نہ ہوگا، اور اگر یہ اطلاق کا تغیر بغیر پکائے حاصل ہو تو اس سے وضو جائز ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے۔

اقول: (۱) عبارۃ الکنز وان احتملت المفھوم احتملت ان یکون الطبخ مطلقًاعلۃ موجبۃ لتغیر الاطلاق وحصول التقیید وان لم یتغیرالشیء ادعی البحر والمعلول لایتخلف عن علتہ فلایکون لھا مفھوم من ھذہ الجھۃ کأن تقول لایتوضؤ بماء غُلب بکثرۃ اجزاء الممازج فلایحتمل انہ وجدت کثرۃ ولم یغلب بھا جاز بہ الوضوء لاستحالۃ انفکاك الغلبۃ عنھا۔

میں کہتا ہوں کہ کنز کی عبارت میں اگر مفہوم کا احتمال ہے تو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ طبخ علی الاطلاق تغیر اطلاق کی علتِ مؤثرہ قرار پائے اور مطلق پانی کو مقید کرنے کی علّت بن جائے، اگرچہ طبخ کے ساتھ کوئی تغیر پیدا نہ ہو، جیسا کہ بحر نے دعوٰی کیا ہے تو اب کوئی مفہوم پیدا نہ ہوگا کیونکہ کوئی معلول اپنی علت سے جُدا نہیں ہوسکتا ہے، یہ یوں ہوا جیسے تم کہو کہ پانی میں ملنے والی چیز کے اجزاء کی کثرت ہونے پر وضو جائز نہیں، تو یہاں مفہوم مخالف پیدا نہیں ہوتا، کہ یوں کہا جاسکے کہ کثرت بغیر غلبہ اگر پائی جائے تو وضو جائز ہوگا، کیونکہ کثرت اجزاء غلبہ کیلئے علت موثرہ ہے جس کا جدا ہونا محال ہے۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

استشکله علی تقدیر الاخذ بما فی الخانیة من البناء علی وجود ریح الباقلاء فقال کما نقل عنه ابو السعود علی هذا یشکل عطف الطبخ علی ماتغیرہ بکثرۃ الاوراق لما علمت ان التغیر بکثرۃ الاوراق بالثخن وهذا بنفس الطبخ سواء ثخن اولا[1] اھ (بحر کی تاویل کی کمزوری تمہیں معلوم ہوچکی ہے اور نہر میں اس کا اعتراف ہوچکا ہے اور انہوں نے خانیہ کے اُس بیان کو جس میں انہوں نے طبخ کے تغیر پر باقلا کی بُو کو دلیل بنایا ہے پر اشکال وارد کیا ہے اور یوں کہا کہ ماتغیرہ بکثرۃ الاوراق پر طبخ کے عطف کرنے سے اعتراض پیدا ہوگا، کیونکہ کثرتِ اوراق (پتّوں کی کثرت) سے گاڑھا ہونے کی وجہ سے تغیر ہوتا ہے اور یہ محض پکانے سے تغیر ہوگا، گاڑھا ہو یا نہ ہو ابو سعود نے ان سے یوں ہی نقل کیا ہے اھ۔ت)

اقول: والاشکال مدفوع (۱) **اولا** بما علمت من تواتر النصوص علی اعتبار الثخن	**میں کہتا ہوں** یہ اشکال مدفوع ہے اولاً اس لئے کہ طبخ میں بھی گاڑھے پن کا اعتبار ہے جس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فان قلت الیس ان البحر حمل التغیر المذکور فی المتن علی زوال الاسم بالثخونة کما تقدم فی ولاشك ان قوله بالطبخ داخل تحت هذا التغیر فیکون المعنی اوثخن بالطبخ فلم لم تحتجّ علی البحر یقول نفسه۔

اقول: لو ان یقول معنی التغیر هو التقیید غیر انه فی الاوراق بالثخن ففسرته به هناك وفی الطبخ بنفسه اما کلام الفقیر ههنا فمبنی علی التحقیق والیه اشرت بقولی وتأویل البحر قد علمت مافیه فافهم منه غفرله۔ (م)

اگر تو اعتراض کرے کہ کیا بحر نے متن کی تفسیر میں تغیر سے مراد پانی کے نام کی تبدیلی گاڑھے پن کی وجہ سے نہیں لی؟ جیسا کہ نمبر ۷۷ میں گزرا، اور اس میں شک نہیں کہ اس کا قول "بالطبخ" بھی اس کے تحت ہے تو اب معنی یہ ہوا اوثخن بالطبخ یا پکانے سے گاڑھا ہوجائے تو آپ بحر کا رد خود اس کے اپنے قول سے کیوں نہیں کرتے؟

تو میں **جواب دیتا ہوں** کہ بحر یہ کہہ سکتے ہیں کہ تغیر سے میری مراد تقیید یعنی پانی کو مقید کرنا ہے مگر اوراق (پتّوں) میں یہ تقیید گاڑھے پن سے ہوتی ہے اس لئے میں نے وہاں تغیر کی تفسیر گاڑھے پن سے کی ہے، لیکن مجھ فقیر کا یہ کلام محض تحقیق پر مبنی ہے جس کی طرف میں نے (تاویل البحر قد علمت مافیه) بحر کی تاویل میں اعتراض تمہیں معلوم ہے، کہہ کر اشارہ کیا تھا، فافہم ۱۲منہ غفرلہ۔

[1] فتح اللہ المعین کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

فی الطبخ ایضا (۱) **وثانیا** بما سمعت ان الثخن لازم الطبخ عادۃ (۲) **وثالثا** اعلمناك فی مآل کلام الخانیۃ ھذا واجاب الحموی ثم ابو السعود عن اشکال النھر انہ یشکل ان لوکان مختار المصنّف ان التغیر بکثرۃ الاوراق بالثخن ولیس کذلك لمامر من ان ظاھر قولہ وان غیر طاھر احد اوصافہ انہ لوغیر اوصافہ الجمیع لایجوز وان لم یصر ثخینا[1] اھ۔

اقول: اولا (۱) لیس الاولی بنا ان نحمل کلام الائمۃ علی الضعیف المھجور مع صحۃ المعنی الصحیح الموافق للجمھور وحدیث احد الاوصاف یأتی مافیہ بعون اللہ تعالٰی۔

وثانیا: (۲) الامام النسفی حافظ الدین صاحب الکنز ھو القائل فی مستصفاہ ان اعتبار احد الاوصاف خلاف الروایۃ الصحیحۃ[2] کما تقدم فی ۱۰۱۔(۴) اصلاح اقول کان الاولی بہ الحمل علی مایوافق النصوص المتواترۃ

نصوص کا تواتر تمہیں معلوم ہے اور ثانیًا اس لئے کہ تم سن چکے ہو کہ گاڑھا پن، طبخ کو عادتًا لازم ہے اور ثالثًا اس لیے کہ ہم نے خانیہ کے اس کلام کا ماحاصل ۲۱۷ میں آپ کو بتایا تھا اور حموی اور پھر ابوسعود نے نہر کے اشکال کا یہ جواب دیا کہ اشکال تب ہوتا جب مصنّف کثرتِ اوراق میں تغیر کی وجہ سے گاڑھا ہونے کو قرار دیتے حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ گزرا کہ ان کے قول (وان غیر طاھر احد اوصافہ) کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی پاک چیز پانی کے تمام اوصاف کو متغیر کردے تو وضو جائز نہیں اگرچہ وہ گاڑھا نہ ہو اھ (ت)

میں کہتا ہوں اوّلًا، ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ائمہ کرام کے کلام کو کسی ضعیف اور متروک پر محمول کریں جبکہ اس کا صحیح اور جمہور کے موافق معنی درست ہوسکتا ہو، جس حدیث میں پانی کے کسی ایک وصف کی تبدیلی کا ذکر ہے اس کے بارے میں اللہ کی مدد سے آئندہ بحث آئے گی۔

اور **ثانیا** کنز کے مصنف امام حافظ الدین نسفی نے اپنی مستصفٰی میں کہا ہے کہ کسی ایک وصف کی تبدیلی والی روایت صحیح روایت کے خلاف ہے جیسا کہ ۱۰۱ میں گزرا۔

اصلاح، **میں کہتا ہوں** کہ اس کو نصوص متواترہ کے موافق معنی پر محمول کرنا بہتر ہے، لیکن علامہ

[1] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳
[2] مستصفی

لکن العلامة الو زیر رحمه الله تعالٰی قال فی منهواته من ههنا علم ان المعتبر فی صورة الطبخ تغیر الماء به لاخروجه عن طبعه کمایفهم من قول تاج الشریعة اوبطبخ کیف والمرق لایجوز به الوضوء مع انه انما وجد فیه تغیر الماء بالطبخ لاخروجه عن حدالرقة والسیلان[1] اھ

وزیر رحمہ اللہ نے اپنی منہیات میں فرمایا کہ "یہاں سے معلوم ہوا کہ پکانے کی صورت میں پانی کا تغیر معتبر ہے پانی کا اپنی طبع سے نکلنا مراد نہیں جیسا کہ تاج الشریعۃ کے اس قول سے مفہوم ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ یا پکانے سے متغیر ہو، تو اس سے وضو کیسے جائز ہو، حالانکہ شوربے سے وضو جائز نہیں باوجودیکہ اس میں پکانے کی وجہ سے تغیر پایا جاتا ہے وہ تغیر ایسا نہیں کہ جس کی وجہ سے پانی رقت وسیلان کی حد سے نکل جائے اھ (ت)

اقول: (۱) **اولا** مایفهم من تاج الشریعة (۲) بل الذی هو نصه هو الموافق لمتواترات النصوص **وثانیا** (۳) مااستند الیه من المرق قد جعله القدوری والهدایة والوقایة والملتقی والغرر والتنویر وغیرها مماغلب علیه غیره فاخرجه عن طبع الماء[2] وتقدم اٰنفا قول البنایة وقیل العنایة بالثخونة یصیر مرقا[3] **وثالثا** (۴) قد علمت ان الثخن لازم الطبخ عادة (۵) **و رابعا** قدعرفت معنی الرقة ولاشك ان المرق اذاسال لاینبسط کلافقد تجسد۔

میں کہتا ہوں اوّلاً تاج الشریعۃ کے کلام سے یہ نہیں سمجھا جاتا بلاکہ انہوں نے جو نص کے طور پر بیان کیا وہ تو نصوص متواترہ کے موافق ہے اور ثانیًا یہ کہ شوربے کے بارے میں انہوں نے تاج الشریعۃ کی طرف جو منسوب کیا اس کو قدوری، ہدایہ، وقایہ، ملتقٰی، غرر اور تنویر وغیرہا نے اس صورت میں سے بنایا جس میں غیر کے غلبہ کی بنا پر پانی اپنی طبع سے نکل جاتا ہے، اور ابھی بنایہ کا قول اور عنایہ کا قیل گزرا کہ گاڑھے پن کی وجہ سے شوربا بنتا ہے، ثالثًا یہ کہ آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ عادی طور پر گاڑھا پن، طبخ کو لازم ہے، اور رابعًا آپ کو رقت کا معنی معلوم ہوچکا ہے اور اس میں شک نہیں کہ شوربا جب بہتا ہے تو وہ پوری طرح پھیلتا نہیں۔ (ت)

---

[1] اصلاح للعلامہ وزیر ابن کمال پاشا

[2] الہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ عربیہ کراچی ۱/۱۸

[3] العنایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۲

(۱) اکمال فی بیان الاشکال وحلہ بفضل الملك المفضال* کان فی متن الھدایۃ لاتجوز بماء غلب علیہ غیرہ فاخرجہ عن طبع الماء کماء الباقلاء والمرق وماء الزردج[1] فقال فی الھدایۃ المراد بماء الباقلاء وغیرہ ماتغیر بالطبخ فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی بہ ثم قال مستثنیا عما تغیر بالطبخ الا اذا طبخ فیہ مایقصد بہ المبالغۃ فی النظافۃ کالاشنان الا ان یغلب علی الماء فیصیر کالسویق المخلوط لزوال اسم الماء عنہ[2] اھ

اقول: وفیہ عندی اشکال قوی وذلك لان المراد بالتغیر بالطبخ اماتغیر الطبع اوتغیر الاوصاف لاسبیل الی الثانی۔

اوّلًا لان کلام المتن فی زوال الطبع وھو مانع مطلقًا بالاجماع ففیم التقیید بالمطبوخ وھذا ماقدمتہ فی۔

وثانیًا: کیف یراد بخروجہ عن طبعہ

اشکال اور اس کے حل کا بیان اللہ تعالٰی کے فضل سے، ہدایہ کے متن میں ہے کہ ایسے پانی سے وضو جائز نہیں جس پر غیر کا غلبہ ہوا ہو اور پانی کو اپنی طبع سے خارج کر دیا ہو، جیسا کہ شوربا، زردج اور باقلاء کا پانی، اس پر ہدایہ میں کہا کہ ماء الباقلا وغیرہ سے مراد، پکانے سے متغیر ہونے والا پانی ہے اور اگر پکائے بغیر پانی متغیر ہو جائے تو اس سے وضو جائز ہے، پھر انہوں نے پکانے کی وجہ سے متغیر ہونے والے پانی میں سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا، مگر وہ پانی جس میں ایسی چیز پکائی گئی ہو جس سے صفائی میں مبالغہ مقصود ہو جیسے اشنان، اِلّا یہ کہ اس پر اشنان غالب ہو کر مخلوط ستّو کی طرح بنادے (یعنی گاڑھا کردے) تو وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کا نام پانی نہیں رہتا اھ (ت)

میں کہتا ہوں، میرے نزدیک ہدایہ کی عبارت میں قوی اشکال ہے، اس لئے کہ تغیر بالطبخ سے کیا مراد ہے تغیر الطبع ہے یا تغیر الاوصاف، دوسرا یعنی تغیر الاوصاف مراد نہیں ہو سکتا۔

اوّلًا اس لئے کہ مصنّف، پانی کی طبع کے زوال کے بارے میں کلام فرمارہے ہیں اور زوالِ طبع ہر طرح وضو سے مانع ہے اس پر اجماع ہے لہٰذا اس صورت میں پانی کے پکانے کی قید بے معنی ہے اور یہ بات میں پہلے ۸۹ میں کہہ چکا ہوں۔

ثانیًا اس لئے کہ "خروج عن طبع" سے "تغیر

[1] الہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

[2] الہدایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ عربیہ کراچی ۱/ ۱۸

تغیر وصفه بالطبخ۔

وثالثًا: فرق بین بین طبخ المتغیر والتغیر بالطبخ والمتحقق فی ماء الباقلاء والحمص والزردج وامثالها هو الاول لان مجرد خلط بعضها بالماء ومکث بعضها فیه مغیرلوصفه والخلط والمکث متقدمان علی حصول الطبخ وهوالانضاج کماهومعلوم مشهود فلم یحصل التغیر بالطبخ بل ورد الطبخ علی المتغیر وشتان ماهماوکذاالاسبیل الی الاول اولًا یکون المعنی فان زال طبعه بدون الطبخ یجوز التوضی به وهو بدیهی البطلان وثانیًا یبطل استثناء المنظف من المطبوخ فان زوال الطبع لاثنیا فیه وثالثًا یتناقض الحکم والثنیافان قوله الا اذاطبخ فیه مایقصدبه دل علی جواز التوضی بمازال طبعه بطبخه مع المنظف وهذا هو الذی ابطله بالثنیاالاخیرۃ الا ان یغلب الخ فعلی کل من الوجهین ثلثة وجوه من الاشکال ولم ارمن تعرض لشیئ من هذا اوحام حوله فضلاعمن رام حله وقد (ا) تبعه علی الوجه الاول فی الدرایة والشلبیة والکفایة والبنایة والدر فقال الاولان عنی بالتغیر الثخانة (الی قولهما[1]) هذا اذا لم

فی الاوصاف بالطبخ" کیسے مراد لیا جاسکتا ہے؟

اور **ثالثًا**، اس لئے کہ "متغیر کو پکانے" اور "پکانے سے تغیر" میں بڑا فرق ہے، اور یہاں باقلی، چنوں، زردج وغیرہا کے پانی میں پہلی یعنی "متغیر کا پکانا" صورت پائی جاتی ہے کیونکہ ان میں سے بعض کے ملنے اور بعض کے پانی میں کچھ دیر پڑے رہنے سے ہی پانی متغیر ہوجاتا ہے اور اس کو پکانے کا مرحلہ بعد میں ہوتا ہے جس کو تیاری کا مرحلہ کہتے ہیں یہ بات مشاہدہ سے معلوم ہے پس یہاں طبخ سے تغیر نہ ہوا بلکہ متغیر شدہ چیز پر طبخ واقع ہوا ہے، اور ان دونوں میں فرق واضح ہے اسی طرح پہلی شق (یعنی تغیر الطبع، مراد نہیں ہوسکتی) اوّلًا اس لئے کہ اس صورت میں معنی یوں ہوگا کہ اگر پکائے بغیر پانی کی طبع زائل ہوجائے تو وضو جائز ہے، حالانکہ یہ بدیہی طور پر غلط ہے (کیونکہ زوال طبع کے بعد کسی صورت میں وضو جائز نہیں ہے) اور ثانیًا، اس لئے کہ صفائی کی خاطر پکائی ہوئی چیز کا استثناء، اس صورت میں درست نہ ہوگا کیونکہ زوال طبع بلااستثناء جس چیز سے بھی ہو تو وضو جائز نہیں ہے، اور ثالثًا اس لئے کہ اس صورت میں حکم اور استثناء دونوں ایک دوسرے کے مخالف ہونگے کیونکہ ہدایہ میں پہلے متغیر بالطبخ کے ساتھ وضو کو ناجائز قرار دے کر اس سے نظافت کے مقصد کیلئے پانی میں پکائی ہوئی چیز کو مستثنٰی کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نظافت کی خاطر پانی میں پکائی ہوئی چیز جس سے پانی کی طبع

[1] شلبیه علی التبیین کتاب الطهارۃ الاسلامیه بولاق مصر ۱۹/۱

یکن المقصود بالطبخ المبالغة فی التنظیف فان کان کالاشنان والصابون یجوز الا ان یصیر کالسویق المخلوط لزوال اسم الماء عنه[1] اھ ونحوہ فی التالیین ،وقال الدر لایجوز بماء زال طبعه وھو السیلان بطبخ الا بما قصد به التنظیف فیجوز ان بقی رقته[2] اھ

والعجب (۱) انّ لم یتنبه له الشراح السادۃ (۲)حتی ط الأخذ علی المراقی بمایأت (۳) وقد اغتربه الفاضل عبدالحلیم اذقال لااختلاف فی عدم جواز التوضی بماء زال طبعه بالطبخ بخلاف مازال طبعه بالخلط من غیر طبخ[3] اھ

ویا سبحٰن اللہ من ذا الذی اجاز الوضوء بماء زال طبعه ھذالایساعدہ عقل ولانقل وقدمر فی رابع ابحاث زوال الطبع انه لایجوز بالاجماع بلا خلاف[4] اھ

ختم ہوچکی ہو، سے وضو جائز ہو حالانکہ یہی وہ صورت ہے جس کو دوبارہ استثناء سے باطل کیا ہے اور یوں کہا الا ان یغلب الخ (یعنی نظافت کی خاطر پانی میں پکائی ہوئی چیز سے وضو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ نظافت والی چیز پانی پر غالب نہ ہو یعنی اس چیز نے پانی کی طبع کو زائل نہ کیا ہو) پس ہدایہ کی عبارت میں دونوں احتمال تین تین وجوہ سے اشکال کے حامل ہیں، میری نظر میں ان اشکال میں سے کسی ایک کو بیان کرنے یا ان کے قریب پھٹکنے والا کوئی نہیں چہ جائیکہ وہ ان کا حل پیش کرے، ہدایہ کی عبارت، تغیر بالطبخ کے دو احتمالوں میں سے پہلے احتمال کو درایہ، شلبیہ، کفایہ، بنایہ، اور دُر میں ذکر کیا گیا ہے، پہلی دونوں کتب یعنی درایہ اور شلبیہ نے کہا کہ ہدایہ نے تغیر سے گاڑھا پن مراد لیا ہے اور اس کو آخر تک یوں بیان کیا، یہ اس صورت میں ہے جب پکانے میں نظافت کا مبالغہ مقصود نہ ہو اور اگر یہ مقصد ہو تو پھر وضو جائز ہے جیسے اشنان اور صابون وغیرہ سے، بشرطیکہ اس صورت میں اشنان وصابون کی وجہ سے پانی مخلوط ستّوؤں کی طرح نہ بن جائے کیونکہ ایسا ہوجانے پر اس کو پانی نہیں کہا جاتا اھ، اور اسی طرح کا بیان دوسری دونوں کتب یعنی کفایہ اور بنایہ میں ہے، اور دُر نے یوں کہا ایسے پانی سے وضو ناجائز ہے پکانے سے جس کی طبع زائل ہوچکی ہو اور وہ طبع، پانی کا سیلان ہے، مگر جب پانی میں پکانے سے مقصد صفائی مقصود ہو تو وضو جائز ہوگا بشرطیکہ پانی کی رقت باقی ہو اھ اور تعجب ہے کہ سید شارح حضرات بھی اس اشکال کی طرف متوجہ نہ ہوئے حتی کہ

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸)

[2] در مختار باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[3] حاشیۃ الدرر للمولی عبدالحلیم کتاب الطہارۃ عثمانیہ بیروت ۱/۱۸، و خلاصۃ الفتاوٰی ماء المقید نولکشور لکھنؤ ۱/۹

[4] بدائع الصنائع ماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

وانا اقول(۱) وباللّٰه التوفیق وجهد المقل دموعه یبتنی کشف الغمة بعونه تعالٰی علی تقدیم مقدمات فاعلم۔

اوّلاً: ان قول المتن ماء غلب علیه غیرہ فاخرجه عن طبع الماء لابدفیه من التجوزوذلك لانه جعله خارجا عن طبع الماء ثم سماہ ماء وماء خرج عن طبعه حقیقة لایبقی ماء لماتقدم ان الطبع لازم الذات فتنتفی بانتفائه وقد افادالمحقق علی الاطلاق فی الفتح ان ماسلب رقته لیس ماء اصلاکمایشیرالیه قول المصنف فی المختلط بالاشنان فیصیرکالسویق لزوال اسم الماء عنه [1] اھ فلابدمن التجوزامافی الماء سماہ ماء باعتبارماکان وامافی الخروج سمی قرب الخروج خروجاوالثانی (۲) اکثر واقرب لان الاٰتی قریبا احق بالاعتبار من الفائت الساقط وایضًا موضوع

طحطاوی بھی جنہوں نے مراقی الفلاح پر گرفت کی جو آئندہ آئے گی، اور یہاں فاضل عبدالحلیم کو غلط فہمی ہوئی جہاں انہوں نے کہا کہ پکانے کی وجہ سے جس پانی کی طبع زائل ہوجائے تو اس سے وضو کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے برخلاف جبکہ بغیر پکائے کسی چیز کے خلط سے پانی کی طبع زائل ہوجائے تو وضو جائز ہے اھ۔ یا سبحان اللہ وہ کون ہے جو زوالِ طبع کے بعد بھی پانی سے وضو کو جائز قرار دیتا ہو، یہ ایسی بات ہے جو عقل و نقل کے مخالف ہے، اور زوالِ طبع کی چوتھی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ زوالِ طبع کے بعد وضو جائز نہیں ہے بلااختلاف یہ بات سب کو مسلّم ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی سے ہی توفیق، اور اس اشکال کی پریشانی کو کم کرنے والی کوشش ہے۔ اس اشکال کے حل کی بنیاد چند مقامات پر ہے۔

اوّلاً یہ سمجھو کہ ہدایہ کے متن میں یہ قول "ماء غلب علیه غیرہ فاخرجه عن طبع الماء" جس پانی میں کوئی چیز مل کر اس پر غالب ہو کر اسے طبع سے خارج کردے، اس قول میں مجاز لازمی ہے کیونکہ یہاں پانی کی طبع ختم ہوجانے کے باوجود اس کو پانی کہا گیا ہے حالانکہ پانی کی طبیعت ختم ہوجانے کے بعد وہ پانی نہیں رہتا ہے اس لئے کہ وہ بات پہلے کہی جاچکی ہے کہ طبع پانی کی ذات کو لازم ہے تو لازم کے ختم ہونے پر ذات کا خاتمہ ضروری ہے محقق مطلق نے فتح القدیر میں یہ واضح کیا ہے کہ جب رقّت ختم ہوجائے تو وہ پانی نہیں رہتا، جیسا کہ مصنف نے کہا ستوؤں کی طرح گاڑھا ہونے والے اس پانی کو جس میں اشنان ملا ہو، کے بارے میں کہا کہ اس کا نام پانی نہیں ہوگا اھ، لہٰذا یہاں مجاز ماننا ضروری ہے یہ مجاز لفظ ماء

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

الباب الماء الذی یجوز به الوضوومالاوایضا ھو اکثر فائدة لان الاعلام بماء لایجوز الوضوء به اھم من منع الوضوء بمالیس بماء۔

وثانیًا السبب ھھنا کمال الامتزاج کمانص علیه فی الکافی والکفایة والبنایة وغیرھا وسیأتی ان شاء الله تعالٰی وکمال الامتزاج اثرہ فی الشیئ المخالط بغیر طبخ اخراج الماء عن الرقة بالفعل وفی المخالط طبخا جعله متھیأ للخروج بالقوة القریبة وذلك لان المخالط یرید اثخانة والنار تلطفه وترققه فلایظھر اثرہ کما ھو الا اذا زال المعارض وبرد کما تقدم التنصیص علیه عن الکتب الکثیرة فی۔

وثالثًا: مجرد کمال الامتزاج مع

(پانی) میں ہوگا کہ قبل ازیں وہ پانی تھا(اس لئے مجازًا، زوالِ طبع کے بعد اسے پانی کہا گیا ہے) یا یہ مجاز لفظِ "خروج" میں ماننا ہوگا کہ موجودہ پانی سے عنقریب اس کی طبع خارج ہونے والی ہے (اس لئے طبع سے اس کو خارج قرار دیا، پہلی صورت میں ماکان اور دوسری میں مایکون کے اعتبار سے مجاز ہے) جبکہ مجاز کی دوسری (مایکون والی) قسم کا استعمال زیادہ ہے اور یہ اقرب الی الفہم بھی ہے کیونکہ عنقریب پائے جانی والی چیز اس چیز سے زیادہ معتبر ہے جو پائے جانے کی بعد ختم ہوچکی ہے نیز مجاز کی دوسری قسم کا یہاں اعتبار اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہاں اس پانی کی بحث ہے جس سے وضو جائز یا ناجائز ہے (یعنی پانی کا وجود ہونا ضروری ہے) نیز اس لئے بھی کہ دوسری قسم کے مجاز میں یہاں زیادہ فائدہ ہے یہ اس لئے کہ پانی موجود ہونے پر یہ بتانا کہ اس سے وضو جائز نہیں، زیادہ مفید ہے اس قول کے مقابلہ میں کہ یوں کہا جائے جو پانی نہیں اس سے وضو منع ہے۔ (ت)

ثانیًا اس پانی سے طبع کے زائل وخارج ہونے کا سبب یہ ہے کہ پانی میں کوئی چیز مکمل طور پر مخلوط ہوجائے جیسا کہ اس کو کافی، کفایہ، بنایہ وغیرہا نے واضح طور پر بیان کیا ہے اور عنقریب اس کا ذکر آئے گا اِن شاء اللہ تعالٰی، جبکہ کمالِ امتزاج (مکمل ملاوٹ) اگر بغیر پکائے ہو تو اس کا فوری اثر یہ ہوتا ہے کہ پانی کی رقت ختم ہوجاتی ہے (یعنی بالفعل ختم ہوجاتی ہے) اگر یہ کمال امتزاج پکانے کی وجہ سے ہو تو پھر اس کا اثر یہ ہوتا ہے پانی کی رقت عنقریب ختم ہونی والی ہوتی ہے (یعنی بالفعل ختم نہیں ہوتی) کیونکہ ملاوٹ کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ پانی گاڑھا ہوجائے اور آگ کی حرارت اس کو پتلا رکھتی ہے جس کی وجہ سے کمال امتزاج کا اثر فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا، لیکن جب رکاوٹ دور ہوجاتی ہے اور یہ مخلوط ٹھنڈا ہوجاتا ہے تو وہ گاڑھا ہوجاتا ہے جیسا کہ ۲۱۷ میں متعدد کتب کی تصریحات گزرچکی ہیں۔ (ت)

ثالثًا، محض کمالِ امتزاج جبکہ منظف میں بالفعل گاڑھا پن نہ ہو

عدم الثخن بالفعل غیر مانع فی المنظف لسر یأتیك بیانه بعونه جل شانه وقد قال فی الکافی ومن معها فی الامتزاج بالطبخ انما یمنع الوضوء ان لم یکن مقصود اللغرض المطلوب من الوضوء وھو التنظیف کالاشنان والصابون الا اذاغلب فیصیر کالسویق المخلوط لزوال اسم الماء عنه [1] اھ اذاعلمت ھذا فالشیخ الامام رحمه الله تعالٰی ورحمنا به حمل المتن علی المجاز الثانی لماتقدم من ترجیحاته وایاہ ارادبالتغیر وقد انحلت الاشکالات جمیعا فان حکم المتن علی مایتھیؤ لزوال الطبع مع بقائه بعد علیه بعدم جواز التوضی به لابدمن تقییدہ بالمطبوخ لانه فی غیرہ لایدل علی سبب المنع وھو کمال الامتزاج بل یدل علی عدمه اذلو کمل لثخن بخلاف المطبوخ فانه فیه دلیل علیه کماعلمت غیر انه لایمنع فی المنظف الا اذاحصل الثخن بالفعل فاستقام الاستثناءان و لله الحمد. وبه اندفع ماردبه السید ابو السعود ثم السید ط علی العلامة الشرنبلالی اذقال فی مراقی الفلاح لایجوز بماء زال طبعه بالطبخ بنحو حمص وعدس لانه اذا برد

.... وضو کیلئے مانع نہیں ہے اس کی وجہ (راز) کا ان شاء اللہ وبعونہ عنقریب بیان ہوگا، جبکہ کافی میں کہا کہ پانی میں کسی چیز کو پکانے سے کمالِ امتزاج، وضو سے مانع تب ہوگا جب کہ یہ امتزاج نظافت کیلئے جو کہ وضو کی غرضِ مطلوب ہے، نہ ہو، جیسا کہ اشنان وصابون، جب تک ان کا ایسا غلبہ نہ ہوجائے جو پانی کو ستوؤں کی طرح گاڑھا کردے تو اس صورت میں وضو جائز نہیں کیونکہ اتنا گاڑھا ہونے پر اس کا نام پانی نہیں رہتا اھ جب یہ تین مقدمات آپ کو معلوم ہوگئے تو شیخ (صاحب ہدایہ) نے متن میں مذکور تغیر کو مجاز کی مذکور قسم ثانی قرار دیا اُن ترجیحات کی بنا پر جن کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔اس سے تمام اشکالات ختم ہوگئے کیونکہ متن کا حکم اس پانی کے بارے میں ہے جو ابھی تک پانی ہے اگرچہ کچھ دیر بعد وہ اپنی طبیعت کھو بیٹھے گا،اس پانی کے بارے میں کہا کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے تو اس صورت میں اس پانی کے تغیر (زوالِ رقت وطبع) کو طبخ (پکانے) سے مقید کرنا ضروری ہے کیونکہ پکائے بغیر دوسری کسی صورت میں وضو سے مانع سبب (کمال امتزاج) پر دلیل نہیں پائی جاتی، بلالکہ وہاں عدمِ سبب پر دلیل پائی جاتی ہے، کیونکہ اگر وہ سبب (کمال امتزاج) پایا جاتا تو پانی مکمل طور پر گاڑھا ہوتا، پکانے کی صورت اس کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

ثخن کما اذا طبخ بما یقصد بہ النظافۃ کالسدر وصار ثخینا[1] اھ۔ فقالا ھذا من المصنف لیس علی ماینبغی فانہ متی طبخ بمالایقصد بہ النظافۃ لایرفع الحدث وان بقی رقیقا سائلا لکمال الامتزاج بخلاف مایقصد بہ النظافۃ فانہ لایمتنع بہ رفعہ الااذاخرج عنہ رقتہ وسیلانہ فالفرق بینھما ثابت وتسویۃ المصنف بینھما ممنوعۃ[2] اھ۔ **اقول اولا**(ا) متی سوی وقد قال فی المنظف وصار ثخینا فاعتبر الثخونۃ بالفعل وقال فی غیرہ اذا برد ثخن فاعتبر التھیؤ للثخن[3]	(اس کی وجہ یہ مذکور ہوئی کہ ٹھنڈا ہونے کی صورت میں کمال امتزاج سے گاڑھا پن فورًا پیدا ہو جاتا ہے جبکہ پکانے کی صورت میں حرارت گاڑھے پن سے مانع ہوتی ہے) ہاں پکانے کی صورت میں گاڑھے پن کے بغیر کمال امتزاج وضو کیلئے اس وقت مانع نہ ہوگا جب پانی میں نظافت کی غرض سے کوئی چیز پکائی گئی ہو بشرطیکہ اس سے بالفعل گاڑھا پن پیدا نہ ہو، پس اب ہدایہ کی عبارت میں دونوں استثناء درست ہوگئے۔اس جواب کی تقریر سے سید ابو سعود اور سید طحطاوی کا علامہ شرنبلالی پر اعتراض بھی ختم ہوگیا جو انہوں نے علامہ کی اس عبارت پر کیا جو علامہ نے مراقی الفلاح میں یوں کہی ہے "چنے اور مسور جیسی چیزوں کو پانی میں پکانے سے جب پانی کی طبع زائل ہو جائے کہ ٹھنڈا ہونے پر گاڑھا ہو جائے تو وضو جائز نہیں ہے جس طرح نظافت کے مقصد سے پانی میں پکائی ہوئی چیز (جیسی بیری کے پتّے وغیرہ) جو کہ پکنے میں گاڑھا ہو جائے تو وضو جائز نہیں ہے اھ،اس پر دونوں حضرات نے یہ اعتراض کیا کہ مصنف (علامہ شرنبلالی) کا یہ کہنا مناسب نہیں ہے کیونکہ جب ایسی چیز پانی میں پکائی جائے جس سے نظافت مقصود نہ ہو تو اس سے طہارت جائز نہیں،اگرچہ اس میں رقت وسیلان باقی ہو اس لئے کہ یہاں کمالِ امتزاج پایا جاتا ہے۔لیکن جس چیز سے نظافت مقصود ہو تو وہاں جب تک رقت وسیلان ختم نہیں ہوتا اس وقت تک اس سے طہارت جائز ہے یہ فرق واضح ہے اور مصنّف (شرنبلالی) کا دونوں صورتوں کو برابر قرار دینا درست نہیں ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں اولًا** کہ علامہ شرنبلالی نے کب دونوں صورتوں کو برابر قرار دیا ہے؟ حالانکہ انہوں نے نظافت والی چیز کے بارے میں کہا کہ گاڑھا پن پایا جائے تو انہوں نے یہاں گاڑھے پن کا بالفعل پایا جانا معتبر قرار دیا اور غیر منظف میں انہوں نے کہا جب ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہو تو یہاں انہوں نے

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ص۱۶

[2] حاشیۃ طحطاوی کتاب الطہارت الامیریہ بولاق مصر ص۱۶

3

وثانیا: (۱) قولهما وان بقی رقیقاان اراد به ماعلیه المطبوخ قبل ان یبرد فلم ینکره المصنف بل قد نص علیه اذاعتبره رقیقابعد ومنع الوضوء به وان اراد به مایبقی رقیقا بعدمایبرد ایضا فمنع الوضوء به ممنوع وکمال الامتزاج مدفوع اذلوکمل لثخن ولوبعد حین۔

بالفعل گاڑھے ہونے کا اعتبار نہیں کیا بلاالکہ اس کے قابل ہونے کا اعتبار کیا ہے۔(ت)

اور **ثانیا** ان دونوں کا یہ قول، کہ غیر منظف سے وضو جائز نہیں اگرچہ اس کی رقت باقی ہو، تو اس رقت کی بقا سے مراد اگر ٹھنڈا ہونے سے قبل ایسا ہو، تو مصنف نے اس کا انکار نہیں کیا بلاالکہ انہوں نے اس رقت پر یہ کہہ کر نص کردی کہ ٹھنڈا ہونے سے قبل رقیق ہو اور ٹھنڈا ہونے کے بعد گاڑھا ہو، کیونکہ انہوں نے ٹھنڈا ہونے کے بعد رقیق کا اعتبار کیا ہے اور یہ کہ اس سے انہوں نے وضو کو ناجائز کہا اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھی رقیق رہے تو پھر ان دونوں حضرات کا اس سے وضو کو منع کرنا درست نہیں ہے اور یہاں کمالِ امتزاج ماننا درست نہیں ہے کیونکہ اگر اس وقت کمال امتزاج ہوتا تو پھر کچھ دیر بعد گاڑھا ہوجاتا۔(ت)

وثالثا: (۲)لئن سلم فالمنقول عن امامی المذهب ابویوسف ومحمد رحمهما الله تعالٰی هو التسویة بین المنظف وغیره علی الروایة المشهورة عن ابی یوسف وعلی کلتاالروایتین عن محمد تذکر مااسلفنا فی ۰ عن الحلیة عن التتمة والذخیرة ان ابایوسف یعتبر فی المنظف سلب الرقة روایة واحدة واختلف الروایة عنه فی غیره ففی بعضها اعتبر سلب الرقة ای وهی المشهورة عنه وفی بعضها لم یشترطه ای واکتفی بتغیر الاوصاف وهی الروایة الضعیفة المرجوحة وان محمدا اعتبر الغلبة باللون ای وهی الروایة المشهورة عنه وفی بعضها سلب الرقة

اور **ثالثا** اور اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ علامہ شرنبلالی نے منظّف اور غیر منظف پکنے والے دونوں کو برابر ومساوی قرار دیا ہے تو بھی یہ درست ہے کیونکہ امام ابویوسف اور امام محمد دونوں اماموں کے ہاں منظف اور غیر منظف دونوں برابر ہیں، جیسا کہ امام ابویوسف سے مشہور اور امام محمد سے مشہور اور غیر مشہور دونوں طرح منقول ہے نمبر ۱۰۷ میں حلیہ، تتمہ اور ذخیرہ کے حوالے سے ہم نے جو بیان کیا تھا اس کو یاد کرو، وہ یہ کہ امام ابویوسف منظّف میں رقّت ختم ہونے کا اعتبار کرتے ہیں ان سے یہ ایک ہی روایت ہے جبکہ غیر منظّف کے بارے میں ان سے مروی روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں وہ یہاں رقّت کے خاتمہ کا اعتبار کرتے ہیں یہی روایت مشہور ہے۔ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ یہ شرط نہیں لگاتے اور صرف اوصاف کی تبدیلی کا اعتبار کرتے ہیں یہ روایت ضعیف ہے اور امام محمد دونوں صورتوں میں غلبہ کیلئے رنگ کی تبدیلی کا اعتبار کرتے ہیں، ان سے یہی مشہور روایت ہے۔اور بعض روایات میں وہ

وکلتاھما مطلقة عن التفصیل بین المنظّف وغیرہ فای عتب علی من سوی بینھما تبعا لامامی مذھبه وھما المراٰن یقتدی بھما بعد الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین واللہ تعالٰی اعلم۔	غلبہ میں رقت کے خاتمہ کا اعتبار کرتے ہیں اور انہوں نے منظف وغیر منظف کے فرق کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا، لہٰذا اگر بقول دونوں معترضین حضرات، علّامہ شرنبلالی، دونوں صورتوں کو امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کی اتباع میں مساوی قرار دیں تو کیا قباحت ہے جبکہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد یہ دونوں امام ہی قابلِ اتباع ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بالجملہ قول مشہور ومسلک جمہور یہی ہے کہ طبخ میں وجہ منع زوال رقت ہے یہی ہے وہ کہ ہم نے ۲۱۷ میں تحقیق کیا والاٰن **اقول**: (اور اب میں کہتا ہوں۔ت) **وباللہ التوفیق**(۱) (اور اللہ کی توفیق سے۔ت) اوپر معلوم ہوا کہ یہاں چار چیزیں ہیں: (۱) اجزاء (۲) اوصاف (۳) طبیعت (۴) اسم۔ اور اعتبار اجزاء تین وجہ پر ہے: مقدار، طبیعت، اسم۔ طبخ میں علتِ منع کثرتِ اجزا لینا تو محتمل نہیں کہ یہ کثرت ہوگی تو ابتدا سے نہ کہ بوجہ طبخ۔ یوں ہی تغیر لون وطعم وریح۔ اولًا غالبًا قبل حصول طبخ ونضج ہوجائے گا تو اُسے بھی تغیر بالطبخ میں نہیں لے سکتے اور بعض جگہ کہ بعد تمامی طبخ ہوا سے علت قرار دینے پر عام مطبوخات تغیر بالطبخ سے نکل جائیں گے کہ ان میں تغیر وصف طبخ سے نہ ہوا۔

ثانیًا: اس سب سے قطع نظر ہو تو اعتبار اوصاف مذہب صحیح معتمد کے خلاف ہے خود خانیہ میں اس کے خلاف کی تصحیح فرمائی، کما تقدم مشروحا فی ۱۰۱ و۱۲۲ فھذا ردجدید(۲) علی مافی البحر والنھر(۳) مستندین الی عبارۃ الخانیة الحکم علی وجود ریح الباقلاء وجامع(۴) الرموز المعتبر تغیر اللون (جیسا کہ واضح طور پر پہلے ۱۰۱ اور ۱۲۲ میں گزرا۔ پس یہ بحر اور نہر کے اُس بیان کی نئی تردید ہے جو خانیہ کی عبارت کی طرف منسوب ہے جس میں حکم کی بنیاد باقلّی کی بُو پر ہے نیز یہ جامع الرموز کی تردید ہے جس نے رنگ کی تبدیلی کا اعتبار کیا ہے۔ (ت)

ثم اعتبار(۵) الریح فیه نظر فان محمدا الناظر الی الاوصاف لم یعتبرھا فی المشھور عنه انما اعتبر اللون ثم الطعم	پھر تغیر اوصاف میں بُو کا اعتبار محل نظر ہے کیونکہ خود امام محمد جنہوں نے اوصاف کا لحاظ کیا ہے بُو کا اعتبار نہیں کرتے ان سے مشہور روایت یہی ہے

ثم الاجزاء کما سیأتی ان شاء الله تعالٰی (۱) ولو سلم فلم القصر علیها۔	کہ وہ صرف رنگ اور پھر ذائقہ اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ آئے گا، اور اگر بُو کے اعتبار کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو بھی صرف اسی کا اعتبار کیوں۔ (ت)

باقی رہے دو طبیعت واسم۔ اعتبار طبیعت تو وہی قول مذکور جمہور ہے اور امام زیلعی واتقانی نے اعتبار اسم ذکر فرمایا۔

ففی التبیین ماتغیر بالطبخ لایجوز الوضوء به لزوال اسم الماء عنه وھو المعتبر فی الباب[1] اھ ولما قال فی الھدایة ان تغیر بالطبخ لایجوز لانه لم یبق فی معنی المنزل من السماء اذا النار غیرته[2] اھ علله فی غایة البیان عـه بزوال الاسم۔	تبیین میں ہے پکانے سے جو تغیر پانی میں پیدا ہوا اس سے وضو جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت میں پانی کا نام ختم ہوجاتا ہے اور پانی کی تبدیلی میں اس کے نام کی تبدیلی ہی معتبر ہے اھ اور یوں ہی ہدایہ کے قول کی بنیاد پر جس میں ہے کہ اگر پکانے کی وجہ سے پانی میں تغیر پیدا ہوا تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ اب وہ آسمانی پانی کی کیفیت پر نہیں رہا بلالکہ آگ نے اس کو متغیر کردیا ہے اھ غایۃ البیان میں وضو جائز نہ ہونے کی علت زوالِ اسم کو قرار دیا ہے۔ (ت)

اقول: وہ اعتبار طبیعت کے منافی نہیں کہ تغیر طبع قطعًا موجب زوال اسم ہے مگر یہاں ایک دقیقہ اور ہے۔ **فاقول:** وبه نستعین اوپر گزرا کہ طبخ (۲) میں کبھی پانی مقصود نہیں ہوتا تو یہاں زوال اسم بے زوال طبع نہ ہوگا لعدم صیرورته شیئا اخر لمقصود اٰخر (کیونکہ چیز دگر مقصد دگر کیلئے نہیں ہوئی۔ ت) اور کبھی خود بھی مقصود ہوتا ہے اس میں تین صورتیں ہیں: ایک: معہود کہ پانی قدر مناسب یا اس سے کم ہو یہ بعد طبخ طبع واسم دونوں میں متغیر ہوجائے گا۔

عـه بل فی نفس الھدایة وایضا الکافی فیماطبخ المنظّف فغلب علیه لزوال اسم الماء عنه ۱۲ منه غفرله۔ (م)	بلالکہ خود ہدایہ اور کافی میں بھی ہے کہ وہ پانی جس میں ایسی چیز جو نظافت کیلئے مفید ہو، کو پکایا اور وہ چیز غالب ہوجائے تو پانی کا نام تبدیل ہوجائے گا ۱۲منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الطھارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

[2] الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء الخ مطبع عربیہ بولاق مصر ۱/۱۸

دوم: اس درجہ کثیر و وافر ہو کہ شے مخلوط اس میں عمل نہ کرسکے اس سے نہ طبع بدلے گی نہ اسم کہ بوجہ افراط صالح مقصود آخر نہ ہوگا۔

سوم: زائد ہو مگر نہ اُس درجہ مفرط اس میں محتمل کہ زوالِ طبع نہ ہو اور نام بدل جائے مثلاً کہا جائے شوربا کس قدر زائد کردیا ہے بخلاف اس صورت کے کہ مثلاً دیگچہ (۱) بھر پانی میں چھٹانک بھر گوشت پکائیں اسے کوئی شوربا نہ کہے گا جمہور نے بلحاظ معہود زوال طبع پر اقتصار فرمایا اور ان بعض نے شمول غیر معہود کیلئے بلفظ تغیر تعبیر فرمایا جس سے تغیر اسم مقصود ہے نہ تغیر وصف کہ طبخ پر موقوف نہیں **وقد اشرنا الی ھذا فی ۲۱۷ عند التوفیق بین قولھم اذابرد ثخن وقول الغنیۃ غالبا واللہ تعالٰی اعلم** (ہم ۲۱۷ میں اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں جہاں پر ان کے قول "اذابرد ثخن" اور غنیہ کے قول "غالبًا" میں توفیق بیان کی، واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

اقول: وبہ ظھر الفرق بین المنظف وغیرہ فانہ اذا زال الاسم حصل المنع ولایزول الاسم فی المنظف الابزوال الطبع بالفعل لانہ لایقصد بہ الامایقصد من الماء وھو التنظیف فھذا غایۃ التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق۔	**میں کہتا ہوں** اسی سے منظّف (یعنی نظافت والی چیز کو پکانے) اور غیر منظّف کا فرق واضح ہوا، کیونکہ پانی کا نام بدل جانے پر وضو منع ہوجاتا ہے جبکہ منظّف میں نام کی تبدیلی اسی صورت میں ہوتی ہے جب بالفعل پانی کی طبع ختم ہوجائے، کیونکہ خالص پانی اور منظّف دونوں کا مقصد نظافت کا حصول ہے، یہ کامل تحقیق ہے اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے (ت)

بالجملہ حاصل تنقید و تنقیح یہ ہے کہ اگر کلام (۲) طبخ معہود سے خاص ہو تو مدار زوال طبع پر ہے اور یہی ہے وہ جسے عامہ کتب معتمدہ نے اختیار کیا اور اس وقت منظّف میں فرق یہ ہوگا کہ غیر منظف میں زوال بالقوۃ کافی ہے یعنی ٹھنڈی ہونے پر جرم دار ہوجائے اور منظف مثل صابون واُشنان میں زوال بالفعل درکار اور اگر معہود و غیر معہود سب کو شامل کریں تو مدار زوال اسم پر ہے خواہ صرف زوال طبع کے ضمن میں پایا جائے جبکہ پانی مقصود نہ ہو یا صرف چیز دیگر مقصد دیگر کیلئے ہوجانے کے ضمن میں جیسے طبخ غیر معہود میں جبکہ زیادت مفرطہ نہ ہو خواہ دونوں کے ضمن میں جہاں طبخ معہود اور پانی مقصود اس وقت بجائے زوال طبع تغیر کہیں گے امام دقیق النظر حافظ الدین نسفی نے وافی و کنز میں یہی مسلک لیا اور نقایہ واصلاح و تبیین وغایۃ البیان نے ان کا اتباع کیا اب منظف وغیر منظف میں فرق یہ ہوگا کہ غیر منظف میں کبھی باوصف بقائے رقت زوال اسم ہوجاتا ہے بخلاف منظف۔ اس کی نظیریں غیر مطبوخ میں کثیر ہیں جیسے نبیذ وصبغ ومداد وغیرہا مسائل کثیرہ۔ یہ ہے وہ جس سے بتوفیقہ تعالٰی تمام کلمات ائمہ ملتئم ہوگئے **وللہ الحمد علی الدوام* وعلی نبیہ وذویہ**

الصلاۃ والسلام۔ یہاں تک نو بحثیں ہوئیں، ایک اور اضافہ کریں کہ تلك عشرۃ کاملۃ ہوں۔

بحث دہم ارشادات متون پر نظر اقول ہم فصل دوم میں ثابت کر آئے کہ مائے طاھر غیر مستعمل کے فی نفسہ ناقابل وضو ہوجانے کے چار بلکہ تین ہی سبب ہیں:

(۱) کثرت اجزائے مخالط جس میں حکماً دوسری صورت مساوات بھی داخل۔

(۲) زوالِ رقت کہ جرم دار ہوجائے۔

(۳) زوال اسم جس سے یہاں اُس کی وہ خاص صورت مراد کہ مقصد دیگر کیلئے چیز دیگر ہوجائے۔ نیز فصل حاضر کی بحث دوم ابحاث غلبہ میں گزرا کہ غلبہ اجزاء کہ مذہب امام یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ہے ان تینوں صورتوں پر بولا جاتا ہے بالجملہ مائے مطلق کی تعریف جو ہم نے محقق ومنقح کی اور امام ابویوسف کا مذہب کہ وہی صحیح صحیح ومعتمد ہے حرف بحرف متطابق ہیں وللہ الحمد۔

اب متون کو دیکھئے تو وہ بھی ان تین سبب سے باہر نہیں انہیں کو وجہ منع ٹھہراتے ہیں اگر سب کا استیعاب نہیں فرماتے اور یہ کچھ نئی بات نہیں متون (۱) نہ متون جن کی وضع اختصار پر ہے بلکہ شروح میں بھی جن کا کام ہی تفصیل وتکمیل ہے صدہاجگہ احاطہ صور نہیں ہوتا۔ بعض کی تصریح بعض کی تلویح کہ اشارت دلالت اقتضاءِ فحوی سے مفہوم ہوں اور کبھی بعض یکسر مطوی کمالایخفی علی من خدم کلماتھم وھذا من اعظم وجوہ العسر فی ادراك الفقه والله المیسر لکل عسیر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (جیسا کہ یہ بات ان لوگوں پر مخفی نہیں جو مصنفین کی عبارات پر کام کرتے ہیں، فقہ کے ادراک میں یہ مشکل مرحلہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہر مشکل کو آسان فرماتا ہے لاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ ت) یہاں اکثر متون نے صرف سبب دوم یعنی زوال طبع کا ذکر فرمایا قدوری وہدایہ نے عبارت میں اس کی کچھ تفصیل نہ فرمائی ہاں مثالوں سے صورت طبخ وغیرہ کی طرف اشارہ کیا وقایہ وغرر ونورالایضاح نے اُسے دو سببوں کی طرف مفصل کیا طبخ وغلبہ غیر اور ملتقٰی نے تیسرا سبب جزئی اور اضافہ کیا کثرت اوراق۔ پھر غلبہ غیر کو ان سب نے مطلق رکھا مگر اول نے کہ اجزا سے مقید کیا۔اقول اور اس کا ارادہ ملتقی میں چاہئے ورنہ کثرت اوراق بھی غلبہ غیر ہی ہے بہرحال کثرتِ اجزاء و زوال اسم جن میں زوال زوال طبع نہ ہو ان چھ (۲) میں مذکور نہ ہوئے ہدایہ نے شرح میں ان کا اشعار فرمایا اول کا ان لفظوں سے الخلط القلیل لامعتبر به فیعتبر الغالب والغلبة بالاجزاء [1] (قلیل ملاوٹ کا اعتبار نہیں صرف غالب کا اعتبار ہوتا ہے اور غلبہ میں اجزاء کا لحاظ ہوتا ہے۔ ت) دوم کا اشارہ خفیہ اس عبارت سے ان تغیر بالطبخ

[1] الھدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

لایجوز اذالنار غیرتہ الا اذا طبخ فیہ مایقصد بہ النظافۃ[1] (اگر تغیر پکانے کی وجہ سے ہوا تو وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ آگ سے تغیر پیدا ہو گیا ہے لیکن اگر ایسی چیز ملا کر پانی کو پکایا جائے جس سے نظافت مقصود ہو تو پھر جائز ہے۔ت) یہ اعتبار مقصد کی طرف ایما ہے کماتقدم الاٰن تقریرہ (جیسا کہ اس کی تقریر اب گزری ہے۔ت) تو کلام ہدایہ جامع اسباب ثلٰثہ ہوا وافی وکنز نے دو سبب ذکر فرمائے کثرتِ اجزاء و زوال طبع۔

اقول: اور اسے کثرتِ اوراق وطبخ سے مفصل فرماکر اشارہ کیا کہ زوال طبع طبخ سے ہو خواہ بلاطبخ،اور اگر تغیر کو تغیر طبع ومقاصد دونوں کو عام لے کر کثرتِ اوراق میں صرف اول اور طبخ میں دونوں رکھیں تو بعض صور سبب سوم یعنی زوال اسم کی طرف بھی اشارہ ہوگا اصلاح نے دو سبب اخیر لیے زوال طبع واسم اقول مگر دونوں کی صرف بعض صور پر اقتصار کیا کہ اوّل کو غلبہ اجزاء اور دوم کو طبخ سے مقید کردیا، نقایہ میں اگر تغیر بمعنی زوال طبع ہو تو اپنی اصل وقایہ کی طرح ہے اور بمعنی زوال اسم لیں اور یہی انسب ہے تو مثل اصلاح دو سببوں کا ذکر ہوا اقول اور بہر حال سبب اول میں وقایہ واصلاح سے اصلح کہ غلبہ اجزاء سے مقید نہ فرمایا۔

اقول: (۱) لکن فیہ اشکال قوی فان بالحکم الکلی والاستثناء انحصر سبب المنع فیما ذکر (۲) والعجب ان لم یتنبہ لہ الشارحان الفاضلان۔	**میں کہتا ہوں** لیکن اس میں اشکال ہے کیونکہ کلی حکم اور استثناء کی وجہ سے وضو سے منع کا سبب صرف اس کا ذکر کردہ ہی ہوگا، اور تعجب ہے کہ دونوں فاضل شارح حضرات کی توجہ اس طرف نہ ہوئی۔(ت)
اقول: ویمکن الجواب عن السبب الاول بان کلامہ مشعر بکون المخالط اقل اجزاء لما قدمنا فی ثانی ابحاث زوال الطبع ان الاختلاط ینسب الی اقل الخلیطین فکانہ قال یتوضو بہ وان خالطہ ماھو اقل اجزاء منہ الا اذا اخرجہ عن رقتہ	**میں کہتا ہوں**، اور پہلے سبب کا جواب یوں ممکن ہے کہ اس کے کلام سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ پانی میں ملائی ہُوئی چیز کے اجزاء کم ہوں، جیسا کہ ہم زوالِ طبع کی ابحاث میں سے دوسری بحث میں ذکر کرچکے ہیں کہ اختلاط کو کم اجزاء والی چیز کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، گویا اب اس کا کلام یوں ہوا

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضو مطبع عربیہ کراچی ۱/۱۸

اوغیرہ اسمہ طبخالکن یبقی وارد ا قصر الثالث علی صورۃ الطبخ الا ان یقال اشار الی غیرہ دلالۃ فان الذی یغیر اسمہ بدون الاستعانۃ بالنار اقوی ممالایزیلہ الا بمعالجۃ النار فکانہ قال اوغیرہ اسمہ ولوطبخااٰی فضلا عمایغیرہ بنفسہ وبھذا التقریر تصیر تشیرالی الاسباب الثلثۃ فتکون من احسن العبارات ھذا غایۃ ماظھر لی فی توجیھہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ اس پانی سے وضو جائز ہے اگرچہ اس میں ملنے والی چیز کے اجزاء کم ہوں، مگر جب یہ چیز پانی کی رقت کو ختم کردے یا پکنے کی صورت میں اس کے نام کو تبدیل کردے تو وضو ناجائز ہوگا لیکن اس جواب سے ایک اعتراض باقی رہا، وہ یہ کہ تیسرے سبب (نام کی تبدیلی) کو صرف پکانے کی صورت سے مختص کردیا ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جائے کہ دوسری صورت کی طرف دلالۃً اشارہ انہوں نے کردیا ہے کیونکہ نام کی تبدیلی جب آگ کے بغیر ہوگی تو یہ صورت زیادہ قوی ہوگی اس صورت سے جس میں صرف آگ سے ہی تبدیلی آسکتی ہے گویا یوں کہا کہ یا پانی کے نام کو تبدیل کردے خواہ پکانے کی وجہ سے ہو چہ جائیکہ پکائے بغیر خود بخود نام کی تبدیلی والی صورت پیدا ہوجائے اس تقریر سے اس کی طہارت تینوں اسباب کی طرف اشارہ کرے گی تو اب یہ بہترین عبارت قرار پائے گی، یہ اس عبارت کی انتہائی توجیہ ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

تنویر میں اگرچہ زوال طبع کو طبخ سے مقید کیا گیا مگر غلبہ غیر کو مطلق رکھا جس سے ظاہر غلبہ بکثرت اجزا ہے تو سبب اول اور بعض صور سبب دوم کا ذکر ہوا اور اگر غلبہ کو بوجہ اطلاق غلبہ طبعًا واسمًا واجزاءً کو عام لیا جائے تو اسی قدر اسباب ثلثہ کو عام ہوجائے گا اور ذکر زوال طبع بطبخ از قبیل تخصیص بعد تعمیم ہوگا۔

بل **اقول**: کانہ رحمہ اللہ تعالٰی لاحظ ان زائل الطبع بالطبخ لم یغلبہ المخالط نفسہ بل النار غیرتہ فیکون العطف علی ظاھرہ واذن تکون ھذہ احسن العبارات وترتقی من الضوابط الجزئیۃ الی الکلیات۔	بلالکہ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے گویا یہ لحاظ کیا کہ پکانے کی وجہ سے طبع کا زوال پانی میں ملنے والی چیز کے غلبہ سے نہیں ہے ب لکہ آگ نے اس کو متغیر کیا ہے پس یہ عطف اپنے ظاہر پر رہا۔اب یہ تمام عبارات میں احسن قرار پائی اور جزئی ضابطہ کی بجائے کلی ضابطوں میں شمار ہوگی۔ (ت)

متون کے ضوابط منع پر یہ نہایت کلام ہے وللہ الحمد کما یرضاہ٭ والصلوۃ والسلام علی مصطفاہ٭ واٰلہٖ وصحبہ ومن والاہ۔

(ضابطہ ۵) اب متون ایک کلیہ در بارہ جواز افادہ فرماتے ہیں کہ اختلاط طاہر سے پانی کے صرف وصف میں تغیر مانع وضو نہیں۔ وصف سے مراد رنگ، مزہ، بو۔ عبارات اس میں تین طرح آئیں: (۱) احد اوصافہ یعنی کسی ایک وصف میں تغیر۔ قدوری میں ہے:

تجوز بماء خالطه طاهر فغیر احد اوصافه کماء المد والماء الذی اختلط به الزعفران والصابون والاشنان [1]۔	ایسے پانی سے وضو جائز ہے جس میں کسی پاک چیز نے مل کر اس کے ایک وصف کو تبدیل کر دیا ہو جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں زعفران، صابون اور اُشنان ملا ہو۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح ہدایہ ووافی ومنیہ میں ہے:

غیر ان هذه زادت بشرط ان یکون الغلبة للماء من حیث الاجزاء الخ و زادا فی الامثلة الماء الذی اختلط به اللبن [2]۔	مگر انہوں نے ایک زائد بات کی کہ وصف کی تبدیلی میں پانی کے اجزاء کا غلبہ ہو الخ اور وافی اور منیہ نے ایک مثال زائد بھی بیان کی ہے کہ وہ پانی جس میں دودھ ملا ہو۔ (ت)

وقایہ، کنز، اصلاح اور مختار وغیرہا:

وان غیر احد اوصافه طاهر [3] اھ ومثلت الوقایة بامثلة القدوری والاصلاح بالتراب والزعفران۔	اگرچہ کسی پاک چیز نے پانی کا ایک وصف تبدیل کر دیا ہو اھ وقایہ نے قدوری والی مثالیں ذکر کی ہیں اور اصلاح نے مٹی اور زعفران کی مثال دی ہے۔ (ت)

(۲) بعض اوصافہ کہ دو کو بھی شامل۔ بحر میں مجمع البحرین سے ہے:

نجیزه بغالب علی طاهر کزعفران تغیر به بعض اوصافه [4]۔	ہم وضو کو جائز قرار دیتے ہیں اس پانی سے جو ملنے والی پاک چیز پر غالب ہو اور اس کے بعض اوصاف متغیر ہو جائیں جیسے زعفران (ت)

---

[1] قدوری کتاب الطہارت مطبع مجیدی کان پور ص ۶

[2] منیۃ المصلی باب المیاہ مطبع عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۸

[3] کنز الدقائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱

[4] بحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

ملتقی میں ہے:

وان غیر طاھر بعض اوصافه کالتراب والزعفران والصابون[1]۔	اگرچہ پانی کے بعض اوصاف کو پاک چیز نے متغیر کر دیا ہو جیسے مٹّی، زعفران اور صابون۔ (ت)

(۳) کل اوصاف۔ غرر میں ہے:

وان غیر اوصافه طاھر جامد کاشنان و زعفران وفاکھة و ورق فی الاصح ان بقی رقته[2]۔	اگرچہ پانی کے اوصاف کو کسی پاک جامد چیز نے تبدیل کردیا ہو جیسے اشنان، زعفران، پھل اور پتّے جبکہ پانی کی رقت باقی رہے یہی اصح قول ہے (ت)

یہی مفاد تنویر ہے:

فانه ذکر مثله تبعاله کعادته رحمهما الله تعالٰی وان ترك قوله غیر اوصافه فقد دل علیه بادارة الحکم علی بقاء الرقة مطلقًا۔	کیونکہ انہوں نے بھی اس کی مثل کہا اپنی عادت کے مطابق ان کی اتباع کرتے ہوئے، اگرچہ انہوں نے غرر کا قول "غیر اوصافه" کو چھوڑ دیا ہے لیکن اس پر دلالت کیلئے انہوں نے حکم کو پانی کی رقت کی بقاء پر مطلقًا قائم رکھا۔ (ت)

ولہٰذا درمختار میں فرمایا: وان غیر کل اوصافه[3] (اگرچہ اس کے تمام اوصاف کو بدل دے۔ ت)

سادات ثلثہ حلبی طحطاوی شامی نے اسے مقرر رکھا نورالایضاح میں ہے: ولا یضر تغیر اوصافه کلها بجامد[4] (کسی جامد کی وجہ سے اگر پانی کے تمام اوصاف بدل جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ت)

اس پر شرح میں بڑھایا:

بدون طبخ ثم قال مستدلا علیه لمافی صحیح البخاری ومسلم ان النبی صلی الله تعالٰی	بدون طبخ (پکائے بغیر) پھر اس پر دلیل پیش کرتے ہوئے وہ روایت ذکر کی جس کو بخاری اور

---

[1] ملتقی الابحر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق عامرہ مصر ۱/۲۷

[2] غرر مع شرح الدرر فرض الغسل عثمانیہ مصر ۱/۲۱

[3] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[4] نورالایضاح کتاب الطہارۃ علمیہ لاہور ص ۳

علیه وسلم امر بغسل الذی وقصته ناقته وهو محرم بماء وسدر امر قیس بن عاصم حین اسلم ان یغتسل بماء وسدر واغتسل النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بماء فیه اثر العجین وکان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغتسل ویغسل رأسه بالخطمی وهوجنب و یجتزئ بذلك[1] اھ وتعقبه السید ط فقال قد یقال غیر نحو السدر لایقال علیه لان المقصود به التنظیف فاغتفر فیه تغیر الاوصاف ولا کذلك غیرہ[2] اھ **اقول:** تعقب علی الاستدلال بالحدیثین الاولین و الرابع لاعلی الحکم فقد سلّمه من قبل وسَلِم منه الحدیث الثالث ثم قد علمت ماحققناان المغتفر فی المنظف تهیؤہ للثخن اما الاوصاف فلاعبرة بها اصلا لکن یکفی منعا علی الدلیل۔	مسلم نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس شخص کو جو کہ احرام کی حالت میں اونٹنی سے گر کر زخمی ہوا، حکم فرمایا کہ وہ بیری کے پتّوں والے پانی سے دھوئے۔ اور آپ نے قیس بن عاصم کو مسلمان ہونے پر بیری کے پتّوں والے پانی سے غسل کرنے کا حکم فرمایا۔ اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹے کے اثر والے پانی سے غسل فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کے غسل میں خطمی والے پانی کے استعمال کو کافی سمجھتے اھ شرح نورالایضاح کی عبارت پر سید طحطاوی نے تعاقب کیا اور کہا کہ بیری کے پتّوں جیسی چیز پانی میں تغیر پیدا کرے تو معاف ہے، اس حکم پر دوسری چیزوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس سے تو صفائی مقصود ہے جبکہ دوسری چیزوں میں یہ مقصد نہیں ہوتا ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** کہ سید طحطاوی نے شرح نورالایضاح پر تعاقب حکم کے بارے میں نہیں کیا بلاکہ پہلی دو اور چوتھی حدیثوں سے استدلال پر تعاقب کیا ہے لہٰذا حکم اور تیسری حدیث کو انہوں نے محفوظ رکھا، پھر آپ کو ہماری تحقیق سے معلوم ہوچکا ہے کہ صفائی والی چیز میں گاڑھے پن کی استعداد تک معافی ہے اس میں اوصاف کا بالکل اعتبار نہیں ہے لیکن دلیل پر منع (اعتراض) کیلئے اتنا کافی ہے۔ (ت)

اور تحقیق یہی ہے کہ تینوں وصفوں کا تغیر بھی کچھ مضر نہیں جب تک موانع ثلاثہ مذکورہ سے کوئی مانع نہ پایا جائے

(۱) بیانه ان النظار افتر قوافی العبارة الاولی مثلها الثانیة فرقتین فریق یعتبر فیها	اس کا بیان یہ ہے کہ پہلی عبارت (ایک وصف والی) اور دوسری عبارت (دو وصفوں والی) کے

[1] مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ص ۱۶
[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ص ۱۶

المفہوم فتدل علی المنع بتغیروصفین و الثانیة علی الجواز فیه والمنع بتغیر الکل ثم یعترضه محققوهم بانه خلاف الصحیح الصحیح الجواز وان تغیرالکل قال الامام الزیلعی فی التبیین اشار القدوری الی انه اذا غیر وصفین لایجوز الوضوء [1] به ومثله فی الفتح والبحر وکذا علی عبارة البدایة فی النهایة والعنایة والبنایة والدرایة والکفایة والغایة الاتقانیة. قال الاولان قوله احداوصافه یشیرالی انه اذاغیر الاثنین لایجوز لکن المنقول عن الاساتذة خلافه فذکرا ماتقدم فی زاد فی العنایة وکذا اشار فی شرح الطحاوی الیه [2] اھ واقره سعدی افندی وقال التالیان فی قوله احداوصافه اشارة الی انه اذا تغیر اثنان لایجوز التوضی به لکن صحت الروایة بخلافه کذا عن الکرخی [3] اھ والکفایة ذکرت الاشارة ثم اثرت عن النهایة ماعن الاساتذة وذکرالاتقانی اشارة القدوری ثم قال لکن الظاهرعن اصحابنا انه یجوز الاتری الی مافی

بارے میں علماء کے دو فریق بن چکے ہیں، ایک فریق ان عبارات میں مفہوم مخالف کا اعتبار کرتے ہوئے پہلی عبارت میں دو وصفوں کی تبدیلی پر وضو کو ناجائز کہتا ہے اور دوسرا عبارت میں مفہوم کا اعتبار نہ کرتے ہوئے وضو کو جائز کہتا ہے اور یہ گروہ تمام اوصاف (رنگ، بو، ذائقہ) کی تبدیلی پر وضو ناجائز مانتا ہے لیکن پھر اس گروہ میں سے محقق لوگوں نے اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ تمام اوصاف کی تبدیلی سے عدمِ جواز، صحیح قول کے خلاف ہے کیونکہ صحیح یہ ہے کہ اگر تمام اوصاف بھی تبدیل ہو جائیں تب بھی وضو جائز ہے (اس بحث کے بارے میں عبارات درج ذیل ہیں) امام زیلعی نے تبیین میں فرمایا کہ قدوری نے اشارہ کیا ہے کہ اگر دو وصف تبدیل ہو جائیں تو وضو ناجائز ہوگا اھ اسی طرح ہے درج ذیل کتب میں، فتح، بحر، نہایہ میں بدایہ کی عبارت پر، عنایہ۔ بنایہ۔ درایہ۔ کفایہ۔ غایۃ اتقانیہ، شرح الطحاوی الخ، ان میں سے پہلے دونوں نے کہا کہ ان کا "قول احد اوصافہ" اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر دو وصف بدل جائیں تو وضو جائز نہ ہوگا لیکن ماہرین سے اس کا خلاف منقول ہے، یہ کہہ کر پھر ان دونوں نے ۷۹ میں گزشتہ بحث کو ذکر کیا، اور اس پر عنایہ میں کذا

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارت مطبع الامیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

[2] العنایۃ مع فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضو سکھر ۱/۶۳

[3] البنایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹

شرح الطحاوی الخ وفی الجوهرة ان غیروصفین فعلی اشارة الشیخ لایجوز والصحیح یجوز کذا فی المستصفی [1] اھ وقدمر فی ۱۰۱ وکذامر عن الحلیة اعتبار المفهوم فی ورده بتصحیح المستصفی فی ۱۰۱ ثم ذکر کلام النهایة وفی فتح الله المعین یفهم من التقییدعدم جواز الاستعمال اذا تغیر وصفان ولیس کذلك [2] اھ، واغرب فی الکفایة واذ ذکرمامر ثم استدرك علیه بما فی التتمة عن الفقیه المیدانی من مسألة وقوع الاوراق فی الحوض المارة [3] فی ۷۶ قال قال صاحب النهایة لماتغیرلون الماء بالاوراق لابدان یتغیر طعمه ایضا فکان وصفان زائلین فصار موافقا لمااشار الیه الکتاب [4] اھ

اشار فی شرح الطحاوی الیه (طحاوی کی شرح میں ایسا ہی اشارہ کیا ہے) کا اضافہ کیا ہے اھ اور سعدی آفندی نے اس کی تائید کی ہے۔ اور ان کے بعد والے دونوں نے یہ کہا کہ "ان قول احد اوصافه" میں اشارہ ہے کہ اگر دو وصف بدل جائیں تو وضو جائز نہ ہوگا۔ لیکن صحیح روایات اس کے خلاف ہیں امام کرخی سے ایسا ہی مروی ہے اھ کفایہ نے یہی اشارہ ذکر کرکے پھر نہایہ والا ماہرین سے منقول قول کا حوالہ بیان کیا۔ اتقانی نے قدوری والا اشارہ ذکر کرکے پھر کہا ہمارے اصحاب کے ظاہر قول کے مطابق اس سے وضو جائز ہے کیا طحاوی کی شرح میں موجود قول نہیں دیکھا الخ؟ اھ، اور جوہرہ میں ہے کہ اگر دو وصف تبدیل ہوجائیں تو وضو ناجائز ہے جیسا کہ شیخ نے اشارہ کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وضو جائز ہے، مستصفٰی میں ایسا ہے اھ یہ بات ۱۰۱ میں گزر چکی ہے اور یوں ہی ۷۱ میں حلیہ کے حوالہ سے مفہوم کے اعتبار کے بارے میں گزرا، اور پھر اس کے رد میں مستصفٰی کی تصحیح کے حوالہ سے ۱۰۱ میں ذکر کرکے پھر نہایہ کے کلام کو ذکر کیا ہے فتح اللہ المعین میں ہے کہ ایک وصف کی قید سی دو وصف کی تبدیلی میں وضو کا عدمِ جواز سمجھ آتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اھ، کفایہ میں عجیب انداز سے مذکورہ بات کو بیان کرکے پھر فقیر میدانی سے تتمہ میں منقولہ مسئلہ سے اس پر استدراک کیا اور وہ مسئلہ حوض میں پتّے گرنے کے بارے میں ہے جو ۷۶ میں گزرا ہے، تو کفایہ نے کہا

[1] الجوہرۃ النیرہ کتاب الطہارۃ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[2] فتح اللہ المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲

[3] الکفایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

[4] الکفایۃ مع الفتح الماء الذی یجوزبہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۳

اقول: وانت تعلم انه لایدفع ماعن الاساتذة ولذالم تعتمده النهایة والبنایة مع ذکرھم جمیعاً ان الماء اذاتغیر لونه تغیر طعمه ایضاً[1] اھ ھذہ عبارۃ الاخیرین۔

اقول: والمراد فی صورۃ الاوراق کماافصح عنه النهایة فلایقال قدیتغیر لونه بقلیل من اللبن والزعفران لاطعمه وبالجملة کان الحق ان یستدرك بماعن الاساتذة علی ماعن الفقیه کمافعلوا (ا) لاالعکس کالکفایة وتبعه مسکین فتعقب المفهوم بمانقل فی النهایة عن الاساتذة ثم عاد فقال لایتوضو وان اجازہ الاساتذة[2] اھ ومثله تعقب ورجع فی مجمع الانھرثم قال لکن یمکن التوجیه بان نقل صاحب النهایة محمول علی الضرورۃ فلاینافی القول بعدم الجواز عند الضرورۃ کمافی التحفة[3] اھ

کہ صاحبِ نہایہ نے یہ بیان کیا کہ جب پتّوں کی وجہ سے پانی کا رنگ تبدیل ہوگا تو لازمی طور پر اس کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا۔ تو دو وصف کی تبدیلی ہونے پر یہ کتاب کے موافق ہوجائے گا۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اس سے اساتذہ (ماہرین) سے منقول شدہ موقف کارد نہیں ہوتا جس سے آپ آگاہ ہیں اس کے باوجود کہ یہ بات سب نے ذکر کی کہ جب رنگ بدلے گا تو ذائقہ بھی ضرور بدلے گا۔ نہایہ اور بنایہ نے اس کو قابلِ اعتماد نہ سمجھا اھ یہ آخری دونوں (کفایہ اور غایہ) کی عبارت تھی۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ پانی میں پتّے گرنے کی وہ صورت مراد ہے جس کو نہایہ نے ذکر کیا ہے لہٰذا اب یہ کہنے کی گنجائش نہیں کہ اگر پانی میں تھوڑا سا دُودھ یا زعفران ڈال دیا جائے تو پانی کا رنگ بدلنے کے باوجود اس کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا، تاہم حاصل یہ ہے کہ فقیہ میدانی پر اساتذہ سے منقول قول سے استدراک کرنا چاہیے تھا، جیسا کہ دیگر حضرات نے کیا ہے کفایہ کی طرح اس کا عکس نہیں کرنا چاہئے تھا، اور مسکین نے کفایہ کی پیروی میں مفہوم کا اعتبار کرتے ہوئے، نہایہ میں ماہرین کے نقل کردہ قول پر، تعاقب کیا اور پھر دوبارہ کہا کہ (دو وصف تبدیل ہوجانے پر) پانی سے وضو جائز نہیں ہے اگرچہ اساتذہ سے اجازت منقول ہے اھ اسی

[1] البنایۃ الماء الذی یجوزبہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹

[2] شرح لملا مسکین مع فتح المعین الماء الذی یجوزبہ الوضوء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲

[3] مجمع الانہر تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعۃ عامرہ مصر ۱/۲۷

اقول: (۱)تبع فیه الحلیة وقدعلمت ردہ فی وفریق یأباہ اقول اخذالاولون لفظة احد وبعض بشرط لاوھؤلاء لابشرط فشمل الکل شمول الجزئیة للکلیة وتقدم فی ۱۰۱ عن الزاھدی فی شرح القدوری قول المصنف احداوصافه لایفیدالتقییدالخ وقدنقله فی الحلیة ثم قال لکن الظاھرانه یرید من حیث الواقع والا فلاشك ان مفھوم المخالفة یفیدتقیید الجوازبذلك کماذکرنا وعلی ھذا الفرع الذی سیأتی فی الحمص والباقلاء اذانقع فی الماء وتغیرت الاوصاف الثلثة اھ والفرع المشار الیه قول المنیة وکذا الحمصة والباقلاء اذانقع وان تغیر لونه وطعمه وریحه [1] اھ وفی جامع الرموزمافی الھدایة من ذکراحد الاوصاف لیس للتقیید کما فی الزاھدی والیه اشیر فی المضمرات [2] اھ وقال العلامة احمد بن یونس الشلبی علی قول الکنز احداوصافه	طرح کا تعاقب و رجوع مجمع الانہر میں کیا اور پھر کہا، لیکن یہ توجیہ ممکن ہے کہ صاحب نہایہ کی نقل کردہ ماہرین کی رائے ضرورت کیلئے ہو اور یہ بغیر ضرورت وضو ناجائز ہونے، والی تحفہ میں مذکور موقف کے خلاف نہیں ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** مجمع الانہر نے اس بات میں حلیہ کی پیروی کی ہے اور آپ ۷۷ میں اس کا رد معلوم کرچکے ہیں۔ دوسرے فریق نے مفہوم مخالف کا انکار کیا ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ پہلے فریق نے (ایک وصف یا بعض اوصاف کی تبدیلی کے بارے میں) لفظ "ایک" اور "بعض" کو بشرط لاغیر لیا ہے اور اس دوسرے فریق نے لابشرط غیر، لیا ہے پس اس دوسری صورت میں تمام اوصاف شامل ہوں گے جیسا کہ جزئی کُلی میں شامل ہوتی ہے اور ۱۰۱ میں زاہدی کے حوالہ سے شرح قدوری میں گزرا مصنّف کا یہ قول کہ ایک وصف کا ذکر تقیید کا فائدہ نہیں دیتا الخ اور اس کو حلیہ میں نقل کیا پھر کہا کہ یہ عدم تقیید واقع کے لحاظ سے ہوگی ورنہ لفظوں کا مفہوم مخالف تو اسی ایک وصف کی تبدیلی سے جواز ثابت کرتا ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے اور اسی حقیقت پر اس تفریع کا بیان مبنی ہے جو آئندہ چنوں اور باقلی کے بارے میں کہ ان کو جب پانی میں ڈال کر ترکیا جس سے پانی کے تینوں اوصاف تبدیل ہوجائیں اھ اور جس تفریع کی طرف اشارہ کیا وہ منیہ کا قول اور اسی طرح چنے

[1] منیۃ المصلی فصل فی المیاہ مکتبہ عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۸

[2] جامع الرموز کتاب الطہارت مطبعۃ اسلامیہ گنبد ایران ۱/ ۴۷

اوجمیع اوصافه اذابقی علی اصل خلقته [1] اھ وکتب بعدہ لفظة اھ ولم یبین المنقول عنه والظاھر من السیاق انه الشیخ یحییٰ عــه۔ وقال العلامة مولی خسرو فی الدرر وقعت عبارة کثیر من المشائخ ھکذا غیراحد اوصافه طاھر فتوھم بعض شراح الھدایة ان لفظ الاحد احترازعمافوقه ولیس کذلك لما فی الینابیع لونقع الحمص اوالباقلاء فتغیرلونه وطعمه و ریحه یجو زبه الوضوء وقال فی النھایة المنقول عن الاساتذة فنقل مامر ثم قال واشار فی شرح الطحاوی [2] الیه اھ واقرہ الشرنبلالی وعبد الحلیم والمولی حسن العجیمی واید الخادمی بقوله والقول ان مافی الھدایة غیررواية النھایة کماتوھم بعید [3] اھ وقال علی قوله ولیس کذلك وقد یجاب انه (یرید التقیید باحد الاوصاف)فیمایخالف الماء فی الاوصاف الثلثة فان المخالط للماء اذالم یوافقه	اور باقلی جب ان کو پانی میں ڈال کر تر کیا جائے اگرچہ اس کا رنگ، ذائقہ اور بُو بدل جائے، ہے اھ اور جامع الرموز میں ہے کہ ہدایہ میں ایک وصف کا ذکر مقید کرنے کیلئے نہیں جیساکہ زاہدی میں ہے اور مضمرات میں اسی طرف اشارہ ہے اھ کنز کے قول احد اوصافه اوجمیع اوصافه (ایک وصف یا تمام اوصاف کی تبدیلی) پر علّامہ احمد بن یونس شلبی نے یہ کہاکہ بشرطیکہ پانی اپنی خلقت پر باقی رہے، اور یہ کہہ کر انہوں نے اھ کہا لیکن انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ یہ کس کی عبارت نقل کی ہے، اور سیاق سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کلام شیخ یحییٰ کا ہے۔ دُرر میں علامہ مُلّا خسرو نے کہا کہ بہت سے مشائخ کی عبارت یوں ہے غیر احدا وصافه طاهر (پاک چیز ایک وصف کو تبدیل کردے) تو اس سے ہدایہ کے بعض شارحین کو وہم ہوا کہ لفظ احد (ایک) سے زائد کی نفی مقصود ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ ینابیع میں ہے کہ اگر چنے باقلا پانی میں تر ہو کر اس کے رنگ اور ذائقہ اور بُو کو تبدیل

عــه لعل یحییٰ ھذا ھو الشیخ یحیی القوجحصاری صاحب الایضاح شرح الکنز واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)	شاید اس یحییٰ سے مراد شیخ یحییٰ القوجحصاری صاحبِ ایضاح شرح کنز ہوں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] شلبیہ علی التبیین کتاب الطہارۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۹

[2] درر وغرر کتاب الطہارۃ دار سعادۃ مصر ۱/۲۱

[3] خادمی شرح درر کتاب الطہارۃ دار سعادۃ مصر ص ۲۰

فیهافان غیر اثنین او الثلاث لایجوز الوضوء به والاجاز [1] اھ قلت هذاهو جواب الامام الزیلعی کما یأتی ثم رده الخادمی بقوله لکن لایخفی ان هذالیس من هذا القبیل بل من قبیل الغلبة [2] کما یأتی اھ یریدان ماحملتم علیه قولهم وان غیراحداوصافه وهو اختلاط مایخالف الماء فی الاوصاف الثلثة لیس من قبیل مافیه الکلام هنا وهو خلط الجامد لان العبرة بالاوصاف عند اهل الضابطة انما هی فی المائعات کماسیأتی فهو من قبیل ماغلب علیه غیره وهو المذکور فی الغرراٰخر الکلام اماهنا فالعبرة بالرقة فکیف یحمل هذا علی ذاك۔

اقول: (۱) لکن تخصیص الکلام عــه بالجامد

کردیں تو بھی اس سے وضو جائز ہے اور نہایہ میں کہاکہ اساتذہ سے منقول ہے اوران کے گزشتہ قول کو نقل کرکے کہاکہ طحاوی کی شرح میں اس طرف اشارہ ہے اھ شرنبلالی، عبدالحلیم اور مولی ملاحسن عجیمی نے اس کو ثابت کیااور خادمی نے اس کی تائید کرتے ہوئے یوں کہاکہ یہ کہناکہ ہدایہ کا بیان نہایہ کی روایت کے خلاف ہے، یہ وہم بعید ہے اھ خادمی نے ملاخسرو کے قول مذکور ولیس کذلك کے بارے میں کہاکہ اس کا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ ایک وصف کی قید وہاں زائد اوصاف کی نفی کرے گی جہاں پانی میں ملنے والی چیز تینوں اوصاف میں پانی کے مخالف ہو کیونکہ تمام اوصاف میں مخالف چیز اگر پانی کے دو یا تینوں اوصاف کو تبدیل کردے تو اس پانی سے وضو جائز نہ ہوگا ورنہ جائز ہوگا۔ میں نے یہاں کہاکہ یہی امام زیلعی کا جواب ہے جیسا کہ آئندہ آئے گا اھ پھر خادمی نے خود اس کا رد کرتے ہوئے کہا زیر بحث کلام اوصاف میں پانی کے مخالف چیز کے بارے میں نہیں ہے، خادمی کی مراد یہ ہے کہ ان غیر احداوصافہ یہ قول، پانی میں ملنے والی اس چیز کے بارے میں ہے جو تینوں اوصاف میں پانی کے مخالف ہو،اس قبیلہ سے نہیں جس میں یہاں کلام ہے کیونکہ یہ تو جامد چیز کے بارے میں بحث ہے جبکہ ضابطہ والوں نے اوصاف کااعتبار صرف بہنے والی چیزوں کے بارے میں کیا ہے جو آئندہ آئے گا، جبکہ یہ غیر کے غلبہ والی بات ہے جو غرر نے اپنے کلام کے آخر میں ذکر کیاہے، لیکن وہاں جامد میں تو رقت کا اعتبار ہے۔ پس اس کو اُس پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں، لیکن اوصاف کی تبدیلی کے

عــه ای حکم الجواز مع تغیرفی الاوصاف ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی امام زیلعی نے اس مطلق کو تینوں اوصاف میں پانی کے مخالف بہنے والی چیز پر محمول کیا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] خادمی شرح درر کتاب الطهارة دار سعادة مصر ۲۱/۱

[2] خادمی شرح درر کتاب الطهارة دار سعادة مصر ۲۱/۱

انما حدث بعد الضابطة وکلام کل من قبل الزیلعی مطلق فالحاصل حمله [عه] علی مائع مخالف فی الاوصاف الثلثة فالاعتراض ساقط عن الزیلعی وبالجملة هما مسلکان لاهل الضابطة الاول حمل احد علی التقیید وحمل الحکم علی مائع یخالف فی الثلثة وھو مسلك الزیلعی والثانی جعل التقیید اتفاقیا وحمل الحکم علی الجامد وھو مسلك الدرر ومن تبعھا کالتنویر ونور الایضاح وکلاھما صحیح موافق للضابطة فلا ایراد وانما نشأ من خلط المسلکین۔

اقول: نعم اذا طوینا الکشح عن الضابطة الحادثة وقصرنا النظر علی نصوص المذھب و المذاھب المنقولة عن ائمة المذھب فھما مسلکان متخالفان لان جعل احد قیدا احترازیا یقضی باعتبار الغلبة بالاوصاف وھو مذھب محمد و جعله اتفاقیا یطرحه وھو مذھب ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما وھذا ھو الاولی والاحزی لوجوہ تتلی۔

باوجود وضو کے جواز کو جامد چیز سے خاص کرنا ضابطہ مذکورہ کے بعد کی بات ہے، حالانکہ امام زیلعی سے پہلے تمام حضرات کا کلام مطلق ہے، حاصل یہ ہے کہ امام زیلعی نے اس مطلق کو تینوں اوصاف میں مخالف بہنے والی چیز پر محمول کیا، یوں امام زیلعی پر سے اعتراض ساقط ہوگیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل ضابطہ کے دو مسلک ہیں، اوّل یہ کہ ایک وصف کے ذکر کو قید بناکر اس کو بہنے والی ایسی چیز کا حکم قرار دیا جو تینوں اوصاف میں پانی کے مخالف ہو، یہ امام زیلعی کا مسلک ہے اور دوسرا یہ کہ وصفِ واحد کے ذکر کو اتفاقی قید بنایا اور اس کو جامد کا حکم قرار دیا یہ دُرر اور اس کے موافق حضرات جیسے تنویر، نور الایضاح کا مسلک ہے اور یہ دونوں مسلک درست ہیں اور ضابطہ کے موافق ہیں لہذا کوئی اعتراض نہیں، صرف دونوں مسلکوں کے خلط سے اشتباہ پیدا ہوا۔ (ت)

میں کہتا ہوں، ہاں اگر ہم نئے ضابطہ سے صرف نظر کریں اور مذہب کے ائمہ کرام سے منقول انکی نصوص کا ہی لحاظ کریں تو پھر یہ دونوں مسلک مختلف ہیں کہ واحد وصف کے ذکر کو احترازی قید قرار دے کر اوصاف کے لحاظ سے غلبہ کا فیصلہ کیا جائے تو یہ امام محمد کا مسلک ہوگا اور اس ایک وصف کو اتفاقی قرار دے کر غلبہ میں اوصاف کے اعتبار کو ساقط قرار دیا جائے تو یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہوگا یہی زیادہ بہتر اور مناسب ہے حسب ذیل وجوہ کی بناپر۔

عہ ای حمل الزیلعی ذلك المطلق ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی اوصاف کی تبدیلی کے باوجود وضو کے جواز کا حکم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

فاقول: (۱) اوّلا قدعلمت ان مذھب ابی یوسف ھوالصحیح المعتمد ومھماقدرنا ان نحمل النصوص علی الصحیح لانعدوہ۔

میں کہتا ہوں اول: یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ امام ابو یوسف کا مذہب ہی قابلِ اعتماد اور صحیح ہے اور جب تک ممکن ہوگا ہم نصوص کو صحیح مذہب پر محمول کریں گے اور آگے نہیں پڑھیں گے۔

وثانیا: (۲) النصوص مطلقة تشمل الجامد والمائع واعلی اللہ درجات الامامین برھان الدین الفرغانی وحافظ الدین النسفی اذ زادا فی الامثلة الماء الذی خالطه اللبن فاتیا بالتنصیص علی التعمیم وبطلان التخصیص ومحمدا انما یقول باعتبار الاوصاف فی المائعات کما یأتی باعتبارالاوصاف فی المائعات کمایأتی تحقیقه اِن شاء اللہ تعالٰی فجعله للاحتراز یجعل النصوص خارجةعن المذھبین والمتون ماشیة علی مالاوجودله فی المذھب وانما کان وضعھا لنقل المذھب۔

دوم: یہ کہ اس بارے میں نصوص میں اطلاق ہے جو جامد اور بہنے والی دونوں کو شامل ہے اس تعمیم پر امام برہان الدین فرغانی اور امام حافظ الدین نسفی (اللہ تعالٰی ان دونوں اماموں کے درجات کو بلند فرمائے) نے نص کرتے ہوئے اس مسئلہ کی مثالوں میں ایسے پانی کو جس میں دُودھ ملا ہو، کا اضافہ فرمایا جس سے تخصیص کا احتمال باطل ہوگیا، اور امام محمد بہنے والی چیزوں میں اوصاف کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ اس کی تحقیق آئے گی ان شاء اللہ تعالٰی، پس اب ایک وصف کے ذکر کو قید احترازی بنانے کیلئے تمام نصوص کو دونوں مذکور مذاہب سے خارج کرنا ہے اور متون باوجودیکہ وہ مذہب کی ترجمانی کیلئے وضع ہیں ان کو ایسے امور میں رواں کرتے ہیں جن کا مذہب میں وجود ہی نہیں ہے۔

وثالثا: (۳) معلوم ان دلالة المفھوم غیر قطعیة ورب قیود تجیئ فی الکتب لامحترزلھا فحمل النصوص علی ھذا اولی ام جعل القید للاحتراز ثم القیام بالاعتراض۔

اور سوم، یہ کہ واضح طور پر معلوم ہے کہ مفہوم کی دلالت قطعی نہیں ہوتی کیونکہ کتب میں بہت سے قیود غیر احترازی آتی ہیں تو اب نصوص کو اس معنی پر محمول کرنا بہتر ہے یا قید کو احترازی بنا کر پھر اعتراض کا سامنا کیا جائے؟

ورابعا: (۴) لاشك ان کل کل معه بعضه وماغیر الاوصاف فقد غیر احدھا

چہارم، یہ کہ اس میں شک نہیں کہ ہر کُل کے ساتھ اس کا بعض بھی ہوتا ہے تو جب اوصاف کو

(۱) واعتبار الواحد علی صفة الانفراد غیر لازم وماله من اطراد الاتری الی مافی خیریة لایستفاد من لفظ واحدة وصف التوحید فقد نصوا علی (۲) انه لو کان تحته اربع نسوة وله عبید فقال ان طلقت واحدة منهن فعبد من عبیدی حراوثنتین فعبدان اوثلثافثلثة اواربعافاربعة فطلقهن معا اومفرقاای مرتبا فی الکل والبعض عتق عشرة من عبیده واحد بطلاق الاولی واثنان بطلاق الثانیة وثلثة بطلاق الثالثة واربعة بطلاق الرابعة : مجموع ذلك عشرة فلو اشترط وصف التوحید فی لفظ الواحدة لماوقع العتق علی الواحد فی صورة طلاقهن معالانه حینئذ لم یطلق واحدة حال کونها منفردة بل طلقها فی جملة نسائه الاربع اھ[1] اقول: (۳) والانصاف عندی ان الحکم بالمفهوم فی امثال المحال مختلف

کوئی چیز تبدیل کرے گی تو ان میں سے ایک وصف کو بھی تبدیل کرے گی جبکہ ایک کو انفرادی صفت پر رکھنا لازم نہیں ہے اور نہ ہی اس کیلئے کوئی ضابطہ ہے، کیاآپ نے فتاوٰی خیریہ کے اس مضمون پر غور نہیں کیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ "واحدۃ" کے لفظ سے وحدت کا وصف حاصل نہیں ہوتا (اسی لئے فقہاء کرام) نے اس بات پر نص کی ہے کہ اگر کسی شخص کی چار بیویاں ہوں اور اس کے دس غلام ہوں اور وہ یہ کہے اگر میں ایک بیوی کو طلاق دُوں تو ایک غلام آزاد، اگر دو کو طلاق دُوں تو دو غلام آزاد، اگر تین کو طلاق دوں تو تین غلام آزاد، اگر چار کو طلاق دوں تو چار غلام آزاد، اس کے بعد اس نے چاروں بیویوں کو ایک ساتھ یا متفرق طورپر طلاق دے دی تو اس کے دس غلام آزاد ہوجائیں گے، پہلی کے ساتھ ایک، دوسری کے ساتھ دو اور تیسری کے ساتھ تین اور چوتھی طلاق کے ساتھ چار غلام آزاد ہوں گے یوں کل دس عدد غلام آزاد ہوں گے (اس مسئلہ سے واضح ہوا) کہ اگر "واحدۃ" میں توحید کے وصف کا اعتبار شرط ہوتا تو سب بیویوں کو ایک ساتھ طلاق دینے کی صورت میں ایک غلام کو آزادی والی صورت نہ بنتی کیونکہ ایک غلام کی آزادی ایک بیوی کی طلاق سے مشروط تھی جبکہ ایک ساتھ طلاق دینے میں ایک بیوی کو علیحدہ طلاق نہیں ہوئی بلاکہ چاروں بیویوں کو ایک ساتھ طلاق میں ایک طلاق ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں، میرے نزدیک انصاف یہ ہے کہ احوال کے اختلاف کی بناپر ہر محل میں

[1] فتاوٰی خیریہ قبیل باب الایلا بیروت ۱/۵۷

باختلاف الاحوال فان علم ان الافراد لامدخل فی الحکم لایسبق الذھن الی المفھوم کقول رجل لبنیہ اکرموا من یکرم احدکم لایفھم منہ احدان لاتکرموا من اکرم کلکم وکذلك قول حنفی من قرأ احدی اٰیات القراٰن صحت صلاتہ وقول شافعی من مسح احدی شعرات رأسہ صح وضوؤہ ومن ھذاالباب الصورۃ المذکورۃ فی الخیریۃ فانا نری الحکم یزداد بالازدیاد فلاتوقف لہ علی الانفراد، ومن ذلك قولہ عزوجل وان احدمن المشرکین استجارك واتیتم احدھن قنطاراوجاء احد منکم من الغائط فانہ لاینفھم منہ عدم الحکم عندالتعدد حتی عنداصحاب المفاھیم بل لوکان مثلہ فی کلام الناس لم یدل علی المفھوم قطعاللعلم بان الانفراد لادخل لہ فی الحکم وان علم ان لہ مدخلا فیہ ثبت المفھوم کقولہ لاتکرموا من یکرم احدکم فمن المعلوم ان الحکم للاقتصار علی اکرام واحدفمن اکرمھم جمیعالایدخل تحت النھی واذا قیل من طلق ثنتین فلہ ان یراجع فھم منہ ان من طلق ثلثا لارجعۃ لہ ولم یفھم منہ ان من طلق واحدۃ لارجعۃ لہ فاجتمع فیہ الانفھام وعدمہ فاذاکان الامر یتلف ھکذا ویبتنی علی العلم بالعلۃ

مفہوم کا حکم مختلف ہوتا ہے کیونکہ اگر یقین کر لیا جائے کہ انفرادی وصف کا حکم میں کوئی دخل نہیں ہوتا تو پھر جب کوئی شخص اپنے بیٹوں کو یہ کہے کہ جو تم میں سے ایک کی عزت کرے تم اس کی عزت کرو، تو اس کلام سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جو تم سب کی عزت کرے تم اس کی عزت نہ کرو (حالانکہ اس بات سے یہ مفہوم نہیں سمجھتا) اس طرح کسی حنفی کا یہ قول کہ جس نے قرآن کی آیات میں سے ایک آیت پڑھی اس کی نماز درست ہے۔ اور کسی شافعی کا یہ قول کہ جس نے اپنے سر کے بالوں میں سے ایک بال کا مسح کر لیا اس کا وضو درست ہے۔ ان میں زیادہ آیات پڑھنے میں نماز کی اور زیادہ بالوں کے مسح سے وضو کی عدمِ صحت نہیں سمجھی جاتی، فتاوٰی خیریہ کی مذکورہ صورت اسی باب سے ہے کیونکہ زیادہ کرنے پر حکم بھی زیادہ ہو جاتا ہے اسی طرح حکم ایک پر موقوف نہیں ہوگا۔

اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا یہ قول ہے کہ اگر مشرکین میں ایک مشرک پناہ طلب کرنے اور یہ قول کہ عورتوں میں سے ایک کو وافر دو، اور یہ قول بھی کہ تم میں سے کوئی ایک بیت الخلاء سے فارغ ہو، کیونکہ ان اقوال میں عدد زیادہ ہونے پر عدم حکم کا فہم نہیں ہوتا حتی کہ وہ لوگ جو عبارات میں مفہوم اخذ کرنے کے قائل ہیں وہ بھی زیادہ سے حکم کی نفی نہیں کرتے بلکہ عوام الناس کے کلام میں بھی اگر ایک کا عدد ذکر ہو تو اس سے مفہوم مخالف نہیں لیا جاتا کیونکہ انفراد کا حکم میں دخل نہیں ہے۔ اور اگر انفراد کا حکم میں دخل ہو تو پھر مفہوم مخالف ثابت ہو جاتا ہے، جیسے کوئی

من خارج لم یصح الحکم باحد الطرفین من مجرد الکلام فھھنا ان علم ان للتوحداوالبعضیة مدخلا فی جواز الوضو ثبت المفھوم وان علم عدمه انعدم فالحکم بکونه قیدااحترازیامتوقف علی اثبات اعتبار التغیر بالاوصاف ولم یثبت بل ثبت خلافه فلا مفھوم (۱)وبالجملة ھو احتمال قام البرھان علی بطلانه فلایعتبر۔

وخامسا: (۲) تمثیلھم بماء المد والماء الذی خالطه الصابون من اجلی قرینة علی عدم ارادتھم المفھوم فان ماء السیل یکون متغیراللون والطعم معابل ربمایکون متغیرالثلاثة وکذلك الماء اذا خالطه الصابون لایقتصرعلی تغییر وصف واحد قط و الزعفران ربما یتغیر به وصفان والثلثة واقتصاره علی واحدنادر فی المعتاد وقد ارسلوہ ارسالا* وجعلوہ لما یغیراحد الاوصاف مثالا* وھذا وانکان فیه مجال مقال* فماء المد والصابون

یہ کہے تم میں سے ایک کی عزت کرنے والے کی عزت نہ کرو، اس جملہ سے واضح ہے کہ یہاں عزت نہ کرنے کا حکم صرف ایک کی عزت سے متعلق ہے اور اگر وہ سب کی عزّت کرے تو عزت کرنے میں ممانعت نہ ہوگی اور اگر کسی نے یہ کہا جو شخص دو طلاقیں دے گا تو اس کو رجوع کا حق ہوگا، اس سے تین طلاقیں دینے والے کیلئے رجعت کا حق ثابت نہیں ہوتا جبکہ ایک طلاق دینے والے کیلئے رجعت کا حق ثابت ہوتا ہے، اس طرح دو طلاقوں کے حکم میں مفہوم کا فہم اور عدمِ فہم دونوں پائے جاتے ہیں پس اگر معاملہ واضح نہ ہو اور حکم کا فیصلہ کسی خارجی علّت کے علم پر موقوف ہو تو کسی پہلو پر حکم نفسِ کلام سے حاصل نہ ہوگا لہٰذا (یہاں پانی میں ملنے والی چیز سے وصفِ واحد کے ذکر میں) وضو کے جواز میں واحد یا بعض کا دخل ثابت ہو تو مفہوم مخالف ثابت ہوگا اور اگر واحد یا بعض کے عدمِ دخل کا علم ہو تو پھر مفہوم ثابت نہ ہوگا، اس لئے یہاں واحد کا قید احترازی ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اوصاف سے تغیر کا اعتبار کیا جائے، چونکہ یہ بات ثابت نہیں بلاالکہ اس کا خلاف ثابت ہے لہٰذا مفہوم بھی ثابت نہ ہوگا، خلاصہ یہ کہ اس احتمال کے بطلان پر دلیل قائم ہے لہٰذا یہ احتمال معتبر نہ ہوگا۔ (ت)

پنجم، یہ کہ ان فقہاء کرام کا "احد الاوصاف" کے ذکر کے بعد اس کے مثال میں سیلاب کے پانی اور صابون والے پانی کا ذکر کرنا اس بات پر واضح قرینہ ہے کہ یہاں مفہوم مراد نہیں ہے کیونکہ سیلاب کا پانی رنگ اور ذائقہ دونوں میں بلکہ تینوں اوصاف میں متغیر ہوتا ہے اور یوں ہی جب پانی میں صابون ملتا ہے تو بھی صرف ایک وصف تبدیل نہیں ہوتا اور زعفران سے دو وصف بلکہ تینوں وصف متغیر ہو جاتے ہیں صرف ایک وصف کا متغیر ہونا عادۃً نادر ہے۔ تو فقہاء کرام نے پابند کیے بغیر "احدالاوصاف" کو بطور مثال ذکر کیا ہے اگرچہ یہاں بحث کی گنجائش ہو سکتی تھی لیکن سیلاب اور

كافيان فی الاستدلال* فظهر الامر و زوال اللبس وقيل الحمدلله رب العٰلمين۔	صابون کے ذکر سے استدلال کافی ہے یوں معاملہ واضح ہوگیا اور اشتباہ ختم ہوگیا، الحمدللہ رب العٰلمین۔ (ت)

یہ ہے ضوابط متون کا بیان ضوابط پیشین نے مذہب امام ابویوسف کا اثبات کیا اور اس ضابطہ نے مذہب امام ثالث کی نفی اور اطلاق نے واضح کیا کہ پانی میں کوئی شے جامد ملے خواہ مائع مطلقًا تغیر اوصاف غیر مانع اور دو امام اجل صاحبِ ہدایہ وصاحب کافی نے پانی میں دودھ ملنے کی مثال زائد فرما کر اس اطلاق کو پورا مسجل فرمادیا اور مذہب امام ابویوسف کہ اُس قدر تصحیحات کثیرہ سے مشید تھا اطباق متون سے اور مؤکد ہوگیا اور بحمد اللہ یہی ہے وہ کہ مائے مطلق کی تعریف رضوی نے افادہ کیا وللہ الحمد علی الدوام* وعلی نبیہ والہ الصلٰوۃ والسلام* علی مر اللیالی والایام*

ضابطہ ۶: قول امام محمد رضی اللہ عنہ جسے امام اسبیجابی وامام ملک العلماء نے اختیار کیا،

وفی خصوص مسألة الاوراق فی الحوض مشی عليه فی شرح الوقاية والمنية ايضا مخالفة لنفسها فيما مرعنها فی الضابطة الخامسة ونقلها الذخيرة والتتمة عن الامام احمد الميدانی وللحلية ميل اليه فی المسألة علی تصريحاتها بخلافه فی غيرها وفيها زعم چلپی فی ذخيرة العقبی انه الاصح كما تقدم كل ذلك فی ۷۷ و ۷۹ و ۱۰۱ وغيرها وذكر الامام ملك العلماء فی النبيذ المطبوخ ان الاقرب الی الصواب عدم جواز الوضو لغلبة التمر طعما ولونا كمايأتی فهذاماوجدت من ترجيحاته فی صور خاصة ولم ارالتصحيح الصريح لمطلق هذاهذا القول الاماوقع فی الجوهرة ان الشيخ يريدالامام القدوری اختار قول محمد حيث قال فغير احد اوصافه	اور خاص طور پر حوض میں پتّے گرنے کے مسئلہ میں امام محمد کے قول کو شرح وقایہ میں اختیار کیا اور مُنیہ نے بھی پانچویں ضابطہ میں مذکور اپنے قول کے خلاف اس کو اپنایا۔ امام احمد میدانی سے ذخیرہ اور تتمہ نے اس مسئلہ کو نقل کیا ہے حلیہ نے اس مسئلہ کی تصریحات پر امام محمد کے قول کو ترجیح دی جبکہ دوسرے مسائل میں انہوں نے اس کے خلاف کیا ہے اور چلپی نے ذخیرۃ العقبیٰ میں امام محمد کے قول کو اس مسئلہ میں اصح کہا ہے جیسا کہ یہ تمام اقوال ۷۷، ۷۹، ۱۰۱ وغیرہ میں گزر چکے ہیں، امام ملک العلماء نے پکائی ہوئی نبیذ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اقرب الی الصواب یہ ہے اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس میں پانی پر کھجور کا رنگ اور ذائقہ کے لحاظ سے غلبہ ہے جیسا کہ آئندہ ذکر ہوگا۔ امام محمد کے قول کے بارے میں مَیں نے یہ ترجیحات چند خاص صورتوں میں پائی ہیں اور اس قول کے اطلاق کے بارے میں صریح تصریح میں نے

اھ وقال قبله اشار الشیخ الی ان المعتبر بالاوصاف والاصح ان المعتبر بالاجزاء [1] اھ	نہیں دیکھی ماسوائے اس کے کہ میں نے جوہرہ میں پایا جس میں انہوں نے شیخ قدوری کے متعلق فرمایا کہ انہوں نے امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہا "فغیر احد اوصافہ " اھ حالانکہ اس سے قبل جوہرہ نے کہا کہ شیخ نے اشارہ دیا ہے کہ اوصاف کا اعتبار ہے حالانکہ اصح یہ ہے کہ اوصاف کے بجائے اجزاء کا اعتبار ہے اھ (ت)

اقول: یبتنی (۱) علی جعل احد [عہ] للتقیید وقد علمت مافیه (**میں کہتا ہوں** کہ جوہرہ کا "احد اوصافه" کے ذریعہ امام محمد کے قول کی ترجیح سمجھنا لفظ "احد" کو قید بنانے پر موقوف ہے حالانکہ اس میں بحث تم معلوم کرچکے ہو۔ ت)

اب یہاں بعض ابحاث ہیں۔

بحث اوّل تنقیح مذہب۔

اقول: اس قول کے نقل میں عبارات مختلف آئیں اور اشہر یہ ہے کہ پانی میں اگر کوئی بہتی ہوئی چیز ملے تو امام محمد اوّلاً رنگ کا اعتبار فرماتے ہیں، اگر اُس کا رنگ پانی پر غالب آجائے قابلِ وضو نہیں ورنہ ہے، اور جس کا رنگ پانی کے خلاف نہ ہو اس میں مزے کا لحاظ فرماتے ہیں اس کا مزہ غالب ہو تو وضو ناجائز ورنہ جائز، اور جس کا مزہ بھی مخالف نہ ہو اس میں اجزاء پر نظر فرماتے ہیں اگر برابر یا زیادہ مقدار پر پانی میں مل جائے تو وضو صحیح نہیں ورنہ صحیح۔

فاولاً تقدم فی ۱۰۷ عن الحلیة عن الذخیرة والتتمة محمد اعتبر غلبة المخلوط لکن فی بعضها اشار الی الغلبة من حیث اللون وفی بعضها الی سلب الرقة [2] اھ ونقل فی الفتح عن بعضهم ان	**اوّلاً،** ۱۰۷ میں حلیہ کا قول ذخیرہ اور تتمہ کے حوالہ سے گزرا ہے کہ امام محمد کا پانی میں مخلوط چیز کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں لیکن بعض صورتوں میں وہ رنگ کے لحاظ سے اور بعض میں رقّت سلب ہونے کے لحاظ سے غلبہ قرار دیتے ہیں اھ اور فتح القدیر میں

عہ **اقول:** وھذا (۲) ایضا من دلائل انھم لم یریدوا التقیید والا لکان اختیار القول محمد وھذا نص الھدایة عبر باحد الاوصاف وصحح قول ابی یوسف ۱۲ منه غفرله (م)	**میں کہتا ہوں** یہ بھی اس بات پر ایک دلیل ہے کہ فقہاء نے تقیید مراد نہیں لی، ورنہ امام محمد کے قول کو ترجیح ہوجائے گی اور ہدایہ کی نص یہ ہے "احد الاوصاف" سے تعبیر کرکے امام یوسف کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

[1] الجوہرة النیرة ابحاث الماء مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[2] حلیہ

محمدا یعتبرہ باللون وابایوسف بالاجزاء قال وفی المحیط عکسه والاول اثبت فان صاحب الاجناس نقل قول محمد نصا بمعناہ ثم نقل کالحلیة عن الاجناس قال محمد فی الماء الذی یطبخ فیه الریحان والاشنان اذالم یتغیر لونه حتی یحمر بالاشنان اویسود بالریحان وکان الغالب علیه الماء فلاباس بالوضو به فمحمد یراعی لون الماء وابویوسف غلبة الاجزاء[1] اھ ومر فی بحث غلبة الاجزاء عن مجمع الانہر انه قول ابی یوسف ومحمد اعتبر اللون فی الصحیح عنه[2]اھ وفی الجوہرة النیرة عن الفتاوی الظهیریة محمد اعتبر اللون وابویوسف الاجزاء[3]اھ وفی جامع الرموز اعتبر الغلبة من حیث الاجزاء کما قال ابویوسف وفی روایة عن محمد واشھر قول محمد ان المعتبر اللون کمافی حاشیة الهدایة[4]اھ فهؤلاء وآخرون اقتصروا علی اللون۔	بعض سے منقول ہے کہ امام محمد غلبہ میں رنگ کا اور امام ابویوسف اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور محیط میں اس کا عکس بتایا ہے جبکہ اول زیادہ قوی ہے کیونکہ صاحب الاجناس نے امام محمد کے قول کو نصًا نقل کیا ہے پھر اس کو حلیہ نے اجناس سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس پانی میں ریحان (گل بابونہ) اور اشنان بوٹی پکائے گئے ہوں تو جب تک اشنان کی وجہ سے پانی سُرخ اور ریحان کی وجہ سے سیاہ ہو کر متغیر نہیں ہوتا اس وقت تک پانی غالب رہے گا لہٰذا اس سے وضو جائز ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام محمد پانی کے رنگ کا اور امام ابویوسف اجزاء کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں اھ اور مجمع الانہر کے غلبہ کی بحث میں گزرا کہ اجزاء کا غلبہ امام ابویوسف کا قول ہے اور امام محمد رنگ کا اعتبار کرتے ہیں ان سے صحیح طور یہی مروی ہے اھ، جوہرہ نیرہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے منقول ہے کہ امام محمد رنگ اور امام ابویوسف اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں اور جامع الرموز میں ہے کہ غلبہ میں اجزاء کا اعتبار ہوگا جیسا کہ امام ابویوسف کا قول ہے اور ایک روایت میں یہ قول امام محمد کا ہے لیکن مشہور قول امام محمد کا یہ ہے کہ وہ رنگ کا اعتبار کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ کے حاشیہ میں ہے اھ پس ان مذکور حضرات اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات نے امام محمد کے

---

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ومالایجوز مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

[2] مجمع الانہر فصل تجوز الطہارۃ بالماء المطلق مطبعۃ عامرہ مصر ۱/۲۸

[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارت مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۴

[4] جامع الرموز مکتبہ کریمیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۶

وثانیا: فی الحلیة عن المحیط الرضوی العبرة عند محمد لغلبة الاجزاء دون اللون اوالطعم وعند ابی یوسف للون اوالطعم فان لم یوجد کل منھما فغلبة الاجزاء [1] اھ قال وعزاہ فی المحیط الی النوادر اھ وھذا وانکان فیہ عکس النسبت وقد ثبت ان الاول اثبت فالنظر ھھنا الی تردیدہ بین اللون والطعم ثم تقدیمھما علی الاجزاء۔

وثالثا: مرفی البحث المذکور عن العنایة محمد یعتبر الغلبة باللون ثم الطعم ثم الاجزاء اھ وفی التبیین ذکر الاسبیجابی ان الغلبة تعتبر اولا من حیث اللون ثم الطعم ثم الاجزاء [2] اھ ونقل فی الشلبیة عن یحیٰ عن الامام الاسبیجابی بلفظ ان الماء ان اختلط بہ طاھر فان غیر لونہ فالعبرة للون مثل اللبن والخل والزعفران یختلط بالماء وان لم یغیر لونہ بل طعمہ فالعبرة للطعم مثل ماء البطیخ والاشجار والثمار والانبذة وان لم یغیر لونہ و

قول میں صرف رنگ کا ذکر کیا ہے۔ (ت)

ثانیًا، حلیہ میں محیط رضوی سے منقول ہے کہ امام محمد کے ہاں اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہے رنگ اور ذائقہ کا اعتبار نہیں اور امام ابویوسف کے ہاں رنگ یا ذائقہ کا اعتبار ہے اگر دونوں نہ ہوں تو پھر وہ اجزاء کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں اھ اور کہا کہ اس کو محیط میں نوادر اقوال میں شمار کیا ہے اھ اس بیان میں اگرچہ غلبہ کے معیار کی نسبت برعکس ہے جبکہ پہلی مذکورہ نسبت زیادہ قوی ہے تاہم اس بیان میں رنگ اور ذائقہ کی تردید اور پھر ان دونوں کے بعد اجزاء کا اعتبار مذکور ہے۔ (ت)

ثالثًا، عنایہ سے منقول ہو کر گزشتہ بحث میں گزرا کہ امام محمد غلبہ میں رنگ پھر ذائقہ اور پھر اجزاء کا اعتبار کرتے ہیں اھ اور تبیین میں ہے امام اسیجابی نے ذکر کیا ہے کہ پہلے رنگ کے غلبہ پھر ذائقہ اور پھر اجزاء کا اعتبار کیا جائے گا اھ اور شلبیہ میں یحیٰی کے ذریعہ امام اسیجابی سے منقول ہے کہ اگر پانی میں کوئی پاک چیز مل جائے تو اس سے اگر رنگ متغیر ہوا تو رنگ کا اعتبار ہوگا جیسا کہ دودھ، سرکہ اور زعفران ہو۔ اور اگر اس سے رنگ نہ بدلے بلاالکہ ذائقہ بدلا ہو تو پھر ذائقہ کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ تربوز کا پانی یا درختوں،

[1] حلیہ

[2] العنایة الماء الذی یجوز بہ الوضو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۴

طعمه فالعبرة للاجزاء فان غلب اجزاؤه علی اجزاء الماء لایجوز الوضو به کالماء المعتصر من الثمر والاجازکالماء المتقاطرمن الکرم بقطعه[1]اھ ومثله فی خزانة المفتین صدر بقوله اذا اختلط شیئ بالماء تعتبر الغلبة من حیث اللون ثم الطعم ثم الاجزاء ثم ذکر معناہ سواء بسواء غیر انه قال فی الشق الاخیر العبرة فیه لکثرة الاجزاء انکان اجزاء الماء اکثر یجوز والالا[2]اھ ومثله فی جامع الرموز عن الزاهدی وغیرہ وبدایته الطاهران خالف الماء لونا کاللبن والعصیر والخل وماء الزعفران فالعبرة للون[3] الخ فذکر ماء الزعفران مکان الزعفران ومثله فی البنایة عن شرح القدوری زاد الفقهاء بلفظ ماء الزعفران وکذلك فی الحلیة وقد عزاہ ایضا للزیلعی عن الاسبیجابی۔

اقول: لکن عبارة الزیلعی عنه ماقد سمعت وقال القهستانی اٰخر نقله الماء

پھلوں اور نبیذوں کا پانی ہو۔ اور اگر رنگ اور ذائقہ تبدیل نہ ہو تو پھر اجزاء کا اعتبار ہوگا جب پانی کے اجزاء پر ملنے والی چیز کے اجزاء غالب ہوجائیں تو وضو جائز نہ ہوگا جیسا کہ پھلوں کا جُوس ہو، اور اگر رنگ، ذائقہ اور اجزاء کا غلبہ نہ ہو تو پھر وضو جائز ہوگا جیسا کہ انگور کا پودا کاٹنے پر اس سے جٹپکنے والا پانی ہو اھ اور ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے صرف شروع میں انہوں نے کہا کہ جب پانی میں کوئی چیز ملے تو اعتبار رنگ، ذائقہ پھر اجزاء کا ہوگا پھر اس کا معنی ذکر کیا سواء بسواء، سوائے اس کے کہ آخری شق میں کہا کہ اعتبار کثرت اجزاء کا ہے اگر پانی کے اجزاء غالب ہوں تو وضو جائز ہوگا، ورنہ نہیں اھ اسی کے مثل جامع الرموز کی عبارت ہے جو یوں شروع ہوتی ہے کہ اگر ایسی پاک چیز ہو جو رنگ میں پانی کے مخالف ہو جیسے دودھ، سرکہ، جوس اس زعفران کا پانی وغیرہ تو اس میں رنگ کا اعتبار ہے الخ انہوں نے زعفران کے بجائے زعفران کے پانی کو ذکر کیا ہے۔ بنایہ میں بھی شرح قدوری زاد الفقہاء سے ایسے ہی منقول ہے کہ زعفران کے ساتھ پانی کا لفظ بڑھایا ہے۔ اور یوں ہی حلیہ میں ہے اور اس کو زیلعی کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے اسبیجابی سے نقل کیا ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** کہ زیلعی کی امام اسبیجابی سے نقل کردہ عبارت آپ سن چکے ہیں، قہستانی نے گزشتہ

---

[1] شلبیۃ علی التبیین کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ۱/۲۰

[2] خزانۃ المفتین

[3] جامع الرموز کتاب الطہارۃ اسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۶

فالاعتبار اولا للون ثم الطعم ثم الاجزاء [1] اھ وفی البرجندی ذکر فی الهدایة انه یعتبر فی الغلبة اولا للون ثم الطعم ثم الاجزاء فان خالف لونه لو الماء کاللبن والزعفران [2] الخ

اقول: ولیس فی الهدایة فلعله من تصحیفات الناسخ فهؤلاء رتبوا بین الکل واطلقوا الطاهر غیر مقیدیه بالمائع وقد مثل الاسبیجابی والسمعانی والبرجندی بالزعفران لکن ابدله الحلبی والعینی والزاهدی و زاد الفقهاء وغیرهم بماء الزعفران۔

و رابعًا: قال الامام ملك العلماء فی البدائع الماء المطلق اذاخالطه شیئ من المائعات الطاهرة کاللبن والخل ونقیع الزبیب ونحو ذلك علی وجه زال عنه اسم الماء بان صار مغلوبا به فهو بمعنی الماء المقید ثم ینظر ان کان الذی خالطه مما یخالف لونه لون الماء کاللبن وماء العصفر والزعفران و نحو ذلك تعتبر الغلبة فی اللون وان کان لایخالف

نقل شدہ عبارت کے آخر میں فرمایا للذا پہلے رنگ پھر ذائقہ اور اس کے بعد اجزاء کا اعتبار ہوگا اھ اور برجندی میں ہے کہ ہدایہ میں مذکور ہے کہ غلبہ میں پہلے رنگ پھر ذائقہ اور پھر اجزاء کا اعتبار کیا جائے گا، پس اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہو، جیسے دودھ اور زعفران الخ (ت)

میں کہتا ہوں ہدایہ میں یہ مذکور نہیں، ہوسکتا ہے کہ لکھنے والے کی طرف سے زیادتی ہو، ان تمام حضرات نے تمام امور میں ترتیب کو تو ذکر کیا ہے لیکن پانی میں ملنے والی پاک چیز کو بہنے والی قید سے مطلق رکھا اور اس سے مقید نہ کیا، اور اسبیجابی اور سمعانی اور برجندی نے اس پاک چیز کی مثال زعفران کو ذکر کیا لیکن حلبی، عینی، زاہدی، زادالفقہاء وغیرہم نے مثال کو زعفران کے پانی سے مقید کیا۔ (ت)

رابعًا، امام ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا کہ مطلق پانی میں جب کوئی بہنے والی پاک چیز مل جائے جیسے دودھ، سرکہ اور خشک انگور سے بنا ہوا شربت اور ان جیسی دوسری اشیاء جن کی وجہ سے پانی کا نام بدل جائے اور پانی مغلوب ہوجائے تو اس صورت میں وہ پانی مطلق نہ رہے گا بلاکلہ مقید ہوجائے گا پھر اس کے بعد معلوم کیا جائے گا کہ جو چیز پانی میں ملی ہے اگر اس کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہو تو غلبہ میں رنگ کا اعتبار کیا جائے گا،

---

[1] جامع الرموز کتاب الطہارت اسلامیہ گنبد ایران ۱/۴۶

[2] نقایۃ برجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

الماء فی اللون ویخالفه فی الطعم کعصیر العنب الابیض وخله تعتبر الغلبة فی الطعم وان کان لایخالفه فیهماتعتبرالغلبة فی الاجزاء فان استویافی الاجزاء لم یذکر هذا فی ظاهر الروایة وقالواحکمه حکم الماء المغلوب احتیاطاهذا اذالم یکن الذی خالطه مما یقصد منه زیادة نظافة فان کان ممایقصد منه ذلك ویطبخ به اویخالط به کماء الصابون والاشنان یجوز التوضی به وان تغیر لون الماء اوطعمه او ریحه لان اسم الماء باق وازداد معناه وهو التطهیر وکذلك جرت السنة فی غسل المیت بالماء المغلی بالسدر والحرض فیجوز الوضو به الا اذاصارغلیظا کالسویق المخلوط لانه حینئذ یزول عنه اسم الماء ومعناه ایضا ولوتغیر الماء المطلق بالطین اوبالتراب اوبالجص اوبالنورة اوبوقوع الاوراق اوالثمار فیه اوطول المکث یجوز التوضو به لانه لم یزل عنه اسم الماء وبقی معناه ایضامع مافیه من الضرورة الظاهرة لتعذرصون الماء عن ذلک،

وقیاس ماذکرناانه لایجوز الوضو بنبیذ التمر لتغیر اسم الماء وصیرورته مغلوبا بطعم التمر فکان فی معنی الماء المقید وبالقیاس اخذ ابو یوسف الا ان اباحنیفة ترك القیاس

جیسے دودھ، عصفر اور زعفران کا پانی اور اگر وہ رنگ میں مخالف نہ ہو اگر وہ ذائقہ میں مخالف ہو تو غلبہ میں ذائقہ کا اعتبار کیا جائے گا جیسے سفید انگور کا جوس اور اس کا سرکہ ہو، اور اگر وہ چیز ان دونوں وصفوں میں مخالف نہ ہو تو پھر اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار ہوگا، اور اگر دونوں کے اجزاء برابر ہوں تو اس صورت کو ظاہر روایت میں ذکر نہیں کیا گیا جبکہ فقہاء نے کہا ہے کہ اس صورت کا حکم بھی مغلوب والا ہوگا اس میں احتیاط ہے۔ یہ تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ پانی میں ملنے والی چیز سے زیادہ نظافت مقصود نہ ہو، اور اگر اس سے نظافت مقصود ہو اور اسی مقصد کیلئے اس کو پانی میں پکایا گیا ہو یا ملایا گیا ہو جیسے صابون اور اشنان کا پانی تو اس صورت میں اس سے وضو جائز ہوگا اگرچہ اس صورت میں پانی کا رنگ، بو اور ذائقہ بھی تبدیل ہو جائے کیونکہ ابھی اس کو پانی کہیں گے اور پانی کی معنوی حیثیت یعنی تطہیر میں اضافہ ہوا ہے اسی لئے میت کو غسل دینے میں بیری کے پتّوں سے پکایا ہوا پانی اور اشنان والا پانی استعمال کرنے کا طریقہ مروّج ہے لہٰذا اس سے وضو جائز ہوگا، ہاں اگر اس صورت میں پانی زیادہ گاڑھا ہو کر ستوؤں کی طرح ہو جائے تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس کو پانی نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس میں پانی کی معنوی حیثیت باقی رہی ہے، اور اگر پانی میں گارا، غبار، چُونا، نورہ پتّے گرنے یا پھل گرنے یا دیر تک پانی پڑے رہنے کی وجہ سے مطلق پانی میں تغیر واقع ہوا تو اس

بالنص (ثم افاض فی بحث النص الی ان قال) ثم لابد من معرفة نبیذ التمر الذی فیه الخلاف وھوان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوته الی الماء فمادام حلوا رقیقااوقارصا یتوضو به عند ابی حنیفة وان کان غلیظا کالرب لایجوز بلاخلاف ھذا اذا کان نیأ فان کان مطبوخا ادنی طبخة فمادام حلواوقارصا فھو علی الاختلاف وان غلا واشتد وقذف بالزبد ذکر القدوری فی شرحه لمختصرالکرخی الاختلاف فیه بین الکرخی وابی طاھر الدباس علی قول الکرخی یجوز و علی قول ابی طاھر لایجوز وجه قول الکرخی ان اسم النبیذ کمایقع علی النیئ منه یقع علی المطبوخ فیدخل تحت النص ولان الماء المطلق اذا اختلط به المائعات الطاھرة یجوز التوضو به بلاخلاف بین اصحابنا اذا کان الماء غالبا وھھنا اجزاء الماء غالبة علی اجزاء التمر فیجوز التوضو به وجه قول ابی طاھر ان الجواز عرف بالحدیث والحدیث ورد فی النیئ واما قوله ان المائع الطاھر اذا اختلط بالماء لایمنع التوضو به فنعم اذالم یغلب علی الماء اصلا فاما اذاغلب علیه بوجه من الوجوه فلاوھھنا غلب علیه من حیث الطعم واللون

سے وضو جائز ہے کیونکہ ابھی پانی کا نام تبدیل نہیں ہوا اور اس کی معنوی حیثیت بھی باقی ہے، نیز اس میں ظاہری ضرورت بھی ہے کیونکہ عام طور پر پانی کو مذکورہ چیزوں سے محفوظ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اسی قاعدہ کی بنا پر نبیذ تمر سے وضو ناجائز ہے کیونکہ اس پر پانی کا نام نہیں بولا جاتا اور وہ کھجور کے ذائقہ سے مغلوب ہوچکا ہے لہذا وہ مقید پانی ہے اس کے بارے میں امام یوسف نے قیاس پر عمل کیا ہے لیکن امام ابوحنیفہ اس بارے میں نص کے پائے جانے کی وجہ سے قیاس کو ترک فرمایا (اس کے بعد ملک العلماء نے نص کے بارے بحث فرمائی) اور اس کے بعد کہا پھر جس نبیذ تمر میں اختلاف ہے اس کی معرفت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ پانی پر کچھ کھجوریں ڈال دی جائیں تو کھجوروں کی مٹھاس پانی میں منتقل ہوجائے پس جب تک وہ پانی پتلا میٹھا یا ترش رہے تو اس سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو جائز ہے اور اگر وہ نبیذ غلیظ ہو کر چاس (راب) کی طرح ہوجائے تو اس سے بالاتفاق وضو ناجائز ہے یہ مذکورہ صورت کچّے نبیذ کیلئے ہے اور اگر اس کو کچھ قدرے پکالیا جائے تو اس کی رقّت مٹھاس یا ترشی کے ساتھ باقی ہے تو اس میں بھی وہی اختلاف ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک وضو جائز ہے اور اگر وہ نبیذ کچّا یا پکّا ہونے کی صورت میں اُبل جائے اور جھاگ چھوڑ دے جس کی وجہ سے اس میں شدت پیدا ہوجائے تو امام کرخی کی کتاب مختصر کی شرح میں قدوری نے ذکر کیا ہے کہ اس صورت میں امام کرخی اور ابوطاہر الدباس کا اختلاف ہے

وان لم یغلب من حیث الاجزاء فلایجوز التوضو بہ وھذا اقرب القولین الی الصواب [1]اھ کلامہ رحمہ اللہ تعالٰی وانما سقناہ وان تقدم اکثرہ مفرقاللتنبیہ علی فوائد ستعرفھا ان شاء اللہ تعالٰی وقال فی رسائل الارکان الماء المطلق اذا خالطہ مائع وغلب علیہ لایجوز التوضی بہ والایجوز وتعرف الغلبۃ بان ینظر ان کان المائع مخالفا فی اللون کاللبن وماء الزعفران وماء العصفر یعتبر الغلبۃ فی اللون وان کان موافقا لہ فی اللون ومخالفا فی الطعم کماء الورد وعصیر العنب الابیض تعتبر الغلبۃ فی الطعم وان کان لایخالفہ اصلا کالماء عـہ تعتبر الغلبۃ بالکثرۃ کذا فی فتح القدیر نقلا عن بعض شروح الکنز [2]اھ۔

امام کرخی اس سے وضو جائز کہتے ہیں اور ابوطاہر کے قول پر ناجائز ہے۔ امام کرخی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نبیذ کا نام کچّے اور پکّے دونوں پر بولا جاتا ہے لہٰذا یہ دونوں صورتیں نص (حدیث) کے حکم میں داخل ہیں، کیونکہ جب مطلق پانی میں کوئی پاک چیز بہنے والی مل جائے تو ہمارے اصحاب کے ہاں بلااختلاف اس سے وضو جائز ہے بشرطیکہ پانی غالب رہے، تو یہاں چونکہ کھجور کے اجزاء پر پانی کے اجزاء غالب ہیں لہٰذا اس سے وضو جائز ہوگا۔ اور ابوطاہر کے قول کی وجہ یہ ہے کہ نبیذ سے وضو کا جواز صرف حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کچے نبیذ کے بارے میں وارد ہوئی ہے امام کرخی کے اس قول کہ پانی میں بہنے والی پاک چیز کے ملنے سے وضو ناجائز نہیں ہوتا الخ، کا جواب یہ ہے کہ ہاں یہ درست ہے لیکن اس صورت میں جبکہ کسی طرح بھی پانی پر غلبہ نہ پائے اور اگر ملنے والی چیز نے کسی طرح پانی پر غلبہ پالیا تو پھر وضو جائز نہیں ہے جبکہ یہاں مذکورہ صورت میں کھجور نے رنگ اور ذائقہ کے اعتبار سے پانی پر غلبہ حاصل کرلیا ہے اگرچہ اجزاء کے لحاظ سے اس کا غلبہ نہیں ہوا، اس لئے اس سے وضو ناجائز ہوگا، اور یہ ابوطاہر کا قول زیادہ درست ہے اھ امام ملک العلماء رحمہ اللہ تعالٰی کے اس کلام کو ہم نے پورا کردیا ہے یہ بتانے کیلئے کہ اس میں بہت فوائد ہیں جو آپ کو آئندہ معلوم ہوں گے، اگرچہ متفرق طور پر ان کا اکثر کلام

عـہ لعلہ کالماء المستعمل فسقط من قلم الناسخ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

کالماء (جیسے پانی) ہوسکتا ہے یہ لفظ کالماء المستعمل (جیسے مستعمل پانی) ہو، جس کو کاتب کے قلم نے پورانہ لکھا ہو ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] بدائع الصنائع الماء المقید مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵، ۱۷

[2] رسائل الارکان فصل فی المیاہ مطبع علوی فرنگ محلی ص ۲۴

اقول: وھو سبق قلم فلا اثر منه فی الفتح ففی ھذا التنصیص وعلی التخصیص بالمائع۔

خامسا: تراھم جمیعا لم یذکروا الرائحة بل نصوص عہ (۱) النوادر والامام (۲) الاسبیجابی والامام ملك (۳)العلماء والمحیط (۴) الرضوی وزاد (۵) الفقھاء والامام (۶) الزیلعی (۷) وخزانةالمفتین و (۸) العنایة (۹) والبنایة (۱۰) والزاھدی (۱۱) والبرجندی (۱۲) والقھستانی (۱۳)ویحییٰ وابن (۱۴) الشلبی وغیرھم ناطقة بنفی اعتبارھا حیث احالو الامر بعد اللون والطعم علی الاجزاء لاجرم ان قال بحرالعلوم فی رسائل الارکان لم ارا عتبار الغلبة بالریح فی کتاب[1] اھ۔

پہلے ذکر ہوچکا ہے، اور رسائل الارکان میں فرمایا ہے کہ مطلق پانی میں جب کوئی بہنی والی چیز مل کر غالب ہوجائے تو وضو ناجائز ہے ورنہ وضو جائز ہے اور غلبہ کی پہچان یہ ہے کہ پانی میں ملنے والی مائع چیز اگر رنگ میں پانی کے مخالف ہو تو رنگ کو غلبہ کا معیار قرار دیا جائے گا، جیسے دودھ، زعفران اور عصفر کا پانی اور اگر وہ رنگ میں موافق اور ذائقہ میں مخالف ہو تو غلبہ میں ذائقہ کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے عرقِ گلاب، سفید انگور کا جوس اور اگر ان دونوں وصفوں میں پانی کے مخالف نہ ہو جیسے پانی تو پھر غلبہ میں کثرت کا اعتبار ہوگا، کنز کی بعض شروح سے فتح القدیر میں یوں بیان کیا گیا ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں** کہ فتح القدیر میں اس عبارت کا کوئی نشان نہیں ہے یہ کاتب کے قلم کی غلطی ہے، تاہم رسائل الارکان کی اس عبارت میں پانی میں ملنے والی چیز کے بارے میں مائع ہونے کی نص ہے جس سے یہ مذکور حکم خاص ہے۔ (ت) **خامسًا**، آپ دیکھ رہے ہیں کہ فقہاء میں سے کسی نے بھی غلبہ میں بُو والے وصف کو ذکر نہیں کیا بلاکلہ درج ذیل کتب النوادر[۱]، الامام الاسبیجابی[۲]، الامام ملک العلماء[۳]، المحیط الرضوی[۴]، زاد الفقہاء[۵]، الامام الزیلعی[۶]، خزانۃ المفتین[۷]، العنایۃ[۸]، البنایۃ[۹] الزاہدی[۱۰]، البرجندی[۱۱]، القہستانی[۱۲]، یحییٰ[۱۳]، اور ابن شلبی[۱۴] وغیرہم کی نصوص بُو کے اعتبار کی نفی پر ناطق ہیں جہاں انہوں نے رنگ اور ذائقہ کے بعد ذائقہ کی بجائے اجزاء کے غلبہ کو ذکر کیا ہے اسی لئے مجبورًا بحر العلوم کو رسائل الارکان میں کہنا پڑا کہ میں نے کسی کتاب میں غلبہ کیلئے بُو کا اعتبار نہیں جدیکھا اھ (ت)

عہ الاضافة للعھدای التی تقدمت ۱۲ منه غفرله۔ (م)

نصوص کی کتب مذکورہ کی طرف، اضافت عہدی ہے یعنی گزشتہ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] رسائل الارکان فصل فی المیاہ یوسف فرنگی محلّی لکھنؤ ص ۲۴

اقول: بلٰی (۱) قال الامام فقیه النفس فی الخانیة عند ابی یوسف تعتبر الغلبة من حیث الاجزاء لا من حیث اللون هو الصحیح وعلی قول محمد اعتبر الغلبة بتغیر الطعم واللون والریح [1] اھ وقد نقله عنها فی النهایة والبنایة والحلیة والشلبیة وقال فی الحلیة بعد نقله فزاد فی قول محمد الطعم والریح [2] اھ وتقدم فی قول الخانیة ایضا لوطبخ وریح الباقلاء یوجد منه لایجوز۔

میں کہتا ہوں کہ ہاں امام فقیہ النفس نے خانیہ میں کہا ہے کہ امام یوسف کے نزدیک غلبہ میں رنگ کے بجائے اجزاء کا اعتبار ہے اور یہی صحیح ہے، اور امام محمد کے قول پر غلبہ میں رنگ، ذائقہ اور بُو کے متغیر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا اھ خانیہ کی اس عبارت کو نہایہ، بنایہ، حلیہ اور شلبیہ میں نقل کیا گیا ہے اور حلیہ میں اس کو نقل کرنے کے بعد زائد یہ کہا کہ امام محمد کے قول میں ذائقہ اور بُو کا اعتبار ہے اھ اور نمبر ۲۱۷ میں خانیہ کا بھی قول گزرا ہے کہ اگر پانی میں باقلاء پکایا جائے اور اس کی بُو پانی میں پائی جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ (ت)

وسادسا: اغرب جدا فی الجوهرة فزعم بعد تصحیح قول ابی یوسف ومحمد اعتبر الاوصاف ان غیر الثلثة لایجوز وان غیر واحدا جاز وان غیراثنین لایجوز والشیخ ای القدوری اختارقول محمد حیث قال فغیر احد اوصافه [3] اھ هکذا جاء الاختلاف والمسئول من الله تعالی التنقیح التطبیق اوالترجیح۔

سادساً، جوہرہ میں غریب ترین بات ہے انہوں نے امام یوسف کے قول کو صحیح قرار دینے کے بعد خیال ظاہر کیا کہ امام محمد اوصاف کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر تینوں وصف تبدیل ہوجائیں تو وضو جائز نہیں ہے، اور اگر ایک وصف تبدیل ہوجائے تو وضو جائز ہے۔ اور شیخ قدوری نے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے جہاں انہوں نے یہ کہا کہ ایک وصف متغیر ہوجائے اھ یوں مذکورہ بالا عبارات میں پانی پر غلبہ کے معیار میں اختلاف واقع ہوا ہے اور اب اللہ تعالٰی سے تنقیح میں تطبیق یا ترجیح کا سوال ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

[2] حلیہ

[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مطبع امدادیہ ملتان ۱/۱۴

فاقول: وباللّٰه التوفیق (۱) ماذکر فی الجوهرة مخالف لاجماع الرواة عن اٰخرهم الثلثة عشر المذکورین فی الخامس والتسعة السابقین (۱۴) الاجناس (۱۵) والذخیرة (۱۶) والتتمة (۱۷) والظهیریة (۱۸) والمحیط (۱۹) والفتح (۲۰) والحلیة ومجمع (۲۱) الانهر (۲) حتی (۲۲) الجوهرة نفسها فانهم اجمعوا ان مجرد الغلبة باللون یقید الماء عند محمد وهذا یقول ان غیر واحدا جاز واظن واللّٰه تعالٰی اعلم انه کان فی باله ان محمدا یعتبر الاوصاف ثم رأی الامام ابا الحسن قید باحد فاخذ مفهومه فدل علی عبرة الاوصاف فظن انه اختار قول محمد وقد نص ان تغیر واحد لایضر فحسب ان هذا المفهوم من منطوقه والمفهوم هو مذهب محمد ولیس کذلك ولاهو مقصود القدوری کماعلمت، ثم قدعلمت ان الجمهورقدنفعوا الاعتبار بالرائحة فذکرها فی الخانیة لایکون من زیادة ثقة بل مخالفة ثقة السائر الثقات فیکون شذوذاینافی الصحة

وستعلم بعون اللّٰه تعالٰی ان محمدا لم لم یعتبر الریح ثم اقتصار الاولین علی اللون لاینافی اعتبار غیره فان التنصیص علی شیئ لاینفی ماعداه لاسیما واللون هو الملحوظ اولا فان لم یکن فغیره وکذلك الترديد فی اللون والطعم عدم تنصیص

پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ جوہرہ میں جو مذکور ہے وہ تمام راویوں کے اجماع کے خلاف ہے تیرہ[13] راوی جو پانچویں بحث (خامسًا) میں مذکور ہیں اور ان سے پہلے نو یہ ہیں اجناس[14]، ذخیرہ[15]، تتمہ[16]، ظہیریہ[17]، محیط[18]، فتح[19]، حلیہ[20]، مجمع الانہر[21] حتی کہ خود جوہرہ[22] ان سب نے یہ اجماع کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک صرف رنگ کے غلبہ سے پانی مقید ہو جاتا ہے اور یہ (جوہرہ) کہہ رہے ہیں کہ امام محمد کے نزدیک ایک وصف کی تبدیلی سے وضو جائز ہے واللہ اعلم میرا گمان ہے کہ جوہرہ کے دل میں تھا کہ امام محمد اوصاف کا اعتبار کرتے ہیں۔ پھر اس نے امام ابو الحسن کو ایک وصف کو قید بناتے ہوئے دیکھا تو اس سے مفہوم اخذ کرتے ہوئے اوصاف کے اعتبار پر دلالت پائی تو جوہرہ نے گمان کیا کہ انہوں نے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے اور ایک وصف کے بارے میں نص کردی کہ اس کی تبدیلی سے کوئی مضائقہ نہیں ہے یوں اس کو خیال ہوا کہ امام ابو الحسن قدوری کے منطوق سے جو مفہوم اخذ کیا ہے وہ امام محمد کا قول ہے جس کو انہوں نے ترجیح دی ہے حالانکہ معاملہ یوں نہیں ہے اور نہ ہی یہ قدوری کا مقصد ہے جیسا کہ آپ معلوم کرچکے ہیں۔ پھر اس بحث سے معلوم ہوگیا ہے کہ جمہور نے غلبہ میں بُو کی تبدیلی کے اعتبار کی نفی کی ہے، خانیہ میں بُو کا ذکر کسی ثقہ شخص کی طرف سے زائد چیز کا اثبات نہیں ہے بلالکہ یہ ایک ثقہ شخص کی طرف باقی تمام ثقہ لوگوں کی مخالفت ہے۔ لہٰذا یہ صحت کے منافی

على الترتيب بينهما لاتنصيص على عدم الترتيب فرواية الجم الغفير بالترتيب زيادة ثقات واجبة القبول بقى النظر فى ان الحكم هل يشمل الجامد كما هو مقتضى اطلاق الامام الاسبيجابى وتمثيله بالزعفران امر يختص بالماء كما هو نص الامام ملك العلماء ۔وارى لكل منهما مؤيدات اما الشمول

فاقول اولا: تقدم فى صدر هذا البحث عن الفتح والحلية عن الاجناس عن نص محمد اعتبار الالوان فى طبيخ الريحان والاشنان وماهما الا من الجامدات **وثانيا**: مرفى عن الحلية والفتح عن التجنيس ان اعتبار الجرجانى فى الزاج والعفص صلوح النقش تفريع على اعتبار الغلبة بالاجزاء فافهم ان على اعتبارها بالاوصاف يتقيد بمجرد التلون وان لم يصلح النقش **وثالثا**: خص البدائع بالمائع ثم ذكران قياسه عدم الجواز نبيذ التمر لغلبة طعمه فاعتبره فى الجامد و رابعا كذلك اجاب من قبل ابى طاهر فى مطبوخه واحتج بغلبة اللون والطعم وقد عبّرهنا ايضا فى كلامى الكرخى والدباس بالمائع مع ان الكلام فى الجامد۔

ایک شذوذ ہے عنقریب آپ کو بعون اللہ یہ معلوم ہو جائے گا کہ امام محمد نے بُو کا اعتبار کیوں نہیں کیا، پھر یہ کہ پہلے حضرات کا صرف رنگ کو ذکر کرنا باقی اوصاف کی نفی نہیں ہے کیونکہ ایک چیز کا ذکر دوسری چیز کی نفی نہیں کرتا خصوصًا جبکہ اوصاف میں سے رنگ کا اعتبار پہلے کیا جاتا ہو کہ اگر رنگ تبدیل نہ ہو پھر دوسرے اوصاف کی تبدیلی کا لحاظ کیا جائے گا یوں ہی رنگ اور ذائقہ میں سے کسی ایک کا بیان اگرچہ یہ ترتیب پر نص نہیں ہے لیکن یہ عدمِ ترتیب پر بھی نص نہیں ہے اس لئے ان دونوں کی ترتیب جس کو ایک جم غفیر نے ذکر کیا ہے قبول کرنا ضروری ہے، رہی یہ بحث کہ (پانی میں ملنے والی چیز جس سے اوصاف تبدیل ہوتے ہیں) اس غلبہ کا حکم جامد چیز کو بھی شامل ہے جیسا کہ امام اسبیجابی کے اطلاق اور اس کی مثال میں زعفران کے ذکر سے ظاہر ہوتا ہے یا یہ حکم صرف مائع چیز کو ہی خاص ہے جیسا کہ امام ملک العلماء کی نص سے ظاہر ہے۔

میری رائے میں دونوں احتمالات کی تائید میں دلائل ہیں، جامد اور مائع دونوں کا حکم میں شامل ہونا پس اس پر **میں کہتا ہوں**، **اوّلاً**، اس لئے کہ اس بحث کی ابتدا میں فتح اور حلیہ کی الاجناس سے نقل کردہ روایت گزر چکی ہے جس میں ریحان اور اشنان کے پکے ہوئے پانی میں ان کے رنگوں کے اعتبار کے بارے میں محمد کی نص کو بیان کیا گیا ہے حالانکہ وہ دونوں صرف جامد چیزیں ہیں۔ **ثانیا** اس لئے نمبر ۱۲۲ میں تجنیس کے حوالہ سے حلیہ اور فتح کی روایت گزر چکی ہے کہ جرجانی کا زاج اور عفص (گھاس) میں نقش کی صلاحیت کا اعتبار کرنا یہ اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کے اعتبار پر تفریع ہے، یہاں قابلِ فہم یہ بات ہے کہ ان میں اوصاف کے اعتبار

اقول: ویظھر لی واللہ تعالٰی اعلم ان تغیر الطعم اواللون انمایکون بالامتزاج ولا یمتزج الجامدبالمائع الاان ینماع شیئ منه فتسری الاجزاء فی الاجزاء الا تری ان السکر اذاخلط بالماء لایبقی منه ممتازاعنه الا شیئ قلیل وکذلك الاصباغ ولو وضعت حجرا اسوداحمراخضراصفر فی الماء لایتلون الماء بلونه فظھران الامتزاج لایحصل فی مائع الا لمائع وان کان اصله جامدا فلعل ھذا ھو سرالتعبیر بالمائع مع الکلام فی الجامدا تقنه فانه ان شاء اللہ تعالٰی بحث نفیس۔

واما الخصوص فاقول اولا اجمعت الامة المرحومة واجماعھا حجةمعصومةعلی جواز الوضو بماء السیل مع العلم القطعی بتغیر لونه بل ربما یتغیر الطعم والریح ایضا فثبت ان مجرد تغیر الاوصاف

کا تعلق صرف رنگ دار ہونے پر ہے نقش کی صلاحیت کا اس میں دخل نہیں ہے۔ ثالثًا، اس لئے کہ بدائع نے اس حکم کو مائع چیز کے ساتھ خاص کرنے کے بعد ذکر کیا کہ اس قاعدہ کے مطابق نبیذِ تمر سے وضو جائز نہیں ہوگا کیونکہ اس کے ذائقہ کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ یہ ذائقہ والی چیز تمر (کھجور) ہے جو کہ جامد ہے۔ رابعًا، یوں ہی بدائع نے ابوطاہر کی طرف سے پکے ہوئے نبیذ کے بارے میں جواب دیا اور یہاں بھی انہوں نے رنگ اور ذائقہ کے لحاظ سے غلبہ کو دلیل بنایا ہے یہاں بھی امام کرخی اور دباس کے کلام میں اس کو مائع سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ بات جامد میں ہورہی ہے۔ت)

میں کہتا ہوں کہ جامد کو مائع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ذائقہ اور رنگ کی تبدیلی امتزاج کے بعد پائی جاتی ہے جبکہ جامد چیز کا مائع (بہنے والی) چیز کے ساتھ امتزاج نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ جامد چیز میں بہاؤ پیدا نہ ہو جس کی وجہ سے ایک کے اجزاء دوسرے کے اجزاء میں گرتے ہیں، مثلًا شکر جب پانی میں ملائی جائے تو اس کا امتزاج ختم ہوجاتا ہے صرف کچھ معمولی اجزاء جدا رہتے ہیں، اسی طرح رنگ کا مادہ بھی پانی میں گھُل جاتا ہے لیکن اگر آپ کالا، سرخ، سبز اور زرد پتھر پانی میں رکھ دیں تو اس کی رنگت میں پانی متاثر نہ ہوگا تو واضح ہوگیا کہ امتزاج کیلئے مائع کا مائع سے ملنا ضروری ہوتا ہے اگرچہ وہ اصلًا جامد ہی ہو، ہوسکتا ہے کہ جامد میں گفتگو کے دوران اس کو مائع سے تعبیر کرنے کی وجہ یہی راز ہو، اس کو یاد رکھیں یہ نفیس بحث ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ (ت) اور اوصاف کی تبدیلی میں صرف مائع چیز کو خاص کرنے کی وجہ، پس میں کہتا ہوں، اوّلًا اس لئے کہ اس اُمت کا اس بات پر اجماع ہے جبکہ یہ اجماعِ اُمت خطا سے محفوظ ہے کہ سیلابی پانی سے وضو جائز ہے حالانکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ

بالجامد لایفید التقیید بالاجماع،

وثانیا: ھذا اجماع ائمتنارضی اللہ تعالٰی عنھم ومنھم محمد ان التمراوالزبیب اوالتین مثلا اذا نقع فی الماء فانتقلت حلاوۃ منھا الیہ فحلا لم یبلغ الی ان یصیر نبیذا فانہ لایتقید ویجوز الوضو بہ اجماعا فمحمد لم یعتبر فیہ الطعم وقال بالجواز مع الاعتراف بتغیرہ بل وتغیر اللون والریح ایضا فمن المعلوم المشھودان اللون اسبق تغیرابھا من الطعم واذا تغیر یوجد لھاریح ایضا قطعا فقد تغیرت الاوصاف الثلثۃ بالجامدات ولم یضر بالاجماع مالم یغلب اجزاء بالمعنی الثالث اعنی صیرورتہ شیئا اٰخر لمقصد اٰخر وھذا ھو الفارق بین النبیذ والسیل فانہ لم یصرشیئا اخر ولازال عنہ اسم الماء وھذا ھو مذھب ابی یوسف فعلم ان مذھبہ مجمع علیہ فی الجامد وانما الخلف فی المائع۔

اقول: وبہ خرج الجواب عن الشاھدین الاخیرین فان الکلام فیھمافی الانبذۃ فالمرادتغیر الطعم الی حدیزیل عنہ اسم الماء ویجعلہ نبیذا

اس کا رنگ بلاالکہ ذائقہ اور بُو تبدیل ہوئے ہوتے ہیں، تومعلوم ہوا کہ جامد چیز کے ملنے سے صرف اوصاف کی تبدیلی کی بناپر پانی کو مقید قرار نہیں دیا جاسکتا بالاجماع۔

ثانیًا اس لئے کہ کھجور، خشک انگور (میوہ) اور خشک انجیر کو پانی میں ڈالنے پر ان کی مٹھاس پانی میں منتقل ہوجائے اور ابھی نبیذ کی حد تک یہ تبدیلی پیدانہ ہو تواس شربت سے وضو کے جائز ہونے پر ہمارے تمام ائمہ کرام جن میں امام محمد بھی شامل ہیں کااجماع ہے (تو یہاں امام محمد نے تینوں اوصاف تبدیل ہوجانے کے باوجود ان کی تبدیلی کالحاظ نہیں کیا) اور وضو کو جائز قرار دیا ہے اجتماعی طور پر۔ پس امام محمد نے نبیذ میں طعم کااعتبار نہیں کیا اور تغیر طعم کے باوجود جواز کا قول کیا ہے بلکہ تغیر لون اور ریح سے بھی جواز کا قول کیا ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ ان چیزوں کارنگ ذائقہ سے جلد اثر انداز ہوتا ہے اور جب ذائقہ متغیر ہوگا توبُو بھی پائی جائے گی، تو معلوم ہُواکہ جامد سے تینوں وصف تبدیل ہونے کے باوجود اس شربت سے بالاتفاق وضو جائز ہے بشرطیکہ غلبہ اجزاء کا تیسرا معنی نہ پایا جائے یعنی کسی دوسرے مقصد کیلئے نئی چیز بن جانا، نہ پایا جائے۔ نبیذ اور سیلاب میں یہی فرق ہے پس سیلاب کی طرح اس شربت نے پانی کانام تبدیل نہیں کیااور نہ ہی کوئی دوسری چیز بنا ہے جبکہ جامد چیز کے بارے میں امام ابویوسف کے مذہب کے موافق سب کا اتفاق ہے اختلاف صرف مائع چیز میں ہے۔

میں کہتا ہوں اس بحث سے زبیب اور تین کی نبیذوں کے متعلق جواب معلوم ہوگیا کہ جب ان کانبیذ بن جائے تو ذائقہ تبدیل ہو کر وہ اپنا نیا نام لے لیتا ہے جس کے مقید ہونے میں کوئی اختلاف

ولانزاع فیہ۔

وثالثا: تقدم فی ۱۲۲ عن الخانیۃ التوضو بماء الزعفران والزردج یجوز ان کان رقیقا والماء غالب فان غلبتہ الحمرۃ وصار متماسکا لایجوز [1] وعن الخلاصۃ توضأ بماء الزردج اوالعصفر اوالصابون ان کان رقیقا یستبین الماء منہ یجوز وان غلبت الحمرۃ وصار نشاستج لا [2] اھ فافادان المدارالثخن لامجرداللون فان کان غلبۃ اللون تحصل فی ھذہ الاشیاء قبل الثخن فقد صرحابعدم الاجتزاء بھا مالم یثخن وان کانت لاتحصل الا اذا ثخن فقد بینا ان ذکر غلبۃ اللون لکونھا ھھنا دلیلا علی المناط وھو الثخن فکان وصار متماسکا اونشاستج عطف تفسیرلہ۔

اقول: وبہ تبین الجواب عن نص الاجناس فلم یکتف رحمہ اللہ تعالٰی بقولہ لم یتغیر لونہ حتی یحمراویسودبل اضاف الیہ وکان الغالب علیہ الماء وھذا ماعبر بہ الخانیۃ والخلاصۃ اذقالا بعد ذکر الحمرۃ وصار متماسکا بیدان المقام یحتاج

نہیں۔(ت)

ثالثاً، اس لئے کہ نمبر ۱۲۲ میں خانیہ کے حوالہ سے گزرا کہ زعفران اور زردج کے پانی سے وضو جائز ہے بشرطیکہ یہ پانی رقیق ہو اور پانی کا غلبہ ہو، اور اگر یہ گاڑھا ہو جائے اور سرخی بھی غالب ہو جائے تو وضو جائز نہیں ہوگا، اور خلاصہ کے حوالہ سے بھی گزرا کہ زردج، عصفر اور صابون والا پانی اگر پتلا ہو اور پانی اس میں غالب رہے تو وضو جائز ہے اور اگر سُرخی غالب ہو جائے اور پانی گاڑھا ہو کر نشاستہ کی طرح لیپ ہو جائے تو وضو ناجائز ہے اھ اس سے معلوم ہوا کہ دارومدار گاڑھے وغلیظ ہونے پر ہے صرف رنگ کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا ان چیزوں کے ملنے سے پانی کا رنگ اگر گاڑھا ہونے سے پہلے تبدیل ہو تو دونوں کی تصریح ہے کہ اس غلبہ کا اعتبار نہیں ہے اور اگر گاڑھا ہو جانے کے بعد رنگ تبدیل ہو تو یہ گاڑھا ہونے کی دلیل ہے جس کو ہم نے بیان کردیا ہے پس گویا کہ گاڑھا ہونے اور نشاستہ بننے کا ذکر بطور عطف تفسیری ہوگا۔(ت)

میں کہتا ہوں کہ اس سے الاجناس کی عبارت پر اس اعتراض کا جواب ظاہر ہوگیا کہ اس نے اپنے بیان میں صرف سرخ اور سیاہ رنگوں کے ذکر کو کافی نہ سمجھا بلاکہ اس پر پانی کے غالب ہونے کا اضافہ بھی کیا، چنانچہ خانیہ اور خلاصہ نے سرخی کو ذکر کرنے کے بعد گاڑھا ہونے کو جس مقصد کے لئے ذکر کیا ہے

[1] خانیہ فیما لایجوز بہ التوضی نولکشور لکھنؤ ۹/۱

[2] خلاصۃ الفتاوی الماء المقید نولکشور لکھنؤ ۸/۱

الی تلطیف القریحة* واعمال رؤیة قویة صحیحة*کلّا بل الی التوفیق*من رب رفیق* فالنظر الظاھر یتسارع الی الفرق بین العبارة وعبارة الخانیة والخلاصةلانهماذکرالشیئین غلبةالحمرة والتماسك فی عدم الجواز فافهماان تغیر اللون لایکفی للمنع مالم یتماسك لابتناء الامر علی اجتماع الامرین ونقل الاجناس ذکرشیئین سلامة اللون وغلبة الماء فی جانب الجواز فافادان ایهما انتفی انتفی الجواز لعین الوجه اعنی بناء الجواز علی الاجتماع۔

اقول: و دقیق النظر یوضح الامر فان ھذا المعنی یوجب ان تغیراللون ینفی الجواز وان کان الغالب ھو الماء وھو خلاف الاجماع فان الغلبة ھو القطب الذی تدورعلیه رحی ھذه الاحکام عندجمیع ائمتناالاعلام اماسمعت قول الفتح ان اعتبار الغالب عدماعکس الثابت لغة وعرفا وشرعا[1] اھ واذمن المعلوم ضرورة ان غلبةالماء ھی العلة الکافیة للجواز و

وہی مقصد الاجناس کا ہے کہ مدار حکم کو ظاہر کیا جائے مگر یہ مقام سوچ کی باریکی اور قوی و صحیح فکر کو عمل میں لانے کا ہی نہیں بلا لکہ اللہ تعالٰی کی توفیق کی طرف رجوع کرنے کا مقام ہے کہ یہاں ظاہر نظر میں الاجناس اور خانیہ وخلاصہ کی عبارتوں کا فرق واضح ہوجاتا ہے، کیونکہ خانیہ اور خلاصہ نے دو چیزوں کو عدمِ جواز کے بارے میں ذکر کیا ہے ایک سُرخی کا غلبہ اور دوسری چیز گاڑھا پن ہے انہوں نے اس سے یہ بتایا کہ صرف رنگ کی تبدیلی کافی نہیں ہے بلکہ گاڑھا پن بھی ضروری ہے کیونکہ وضو کے ناجائز ہونے کا دارومدار ان دونوں چیزوں پر ہے، اور اجناس کی عبارت میں وضو کے جواز کیلئے رنگت کا سالم رہنا اور پانی کا غالب رہنا دو چیزوں کو ذکر کیا ہے جس سے انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ اگر دونوں چیزوں میں سے ایک ختم ہوجائے تو وضو کا جواز بھی ختم ہوجائے گا کیونکہ جواز کے حکم کا دارومدار دو چیزوں کے مجموعہ پر ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ یہاں دقیق نظر سے واضح ہوتا ہے کہ اگر دونوں چیزوں میں سے رنگ بدل جائے اور پانی کا غلبہ باقی رہے تو وضو ناجائز ہو حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے کیونکہ غلبہ ہی وہ چیز ہے جو ان مسائل میں احکام کا معیار ہے جو کہ تمام ائمہ کرام کو تسلیم ہے، کیا تم نے فتح کا قول نہیں سنا جس میں انہوں نے کہا کہ غلبہ کے عدم کا اعتبار شرعًا، عرفًا اور لغتً ثابت چیز، کا عکس ہے (یعنی غلبہ کا وجود ثابت کا وجود ہے اور غلبہ کا عدم، ثبوت کا عدم ہے) اھ

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

عدمها للمنع اذليس احد من الامة يجيز الوضوء بالماء المغلوب سلمت اوصافه اولا الاما تقدم من حكاية شاذة عن الامام الاوزاعي على كلام فى ثبوتها عنه رحمه الله تعالى فامتنع ان تكون غلبة الحمرة علة برأسها منحازة عن الغلبة اوتمام العلة .و حينئذ يدور الامربين وجهين اما ان تكون هى العلة وبها الغلبة فيكون قوله وكان الغالب عليه الماء عطف تفسير لعدم تغيراللون واما ان تكون بمعزل عن العلية وانماذكرت لانها ههنا اٰية مغلوبية الماء ببلوغ سيل الامتزاج رباه وذلك لان الاحمرار بالاشنان والاسوداد بالريحان لايحصلان بنفس الطبخ ايضابل بالطبخ الكامل الا ترى انه فرض المسألة فى ماء يطبخان فيه ثم قال اذالم يتغيرلونه وكان الغالب الماء فلابأس فافادانهما يطرحان فى الماء ويمكثان فيه ويعمل فيهما النارالى ان يطبخاولايحصل مع كل ذلك التغير المغيرحتى امكن التقييد بعدمه للجواز بل لابدله من مكث وعمل اٰخربعد ذلك حتى يحصل الطبخ الكامل الموجب لكمال الامتزاج وحينئذ يصيرالماء مغلوبابلاريب فذكرت هذه الامارة الظاهرة لكونهامرئية والمغلوبية فى المطبوخ

کیونکہ یہ بات واضح طور پر معلوم ہے کہ جب پانی کا غلبہ ہوگا تو اس سے وضو کا جواز ثابت ہوگا کیونکہ پانی کا غلبہ اس جواز کی علت ہے۔ اور عدم غلبہ، عدمِ جواز کی علت ہے یہی وجہ ہے کہ اُمت میں سے کسی نے بھی پانی کے مغلوب ہونے پر وضو کو جائز نہیں کہا خواہ پانی کے اوصاف باقی رہیں یا تبدیل ہوجائیں، ماسوائے امام اوزاعی کے ایک قول کے جو کہ ان کی طرف منسوب ہے اگر اس قول کا ثبوت ان سے مل جائے تو ایک شاذ قول کی شاذ حکایت ہوگی، حالانکہ اس قول کے ثبوت میں کلام ہے لہٰذا اجناس کی عبارت میں سرخی (رنگ) کے غلبہ کو مستقل اور غلبہ سے علیحدہ علت یا تمام علت قرار دینا غلط ہے، لہٰذا یہاں دو وجہیں ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ اس سرخی کو ہی علت قرار دیا جائے اور اسی کو غلبہ کہا جائے اس صورت میں الاجناس کے قول "کان الغالب علیہ الماء" کو عطف تفسیری قرار دے کر رنگ کے تبدیل نہ ہونے کا بیان قرار دیا جائے گا، اور دُوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے اس سرخی کو علیت سے الگ رکھا جائے اور اس کے ذکر کو پانی کے مغلوب ہونے کی علامت قرار دیا جائے کیونکہ یہ پانی میں ملنے کی انتہائی صورت کی نشان دہی کرتی ہے کیونکہ اشنان کی وجہ سے سرخی اور ریحان کی وجہ سے سیاہی پانی میں معمولی پکانے سے حاصل نہیں ہوتی بلاکہ کامل طور پر پکانے سے حاصل ہوتی ہے آپ کو معلوم ہے کہ یہاں مسئلہ کی یہ صورت فرض کی گئی ہے کہ اشنان اور ریحان

غیرمرئیة مالم یبرد کماتقدم ثم ذکر الحقیقة تنبیھا علی ماھو المناط الحقیقی فھذامحمل نفیس واضح وھذا ھوعین مفاد الخانیة والخلاصة وللہ الحمد واذاجاء الاحتمال سقط الاستدلال ترجح ھذا بعبارتی الخانیة والخلاصة اذ الروایات یفسر بعضھا بعضا ثم کفی باالاجماعین شاھدی عدل۔

فان قلت: لعلھمافی غیرالمطبوخ فلایمنعان اعتبار الاوصاف فیه ونص الاجناس انما ھو فیه۔

اقول: اولا نصه مخصوص بمایحدث فیه تغیرالاوصاف بعد کمال الطبخ کماعلمت ولایقاس علیه مایتغیر قبل الطبخ وھو الکثیر الغالب اذقبله لافرق بینه وبین التی وقد انعقد الاجماع علی عدم اعتبارہ فیه فیؤل الکلام الی ان

پانی میں پکائے گئے ہوں اس مسئلہ پر یہ کہا ہے کہ جب رنگ تبدیل نہ ہو اور پانی غالب ہو تو وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تو اس بیان سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ان دونوں چیزوں کو پانی میں ڈال کر رکھا جائے گا اور پھر آگ پر خوب پکانے کے بعد کامل امتزاج پیدا ہو جانے پر یقینا پانی مغلوب ہو جائے گا اس موقعہ پر سرخی یا سیاہی کی علامت کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ نظر آتی ہے جبکہ دیکھنے کی حالت میں پانی کا مغلوب نظر نہیں آسکتا جب تک کہ وہ ٹھنڈا نہ ہو جائے ورنہ معمولی پکانے پر وہ تغیر پیدا نہیں ہوتا جو وضو کے لئے مانع ہو تاکہ اس کی نفی کی قید لگائی جائے اس سے الاجناس نے مکمل پکائے جانے کے ذکر پر حقیقت کو واضح کیا تاکہ حکم کی علت متعین ہوسکے، الاجناس کی عبارت کا یہ محمل نفیس ہے اور یہی خانیہ اور خلاصہ کی عبارت کا مفاد ہے وللہ الحمد، اور اس مذکور احتمال کی بناپر استدلال ختم ہو جاتا ہے بلالکہ خانیہ اور خلاصہ کی عبارتوں سے اس احتمال کو ترجیح مل گئی ہے کیونکہ بعض روایات سے بعض کو ترجیح و تفسیر مل جاتی ہے نیز دونوں اجماع، سچّے گواہ کافی ہیں۔ (ت)

اگر آپ کا اعتراض ہو کہ (سیلاب کے پانی سے باوجودیکہ اس میں اوصاف متغیر ہیں اور نبیذِ تمر سے وضو کے جواز پر) یہ دونوں اجماع کچّے پانی کے بارے میں ہیں لہٰذا ان سے پکے ہوئے پانی میں اوصاف کے اعتبار کی نفی نہیں ہوگی، جبکہ الاجناس کی نص پکائے ہوئے پانی سے متعلق ہے۔ (ت)

اس کے جواب میں **مَیں کہتا ہوں، اولاً**، یہ کہ الاجناس کی نص اس صورت سے مخصوص ہے جس میں مکمل پکائے جانے کے بعد اوصاف کا تغیر پیدا ہو جیسا کہ آپ اوپر معلوم کرچکے ہیں، اس پر پکانے سے قبل کے تغیر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا جبکہ پکانے سے قبل تغیر عام اور کثیر ہے۔ کیونکہ پکانے سے قبل تغیر اور

الاوصاف لاعبرة بهاالافيما تتغير فيه بعد الكمال الطبخ وهذالايضرنالماعلمت ان الماء يصير مغلوبااذذاك فتحقق العلة سواء عبرتم بهااو بلازمها من تغير الاوصاف وثانيا اى فرق بين النى والمطبوخ سوى ان الطبخ يوجب كمال الامتزاج كمانص عليه اهل الضابطة قاطبة، قال الامام الزيلعى التقييداما بكمال الامتزاج اوغلبة الممتزج فكمال الامتزاج امابالطبخ [1] الخ وقال قبيل التيمم انه بالطبخ كمل امتزاجه وكمال الامتزاج يمنع اطلاق اسم الماء عليه [2] اھ، وقد قال قبل حدوث الضابطة ايضا الامام الجليل النسفى فى الكافى ان بطلان الاطلاق بكمال الامتزاج وهو بطبخ الماء بخلط الطاهر [3] الخ ويأتى تمامه ان شاء الله واذن نقول بموجبه ولايكون دليلا على اعتبار مجرد تغير الاوصاف كمالايخفى فانكشف الامر ولله الحمد۔	بالکل کچّے پانی کے تغیر میں کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ بالکل کچّے پانی کے بارے میں اجماع ہوچکا ہے کہ اس میں اوصاف کے تغیر کا اعتبار نہیں ہے، تو اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اوصاف کی تبدیلی و تغیر کا اعتبار صرف مکمل پکانے کے بعد ہوگا۔ یہ بات ہمارے لئے مضر نہیں ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ مکمل پکانے کے بعد پانی مغلوب ہوجاتا ہے جس کی بناپر وضو کے عدمِ جواز کی علّت پائی گئی ہے اس کو مغلوب کہہ کر تعبیر کردیا اس کو مغلوبیت کے لازم یعنی اوصاف کی تبدیلی سے تعبیر کرو ثانیا، اس لئے کہ کچے اور پکے ہوئے پانی میں پکانے کی وجہ سے امتزاج کامل ہوجاتا ہے جس کو تمام اہل ضابطہ نے ذکر کیا ہے۔ امام زیلعی نے کہا کہ پانی کو کمال امتزاج یا اس میں ملی ہوئی چیز کے غلبہ سے مقید قرار دیا جاتا ہے اور کامل امتزاج پکانے سے حاصل ہوتا ہے الخ اور انہوں نے اس بات کو تیمّم کی بحث سے تھوڑا پہلے بیان کیا اور کہا کہ پکانے سے امتزاج کامل ہوتا ہے، اور اس کامل امتزاج کی وجہ سے اس کو مطلق پانی کہنا ممنوع ہوجاتا ہے اھ، نیز ضابطہ کے بیان سے قبل جلیل القدر امام نسفی نے کافی میں فرمایا کہ پانی کا اطلاق کمال امتزاج سے ختم ہوجاتا ہے اور کمال امتزاج پانی میں پاک چیز کو ملا کر پکانے سے حاصل ہوتا ہے الخ یہ تمام بیان آئندہ آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی

[1] تبیین الحقائق کتاب الطہارۃ الامیریہ مصر ۱/۲۰

[2] تبیین الحقائق قبیل باب التیمم الامیریہ مصر ۱/۳۶

[3] کافی للنسفی

بقی الشاھد الثانی من شواھد العموم اقول لیس مفھومه ماذکربل له مذھب اٰخرغیر مستتروذلك ان الامام ابا عبدالله الجرجانی لمااعتبر فی تقیدہ صلوحه الصبغ والنقش وماھوالابتلون الماء و ربمایحصل قبل الثخن کان لمتوھم ان یتوھم انه اعتبر الغلبة باللون فنبه الامام البرھان علی بطلانه وقال بل ھو تفریع علی اعتبار غلبة الاجزاء لان غلبتھا کماعلمت علی ثلثة انحاء ھذا ھوالنحو الثالث منھا فذھبت الشواھد جمیعا۔

اماتمثیله بالزعفران فقداشبعنا الکلام علیه فی الاٰن لم یبق الااطلاق الامام الاسبیجابی اقول اولالنامندوحة عنه فیماتقرر فی مقرہ (۱) ان المطلق فی کلامھم یحمل علی (۲)المقیدوان من عادتھم الاطلاق تعویلاعلی معرفةالحذاق قالواویفعلونه کیلا یدعی علمھم من لم یزاحمھم بالرکب کل ذلك مذکور فی ردالمحتار وغیرہ،

وثانیا: ھذا لولم یجب التقیید فکیف و

وہاں ہم اس کے موجبات کو بیان کریں گے جبکہ یہ بیان صرف اوصاف کے تغیر کے اعتبار پر دلیل نہ بن سکے گا جیسا کہ واضح ہے۔ پس معاملہ واضح ہوگیا وللہ الحمد۔ (ت)

(پانی میں ملنے والی چیز کے غلبہ میں اوصاف کی تبدیلی کا معیار جامد اور مائع) دونوں کو شامل ہونے پر مذکور شواہد میں سے دوسرے شاہد کی بحث باقی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا وہ مفہوم نہیں جس کو ذکر کیا گیا ہے، بلاکلہ ان کا دوسرا مذہب جو واضح ہے وہ یہ کہ امام ابوعبداللہ الجرجانی نے پانی کو مقید بنانے میں زاج اور عفص کی ملنے پر رنگ ریزی اور نقش ونگار کی صلاحیت کا ذکر کیا جو کہ پانی کے رنگدار ہونے کی وجہ سے ہوسکتی ہے جبکہ پانی کے گاڑھا ہونے سے قبل بھی اس پر رنگ نمایاں ہوجاتا ہے تو اس سے کسی کو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ امام جرجانی نے غلبہ کیلئے صرف رنگ کو معیار قرار دیا ہے اس لئے امام برہان الدین نے اس وہم کو باطل قرار دینے کیلئے تنبیہ کرتے ہوئے امام برہان نے فرمایا کہ امام جرجانی کا یہ قول رنگ کے غلبہ کی بجائے اجزاء کے غلبہ پر تفریع ہے کیونکہ غلبہ تین قسم پر ہے اور یہ اجزاء کا غلبہ تیسری قسم ہے۔ یوں تمام شواہد کی بحث ختم ہوئی۔ (ت)

امام اسیجابی (کے اطلاق اور زعفران جو کہ جامد اور مائع دونوں کے شمول کی بنیاد ہے) میں سے زعفران کی مثال کے متعلق ہم سیر حاصل بحث کرچکے ہیں جو نمبر ۱۲۲ میں گزر چکی ہے اب صرف امام اسیجابی کے اطلاق کی بحث باقی ہے۔ میں کہتا ہوں، اولاً، یہ کہ اس بارے میں وسیع گنجائش ہے جیسا کہ اپنے مقام میں ثابت شدہ بات ہے کہ فقہاء کے کلام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے اور ان کی عادت ہے کہ وہ مقید کی جگہ مطلق کو ذکر کردیتے ہیں کیونکہ ان کو

قد وجب بشهادة الاجماعين

وثالثا لك ان تقول الجامد ايضا تعتبر فيه غلبة الاوصاف اذا ادت الى غلبة الاجزاء باحد المعانى الثلثة كماعرفت فى النبيذ والزاج والعفص والعصفر والزعفران وكثير من نظائرها فمن هذا الوجه يصح الاطلاق وان كان نحو التغيرالمعتبرفى الجامدمغايرالمعتبر عنده فى المائع بل قد يظن اتفاق النحوين من كلام البدائع المارفى . حيث ناط الامر فى المائعات بزوال الاسم وذكر فى تفصيله غلبة اللون والطعم وزوال الاسم هو المعتبر فى الجامدات ايضا بل عليه مدار الباب كمامر مرار اوكان ينتج هذا ان لاخلف بين الامامين الصاحبين الا فى التعبير۔

اقول: وقد كان يعجبنى هذا لان المنقول عن نص محمد انما هى مسألة مطبوخ الاشنان والريحان وفيها كمال الامتزاج الموجب للغلبة بالاجزاء لكن

ماہرین کے علم و تجربہ پر اعتماد ہے کہ (وہ مطلق کو مقید سمجھیں گے) ماہرین فن نے کہاہے کہ فقہاء کرام یہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ ان کے علم میں کوئی نااہل شخص برابری کا دعوٰی نہ کرے، یہ سب کچھ ردالمحتار وغیرہ میں مذکور ہے، **ثانیاً**، امام اسبیجابی کے قول کو مقید کرنا ضروری ہے (کیونکہ سیلاب کے پانی سے وضو کے جواز پر اجماعِ اُمت اور نبیذِ تمر سے وضو کے جواز پر علماء احناف) کا اجماع، یہ دونوں اجماع اس کے قول کی تقیید کو واجب کرچکے ہیں (کہ اوصاف کے تغیر کا اعتبار صرف مائع چیز کے ملنے پر ہوگا جامد میں نہیں) **ثالثاً**، آپ جامد چیز کے بارے میں اوصاف کے غلبہ کا اعتبار کہہ سکتے ہیں جبکہ یہ جامد چیز پانی میں اجزاء کے تینوں معانی میں سے کسی معنی کے لحاظ سے غلبہ کا سبب بن جائے، جیسا کہ نبیذ، زاج، عفص، عصفر اور زعفران وغیرہ کے بارے میں آپ معلوم کرچکے ہیں،اس لحاظ سے جامد اور مائع دونوں میں اوصاف کے غلبہ کا اطلاق درست ہوسکتا ہے اگرچہ جامد میں تغیر مائع میں تغیر سے مختلف ہے،بلکہ نمبر ۳۰۴ میں بدائع کی مذکور عبارت سے دونوں کے تغیر میں اتفاق کا گمان ہوتا ہے، وہاں انہوں نے بہنے والی چیزوں (مائعات) میں تغیر کا معیار پانی کے نام کی تبدیلی کو قرار دیا ہے جس کی تفصیل میں انہوں نے رنگ اور ذائقہ کے غلبہ کو بیان کیا ہے حالانکہ یہی نام کی تبدیلی جامد چیزوں میں بھی تغیر کا معیار ہے بلکہ اس میں تغیر کا دارومدار نام کی تبدیلی ہے جیسا کہ بار بار گزر چکا ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتاہے کہ صاحبین (امام ابویوسف وامام محمد) کے درمیان صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** مجھے یہ بات پسند ہے کیونکہ امام محمد سے جو نص منقول ہے وہ اشنان اور ریحان کے پکائے ہوئے پانی سے متعلق ہے جبکہ اس مسئلہ میں پکانے کی وجہ سے ایسا کامل امتزاج حاصل

تعاور عباراتهم على نصب الخلاف بينهما منعنى عن ذلك وان عبرة المحقق فى الفتح بقوله نقل بعضهم فيه خلافا بين الصاحبين ان محمدا يعتبره باللون واما ابو يوسف بالاجزاء [1] اھ .لكن التحقيق عندى ان زوال الاسم المذكور ههنا فى البدائع ليس بالمعنى المعتبر فى غير المائع كما سيأتيك بيانه ان شاء الله تعالٰى وبالجملة قد استقر عرش التحقيق ولله الحمد على كل مانص عليه الامام ملك العلماء فى البدائع ان[1] خلاف محمدا نماهو فى المائع وانه[2] لايقتصر على اللون بل يعتبر الطعم وايضاوانه[3] يرتب بينهما فيقدم اللون ثم الطعم وانه[4] ينقل الحكم بعدهما الى الاجزاء ولايعتبر الريح* هكذا ينبغى التنقيح* والحمدلله على تواتر الألٰئه* وافضل صلاته وسلامه علٰى سيد انبيائه* واٰله وصحبه وابنه واحبائه* اٰمين **هذا** وزعم العلامة الحدادى فى الجوهرة بعد ماصحح قول ابى يوسف مانصه ومحمد اعتبر الاوصاف ان غير الثلثة لايجوز وان غيرواحد اجازوان غيرا ثنين لايجوز قال والتوفيق بينهما ان كان مائعا جنسه جنس الماء كماء الدباء فالعبرة للاجزاء كما قال ابو يوسف وان كان جنسه غير جنس الماء كاللبن فالعبرة للاوصاف كماقال محمد قال والشيخ يعنى

ہو جاتا ہے جو اجزاء کے اعتبار سے غلبہ کا موجب بنتا ہے لیکن فقہاء کرام کی عبارات کا ظاہر مفہوم میرے لئے مانع ہے کہ میں صاحبین کے اختلاف کو صرف تعبیری اختلاف کہوں اگرچہ اس کو فتح القدیر میں محقق صاحب نے تعبیر کر دیا یوں کہہ کر، کہ بعض نے اس میں صاحبین کا اختلاف نقل کیا ہے کہ امام محمد رنگ کا اور امام ابو یوسف اجزاء کے غلبہ کا اعتبار کرتے ہیں اھ لیکن میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ بدائع میں اس مقام پر پانی سے زوالِ اسم کا جو ذکر کیا ہے وہ اس معنی میں زوالِ اسم نہیں جس معنی میں غیر مائع میں معتبر ہے جس کا آئندہ بیان آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی خلاصہ کلام یہ ہے کہ الحمدللہ ، مکمل تحقیق وہ ہے جس کو امام ملک العلماء نے بدائع میں ذکر کیا ہے کہ امام محمد کا اختلاف صرف مائع چیز کے بارے میں ہے اور یہ کہ وہ اس میں صرف رنگ نہیں بلالکہ ذائقہ کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور ان دونوں میں ترتیب کے قائل ہیں پہلے رنگ کا اور پھر اس کے بعد ذائقہ کا اعتبار کرتے ہیں اور اگر یہ دونوں نہ پائے جائیں تو پھر وہ غلبہ میں اجزاء کی طرف حکم کو منتقل کرتے ہیں اور بُو کا اعتبار نہیں کرتے، یہی تنقیح مناسب ہے، انعامات کے ہجوم پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے اور صلوٰۃ وسلام تمام انبیاء کے سردار پر اور ان کی آل واصحاب پر، آمین۔اس کو محفوظ کر، جوہرہ میں امام ابو یوسف کے قول کو صحیح قرار دینے کے بعد علامہ حدادی نے خیال ظاہر کیا اور کہا کہ امام محمد نے تینوں اوصاف کی تبدیلی پر وضو کو ناجائز قرار دیا، اور اگر

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوز بہ الوضو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

الامام القدوری اختار قول محمد حیث قال فغیر احد اوصافه[1] اھ

اقول: (۱)ھذا لیس بتوفیق بل تلفیق ثم النصوص متظافرة عن محمد انه یعتبر اللون ثم الطعم لانه لایعتبرالوصف الواحد (۲)وکون ماء الدباء من جنس الماء غیر معول ولامقبول (۳) ومن نظر الفروع المارة علم انه لایوافق القولین ومااتت به النصوص علی المذھبین ثم (۴)ھو خلاف الاجماع فی ماء المدفقداطبقو انه مادام علی رقته یجوز الوضو به مع انه ربما یغیر وصفین بل الثلاث وماھو الا الاختلاط مالیس من جنس الماء من تراب و رمل وغثاء وکذا (۵)اجماعھم علی جواز الوضو بمانقع فیه تمروان حلا ولاشك ان تغیر اللون یسبقه مالم یصر نبیذا فلم یعتبر وافیه الاوصاف بل الاجزاء بالمعنی الثالث واللہ تعالٰی اعلم

ایک وصف تبدیل اور متغیر ہو جائے تو وضو کو جائز اور دو اوصاف کی تبدیلی پر ناجائز کہا ہے، اور امام حدادی نے کہا کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال میں موافقت یوں ہو گی، اگر پانی میں ملنے والی چیز مائع ہو جو پانی کی ہم جنس ہو جیسے کدو کا جوس، تو اس صورت میں غلبہ کیلئے اجزاء کا اعتبار ہوگا جیسا کہ امام ابو یوسف نے کہا ہے، اگر وہ پانی میں ملنے والا مائع ایسا ہو جو پانی کا ہم جنس نہ ہو جیسے دُودھ۔ تو اس صورت میں غلبہ کے لئے اوصاف کا اعتبار ہوگا، جیسے کہ امام محمد کا مسلک ہے۔ اور اس پر علامہ حدادی نے کہا شیخ قدوری نے امام محمد کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے یوں کہا "وہ ایک وصف کو تبدیل کرے اھ (ت)

میں کہتا ہوں، یہ تو موافقت نہ ہوئی بلاالکہ ایک نئی بات ہوئی، کیونکہ تمام نصوص میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ امام محمد پہلے رنگ اور پھر ذائقہ کی تبدیلی کا اعتبار کرتے ہیں نہ کہ وہ ایک وصف کی تبدیلی کا اعتبار نہیں کرتے، نیز کدو کے جوس کو پانی کا ہم جنس بتانا غیر معقول اور غیر مقبول ہے، اور جس کو گزشتہ فروعات کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے اقوال میں موافقت نہیں ہے، پھر علامہ حدادی کا یہ بیان سیلابی پانی میں اجماع کے بھی خلاف ہے کہ اس سے وضو جائز ہے جب تک رقت باقی رہے حالانکہ دو بلاالکہ تینوں اوصاف اس میں تبدیل ہوتے ہیں باوجودیکہ یہ تبدیلی پانی کے ہم جنس کی وجہ سے نہیں بلاالکہ مٹی، ریت اور تنکے ملنے کی وجہ سے ہوتی ہے، اسی طرح ان کا یہ بیان کہ کھجور ڈالنے سے میٹھے پانی میں اس اجماع کے بھی خلاف ہے جس میں اس سے

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الطہارۃ مطبع امدادیہ ملتان ۱/ ۱۴

	وضو کو جائز قرار دیا گیا ہے جب تک یہ کھجور کا میٹھا پانی نبیذ نہ بن جائے حالانکہ اس میں شک نہیں کہ مٹھاس سے پہلے وہاں رنگ بھی تبدیل ہوتا ہے اوصاف کی تبدیلی کے باوجود یہاں اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے وضو جائز ہے بلالکہ یہاں اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کا تیسرا معنی پائے جانے کے باوجود اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

بحث دوم اس قول کی توجیہ احکام

اقول: وباللہ التوفیق کتب معللہ کو غالبًا ہر خلافیہ میں خصوصًا وہ خلاف کہ امام وصاحبین یا باہم صاحبین میں ہو دلائل فریقین بیان کرنے کا التزام ہوتا ہے اگرچہ خلافیات مشائخ میں ایسا اعتنانہ کریں مگر اس خلافیہ میں دلیل قول امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کسی کتاب میں نظر فقیر غفرلہ المولی القدیر سے اصلانہ گزری حتی کہ بدائع میں جس نے اُس پر مشے فرمائی سوا اس لفظ کے کہ مجمع الانہر میں اعتبار رنگ پر لکھا لان اللون مشاھد (کیونکہ رنگ نظر آتا ہے۔ت) حالانکہ اس قول کے چار جز ہیں ہر جز طالب توجیہ ہے یہ دو حرفی جملہ ایک جُز کیلئے بھی وافی نہیں۔

فاولا: (۱) ماکل مشاھد معتبرا فالدلیل اعم من المدعی۔**وثانیا:** (۲) ماکل معتبر مشاھدا فالدلیل اخص من المدعی وبالجملة لایلزم من کونه مشاھدا اعتبارہ ولامن عدم مشاھدۃ اٰخر عدم اعتبارہ۔**وثالثا:** ان (۳) خصت المشاھدۃ بالرؤیة خرج الطعم وقد اعتبرہ محمد وان اُریدبھا الحس دخلت الریح ولم یعتبرھا۔ **وانا اقول:** وبربی ثم بنبیه استعین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیه واٰله و	پس **اوّلًا**، یہ کہ ہر مشاہدہ کی جانے والی چیز معتبر نہیں ہوتی (لہذا مجمع الانہر کا رنگ کے اعتبار میں رنگ کو مشاہدہ والا قرار دے کر دلیل بنانا درست نہیں) کیونکہ یہ دلیل عام ہے اور دعوی خاص ہے۔ (ت) **ثانیًا:** یہ کہ ہر معتبر چیز قابلِ مشاہدہ نہیں ہوتی پس یوں دلیل، دعوی سے خاص ہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ قابلِ مشاہدہ ہونے کو معتبر ہونا لازم نہیں اور یوں ہی دوسری چیز کے قابلِ مشاہدہ ہونے کو غیر معتبر ہونا لازم نہیں ہے۔ (ت) اور **ثالثًا**، یہ کہ اگر مشاہدہ کو دیکھنے سے مختص کیا جائے تو ذائقہ کا اعتبار نہ رہے گا حالانکہ امام محمد رضی اللہ عنہ ذائقہ کا اعتبار بھی کرتے ہیں اور اگر مشاہدہ سے مراد حِس ہو تو پھر بُو کا اعتبار بھی کرنا ہوگا حالانکہ وہ بُو کا اعتبار نہیں کرتے۔ (ت) اور **میں کہتا ہوں**، اللہ تعالٰی اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی امداد سے، کہ

صحبه اجمعين كان محمدا يقول رضى الله تعالٰى عنه ان رفع الحدث منوط شرعا باستعمال الماء المطلق ومطله هو الذى يتبادر الى الافهام باطلاق لفظ الماء ولاشك انها حقيقة معروفة مشهورة معلومة لكل احد لاتلتبس ولايحتاج احد فى ادراكها الى استجلاب العلم من خارج باخبار غيره ان هذا ماء فلايراد بمطلقه الا ماشأنه هذا ولاشك ان الماء اذاصار على لون مائع اٰخر يرتاب الناظر فيه ولايقطع انه ماء الا اذا اخبره من يعرفه من بدء امره واللون اول مدرك فان لم يغلب واخذه فى فمه للمضمضة فوجده على طعم مائع اٰخر ياخذه من الارتياب ماكان ياخذ فى متغير اللون بالنظر فخرجا عن الماء المطلق اما الريح فربما تكتسب بالمجاورة من دون خلط شيئ فماصح لونه وطعمه لايرتاب المستعمل فى كونه ماء بمجرد تغير فى ريحه فانكان فيه امتزاج غيره مساويا اوغالبا لايقف عليه المستعمل الا بالاخبار من خارج وحينئذ يعرف انه ليس بماء فالمائية لم يتوقف ادراكها على الخارج بل عدمها، ومعلوم ان هذا الارتياب والالتباس انما يكون بالمائع فالماء مهما اخذ لون جامد اوطعمه لايلتبس به وانما يتوقف فيه انسلاب

امام محمد رضی اللہ عنہ گویا یوں فرماتے ہیں کہ رفع حدث کیلئے شرعًا مطلق پانی کا استعمال ضروری ہے، اور مطلق پانی وہ ہے جو پانی کا لفظ بولنے پر ذہن میں آئے، اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو مشہور ومعروف اور ہر ایک کو معلوم ہے اس کو جاننے کیلئے کسی کو غیر سے سمجھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ وہ یہ بتائے کہ پانی یہ ہے۔ لہٰذا مطلق پانی سے مراد یہی عام فہم حقیقت ہے۔ لہٰذا جب کسی دوسری بہنے والی چیز کا رنگ پانی میں ظاہر ہوتا ہے تو دیکھنے والے کو ضرور تردّد ہوتا ہے کہ کیا یہ پانی ہے یا کیا ہے تو جب کوئی دوسرا باخبر شخص بتائے تو اس کا تردّد ہوتا ہے ورنہ نہیں، پانی میں سب سے پہلے رنگ کا علم ہوتا ہے اور اگر رنگ پانی پر غالب نہ ہو تو پھر جب کُلی کرنے کیلئے پانی منہ میں ڈالا جائے تو اس وقت دوسری مائع چیز کا ذائقہ محسوس ہونے لگتا ہے پھر اس کو تردّد ہوتا ہے جو کہ دیکھنے پر رنگت کی تبدیلی سے نہ ہوا تھا، پس یہ رنگ کی وجہ سے تردّد اور ذائقہ کی وجہ سے تردّد والا پانی، مطلق پانی سے خارج ہوگا، جہاں تک بُو کا تعلق ہے تو وہ قُرب وجوار میں پڑی ہوئی چیز کی خوشبو کا اثر ہوسکتا ہے ضروری نہیں کہ پانی میں مخلوط کسی چیز کی وجہ سے بُو آرہی ہو، رنگ اور ذائقہ اگر درست ہو تو استعمال کرنے والے کو کوئی تردّد پیدا نہیں ہوتا کہ یہ خالص پانی ہے، پس اگر پانی میں ریح کے بغیر کسی دوسری شیئ کی ملاوٹ ہو برابر یا غالب طور پر ہو تو استعمال کرنے والے کو تردد ہوگا مگر جب اسے کوئی خارج سے خبر دے

اسم الماء علی تھیؤہ لمقصد آخر فمن ھھنا حصل الفرق بین الجامد و المائع و ظھر مذھب محمد باجزائہ الاربعۃ

وبعبارۃ اخری اجمعنا ان ماصار شیئا اٰخر لمقصد اٰخر لاتجوز بہ الطھارۃ وان لم تزل رقتہ ولابلغ الممازج الماء قدرا فاذن لیس الا لتغیر فی اوصافہ اذلوسلمت مع بقاء الطبع وغلبۃ القدر استحال ان یسلب عنہ اسم الماء من دون موجب فعلم ان التغیر فی الاوصاف ھھنا مقدم علی زوال الطبع ومغلوبیۃ القدر، ثُمَّ ثَمَّ شیئاٰن زوال اسم الماء وتجدد اسم اٰخر وھذا یتوقف علی تھیؤہ لمقصد اٰخر والمنع منوط بالاول وان لم یوجد الاٰخر لان الشرع المطھر انما امر بالماء فاذا انسلب عنہ اسم الماء خرج المامور بہ وان لم یدخل فی مقصد اٰخر غیر ان الجامد یتبع فیہ الاول الاٰخر فلاینسلب اسم الماء بہ مالم یتھیأ لمقصد اٰخر کما تری فی السیل وماء القی فیہ قلیل سکر اونقع فیہ حمص اوتمر بخلاف المائع فانہ

تو اس وقت وہ جانے گا یہ پانی نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ نفیس پانی کا ادراک کسی خارجی امداد کے بغیر ہوتا ہے اور یہ بات بھی واضح کہ پانی میں تردّد پیدا کرنے میں کسی مائع چیز کا دخل ہوتا ہے اس کے برخلاف کسی جامد چیز کے ملنے سے پانی کے رنگ یا ذائقہ کی تبدیلی کی وجہ سے استعمال کرنے والے کو اس وقت تک تردّد نہیں ہوتا جب تک کسی دوسرے مقصد کیلئے تیاری سے پانی کے نام کو تبدیل نہ قرار دیا جائے۔ اس بات سے پانی میں جامد چیز اور مائع کے ملنے کا فرق واضح ہو جاتا ہے، اور یوں امام محمد کے مذہب کے چاروں اجزاء واضح ہوئے۔(ت) اور امام محمد کے مسلک کی ایک دوسرے انداز سے تقریر، یہ ہے کہ ہم سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ پانی میں مخلوط چیز کے سبب کوئی اور مقصد مطلوب ہو اور کوئی اور چیز بن گئی ہو تو اگرچہ اس صورت میں پانی کی رقت باقی ہو اور پانی کی مقدار بھی ملی ہوئی چیز سے زیادہ ہو تو پھر بھی اس سے وضو جائز نہیں ہے اس کی وجہ صرف پانی کے اوصاف کی تبدیلی ہو سکتی ہے کیونکہ پانی کی رقت باقی اور اس کی مقدار غالب ہونے پر اوصاف میں بھی تبدیلی نہ ہو تو اس کو پانی نہ کہنا اور اس کو کوئی دوسرا نام دینا محال ہوگا۔ اس حقیقت کے اعتراف پر یہ کہ امر واضح ہو گیا کہ اس صورت میں پانی کی طبع کے زوال (رقت کے ختم ہونے) اور پانی کی مقدار کے مغلوب ہونے سے قبل اس کے اوصاف کی تبدیلی ہوگی۔

پھر یہاں دو ۲ اور چیزیں ہیں، ایک پانی کے اطلاق کا نہ ہونا، دوسرا نئے نام سے موسوم ہونا، پانی کو نئے نام سے تب موسوم کیا جاتا ہے جب اس کو کسی دوسرے مقصد کیلئے تیار کیا گیا ہو، لیکن طہارت کی ممانعت کا تعلق

اذا غلب علی اوصاف الماء اشتبه الماء به فلم یبق مما یتبادر الیه الفهم باطلاق لفظ الماء فقد زال الاسم وان لم یتجدد له اسم اٰخر لان بالارتیاب والالتباس لا هذا الاسم یبقی ولا غیره یثبت وهذا هو المعنی عندی بزوال الاسم المذکور هنا فی کلام الامام ملك العلماء الماشی علی قول محمد بخلاف المعتبر فی الجامد فانه الذی یعقبه حدوث اسم اٰخر کما تقدم تحقیقه وبالله التوفیق وله الحمد۔

وبه انکشف مایترا ای وروده من ان هذا یوجب اعتبار الاوصاف فی الجامدات ایضا وان لم یحصل التهیؤ لمقصد اٰخر ولانعنی القلیل حتی تقولوا ان القلیل مغلوب والمغلوب هدر اجماعا بل الحد الذی یعتبر فیما یجعله شیئا

پہلی صورت یعنی پانی کے اطلاق کے زوال سے ہے اگرچہ وہاں دوسرا نام نہ بھی دیا گیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت مطہرہ نے طہارت کیلئے پانی کے استعمال کا حکم دیا ہے اور جس چیز پر پانی کا نام اور اطلاق نہ رہا تو وہ مامور بہ (پانی) سے خارج ہوگی خواہ کسی دوسرے مقصد کیلئے ہو یا نہ ہو اور اس کو نئے نام سے موسوم کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، لیکن جامد چیز کے مخلوط ہونے پر یہ ضروری ہے کہ پہلی صورت (پانی کے اطلاق کی نفی) کے بعد دوسری صورت (نئے مقصد کیلئے تیاری کی وجہ سے نیا نام) کو ضرور لاحق ہوگی، جیسا کہ آپ سیلابی پانی، معمولی اور قلیل شکّر والا پانی، جس پانی میں چنے ڈالے ہوں یا جس پانی میں کھجور ڈال دی گئی ہو، کو دیکھ سکتے ہیں (کہ ان صورتوں میں نہ صرف یہ کہ پانی کا اطلاق باقی ہے بلاکہ نئے مقصد کے لئے نیا نام بھی نہیں دیا گیا، لہٰذا اس سے وضو جائز ہے) اس کے برخلاف وہ پانی جس میں کوئی مائع چیز ملائی گئی ہو تو اگر پانی کے اوصاف اس سے تبدیل ہوجائیں تو اس کو پانی کہنے اور اس پر پانی کا اطلاق کرنے میں تردّد پیدا ہوتا ہے اور اس کا پانی ہونا ذہن میں نہیں آتا، تو نام اور اطلاق پانی کیلئے نہ رہا، لیکن نیا نام بھی اس کو نہ دیا گیا، کیونکہ تردّد کی وجہ سے پہلا نام ختم ہوگیا اور نیا نام ثابت نہ ہوسکا، میرے نزدیک امام ملک العلماء کے کلام میں زوال اسم ماء سے یہی مراد ہے جہاں انہوں نے امام محمد کے قول کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ جامد چیز میں اس کے برخلاف طہارت ممنوع ہوگی جبکہ اس کو نیا نام دیا گیا ہو جیسا کہ پہلے تحقیق ہوچکی ہے، اللہ تعالٰی سے توفیق اور اسی کیلئے حمد ہے۔ (ت)

اس تحقیق سے اس اعتراض کی حقیقت بھی منکشف ہوگئی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ مائع کی طرح جامد میں بھی اوصاف کی تبدیلی کا اعتبار کیا جاتا ہے اگرچہ جامد کو پانی میں ملاکر کسی دوسرے مقصد کیلئے تیار نہ کیا گیا ہو، یہ شُبہ اس لئے ختم ہوجاتا ہے کہ بالاجماع ہم جامد کی وہ قلیل مدار مراد نہیں لے رہے

اذاصار لمقصود اٰخر فاذا بلغ التغیر ذلك الحدلم لاینسلب اسم الماء وان لم یتجدد اسم اٰخر لعدم التهیؤ المذکور،وذلك کماء الزردج فانه یطرح ولایصبغ به فلا یصیر لمقصود اٰخر بخلاف ماء الزعفران لکن اذا کان ماء الزردج بحیث یصلح للصبغ لوکان یصبغ به فقد تغیر وای فرق بین المائین اذا بلغا هذا الحد فی تغیر الماء وکون هذا یقصد للصبغ لاذاك شیئ اٰخر وارء التغیر فالماء مغلوب فیهما علی السواء وعلیه تدور رحی المنع وعلیك بتلطیف القریحة فان الانسلاب بالتجدد اوالارتیاب لاغیر۔

وبه ظهر الجواب عن قولهم المار فی البحث الاول من ابحاث غلبة الغیر عن العنایة ومجمع الانهر ان الغلبة بالاجزاء غلبة حقیقیة اذوجود المرکب باجزائه فکان اعتباره اولی بخلاف الغلبة باللون فانها راجعة الی الوصف

جو صرف مغلوب ہو کر کالعدم ہوجائے بلاکہ پانی میں شامل ہونے والے جامد کی اتنی مقدار مراد ہے جو کسی دوسرے مقصد کیلئے پانی کو دوسری چیز بنانے کیلئے معتبر ہوسکے تو جب جامد کی وجہ سے پانی میں اس حد تک تغیر پیدا ہوجائے تو لازمی طور پر وہاں پانی کا نام سلب ہوجائے گا خواہ نئے مقصد کیلئے نیا نام اس کو نہ بھی دیا گیا ہو،اس کی مثال زردج (زردہ) والا پانی ہوسکتا ہے کہ جب پانی میں اتنا زردہ ڈالا جائے جس سے کسی چیز کو رنگ نہ دیا جاسکے تو اس صورت میں وہاں دوسرا مقصد تو حاصل نہیں مگر اس کو پانی نہیں کہا جاتا،اس کے برخلاف زعفران والا پانی ہے لیکن جب زردہ کی اتنی مقدار ہو جس سے کسی چیز کو رنگا جاسکتا ہو،تو یہ بھی ایک تغیر ہے جو دوسرے مقصد کیلئے تیار کیا گیا ہے، مگر دونوں صورتوں میں اس حد کا تغیر ہے کہ وہاں پانی کا نام سلب ہوجاتا ہے فرق صرف یہ ہے پہلے میں نئے مقصد کیلئے نیا نام نہیں ہے جبکہ دوسری صورت میں نئے مقصد کیلئے نیا نام ہے،جب دونوں صورتوں میں پانی مغلوب ہو کر اپنا نام کھو بیٹھا ہے تو ان دونوں صورتوں میں اس سے وضو ناجائز ہوگا کیونکہ وضو کے منع ہونے کیلئے پانی کا مغلوب ہوجانا ہی معیار ہے۔آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ پانی سے اس کے نام کو سلب کرنے والے دو سبب ہیں ایک نئے مقصد کیلئے تیار ہونا اور دوسرا اس کے پانی ہونے میں تردّد پایا جانا۔(ت) گزشتہ تحقیق سے علماء کے اس قول کا بھی جواب واضح ہوگیا جس کو انہوں نے غیر چیز کے غلبہ کی پہلی بحث میں عنایہ اور مجمع الانہر سے نقل کیا ہے کہ حقیقی غلبہ اجزاء کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ مرکب چیز کا وجود اجزاء کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا اجزاء کے غلبہ کا

کیف وقد اجمعنا ونص الحدیث علی اعتبار الغلبة بالاوصاف فی کثیر یخالطه نجس، وفی (۱) الدم ان خرج من الفم تعتبر الغلبة بینه وبین الریق من حیث اللون فانکان احمر نقض الوضو وان اصفر لا کما فی التبیین والبحر وغیرهما وفی (۲) الدم خرج من اسنانه فابتلعه ان غلب علی الریق افطر ویعرف بوجدان طعمه وعلیه الاکثر وبه جزم فی البزازیة واستحسنه الکمال وشیخ الاسلام الغزی کمافی الدر عـہ وهذا التوزیع علی وفق مسلکی فاعتبر وفی الوضو اللون تقدیما له وفی الصوم الطعم لتعذر ادراك اللون **وقلت:** خاصة انت ایها الامام الثانی (۳) فی لبن امرأة خلط بدواء انه ان

اعتبار اولٰی ہے بخلاف رنگ والے غلبہ کے کیونکہ وہ وصف کی طرف راجع ہے۔ اس کا جواب اس لئے واضح ہے کہ بہت سی نجس چیزیں جب پانی میں ملتی ہیں تو وہاں اوصاف کے غلبہ کے اعتبار سے حدیث کی نص اور ہمارا اجماع بھی ہے، اس کی مثالیں حسب ذیل ہیں، جب ۱ مُنہ سے خون نکلے تو وہاں رنگ کے اعتبار سے غلبہ ہوتا ہے کہ اگر تھوک میں سُرخی ہو تو خون غالب ہوگا اور اگر سُرخی کی بجائے صرف زردی ہو تو تھوک غالب ہوتا ہے جس پر وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کا حکم نافذ ہوتا ہے، جیسا کہ تبیین، بحر وغیرہما میں ہے، اور جب ۲ دانتوں سے خون نکلے اور روزہ دار اس کو حلق میں اتار لے تو اگر خون کا ذائقہ ہوا تو خون کو غالب قرار دے کر روزہ کے فساد کا حکم ہوگا اور اگر خون کا ذائقہ نہ پایا تو روزہ فاسد نہ ہوگا،

عـہ عبارة وجیز الکردری لاشیئ اذاخرج الدم من بین اسنانه والبزاق غالب فابتلعه ولم یجد طعمه وان غلب الدم اوتساویا فسد اھ[1]۔ ونظم الدران غلب الدم اوتساویا فسد، والالا،الا اذاوجد طعمه بزازیة[2] الخ اقول: فالثنیا باعتبار الغلبة بالاجزاء والحکم باعتبار الغلبة بالوصف فان المغلوب لاحکم له منه غفرله۔(م)

وجیز الکردری کی عبارت یوں ہے "جب دانتوں سے خون نکلے اور اس پر تھوک کی غالب رہے تو کوئی حرج نہیں جبکہ نگلنے میں خون کا ذائقہ نہ پائے، اور اگر تھوک پر خون غالب ہو یا برابر ہو تو وضو فاسد ہوگا اھ اور در مختار کی عبارت یوں ہے: "اگر خون غالب ہو یا دونوں مساوی ہوں تو وضو فاسد ہوگا ورنہ نہیں الّا یہ کہ خون کا ذائقہ پائے بزازیہ الخ میں کہتا ہوں کہ در مختار کی عبارت میں حکم میں وصف کے لحاظ سے غلبہ کو بیان کیا گیا ہے اور استثناء میں اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ مغلوب چیز کے لحاظ سے حکم نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ھندیہ کتاب الصوم ۹۸/۴

[2] در مختار باب مایفسد الصوم مطبع دہلی ۱۴۹/۱

غیر طعمه ولونه معالم یتعلق به تحریم الرضاع والاحرم ـقال فی التبیین فی المنتقی فسر الغلبة فی روایة ابن سماعة عن ابی یوسف فقال اذاجعل فی لبن المرأة دواء فغیر لونه ولم یغیر طعمه اوعلی العکس فاوجر به صبی حرّم وان غیر اللون والطعم ولم یوجد فیه طعم اللبن وذهب لونه لم یحرّم وفسر الغلبة فی روایة الولید عن محمد فقال اذالم یغیره الدواء من ان یکون لبنا تثبت به الحرمة [1] اھـ۔

یہی اکثر علماء کا موقف ہے اور اسی پر بزازیہ نے جزم کیا ہے کمال اور شیخ الاسلام الغزی نے اس کو پسند کیا ہے، جیسا کہ دُرمختار میں ہے، اور مذکور تقسیم وترتیب میرے ضابطہ کے مطابق ہے کہ وضو کے بارے میں رنگ کا اعتبار پہلے ہوگا اور روزہ کے بارے میں ذائقہ کا اعتبار ہوگا، کیونکہ روزہ کی صورت میں رنگ کا ادراک مشکل ہوتا ہے۔اور (۳) میں خاص طور پر امام ثانی (امام یوسف) کے بارے میں کہتا ہوں کہ انہوں نے عورت کے دودھ کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر وہ دوائی میں مل جائے اور دوائی کی وجہ سے اُس دودھ کا رنگ اور ذائقہ تبدیل ہوجائے تو اس سے بچنے کیلئے رضاعت والی حرمت ثابت نہ ہوگی ورنہ حرمت ثابت ہوجائے گی۔ تبیین میں کہا ہے کہ منتقٰی میں امام یوسف سے مروی غلبہ کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ جب عورت کے دودھ میں دوائی ڈالی جائے جس سے دودھ کے رنگ اور ذائقہ میں سے ایک چیز بدل جائے اور دوسری تبدیل نہ ہو تو پھر کسی بچّے نے اس کو پی لیا تو حرمت ثابت ہوگی، اور اگر دوائی کی وجہ سے دودھ کا رنگ اور ذائقہ دونوں تبدیل ہوجائیں اور ذائقہ اور رنگ باقی نہ رہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اور امام محمد سے غلبہ کی تفسیر کو ولید نے یوں بیان کیا ہے کہ جب دواء نے دودھ کی حیثیت کو باقی رکھا تو اس سے حرمت ثابت ہوگی اھ۔ (ت)

فان قلت:لم عدل محمد ھھنا عن الاوصاف الی الاجزاء قلت:لان الحکم فی الطھارة علی الماء فلزم المطلق وھھنا علی الرضاع (۱) والمص من الثدی غیر لازم بالاجماع فبقی وصول اللبن الی الجوف فما دام اللبن لبنا صدق الوصول ھذا ماظھر لی

اگر آپ کا یہ اعتراض ہو کہ امام محمد نے یہاں غلبہ کے اعتبار میں اوصاف کی بجائے اجزا کی طرف کیوں عدول کیا ہے؟ تو اس کے جواب کیلئے میں کہتا ہوں کہ طہارت کے معاملہ میں حکم کا تعلق پانی سے ہوتا ہے جس کو مطلق رکھنا ضروری ہے اور یہاں حکم کا تعلق رضاع سے ہے جس میں پستان سے چُوسنا لازم نہیں ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الرضاع مطبع الامیریہ مصر ۱۸۵/۲

فی تقریر مذہب محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔

اقول: وکانّ ابایوسف یقول رضی اللہ تعالٰی عنہ الارتیاب والالتباس لعارض لایغیر الذات لایخرج الشیئ عن حقیقتہ المتبادر الیھا الافھام عنہ سماع اسمہ کزید جاء متنکرا فلم یعرفہ الناس ولامعنی لزوال الاسم مع بقاء الحقیقۃ اجزاء ومقصودا کما قدمنا تحقیقہ ولربما یحصل الالتباس بخلط جامد فانہ لایغیر الا اذا انماع فاذا اتحد عملہ وعمل مائع کان اللبس علی حد سواء فانک ان القیت فی الماء عصفرا فاصفر وصار کماء الزردج لاتفرق بینہ وبین ماء القی فیہ ماء الزردج وقد اجمعنا علی اھدارہ مالم یتھیأ لمقصد اٰخر **والنجس** لایؤثر فی تغییر ذات الماء کمامر منا تحقیقہ ان الماء النجس والمستعمل من الماء المطلق وانما یسلبہ وصف الطھارۃ فجاز البناء فیہ علی الاوصاف التی لاتتغیر بتغیرھا الذات بخلاف ماھنا فانہ مھما تبقی الذات سالمۃ یبقی داخلا تحت المطلق المامور بہ **والمعتبر فی الوضو** (۱)سیلان نجس بقوتہ ولانظر بعد ذلک الی امتزاجہ مع

بلاالکہ بالاجماع یہاں دودھ کا حلق سے اندر اترنا معتبر ہے تو جب تک دودھ کی حیثیت باقی ہے اس وقت تک حلق میں وصول کا لحاظ باقی رہے گا، امام محمد کے مذہب کی تقریر میں یہ میری رائے ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں، امام یوسف گویا یوں فرماتے ہیں کہ عارضہ کی بنا پر کسی چیز میں تردّد واشتباہ اس چیز کی ذات کو اپنی حقیقت سے خارج نہیں کرسکتا حقیقت اس کی وہی ہے جو اس کے نام سننے پر فہم میں آئے، جیسا کہ زید اپنی حالت تبدیل کرکے آئے تو لوگ اس کو نہیں پہچانیں گے (اس کے باوجود وہ زید ہے) شیئ کا نام اُس وقت تک ختم نہیں ہوتا جب تک شیئ کی حقیقت اجزاء اور مقصود کے اعتبار سے باقی ہو جیسے کہ ہم نے پہلے تحقیق کردی ہے، یوں تو جامد چیز ملنے سے کبھی اشتباہ پیدا ہوجاتا ہے کیونکہ جامد چیز پانی میں پگھل کر اور گھُل کر ہی اس میں تبدیلی پیدا کرتی ہے، لہٰذا جب مائع اور جامد دونوں کا عمل قدرے مساوی ہے تو دونوں سے اشتباہ وتردّد کی صورت بھی برابر ہے یقینا آپ جب پانی میں عصفر ڈالیں گے تو پانی اسی طرح زرد ہوگا جس طرح زردہ والا پانی زرد ہوتا ہے آپ رنگ کی تبدیلی میں دونوں کا فرق واضح نہیں کرپائیں گے جبکہ ہم زردہ کے پانی کے معمولی رنگ کو کالعدم قرار دے چکے ہیں نجاست پانی کی ذات کو تبدیل کرنے میں مؤثر نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے ہماری تحقیق گزر چکی ہے کہ ناپاک پانی اور مستعمل پانی مطلق پانی ہوتے ہیں صرف ان کا وصفِ طہارت منتفی ہوتا ہے لہٰذا نجاست کے

طاھر اقل منه قدرًا او اکثر فاحمرار البزاق یدل علی ان الدم کثیر خارج بقوته واصفراره علی انه قلیل استتبعه البصاق. قال الامام الزیلعی الدم ان خرج من نفس الفم تعتبر الغلبة بینه وبین الریق وان تساویا انتقض الوضو لان البصاق سائل بقوة نفسه فکذا مساویه بخلاف المغلوب لانه سائل بقوة الغالب ویعتبر ذلك من حیث اللون الخ[1] ثم (۱) قال لوقاء دما ان نزل من الرأس نقض قل اوکثر باجماع اصحابنا وان (۲) صعد من الجوف فالمختار ان کان علقا یعتبر ملئ الفم لانه لیس بدم وانما ھو سوداء احترقت وانکان مائعا نقض وان قل لانه من قرحة فی الجوف وقد وصل الی مایلحقه حکم التطھیر[2] اھ۔ثم قال تحت قول الکنز (۳) لابلغما (۴) اودما غلب علیه البصاق مانصه ھذا اذاخرج من نفس الفم وان خرج من الجوف فقد ذکرنا تفاصیله[3] اھ ای ان کان علقا اعتبر ملء الفم والا نقض وان قل. قال العلامة الشامی فی منحة الخالق الخارج من الجوف لایخالطه البزاق الابعد وصوله الی الفم لان

حکم کی بنیاد ایسے اوصاف پر ہو سکتی ہے جن کی تبدیلی سے پانی کی ذات تبدیل نہ ہو لیکن پانی میں پاک چیز ملنے کی وجہ سے تغیر کا حکم اس کے خلاف ہے کیونکہ یہاں اوصاف کی تبدیلی سے مطلق پانی کی ذات قابل استعمال ہونے میں سالم رہتی ہے۔ اور وضو کے فساد میں بدن سے نجاست کا اپنی قوت سے بہنا معتبر ہوتا ہے اس کے بعد اس نجاست کا پاک چیز سے امتزاج قلیل مقدار میں ہو یا کثیر مقدار میں اس کا کوئی لحاظ نہیں ہوگا تو تھوک کی سرخی سے منہ سے نکلنے والے خون کی کثرت اور قوت سے خارج کی دلیل ہوگی اور تھوک کی زردی خون کے قلیل اور مغلوب ہونے کی دلیل ہوگی۔ امام زیلعی نے فرمایا ہے کہ منہ سے نکلنے والے خون میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اور خون اور تھوک مساوی ہوں تو بھی وضو فاسد ہوگا کیونکہ اس صورت میں تھوک اور خون مساوی قوت سے خارج ہوئے ہیں، مغلوب کا معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ وہ غالب کے تابع ہوتا ہے اور غلبہ کا اعتبار رنگ سے کیا جائے گا الخ پھر انہوں نے اس کے بعد فرمایا اگر خون کی قے آئے تو معلوم کیا جائے کہ یہ خُون سر سے اترا ہے یا پیٹ سے اُبھرا ہے اگر سر سے نازل ہُوا ہو تو اس سے وضو فاسد ہوجائے گا خواہ وہ خون قلیل ہو یا کثیر ہو اس پر ہمارے اصحاب کا اجماع ہے

---

[1] تبیین الحقائق نواقض الوضوء مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۸/۱

[2] تبیین الحقائق نواقض الوضوء مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۹/۱

[3] تبیین الحقائق نواقض الوضوء مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۹/۱

البزاق محله الفم لاالجوف وبهذا يظهر الفرق بين الخارج من القسم والخارج من الجوف فان الخارج من الفم انما كان سيلانه بسبب البزاق وجعل غلبته على البزاق دليل سيلانه بنفسه بخلاف الخارج من الجوف فانه لايصل الى الفم الا اذاكان سائلا بنفسه فالفرق بينهما واضح[1] اھ والمناط **فی الصوم** دخول شیئ من الخارج فی الجوف الامأتعذر التحرز عنه ولذا (۱) عفی عن بلة تبقی بعد المضمضة (۲) وعن قلیل اثر یبقی فی الفم من المأکول (۳) وما وجد طعمه غیر قلیل کما حققه فی الفتح قال لنا ان القلیل تابع لاسنانه بمنزلة ریقه فلایفسد کالریق وانما اعتبر تابعا لانه لایمکن الامتناع عن بقاء اثر مامن المأکل حوالی الاسنان وان قل ثم یجری مع الریق النابع من محله الی الحلق فامتنع تعلیق الافطار بعینه فیعلق بالکثیر ومن المشائخ من (۴) جعل الفاصل کون ذلك مما یحتاج فی ابتلاعه الی الاستعانة بالریق اولا الاول قلیل والثانی کثیر وهو حسن لان المانع من الافطار بعد تحقق الوصول

اور اگر وہ پیٹ کا خون بستہ ہو تو پھر منہ بھر کر قَے ہونے پر وضو فاسد ہوگا یہی مختار مسلک ہے کیونکہ حقیقت میں وہ خون نہیں ہے بلاالکہ وہ سوداء کا جلا ہوا مادہ ہے اور اگر وہ پیٹ سے اُبھرا ہوا خون رقیق ہو تو پھر قلیل قے سے بھی وضو فاسد ہو جائے گا کیونکہ وہ پیٹ میں کسی زخم کا خون ہے جو ایسے مرحلہ میں پہنچ گیا یعنی خارج ہو کر ایسی جگہ پہنچ گیا جس جگہ کو پاک رکھنے کا حکم ہے اھ۔اس کے بعد انہوں نے کنز کے اس قول **لابلغمًا اودما غلب علیه البصاق** (یعنی جب بلغم کی یا ایسے خون کی قے ہو جس پر تھوک غالب ہو تو وضو فاسد نہ ہوگا) کے تحت کہا یہ حکم جب ہے کہ وہ خون منہ کا ہو اور اگر وہ پیٹ کا ہو تو پھر اس کی تفصیل ہم بیان کرچکے ہیں اھ یعنی یہی کہ اگر خون بستہ ہو تو منہ بھر قے ہونے پر وضو فاسد ہوگا ورنہ نہیں اور اگر خون رقیق ہو تو پھر قلیل قے سے بھی وضو فاسد ہوگا، علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں فرمایا کہ پیٹ سے آنے والے خون میں تھوک کی ملاوٹ منہ میں ہوتی ہے کیونکہ تھوک کا مقام منہ ہے پیٹ نہیں، اس سے منہ سے نکلنے والے خون اور پیٹ سے آنے والے خون کا فرق واضح ہوگیا کیونکہ منہ سے نکلنے والے خون کا سبب تھوک ہے اور تھوک پر اس کا غلبہ اس کے خود بہہ نکلنے کی دلیل ہے لیکن پیٹ سے

[1] منحۃ الخالق علی حاشیۃ البحر الرائق ،نواقض الوضوء ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۳۶/۱

كونه لايسهل الاحتراز عنه وذلك فيما يجرى بنفسه مع الريق الى الجوف لاما يعتمد فى ادخاله لانه غير مضطر فيه[1]. (۱) وفى الكافى فى السمسمة ان مضغها لايفسد الا ان يجد طعمه فى حلقه وهذا حسن جدا فليكن الاصل فى كل قليل مضغة[2] اھ۔فتبين ان اعتبار اللون والطعم فى الوضو والصوم ليس من جهة اعتبار الغلبة بالاوصاف بل لان بهما ههنا تحقق المناط وقد نصوا (۲) فى خمر قُبّلت ان كان الماء قليلا اومساويا يحد اذاوصل الى جوفه وان غلب الماء لاالا ان يسكر كما فى البزازية[3] فاعتبروا الغلبة بالاجزاء والا فالخبيثة تغلب ضعفها بل اضعافها من الماء فى الاوصاف اما مسألة **الرضاع** فالمعتمد فيها ايضا اعتبار الاجزاء باحد المعانى الثلثة كما هو قول محمد دون الاوصاف كمابينته فيما علقته على ردالمحتار علا ان المناط ههنا شرب مايغذى وينبت اللحم و ينشز العظم فظن الامام الثانى ان الدواء اذا اذهب لونه وطعمه كسر قوته (۳) كالمخلوط	آنے والے خون کا معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ اس کا منہ تک آنا خود بہہ نکلنے کی دلیل ہے اس لئے کہ وہ بہہ کر یہاں پہنچا، یوں فرق واضح ہوا اھ۔اور روزہ فاسد ہونے کا معیار یہ ہے کہ خارج سے کسی ایسی چیز کا پیٹ میں داخل ہونا جس سے بچاؤ مشکل ہو تو وہ معاف ہے اسی وجہ سے کُلی کرنے کے بعد منہ میں باقی رہنے والی تری روزہ دار کو معاف ہے اور کوئی چیز کھانے کے بعد اگر اس کا قلیل اثر منہ میں باقی رہ جائے تو وہ بھی معاف ہے اور اگر کوئی ذائقہ والی چیز ہو تو وہ قلیل نہ ہوگی اس سے روزہ فاسد ہوگا۔ اس کی تحقیق فتح القدیر میں ہے، انہوں نے فرمایا ہماری دلیل یہ کہ قلیل چیز دانتوں کے تابع ہو کر تھوک کی طرح ہوجائے گی لہٰذا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا اس کو دانتوں کے تابع اس لئے قرار دیا ہے کہ کھائی ہوئی چیز کے اس اثر سے جو دانتوں کے ارد گرد باقی ہوتا ہے سے بچنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ لعاب کے ساتھ مل کر حلق میں منتقل ہوجاتا ہے اس لئے روزہ کے فساد کا تعلق اس قلیل اثر سے نہ ہوگا بلالکہ کثیر اثر سے ہوگا، روزہ کے لئے مفسد اور غیر مفسد اثر کے بارے میں مشائخ میں سے بعض نے

[1] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۸
[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۹
[3] فتاوٰی بزازیۃ علی حاشیۃ الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الاشربہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۵

بالطعام واللہ تعالٰی اعلم فانکشف الحجاب وزھر الصواب والحمدللہ الکریم الوھاب وصلی اللہ تعالٰی علی السید الاواب واٰلہ وصحبہ خیر اٰل واصحاب الٰی یوم الحساب اٰمین۔

یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ اگر وہ اثر ایسا ہو جس کو حلق سے اتارنے کیلئے لعاب کی مدد ضروری ہو تو وہ قلیل اور غیر مفسد ہے اور اگر لعاب کے بغیر اس کو حلق سے اتارا جاسکے تو کثیر اور مفسد ہے، یہ فرق خوب ہے کیونکہ حلق تک وصول کے باوجود روزے کا فاسد نہ ہونا اس بنا پر ہے کہ اس سے بچنا مشکل ہے کیونکہ لعاب سے مل کر خود بخود وہ اثر حلق سے بغیر قصد اتر جاتا ہے اور جو اثر قصداً اتارنا پڑا وہ معاف نہیں ہے کیونکہ اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے،اور کافی میں ہے کہ اگر تِل کا دانہ چبایا تو روزہ فاسد نہ ہوگا لیکن اگر اس کا ذائقہ حلق میں پایا جائے تو فاسد ہوگا۔ یہ فرق بہت خوب ہے اھ۔اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ روزہ اور وضو کے فساد میں رنگ اور ذائقہ کا اعتبار غلبہ کی وجہ سے نہیں لکہ اس لئے کہ ان دونوں وصفوں کی وجہ ان کے فساد کا معیار پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے شراب کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ شراب میں پانی قلیل یا مساوی ہو تو پینے والے کو حد لگے گی بشرطیکہ یہ شراب اس کے حلق سے نیچے اتر گئی اور اس میں پانی کثیر اور زیادہ تھا تو حد نافذ نہ ہوگی بشرطیکہ نشہ نہ ہوا ہو،اس کو بزازیہ میں ذکر کیا ہے، یہاں فقہاء نے اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار کیا ہے، ورنہ خبیث شراب تو اپنے سے کئی گنا زیادہ پانی میں مل کر بھی اوصاف میں غالب رہتی ہے لیکن رضاع کے مسئلہ میں بھی اجزاء کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے خواہ وہ غلبہ اپنے تین معانی میں سے کسی معنی میں پایا جائے، یہاں اوصاف کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار نہیں ہے یہ امام محمد کا قول ہے جیسا کہ میں نے اس کو ردالمحتار کی تعلیقات میں ذکر کیا ہے اس کے علاوہ یہاں رضاع میں حکم کا معیار، غذا، گوشت پیدا کرنا اور ہڈی بنانے والی چیز کو پینا ہے تو دوسرے امام (امام ابویوسف) نے یہ گمان فرمایا کہ جب دوا عورت کے دُودھ میں مل کر اس کے رنگ اور ذائقہ کو ختم کردے گی تو وہ دودھ کی قوت کو بھی ختم کردے گی جیسے طعام میں مل کر دُودھ کی قوت ختم ہوجاتی ہے واللہ تعالٰی اعلم، حجاب اُٹھ گیا، درستی کھل گئی، الحمدللہ والصلٰوۃ علٰی رسول اللہ وآلہ وصحبہ اجمعین، آمین۔(ت)

فصل رابع ضوابط کلیہ: الحمدللہ ہمارے بیانات سابقہ نے واضح کردیا کہ دونوں مذہب امامین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما دو[2] ضابطہ کلیہ ہیں:

اوّل ضابطہ یوسفیہ: کہ جب پانی کا سیلان زائل ہوجائے یا رقت نہ رہے اگرچہ بے کسی چیز کے ملنے یا اُس میں اس کا غیر کہ مقدار میں برابر یا پانی سے زائد ہو مل جائے یا دوسری شے سے مل کر

ایک مرکب جداگانہ مقصد آخر کیلئے ہوجائے اگرچہ وہ دوسری شے پانی سے مقدار میں کتنی ہی کم ہو ان صورتوں میں پانی مقید ہوگیا اور قابلِ وضو نہ رہا ورنہ مطلقاً مائے مطلق ہے اگرچہ رنگ مزہ بُو سب بدل جائیں اور یہی صحیح و معتمد اور یہی مفاد متون مستند ہے۔

دوم ضابطہ شیبانیہ: کہ اگر سیلان یا رقت نہ رہے تو مقید ہے اگرچہ بے خلط چیز سے ہو اور کسی چیز کے خلط سے مقصد دیگر کیلئے چیز دیگر ہوجائے تو مقید ہے اگرچہ مخلوط جامد ہو اور اگر یہ صورتیں نہیں اور مخلوط شے جامد ہے تو مطلقاً مائے مطلق ہے اگرچہ اوصاف بدل جائیں اور اگر مخلوط شے مائع ہے تو اوّلاً رنگ دیکھیں گے اگر پانی پر اُس کا رنگ اس درجہ غالب آیا کہ ناظر کو اُس کے پانی ہونے میں اشتباہ پڑے مائع دیگر کا شبہ گزرے تو مقید ہوگیا اور اگر رنگ اتنا نہ بدلا تو مزے پر نظر ہوگی اگر مزہ اُس حدِّ التباس تک بدل گیا تو مقید ہے اور اگر رنگ ومزہ اس حد تک نہ بدلے تو بُو کا لحاظ نہیں صرف یہ دیکھیں گے کہ وہ دوسرا مائع اگر مقدار میں پانی سے زائد یا برابر ہے مقید ہوگیا ورنہ مطلق ہے۔

سوم ضابطہ برجندیہ: کہ پاک چیز جو پانی میں ملے اگر جنس ارض سے ہے جیسے مٹی ہرتال چُونا یا اُس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے جیسے صابون وغیرہ اگرچہ پکنے میں ملے ان دونوں صورتوں میں جب تک پانی اپنی رقّت پر باقی ہے وضو جائز ہے ورنہ نہیں اور اگر نہ جنس زمین سے ہے نہ اُس سے زیادت نظافت مقصود تو اس کا خلط اگر پکتے میں ہوا اور اُس سے پانی میں کچھ بھی تغیر آیا وضو جائز نہیں اگرچہ رقّت باقی رہے مگر ظہیریہ نے اس میں بھی اعتبار رقّت کیا اور اگر خلط بلا طبخ ہوا تو اس صورت میں امام محمد مطلقاً اعتبار رنگ فرماتے ہیں اور امام ابویوسف کے نزدیک اگر وہ بہتی ہوئی چیز ہے تو کثرت اجزا کا اعتبار ہے اگر پانی زیادہ ہے وضو جائز ورنہ نہیں اور غیر مائع میں وہی اعتبار رقت ہونا چاہئے کہ پانی اپنی رقت پر نہ رہے تو وضو ناجائز ورنہ جائز۔

قال رحمہ اللّٰہ تعالٰی تفصیلہ ان الطاھر المخالط اما[1] من جنس الارض کالتراب والزرنیخ والنورۃ اومن غیر جنس الارض وھو[2] اما ان لم یختلط بہ بالطبخ او[3] اختلط بہ بالطبخ وحینئذ اما ان یقصد بہ النظافۃ کالاشنان اولا[4] فھذہ اربعۃ اقسام، وحکم الاقسام الثلثۃ الاول	(علامہ برجندی) رحمہ اللہ تعالٰی نے کہا کہ پانی میں پاک چیز ملنے کی تفصیل یوں ہے کہ وہ مٹّی، ہڑتال، چونا جیسی جنس زمین سے ہوگی یا غیر جنس زمین سے، پھر خواہ وہ پانی میں پکانے سے نہ ملے یا پکانے سے مل گئی اور ملانے سے مقصود طہارت میں مبالغہ ہے جیسے اشنان یا نہیں تو یہ کل چار (۴) صورتیں ہوئیں، پہلی تین صورتوں میں تو یہ حکم ہے کہ اگر پانی غالب ہو تو وضو

انه ان غلب الماء جاز التوضی وان غلب ذلك المخالط لا، ومعنى غلبة المخالط فی الاول والثالث ان تزول الرقة وفی الثانی ان یغلب لون المخالط علی لون الماء عند محمد والاجزاء علی الاجزاء عند ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی واذا اعتبر غلبة الاجزاء ففی غیر المائعات ینبغی ان یکون بحیث یخرج الماء عن الرقة وفی روایة عن ابی یوسف فی هذا القسم ان کان مما لایقصد به النظافة کالصابون فهو غیر طهور مطلقًا سواء غلبت الاجزاء اولا هذا هو المفهوم من الفتاوی الظهیریة وشروح الهدایة، وذکر فی الهدایة انه یعتبر فی الغلبة اولا اللون ثم الطعم ثم الاجزاء [1]، واما حکم القسم الرابع فاشار الیه بقوله (اوغیره طبخا وهو ممالایقصد به النظافة) واطلاق التغیر وجعله قسیما للاخراج عن طبع الماء مما یتبادر منه ان مطلق التغیر بالطبخ مانع سواء اخرجه عن طبع الماء اولا، وهذا هو المفهوم من الهدایة ویؤیده مافی الخزانة وفتاوی قاضی خان انه اذاطبخ فیه الباقلی وریح الباقلی یوجد منه لایجوز به التوضی هذا وقد ذکر فی الفتاوی الظهیریة انه اذاطبخ الحمص

جائز ہوگا ورنہ وضو جائز نہ ہوگا، پہلی اور تیسری صورت میں ملنے والی شے کا غلبہ تب ہوگا جب پانی کا پتلا پن جاتا رہے اور دوسری صورت میں امام محمد کے ہاں جب ملنے والی شے کا رنگ پانی پر غالب آجائے غلبہ ہوگا، اور امام ابویوسف کے ہاں جب اس کے اجزاء غالب ہوجائیں تو غلبہ ہوگا، چونکہ امام ابویوسف غلبہ بالاجزاء کے قائل ہیں بنابریں غیر مائع اشیاء کا غلبہ پانی کے پتلے پن کے زوال سے ہونا چاہیے۔ امام ابویوسف سے ایک اور روایت بھی ہے کہ اگر ملنے والی شے سے طہارت میں مبالغہ مقصود نہ ہو مثلًا صابن، تو پانی وضو کے قابل مطلق نہ رہے گا چاہے اجزاء کا غلبہ ہو یا نہ ہو فتاوٰی ظہیریہ اور شرح ہدایہ کا مفہوم یہی ہے، اور ہدایہ میں یہ مذکور ہے کہ اولًا رنگ پھر ذائقہ پھر اجزاء کے غلبہ کا اعتبار ہوگا۔ رہا چوتھی صورت کا حکم جس کی طرف برجندی نے "یا غیر جنس الارض پکانے سے ملے جس سے مبالغہ طہارت مقصود نہ ہو" کے الفاظ سے اشارہ کیا ہے۔ تغیر کو مطلق رکھنے اور پانی کے طبعی حالت سے اخراج کے مقابل ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری شے کے پانی میں پکنے سے آنے والی تبدیلی وضو سے مانع ہے چاہے پانی کو طبعی حالت سے نکالے یا نہ نکالے، یہ ہدایہ سے مفہوم ہے، جبکہ خزانہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ جب پانی میں لوبیا پکایا جائے اور اس کی بُو محسوس ہونے لگے تو اس سے

[1] شرح النقایة للبرجندی کتاب الطہارۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

او الباقلی فی الماء و صار بحیث اذا برد ثخن لایجوز به التوضی وان لم یثخن ورقة الماء باقیة جاز [1] اھ۔ وسقناہ تماما وان تقدم اٰخرہ لجمع کلامه فی محل واحد۔	وضو جائز نہ ہوگا، فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ چنے یا لوبیا پانی میں ابالے گئے اور ساکن ہونے پر پانی گاڑھا ہوگیا تو وضو جائز نہ ہوگا، اور اگر پتلا پن برقرار رہا تو جائز ہوگا۔ یہاں تمام عبارات کو محض یکجا کرنے کی خاطر ذکر کردیا گیا ورنہ اس کا آخری حصہ تو پہلے بھی ذکر ہوچکا ہے۔ (ت)

اقول: اس کا خلاصہ یہ کہ امام ابویوسف کے نزدیک مطلقاً رقت آب پر مدار ہے مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ کوئی بہتی چیز بغیر طبخ پانی میں ملے کہ اس میں کثرت اجزاء پر لحاظ ہے دوسرے یہ کہ جس چیز سے زیادت نظافت نہ مطلوب ہو طبخ میں ملے اس میں مطلق تغیر مانع ہے اور امام محمد کے نزدیک مطلقاً اوصاف کا اعتبار ہے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ ملنے والی چیز جنس زمین سے ہو دوسری یہ کہ اُس سے زیادت نظافت مطلوب ہو ان دونوں میں رقت پر نظر ہے، ہماری تحقیقات وتنقیحات مذکورہ اور ائمہ کے نصوص وتصریحات مسطورہ پر نظر کرنے والا جانے گا جن جن وجوہ سے اس میں کلام ہے مثلاً **اوّل مذہب** [1] امام ابویوسف میں مقصد آخر کیلئے شیئ دیگر ہوجانے کا ذکر باقی رہ گیا اس میں رقّت وکثرت اجزا کسی کا لحاظ نہیں۔

فان قلت الیس قال باعتبار الاجزاء علی قوله وقد تقدم لك ان معناها الثالث التهیؤ لمقصد اٰخر۔ **اقول:** لکن کلامه بمعزل عنه الاتری انه خصها فی الجامدات بانسلاب الرقة۔	**اعتراض:** کیا برجندی نے باعتبار الاجزاء کے الفاظ قد تقدم لك ان معناها الثالث التهیؤ لمقصد اٰخر کے تحت نہیں کہے؟ **جواب:** برجندی کے کلام کا مقصد ہر گز وہ نہیں جو بیان کیا جارہا ہے کیونکہ اس نے اس صورت کو جامدات کے ملنے پر پانی کی رقت ختم ہوجانے کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔ (ت)

ثانی: یوہیں [2] مذہب امام محمد میں اس کا ذکر نہ آیا حالانکہ وہ مجمع علیہ ہے جیسا کہ مسائل نبیذ وزعفران وغیرہا میں گزرا۔

ثالث [3] نمبر ۲۱۷ و بحث دوم ابحاث طبخ میں ۳۱ کتابوں سے تصریح وتحقیق گزری کہ طبخ میں بھی رقت ہی مدار ہے مجرد تغیر وصف کافی نہیں۔

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء من کتاب الطہارۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

رابع[1] وہیں گزرا کہ منظف وغیر منظف میں کیا فرق ہے۔

خامس[2] نیز یہ کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی سے مذہب منقول میں دونوں کا ایک حکم ہے۔

(۳) **السادس** انما الغلبة قطب الرحی فلاتختص بها الاقسام الاولی۔ (۴) **السابع** محمد لایقتصر علی اللون۔ (۵) **الثامن** مجرد الخلط بلاتغییر مالایمنع اجماعا فلابد من تقیید اطلاق ماذکر روایة عن الثانی فی القسم الثانی۔ (۶) **التاسع** قدمنا مافی استشهادہ باطلاق التغیر وجعله قسیما لزوال الطبع قلیل۔ (۷) **العاشر** حققنا مفهوم الهدایة فی ثانی ابحاث الطبخ وان مافهم منه من الاجتزاء بمجرد تغیر الوصف الذی استشهد علیه بعبارة الخزانة اوالخانیة غیر مراد۔ (۸) **الحادی عشر** ذکرنا معنی کلام الخانیة فی وانه لایؤید مایرید۔ (۹) **الثانی عشر** ذکرنا فی ثانی ابحاث الطبخ مافی الاستناد بها بثلثة وجوہ۔	**چھٹا اعتراض:** پہلی اقسام غلبہ کے ساتھ مختص نہیں ہیں حالانکہ غلبہ ہی اس مسئلہ کا مدار ہے۔ **ساتواں اعتراض:** امام محمد محض رنگ پر اکتفا نہیں کرتے۔ **آٹھواں اعتراض:** محض ملاوٹ بغیر پانی کی تبدیلی کے جو بالاجماع وضو سے مانع نہیں ہے لہذا قسم ثانی میں امام ابو یوسف کی مطلق روایت کو مقید بنانا ضروری ہے۔ **نواں اعتراض:** ہم نے نمبر ۲۱۸ سے تھوڑا پہلے وہ اعتراض ذکر کیا ہے جو بحوالہ امام ابو یوسف پانی میں تبدیلی کو مطلق رکھنے اور حالت طبعی سے نکلنے کا مقابل بنانے پر ہوتا ہے۔ **دسواں اعتراض:** ہدایہ کے مفہوم کی تحقیق پکانے کی مباحث میں سے بحث ثانی میں ہم بیان کرچکے ہیں اور یہ بھی کہ اس سے جو سمجھا جارہا ہے کہ صرف اس وصف کے تغیر پر اکتفاء کیا جائے گا جس پر خزانہ اور خانیہ کی عبارت شاہد ہے یہ مراد نہیں ہے۔ **گیارھواں اعتراض:** ہم خانیہ کے کلام کا صحیح مفہوم ۲۱۷ میں واضح کرچکے ہیں جو برجندی کے خیال کا مؤید نہیں ہے۔ **بارھواں اعتراض:** خانیہ کی عبارت کو سند بنانے پر ہم پکانے کی بحث ثانی میں تین وجوہ سے اعتراض کرچکے ہیں۔ (ت)

چہارم ضابطہ زیلعیہ: عبارت امام زیلعی ۲۸۷ میں گزری اور ان کا خلاصہ ارشاد کہ جو[1] پانی درختوں سبزیوں نے پی لیا منظفات[2] مثل صابون وغیرہ کے سوا اور کوئی چیز اس میں پکانے سے نہایت گھال میل ہوگیا یا[3] اور طرح دوسری چیز مل کر اس پر غالب آگئی اس سے وضو ناجائز ہے ورنہ جائز۔ یہ تین اسباب تقیید ہیں اور ان میں سبب سوم یعنی بلاطبخ وتشرب غلبہ غیر کی یہ تفصیل کہ جامد[1] شے ملی تو پانی رقیق نہ رہے اور[2] بہتی چیز اگر رنگ، مزہ، بُو تینوں وصف میں پانی کے مخالف ہے تو دو وصف بدل دے اور[3] دو[2] یا ایک میں مخالف ہے تو ایک ہی بدلنا کافی ہے اور کسی[4] میں مخالف نہیں تو کثرت مقدار کا اعتبار ہے اگر پانی مقدار میں زائد ہے وضو جائز ہے ورنہ نہیں۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق سے میں کہتا ہوں اسی کی توفیق سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ت) یہ فقیر حقیر غفرلہ الغفور القدیر اکابر کے حضور زبان کھولنے کی کیا لیاقت رکھتا ہے مگر بحمد المولٰی سبحنہ وتعالٰی جب دامن ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم ہاتھ میں ہو تو دل قوی ہوتا ہے۔ بیان امام فخر زیلعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو ۲ حصّے ہیں:

پہلا ضابطہ تقیید یعنی پانی کس کس سبب سے مقید ہو کر آب مطلق لائقِ وضو نہیں رہتا یہ ان لفظوں میں تھا کہ تشرب[1] نبات یا کمال[2] امتزاج بطبخ غیر منظف یا غلبہ[3] غیر وبس اس میں صرف تین وجہ سے کلام ہے۔

اول[1]: یہ کلام نفیس وصحیح ورجیح وتحیح تھا اگر کلام آتی میں غلبہ غیر کو زوال رقت وغلبہ اوصاف وکثرت مقدار سے خاص نہ کرتے کہ زوال اسم وتبدل مقصود کو بھی شامل رہتا کماقدمنا فی مبحث غلبۃ الغیر۔

اقول: بلاکلہ اب صرف غلبہ غیر پر قناعت بس تھی کہ تشرب نبات وامتزاج بالطبخ کو بھی شامل مگر اُس تخصیص سے تقیید کا یہ اجماعی سبب اعنی تبدل مقصود باقی رہ گیا اور بس کہنا صحیح نہ ہوا اس کی تحقیق وتنقیح مستطاب اور کلام بحر وابو السعود سے جواب ۲۸۷ میں گزرا وباللہ التوفیق یہ اعتراض اصل میں بحر کا ہے۔

دوم: تشرب نبات سے قاطر کرم کو کہ آپ ٹپکتا ہے خارج فرمانا اگرچہ ایک جماعت اکابر نے مانا تحقیق اس کے خلاف ہے اس کا بیان ۲۰۵ میں گزرا یہ اعتراض امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں کیا

فقال فی اثناء نقل الضابطۃ حین بلغ ھذا المحل مانصہ لکن عرفت مافی ھذا الحکم من الخلاف ومافی ھذا التعلیل	ضابطہ نقل کرتے ہوئے امام امیر الحاج نے یہاں پہنچ کر اپنے لفظوں میں یوں کہا لیکن اس حکم میں اختلاف اور بیانِ علت میں جو معنوی تعارض ہے اس سے

من المعارضة فی المعنی کماقدمناہ اٰنفا من الکافی عن المحیط وذکرنا ان الظاھر انہ الاوجہ[1] اھ۔	تم باخبر ہوچکے ہو، جیساکہ ہم نے کچھ ہی پہلے کافی سے بحوالہ محیط نقل کیا اور یہ بھی بتایا ہے کہ درحقیقت مضبوط بات بھی یہی ہے (ت)

اقول[۱]: بلالکہ اس کے پانی ہی ہونے میں کلام ہے اس کا بیان حاشیہ ۲۰۷ میں گزرا۔

سوم اقول: مطبوخ[۲] منظف کا حکم باقی رہ گیا

فانہ اخرجہ من الطبخ بالقید ومن الغلبۃ بقولہ وغلبۃ الممتزج بالاختلاط من غیر طبخ ولاتشرب نبات[2]۔	کیونکہ اس کو طبخ اور غلبہ کی صورتوں سے خارج کردیا ہے۔ طبخ سے (غیر منظفات کی) قید لگا کر، اور غلبہ سے یہ کہہ کر نکال دیا کہ پانی میں ملنے والی چیز کا بغیر پانی اور بغیر سبزیوں کے چُوسنے، کے غلبہ ہو۔ (ت)

دوسرا ضابطہ غلبہ بے تشرب وبے طبخ وہ یہاں سے آغاز ہوا کہ اگر جامد شے ملی الی آخرہ۔

اقول: اول میں جو کچھ فرمایا منقول تھا یہ دوم ہی امام ممدوح کا ایجاد واجتہاد ہے جسے امام محقق علی الاطلاق پھر علامہ شرنبلالی پھر علامہ شامی نے بلفظ اقتحام تعبیر فرمایا کہ اقتحم عـہ شارح الکنز رحمہ اللہ تعالٰی التوفیق بین کلام الاصحاب باعطاء ضابط فی ذلک[3] (شارح کنز علیہ الرحمۃ نے فقہاء کے مختلف اقوال کو موافق بنانے کے لئے ضابطہ دے کر اس میں سینہ زوری سے کام لیا ہے۔ ت) اور یہی معترک ایرادات ومجمع ہر گونہ مخالفات ہے۔

ازانجملہ **چہارم** ذکران چیزوں کا ہے جو کہ پانی کو مقید کریں نہ کہ پانی ہی نہ رکھیں اور سلب رقت ہو کر پانی ہی نہ رہے گا توسبب سوم کی چاروں صورتوں سے پہلی حذف ہونی چاہئے یہ اعتراض امام ابن الہمام

عـہ ھذہ عبارۃ المحقق حیث اطلق ومثلہ للشامی ولفظ الشرنبلالی فی الغنیۃ کماقال الزیلعی المقتحم لھذا الضابط ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)	یہ عبارت محقق مطلق (صاحبِ فتح القدیر) کی ہے اور شامی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں البتہ شرنبلالی نے غنیہ میں یوں کہا کہ جیسے زیلعی نے کہا کہ جو اس ضابطہ کا اختراع کنندہ ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] حلیہ
[2] تبیین الحقائق ابحاث الماء مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/ ۲۰
[3] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

کا ہے،

حیث قال بعد نقل الضابطة والوجه ان یخرج من الاقسام ماخالط جامدا فسلب رقته لان هذا لیس بماء مقید والکلام فیه بل لیس بماء اصلا کمایشیر الیه قول المصنف الا ان یغلب فیصیر کالسویق لزوال اسم الماء عنه[1]اھ ونقله فی منحة الخالق واقرہ۔ **اقول:** (۱) وما هو الاشبه الاخذ علی اللفظ اذلا اثرله علی الاحکام ومامثله فی الفقه بنادر۔	ابن ہمام نے ضابطہ نقل کرنے کے بعد کہا بہتر یہ ہے کہ ان صورتوں میں سے جامد شے کے ملنے سے پانی کی رقت زائل ہوجانے کی صورت نکال دی جاتی، کیونکہ یہ مقید پانی نہیں ہے جس میں کہ بات ہورہی ہے بلاالکہ یہ سرے سے پانی ہی نہیں جس کی طرف خود مصنف نے یوں اشارہ کیا کہ مگر یہ کہ غالب ہو کر ستّو جیسی شے بن جائے کیونکہ اسے پانی نہیں کہا جاتا اس کو منحۃ الخالق میں نقل کیا ہے اور ثابت کیا ہے (ت) **میں کہتا ہوں،** حالانکہ یہ مناسب نہیں، لفظی گرفت سے احکام پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور فقہ میں ایسی چیز نادر نہیں ہے۔ (ت)

پنجم: خرما جامد ہے تو بحکم ضابطہ نبیذ سے وضو جائز ہونا چاہئے جب تک پانی رقیق رہے حالانکہ یہ خلاف صحیح ہے اور روایت جواز سے امام نے رجوع فرمائی۔

اقول: ۲ خرمے کی کیا تخصیص ہے کہ صحیح ومرجوح ومختار ومرجوع سے فرق کرنا پڑے کشمش مشمش انجیر وغیرہا سب جامد ہیں اور ان کی نبیذ سے وضو بالاجماع باطل اور بحکم ضابطہ جواز چاہئے۔

ششم: یوہیں زعفران جامد ہے تو اگرچہ تینوں وصف بدل دے بروئے ضابطہ جواز رہے جب تک رقت باقی ہو حالانکہ حکم منصوص عدم جواز ہے جبکہ رنگنے کے قابل ہوجائے یہ دونوں اعتراض علامہ صاحب بحرالرائق کے ہیں ان کا ذکر ۲۸۷ و ۲۹۵ میں گزرا

مع ماحاول البحر من توجیهه و رد النهر علیه وتحقیق الرد بما لامزید علیه وقدمنا ایضا فی ماورد فی مسألة الزعفران من عبارات ظواهرها	اس کے ساتھ ہی صاحب بحرالرائق کی توجیہ اور صاحب نہر کے رَد اور رَد کی ایسی تحقیق کی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں ہے اور ہم نے پہلے بھی نمبر ۱۲۴ میں مسئلہ زعفران سے متعلق وہ روایات

[1] فتح القدیر الماء الذی یجوزبہ الوضوء نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۵

متنافية وردها بتوفيق الله تعالٰى الى جادة واحدة صافية۔ **اقول:** وبه ظهر ولله الحمد محمل مافی البحر اذقال بعد ماذكر تبعا للهداية ان ماء الزعفران ماء مطلق عندنا ومقيد عند الشافعی رضی الله تعالٰى عنه مانصه فان قيل (۱) لو حلف لايشرب ماء فشرب هذا الماء المتغير لم يحنث (۲) ولو استعمل المحرم الماء المختلط بالزعفران لزمته الفدية (۳) ولو وكل وكيلا بان يشتری له ماء فاشتری هذا الماء لايجوز فعلم بهذا ان الماء المتغير ليس بماء مطلق قلنا لانسلم ذلك هكذا ذكر السراج الهندی اقول ولئن سلمنا فالجواب امافی مسألة اليمين والوكالة فالعبرة فيهما للعرف وفی العرف ان هذا الماء لايشرب واما فی مسألة المحرم فانما لزمته الفدية لكونه استعمل عين الطيب وان كان مغلوبا[1] اھ۔ فالكلام فی ماء خالطه زعفران قليل فغير لونه ولم يجعله صالحا للصبغ فهذا هو الباقی علی اطلاقه الصالح للطهارة به وفيه يستقيم قول العلامة السراج لانسلم	بھی ذکر کی ہیں جو بظاہر متنافی ہیں اور ان کا ایسا مطلب بھی بیان کیا ہے جو انہیں بے غبار بنادیتا ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** بحمدہٖ تعالٰی اس تقریر سے بحر کی وہ عبارت بھی واضح ہو گئی جو اس نے ہدایہ کی اتباع میں کہی کہ زعفران والا پانی ہمارے نزدیک مطلق پانی ہے اور امام شافعی کے ہاں مقید ہے ان کی عبارت یہ ہے کہ اگر اعتراض کیا جائے کہ اگر کسی نے پانی نہ پینے کی قسم کھائی پھر زعفران ملا پانی پی لیا تو قسم نہیں ٹوٹے گی، یونہی حالت احرام میں زعفران کے پانی سے غسل کرلیا تو فدیہ لازم آئے گا، اور کسی کو پانی خریدنے کیلئے وکیل بنایا گیا ہو اور وہ زعفران ملا پانی خریدے تو یہ جائز نہ ہوگا تو ثابت ہوا کہ زعفران ملا پانی مطلق پانی نہیں ہوتا (جو آپ کے مسلک کے خلاف ہے) تو ہم جواب دینگے کہ ہم ان باتوں کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ سراج ہندی نے کہا، میں کہتا ہوں کہ اگر ہم آپ کے اعتراضات کو درست تسلیم کر بھی لیں (تو بھی ہمارے مسلک کے خلاف لازم نہیں آتا) کیونکہ قسم اور وکالت کی صورتوں میں تو عرف کا اعتبار ہوتا ہے اور عرف میں ہے کہ ایسا پانی پیا نہیں جاتا اور احرام والے مسئلہ میں فدیہ لازم ہونے کی وجہ خوشبو کا استعمال ہے اگرچہ یہاں خوشبو مغلوب ہے پانی کا مقید ہونا نہیں ہے، پس کلام اس

[1] بحرالرائق الماء الذی یجوزبہ الوضوء سعید کمپنی کراچی ۱/۶۸

ان شاربه لایحنث وان المحرم یفدی باستعماله وان الوکیل ان شراه لایلزم الموکل کیف وھو ماء مطلق وقلیل التغیر ھدر شرعا وعرفا۔

اقول: والالم یحنث بشرب ماء المد ولم یجز شراء الوکیل ممن احرزه وھو کماتری وقد (۱) صرحوا ان الطیب ان طبخ فی طعام سقط حکمه والا فالحکم للغالب فان غلب الطیب وجب الدم وان لم تظھر رائحته کما فی الفتح والا فلاشیئ علیه غیر انه اذا وجدت معه الرائحة کره [1] (۲)وان خلط بما یستعمل فی البدن کاشنان ونحوه ففی ردالمحتار عن المسلك الملتقسط عن المنتقی ان کان اذا نظر الیه قالوا ھذا اشنان فعلیه صدقة وان قالوا ھذا طیب علیه دم [2] اھ۔(۳) وماقالوا فیما خلط بمشروب ان الحکم فیه للطیب مطلقًا فان غلب وجب الدم والا فالصدقة الا ان یشرب مرارا فالدم فقد بحث فیه فی البحر انه ینبغی التسویة بین

زعفران ملے پانی میں ہوگا جس میں اتنی تھوڑی مقدار میں زعفران ملا ہو جس سے پانی کا رنگ تو بدل گیا مگر وہ رنگنے کے قابل نہ ہو، تو ایسا پانی خالص پانی شمار ہوگا، اور علامہ سراج کا قول لانسلم الخ بھی درست رہے گا کہ ہم نہیں مانتے کہ زعفران والا پانی پینے سے قسم نہیں ٹوٹے گی اور یہ کہ مُحرِم پر فدیہ لازم آجائے گا۔ اس پانی کو استعمال کرنے کی وجہ سے اور وکیل بالشراء زعفران والا پانی خریدنے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ مطلق پانی ہے اور معمولی تبدیلی کا عرفًا اور شرعًا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ (ت)

میں کہتا ہوں، اور اگر معمولی تغیر کا اعتبار ہو تو قسم اٹھانے والے کی قسم سیلاب کا گدلا پانی پینے سے نہ ٹوٹے گی اور وکیل بالشراء گدلا پانی خریدنے کا مجاز نہ ہوگا حالانکہ اس کے غلط ہونے پر آپ بخوبی واقف ہیں پھر یہ کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ اگر خوشبو کو کھانے میں پکایا جائے تو خوشبو کا حکم ساقط ہوجاتا ہے ورنہ بغیر پکائے حکم غالب اجزا پر لگایا جائے گا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اگر خوشبو غالب ہوئی تو قربانی دینا لازم ہوگا اگرچہ بُو ظاہر نہ ہو، ورنہ اس پر کچھ بھی لازم نہیں آئے گا البتہ اگر مغلوب ہونے پر بھی بُو محسوس ہوتی ہو تو اس کھانے کا استعمال مکروہ ہے اگر اشنان جیسی بدن پر استعمال ہونے والی شے میں خوشبو ملی ہو تو ردالمحتار میں بحوالہ مسلک الملتقسط المنتقی سے منقول ہے کہ اگر لوگ اسے

[1] فتح القدیر باب الجنایات نوریہ رضویہ سکھر ۴۴۱/۲

[2] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲۲۰/۲

المأکول والمشروب المخلوط کل منهما بطیب مغلوب اما عدم وجوب شیئ اصلا ای کما قالوا فی الطعام او وجوب الصدقة[1] ای کما قالوا فی الشراب ویؤید بحث البحر مافی التبیین (۱) لو اکل زعفرانا مخلوطا بطعام ولم تمسه النار یلزمه دم وان مسته فلاشیئ علیه وعلی هذا التفصیل فی المشروب[2] اھ۔ وفی البحر عن مناسك الامام ابن امیر الحاج بحثا ان کان الطیب غالبا واکل منه اوشرب کثیرا فعلیه الکفارة والا فصدقة وان کان مغلوبا واکل منه اوشرب کثیرا فصدقة والا فلاشیئ علیه[3] اھ۔ فقد سویا بین المأکول والمشروب۔ **اقول:** علی ان ایجاب الصدقة فی المشروب بالطیب المغلوب لایوجب	اشنان قرار دیں تو صدقہ اور اگر خوشبو قرار دیں تو قربانی دینا لازم ہوگا، پینے والی شے میں خوشبو ملنے کے بارے میں علماء نے کہا ہے کہ اگر خوشبو غالب ہو اور مُحرِم ایسی شیئ پیے تو قربانی ورنہ صدقہ لازم ہوگا، مگر مغلوب خوشبو والا پانی بار بار پیے تو قربانی لازم ہو جائے گی، تو اس پر بحرالرائق نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ جب کھانے اور پینے والی اشیاء میں خوشبو ملے اور وہ غالب نہ ہو تو ان اشیاء کا حکم یکساں ہونا چاہئے کہ یا تو دونوں صورتوں میں کھانے کی اشیاء کی طرح کچھ بھی لازم نہ ہو یا پینے والی اشیاء کی طرح دونوں میں صدقہ لازم ہو بحرالرائق کی تائید تبیین الحقائق کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ اگر ایک شخص نے کچا زعفران ملا کھانا کھایا تو قربانی لازم ہوگی ورنہ نہیں اور یہی حکم پینے کی اشیاء کا بھی ہے۔ اور بحرالرائق میں امام ابن امیر الحاج کی کتاب المناسک سے ایک بحث منقول ہے کہ اگر غالب خوشبو والی کوئی شَے زیادہ مقدار میں کھاپی لی ہو تو کفارہ لازم ہوگا بصورت دیگر صرف صدقہ ہے، اور اگر خوشبو کے بجائے غلبہ کھانے پینے کی شیئ کا تھا اور زیادہ مقدار میں استعمال کرلی تو صدقہ لازم ہوگا ورنہ کچھ بھی نہیں، تو ان دونوں فقہاء نے کھانے اور پینے کی اشیاء کو حکم میں یکساں قرار دیا ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** مغلوب خوشبو والے مشروبات پینے سے صدقہ کا لزوم اس کے مطلق پانی ہونے کے

[1] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/۲۱۹

[2] تبیین الحقائق باب الجنایات مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۲/۵۳

[3] بحرالرائق باب الجنایات سعید کمپنی کراچی ۳/۶

ان الاطلاق به مسلوب الا ترى ان قطرات من ماء الورد تطيب ارطالا من الماء ولايصح لعاقل ان يقول انه خرج من كونه ماء كلبن خلط بنزر من عنبر اومسك لايسوغ لاحد ان يقول لم يبق لبنا، وبالجملة فالاجوبة انما تستقيم فيما لم يصلح للصبغ وعليه يدل قول الهداية لنا ان اسم الماء باق على الاطلاق الاترى انه لم يتجدد له اسم عليحدة [1] اهـ فان ماصلح للصبغ قد تجددله اسم بحياله فيقال له صبغ لاماء فكيف يحنث شاربه ولم لايخالف شاريه فقد بان الذى سلكه البحر مهيع واضح وهو محمل كلام العلامة السيد الازهرى اذقال اعلم ان اعتبار بقاء الرقة والسيلان دون تغير الاوصاف فيما اذاكان المخالط جامدا كزعفران يقتضى جواز الاستعمال و ان غير الزعفران لون الماء لاطلاق اسم الماء عليه ،ومنع بان المحرم لواستعمله لزمته الفدية [2] فذكر الاسئلة الثلاثة واجوبةالهندى والبحر فانما اراد التغير القليل المغتفر وحينئذ جواز الاستعمال صحيح مقرر ولم يرد به تقريرا يراد

منافی نہیں ہے۔ کیا یہ بات مشاہدہ میں نہیں کہ ایک دو قطرے عرق گلاب کے کئی رطل پانی کو خوشبودار بنادیتے ہیں مگر کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہتا کہ یہ پانی نہیں رہا، جیسے کہ دودھ کو عنبر یا کستوری کی معمولی سی مقدار خوشبودار بنادیتی ہے، مگر کوئی ذی ہوش نہیں کہتا کہ یہ دودھ نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ جملہ جوابات زعفران کے ملنے سے رنگنے کے قابل نہ ہونے کی صورت میں درست ہوسکتے ہیں۔ ہدایہ کا قول بھی اسی بات پر دال ہے جو یوں ہے کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ تاحال مطلق پانی ہی کہلاتا ہے۔ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اسے نیا نام نہیں دیا گیا اھ۔ پس جو پانی رنگنے کے قابل ہوجائے اسے بالکل علیحدہ نام دیا جاتا ہے کہ اسے رنگ کہا جاتا ہے پانی نہیں کہا جاتا ہے، تو اسے پینے والا کیونکر حانث ہوگا اور اس کا خریدار وکیل کیونکر حکم عدولی کا مرتکب نہ ہوگا تو اس سے واضح ہوگیا کہ بحرالرائق کی اختیار کردہ راہ نہایت واضح اور درست ہے۔ علّامہ سید الازہری کے اس قول کا محمل بھی یہی ہے جہاں انہوں نے کہا جان لو کہ زعفران جیسی جامد شے کے پانی میں ملنے کے بعد رقت اور سیلان کی بقاء کا اعتبار کرنا اور اوصاف میں تبدیلی کا اعتبار نہ کرنا استعمال کے جائز ہونے کو چاہتا ہے اگرچہ زعفران پانی کے رنگ کو بدل ڈالے کیونکہ اس پر ابھی پانی کا اطلاق ہوتا ہے اس پر علامہ ازہری نے یہ اعتراض کرنے کے بعد کہ اس پانی کااستعمال منع ہے

[1] الہدایۃ ، باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ، المکتبۃ العربیہ کراچی ، ۱/۱۷
[2] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲

البحر علی الضابطة فانه فیما صلح للصبغ وعندئذ جواز الاستعمال باطل منکر دل علیه قوله لاطلاق اسم الماء علیه وقد افصح بالمراد قال عقیب مامر وھذا اذا کان بحال لایصبغ به فان امکن الصبغ به لم یجز کنبیذ تمر درعن البحر [1] اھ۔ فاعرف وتثبت۔	کیونکہ مُحرِم جب ایسا پانی استعمال کرے تو اس پر فدیہ لازم ہوگا۔ تینوں سوال اور ہندی اور بحر کے جوابات بھی ذکر کیے تو علامہ ازہری کی مراد زعفران سے ہونے والا قابلِ معافی معمولی تغیر ہے جس میں استعمال کا جائز اور درست ہونا یقینی امر ہے۔ اس سے علامہ کی مراد ضابطہ پر بحر الرائق کے اعتراض کو تقویت دینا نہیں ہے کیونکہ یہ اعتراض صرف رنگنے کے قابل ہوجانے کی صورت میں وارد ہوتا ہے جس کے بعد استعمال کا جائز قرار دینا بے اصل ہے علامہ کے اس خیال پر ان کا قول لاطلاق اسم الماء علیه دلالت کرتا ہے بلالکہ انہوں نے اپنا مقصد کھل کر اس وقت بھی بیان کردیا جب انہوں نے گزشتہ قول کے کچھ ہی بعد یہ کہا کہ یہ ساری بحث اس صورت میں ہے کہ جب پانی رنگ دینے کے قابل نہ ہوا ہو۔ اگر اس سے رنگ دینا ممکن ہوجائے تو نبیذ تمر کی طرح اس کا استعمال جائز نہ ہوگا۔ یہ بحث بحر الرائق کی ہے اسے پوری طرح پہچانو اور پختہ کرو۔ (ت)

ہفتم: دودھ کو اقسام غلبہ کی قسم دوم میں شمار فرمانا محل کلام ہے بلالکہ وہ قسم اول میں ہے کہ بلاشُبہ ایک جدا خُوشبو رکھتا ہے جو پانی میں نہیں یہ اعتراض علّامہ خیر رملی کا ہے،

وقد تقدم فی ۱۳۴ وانه تبعه فیه ش ووقع فی حاشیة مراقی الفلاح للعلامة ط تحت قول المتن مائع له وصفان فقط کاللبن له اللون والطعم ولارائحة له فیه انه یشم من بعضه رائحة الدسومة [2] اھ۔ **اقول:** (۱) بل من کله وان خفی فی بعضه الی ان یغلی کماقدمت۔	اور ۱۳۴ میں گزر چکا ہے کہ علامہ شامی نے اس اعتراض میں رملی کی اتباع کی ہے اور حاشیہ مراقی الفلاح میں جو علامہ طحطاوی کا ہے۔ متن کے اس قول کے تحت کہ "وہ مائع چیز جس کے دو وصف ہوں، جیسے دودھ ہے جس کا ذائقہ اور رنگ تو ہے مگر خوشبو نہیں ہے" یہ اعتراض کیا ہے کہ بعض سے چونکہ چکناہٹ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے، تو یہ کہنا درست نہیں کہ اس کی خوشبو نہیں اور یہ دو صفتوں والا مائع ہے۔ (ت) میں کہتا ہوں بلالکہ ہر دودھ کی خوشبو ہوتی ہے اگرچہ بعض کی اُبالنے تک مخفی رہتی ہے (ت)

[1] فتح المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۲/۱

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الطہارۃ مطبعہ ازہریہ مصریہ مصر ص ۱۶

ہشتم: آب بطیخ کو قسم سوم میں شمار فرمانا بھی محل نظر ہے کہ یقیناً اس کی بُو پانی کے خلاف ہے۔ اور بعض کا رنگ بھی سُرخ یا زرد یہ اعتراض بھی علّامہ رملی کا ہے،

وقد مر فی ۲۷۹ واشرنا ثمہ ان مرادہ مالالون لہ وان کان ظاھر سیاقہ حیث جعل اللبن مخالفا لماء فی وصفین اللون والطعم وقال فی ماء البطیخ یخالفہ فی الطعم فتعتبر الغلبۃ فیہ بالطعم[1] اھ۔ انہ اراد مالایخالف منہ الماء الا فی الطعم کما قال العلامۃ الشرنبلالی فی مراقیہ ان بعض البطیخ لیس لہ الاوصف واحد[2] اھ وتبعہ ابو السعود ثم ط وکذلك ش اذقال ماء البطیخ ای بعض انواعہ موافق للماء فی عدم اللون والرائحۃ مباین لہ فی الطعم[3] اھ۔ **اقول**: وذلك لان مالایخالف منہ الماء فی الرائحۃ نادر بخلاف مایوافقہ فی اللون کما دل علیہ کلام العلامۃ الخیر ومالایخالف فی لون ولارائحۃ اندر والحاجۃ مندفعۃ بالحمل علی کثیر الوجود لانہ اذالم یخالفہ	اور ۲۷۹ پر گزرا ہے اور وہاں ہم نے اشارۃً یہ بھی بتایا تھا کہ علامہ رملی کی مراد خربوزے کا وہ پانی ہے جس کی رنگت نہ ہو، اگرچہ علامہ کی اس گفتگو کا ظاہر سیاق یہ ہے کہ اس نے دودھ کو پانی سے رنگ اور ذائقہ میں مخالف بتایا ہے اور تربوز کے پانی کے متعلق کہا کہ پانی سے صرف ذائقہ میں مختلف ہوتا ہے تو اس میں غلبہ کا اعتبار بذریعہ ذائقہ ہوگا اھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ نے تربوز کی وہ قسم مراد لی ہے جو پانی سے صرف ذائقہ میں مختلف ہو (رنگ اور بو میں نہیں) جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے اپنی مراقی الفلاح میں کہا کہ بعض تربوزوں کے لئے ایک ہی وصف ہوتا ہے اھ۔ شرنبلالی کی اتباع ابو السعود اور طحطاوی نے بھی کی اور شامی نے بھی یہی بات کہی ہے، جہاں اس نے کہا کہ تربوز کا پانی یعنی اس کی بعض اقسام رنگ اور بُو نہ ہونے میں پانی کے موافق اور ذائقہ میں مخالف ہوتی ہیں۔(ت) **میں کہتا ہوں** تربوز کا ایسا پانی جو بُو میں پانی کے موافق ہو نادر ہوتا ہے بخلاف اس تربوز کے جس کا پانی رنگ میں پانی کے موافق ہو جیسا کہ علامہ رملی کی بات اس پر دال ہے اور وہ تربوز جو رنگ اور خوشبو دونوں میں پانی کے موافق ہو نادر تر ہوتا ہے اور ضرورت کثیر الوجود پر محمول کرنے سے پوری ہوجاتی ہے

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ مطبوعہ بیروت ۱/۱۰۳

[2] مراقی الفلاح مع الطحطاوی کتاب الطہارۃ مطبوعہ بولاق مصر ص ۱۶

[3] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۴

الا فی وصفین کفی الضابطة تغیر احدھما وطعمه اقوی من ریحه فاجتزأبه وبه یخرج الجواب عن المخالفة المذکورة فی ۰ فتنبه۔	کیونکہ وہ جب صرف دو صفتوں میں مخالف ہے تو یہ ضابطہ کافی ہوگا کہ دو اوصاف میں سے ایک بدل گیا ہو درانحالیکہ ذائقہ بُو سے زیادہ قوی ہو تو اس کے اعتبار سے فیصلہ کیا جائے گا اور اسی سے ۳۰۲ میں مذکور مخالفت سے جواب حاصل ہو جائے گا۔ (ت)

یہ ہیں وہ ایرادات کہ کلام علماء میں تقریر ضابطہ پر نظر سے گزرے۔

واناقول: وبالله التوفیق ان کے سوا وہ محل ایرادات کثیرہ ہے اجمالاً بھی اور تفصیلاً بھی، تفریعاً بھی اور تاصیلاً بھی۔ مثلاً:

نہم: غیر تمر[1] کی نبیذ سے بھی وضو جائز ہو جب تک رقیق رہے حالانکہ خلافِ اجماع ہے **وقد ذکرناہ اٰنفا** (اور اس کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں۔ ت)

دہم: ہر شربت[2] سے جائز ہو حالانکہ خلاف نصوص متواترہ ہے دیکھو ۱۸۵ و ۲۸۸۔

یازدہم دواخیساندہ[3] سے جائز ہو حالانکہ خلاف اصل مجمع علیہ ہے۔

دوازدہم: کسیس[4] مازو روشنائی مل کر لکھنے کے قابل کردے جب بھی جائز ہو اگر رقت نہ جائے یہ بھی اصل اجماعی کے خلاف ہے۔

سیزدہم تا پانزدہم[5] پینے کا پانی خوشبو کرنے کو گھڑے بھر میں قلیل کیوڑا گلاب بید مشک ڈالتے ہیں وہ یقیناً وہی رہتا ہے جو مطلق آب کے نام سے مفہوم ہوتا ہے مگر بروئے ضابطہ پانی نہ رہا۔

شانزدہم وہفدہم: زعفران[6] یا شہاب حل کیا ہوا پانی اگر پانی میں مل کر صرف رنگ بدلے اگر رنگنے کے قابل کردیا تو بالاجماع ورنہ امام محمد کے نزدیک اُس سے وضو ناجائز ہے اور حکم ضابطہ سب کے خلاف جواز۔

ہیجدہم: یوں[7] ہی بُودار پُڑیا کا حل کیا ہوا پانی جبکہ بُو غالب نہ ہو کہ بے اس کے بدلے رنگ بدل جائے۔

نوزدہم: سفید[8] انگور کا سرکہ جب صرف بُو بدلے باتفاق ارشادات ائمہ جواز ہے اور حکم ضابطہ ممانعت۔

بستم وبست ویکم رنگین[9] سرکے جن کا مزہ یا بو اقوی الاوصاف ہو جب صرف مزہ و بو تبدیل

کریں حکم منصوص ائمہ جواز ہے اور ضابطہ مخالف ان کا ذکر ۲۸۷ سے ۳۰۵ تک گزرا اور وہ ترک کردئے جن میں صرف امام محمد سے خلاف ہے۔ یہ بر طبق بحر الرائق بعض جزئیات سے کلام تھا اب اصول پر سُنیے۔

فاقول: وباللہ التوفیق،

بست ودوم: جامد[1] زوال رقت پر قصر صحیح نہیں اس کا بیان ۲۸۷ میں گزرا۔

بست وسوم: زوال[2] رقت کا جامد پر قصر صحیح نہیں اس کا بیان رسالہ الدقۃ والتبیان میں گزرا

بست وچہارم: اول[3] ابحاث غلبہ غیر میں گزرا کہ قول صحیح ومعتمد ومذہب وظاہر الروایۃ قول امام ابو یوسف ہے اور ضابطہ صراحۃً اُس کے خلاف کہ اس میں اوصاف ساقط النظر اور اس میں اعتبار اوصاف۔

بست وپنجم: ضابطہ[4] ششم میں تحقیق وتنقیح قول امام محمد گزری کہ اولاً صرف رنگ معتبر ہے اُس میں خلاف نہ ہو تو صرف مزہ، اس میں بھی خلاف نہ ہو تو اجزاء۔ ضابطہ کا حرف اس ترتیب کے خلاف ہے تو اُسے دونوں امام مذہب سے صریح اختلاف ہے۔

اقول: (۵) والعجب ان الامام الفخر رحمه الله تعالٰی ورحمنا به فی الدنیا والاٰخرة حاول ههنا التوفیق بین ماجاء فی الباب عن الاصحاب مماظاهره الاضطراب وقدعد فیها هذا القول قول محمد ایضا لکن حیث اتی علی التوفیق لم یلم به اصلا وماکان له ان یلتئم مع صریح نقیضه وهذا کلامه رحمه الله تعالٰی اعلم ان عبارات اصحابنا مختلفة فی هذا الباب مع اتفاقهم ان الماء المطلق یجوز الوضو به ومالیس بمطلق لایجوز،فعن[1] ابی یوسف ماء الصابون اذا کان ثخینا قد غلب علی الماء لایتوضأ به وانکان رقیقا	**میں کہتا ہوں** تعجب خیز امر یہ ہے کہ یہاں سے امام الفخر رحمہ اللہ تعالٰی پر اور ان کے ذریعہ ہم پر دنیا وعقبٰی میں رحم فرمائے اس باب میں اصحاب احناف کے بظاہر مضطرب اقوال میں تطبیق دینا چاہتے ہیں اور امام محمد کے اس قول کو بھی ان مضطرب اقوال میں شمار کیا ہے حالانکہ وہ تطبیق کی پُوری گہرائی تک نہیں گئے اور صراحۃً ضد کی موجودگی میں گہرائی تک جانا ممکن بھی نہیں تھا ان کا کلام یہ ہے جان لو کہ اصحاب احناف کے مطلق پانی سے وضو کے جواز اور مقید کے ساتھ عدمِ جواز پر اتفاق کے باوجود اس باب میں عبارات کا اختلاف ہے۔ پس امام ابو یوسف کے مطابق جب صابن کا پانی سخت ہوجائے کہ صابن پانی پر غالب ہوجائے تو وضو جائز نہ ہوگا، پتلا ہونے کی

يجوز وكذا ماء الاشنان ذكره فى الغاية وفيه[۲] اذا كان الطين غالباً عليه لايجوز الوضو به وفى[۳] الفتاوى الظهيرية اذاطرح الزاج فى الماء حتى اسود جاز الوضو به وكذا العفص اذا كان الماء غالباً وفيه[۴] ان محمدا اعتبر بلون الماء وابا يوسف بالاجزاء وفى المحيط عكسه وفى[۵] الهداية الغلبة بالاجزاء لابتغير اللون و[۶] ذكر الاسبيجابى ان الغلبة تعتبر اولا من حيث اللون ثم من حيث الطعم ثم من حيث الاجزاء وفى[۷] الينابيع لونقع الحمص والباقلاء وتغير لونه وطعمه وريحه يجوز الوضو به [۸] واشار القدورى الى انه اذا غير وصفين لايجوز الوضو به وهكذا جاء الاختلاف فى هذا الباب كماترى فلابد من ضابط وتوفيق بين الروايات[1] اھ ثم ذكر الضابطة ورد الاقوال الى محاملها كما نقلنا فى وتلك ثمانية نصوص واربعة محامل الاول المخالط الجامد وعليه الثلثة الاول والسابع الثانى مائع يخالف فى الثلثة وعليه الثامن الثالث يخالف فى البعض وعليه الرابع فيما حكى عن محمد الرابع الموافق وعليه الخامس

صورت میں وضو جائز رہے گا، اشنان کے پانی کا بھی یہی حکم ہے اس کو غایۃ میں ذکر کیا ہے، اور غایہ میں یہ بھی ہے کہ جب پانی پر مٹی غالب آجائے تو وضو جائز نہ رہے گا اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے جب تک پانی غالب رہے پھٹکڑی ڈالنے سے پانی سیاہ ہوجائے وضو جائز رہے گا، اور یہی حکم مازُو کا ہے۔ اسی میں ہے کہ امام محمد تو پانی کے رنگ کا اعتبار کرتے ہیں، اور امام ابو یوسف اجزاء کا، جبکہ محیط میں ان کا مسلک برعکس بیان ہوا ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ رنگ کی تبدیلی سے، اسبیجابی نے کہا کہ غلبہ میں پہلے رنگ کا اعتبار ہوگا پھر ذائقہ پھر اجزاء کا ینابیع میں ہے کہ اگر چنے اور لوبیا پانی میں بھگویا جائے اور ذائقہ، رنگ اور خوشبو بدل بھی جائے تو بھی وضو جائز رہے گا اور قدوری نے اس جانب اشارہ کیا ہے کہ دو صفتیں بدل جانے کے بعد وضو جائز نہیں رہتا۔ اس باب میں جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی نوعیت کا اختلاف ہے، تو کسی ایک تطبیق اور ضابطہ کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تاکہ روایات کے درمیان تطبیق ہوجائے، پھر انہوں نے ضابطہ ذکر کیا اور تمام اقوال کا مناسب موقع اور محل بیان کیا جیسا کہ ہم ۲۸۷ میں نقل کر آئے ہیں جو آٹھ نصّیں اور چار محمل ہیں:

(۱) ملنے والی جامد شے ہو اور اس محمل پر پہلی تین اور

[1] تبیین الحقائق ابحاث الماء مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۲۰

بقی ھذا السادس الذی ھو قول محمد تماما ولامحمل لہ فان الضابطۃ وزعت والنص رتب واین الترتیب من التوزیع غیر ان البحر فی البحر اراد ایرادہ ھذا المورد فاورد مالایحصلہ ھذا للعبد حیث قال واما قول من قال العبرۃ للون ثم الطعم ثم الاجزاء فمرادہ ان المخالط المائع انکان لونہ مخالفا للون الماء فالغلبۃ تعتبر من حیث اللون وانکان لونہ لون الماء فالعبرۃ للطعم ان غلب طعمہ علی الماء لایجوز وان کان لایخالف فی اللون والطعم والریح فالعبرۃ للاجزاء[1] اھ۔

اقول: اولا (۱) اذاکان العبرۃ باللون فیما یخالفہ فیہ وحدہ اومع وصف اٰخر لافی الاوصاف جمیعا وکذا الطعم فکلام الامام الاسبیجابی امافیما لایخالف الا فی ذلك الوصف وحدہ اوفیما یخالف فی وصفین اواعم لاسبیل الی الاخیرین

ساتویں نص منطبق ہوتی ہے۔ (۲) ملنے والی شیئ مائع (سیال) ہو جو تین اوصاف میں مخالف ہو اس پر آٹھویں نص منطبق ہوتی ہے۔ (۳) ملنے والی شیئ مائع (سیال) ہو جو بعض اوصاف میں مخالف ہو اس پر امام محمد کی روایت کے مطابق چوتھی نص منطبق ہوتی ہے۔ (۴) جو مائع (سیال) جملہ اوصاف میں پانی کے موافق ہو اس پر پانچویں نص کا انطباق ہوتا ہے۔ باقی رہ گئی چھٹی جو مکمل طور پر امام محمد کا قول ہے تو اس کا محمل کوئی نہیں، کیونکہ ضابطہ میں تفریق ہے اور نص میں ترتیب میں تو ترتیب اور عدم ترتیب کا کیا جوڑ؟ البتہ بحر الرائق نے اس کو ایسے محمل پر لانے کی کوشش کی ہے جس کی اس فقیر کو کچھ سمجھ نہیں آتی بایں طور کہ اس نے کہا باقی رہا قول اس آدمی کا جس نے یہ کہا کہ اعتبار پہلے رنگ پھر ذائقہ پھر اجزاء کا ہے، تو اس کی مراد یہ ہے کہ جب ملنے والی مائع چیز کا رنگ پانی کے رنگ کے مخالف ہو تو غلبہ رنگ کے اعتبار سے ہوگا، اور اگر اس کا رنگ موافق ہو تو اعتبار ذائقہ کا ہوگا، اگر ملنے والی شیئ کا ذائقہ پانی پر غالب آگیا تو وضو جائز نہ ہوگا، اور اگر ملنے والی شیئ کا رنگ ذائقہ اور بو کسی میں پانی سے مختلف نہ ہو تو اعتبار اجزاء کا ہوگا (جس کے اجزاء زائد ہوں گے غلبہ بھی اسی کا ہوگا) (ت)

میں کہتا ہوں اوّلاً جب غلبہ میں اعتبار صرف رنگ کا ہے اس صورت میں کہ ملنے والی شے صرف ایک وصف (رنگ) کے اعتبار سے پانی کے مخالف ہو یا دونوں وصفوں میں نہ کہ جملہ اوصاف میں یونہی ذائقہ کا حکم ہے۔ تو علامہ اسبیجابی کا کلام یا تو اس شے میں ہوگا جو اسی ایک وصف (رنگ)

[1] بحر الرائق ابحاث الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

لانہ اذا خالف فی وصفین فایھما تغیر غیر ففیم القصر علی احدھما۔ **وایضا** لیکن الوصفان اللون والطعم فمن ذا الذی قدم اللون واخر الطعم وعلی الاول کان المعنی مالایخالف الا فی اللون کان المعتبر فیہ اللون ومالایخالف الا فی الطعم کان المعتبر فیہ الطعم وما لایخالف فی شیئ فالعبرۃ فیہ بالاجزاء فمن این جاء الترتیب ولم لم یقل العبرۃ اولا بالطعم ثم اللون ثم الاجزاء اوبالاجزاء ثم الطعم ثم اللون الی غیر ذلك من التقلیبات اذکلھا ح متساویۃ الاقدام فی البطلان والاھمال۔

وایضا تبقی علیہ خمسۃ من سبعۃ فان المخالفۃ فی لون اوطعم او ریح اولون وطعم اولون وریح اوطعم و ریح اوفی الکل فکیف قصر الحکم علی اثنین۔ **وثانیا**: ھل (۱) ھو یعتبر الریح ام لا الثانی یرد الضابطۃ وعلی الاول

میں پانی کے مخالف ہو یا دو اوصاف میں یا جملہ اوصاف میں، تو آخری دو صورتوں میں تو کسی طور گفتگو نہیں ہوسکتی کیونکہ جب وہ شے دو اوصاف میں پانی کے مخالف ہو تو جو وصف بھی تبدیلی کا باعث بنے گا پانی میں تغیر ہوجائے گا (اور معتبر ہوگا) تو پھر ایک وصف میں تغیر کو کیونکر منحصر کیا جاسکے گا؟ (ت) نیز یہ کہ جب ایک شے کے رنگ اور ذائقہ دو اوصاف ہوں تو رنگ کو کس داعیہ کی وجہ سے مقدم کیا جائے گا اور ذائقہ کو مؤخر کیا جائے گا؟ پہلی صورت میں (جب دو وصف نہ ہوں) معنی یہ ہوگا کہ جب ملنے والی شے کی مخالفت صرف رنگ میں ہو تو اعتبار بھی رنگ کا ہوگا۔ جب صرف ذائقہ میں مخالف ہو تو ذائقہ کا، اور کسی وصف میں مخالف نہ ہونے کی صورت میں اجزاء کا اعتبار ہوگا، تو سوال یہ ہے کہ یہ ترتیب کہاں سے آئی اور یوں ترتیب کیوں نہیں رکھی کہ پہلے اعتبار ذائقہ کا ہوگا پھر رنگ کا اور پھر اجزاء کا۔ یا یوں کہ پہلے اجزاء کا اعتبار ہو پھر ذائقہ پھر رنگ کا، یا کسی اور طرح سے الٹ پلٹ ہو جبکہ یہ سب صورتیں باطل اور مہمل ہونے میں برابر تھیں۔ (ت) نیز یہ کہ اس ضابطہ کے مطابق پانی میں ملنے والی شے کی سات صورتوں میں سے صرف دو کا حکم معلوم ہوگا پانچ کا حکم باقی رہے گا وجہ حصر یہ ہے مخالفت صرف رنگ میں یا صرف ذائقہ میں یا صرف بُو میں یا رنگ وبُو میں یا رنگ وذائقہ میں یا ذائقہ وبُو میں یا تینوں میں ہوگی تو حکم کے بیان میں صرف دو پر کیوں اکتفا کیا گیا؟ (ت) **ثانیا** یہ کہ اس کے ہاں بُو کا اعتبار ہے یا نہیں؟ عدمِ اعتبار کی صورت ضابطہ کو مسترد

لم حذفها وکیف استقام له نقل الحکم بعد الطعم الی الاجزاء۔

وثالثا: (۱) عبارة الامام الاسبیجابی قدمناها مع کثیر من موافقتها صدر البحث الاول من الضابطة السادسة وهی بکل جملة منها تخالف الضابطة وتأبی محملها الموزع المبدد لاحکامها اذیقول ان غیر لونه فالعبرة للون مثل اللبن وقدمنا ان اللبن یخالف فی الثلث فکیف اجتزء بواحد۔

و رابعا: (۲) لم عین اللون وانتم القائلون کالامام الضابط ان کان لون اللبن اوطعمه هو الغالب لم یجز الوضوء۔

وخامسا: قال (۳) والخل وهذا فی کونه ذا الثلاثة ابین من اللبن فمعلوم قطعا انه یخالف الماء طعما وریحا وقد اعتبر اللون مخالف فی الثلاث ولم یعتبر وصفین بل واحدا۔

وسادسًا: قال (۴) والزعفران وهذا

کرتی ہے اور اعتبار کی صورت میں اسے حذف کیا تو کیوں؟ اور پھر حکم کو ذائقہ سے اجزاء کی طرف منتقل کرنا کیونکر درست ہوگا (جبکہ بُو بھی اجرائے حکم کیلئے معتبر ہے)۔ (ت)

ثالثًا امام اسبیجابی کی عبارت بہت سے موافقات کے ساتھ ہم نے چھٹے ضابطہ کی بحث اول کے شروع میں ذکر کی ہے اور اس کے ہر جملہ میں سے کچھ ضابطہ کے خلاف ہے اور اس کا نیا محمل اس کے احکامات کے اجراء سے عاری ہے (جو قدیم محمل پر جاری ہوتے ہیں) بایں طور کہ وہ کہتے ہیں اگر ملنے والی مائع چیز پانی کا رنگ تبدیل کردے تو اعتبار بھی رنگ کا ہوگا، جیسا کہ دودھ ہے حالانکہ ہم کچھ ہی پہلے بیان کرچکے ہیں کہ دُودھ تو تینوں اوصاف میں پانی کا مخالف ہوتا ہے تو ایک وصف کی تبدیلی کو اس نے وضو سے مخالفت کیلئے کیوں کافی قرار دیا ہے؟ (ت)

رابعًا انہوں نے دودھ میں صرف رنگ کو ہی کیوں متعین کیا ہے؟ حالانکہ تمہارا بھی ضابطہ بنانے والے امام کی طرح یہ کہنا ہے کہ اگر دودھ کا رنگ یا ذائقہ غالب ہو تو وضو جائز نہ ہوگا۔ (ت)

خامسًا اس نے وَالخَلّ (اور سرکہ بھی) کہا ہے جس کا دودھ کی نسبت تین اوصاف والا ہونا زیادہ واضح ہے تو قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ دودھ پانی سے ذائقہ اور بُو میں مخالف ہوتا ہے جبکہ رنگ کے اعتبار سے مخالفت پہلے ہی تسلیم کرچکے ہو، پس وہ تینوں وصفوں میں مخالف ہے اور انہوں نے دو وصفوں کا اعتبار نہیں کیا بلالکہ ایک کا اعتبار کیا ہے۔ (ت)

سادسا اس نے غلبہ رنگ کی مثال

اظهر من اللبن فی جمع الثلاث وازهر من الخل فی الاجتزاء بواحد لكون لونه اسبق عملا والخل ماكان منه كذاك فذاك والا فمطمح نظره هو اللون نفسه لالكونه دليلا على تغير غيره قبله لكونه اضعف منه۔

وسابعًا: قال وان لم يغير لونه بل طعمه فالعبرة للطعم (۱) نفی توز يعكم وراعی ترتيبه وارشد انه ان خالف لونه فلاعبرة للطعم۔

وثامنا: قال مثل ماء البطيخ والاشجار والثمار والانبذة هذا فيما لايلون (۲) ولاشك ان فيها ذوات الرائحة ولربما كان ريحها اغلب فلم يعتبرها وقصر الحكم على الطعم۔

وتاسعا: قال وان لم يغير لونه وطعمه فالعبرة للاجزاء (۳) اسقط الريح رأسا وهو الحق الناصع كما قدمنا فی۔

وعاشرًا : قال فان غلب اجزاؤه على اجزاء الماء لايجوز الوضوء

دیتے ہوئے والزعفران کہا ہے اور یہ تین اوصاف جمع ہونے میں دودھ سے زیادہ واضح اور سرکہ کی نسبت ایک وصف پر کفایت کیلئے زیادہ جچتا ہے کیونکہ اس کا رنگ تبدیلی کا عمل سرعت سے انجام دیتا ہے اور جو سرکہ ایسا ہو وہ بھی اس کے حکم میں ہوگا ورنہ اس کا مقصود تو صرف رنگ کا اعتبار ہے نہ رنگ اس اعتبار سے کہ یہ دوسرے کی نسبت پہلے دوسری شے کو بدل دیتا ہے کیونہ وہ ویسے بھی کمزور ہوتا ہے۔ (ت)

سابعًا: اس نے کہا کہ اگر پانی کا رنگ بدلنے کے بجائے ذائقہ بدلا تو اعتبار ذائقہ کا ہوگا، تو اس نے آپ کی تقسیم کی نفی بھی کردی اور اپنی ترتیب کی رعایت بھی ملحوظ رکھی اور ساتھ ہی یہ بات بھی بتادی کہ اگر ملنے والی شے کا رنگ پانی سے مخالف ہو تو ذائقہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔ (ت)

ثامنًا: اس نے کہا کہ تربوز، درختوں، پھلوں کے پانی اور نبیذوں کی مثل یہ تمام بے رنگ اشیاء ہیں مگر ان میں کچھ اشیاء بُو والی بھی ہیں اور بعض اوقات ان کی بُو غالب بھی ہوتی ہے، مگر اس کا اعتبار نہیں کیا اور حکم کو ذائقہ پر ہی منحصر کردیا۔ (ت)

تاسعًا: اس نے یہ کہا کہ اگر رنگ اور ذائقہ نہ بدلے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا، بُو کو بالکل ہی نظر انداز کردیا ہے حالانکہ یہ بظاہر حق بات تھی جیسا کہ ہم پہلے ۲۹۸ میں بیان کرچکے ہیں۔ (ت)

عاشرًا : اس نے یہ کہا کہ اگر اس کے اجزاء پانی کے اجزا پر غالب آجائیں تو پھل سے

به کالماء المعتصر من الثمر والا جاز کالماء المتقاطر من الکرم بقطعه [1] (۱) جعل الذی یخرج من ثمر بعصر اوکرم بقطر ماءً وجعل الاول مغلوب الاجزاء بأجزاء الثمر والثمر جامد فاعتبر فی هذا الجامد الاجزاء دون الرقة فانه ربما یکون رقیقا کماء النارجیل والتار الهندی هذه بکلام الامام القاضی الاسبیجابی وانتم قلتم قول من قال فعم کل من قال بهذا الترتیب فاذن۔

نچوڑے ہوئے پانی کی مانند اس سے بھی وضو جائز نہ ہوگا ورنہ انگور سے کاٹنے کے بعد ٹپکنے والا پانی پانی کی طرح اس پانی سے بھی وضو جائز ہوگا، تو اس نے پھلوں سے نچوڑے ہوئے اور انگوروں سے ٹپکے ہوئے عرق کو پانی قرار دیا ہے اور پہلے کو پھل کے اجزاء کے ساتھ مغلوب الاجزاء قرار دیا ہے حالانکہ پھل ایک جامد چیز ہے، تو انہوں نے اس جامد میں اجزاء کا اعتبار کیا نہ کہ رقت میں، کیونکہ بعض اوقات پھل کا پانی رقیق ہوتا ہے مثلًا ناریل یا تاڑی کا پانی یہ تو اسبیجابی کا کلام ہے جبکہ آپ نے تو قول مَنْ قَال کہا تو یہ ہر اُس شخص کو شامل ہوگیا جو اس ترتیب کا قائل ہے۔ (ت)

الحادی عشر: (۲) اعتبر فی خزانة المفتین وفی العنایة عن زاد الفقهاء وفی جامع الرموز عن الزاهدی فی العصیر اللون مع ان طعمه ربما کان اسبق۔

گیارھواں، خزانۃ المفتین اور عنایہ میں زاد الفقہاء سے اور جامع الرموز میں زاہدی سے ہے کہ پھلوں سے نچوڑے پانی میں رنگ کا اعتبار کیا گیا ہے حالانکہ بعض اوقات اس کا ذائقہ جلدی اثر دکھاتا ہے۔ (ت)

الثانی عشر: (۳) هو ذو الثلثة واجتزؤا بواحد۔

بارھواں، یہ تین اوصاف والی شیئ ہے حالانکہ انہوں نے ایک وصف کی تبدیلی کو ہی کافی قرار دیا ہے۔ (ت)

الثالث عشر: (۴) اعتبر البدائع فی ماء العصفر اللون ولم یلاحظ الریح وربما تکون اغلب۔

تیرھواں، بدائع نے عصفر کے پانی میں رنگ کا اعتبار کیا ہے اور بُو کا لحاظ نہیں کیا حالانکہ بعض اوقات بُو زیادہ غالب ہوتی ہے۔ (ت)

الرابع عشر: (۵) اعتبر البدائع

چودھواں، بدائع اور حلیہ نے انگور کے سفید

[1] کل ذلک من حاشیۃ الشلبی علی التبیین ابحاث الماء مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۲۰/۱

ثم الحلیة فی خل العنب الابیض الطعم ولاشك ان ریحه اسبق۔

الخامس عشر: (۱) فی العینی عن زاد الفقهاء والقهستانی عن الزاهدی ان توافقا لونا وطعما کماء الکرم فالعبرة للاجزاء [1] اھ۔ وانت تعلم ان الماء القراح لیس بارق منه فاعتبروا فی الجامد الاجزاء۔

السادس عشر: (۲) کلامهم جمیعا نص مفسر فی اعتبار الترتیب فردہ الی التوزیع غیر مصیب هذا کله بکلام الذین تسندون الیهم واماتأویلکم فالسابع عشر قولکم مرادہ ان المخالط المائع للماء انکان لونه مخالفا فالغلبة من حیث اللون [2]۔

اقول: (۳) نعم ویعم باطلاقه مایخالف فی اللون مع الباقیین فلم اجتزء بواحد۔

(۴) **الثامن عشر:** یشمل مایخالف فی اللون و وصف اخراسبق من اللون ففیم انتظر اللون۔

رنگ کے سرکہ میں ذائقہ کا اعتبار کیا ہے حالانکہ بلاشبہ اس کی بُو جلدی غالب آتی ہے۔

پندرھواں، عینی میں زاد الفقہاء سے اور قہستانی میں زاہدی سے ہے کہ اگر پانی اور جوس ہم رنگ وہم ذائقہ ہوں جیسے انگور کا پانی ہے تو اعتبار اجزاء کا ہوگا، اور تم اس بات کو جانتے ہو کہ خالص پانی اس سے زیادہ پتلا نہیں ہوتا پس انہوں نے جامد میں اجزاء کا اعتبار کیا ہے۔ (ت)

سولھواں، ان سب کی گفتگو ترتیب کا اعتبار کرنے میں واضح ہے تو اس کو بے ترتیبی کی طرف پھیرنا درست نہیں یہ ان علماء کے کلام کا خلاصہ ہے جو آپ کے ہاں بھی مستند ہیں بہرحال تمہاری تاویل اور یہی سترھواں ہے تمہارا قول ہے کہ اس کی مراد یہ ہے کہ پانی میں اگر مائع شیئ ملے اور اس کا رنگ پانی سے مختلف ہو تو غلبہ رنگ کا ہوگا۔ (ت)

میں کہتا ہوں، ہاں یہ قول مطلق ہونے کی بنا پر ان تمام اشیاء کو بھی شامل ہے جو رنگ کے ساتھ دیگر اوصاف میں بھی پانی کے مخالف ہوں، تو اس نے ایک وصف پر ہی اکتفاء کیوں کیا ہے؟

اٹھارھواں، یہ اس شے کو شامل ہے جو رنگ میں اگرچہ مخالف ہو مگر اس کا دوسرا وصف رنگ سے قبل اثر انداز ہوجائے (ایک وصف کی تبدیلی تو ہوگئی) تو رنگ کا انتظار کیوں کیا جائے گا۔ (ت)

---

[1] البنایة شرح الہدایة الماء الذی یجوزبہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹

[2] البحرالرائق ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

التاسع() عشر مثله الامام الاسبیجابی والامام السمعانی فی الخزانة والبرجندی فی شرح النقایة بالزعفران وخصصتم بالمائع حوطا علی الضابطة۔

العشرون: (۲) قولکم وانکان لونه لون الماء فالعبرة للطعم[1]

اقول: نعم ویعم ماخالف بریح اسبق فانی یوافق الضابطة۔

(۳)الحادی والعشرون: لم شرط فیه وفاق اللون فان العبرة فی الضابطة بالطعم مطلقاً وان خالف فی اللون ایضا اذالم یکن ذاریح وکان طعمه اسبق۔بالمائع۔

(۴) **الثانی والعشرون** مثّله الامام الاسبیجابی و زاد الفقهاء ثم البدر محمود والشمس القهستانی بالانبذة زاد الزاد والعینی المشمس فمن این التخصیص

(۵)**الثالث والعشرون:** قولکم وان کان لایخالفه فی اللون والطعم والریح فالعبرة للاجزاء[2]۔**اقول:** قال الامام البرھان فی

انیسواں، امام اسیجابی اور امام سمعانی نے خزانہ میں اور برجندی نے شرح النقایہ میں اس کی مثال زعفران کو قرار دیا ہے جبکہ آپ نے ضابطہ پر مدار رکھتے ہوئے مائع کے ساتھ مختص کیا ہے۔ (ت)

بیسواں، آپ کا قول ہے کہ اگر اس کا رنگ پانی جیسا ہو تو اعتبار ذائقہ کا ہوگا۔ (ت)

میں کہتا ہوں، ہاں یہ مثال جلد اثر کرنے والی بُو والی شیئ کو بھی شامل ہوجائے گی تو یہ مثال ضابطہ کے مطابق کیونکر ہوگی (حالانکہ اعتبار تو مطلقاً ذائقہ کا ہے) (ت)

اکیسواں، اس نے رنگ کی موافقت کی شرط کیوں لگائی ہے؟ کیونکہ ضابطہ میں مطلقاً اعتبار ذائقہ کا ہے رنگ اگرچہ مخالف بھی ہو جبکہ شیئ بو والی نہ ہو اور اس کا ذائقہ جلد اثر کرنے والا ہو۔ (ت)

بائیسواں، امام اسیجابی اور زاد الفقہاء، پھر بدر محمود اور شمس قہستانی نے اس کی مثال نبیذیں قرار دی ہیں جبکہ زاد اور عینی نے سورج سے گرم پانی کا بھی اضافہ کیا ہے تو مائع کے ساتھ تخصیص کس چیز کی ہوگی؟

تیئیسواں، تمہارا قول ہے کہ جب ملنے والی شے، رنگ ذائقہ اور بُو میں سے کسی میں مخالف نہ ہو تو اعتبار اجزاء کا ہوگا۔

میں کہتا ہوں کہ امام برہان نے ہدایہ میں

[1] البحرالرائق ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[2] البحرالرائق ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الهداية فی الماء الذی اختلط به الزعفران او الصابون اوالاشنان الخلط القليل لايعتبر به لعدم امكان الاحتراز عنه كما فی اجزاء الارض فيعتبر الغالب والغلبة بالاجزاء لابتغير اللون هو الصحيح[1] اھ۔فاين ذهب تخصيص المائع۔

اس پانی کے بارے میں کہا جس میں صابن، اشنان اور زعفران کی معمولی سی ملاوٹ ہو جائے چونکہ اس ملاوٹ سے بچنا ممکن نہیں لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں، جیسا کہ اجزاءِ زمین کا حکم ہے اور اعتبار غالب کا ہوگا اور صحیح قول کے مطابق غلبہ اجزاء کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ رنگ کی تبدیلی سے تو مائع کی تخصیص کہاں چلی گئی! (ت)

(۱) **الرابع والعشرون:** ذكرالريح لااثر له فی كلامهم وانما زيد رعاية للضابطة كماعلمت فاذن انما صريح نصوصهم انه ان لم يخالفه فی اللون والطعم فالعبرة للاجزاء وهذا خلاف الضابطة۔

چوبیسواں، بُو کا ذکر محض ضابطہ کی رعایت کیلئے کیا گیا ورنہ اس کے اضافہ سے آپ کو معلوم ہے کہ کوئی اور مقصد نہیں ہے بس اس صورت میں ان کی صریح نصوص یہ ہوں گی کہ اگر وہ ملنے والی شے پانی کے رنگ اور ذائقہ میں مخالف نہ ہو تو اعتبار اجزاء کا ہوگا اور یہ ضابطہ کے خلاف ہے۔ (ت)

الخامس والعشرون: مما يسلك فی السلك ان البحر نقل عبارة عن المجمع واستصعب ردها الی الضابطة ثم ابدی شيأ رده عليه الشامی فی حاشيته وعندی فی الكل نظر قال فی المجمع ونجيزه بغالب علی طاهر كزعفران تغير به بعض اوصافه اھ۔ قال البحر تفيد ان المتغير لوكان وصفين يجوز اوكلها لا[2]قال ولايمكن حمله علی شيئ كمالايخفی[3]اھ۔

پچیسواں، بحر الرائق نے مجمع سے ایک روایت نقل کی ہے جسے ضابطہ پر منطبق کرنا مشکل ہوا تو اس نے وہ محمل بیان کیا جو شامی نے اپنے حاشیہ میں بیان کرنے کی کوشش کی تھی جبکہ میرے نزدیک ہر ایک محلِ نظر ہے، صاحبِ مجمع نے کہا ہم اس پانی سے وضو جائز کہتے ہیں جس کے بعض اوصاف زعفران ایسی پاک شیئ کے ساتھ ملنے سے بدل جائیں مگر وہ پانی غالب رہے۔ بحر الرائق نے کہا اس سے یہ فائدہ حاصل ہُوا کہ اگر دو صفتیں بدلیں تو وضو جائز

[1] الهدایة الماء الذی یجوز به الوضوء المکتبة العربیه کراچی ۱/۱۸

[2] البحر الرائق کتاب الطهارة سعید کمپنی کراچی ۱/۶۹

[3] البحر الرائق کتاب الطهارة سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

ای علی شیئ من المحامل الاربعة وذلك لانه لیس فی الضابطة قسم یمنع بتغیر الثلثة دون الاثنین قال والذی یظهر ان مرادہ من البعض البعض الاقل وهو الواحد كماهی عبارة القدوری تصحیحا لكلامه ویدل علیه قوله فی شرحة فغیر بعض اوصافه من طعم او ریح اولون ذكرہ باوالتی هی لاحد الاشیاء بعد من التی اوقعها بیانا للبعض ولایظهر لتغییر عبارة القدوری فائدة[1] اهـ۔

ہوگا یاسب بدل جائیں تو وضو جائز نہ ہوگا، اور یہ بھی کہا کہ یہ ایسی عبارت ہے جس کو کسی شے پر محمول نہیں کیا جاسکتا کمالایخفی۔ یعنی چار محامل میں سے کسی پر بھی یہ محمول نہیں ہے کیونکہ ضابطہ میں کوئی ایسی شق نہیں ہے جو اس بات پر دال ہو کہ تمام اوصاف بدلنے پر تو وضو کرنا منع ہے اور دو کے بدلنے پر منع نہ ہو، فرمایا جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوصاف سے اس کی مراد بعض کا کم تر حصّہ ہے جو تین میں سے ایک وصف ہوتا ہے جیسا کہ قدوری کی عبارت اس کلام کی تصحیح میں وارد ہے اور اس کی شرح میں اس کا قول اس پر دلالت بھی کرتا ہے جو یہ ہے، پس اس نے بعض اوصاف کو بدل دیا ہو، یعنی ذائقہ یا رنگ یا بُو کو تو اس نے انہیں کلمہ اَوْ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو دو اشیاء میں سے ایک کیلئے ہوتا ہے اور کلمہ اَوْ کو مِنْ کے بعد ذکر کیا ہے جس نے ان مذکورہ اشیاء کو بعض کا بیان دیا ہے اور قدوری کی عبارت کی تبدیلی کا کوئی فائدہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ (ت)

اقول: (۱) قدمنا فی الضابطة الخامسة تحقیق ان بعضا ھھنا یشمل الکل فماغیر الکل فقد غیر البعض فان اخترنا الضابطة قلنا قوله تغیر به بعض اوصافه صفة للزعفران لالطاهر حتی یکون قیدا فی الحکم بالغلبة وهی فی کل قسم بحسبه اما بسلامة الاوصاف جمیعا او اکثرها او

میں کہتا ہوں کہ پانچویں ضابطہ میں ہم تحقیق کر چکے ہیں کہ یہاں بعض کل کو بھی شامل ہے، تو جو شَے جملہ اوصاف کو تبدیل کرے گی وہ بعض کو بھی تبدیل کرے گی، اگر ہم ضابطہ ہی اختیار کرلیں تو میں کہتا ہوں کہ اس کا قول تغیر بہ بعض اوصافہ "زعفران" کی صفت ہے نہ کہ "طاہر" کی حتی کہ بعض اوصاف کا بدلنا حکم کیلئے قید ہو۔ پس حکم غلبہ کے اعتبار سے ہوگا اور غلبہ ہر قسم میں مختلف نوعیت

[1] البحرالرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

الرقة وحدها وان تغيرت وهذا فی الجامد ومنه الزعفران فالماء الغالب وان تغير به بعد اوصافه ولو فی ضمن الكل مادامت الرقة باقية ولاحاجة الى التقييد لان الكلام فی الماء وماثخن ليس بماء فهذا توفيق عبارة المجمع بالضابطة ولاصعوبة فيه اماعلی المذهب فنقول تغير به صفة لطاهر والمعنی نجيزه بماء خالطه طاهر فغير بعض اوصافه حتی الكل مادام الماء غالبا قدرا وطبعا و اسما (۱) فالكلام وجيه صحيح لايحتاج الى تمحل للتصحيح فليكن۔

کا ہوگا یا تو تمام اوصاف سلامت رہیں یا زیادہ اوصاف یا صرف پتلاپن اگرچہ اوصاف بدل جائیں، اور یہ حکم جامد میں ہوگا جس میں زعفران بھی ہے، تو پانی اُس وقت تک غالب ہوگا جب تک اس کا پتلاپن باقی رہے اگرچہ اس کے بعض اوصاف بدل جائیں۔ چاہے کل اوصاف کے ضمن میں ہی تبدیل ہوئے ہوں، تو اب قید لگانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ گفتگو پانی میں ہو رہی ہے اور جو سخت ہوجائے وہ پانی ہی نہیں رہتا تو مجمع کی عبارت کی ضابطہ کے ساتھ تطبیق یوں ہے، اور اس میں کوئی مشکل بھی نہیں ہے۔ اگر مذہب کو ہی ملحوظ رکھیں اور کہیں کہ **تَغیر بَہ بَعض اَوصَافہ** "طاھر" کی صفت ہے تو پھر معنی یہ ہوگا ہم اس پانی سے وضو کی اجازت دیتے ہیں جس کے ساتھ کوئی پاکیزہ چیز مل کر اس کے بعض اوصاف کو بھی بدل دے یہاں تک کہ کل کو بھی جب تک پانی مقدار، طبیعت اور نام کے اعتبار سے غالب رہے تو کلام بالکل صحیح اور بے غبار ہے۔ اس کی تصحیح کیلئے کسی تکلیف کی ضرورت نہیں کہ اس کا ارتکاب کیا جائے۔ (ت)

السادس والعشرون: وقال العلامة الشامی فی المنحة اقول قول المجمع ونجيزه بغالب علی طاهر لايخلو اما ان يحمل علی الاعم من الجامد والمائع اوعلی الجامد فقط ولاسبيل الى حمله علی الماء فقط لقوله كزعفران فان حمل علی الاعم لايصح حمل البعض علی الواحد لان غلبة المخالط الجامد تعتبر بانتفاء الرقة لابالاوصاف فضلا

چھبیسواں، علامہ شامی نے منحہ میں کہا ہے **میں کہتا ہوں** کہ مجمع کا قول نجیزہ بغالب علی طاھر خالی نہیں، یا تو جامد اور مائع دونوں پر محمول کیا جائے گا یا فقط جامد پر اور فقط مائع پر محمول کرنا درست نہیں بوجہ اس کے قول کزعفران کے، پس اگر عام مراد ہو تو بعض کو وصفِ واحد پر محمول کرنا درست نہیں کیونکہ جامد ملنے والی شیئ کا غلبہ پتلاپن ختم ہوجانے سے ہوگا تمام اوصاف کی تبدیلی سے نہیں چہ جائیکہ ایک وصف کی تبدیلی سے

عن وصف واحد وایضا بالنظر الی المخالط المائع لاتثبت الغلبة فیه بوصف واحد مطلقًا فانه اذا کان مخالفا للماء فی کل الاوصاف یعتبر ظهورها کلها او اکثرها وان حمل علی الجامد فقط فقد علمت مما قررناه مایرد علیه من انه یعتبر فیه انتفاء الرقة والسیلان وان تغیرت الاوصاف کلها مالم یزل عنه اسم الماء کما یاتی التقیید به فلافرق بین الزعفران وبین ماء الباقلاء والمجاز الذی فی الینابیع والظهیریة فکما اعتبر فیه انتفاء الرقة فلیعتبر فی الزعفران نعم فی عبارة المجمع تأمل من حیث افهامها انه لوتغیر الاوصاف کلها لایجوز الوضو به فانه لیس علی اطلاقه فیقید بانتفاء الرقة اویقال اذاتغیرت الاوصاف کلها بنحو الزعفران یزول اسم الماء عنه غالبا فقد ظهرلك امکان حملها علی ماقرره وان حملها علی ان المراد بالبعض الواحد کما هو ظاهر عبارة شرحه یقوی الاشکال فیجب تأویل مافی شرحه علی انه لیس المراد تغییر واحد فقط اوعلی ان اوبمعنی الواو فینتظم الکلام واللّٰه تعالٰی ولی الالهام [1] اھ۔

غلبہ ہو، تیز ملنے والی مائع شے کو دیکھتے ہوئے تو ایک وصف کے ظاہر ہونے سے کسی صورت میں غلبہ ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ جب وہ شے تمام اوصاف میں پانی کے مخالف ہو، تو تمام یا اکثر اوصاف کا ظہور غلبہ کیلئے معتبر ہوگا، اور اگر اسے فقط جامد پر محمول کریں تو آپ کو ہماری گفتگو کے ذریعہ اس پر وارد ہونے والا اعتراض معلوم ہے کہ اس میں غلبہ کا اعتبار پتلے پن کے زوال اور بہنے کی صلاحیت ختم ہونے سے ہوتا ہے اگرچہ تمام اوصاف بدل جائیں جب تک اس سے پانی کا نام سلب نہ ہوجائے جیسا کہ قید آرہی ہے تو اب زعفران اور لوبیا کے پانی میں کوئی فرق نہ ہوگا پس وہ مجاز جو ینابیع اور ظہیریہ میں ہے کہ جیسے اس میں پتلا پن کے نہ ہونے کا اعتبار کیا ہے یونہی زعفران میں بھی ہونا چاہئے ہاں سمجھانے کے اعتبار سے مجمع کی عبارت قابل غور ہے کہ اگر تمام اوصاف بدل جائیں تو اس پانی سے وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ اپنے اطلاق پر نہیں رہا تو اسے پتلاپن کے نہ ہونے سے مقید کرنا ضروری ہے یا یہ کہا جائے کہ جب زعفران جیسی شے سے جملہ اوصاف بدل جائیں تو اس سے اکثر اوقات پانی کا نام زائل ہوجاتا ہے تو بحر والے کی عبارت کے بیان کردہ مفہوم پر محمول کرنا ممکن ہوجائے گا، اور اگر اس کو اس پر محمول کیا جائے کہ بعض سے مراد ایک وصف ہے جیسا کہ شرح کی عبارت اعتراض کو قوی بناتی ہے تو پھر شرح کی عبارت کی یہ تاویل ضروری ہے کہ

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

اقول: اولا(۱) حدیث الافھام افھمناك حالہ۔ **وثانیا:** (۲)اشتبہ علیہ رحمہ اللہ تعالٰی غلبۃ الماء الذی فیہ کلام المجمع فان غالبا فی کلامہ صفۃ الماء بغلبۃ المخالط فقال بالنظر الی المخالط المائع لاتثبت الغلبۃ فیہ بوصف واحد مطلقًا الخ۔۔۔ وانما حقہ ان یقول بالنظر الی المخالط المائع لاتبقی غلبۃ الماء بعد تغیر وصف واحد مطلقًا فانہ اذالم یخالف الماء الا فی وصفین فغیر واحدا فقد غلب علی الماء۔ **وثالثا**(۳) حاصل ماطال بہ رحمہ اللہ تعالٰی بعد تصحیحہ بماذکرنا ان مفاد العبارۃ علی ھذا الحمل غلبۃ المخالط اذاغیر اکثر من وصف والماء اذاغیر وصفا واحدا ھذا بالمنطوق وذاك بالمفھوم والاول باطل فی الجامد مطلقًا ولابد من ارادتہ ولو فی ضمن العموم لقولہ کزعفران فان المناط فیہ الرقۃ وان غیر الاوصاف طرا والثانی باطل فی مائع لایخالف الا

مراد فقط ایک وصف کی تبدیلی نہیں یا اَوْ بمعنی واؤ کے ہے تو کلام درست ہوجائےگا، اور اللہ تعالٰی الہام کرنے والا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں اولاً (۱) تو سمجھانے کی بات کا حال تو ہم نے آپ کو سمجھادیا۔ **ثانیا** (۲) جس پانی کے غلبہ میں مجمع والا گفتگو کررہا ہے شامی علیہ الرحمۃ پر غلبہ کی نوعیت مشتبہ رہی کیونکہ اس کے ہاں اکثر وہ پانی مراد ہوتا ہے جس پر کوئی مائع چیز ملنے کے بعد غالب آجائے اور اس کے متعلق کہا ہے کہ ملنے والی مائع شے کے پیشِ نظر مطلقًا ایک وصف کی وجہ سے غلبہ ثابت نہیں ہوتا الخ... اصل میں تو اسے یوں کہنا چاہئے تھا کہ ملنے والی مائع شیئ کو دیکھتے ہوئے پانی کا غلبہ ایک وصف کی تبدیلی سے قطعًا باقی نہیں رہتا کیونکہ اگر شے پانی کے صرف دو وصفوں میں مخالف ہو اور ایک وصف کو تبدیل کردے تو پانی کا غلبہ جاتا رہے گا۔ **ثالثا** (۳) عبارت کی وہ تصحیح جو ہم نے ذکر کی ہے اس کے بعد بھی اس کی طویل گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ اس صورت پر محمول کریں تو عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ملنے والی شیئ کا غلبہ تب ہوگا جب پانی کے اکثر اوصاف بدل جائیں اور پانی کا غلبہ تب شمار ہوگا جب ایک وصف بدلے ثانی الفاظ سے اول مفہوم سے معلوم ہوتا ہے۔ پہلا جامد میں مطلقًا باطل ہے اگرچہ عموم کے ضمن میں ہو مگر اس کا مراد لینا ضروری ہے کیونکہ اس نے کزعفران کہا ہے جس میں مدار پتلے پن پر ہے اگرچہ تمام اوصاف کو ہی بدل ڈالے

فی وصفین فانہ یغلب اذاغیر وصفاً۔

اقول: الاعتراض بالمائع ذھول عن سنن سلکہ ھھنا الامام الضابط واقتفی اثرہ البحر فانھما حملاکل مطلق فی النصوص علی صورۃ خاصۃ فکما حملا النوط بالرقۃ علی الجامد ولم یرد علیہ ان المائعات تمنع مع بقاء الرقۃ وحملا الغلبۃ بالاجزاء علی المائع الموافق ولم یرد علیہ انہ منقوض بغیرہ وحملا المنع بتغیر وصف واحد علی مائع یخالف فی وصف او وصفین ولم یرد علیہ النقض بمایخالف فی الثلاث فکذا اذاحملا المنع باکثر من وصف علی مایخالف فی الثلاث کیف یرد علیہ النقض بالمخالف فی وصفین (۱) وقد قبلتموہ فی عبارۃ القدوری والکنز والمختار ولم تمنعونہ فی عبارۃ المجمع۔

بقی حدیث الخصوص والعموم فاقول (۲) للبحر ان یختار العموم ولا یرد الایرادان (۳) فان التقیید ربما یکون حفظاً للعلوم لالنفی ماعداہ کقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحسن والحسین

اور دوسرا اُس مائع میں باطل ہے جو صرف دو اوصاف میں مخالف ہو کیونکہ اس میں ایک بھی وصف بدل جانے سے وہ پانی پر غالب آجاتا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ مائع کے ذریعے یہاں اعتراض امام ضابطہ کے طریق سلوک سے غفلت کی بناء پر ہے اور صاحبِ بحر نے بھی اس کی پیروی کی ہے کیونکہ یہ دونوں ہر مطلق کو نصوص میں ایک خاص صورت پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ یہ پتلے پن سے مقید کو جامد پر محمول کرتے ہیں حالانکہ اس پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ مائع اشیاء تو پتلا پن باقی رہنے کے باوجود بھی مانع ہو جاتی ہیں، اور جیسا کہ انہوں نے مائع موافق میں غلبہ کو اجزاء کے غلبہ پر محمول کیا ہے اور اس پر یہ اعتراض نہیں کیا کہ یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے جب مائع غیر موافق ہو اور انہوں نے اس مائع میں جو پانی سے ایک یا دو اوصاف میں مخالف ہو وضو سے ممانعت کو ایک وصف کی تبدیلی پر محمول کیا ہے اور اس پر تین اوصاف کے مخالف ہونے کا اعتراض نہیں کیا، یونہی جب انہوں نے تین اوصاف میں مخالف ہونے کی صورت میں ممانعت کو ایک سے زیادہ وصف کی تبدیلی پر محمول کیا ہے تو اس پر دو اوصاف میں مخالف مائع والا اعتراض کیونکر وارد ہوگا باوجودیکہ آپ قدوری، کنز اور مختار کی عبارات میں اسے قبول کرچکے ہیں تو مجمع کی عبارت میں اسے کیوں منع کردیا؟ (ت) رہی خصوص وعموم کی بات، تو **میں کہتا ہوں** کہ صاحبِ بحر کیلئے یہ گنجائش ہے کہ وہ عموم کو اختیار کریں تو اب دونوں اعتراض وارد نہ ہوں گے کیونکہ بعض اوقات قید کو عموم کے برقرار رکھنے کیلئے ذکر کیا جاتا ہے ماعدا کی نفی کیلئے نہیں جیسا کہ

سیدا شباب اهل الجنة[1] اذکان فی الکهول من هو افضل منهما کالخلفاء الاربعة رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین ،و التقیید لیس قیدا فی الغالب فیکون المعنی نجیزه بالغالب علی ماغیر بعض اوصافه لابالغالب علی ماغیر کلها ولافی المغلوب فیکون المعنی نجیزه بماء خالطه مغلوب غیر بعض اوصافه لابماء خالطه مغلوب غیر الکل فان فسادهما ظاهر لان الماء مهما کان غالبا والمخالط مغلوبا جاز ال وضو به قطعا من دون تخصیص ولاتقیید بل هو تصویر للمغلوب والغلبة لاتقال الا حیث للمرجوع ایضا شیئ من العمل اذلولم یعمل اصلا کان مضمحلا کالمعدوم لامغلوبا والعمل فی الرقة ینفی غلبة الماء فلم یبق الا الاوصاف غیر ان الجامد مغلوب وان عمل فی جمیع اوصاف الماء مادام رقیقا فلو اراده خاصة کفی ان یقول غیر اوصافه ولم یحتج الی زیادة بعض فعلم انه اراد التصویر بهما معا والعمل فی الماء الذی تتأتی معه المغلوبیة فی الجامد والمائع معا لیس الا عملا فی وصف واحد فان	آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن وحسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں، کیونکہ بزرگوں میں خلفاءِ اربعہ جیسے لوگ دونوں سے افضل موجود تھے۔یہ قید درحقیقت غالب کیلئے قید نہیں ہے تو معنی یہ ہوگا کہ ہم اس پانی سے وضو کی اجازت دیتے ہیں جو اس شیئ پر غالب ہو جس نے پانی کے بعض اوصاف کو تبدیل کیا ہو، نہ اس پانی سے جس نے اس شیئ پر غلبہ حاصل کیا ہو جس نے پانی کے جملہ اوصاف میں تبدیل کردئے ہوں نہ ہی مغلوب کیلئے یہ قید ہے تو معنی یہ ہوا کہ ہم اس پانی سے وضو کو جائز رکھتے ہیں جس میں کوئی مغلوب شے مل کر اس کے بعض اوصاف کو تبدیل کردے نہ اس پانی کے ساتھ جس میں مغلوب ملے اور اس کے جملہ اوصاف کو بدل دے کیونکہ ان دونوں کا فساد ظاہر ہے۔وجہ یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں پانی غالب اور مخالط مغلوب ہے، تو بغیر کسی قید کے اس سے وضو جائز ہوگا تو یہ دراصل مغلوب کی وضاحت ہوگی اور غلبہ کا اطلاق ہوتا ہی تب ہے جب مرجوع کا عمل بھی کسی حد تک باقی ہو کیونکہ بالکل عمل نہ ہونے کی صورت میں وہ نہ ہونے کے برابر ہوگا جو مضمحل کہلائے گا مغلوب نہیں کہلائے گا اور پتلے پن میں عمل پانی کے غلبہ کی نفی کردیتا ہے تو پانی کے صرف اوصاف ہی رہ جائیں گے مگر یہ کہ جامد چاہے پانی کے تمام اوصاف میں بھی عمل کرے

[1] جامع للترمذی ابواب المناقب امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۸

الجامد وان کان مغلوبا مع العمل فی الکل لکن المائع اذاعمل فی وصفین غلب فوجب ان یراد بالبعض الواحد لیصح تصویر المغلوبیۃ العامۃ للصنفین وذلك فی الجامد مطلقًا وفی المائع اذا خالف فی الاوصاف جمیعا ولایرد النقض بمائع غیرہ کماعلمت انہ المھیع الذی سلکاہ وقبلتموہ انتم والناس فی کل مقام علا انہ تصویر والتصویر انما یستدعی وجود صورۃ یصدق فیھا المصور لااستغراقہ جمیع الافراد ھذا ماعندی فی توجیہ کلام البحر۔

ورابعًا: بہ (۱) علم ان ارادۃ الواحد لایقوی الاشکال بل علی ھذا التقدیر بہ لہ الانحلال، ولو (۲) ارید الاعم لقوی الاعضال، فانہ یکون منطوق الکلام غلبۃ الماء اذاتغیر بالمائع لہ وصفان وھذا لاصحۃ لہ علی الضابطۃ اصلا۔

وخامسًا: ان بنینا الکلام (۳) علی ماسبق

مغلوب ہی رہتا ہے جب تک پانی پتلا رہے گا، تو اگر یہی جامد خصوصی طور پر اس کی مراد تھا، تو اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ اوصاف کو بدل دے۔ بعض کی قید لگانے کی ضرورت نہیں تھی۔ تو معلوم ہوا کہ صاحبِ مجمع دونوں کی اکٹھی تصویر بتانا چاہتے ہیں اور اس پانی میں عمل جس میں مغلوب جامد اور مائع دونوں کے ساتھ آئے۔ ایک وصف میں عمل کے سوا کچھ نہیں کہ جامد تمام اوصاف میں بھی عمل کرکے مغلوب رہتا ہے جبکہ مائع دو اوصاف میں عمل کرکے غالب ہوجاتا ہے تو یہ ضروری ہوا کہ واحد سے مراد بعض ہوتا کہ مغلوبیت عامۃ للصنفین کی تصویر درست ہو، اور یہ مغلوبیت عامہ جامد میں مطلقًا ہوتی ہے جبکہ مائع میں جملہ اوصاف میں مخالف ہونے پر ہوتی ہے تو اس پر غیر موافق مائع کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے، کیونکہ اُن کی متعین کردہ راہ کے مخالف ہے۔ اور خود تم نے اور دیگر لوگوں نے بھی اس کو ہر جگہ قبول کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ تصویر ہے جہاں وجودِ صورت ضروری ہے تاکہ جہاں جس کی تصویر بیان کی گئی ہے وہ صادق آسکے وہ تمام افراد کے احاطہ کو نہیں چاہتی، بحرالرائق کے کلام کی میرے نزدیک یہی توجیہ ہے۔ (ت)

رابعًا: (۴) اس سے معلوم ہوا کہ ایک کے ارادہ سے اشکال قوی نہیں ہوتا بلالکہ اعتراض کا دفاع ہوتا ہے اور عام مراد ہونے کی صورت میں تنگی بڑھ جاتی ہے کہ بایں صورت کلام کے لفظ یہ ہونگے کہ پانی کا غلبہ تب ہوگا جب اس سے دو وصفوں والے مائع میں تبدیلی ہو اور یہ ضابطہ کے اعتبار سے کسی طرح درست نہیں ہے۔ (ت) **خامسًا:** (۵) اگر ہم اعتراض کی بنیاد صاحب بحر

الی ذهنه رحمه الله تعالٰی منقلبا ان الکلام فی غلبة المخالط لم یظهر لقوة الاشکال وجه فانك اذاقلت کل مائع غیر للماء وصفا او وصفین فقد غلبه ورد علیه [عه] مایخالف الماء فی الاوصاف الثلثة کماورد علی ارادة الواحد ولوقلت کل مائع غیر وصفا واحدا غالب لم یرد ایضا الا هذا فهما متساویان فی الاشکال۔

وسادسًا: (۱) تأویلکم الاٰخران عند تغیر الاوصاف جمیعا بنحو الزعفران یزول اسم الماء غالبا خلاف المشاهد۔

وسابعًا: (۲) خلاف النصوص کماتقدم فی حکم الانبذة وغیرها۔

وثامنًا: (۳) مبنی تأویلکم الاول الحمل علی الجامد خاصة اذهو الذی تدیرون فیه الامر علی الرقة وعدمها ومعلوم ان حدیث الرقة یعم فیه المنطوق والمفهوم فکما ان جامدا غیر جمیع الاوصاف لایمنع مالم تنتف الرقة کذلك ماغیر بعضها لایصلح مالم تبق الرقة فانتفی

کے ذہن میں موجود مفہوم کو اُلٹتے ہوئے اس پر رکھیں کہ یہ کلام ملنے والی چیز کے غلبہ کے بارہ میں ہے، تو اعتراض کی قوت کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ جب آپ یہ کہیں کہ ہر وہ مائع جو پانی کی ایک یا دو صفتیں بدل دے تو وہ پانی پر غالب آجائے گا تو اس پر تین اوصاف میں مخالف کا اعتراض لازم آتا ہے جیسے کہ ایک وصف مراد لینے کی صورت میں وارد ہوتا ہے اگر آپ کہیں کہ ہر مائع جو ایک وصف کو بدل دے وہ غالب ہے تو بھی یہی اعتراض وارد ہوگا تو یہ دونوں اشکال میں برابر ہیں۔ (ت)

سادسًا(۶)، تمہاری دوسری تاویل کہ زعفران ایسی شے کے ساتھ پانی کی جملہ صفات بدل جانے سے اکثر طور پر پانی کا نام سلب ہوتا ہے یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ (ت)

سابعًا(۷) نصوص کے بھی خلاف ہے، جیسا کہ نبیذوں کے حکم میں گزرا۔

ثامنًا(۸)، تمہاری پہلی تاویل کی بنیاد علی الخصوص جامد پر ہے کیونکہ آپ کے ہاں پتلے پن کے وجود اور عدمِ وجود پر معاملہ کا مدار ہے اور یہ بات تو معلوم ہے کہ پتلے پن کی بات ظاہری اور ضمنی دونوں صورتوں کو شامل ہے، تو جیسے پانی کے تمام اوصاف کو بدلنے کے باوجود جب تک رقت باقی رہے جامد وضو سے مانع نہیں ہے۔ یونہی جب وہ بعض

[عه] :لان الحکم یعم تغییر وصف واحد وذو الثلثة لایغلب به ۱۲ منه غفرله (م)

کیونکہ حکم وصف واحد کی تغییر کو عام ہے اور تین وصفوں والا اس سے مغلوب نہیں ہوتا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

الفرق بین البعض والکل وبقی القید ضائعا والمفھوم باطلا وبالجملۃ لوارادہ بالخصوص لماکان وجہ لزیادۃ البعض الموھمۃ خلاف الحکم المراد والمنصوص۔

وتاسعا:(۹) بون(۱) بین بین ماء نقع فیہ الحمص والباقلاء وماء خلط بزعفران فارادۃ الامر فی الاول علی الرقۃ صحیحۃ وفی الثانی لاکماعلمت تحقیقہ مرارا وللہ الحمد فھذہ ستون بحثا فاخرا حمد الربی اولًا واٰخرًا وقد تقدمت کثیر غیرھا ولیس یخفی خیرھا ومیرھا (۲) وکل خیر من عطاء المصطفٰی صلی اللہ علیہ مع من یصطفٰی اللہ یعطی والجیب القاسم صلی علیہ القادۃ الاکارم مانال خیرا من سواہ نائل کلا ولایرجی لغیرنائل منہ الرجا منہ العطامنہ المدد فی الدین والدنیا والاخری للابد

اوصاف کو بدلے تو رقت کے معدوم ہونے پر طہارت کی صلاحیت نہیں رکھے گا، تو بعض اور کل کا فرق باقی نہ رہا قید ضائع گئی اور مفہوم باطل ہوگیا حاصل یہ کہ خاص کر جامد مراد لینے پر حکم منصوص ومنطوق کے خلاف وہم میں مبتلا کردینے والی بعض کی قید لگانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ (ت)

تاسعا(۹)، جس پانی میں چنے اور لوبیا بھگوئے گئے ہوں اور جس پانی میں زعفران مل گیا ہو بڑا دور کا فرق ہے تو پہلی صورت میں معاملہ کی بنیاد پتلے پن پر رکھنا درست ہے دوسری میں نہیں جیسا کہ بار بار آپ کے علم میں آیا وللہ الحمد۔ یہ ساٹھ بحثیں باعثِ فخر ہیں ابتداء اور انتہاء میں، تعریف اللہ تعالٰی کیلئے ہے ان کے علاوہ بھی بہت سی گزر چکی ہیں ان میں سے اچھی اور کمزور کوئی بحث مخفی نہ رہی ہر اچھائی مصطفٰی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عطاء سے ہے خدا ان پر جملہ پسندیدہ لوگوں کے ساتھ رحمتیں بھیجے۔ رب دینے والا اور حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) تقسیم کرنے والے ہیں اور آپ پر قابلِ احترام قائدین درود بھیجتے ہیں آپ کے غیر سے کسی نے بھی بھلائی حاصل نہیں کی اور نہ کسی دوسرے سے کوئی حاصل کرنے والا امید رکھتا ہے امید بھی آپ سے عطا بھی آپ کی اور مدد بھی آپ کی، دنیا اور آخرت میں ہمیشہ کیلئے۔ (ت)

بالجملہ ضابطہ کا یہ دوسرا حصّہ مذہب امام ابویوسف ومذہب امام محمد ونصوصِ متواترہ مذہب سب کے خلاف ہے مذہب [۳] حنفی میں یہ تفصیلیں کہیں نہیں، ہاں کتبِ شافعیہ میں ان کے قریب تھیں شاید وہیں سے خیال امام ضابط میں رہیں۔ امام بدر محمود عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

مذہب الشافعی علی التحریر ان الماء اذا تغیر احد اوصافه مما لایمکن حفظ الماء عنه کالطحلب ومایری علی الماء من الملح والنورة ونحوها جاز الوضو به لعدم امکان صون الماء عنه وانکان ممایمکن حفظه عنه فان کان ترابا طرح فیه فکذالك لانه یوافق الماء فی کونه مطهرا فهو کما لوطرح فیه ماء اٰخر فتغیر به وانکان شیئا سوی ذلك کالزعفران والطحلب اذادق وطرح فیه وغیر ذلك ممایتغیر الماء منه لم یجز الوضو به لانه زال اطلاق اسم الماء بمخالطة مالیس بطهور والماء مستغن عنه فصارکاللحم والمائع المخالط بالماء ان قل جازت الطهارة به والافلا وبما ذا تعرف القلة والکثرة ینظر فان خالفه فی بعض الصفات فالعبرة بالتغیر فان غیره فکثیروالا فقلیل وان وافقه فی صفاته کماء ورد انقطعت رائحته ففیمایعتبر به القلة والکثرة فیه وجهان احدهماان کانت الغلبة للماء جازت الطهارة به وانکانت للمخالط لم یجزومنهم من قال اذا کان ذلك قدرا لوکان مخالف الماء فی صفاته لم یغیره لم یمنع ولوخالط الماء المطلق ماء مستعمل فطریقان اصحهما

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک جو ضبط میں لایا گیا وہ یہ ہے کہ پانی کے ایک وصف کو جب ایسی شیئ بدل دے جس سے پانی کا محفوظ رکھنا ممکن نہیں مثلاً پانی پر پیدا شدہ جالا اور پانی پر جو نمک چُونہ وغیرہ نظر آتا ہے تو اس سے وضو جائز ہوگا کیونکہ پانی کو اس سے بچایا نہیں جاسکتا اگر پانی کو اس شیئ سے بچانا ممکن ہے پھر اگر وہ مٹی ہو جو پانی میں ڈال دی گئی ہو تو اس کیلئے حکم پانی کا ہے کیونکہ یہ پاک کرنے کی صفت میں پانی کے موافق ہے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ پانی میں دوسرا پانی ڈال دیا جائے تو اس سے پانی کا رنگ بدل جائے اگر کوئی شے مٹی کے علاوہ ہو جیسے زعفران اور پانی کا خشک جالا جب باریک پیس کر اس میں ڈال دئے جائیں یا اس کے علاوہ کچھ ایسی اشیاء ہوں جو پاک ہونے کے باوجود پاک کنندہ نہیں جس سے پانی تبدیل ہو جاتا ہو تو اس سے وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ غیر طہور شیئ کے ملنے سے پانی کا نام زائل ہو جاتا ہے تو یہ ایسے ہوگیا گویا گوشت مل گیا ہو، بہنے والی شیئ اگر پانی میں تھوڑی ہو تو وضو جائز ورنہ ناجائز ہوگا، قلّت اور کثرت کی پہچان کیونکر ہوگی، تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ چیز بعض صفات میں پانی کے موافق ہو جیسا کہ عرق گلاب جس کی خوشبو نہ ہو تو قلّت وکثرت دو طریقوں سے معلوم ہوگی ایک یہ کہ اگر پانی کو غلبہ ہو تو اس کے ساتھ وضو جائز ہوگا اگر ملنے والی شے کا غلبہ ہو تو وضو جائز نہ ہوگا ان میں سے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر وہ شیئ اتنی مقدار میں ہو کہ وہ اوصاف میں

کالمائع وفیه وجهان وبهذا قطع جمهورهم وصححه الرافعی[1] الخ۔۔۔ وحاصله ان العبرة بالاجزاء انما هی فی المائع الموافق للماء فی جمیع الصفات والا فبالاوصاف وهذا ماوزع به فی الضابطة وان زاد التفصیل بالخلاف فی جمیع الاوصاف فیعتبر وصفان اوبعضها فواحد واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم، صلی اللّٰه تعالٰی وبارك وسلم، علٰی سیدنا ومولٰینا الارأف الارحم، شفیع الامم، واٰله وصحبه وابنه الکریم الغوث الاعظم، اٰمین۔	مختلف ہونے کے باوجود پانی کو متغیر نہ کرے تو وضو سے مانع نہ ہو گی اگر مطلق پانی کے ساتھ مستعمل پانی مل جائے تو اس کے دو۲ طریقے ہیں، صحیح ترین طریقہ یہ ہے کہ مائع کی طرح اس میں بھی دو وجہیں ہوں گی اس طریقہ پر ان کے جمہور علماء نے یقین کیا ہے اور رافعی نے اسے صحیح قرار دیا ہے الخ... خلاصہ یہ کہ مائع جب تمام صفات میں پانی کے موافق ہو تو اعتبار اجزاء کا ہوگا ورنہ صفات کا یہی تقسیم ضابطہ میں کی گئی ہے اگرچہ اختلاف کی صورت میں زیادہ تفصیل کی ہے کہ تمام اوصاف مختلف ہوں تو دو صفات کا، ورنہ ایک کا اعتبار ہوگا، واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وصلی اللّٰه تعالٰی وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولٰنا الارأف الارحم، شفیع الامم، واٰله وصحبه وابنه الکریم الغوث الاعظم، آمین (ت)

پنجم ضابطہ نسفیہ: کہ جس پانی میں اس کا غیر ایسا مل جائے کہ تمیز نہ رہے اور وہ پانی پر غالب ہو تو پانی قابلِ وضو نہ رہا آب مقید ہوگیا ورنہ نہیں اور اس کا غلبہ دو طور پر ہے یا تو اجزاء سے کہ اُس کے اجزاء پانی سے زائد [یعنی یا برابر ہوں فان المساوی کالزائد احتیاطا کمامر عن البدائع[2] (کیونکہ مساوی احتیاطًا زائد کی طرح ہے جیسا کہ بدائع سے گزرا۔ ت)] یا کمال امتزاج سے اور یہ بھی دو طور پر ہے یا درختوں کے پی لینے سے یا پانی میں کوئی پاک چیز پکانے سے، جیسے شوربا اور آبِ باقلا مگر یہ کہ اُس سے زیادت نظافت مقصود ہو جیسے اُشنان وصابون کہ ان کا پکانا مضر نہیں جب تک گاڑھا نہ کردے۔ امام اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی شرح وافی میں فرمایا:

بطلان صفة الاطلاق بغلبة الممتزج وهی بکثرة الاجزاء اوبکمال الامتزاج وهو یطبخ الماء بخلط الطاهر کماء	پانی کے مطلق ہونے کی صفت کسی ملنے والی شیئ کے غلبہ سے باطل ہو گی غلبہ یا تو اجزاء بڑھ جانے سے ہوگا یا کامل طور پر کُھل مل جانے سے اور وہ یوں

[1] البنایة شرح الھدایة الماء الذی یجوزبہ ال وضو ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۹۱
[2] بدائع الصنائع الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

الباقلی والمرق اوبتشرب النبات الماء حتی یبلغ الامتزاج مبلغا یمتنع خروج الماء عنه الابعلاج والامتزاج بالطبخ انما یمنع الوضو به ان لم یکن مقصود ا للغرض المطلوب من الوضو وھوالتنظیف کالاشنان والصابون اذا طبخا بالماء الا اذاغلب ذلك علی الماء فیصیر کالسویق المخلوط لزوال اسم الماء عنه و الامتزاج الاختلاط بین الشیئین حتی یمتنع التمیز [1] اھ۔	کہ پانی کو کسی پاکیزہ چیز کے ساتھ ملا کر پکایا جائے مثلاً لوبیا کا پانی یا شوربا یا یہ امتزاج جڑی بُوٹیوں کے پانی کو یوں جذب کرلینے کے بعد ہوگا کہ ان سے بغیر مشقت کے پانی کو الگ نہ کیا جاسکے، پکانے سے امتزاج وضو سے اس وقت مانع ہوگا جب اس کے ملانے سے وضو کی کوئی غرض وابستہ نہ ہو مثلاً صابون یا اشنان کو جب پانی میں پکایا جائے البتہ یہ بھی اگر پانی پر یوں غالب آجائیں کہ مخلوط ستّو کی مثل شیئ بن جائیں تو پھر اس پانی سے بھی وضو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس پر پانی کا نام نہیں بولا جائے گا امتزاج دو اشیئاء کا یوں یکجان ہونا کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہ ہو۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح کفایہ امام جلال الدین شرح ہدایہ میں ہے **اقول:** غلبہ ممتزج وکمال امتزاج اور اس کے اسباب طبخ وتشرب نبات یہ سب مضمون امام زیلعی نے یہیں سے اخذ فرمائے امام اجل نسفی نے غلبہ ممتزج صرف کثرت اجزاء سے لیا تھا انہوں نے اس میں سخن اوصاف اپنی طرف سے اضافہ فرمایا یہاں [1] سے بھی واضح ہوا کہ کافی وکفایہ تک جو ضابطہ مذہب حنفی میں تھا اس میں اس تفصیل کا پتا نہیں۔

ثم اقول: ضابطہ نسفیہ وہی مذہب امام ابو یوسف ہے۔ ضابطہ چہارم بحث دہم میں گزرا کہ اس مذہب معتمد میں مانع چار بلالکہ تین ہی ہیں کثرت [1] اجزائے مخالط جس میں حکماً تساوی بھی داخل اور [2] زوال رقت کہ زوال سیلان کو بالاولٰی شامل اور [3] زوال اسم یہاں کثرت اجزاء تو وہی ہے اور کمال امتزاج بطبخ وتشرب باقی دو کی صور سے ہیں تو یہ ضابطہ بظاہر مثل عبارات متون ضابطہ جزئیہ ہے کہ ضابطہ یوسفیہ سے باہر نہیں اگرچہ سب صور کو محیط بھی نہیں۔

اقول: مگر حقیقۃً وہ کلیہ ہے بلاشبہ غلبہ ممتزج وکمال امتزاج بلالکہ صرف غلبہ ممتزج سے باہر کوئی سبب نہیں،

(۲) وانما جعلها جزئیة تفسیرهما ببعض صورهما فلو جعل التفسیر تصویر الاستقام *	اس کو ان کی بعض صورتوں کی تفسیر کا جزو قرار دیا ہے حالانکہ اگر اسے تفسیر بنانے کے بجائے تصویر بناتا

---
[1] کافی شرح وافی للنسفی

وتم الکلام ٭ وھھنا مباحث کثیرۃ لاتخفی علی من احاط بماقدمنامن النقض والابرام ٭واللہ سبحٰنہ ولی الالھام ٭	تو درست ہوتا یہاں بہت سی ایسی مباحث ہیں کہ جو ان اعتراضات وجوابات کو مکمل پڑھنے سے مخفی نہیں رہ سکتیں جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اللہ الہام کرنے والا ہے۔(ت)

ششم ضابطہ رضویہ: سبحٰن اللہ فقیر بھی کوئی شیئ ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے حاشا ضابطہ وہی ضابطہ امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ باتباع علماء اس کے اجمال کو مفصل کردیا ہے۔تفاصیل میں خدمت گاری کلام اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کاافاضہ ہوااُن پر ابتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کوایک دائرے کے احاطہ میں لیاہے اس نے بیان کواظہر واجمع وانور وانفع کرکے ضابطہ کے لئے خلعت جدت سیاہے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (۱) دریانہر چشمے چاہ باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حد ذات میں آب مطلق ہے جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل ان کے اوصاف ان کے نام پر ہو پانی نہیں اُس سے وضو وغسل نہیں ہوسکتا جیسے ماء الجبن دہی کا پانی درختوں پتھروں کامد مٹی کا تیل سیندھی تاڑی ناریل کدو تربوز کا پانی اگرچہ اس میں صرف پانی ہی ہو یوہیں جو کچھ پتّوں شاخوں پھلوں پھُولوں سے نکالا جائے یاکافور کے درخت انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یاآپ ہی ٹپکے یا نمک نوشادر کافور وغیرہا کے پگھلنے یاسونے چاندی رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

(۲) جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہاتھا جیسے اولے یاآسمانی برف یاکل کاجب پگھل جائے) یاتواُس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اُسی کی جنس سے ہو) داخل ہوگی یا نہیں، اگر نہیں تووہ مطلقاًآب مطلق ہے لیکن اگرمائے مستعمل ہے جس کا بیان الطرس المعدل میں مفصل گزراتواُس سے وضو وغسل جائز نہیں ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ ملک غیر یاوقف یا کسی حاجت ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یااور عوارض کے سبب جن کا بیان فصل اول میں گزرااس سے وضو حرام یامکروہ ہواگرچہ بچّوں کاہاتھ پڑنے یاکافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں اوہام پیداہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہوجائے اگرچہ دیر تک بند رہنے سے اُس کارنگ بُو مزہ بدل جائے یاابتداء ہی سے بدلا ہوا ہو اگرچہ کسی تیز خوشبو یابدبو شیئ کے قرب سے اس میں کتنی ہی بُوئے خوش یا ناخوش پیدا ہوجائے، ہاں اگر سردی سے جم جائے یارقیق نہ رہے جیسے اولے برف اس سے وضو ناجائز ہوگاجب تک پگھل کر پھر اصلی رقت پر نہ آجائے۔

(۳) اگرداخل ہوگی تودو صورتیں ہیں یاتو پانی سے جُدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی یا خلط ہوجائے گی

اگر جدا رہے (اور یہ نہ ہوگا کہ شیئ جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دئے جائیں) تو اگر وہ شیئ نجس نہیں یا پانی دہ در دہ ہے مطلقاً مطلق و قابل وضو عـــہ ہے اور اگر نجس ہے اور پانی کم تو مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

(۴) اگر پانی میں خلط ہوگی تو دو صورتیں ہیں وہ ملنے والی شیئ بھی اصل میں صرف پانی ہے یا اس کا غیر اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اب بھی پانی ہی ہے یا نہیں اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلقاً رہے گا ہی اُس سے وضو بھی روا ہوگا مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ آب مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، دوسرے یہ کہ نجس پانی پڑ جائے اور یہ دہ در دہ نہ ہو اور یہ وہیں ہوگا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شیئ کے مختلط ہو جانے کے ناپاک ہوگیا جیسے آب قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑ گیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا خلط نہ ہوا اور ناپاک ہوگیا ورنہ جو خلط نجس سے نجس ہو اُس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

(۵) اگر وہ ملنے والی شیئ اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اولے یا برف میں کل کا ہو خواہ آسمانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلط غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقت زائل کردے قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شیئ پگھل کر پھر پانی نہ ہو جائے اور اگر رقت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رقت آب میں فرق نہ آیا تو اُس سے وضو جائز ہے۔

(۶) اگر وہ شیئ غیر آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہو گئی کہ پانی اُس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

(۷) اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شیئ نجس ہے یا طاہر اگر نجس ہے اور پانی دہ در دہ نہیں یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق آگیا تو پانی اگرچہ مطلق رہے قابلِ وضو درکنار بدن میں جائز الاستعمال رہا۔

(۸) اگر وہ دہ در دہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط اور احکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

(۹) اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اس کا خلط آگ پر ہوا یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شیئ جامد ہے تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے اور مائع ہے تو مذہب صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آب مطلق ولائق وضو رہے گا اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ پانی رقیق تر ہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّت آب ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و رنگ کی طرح مقصد دیگر کیلئے شیئ دیگر ہو جائے۔

عـــہ: آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قوی الرائحہ ہو کہ صرف اس کی مجاورت بلاخلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم منہ غفرلہ۔ (م)

(۱۰) اگر خلط آگ پر ہوا تو دو صُورتیں ہیں اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصد دیگر کیلئے شے دیگر کردے پانی سے امتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کردے اس حالت کے قبل اتارلی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق وقابلِ وضو ہے۔

(۱۱) اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں پکانے میں صرف پانی مقصود ہے یا صرف وہ شے یا دونوں، پہلی دو صورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہوجائے کہ سرد ہو کر زوال رقّت ہو، صورت دوم کی مثالیں بحث اول طبخ میں شنجرف ونشاستہ وآش جو سے گزریں اور صورت اول کا بیان فصل خامس میں آتا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔

(۱۲) صورت سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصود دیگر کیلئے ہوسکے گا نہ اُس سے دَلدار ہوگا تو مطلقاً مطلق ولائق طہارت ہے۔

(۱۳) اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہوسکے گا تو جب مقصود دیگر کیلئے ہوجائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

(۱۴) اگر پانی دَلدار ہوسکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہوگیا کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے گا مطلقاً لائق وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر ہوجائے گا تو دو صورتیں ہیں اگر وہ شے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کیلئے ہے فی الحال اُس سے وضو جائز ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

(۱۶) اگر زیادت نظافت کیلئے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیق انیق کہ جمیع نصوص صحاح کو متناول اور جملہ ارشادات متون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقات سابقہ پر مشتمل اور سب فروع ممکنہ کے حکم صحیح کو بعونہٖ تعالٰی کافی وکافل والحمدللہ رب العٰلمین، وافضل الصلوۃ واکمل السلام علی خاتم النبیین، سید المرسلین، وعلیھم جمیعا وعلی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین (حمد اللہ رب العالمین کیلئے ہے اور افضل الصلوٰۃ واکمل السلام خاتم النبیین سید المرسلین پر اور تمام انبیاء پر، اور آپ کے آل واصحاب، اولاد اور گروہ سب پر، آمین، والحمدللہ رب العٰلمین)

فصل خامس بعض جزئیات جدیدہ میں۔ بحمدہٖ تعالٰی کتاب میں تین سوسات (۳۰۷) جزئیات مذکور ہوئے۔

(۳۰۸) آب مقطر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی کہ اجزائے ارضیہ وغیرہا کثافتوں سے صاف کرنے کیلئے سادہ پانی رکھ کر آنچ کریں کہ بخارات اُٹھ کر اوپر کے پانی کی سردی پاکر پھر پانی ہو کر ٹپک جائیں یہ پانی کہ محض پانی کی بھاپ سے حاصل ہُوا اس کا صریح جزئیہ اپنی کتب میں نظر فقیر سے نہ گزرا،

اسم الماء علی تھیؤہ لمقصد اٰخر فمن ھھنا حصل الفرق بین الجامد والمائع وظھر مذھب محمد باجزائه الاربعة۔الا ماقدمنا فی ۱۹۰عن ھذا الفاضل المتأخر محشی الدرر الخادمی فی بحث وجدل اذقال فی الدرر معللا لعدم جواز الطھارۃ بماء حصل بذوبان الملح انه انقلب الی طبیعة اخری فقال اورد الجمد والبخار واجیب المراد طبیعة غیر ملائمة للمائیة [1]اھ فافاد السؤال والجواب الجواز بماء یتکون من البخار ولایبعدان المراد ماء المطر والبئر فماھما الابخرۃ تستحیل ماء۔	مگر صرف وہی جو ہم نے نمبر ۱۹۰ میں بیان کیا اور وہ الدرر کے ایک فاضل محشیٰ خادمی صاحب کے اس قول سے حاصل ہوا جس کو انہوں نے ایک بحث مباحثہ میں ذکر کیا جبکہ دُرر میں کہا نمک کے پگھلنے سے جو پانی بنا اس سے طہارت کے ناجائز ہونے کی دلیل بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ پانی ایک طبیعت کے انقلاب سے حاصل ہوا ہے، تو اس پر علامہ خادمی نے اعتراض کرتے ہوئے برف اور بخار کا حوالہ دیا (کہ اس سے جو پانی بنتا ہے وہ بھی تو طبیعت بدلا ہوا ہوتا ہے حالانکہ اس سے وضو جائز ہے)اس کے جواب میں کہا گیا کہ طبیعت سے مراد ایسی طبیعت ہے جو پانی کے مناسب نہ ہو اھ تو اس سوال وجواب نے بخار سے بنے ہوئے پانی سے وضو کا جواز بیان کردیا۔ کوئی بعید نہیں کہ اس سے مراد بارش اور کُنویں کا پانی ہو کیونکہ یہ دونوں پانی بخارات کی تبدیلی سے بنتے ہیں۔(ت)

اقول: مگر بعونہ تعالٰی حکم ظاہر ہے کہ وہ مائے مطلق اور اس سے طہارت جائز ہے کہ سمندر کے سوا آسمان وزمین کے عام پانی بخارات ہی سے بنتے ہیں اور گلاب وعرق گاؤزبان وغیرہ وارد نہ ہوں گے کہ وہ بھی اگرچہ پانی ہی کے بخار ہیں مگر وہ سادہ پانی سے نہ اُٹھے بلالکہ جس میں دوسری شے بھگوئی گئی ہے جس نے ان بخارات مستحیلہ کو مقصد دیگر کیلئے چیز دیگر کردیالہٰذا زوال اسم ہوگیا انہیں پانی نہیں کہا جاتا بلالکہ گلاب وعرق بخلاف آب تقطیر کہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا نہ مقصود بدلا نہ نام۔

اقول: (ا) البتہ ضابطہ امام زیلعی پر گلاب اور سب عرق وارد ہوں گے کہ جامد ہی چیزیں ملیں تو مدار بقائے رقّت پر ہُوا اور وہ باقی ہے تو یہ بخارات ازروئے ضابطہ آبِ مطلق ہی سے اُٹھے اور پانی ہی ہوکر ٹپکے اس کے بعد کوئی بات انہیں وہ عارض نہ ہوئی جو بربنائے ضابطہ اُنہیں آب مقید کردے کہ مقصد دیگر کیلئے چیز دیگر ہو جانا ضابطہ میں نہیں تو بحکم ضابطہ گلاب وہر عرق سے وضو ہوسکنا چاہئے حالانکہ بالاجماع جائز نہیں۔

ثم رأیت التصریح بھذا الفرع فی کتب السادۃ الشافعیة قال العلامة زین	پھر میں نے اس فرع کی تصریح شافعی مسلک کے علماء کی کتب میں دیکھی، امام ابن حجر مکی کے شاگرد علامہ زین

[1] حاشیة علی الدرر لابی سعید الخادمی کتاب الطھارت مکتبہ عثمانیہ مصر ۲۰/۱

المیلباری تلمیذ الامام ابن حجر المکی فی فتح المعین الماء المطلق مایقع علیه اسم الماء بلاقید وان رشح من بخار الماء الطھور المغلی [1] اھ وفی الفتاوٰی الکبری الفقھیة لشیخه الامام رحمھما اللہ تعالٰی سئل عن شجر بارض الحبشة یخرج منه عند انتشار الریاح بخار کالدخان ویرشح مائعاکالماء سواء بسواء فھل له حکم الماء فی الطھوریة فاجاب لیس حکمه حکمه بل ھو کالمائع جزماوفارق بخار الطھور المغلی بان ذلك من الماء بخلاف ھذا اذھو کماء الشجر وھو لیس بطھور قطعا [2]۔	ملیباری نے فتح المعین میں کہا کہ مطلق پانی وہ ہوتا ہے جس کو کسی قید کے بغیر پانی کہا جاسکے اگرچہ وہ اُبلانے والے پاک پانی کی بھاپ سے بنا ہو اھ اور ان کے استاد و شیخ کے فتاوٰی کبرٰی فقہیہ میں ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ افریقہ میں ایک ایسا درخت ہے جو ہواؤں کے چلنے پر دُھوئیں کی طرح ایک گیس چھوڑتا ہے اور وہ گیس بعد میں پانی کی طرح بہنے والی صورت اختیار کرلیتی ہے جو بالکل پانی معلوم ہوتی ہے۔ تو کیا درخت کی اس گیس کے پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کا حکم پانی والا نہیں ہے بلکہ وہ بہنے والا مادہ ہے جو ابلنے والے پانی کے بخارات سے مختلف ہے کیونکہ یہ تو پانی سے بنتا ہے۔ اور وہ درخت کے پانی کی طرح ہے جس سے طہارت کا حصول بالکل جائز نہیں۔ (ت)

اقول: یہ اگر آب مطلق طاہر کے بخارات سے ہے قابلِ طہارت ہے۔

(۳۰۹) کبھی حمام کی چھت اور دیواروں سے پانی ٹپکتا ہے۔

(۳۱۰) آب غطا پانی گرم کیا بھاپ اُٹھ کر سرپوش پر اندر کی جانب پانی کے کچھ قطرے بنے ہوئے ملتے ہیں۔ اقول وہ بدستور آبِ طہور ہے اُس سے سر یا موزوں کا مسح جائز ہے،

لماعلمت انه لیس الا من اجزاء الماء المطلق وتخلل الاستحالة الی البخار لایمنع کمیاہ الابأر والامطار۔	کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ مطلق پانی کے اجزاء سے بنا ہے اور درمیان میں بخارات کی صورت اختیار کرنا، اس کیلئے مانع نہیں ہے جس طرح کنوؤں اور بارشوں کے پانی کہ وہ بھی پہلے بخارات کی صورت میں تھے۔ (ت)

(۳۱۱) کوئی اور چیز پکانے میں جو قطراتِ بخار چپنی (ڈھکنا) پر ملیں۔

[1] فتح المعین بشرح قرۃ العین فصل فی شروط الصلوۃ مطبع عامر الاسلام ترور نگاڈی کیرلہ ص ۸

[2] فتاوٰی کبرٰی کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲

اقول: اس کا حکم مسائل طبخ کی طرف رجوع سے واضح ہوگا اگر وہ شے زیادت نظافت کیلئے ہے اور پانی بالفعل گاڑھا نہ ہوگیا یا اور کوئی چیز ہے اور پانی ابھی اس قابل نہ ہوا کہ سرد ہو کر رقیق نہ رہے نہ وہ مقصود دیگر کیلئے چیز دیگر ہوگیا اس حالت میں جو بخار اُٹھے آبِ مطلق ہیں کہ آبِ مطلق کے اجزاء سے ہیں ورنہ مقید کہ مقید سے ہیں۔

(۳۱۲) اصطبل وغیرہ محل نجاسات سے بخارات اُٹھ کر ٹپکے پاک تو مطلقاً ہیں جب تک ان میں اثرِ نجاست ظاہر نہ ہو،

فی ردالمحتار فی الخانیۃ ماء الطابق ^{عـه} نجس قیاسالا استحسانا وصورته اذا احرقت العذرۃ فی بیت فاصاب ماء الطابق ثوب انسان لایفسدہ استحسانا مالم یظهر اثر النجاسۃ فیه وکذا الاصطبل اذا کان حارا وعلی کوته طابق اوکان فیه کوز معلق فیه ماء فترشح وکذا الحمام فیها نجاسات فعرق حیطانها وکواتها وتقاطر قال فی الحلیۃ والظاهر العمل بالاستحسان ولذا اقتصر علیه فی الخلاصۃ والطابق الغطاء العظیم من الزجاج اواللبن [1] اھ	ردالمحتار میں خانیہ سے ہے ڈھکنے (سرپوش) کا پانی قیاس کے طور پر نجس ہے استحسان کے طور پر نجس نہیں، اس کی صورت یوں ہوگی کہ کسی کمرے میں نجاست کو آگ سے جلانے کی بناپر حرارت (سے مرطوب بخارات بن کر ڈھکنے پر جمع ہو کر ٹپکنے) پر وہ قطرے کسی کے کپڑوں کو لگے تو استحسان کے طور پر کپڑے ناپاک نہ ہوں گے جب تک ان قطرات میں نجاست کے اثرات ظاہر نہ ہوں، اسی طرح اصطبل میں حرارت اور چھت پر ڈھکنا ہونے کی صورت میں یا وہاں کوئی پانی کا مٹکا ہونے کی صورت میں پانی ٹپکنا شروع کردے۔ اسی طرح کسی حمام میں اگر مختلف نجاستیں ہوں تو وہاں دیواروں اور چھت پر قطرے بن کر ٹپکنے لگیں حلیہ میں کہا تو ظاہر یہی ہے کہ استحسان پر عمل کیا جائے گا اسی لئے خلاصہ میں صرف استحسان والے حکم (طہارت) کو ذکر کیا گیا ہے اور طابق شیشے یا مٹی کے بڑے ڈھکنے کو کہتے ہیں۔ (ت)

اقول: مگر طہور و قابلِ طہارت نہیں اگر آبِ مطلق کے سوا اور رطوبتوں سے ہوں **کما لایخفی**۔

(۳۱۳) سونٹھ کا پانی جنجریٹ۔

(۳۱۴) میٹھا پانی لیمینیڈ ان کا آبِ مطلق تو نہ ہونا صاف ظاہر۔

عـه طابق شیشے یا مٹی کے بڑے ڈھکنے کو کہتے ہیں۔ (م)

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۸

(۳۱۵) کھاری پانی سوڈاواٹر بھی قابلِ طہارت نہیں اگرچہ اُس میں کوئی جُز نہ ڈالا صرف گیس کی ہوا سے بنایا ہو،

فانه لاشك فی سرایة الهواء المذکور فی الماء عند فورانه وتغییره طعمه وجعله شیئا اٰخر لمقصود اٰخر۔	کیونکہ بلاشبہ مذکور ہوا (گیس سوڈا) پانی میں سرایت کرتی ہے جس سے پانی ابلتا ہے اور ذائقہ تبدیل ہوجاتا ہے اور یہ (سوڈا گیس) پانی کو کسی اور مقصد کیلئے دوسری چیز بنادیتا ہے۔ (ت)

اقول: یہ تینوں (ا) پانی بھی ضابطہ پر وارد ہیں جبکہ ان کا اصطناع جامدات سے ہو کہ رقّت ضرور باقی ہے،

الا ان یدعی فی الثالث ان الهواء من المائعات لجریانه منبسطاعلی هینة بل هو ابلغ فیه من الماء لکونه الطف منه فهذا مائع یخالف الماء فی الطعم وقد غیره فتقید فلایخرج الفرع عن الضابطة۔	مگر تیسرے میں یہ دعوی کیا جائے کہ ہواپُرسکون طور پر پھیلتی چلی جاتی ہے لہٰذا ہوا بھی بہنے والی چیزوں میں سے ہے ب بلکہ یوں کہا جائے کہ ہوازیادہ لطیف ہونے کی وجہ سے زیادہ پھیلتی ہے تو پھر ہوا پانی سے علیحدہ ایک بہنے والی چیز ہے جو اس سے ذائقہ میں مختلف ہے یوں ہوا نے پانی کو متغیر کردیا اور پانی مقید ہوگیا لہٰذا یہ فرع ضابطہ سے خارج نہ ہوگی۔ (ت)

(۳۱۶ و ۳۱۷) یونہی آبِ افیون وبھنگ اگرچہ رقیق رہیں ناقابلِ وضو ہیں لغلبة الاجزاء بالمعنی الثالث (تیسرے معنٰی کے اعتبار سے اجزاء کا غلبہ ہے۔ت) ضابطہ پر[2] وارد کہ جامدات ہیں اور رقّت باقی۔

(۳۱۸) اقول: بلاکلہ رقیق[3] چائے بھی خصوصًا اُس صورت میں کہ پانی کے جوش میں نہ ڈالیں بلاکلہ آگ سے اُتار کر اور رہنے دیں یہاں تک کہ اپنا عمل کرے اور اب وہ پانی چائے کہلائے کہ یہ صورت طبخ سے جُدا اور اب بنصِ ضابطہ محض رقت پر مدار بلاکلہ اگر اسے معنًی طبخ میں داخل کریں کہ حرارتِ آب نے اُس میں عمل کیا جب بھی ضابطہ پر وارد رہے گی کہ بتصریح امام ضابط وغیرہ ائمہ طبخ میں وجہ منع کمال امتزاج ہے اور ہم تحقیق کرآئے کہ مانع وہی ہے کہ موجب زوال رقت ہو اگرچہ سرد ہو کر توجب رقت باقی بروئے ضابطہ ہر طرح جواز چاہیے حالانکہ بلاشبہ بالاتفاق ناجائز ہے،

لزوال الاسم وهو المعتبر فی الباب بتصریح الامام الضابط وسائر الائمة کیف وقد صار شیئا اٰخر لمقصود اٰخر۔	کیونکہ نام ختم ہوگیا ہے جو اس باب میں معتبر ہے اس کی تصریح امامِ ضابط اور باقی ائمہ نے کی ہے، ایسا کیوں نہ ہوگا حالانکہ دوسرے مقصد کیلئے شَے تبدیل ہوچکی ہے۔ (ت)

(۳۱۹ و ۳۲۰) شلجم گاجر کے اچار کا تہ نشین پانی کہ گاڑھا ہوتا ہے وہ تو ظاہر اوپر کا رقیق پانی

بھی اُسی وجہ سے ہر گز قابل طہارت نہیں اور ضابطہ (۱) پر وارد۔

(۳۲۱) گلاسوں میں زیادہ مقدار تک پانی بھر کر اوپر سے تیل ڈال کر روشن کرتے ہیں **اقول** ظاہر ہے کہ یہاں اسباب ثلٰثہ سے کوئی سبب مانع نہ پایا گیا، جب تیل جل جائے یا نکل جائے آبِ خالص کے سوا کچھ نہ رہے گا تو اُس سے طہارت جائز ہے۔

(۳۲۲) کبھی خوب صورتی کیلئے وہ پانی رنگین کرکے بھرتے ہیں اگر تغیرِ لَون اتنا ہوا کہ رنگ ہو گیا تو اس سے وضو نا جائز ہونا ظاہر **اقول: وھو عندی محمل ما یاتی عن العلامۃ السید ط** (میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک یہ علّامہ سید طحطاوی کے آئندہ بیان کا محمل ہے۔ت) اور اب (۲) ضابطہ پر وارد جبکہ یہ رنگ جامدات سے ہوا ہو، ہاں اگر یہ حالت نہیں تو قضیہ اصولِ معتمدہ یوسفیہ جواز ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۳۲۳) قدس شریف ملک شام میں بعض لکڑیوں کے ریشے زمین سے نکال کر پانی میں بھگوتے ہیں جس سے پانی سرخ ہو جاتا ہے اور دباغت یعنی چمڑا پکانے کے کام آتا ہے اُس سے وضو جائز نہ ہونا چاہیے اگرچہ رقیق رہے **لصیرورتہ شیئا اٰخر لمقصد اٰخر** (کیونکہ اب یہ دوسری چیز کسی اور مقصد کیلئے ہو چکی ہے۔ت) **اقول** مگر اس [۳] صورت میں ضابطہ پر وارد درمختار میں تھا **کذا ماء الدابوغۃ** (دباغت کا پانی بھی ایسے ہے۔ت) علّامہ سید طحطاوی نے فرمایا:

ای مثل ماء الکرم فی ان الاظھر عدم جواز رفع الحدث بہ واخبر بعض من یسکن بلد الخلیل علیہ الصلاۃ والسلام انھم یخرجون عروق حطب من الارض یضعونھا فی الماء فیحمّر فیدبغون بہ الجلد ویسمونہ ھذا الاسم ونحوہ ماء الدبغۃ الاحمر الذی یضعونہ فی القنادیل بمصر للزینۃ[1]۔	یعنی انگور کے درخت کے پانی کی طرح اظہر، اس سے طہارت کے بارے میں عدم جواز ہے۔ خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے شہر میں رہنے والے ایک شخص نے بتایا کہ ہم زمین سے ایک لکڑی کی جڑیں نکال کر پانی میں ڈالتے ہیں جس سے وہ پانی سرخ ہو جاتا ہے پھر اس سے چمڑے کو رنگتے ہیں اس کا نام ماء الدابوغہ ہے، اور اسی طرح مصر میں خوبصورتی کیلئے قندیلوں میں سُرخ پانی رکھتے ہیں جس کو ماء الدبغہ کہتے ہیں۔ (ت)

(۳۲۴) تنتڑے میں دو چار پان خصوصًا بنے ہوئے اگر پڑ جاتے ہیں سارا پانی رنگین کر دیتے ہیں **اقول:** اُس سے وضو میں حرج نہیں کہ طبخ میں وہ امتزاج مانع جو اُسے گاڑھا ہونے کے قابل کر دے۔

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ بیروت ۱/۱۰۳

ہاں ضابطہ[1] برجندیہ پر یہ ضرور وارد کہ تغیر تو ہوگیا۔

(۳۲۵) پان کھایا اور مُنہ میں اس کا معتدبہ اثر باقی ہے کُلّیاں کرکے منہ صاف کیا مشاہدہ ہے کہ ان کلّیوں کا پانی اتنا رنگین ہوجاتا ہے کہ اس کے بعد اسی لگن میں پُورا وضو کیا جائے تو سارا پانی رنگ جاتا ہے اگر یہ وضو طاہر نے نہ بہ نیت قربت بلاالکہ مثلاً محض تبرید کیلئے کیا پانی قابلِ وضو رہے گا کہ اسباب ثلٰثہ منع سے کوئی سبب نہیں۔

اقول: اور ضابطہ[2] پر وارد جبکہ پان خوشبودار نہ ہو کہ ان کُلّیوں کا پان وہ مائع ہے کہ آب مطلق سے رنگ ومزہ دو وصفوں میں مخالف ہے اور ایک بدل دیا۔

(۳۲۶) جس گھڑے میں گنّے کا رس تھا رس نکال کر پانی بھرا جائے بلاشُبہ اس کا مزہ وبُو بدل جاتے ہیں اور اُس سے جوازِ وضو میں شک نہیں کہ وہ یقینا پانی ہی ہے۔

اقول: مگر ضابطہ[3] پر وارد کہ رس کے جو اجزاء گھڑے کی سطح اندرونی میں لگے رہ گئے تھے ضرور اجزائے مائع ہیں اور اُن سے دو وصف بدل گئے۔

(۳۲۷) اسی گھڑے میں اگر پانی گرم کیا تو تغیر اور زیادہ ہوجائے گا اور ضابطہ[4] برجندیہ پر ناقض آئے گا۔

(۳۲۸) زخم دھونے کیلئے پانی میں نیم کے پتّے ڈال کر جوش دیتے ہیں ان سے اس کا رنگ، مزہ، بُو سب بدل جاتا ہے مگر رقّت میں فرق نہیں آتا۔

اقول: مقتضائے اصول معتمدہ یوسفیہ اُس سے وضو کا جواز ہے یہاں تک کہ اگر زخم اعضائے وضو پر تھا اُس پانی سے دھونے کے بعد اُسے دوسرے پانی سے دھونے یا مسح کی حاجت نہیں کہ یہاں غلبہ اجزا وغلبہ طبع نہ ہونا تو بدیہی اور زوال اسم بھی نہیں کہ وہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا کوئی دوسری چیز دوسرے مقصد کیلئے نہ ہوگیا مقصود زخم دھونا ہے اور یہ کام خود پانی کا ہے نیم کے پتے اس کے رفع غائلہ ودفع ضرر کیلئے شامل کئے گئے تھے کہ سادے پانی کو زخم چرالے تو نقصان پہنچے ولہٰذا پتوں کے پکنے نہ پکنے پر یہاں نظر نہیں ہوتی کہ مقصود پانی ہے نہ پتّے مگر ضابطہ برجندیہ پر صراحت[5] وارد کہ پانی طبخ میں متغیر ہوگیا۔

(۳۲۹و۳۳۰) اقول: بعینہٖ اسی دلیل سے نطول وپاشویہ کا پانی بھی بحکم اصول معتمدہ قابل طہارت ہے یہاں تک کہ پاشویہ کے بعد پاؤں یا نطول کے بعد غسل میں سر یا اُس موضع کا جہاں وہ پانی دھارنے میں پہنچا دوسرے پانی سے دھونا ضرور نہ رہا **واللّٰہ تعالٰی اعلم** یہ صورتیں بھی وہی ہیں کہ مقصود صرف پانی ہے دھارنے امالہ میں تنہا گرم پانی بھی کام دیتا ہے دوائیں زیادت قوت کیلئے ہیں۔

اقول: یہ دونوں[6] بھی ضابطہ برجندیہ پر ظاہر الورود۔

(۳۳۱) حُقّے کا پانی اگرچہ دھوئیں کے سبب اُس کا رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں قابل طہارت ہے

اُس کے ہوتے تیمم کی اجازت نہیں ہوسکتی **کما بیناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) اگر کہئے اس میں اور سوڈاواٹر میں کہ صرف گیس کی ہوا سے بنایا گیا کیا فرق ہے وہاں ہوا اور یہاں دُھوئیں نے اوصاف بدل دیے اور پانی میں باقی دونوں نہ رہے۔

اقول: فرق وہی ہے کہ بارہا گزرا وہاں زوال اسم ہوگیا کہ اب اسے نرا پانی نہیں کہہ سکتے کہ مقصد دیگر کیلئے شیئ دیگر ہوگیا بخلاف اس کے کہ پانی ہی ہے کوئی دوسری چیز نہ ہوگیا۔ اعتبار مقاصد کا بیان بقدر کافی گزرا اور اس کی نظیر آبِ زردج وآبِ زعفران ہے کہ تغیر دونوں میں یکساں اور اوّل سے وضو رواجب تک رقّت باقی رہے یہی صحیح ہے ھدایہ وغیرھا وقد مرفی ۸۱ (ہدایہ وغیرہ اور ہدایہ ۸۱ میں گزرا ہے۔ت) اور دوم سے ناروا جبکہ رنگنے کے قابل ہوجائے اگرچہ رقّت باقی رہے کما تقدم تحقیقہ فی ۱۲۲ (جیسا کہ اس کی تحقیق ۱۲۲ میں گزر گئی ہے۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق اسے روشن تر کرے گا یہ کہ شوربادار گوشت پکایا اگر قسم کھائی کہ گوشت نہ کھائے گا اس گوشت کے کھانے سے حانث ہوگا کہ اس امتزاج آب سے گوشت اپنی ذات میں نہ بدلا کہ اس کا مقصود بحالہ باقی لیکن اگر قسم کھائی پانی نہ پیئے گا تو شوربا پینے سے حانث نہ ہوگا کہ اس امتزاج گوشت سے پانی بدل گیا کہ مقصود جدید کیلئے ہوگیا۔ یونہی دُودھ میں شکر شہد بقدر شیرینی ملائی وہ دودھ ہی رہے گا سب اُسے دودھ ہی کہیں گے لیکن پانی میں اس قدر ملائی اب اُسے پانی کوئی نہ کہے گا شربت کہیں گے **الی غیر ذلك مما یعلمہ المتفطن بالمقایسۃ** (اس کے علاوہ دوسری چیزیں جن کو ایک ذہین آدمی قیاس کے ذریعے سمجھ سکتا ہے۔ت)

(**۳۳۲**) زمین حبش میں ایک درخت ہے کہ جب ہوائیں چلتی ہیں اُس سے دُھواں سا نکلتا ہے اور مینہ کی طرح برس جاتا ہے بعینہٖ مثل پانی کے ہوتا ہے امام ابن حجر مکی نے فرمایا کہ اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ پانی نہیں بلاکہ درختوں کی اور رطوبتوں کے مثل ہے **کما تقدم**

اقول: وقواعدنا لا تأباہ حتی عند من یجوز بقاطر الکرم فانہ عندہ ماء تشربہ حتی اذا ارتوی رد الفضل بخلاف ھذا واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** کہ ہمارے قواعد اس حقیقت کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ جن لوگوں نے انگور کے پودے سے ٹپکنے والے پانی سے وضو کو جائز قرار دیا ہے انہوں نے خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ پودا خود پانی پیتا ہے اور جب وہ سیر ہوجاتا ہے تو وہ زائد پانی کو واپس پھینکتا ہے بخلاف اس کے۔ (ت)

(**۳۳۳**) نیز صحرائے حبش میں جہاں پانی نہیں ملتا اہلِ قافلہ زمین میں گڑھا کھودتے اور بعض درختوں کی شاخوں سے اُسے چھپادیتے ہیں کچھ دیر بعد اُس غار کے اندر سے بخارات اُٹھ کر اُن شاخوں سے لپٹتے

اور پانی ہو کر ٹپک جاتے ہیں جس سے گڑھے میں اتنا پانی جمع ہو جاتا ہے کہ قافلے کو کفایت کرتا ہے فسبحٰن الرحمٰن الرحیم الرزاق ذی القوۃ المتین (مہربان رحم کرنے والا، رزق دینے والا، مضبوط قوۃ والا پاک ہے۔ت) امام موصوف فرماتے ہیں اس سے بھی وضو جائز نہیں کہ درخت کا عرق ہے نہ پانی۔

قال بعد مامر و بلغنی ان القوافل بارض الحبشة اذا عدموا الماء حفر واحفرة ثم ستروها بشیئ من الشجر وترکوها مدة ثم یصعد بخار من الحفرة یعلق بالشجرة ثم یرشح مائعا علی هیاۃ الماء ویجتمع منه فی الحفرة مایکفیهم وھو غیر طھور کماھو ظاھر اذ ھو ماء شجر ایضا[1] اھ۔	اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ صحرائے حبش میں جہاں پانی نہیں ملتا قافلہ والے زمین میں ایک گڑھا کھودتے ہیں اور بعض درختوں کی شاخوں سے گڑھے کو ڈھانپ دیتے ہیں اور کچھ مدّت کے بعد گڑھے سے اُٹھنے والے بخارات اٹھ کر ان شاخوں کو مرطوب کردیتے ہیں جن سے پانی ٹپکنے لگتا ہے اور وہ گڑھا پانی سے بھر جاتا ہے جس سے قافلے والے اپنی ضرورت کو پُورا کرتے ہیں یہ پانی بھی پاک کرنے والا نہیں کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی درخت کا پانی ہے اھ (ت)

اقول: ظاہرًا یہ محل نظر ہے وہ بخارات درخت کے نہیں زمین ہی سے اُٹھے اگر اُن شاخوں کا اثر اُن کو سردی پہنچا کر ٹپکا دینے میں ہے تو بظاہر وہ پانی ہی ہوئے شاخوں نے صرف وہ کام دیا جو آبِ باراں میں کرہ زمہریر کی ہوا دیتی ہے یا آبِ چاہ میں زمین کی سردی، ہاں اگر ان کے لپٹنے سے ان شاخوں سے کوئی رطوبت نکل کر ٹپکتی ہے تو بیشک اُس سے وضو جائز نہیں کہ وہ درخت کی تری ہے اور جب تک امر مشکوک رہے حکم عدم جواز ہی ہونا چاہئے کہ مامور بہ پانی سے طہارت ہے اور شک سے مامور بہ ادا نہیں ہوتا واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳۳۴) ماء القطر پانی کی مٹی کے برتن سے رسے محمود و مصفّٰی پانیوں میں ہے۔

(۳۳۵) یوں ہی پانی کہ ہڈّیوں، کولوں، ریتے پر گزار کر ٹپکا یا صاف کیا جاتا ہے۔

(۳۳۶) نشاستہ کا پانی جس کا بیان اواخر رسالہ الرقۃ والتبیان میں گزرا جب اجزائے گندم تہ نشین ہو کر نتھرا پانی رہ جائے یا خلط رہے تو اتنا کہ پانی کو دلدار نہ کرے وہ آبِ مطلق ہے اُس سے وضو جائز ہے جبکہ بے وضو ہاتھ نہ لگا ہو۔

(۳۳۷) آش جو کا پانی کہ بار بار بدلا جاتا ہے اگر ٹھنڈا ہو کر دلدار ہونے کے قابل نہ ہو آبِ مطلق ہے ورنہ نہیں۔

[1] فتاوٰی کبرٰی کتاب الطہارۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲

(۳۳۸) ماء العسل کہ شہد میں دوچند پانی ملا کر جوش دیں یہاں تک کہ دو ثلث جل جائے پانی نہ رہا۔

(۳۳۹) یوں ہی ماء الشعیر کہ جَو جوش دیں یہاں تک کہ کِھل کر مہرا ہو جائیں صاف کرکے مستعمل ہوتا ہے بوجہ کمال امتزاج پانی نہ رہا۔

(۳۴۰ و ۳۴۱) یوں ہی ماء الاصول وماء البزور جڑوں اور تخموں کے جوشاندے۔

(۳۴۲) یوں ہی ماء الرماد کہ پانی میں بار بار راکھ ڈال کر ہر بار جوش دیتے ہیں پھر صاف کرتے ہیں مثل جوشاندہ دوا ہے۔

(۳۴۳) ماء النون کہ ماہی نمکسود سے پانی سا ٹپکتا ہے۔

(۳۴۴) ماء الجُمّہ بضم جیم وتشدید میم مفتوح کہ فارسی میں آبکُمہ بسکون باوضم کاف وفتح میم مخفف کہتے ہیں دریائے چین وہرموز میں ایک قسم کی مچھلی کے پیٹ سے خاکستری رنگ پانی نکلتا ہے یہ دونوں سرے سے پانی نہیں۔

(۳۴۵ تا ۳۵۰) سونے، چاندی، تانبے، رانگ، لوہے، سیسے کے پانی کہ ماء الذہب، ماء الفضہ، ماء النحاس، ماء الرصاص، ماء الحدید، ماء الاسرب اور سب کو ماء المعدن کہتے ہیں، اس کے تین معنی ہیں:

ایک یہ کہ انہیں آگ میں سُرخ کرکے پانی میں بجھائیں جیسے زرتاب، آہن تاب وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ ۱۳۶ میں گزرا۔

دوم: ان کا گداختہ جسے محلول زر وغیرہ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ یہ جنس آب ہی سے نہیں اس کا اشارہ فصل ثانی صدر بیان اضافات میں اور جزئیہ حاشیہ ۱۹۰ میں ازہری ووافی سے گزرا۔

سوم: وہ پانی کہ ان کی معاون میں ملتا ہے۔

اقول: ان کا تکوّن پارے اور گندھک سے ہوتا ہے اور ان کا دخان وبخار سے اور اس کا اجزائے مائیہ وہوائیہ سے اگر یہ وہ پانی ہے جس کے بعض سے بخار بنا کہ دھوئیں سے مل کر زیبق ہوا اور وہ کبریت سے مل کر معدن یا اُس بخار کا حصّہ ہے کہ سردی پاکر پانی ہوگیا تو آبِ مطلق ہے اور اگر یہ وہ مادہ زیبق ہے جس کی مائیت میں کبریتی دخان ملا اور پارا بننے کیلئے مہیا کیا اور ہنوز قلّتِ یبوست نے شکلِ آب پر رکھا تو آبِ مقید ہے یا پانی ہی نہ رہا واللہ تعالٰی اعلم۔

فوائد منثورۃ متفرق فائدے

(۱) لما اصلح المدقق العلائی فی الدر مغترفا	(۱) امام علائی نے در میں بحر سے اخذ کرکے امام فخر

من البحر ضابطة الامام الفخر لابل حکمها کما اعلمناك فی بزیادة ید مالم یزل الاسم کنبیذ تمر اعترضه العلامة ش بانه یرد علیه ماقدمناه عن الفتح تأمل[1] ای ماذکره المحقق فی الفتح علی ذکر زوال الرقة فی الاقسام ان الکلام فی الماء وهذا قدزال عنه اسم الماء۔

اقول: (۱) مع قطع النظر عما قدمنا علی الفتح (۲) بینهما لون بعید فزائل الرقة لم یبق ماء عرفا ولا لغة بخلاف هذا کماذکرنا فی الفصل الثانی قبیل الاضافات (۳) ولوسلم هذا سقطت الاقسام کلها علی التحقیق فان الاسباب ثلثة کثرة اجزاء المخالط و زوال الطبع والاسم وقد انکر المحقق الثانی وانتم الثالث والاول احق بالانکار منه فما فیه ماء ومثله اواکثر منه لبن لیس ماء قطعا وانکان فیه ماء۔(۲) وقع فی شرح النقایة العلامة البرجندی بعد مانقل عن الهدایة ماقدمنا فی سادس

کے ضابطہ کی جب اصلاح کی بلالکہ اس کو نافذ کیا جیسا کہ ہم نے ۲۸۷ میں بیان کیا ہے کہ اس میں پانی کا نام باقی نہ رہنے کی قید زیادہ کرنی ہوگی جیسے نبیذ تمر۔ تو علامہ شامی نے امام علائی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ اس پر فتح القدیر سے ہمارا پہلے نقل ہوا کلام وارد ہوگا، غور چاہئے اھ یعنی اس سے محقق صاحب فتح القدیر کا وہ کلام مراد ہے جو انہوں نے پانی کے اقسام میں رقّت کے زائل ہونے کے بارے میں فرمایا ہے کہ رقّت کے ختم ہوجانے پر اس کو پانی نہیں کہا جاتا جبکہ یہ بحث پانی کے بارے میں ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں کہ فتح پر ہماری بیان کردہ بحث سے قطع نظر، دونوں صورتوں میں بڑا فرق ہے کہ فتح میں جس کو بیان کیا ہے وہ خالی از رقّت چیز ہے جس کو لغت اور عرف میں پانی نہیں کہا جاتا اور یہ جس کو علامہ علائی نے بیان فرمایا ہے اور اگر یہ (رقّت ختم ہوگی تو پانی کا نام زائل ہوگا ورنہ نہیں) تسلیم کرلیا جائے تو پھر (پانی سے طہارت کے حصول منافی) تمام اقسام ساقط قرار پائیں گے، کیونکہ (منافی) اسباب تین ہیں، پانی میں ملنے والی چیز کے اجزاء کا غلبہ، پانی کی طبیعت (رقّت) کا زوال اور نام کی تبدیلی۔ان میں سے محقق نے دوسرے اور تم نے تیسرے کا انکار کردیا اور پہلے کا انکار بطریق اولیٰ ہوجائے گا، پس جب پانی اور دودھ برابر ہوں یا دودھ زیادہ ہو تو اس کو پانی نہیں کہا جاتا حالانکہ اس میں پانی ہے (یعنی نام تبدیل ہوگیا حالانکہ اس کی رقّت باقی ہے)۔(ت) (۲) علامہ برجندی نے نقایہ کی اپنی شرح میں ہدایہ کے اس مضمون کو جسے ہم نے تیسری فصل کے چھٹے ضابطہ میں

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۳

ضوابط الفصل الثالث ما نصه وفیھا ایضا ان الثمار الیابسة اذا وقعت فی الماء فان کان الغالب طعم ذلك الشیئ لایجوز التوضی منه [1] اھ۔

اقول: ولیس ایضا فی الھدایة ثم ھو خلاف (۱)امامی المذھب لما اعلمناك ھناك ان اعتبار الاجزاء دون الاوصاف مجمع علیه فی الجامد وانما الخلف فی المائع ثم قید (۲) الیابسة لایظھر له فائدة الا ان یقال ان الیابس ابطأ تحللا من الرطب فیدل علی طول مکثه فی الماء فیکثر عمله وفیه ان العمل بالتحلل فالرطب اسرع عملا ولانظر الی مدة المکث واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (۳) اثبتنا (۳)وللّٰه الحمد عرش التحقیق علی ان العبرة فی الطبخ بزوال الطبع ولومآلا او الاسم بالمعنی الثالث لابتغیر وصف او اوصاف وان محمدا ایضا لایعتبرھا فی الجامد واذا اعتبرھا فی المائع لایرسل ارسالا بل یرتب فیقدم اللون ثم الطعم ولایعتبر الریح اصلا کما بیناہ بکلام الامام ملك العلماء۔

بیان کیا ہے، نقل کرنے کے بعد کہا، جو یہ ہے۔ اور ہدایہ میں بھی ہے کہ اگر پانی میں خشک پھل پڑ جائے اور پانی پر اس پھل کا ذائقہ غالب ہو جائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں ہے اھ (ت)

میں کہتا ہوں کہ ہدایہ میں بھی نہیں اور اس کے علاوہ وہ مذہب کے ائمہ کے بھی خلاف ہے جیسا کہ ہم نے آپ کو وہاں بتایا ہے کہ (جامد چیز کے ملنے سے) بالاتفاق غلبہ میں اجزاء کا اعتبار ہے۔ اختلاف تو صرف بہنے والی چیز کے ملنے میں ہے، پھر خشک کی قید بھی بے فائدہ ہے، ہاں اگر یوں کہا جائے کہ خشک دیر سے گھُلتا ہے اس لئے زیادہ دیر پانی میں رہنے کی وجہ سے اس کی تاثیر زیادہ ہوتی ہے لیکن یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ (ذائقہ کے معاملہ میں) پھل کے گھُلنے کا دخل ہے جبکہ پانی میں تازہ سبز پھل جلدی گھُل جاتا ہے اس معاملہ میں پانی پڑے رہنے کا کوئی دخل نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(**۳**) اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ ہم نے پوری تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ پانی میں پکانے کی صورت میں (ملنے والی چیز کے غلبہ کیلئے) پانی کے ایک وصف یا تمام اوصاف کی تبدیلی کا اعتبار نہیں ہے بلاکہ اس صورت میں پانی کی طبیعت یا نام کے زوال کا اعتبار ہے اگرچہ بعد میں ہو نیز امام محمد رحمہ اللہ بھی جامد چیز میں اس کا اعتبار نہیں کرتے وہ صرف بہنے والی چیز میں اس (وصف کی تبدیلی) کا اعتبار کرتے ہیں وہ بھی

[1] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

فایاك ان تتوهم مما قدمنا من كلامه ثمه اذ قال مجیبا للامام الكرخی عن الامام ابی طاهر الدباس فی النبیذ المطبوخ ان المائع الطاهر اذا اختلط بالماء لایمنع التوضو اذا لم یغلب علی الماء اصلا اما اذا غلب بوجه من الوجوه فلا وههنا غلب من حیث الطعم واللون وان لم یغلب من حیث الاجزاء [1] اهـ ان العبرة ههنا للوصف وان الریح ایضا معتبرة وان لاترتیب فی اعتبارها لقوله اذاغلب بوجه من الوجوه فیصدق بغلبة الریح دون الباقیین وبغلبة الطعم دون اللون فی ذی اللون بل المراد الغلبة بحیث یزول الاسم، الا تری الی قوله فی صدر المبحث اذاخالطه علی وجه زال عنه اسم الماء [2] وقال فیما یقصدبه التنظیف یجوز وان تغیر لون الماء اوطعمه او ریحه لان الاسماءباق [3] وقال الا اذاصار كالسویق لانه حینئذ یزول اسم الماء [4] وقال لوتغیر بالطین اوالاوراق اوالثماریجوز لانه لم یزل اسم الماء [5] وقال قیاس ماذكرنا

ہر طرح نہیں بلالکہ اوصاف کی ترتیب کے لحاظ سے، پہلے رنگ پھر ذائقہ (کی تبدیلی) کا اعتبار کرتے ہیں جبکہ بُو کی تبدیلی کا وہ بالکل اعتبار نہیں کرتے جیسا کہ امام ملک العلماء کے کلام سے ہم نے واضح کیا ہے۔ (ت) ہم نے ملک العلماء کا کلام پہلے ذکر کیا ہے جہاں انہوں نے امام ابوطاہر کی طرف سے امام کرخی کو جواب دیتے ہوئے پکے ہوئے نبیذ کے بارے میں فرمایا کہ پانی میں بہنے والی کسی پاک چیز کے ملنے سے وضو جائز ہے بشرطیکہ وہ چیز پانی پر غالب نہ ہو اور اگر کسی وجہ سے وہ چیز غالب ہوجائے تو پھر وضو جائز نہ ہوگا اور یہاں (پکے ہوئے نبیذ) میں ذائقہ اور رنگ کے لحاظ سے غلبہ ہوا ہے اگرچہ اجزاء کے لحاظ سے غلبہ نہیں ہے اھ۔ اس کلام سے آپ کو یہ غلط فہمی نہ ہو (کہ یہ ہماری مذکورہ بالا تحقیق کے خلاف ہے) کیونکہ نبیذ مذکور میں (جامد چیز ملنے اور پکے ہونے کے باوجود) وصف کا اور بدبُو بدلنے کا اور اوصاف میں ترتیب نہ ہونے کا اعتبار ہے کیونکہ انہوں نے کسی طرح سے غلبہ کہا ہے جو صرف بُو تبدیل ہونے اور رنگ والی چیز میں صرف ذائقہ بدلنے، والی صورت کو بھی شامل ہے۔ یہ اس لئے (کہ ملک العلماء کے مذکور کلام میں غلبہ اجزاء یا زوالِ طبیعت کی بجائے کسی دوسرے مقصد کیلئے) نام کی تبدیلی والا غلبہ مراد ہے۔ اس بحث کی ابتداء میں ان کے حسب ذیل اقوال کو غور سے دیکھیں "جب کوئی چیز اس طرح ملے کہ پانی کہنا درست نہ ہو" اور کہا زیادہ صفائی کی غرض سے اگر کوئی چیز ملائی تو اس سے

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[3] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[4] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷

[5] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵

ان لایجوز بنبیذ التمر لتغیر اسم الماء وصیرورته مغلوبا بطعم التمر[1] ثم ذکر مسئلة المطبوخ وان الکرخی جوزہ لان اجزاء الماء غالبة واجاب عن ابی طاهر بما مرفانما اراد رحمه الله تعالٰی اذاغلب علی الماء بوجه من الوجوه بحیث ازال اسمه۔وقد اعلمناك انه لایکون ذلك بالریح المجردة وانه لایکون فی الجامد الا اذاصار شیئا اٰخر لمقصد اٰخر ولایکون هذا ههنا الا اذا غلب الطعم بحیث یجعله نبیذا کما قال نبیذ التمر الذی فیه الخلاف هو ان یلقی شیئ من التمر فی الماء فتخرج حلاوته الی الماء وقال فیحمل علی ماحلا وخرج عن الاطلاق کماقدمناه فی فعلی الطعم المدار ههنا۔ولیس مما فیه الترتیب لان اعتباره لیس من حیث انه وصف تغیر بل لانه تغیر فغیر الماء وصیره نبیذا الاتری الی ادارته

وضو جائز ہے اگرچہ پانی کا رنگ، بُو اور ذائقہ تبدیل ہوجائے، کیونکہ ابھی اس کا نام باقی ہے۔اور کہا مگر جب وہ ستّو کی طرح گاڑھا ہوجائے (توجائز نہیں) کیونکہ اب پانی نہیں کہا جائے گا" اور کہا "اگر پانی میں مٹی یا پتّے یا پھل گرنے سے تبدیلی آئے تو وضو جائز ہے کیونکہ ابھی اس کا نام پانی ہے"اور کہا "ہمارے مذکورہ قاعدے پر نبیذ تمر سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس کا نام تبدیل ہوگیا ہے اور وہ کھجور کے ذائقہ سے مغلوب ہوگیا ہے"۔ان اقوال کے بعد انہوں نے پکے ہوئے پانی میں ملاوٹ کا مسئلہ ذکر کیا ہے اور کہا کہ امام کرخی نے اس سے وضو کو جائز کہا ہے کیونکہ ان کے خیال میں ابھی پانی کے اجزاء غالب ہیں اس کا جواب امام ابوطاہر کی جانب سے ملک العلماء نے دیتے ہوئے مذکور کلام کیا ہے جس میں انہوں نے کسی وجہ سے پانی پر غلبہ کا ذکر کرکے نام بدلنے والا غلبہ مراد لیا ہے۔(ت)اور ہم آپ کو پہلے بتاچکے ہیں کہ پانی کا نام نہ تو صرف بُو کی تبدیلی سے زائل ہوتا ہے اور نہ ہی جامد چیز کے ملنے سے پانی سے اس کا نام زائل ہوتا ہے، جب تک وہ کسی دوسرے مقصد کیلئے دوسری چیز نہ بن جائے اور یہاں نبیذ کے متعلق نام کی تبدیلی ذائقہ کی تبدیلی کے بغیر نہیں ہوتی جس کے سبب نبیذ بنتا ہے، جیسے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ نبیذ جس میں اختلاف ہے وہ پانی میں کھجوریں ڈالنے پر مٹھاس جب پانی میں منتقل ہوجائے اور کہا کہ نبیذ میٹھا ہوگا اور یہ پانی کے اطلاق سے خارج ہوگا جیسا کہ ہم بحث ۱۱۶ میں پہلے بیان کرچکے ہیں، اسی لئے نبیذ بننے کا دارومدار ذائقہ پر ہے۔(ت)اور اس تبدیلی میں اوصاف کی ترتیب کا دخل نہیں ہے کیونکہ نبیذ میں کسی وصف کی تبدیلی کی بجائے یہ خود ایسی تبدیلی ہے جس نے پانی کو تبدیل کرکے نبیذ کی

---

[1] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵

الامر علی خروج حلاوته الی الماء والی قوله لتغیر اسم الماء وصیرورته مغلوبا بطعم التمر فلم یذکر اللون ولوکان یکفی الغلبة بوجه من الوجوه علی معنی توهم لکان الوجه ذکر اللون لانه اسبق تغیرا فیه من الطعم فکان هو العلة للغلبة دون الطعم الحادث بعدما صار مغلوبا فانما ترکه لان المراد الغلبة المخرجة عن اسم الماء الجاعلة له نبیذا وانما یکون ذلك بالطعم من دون حاجة الی تغیر اللون حتی لوفرض ان من التمر اوشیئ من الثمر مایغیر طعم الماء فیجعله نبیذا ولا یغیر لونه لکان الحکم المنع وذکره فی الجواب عن الدباس بیان للواقع فان الطعم لایتغیر به الا وقد تغیر قبله اللون فافهم وتثبت هکذا ینبغی ان تفهم نفائس کلام العلماء والله تعالٰی الموفق۔

(۴) اکمال الکلام فی توجیه قول محمد بالترتیب

اقول: وبالله التوفیق لارب سواه ان اضعف وصف فی الماء ریحه بل لاریح له حقیقة کما اشار الیه ابن کمال الوزیر اذقال فی الایضاح اوصافه الطعم واللون والرائحة والتغیر علی الحقیقة فی الاولین دون الاخیر فلابد من المصیر الی

حقیقت میں بدل دیا ہے۔ کیا آپ نے نبیذ کیلئے کھجور کی مٹھاس کے منتقل ہونے کو بنیاد قرار دینے اور یہ کہنے پر کہ پانی کا نام تبدیل ہونے اور کھجور کے ذائقے سے مغلوب ہونے اور رنگ کی تبدیلی کا ذکر نہ کرنے پر غور نہیں کیا، اگر صرف کسی وجہ سے غلبہ کافی ہوتا جیسا کہ غلط فہمی ہورہی ہے تو پھر وجہ میں رنگ کو ذکر کیا جاتا کیونکہ کھجوروں کے ذائقے سے قبل پانی کا رنگ تبدیل ہوتا ہے، تو چاہئے تھا کہ رنگ کی تبدیلی کو غلبہ کی وجہ بتایا جاتا اور ذائقہ جو بعد میں پیدا ہوا اس کو وجہ نہ بنایا جاتا اس کا ترک اس لئے کیا ہے کہ غلبہ سے مراد وہ ہے جو پانی کے نام کو ختم کرکے اس کو نبیذ بنادے یہ سب اس لئے کہ پانی کا نام بدلنے اور نبیذ بنانے میں صرف ذائقہ کی ضرورت ہے لہٰذا فرض کریں کہ اگر کھجور یا کوئی پھل ایسا ہو جس سے صرف ذائقہ تبدیل ہو اور پانی کو نبیذ بنادے تو اس کا حکم منع ہے (باقی رہا یہ سوال) کہ ملک العلماء نے ابو طاہر الدباس کی طرف سے جواب میں ذائقہ کے ساتھ رنگ کی تبدیلی کا ذکر کیوں کیا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے بطور حقیقت واقعہ بیان کیا ہے کہ ذائقہ کی تبدیلی سے قبل رنگ کی تبدیلی ضرور ہوتی ہے، سمجھو اور اثبات کرو، علماء کے نفیس کلام کو یوں سمجھنا چاہئے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا ہے۔(ت) (۴) "اوصاف کی ترتیب کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی توجیہ میں کلام کو مکمل کرنا" **میں کہتا ہوں** اللہ کے بغیر کوئی رب نہیں ہے اور وہی توفیق دینے والا ہے، بلاشبہ پانی کا سب سے کمزور وصف اس کی بُو ہے بلاکہ حقیقت میں اس کی بُو نہیں ہے، جیسا کہ ابن کمال وزیر نے اشارہ دیا ہے، کیونکہ انہوں نے ایضاح میں کہا ہے کہ پانی کے اوصاف

عموم المجاز اھ۔ ثم لونه حتی قیل لا لون له کماسیاتی واقواھا طعمه۔

ثم ھو شیئ لطیف رطب سریع الانفعال فماخالفه فی شیئ من اوصافه اثر فیه قبل ان یبلغ الماء قدرا فلایتوقف تغیر الوصف علی تساوی القدر قط والتغیر فی الاضعف اسبق فماخالفه فی اللون والطعم یکون تغییرہ اللون قبل ان یتغیر الطعم کماھو مشاھد فی النبیذ وغیرہ فمن قبل ھذا جاء الترتیب ان مایخالفه لونا لایعتبر فیه الا اللون لانه ان غلب سلب لونه اولا فاذا لم یسلبه لم یسلب الطعم بالاولی واذا لم یغیرھما فکیف یساوی الماء قدرا فان تغیر الاوصاف اسبق بکثیر من تساوی المقدار فبعدم التغیر فی اللون یعلم انتفاء الاسباب جمیعا اعنی الغلبة من حیث اللون ومن حیث الطعم ومن حیث الاجزاء ویعلم ان المخالط مغلوب فلذا نیط الامر فیه علی تغیر اللون وحدہ فان تغیر الطعم بعدہ فذاك والا فلا حاجة لحصول الغلبة باللون نعم مالایخالفه فی اللون لایغیرہ وان غلب علیه قدرا فیعتبر فیه تغیر الطعم لکونه اسبق من تساوی القدر فان لم یتغیر علم انتفاء التساوی بالاولی وثبت ان المخالط مغلوب

تین ہیں: ذائقہ، رنگ اور بُو ۔ تبدیلی پہلے دونوں وضعوں میں حقیقتًا ہوتی ہے اور تیسرے میں نہیں ہوتی، لہٰذا تبدیلی کا اطلاق مجاز کے عموم کے طور پر ہے اھ۔ اور دوسرے نمبر کا کمزور وصف پانی کا رنگ ہے حتی کہ بعض نے کہا کہ پانی کا رنگ نہیں ہے جیسا کہ آئندہ بحث آئے گی، اور پانی کا سب سے قوی وصف اس کا ذائقہ ہے۔(ت)

پھر پانی ایک لطیف چیز ہے جو تیزی سے متاثر ہوتا ہے لہٰذا جو چیز پانی کے اوصاف کے خلاف ہوگی وہ مقدار میں پانی کے مساوی ہونے سے قبل ہی پانی پر اثر انداز ہوجاتی ہے اور پانی کے اوصاف کی تبدیلی کیلئے پانی کی مقدار کے برابر ہونا ضروری نہیں، نیز تبدیلی کا عمل سب سے پہلے پانی کے کمزور وصف میں ہوگا لہٰذا جو چیز رنگ اور ذائقہ میں پانی کے مخالف ہوگی وہ پہلے پانی کے رنگ کو اور اس کے بعد ذائقہ کو تبدیل کرے گی جیسا کہ نبیذ وغیرہ میں اس بات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ پانی کے اوصاف میں ترتیب کی بنیاد یہی چیز ہے، لہٰذا اگر پانی میں ملنے والی چیز صرف رنگ میں مخالف ہے تو پانی پر اس کا غلبہ صرف رنگ کے تبدیل ہونے سے ظاہر ہوجائے گا اور اگر وہ چیز غلبہ کی صورت میں پانی کا رنگ تبدیل نہ کرسکے تو ذائقہ کو ہرگز تبدیل نہ کرسکے گی، اور جب یہ چیز ابھی تک پانی کے اوصاف کو تبدیل نہیں کرسکی تو مقدار میں برابر ہونا دُور کی بات ہے کیونکہ مقدار میں مساوی ہونے سے قبل اوصاف میں تبدیلی ہوا کرتی ہے، لہٰذا جب پانی کا رنگ تک تبدیل نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک پانی میں تبدیلی کا کوئی سبب نہیں پایا گیا یعنی رنگ کی تبدیلی، ذائقہ کی تبدیلی اور پانی کے اجزاء کے

وان تغیر فقد غلب وان لم یساو قدرا اما مالایغیر لونا ولاطعما وانما یکون اذالم یخالف فی شیئ منھما اذلو خالف لسبق التغیر تساوی القدر فھذا الذی تعتبر فیه الغلبة بالاجزاء۔

فالحاصل ان ماخالفه لونا اوطعما لاعبرة فیه بغلبة الاجزاء لابمعنی انھا توجد ولا تعتبر مالم یتغیر لون اوطعم فانه باطل بداھة وفیم ینتظر الاوصف مع ثبوت الخروج عن المائیة للمرکب قطعا بل بمعنی انھا لایحتاج الیھا لتعرف الغلبة لانھا لاتحصل ھھنا الاوقد غلب المخالط قبلھا وکذلك ماخالفه لونا لاعبرة فیه للطعم بالمعنی المذکور وھذا معنی مانص علیه الرواة الثقاة فقصروا اعتبار الطعم علی مایوافقه لونا واعتبار الاجزاء علی مایوافقه فیھما ومثلوا لکل قسم باشیئاء علی حدة

،

وھذہ عبارة زاد الفقھاء ثم البنایة وغیرھما تعتبر الغلبة اولا من حیث

اعتبار سے تبدیلی یعنی اس کے اجزاء کم ہوگئے اور ملنے والی چیز کے اجزاء غالب ہوگئے اور جب تبدیلی کا کوئی عمل ظاہر نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ ابھی تک وہ چیز مغلوب ہے اور پانی غالب ہے، اس لئے تبدیلی کے ظہور کے لئے صرف رنگ کو معیار قرار دیا گیا ہے کیونکہ باقی تبدیلیاں اس کے بعد ہوتی ہیں ورنہ رنگ میں تبدیلی کی کوئی حاجت نہیں ہے ہاں اگر کوئی چیز رنگ میں پانی کے مخالف نہ ہو تو اجزاء میں غلبہ کے باوجود اس کے ملنے پر پانی کا رنگ نہیں بدلے گا۔ تو اس صورت میں ذائقہ کا اعتبار ہوگا کیونکہ اجزاء کی تبدیلی (غلبہ) سے قبل ذائقہ کی تبدیلی معیار ہے اور جب ذائقہ کے لحاظ سے تبدیلی نہ ہوئی تو معلوم ہوجائے گا کہ اجزاء کے لحاظ سے بھی تبدیلی نہیں ہوئی (اگرچہ یہ چیز مقدار میں پانی کے مساوی یا غالب بھی ہوجائے) اور ثابت ہوگیا کہ ملنے والی چیز مغلوب ہے اگر ذائقہ تبدیل ہوگیا تو وہ غالب ہوگی اگرچہ مقدار میں برابر نہ ہو، اگر ملنے والی چیز رنگ و ذائقہ دونوں تبدیل نہ کرے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ دونوں میں سے کسی کے مخالف نہ ہو کیونکہ اگر وہ مخالف ہوتی تو مساوی المقدار میں تبدیلی آجاتی، تو ایسی صورت میں پانی پر غلبہ کا معیار اجزاء کے اعتبار سے ہوگا (یعنی ملنے والی چیز کی مقدار پانی کے برابر یا زیادہ ہوجانے کو معیار قرار دیا جائے گا)۔ (ت) الحاصل جب رنگ اور ذائقہ کو تبدیل کرنے والی چیز پانی میں ملے گی تو پہلے رنگ دوسرے نمبر پر ذائقہ کو معیارِ غلبہ قرار دیا جائے گا ایسی صورت میں غلبہ کا معیار اجزاء کی مقدار کو نہیں بنایا جائے گا، یہ مطلب ہر گز نہیں کہ رنگ اور ذائقہ میں مخالف چیز اگر مقدار کے لحاظ سے پانی کے مساوی یا زیادہ ہوجائے تب بھی غلبہ نہیں مانا جائے گا کیونکہ یہ واضح طور پر غلط ہے اس لئے کہ اجزاء کے غلبہ سے پانی مغلوب ہو کر اپنی طبع سے خارج ہوجاتا ہے اور وہ پانی نہیں رہتا بلالکہ وہ ایک مرکّب چیز بن جاتا ہے بلالکہ ابھی اس معیار کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ غلبہ کی پہچان ابھی اس سے کم درجہ کی تبدیلی سے ہوسکتی ہے، رنگ کے لحاظ سے مخالف چیز کی موجودگی میں ذائقہ کے معتبر نہ ہونے کا بھی یہی مقصد ہے

اللون ثم الطعم ثم الاجزاء فانکان لونه مخالف لون الماء کاللبن والعصیر والخل وماء الزعفران فالعبرۃ باللون فان توافقا لونا لکن تفاوتا طعما کماء البطیخ والشمس والانبذۃ فالعبرۃ للطعم وان توافقا لونا وطعما کماء الکرم فالعبرۃ للاجزاء[1] اھ۔ وعبارۃ ملك العلماء ان کان یخالف لونه لون الماء کاللبن وماء العصفر والزعفران تعتبر الغلبة فی اللون وان کان لایخالف الماء فی اللون ویخالفه فی الطعم کعصیر العنب الابیض وخله تعتبر فی الطعم وان کان لایخالفه فیهما تعتبر فی الاجزاء[2] اھ۔ وعبارۃ خزانة المفتین ینظر ان کان یخالف لونه لون الماء کاللبن والعصیر والخل والزعفران فالعبرۃ باللون وان کان یوافق لونه لون الماء نحو ماء الثمار والاشجار والبطیخ فالعبرۃ للطعم ان کان شیئا یظهرله طعم فی الماء وذلك نحونقیع الزبیب وسائر الانبذۃ وان کان شیئا لایظهر طعمه فی الماء فالعبرۃ لکثرۃ الاجزاء[3] اھ۔ وعبارۃ الحلیة ان کان المخالط شیئا لونه یخالف لون الماء مثل اللبن والخل وماء الزعفران ثم قال وان کان لایخالف فی اللون ویخالف فی الطعم نحو	(یعنی تبدیلی کی پہچان کے لئے پہلے معیار کی موجودگی میں دوسرے نمبر کے معیار کی ضرورت نہیں، لیکن بعد کے نمبر والے معیار کے پائے جانے پر نچلے معیار کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے) ثقہ راویوں نے جو بیان کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ پانی میں ملنے والی چیز اگر رنگ میں موافق ہو تو ذائقہ اور اگر ذائقہ میں بھی موافق ہو تو پھر غلبہ کیلئے اجزاء اور مقدار کا اعتبار ہوگا۔اور انہوں نے معیار کی ہر صورت کی مثال علیحدہ دی ہے۔چنانچہ زاد الفقہاء اور بنایہ وغیرہا کتب میں مذکورہ بیان کی وضاحت یوں کی کہ غلبہ پہلے رنگ کے اعتبار سے ہوگا پھر ذائقہ پھر اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اس کے ساتھ صرف رنگ میں تبدیلی ظاہر کرنے والی چیزوں کی مثال دُودھ، پھلوں کا جوس، سرکہ اور زعفران کا پانی، ذکر کی ہے۔اور کہا کہ ان چیزوں کی وجہ سے جب پانی کا رنگ بدل جائے تو پانی کو مغلوب اور ان چیزوں کو غالب قرار دیا جائے گا اور انہوں نے رنگ میں موافق اور ذائقہ میں مخالف چیز جو پانی میں مل کر پانی کے ذائقہ کی تبدیلی کو ظاہر کردے کے بارے میں فرمایا اس میں ذائقہ معیار ہوگا،اس کی مثال میں انہوں نے تربوز کا پانی، دھوپ والا پانی اور نبیذوں کو ذکر کیا ہے، اور انہوں نے رنگ اور ذائقہ دونوں میں موافق چیزوں کی مثال میں انگور کے پودے کا پانی ذکر کیا ہے

[1] البنایۃ شرح الہدایۃ الماء یجوزبہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۱۸۹
[2] بدائع الصنائع مطلب الماء المقید سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵
[3] خزانۃ المفتین

ماء البطیخ وعصیر العنب الابیض وخله ثم قال وانکان لایخالفه فیهما تعتبر الغلبة فی الاجزاء[1] اھ وعبارة البرجندی ان خالف لونه لون الماء کاللبن والزعفران فالعبرة لغلبة اللون وان توافقا فیه فللطعم وان لم یکن له طعم ایضا فللا جزاء[2] اھ وھکذا لخصه البحر کمامر و ان زاد الریح من عند نفسه اذقال مرادہ ان المخالط المائع ان کان لونه مخالفا تعتبر اللون وان کان لونه لون الماء فالطعم وان کان لایخالفه فی اللون والطعم فالاجزاء[3] اھ فماقدمنا من عبارة الامام الاسبیجابی ان غیر لونه فالعبرة للون وان لم یغیر لونه بل طعمه فللطعم وان لم یغیر لونه وطعمه فللاجزاء اھ علی الصلوح دون الفعلیة ای ماصلح لتغیر اللون وھو الذی یخالفه لونا فالعبرة فیه للون وان لم یصلح له بل لتغیر طعمه بان وافقه لونا وخالفه طعما فللطعم وھکذا لا ان المخالط ان غیر اللون فذاك والاینظر الی تغییرہ طعمه فان حصل والا عدل الی الاجزاء وذلك لماعلمت ان ما

جو پانی میں مل جائے تو پانی پر غلبہ کا اعتبار اجزاء کے لحاظ سے ہوگا (یعنی پانی کی مقدار کے مساوی یا زیادہ ہونے پر پانی کو مغلوب اور انگور کے پودے کے پانی کو غالب قرار دیا جائے گا) اسی طرح ملک العلماء، خزانۃ المفتین، حلیہ، برجندی کی عبارتوں میں یہی مضمون مثالوں میں جزوی اختلاف کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بحرالرائق نے اگرچہ اپنی طرف سے بُو کو بھی ذکر کیا ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے سب کا خلاصہ بیان کردیا ہے۔ اور ہم نے قبل ازیں امام اسبیجابی کا جو کلام نقل کیا ہے کہ وہ چیز رنگ تبدیل کردے تو رنگ کا اعتبار اور رنگ کو تبدیل نہ کرے تو پھر ذائقہ کا اعتبار اور اگر رنگ اور ذائقہ دونوں کو تبدیل نہ کرے تو پھر اجزاء اور مقدار کا اعتبار ہوگا اھ تو اس ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اس چیز میں تبدیلی مذکورہ کی صلاحیت ہو، ورنہ فعلیت کے لحاظ سے پانی میں ملی ہوئی چیز میں اگر اوپر والا معیار پایا جائے گا تو نیچے والا ضرور پایا جائے گا۔ یہ ممکن نہیں اوپر والا معیار پایا جائے اور نیچے والا نہ پایا جائے۔ مثلاً جب پانی میں ملنے والی

[1] حلیہ
[2] نقایہ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲
[3] بحرالرائق ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

صلح لتغییر اللون والطعم جمیعا ان لم یغیر اللون لم یغیر الطعم ایضا وما صلح لتغییر هما اواحدهما لایمکن ان یکون مغلوبا فیهما غالبا اومساویا فی القدر وان امکن هذا بطل الحکم بالترتیب و وجب القول باعتبار الثلثة مجملا ایها حصل حصلت الغلبة اذا عرفت هذا فاعلم ان اهل الضابطة لم یراعوا هذا الترتیب بل قالوا ما خالف فی وصفین فایهما تغیر غیر وما خالف فی الثلثة فایّ اثنین تبدلا بدّلا وبهذا الوجه اوردنا علیهم مافیه سبق الطعم اللون وان کان غیر واقع علی مسلك الضابطة الشیبانیة کما اوردنا علیهم مافیه تغیرالریح وان کان ساقط النظر عندها وحکما بخلاف الضابطة الزیلعیة ظاهر فی ذوات الریح واما فی سبقة الطعم فالقصرها الحکم علی اللون فی ذی اللون فان وقع سبق الطعم ثبت الحکم وان لم یکن واقعا فی نظرها۔

واقول: من قبل الامام ابی یوسف ان اردتم تغیر وصف بدون زوال الاسم

چیز اپنی مقدار میں پانی کی مقدار کے برابر یا زیادہ ہوگی تو نچلے دونوں معیار یعنی ذائقہ اور رنگ والا معیار ضرور تبدیل ہوگا، اور یوں ہی اگر وہ چیز ذائقہ والا معیار رکھتی ہے تواس کے پائے جانے پر رنگ والا معیار ضرور پایا جائے گا، یہ اس صورت میں جبکہ اوپر والے اور نیچے والے معیار میں موافقت ہو، ورنہ اگر موافقت نہ ہوگی تو پھر تینوں معیاروں میں ترتیب لازمی نہ ہوگی بلکہ پھر مجمل طور تینوں کو معیار قرار دیں گے اور کہیں گے کہ جو بھی پایا جائے گا غلبہ پایا جائے گا۔ اس وضاحت کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ ضابطہ کو بیان کرنے والوں میں سے بعض نے ان معیاروں کی ترتیب کی رعایت نہیں کی اور انہوں نے یوں کہا کہ جو چیز پانی سے دو وصفوں میں مختلف ہے ان دو میں سے جو بھی تبدیل ہوگا تو پانی متغیر ہوجائے گا، اور جو چیز تین اوصاف یعنی رنگ، بُو اور ذائقہ میں پانی سے مختلف ہو ان میں سے دو وصفوں میں تبدیلی ہوجانے سے پانی کو متغیر قرار دیں گے تو ان کی اس انداز کی تقریر پر میں نے ترتیب کو بیان کیا اور کہا تھا سب سے پہلے رنگ کی تبدیلی ہوگی، اگرچہ ضابطہ شیبانیہ پر یہ اعتراض نہیں ہوتا جیسا کہ بُو کی تبدیلی کے بارے میں ہم نے ان پر اعتراض کیا اگرچہ وہ ضابطہ شیبانیہ پر وارد نہیں ہوتا، اس ضابطہ کا حکم زیلعیہ کے برخلاف بُو والی چیزوں میں ظاہر ہے لیکن ذائقہ والی صورت کا پہلے ہونا اس لئے ہے کہ ضابطہ زیلعیہ نے رنگ والی چیز میں حکم کو رنگ کے ساتھ خاص کردیا تاہم اگر ذائقہ پہلے ہو تو حکم ثابت ہوگا اگرچہ اس ضابطہ کے تحت ذائقہ پہلے نہیں ہوگا۔ (ت)

میں کہتا ہوں، کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف سے یہ اعتراض کرتا ہوں اگر پانی کا نام تبدیل

فممنوع کماعلم او ما یزیله فنعم ولم قلتم یقدم اللون فان الاسم بای شیئ زال زال اما قولکم هو اضعف فیسبق فی التغیر الطعم ولاعکس قلنا سبقةالفعل کما یکون بضعف المنفعل فلایقاوِم بالکسر کذلك یکون بقوة الفاعل فلایقاوَم بالفتح وما المانع ان یکون شیئ طعمه اقوی شدیدا من لونه فیعمل فی طعم الماء القوی قبل ان یعمل لونه فی لونه الضعیف وعن هذا اقول: ان الضابطة الزیلعیة اصابت فی تجویزها غلبة غیر اللون قبل اللون والضابطة الشیبانیة اصابت فی صورها فی الحکم فانها لاتسلم تقید الماء فیها وان کان بناء علی انها لاتقع وعلی هذا التحقیق والتنقیر یبتنی کلام الفقیر فی التطفلات علی الضابطة الزیلعیة وعلی البحر وفی ابداء المخالفات بینها وبین الحکم المنقول، علی ضابطة محمد سید الاکابر الفحول، فاعلم ذلک، والحمدلله خیر مالک۔ (۵) بمابینا ان تغیر اللون یسبق مساواة القدر یندفع مایتوهم علی ضابطة البرجندی اذ قال فی المخالط بلاطبخ معنی غلبته ان یغلب لونه لون الماء عند محمد والاجزاء

ہوئے بغیر کسی وصف کی تبدیلی مراد لیتے ہو تو یہ تسلیم نہیں ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے یا وصف کی تبدیلی سے پانی کے نام کی تبدیلی بھی مراد ہے تو یہ تسلیم ہے، لیکن پھر رنگ کی تبدیلی کو مقدم کیوں کہتے ہو حالانکہ نام کی تبدیلی جس وصف سے ہوجائے وہی مؤثّر ہوگا (اور رنگ کے اعتبار کو مفہوم قرار دینے کی وجہ میں) آپ کا یہ کہنا کہ چونکہ رنگ ایک کمزور وصف ہے اس لئے وہ ذائقہ کی نسبت پہلے متغیر ہوجاتا ہے اس لئے ذائقہ کی تبدیلی اس سے پہلے نہیں ہوتی، تو اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ جس طرح اثر کو قبول کرنے والی چیز کی کمزوری کے سبب فعل کی تاثیر جلدی ہوتی ہے کیونکہ وہ چیز رکاوٹ نہیں بنتی اسی طرح اگر فاعل قوی ہو تو بھی تاثیر جلدی ہوسکتی ہے کیونکہ فاعل کو روکا نہیں جاسکتا اور یوں ہوسکتا ہے کہ کسی چیز کا ذائقہ اتنا شدید ہو کہ وہ رنگ کے مقابلہ میں پانی پر پہلے اثر انداز ہوجائے اسی وجہ سے میں کہتا ہوں کہ ضابطہ زیلعیہ رنگ سے قبل دوسرے کسی وصف کے موثر ہونے کو جائز قرار دینے میں درست ہے، اور ضابطہ شیبانیہ حکم کے بارے میں تبدیلی کی صورتوں میں درست ہے کیونکہ یہ ضابطہ ان اوصاف کی تبدیلی کی صورتوں میں پانی کو مقید تسلیم نہیں کرتا خواہ یہ صورتیں واقع نہ ہوں، تطفلات میں اس فقیر کے کلام کی یہ تحقیق ضابطہ زیلعیہ اور بحر کے بیان پر مبنی ہے، اور حکم اور ضابطوں کے درمیان مخالفت کا اظہار امام محمد کے ضابطہ پر مبنی ہے کیونکہ عظیم اکابر کے سردار ہیں، اس کو سمجھو اور اللہ تعالٰی کی حمد تیرا بہترین مال ہے۔ (ت) (۵) رنگ کی تبدیلی، اجزاء اور مقدار کے لحاظ سے تبدیلی اور غلبہ پر مقدم ہے۔ ہمارے اس بیان سے علامہ برجندی کے ضابطہ پر ایک اعتراض ختم ہوجاتا ہے، علامہ برجندی نے کہا ہے کہ پانی میں ملی ہُوئی چیز جو

عند ابی یوسف [1] اھ۔ ان محمدا لا یعتبر الاجزاء وھو باطل قطعا کمانبھنا علیه فی الفصل الثالث اول ابحاث غلبة الغیر وذلك لان من اعتبر اللون فقد ضیق لان تغیره اسبق ولمثل ھذا لم اذکر کثرۃ الاجزاء فی الضابطة الشیبانیة الا فی جھة المائع واطلقت القول بالجواز فی الجامد مادامت الرقة باقیة ولم یصرشیئا اٰخر لمقصد اٰخر وذلك لان الرقة تزول بالجامد قطعا بل تساوی القدر بکثیر وھذا ملحظ مامر فی البحث المذکور عن البحر عن الحدادی ان غلبة الاجزاء فی الجامد بالثلث کماقدمت ثمه[2]۔	پکائے بغیر ملی ہو، اس کے پانی پر غالب ہونے کا معیار امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک رنگ کی تبدیلی ہے، اور امام یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک اجزاء کا غالب ہونا ہے۔اس سے بعض نے یہ اعتراض اٹھایا کہ امام محمد رحمہ اللہ اجزاء کے غلبہ کا اعتبار نہیں کرتے، اور یہ اعتراض غلط ہے جیسا کہ ہم نے تیسری فصل میں پانی پر غیر چیز کے غلبہ کی اول بحث میں واضح کردیا ہے وہ یہ کہ جس نے رنگ کی تبدیلی کو غلبہ کا معیار بنایا ہے اس نے یہ پابندی لگائی ہے کہ رنگ کی تبدیلی پہلے ہو۔اسی طرح میں نے ضابطہ شیبانیہ میں اجزاء کی کثرت اور غلبہ کو صرف بہنے والی چیز کے بارے میں کہا ہے اور جامد کے بارے میں جب تک پانی کی رقت باقی ہو تو اس سے وضو کے جواز کو میں نے مطلق ذکر کیا ہے اور رقّت کی بقاء کے ساتھ یہ بھی ملحوظ ہے کہ کسی دوسرے مقصد کیلئے دوسری چیز نہ بن چکی ہو، اور یہ اس لئے ہے کہ جامد کی وجہ سے پانی کی رقّت اجزاء کے مساوی ہونے سے بہت پہلے ختم ہوجاتی ہے، اور بحر سے حدادی سے مذکور بحث میں جو گزرا کہ جامد کی وجہ سے پانی کی رقت تہائی مقدار سے بھی قبل ختم ہوجاتی ہے یہ اس کا خلاصہ ہے جیسا کہ میں نے وہاں بیان کردیا ہے۔(ت)

(۶) بعضؔ علماء کا خیال ہے کہ پانی بے لَون ہے خود کوئی رنگ نہیں رکھتا،

حتی عرفه الفاضل احمد بن ترکی المالکی فی الجواھر الزکیة شرح المقدمة العشماویة بقوله الماء جوھر لطیف سیال لالون له یتلون بلون انائه [3] اھ۔	حتی کہ فاضل احمد بن ترکی المالکی نے مقدمہ عشماویہ کی شرح جواہر زکیہ میں اس کی یہ تعریف کی ہے کہ پانی ایسا لطیف بہنے والا جوہر ہے جس کا اپنا کوئی رنگ نہیں بلالکہ برتن کے رنگ سے رنگدار دکھائی دیتا ہے اھ۔(ت)

[1] شرح النقایۃ للبرجندی ابحاث الماء نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

[2] بحر الرائق ابحاث الماء سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[3] جواہر زکیۃ

اقول: کان (۱) علیہ ان یقول یتلون بلون ما یخالطہ فان بعد الجملۃ الاخیرۃ غنی عن البیان ولذا قال محشیہ السفطی المالکی انہ لکونہ شفافا یظھر فیہ لون انائہ فاذا وضع فی اناء اخضر فالخضرۃ لم تقم بالماء و انما ھو لرقتہ لا یحجب لون الاناء ج[1] اھ۔

میں کہتا ہوں کہ ان پر لازم تھا کہ وہ یوں تعریف کرتے کہ اس میں ملنے والی چیز سے رنگدار ہوتا ہے کیونکہ آخری جملہ بیان کا محتاج رہتا ہے اسی لئے اس کے محشّی سفطی مالکی نے کہا ہے کہ شفاف ہونے کی وجہ سے برتن کا رنگ اس میں ظاہر ہوتا ہے جب سبز برتن میں ڈالیں اور سبزی پانی کو نہیں لگتی بلالکہ وہ رقت کی بنا پر برتن کے رنگ کیلئے حاجب نہیں بنتا اھ۔(ت)

اقول: و (۲) وقع فی صدر شرح المواقف بحث العلم بالحس الثلج مرکب من اجزاء شفافۃ لالون لھا وھی الاجزاء المائیۃ الرشیۃ[2] اھ۔ وھو ظاھر فی نفی اللون عن الماء فان قلت منشأ النفی کونھا صغیرۃ جدا فلا یظھر لھا لون۔اقول:کلا الا تری ان البخار یری لہ لون وما ھو الا لون الاجزاء المائیۃ وھی فیہ الطف منھا فی الثلج ولذا ینزل ذاک وھذا یعلو والصغیر جدا اذا انفرد لایری فلا یری لونہ واذا اجتمعت الصغار بنت وریٔ لونھا کمافی البخار والدخان بل والھباء کماذکرناہ فی بعض حواشی اواخر الفصل الاول من رسالتنا النمیقۃ الانقی۔

میں کہتا ہوں کہ شرح مواقف میں علم بالحس کی بحث میں موجود ہے کہ برف شفاف اجزاء سے مرکب ہے اس کا کوئی رنگ نہیں ہے بلالکہ وہ پانی کے باریک اجزا ہیں اھ۔ پانی کے رنگ کی نفی میں یہ عبارت ظاہر ہے۔ اگر تو کہے ہوسکتا ہے کہ اجزاء باریک ہونے کی وجہ سے رنگ ظاہر نہ ہوتا ہو۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے ہرگز نہیں، کیونکہ آپ دیکھتے ہیں کہ بادل کے بخارات میں رنگ ظاہر ہوتا ہے اور یہ رنگ پانی کے اجزاء کا رنگ ہیں حالانکہ یہ اجزاء برف کے اجزاء سے زیادہ باریک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ برف اوپر سے گرتی ہے اور بخارات اوپر کو اُٹھتے ہیں اور باریک اگر علیحدہ ہو تو وہ نظر نہیں آتا تو اس کا رنگ کیسے نظر آئے گا اور چھوٹے اجزاء جب جمع ہوں تو نظر آتے ہیں تو ان کا رنگ بھی نظر آئے گا جیسا کہ بخارات اور دھوئیں میں بلالکہ ذرات میں ایسا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ **النمیقۃ الانقی** کی پہلی فصل کے اواخر کے حواشی میں ذکر کیا ہے۔(ت)

اور صحیح یہ کہ وہ ذی لون ہے، یہی امام فخر رازی وغیرہ کا مختار ہے جو کلام فقہا مسائل آب کثیر و آب مطلق وغیرہما

[1] حاشیہ سفطی علی مقدمۃ عشماویۃ

[2] شرح المواقف المرصد الرابع فی علوم الضروریۃ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱/۱۴۳

میں ذکر لون متواتر ہے اور ابن ماجہ نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الماء طهور لاینجسه الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه[1]۔	بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کی بُو اور ذائقہ اور رنگ پر غالب ہو جائے۔(ت)

سنن دارقطنی میں ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الماء طهور الاماغلب علی طعمه او ریحه اولونه[2]۔	ہر پانی پاک کرنے والا ہے ماسوائے اس کے جس کے ذائقہ، بُو اور رنگ مغلوب ہو چکے ہوں۔(ت)

امام طحاوی مرسل راشد بن سعد سے راوی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الماء لاینجسه شیئ الا ماغلب علی ریحه اوطعمه اولونه[3]۔	پانی کو کوئی چیز نجس نہیں بناتی مگر وہ چیز جو پانی کے رنگ، بُو یا ذائقہ پر غالب ہو جائے۔(ت)

اقول: اور اصل حقیقت ہے فلاتردالریح (تو ریح کا ورود نہ ہوگا۔ت) معہذا مقرر ہو چکا کہ ابصار عادی دنیاوی کیلئے مرئی کا ذی لون ہونا شرط ہے بلاکہ مرئی نہیں مگر لون وضیا تو پانی بے لون کیونکر ہو سکتا ہے ولہذا ابن کمال پاشا نے اُس کے حقیقۃً ذی لون ہونے پر جزم کیا کمامرانفا (جیسا کہ ابھی گزرا۔ت) پھر اُس (۱) کے رنگ میں اختلاف ہوا بعض نے کہا سپید ہے فاضل یوسف بن سعید اسمٰعیل مالکی نے حاشیہ عشماویہ میں یہی اختیار کیا اور اس پر تین دلیلیں لائے:

اول: مشاہدہ۔

دوم: حدیث کہ پانی کو دُودھ سے زیادہ سپید فرمایا۔

سوم: برف جم کر کیسا سپید نظر آتا ہے۔

حیث قال فان قلت ما لون الماء الذی هو قائم بذاته قلت المشاهد فیه البیاض ویشهد له ماورد فی بعض الاحادیث فی وصف	جب کہا اگر تو کہے کہ پانی کا رنگ جو پانی میں پایا جاتا ہے وہ کیا ہے، تو میں کہتا ہوں کہ جو رنگ نظر آتا ہے وہ سفید ہے اور اس کی شہادت اس ایک حدیث

[1] سنن ابن ماجہ باب الماء الذی لاینجس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۰

[2] سنن الدارقطنی باب الماء المتغیر مدینہ منورہ حجاز ۱/۲۸

[3] شرح معانی الآثار باب الماء یقع فیہ النجاسۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸

الماء من کونه اشد بیاضا من اللبن ومما یدل علی ان الماء لونه ابیض مشاهدة البیاض فی الثلج حین جمودہ وانعقادہ علی وجه الارض[1] اھ۔	سے بھی ملتی ہے جس میں پانی کی صفت میں کہا گیا ہے کہ وہ دُودھ سے زیادہ سفید ہے اور اس حقیقت پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ پانی جم کر جب برف کی صورت زمین پر گرتا ہے تو اس کا رنگ انتہائی سفید نظر آتا ہے اھ۔ (ت)

اقول، اوّلاً: بلالکہ (۱) مشاہدہ شاہد کہ وہ سپید نہیں ولہذا آبی اُس رنگ کو کہتے ہیں کہ نیلگونی کی طرف مائل ہو۔

ثانیاً: سپید (۲) کپڑے کا کوئی حصہ دھویا جائے جب تک خشک نہ ہو اس کا رنگ سیاہی مائل رہے گا، یہ پانی کا رنگ نہیں تو کیا ہے۔

ثالثاً: دُودھ (۳) جس میں پانی زیادہ ملا ہو سپید نہیں رہتا نیلاہٹ لے آتا ہے۔

رابعاً: بحرِ (۴) اسود واخضر واحمر مشہور، اور اسی طرح ان کے رنگ مشہور ہیں اسود تو سیاہی ہے اور سبزی بھی ہلکی سیاہی ولہذا آسمان کو خضرا اور چرخ اخضر کہتے ہیں اور خط کو سبزہ۔ سانولی رنگت کو حسن سبز اور سرخی بھی قریب سواد ہے اگر حرارت زیادہ عمل کرے سیاہ ہو جائے جس طرح بعد خشکی خون۔ گہری سرخی میں بالفعل سیاہی کی جھلک ہوتی ہے انگور سبز پھر سُرخ پھر سیاہ ہو جاتا ہے۔

خامساً: حدیث ۵ مبارک دربارہ کوثر اطہر ہے۔

سقانا اللّٰه تعالٰی منه بمنه ورأفته، وکرم حبیبه وقاسم نعمته، صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وعلی اٰله وصحبه وامته، اٰمین۔	اللہ تعالٰی اپنے احسان اور مہربانی اور اپنے حبیب اور قاسمِ نعمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب اور اُمت پر کرم سے ہمیں حوضِ کوثر سے سیراب فرمائے۔ آمین۔ (ت)

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق پانی کا رنگ سپید ہو، اُسی حدیث ۶ میں اس کی خوشبو مشک سے بہتر فرمائی۔ صحیحین میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حوضی مسیرۃ شهر ماؤہ ابیض من اللبن وریحه اطیب من المسك[2]۔	میرا حوض ایک مہینے کی راہ تک ہے اُس کا پانی دُودھ سے زیادہ سپید ہے اور اس کی خوشبو مشک سے بہتر۔

---

[1] حاشیۃ مقدمۃ عشماویۃ

[2] جامع للبخاری کتاب الحوض قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۷۴/۲

اور دوسری روایت میں فرمایا: **ابیض من الورق** چاندی سے بڑھ کر اُجلا۔

حالانکہ پانی اصلاً بُو نہیں رکھتا، خود حاشیہ فاضل سفطی میں دو ورق بعد ہے:

قوله او ريحه قال ابن كمال باشا لابد من التجوز فی قولهم تغير ريح الماء لان الماء ليس له رائحة ذاتية فالمراد طرأفيه ريح لم يكن افاده شيخنا الامير [1] **اھ۔ وقد اسمعناك نص العلامة الوزير۔**	ابن کمال پاشا نے کہا، پانی کی بُو بدلنے والے قول میں مجاز ماننا ضروری ہے کیونکہ اس کی اپنی کوئی بُو نہیں ہے لہٰذا اس قول سے وہ بُو مراد ہوتی ہے جو پانی پر طاری ہوتی ہے۔ ہمارے شیخ امیر صاحب نے یہ نہیں بتایا حالانکہ ہم نے آپ کو علّامہ وزیر صاحب کی تصریح بتادی ہے۔ (ت)

اس کی ضد جہنّم ہے والعیاذ باللہ تعالٰی منہا جس کی آگ اندھیری رات کی طرح کالی ہے مالک و بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اترونها حمراء كناركم هذه لهی اشد سواد من القار [2]**۔**	کیا تم اُسے اپنی اس آگ کی طرح سرخ سمجھتے ہو بے شک وہ تو تارکول سے بڑھ کر سیاہ ہے۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگ کا اصل رنگ سیاہ ہو یا ہر آگ ایسی ہی ہو خود حدیث کا ارشاد ہے کہ اُسے اس آگ سا سُرخ نہ جانو۔

سادسًا: بعد انجماد [۲] کوئی نیا رنگ پیدا ہونا اس پر دلیل نہیں کہ یہ اُس کا اصلی رنگ ہے خشک ہونے پر خُون سیاہ ہو جاتا ہے اور مچھلی کی سرخ رطوبت سپید۔ اسی سے اُس پر استدلال کیا گیا کہ وہ خون نہیں۔

سابعًا: [۳] ہوا کہ ضیا سے [۴] مستنیر ہو رہی ہے جب جسم شفاف کے اندر داخل ہوتی ہے اُس کے شفاف اور اس کے چمکدار ہونے سے وہاں ایک ہلکی روشنی پیدا ہوتی ہے جس سے سپیدی نظر آتی ہے جیسے موتی یا شیشے یا بلور کو خوب پیسیں تو اجزاء باریک ہوجانے سے ضیاء اُن کے مابین داخل ہوگی اور دقّتِ فصل کے باعث اُن باریک باریک اجزاء اور اُن میں ہر دو کے بیچ میں اجزائے ضیا کا امتیاز نہ ہوگا اور ایک رنگ کہ دھوپ سے میلا اور اُن کے اصلی رنگ سے اُجلا ہے محسوس ہوگا یہ وہ سپیدی و براقی ہے کہ اُن میں نظر آتی ہے یوں ہی [۵] دریا کے

---

[1] حاشیۃ فاضل سفطی

[2] موطا امام مالک ماجاء فی صفۃ جہنم میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۳۳

جھاگ بلالکہ پیشاب کے بھی حالانکہ وہ یقینا سپید نہیں اس کی سپیدی تو مرض ہے بلالکہ آئینہ[1] میں اگر درز پڑ جائے وہاں سپیدی معلوم ہوگی کہ اب تابندہ ہوا عمق میں داخل ہوئی یہی وجہ[2] جمی ہُوئی اوس کے سپید نظر آنے کی ہے کہ شفاف ہے اور اجزاء باریک اور چمکدار ہوا داخل۔

ثامنًا: [3] شفیف[4] اجرام کا قاعدہ ہے کہ شعاعیں اُن پر پڑ کر واپس ہوتی ہیں ولہذا آئینہ میں اپنی اور اپنے پس پشت چیزوں کی صورت نظر آتی ہے کہ اس نے اشعہ بصر کو واپس پلٹا یا واپسی میں نگاہ جس جس چیز پر پڑی نظر آئی گمان ہوتا ہے کہ وہ صورتیں آئینے میں ہیں حالانکہ وہ اپنی جگہ ہیں نگاہ نے پلٹتے میں انہیں دیکھا ہے ولہذا[5] آئینے میں دہنی جانب بائیں معلوم ہوتی ہے اور بائیں دہنی[6] ولہذا شے آئینے سے جتنی دُور ہو اُسی قدر دُور دکھائی دیتی ہے اگرچہ سو گز فاصلہ ہو حالانکہ آئینہ کا دَل جَو بھر ہے سبب وہی ہے کہ پلٹتی نگاہ اُتنا ہی فاصلہ طے کرکے اُس تک پہنچتی ہے اب برف[7] کے یہ باریک باریک متصل اجزا کہ شفاف ہیں نظر کی شعاعوں کو انہوں نے واپس دیا پلٹتی شعاعوں کی کرنیں اُن پر چمکیں اور دھوپ کی سی حالت پیدا کی جیسے پانی یا آئینے پر آفتاب چمکے اُس کا عکس دیوار پر کیسا سفید براق نظر آتا ہے زمین[8] شور میں دُھوپ کی شدت میں دُور سے سراب نظر آنے کا بھی یہی باعث ہے خوب چمکتا جنبش کرتا پانی دکھائی دیتا ہے کہ اُس زمین میں اجزائے صقیلہ شفافہ دُور تک پھیلے ہوتے ہیں نگاہ کی شعاعیں اُن پر پڑ کر واپس ہوئیں اور شعاع[9] کا قاعدہ ہے کہ واپسی میں لرزتی ہے جیسے آئینے پر آفتاب چمکے دیوار پر اُس کا عکس جھل جھل کرتا نظر آتا ہے اور شعاعوں کے زاویے یہاں چھوٹے تھے کہ اُن کی ساقیں طویل ہیں کہ سراب دور ہی سے متخیل ہوتا ہے اور وتر اُسی قدر ہے جو ناظر کے قدم سے آنکھ تک ہے اور چھوٹے وتر پر ساقیں جتنی زیادہ دُور جاکر ملیں گی زاویہ عــہ خوردتر بنے گا اور زوایائے[10] انعکاس ہمیشہ زوایائے شعاع کی برابر ہوتے ہیں اشعہ بصر یہ اُتنے ہی زاویوں پر پلٹتی ہیں جتنوں پر گئی تھیں ان دونوں امر کے اجتماع سے نگاہیں کہ اجزائے بعیدہ صقیلہ پر پڑی تھیں لرزتی جھل جھل کرتی چھوٹے زاویوں پر زمین سے ملی ملی پلٹیں لہذا وہاں چمکدار پانی جنبش کرتا متخیل ہوا واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول: ھذا طریق وان[11] شرط اخترنا طریق	**میں کہتا ہوں** یہ ایک راستہ ہے، اور اگر

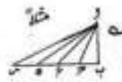

عــہ: مثلًا اح ب۔ اع ب۔ اہ ب۔ ار ب مثلثوں میں زاویہ قائمہ اور سب میں مشترک ہے تو ہر ایک کے باقی دو زاویے ایک قائمہ کے برابر ہیں لیکن زوایائے ح اب۔ ع اب۔ ح اب۔ ر اب علی الترتیب بڑھتے گئے ہیں کہ ہر پہلا دوسرے کا جز ہے تو واجب کہ زوایائے ح۔ ع۔ ہ۔ ر اُسی قدر چھوٹے ہوتے جائیں کہ ہر ایک اپنے زاویہ کا قائم تک تمام ہے چھوٹے کا تمام بڑا ہوگا بڑے کا چھوٹا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

العضد الذی قال انه الحق واقرہ السید وھو منع ان لابیاض فی الثلج وماذکر معه والقول بان اختلاط الھواء المضیئ بالاجزاء الشفافة احد اسباب حدوث البیاض وان لم یکن ھناك مزاج یتبعه حدوث اللون قالا ولیس ذلك ابعد ممایقوله الحکماء۔

(اقول: ای السفھاء من بعض القدماء کماقدّم وتبعھم ابناسینا والھیثم کمافی طوالع الانوار وشرح التجرید) فی کون الضوء شرطا لحدوث الالوان کلھا فاذا اخرج المصباح مثلا عن البیت المظلم انتفی الوان الاشیئاء التی فیھا واذا اعیدت صارت ملونة بامثالھا لاستحالة اعادۃ المعدوم عندھم ولاشك ان ھذا ابعد من حدوث البیاض فی الاجزاء الشفافة بمخالطة الھواء من غیر مزاج[1] اھ۔

اقول: (۱) وقولھم مردود (۲) بحدیث البزار والحاکم وصححه عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن (۳) النبی صلی اللہ علیه وسلم

عضد صاحب کا راستہ اختیار کریں جنہوں نے کہا کہ یہ حق ہے اور سید صاحب نے بھی اس کی تائید کی وہ یہ کہ برف میں سفیدی نہ ہونے کا انکار ہے اور اس کے ساتھ مزید یہ قول کہ ہوا کی روشنی شفاف اجزاء میں سفیدی پیدا کرنے کا ایک سبب ہے اگرچہ یہاں کوئی ایسا مزاج نہیں جس کے بعد رنگ پیدا ہوتا ہو ان دونوں نے کہا کہ یہ بات حکماء کے قول سے بعید نہیں ہے۔ (ت)

(میں کہتا ہوں کہ حکماء سے مراد قدماء میں سے بعض بیوقوف ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے جن کی پیروی ابن سینا اور ابن ہیثم نے کی ہے، جیسا کہ طوالع الانوار اور شرح تجرید ہے) یہ پیروی حکماء کے اس قول میں ہے جس میں حکماء نے تمام رنگوں کے پیدا ہونے میں روشنی کو شرط قرار دیا ہے مثلاً اگر رات کو اندھیرے میں کمرے سے چراغ کو نکال لیا جائے تو کمرے میں موجود تمام رنگ دار چیزوں کا رنگ ختم ہوجائے گا اور جب دوبارہ چراغ کو کمرے میں داخل کیا جائے تو کمرے کی چیزیں پہلے رنگوں کی ہم مثل رنگ دار ہوں گی، یہ اس لئے کہ ان کے نزدیک معدوم ہونے کے بعد کسی چیز کا اعادہ محال ہے (لہذا پہلا رنگ دوبارہ عود نہیں کرے گا بلاکلہ اس کی مثل نیا رنگ پیدا ہوگا) اور بے شک یہ بات شفاف اجزاء میں ہوا کے ملنے سے کسی مزاج کے بغیر سپید پیدا ہونے سے بھی زیادہ بعید ہے اھ۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اُن کا یہ قول مردود ہے ایک حدیث کی بنا پر جس کو بزار اور حاکم نے صحیح طور پر روایت کیا ہے وہ یہ کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے

[1] شرح التجرید و طوالع الانوار

قال نار جهنم عـہ سوداء مظلمة [1] وروی البیهقی فی البعث وابو القاسم الاصبهانی عنه قال تلا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم هذه الاٰیة وقودها الناس والحجارة فقال اوقد علیها الف عام حتی احمرت والف عام حتی ابیضت والف عام حتی اسودت فهی سوداء مظلمة لایضیئ لهبها [2] و روی الترمذی وابن ماجة والبیهقی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مثله وفی اٰخره فهی سوداء مظلمة کاللیل المظلم [3] جعل الترمذی وقفه اصح۔

اقول: والوقف فیه کالرفع اذا لم یکن اٰخذ عن الاسرائیلیات فقد اثبت لها اللون مع الظلمة وعدم الضوء (۲) فاذن جوابنا خبر

حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جہنم کی آگ انتہائی سیاہ ہے۔ اور بیہقی نے بعث میں روایت کیا جس کو ابوالقاسم اصبہانی نے ان سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے آیہ کریمہ وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (جہنم کا ایندھن کافر لوگ اور پتّھر ہیں) تلاوت فرمائی اور اس پر آپ نے فرمایا کہ جہنم میں ایک ہزار سال آگ جلائی گئی تو سُرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال حتی کہ سفید ہوئی پھر ایک ہزار سال حتی کہ سیاہ ہو گئی۔ پس جہنم کی آگ انتہائی سیاہ ہے جس کا شعلہ روشن نہ ہوگا۔ اسی حدیث کو ترمذی، ابنِ ماجہ اور بیہقی نے ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا لیکن اس کے آخری جُملے میں ہے کہ وہ آگ انتہائی سیاہ جیسے اندھیری رات ہے ترمذی نے اس حدیث کے موقوف ہونے کو اصح کہا ہے۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اس معاملہ میں یہ حدیث موقوف بھی مرفوع کی طرح ہے بشرطیکہ اسرائیلیات سے ماخوذ نہ ہو۔ اس حدیث میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے

عـہ مسلمان کہ سرورِ ولادت اقدس حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں روشنی کرتے ہیں اُس کی بحث میں "براہین قاطعہ" میں یہ عبارت مولوی گنگوہی کی "جو روشنی زائد از حاجت ہے وہ نار جہنم کی روشنی دکھانے والی ہے" محض جہل و گزاف اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو فرمائیں کہ وہ کالی رات کی طرح اندھیری ہے مگر اس کو اس میں روشنی سُوجھی۔ (م)

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب صفۃ جہنم موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۱۸۰

[2] شعب الایمان حدیث ۷۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۸۹

[3] جامع للترمذی ابواب صفۃ جہنم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۸۳، سنن ابن ماجہ باب صفۃ النار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳۰

اظهر لثبوت بیاض الثلج حادث لم یکن فی الماء والله تعالٰی اعلم۔	جہنّم کی آگ کیلئے اندھیری اور روشن نہ ہونے کے باوجود رنگ کا اثبات فرمایا۔ پس اب برف کی سفیدی کے ثبوت کیلئے جو کہ پانی میں نہ تھا، ہمارا جواب واضح ہے (ت)

اور بعض نے پانی کا رنگ سیاہ بتایا اور اس پر اس حدیث سے سند لائے کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے فرمایا:

والله یاابن اختی ان کنا لننظر الی الهلال ثم الهلال ثم الهلال ثلثة اهلة فی شهرین وما اوقد فی ابیات النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نار قلت یاخالة فما کان یعیشکم قالت الاسود ان التمر والماء [1]۔ رواه الشیخان فی صحیحهما عن عروة عن ام المؤمنین رضی الله عنها۔ **اقول:** وقد کثر ذلك فی الاحادیث وکلام العرب ومنها الحدیث المسلسل بالاضافة قال السفطی بعد ماذکر حدیث ام المومنین بلفظ کنا نمکث لیالی ذوات العدد لانوقد نارا فی حجر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه واٰله وسلم وماهو الا الاسودان الماء والتمر اجیب بانها رضی الله تعالی عنها جعلت الماء اسود تغلیبات للتمر علی الماء لان التمر مطعوم والماء مشروب والمطعوم اشرف من المشروب اوان اٰنیة مائهم اذذاك کان یغلب علیها السواد	اے میرے بھانجے خدا کی قسم ہم ایک ہلال دیکھتے پھر دوسرا تیسرا دو مہینوں میں تین چاند اور کاشانہ ہائے نبوت میں اگ روشن نہ ہوتی عروہ نے عرض کی اے خالہ پھر اہلِ بیت کرام مہینوں کیا کھاتے تھے؟ فرمایا: بس دو سیاہ چیزیں چھوہارے اور پانی (شیخین نے اپنی صحیحین میں عروہ سے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے روایت کیا۔ ت) **میں کہتا ہوں** کہ احادیث اور عربوں کے کلام میں یہ مضمون بکثرت موجود ہے، اسی سلسلہ میں ایک حدیث جو مسلسل بالاضافت ہے سفطی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ کہ ہم کئی راتیں بسر کرتے درانحالیکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے حجروں میں آگ روشن نہ ہوتی اور (وہ خوراک) صرف دو سیاہ چیزیں پانی اور کھجور تھیں کو بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کھجور کو غالب قرار دے کر پانی کو سیاہ فرمایا کیونکہ کھجور خوراک ہے اور پانی مشروب ہے اور خوراک کو مشروب پر فضیلت ہونے

[1] صحیح للبخاری کتاب الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۹

لكثرة دباغها افاد جميع ذلك شيخنا العيدروس و قرره شيخنا ايضا ومثله فی حاشية شيخنا الامير وقال بعض شيوخنا ان لونه اسود مستدلا بظاهر هذا الحديث لكن الاول هو المتجه فتأمل[1] اھ

اقول: اولا(۱) التغليب (۲) تجوز فلايصار اليه مالم يثبت ان الماء لاسواد له (۳) **وثانيا**: (۴) التغليب فی الاسماء كالعمرين والقمرين دون وصفين متضادين فيقال لجيد و ردی جيدان وطويل وقصير طويلان وعالم وجاهل عالمان وهل يستحسن لمن اكل لحما وشرب ماء ان يقول ماهما الا الاحمران اللحم والماء ومن تناول تمرا ولبنا يقول ماهما الا الاسودان التمر واللبن **وثالثا**: (۵) قد قلتم ان الماء اذا وضع فی اناء اخضر فالخضرة لم تقم بالماء فكذلك سواد الشن ففيم التجوز بلادليل۔

کی وجہ سے کھجور کو پانی پر غلبہ ہے، یا اس لئے پانی کو سیاہ فرمایا کہ اس وقت ان کے پانی والے برتن گہرے رنگ دار ہونے کی بنا پر غالب طور پر سیاہ ہوتے تھے اور کہا کہ یہ ساری بحث ہمیں شیخ عیدروس سے حاصل ہوئی اور اس کی ہمارے شیخ نے توثیق بھی کی اور اس طرح ہمارے شیخ امیر کے حاشیہ میں بھی اور ہمارے بعض شیوخ نے فرمایا کہ پانی کا رنگ سیاہ ہے انہوں نے اس حدیث کے ظاہر کو دلیل بنایا ہے۔ لیکن پہلی توجیہ ہی صحیح ہے غور کرو اھ (ت)

میں کہتا ہوں کہ اولاً تغلیب اگرچہ جائز ہے مگر جب تک کہ پانی کا سیاہ نہ ہونا واضح نہ ہو جائے اس وقت اس کی ضرورت نہیں ہے اور ثانیاً تغلیب کا عمل ناموں (اسماء) جیسے قمرین (سورج اور چاند) اور عمرین (عمر فاروق اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما) میں جاری ہوتا ہے لیکن متضاد اوصاف میں جاری نہیں ہوتا تاکہ جیدان کہہ کر جید اور ردی مراد لیا جائے اور طویلان کہہ کر طویل اور چھوٹا مراد لیا جائے، اور عالمان کہہ کر عالم اور جاہل مراد لیا جائے۔ کیا گوشت کھانے اور پانی پینے والے کو یہ کہنا مناسب ہوگا وہ صرف احمران (دو سرخ) ہیں یا کھجور اور دُودھ تناول کرنے پر یہ کہنا مناسب ہوگا، وہ صرف اسودان (دو سیاہ) ہیں۔ اور ثالثاً تم نے خود کہا ہے کہ جب پانی سبز برتن میں رکھا جائے تو سبزی پانی کو نہیں لگتی پس اسی طرح مشکیزہ کا سیاہ رنگ ہو تو اس میں پانی کو کیونکر سیاہ کہا جاسکتا ہے بغیر دلیل مجاز کیسے ہوسکتا ہے۔ (ت)

اقول: حقیقت امر یہ ہے کہ پانی خالص سیاہ نہیں مگر اُس کا رنگ سپید نہیں میلا مائل بیک گونہ

[1] حاشیۃ فاضل سفطی

سواد خفیف ہے اور وہ صاف سپید چیزوں کے بمقابل آکر کھل جاتا ہے جیسا کہ ہم نے سفید کپڑے کا ایک حصہ دھونے اور دودھ میں پانی ملانے کی حالت بیان کی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

(۷) علماء کو اس اجماع اعنی قول متیقن ناصالح نزاع کے بعد کہ سب پانیوں میں افضل وہ پانی ہے جو اُس بحر بے پایاں کرم ونعم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انگشتانِ مبارک سے بارہا نکلا اور ہزاروں کو سیراب وطاہر کیا زمزم افضل ہے یا کوثر؟ شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی شافعی نے فرمایا کہ زمزم افضل ہے کہ شبِ اسرا ملائکہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دِل مبارک اُس سے دھویا حالانکہ وہ آبِ کوثر لاسکتے تھے اور اللہ عزوجل نے ایسے مقام پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے اختیار نہ فرمایا مگر افضل شمس نے اس میں سراج کا اتباع کیا فتاوٰی علامہ شمس الدین محمد رملی شافعی میں ہے:

افضل المیاہ مانبع من بین اصابعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم وقد قال البلقینی ان ماء زمزم افضل من الکوثر لان بہ غسل صدر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم یکن یغسل الابافضل المیاہ[1] اھ	افضل ترین پانی وہ ہے جو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی انگلیوں سے نکلا اور بلقینی نے فرمایا کہ زمزم کا پانی کوثر سے افضل ہے کیونکہ اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سینہ مبارک دھویا گیا ہے اور اس کا دھونا افضل پانی سے ہی ہوسکتا تھا اھ (ت)

اس پر اعتراض ہوا کہ زمزم تو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا ہوا اور کوثر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تو لازم کہ کوثر ہی افضل ہو امام ابن حجر مکی نے جواب دیا کہ کلام دنیا میں ہے آخرت میں بے شک کوثر افضل ہے۔

اقول: تو یہ قول ثالث یا دونوں قولوں کی توفیق ہوا۔ فتاوٰی فقہیہ کی عبارت یہ ہے:

(سئل) ایما افضل ماء زمزم اوالکوثر (فاجاب) قال شیخ الاسلام البلقینی ماء زمزم افضل لان الملئکۃ غسلوا بہ قلبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین شقوہ لیلۃ الاسراء مع قدرتھم علی ماء الکوثر فاختیارہ فی ھذا المقام دلیل علی افضلیتہ	آپ سے پُوچھا گیا کہ کیا آبِ زمزم افضل ہے یا کوثر؟ تو اس کے جواب میں فرمایا: شیخ الاسلام بلقینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آبِ زمزم افضل ہے کیونکہ معراج کی رات اس سے فرشتوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قلبِ مبارک کو کھول کر غسل دیا، تو کوثر کے استعمال پر قدرت کے باوجود زمزم کو ترجیح دینا اس کی افضلیت

[1] فتاوٰی علامہ شمس الدین رملی علی الفتاوی الکبری کتاب الطہارۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۵

ولا یعارضه انه عطیة الله تعالٰی لاسمٰعیل علیه الصلٰوۃ والسلام والکوثر عطیة الله تعالٰی لنبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان الکلام فی عالم الدنیا لاالاٰخرۃ ولامریة ان الکوثر فی الاٰخرۃ من اعظم مزایا نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومن ثم قال تعالٰی انا اعطینٰك الکوثر بنون العظمة الدالة علی ذلك وبما قررته علم الجواب عما اعترض به علی البلقینی [1] اھ	کی دلیل ہے۔ زمزم کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اور کوثر کا ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی کی طرف سے عطیہ ہونا اس کو معارض نہیں کیونکہ کلام دنیاوی فضیلت میں ہے اور آخرت کے لحاظ سے بلاشبہ کوثر کو بہت بڑا اعزاز ہے جو ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ملے گا اسی لئے اللہ تعالٰی نے انا اعطینٰک الکوثر کو اپنے لئے منسوب فرمایا جس پر نون متکلم دلالت کرتا ہے اور یہ بڑی عظمت ہے، اور میری تقریر سے بلقینی پر وارد ہونے والے اعتراض کا جواب بھی معلوم ہوگیا اھ (ت)

اس وقت اس مسئلہ پر کلام اپنے علما سے نظر فقیر میں نہیں اور وہ کہ فقیر کو ظاہر ہوا تفضیل کوثر ہے۔

فاقول: وبالله التوفیق الافضل معنیان الاکثر ثوابا وھو فی المکلفین من یثاب اکثر وفی الاعمال ماالثواب علیه اکبر ولامدخل لھذین فی زمزم والکوثر وان اول بالتعاطی ای ماتعاطیه اکثر ثوابا فالکوثر غیر مقدور لنا فلایتأتی التفاضل من ھذا الوجه ایضا ولا معنی لان یقال ان ثوابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اکثر فی غسل الملئکة قلبه الکریم باحدھما۔فاذن لاکلام فیه الابمعنی الاعظم شانا والارفع مکانا عندالله تعالٰی و	**پس میں کہتا ہوں** اور اللہ تعالٰی سے ہی توفیق حاصل ہے۔ افضل کے دو معنی ہیں، ایک ثواب کے لحاظ کثرت ہے یہ معنی انسانوں میں جس کو ثواب حاصل ہو، اور اعمال میں وہ عمل جس پر ثواب زیادہ مرتب ہو، اس معنی کی دونوں مذکورہ صورتیں زمزم اور کوثر میں نہیں پائی جاسکتیں اور اگر اس معنی کی یہاں یہ تاویل کی جائے کہ ان کے لین دین میں زیادہ ثواب ہے تو پھر کوثر میں یہ معنی نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ہماری قدرت سے باہر ہے اسلئے دونوں میں افضیلت کا تقابل نہیں پایا جاسکتا اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان دونوں میں سے ایک کے ساتھ فرشتوں کا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قلب مبارک کو دھونا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے زیادہ ثواب ہے۔ (ت) اب صرف افضل کے دوسرے معنی میں بات ہوسکتی ہے اور وہ عنداللہ عظمتِ شان اور رفعتِ

[1] فتاوٰی کبرٰی کتاب الطھارۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۵/۱

(۱)حینئذ لایتم استدلال الامام البلقینی رحمه الله تعالٰی الا اذا احطنا بالحکم الالٰهیة فی غسل قلبه الکریم علیه افضل الصلاۃ والتسلیم وعلمنا انهما کان سواء فی تحصیلها ثم الله سبحنه اختار هذا فکان افضل اما ان یکون شیئ اوفق واصلح العمل من غیرہ فلایستلزم کونه اجل قدرا واعظم فخرا منه بالفضل الکلی علی (۲) انه صلی الله تعالٰی (۳) علیه وسلم لایتشرف بغیرہ بل الکل انما یتشرفون به (۴) والله تعالٰی یصیب برحمته صلی الله تعالٰی علیه وسلم مایشاء من خلقه لیرزقه فضلا کما اختار لولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهر ربیع الاول دون شهر رمضان ویوم الاثنین دون الجمعة ومکان مولدہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم دون الکعبة والفضل بیدالله یؤتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم[1] اما جواب الامام ابن حجر فغایة مایظهر فی توجیهه ان زمزم افضل فی الدنیا لانه مقدورلنا فنثاب علیه فیترتب علیه الفضل لنا بخلاف الکوثر ان رزق الله تعالٰی منه احدنا فی الدنیا فلفضل فیه

مقام ہے اور اس معنی پر امام بلقینی کا استدلال تب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب ہم حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قلب مبارک دھونے کے بارے میں اللہ تعالٰی کی حکمتوں کو پیشِ نظر رکھیں اور یہ معلوم کرلیں کہ ان کے حاصل کرنے میں دونوں پانی زمزم اور کوثر مساوی ہیں اس کے باوجود اللہ تعالٰی نے زمزم کو پسند فرمایا لہٰذا افضل ہوا، اس لئے کہ یہ اس کارروائی کیلئے زیادہ موافق اور زیادہ صلاحیت والا تھا، اس لحاظ سے زمزم کا قدر ومنزلت کے اعتبار سے کلی طور پر اعظم ہونا لازم نہیں آتا۔ علاوہ ازیں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو کسی دوسرے سے شرف حاصل نہیں ہُوا بلکہ دوسروں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے شرف پایا ہے اللہ تعالٰی اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی رحمت سے نوازتا ہے تاکہ اس کو فضیلت دے جیسا کہ آپ کی ولادت پاک کیلئے رمضان کی بجائے ربیع الاول کو اور جمعہ کی بجائے سوموار کے دن کو اور کعبہ کی بجائے آپ کی جائے ولادت کو مشرف فرمایا۔ فضیلت کا مالک اللہ تعالٰی ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔ لیکن امام ابنِ حجر کا جواب فضیلت کی توجیہ میں بہت واضح ہے کہ زمزم دنیا میں افضل ہے کیونکہ وہ ہمارے زیر تصرف ہے اور ہمیں اس پر

[1] القرآن ۳/ ۷۳

اولتفضل من المولی سبحنه وتعالٰی فھو یترتب علی الفضل ومایورث الفضل افضل اما الاٰخرة فلیست دار عمل فیذھب ھنالك ھذا الوجه ویظھر فضل الکوثر لانه من اعظم مامن الله تعالٰی به علی نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔

اقول: لو تم ھذا لکان کل ماء فی الدنیا افضل من الکوثر بعین الدلیل وھو کما تری بل الکلام (۱) کما علمت فی الارفع قدرا والاعظم فخرا وھذا لایختلف باختلاف الدار حتی یکون شیئ اجل قدرا عند الله تعالٰی من اٰخر فی الدنیا فاذا جاء ت الاٰخرة انعکس الامر کلا بل (۲) لا یظھر فی الاٰخرة الا ماھو عنده تعالٰی ھھنا فما کان افضل فی الاٰخرة کان افضل فی نفسه وماکان افضل فی نفسه کان افضل حیث کان وقد اعترفتم ان الکوثر افضل فی الاٰخرة فوجب ان یکون له الفضل دنیا واخری کیف و (۳) زمزم من میاہ الدنیا وھو من میاہ الاٰخرة وللاٰخرة اکبر درجٰت واکبر تفضیلا [1] وایضا (۴) ماؤہ من الجنة ۔قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم یغتّ فیه میزابان

ثواب ملتا ہے جس سے ہمیں فضیلت میسر ہوتی ہے اور کوثر کا معاملہ اس کے خلاف ہے اگر دنیا میں کسی کو وہ نصیب ہوجائے تو وہ پانے والے کی فضیلت ہوگی یا اللہ تعالٰی کی طرف سے فضل ہوگا لامحالہ کوثر کسی فضیلت پر مرتب ہوگا، اور فضیلت دینے والا (زمزم) افضل ہوتا ہے، اور آخرت دارالعمل نہیں ہے تاکہ وہاں یہ وجہ پائی جائے اور وہاں کوثر کی فضیلت ظاہر ہوگی کیونکہ وہاں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر انعامات سے یہ بڑا انعام ہوگا۔(ت)

میں کہتاہوں کہ اگر امام ابن حجر کی دلیل درست ہو تو اس سے لازم آئے گا کہ دنیا کے تمام پانی کوثر سے افضل ہوجائیں کیونکہ وہی دلیل یہاں پائی جاتی ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے بلالکہ یہاں فضیلت قدر و فخر کی عظمت و بلالندی مراد ہے اور فضیلت کا یہ معنی دنیا یاآخرت کے لحاظ سے نہیں بدلتا تاکہ دنیامیں ایک چیز دوسری کے مقابلالہ میں عنداللہ بڑی قدر والی ہو اور جب آخرت برپا ہو تو معاملہ الٹ ہوجائے ایساہرگز نہیں ہے بلالکہ آخرت میں عنداللہ وہی چیز قدر و منزلت والی ظاہر ہوگی جو یہاں دنیامیں بھی ایسی ہوگی۔ اور جو چیز آخرت میں افضل ہوگی وہ ہر جگہ افضل ہوگی اور جب آپ نے آخرت میں کوثر کے افضل ہونے کا اعتراف کرلیا تو ضروری ہے کہ وہ دنیا وآخرت دونوں میں افضل ہو، اور کیوں نہ ہو کہ زمزم دنیاکا پانی ہے اور کوثر

[1] القرآن ۱۷/۲۱

یمدانہ من الجنۃ احدھما من ذھب والاٰخر من ورق[1] رواہ مسلم عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ الا ان سلعۃ اللہ الجنۃ[2] ثم ھو (۱) انفع لامتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من شرب منہ لم یظمأ ابدا ولم یسود وجھہ ابدا (۲) وقد امتن اللہ سبحنہ بہ علی افضل انبیائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان افضل رزقنا المولی سبحنہ وتعالٰی الورود علیہ، والشرب منہ بید احب حبیب الیہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ومجد وشرف وعظم وکرم، وعلی الہ الکرام، وصحبہ العظام، وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ خیر الامم، وعلینا بھم ولھم وفیھم ومعھم یامن من علینا بارسالہ وانعم، والحمد للہ رب العٰلمین حمدا یدوم بدوامہ الادوم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم، وحکمہ عزشانہ احکم۔	آخرت کا پانی ہے اور آخرت کا درجہ اور فضیلت بڑی ہے، نیز کوثر کا پانی جنّت سے نکلتا ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کوثر میں دو میزاب (نالے) گرتے ہیں دونوں جنّت سے آکر گرتے ہیں ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا ہے۔ اس حدیث کو حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مسلم نے روایت کیا ہے، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا غور کرو اللہ تعالٰی کا سامان گراں قیمت والا ہے اور اللہ تعالٰی کا سامان جنّت ہے پھر کوثر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اُمت کیلئے وہاں زیادہ نفع مند ہے جو بھی اسے نوش کرے گا کبھی پیاسا نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا چہرہ کبھی سیاہ ہوگا، اور اللہ تعالٰی نے کوثر حضور افضل الانبیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر احسان فرمایا ہے لہٰذا کوثر ہی سب سے افضل ہے۔ دعا ہے ہمیں اللہ تعالٰی اپنے حبیب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دستِ مبارک سے پلائے اور اس کوثر پر ورود ہمیں نصیب فرمائے۔ حضور پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں، سلامتی، بزرگی، شرف وکرم نازل ہو اور آپ کی برگزیدہ آل پر اور بزرگو ارصحابہ پر اور آپ کے سخی صاحبزادے اور آپ کی بہترین اُمّت پر اور اُن کی معیت اور صدقے اور سبب سے ہم پر بھی، اے ہم پر اُن کو بھیج کر احسان فرمانے والے، الحمد للہ رب العٰلمین۔ (ت)

مسئلہ ۵۶: ۶ شوال ۲۰ھ مسئولہ مولوی عبدالشکور صاحب ارکانی

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ وضو کرتے وقت جس لوٹے سے وضو کرے اُس میں اگر ہاتھ منہ

[1] صحیح للمسلم کتاب الفضائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۵۱

[2] جامع للترمذی باب من ابواب القیمۃ امین کمپنی دہلی ۲/۶۸

کے مستعملہ قطرے گرے تو اس لوٹے کا پانی طاہر ہے یا نہیں اور اُس سے بقیہ عضو کا دھونا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: طاہر تو مطلقاً ہے **علی مذھب محمد المصحح المعتمد** (امام محمد کے صحیح و معتمد مذہب پر۔ ت) اور بقیہ اعضا کا اُس سے دھونا بھی درست ہے جبکہ مستعمل پانی اس قدر کثرت سے نہ گرا ہو کہ غیر مستعمل پانی سے زائد ہو جائے **فان المعتبر ھھنا الغلبة بالاجزاء**[1] **کما فی التبیین والدر المختار وغیرھما واللہ تعالٰی اعلم** (کیونکہ یہاں اجزاء کے اعتبار سے غلبہ معتبر ہے جیسا کہ تبیین اور درمختار میں ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از شہر بریلی بروز شنبہ ۲۵ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حوض کا پانی بسبب گرمی یا پُرانا ہونے سے جس میں بُو اور رنگ تغیر ہو جائے اُس میں وضو کرنا چاہئے یا نہیں، اور اسی مسئلہ میں گاؤں کے چاہ وغیرہ ان کا پانی اور رنگ اور بُو آجاتی ہے اس سے وضو کرنا چاہئے یا نہیں اور زید کہتا ہے اگر اُس میں کوئی چیز کُتّا یا بلّی وغیرہ گر جائے جس سے بُو آجائے اور مزہ تبدیل ہو جائے تو ناپاک ہو جائے تو ناپاک ہوتا ہے اور آپ ہی خود مزہ اور رنگ تبدیل ہو جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے؟

الجواب:

رنگ یا بُو یا مزہ اگر کسی پاک چیز کے گرنے یا زیادہ دیر ٹھہرنے سے بدلے تو پانی خراب نہیں ہوتا ہاں نجاست کی وجہ سے تغیر آجائے تو نجس ہوگا اگرچہ کتنا ہی کثیر کیوں نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: مقام کنپ ڈیسہ گجرات محلّہ محمد پورہ معرفت پیش امام مولوی نظام الدین صاحب مرسلہ نثار احمد صاحب ۲۰ رمضان شریف ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فقہاء حوض کی چار اقسام لکھتے ہیں: (۱) مدوّر (۲) مربع (۳) مثلث (۴) طول بلا عرض۔ آیا یہ چاروں قسمیں بلا اختلاف درست اور جائز ہیں یا ان میں سے کسی قسم میں اختلاف ہے اور جو قسم ان اقسام میں سے افضلیت رکھتی ہو استثناء کی جائے جواب سے بہت جلد تشفی فرمائیں۔

الجواب:

مدوّر مثلث مربع تو صرف اختلاف ہیات ہے اقسام جداگانہ نہیں جن کے احکام مختلف ہوں طول بلا عرض میں البتہ

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

اختلاف ہے بعض کے نزدیک وہ مطلقاً آبِ کثیر نہیں اگرچہ سمرقند سے بخارا تک ہو اور صحیح و رجیح تر یہ ہے کہ سو ۱۰۰ ہاتھ مساحت درکار ہے جس طرح بھی حاصل ہو کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ (اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے جس پر زیادہ کی ضرورت نہیں۔ت) اسی اختلاف کی بناپر مدوّر و مثلّث کی مساحتوں میں بھی اختلاف پڑے گا جن کے نزدیک دس ۱۰ ہاتھ طول دس ۱۰ ہاتھ عرض دونوں کا ہونا ضرور ہے مدوّر کا رقبہ ۱۸۳ ہاتھ سے بھی زیادہ ہونا چاہیے اور مثلث کی ہر ضلع ساڑھے اکیس ہاتھ ۳/۸ گرہ اور قول مختار پر مدوّر کا قطر پانچ گز دس ۱۰ گرہ ایک اُنگل یا گیارہ ہاتھ دو گرہ ایک انگل کھیے اور مثلث کی ہر ضلع پندرہ ہاتھ اور ۱/۵ ہاتھ کما بینا فی رسالتنا الهنیئ المنیر فی الماء المستدیر وھو من رسائل فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے "الھنیہ المنیر فی الماء المستدیر" میں جو کہ ہمارے فتاوٰی کے رسائل میں سے ہے، میں ذکر کیا ہے۔ت) افضل بے شک یہی ہے کہ مربع مثلث مدوّر کیسا بھی ہو اُس کے اندر ایک مربع واقع ہوسکے جس کی ہر ضلع پانچ ہاتھ یا پندرہ فٹ ہو لان الخروج عن الخلاف احوط واحسن بالاتفاق واللہ تعالٰی اعلم (کیونکہ بالاتفاق اختلاف سے بچنا بہتر اور با احتیاط ہے۔ت)

مسئلہ ۵۹: مسئولہ مولوی چودھری عبدالحمید خان صاحب رئیس سہاور مصنف کنزالآخرۃ ۷ محرم الحرام ۱۳۳۵ ہجری۔

آبِ مستعمل طاہر ہے غیر مطہر اور فقہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پانی دَہ در دَہ سے کم ہو خواہ وہ دیگ میں ہو خواہ مٹکے یا لوٹے میں، اگر اُس میں محدث یا جُنب کا ایک پورا بھی چھُو جائے گا تو وہ مستعمل ہوجائے گا اور پھر وہ قابلِ طہارت نہ رہے گا کہ آبِ مستعمل مطہر نہیں۔ ایسی صورت میں بڑی مشکل یہ پڑتی ہے کہ ایک گروہ کثیر در کثیر مسلمانوں کا خاص کر گروہ اناث کا بالکل دارمدار سقّوں کے پانی پر وضو و غسل کرنے کا ہے کہ سقّے پانی لے کر گھروں میں بھرتے ہیں اور اُسی پانی سے تمام گھر والے وضو وطہارت کرتے ہیں اور سقّوں کی یہ حالت ہے کہ اوّل تو وہ بے نمازی ہوتے ہیں جن کو طہارت ونجاست کا کچھ امتیاز نہیں اس کے سوا یہ کہ وہ سقّے نمازی ہی کیوں نہ ہوں لیکن ہمہ وقت باوضو نہیں ہوتے اور پانی کُنویں سے جب کھنیچتے ہیں تو ڈول کی رسّی کو دانتوں سے پکڑ کر ایک ہاتھ کی انگلیوں کو ڈول میں ڈال کر دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کے مشک کے منہ پر رکھ کر پانی مشک میں بھرتے ہیں اور پھر جب وہ گھروں میں آکر پانی بھرتے ہیں تو مشک کا منہ کھول کر اور مشک کے منہ کے قریب اپنا ہاتھ رکھ کر گھڑے مٹکوں میں پانی بھرتے ہیں کہ وہ سب پانی اُن کے ہاتھ کی کف دست پر ہو کر ظرف میں پہنچتا ہے اور ایسی حالت میں یقینی دو دو تین تین بار پانی مستعمل ہو کر گھڑے مٹکوں میں پہنچتا ہے اور اُسی سے سب طہارت و وضو ہوتا ہے اس کے سوا عام نمازی مسلمان جس طریق سے مسجدوں میں کُنویں سے پانی کھینچ کر لوٹوں اور مٹکوں میں بھرتے ہیں وہ بھی قریب قریب اُنہیں سقّوں کی ترکیب کے عمل کرتے ہیں اور اُسی سے

وضو وطہارت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اس طہارت کا کیا حکم ہے مسجد کے نمازیوں کی بد احتیاطی سے قطع نظر کرکے سقّوں کی بداحتیاطی کا کیا مضر ہے کہ جن کے پانی پر تمام مسلمانوں کا دارومدار ہے اور سقّوں کی بداحتیاطی جس پر بلوائے عام ہے کسی ترکیب سے کسی تدبیر سے رفع نہیں ہوسکتی تو پھر اب کیا کیا جائے۔ والسلام

الجواب:

فی الواقع مذہب صحیح یہی ہے کہ بے وضو آدمی کا ناخن بھی اگر بغیر دُھلا ہُوا اُس پانی میں کہ وہ دہ در دہ نہیں پڑ جائے تو وہ سب پانی مستعمل ہوجائے گا تصانیف امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے فتح القدیر امام ابن الہمام تک تمام کتابوں میں بالاتفاق یہی حکم ہے مگر شریعت[1] مطہرہ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ استعمال درکنار دربارہ نجاست بھی اوہام وشکوک وظنون مجردہ پر نظر نہیں فرماتی ملاحظہ ہوپُرانا استعمالیہ جُوتا کس قدر مظنہ نجاست ہے مگر حکم یہ ہے کہ جب تک نجاست معلوم نہ ہوکُنویں میں گرنے سے کُنواں ناپاک نہ ہوگا صرف تطییب قلب کیلئے بیس ڈول نکالے جائیں گے، ناسمجھ بچّے کا ہاتھ یا پاؤں پانی میں پڑ جائے بے علم نجاست پاک نہ ہوگا۔ گائے بکری کُنویں میں گرجائے اور زندہ نکل آئے کنواں پاک رہے گا اگرچہ اُن کے کُھر اور رانوں کا پیشاب وغیرہ میں ملوث نہ ہونا بعید از قیاس ہے یہاں تک کہ فاسقوں بے نمازیوں بلالکہ کافروں کے پاجامے پر بھی حکمِ نجاست نہیں دیتے صرف کراہت مانتے ہیں۔ سقّاوں کے بھرے ہوئے پانی میں تو ایسے ظنون بھی نہیں جس وقت وہ پانی لاکر برتنوں میں ڈالتے ہیں اُس وقت تواُن کا ہاتھ پانی کی گزرگاہ پر ہوتا ہی نہیں ورنہ پانی کو برتن میں جانے سے روکے اور ادھر اُدھر بہائے دہانے سے پانی نکلتا ہے اور اُن کا ہاتھ مشک کے گلے پر ہوتا ہے مشک[2] بھرتے وقت جو بائیں ہاتھ سے اُس کا مُنہ کھولتے اور ڈول سے پانی ڈالتے ہیں اُس وقت وہ پانی جریان کی حالت میں ہوتا ہے جب تک مشک میں داخل ہو اس حالت میں تو اگر نجاست پر گزرے تو اُسے بھی پاک کرتا ہوا جائے گا۔ رہا داہنا ہاتھ اکثر تو ڈول کے نیچے دیکھا گیا ہے اور ڈول نکالتے ہیں تو اُس کی لکڑی پر ہاتھ رکھ کر اور بالفرض یہی ہو کہ اُس کے اندر ہاتھ ڈالا کرتے ہوں تو پہلے ڈول میں کہ ہاتھ ڈالا وہ ضرور مستعمل ہوگیا اگر اُس وقت بے وضو ہو نہ ہاتھ اس سے پہلے دُھلا ہو مگر ساتھ ہی دُھل گیا اب جو دُوسرے ڈول میں ڈالا وہ مستعمل نہ ہوا مشک تین ڈول سے کم کی نہیں ہوتی ایک ڈول مستعمل اس میں پہنچا اور دو یا زائد غیر مستعمل تو ساری مشک کا پانی طاہر ومطہر ہوگیا اور یہ احتمال کہ ممکن ہے کہ پہلے ڈول کے بعد دوسرے ڈول میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے اُسے حدث واقع ہوا ہو ناقابلِ قبول ہے ایسے شاید ومحتمل پر عمل کیا جائے تو دین ودنیا دونوں کی عافیت تنگ ہوجائے غرض بہشتیوں کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی ضرور طاہر ومطہر ہے۔ رہیں عوام کی حرکات شریعت اُن پر اور سب پر حاکم ہے اُن کی بے پروائیں یا جہالتیں شرع پر حاکم نہیں ہوسکتیں یہ تو ایک سہل مسئلہ ہے جس میں بعض متاخرین علما کا خلاف بھی ملے گا[3] اجماعی فرائض وہ کہاں تک پُورا کرتے ہیں وضو میں کُہنیاں،

ایڑیاں، کلائیوں کے بعض بالوں کی نوکیں اکثر خشک رہ جاتی ہیں اور یہ تو عام بلا ہے کہ منہ دھونے میں پانی ماتھے کے حصّہ زیریں پر ڈالتے ہیں اور اوپر بھیگا ہاتھ چڑھا کر لے جاتے ہیں کہ ماتھے کے بالائی حصّہ کا مسح ہوا نہ غسل اور فرض غَسل ہے نہ وضو ہوا نہ نماز غسل میں فرض ہے کہ پانی سونگھ کر ناک کے نرم بانسے تک چڑھایا جائے دریافت کر دیکھئے کتنے ایسا کرتے ہیں چلّو میں پانی لیا اور ناک کی نوک کو لگا یا استنشاق ہوگیا تو ہر وقت جُنب رہتے ہیں اُنہیں مسجد میں جانا تک حرام ہے نماز درکنار سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ یوں ہی ناک کی ہڈی زمین پر لگنا واجب ہے بہتیروں کی ناک زمین سے لگتی ہی نہیں اور اگر لگی تو وہی ناک کی نوک یہاں تک تو ترک واجب گناہ اور عادت کے سبب فسق ہی ہُوا پاؤں کو دیکھیے اُنگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا سجدہ باطل نماز باطل اور مصلّی صاحب پڑھ کر گھر کو چل دیے قرا ءت' دیکھیے اتنی تجوید کہ حرف دوسرے سے صحیح ممتاز ہو فرض عین ہے بغیر اس کے نماز قطعًا باطل ہے عوام بے چاروں کو جانے دیجئے خواص کہلانے والوں کو دیکھیے کتنے اس فرض پر عامل ہیں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سُنا کن کو علماء کو مفتیوں کو مدرسوں کو مصنفوں کو **قل ھو اللہ احد** کی جگہ **اھد** پڑھتے ہوئے جمعہ میں **یحسبون کل صیحۃ علیھم** کی جگہ **یعسبون، ھُم العدو فاحذرھم** کی جگہ **فاعذرھم**، **وھو العزیز الحکیم** کی جگہ **ھو العذیذ** بلالکہ ایک صاحب کو **الحمد** شریف میں **صراط الذین** کی جگہ **صراط اللظین**۔ کس کس کی شکایت کیجئے یہ حال اکابر کا ہے پھر عوام بے چاروں کی کیا گنتی اب کیا شریعت ان کی بے پروائیوں کے سبب اپنے احکام منسوخ فرمادے گی نہیں نہیں **ان الحکم الا للہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۶۰: مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب از دوحد ضلع پنچ محال ملک گجرات مسجد غزنوی ۷ صفر ۳۵ ہجری

تالاب کبیر میں اگر بُوٹی یا زراعت کثرت سے ہو جیسا کہ ایک جگہ کے پانی کی حرکت سے دوسری جگہ کا پانی حرکت نہ کرے تو اُس تالاب میں مقدار شرعی سے تھوڑی سی جگہ خالی کرکے کپڑے دھوئے جائیں تو پاک ہو سکتے ہیں یا نہیں **بینوا توجروا**۔

الجواب:

تالاب جبکہ کبیر ہے تو اس میں زراعت کا اتصال پانی کو قلیل نہ کرے گا تھوڑی جگہ اگر زراعت سے صاف کرلی گئی تو وہ بھی اسی کبیر کا ٹکڑا ہے اور اُسی کے حکم میں ہے جب تک نجاست سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے ناپاک نہ ہوگا[1] **نص علیہ فی الہندیۃ وغیرھا واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول من المیاہ پشاور ۱/۱۸

مسئلہ ۶۱: از سرونج مسئولہ عبدالرشید خان صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

جنب مرد یا حیض والی عورت کا ہاتھ سیر بھر پانی یا سیر سے کم میں سہوًا یا عمدًا ڈوبے تو وہ پانی غسل ووضو کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب:

کسی حدثِ اکبر یا اصغر والے کا ہاتھ بغیر دھوئے جب کسی دَہ در دَہ پانی سے کم میں پڑ جائے گا اُس سب کو قابلِ وضو وغسل نہ رکھے گا اور اگر ہاتھ دھو لینے کے بعد پڑا تو کچھ حرج نہیں۔ عورت حیض کی وجہ سے اُس وقت حدث والی ہوگی جب حیض منقطع ہو جائے اس سے پہلے نہ اُسے حدث ہے نہ حکمِ غسل اُس کا ہاتھ پڑنے سے قابلِ وضو وغسل رہے گا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال ۶۲ دوم: اکثر بلادِ ہند میں چاہ دَہ در دَہ سے کم ہیں اور جاہل مسلمان اُن چاہ پر کھڑے ہو کر غسل کرتے ہیں اور اُن کا آب غسل چاہ میں گرتا جاتا ہے اور اُسی چاہ کے پانی سے اور مسلمان غسل کرتے ہیں غسل اُن کا درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: درست ہے کہ مستعمل پانی اگر غیر مستعمل میں پڑے تو اُسی وقت اُسے مستعمل کرے گا کہ مقدار میں اُس کی برابر یا اُس سے زائد ہو جائے چھینٹیں کُنویں کے پانی سے کیا نسبت رکھتی ہیں ہاں اگر بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ تھی اور اُس کے پانی کی کوئی چھینٹ کنویں کے اندر پانی میں گری تو آپ ہی سارا کنواں ناپاک ہو جائے گا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال ۶۳ سوم: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو واسطے غسل کے چاہ پر گئے اور دونوں حالتِ جنابت میں ہیں زید نے چاہ سے آب نکال کر عمرو کو دیا عمرو نے غسل کیا لیکن زید کا ناپاک ہاتھ کئی بار آب اور ڈول سے لگا اس حالت میں پانی ناپاک ہوا یا نہیں اور غسل عمرو کا درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: نجاست حکمیہ کہ جنابت سے ہوتی ہے اس حالت میں ڈول کو ہاتھ لگنے سے کوئی حرج نہیں البتہ اگر ہاتھ بغیر دھوئے انگلی یا ناخن یا کوئی حصہ ہاتھ کا پانی سے مس کرے گا تو وہ پانی اگرچہ ناپاک نہ ہوگا مگر غسل ووضو کے قابل نہ رہے گا پھر ہر بار اگر وہی حصہ ہاتھوں کا پانی میں ڈوبا جو اول بار ڈوبا تھا تو صرف پہلا پانی خراب ہوا تھا بعد کے پانی طاہر ومطہر قابلِ غسل ووضو ہیں اگر عمرو کے سارے بدن پر بعد کا پانی بہ گیا تو غسل اُتر جائے گا اور اگر کچھ حصّہ بدن پر صرف پہلی دفعہ کا پانی بہا، یا ہر بار زید کے بے دُھلے ہاتھ کا نیا حصہ پانی میں

ڈوبا توسب پانی خراب ہوئے تو عمرو کا غسل نہ اُترے گا واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال[۶۴] چہارم: بلادِ ہند میں مسلمانوں کے گھروں میں ہندو کہار نیں پانی بھرتی ہیں ہندو کہاروں کے ہاتھ کے بھرے ہوئے سے غسل وضو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے جبکہ اُن کے ہاتھ ناپاک نہ ہوں بے دھوئے پانی میں نہ ڈوبیں ورنہ جائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ ۶۵ : از مہندر گنج سکول ہیڈ مولوی ضلع گارو ہیلس تورا ملک آسام مرسلہ نجم الدین احمد صاحب ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۱ھ

حضرت قبلہ مولانا فاضل صاحب لطف بیکران بر غریب بادچہ ارشاد فرمایند دریں مسئلہ کہ درعلاقہ فقیر درگار ہے بنام شاہ کمال ازمدت درازست مردمان ازدور دور برائے تعمیل نذر ونیاز بزوبقرہ آوردہ بسم اللہ گفتہ ذبح میںمایند وخادم درگاہ بتعجیل تمام پوست آن ذبیحہ راکشیدہ بعدیا قبل دباغت میفروشند او قاتش ازیں شغل بسر مے شود علمائے چند دریں دیار گویند کہ انتفاع ازچرم غیر اللہ جائز نیست اگرچہ بروقتِ ذبح بسم اللہ خواندہ شود وبعضے گویند کہ بلاشبہ جائز ست زیرا کہ غیر اللہ مثل مردار ست چوں پوست مردار از دباغت پاک شود چرم غیر اللہ نیز از دباغت شود ایں چنین بحث وتکرار ہنوز پایان نرسید لہٰذا بخدمت اقدس حضرت عرض اینست کہ خرید وفروخت قبل یابعد دباغت پوست ذبیحہ غیر اللہ درست ست یانہ مع دلیل بحوالہ کتاب رقم درزیدہ ودستخط بالمہر عنایت سازند وعنداللہ اجر جزیل وصول نمایند۔	حضرت قبلہ مولانا فاضل مجھ پر آپ کی مہربانی ہوگی آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ میرے علاقہ میں شاہ کمال کے نام سے ایک درگاہ شریف ہے وہاں دُور دُور سے لوگ آکر نذر ونیاز کے طور پر گائے یا بکری لاکر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرتے ہیں وہاں کے خادم ذبح کرنے کے فوراً بعد اس کا چمڑا اتارتے ہیں اور رنگنے سے قبل یا بعد فروخت کرتے ہیں اور اس سے ان کی گزراوقات ہوتی ہے۔ اس علاقہ کے کچھ مولوی حضرات کہتے ہیں کہ غیر اللہ کے جانور کے چمڑے سے نفع جائز نہیں ہے اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام پڑھا جائے، اور بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ بلاشبہ جائز ہے کیونکہ اگر یہ جانور مردار کی طرح حرام بھی ہو تو اس کا چمڑا (دباغت) رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ یہی بحث وتکرار جاری ہے لہٰذا آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ غیر اللہ کے ذبیحہ کا چمڑا رنگنے سے پہلے یا بعد فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں دلیل اور حوالہ کتاب لکھیں اور دستخط ومُہر لگائیں اور اللہ کے ہاں بھاری اجر حاصل کریں۔

الجواب:

آں چرمہا بنفس ذبح پاک میشود ہیچ حاجت دباغت ندارد خرید وفروخت واستعمال آنہا مطلقاً رواست مسلمانان[1] جانوران کہ برائے اولیائے کرام قدست اسرار ہم ذبح میکنندز نہار عبادت غیر نمی خواہند ایں بدگمانی شدید ست وبدگمانی از طریق اسلامی بعید قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [1] وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2] درمختار فرمود انالانسی الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر [3] و ردالمحتار ست ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وھذا بعید من حال المسلم [4]۔ باز اگر گیرم کہ بعض آرندگانِ جہاں، ہمچنان خواشند اگر ذابح برائے[2] خدا ذبح کردونام او عزوعلا گرفت حلال شد کہ اعتبار نیت وقول ذابح راست کما حققناہ فی رسالتنا الصغیرۃ حجا الکبیرۃ	یہ چمڑے صرف ذبح کرنے سے ہی پاک ہوجاتے ہیں خرید وفروخت یا دیگر استعمال کیلئے رنگنا ضروری نہیں ہے مسلمان جن جانوروں کو اولیاء اللہ کیلئے ذبح کرتے ہیں اس سے ان کا مقصد یانیت ہرگز غیر اللہ کی عبادت نہیں ہوتی یہ بہت بڑا بہتان ہے جو مسلمانوں پر لگایا جاتا ہے اور اسلام میں بدگمانی ناجائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا اے مومنو! بدگمانی سے بچو اور بدگمانی گناہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ یہ جھوٹی بات ہے۔ اور درمختار میں فرمایا ہے کہ ہم مسلمانوں کے بارے میں بدگمانی نہیں کرسکتے وہ اس ذبح سے غیر اللہ کے تقرب اور عبادت کی نیت کرتا ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ عبادت کے بارے میں گمان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس گمان سے مسلمانوں کو کافر بنانا ہے اور مسلمان سے یہ بات بعید ہے۔ اور اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ دنیا میں کوئی ایسا واقعہ ہے تو بھی جب ذبح کرنے والے نے اس پر اللہ تعالٰی کا نام پڑھ لیا تو وہ جانور حلال ہوجاتا ہے کیونکہ ذبح کرنے والے کی نیت اور قول کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے

Majlis of Dawateislami

[1] القرآن ۱۲/۴۹

[2] جامع للبخاری باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ یوصی من الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴

[3] الدرالمختار کتاب الذبائح مجتبائی دہلی ۲/۲۳۰

[4] ردالمحتار کتاب الذبائح مصطفی البابی مصر ۵/۲۱۸

نفعا ان شاء اللہ تعالٰی سیل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء ومولٰی سبحنہ وتعالٰی در قرآن عظیم فرماید مَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ[1] شمارا چیست کہ نخورید ازانچہ برآں نام خدا گرفتہ شدہ است۔ واگرازیں ہم گزریم وفرض کنیم کہ ذابح معاذاللہ بہ نیت عبادت غیر کشت ومرتد گشت تاازینہم آنچہ لازم آید حرمت ذبیحہ است نہ نجاست پوست کہ نزد امام قاضی خان مذہب (۱) ارجح آنست کہ ذبح مطلقًا تطہیر جلد میکند اگرچہ ذابح مرتد یا مجوسی باشد۔ دربحرالرائق ست قد قدمنا عن معراج الدرایة معزیا المجتبی ان ذبیحة المجوسی وتارك التسمیة عمدا توجب الطهارة علی الاصح وان لم یکن ماکولا وکذا نقل صاحب المعراج فی هذه المسئلة الطهارة عن القنیة ایضا هنا ویدل علی ان هذا هو الاصح ان صاحب النهایة ذکر هذا الشرط بقیل معزیا الی فتاوی قاضی خان[2] درفتاوائے امام اجل قاضی خان فخرالدین او زجندی ست مایطهر جلده بالدباغ یطهر لحمه بالذکاة ذکره شمس الائمة الحلوانی رحمه اللہ تعالٰی وقیل یجوز بشرط ان تکون الذکاة من اهلها فی محلها

اس کو ایک چھوٹے رسالے میں ثابت کیا ہے اگرچہ وہ رسالہ فائدہ میں اِن شاء اللہ بڑا ہے اس کا نام "سیل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء" ہے اللہ تعالٰی نے قرآن پاک میں فرمایا ہے تمہیں کیا ہوا کہ جس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تم اس کو نہیں کھاتے۔اس کو بھی اگر چھوڑیں اور ہم فرض کرلیں کہ معاذاللہ کہ ذبح کرنے والے نے غیر اللہ کی عبادت کی نیت سے جانور کو کاٹا اور وہ مرتد ہوگیا تب بھی جانور حرام ہوگا مگراس کا چمڑا نجس نہ ہوگا، امام قاضی خان کے نزدیک راجح بات یہی ہے کہ ذبح مطلقًا چمڑے کو پاک کردیتا ہے خواہ ذبح کرنے والا مرتد یا مجوسی ہو۔ بحرالرائق میں ہے کہ مجتبٰی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ہم نے معراج الدرایہ سے پہلے نقل کیا ہے کہ مجوسی یا قصدًا بسم اللہ نہ پڑھنے والے کا ذبیحہ بھی پاک ہے اگرچہ وہ کھانے کیلئے حرام ہے، یہی صحیح ہے نیز صاحبِ معراج نے بھی اس مسئلہ کو قنیہ سے نقل کیا اور کہا کہ پاک ہے۔ اس کے اصح ہونے پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ صاحبِ نہایہ نے اس شرط کو قیل کے ساتھ ذکر کیا اور اس کو قاضی خان کی طرف منسوب کیا ہے۔اور امام اجل قاضی خان فخرالدین اوزجندی کے فتاوٰی میں ہے کہ وہ جانور جس کا چمڑا رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے ذبح کرنے سے اس کا گوشت پاک ہوجاتا ہے اس کو

---

[1] القرآن ۶/۱۱۹

[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۶

وقد سمی[1] اھ

اقول: فافاد بحکم المقابلة ان الذکاة فی القول الاول مطلقة ولو غیر شرعیة والمسألة فی اللحم تدل علی حکم الجلد بالاولی ففیه ترجیحان لعدم اشتراط الشرعیة الاول ماذکر من ذکرہ القول الثانی بقیل والثانی انه قدم الاول وھو انما یقدم الاظھر الاشھر کمانص علیه فی خطبته فیکون ھو المعتمد کمافی الطحطاوی والشامی۔ اماقول الدر ھل یشترط لطھارۃ جلدہ کون ذکاته شرعیة قیل نعم وقیل لا والاول اظھر لان ذبح المجوسی وتارك التسمیة عمدا کلا ذبح[2] اھ فاقول نعم ذلك فی حق الحل اماطھارۃ الجلد فلا تتوقف علیه وانما ھی لان الذبح یعمل عمل الدباغ فی ازالة الرطوبات النجسة[3] کما فی الھدایة بل لانه یمنع من اتصالھا به والدباغ مزیل بعد الاتصال ولما کان الدباغ بعد الاتصال مزیلا ومطھرا

شمس الدین حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر کیا ہے اور یہ بھی کہا گیا بشرطیکہ ذبح کا عمل اپنے محل میں اہلیت والے شخص سے صادر ہو اور بسم اللہ بھی پڑھی ہو۔ (ت)

میں کہتا ہوں کہ حکم مقابلہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ پہلے قول میں ذبح عام ہے خواہ غیر شرعی ہو، اور گوشت کے حکم سے چمڑے کا حکم بطریق اولٰی معلوم ہوا، یہاں ذبح کیلئے شرع کی شرط نہ ہونے پر دو ترجیحات ہیں اوّل یہ کہ دوسرے قول کو قیل کے ساتھ ذکر کرنا، اور دوسری یہ کہ پہلے قول کو مقدم ذکر کرنا کیونکہ وہ مشہور اور واضح قول کو پہلے لاتے ہیں جیسا کہ انہوں نے خود یہ بات اپنے خطبہ میں کہی ہے لہٰذا یہ پہلا قول قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ طحطاوی اور شامی میں ہے۔ (ت) لیکن درمختار کا یہ قول کہ کیا چمڑے کے پاک ہونے کیلئے شرعی ذبح شرط ہے، بعض نے کہا کہ ہاں اور بعض نے کہا نہیں۔ اور اول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ مجوسی اور بسم اللہ کو قصداً چھوڑنے والے کا ذبح کالعدم ہوتا ہے، میں کہتا ہوں کہ ہاں حلال ہونے کے معاملہ میں تو ایسے ہے لیکن چمڑے کے پاک ہونے کا حکم اس پر موقوف نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ ذبح کرنے والا اپنے عمل میں دبّاغ کا عمل کرتا ہے کہ وہ نجس رطوبات کو نکال دیتا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے بلالکہ ذبح کا عمل چمڑے سے ناپاک رطوبتیں لگنے سے منع کرتا ہے

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

[2] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

[3] العنایۃ مع الفتح القدیر مطبوعہ سکھّر ۱/۸۳

كانت الذكاة المانعة من الاتصال اولى ان تكون مطهرة [1] كما فى العناية ولاشك ان هذا يعم كل ذبح فكان كما اذا دبغ مجوسى فالاظهر مااختاره الامام قاضيخان هذا ولعل الاوفق بالقياس والالصق بالقواعد ماذكر تصحيحه فى التنوير والدر والقنية ايضا وبه جزم الاكمل والكمال وابن الكمال فى العناية والفتح والايضاح وبالجملة هماقولان مصححان وهذا اوفق وذاك ارفق فاختر لنفسك والاحتياط اولیٰ۔

جبکہ دباغت کا عمل ناپاک رطوبتوں کو لگنے کے بعد زائل کرتا ہے اور دباغت جوکہ رطوبات کو لگنے کے بعد زائل کرتی ہے، سے چمڑا پاک ہوجاتا ہے تو ذبح سے بطریق اولیٰ پاک ہوگا کیونکہ وہ رطوبات کو چمڑے کے ساتھ لگنے سے روک دیتا ہے جیسا کہ عنایہ میں ہے اور بلاشبہ یہ چیز ہر ذبح میں پائی جاتی ہے جیسا کہ ہر دباغت سے پاک ہوجاتا ہے خواہ مجوسی ہی دباغت کرے لہٰذا ظاہر حکم وہی ہے جس کو قاضی خان نے بیان کیا ہے، اس کو محفوظ کرو۔ ہوسکتا ہے جس قول کی تصحیح تنویر، دُر اور قُنیہ نے کی وہ بھی قیاس کے موافق اور قواعد کے مطابق ہو۔ اسی کو اکمل، کمال اور ابن کمال نے عنایہ، فتح اور ایضاح میں اختیار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ صحیح شدہ یہ دونوں قول ہیں ایک قیاس و قاعدہ کے زیادہ قریب ہے اور دوسرا آسانی کا باعث ہے اپنے طور پر جسے چاہو پسند کرو مگر احتیاط بہتر ہے۔ (ت)

واگر ازینہم گرزیم وگیریم کہ ذابح معاذ اللہ مرتد شد وذبیحہ بجمیع اجزائہا نجس گشت بریں تقدیر نیز دباعت راموجب طہارت ندانستن جہل عظیم وباطل باجماع ائمہ ماست فقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم ايما اهاب دبغ فقد طهر [2] والله تعالیٰ اعلم۔

اور اگر ہم اس کو بھی در گزر کریں اور تسلیم کرلیں کہ ذابح معاذ اللہ مرتد ہے اور ذبیحہ کے چمڑے سمیت تمام اجزاء ناپاک ہیں تب بھی دباعت کے عمل سے چمڑے کو پاک نہ ماننا جہالت ہے اور باطل ہے کیونکہ اس پر تمام ائمہ کا اجماع ہے اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہر چمڑا رنگنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ والله تعالیٰ اعلم۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ قبیل فصل فی البئر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲۴/۱

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس بیروت ۲۱۹/۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فصل فی البئر

مسئلہ ٦٦: از خیر آباد مرسلہ مولوی سید حسین بخش صاحب رضوی یکم ربیع الاوّل ١٣٠٦ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گرگٹ چاہ افتادہ ہو اُس کا پانی کس قدر نکالا جائے اور گرگٹ کس جانور کے برابر ہوسکتا ہے اگرچہ جُثّہ میں چھپکلی سے زیادہ اور خون رکھتا ہے بحوالہ کتاب ارشاد ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

گرگٹ چُوہے کے حکم میں ہے اگر کُنویں سے مُردہ نکلے اور پھُولا پھٹانہ ہو بیس ٢٠ ڈول نکالے جائیں گے فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ہندیہ وغیرہما میں ہے:

اذا وقع فی البئر سام ابرص ومات ینزح منھا عشرون دلوافی ظاھر الروایۃ[1]۔	ظاہر روایت یہ ہے کہ اگر گرگٹ کنویں میں گر کر مرجائے تو بیس ٢٠ ڈول نکالے جائیں گے۔(ت)

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح میں شرح نورالایضاح میں فرماتے ہیں: **مابین الفارۃ والھرۃ فحکمہ حکم الفارۃ**[2] **الخ** (چوہے اور بلّی کے درمیانی جانور سب کا حکم چوہے جیسا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ عـــہ **٦٧:**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دلو وسط کی مقدار کیا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کنویں میں جب کوئی چیز گرجائے اور شرع مطہر کچھ ڈول نکالنے کا حکم دے جہاں متون متاخرین میں لفظ دلو وسط واقع ہوا یعنی مثلاً چوہا گر کر مرجائے تو بیس ٢٠ ڈول متوسط نکالے جائیں، اس ڈول کی تعیین میں بھی اقوال مختلفہ ہیں کہ سات ٧ تک پہنچتے ہیں مگر ظاہر الروایۃ ومختار ١ امام قاضی خان وصاحبِ ٢ محیط ومصنف ٣ اختیار ومولف ٤ ہدایہ وغیرہم اکابر علماء یہی ہے کہ ہر کنویں کے لئے اُسی کا ڈول معتبر ہوگا جس سے اس کا پانی بھرا جاتا ہے، ہاں

عـــہ: یہ فتوٰی فتاوٰی قدیمہ کے بقایا سے ہے جو مصنف نے اپنے صغر سن میں لکھے ١٢(م)

[1] فتاوٰی ہندیۃ النوع الثالث من الفصل الاول من المیاہ پشاور ١/٢٠

[2] مراقی الفلاح مسائل الآبار بولاق مصر ص ٢٢

اگر اُس کنویں کا کوئی ڈول معین نہ ہو تو اس ڈول کا اعتبار کریں گے جس میں ایک صاع عدس یا ماش آجائیں غنیہ میں ہے:
الدلو الوسط مایسع صاعا من الحب المعتدل[1] (درمیانہ ڈول وہ ہے جس میں صاع برابر (دال وغیرہ کے) دانے آجائیں۔ت) اور صاع ہمارے امام کے نزدیک آٹھ رطل کا ہوتا ہے ہر رطل بیس ۲۰ اِستار ہر استار ساڑھے چار مثقال ہر مثقال ساڑھے چار ماشے، تو ہر رطل تینتیس ۳۳ تولے نو ماشے، اور صاع دو سو ستّر ۲۷۰ تولے کا ہوا۔

فی ردالمحتار عن شرح درر البحار اعلم ان الصاع اربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالاستار اربعون والاستار بکسرا لهمزة بالدراهم ستة ونصف وبالمثاقیل اربعة ونصف[2] اھ	ردالمحتار میں شرح دررالبحار سے منقول ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ صاع چار ۴ مُد، اور مُد دو ۲ رطل، اور رطل نصف مَن اور مَن کا وزن دو سو ساٹھ ۲۶۰ درہم اور مَن اِستار کے حساب سے چالیس ۴۰ استار کا ہوتا ہے، اور استار کا وزن دراہم کے حساب سے ساڑھے چھ درہم اور مثاقیل کے حساب سے ساڑھے چار مثقال ہوتا ہے۔اھ (ت)
اقول: والدرهم المذکور هھنا غیر الدرهم الشرعی المعتبر بوزن سبع کما یشهد بذلك جعله الاستار بالدراهم ستة ونصفا وبالمثاقیل اربعة ونصفا اذلوکان بوزن سبع لکانت اربعة مثاقیل ونصف بالدراهم ستة وثلثة اسباع لانصفا وایضا لوکان المن ۲۶۰ درهما بوزن سبعة لکان من المثاقیل مع انه بحساب الاستار المذکور مائة وثمانون کمالایخفی علی المحاسب۔	**میں کہتا ہوں** کہ یہاں جس درہم کا ذکر کیا گیا ہے وہ شرعی درہم نہیں جس میں سات کا وزن معتبر ہے (یعنی دس درہم بمقابلہ سات مثقال) اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اِستار کے حساب میں ساڑھے چار (۱/۲ -۴) مثقال کو ساڑھے چھ (۱/۲ -۶) دراہم کے برابر ذکر کیا ہے اور اگر سات کا وزن مراد ہوتا تو پھر ساڑھے چار (۱/۲ -۴) مثقال کے برابر ساڑھے چھ (۱/۲ -۶) کی بجائے چھ دراہم اور ایک درہم کے تین ساتویں حصے (۳/۷ -۶) کہا جاتا نیز اگر من دو سو ساٹھ ۲۶۰ دراہم کا سات کے وزن پر ہوتا تو ایک سو بیاسی ۱۸۲ مثقال مَن کی مقدار میں بیان کیا جاتا حالانکہ انہوں نے ایک سو بیاسی ۱۸۲ مثقال کی بجائے ایک سو اسّی ۱۸۰ مثقال کہا جو کہ حساب دان پر مخفی نہیں۔ (ت)

[1] غنیۃ المستملی فصل فی البئر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۷

[2] ردالمحتار مطلب فی تحریر الصاع من الزکاۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۳

وبه علم بحمدالله تعالٰی (۱) ان ماوقع من العلامة الشامی حیث قال بعد مامر ثم اعلم ان الدرهم الشرعی اربعة عشر قیراطا والمتعارف الاٰن ستة عشر فاذا کان الصاع الفا واربعین درهما شرعیا یکون بالدرهم المتعارف تسعمائة وعشرة [1] الخ خلط بین اصطلاحین فان الصاع انما یکون الفا واربعین بالدرهم المذکور هنا لان الصاع ثمانیة ارطال والرطل عشرون استارا والاستار بهذه الدراهم ستة ونصف فاذا ضربت عشرین فی ستة ونصف کان الرطل مائة وثلثین درهما بضربها فی ثمانیة یحصل الف واربعون والدرهم الذی هو اربعة عشر قیراطا انما هو الدرهم الشرعی المعتبر بوزن سبعة کما فی الدرالمختار وغیره فتنبه لهذا واترك الدراهم وحاسب بمالایختلف وهو المثقال فانه اربع ونصف (۲) ماسة فالاستار طولجة وثمان ماسات وربع ای حبتان فالرطل ثلث وثلثون طولجة وتسع ماسات کماذکرنا وبالله التوفیق۔	مذکور وضاحت سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی نے اپنی مذکورہ بالا عبارت کے بعد جہاں یہ فرمایا کہ "جاننا چاہئے کہ شرعی درہم چودہ قیراط کا ہوتا ہے حالانکہ اب سولہ قیراط والا متعارف ہوا پس جب صاع کو ایک ہزار چالیس (۱۰۴۰) شرعی دراہم کا قرار دیا جائے تو متعارف درہم کے حساب سے صاع نوسودس (۹۱۰) دراہم کا ہوگا" الخ۔ اس میں علامہ نے دونوں اصطلاحوں میں خلط کردیا ہے کیونکہ صاع کا حساب ایک ہزار چالیس (۱۰۴۰) دراہم اس وزن سے بنتا ہے جس کو علامہ شامی نے خود اوپر یہاں ذکر کیا ہے کیونکہ جب صاع آٹھ رطل، اور رطل بیس ۲۰ استار، اور اِستار اس درہم کے حساب سے ساڑھے چھ (۲ /۱ -۶) درہم بنتا ہے تو جب بیس ۲۰ کو ساڑھے چھ (۱/۲ -۶) میں ضرب دیں تو رطل ایک سو تیس (۱۳۰) درہم کا ہوگا جب اس کو آٹھ سے ضرب دیں تو ایک ہزار چالیس (۱۰۴۰) بنے، اور جو درہم چودہ قیراط ہے وہ شرعی ہے جس میں سات والا وزن معتبر ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ لٰہذا تم سمجھو اور دراہم کا حساب چھوڑ کر مثاقیل کے حساب کا اعتبار کرو جو مختلف نہیں ہوتا۔ پس مثقال ساڑھے چار (۱/۲ -۴) ماشہ جبکہ اِستار ایک تولہ آٹھ ماشے دو ۲ رتی ہوگا۔ اس طرح رطل تینتیس (۳۳) تولہ نوماشہ ہوگا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، اور اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے۔ (ت)

اور یہ تفصیل کہ ہر کنویں کیلئے اُسی کا ڈول معتبر رکھیں اور نہ ہو تو ایک صاع والا ڈول یہ گویا ان دونوں معتبر قولوں کی جمع وتوفیق اور قول فیصل ہے اور یہی فتاوٰی خلاصہ (۱) وشرح (۲) طحاوی وسراج (۳) سے ظاہر اور صاحبِ

[1] ردالمحتار مطلب فی تحریر الصاع من الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۳

بحر الرائق ۴ نے اسی پر اعتماد اور صاحبِ در ۵ مختار نے اسی پر جزم کیا اور بہ تبیعت صاحبِ بحر دلو وسط کے یہی معنی قرار دیے۔

فی الخانية اذا وجب نزح بعض الماء بعدد من الدلاء فالمعتبر فی ذلك دلوهذه البئر [1] وفی (۲) الهداية ثم المعتبر فی كل بئر دلوها الذی يستقی به منها وقيل دلويسع فيه صاع [2] وفی الخلاصة المعتبر فی كل بئر دلوها فان لم يكن لتلك البئر دلوح ينزح بدلو يسع فيه الصاع وهو ثمانية ارطال وعن ابی حنيفة خمسة امناء [3] وفی (۴) البحر الرائق واختلف فی تفسير الدلو الوسط فقيل هی الدلو المستعملة فی كل بلد وقيل المعتبر فی كل بئر دلوها لان السلف لما اطلقوا انصرف الی المعتاد واختاره فی المحيط والاختيار والهداية وغيرها وهو ظاهر الرواية لانه مذكور فی الكافی للحاكم وقيل مايسع صاعا وهو ثمانية ارطال وقيل عشرة ارطال وقيل غير ذلك۔

خانیہ میں ہے کہ جب کنویں سے چند ڈول کے حساب کچھ پانی نکالا ہو تو اس کنویں کا ڈول معتبر ہوگا۔ اور ہدایہ میں ہے پھر ہر کنویں میں اس کا وہی ڈول معتبر ہوگا جس سے پانی نکالا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ ایک صاع کی گنجائش والا معتبر ہے۔ اور خلاصہ میں ہے کہ ہر کنویں میں اس کا اپنا ڈول معتبر ہے اور اگر اس کا اپنا ڈول نہ ہو تو اس وقت اس کا پانی ایسے ڈول کے ساتھ نکالا جائے جس میں ایک صاع کی گنجائش ہو اور صاع آٹھ رطل ہے اور امام ابو حنیفہ سے پانچ مَن (دس رطل) کی روایت ہے۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ درمیانے ڈول کی تعیین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہر علاقے میں وہاں کا مستعمل ڈول ہے اور بعض نے ہر کنویں میں استعمال ہونے والا ڈول مراد لیا ہے کیونکہ اسلاف جب کسی چیز کو مطلق بولتے ہیں تو اس سے زیر عادت چیز مراد ہوتی ہے اسی کو محیط، اختیار اور ہدایہ وغیرہا میں پسند کیا گیا ہے اور یہی ظاہر روایت ہے کیونکہ امام حاکم کی کتاب "کافی" میں یہی مذکور ہے۔ بعض نے درمیانہ ڈول ایک صاع کی گنجائش والے کو قرار دیا ایک صاع کے بارے میں بعض نے آٹھ رِطل اور بعض نے دس رِطل کہا ہے، اس کے علاوہ اور بھی قول ہیں۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی مایقع فی البئر نولکشور لکھنؤ ۱/۶

[2] الہدایۃ فصل فی البئر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۲۷

[3] خلاصۃ الفتاوٰی مسائل البئر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱

والذی یظھر ان البئر اما ان یکون لھا دلوا ولا فانکان لھا دلو اعتبر بہ والا اتخذ لھا دلو یسع صاعا وھو ظاھر مافی الخلاصۃ وشرح الطحاوی والسراج الوھاج وح فینبغی ان یحمل قول من قدر الدلو علی مااذا لم یکن للبئر دلو کما لایخفی[1] وفی (۵) الدر المختار بدلو وسط ھو دلو تلك البئر فان لم یکن فمایسع صاعا[2] وفی الشامیۃ قولہ فان لم یکن الخ ھذا اذا کان لھا دلو فان لم یکن فالمعتبر دلو یسع صاعا ھذا التفصیل استظھرہ فی البحر وقال ھو ظاھر مافی الخلاصۃ وشرح الطحاوی والسراج[3]۔وفی المقام بحث وکلام اورد بعضا منہ السید ابن عابدین فی ھذہ الحاشیۃ رأینا طی الکشح عنہ احری مخافۃ التطویل مع حصول المقصود (ا) اذ لیس مرجعہ الا الی اللفظ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	اور ظاہر یہ ہے کہ کنویں کا اپنا ڈول ہوگا یا نہیں، اگر اپنا ڈول ہو تو وہی معتبر ہوگا ورنہ پھر ایک صاع والا ڈول بنوایا جائے گا اور یہ خلاصہ، شرح طحاوی، سراج وہاج کی عبارات سے ظاہر ہے، اس صورت میں جنہوں نے ڈول کا اندازہ بیان کیا یہ اس وقت ہوگا جب کنویں کا اپنا ڈول نہ ہو، جیسا کہ مخفی نہیں، اور درمختار میں ہے درمیانہ ڈول کنویں کا ڈول ہے اور اگر اس کا ڈول نہ ہو تو پھر ایک صاع والا ڈول ہوگا۔ اور فتاوٰی شامی میں ہے کہ ماتن کے قول اگر نہ ہو، کا مطلب یہ اگر کنویں کا اپنا ڈول ہو تو وہی معتبر ہے اور اگر نہ ہو تو ایک صاع والا ڈول معتبر ہے۔ اس تفصیل کو بحر میں ذکر کیا ہے اور کہا کہ یہ خلاصہ، شرح طحاوی اور سراج کے مضمون سے ظاہر ہوا۔ (ت) اس مقام میں بحث اور کلام ہے جس کا کچھ حصہ علامہ ابن عابدین (شامی) نے اس حاشیہ میں ذکر کیا ہے ہم نے مقصد کے حاصل ہوجانے پر طوالت کے خوف سے اس بحث کو چھوڑ دیا ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف الفاظ سے ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ ۶۸ : ۲۸ رمضان ۱۳۰۵ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کنویں میں سے گائے یا بھینس کا پٹھا نکلا جو بندش کے کام میں آتا ہے نہیں معلوم کسی آدمی سے گرایا جانور نے ڈال دیا ثابت ہے گلا سڑا نہیں اس میں کنویں کیلئے کیا حکم ہے طاہر ہے یا نجس بینوا توجروا۔

[1] بحر الرائق کتاب الطہارت سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۸
[2] الدر المختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۳۹
[3] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۹

الجواب:

طاہر ہے مطلقًا اگرچہ گل گیا ہو،

فی التنویر شعر المیتة وعظمها وعصبها طاھر[1] اھ ملتقطا **اقول:** وھذا فی العصب علی المشھور کما فی الدر وکذا علی خلافه اعنی روایة نجاسة عصب المیتة اذلا علم بأن الواقع فی البئر ھو عصب المیتة دون المذبوح والیقین لایزول بالشك[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے کہ مردار کی ہڈی، بال اور پٹھّے پاک ہیں اھ ملتقطا۔ **میں کہتا ہوں** کہ یہ حکم مردار کے پٹھوں کے بارے میں مشہور قول پر مبنی ہے جیسا کہ دُر میں ہے اور اگر اس کے خلاف کا لحاظ کیا جائے یعنی مردار کے پٹھوں کو نجس والی روایت، تو بھی حکم یہی ہوگا (کہ پانی پاک ہوگا) کیونکہ کنویں سے نکلنے والے پٹھے کے بارے میں معلوم نہیں کہ مردار کا ہے یا ذبح شدہ جانور کا ہے تو یہ شک یقین کو زائل نہیں کرے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۹: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین ایک ہندو نے ایک چیز ناپاک سے کنویں کو ناپاک کردیا یعنی نال بچّہ آدمی کا کنویں میں ڈال دیا اور بدون معلوم ناپاکی کے دو تین روز مسلمانوں اور ہندوؤں نے پانی اُس کنویں کا پیا اور کھانے پکانے کے صرف میں لائے تو اس صورت میں اُن لوگوں کے ایمان میں کچھ خلل ہوا یا نہیں اور ڈالنے والے کے واسطے کیا سزا ہے اور پینے والے لوگ کس طرح طاہر ہوں اور کنواں کس طرح پر پاک کیا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں بعد نکالنے نجاست کے سب پانی اُس کنویں کا نکال ڈالیں اور اگر نال کے کنویں میں گرنے کا وقت معلوم ہو کہ اُس نے فلاں روز فلاں وقت ڈالا تو اُس وقت سے کنواں ناپاک قرار پائے گا اور اس مدت میں جن شخصوں نے اُس سے وضو کیا وہ اپنے اعضائے وضو اور جو نہائے ہوں وہ تمام بدن پاک کریں اور اتنے دنوں کی نمازیں پھیریں اور جن کپڑوں کو وضو کرتے میں یا کسی طرح وہ پانی درم برابر جگہ میں لگ گیا ہو وہ پاک کئے جائیں اور اُس پانی سے جو کھانا پکایا گیا اس کا بقیہ کتّوں کو ڈال دیں اور برتن پاک کریں اور جن لوگوں نے اتنے دنوں نادانستہ وہ پانی پیا اور اُس سے کھانا پکا کر کھایا اُن پر کوئی گناہ نہیں، نہ ان کے ایمان میں خلل آیا۔ یہ سب باتیں اُس صورت میں ہیں کہ اُس کے گرنے کا دن اور وقت معلوم ہو اور جو یہ امر متحقق نہ ہوسکے تو کُنواں اُسی وقت سے ناپاک ٹھہرے گا جب سے وہ نال اس میں دیکھا گیا اس سے پہلے کے وضو اور غسل اور نمازیں سب درست

[1] الدرالمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی البئر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۰

اور بدن اور برتن اور کپڑے سب پاک ہاں بعد نکلنے کے اگر کسی نے بے خبری میں وضو یا غسل کیا اور اس سے نماز پڑھی یا اس کے کپڑوں یا برتنوں کو وہ پانی لگا تو وہ اپنے بدن، برتن کپڑے پاک کرے اور اُس نماز کو پھیرے اور ڈالنے والا شرعًا قابل سزا و تعزیر ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: یکم رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کُنوئیں میں پُھکنا گر گیا اُس وقت اُس میں پیشاب نہ تھا بلالکہ بچّے اُس میں پھُونک رہے تھے اُن کے ہاتھ سے گر گیا یہ معلوم نہیں کہ گائے کا ہے یا بھینس کا پھکنا نکال لیا گیا اب کُنوئیں کی نسبت کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کنواں پاک ہے کہ مذبوح جانور ماکول اللحم کا پھکنا بالاتفاق اپنی ذات میں تو کوئی نجاست نہیں رکھتا،

فی الدر المختار کل اھاب ومثلہ المثانۃ والکرش دبغ طھر وفی التنویر وماطھر بہ طھر بذکاۃ [1]۔	در مختار میں ہے ہر چمڑہ اور ایسے ہی مثانہ اور گُردے جب رنگ دیے جائیں تو پاک ہوجاتے ہیں اور تنویر میں ہے جو اس طرح پاک ہوجاتے وہ ذبح سے بھی پاک ہوجاتے ہیں۔ (ت)

یہاں اگر ذبح ہونا معلوم نہیں تو مُردار سے ہونا بھی معلوم نہیں،

والیقین لایزول بالشك [2] اقول والمحل محل الطھارۃ والنجاسۃ دون الحل والحرمۃ فافھم۔	اور یقین، شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا، میں کہتا ہوں اور یہ محلِ طہارت ہے اور نجاست حلال وحرام کا محل نہیں ہے فافھم (ت)

رہا یہ کہ اس میں پیشاب ہوتا ہے اور عادۃً اُسے پاک کرنے کے طور پر دھویا نہیں جاتا تو اس کے باطن میں وہ رطوبت بدستور لگی رہی یہ یہاں کچھ مضر نہیں کہ پھکنا معدنِ بول ہے اور نجاست جب تک اپنے معدن میں ہو اُسے حکمِ نجاست نہیں دیا جاتا اُس کے جوف میں کوئی ناپاک شے نہ تھی۔ غنیہ میں ہے:

(۱) السخلۃ اذا وقعت من امھا، رطبۃ فی الماء لاتفسدہ کذا فی کتب الفتاوٰی	بکری کا بچّہ اگر پیدا ہوتے ہی پانی میں گر جائے تو پانی نجس نہ ہوگا۔ کتبِ فتاوٰی میں ایسے ہی ہے

[1] الدر المختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی البئر سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۰

وھذا لان الرطوبۃ التی علیھا لیست بنجسۃ لکونھا فی محلھا [1] اھ اقول مقصودنا الاستشھاد بما فی التعلیل افاد اما المسألۃ فمبنیۃ علی قولھما بنجاسۃ رطوبۃ الفرج اما (۱) عندہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنھما فطاھرۃ۔

ثم اقول: (۲) ولی فیہ نظر فان جلد السخلۃ لیس محل تلک الرطوبۃ بل رحم امھا ومنھا اصابتہ ثم (۳) یعکر علی حکم ھذہ المسألۃ ومسألۃ المثانۃ وامثالھما انھا لیست نجسۃ مادامت فیھا فاذا انتقلت صارت نجسۃ والماء اذا اصابھا اودخلھا فلاشک ان الرطوبۃ تنتقل منھا الیہ فکیف لایحکم بنجاسۃ لاختلاطہ بماھو نجس الاٰن وان لم یکن محکوما بالنجاسۃ قبل الاتری ان (۴) دم الشھید طاھر مادام علیہ فتجوز صلاۃ حاملہ لکن ان اصابہ اوثوبہ قدر مانع من دمہ لم تجز لحصول الانفصال والانتقال کذا ھذا فھذا مایقتضیہ النظر ولکن الحکم دوار فی الفتاوٰی ولم ارمن تعرض لہ فتأمل وحرر لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے کہ بچّہ پر جو رطوبت ہے وہ ناپاک نہیں کیونکہ ابھی تک یہ نجاست اپنے محل میں ہے اھ میں کہتا ہوں کہ اس عبارت کا مقصد صرف علّت کیلئے مفید امر پر استشہاد پیش کرنا ہے لیکن اصل مسئلہ صاحبین کے اس قول پر مبنی ہے کہ فَرج (شرمگاہ) کی رطوبت نجس ہے مگر امام صاحب اور ایک روایت میں صاحبین کے نزدیک یہ رطوبت پاک ہے۔ (ت)

پھر میں کہتا ہوں کہ مجھے یہاں اعتراض ہے کیونکہ بکری کے بچّہ کی کھال اس رطوبت کا محل نہیں ہے بلاالکہ اس کا محل تو اس کی ماں کا رحم ہے وہاں سے بچّہ کو رطوبت لگی ہے پھر دوبارہ اعتراض اس مسئلہ سمیت مثانہ وغیرہ کے مسئلہ پر ہے کہ یہ اُس وقت تک نجس نہ ہوں گے جب تک یہ اپنے مقام میں ہیں لیکن جب وہاں سے منتقل ہوجائیں تو نجس ہوجائینگے اور ان کو پانی لگے یا اس میں پانی داخل ہو تو لازمًا ان کی رطوبت پانی میں منتقل ہوگی تو پھر کیسے پانی کو پاک کہا جاسکتا ہے جبکہ اب ناپاک چیز مل چکی ہے اگرچہ قبل ازیں اسی چیز پر ناپاکی کا حکم نہ تھا، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ شہید کا خون جب تک اس پر ہے پاک ہے لہٰذا اس کو اٹھانے والے کی نماز جائز ہوگی لیکن جب یہ خون اٹھانے والے کے بدن یا کپڑے کو اتنی مقدار میں لگ جائے جو نماز کے لئے مانع ہو تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ خون شہید سے جُدا ہو کر دوسری جگہ منتقل ہوگیا ہے

[1] غنیۃ المستملی باب الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۰

	لہٰذا ظاہر نظر میں یہاں بھی یہی صورت ہے لیکن فتاوٰی میں یہ حکم ایسے ہی مذکور چلا آرہا ہے مگر کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی، غور کرو اور چھان بین کرو، ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی حل نکال دے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۱: جناب مولوی صاحب۔ السلامُ علیکم۔ غوطہ خور ہندو تھا اور سب کپڑے اتار کر اُس نے ایک چھوٹا سا کپڑا جو اُسی کے استعمال میں رہتا ہے باندھ کر ایک ڈول اُس کنویں کے پانی کا جس میں وہ جُوتی نکالنے کو گیا تھا بلاادائے ارکان غسل ڈال لیا تھا پس وہ کنویں میں گھُس کر جُوتی نکال لایا اور ایک جُوتی پہلے کی بھی جو خدا جانے کب گری تھی وہ بھی نکلی جو گل سڑ گئی تھی ایسی حالت میں کتنے ڈول پانی کنویں میں سے نکلوانا چاہئے بعد گرنے جوتی کے اگر اُس کنویں کا پانی ظروف گلی مثل سبو وغیرہ میں غلطی سے بھرا گیا تو ظروف قابلِ استعمال رہے یا نجس ہوگئے فقط والسلام۔

الجواب:

عنایت فرمائے من وعلیکم السّلام اگر یقینا معلوم تھا کہ اس ہندو کے بدن یا کپڑے یا اُس جُوتے پر نجاست تھی تو کنویں کا سب پانی نکلوائیں اور مٹی کے جو برتن چکنے استعمالی ہوں تین باریوں ہی دھوئیں ورنہ ہر بار سکھا سکھا کر اور خشک ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اتنی تری نہ رہے کہ ہاتھ کو تر کرے اور اگر ان چیزوں میں کسی کا نجس ہونا یقینا معلوم نہیں جب بھی احتیاطی حکم یہی ہے کہ سب پانی نکالیں اس لئے کہ کافر غالبًا نجاست سے خالی نہیں ہوتا ہاں اگر بدن پاک کرکے خوب نہا کر پاک کپڑا باندھ کر جائے تو سب پانی کی حاجت نہیں جُوتے کی نامعلوم حالت کے لحاظ سے تطییب قلب کو بیس ۲۰ ڈول نکال لیں ردالمحتار میں ہے:

نقل فی الذخیرۃ عن کتاب الصلاۃ للحسن ان الکافر اذا وقع فی البئر وھو حی نزح الماء وفی البدائع انہ روایۃ عن الامام لانہ لایخلو عن نجاسۃ حقیقیۃ اوحکمیۃ حتی لواغتسل فوقع فیھا من ساعتہ لاینزح منھا شیئ اقول ولعل نزحھا للاحتیاط تأمل[1] اھ	امام حسن کی کتاب الصلوۃ سے ذخیرہ میں نقل کیا گیا کہ کافر جب کنویں میں گرجائے اور زندہ ہو تو پانی نکالا جائے گا، اور بدائع میں ہے کہ یہ امام صاحب سے مروی ہے۔ کیونکہ کافر عام طور پر نجاستِ حقیقی یا حکمی سے خالی نہیں ہوتا، حتی کہ اگر وہ غسل کے فورًا بعد کنویں میں گرا ہو تو کچھ پانی نہیں نکالا جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ کافر کے گرنے سے کنویں کے پانی نکالنے کا حکم احتیاط پر مبنی ہے، غور کرو۔ اھ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۷

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

(سئل) الامام (الخجندی عن رکیة) وھی البئر (وجد فیھا خف) ای نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات (لایدری متی وقع فیھا ولیس علیه اثر النجاسة ھل یحکم بنجاسة الماء قال لا[1] اھ ملخصا۔	امام خجندی سے ایسے کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ایسا جوتا گرا پایا گیا جس کو پہننے والے نے راستے میں چل پھر کر استعمال کیا ہو (اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کب سے کنویں میں گرا ہے جبکہ اس پر نجاست کا بھی کوئی اثر معلوم نہ ہو۔ تو کیا کنویں کے پانی کو ناپاک قرار دیا جائے گا، تو امام خجندی نے فرمایا: نہیں اھ ملخصا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

لو وقعت شاۃ واخرجت حیة ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لاللتطھیر حتی لولم ینزح وتوضأ منه جاز وذکر فی الکتاب الاحسن ان ینزح منھا دلاء ولم یقدر وعن محمد رحمه اللّٰه تعالٰی فی کل موضع ینزح لاینزح اقل من عشرین دلوالان الشرع لم یرد بنزح مادون العشرین[2] اھ۔ والسلام واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر کنویں میں بکری گر جائے اور زندہ نکال لی جائے تو تسکین قلب کیلئے بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں، پاک کرنے کیلئے نہیں حتی کہ اگر کسی نے بیس ڈول نکالے بغیر وضو کرلیا تو جائز ہوگا کتاب میں مذکور ہے کہ بہتر یہ ہے کہ کچھ ڈول نکالے جائیں یہاں تعداد بیان نہیں کی۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جہاں پر کنویں کو پاک کرنے کی ضرورت ہو تو وہاں بیس ۲۰ ڈول سے کم نہ نکالے جائیں کیونکہ شریعت نے بیس ۲۰ سے کم ڈول بیان نہیں کئے اھ، والسلام واللہ اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۲: موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خان مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۱۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اگر مسجد کے کنویں سے عورتیں بے پردہ پانی بھر کرلے جایا کریں اس سے وضو کرکے نماز ادا کرنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

[1] حدیقہ ندیہ الصنف الثانی من الصنفین من الطھارۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی مایقع فی البئر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۵

فی ردالمحتار فی التاترخانیة من شك فی انائه وثوبه اوبدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر مالم یستیقن وکذا فی الاٰبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات ویستقی منها الصغار والکبار والمسلمون والکفار [1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ تاترخانیہ میں ہے کہ جس کو اپنے برتنوں کپڑوں یا بدن پر نجاست ہونے نہ ہونے کا شک ہو تو جب تک یقین نہ ہو جائے اس وقت تک یہ پاک ہوں گے۔ راستوں میں واقع کُنوؤں، حوضوں اور مٹکوں جن میں سے چھوٹے بڑے، مسلمان اور کافر سب پانی حاصل کرتے ہیں، کا بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

لہنگے' والی عورتوں میں بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ لہنگے میں میانی نہیں جو موضع بَول پر حاجب ہو اور پانی بھرنے میں زور پڑتا ہے احتمال ہے کہ زور کے باعث کوئی قطرہ پیشاب وغیرہ کا ٹپکے اور حاجب نہ ہونے کے سبب کنویں میں جائے مگر یہ احتمالات ہیں شرع میں ان پر بنائے کار نہیں،

الا تری ان نساء العرب لم یکن لاکثرھن سراویل انما کن یأتزرن والمئزر ایضا لا حاجب فیه ثم قد کن یستقین من الاٰبار من دون نکیر ولا انکار والله تعالٰی اعلم۔	کیا معلوم نہیں کہ عرب کی اکثر عورتیں شلوار کی بجائے تہبند پہنتی تھیں حالانکہ تہبند میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اس کے باوجود وہ کُنوؤں سے پانی نکالتی تھیں جس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۳: از شہر کہنہ مسئولہ علی حسن خان ۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چوبچہ کنویں کے کنارے پر ہے قریب غسل خانہ کے اور اُس میں پانی بہنے کیلئے سوراخ بھی ہے غسل خانہ میں لوگ غسل جنابت وپاکی ہر طرح کا کرتے ہیں وضو کا پانی بھی اُسی چوبچّہ میں جاتا ہے اور سقاوہ کا بھی اور بہشتیوں کے بھرنے کا بھی اور ہر وقت سوراخ سے جاری رہتا ہے خلاصہ یہ کہ جنابت کا پانی کسی وقت اُس میں جاتا ہے اور وضو وغیرہ کا ہر وقت جاتا رہتا ہے اس میں ایک پیچک گر کر کنویں میں گری کنواں پاک رہا یا ناپاک اور ایسے چوبچہ کے پانی کا کیا حکم ہے اور ایک ہندو ظاہری پلیدی سے پاک ہے مٹی نکالنے کو کنویں میں گھسا کنویں کا کیا حکم ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ اس چہ بچے میں پانی زیادہ گرتا اور ہر وقت جاری رہتا ہے تو اس کا پانی پاک ہے پیچک کہ اُس میں گر کر کنویں میں گری کنواں ناپاک نہ ہوا بلاکہ غسل کا پانی خود بھی پاک ہے جب تک کوئی نجاست نہ دھوئی گئی ہو

[1] ردالمحتار مطلب فی ابحاث الغسل مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۱

ہندو کے بدن پر اگر کوئی نجاست حقیقی نہ تھی کُنواں ناپاک نہ ہوا مگر احتیاطًا کُل پانی نکالیں کما یظھر بالمراجعة الی ردالمحتار والوھبانیة وغیرھما واللہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ردالمحتار اور وہبانیہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہے۔ت)

مسئلہ ۷۴: از شہر کہنہ مرسلہ امجد علی خان و تلن خان ۳ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

جناب مولوی صاحب دام ظلہ۔ بعد سلام نیاز کے عرض ہے کہ اسی مضمون کا ایک سوال کل آپ کے پاس آیا تھا لیکن اس کے لکھنے میں کچھ فروگذاشت ہوگیا تھا اور مفتی سے جو سوال کیا جاتا ہے اس کا جواب دیتا ہے لہٰذا ہو ہو جو حال تھا اس میں لکھ دیا اس کو ملاحظہ کرکے لکھ دیجئے ایک چوبچّہ زیر غسل خانہ سوا گز طول بارہ گرہ چوڑا بارہ گرہ عمیق ہے اور آٹھ گرہ اونچائی پر اُس میں سوراخ لوٹے کی ٹونٹی کے برابر ہے اور چوبچہ میں پانی جنابت اور غیر جنابت غسل کا اور وضو کا اور کنویں پر جو بہشتی بھرتے ہیں اُن کا گرا ہوا اور سقاوے میں برائے وضو جو لوٹوں میں بھرتے وقت تھوڑا سا گرتا ہے اور استنجا چھوٹا اور بڑا اور ایسے جنب جن کے نجاست لگی ہو اُن کے غسل کا یہ سب پانی چوبچہ میں آتا ہے اور جب آٹھ گرہ سے زیادہ اونچا پانی اُس میں ہو جاتا ہے تو نکلنا شروع ہوتا ہے ورنہ اُس میں ٹھہرا رہتا ہے اور رنگ بُو پانی کا تبدیل نہیں ہوا ہے لیکن اُس چوبچہ کے پانی میں بُو بھی آتی ہے اور مزہ کسی نے چکھا نہیں ہے تو ان صورتوں میں اُس چوبچہ کا پانی پاک ہے یا ناپاک اور پاک ہے تو کس قسم کا اور ایک پیچک اسی چوبچہ میں ڈال کر کنویں میں ڈالی تھی تو کنواں پاک رہا یا ناپاک اور اگر ناپاک ہوا تو کس قدر ڈول نکلیں گے۔

الجواب:

شرع مطہر میں مدار نجاست علم پر ہے اور مدار طہارت نامعلومی نجاست پر۔ جس چیز کی نجاست معلوم نہیں وہ پاک ہے سقا وسقایہ و وضو وغسل بے جنابت و غسل جنابت سب کے پانی پاک ہیں اور استنجا جب ڈھیلے سے کرلیا جائے تو اصح مذہب پر طہارت ہوجاتی ہے اور اب جو پانی سے استنجا کریں تو وہ ناپاک نہیں ہوتا جبکہ نجاست نے مخرج جسے تجاوز نہ کیا ہو،

فان الشرع قداعتبر الاحجار مطھرة لما علی المخرج دفعا للحرج علی خلاف القیاس فی سائر البدن [1] کماقررہ فی الحلیة من اٰداب الوضوء فما جاوزہ اعنی المخرج	پاخانہ اور پیشاب کے مقام پر اگر نجاست صرف سوراخ (مخرج) تک محدود ہے تو شریعت نے اس حد تک طہارت کے لئے ڈھیلے کے استعمال کو معتبر قرار دیا ہے، شریعت کا یہ حکم خلاف قیاس ہے اس سے

[1] حلیہ

لایطھر بالحجر وانما یجف فاذا لاقی ماء قلیلا افسدہ ھذا ھو التحقیق الذی حصل للعبد الضعیف بمطالعۃ کلمات کثیرۃ شدیدۃ الاضطراب کماذکرتہ فیما علقتہ علی ردالمحتار ثم کون الاستجمار مطھرا قد استدل لہ فی الفتح بما رواہ الدار قطنی وصححہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یستنجی بروث اوعظم وقال انھما لایطھران [1] وتبعہ فی البحر وایدہ فی النھر وقال فی جامع الرموز ھو الاصح.

اقول: واخرج الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن خزیمۃ بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من استطاب بثلثۃ احجار لیس فیھن رجیع کن لہ طھور [2] فھذا نص بحمداللہ صریح فی المقصود وقد قال العلماء کما فی الغنیۃ وغیرھا انہ لایعدل عن درایۃ ماوافقتھا روایۃ [3] فکیف اذا کان ثم اختلاف تصحیح فعلی ھذا القول فلیکن التعویل وباللہ التوفیق۔

مقصد عوام سے حرج وتنگی ختم کرنا ہے، جیسا کہ حلیہ کے آدابِ وضو میں اس کو بیان کیا ہے۔ پس وہ نجاست جو مخرج کی حد سے تجاوز کر جائے وہ ڈھیلے سے پاک نہ ہوگی بلاکہ وہ ڈھیلے کے استعمال سے خشک ہوجائے گی اور جب وہاں پانی لگے گا تو وہ جگہ ناپاک ہوجائے گی، باہم مختلف کثیر عبارات کے مطالعہ سے اس ضعیف بندے کو یہی تحقیق حاصل ہوئی ہے، جیسا کہ میں نے ردمحتار پر تعلیقات میں ذکر کیا ہے، پھر ڈھیلے کا استعمال طہارت کا ذریعہ ہے، اس پر فتح القدیر میں اس حدیث کو دلیل بنایا جس کو دارقطنی نے روایت کیا اور اس کو صحیح قرار دیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے کو منع فرمایا اور فرمایا کہ دونوں چیزیں پاک کرنے والی نہیں ہیں، بحر میں اس کی اتباع کی اور نہر میں اس کی تائید کی ہے، جامع الرموز میں اس کو اصح کہا۔

میں کہتا ہوں طبرانی کبیر میں مصنف نے حسن سند کے ساتھ حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا جس نے صفائی کیلئے تین ڈھیلے استعمال کئے اور ان میں گوبر نہ ہو تو ان سے طہارت حاصل ہوجائے گی، یہ حدیث صریح نص ہے جس میں مقصد واضح ہوتا ہے۔ اور علماء نے فرمایا جیسا کہ غنیہ وغیرہا میں ہے کہ جو استدلال سے ثابت ہو وہ روایت سے ثابت شدہ کے مساوی

---

[1] فتح القدیر ۔ فصل فی الاستنجاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۹
[2] المعجم الکبیر عن خزیمۃ بن ثابت حدیث ۳۷۲۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/۸۷
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی الثامن تعدیل الارکان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

	نہیں ہوسکتا خصوصًا جب ہاں تصحیح میں بھی اختلاف ہو تو کیسے مساوی ہوگا۔ لہٰذا اس قول پر اعتماد ہونا چاہئے اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔(ت)

اور غسل خانے میں جو نجاست پیش از غسل دھوئی گئی اگر ابھی اُس کا پانی چہ بچہ میں نہ پہنچا تھا کہ اُس کے بعد غسل کیا اور یہ کہ پاک پانی اُسے بہا کر لے گیا تو زمین بھی پاک ہوگئی اور پانی بھی پاک رہا۔

فی ردالمحتار فی الذخیرۃ لواصابت الارض نجاسۃ فصب علیھا الماء فجری قدر ذراع طھرت الارض والماء طاھر بمنزلۃ الجاری [1]۔	ردمحتار میں ہے کہ ذخیرہ میں بیان کیا ہے کہ اگر زمین پر نجاست ہو تو جب اس پر پانی بہایا گیا اور وہ پانی ایک ہاتھ گز (ذراع) تک جاری ہوا تو زمین پاک ہوجائے گی اور پانی بھی جاری پانی کی طرح پاک ہوجائے گا۔(ت)

اور اگر آب نجس چہ بچہ میں پہنچ گیا تھا اُس کے بعد پاک پانی غسل و وضو وغیرہما کا بہتا آیا اور اس نے چہ بچہ کو جاری کردیا تو سارا پانی کہ چہ بچہ میں تھا پاک ہوگیا۔

فی ردالمحتار والعرف الاٰن انہ متی کان الماء داخلا من جانب وخارجا من جانب اٰخر یسمی جاریا وان قل الداخل وبہ یظھر الحکم فی برك المساجد ومغطس الحمام مع انہ لایذھب بتبنۃ [2]۔	ردمحتار میں ہے اور اب عرف یہ ہے کہ اگر پانی ایک جانب سے داخل ہو اور دوسری جانب سے خارج ہو تو اس کو جاری کہتے ہیں اگرچہ داخل ہونے والا قلیل ہو، اس سے مسجد کی نالی اور حمام سے نکاسی کا حکم معلوم ہوا اس کے باوجود کہ وہ تنکے کو بہا کر نہیں لے جاتا۔(ت)

اور پانی میں ٹھہرنے سے بھی بُو آجاتی ہے یہ خواہی نخواہی مستلزم نجاست نہیں جب تک نجس چیز کے سبب بُو میں تغیر نہ آیا ہو۔ غرض اس چہ بچہ میں اکثر اوقات زیادہ احتمالات طہارت کے ہیں اور بعض وقت ایک احتمال نجاست کا پس اگر ثابت و متحقق ہو کہ جس وقت پیچک اُس میں گری اُس سے پہلے کسی شخص نے کوئی نجاست حقیقیہ دھوئی تھی اور تنہا اُسی کا پانی چہ بچہ میں آیا ہوا تھا اور اس کے بعد پاک پانی نے آکر اُسے بہا نہ دیا تھا جب تو اس صورت خاص میں کنویں کی نجاست اور کُل پانی نکالنے کا حکم دیا جائے گا اور اگر اُس کا ثبوت تحقیقی طور پر نہیں تو چہ بچہ پیچک کنواں سب پاک ہیں احتمال سے کچھ نہیں ہوتا بلالکہ پاکی کیلئے ایک احتمال طہارت کافی ہے نہ کہ جہاں غالب وہی ہو۔

[1] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۸

فی ردالمحتار قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانھم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیا لایجب نزح شیئ وان کان الظاھر اشتمال بولھا علی افخاذھا لکن یحتمل طھارتھا بان سقطت عقب دخولھا ماء کثیرا مع ان الاصل الطھارۃ اھ۔ ومثلہ فی الفتح[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردمحتار میں ہے کہ بحر میں کہا ہے کہ ہم نے علم کی قید اس لئے لگائی ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اگر بھینس وغیرہ کنویں میں گر جائے اور زندہ نکال لی جائے تو کنویں سے پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ ظاہر طور پر بھینس کی رانوں پر پیشاب لگا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھینس کے پاک ہونے کا بھی احتمال ہے وہ یوں کہ ہوسکتا ہے بھینس کنویں میں گرنے سے متصل قبل کثیر پانی میں داخل ہوئی ہو اس کے ساتھ یہ بھی کہ طہارت اصل ہے اھ اور فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۵: ۲۶صفر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مُرغا اور مُرغی کنویں میں گرے اور زندہ نکل آئے اُن کے نکالنے کو خشک کھانچا جس میں نجاست کا ہونا معلوم نہیں مرغی اُس میں بند ہوا کرتی تھی ڈالا گیا اس صورت میں کُنویں میں سے کتنے ڈول نکالے جائیں اور اُن کا نکالنا یا اُس کے دام دینا اُس شخص پر لازم ہوگا یا نہیں جس کی وہ مرغی ہے حالانکہ مرغی آپ مرغ سے بھاگ کر اُس میں گری۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں اور کھانچے میں مرغی کا بند ہوا کرنا اُس کی نجاست پر یقین کا موجب نہیں جیسے استعمالی جُوتا اور خود جانوروں کے پنجے پاؤں اُس کا تاوان اس پر اصلاً نہیں جس کی وہ مرغی تھی اگر اس سے جبرًا لیا جائے گا ظلم وحرام ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از درو تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خان صاحب ۱۴رجب ۱۳۱۵ھ

چھپکلی اگر کنویں میں گر کر مرجائے اور پھُول یا پھٹ جائے تو کس قدر پانی کنویں سے نکالا جائے گا. **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سب کہ اس میں دَم سائل ہوتا ہے فقیر نے خود اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا ہے، ردالمحتار

[1] ردالمحتار فصل فی البئر البابی مصر ۱/۱۵۶

بحث آسار میں زیرِ قول ماتن سؤر سواکن بیوت مکروہ (گھروں میں رہنے والے جانوروں کا جھوٹا مکروہ ہے) کے تحت فرمایا:

قولہ سواکن بیوت ای ممالہ دم سائل کالفارۃ والحیۃ والوزغۃ وتمامہ[1] فی الامداد (۲)۔	سواکن البیوت سے مراد وہ جانور جن میں بہنے والا خون ہو، جیسے چُوہا، سانپ، چھپکلی، پوری بحث "الامداد" میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام ۳ اجل قاضیخان فصل النجاسۃ التی تصیب الثوب (کپڑے کو لگنے والی نجاست کی فصل۔ ت) میں ہے:

دم الحلمۃ والوزغۃ یفسد الثوب والماء[2]۔	حلمۃ (ایک قسم کا کیڑا ہے جو چمڑے کو لگ جاتا ہے اور اسے خراب کردیتا ہے) کا خون اور چھپکلی کا خون کپڑے اور پانی کو فاسد کردیتا ہے۔ (ت)

فتاوٰی (۴) عالمگیریہ میں ہے:

دم الحلمۃ والوزغۃ نجس اذا کان سائلا کذا فی الظھیریۃ (۵) فاذا اصاب الثوب اکثر من قدر الدرھم یمنع جواز الصلاۃ (۶) کذا فی المحیط[3]۔ اقول: والتقیید بالسیلان علی المعھود من اصلنا ان دم کل دموی لاینجس منہ الاسائلہ ولذا لاینقض دم الانسان وضوءہ الا اذا کان سائلا۔	حلمۃ کا خون اور چھپکلی کا خون نجس ہے جب وہ بہنے والا ہو، ظہیریہ میں ایسے ہے جب کپڑے کو مقدارِ درہم سے زیادہ لگ جائے تو نماز کے جواز سے مانع ہوگا ایسے محیط میں ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** کہ خُون کے ساتھ بہنے کی قید ہمارے مقررہ قاعدہ پر مبنی ہے کہ ہر خون والے کا صرف بہنے والا خون نجس ہوتا ہے۔ اسی لئے انسان کے وضو کو صرف بہنے والا خون توڑتا ہے۔ (ت)

لاجرم ۶ خزانۃ المفتین میں برمز ظ اسی فتاوٰی ظہیریہ ۷ سے ہے:

دم الوزغۃ یفسد الثوب	چھپکلی کا خون کپڑے اور پانی کو فاسد

[1] ردالمحتار مطلب فی السؤر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۴

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ التی تصیب الثوب نولکشور لکھنؤ ۱/۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الاعیان النجاسۃ پشاور ۱/۴۶

والماء [1]۔	کردیتا ہے۔ (ت)

فتح[8] القدیر میں ہے:

دم الحلمة والاوزاغ نجس [2] اھ۔ **اقول:** فقد اطلقوا والمراد المراد ولو شك فی دمویتها لماساغ لهم الاطلاق كالامام فقیه النفس۔	حلمۃ (ایک قسم کا کیڑا) اور چھپکلیوں کا خون ناپاک ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** ان فقہاء نے مطلق چھپکلی کو ذکر کیا ہے حالانکہ مراد خاص خون والی ہے اگر اس کے خون کے بارے میں شک ہوتا تو پھر ان کو اطلاق کی گنجائش نہ ہوتی جیسا کہ امام فقیہ النفس نے فرمایا۔ (ت)

فتاوٰی صاحبِ[9] بحرالرائق میں ہے:

سئل عن دم الوزغ هل هو طاهر ام نجس اجاب هو نجس [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	ان سے چھپکلی کے خون کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا وہ پاک ہے یا نجس، توانھوں نے جواب دیا وہ نجس ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مراقی الفلاح[10] میں ہے:

سؤر سواكن البیوت مماله دم سائل كالحیة والوزغة مكروه للزوم طوافها وحرمة لحمها النجس [4] اھ۔	بہنے والے خون کے حامل گھروں میں رہنے والے جانوروں جیسے سانپ اور چھپکلی کا جھوٹا مکروہ ہے ان کے حرام گوشت کی نجاست اور ان کے لازمی طواف (گھر میں چلنے پھرنے) کی بناء پر یہ حکم ہے۔ (ت)

در[11] میں ہے:

سؤر الو زغة مكروه لان حرمة لحمها او جبت نجاسة سؤرها لكنها سقطت	چھپکلی کا جھوٹا مکروہ ہے کیونکہ اس کے گوشت کی حرمت اس کے جھوٹے کو نجس ثابت کرتی ہے

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] فتح القدیر باب الانجاس و تطہیرہا سکھر ۱/۱۸۳

[3] فتاوٰی ابن نجیم علی حاشیۃ فتاوٰی غیاثیۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۶

[4] مراقی الفلاح مع الطحطاوی بولاق مصر ص ۱۹

لعلۃ الطواف فبقیت الکراھۃ[1]۔	لیکن نجاست کے وجوب کو طواف کی علت نے ساقط کردیا پس کراہیت باقی ہے۔(ت)

غنیہ[۲] ذوی الاحکام میں ہے:

ولھذا اذا ماتت فی الماء نجستہ[2] واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اس لئے جب وہ پانی میں مرجائے تو پانی کو ناپاک کردے گی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۷: از مسجد جامع مرسلہ مولوی احسان حسین صاحب ۳۰ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسلمان غسل اور پارچہ صاف کرکے واسطے نکالنے لوٹے کے کنویں میں داخل ہوا تو آیا اب شرعًا بیس ۲۰ ڈول نکالنے کا اس کُنویں میں سے حکم دیا جائے گا یا نہیں اور فتوی کس پر ہے مع حوالہ کتاب بیان فرمائیں **بینوا توجروا**۔

الجواب:

جبکہ بدن بھی پاک تھا اور جامہ بھی پاک اور حدث بھی نہ تھا کہ نہالیا تھا اور کنویں میں بھی حدث واقع نہ ہوا نہ اُس میں بہ نیت قربت وضو یا غسل تازہ کیا تو بالاجماع ایک ڈول نکالنے کی بھی حاجت نہیں کنویں کا پانی بدستور طاہر مطہر ہے۔

فی ردالمحتار الطاھر اذا انغمس لایصیر الماء مستعملا بحر عن الخانیۃ والخلاصۃ[3] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے پاک آدمی جب پانی میں غوطہ خوری کرے تو وہ پانی مستعمل نہ ہوگا۔ بحر نے خانیہ اور خلاصہ سے نقل کیا ہے اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۸: ۶ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر جگہ اہلِ ہنود کنویں میں اپنے لوٹے ڈالتے ہیں اور پانی بھرتے ہیں اور اُن پر کھڑے ہوکر نہاتے ہیں اور اپنی دھوتیں دھوتے ہیں اسی طرح پر تمام چھینٹیں کنویں میں اندر جاتی ہیں ان سب حالات مذکورہ میں پانی کنویں کا پاک ہے یا ناپاک۔ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

حکم پاکی کا ہے جب تک نجاست یقیناً نہ معلوم ہو صرف اس قدر کہ غالبًا ان کے برتن کپڑے ناپاک

---

[1] درر شرح غرر فصل بئر دون عشر فی عشر احمد کامل الکائنہ دار سعادت مصر ۲۷/۱

[2] حاشیہ علی الدرر لمولٰی خسرو فصل فی بئر دون عشر احمد کامل الکائنہ دار سعادت مصر ۲۷/۱

[3] ردالمحتار مسئلۃ البئر حجط مصطفٰی البابی مصر ۱۴۸/۱

ہوتے ہیں حکم نجاست کیلئے کافی نہیں ورنہ بازار کی مٹھائی اور دُودھ گھی وغیرہ سب حرام و نجس ٹھہریں گے اور یہ حرج ہے اور حرج مدفوع بالنص،

وقد ذکر المسألة فی ردالمحتار فی العبید والکفار وفی نصاب الاحتساب فی خصوص کفرة الھند وفصلناھا بمالا مزید علیه فی رسالتنا الاحلی من السکر لطلبة سکرر وسر واللّٰه سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ردالمحتار میں یہ مسئلہ غلاموں اور کافروں کے بارے میں اور نصاب الاحتساب میں ہندوستان کے کفار کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے ہم نے اس کی مکمل تفصیل اپنے رسالہ "الاحلی من السکر لطلبة سکرر وسر" میں بیان کردی ہے واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۹: ازبزریاعنایت گنج شہر کہنہ ۲۶ صفر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اُس گھر کی پیڑھی جس میں کہ چھوٹے بچّے اور مرغیاں ہیں اور ہر چند کو اُس پیڑھی میں کسی طرح کی نجاست ظاہری نہیں لگی ہے مگر ظن غالب ہے کہ اس پر ضرور بچّے نے کبھی پیشاب کیا ہو یا مرغیوں کی نجاست اُس کے پاؤں میں لگی ہو اگر یہ پیڑھی کنویں میں گر جائے تو پانی کنویں کا پاک رہا یا ناپاک ہوگیا اگر ناپاک ہوگیا تو کس قدر ڈول نکالے جائیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پانی پاک ہے جب تک پیڑھی کی نجاست پر یقین نہ ہو، صرف بیس ۲۰ ڈول نکال لیے جائیں،

تطییبا للقلب علی [1] مافی الخانیة وغیرھا وذلك لان الیقین لایزول بالشك [2] وقد حققنا المسألة فی رسالتنا الاحلی من السکر بمالا مزید علیه واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اطمینانِ قلب کیلئے جیسا کہ خانیہ وغیرہا میں ہے یہ اس لئے کہ شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا اس مسئلہ کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ "الاحلی من السکر لطلبة سکرر وسر" میں بیان کردی ہے واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۰: ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایامِ وبا میں گورنمنٹ کی طرف سے جو دوا کنوؤں میں واسطے

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل مایقع فی البئر نولکشور لکھنؤ ۱/۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الاعیان النجاسۃ پشاور ۱/۴۷

اصلاح پانی کے ڈالی جاتی ہے اور رنگ پانی کا سُرخ ہوجاتا ہے اور ذائقہ میں بھی فرق آجاتا ہے وہ پانی طاہر ومطہر اور قابل پینے اور وضو کے ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جب تک نجاست پر علم نہیں پانی طاہر مطہر ہے **نص علیه فی ردالمحتار وغیرها والاصل فی الاشیاء الطھارۃ** [1] (ردمحتار وغیرہا میں اس کو صراحۃً ذکر کیا ہے اور اشیاء کا اصل حکم طہارت ہے۔ ت) یوں ہی جب تک حرمت پر علم نہیں پانی حلال ومشروب ہے **فان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ** [2] **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ احکم۔** (پس بے شک اشیاء میں اصل، اباحت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ت)

مسئلہ ۸۱: از بریلی محلّہ کوہاڑا پیر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کل تیسرے پہر مسجد کے کنویں پر آیا اور وہ ایک لڑکے غیر نمازی سے صرف یہ کہہ کر چلاگیا کہ یہ کنواں ناپاک ہے چھپکلی نکلی ہے شام کے وقت نمازیوں کو خبر ہوئی اور تحقیق کیلئے اس شخص کو تلاش کیا لیکن پتا نہیں چلا اور نہ چھپکلی کنویں کے پاس پڑی ہوئی نظر آئی جس سے اس کی حالت معلوم ہوتی۔ اب ایسی صورت میں وہ کنواں پاک ہے یا ناپاک اور ناپاک ہے تو کس قدر ڈول نکالنا چاہئے اور مسجد کے سقاوے میں جو ایک روز قبل کا پانی بھرا ہوا ہے اُس سے نمازیوں نے مطلع ہوجانے پر وضو کیا اور نماز پڑھی اس کا کیا حکم ہے اور کسی وقت کی نماز لوٹائی جائے یا نہیں۔

الجواب:

جبکہ اُس شخص کا نہ حال معلوم نہ پتا چلا اور اُس سے ناقل صرف ایک لڑکا نابالغ یا بالغ بے نماز ہے نہ کُنویں میں کوئی آثار نجاست معلوم ہوئے تو ایسی صورت میں حکم نجاست نہیں ہوسکتا کنواں بھی پاک سقایہ بھی پاک نمازیں بھی ٹھیک۔ اگر دل کا شبہ مٹادینا چاہیں تو صرف بیس ۲۰ ڈول نکال دیں کافی ہے، **واللہ سبحٰنه تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۲: از پیلی بھیت مسجد جامع مرسلہ حافظ شوکت علی صاحب ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے کنویں سے پانی ہنود اپنے برتن سے بھریں مرد وعورت دونوں اُن کا بھرنا پانی کا نمازی کی طہارت کو نقصان لائے گا یا نہیں جو شخص اس کو

---

[1] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۶

[2] قاعدہ سادسۃ من القواعد الاشباہ والنظائر سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷

جائز رکھے اور اسلام کے مقابلالہ میں ہنود کو قوت دیوے اس کو کیا کہنا چاہئے مسلمان کوشش کریں کہ مسجد کے کنویں سے پانی ہنود نہ بھریں اور ایک شخص کوشش سے باز رکھے وہ کون ہے اور کسی عالم صاحب کے فرمانے کو کہے کہ وہ کیا جانے عالم کی اہانت کرنا کیا ہے اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا بالدلیل فتوجروا عندالجلیل۔**

الجواب:

اگرچہ نجاست جب تک یقینا نہ معلوم ہو طہارت ہی مانتے ہیں مگر شک نہیں کہ ہنود کے برتن بدن سب نجاستوں پر مشتمل ہوتے ہیں جس قوم کے یہاں خود نجاست مطہر اور پاک کرنے والی مانی گئی ہو اور بچھیا کے مُوت گوبر کو پیتر کہیں یعنی پاک کرنے والا ان کی طہارت کی کیا ٹھیک ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ مسجد کا کنواں ان کے تصرف سے دُور رہے جو شخص بلاضرورت شرعیہ مسلمانوں کا خلاف کرتا اور ان کے مقابل ہنود کو قوت دیتا ہے سخت خطرناک حالت میں ہے اور عالم' دین کی توہین کو ائمہ نے کفر لکھا ہے۔ مجمع الانہر میں ہے: **الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر** [1] (صحیح العقیدہ سنّی علماء اور اشراف کی توہین کفر ہے) ایسے شخص پر توبہ فرض ہے اگر نہ مانے اور اصرار کرے تو اس کے پیچھے ہرگز نماز نہ پڑھی جائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔**

مسئلہ ۸۳: از اڈیشنل منصفی اعظم گڈھ مرسلہ نبی حسن خان صاحب ۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک کنویں میں سے ایک کُتّا نکلا اور وہ مرا ہوا تھا یہ نہیں معلوم کہ کب گر گیا تھا اُس کا پانی عدم واقفیت کی وجہ سے استعمال میں آتا رہا جس صبح کو وہ کُتا برآمد ہوا اُس سے قبل اُس پانی سے سر دھویا یا فورًا چادر سے اس کو پُونچھ کر تُرکی ٹوپی اوڑھی اُس وقت سر میں نمی موجود تھی پانی کا کچھ نہ کچھ اثر ٹوپی میں ضرور پہنچا ہوگا اس حالت میں ٹوپی پاک رہی یا کہ ناپاک، اور اس کُنویں سے کتنا پانی نکالا جائے۔

الجواب:

کُل پانی نکالا جائے جبکہ سر پونچھ ڈالا تھا تو ٹوپی ناپاک نہ ہوئی صرف نم باقی رہنا ناپاک کرنے کو کافی نہیں جب تک اتنی تری نہ ہو کہ نچوڑے سے بوند ٹپکے **کما صرح بہ فی الکتب المعتمدۃ منھا الدر وغیرہ** (جیسا کہ معتبر کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے ان میں سے در وغیرہ بھی ہیں۔ت) اور صاحبین کے قول پر تو کنویں کی ناپاکی کا اُسی وقت سے حکم دیا جاتا ہے جب سے کوئی نجاست اس میں گرنا معلوم ہو اُس سے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ثم ان الفاظ الکفر انواع بیروت ۱/۶۹۵

پہلے کا پانی پاک فرماتے ہیں تو کُتّے کے نکلنے سے پہلے جو پانی استعمال ہُوا اس پر حکمِ ناپاکی نہیں دیتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۴ : از چتور گڈھ اودے پور میواڑ مرسلہ مولوی قاضی اسمٰعیل محمد صاحب امام مسجد چھیپاں ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے کنویں میں (جو کہ دہ در دہ نہیں ہے) ایک شخص کا مستعملہ جوتا پڑ گیا گرے ہوئے جُوتے پر نجاست کے ہونے نہ ہونے کا حال معلوم نہیں مگر اُس شخص کا باقیماندہ دوسرا جُوتا اُسی وقت دیکھا گیا تو اس پر نجاست کا اثر نہیں تھا کتب موجودہ درمختار عٰلمگیریہ کبیری شرح منیۃ المصلی وغیرہا کتب فقہ میں دیکھا گیا تو بظاہر کوئی حکم صورتِ مسئولہ میں نہیں پایا گیا البتہ ایک عالم رکن الدین صاحب ساکن الور نے اپنے رسالہ رکنِ دین میں بلاحوالہ کتاب بایں عبارت کہ کنویں میں اگر جُوتی گرجائے تو سارا پانی نکالا جائے کیونکہ جوتی مستعملہ میں نجاست کا لگا رہنا یقینی ہے اور یہاں عام بلوٰی بھی نہیں کہ جس سے بچاؤ مشکل ہو چونکہ غایۃ الاوطار شرح درمختار میں ہے پس ان اقوال سے سخت حیرانی ہے کہ کون سا مسئلہ صحیح سمجھا جاوے آیا کنویں کا سارا پانی نکالا جائے یا پانی پاک سمجھا جائے امید کہ جواب اس کا مفصل بحوالہ کتب فقہ جلد تحریر فرمائیں کہ شرع شریف کے حکم پر عمل کیا جائے نمازیوں کو سخت تکلیف ہے۔ فقط

الجواب:

جبکہ اس کی نجاست معلوم نہیں پانی ناپاک نہ ہوا فان الیقین لایزول بالشك [1] (شک کی وجہ سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ت) تاتارخانیہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی رحمه الله تعالٰی عن رکیة وھی البئر وجد فیھا خف اونعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیه اثر النجاسة ھل یحکم بنجاسة الماء قال لا [2]۔	امام خجندی رحمہ اللہ تعالٰی سے ایسے کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں کوئی ایسا موزہ یا چپل گرا ہوا پایا گیا جو گلی کُوچے میں پہن کر چلنے میں استعمال ہوا ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کنویں میں کب گرا، اور اس پر نجاست کا اثر نہ ہو، کیا پانی کے نجس ہونے کا حکم دیا جائے گا، آپ نے فرمایا: نہیں۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ الاعیان النجاسۃ پشاور ۱/ ۴۷

[2] حدیقۃ ندیۃ الصنف الثانی من الصنفین من الطہارۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

ہاں تسکین قلب کیلئے بیس ۲۰ ڈول نکال لینا مستحب ہے جیسے بھینس یا بکری کہ کنویں میں گر کر زندہ نکل آئے اُس کی رانوں پر پیشاب کی چھینٹیں ہونا اس سے کم مظنون نہیں پھر بندھا ہوا جانور وہیں نجاست کرتا وہیں بیٹھتا ہے مگر جب نجاست معلوم نہ ہو یہ ظنون معتبر نہ ہوں گے اور صرف ۲۰ ڈول نکالنے ہوں گے وہ بھی تطییب قلب کیلئے ورنہ پانی پاک ہے۔ فتاوٰی قاضی خان وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لووقعت الشاة حية ينزح عشرون دلوا لتسكين القلب لا للتطهير حتى لولم ينزح ويتوضأ جاز [1]۔	اگر زندہ بکری کنویں میں گری (اور زندہ نکال لی) تو بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں تاکہ اطمینانِ قلب ہوجائے، کنویں کو پاک کرنے کی غرض نہیں حتی کہ اگر کوئی ڈول بھی نہ نکالا تو بھی وضو جائز ہے۔ (ت)

باقی ظنون کا جواب اور ایسے تمام مسائل کی تحقیق فقیر کے رسالہ الاحلی من السکر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵: از موضع منصور پور متصل ڈاک خانہ قصبہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خان ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر اشخاص کو دیکھا جاتا ہے کہ کُنویں سے پانی کا ڈول نکال کر پانی صرف کے لائق لیتے ہیں باقیماندہ پانی کنویں میں لَوٹ دیا کرتے ہیں اس کیلئے کیا حکم ہے۔

الجواب:

عاقل بالغ شخص اگر ایسا کرے کوئی حرج نہیں کہ پانی جب اُس نے بھر کر باہر نکال لیا اُس کی مِلک ہوگیا جب اُس نے باقی کنویں میں ڈال دیا تو اُسے مسلمانوں کیلئے مباح کردیا اور عاقل بالغ اپنے مال کو مباح کرسکتا ہے ہاں مجنون اور نابالغ میں دقت ہے اُس کی تحقیق عـہ ہماری تعلیقات علی ردالمحتار میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از سیتاپور کوٹھی حضرت سید محمد صادق صاحب وکیل مرحوم مرسلہ صاحبزادہ صاحب مولانا مولوی حضرت سید محمد میاں صاحب زیدت مکارمہم ۴ رمضان ۱۳۳۲ھ

مولانا صاحب معظم ومکرم دام مجدہم۔ پس از اہدائے سلام مسنون۔ صورت یہ ہے کہ گھر کے چاہ میں

عـہ اور اس کی تحقیق تام اور تفصیل کامل رسالہ عطاء النبی لافاضة احکام ماء الصبی مندرجہ رسالہ النور والنورق میں گزری۔ (م)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل مایقع فی البئر نولکشور لکھنؤ ۱/۵

ایک شخص نے بے احتیاطی سے ایسا گھڑا ڈالا جو گوبر سے مخلوط تھا مگر اس کا راوی کہ وہ ایسا گھڑا تھا ایک مسلمان غیر عادل وثقہ ہے بہر حال میں نے اُس کا پانی ایک ایسے ڈول سے جو علی العموم اُس چاہ میں نہیں پڑتا بلکہ معمولی اُس چاہ کے ڈول سے دوگنا بلکہ ڈھائی گنا تھا جس میں ایک گھڑا بھر پانی کم از کم آجاتا ہے نکلوایا اور جب ڈول نصف بلکہ نصف سے بھی کسی قدر کم آنے لگا تو پانی نکلوانا موقوف کرادیا ایک ہندو شخص نے پانی نکالا تھا اور نصف تک پانی ڈول میں آتے میں نے خود دیکھا تھا اور ڈول کو چاہ میں نہ ڈوبتے بھی میں نے دیکھا تھا مگر اس ڈول کا نصف سے کم بھرنا یہ اُس ہندو کی روایت ہے ندی کے قریب ہی چاہ ہے اس وجہ سے پانی برابر آتا رہتا ہے یہ ڈول اگرچہ اس خاص چاہ میں تو نہیں ڈالے جاتے مگر اس کے برابر دوسرا چاہ جو باغ نہیں ہے اس میں ڈالے جاتے ہیں پھر اس اودیو سے تھوڑی دیر پہلے اور بھی سو پچاس ڈول نکالے جاچکے تھے مگر چونکہ درمیان میں وقفہ ہوگیا پانی پھر بھر گیا لہٰذا نئے سرے سے یہ بار دیگر ادیو کرایا جس کا حال یہ ہوا اب آیا وہ کنواں پاک ہوگیا یا نہیں اگر نہیں تو کس قدر پانی نکالنے سے پاک ہوگا اور کب پانی نکلوانا چھوڑا جائے اور کس ڈول کا اعتبار کیا جائے چونکہ رمضان المبارک کے دن ہیں دُور سے پانی لانے میں تکلیف ہے لہٰذا جناب سے بہت قوی امید ہے کہ جواب سے مفصل جلد سے جلد مطلع فرمائیں گے امید کہ فوراً جواب روانہ ہوگا مختصر جواب کہ یہ چاہ پاک ہے یا نہیں تو اس طرح پاک ہوگا درکار ہے مکرر یہ کہ اس قدر کم پانی اس چاہ میں ہوجاتے میں نے خود دیکھا تھا کہ ڈول کا پیندا تلی پر رکھا ہوتا تھا پانی میں ڈوبتا نہیں تھا ٹیڑھا کرنے سے پانی ڈول میں آتا تھا والسلام خیر ختام۔

الجواب:

حضرت صاحبزادہ والا دامت برکاتہم۔ تسلیم مع التکریم۔ مخبر غیر ثقہ جس نے وہ گھڑا ڈالنے کی خبر دی اگر قلب پر اس کی بات نہ جمتی ہو اس بیان میں اس کی کوئی مصلحت ہو یا اتنا لاابالی ہو کہ محض بے سبب ایسے امور میں غلط باتیں کہتا ہو جب تو کنویں کی نجاست ہی کا حکم نہیں اور اگر تحری سے اس کی بات قلب پر جمے تو حکم تطہیر ہے مگر تطہیر بئر میں موالات شرط نہیں اعتبار اس کنویں کے ڈول کا ہے مگر یہاں کہ نزح کُل منظور ہے عدداً لحاظ دلو کیا ضرور ہے ہاں نصف ڈول نہ بھرنے میں اتنے بڑے ڈول کا اُس ڈول سے ڈھائی گنا ہے۔ نہ بھرنا کافی نہ ہوگا جبکہ اُس کنویں کے ڈول کا نصف یا ایسے ڈول کا جس میں ایک صاع ماش آئے بھر سکتا ہو مگر اس سے پہلے جو سو پچاس ڈول نکالے گئے تھے۔ وہ غالباً اس کمی کے پورا کرنے کو کافی بلاکہ زائد ہوں پھر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ جمیع مافیہ وقت وقوع النجاسۃ کا اعتبار ہے جبکہ بوجہ قرب نہر پانی اس کنویں میں ہر وقت آتا رہتا ہے تو ختم پر جو زیادت رہی وہ اگر تازہ آئی ہوئی ہے ملحوظ نہیں مثلاً مافیہ وقت الوقوع ہزار ڈول تھے ہزار نکال

دئے گئے طہارت ہوگئی اگرچہ بعد اخراج بوجہ جریان امداد پھر ہزار کے ہزار موجود ہوں غرض عہ صورت مستفسرہ میں غالبًا کنواں طاہر ہوگیا اور ان باتوں کا صحیح اندازہ جناب فرما سکیں گے اگرچہ دلو کا اشتباہ معلوم ہو وہ چند اب نکلوا دیے جائیں۔ والسلام واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: از بریلی محلّہ خواب قطب مرسلہ محمد ابراہیم ۲۱ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

ایک چاہ پختہ جس کا قطر تین ہاتھ ہے اور جس میں اس وقت ۱۴ فٹ پانی موجود ہے اُس میں ایک چوہا جو

عہ **فان قلت** الیس (۱) ان القلیل عفو بلافرق بین البعر والروث والخثی والرطب والیابس والصحیح والمنکسر والفلاۃ والمصر ومالھا حاجز من البئر ومالاکل ذلک علی الصحیح المعتمد ولاشك ان مالصق من الخثی بالجرۃ قلیل فلا یحتاج الی التطهیر اصلا **اقول:** هذا الحکم معلل بالضرورۃ فی التبیین لافرق بین الرطب والیابس والصحیح والمنکسر والبعر والخثی والروث بشمول الضرورۃ[1] اھ وفی الفتح هو الاوجه لان الضرورۃ تشمل الکل[2] اھ وفی التاترخانیة لوفیه ضرورۃ وبلوی لاینجس والانجس[3] اھ (۲) والضرورۃ فی الوقوع لا فی الالقاء قصدا قال فی ردالمحتار اذا رماہ فی الماء قصدا فانه لاضرورۃ فی ذلك لکونه بفعله[4] اھ ولاشك ان الادلاء من الالقاء فینجس لاسیما فی اٰبار فی دور المسلمین والمستقون من الکفرۃ لهم خادمون کما فی صورۃ السؤال واللہ تعالٰی اعلم۔ (م)

اگر یہ سوال ہو کہ مینگنی، گوبر، لید خشک ہو یا نہ، ثابت ہو یا ریزہ ریزہ، کنویں میں قلیل مقدار میں گر جائے کہ کُنواں جنگل میں ہو یا شہر میں، کنویں پر ڈھکنا ہو یا نہ ہو تو وہ معاف ہے کنواں ناپاک نہ ہوگا اور بے شک گھڑے پر جو گوبر لگا ہے وہ قلیل ہوگا تو اس کے پاک کرنے کی اصلًا حاجت نہیں، تو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ یہ حکم ضرورت کی بناپر ہے تبیین میں ہے مینگنی، گوبر، لید خشک ہو یا تر، ثابت ہو یا ریزہ ریزہ کنویں میں گر جائے تو بشمول ضرورت کوئی حرج نہیں ہے اھ اور فتح میں ہے یہی اوجہ ہے کیونکہ ضرورت سب کو شامل ہے اھ اور تاتارخانیہ میں ہے اگر اس میں ضرورت اور بلوٰی ہو تو نجس نہ ہوگا ورنہ نجس ہوگا اھ اور ضرورت نجاست کے خود بخود واقع ہونے میں ہے قصدًا ڈالنے میں نہیں ردالمحتار میں فرمایا کہ جب اس نے نجس کو پانی میں قصدًا پھینکا ہو تو ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تو اس کا اپنا فعل ہے اھ اور بے شک ڈول کو اگر لٹکا کر ڈالا گیا تو کنواں نجس ہوجائے گا، خاص طور پر وہ کنویں جو مسلمانوں کے شہروں میں ہوں اور مسلمانوں کو پانی پلانے والے ان کے خادم کافر ہوں، جیسا کہ سوال کی صورت میں ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] تبیین الحقائق، کتاب الطهارۃ ۱/ ۲۷

[2] فتح القدیر، کتاب الطهارۃ ۱/ ۸۷

[3] الفتاوی التاتارخانیہ، کتاب الطهارۃ ۱/ ۱۹۲

[4] ردالمحتار

ریزہ ریزہ ہوگیا تھا پانی بھرتے ہوئے ڈول میں برآمد ہوا ہے اس چاہ کے پاک کرلینے کیلئے کس قدر ڈول یا پانی اس میں سے نکالا جائے بڑا کنواں جس کیلئے پانی بالکل نکالے جانے کی صورت میں دوسو ۲۰۰ سے تین سو ۳۰۰ تک ڈول معین کئے گئے ہیں اس کنویں کیلئے یہ حکم جاری ہوسکتا ہے اگر یہ حکم اس کنویں کیلئے نہیں صادر ہوسکتا تو اس چاہ میں سے کس قدر ڈول نکالے جائیں لفظ پانی توڑنا یا بالکل پانی نکالا جانا صاف نہیں ہیں چاہ کی اور پانی کی پیائش متذکرہ بالا معلوم ہونے پر ڈولوں کی تعداد متعین فرمائی جائے۔

الجواب:

کُل پانی کا حکم ہے جتنا نجاست نکلنے کے وقت اُس میں تھا دوسو[۲۰۰] تین سو[۳۰۰] کا تخمینہ بغداد مقدس کے کُنوؤں کیلئے تھا اس میں ہزار ڈول پانی یا زائد ہوگا تین سو[۳۰۰] سے کُل کا حکم کیسے پُورا ہوسکتا ہے سو[۱۰۰] پچاس[۵۰] ڈول پانی کھینچ کر پھرنا پا جائے کہ کتنا گھٹا اُسی نسبت سے ڈول نکال لیے جائیں مثلاً پچاس ڈول میں ایک فٹ گھٹا اور ۱۴ فٹ تھا تو ساڑھے چھ سو ڈول اور نکال لیے جائیں اور اگر کنویں[۲] میں پانی کی آمد جلد نہیں تو اتنے ڈولوں کے بعد کہ اُس میں نصف ڈول نہ بھرسکے گا اسے کہیں گے کہ پانی ٹوٹ گیا اور اگر آمد[۳] جلد ہو تو جتنے ڈول حساب سے اُس وقت تھے اُتنے نکالنے پر کنواں پاک ہوجائے گا اگرچہ پھر اُتنا ہی پانی اُس میں موجود ہو اسے کہیں گے کہ پانی کُل نکل گیا یعنی اُس وقت موجود تھا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید نے ایک چاہ پختہ میں ایک نل پانی سے چار ہاتھ گہرا بائیس ۲۲ ہاتھ کھڑا لگایا جس سے پانی بلندی پر لے گیا پانی جو نل کے ذریعہ سے پہنچا وہ اس پانی کے نجس ہونے سے جو پہلے سے چاہ مذکور میں تھا نجس ہوگا یا نہیں اور اس میں کمی وزیادتی گہرائی کا لحاظ ہوگا یا نہیں اور اگر ہوگا تو کیا مقدار ہوگی اور اسی طرح نل میں نجاست کے پڑنے سے سوائے نل کے جو پانی چاہ میں ہے نجس ہوگا یا نہیں۔

الجواب:

پانی نہایت نفّاذ ہے ولہذا[۴] شرع میں حکم ہے کہ جو شخص زمین افتادہ میں باذن سلطان کنواں کھودے اس کے چاروں طرف چالیس چالیس ہاتھ تک دوسرے کو کنواں کھودنے کی اجازت نہ دی جائے گی کہ اول کا پانی اس طرف کھنچ کر کم نہ ہوجائے۔

درمختار میں ہے:

حریم بئر اربعون ذراعا من کل جانب اذا حفرھا فی موات باذن	کنویں کا محفوظ دائرہ (حریم) چالیس ہاتھ (گز) ہر جانب سے ہوگا جب اسے غیر آباد زمین میں حکومت کی

الامام [1]۔	اجازت سے کھودا گیا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المقصود من الحریم دفع الضرر کی لایحفر بحریمہ احد بئرا اخری فیتحول الیہا ماء بئرہ [2]۔	حریم کا مقصد کنویں کو نقصان سے محفوظ کرنا ہے کیونکہ کوئی شخص کنویں کے دائرے (حریم) میں دوسرا کنواں کھود کر اپنے کنویں کی طرف پھیرنے سے نقصان پہنچاسکتا ہے۔(ت)

کنویں کے ' قریب نجس چہ بچہ کا ہونا اُسے نجس کردیتا ہے بعض نے کہا پانچ ہاتھ سے کم تک بعض نے سات ہاتھ سے کم تک، اور صحیح یہ ہے کہ جتنی دُور سے نجاست کا اثر ظاہر ہو نجس کردے گا اگرچہ بیس ۲۰ ہاتھ کے فاصلہ سے،

درمختار میں ہے:

البعد بین البئر والبالوعۃ بقدر مالایظھر للنجس اثر [3]۔	کنویں اور نجس چہ بچہّ کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ نجاست کا اثر کنویں میں ظاہر نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الخلاصۃ والخانیۃ والتعویل علیہ وصححہ فی المحیط بحر [4]۔	خلاصہ اور خانیہ کے حوالے سے ہے اسی پر اعتماد ہے اور محیط میں اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے، بحر۔(ت)

اُسی میں ہے:

فی روایۃ خمسۃ اذرع وفی روایۃ سبعۃ والحاصل انہ یختلف برخاوۃ الارض وصلابتہا ومن قدرہ اعتبر حال ارضہ [5]۔	اس میں پانچ ہاتھ اور سات ہاتھ کی روایتیں بھی ہیں، الحاصل یہ فاصلہ زمین کی نرمی اور سختی اور اس کی مقدار کے لحاظ سے مقرر کیا جائیگا۔(ت)

جب پانی بلامنفذ صرف مسام کے ذریعہ سے ایسی سرایت کرتا ہے تو جہاں نل لگے گا ضرور منفذ

---

[1] الدرالمختار کتاب احیاء الموات مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵

[2] ردالمحتار کتاب احیاء الموات مصطفی البابی مصر ۵/۳۰۸

[3] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[4] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[5] ردالمحتار فصل فی البئر مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۲۔۱۶۳

پیدا کرے گا پھر پانی کیونکر رُک سکے گا ان کا دو پانی جدا جدا ہونا معقول نہیں اوپر کا پانی ناپاک ہونا ضرور نل کے پانی کو ناپاک کرے گا اور وہ صورت نادرہ کہ نل میں نجاست پڑے بحال اتصالِ آب اُسی میں ہے سریان نجاست میں شبہ نہ ہونا چاہئے اگرچہ نل کتنے ہی دُور تک ہو کہ مذہب صحیح میں عمق محض معتبر نہیں **کما نصوا علیہ ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (جیسا کہ انہوں نے تصریح کی ہے، مجھے یہ معلوم ہوا، حقیقی علم اللہ کے ہاں ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ت)

مسئلہ ۸۹: مسئولہ مولوی عبدالشکور ارکانی ۶ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کنویں میں سے کوئی جانور مُردہ سڑا ہوا نکل آئے تو اس کنویں کے پانی کا کیا حکم ہے۔

الجواب:

اگر جانور میں دَم سائل نہ تھا جیسے مینڈک، بچھّو، مکّھی، بھڑ وغیرہ تو پاک ہے اور اگر دم سائل تھا تو ناپاک ہے کُل پانی نکالیں **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۰: از شہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عبدالجلیل ۱۶ شوال شنبہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر رافضی نمازی کنویں میں گھسے تو پانی کنویں کا نکالا جاوے یا نہیں اور رافضی کے یہاں حقّہ پینا چاہئے یا نہیں اگر پی لیا تو کیا حکم ہے، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

رافضی کے یہاں کچھ کھانا پینا نہ چاہئے وہ اہل سنّت کو قصداً نجاست کھلانے کی کوشش کرتے ہیں سُنّیوں کے کنویں میں بھی اگر جائیگا تو پاخانہ نہ ہو تو پیشاب کر ہی دے گا احتراز ضرور ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ ایسا ہوا تو کُل پانی نکال دیا جاوے **کما ھو حکم کل کافر صرح بہ فی ردالمحتار عن الذخیرۃ عن کتاب الصلٰوۃ واللہ تعالٰی اعلم** (جیسا کہ ہر کافر کا حکم ہے ذخیرہ کی کتاب الصّلٰوۃ سے ردالمحتار نے نقل کرتے ہوئے اس کی تصریح کی ہے۔ت)

مسئلہ ۹۱: از ضلع آرہ ڈاک خانہ وقصبہ رانی ساگر مسئولہ محمد یوسف بروز شنبہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

ایک کنویں میں خنزیر گر گیا زندہ نکالا گیا اور وہ کُنواں بہت بڑا ہے جس میں اندازًا بارہ گز پانی ہے کس قدر پانی نکالنے سے پاک ہوگا۔

الجواب:

اُس کے نکالنے کے وقت جتنا پانی کنویں میں تھا اُس سب کا نکل جانا ضرور ہے اور خنزیر کے مُردہ زندہ میں کچھ

فرق نہیں کہ وہ عین نجاست ہے پانی اگر زیادہ ہے ایک ساتھ نہیں نکل سکتا بتدریج نکالیں مثلاً تین ہزار ڈول پانی ہو اور روز ہزار ڈول نکالیں تو تین دن میں پاک ہوجائیگا اور تین تین سو تو دس دن میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: ۲۵ جمادی الاولی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے یا بکری کُنویں میں گر کر زندہ نکل آئے تو کنواں پاک بتاتے ہیں تسکینِ قلب کیلئے دس بیس ڈول کا حکم اور بات ہے حالانکہ یقینا اُس کے کُھر اور پاؤں کا زیریں حصّہ پیشاب وغیرہ میں روز آلودہ ہوا کرتا ہے تو حکمِ طہارت کس بناپر ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اِسی بناپر سیدنا امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت نادرہ آئی کہ گائے بکری کے گرنے سے کنواں مطلقًا ناپاک ہوجائیگا اگرچہ زندہ نکل آئیں اور اسی کو حاوی قدسی میں اختیار کیا۔ بدائع میں ہے:

روی عن ابی حنیفۃ وابی یوسف فی البقر والابل انہ ینجس الماء لانہا تبول بین افخاذھا فلا تخلو عن البول [1]۔	گائے اور اونٹ کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور ابویوسف رحمہما اللہ سے روایت ہے کہ پانی نجس ہوجائیگا کیونکہ یہ جانور اپنی رانوں کے درمیان پیشاب گراتے ہیں جس کی وجہ سے رانیں، پیشاب سے محفوظ نہیں رہتی ہیں۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

وعلی ما عن ابی حنیفۃ من ھذا الحکم المذکور مشی الحاوی القدسی [2]۔	اس مذکور حکم کے بارے میں امام صاحب کی روایت کی بنا پر حاوی قدسی اس پر چلے۔ (ت)

مگر مذہب صحیح ومشہور ومعتمد ومنصور یہی ہے کہ جب تک اُن کے بدن پر کسی نجاست کا ہونا یقینا نہ معلوم ہو کنواں پاک رہے گا، خانیہ وہندیہ میں ہے:

وقعت شاۃ وخرجت حیۃ ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لاللتطھیر حتی لولم ینزح وتوضأ جاز [3]۔	اگر کنویں میں بکری گری اور زندہ نکلی تو اطمینان قلبی کیلئے بیس ڈول نکالے جائیں پاک کرنے کیلئے نہیں حتی کہ اگر یہ ڈول نہ نکالے تو بھی وضو جائز ہوگا۔ (ت)

[1] بدائع الصنائع امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسًا سعید کمپنی کراچی ۱/۷۵

[2] حلیہ

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل مایقع فی البئر نولکشور لکھنؤ ۱/۵

نیز عالمگیریہ میں تبیین امام زیلعی سے ہے:

ان وقع نحو شاۃ واخرج حیا فالصحیح انہ اذالم یکن فی بدنہ نجاسۃ فالماء طاھر [1] اھ مختصرا۔	اگر بکری جیسا کوئی جانور گرا اور زندہ نکال لیا گیا تو صحیح مذہب یہ ہے کہ اگر اس کے بدن پر نجاست نہ ہو تو کنویں کا پانی پاک ہے اھ مختصراً۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق نے اس کی توجیہ یہ فرمائی کہ اگرچہ امر مذکور ظاہر ہے مگر احتمال ہے کہ کنویں میں گرنے سے پہلے آب کثیر میں گزری ہوں کہ بدن پاک ہوگیا ہو، فتح القدیر میں ہے:

الحاصل المخرج حیا ان کان نجس العین اوفی بدنہ نجاسۃ معلومۃ نزحت کلھا وانما قلنا معلومۃ لانھم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیا لایجب نزح شیئ وان کان الظاھر اشتمال بولھا علی افخاذھا لکن یحتمل طھارتھا بان سقطت(عہ) عقیب دخولھا ماء کثیرا ھذا مع الاصل وھو الطھارۃ تظافَرَ علی عدم النزح واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	الحاصل کنویں سے نکلاہُوا جانور اگر زندہ ہو اگر وہ نجس العین (خنزیر) ہو یا اس کے بدن پر نجاست کا علم ہو تو کنویں کا سارا پانی نکالا جائیگا ہم نے نجاست کے علم کی بات اس لئے کی ہے کہ فقہاء نے گائے وغیرہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر یہ زندہ نکال لی جائے تو کنویں سے کچھ پانی نکالنا ضروری نہیں اگرچہ ان جانوروں کی رانوں کا پیشاب سے ملوّث ہونا ظاہر بات ہے لیکن ان کے پاک ہونے کا پھر بھی احتمال ہوسکتا

عـہ قال فی المنحۃ قولہ بان سقطت ای النجاسۃ وضمیر دخولھا للبقر وماء بالنصب مفعول دخول اھ[2] اقول بل ضمیر سقطت ایضا للبقر والمعنی سقطت فی البئر بعد دخولھا الماء الکثیر ولو کان کمافھم لقال بدخولھا مع مافیہ من تفکیک الضمائر من دون حاجۃ اھ منہ (م)	منحہ میں کہا ہے کہ "سقطت" کی ضمیر، نجاست اور "دخولھا" کی ضمیر "بقر" کیلئے ہے اور "ماء" پر نصب "دخول" کا مفعول ہونے کی بنا پر ہے اھ میں کہتا ہوں بلاکہ سقطت کی ضمیر بھی بقر کیلئے ہے، اور معنی یہ ہوا کہ گائے یا بھینس کثیر پانی میں داخل ہونے کے بعد کنویں میں گری اور اگر ایسے ہوتا جیسے انہوں (صاحبِ منحہ) نے سمجھا تو پھر بدخولھا کہتا، حالانکہ ایسے ضمیروں کا اختلاف ہے جو کہ بلاوجہ ہے اھ منہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ النوع الثالث ماء الآبار من المیاہ پشاور ۱/۱۹

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۷

وقیل ینزح من الشاة کله والقواعد تنبوعنه مالم یعلم یقینا تنجسھا کماقلنا [1]۔	ہے کہ جانور پیشاب کرنے کے بعد کثیر پانی میں داخل ہونے کے بعد کنویں میں گرے ہوں اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ طہارت اصل ہے، یہ دونوں چیزیں کنویں سے کچھ پانی نہ نکالنے کو واضح کرتی ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ اور کہا گیا ہے کہ بکری کے گرنے پر کنویں کا سارا پانی نکالا جائے حالانکہ یہ قواعد سے بعید ہے جب تک یقینی طور اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو جیسے ہم نے بیان کیا ہے۔ (ت)

حلیہ وبحر وغیرہما میں اس پر اُن کی تبعیت کی۔ **اقول:** مگر لاکھوں [1] جانور کہ گھروں میں بندھے کھاتے ہیں اُن میں اس احتمال کی کیا گنجائش اور حکم بلاشبہ عام ہے____ تو دوسری توجیہ ضرور درکار **واللہ الھادی وولی الایادی** (اللہ تعالٰی ہادی اور مددگار ہے۔ ت) خاطر فقیر غفرلہ المولی القدیر میں مدت سے یہ خطور کرتا تھا یہاں جفاف وانتشار سبب طہارت ہوں یعنی جس [2] طرح زمین پر پیشاب پڑا اور خشک ہوگیا کہ اثر باقی نہ رہا زمین نماز کیلئے پاک ہوگئی اگرچہ اُس سے تیمّم نہیں ہوسکتا یوں ہی [3] ان کے بدن پر ان کا پیشاب لگ کر خشک ہونے کے بعد بدن پاک ہوجاتا ہے نیز [4] جس طرح جُوتے میں کوئی جرم دار نجاست لگی اور چلنے میں ریت مٹی سے خشک ہوکر جھڑ گئی جُوتا پاک ہوگیا یوں ہی جب [5] ان کی مینگنی گوبر بدن پر لگ کر خشک ہوکر لیٹنے لوٹنے بدن کھجانے سے جھڑ گئی بدن پاک ہوگیا مگر اس پر جرأت نہ کرتا تھا یہاں تک کہ بفضلہ تعالٰی فتاوٰی غیاثیہ میں اسکی تصریح دیکھی؟

حیث قال سئل ابونصر رحمه الله تعالٰی من (۶) یغسل الدابة فیصیبه من مائھا (۷) اوعرقھا قال لایضرہ قیل له فان کانت تمرغت فی روثھا وبولھا قال اذا جف وتناثر وذھب عینه فلایضرہ فعلی [عـہ] ھذا	جہاں انہوں نے کہا ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو جانور کو نہلا رہا ہو اور اس کو جانور کا پانی یا پسینہ لگ جائے، جواب میں انہوں نے فرمایا کہ کوئی ضرر نہیں، اس پر یہ پُوچھا گیا کہ اگر وہ جانور گوبر اور پیشاب سے ملّوث ہو تو۔ جواب

عــہ: **اقول:** وکذا ان علم نجاسة الذنب ومر علی الماء بحیث اذھب النجس فضرب بذنبه بعد ذلك لایضرہ مااصابه من بلله ۱۲منه غفرله (م)	**میں کہتا ہوں** اسی طرح اگر گھوڑے کی دُم پر نجاست کا علم ہو اور پانی میں گزرنے کی وجہ سے دُم کی نجاست ختم ہوگئی ہو تو اس صورت میں سوار کو دُم مارنے کی وجہ سے جو تری لگی وہ مضر نہ ہوگی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] فتح القدیر فصل فی البئر سکّھر ۹۲/۱

(۱) اذاجری الفرس فی الماء وابتل ذنبہ وضرب بہ علی راکبہ ینبغی ان لایضرہ[1]۔	میں انہوں نے کہا جب (جانور کے بدن) پر سے گوبر وغیرہ خشک ہو کر جھڑ جائے اور بدن اس سے صاف ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، اس بناء پر گھوڑے کے پانی میں گزرنے اور اُس کی دُم تر ہوجانے کے بعد اگر گھوڑے نے اپنی دُم سوار کو ماردی تو کوئی ضرر اور حرج نہیں ہونا چاہئے۔ (ت)

پھر بحمد اللہ تعالٰی اس کی تائید بدائع امام ملک العلماء میں دیکھی کہ بکری[2] کا بچّہ اُسی وقت پیدا ہوا جب تک اُس کا بدن رطوبتِ رحم سے گیلا ہے ناپاک ہے خشک ہو کر پاک ہوجائے گا یعنی صاحبین کے طور پر جن کے نزدیک رطوبتِ فرج نجس ہے ورنہ امام کے نزدیک وہ بحال تری پاک ہے،

وھذا نصہ لوسقطت السخلۃ من امھا وھی مبتلۃ فھی نجسۃ حتی لوحملھا الراعی فاصاب^{عـہ} بللھا الثوب اکثر من قدر الدرھم منع جواز الصلاۃ ولووقعت فی الماء فی ذلك الوقت افسدت الماء واذا یبست فقد طھرت[2]۔	اس کی عبارت یہ ہے جب بکری کا بچّہ پیدا ہو اور وہ ابھی (رحم کی رطوبت) سے تَر ہو تو ناپاک ہوگا حتی کہ اگر اس کو چرواہے نے اٹھالیا اور اس بچّے کی تری کپڑے کو لگ گئی تو اس کپڑے سے نماز جائز نہ ہوگی جبکہ کپڑے کو لگنے والی تری مقدار درہم سے زیادہ ہو، اور اگر اس حالت میں بچہ پانی میں گرا تو پانی بھی ناپاک ہوجائیگا، اور اگر وہ بچّہ خشک ہوگیا تو پھر پاک ہے۔ (ت)

یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی جواب شافی ولاحاجۃ بعدہ الی ماکنت وجھت بہ فی الاحلی من السکر

عـہ اقول فیہ نظر فالسخلۃ حین تقع من امھا لا تستمسك بنفسھا فیکون عندھما حاملا للنجاسۃ وان لم یصب ثوبہ ولابدنہ منہ شیئ الا ان یقال ان الرطوبۃ مادامت علی السخلۃ فی معدنھا وقد اسلفنا ردہ فی مسألۃ المثانۃ تقع فی البئر منہ غفرلہ (م)	میں کہتا ہوں یہ قابلِ غور ہے بکری کا بچّہ جب پیدا ہوتے گرا تو صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک بچّے کے بدن پر نجاست ہے تو حاملِ نجاست ہونے کی وجہ سے اس کو اٹھانے والے کی نماز نہ ہوگی اگرچہ وہ رطوبت اٹھانے والے کے کپڑے یا بدن کو نہ لگی ہو مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب تک رطوبت بچّے کے بدن پر ہے وہ اپنے معدن میں ہے حالانکہ اس بات کا رَد ہم مثانہ کے کنویں میں گرنے کے مسئلہ میں کرچکے ہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی غیاثیہ فصل فی بیان النجاسات مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۰

[2] بدائع الصنائع امابیان المقدار الذی یصیر بہ المحل نجسًا سعید کمپنی کراچی ۷۶/۱

واللہ تعالٰی اعلم (اس کے بعد "الاحلی من السکر" میں جو وجہ میں نے بیان کی ہے اس کی ضرورت نہیں رہتی۔ ت)

مسئلہ ۹۳: از شہر بریلی مسئولہ نظیر احمد محلّہ لودھی ٹولہ شہر کہنہ بروز شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

اگر ناپاک کنویں سے کپڑا دھویا جائے یا نہایا جائے اور یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ ناپاک ہے تو اب جب معلوم ہوا کپڑے کو کیا کرے اور جو نہایا وہ بھی کیا کرے اور اگر اُس پانی سے کھانا پکایا جائے تو اُس کھانے کو کیا کرنا چاہئے اور وہ کھانا پاک ہے یا ناپاک۔

الجواب:

کپڑے پاک کیے جائیں نہایا وضو کیا یا ہاتھ دھوئے غرض جتنے بدن کو پانی لگا اُسے پاک کیا جائے کھانا کُتّوں کو ڈال دیا جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۴: از امرتسر تحصیل امرتسر ڈاک خانہ خاص وڈالہ ومرم مسئولہ شمس الدین صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۳۴ھ

حامی حمایت دین مفتی شرع مجتبٰی مولٰنا احمد رضا خان صاحب مدظل فیوضاتہ آپ اس مسئلہ کو کامل وجہ سے تحریر فرمائیں کہ ایک چاہ جس کا پانی تمام نکالنا دشوار ہے جب وہ ایسا ناپاک ہوجائے جس سے اُس کا تمام پانی نکالنے کا حکم ہے یعنی وہ چشمہ دار ہے تو مثلاً زید کہتا ہے کہ اس کا تمام پانی تین روز میں نکالا جائے، اور ایک کہتا ہے کہ جب بقول مفتی بہ تین سو ڈول سے چاہ چشمہ دار پاک ہوسکتا ہے تو تین روز میں پانی نکالنے میں ایک تو وقفہ درمیان واقع ہوتا ہے اور دوم تکلیف مالایطاق ہے غرضکہ جس قدر ڈول نکالنے کا حکم ہے اگر اس میں وقفہ واقع ہو یعنی پانی حرکت سے ٹھہر جائے تو وہ ڈول کشیدہ محسوب ہوں گے یا نہیں وہ شخص باوجود جہالت کے قول مفتی بہ کا خلاف کرتا ہے وہ مستحق فتوی دینے کا ہے یا نہیں۔

الجواب:

جبکہ کنواں چشمہ دار ہے اُس میں پانی پیمائش سے دریافت کرلیں کہ اتنے ڈول ہے اور اس کا یہ آسان طریقہ ہے کہ رسّی میں کوئی پتھر باندھ کر کنویں میں اس طرح چھوڑیں کہ رسّی میں خم نہ آئے جس وقت پتھّر تہ تک پہنچ جائے معًا ہاتھ روک لیں پھر جس قدر رسّی پانی میں بھیگی اُسے ناپ لیں اور مثلاً چار شخص پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ ڈول جلد جلد کھینچیں پھر اُسی طرح ناپیں فرض کرو کہ ان سو ۱۰۰ ڈولوں کے سبب ایک ہاتھ پانی کم ہوگیا اور پیمائش میں مثلاً دس ۱۰ ہاتھ آیا نوسو ۹۰۰ ڈول اور نکال لیں سو ۱۰۰ وہ مل کر دس ہاتھ ہوجائیں گے پانی نکالنے میں صحیح مذہب یہی ہے کہ پے درپے ہونا ضرور نہیں اگر ایک ڈول روزانہ کرکے نکالیں جب تعداد مطلوب پُوری ہوجائے گی کنواں پاک ہوجائے گا[1]

[1] الدرالمختار فصل فی البئر مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹

نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (درمختار وغیرہ معتمد کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) تین سو[300] ڈول پر فتوٰی بغداد شریف کے کنوؤں کے اعتبار سے ہے وہاں کنویں میں اسی قدر پانی ہوتا ہے اور جہاں کُل پانی نکالنے کے حکم میں ہزار ڈول پانی ہے تین سو[300] ڈول سے ہزار ڈول کیسے ادا ہو سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: مرسلہ ملّا محمد اسمٰعیل قصبہ کپاس محلّہ مومناں علاقہ اودے پور ۲۱ صفر ۱۳۳۵ھ

چاہ چشمہ دار ہو اُس میں چڑیا یا چُوہا پڑ کر مرجائے اور پُھول پھٹ جائے اور ریزہ ریزہ ہوجائے اُس میں سے کتنے ڈول نکالے جائیں اور ڈول کس قدر وزن پانی کا ہو۔ چڑیا[2] یا چوہا یا آدمی بے وضو یا بے غسل یا بے نمازی کنویں میں گر جائے اور زندہ نکل آئے تو کنویں کا پانی تمام نکالنا یا کس قدر ڈول نکالنا درست ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کل[1] پانی نکالا جائے جتنے ڈول اس میں ہیں یا تو دو ثقہ مبصر جو پانی میں نگاہ رکھتے ہیں اندازہ کرکے بتائیں کہ اس میں اتنے ڈول پانی ہے اس قدر نکال دیں پاک ہوجائے گا اگرچہ نیا پانی برابر آتا رہے یا رسّی میں پتھر باندھ کر کنویں میں اس طرح ڈالیں کہ رسّی میں خم نہ آئے جب تہ کو پہنچ جائے نکال کر جتنی بھیگی ہو ناپ لیں اور مثلاً سو[100] ڈول بتعجیل نکالیں اُس کے بعد پھر رسّی ڈال کر ناپیں سو ڈول میں جتنا گھٹا اُسی کے حساب سے نکال لیں مثلاً پہلی پیمائش میں پانی دس[10] ہاتھ تھا دوسری میں نو[9] ہاتھ رہا تو معلوم ہوا کہ سو[100] ڈول میں ایک ہاتھ گھٹتا ہے دس[10] ہاتھ پر ہزار ڈول چاہیے تھے سو نکل گئے نوسو[900] اور نکال دیں جہاں کُل پانی نکالنا ہے ڈول کی مقدار معین کرنے کے کوئی معنی نہیں ہاں جہاں یہ حکم ہوتا ہے کہ بیس[20] سے تیس[30] یا چالیس[40] سے ساٹھ[60] ڈول تک نکالیں وہاں اس کی تعیین یہ ہے کہ ہر کنویں کیلئے اُسی کا ڈول معتبر ہے اور جس کنویں کا کوئی خاص ڈول نہ ہو وہاں وہ ڈول جس میں ایک صاع ماش آسکے صاع دوسو ستّر[270] تولے کا پیمانہ ہے۔ اگر[2] اس کے بدن پر کوئی نجاست ہونا تحقیق معلوم ہو تو کل پانی نکلے گا ورنہ بے وضو یا بے غسل آدمی کے گرنے میں بیس[20] ڈول اور چڑیا میں کچھ نہیں اور چُوہے میں بیس[20] اگر اس کا منہ پانی کو پہنچا ہو ورنہ کچھ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶: مرسلہ حکمت یار خان محلّہ شاہ آباد ۲۴ جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں، ایک کنواں ہے جس کا پانی کبھی نہیں ٹوٹتا اُس میں سے ایک چُوہا پُھولا ہوا بُودار نکلا اب اس کے پاک کرنے کی کیا صورت ہے اور ایسی صورت میں نماز لوٹائی جائیگی یا نہیں؟ اگر لوٹائی جائے گی تو کَے دن کی، مفتی بہ قول تحریر فرمائیں۔

الجواب:

پانی توڑنے کی کوئی حاجت نہیں جتنا پانی اس میں موجود ہے اتنے ڈول نکال دیں پاک ہوجائیگا تین دن رات کی نماز کا اعادہ بہتر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۷: مرسلہ حکمت یار خان محلّہ شاد آباد ۲۵ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنّت وماحی بدعت قاطع ظلمت حضرت مولانا قبلہ وکعبہ مدظلہ العالی کہ ایک مسئلہ بئر جو کہ کل حضور کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اس کے وقوع کو آج چار دن ہوئے اور اُسی دن ایک مولوی اہلسنت وجماعت سے وہ مسئلہ دریافت کیا گیا اُنہوں نے یہ کہا کہ جب اس کنویں کا پانی نہیں ٹوٹتا ہے تو تین سو ساٹھ ۳۶۰ ڈول پانی نکالنے سے پاک ہوجائیگا کل حضور کے فتوے سے معلوم ہوا کہ کنواں پاک نہیں ہوا اب دریافت طلب ہے کہ صورتِ مذکورہ سے کنواں پاک ہوا یا نہیں وایضًا صورتِ مذکور پر عمل کرکے اُس روز سے برابر اُسی سے وضو اور غسل کرکے نماز پڑھی جاتی ہے اب اس صورت میں حضور کا کیا حکم ہے۔

الجواب:

مولٰی تعالٰی معاف فرمائے وہ مسئلہ غلط بیان میں آیا وضو و غسل کرنے والوں کے بدن اور کپڑے ناپاک ہوئے وہ سب نمازیں بیکار گئیں اگر حرج عظیم بوجہ کثرت مبتلایان نہ ہو تو مذہب کا یہی حکم ہے کہ وہ سب لوگ اپنے بدن اور کپڑے پاک کریں اور یہ نمازیں پھیریں اور اس میں حرج شدید ہو تو شریعت حرج میں نہیں ڈالتی پھر ۳۶۰ ڈول وہ اور اتنے دنوں میں جتنے ڈول وضو اور غسل وغیرہ کیلئے نکلے وہ سب ملاکر اگر اُس وقت کے موجود پانی کے اندازے تک پہنچ گئے کنواں اب پاک ہوگیا ورنہ جتنے باقی رہے ہوں اب نکال لئے جائیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب التیمم

مسئلہ ۹۸: از سرنیا ضلع بریلی مسئولہ شیخ امیر علی رضوی ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ عیدین یا نمازِ جمعہ یا پنجگانہ کی جماعت تیار ہے زید بے وضو ہے اور اگر وضو کریگا تو نماز ختم ہوجائیگی ایسی حالت میں کون سی نماز میں بے وضو شامل ہوسکتا ہے؟

الجواب:

بے وضو کوئی نماز نہیں ہوسکتی عیدین یا جنازہ کی نماز جاتی رہنے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرے، جمعہ وپنجگانہ کیلئے وضو کرنا لازم ہے اگرچہ جمعہ وجماعت فوت ہوجائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: مسئولہ مولوی سید خورشید علی صاحب ۱۱ ربیع الآخر شریف از بہیڑی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدّت مسح موزہ میں غسل کی ضرورت ہوئی اور بسبب کسی عذر کے غسل نہیں کرسکتا تو تیمّم بلااتارنے موزے کے کرسکتا ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک کرسکتا ہے تیمّم میں موزہ اتارنے کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ صرف چہرہ ودست پر دو۲ ضرب ہیں جن میں پاؤں کا اصلاً حصّہ نہیں۔

فی فصل المسح علی الخفین من الخانیۃ	خانیہ فصل المسح علی الخفین میں ہے: پیروں کا تیمّم میں

لاحظ للرجلین من التیمم [1] اھ وفی ردالمحتار لافائدۃ فی النزع لانہ للغسل [2] اھ۔	کوئی حصہ نہیں اھ۔ ردالمحتار میں ہے، موزے اتارنے میں کوئی فائدہ نہیں، اتارنا تو غسل کیلئے ہے اھ (ت)

علماء نے جو فرمایا ہے کہ جنب کو موزہ اتارنا ضرور ہے وہ بحالتِ غسل ہے یعنی جس طرح وضو میں مسح خفین جائز ہے غسل میں روا نہیں بخلاف تیمّم کہ اس میں سرے سے پاؤں کا غَسل یا مسح کچھ بھی نہیں تواُس میں نزع خف کی کیا حاجت۔ مسئلہ واضح ہے اور حکم ظاہر اور ردالمحتار کے باب التیمم میں ایک تصویر طویل سے اس کا جزئیہ بھی مستفاد **فلیراجع عندہ ذکر النواقض** (ردالمحتار میں یہ جزئیہ نواقض کے تحت دیکھ لیا جائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: مرسلہ مولوی اللہ یار خان صاحب ازمکان منشی حبیب اللہ صاحب تحصیلدار کھنڈوا ضلع نماڑ ملک متوسط ۴ ربیع الاوّل ۱۳۰۸ھ۔

جناب فیض مآب حاوی معقول ومنقول کاشف دقائق فروع واصول جناب مولوی محمد احمد رضا خان صاحب ادام اللہ فیضھم وظلھم وبرکاتھم بعرض مستفیدان حضور ایک عبارت دریافت معنے کیلئے حاضر کی جاتی ہیں۔

ان باعہ بمثل القیمۃ اوبغبن یسیر لایجوز لہ التیمم وان باع بغبن فاحش تیمم والغبن الفاحش مالایدخل تحت تقویم المقومین وقال بعضھم تضعیف الثمن [3]۔	بیچنے والا پانی اگر مثل قیمت میں یا کچھ زیادہ کرکے فروخت کرے تو تیمّم جائز نہیں اور اگر غبن فاحش کے ساتھ (بہت بڑھا کر) بیچے تو تیمّم کرے۔ غبن فاحش یہ ہے کہ کسی چیز کے ماہرین اگر قیمتیں لگائیں تو اتنی زیادتی کے ساتھ اس کی قیمت نہ لگائیں۔ اور بعض حضرات نے کہا کہ غبن فاحش کا معنی ہے قیمت دوگنا کردینا۔ (ت)

ایک ولایتی صاحب مدِّمقابل ہیں جو معنی مجھے ازراہِ درس معلوم ہیں بیان کرتا ہوں قبول نہیں کرتے للہذا استفادہ کرتا ہے کہ مثل قیمت وغبن یسیر وغبن فاحش وتقویم مقومین کے معنی اردو میں ارشاد فرمائیں کہ بے علم بھی مستفیض ہوں والتسلیم۔

الجواب:

مثل ۲ قیمت بازار کا بھاؤ اور غبن یسیر نرخ بازار سے تھوڑا بل اور فاحش بہت اور تقویم قیمت لگانا جو چیز

---

[1] فتاوٰی قاضی خان مسح علی الخفین نولکشور لکھنؤ ۱/۲۴

[2] ردالمحتار باب مسح علی الخفین مطلب نواقض المسح مصطفی البابی مصر ۱/۲۰۲

[3] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامع نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۰

اُس کے مبصروں کے سامنے قیمت لگانے کیلئے پیش کی جائے وہ عادتاً تھوڑی سی کمی بیشی کے ساتھ تقویم میں اختلاف کر سکتے ہیں مثلاً دس ۱۰ روپے کی چیز کے کوئی پُورے دس ۱۰ کہے گا کوئی ساڑھے نو کوئی ساڑھے دس یہ نہ ہوگا کہ دس ۱۰ کی چیز کے پانچ ۵ یا پندرہ ۱۵ کہہ دیں اس تھوڑے تفاوت کو داخل فی تقویم المقومین کہتے ہیں اب مسئلہ یہ ہے کہ جس کے پاس پانی نہ ہو اور بے قیمت نہ ملے اور قیمت حاجاتِ ضروریہ سے فارغ اُس کی ملک میں ہو اگر پاس موجود ہے فبہا ورنہ پانی وعدہ پر مل سکے کہ مثلاً گھر پہنچ کر قیمت بھیج دُوں گا تو ایسی حالت میں تیمّم جائز نہیں پانی مول لے کر وضو یا غسل واجب بشرطیکہ بیچنے والا یا تو مثل قیمت کو دے یا بَل کرے تو تھوڑا سا جسے غبن یسیر کہتے ہیں ورنہ اگر غبن فاحش یعنی زیادہ بَل سے دیتا ہے تو خریدنا ضرور نہیں شرع تیمّم جائز فرمائے گی یہاں روایات مختلف ہوئیں کہ اس غبن یسیر وفاحش کی حد کیا ہے بعض کے نزدیک اُتنا بَل کہ تقویم مقومین میں پڑ سکتا ہے غبنِ یسیر ہے اور اس سے زیادہ غبنِ فاحش۔

وھذا ھو الذی قدمه فی مراقی الفلاح وعبر عن الاٰتی بقیل ومثل ذلك عبارة المنیة المذکورة فی السؤال وقد قال فی الغنیة انه الاوفق لدفع الحرج [1]	اسی کو مراقی الفلاح میں پہلے ذکر کیا اور اگلے قول کو قیل سے تعبیر کیا ہے، اسی کے مثل منیۃ المصلی کی وہ عبارت ہے جو سوال میں ذکر ہوئی۔ اور غنیہ میں کہا کہ یہی قول دفعِ حرج اور ازالہ تنگی ومشقّت سے زیادہ موافقت ومطابقت رکھتا ہے (ت) (اور دفع حرج کا شریعت میں خاص لحاظ ہے)

اس روایت پر جس جگہ اُس قدر پانی کی قیمت دس ۱۰ پیسے ہو اور بیچنے والا ساڑھے دس کو دے تو خریدنا واجب اور تیمّم ناجائز اور زیادہ مثلاً بارہ ۱۲ یا گیارہ ۱۱ کو دے تو تیمّم ناجائز مگر اظہر واشہر والیق بالعمل وہ قول ہے جو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نوادر میں منقول ہوا کہ یہاں دُونی قیمت کا نام غبنِ فاحش ہے اور اُس سے کم غبنِ یسیر مثلاً اُتنا پانی اُس مقام کے بازاری نرخ سے ایک پیسہ کا ہے اور بیچنے والا دو ۲ کو دے تو تیمّم کرلے اور دو ۲ سے کم کو تو خریدنا لازم اور تیمّم ممنوع۔ اور قیمت دیکھنے میں اعتبار خاص اُس جگہ کا ہے جہاں اسے اس وقت ضرورت آب ہے اگر وہاں کی قیمت کا پتہ نہ چلے تو جو جگہ وہاں سے قریب تر ہے اُس کا اعتبار کرے۔ غنیہ میں ہے:

مالا یدخل تحت تقویم المقومین قدروہ فی العروض بالزیادة علی نصف درھم فی العشرة والنصف یسیر والماء من جملة العروض [2]۔	وہ قیمت جو نرخ لگانے والوں کے نرخ لگانے میں نہ آسکے سامانوں میں اس کی تحدیدیوں کی گئی ہے کہ دس درہم کی چیز دس پر نصف درہم سے بھی زیادہ اضافہ کرکے دے۔ نصف درہم تک ہی زیادتی ہو تو یہ معمولی ہے پانی بھی سامانوں ہی کے ذیل میں داخل ہے۔ (ت)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

[2] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

خانیہ میں ہے:

اختلفوا فی حد الغالی عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ان کان لایبیع الا بضعف القیمة فھو غالی وقال بعضھم مالایدخل تحت تقویم المقومین فھو غالی [1]۔	امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گراں کی حد روایت کرنے میں علماء کا اختلاف ہوا ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ اگر دوگنا قیمت پر بیچتا ہے تو وہ گراں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ جو نرخ لگانے والوں کے نرخ لگانے میں نہ آسکے وہ گراں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ان لم یعطه الابثمن مثله اوبغبن یسیر وله ذلك فاضلا عن حاجته لایتیمم ولو اعطاہ باکثر یعنی بغبن فاحش وھو ضعف قیمته فی ذلك المکان اولیس له ثمن ذلك تیمم [2]۔	اگر پانی ثمن مثل پر یا تھوڑی زیادہ قیمت پر اسے دے اور اتنا اس کے پاس ضرورت سے فاضل موجود ہے تو تیمّم نہ کرے۔ اور اگر بہت بڑھا کر غبن فاحش کے ساتھ دے یعنی اس جگہ جو قیمت ہے اس کا دوگنا مانگے یا اس کے پاس پانی کی قیمت موجود نہ ہو تو تیمّم کرے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بثمن مثله ای فی ذلك الموضع بدائع وفی الخانیة فی اقرب المواضع من الموضع الذی یعز فیه الماء قال فی الحلیة والظاھر الاول الا ان لایکون للماء فی ذلك الموضع قیمة معلومة کما قالوا فی تقویم الصید قوله وله ذلك ای وفی ملکه ذلك الثمن وقدمنا انه لوله مال غائب وامکنه الشراء نسیئة وجب بخلاف مالو وجد من یقرضه بحر قوله وھو ضعف قیمته ھذا مافی النوادر	صاحب درمختار کا قول "ثمن مثل پر" یعنی اس جگہ پانی کی جو قیمت ہے اسی قیمت پر دے، بدائع الصنائع اور خانیہ میں یہ ہے کہ جس جگہ پانی نایاب ہے اس سے قریب تر مقام میں جو قیمت ہے، حلیہ میں کہا کہ ظاہر پہلا قول ہے مگر یہ صورت ہو کہ اس جگہ پانی کی کوئی معین و معلوم قیمت نہ ہو (تو قریب تر مقام کا اعتبار ہوگا) جیسا کہ علماء نے شکار کی قیمت کے بارے میں فرمایا ہے۔ صاحبِ درمختار کا قول "اتنا اس کے پاس ہو" یعنی اس کی ملکیت میں اتنی قیمت ہو۔ اور یہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم نولکشور ۱/۲۶
[2] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۴

وعلیه اقتصر فی البدائع والنهایة فکان هو الاولی بحر اھ ملخصاً[1]۔

اقول: وکذا اقتصر علیه فی الکافی وغیرہ من المعتبرات فاعتمدت علی هذا لکونه روایة عن الامام رضی اللّٰه تعالٰی عنه ولجلالة معتمدیه ولکثرتهم ولتقدیم الخانیة ایاہ مع تصریحه فی فاتحة کتابه انه انما یقدم الاظهر الاشهر ولان قیمة الماء المحتاج الیه لطهر لا تزید غالبا علی نحوفلس لاسیما فی بلادنا فاعتبار زیادة جزءٍ من تسعة عشر جزء من اجزاء فلیس مثلا مسقطة لوجوب الوضوء والغسل مع تیسر الثمن وتملکه له بالفعل وفراغه عن حاجاته مما یستبعد ولایسلّم ان فیه کثیر حرج یجب دفعه فافهم۔ واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

کہ اگر اس کی ملکیت میں مال ہے جو اس کے پاس نہیں اور ادھار خرید سکتا ہے تو خریدنا واجب ہے۔ اور اگر اس کی ملکیت میں نہیں مگر کوئی ایسا شخص مل گیا جو اسے قرض دے رہا ہے تو خریدنا واجب نہیں، بحر اھ صاحب در مختار کا قول "اور وہ اس کی قیمت کا دوگنا ہے"۔ یہ وہ روایت ہے تو نوادر میں ہے، اور اسی پر بدائع اور نہایہ میں اکتفاء کی ہے، تو یہی اولٰی ہے، بحر اھ بتلخیص (ت)

میں کہتا ہوں، اور اسی طرح کافی وغیرہ معتبر کتابوں میں اسی پر اکتفاء کی ہے تو میں نے بھی اسی پر اعتماد کیا اس لئے کہ یہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے اس پر اعتماد کرنے والے حضرات جلیل الشان ہیں، ان حضرات کی تعداد بھی زیادہ ہے، فقیہ النفس امام قاضیخان نے خانیہ میں اسے مقدم رکھا ہے، اور آغازِ کتاب میں وہ اس کی صراحت کرچکے ہیں کہ وہ اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اظہر واشہر (زیادہ ظاہر ومشہور) ہو، اور اس لئے کہ کسی طہارت کیلئے جس قدر پانی کی ضرورت ہے اس کی قیمت قریبًا ایک پیسہ سے زیادہ نہیں ہوتی اکثر اور خاص طور سے ہمارے بلاد میں یہی حال ہے، تو اگر پانی کی قیمت مثلًا ایک پیسے کے انیس حصّوں میں سے ایک حصہ (۱/۱۹) کے برابر زیادہ ہے اور یہ قیمت اسے میسر ہے۔ بالفعل اس کا مالک بھی ہے اور اس کی ضروریات سے فاضل بھی ہے، ان سب کے باوجود یہ مان لینا کہ اتنی سی زیادتی سے وضو اور غسل کا وجوب ساقط ہوجاتا ہے ایک مستبعد امر ہے۔ یہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ اس میں کوئی حرج اور تنگی ہے جسے دفع کرنا ضروری ہے، اسے سمجھ لینا چاہئے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۴

مسئلہ عہ ۱۰۱: از جونپور مرسلہ مولوی محمد حسن صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی دریں باب کہ برائے جواز تیمّم بضرب دست برچیزے کہ از جنس زمین نباشد مثل وسادہ وبساط وجوخہ وحبوب ومعادن وغیرا اینہا بدون برداشتن دست ازان بغبار مرتفع فقط وجود غبار دران بقدریکہ بوقت ضرب صرف چیزے درہوا دیدہ مے شود کافی ست یا لزوقِ غبار وظاہر شدن اثر آن بردست یا بران بمدالید علیہ ضرورست۔ بینوا توجروا	ایسی چیز جو زمین کی جنس سے نہ ہو جیسے تکیہ، فرش، غلّہ معدنیات وغیرہ ان پر تیمّم جائز ہونے کیلئے ان پر کتنا غبار ہونا چاہئے؟ کیا یہ کافی ہے کہ ان پر سے ہاتھ اُٹھے تو غبار لے کر نہ اُٹھے بلالکہ ان چیزوں پر صرف اس قدر غبار رہا ہو کہ ہوا میں کچھ دکھائی دیتا ہو۔ یا یہ ضروری ہے کہ ہاتھ میں غبار چپک جائے اور ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ پھیرا جائے تو اس پر غبار کا اثر ظاہر ہو، بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب:

امام اسبیجابی کہ از ائمہ ترجیح و تصحیح ست درشرح مختصر طحاوی فرمود کہ بودنِ غبار برچیزے چنان وظہور اثرش بکشیدن دست بران ضرورست درجواز تیمّم بدان۔	امام اسبیجابی جو ائمہِ ترجیح و تصحیح سے ہیں انہوں نے مختصر طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ ایسی چیز پر غبار کا ہونا اور اس پر ہاتھ پھیرنے سے غبار کا اثر ظاہر ہونا اس سے تیمّم جائز ہونے کیلئے ضروری ہے۔

فی الدرالمختار تبعا لما فی البحرالرائق وقیدہ الاسبیجابی بان یستبین اثر التراب علیہ بمد الید علیہ وان لم یستبن لم یجز وکذا کل مایجوز التیمّم علیہ کحنطۃ وجوخۃ فلیحفظ [1] ۔	درمختار کے اندر بحرالرائق کے اتباع میں لکھا ہوا ہے کہ اس پر امام اسبیجابی نے یہ قید لگائی ہے کہ اس پر ہاتھ پھیرنے سے اس چیز پر مٹی کا اثر ظاہر و واضح ہو اگر واضح نہ ہو تو تیمّم جائز نہیں۔ اسی طرح ہر وہ چیز جس پر تیمّم جائز نہیں جیسے گیہوں، اونی کپڑے کا ٹکڑا، اسے یاد رکھنا چاہئے۔

وہر چند درعامہ متون واکثر شروح این مسئلہ را بارسال واطلاق آوردہ اندامّا (ف۱) قیدے زائد کہ امام معتمد افادہ فرماید از قبولش ناگزیر ست مادامیکہ خلافش	یہ مسئلہ اگرچہ عام متون اور اکثر شروح میں بغیر قید کے مطلقاً ذکر ہوا ہے (اور کہا گیا ہے کہ معدنیات وغیرہ پر غبار وتراب ہو تو تیمّم جائز ہے) لیکن ایک ایسی زائد

عہ فتاوائے قدیمہ سے ہے کہ مصنّف نے صِغر سِن میں لکھے ۱۲ (م)

[1] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۲

در کلمات دیگر ائمہ مصرح وبران مرجح نباشد خصوصًا درصورتیکہ مقام مقامِ احتیاط ست۔	قید جو کوئی معتمد امام افادہ فرمائیں اسے قبول کرنا ضروری ہے جب تک کہ اس کے خلاف دیگر ائمہ کے کلمات میں تصریح اور اس پر ترجیح نہ ہو خاص طور سے جب احتیاط کا مقام ہو تو امام معتمد کی بتائی ہوئی ایسی قید کا قبول کرنا اور ضروری ہے

صرح به العلماء فی مسئلة انتضاح البول مثل رؤس الابر ومن لم یطمئن قلبه فعلیه بحاشیة الشامی۔	سُوئی کے ناکہ کے برابر پیشاب کے چھینٹے پڑ جانے کے مسئلہ میں علماء نے اس کی تصریح کی ہے جسے اطمینانِ قلب نہ ہو حاشیہ شامی کا مطالعہ کرے۔

واین(۱) معنی منافیِ تقدیم متون نیست کہ آن فرع تضادست واین بیان مراد۔	ایسی قید قبول کرلینے پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ متون کو شروح پر تقدم حاصل ہے اور متون کے اطلاق کو چھوڑ کر شروح کی تقیید کو لیا جائے تو یہ تقدیم متون کے منافی ہوگا اس لئے کہ منافات کی بات تو اس وقت ہوگی جب دونوں میں تضاد ہو۔ یہاں تضاد نہیں بلالکہ بیان مراد ہے۔

ومن ثم قالوا ان [عہ] التخصیص دفع	اسی لئے علماء نے فرمایا ہے کہ تخصیص دفع ہے

عـــہ: فان قلت انما التخصیص المقارن اما المتراخی فناسخ اقول ذلك فی المثبت وهو كلام الشارع فاذا ورد مطلقًا ثبت الحكم كما ورد فاذا خصص فرد انتسخ فیه اما العلماء فرواة وقد علم انهم ربما یطلقون فی محل التقیید فالتخصیص ابانة لماطووه وتكمیل لما رووه فكان مقارنا منه غفرله۔ (م)	اگر تو اعتراض کرے کہ تخصیص تو پہلے کلام سے مقارن ہوتی ہے جبکہ مؤخّر ہو تو وہ ناسخ ہے اقول یہ قاعدہ، حکم کو ثابت کرنے والے کلام کے بارے میں ہے جو صرف شارع علیہ السلام کا کلام ہے، اس میں جب مطلق وارد ہوگا تو حکم بھی مطلق ہوگا، اور اگر تخصیص وارد ہو تو وہ اطلاق کو رَد کرکے اس کیلئے ناسخ ہوگی۔ لیکن علمائے کرام تو صرف راوی ہوتے ہیں اور تحقیق سے یہ بات معلوم ہے کہ علماءِ کرام قید والے مقام میں قید کی بجائے اطلاق سے کام لیتے ہیں پس تخصیص ان کے کلام میں اختصار کی وضاحت اور ان کے روایت کردہ حکم کی تکمیل ہوتی ہے لہٰذا یہاں تخصیص مقارن ہی تصور ہوگی۔ (ت)

لارفع وقد نصوا کما شرح اللباب وردالمحتار وغیرھما ان شان المشائخ ابانة القیود فلایعد مخالفة للمتون۔

رفع نہیں (یعنی بعض افراد سے متعلق حکم خاص کردینے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس میں داخل نہ تھے ان کو الگ کردیا یہ مطلب نہیں کہ جن کیلئے حکم ثابت تھا ان سے حکم اٹھادیا)۔ اور اس سلسلہ میں تو علماء کی صراحت موجود ہے۔ جیسا کہ شرح لباب، ردالمحتار اور دوسری کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ مشائخ مذہب کا منصب ہے کہ وہ قیدوں کو بیان کریں (کوئی بات بظاہر مطلق نظر آرہی ہے حالانکہ وہ کسی قید سے مقید ہے تو ایسی قیدوں کی توضیح مشائخ مذہب ہی کا کام ہے) اس لئے یہ تقیید، متون کی مخالفت نہیں، وضاحت ہے۔ (ت)

آخر نہ دیدی کہ علّامہ محقق زین بن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالٰی علیہ در بحر رائق بر و مشی کردہ حکم جوخہ وغیرہ بر بنائے قلّت وجود این شرط دران از واستخراج می نماید وعلامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار نیز بنائے حکم بر ین تفصیل مے نہد و محققین کرام اصحابِ بحر ونہر ومدقق علائی در درمختار استحسانش نمودہ بر ہمہ امر بحفظش می فرمایند ومحشیان اعلام تقریرش مینمایند۔

آپ نے دیکھا نہیں کہ علّامہ محقق زین بن نجیم مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قید کو قبول کرتے ہوئے بحر رائق میں جوخہ وغیرہ کا حکم اس سے استخراج کیا ہے کیونکہ ان چیزوں میں یہ شرط کم ہی پائی جاتی ہے۔ صاحب درمختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی بھی حکم کی بنیاد اسی تفصیل پر رکھتے ہیں۔ بحر رائق، نہر فائق کے مصنّفین اور مدقق علائی صاحبِ درمختار جیسے محققین کرام نے اس قید کو مستحسن وپسندیدہ قرار دیا اور سبھی نے اسے یاد رکھنے کی تاکید کی اور محشیان اعلام نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

فقد تحلی بحلیة المقبول کما یظھر کل ذلك بمراجعة کلماتھم والعلم بالحق عند واھب العلوم وعالم کل سر مکتوم۔

ان ساری تائیدات کے پیشِ نظر یہ قید زیور قبول سے آراستہ وپیراستہ ہے، جیسا کہ ان حضرات کے کلمات کی مراجعت اور ان کی عبارتوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے اور حق کا علم اس کے پاس ہے جو علوم عطافرمانے والا ہے اور ہر رازِ نہاں کو جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۲: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاوّل شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو ۲ نمازوں کو بلاعذر جمع کرنا اور بلا کوئی بیماری مہلک اور مضر کے تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

دو ۲ نمازوں[1] کو بلاعذر جمع حقیقی کرنا کہ پہلی کا وقت کھو کر دوسری کے وقت میں پڑھیں یا دوسری کا وقت آنے سے

پہلے اُسے پہلی کے وقت میں پڑھ لیں حرام ہے پہلی صورت میں نماز قضا ہو گی اور دوسری میں ہو گی ہی نہیں اس کی تحقیق اعلیٰ درجہ بیان پر فقیر کے رسالہ **حاجز البحرین** میں ہے پانی موجود ہو اور ضرر نہ کرے تو ایسی چیز کیلئے جو بِلاطہارت ناجائز ہے جیسے نماز یا قرآن مجید کا چھونا یا سجدہ تلاوت وغیرہا تیمّم حرام ہے۔ ہاں جو چیزیں بلاطہارت بھی جائز ہیں جیسے درود شریف، کلمہ شریف یا بے وضو قرآن مجید پڑھنا، مسجد میں جانا سلام کرنا سلام کا جواب دینا ان کیلئے اگر تیمّم کرلیا مضائقہ نہیں بلکہ بہتر ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ سید محمد نور عالم صاحب مقام ڈھولنہ تحصیل ریلوے اسٹیشن کا سگنج ضلع ایٹہ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ: خدمت مولٰنا الاعظم الافخم متع اللہ المسلمین بطول بقائکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مدّت سے دولتِ دیدار سے محروم اور بے نصیب اور اقتباس انوار فوائد علمیہ سے بے بہرہ۔ تاآنکہ رسوم صوری مکاتبات اور دریافت خیریات سے بھی غافل۔ وائے بر من معہذا آپ کی یاد اور محبت دل میں موجود۔ من دانم وخدایم خدا یہاں وہاں اپنا خاص کرم مبذول رکھے آمین ضروری تصدیع اوقات منتظمہ یہ ہے کہ مشہور کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی میں جس وضو سے کہ جنازے کی نماز پڑھے یا پڑھائے اس سے دیگر نمازیں صلوات مکتوبہ خمسہ ودیگر نوافل وغیرہ نہیں پڑھتے ہیں آیا پڑھتے ہیں یا حکم مذہب حنفی اور نمازوں کے پڑھنے کا اس وضو سے نہیں ہے جو امر محقق ہو وہ لکھ کر ممنون فرمایئے اور یہ بھی فرمایئے کہ کسی نے احناف میں سے لکھا ہے یا نہیں اور اس کی اصل کیا ہے باقی خیریت اور آپ کی عافیت مطلوب۔

الجواب:

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت اعظم افخم اجل اکرم عالم نور از نور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سیدنا ومولانا سید شاہ محمد نور عالم صاحب **ادام اللہ تعالٰی نورھم وسرورھم**۔

پس از آداب معروض، الحمدللہ کہ گوشہ خاطر عاطر میں اس خادم کی یاد جگہ رکھتی ہے، **ذٰلک من فضل اللہ علینا** یہ مسئلہ کہ جہاں میں مشہور ہے کہ وضوئے جنازہ سے اور نماز نہیں پڑھ سکتے محض غلط وباطل وبے اصل ہے۔

مسئلہ[1] صرف اس قدر ہے کہ اگر نمازِ جنازہ قائم ہُوئی[عـــہ] اور بعض اشخاص آئے تندرست ہیں پانی موجود ہے مگر وضو کریں تو نماز ہو چکے گی اور نماز جنازہ کی قضا نہیں، نہ ایک میت پر دو[2] نمازیں، اس مجبوری میں انہیں اجازت ہے کہ تیمّم کرکے نماز میں شریک ہو جائیں اس تیمّم سے اور نمازیں نہیں پڑھ سکتے نہ مسِ مصحف وغیرہ امور **موقوفہ علی الطھارۃ** بجالاسکتے ہیں کہ یہ تیمّم بحالتِ صحت ووجود ماء ایک خاص عذر کیلئے کیا گیا تھا جو اُس نمازِ جنازہ تک محدود تھا تو دیگر صلوٰت و

عـــہ قائم خواہ حقیقۃً ہو کہ نیت بندھ گئی یا جلد بندھنے کو ہے کہ وضو کرنے تک چاروں تکبیریں ہوچکیں گی ۱۲منہ غفرلہ (م)

افعال کے لئے وہ تیمّم محض بے عذر وبے اثر رہے گا حکم یہ تھا کہ عوام نے اسے کشاں کشاں کہاں تک پہنچایا۔ اگر (۱) مریض نے یا جہاں پانی نہ ہو تیمّم سے نمازِ جنازہ پڑھی تو وہ تیمّم بھی تابقائے عذر سب نمازوں کیلئے کافی ہے نہ کہ وضو۔ والسلام مع الوف الاکرام

مسئلہ ۱۰۴: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ اکبر علی خان ملازم مدرسہ اہلسنت یکم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعد نمازِ عصر تکونی باندھ کر ورزش کرتا ہے اُس کا ستر کھلا ہوا ہے اور لوگ بھی وہاں پر موجود ہیں جب وہ ورزش سے فارغ ہوا تو نمازِ مغرب کا وقت اخیر ہوتا ہے ازرُوئے حکمت بعد ورزش جبکہ وہ پسینہ میں تر ہے وضو کرنا مضر ہے بدن میں درد ہو جانے کا اندیشہ ہے اس صُورت میں اِس کا وضو ساقط ہُوا یا نہیں، بلاتازہ وضو نماز پڑھ سکتا ہے یا تیمّم کرے، کیا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

لوگوں کے سامنے ستر کھولنا حرام ہے ورزش کے سبب جماعت کھونا حرام ہے نماز کا وقت تنگ ومکروہ کردینا منع ہے ایسی ورزش ناجائز ہے ورزش [۲] سے وضو نہیں جاتا جب تک کوئی شے ناقضِ وضو صادر نہ ہو اگر وضو ہے تو اُسی وضو سے نماز پڑھ لے اور جو وضو باقی نہ رہتا ہو تو ایسے وقت ورزش کرنا قصداً نہ چاہئے ورزش عشا یا صبح کے بعد بھی ہو سکتی ہے اور اگر واقع ہولی اور نماز یا جماعت کے فوت کا اندیشہ ہے اور اس وقت وضو کرے تو وجعِ مفاصل وغیرہ امراض پیدا ہونے کا صحیح خوف ہے تو تیمّم کرکے نماز پڑھے اس انتظار کی حاجت نہیں کہ مثلاً گھنٹے بھر جب رگیں ساکن ہو جائیں گی وضو کرکے پڑھے گا۔

فان العبرۃ للحال دون الاستقبال کمن بعد میلا من الماء فی السفر لیس علیہ التاخیر وان ندب۔	اس لئے کہ اعتبار موجودہ حالت کا ہے آئندہ کا نہیں۔ جیسے وہ شخص جو سفر میں پانی سے ایک میل دُور پر ہو اس پر نماز کو مؤخر کرنا واجب نہیں اگرچہ مندوب ہے۔ (ت)

ہاں یہ بہتر وافضل ہے مگر جبکہ اس انتظار سے وقت جاتا یا مکروہ ہوتا یا جماعت فوت ہوتی ہو تو انتظار کی حاجت نہیں ابھی تیمم کرے اور نماز پڑھے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵: از گونڈل علاقہ کاٹھیاوار مسئولہ شیخ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب قادری رضوی ۱۸ رجب ۱۳۳۴ھ

حقّہ کا پانی پاک ہے یا ناپاک۔ مسافری میں اگر پانی نہ ملے تو بجائے تیمّم کے حُقّے کے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اُس کا پانی نجس ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور دُھوئیں کے سبب جو اس کے رنگ وبُو ومزہ میں تغیر آجاتا ہے اس سے اس کے طاہر ومطہر ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

ویجوز الوضوء بماء تغیر احد اوصافه بخلط طاهر غیر[1] مائع کما فی التبیین والفتح والبحر والدر وغیرها۔	کسی غیر سیال پاک چیز کے ملنے سے جس پانی کا کوئی ایک وصف بدل جائے اس سے وضو جائز ہے جیسا کہ تبیین الحقائق، فتح القدیر، بحرالرائق، درمختار وغیرہا میں ہے۔(ت)

سفر میں اگر پانی نہ ملے اور یہ پانی بقدر کفایت موجود ہے تیمّم نہ ہوگا اس سے وضو لازم ہوگا۔ **لقوله تعالٰی فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً**[2] **وهذا یجد ماء** ("اور تم پانی حاصل نہ کرسکو"۔ جبکہ یہ پانی حاصل کرنے والا ہے۔ت) البتہ اگر اُس میں بُو ہے تو یہ لازم ہوگا کہ ایسے وسیع وقت میں اُس سے وضو کیا جائے کہ بُو زائل ہونے تک کراہت نہ آئے جب بُو جاتی رہے اُس وقت نماز پڑھے اور اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو انتظار نہ کرے۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۶: مسئولہ عابد خان معرفت منشی خدابخش صاحب ٹھیکیدار صدر بازار بریلی دوشنبہ ۱۰شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص اپنی بی بی سے صحبت کرکے سوگیا اب اس کی آنکھ ایسے وقت کھلی جبکہ وقت نمازِ فجر بہت تنگ ہوگیا کہ اگر غسل کرتا ہے تو نماز قضا ہوئی جاتی ہے ایسے وقت میں ستر دھو کر نماز پڑھ لینا جائز ہے یا نہیں، اگر بلاغسل نماز جائز نہیں تو کس وجہ سے جبکہ بی بی سے صحبت کرنا حلال ہے۔

الجواب:

جبکہ نماز کا وقت تنگ ہو نجاست دھو کر تیمّم کرکے نماز پڑھ لے پھر نہا کر بعد بلند آفتاب اُس کا اعادہ کرے اور عورت سے صحبت حلال ہونے کے سبب طہارت کا حکم ساقط نہیں ہوسکتا۔ یہاں تین ۳ صورتیں ہیں اگر ۱ وقت ایسا تھا کہ بعد جماع غسل کرکے نماز کا وقت نہ ملے گا تو ایسی صورت میں جماع ہی حرام ہے کہ قصداً تفویت نماز ہے اور عورت ۲ کا زوجہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ ہر حال میں اُس سے صحبت جائز ہو نماز ہے روزہ ہے احرام ہے اعتکاف ہے حیض ہے نفاس ہے اور بہت صورتیں ہیں کہ ان میں منکوحہ سے بھی صحبت حرام ہے اور اگر ۳ وقت ایسا تھا

---

[1] تبیین الحقائق ابحاث الماء بولاق مصر ۱/۱۹

[2] القرآن ۴/۴۲

کہ غسل ونماز کو کافی تھامگر صبح ہوچکی تھی یا ہونے کے قریب تھی اور یہ ظن غالب تھا کہ اب سو کر آنکھ نہ کھُلے گی تو صحبت جائز تھی اور سونا حرام اور ' اگر سونے کیلئے بھی وقت وسیع تھا اور اتفاقاً آنکھ ایسے تنگ وقت کھلی تو صحبت اور سونا دونوں حلال اور گناہ مرفوع بہرحال حکم وہی ہے کہ جب وقت تنگ ہے تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور پھر غسل کرکے اعادہ کرے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: ۵ صفر ۱۳۳۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین صاحب اس مسئلہ میں کہ بسبب ضعیفی کے تمام جوڑوں میں بدن کے درد رہتا ہے جاڑوں میں پیر دھونے سے کُولھے اور کمر میں درد زیادہ ہوتا ہے ایک ہاتھ میں دو برس سے کُہنی میں چوٹ لگ گئی ہے ہمیشہ درد رہتا ہے وضو کرنے میں کہنی سے نیچے ہاتھ دھوتا ہوں تو کُہنی پر مسح کرلیتا ہوں اور کبھی پیروں پر بھی مسح کرلیتا ہوں اسی اندیشہ کی وجہ سے جمعہ کے روز نہانا بھی اتفاقاً ہوتا ہے اس حالت میں پیر کا مسح اور ہاتھ کی کہنی کا مسح کرنا چاہئے یا نہیں اور کسی وقت میں تیمّم بھی کرلیتا ہوں اور کبھی پُورا وضو بھی۔

الجواب: جتنی بات پر قدرت ہے اُتنی فرض ہے اگر پُورے وضو پر قدرت ہے تو نہ مسح جائز نہ تیمّم اور اگر کُہنی یا پاؤں پر پانی ڈالنے سے ضرر ہوتا ہے تو اگر ہمیشہ نقصان ہوتا ہے ہمیشہ وہاں پُوری جگہ مسح کرے باقی اعضاء دھوئے اور اگر ایسا ہے کہ جاڑے میں دھونا نقصان کرتا ہے گرمیوں میں نہیں یا ٹھنڈے وقت میں نقصان کرتا ہے گرم وقت میں نہیں تو جس وقت نقصان کرتا ہے اُس وقت مسح کرے باقی اوقات دھوئے، تیمّم جائز نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸: مرسلہ سید محمد فہیم ڈی ٹی ایس آفس دانا پور کھگول ضلع پٹنہ ۱۲ جمادی ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا ایک پاؤں عارضہ فیل پایہ میں مبتلا ہے بدیں وجہ اُس پاؤں کا دھونا اُس کے حق میں مضر ہے ایسی صورت میں وہ شخص اس پر بجائے غسل کے مسح کرسکتا ہے یا نہیں یا بجائے وضو کے صورت ہذا میں تیمّم کرے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں تیمّم کی اجازت نہیں ہوسکتی بلاکہ ضرر نہ ہو تو پاؤں دھونا فرض ہوگا ضرر کرے تو مسح کا حکم لازم ہوگا مثلاً ٹھنڈے وقت پاؤں دھونا ضرر کرتا ہے تو گرم وقت میں پاؤں دھوئے اور سرد وقت میں پاؤں پر مسح کرے یا سرد پانی سے دھونا نقصان دیتا ہے تو گرم سے پاؤں دھوئے مسح نہ کرے یا پاؤں کے ایک حصے پر پانی ضرر پہنچاتا ہے دُوسرے پر نہیں اور وہ دوسرا حصہ یوں دھو سکتا ہے کہ نقصان والے حصّے کو پانی

نہ پہنچے تو اس حصّے کا دھونا فرض اور اُس حصے پر مسح کرے غرض مقدار قدرت دیکھی جائے گی پھر جتنے عضو پر مسح کا حکم ہوگا اُس پُورے ٹکڑے پر بھیگا ہاتھ ایک ایک ذرّے پر پہنچنا لازم ہوگا اگر کوئی حصہ خشک رہا وضو نہ ہوگا **والمسائل منصوص علیھا فی عامۃ الکتب واللہ تعالٰی اعلم** (عامہ کتب میں ان کی صراحت موجود ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ت)

سوال[109] دوم: شخص مذکور الصدر کو بعد حاجت غسل کے تیمّم پر اکتفاء کرنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ استعمالِ پانی اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوچکا ہے۔

الجواب:

مرض تو صرف پاؤں میں ہے اس طرح نہائے کہ پاؤں کے اُس حصّے کو جسے پانی نقصان دیتا ہے پانی نہ پہنچے اُتنے حصّے پر مسح کرلے تیمّم جائز نہیں ہوسکتا اور نقصان کی وہی صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہُوئیں کہ فقط سرد وقت میں پانی نقصان دیتا ہے تو اُس وقت نہا کر اُتنی جگہ مسح کرکے نماز پڑھ لے جب گرم وقت آئے اُتنی جگہ پر بھی پانی ڈال لے یا صرف ٹھنڈا پانی ضرر دیتا ہے تو اُتنی جگہ گرم پانی سے دھوئے باقی بدن جیسے پانی سے چاہے دھوئے اور پاؤں کا اُتنا حصّہ دھونے سے بچائے جتنے پر پانی بہنا ضرر دیتا ہو خواہ یوں کہ خود وہاں مرض ہو یا یوں کہ اُس پر پانی ڈالنا مرض کی جگہ تک پانی پہنچادے گا بچاؤ نہ ہوسکے گا یا یوں کہ پانی تو نہ پہنچے گا مگر یہاں کی سردی سے وہاں ضرر ہوگا۔ جتنی جگہ کسی طرح ضرر ہو اُس کے ایک ایک ذرّہ پر بالاستیعاب بھیگا ہاتھ پہنچے ورنہ غسل نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰: از سرنیا ضلع بریلی مسئولہ شیخ امیر علی قادری رضوی ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ۱۲ بجے رات کے ہل چلانے جاتا ہے اور ہل چلاتے ہوئے وقتِ فجر کھیت پر ہوگیا اب نہ پانی موجود ہے اور نہ اب مسجد جاسکتا ہے کیونکہ مسجد بھی دور ہے اور پانی بھی دستیاب نہیں ہوسکتا ہے اب زید تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر پانی اس کے کھیت سے جہاں اس وقت یہ ہے ایک میل یا زیادہ دُور ہے تو تیمّم کرسکتا ہے ورنہ ہر گز نہیں۔

فی الدر المختار لبعدہ ولو مقیما فی المصر میلا[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	درمختار میں جواز تیمّم کی صورتوں میں ہے: پانی سے ایک میل دُور ہونے کی وجہ سے، اگرچہ وہ شہر میں مقیم ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

[1] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۱/۱

مسئلہ ۱۱۱: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عرفان علی صاحب بیسلپوری چہار شنبہ ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

زید صبح کو ایسے تنگ وقت میں سو کر اُٹھا کہ صرف وضو کرکے نمازِ فجر ادا کر سکتا ہے مگر اس کو غسل کی حاجت ہے پس اس کو غسل کرکے قضا نمازِ فجر ادا کرنا چاہئے یا وقت ختم ہوجانے کے خیال سے غسل کا تیمّم کرکے اور وضو کرکے نمازِ فجر ادا کرے اور بعدہ غسل کرکے نمازِ فجر کا اعادہ کرے۔ **بیّنوا توجّروا**

الجواب:

تیمّم کرکے نماز وقت میں پڑھ لے بعد کو نہا کر اعادہ کرے **بہ یفتی** (اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
حسن التعمّم لبیان حد التیمّم
تیمّم کی ماہیت وتعریف کا بہترین بیان (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۲: ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں سوال اوّل تیمّم کی تعریف وماہیت شرعیہ کیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیممنا صعیدا طیبا من ساحة کرم الیه یصعد الکلم الطیب* لیطھر قلوبنا والسنتنا فنستاھل ان نقول بنیة زکیة ومقول طیب۔ ان الحمد للہ الذی انزل قراٰن غیر ذی عوج* وَمَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ	ہم نے اس میدانِ کرم کی سطح پاک (صعید طیب) کا قصد کیا جس تک پاکیزہ کلمے صعود وترقی پاتے ہیں تاکہ وہ ہمارے دلوں اور زبانوں کو طہارت وپاکیزگی بخش دے جس کے باعث ہم صاف ستھری نیت اور پاکیزہ زبان سے بولنے کے قابل ہوجائیں۔ یقینا ساری تعریف خدا کیلئے ہے جس نے ایسا قرآن نازل فرمایا جس میں ذرا بھی کجی نہیں، اور

مِنْ حَرَجٍ والصلاۃ والسلام عدد الرمل والتراب *علی رحمۃ الرحمٰن ومنۃ الوھاب*الذی اتی بالدین یسرامیسورا*وجعلت لہ الارض مسجدا وطھورا*فایما رجل من امتہ ادرکتہ الصلاۃ فلیصل*متمتعا ببرکۃ اٰل ابی بکر الاجل۔وعلی اٰلہ وصحبہ*وابنہ وحزبہ* اجمعین*ابد الاٰبدین۔	جس نے دین میں ہم پر کوئی تنگی نہ رکھی۔ریت اور مٹی کے ذرّات کی تعداد میں درود وسلام ہو رحمت رحمٰن اور احسانِ وہاب پر جو سہل وآسان دین لے کر تشریف لائے،اور جن کے لئے زمین مسجد اور مطہّر بنادی گئی کہ ان کی امت کا جو شخص بھی نماز کا وقت پا جائے وہ بزرگ ابوبکر کی آلِ پاک کی برکت سے فائدہ اٹھاتا ہوا نماز ادا کرے۔اور اُن کی آل،ان کے اصحاب،ان کے فرزند،ان کے گروہ سب پر،ہمیشہ ہمیشہ (درود وسلام ہو) (ت)

امام محقق ابن الہمام پھر اُن کے اتباع سے بہت اعلام نے قرار دیا کہ حق یہ کہ وہ چہرہ وہر دو دست کا صعید یعنی جنس ارض طاہر سے مسح کرنا ہے یہ اجمال بہت تفصیل کا طالب **فاعلم انہ جاء تحدیدہ فی کلماتھم علی ستۃ وجوہ** (معلوم ہو کہ کلماتِ علماء میں تیمّم کی تعریف چھ ۶ طرح سے آئی ہے۔ت)

الوجہ الاوّل ماا ختارہ عامۃ شراح الھدایۃ انہ القصد الی الصعید الطاھر للتطھیر [1] وردہ المحقق فی الفتح واتباعہ بان القصد وھو النیۃ شرط لارکن [2] واجاب عنہ العلامۃ ش بجوابین: **اولھما:** ان الشرط ھو قصد عبادۃ مقصودۃ الٰی آخر مایأتی لاقصد نفس	**تعریف اوّل** وہ ہے جو ہدایہ کے عامّہ شارحین نے اختیار کی: تطہیر کیلئے پاک سطح زمین کا قصد کرنا اعتراض فتح القدیر میں محقق ابن الہمام نے اور ان کے متبعین نے یوں رَد کردیا کہ قصد یعنی نیت تیمّم کیلئے شرط ہے رکن نہیں (اور تعریف میں اسے عین تیمّم قرار دیا گیا ہے جس سے رکن ہونا ہی ظاہر ہے) علامہ شامی نے اس اعتراض کے دو ۲ جواب دیے: **جواب اوّل:** تیمّم میں جو قصد ونیت شرط ہے وہ یہ کہ کسی عبادت مقصودہ کا قصد ہو خود سطح زمین کا قصد

---
[1] الکفایۃ مع الفتح باب التیمم نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۱۰۶
[2] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۱۰۶

الصعید [1] اھ۔ **اقول اوّلاً:** (۱) قصد الصعید مامور بہ فی القراٰن العظیم فَتَیَمَّمُوۡاصَعِیۡدًاطَیِّبًا [2] غیر ان القصد لابدلہ من غایۃ وھی استباحۃ عـہ عبادۃ مقصودۃ الخ ولایقصد ذلك الا من استعمال الصعید قصدا فقصد الصعید لابد منہ ولاتحقق للتیمّم الا بہ واذلیس کنا فھو شرط لاشك کنفس الصعید فانہ ایضا من شرائط التیمّم کماقال العلامۃ نفسہ ان الشارح نبہ علی انہ ای قصد الصعید شرط وکذا الصعید وکونہ مطھرا کما افادہ ح فافھم [3] اھ۔ **وثانیًا:** (۲) تریدون بہ رد الایراد وان سلم ماذکرتم لما افاد الا یراد الا الازدیاد لانہ جعل حقیقۃ التیمم مالاتوقف لہ علیہ اصلا فضلا عن	شرط نہیں۔ **اقول: اوّلاً** صعید (سطح زمین) کے قصد کا تو قرآن عظیم میں حکم موجود ہے ارشاد ہے: فَتَیَمَّمُوۡاصَعِیۡدًاطَیِّبًا (تو پاک روئے زمین کا قصد کرو) یہ الگ بات ہے کہ قصد کی کوئی غایت ہونا ضروری ہے۔ اور وہ نماز کو مباح کرنے والے تیمّم میں یہ ہے کہ کسی عبادت مقصودہ کا جواز چاہے الخ۔ اور یہ قصداً جنس ارض کے استعمال ہی سے مقصود ہوتا ہے تو جنس ارض کا قصد ضروری امر ہے جس کے بغیر تیمّم کا ثبوت اور تحقّق نہیں ہوسکتا۔ اور یہ قصد جب رکن نہیں تو اس کا شرط ہونا یقینی ہے۔ جیسے خود جنسِ زمین، یہ بھی شرائطِ تیمّم میں سے ہے، جیسا کہ خود علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ شارح نے اس پر تنبیہ کردی کہ جنسِ زمین کا قصد شرط ہے اور اسی طرح جنس زمین اور اس کا مطہر ہونا بھی شرط ہے جیسا کہ حلبی نے افادہ فرمایا **فافھم** اھ۔ **ثانیًا** آپ اعتراض دفع کرنا چاہتے ہیں حالانکہ آپ کا جواب اگر تسلیم کرلیا جائے تو اس سے اعتراض میں اور اضافہ ہی ہوگا اس لئے کہ اس جواب نے تو تیمّم کی حقیقت ایک ایسی چیز کو قرار دے دیا جس پر تیمّم سرے سے موقوف ہی نہیں اس چیز کا رکنِ تیمّم ہونا

عـہ ای فی التیمم المبیح للصلاۃ منہ غفرلہ۔

یعنی نماز کو مباح کرنے والے تیمّم میں۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۸

[2] القرآن ۴/۴۳

[3] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۸

الرکنیة۔

والاٰخر ان المعانی الشرعیة لاتوجد بدون شروطها فمن صلی بلاطهارة مثلا لم توجد منه صلاة شرعا فلابد من ذکر الشروط حتی یتحقق المعنی الشرعی فلذا قالوا بشرائط مخصوصة کمامر [1] اھ یرید مایأتی فی التعریف الثانی اِن شاء الله تعالٰی۔

اقول: (۱) لاکلام فی ذکر الشروط بل فی جعل الشرط حقیقة المشروط کمایفیده بقولهم هو قصد الصعید (۲) بخلاف قولهم بشرائط مخصوصة فانه ذکر الشرط علی جهته ومرتبته فالاستناد به فی غیر محله (۳) وشیئ ماقط لایوجد بدون شرطه عینا کان اومعنی شرعیا اوغیره لکن لایصیر به الشرط رکن المشروط حتی یحدبه (۴) وکیف یسوغ ان یقال ان الصلاة هی الطهارة وان کانت لاتوجد الابها نعم یصلح عذرا له ماقال قبل الجوابین انه لابد فی الالفاظ الاصطلاحیة المنقولة عن اللغویة ان یوجد فیها المعنی اللغوی غالبا ویکون المعنی الاصطلاحی اخص

تو الگ رہا (یعنی عبادت مقصودہ کا جواز چاہنے سے الگ کرکے صرف "جنس زمین کو مقصود بنانے" پر تیمّم کا ثبوت موقوف ہی نہیں تو یہ رکن تیمّم کیونکر ہوگا؟) (ت)

جواب دوم: شرعی معانی کا وجود ان کی شرطوں کے بغیر نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر کسی نے بغیر طہارت کے نماز پڑھی تو اس سے نماز شرعی کا وجود نہ ہوا اس لئے شرطوں کا ذکر ضروری ہے تاکہ شرعی معنی کا تحقق ہوسکے اسی لئے علماء نے "بشرائط مخصوصة" کہا جیسا کہ گزرا اھ علامہ شامی کی مراد وہ الفاظ ہیں جو تعریف دوم میں آئیں گے اِن شاء الله تعالٰی۔

اقول: شرطوں کے ذکر کرنے پر کوئی کلام نہیں بلاالکہ کلام اس پر ہے کہ شرط ہی کو مشروط کی حقیقت کیسے بنادیا گیا جیسا کہ ان کا قول "هو قصد الصعید" (تیمّم جنس زمین کے قصد کا نام ہے) بتا رہا ہے۔ اور تعریف دوم میں لفظ "بشرائط مخصوصة" کی حیثیت اس کے برخلاف ہے۔ اس میں شرط کو اس کی صحیح صورت اور مرتبہ میں رکھ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے اس سے استناد بے محل ہے۔ کوئی بھی چیز خواہ عین ہو یا معنی شرعی یا اور کچھ اپنی شرط کے بغیر کبھی نہیں پائی جاتی لیکن اس سے شرط، مشروط کا رکن نہیں ہوجاتی کہ اس شرط کے ذریعہ اس کی تعریف کی جاسکے۔ نماز اپنی شرط طہارت کے بغیر وجود میں نہیں آتی لیکن کیا یہ کہنا روا ہوگا کہ نماز طہارت کا نام ہے؟ ہاں اس تعریف میں "قصد

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۸

من اللغوی ولذا عرف المشائخ الحج بانہ قصد خاص بزیادۃ اوصاف مخصوصۃ [1] اھ وحاصلہ انہ تسامح یحمل علیہ بیان المناسبۃ بین المنقول عنہ والیہ وقد اشار الیہ بعض المعرفین بہ کالعنایۃ اذقال التیمّم فی اللغۃ القصدُ وفی الشریعۃ القصدُ الی الصعید الطاھر للتطھر فالاسم الشرعی فیہ المعنی اللغوی [2] اھ ھذا۔(۱) ثم التعبیر بطاھر اطبق علیہ عامۃ الکتب متونا وشروحا وفتاوی وابدلہ فی التنویر بالمطھر قال فی الدر (۲) خرج الارض المتنجسۃ اذا جفت فانھا کالماء المستعمل [3] اھ ای طاھرۃ غیر طھور فتجوز الصلاۃ علیھا ولایجوز التیمم بھا وبہ اخذ البحر علی الکنز قائلا کان ینبغی للمصنف ان یقول بمطھر لیخرج ماذکرنا کما عبربہ فی منظومۃ ابن وھبان [4] اھ۔	الصعید" ذکر کرنے کے عذر میں بیان کئے جانے کے قابل وہ ہے جو علامہ شامی نے مذکورہ دونوں جوابوں سے پہلے فرمایا کہ لغوی معانی سے منقول، اصطلاحی الفاظ میں عموماً لغوی معنی ضرور پایا جاتا ہے۔اور اصطلاحی معنی لغوی معنی سے اخص ہوتا ہے۔اسی لئے مشائخ نے حج کی تعریف یہ کی ہے کہ حج ایک خاص قصد ہے کچھ مخصوص اوصاف کی زیادتی کے ساتھ اھ حاصل یہ ہوا کہ یہ ایک تسامح ہے جو معنی منقول عنہ اور معنی منقول الیہ کے درمیان مناسبت بتانے کے پیش نظر روا رکھا گیا ہے۔بعض تعریف کرنے والوں نے اس بات کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔جیسے عنایہ میں کہا ہے۔لغت میں تیمّم کا معنی قصد ہے۔اور شریعت میں پاک ہونے کیلئے پاک سطح زمین کا قصد کرنا۔تو تیمّم کے شرعی نام میں لغوی معنی بھی موجود ہے اھ ہذا۔(ت) **تیمّم کی تعریف** میں طاہر اور مطہر سے تعبیر کا فرق متون، شروح، فتاوٰی کی عامہ کتب کا "طاہر" سے تعبیر پر اتفاق ہے مگر تنویر الابصار میں "طاہر" کی بجائے "مطہر" کہا۔درمختار میں مطہر سے تعبیر کا فائدہ بتایا کہ یہ کہنے سے وہ زمین خارج ہو گئی جو نجس ہوئی پھر خشک ہو گئی کیونکہ وہ مائے مستعمل کی طرح ہے یعنی طاہر تو ہے مطہّر نہیں۔تو اس زمین پر نماز پڑھنا جائز ہے مگر اس سے تیمّم کرنا جائز نہیں،اسی لئے بحرالرائق میں کنز الدقائق کی عبارت پر گرفت

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۸

[2] عنایۃ مع الفتح باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۶

[3] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۱

[4] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۷

(ا) واغرب القهستاني فاخذ على النقاية واشار الى عبارة قدكان فيها الجواب لوتأمل اذقال (على كل طاهر) تعميم لايخلو عن تسامح والعبارة على طاهر كامل فانه لايجوز بارض صارت نجسة ثم ذهب اثرها[1]۔

اقول: الطهارة لاتقبل التشكيك وانما التفاوت بمالانجس فيه اصلا وما فيه نجس قليل معفوعنه فيكون هذا هو الجواب ان المراد بالطاهر كامل الطهارة الذى لاعفو فيه۔

وهذا ماافاده الامام ملك العلماء فى البدائع اذقال (ا) ان احراق الشمس ونسف الرياح اثرها فى تقليل النجاسة دون استئصالها والنجاسة وان كانت تنافى وصف الطهارة فلم يكن اتيانا بالمأموربه فلم يجز فاما النجاسة القليلة قدتمنع جواز الصلاة عند اصحابنا ولايمتنع ان يعتبر القليل من النجاسة فى بعض الاشياء دون

کی ہے کہ مصنف کو "بمطهر" کہنا چاہئے تھا تاکہ وہ خارج ہوجائے جس کا ہم نے ذکر کیا، جیسا کہ ابن وہبان کے منظومہ میں "مطهر" سے تعبیر کی ہے اھ (ت)

اور قہستانی نے عجب بات کی، نقایہ پر گرفت کرکے اس کی مراد کی طرف ایسے الفاظ میں اشارہ کیا کہ ان ہی الفاظ میں گرفت کا جواب بھی موجود تھا اگر وہ غور سے کام لیتے۔ نقایہ کی عبارت ہے: "على كل طاهر" (ہر طاہر پر)۔ اس پر قہستانی نے کہا: یہ تعمیم تسامح سے خالی نہیں۔ اور مراد "طاہر کامل" ہے کیونکہ تیمّم ایسی زمین پر جائز نہیں جو نجس ہوگئی پھر اس کا اثر جاتا رہا اھ۔ (ت)

اقول: طہارت قابل تشکیک نہیں (کہ حقیقی طور پر طاہر کامل وطاہر ناقص کی تقسیم ہوسکے) فرق یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسا طاہر ہوتا ہے جس میں ذرا بھی نجس چیز شامل نہیں۔ اور کوئی ایسا طاہر ہوتا ہے جس میں ایسا قلیل نجس ہوتا ہے جو معاف ہے، تو نقایہ پر اعتراض کا یہی جواب ہے کہ طاہر سے مراد وہ کامل الطہارۃ ہے جس میں نجس قلیل عفو شدہ بھی نہیں۔ (ت) امام ملک العلماء نے بدائع الصنائع میں یہی افادہ فرمایا، فرماتے ہیں: "سورج کے تمازت اور ہواؤں کے اڑانے کا اثر صرف یہ ہوتا ہے کہ نجاست کم ہوجاتی ہے بالکل ختم نہیں ہوتی۔ اور نجاست اگرچہ کم ہو طہارت کے منافی ہے تو (وہ زمین جو نجس ہو کر خشک ہوگئی اس پر تیمّم کرنے میں، پاک زمین سے تیمّم کا) جو حکم دیا گیا ہے اس کی بجاآوری نہ ہوسکے گی اس لئے اس سے تیمّم جائز نہ ہوا۔ لیکن قلیل نجاست

---
[1] جامع الرموز باب التیمم المطبعۃ الکریمیہ قزان (ایران) ۱/۶۸

البعض الاتری ان النجاسة القليلة لو وقعت فی الاناء تمنع جواز الوضوء به ولواصابت الثوب لاتمنع جواز الصلاة [1] اھ وھذا ھو ملمح من قالوا انھا طاھرة فی حق الصلاة نجسة فی حق التیمّم وجعله فی البحر ظاھر کلامھم۔

اقول: لیست الطھارة ولاالنجاسة امرا اضافیا بل وصف یثبت للشیئ نفسه امالاصله اولعارض (۱) وانما معنی الطھارة فی حق شیئ سوغ الاستعمال فیه والنجاسة فیه عدمه ولایکون الابىقاء نجس عفی عنه فی حق شیئ دون اٰخر کما اشار الیه ملك العلماء۔(۲) ومنه مایؤمر فیه بالعصر البالغ فعصر زید جھده ولوعصره عمرو لقطر طھر فی حق زید لاعمرو [2] کما فی الدر (۳) وغیرہ وبه ظھر مافی قول البحر اذقال

ہمارے اصحاب کے نزدیک جواز نماز سے مانع نہیں اور یہ کوئی محال امر نہیں کہ بعض چیزوں میں قلیل نجاست کا اعتبار ہو اور دوسری بعض چیزوں میں نہ ہو۔ دیکھو کہ برتن میں اگر تھوڑی نجاست پڑ جائے تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر اتنی ہی تھوڑی نجاست کپڑے میں لگ جائے تو اس سے نماز جائز ہے (ت) اور یہی ان حضرات کا مطمعِ نظر ہے جنہوں نے فرمایا کہ وہ زمین نماز کے حق میں پاک ہے، تیمّم کے حق میں ناپاک ہے۔ مگر بحر الرائق میں اسے انکا ظاہر کلام قرار دیا۔

میں کہتا ہوں طہارت اور نجاست کوئی اضافی چیز نہیں (کہ کسی کہ بہ نسبت طہارت ہو اور کسی کی بہ نسبت نجاست) بلالکہ یہ ایسا وصف ہے جو خود شیئ کیلئے براہِ راست یا کسی عارض کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کسی شیئ کے حق میں پاک ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس میں اس کا استعمال جائز ہے اور ناپاک ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس میں اس کا استعمال جائز نہیں۔ اور یہ اسی وقت ہوگا جب کچھ نجس جز باقی رہ گیا ہو جو کسی چیز کے حق میں معاف ہے اور دوسری چیز کے حق میں معاف نہیں۔ جیسا کہ ملک العلماء نے اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ (ت) اور اسی سے وہ بھی ہے جس میں خوب نچوڑنے کا حکم ہے۔ اب زید نے اپنی طاقت بھر نچوڑا مگر عمرو اسے نچوڑتا تو ابھی کچھ اور ٹپکتا۔ یہ زید کے حق میں پاک ہے مگر عمرو کے حق میں نہیں۔ جیسا کہ

[1] بدائع الصنائع شرائط تیمّم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۳

[2] الدر المختار بالمعنی باب الانجاس مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶

بعد نقله الحق انها طاهرة فی حق الکل قال وانما منع التیّمم لفقد الطهوریة کالماء المستعمل وللحدیث عـه۱ الوارد من قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جعلت لی الارض مسجدا وطهورا بناء علی ان الطهور بمعنی المطهر وقد عـه۲ تقدم الکلام فیه[1] اھ **اقول:** (۱) مطمح نظرهم فی هذا التعلیل ان الکتاب الکریم انما شرط صعیدا طیبا	دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ اس تفصیل سے بحرالرائق کی عبارت میں جو خامی ہے ظاہر ہوگئی انہوں نے اسے نقل کرنے کے بعد یہ فرمایا ہے کہ حق یہ ہے کہ وہ زمین (نماز وتیمّم) ہر ایک کے حق میں پاک ہے اور اس سے تیمّم اس لئے ممنوع ہے کہ اس میں مطہّر ہونے کی صفت مفقود ہے۔ جیسے مائے مستعمل میں یہ صفت مفقود ہے۔ دُوسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول وارد ہے: "میرے لئے زمین کو مسجد اور طہور بنایا گیا"۔ یہ استدلال اس بنیاد پر ہے کہ طہور بمعنی مطہّر ہے۔ اور اس پر کلام گزر چکا ہے۔ (ت) **میں کہتا ہوں** اس تعلیل میں ان علماء کا مطمح نظر یہ ہے کہ قرآن کریم نے "صعید طیب" کی شرط

عـه۱ **اقول:** فی (۲) جعله دلیلا براسه نظر لایخفی ۱۲ منه غفرله (م)

عـه۲ **اقول:** (۳) الذی قدم صدر بحث المیاہ انکار ان یکون الطهور بمعنی المطهر لغة (۴) ولاشك ان المحاورات الشرعیة تظافرت علی ذلك منها هذا الحدیث فان کون الارض طاهرة لیس من خصائص هذہ الامة بل کونها طهورا وقد سلم المحقق علی الاطلاق الاجماع علی ان الطهور فی لسان الشرع مایطهر غیرہ ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: اسے مستقل دلیل بنانا نمایاں طور پر محل نظر ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت) (کیونکہ حدیث سے صرف یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ زمین مطّہر ہے اس کو ماسبق سے ملائیں تو ایک دلیل مکمل ہوگی اور ماسبق سے الگ کردیں تو مدعا ثابت نہ ہوگا ۱۲ محمد احمد مصباحی) اقول: اس سے پہلے بحث میاہ کے شروع میں انہوں نے لغت میں طہور، بمعنی مطہّر ہونے کا انکار کیا ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ طہور بمعنی مطہّر ہونے پر شرعی محاورات کثرت سے موجود ہیں انہی میں سے یہ حدیث بھی ہے کیونکہ زمین کا طاہر ہونا اس امت کی خصوصیات میں نہیں بلاالکہ زمین کا مطہّر ہونا اس امت کے خصائص سے ہے، اور محقق علی الاطلاق نے تو اِس بات پر اجماع تسلیم کیا ہے کہ زبانِ شرع میں طہور وہ ہے جو دوسرے کو پاک کردے۔ (ت)

[1] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۷

والطیب ھوالطاھر فاشتراط وصف اٰخر فوق الطھارۃ زیادۃ علی الکتاب فیجب ان تخرج ارض تنجست وجفت من الطھارۃ کیلا یشملھا المأموربہ۔	لگائی۔ اور طیب وہی ہے جو پاک ہو۔ اور پاکی سے اوپر ایک وصف کا اور اضافہ کرنا کتاب اللہ پر زیادتی ہے۔ اس لئے یہ (کہنا) ضروری ہے کہ جو زمین نجس ہو کر خشک ہو گئی وہ (تیمّم کے حق میں) طاہر ہی نہیں تاکہ ماموربہ اس زمین کو شامل ہی نہ ہو۔ (ت) رہی وہ حدیث جو آپ نے پیش کی
اما الحدیث **فاقول:** (۱) یفید کالاٰیۃ وصف الارض بانھا طھور فیثبت لکل ارض طاھرۃ لاتقییدہ التطھیر بما ھو منھا طھور فوق الطھارۃ اما قررہ المحقق حیث اطلق ان الصعید علم قبل التنجس طاھرا وطھورا وبالتنجس علم زوال الوصفین ثم ثبت بالجفاف شرعا احدھما اعنی الطھارۃ فیبقی الاٰخر علی ماعلم من زوالہ واذا لم یکن طھورا لایتیمّم بہ[1] اھ۔	**فاقول:** یہ بھی آیت کی طرح زمین کیلئے طہور ہونے کی صفت کا افادہ کررہی ہے۔ تو یہ صفت ہر طاہر زمین کیلئے ثابت ہوگی۔ حدیث یہ افادہ نہیں کرتی کہ تطہیر کا عمل اسی زمین سے مقید ومخصوص ہے جو طاہر ہونے سے بڑھ کر مطہّر ہو۔ لیکن محقق علی الاطلاق کی یہ تقریر کہ "نجس ہونے سے قبل سطح زمین کا طاہر اور مطہّر دونوں کا ہونا معلوم تھا۔ اور نجس ہونے سے دونوں صفتوں کا زوال اور ختم ہونا معلوم ہوا۔ پھر خشک ہونے سے دونوں میں ایک وصف یعنی طاہر ہونا شرعًا ثابت ہوا تو دوسرا وصف اسی حال معلوم زوال پر باقی رہے گا (مطہّر ہونے کا وصف ثابت نہ ہوسکے گا) اور جب مطہر نہ ہوگی تواس سے تیمّم جائز نہ ہوگا"۔ اھ (ت)
فاقول: (۲) لم یعلم کونھا طھورا الا بالکریمۃ والکریمۃ لم تشرط لطھوریتھا الاطیبھا وطھارتھا ومازالت الطھوریۃ الالزوال الطھارۃ فان عادت عادت فلابد من القول بما قالوا والمیل الی ماما لوا۔	**فاقول:** زمین کا مطہّر ہونا آیت ہی سے معلوم ہوا اور آیت نے مطہّر ہونے کیلئے صرف پاکیزگی وپاکی کی شرط لگائی اور وصف طہارت ختم ہونے ہی کی وجہ سے مطہّر ہونے کی صفت ختم ہوئی، تو اگر طہارت کی صفت (خشک ہوجانے سے) لوٹ آئے تو مطہر ہونے کی صفت بھی لوٹ آئیگی،

[1] بحرالرائق باب الانجاس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۵

اقول: لکن قد یلزم علیه انها اذا اصابها الماء تنجس وعادت نجسة لان القلیل والکثیر من النجاسة سواء فی الماء القلیل فیتنجس ثم ینجس الارض (ا)وهو احد تصحیحین فی کل ماحکم بطهارته بغیر مائع کما فصله البحر فی البحر قبیل قوله وعفی قدر الدرهم ونقل عن المحیط فی خصوص مسألة الارض ایضا ان الاصح عود النجاسة لکن الروایة المشهورة انها لاتعود نجسة وهو المختار خلاصة وهو الصحیح خانیة ومجتبی وهو الاولی لتصریح المتون بالطهارة وملاقاة الماء الطاهر للطاهر لاتوجب التنجس وقد اختاره فی فتح القدیر فان من قال بالعود بناه علی ان النجاسة لم تزل وانما قلت[1] اھ بحر۔

اس لئے اسی کا قائل ہونا پڑے گا جس کے قائل وہ حضرات ہیں اور اسی کی طرف مائل ہونا ہوگا جس کی طرف وہ مائل ہیں۔ (ت)

اقول: لیکن اس پر یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ خشک ہونے سے پاک ہوجانے والی زمین پر اگر پانی پہنچ جائے تو نجس ہوجائے گا اور زمین بھی پھر نجس ہوجائیگی۔ اس لئے کہ آب قلیل کیلئے قلیل وکثیر دونوں ہی نجاستیں برابر ہیں تو پانی نجس ہوجائے گا پھر زمین کو بھی نجس کردے گا۔ اور ہر وہ چیز جس کے متعلق کسی بہنے والی چیز کے بغیر پاک ہوجانے کا حکم کیا گیا ہے اس کے بارے میں دو تصحیحوں میں سے ایک یہی ہے کہ پانی پڑنے سے وہ پھر ناپاک ہوجائیگی، جیسا کہ البحرالرائق میں "وعفی قدر الدرهم" سے قبل اس کی تفصیل موجود ہے اور محیط سے خاص مسئلہ زمین میں، یہ نقل کیا ہے کہ اصح یہی ہے کہ نجاست لوٹ آئیگی۔ لیکن روایت مشہورہ یہ ہے کہ نجس نہ ہوگی اور یہی مختار ہے۔ خلاصہ اور یہی صحیح ہے خانیہ ومجتبی اور یہی اولٰی ہے کیونکہ متون میں طہارت کی صراحت موجود ہے اور پاک شیئ سے پاک پانی کا اتصال باعث نجاست نہیں۔ اور اسی کو فتح القدیر میں اختیار کیا اس لئے کہ جو دوبارہ نجس ہوجانے کے قائل ہیں ان کی بنیاد اس پر ہے کہ نجاست زائل نہیں ہوئی صرف کم ہوئی اھ البحرالرائق۔ (ت)

اقول: عـہ تحقیق اور نظر دقیق یہ ہے کہ یہ بھی

عـہ ملک العلماء کی عبارتِ بدائع سے یہ معلوم ہوا کہ زمین خشک ہوجانے سے نجاست بالکل زائل نہیں ہوتی کچھ (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] البحرالرائق باب الانجاس سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۷

اقول: (۲) والتحقیق والنظر الدقیق ان ھذا ایضاً لایلزمھم ولا بعدم لزومه یستضر مقصودھم اعنی الامام ملك العلماء والشارحین فلربما یعفی مثل القلیل فی الماء ایضا کمانصوا فی رشاش البول کرؤس الابر ووقوع بعرة اوبعرتین الی مایستقله الناظر فی البئر وکذا الخثی والروث القلیلان فلیکن ھذا ایضا من ذاك کیف ومابقی بعد الجفاف وذھاب الاثر حتی لم یبق ریح ولا لون لایکون الا کرؤس الابر او اقل ومعنی الطاھر ھنا فی المتون وغیرھا سائغ الاستعمال والا فقد صرحوا بطھارة المنی بالفرق ومعلوم قطعا انه لایزول بالکلیة بل تبقی له اجزاء ولا امکان للحکم بطھارة اجزاء النجس مادامت العین باقیة فلا معنی الا المعفو عنه السائغ الاستعمال وقد عفی ایضا فی الماء فان المختار کما فی الخلاصة عدم عودہ نجسا باصابة الماء [1]۔

ان پر یعنی ملک العلماء اور شارحین پر لازم نہ آئیگا اور لازم نہ آنے کے ساتھ ان کے مقصود کیلئے مضر بھی نہیں۔ کپڑے وغیرہ میں جیسے ایک حد تک قلیل نجاست معاف ہوتی ہے کچھ خفیف و قلیل سی نجاست پانی میں بھی تو عفو ہوتی ہے سُوئی کے ناکوں کی طرح پیشاب کے چھینٹے پڑ جائیں، کُنویں میں مینگنی پڑ جائے ایک دو یا کچھ اور، جہاں تک کہ دیکھنے والا اسے قلیل ہی سمجھے تو ان سب کے معاف ہونے سے متعلق علماء کی صراحت موجود ہے۔ قلیل گوبر اور لید کا بھی یہی حکم ہے۔ تو خشک زمین پر جو خفیف سی نجاست رہ گئی ہے اس کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کیونکہ جب زمین خشک ہوگئی اور نجاست کا اثر جاتا رہا یہاں تک کہ نہ رنگ باقی رہا نہ بُو، تو اس کے بعد جو کچھ رہ جاتا ہے وہ بس سُوئی کے ناکوں کی طرح یا اس سے بھی کم تر ہوتا ہے (تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ ایسی خشک زمین پانی پڑنے کے بعد بھی پاک ہی رہے) یہاں پر متون وغیرہا میں جو طاہر کا لفظ آیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ استعمال جائز ہے (یہ معنی نہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باقی رہتی ہے اسی لئے اس سے تیمّم جائز نہیں کیونکہ کتاب اللہ میں اس کیلئے صعید پاک کی شرط آئی ہے اور نجاست اگرچہ خفیف ہو طہارت کے منافی ہے لیکن قلیل نجاست جواز نماز کے منافی نہیں اس لئے اس زمین پر نماز کا جواز ہے۔ اب بحر الرائق کی منقولہ عبارت کی آخری سطر کی روشنی میں ملک العلماء کے نزدیک ایسی خشک زمین پانی لگنے سے پھر نجس ہوجانی چاہئے کیونکہ ان کی صراحت موجود ہے کہ زمین خشک ہوجانے سے نجاست کم ہوتی ہے، ختم نہیں ہوتی۔ اقول کے بعد مصنّف نے اس شُبہ کا ازالہ فرمایا ہے ۱۲ محمد احمد اصلاحی

[1] فتاوٰی خلاصہ جنس آخر من فصل السادس فی غسل الثوب نولکشور لکھنؤ ۴۲/۱

کہ وہ کامل طور پر ایسا پاک وطاہر ہے کہ ذرا بھی نجاست کا وجود نہیں) علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ کپڑے پر خشک منی ہو تو رگڑ دینے سے پاک ہو جائیگی۔ اور یہ قطعی طور پر معلوم ہے کہ رگڑ سے منی بالکل ختم نہیں ہو جاتی بلالکہ اس کے کچھ اجزاء باقی رہ جاتے ہیں۔ عین کے باقی رہتے ہوئے اجزائے نجس کی طہارت کا حکم دینا ممکن ہی نہیں پھر پاک ہونے کا کیا مطلب ہوا؟ یہی کہ اب استعمال جائز ہے اور جو کچھ رہ گیا ہے وہ معاف ہے۔ اور یہ پانی کے حق میں بھی معاف ہی ہے۔ اس لئے کہ مختار یہی ہے۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے کہ پانی لگنے سے وہ پھر نجس نہ ہوگا۔ (ت)

فظهر ولله الحمد صحة ماقالوه من انها طاهرة فی حق الصلاة نجسة فی حق التیمم وان لاخلاف بینه وبین مافی المتون من حکم الطهارة وان ما فعل الجم الغفیر من الاقتصار علی تقیید الصعید بالطاهر صاف طاهر لاغبار علیه و الله تعالٰی الموفق۔ ثمّ قد یسبق الی بعض الاذهان انهم جعلوا حقیقة التیمّم مجرد القصد وهو ظاهر الفساد ولذا اعترضه عبد الحلیم فی حاشیة الدرر بانه لایفهم منه الاستعمال وهو رکن کمالایخفی[1] اھ۔

واقول: (۱) لیس کذلك بل قالوا للتطهیر یعنی المعروف المعهود من مسح

اس تفصیل سے بحمداللہ علما کے اس ارشاد کی صحت روشن ہو گئی کہ وہ خشک زمین نماز کے حق میں پاک ہے، تیمّم کے حق میں ناپاک ہے اور نجاست پڑنے کے بعد خشک ہو جانے والی زمین سے متعلق متون میں پاک ہونے کا جو حکم ہے اور ان علماء کے قول میں تیمّم کے حق میں اس کے ناپاک ہونے کا جو حکم ہے دونوں میں کوئی مخالفت اور منافات نہیں۔ اور علماء کے جم غفیر نے تیمّم سے متعلق صعید کو صرف طاہر وپاک سے مقید کرنے پر جو اکتفا کیا ہے یہ بالکل پاک وصاف ہے جس پر کوئی غبار نہیں، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا ہے۔ (ت) تعریف مذکور "القصد الی الصعید الطاهر للتطهیر" (پاک سطحِ زمین کا قصد کرنا تطہیر کیلئے) سے کچھ لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ اس تعریف میں محض قصد کو تیمّم کی حقیقت قرار دے دیا گیا ہے جس کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔ اسی لئے درر کے حاشیہ میں فاضل رومی عبدالحلیم نے اس پر اعتراض کیا کہ اس تعریف سے "استعمال" سمجھ میں نہیں آتا حالانکہ استعمال کا رکن تیمّم ہونا کوئی پوشیدہ امر نہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** اس تعریف میں استعمال کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے اس میں للتطهیر موجود ہے

[1] حاشیة الدرر لمولٰی عبدالحلیم باب التیمم مطبع عثمانیہ بیروت ۱/۲۴

الوجه واليدين فكان المعنى التيمّم هو ان يقصد صعيدا طاهرا فيمسح وجهه ويديه منه وهذا المجموع عين ما افاده النظم الكريم غير انه ليس فيه مافی کلام هؤلاء ان المجموع رکن والله تعالٰی اعلم۔

الوجه الثانی: ماافاده ملك العلماء فی البدائع وتبعه كثيرون من اٰخرهم الدرر انه استعمال الصعيد فی عضوين مخصوصين علی قصد التطهير بشرائط مخصوصة [1] اھ ولفظ الامام الزيلعی فی ما حكی عنهم استعمال جزء من الارض علی اعضاء مخصوصة علی قصد التطهير [2] اھ

اقول: وقيد الطاهر يستفاد من قصد التطهير قال وفيه نظر لانه لايشترط ان يستعمل الجزء علی الاعضاء حتی يجوز بالحجر الاملس [3] اھ وتبعه علی هذا الايراد غير واحد ولاجل هذا جعل فی

("پاک کرنے کیلئے") صعید طاہر کا قصد کرنا) تطہیر سے مراد وہی ہے جو معروف و معلوم ہے یعنی چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ تیمّم یہ ہے کہ "پاک سطح زمین کا قصد کرکے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرے"۔ یہی پُوری بات قرآن کریم نے بھی افادہ فرمائی ہے "پاک سطح زمین کا قصد کرو تو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو"۔ ہاں قرآن کریم کے بیان میں وہ خامی نہیں جو اس تعریف میں ہے وہ یہ کہ اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قصد اور تطہیر و مسح سبھی تیمّم کا رکن ہیں (جبکہ حقیقت یہ ہے کہ قصد رکن نہیں شرط ہے) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

تعریف دوم: جس کا ملک العلماء نے بدائع میں افادہ فرمایا اور بہت سے حضرات نے ان کا اتباع کیا جس کے آخری لوگوں میں سے صاحب درر ہیں وہ یہ ہے: "جنس زمین کا' دو خاص عضووں میں، تطہیر کے ارادہ سے، مخصوص شرائط کے ساتھ استعمال کرنا"۔ امام زیلعی نے حضرات علماء سے حکایت کرتے ہوئے جو الفاظ ذکر کیے وہ یہ ہیں "زمین کے کسی جز کا، خاص اعضاء پر تطہیر کے ارادہ سے استعمال کرنا اھ (ت) **میں کہتا ہوں** (اس تعریف میں صراحۃً صعید طاہر یا جزوطاہر کا ذکر نہیں مگر) طاہر کی قید "قصد تطہیر" کے لفظ سے مستفاد ہو جاتی ہے (کیونکہ غیر طاہر سے تطہیر ممکن نہیں) امام زیلعی نے فرمایا: "اس تعریف میں نظر ہے اس لئے کہ تیمّم کے اندر اعضاء پر

[1] حاشیۃ الدرر للمولٰی عبدالحلیم باب التیمم مطبع عثمانیہ بیروت ۲۴/۱

[2] تبیین الحقائق باب التیمم بولاق مصر ۳۶/۱

[3] تبیین الحقائق باب التیمم بولاق مصر ۳۶/۱

الجوھرۃ التعریف الاوّل اصح حیث قال التیمم استعمال جزء من الارض طاھر فی محل التیمم وقیل القصد الی الصعید للتطھیر وھذا اصلح لان التیمم بالحجر یجوز [1] اھ۔	جزوِ زمین کا استعمال شرط نہیں، چکنے پتھّر سے بھی تیمّم جائز ہے۔" اس اعتراض پر متعدد حضرات نے ان کا اتباع کیا، اور اسی لئے جوہرہ نیرہ میں تعریف اول کو "اصح" قرار دیا۔ جوہرہ میں یہ ہے: تیمّم، زمین کے کسی پاک جُز کو محلِ تیمّم میں استعمال کرنا اور کہا گیا کہ: تطہیر کے لئے صعید (سطحِ زمین) کا قصد کرنا۔ اور یہ تعریف زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ پتھر سے بھی تیمّم جائز ہے اھ (ت)
اقول: ولا دور فی لفظ الجوھرۃ فان محل التیمّم معروف عند الناس والمقصود بیان حقیقتہ الشرعیۃ وردہ الشرنبلالی فی غنیتہ بانہ وان کان اصح من الوجہ الذی ذکرہ لایخفی مافیہ من وجہ اٰخر وھو انہ جعل مدلولہ القصد المخصوص وقد علمت ماذکرہ الکمال [2] اھ فقد سلم تزییف الثانی وان نازع فی تصحیح الاول واجاب العلامۃ ابن کمال باشا فی الایضاح وتبعہ فی الدر وغیرہ۔	**میں کہتا ہوں** جوہرہ کی عبارت میں دور نہیں اس لئے کہ محلِ تیمّم لوگوں کے نزدیک معروف ہے، اور تعریف سے اس کی شرعی حقیقت بیان کرنا مقصود ہے۔ جوہرہ میں مذکور دوسری تعریف پر شرنبلالی نے اپنی غنیہ میں یوں رَد کیا ہے کہ: یہ اگرچہ اس لحاظ سے اصح ہے جسے جوہرہ نے ذکر کیا لیکن ایک دوسری جہت سے اس میں جو خامی ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اس تعریف میں تیمّم کا مدلول، قصد مخصوص کو قرار دیا ہے، اور اس پر کمال ابن ہمام نے جو اعتراض ذکر کیا ہے وہ معلوم ہے اھ (وہ یہ کہ قصد شرط ہے رُکن نہیں) تو جوہرہ کی تعریف ثانی پر جو تردید ہے شرنبلالی نے اسے تسلیم کیا ہے اگرچہ انہوں نے اس کی تعریف اول کی تصحیح سے بھی اختلاف کیا ہے۔ ہماری نقل کردہ تعریفِ دوم پر جو اعتراض ہے علامہ ابن کمال پاشا نے ایضاح میں اس کا جواب دیا جو دُرمختار وغیرہ میں بھی ان کے اتباع میں مذکور ہے۔ (ت)
بان المراد من الاستعمال مایعم	وہ یہ کہ "استعمال سے مراد وہ ہے جو

[1] جوہرہ نیرہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۳

[2] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ درر لملّا خسرو مکتبہ کاملیہ بیروت ۱/ ۲۹

الحکمی فیوجد فی التیمّم بالحجر الاملس [1] اھ۔

اقول: (۱) واغرب الرومی فی حواشی الدرر فقال بعد ذکرہ ھذا اذا کان المراد بالصعید التراب اما اذا کان بمعنی وجه الارض فیشمل الحجر الاملس کما لایخفی [2] اھ فکانه فھم ان الاخذ علی لفظ الصعید انه التراب ولایشترط بل یجوزبالحجر فاجیب بانه تراب حکما ولایخفی علیك مافیه من البعد البعید عن فھم المرام واجاب النھر بوجه اٰخر فقال یمکن ان یقال ان التیمم بالاملس فیه استعمال جزء من الارض [3] اھ نقله السید ابو السعود الازھری وھو مآل مافی مجمع الانھر اذ قال یمکن ان یجاب بان یراد من الجزء الجزء الحاصل من الارض والحجر ایضا من الارض والمراد باستعماله استعماله المعتبر شرعا تدبر [4] اھ وتبعه اعنی النھر ط فقال علی قول الدر استعماله حقیقة اوحکما لیعم التیّمم بالحجر الاملس مانصه۔

استعمال حکمی کو بھی شامل ہو اور یہ چکنے پتھّر سے تیمّم میں بھی موجود ہے۔ اھ (ت)

میں کہتا ہوں فاضل رومی نے حاشیہ درر میں عجیب بات کی، اعتراض مذکور لکھنے کے بعد یہ کہا کہ "یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب صعید سے مراد مٹّی ہو، لیکن جب صعید بمعنی رُوئے زمین ہو تو یہ چکنے پتھّر کو بھی شامل ہے جیسا کہ ظاہر ہے اھ گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ لفظِ "صعید" پر گرفت کی گئی ہے کہ صعید تو مٹّی کو کہتے ہیں، اور تیمّم کے لئے مٹّی کا ہونا شرط نہیں بلالکہ پتھّر سے بھی جائز ہے پھر اس کے جواب میں کہا گیا کہ پتھّر بھی مٹّی کے حکم میں ہے"۔ یہ سب باتیں فہم مقصد سے جس قدر بعید تر ہیں مخفی نہیں۔ اعتراض بالا کا النہر الفائق میں دوسری طرح جواب دیا ہے، فرمایا ہے "کہا جاسکتا ہے کہ چکنے پتھّر سے تیمّم کرنے میں بھی زمین کے ایک جُز کا استعمال ہوتا ہے اھ"۔ اسے سید ابو السعود ازہری نے نقل کیا۔ یہی اس جواب کا بھی مآل ہے جو مجمع الانہر میں ہے۔ اس میں یوں فرمایا ہے: "جواب دیا جاسکتا ہے کہ جُز سے مراد زمین سے حاصل ہونے والا جز ہے اور پتھّر بھی زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اور استعمال سے

[1] حاشیہ درر لمولٰنا عبدالحلیم مطبعہ عثمانیہ بیروت ۲۵/۱

[2] حاشیہ درر لمولٰنا عبدالحلیم مطبعہ عثمانیہ بیروت ۲۵/۱

[3] فتح المعین باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۶/۱

[4] مجمع الانہر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۷/۱

جواب عن سؤال حاصله انه یجوز التیمم علی الحجر الاملس ولااستعمال فیه وحاصل الجواب انه وجد الاستعمال الحکمی بوضع الیدین علیه و ظاهر ما فی النهر ان الاستعمال فیه حقیقی بذلك الوضع لاحکمی و علیه فلا حاجة الی زیادة او حکما [1] اھ

واوضحه ش فقال لایخفی ان الحجر الاملس جزء من الارض استعمل فی العضوین للتطهیر اذلیس المراد بالاستعمال اخذ جزء منها بل جعله اٰلة للتطهیر و علیه فهو استعمال حقیقة و هو ظاهر کلام النهر فلاحاجة الٰی قوله او حکما کماافاده ط اھ [2]۔

اقول: (۱) لایرتاب احد انك اذاعمدت الی حجر املس فوضعت کفیك علیه ثم مسحت بهما وجهك وذراعیك فقد استعملت الحجر فی التطهیر لکن اذا قیل

وہ استعمال مراد ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہے غور کرو اھ اور طحطاوی نے نہر کی پیروی کی ہے۔ انہوں نے دُرمختار کی عبارت "استعماله حقیقةً اوحکمًا لیعم التیمم بالحجر الاملس" (اس کا حقیقۃً استعمال ہو یا حکمًا تاکہ چِکنے پتھّر سے تیمّم کو بھی شامل رہے) کے تحت یہ لکھا ہے: "یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ حاصل سوال یہ ہے کہ تیمّم تو چِکنے پتھّر پر بھی جائز ہے اور اس میں اس کا استعمال نہیں پایا جاتا۔ حاصل جواب یہ ہے کہ اس پر ہاتھوں کے رکھنے سے حکمی استعمال پالیا گیا۔ اور نہر فائق کی ظاہر عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھوں کے رکھنے کی وجہ سے حکمی نہیں حقیقی استعمال موجود ہے اور جب یہ بات ہے تو "اوحکمًا" بڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں اھ۔ (ت)

شامی نے اسے واضح کرکے یوں فرمایا: "ظاہر ہے کہ چکنا پتھّر زمین کاایک جُز ہے جو تطہیر کیلئے دونوں اعضاء میں استعمال ہوا، کیونکہ استعمال سے یہ مراد نہیں کہ اس کے کسی جُز کو لے لیا جائے بلاکہ یہ مراد ہے کہ اس کو آلہ تطہیر بنایا جائے۔ اور جب یہ بات ہے تو مذکورہ استعمال، حقیقۃً استعمال ہے اور یہی عبارتِ نہر کا ظاہر ہے تو لفظ "اوحکما" کی کوئی ضرورت نہیں، جیسا کہ طحاوی نے افادہ فرمایا اھ (ت)

میں کہتا ہوں اس میں کسی کو شک نہ ہوگا کہ جب کسی نے چِکنے پتھّر کا قصد کرکے اس پر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو رکھا پھر ان سے اپنے چہرے اور دونوں کلائیوں کا مسح کیا تو تطہیر کے کام میں پتھّر کو

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم بیروت ۱/۱۲۲

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۷

استعمال جزء من الارض فی العضوین اوعلی العضوین کما ھوالفاظھم لم یتبادر منہ الامساس العضوین بجزء من الارض الا (۱) تری ان السید ط فسر استعمالہ بقولہ ھو المسح علی الوجہ والیدین[1] اھ وذکر مثلہ غیرہ (۲)بل قال العلامۃ ش نفسہ بعید ھذا الاستعمال ھو المسح المخصوص للوجہ والیدین[2] اھ ولاشك ان مسح العضوین بجزء من الارض لایقع فی نحو الحجر الاملس وکل ما لا یلتزق شیئ منہ بالکفین انما الواقع فیہ امساسھا بکفین امستا بالجزء فلم یستعمل الجزء فیھما وعلیھما الابالواسطۃ وھذا معنی استعمالہ الحکمی۔

(۲) اماجعلہ اٰلۃ للتطھیر فکلام مجمل خفی لا یحصل بہ التعریف فانہ باطلاقہ یشمل ماذا ذرالتراب علی وجھہ وذراعیہ بنیۃ التطھیر فقد جعلہ اٰلۃ لہ ولایصیر متیمّما مالم یمسح بیدیہ علی وجھہ وذراعیہ بنیۃ التطھیر بعد وقوع التراب علیھا والمسألۃ

استعمال کیا۔ لیکن جب یہ کہا جائے کہ "زمین کے کسی جز کو "دونوں اعضاء میں" یا "دونوں عضووں پر" استعمال کرنا جیسا کہ ان حضرات کی عبارتوں میں ہے، تو اس سے ذہن اسی بات کی طرف جائے گا کہ دونوں عضووں کا زمین کے کسی جز کو مس کرنا۔ دیکھو سید طحطاوی نے استعمال کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: "وہ چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا ہے اھ "اسی کے مثل دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے، بلکہ خود علامہ شامی نے اس استعمال کے کچھ بعد یہ کہا ہے: "وہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مخصوص مسح ہے۔ اھ اور اس میں شک نہیں کہ چکنے پتھر میں اور ہر ایسی چیز میں جس سے ہتھیلیوں میں کچھ بھی چپک نہ پائے دونوں عضووں کا جزو زمین سے مسح نہ پایا جائے گا اس میں بس دونوں اعضاء پر جزو زمین کا استعمال بالواسطہ ہی ہوا، اور یہی استعمال حکمی کا معنی ہے۔ (ت)

اور وہ معنی جو علامہ شامی نے بتایا کہ جزو زمین کو آلہ تطہیر بنانا تو یہ مجمل وخفی کلام ہے جس سے تعریف حاصل نہیں ہوتی۔ اسے مطلق رکھا جائے تو یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب آدمی مٹّی اپنے چہرے اور کلائیوں پر تطہیر کی نیت سے چھڑک لے اُس نے جزوِ زمین کو آلہ تطہیر تو بنالیا مگر تیمّم کرنیوالا نہ ہوگا جب تک کہ چہرے اور کلائیوں پر مٹّی پڑنے

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم بیروت ۱/۱۲۴

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۷

مخصوص علیها فی المعتمدات کالخانیة والخلاصة وخزانة المفتین والایضاح و الجوهرة وغیرها ستأتی ان شاء الله تعالٰی۔

ثم اقول: بل التحقیق عندی ان الاستعمال هو المسح کمافسره السیدان ط وش وهو حقیقة التیمم کماحققه المحقق حیث اطلق فلابد من وجوده حقیقة بالمعنی الذی سنحققه ان شاء الله تعالٰی فلا یکفی الاستعمال الحکمی والا لم یکن تیمما حقیقة لان الحقیقة الرکن حقیقة۔ (۱) بل الصعید هو المنقسم الی الحقیقی وهو جزء من جنس الارض (۲) والحکمی وهو الکف الذی امس به علی نیة التطهیر فان الشرع المطهر امرنا ان نمسح وجوهنا وایدینا منه وارشدناه الی صفته بان نضع الاکف علیه فنمسح بها من (۳) دون حاجة الی ان یلتزق بها شیئ منه بل سن لنا ان ننفضها ان لزق حتی یتناثر فعلم ان الجزء الملتزق ساقط الاعتبار بل مطلوب التجنب فما هو الا ان الکفین بوضعهما المنوی یورثهما الصعید صفة التطهیر فیقومان و یفید ان

کے بعد ان پر بہ نیتِ تطہیر ہاتھوں سے مسح نہ کرے۔ اس مسئلہ پر کتبِ معتمدہ خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتین، ایضاح، جوہرہ وغیرہا میں نص وتصریح موجود ہے ان شاء اللہ تعالٰی آگے اس کا ذکر بھی آئیگا۔ (ت)

ثم اقول: بلاکہ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ استعمال وہی مسح کرنا ہے جیسا کہ حضرات طحطاوی وشامی نے تفسیر کی۔ اور یہی تیمّم کی حقیقت ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے اس نے تحقیق کی۔ تو اس کا وجود حقیقۃً۔ اس معنی میں جس کی اِن شاء اللہ تعالٰی ہم عنقریب تحقیق کررہے ہیں، ضروری ہے اور حکمی استعمال کافی نہ ہوگا، ورنہ حقیقۃً تیمّم کرنے والا نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حقیقت وماہیت تو وہی ہے جو حقیقۃً رکن ہو۔ (ت) بلاکہ (تحقیق یہ ہے کہ) صعید ہی کی دو۲ قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی، جنس زمین کا کوئی جز ہے، اور حکمی، وہ ہتھیلی ہے جو جنسِ زمین سے بہ نیت تطہیر مس کی گئی۔ اس لئے کہ شرع مطہر نے ہمیں یہ حکم دیا کہ اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کریں۔ اور ہمیں اس کا طریقہ یہ بتایا کہ اس پر اپنی ہتھیلیوں کو رکھیں پھر ان سے مسح کرلیں، اس کی ضرورت نہیں کہ ان میں جنسِ زمین سے کچھ چپک جائے، بلاکہ ہمارے لئے مسنون یہ ہے کہ اگر کُچھ لگ جائے تو ہتھیلیوں کو جھاڑ دیں تاکہ گردوغبار جھڑ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ جنس زمین کا وہ جُز جو ہتھیلیوں سے چپک جاتا ہے ساقط الاعتبار

حکمه فهما الصعید الحکمی حکما من ربنا تبارك وتعالٰی غیر معقول المعنی۔ قال الامام ملك العلماء فی البدائع قال ابو حنیفة رضی الله تعالٰی عنه یجوز التیمم بکل ماهو من جنس الارض التزق بیده شیئ او لا وقال محمد رحمه الله تعالٰی لایجوز الا اذا التزق بیده شیئ من اجزائه فالاصل عنده انه لابد من استعمال جزء من الصعید ولایکون ذلك الا بان یلتزق بیده شیئ وعند ابی حنیفة هذا لیس بشرط وانما الشرط مس وجه الارض بالیدین وامرارهما علی العضوین وجه قول محمد ان المامور به استعمال الصعید وذلك بان یلتزق بیده شیئ منه ولابی حنیفة ان المامور به هو التیمم بالصعید مطلقًا من غیر شرط الالتزاق ولایجوز تقیید المطلق الابدلیل وقوله الاستعمال شرط ممنوع لان (۱) ذلك یؤدی الی التغیر الذی هو شبیه المثلة وعلامة اهل النار ولهذا امر بنفض الیدین بل الشرط امساس الید المضروبة علی وجه الارض علی الوجه والیدین

ہے بلاکہ اس سے بچنا مطلوب ہے۔ تو یہی ہوا کہ نیت کے ساتھ دونوں ہتھیلیاں جب جنس زمین پر رکھ دی جاتی ہیں تو ان دونوں کے اندر جنس زمین تطہیر کی صفت پیدا کردیتی ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں اس کے قائم مقام ہوجاتی ہیں اور اسی کے حکم کا افادہ کرتی ہیں۔ اس لئے یہی دونوں صعید حکمی ہیں۔ یہ ہمارے رب تبارک وتعالٰی کے حکم کی بنا پر ہے جس کا معنی عقل کی دسترس میں نہیں۔ (ت)

امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا تیمّم ہر اس چیز سے جائز ہے جو جنس زمین سے ہو، ہاتھ اس سے کچھ لگے یا نہ لگے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب تک ہاتھ میں جنسِ زمین کے اجزاء سے کچھ لگ نہ جائے تیمّم جائز نہیں۔ تو ان کے نزدیک اصل یہ ہے کہ صعید کے کسی جز کا استعمال ضروری ہے اور یہ اسی وقت ہوگا جب ہاتھ میں کچھ لگ جائے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ شرط نہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ رُوئے زمین ہاتھوں سے مس ہو اور ان دونوں کو دونوں عضو پر پھیر لیا جائے۔ امام محمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ مامور بہ، جنس ارض کا استعمال ہے اور وہ اسی طرح ہوگا کہ اس میں سے ہاتھ میں کچھ لگ جائے۔ اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ مامور صرف اتنا ہے کہ صعید سے تیمّم کرو، ہاتھ سے چپکنے کی شرط نہیں۔ مامور بہ جب مطلق ہے تو اسے بلادلیل مقید کرنا، جائز نہیں۔ اور ان کا یہ قول کہ استعمال شرط ہے تسلیم نہیں اس لئے کہ یہ چہرہ کی تغیر وتبدیل کا باعث ہوگا جو مُثلہ کے مشابہ اور اہل جہنّم کی نشانی ہے اسی لئے ہاتھوں کو جھاڑ دینے

تعبدا غیر معقول المعنی لحکمۃ استأثر اللّٰه تعالٰی بعلمہ[1] اھ قول الکافی ان استعمال التراب مثلۃ کل ذلك یفیدك ماھو المراد من الاستعمال لامجرد جعلہ اٰلۃ للتطھیر۔ وفی کافی الامام النسفی الواجب المسح بکف موضوع علی الارض لااستعمال التراب لان استعمال التراب مثلۃ[2] اھ (۱) فانظر الی قول البدائع فی بیان قول محمد ان استعمال جزء من الصعید لایکون الابان یلتزق بیدہ شیئ والی قولہ فی بیان قول الامام ان الاستعمال یؤدی الی شبیہ المثلۃ ومثلہ واذا کان الاستعمال ھو المسح المأمور بہ والامر ورد بمسح العضوین من الصعید ولابمسح العضوین من الصعید ولایمسح بہ الا الکفان ثم بھما یمسح الوجہ والذراعان تبین لك انقسام الصعید الی الحقیقی والحکمی وقصر الاستعمال مطلقًا علی الحکمی فھذا غایۃ التحقیق وباللّٰه التوفیق* ولہ الحمد کما

کا حکم ہے بلالکہ شرط یہ ہے کہ روئے زمین پر لگاتے ہوئے ہاتھ کو چہرے اور ہاتھوں سے مس کردیا جائے بطور عبادت اس کا مکلّف بنایا ہے جس کا معنی عقل کی دریافت میں نہیں۔ یہ حکم کسی ایسی حکمت کی بنا پر ہے جس کا علم خدا تعالٰی کو ہے اھ (ت) اور کافی امام نسفی میں ہے: واجب یہی ہے کہ جو ہتھیلی زمین پر رکھی جاچکی ہے اس سے مسح کرلیا جائے، مٹّی کا استعمال واجب نہیں، کیونکہ مٹّی کا استعمال مُثلہ ہوگا اھ بدائع کے الفاظ پر غور کیا جائے، قول امام محمد کے بیان میں ہے: "صعید کے کسی جُز کا استعمال اسی طرح ہوگا کہ اس سے ہاتھ میں کچھ چپک جائے"۔ قول امام اعظم کے بیان میں ہے: "استعمال مشابہ مثلہ ہونے کا باعث ہوگا۔" اسی طرح کافی کے یہ الفاظ دیکھے جائیں: "مٹّی کا استعمال مثلہ ہے"۔ ان سب کو دیکھنے سے استعمال کی مراد معلوم ہوجائے گی اور ظاہر ہوجائے گا استعمال صرف آلہ تطہیر بنانے کا نام نہیں۔ (ت) جب یہ ثابت ہوگیا کہ استعمال وہی مسح ہے جس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حکم یہ ہے کہ دونوں عضووں کا صعید سے مسح کیا جائے۔ اور صعید سے صرف دونوں ہتھیلیوں کا مسح ہوتا ہے پھر ان دونوں سے چہرے اور دونوں کلائیوں کا مسح ہوتا ہے اس سے یہ واضح ہوگیا کہ استعمال تو اپنے حکمی معنی پر ہی محدود ہے اور صعید حقیقی و حکمی دو قسموں کی طرف

[1] بدائع الصنائع باب ماتیمم بہ سعید کمپنی کراچی ۵۴/۱
[2] کافی شرح وافی

ینبغی لہ ویلیق*

الوجہ الثالث: قال شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی رحمہ اللہ تعالٰی فی التنویر ھو قصد صعید مطھر واستعمالہ بصفۃ مخصوصۃ لاقامۃ القربۃ[1] قال ش المصنف ذکر التعریفین المنقولین عن المشائخ والظاھر انہ قصد جعلھما تعریفا واحدا ثم ذکر ماقدمنا عنہ من اخذ المعنی اللغوی فی الشرعی وانہ لابد من ذکر الشروط حتی یتحقق المعنی الشرعی قال ولما کان الاستعمال وھو المسح المخصوص للوجہ والیدین من تمام الحقیقۃ الشرعیۃ ذکرہ مع القصد تتمیما للتعریف فاغتنم ھذا التحریر المنیف[2] اھ

اقول: (۱) لاشك ان المصنف رحمہ اللہ تعالٰی یرید حدا واحد التیمم ولیس ھذا محل الاستظھار (۲) غیر انك قد علمت مافی جعل القصد من الحقیقۃ فلا یصح ان المسح من تمام الحقیقۃ وانہ ضمہ الی القصد تتمیما للتعریف وباللہ التوفیق

منقسم ہے۔ یہ انتہائے تحقیق ہے اور خدا ہی کی توفیق ہے اور اسی کیلئے حمد ہے جیسا کہ اس کیلئے لائق ومناسب ہے۔ (ت)

تعریف سوم: شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزّی تمرتاشی رحمۃ اللہ علیہ نے تنویر الابصار میں فرمایا: "تیمّم، پاک کرنے والی سطح زمین کا قصد کرنا اور اسے قربت کی ادائیگی کیلئے مخصوص طریقہ پر استعمال کرنا"۔ شامی فرماتے ہیں: "مصنف نے مشائخ سے منقول دونوں تعریفیں ذکر کردیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ وہ دونوں کو ایک تعریف بنانا چاہتے ہیں۔" پھر علّامہ شامی نے وہ لکھا ہے جس کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا یعنی شرعی تعریف میں لُغوی معنی کا ماخوذ ہونا، اور یہ کہ شرعی معنٰی کے ثبوت وتحقق کیلئے شرطوں کا بھی ذکر ضروری ہے، فرمایا: "چونکہ استعمال۔ یعنی چہرے اور ہاتھوں کا مخصوص مسح۔ تمام حقیقت شرعیہ ہے اس لئے تکمیل تعریف کیلئے قصد کے ساتھ اسے بھی ذکر کیا۔ اس عمدہ تحریر توضیح کو غنیمت سمجھو"۔ (ت)

اقول: مصنّف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بلاشبہ تیمّم کی ایک تعریف کرنا چاہتے ہیں تو اسے صرف "ظاہر" کہنے کا یہ موقع نہیں۔ بلالکہ یہ یقینی بات ہے۔ ہاں "قصد" کو تیمّم کی حقیقت سے قرار دینے میں جو خرابی ہے وہ معلوم ہوچکی تو یہ درست نہیں کہ مسح تمام حقیقت سے ہے اور اسے قصد کے ساتھ اس لئے

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۱

[2] ردالمحتار باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۸

والتوقیف۔ثم قداعلمناك ان کلا التعریفین یشمل کلا الامرین وانما الفرق ان الاول یقول هو قصد الصعید للاستعمال والثانی انه استعمال الصعید مع القصد والثالث انه القصد والاستعمال وخیر الامور اوساطها۔

الوجه الرابع: قال المحقق وتبعه البحر والشرنبلالی وابن الشلبی واٰخرون الحق انه اسم لمسح الوجه والیدین عن الصعید الطاهر والقصد شرط لانه النیة[1] اھ

اقول: هو علی ماحققنا من معنی الاستعمال عین الثانی وان فارقه علی مازعم العلامة ش ان الاستعمال جعله اٰلة التطهیر (ا) والعجب من العلامة البحر تبع المحقق علی تصویب هذا وفیه التعبیر بطاهر دون مطهر فاذا کان هذا هو الحق فلم الاخذ علی الکنز ولهذا

ذکر کردیا کہ تعریف کی تکمیل ہوجائے (قصد رکن تیمّم نہیں تو حقیقتِ تیمّم کے بیان میں اسے شامل کرنا بھی درست نہیں)۔اور توفیق وآگاہی خدا ہی کی جانب سے ہے۔(ت)

پھر ہم یہ بتا چکے کہ دونوں تعریفیں دونوں باتوں۔ قصد واستعمال پر مشتمل ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پہلی میں ہے: استعمال کیلئے صعید کا قصد کرنا۔ دوسری میں ہے: قصد کے ساتھ صعید کا استعمال کرنا۔ تیسری میں ہے کہ تیمّم قصد اور استعمال ہے۔اور بہترین امور درمیانی ہے (تینوں میں سے دوسری تعریف کی عمدگی کی طرف اشارہ ہے ۱۲)

تعریف چہارم: محقق علی الاطلاق نے اور ان کی تبعیت میں بحر، شرنبلالی، ابن شلبی اور دوسرے حضرات نے فرمایا: "حق یہ ہے کہ تیمّم، پاک جنس سے چہرے اور ہاتھوں کے مسح کا نام ہے۔اور قصد شرط ہے اس لئے کہ یہ تو نیت ہے"۔اھ

اقول: ہم نے معنی استعمال کی جو تحقیق کی،اس کی بنیاد پر یہ تعریف بعینہٖ تعریف دوم ہے۔ اگرچہ علامہ شامی نے جو گمان کیا کہ استعمال آلہ تطہیر بنانے کا نام ہے اس کی بنیاد پر یہ تعریف دوم سے جداگانہ تعریف ہے۔ اس تعریف میں "طاہر" کالفظ ہے "مطہّر" سے تعبیر نہیں۔اس کے باوجود تعجب ہے کہ صاحبِ بحر نے بھی اسے درست قرار دینے پر محقق علی الاطلاق کی پیروی کرلی۔ جب یہی حق ہے تو کنز الدقائق کے طاہر وپاک سے تعبیر کرنے پر

[1] فتح القدیر باب التیمم مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۶

قال فی منحة الخالق کان علیه ان یقول المطهر کما سینبه علیه نفسه عند قوله المصنف بطاھر من جنس الارض [1] اھ

انہوں نے مواخذہ کیوں فرمایا؟ اسی لئے علامہ شامی نے بحر رائق کے حاشیہ منحۃ الخالق میں فرمایا: "انہیں "مطہر" کہنا چاہئے تھا جیسا کہ خود شارح، مصنّف کی عبارت "بطاھر من جنس الارض" کے تحت اس پر تنبیہ کریں گے"۔

اقول: اخذ علی البحر لاتباعه له فی الفرق بین الطاھر من الارض والمطھر والحق ان الصواب مع الکنز والمتون والمحقق والجم الغفیر فانما کان علیه ان لایؤاخذ علی الکنز فی قوله بطاھر (۱) وعلیکم ان تؤاخذوا علی قوله ذلك لاھذا۔

اقول: علّامہ شامی نے یہاں بحر پر مواخذہ کیا اس لئے کہ زمین طاہر اور زمین مطہر کی تفریق کے معاملہ میں شامی بھی بحر کے متبع ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ "طاہر" سے تعبیر میں کنزالد قائق، کتبِ متون، محقق علی الاطلاق اور علماء کی جماعت کثیرہ ہی صواب ودرستی پر ہیں۔ تو بحر پر لازم تھا کہ کنز کی عبارت "بطاھر" پر مواخذہ نہ کریں۔ اور علامہ شامی پر لازم تھا کہ بحر نے وہاں جو مؤاخذہ کیا ہے اس پر گرفت کریں اور یہاں مواخذہ نہ کیا تو اس پر گرفت نہ کریں۔

الوجه الخامس: قال العلامة ابن کمال الوزیر فی ایضاح اصلاحه ھو طھارة حاصلة باستعمال الصعید الطاھر فی عضوین مخصوصین علی قصد مخصوص [2] اھ وتبعه فی مجمع الانھر والیه یشیر قول البرجندی فی شرح النقایة التیمم فی اللغة القصد ثم نقل الی ھذہ الطھارة المخصوصة [3] اھ

تعریف پنجم: علّامہ ابن کمال وزیر نے اپنی کتاب اصلاح کی شرح ایضاح میں فرمایا: "تیمّم وہ طہارت ہے جو مخصوص ارادہ سے دو مخصوص عضوؤں پر پاک رُوئے زمین کے استعمال سے حاصل ہو" اھ۔ **مجمع الانہر** میں بھی اسی کا اتباع کیا ہے، اور نقایہ کی شرح میں برجندی کی یہ عبارت بھی اسی جانب اشارہ کررہی ہے: "لغت میں تیمّم کا معنٰی قصد ہے پھر شریعت میں یہ لفظ اس مخصوص طہارت کیلئے منقول ہوا"۔ اھ

اقول: (۲) الطھارة حکم التیمم والاثر المترتب علیه کما علی الوضوء ولیس الوضوء نفس الطھارة الا تری ان التیمم مامور به ولا یؤمر

اقول: طہارت تو تیمّم کا حکم اور وہ اثر ہے جو اس پر مرتّب ہوتا ہے، جیسے یہی اثر وضو پر مرتب ہوتا ہے مگر وضو عین طہارت نہیں۔ دیکھیے کہ تیمّم مامور بہ ہے اور مکلّف کو اس کی بجا آوری اور اسے کرنے ہی کا تو حکم دیا جاتا ہے اور اسے کرنا وہی

---

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۸

[2] ایضاح واصلاح للعلامہ وزیر ابن کمال

[3] شرح النقایۃ للبرجندی فصل التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ بالسرور ۱/۴۳

المکلف الابفعله وفعله هو الاستعمال ولیست الطهارة الحاصلة به فی شیئ من افعاله وهذا ظاهر جدا وخفاؤه علی مثل العلامة بعید۔

الوجه السادس: هو ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین[1] هذا نص صاحب الشرع صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه فقد اخرج الدارقطنی وقال رجاله کلهم ثقات[2] والحاکم وقال صحیح الاسناد[3] عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلّم قال التیمم ضربة للوجه وضربة للذرعین الی المرفقین[4] و رویاه هما والبیهقی فی الشعب من حدیث عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم التیمم ضربتان ضربة للوجه وضربة للیدین الی المرفقین[5] و روی من قول ابن عمر وصوبه الدارقطنی۔وقال الامام ملك العلماء فی البدائع ذکر ابویوسف فی الامالی

صعید کا استعمال ہے۔ اور اس استعمال سے حاصل ہونے والی طہارت مکلّف کا کوئی عمل اور فعل نہیں۔ یہ توبہت کھلی ہوئی بات ہے جس کاعلّامہ جیسی شخصیت پر مخفی رہ جانا بعید ہے۔

تعریف ششم: تیمّم دوضربیں ہیں،ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب کہنیوں سمیت ہاتھوں کیلئے۔ یہ صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص ہے۔ دارقطنی نے روایت کی اور کہا کہ اس کے تمام رجال ثقہ سے ہیں۔اور حاکم نے روایت کی اور اسے صحیح الاسناد کہا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں سرکار نے فرمایا: "تیمّم ایک ضرب چہرے کیلئے ہے اور ایک ضرب کہنیوں تک کلائیوں کیلئے ہے"۔ اسے دارقطنی وحاکم نے،اور شعب الایمان میں بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں روایت کیا: "تیمّم دو۲ ضربیں ہیں،ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب ہاتھوں کیلئے کہنیوں تک"۔ حضرت ابن عمر کے قول کی حیثیت سے بھی یہ مروی ہے اور اسے دارقطنی نے درست کہا ہے۔امام ملک العلماء نے بدائع الصنائع میں لکھا ہے کہ امام ابویوسف نے امالی میں ذکر کیا کہ میں نے

---

1 سنن الدارقطنی باب التیمم مدینہ منورہ حجاز ۱/۱۸۱
2 سنن الدارقطنی باب التیمم مدینہ منورہ حجاز ۱/۱۸۱
3 نصب الرایۃ باب التیمم المکتبۃ الاسلامیہ ۱/۱۵۱
4 سنن الدارقطنی باب التیمم مدینہ منورہ حجاز ۱/۱۸۱
5 سنن الدارقطنی باب التیمم مدینہ منورہ حجاز ۱/۱۸۰

قال سألت اباحنيفة عن التيمم فقال التيمم ضربتان ضربة للوجه وضربة لليدين الى المرفقين قلت له كيف هو فضرب بيده على الارض فاقبل عـه بهما وادبر ثمّ	امام ابوحنیفہ سے تیمّم کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "تیمّم دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب ہاتھوں کیلئے کہنیوں تک"۔ میں نے عرض کیا کہ تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟ تو انہوں نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا، انہیں آگے بڑھایا اور پیچھے کیا، پھر

عـه: قال فی التبیین کیفیته (۱) ان یضرب بیدیه علی الارض یقبل بهما ویدبر ثم یرفعهما وینفضهما [1] الخ قال ابن الشلبی عن یحیٰی ای یحرکهما بعد انصرف اماما وخلفا مبالغة فی ایصال التراب الی اثناء الاصابع وان کان الضرب اولی من الوضع [2] اھ

تبیین الحقائق میں ہے: تیمّم کی کیفیت اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھوں کو زمین پر آگے کرتے ہوئے پیچھے لاتے ہُوئے مارے پھر انہیں اٹھائے اور جھاڑ لے الخ۔ ابن شلبی نے یحیٰی سے نقل کرتے ہوئے کہا یعنی دونوں ہاتھوں کو مارنے کے بعد، انگلیوں کے درمیان مٹّی پہنچانے کے عمل میں مبالغہ کیلئے انہیں آگے اور پیچھے کو ہلائے۔ اگرچہ ضرب (ہاتھوں کو زمین پر مارنا) وضع (زمین پر صرف رکھنے) سے بہتر واولٰی ہے اھ

اقول: (۲) لیس هذا محل ان الوصلیة بل محل لذا ای ولاجل هذه المبالغة کان الضرب اولی الا ان یقال المعنی انه یقبل ویدبر زیادة فی هذه المبالغة وان کانت تحصل بالضرب المرجح علی الوضع ثم تعلیل الاقبال والادبار بهذا عزاہ فی الحلیة لبعضهم قال قال بعضهم انما یقبل بیدیه علی الارض ویدبر حتی یلتصق التراب بیدیه [3] اھ وله تعلیل اٰخر

اقول: یہ ان وصلیہ (اگرچہ) کا موقع نہیں بلاکہ لِذا (اسی لئے) کا موقع ہے (اگرچہ ضرب وضع سے اولیٰ ہے کہ بجائے کہنا چاہئے کہ اسی لئے ضرب وضع سے بہتر ہے ۱۲ محمد احمد) یعنی اسی مبالغہ کیلئے تو ضرب بہتر ہے۔ مگر ان کی طرف سے معذرت میں یہ کہا جائے کہ معنٰی یہ ہے کہ تیمّم کرنے والا ہاتھ آگے لے جائے گا اور پیچھے لائے گا تاکہ یہ مبالغہ زیادہ ہو اگرچہ نفس مبالغہ ضرب سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جو وضع پر ترجیح یافتہ ہے۔ ہاتھوں کو آگے بڑھانے پیچھے لانے کی یہ جو علّت بیان کی گئی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] تبیین الحقائق وشلبی علی التبیین باب التیمم المطبعۃ الکبری بولاق مصر ۳۸/۱

[2] تبیین الحقائق وشلبی علی التبیین باب التیمم المطبعۃ الکبری بولاق مصر ۳۸/۱

[3] حلیہ

نفضھما ثم مسح بھما وجھه ثم اعاد کفیه علی الصعید ثانیا فاقبل بھما وادبر ثم نفضھما ثم مسح بذلك ظاھر الذراعین وباطنھما الی المرفقین [1] اھ	دونوں کو جھاڑا، پھر ان سے اپنے چہرے کا مسح کیا پھر دوسری بار ہتھیلیاں زمین پر لے جا کر انہیں آگے بڑھایا اور پیچھے کیا، پھر دونوں کو جھاڑا، پھر اس سے دونوں کلائیوں کے ظاہر وباطن کا، کہنیوں تک مسح کیا" اھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نقله وردہ اذ قال اوجد ناك عن الامالی ان ذلك بعد ضربھما علی الارض فاندفع ماقیل انه قبل الضرب معللا ایاہ بقوله لیھیئ نفسه للتیمم [2] اھ ای یستحضر النیة۔ (ا) **اقول:** وقضیة التعلیل الاول ان لایسن ذلك حیث لاتراب کالرخام مع انھم یطلقونه اطلاقا

بل له علة ثالثة ان شاء الله تعالٰی علی ما **اقول:** وھو امساس کل جزء من الکف بالارض لان سطح الکف غیر مستو فبمجرد الضرب یحصل المس لاجزاء الکف الناشرۃ دون الطافیة فیقبل ویدبر لامساس الکل ھذا یعم الکل واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه غفرله۔ (م)

اسے حلیہ میں بعض علما کی طرف منسوب کیا، اس میں یوں لکھا ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ زمین پر ہاتھوں کو آگے لے جائے گا اور پیچھے لائیگا تاکہ مٹی ہاتھوں سے چپک جائے اھ

اور اس کی ایک دوسری تعلیل بھی ہے جسے حلیہ میں نقل کرکے رَد کردیا کیونکہ انہوں نے فرمایا ہم نے تمہیں امالی سے نقل کرکے دکھادیا کہ یہ کام ہاتھوں کو زمین پر رکھنے کے بعد ہوگا تو وہ قول رَد ہوگیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام ضرب سے پہلے ہوگا اور اس کی علّت میں بتایا گیا کہ تاکہ اپنے کو تیمّم کیلئے تیار کرے اھ یعنی نیت مستحضر کرلے۔ **اقول:** پہلی تعلیل کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں مٹی نہ ہو مثلًا سنگِ مرمر وہاں یہ مسنون نہ ہو حالانکہ اسے مطلقًا مسنون بتاتے ہیں۔ اقول بلاکہ اس کی علت ایک تیسری چیز ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ وہ یہ کہ ہتھیلی کا ہر جُز زمین سے مس کردیا جائے اس لئے کہ ہتھیلی کی سطح برابر نہیں ہے تو ہتھیلی کے ابھرے ہوئے اجزا کا مس ہونا تو ضرب ہی سے حاصل ہوجائے گا مگر دبے ہوئے اجزاء مس نہ ہو پائینگے تو ہاتھوں کو آگے پیچھے حرکت دے لے گا تاکہ ہر جز کو مس کردے یہ علت ایسی ہے جو (مٹّی پر تیمّم ہو یا سنگِ مرمر پر) سب کو عام ہے ۱۲منہ غفرلہ۔

(ترجمہ محمد احمد مصباحی)

[1] بدائع الصنائع کیفیۃ التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۶

[2] حلیہ

وھی عبارۃ مختصر القدوری والھدایۃ والکافی والوقایۃ والنقایۃ والاصلاح من المتون وغیرما کتاب (۱) معتمد ولایخفی ان ظاھر مدلولہ رکنیۃ ضربتین وبہ قال السید الامام ابوشجاع واختارہ الامام شمس الائمۃ الحلوانی وصححہ فی الخلاصۃ وقال فی النصاب ھذا استحسان وبہ نأخذ وھو الاحوط [1] وفی الدر المختار ھو الاصح الاحوط اھ [2] وبہ جزم الامام ناصرالدین وفی الظھیریۃ ھوحسن وبہ نأخذ [3] اھ جواھر الفتاوٰی وبہ جزم فی المنیۃ وغیرھا واقرہ فی الغنیۃ وصرح انہ احوط [4] وقال فی الحلیۃ ھوظاھر قول مالك فی المدونۃ وبہ قال الشافعی فی الجدید واکثر العلماء لاحادیث صریحۃ بہ [5] اھ۔ بل قال الامام ملك العلماء فی البدائع امارکنہ فقال اصحابنا ضربتان ضربۃ للوجہ وضربۃ للیدین الی المرفقین [6] اھ ثم ذکر مذاھب الامام مالك

التیمم ضربتان الخ یہی متون میں سے مختصر قدوری، ہدایہ، کافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح اور متعدد معتمد کتابوں کی عبارت ہے۔ یہ پوشیدہ نہیں کہ اس تعبیر کا ظاہر مدلول ومعنی یہی ہے کہ دونوں ضربیں تیمّم کا رکن ہیں، یہی سید امام ابو شجاع کا قول ہے، اسی کو امام شمس الائمہ حلوانی نے اختیار کیا، اسی کو خلاصہ میں صحیح کہا نصاب میں فرمایا کہ "یہ استحسان ہے اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی احوط ہے"۔ درمختار میں ہے: یہی اصح واحوط ہے۔
اسی پر امام ناصر الدین نے جزم کیا، ظہیریہ میں ہے: یہ عمدہ ہے اور اسی کو ہم لیتے ہیں" اھ۔ جواہر الفتاوٰی اور منیہ وغیرہا میں اسی پر جزم کیا، اور غنیہ میں اسے برقرار رکھا اور صراحت فرمائی کہ یہ احوط ہے۔ حلیہ میں کہا کہ: "یہی مدوّنہ میں امام مالک کا ظاہر قول ہے یہی امام شافعی کا جدید قول ہے، اکثر علماء اسی کے قائل ہیں اس لئے کہ اس پر صریح حدیثیں وارد ہیں اھ۔ بلکہ امام ملک العلماء نے بدائع میں فرمایا: "لیکن اس کا رکن، تو ہمارے اصحاب نے فرمایا: یہ دو ضربیں ہیں، ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب ہاتھوں کیلئے کہنیوں تک"۔ اھ پھر امام مالک،

---

[1] نصاب الاحتساب

[2] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۱/۱

[3] فتاوٰی ظہیریہ

[4] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۳

[5] حلیہ

[6] بدائع الصنائع ارکان التیمم سعید کمپنی کراچی ۴۵/۱

والشافعی والزھری وابن ابی لیلی وابن سیرین وغیرھم وفی جمیعھا ان التیمم ضربة اوضربتان اوثلاث فافاد اجماع ائمتنا الثلثة وھؤلاء جمیعا علی ان الضربة ھی رکن التیمم انما اختلفوا فی عددہ ومبلغھا فی الیدین الی الرسغین اوالمرفقین اوالابطین۔
ونفاہ الامام علی الاسبیجابی والامام فقیه النفس قاضیخان واختارہ فی البزازیة وبه جزم فی نورالایضاح والامداد و رجحه فی شرح الوھبانیة ونص علیه ابن کمال وحققه المحقق فی الفتح وتبعه فی الحلیة والبحر اذ قال والذی یقتضیه النظر عدم اعتبار ضربة الارض من مسمّی التیممّ شرعا فان المأموربه المسح لیس غیر فی الکتاب قال تعالٰی فتیمّموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم فیحمل قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم التیمم ضربتان اما علی ارادۃ الاعم من المسحتین او انه خرج مخرج الغالب واللہ تعالٰی اعلم[1] اھ۔

باامام شافعی، زہری، ابن ابی لیلٰی، ابن سیرین وغیرہم کے مذاہب بیان کیے۔ سب میں یہ ہے کہ تیمّم ایک ضرب ہے، یا دو ضرب ہے، یا تین ضرب ہے۔ تو افادہ فرمایا کہ ہمارے تینوں ائمہ اور ان تمام حضرات کا اس پر اجماع ہے کہ ضرب تیمّم کا رکن ہے۔ ان کا اختلاف ہے تو اس بارے میں کہ ضرب کی تعداد اور انتہا کیا ہے، ہاتھوں پر کہاں تک مسح کرنا ہے، گٹوں تک، یا کہنیوں تک، یا بغلوں تک۔
امام علی اسبیجابی اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے ضرب کے رکنِ تیمّم ہونے کا انکار کیا، اسی مذہب کو بزازیہ میں اختیار کیا، اسی پر نورالایضاح اور امداد الفتاح میں جزم کیا اسی کو شرح وہبانیہ میں ترجیح دی، اسی کی ابنِ کمال نے تصریح کی اور محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق کی اور حلیہ وبحر میں ان کا اتباع کیا۔ انہوں نے فرمایا: نظر کا تقاضا یہی ہے کہ شرعاً تیمّم کے معنی مسمّٰی میں زمین پر ضرب کا اعتبار نہ ہو، اس لئے کہ کتاب اللہ میں تو صرف مسح کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے: "تو پاک سطح زمین کا قصد کرکے اپنے چہروں کا مسح کرو، اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد " تیمّم دو ۲ ضرب ہے" یا تو اس پر محمول ہوگا کہ یہ زمین پر دو ضرب ہونے یا عضو پر دوبار مسح ہونے سے اعم اور دونوں ہی کو شامل ہے، یا اس پر محمول ہوگا کہ ضرب والی صورت اکثر پائی جاتی ہے اس لئے یہ ارشاد بیان اکثر کے لحاظ سے وارد ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتح القدیر، باب التیمم، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۱۰

وذکروا ثمرۃ الاختلاف شیئین:

احدھما: لوضرب یدیہ علی الارض فقبل ان یمسح احدث لایجوز المسح بتلك الضربۃ علی القول الاول لانھا رکن فصارکما لو احدث فی الوضوء بعد غسل بعض الاعضاء قال فی الخلاصۃ الاصح انہ لایستعمل ذلك التراب کذا اختارہ الشیخ الامام شمس الائمۃ کمالو اعترض الحدث فی خلال الوضوء [1] اھ وقال القاضی الاسبیجابی یجوز کمن ملاء کفیہ ماء فاحدث ثم استعملہ [2] وبہ جزم فی الخانیۃ وخزانۃ المفتین قال اذا اراد ان یتیمّم فضرب ضربۃ واحدۃ ثم احدث فمسح بذلك التراب وجھہ ثم ضرب ضربۃ اخری للیدین الی المرفقین جاز [3] اھ وعزاہ فی الخلاصۃ الی بعض نسخ الواقعات، ونقل تصحیحہ فی جامع الرموز عن جامع المضمرات قائلا لواحدث قبل المسح لم یعد الضرب علی الاصح کمافی المضمرات [4] اھ وقال فی البحر

ضرب کی رکنیت اور عدم رکنیت میں اختلاف کا ثمرہ دو۲ باتیں بتائی گئی ہیں:

ایک یہ کہ اگر اپنے ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر مسح کرنے سے پہلے حدث کیا تو قولِ اوّل پر اس ضرب سے مسح جائز نہ ہوگا اس لئے کہ ضرب رکن ہے تو ایسا ہوا جیسے وضو کے دوران بعض اعضاء دھونے کے بعد حدث کیا خلاصہ میں ہے: "اصح یہ ہے کہ اس مٹّی کو استعمال نہ کرے۔ اسی طرح اس کو امام شمس الائمہ نے اختیار کیا جیسے درمیانِ وضو اگر حدث عارض ہو" اھ۔ اور قاضی اسبیجابی نے فرمایا کہ جائز ہے جیسے کسی نے ہتھیلیوں میں پانی بھر لیا پھر حدث کیا پھر اسی پانی کو استعمال کیا۔ اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا۔ فرمایا: "جب تیمّم کا قصد کیا پھر ایک ضرب ماری پھر حدث کیا پھر اسی مٹّی سے اپنے چہرے کا مسح کیا، پھر دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کے مسح کیلئے ماری تو جائز ہے" اھ اس پر خلاصہ میں واقعات کے بعض نسخوں کا حوالہ دیا ہے۔ اور جامع الرموز میں جامع المضمرات سے اس کی تصحیح نقل کی ہے، عبارت یہ ہے: "اگر مسح سے پہلے حدث کیا تو قول اصح پر ضرب کا اعادہ نہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے اھ"۔ اور البحر الرائق

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی جنس فی نقض التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۷

[2] فتح القدیر باب التیمم سکھر ۱/ ۱۱۰

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوزبہ التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۰

[4] جامع الرموز، باب التیمم، مطبعہ کریمیہ قزان ۱/ ۶۸

قد قدمنا انه (۱) لوامر غیرہ بان ییممه جاز بشرط ان ینوی الاٰمر فلوضرب الماموریدہ علی الارض بعد نیة الاٰمر ثم احدث الاٰمر قال فی التوشیح ینبغی ان یبطل بحدث الاٰمر علی قول ابی شجاع [1] اھ قال البحر وظاھرہ انه لایبطل بحدث المأمور لما ان المأمور اٰلة وضربه ضرب الاٰمر فالعبرۃ للاٰمر ولھذا اشترطنا نیته لانیة المأمور [2] اھ

والاٰخر اذانوی بعد الضرب فمن جعله رکنا لم یعتبر النیة بعدہ ومن لم یجعله رکنا اعتبرھا بعدہ کذافی السراج الوھاج [3] بحر۔

وھھنا فروع جمة تشھد للقول الثانی ذکرت فی المعتمدات من دون اشارۃ الٰی خلاف فیھا:

منھا [1] فی الفتح والبحر وغیرھما

میں ہے: ہم پہلے بیان کرچکے کہ اگر دوسرے کو حکم دیا کہ اسے تیمّم کرادے تو جائز ہے بشرطیکہ حکم دینے والا نیت کرلے۔ تو اگر مامور نے آمر کی نیت کے بعد زمین پر اپنا ہاتھ مارا پھر آمر کو حدث ہوا توشیح میں کہا ہے کہ اسے ابو شجاع کے قول پر آمر کے حدث سے باطل ہوجانا چاہئے اھ بحر میں فرمایا: اس عبارت کا ظاہر یہ ہوا کہ مامور کے حدث سے باطل نہ ہوگا اس لئے کہ مامور آلہ وذریعہ ہے اور اس کی ضرب آمر ہی کی ضرب ہے تو اعتبار آمر کا ہوگا۔ اسی لئے ہم نے آمر (حکم دینے والے) کی نیت کی شرط رکھی۔ مامور کی نیت کی شرط نہ لگائی اھ۔

دُوسرا ثمرہ اختلاف یہ ہوگا کہ جب ضرب کے بعد تیمّم کی نیت کی تو جن لوگوں نے ضرب کو رکن قرار دیا ہے انہوں نے بعد کی نیت کا اعتبار نہ کیا۔ اور جن حضرات نے اسے رکن نہیں مانا ہے انہوں نے ضرب کے بعد پائی جانے والی نیت کا اعتبار کیا ہے السراج الوہاج میں ایسا ہی ہے۔ بحر

اس مقام پر ایسے بہت جزئیات وفروع ہیں جن سے قول دوم (عدمِ رکنیت ضرب) کی تائید اور شہادت حاصل ہوتی ہے۔ یہ معتمد کتابوں میں مذکور ہیں اور کسی اختلاف کا کوئی اشارہ بھی نہیں۔ کچھ جزئیات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

جزئیہ ۱: فتح القدیر اور بحر الرائق وغیرہما

---

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

(۱) صرحوا انه لو القت الريح الغبار على وجهه ويديه فمسح بنية التيمم اجزاء وان لم يمسح لايجوز [1] اھ وفى الظهيرية ثم الهندية لواصاب الغبار وجهه ويديه فمسح به ناويا للتيمّم يجوز وان لم يمسح لا [2] اھ ومثله فى التبيين۔	میں ہے: "علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر آندھی سے اس کے چہرے اور ہاتھوں پر غبار پڑ گیا پھر ان پر تیمّم کی نیت سے ہاتھ پھیر لیا تو کافی ہوگا اور اگر ہاتھ نہ پھیرا تو تیمّم نہ ہوگا"۔ اھ اور ظہیریہ پھر ہندیہ میں ہے: "اگر اس کے چہرے اور ہاتھوں پر غبار پڑ گیا پھر اس پر تیمّم کی نیت سے ہاتھ پھیر لیا تو تیمّم ہو جائے گا اور اگر مسح نہ کیا تو نہ ہوگا" اھ۔ ایسا ہی تبیین میں بھی ہے
ومنها ۲ فى (۲) الخانية والخلاصة لوقام فى مهب الريح اوهدم الحائط فاصاب الغبار وجهه وذراعيه لم يجز حتى يمسح وينوى به التيمّم [3] اھ وفى الدرر كنس دارا او هدم حائطا اوكال حنطة فاصاب وجهه وذراعيه غبار فمسح جاز حتى اذا لم يمسح لم يجز [4] وقال العلامة الوزير فى ايضاح اصلاحه قدذكر فى كتاب الصلٰوة لوكنس دارا اوهدم حائطا اوكال حنطة فاصاب وجهه وذراعيه لم يجزه ذلك من التيمم حتى يمر يده عليه [5]۔	**جزئیہ ۲:** خانیہ اور خلاصہ میں ہے: "اگر آندھی کی گزرگاہ میں کھڑا ہوا، یا دیوار ڈھائی غبار اس کے چہرے اور ہاتھوں پر لگ گیا جب تک تیمّم کی نیت سے اس پر ہاتھ نہ پھیرے تیمّم نہ ہوگا" اھ دُرر میں ہے: "گھر میں جھاڑو دیا، یا دیوار گرائی، یا گیہوں ناپا اس کے چہرے اور ہاتھوں پر غبار پڑ گیا اس پر ہاتھ پھیر لیا تو تیمّم ہو گیا، نہ پھیرا تو نہ ہوا"۔ اور علّامہ وزیر نے اپنی کتاب اصلاح کی شرح ایضاح میں فرمایا: "کتاب الصلٰوۃ میں ذکر ہے کہ اگر گھر میں جھاڑو دیا یا دیوار گرائی یا گیہوں ناپا غبار اُڑ کر چہرے اور ہاتھوں پر پڑ گیا جب تک اس پر ہاتھ نہ پھیرے تیمّم نہ ہوگا" اھ۔

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۱۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع من التیمم پشاور ۱/۲۷

[3] خلاصۃ الفتاوٰی نوع فیما یجوز بہ التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۳۶

[4] درر حکام لملّا خسرو باب التیمم مطبعۃ کاملیہ بیروت ۱/۳۱

[5] ایضاح واصلاح

ومنہا[۳] فی الخانیۃ والخلاصۃ والتاتارخانیۃ والحلیۃ (۱) اذا اراد التیمم فتمعك فی التراب وذلك بجسدہ کلہ ان کان التراب اصاب وجھہ وذراعیہ وکفیہ جاز وان لم یصب وجھہ وذراعیہ لم یجز[1]۔	جزئیہ ۳: خانیہ، خلاصہ، تاتارخانیہ اور حلیہ میں ہے: "جب تیمّم کا ارادہ کرکے خاک میں لوٹا اور اس سے سارے جسم کو ملا، اگر چہرے، کلائیوں اور ہتھیلیوں پر مٹّی پہنچ گئی تو تیمم ہوگیا اور چہرے اور کلائیوں پر نہ پہنچی تو نہ ہوا" اھ۔
ومنہا[۴] فی (۲) الخلاصۃ لوادخل راسہ فی موضع الغبار بنیۃ التیمّم یجوز[2]۔	جزئیہ ۴: خلاصہ میں ہے: "کسی غبار کی جگہ اپنا سر (اور دونوں ہاتھ) تیمّم کی نیت سے داخل کیا (جس سے منہ اور ہاتھوں پر غبار پھیل گیا) تو تیمّم ہوجائے گا"۔
ومنہا[۵] (۳) فیہا لوانھدم الحائط فظھر الغبار فحرك راسہ ینوی التیمم جاز والشرط وجود الفعل منہ[3]۔	جزئیہ ۵: اسی میں ہے: اگر دیوار گری جس سے گرد اٹھی اس میں اپنے سر کو تیمّم کی نیت سے حرکت دی تو تیمّم ہوگیا۔ تیمم کرنے والے سے فعل کا وجود شرط ہے"۔
ومنہا[۶] (۴) فیہا وفی الخانیۃ وخزانۃ المفتین لوذر الرجل علی وجھہ ترابا لم یجز وان مسح ینوی بہ التیمم والغبار علیہ جاز عند ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ[4] اھ ای ومحمد خلافا لابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی فانہ لایجیز التیمم بالغبار مع القدرۃ علی الصعید۔	جزئیہ ۶: اس میں اور خانیہ وخزانۃ المفتین میں ہے: "اگر آدمی نے اپنے چہرے پر مٹّی گرائی تو تیمم نہ ہوگا اور غبار چہرے پر ابھی پڑا ہے بہ نیت تیمّم ہاتھ پھیر لیا تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تیمّم ہوجائے گا اھ"۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی ہوجائے گا امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک سطح زمین سے تیمّم پر قدرت ہوتے ہوئے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کیفیت التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۳۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی نوع فیما یجوز بہ التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۳۶

[3] خلاصۃ الفتاوٰی، نوع فیما یجوز بہ التیمم، نولکشور لکھنؤ، ۱/۳۶

[4] خلاصۃ الفتاوٰی، نوع فیما یجوز بہ التیمم، نولکشور لکھنؤ، ۱/۳۶

وفی الجوھرۃ النیرۃ قولہ یمسح اشارۃ الی انہ لوذر التراب علی وجھہ ولم یمسحہ لم یجز وقد نص علیہ فی الایضاح انہ لایجوز[1] اھ

ومنھا۷ ومنھا۸ فرعان فی وجیز الامام الکردری (۱) ذر علی المحل التراب فاصابہ غبارہ او (۲) ادخل المحل فی مثار الغبار فوصل بتحریك المحل جاز لا ان وقف فی المھب فثار الغبار علی المحل بنفسہ الا ان یمسح بھذا الغبار المحل[2] اھ

اقول: قولہ فوصل بتحریك المحل متعلق بکلتا مسئلتی الذر والادخال فالمعنی ذرفاصابہ غبارہ فحرك ینوی التیمّم جاز لوجود الصنع منہ کمانص علیہ فی مأخذہ الخلاصۃ (۳) ان الشرط وجود الفعل منہ واشار ھو الیہ بقولہ لاان ثار الغبار علی المحل بنفسہ وقد قدم قبلہ

غبار سے تیمّم جائز نہیں۔ جوہرہ نیرہ میں ہے:"**قولہ یمسح** (ان کی عبارت "ہاتھ پھیرے") میں یہ اشارہ ہے کہ اگر چہرے پر گرد اڑائی اور ہاتھ نہ پھیرا تو تیمّم نہ ہوگا، اور ایضاح میں عدمِ جواز کی تصریح بھی موجود ہے"اھ۔

جزئیہ۷،۸: وجیز امام کردری میں دو۲ جزئیے ہیں:" محل تیمّم پر گرد اڑائی، غبار اس پر گرا یا اعضائے تیمّم کو غبار اڑانے کی جگہ لے گیا اور ان اعضاء کو حرکت دینے سے ان پر گرد پہنچ گئی تو تیمّم ہوجائے گا۔ لیکن اگر آندھی کے سامنے اس طرح کھڑا ہوا کہ غبار خود اُڑ کر اعضائے تیمّم پر پہنچا تو تیمّم نہ ہوگا مگر اس گرد کے ساتھ محلِ تیمّم پر ہاتھ پھیر لیا تو ہوجائے گا"اھ

اقول: ان کی عبارت "اعضا کو حرکت دینے سے ان پر گرد پہنچ گئی" گرد اڑانے، اور گرد اڑانے کی جگہ اعضائے تیمّم کو داخل کرنے دونوں ہی مسئلوں سے متعلق ہے۔ تو معنٰی یہ ہوا کہ گرد اڑائی کہ غبار اسے لگا پھر اعضائے تیمّم کو بہ نیت تیمّم حرکت دی تو تیمّم ہوجائے گا کیونکہ خود اس کا عمل پالیا گیا۔ جیسا کہ اس کے ماخذ خلاصہ میں تصریح موجود ہے کہ خود اس سے فعل پایا جانا شرط ہے۔ صاحبِ وجیز نے بھی اس کی طرف ان الفاظ سے اشارہ کیا ہے کہ "اگر غبار خود سے اڑ کر اعضائے تیمّم پر پہنچا تو نہ ہوگا" اور اس سے

[1] جوہرہ نیرّہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۵

[2] فتاوٰی بزازیہ مع الہندیہ باب التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۷

ان الشرط فی تحققه صنع منه خاص فی وصول التراب الی محله بالنیة و ان عدما او احدهما لا اھ[1] ومجرد الذر لیس ذلک الصنع المطلوب کما لیس به الذھاب الی قرب المثار والوقوف عندہ بنیة التیمم فان ھذا الفعل سبب بعید لوصول التراب الی المحل والمأموربه ھو المسح وھو فعل بنفسه یقع الایصال والاتصال بین العضو والصعید واذ الوقوف فی المثار لم یعتبر مالم یحرک عضوہ بنیة التیمم فان الغبار انما یصل الی العضو بنفسه بمیله الطبعی الی السفل فلایعتبر الذر بالاولی کما قدمنا التنصیص به عن المعتمدات فافھم وتثبت۔بقی ان فرع ادخال المحل موضع الغبار مطلق فی الخلاصة وقیدہ البزازی بالوصول بتحریک المحل وفرع الذر مذکور فی الکتب باشتراط المسح وابدله البزازی بالتحریک فیکشف لک اُنفا ان شاء اللّٰه تعالٰی منا شیئ الکلام ویوضع جناہ المعلل علی طرف الثمام وبه یظھر جعلنا فرعی البزازیة غیر السادس والرابع

پہلے بھی بتا چکے ہیں۔کہ " تیمّم متحقق ہونے کے لئے محل تیمّم تک مٹّی پہنچنے میں نیت کے ساتھ خود اس کا خاص عمل پایا جانا شرط ہے۔اگر دونوں چیزیں نہ ہوں یاایک نہ ہو تو تیمّم نہ ہوگا" اھ۔اور صرف اڑانا وہ فعل مطلوب نہیں، جیسے غبار اڑنے کی جگہ جانا اور وہاں تیمّم کی نیت سے ٹھہرنا وہ فعل مطلوب نہیں۔اس لئے کہ یہ عمل، محلِ تیمّم تک مٹّی پہنچنے کا سبب بعید ہے۔اور اسے جس فعل کا حکم دیا گیا ہے وہ مسح ہے، یہ ایسا فعل ہے کہ خود اسی سے مٹّی کا پہنچانا، اور عضو وصعید کے درمیان اتصال متحقق ہوتا ہے۔اور جب بہ نیتِ تیمّم عضو کو حرکت دیے بغیر، غبار کی جگہ صرف کھڑے ہونے کا اعتبار نہیں۔کیونکہ غبار نیچے کی جانب اپنے میل طبعی کے باعث ازخود عضو تک پہنچتا ہے۔تو غبار اڑانے کا اعتبار بدرجہ اولٰی نہ ہوگا۔جیساکہ متعدد کتابوں سے ہم اس کی تصریح پہلے نقل کرچکے۔تو سمجھو اور ثابت رہو۔

یہ رہ گیا کہ غبار کی جگہ اعضائے تیمّم کو داخل کرنے کا مسئلہ خلاصہ میں مطلق ہے اور بزازیہ میں اعضائے تیمّم کو حرکت دینے سے گرد پہنچنے کی قید سے مقید ہے۔اور گرد اڑانے والا مسئلہ کتابوں میں مسح کی شرط کے ساتھ مذکور ہے اور بزازیہ میں مسح کے بدلے حرکت دینے کا ذکر ہے۔تو عنقریب ان کلاموں کا منشا منکشف ہوگا اور ان سے چُنا ہوا پھل سرراہ رکھ دیا جائے گا اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ ہم نے بزازیہ میں ذکر شدہ دونوں جزیئے چھٹے اور چوتھے

---

[1] فتاوٰی بزازیة مع الہندیة باب التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱۷/۴

وباللّٰه التوفیق۔ **اقول:** (۱) قد بان بطلان ما وقع للفاضل عبدالحلیم الرومی فی حاشیة الدرر اذقال بعد نقل مافی الخلاصة ان الشرط وجود الفعل منه مانصه اقول یظهر منه انه لوکال حنطة لیحصل التیمم بغبارہ کفی ان اصاب مواضع التیمم غبار کمالایخفی [1] اھ۔وبه حوّل الدرر حتی اذالم یمسح لم یجز الی ان المراد اذا عـه لم یمسح عند عدم وجود فعل منه بنیة التیمم والذر علی الاعضاء اذالم یصلح للاعتبار مالم یمسح اویحرک اعضاءہ فمابعد	جزئیے جسے الگ کیسے شمار کئے۔ و باللہ التوفیق۔ **اقول:** فاضل عبدالحلیم رومی نے حاشیہ درر میں خلاصہ کی عبارت "اس سے فعل پایا جانا شرط ہے" نقل کرنے کے بعد جو لکھا ہے اس کا غلط ہونا واضح ہوگیا، ان کی عبارت یہ ہے: "اقول: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر اس نے گیہوں اس لئے ناپا کہ اس کے غبار سے تیمّم ہوجائے تو یہ کافی ہے اگر تیمم کی جگہوں پر غبار پہنچ گیا۔ یہ پوشیدہ نہیں"۔ اسی لئے فاضل رومی نے درر کی عبارت "اذا لم یمسح لم یجز" (ہاتھ نہ پھیرا تو تیمّم نہ ہوا) کو اس کے معنٰی سے پھیر کر یہ بنایا کہ: "مراد یہ ہے کہ بہ نیتِ تیمّم اس سے کوئی فعل نہ پائے جانے کی صورت میں جب ہاتھ نہ پھیرا (تو تیمّم نہ ہوا)"۔ جب اعضاء پر گرد اڑانا قابلِ اعتبار نہیں جب تک کہ ہاتھ پھیرے یا اعضاء کو

عـه فانقلت تأویل لاتحویل

اقول: کلا لواراد ان یسلک بالشرح هذا المسلک لقال اشار بذکر المسح الی کل فعل یوجد منه بنیة التیمم لاان یقدر فی کلامه قیدا لا اثر له فی الکلام ولا اشارة فافهم منه (م)

اگر کہا جائے کہ (یہ عبارت درر کی) تاویل ہے، تحویل (اصل معنٰی سے دوسرے معنی کی طرف پھیرنا) نہیں ہے۔
اقول: ہر گز نہیں۔ اگر وہ اس روش پر شرح کو چلانا چاہتے تو یوں کہتے: "مصنّف نے مسح کا ذکر کرکے ہر اس فعل کی جانب اشارہ کیا ہے جو اس سے بہ قصد تیمّم پایا جائے"۔ ایسا نہ کرتے کہ ان کے کلام کے اندر ایک ایسی قید مان لیں جس کا ان کے کلام میں نہ کوئی نام ونشان ہے نہ ہی کوئی اشارہ **فافهم** (ت)

[1] حاشیۃ الدرر للمولٰی عبدالحلیم باب التیمم مطبعۃ عثمانیہ بیروت ۱/۲۷

الکیل والھدم والکنس من الاعتبار واللّٰہ تعالٰی الموفق۔

وللّٰہ در امام المذھب فی کتاب الصلاۃ اذا اتی بما فیہ فعل لہ من الکنس والھدم والکیل ثم اطلق عدم الجواز مالم یمر یدہ علیہ ارشادا الی ان ھذہ الافعال لاتکفی وان کانت بنیۃ التیمّم مالم یوجد المسح اما ما قال الفاضل الخادمی علی قول الدرر انہ یوھم ھذہ الافعال انہ لابد من کون الغبار اثر الفعل المتیمّم ولیس کذلک [1] اھ ای للفرع المار القاء الریح الغبار والفرع الخامس انھدام الجدار۔

فاقول: ھو فیہ مصیب لان الدرر ذکر ھذہ الافعال فی جانب الجواز فکان مثارا للتوھم ان الجواز مشروط بکون مایمسح بہ منہ ثائرا بفعلہ بخلاف عبارۃ کتاب الصلاۃ ففیھا ذکرھا فی جانب المنع فافادات تلک الفائدۃ العائدۃ

حرکت نہ دے تو گیہوں وغیرہ ناپنے، دیوار گرنے، جھاڑو دینے کا معتبر ہونا کس قدر بعید ہے۔ اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔

کتاب الصلوٰۃ میں امام مذہب کی عبارت کیا ہی جامع کیا ہی خوب ہے انہوں نے جھاڑو دینا، دیوار گرانا، گیہوں ناپنا ذکر کیا جس میں خود تیمّم کرنے والے کا فعل پایا جاتا ہے پھر مطلق طور پر ذکر فرمادیا کہ تیمّم نہ ہوگا جب تک اس پر ہاتھ نہ گزارے تاکہ اس بات کی جانب رہنمائی ہو کہ جب تک ہاتھ پھیرنا نہ پایا جائے یہ افعال کافی نہیں اگرچہ بہ نیت تیمّم ہوں۔ فاضل خادمی نے دُرر کی عبارت پر لکھا کہ "یہ افعال اس بات کا وہم پیدا کرتے ہیں کہ غبار کو تیمّم کرنے والے کے کسی فعل کا نتیجہ واثر ہونا ضروری ہے۔ جبکہ ایسا نہیں" اھ۔ کیونکہ آندھی کے غبار ڈالنے کا جزئیہ اور دیوار گرنے سے متعلق پانچواں جزئیہ گزر چکا۔

فاقول: فاضل موصوف کا یہ کلام درست ہے اس لئے کہ درر میں یہ افعال جواز کے تحت مذکور ہیں جن سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ جواز اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ جس غبار سے مسح ہو وہ اس کے فعل سے اُڑا ہو مگر کتاب الصّلوٰۃ کی عبارت میں اس وہم کا موقع نہیں کیونکہ اس میں یہ افعال ممانعت کے تحت مذکور ہیں۔ اس لئے

[1] حاشیہ الدرر شرح غرر لابی سعید خادمی باب التیمم مطبعۃ عثمانیہ بیروت ۲۸/۱

واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ ومنہا۹ فی (۱) المحیط ثم الھندیۃ صورۃ التیمم بالغبار ان یضرب بیدیہ ثوبا اولبدا او وسادۃ اوماشبھھا (۲) من الاعیان الطاھرۃعـہ التی علیھا غبار فاذا وقع الغبار علی یدیہ تیمّم۔[1] ومنہا۱۰ فیھما قالا بعدما مر او ینفض ثوبہ حتی یرتفع غبارہ فیرفع یدیہ فی الغبار فی الھواء فاذا وقع الغبار علی یدیہ تیمّم[2] اھ	وہ عبارت، مذکورہ عظیم فائدہ کی حامل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ **جزئیہ۹:** محیط پھر ہندیہ میں ہے: "غبار سے تیمّم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی کپڑا یا گدّا یا تکیہ یا اسی طرح کی کوئی پاک چیز جس پر غبار پڑا ہوا ہو اس پر ہاتھ مارے جب ہاتھوں پر غبار آجائے تو اس سے تیمّم کرلے"۔ **جزئیہ ۱۰:** محیط وہندیہ ہی میں، مذکورہ عبارت کے بعد ہے: "یا اپنے کپڑے کو اس طرح جھاڑے کہ غبار بلالند ہو پھر اپنے ہاتھوں کو ہوا میں بلالند کرے جب اس کے ہاتھوں پر غبار پڑ جائے تو تیمّم کرلے"۔اھ

عـہ **اقول:** انما یشترط طھارۃ الغبار دون مایقع علیہ غیر ان الغبار یتنجس بوقوعہ علی نجس رطب اما اذا وقع بعد جفافہ فلاباس کما ذکر بعد اسطرعن النھایۃ اذا تیمم بغبار الثوب[3] النجس لایجوز الا اذا وقع التراب بعدماجف الثوب اھ وذکرہ فی الحلیۃ وقال اشار الیہ فی التجنیس[4] اھ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اقول: صرف غبار کا پاک ہونا شرط ہے۔ جس چیز پر غبار پڑا ہو اس کا پاک ہونا شرط نہیں مگر یہ ہے کہ غبار کسی تر نجس چیز پر پڑنے سے نجس ہو جاتا ہے لیکن اس کے خشک ہونے کے بعد اس پر غبار پڑے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ چند سطروں کے بعد نہایہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ: "اگر نجس کپڑے کے غبار سے تیمّم کرے تو نہ ہوگا مگر جب کپڑا خشک ہونے کے بعد گرد پڑی تو ہو جائے گا"۔اھ اسے حلیہ میں بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ اس طرف تجنیس میں اشارہ موجود ہے اھ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ، الباب الرابع فی التیمم، پشاور، ۱/۲۷
[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فی التیمم پشاور ۱/۲۷
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فی التیمم، پشاور، ۱/۲۷
[4] حلیہ

اقول: وماذکر اولا من الضرب بیدیه علی الثوب لیست الضربة المطلوبة وانما ھی لاثارۃ الغبار والا لما احتاج الی وقوع الغبار علی یدیه فان الید اذا ضربت علی الصعید اکسبھا صفة التطھیر فیمسح بھا وان لم یلتزق بھا شیئ منه وقد اوضح ذلک بالصورۃ الاخیرۃ المقتصرۃ علی نفض الثوب۔	**اقول:** پہلے جو ذکر کیا کہ کپڑے پر اپنے ہاتھوں کو مارے یہ تیمّم کی ضربِ مطلوب نہیں یہ تو صرف اس لئے ہے کہ کپڑے سے غبار اُٹھے ورنہ ہاتھوں پر غبار پڑنے کی ضرورت ہی نہ تھی، کیونکہ صعید پر جب بھی ہاتھ مارے تو وہ اس میں تطہیر کی صفت پیدا کردے گی پھر اس سے وہ مسح کرے گا اگرچہ ہاتھ پر کچھ بھی گردوغبار نہ لگا ہو اس مقصد کو انہوں نے بعد والی صورت سے واضح کردیا ہے جس میں صرف کپڑے کو جھاڑنے کا ذکر ہے۔
ومنھا" (۱۱)فی الذخیرۃ ثم الھندیة لوشلت یداہ یمسح یدہ علی الارض و وجھه علی الحائط ویجزیه[1]اھ	**جزئیہ ۱۱:** ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے: "اگر دونوں ہاتھ شل ہوگئے ہوں توزمین پر ہاتھ اور دیوار پر چہرہ پھیرے اسی سے اس کا تیمّم ہوجائے گا"۔اھ
اقول: وھذا ربما یعتل فیه بالضرورۃ فتکون الضربة رکنا محتمل السقوط کالقراءۃ عن الاخرس فتلک عشرۃ کاملة لاضرب فیھا مع صحة التیمم۔فالمحقق حیث اطلق سلک فیھا مسلکین اذقال بعد ذکر الفرع الاوّل یلزم فیھا اما کونه قول	**اقول:** اس جزئیہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے بغیر ضرب کے تیمّم ہوگیا تو ضرب ایک ایسا رکن ہے جو ساقط ہوسکتا ہے جیسے نماز کا رکنِ قراءت گونگے سے ساقط ہے۔ تو اس جزئیہ کو چھوڑ کر وہ پُورے دس جزئیے ہوئے جن میں ضرب نہ ہونے کے باوجود تیمّم صحیح ہونے کا حکم ہے۔اِن سے متعلق محقق علی الاطلاق نے دو[2] طریقے اختیار کئے ہیں اس طرح کہ انہوں نے پہلے جزئیہ کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ: "اس میں لازم ہے کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فی التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶

من اخرج الضربۃ (ای عن مسمّی التیمّم) لاقول الکل واما اعتبار الضربۃ اعم من کونہا علی الارض اوعلی العضو مسحا [1] اھ اقرہ فی الحلیۃ وخالفہ فی البحر فقال بعد نقل کلامہ اعلم ان الشرط وجود الفعل منہ اعم من ان یکون مسحا اوضربا اوغیرہ فقد قال فی الخلاصۃ (فاثر کلامہ فی الفرع الرابع والخامس) قال وھذا یعین ان ھذا الفروع مبنیۃ علی قول من اخرج الضربۃ من مسمّی التیمم اما من ادخلہا فلایمکنہ القول بہا فیما نقلنا عن الخلاصۃ اذ لیس فیہا ضرب اصلا لا علی الارض ولا علی العضو الا ان یقال مرادہ بالضرب الفعل منہ اعم من کونہ ضربا اوغیرہ وھو بعید کمالایخفی [2] اھ

وتبعہ اخوہ المحقق فی النھر والمدقق فی الدر فقالا المراد الضرب او ما یقوم مقامہ ونظم الدر بضربتین ولومن غیرہ اومایقوم مقامہا لما فی الخلاصۃ وغیرہا

یہ صرف ان حضرات کا قول ہو جو ضرب کو حقیقتِ تیمّم سے خارج مانتے ہیں، سب کا قول نہ ہو۔ یا یہ مانا جائے کہ ضرب اس سے عام ہے کہ زمین پر ہو یا بطور مسح کے عضو پر ہو اھ" حلیہ میں اسے برقرار رکھا ہے اور بحر نے اس کی مخالفت کی ہے۔ حضرت محقق کی عبارت نقل کرنے کے بعد یہ لکھا: "جاننا چاہیے کہ شرط یہ ہے کہ اس سے فعل پایا جائے چاہے مسح ہو یا ضرب ہو یا کچھ اور ہو، کیونکہ خلاصہ میں یہ کہا ہے: (اس کے بعد جزئیہ ۴ وجزئیہ ۵ نقل کیا اور کہا) اس سے یہ بات متعین ہوجاتی ہے کہ یہ جزئیات ان حضرات کے قول پر مبنی ہیں جو ضرب کو حقیقتِ تیمّم سے خارج مانتے ہیں، لیکن جو لوگ اسے داخلِ تیمّم مانتے ہیں وہ اس میں اس کے قائل نہیں ہوسکتے جسے ہم نے خلاصہ سے نقل کیا کیونکہ اس میں سرے سے ضرب کا وجود ہی نہیں نہ زمین پر نہ عضو پر۔ مگر یہ کہا جائے کہ ضرب سے ان کی مراد تیمّم کا عمل ہے خواہ ضرب ہو یا اور کچھ، تو ہوسکتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ بعید ہے" اھ۔ان کے برادر محقق نے النہر الفائق میں اور مدقق علائی نے دُرِ مختار میں ان کی پیروی کی ہے ان دونوں حضرات نے فرمایا: "مراد یہ ہے کہ ضرب ہو یا وہ جو اس کے قائم مقام ہو"۔ اور درمختار کی عبارت یہ بھی ہے: " دو ضربوں سے، اگرچہ یہ دوسرے شخص سے صادر ہوں، یا ایسے فعل سے جو دونوں ضربوں کے قائم مقام ہو کیونکہ خلاصہ وغیرہا

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۰

[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

لوحرک راسه او ادخله فی موضع الغبار بنیة التیمّم جاز والشرط وجود الفعل منه[1] اھ

اقول: (۱) والعجب ان السید ط قال فاشار الشارح بقوله اوما یقوم مقامهما الی اختیار ماقاله الکمال[2] اھ ثم قال علی قوله وجود الفعل منه اعم من ان یکون مسحا اوضربا اوغیرہ کمافی البحر[3] اھ فاین ھذا مما اختار الکمال الا ان یقال ان المراد اختیار خروج الضرب عن مسمی التیمّم وان لم یتابع المحقق علی رکنیة المسح بخصوصه بل فعل مامنه کتحریک الرأس اوادخاله فی موضع الغبار ثم اعترض علی ھذا ایضا بقوله وفیه انهم اکتفوا بتیمّم الغیر له ولافعل منه[4] اھ واجاب العلامة ش بان فعل غیرہ بامرہ

میں ہے کہ: "اگر تیمّم کی نیت سے اپنے سر کو حرکت دی یا اسے غبار کی جگہ داخل کیا تو جائز ہے اور شرط یہ ہے کہ اس سے فعل پایا جائے"۔اھ

اقول: حیرت ہے کہ سید طحطاوی لکھتے ہیں کہ "شارح نے اپنی عبارت "**اومایقوم مقامهما** (یا وہ فعل جو دونوں ضربوں کے قائم مقام ہو) سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کا مختار وہ ہے جو کمال ابنِ ہمام نے فرمایا"۔اھ۔ پھر شارح کی عبارت "وجود الفعل منہ" (اس سے فعل پایا جانا شرط ہے) کے تحت فرمایا: "عام اس سے کہ وہ فعل مسح ہو یا ضرب ہو اور کچھ ہو جیسا کہ بحر رائق میں ہے"۔اھ۔ تو یہ وہ کہاں رہا جو کمال ابن ہمام نے اختیار فرمایا! مگر یہ کہا جائے کہ مطلب یہ ہے کہ شارح نے بھی یہی اختیار کیا ہے کہ ضرب حقیقت تیمّم سے خارج ہے اگرچہ انہوں نے اس سلسلہ میں محقق علی الاطلاق کی متابعت نہیں کی ہے کہ "خاص مسح رکنِ تیمّم ہے" بلاکہ کوئی بھی فعل جو اس سے پالیا جائے جیسے سر کو حرکت دینا یا غبار کی جگہ داخل کرنا۔ پھر سید طحطاوی نے اس پر بھی یوں اعتراض کیا ہے: "اس میں یہ خامی ہے کہ دوسرے کا اسے تیمّم کرادینا بھی کافی مانا گیا ہے جب کہ خود اس کا کوئی فعل نہ پایا گیا" اھ ۔ علامہ شامی نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس کے حکم سے دوسرے کا فعل خود اسی کے فعل کے

---

[1] الدر المختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۲/۱

[2] الدر المختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۲/۱

[3] الدر المختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۲/۱

[4] طحطاوی علی الدر باب التیمم بیروت ۱۲۷/۱

قائم مقام فعله فهو منه فی المعنی [1] اھ وقال قبله ای الشرط فی هذه الصورة وجود الفعل منه وهو المسح اوالتحریک وقد وجد فهو دلیل علی ان الضرب غیر لازم کمامر [2] اھ	قائم مقام ہے تو وہ معنًی اسی کا ہے" اھ۔ اور اس سے پہلے فرمایا کہ: "اس صورت میں" اس سے فعل پایا جانا شرط ہے۔ وہ مسح ہے یا حرکت دینا۔ اور یہ پالیا گیا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ضرب ضروری نہیں، جیساکہ گزر چکا" اھ۔
اقول: (ا) ای خصوصیة لهذه الصورة فان الفعل منه موجود فی الضرب والمسح والتحریک والادخال جمیعا الا ان یرید بهذه الصورة مااذا تیمّم بنفسه اما لو یممّه غیره فلایشترط وجود الفعل منه فح یکون هذا مسلکا اخر فی الجواب وکان اذن حقه ان یقول اونقول فعل غیره بامره الخ	**اقول:** اسی صورت کی کیا خصوصیت ہے فعل تو اس سے ضرب، مسح، اِدخال، تحریک سبھی صورتوں میں پایا جاتا ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ اس صورت سے ان کی مراد یہ ہے کہ جب خود تیمّم کرے لیکن اگر اس کو کوئی اور تمیم کرائے تو فعل اس سے پایا جانا شرط نہیں۔ تب یہ جواب کا ایک دوسرا طریقہ ہوگا اور اِس وقت انہیں یوں کہنا چاہئے تھا: اونقول فعل غیرہ بامرہ الخ (یاہم یہ کہیں کہ اس کے حکم سے دوسرے کا فعل)۔
اقول: وبقی ان یقول امره من فعله هکذا جری القیل والقال٭ وللعبد الضعیف لطف به مولاه اللطیف عدة ابحاث فی هذا المقال٭ ثم تحقیق وتوفیق یزول به الاشکال٭ بتوفیق الملک المهیمن المتعال٭	**اقول:** اب بھی کہنے کی ایک بات رہ گئی، وہ یہ کہ اس کا حکم دینا ہی اس کا فعل ہے۔ اسی طرح یہاں قیل وقال جاری ہے۔ اس مقام پر بندہ ضعیف اب ۔لطیف اسے لطف سے نوازے۔ کی چند بحثیں ہیں پھر ایک ایسی تحقیق اور تطبیق ہے جس سے اشکال دُور ہوجاتا ہے۔ یہ سب خدائے بلالند ونگہبان کی توفیق سے ہے۔

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۴

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۴

مباحث المصنّف	ابحاثِ مصنّف
فاقول: وبہ استعین۔ **الاوّل** احادیث کثیرۃ قولیۃ وفعلیۃ وردت بذکر الضرب فی التیمم بل ھو المعھود فی جل ماجاء فی صفتہ ولولا خشیۃ الاطالۃ لسردتھا ولا اقول کما قال(۱) فی غایۃ البیان ان الضرب لم یذکر فی الاٰیۃ ولافی سائر الاٰثار وانما جاء فی بعضھا[1] اھ اراد بہ الاخذ علی قول الامام النسفی فی المستصفی انھم انما اختارو الفظ الضرب وانکان الوضع جائزا لما ان الاٰثار جاء ت بلفظ الضرب[2] اھ ومن تتبع الاحادیث تبین لہ صدق کلام المستصفی فالاخذ لاوجہ لہ وان اقرہ علیہ البحر فھذا فی نفس ذکر الضرب امارکنیتہ فلا اعلم فیہ حدیثین صحیحین ولاحدیثا واحدا صریحا فضلا عن احادیث فقول الحلیۃ بہ قال اکثر العلماء لاحادیث صریحۃ بہ منھا ماعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما (فذکر ماقدمنا	**فاقول**: اسی سے مدد طلب کرتا ہوں۔ **بحث ا**: بہت سی قولی وفعلی حدیثیں ہیں جن میں تیمّم کے اندر ضرب کا ذکر آیا ہے بلکہ کیفیتِ تیمّم سے متعلق بیشتر احادیث میں یہی معہود ومعروف ہے اگر تطویل کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہاں ان تمام احادیث کو ذکر کرتا، اور میں اس طرح نہیں کہتا جیسے غایۃ البیان میں کہا ہے کہ: "ضرب آیت میں مذکور نہیں، اور تمام آثار میں بھی نہیں، صرف بعض میں ہے" اھ اس سے انہوں نے المستصفی للامام النسفی کی درج ذیل عبارت پر گرفت کرنی چاہی ہے: اگرچہ وضع یعنی صعید پر ہاتھ رکھ کر تیمّم کرلینا بھی جائز ہے مگر ان حضرات کے لفظ ضرب اختیار فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ لفظ ضرب آثار واحادیث میں وارد ہے" اھ۔ جو احادیث کی چھان بین کرے گا اس پر عیاں ہوجائیگا کہ مستصفی کی عبارت بجا ہے تو اس پر گرفت بلاوجہ اور بے جا ہے اگرچہ بحر میں بھی اس گرفت کو برقرار رکھا ہے۔ یہ احادیث میں ضرب کے صرف مذکور ہونے کی بات ہوئی اب یہ بات رہی کہ کیا احادیث میں اس کا رکن تیمّم ہونا بھی مذکور ہے؟ تو میرے علم میں تو اس بارے میں دو صحیح حدیثیں بلکہ ایک بھی صریح حدیث نہیں۔ احادیث ہونا تو دور کی بات ہے۔ اب حلیہ کا یہ اقتباس پڑھئے۔ فرماتے ہیں: "اکثر علماء رکنیت ضرب کے قائل ہیں اس لئے کہ اس بارے میں" صریح احادیث وارد ہیں انہی میں سے وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عمر

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵
[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

قال) رواہ الحاکم واثنی علیہ ومنہا ماعن عمار بن یاسر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما قال کنت فی القوم حین نزلت الرخصۃ فامرنا بضربتین واحدۃ للوجہ ثم ضربۃ اخری للیدین الی المرفقین اخرجہ البزار باسناد حسن[1] اھ

فیہ اولا ان الحاکم لم یثن علیہ بل سکت عن تصحیحہ وعن تصحیح اسنادہ قال المحقق فی الفتح تبعا للامام الزیلعی المخرج سکت عنہ الحاکم وقال لااعلم احدا اسندہ عن عبیداللّٰہ غیر علی بن ظبیان وھو صدوق[2] اھ

اقول: (۱) الثناء علی (۲) الراوی لیس ثناء علی (۳) الروایۃ وکونہ صادقا فی نفسہ لاینافی کونہ ضعیفا فی حدیثہ کیف (۴) وقد تظافرت کلمات

رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے (اس کے بعد وہ الفاظ حدیث ہیں جو پہلے ہم نے تعریف ششم کے بعد ہی ذکر کیے ہیں فرمایا)

اسے حاکم نے روایت کیا اور اس کی ستائش کی۔ اور ان ہی میں سے وہ بھی ہے جو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے، فرمایا: جب رخصت نازل ہوئی میں لوگوں کے درمیان موجود تھا، سرکار نے ہمیں دو۲ ضربوں کا حکم دیا ایک چہرے کیلئے، پھر دوسری ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کیلئے۔ بزار نے اس حدیث کی بسندِ حسن تخریج کی اھ" اس عبارت میں حلیہ پر چند کلام ہیں:

اوّلا: حاکم نے اس کی ستائش نہ کی، اس کی تصحیح سے بلاکہ اس کی اسناد کی تصحیح سے بھی سکوت اختیار کیا۔ نصب الرایہ میں اس کی تخریج فرمانے والے امام زیلعی کی تبعیت میں محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں فرمایا: "حاکم نے اس سے سکوت اختیار کیا اور فرمایا کہ میرے علم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس نے اس حدیث کو عبیداللہ سے مُسند روایت کیا ہو، سوائے علی بن ظَبیان کے، اور یہ صَدُوق (راست گو) ہیں اھ"۔

اقول: راوی کی تعریف وستائش، روایت کی تعریف وستائش نہیں۔ اور راوی کا فی نفسہ صادق ہونا، حدیث میں اس کے ضعیف ہونے کے منافی نہیں۔ پھر راوی مذکور حدیث میں ضعیف کیسے نہ ہوں؟ جبکہ

---

[1] حلیہ

[2] فتح القدیر باب التیمم سکھر ۱/۱۱۰

ائمة الشان علی تضعیفه بل قال ابوحاتم ثم النسائی متروک بل بالغ ابن معین فیما روی عنه فقال کذاب واغتربه المناوی فی التیسیر فقال فیه کذاب۔

اقول: (۱) ولیس کذلک بل الرجل خیر دین فقیه ضعیف عند المحدثین فی الحدیث لاجرم ان قال فی التقریب[1] ضعیف۔

وثانیا: (۲) العجب استناده الی هذا وترکه حدیث جابر الصحیح الاسناد وتوارده علیه الامام السیوطی فی الجامع الصغیر۔

وثالثا: حدیث (۳) عمار رضی اللّٰه تعالٰی عنه انما فیه الامر بضربتین ولیس کل یؤمربه رکنا وابعد منه حدیث البزار عن امّ المؤمنین الصدیقة رضی اللّٰه تعالٰی عنها عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فلفظه علی ضعف اسناده فی التیمم ضربتان[2] اھ

ائمہ فن انہیں بیک زبان ضعیف کہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں ابوحاتم پھر نسائی نے تو "متروک" بھی کہا ہے۔ بلاالکہ اس سے بھی بڑھ کر ابن معین نے۔ جیسا کہ ان سے روایت کی گئی ہے۔ کذّاب کہا جس سے دھوکا کھا کر تیسیر میں مناوی نے "کذاب" لکھ ڈالا۔

اقول: حالانکہ ایسا نہیں۔ آدمی پسندیدہ، دین دار، فقیہ ہیں۔ یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک حدیث میں ضعیف ہیں لاجرم تقریب میں کہا: ضعیف ہیں۔

ثانیا: یہ بھی عجیب بات ہے کہ انہوں نے اس حدیث سے تو استناد کیا مگر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی صحیح الاسناد حدیث کو چھوڑ دیا، جامع صغیر میں امام سیوطی سے بھی یہی ہوا ہے۔

ثالثا: اب حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث لیجئے اس میں صرف اتنا ہے کہ "ہمیں دو ضربوں کا حکم ہُوا۔" اور ایسا نہیں کہ جس چیز کا بھی حکم دیا جائے وہ رکن ہو۔ اس سے بھی زیادہ بعید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ المومنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روایت سے مُسند بزار کی حدیث ہے۔ ایک تو اس کی سند ضعیف ہے، دوسرے یہ کہ متن میں بس یہ ہے: "فی التیمّم ضربتان" (تیمّم میں دو۲ ضربیں ہیں) اھ

[1] تقریب التہذیب دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص۲۴۷

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب التیمم مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۱۵۹

ورابعا (۱) بل ليست العبارة التيمّم ضربتان (۲) صريحة فی الركنية وقد تقدم عن المحقق انه خرج مخرج الغالب[1] وسيأتی تحقيقه ان شاء اللّٰه تعالٰی۔

اقول: بل روی مسلم عن معٰوية بن الحكم رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم ان هذه الصّلاة لايصلح فيها شيئ من كلام الناس انما هی التسبيح والتكبير وقراء ة القراٰن [2] وليس التسبيح ولا التكبير من اركانها وقال ملك العلماء فی البدائع صلاة الجنازة دعاء للميت [3] اھ ومعلوم ان ليس اركانها الا التكبيرات الاربع۔

الثانی: (۱) الوظائف البدنية المحضة لاتجری فيها النيابة فلايصلی احد عن احد ولايتوضؤ احد عن احد كذا لايتيمّم احد عن احد وقد جوزنا

رابعا: بلاکہ "التیمّم ضربتان" (تیمّم دو ضرب ہے) یہ عبارت بھی رکنیت کے بارے میں صریح نہیں۔ گزر چکا کہ محقق علی الاطلاق نے فرمایا ہے یہ بیان غالب واکثر کے لحاظ سے وارد ہے، عنقریب اس کی تحقیق آرہی ہے۔

اقول: بلاکہ امام مسلم نے حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی ہے: "لوگوں کی بات چیت میں سے کچھ بھی اس نماز کے اندر ہونے کے لائق نہیں، نماز تو بس تسبیح وتکبیر اور قرآن کی قرأت ہے"۔ حالانکہ نہ تسبیح نماز کے ارکان میں سے ہے نہ تکبیر (اسی طرح "تیمّم" دو ضرب ہے۔ یہ بھی محمول کو موضوع کا رکن بتانے کے معاملے میں صریح نہیں) ملک العلماء نے بدائع الصنائع میں فرمایا ہے: "نمازِ جنازہ میت کیلئے دُعا کرنا ہے" اھ جیسا کہ معلوم ہے کہ ارکان نماز جنازہ، چاروں تکبیروں کے سوااور کچھ نہیں۔

بحث ۲: جو محض بدنی اعمال ہیں ان میں نیابت نہیں چلتی۔ کوئی شخص دوسرے شخص کی طرف سے نماز نہیں پڑھ سکتا نہ کوئی دوسرے کی جانب سے وضو کر سکتا ہے، اسی طرح ایک شخص کی طرف سے تیمّم بھی نہیں کر سکتا۔ اور یہ جائز رکھا گیا ہے

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۱
[2] الصحیح لمسلم باب تحریم الکلام فی الصلٰوۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۳
[3] بدائع الصنائع کیفیۃ صلٰوۃ الجنازۃ کراچی ۱/ ۳۱۳

ان ییمّم زیدا عمرو فاذن الضربتان لاتقومان الابعمرو فلوکانتا جمیع ارکان التیمّم فقد تیمّم عمرو وطھر بہ زید ولوکانتا بعض ارکانہ فقد قام بعض التیمم بزید وبعضہ بعمرو وھل لہ نظیر فی الشرع ثم قدحصل کلہ لزید وھذا کلہ غیر معقول ولامقبول۔

الثالث: تحقیق ماافاد المحقق بقولہ ان المأموربہ مسح لاغیر ان الکتاب العزیز انما امر بقصد الصعید الطیب فالمسح منہ وھذا لاتوقف لہ علی الضرب فضلا عن دخولہ فی فسخ حقیقتہ (ا) فان من القت الریح الغبار علی عضویہ مثلا یتأتی لہ قصدہ للمسح منہ بامرار یدہ علیہ من دون حاجۃ الی الضرب علی الارض نعم من لایجدہ علی اعضائہ یحتاج الی قصدہ من ارض اوجدار وذلک لایقتضی الرکنیۃ بل ولا الشرطیۃ فانما مثل الضرب علی الصعید في التیمم

کہ زید کو عمرو تیمّم کرادے۔ اس صورت میں دونوں ضربیں مارنے کا عمل صرف عمرو سے صادر ہوا۔ بلفظ اصطلاحی دونوں ضربیں صرف عمرو کے ساتھ قائم ہیں۔ اب اگر یہی دو۲ ضربیں تمام تر ارکانِ تمیم ہیں تو لازم آیا کہ عمرو نے تیمّم کیا اور زید پاک ہوا۔ اور اگر یہ دونوں ضربیں، بعض ارکانِ تیمّم ہیں تو لازم آیا کہ کچھ تیمّم زید کے ساتھ لگا ہوا ہے اور کچھ عمرو کے ساتھ۔ پھر یہ دونوں مل کر سارا تیمّم زید ہی کا ہوگیا۔ کیا شریعت میں اس کی کوئی نظیر ہے؟ (کہ کسی بدنی عمل کے سارے اجزاء وارکان عمرو ادا کرے اور وہ زید کا عمل ہوجائے؟ یا ایک ہی فریضہ بدنیہ کا ایک جزء زید ادا کرے اور دوسرا جز عمرو بجالائے، پھر دونوں مل کر سب زید کے حصّہ میں آجائے اور اس کے سر سے فرض اُتر جائے؟ ۱۲ محمد احمد اصلاحی) یہ سب نامعقول اور ناقابل قبول ہے۔

بحث ۳: حضرت محقق نے جو افادہ فرمایا کہ مامور بہ صرف مسح ہے، اس کی تحقیق یہ ہے کہ قرآن حکیم نے تو یہی حکم دیا ہے کہ پاکیزہ صعید کا قصد کرکے اس سے مسح کرو، یہ کام ضرب پر موقوف نہیں، ضرب کا اس کی حقیقت میں داخل ہونا درکنار۔ اس لئے کہ مثلاً جس کے چہرے اور ہاتھوں پر آندھی سے گرد پڑ گئی اس سے یہ ہوسکتا ہے کہ اسی گرد سے مسح کا قصد کرکے اس پر اپنا ہاتھ پھیر لے اسے زمین پر ضرب کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہاں جس کے اعضاء پر گرد نہ ہو اسے کسی زمین یا دیوار سے مٹی کے قصد کی ضرورت ہے اور یہ بات رکنیت کیا، شرط کی بھی مقتضی نہیں۔ کیونکہ تیمّم میں صعید پر

كمثل الاغتراف من الاناء فى الوضوء فمن وقف فى المطر اغناه عن الاغتراف نعم اذالم يجده الاباخذ وصب احتاج اليه وليس لاحد ان يقول ان الاغتراف من اركان الوضوء اومن شرائطه۔ وهذا شيئ واضح جدا لاينبغى الارتياب فيه فلايحمل كلام الشارع صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولاكلام صاحب المذهب رضى الله تعالٰى عنه على خلافه۔

الرابع: اتينا على التاويل فاوله ان الكلام انما جاء على الغالب المعهود فان من النادر جدا وجد ان الغبار على العضوين وكذا لم يعهد فى صفة التيمم ادخال الراس فى موضع الغبار اوالوقوف فى مثاره وتحريك العضوين وانما المعروف المعهود هو طريقة الضرب وبها وردت الاحاديث القولية والفعلية ولما تمعك عمار رضى الله تعالٰى عنه قال له النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان كان يكفيك ان تضرب بيديك ثم تنفخ ثم تمسح بها وجهك وكفيك[1] رواه الستة۔

ضرب کی حیثیت وہی ہے جو وضو میں برتن میں چُلّو کے ذریعہ پانی لینے کی ہے، جو بارش میں کھڑا ہو اسے چُلّو لینے کی کوئی ضرورت نہیں بارش ہی کافی ہے۔ ہاں جب ہاتھ سے پانی لئے اور بہائے بغیر وضو نہ ہو پائے تو اس کی ضرورت ہوگی۔ اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ چُلّو سے پانی لینا وضو کے ارکان یا شرائط میں داخل ہے۔ یہ چیز بالکل واضح اور روشن ہے جس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے۔ تو اس کے خلاف کسی بات پر نہ شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کے کلام کو محمول کیا جاسکتا ہے نہ صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام کو۔

بحث۴: اب ہم (کلام شارع اور کلام صاحب مذہب کی) تاویل پر آئے تو پہلی بات یہ ہے کہ یہ اکثری اور معروف حالت کے لحاظ سے ہے، اس لئے کہ چہرے اور ہاتھوں پر پڑی ہُوئی گرد ملنا بہت ہی نادر ہے یوں ہی غبار کی جگہ سر داخل کرنا، یا گرد اُڑنے کی جگہ کھڑا ہونا اور اعضائے تیمّم کو حرکت دینا صفتِ تیمّم میں معہود و معروف نہیں۔ معروف و معہود وہی ضرب کا طریقہ ہے اسی سے متعلق قولی اور فعلی حدیثیں وارد ہیں۔ جب حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیمّم کیلئے زمین پر لوٹ پوٹ کیا تھا تو ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ اپنے ہاتھوں سے زمین پر مارتے پھر پھونک دیتے، پھر ان سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلیتے"۔ یہ حدیث صحاح ستّہ میں آئی ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب التیمم مجتبائی لاہور ۱/ ۴۷

اقول: (۱)لکن یرد علیه ماقدمنا عن ملک العلماء من اجماع ائمتنا الثلثة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم علی رکنیة الضربتین وبه یصعب الامر علی القول الثانی فاذن یفزع الی تاویل المحقق الثانی وسیأتی الکلام علیه۔

اقول: لیکن اس پر اُس سے اعتراض وارد ہوگا جو ہم نے ملک العلماء سے (تعریف سادس کے بعد) نقل کیا کہ رکنیتِ ضربین پر ہمارے تینوں ائمہ کا اجماع ہے اسی سے دوسرے قول (عدم رکنیت ضرب) پر بھی معاملہ دشوار ہوگا۔ تو اس وقت حضرت محقق کی تاویل ثانی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور اس پر کلام عنقریب آنے والا ہے۔

الخامس: کما سلک المحقق بالحدیث مسلکین ذهب ایضا بتلک الفروع الاٰتیة علی خلاف القول الاول مذهبین ولم یتأت فیها المسلک الاول ان الکلام علی الغالب فان الرکنیة توجب اللزوم فجعل المسلک الاوّل فیها قصرها علی القول الثانی ای فتکون تلک الفروع ایضا من ثمرات الخلاف وبه جزم البحر وتبعه ش۔

بحث ۵: حضرت محقق نے حدیث کی تاویل میں دو ۲ طریقے اختیار کئے ہیں (ایک یہ کہ چوں کہ تیمّم اکثر ضربوں ہی کے ذریعہ ہوتا ہے اس لئے یہ احادیث یہاں غالب واکثر کے طور پر آئی ہیں، دوسرا یہ کہ ضرب اس سے عام ہے کہ زمین پر ہو یا عضو پر بطور مسح ہو ۱۲ فتح ۱/۱۱۱) اسی طرح وہ جزئیات جو قول اول (رکنیتِ ضربین) کے برخلاف آئے ہیں ان میں تاویل کے دو ۲ طریقے اختیار کئے ہیں (پہلا طریقہ یہ کہ جزئیات صرف ان حضرات کے قول پر ہیں جو ضرب کی عدمِ رکنیت کے قائل ہیں، دوسرا یہ کہ لفظ ضرب سے زمین پر ضرب اور عضو پر مسح دونوں سے اعم معنی مراد ہے) حدیث میں ایک طریقہ تاویل یہ اختیار کیا تھا کہ یہ بلحاظ غالب واکثر ہے وہ تاویل یہاں نہیں ہوسکتی تھی کیونکہ جب ضربوں کو رکنِ تیمّم مان لیا گیا تو تیمّم کیلئے ضرب کا وجود تو لازم ہوگیا کہ رکن کے بغیر شیئ کا ثبوت وتحقق ممکن ہی نہیں۔ اس لئے یہاں پہلا طریقہ تاویل یہ رکھا کہ یہ جزئیات صرف ان لوگوں کے قول پر ہیں جو ضرب کی عدمِ رکنیت کے قائل ہیں تو یہ

اقول: فیه اولًا ماأشرت الیه ان الفروع سیقت فی الکتب جمیعا مساق المتفق علیه لم یؤم احد الی خلاف فیھا۔

ثانیا: (۱) لوکانت مبنیة علی القول الثانی لکانت مخالفة لاجماع ائمتنا فکیف یسوغ المیل الیھا فضلا عن الجزم بھا من دون اشارة اصلا الی خلاف فیھا۔

ثالثا: (۲) اکثرتلک الفروع فی الخلاصة ومصنفھا الامام طاھر قدصحح القول الاول فکیف یمشی فیھا طرا علی خلاف ماھو الصحیح عندہ بل قد افاد انھا متفق علیھا کماھو قضیة صنیعھم جمیعا ولذا جزم بھا الدرمع تصریحه

جزئیات بھی اختلاف مذہبین (رکنیت ضرب وعدم رکنیت) کا ثمرہ ہوں گی (جن کے نزدیک ضرب رکنِ تیمّم نہیں ان کے یہاں جواز تیمّم کی وہ صورتیں اور وہ جزئیات ہوں گے اور جن کے یہاں ضرب رکنِ تیمّم ہے ان کے نزدیک ان صورتوں میں تیمّم نہ ہوگا) اسی تاویل پر بحر نے جزم کیا ہے اور علامہ شامی نے بھی ان کا اتباع کیا ہے۔ (ت)

اقول: یہ تاویل درست مان لینے میں چند اعتراضات لازم آئیں گے اولًا وہ جس کی طرف میں نے پہلے اشارہ کیا کہ یہ جزئیات تمام کتابوں میں اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ کسی نے اختلاف کی طرف کوئی اشارہ بھی نہ کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام حضرات کے نزدیک متفق علیہ ہیں اور یہ صرف بعض کے قول پر نہیں۔

ثانیا: اگر یہ جزئیات قول ثانی (عدم رکنیت ضربین) کی بنیاد پر ہوتے تو ہمارے ائمہ کے اجماع کے خلاف ہوتے۔ پھر ان کی جانب میلان کیونکر روا ہوتا۔ اور ان سے متعلق کسی اختلاف کا کوئی اشارہ کیے بغیر ان پر جزم کرلینا تو بدرجہ اولٰی ناروا ہوتا۔

ثالثًا: ان جزئیات میں سے زیادہ تر خلاصۃ الفتاوٰی میں مذکور ہیں اور خلاصہ کے مصنّف امام طاہر قولِ اوّل (رکنیتِ ضربین) کو صحیح قرار دے چکے ہیں۔ پھر ان تمام جزئیات میں وہ اپنے صحیح مذہب کے خلاف کیسے چلیں گے؟ بلکہ انہوں نے تو یہ بھی افادہ کیا کہ یہ جزئیات متفق علیہ ہیں جیسا کہ دوسرے تمام حضرات کے طرزِ عمل کا بھی یہی مقتضی ہے اسی لئے درمختار میں ان جزئیات پر جزم کیا حالانکہ

باحوطية القول الاول وتصحيحه۔

رابعاً: (۱) تقدم عن البدائع اجماع ائمتنا علی رکنية الضربتين وهم المصرحون فی کتاب الصلوة بالفرع الثانی وهذا يقطع النزاع۔

السادس: اما مسلکه الثانی المشترک فيه الحديث وتلک الفروع ان المراد بالضربتين اعم من الضرب علی الارض وعلی العضو ففيه۔

اولا: کما (۲) اقول قد حقق المحقق ان حقيقة التيمّم هو المسح وان الضرب علی الارض ليس منها فی شیئ فلا وجه للتعميم فی الضرب الرکن بل انما يقال ان المراد بالضربتين هما المسحتان وحينئذ لايلائمه قوله صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم ثم قول صاحب المذهب ضربة للوجه وضربة لليدين اذلو اريد هذا لقيل ضربة علی الوجه واخری علی اليدين۔

وہ قول اول (رکنیت) کے احوط اور صحیح ہونے کے تصریح کرچکے ہیں۔

رابعا: رکنیت ضربین پر ہمارے ائمہ کا اجماع بدائع کے حوالہ سے بیان ہوا مگر اس کے باوجود خود ہی کتاب الصلاۃ میں جزئیہ دوم کی تصریح بھی کررہے ہیں۔ یہ بات فیصلہ کن اور قاطع نزاع ہے (اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ جزئیات صرف عدم رکنیت ماننے والوں کے قول پر مبنی نہیں بلکہ متفق علیہ ہیں)

بحث۶: اب رہی امام محقق کی دوسری تاویل جو حدیث اور مذکورہ جزئیات میں مشترک ہے کہ ضرب سے مراد ضرب علی الارض یا ضرب علی العضو سے اعم ہے۔ تو اس پر چند اعتراضات ہیں:

اولا: اقول: حضرت محقق خود تحقیق فرماچکے ہیں کہ تیمّم کی حقیقت بس مسح ہے۔ اور ضرب علی الارض کا حقیقتِ تیمّم میں کوئی دخل نہیں۔ تو وہ ضرب جو تیمّم کا رکن اور اس کی حقیقت میں داخل قرار دی گئی ہے اس کی تعمیم کرکے ضرب علی الارض کو بھی اس کے تحت لانے اور حقیقت تیمّم میں داخل کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے گا کہ دونوں ضربوں سے مراد دونوں کا مسح (چہرے کا مسح اور ہاتھوں کا مسح) ہے۔ اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد پھر صاحب مذہب کا قول: ضربة للوجه وضربة لليدين (ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب ہاتھوں کیلئے) تاویل مذکور کے مطابق نہ ہوگا اور موافق بھی نہ ہوگا کیونکہ

	اگر اس سے مراد ہوتا تو یوں ارشاد ہوتا ضربة علی الوجه واخری علی الیدین (ایک ضرب چہرے پر اور ایک ضرب ہاتھ پر)
وثانیًا: کما **اقول**:(۱) ایضا علی ھذا یرتفع الخلاف وتذھب ثمراته المذکورة عن اٰخرھا والقوم ومنھم المحقق نفسه علی اثباتھا۔	**ثانیًا: اقول**: اس تاویل کی بنیاد پر ضرب کی رکنیت وعدم رکنیت کا اختلاف ہی اٹھ جائیگا اور اس کے تمام مذکورہ ثمرات بھی باقی نہ رہیں گے حالانکہ علماء جن میں خود حضرت محقق بھی ہیں اس اختلاف اور ثمرات کو ثابت مانتے ہیں۔
وثالثًا: کما قال البحر انه لایمشی فی فرعی الخلاصة اذلا ضرب فیھما علی الارض ولاعلی العضو[1] اقول لکن(۲) مرجعه الی مؤاخذة علی اللفظ فلوقال المحقق ان المراد بالضربتین المسحتان لم یرد انه لاضرب ھھنا اصلا۔	**ثالثًا**: البحرالرائق کا اعتراض کہ یہ تاویل خلاصہ میں مذکوران دو[2] جزئیوں میں جاری نہیں ہو سکتی (جن میں غبار کی جگہ اعضائے تیمّم کو داخل کرکے بہ نیت تیمّم حرکت دے لینے کو کافی قرار دیا ہے) کیوں کہ ان میں نہ زمین پر ضرب ہے نہ عضو پر۔ **اقول**: مگر اس اعتراض کا مآل صرف لفظ پر گرفت ہے اگر حضرت محقق نے فرمایا ہوتا کہ دونوں ضرب سے مراد دونوں مسح ہے تو یہ اعتراض وارد نہ ہوتا کہ یہاں سے تو سرے سے ضرب ہی نہیں۔
ورابعًا: کما ابدی البحر ایضا ان لیس ثمه مسح ایضا وبه اخذ الخادمی علی الدرر بل(۳) وعلی جلة العمائد الغرر کالظھیریة والخانیة والخلاصة وخزانة المفتین والجوھرة والایضاح والفتح والبحر وابن کمال حتی کتاب الصلاة لصاحب صاحب المذھب اذصرحوا جمیعا	**رابعًا**: بحر ہی نے یہ اعتراض بھی ظاہر کیا ہے کہ یہاں (موضع غبار میں تحریک اعضا والی صورت میں) مسح بھی تو نہیں۔ اسی بنیاد پر محشّی درر خادمی نے درر پر بلاکہ اکثر کتب معتمدہ جیسے ظہیریہ، خانیہ، خلاصہ، خزانۃ المفتین، جوہرہ، ایضاح، فتح القدیر، البحرالرائق اور ابن کمال یہاں تک کہ صاحب مذہب کے شاگرد کی کتاب الصلٰوۃ پر بھی گرفت کی ہے۔ اس لئے کہ جیسا کہ گزر چکا ان تمام حضرات نے تصریح

[1] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

کماتقدم بانه اصاب الغبار وجهه و ذراعیه لایجوز مالم یمسح بنیة التیمّم [1] فقال فیه مافیه لماعرفت انفا من الخلاصة والبحر (ای من کفایة تحریک الاعضاء قال) الا ان یقال المراد من المسح اعم مما هو حقیقة اوحکما فیشمل نحو تحریک الرأس [2] اھ۔	فرمائی ہے کہ "اگر صرف اتنا ہوا کہ چہرے اور ہاتھوں پر غبار پہنچ گیا تو تیمّم نہ ہوگا جب تک کہ بہ نیت تیمّم اس پر ہاتھ نہ پھیرے"۔ خادمی نے کہا: "**فیه مافیه** اس میں وہ خامی ہے جو اس میں ہے کیونکہ ابھی خلاصہ اور بحر کے حوالہ سے معلوم ہوا (کہ تحریک اعضا بھی کافی ہے) مگر یہ کہا جائے کہ مسح سے مراد وہ ہے جو حقیقۃً اور حکمًا دونوں مسح سے اعم ہے۔ اس طور پر لفظ مسح تحریک سر وغیرہ والی صورت کو بھی شامل ہو جائیگا"۔ اھ۔
واقول: اولا(۱) ذهب عنه ان الخلاصة والبحر ایضا من المصرحین بانه ان لم یمسح لم یجز کماقدمنا عنهما فی الفرعین الاولین والسادس۔	**اقول: اولا** خادمی کو یہ خیال نہ رہا کہ خلاصہ اور بحر میں بھی یہ تصریح موجود ہے کہ اگر ہاتھ نہ پھیرا تو تیمّم نہ ہوگا جیسا کہ جزئیہ ۱، ۲، ۶ میں ان سے ہم نے نقل کیا ہے۔
وثانیا:(۲) لونظر الی ماصرحوا فیه بعدم الاجزاء الا بالمسح والخلاصة والبحر باجزاء التحریک لعرف الفرق وعلم ان لااخذ علی الدرر والجلة الغرر کماسینکشف لک سر ذلک ان شاء اللّٰه تعالٰی۔	**ثانیا** جس صورت میں حضرات علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ ہاتھ پھیرے بغیر تیمّم نہ ہوگا اور جس صورت میں خلاصہ اور بحر نے تحریک اعضاء کو کافی قرار دیا ہے دونوں میں اگر فاضل خادمی نے غور کیا ہوتا تو فرق واضح ہو جاتا اور انہیں معلوم ہوتا کہ درر اور کتب معتمدہ پر مؤاخذہ کی گنجائش نہیں جیسا عنقریب ان شاء اللہ اس کی حقیقت واضح ہوگی۔
وثالثا: نعود الی البحر	**ثالثا**: اب ہم بحر کی طرف رجوع کرتے ہیں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی نوع فیما یجوز بہ التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۳۶

[2] درر شرح الغرر لابی سعید خادمی باب التیمم مطبع عثمانیہ بیروت ۱/۲۸

فاقول: علی(۱) ھذا یندفع مااعترف بہ البحر ایضا انہ الحق وھو رکنیۃ المسح۔

لکنی **اقول:**(۲) وبربی استعین انما مسح شیئ بشیئ امرار ھذا علیہ وامساسہ بہ روی الطبرانی فی الصغیر عن سلمان الفارسی رضی اللّٰہ تعالی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم تمسحوا بالارض فانہا بکم برۃ[1]

قال فی التیسیر بان تباشروھا بالصلاۃ بلاحائل وقیل اراد التیمم[2] اھ وقال فی النہایۃ والدر النثیر ومجمع البحار ارادبہ التیمم وقیل اراد مباشرۃ ترابہا بالجباہ فی السجود من غیر حائل والامر ندب لاایجاب[3] اھ۔

اقول: (۳)وھو ظاھر السوق والتعلیل فکان ھو الاولی کما فعل فی التیسیر وفی ابن اثیر وتلخیصہ للسیوطی والمجمع مسحھم مربھم

فاقول: اس اعتراض کی بنیاد پر تو رکنیت مسح جس کو خود بحر نے بھی حق مانا ہے مسترد ہوجائے گی۔ مسح بھی رکنِ تیمم قرار نہ پاسکے گا۔

لکنی **اقول:** **وبربی استعین** (لیکن میں کہتا ہوں اور اپنے رب ہی سے مدد چاہتا ہوں) ایک شیئ کو دوسری شیئ سے مسح کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک کو دوسری پر گزار دیا جائے اور اسے اس سے مس کیا جائے۔ طبرانی نے معجم صغیر میں بروایت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: "زمین سے مسح کرو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ نیک سلوک کرنیوالی ہے"۔ تیسیر میں فرمایا: اس طرح کہ زمین پر بغیر کسی حائل کے نماز ادا کرتے ہوئے اس سے اپنی جلد کو مس کرو، اور کہا گیا کہ اس حدیث میں مسحِ زمین سے مراد تیمّم ہے"۔ اھ نہایہ، دُرنثیر اور مجمع البحار میں ہے: "اس سے مراد تیمّم ہے۔ اور کہا گیا کہ بغیر کسی حائل کے سجدہ کرتے ہوئے پیشانیوں سے زمین کی مٹی کو استعمال کرنا اور جلد کو اس سے مس کرنا مراد ہے اور یہ امر مندوب ہے واجب نہیں"۔ اھ

اقول: سیاقِ کلام اور تعلیل سے یہی آخری معنی ظاہر ہوتا ہے اس لئے یہی مراد لینا بہتر ہے جیسا کہ تیسیر میں کیا ہے۔ نہایہ ابن اثیر اور تلخیص نہایہ للسیوطی اور مجمع البحار میں ہے: "**مسحھم** کا معنی ہے

[1] المعجم الصغیر باب من اسمہ حملۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۴۸

[2] التیسیر جامع صغیر حرف التاء مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۱/۴۵۶، مجمع بحار الانوار تحت لفظ مسح منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۹۶

[3] النہایۃ لابن اثیر باب المیم والسین المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۴/۳۲۷

مر اخفیفا لم یقم فیه عندھم [1] اھ
وفی الاخیر حدیث یمسح منا کبنا ای یضع یدہ علیها لیسویھا [2] اھ ای عند اقامة الصفوف وفی القاموس تماسحا تبایعا فتصافقا [3] اھ
وفی التاج ماسحه صافحه والتقوا فتماسحوا تصافحوا [4] اھ وقال المجد ھو یتمسح به ای یتبرك به لفضله [5] فقال التاج کأنه یتقرب الی الله تعالٰی بالدنومنه ویتمسح بثوبه ای یمر ثوبه علی الابدان فیتقرب به الی الله تعالٰی قیل وبه سمی المسیح عیسٰی علی نبینا وعلیه الصلاة والسلام قاله الازھری [6] اھ

ان کے پاس سے ایسی سبک روی سے گزر گیا کہ ان کے پاس ٹھہرا نہیں"۔ مجمع البحار میں ہے: "حدیث میں ہے یمسح منا کبنا، یعنی (صفیں سیدھی کرتے وقت) سرکار ہمارے کاندھوں کو برابر کرنے کیلئے ان پر اپنا ہاتھ رکھتے"۔ قاموس میں ہے: "تماسحا تبایعا فتصافقا اھ (تماسحا کا معنی یہ ہے کہ باھم خرید وفروخت کرکے ایک نے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا) تاج العروس میں ہے: "ماسحه کا معنی ہے اس سے مصافحہ کیا التقوا فتماسحوا یعنی باہم ملے تو ایک دوسرے سے مصافحہ کیا" اھ۔ قاموس میں مجدالدین نے لکھا: "ھو یتمسح به ای یتبرك به لفضله" (وہ اس سے مسح کرتا ہے یعنی اس کی فضیلت کی وجہ سے اس سے برکت حاصل کرتا ہے"۔ اس پر تاج العروس میں کہا: "گویا وہ اس کے قُرب کے ذریعہ خدا کی نزدیکی حاصل کررہا ہے۔ اور یتمسح بثوبه کا معنی یہ ہے کہ وہ اس کے کپڑے کو اپنے بدن پر گزار کر اس سے خدا کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس وجہ سے حضرت عیسٰی علی نبینا وعلیہ الصلٰوۃ والسلام کو مسیح کہا گیا۔ یہ ازہری نے کہا ہے"۔ اھ

---

[1] النہایۃ لابن اثیر باب المیم مع السین المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۴/۳۲۷
[2] مجمع البحار لفظ مسح نولکشور لکھنؤ ۳/۲۹۸
[3] القاموس باب الحاء فصل المیم مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۵۸
[4] تاج العروس فصل المیم من باب الحاء احیاء التراث العربی مصر ۲/۲۲۶
[5] القاموس المحیط باب الحاء فصل المیم مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۵۸
[6] تاج العروس فصل المیم من باب الحاء احیاء التراث العربی مصر ۲/۲۲۶

اقول: (۱) فقول المجد المسح امرار الید علی الشیئ السائل [1] لیس السیلان لازمه ولذا لم یزده الراغب فی مفرداته وهذا ربنا تبارك وتعالٰی یقول فی الصعید فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ [2] ولا الید (۲) قیدا فیه لحدیث تمسحوا عـه بالارض فی وضع الجباه علیها بلاحائل ولاالامرار بمعنی التحریك علیه لحدیث یمسح مناکبنا وقدنص ائمتنا ان ضرب الکفین بل ووضعهما علی الارض ناویا یطهرهما فلایمسحهما بعد وسیأتیك بعض نصوصه ان شاء الله تعالٰی وانما امر المولی سبحنه وتعالٰی	اقول: ان تصریحات کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ مجدالدین نے قاموس میں مسح کے معنٰی میں سیال چیز پر ہاتھ گزارنا جو لکھاہے اس میں (شیئ کے ساتھ سیال کی قید نہ ہونا چاہئے کیونکہ) سیلان اس مفہوم کیلئے لازم شیئ نہیں۔اسی لئے مفردات میں امام راغب نے اس قید کا اضافہ نہ کیا۔قرآن مجید میں باری تعالٰی کاارشاد ہے: فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ (اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کو مسح کرو) اس میں ہاتھ مفہوم مسح کی قید نہیں، کیوں کہ حدیث میں زمین پر بغیر حائل کے پیشانی رکھنے کیلئے بھی لفظ مسح وارد ہے جیسا کہ گزرا تمسحوا بالارض۔اسی طرح ہاتھ پھیرنا یعنی عضو پر اسے حرکت دینا اور گزارنا یہ بھی مفہوم مسح کی قید نہیں کیونکہ حدیث میں وارد ہے یمسح مناکبنا۔جبکہ یہاں کاندھوں پر صرف ہاتھ رکھنا ہوتا تھا (جیسا کہ مجمع البحار کے حوالے سے بیان ہوا) اس کا دوسرا ثبوت یہ بھی ہے کہ ہمارے ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ اگر تیمّم کی نیت سے دونوں

عـه وفی النهایة والدر النثیر ومجمع البحار تحت حدیث حماد المعتدة فی الجاهلیة تاخذ طائرا فتمسح به فرجها ۱۲ منه غفرله (م)

نہایہ، دُرِ نثیر اور مجمع البحار میں حدیثِ حماد کے تحت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں معتدہ عورت پرندہ پکڑتی تو اسے اپنی شرمگاہ پر لگاتی ۱۲ منہ غفرلہ غفرلہ (ت)

[1] القاموس المحیط باب الحاء فصل المیم مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۵
[2] القرآن ۴/۴۳

بالمسح فلولا ان امساسهما بالارض مسحهما بهالما اغنى۔

اذا علمت هذا فاعلم (۱) ان ههنا صورتين تعود اربعا وذلك لانك حين تريد التيمم اما ان تجد الصعيد متصلا باعضائك او منفصلا عنها على الثانی لك وجهان احدهما ان تمسه كفيك فتمسح بهما عضويك وذلك هو المعهود المعروف والوارد فی الاحاديث القولية والفعلية والاٰخر عط امرارك عضويك على الصعيد أما مسحا من فوقه كما فی الفرع الهادی عشر للاشل وفی الثالث للصحيح وهی واقعة سيدنا عمّار بن ياسر رضی الله تعالٰی ولم ينكر عليه النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم بمعنی انه لم ينف طهوره به وان ارشد الی ماكان يكفی الغاء للزائد على الحاجة واما ادخالا فی

______ کفِ دست کو زمین پر مارا بلکہ اس نیت سے دونوں کو زمین پر صرف رکھ دیا تو دونوں پاک ہوگئیں بعد میں دونوں ہتھیلیوں کا مسح نہیں کرے گا۔اس سلسلہ میں کچھ نصوص ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب آئیں گے حالانکہ مولائے کریم سبحانہ وتعالٰی نے "مسح" کا حکم دیا ہے اگر زمین سے دونوں ہتھیلیوں کو مَس کرنا ہی ان دونوں کا مسح نہ ہوتا تو بعد میں الگ سے ان کا مسح ضروری ہوتا۔اور پہلی بار دونوں کا زمین پر مَس کرنا ان دونوں کے مسح سے بے نیاز نہ کرتا۔

یہ سب واضح ہوجانے کے بعد یہ جاننا چاہئے کہ یہاں دو۲ صورتیں ہیں جو چار ہوجاتی ہیں۔اس لئے کہ جب تیمّم کا ارادہ ہو متیمم اس وقت صعید کو یا تو اپنے اعضائے تیمم سے متصل (۱) پائے گا یا منفصل (۲)۔برتقدیر ثانی دو۲ صورتیں ہیں (۱) صعید سے ہتھیلیاں مس کرکے ہتھیلیوں کو اعضا پر پھیرلے۔یہی صورت معہود ومعروف اور قولی وفعلی احادیث میں مذکور ہے۔(۲) ا۔اعضائے تیمّم کو صعید پر گزارے۔خواہ اس طرح کہ صعید کے اوپر اعضاء کو پھیرے جیسے جزئیہ ۱۱ میں اعضاء شل ہوجانے والے شخص کیلئے بیان ہوا اور جزئیہ ۳ میں تندرست کیلئے ذکر ہوا۔یہی سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا واقعہ بھی ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا یعنی ان کی طہارت کی نفی نہ فرمائی،اگرچہ قدر حاجت سے زائد کو لغو بنانے کیلئے قدر کافی کی ہدایت ورہنمائی فرمائی،خواہ اس طرح کہ اعضائے تیمّم کو صعید کے اندر

خلاله كمن يولج وجهه وكفيه فی الرمل بنية التيمم وعليه الفرع الرابع اوعط امرارك الصعيد على عضويك كان تأخذ قطعة حجر فتمرها على وجهك وذراعيك ناويا مستوعبا وبالجملة تفعل مابنفسه يقع المساس بين الصعيد والمحل۔

واقول: وهذا الوجه الاخير الذی زدته وان لم يذكروه معلوم اجزاؤه قطعا لوجود امتثال قوله عزوجل فتيمّموا صعيدا طيبا فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه هذا كله فی الثانی اما الاول اعنی وجدانه متصلا ففيه صورتان:

الاولى: ان تجده على عضويك فقط لاورائهما كغبار ساكن وقع عليهما بالقاء ريح كما فی الفرع الاول اوبفعل منك كهدم اوكنس اوكيل اوذر اوضرب به اونفض ثوب كما فی الفرع الثانی والسادس والتاسع والعاشر كل ذلك اذا اردت التيمّم بما بقی منه على عضويك بعد سكونه اولم يثر غبارا فی الذربل نزل على العضو فسكن۔

داخل کردے۔ مثلاً کوئی شخص بہ نیتِ تیمّم اپنے چہرے اور ہاتھوں کو ریت میں داخل کرے، اس پر جزئیہ ۴ ہے۔ ب۔ یا صعید کو اعضاء پر گزارے۔ مثلاً پتھر کا کوئی ٹکڑا لے کر بہ نیت تیمّم چہرے اور ہاتھوں پر پورے طور سے پھیرلے۔ مختصر یہ کہ ایسا فعل ہو کہ خود اسی فعل سے صعید اور اعضائے تیمّم باہم مَس ہو جائیں۔

اقول: یہ آخری صورت جس کا میں نے اضافہ کیا اگرچہ اسے علماء نے ذکر نہیں کیا مگر اس کا جواز تیمّم کیلئے کافی ہونا قطعی طور پر معلوم ہے اس لئے کہ ارشادِ باری عزّوجلّ: "تو پاک صعید کا قصد کرکے اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو" کی بجاآوری پائی جاتی ہے۔ یہ کلام برتقدیر ثانی تھا۔ اب پہلی تقدیر لیجئے یعنی صعید کو اعضاء سے متصل پانا۔ اس میں دو صورتیں ہیں: (۱) تیمّم کرنے والا صرف چہرے اور ہاتھوں پر صعید پائے اور کسی عضو پر نہ پائے مثلاً دونوں عضووں پر غبار ہوا کے اڑا کر ڈال دینے سے پڑا ہو۔ جیسا کہ جزئیہ ۱ میں ہے یا خود متیمم کے کسی فعل سے ان اعضاء پر گرد آئی ہو جیسے دیوار گرنا، جھاڑو دینا، غلّہ ناپنا یا مٹّی چھڑکنا یا اس پر ہاتھ مارنا، یا غبار آلود کپڑا جھاڑنا، ایسا کوئی فعل جس کے باعث گرد آکر اعضائے تیمّم پر بیٹھ گئی جیسا کہ جزئیہ ۲، ۶، ۹، ۱۰ میں ہے۔ ان ساری صورتوں میں یہ ہو کہ جب گرد اعضاء پر بیٹھ گئی اس کے بعد اعضائے تیمّم پر بیٹھی ہوئی گرد سے تیمّم کا ارادہ کیا، یا چھڑکنے کی صورت میں غبار نہ اڑایا بلکہ جو مٹّی چھڑکی وہ عضو پر گر کر بیٹھ گئی۔

والثانیة: ان تجد له ثخنا کثیرا حول اعضائك کأن تکون مختبیا فی رمل اویهجم غبار بهبوب ریح اواثارة منك بهدم وغیره ولوبذر مثیر فتجد غبارا ثائرا مرتفعا غیر منقطع احاط بعضویك فترید التیمم به قبل سکونه کما فی الفرع الخامس ومنه السابع والثامن۔

ففی هاتین وان وجد الاتصال بین الصعید والعضوین لکن لیس بفعلك للتیمّم بل امّا لا فعل لك فیه کما فی القاء الریح وارتفاع الغبار بانهدام الجدار اوکان فعلك فی تحریکه ثم وصوله الی عضویك بطبعه کمافی الهدم والکنس والکیل والذر وضرب الید ونفض الثوب اووصل بفعلك لاللتیمّم کمافی صورة الاختباء والشرط وجود فعل ناو یقع بنفسه امساس العضوین بالصعید۔

ففی الصورة الثانیة حیث ان للصعید ثخنا حول اعضائك یکفیك

(۲) متیمم اپنے اعضاء کے گرد صعید کی کافی دبازت پائے مثلاً ریت میں چھُپا ہوا ہو، یا آندھی چلنے، یا دیوار گرانے وغیرہ سے خواہ غبار انگیز چھڑکاؤ ہی کی وجہ سے غبار کی وافر مقدار ہوگئی ہے جس کے باعث اپنے اعضاء کے گرد نہ ختم ہونے والا بلند اڑتا ہوا غبار پارہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ٹھہرنے سے پہلے اس سے تیمّم کرلے۔ جیسا کہ جزئیہ ۵ میں ہے۔اسی سے متعلق جزئیہ ۷،۸ بھی ہے۔

ان دونوں صُورتوں میں اگرچہ صعید اور اعضاء کے درمیان اتصال پایا گیا لیکن یہ اتصال تیمّم کیلئے متیمم سے ہونے والے فعل کے ذریعہ نہ ہوا بلکہ اس میں یا تو متیمم کا سرے سے کوئی فعل ہی نہیں، جیسے اس صورت میں کہ آندھی نے اعضاء پر غبار ڈال دیا، یا دیوار گرنے سے غبار اٹھا، یا متیمم کا فعل تو ہوا لیکن یہ فعل صرف اتنا تھا کہ غبار کو حرکت دی، برانگیختہ کیا، پھر اعضاء تک غبار کا پہنچنا خود غبار کی فطرت وطبیعت کے تحت پایا گیا، جیسے اس صورت میں کہ متیمم نے دیوار گرائی، جھاڑو دیا، غلّہ ناپا، مٹّی چھڑکی، غبار پر ہاتھ مارا، کپڑا جھاڑا، یا غبار متیمم کے فعل ہی سے پہنچا لیکن یہ فعل تیمّم کیلئے نہ تھا جیسے اس صورت میں کہ متیمم ریت میں چھُپا ہوا تھا۔اور شرط یہ ہے کہ بہ نیتِ تیمّم ایسا فعل پایا جائے کہ خود اسی فعل سے اعضاء کو صعید سے مس کرنا متحقق ہو۔

دُوسری صورت میں چونکہ اعضائے متیمم کے گرد صعید کی دبازت موجود ہے اس لئے بہ نیتِ تیمّم

تحريك عضويك بنية التيمّم لانه يقع به الاتصال والامساس بغيرما اتصل اولا فيحصل الفعل المقصود وهذا مافى الخلاصة والبحر فى الفرع الخامس۔

لكن فى الصورة الاولى لا تجد صعيدا وراء عضويك فمهما حركتهما لم يحصل امساس بشيئ جديد فلا يكفى ولابد من ان تمر يدك عليه ناويا فيقع امساس لم يكن وهذا ما فى الفتح والبحر والظهيرية والهندية فى الفرع الاول والخلاصة والدرر والبزازية وابن كمال وكتاب الصلاة فى الفرع الثانى والخانية والخلاصة والخزانة والايضاح والجوهرة فى الفرع السادس والمحيط والهندية فى الفرعين التاسع والعاشر فذهب القلق* واسفر الفلق* ولله الحمد وظهر(۱) بهذا التقرير المنير* فوائد مهمة نفعها غزير*

منها انه لاخلف بين اكتفاء الخلاصة والبحر بالتحريك واشتراط الدرر والجلة الغرر المسح كماتوهم الفاضل(۱) الخادمی

اس کا اپنے چہرے اور ہاتھوں کو حرکت دے لینا ہی کافی ہے کیونکہ پہلے جس سے اتصال تھا اس کے علاوہ فعل (فعل تحریک) کی وجہ سے صعید سے اتصال اور مس کرنا پالیا جاتا ہے تو فعل مقصود کا حصول ہو جاتا ہے۔یہی صورت جزئیہ ۵ کے تحت خلاصہ اور بحر میں ہے۔

لیکن پہلی صورت میں چونکہ اعضائے متیمم کے گرد صعید موجود نہیں ہے اس لئے اگر وہ چہرے اور ہاتھوں کو حرکت دے تو کسی نئی چیز سے مس کرنا حاصل نہ ہوگا اس لئے یہاں تحریک اعضاء تیمّم کیلئے کفایت نہیں کر سکتی۔ضروری ہے کہ بہ نیتِ تیمّم صعید پر ہاتھ پھیرے کہ اعضاء کو صعید سے مس کرنے کا عمل حاصل ہو جو پہلے حاصل نہ تھا۔یہی صورت جزئیہ ۱ کے تحت فتح القدیر، بحر الرائق، ظہیریہ اور ہندیہ میں ہے،اور جزئیہ ۲ کے تحت خلاصہ، درر، بزازیہ،ابنِ کمال اور کتاب الصّلاۃ میں ہے جزئیہ ۶ کے تحت خانیہ، خلاصہ، خزانہ، ایضاح اور جوہرہ میں ہے۔اور جزئیہ ۹، ۱۰ کے تحت محیط اور ہندیہ میں ہے۔اس تفصیل و تحقیق سے اضطراب دُور ہوگیا،اور صبح کا جمال روشن ہوگیا وللہ الحمد۔اور اس تقریر منیر سے چند اہم **فوائد** بھی ظاہر ہوئے جو بہت نفع بخش ہیں،کچھ فوائد کا بیان درج ذیل ہے:

ف ۱: خلاصہ اور بحر نے صرف تحریک اعضاء کے ذکر پر اکتفاء کیا مگر درر اور دیگر کتبِ معتمدہ نے مسح کی شرط لگائی دونوں میں کوئی اختلاف وتعارض نہیں جیسا کہ فاضل خادمی کو وہم ہوا۔اس لئے۔

فالاول فی الغبار المرتفع والثانی فی المنقطع۔	**اوّل** اس صورت میں ہے جب اعضاء کے گرد اٹھتا ہوا غبار موجود ہو،اور ثانی اس صورت میں ہے جب غبار منقطع ہوچکا ہو۔
ومنها[2] ان لیس المسح فی مسألة الدرر فی الفرع الثانی بمعنی یشمل التحریك کمازعم(ا) ایضا فان التحریك لایکفی فیه بل لابدمن امرار الید۔	**ف۲:** جزئیہ ۲کے تحت ذکر شدہ مسئلہ درر میں مسح کاایسا کوئی معنی مراد نہیں جو تحریک اعضاء کو بھی شامل ہو جیسا کہ فاضل موصوف نے خیال کیا۔اس میں تحریک توکافی ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اعضاء پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔
ومنها[3] ان لا تهافت بین کلام الخلاصة فی الفرع الخامس وکلامه فی الثانی والسادس لعین مامر فی الدرر۔	**ف۳:** جزئیہ ۵ کے تحت ذکر شدہ عبارت خلاصہ اور جزئیہ ۲،۶کے تحت مذکورہ عبارتِ خلاصہ کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔وجہ وہی ہے جو عبارتِ درر کی توضیح میں ابھی بیان ہوئی۔
ومنها[4] مثله للبحر فی الخامس والاول۔	**ف۴:** یہی حال جزئیہ ۵ اور جزئیہ ۱کے تحت بحر کی مذکور عبارتوں کا ہے۔
ومنها[5] ان الذرفی الفرع السادس مالا یثیر نقعا وترید التیمم بعد ماوقع وسکن فلذا شرطوا المسح وفی الفرع السابع مایثیر وترید التیمم وهو مرتفع فاکتفی البزازی بتحریك المحل لما علمت ان التحریك لاینفع بعد السکون۔	**ف۵:** جزئیہ ۶ کے تحت اعضاء پر مٹّی چھڑکنے کاجو ذکر ہے اس سے ایسا چھڑکنا مراد ہے جس سے غبار نہ اُڑتا ہو اور مٹی اعضاء پر گر کر بیٹھ گئی اس کے بعد تیمّم کاارادہ کیا۔اسی لئے اس میں مسح کی شرط ہے۔اور جزئیہ ۷ کے تحت ایسا چھڑکنا مراد ہے جس سے غبار اٹھتا ہو اور غبار بلند ہونے کی حالت میں ہی تیمّم کاارادہ ہو اسی لئے بزازی نے اعضائے تیمّم کو اس غبار میں حرکت دے لینے پر ہی اکتفا کیا۔یہ اس لئے کہ معلوم ہے غبار بیٹھ جانے کے بعد تحریک اعضاء سے کوئی فائدہ نہیں۔
ومنها[6] ان القیام فی مهب الریح	**ف۶:** آندھی کے رُخ پر کھڑاہونا اگر اس صورت

ان کان بحیث هبت فاثارت نقعا احاط بك فاردت التیمم حین هو مرتفع کفاك التحریك وهو المراد البزازیة فی الفرع الثامن وان اردت بعد ماسکن لزمك امرار الید وهو المراد الخلاصة فی الفرع الثانی۔

ومنھا ان ادخال(۱) المحل فی موضع الصعید ترابا کان او رملا اوغبارا اذا کان بنیة التیمم کفی لحصول الامساس بفعلك ناویا وهو فرع الخلاصة الرابع وان کان لابالنیة واردت التیمم لزمك التحریك وهو فرع البزازیة الثامن فالادخال فی الخلاصة مع النیة ولذا لم یزد شیئا وفی البزازیة بدونها ولذا زاد التحریک۔

وبالجملة اذا هبت ریح فاثارت غبارا فذهبت الیه ودخلته ناویا کان من الفرع الرابع اوغیرناو والغبار مرتفع کان من الثامن اواردت

میں ہو کہ آندھی چلی جس سے اس قدر غبار اٹھا کہ اس نے ہر طرف سے آدمی کو گھیر لیا اب اس نے غبار بلند رہنے ہی کی حالت میں تیمّم کا ارادہ کیا تو اس وقت اعضائے تیمّم کو اس بلند غبار میں حرکت دے لینا ہی کافی ہے۔ جزئیہ ۸ کے تحت یہی بزازیہ کی مراد ہے۔ اور اگر غبار بیٹھ جانے کے بعد تیمّم کا ارادہ کیا تو اعضاء پر بیٹھے ہوئے غبار پر ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔ جزئیہ ۲ کے تحت خلاصہ کی یہی مراد ہے۔

ف۷: اعضائے تیمّم کو صعید کی جگہ داخل کرنا۔ صعید خواہ مٹّی ہو یا ریت یا غبار۔ جب بہ نیتِ تیمّم ہو تو یہی کافی ہے کیونکہ نیت کے ساتھ اعضاء کو صعید سے مس کرنے کا عمل حاصل ہوگیا۔ خلاصہ میں ذکر شدہ جزئیہ ۴ یہی ہے۔ اور اگر اعضائے تیمّم کو داخل کرنا نیت کے بغیر ہوا پھر تیمّم کا ارادہ کیا تو اعضا کو حرکت دینا ضروری ہے۔ یہ بزازیہ میں مذکورہ جزئیہ ۸ ہے۔ تو خلاصہ میں جو داخل کرنا مذکور ہے وہ بہ نیتِ تیمّم داخل کرنا ہے اسی لئے اس پر کسی اور عمل کا اضافہ نہ بتایا۔ اور بزازیہ میں جو داخل کرنا بیان ہوا وہ بلانیت تیمّم داخل کرنا ہے۔ اسی لئے اس میں قیدِ تحریک کا اضافہ کیا۔

حاصلِ کلام یہ کہ جب آندھی چلے جس سے غبار اٹھے اس اڑتے ہوئے غبار کے پاس جا کر تیمّم کی نیت سے اس میں داخل ہو جائے تو یہ صورت جزئیہ ۴ کے تحت آئیگی۔ اور بغیر نیت داخل ہوگیا اور غبار ابھی بلند ہے تو جزئیہ ۸ کی صورت ہوگی۔

ببعدما سکن کان من الثانی واذا قمت فی جهة المهب حتی ا تاك الغبار واحاط بك لم یکفك مطلقًا وان کان وقوفك هذا بنیة التیمم لان الوصول من جهة الغبار لامن قبلك فان کان بعد مرتفعا فحرکت اعضائك ناویا کان من الفرع الثامن وان وقع وسکن فاردت کان من الفرع الثانی۔

وبوجه اخصر اما ان تذهب الی الغبار فتدخل فیه اعضائك ناویا اوغیر ناو اویأتیك علی الاول ثم التیمم وعلی الاخرین کفی التحریك ان کان مرتفعا ولزم امرار الیدان وقع وسکن۔

ومنها[8] ان التحریك والادخال کل ذلك مسح کماعلمت فلا(ا)اخذ علی المحقق کمازعم البحر۔

ومنها[9] ان مراد الخلاصة في

اور غبار بیٹھ جانے کے بعد اعضاء پر پڑے ہوئے غبار سے تیمّم کا ارادہ کیا تو جزئیہ ۲ کی صورت ہوگی۔اور اگر آندھی کے رُخ پر کھڑا ہوگیا پھر غبار آخر محیط ہوگیا تو اس قدر مطلقًا کافی نہیں اگرچہ یہ ٹھہرنا تیمّم ہی کی نیت سے ہُوا ہو۔اس لئے کہ پہنچنے کا عمل غبار کی جانب سے ہوا متیمم سے نہ ہوا۔اب اگر غبار ابھی بلند ہے اس میں اپنے اعضا کو بہ نیتِ تیمّم حرکت دے لی تو جزئیہ ۸ کی صورت ہوگئی۔اور غبار جسم پر پڑ گیا اور بیٹھ گیا پھر تیمّم کا ارادہ کیا تو یہ صورت جزئیہ ۲ کے تحت آئے گی۔

اور زیادہ مختصر طور پر یوں کہا جائے گا کہ تین صورتیں ہیں:

(۱) متیمم غبار کے پاس جاکر تیمّم کی نیت سے اس میں اپنے اعضائے تیمّم داخل کرے۔

(۲) بلانیت اعضاء کو داخل کرے۔

(۳) غبار خود متیمم تک پہنچے۔

پہلی صورت میں اتنے ہی عمل سے تیمّم مکمل ہوگیا۔آخری دو۲ صورتوں میں اگر غبار اب بھی بلند ہے تو اعضاء کو حرکت دے لینا کافی ہے۔اور اگر غبار اعضا پر پڑ گیا اور بیٹھ گیا تو ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

ف۸: مختلف صورتوں کی تفصیل کے ذیل میں معلوم ہوا کہ غبار میں اعضاء کو حرکت دینا بھی مسح ہے اور اس میں داخل کرنا بھی مسح ہے۔تو بحر نے محقق علی الاطلاق پر جو اعتراض کیا وہ ساقط ہے۔

ف۹: خلاصہ نے جو کہا کہ "شرط یہ ہے کہ خود

قوله ان الشرط وجود الفعل منه هو المسح عينا لاما(١) يعمه وغيره كما زعم ايضا۔

ومنها ان المسح هو ركن التيمم لاغير به يتقوم ولا تصوره بدونه كماقال المحقق انه الحق هكذا ينبغي ان تفهم كلمات العلماء كرام*والحمدلله ولى الانعام*ذى الجلال والاكرام*وافضل الصلاة واكمل السلام*على سيد الانام*واله وصحبه على مرالليالى والايام*امين۔

السابع: لاوجه يظهر(٢) لكفاية النية بعد الضرب كيف(٣) وان التراب فى اصله ملوث وانما جعل مطهرا بالنية تفضلا من المولى سبحنه وتعالى قال الامام الجليل ابو البركات فى الكافى قال زفر النية ليست بشرط فيه كالوضوء لانه خلفه فلايخالفه ولنا ان التراب ملوث بذاته وانما صار مطهرا اذا نوى

تیمم سے فعل کا وجود ہو" اس فعل سے ان کی مراد بعینہٖ مسح ہے ایسا کوئی فعل مراد نہیں جو مسح اور غیر مسح کو عام ہو جیسا کہ بحر کا خیال ہے۔

ف۱۰: مسح ہی رکن تیمّم ہے، کچھ اور نہیں۔اسی سے تیمّم کی حقیقت وجود میں آتی ہے اور اس کے بغیر تیمّم متصور بھی نہیں ہوسکتا، جیسا کہ حضرت محقق نے فرمایا کہ "یہ حق ہے"۔اسی طرح علمائے کرام کے کلمات کو سمجھنا چاہئے۔اور ساری خوبیاں خدا کیلئے جو احسان کا مالک اور عزّت وبزرگی والا ہے۔اور بہتر درود، کامل تر سلام ہو سیدانام ہو اور ان کی آل واصحاب پر جب تک روز وشب کی گردش جاری رہے۔آمین!

بحث۷: (ضربوں کے رکنِ تیمّم ہونے اور نہ ہونے کا ایک ثمرہ اختلاف یہ بتایا گیا کہ بعد ضرب اگر نیتِ تیمّم کی تو یہ نیت عدم رکنیت والے قول پر کافی ہوگی یہاں اوّلاً مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ کسی قول پر بھی مذکورہ نیت کے کافی ہونے کی کوئی وجہ نہیں، آخراً اس نیت کے کافی ہونے اور کافی نہ ہونے سے متعلق جو دو قول ملتے ہیں ان میں تطبیق کی ایک صورت بھی ذکر کی ہے ۱۲م۔الف) جنس زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد تیمّم کی نیت کی جائے تو اس نیت کے کافی ہونے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اور یہ بھلا کیونکر کافی ہوگی جبکہ مٹی دراصل آلودہ کرنے والی چیز ہے اور مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے نیت ہی کی وجہ سے اسے مُطَہِّر (پاک کرنیوالی) قرار دیا گیا ہے۔امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی میں

قربة مخصوصة والماء خلق مطهرا فاذا استعمله فی المحل النجس طهره وان کان نجسًا حکماً والخلف قد یفارق الاصل لاختلاف حالهما الا تری ان الوضوء یحصل باربعة اعضاء بخلاف التیمم وسن التکرار(۱) فی الاصل دون الخلف[1] اھ۔	رقمطراز ہیں: امام زفر کا قول ہے کہ وضو کی طرح تیمّم میں بھی نیت شرط نہیں۔اس لئے کہ تیمّم وضو کا خلیفہ و نائب ہے تو اس کے برخلاف نہ ہوگا۔اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹّی بذاتِ خود آلودہ کرنے والی چیز ہے اور مطہر صرف اس وقت ہے جب قربتِ مخصوصہ کی نیت ہو اور پانی تو مطہِّر ہی پیدا کیا گیا ہے۔وہ جب نجس جگہ استعمال ہوگا تو اسے پاک کردیگا اگرچہ وہ جگہ حکماً نجس ہو۔اور نائب کبھی اصل سے الگ اور اس کے برخلاف ہوتا ہے جب کہ دونوں کی حالت مختلف ہو۔دیکھیے وضو چار اعضا میں ہوتا ہے اور تیمّم میں ایسا نہیں۔اسی طرح اصل یعنی وضو میں تکرار مسنون ہے اور نائب یعنی تیمّم میں تکرار نہیں۔اھ
وقد نصوا ان(۲) الضرب المعتبر فی التیمّم یطهر الکفین فلا تمسحان بعده ومعلوم ان لاتطهیر الابالنیة ولو(۳) کان الضرب بدون النیة کافیا فی التیمم وجب تقیید المسألة به وهم انما یرسلونه ارسالا ففی شرح الجامع الصغیر للامام قاضی خان ثم الحلیة وجامع الرموز وفی جامع المضمرات ثم الهندیة ثم ط ثم ش هل یمسح الکف الصحیح انه لایمسح وضرب الکف یکفی[2] اھ	علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تیمّم میں معتبر ضرب یعنی دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارنا ہتھیلیوں کو پاک کردیتا ہے اس لئے اس ضرب کے بعد ہتھیلیوں کا مسح نہیں کیا جائیگا۔اور یہ معلوم ہے کہ تطہیر بغیر نیت کے نہیں ہوسکتی،اگر بلانیت ضرب تیمّم میں کافی ہوتی تو مسئلہ کو اس سے مقید کرنا ضروری ہوتا،حالانکہ علماء اسے مطلق ذکر فرماتے ہیں۔امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر،پھر حلیہ و جامع الرموز میں،اور جامع المضمرات پھر ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے کیا ہتھیلی پر بھی مسح کریگا؟ صحیح یہ ہے کہ اس پر مسح نہ کرے گا اور ہتھیلیوں کو زمین پر مارنا ہی کافی ہے اھ۔

[1] کافی

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی التیمم پشاور ۱/۲۶

وفی الحلیۃ عن الذخیرۃ لم یذکر محمد انہ یضرب علی الارض ظاھر کفیہ اوباطنھما واشار(۱) الی انہ یضرب عـہ باطنھما فانہ قال فی الکتاب	حلیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ امام محمد نے یہ ذکر نہ فرمایا کہ زمین پر ہتھیلیوں کی پشت سے مارے گا یا پیٹ سے۔انہوں نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ باطنِ کف سے مارے گا۔انہوں نے کتاب میں یوں فرمایا ہے

عـہ وفی الدرر سننہ ثمانیۃ الضرب بباطن کفیہ الخ[1] وفی ش عن الذخیرۃ الاصح(۲) انہ یضرب باطنھما وظاھرھما علی الارض[2] اھ ای فالسنۃ الضرب بھما معًا ولذا قال فی ما زاد من السنن یزاد الضرب بظاھر الکفین ایضا کما علمت تصحیحہ[3] اھ

اقول: وکیفما کان لیس الضرب بباطنھا الاسنۃ فماوقع فی نور الایضاح ومراقی الفلاح السادس من الشروط ان یکون بضربتین بباطن الکفین[4] اھ غیر مسلم وقد قال فی النھر غیر خاف ان الجواز حاصل بایھما کان نعم الضرب بالباطن سنۃ[5] اھ کما فی المنحۃ عنہ والعجب(۳) ان لم ینبہ علیہ ناظروہ کالسیدین الازھری والطحطاوی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

درمختار میں ہے: تیمّم کی سُنتیں آٹھ ہیں، باطنِ کف سے زمین پر مارنا الخ۔شامی میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے: اصح یہ ہے کہ ہتھیلیوں کے باطن اور ظاہر دونوں ہی کو زمین پر مارے اھ۔تو سنّت یہ ہے کہ ظاہر وباطن دونوں سے زمین پر مارے۔اسی لئے علّامہ شامی نے درمختار کے بیان پر جن سنتوں کا اضافہ کیا ہے اس میں یہ بھی فرمایا ہے: دونوں ہتھیلیوں کے ظاہر سے بھی زمین پر مارنا سنن تیمّم میں اسے زیادہ کرلیا جائے۔جیسا کہ تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ یہی صحیح ہے۔

اقول: جیسے بھی ہو مگر باطنِ کف سے زمین پر مارنا سنّت ہی ہے (شرط نہیں) تو نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں جو درج ہے کہ "چھٹی شرط یہ ہے کہ تیمّم دونوں ہتھیلیوں کے باطن سے دو ضربوں سے ہو"اھ یہ قابلِ تقسیم نہیں۔النہرالفائق میں ہے: یہ بات ظاہر ہے کہ باطن کف سے زمین پر مارے یا ظاہر کف سے مارے تیمّم دونوں ہی صورت میں ہوجائے گاہاں باطن کف سے مارنا سنّت ہے اھ جیسا کہ منحۃ الخالق میں نہر سے نقل ہے۔مگر تعجب ہے نورالایضاح پر سید ازہری اور سید طحطاوی جیسے نظر فرمانیوالے حضرات نے اس کی اس خطا پر تنبیہ نہ کی ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار مع درمختار باب التیمم ۱/۱۵۴-۵۵
[2] ردالمحتار مع درمختار باب التیمم ۱/۱۵۴-۵۵
[3] ردالمحتار مع درمختار باب التیمم ۱/۱۵۴-۵۵
[4] مراقی الفلاح مع الطحطاوی باب التیمم ص۶۹
[5] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب التیمم ۱/۱۴۶

لوترك المسح علی ظاھر کفیه لایجوز وانما یکون تارکا للمسح علی ظاھر کفیه اذا ضرب باطن کفیه علی الارض [1] اھ فقد افاد(۱) ان لوکان الضرب بظاھر هما کان مسحا لظاھر هما۔

اقول: والظاھر (۲) ان قولھم لا یمسح علی ظاھرہ للنھی لابمعنی انه لاحاجة الیه کماقد یتوھم من قول التبیین لایجب فی الصحیح مسح باطن الکف لان ضربھما علی الارض یکفی [2] اھ وتبعه البحر فی ھذا التعبیر وذلك لانه اذاحصل مسحھما مرة بالضرب کماافاد فی الخانیة بقوله لانه مسح مرة حین ضرب یدیه علی الارض [3] اھ والتکرار لایسن فی التیمم کما قدمنا اٰنفا عن الکافی فتکون اعادته عبثا فیکرہ کما قال فی البحران(۳) التیمم علی التیمم

کہ اگر ظاہر کف (پشت کفِ دست) پر مسح ترک کردیا تو جائز نہیں۔اور ظاہر کف پر مسح ترک کرنے والا اس وقت قرار پائے گا جب زمین پر باطن کف سے مارا ہو اھ۔اس عبارت سے امام محمد نے یہ افادہ فرمایا کہ اگر ظاہر کف سے زمین پر مارا ہو تو یہی مارنا ظاہر کف کا مسح بھی ہوگیا۔

اقول: ظاہر یہ ہے کہ علماء کا قول "لایمسح علی ظاھرہ" (ظاہر کف پر مسح نہیں کرے گا) نہی کیلئے ہے، یہ معنٰی نہیں کہ پشتِ دست پر مسح کی حاجت نہیں (مگر کرلیا تو کوئی کراہت بھی نہیں) جیسا کہ تبیین کی اس عبارت سے وہم ہوتا ہے: "صحیح مذہب میں باطنِ کف کا مسح واجب نہیں اس لئے کہ زمین پر اس کا مارنا ہی کافی ہے"۔اھ۔اس تعبیر میں بحر نے بھی تبیین کی پیروی کی ہے لایمسح نہی کیلئے اس لئے ہے کہ ضرب کے ذریعہ جب ایک بار ہتھیلیوں کا مسح کرلیا"۔جیسا کہ خانیہ میں فرمایا ہے کہ "اس لئے کہ اس نے جب زمین پر ہاتھوں کو مارا تو ایک بار مسح کرلیا"۔اھ۔اور تیمم میں تکرار مسنون نہیں جیسا کہ ابھی ہم کافی کے حوالے سے بیان کرآئے۔تو دوبارہ ان کا مسح کرنا عبث ہوگا اس لئے مکروہ ہوگا جیسا کہ البحرالرائق میں فرمایا ہے کہ " تیمّم پر تیمّم کوئی

[1] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۶
[2] تبیین الحقائق باب التیمم بولاق مصر ۱/۳۸
[3] فتاوٰی قاضی خان باب التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۵

لیس بقربة کذا فی القنیة وظاھرہ انه لیس بمکروہ وینبغی کراھته لکونه عبثا[1] اھ۔ بل قال القھستانی لا(۱) یکرر المسح فانه مکروہ بالاجماع کما فی الکشف[2] اھ ولاجل ھذا ذکر عامتھم فی کیفیة التیمم مسح ظاھر الذراعین من رؤس الاصابع الی المرافق وباطنھما من المرافق الی الرسغ کمافی البدائع والجوھرة والعنایة فی محیط السرخسی والھندیة وفی التحفة والمحیط الرضوی وزاد الفقھاء فالحلیة فرد المحتار۔وایدہ فی الحلیة بما فی روایة للبخاری واخری لمسلم فی حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنه من مسحه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بعد الضرب ظھر کفیه فیترجح علی مافی الکافی ینبغی(۲) ان یضع بطن کفه الیسری علی ظھر کفه الیمنی ویمسح بثلاثة اصابع اصغرھا ظاھر یدہ الیمنی الی المرافق ثم یمسح باطنه بالابھام والمسبحة الی رؤس الاصابع	قربت نہیں۔ایسا ہی قنیہ میں ہے۔اس عبارت کاظاہر یہ ہے کہ تیمّم پر تیمّم مکروہ نہیں، مگر اسے مکروہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ عبث ہے اھ۔بلکہ قہستانی نے لکھا ہے کہ "مسح کی تکرار نہ کی جائیگی اس لئے کہ یہ بالاجماع مکروہ ہے جیسا کہ کشف میں ذکر ہے" اھ۔اسی لئے عامہ علماء نے تیمّم کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ کلائیوں کے اوپری حصہ کا،انگلیوں کے سرے کہنیوں تک مسح کرے اور اندرونی حصّے کا کہنیوں سے گٹّے تک مسح کرے۔جیسا کہ بدائع،جوہرہ،عنایہ میں اور محیط سرخسی پھر ہندیہ میں،اور تحفہ، محیط رضوی،زاد الفقہاء پھر حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے۔اور حلیہ میں اس کی تائید میں حدیثِ عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق بخاری کی ایک روایت اور مسلم کی ایک دوسری روایت پیش کی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر ہتھیلیاں مارنے کے بعد پشتِ کفِ دست پر مسح فرمایا۔تواسے اس پر ترجیح ہوگی جو کافی میں ہے کہ: "یہ چاہئے کہ اپنی بائیں ہتھیلی کا پیٹ داہنی ہتھیلی کی پشت پر رکھے اور تین چھوٹی انگلیوں سے اپنے داہنے ہاتھ کی پشت کا کہنیوں تک مسح کرے۔پھر پیٹ کی جانب کا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے "انگلیوں کے سروں"

[1] بحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۹

[2] جامع الرموز فصل فی التیمم مطبعۃ کریمیہ قزان ۱/۶۸

ثم یفعل بالید الیسری کذلك[1] اھ ونقل مثله القھستانی عن المحیط ثم استدرك علیه بما فی جامع الامام القاضی ان الکف لایمسح جعلی الصحیح[2] اھ کما قدمنا، والذی فی البحر عـہ۱ عن المحیط الرضوی ھکذا کیفیة التیمّم ان یضرب یدیه علی الارض ثم ینفضھما فیمسح بھما وجھه بحیث لایبقی منه شیئ وان قل ثم یضرب یدیه ثانیا علی الارض ثم ینفضھما فیمسح بھما کفیه وذراعیه کلیھما الی المرفقین، وقال مشائخنا یضرب عـہ۲ یدیه ثانیا

تک مسح کرے۔ پھر بائیں ہاتھ کا اسی طرح مسح کرے "اھ اسی کے مثل قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے پھر اس پر اس سے استدراک کیا ہے جو جامع امام قاضیخان میں ہے جکہ " صحیح قول کے مطابق ہتھیلی (باطنِ کف) کا مسح نہیں ہوگا"۔ جیسا کہ ہم نے پہلے نقل کیا ہے۔
اور البحر الرائق میں محیط رضوی کے حوالے سے اس طرح تحریر ہے تیمّم کا طریقہ یہ ہے کہ زمین پر اپنے دونوں ہاتھ مار کر جھاڑ لے پھر ان سے چہرے کا اس طرح مسح کرے کہ اس کا ذرا سا حصہ بھی چھُوٹنے نہ پائے۔ پھر دوسری بار زمین پر ہاتھ مار کر جھاڑ لے ان سے اپنی ہتھیلیوں اور دونوں کلائیوں کا کہنیوں تک مسح کرے۔اور ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ دوسری بار دونوں ہاتھوں کو مارے

عـہ۱ والمحیط ھذا ھو الرضوی کما یظھر بمراجعة الحلیة ویرید بھذا ان الذی نقل فی البحر عن المحیط الرضوی وفی الھندیة عن المحیط للسرخسی خلاف مانقله القھستانی فلیکن ان کان فی المحیط البرھانی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)
عـہ۲ الذی فی المحیطین مثله فی التحفة والبدائع و زاد الفقھاء ونصوا جمیعا انه احوط کما عزالھم فی الحلیة و

یہ محیط، محیط رضوی ہی ہے جیسا کہ حلیہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ بحر میں جو محیط رضوی کے حوالہ سے،اور ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالہ سے منقول ہے یہ اس کے خلاف ہے جو قہستانی نے (محیط سے) نقل کیا ہے۔اگر قہستانی کی نقل کردہ عبارت "محیط برہانی" کی ہو تو ہوسکتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)
دونوں محیط میں جو طریقہ مسح ہے وہی تحفہ،بدائع اور زادالفقہاء میں بھی ہے۔اور تمام حضرات نے صراحت کی ہے کہ یہ "احوط" ہے۔ جیسا کہ حلیہ،(باقی برصفحہ آیندہ)

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] جامع الرموز فصل فی التیمم مطبعۃ کریمیہ قزان ۱/ ۶۸
[2] جامع الرموز فصل فی التیمم مطبعۃ کریمیہ قزان ۱/ ۶۸

ویمسح باربع اصابع یدہ الیسر	اور بائیں ہاتھ کی چار انگلیوں سے دائیں ہاتھ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

البحر والھندیۃ۔

اقول: اولا سنحقق(۱) ان التراب لایوصف بالاستعمال ففیم الاحتیاط وان فرض اوارید بہ الصعید الحکمی علی مانحققہ فھذا الماء الذی یوصف بہ اجماعا لایصیر مستعملا فی عضو واحد فی الوضوء وفی شیئ من البدن فی الغسل لان الکل فیہ کعضو واحد فما بال التراب یصیر مستعمل فی عضو واحد۔

وثانیا: ان(۲) فرض فلامفر منہ لان الکف لایستوعب الذراع لولابل ولاحول المرفق عرضا ولذا کتبت علی قول ش نقلا عن البدائع ھذا الاقرب الی الاحتیاط لما فیہ من الاحتراز عن استعمال التراب المستعمل بالمقدار الممکن مانصہ۔

اقول: انا وبقولہ بالقدر الممکن مع ماصرح بہ فی الاحادیث والروایات ان التیمم ضربتان انہ لولم یفعل

بحر اور ہندیہ میں ان کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔

اقول،اولا عنقریب ہم تحقیق کرینگے کہ مٹّی مستعمل ہونے سے موصوف نہیں ہوتی پھر احتیاط کس بات میں ہے؟ اور اگر فرض کیا جائے یا اس سے صعید حکمی مراد لیا جائے جیسا کہ ہم اس کی تحقیق کرنے والے ہیں تو اس صورت میں یہ کلام ہے کہ پانی جو مستعمل ہونے سے بالاجماع موصوف ہوتا ہے وہ بھی وضو میں ایک ہی عضو کے اندر اور غسل میں بدن کے کسی بھی حصّے میں مستعمل نہیں ہوجاتا،اس لئے کہ غسل سب عضو واحد کی طرح ہے۔پھر کیا بات ہے کہ مٹی ایک ہی عضو میں مستعمل ہوجائے؟

ثانیا: اگر صعید حکمی فرض کریں تو بھی اس سے مفر نہیں اس لئے کہ ہتھیلی طول میں پوری کلائی کا استیعاب نہیں کرسکتی،بلکہ عرض میں بھی کہنی کے گرد کا استیعاب واحاطہ نہیں کرتی۔اسی لئے بدائع سے نقل کرتے ہوئے شامی نے جو یہ عبارت درج کی ہے کہ:"یہی احتیاط سے قریب تر ہے کیونکہ اس میں "بقدر ممکن" مستعمل مٹی کے استعمال سے بچنا حاصل ہوتا ہے"۔اس پر میں نے یہ لکھا تھا:

اقول: احادیث اور روایات میں تیمّم دو ضرب ہونے کی تصریح کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی عبارت "بقدر ممکن" سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ اگر خاص اس (باقی برصفحہ آیندہ)

ظاھرہ یدہ الیمنی من رؤس الاصابع الی المرفق ثم یمسح بکفه الیسری باطن یدہ الیمنی الی الرسغ ویمر باطن ابھامه الیسری علی ظاھر ابھامه الیمنی ثم یفعل بالید الیسری کذلك وھو الاحوط [1] اھ	پشت کا انگلیوں کے سروں سے کہنی تک مسح کرے پھر اپنی بائیں ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کے پیٹ کا گٹّے تک مسح کرے۔اور بائیں انگوٹھے کا پیٹ دائیں انگوٹھے کی پشت پر پھیرے۔پھر بائیں ہاتھ کا اسی طرح مسح کرے۔اور یہی زیادہ بااحتیاط طریقہ ہے۔اھ"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ذلك وانما استوعب المسح کیفما اتفق اجزاء ہ وذلك لان کل احد یعلم ان دور یدہ قریب المرفق اعظم بکثیر من طول مقدار الکف مع الاصابع فلایمکن ان یحصل الاستیعاب بما ذکروا بل لابد من بقاء مواضع فلولم یجز ذلك لزمت ضربات مکان ھو ضربتین وھو باطل ولذا عبروہ بینبغی لایجیب فالحمدﷲ الذی جعل ھذا الامر واسعا [2] اھ ما کتبت علیه والاٰن اقول اذا لم یحصل به المقصود لم یکن الا تکلفا فما احسن ما فی البدائع من بعضھم انه یمسح من دون تلك المراعات والا یتکلفا ۱۲منه غفرله۔(م)

طریقہ پر مسح نہ کیا اور جیسے بھی اتفاق ہُوا مسح سے پورے عضو کا احاطہ کرلیا تو تیمّم ہو جائیگا۔یہ اس لئے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ کہنی کے قریب اس کے ہاتھ کا دَور (گھیرا) انگلیوں سمیت ہتھیلی کی مقدار سے بہت زیادہ ہے،توان حضرات کے بتائے ہوئے طریقہ پر بھی اس حصہ کا احاطہ ممکن نہیں، بلاکلہ کچھ جگہیں ضرور مسح سے رہ جائیں گی تو اگر یہ (احاطہ مسح کیلئے چھُوٹی ہوئی جگہوں پر مستعمل مٹی کو استعمال کرنا) جائز نہ ہو تو بجائے دو ۲ ضربوں کے بہت ساری ضربیں لازم ہوں گی۔اور یہ باطل ہے۔اسی لئے مذکورہ طریقہ کو "مناسب" فرمایا "واجب" نہ کہا۔توخدا کا شکر ہے کہ اس نے کام میں وسعت رکھی ہے۔شامی پر میری لکھی ہوئی عبارت ختم ہوئی۔اور اب میں یہ کہتا ہوں کہ اس طریقہ مسح سے بھی جب مقصود (مستعمل مٹی کے استعمال سے احتراز) حاصل نہیں تو یہ بس تکلف ہی ہے اس لئے بعض حضرات سے بدائع میں جو منقول ہے کہ "اس رعایت کے بغیر مسح کرلے اور تکلف میں نہ پڑے" وہ بہت عمدہ اور کیا خوب ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار باب التیمم المجمع الاسلامی مبارکپور ۱/۱۴۰-۴۱

[2] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۵

ومثل الصفة فی الهندیة عن محیط السرخسی وبالجملة فالصحیح الرجیح المشهور المذکور للجمهور هو ترك مسح بطن الکفین۔

اقول: فاذن مافی الذخیرة نقلا عن محمد فی الاصل ثم یضرب اخری وینفضهما ویمسح بهما کفیه وذراعیه الی المرفقین [1] اھ المراد فیه بکفیه ظاهرهما کماقال فی الحلیة فی عبارة شرح الجامع الصغیر هل یمسح الکف الصحیح لاان المراد بالکف باطنها لاظاهرها [2] اھ

فان قلت فیها ایضا عن الذخیرة قال مشائخنا الاحسن فی مسح الذراعین ان یمسح بثلاثة اصابع یده الیسری ظاهر یده الیمنی الی المرفقین ویمسح المرفق ثم یمسح باطنها بالابهام والمسبحة الی رؤس الاصابع وهکذا یفعل بالید الیسری ولوتیمم بجمیع الاصابع والکف من غیران یراعی

یہی طریقہ ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے لکھا ہوا ہے۔الحاصل صحیح،راجح،مشہور جمہور کا بیان کیا ہوا قول یہی ہے کہ ہتھیلیوں کے پیٹ کا مسح نہیں کیا جائیگا۔

اقول: اس تحقیق سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ امام محمد سے اصل کے حوالے سے ذخیرہ میں جو یہ عبارت نقل کی ہے کہ "پھر دوسری بار ہاتھ مارے اور دونوں کو جھاڑلے اور ان سے اپنی ہتھیلیوں کا اور کہنیوں سمیت کلائیوں کا مسح کرے"اھ۔اس میں ہتھیلیوں سے مراد ان کی پشت ہے جیسے حلیہ میں شرح جامع صغیر کی عبارت "کیا ہتھیلی کا مسح کریگا؟ صحیح یہ ہے کہ "نہیں"سے متعلق لکھا ہے کہ "(یہاں) ہتھیلی سے مراد اس کا باطن ہے ظاہر نہیں"اھ۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ اسی (حلیہ) میں ذخیرہ سے یہ بھی نقل ہے کہ "ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ کلائیوں کے مسح میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے بائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے اپنے دائیں ہاتھ کے ظاہر کا کہنیوں تک مسح کرے اور کہنی کا مسح کرے،پھر اس ہاتھ کے اندرونی جانب کا انگوٹھے اور شہادت کی انگلی سے "انگلیوں کے سروں"تک مسح کرے۔اور اسی طرح بائیں ہاتھ کا بھی مسح کرے۔اور اگر

---

[1] المبسوط لامام محمد باب التیمم بالصعید ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۰۳

[2] حلیہ

الکف والاصابع یجوز [1] اھ

اقول: لاتنکر الخلاف فقد افید بالتصحیح لکن اذا ثبت الصحیح لایعدل عنه وقد ذکرہ قاضی خان فی بیان صفة التیمّم انه یضع بطن کفه الیسری علی ظهر کفه الیمنی ویمد من رؤس الاصابع الی المرفق ثم یدیر الی بطن الساعد ویمد الی الکف وهل یمسح الکف قال بعضهم لالانه مسح مرة حین ضرب یدیه علی الارض ثم یضع بطن کفه الیمنی علی ظهر کفه الیسری ویفعل مافعل بالیمنی [2] اھ خانیه فهذہ الصفة لیست الابیان ماهو الاولٰی فی التیمم وقد اخرج منه مسح بطن الکفین فلم یکن اولی فکان عبثا فکان مکروها واللہ تعالٰی اعلم۔

ثمّ مذهب صاحب المذهب رضی اللہ تعالٰی عنه انه لایحتاج الی شیئ یلتزق

انگلیاں اور ہتھیلی سب ملا کر ہتھیلی اور انگلیوں کی رعایت کیے بغیر تیمّم کرلیا تو بھی جائز ہے"۔اھ۔

اقول: (تو جواب یہ ہوگا) ہمیں اختلاف سے انکار نہیں ترک مسح خفین کو قول صحیح بتانے سے ہی یہ مستفاد ہوجاتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ضرور ہے لیکن جب قول صحیح ثابت ہو تو اس سے عدول وانحراف کی گنجائش نہیں۔اسے قاضیخان نے طریقہ تیمّم کے بیان میں ذکر بھی فرمایا ہے کہ "وہ اپنی بائیں ہتھیلی کا پیٹ داہنی ہتھیلی کی پشت پر رکھے گا اور انگلیوں کے سروں سے کہنی تک کھینچے گا، پھر کلائی کے پیٹ کی جانب گھمائے گا اور ہتھیلی تک لے جائے گا، کیا ہتھیلی کا بھی مسح کریگا؟ بعض حضرات نے فرمایا: نہیں۔ کیوں کہ جب زمین پر اپنے ہاتھوں کو مارا اس وقت ایک بار اس کا مسح کرلیا۔ پھر اپنی داہنی ہتھیلی کا پیٹ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھے گا اور وہی کرے گا جو دائیں میں کیا"۔اھ خانیہ۔یہ طریقہ کیا ہے؟ اس کا بیان ہے جو تیمّم میں بہتر واولٰی ہے اور ہتھیلیوں کے پیٹ کا مسح اس سے خارج کردیا تو یہ اولٰی نہ ہوا پس یہ عبث تو مکروہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **پھر** صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی حاجت نہیں کہ ہاتھ سے

---

[1] حلیہ

[2] فتاوٰی قاضی خان باب التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۵

بالید بل السنة ازالته بالنفخ والنفض وقد قدمناہ تحت الوجه الثانی عن البدائع وفیها ایضا التعبد ورد یمسح کف مسه التراب علی العضوین لاتلویثهما به [1] اھ وفی الکافی(۱) ینفض یدیه مرة وعن ابی یوسف مرتین ولاخلاف فی الحقیقة لانه ان تناثر ماالتصق بکفه من التراب بنفضة یکتفی بها والانفض نفضتین لان الواجب المسح بکف موضوع علی الارض لااستعمال التراب فانه مثله [2] اھ ومثله عنه فی البرجندی ومعناہ فی الحلیة وغیرها ولا یتقید بنفضتین ایضا بل ینفض الی ان یتناثر فقد قال فی الهدایة ینفض یدیه بقدرمایتناثر التراب کیلا یصیر مثلة [3] اھ فمن کان جالسا علی فرش من رخام فقام معتمدا بکفیه علیه	کچھ مٹّی چپک جائے بلکہ سنّت یہ ہے کہ پھونک کراور جھاڑ کر اسے دُور کردیا جائے۔اسے تعریف دوم کے تحت بدائع کے حوالے سے ہم نقل بھی کرچکے ہیں۔بدائع میں یہ بھی ہے کہ "حکمِ شرع یہ آیا ہے کہ جو ہتھیلی مٹّی سے مس ہوچکی ہے اسے دونوں عضووں پر پھیرا جائے یہ حکم نہیں کہ اس سے دونوں کوآلودہ کیاجائے"۔اھ اور کافی میں ہے"اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک بار جھاڑلے گا۔اور امام ابویوسف سے روایت ہے کہ دوبار۔اور درحقیقت کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ اگرایک ہی بار جھاڑنے سے ہتھیلی پر چپکی ہوئی مٹی جھڑ جائے تواسی پر اکتفاء کرے ورنہ دوبار جھاڑے کیونکہ واجب یہی ہے کہ جو ہتھیلی زمین پر رکھی جاچکی ہےاس سے مسح کرے یہ واجب نہیں کہ مٹّی کواستعمال کرے یہ تو مثلہ ہے"۔اھ اسی کے مثل کافی کے حوالہ سے برجندی میں نقل ہے،اور حلیہ وغیرہا میں اس کے ہم معنی عبارت تحریر ہے۔اور دوہی بار جھاڑنے کی بھی کوئی پابندی نہیں بلکہ یہاں تک جھاڑے کہ مٹّی جھڑ جائے۔کیونکہ ہدایہ میں یہ فرمایا ہے:"اپنے ہاتھوں کواس قدر جھاڑے گاکہ مٹّی جھڑ جائے تاکہ مثلہ نہ ہو"اھ تو جو شخص کسی سنگِ مرمر کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کواس پر ٹیک دیتے ہوا

[1] بدائع الصنائع رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۶/۱

[2] کافی

[3] الہدایۃ باب التیمم المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۴/۱

ثم بعد زمان اراد ان یتیمّم فاجتزاء بذلك المس الذی وقع بین الرخام وکفیه عند القیام فمتی تیمّم صعیدا طیبا للطھور حین کان الصعید بکفیه لم یقصد وحین قصد لاصعید وانما ورد القصد علی کفین صفرین فالظاھر ان الصواب فیه مع السید الامام ابی شجاع وقد علمت قوۃ ماله من التصحیحات وکثرتھا سواء(۱) قلنا برکنیة الضربتین اولالان المساس الواقع بین الکفین والتراب لایصیر مطھرا الا اذا کان منویا۔

نعم ان(۲) التصق بکفیه تراب کاف للتیمم ونوی الاٰن جاز لصدق قصدہ الی صعید طیب للتطھیر وکم له فی الفروع المارۃ من نظیر فان حملنا علیه قول التجویز کان توفیقا وباللّٰه التوفیق واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

کھڑا ہوا پھر کچھ دیر بعد تیمّم کرنا چاہا تو کھڑے ہوتے وقت اس کی ہتھیلیوں اور سنگِ مرمر کے درمیان جو مس پایا اسی پر اکتفا کرلیا تو اس نے طہارت کے لئے پاک صعید کا قصد کب کیا؟ جب صعید اس کی ہتھیلیوں سے متصل تھی اُس وقت قصد نہ کیا۔اور جب قصد کیا اس وقت صعید نہیں۔بس خالی ہتھیلیوں پر قصد کا عمل پایا گیا۔تو ظاہر یہ ہے کہ اس مسئلہ میں صواب ودرستی سید امام ابو شجاع کے ساتھ ہے۔اور ان کی تصحیحات کی قوت اور کثرت بھی معلوم ہے خواہ ہم یہ کہیں کہ دونوں ضربیں رکنِ تیمّم ہیں یا نہیں ہیں۔اس لئے کہ ہتھیلیوں اور مٹی کے درمیان پایا جانے والا عمل مس اسی وقت مطہر ہوتا ہے جب مقصد ونیت کے ساتھ ہو۔

ہاں اگر اس کی ہتھیلیوں سے اتنی مٹّی لگی ہُوئی موجود ہو جو تیمّم کیلئے کافی ہے اور اب نیت کرلی تو جائز ہے کیونکہ اب یہ بات صادق آگئی کہ اس نے تطہیر کیلئے پاکیزہ صعید کا قصد کیا۔گزشتہ جزئیات میں اس کی بہت سی نظیریں بھی آچکی ہیں۔زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد پائی جانیوالی نیت سے تیمّم جائز قرار دینے والے قول کو اگر اس معنٰی پر محمول کرلیا جائے تو دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہوجائے گی(جواز کا قول اس صورت میں ہے جب ہاتھوں پر بقدر کافی پاک صعید موجود ہو اور عدمِ جواز کا قول اس صورت میں ہے جب ایسا نہ ہو۔م۔ا) واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

الثامن: اظهر(۱) منه الامر فی ثمرة الخلاف الاخری فان(۲) التراب بامساس الکفین به للطهور یکسبهما باذن الله تعالٰی وصف التطهیر حتی انه بنفسه یخرج من البین وان کان له بقیة تزال بنفض الیدین ومستحیل ان یکون نجس مطهرا فاذا ضرب ثم احدث قبل المسح فقد صار کفاه غیر طاهرتین فکیف تبقیان مطهرتین۔ وما استدلوا(۳) به للسید الامام انه علی الرکنیة یقع الحدث فی خلال التیمم۔ **فاقول:** حاصل علی کل حال لما قدمنا اٰنفا من ان الکفین قد طهرتا بالضرب حتی لایمسحهما علی الصحیح فالحدث الواقع بعد الضرب لایقع الا وقد اتی ببعض التیمم وان لم تکن الضربة رکنا اما حدیث من ملأ کفیه	**بحث۸:** عـه اختلاف کے ثمرہ دیگر کا معاملہ اس سے زیادہ روشن ہے۔اس لئے کہ ہتھیلی کو طہارت کیلئے جب مس کیا جاتا ہے تو مٹّی باذنِ الٰہی ان ہتھیلیوں کو تطہیر کی صفت بخش دی جاتی ہے۔یہاں تک کہ خود مٹی درمیان سے نکل جاتی ہے۔اگر کچھ باقی رہ بھی گئی تو ہاتھوں کو جھاڑ کر دُور کردی جاتی ہے۔اور یہ محال ہے کہ کوئی نجس مطہِّر ہو۔تو جب اس نے زمین پر ہاتھ مارے پھر مسح سے پہلے اسے حدث عارض ہوگیا تو اب اس کی ہتھیلیاں تو بے طہارت ہوگئیں جبھر وہ خود غیر طاہر ہو کر مطہّر کیسے رہ جائیں گی؟اب وہ بات رہی جس سے سید امام ابو شجاع کی حمایت میں استدلال کیا گیا ہے کہ ان کے رکنیت ضرب کے قول پر یہ لازم آرہا ہے کہ حدث درمیان تیمّم میں واقع ہوا۔ **فاقول:** یہ تو بہر حال لازم ہے کیونکہ ابھی ہم بتا چکے کہ ضرب سے ہتھیلیاں پاک ہوگئیں اب قولِ صحیح کی بنیاد پر،ان پر دوبارہ مسح نہ کیا جائے گا۔تو ضرب کے بعد پایا جانے والا حدث اسی حالت میں واقع ہورہا ہے جب کہ کچھ تیمّم ہوچکا ہے اگرچہ ضرب رکن تیمّم نہ ہو (عدمِ رکنیت ضرب کے قول پر حدث بھی ضرب مذکور سے اگلا مسح درست

عـه بحث سابق سے معلوم ہوا کہ ضرب کفایت نیت کی بات کسی قول پر بھی راست نہیں آتی اور اسے ضرب کی رکنیت اور عدمِ رکنیت میں اختلاف کا ثمرہ شمار کرانا کسی طرح درست نہیں۔اب حضرت مصنف نے تعریف ہشتم کے بعد ذکر شدہ پہلے ثمرہ اختلاف پر کلام کیا ہے وہ ثمرہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ بعد ضرب اگر متیمم کو حدث عارض ہوا تو قولِ رکنیت پر یہ ضرب تیمّم کے لئے کافی نہ ہوگی اور قولِ دیگر پر کافی ہوگی ۱۲م۔الف)

ماء فاحدث کان له ان یستعمله [1]۔ **فاقول:** یجب عه ان یکون فی اول مااغترف قبل ان یغسل شیئا من الاعضاء	ہونے کے ثبوت میں) یہ جو کہا گیا تھا کہ کسی نے اپنی ہتھیلیوں میں پانی لیا پھر اسے حدث ہوا تو بھی وہ اس پانی کو وضو کیلئے استعمال کرسکتا ہے (ایسے ہی ضرب کے بعد حدث ہوا تو بھی وہ اس سے تیمّم کرسکتا ہے) **فاقول:** ضروری ہے کہ یہ اس وقت ہو جب اس نے پہلی بار چلّو میں پانی لیا اور ابھی کوئی عضو

عه وکتبت ھھنا فیما علقت علی ردالمحتار اقول المراد من ملأ کفیه ماء اول الوضوء لیغسل به یدیه الی رسغیه لانه لم یزد ھذا الحدث الاملاقاۃ الماء کفا ذات حدث وقد کان ھذا حاصلا قبل ھذا الحدث لکونه محدثا من قبل فکما جاز للمحدث ان یملأ کفیه ماء یغسل به یدیه ولا یکون به مستعملا للماء المستعمل لان الاستعمال بعد الانفصال فکذا اذا احدث بعد الاغتراف امامن غسل یدیه ثم اغترف للوجه فاحدث لم یجز له ان یغسل به وجهه

میں نے اس مقام پر حاشیہ ردالمحتار (جدالممتار) میں لکھا ہے اقول مراد یہ ہے کہ جس نے شروع وضو میں گٹوں تک ہاتھوں کو دھونے کیلئے اپنی ہتھیلیوں میں پانی بھرا، اس لئے کہ اس حدث سے صرف یہی بات زیادہ ہوئی کہ حدث والی ہتھیلی سے پانی کا اتصال ہوا، اتنی بات تو اس سے پہلے وہ محدث وبے وضو تھا تو جیسے محدث کو اپنی ہتھیلیوں میں ہاتھوں کو دھونے کیلئے پانی بھر لینا جائز ہے، اور اس سے وہ مائے مستعمل کو استعمال کرنے والا نہیں قرار پاتا کیوں کہ پانی پر مستعمل ہونے کا حکم اس وقت ہوتا ہے جب وہ عضو سے جُدا ہوجائے۔ تو یہی بات اُس صورت میں بھی ہوگی جب وہ چلّو لینے کے بعد حدث کرے۔ لیکن وہ شخص جس نے اپنے ہاتھوں کو دھولیا پھر چہرے کیلئے چُلّو میں پانی لیا اور اب اسے حدث ہوگیا تو اس کیلئے اس پانی سے (باقی برصفحہ آئندہ)

Majlis of DawateIslami

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۰

والالکان حدثاً فی خلال الوضوء وحینئذ(۱) لامانع من ان یصرفه فی غسل یدیه لانهما کانتا محدثتین عند الغرف وقد لاقامهما الماء وبقی سائغ الاستعمال لعدم الانفصال فالحدث بعد الغرف لایزیده شیئاً فوق ذلك والمطهر هو الماء لایداه بخلاف ماھنا(۲) فان کفیه هما اعتبرتا مطهرتین بعد الضراب لا التراب الذی لاحاجة الیه بل لوکان ازیل۔	نہ دھویا ہو ورنہ یہ حدث درمیان وضو میں ہوگا۔اور شروع ہی میں جو پانی لیااور حدث ہوگیاتواس پانی کو اپنے ہاتھوں کے دھونے کے عمل میں صرف کرنے سے کوئی مانع نہیں کیونکہ یہ دونوں ہاتھ توچلّو لینے کے وقت بھی محدث وبے طہارت تھے اب ان سے پانی کا اتصال ہوااور اسے استعمال کرنا جائز رہا کیوں کہ ابھی پانی ہاتھ سے جُدانہ ہوا (اور پانی جب تک عضو سے جدانہ ہو وہ مستعمل اور غیر مطہر قرار نہیں پاتا) چلّو لینے کے بعد حدث پایا گیاتو یہ حدث ہاتھوں کی حالت میں سابقہ حالت سے زیادہ کوئی اضافہ تونہیں کررہاہے (پہلے بھی پانی محدث ہاتھوں میں ہی تھااور اب بھی محدث پانی ہاتھوں میں ہی ہے) اور مطہّر پانی ہی ہے اس کے دونوں ہاتھ مطہر نہیں ہیں بخلاف تیمّم والی صورت کے، کیوں کہ یہاں تو اس کی دونوں ہتھیلیاں ہی ضرب کے بعد مطہّر مانی گئی ہیں،نہ کہ وہ مٹی جس کی اب کوئی ضرورت نہ رہی بلاکہ اگرہاتھ پر لگی بھی ہوتو وہ جھاڑدی جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کمااشار الیه بقوله صار کما لواحدث فی الوضوء بعد غسل بعض الاعضاء وذلك لان الماء ینفصل عن ید محدثة فیصیر مستعملا فلایبقی طهورا فافهم اھ ما کتبت علیه ۱۲ منه غفرله۔(م)[1]	چہرہ دھونا جائز نہیں۔جیسا کہ اس کی طرف اپنے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے کہ وہ ایسا ہوا جیسے بعض اعضا دھونے کے بعد درمیان وضواسے حدث ہوایہ اس لئے کہ یہ پانی (جب ہاتھ سے چہرے پر ڈالے گااسی وقت وہ) محدث ہاتھ سے جدا ہوگاتو مستعمل ہوجائے گا پھر مطہر نہ رہ جائے گا (کہ اس سے چہرہ دھوسکے) فافہم۔اسے سمجھو۔ردالمحتار پر میرالکھاہُواحاشیہ ختم ہوا۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار باب التیمم المجمع الاسلامی مبارکپور ۱/۱۴۱

ثمّ اقول: لم یظھر (۱) للعبد الضعیف مافرق بہ ھھنا بین الحدث بعد الاغتراف قبل التطھر والحدث فی خلالہ غیر ان ھذا یبطل ماسبق وذلك لاسابق لہ فمبطلہ ولاکلام فیہ انما کلام فی جواز استعمالہ ولامدخل فیہ لسبق بعض التطھر وعدمہ فیما اعلم فان(۲) من غسل وجھہ ثم ملا کفیہ لغسل یدیہ فاحدث بطلت طھارۃ وجھہ اما یداہ فقد کان الحدث فیھما الی الاٰن ولم یزد بانضیاف ھذا الجدید ولم یصر الماء مستعملا بعد لعدم الانفصال فلم لایجوز ان یغسل بہ ذراعیہ وما ھو الاٰن الا کمن اغترف اول وھلۃ لانہ قدعاد کماکان فالماء یلاقی کفا محدثۃ فی الوجھین فینبغی ان یجوز حیث یجوز ثمہ ولاحیث لا فلیحرر ولیتأمل۔

فانی متعجب کیف تواردہ

ثمّ اقول: چلّو لینے کے بعد عمل طہارت سے پہلے حدث ہونے اور عمل طہارت کے درمیان حدث ہونے میں یہاں جو فرق کیا گیا ہے وہ بندہ ضعیف پر واضح نہ ہوا دونوں میں آخر کیا فرق ہے؟ سوائے اس کے یہ حدث (جو کچھ وضو ہوجانے کے بعد عارض ہوا) ماسبق وضو کو باطل کردیتا ہے اور وہ (جو چلّو لینے کے بعد شروع ہی میں عارض ہوا) اس سے پہلے کچھ عمل وضو وجود میں آیا ہی نہیں کہ اسے باطل کرے۔ اور کلام اس میں نہیں، کلام تو اُس پانی کے استعمال کے جواز میں ہے اور اس مسئلہ میں میرے علم کی حد تک اس کا کوئی دخل نہیں کہ کچھ وضو پہلے ہوچکا ہے یا ابھی کچھ بھی نہیں ہوا ہے۔ اس لئے کہ جس نے چہرہ دھولیا پھر ہاتھ دھونے کیلئے چلّو میں پانی لیا پھر اسے حدث ہوا تو اس کے چہرے کی طہارت تو ختم ہوگئی، رہ گئے ہاتھ تو ان دونوں میں تو اب تک حدث موجود ہی تھا، وہ اس جدید حدث کے ملنے سے زیادہ نہ ہوا، نہ ہی پانی مستعمل ہوا کیونکہ ابھی ہاتھ سے جدا نہیں ہوا پھر اس سے کلائیاں دھولینا کیوں جائز نہیں؟ وہ اِس وقت اُسی کی طرح ہے جس نے شروع شروع چلّو لیا، اس لئے وہ جیسا تھا ویسا ہی ہوگیا ہے تو پانی کا اتصال دونوں ہی صورتوں میں محدث ہتھیلی سے پایا جارہا ہے۔ تو اگر وہاں اس کا استعمال جائز ہے تو یہاں بھی جائز ہونا چاہئے اور اگر وہاں جائز نہیں تو یہاں بھی جائز نہیں ہونا چاہئے۔ اس تفریق کی وضاحت اور اس میں تامل کی ضرورت ہے۔

کیونکہ مجھے حیرت ہے کہ یہ امام اسبیجابی، اور

ھؤلاء الجلة کالاسبیجابی والعنایة والفتح والجوھرة وجواھر الفتاوٰی والحلیة والغنیة والبحر والشرنبلالی وغیرھم وسکتوا جمیعا علیه فلعل فیه سرا لم اصل الیه وقد بینت فی بعض فتاوی فی باب الوضوء انه یبتنی علی احد قیلین ضعیفین فی المذھب فتذکر وتبصر واللہ تعالٰی اعلم اماھھنا فلاسبیل الی الجواز لان الضربة اذا اتت علی الحدث رفعته وکست الکفین صفة التطھیر فاذا طرء الحدث علیھا ابطل الطھارة	عنایہ، فتح القدیر، جوہرۃ، جواہر الفتاوٰی، حلیہ، غنیہ، البحر الرائق کے مصنفین اور شرنبلالی وغیرہم جیسے اجلّہ سب کا اس پر توارد کیسے ہوگیا؟ اور سبھی حضرات نے کیسے اس پر سکوت فرمایا؟ شاید اس میں کوئی ایسی رمز ہو جہاں تک میرے فہم کی رسائی نہ ہوسکی۔ میں تو بابِ وضو میں اپنے ایک فتوے کے اندر یہ بیان کرچکا ہوں کہ اس کی بنیاد ہمارے مذہب کی دو ضعیف روایتوں میں سے کسی ایک پر ہے اسے ذہن میں لائیں اور غور کریں عـہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ مگر یہاں تو کوئی صورت جواز نہیں اس لئے کہ حدث کے بعد جب ضرب واقع ہوئی تو اس نے حدث اٹھادیا اور ہتھیلیوں کو تطہیر کی صفت بخش دی پھر جب اس پر حدث طاری ہوا، اس نے طہارت

عـہ مصنف قدس سرہ اس فتوے میں فرماتے ہیں: اقول وباللہ التوفیق۔ انہوں نے استشہاد میں جو یہ مسئلہ بیان کیا کہ "جس نے ہتھیلیوں میں آبِ وضو لیا پھر اسے حدث ہوا پھر اسے بعض وضو میں استعمال کیا تو یہ جائز ہے"۔ یہ دو غیر ماخوذ روایتوں میں سے کسی ایک کی بنیاد پر چل سکتا ہے۔ ایک امام ابویوسف کا قول ہے کہ مستعمل ہونے کیلئے محدث کا پانی بہانا اور نیت کرنا شرط ہے۔ اور مذکورہ صورت میں دونوں مفقود ہیں۔ دوسری روایت وہ جس پر مشائخ بلخ ہیں کہ جدا ہونے کے بعد بدن یا کپڑے یا زمین یا کسی اور چیز پر پانی کا ٹھہر جانا شرط ہے۔ اور معلوم ہے کہ جب ہتھیلی کا پانی وہ کسی عضو میں استعمال کرے تو ہتھیلی سے جدا ہونا اگرچہ پالیا گیا مگر وہ پانی ابھی ٹھہرا نہیں اس لئے مستعمل نہ ہوگا ___ لیکن صحیح معتمد قول کی بنیاد پر یہ ہے کہ حدث والے بدن سے پانی کا محض مس ہوجانا اور اس سے جدا ہوجانا مستعمل ہونے کا حکم کرنے کیلئے کافی ہے اگرچہ وہاں نہ حدث والے سے بہانا پایا گیا ہو نہ نیت ہو نہ جُدا ہونے کے بعد استقرار ہوا ہو۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی ہتھیلی سے پانی جدا ہونے سے مستعمل ہوجائے گا پھر کسی عضو کے وضو میں اس کا استعمال صحیح نہ ہوگا۔ یہی مجھے سمجھ میں آیا اور یہ بہت واضح ہے اور اسی سے اس قول کا رد مکمل ہوجاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (فتاوی رضویہ جلد ۱ باب الوضوء فتوی نمبر ۵) ۱۲منہ محمد احمد مصباحی

فابطل التطهیر واللہ تعالٰی اعلم۔

ثمّ اقول: لوکان الامر علی ھذا لزم ان من کان مست یداہ جدارا اوارضا اواخذ بیدیہ جرۃ اوشیئا من خزف ومضت علیہ سنون واحتاج الاٰن الی التیمم لایحتاج لاحد عضویہ الی قصد صعید ولامسہ اصلا بل ینوی ویمسح وجھہ مثلا بکفیہ لانہ قدکان کفاہ مستا الصعید فی وقت من عمرہ ولایشترط قران النیۃ ولاینافیہ الحدث بعدہ قبل المسح وان کان الف مرۃ لااعلم احدا یقبل ھذا ویجعلہ تیمما صحیحا شرعیا۔

وبالجملۃ فالصواب فی کلام الفرعین مع السید الامام ان شاء اللہ تعالٰی ولا(۱) بناء لھما علی رکنیۃ الضرب فلیسامن ثمرۃ الخلاف فی شیئ فیما اعلم وربی اعلم۔

زائل کردی تو تطہیر کی صفت بھی ختم کردی واللہ تعالٰی اعلم۔

ثمّ اقول: اگر معاملہ ایسا ہو (کہ ضرب کے بعد حدث ہوا پھر بھی اس ضرب سے تیمّم جائز ہو) تو لازم آئے گا کہ جس کے ہاتھ کسی دیوار یا زمین سے مس ہوئے یا اپنے ہاتھوں سے کوئی گھڑا یا ٹھیکری کی کوئی بھی چیز پکڑلی پھر اس فعل پر سالہاسال گزر گئے اور اب اسے تیمّم کی حاجت ہوئی تو دونوں عضووں میں سے کسی کیلئے بھی نہ صعید (جنسِ زمین) کے قصد کرنے کی ضرورت ہو نہ مس کرنے کی کوئی حاجت۔ بلکہ اب نیت کرلے اور ہتھیلیاں چہرے پر پھیرلے یہی کافی ہوجائے اس لئے کہ یہ ہتھیلیاں عمر کے کسی حصے میں جنسِ زمین سے مس ہوچکی تھیں، نیت کا مس کے ساتھ ہونا شرط ہی نہیں، نہ ہی مس کے بعد مسح سے پہلے حدث ہونا اس کے منافی، اگرچہ ہزار بار حدث ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی نہ اسے مان سکتا ہے نہ ہی اسے صحیح شرعی تیمّم قرار دے سکتا ہے۔

الحاصل دونوں مسئلوں (ضرب کے بعد تیمّم کی نیت ہو تو اس ضرب سے تیمّم نہ ہو پائے گا، ضرب کے بعد حدث ہوجائے تو اس سے بھی تیمّم نہ ہوگا) میں حق وصواب سید امام ابوشجاع کے ساتھ ہے اور ان مسئلوں کی بنیاد اس پر نہیں کہ ضرب رکنِ تیمّم ہے۔ تو میرے علم کی حد تک انہیں ثمرہ اختلاف ہونے سے کوئی واسطہ نہیں۔ اور میرا رب خوب جاننے والا ہے۔

نعم اذا (۱) ضرب فالتزق بیدہ من التراب مایکفی للتیمّم ثم احدث ثم مسح بذلك التراب وجهه ناویا اجزأہ لان الکف وان بطلت طهارتها وتطهیرها وذهب به الصعید الحکمی فالصعید الحقیقی موجود بیدہ فیکون هذا تیمما بالتراب لابالکف المکتسی بالضرب صفة التطهیر۔	**ہاں** جب اس نے زمین پر ہاتھ مارا اس کے ہاتھ میں اتنی مٹی لگ گئی جو تیمّم کیلئے کافی ہو پھر اسے حدث ہو، پھر بہ نیت تیمّم اس مٹی سے اپنے چہرے کا مسح کرلیا تو یہ کافی ہوگا اس لئے کہ ہتھیلی کی طہارت اور تطہیر اگرچہ ختم ہوگئی اور اسی وجہ سے صعید حکمی جاتی رہی مگر صعید حقیقی اس کے ہاتھ میں موجود ہے تو یہ اصل مٹی سے تیمّم کرنا ہوگا ضرب کی وجہ سے صفت تطہیر حاصل کرنے والی ہتھیلی سے نہیں۔
وهذا هو عندی محمل ماتقدم عن الخانیة وخزانة المفتین لقولهما فمسح بذلك التراب وجهه ولم یقولا مسح بتلك الکف المحدثة۔	خانیہ اور خزانۃ المفتین کی مذکورۃ الصدر عبارت میرے نزدیک اسی صورت پر محمول ہے اس لئے کہ ان کے الفاظ یہ ہیں: (جب تیمّم کا ارادہ ہوا زمین پر ایک بار ہاتھ مارا پھر اسے حدث ہوگیا) تو "اسی مٹی سے" چہرے کا مسح کرلیا (پھر کہنیوں سمیت ہاتھوں کیلئے دوسری بار ہاتھ مارا) یہ جائز ہے تیمّم ہوگیا اھ یہ نہ فرمایا کہ "اسی بے ہتھیلی سے" مسح کرلیا۔
ولیراجع عبارة المضمرات فلعلها کعبارة الخانیة والخزانة ولك ان تقرأ قوله لم یعد الضرب بفتح العین وشد الدال من العد دون الاعادة فیکون تصحیحا لما علیه السید الامام والا فاذا قیدنا ها بکون التراب علی کفیه کان توفیقا و	مضمرات کی اصل عبارت بھی دیکھنا چاہئے شاید وہ بھی عبارتِ خانیہ وخزانہ ہی کی طرح ہو (جامع الرموز نے مضمرات کے اصل الفاظ نقل نہ کئے بلکہ یوں لکھا ہے کہ "**لواحدث قبل المسح لم یعد الضرب علی الاصح، کما فی المضمرات**" جس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اگر ہاتھ مارنے کے بعد مسح سے پہلے اسے حدث ہوا تو برقولِ صحیح ضرب کا اعادہ نہ کرے، یعنی اسی ضرب سے مسح کرلے جیسا کہ مضمرات میں ہے) اس عبارت میں بھی "لم یعد" کو عین کے فتحہ اور دال کی تشدید کے ساتھ بجائے اعادہ کے عدد سے لے کر

باللہ التوفیق۔

التاسع: مابحث العلامۃ الحدادی فیما(۱) اذا امر غیرہ لییممہ فضرب المامور یدیہ فاحدث الاٰمر انہ ینبغی بطلانہ علی قول ابی شجاع فعندی(۲) فیہ وقفۃ فان الاٰمر اذا امر ونوی فضرب المامور کفیہ علی الصعید اکسبھما صفۃ التطھیر وصارا صعیدا حکمیا حتی صلحتا لتطھیر الاٰمر بمسحھما وحدث الاٰمر لایخل بشیئ من ذلك لا تزول بہ طھارۃ کفی المامور لینتفی تطھیرھما۔ وقدکان الاٰمر محدثا قبل

لَمْ یَعُدِّ الضَّرْب پڑھا جاسکتا ہے۔اب یہ معنٰی ہوجائیگا کہ اگر قبل مسح حدث ہوگیا تو یہ ضرب، برقول اصح، شمار نہ کی جائے گی۔اس صورت میں اس سے اسی قول کی تصحیح حاصل ہوگی جو سید امام ابوشجاع کا ہے اگر یہ نہ پڑھیں تو جب ہم اسے اس صورت سے مقید کردیں (اعادہ ضرب کی حاجت اُس وقت نہیں جب) ہتھیلیوں پر لگی ہُوئی مٹّی بقدر کافی موجود ہو تو دونوں قولوں میں تطبیق وتوفیق ہوجائے گی۔اور خدا ہی سے توفیق ملتی ہے۔

بحث۹: دوسرے کو حکم دیا کہ مجھے تیمّم کرادے،مامور نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے کہ حکم دینے والے کو حدث عارض ہوا۔اس پر بحث کرتے ہوئے علّامہ حدادی نے فرمایا کہ ابوشجاع کے قول پر مامور کی ضرب مذکور کو (جس کے بعد قبلِ مسح آمر کو حدثِ جدید عارض ہوا) باطل ہوجانا چاہئے۔مجھے اس بارے میں کچھ توقف ہے۔اس لئے کہ آمر نے جب حکم دیا اور نیت کرلی پھر مامور نے اپنی ہتھیلیاں جنسِ زمین پر ماریں تواس ضرب نے ان ہتھیلیوں کو تطہیر کی صفت بخش دی اور وہ صعید حکمی بن کر اپنے مسح سے آمر کو پاک کرنے کے قابل ہوگئیں۔اور آمر کا حدث اس میں سے کسی بات میں کچھ خلل نہیں لاتا۔اس کے حدث سے مامور کی ہتھیلیوں کی طہارت تو زائل ہوتی نہیں کہ ان کا وصفِ تطہیر ختم ہوسکے۔

اور آمر تو محدث تھا ہی، ضرب سے پہلے بھی

الضروب وبعدہ مالم یمسح فاجتمع حدث الاٰمر اعنی کونہ محدثا وثبوت صفۃ التطھیر لکفی المأمور فی وقت واحد ودام الی حصول المسح ولو اشترط الثبوتہ لھما طھارۃ الاٰمر لدار واستحالت المسألۃ رأسا فاذ الم ینافہ کونہ محدثا کیف ینافیہ حدثہ الجدید ولایزیدہ شیئا فوق ماھو علیہ الاٰن۔

العاشر : ما(۱) استظھر منہ البحر انہ لایبطل بحدث المأمور فعندی ابعد منہ اذ لو سلمنا انہ یبطل بحدث الاٰمر مع انہ لایوجب تنجیس کفی المأمور وجب بطلانہ بحدث المأمور بالاولی لانہ ینجسھما فیسلبھما الطھارۃ فیسلبھما التطھیر ولونہ اٰلۃ لاینفیہ فانہ اٰلۃ التطھیر فلابدمن طھارتہ اذمالیس بطاھر کیف یفید غیرہ التطھیر فالظاھر عندی عکس ماقالاہ

اور ضرب کے بعد بھی، جب تک کہ مسح نہیں ہوجاتا۔ توآمر کا حدث یعنی اس کا محدث ہونا اور مامور کی ہتھیلیوں میں صفتِ تطہیر کا ثبوت دونوں چیزیں بیک وقت جمع ہُوئیں اور یہ اجتماع مسح ہوجانے تک قائم ودائم رہا۔ اور اگر مامور کی ہتھیلیوں میں صفتِ تطہیر کیلئے طہارتِ آمر کی شرط لگائی جائے تو دور لازم آئے گا۔ اور اس مسئلہ کا وجود ہی محال ہوجائے گا۔ توجب اس کا محدث ہونا اس کے منافی نہیں تو یہ حدث جدید کیسے اس کے منافی ہوجائے گا جب کہ وہ مامور کی حالت میں اس سے زیادہ کوئی اضافہ نہیں کرتا جو بروقت اس میں موجود ہے (فی الحال بھی وہ محدث ہی ہے حدث جدید سے بھی محدث ہی رہا تو ضرب پر حدثِ جدید کا کیا اثر؟)

بحث ۱۰: علامہ حدادی کی بحث لے کر صاحبِ بحر نے یہ کہا تھا کہ: "اس کا ظاہر یہ ہے کہ وہ ضرب مامور کے حدث سے باطل نہ ہوگی اس لئے کہ وہ تو صرف ذریعہ اور آلہ ہے"۔ یہ بات میرے نزدیک پہلی سے بھی زیادہ بعید ہے۔ اس لئے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ آمر کا حدث مامور کی ہتھیلیوں کو نجس بنانے کا موجب نہ ہونے کے باوجود مامور کی ضرب کو باطل کردیتا ہے تو مامور کا حدث اس ضرب کو بدرجہ اولٰی باطل کردے گا کیونکہ اس کا اپنا حدث تو اس کی ہتھیلیوں کو نجس کرکے ان سے طہارت سلب کرلے گا تو وصفِ تطہیر بھی سلب کرلے گا۔ اور مامور کا ذریعہ وآلہ ہونا اس کے منافی نہیں کیونکہ وہ تطہیر کا آلہ ہے

يبطل بحدث المأمور دون الاٰمر والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

الحادی عشر: الابحاث الى هنا لم تزد اصل الامر الا غمة لانه ثبت ان الفروع العشرة متفق عليها بين ائمتنا ولاضرب فيها بالمعنى المعروف وهم مجمعون على ركنيته۔**فاقول**: وبالله التوفيق قد اوجدناك ان الصعيد ضربان حقيقى وحكمى وان التيمم المعهود المعروف المأمور فى الاحاديث القولية والفعيلة هو امساس الكفين بالصعيد الحقيقى وسائر العضوين بهذا الصعيد الحكمى وغير المعهود هو امساس جميع اجزاء العضوين بالصعيد الحقيقى فانقسم التيمم ايضا الى قسمين المعهود بالحقيقى فى الكفين والحكمى فى غيرهما وغيره بالحقيقى فى الكل۔

ثم ركن الشيئ وان كان شرعيا وجودله فى الاعيان ايضا

تو خود اس کا طاہر ہونا ضروری ہے اس لئے کہ جو خود ہی طاہر نہیں وہ دوسرے کو تطہیر کیسے عطا کرسکے گا؟ تو ان دونوں حضرات (حدادی وبحر) نے جو فرمایا میرے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ضرب مذکور مامور کے حدث سے باطل ہوجائیگی اور آمر کے حدث سے باطل نہ ہوگی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

بحث۱۱: یہاں تک کی بحثوں سے اصل معاملہ کی پیچیدگی میں اور اضافہ ہی ہوا اس لئے کہ ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ دس جزئیات ہمارے ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہیں اور ان میں ضرب بمعنی معروف کا وجود نہیں، حالانکہ ان ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ ضرب تیمّم کا رکن ہے (پھر رکن کے بغیر شیئ کا تحقق کیونکر ہوگیا؟)

فاقول: وباللہ التوفیق۔ہم بتاچکے ہیں کہ صعید کی دو۲ قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی اور معروف ومعہود تیمّم جو قولی وفعلی احادیث میں مروی ہے وہ یہ ہے کہ ہتھیلیوں کو صعید حقیقی سے مس کیا جائے اور بقیہ ہاتھوں اور چہرے کو اِس صعید حکمی (ہتھیلیوں) سے مَس کیا جائے اور غیر معہود تیمّم یہ ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کے تمام اجزاء کو صعید حقیقی (جنس زمین) سے مس کیا جائے تو تیمّم دو۲ قسمیں ہوگئیں: ایک معہود تیمّم صعید حقیقی سے ہتھیلیوں کا، اور حکمی سے بقیہ کا مسح کرنا۔دوسرا غیر معہود تیمّم صعید حقیقی سے سبھی کا مسح کرنا۔پھر کسی بھی شیئ کا رکن اگرچہ وہ شرعی ہی ہو اس کے بغیر خارج میں بھی شیئ

بدونه اذبه تقومه كالركوع والسجود للصلاة والايجاب والقبول للنكاح اللهم الا ان يكون ركنا زائدا كالقراءة اماشرطه الشرعي فلايجب ان ينتفي بانتفائه وجوده العيني بل الشرعي الاترى ان اركان الصلاة من القيام والقعود والركوع والسجود والقراءة لاتوقف لشيئ منها في وجوده العيني على شروطها الشرعية من الطهارة والاستقبال والتحريمة وغيرها وان لم تعتبر شرعا نفقدها غيران من الشروط الشرعية مايحكى حكاية الركن يفتاق اليه الشيئ في وجوده العيني ايضا كافتياقه الى الاركان ومثل الشرط اشبه شيئ بالركن وكأنه برزخ بين الاركان والشروط السالفة الذكر فلاغرو في اجراء اسم الركن عليه وذلك كالمكان للصلوٰة والمرأة للنكاح والصعيد للتيمّم۔

اقول: وعلى هذا يبتنى قول شيخ الاسلام العلاّمة الغزى رحمه الله تعالٰى في

کا وجود نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ شے کا قوام اور اس کی حقیقت اسی رکن ہی سے بنتی ہے جیسے نماز کیلئے رکوع و سجود اور نکاح کیلئے ایجاب و قبول ہاں مگر یہ کہ رکنِ زائد ہو جیسے قراءت مگر شرط شرعی کا معاملہ مختلف ہے اس کے نہ ہونے سے شیئ کے وجود عینی خارجی کا نہ ہونا ضروری نہیں، بلکہ اس کے انتفا سے صرف وجود شرعی کا انتفا ضروری ہے دیکھ لیجئے کہ ارکانِ نماز قیام، قعود، رکوع، سجود، قراءت میں سے کوئی بھی اپنے وجود خارجی میں شرائط نماز طہارت، استقبالِ قبلہ، تحریمہ وغیرہا پر موقوف نہیں (ان شرائط کے بغیر بھی وہ ارکان خارجی میں موجود ہوسکتے ہیں) اگرچہ فقدانِ شرائط کے سبب ایسی نماز کا "شرعًا" اعتبار نہیں۔ ہاں کچھ شرعی شرطیں ایسی بھی ہیں جو رکن سے مشابہت رکھتی ہیں کہ شے اپنے وجود خارجی میں ان کی بھی محتاج ہوتی ہے اور کچھ مثل شرط رکن سے مشابہ تر بھی ہیں گویا وہ رکن اور مذکورہ شرطوں کے درمیان برزخ کی حیثیت رکھتی ہیں، تو کوئی عجب نہیں کہ ان کو رکن ہی کے نام سے ذکر کردیا جائے (اور بجائے شرط کے رکن کہہ دیا جائے) ایسی شرط کی مثال: جیسے نماز کیلئے جگہ، نکاح کیلئے عورت، تیمّم کیلئے صعید۔

اقول: اسی اطلاق پر (شدت مشابہت واحتیاج کی بنا پر شرط کو رکن کہہ دینے پر) متن تنویر الابصار میں شیخ الاسلام علامہ غزّی رحمہ اللہ تعالٰی اور اسکی

متنه التنویر والمدقق العلائی فی شرحه الدر (الاستنجاء ارکانه اربعة) شخص (مستنج) وشیئ (مستنجی به) کماء وحجر (و) نجس (خارج) من احد السبیلین (ومخرج) دبر اوقبل[1] اھ۔ واقره السید العلامة ط معللا ایاہ بقوله وذلك لانه الازالة ولاتتحقق الابمزیل وهو الشخص ومزال وهو الخارج ومزال عنه وهو المخرج واٰلة ازالة وهو الحجر ونحوه[2] اھ ولم یلتفت الی مااعترض به العلامة السید ح ان حقیقة الاستنجاء الذی هو ازالة نجس عن سبیل لاتتقوم ولابواحد من هذه الاربعة[3]۔ وتبعه السید العلامة ش واطال (۱) بما حاشا العلامتین المصنف والشارح ان یکونا	شرح دُرمختار میں مدقق علائی رحمہ اللہ تعالٰی کی درج ذیل عبارت مبنی ہے: "(استنجا کے چار ارکان ہیں)۔(استنجا کرنے والا) شخص --- وہ چیز (جس سے استنجاء کیا جائے) جیسے پانی اور پتھر وہ نجس جو سبیلین میں کسی ایک سے (خارج (۳) ہو (اور مخرج) (۴) پیچھے کا مقام یا آگے کا مقام اھ "سید علامہ طحطاوی نے ذیل کے الفاظ سے اس قول کی علت بتاتے ہوئے اسے برقرار رکھا: "یہ اس لئے کہ استنجاء ازالہ نجاست کا نام ہے اور اس کے تحقق کیلئے ضروری ہے کہ کوئی زائل کرنے والا ہو، وہ شخص (۱) ہے، اور کوئی زائل کیا جانیوالا ہو وہ خارج (۲) ہے، اور کوئی جگہ ہو جہاں سے زائل کیا جائے وہ مخرج (۳) ہے اور کوئی ازالہ کا آلہ وذریعہ ہو وہ پتھر (۴) وغیرہ ہے" اھ سید طحطاوی نے علامہ سید حلبی کے اس اعتراض کی طرف التفات نہ کیا کہ "استنجا جو کسی ایک راستے سے نجس چیز کو دُور کرنے کا نام ہے اس کی حقیقت ان چاروں سے یا ان میں کسی ایک سے بھی نہیں بنتی"۔ (پھر انہیں رکن کیسے کہہ دیا گیا؟) سید علّامہ شامی نے بھی اس اعتراض میں سید حلبی کی پیروی کی اور دونوں حضرات نے وہ سب ذکر کرکے کلام طویل کیا جس سے مصنف وشارح

[1] الدرالمختار فصل الاستنجاء مجتبائی دہلی ۱/۵۶
[2] طحطاوی علی الدرر فصل الاستنجاء بیروت ۱/۱۶۴
[3] ردالمحتار فصل الاستنجاء مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۶

غافلین عنه وانما اخذا بیان حقیقته هذا فیه عـه فی صدر هذا الکلام ثم لایخفی علیك ان المراد بالضرب هو الامساس لاخصوص مافی مدلوله من الشدة وان کان اولی فی بعض الصور۔

ففی الخانیة والخلاصة اماصورة التیمم ماذکر فی الاصل قال یضع یدیه علی الصعید وفی بعض الروایات یضرب یدیه علی الصعید فاللفظ الاول ان یکون علی وجه اللین والثانی ان یکون الوجه مع وجه الشدة وهذا اولی لیدخل التراب فی اثناء الاصابع [1] هذا لفظ الخانیة واختصره فی الخلاصة بقوله قال فی الاصل یضع یدیه علی الصعید وفی بعض الروایات یضرب یعنی الوضع علی وجه الشدة وهذا اولی [2] اھ۔

علیہماالرحمۃ کا غافل رہنا بعید ہے، خود ان حضرات (حلبی وشامی) نے تیمّم کی جو حقیقت بیان کی ہے وہ ابتدائے کلام میں خود ان ہی کے منہ سے سُن کر اخذ کی ہے۔یہ بھی مخفی نہ رہے کہ ضرب سے مراد مس کرنا ہے ضرب (مارنے) کا لفظ جس شدت پر دلالت کررہا ہے خاص وہ مراد نہیں اگرچہ وہ بعض صورتوں میں اولٰی ہے۔

اور بعض روایتوں میں ہے: اپنے ہاتھوں کو جنس زمین پر مارے تو پہلی عبارت کی صورت یہ ہے کہ نرمی کے طور پر ہو دوسری کی صورت یہ کہ زمین پر سختی کے ساتھ ہاتھ رکھتا ہو۔اور یہ اولٰی ہے تاکہ مٹی انگلیوں کے درمیان داخل ہوجائے"۔یہ خانیہ کے الفاظ ہیں۔اسے خلاصہ میں اس طرح مختصر کیا ہے: "اصل میں فرمایا: اپنے ہاتھوں کو صعید پر رکھے اور بعض روایات میں ہے: مارے اس سے سختی کے ساتھ رکھنا مراد ہے اور یہ اولٰی ہے اھ۔

عـه ای من فم الشارح حیث قال الاستنجاء ازالة نجس عن سبیل فلایسن من ریح وحصاة ونوم وفصد [3] اھ ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی حضرت شارح کی زبانی انہوں نے فرمایا ہے: استنجاء کسی ایک راستے سے نجس چیز دور کرنا ہے۔تو ریح، کنکری، نیند اور فصد کی وجہ سے استنجاء مسنون نہیں اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان باب التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کیفیۃ التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۳۴

[3] درمختار فصل فی الاستنجاء ۱/۵۶

اقول: وھذا اولی کیلا یتوھم من لفظ الخانیة فی اللفظ الاول ان الوضع یختص باللین وانما المعنی انه یشمله وماعلل به اولویة الضرب فی الخانیة به عللوھا فی غیر ما کتاب کفایة البیان والعنایة والحلیة والبحر وغیرھا۔

اقول: فیقتصر علی ماینفصل منه تراب اونقع دون نحو حجر املس ولذا قلت فی بعض الصور نعم ان نظر الی ورودہ فی الاٰثار کما علل به فی المستصفی وثنی به فی الحلیة فلایبعد اولویته مطلقًا لاتباع اللفظ الوارد۔

وبالجملة فلیس اللازم الا الامساس ومن البین ان التیمم المعھود لاتحقق له فی الخارج الابه لانه مسح الکفین بالصعید الحقیقی وبقیة العضوین بالکف الموضوع علی الصعید کماتقدم عن الکافی والبرجندی ان الواجب المسح بکف موضوع علی

خانیہ اور خلاصہ میں ہے: "تیمّم کی صورت وہ ہے جو اصل (مبسوط) میں ذکر کی ہے۔فرمایا: اپنے ہاتھوں کو صعید (جنسِ زمین) پر رکھے

اقول: اور یہ تعبیر (خلاصہ کی عبارت) اولٰی ہے تاکہ وہ وہم نہ پیدا ہو جو پہلی عبارت کی توضیح میں خانیہ کے الفاظ سے پیدا ہو رہا تھا کہ رکھنے کا لفظ صرف نرمی والی صورت سے ہی مخصوص ہے جب کہ رکھنے سے مراد عام ہے (نرمی کے ساتھ ہو یا سختی کے ساتھ) خانیہ میں ضرب کے اولٰی ہونے کی جو علت بتائی ہے وہی غایۃ البیان، عنایہ، حلیہ، البحر الرائق وغیرہا متعدد کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔

اقول: یہ علت (ضرب سے مٹی کا انگلیوں کے درمیان داخل ہوجانا) اسی چیز پر ضرب سے خاص ہے جس سے مٹی یا غبار جدا ہوسکے چکنے پتھر جیسی چیز پر ضرب میں یہ علّت نہ پائی جائے گی۔اسی لئے میں نے اسے "بعض صورتوں میں اولٰی" کہا ہاں اگر اس پر نظر کی جائے کہ لفظ ضرب آثار میں وارد ہے (اسی لئے اس پر عمل اولٰی ہے) جیسا کہ مستصفی میں یہی علت بتائی ہے اور حلیہ میں اسے دوسرے نمبر پر ذکر کیا ہے تو بعید نہیں کہ اس بنیاد پر ضرب مطلقًا اولٰی ہو کیونکہ اس میں لفظ حدیث کا اتباع ہوگا۔

الحاصل لازم وضروری صرف مس کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بغیر خارج میں تیمّم معہود کا تحقق بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ تیمّم معہود یہ ہے کہ ہتھیلیوں کا صعید حقیقی سے، اور بقیہ ہاتھوں اور چہرے کا صعید پر رکھی ہوئی ہتھیلی سے مسح ہو۔ جیسا کہ کافی اور برجندی کے حوالے سے گزر چکا کہ "واجب یہ ہے کہ مسح اس ہتھیلی سے ہو جو زمین پر رکھی

الارض [1] وعن البدائع ان الشرط امساس الید المضروبة علی وجه الارض علی الوجه والیدین [2] اھ فاذا لم یضرب لم یتحقق شیئ منھما فلا وجود لارکانه الابھذا الشرط۔ وھذا مع شدة وضوحه ربما یزیدہ ایضاحا ان من قام عن نومه فجعل یمسح النوم عن وجھه وامر کفیه علی ذراعیه رفعا للکسل اوتوضأ فمسح الماء عن وجھه وذراعیه لیس لاحدان یتوھم ان قدتحق ارکان التیمم فی الخارج فثبت[عـه] ان الضربتین من الشرائط	جاچکی ہے"۔اور بدائع کے حوالے سے گزرا کہ "شرط یہ ہے کہ رُوئے زمین پر مارے ہوئے ہاتھ سے چہرے اور ہاتھوں کو مس کیا جائے" اھ تو جب ضرب ہی نہ ہو تو دونوں (صعید حقیقی سے مسح اور صعید حکمی سے مسح) میں سے کسی کا تحقق نہ ہوگا تو اس شرط کے بغیر تیمّم معہود کے ارکان کا وجود ہی نہ ہوگا۔بہت واضح ہونے کے باوجود اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص نیند سے اُٹھ کر اثر دُور کرتے ہوئے چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا اور کلائیوں پر بھی سُستی دُور کرنے کیلئے ہتھیلیاں پھیر لیں، یا کسی کو وضو کرنا ہوا تو اپنے چہرے اور کلائیوں پر پانی سے مسح کیا ان صورتوں میں کسی کو وہم بھی نہیں ہوسکتا کہ خارج میں تیمّم کے ارکان متحقق ہوگئے تو ثابت ہوا کہ دونوں ضربیں ایسی شرطوں میں سے ہیں کہ

عـه **اقول**: وکان یمکن ان یرجع الی ھذا قول السید ط لماذکر الدر الصعید من شرائط التیمم قال ھو جزء الحقیقة لانھا مسح الوجه والیدین علی الصعید لکنه رحمه اللہ تعالٰی زاد بعدہ ولیس بشرط فجعله	**اقول**: درمختار کی عبارت "صعید شرائط تیمّم سے ہے" پر سید طحطاوی نے فرمایا صعید حقیقت تیمّم کا جز ہے اس لئے کہ وہ صعید پر ہاتھ اور چہرے پھیرنے کا نام ہے۔ سید طحطاوی کی اس عبارت کو بھی اسی طرف پھیرا جاسکتا تھا کہ شرط کو جز و حقیقت (رکن) کہہ دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے بعد ہی یہ کہہ کر کہ "وہ (صعید) شرط نہیں" اپنی عبارت کو (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح النقایہ للبرجندی فصل التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۴۶
[2] بدائع الصنائع فصل مایتیم بہ سعید کمپنی کراچی ۱/۵۴

التی لاتحقق التیمم المعهود فی الاعیان ایضاً الابهما فناسب ان تسمیا رکنین۔

اما التیمم الغیر المعهود فلا یتوقف علیهما بل یتحقق بادخال المحل فی موضع الغبار وبتحریکه فیه وبامرار الید علی النقع الواقع علی المحل وبامرار الصعید علیه کمامر تقریر کل ذلک۔فظهر وللّٰه الحمد ان مراد ائمتنا بالضرب امساس الکف بالصعید وبالرکن الشرط الذی لاتصور المشروط بدونه وبالتیمّم التیمم المعهود وهو کلام حق لاغبار علیه۔

اما الفروع العشرة فکلها فی التیمم الغیر المعهود فعدم الضرب فیها لاینافی رکنیته للتیمم المعهود وبهذا التحقیق الانیق الحقیق بالقبول* تلتئم کلمات الائمة الفحول*وتندفع الشبهات عن الفروع و

ان کے بغیر خارج میں بھی تیمّم معہود کا تحقق نہیں ہوسکتا اس لئے انہیں رکن کا نام دینا مناسب ہوا۔

لیکن تیمّم غیر معہود ان دو ضربوں پر موقوف نہیں، وہ یوں بھی متحقق ہوجاتا ہے کہ اعضائے تیمّم کو غبار کی جگہ داخل کردے، یا اس میں ان اعضاء کو جنبش دے لے یا اعضاء پر پڑے ہوئے غبار پر ہاتھ پھیرلے یا جنسِ زمین سے کوئی چیز اٹھا کر ان اعضا پر پھیرلے۔جیسا کہ ان سب کی تقریر گزرچکی۔تو بحمدللہ ظاہر ہوا کہ ضرب سے ہمارے ائمہ کی مراد صعید سے ہتھیلی کو مس کرنا، اور رکن سے مراد ایسی شرط جس کے بغیر مشروط کا تصور نہیں ہوتا، اور تیمّم سے مراد تیمّم معہود اور یہ بالکل بے غبار اور برحق کلام ہے۔

رہ گئے وہ دسوں ۱۰ جزئیات تو وہ سب تیمّم غیر معہود سے متعلق ہیں ان میں ضرب کا نہ ہونا تیمّم معہود میں رکنیت ضرب کے منافی نہیں۔اس دلکش، لائق قبول تحقیق سے ائمہ فحول کے کلمات میں مطابقت و موافقت ہوجاتی ہے، اور فروع و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مفسّرا بغیر قابل للتاویل وعلی(ا) هذا یلزم ان یکون الوجه والیدان ایضاً اجزاء حقیقة التیمم والبصر جزء حقیقة العمی وهو کماتری ۱۲ منه غفرله۔(م)

مفسّر ناقابل تاویل بنادیا اور اس پر یہ لازم آئے گا کہ چہرا اور دونوں ہاتھ بھی حقیقت تیمّم کا جز ہوں اور بصر حقیقت عمی کا جز ہو، اس کی خامی وکمزوری ہر ناظر پر عیاں ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

الاصول*ویرتفع النزاع المستمر من الف سنة بین الخیار العدول*ھکذا ینبغی التحقیق*والحمدﷲ علی حسن التوفیق*وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا واٰلہ وصحبہ*وابنہ وحزبہ*اجمعین ابد الاٰبدین*والحمدﷲ ربّ العٰلمین★	اصول سے شبہات کے غبار چھٹ جاتے ہیں۔اور عادلانِ برگزیدہ کے مابین"ہزار سال سے جاری رہنے والے اختلاف"کاخاتمہ ہوجاتا ہے تحقیق اسی طرح ہونی چاہئے اور حسنِ توفیق پر خدا کا شکر ہے اور اللہ تعالٰی کا درود ہو ہمارے سردار اور آقا پر اور ان کی آل،اصحاب،فرزند،جماعت سب پر ہمیشہ ہمیشہ۔اور ساری خُوبیاں اللہ کیلئے ہیں جو سارے جہانوں کارب ہے۔
الثانی عشر: ظھرلك من ھذہ المباحث ان احسن ھذہ الحدود الستة ازواجھا دون اوتارھا وان السادس مختص بالتیمم المعھود والثانی والرابع یعمان کل تیمّم بیدان الرابع مقتصر علی حقیقتہ فقدادی حق الحد والثانی زادہ ایضاحا بزیادۃ قصد التطھیر۔	**بحث ۱۲**: ان مباحث سے ظاہر ہوا کہ مذکور[عہ] چھ تعریفوں میں بہتر وہ ہیں جو جفت نمبر پر آئی ہیں،وہ نہیں جو طاق ہیں۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چھٹی تعریف تیمّم معہود سے خاص ہے اور دوسری،چوتھی ہر تیمّم کو عام ہیں۔ہاں یہ ہے کہ چوتھی تعریف میں حقیقتِ تیمّم کے بیان پر اکتفا کیا ہے تو اس نے تحدید کا حق ادا کیا اور دوسری نے"قصد تطہیر"کا اضافہ کرکے مزید وضاحت کردی ہے۔

عہ مذکورہ چھ ۶ تعریفیں یوں ہیں:

(۱) تطہیر کیلئے پاک صعید کا قصد۔

(۲) دو مخصوص عضووں پر تطہیر کے قصد سے مخصوص شرطوں کے ساتھ صعید کا استعمال یا زمین کے کسی جز کا بقصدِ تطہیر اعضائے مخصوصہ پر استعمال۔

(۳) مطہّر صعید کا قصد اور ادائے قربت کے لئے مخصوص طور پر اس کا استعمال۔

(۴) پاک صعید سے چہرے اور ہاتھوں کا مسح۔

(۵) وہ طہارت جو پاک صعید کو دو مخصوص عضووں میں بقصدِ مخصوص استعمال کرنے سے حاصل ہو۔

(۶) دو ۲ ضربیں،ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ضرب کہنیوں تک ہاتھوں کیلئے۔۱۲ محمد احمد مصباحی

اقول: وفیه ثلثة مباحث الاوّل الظاھر ان المراد بالتطھیر ازالة النجاسة الحکمیة لکن ربما ییمم (۱) المیت اذالم یوجد ماء اوکان رجلا بین نساء اوامرأة بین رجال اوخنثی مراھقة مطلقًا فانه ییممه المحرم فان لم یکن فالاجنبی بخرقة الکل فی الدر[1] ویأتی مفصلا وقد(۲) قال عامة المشائخ ان المیت یتنجس بالموت نجاسة حقیقة وھو الاظھر[2] بدائع وھو الصحیح[3] کافی وھو الاقیس عـه فتح[4]۔

اقول: یہاں تین بحثیں ہیں: اول ظاہر یہ ہے کہ تطہیر سے نجاست حکمیہ کا ازالہ مراد ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میت کو تیمّم کرایا جاتا ہے جب پانی نہ ملے یا میت عورتوں کے درمیان کوئی مرد، یا مردوں کے درمیان کوئی عورت یا کوئی مراہق خنثی ہو مطلقًا۔ اسے کوئی محرم تیمّم کرائے گا، وہ نہ ہو تو اجنبی کسی کپڑے کے ذریعے تیمّم کرائے گا۔ یہ سب درمختار میں ہے اور تفصیلی ذکر آگے آئیگا اور عامہ مشائخ نے یہ فرمایا ہے کہ موت سے میت نجاست حقیقیہ کے ساتھ نجس ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر تر ہے، بدائع -- یہی صحیح ہے، کافی ---- یہی زیادہ قرین قیاس ہے، فتح القدیر۔

عـه لان الأدمی حیوان دموی فیتنجس بالموت کسائر الحیوان[5] فتح **اقول:** ویرد علیه ان لوکان کذالم یمکن تطھیرہ بالغسل الاتری الجیفة لوغسلت الف مرة لم تطھر وانما یطھر منھا الجلد بالدباغ

اس لئے کہ آدمی، خُون رکھنے والا جاندار ہے تو یہ بھی ایسے دوسرے جانداروں کی طرح موت سے نجس ہو جائیگا، فتح القدیر۔ **اقول:** اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ اگر ایسا ہوتا تو غسل سے اس کی تطہیر ممکن نہ ہوتی۔ دیکھ لیجئے کہ مردار کو اگر ہزار بار بھی غسل دیا جائے تو پاک نہ ہوگا، ہاں دباغت سے صرف

[1] الدرالمختار باب صلاۃ الجنائز مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۹
[2] بدائع الصنائع فصل فی وجوب غسل المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹۹
[3] کافی
[4] فتح القدیر فصل فی الغسل نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۷۰
[5] ایضًا

I.T. Majlis of DawateIslami

اقول: مراد غیر انبیاء ہیں اس لئے کہ	اقول: ای غیر الانبیاء فانھم (ا)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وجلد الانسان لایحتمله ولعل قولی ھذا اولی من قول القائلین بالحدث اذقالوا نجاسة الحدث تزول بالغسل لانجاسة الموت لقیام موجبها بعدہ فغسل المسلم لیس لنجاسة تحل بالموت بل للحدث لان الموت سبب الاسترخاء و زوال العقل ولما کان یرد علیه ان ھذا سبب الوضوء دون الغسل قالوا بل ھو سبب الغسل وکان ھو القیاس فی الحی وانما اقتصر فیه علی الوضوء دفعا للحرج لتکرر سبب الحدث منه بخلاف المیت [1] اھ اذیرد علیه مافی الفتح ان قیام الموت مشترك الالزام فان سبب الحدث ایضا قائم بعد الغسل [2] اھ۔

اس کی جلد پاک ہو جاتی ہے،اور انسان کی جلد میں اس کا احتمال نہیں۔امید ہے کہ میری مذکورہ عبارت حدثِ میت کے قائل حضرات کی اس عبارت سے بہتر ہو گی جس میں انہوں نے یہ کہا کہ "حدث ہی کی نجاست ہے جو غسل سے دُور ہوتی ہے نہ کہ موت کی نجاست،اس لئے کہ اس نجاست کا سبب (موت) تو بعد غسل بھی قائم وباقی رہتا ہے۔تو مسلم کا غسل کسی ایسی نجاست کی وجہ سے نہیں جو موت سے اس میں حلول کر جاتی ہے بلکہ حدث کی وجہ سے ہے،اس لئے کہ موت اعضاء کے ڈھیلے پڑنے اور عقل کے زائل ہونے کا سبب ہے" اس پر جو اعتراض وارد ہوتا تھا کہ یہ تو وضو کا سبب ہے غسل کا نہیں،تو اس کے جواب میں ان حضرات نے کہا: "بلکہ یہ غسل ہی کا سبب ہے اور زندہ شخص میں بھی قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ اس سے غسل لازم ہو،مگر دفع حرج کیلئے اس میں صرف وضو پر اکتفا کا حکم ہوا کیونکہ اس سے یہ سبب بار بار پایا جاتا ہے۔بخلاف میت کے،کہ اس میں ایسا نہیں"۔اھ۔اس عبارت پر وہ اعتراض وارد ہوتا ہے جو فتح القدیر میں ہے کہ "سبب کے قائم وباقی رہنے کا الزام تو دونوں ہی صورتوں میں مشترک ہے کیونکہ حدث کا سبب بھی تو غسل کے بعد قائم وباقی رہتا ہے" اھ۔(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] فتح القدیر فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۷۰

[2] فتح القدیر فصل فی الغسل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۷۰

صلوات اللّٰہ تعالٰی وسلامہ علیہم	حضرات انبیاء صلوٰت اللّٰہ تعالٰی وسلامہ علیہم۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

واقول: بل لیس(۱) مشترکا فان الموت تبقی النجاسات متشربۃ فی البدن ولاتزول بالغسل والاسترخاء یوجب خروج ریح وبزوال العقل لایتنبہ لہ کالنوم فکان سببا بالعرض وھما قدعرضا للمیت وھو حی فتوجہ الیہ الخطاب وثبتت النجاسۃ الحکمیۃ فاذا غسل زالت ولاتعود لانہا حکمیۃ وقد انہی الموت توجہ الخطاب والتکلیف۔

اما اعتذارھم بان الغسل جعل مطھرا لہ تکریما کما فی الفتح **فاقول:** التکریم ان(۲) لایجعل جیفۃ لاان یحکم بانہ جیفۃ خبیثۃ ثم یحکم بطھارتہ بالغسل مع

واقول: (میری عبارت کے برخلاف قائلین حدث کی عبارت پر یہ اعتراض ہے اگرچہ میرے نزدیک اس کا جواب بھی ہے کہ) یہ الزام دونوں قول (نجاست وحدث) میں مشترک نہیں اس لئے کہ موت، بدن میں نجاستوں کو پیوست رہنے دیتی ہے اور وہ غسل سے دُور نہیں ہوتیں۔اور اعضاء ڈھیلے پڑنا ہوا خارج ہونے کا سبب ہوتا ہے اور آدمی عقل زائل ہونے کی وجہ سے اس پر متنبہ نہیں ہوتا، جیسے نیند کی حالت میں ہوتا ہے۔تو یہ بالعرض سبب ہوا،اور دونوں امر (اعضاء ڈھیلے پڑنا اور زوالِ عقل) میت کو حالتِ حیات ہی میں عارض ہوئے تو اس کی جانب خطاب متوجہ ہوا،اور نجاست حکمیہ ثابت ہوئی،جب اسے غسل دے دیا گیا تو زائل ہو گئی اور دوبارہ لَوٹنے والی نہیں اس لئے کہ یہ حکمیہ ہے اور موت کی وجہ سے اس کی جانب خطاب کا متوجہ ہونا اور اس کا مکلّف ہونا ختم ہوگیا۔

اب رہا ان (قائلینِ نجاست) کا یہ عذر کہ "تکریمًا اس کے لئے غسل کو مطہّر قرار دیا گیا ہے" جیسا کہ فتح القدیر میں ہے **فاقول:** تکریم تو یہ ہے کہ اسے مردار نہ قرار دیا جائے۔یہ نہیں کہ اس کے مردار خبیث ہونے کا حکم دیا جائے پھر منافی (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

طیبون طاھرون احیاء واموا تا بل	حیات وممات ہر حالت میں طیب وطاہر ہیں بلکہ ان کیلئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قیام المنافی وقدقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان المومن لاینجس [1] رواہ الستۃ عن ابی ھریرۃ واحمد والخمسۃ الا الترمذی عن حذیفۃ والنسائی عن ابن مسعود والطبرانی فی الکبیر عن ابی مُوسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ وزاد الحاکم من حدیث ابی ھریرۃ حیا ومیتا قال فی الفتح ان صح وجب ترجیح انہ للحدث [2] اھ۔

اقول: ولولم یصح لکفی اطلاق الصحاح علی انہ قدصح وللہ الحمد قال فی الحلیۃ قد اخرج الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتنجسوا موتاکم فان المؤمن فلاینجس حیا ولامیتا قال صحیح علی شرط البخاری ومسلم وقال الحافظ ضیاء الدین

قائم رہنے کے باوجود غسل سے اس کے پاک ہوجانے کا حکم دے دیا جائے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "یقینا مومن نجس نہیں ہوتا"۔یہ حدیث صحاح ستّہ میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اور حضرت حذیفہ سے امام احمد اور ترمذی کے علاوہ پانچوں حضرات نے روایت کیا ہے اور حضرت ابن مسعود سے نسائی نے اور حضرت ابو موسٰی سے رضی اللہ تعالٰی عنہم طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں حاکم کے الفاظ یہ ہیں کہ (مومن) "حیات وموت کسی بھی حالت میں" (نجس نہیں ہوتا) فتح القدیر میں ہے: "اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس قول کی ترجیح لازم ہے کہ غسل حدث کی وجہ سے ہے "اھ۔

اقول: (الفاظ مذکورہ کے اضافہ کے ساتھ حاکم کی جو روایت ہے) اگر صحیح نہ بھی ہوتی تو صحاح ستّہ کی روایت کا مطلق ہونا ہی کافی ہوتا (مومن نجس نہیں ہوتا، مطلق فرمانے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حیات وموت کسی حالت میں نجس نہیں ہوتا) مگر بحمد اللہ روایت حاکم کی صحت ثابت ہے۔حلیہ میں فرمایا: "حاکم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اپنے مردوں کو

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] صحیح البخاری کتاب الغسل ۱/۳۹

[2] فتح القدیر فصل فی الغسل ۲/۷۰

لا(۱) موت لھم الا انیا تصدیقا للوعد ثم ھم	موت محض آنی تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہے پھر وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی کتابہ اسنادہ عندی علی شرط الصحیح فترجح الاول[1] اھ۔

اقول: وبہ اندفع لانہ لمن تامل تاویل(۱) الغنیۃ ان المراد لاینجس بالجنابۃ لسیاق حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ۔

اما قول ش المراد نفی النجاسۃ الدائمۃ والالزم ان لواصابہ نجاسۃ خارجیۃ لاینجس[2] اھ۔

اقول: وقد ظھرلك دفعہ(۲) بما قررنا فبون بین بین ان تصیبہ نجاسۃ من خارج فتزال وان یجعل جیفۃ خبیثۃ نجسا کل جزء جزء منہ ظاھرا وباطنا وھذا ھو حقیقۃ النجس بخلاف من اصاب جلدہ نجاسۃ من خارج فلایصح علیہ حقیقۃ انہ نجس انما النجس مااصابہ النجاسۃ من بشرتہ۔

نجس نہ قرار دو اس لئے کہ مومن حیات وموت کسی حالت میں نجس نہیں ہوتا"۔اور کہا کہ یہ صحیح برشرط بخاری ومسلم ہے۔اور حافظ ضیاء الدین نے اپنی کتاب میں فرمایا: اس کی سند میرے نزدیک برشرط صحیح ہے تواول کو ترجیح حاصل ہو گئی اھ۔

اقول: تامل کرنے والے کیلئے اسی سے غنیہ کی یہ تاویل بھی دفع ہوجاتی ہے کہ: "حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سیاق کی روشنی میں اس ارشاد کی مراد یہ ہے کہ مومن جنابت کی وجہ سے نجس نہیں ہوجاتا"۔رہا علّامہ شامی کا یہ قول کہ "اس سے دائمی نجاست کی نفی مراد ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اسے کوئی خارجی نجاست لگ جائے تو بھی نجس نہ ہو"۔اھ

اقول: ہماری تقریر سابق سے اس کا جواب بھی ناظر پر ظاہر ہے۔بڑا نمایاں فرق ہے اس میں کہ اسے خارج سے کوئی نجاست لگ جائے پھر دور کردی جائے اور اس میں کہ اسے مردار خبیث،اور ظاہرًا باطنًا اس کے ہر ہر جز کو نجس قرار دیا جائے۔یہی نجس کی حقیقت ہے۔اس کے برخلاف جس کی جلد پر خارج سے کوئی نجاست لگ گئی ہو،اس پر حقیقی طور سے یہ بات راست نہیں آتی کہ وہ نجس ہے نجس تو صرف اس کی ظاہری جلد کا وہ حصہ ہے جس پر نجاست لگی ہے۔(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] حلیہ

[2] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۷۳

احياء ابدا بحياة حقيقة دنياوية روحانية جسمانية كما هو معتقد اهل السنة والجماعة ولذا لايورثون ويمتنع تزوج نسائهم صلوات الله تعالى وسلامه عليهم بخلاف الشهداء(۱) الذين نص الكتاب العزيز انهم احياء ونهى ان يقال لهم اموات فعلى قول العامة يكون هذا التيمم مطهرا	ہمیشہ حیات حقیقی ودنیاوی روحانی وجسمانی کے ساتھ زندہ ہیں جیسا کہ اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے اسی لئے کوئی ان کا وارث نہیں ہوتا اور ان کی عورتوں کا کسی سے نکاح کرنا ممتنع ہے صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم بخلاف شہداء کے جن کے بارے میں کتاب مجید نے صراحت فرمائی ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اس سے نہی فرمائی ہے کہ انہیں مردہ کہا جائے (مگر ان کی میراث تقسیم ہوگی، ان کی ازواج کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے) تو عامہ مشائخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فثبت(۲) وللّٰه الحمد ان الحديث ينفى تنجس المسلم بالموت فوجب كما قال المحققان ترجيح ان غسله للحدث وقد قال فى البحر انه الاصح اما(۳) فرعا فساد صلاة حامله قبل الغسل والماء(۴) القليل بوقوعه فمبنيان على قول العامة كما جوزه ش اقول ونعمل بهما اخذا بالاحتياط اما الكافر فجيفة خبيثة قطعا فالحكمان فيه قطعيان والله تعالى اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

تو بحمد اللہ یہ ثابت ہوگیا کہ حدیث پاک سے موت کی وجہ سے مسلمان کے نجس ہونے کی نفی ہوتی ہے تو دونوں محققوں کے فرمان کے بموجب اس کی ترجیح ضروری ہے کہ غسلِ میت حدث کی وجہ سے ہے۔ اور بحر میں فرمایا ہے کہ "یہی اصح ہے اب رہے یہ دو ۲ جزئیے کہ اگر کوئی غسل دئے بغیر مُردہ کو نماز میں لیے ہوئے ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے (اور مردہ آبِ قلیل میں پڑ جائے تو وہ پانی فاسد ہوجاتا ہے"۔ تو یہ دونوں مسئلے عامہ مشائخ کے قول کی بنیاد پر ہیں، جیسا کہ علّامہ شامی نے بطور تجویز واحتمال اسے کہا ہے (یعنی یہ کہ ہوسکتا ہے کہ یہ قول عامہ کی بنیاد پر ہو، اور حقیقۃً یہ انہی کے قول پر مبنی ہے) **اقول:** اور احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے ہمارا عمل مذکورہ دونوں مسئلوں پر ہوگا۔ لیکن کافر قطعًا مردار خبیث ہے تو اس کے بارے میں دونوں حکم قطعی ہیں واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عن خبث۔
اقول: و ربما يترجح به قول من قال ان الموت حدث وافاد فی طهارة البحر الرائق انه الاصح فان التيمم لم يعرف الامطهرا عن نجاسة حكمية قال تعالٰی اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا [1] الاٰية الا ان يقال ان المولٰی عـــہ سبحٰنه وتعالٰی جعل هذا المسح بالصعيد مزيلا للخبث عن جميع بدن الميت عند امتناع الغسل تفضلا منه وتكرما تعبدا غير معقول المعنی كما جعل المسح بالحجر مزيلا له فی الاستنجاء والله تعالٰی اعلم۔

کے قول پر یہ تیمّم میت اسے خبث سے پاک کرنے والا ہوگا۔
اقول: اس سے ان حضرات کے قول کی ترجیح سمجھ میں آتی ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ موت حدث ہے،اور البحرالرائق کے باب طہارت میں افادہ فرمایا ہے کہ یہی اصح ہے اس لئے کہ تیمّم نجاستِ حکمیہ سے مطہّر ہونے کی حیثیت سے ہی جانا پہچانا گیا ہے ارشادِ باری تعالٰی ہے: "تم میں کا کوئی پاخانہ سے آئے یا تم نے عورتوں سے قربت کی ہو اور پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو"۔مگر یہ کہا جائے کہ مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی نے غسل نہ ہوسکنے کی صورت میں جنسِ زمین سے اس مسح کو پُورے بدنِ میت سے خبث دُور کرنے والا قرار دیا ہے محض ازراہِ فضل وکرم،ایسا حکم تکلیفی جس کا معنی عقل کی دسترس میں نہیں، جیسے استنجاء میں پتھّر سے مسح کو خبث دُور کرنے والا قرار دیا ہےواللہ تعالٰی اعلم۔

عـــہ: ولابد للقائلين بالحقيقية ايضا الالتجاء الی مثل هذا فقد نصوا ان الميت تكفی فيه غسلة واحدة وانما التثليث سنة ولوكانت حقيقية لوجب التثليث فاجابوا بان هذا من تكريم الله سبحٰنه وتعالٰی عبده المسلم الميت جعل تطهيره بمرة واحدة ١٢ منه غفرله (م)

نجاست حقیقیہ ماننے والوں کیلئے بھی اس طرح کی بات سے مفر نہیں کیوں کہ انہوں نے بھی یہ تصریح کی ہے میت کے بدن کو ایک بار دھونا ہی کفایت کرتا ہے اور تین بار دھونا فقط سنّت ہے۔اگر نجاست حقیقیہ ہوتی تو تین بار دھونا واجب ہوتا۔اس کا انہوں نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ اللہ سبحانہ وتعالٰی کی جانب سے اپنے بندہ مسلم کی میت کی تکریم ہے کہ ایک بار سے ہی اس کی تطہیر کا حکم فرمادیا ۱۲منہ (ت)

[1] القرآن ۴/ ۴۳

الثانی: یؤمر الصبی العاقل بالوضوء والصلاۃ فان کان مریضا اوعلی سفر ولم یجد ماء تیمّم ولایخرج تیممه من التیمم الشرعی کوضوئه وصلاته مع انه لایحدث عنده کمابیناه فی الطرس المعدل فیراد فیه صورۃ التطهیر وان لم یکن تطهیرا حقیقة لعدم النجاسة الحکمیة فکان کقول الخانیة الصبی العاقل اذا توضأ یرید به التطهیر ینبغی ان یصیر الماء مستعملا لانه نوی قربة معتبرة[1] اھ تأمل۔	**دوم**: عاقل بچہ کو وضو ونماز کا حکم دیا جائیگا، تو اگر وہ بیمار، یا سفر میں ہو اور پانی نہ پائے تو تیمّم کرے اور اس کا تیمّم، تیمّم شرعی سے باہر نہیں، جیسے اس کا وضو اور نماز۔ حالانکہ اس کے پاس حدث نہیں، جیسا کہ الطرس المعدل میں ہم نے اسے بیان کیا ہے تو اس میں تطہیر کی صورت مقصود ہوتی ہے اگرچہ حقیقۃً تطہیر نہ ہو کیوں کہ نجاست حکمیہ نہیں۔ تو ایسا ہوگا جیسے خانیہ میں فرمایا ہے: "عاقل بچّہ جب تطہیر کے ارادہ سے وضو کرے تو پانی مستعمل ہوجانا چاہئے اس لئے کہ اس نے ایک معتبر قربت کا ارادہ کیا" اھ تامل (غور کرو)
وقد یقال علی مابینا فی الطرس المعدل ان(۱) النجاسة الحکمیة تعم المعاصی والمکروھات ولذا کان الوضوء علی الوضوء منویا موجبا لاستعمال الماء مع عدم حدث یسلب الماء طھوریته ونص(۲) علماء الباطن منھم سیدی عبدالوھاب الشعرانی قدس سرّہ فی المیزان ان للاطفال ایضا معاصی بحسبھم وان لم تعد معاصی فی ظاھر الشریعة وبھا یصیبھم مایصیبھم کما لا(۳) تعضد شجرۃ ولا تسقط ورقة ولایذبح حیوان الالغفلته عن التسبیح فعلی ھذا تحقق النجاسة الحکمیة فیھم ایضا	یہ بھی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ ہم نے "الطرس المعدل" میں بیان کیا ہے کہ نجاست حکمیہ معاصی اور مکروہات دونوں ہی کو عام ہے اس لئے نیت کے ساتھ وضو پر وضو پانی کے مستعمل ہونے کا سبب ہے جبکہ ایسا کوئی حدث نہیں جو پانی سے مطہر ہونے کی صفت سلب کررہا ہو۔ اور علمائے باطن نے۔ جن میں سے سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ میزان الشریعۃ الکبرٰی میں رقمطراز ہیں۔ تصریح فرمائی ہے کہ بچّوں کیلئے بھی ان کی حالت کے لحاظ سے معاصی ہوتے ہیں اگرچہ ظاہر شریعت میں وہ معاصی کے دائرہ میں شمار نہیں، اور ان ہی معاصی کی وجہ سے انہیں جو مصیبت پہنچتی ہے وہ پہنچتی ہے جیسے یہ ہے کہ کوئی بھی درخت کاٹا جاتا ہے یا کوئی پتّہ گرتا ہے یا کوئی جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اس وجہ سے کہ وہ تسبیح الٰہی سے غافل

[1] فتاوٰی قاضیخان، آخر فصل فی الماء المستعمل۔ ۹/۱

حقیقة [1] واللہ تعالٰی اعلم۔ **الثالث:** قدمنا ان الاستعمال ھو المسح وقولك مسح العضوین علی قصد التطھیر یتبادر منه ان الماسح ھو القاصد ولیس ھذا علی اطلاقه فان من یمم غیرہ بامرہ یعتبر فیه نیة الاٰمر دون المامور کما تقدم عن البحر نعم من یتمم بنفسه اویمم(ا) میتا اعتبر فیه نیة الماسح واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	ہوا۔ تو اس قول کی بنیاد پر بچّوں میں بھی نجاست حکمیہ کا ثبوت حقیقةً ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **سوم:** ہم بتا چکے ہیں کہ استعمالِ صعید سے مراد مسح ہے۔ اور "بقصدِ تطہیر دونوں عضووں کا مسح" کہنے سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ مسح کرنے والا قصد کرنے والا بھی ہوگا۔ حالانکہ یہ حکم مطلق نہیں اس لئے کہ جو کسی دوسرے کو اس کے حکم سے تیمّم کرائے اس میں آمر کی نیت کا اعتبار ہوگا مامور کی نیت کا نہیں جیسا کہ البحرالرائق کے حوالے سے گزرا۔ ہاں جو خود تیمّم کرے یا کسی میت کو تیمّم کرائے تو اس میں مسح کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

تعریف ہفتم رضوی۔ اقول: وباللہ التوفیق ان مباحث جلیلہ میں جو کچھ ہم نے منقح کیا اس پر تیمّم کی تعریف اصح واوضح واصرح بعونہ تعالٰی یہ ہُوئی کہ فرض طہارت کیلئے کافی پانی سے عجز کی حالت میں مسلمان عاقل کا اپنے بدن سے نجاست حکمیہ حقیقةً یا صورةً یا میّت مسلم کے بدن سے نجاست موت حقیقیہ یا دوسرے قول پر حکمیہ دُور کرنے کیلئے اپنے یا اُس میت کے مُنہ اور ہاتھوں سے اُتنے حصّہ پر جس کا دھونا وضو میں ہے جنس زمین سے کسی کامل الطہارۃ چیز کو خود یا اپنی نیت مذکورہ سے دوسرے کو حکم دے کر اُس کے واسطہ سے یوں استعمال کرنا کہ یا تو خود اس فعل سے اُن دونوں عضووں کے ہر جز کو اُس جنس ارض سے مس واقع ہو یا اپنے خواہ اپنے مامور کے وہ کف کہ اس کی نیت مذکور کے ساتھ جنس ارض سے اتصال دئے گئے ہوں اُن کے اکثر کا جداجدا اتصالوں سے مُنہ اور کہنیوں کے اوپر ہر ہاتھ سے اس طرح مس ہونا کہ کوئی حصّہ ایسا نہ رہے جسے خود جنس ارض یا اُس کف سے اتصال نہ ہو۔

توضیحات: ہمارے ان بیانات وقیود کے بہت فوائد مباحث سابقہ سے روشن ہیں مگر ہمارے عوام بھائی کہ عربی نہ سمجھیں اُن کیلئے اجمالاً اعادہ اور کثیر وغزیر جدید فوائد کا کہ پہلے مذکور نہ ہوئے افادہ کریں۔

---

[1] المیزان الکبرٰی خاتمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۲/۲۰۹

سمح الندرٰی فیما یورث العجز عن الماء ۱۳۳۵ھ

فاقول: وباللہ التوفیق اوّل پانی سے عجز کی ۱۷۵ صورتیں ہیں: (۱) پانی وہاں سے میل بھر دُور ہو اگرچہ خود اپنے شہر ہی میں ہو یا سفر میں اُسی طرف جدھر جارہا ہے، درمختار میں ہے: **لبعدہ ولو مقیما فی المصر میلا**[1] (کیونکہ وہ پانی سے ایک میل دُور ہے اگرچہ شہر ہی میں مقیم ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے **قولہ المیل ھو المختار احتراز عما قیل میلان اومیلان ان کان الماء امامہ والا فمیل**[2] (مصنف کا قول "میل" یہی مختار ہے۔یہ ان دونوں قولوں سے احتراز ہے: (i) دو میل (ii) دو میل اگر پانی اس کے آگے سمت میں ہو ورنہ ایک میل۔ت)

تنبیہ: رحمۃ اللعالمین بالمومنین رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ کی رحمت دیکھیے ہمارے صرف میل بھر چلنے کی مشقت پر ایسا لحاظ فرمایا کہ اس کیلئے وضو بلکہ بحال جنابت غسل کی ضرورت نہ رکھی تیمّم جائز فرمادیا اگرچہ آدمی خود اپنے شہر میں ہو بلکہ سفر میں جس طرف جانا ہے اسی طرف میل بھر ہو جب بھی یہاں تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ یہ میل خود ہی طے کرے گا ہاں ۲ جس طرف جاتا ہے اُدھر ہی پانی ہے اور جانے میں وقت کراہت نہ آجائے گا تو مستحب یہ ہے کہ وہاں پہنچ کر پانی ہی سے طہارت کرکے نماز پڑھے متون میں ہے **ندب لراجیہ اٰخر الوقت تنویر۔المستحب در۔ھو الاصح ش**[3] (اس کیلئے تاخیر مندوب ہے جو آخر وقت میں پانی ملنے کی امید رکھتا ہو۔تنویر الابصار یعنی۔آخر وقت مستحب میں درمختار یہی اصح ہے۔شامی۔ت) (۲) جنگل میں کُنواں ہے رسّی یا ڈول بھرنے کا آلہ نہیں نہ عمامے وغیرہ سے نکال سکے نہ کوئی ایسا ہو کہ پانی اُتر کر لادے (۳) یا لانے والا اُجرت مثل سے زائد مانگتا ہے[4] **کما فی البحر عن التوشیح** (جیسا کہ البحر الرائق میں توشیح کے حوالے سے ہے۔ت) (۴) **اقول:** یا یہ مفلس ہے کہ اُجرت دے ہی نہیں سکتا (۵) یا یہاں دینے کو نہیں اس کا مال دوسری جگہ ہے اور اجیر ادھار پر راضی نہیں اور اگر راضی ہوجائے تو تیمّم جائز نہ ہوگا زدتھما اخذا مما یاتی فی ثمن الماء (پانی کے دام سے متعلق جو مسئلہ آرہا ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ان دو ۲ صورتوں کا اضافہ کیا۔ت) (۶) کپڑا تو ایسا ہے جسے رسّی کی جگہ کرکے پانی نکال سکتا ہے یا بار بار ڈبو کر نچوڑنے سے پانی قابلِ طہارت لے سکتا ہے مگر ایسا کرنے سے کپڑا

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۱/۱

[2] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱۰۸/۱

[3] ردالمحتار مع الرد باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱۸۲/۱

[4] بحرالرائق باب التیمم سعید کمپنی کراچی ۱۴۳/۱

خراب ہو جائیگا یا پانی تک پہنچنے کیلئے اُسے بیچ میں چیر کر باندھنا درکار ہوگا۔اور ایسا کرنے سے اس میں ایک درم کا نقصان ہوتا ہے جب بھی تیمّم کی اجازت ہے ورنہ نہیں ش عن التاتارخانیة عن الامام فقیه النفس خلافا لما فی التوشیح فالبحر فالنهر فالدر معتمدین مافی کتب الشافعیة ان لونقص قدر قیمة الماء وألة الاستقاء لایتیمم وان زاد تیمم [1] (شامی از تاتارخانیہ از امام فقیہ النفس قاضی خان اس کے برخلاف جو توشیح پھر بحر پھر نہر پھر در میں ہے اس پر اعتماد کرتے ہوئے جو کتب شافعیہ میں ہے کہ اگر پانی اور پانی کھینچنے کے آلے کی قیمت بقدر نقصان ہو تو تیمّم نہ کرے ورنہ تیمّم کرلے۔ت)

فائدہ! درم شرعی یہاں کے روپے سے ۲۵/۷ ہے یعنی ساڑھے چار آنے سے ۶/۲۵ پائی کم۔

(۷) تالاب کا پانی اُوپر سے بوجہ برف جم گیا ہے اور اس کے پاس کوئی آلہ نہیں کہ اُسے توڑ کر نیچے سے پانی نکال سکے یا برف کو پگھلا سکے بحر عن المبتغی [2] (بحر نے مبتغی کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ت)

اقول: اگر بلا آلہ ہوا سے پگھلا سکے جب بھی تیمّم روا نہ ہوگا مگر یہ کہ اتنی دیر میں پگھلے کہ وقت جاتا رہے گا تو تیمّم کرکے پڑھ لے۔

وھل ھو علی قول زفر المفتی به من جواز التیمم لخوف فوت وقتیة فیعمل به ثم یعید متطهرا بالماء عملا باصل المذهب ام علی قول الکل۔ **اقول:** الظاهر الثانی لانه عادم للماء حقیقة بخلاف مسألة زفر فیسوغ التیمم فان کان یجده بعد الوقت بالذوبان الا تری ان راجیه آخر الوقت لایجب علیه التاخیر فکیف من	کیا یہ حکم امام زفر کے مفتی بہ قول پر ہے کہ اگر نماز وقتیہ کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم جائز ہے۔لہٰذا اس پر عمل کرلے، پھر اصل مذہب پر عمل کرتے ہوئے پانی سے وضو کرکے نماز کا اعادہ کرے؟ یا یہ سب کے قول پر ہے؟ **اقول:** ظاہر یہ ہے کہ سب کے قول پر ہے۔اس لئے کہ حقیقۃً وہ پانی پانے والا نہیں بخلاف مسئلہ امام زفر کے تو تیمّم اس کیلئے جائز ہے اگرچہ وقت کے بعد پگھلنے سے وہ پانی پالے گا دیکھئے کہ جسے آخر وقت میں پانی ملنے کی

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۳

[2] البحرالرائق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

لایرجوہ فی الوقت اصلا واللہ تعالٰی اعلم۔	امید ہو اس پر تاخیر واجب نہیں، پھر اس کا کیا حکم ہوگا جسے وقت میں پانی ملنے کی بالکل امید نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۸) پانی کے پاس شیر بھیڑیا وغیرہ درندہ یا سانپ یا آگ ہے کہ پانی لے نہیں سکتا **(۹)** رہزن ہے کہ لوٹ لے گا **(۱۰)** دشمن ہے جس سے حملہ کا صحیح اندیشہ ہے **(۱۱)** فاسق ہے کہ عورت یا امرد کو اس سے اندیشہ بدکاری ہے **(۱۲)** قرضخواہ ہے اور یہ مفلس وہ مطالبہ میں حبس کرلے گا **الکل فی البحر والدر**[1] (یہ سب البحرالرائق اور دُرمختار میں ہے۔ت)

اقول: یہ ایک شرعی مسئلہ ہے کہ ان بلاد میں جاری نہیں یہاں قرضخواہ نالش کے سوا خود حبس کا اختیار نہیں رکھتا تو یہ یہاں یوں عذر نہیں بلاکلہ اس طرح کہ اُس نے گرفتاری جاری کرائی ہے اگر وہاں جاتا یا باہر نکلتا ہے گرفتار ہوجائے گا **(۱۳)** جو وارنٹ کے سبب پانی کے پاس نہیں جاسکتا **(۱۴)** جو پولیس سے رُوپوش ہے **وقد ذکروا (ا) فی الجمعۃ ان الاختفاء من السلطان الظالم مسقط**[2] فتح وھندیۃ (علماء نے جمعہ کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ظالم بادشاہ کے خوف سے رُوپوشی کے سبب جمعہ ساقط ہوجاتا ہے۔ فتح، ہندیہ۔ت)

(۱۵) اقول: یہ دونوں صورتیں کہ فقیر نے زائد کیں ظاہر ہیں اور مسئلہ مدیون سے بدلالۃ النص ثابت تیسری صورت اور ہے کہ عزّت دینی والا عالم دین جسے اعزاز دین و علم دین کیلئے کچہریوں سے احتراز ہے مخالف نے ایذارسانی کیلئے اُسے شہادت میں لکھادیا یا اور کسی طرح طلب کرایا سمن جاری ہے اُس کے خوف سے باہر نہیں جاسکتا ظاہرًا یہ بھی **اِن شاء اللہ العزیز** عذر صحیح ہے کہ آخر یہ مضرت ایک پیسے کے نقصان سے جس کیلئے شرع نے تیمّم جائز فرمایا جس کا ذکر عنقریب آتا ہے کہیں زیادہ ہے **فلیحرر ولیتأمل واللہ تعالٰی اعلم** (اس کی توضیح اور اس میں تامّل کی ضرورت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ت) یہ تین تین صورتیں بڑھیں گی کہ اُجرت پر لادینے والا اجرت مثل سے زائد مانگتا ہے یا یہ اُجرت دینے پر قادر نہیں یا اس وقت پاس نہیں

(۱۶تا۳۲) اقول: **۱۰** سے **۱۵** تک ہر صورت میں یہ بھی شرط ہے کہ کوئی پانی لادینے والا غلام خادم بیٹا وغیرہ نہ ملے اور ہر ایک میں بدستور اور وہ ادھار پر راضی نہیں۔ **(۳۴)** مال پاس ہے اپنا خواہ امانت اور پانی پر ساتھ لے جانے کا نہیں نہ یہاں کوئی محافظ اگر پانی لینے

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۲

[2] فتح القدیر باب صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۲

جائے تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے [1] بحر ودر جبکہ وہ مال ایک درم سے کم نہ ہو [2] **علی مااستفاد ش من فرع التاترخانیۃ المذکور والمسألۃ تحتاج بعد الی زیادۃ تحریر** (یہ اس بنیاد پر ہے جو علامہ شامی نے تاتارخانیہ کے مذکورہ جزئیہ سے استفادہ کرتے ہوئے کہا مگر یہ مسئلہ اب بھی مزید توضیح کا محتاج ہے۔ت)

(۳۵) پانی ملتا ہے مگر دو چند قیمت کو یعنی اُس جگہ بازار کے بھاؤ سے اتنے پانی کی جو قیمت ہے بیچنے والا اُس سے دو چند مانگتا ہے [3] **بحر عن البدائع والنہایۃ والنوادر وقدمہ فی الخانیۃ فکان ھو الاظہر الاشہر** (بحر بحوالہ بدائع ونہایہ ونوادر، اور خانیہ میں اسے مقدّم رکھا تو یہی اظہر واشہر ہے۔ت)

(۳۶) قیمت (۱) مثل ہی کو ملتا ہے مگر یہ مفلس ہے یعنی حاجت سے زائد اتنا مال نہیں رکھتا [4] **کمافی الدر** (جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔ت) **(۳۷)** مال تو رکھتا ہے مگر یہاں نہیں اور بیچنے والا اُدھار دینے پر راضی نہیں ہاں (۲) راضی ہو تو خریدنا واجب اور اگر کوئی (۳) اُتنے دام اسے قرض دینا چاہے تو لینا لازم نہیں تیمّم کرسکتا ہے **لان الاجل لازم ولامطالبۃ قبل حلولہ بخلاف القرض** [5] **ش عن البحر** (اس لئے کہ ادھار کی صورت میں مقررہ میعاد لازم ہوگی اور اس سے پہلے مطالبہ نہیں ہوسکتا، اور قرض کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ شامی بحوالہ بحر۔ت)

تنبیہ: شریعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت دیکھیے ہمارے ایک ایک پیسے پر لحاظ فرمایا گیا نہانے کی حاجت ہے اور وہاں قابلِ غسل پانی کی قیمت ایک پیسہ ہو اور جس کے پاس ہے دو پیسے مانگتا ہے پیسہ زیادہ نہ دو اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لو ایسی رحمت والی شریعت کے کسی حکم کو کرّا سمجھنا یا شامتِ نفس سے بجانہ لانا کیسی ناشکری وبے حیائی ہے مولیٰ عزوجل صدقہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت کا اس فقیر عاجز اور سب اہل سنّت کو کامل اتباع شریعت کی توفیق بخشے اور اپنی رحمت محضہ سے قبول فرمائے آمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین **(۳۸)** مریض ہے پانی سے طہارت کرے تو مرض بڑھ جائے گا یا دیر میں اچھا ہوگا اور یہ بات ظاہر علامت یا تجربہ سے ثابت ہو [6] **ش عن الغنیۃ** (شامی بحوالہ غنیہ) یا

---

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۱/۱

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱۷۳/۱

[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۶۲/۱

[4] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۴۴/۱

[5] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱۸۴/۱

[6] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱۷۱/۱

طبیب حاذق مسلم مستور ایسا کہے درو ش وقیل عدالته شرط [1] غنیة (درمختار وشامی، اور کہا گیا کہ اس کا عادل ہونا شرط ہے۔غنیہ۔ت)

اقول: فیه مافیه من الحرج وماشرع التیمّم الا لدفعه (اس پر اعتراض یہ ہے کہ اس میں حرج ہے حالانکہ تیمّم دفع حرج ہی کیلئے مشروع ہوا۔ت) **(۳۹)** یوں ہی اگر فی الحال مرض نہیں مگر تجربہ وغیرہ دلائل معتبرہ شرعیہ مذکورہ سے ثابت ہے کہ اس وقت پانی سے طہارت کی تو بیمار ہوجائے گا [2] ش عن القهستانی (شامی از قہستانی۔ت) **(۴۰)** سردی شدید ہے اور حمام نہیں یا اُجرت دینے کو نہیں نہ پانی گرم کرسکتا ہے نہ ایسے کپڑے میں کہ نہا کر اُن سے گرمی حاصل کرسکے نہ تاپنے کو الاؤ مل سکتا ہے اور اس سردی میں نہانے سے مرض کا صحیح خوف ہے تو تیمّم کرسکتا ہے اگرچہ شہر میں ہو [3] درمختار۔ سردی کے باعث وضو نہیں چھوڑ سکتا وهو الصحیح كما فی الخانیه والخلاصة بل هو بالاجماع، مصفی [4] (یہی صحیح ہے۔خانیہ، خلاصہ بلکہ یہ بالاجماع ہے۔ مصفی۔ت) ہاں اگر اُس سردی میں وضو سے بھی صحیح خوف حدوث مرض ہو جب بھی تیمّم کرے [5] ش عن الامداد (شامی بحوالہ امداد الفتاح۔ت) خالی وہم کا اعتبار نہانے میں بھی نہیں وضو تو وضو **(۴۱)** مریض کو پانی سے طہارت تو مضر نہیں مگر جنبش مضر ہے **(۴۲)** ضرر تو کچھ نہیں مگر وضو نہیں کرسکتا اور دوسرا کرانے والا نہیں اور اگر ہے تو مثلاً غلام یا نوکر یا اولاد جن پر اس کی اطاعت وخدمت لازم ہے تو بالاتفاق تیمّم نہیں کرسکتا اور اگر اُس پر خدمت لازم تو نہیں مگر اس کے کہنے سے وضو کرادے گا جیسے دوست یا زوج یا زوجہ تو معتمد یہ کہ اب بھی تیمّم جائز نہیں [6]

(۴۳) دوسرا ہے مگر وہ اجرت مانگتا ہے اور یہ قادر نہیں **(۴۴)** قادر بھی ہے مگر وہ اُجرت مثل سے زیادہ مانگتا ہے [7] الکل فی البحر والدر (یہ سب بحرالرائق اور درمختار میں ہے۔ت) **(۴۵) اقول:** یہاں بھی وہ صورت آئیگی کہ وہ اُجرت مثل ہی مانگتا ہے اور یہ دے بھی سکتا ہے مگر یہاں نہیں اور وہ اُدھار پر راضی نہیں **(۴۶تا۴۸)** سفر میں پانی پاس موجود ہے اور

---

[1] ردالمحتار مع الدرالمختار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۱

[2] ردالمحتار مع الدرالمختار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۱

[3] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۱

[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۲ و ۱۷۱

[5] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۲ و ۱۷۱

[6] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰

[7] بحرالرائق باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۱

استعمال پر قدرت بھی اور مرض کا بھی اندیشہ نہیں مگر اس سے طہارت کرتا ہے تو اب[۱] یا بعد کو یہ یا[۲] اور کوئی مسلمان یا[۳] اس کا جانور اگرچہ وہ کُتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا(۴۹) یا(۴۹) آٹا گوندھنے کو پھر پانی نہ ملے گا(۵۰) یا(۵) بدن یا بقدر ستر عورت کے کپڑے پر نجاست ہے جس سے نماز نہ ہوگی اور اگر وضو یا غسل کرلیا تو اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے وہ مانع نماز نہ رہے پانی نہ ملے گا، یہ پانچوں صورتیں ہمارے رسالہ النور والنورق فصل اول نمبر ۳۱ میں مشرح ہیں (۵۱) راہ میں سبیل کا پانی موجود ہے مگر وہ پینے کیلئے وقف ہے غسل و وضو کیلئے نہیں۔ اس کا نہایت مفصل مکمل بیان ہمارے اسی رسالے نمبر ۲۹ میں ہے (۵۲) طہارت ہی کیلئے وقف ہے مگر ایک قوم خاص یا وصف خاص پر اور یہ اُن میں نہیں اس کا بیان نمبر ۳۰ میں ہے۔

(۵۳) پانی دوسرے کی مِلک ہے اور اس کیلئے اجازت نہیں اس کا بیان نمبر ۳۲ وغیرہ میں ہے (۵۴) نہانے کی حاجت ہے اور وہاں کچھ لوگ ہیں کہ نہ وہ ہٹتے ہیں نہ اُسے آڑ ملتی ہے نہ کچھ باندھ کر نہانے کو ہے تیمّم کرے اگرچہ مرد صرف مردوں ہی میں ہو یا عورت صرف عورتوں میں [1] **علی مااستظھر فی الحلیۃ والغنیۃ خلافا لما فی القنیۃ والدر** (یہ اس بنیاد پر ہے جسے حلیہ اور غنیہ میں ظاہر کہہ کے بیان کیا اس کے برخلاف جو قنیہ اور درمختار میں ہے۔ت)

اقول: ومازدت من القیود ظاھر (اور میں نے جن قیدوں کا اضافہ کیا ہے وہ ظاہر ہیں۔ت) پھر بعد کو نماز کا اعادہ کرے یا نہ کرے اس کا ذکر نمبر ۶۷ میں آتا ہے **وباللہ التوفیق۔ (۵۵) اقول:** یونہی اگر عورت کو وضو کرنا ہے اور وہاں کوئی نامحرم مرد موجود ہے جس سے چھپا کر ہاتھوں کا دھونا اور سر کا مسح نہیں کرسکتی تیمّم کرے (۵۶) محبوس کو پانی نہیں ملتا (۵۷) کفار معاذ اللہ پکڑ کرلے گئے اور غسل یا وضو نہیں کرنے دیتے (۵۸) ظالم ڈراتا ہے کہ پانی سے طہارت کی تو مار ڈالوں گا یا کوئی عضو کاٹ دوں گا اور ایسا ہی خوف جس سے اکراہ ثابت [2] ہو۔ **الکل فی الذخیرۃ وشرح الوقایۃ والفتح والدرر وغیرھا** (یہ سب ذخیرہ، شرح وقایہ، فتح القدیر، درر وغیرہا میں ہے۔ت)

اقول: ومازدت من القطع وسائر مایصح بہ الاکراہ ظاھر (میں نے عضو کاٹنے اور ہر اس چیز کا جس سے اکراہ ثابت ہو اضافہ کیا، یہ ظاہر ہے۔ت) (۵۹) پانی میل بھر سے کم دُور ہے مگر نوکر یا مزدور کو آقا یا مستاجر جانے کی اجازت نہیں دیتا [3] **بحر عن المبتغی** (بحر بحوالہ مبتغی) **(۶۰) اقول:** ریل میں ہے

---

[1] غنیۃ المستملی سنن الغسل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱

[2] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۸

[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۲

اور اس درجے میں پانی نہیں اور دروازہ بند ہے تیمّم کرے **لانہ کالمحبوس فی معنی العجز** (اس لئے کہ وہ عاجز ہونے میں قیدی کی طرح ہے۔ت) مگر ۵۶ سے یہاں تک ان پانچوں صورتوں میں جب پانی پائے طہارت کرکے نماز پھیرے لان المانع من جھۃ العباد (اس لئے کہ مانع بندوں کی طرف سے ہے۔ت) اور اگر اُتر کر پانی لانے میں مال جاتے رہنے کا خوف ہو تو اعادہ بھی نہیں اور یہ نمبر ۳۴ ہے اور اگر ریل چلے جانے کا اندیشہ ہو تب بھی تیمّم کرے اور اعادہ نہیں یہ نمبر آئندہ کے حکم میں ہے **(۶۱)** پانی میل سے کم مگر اتنی دُور ہے کہ اگر یہ وہاں جائے تو قافلہ چلا جائے گا اور اس کی نگاہ سے غائب ہوجائے گا **(۶۲) اقول:** یا اگرچہ ابھی نگاہ سے غائب نہ ہوگا مگر یہ ایسا کمزور ہے کہ مل نہ سکے گا۔

قال فی البحر عن ابی یوسف اذا کان بحیث لو ذھب الیه وتوضأ تذھب القافلة وتغیب عن بصرہ فھو بعید ویجوزله التیمم واستحسن المشائخ ھذہ الروایة کذا فی التجنیس وغیرہ[1] اھ۔ **اقول:** والمختار فی تقدیر البعد وان کان المیل لکن ھذا عذر صحیح معتبر لاشك ولذا استحسنه المشائخ فیجب اعتبارہ مستقلا لا من حیث تقدیر البعد به۔	بحر میں فرمایا: امام ابویوسف سے روایت ہے کہ "جب یہ حالت ہو کہ پانی تک جاکر وضو کرے تو قافلہ چلا جائے گا اور اس کی نظر سے غائب ہوجائے گا تو وہ پانی سے دور ہے اور اس کیلئے تیمّم جائز ہے"۔ مشائخ نے یہ روایت بنظرِ استحسان دیکھی، اسے پسند کیا، ایسا ہی تجنیس وغیرہ میں ہے اھ۔(ت) **اقول:** دوری کی تحدید میں مختار اگرچہ میل ہی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ ایک صحیح اور معتبر عذر ہے اسی لئے مشائخ نے اسے پسند کیا تو مستقل طور پر اس کا اعتبار ضروری ہے اسی لحاظ سے نہیں کہ یہی دوری کی حد مان لی گئی ہے۔(ت)

(۶۳ تا ۶۶) اقول: عورت[1] کے پاس پانی نہیں نہ باہر نکلنے کو چادر نہ بیٹا وغیرہ لادینے والا یا[2] اجیر اجرت مثل سے زیادہ مانگتا ہے یا[3] یہ مفلس ہے یا[4] مال غائب اور وہ ادھار پر راضی نہیں تیمّم کرے اور اعادہ نہیں **لان المنع من جھة الشرع** (اس لئے کہ رکاوٹ شریعت کی جانب سے ہے۔ت)

(۶۷) اقول شریف زادی پردہ نشین کہ باہر نکلنے کی قطعًا عادی نہیں اگر گھر میں پانی نہ رہے نہ باہر سے

[1] البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۰

کوئی لادینے والا ہو تو رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمت سے امید ہے کہ اُسے اجازت تیمّم ہو اور پانی پانے پر اعادہ کی بھی حاجت نہ ہو تفصیل' اس کی یہ کہ عورات چند قسم ہیں ایک وہ کہ دن دہاڑے منہ کھولے بے تکلّف بازاروں میں پھرتی ہیں یہ مطلقاً مردوں کی مثل ہیں مگر جبکہ چادر نہ پائیں۔**اقول:** اگرچہ خود بدلحاظی [عـہ] سے پھرنے کی عادی ہوں کہ وہ حرام ہے اور شرع حرام کا حکم نہیں دیتی۔دوسری وہ کہ برقع اوڑھ کر دن کو آتی جاتی ہیں یہ بھی معذور نہیں ہو سکتیں مگر اُسی حالت میں کہ بُرقع یا چادر بھی نہ پائیں تیسری وہ کہ رات کو چادر اوڑھ کر دوسرے محلّوں تک جاتی ہیں جس طرح رامپور وبدایوں کے بہت گھروں کی رسم سُنی گئی ان کیلئے دن میں شاید عذر ہوسکے شب میں ہر گز نہیں مگر یہ کہ کنویں پر مردوں کا مجمع ہو اور یہ مجمع میں چادر اوڑھ کر شب کو بھی نہ جاسکتی ہوں چوتھی وہ کہ شب کو چادر کے ساتھ بھی دُور نہ جاسکے صرف اس کی عادی ہو کہ گھر سے نکل کر سامنے کے دروازے میں دو قدم رکھ کر چلی جائے اس کیلئے اگر کُنواں ایسا ہی قریب ہے اور اس پر مرد نہیں تو عذر نہیں اور اگر کُنواں دُور ہے یا وہاں مردوں کا اجتماع ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ معذور ہے پانچویں وہ کہ گھر سے باہر قدم رکھنے کی مطلقاً عادی نہیں جس طرح بحمد اللہ تعالیٰ بریلی میں شریف زادیوں کا دستور ہے یہ ہر طرح معذور ہے اور کیونکر اُسے مجبور کیا جائے گا حالانکہ اس نے کُنواں دیکھا تک نہیں،نہ اس تک راہ جانتی ہے نہ کسی سے پوچھ سکے گی نہ اُس کے قدم اُٹھیں گے لَایُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا [1] (اور خدا کسی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ت)

عادت چھُڑانے میں حرج ہے خصوصًا وہ نیک عادت کہ کمال حیاپر مبنی ہو اور حیا جتنی زائد ہو اُسی قدر بہتر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الحیاء خیر کلہ** [2] حیاسراسر بہتر ہے **رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا** (اسے بخاری،مسلم،ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عمران بن حصین سے روایت کیا ہے خدا اُن سے اور تمام صحابہ کرام سے راضی ہو۔ت) اُوپر گزرا کہ شریعتِ مطہرہ نے ہمارے ایک پیسے کا لحاظ فرمایا کہ پانی بیچنے والا پیسے کی جگہ دو مانگتا ہو نہ دو اور تیمّم کرلو ان شریف زادیوں کو اگر کوئی دس روپے بلکہ باعتبار حیثیت ہزار روپے دے اور کہے کنویں سے پانی بھر لاؤ ان سے ہر گز نہ ہوسکے گا

عـہ **اقول:** اس کی نظیر یہ ہے کہ پانی پینے کی سبیل سے وضو کی اجازت نہیں اگر صرف وہی پانی ہو تیمّم کرے اور اگر کوئی شخص ظلم وغصب کا عادی ہو تو اسے بھی تیمّم کا حکم ہوگا یہ نہ فرمایا جائے گا کہ تو تو غاصب ہے اسے غصبًا لے کر وضو کر ۱۲منہ (م)

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] الصحیح للمسلم باب عدد شعب الایمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸

وللہ الحمد تو یہ اس پر کیونکر مجبور کی جائیں۔ یہ ہے وہ جو براہِ تفقہ ذہن فقیر میں آیا،

ولااقول: انه حکم الله عزوجل بل ارجوان یکون حکمه تعالٰی فلینظر فیه العلماء الذین[عہ] لهم اعین یبصرون بها ولهم قلوب یفقهون بها والله یهدی السبیل وهو حسبی ونعم الوکیل۔ اما قولی انها اذا وجدت الماء لا تعید فلان المانع الحیاء والحیاء من المولٰی سبحٰنه وتعالٰی فالمانع من جهة صاحب الحق عزجلا له کما استظهر الفاضلان الرحمتی ثم الشامی فی مسألة نمرة ومثلها قائلین ان العذر لم یأت من قبل المخلوق فان المانع لها الشرع والحیاء وهما من الله تعالٰی کما قالوا (۱) لوتیمّم لخوف العدو فان توعده علی الوضوء اوالغسل یعید لان العذر اتی من غیر صاحب الحق ولو	اور **میں یہ نہیں کہتا** کہ یہی اللہ عزوجل کا حکم ہے بلکہ مجھے امید ہے کہ یہ رب تعالٰی کا حکم ہو۔ تو اس میں وہ علما نظر فرمائیں جن کے پاس بصیرت والی نگاہیں اور فقاہت والے دل ہیں۔ اور خدا ہی صحیح راستے کی طرف ہدایت فرمانے والا ہے، اور وہی مجھے کافی اور کیا ہی عمدہ کارساز ہے۔ (ت) لیکن یہ جو میں نے کہا کہ "پانی پانے پر اسے اعادہ کی بھی حاجت نہیں"۔ تو اس لئے کہ اس کیلئے پانی سے مانع چیز حیا ہے۔ اور حیا مولٰی سبحٰنہ مثل ۵۵ میں اظہار کیا۔ ان کے الفاظ یہ ہیں: "عذر مخلوق کی جانب سے نہ آیا اس لئے کہ اس عورت کے لئے مانع شریعت اور حیا ہے وتعالٰی کی جانب سے ہے۔ تو مانع خود صاحبِ حق عزّجلالہ کی طرف سے ہے جیسا کہ فاضل رحمتی پھر شامی نے مسئلہ ۵۴ میں اور اسی کے دونوں ہی اللہ تعالٰی کی جانب سے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر دشمن کے خوف سے تیمّم کیا، تو اگر یہ صورت ہے کہ دشمن نے وضو یا غسل کرنے پر کوئی دھمکی دی ہے تو اعادہ کرے گا اس لئے کہ عذر صاحب حق (مولٰی تعالٰی) کی جانب سے نہیں۔

عـہ احتراز عن بعض ابناء الزمان الذین تسموا بالعلم ومالهم من العلم الا الاسم ۱۲ منه غفرله (م)	یہ ایسے بعض ابنائے زمانہ سے احتراز ہے جنہوں نے اپنے ساتھ علم وعلماء کا نام چسپاں کرلیا ہے اور حقیقت میں ان کے پاس علم نہیں صرف علم کا نام ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

خاف بدون توعد من العدو فلا لان الخوف اوقعه الله تعالٰی فی قلبه فقد جاء العذر من صاحب الحق فلا تلزمه الاعادة [1] اھ وانت تعلم ان الامر فی مسألتنا هذه اظهر من تلك فلیس ههنا شیئ من قبل العباد اما تلك فقال المحقق الحلبی فی الحلیة الاشبه الاعادة تفریعا علی ظاهر المذهب فی الممنوع من ازالة الحدث بصنع العباد [2] اھ ورأیتنی کتبت علی قول الرحمتی المذکور مانصه۔

اقول: وبالله(۱) التوفیق محل(۲) المسألة انما هو حیث کان ممنوعا عن التحول الٰی موضع ستر والا لم یجز له الکشف ولا التیمم قطعا فهذا المنع اما ان یکون من قبل القوم کأن حبسوه اوقالوا له لوتحولت قتلناك اوسلبناك فان المال شقیق النفس

اور اگر دشمن کے ڈرائے بغیر یہ خوفزدہ ہوا (اور تیمّم کرلیا) تو اعادہ نہیں۔اس لئے کہ خدائے تعالٰی نے ہی اس کے دل میں خوف ڈال دیا تو یہ عذر صاحبِ حق کی جانب سے ہی آیا لہٰذا اس پر اعادہ لازم نہیں"۔اھ (ت)

اور معلوم ہے کہ ہمارے زیر تحریر مسئلہ میں معاملہ اُس سے زیادہ ظاہر اور واضح ہے۔اس لئے یہاں بندوں کی جانب سے کسی چیز کا وجود ہی نہیں۔اور اُس مسئلہ میں تو محقق حلبی نے حلیہ میں یہ لکھا ہے کہ "جو شخص بندوں کے فعل کی وجہ سے ازالہ حدث نہ کرسکے اس کے متعلق ظاہر مذہب میں یہی حکم ہے کہ اعادہ کرے"تو ظاہر مذہب میں تفریع کرتے ہوئے یہاں بھی زیادہ مناسب اعادہ ہی ہے"اھ میں نے دیکھا کہ رحمتی کے قول مذکور پر خود میں نے کبھی درج ذیل عبارت تحریر کی تھی:

اقول: وبالله التوفیق (**میں کہتا ہوں**،اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ہے) یہ مسئلہ اُسی صورت میں ہے جب کسی پردہ کی جگہ چلے جانے سے رکاوٹ ہو ورنہ اس کیلئے نہ ستر کھولنا جائز ہوگا نہ ہی تیمّم کرنا جائز ہوگا۔اب یہ رُکاوٹ یا تو لوگوں کی جانب سے ہے۔مثلا اسے قید کردیا ہے یا اس سے کہا ہے کہ یہاں سے ہٹے تو ہم تجھے قتل کردیں گے یا تیرا مال چھین لیں گے۔مال بھی جان کا بھائی ہے۔یا لوگوں کی جانب سے

---

[1] ردالمحتار ابحاث الغسل مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۵

[2] ردالمحتار ابحاث الغسل مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۵

اولا کمریض ومن سفینة فی لجة بحر علی الاول لاشك ان المنع جاء من قبل العباد فیتیمّم ویعید وعلی الثانی لقائل ان یقول لابدله ان یسألهم تحویل الدبر اوغض البصر فان فعلوا فبها والا فقد تسببوا فی المانع وان لم یکن نفس المانع من قبلهم کالخوف فانه من قبل الله تعالٰی ومع ذلك اذا نشأ بتسبب العبد بالایعاد یعد من العبد ویؤمر بالاعادة فادن الاشبه ماذکر المحقق الحلبی مع ان فیه الخروج عن العهدة بیقین فعلیه فلیکن التعویل والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	رکاوٹ نہیں ہے۔ مثلاً بیمار ہے یا سمندر کی گہرائی میں کشتی پر سوار ہے۔ پہلی صورت میں رکاوٹ بلاشبہ بندوں کی جانب سے ہے تو تیمّم کرے گا پھر اعادہ کرے گا۔ اور دُوسری صورت میں کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اس پر لازم ہے کہ لوگوں سے کہے پیٹھ پھیر لیں یا نگاہ بند کرلیں، اگر وہ ایسا کرلیں تو ٹھیک ورنہ وہ رکاوٹ کا سبب بن گئے اگرچہ اصل مانع ان کی طرف سے نہیں۔ جیسے خوف کا معاملہ ہے کہ دراصل یہ اللہ تعالٰی کی جانب سے ہے، اس کے باوجود جب خوف اس سبب سے پیدا ہوا کہ کسی بندے نے دھمکی دی ہے تو وہ بندے کی جانب سے شمار ہوتا ہے اور اعادہ کا حکم دیا جاتا ہے اس تفصیل کی روشنی میں اشبہ (زیادہ مناسب) وہی ہے جو محقق حلبی نے فرمایا۔ ساتھ ہی اس میں احتیاط کا پہلو بھی ہے کیونکہ اعادہ کرلے تو یقینی طور پر سبکدوش اور عہدہ برآ ہو جائے گا اس لیے انہی کے قول پر اعتماد ہونا چاہئے، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

(۶۸تا۷۰) اقول: یوں ہی اگر پانی لادینے والا اُجرت مانگتا ہے اور یہ مفلس یا وہ ادھار پر راضی نہیں یا اُجرت مثل سے زیادہ کا طالب [1] علی وزان مامر فی ۳۵و۳۶و۳۷ عن البحر والدر (اسی طور پر جیسا کہ نمبر ۳۵، ۳۶، ۳۷ میں بحر رائق اور درمختار کے حوالہ سے بیان ہوا ہے۔ت)

(۷۱) اقول: کنواں رسّی ڈول سب کچھ موجود ہے مگر یہ ایسا مریض یا اتنا ضعیف ہے کہ بھرنے پر قادر نہیں اور نوکر غلام بیٹا کوئی پاس نہیں نہ کوئی ایسا کہ اس کے کہے سے بھر دے نہ اور تدبیروں سے کہ نمبر ۲ میں گزریں

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

پانی لے سکتا ہے،

فقد تحقق عجزہ وھو ملاك الاباحة وکانہ دخل فیما ذکروا من فقد الاٰلة فان فیہ الفقد حکما وان لم یکن حسا کما قال تعالی وَلَمْ تَجِدُوْا مَاءً فعم الفقد الحسی والحکمی۔	اس لئے کہ اس کا عاجز ہونا متحقق ہوگیا اور جواز تیمّم کی بنیاد یہی ہے۔ علماء نے پانی کھینچنے کا آلہ نہ پانے کا جو ذکر کیا ہے گویا یہ صورت بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اس میں بھی حکمًا ذریعہ کا فقدان ہے اگرچہ حسًّا فقدان نہیں جیسے باری تعالٰی کا ارشاد ہے: "اور تم پانی نہ پاؤ" یہ حسّی و حکمی دونوں فقدان کو شامل ہے۔(ت)

(۷۲ تا ۷۴) اقول یوں ہی اگر دُوسرا پانی بھر دینے والا اُجرت مانگتا ہے اور یہ مفلس یا وہ ادھار پر راضی نہیں یا اُجرت مثل سے زائد مانگتا ہے۔

(۷۵ تا ۷۸) اقول انہی صورتوں کی مثل ہے کہ یہ مریض وضعیف بھی نہ ہو مگر (۱) کُنویں کا چرسہ اکیلے سے نہ کھینچ سکے گا اور دُوسرا چھوٹا ڈول یا پانی لینے کا اور طریقہ نہیں نہ اس کے پاس اتنے آدمی کہ مل کر کھینچ دیں یا کِھنچوانے (۲) کی اُجرت نہیں رکھتا یا کھینچنے (۳) والے اجرت مثل سے زیادہ مانگتے ہیں یا ادھار (۴) پر راضی نہیں اور یہ صورت اکیلے شخص پر محصور نہیں دو ۲ یا زائد بھی ہوں مگر اس چرسہ کے کھینچنے کو زیادہ آدمی درکار ہیں جب بھی یہی احکام ہوں گے خصوصًا جبکہ یہ عورتیں ہوں کواقعة بنتی شعیب علیہ وعلیھما الصلاة والسلام (جیسے حضرت شعیب کی دونوں بیٹیوں کا واقعہ ہے۔ان پر اور ان دونوں پر درود وسلام۔ت)

(۷۹) اقول: پانی پر گزرا سامان سب حاضر ہے مگر یہ گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑا ابدرکاب کہ اُتر کر چڑھنے میں بہت دقّت کا سامنا ہوگا تیمّم کرکے گھوڑے پر پڑھ لے جبکہ جنس ارض سے کوئی شے پاس ہو اگرچہ چلم ہو یا زین وغیرہ پر اتنا غبار ہو کہ ہاتھ پھیرنے سے انگلیوں کا نشان بن جائے۔

(۸۰ تا ۸۳) اقول: یونہی اگرچہ سواری شائستہ ہو مگر یہ مریض یا ایسا ضعیف ہے کہ بے مددگار چڑھ نہ سکے گا اور (۱) مددگار انہیں تفصیلوں پر نہیں یا (۲) اجرت مانگتا ہے اور یہ مفلس یا (۳) وہ ادھار پر راضی نہیں یا (۴) اجرت مثل سے زیادہ چاہتا ہے۔

(۸۴) اقول: یوں ہی اگر سوار عورت ہے اور چڑھانے کو محرم یا شوہر درکار اور وہ ساتھ نہیں، منیہ میں ہے:

الشیخ (۱) اذا رکب دابة ولم یقدر علی	"بوڑھا شخص کسی جانور پر سوار ہوا اور اترنے پر قدرت

النزول اوامرأة(ا) ولیس معها محرم یصلیان علیها [1] اھ قال فی الحلیة بل ظاهر الخانیة انه یجوزلها وان کان معها محرم فان فیها الرجل اذا حمل امرأته من القریة الی المصر کان لها ان تصلی علی الدابة فی الطریق اذا کانت لاتقدر علی الرکوب والنزول انتهی لکن هذا ظاهر علی اصل ابی حنیفه فی انه لایجعل قدرة الانسان بغیره کقدرته بنفسه اما علی قولهما فینبغی ان لایجوز اذا کان الزوج یقدر علی مساعدتها فی الرکوب والنزول ویبذل ذلك لها ثم لایخفی ان جواب الخانیة مع تعقبنا به اٰت بطریق اولی اذا کان مکان الزوج محرم اواجنبی [2] اھ۔

اقول: اما الاولویة فی تأتی جواب الخانیة ان حمل علی الجواز مطلقًا وان ساعدها من معها علی الرکوب والنزول فظاهرة ولکن

نہیں، یا عورت سوار ہوئی جس کے ساتھ کوئی محرم نہیں تو دونوں کے لئے یہ حکم ہے کہ سواری پر نماز پڑھ لیں"اھ حلیہ میں فرمایا: "لکہ خانیہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے ساتھ محرم ہو جب بھی اس کے لئے اجازت ہے اس لئے کہ خانیہ میں یہ ہے کہ جب مرد اپنی عورت کو سوار کرکے گاؤں سے شہر لے جائے تو عورت راستے میں سواری پر نماز پڑھ لے جب چڑھنے اترنے پر قادر نہ ہو"انتہی۔یہ حکم امام اعظم ابوحنیفہ کے قاعدہ پر توظاہر ہے اس لئے کہ وہ انسان کیلئے دوسرے کے ذریعہ حاصل ہونے والی قدرت کو خود اس کی اپنی قدرت کی طرح قرار نہیں دیتے۔لیکن صاحبین کے قول پر اس صورت میں اس کا جواز نہیں ہونا چاہئے جب شوہر چڑھنے اترنے میں اس کی مدد کرسکتا ہو اور اپنی مدد پیش بھی کرسکتا ہو پھر خانیہ میں جو حکم مذکور ہے یہ ہماری تنقید کے ساتھ اس صورت میں بھی بدرجہ اولٰی جاری ہوگا جب بجائے شوہر کے، کوئی محرم یا اجنبی ہو، جیساکہ ظاہر ہے اھ"۔(ت)

اقول: خانیہ میں مذکورہ حکم کے جاری ہونے کا اگر یہ معنٰی ہے کہ مطلقًا جواز ہو اگرچہ عورت کا ہم راہی اترنے چڑھنے میں اس کا معاون ہو تو یہاں اس کا اولٰی ہونا ظاہر ہے۔لیکن (یہاں صاحب حلیہ کی تنقید بھی بدرجہ اولٰی جاری ہونے

---

[1] منیۃ المصلی فرائض الصلوٰۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۲۵۳

[2] تعلیق المجلی مع المنیۃ فرائض الصلوٰۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور (ملتقطًا)

اولًا ای اولویة(۱) فی اتیان التعقب فی المحرم بل الزوج هو الاولی وثانیا لا(۲) تأتی للتعقب فی الاجنبی فضلا عن الاولویة فان ارکابه وانزاله ایاھا فیه مافیه وقد(۳) نصت مسألة المتن علی جواز صلاتھا علی الدابة اذا کان معھا اجنبی ھذا منطوقھا وعدم الجواز اذا کان معھا محرم مفھومھا وتثبت۔	پر ہمیں کلام ہے) اولًا محرم سے متعلق تنقید مذکور بطریقِ اولٰی کیوں کر جاری ہو سکتی ہے اس تنقید کے معاملہ میں تو شوہر ہی اولٰی ہے ثانیًا اجنبی کے سلسلہ میں تو تنقید مذکور جاری بھی نہیں ہو سکتی اس کا اولٰی ہونا تو درکنار، اس لئے کہ اس کے چڑھانے اتارنے میں بہت خرابیاں دشواریاں ہیں متن (منیۃ المصلی) کے مسئلہ میں اس کی صراحت ہے کہ جب عورت کے ساتھ اجنبی ہو تو اس کیلئے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے، یہ اس کی صریح عبارت اور منطوق ہے۔اور جب عورت کے ساتھ محرم ہو تو سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں یہ اس کا معنی مخالف اور مفہوم ہے تو فہم وثبات سے کام لو۔(ت)

(۸۵) اقول: یوں ہی اگر اُترنے چڑھنے سے بیماری بڑھے۔یہ مسائل علمائے کرام نے دربارہ نماز ذکر فرمائے کہ یوں اترنے سے عجز ہو تو سواری پر پڑھے تو دربارہ طہارت بدرجہ اولٰی درمختار میں زیر قول متن الصلاۃ علی الدابۃ تجوز فی حالة العذر لا فی غیرھا (سواری پر نماز ادا کرنا بحالتِ عذر جائز ہے بلاعذر نہیں۔ت) فرمایا ومن(۴) العذر دابة لاترکب الابعناء اوبمعین[1] (یہ بھی عذر ہی ہے کہ جانور پر مشقت یا کسی مددگار کے بغیر سوار نہ ہوسکے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوکانت الدابة جموحا لونزل لایمکنه الرکوب الابمعین اوکان شیخا کبیرا لونزل لایمکنه ان یرکب ولایجد من یعینه تجوز الصلاۃ علی الدابة اھ وقدمنا عن المجتبی ان	اگر جانور سرکش ہو کہ اتر جائے تو بغیر مددگار کے اس پر چڑھنا ممکن نہ ہو یا سوار بہت بوڑھا ہو کہ اتر جائے تو چڑھ نہ سکے نہ ہی اسے کوئی مددگار ملے تو سواری پر نماز ادا کرنا جائز ہے اھ اور ہم مجتبٰی کے حوالہ سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ان کے

[1] الدرالمختار باب الوتر والنوافل مجتبائی دہلی ۹۸/۱

الاصح عندہ لزوم النزول لو وجد اجنبیا یطیعہ فعلی ھذا لاخلاف فی لزوم النزول لمن وجد معینا یطیعہ ولم یکن(ا) مریضا یلحقہ بنزولہ زیادۃ مرض وفی المنیۃ المرأۃ اذا لم یکن لھا محرم تجوز صلاتھا علی الدابۃ اذا لم تقدر علی النزول[1] اھ۔	نزدیک اصح یہ ہے کہ اترنا لازم ہے اگر ایسا کوئی اجنبی مل جائے جو اس کی بات مان لے۔تو اس بنیاد پر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ اس شخص کیلئے اترنا لازم ہے جسے کوئی ایسا مددگار مل جائے جو اس کی بات مان لے اور ایسا بیمار نہ ہو کہ اترنے سے مرض بڑھ جائے اور منیہ میں ہے کہ:"عورت کے ساتھ جب محرم نہ ہو تو اس کیلئے سواری پر نماز پڑھنا جائز ہے جبکہ اترنے پر قدرت نہ ہو اھ۔(ت)

(۸۶)**اقول:** اگر زخم ہے کہ اُترنے سے جاری ہو جائے گا اور نماز طہارت سے نہ مل سکے گی نہ اُترے اور تیمّم سے پڑھے یہ مسئلہ بھی علماء نے نماز میں افادہ فرمایا ہے کہ اگر کھڑے ہونے سے زخم جاری ہوتا ہو بیٹھ کر پڑھے دُرمختار۲ میں ہے **قدیتحتم القعود کمن یسیل جرحہ اذاقام اویسلس بولہ**[2] (اس کیلئے بیٹھ کر نماز پڑھنا واجب ہے جس کا زخم قیام سے بہنے لگتا ہو یا جسے کھڑے ہونے سے پیشاب آنے لگتا ہو۔ت)

(۸۷) ہر عبادت فرض یا واجب یا سنّت کہ پانی سے طہارت کرے تو فوت ہو جائے گی اور اس کا عوض کچھ نہ ہوگا اُس کیلئے تیمّم کرسکتا ہے مگر یہ تیمّم۳ صرف اسی عبادت کیلئے طہارت ہوگا نہ اور کیلئے کہ اُسی کی ضرورت سے اجازت ہوئی تھی تو اس تیمّم سے کوئی اور عبادت کہ بے طہارت جائز نہ ہو جائز نہ ہوگی اس۴ فوت بلاعوض کی بہت صورتیں ہیں مثلاً نماز۱ جنازہ قائم ہے یا قائم ہونے کو ہے اس کے وضو کا انتظار نہ ہوگا جب تک وضو کرے چاروں تکبیریں ہو چکیں گی اگرچہ سلام پھیرنا باقی رہے کہ نماز۵ جنازہ تکبیروں پر ختم ہو جاتی ہے اُن کے بعد ملنے کا محل نہیں اگرچہ ابھی سلام نہ ہوا ہو کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) یا۲ عیدین کا وقت نکل جائے گا یا ان کا امام معین سلام پھیر دے گا[3]۔

اقول: جبکہ دوسرے امام معین کے پیچھے نہ ملیں **کماقالوا فی الفاسق لایقتدی بہ فی الجمعۃ ایضا اذا تعددت فی المصر لانہ بسبیل من التحول**[4] **کما فی الفتح** وغیرہ (جیسے علما

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۱۸

[2] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مجتبائی دہلی ۱/۷۰

[3] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۳

[4] فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

نے فرمایا ہے کہ جمعہ میں بھی فاسق کی اقتداء نہ کی جائے گی اگر شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو کیوں کہ ایسے امام کو چھوڑ کو دُوسری جگہ جانے کی راہ موجود ہے، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ت) یہ اس لئے کہ عیدین (۱) کی نماز کی نماز مثل جمعہ ہر امام کے پیچھے نہیں ہوسکتی سوا سلطانِ اسلام یا اس کے نائب یا ماذون کے، اور وہ نہ ہوں تو بضرورت جسے مسلمان امامِ جمعہ مقرر کرلیں یا سورج (۴) گہن ہوچکے گا صلاۃ الجنازۃ والعیدین من مسائل المتون و زاد الکسوف کالرواتبۃ الاٰتیۃ [1] فی الحلیۃ بحثا واقرہ فی البحر والنہر والدر وحواشیہ (نماز جنازہ اور عیدین کا مسئلہ تو متون میں ذکر ہے اور کسوف کا مسئلہ یوں ہی سنن رواتب سے متعلق آنے والا مسئلہ حلیہ میں بطور بحث زیادہ کیا جسے بحر رائق، نہر فائق، دُرمختار اور اس کے حواشی میں برقرار رکھا گیا۔ت)

اقول: اور اگر کسوف باقی رہے اور جماعت ہوچکے گی تو تیمّم کی اجازت نہیں کہ اگرچہ کسوف ۲ میں بھی ہر شخص امامت نہیں کرسکتا خاص امامِ جمعہ ہی اس کا امام ہوسکتا ہے کما فی الدر [2] وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) مگر اس ۳ میں جماعت ضروری نہیں تنہا بھی ہوسکتی ہے نہ مثل ۴ جنازہ تکرار ممنوع ہے،

لتصریحھم بجواز ان یصلیھا کل بحیالہ فی بیتہ [3] کما فی شرح الطحاوی ومشی علیہ فی الدر او فی مساجد ھم علی مافی الظھیریۃ وعزاہ فی المحیط الی شمس الائمۃ [4] ش عن مفتی دمشق اسمٰعیل نعم الجماعۃ مستحبۃ اذاحضر امام الجمعۃ [5] کمافی الدر۔	اس لئے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نماز کسوف ہر شخص اپنے گھر میں انفرادی طور پر ادا کرسکتا ہے۔ جیسا کہ شرح طحاوی میں ہے اس راہ پر صاحبِ درمختار بھی گئے ہیں یا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں بھی ادا کرسکتے ہیں جیسا کہ ظہیریہ میں ہے اور محیط میں اسے شمس الائمہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔شامی از مفتی دمشق شیخ اسمٰعیل۔ہاں جب امامِ جمعہ موجود ہو تو جماعت مستحب ہے۔ جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔(ت)

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

[2] الدرالمختار صلوٰۃ الکسوف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[3] الدرالمختار مع الشامی صلوٰۃ الکسوف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۳

[4] الدرالمختار مع الشامی صلوٰۃ الکسوف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۳

[5] الدرالمختار صلوٰۃ الکسوف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

تو اُس کا فوت[1] یوں ہی ہوگا کہ گہن چھُوٹ جائے، ردالمحتار میں ہے **لو انجلت لم تصل بعدہ**[1] (اگر سورج روشن ہوگیا تو اس کے بعد نماز کسوف نہ پڑھی جائے گی۔ت) یا ظہر[5] وجمعہ[6] ومغرب[7] وعشا[8] کے فرضوں کے بعد وضو جاتا رہا اور اب وضو کرتا ہے تو بعد کی سنتیں نہ ملیں گی وقت نکل جائے گا۔ **اقول**: یونہی[9] ظہر یا جمعہ[10] کی پہلی سنتیں اگر قیام جماعت کے سبب نہ پڑھ سکا اور بعد فرض یا بعد سنّتِ بعدیہ وضو جاتا رہا اور اب وضو کرے تو وقتِ عصر آجائے گا **لانھا وان فاتت عن وقتھا فانھا تقضی فی الوقت ثم لاقضاء فقضاؤھا یفوت لا الی بدل**[2] (اس لئے کہ یہ سنتیں اگرچہ اپنے مقررہ وقت سے ہی فوت ہوئیں مگر ان کی قضا وقت کے اندر ہی ہوسکتی ہے بعدِ وقت قضا نہیں تو بعد ظہر وجمعہ اگر ان کی قضا فوت ہوجاتی ہے تو پھر اس کا کوئی بدل نہیں۔ت) یا صبح[11] کے وقت پانی وضو کیلئے منگایا کسی نے دینے کا وعدہ کیا ہے اس کا انتظار کرے تو وضو کرکے صرف فرض پائے گا یوں کہ یا تو سُنّتوں کے قابل وقت ہی نہ رہے گا یا سنتیں پڑھے تو جماعت فوت ہو ناچار سنتیں چھوڑنی ہوں گی تو جب تک پانی آئے تیمّم کرکے سنتیں پڑھ لے پھر وضو کرکے فرض[3] **کمافی ش وغیرہ** (جیسا کہ شامی وغیرہ میں ہے۔ت) یا[12] صبح کی نماز نہ ہوئی تھی اور اب زوال تک اتنا وقت نہیں کہ وضو کرکے دو[2] رکعتیں پڑھ سکیں تو تیمّم کرکے سنتیں پڑھ لے کہ بعد زوال نہ ہوسکیں گی پھر وضو کرکے وقتِ ظہر آنے پر صبح کے فرض پڑھے **ذکرہ ش عن شیخہ قال وذکر لھا ط صورتین اخریین**[4] اھ (اسے شامی نے اپنے شیخ کے حوالہ سے ذکر کیا اور فرمایا کہ طحطاوی نے اس کی دو[2] صورتیں اور ذکر کی ہیں۔ت)

اقول: **بل اولھما ھی ھذہ التی اثرھا عن شیخہ وذکر اخری وردھا وھی حقیقۃ بالرد** (بلکہ ان دونوں سے بہتر یہی صورت ہے جو شامی نے اپنے شیخ سے نقل فرمائی اور دوسری صورت ذکر کرکے اسے رد کردیا اور وہ رد ہی کے لائق ہے۔ت) یا[13] بے وضو خصوصًا جنب ہے اور کسی نے سلام کیا یا[14] کوئی سامنے آیا اور خود اُسے سلام کرنا ہے اور سلام نام الٰہی عزوجل ہے بے طہارت لینا نہ چاہا اور وضو کرے تو سلام فوت ہوتا ہے کہ جواب[3] میں اتنی دیر کی اجازت نہیں اور سلام[4] بھی ابتدائے لقا پر ہے نہ بعد دیر لہذا اجازت ہے کہ تیمّم کرکے جواب دے یا سلام کرے مسئلہ جواب خود فعل اقدس حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کہ

---

[1] ردالمحتار مع الشامی صلوٰۃ الکسوف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۲

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

[3] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

[4] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

ایک صاحب گزرے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ قریب ہوا وہ گلی سے گزر جائیں حضور نے تیمّم فرما کر جواب دیا اور ارشاد فرمایا انہ لم یمنعنی ان ارد علیك السلام الا انی لم اکن علی طهر [1] ہم کو جواب دینے سے مانع نہ ہوا مگر یہ کہ اس وقت وضو نہ تھا رواہ ابو داؤد عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قال المحقق الحلبی فی الحلیة سکت علیه ابوداؤد فهو حجة [2] اھ (اسے ابوداؤد نے بطریق نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، محقق حلبی نے حلیہ میں فرمایا کہ ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اس لئے وہ حجت ہے اھ۔ت) اور ابتدائے سلام اُس پر قیاس کرکے زیادت ائمہ کرام ہے بحر میں ہے المذهب ان التیمم للسلام صحیح [3] (مذہب یہ ہے کہ سلام کے لیے تیمّم درست ہے۔ت)

تنبیہ: علامہ سید طحطاوی پھر اُن کے اتباع سے علامہ سید شامی نے دو ۲ چیزیں اور زائد کیں وضو کرتا ہے تو چاند گہن ہوچکے گا یا ضحوہ کبری ہوجائے گی نماز چاشت جاتی رہے گی توان دونوں کو تیمّم سے ادا کرلے دُرمختار میں تھا:

قال فی الدر جاز لکسوف فقال ط مرادہ مایعم الخسوف [4] اھ ونقله ش واقرہ وقال فی حاشیته علی المراقی اخذ منه الحلبی جواز التیمم للکسوف ای والخسوف [5] اھ وقال ھوثم ش الظاهر ان المستحب کذلك لفوته	تیمّم سُورج گرہن کی نماز کیلئے جائز ہے۔اس پر طحطاوی نے کہا اس سے ان کی مراد وہ ہے جو چاند گہن کو بھی شامل ہے اھ۔اسے شامی نے نقل فرما کر برقرار رکھا۔اور طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے کہ اسی سے حلبی نے سورج گہن کیلئے۔یعنی چاند گہن کیلئے بھی تیمّم کا جواز اخذ کیا ہے اھ۔اور انہوں نے پھر علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ مستحب کا

[1] سنن ابی داؤد باب التیمم فی الحضر عند الخلا مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۴۷

[2] حلیہ

[3] بحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۰

[4] طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعہ بیروت ۱/۱۲۹

[5] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب التیمم مطبعہ ازہریہ مصر ص ۶۸

بفوت وقته کما اذاضاق وقت الضحی عنه وعن الوضوء فتیمم له[1] اھ۔	بھی یہی حکم ہے کیونکہ وہ بھی وقت کے فوت ہونے سے فوت ہوجاتا ہے مثلاً چاشت کا وقت اتنا تنگ ہوجائے کہ نماز چاشت اور وضو دونوں کی گنجائش نہ رہے تو اس نماز کیلئے تیمّم کرلے گا اھ۔(ت)

اقول: اس تقدیر پر نمازِ تہجد کیلئے بھی تیمّم جائز ہوگا جبکہ وضو کرنے میں دو ۲ رکعت کا وقت نہ ملے اور فجر طلوع کرآئے کہ ہماری تحقیق ا میں وہ مستحب ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) اگر زعم بعض کے طور پر سنّتِ مؤکدہ مانئے جب تو مثل رواتب جواز ہوگا ہی مگر وہ ضعیف ہے یوں ہی فجر کی سُنّتیں جب تنہا قضا ہوں زوال تک اُن کی قضا مستحب ہے اور ایک تخریج پر امام محمد کے نزدیک سنّت۔ خیر، یہاں کلام اس میں ہے کہ مستحب نمازیں بھی حسبِ گمان فاضلین طحطاوی وشامی اس جواز تیمّم میں مثل رواتب ہیں۔

اقول: مگر یہ سخت ۲ تامل ہے کتب ۳ مذہب میں صرف دو ۲ نمازوں کا ذکر ہے جنازہ وعیدین اور اسی قدر ائمہ مذہب سے منقول حتّٰی کہ خود علّامہ ابن امیر حاج حلبی نے حلیہ میں تصریح فرمائی کہ ہمارے نزدیک تندرست کو بے خوفِ مرض پانی ہوتے ہوئے انہیں دو ۲ نمازوں کے لئے تیمّم جائز ہے۔

وھذا نصه اعلم انه یجوز التیمم للصحیح فی المصر عندنا فی ثلاث مسائل احدھما اذا کان جنبا وخاف المرض بسبب الاغتسال بالماء البارد الثانیة حضرت جنازة وخاف ان اشتغل بالوضوء تفوته الصلٰوة علیھا الثالثة اذا خاف فوات صلاة العید ج[2] اھ	ان کی عبارت یہ ہے: ہمارے نزدیک تندرست کیلئے شہر میں تیمّم کا جواز تین مسائل میں ہے۔(۱) جب حالت جنابت میں ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کی وجہ سے بیماری کا اندیشہ رکھتا ہو (ت) (۲) جنازہ حاضر ہو اور وضو کرنے کی صورت میں نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔ (۳) نمازِ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہو۔اھ (ت)

اور ۴ عدد نافی زیادت ہے کمافی الھدایة وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہا میں ہے۔ت) بلکہ امام ملک العلماء نے بدائع میں صراحۃً انہیں دو نمازوں میں حصر اور اس کے ماسوا کے لئے عدم جواز تیمّم

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

[2] حلیہ

کی تصریح فرمائی،

حیث قال وھذا الشرط الذی ذکرنا الجواز التیمّم وھو عدم الماء فیما وراء صلاۃ الجنازۃ وصلاۃ العیدین فاما فی ھاتین الصلاتین فلیس بشرط بل الشرط فیھما خوف الفوت لو اشتغل بالوضوء [1]۔	وہ فرماتے ہیں: جوازِ تیمّم کیلئے ہم نے پانی نہ ہونے کی جو شرط ذکر کی یہ نماز جنازہ اور عیدین کے ماسوا میں ہے۔اِن دونوں میں یہ شرط نہیں ب بلکہ یہ شرط ہے کہ وضو میں مشغول ہونے سے فوتِ نماز کا اندیشہ ہو۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح امام تمرتاشی وامام علی اسبیجابی نے صراحۃً انہیں دو[2] میں حصر فرمایا بحر میں زیر قول ماتن و لبعدہ میلا جبکہ وہ ایک میل دُور ہو۔ت) ہے۔

قال فی شرح الطحاوی لایجوز التیمم فی المصر الا لخوف فوت جنازۃ اوصلاۃ عید او للجنب الخائف من البرد وکذا ذکر التمرتاشی [2]۔	شرح طحاوی میں فرمایا: شہر میں تیمّم کا جواز صرف نماز جنازہ یا نمازِ عید کے فوت ہونے کے اندیشہ سے ہے یا ایسے جنبی کیلئے جسے ٹھنڈک سے اندیشہ ہو۔ایسے ہی تمرتاشی نے بھی ذکر کیا ہے۔(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں نوازل سے ہے لایجوز التیمم فی المصر الا فی ثلثۃ مواضع [3] الخ (شہر کے اندر تین مقامات کے سوا تیمّم جائز نہیں الخ۔ت) تو اصل حکم منصوص تو یہ ہے ہاں حلیہ نے اپنی بحث میں نظر بہ علت کہ خوف فوت لاالی بدل ہے نماز کسوف وسُنن رواتب کا الحاق کیا ان کی تبعیت بحر ونہر ودُر نے بھی کی اور یوں ہی سُنن کو رواتب سے مقید کیا یہ قید 'نافلہ محضہ کو خارج کررہی ہے پھر حلیہ میں[2] رواتب کے الحاق پر بھی اس سے استظہار کیا کہ نماز عید کیلئے تیمّم ائمہ مذہب سے منقول ہے اور وہ مختار امام شمس الائمہ سرخسی وغیرہ میں سنّت ہی ہے جس سے ظاہر کہ سُنن رواتب کے الحاق میں بھی اشتباہ تھا کہ جنازہ فرض عیدین واجب ہیں اس اشتباہ کا یوں ازالہ کیا

حیث قال فتحصل کما فی شرح الزاھدی للقدوری ان الصلوٰۃ ثلاثۃ انواع نوع لاتخشی فوتھا اصلا لعدم توقیتھا کالنوافل فلایجوزلہ التیمم عند وجود الماء لعدم	فرمایا: "حاصل یہ ہُوا جیسا کہ زاہدی کی شرح قدوری میں ہے کہ نماز تین قسم کی ہے ایک قسم وہ جس کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں کیوں کہ

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۱

[2] بحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰

[3] خزانۃ المفتین

العذر ونوع ئخشی فواتها لتوقیتها ولکن تقضی بعد الفوات کالجمعة والمکتوبات فلایجوزلها التیمم لامکان جبرها بالبدل باکمل الطهارتین ونوع ئخشی فواتها لا الی بدل کصلاة الجنازة والعید فیجوز خلافا للشافعی قال العبد الضعیف غفر الله تعالیٰ له وعلی هذا القائل ان یقول یجوز لصلاة الکسوف والسنن الرواتب لانها تفوت لا الی بدل فانها لا تقضی کما فی العید ولا سیما علی القول بان صلاة العید سنة کما اختاره شمس الائمة السرخسی وغیره[1] اھ۔	اس کا کوئی مقررہ وقت نہیں جیسے نوافل۔اس کیلئے پانی کی موجودگی میں تیمّم جائز نہیں اس لئے کہ کوئی عذر نہیں دوسری قسم وہ جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ وقت مقرر ہے لیکن فوت ہونے کے بعد اس کی قضا ہوسکتی ہے جیسے نمازِ جمعہ اور پنجگانہ فرائض۔اس کیلئے بھی تیمّم جائز نہیں کیونکہ کامل تر طہارت کے ساتھ بدل کے ذریعہ اس کا تدارک ہوسکتا ہے۔تیسری قسم وہ جس کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے اور کوئی بدل نہیں جیسے نمازِ جنازہ اور عید اس کیلئے تیمّم جائز ہے،بخلاف امام شافعی کے بندہ ضعیف -- خدا اس کی مغفرت فرمائے کہتا ہے: اس قائل پر لازم آتا ہے کہ نماز کسوف اور سنن رواتب کیلئے بھی تیمّم کا جواز مانے کیونکہ یہ بھی ایسی فوت ہونے والی نمازیں ہیں کہ ان کا کوئی بدل نہیں،خصوصًا اس قول پر کہ نمازِ عید سنّت ہے جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی وغیرہ نے اسے اختیار کیا ہے"۔اھ (ت)

اور پُر ظاہر کہ نفل مطلق سنّت راتبہ کے حکم میں نہیں شرع اُن کا مطالبہ فرماتی ہے اور اس کا نہیں تو یہ اُن سے کیونکر ملحق کیا جائے مطالبہ شرع' ہی وہ چیز ہے جو اس صورت میں جوازِ تیمّم کی راہ دیتا ہے ظاہر ہے کہ پانی موجود اور استعمال پر قدرت ہو تو تیمّم باطل اگر کرے تو نماز بے طہارت ہو اور نماز بے طہارت حرام قطعی ہے ہاں جب صاحبِ حق عزجلالہ خاص اس عبادت کا اس وقتِ خاص میں اس سے مطالبہ فرمارہا ہے اور ساتھ ہی حکم ہے کہ یہ وقت نکل گیا تو اس مطالبہ سے برات کی کوئی صورت نہیں اس کا بدل بھی نہ ہوسکے گا اور وقت میں تنگی ہے کہ وضو نہیں کرسکتا لاجرم اس ادائے مطالبہ کیلئے پانی پر قادر نہ ہونا ثابت ہوا اور تیمّم کی راہ ملی جس نماز کا شرع مطالبہ ہی نہیں فرماتی اُس میں کون سی عہدہ برائی کیلئے پانی ہوتے ہوئے تیمّم جائز

[1] حلیہ

ہو جائے گا مطالبہ شرعیہ پر[1] یہاں بنائے کار کی یہ حالت ہے کہ نماز جنازہ کیلئے جوازِ تیمّم میں بھی شُبہ ہوا کہ وہ تو فرض کفایہ ہے ہر شخص سے مطالبہ کب ہے اور علماء کو اس جواب کی حاجت ہُوئی کہ فرض کفایہ میں بھی مطالبہ سب سے ہے ولہٰذا سب ترک کریں تو سب گنہگار ہیں اگرچہ بعض کا فعل سب پر سے مطالبہ ساقط کردیتا ہے۔

فتح القدیر وغنیہ میں ہے:

منعه (ای التیمم لصلاۃ الجنازۃ) الشافعی لانه تیمّم مع عدم شرطه قلنا مخاطب بالصلاۃ عاجز عن الوضوء لها فیجوزا ماالاولی فلان تعلق فرض الکفایۃ علی العموم غیر انه یسقط بفعل البعض واما الثانیة فبفرض المسألة [1]۔	امام شافعی نماز جنازہ کے لئے تیمّم کا جواز نہیں مانتے۔ اس لئے کہ یہ ایسا تیمّم ہوگا جس کی شرط مفقود ہے، ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ (شرط موجود ہے اس لئے کہ) اس شخص سے بھی ادائے نماز کا خطاب ہے جو اس کیلئے وضو سے عاجز ہے تو تیمّم کا جواز ہوگا۔ پہلی بات اس لئے ہے کہ فرض کفایہ کا تعلق بطور عموم سبھی سے ہے، اتنا ہے کہ بعض کے ادا کرلینے سے ساقط ہوجاتا ہے۔ دوسری بات کی تفصیل مسئلہ کی مفروضہ صورت سے ظاہر ہے۔ (ت)

نماز چاشت ونماز تہجد کا مطالبہ کب ہے یوں ہی چاند گہن کی نماز صرف مستحب ہے بخلاف نماز کسوف[2] کہ اس مرتبہ کی سنّت ہے جسے امام دبوسی نے واجب کہا اور اسی کو امام ملک العلماء نے بدائع میں ترجیح دی اور دلائل سنیت سے جواب دیا ہاں مختار جمہور سنیت ہے **اقول:** بلکہ وہ کتاب مبسوط میں محرر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا نص ہے **کما سیأتی مناتحقیقه فانقطع النزاع** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہمارے قلم سے عنقریب آرہی ہے تو اس نص سے اختلاف کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ت) بدائع میں فرمایا:

صلاۃ الکسوف واجبة ام سنة ذکر محمد رحمه اللّٰه تعالٰی فی الاصل ما یدل علی عدم الوجوب فانه قال ولا تصلی نافلة فی جماعة الا قیام رمضان وصلاۃ الکسوف وروی الحسن بن زیاد	نمازِ کسوف واجب ہے یا سنّت؟ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں جو تحریر فرمایا ہے اس سے عدمِ وجوب کا پتا چلتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "قیامِ رمضان اور نمازِ کسوف کے علاوہ کوئی نمازِ نفل باجماعت نہ ادا کی جائے گی"۔ اور حسن بن زیاد

[1] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص۸۱

عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه قال فی کسوف الشمس ان شاؤا صلوا رکعتین وان شاؤا اربعا وان شاؤا اکثر والتخییر یکون فی النوافل وقال بعض مشائخنا انها واجبة لماروی ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه (فذکر حدیث الکسوف وفیه قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم) صلوا حتی تنجلی وفی روایة ابی مسعود الانصاری رضی الله تعالٰی عنه فاذا رأیتموها فقوموا وصلوا ومطلق الامر للوجوب وتسمیة محمد رحمه الله تعالٰی ایاها نافلة لاینفی الوجوب لان النافلة عبارة عن الزیادة وکل واجب زیادة علی الفرائض الموظفة الا تری انه قرنها بقیام رمضان وهو التراویح وانها سنة مؤکدة وهی فی معنی الواجب وروایة الحسن لاتنفی الوجوب لان التخییر قد یجری بین الواجبات کمافی قوله تعالٰی

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِیْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ

نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے سورج گہن کے بارے میں فرمایا ہے کہ "لوگ اگر چاہیں تو دو ۲ رکعت پڑھیں، چاہیں تو چار پڑھیں اور چاہیں تو زیادہ پڑھیں" اور تخییر نوافل ہی میں ہوتی ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ نماز کسوف واجب ہے اس لئے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے (اس کے بعد حدیثِ کسوف ذکر کی ہے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے) نماز ادا کرو یہاں تک کہ سورج روشن ہوجائے۔ اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: "تو جب تم اسے دیکھو تو کھڑے ہوجاؤ اور نماز پڑھو"۔ اور مطلق امر وجوب کیلئے ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اسے نفل کے نام سے ذکر کرنا وجوب کی نفی نہیں کرتا اس لئے کہ نفل کا معنی "زائد" ہے، اور ہر واجب مقررہ فرائض سے زائد ہی ہے۔ دیکھ لیجئے کہ انہوں نے نمازِ کسوف کو قیامِ رمضان کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ نماز تراویح ہے جو سنّتِ مؤکدہ ہے اور سنّتِ مؤکدہ واجب کا معنٰی رکھتی ہے اور حسن بن زیاد کی روایت سے بھی وجوب کی نفی نہیں ہوتی اس لئے کہ تخییر واجبات میں بھی ہوتی ہے جیسے باری تعالٰی کے اس ارشاد میں ہے: "تو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو اس میں سے متوسط قسم کا کھانا یا دس مسکینوں کو کپڑا دینا یا ایک بردہ

رَقَبَةٍ [1] اھ کلامه قدس سرہ۔

وما ارادبه دفعه فی العنایة بقوله بعد ایراد الحدیث فان قیل ھذا امر والامر للوجوب فکان ینبغی ان تکون واجبة قلنا قدذھب الی ذلك بعض اصحابنا واختارہ صاحب الاسرار والعامة ذھبت الی کونھا سنة لانھا لیست من شعائر الاسلام فانھا توجد بعارض لکن صلاھا النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فکانت سنة والامر للندب [2] اھ۔

فاقول: حاصله ان ھذا لیس بشعار وکل واجب شعار فھذا لیس بواجب والکبرٰی(۱) ممنوعة فرب واجب لیس من الشعائر ککفارة الیمین والظھار والصّیام وکذا(۲) الصغری ممنوعة ودلیلھا ان ھذا لعارض وما کان لعارض لم یکن شعارا فیه ایضا الکبری ممنوعة وای دلیل علیھا وقد قال فی الاسرار

آزاد کرنا"۔ ملک العلماء قدس سرہ کا کلام ختم ہوا۔

عنایہ میں اس کا جواب حدیث ذکر کرنے کے بعد اس طور پر دینا چاہا ہے: "اگر کہا جائے کہ یہ امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے تو نمازِ کسوف کو واجب ہونا چاہئے۔ تو ہم کہیں گے ہاں اس طرف ہمارے بعض اصحاب گئے ہیں، اسی کو صاحبِ اسرار نے بھی اختیار کیا ہے۔ مگر عامہ علماء کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ کسوف سنّت ہے اس لئے کہ یہ شعارِ اسلام نہیں کیونکہ اس کا وجود عارضی طور پر ہوتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نمازِ کسوف پڑھی ہے اس لئے سنّت ہوئی اور امر ندب کیلئے ہے"۔ اھ (ت)

فاقول: اس جواب کا حاصل یہ ہوا کہ نماز کسوف شعار نہیں اور ہر واجب شعار ہوتا ہے اس لئے نماز کسوف واجب نہیں اس دلیل کا کبری ممنوع ہے اس لئے کہ بہت سے ایسے بھی واجب ہیں جو شعار نہیں جیسے کفارہ قسم، کفارہ ظہار، کفارہ صیام اسی طرح صغری بھی ممنوع ہے صغری کی دلیل یہ دی تھی کہ یہ نماز عارض کی بنا پر ہوتی ہے اور جو عارض کی بنا پر ہو وہ شعار نہیں اس قیاس کا بھی کبری ممنوع ہے۔ آخر اس کبری کی دلیل کیا ہے؟ جب کہ اسرار میں یہ فرمایا ہے

---

[1] بدائع الصنائع صلٰوۃ الکسوف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۰

[2] عنایۃ مع الفتح باب صلٰوۃ الکسوف نوریہ رضویہ سکھر ۲/۵۶

کما فی الفتح انھا صلاۃ تقام علی سبیل الشھرۃ فکان شعار للدین حال الفزع[1] اھ۔
وقال فی البدائع امافی کسوف الشمس فقد ذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی انہ یصلی(۱) فی الموضع الذی یصلی فیہ العید اوالمسجد الجامع لانھا من شعائر الاسلام فتؤدی فی المکان المعد لاظھار الشعائر[2] اھ وقد اجاب فی الفتح عن استدلال الاسرار علی وجوبھا بشعاریتھا بان المعنی المذکور لایستلزم الوجوب اذلامانع من استنان شعار مقصود ابتداء فضلا عن شعار یتعلق بعارض[3] اھ۔وھذا کما ینفی الاستدلال علی الوجوب بالشعاریۃ کذلك یرد الاستدلال علی نفی الشعاریۃ

جیسا کہ فتح القدیر میں نقل کیا ہے: "یہ ایسی نماز ہے جو علانیہ طور پر اور بطریق شہرت واعلان ادا کی جاتی ہے تو فزع اور گھبراہٹ کی حالت میں یہ دین کا شعار ہے"اھ۔(ت)
اور بدائع میں فرمایا ہے: نماز کسوف کے بارے میں قاضی نے مختصر طحاوی کی شرح میں ذکر کیا ہے کہ یہ عیدگاہ یا جامع مسجد میں ادا کی جائے گی اس لئے کہ یہ ایک شعار اسلام ہے تو اس کی ادائیگی ایسی ہی جگہ ہوگی جو شعائر دین کے اعلان واظہار کیلئے تیار کر رکھی گئی ہے"اھ۔(ت)
اسرار میں نماز کسوف کے وجوب پر اس امر سے استدلال کیا کہ وہ شعائر اسلام ہے تو فتح القدیر میں اس کا یہ جواب دیا کہ: "معنی مذکور (یعنی کسوف کا شعارِ اسلام ہونا) وجوب کو مستلزم نہیں اس لئے کہ جو شعار ابتدا ہی سے مقصود ہو اس کے بھی مسنون ہونے سے کوئی مانع نہیں پھر جو شعار محض کسی عارض سے متعلق ہو اس کے مسنون ہونے سے کون سی چیز مانع ہو سکتی ہے؟"اھ (ت) نماز کسوف کے وجوب پر اس کے شعار اسلام ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہے اس جواب سے اس کی تردید ہوتی ہے اسی طرح اس جواب سے اُس

---

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الکسوف نوریہ رضویہ سکھر ۲/۵۱
[2] بدائع الصنائع کیفیۃ صلوٰۃ الکسوف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۲
[3] فتح القدیر باب صلوٰۃ الکسوف نوریہ رضویہ سکھر ۲/۵۱

بکونہ لعارض۔

وبالجملۃ (۱) ذھب الاسرار الی ان کل شعار واجب والعنایۃ الی ان کل واجب شعار والصحیح ان بینھما عموما من وجہ یجتمعان فی العیدین ویفترقان فی الاذان والکفارات ثم رأیت سعدی افندی اعترض العنایۃ باعتراضی الثانی اخذا عن الفتح اذ قال اقول ماالمانع في تعلق ماھو من الشعائر بعارض تأمل[1] اھ۔

لکنی **اقول:** وباللہ التوفیق لم (۲) یتم الجواب عن کلام محرر المذھب فی الاصل اذلوکان مرادہ ھذا لم

استدلال کی بھی تردید ہوتی ہے جس میں ہے یہ کہا گیا ہے کہ نمازِ کسوف امر عارض کی وجہ سے ہوتی ہے اس لئے شعار نہیں ہوسکتی۔

مختصر یہ کہ صاحبِ اسرار کا یہ خیال ہے کہ ہر شعار واجب ہوتا ہے اور صاحبِ عنایہ کا یہ نظریہ ہے کہ ہر واجب شعار ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے کہ واجب اور شعار میں عموم من وجہ کی نسبت ہے کوئی امر واجب اور شعار دونوں ہوتا ہے جیسے نماز عیدین اور کوئی چیز شعار تو ہوتی ہے مگر واجب نہیں ہوتی جیسے اذان۔اور کوئی امر واجب ہوتا ہے مگر شعار نہیں ہوتا جیسے کفّارات (مصنف کے مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ) عیدین میں واجب وشعار دونوں کا اجتماع ہے۔اذان اور کفّارات میں دونوں کا افتراق ہے پھر میں نے دیکھا کہ میں نے عنایہ پر جو دوسرا اعتراض کیا ہے وہی سعدی آفندی نے بھی فتح القدیر سے اخذ کرتے ہوئے اپنے ان الفاظ میں کیا ہے:"میں کہتا ہوں جو چیز شعائر اسلام سے ہو کسی عارض سے اس کا تعلق ہونے سے کون سی چیز مانع ہے؟ تأمل سے کام لو"۔اھ (ت)

لکنی **اقول:** وباللہ التوفیق، مبسوط میں محرر مذہب کے ارشاد (قیام رمضان اور نمازِ کسوف کے سوا کوئی نفلی نماز جماعت سے نہ ادا کی جائیگی، کا جواب تام نہیں ہوا اس لئے کہ اگر ان کی مراد وہ

[1] حاشیۃ سعدی افندی مع الفتح صلوٰۃ الکسوف نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۶

یصح الحصر فیھما لمکان العیدین۔	ہوتی تو دو میں حصر درست نہ ہوتا اس لئے کہ ان دونوں کے علاوہ عیدین بھی جماعت سے ادا ہوتی ہیں۔
اما الاستدلال(۱) بصیغۃ الامر فاقول منقوض بصلاۃ الخسوف بل وصلوات(۲) الریح الشدیدۃ والصواعق والزلزلۃ والمطر والثلج الدائمین والظلمۃ بالنھار والضوء الھائل باللیل وامثال ذلك الاھوال اعاذنا المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی واھل السنۃ جمیعا منھا دنیا واخری اٰمین فانھا مستحبۃ اجماعا والامر یشملھا جمیعا۔	اب رہا صیغہ امر سے وجوب پر استدلال، **فاقول:** خسوف (چاند گہن) کی نماز، بلکہ آندھی، صاعقے، زلزلے، دائمی ابرباری وبرف باری، دن میں تاریکی، رات میں خوفناک تابانی، اور اس طرح کی دوسری ہولناک چیزیں مولٰی سبحانہ وتعالٰی ہمیں اور تمام اہل سنت کو ان سے دنیا اور آخرت میں پناہ میں رکھے۔آمین سب سے متعلق نمازوں سے اس استدلال پر نقض وارد ہوتا ہے کیونکہ یہ سب بالاجماع مستحب ہیں۔اور امر سب کو شامل ہے۔
وقد(۳) قال ملك العلماء نفسہ اما صلاۃ خسوف القمر فحسنۃ لما روینا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذارأیتم من ھذہ الافزاع شیأ فافزعوا الی الصّلاۃ [1] اھ ثم قال وکذا تستحب الصلاۃ فی کل فزع کالریح الشدیدۃ والزلزلۃ والظلمۃ والمطر الدائم لکونھا من الافزاع والاھوال [2] اھ	خود ملک العلماء فرماتے ہیں: نماز خسوف حسن (پسندیدہ وعمدہ) ہے اس لئے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے: "جب تم ان خوف وپریشانی والی چیزوں میں سے کوئی چیز دیکھو تو نماز کی پناہ لو"۔پھر فرمایا: "اسی طرح ہر فزع، گھبراہٹ اور پریشانی کی چیز میں نماز مستحب ہے جیسے آندھی، زلزلہ، تاریکی، دائمی بارش، کیونکہ یہ سب ہَول وفزع والی چیزیں ہیں اھ" (ت)

توظاہر ہوا کہ نوافل کا سنن اور خسوف کا کسوف پر قیاس مع الفارق ہے۔

وباللہ التوفیق الا ان یقال	وباللہ التوفیق، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں

[1] بدائع الصنائع کیفیۃ الکسوف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸۲

[2] بدائع الصنائع کیفیۃ الکسوف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸۲

ان الحاجة هنا تكثير ابواب الخيرات ارادة لافاضة كرمه عزوجل الا يرى انه اباح التنفل على الدابة بالايماء لغير القبلة مع فوات الشروط والاركان فيها ولاضرورة الا لحاجة القائمة بالعبد لزيادة الاستكثار من فضله تعالٰى كما افاده فى الفتح فى مسألة انه يصلى بتيممه ماشاء من الفرائض والنوافل وعند الشافعى رحمه الله تعالٰى يتيمّم لكل فرض لانه طهارة ضرورية[1]۔

اقول: ويكدره ان هذا حيث صح التيمم بوجود شرطه من فقد الماء فانها طهارة مطلقة عندنا ولوجوز لمجرد الاستكثار لجاز لمطلق النوافل ولوغير موقتة للعلم القطعى بان ماتصليه بالتيمم اكثر مما تصليه بعد التوضيئ اوالاغتسال الا(ا) ترى ان الذى رخص له الصلاة على الدابة بالايماء على غير القبلة لم يرخص له فى التيمم اذا قدر على الماء والركوب

ضرورت یہ ہے کہ کرم باری عزوجل کے فیضان کے ارادہ سے نیکیوں کی راہیں زیادہ کی جائیں دیکھیے کہ باری تعالٰی نے سواری پر اشارہ سے اور غیر قبلہ کی جانب نفل پڑھنے کو جائز فرمایا جبکہ اس میں نماز کی شرطیں بھی فوت ہوتی ہیں اور ارکان بھی اور ضرورت یہی ہے کہ بندہ کو باری تعالٰی کے فضل کی کثرت طلب کرنے میں زیادتی کی حاجت ہے جیسا کہ فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے اس مسئلہ کے تحت کہ بندہ اپنے تیمّم سے جس قدر فرائض ونوافل چاہے ادا کرے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ ہر فرض کیلئے تیمّم کرے اس لئے کہ تیمّم طہارت ضروریہ ہے۔

اقول: اس استدلال کی صفائی پر کدورت اس جہت سے آتی ہے کہ یہ حکم وہاں ہے جہاں تیمّم صحیح ودرست ہوچکا اس طرح کہ تیمّم کی شرط پانی کا فقدان پائی جاچکی (تو وہ جس قدر فرائض ونوافل چاہے پڑھ سکتا ہے) اس لئے کہ تیمّم ہمارے نزدیک طہارت مُطلقہ ہے۔اور اگر محض کثرتِ فضل طلب کرنے کیلئے اسے جائز قرار دیا جاتا تو مطلق نوافل کیلئے اس کا جواز ہوتا اگرچہ نوافل ایسے ہوں جو کسی خاص وقت کے پابند نہیں اس لئے کہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ وضو یا غسل کرنے کے بعد جس قدر نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں تیمّم کرکے اس سے زیادہ نمازیں ادا کی جاسکتی ہیں۔دیکھئے جس کیلئے

[1] فتح القدیر مع الہدایۃ باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۱

والنزول مع ان مکثه فی طلب الطھارة بالماء وقلة نوافله اکثر من المقیم فی بیته وعنده الماء۔	سواری پر اشارہ سے،اور غیر قبلہ کی سمت نماز پڑھنے کی رخصت دی گئی اس کیلئے پانی اور چڑھنے اُترنے پر قدرت ہوتے ہوئے تیمّم کی رخصت نہ دی گئی جب کہ پانی سے طہارت حاصل کرنے میں اس کے توقف کی مدّت اور اس کے نوافل کی کمی اس مقیم سے زیادہ ہوگی جو اپنے گھر میں ہے اور اس کے پاس پانی بھی موجود ہے۔(ت)

بالجملہ فقیر کے نزدیک مستحبات محضہ مثل نماز خسوف و تہجد وچاشت میں یہ حکم خلافِ دلیل ہے اس کیلئے ائمہ سے نقل درکار تھی اور وہ منتفی بلکہ نقل جانب نفی نفل ہے **کما تقدم وباللّٰه التوفیق واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم** (جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا اللہ تعالٰی کی توفیق سے،اور اللہ تعالٰی زیادہ جانتا ہے۔ت)

(۸۸) ہر نماز موقت کہ بعد فوت جس کی قضا ہے جیسے نماز پنجگانہ وجمعہ ووتر جب طہارت آب سے وقت جاتا ہو تیمّم سے وقت کے اندر پڑھ لے کہ قضا نہ ہوجائے پھر پانی سے طہارت کرکے اعادہ کرے۔

اقول: اس میں یہ تفصیل[1] ہونی چاہئے کہ مثلاً صبح[1] اتنے تنگ وقت اٹھا کہ وضو کرے یا نہانے کی حاجت ہے اور غسل کرے تو سلامِ نماز سے پہلے سورج چمک آئے یا[2] امامِ جمعہ پانی سے طہارت کرے تو سلامِ جمعہ سے پہلے وقتِ عصر آجائے یا[3] مقتدی جماعت جمعہ میں قبل سلام شریک نہ ہوپائے اور دوسری جگہ بھی امام مقرر جمعہ کے پیچھے نماز نہ مل سکے یا[4] محدث وضو خواہ جنب غسل کرے تو ظہر یا[5] عصر یا[6] مغرب یا[7] عشا کا اتنا وقت نہ پائے کہ نیت باندھ لے یا[8] فرض عشا پڑھ کر سویا اُٹھا تو نہانے کی حاجت ہے یا وضو ہی کرنا ہے اور صبح میں اتنی مہلت نہیں کہ پانی سے طہارت کے بعد وتر کی نیت باندھ لے تو ان سب صورتوں میں یہ نمازیں تیمّم سے پڑھ لے پھر غسل یا وضو کرکے دوبارہ بعد وقت پڑھے بالجملہ فجر وجمعہ میں سلام سے پہلے وقت نکل جانا یا مقتدی کا امام مقرر للجمعہ کے پیچھے جماعت نہ پانا معتبر ہونا چاہئے باقی نمازوں میں تکبیر تحریمہ وقت کے اندر نہ ملنے کا اعتبار چاہئے کہ فجر وجمعہ وعیدین سلام سے پہلے خروج وقت سے باطل ہوجاتی ہیں بخلاف باقی صلوات کہ ان میں وقت کے اندر تحریمہ بندھ جانا کافی ہے۔

ثم اقول: اگر[2] صورت یہ ہے کہ صبح میں پانی سے طہارت کرے تو صرف دو ۲ رکعتیں وقت میں پائے اور تیمّم سے چاروں تو تیمّم کی بلندی آفتاب پڑھے یوں ہی باقی نمازوں میں اگر وقت اتنا ملتا ہے کہ پانی کی طہارت سے فرض وقت ہوجائیں گے ظہر کی سنت قبلیہ یا بعدیہ یا دونوں یا مغرب میں سنتیں یا عشا میں سنت ووتر نہ ملیں گے اور تیمّم سے سب مل سکتے ہیں تو فرضوں ہی کا پلّہ راجح رہے گا طہارتِ آب سے فرض اور اس کے ساتھ اور جو کچھ مل سکے ادا کرلے سنتیں رہ گئیں تو

گئیں اور وتر رہ گئے تو ان کی قضا پڑھے غرض غیر فرض کی رعایت سے فرضوں کا تیمّم سے ادا کرنا روا نہ ہوگا اگرچہ اُس غیر فرض کیلئے خوف فوت میں تیمّم روا تھا ولعل کل ماذکرت فی المقامین ظاھر جدا واللہ تعالٰی اعلم (توقع ہے کہ ان دونوں مقاموں پر جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے بہت ظاہر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ت)

رسالہ ضمنیہ

الظفر لقول زفر ۱۳۳۵ھ

وقت کی تنگی کے باعث جوازِ تیمّم کے بارے میں امام زفر کے قول کی تقویت کا بیان (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ثم اعلم(۱) ان جواز التیمم لخوف فوت الوقت قول الامام زفر رحمہ اللہ تعالٰی علی خلاف مذھب ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد وافقوہ فی روایۃ وشیدتہ فروع واختارہ کبراء وقوی دلیلہ محققون وبیان ذلک فی جمل۔ **الجُملۃ الاولٰی** موافقۃ ائمتنا الثلثۃ فی روایۃ قال الشامی ھو قول زفر وفی القنیۃ انہ روایۃ عن مشائخنا بحر اھ۔ ثم قال قد علمت من کلام القنیۃ انہ روایۃ عن مشائخنا	واضح ہو کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب کے برخلاف وقت فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم کو جائز کہتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ سے ایک روایت مذہب امام زفر کے موافق بھی آئی ہے متعدد جزئیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کچھ بزرگوں نے اسے اختیار بھی کیا ہے اور کئی محققین نے ان کی دلیل کو تقویت بھی دی ہے۔ اس کا تفصیلی بیان جملہ کے عنوان سے چند جُملوں میں رقم کیا جاتا ہے: **جملہ اُولٰی ائمہ ثلاثہ کی موافقت** ہمارے تینوں ائمہ کی ایک روایت مذہب امام زفر کے موافق آئی ہے اس سے متعلق علامہ شامی لکھتے ہیں: "یہ امام زفر کا قول ہے اور قنیہ میں ہے کہ ہمارے مشائخ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ بحر"۔ اھ پھر شامی فرماتے ہیں: اس سے پہلے قنیہ کی عبارت سے معلوم ہوچکا ہے کہ یہ

الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنھم [1] اھ۔	ہمارے تینوں مشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ایک روایت ہے"۔اھ۔(ت)
اقول: (۱) رحمہ اللہ تعالٰی قد ابعد النجعة واتی بغیر صریح فان لفظ البحر عند قولہ لالفوت جمعة قدقدمنا عن القنیة ان التیمم لخوف فوت الوقت روایة عن مشائخنا [2] اھ والذی قدم عند قولہ لبعدہ میلا بعد ذکر فرع الکلة الاٰتی لائخفی ان ھذا مناسب لقول زفر لالقول ائمتنا فانھم لایعتبرون خوف الفوت وانما العبرة للبعد کماقدمناہ کذا فی شرح منیة المصلی لکن ظفرت بان التیمم لخوف فوت الوقت روایة عن مشائخنا ذکرھا فی القنیة فی مسائل من ابتلی ببلیتین [3] اھ	**اقول:** خدا اپنی رحمت سے علامہ کو نوازے تلاش مطلوب میں بہت دُور نکل گئے اور نقل وہ پیش کی جو صریح نہیں۔اس لئے کہ **لالفوت الجمعة** (فوتِ جمعہ کے اندیشہ سے جواز تیمّم نہیں) کے تحت بحر کے الفاظ یہ ہیں: "ہم قنیہ کے حوالے سے پہلے ذکر کرآئے ہیں کہ وقت نکل جانے کے اندیشہ سے جوازِ تیمّم ہمارے مشائخ کی ایک روایت ہے"۔اھ اور اس سے پہلے جو ذکر کیا ہے وہ ان کی درج ذیل عبارت ہے جو **لبعدہ میلا** کے تحت کِلّہ (مچھّر دانی یا اسی قسم کا خیمہ) سے متعلق آنے والے جزئیہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھی ہے: "پوشیدہ نہ رہے کہ یہ مسئلہ قول امام زفر سے مناسبت رکھتا ہے ہمارے ائمہ کے قول سے مناسبت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک فوت وقت کے اندیشہ کا اعتبار نہیں۔ صرف دُوری کا اعتبار ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ منیۃ المصلی کی شرح میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن مجھے یہ بیان بھی ملا کہ وقت نکل جانے کے اندیشہ سے جواز تیمّم ہمارے مشائخ سے بھی ایک روایت میں آیا ہے۔ اسے قنیہ میں دو مصیبتوں میں مبتلا ہونے والے سے متعلق مسائل کے تحت بیان کیا ہے"۔اھ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹

[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰

فالمعروف اطلاق مشائخنا علی من بعد الائمة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم نعم قد یستفاد من هذا الاستدراك ان مراده بمشائخنا الائمة الثلثة والاوضح سندا والاجل معتمدا مافی الحلیة والغنیه عن المجتبی عن الامام شمس الائمة الحلوانی المسافر (۱) اذا لم یجد مکانا طاهرا بأن کان علی الارض نجاسات وابتلت بالمطر واختلطت فان قدر علی ان یسرع المشی حتی یجد مکانا طاهرا للصلاۃ قبل خروج الوقت فعل والا یصلی بالایماء ولایعید ثم قال الحلوانی اعتبر ههنا خروج الوقت لجواز الایماء ولم یعتبره لجواز التیمم ثمه وزفر سوی بینهما وقد قال مشائخنا فی التیمم انه یعتبر الوقت ایضا والروایة(۲) فی هذا روایة له اذلافرق بینهما والروایة فی فصل التیمم روایة فی هذا ایضا قال الحلوانی فاذا فی المسألتین جمیعا روایتان[1] اھ۔

یہ صریح اس لئے نہیں کہ معروف یہ ہے کہ مشائخ کا لفظ ان حضرات کیلئے استعمال ہوتا ہے جو ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد آئے ہیں ہاں ان کے اس استدراک (لیکن مجھے یہ بیان بھی ملا الخ) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ "ہمارے مشائخ" کے لفظ سے وہ ائمہ ثلاثہ کو مراد لے رہے ہیں۔ سند کے لحاظ سے زیادہ واضح اور اعتماد کے لحاظ سے زیادہ جلیل القدر عبارت وہ ہے جو حلیہ اور غنیہ میں مجتبٰی سے، اور اس میں امام شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے: "مسافر کو جب پاک جگہ نہ ملے اس طرح کہ زمین پر نجاستیں پڑی ہُوئی تھیں اور زمین بارش سے بھیگ کر نجاستوں سے آلودہ ہو گئی تو اگر وہ یہ کر سکتا ہو کہ تیز چل کر ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں وقت نکلنے سے پہلے اسے نماز پڑھنے کیلئے کوئی پاک جگہ مل جائے گی تو ایسا ہی کرے ورنہ اشارے سے نماز ادا کرلے اور اس کا اعادہ اس کے ذمہ نہیں" پھر حلوانی فرماتے ہیں: جواز اشارہ کیلئے یہاں خروج وقت کا اعتبار فرمایا ہے اور وہاں جوازِ تیمّم کیلئے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ اور امام زفر نے دونوں جگہ برابری رکھی۔ اور ہمارے مشائخ نے تیمّم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وقت کا بھی اعتبار ہوگا اور اس (مسئلہ مسافر) میں روایت کا ہونا اُس (مسئلہ تیمّم) میں بھی روایت ہونا ہے کیونکہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اور مسئلہ تیمّم میں روایت کا ہونا اس (مسئلہ مسافر) میں بھی روایت ہونا ہے۔ حلوانی فرماتے ہیں: تو دونوں ہی مسئلوں میں دو۲ دو۲ روایتیں ہوں گی"۔ اھ (ت)

اقول: الضمیر فی قوله اعتبر ههنا ولم یعتبر ثم لمحمد ومسألة المسافر قول ائمتنا فالروایة

اقول: ان کی عبارت اعتبر ھنا، ولم یعتبر ثم (یہاں اعتبار فرمایا اور وہاں اعتبار نہ کیا) میں ضمیر امام محمد کیلئے ہے۔ اور مسئلہ

[1] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۳

عنهم فيها رواية عنهم فى التيمم انه يجوز لخوف فوت الوقت ومسألة التيمم انه لايجوز لحفظ الوقت ايضا قولهم فالرواية فيها رواية فى مسألة المسافر انه يمشى حتى يخرج من ذلك المكان ولايصلى ثمه وان خرج الوقت فاذن لهم فى كلتا المسألتين قولان غيران مسألة المسافر اشتهرت بحكم الاجازة ومسألة التيمم بحكم المنع فهذا اقوى مايوجد من تقوية قول زفر بموافقة ائمتنا الثلثة رضى الله تعالٰى عنهم۔

مسافر ہمارے ائمہ کا قول ہے تو اس مسئلہ میں ان سے روایت ہونا تیمّم کے بارے میں بھی ان سے یہ روایت ہونا ہے کہ وقت نکل جانے کے اندیشہ سے بھی جائز ہے اور مسئلہ تیمّم کہ حفظِ وقت کے پیشِ نظر تیمّم جائز نہیں یہ بھی ہمارے ائمہ کا قول ہے تو اس میں روایت ہونا مسئلہ مسافر میں بھی روایت ہونا کہ وہ اس جگہ سے چل کر نکل جائے اور وہاں نماز نہ پڑھے اگرچہ وقت جاتا رہے۔ اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ دونوں ہی مسئلوں میں ان کے دو ۲ قول ہیں، یہ بات الگ ہے کہ مسئلہ مسافر حکم اجازت سے مشہور ہوگیا اور مسئلہ تیمّم حکم ممانعت سے شہرت پاگیا ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی موافقت سے امام زفر کے قول کی تقویت پر دستیاب ہونے والی یہ سب سے زیادہ قوی سند ہے۔

الجملة الثانية فروع التشييد واختيار الكبراء قال فى الحلية فى بيان قول زفر قد نقل الزاهدى فى شرحه هذا الحكم عن الليث بن سعد وقد ذكر ابن خلكان انه رأى فى بعض المجاميع ان الليث(۱) كان حنفى المذهب واعتمد هذا صاحب الجواهر المضيئة فى طبقات الحنفية فذكره فيها منهم[1] اھ

جملہ ثانیہ تائیدی جزئیات

اور بزرگوں کے قولِ امام زفر اختیار کرنے سے متعلق ہے۔ حلیہ میں قول امام زفر کے بیان میں ہے: "زاہدی نے اپنی شرح میں یہ حکم امام لیث بن سعد سے نقل کیا ہے۔ ابن خلکان نے ذکر کیا ہے کہ بعض تالیفات میں انہوں نے یہ دیکھا کہ امام لیث حنفی المذہب تھے صاحب الجواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ نے اس پر اعتماد کیا اور اپنی کتاب میں امام لیث کا بھی ذکر کیا اھ

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

قال الشامی ثم رأیته منقولا عن ابی نصر بن سلام وھو من کبار الائمة الحنفیة قطعا[1] اھ۔ **اقول:** وفی جامع الرموز التقیید بالمیل یدل علی ان فی الاقل لم یتیمم وان خاف خروج الوقت کما فی الارشاد لکن فی النوازل انه یتیمم حینئذ[2] اھ بل فی الخلاصة لولم یعلم ان بینه وبین الماء میلا اواقل اواکثر ولکن خرج لیحتطب ولم یجد الماء ان کان بحال لوذھب الی الماء خرج الوقت تیمّم فی اٰخر الوقت ھکذا فی النوازل[3] اھ۔وفی الحلیة اطلق الفقیه ابواللیث فی خزانة الفقه جواز التیمم اذا کان بینه وبین الماء مسافة لایقطعھا فی وقت الصلاۃ[4] اھ وفیھا عن المجتبی والقنیة وفی الھندیة عن الزاھدی والکفایة کلھا عن جمع العلوم له التیمم فی کلة لخوف البق او مطر اوحرشدید[5] اھ	شامی فرماتے ہیں: پھر میں نے دیکھا کہ یہ قول ابو نصر بن سلام سے بھی منقول ہے جو بلاشبہ کبار ائمہ حنفیّہ میں ہیں"۔اھ (ت) **اقول:** جامع الرموز میں ہے: "میل کی قید یہ بتاتی ہے کہ اس سے کم دوری ہو تو تیمّم کی اجازت نہیں اگرچہ وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، جیسا کہ ارشاد میں ہے لیکن نوازل میں ہے کہ ایسے وقت میں تیمّم کرلے"۔ اھ۔ بلکہ خلاصہ میں ہے کہ: "اگر یہ پتا نہ ہو کہ اس کے اور پانی کے مابین ایک میل کا فاصلہ ہے کہ یا کم وبیش ہے لیکن (جنگل سے) لکڑی لانے کیلئے نکلااور اسے پانی نہ ملا اگر ایسی حالت ہو کہ پانی تک جائے تو وقت نکل جائے گا تو وہ آخر وقت میں تیمّم کرلے۔ ایسا ہی نوازل میں ہے"اھ (ت)اور حلیہ میں ہے: "فقیہ ابو اللیث نے خزانۃ الفقہ میں اس صورت میں تیمّم کو مطلقًا جائز کہا ہے جب اس کے اور پانی کے مابین اتنی مسافت ہو جسے وقتِ نماز کے اندر طے نہیں کرسکتا"۔اھ اور حلیہ میں بحوالہ مجتبٰی وقنیہ اور ہندیہ میں بحوالہ زاہدی وکفایہ اور ان سب میں بحوالہ جمع العلوم یہ ہے: "مچھر یا بارش یا سخت گرمی کا اندیشہ ہو تو کلہ (مچھر دانی جیسے چھوٹے

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] جامع الرموز فصل فی التیمم مطبعۃ الاسلامیہ ایران ۱/۶۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

[4] حلیہ

[5] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول من التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸

وفیها وفی البحر عن المبتغی بالغین من کان فی کلة جاز تیممه لخوف البق اومطر اوحر شدید ان خاف فوت الوقت [1] اھ وفیها عن القنیة عن نجم الائمة البخاری لوکان فی سطح لیلا وفی بیته ماء لکنه یخاف الظلمة ان دخل البیت لایتیمم اذالم یخف فوت الوقت قال وفیه اشارة الی انه اذاخاف الوقت تیمّم [2] اھ۔وفی البحر عنها اعنی القنیة بلفظ تیمم ان خاف فوت الوقت [3] اھ ولم یعزہ لنجم الائمة بل جعله تفریعا علی الروایة عن مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنھم۔قال فی الحلیة بعد ایرادھا ھذا کله فیما یظھر تفریع علی مذھب زفر فانه لاعبرة عندہ للبعد بل للوقت بقاء و خروجا قال ولعل ھذا من قول ھؤلاء المشائخ اختیار لقول زفر فان الحجة له علی ذلك قویة [4] اھ۔

خیمہ) میں تیمّم کرسکتا ہے"۔اھ۔
حلیہ اور بحر میں مبتغی (غین سے) کے حوالہ سے ہے: "جو کسی مچھر دانی جیسے محفوظ چھوٹے خیمہ میں ہو تو مچھر یا بارش یا سخت گرمی کے اندیشہ سے اس کیلئے تیمّم جائز ہے اگر وقت نکل جانے کا خطرہ ہو"۔اھ اور حلیہ میں بحوالہ قنیہ نجم الائمہ بخاری سے نقل ہے: "اگر رات کو چھت پر ہو اور گھر کے اندر پانی ہے لیکن گھر کے اندر داخل ہوتا ہے تو تاریکی کا خطرہ درپیش ہے ایسی صورت میں اگر وقت نکلنے کا اندیشہ نہ ہو تو تیمّم نہ کرے فرمایا: اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرلے اھ بحرالرائق میں قنیہ کے حوالے سے یہ الفاظ نقل ہیں: "اگر وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرلے"اھ۔بحر نے اسے نجم الائمہ کی طرف منسوب نہ کیا بلکہ اسے مشائخ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت پر تفریع قرار دیا۔حلیہ میں عبارات بالا نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے: "بظاہر یہ سب امام زفر کے مذہب پر تفریع ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک دوری کا اعتبار نہیں بلکہ وقت باقی رہنے اور نکل جانے کا اعتبار ہے "فرمایا شاید ان مشائخ کے یہ اقوال اس بنیاد پر ہیں کہ انہوں نے امام زفر کا قول اختیار کیا ہے کیونکہ اس مسئلہ سے متعلق امام زفر کی دلیل قوی ہے اھ۔

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
[2] حلیہ
[3] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹
[4] حلیہ

بل قدذکر الشامی ان الفتوی فی ھذا علی قول زفر وانه احد المواضع العشرین التی یفتی فیھا بقوله ذکرھا فی باب النفقة کتاب الطلاق ونظمھا نظما حسنا قال فیه وبعد فلایفتی بما قاله زفر*سوی صور عشرین تقسیمھا انجلی*لمن خاف فوت الوقت ساغ تیمم*ولکن لیحتط بالاعادۃ غاسلا[1]۔

بلکہ علّامہ شامی نے تو یہ ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں فتوٰی امام زفر کے قول پر ہے اور یہ ان بیس ۲۰ مقامات میں سے ایک ہے جن میں امام زفر کے قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے، کتاب الطلاق **باب النفقه** میں ذکر کیا ہے اور بڑی خوش اسلوبی سے نظم کیا ہے۔ نظم میں یہ ہے (حمد وصلوٰۃ کے بعد) امام زفر کے قول پر فتوٰی نہ دیا جائے گا مگر صرف بیس(۲۰) صورتوں میں جن کی تقسیم روشن ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس کیلئے جسے وقت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تیمّم جائز ہے لیکن احتیاطًا پانی سے طہارت کرکے اعادہ کرے"۔

الجملة الثالثة تقویة دلیله ویستدل له بوجوہ:

جملہ ثالثہ۔دلیل امام زفر کی تقویت

اس پر چند طرح استدلال کیا جاتا ہے:

اوّلھا:ماقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر له ان التیمم لم یشرع الا لتحصیل الصلاۃ فی وقتھا فلم یلزمه قولھم ان الفوات الی خلف کلا فوات[2] اھ

دلیل اوّل: محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا ہے: امام زفر کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم اسی لئے تو مشروع ہوا ہے کہ نماز کی ادائیگی وقت کے اندر کی جاسکے۔ لہٰذا اس جواب سے ان پر الزام نہیں آتا کہ "نماز کا نائب کی جانب فوت ہونا، فوت نہ ہونے کی طرح ہے۔

واجیب عنه **اوّلا** کما ابدی البحران جوازہ للمسافر بالنص لا لخوف الفوت بل لاجل ان لاتتضاعف علیه الفوائت ویحرج

جواب ۔اوّلًا: جیسا کہ بحر نے اظہار کیا: "مسافر کیلئے "نص سے" تیمّم کا جواز فوتِ وقت کے اندیشہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس کے ذمّہ فوت شدہ نمازیں زیادہ نہ ہوں اور قضاء میں

[1] ردالمحتار باب النفقة مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲۷

[2] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھّر ۱/ ۱۲۳

فی القضاء [1]۔

اقول: لافائدۃ(۱) لقولہ جوازہ بالنص فان النص لیس تعبدیا کما یفیدہ اٰخر کلامہ ولوکان کذا لم یجیزوہ لصلاۃ الجنازۃ والعید فان النص انما ورد فی المریض والمسافر۔

اما التعلیل فاقول اما(۲) تجیزونہ لبعد الماء میلا ولو فی جھۃ مسیرہ فانی فیہ تضاعف الفوائت وایضا خوف(۳) التضاعف ان کان ففی الاسفار البعیدۃ ولیس السفر فی الکریمۃ سفر القصر بل یشمل من خرج من المصر ولو لاحتطاب اواحتشاش اوطلب دابۃ کما افادہ فی الخانیۃ والمنیۃ وقال فی الھدایۃ والعنایۃ جواز التیمم لمن کان خارج المصر وان لم یکن مسافرا اذا کان بینہ وبین الماء میل [2] اھ

وقد نقلتم عن الخانیۃ

اسے زحمت نہ ہو"۔اھ

اقول: "نص سے "جواز کہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ نص تعبدی نہیں (بلکہ قیاسی اور معلّل ہے) جیسا کہ ان کی آخری عبارت سے خود ہی مستفاد ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نماز جنازہ اور نماز عید کیلئے بھی تیمّم جائز نہ کہتے کیونکہ نص تو صرف مریض اور مسافر کے بارے میں آئی ہے۔اب انہوں نے جو علّتِ جواز بیان کی ہے اس پر کلام کیا جاتا ہے

فاقول: کیا آپ حضرات اس کے قائل نہیں ہیں کہ پانی ایک میل کی دُوری پر ہو تو تیمّم جائز ہے؟ اگرچہ پانی اس کی سمتِ سیری میں ہو۔ اس میں فوت شدہ نمازوں کی زیادتی کہاں ہے؟ یہ بات بھی ہے کہ اگر زیادتِ فوائت کا اندیشہ ہے تو دور دراز سفروں میں ہے مگر آیت کریمہ میں جو سفر مذکور ہے اس سے خاص سفرِ قصر مراد نہیں بلکہ یہ حکم ہر اس شخص کو شامل ہے جو شہر سے باہر ہو اگرچہ لکڑی کاٹنے، یا گھاس لانے، یا سوار کا جانور ڈھونڈنے ہی کیلئے نکلا ہو، جیسا کہ خانیہ اور مُنیہ میں افادہ فرمایا ہے۔ اور ہدایہ وعنایہ میں ہے: " تیمّم کا جواز ہر اس شخص کیلئے ہے جو شہر کے باہر ہو اگرچہ مسافر نہ ہو بشرطیکہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو"۔ اھ خود آپ ہی نے خانیہ سے یہ عبارت نقل کی ہے

[1] البحر الرائق باب التیمم قول لالفوت الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹

[2] العنایۃ مع الفتح باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۷

ان(۱) قلیل السفر وکثیرہ سواء فی التیمم والصلاۃ علی الدابۃ خارج المصر انما الفرق بین القلیل والکثیر فی ثلثۃ فی قصر الصلوۃ والافطار ومسح الخفین [1] اھ واذا ثبت ذلك ثبت ان لیس تشریعه الا لاحراز الوقت۔	کہ: "بیرونِ شہر تیمّم اور سواری پر ادائے نماز کے معاملہ میں قلیل وکثیر سفر سب برابر ہیں۔ قلیل وکثیر کے درمیان فرق صرف تین مسائل میں ہے: (i) نماز میں قصر کرنا (ii) روزہ قضا کرنا (iii) موزوں پر مسح (کی مدت کم وبیش ہونا)"اھ۔ جب یہ ثابت ہے تو یہ بھی ثابت ہے کہ تیمّم کی مشروعیت تحفظِ وقت ہی کیلئے ہوئی ہے۔
وثانیا: التقصیر جاء من قبله فلایوجب الترخیص علیه [2] اھ فتح۔	**ثانیاً:** تقصیر وکوتاہی خود اس کی جانب سے ہوئی تو یہ اس کیلئے موجبِ رخصت نہ ہوسکے گی اھ۔ فتح القدیر۔
اقول: تقریرہ سلمنا ان التیمّم لحفظ الوقت لکن انما یستحقه من لیس ضیق الوقت من قبله کمن خاف عدوا اومرضا فانه ان ینتظر یذهب الوقت من دون تفریط منه فرخص له الشرع فی التیمّم کیلا یفوته الوقت اما هذا فقد قصر واخر بنفسه حتی ضاق الوقت عن الطهارۃ والصلاۃ فلایستحق الترفیه بالترخیص۔	**اقول:** اس جواب کی تقریر اس طرح ہوگی، ہمیں تسلیم ہے کہ تیمّم وقت کے تحفظ کی خاطر ہے لیکن جو ایسا ہو کہ وقت کی تنگی خود اس کی طرف سے نہ پیدا ہوئی وہی اس کی رخصت کا مستحق ہوگا مثلاً وہ شخص جسے کسی دشمن یا مرض کا خطرہ ہو کہ وہ اگر انتظار کرتا ہے تو وقت نکل جائے گا اور خود اس کی جانب سے کوئی کوتاہی نہیں تو اس کیلئے شریعت نے تیمّم کی رخصت دی ہے تاکہ وقت فوت نہ ہو لیکن اس شخص نے تو کوتاہی کی ہے اور خود ہی نماز یہاں تک مؤخر کردی کہ وقت میں طہارت اور نماز کی گنجائش نہ رہی تو ایسا شخص رخصت کی آسائش پانے کا حقدار نہیں۔
اوردہ فی الفتح بانه انما یتم اذا	فتح القدیر میں اس جواب کو ان الفاظ سے رَد کردیا ہے کہ: "یہ جواب اسی وقت تام ہوگا جب

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمالایجوزله التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

[2] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۳

اخر لالعذر[1] اھ۔

اقول: ای مع ان الحکم عام عند الفریقین وکیف یقال جاء التقصیر من قبله فیمن نام فما استیقظ الا وقد ضاق الوقت عن الطھارۃ بالماء واداء الفرض وھذا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قائلا لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة[2] رواہ مسلم عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وکذا من نسی صلاۃ ولم یتذکر الا عند ضیق الوقت وقد رفع عن امته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الخطاء والنسیان[3] فلا تقصیر من ناس۔

بل اقول: (۱) مثنّیا الرّخص (۲) الالٰھیة مباحة عندنا للمطیع والعاصی فمن سافر لمعصیة حل له الفطر

اس نے بغیر کسی عذر کے نماز مؤخر کردی ہو۔

اقول: مقصد یہ ہے کہ حکم تو (بلاعذر تاخیر کرنے والے اور عذر کی وجہ سے تاخیر کرنے والے) دونوں ہی کے لئے فریقین کے نزدیک عام ہے (جس کے یہاں جواز ہے تو دونوں کیلئے، جس کے یہاں عدمِ جواز ہے تو دونوں کیلئے) اب وہ شخص جو سوگیا، بیدار ہوا تو ایسے ہی وقت کہ پانی سے طہارت اور ادائے فرض کی گنجائش نہیں اس کے بارے میں کیسے کہا جاسکتا ہے کہ خود اسی کی جانب سے کوتاہی ہوئی جب کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمارہے ہیں: "نیند (کی صورت) میں کوتاہی نہیں کوتاہی تو بیداری (کی صورت) میں ہے"۔ یہ حدیث امام مسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ ایسے ہی وہ شخص جسے نماز کا خیال نہ رہا یاد آئی تو وقت تنگ ہوچکا ہے۔ خطا ونسیان تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمّت سے اٹھالیا گیا ہے تو نسیان والے کی جانب سے بھی کوتاہی نہیں۔

بلکہ **اقول: مثنّیا** (دوسرے نمبر پر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ خدا کی دی ہوئی رخصتیں ہمارے نزدیک مطیع وعاصی دونوں ہی کیلئے عام ہیں۔ جو کسی معصیت کیلئے سفر کررہا ہے اس کیلئے بھی روزہ

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۱۲۳

[2] سنن ابی داؤد باب فیمن نام عن صلوٰۃ مطبع مجتبائی لاہور ۱/۶۴

[3] سنن ابن ماجہ طلاق المکرہ والناسی مطبع مجتبائی لاہور ص ۱۴۸

بل وجب علیه القصر ومن اجنب بالزنا والعیاذ بالله تعالٰی ولم یجد ماء جازله التیمّم بل افترض علیه۔ثم رأیت تلمیذہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ نقل کلامه وایدہ وبحث فی التأخیر بلاعذر بعین مابحثت ولله الحمد قال لکن المذهب ان المطیع والعاصی فی الرخص سواء [1] اھ۔وافاد فائدۃ اخری فقال لوقیل تأخیرہ الی هذا الحد عذرجاء من قبل غیر صاحب الحق لقیل فینبغی ان یقال یتیمم ویصلی ثم یعید بالوضوء کمن لم یقدر علی الوضوء من قبل العباد [2] اھ

اقول: هذا لامدخل(ا) له فی البحث من قبل احد من الفریقین فلیس لاحدهما ان یبدیٔ به او یعید اما ائمتنا فلانهم لایقولون بالتیمّم واما زفر فلانه لایقول بالاعادۃ بل کان حقه ان یقرر هکذا

نہ رکھنا جائز ہے بلکہ اس کے ذمہ نماز قصر کرنا واجب ہے۔اور جسے زنا کی وجہ سے۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔جنابت ہوئی اور پانی نہ پاسکا اس کیلئے بھی تیمّم جائز بلکہ فرض ہے۔پھر میں نے دیکھا کہ امام ابن الہمام کے شاگرد محقق حلبی نے حلیہ میں ان کی عبارت نقل کرکے اس کی تائید کی ہے اور "تاخیر بلاعذر" سے متعلق بعینہٖ یہی بحث کی ہے جو میں نے کی ولله الحمد ان کے الفاظ یہ ہیں: "لیکن مذہب یہ ہے کہ رخصتوں کے معاملہ میں مطیع وعاصی یکساں ہیں"۔اھ بلکہ انہوں نے ایک اور افادہ فرمایا ہے،لکھتے ہیں: اگر یہ کہا جائے کہ اس حد تک تاخیر ایسا عذر ہے جو غیر صاحب حق کی جانب سے رُونما ہوا۔تو اس کے جواب میں یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ تیمّم کرکے نماز پڑھ لے،پھر وضو کرکے اعادہ کرے جیسے وہ شخص جو بندوں کی جانب سے پیدا ہونے والے کسی عذر کی وجہ سے وضو پر قادر نہ ہو۔اھ (ت)

میں کہتا ہوں فریقین میں سے کسی جانب سے بحث میں اِس کلام کا کوئی دخل نہیں،اس لئے یہ کسی کا قول نہیں کہ پہلے تیمّم کرلے،پھر پانی سے اعادہ کرے۔ہمارے ائمہ کے نزدیک اس لئے کہ وہ یہاں جوازِ تیمّم کے قائل ہی نہیں اور امام زفر کے نزدیک اس لئے کہ وہ اعادہ کے قائل نہیں۔اس مقصد کی

[1] حلیہ

[2] حلیہ

لیکون مثلّثا لما فی الفتح ان غایة ماقلتم ان التقصیر من قبله ان تأمروہ بالتیمّم ثم الاعادة کماھو حکم کل عذر جاء من قبل العباد لاان تحجروا علیه التیمّم رأسا۔

وثانیھا: ھذہ صلٰوۃ الخوف ماشرعت الالحفظ الوقت۔ واجاب عنه فی البحر بان صلاة الخوف للخوف دون خوف الفوت[1] اھ۔

اقول: سبحٰن(ا) ﷲ ماکان الخوف لیوجب الاتیان بھا فی الوقت مع ارتکاب المنافی بل کانوا بسبیل من تأخیرھا الی ان یطمئنوا کما قلتم فی بحرکم فی عدة فروع:

منھا ازدحم جمع علی بئر لایمکن الاستقاء منھا الا بالمناوبة لضیق الموقف اولاتحاد اٰلة الاستقاء ونحو ذلك وعلم انھا لاتصیر الیه الابعد خروج الوقت ویصبر عندنا لیتوضأ بعد الوقت وعند زفر

تقریر اس طرح ہونی چاہئے تاکہ فتح کی عبارت سے متعلق یہ **تیسرا اکلام** ہوجائے کہ آپ نے جو فرمایا کہ کوتاہی خود اس کی جانب سے ہُوئی تو اس پر زیادہ سے زیادہ یہ ہونا چاہئے کہ آپ حکم یہ دیں کہ وہ تیمّم کرلے پھر اعادہ کرے جیسا کہ یہ ہر اُس عذر کا حکم ہے جو بندوں کی جانب سے رونما ہوا ہو یہ نہیں ہونا چاہئے کہ اسے آپ تیمّم سے بالکل ہی روک دیں۔ (ت)

دلیل دوم: یہ نماز خوف ہے جس کی مشروعیت تحفّظِ وقت کیلئے ہی ہُوئی ہے۔ **اس کا جواب** بحر میں یہ دیا ہے کہ: "نمازِ خوف تو خوف کی وجہ سے ہے، فوتِ وقت کے اندیشہ سے نہیں ہے"۔ اھ **اقول:** سبحان اللہ۔ خوف کی حیثیت اتنی بڑھی ہُوئی نہیں کہ منافی نماز کے ارتکاب کے ساتھ وقت کے اندر نماز کی ادائیگی لازم کردے بلکہ ان کیلئے امن واطمینان ہونے تک تاخیر کی گنجائش تھی جیسا کہ بحر کے اندر متعدد جزئیات میں خود آپ ہی اس کے قائل ہیں۔ چند جزئیات درج ذیل ہیں:

جزئیہ ا: کسی کُنویں پر ایک ہجوم جمع ہے اور باری باری پانی نکالنے کے سوا کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ کھڑے ہونے کی جگہ تنگ ہے یا ڈول رسّی ایک ہی ہے یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ جب تک اس کی باری آئے گی وقت نکل جائے گا تو ہمارے نزدیک حکم یہ ہے کہ

[1] البحرالرائق، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۵۹

يتيمم [1]۔

ومنها[۲] جمع(۱) من العراة ليس معهم الا ثوب يتناولونه وعلم ان النوبة لاتصل اليه الا بعد الوقت فانه يصبر ولايصلی عاريا [2]۔ومنها[۳] اجتمعوا(۲) فی سفينة اوبيت ضيق وليس هناك موضع يسع ان يصلی قائما لايصلی قاعدا بل يصبر ويصلی قائما بعد الوقت [3]۔ومنها[۴] معه(۳) ثوب نجس وماء لغسله ولكن لوغسل خرج الوقت لزم غسله وان خرج [4]۔ومنها[۵] كذا(۴) لوكان مريضا عاجزا عن القيام (۶) واستعمال(۵) الماء فی الوقت ويغلب علی ظنه القدرة بعده [5] اهای يؤخر ولايصلی فی الوقت۔ومنها[۷] وعده صاحبه ان

انتظار کرے تاکہ وقت کے بعد وضو کرسکے،اور امام زفر کے نزدیک یہ حکم ہے کہ تیمّم کرلے۔**جزئیہ ۲:** چند آدمی برہنہ ہیں جن کے پاس (ستر عورت کے قابل) ایک ہی کپڑا ہے جسے باری باری باندھ کر نماز ادا کرتے ہیں،ان میں سے کسی کو معلوم ہے کہ جب تک اس کی باری آئے گی وقت نکل جائے گا تو وہ انتظار کرے اور برہنہ نماز نہ پڑھے۔ **جزئیہ ۳:** کسی کشتی یا تنگ کوٹھڑی میں لوگ جمع ہیں جہاں اتنی جگہ نہیں کہ کھڑے ہوکر نماز ادا کرے تو وہ بیٹھ کر نہ پڑھے بلکہ انتظار کرے اور وقت گزر جانے کے بعد کھڑے ہوکر نماز ادا کرے۔**جزئیہ ۴:** کسی کے پاس ایک ناپاک کپڑا ہے اور اس کے دھونے کیلئے پانی بھی موجود ہے لیکن اگر کپڑا دھونے میں لگتا ہے تو نماز کا وقت نکل جائے گا اس پر لازم ہے کہ کپڑا دھوئے (اور پاک کپڑے سے ہی نماز ادا کرے) اگرچہ وقت نکل جائے۔**جزئیہ ۵-۶:** کوئی ایسا مریض ہے جو بروقت کھڑا ہونے پر قادر نہیں،یا ایسا بیمار ہے کہ ابھی وقتِ نماز میں پانی نہیں استعمال کرسکتا اور ظن غالب ہے کہ وقت نکل جانے کے بعد (کھڑے ہونے یا پانی استعمال کرنے پر) قدرت ہوجائیگی،تو وہ حصولِ قدرت تک نماز مؤخر کرے اور وقت کے اندر (بلاقیام یا تیمّم سے) نماز نہ پڑھے۔**جزئیہ ۷:** کسی سے اس کے ساتھی نے

---

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
[2] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
[3] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
[4] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰
[5] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰

يطيعه الاناء فرع عليه محمد انه ينتظر وان خرج الوقت لان الظاهر الوفاء بالعهد فكان قادرا على الاستعمال ظاهرا[1]۔

ومنها^۸ كذا(۱) اذا وعد الكاسى العارى ان يعطيه الثوب اذافرغ من صلاته لم تجزه الصلاة عريانا لما قلنا[2] نقلتم هذين عن البدائع والبواقى عن التوشيح ولكن المولٰى سبحٰنه وتعالٰى لم يرض لهم بتفويتها عن وقتها وشرع لهم صلاة الخوف فما كان الا لحفظ الوقت۔

ثمّ اقول: الفرعان(۲) الاخيران عن محمّد واليه عزاهما فى البدائع عــه الحكم فيهما عند امامنا رضى الله تعالٰى

جبر تن دینے کا وعدہ کیا۔اس پر امام محمد نے یہ تفریع کی ہے کہ انتظار کرے اگرچہ جوقت نکل جائے اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ وہ وعدہ وفا کرے گا تو ظاہراً وہ استعمال پر قادر ہے۔

جزئیہ۸: اسی طرح کپڑے والے نے برہنہ سے وعدہ کیا کہ میں نماز سے فارغ ہو کر تجھے کپڑا دے دوں گا تو اسے برہنہ نماز پڑھنا جائز نہیں۔وجہ وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی۔جزئیہ (۷ و۸) آپ نے بدائع سے نقل کیا، باقی توشیح سے۔(ان جزئیات کی روشنی میں خوف والوں کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے تھا کہ وہ زوال خوف کا انتظار کریں اگرچہ وقت نکل جائے) لیکن مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان کیلئے نماز فوت کرنا پسند نہ کیا اور نماز خوف مشروع فرمائی تو یہ نماز تحفظ وقت ہی کیلئے تو ہُوئی۔(ت)

دلیل ۳-۴ ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) آخری دونوں جزئیے امام محمد سے منقول ہیں اور بدائع میں ان ہی کی طرف انہیں منسوب کیا ہے ہمارے امام اعظم

عــه: قال فى الخانية مع رفيقه دلو مملوك رفيقه قال انتظر حتى استقى الماء ثم ادفعه اليك فالمستحب له ان ينتظر الى اٰخر الوقت فان تيمّم ولم ينتظر جاز وكذا

خانیہ میں ہے: "کسی مسافر کے ہم سفر کے پاس اسی ہم سفر کا مملوکہ ڈول ہے اس نے مسافر سے کہا تم انتظار کرو میں پانی نکال لُوں تو تمہیں ڈول دوں گا۔ تو مسافر کیلئے آخر وقت تک انتظار کرلینا مستحب ہے۔ اگر اس نے بلا انتظار تیمّم کرلیا تو جائز ہے۔ اسی طرح (باقی برصفحہ آئندہ)

1 البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹
2 البحر الرائق آخر قول لالفوت الجمعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹

عنه انه یصلی فی الوقت متیمّما اوعاریا لان القدرة علی ماسواء الماء لایثبت عنده بالاباحة کماسیأتی۔ **اقول:** وهذا ایضا من مؤیدات زفر اذلو لاحفظ الوقت لأمر بالتاخیر لاسیما	رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دونوں مسئلوں میں حکم یہ ہے کہ وہ وقت کے اندر تیمّم سے یا برہنہ نماز پڑھ لے اس لئے کہ ان کے نزدیک پانی کے علاوہ چیزوں پر اباحت سے قدرت ثابت نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آرہا ہے۔ **اقول: (میں کہتا ہوں)** اس سے بھی امام زفر کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اس لئے کہ اگر تحفظ وقت ملحوظ نہ ہوتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لوکان عریانا ومع رفیقه ثوب فقال له انتظر حتی اصلی ثم ادفعه الیك یستحب له ان ینتظر الی اٰخر الوقت فان لم ینتظر وصلی عریانا جاز فی قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ولوکان مع رفیقه ماء یکفی لهما فقال انتظر حتی افرغ من الصلاة ثم ادفعه الیك لزمه ان ینتظر وان خاف خروج الوقت ولوتیمم ولم ینتظر لایجوز فالاصل عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ان فی المملوك لاتثبت القدرة بالبذل والاباحة وفی الماء تثبت القدرة بالاباحة اھ[1] ۔ **اقول:** والجملة الثانیة محل الاستثناء من الاولی لان الکلام فی ماء مملوك واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

اگر برہنہ ہے اور اس کے رفیق کے پاس ایک کپڑا ہے اس نے کہا انتظار کرو میں نماز پڑھ کر تمہیں دُوں گا، تو اس کیلئے آخر وقت تک انتظار کرلینا مستحب ہے۔ اگر انتظار نہ کیا اور برہنہ نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر یہ جائز ہے۔ اور اگر رفیقِ سفر کے پاس اتنا پانی تھا جو دونوں کو کافی ہوتا اس نے کہا انتظار کرو میں نماز سے فارغ ہوجاؤں تو تمہیں پانی دُوں گا، اس صورت میں اس پر انتظار کرنا لازم ہے اگرچہ وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ اگر بلا انتظار تیمّم کرلیا تو جائز نہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اصل ضابطہ یہ ہے کہ بذل واباحت سے مملوک میں قدرت ثابت نہیں ہوتی، اور پانی میں اباحت سے قدرت ثابت ہوجاتی ہے"۔ اھ **اقول:** دوسرا جُملہ پہلے جملہ سے استثناء کے طور پر ہے اس لئے کہ گفتگو مملوک پانی ہی کی ہے (تو معنٰی یہ ہُوا کہ مملوک چیزوں میں اباحت سے قدرت ثابت نہیں ہوتی مگر مملوک پانی میں اباحت سے قدرت ثابت ہوجاتی ہے ۱۲ محمد احمد) واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں، باب التیمم، فصل فیما یجوز له التیمم نولکشور لکھنؤ، ۱/۲۷

مع الوعد فھذان ثالث دلائلہ و رابعھا۔

اما الفرع الخامس والسادس

فاقول: لااری(۱) ان یکون المذھب فیہ الامر بتفویت الصلاۃ کیف وان الطاعۃ بحسب الاستطاعۃ۔ قال ربنا تبارك وتعالٰی فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ [1] ولا ینظر فیھا الا الی الحالۃ الراھنۃ الاتری ان(۲) راجی الماء اٰخر الوقت لیس علیہ التأخیر بل لہ ان یصلی الاٰن متیمما۔ وقد قال فی الدر(۳)(امرہ الطبیب بالاستلقاء لبزغ الماء من عینہ صلی بالایماء لان حرمۃ الاعضاء کحرمۃ النفس [2] اھ۔ ومعلوم(۳) ان الطبیب لایأمرہ بالسکون الامدۃ قلیلۃ وربما لاتزید علی یوم ولیلۃ فامروا ان یؤمی لا ان یؤخر فھذہ الفروع الاربعۃ الجواب الصواب فیھا علی مذھب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یصلی کماقدر

تو تاخیر کا حکم ہوتا خصوصاً اس صورت میں جبکہ کسی نے وعدہ کرلیا ہے تو یہ ان کی تیسری اور چوتھی دلیل ہوئی۔

اب جزئیہ ۵،۶ کو دیکھئے۔

فاقول: میں نہیں سمجھتا کہ اس صورت عجز میں نماز فوت کرنے کا حکم ہمارے مذہب میں ہو یہ کیسے ہوسکتا ہے جب کہ طاعت بقدر استطاعت ہی لازم ہوتی ہے۔ ہمارے رب تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے: "تو اللہ سے تم ڈرو جہاں تک تمہیں استطاعت ہو"۔ اور استطاعت کے معاملہ میں موجودہ حالت پر ہی نظر کی جائے گی۔ دیکھئے اگر کسی کو آخر وقت میں پانی ملنے کی امید ہے تو اس پر یہ لازم نہیں کہ نماز مؤخر کرے بلکہ وہ اسی وقت تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔ در مختار میں ہے: آنکھ کا آپریشن کرنے اور پانی نکالنے کی وجہ سے طبیب نے بیمار کو حکم دیا کہ چت لیٹا رہے تو وہ اشارہ سے نماز پڑھے اس لئے کہ حرمتِ اعضاء بھی حُرمتِ جان کی طرح ہے "اھ یہ معلوم ہے کہ طبیب زیادہ زمانہ تک حرکت کی ممانعت نہیں رکھتا بلکہ عموماً قلیل مدت تک جو ایک شبانہ روز سے زیادہ نہیں ہوتی پر سکون رہنے کا حکم دیتا ہے اس کے باوجود فقہاء نے اسے اشارہ سے نماز پڑھ لینے کا حکم دیا یہ نہ فرمایا کہ (اجازتِ حرکت و

---

[1] القرآن ۶۴/۱۶

[2] الدرالمختار باب المریض مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

فی الوقت ولایعید۔

اما الفروع الاربعة الاُول **فاقول**:کذا الحکم فیھا بیدانه یعید اما الحکم فلما قدمت عن الحلیة والغنیة عن شمس الائمة انه لافرق فی تلك الفروع وان الروایة فی احدٰھا روایة فی سائرھا وقدکان ھناك اعنی فرع شمس الائمة التلبس بالنجاسة ولو فی القدمین اوالخفین مع ترك الرکوع والسجود ولیس فی ھذا الفرع الرابع الا التلبس بنجس واما الاعادة فلما علمت من مراعاة اصل المذھب مع مافی الفروع الثلثة الاُول من صورة المنع من جھة العباد واللّٰہ تعالٰی اعلم بسبیل الرشاد۔

وخامسھا: تجیزونه خوف فوت صلاة الجنازة وصلاة العید فکذا خوف فوت الوقت۔

واجاب البحربان فضیلة الوقت والاداء وصف للمؤدی تابع له غیر مقصود لذاته بخلاف صلاة الجنازة والعید فانھا اصل فیکون فواتھا فوات

قیام تک) نماز مؤخر کرے۔ تو ان چاروں جزئیات (۵ تا ۸) میں ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر حکم صحیح یہ ہوگا کہ جس طرح بھی اسے قدرت ہے ویسے ہی وہ وقت کے اندر نماز ادا کرے اور بعد وقت اس کا اعادہ بھی نہیں۔ (ت)

اب رہے پہلے چار جزئیات **فاقول**: ان میں بھی یہی حکم ہوگا فرق یہ ہے کہ ان صورتوں میں بعد وقت اعادہ بھی کرنا ہوگا۔ وقت کے اندر ادائے نماز کا حکم ہم نے اس قاعدہ اور جزئیہ سے اخذ کیا جو حلیہ وغنیہ کے حوالہ سے شمس الائمہ سے ہم نے گزشتہ صفحات میں نقل کیا کہ ان جزئیات میں فرق نہیں اور ایک میں روایت دوسرے میں بھی روایت ہے۔ اور وہاں یعنی شمس الائمہ کے بیان کردہ جزئیہ میں یہ تھا کہ نجاست سے اتصال لازم آتا تھا اگرچہ صرف قدموں یا موزوں ہی میں، اور رکوع و سجود ترک ہوتا تھا۔ اور اس چوتھے جزئیہ میں بھی یہی نجس (کپڑے) سے اتصال لازم آرہا ہے اور اعادہ کا حکم اس لئے کہ اصل مذہب کی رعایت ہوجائے ساتھ ہی پہلے تین جزئیوں میں یہ بات بھی ہے کہ بندوں کی جانب سے رکاوٹ کی صورت پائی جارہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

دلیل پنجم: آپ نماز جنازہ اور نماز عید فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم کی اجازت دیتے ہیں تو وقت کے فوت ہوجانے کا اندیشہ بھی تو ایسا ہی ہے۔ بحر میں اس کا **جواب** یہ دیا ہے کہ ("پنجگانہ نمازوں میں مقصود بالذات خود نماز ہے اور اس کیلئے قضانہ ہونے) ادا ہونے اور وقت کے اندر ہونے کی فضیلت مؤدّی کی ایک صفت ہے جو اس کے

اصل مقصود [1] اھ ھذا تمام سعیہ رحمہ اللہ تعالٰی ورحمنابہ وقد اقرہ علی کلہ فی المنحۃ۔

تابع ہے مقصود بالذات نہیں ہے۔ مگر نماز جنازہ وعید خود اصل ہیں تو ان کا فوت ہونا ایک اصل مقصود کا فوت ہونا ہے" اھ یہ صاحبِ بحر کی تمام تر کاوش ہے، خدا ان پر اور ان کے طفیل ہم پر رحم فرمائے منحۃ الخالق میں علّامہ شامی نے بھی ان سب کو برقرار رکھا ہے۔ (ت)

اقول:اوّلا(۱) کون شیئ وصفا فی شیئ لایوجب کونہ غیر مقصود بالذات کوصف الایمان فی رقبۃ کفارۃ القتل بل قد(۲) یکون الوصف ھو المقصود کالاسلام فی مصرف الزکوٰۃ۔

اقول۔اولاً: ایک شیئ کا دوسری شیئ کی صفت ہونا اس کے غیر مقصود بالذات ہونے کو لازم نہیں کرتا جیسے کفارہ قتل میں دئے جانے والے غلام یا باندی میں صفت ایمان غیر مقصود بالذات نہیں بلکہ بعض اوقات خود وصف ہی مقصود ہوتا ہے جیسے مصرفِ زکوٰۃ میں صفتِ اسلام۔

وثانیا: نحن (۲) نعلم قطعا ان المولی سبحٰنہ وتعالٰی کما امرنا بالصلاۃ امرنا بایقاعھا فی وقتھا وحرم اخراجھا عنہ لا لعذر فالکل مقصود عینا سبحنہ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾ [2] وقال عزّوجل حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى [3] وقال تعالٰی فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ﴿۵﴾ [4] وھم الذین یؤخرونھا حتی تخرج وقتھا سماھم مصلین وجعل لھم الویل لاخراجھم ایاھا عن وقتھا فکان الوقت

ثانیا: ہمیں قطعی طور پر معلوم ہے کہ مولٰی سبحنہ وتعالٰی نے جس طرح ہمیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اسی طرح ہمیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ نماز کو اس کے مقررہ وقت کے اندر ادا کریں اور بغیر کسی عذر کے اس وقت سے باہر لانا حرام فرمایا ہے، تو سبھی مقصود بالذات ہے ارشاد ہے: "بے شک نماز ایمان والوں پر وقت باندھا ہوا فریضہ ہے"۔اور ارشاد ہے: "نمازوں اور بیچ والی نماز کی حفاظت کرو" اور فرمایا: "تو ویل (خرابی) ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نماز سے غافل ہیں"۔یہ وہی لوگ ہیں جو نماز اس حد تک مؤخر کرتے ہیں کہ اس کا وقت نکل جاتا ہے انہیں نمازی کہا، ساتھ ہی ان کیلئے وَیل بھی قرار دیا اس لئے

[1] البحر الرائق باب التیمم عند قولہ لالفوت الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۹
[2] القرآن ۴/۱۰۳
[3] القرآن ۲/۲۳۸
[4] القرآن ۴/ ۱۰۷

مقصودا عینا۔

وثالثا: لئن(۱) سلم محافظة الوقت فرض عین والجنازة فرض کفایة وصلاة العید لیست فریضة اصلا والفرض ولو مقصودا لغیرہ اھم واعظم مما دونه ولو مقصودا لذاته الا(۲) ترٰی ان لوضاق الوقت عن الواجبات وجب اسقاطھا والاقتصار علی الفرض لایقاعه فی الوقت واذا لامر ھکذا فاذا جاز التیمّم لخوف فوت الادنی کیف لایجوز للاعلی لاسیما وقد سقط فرض الجنازة بصلاة غیرہ۔

ورابعا: قد(۳) قلتم بالتیمم لخوف فوت السنن وما ھن اصول انما شرعت مکملات للاصول وعلی(۴) التسلیم فاین التحفظ علی فریضة الوقت من التحفظ علی سنة۔

وخامسا: (۵) قد سلمتم ان الفائت لا الی خلف یجوزله التیمم ولاشك ان الطلب الالٰھی منتھض علی ایقاع الفریضة فی وقتھا کانتھاضه علی نفس ایقاعھا وھذا لاخلف له وان کانت الصلاة لھا خلف فھذا مقصود الدلیل ولایمسه الجواب۔

کہ وہ نماز وقت سے باہر ادا کرتے ہیں۔ تو خود وقت بھی مقصود بالذات ہُوا۔(ت)

ثالثًا: اگر آپ کی بات تسلیم کرلی جائے تو بھی یہ کہا جائے گا کہ وقت کا تحفظ فرض عین ہے اور جنازہ فرض کفایہ ہے اور نمازِ عید تو سرے سے فرض ہی نہیں (بلکہ واجب ہے) اور فرض اگرچہ مقصود بغیرہ ہو، اپنے نیچے والے سے خواہ وہ مقصود بالذات ہو زیادہ عظمت واہمیت رکھتا ہے۔ دیکھئے اگر وقت اس قدر تنگ ہے کہ صرف فرائض ادا کرسکتا ہے واجبات کی گنجائش نہیں تو واجبات کو ساقط کردینا اور فرض پر اکتفا کرنا لازم ہے تاکہ ادائیگی وقت کے اندر ہوجائے یہ معاملہ ہے تو جب فوتِ ادنٰی کے اندیشہ سے تیمّم جائز ہو تو اعلٰی کی وجہ سے کیوں جائز نہ ہوگا جب کہ فرض جنازہ تو دوسرے کے پڑھ لینے سے ساقط ہوجاتا ہے۔(ت)

رابعا: آپ نے تو سنتیں فوت ہونے کے اندیشہ سے بھی تیمّم جائز کہا ہے حالانکہ سنتیں اصل نہیں بلکہ یہ اصل کے متمم کی حیثیت سے مشروع ہوئی ہیں اور اگر یہی مان لیا جائے کہ سُنتیں خود مقصود اور اصل ہیں تو بھی کہاں وقت جیسے اہم فریضہ کا تحفظ اور کہاں سنّت کا تحفظ (دونوں میں بڑا فرق ہے)۔(ت)

خامسا: آپ کو یہ تسلیم ہے کہ اگر فوت ہونے والی چیز ایسی ہو کہ اس کا کوئی نائب وبدل نہیں تو اس کیلئے تیمّم جائز ہے۔ اب اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کا مطالبہ نماز کو اس کے وقت کے اندر ادا کرنے کا بھی اسی طرح ہے جیسے خود نماز پڑھنے کا ہے اور وقت کے اندر ادا کرنا ایسا امر ہے جس کا کوئی بدل نہیں اگرچہ نفس نماز کا بدل ہے۔ دلیل پنجم کا مقصود یہی تھا جس سے جواب کو کوئی مس نہیں۔(ت)

وسادسها: کما اقول اجمع ائمتنا رضی اللہ تعالٰی عنھم ان الجنب الخائف من البرد خارج المصر یتیمّم [1] کما فی الھدایۃ وعامۃ الکتب وقد تقدم عن الحلیۃ والبدائع والبحر والاسبیجابی والتمرتاشی ومعلوم (۱) ان الخوف ربما کان فی الصبح اذا اصبح جنبا فی لیلۃ باردۃ ویزول بعد ارتفاع الشمس ولم یأمروہ بالتاخیر بل اباحوا لہ التیمم فماھو الالحفظ الوقت۔

وسابعھا: کما **اقول:** اباحوہ (۲) لخوف عدو ولص وسبع وحیۃ ونار ومعلوم ان کثیرا من ھذہ لایلبث الاقلیلا فالنار تنطفی اوتمر فی ساعۃ اوساعتین ولم یقولوا یصبر وان خرج الوقت۔

فان اجبت کما خطر ببالی ان التیمّم لیس لحفظ الوقت وانما ھو لدفع الضرر والحرج حیث کان وفی البرد والنار وامثالھا ضرر وفی بعدہ میلا حرج فتحقق المناط لانہ اذا (۳) ادرك الوقت فاراد الصلاۃ لاینھی عنھا ولاینظر الا

دلیل ششم: جیسا کہ میں کہتا ہوں، ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ جنب جسے بیرونِ شہر سردی سے خطرہ ہے وہ تیمّم کرے جیسا کہ ہدایہ اور عامہ کتب میں ہے۔اور حلیہ، بدائع، بحر، تُمرتاشی کے حوالہ سے پہلے ذکر بھی ہوچکا یہ معلوم ہے کہ زیادہ تر صبح کو خوف ہوتا ہے جبکہ کسی سردی کی رات میں صبح کو جنابت کی حالت میں اُٹھے۔پھر سورج بلند ہونے کے بعد خوف نہیں رہ جاتا۔مگر ائمہ نے اسے یہ حکم نہ دیا کہ آفتاب بلند ہونے تک نماز مؤخر کرے بلکہ اس کیلئے تیمّم جائز قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ تحفّظِ وقت ہی کیلئے ہے۔(ت)

دلیل ہفتم: جیسا کہ میں کہتا ہوں، دشمن، چور، درندے، سانپ اور آگ کے خوف سے تیمّم جائز قرار دیا گیا ہے جبکہ معلوم ہے کہ ان میں سے زیادہ تر وہ چیزیں ہیں جو تھوڑی ہی دیر رہتی ہیں۔آگ بھی گھنٹے دو گھنٹے میں بُجھ جاتی ہے یا گزر جاتی ہے۔مگر یہ حکم نہ ہُوا کہ انتظار کرے اگرچہ وقت نکل جائے۔(ت) اگر اس کے جواب میں یہ کہا جائے جیسا کہ میرے دل میں خیال آیا کہ تیمّم تحفّظِ وقت کیلئے نہیں بلکہ ضرر وحرج دفع کرنے کیلئے ہے جہاں بھی ہو۔ٹھنڈک اور آگ جیسی چیزوں میں ضرر ہے اور ایک میل دُور ہونے میں حرج ہے تو جو امر مدار جواز ہے وہ پالیا گیا۔اس لئے کہ جب نماز کا وقت آگیا اور اس نے

[1] الہدایۃ باب التیمم المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۳۲

الی حالته الواھنة وھو فیھا متضرر اومتحرج بالوضوء اوالغسل فابیح له التیمّم۔

نماز پڑھنا چاہی تو اس سے اسے روکا نہ جائے گا اور اس کی موجودہ حالت ہی دیکھی جائے گی۔ اس حالت میں وضو یا غسل سے واقعۃً اس کیلئے ضرر یا حرج ہے تو تیمّم اس کیلئے جائز قرار دیا گیا۔ (ت)

اقول: ھل تختص الحرج والضرر بمایصیب بدنه وماله ام یعم مایستضر به فی دینه علی الاول لم ابحتم لخوف فوت جنازة وعید وعلی الثانی ان کان علیه ضرر فی دینه لفوت فرض کفایة مع انھا قد اقیمت وواجب بل وسنة لا الی بدل اذ لا براءة لعھدته عن ھذه المطالبة الشرعیة الا بالتیمم فضرر اعظم واشد منه فی فوت الفریضة عن وقتھا ولابراءة لعھدته عن ھذه المطالبة الشرعیة العظمی اعنی الاتیان بھا فی وقتھا الا بالتیمّم فیجب ان یباح۔ھذا ماعندی فاستنار بحمدالله تعالٰی ماجنح الیه المحقق واتباعه من قوة دلیل زفر بل دلیل ائمتنا جمیعا فی الروایة الاخری

اقول: (میں کہتا ہوں) کیا حرج یا ضرر اسی چیز سے خاص ہے جو اس کے بدن اور مال سے تعلق رکھتی ہو یا اسے بھی عام ہے جس سے اس کے دین میں نقصان وضرر ہو؟ پہلی تقدیر پر یہ کلام ہے کہ پھر آپ نے فوت جنازہ وعید کے اندیشہ سے تیمّم کیوں جائز کہا؟ اور دُوسری تقدیر پر یہ کہ اگر اس کے دین کا نقصان اِس میں ہے کہ ایک فرض کفایہ فوت ہورہا ہے جبکہ دوسرے لوگوں سے اس کی ادائیگی عمل میں آچکی اور اس میں کہ ایک واجب فوت ہورہا ہے بلکہ صرف ایک سنّت بھی جس کا کوئی بدل نہیں۔ (اس لئے آپ نے تیمّم کو جائز کہا) کیوں کہ بغیر تیمّم کے وہ اس شرعی مطالبہ سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا تو اس سے زیادہ عظیم اور اس سے زیادہ شدید نقصان تو اس میں ہے کہ ایک فرضِ عین اپنے وقت سے فوت ہورہا ہے اور بغیر تیمّم کے اِس عظیم تر شرعی مطالبہ وقت کے اندر ادائیگی سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ تو لازم ہے کہ اس کیلئے بھی تیمّم جائز ہو۔ (ت)

ھذا ماعندی (میرے علم وفکر کی رُو سے یہی ہے) اس تفصیل سے بحمداللہ تعالٰی وہ روشن ہوگیا جس کی طرف محقق علی الاطلاق اور ان کے متبعین کا رُجحان ہے کہ امام زفر کی دلیل بلکہ روایتِ دیگر کے لحاظ سے ہمارے سبھی ائمہ کی دلیل

وکیفما کان لاینزل من ان یؤخذ بہ تحفظا علی فریضۃ الوقت ثم یؤمر بالاعادۃ عملا بالروایۃ المشھورۃ فی المذھب لاجرم ان قال فی الغنیۃ بعد ایراد ماقدمنا عن شمس الائمۃ وحینئذ فالاحتیاط ان یصلی بالتیمم فی الوقت ثم یتوضؤ ویعید لئخرج عن العھدتین بیقین [1] اھ۔

وقد نقل کلامه ھذا فی الدر واقرہ ھو والسادۃ الاربعة محشوہ ح ط ش وابو السعود وقال الشامی ھذا قول متوسط بین القولین وفیه الخروج عن العھدۃ بیقین فلذا اقرہ الشارح فینبغی العمل بہ احتیاطا ولاسیما وکلام ابن الھمام یمیل الی ترجیح قول زفر بل قد علمت انه روایة عن مشائخنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم (ا) ونظیر ھذا مسألۃ الضیف الذی خاف ریبۃ فانھم قالوا یصلی ثم یعید [2] اھ۔

وانما اطنبنا الکلام ھھنا لما رأینا بعض العلماء تعجب منه حین افتیت به فی مجلس جمعنا وباللہ التوفیق والوصول الی ذری التحقیق

قوی ہے اور جیسا بھی ہو کم از کم اتنا ضرور ہے کہ فریضہ وقت کے تحفظ کیلئے اس قول کو لیا جائے پھر اعادہ کا حکم دیا جائے تاکہ مذہب کی روایتِ مشہورہ پر بھی عمل ہو جائے شمس الائمہ کے حوالہ سے جو ہم نے پہلے بیان کیا اسے ذکر کرنے کے بعد غنیہ میں لکھا ہے: "اس کے پیشِ نظر احتیاط یہی ہے کہ وقت کے اندر تیمّم سے نماز پڑھ لے، پھر وضو کرکے اعادہ کرے تاکہ دونوں ذمہ داریوں سے یقینی طور پر سبکدوش ہو جائے"۔

ان کا یہ کلام درمختار میں نقل کرکے برقرار رکھا اور دُرمختار کے چاروں محشی سید حلبی، سید طحطاوی، سید شامی اور سید ابو السعود نے بھی برقرار رکھا۔ اور علامہ شامی نے فرمایا: "یہ دونوں قولوں کے مابین ایک درمیانی قول ہے، اور اس میں یقینی طور پر ذمہ داری سے سبکدوشی ہے۔ اسی لئے شارح نے اسے برقرار رکھا۔ تو احتیاطًا اسی پر عمل ہونا چاہئے خصوصًا جبکہ امام ابن الہمام کا کلام امام زفر کے قول کی ترجیح کی جانب مائل نظر آتا ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہو چکا کہ یہ تو ہمارے تینوں مشائخ سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اس کی نظیر اس مہمان کا مسئلہ ہے جسے تہمت کا اندیشہ ہو۔ اس کے بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ نماز پڑھ لے پھر اعادہ کرے" اھ

اس مقام پر ہم نے تفصیلی بحث اس لئے

[1] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۳

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

والحمدللّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ جب ایک محفل میں اس پر میں نے فتوٰی دیا تو ایک عالم کو بڑا تعجب ہوا اور خدا ہی کی جانب سے توفیق، اور بلندی تحقیق تک رسائی ہوتی ہے اور ساری خُوبیاں اللہ تعالٰی کے لئے جو سارے جہانوں کا رب ہے اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ آمین۔(ت)

رسالہ ضمنیہ الظفر لقول زفر تمام ہوا۔

(۸۹) کنویں پر ہجوم ہے جگہ تنگ ہے یا ڈول ایک ہی ہے لوگ نوبت بنوبت پانی بھرتے وضو کرتے ہیں اور یہ دُور ہے کہ اس تک باری اُس وقت پہنچے گی جب نماز کا وقت جاتا رہے گا آخر وقت کے قریب تک انتظار کرے جب دیکھے کہ وقت نکل جائے گا تیمّم کرکے پڑھ لے پھر اعادہ کرے۔

(۹۰) کسی نے پانی بھرنے کیلئے ڈول یا رسّی دینے کا وعدہ کیا ہے انتظار کرکے تیمّم سے پڑھ لے۔ یہ دونوں مسئلے ابھی گزرے۔

اقول: اور اب اعادہ کی بھی حاجت نہیں کہ یہاں حکم تیمّم خود مذہب صاحبِ مذہب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ ہاں بہ لحاظِ مذہب صاحبین اعادہ اولٰی ہے درمختار میں تھا:

یجب طلب الدلو والرشاء وکذا الانتظار لوقال لہ حتی استقی وان خرج الوقت [1]۔	ڈول اور رسّی طلب کرنا ضروری ہے۔اسی طرح انتظار کرنا بھی واجب ہے اگر کسی نے اس سے کہا ہو کہ میں پانی بھرلوں تو تمہیں دُوں گا، اگرچہ انتظار میں وقت نکل جائے۔

اس پر ردالمحتار میں ہے:

ای یجب انتظارہ للدلو اذا قال ۔۔۔ الخ لکن ھذا قولھما وعندہ لایجب بل یستحب ان ینتظر الی اٰخر الوقت فان خاف فوت الوقت تیمّم وصلی وعلی (ا) ھذا لوکان مع رفیقہ ثوب وھو عریان فقال انتظر حتی اصلی وادفعہ	یعنی اسے ڈول کا انتظار کرنا واجب ہے جب اس سے مذکورہ وعدہ کیا ہو الخ لیکن یہ صاحبین کا قول ہے امام اعظم کے نزدیک واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے کہ آخر وقت تک انتظار کرلے اگر وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لے یہی اختلاف اُس صورت میں بھی ہے

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۴

الیك واجمعوا(۱) انه اذا قال ابحت لك مالی لتحج به انه لایجب علیه الحج واجمعوا انه فی الماء ینتظر وان خرج الوقت ومنشؤ الخلاف ان القدرة(۲) علی ماسوی الماء هل تثبت بالاباحة فعنده لا وعندهما نعم کذا فی الفیض والفتح والتاتارخانیة و غیرها (**قلت**) ای کالخانیة والخلاصة وغیرهما) وجزم فی المنیة بقول الامام وظاهر کلامهم ترجیحه (**اقول**:ولوسکتوا لکان له الترجیح لان کلام الامام امام الکلام کما حققناه فی اجلی الاعلام) وفی الحلیة والفرق للامام ان الاصل فی الماء الاباحة و الحظر ففیه عارض فیتعلق الوجوب بالقدرة الثابتة بالاباحة ولا کذلك ما سواه فلایثبت الابالملك کمافی الحج اھفتنبه[1] اھمافی الشامی۔

اقول: بل(۳) فی الماء فوق ذلك فانه اوجب فیه الانتظار وان خرج

جب یہ برہنہ ہے اور اس کے رفیق کے پاس ایک کپڑا ہے اس نے کہا انتظار کرو میں نماز ادا کر کے تمہیں یہ کپڑا دوں گا۔ اور اس پر ان ائمہ کا اجماع ہے کہ جب کسی نے یہ کہا کہ تمہارے حج کیلئے میں نے اپنا مال مباح کر دیا تو اس پر حج واجب نہیں اور اس پر بھی اجماع ہے کہ پانی دینے کا وعدہ کیا ہو تو انتظار کرے اگرچہ وقت نکل جائے اور اصل منشاء اختلاف یہ ہے کہ پانی کے ماسوا چیزوں پر اباحت سے قدرت ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟ امام اعظم کے نزدیک نہیں ہوتی اور صاحبین کے نزدیک ہو جاتی ہے۔ ایسا ہی فیض، فتح، تاتارخانیہ وغیرہا (میں کہتا ہوں: یعنی جیسے خانیہ، خلاصہ وغیرہما) میں ہے منیۃ المصلی میں امام اعظم کے قول پر جزم کیا ہے۔ اور ان کے ظاہر کلام سے اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے (**اقول**: اگر یہ حضرات ترجیح سے سکوت اختیار کرتے تو بھی اسی کو ترجیح حاصل ہوتی۔ اس لئے کہ کلامِ امام، امامِ کلام ہے جیسا کہ اجلی الاعلام میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے) اور حلیہ میں ہے: "امام اعظم کے مذہب کی بنیاد پر وجہ فرق یہ ہے کہ پانی میں اصل اباحت ہے اور ممانعت عارضی ہوتی ہے تو اس میں اِباحت سے ثابت ہونے والی قدرت سے ہی وجوب ہو جاتا ہے اور اس کے ماسوا کا یہ حال نہیں۔ تو اس میں بغیر ملک کے وجوب کا ثبوت نہ ہوگا جیسے حج میں اھ"۔ اس پر متنبہ رہنا چاہئے شامی میں جو ہے ختم ہوا۔ (ت)

اقول: بلکہ پانی میں اس سے بھی زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں محض وعدہ کی بناء پر

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۴

الوقت بمجرد الوعد غیر الاباحة واللہ تعالٰی اعلم۔	انتظار واجب کیا ہے اگرچہ وقت نکل جائے اور وعدہ اباحت نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۹۱) کسی نے پانی دینے کا وعدہ کیا ہے یہاں بھی جب وقت جاتا دیکھے تیمّم سے پڑھ لے پھر پانی مل جائے تو وضو سے دوبارہ پڑھے۔

لان فیه المشی علی قول زفر علی خلاف قول الائمة الثلثة رضی اللہ تعالٰی عنهم کما علمت اٰنفا۔	اس لئے کہ اس میں قول ائمہ ثلاثہ کے برخلاف امامِ زفر کے قول پر عمل ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔(ت)

اقول: ظاہراً اس (۱) صورت میں اگر وہ اس کے نماز پڑھتے میں پانی لے آیا تیمّم نہ جائے گا نماز پُوری کرے جبکہ جانے کہ وضو کرنے سے نماز وقت پر نہ ملے گی۔

لانه کان واجد الماء قبل هذا ظاهرا کما مر عن محمد رحمه اللہ تعالٰی وانما ساغ له التیمّم لضیق الوقت عن استعماله ولم یتبدل هذا السبب فلاینتقض التیمم بخلاف صورة افادها فی الدر اذقال لوتیمم (۲) لعدم الماء ثم مرض مرضا یبیح التیمم (ای وقد وجد الماء بعده کما بینه ش)لم یصل بذلك التیمّم لان اختلاف(۳) اسباب الرخصة یمنع الاحتساب بالرخصة الاولی وتصیر الاولی کان لم تکن جامع الفصولین فلیحفظ [1] اھ۔ وفیه کلام اورده ش وقد اجبنا	اس لئے کہ ظاہراً اس سے پہلے بھی پانی اسے دستیاب تھا جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے اس کا بیان گزرا اور اس کیلئے تیمّم صرف اس لئے جائز ہوا کہ وقت میں پانی استعمال کرنے کی گنجائش نہ تھی اور اس سبب میں اب بھی کوئی تبدیلی نہ آئی تو تیمّم نہ ٹوٹے گا ہاں اس کے برخلاف تیمّم ٹوٹنے کی ایک صورت ہے جس کا درمختار میں اس طرح افادہ کیا ہے: "اگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کیا۔ اس کے بعد اسے ایسی بیماری ہوگئی جس سے تیمّم جائز ہوجاتا ہے (پھر پانی مل گیا جیسا کہ شامی نے بیان کیا ہے) تو سابقہ تیمّم سے نماز نہ پڑھے۔ اس لئے کہ اسبابِ رخصت میں تبدیلی پہلی رخصت کو شمار کرنے سے مانع ہوتی ہے۔ اور پہلی رخصت کالعدم ہوجاتی ہے جامع الفصولین اسے ذہن نشین رکھنا چاہئے اھ"۔(ت) اس پر کچھ کلام ہے جو علّامہ شامی نے ذکر کیا ہے

[1] الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۲/۱

عنه فيما علقنا عليه لابأس بايراده تتيما للفائدة قال رحمه الله تعالٰی اقول لکن يشکل عليه مافی البدائع لو(ا)مر المتيمّم علی ماء لايستطيع النزول اليه لخوف عدو اوسبع لاينتقض تيممه کذا ذکره محمد بن مقاتل الرازی وقال هذا قياس قول اصحابنا لانه غير واجد للماء معنی فکان ملحقا بالعدم اھ۔ومثله فی المنية اذلايخفی ان خوف العدو سبب اٰخر غير الذی اباح له التيمم اولا فان الظاهر فی فرض المسألة انه تيمم اولا لفقد الماء اللهم الا ان يجاب بان السبب الاول هناباق وفيه بحث فليتأمل[1] اھ۔

وکتب وجه البحث فی منهيته انه اذا تيمم اولالبعده عن الماء فهو فاقد له حقيقة وخوف العدو فقد معنی فالحقيقی قدزال واعقبه المعنوی فلافرق بينه وبين المرض اذا وجد بعد الفقد الحقيقی[2] اھ۔وکتبت عليه مانصّه

پھر ہم نے حاشیہ شامی میں اس کا جواب بھی دیا ہے تکمیل فائدہ کیلئے یہاں اسے نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: "**اقول:** لیکن اس پر بدائع کے اس مسئلہ سے اعتراض ہوتا ہے: اگر تیمّم کرنے والا ایسے پانی کے پاس سے گزرا جہاں وہ کسی دشمن یا درندہ کے خوف کی وجہ سے اُتر نہیں سکتا تو اس کا تیمّم نہ ٹُوٹے گا۔ایسا ہی محمد بن مقاتل رازی نے ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے اصحاب کے مذہب پر قیاس کا تقاضا یہی ہے اس لئے کہ معنیً پانی اسے دستیاب نہیں تو یہ معلوم سے ملحق ہے۔اسی کے مثل منیہ میں بھی ہے۔وجہ اشکال یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ پہلے جس سبب سے اس کیلئے تیمّم روا ہوا تھا وہ اور ہے اور دشمن کا خوف ایک دوسرا سبب ہے۔اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ مفروضہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ پہلے اس کا تیمّم اس لئے تھا کہ اسے پانی نہ ملا ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پہلا سبب اب بھی باقی ہے مگر اس میں بحث ہے۔اس لئے تامّل کی ضرورت ہے اھ۔(ت)

وجہ بحث اپنے حاشیہ میں یہ بیان فرمائی کہ جب اس نے پہلے پانی سے دُور ہونے کی وجہ سے تیمّم کیا تو حقیقۃً پانی کا فقدان تھا اور دشمن کا خوف ہونے کی صورت میں معنیً پانی کا فقدان ہے۔تو حقیقی فقدان ختم ہوگیا اور اس کی جگہ معنوی فقدان آگیا۔تو اس صورت میں،اور فقدان حقیقی کے بعد پانی ملنے کے وقت مرض ہونے کی صورت میں کوئی فرق نہیں اھ۔(ت)

اس بحث پر میں نے درج ذیل جواب تحریر کیا:

[1] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۴

[2] منھیۃ علی الرد باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۴

اقول: رحمك الله تعالٰی ورحمنا بك الاعدام(۱) ثلثة عدم الشیئ فی نفسه وعدمه فی مکان وعدم فی حق المکلف والماء لایفقد بالمعنی الاول الا اذا انعدم من الدنیا ولایکون ذلك بل یوم القیمة وانما ینعدم(۲) عن مکان وفی حق المکلف و ذلك بان لایکون حیث هو مع لحوق الحرج فی الوصول الیه وهذا هو معنی عدمه الشرعی المذکور فی باب التیمم اما اذا کان بیده اولاحرج علیه فی الوصول الیه فهو غیر معدوم فی حقه قال فی الهدایة المیل هو المختار فی المقدار لانه یلحقه الحرج بدخول المصر والماء معدوم عہ حقیقة [1] اھقال فی العنایة تقریرہ ان المنصوص علیه کون الماء معدوما وههنا (ای فی مکان المکلف	**اقول:** اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اور آپ کے طفیل ہم پر بھی رحم فرمائے عدم کی تین قسمیں ہیں: (۱) کسی شیئ کا فی نفسہٖ معدوم ہونا (۲) کسی جگہ معدوم ہونا (۳) مکلّف کے حق میں معدوم ہونا پہلے معنی پر پانی کا فقدان اسی وقت ہوگا جب وہ دنیا سے معدوم ہوجائے اور یہ روزِ قیامت سے پہلے نہ ہوگا۔ پانی کسی جگہ میں اور مکلّف کے حق میں معدوم ہوتا ہے۔ یہ اس طرح کہ مکلّف جہاں پر ہے وہاں پانی نہ ہو ساتھ ہی پانی تک رسائی میں حرج لاحق ہوتا ہو پانی کا عدم شرعی جو باب تیمّم میں ذکر ہوتا ہے اس کا یہی معنی ہے۔ لیکن جب پانی اس کے ہاتھ میں ہو یا پانی تک پہنچنے میں اس کیلئے کوئی حرج اور دشواری نہ ہو تو پانی اس کے حق میں معدوم نہیں۔ ہدایہ میں ہے: مقدار کے بارے میں "میل" ہی مختار ہے۔ اس لئے کہ شہر میں داخل ہونے سے اس کو حرج ہوگا۔ اور پانی حقیقۃً معدوم ہے۔ (ت) عنایہ میں فرمایا: اس کی تقریر یہ ہے کہ نص میں یہ وارد ہے کہ پانی معدوم ہو اور اس وقت مکلّف جس جگہ ہے وہاں پانی حقیقۃً معدوم ہے۔ لیکن ہم
عہ فقد اشار بهذا الی العدم الثانی وبقوله یلحقه الحرج الی العدم الثالث وانما احتاج الی اثبات الثانی لان الثالث یتوقف علیه ۱۲ منه غفرله (م)	اس عبارت سے عدم ثانی کی طرف اشارہ کیا۔ اور "اسے حرج ہوگا" سے عدمِ ثالث کی طرف اشارہ کیا اور انہیں عدم ثانی ثابت کرنے کی ضرورت اس لئے ہوئی کہ عدم ثالث اس پر موقوف ہے ۱۲ منہ غفرلہ، (ت)

[1] الہدایۃ باب التیمم المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۳۱

الاٰن) معدوم حقیقۃ لکن نعلم بیقین ان عدمه مع القدرۃ علیه لیس بمجوز للتیمّم والا لجاز لمن سکن بشاطیئ البحر وعدم الماء من بیته فجعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج لان الطاعۃ بحسب الطاقۃ قال الله تعالٰی وَمَا جَعَلَ علیکم فی الدّین من حرج [1] اھ۔	یقینی طور پر یہ جانتے ہیں کہ پانی پر قدرت ہوتے ہوئے پانی کا معدوم ہونا تیمّم جائز نہیں کرتا۔ ورنہ سمندر کے ساحل پر بسنے والا شخص جس کے گھر میں پانی معدوم ہے اس کیلئے تیمّم جائز ہوتا۔ اس لئے ہم نے حرج لاحق ہونے کو دُوری ونزدیکی کے درمیان حد فاصل قرار دیا۔ کیونکہ طاعت بلحاظ طاقت ہی لازم ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے: "اور تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی اھ۔
ولاشك ان الماء اذا کان علیه عدو اولص اوسبع فالمعنی باق بعینه اذلیس الماء فی مکان المکلف فهو معدوم حیث هو حقیقۃ وفی وصوله الیه حرج فتحقق الامران اللذان علیهما یدور العدم الشرعی المذکورھنا ولا(۱) نظر فیه الی کونه بعیدا عن النظر اوبمرأی منه اوبعیدا بعدا معینا اواقرب منه وانما المناط لحوق الحرج فی الوصول الیه بل هو الفاصل ھهنا بین القرب والبعد کما سمعت اٰنفا فثبت العدم الشرعی ولم یتبدل السبب وان(۲)تبدل سبب السبب اعنی سبب الحرج فی الوصول الیه کما اذا کان عنده عدوہ یُخاف منه علی نفسه ولم یبرح حتی وردہ نص یُخاف منه علی ماله وذهب العدو	اس میں شک نہیں کہ جب پانی پر دشمن یا چور یا درندہ ہو تو فقدان کا معنی بعینہٖ باقی ہے اس لئے کہ مکلف کی جگہ پر تو پانی موجود نہیں اس لئے جہاں وہ ہے وہاں پانی حقیقۃً معدوم ہے اور پانی تک پہنچنے میں اس کیلئے حرج بھی ہے تو دونوں باتیں جن پر یہاں ذکر شدہ عدم شرعی کا مدار ہے وہ پالی گئیں اور اس معاملہ میں اس کا لحاظ نہیں ہے کہ پانی نگاہ سے دُور ہو، یا دیکھنے کی جگہ میں ہو یا معین دوری پر ہو یا اس سے قریب تر ہو۔ مدار صرف یہ ہے کہ پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہو۔ بلکہ یہی قرب وبُعد کے درمیان یہاں حدِ فاصل ہے جیسا کہ ابھی سن چکے تو عدم شرعی ثابت ہوگیا۔ اور سبب میں تبدیلی نہ آئی اگرچہ سبب کے سبب یعنی پانی تک رسائی میں حرج کے سبب میں تبدیلی آگئی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ پانی پر پہلے کوئی دشمن تھا جس سے اسے اپنی جان کا خطرہ تھا وہ اس جگہ سے ہٹا نہیں کہ کوئی چور آگیا جس سے اس کو اپنے مال کیلئے خطرہ ہے اور

[1] العنایۃ مع الفتح باب التیمم مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۸

فلایتوهم احد انه تبدل السبب بخلاف حدوث المرض مع وجود الماء عنده فان الماء لیس معدوما فیه شرعا بالمعنی المذکور بل اماموجود فی نفس مکانه کما اذا کان بیده اولاحرج علیه فی الوصول الیه کما اذا کان فی بیته انما الحرج فی استعماله فقد تبدل السبب۔	دشمن چلا گیا اس صورت میں کسی کو یہ وہم نہیں ہوسکتا کہ سبب بدل گیا۔بخلاف اُس صورت کے جس میں یہ ہے کہ پانی اس کے پاس موجود ہوتے ہوئے اسے مرض عارض ہوگیا یہاں پانی مذکورہ معنی میں شرعی طور پر معدوم نہیں بلکہ یا توخود اسی جگہ پانی موجود ہے مثلاً خود اس کے ہاتھ میں ہے، یا پانی تک پہنچنے میں اس کیلئے کوئی دشواری وحرج نہیں مثلاً پانی اس کے گھر میں موجود ہے۔حرج صرف اس کے استعمال میں ہے تو یہاں پر سبب بدل گیا۔(ت)
اما قول ابن مقاتل انه غیر واجد للماء معنی فکان ملحقا بالعدم **فاقول:** ارادبه العدم[عــه] الحسی دون الشرعی بالمعنی المذکور ولاشك ان الماء موجود ههنا بحضرته وان لم یکن فی قبضته وهو واجد له حسا غیر واجد له بمعنی القدرة علیه وعدم الحرج فی وصوله الیه	لیکن ابن مقاتل کا یہ قول کہ "**معنیً**" اسے پانی دستیاب نہیں تو وہ معدوم سے ملحق ہے **فاقول:** اس سے ان کی مراد عدم حسّی ہے۔عدم شرعی بمعنی مذکور مراد نہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہاں تو پانی اس کے پاس موجود ہے اگرچہ اس کے قبضہ میں نہیں تو حسّی طور پر پانی اسے دستیاب ہے اور دستیاب نہیں ہے اس معنی میں کہ اس پر اسے قدرت ہو اور اس تک رسائی میں

عــه **اقول:** ومن الدلیل علیه قول البدائع اما العدم من حیث المعنی لامن حیث الصورة فهو ان یعجز من استعمال الماء مع قرب الماء منه نحوما اذا کان بینه وبین الماء عدو اولصوص اوسبع اوحیة الخ[1] فجعله موجوداصورة والوجود الصوری هو الحسی۔(م)

اقول: اس کی ایک دلیل بدائع کی یہ عبارت ہے "لیکن عدم بلحاظ معنی، نہ بلحاظ صورت یہ ہے کہ پانی قریب ہوتے ہوئے اس کے استعمال سے عاجز ہو۔جیسے اس کے اور پانی کے درمیان دشمن ہو یا چور ہوں یا درندہ یا سانپ ہو" الخ۔اس عبارت سے مذکورہ حالت میں انہوں نے پانی کو صورۃً موجود قرار دیا اور وجود صوری اور وجود حسّی دونوں ایک ہی ہیں۔۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۷

فکان ملحقا بالعدم الحسی ومعدوما بالعدم الشرعی بالمعنی المذکور ھکذا ینبغی ان تفھم کلمات العلماء الکرام* والحمدلله ولی الانعام* وعلی نبینا واٰله الصلاۃ والسلام۔	کوئی حرج نہ ہو۔ اس لئے وہ عدم حسّی سے ملحق ہے اور معدوم بہ عدم شرعی بمعنی مذکور ہے اسی طرح علمائے کرام کے کلمات کو سمجھنا چاہئے۔ اور ساری تعریف خدا کیلئے جو صاحبِ فضل واحسان ہے۔ اور ہمارے نبی اور ان کی آل پر درود وسلام۔ (ت)

(۹۲) پانی کوٹھری میں رکھا ہے اندھیرا سخت ہے جاتے ہوئے خوف ہے اور دیا سلائی وغیرہ پاس نہیں اور اجالے کا انتظار کرتا ہے تو وقت جاتا ہے (اقول یوں کہ نماز نمازِ عشا ہے یا مثلاً وقت صبح اور اندھیرا ابر کثیف کا ہے) تو تیمّم کرکے پڑھ لے اور پھر اعادہ کرے وقد تقدم نقله عن الحلیة والبحر (اس کی نقل حلیہ اور بحر کے حوالہ سے گزر چکی۔ ت)

اقول: ولم اذکر ماقالوہ من کونه علی سطح لان المراد به ان لایکون حیث الماء وکذا قولھم لیلا بل عممت مثل وقت الصبح لان المناط الخوف فی الظلمة وزدت الاعادۃ لماعلمت مرارا۔	**اقول:** ان حضرات نے "چھت پر ہونے" کا ذکر کیا تھا۔ مگر میں نے اس قید کے ساتھ ذکر نہ کیا کیونکہ چھت پر ہونے کی تعبیر سے ان کی مراد یہ ہے کہ ایسی جگہ نہ ہو جہاں پانی موجود ہے اسی طرح انہوں نے "رات" کی قید کے ساتھ یہ مسئلہ بیان کیا تھا میں نے یہ لفظ ذکر نہ کیا بلکہ مثلاً وقتِ صبح کہہ کر اسے عام کردیا اس لئے کہ اصل مدار یہ ہے کہ تاریکی کے اندر اسے خوف محسوس ہورہا ہو (خواہ یہ تاریکی کسی بھی وقت ہو) اور اعادہ کا حکم میں نے زیادہ کیا جس کی وجہ بارہا بیان ہوچکی۔ (ت)

(۹۳) اقول: یوں ہی اگر اندھیری رات یا صبح کو بدلی ایسی کالی شدید محیط یا سیاہ آندھی چل چکی اور اُس کی تاریکی پھیلی ہے اگرچہ کوئی وقت ہو اور ان سب صورتوں میں ظلمت اتنی ہے کہ کنویں تک راہ نظر نہیں آتی اور یہ روشنی پر قادر نہیں اور انتظار میں وقت جاتا ہے تیمّم کرکے پڑھ لے اور اعادہ کرے۔ ایسی سیاہی کو علماء نے جماعت میں عذر گِنا ہے۔

کما فی التبیین والھندیة ویأتی عن الدر وھم انما قالوا ظلمة شدیدۃ[1] فقال ش	جیسا کہ تبیین الحقائق اور ہندیہ میں ہے۔ اور درمختار کے حوالہ سے آگے ذکر آئیگا۔ اور ان حضرات نے "سخت تاریکی"

[1] الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۲

الظاھر ان المراد کونه لایبصر طریقه الی المسجد فیکون کالاعمی [1] اھ۔

اقول: وھو ظاھر فان مجرد(۱) لحوق مشقة ما لوکان عذرا مسقطاً لسقت تکالیف الشریعة عن اٰخرھا قال فی الفتح لو(۲) قدر علی القیام لکن یُخاف بسببه ابطاء برء او کان یجد الماء شدیدا جاز له ترکه فان لحقه نوع مشقة لم یجز [2] اھ ومثله فی الکافی وغیرہ فی الخانیة من(۳) لایقدر علی الوضوء الابمشقة لایباح له التیمم [3] اھ قال ش والظاھر انه لایکلف الی ایقاد نحو سراج وان امکنه ذلك [4] اھ

اقول: وکأنه اخذہ من قولھم فی تطھیر الانجاس لایضر(۴) بقاء اثر کلون وریح لازم فلایکلف فی ازالته الی ماء حار اوصابون ونحوہ [5] اھ دُر۔ حار ای مسخن۔ ونحوہ کحرض واشنان [6] اھ ش۔

سے تعبیر کی۔ جس پر علّامہ شامی نے فرمایا: "ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد اس کا ایسی حالت میں ہونا ہے کہ مسجد تک پہنچنے کا راستہ اسے نظر نہ آتا ہو جس کی وجہ سے وہ نابینا کی طرح قرار پاتا ہو"۔ اھ (ت)

اقول: یہ بات واضح ہے اس لئے کہ مطلقاً ذرا سی بھی مشقّت کا لاحق ہونا اگر ساقط کرنے والا عذر ہوتا تو تمام تکالیف شرعیہ بالکل ہی ساقط ہو جائیں۔ فتح القدیر میں ہے: "اگر کھڑے ہونے پر قدرت رکھتا ہو لیکن اس کی وجہ سے دیر میں اچھے ہونے کا اندیشہ ہو یا سخت تکلیف محسوس کرتا ہو تو اس کیلئے قیام ترک کرنا جائز ہے۔ اور اگر تھوڑی سی مشقت لاحق ہوتی ہو تو ترک جائز نہیں"۔ اھ۔ اسی کے مثل کافی وغیرہ میں بھی ہے۔ اور خانیہ میں ہے: "جو شخص مشقت ہی سے سہی، وضو کر سکتا ہے اس کیلئے تیمّم جائز نہیں" اھ علّامہ شامی نے فرمایا: "ظاہر یہ ہے کہ وہ چراغ وغیرہ جلانے کا مکلّف نہیں اگرچہ یہ اس کیلئے ممکن ہو" اھ **اقول:** ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ مسئلہ نجاستوں کی تطہیر سے متعلق فقہاء کے اس قول سے اخذ کیا ہے: "اگر رنگ بُو جیسا کچھ اثر باقی رہ جائے جو زائل نہیں ہوتا تو یہ مضر نہیں لہٰذا وہ اسے دُور کرنے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۱

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ المریض نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۸

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۱

[5] الدرالمختار مع الشامی باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۱

[6] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۱

وھھنا مسألتان مسألة الجماعة ومسألة التیمم الذی نحن فیھا۔

اما الاولی فاقول: الظاھر(۱) فیھا عندی البناء علی التیسر فمن(۲) عندہ فانوس متقد ویقدر علی الخروج بہ الی المسجد اوکان متقدا والاٰن اطفأہ وفیہ دھن وعندہ کبریت فأی مشقة تلحقه فی ایقادہ والخروج بہ نعم من(۳) لیس عندہ اولہ واحد وفی البیت العیال* ان خرج بہ تعسرت علیھم الاعمال* اوھالت ظلمة اللیل الاطفال* اومرأةً وحدھا مالھا مونس فی الحال* فھذا لایؤمر بان یحصل الاٰن فانوسا بشراء اوسؤال* وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشرا(۴) المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیمة[1] اخرجہ ابوداؤد والترمذی بسند صحیح عن بریدة وابن ماجة

کیلئے گرم پانی یا صابون یا ایسی ہی کوئی اور چیز استعمال کرنے کا مکلّف نہیں"۔ اھ درمختار" گرم پانی یعنی جو (اس مقصد سے) گرم کیا گیا ہو صابون جیسی کوئی اور چیز جیسے حرض اور اشنان (صابن کی طرح صفائی لانے کیلئے استعمال ہونے والی گھاسیں ہیں) اھ۔ شامی۔ (ت)

یہاں دو۲ مسئلے ہیں: ایک مسئلہ جماعت، دُوسرا مسئلہ تیمّم جو زیر بحث ہے (دونوں کی قدرے توضیح وتفصیل کی جائے تو مسئلہ کا حکم واضح ہوسکتا ہے) (۱) مسئلہ جماعت۔ اقول اس میں میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ آسانی سے میسر آنے پر حکم کی بنا رکھی جائے جس کے پاس جلتا ہُوا چراغ یا لالٹین موجود ہے اور اسے لے کر مسجد جاسکتا ہے یا چراغ پہلے جل رہا تھا، اس وقت بُجھا دیا ہے مگر اس میں تیل موجود ہے اور اس کے پاس دیا سلائی بھی ہے تو اسے جلانے اور لے کر مسجد جانے میں کون سی مشقّت ہے؟ ہاں جس کے پاس چراغ نہیں یا ہے مگر ایک ہی ہے اور گھر میں بال بچّے ہیں کہ اگر لے کر چلا گیا تو ان کے کاموں میں دشواری ہوتی ہے یا رات کی تاریکی سے بچّے خوف ودہشت میں مبتلا ہوتے ہیں، یا اکیلی عورت ہے جو فی الحال کوئی مونس نہ ہونے کی وجہ سے تاریکی میں خوف زدہ ہوتی ہے تو ایسے شخص کو اس حالت میں کوئی چراغ خرید کر مانگ کر حاصل کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا۔ (ت)

جب کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ "تاریکیوں میں مسجدوں تک کثرت سے پیادہ جانے والوں کو روزِ قیامت بھرپور روشنی ملنے کی بشارت دے دو" یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی۔ اور ترمذی

[1] سنن ابی داؤد ماجاء فی فضل المشی الی الصلٰوۃ فی الظلم مطبوعہ مجتبائی دہلی لاہور ۱/۸۳

والحاکم عن انس وسھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

واتی(۱) النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل اعمی فقال یارسول اللہ لیس لی قائد یقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یرخص لہ فیصلی فی بیتہ فرخص لہ فلما ولی دعاہ فقال ھل تسمع النداء بالصلاۃ قال نعم قال فاجب رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]

اقول: حکم اولًا بالرخصۃ وھی الحکم العام ثم ارشدہ الی العزیمۃ ولابی داؤد والنسائی عن عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال یارسول اللہ ان المدینۃ کثیرۃ الھوام والسباع فھل تجدلی من رخصۃ قال ھل تسمع حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح قال نعم قال فحیھلا[2]۔**اقول:** لم یجبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالنفی بل بدأبسؤال لیرشدہ الی العزیمۃ فاذا(۲) کانت نفس الشارع

نے بسند صحیح حضرت بریدہ سے اور ابن ماجہ وحاکم نے حضرت انس اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی۔"اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا شخص حاضر ہوئے، عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! مجھے کوئی مسجد لے جانیوالا نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں گھر میں نماز ادا کرلینے کی رخصت مرحمت فرمادیں۔ حضور نے انہیں رخصت دے دی۔ جب وہ واپس چلے تو انہیں بلاکر فرمایا: کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں: فرمایا: "تو حاضری دو"۔ یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔(ت)

اقول: حضور نے پہلے انہیں رخصت کا حکم دیا جو حکم عام ہے۔ پھر انہیں عزیمت کی جانب ہدایت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابو داؤد اور نسائی کی روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مدینہ میں زہریلے جانور اور درندے بہت ہیں تو کیا میرے لئے کوئی رخصت ہے؟ فرمایا: تم حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح (آؤ نماز کی طرف، آؤ فلاح کی طرف) سنتے ہو؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: تب حاضری دو۔(ت)

اقول: حضور نے رخصت کے سوال پر نفی میں جواب دیا، بلکہ ازسرنو ایک سوال کردیا تاکہ عزیمت کی جانب انہیں ارشاد و رہنمائی فرماسکیں۔ جب

[1] صحیح مسلم فصل صلوٰۃ الجماعۃ وبیان التشدید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

[2] سنن ابی داؤد التشدید فی ترک الجماعۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۸۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متشوقۃ الی حضور الجماعۃ الی ھذہ الغایۃ فکیف یقال تسقط عنہ الجماعۃ بظلمۃ اللیل وان کان ایقادہ نحوفانوس وخروجہ بہ متیسرا بلاکلفۃ اصلا ومسألۃ النجاسۃ انما امرنا فیھا بالتطھیر بالماء وقدحصل ومایشق زوالہ عفو والعفو لایتکلف فی ازالتہ۔

واما الثانیۃ **فاقول**: یبنی الامر فیھا علی الامکان لما علمنا ان قلیل المشقۃ لایکون عذرا فیہ مالم تشتد و تبلغ حد الحرج والضرر ولذا لم یبیحوا للمحدث التیمم لاجل البرد [1] کما فی الخانیۃ والخلاصۃ والمصفی والفتح والنھر وغیرھا(۱) وقد اوجبوا فیہ علی الجنب دخول الحمام باجرۃ اوتسخین الماء ان قدر فی الھندیۃ یجوز التیمم اذا خاف الجنب اذااغتسل ان یقتلہ البرد اویمرضہ والخلاف فیما اذا لم یجد ما یدخل بہ الحمام فان وجدلم یجز اجماعا وفیما اذا لم یقدر علی تسخین الماء فان قدرلم یجز ھکذا فی السراج الوھاج [2] اھ فاتضح ماذکرتہ فی تصویر المسألۃ۔

حضرت شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے قلب پاک جماعت میں لوگوں کی حاضری کا اس حد تک مشتاق ہے تو یہ حکم کیسے دیا جاسکتا ہے کہ رات کی تاریکی میں جماعت ساقط ہے اگرچہ چراغ وغیرہ جلانا اور لے کر جانا بآسانی اور بغیر کسی زحمت کے میسر ہو۔ اور مسئلہ نجاست میں ہمیں صرف یہ حکم تھا کہ پانی سے پاک کردیں یہ کام ہوگیا اور جس اثر کا دُور ہونا دشوار ہو وہ معاف ہے اور جو معاف ہے اسے دُور کرنے کا مکلّف نہیں۔ (ت)

(۲) مسئلہ تیمّم۔اقول: اس میں بنائے حکم امکان پر ہے اس لئے کہ معلوم ہے اس میں معمولی مشقّت عذر نہیں جب تک شدید اور حرج وضرر کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ اسی لئے حدث والے کیلئے ٹھنڈک کی وجہ سے تیمّم مباح نہ ہوا جیسا کہ خانیہ، خلاصہ، مصفّی، فتح القدیر، النہرالفائق وغیرہا میں ہے۔ اور جنابت والے پر اجرت دے کر حمام میں نہانا یا اگر قدرت ہو تو پانی گرم کرنا واجب ہوا۔ ہندیہ میں ہے: "جنابت والے کو جب یہ خوف ہو کہ غسل کرے گا تو ٹھنڈک سے ہلاک ہوجائیگا یا بیمار پڑ جائے گا تو تیمّم جائز ہے۔ اور حمام میں جاکر نہلانے کی اجرت اس کے پاس نہ ہو تو اس صورت میں اختلاف ہے اور اگر اجرت اس کے پاس ہو تو بالاجماع اس کے لئے تیمّم جائز نہیں۔ اس صورت میں بھی اختلاف ہے جب

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز لہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲۸/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول من التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۲۸/۱

پانی گرم کرنے پر قادر نہ ہو۔ اگر قدرت ہو تو تیمّم جائز نہیں۔ ایسا ہی سراج وہاج میں ہے اھ۔ ابتداءً صورتِ مسئلہ بیان کرتے ہوئے ہم نے جو ذکر کیا ہے اس کی صحت مذکورہ بالا تفصیلات سے روشن ہو جاتی ہے۔ (ت)

(۹۴ تا ۹۶) اقول: بدستور اگر روشنی کا سامان بقیمت ملتا ہے اور اس کے پاس حاجت سے زائد قدر وقیمت موجود ہے یا بیچنے والا اُدھار پر راضی اور قیمت مثل پر زیادت فاحشہ نہیں خریدنا واجب ورنہ تیمّم کرے۔

(۹۷) اقول: مسئلہ نمبر ۹۲ سے دو[۲] فائدے اور حاصل ہُوئے ایک یہ کہ اگر مسافر جنگل میں اُترا اور اندھیری رات ہے اور کُنویں تک جانے میں خوف ہے تیمّم کرے کہ جب گھر میں تیمّم کی اجازت دی تو جنگل میں بدرجہ اولٰی۔

(۹۸ تا ۱۰۲) اقول دوم: یہ کہ نمبر ۸ تا ۱۲ میں کہ پانی پر درندے[۹۸] سانپ آگ یا رہزن[۹۹] یا دشمن[۱۰۰] یا فاسق[۱۰۱] یا[۱۰۲] قرضخواہ کا ہونا مذکور ہُوا اگر ان اشیاء کا فی الحال وہاں ہونا معلوم نہیں مگر صحیح اندیشہ ہے جب بھی اجازت تیمّم ہے کہ ظلمت شب میں کوٹھری میں جاتے ہوئے اُسی مظنہ سے خوف ہے نہ شے معلوم التحقق سے۔

(۱۰۳ تا ۱۱۱) دشمن وفاسق وقرضخواہ کی ہر صورت میں بدستور وہ تین تین صورتیں ہوں گی کہ اُجرت پر لادینے والا زیادہ مانگتا ہے یا اُدھار پر راضی نہیں یا یہ دے ہی نہیں سکتا تو تیمّم کرے۔

(۱۱۲ تا ۱۱۵) اقول: یونہی اگر رات کو جنگل میں ہے اور گود میں بچّہ اور اُسے پانی تک لے جانے میں بھیڑیئے کا اندیشہ اور کوئی ایسا نہیں کہ پانی لادے یا جس کے بچّہ کو چھوڑ جائے یا ہے اور زیادہ اجرت کا طالب یا یہ دے نہیں سکتا یا مال اور جگہ ہے اور وہ ادھار پر راضی نہیں ان صورتوں میں بھی تیمّم کرے مرد ہو خواہ عورت۔

(۱۱۶ و ۱۱۷) سخت تڑاقے[عہ] کی دھوپ پڑرہی ہے یا شدّت کی ٹھٹھر ہے پالا گر رہا ہے ان عذروں کے سبب پانی لینے کو جانا واقعی سخت دشوار اور ناقابلِ برداشت تکلیف کا باعث ہے اور انتظار میں وقت جاتا ہے تیمّم سے پڑھ کر وضو سے اعادہ کرلے کما سیأتی۔

(۱۱۸ تا ۱۱۲) اقول: یونہی اگر ہولناک آندھی چل رہی ہے خصوصًا رات میں یا معاذاللہ زلزلہ ہے یا عیاذًا باللہ بجلی تڑپ تڑپ کر گر رہی ہے یا کثرت سے اولے پڑرہے ہیں یا کیچڑ اندھن بشدت ہے کہ یہ سب[۱] جماعت تو جماعت خود فرض جمعہ میں عذر ہیں تو اسی طرح تیمّم کیلئے بھی اور حکم اعادہ بدستور۔ درمختار **باب الامامۃ** میں ہے:

لاتجب علی من حال بینہ وبینھا مطر و	اس شخص پر جماعت واجب نہیں جس کی حاضری جماعت

عــہ البرد یذکر فی النمرۃ بعدھا والحرفی ۱۲۳ عن عدۃ کتب ۱۲ منہ غفرلہ (م)	برودت کا ذکر اس کے بعد والے نمبر میں آئے گا اور حرارت کا ذکر نمبر ۱۲۳ میں متعدد کتابوں سے آئے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

طین و برد شدید وظلمۃ کذلك وریح لیلا لا نھارا [1]۔	میں سخت بارش، کیچڑ، ٹھنڈک اور تاریکی حائل ہو یا رات کے وقت آندھی حائل ہو دن کو نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وانما کان عذرا لیلا فقط لعظم مشقتہ فیہ دون النھار [2] اھ۔ **اقول:** وانت تعلم ان علی شدۃ الاذیۃ المدار فان ثبت نھارا ثبت الرخصۃ اولم تثبت لیلالم تثبت۔	یہ صرف رات کو عذر ہوا کیونکہ اس وقت اس کیلئے بڑی مشقّت ودشواری ہے دن میں یہ بات نہیں اھ (ت) **اقول:** معلوم ہے کہ مدار تکلیف واذیت کی شدت پر ہے اگر یہ دن میں متحقق ہو تو دن میں بھی رخصت ہوگی اور اگر رات میں متحقق نہ ہو تو رات کو بھی رخصت نہ ہوگی۔ (ت)

اسی کے باب الجمعہ میں ہے:

شرط لافتراضھا عدم مطر شدید و وحل وثلج ونحوھما [3]۔	فرضیت جمعہ کے لئے شرط ہے کہ سخت بارش، کیچڑ، برف اور ایسی ہی کوئی چیز حائل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای کبرد شدید کما قدمناہ فی باب الامامۃ [4] اھ۔ **اقول:** بل قدمہ ھو کما رأیت الاٰن وشمل قولہ نحوھما مازدت من زلزلۃ وصاعقۃ والعیاذ باللہ تعالی بل بالاولی کمالایخفی۔	یعنی جیسے سخت ٹھنڈک، جیسا کہ اسے ہم باب الامامۃ میں بیان کرچکے ہیں۔ (ت) **اقول:** نہیں بلکہ خود صاحبِ دُرمختار نے اسے پہلے بیان کیا ہے جیسا کہ ان کی عبارت ابھی نقل ہُوئی۔ اور ان کا قول نحوھما (ایسی ہی کوئی چیز) زلزلہ اور صاعقہ، والعیاذ باللہ تعالیٰ، جن کا میں نے اضافہ کیا انہیں بھی شامل ہے بلکہ یہ تو بدرجہ اولی شامل ہوں گے جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار باب الامامۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۱

[2] ردالمحتار، باب الامامۃ، مصطفی البابی مصر، ۱/۴۱۱

[3] الدرالمختار مع الشامی باب الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱ و ۶۰۳

[4] ردالمحتار باب الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۳

(۱۲۳) جس طرح شدّت کا مینہ جمعہ وجماعت میں عذر ہے کما تقدم عن الدر (جیسا کہ دُرِ مختار کے حوالہ سے گزرا۔ت) یوں ہی جمع العلوم ومبتغی ومجتبی وکفایہ وقنیہ وحلیہ وبحر وہندیہ وغیرہا میں اُسے تیمّم کیلئے عذر گنا۔

کما قدمته فی ففی الحلیة والبحر عن المبتغی بالغین المعجمة من کان فی کلة جاز تیممه لخوف البق اومطر اوحر شدیدا [1] الخ۔	جیسا کہ میں نے "الظفر لقول زفر" ۸۸ میں یہ نقل کیا ہے تو حلیہ اور بحر میں مبتغی بغین معجمہ کے حوالہ سے ہے جو کلِہ (مچھّر دانی کی طرح مچھّر وغیرہ سے بچانے والے چھوٹے سے خیمہ) میں ہو اس کیلئے پسّو یا بارش یا سخت گرمی کے اندیشہ سے تیمّم جائز ہے اگر وقت نکلنے کا خوف ہو۔(ت)
قلت و رأیته فی بعض الکتب بزیادة اوبرد وکانّ ترکهم من باب الاکتفاء کما قال فی جامع الرموز عند قوله لبعده میلا اومرض اوبرد تخصیص البرد من قبیل الاکتفاء فان الحر الشدید مبیح التیمم [2] اھ وعزاه للزاهدی۔	**قلت** اور یہ مسئلہ میں نے بعض کتب میں "اوبرد" (یا ٹھنڈک) کے اضافہ کے ساتھ دیکھا ہے گویا علماء کا اسے ذکر نہ کرنا چند کے ذکر پر اکتفاء کے طور پر ہے جیسا کہ جامع الرموز میں "لبعده میلا اومرض اوبرد" (ایک میل دُوری یا بیماری یا سردی کی وجہ سے) کے تحت لکھا ہے خاص سردی کا ذکر اکتفاء کے قبیل سے ہے اس لئے کہ سخت گرمی سے بھی تیمّم جائز ہو جاتا ہے اھ۔ اور اسے زاہدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے۔(ت)

اقول: مگر یہ بظاہر بہت عجب ہے کہ پانی کا وجود تیمّم کا موجب ہو شدّت کے مینہ میں وضو وغسل سب کچھ ہو سکتا ہے خود مینہ سے یا پرنالے سے یا کسی برتن میں پانی لے کر۔

واناقول: وباللّٰه التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اس کی ایک ظاہر صورت یہ ہے کہ وضو کرنا ہے اور سرپر دیر تک پانی گرنا مثلاً بوجہ ضعف دماغ مضر ہے اور چھتری یا چادر وغیرہ نہیں جس سے سر کو پانی سے بچاسکے نہ چھجّے کا کوئی پرنالہ چل رہا ہے کہ چھجّے کے نیچے کھڑا ہو کر اُس سے وضو کرے یا ہوا سے پانی کی دھاریں اسی طرف آرہی ہیں کہ چھجّا حاجب نہ ہو گا نہ خادم، غلام، لڑکا کوئی ایسا ہے کہ پانی لے کر اسے دے دے نہ کوئی برتن کہ اُسے کسی پرنالے کے نیچے رکھ دے یا پرنالہ ہی نہیں اور مینہ میں رکھے تو پانی قابلِ وضو اتنی دیر میں جمع ہو کہ وقت نکل جائے غرض وضو کی کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ مینہ میں کھڑا ہو کر اعضائے وضو دھوئے اور اتنی دیر تک پانی سرپر لے اور یہ اُسے مضر ہے تو یہاں مینہ کا وجود ہی وضو سے مانع ہوا ورنہ وضو مضر نہ تھا۔

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰

[2] جامع الرموز فصل فی التیمم المکتبۃ الاسلامیہ ایران ۱/۶۶

(۱۲۴) اقول: دوسری دقیق صورت یہ ہے کہ وضو کرنا یا نہانا ہے اور پانی اصلاً مضر نہیں مگر اور طریقے مسدود ہیں سوا اس کے کہ مینہ میں کھڑا ہو کر وضو یا غسل کرے اور کوئی خلوت کا مکان نہیں کہ کپڑے اتار کر طہارت کرے مثلاً سفر میں سر راہ ہے اور کپڑے باریک ہیں کہ پانی میں بھیگ کر بے ستری ہوگی اور باندھنے کو کوئی دبیز رنگین تہبند نہیں تہبند نہیں تو استظہار حلیہ وغنیہ مذکور نمبر ۵۴ پر مطلقاً تیمّم کا حکم ہوگا اور اگر وقت اتنا نہیں کہ ان بھیگے کپڑوں کو نچوڑ کر خشک کرکے پہننے تک باقی رہے تو دوسرے قول پر بھی صریح عذر موجود ہے کہ اب خود نماز میں بے ستری ہوگی لہٰذا تیمّم کرے پھر پانی سے طہارت کرکے اعادہ۔

(۱۲۵ تا ۱۳۰) اقول: ان دونوں صورتوں میں حسبِ دستور تین تین صورتیں اور نکلیں گی کہ پانی لے دینے والا اُجرت چاہتا ہے یا برتن یا تہبند کرایہ پر ملتا ہے اور یہ مفلس ہے یا وہ ادھار پر راضی نہیں یا اجرت مثل سے بہت زائد مانگتا ہے۔

(۱۳۱ تا ۱۳۵) پہاڑ سے لگاتار پانی جھر رہا ہے مگر خفیف نہ دھار بندھ کر اور ریت میں جذب ہوتا جاتا ہے اس[1] کے پاس کوئی ایسا کپڑا نہیں نہ مول ملتا ہے جسے گزرگاہِ آب پر پھیلا کر اُسے اعضاء پر نچوڑ کر یا کسی برتن میں جمع کرکے وضو کرے یا[2] خریدنے کو دام نہیں یا[3] دوسری جگہ ہیں اور وہ اُدھار نہیں دیتا یا[4] قیمت سے بہت زیادہ مانگتا ہے یا[5] کپڑا موجود ہے مگر اُسے یوں بھگونے نچوڑنے میں ایک درم یا زیادہ کا نقصان ہے پانچوں صورتوں میں تیمّم کرے۔

(۱۳۶) انہی عبارات میں گزرا کہ اگر مچھروں کے خوف سے مسہری کے اندر پردے چھوڑے ہوئے ہے اور وقت جاتا ہے تیمّم سے پڑھ لے یعنی پھر اعادہ کرے **اقول:** مچھّر[1] پسّو سے ایسی اذیت جس کے خوف کے باعث ترک وضو وغسل کی اجازت ہو بعید ہے ہاں ڈانس کی ایذا شدید ہے۔

(۱۳۷) اقول: یونہی اگر پانی کے پاس مہال چھڑی ہوئی ہے اور انتظار میں خوفِ فوت وقت ہے۔

وھو داخل فی معنی مانصوا علیه من خوف سبع وحیة وان لم یدخل فی لفظه وکذا صاحبه السابق۔	درندے اور سانپ کا خوف جس کی فقہاء نے تصریح کی ہے یہ اس کے معنٰی کے تحت داخل ہے اگرچہ اس کے لفظ میں داخل نہیں۔ اسی طرح اس سے پہلے والی صورت۔ (ت)

(۱۳۸ تا ۱۴۱) اقول: جو پانی تک نہ جاسکتا ہو مثلاً لُنجھا یا اپاہج یا پاؤں کٹا ہوا یا مفلوج یا مریض یا نقیہ یا نہایت بوڑھا کہ چل نہیں سکتے یا اندھا جسے اٹکل نہیں یا رات کو شبکور یا کمر وغیرہ کے درد کے باعث چلنے سے معذور اس[1] کے پاس اگر نوکر یا غلام یا بیٹا پوتا کوئی ایسا نہیں جس پر اس کی خدمت لازم ہو نہ ایسا کہ اس کے

کہنے سے لادے نہ اُجرت پر لانے والا یا[2] اجیر ہے مگر یہ اُجرت پر قادر نہیں یا[3] قادر ہے مگر مال دوسری جگہ اور وہ اُدھار پر راضی نہیں یا[4] اُجرت مثل سے بہت زیادہ مانگتا ہے تیمّم کرے اور اعادہ نہیں علماء[1] نے ان معذوروں کا ذکر جمعہ وجماعت میں فرمایا ہے۔

وقیدت الاعمی بمن لایھتدی تبعالما حقق العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی۔ **اقول:** وردت النقیہ وھو غیر المریض والاعشی ومن بہ وجہ خاصرۃ اوغیرھا لایستطیع معہ المشی بل ھو داخل فی عدھم المقعد علی احد تفسیریہ انہ الذی لاحراك بہ من داء فی جسدہ کان الداء اقعدہ وقیل المقعد المتشنج الاعضاء[1] ش عن المغرب۔	اندھے کیلئے میں نے یہ قید لگائی" جسے اٹکل نہیں" یعنی خود راہ نہیں طے کر پاتا۔ یہ قید علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی کی تحقیق کے اتباع میں ہے۔ (ت) **اقول:** میں نے ان سب کا اضافہ کیا: نقیہ[1] (نقاہت، انتہائی کمزوری والا) یہ مریض سے الگ ہے۔ شبکور[2] (رتوندی) یا[3] کمر وغیرہ کے درد کے باعث چلنے سے معذور بلکہ مُقعَد (اپاہج) کی ایک تفسیر کے پیشِ نظر علماء کے شمارِ مقعد میں یہ بھی داخل ہے وہ تفسیر یہ ہے کہ مُقعَد وہ ہے جس میں جسم کی کسی بیماری کی وجہ سے حرکت نہ ہو گویا بیماری نے اسے بٹھا دیا ہے۔ اور کہا گیا کہ اپاہج وہ ہے جس کے اعضاء میں تشنّج (کھچاؤ) پایا جاتا ہو۔ شامی بحوالہ مغرب (ت)

اور اگر پانی تک جا تو ہوسکتا ہے مگر ضعف یا مرض یا ہاتھوں میں درد وغیرہ کے باعث بھر نہیں سکتا تو یہ نمبر ۷۱ ہے۔

(۱۴۲) جنب کو جنب ہونا یاد نہ رہا مسجد میں چلا گیا اب یاد آیا یا معتکف مسجد میں سوتا تھا کہ اُسے جائز ہے یا غیر معتکف (۲) اگرچہ اُسے منع ہے اور نہانے کی حاجت ہُوئی یہ لوگ نہ مسجد میں چل سکتے ہیں نہ ٹھہر سکتے ہیں نہ مسجد میں غسل ہوسکتا ہے ناچار یہ صورت عجز ہُوئی فورًا تیمّم کریں اگرچہ مسجد کی زمین یا دیوار سے اور معًا باہر چلے جائیں اگر جاسکتے ہوں اور اگر باہر جانے میں بدن یا مال پر صحیح اندیشہ ہے تو تیمّم کے ساتھ بیٹھے رہیں بیٹھنے کی صورت میں تیمّم ضرور واجب ہے **وخلافہ غیر بین ولا مبین** (اس کے برخلاف جو کہا گیا وہ نہ خود واضح ہے نہ اس پر کوئی بیان ودلیل۔ ت) اور نکلنے کی صورت میں بہت اکابر اس تیمّم کو صرف مستحب جانتے ہیں اور فورًا بلا تیمّم نکل جانا بھی جائز جانتے ہیں اور احوط تیمّم ہے۔

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۰

اقول: ذہن[1] فقیر میں یہاں بعض مہم تفصیلیں ہیں:

اوّلاً: اس تیمّم کے کرنے میں جہاں تک حدِ امکان ہو تعجیل تام کا حکم ہے تو جو صورت جلد سے جلد تیمّم ہو جانے کی ہو اُس کا بجالانا واجب اور ادنٰی تاخیر ناجائز کہ بضرورت اُتنی ہی دیر اسے توقف کی اجازت ہوئی ہے جس میں تیمّم کرسکے ایک لحظہ بھی تیمّم کرنے میں تاخیر روا نہیں کہ اتنی دیر بلاضرورت بحالِ جنابت مسجد میں ٹھہرنا ہوگا اور یہ حرام ہے لہٰذا اگر اس کے ہاتھ کے پاس مثلاً کوئی مٹّی کا برتن رکھا ہے اور دیوار قدم بھر دُور ہے تو واجب کہ اُسی برتن سے فوراً تیمّم کرلے اور اگر دیوار قریب اور برتن دُور ہے یا ہے ہی نہیں تو اگر مسجد میں جہاں یہ بیٹھا ہے فرش نہیں تو زمینِ مسجد و دیوار میں نسبت دیکھی جائے گی اگر دیوار سے متصل ہے کہ صرف ہاتھ بڑھانا ہوگا تو اختیار ہے دیوار سے تیمّم کرے یا زمین سے اور اگر دیوار تک بھی سرکنا ہوگا تو خاص زمینِ مسجد سے تیمّم کرے دیوار تک نہ جائے اور اگر مسجد میں فرش ہے تو دیوار تک پہنچنا یا اُس فرش کا ہٹانا جو جلد ہوسکے وہ کرے۔

ثانیاً: یہ تیمّم مسجد سے نکل جانے کیلئے تھا کہ بحالِ[2] جنابت جس طرح مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے یوں ہی ہمارے نزدیک اُس میں چلنا بھی حرام ہے اب کہ تیمّم کرچکا فوراً نکل جائے اور اگر مسجد میں چند دروازے ہیں تو وہ دروازہ اختیار کرے جو قریب تر ہو[3] اس نکلنے میں خواہ مسجد سے باہر جاکر اس تیمّم سے کسی آیت کی تلاوت نہیں کرسکتا کہ یہ تیمّم باوصف قدرتِ آب محض خروج عن المسجد کیے لئے تھا ہاں اگر باہر جانے میں جان یا مال یا آبرو کا صحیح اندیشہ ہو تو اسی تیمّم سے مسجد میں ٹھہرا رہے مگر نماز (۴) وتلاوت نہیں کرسکتا اُن کیلئے دوبارہ اُن کی نیت سے تیمّم کرنا ہوگا۔

ثالثاً: نکلنے کیلئے تیمّم کا حکم وجوباً خواہ استحباباً اُس صورت میں ہونا چاہئے جبکہ عین کنارہ مسجد پر نہ ہو کہ پہلے ہی قدم میں خارج ہوجائے گا جیسے دروازے یا حُجرے یا زمین پیشِ حجرہ کے متصل سوتا تھا اور احتلام ہُوا یا جنابت (۵) یاد نہ رہی اور مسجد میں ایک ہی قدم رکھا تھا ان صورتوں میں فوراً ایک قدم رکھ کر باہر ہوجائے کہ اس خروج میں مرور فی المسجد نہ ہوگا اور جب تک تیمّم پُورا نہ ہو بحالِ جنابت مسجد میں ٹھہرنا رہے گا۔ **ھذا ماعندی واللہ تعالٰی اعلم۔**

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

کان الرجل فی المسجد فغلبه النوم واحتلم تکلموا فیه قال بعضهم لایباح له الخروج قبل التیمم وقال بعضهم یباح[1] اھ	آدمی مسجد میں تھا کہ اسے نیند آگئی اور احتلام ہوگیا اس کے بارے میں علماء نے کلام کیا ہے بعض نے کہا تیمّم سے پہلے اس کیلئے نکلنا جائز نہیں۔ اور بعض نے کہا

[1] فتاوٰی قاضیخان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

وفی الاختیار شرح المختار ثم الشلبیة نام فی المسجد فاجنب قیل لایباح له الخروج حتی یتیمّم وقیل یباح [1] اھ وفی تیمّم البحر عن المحیط عـــہ اصابته الجنابة فی المسجد قیل لایباح له الخروج من غیر تیمم اعتبارا بالدخول وقیل یباح لان فی الخروج تنزیه المسجد عن النجاسة وفی الدخول تلویثه بها [2] اھ۔واحال تمامه علی الحیض وقال ثمه وفی منیة المصلی ان احتلم فی المسجد تیمّم للخروج اذالم یخف وان خاف یجلس مع التیمم ولایصلی ولایقرأ اھ وصرح فی الذخیرة ان ھذا التیمم مستحب وظاھر ما قدمناہ فی التیمم عن المحیط انه واجب ثم الظاھر ان المراد بالخوف الخوف من لحوق ضرربه بدنا اومااً ن یکون لیلا [3] اھ کلامه وھو برمته

جائز ہے اھ۔
اختیار شرح مختار پھر شلبیہ میں ہے: "مسجد میں سوگیا پھر اسے جنابت لاحق ہوئی، کہا گیا جب تک تیمّم نہ کرے اس کیلئے نکلنا جائز نہیں۔ اور کہا گیا کہ جائز ہے" اھ۔ البحر الرائق کے باب تیمّم میں محیط کے حوالہ سے ہے: "کسی کو مسجد میں جنابت لاحق ہُوئی تو کہا گیا کہ بغیر تیمّم اس کیلئے نکلنا جائز نہیں جیسے جنبی کیلئے بغیر تیمّم مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ نکلنا بغیر تیمّم کے بھی جائز ہے اس لئے کہ نکلنے میں مسجد کو نجاست سے خالی اور منزہ کرنا ہوگا جب کہ داخل ہونے میں اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہوگا اس لئے حکم خروج کا دخول پر قیاس درست نہیں اھ (ت)
بحر نے حوالہ دیا کہ اس کا پُورا بیان باب الحیض میں ہے۔ وہاں یہ لکھا ہے منیۃ المصلی میں ہے: اگر مسجد میں احتلام ہُوا تو نکلنے کیلئے تیمّم کرے اگر کوئی خوف نہ ہو، اور خوف کی صورت ہو تو تیمّم کرکے بیٹھا رہے اس سے نہ نماز پڑھے نہ تلاوت کرے اھ اور ذخیرہ میں تصریح ہے کہ یہ تیمّم مستحب ہے اور محیط کے حوالہ سے باب التیمم میں ہم جو ذکر کرچکے ہیں اس کا ظاہر یہ ہے کہ واجب ہے۔ پھر ظاہر یہ ہے کہ خوف سے مراد بدن یا مال کو کوئی ضرر پہنچنے کا خوف ہے مثلارات کا

عـــہ یعنی الرضوی کمایظھر بمراجعة الحلیة منه غفرله (م)

یعنی محیط رضوی جیسا کہ حلیہ دیکھنے سے پتا چلتا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] حاشیۃ شلبیۃ مع التبیین باب الحیض بولاق مصر ۱/۵۶
[2] البحر الرائق باب التیمم عند قولہ ولوجنبًا اوحائضًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۷
[3] البحر الرائق باب الحیض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۶

ماخوذ عن الحلیۃ الا لفظ الظاھر فانہ اوردکلام المحیط وعزا مثلہ للخانیۃ ثم قال وھذا صریح فی ان الخلاف فی الاباحۃ[1] اھ۔

اقول: وھو(۱) کما تری لاشبھۃ فیہ فلاادری لم بدل الصریح بالظاھر وان تبعہ فیہ اخوہ المدقق فی النھر ثم ابو السعود علی مسکین ثم ط علی الدر ھذا۔وقال فی الحلیہ تحت قول المتن المذکور ھذا قول بعض المشائخ والتیمم عند ھذا القائل مستحب فی الفصلین کماصرح بہ فی الذخیرۃ اھ ثم ذکر مافی المحیط والخانیۃ وانہ صریح فی ان الخلاف فی الاباحۃ قال ثم الظاھر انھا (ای الاباحۃ) الاشبہ کما ھو غیر خاف عن المتأمل ان شاء اللہ تعالٰی فان قلت بل یتعین لما فی الصحیحین عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اقیمت الصلاۃ وعدلت الصفوف فخرج الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلما قام فی مصلاہ ذکر انہ

وقت ہو"اھ بحر کی عبارت ختم ہوئی۔ سوائے لفظ "ظاہر" کے یہ سارا کلام حلیہ سے ماخوذ ہے اس لئے کہ اس میں محیط کی عبارت نقل کی ہے اور یہ بھی حوالہ دیا ہے کہ اسی کے مثل خانیہ میں ہے پھر لکھا ہے کہ "یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اختلاف جواز میں ہے"اھ (ت)

اقول: اور واقعۃً اس میں کوئی شُبہ نہیں جیسا کہ عبارتوں سے عیاں ہے۔ پھر نہ معلوم کیوں صاحبِ بحر نے لفظ صریح کی جگہ لفظ ظاہر استعمال کیا اگرچہ اس میں ان کے برادر مدقق نے النہرالفائق میں پھر ابو السعود نے حاشیہ ملّا مسکین میں پھر طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں ان کی پیروی کی ہے۔ (ت)

حلیہ میں متن کی مذکورہ عبارت کے تحت ہے: "یہ مشائخ میں سے بعض کا قول ہے اور اس قائل کے نزدیک تیمّم دونوں ہی صورتوں میں مستحب ہے جیسا کہ ذخیرہ میں اس کی تصریح ہے"اھ پھر محیط اور خانیہ کی بات بیان کی ہے اور یہ کہ یہ اس بارے میں صریح ہے کہ اختلاف جواز میں ہے۔ لکھا ہے: "پھر ظاہر یہ ہے کہ وہ (یعنی اباحت) ہی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ غور کرنے والے پر مخفی نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اگر یہ کہو کہ جواز واباحت ہی متعین ہے، اس لئے کہ صحیحین میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں: "نماز کی اقامت ہوئی اور صفیں برابر کی گئیں پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب جائے نماز پر کھڑے

[1] حلیہ

جنب فقال لنا مکانکم ثم رجع فاغتسل ثم خرج الینا ورأسه یقطر فکبر فصلینا معه فان الظاھر انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یتیمّم لخروجه من المسجد والالحکاه ابوھریرة رضی الله تعالٰی عنه واذالم یتیمّم له کان الخروج منه بلاتیمم مباحا وھو المطلوب قلت انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان مباحاله دخول المسجد والمکث فیه جنبا [1] اھ ھذا تمام کلامه رحمه الله تعالٰی ملخصا۔

اقول: سبحٰن(۱) الله کیف یباح للجنب المکث فی المسجد بلاتیمّم وھو حرام اجماعا والخائف ان عجز عن الخروج والاغتسال فھو بسبیل من التیمم والتیمم طھارة صحیحة عند العجز عن الماء فاباحة اللبث فی المسجد جنبا مع القدرة علی الطھارة مما تنبو عنه القواعد الشرعیة وان جزم به فی التاترخانیة ایضا فعنھا فی الھندیة اذاخاف الجنب اوالحائض سبعا اولصا اوبردا فلاباس بالمقام فیه والاولٰی ان یتیمم تعظیما للمسجد[2] اھ بل وفی

ہوگئے تو حضور کو یاد آیا کہ وہ جنابت کی حالت میں ہیں، فرمایا: تم لوگ اپنی جگہ رہو۔ پھر واپس تشریف لے گئے، غسل فرمایا پھر تشریف لائے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا پھر تکبیر کہی اور ہم نے حضور کے ساتھ نماز ادا کی"۔ اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد سے نکلنے کیلئے تیمّم نہ فرمایا ورنہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے بیان کرتے۔ اور جب اس کام کیلئے تیمّم نہ فرمایا تو حضور کا بلا تیمّم نکلنا جائز ومباح ہوا اور ہم بھی یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔اس کا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے بحالتِ جنابت مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا مباح تھا" اھ۔ یہ سب محقق حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی کے کلام کی تلخیص ہے۔ (ت)

اقول: سبحان اللہ۔ صاحبِ جنابت کیلئے بلا تیمّم مسجد میں ٹھہرنا کیوں کر جائز ہوگا جبکہ یہ بالاجماع حرام ہے۔ خوف والا اگر نکلنے اور غسل کرنے سے عاجز ہو تو اس کیلئے تیمّم کی اجازت ہے۔ اور پانی سے عجز کے وقت تیمّم طہارت صحیحہ ہے تو طہارت پر قدرت کے باوجود مسجد میں بحالتِ جنابت ٹھہرنے کو جائز قرار دینا ایسی بات ہے جس سے شرعی اصول وقواعد ہم آہنگ نہیں اگرچہ اس پر تاتارخانیہ میں بھی جزم کیا ہے۔ اس کے حوالہ سے ہندیہ میں ہے: " جنبی یا حائض کو جب کسی درندہ یا چور یا ٹھنڈک کا خطرہ ہو تو مسجد کے اندر ٹھہرنے میں حرج نہیں، اور تعظیمِ مسجد کے

[1] حلیہ

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی احکام الحیض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸

الخانیة من موجبات الغسل ثم فی خزانة المفتین حیث قالا من احتلم فی المسجد ینبغی ان یخرج من ساعته فان کان فی اللیل وخاف الخروج یستحب له ان یتیمّم [1] اھ نعم الخروج مسرعا بلاتیمّم له وجه کما اشار الیه فی المحیط الرضوی ولهذا مشی غیر واحد علی وجوب التیمم فی المکث وندبه فی الخروج وان کان ظاهر مامر عن خزانة المفتین ندب ترکه فی الخروج ففی الدر من احکام الجنب لو احتلم فیه ان خرج مسرعا تیمم ندبا وان مکث لخوف فوجوبا [2] اھ قال ش افاد ذلك فی النهر توفیقا بین اطلاق مایفید الوجوب ومایفید الندب [3] اھ.

اقول: صریح (۱) نص الخانیة والمحیط والاختیار لایباح له الخروج فهذا لیس بتوفیق بل تلفیق وقال فی باب الحیض تحت قوله یمنع حل الدخول مسجد افاد منع الدخول ولو للمرور وقدم (۲) فی الغسل

پیشِ نظر تیمّم کرلینا بہتر اور اولیٰ ہے"اھ۔

بلکہ خانیہ میں موجبات الغسل کے تحت پھر خزانۃ المفتین میں بھی یہ لکھ دیا ہے کہ: "جسے مسجد میں احتلام ہو اسے فورًا باہر نکل جانا چاہئے۔ اگر رات کا وقت ہو اور نکلنے میں خطرہ ہو تو تیمّم کرلینا مستحب ہے"اھ۔ (ت)

ہاں بغیر تیمّم کے تیزی سے نکل جانا تو ایک وجہ رکھتا ہے جس کی طرف محیط رضوی میں اشارہ کیا ہے۔ اسی لئے متعدد حضرات اسی قول پر چلے ہیں کہ ٹھہرنے کی صورت میں تیمّم واجب ہے اور نکلنے کی صورت میں مستحب ہے۔ اگرچہ خزانۃ المفتین کی گزشتہ عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ نکلنے کی صورت میں ترک تیمّم مستحب ہے۔ درمختار میں احکامِ جنب کے تحت ہے: "مسجد میں احتلام ہوا اگر تیزی سے نکلنا ہو تو تیمّم مستحب ہے اور اگر کسی خوف کی وجہ سے ٹھہرتا ہے تو واجب ہے"۔ اھ شامی میں کہا کہ: "نہر فائق میں یہ افادہ فرمایا ہے تاکہ جن عبارتوں سے مطلقًا وجوب مستفاد ہوتا ہے اور جن سے مطلقًا استحباب مستفاد ہوتا ہے دونوں میں تطبیق ہوجائے (ت)

اقول: خانیہ، محیط اور اختیار کے صریح الفاظ یہ ہیں کہ اس کے لئے نکلنا مباح نہیں، تو یہ تطبیق نہ ہُوئی بلکہ تلفیق ہُوئی۔ اور علامہ شامی نے باب الحیض میں "**یمنع حلّ دخولِ مسجد**" (حیض دخولِ مسجد کے جواز سے مانع ہے) کے تحت تحریر فرمایا ہے:

تقییده بعدم الضرورة بان کان بابه الی المسجد ولایمکنه تحویله ولا السکنی فی غیره

"ان الفاظ سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر صرف گزرنے کے طور پر مسجد میں دخول ہو تو یہ بھی ممنوع ہے۔ اور غسل کے بیان میں گزرنے کی ممانعت صرف اس حالت سے مقید کی ہے جب مسجد

---

1 فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یوجب الغسل مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲

2 الدرالمختار مع الشامی موجبات الغسل مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۶

3 ردالمحتار موجبات الغسل مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۶

وذکرنا هناك ان الظاهر حینئذ انه یجب التیمّم للمرور اخذا مما فی العنایة عن المبسوط [1] (ای کمایأتی) وکذا لومکث فی المسجد خوفا من الخروج بخلاف مالو احتلم فیه وامکنه الخروج مسرعا فانه یندب له التیمم لظهور الفرق بین الدخول والخروج [2] اھ وقال السید ط علی مراقی الفلاح لواجنب فیه تیمّم و خرج من ساعته ان لم یقدر علی استعمال الماء وکذا لودخله وهو جنب ناسیا ثم ذکر و ان خرج مسرعا من غیر تیمّم ولبث فیه ولایجوز لبثه بدونه الا انه لایصلی ولایقرؤ کما فی السراج [3] اھ	سے گزرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ضرورت یہ ہے کہ مثلًا اس کا دروازہ مسجد میں ہے اور نہ دروازہ دوسری طرف پھیر سکتا ہے نہ کسی دوسرے گھر میں رہ سکتا ہے۔ وہاں پر ہم نے عنایہ میں مبسوط کے حوالہ سے ذکر شدہ عبارت (جو آگے آنے والی ہے) سے اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ ایسی صورت میں مسجد سے گزرنے کے لئے تیمّم واجب ہے۔ اسی طرح اگر نکلنے کے خوف سے مسجد ہی میں ٹھہرتا ہے تو بھی تیمّم واجب ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جبکہ مسجد میں اسے احتلام ہُوا اور تیزی سے نکل سکتا ہے کہ ایسے شخص کے لئے تیمّم مستحب ہے اس لئے کہ داخل ہونے اور نکلنے میں نمایاں فرق ہے"۔ اھ (ت) سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا ہے: "اگر اسے مسجد میں جنابت لاحق ہُوئی تو تیمّم کرے اور فورًا باہر نکل جائے اگر پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو ایسے ہی اگر جنابت کی حالت میں بھُول کر مسجد میں چلا گیا پھر یاد آیا تو یہی حکم ہے۔ اور اگر بغیر تیمّم کے تیزی سے نکل جائے تو جائز ہے۔ اور اگر نکلنے پر قادر نہ ہو تو تیمّم کرکے مسجد میں ٹھہرے اس کے بغیر ٹھہرنا جائز نہیں مگر اس تیمّم سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ تلاوت کرسکتا ہے جیسا کہ سراج میں ہے"۔ اھ (ت)

1 ردالمحتار باب الحیض مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۴

2 ردالمحتار باب الحیض مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۴

3 طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الحیض والنفاس الخ مطبعۃ ازہریہ مصر ص ۸۳

اقول: (۱) ومعنی القدرة علی استعمال الماء ان یکون ثمه ماء وموضع اعد للاغتسال اوعنده اناء یمکن ان یغتسل فیه بحیث لایقع شیئ من الغسالة فی المسجد اوتکون له ثیاب صفیقة تمسك الماء فیغتسل علیها ثم یرمی به خارج المسجد وھو واقعتی وللّٰہ الحمد کنت معتکفا فی مسجدی فی الشتاء واردت الوضوء وکان المطر شدیدا فتوضأت علی لحافی ولم تصب المسجد قطرة وللّٰہ الحمد وکان ھذا بحمداللّٰہ تعالٰی الھاما من ربی ثم بعد سنین رأیت الارشاد الیه فی البحر عن تجنیس الامام الاجل صاحب الھدایة قال رحمه اللّٰہ تعالٰی لو (۲) سبقه الحدث وقت الخطبة یوم الجمعة فان وجد الطریق انصرف وتوضأ وان لم یمکنه الخروج یجلس ولایتخطی رقاب الناس فان وجد ماء فی المسجد وضع ثوبه بین یدیه حتی یقع الماء علیه ویتوضؤ بحیث لاینجس المسجد ویستعمل الماء علی التقدیر ثم بعد خروجه من المسجد یغسل ثوبه قال البحر وھذا حسن جدا[1] اھ۔

اقول: پانی کے استعمال پر قدرت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہاں پانی اور غسل کیلئے بنی ہوئی کوئی جگہ ہو۔ یااس کے پاس کوئی ایسابرتن ہو جس میں اس طرح غسل کرسکتا ہو کہ مسجد میں اس کا غسالہ ذرا بھی گرنے نہ پائے۔ یااس کے پاس پانی روک لینے والے دبیز کپڑے ہوں تو ان پر غسل کرے پھر پانی مسجد سے باہر پھینک دے بحمداللہ اسی صورت پر ایک بار مجھے عمل کا اتفاق ہوا۔ موسم سرما میں اپنی مسجد میں معتکف تھااور سخت بارش ہورہی تھی میں نے وضو کرنا چاہاتو اپنے لحاف پر اس طرح وضو کیا کہ مسجد میں ایک قطرہ بھی نہ پڑ سکا۔ وللہ الحمد۔ اس وقت یہ طریقہ بحمد اللہ خدا کی جانب سے بطور الہام دل میں آیا پھر کئی سال بعد میں نے البحرالرائق میں دیکھاکہ امامِ اجل صاحبِ ہدایہ رحمہ اللہ تعالٰی کی "تجنیس" کے حوالہ سے اس کی ہدایت موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "اگر کسی کو جمعہ کے دن خطبہ کے وقت حدث لاحق ہوگیاتو اگر نکلنے کاراستہ ملے نکل جائے اور وضو کرے۔ اور اگر نکلنا ممکن نہ ہو تو اس وقت بیٹھا رہے لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر نہ جائے، پھر اگر مسجد کے اندر پانی مل جائے تو سامنے اپنا کپڑااس طرح رکھ لے کہ پانی اسی پر پڑے اور اس طرح وضو کرے کہ مسجد نجس نہ ہو اور پانی ایک خاص اندازے سے علی (التقدیر) استعمال کرے پھر مسجد سے نکلنے کے بعد اپناوہ کپڑادھولے"۔ صاحبِ بحر نے فرمایا: "یہ بڑی اچھی صورت ہے"۔اھ (ت)

[1] البحرالرائق فصل کرہ استقبال القبلة بالفرج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴

اقول: قوله لاینجس والامر بغسل الثوب بناء علی نجاسة الماء المستعمل وقول علی التقدیر ای التقلیل کیلا ینفذ الماء من الثوب فانکان الثوب کثیرا لقطن کواقعتی یسبغ الوضوء کمافعلت ولله الحمد۔

قال فی الدر (۱) ومن منهیاته التوضی فی المسجد الافی اناء اوفی موضع اعد لذلك [1] اھ قال ط فعله فیه مکروہ تحریما لوجوب صیانته عمایقذرہ وانکان طاھرا [2] اھ بل نقل فی البحر من الاعتکاف عن البدائع ان غسل المعتکف راسه فی المسجد لاباس به اذالم یلوثه بالماء المستعمل فانکان بحیث یتلوث المسجد یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب ولوتوضأ فی المسجد فی اناء فھو علی ھذا التفصیل [3] اھ

ثم قال اعنی البحر بخلاف (۲) غیر المعتکف فانه یکرہ له التوضوء فی المسجد ولوفی اناء الا ان یکون

اقول: صاحبِ ہدایہ کی عبارت میں مسجد کے نجس ہونے کی بات اور کپڑا دھونے کا حکم مائے مستعمل کی نجاست کی بنیاد پر ہے۔ اور ان کے قول "علی التقدیر" (ایک خاص اندازے سے) کا مطلب یہ ہے کہ پانی کم استعمال کرے تاکہ پانی کپڑے سے نفوذ کرکے مسجد میں نہ گرنے پائے۔ ہاں اگر کپڑا زیادہ رُوئی والا ہو جیسا کہ میرا واقعہ تھا تو وضو میں اسباغ کرے جیسے میں نے پورے طور سے وضو کیا۔ ولله الحمد۔ (ت)

دُرمختار میں ہے: "مسجد میں وضو کرنا بھی اس کے ممنوعات سے ہے مگر کسی برتن میں یا ایسی جگہ وضو کرسکتا ہے جو وضو کیلئے بنی ہُوئی ہو" اھ۔ طحطاوی فرماتے ہیں: "مسجد میں وضو کرنا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ مسجد کو ہر آلودہ کرنے والی اور خلافِ نظافت چیز سے بچانا ضروری ہے اگرچہ وہ کوئی پاک ہی چیز ہو"۔ اھ بلکہ بحر کے باب الاعتکاف میں بدائع سے نقل کیا ہے کہ: "اگر معتکف مسجد میں سر دھوئے تو حرج نہیں جبکہ مائے مستعمل سے مسجد آلودہ نہ ہونے دے، اگر مسجد آلودہ ہونے کی صورت ہو تو ممنوع ہے کیونکہ مسجد کو صاف ستھرا رکھنا واجب ہے اور اگر مسجد کے اندر کسی برتن میں وضو کرے تو اس میں بھی یہی تفصیل ہے"۔ اھ۔ پھر صاحبِ بحر

[1] الدرالمختار مع الطحطاوی مکروہات الوضوء مطبوعہ بیروت ۷۶/۱

[2] طحطاوی علی الدر مکروہات الوضوء مطبوعہ بیروت ۷۶/۱

[3] البحرالرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۰۳/۲

موضعاً اتخذ لذلك لایصلی فیه[1] اھ

اقول: والیه یشیر قوله فی مکروهات الصلاۃ یکرہ الوضوء والمضمضۃ فی المسجد الا ان یکون موضع فیه اتخذ للوضوء ولایصلی فیه[2] اھ فلم یستثن الا هذا۔ ومثله فی غمز العیون عن شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی لکن البحر قدم فی بحث الماء المستعمل عن الخانیۃ ان توضأ فی اناء فی المسجد جاز عندھم[3] اھ وعلیه مشی فی اشباھه فقال تکرہ المضمضۃ والوضوء فیه الا ان یکون ثمه موضع اعد لذلك لایصلی فیه اوفی اناء[4] اھ واعتمد السید الحموی مقالته فی الاعتکاف فقال ھذا الحکم وان کان فی الخانیۃ لکن لیس علی العموم کما یفھم من کلامه بل فی المعتکف فقط بشرط عدم تلویث المسجد قال فی البدائع[5] الی اٰخر ماقدمنا عن اعتکاف البحر ۔وقال العلامۃ الرملی فی حاشیته الظاھر ترجیح مافی فتاوٰی

نے لکھا ہے: "غیر معتکف کیلئے یہ اجازت نہیں اس لئے کہ اس کیلئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے، خواہ کسی برتن میں کرے لیکن اگر مسجد میں وضو کیلئے بھی بنی ہوئی کوئی ایسی جگہ ہے جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی (تو غیر معتکف بھی وہاں وضو کرسکتا ہے) اھ (ت)**اقول:** اسی کی طرف مکروہاتِ نماز کے بیان میں ان کی درج ذیل عبارت کا بھی اشارہ ہے: "مسجد میں وضو کرنا اور کُلی کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ اندرونِ مسجد کوئی ایسی جگہ ہو جو وضو کیلئے بنی ہو اور وہاں نماز نہ پڑھی جاتی ہے"۔ اھ اشارہ اس طرح ہے کہ صرف اسی صورت کاانہوں نے استثناء کیا۔اسی کے مثل غمزالعیون میں تُمرتاشی کی شرح جامع صغیر کے حوالہ سے لکھا ہوا ہے۔ لیکن صاحبِ بحر خانیہ کے حوالہ سے مائے مستعمل کی بحث میں یہ لکھ چکے ہیں کہ: "اگر مسجد کے اندر کسی برتن میں وضو کیا تو ان حضرات کے نزدیک جائز ہے"۔ اھ اسی قول پر وہ اپنی کتاب اشباہ میں بھی چلے ہیں۔اس میں لکھا ہے: "مسجد میں کُلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر یہ کہ وہاں کوئی ایسی جگہ ہو جو اسی کام کیلئے بنی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو یا کسی برتن میں وضو ہو" اھ۔ باب الاعتکاف میں ان کا جو قول ہے اسی پر سید حموی نے اعتماد کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں: "یہ حکم اگرچہ خانیہ میں ہے مگر عام نہیں

[1] البحرالرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۰۳
[2] البحرالرائق فصل لمافرغ من بیان الکراھۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴
[3] البحرالرائق آخر بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۶
[4] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۰
[5] غمز عیون البصائر القول فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۰

قاضیخان[1] اھ نقله فی المنحة۔

اقول: بل(۱) الاولی التوفیق فان کان الاناء بحیث یخشی ان لاتقع الغسالة کلها فیه بل یترشش بعض منها خارجه کسره ولعله الغالب فلذا اطلق المنع فی باب الاعتکاف وان امن ذلك لم یکره وهو مراد الخانیة والله تعالٰی هذا وقال ط فی المسألة الدائرة هو والسید ابو السعود الازهری ظاهر ما فی المحیط وجوب هذا التیمّم وفصل فی السراج بین ان یخرج سریعا فیجوز ترکه او یمکث فیه للخوف فلایجوز ترکه وعلیه یحمل مافی المحیط[2] اھ اھ دل قولهما اھ علی ان الجملة الاخیرة علیه یحمل مافی المحیط من کلام السراج الوھاج۔

اقول:(۲) وفیه نظر ظاهر فان

جیسا کہ ان کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔ بلکہ صرف معتکف کیلئے ہے وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد آلودہ نہ ہو۔ بدائع میں ہے (اس کے بعد وہ پوری عبارت درج کی ہے جو اعتکافِ بحر کے حوالہ سے ابھی ہم لکھ چکے) اور صاحب خیر یہ علامہ رملی نے اپنے حاشیہ میں لکھا ہے کہ: "ظاہر اسی کی ترجیح ہے جو فتاوٰی قاضی خان میں ہے اھ"۔ یہ عبارت علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں نقل کی ہے۔ (ت)

اقول: بلکہ (بجائے ترجیح کے) تطبیق بہتر ہے۔ اگر برتن ایسا ہو جس میں یہ اندیشہ ہو کہ سارا غسالہ اس کے اندر نہ پڑے گا بلکہ کچھ چھینٹے اس سے باہر بھی جائیں گے تو اندرونِ مسجد ایسے برتن میں وضو مکروہ ہے۔ شاید یہی صورت زیادہ تر پائی جاتی ہے اسی لئے باب الاعتکاف میں مطلقًا منع کیا ہے اور اگر چھینٹے باہر جانے کا اندیشہ نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ یہی خانیہ کی مراد ہے واللہ تعالٰی اعلم، یہ ذہن نشین رہے زیرِ بحث مسئلہ (مسجد سے نکلنے کیلئے تیمّم جنب) میں سید طحطاوی اور سید ابو السعود ازہری لکھتے ہیں کہ: "عبارت محیط کا ظاہر بتاتا ہے کہ یہ تیمّم واجب ہے اور سراج میں یہ تفصیل ہے کہ اگر تیزی سے نکل جائے تو ترک تیمّم جائز ہے اور کسی خوف کی وجہ سے ٹھہرا رہے تو ترک جائز نہیں اور اس پر وہ بھی محمول ہوگا جو محیط میں ہے اھ اھ "طحطاوی وازہری کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آخری جملہ (اسی پر وہ بھی محمول ہوگا جو محیط میں ہے) سراج وہاج کا قول ہے۔ (ت)

اقول: یہ کھلے طور پر محلِ نظر ہے اس لئے کہ

[1] منحۃ الخالق مع البحر بحث الماء المستعمل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۶/۱

[2] طحطاوی علی الدر باب الحیض مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۹/۱

صریح کلام المحیط فی الخروج دون اللبث ھذا وانا اقول وباللّٰہ التوفیق یؤید الفارقین بین الدخول والخروج مسألۃ فی الصوم فقد نصوا ان(ا) من جامع ناسیا اولیلا فطلع الفجر نزع مع الذکر والفجر لاشیئ علیہ وان امنی بعد النزع لانہ کالاحتلام ولومکث قضی[1] کمافی الدر وعامۃ الاسفار الغر فا لایلاج جماع والمکث جماع والنزع اقلاع لاجماع والا لوجب فساد الصوم۔ الاّ ان یقال ھو مستثنی بدلالۃ الکریمۃ اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ[2] واللیل الٰی طلوع الفجر فالحل ممتد الیہ ومن لازمہ وقوع النزع بعد الفجر فلم یعد جماعا وان کان فیہ الکون فی الفرج مالم یستتم خروجا لانہ لاسبیل لہ الی الاقلاع الا ھذا	عبارت محیط میں ٹھہرنے والی صورت کا ذکر نہیں بلکہ صرف صورتِ خروج کا صریح بیان اس میں ہے یہ ذہن نشین رہے۔ اور اب **میں کہتا ہوں (اقول)** اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ جنابت کے ساتھ مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی صورتوں میں جو حضرات فرق کرتے ہیں ان کی تائید روزہ کے ایک مسئلہ سے ہوتی ہے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ جس نے بھُول کر جماع کیا یا رات کو جماع کر رہا تھا کہ فجر طلوع ہو گئی اگر پہلی صورت میں یاد آتے ہی، اور دوسری صورت میں فجر نمودار ہوتے ہی ہٹ گیا تو اس کے ذمہ کچھ نہیں اگر ہٹنے کے بعد منی خارج ہو اس لئے کہ یہ احتلام کی طرح ہوگا اور اگر فوراً نہ ہٹا بلکہ ذرا دیر ہی ٹھہرا رہا تو روزہ کی قضا کرے جیسا کہ درمختار اور عامہ کتب میں مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ داخل کرنا جماع ہے اور ٹھہرنا بھی جماع ہے لیکن نکالنا اور ہٹنا جماع کرنا نہیں بلکہ جماع سے باز آنا ہے ورنہ روزہ ضرور فاسد ہو جاتا (اسی طرح جنب کا مسجد میں داخل ہونا اور ٹھہرنا تو ممنوع ہے اور بغیر تیمّم جائز نہیں مگر مسجد سے نکلنا یہ ممنوع نہیں بلا تیمّم بھی جائز ہے)۔ (ت) مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جماع سے رُکنے والی مذکورہ صورت آیت کریمہ اُحِلَّ لَکُمۡ لَیۡلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمۡ (تمہارے لئے روزے کی رات میں اپنی عورتوں سے قربت جائز کی گئی) سے مستثنٰی ہے۔ اس لئے کہ رات طلوعِ فجر تک ہے تو قربت کا جواز طلوعِ فجر تک دراز ہوگا جس کیلئے لازم ہے کہ رکنا اور نکالنا بعد فجر واقع ہو تو اس

بخلاف من فی المسجد فلہ سبیل الی التیمّم تأمل فانہ موضعہ۔	صورت میں جب تک کہ بعد فجر ہٹنا مکمل نہیں ہوتا شرمگاہ سے مشغولیت کا معنٰی متحقق رہتا ہے پھر بھی اسے جماع نہ شمار کیا گیا اس لئے

[1] الدرالمختار مع الشامی باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۸

[2] القرآن ۲/۱۸۷

اقول: لایبعد علی ھذا ان قیل ان الجنب ممنوع عن المسجد لبثاً واجتیازاً وھو فی الخروج بلا تیمّم مجتاز وفی اللبث للتیمم ماکث لانہ لایطھر مالم یتم التیمم فان کان مکثہ ھذا لتطھیر الجسد فان اجتیازہ ھذا لتنزیہ المسجد فھو بین بیلتین فلیختر اھونھما وبین نجاتین فلیرتد اعجلھما بان ینظر ایھما اسرع تیمّمہ اوخروجہ فیختارہ وان استویا خیر ولکن لیس لمثلی ان یکون لہ قیل فی حکم وانما علی اتباع مارجحوہ وصححوہ۔

فاذن **اقول:** قدم فی الخانیۃ والمحیط والاختیار القول بالوجوب وفقیہ النفس لایقدم الا الاظھر الاشھر کماصرح بنفسہ فی صدر فتاواہ

کہ اس کیلئے ایسی حالت میں ہٹنے اور باز آنے کی اور کوئی صورت نہیں لیکن جو جنب مسجد سے نکلنا چاہتا ہے اس کیلئے جنابت کے ساتھ ہی نکلنا ضروری نہیں بلکہ اس کیلئے ایک صورت یہ ہے کہ تیمّم کرکے نکلے تأمل فانہ موضعہ (یہاں تأمل اور غور کرنے کا موقع ہے)۔(ت)

اقول: اس اعتراض پر اگر یہ کہا جائے تو بعید نہ ہوگا کہ جنب کیلئے مسجد میں ٹھہرنا اور مسجد سے گزرنا دنوں ہی منع ہے اور اگر وہ بلا تیمّم نکلتا ہے تو گزرنے کی صورت پائی جاتی ہے اور تیمّم کرنے کیلئے رُکتا ہے تو ٹھہرنے کی صورت پائی جاتی ہے، اس لئے کہ جب تک اس کا تیمّم مکمل نہیں ہوتا وہ ناپاک اور جنب ہی ہے۔ اب دیکھیے اس کا یہ ٹھہرنا اگر بدن کی تطہیر کیلئے ہے تو اس گا گزرنا مسجد کی تنزیہ کیلئے ہے تو وہ دو۲ مصیبتوں میں گھرا ہے (ٹھہرنا اور گزرنا) جو آسان اور ہلکی ہو اسے اختیار کرے اور دو۲ نجاتیں اس کے سامنے ہیں (تطہیر بدن اور تنزیہ مسجد) جو جلد مل سکے اسی کو حاصل کرلے وہ نظر کرے کہ کون جلد ہوسکتا ہے تیمّم کرنا یا باہر نکلنا جو جلدی ہو اسے اختیار کرے اور اگر دونوں برابر ہوں تو کسی کو بھی اختیار کرسکتا ہے یہ وہ فیصلہ ہے جو میرے ذہن میں آیا مگر مجھ جیسے شخص کا یہ مقام نہیں کہ کسی حکم میں اس کا کوئی قول ہو۔ میرے ذمّہ تو اسی کا اتباع ہے جسے فقہائے کرام نے ترجیح دی اور جس کی تصحیح کی (ت) اس کے پیش نظر میں کہتا ہوں **(اقول)** خانیہ، محیط اور اختیار میں وجوبِ تیمّم کا قول مقدم رکھا ہے اور امام فقیہ النفس اسی کو مقدم کرتے ہیں جو اظہر واشہر ہو جیسا کہ فتاوٰی خانیہ کے شروع میں خود ہی

فیکون هو المعتمد کما قاله ط وش وکذلك قدمه الباقون التقدیم دلیل الترجیح ثم نحن بین حاظر ومبیح فالاخذ بالحاظر احوط ثم المبیح لاینهی عن التیمّم بل یستحبه والحاظر یوجبه ففعله متفق علیه وترکه مختلف فیه فالاخذ بالمتفق علیه اولی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس کی تصریح فرمائی ہے تو معتمد قول یہی ہوگا جیسا کہ طحطاوی وشامی نے فرمایا اسی طرح دیگر حضرات نے بھی اسے مقدم رکھا ہے اور تقدیم دلیل ترجیح ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہم حاظر ومبیح (ناجائز قرار دینے اور جائز قرار دینے والے) کے درمیان ہیں تو حاظر کو اختیار کرنے میں ہی زیادہ احتیاط ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ جو جائز کہتے ہیں وہ بھی تیمم سے منع نہیں کرتے بلکہ اسے مستحب کہتے ہیں اور جو ناجائز کہتے ہیں وہ تیمّم کو واجب قرار دیتے ہیں تو تیمّم کرنے کی صورت متفق علیہ ہے (کسی کو اس کے جواز سے اختلاف نہیں) اور ترک تیمّم کی صورت مختلف فیہ ہے (کیونکہ تیمّم کو واجب کہنے والوں کے نزدیک ترک تیمّم جائز نہیں) تو اُسی صورت کو اختیار کرنا بہتر اَولٰی ہے جو متفق علیہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۱۴۳) نہانے کی حاجت ہے پانی مسجد کے اندر ہے جیسے وسط مسجد میں حوض یا وہ کُنواں جس تک مسجد ہی میں ہو کر راہ ہے اور اس کے سوا پانی اور کہیں نہیں پاتا نہ کوئی مسجد میں سے لادینے والا ہے تیمّم کرکے جائے اور پانی لے آئے۔ محیط رضوی پھر البحرالرائق میں ہے:

جنب مر علی مسجد فیه ماء یتیمم للدخول ولایباح له الابالتیمّم [1]۔	کسی جنابت والے کو کسی ایسی مسجد سے گزرنا ہے جس میں پانی ہے تو دخولِ مسجد کے لئے وہ تیمّم کرے اور اسے بغیر تیمّم داخل ہونا جائز نہیں اھ (ت)

مبسوط پھر عنایہ پھر شامی میں ہے:

مسافر مر بمسجد فیه عین ماء وهو جنب ولایجد غیره یتیمم لدخول المسجد عندنا [2]۔	کوئی مسافر بحالتِ جنابت کسی ایسی مسجد کے پاس سے گزرا جس میں پانی کا چشمہ ہے اور دوسرا پانی اس کی دسترس میں نہیں تو ہمارے نزدیک دخول مسجد کیلئے اسے تیمّم کرنا ہے۔ (ت)

---
[1] البحرالرائق باب التیمم عند قولہ ولوجنبًا اوحائضًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۷
[2] ردالمحتار، باب الحیض، مصطفی البابی مصر، ۱/ ۲۱۴

منیہ میں ہے:

جنب وجد الماء فی المسجد ولیس معه احد تیمّم ودخل [1] قال فی الحلیة اذا کان لایجد ماء غیرہ یقدر علی استعماله شرعا [2] الخ۔ **اقول:** فقد جمع بین الشرطین وهما مراد ان قطعا وان اهملهما فی المحیط واقتصر فی المبسوط والمنیة علی واحد واحد۔	کوئی جنب ہے جس کے لئے مسجد ہی میں پانی دستیاب ہے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا نہیں تو وہ تیمّم کرکے مسجد میں جائے۔ حلیہ میں فرمایا: بشرطیکہ کوئی دوسرا ایسا پانی اس کی دسترس میں نہ ہو جس کے استعمال پر شرعًا اسے قدرت ہو الخ۔ (ت) **اقول:** حلیہ میں دونوں شرطیں جمع کردی ہیں اور دونوں ہی قطعًا مراد ہیں اگرچہ محیط میں دونوں ذکر نہ کیں۔ اور مبسوط ومنیہ میں صرف ایک ایک پر اکتفاء کیا۔ (ت)

(۱۴۴تا۱۴۶) اقول: بدستور یہاں بھی وہی صورتیں ہوں گی کہ اگر پانی لادینے والا اُجرت مثل مانگتا ہے اور یہ ابھی دے سکتا ہے یا وہ ادھار پر راضی ہے تیمّم جائز نہیں ورنہ جائز۔

ثم رأیت بحمدالله تعالٰی اشار الی بعضها فی الحلیة مع افادات ؏ زائدۃ فراجعها تحت قول المنیة المذکور۔	پھر میں نے دیکھا کہ بحمداللہ تعالٰی ان میں سے بعض کی طرف حلیہ میں مزید کچھ افادات کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے۔ منیہ کی مذکورہ عبارت کے تحت یہ سب حلیہ میں دیکھا جائے۔ (ت)

؏ قال رحمه الله تعالٰی هل یجب سوال ذلك لاحد اویستحب، فیه تأمل ویمکن ان یفرع علی مسئلة طلب الماء رفیقه اذا کان معه ماء	صاحب حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی رقم طراز ہیں: اس دوسرے شخص سے پانی مانگنا واجب ہے یا مستحب ہے۔ یہ مقامِ تامّل ہے۔ اِس کی تفریع اُس مسئلہ پر کی جاسکتی ہے جب رفیقِ سفر کے پاس پانی ہو۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] منیۃ المصلی باب التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور ص ۵۲

[2] حلیہ

تنبیہ یہاں بحر میں محیط رضوی سے ایک اور صورت لکھی کہ وہ دَہ در دَہ سے کم حوض ہے اور پانی ڈور اور کوئی برتن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فیقال تفریعا علی احد اقوال فیھا یجب ان غلب علی ظنہ اجابتہ ولو باجرۃ المثل والالا وعلٰی قول اٰخر لایجب عند ابی حنیفۃ ویجب عندھما وعلٰی قول اٰخر یجب مطلقًا بلا اختلاف وحیث یجب لایصح تیمّمہ للدخول الابعد المنع[1] اھ

اس مسئلہ سے متعلق اقوال میں سے ایک قول پر تفریع کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر ظنِ غالب ہو کہ طلب کرنے پر دے دے گا خواہ اُجرتِ مثل پر سہی، تو طلب کرنا واجب ہے ورنہ نہیں اور دوسرے قول پر یہ کہ امام اعظم کے نزدیک واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور ایک قول پر یہ مطلقًا بلا اختلاف واجب ہے اور جس صورت میں وجوب ہے دخولِ مسجد کیلئے تیمّم جائز نہیں مگر اس کے بعد ہے کہ وہ دوسرا اسے پانی نہ دے اھ۔

اقول: وقد عد فی مسألۃ الرفیق اربعۃ اقوال اولھا اول ماھنا وثانیھا ان کان فی موضع لایعز الماء یجب الطلب والایستحب والباقیان الباقیان وقد ترك ھھنا ثانیھا لرجوعہ الی الاول حیث لایختلف الامر ھھنا باختلاف الموضع وانما یدار علی غلبۃ الظن باجابتہ وعدمھا۔

اقول: رفیق سفر کے مسئلہ میں چار اقوال گنائے ہیں: اول وہ ہے جو یہاں پہلے ذکر کیا۔ دوم یہ کہ اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی ملنا دشوار ہے تو طلب واجب ہے ورنہ مستحب ہے۔ سوم وچہارم بقیہ وہ دونوں قول ہیں جو یہاں ذکر کیے اور یہاں قولِ دوم ترک کردیا اس لئے کہ وہ اوّل ہی کی طرف راجع ہے کیونکہ جگہ کے مختلف ہونے سے یہاں حکم مختلف نہ ہوگا بلکہ مدار اس پر ہے کہ دینے کا ظن غالب ہے یا نہیں؟

اقول: بل الاصوب(۱) اوالصوب ترکہ کذلك ثمہ فان المدار ثمہ ایضا ھو الظن وانما ذکر موضع

اقول: بلکہ صحیح تر، یا صحیح یہ ہے کہ وہاں بھی قولِ دوم ترک کردیا جائے اس لئے کہ وہاں بھی مدار ظن ہی پر ہے دستیابی دشوار ہونے نہ ہونے کے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حلیہ

پاس نہیں اگر اس میں نہاتا ہے پانی بھی خراب ہوتا ہے اور یہ بھی طاہر نہ ہوگا ناچار تیمّم کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العزۃ وعدمھا لکونہ مظنۃ المنع وعدمہ۔

ثمّ اقول : قدعلم من احاط بکلامنا فی الفروع مشینا علی القول الاول فی غیر مافرع وھو الصحیح المعتمد بل التحقیق عندی بتوفیق اللہ تعالٰی انہ ھو مرجع الاقوال طرا کما بینتہ فی رسالتی "قوانین العلماء فی متیمّم علم مع زید ماء" غیران ظن الاجابۃ ھھنا اکثر من ظن عطاء ماء الطھر ثمہ ویبعد کل البعدان یقف جنب علی حد المسجد ویخبر بحاجتہ مسلما ویقول لہ ناولنی الماء فیابی فاذن فی تأتی التفریع ھھنا علی الاقوال الثلثۃ نظر لظھور الفارق بل یجب المشی علی الثالث وھو الایجاب مطلقًا وفاقا لان المنع فی مثلہ نادر والنادر لایلاحظ فی الاحکام ھذا ماعلمنی الملک العلام والحمدللہ ولی الانعام ۱۲ منہ غفرلہ (م)

مقام کا ذکر اسی بنیاد پر ہے کہ اس سے نہ دینے اور دینے کا ظن قائم ہوتا ہے۔

ثمّ اقول: جس کی نظر جزئیات میں ہمارے کلام پر محیط ہوگی اسے معلوم ہوگا کہ متعدد جزئیات میں ہم قولِ اوّل پر چلے ہیں اور وہی صحیح ومعتمد ہے بلکہ توفیقِ الٰہی میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ سارے اقوال کا مآل اسی کی جانب ہے جیسا کہ میں نے اسے اپنے رسالہ "قوانین العلماء فی متیمم علم مع زید ماء" میں بیان کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ یہاں قبولِ سوال کا گمان وہاں آب طہارت دینے کے گمان سے زیادہ ہے۔ یہ بہت بعید بات ہے کہ کنارہ مسجد پر کوئی جنابت والا کھڑا ہو اور کسی مسلمان سے اپنی حاجت بتاتے ہوئے کہے کہ مجھے پانی دے دو پھر بھی وہ انکار کردے۔ اس لحاظ سے بقیہ تین اقوال پر تفریع جاری ہونے میں نظر ہے اس لئے کہ وجہ فرق موجود ہے بلکہ تیسرے قول پر چلنا لازم ہے اور وہ یہ ہے کہ بالاتفاق مطلقًا سوال واجب کیا جائے اس لئے کہ ایسے موقع پر منع نادر ہے اور احکام میں نادر کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یہ وہ ہے جو بادشاہ علّام کی جانب سے مجھے علم دیا گیا۔ اور ساری تعریف احسان فرمانے والے خدا ہی کیلئے ہے۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

هذا نصه وان كان فيه (اى فى المسجد اقول وليس قيدا كما لايخفى) عين صغيرة ولايستطيع الاغتراف منه لايغتسل فيها ويتيمّم لان الاغتسال فيه يفسده ولايخرج طاهرا فلايكون مقيدا[1] اھ	اس کی عبارت یہ ہے: اور اگر اس میں (یعنی مسجد میں اقول اور یہ قید نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں) کوئی چھوٹا حوض ہو اور اس سے پانی نکال نہیں سکتا تو اس میں غسل نہ کرے اور تیمّم کرے کیونکہ غسل کرنے سے پانی فاسد ہوجائے گا اور یہ بھی پاک ہو کر نہ نکلے گا تو نہانا بے سُود ہی ہوگا"۔ اھ (ت)

اقول: مگر یہ غیر صحیح پر مبنی ہے صحیح و معتمد یہ ہے کہ اس کا غسل اُتر جائے گا اور پانی مستعمل ہوجائے گا

لعدم الاستعمال قبل الانفصال وهى مسألة البئر جحط وقد قال فى البحر المذهب المختار فى هذه المسألة ان الرجل طاهر والماء طاهر غير طهور[2] اھ۔	اس لئے کہ پانی بدن سے جُدا ہونے سے پہلے مستعمل نہیں ہوتا۔ اور یہ "مسألة البئر جحط" سے متعلق ہے بحر میں لکھا ہے کہ "اس مسئلہ میں مذہب مختار یہ ہے کہ آدمی طاہر ہے اور پانی طاہر غیر مطہر"۔ اھ۔ (ت)

تو اگر وہ' پانی وقف ہے یا مالک کی اجازت نہیں اس میں نہانا ممنوع ہوگا کہ پانی کو خراب کردے گا یہ نمبر ۵۱ و ۵۳ میں داخل ہے اور اگر مالک کی اجازت یا پانی خود اس کی مِلک یا قدرتی مباح ہے تو نہانا لازم اور تیمّم روا نہیں۔

(۱۴۷) پانی ہے مگر مقید جس کا روشن بیان ہمارے رسالہ النور والنورق میں ہے تیمّم کرے اسی' کی فروع سے ہے وہ مسئلہ کہ علماء نے آبِ زمزم شریف بچانے کیلئے افادہ فرمایا اپنے تبرک یا کسی کو ہدیہ دینے کے لئے زمزم لیے جاتا ہے **اقول:** اتنا کہ طہارت کو خود یا دوسرے پانی سے مل کر کافی ہو وضو یا غسل کی ضرورت ہوئی بغیر اُس کے اور کافی پانی موجود نہیں فرض ہوگا کہ زمزم شریف ہی طہارت میں خرچ کرے اب اگر اُسے بچانا چاہے اُس میں گلاب کیوڑا بید مشک برابر کا ملادے[3] خلاصہ بزازیۃ غنیۃ توشیح بحر یا زعفران اتنا کہ اُسے رنگنے کے قابل کردے[4] خلاصۃ حلیۃ یا شکر کہ شربت ہوجائے[5] ردالمحتار۔

---

[1] البحرالرائق باب التیمم آخر قول ولوجنبًا اوحائضًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۷

[2] البحرالرائق باب التیمم مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۸

[3] البحرالرائق باب التیمم مسئلۃ البئر جحط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۴

[4] خلاصۃ الفتاوٰی الماء الموضوع فی الفلوات الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۳

[5] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۶

اقول: مگر شربت زیادہ دن نہ ٹھہرے گا اور صورت زعفران میں بھی پینا دشوار ہوگا لہٰذا گلاب ہی اولیٰ ہے اگر حاضر ہو غرض وہ صورت کردے کہ قابلِ غسل و وضو نہ رہے اب تیمّم کرے۔

(۱۴۸) اس کا دوسرا حیلہ یہ فرمایا ہے کہ زمزم کسی رفیق کو ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دے دے پھر اُس سے اپنے پاس بطور امانت لے لے یا اُسی کے پاس رہنے دے اور تیمّم کرے کہ پانی اپنی مِلک میں نہ رہا جب وطن پہنچے یا اُس کی راہ جُدا ہو اُس سے اپنے نام مثلاً ہبہ کرالے یا کچھ دے کر خرید لے۔ خلاصہ میں ہے:

رجل فی البادیۃ معہ ماء زمزم وقد رصص راس القمقمۃ لایجوزلہ التیمم والحلیۃ ان یھبھا لغیرہ ثمّ یودعھا منہ اویجعل فیہ ماء الورد او ماء الزعفران حتی یصیر مقیدا[1]۔	جنگل میں کوئی شخص ہے جس کے پاس آبِ زمزم ہے جس کے برتن کا مُنہ خوب بند کر رکھا ہے، اس کیلئے تیمّم جائز نہیں۔ اور حیلہ یہ ہے کہ دوسرے کو بطور ہبہ دے دے پھر اس سے بطور امانت لے لے، یا اس میں گلاب یا زعفران ملا دے کہ وہ (آب مطلق نہ رہ جائے بلکہ) آب مقید ہو جائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یبتلی الحاج بحمل ماء زمزم للھدیۃ (زاد فی المنیۃ اوللاستشفاء) ویرصص رأس القمقمۃ فمالم یخف العطش ونحوہ لایجوزلہ التیمّم قال المصنف والحیلۃ فیہ ان یھبہ من غیرہ ثم یستودعہ منہ[2] اھ زاد فی الحلیۃ اوترکہ مع الموھوب	حاجی کو جب اس میں ابتلا ہوتا ہے کہ آبِ زمزم ہدیہ کیلئے لیے ہُوئے ہے (منیہ میں زیادہ کیا: "یا شفاء حاصل کرنے کیلئے") اور برتن کو مُہر بند کردیا ہے تو جب تک پیاس وغیرہ کا خطرہ نہ ہو اُس کیلئے تیمّم جائز نہیں۔ مصنّف نے فرمایا: "اس میں حیلہ یہ ہے کہ دوسرے کو بطور ہبہ دے دے پھر اس سے بطور امانت اپنے پاس لے لے"۔ اھ۔ حلیہ میں یہ اضافہ کیا: "یا اُسی کے پاس رہنے دے جسے ہبہ کیا"۔ اھ۔ حلیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ: "اسے بہت سے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الماء الموضوع فی الفلوات الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[2] فتح القدیر فرع من باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۱۹

له اھ۔وقال فیھا انه مما تواردہ کثیر من المتأخرین من غیر قدح فی ھذہ الحیلة کصاحب الھدایة فی التجنیس وصاحب المبتغی بالغین المعجمة[1] اھ واعترضه فی الخانیة وعن المحیط فی المنیة وتبعھم البزازی فی الوجیز وقال الحلبی فی الغنیة ھو الفقه بعینه[2] وھذا لفظ الامام فقیه النفس قال رحمه الله تعالٰی ھذا لیس بصحیح عندی فانه لو رأی مع غیرہ ماء یبیعه بمثل الثمن اوبغبن یسیر یلزمه الشراء ولایجوز له ان یتیمّم فاذا تمکن من الرجوع فی الھبة کیف یجوز له التیمّم[3] اھ وعن ھذا جعل الحیلة الاخری فی الغنیة وتبعه فی الدر ان یھبه علی وجه ینقطع به الرجوع[4] اھ ای بأن تکون الھبة بشرط العوض[5] اھ ش۔

واعترضه العلامة ط قائلا عدم التقیید اولی (ای ترك تقیید الھبة بشرط الرجوع) لانه اذاکان یھبه علی ھذا الوجه لا تعود علیه فائدته

متأخرین نے اس حیلہ پر کوئی جرح کے بغیر ذکر کیا ہے جیسے صاحبِ ہدایہ نے تجنیس میں اور صاحب مبتغی بغین معجمہ نے بھی اسے بیان کیا ہے اھ

خانیہ میں اور منیہ میں محیط کے حوالہ سے اس پر اعتراض کیا ہے اور وجیز میں بزازی نے اِن حضرات کی پیروی کی ہے۔ حلبی نے غنیہ میں فرمایا ہے: "یہی فقاہت ہے،اور امام فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالٰی کے الفاظ یہ ہیں: "یہ میرے نزدیک درست نہیں اس لئے کہ اگر وہ کسی کے پاس پانی پائے جسے وہ ثمن مثل پر یا معمولی زیادتی کے ساتھ اسے فروخت کررہا ہے تو اس پر خریدنا لازم ہے اور تیمّم جائز نہیں تو جب وہ ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے تو تیمّم اس کیلئے کیونکر جائز ہوگا؟" اھ۔

اسی لئے غنیہ میں اور اس کی تبعیت کرتے ہُوئے درِ مختار میں دوسرا حیلہ یہ بتایا ہے کہ اس طرح ہبہ کرے کہ رجوع نہ کرسکے اھ۔ یعنی اس طرح کہ ہبہ بشرط عوض ہو اھ شامی۔

اس پر علامہ طحطاوی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ "ہبہ بشرط رجوع کی قید نہ لگانا" اولی ہے اس لئے کہ جب اسے اس طور پر ہبہ کردے گا تو اس کا فائدہ اسے حاصل نہ ہوسکے گا۔ تو بہتر یہ ہے کہ خود ہی

---

1 حلیہ

2 غنیۃ المستملی باب التیمم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

3 فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز لہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

4 غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

5 ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

فالاولی ان ینتفع به لنفسه [1] اھ ای اذا وھب بحیث سقط تمکن الرجوع خرج من یدہ واختیارہ ففیم الحیلة لانها انما کانت لینتفع به اهداء واستشفاء واجاب ش بان المراد یهبه ممن یثق به بانه یردہ علیه بعد ذلك [2] اھ۔	اس سے فائدہ اٹھائے"اھ یعنی جب اس طرح ہبہ کردیا کہ رجوع نہیں کرسکتا تو وہ اس کے قبضہ واختیار سے نکل گیا پھر حیلہ کس بات کا؟ حیلہ تو اسی لئے تھا کہ اسے ہدیہ کرنے یا اس سے شفاء حاصل کرنے کا فائدہ اٹھاسکے۔علّامہ شامی نے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا:"مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو ہبہ کرے جس پر اعتماد ہو کہ وہ بعد میں اسے واپس کردے گا"اھ۔(ت)
اقول:(۱) ربما لایجد فی السفر من یثق به ولذا قالوا یهبه من غیرہ ولم یقیدوہ بموثوق به ولوکان(۲) المراد هذا لکان یکفی ان یبیعه ثم اذا وصلا اوتفرق طریقهما یشتری منه وقد کان البیع اشهر منها یعرفه کل احد بخلاف الهبة بشرط العوض التی هی برزخ بینهما هبة ابتداء وبیع انتهاء ولم یذکر البیع احد اما اشکال الخانیة فقد اجاب عنه المحقق علی الاطلاق فی الفتح بان الرجوع تملك بسبب مکروہ وهو مطلوب العدم شرعا فیجوز ان یعتبر الماء معدوما فی حقه لذلك وان قدر علیه حقیقة کماء الحب بخلاف البیع [3] اھ	**اقول:** سفر میں ایسا بہت ہوتا ہے کہ قابلِ اعتماد آدمی نہیں ملتا۔اسی لئے فقہاء نے دوسرے کو ہبہ کرنے کی بات تو کہی ہے مگر اس کے قابلِ اعتماد ہونے کی قید نہیں لگائی۔اگر یہ مراد ہوتی تو یہی کافی تھا کہ اسے فروخت کردے پھر جب دونوں وطن پہنچ جائیں یا جب دونوں کا راستہ الگ الگ ہو تو یہ اس سے خریدلے۔اور بیع تو زیادہ مشہور چیز ہے جسے ہر شخص جانتا ہے۔بخلاف ہبہ بشرط عوض کے جو بیع وہبہ کے درمیان برزخ ہے کہ ابتداءً ہبہ ہے اور انتہاءً بیع ہے اور بیع کو کسی نے ذکر نہ کیا۔رہا خانیہ کا اعتراض تو فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ"رجوع کرنا ایک مکروہ سبب کے ساتھ مالک بننا ہے اور اس فعل کا عدم شرعًا مطلوب ہے تو اس کے باعث پانی اس کے حق میں معدوم قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ حقیقۃً اس پر قادر ہو جیسے سبیل کا پانی،بخلاف بیع کے"اھ۔(ت)

[1] طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۳۴

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

[3] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۹

اقول: ای اذا وجد فی الفلاۃ ماء موضوعا للشرب لایجوزلہ التوضی منه بل یتیمّم مع قدرته علی الماء حسا ولغة حقیقة لعجزہ عنه شرعا کذا ھذا بخلاف الشراء فانه قادر علیه شرعا ایضا وبالجملة فالمنع الشرعی ایضا من اسباب العجز عن استعمال الماء کسائر وجوہ العجز وھو حاصل ھھنا فساغ التیمّم ھذا تقریرہ وقد اقرہ فی البحر واستحسنه فی الحلیة وتعقبه المقدسی قائلا یمکن ان یقال انما یکون الرجوع محذورا اذا کان عقد الھبة حقیقیا اما اذا کان علی وجه الحیلة فلا اذ الموھوب له لایتأذی من الرجوع ھنا اصلا تأمل [1] اھ واختلف نظر العلامة ش فاید فی المنحة تعقب المقدسی بقوله علا انه سیأتی عن الوافی انه اذا کان مع رفیقه ماء فظن انه ان سأله اعطاہ لم یجز التیمّم وان کان عندہ انه لایعطیه یتیمم وان شك فی الاعطاء ویتیمّم وصلی فسأله فاعطاہ یعید وھنا ان لم یرجع بھبته یجب علیه ان یسأله لوجود الظن باعطائه

اقول: یعنی جب جنگل میں پینے کیلئے رکھا ہُوا پانی پائے تو پانی پر حسًّا اور لغت میں حقیقۃً قدرت ہونے کے باوجود اس کیلئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں بلالکہ تیمّم کرے گا اس کیلئے شرعًا وہ پانی سے عاجز ہے ایسے ہی ہبہ سے رجوع والا معاملہ ہے اور خریدنے کی صورت اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس پر وہ شرعا بھی قادر ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ پانی سے عجز کی دوسری صورتوں کی طرح ممانعت شرعیہ بھی پانی کے استعمال سے عجز کا ایک سبب ہے اور وہ یہاں پر موجود ہے تو تیمّم جائز ہوا یہ کلام محقق کی تقریر ہے اسے بحر میں برقرار رکھا اور حلیہ میں پسند کیا۔ اور مقدسی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ "کہا جاسکتا ہے کہ رجوع اس وقت ممنوع ہوتا ہے جب ہبہ کا معاملہ حقیقی طور پر منعقد ہو لیکن اگر حیلہ کے طور پر ہو تو ممنوع نہیں اس لئے کہ جسے ہبہ کیا گیا اسے رجوع سے یہاں کوئی اذیت نہ ہوگی، تامل اھ۔

یہاں علّامہ شامی کا کلام دو طرح کا ہے۔ منحۃ الخالق میں مقدسی کے اعتراض کی اس طرح تائید کی ہے: "علاوہ اس کے کہ عنقریب وافی کے حوالہ سے یہ مسئلہ آرہا ہے کہ جب رفیقِ سفر کے پاس پانی ہو اور یہ گمان ہو کہ مانگنے پر دے دے گا تو تیمّم جائز نہیں اور اگر اس کا یہ عندیہ ہو کہ نہیں دے گا تو

[1] منحۃ الخالق مع البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۴

اللھم الا ان یتعاھدا علی انہ ان سألہ بعد الھبۃ لایعطیہ تتمیما للحلیۃ تأمل[1] اھ واید فی ردالمحتار استحسان الحلیۃ بقولہ علا ان الرجوع فی الھبۃ یتوقف علی الرضا اوالقضاء لکن قد یقال انہ ماوھبہ الا لیستردہ والموھوب منہ لایمنعہ اذاطلبہ الواھب وذلك یمنع التیمم والجواب انہ یستردہ بھبۃ اوشراء لابالرجوع فلایلزم المکروہ والموھوب منہ اذاعلم بالحیلۃ یمتنع من دفعہ للوضوء تأمل[2] اھ

تیمّم کرلے۔ اور اگر دینے سے متعلق اسے شک تھا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اس سے طلب کیا اور اس نے دے دیا تو اعادہ کرے۔ اور یہاں اگرچہ اپنے ہبہ سے رجوع نہ کرے لیکن اس پر یہ واجب ہے کہ پانی اس سے مانگے کیونکہ دینے کا ظن موجود ہے، ہاں مگر یہ صورت کہ دونوں باہم عہد کرلیں کہ اگر ہبہ کے بعد اس سے طلب کرے تو نہ دے تاکہ حیلہ مکمل ہوجائے، تامل کرو"۔ اھ اور ردالمحتار میں حلیہ کے استحسان کی ان الفاظ میں تائید فرمائی ہے: "علاوہ ازیں ہبہ سے رجوع موہوب لہ کی رضامندی یا حاکم کے فیصلہ پر موقوف ہے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس نے ہبہ اسی لئے کیا ہے پھر واپس لے گا اور جسے ہبہ کیا ہے وہ واہب کے مطالبہ کے وقت پانی دینے سے انکار نہ کریگا۔ اور یہ امر تیمّم سے مانع ہے اس کا جواب یہ ہے کہ دینے والا ہبہ کے ذریعے یا خرید کر واپس لے گا ہبہ سے رجوع کرکے واپس نہ لے گا۔ تو امر مکروہ لازم نہ آئے گا۔ اور جسے دیا گیا ہے جب اسے حیلہ کا علم ہے تو وضو کیلئے دینے سے وہ انکار کردے گا غور کرو"۔ اھ (ت)

اقول: لا وجہ(۱) للتعقب فان الھبۃ حقیقیۃ قطعا صدرت من اھلھا فی محلھا والحیلۃ لا تنفی الحقیقۃ بل توجبھا اذ لولاھا لبطلت وکونہ یتوصل(۲) بہ الی مقصد اٰخر لاینافی قصد العقد بل یؤکدہ اذبہ یتوصل فکیف لایقصدہ وانما العقد بالایجاب

اقول: علامہ مقدسی کے اعتراض کی کوئی وجہ نہیں اس لئے کہ ہبہ حقیقۃً ہبہ ہے جو اہل سے محل میں صادر ہوا، اور حیلہ حقیقت کو ختم نہیں کرتا بلکہ ثابت ولازم کرتا ہے اس لئے کہ اگر حقیقت کا ثبوت ہی نہ ہوتا تو حیلہ ہی باطل ہوتا۔ اور اسے کسی اور مقصد کے حصول کا ذریعہ بنانا قصدِ عقد کے منافی نہیں بلکہ

[1] منحۃ الخالق مع البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۴

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

والقبول عــه لابالغايات المضمرة فی النفوس والالانسدباب الحيل الشرعية عن اٰخرها مع انه مفتوح بالكتاب العزيز والاحاديث الصحاح كمابينته فی كفل الفقيه واذا ثبت العقد ثبت باحكامه ومن احكامه كراهة الرجوع تحريما فكيف لايكون محذورا وليس المنع(۱) منه لتأذی الموهوب له حتی لولم يتأذ جاز بل لا(۲) يجوز وان لم يتأذ الا تری ان له طريقين الرضا والقضاء ولاتأذی فی الرضا بل منعه لانه ليس لنا بحمدالله تعالٰی مثل السوء كما افصح به الحديث الشريف اما علاوة الشامی فقد تكفل بالجواب عنها وقد جزم فی ردالمحتار بما استضعفه فی المنحة۔	اس سے تو قصد اور مؤکد ہوتا ہے کیونکہ اسی کے ذریعے اسے دوسرا مقصد حاصل کرنا ہے تو عقد کا قصد کیوں کرنہ ہوگا؟ عقد تو ایجاب وقبول سے ہوتا ہے، دلوں میں پوشیدہ مقاصد کا اعتبار نہیں ورنہ تمام تر شرعی حیلوں کا دروازہ ہی بند ہوجائے جب کہ یہ کتاب عزیز اور احادیث صحاح کی رُو سے کھُلا ہوا ہے جیسا کہ میں نے "کفل الفقیہ الفاھم" میں اسے واضح کیا ہے۔ اور جب عقد کا ثبوت ہوگا تو اس کے احکام کا بھی ثبوت ہوگا۔ اور عقد ہبہ کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ اس سے رجوع کرنا مکروہ تحریمی ہے تو رجوع ممنوع کیسے نہ ہوگا؟ اور رجوع سے ممانعت اس بنیاد پر نہیں کہ اس سے موہوب لہ کو اذیت ہوگی کہ اگر اسے اذیت نہ ہو تو رجوع جائز ہوجائے۔ بلکہ اسے اذیت نہ ہو جب بھی رجوع جائز نہیں۔ دیکھ لیجئے کہ رجوع کے دو[۲] طریقے ہیں موہوب لہ کی رضامندی یا حاکم کا فیصلہ، اور رضامندی کی صورت میں اسے کوئی اذیت نہیں (مگر ممانعت دونوں ہی صورتوں میں ہے) بلکہ رجوع سے ممانعت اس لئے ہے کہ بحمدہٖ تعالٰی ہمارے لئے بُری مثَل نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں اس کا صاف بیان ہے (ہبہ سے رجوع کرنے والا اس کُتّے کی طرح ہے جو اپنا قے کیاہُوا کھانا پھر کھاتا ہے۔ مفہوماً ۱۲م۔ الف) رہا علّامہ شامی کا "علاوہ" تو اس کا جواب انہوں نے خود ہی دے دیا ہے اور منحۃ الخالق میں جسے انہوں نے ضعیف سمجھا تھا ردالمحتار میں اسی پر جزم فرمایا ہے۔ (ت)

عــه كمن(۳) نكح الٰی شهر اوسنة اومائتی عام بطل وان نكح مطلقًا وفی نيته ان يطلقها بعد شهر اويوم اوساعة جاز كما فی الدر وغيره ۱۲ منه غفرله (م)

جیسے اگر کسی نے ایک ماہ یا ایک سال یا دوسو ۲۰۰ سال تک کیلئے نکاح کیا تو باطل ہے اور اگر قیدِ وقت کے بغیر نکاح کیا اور دل میں یہ نیت ہے کہ ایک ماہ یا ایک دن یا ایک ساعت کے بعد طلاق دے دے گا تو جائز ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

فان قلت: مافائدته الاالتمکن من الرجوع وھو عنه ممنوع **اقول:** لایرجع بل یشتری او یستوھب کما قال ش وفائدته ان الموھوب له لایمتنع من بیعه اوھبته علما منه بانه ان لم یفعل فله الرجوع فلایفید الامتناع بخلاف مااذا انقطع حق رجوعه یمتنع لعلمه ان الواھب لایقدر علی استردادہ فالصواب مع عامة الائمة ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	**اگر یہ اعتراض ہو** کہ اس کا فائدہ یہی تو تھا کہ آئندہ رجوع پر قدرت رہے گی اور رجوع ممنوع ہے (تو فائدہ مفقود ہے) اقول ہبہ سے رجوع نہیں کرے گا بلکہ موہوب لہ سے آبِ زمزم خرید کریا اس سے ہبہ کراکے حاصل کرے گا جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا۔ اور فائدہ یہ ہے کہ موہوب لہ بیع یا ہبہ سے انکار نہ کرسکے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر وہ ایسا نہیں کرتا ہے تو واہب رجوع کرسکتا ہے تو انکار بے سود ہوگا۔ بخلاف اس صورت کے جس میں حق رجوع ختم ہوجائے اس صورت میں موہوب لہ انکار کردے گا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ واہب کو واپس لینے کا اختیار نہ رہا۔ تو اس مسئلہ میں حق وصواب عامہ ائمہ رحمہم اللہ کے ساتھ ہے، ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۱۴۹) پانی ایسی حالت پر ہے کہ اس کے مطلق ومقید ہونے میں اشتباہ ہے جیسے نبیذ تمر وغیرہ جس میں تحقیق نہ ہو کہ پانی اُس میوے سے مغلوب ہوکر نبیذ ہوگیا یا ابھی نہیں اُس سے وضو بھی کرے کہ شاید پانی ہو اور تیمّم بھی کہ شاید نہ ہو ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبیذ تمر میں جو تین حکم مروی ہیں، اُس سے وضو کرے، وضو نہ کرے تیمّم ہی کرے۔ وضو وتیمّم دونوں کرے وہ انہیں تین حالتوں پر مبنی ہیں، جہاں پانی ہنوز مغلوب نہ ہوا وہاں اُس سے وضو کا حکم فرمایا جہاں مغلوب ہوگیا تیمّم کا حکم دیا جہاں مغلوب ہونا نہ ہونا مشتبہ ہے دونوں کا جمع کرنا ارشاد فرمایا کماذکرناہ علی ھامش رسالتنا النور والنورق (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "النور والنورق" کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ ت)

(۱۵۰) گدھے کا جھُوٹا پانی موجود ہے، اور نہیں اُس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی۔ ان دونوں نمبروں میں اختیار ہے چاہے وضو پہلے کرے خواہ تیمّم اور بہتر یہ ہے کہ وضو پہلے کرے اور[1] ان دونوں میں وضو بلانیت جائز نہ ہوگا تیمّم کی طرح اس وضو میں بھی نیت شرط ہے۔ **تنبیہ:** یہی حکم خچّر کے جھُوٹے کا ہے اگر گدھی پر گھوڑا پڑنے سے پیدا ہوا ہو ہمارے[2] ملک میں عام خچّر وہ ہیں کہ گھوڑی پر گدھا ڈال کر لیے جاتے ہیں ان خچّروں کا جھُوٹا مشکوک نہیں طاہر ہے ان کا حکم گھوڑے کی مثل ہے کہ جانوروں[3] میں اعتبار ماں کا ہے درمختار میں ہے:

(سؤرحمار) اھلی (وبغل) امه حمارة	"اہلی (گدھے کا جھُوٹا اور خچّر کا) جس کی ماں گدھی ہو۔

فلوفرسا اوبقرة فطاهر (مشكوك فى طهوريته) حتى لووقع فى ماء قليل اعتبر بالاجزاء (فيتوضؤ به) اويغتسل (ويتيمّم ان فقد ماء وصح تقديم ايهما شاء) فى الاصح اھ اماما قال بعده (ويقدم التيمم على نبيذ التمر على المذهب) المصحح المفتى به لان المجتهد اذارجع عن قول لايجوز الاخذ به [1] اھ ففيما صار نبيذا ومعنى التقديم الاختيار اى يختار التيمم حتما ولايتوضوء به كما افاده ش وبيناه فى الرسالة المذكورة۔	اگرماں گھوڑی یاگائے ہو تو ایسے خچر کا جھوٹا پاک ہے (اس کے مطہّر ہونے میں شک ہے) یہاں تک کہ اگرآبِ قلیل میں پڑ جائے تو اجزاء کا اعتبار ہوگا (تو اس سے وضو کیا جائے گا) یا غسل کیا جائے گا (اور تیمّم بھی کیا جائے گا اگر دوسرا پانی نہ ہو۔ اور) اصح مذہب میں، (تیمّم وضو میں سے جسے چاہے مقدم کرے) اھ۔ لیکن اس کے بعد دُرمختار میں یہ عبارت ہے: "(اور) تصحیح یافتہ مفتی بہ (مذہب کی بنیاد پر تیمّم کو نبیذ تمر پر مقدم کرے) اس لئے کہ مجتہد جب کسی قول سے رجوع کرلے تو اسے لینا جائز نہیں اھ یہ حکم اس صورت میں ہے جب پانی نبیذ بن گیا ہو اور یہاں تقدیم کا معنی اختیار ہے یعنی واجبی طور پر تیمّم ہی اختیار کرے اور نبیذ سے وضو نہ کرے جیسا کہ علامہ شامی نے یہ افادہ فرمایا ہے اور اسے ہم نے اپنے مذکورہ رسالہ میں بھی ذکر کیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فى النهر عن الفتح اختلف فى النية بسؤر الحمار والاحوط ان ينوى اھ اى الاحوط القول بوجوبها فقد قدمنا فى بحث النية عن البحر عن شرح المجمع والنقاية معزيا الى الكفاية انها شرط فيه وفى نبيذ التمر [2]۔	"النہرالفائق میں فتح القدیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ گدھے کے جھُوٹے سے وضو میں نیت سے متعلق اختلاف ہے اور احوط یہ ہے کہ نیت کرے"۔ اھ یعنی احوط وجوبِ نیت ماننا ہے کیونکہ ہم نیت کی بحث میں یہ بیان کرآئے ہیں کہ گدھے کے جھُوٹے سے اور نبیذ تمر سے وضو میں نیت شرط ہے اسے ہم نے البحرالرائق سے نقل کیا ہے اور بحر میں شرح مجمع اور نُقایہ سے نقل ہے اور ان دونوں میں کفایہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ (ت)

(۱۵۱) وضو میں اکثر اعضائے وضو یا غسل میں اکثر حصہ بدن میں زخم یا تر خارش ہے تیمّم کرے اور کم میں توصحیح

[1] الدرالمختار فصل فی البئر مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵تا۱۶۷

[2] ردالمحتار فصل فی البئر مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

کو دھوئے باقی کو مسح کرے مگر جب کہ صحیح دھونے سے زخمی تک پانی پہنچنے سے بچا نہ سکے تو اب بھی تیمّم ہے[1] کما فی الخانیة والحلیة والبحر (جیسا کہ خانیہ، حلیہ اور البحر الرائق میں ہے۔ت)

اور اگر صحیح و مجروح دونوں حصے برابر ہوں تو اختلاف تصحیح ہے خانیہ و محیط میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ صحیح کو دھوئے جریح کو مسح کرے بحر و تنویر میں ہے یہی احوط ہے در مختار میں ہے یہی اصح ہے اور خلاصہ و تبیین وفتح وفیض واختیار و مواہب الرحمٰن میں ہے صحیح یہ کہ تیمّم کرے۔

کما فی ردالمحتار قال و رأیت فی السراج مانصه وفی العیون عن محمد اذاکان علی الیدین قروح لایقدر علی غسلهما وبوجهه مثل ذلك تیمّم وان کان فی یدیه خاصة غسل ولایتیمّم وهذا یدل علی انه یتیمم مع جراحة النصف[2] اھ	جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، فرماتے ہیں: "میں نے سراج میں یہ عبارت دیکھی: عیون میں امام محمد سے نقل ہے: جب دونوں ہاتھوں پر ایسے زخم ہوں کہ ہاتھوں کو دھو نہ سکتا ہو، اور چہرے میں بھی ایسے ہی ہوں تو تیمّم کرے۔ اور اگر صرف ہاتھوں میں ہوں تو دھوئے اور تیمّم نہ کرے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف محلّ وضو زخمی ہونے کی صورت میں تیمّم کرے گا"۔ اھ (ت)
اقول: وبه تترجح کفة القول الثانی وبه رد الشامی علی الدر ان حکمه فی المساواة بالغسل والمسح خلاف المروی عن محمد **فان قلت** لعل الشارح المدقق رحمه الله تعالٰی نظر الی ان الکلام ههنا فی الغسل فان کان مایضره الغسل اکثر عددا مما لایضره تیمّم اعتبارا بالاکثر ولاشك ان الوجه والیدین اکثر المغسول من اعضاء الوضوء فلاما فی السراج من الاستدلال به یتم ولا ما فی ردالمحتار علی الشارح یرد۔	**اقول:** اس سے قول ثانی کا پلّہ بھاری ہو جاتا ہے اور اسی کی بنیاد پر علامہ شامی نے در مختار کا رد کیا ہے کہ صحیح اور زخمی اعضا برابر ہونے کی صورت میں دھونے اور مسح دونوں ہی کا حکم دینا اس کے خلاف ہے جو امام محمد سے مروی ہے۔ **اگر یہ اعتراض ہو** کہ شاید شارح مدقق رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر نظر کی ہو کہ یہاں کلام دھونے سے متعلق ہے تو جن اعضاء کو دھونا مضر ہے یہ اگر گنتی میں ان اعضاء سے زیادہ ہوں جنہیں دھونا مضر نہیں ہے تو اکثر کا لحاظ کرتے ہوئے تیمّم کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ جتنے اعضائے وضو کو دھونا ہے ان میں دونوں ہاتھ اور چہرہ مل کر باقی سے زیادہ

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز به التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۸
[2] ردالمحتار آخر باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۹

اقول: فاذن يضع قوله وان استويا اذلا نصف لثلثة وضم (۱) الرأس الى هذه الاعضاء قد صرح به فی الفتح والحلیة والبحر حیث قال هذا واختلف فی حد الکثرة منهم من اعتبر من حیث عدد الاعضاء ومنهم من اعتبر الکثرة فی نفس کل عضو فلوکان برأسه و وجهه ویدیه جراحة والرجل لاجراحة بها یتیمّم سواء کان الاکثر من اعضاء الجراحة جریحا اوصحیحا والاٰخرون قالوا ان کان الاکثر من کل عضو من اعضاء الوضوء المذکورة جریحا فهو الکثیر الذی یجوز معه التیمم والا فلا کذا فی فتح القدیر من غیر ترجیح وفی الحقائق المختار اعتبار الکثرة من حیث عدد الاعضاء[1] اھ ومثل مافی الفتح فی الحلیة غیر انه مال بحثا الی اعتبار الکثرة فی اعضاء الوضوء ایضا مساحة ای بخلاف کلا القولین۔

ہیں تو امام محمد کی روایت سے سراج میں جو استدلال کیا گیا ہے وہ تام نہیں اور اس سے ردالمحتار میں شارح پر جو رد کیا گیا ہے وہ بھی درست نہیں۔ (ت)

اقول: اگر یہ بات ہو تو شارح کا یہ لکھنا کہ "اگر دونوں برابر ہوں" بیکار ہوگا اس لئے کہ (دھوئے جانے والے اعضاء تین ہیں اور) تین کا نصف نہیں --ان اعضاء کے ساتھ سر کے شامل ہونے کی تصریح فتح القدیر، حلیہ اور البحرالرائق میں موجود ہے الفاظ یہ ہیں: "کثرت کی حد میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے اعضاء کی تعداد کا اعتبار کیا ہے اور بعض حضرات نے خود ہر ہر عضو کے اندر زیادتی و کثرت کا اعتبار کیا ہے تو اگر اس کے سر، چہرے اور ہاتھوں میں زخم ہے اور پیر میں زخم نہیں تو تیمّم کرے گا خواہ زخم والے اعضاء کا اکثر حصہ زخمی ہو یا صحیح ہو اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اگر وضو کے اعضائے مذکورہ میں سے ہر عضو کا اکثر حصہ زخمی ہو تو یہی وہ کثیر ہے جس کے ہوتے ہوئے تیمّم جائز ہے اور اگر یہ صورت نہ ہو تو تیمّم جائز نہیں"۔ فتح القدیر میں اسی طرح بغیر کسی ترجیح کے مذکور ہے، اور حقائق میں یہ لکھا ہے کہ: "مختار یہ ہے کہ عدد اعضا کے لحاظ سے کثرت کا اعتبار ہے"۔ اھ۔ فتح القدیر کے مثل حلیہ میں بھی ہے مگر اس میں مزید یہ ہے کہ بطور بحث کے ان کا میلان اس جانب ہوا ہے کہ مساحت و مقدار کے لحاظ سے بھی اعضائے وضو میں کثرت کا اعتبار ہوگا (یہاں دو[۲] قول تھے (۱) چاروں اعضائے وضو میں گنتی کے لحاظ سے کثرت کا اعتبار (۲) ہر عضوِ وضو کے زخمی و غیر زخمی حصّوں کے لحاظ سے کثرت کا اعتبار۔

[1] البحرالرائق باب التیمم قولہ ولو اکثرہ مجروحا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۳

اقول: عـــہ وقد کنت ارانی امیل الیه قبل ان اراہ غیرانی لم یکن لی الخیار لاسیما مع تصریح الحقائق بالمختار واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اور تیسرا خیال ہوا کہ گنتی کا بھی اعتبار ہو اور اعضا میں زخمی وغیر زخمی حصوں کی مقدار اور مساحت کا بھی اعتبار ہو ۱۲م۔الف) توان کی بحث کا میلان دونوں کے برخلاف ایک تیسری جانب ہے۔(ت) **اقول:** حلیہ کی بحث دیکھنے سے پہلے ہی میرا میلان بھی اسی جانب نظر آرہا تھا مگر مجھے کیا اختیار، خصوصًا جب کہ حقائق میں مختار کی تصریح موجود ہے **واللّٰه تعالٰی اعلم**۔(ت)

(۱۵۲) یہاں ایک مسئلہ اس مسئلہ اعتبار اکثر اعضا سے مستثنٰی ہے وہ یہ کہ دونوں ہتھیلیاں ایسی زخمی ہیں کہ ان پر پانی پڑنا ضرر دے گا یا بوجہ زخم لوٹا وغیرہ اُٹھ نہیں سکتا نہ پانی کسی ایسے برتن یا حوض وغیرہ میں ہے کہ اُس میں اپنا منہ اور پاؤں ڈال کر وضو کرسکے تیمّم کرے گا۔ درمختار میں ہے: یتیمّم لوالجرح بیدیه [1] (اگراس کے دونوں ہاتھوں میں زخم ہو تو تیمّم کرے۔ت)

عـــہ **اقول:** وکان میلی الیه لاستبعاد فی اعتبار العدد فمن کانت له بثرة صغیرة فی اقصی جبهته واخری مثلها علی مرفق یتیمّم للجراحة فی عضوین وهما نصف الاربعة وان کانت یداہ مجروحتین من الرسغین الی فوق المرفقین لایجوزله التیمّم لان الجریح عضو واحد فبثرتان تمنعان الوضوء ومئات منها لاتمنع ۱۲ منه غفرله۔ (ت)	اقول: اس جانب میرا میلان گنتی اور عدد کے اعتبار کو بعید سمجھنے کی وجہ سے تھا وہ اس طرح کہ اگر کسی کی پیشانی کے کنارہ پر ایک چھوٹی سی پھنسی ہو اور ایسی ہی دوسری پھنسی کہنی پر ہو تو وہ تیمّم کرے کیونکہ زخم دو عضووں میں ہے جو چار کا نصف ہیں اور اگر اس کے دونوں ہاتھ گٹوں سے کہنیوں کے اُوپر تک زخمی ہوں تو اس کیلئے تیمّم جائز نہ ہو کیونکہ زخمی صرف ایک عضو ہے تو ایک صورت میں دو پھنسیاں تو وضو سے مانع ہو جاتی ہیں اور دوسری صورت میں ویسی ہی سیکڑوں ہو کر بھی مانع نہیں ہوتیں ۱۲ منہ غفرلہ۔(ت)

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۹

ردالمحتار میں ہے:

ای ولم یمکنہ ادخال وجھہ و رجلیہ فی الماء فلو امکنہ فعل بلا تیمّم کما لایخفی فلاینافی ماقدمناہ عن العیون[1]	یعنی ساتھ ہی یہ بات بھی ہو کہ وہ چہرا اور دونوں پاؤں پانی میں نہ ڈال سکتا ہو، اگر یہ کر سکتا ہو تو اسے تیمّم چھوڑ کر یہی کرنا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ تو یہ اس کے منافی نہیں جو عیون کے حوالہ سے ہم پہلے بیان کر آئے۔ اھ (ت)

البحرالرائق میں ہے:

فھذا یفیدان قولھم اذاکان الاکثر صحیحا یغسل الصحیح محمول علی ما اذا لم یکن بالیدین جراحۃ کما لایخفی[2]۔	تو اس سے اس بات کا افادہ ہوتا ہے کہ فقہا نے یہ جو فرمایا ہے کہ اکثر صحیح ہو تو صحیح کو دھونا ہے یہ اس صورت پر محمول ہے جب اس کے دونوں ہاتھوں پر زخم نہ ہو۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

(۱۵۳ تا ۱۵۵) اس مسئلہ جراحت ہر دو کف کو درمختار میں عام رکھا کہ اگرچہ کوئی وضو کرانے والا ملے جب بھی تیمّم کی اجازت ہے۔

حیث قال بعد مامر وان وجد من یوضیہ خلافا لھما[3]۔	کیونکہ گزشتہ عبارت کے بعد ان کے الفاظ یہ ہیں: اگرچہ اسے کوئی وضو کرانے والا مل جائے (یہ امام صاحب کے یہاں ہے) بخلاف صاحبین کے۔ (ت)

مگر معتمد یہ ہے کہ اس حالت میں تیمّم نہیں البحرالرائق میں ہے:

فی القنیۃ والمبتغی بیدہ قروح یضرہ الماء دون سائر جسدہ یتیمم اذا لم یجد من یغسل وجھہ وقیل یتیمّم مطلقاً[4] اھ اقول وقولہ وجھہ من باب	قنیہ اور مبتغی میں ہے: اس کے ہاتھ پر ایسا زخم ہو کہ پانی اسے ضرر رساں ہو، باقی جسم میں زخم نہ ہو تو وہ بھی تیمّم کرے گا بشرطیکہ اسے کوئی چہرہ دھونے والا نہ ملے، اور کہا گیا کہ مطلقاً تیمّم کرے گا اھ

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۹

[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۳

[3] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۹

[4] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۳

الا کتفاء ای ورجلیه ویمسح رأسه۔	**اقول:** صرف چہرہ کا نام لیا (چہرہ دھونے والا نہ ملے) پر اکتفا کے باب سے ہے، مراد یہ ہے کہ ایسا کوئی شخص نہ ملے جو چہرہ اور پیروں کو دھودے اور سر پر مسح کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھو الموافق لما مر فی المریض العاجز من انه لو وجد من یعینه لایتیمم فی ظاھر الروایة فتنبه ذلك[1]۔	اور یہ اس حکم کے مطابق ہے جو عاجز مریض سے متعلق گزرا کہ اسے اگر کوئی مدد دینے والا ملے تو ظاہر روایت میں وہ تیمم نہیں کرسکتا، تو اس پر متنبّہ رہنا چاہئے۔ (ت)

اقول: تو اب یہاں بدستور وہ تینوں صُورتیں نکلیں گی کہ وضو کرادینے والا اجرت زیادہ مانگتا ہے یا یہ مفلس ہے یا مال غائب اور وہ اُدھار پر راضی نہیں۔

تنبیہ: امام اجل فقیہ ابُو جعفر ہندوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب غریب الروایۃ میں ایک صُورت تیمّم کی یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اگر وضو میں سب اعضا بے تکلف دھوسکتا ہے مگر کسی مرض کے باعث سر کا مسح ضرر کرتا ہے تو تیمّم کرے یوں ہی اگر غسل میں سارے بدن پر پانی بہاسکتا ہو مگر سر دھونا درکنار مسح بھی نہ کرسکے تو غسل کی جگہ بھی تیمّم کرے مگر صحیح ومعتمد ومشہور ومنصور یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں تیمّم کی اجازت نہیں بلکہ وضو میں تینوں اعضا اور غسل میں سر کے سوا سارا بدن دھوئے اور ا سر پر کوئی پٹّی باندھ کر اُس پر مسح کرے اور اس سے بھی نقصان ہو تو بالکل چھوڑ دے اس قدر معاف رہے گا۔ تنویر الابصار آخر تیمّم میں ہے:

من به وجع رأس لایستطیع معه مسحه یسقط فرض مسحه[2]۔	جس کا سر میں کوئی ایسا مرض ہو جس کے باعث سر کا مسح نہ کرسکے تو مسح سر کا فریضہ ساقط ہوجاتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لایستطیع مسحه محدثا ولاغسله جنبا ففی الفیض عن غریب الروایة	حالتِ حدث میں مسح نہ کرسکے اور حالتِ جنابت میں سر نہ دھوسکے تو فیض میں غریب الروایۃ سے یہ ہے

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۸۹

[2] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۹۰

یتیمّم وافتی قارئ الھدایة انه یسقط عنه فرض مسحه ولو علی جبیرة ففی مسحھا قولان وکذا یسقط غسله فیمسحه ولو علی جبیرة ان لم یضرہ والاسقط اصلا وجعل عادما لذلك العضو حکما کما فی المعدوم حقیقة [1]۔	کہ تیمّم کرے اور قارئ ہدایہ کا فتوٰی یہ ہے کہ اس سے فرضِ مسح ساقط ہے۔اور اگر سر پر پٹّی ہو تو اس کے مسح سے متعلق دو۲ قول ہیں اسی طرح (غسل میں) سر کا دھونا بھی ساقط ہے ایسی صورت میں دھونے کی بجائے سر پر مسح کرے اگرچہ کسی پٹّی پر جب کہ یہ مضر نہ ہو،اگر یہ بھی مضر ہو تو (دھونا اور مسح دونوں) بالکل ہی ساقط ہے،اور حکماً وہ اس کی طرح قرار دیا جائے گا جس کا یہ عضو ہی نہ ہو، جیسا کہ حقیقۃً عضو نہ رکھنے والے سے متعلق حکم ہے (کہ اس سے دھونا اور مسح کرنا سبھی ساقط ہے)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله قولان ذکر فی النھر عن البدائع مایفیدہ ترجیح الوجوب وقال وھو الذی ینبغی التعویل علیه اھ بل قال فی البحر والصواب الوجوب [2]۔	دُرمختار کی عبارت قولان (دو قول ہیں) کو النہرالفائق میں بدائع کے حوالے سے ذکر کیا ہے جس سے وجوبِ مسح کی ترجیح مستفاد ہوتی ہے اور لکھا ہے کہ اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اھ۔ بلکہ البحرالرائق میں یہ ہے کہ صحیح وجوب ہی ہے۔(ت)

البحرالرائق میں ہے:

ذکر الجلابی فی کتاب الصلاة له ان من به وجع فی رأسه لایستطیع معه مسحه یسقط فرض المسح فی حقّه [3] ۔وھذہ مسألة مھمة اجبت ذکرھا لغرابتھا وعدم وجودھا ففی غالب الکتب وقد افتی بھا الشیخ سراج الدین	جلابی نے اپنی کتاب الصلوٰۃ میں ذکر کیا ہے کہ "جس کے سر میں ایسا مرض ہو جس کی وجہ سے سر کا مسح نہ کرسکے تو اس کے حق میں فرض ساقط ہے" اھ۔اور یہ ایک اہم مسئلہ ہے جس کی ندرت وغرابت اور عامہ کتب میں مذکور نہ ہونے کی وجہ سے میں نے اسے بیان کردینا بہتر سمجھا اور محقق کمال الدین

[1] الدرالمختار مع الشامی، باب التیمم، مطبع مصطفی البابی مصر، ۱/۱۹۰
[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۹۱
[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۴

قارئ الهداية استاذ المحقق كمال الدين بن الهمام وبه اندفع ماكان قدتوهم قبل الوقوف على هذا النقل انه يتيمم لعجزه عن استعمال الماء وليس بعد النقل الاالرجوع اليه ولعل الوجه فيه ان يجعل عاد مالذلك العضو حكما فتسقط وظيفته كمافی المعدوم حقيقة بخلاف ماإذا كان ببعض الاعضاء المغسولة جراحة فانه يغسل الصحيح ويمسح على الجريح لان المسح عليه كالغسل لماتحته ولان التيمم مسح فلايكون بدلاعن مسح وانما هو بدل عن غسل والرأس ممسوح ولهذا لم يكن التيمّم فی الرأس[1] اھ	ابن الہمام کے استاذ شیخ سراج الدین قارئ ہدایہ نے یہی فتوٰی دیا ہے۔اس سے وہ وہم بھی دفع ہوجاتا ہے جو اس نقل پر اطلاع سے پہلے کیا گیا تھا، کہ اس کیلئے حکم یہ ہوگا کہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے وہ تیمّم کرے نقل مل جانے کے بعد اسی کی طرف رجوع لازم ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص حکماً وہ عضو نہ رکھنے والا قرار دیا جائے تو اس عضو سے متعلق عمل ساقط ہوجائیگا جیسے حقیقۃً وہ عضو نہ رکھنے والے کے بارے میں حکم ہے اس صورت کے برخلاف جب کہ اس کے بعض دھوئے جانے والے اعضاء میں زخم ہو کہ اس کا حکم یہ ہے کہ صحیح کو دھوئے اور زخمی پر مسح کرے اس لئے کہ اس پر مسح کرنا اس کے نیچے والے عضو کو دھونے ہی کی طرح ہے۔ اور اس لئے کہ تیمّم مسح ہے تو وہ کسی مسح کا بدل نہ ہوگا بلکہ دھونے کا بدل ہوگا اور (وضو میں) سر پر مسح ہی ہوتا ہے اس لئے سر کا تیمّم نہیں"۔اھ (ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

قوله ماكان قدتوهم) الذی توهم ذلك العلامة عبدالبر بن الشحنة فانه ذكر عبارة الجلابی فی شرحه على الوهبانية ونظمها بقوله: ويسقط مسح الرأس عمن برأسه من الداء ماء ان بله يتضرر	صاحبِ بحر کا قول"وہ جو وہم کیا گیا تھا"یہ وہم علامہ عبدالبر ابن شحنہ کو ہوا تھا۔ انہوں نے جلابی کی عبارت اپنی شرح وہبانیہ میں ذکر کی اور اسے یوں نظم کیا: جس کے سر میں کوئی ایسامرض ہو کہ سر کو تر کرنے سے ضرر ہوتا ہو تو ایسے شخص سے سر کا مسح ساقط ہے۔

[1] البحرالرائق، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۶۴

ثم قال وکان یقع فی نفسی قبل وقوفی علی ھذا النقل انه یتیمم لعجزہ عن استعمال الماء ولیس بعد النقل الاالرجوع ولعل الوجه فیه انه یجعل عادما لذلك العضو حکما فتسقط وظیفته کمافی المعدوم حقیقة واللہ تعالٰی اعلم۔

قوله ولیس بعدالنقل الخ یوھم ان التیمم غیر منقول مع انه منقول ایضافی الفیض للکرکی عن غریب الروایةمن برأسه صداع من النزلة ویضرہ المسح فی الوضوء اوالغسل فی الجنابة یتیمّم (۱) والمرأۃ لوضرھا غسل رأسھا فی الجنابة اوالحیض تمسح علی شعرھا ثلاث مسحات بمیاہ مختلفة وتغسل باقی جسدھا اھ قال فی الفیض وھو عجیب[1] اھ مافی المنحة۔

اقول: ظھر (۲) لی بحمداللہ تعالٰی من معناہ مایرفع العجب وذلك ان العجب انماھوفی مسئلة الغسل ان یجوزله التیمم اذاضرہ غسل رأسه

اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اس نقل پر اطلاع سے پہلے میرے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ ایسا شخص تیمّم کریگااس لئے کہ وہ پانی کے استعمال سے عاجز ہے۔ اور نقل مل جانے کے بعد اسی کی طرف رجوع لازم ہے۔ شاید اس (مسح سر ساقط ہونے) کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص حکماً وہ عضو نہ رکھنے والا قرار دیا جائیگا تواس عضو سے متعلق مقررہ عمل مسح ساقط ہوجائے گا جیساکہ حقیقۃً عضو نہ رکھنے والے کا حکم ہوتا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ان کا قول "نقل کے بعد اسی کی طرف رجوع لازم ہے" یہ وہم پیدا کرتا ہے کہ تیمّم کا حکم غیر منقول ہے حالانکہ وہ بھی منقول ہے۔ کرکی کی کتاب "فیض" میں غریب الروایۃ سے نقل کیا ہے کہ "جس کے سر میں نزلہ کی وجہ سے چکّر آتا ہو اور اسے وضو میں مسح یا جنابت میں غسل ضرر دیتا ہو تو وہ تیمّم کرے، اور اگر عورت کو جنابت یا حیض میں سر دھونے سے ضرر ہو تو وہ تین بار مختلف پانیوں سے اپنے بالوں پر مسح کرلے اور باقی جسم دھوئے اھ"۔ فیض میں کہا: "یہ حکم عجیب ہے" اھ منحۃ الخالق کی عبارتیں ختم ہوئیں۔ (ت)

اقول: مجھ پر غریب الروایۃ کی عبارت کا ایک ایسا معنی منکشف ہوا، **والحمدللہ تعالٰی**، جس وجہ سے تعجب دُور ہوجاتا ہے وہ یہ ہے کہ تعجب غُسل کے مسئلہ میں ہے کہ سر دھونے سے ضرر

[1] منحۃ الخالق مع البحر باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۴

وھذا باطل قطعا بل یجب الرجوع الی المسح لان(۱) مسح مایغسل عند تعذر غسله کغسله کماتقدم اٰنفا عن البحر و مثله فی البدائع و لذا جاز(۲) جمعه مع الغسل بخلاف مسح(۳) الخفین فانه لایجوزله ان یغسل احدی رجلیه ویمسح خف الاخرٰی وان کانت(۴) علی احدھماجبیرة اوعصابة مسحھا وغسل الاخری کمانصوا [1] علیه فی التبیین وغیره ومسألة من اکثر بدنه صحیح انه یغسل الصحیح ویمسح الجریح مشھور صریح غیر محتاج الی التصریح فکیف حکم ھھنا بالتیمّم ولکن ھذا(۵) التوھم انما کانت اکدته عبارةالدرفی النقل بالمعنی فلمارأیت عبارةغریب الروایة المنقولة فی الفیض وفیھایضرہ المسح فی الوضو.اوالغسل فی الجنابة لامسح رأسه محدثا وغسله جنبا کما فی الدر تحدس فی خاطری ولله الحمد ان الغسل ھھنا بضم الغین لافتحھا فلیس المراد غسل الرأس بل المعنی(٦) ضرہ الغسل واسالة الماء علی بدنه ولومع ترك الرأس لماتصعدبه الا بخرة الی

ہوتا ہے تو اس کیلئے تیمّم کیسے جائز ہوگیا؟ یہ حکم قطعًا باطل ہے۔اس پر تو مسح سر کی طرف رجوع لازم ہے،اس لئے کہ جب کسی دھوئے جانے والے عضو کا دھونا متعذر اور دشوار ہو جائے تو اس پر مسح کرلینا اسے دھونے ہی کی طرح ہے جیسا کہ ابھی بحر کے حوالے سے گزرا،اسی کے مثل بدائع میں بھی ہے اسی لئے اس مسح کو دھونے کے ساتھ جمع کرنا جائز ہے،اس کے برخلاف موزوں کے مسح میں یہ جائز نہیں کہ ایک پاؤں دھولے اور دوسرے پاؤں کے موزے پر مسح کرلے۔(لیکن بحالتِ عذر)مگر ایک پاؤں پر لکڑی یا کپڑے کی پٹّی بندھی ہو تو اس پر مسح کرے گا اور دوسرا پاؤں دھوئے گا۔جیسا کہ اس پر تبیین وغیرہ کی صراحت موجود ہے اور جس کا اکثر بدن صحیح ہو اس کا مسئلہ مشہور وصریح اور غیر محتاج تصریح ہے کہ وہ صحیح حصّہ بدن دھوئے گا اور زخمی حصہ پر مسح کریگا۔تو حیرت یہی ہے کہ یہاں (غُسل میں مسح سر اور باقی بدن کو دھونے کا حکم دینے کی بجائے) تیمّم کا حکم کیسے دے دیا ہے(یہ تعجب ایک وہم سے پیدا ہوا) اور اس وہم کو اس سے تقویت پہنچی کہ درمختار میں غریب الروایہ کی عبارت مفہومًا نقل کی۔جب میں نے فیض میں نقل شدہ عبارتِ غریب الروایہ دیکھی اور اس میں یہ ملا کہ:"یضرّہ المسح فی الوضوء اوالغسل فی الجنابة"یہ عبارت نہیں کہ"مسح رأسه

[1] تبیین الحقائق مسح الخفین مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۵۲

الدماغ کما علم فی الطب وکیف(۱) تکون عبارة غریب الروایة بفتح الغین مع انه المصرح متصلابها ان المرأة ان ضرها غسل رأسها مسحته فلیس المعنی الاماقررت وھذا صاف لاغبار علیه ولله الحمد۔

اما مسألة الوضوء فغیر عجیب بل له وجه وجیه قریب **فاقول**: معلوم(۲) ان الحدث لایتجزی فکذا رفعه فلواغتسل وبقیت شعرة لم یسل الماء علیها فلاغسل له وھو جنب کماکان وقد نصوا ان النجاسة الحکمیة(۳)اشد من الحقیقیة اذقد عفی من ھذه قدردرھم اواقل من الربع ولاعفو عـه فی الحکمیة قدر ذرة اصلا۔ فمن

محدثا وغسله جنبا" جیسا کہ درمختار میں ہے تو یہ عبارت دیکھتے ہی بحمداللہ تعالٰی میرے دل میں خیال ہوا کہ لفظ "غسل" یہاں غین کے ضمہ سے ہوگا، فتحہ سے نہ ہوگا۔ تو اس عبارت کا یہ معنٰی نہیں کہ "وضو میں مسح کرنا اور جنابت میں "دھونا" ضرر دیتا ہو" بلکہ معنی یہ ہے کہ جنابت میں غسل اور بدن پر پانی بہانا ضرر دیتا ہو اگرچہ سر کو چھوڑ کر پانی بہائے، ضرر اس لئے ہو کہ بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہوں جیسا کہ فنِ طب اسے بتاتا ہے۔ اور غریب الروایۃ کی عبارت غین کے فتحہ کے ساتھ (دھونے کے معنی میں) کیوں کر ہوسکتی ہے جبکہ اس کے متصل ہی یہ تصریح موجود ہے کہ اگر عورت کو سر دھونے سے ضرر ہو تو اس پر مسح کرے (پھر یہاں بجائے سر کے سب کچھ چھوڑ کر صرف تیمم کا حکم کیسے ہوسکتا ہے) تو معنی وہی ہے جو میں نے بیان کیا اور یہ بالکل صاف بے غبار ہے۔ ولله الحمد۔ (ت) اب رہا وضو کا مسئلہ، تو وہ بھی تعجب خیز نہیں بلکہ اس کی ایک عمدہ قریبی وجہ ہے **فاقول**: یہ معلوم ہے کہ حدث منقسم نہیں ہوتا تو اسی طرح ازالہ حدث بھی منقسم نہ ہوگا۔ اگر کوئی غسل کرے اور ایک بال چھوٹ جائے جس پر پانی نہ بہایا ہو تو اس کا غسل نہ ہُوا وہ اب بھی جُنب ہے اور علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ نجاست حکمیہ نجاست حقیقیہ سے زیادہ سخت ہے اس لئے کہ حقیقیہ سے تو بقدر درہم یا چوتھائی سے کم معاف ہے اور حکمیہ میں

عـه اقول ای فی السعة اما مواضع الضرورة فنعم کشعر تعقد ونیم ذباب وجرم حناء ومداد الی غیر ذلك مما فصلنا فی الجود الحلو ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: یعنی بحالت وسعت کچھ معاف نہیں۔ ہاں ضرورت کی جگہوں میں کچھ عفو ہے جیسے بال جو خود گرہ کھا کر رہ گیا ہو اور مکھّی کی بیٹ، مہندی، روشنائی وغیرہ کا جرم جس کی تفصیل ہم نے رسالہ "الجود الحلوفی ارکان الوضو" میں کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

لایستطیع غسل رأسه فی الغسل یمسحه فان لم یستطع فعصابةً علیه وقد تم التطهیر لما علمت ان هذا المسح یقوم مقام غسله وهی مسألة الصحیح الجریح اما اذالم یقدر علیه اصلا فی الغسل اوالوضوء تبقی وظیفة الرأس متروكة رأسا فیكون هذا بعض طهارة لاطهارة وهو لایتجزی فینتفی اصلا فقد ظهر [عہ] عجزه عن طهارة الماء فوجب المصیر الی التیمم۔ **اما** قول البحر ان التیمم مسح فلا یكون بدلا عن مسح والراس ممسوح۔ **فاقول اولًا:** (۱) لایتمشی فی الغسل فان الرأس فیه مغسول **وثانیا:** هو (۲) عجیب من مثله فانه لم تأمر الروایة بالتیمم بدلا عن مسح الرأس بل بدلاعن الوضوء والغسل عند العجز عن اكمالهما ولاشك ان التیمّم	ایک ذرّہ کے برابر بھی معاف نہیں۔ توجو شخص غسل میں اپنا سر دھو نہیں سکتا تواس پر مسح کرلے گا اگر یہ بھی نہ کرسکے تو پٹّی باندھ کر اس پر مسح کرے گا اور اس سے تطہیر کا عمل مکمل ہوجائے گا اس لئے کہ معلوم ہوچکا ہے کہ یہ مسح دھونے کے قائم مقام ہے، صحیح زخمی کا مسئلہ بھی یہی ہے لیکن جب غسل یا وضو میں یہ بھی (پٹّی پر مسح) نہ ہوسکے تو سر سے متعلق عمل بالکل ہی متروک رہ جائے گا جس کی وجہ سے یہ (بقیہ اعضاء کو دھونے کا) عمل جزو طہارت تو ہوگا طہارت نہ ہوگا حالانکہ یہ عمل منقسم نہیں ہوتا تو کہا جائے گا کہ سرے سے طہارت حاصل ہی نہ ہوئی اس طرح پانی والی طہارت سے اس کا عجز ظاہر ہوگیا تو تیمّم کی طرف رجوع لازم ہوا۔ (ت) لیکن صاحبِ بحر کا یہ قول کہ "تیمم مسح ہے اس لئے وہ کسی مسح کا بدل نہ ہوگا اور سر پر مسح ہی ہوتا ہے"۔ تو اس پر کلام ہے۔ **فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) **اوّلًا** یہ بات غُسل میں نہیں چل سکتی کیوں کہ اس میں سر دھویا جاتا ہے۔ **ثانیًا:** ان جیسے کے قلم سے ایسی عبارت حیرت خیز ہے اس لئے کہ روایت مذکورہ میں مسحِ سر کے بدلے تیمّم کا حکم نہیں بلکہ وضو وغسل کی تکمیل سے عجز کے وقت ان دونوں کے بدلے تیمّم کا حکم ہے اور بلاشبہ تیمّم

عہ والجواب ماأشرنا الیه ان هذا موضع ضرورة وفیه العفو ثابت فی الحكمیة ایضا ۱۲ منه غفرله (م)

اور جواب وہ ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا کہ یہ ضرورت کی جگہ ہے اور مقامِ ضرورت میں معافی نجاست حکمیہ میں بھی ثابت ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

بدل عنہا مع تحقق المسح فی الوضوء فلو لم تصح البدلیة بھذا الوجه وجب ان لایجوز التیمم للمحدث فظھر ان ما فی غریب الروایة غیر غریب نعم الاشھر ماذکرہ الجلابی وبه جزم الدر فی غیر موضع ففی اٰخر التیمم ماتقدم وقال فی اٰخر الوضوء قبیل سننه مانصه فی اعضائه (۱) شقاق غسله ان قدر والا مسحه والا ترکه ولوبیدہ ولایقدر علی الماء تیمم [1] اھ مسألة شقاق الید تقدمت اٰنفا مع قیودھا۔

وقال فی اٰخر مسح الخفین الحاصل لزوم غسل المحل ولوبماء حارفان ضرَّ مَسَحَه فان ضرَّ مَسَحَھا فان ضرَّ سقط اصلا [2] اھ

اقول: بل (۲) ان ضرَّ مَسَحَه فان ضرَّ غَسلَھا فان ضرَّمَسَحَھا ثم قال (انکسر ظفرہ فجعل علیه دواء اووضعه علی شقوق رجله اجری الماء علیه) [3]

ان دونوں کا بدل ہے جب کہ وضو میں مسح بھی پایا جاتا ہے تو اگر اس سبب کی بنیاد پر بدلیت درست نہ ہوتی تو لازم تھا کہ محدث کیلئے تیمّم کا جواز ہی نہ ہو۔ ظاہر یہ ہوا کہ غریب الروایۃ میں جو مذکور ہے وہ غریب نہیں، ہاں زیادہ مشہور وہی ہے جو جلابی نے ذکر کیا اور اسی پر دُرمختار میں متعدد جگہ جزم کیا اُس کی آخر تیمّم کی عبارت گزر چکی اور آخر وضو میں سُنتوں کے بیان سے ذرا پہلے یہ عبارت ہے: "اعضا میں پھٹن ہے تو اگر قدرت ہو دھوئے ورنہ مسح کرے یہ بھی نہ ہوسکے تو چھوڑ دے اور اگر ہاتھ میں ہو اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمّم کرے"۔ اھ ہاتھ میں پھٹن کا مسئلہ مع قیدوں کے کچھ پہلے گزر چکا۔ اور مسح خفین کے آخر میں ان کی یہ عبارت ہے: "حاصل یہ ہے کہ محلِ طہارت کو دھونا لازم ہے اگرچہ آبِ رواں سے ہو اگر اس سے ضرر ہوتا ہو تو اس عضو پر مسح کرے اگر اس میں ضرر ہو تو پٹّی پر مسح کرے اگر اس سے بھی ضرر ہو تو بالکل ساقط ہے"۔ اھ **اقول:** بلکہ اگر عضو پر مسح سے ضرر ہو تو پٹّی پر پانی بہائے اور دھوئے اگر اس میں ضرر ہو تو پٹی پر مسح کرے۔ پھر لکھتے ہیں: "ناخن ٹُوٹ گیا اس پر دوا ڈالی یا پاؤں کے شگافوں پر دوا رکھی تو اس پر پانی

[1] الدرالمختار مع الشامی باب الوضوء قبل سننہ مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۷۵
[2] الدرالمختار مع الشامی آخر مسح الخفین مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۲۰۵
[3] الدرالمختار مع الشامی آخر مسح الخفین مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۲۰۳

ان قدر والامسحه والا ترکه وفی التبیین والفتح والبحر والھندیة وغیرھا من الاسفار الغرلو انکسر(۱)ظفرہ فجعل علیه دواء اوعلکا اوادخله جلدة مرارة اومرھما فان کان یضرہ نزعه مسح علیه وان ضرہ المسح ترکه[1] اھ۔

بہائے اگر بہاسکے ورنہ مسح کرے ورنہ یہ بھی ترک کردے"۔ تبیین الحقائق، فتح القدیر، البحرالرائق، ہندیہ وغیرہ میں ہے: "اگر ناخن ٹوٹ گیا اس پر دوا یا گوند لگایا اس میں پتّے کی جلد یا مرہم ڈال لیا تو اگر اس کیلئے اسے نکالنے میں ضرر ہو تو اس پر مسح کرے اور اگر مسح سے بھی ضرر ہو تو چھوڑ دے" اھ

اقول: بل(۲) غسله فان ضرَّ مَسَحَه فان ضر ترکه قالوا وان کان فی اعضائه شقوق امر علیھا الماء ان قدر والامسح علیھا ان قدر والا ترکھا وغسل ماتحتھا[2] اھ

اقول: بلکہ اس کو دھوئے اگر اس سے نقصان ہو تو مسح کرے اگر اس سے بھی ضرر ہو تو چھوڑ دے۔ علماء نے فرمایا ہے: "اگر اس کے اعضاء میں شگاف ہوگئے ہوں تو اگر قدرت ہو ان پر پانی بہائے ورنہ ہوسکے تو ان پر مسح کرے ورنہ چھوڑ دے اور ان کے نیچے کی جگہیں دھولے"۔ اھ (ت)

اقول: ان کان المراد بمسألة الشقوق ماذا وضع الدواء علیھا ومعنی امر علیھا امر علی دواء علیھا کماکان فی عبارة الدر فذاك والا فتقدیر مسح علیھا ان قدر والا اجری علی دواءٍ اوعصابة علیھا ان استطاع والا مسحه ان امکن والا ترك **ثمّ** بحمداللّٰه تعالٰی رأیت النص عن ائمتنا الثلٰثة رضی اللّٰه تعالٰی عنھم فی ظاھر الروایة انه یجوز ترك المسح اذا اضر فانقطع الخلاف۔ قال الامام ملك العلماء فی البدائع قدذکر محمد فی کتاب الصلاة

اقول: شگافوں کے مسئلہ سے اگر یہ مراد ہے کہ ان پر دوا چھوڑ رکھی ہو، اور ان پر پانی گزارنے کا یہ معنٰی ہے کہ ان شگافوں پر جو دوا ہے اس پر پانی بہائے جیسا کہ درمختار کی عبارت میں ہے تو یہ درست ہے ورنہ تقدیر معنی یہ ہوگی کہ ان شگافوں پر مسح کرے اگر اس کی قدرت ہو ورنہ جو دوا یا پٹّی لگا رکھی ہے اس پر پانی بہائے اگر ہوسکے، ورنہ مسح کرے اگر ممکن ہو ورنہ یہ بھی چھوڑ دے **پھر** بحمداللہ تعالٰی مجھے اپنے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ظاہر الروایۃ کی صریح عبارت مل گئی کہ مسح بھی ترک کردینا جائز ہے جب اس میں ضرر ہو اس سے اختلاف ختم ہوجاتا ہے۔ امام ملک العلماء بدائع میں

[1] تبیین الحقائق مسح الخفین مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۵۳

[2] تبیین الحقائق مسح الخفین مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۵۳

عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه اذا ترك المسح علی الجبائر وذلك یضرہ اجزأہ وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما الله تعالٰی اذاکان ذلك لایضرہ لم یجز فخرج جواب حنیفة فی صورة وخرج جوابهما فی صورة اخری فلم یتبین الخلاف ولاخلاف فی انه اذا کان المسح علی الجبائر یضرہ انه یسقط عنه المسح لان الغسل یسقط بالعذر فالمسح اولی[1] اھ۔

فرماتے ہیں: "امام محمد نے کتاب الصلوۃ میں امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ذکر فرمائی ہے کہ جب پٹّیوں پر مسح ترک کردے اور یہ مسح ضرر رساں رہا ہو تو یہ اس کے لئے کفایت کرجائے گا (جائز ہوگا) اور امام ابویوسف وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فرماتے ہیں: جب مسح سے ضرر نہ ہو تو (مسح چھوڑنا) جائز نہیں۔ تو امام ابوحنیفہ کا حکم الگ صورت میں ہے اور صاحبین کا حکم دوسری صورت میں۔ اس لئے کوئی اختلاف ظاہر نہ ہوا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب پٹّیوں پر مسح سے ضرر ہوتا ہو تو اس سے مسح ساقط ہے اس لئے کہ عذر کی وجہ سے تو دھونا بھی ساقط ہوجاتا ہے تو مسح بدرجہ اولٰی ساقط ہوگا"۔ اھ (ت)

وفی الحلیة فی باب الوضوء والغسل من الاصل اذا اغتسل من الجنابة ومسح بالماء علی الجبائر التی علی یدہ اولم یمسح لانه یخاف علی نفسه ان مسحه یجزئه قال فی الحلیة ذکرہ مطلقًا من غیران یضیفه الی احد[2] اھ ای فافاد انه قول الکل فثبت ان سقوط بعض الوظیفة لاجل الضرورة غیر غریب والله تعالٰی اعلم۔

اور حلیہ باب الوضوء والغسل میں اصل (مبسوط) کے حوالے سے ہے: "جب غسلِ جنابت کرے اور اپنے ہاتھ پر بندھی ہُوئی پٹّیوں پر پانی سے مسح کرلے یا بصورتِ مسح اپنی ذات پر خطرے کی وجہ سے مسح بھی نہ کرے تو جائز ہے"۔ حلیہ میں فرمایا ہے: "مبسوط میں یہ مسئلہ کسی کی طرف انتساب کے بغیر مطلقًا مذکور ہے" اھ یعنی اس طرح یہ افادہ فرمایا ہے کہ یہ سبھی حضرات کا قول ہے تو ثابت ہوا کہ ضرورت کی وجہ سے مقررہ عمل کا جز ساقط ہوجانا کوئی حیرت انگیز اور غریب امر نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] بدائع الصنائع مطلب شرائط جواز المسح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳

[2] حلیہ

غرض ثابت ہُوا کہ مذہب یہی ہے کہ اس صورت میں غسل ووضو کرے اور مسح معاف ہے اُس روایت تیمّم پر عمل جائز نہیں ولہذا ہم نے اسے شمار میں نہ لیا وباللہ التوفیق وللہ الحمد۔

(۱۵۶) نمبر ۸۸ میں دُر مختار سے گزرا کہ اگر آنکھ قدح کرائی اور طبیب نے چت لیٹے رہنے کو کہا ہے نماز اشاروں سے پڑھے

اقول: تو اگر غسل کی حاجت ہو تیمّم خود ظاہر ہے اور یہ نمبر ۴۱ ہے یوں ہی وضو میں جبکہ کوئی کرادینے والا نہ ہو یا وہ اُجرت زیادہ مانگے یا یہ قادر نہ ہُوا اور یہ نمبر ۴۲ تا ۴۵ ہے مگر ایک صورت دقیق یہاں اور نکلے گی کہ وضو کرانے والا موجود ہے لیکن پلنگ ناپاک اور بچھونا پاک ہے وضو کرنے سے بچھونا کہ اس کے اعضاء کے نیچے ہے ناپاک ہو جائے گا تو اب بھی تیمّم کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۵۷) پانی ہے مگر طہارت مطلوبہ کیلئے کافی نہیں تیمّم کرے مثلاً نہانا ہے اور صرف وضو کے قابل پانی ہے تو فقط تیمّم کرے کہ وضو کرنے یعنی اعضائے وضو دھونے سے غُسل نہ اُترے گا اور تیمّم سارے بدن کو پاک کردیگا تو وضو کرنا اس پانی کا ضائع کرنا ہے یہاں کفایت سے مراد قدر فرض کو کافی ہے مثلاً اتنا پانی ہے کہ غسل میں ایک بار کُلّی ایک بار ناک میں پانی ڈالنے ایک بار سارے بدن پر بہانے یا وضو میں ایک ایک بار کیلئے کافی ہے تیمّم نہیں ہو سکتا اسی واسطے ہم نے فرض طہارت کیلئے کافی پانی کہا۔

امام ملک العلماء فرماتے ہیں:

الجنب اذاوجد من الماء قدر مایتوضوء بہ لاغیر اجزأہ التیمم عندنا لان المأمور بہ الغسل المبیح للصلاۃ والذی لایبیح وجودہ عدم کمالوکان الماء نجسا ولان الغسل اذا لم یفد الجواز کان الاشتغال بہ سفھا مع(۱) ان فیہ تضییع الماء وانہ حرام [1]۔	جنب کو جب اتنا ہی پانی ملے جس سے صرف وضو کرسکتا ہو تو ہمارے نزدیک اس کیلئے تیمّم کرلینا کافی ہے اس لئے کہ اسے حکم تو اس غسل کا ہے جس سے نماز ہو جائے اور جس پانی کا وجود نماز کا جواز نہیں لاسکتا وہ عدم کے درجہ میں ہے جیسے اس صورت میں جب کہ پانی ہو مگر نجس ہو، دُوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب غسل سے جواز نماز کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو اس میں مشغولیت بیوقوفی ہے ساتھ ہی پانی کی بربادی بھی جو حرام ہے"۔اھ (ت)

درمختار میں ہے:

ناقضہ قدرۃ ماء کاف لطھرہ ولومرۃ مرۃ [2]	تیمّم توڑنے والی چیز ایسے پانی پر قدرت ہے جو طہارت کیلئے کفایت کرسکے اگرچہ ایک ایک بار۔ (ت)

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۰

[2] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶تا۱۸۷

ولہٰذا اگر پانی نہ پانے پر تیمّم کیا تھا اور اب پانی اتنا ملا کہ ایک ایک بار مُنہ ہاتھ اور ایک پاؤں دھویا اور پانی ختم ہوگیا تیمم نہ ٹوٹا کہ یہ پانی وضو کو کافی نہ تھا اور اگر اس نے دو دو بار اعضا دھوئے اور وضو پورا ہونے سے پہلے پانی ختم ہوگیا لیکن اگر ایک ایک بار دھونا تو کافی ہوتا تو تیمّم ٹوٹ گیا۔ خلاصہ و بحر وشامی میں ہے:

لوغسل به کل عضو مرتین اوثلاثا فنقص عن احدی رجلیه انتقض تیممه هو المختار عـه لانه لواقتصر علی المرة کفاه [1]۔	اگر اس پانی سے ہر عضو دو یا تین بار دھویا کہ ایک پاؤں دھونے کیلئے پانی گھٹ گیا تو اس کا تیمّم ٹوٹ گیا۔ یہی مختار ہے۔ اس لئے کہ اگر ایک بار دھونے پر اکتفا کرتا تو پانی کفایت کرجاتا۔ (ت)

(۱۵۸) جو آبادی سے دُور ہے مسافر خواہ غیر مسافر مثل شکاری وغیرہ اُس نے پانی سے میل دو میل فاصلہ پر خیمہ لگایا اور پانی اُس کے خیمہ کے دوسرے حصّے میں جس میں یہ خود نہیں کسی نے رکھا یا اس نے رکھوایا یا خود اسی نے رکھا تھا یا یہ مثلاً اُونٹ پر سوار ہے اگرچہ کسی کام ہی کیلئے شہر سے میل دو میل دُور ہوگیا ہو اور پانی کی پکھال اپنی ہی لٹکائی ہوئی دُم کی طرف ہے یا یہ اُونٹ کو پیچھے سے ہانک رہا ہے اور پکھال آگے کی جانب ہے یا نکیل پکڑے آگے چل رہا ہے اب چاہے پانی اونٹ کی گردن کی طرف ہو خواہ دُم کی جانب۔ یونہی اگر یہ گاڑی میں سوار ہے اور پانی ماچی میں ہے یا گاڑی ہانک رہا ہے اور پانی گاڑی کے کھٹولے میں ہے غرض پانی ایسی جگہ نہیں کہ اس کے پیشِ نظر ہو یا جس کا بھُولنا عادت سے بعید ہو ان سب صورتوں میں جب نماز کا وقت

عـه علماء نے حکم لگایا کہ ایک ایک بار کو پانی کافی تھا لہٰذا تیمّم ٹوٹ گیا اور فقیر نے بطور شرط کہا کہ اگر ایک ایک بار دھونے کو کافی ہوتا تو تیمّم ٹوٹ گیا **اقول:** اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے دو دو بار دھونے اور ایک پاؤں باقی رہ جانے کی صورت ذکر فرمائی اس صورت میں یقیناً اگر ایک ایک بار دھوتا پانی کافی ہوتا بلکہ بچ رہتا، اور فقیر نے استیعاب صور کیلئے یہ مطلق صورت رکھی کہ وضو تمام ہونے سے پہلے ختم ہوگیا، اس میں وہ صورت بھی نکلے گی کہ ایک ایک بار دھونے کو بھی پانی کفایت نہ کرتا مثلاً دو بار منہ دھویا اور دو بار داہنا ہاتھ اور پانی نہ رہا تو یہ پانی ایک ایک بار میں بھی کفایت نہ کرتا کہ ایک ہاتھ کا تو دو بار دونوں ہاتھوں کو کافی ہو جاتا اور منہ کا ایک بار دونوں پاؤں کو کفایت نہ کرتا لہٰذا اس تقیید کی حاجت ہوئی ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

آیا اسے پانی یاد نہ رہا یہ خیال کیا کہ میں پانی سے میل بھر یا زیادہ دُور ہوں تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی نماز ہوگئ۔ یہ صورت بھی شریعت مطہرہ کی رحمت نے پانی سے عجز کی رکھی ہے یہاں تک کہ اگر سلام پھیرتے ہی یاد آیا کہ پانی تو یہاں رکھا ہوا ہے یا میں نے خود ہی تو رکھا تھا جب بھی نماز پھیرنے کی حاجت نہیں، ہاں اگر نماز میں یاد آئے تو لازم ہے کہ نیت توڑے اور وضو کرکے نماز پڑھے یوں ہی پانی اگر اس کے پیشِ نظر یا ایسی جگہ ہے جہاں کار کھا ہوا آدمی عادۃً نہیں بھُولتا مثلاً اپنی پیٹھ پر مشک یا سواری کی حالت میں آگے رکھا ہُوا پانی یا پیچھے سے ہانکنے کی صورت میں اونٹ کے پیچھے لٹکا یا ہُوا تو بیشک ایسی بھُول معتبر نہیں نماز وضو کرکے پھر پڑھنی لازم درمختار میں ہے:

(صلی) من لیس فی العمران بالتیمم (ونسی الماء فی رحلہ) وھو ممایُنسی عادۃ (لااعادۃ علیہ) ولو (ا) ظن فناء الماء اعاد اتفاقا کمالونسیہ فی عنقہ اوظھرہ اوفی مقدمہ راکبا اومؤخرہ سائقا [1]۔	ایسا شخص جو آبادی میں نہیں اس نے تیمّم سے نماز پڑھ لی اور پانی اپنے خیمہ میں بھُول گیا اور یہ ایسی جگہ ہے کہ عادۃً آدمی بھُول جاتا ہے تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں اور اگر یہ گمان تھا کہ پانی ختم ہوگیا ہے تو بالاتفاق نماز کا اعادہ ہے جیسے اس صورت میں کہ پانی اس کی گردن یا پشت پر (سے لٹکی ہوئی مشک میں) ہو یا سوار ہونے کی حالت میں اس کے آگے حصّے میں ہو یا ہانکتے وقت سواری کے پچھلے حصے میں ہو اور بھول جائے تو اعادہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ من لیس فی العمران ای سواء کان مسافرا اومقیما منح ونوح افندی عن شرح الجامع لفخر الاسلام اما من فی العمران فتجب علیہ الاعادۃ لان العمران یغلب فیہ وجود الماء فکان علیہ طلبہ فیہ وکذا فیما قرب منہ کماقدمناہ والظاھر ان الاخبیۃ بمنزلۃ العمران لان اقامۃ الاعراب	ان کا قول "جو آبادی میں نہیں" یعنی خواہ مسافر ہو یا مقیم منح ونوح آفندی بحوالہ شرح جامع از فخر الاسلام۔ لیکن جو آبادی میں ہے تو اس پر اعادہ واجب ہے اس لئے کہ آبادی میں اکثر پانی موجود رہتا ہے تو اسے تلاش کرلینا لازم تھا اسی طرح آبادی سے قریب مقام کا بھی حکم ہے جیسا کہ اسے ہم نے پہلے بیان کیا اور ظاہر یہ ہے کہ خیمے بھی آبادی ہی کے درجہ میں ہیں اس لئے کہ ان

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۲تا ۱۸۳

فیھا لاتتأتی بدون الماء فوجودہ غالب فیھا ایضا وعلیہ فیشکل قولھم سواء کان مسافرا اومقیما فلیتأمل[1] اھ۔

اقول: لیس(۱) من شرط المقیم القرب من العمران اولیس من خرج للاحتطاب اوالاحتشاش اوالاصطیادو بعد عن المصر میلا فھو مقیم مباح لہ التیمم کمانص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا وقد تقدم ولم یریدوا بہ حضریا فی مصرہ اوقرویا فی قریتہ اوکردیا فی خبائہ حتی یشکل علیہ ثم قال رحمہ اللہ تعالٰی الرحل للبعیر کالسرج للدابۃ ویقال لمنزل الانسان ومأواہ رحل ایضا ومنہ نسی الماء فی رحلہ مغرب، لکن قولھم لوکان الماء فی مؤخرۃ الرحل یفید ان المرادالاول بحر، اقول الظاھر ان مراد ما یوضع فیہ الماء عادۃ لانہ مفرد مضاف فیعم کل رحل سواء کان منزلا اورحل بعیر وتخصیصہ باحدھما مما لابرھان علیہ نھر[2] اھ۔

میں اعرابی بغیر پانی کے نہیں رہتے تو ان خیموں میں بھی پانی اکثر موجود ہی رہتا ہے۔ اس کے پیشِ نظر فقہا کی اس عبارت میں "کہ خواہ مسافر ہو یا مقیم" اشکال ہے تو اسی میں تامّل کرنا چاہئے اھ۔ (ت)

اقول: مقیم ہونے کیلئے شرط نہیں کہ آبادی سے قریب ہی ہو جو لکڑی کاٹنے، یا گھاس لینے، یا شکار کرنے کیلئے نکلا، اور شہر سے ایک میل دُور ہوگیا وہ مقیم ہی ہے اور اس کیلئے تیمّم جائز ہے جیسا کہ اس پر خانیہ وغیرہ میں تصریح موجود ہے اور عبارت پہلے گزر چکی __ مقیم سے خاص اپنے شہر میں موجود شہری یا اپنے گاؤں میں موجود دیہی یا اپنے خیمہ میں موجود کرد" مراد نہیں کہ اس پر اشکال ہو۔ پھر علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: رَحل (کجاوہ) اُونٹ کیلئے ہوتا ہے جیسے سَرج (زین) سواری کے گھوڑے وغیرہ کیلئے اور آدمی کی منزل اور ٹھکانے کو بھی رَحل کہا جاتا ہے اسی سے ہے "نسی الماء فی رحلہ" (اپنی منزل میں پانی بھُول گیا__ مغرب__ لیکن ان کی یہ عبارت "اگر پانی رَحل کے پچھلے حصّے میں ہو" بتاتی ہے کہ رَحل سے مراد پہلا معنی (اُونٹ کا کجاوہ) ہے __بحر__ اور **میں کہتا ہوں** کہ اس سے مراد وہ ہے جس میں عادةً پانی رکھا جاتا ہو اس لئے کہ مفرد مضاف ہے تو ہر "رَحل" کو عام ہوگا خواہ منزل ہو یا اونٹ کا کجاوہ۔ اور کسی ایک سے خاص کرنے پر کوئی دلیل نہیں__ نہر۔ اھ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۳

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۳

اقول : اولا(۱) لیس الرحل(۲) مشترکا معنویاً بینهما لیعم بل مشترك لفظی ولذا فسروه بالتفسیرین لابتفسیر یشملهما کماسمعت من المغرب وقال فی المصباح المنیر الرحل مرکب للبعیر ورحل الشخص مأواه فی الحضر[1] اھ

وفی القاموس الرحل مرکب للبعیر کالراحول ومسکنك[2] الخ وفصله بقوله کالراحول یؤکده فان مسکن الانسان لایقال له راحول وکذلك فی قول المغرب لفظة ایضا ومثله فی مختار الصحاح الرحل مسکن الرجل ومایستصحبه من الاثاث والرحل ایضا رحل البعیر[3] اھ

وفی النهایة حدیث حولت رحلی البارحة حیث رکبها من جهة ظهرها کنی عنه بتحویل رحله اما ان یرید به المنزل واما ان یرید الرحل الذی ترکب علیه الابل وهو الکور[4] اھ.وفی مجمع البحار امانقلا من الرحل بمعنی المنزل اومن الرحل بمعنی الکور وهو للبعیر کالسرج للفرش[5] ومثله فی الدر النثیر

اقول : اوّلاً لفظ "رَحل" مذکورہ دونوں معنوں میں مشترک معنوی نہیں کہ دونوں کو عام ہو لکہ مشترک لفظی ہے اس لئے اہلِ لغت نے اس کی دونوں تفسیریں کی ہیں کوئی ایک ایسی تفسیر نہیں کی ہے جو دونوں کو شامل ہو۔ جیسا کہ مغرب کے حوالہ سے سنا المصباح المنیر میں ہے: "رَحل: اُونٹ پر سوار ہونے کی جگہ۔ رحل الشخص: حضر میں آدمی کا ٹھکانا اھ"۔

قاموس میں ہے: رَحل: اونٹ پر سواری کی جگہ، جیسے راحول اور بمعنی مسکن بھی ہے"۔ پہلے معنی کے ساتھ "جیسے راحول" کا اضافہ اس بات کی تائید کرتا ہے (کہ لفظ رحل کے الگ الگ یہ دونوں معنی ہیں جن میں یہ مشترک لفظی ہے) اس لئے کہ انسان کے مسکن کو "راحول" نہیں کہا جاتا۔ اور اسی طرح مغرب میں ایضًا (بھی) کے لفظ سے بھی تائید ہوتی ہے۔ اسی کے مثل مختار الصحاح میں ہے کہ: "رَحل: آدمی کا مسکن، اور وہ ساز وسامان جو ساتھ لئے ہو اور رَحل اُونٹ کے کجاوے کو بھی کہتے ہیں"۔ اھ۔ نہایہ میں ہے: "حدیث: حوّلت رَحلی البارحة" گزشتہ رات میں اپنا رَحل

---

1. المصباح المنیر لفظ الرحل مطبع مصطفی البابی مصر ۲۳۸/۱
2. القاموس المحیط باب اللام فصل الراء مطبع مصطفی البابی مصر ۳۹۴/۳
3. مختار الصحاح باب الراء مطبع مصطفی البابی مصر ص ۲۵۸
4. النہایۃ لابن اثیر لفظ رحل مکتبہ اسلامیہ بیروت ۲۰۹/۲
5. مجمع بحار الانوار باب الراء مع الحاء مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/۲ ۷ ۴

للامام جلال السیوطی واقتصر الامام الراغب فی مفرداته علی التفسیر الاوّل فقال الرحل مایوضع علی البعیر للرکوب ثم یعبربه تارۃ عن البعیر وتارۃ عما یجلس علیه فی المنزل [1] اھ لانه لیس فی الکتاب العزیز الا بهذا المعنی فافاد ایضاً انه موضوع له مستقلا فکذا الثانی وعلی هذا کلام عامة ائمة اللغة۔

وثانیا: لو(۱) سلم لیس هذا محل التعمیم واستغراق الافراد بل الوجه الاستناد الی الاطلاق فافهم قال رحمه الله تعالٰی قوله وهو مما ینسی عادۃ الجملة حالیة ومحترزه قوله کمالو نسیه فی عنقه الخ قوله لااعادۃ علیه ای اذا تذکر بعدمافرغ من صلاته فلو تذکر فیها یقطع ویعید اجماعا سراج. واطلق یشمل مالوتذکر فی الوقت اوبعده کمافی الهدایة وغیرها خلافا لماتوهمه فی المنیة. ومالوکان الواضع

تبدیل کردیا جب اس پرپُشت کی طرف سے سوار ہوئے۔ اس سے رَحل بدلنے کا کنایہ ہے یا تو اس سے منزل مراد ہو یا کجاوہ جس پر اُونٹوں پر سوار ہوتے ہیں اھ۔ مجمع البحار میں ہے: یا تو رحل بمعنی منزل منقول ہے یا رحل بمعنی کجاوہ سے منقول ہے اور یہ اونٹ کیلئے ہوتا ہے جیسے زین گھوڑے کیلئے اھ۔ اس کے مثل امام جلال الدین سیوطی کی "الدر النثیر" میں ہے۔ اور امام راغب نے مفردات میں صرف پہلی تفسیر ذکر کی ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے: "رَحل وہ ہے جو اُونٹ پر سواری کیلئے رکھا جاتا ہے پھر کبھی اونٹ کو بھی رَحل کہتے ہیں اور کبھی اسے بھی جس پر منزل میں بیٹھتے ہیں" اھ۔ انہوں نے صرف پہلا معنی اس لئے ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے اس سے یہ افادہ ہُوا کہ اس معنی کیلئے مستقلًا اس کی وضع ہُوئی ہے تو دوسرا معنی بھی ایسا ہی ہوگا۔ اور عامہ ائمہ لغت کا کلام یہی ہے۔ (ت)

ثانیًا: اگرمان بھی لیا جائے تو یہ تعمیم اور استغراق افراد کا موقع نہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ مطلق رکھا جائے فافہم۔ علّامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ان کا قول "وهو ممایںسی عادۃ" (اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں عادۃً آدمی بھول جاتا ہے) جملہ حالیہ ہے اور اس میں اس سے احتراز ہے جو آگے کمالو نسیه فی عنقه الخ کے تحت بیان کیا قوله لا اعادۃ علیه (اس پر اعادہ نہیں) یعنی جب نماز سے فارغت کے بعد یاد آئے۔ اگر نماز ہی میں یاد آجائے تو بالاجماع نماز توڑ کر اعادہ کرے گا__ سراج__ اور نماز سے فراغت

للماء فی الرحل هو اوغیره بعلمه بامره اوبغیر امره خلافا لابی یوسف امالوکان غیره بلاعلمه فلااعادۃ اتفاقا حلیة [2] اھ

اقول: یوهم (۱) ان فی المنیة حکم الاعادۃ فی احد

کے بعد یاد آنے کو مطلق ذکر کیا تاکہ وقت کے اندر یا وقت کے بعد کسی بھی وقت یاد آئے دونوں کے شامل رہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہا میں ہے اُس کے برخلاف جو منیہ میں وہم کیا اور یہ اس کو بھی شامل ہو جب منزل میں پانی رکھنے والا وہ خود ہو یا دوسرے نے اس کے علم میں رکھا ہو اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر__

[1] المفردات للامام الراغب الاصفہانی الراء مع الحاء نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۹۰
[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفٰی البابی مصر ۱/۱۸۳

الفصلین ولیس کذلك انّما توھما فی تخصیص خلاف ابی یوسف بصورۃ التذکر فی الوقت حیث قال ان کان معہ ماء فی رحلہ فنسیہ وتیمّم وصلی ثم تذکر فی الوقت لم یعد عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمہما اللہ تعالٰی وان تذکر بعد الوقت لم یعد فی قولھم جمیعا[1]۔قال رحمہ اللہ تعالٰی قولہ (فی عنقہ) ای عنق نفسہ (او مقدمہ) ای مقدم رحلہ واحترزبہ عما لونسیہ فی مؤخرہ راکبا اومقدمہ سائقا فانہ علی الاختلاف وکذا اذاکان قائدا مطلقًا بحر[2]۔	بخلاف امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے __ اور اگر دوسرے نے اس کی لاعلمی میں رکھا ہو تو بالاتفاق اس پر اعادہ نہیں۔ حلیہ اھ۔ (ت) **اقول:** عبارت بالا سے منیہ کے متعلق وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس کے اندر ایک صورت میں اعادہ کا حکم بیان کیا گیا ہے حالانکہ ایسا نہیں منیہ کا وہم یہ ہے کہ اس میں امام ابویوسف کا اختلاف صرف اندرونِ وقت یاد آنے والی صورت سے خاص کردیا ہے (جب کہ ان کا اختلاف اِس صورت میں بھی ہے اور اُس صورت میں بھی ہے جب پانی خود رکھا ہو یا اس کے علم واطلاع میں دوسرے نے رکھا ہو اور یہ بھُول گیا ہو ۱۲م الف) منیہ کی عبارت یہ ہے: "اگر اس کے ساتھ خیمہ میں پانی ہو جسے یہ بھُول گیا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اسے وقت کے اندر یاد آگیا تو امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک اعادہ نہیں اور اگر وقت گزرنے کے بعد یاد آیا تو تینوں حضراتِ ائمہ کے نزدیک اعادہ نہیں" اھ۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: قولہ "فی عنقہ" یعنی خود اپنی گردن میں (اومقدمہ) یعنی کجاوے کے اگلے حصہ میں اس لفظ کے ذریعہ اس

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۴۹

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۳

	صورت سے احتراز مقصود ہے جب وہ سوار ہونے کی حالت میں کجاوے کے پیچھے رکھا ہُوا پانی یا جانور ہانکنے کی حالت میں کجاوے کے آگے رکھا ہوا پانی بھول گیا ہو کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔اسی طرح جب جانور کی نکیل پکڑ کر آگے لیے جارہا ہو تو اس میں مطلقًا (پانی کجاوے کے آگے رکھا ہو یا پیچھے دونوں ہی صورتوں میں) اختلاف ہے۔بحر۔(ت)

(۱۵۹) مسافر رات کو کنویں یا جھیل کے پاس اُترا چاہ و نہر جھاڑی کے اندر ہیں یا کُنواں ڈھکا ہوا ہے اگرچہ خاص اُسی پر اس نے خیمہ تانا ہو غرض نہ اُسے جنگل میں پانی ہونے کا علم ہے نہ پانی ظاہر نہ وہاں کوئی واقف کار جس سے پُوچھ سکے اس حالت میں اُس نے تیمّم سے نماز پڑھ لی تو یہ بھی صورت عجز ہے اقول یہاں بھی اعادہ نہ کرے گا اگرچہ سلام کے بعد ہی پانی وہاں ہونا معلوم ہوجائے کہ یہاں صورت سابقہ سے بھی عذر واضح تر ہے وہاں علم تھا نسیان سے جاتا رہا اور یہاں سرے سے علم نہیں۔منیہ میں ہے:

اذا تیمم وصلی والماء قریب منه وھو لایعلم اجزأہ[1]۔	پانی اس سے قریب ہے اور جانتا نہیں ایسی صورت میں تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو جائز ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

ظاھر ھذا وماقدمناہ عن شرح الجامع الصغیر لقاضی خان ومحیط الامام رضی الدین ان ھذا الحکم علی الوفاق وقد افصح به فی التجنیس حیث قال صلی بالتیمم وفی جنبه بئر ماء لم یعلم بھا جاز علی قولھم ومافی جامع الفتاوٰی ضرب الخیمة علی بئر مندرس وتیمم وصلی ثم علم فالاحسن اعادتھا انتھی لایخالفه وھو ظاھر ثم فی المحیط قیدہ بما اذالم یکن بحضرته من یسأله عن الماء معللا بان الجھل یعجزہ عن استعمال الماء کالبعد ولم	یہ عبارت اور جو ہم نے امام قاضی خان کی شرح جامع صغیر اور امام رضی الدین کی محیط کے حوالہ سے پہلے ذکر کی دونوں کا ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم بالاتفاق ہے۔اور تجنیس میں اس کی صراحت بھی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:"اس کی بغل میں پانی کا کنواں ہے جس کا اسے علم نہیں اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو ان سب کے قول پر جائز ہے"۔اور جامع الفتاوٰی کی درج ذیل عبارت اس کے مخالف نہیں جیسا کہ واضح ہے:"کسی بے نشان کنویں پر خیمہ لگایا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر کنویں کا علم ہُوا تو نماز کا اعادہ بہتر ہے انتہی"۔پھر محیط میں اس مسئلہ کو اس شرط سے مقید کیا ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسا

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۹

كن مقتصرا فى جهلة قال وان كان بحضرته من يسأله فلم يسأله حتى تيمم وصلى ثم سأله فاخبره بماء قريب لم تجز صلاته لانه قادر على استعماله بواسطة السؤال فاذالم يسأله جاء التقصير من قبله كالذى نزل بالعمران ولم يطلب الماء لم يجز تيممه انتهى وسنذكر عن البدائع مايوافقه فى هذا الشرط [1] اھ

اقول: وقول المحيط ثم سأله غير قيد بل كذلك الحكم لواخبره بدء كمالايخفى وكذلك قوله اخبره خرج وفاقا فكذلك الحكم ان علم بعد بنفسه فان المناط تفريطه فى السؤال وقد حصل ثم ذكر فى الحلية عن المجتبى ماظاهره ان ابايوسف رحمه الله تعالٰى يخالف فى هذه ايضا كمسألة النسيان وعن الخانية ماظاهره مثله مع افادة ان عن ابى يوسف فى كلتا مسألة النسيان والجهل روايتين وعن المبتغٰى ماظاهره خلافه على رواية ههنا اذا كان على شاطئ النهرلا البئر حيث قال ولوصلى به وبجنبه بئر ماء لم يعلم بها جازت صلاته وان كان ذلك على شاطئ النهر عن ابى يوسف فيه روايتان [2] اھ

ثم وجّه هذا الخلف

شخص نہ ہو جس سے پانی کے متعلق دریافت کرسکے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ لاعلمی پانی کے استعمال سے عجز کا باعث ہے جیسے پانی کی دُوری اور اس لاعلمی میں اس کی کوئی تقصیر اور کوتاہی نہیں۔ آگے فرمایا ہے: اگر اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جس سے یہ دریافت کرسکتا تھا مگر دریافت نہ کیا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر پوچھا تو اس نے قریب ہی پانی ہونے کی خبر دی تو ایسی صورت میں نماز نہ ہوئی اس لئے کہ وہ دریافت کرکے پانی کے استعمال پر قادر تھا۔ جب دریافت نہ کیا تو کوتاہی اس کی جانب سے ہُوئی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آبادی میں اُترا اور پانی تلاش نہ کیا تو اس کا تیمّم جائز نہیں اھ۔ اور عنقریب ہم بدائع کی عبارت ذکر کریں گے جو اس شرط میں محیط کے موافق ہے"۔اھ (یہاں تک کی عبارتیں حلیہ سے منقول ہیں) (ت) **اقول:** محیط میں جو فرمایا ہے کہ "پھر اس سے پُوچھا" یہ قید نہیں بلکہ اگر اس نے نہ پُوچھا اور اس نے از خود بتادیا تو بھی یہی حکم ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ اسی طرح ان کا یہ قول "اس نے قریب میں پانی ہونے کی خبر دی" اتفاقی طور پر ہے اس لئے کہ اگر اس نے خبر نہ دی بلکہ بعد میں اس نے از خود جان لیا تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ تیمّم جائز نہ ہونے کا مدار اس پر ہے کہ اس نے دریافت کرنے میں کوتاہی کی اور یہ امر حاصل ہے (اس طرح کہ بتانے والے کے ہوتے ہُوئے اس نے دریافت نہ کیا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی) پھر حلیہ میں مجتبٰی کے حوالہ سے ایک کلام ذکر کیا ہے جس کا ظاہر یہ ہے کہ مسئلہ نسیان کی طرح اس مسئلہ میں بھی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے ــــ اور خانیہ کی عبارت بھی

1 حلیۃ المحلی

2 حلیۃ المحلی

بان من حکی الوفاق اختار الروایة الموافقة ولم یطلع علی الروایة المخالفة وبالعکس ثم قال وفی الخلاصة لوضرب الفسطاط علی رأس بئر قدغطی رأسھا ولم یعلم بذلك فتیمّم وصلی ثم علم بالماء امرته بالاعادة[1] انتہی فافاد ظاھرا ضد مافی الکتاب من غیر حکایة خلاف[2] اھ **اقول:** یمکن(۱) ان یرید امرته ندبا فیکون مثل مافی جامع الفتاوٰی ولایخالف الجم الغفیر ثم راجعت الخلاصة فوجدت تمامه فیھا وھو مروی عن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی[3] اھ فبِتَرك ھذا نشأظن المخالفة بینھا وبین مافی الکتاب ولعله ساقط من	ذکر کی ہے جس کا ظاہر اسی کے مثل ہے ساتھ ہی اس سے یہ افادہ بھی ہوتا ہے کہ نسیان اور لاعلمی دونوں ہی مسئلوں میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے دو۲ روایتیں ہیں__اور مبتغٰی کے حوالہ سے وہ ذکر کیا ہے جس کا ظاہر یہ ہے کہ یہاں ایک روایت کی بنیاد پر ان کا اختلاف اس صورت میں ہے جب وہ کسی دریا کے کنارے ہو۔کُنویں کے پاس ہونے کی صورت میں ان کا اختلاف نہیں۔ عبارت یہ ہے: "اگر اس کے پاس پانی کا کنواں ہے جس کا اُسے علم نہیں اور تیمّم سے نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہوگئی،اور اگر دریا کے کنارے ایسا ہوا تو اس بارے میں امام ابویوسف سے دو۲ روایتیں ہیں اھ" پھر اس اختلاف کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ جس نے اتفاق کی حکایت کی ہے اس نے موافقت والی روایت اختیار کی یا مخالفت والی روایت پر اسے اطلاع نہ ہوئی اسی طرح برعکس (یعنی حکایت اختلاف والے نے صرف روایتِ مخالفت اختیار کی یا روایتِ موافقت پر اسے اطلاع نہ ہُوئی ۱۲ م الف) پھر فرمایا: خلاصہ میں ہے: "اگر کسی ایسے کنویں کے اوپر خیمہ لگایا جس کا مُنہ بند ہے اور اسے اس کا پتہ نہ چلا، تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اسے پانی کا علم ہُوا تو میں اسے اعادہ کا حکم دُوں گا انتہی تو صاحبِ خلاصہ نے حکایتِ اختلاف کے بغیر بظاہر اس کے برخلاف افادہ فرمایا جو کتاب میں ہے۔ (حلیہ کی عبارت ختم ہوئی) اھ (ت) **اقول:** ہوسکتا ہے ان کی مراد یہ ہو کہ "استحباباً میں اسے یہ حکم دُوں گا" اس طرح یہ کلام بھی جامع الفتاوی کے مثل ہوگا اور جم غفیر کے مخالف نہ ہوگا پھر میں نے "خلاصہ" کو دیکھا تو اس میں پُوری بات ملی وہ یہ کہ "یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے" اھ اتنا چھوڑدینے سے یہ گمان پیدا ہوا کہ

---

[1] حلیہ بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

نسختہ وقد(۱) زلت بہ قدم قلم العلامۃ المحقق البحر فمشی علیہ فی البحر موھما انہ قول الکل اوالمختار فی المذھب ولیس کذلك کما علمت وقدقال ایضا فی الھندیۃ عن المحیط اذاضرب خباء ہ علی رأس بئر غطی رأسھا وفیھا ماء وھو لایعلم اوکان علی شط النھر وھو لایعلم فتیمم وصلی بہ جاز عندھما خلافا لابی یوسف رحمھم اللہ تعالٰی [1] اھ فقد انکشف اللبس وللہ الحمد وبہ تعالی العصمۃ۔	خلاصہ اور کتاب کے بیان میں باہم اختلاف ہے۔ ہوسکتا ہے صاحب حلیہ کے نسخہ میں اتنی عبارت ساقط ہو۔ اسی کی وجہ سے علّامہ محقق بحر کا پائے قلم لغزش میں پڑ گیا تو وہ البحر الرائق میں اسی حکم پر چلے گئے اور اس طرح بیان کیا جس سے وہم ہوتا ہے کہ یہ سب کا قول ہے یا یہی مذہب میں مختار ہے حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اور ہندیہ میں بھی محیط کے حوالہ سے لکھا ہے: "جب ایسے کنویں پر خیمہ لگایا جس کا منہ بند ہے اور کنویں میں پانی ہے۔ اور یہ جانتا نہیں یا وہ دریا کے کنارے ہے اور اسے پتہ نہیں تو تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، یہ طرفین (امام اعظم وامام محمد) کے نزدیک جائز ہے بخلاف امام ابو یوسف کے۔ رحمہم اللہ تعالٰی اھ۔ اس تصریح سے التباس دُور ہوگیا۔ اور ساری خُوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں اور حفاظت اسی سے ملتی ہے۔ (ت)

(۱۶۰) سفر میں باپ بیٹے ہمراہ ہیں پانی دونوں کی ملک مشترک یا تنہا بیٹے کی ملک اور ایک ہی کیلئے کافی ہے اور باپ اس سے طہارت کرنا چاہتا ہے بیٹے کو جائز نہیں کہ اُس سے مزاحمت کرے کہ باپ وقتِ حاجت ملک اولاد کا مالک بن سکتا ہے لہذا بیٹے پر لازم کہ تیمّم کرے فتاوی امام قاضیخان میں ہے:

لوکان الماء بین الاب والابن فالاب اولی بہ لان لہ حق تملك مال الابن [2]۔	اگر پانی باپ اور بیٹے کے درمیان مشترک ہو تو باپ زیادہ حقدار ہے کیوں کہ اسے مالِ فرزند کا مالک بننے کا حق حاصل ہے۔ (ت)

اسی طرح اُس سے خزانۃ المفتین وہندیہ واشباہ فن ثالث قول فی الدین میں ہے۔

اقول: ولایختص بالشرکۃ بل لوکان کلہ ملك ولدہ فالحکم کذلک	**اقول:** یہ حکم ملک میں شرکت کی صورت سے ہی خاص نہیں۔ اگر سارا پانی بیٹے کی مِلک ہو تو بھی

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱

[2] فتاوٰی قاضیخان فصل فیما یجوز لہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

اذا ارادہ الاب بدلیل الدلیل وزدت ان یرید الاب التطھیر بہ لان لہ ان یترکہ لابنہ ویتیمم فح لاعجز بالولد بل لوکان ملك الابن فما لم یظھر الاب اِرَادتَہ لایثبت عجز الابن حتی(۱) لوکان متیمما قبلہ انقض فان اخذہ الابُ اعاد تیمّمہ۔	حکم ہے جب کہ باپ طہارت کا قصد کرلے باپ کے قصد طہارت کا اضافہ میں نے اس لئے کیاکہ اسے یہ بھی اختیار ہے کہ پانی بیٹے کیلئے چھوڑ دے اور خود تیمّم کرلے ایسی صورت میں بیٹا عاجز نہ ہوگا۔ بلکہ اگر پانی بیٹے کی ملک ہے تو جب تک باپ اپنے قصد طہارت کا اظہار نہ کرے بیٹے کا عجز ثابت نہ ہوگا یہاں تک کہ پانی ملنے سے پہلے بیٹا اگر تیمّم سے تھا تو بعدِ ملک اس کا تیمّم ٹوٹ گیا اب اگر وہ پانی لیتا ہے تو بیٹے کو دوبارہ تیمّم کرنا ہوگا۔ (ت)

(۱۶۱)اقول: باپ بیٹے کو جنگل میں مباح پانی ملا کہ ایک ہی کو کافی ہے اگر باپ وہاں پہلے پہنچ گیا اس کا قبضہ ہوگیا جب تو ظاہر ہے کہ بیٹا تیمّم کرے کہ اب وہ ملک غیر ہے کہ مباح استیلا سے ملک ہوجاتا ہے یہ نمبر ۵۳ ہوا۔ اور اگر بیٹا پہلے پہنچا قابض ہُوا تو یہی نمبر ۱۵۵ ہے اور اگر دونوں ایک ساتھ پہنچے اگر باپ نے پہلے سے کہہ دیا تھا کہ پانی میں لُوں گا تو بیٹے کو مزاحمت جائز نہیں پانی پر صرف باپ کی قدرت ثابت ہوگی یہاں تک کہ اگر پہلے سے بیٹے کا تیمّم تھا نہ ٹوٹے گا اور نہ تھا تو اب تیمّم کرے گا اور اگر پہلے سے ایسا نہ کہا تھا تو دونوں قادر ہوگئے اگر پہلے سے تیمّم کئے تھے جاتے رہے اب اگر باپ اس پانی کو لینا چاہے بیٹا دوبارہ تیمّم کرے ھذا کلہ ماظھر لی تفقھا وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی (یہ سب بطورِ تفقہ میرے اوپر ظاہر ہُوا اور امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہوگا۔ت)

تنبیہ: خانیہ[۲] وخلاصہ واشباہ ودُرِمختار وغیرہا میں ہے کہ جنگل میں جُنب وحائض ومحدث ومیّت ہیں مباح پانی قابلِ غسل ملا کہ ایک ہی کو کافی ہے تو جنب اولٰی ہے وہ نہائے اور حائض ومحدث تیمّم کریں اور میت کو تیمّم کرایا جائے۔

وھذا نظم الدر الجنب اولی بمباح من حائض اومحدث ومیت ولولاحدھم(۳) فھو اولی ولومشترکا ینبغی صرفہ للمیت[1]۔	اور دُرمختار کی عبارت یہ ہے: "جُنب آب مباح میں حائض، محدث اور میت سے اولٰی ہے اور اگر پانی ان میں کسی کی ملک ہو تو وہی مستحق ہے اور اگر ملک میں سب کی شرکت ہے تو چاہئے کہ سب اپنا حصہ میت کو دے دیں۔ (ت)

[1] الدر المختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

اقول: یہ شکل پانی سے عجز کی نہیں یہاں[۱] تک کہ اگر تینوں متیمم تھے اب یہ آبِ مباح ملا سب کا تیمّم ٹوٹ گیا جب جنب اُس سے نہائے حائض ومحدث دوبارہ تیمّم کریں۔

فان(۲) وجد ان مباح یکفی لاحدھم علی سبیل البدلیة ینقض تیممھم جمیعا لان کل واحد منھم صارقادرا [1] کما فی خزانة المفتین عن الکبری وفی الخلاصة خمسة من المتیمّمین وجدوا من الماء المباح قدر مایتوضوء بہ احدھم انتقض تیمّم الکل ولو (۳) جاء رجل بکوزمن ماء وقال لیتوضأ بہ ایکم شاء انتقض تیمّم الکل وان کان الماء یکفی لاحدھم ولوقال ھذا الماء لمن یرید فکذلك [2] اھ۔	اس لئے کہ اگرآبِ مباح اس مقدار میں ملا کہ بطور بدلیت ان میں سے ہر ایک کیلئے کافی ہوگا تو سبھی کا تیمّم ٹوٹ گیااس لئے کہ ان میں ہر ایک قادر ہوگیا جیسا کہ خزانۃ المفتین میں بحوالہ کبری لکھا ہوا ہے۔ خلاصہ میں ہے: "ایسے پانچ آدمیوں کو جو تیمّم سے ہیں آبِ مباح اس مقدار میں ملا کہ ان میں کسی ایک کیلئے کافی ہوگا تو سب کا تیمّم ٹوٹ گیااور اگر کوئی اپنے پانی کا برتن لے آیا اور کہا تم میں سے جو چاہے وضو کرلے تو سب کا تیمّم ٹوٹ گیا اگرچہ پانی صرف ایک شخص کیلئے کفایت کرسکتا تھااور اگر کہا: "یہ پانی اس کیلئے ہے جو چاہے تو بھی یہی حکم ہے"۔ اھ (ت)

باپ[۴] جب اُسے لینا چاہتا ہے بیٹا شرعًا ممنوع ہوگیااور منع شرعی بھی موجب عجز ہے۔

کماتقدم عن الفتح فی ماء الحب والماء الموھوب وکذا الماء (۵) المملوك ملکا فاسدا اذا اذن بہ الشرکاء لاحدھم لاینتقض تیمّمہ قال فی البحر لایخفی انہ وان کان مملوکا لایحل التصرف فیہ فکان وجودہ کعدمہ [3] اھ ونازع فیہ النھر بماھو من مثلہ عجیب۔	جیسا کہ سبیل کے پانی اور ہبہ شدہ پانی کے بیان میں فتح القدیر کے حوالہ سے گزرااسی طرح جو پانی ملک فاسد کے طور پر ملکیت میں آیا ہےاس سے متعلق شرکاء جب کسی ایک کو اجازت دے دیں تو اس کا تیمّم نہ ٹوٹے گا۔ البحرالرائق میں ہے: "مخفی نہ رہے کہ یہ اگرچہ مملوک ہے مگر اس میں تصرف روا نہیں تو اس کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے"۔ اھ اس مسئلہ پر صاحبِ بحر سے ان کے برادر صاحب نہر نے اختلاف کرتے ہوئے ایسی بات لکھی ہے جو ان جیسی شخصیت کے قلم سے تعجب خیز ہے۔ (ت)

[1] خزانۃ المفتین

[2] خلاصۃ الفتاوٰی خمسۃ من المتیممین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۷

[3] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۴

بخلاف جنب کہ جب یہاں اس کا تنہا استحقاق جبری نہیں صرف اولویت ہے، محدث[۱] سے اس لئے کہ جنابت اغلظ ہے اور حائض سے محض اس مصلحتِ افضلیت کے لئے وہ تو امامت کر نہیں سکتی، جنب امام ہوگا اب اگر حائض نہائے اور جنب تیمّم کرے تو یہ غاسل کی اقتداء متیمم سے ہوگی اور یہ[۲] اگرچہ صحیح وجائز ہے مگر عکس افضل ہے، لہذا مناسب کہ جنب نہائے اور حائض تیمّم کرے اور میت سے یوں کہ غسلِ جنابت کا ثبوت قرآن عظیم سے ہے اور غسل میت کا سنّت واجماع سے، ایسے ہلکے مصالح کیلئے جنب کو ترجیح دی ہے نہ یہ کہ اُس کا استحقاق اوروں کو پانی سے عاجز کردے، **فی ردالمحتار الجنب اولی بمباح ھذا بالاجماع تاترخانیة**[1] اھ (ردالمحتار میں ہے: جُنب آبِ مباح کا زیادہ حقدار ہے، یہ بالاجماع ہے۔ تاتارخانیہ اھ۔ت)

اقول: ھذا عجب بل جمھور المشایخ علی اولویة المیت وان کان الاصح الاول ففی البحر عن الظھیریة قال عامة المشایخ المیت اولی وقیل الجنب اولی وھو الاصح[2] اھ ونازعه ط بانه حیث کان المشترك ینبغی صرفه للمیت (ای کماتقدم عن الدر) فالمباح اولی[3] اھ ای اذا امروا ندبا بصرف ملکھم للمیت فما لاملك لھم فیه اولی واجاب ش بانه ینبغی لکل منھم صرف نصیبه للمیت حیث کان کل واحد لایکفیه نصیبه ولایمکن الجنب ولاغیرہ ان یستقل بالکل لانه مشغول بحصة المیت وکون الجنابة اغلظ لایبیح استعمال حصه المیت فلم یکن الجنب اولی بخلاف ما اذا کان الماء مباحا فانه حیث امکن به رفع	**اقول:** یہ عجیب بات ہے جمہور مشائخ میت کو زیادہ حقدار کہتے ہیں اگرچہ اصح اوّل ہے البحرالرائق میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے: "عامہ مشائخ کا قول ہے کہ میت زیادہ حقدار ہے اور کہا گیا کہ جنب اولی ہے اور یہی اصح ہے"۔ اھ۔ سید طحطاوی نے اس سے اختلاف کرتے ہُوئے لکھا ہے کہ: "جب مشترک پانی میت کیلئے صرف کرنا چاہئے (یعنی جیسا کہ درمختار کے حوالہ سے گزرا) توآبِ مباح بدرجہ اولی اسی کا حق ہوگا"۔ اھ یعنی بطور استحباب جب یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملکیت کا حصّہ میت کو دے دیں تو جس میں ان کی ملکیت نہیں اس کیلئے بدرجہ اولیٰ یہ حکم ہوگا علّامہ شامی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ "ہر ایک کو اپنا حصّہ میت کو اس وقت دے دینا چاہئے جب کہ ہر ایک کی یہ حالت ہے کہ اس کا اپنا حصہ اس کیلئے کفایت نہیں کرسکتا اور جنب وغیر جنب کوئی بھی سارا

الجنابة کان اولی[4] اھ ای ان المشترك لایمکن لاحدھم الاستقلال به لمکان حصّة المیت فان	پانی اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا اس لئے کہ اس میں میت کا حصّہ بھی شامل ہے اور حدیثِ جنابت کا زیادہ سخت ہونا اس کی اجازت

1 ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفیٰ البابی مصر ۱/۱۸۶
2 البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی ۱/۱۴۳
3 طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفة بیروت ۱/۱۳۳
4 ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفیٰ البابی مصر ۱/۱۸۶

سمحوا به امکن غسله والایمم وتیمموا فکان السماح اولی بخلاف المباح فان لکل ان یستقل به وقد امکن به رفع الجنابة فکان الجنب اولی۔

اقول: یحتاج(۱) الی تتمیم فان مجرد جواز استقلال کل به انما نفی ماذکر من داعی اولویة الصرف للمیت وھو لاینفی ان یکون له داع اٰخر فضلا (۲) عن ثبوت اولویة الجنب۔

وانا اقول: المباح انما یملك بالاستیلاء والمیت لیس من اھله فلاحق له فیه بخلاف الباقین والجنب ارجحھم لمایأتی فکان اولی وسنذکر

نہیں دیتا کہ جنب میت کا حصّہ بھی استعمال کرے اس لئے جنب اولیٰ نہ ہوا مگر آبِ مباح کی صورت اس کے برخلاف ہے کیونکہ جب اس سے جنابت دُور کی جاسکتی ہے تو جنب ہی اولیٰ ہے" اھ یعنی آب مشترک کو ان میں کوئی بھی پُورے طور سے اپنے استعمال میں نہیں لاسکتا اس لئے کہ اس میں میت کا بھی حصّہ موجود ہے لیکن اگر یہ سب اپنا حصّہ میت کو دے دیں تو اس کا غسل ہوجائے گا ورنہ اسے بھی تیمّم کرایا جائیگا اور یہ سب بھی تیمّم ہی کرسکیں گے تو دے دینا اولیٰ ہُوا آبِ مباح کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ ہر ایک اسے پُورے طور سے استعمال کرسکتا ہے اور اس سے رفعِ جنابت ممکن ہے تو جنب کا استعمال کرنا اُولیٰ ہوا۔ (ت)

اقول: ابھی یہ جواب ایک تتمہ کا محتاج ہے اس لئے کہ محض اس بات سے کہ ہر ایک کو آبِ مباح پُورے طور سے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ استعمال میت کے اولیٰ ہونے کا جو سبب پہلے بیان ہوا وہ یہاں نہیں ہے مگر اتنے سے کسی دوسرے سبب اور داعی کی نفی ہوتی (ہوسکتا ہے کہ یہاں اُس کی اَولویت کا وہ سبب تو نہ ہو مگر کوئی اور سبب موجود ہو۔ م الف) پھر جنب کے میت سے بھی اولیٰ ہونے کا ثبوت تو ابھی دُور کی بات ہے۔ (ت)

وانا اقول: (اب تکمیلِ جواب کیلئے میں کہتا ہوں) مباح قبضہ کرنے سے ہی ملک میں آتا ہے۔ اور میت اس کا اہل نہیں، تو اس میں اس کا حق بھی نہیں۔ باقی (جنب، حائض، محدث)

تمامه ان شاء الله تعالٰی اماوجه القول الاصح فقال ش الجنابة اغلظ من الحدث والمرأة لاتصلح اماما [1] اھ وفی ط اولٰی من حائض لامکان تیممها بالتراب واقتدائها به واقتداء المتیمم بالمتطهر افضل من عکسه مع عدم تأتیه هنا [2] اھ

اقول: بل(۱) یتأتی بان یتیمم الجنب وتغتسل هی ولایتوهم العکس بمعنی امامة المرأة هذا وسکت ش وجه تقدیم الجنب علی المیت وقال فقیه النفس فی الخانیة لان غسله فریضة وغسل المیت سنة [3] اھ قال فی الاشباہ مرادہ ان وجوبه بها بخلاف غسل الجنب فانه فی القرآن [4] اھ وتعقبه السید الحموی بانه انما یتوهم هذا التاویل لولم یکن هناك قول بالسنیة امامع وجودہ فلا [5] اھ وقال قبله قال

کا حال اس کے برخلاف ہے اور ان میں جنب کو ترجیح حاصل ہے تو وہی اولیٰ ہے۔ وجہ ترجیح کا بیان آگے آرہا ہے اور اس کی تکمیل بھی ہم اِن شاء اللہ ابھی ذکر کریں گے۔ قولِ اصح کی وجہ بتاتے ہوئے علّامہ شامی نے یہ لکھا: "اس لئے کہ جنابت، حدث سے زیادہ سخت ہے اور عورت قابلِ امامت نہیں" اھ۔ اور حاشیہ سید طحطاوی میں یہ ہے کہ: "جنب، حائض سے اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ تیمم کرکے اس کی اقتدا کر سکتی ہے۔ تیمم، غسل کرنے والے کی اقتدا کرے یہ برعکس کرنے سے افضل ہے اور برعکس صورت یہاں ہو بھی نہیں سکتی"۔ اھ (ت)

اقول: بلکہ ہو سکتی ہے اس طرح کہ جنب تیمم کرے اور حائض غسل کرے (تو غسل کرنے والی کا تیمم کرنے والے کی اقتدا کرنا پایا جائے گا اور یہ صورت ممکن وجائز ہے ۱۲ م الف) اور امامتِ عورت کے معنی میں عکس کا وہم کرنے کی گنجائش نہیں (اس لئے کہ حائض غسل کرے یا تیمم جنب بہرحال اس کی اقتدا نہیں کرسکتا خواہ یہ تیمم کرے یا غسل۔ کوئی صورت ایسی نہیں جس میں جنب وہ حائض کی امامت میں صرف افضل وغیر افضل کا فرق ہو ۱۲ م الف) یہ ذہن نشین رہے میت پر جنب کو مقدم کرنے کی وجہ

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

[2] طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۳۳

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز لہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

[4] الاشباہ والنظائر تذنیب فیما عندالاجتماع الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۱۶

[5] غمز عیون البصائر تذنیب فیما عندالاجتماع الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۱۷

المصنف عـــه۱ فی البحر ومانقله عـــه۲ مسکین من قوله وقیل غسل المیت سنة مؤکدة ففیه نظر بعد نقل الاجماع یعنی فی فتح القدیر اللھم الا ان یکون قولا غیر معتمد فلایقدح فی انعقاد الاجماع [1] اھ

کیا ہے؟ اس سے علّامہ شامی نے سکوت اختیار کیا اور خانیہ میں امام فقیہ النفس نے یہ لکھا: "اس لئے کہ جنب کا غسل فرض ہے اور میت کا غسل سنّت ہے"۔ اھ۔ اس پر اشباہ میں فرمایا: "مراد یہ ہے کہ غسلِ میت کی فرضیت سنّت سے ثابت ہے۔ اس کے برخلاف غسلِ جنب کی فرضیت قرآن میں مذکور ہے" اھ۔ اشباہ کی اس عبارت پر سید حموی نے یہ تنقید کی: "یہ تاویل اس وقت کامل ودرست ہوتی جب یہاں (غسلِ میت کے) مسنون ہونے کا کوئی قول نہ ہوتا۔ لیکن یہ قول ہوتے ہوئے تاویل مذکور تام نہیں" اھ (ہوسکتا ہے کہ امام قاضیخان کا کلام غسل میت کی مسنونیت والے قول پر ہی مبنی ہو، ایسی صورت میں ان کے غسلِ میت کو سنّت کہنے کا یہ معنی بتانا کہ اس کا وجوب سنت سے ثابت ہے درست نہ ہوگا ۱۲ م الف) مصنفِ اشباہ نے البحر الرائق میں لکھا ہے: "(فتح القدیر میں) غسلِ میت کی فرضیت پر نقلِ اجماع کے پیشِ نظر ملّا مسکین کی یہ نقل کی" کہا گیا غسلِ میت سنّتِ مؤکدہ ہے" محلِ نظر ہے ہاں مگر یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر معتمد قول ہو تو وہ انعقادِ اجماع میں خلل انداز نہ ہوگا"۔ اھ (ت)

اقول: مثله(ا) لایعد قولا ولایحمل علیه مثل کلام الخانیة وقال ط

اقول: تو ایسا قول قابلِ شمار نہیں نہ ہی ایسے قول پر امام فقیہ النفس جیسی شخصیت کا

عـــه۱ ذکرہ قبیل المیاہ عند قول المتن وجب للمیت ومن اسلم جنبا ۱۲ منه غفرله (م)

اسے باب المیاہ سے ذرا پہلے متن کی عبارت "وجب للمیت ومن اسلم جنبا" (میت کیلئے اور حالتِ جنابت میں اسلام لانے والے کیلئے غسل واجب ہے) کے تحت ذکر کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـــه۲ وحکاہ القھستانی ایضا فی الجنائز فقال یفرض غسله کفایة وقیل یجب وقیل یسن سنة مؤکدة اھ ۱۲ منه غفرله (م)

قہستانی نے بھی باب الجنائز میں اس کی حکایت کی ہے اس کی عبارت یہ ہے: غسلِ میت فرضِ کفایہ ہے، اور کہا گیا کہ واجب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سنّتِ مؤکدہ ہے اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] غمز عیون البصائر تذنیب فیما یقدم عند الاجتماع الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۱۶

لعل اولویته علی المبت بسبب انه یؤدی ماکلف به من صلاۃ وقراءۃ فاحتیاجه الیه اکثر من المیت وتعبیره باولی یفید جواز التیمم للجنب [1] اھ	کلام محمول ہی کیا جاسکتا ہے (یہ اشباہ کی عبارت پر حموی کی تنقید کا جواب ہے ۱۲م الف) سید طحطاوی نے فرمایا: "میت سے جنب کے اولٰی ہونے کی وجہ شاید یہ ہو کہ جنب غسل کرلے گا تو اس سے نماز وقرات کی ادائیگی کرے گا جس کا وہ مکلّف ہے تو اسے میت سے زیادہ غسل کی ضرورت ہے اور اسے اولٰی کہنے سے یہ افادہ ہوتا ہے کہ جنب کیلئے تیمّم جائز ہے"۔اھ (ت)
اقول: ویجوز بنائه اولًا علی القول بان فرض(۱) العین اقوی من فرض الکفایة۔ **وثانیا:** علی ان لا(۲) ایثار فی القرب وذلك لانهم استولوا دون المیت وترجح الجنب من بین الاحیاء لمامر فصرفه لنفسه اولی من صرفه للمیت فافهم۔	**اقول:** __اولًا__ غُسلِ جنب کو اولٰی قرار دینے کی بنا اس قول پر ہو سکتی ہے کہ فرض عین، فرض کفایہ سے زیادہ قوی ہے۔ **ثانیًا:** اس پر کہ قربتوں کے معاملہ میں ایثار نہیں۔یہ اس طرح کہ آبِ مباح پر جنب، حائض اور محدث نے ہی قبضہ کیا میت نے نہیں۔اور جنب کو زندوں پر اس سبب سے ترجیح ہوئی جو ذکر ہوا (کہ جنابت، حدث سے زیادہ سخت ہے اور حائض غسل کرے تو امام نہیں ہو سکتی افضل یہ ہے کہ امام غسل والا ہو اور مقتدی متیمم ۱۲م الف) اب جنب کا اُس پانی کو اپنے غسل میں صرف کرنا غسلِ میت میں صرف کرنے سے اولٰی ہے **فافهم** (تو اسے سمجھو)۔(ت)

(۱۶۲) اقول: اُس صورت میں بیٹے پر نماز کا اعادہ بھی نہیں **لان المنع من جهة الشرع** (اس لئے کہ ممانعت شریعت کی جانب سے ہے۔ت) لیکن اگر وہ شخص نے پانی زبردستی لے لیا تو دو۲ صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ وہ پانی اس کی مِلک تھا اور ظالم نے غصبًا دبالیا اور یہ اس سے چھین نہیں سکتا تو تیمّم سے پڑھے پھر وضو سے پھیرے **لان المنع من جهة العباد** (اس لئے کہ رکاوٹ بندوں کی

[1] طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعه دار المعرفة بیروت ۱/۱۳۳

جہت سے ہے۔ت) دوسرے یہ کہ پانی مباح تھا اُس پر اگر اس کے قبضہ کرلینے کے بعد اُس نے اس سے چھین لیا تو یہ وہی صورتِ اولٰی ہوئی کہ پانی بعد قبضہ اس کی ملک ہوگیا تھا اور اگر یہ قبضہ کرنا چاہتا تھا وہ زبردست ہے اُس نے پہلے قبضہ کرلیا تو اس میں اس کا ظلم نہ ہُوا کہ آبِ مباح پر قبضہ کیا ہے وہی مالک ہوا اور اب یہ شخص نمبر ۵۳ میں ہے کہ پانی دوسرے کی ملک اور اس کی اجازت نہیں تیمّم کرے اور اعادہ کی حاجت نہیں،

(۱۶۳) اقول: مسافر کے پانی کا پیپا صندوق میں بند ہے کہ جن راستوں میں پانی کی قلّت ہو وہاں وہ عزیز ترین اشیا سے ہے قفل کی کنجی گم ہوگئی تو اُس حکم کی بناپر کہ نمبر ۶ میں گزرا اگر قفل توڑنے میں ایک درم کا نقصان ہوتا ہو تیمّم کرے اور اعادہ نہیں ورنہ قفل توڑے اور وضو کرے فلیحرر ولیراجع واللہ تعالٰی اعلم (اس میں مزید وضاحت ومراجعت کی ضرورت ہے۔ت)

(۱۶۴) جنگل میں خنثٰی مشکل کا انتقال ہوا جو اتنا صغیر السّن بچّہ نہ تھا جس کیلئے ستر کا حکم ہی نہ ہو اُسے نہ مرد نہلا سکتا ہے نہ عورت ناچار تیمّم کرایا جائے **اقول:** بلکہ اگر وہاں[1] کوئی سات آٹھ برس کی لڑکی یا دس گیارہ برس کا لڑکا ہو کہ نہلا سکے تو اسے بتا کر نہلوانا لازم ہاں یہ بھی نہ ہو تو اُسے کوئی محرم تیمّم کرائے مرد ہو خواہ عورت اور محرم نہ ملے تو اجنبی عورت اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرائے اور اُسے آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں اور کوئی عورت بھی نہ ہو تو اجنبی مرد کپڑے کے ساتھ تیمّم کرائے اور اپنی آنکھیں بھی بند کرے کہ خنثٰی کے سر کے بال یا کلائی کے کسی حصّہ پر نگاہ نہ پڑے۔ بدائع وفتاوٰی امام قاضی خان وفتح القدیر وبحر الرائق وسراج وہاج ودرِ مختار وہندیہ وغیرہا میں ہے یہ عمر جس میں سترِ میت ضروری نہیں وہ عمر ہے جس میں بچّہ حدِ شہوت تک نہ پہنچا ہو۔اس سے ظاہر یہ ہے کہ لڑکا بارہ سال سے کم اور لڑکی نو برس سے کم۔ **اقول:** اس تقدیر پر خنثٰی کیلئے نو برس لیے جائیں گے لاحتمال انوثتھا (اس احتمال کی بنیاد پر کہ وہ لڑکی ہو۔ت) مگر محررِ[2] المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے یہ حد مقرر فرمائی کہ جب تک بچّہ باتیں نہ کرے۔ فتح میں ہے:

الصغیر والصغیرۃ اذالم یبلغا حد الشھوۃ یغسلھما الرجال والنساء وقدرہ فی الاصل بان یکون قبل ان یتکلم[1]۔	کمسن لڑکا اور لڑکی جب حدِ شہوت کو نہ پہنچے تو انہیں مرد، عورت کوئی بھی غسل دے سکتا ہے اور امام محمد نے مبسوط میں اس کی حد یہ بتائی ہے کہ بچّہ ابھی بات نہ کرتا ہو۔(ت)

[1] فتح القدیر فصل فی غسل المیت نوریہ رضویہ سکّھر ۲/ ۷۶

اقول: مولٰی عزوجل کے بے شمار رحمتیں امام محمد پر بیشک وہ عمر جس میں ستر کی حاجت نہیں یہی ہے اور (۱) بلاشبہ (۲) دربارہ نظر ومس زندہ ومُردہ کا حکم ایک ہی ہے۔

الاترى الى قول البدائع لومات الصبى لايشتهى لاباس ان تغسله النساء وكذلك الصبية التى لاتشتهى اذاماتت لاباس ان يغسلها الرجال لان حكم العورة غير ثابت فى حق الصغير والصغيرة [1] اھ وكيف ترضى الشريعة المطهرة ان يمشى غلام دون اثنتى عشرة سنة وبنت دون تسع بشهر فى الاسواق عريانين وقد قال فى الدرعن السراج الوهاج لاعورة للصغير جدا ثم مادام لم يشتهه فقبل ودُبر ثم تغلظ الى عشر سنين كبالغ [2] اھ لوغه حد الشهوة حد يوجب فيه النظر الى عورته تذكر تلك الامور لاان يشتهى هو بنفسه او تقع على نفسها الشهوة وقال ش تحت قوله للصغير جدا وكذا الصغيرة قال ح وفسره شيخنا بابن اربع فمادونها ولم ادرلمن عزاه [3] اھ اقول قديؤخذ مما فى الجنائز الشرنبلالية الخ فذكر ماقدمناعن	دیکھئے بدائع کی عبارت یہ ہے: "بچّہ جو شہوت والا نہ ہو اگر مرجائے تو عورتوں کے اسے غسل دینے میں کوئی حرج نہیں اسی طرح بچّی جو شہوت والی نہ ہو مرجائے تو مردوں کے اسے غُسل دینے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ کمسن لڑکے اور لڑکی کے حق میں سَتر کا حکم ثابت نہیں"۔ اھ۔ اور شریعت مطہرہ یہ کیوں کر گوارا کرسکتی ہے کہ بارہ سال سے کم عمر والا لڑکا اور نوسال سے کم کی لڑکی بازاروں میں برہنہ چلتے رہیں؟ درمختار میں سراج وہاج کے حوالے سے ہے: "بہت کم سِن لڑکے کیلئے ستر نہیں۔ پھر جب تک شہوت والا نہ ہو اس کیلئے پیشاب پاخانے کے مقام ستر نہیں۔ پھر دس سال کی عمر تک اس کے ستر کے معاملہ میں بالغ کی طرح شدت آجائے گی"اھ تو میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس مقام پر (کم عمر مرد بچّے کو غسل دینے کے مسئلہ میں) عام کتابوں میں جو مذکور ہے اس کی تفسیر وہی ہے جو امام محمد کی مبسوط میں ہے اور یہاں اس کے حدِ شہوت کو پہنچنے کا معنی یہ ہے کہ اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کا ستر دیکھنے سے ان باتوں کی یاد آئے، یہ معنی نہیں کہ لڑکا خود شہوت والا ہوجائے یا خود لڑکی کے دل میں شہوت پیدا ہو۔ علامہ شامی نے

1 بدائع الصنائع فصل فی بیان من یغسل الخ مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۰۶/۱

2 الدرالمختار مع الشامی باب شروط الصّلوٰۃ مطبع مصطفٰی البابی مصر ۳۰۰/۱

3 ردالمحتار باب شروط الصّلوٰۃ مطبع مصطفٰی البابی مصر ۳۰۰/۱

بالفتح عن الاصل۔ **اقول:** فی الاخذ نظر ظاھر فان التکلم یحصل غالبًا قبل اربع بکثیر۔	دُرمختار کی عبارت "للصغیر جدا" (بہت کمسن لڑکے کیلئے ستر نہیں) کے تحت فرمایا: "یہی حکم لڑکی کا بھی ہے۔ حلبی نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اس کی تفسیر یہ بتائی ہے کہ چار سال یا اس سے کم عمر ہو۔ یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے کس کے حوالے سے فرمایا"۔ اھ علّامہ شامی فرماتے ہیں"میں کہتا ہوں یہ اس سے اخذ ہوتا ہے جو شرنبلالیہ کے باب الجنائز میں ہے" الخ۔ اس کے بعد وہ عبارت ذکر کی ہے جو ہم نے فتح القدیر سے بحوالہ مبسوط نقل کی۔ (ت) **اقول:** عبارت مذکورہ سے چار سال کی تحدید اخذ کرنے میں عیاں طور پر کلام کی گنجائش ہے اس لئے کہ عموماً بچّہ چار سال سے پہلے ہی بولنے لگتا ہے۔ (ت)

ہاں نہلانے والے بچے میں اُس عمر کا اعتبار موجہ ہے کہ نہایت کم عمر نہلا نہیں سکتا۔

(۱۶۵) اگر میت عورت یا مشتہاۃ لڑکی ہو جو اُتنی صغیر السِّن نہیں اور وہاں کوئی عورت نہیں تو دس گیارہ برس کا لڑکا اگر نہلا سکے اگرچہ دُوسرے کے بتانے سے یا کوئی کافرہ عورت ملے اور بتانے کے موافق نہلا سکے تو اس سے نہلوائیں ورنہ کوئی محرم تیمّم کرائے۔ اقول یا اگر میت کنیز تھی شوہر یا کوئی اجنبی ویسے ہی تیمّم کرادے اور کنیز نہ تھی اور کوئی محرم نہیں تو شوہر اسی طرح ہاتھوں پر کپڑا چڑھا کر بے آنکھیں بند کیے تیمّم کرائے اور شوہر بھی نہ ہو تو اجنبی مگر آنکھیں بند کرے۔

(۱۶۶) اگر میت مرد یا ہوشیار لڑکا ہے کہ اُتنا صغیر السن نہیں ہے اور وہاں کوئی مرد نہیں تو اگر میت کی زوجہ ہے کہ ہنوز حکم زوجیت میں باقی اور اسے مس عـہ کر سکتی ہو وہ نہلائے وہ نہ ہو تو سات آٹھ برس کی

عـہ اقتصر فی الدر علی اشتراط بقاء الزوجیة اقول ولا یکفی فان المنکوحة فاسدا اوالموطوءة بشبھة ھی او اختھا لاشك فی بقاء زوجیتھن ولذا یغسلنه ان انقضت عدتھن بعد موته قبل غسله ولا یجوز لھن مادمن فی تلك العدة فلذا زدت یحل لھا مسه ۱۲ منه غفرله (م)	درمختار میں صرف بقائے زوجیت کی شرط پر اکتفا کیا۔ اقول اور یہ کافی نہیں اس لئے کہ وہ زوجہ جس سے کسی دوسرے نے نکاح فاسد کیا ہو اور یا کہ اس سے یا اس کی بہن سے وطی شبہ کی گئی ہو (تینوں صورتیں کتاب میں چند سطور آگے وضاحت سے مذکور ہیں ۱۲م الف) ان کی زوجیت باقی رہنے میں کوئی شک نہیں اسی لئے اگر شوہر کے مرنے کے بعد اسے غسل دینے سے پہلے ان کی عدّت ختم ہو گئی تو یہ اسے غسل دے سکتی ہیں اور جب تک "اُس عدّت" میں رہیں اُسے غسل نہیں دے سکتیں۔ اسی لئے مَیں نے "اُسے مس کر سکتی ہو" کا اضافہ کیا۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

لڑکی اگر نہلاسکے اگرچہ سکھانے سے یا کوئی کافر ملے اور بتانے کے مطابق غسل دے سکے توان سے نہلوایا جائے ورنہ جو عورت میت کی محرم یا کسی کی شرعی کنیز ہو وہ اپنے ہاتھوں سے یوں ہی تیمّم کرائے اور آزاد ونامحرم ہے تو کپڑا لپیٹ کر مگر رُو ودست میت پر نگاہ سے یہاں ممانعت نہیں، زوجہ کو اگر طلاق[1] بائن یا تین[2] طلاقیں دے دی تھیں یا زوجہ[3] نے پسر زوج کا بوسہ بشہوت لیا خواہ کوئی فعل اس سے یا اُس کے ساتھ ایسا واقع ہوا جس سے شوہر کے ساتھ حرمتِ مصاہرت پیدا ہو یا اپنی[4] صغیرہ سوت کو کہ عمر رضاعت میں تھی دُودھ پلادیا یا[5] معاذ اللہ مرتدہ ہوگئی پھر بعد موت اسلام لے آئی یہ تینوں باتیں خواہ حیاتِ شوہر میں واقع ہوئی ہوں یا اُس کے بعد یا حیاتِ[6] زوج میں کسی نے اُس سے وطی شبہہ کی یا کسی[7] نے اُس سے نکاح فاسد کیا تھا اب وہ رَد ہوا اور عورت شوہر کو ملی پھر شوہر مر گیا اور عورت ابھی اس وطی شبہہ یا نکاح فاسد کی عدّت میں ہے یا زوج[8] نے سالی سے وطی شبہہ کی تھی پھر مر گیا اور ہنوز وہ اُس کی عدّت میں ہے یا[9] مجوسی خواہ ہندو مسلمان ہو کر مرا اور عورت ہنوز مجوسیہ یا مشرکہ ہے اگرچہ ان سب صورتوں میں زوجہ ہنوز عدّت میں ہو **اقول:** یوں[10] ہی اگر عدّت سے نکل گئی مطلقًا نہیں نہلا سکتی اور اُس کی صُورت یہ ہے کہ حاملہ تھی موت شوہر ہوتے ہی وضع حمل ہوگیا اب عدّت میں نہ رہی ان سب حالتوں میں زوجہ مثل اجنبیہ ہے غسل نہیں دے سکتی ہاں اگر شوہر نے طلاق رجعی دی اور عورت ابھی عدت میں تھی کہ مر گیا یا بعد شوہر اُس نکاح فاسد یا دونوں صورت وطی بشبہہ کی عدّت گزر گئی یا نو مسلم کی زوجہ مشرکہ مجوسیہ اب مسلمان ہوگئی تو ان صورتوں میں غسل دے سکتی ہے

والمسائل مفصلة فی البدائع والخانیة والفتح والبحر والدر وغیرها وقد انتقیت من خلافیات احسنها۔	یہ مسائل بدائع، خانیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، درمختار وغیرہا میں تفصیل سے مذکور ہیں اور اختلافی مسائل میں سے احسن کا انتخاب کیا ہے (ت)

اقول: خنثٰی میں تفصیل اور اُس کے اور عورت کے طہارت کرانے والوں میں ترتیب اور عورت کنیز وحرہ میں فرق یہ سب زیاداتِ فقیر سے ہے اور اُس کی وجہ بحمدہ تعالٰی ظاہر ومنیر کہ:

(۱) سب میں پہلے غسل ہے کہ وہی اصل ہے مگر عورت میں کسی کافرہ سے نہلوانا کہا نہ خنثٰی میں کہ عورت بھی اسے نہیں دیکھ سکتی کہ احتمال ذکورت ہے بخلاف غسلِ زن۔

(۲) عورت میں خاص لڑکا کہا کہ اُس کیلئے اُنثٰی کی نابالغی کیا ضرور بالغہ عورت ہوتی تو غسل ہی دیتی اور خنثٰی میں لڑکا لڑکی دونوں کہے کہ بالغ حد شہوت اُسے غسل نہیں دے سکتا اور اس حد نہ پہنچنے کے بعد پسر ودختر یکساں۔

(۳) خنثٰی کے تیمّم میں محرم کو مقدم رکھا مرد ہو یا عورت کہ بہر حال اُسے خنثٰی کے اعضائے تیمّم دیکھنے

چھُونے دونوں کا اختیار ہے اُس کے بعد اجنبی عورت کہ باحتمال ذکورت چھُونہ سکے دیکھ تو سکے گی پھر اجنبی مرد کہ احتمالِ انوثت کے سبب نہ چھُونا ممکن نہ دیکھنا۔

(۴) تیمم کنیز کو جُدا کیا اور یہاں محرم شوہر، اجنبی میں ترتیب نہ رکھی کہ اُس کے اعضائے تیمّم کا دیکھنا چھُونا سب کو روا، درِ مختار (۱) میں ہے:

(حکم امة غیرہ) کمحرمہ وماحل(۲) نظرہ حل لمسہ الا من اجنبیة [1]قال ش ای غیر الامة وفی التاترخانیة(۳) عن جامع الجوامع لاباس ان تمس الامة الرجل وان تدھنہ وتغمزہ مالم تشتھہ الامابین السُرة والرکبة [2]۔	دُوسرے کی کنیز کا حکم اپنی محرم عورت کی طرح ہے۔ اور جس حصّہ بدن کو دیکھنا جائز ہے اس کو چھُونا بھی جائز ہے مگر اجنبی عورت کے جس حصہ بدن (منہ کی صرف ٹِکلی) کو دیکھنا جائز ہے اسے بھی چھُونا جائز نہیں۔ علّامہ شامی نے فرمایا: اجنبی عورت سے مراد وہ ہے جو کنیز نہ ہو۔ اور تاتارخانیہ میں جامع الجوامع کے حوالے سے ہے: "اگر کنیز مرد کو چھُوئے یا اس کے سر میں تیل ڈالے یا بدن دبائے تو اس میں حرج نہیں جب کہ شہوت سے خالی ہو مگر ناف اور گھٹنے کے مابین حصہ بدن کا چھُونا اس کیلئے بھی جائز نہیں"۔ (ت)

(۵) تیمّم حرہ میں یہ ترتیب لی کہ پہلے محرم مرد پھر شوہر پھر اجنبی اور اس کی وہی وجہ کہ محرم کو دیکھنا چھُونا دونوں روا اور شوہر کو صرف دیکھنا اور اجنبی کو کچھ نہیں، در مختار میں ہے:

یمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لامن النظر الیھا علی الاصح [3]۔	شوہر کیلئے اپنی مرنے والی زوجہ کو غسل دینا اور چھُونا منع ہے، اور قولِ اصح کی بنیاد پر اسے دیکھنا منع ہے۔ (ت)

ہاں تیمّم مرد میں کنیز وحرہ کی تفصیل بدائع میں ہے:

المیممة اذاکانت ذات رحم محرم منہ تیممہ بغیر خرقة والابخرقة تلفھا علی	تیمّم کرانے والی عورت محرم ہو تو بغیر کپڑے کے تیمّم کرائے گی ورنہ اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر تیمم

---

[1] الدرالمختار مع الشامی فصل فی النظر والمس مطبع مصطفی البابی مصر ۲۵۹/۵

[2] ردالمحتار فصل فی النظر والمس مطبع مصطفی البابی مصر ۲۶۰/۵

[3] الدرالمختار مع الشامی صلٰوۃ الجنائز مطبع مصطفی البابی مصر ۶۳۳/۱

کفھا لانه(۱) لم یکن لھا ان تمسه فی حیاته فکذا بعد وفاته والامة وامة الغیر تیممه بغیر خرقة لانه یباح للجاریة مس موضع التیمّم بخلاف(۲) ام ولدا لمیت لانھا تعتق وتلتحق بالحرائر الاجنبیات[1] اھ والله تعالٰی اعلم۔	کرائے گی اس لئے کہ یہ جب اس کی زندگی میں اسے نہیں چھُو سکتی تھی تو اس کے مرنے کے بعد بھی نہیں چھُو سکتی اور اس کی کنیز یا دوسرے کی کنیز بغیر کپڑے کے تیمّم کرائے گی اس لئے کہ باندی کیلئے اعضاء تیمّم کو مَس کرنا مباح ہے۔ مرنے والے کی اُمّ ولد کا حکم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ وہ مولٰی کے مرتے ہی آزاد ہو کر اجنبی آزاد عورتوں میں شامل ہوجاتی ہے۔ اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۱۶۷ تا ۱۷۵) اقول: مولٰی سُبحٰنہ وتعالٰی نے مسلم میت کے غسل کفن دفن اُس کے حق بنائے اور زندہ مسلمانوں پر فرض فرمائے ان میں جہاں مال کی حاجت ہواُس کے مال سے لیا جائے کہ یہ اس کی حاجاتِ ضروریہ سے ہے ولہٰذا[۳] تقسیم ترکہ درکنار ادائے دیون پر بھی مقدم ہے جس طرح[۴] زندگی میں پہننے کا ضروری کپڑا دین میں نہ لیا جائیگا اگر اس[۵] نے مال نہ چھوڑا تو زندگی میں جس پر اُس کا نفقہ واجب تھا وہ دے (اور عورت[۶] کا کفن مطلقاً شوہر پر ہے اگرچہ اس نے ترکہ چھوڑا ہو) اگر وہاں[۷] کوئی ایسا نہ ہو تو مسلمانوں کے بیت المال سے لیا جائے اگر بیت المال نہ ہو جیسے ان بلاد میں تو مسلمانوں پر واجب ہے جن جن کو اطلاع ہو۔ یہ مسائل کفن میں بالترتیب مصرح ہیں اور غسل ودفن اُس کے مثل بلکہ اہم اب ان تینوں نمبروں میں لڑکا یا لڑکی یا کافرہ جن جن سے نہلوانے کا حکم ہے اگر اُجرت مثل مانگیں دینی لازم میت کا مال نہ ہو تو موجودین اپنے پاس سے دیں تو یہاں بھی بدستور ہر نمبر میں تین تین صورتیں اور پیدا ہوں گی کہ اگر وہ اُجرت مثل سے بہت زیادہ مانگے یا کوئی دینے کے قابل نہیں یا ان کا مال دوسری جگہ ہے اور وہ ادھار پر راضی نہیں تیمّم کرائیں واللہ سُبحٰنہ وتعالٰی اعلم **الحمدللہ** یہ پانی سے عجز کے **پَونے دوسو صورتیں** اس رسالہ کے خواص سے ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گی اگرچہ جو کچھ ہے علمائے کرام ہی کا فیض ہے

ع   اے بادصبا اینہمہ آوردہ تست

(اے بادصبا! یہ سب تیرا ہی لایا ہوا ہے۔ت)

رحمة اللہ علیھم اجمعین * وعلینا بھم ابد الآبدین * یاارحم الراحمین *اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین *وافضل	ان تمام حضرات پر اور ان کے طفیل ہم پر بھی ہمیشہ ہمیشہ خدا کی رحمت ہو۔اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے، قبول فرما۔

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان من یغسل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۰۵

الصّلاۃ والسلام علی سید المرسلین* وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین*	اور ساری خُوبیاں اللہ کیلئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے اور بہتر درود وسلام ہو رسولوں کے سردار اور ان کی آل واصحاب اور ان کے فرزند اور ان کے گروہ سب پر۔ (ت)

دوم: عـہ طہارت کے لئے کافی۔

سوم: فرض طہارت ان قیدوں کے فائدے نمبر ۱۵۷ میں معلوم ہولیے۔

چہارم: ہم نے پانی کو مطلق سے مقید نہ کیا کہ طہارت کیلئے کافی کہنا ہی اس کے افادے کو کافی تھا،

بخلاف عبارۃ الدر (من عجز عن استعمال الماء) المطلق الکافی لطہارتہ لصلاۃ تفوت الی خلف (تیمّم) [1] اھ فانہ قدم ذکر المطلق فلم یلغ نعم لوترکہ کمافعلت لکفی اماقولہ لصلاۃ تفوت الی خلف فاحترز بہ عن التیمّم لنوم اورد سلام ونحوہ اولفائت لاالی خلف کصلاۃ جنازۃ وعید فانہ لایشترط لہ العجز [2] اھ ش۔ **اقول: اولاً** ھل (ا) تدل عبارۃ	برخلاف در مختار کی درج ذیل عبارت کے: "وہ تیمّم کرے جو عاجز ہوا ایسا پانی استعمال کرنے سے جو مطلق ہو، اس کی طہارت کیلئے کافی ہو، ایسی نماز کیلئے جو فوت ہوجائے تو اس کا کوئی بدل ہو (بلفظِ دیگر کسی بدل کی جانب فوت ہونے والی نماز کیلئے آبِ مطلق کافی کے استعمال سے عاجز شخص تیمّم کرے)" اھ۔ انہوں نے اس عبارت میں لفظ مطلق پہلے ذکر کیا تو اس کے بعد کافی کہنا لغو نہ ہوا ہاں اگر لفظ مطلق ترک کردیتے جیسا میں نے کیا تو کافی ہوتا۔ لیکن ان کی عبارت "لصلاۃ تفوتُ الٰی خلف" (کسی بدل کی جانب فوت ہونے والی نماز کیلئے) تو اس میں اس تیمّم سے احتراز ہے جو سونے یا سلام کا جواب دینے یا ایسے ہی کسی کام کیلئے ہو یا ایسی فوت ہونے والی چیز کیلئے ہو جس کا کوئی بدل نہ ہو جیسے نمازِ جنازہ اور عیدین کہ اس کیلئے آب کافی سے عجز شرط نہیں۔ اھ شامی ملخصًا۔ (ت) **اقول: اوّلاً** کیا مصنّف کی عبارت

عـہ یہ اُس اوّل کا دوم ہے جو صفحہ ۱۱۴ پر گزرا ۱۲ (م)

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۰

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۱

المصنّف علی اشتراط العجز ام لاعلی الثانی ماھذہ الاحترازات وعلی الاوّل یعود علی المقصود بالنقض فانه یفید ان شرط التیمّم العجز فی صلاۃ لھا خلف فلا یجوز بلاعجز ولابعجز فی غیر صلاۃ ولافی صلاۃ لاخلف لھا وبالجملة مفاد ھذہ الزیادات تخصیص التیمّم بھذا العجز المخصوص لاتخصیص شرط العجز بھذا الخصوص نعم لوقال وھذا فی صلاۃ تفوت الی خلف لافاد ماارادہ۔	عجز کے "شرط ہونے" کو بتارہی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر یہ احترازات کیسے؟ اور اگر عجز کو شرط بتارہی ہے تو اس کا نتیجہ مقصود کے بالکل برخلاف نکلے گا کیوں کہ اس سے یہ مستفاد ہوگا کہ تیمّم کیلئے شرط یہ ہے کہ "ایسی نماز میں جس کا کوئی بدل ہو (آب کافی کے استعمال سے) عاجز ہو"۔ تو بغیر عجز کے تیمّم جائز ہی نہ ہوگا۔ اور غیر نماز (مثلاً جوابِ سلام) میں عجز نہیں اور نہ ہی ایسی نماز میں جس کا کوئی بدل نہیں (جیسے جنازہ وعیدین تو حاصل یہ نکلا کہ جواب سلام اور نماز جنازہ وغیرہ کیلئے تیمّم جائز نہیں۔ جبکہ عجز کو شرط بنانے کا مقصد یہ بتاناتھا کہ جوابِ سلام اور نمازِ جنازہ وغیرہ کیلئے بلاعجز بھی تیمّم جائز ہے ۱۲م الف) (ت)

الحاصل ان اضافوں کا مفاد یہ ہے کہ اس عجز مخصوص سے تیمّم کو خاص کیا جائے۔ شرط عجز کو اس خصوصیت سے مختص کرنا مقصود نہیں۔ ہاں اگر یوں کہتے: "وھذا فی صلاۃ تفوت الی خلف" (اور یہ اس نماز میں ہے جو کسی بدل کی جانب فوت ہو) تو عجز مذکور کو شرط قرار دینے کاافادہ ہوتا۔ (اور خلاف مقصود نہ ہوتا کیوں کہ اس کا حاصل یہ ہوتا کہ آب کافی کے استعمال سے عاجزی کی شرط اُس نماز میں ہے جس کا کوئی بدل ہو تو جوابِ سلام وغیرہ جو نماز نہیں اور نماز جنازہ وغیرہ جن کا کوئی بدل نہیں ان میں آب کافی سے عاجزی شرط نہیں۔ الحاصل ھذا فی صلاۃ الخ ہوتا تو عجز کو شرط اور ان الفاظ کو قید احترازی قرار دینا جواُن کا مقصد ہے یہ ان کے طور پر حاصل ہوجاتا۔ ۱۲م الف) (ت)

وثانیا: لاتیمّم (۱) مع (۲) وجدان الماء الالفائت لاالی خلف کرد سلام والصلاتین کماتقدم اماالنوم ونحوہ فلاکما حققه الشامی مخالفا لمافی البحر والدر والعجز معنی متحقق فیه کماقدمنا فلاحاجة الی الاحتراز۔	**ثانیًا:** پانی دستیاب ہونے کے باوجود تیمّم صرف ایسی چیز کے لئے جو فوت ہوجائے تو اس کا کوئی بدل نہ ہو جیسے جواب سلام اور نماز جنازہ وعیدین، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے سونے یا ایسے اور کسی کام کیلئے پانی ہوتے ہوئے تیمّم جائز نہیں۔ جیسا کہ البحرالرائق اور درمختار کی مخالفت کرتے ہوئے علامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اور جیسا کہ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں بلابدل فوت ہونے والی چیز میں بھی معنیً (آب کافی

	کے استعمال سے) عجز متحقق اور ثابت ہے تو اس سے احتراز کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ (ت)

پنجم اقول: (میں کہتا ہوں۔ت): صورتیں تین ۳ ہیں:

(i) علم بعدمِ آب

(ii) علم بوجود

(iii) عدم علم

علم عدم کہ پانی مِیل بھر یا زائد دُور ہونا، معلوم ہو اس میں تو عجز ظاہر ہے۔

اور علم وجود میں عجز یوں ہوگا کہ حسابًا یا طبعًا یا شرعًا اُس تک وصول یا اُس کے استعمال پر قادر نہیں جیسے محبوس یا مریض یا وہ پانی پانے والا جو پینے کیلئے وقف ہے۔

رہا عدمِ علم نمبر ۱۵۸ و ۱۵۹ سے واضح ہُوا کہ شرع مطہر نے اسے بھی عجز میں رکھا اگرچہ بعد نماز پانی وہیں موجود ہونا بھی معلوم ہو جائے اور جب شریعت نے یہاں وجود و عدم آب پر مدار نہ رکھا بلکہ اُس کے عدمِ علم پر تو واجب ہے کہ وہ جگہ مظنہ آب نہ ہو جیسے آبادی یا اُس کا قرب نہ اُسے وہاں وجودِ آب مظنون ہو مثلاً سبزہ لہلہارہا ہے یا پرندے یا چرندے موجود ہیں یا ثقہ شخص کہہ رہا ہے کہ یہاں قرب میں پانی ہے کہ غلبہ ظن بھی انحائے علم سے ہے خصوصًا فقہیات میں کہ ملتحق بہ یقین ہے تو بحالِ ظن عدم علم نہ ہوا اور یہاں اسی پر مدار عجز تھا تو نہ عجز متحقق ہُوا نہ تیمّم روا، نہ اُس سے نماز صحیح، اگرچہ بعد کو عدم آب ہی ظاہر ہو کہ وجود و عدم واقعی یہاں ساقط النظر تھا۔ درمختار میں ہے:

یجب ای یفترض طلبه ولو برسوله قدر مالایضر بنفسه ورفقته بالانتظار ان ظن ظنا قویا قربه دون میل بامارة اواخبار عدل والایغلب علی ظنه قربه لایجب بل(۲) یندب ان رجا والا لا [1] اھ ملخصًا	پانی تلاش کرنا فرض ہے اگرچہ اپنے قاصد ہی کے ذریعہ، اس حد تک کہ انتظار سے خود اسے یا اس کے ہم سفروں کو ضرر نہ ہو۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کسی علامت یا کسی عادل کے بتانے سے قریب میں ایک میل سے کم دُوری پر پانی ہونے کا اسے قوی گمان ہو، اور اگر قریب میں پانی ہونے کا غالب گمان نہ ہو تو تلاش واجب نہیں بلکہ مستحب ہے اگر ملنے کی کچھ امید ہو ورنہ مستحب بھی نہیں، اھ ملخصًا۔ (ت)

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰تا۱۸۱

ردالمحتار میں ہے:

بأمارة ای علامة کرؤیة خضرة اوطیر[1] اھ و زاد فی الحلیة الوحش۔	بامارۃ یعنی کسی علامت سے، مثلاً سبزہ یا پرند دیکھنے سے اھ اور حلیہ میں "وحشی جانوروں" کا لفظ بھی ہے۔ (ت)

حلیہ میں محیط سے ہے:

الذی نزل بالعمران ولم یطلب الماء لم یجز تیمّمہ[2]۔	جو آبادی میں اُترا اور پانی تلاش نہ کیا اس کا تیمّم درست نہیں۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

ان تیمّم قبل طلب الماء وصلی فی العمرانات لایجوز وفی الفلوات یجوز[3]۔	اگر آبادیوں میں پانی تلاش کرنے سے پہلے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو جائز نہیں اور بیابانوں میں جائز ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

لان العلم بقرب الماء قطعًا اوظاھرًا ینزلہ منزلة کون الماء موجودًا بحضرتہ فلایجوز تیمّمہ فی شیئ من ھذہ الاحوال کمالایجوز مع وجودہ بحضرتہ[4]۔	اس لئے کہ قطعی یا ظاہری طور پر قریب میں پانی کے ہونے کا علم، اپنے پاس پانی موجود ہونے کے درجہ میں ہے تو ان میں سے کسی بھی حالت میں اس کا تیمّم جائز نہیں جیسے خود اس کے پاس پانی موجود ہونے کی صورت میں جائز نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ولوتیمم من غیر طلب وکان الطلب واجبا وصلی ثم طلبہ فلم یجدہ وجبت علیہ الاعادة عندھما	اگر پانی تلاش کئے بغیر تیمّم کرلیا، جبکہ تلاش کرنا واجب تھا۔ اور نماز بھی پڑھ لی۔ پھر پانی تلاش کیا پانی نہ ملا تو بھی امام اعظم وامام محمد کے نزدیک،

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی فصل خامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

[4] حلیہ

خلافاً لابی یوسف کذا فی السراج الوھاج وفی المستصفی وفی ایراد ھذہ المسألۃ (ای مسألۃ وجوب الطلب ان ظن قربہ) عقیب المسألۃ المتقدمۃ (ای مسألۃ من نسی الماء فی رحلہ وتیمم وصلی لایعید عندھما خلافاً لابی یوسف) لطیفۃ فان الاختلاف فی تلک المسألۃ بناء علی اشتراط الطلب وعدمہ [1] اھ۔ **اقول:** لیس معناہ انھما لایقولان باشتراط الطلب بل ھو مجمع علیہ فی مظنۃ الماء وانما المعنی ان الرحل مظنۃ الماء عند ابی یوسف فیجب الطلب فیمتنع بدونہ التیمم وعندھما لافلا کما افادہ المحقق فی الفتح۔	بخلاف امام ابویوسف کے۔اس پر اعادہ فرض ہے سراج وہاج میں اسی طرح ہے مستصفی میں ہے کہ قریب میں پانی کا گمان ہونے کی صورت میں تلاش لازم ہونے کا مسئلہ سابقہ مسئلہ (جسے اپنے خیمہ میں پانی ہونا یاد نہ رہااور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو طرفین کے نزدیک، بخلاف امام ابویوسف کے، اعادہ نہیں) کے بعد ذکر کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے اس لئے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ پانی تلاش کرنا شرط ہے یا نہیں"اھ (ت) **اقول:** اس کا یہ مطلب نہیں کہ طرفین تلاش کرنے کو شرط نہیں کہتے بلکہ جہاں پانی ملنے کا گمان ہو وہاں تلاش کے شرط ہونے پر اتفاق ہے __ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ امام ابویوسف کے نزدیک خیمہ وجود آب کے گمان کی جگہ ہے اس لئے ان کے نزدیک تلاش کرنا فرض ہے تو تلاش کیے بغیر تیمّم ناجائز ہے اور طرفین کے نزدیک خیمہ مظنہ آب نہیں اس لئے تلاش فرض نہیں __ جیسا کہ حضرت محقق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے۔ (ت)

نیز بحر میں ہے :

اللہ تعالٰی جعل شرط الجوا عدم الوجود من غیر طلب فمن زاد شرط الطلب فقد زاد علی النص بخلاف العمرانات لان العدم وان ثبت حقیقۃ لم یثبت ظاھرًا لان العمرانات	اللہ تعالٰی نے پانی کے عدم وجود کو جواز تیمّم کی شرط قرار دیا ہے اور تلاش کی شرط نہیں رکھی ہے تو تلاش کی شرط زیادہ کرنے والا نص پر زیادتی کرنے والا ہے مگر آبادیوں میں یہ بات نہیں اس لئے کہ وہاں اگرچہ حقیقۃً عدم وجود ہو مگر یہ ظاہرًا ثابت نہیں اس لئے

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۱

دلیل ظاھر علی وجود الماء لان قیام العمارۃ بالماء فکان العدم ثابتا من وجه دون وجه وشرط الجواز العدم المطلق ولایثبت ذلك فی العمرانات الابعد الطلب وبخلاف ما اذاغلب علی ظنه قربه لان غلبة الظن تعمل عمل الیقین فی حق وجوب العمل [1]۔	کہ آبادی خود ہی وجود آب کی کھلی ہوئی دلیل ہے کیونکہ آبادی پانی سے ہی قائم ہوتی ہے تو عدمِ آب ایک طرح سے ثابت ہے اور ایک طرح سے ثابت نہیں اور جواز تیمّم کیلئے عدم مطلق شرط ہے جو بغیر تلاش کیے آبادیوں میں ثابت نہ ہوسکے گا۔ اسی طرح قریب میں پانی کے غلبہ ظن کی صورت میں بھی وہ بات نہیں کیوں کہ جوجوب عمل کے حق میں غلبہ ظن یقین کاکام کرتا ہے۔ (ت)

منیہ میں ہے :

شرطه النیة وکذا طلب الماء ان غلب علی ظنه ان ھناك ماء اوکان فی العمرانات [2] اھ **اقول:** وبھذہ النصوص ظھر ان الحکم سواء فیما اذا ظن فی فلاۃ بامارۃ اوکان فی مظنة کالعمرانات اوقربھا انه لایصح تیمّمه بدون الطلب وان ظھر بعدُ عدم الماء افادہ اطلاق المحیط والخلاصة وقد صرح به فی السراج فان وجوب الطلب شامل للفصلین وذلك لان الطلب فی المظنة شرط جوازہ کما نص علیه فی المنیة والمستصفی، وقد اوضحه	تیمّم کی شرط نیت ہے اور اسی طرح پانی کاتلاش کرنا بھی شرط ہے اگر اسے غالب گمان ہو کہ وہاں پانی ہوگا یا وہ آبادیوں میں ہو"۔ اھ (ت) **اقول:** انہی نصوص سے یہ بھی ظاہر ہوگیاکہ کسی جنگل میں کوئی علامت دیکھ کر گمان کر رہا ہو یا آبادی وقربِ آبادی جیسی گمانِ آب کی جگہ میں ہو دونوں صورتوں میں یہ حکم یکساں ہے کہ پانی تلاش کئے بغیر تیمّم درست نہیں اگرچہ بعد میں یہی ظاہر ہو کہ وہاں پانی کا وجود نہیں اس کاافادہ اس سے ہُوا کہ محیط اور خلاصہ نے بغیر تلاشِ آب، تیمّم کو مطلقًا ناجائز کہا اور سراج وہاج میں تو اس کو صراحۃً بیان کردیا کیونکہ اس کی عبارت "**لوتیمم من غیر طلب وکان**

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۱
[2] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۷

فی البحر غایۃ الایضاح فاذا فقد الشرط فقد المشروط فبطلت الصلاۃ وظھور عدم الماء لایجعل المفقود موجودا ولا الباطل صحیحا فماوقع فی الحلیۃ بعدمانقلنا عنھا من قولہ وھذا یفید انہ لوکان فی العمران اوبقرب من العمران فتیمم وصلی قبل الطلب ولم یستکشف عن الحال انہ لایجوز وھو ظاھر الخلاصۃ حیث قال فیھا (فنقل ماقدمناہ قال) لکن فی البدائع وکذلک اذا کان بقرب من العمران یجب علیہ الطلب حتی لوتیمم وصلی ثم ظھر الماء لم تجز صلاتہ لان العمران لایخلو عن الماء ظاھرا وغالبا والظاھر یلحق بالمتیقن فی الاحکام انتھی۔ولعلہ قید اتفاق بدلیل التعلیل المذکور او احتراز عما لواستکشف الحال فلم یجد بالعمران فان الظاھر جواز صلاتہ لظھور انتفاعہ ذلک الظاھر ویحمل مافی الخلاصۃ علی ما اذا لم یستکشف الحال کماھو ظاھرھا[1] اھ	الطلب واجبا"(اگر بلاتلاش تیمّم کرلیا جبکہ تلاش کرنا واجب تھا) میں "وجوب تلاش" دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے۔ اور عدمِ جواز تیمّم کا حکم اس لئے ہے کہ جہاں وجوب آب کا گمان ہو وہاں پہلے پانی تلاش کرلینا تیمّم جائز ہونے کی شرط ہے۔ جیسا کہ منیہ اور مستصفی میں اس کی صراحت ہے۔ اور البحرالرائق میں تو اسے انتہائی وضاحت سے بیان کیا ہے تو جب شرط مفقود ہوئی مشروط بھی مفقود ہوا (شرط _تلاش آب_نہ پائی گئی تو مشروط جواز تیمّم بھی نہ پایا گیا) تو نماز بھی باطل ہوئی اور بعد میں وہاں پانی کا عدم وجود ظاہر ہونے سے مفقود (تیمّم) موجود نہیں ہوسکتا اور نہ ہی باطل (نماز) صحیح قرار پاسکتاہے۔اس تمہید کے بعد اب حلیہ کی درج ذیل عبارت دیکھیے جو حلیہ کے حوالہ سے اُوپر نقل کی ہُوئی عبارت کے بعد آئی ہے: "اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر آبادی میں یا آبادی کے قریب ہے اور پانی تلاش کیے بغیر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی اور بعد میں بھی حقیقتِ حال (وہاں پانی ہونے نہ ہونے کی تفتیش نہ کی) تو جائز نہیں اور خلاصہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیوں کہ اس کے الفاظ یہ ہیں (اس کے بعد صاحبِ حلیہ نے خلاصہ کی وہ عبارت نقل کی ہے جو ہم اوپر درج کر آئے ہیں) لیکن بدائع میں یہ لکھاہُوا ہے کہ "اور اسی طرح جب آبادی کے قریب ہو تو بھی پانی تلاش کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ اگر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر پانی ہونا ظاہر ہوا تو اس کی نماز جائز نہ ہوئی۔اس لئے کہ ظاہرًا اور عموماً آبادی پانی سے خالی نہیں ہوتی اور احکام کے معاملہ میں ظاہر ملحق

[1] حلیہ

اقول: تجویزہ الاول اعنی جعلہ قید ثم ظھر الماء فی عبارۃ البدائع اتفاقیا ھو الصواب وکفی دلیلا علیہ التعلیل المذکور کما قال و تجویزہ الاٰخر اعنی استظھارہ جواز صلاتہ اذا طلب بعد فلم یجد بحث صادم المنقول والمعقول فالمعقول(۱) ماقرر الفقیر ان الشرع ادار الامر ھھنا علی عدم علمہ بالماء ولم ینظر الی وجودہ فی نفس الامر اوعدمہ فاذاظن الماء اوکان فی مظنتہ فقد انتفی عدم العلم فلم یصح التیمّم سواء ظھر بعد وجود الماء اوعدمہ الاتری ان من نسی الماء فی رحلہ اوضرب الخباء علی بئر وھو لایعلم فتیمّم وصلی ثم ذکر وظھر لااعادۃ علیہ فکما ان ظھور الماء لم یجعل تیممہ الصحیح غیر صحیح کذلك ظھور عدمہ لایجعل تیممہ الفاسد غیر فاسد(۲) والمنقول

بہ یقین ہے (عبارت بدائع ختم) شاید یہ (نماز کے عدمِ جواز کیلئے بعد میں پانی ظاہر ہونے کی قید) قیدِ اتفاقی ہے (ورنہ اگر بعد میں ظاہر ہو کہ پانی نہیں جب بھی قبل تلاش جو تیمّم کیا اس تیمّم سے پڑھی ہُوئی نماز باطل ہی ہے) اس کی دلیل وہ تعلیل ہے جو صاحبِ بدائع نے خود ذکر کی یا اس قید کے ذریعہ اُس صورت سے احتراز مقصود ہے جب بعد نماز حقیقتِ حال کی تفتیش کی اور آبادی میں پانی نہ پایا۔ کیوں کہ اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ اس کی نماز ہو گئی اس لئے کہ (بلحاظ غالب) وہاں جو ظاہر تھا (پانی کا وجود) اس کا نہ ہونا (عدم وجودِ آب) ظاہر ہوگیا اور خلاصہ میں جو بیان کیا گیا ہے وہ اُس صورت پر محمول ہوگا جب بعد نماز حقیقت حال کی تفتیش ہی نہ کی ہو جیسا کہ اس کی ظاہر عبارت سے پتہ چلتا ہے"۔اھ (ت)

اقول: عبارت بدائع سے متعلق صاحبِ حلیہ نے جو پہلی تجویز رکھی وہی صحیح ہے یعنی یہ کہ "ثم ظھر الماء" (عدمِ جواز نماز کیلئے بعد میں پانی ظاہر ہونے) کی قید اتفاقی ہے اور اس کی دلیل کیلئے ان کی ذکر کی ہوئی تعلیل ہی کافی ہے جیسا کہ صاحبِ حلیہ نے خود کہا لیکن حلیہ کی دوسری تجویز یعنی یہ اظہار کہ جب بعد نماز پانی تلاش کرے اور نہ پائے تو نماز جائز ہو جائے یہ ایسی بحث ہے جو نقل و عقل سے متصادم ہے۔ عقلی دلیل تو وہ ہے جس کی فقیر نے تقریر کی کہ شریعت نے یہاں مدارِ امر عدمِ علم آب پر رکھا ہے اور واقع میں اس کے وجود و عدم پر نظر نہیں کی ہے تو جب پانی کا گمان ہو یا گمان کی جگہ ہو تو عدم علم نہ رہا اس لئے تیمّم نہ ہُوا خواہ بعد میں پانی کا وجود ظاہر ہو یا عدم ظاہر ہو۔ دیکھئے جسے اپنے خیمہ یا کجاوہ میں پانی ہونا یاد نہ رہا یا جس نے لاعلمی میں کسی کُنویں پر خیمہ لگایا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اسے یاد آیا، یا وہاں پانی ہونا ظاہر ہوا تو اس پر نماز کا اعادہ

ماتقدم من تصریح السراج ومثله فی الجوهرة النیرّة وبه(۱) ظهر ان تقییده فی الاستفادة بقوله ولم یستکشف غیر صحیح بل الحکم مطلق وجعله(۲) ایاه ظاهر الخلاصة ممنوع بل صریحها الاطلاق۔

نہیں تو جیسے ظہور آب نے اس کے صحیح تیمّم کو غیر صحیح نہ کیا اسی طرح ظہور عدم آب بھی اس کے فاسد تیمّم کو غیر فاسد نہ کرسکے گا۔اور نقلی دلیل سراج وہاج کی وہ تصریح ہے جو پہلے گزر چکی اور اسی کی مثل جوہرہ نیرہ میں بھی ہے۔اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ مستفاد بتاتے ہوئے صاحب حلیہ نے جو یہ قید لگائی کہ "بعد نماز حقیقت حال کی تفتیش نہ کی" یہ صحیح نہیں۔بلکہ حکم مطلق ہے(بعد میں تلاش کرے یا نہ کرے اور پھر پانی ملے یا نہ ملے بہر حال سابقہ تیمّم ونماز درست نہیں ۱۲م الف)اور اس قید کو عبارت خلاصہ کاظاہر بتانا ناقابلِ تسلیم ہے بلکہ اس میں صراحةً حکم مذکور کو مطلق ہی رکھا ہے(جس سے بہر صورت عدمِ جواز ہی ثابت ہوتا ہے ۱۲م الف)(ت)

فان قلت: حاصل ما قررت ههنا ان لوظن القدرة علی الماء لایصح تیمّمه وان ظهر بعد وانه عاجز ولوظن العجز صح وان ظهر بعدُ انه قادر فالمبنی ظنه لامایظهر بعده وهو خلاف مانصوا علیه فی مسألة من(۳) وجد مع غیره ماء فانه ان لم یسأله وتیمّم وصلی ثمّ سأل فان اعطی بطلت صلاته وان کان یظن قبله المنع وان ابی صحت وان کان یظن قبله الاعطاء فکان المبنی مایظهر بعد لا ماظن وقد ذکرنا نصوصه وبلغنا الغایة تحقیقه فی رسالتنا قوانین العلماء بعون الله تعالٰی۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ یہاں آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسے پانی پر قدرت کا گمان ہو تو تیمّم درست نہ ہوگا اگرچہ بعد میں پانی سے عاجز ہونا ہی ظاہر ہو۔اور اگر پانی سے عجز کا گمان ہو تو تیمّم درست ہے اگرچہ بعد میں پانی پر قادر ہونا ہی ظاہر ہو۔تو بنائے کار اس کے گمان پر ہے اس پر نہیں جو بعد میں ظاہر ہو اور دوسرے کے پاس پانی موجود پانے کے مسئلہ میں فقہا نے جو صراحت کی ہے یہ اس کے برخلاف ہے۔اس لئے کہ اگر اس نے نہ مانگا اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر طلب کیا اب اگر وہ دے دے تو نماز باطل ہوگئی اگرچہ پہلے اس کا گمان یہ رہا ہو کہ نہ دے گا اور اگر انکار کردے تو نماز صحیح ہوگئی اگرچہ پہلے اس کا گمان یہ رہا ہو کہ پانی دے دے گا۔ تو بنائے حکم اُس پر ہُوئی جو بعد میں ظاہر ہو اس پر نہیں جو پہلے گمان ہو اس سلسلہ کے نصوص اور مسئلہ کی انتہائی تحقیق بعون اللہ تعالٰی ہم اپنے رسالہ "قوانین العلماء فی متیمّمٍ علم عند زیدٍ ماء" (۱۳۳۵ھ) میں رقم کرچکے ہیں۔(ت)

اقول: لاخلاف فان المبنی ثمه حقیقة العجز اماهنا فعدم علمه کما علمت قال الامام صدرالشریعة ثم المحقق الحلبی فی الحلیة لواتم الصلاة فیما اذاظن العطاء ثم سأل فان اعطی بطلت صلاته وان ابی تمت لانه ظهر ان ظنه کان خطأ بخلاف مسألة(۱) التحری لان القبلة(۲) حینئذ جهة التحری اصالة وھھنا الحکم دائر علی حقیقة القدرة والعجز اقیم غلبة الظن مقامهما تیسیرا فاذا ظهر خلافه لم یبق قائما مقامهما[1] اھ۔	**اقول:** (اس کا جواب یہ ہے) کہ اس میں اختلاف نہیں کہ وہاں بنائے حکم حقیقت عجز پر ہے لیکن یہاں بنائے حکم، عدم علم پر ہے جیسا کہ بیان ہُوا۔ امام صدرالشریعۃ پھر حلیہ میں محقق حلبی لکھتے ہیں: "اُس صورت میں جب کہ پانی دینے کا گمان ہو اگر نماز پُوری کرلی پھر طلب کیا تو اب اگر دے دے نماز باطل ہو گئی اور انکار کردے تو پُوری ہو گئی، اس لئے کہ ظاہر ہو گیا کہ اس کا گمان غلط تھا۔ اور تحری قبلہ کا مسئلہ اس کے برخلاف ہے کیوں کہ جب کوئی بتانے والا نہ ہو تو اس وقت سمت تحری اصالۃً قبلہ ہے اور یہاں مدار حکم حقیقت قدرت وعجز پر ہے غلبہ ظن کو ان دونوں کے قائم مقام آسانی کیلئے رکھا گیا ہے تو جب اس (غلبہ ظن) کے خلاف ظاہر ہو جائے تو غلبہ ظن ان دونوں کے قائم مقام نہیں رہ جاتا" اھ (ت)
اقول: ویمکن ان یوجه بان الماء ثمه معلوم الوجود وھو قادر علی تحصیل العلم بحقیقة العجز والقدرة بان یسأله فیعطی اویابی فلایسوغ(۳) له العمل بالظن عند القدرة علی العمل بالعلم اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْــٴًـا[2] اما ھھنا فالماء مجھول الوجود ولیس بیدہ تحصیل العلم به الابحرج والحرج مدفوع وماشرع التیمّم	**اقول:** اس کی یہ توجیہ بھی کی جاسکتی ہے کہ وہاں (جب کہ دوسرے کے پاس پانی ہے) پانی کا موجود ہونا معلوم ہے۔ اور اس پانی سے متعلق اپنے عجز وقدرت کی حقیقت کا علم بھی حاصل کرسکتا ہے اس طرح کہ اس سے مانگ کر دیکھ لے کہ دیتا ہے یا نہیں دیتا۔ ایسی صورت میں جبکہ وہ علم ویقین پر عمل کرسکتا ہے ظن پر عمل کرنا جائز نہیں۔ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْــٴًـا (گمان حقیقت کی جگہ کوئی کام نہیں دے سکتا)

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۳
[2] القرآن ۱۰/۳۶

الاالدفعه والظن الغالب فی العملیات یقوم مقام العلم عند فقدانه وقد ذکرنا تتمة الکلام فی الرسالة المذکورة بتوفیق الله تعالٰی۔

لیکن یہاں تو پانی کا وجود نا معلوم ہے، مشقت وحرج کے بغیر اس کا علم ویقین حاصل کرنا اس کے بس میں نہیں۔اور حرج مدفوع ہے۔خود تیمّم کی مشروعیت ہی دفع حرج کیلئے ہوئی ہے۔اور علم ویقین کے فقدان کی حالت میں باب عملیات میں ظن غالب یقین کے قائم مقام ہے بتوفیق اللہ تعالٰی اس کلام کا تکملہ ہم نے رسالہ مذکورہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)

اقول: وقد ظهر بحمد الله تعالٰی بتقریرنا هذا ان شرط طلب الماء اذا ظن قربه حتی لایصح تیممه قبل الطلب مندرج فی شرط العجز لانه مادام یظن قربه لم یعدم علمه فلایثبت عجزه الااذا(۱) طلب الی حد لا یضربه ولا برفقته ویقع الیاس من وجدان الماء لانه حینئذ یخیب ظنه الذی کان قام مقام العلم فیعدم العلم فیثبت العجز فماوقع(۲) فی ردالمحتار من ان هذا الشرط زاده فی المنیة وسیذکره المصنف بقوله ویطلبه غلوة ان ظن قربه [1] اھ غیر سدید بل قد ذکره المصنف فی قوله من عجز عن استعمال الماء [2] الخ الا تری الی قول البحر قدرة بدون العلم لان القادر علی الفعل هو الذی لو اراد

اقول: بحمدہٖ تعالٰی ہماری اس تقریر سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ قریب میں پانی کا گمان ہونے کے وقت پانی تلاش کرنے کی جو شرط رکھی گئی ہے کہ بغیر تلاش کیے تیمّم جائز نہیں یہ شرط بھی عجز میں مندرج اور داخل ہے اس لئے کہ جب تک قریب میں پانی ہونے کا گمان موجود ہے علم آب معدوم نہیں تو عجز ثابت نہیں ہاں مگر جب اس حد تک پانی تلاش کرلے کہ اسے اور اس کے ہم سفروں کو ضرر نہ ہو اور پانی ملنے سے مایوسی ہوجائے۔اس لئے کہ اس حالت میں اس کا ظن جو علم کے قائم مقام تھا ناکام ہوجاتا ہے۔ظن کے ختم ہوجانے سے علم بھی معدوم ہوجاتا ہے تو عجز ثابت ہوجاتا ہے،جب یہ بات طے ہوگئی (کہ شرط عجز میں تلاشِ آب والی شرط بھی مندرج اور داخل) تو ردالمحتار کا یہ قول درست نہیں "کہ منیہ نے اس شرط کا اضافہ کیا ہے اور عنقریب مصنّف اسے یوں ذکر فرمائیں گے کہ "ایک غلوہ

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۰
[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۰

تحصیله یتأتی له ذلك [1] اھ۔وماذکرہ المصنف لیس لبیان شرط التیمم بل قدر الطلب ومایتعلق به من التفریعات کما اعاد متصلا به ذکر شرط النیة لاجل ھذا مع ذکرہ لھا فی نفس حد التیمّم۔

(ہر طرف سے تین سو قدم) کی مقدار پانی تلاش کرے اگر قریب میں پانی ہونے کا گمان ہو"اھ ملخصًا۔ بلکہ مصنّف نے **من عجز عن استعمال الماء الخ** (جو پانی کے استعمال سے عاجز ہو الخ)کے تحت اسے ذکر کردیا (کیوں کہ عدم علم بھی عجز ہی میں داخل ہے) یہ دیکھئے البحرالرائق کی عبارت: "علم کے بغیر قدرت کا وجود نہیں اس لئے کہ کسی کام پر قادر وہی شخص ہوگا جو اسے کرنا چاہے تو کرسکے"۔اھ (اور پانی کا علم ہی نہیں تو اسے کام میں لانے کا ارادہ وعمل بھی نہیں ہوسکتا پھر قدرت کہاں؟ ۱۲م الف) اور مصنّف نے ایک غَلوہ تک تلاش کرنے کی جو بات کہی ہے یہ شرط تیمّم کے بیان کیلئے نہیں بلکہ یہ بتانے کیلئے ہے کہ کتنی دُور تک تلاش کرنا ہے اور اس سے متعلق تفریعات بیان کرنا بھی مقصود ہے جیسے اسی کے متصل مصنّف نے تفریعات ہی کے پیش نظر شرطِ نیت کو دوبارہ ذکر کیا ہے حالانکہ اس سے پہلے خود تیمّم کی تعریف میں اس کا ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

ششم: مسلمان کی تخصیص اس لئے کہ کافر تیمّم کا اہل نہیں اس کا تیمّم باطل ہے اگر کافر[۱] نے وضو کیا پھر اسلام لایا اُسی سے نماز پڑھ سکتا ہے جبکہ اُسکے بعد کوئی حدث نہ ہوا ہو، لیکن اگر وہاں[۲] پانی نہ تھا تیمّم کرکے مسلمان ہُوا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا نماز کیلئے دوبارہ تیمّم کرنا ہوگا وجہ یہ کہ وضو کیلئے پانی کا اعضائے وضو پر گزر جانا کافی ہے اگرچہ بلاقصد ہو کافر کے وضو میں یہ بات حاصل ہوگئی لیکن تیمّم میں نیت شرط ہے اور نیت اللہ عزّوجلّ کیلئے اور کافر اُسے جانتا ہی نہیں اس کیلئے نیت کیا کرے گا کفر کہتے ہی اسے ہیں کہ اللہ سبحٰنہ کو نہ جانے۔

تنبیہ جلیل: یہ بات ناواقف کی نگاہ میں بعید ہے اور اس کا بیان نہایت مفید ہے لہٰذا فقیہ غفرلہ المولی القدیر نے اسے چند مختصر جملوں میں بیان کیا ہے جن سے روشن ہو کہ تمام کفار[۳] اگرچہ کلمہ گو نماز گزار ہوں اللہ عزوجل کو ہر گز نہیں جانتے اور اُن میں کوئی ایسا نہیں جو اُسے بُرے بُرے عیب بڑے بڑے دھبّے نہ لگاتا ہو اُس بیان پر اطلاع لازم ہے تاکہ مسلمان اُن سے پرہیز کریں اور اپنے رب کی محبت وحمایت میں اُن سے نفرت وگریز کریں"**باب العقائد والکلام**"(۱۳۳۵ھ) اُس کا تاریخی نام یا"**گمراہی کے جھوٹے خدا**"(۱۳۳۵ھ) تاریخی لقب یہ ایک نہایت مختصر مگران شاء اللہ تعالٰی کمال مفید رسالہ ہے اگر کوئی سُنّی عالم رسائلِ فقیر سے

[1] البحرالرائق قبیل قولہ ویطلب غلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۰

اس کے دعاوی کا بیان لے کر تفصیل دے اور موقع بموقع مناسب فوائد کے اضافہ سے اس کی شرح لکھے تو اِن تمام فرقوں کی دندان شکنی کا بعونہ تعالٰی کافی مسالا ہے، بیچ میں طول فصل کے خیال سے اُسے یہاں سے جُدا کرکے اس رسالہ تیمّم کے آخر میں ملحق کریں **وباللہ التوفیق۔**

ہفتم: ہم نے بالغ کی قید نہ لگائی کہ تیمّم نابالغ کا بھی صحیح ہے۔

ہشتم: عاقل کی قید ذکر کی کہ مجنون یا ناسمجھ بچّہ اگر تیمّم کی نقل کرے وہ معتبر نہیں کہ تیمّم کی شرط نیت ہے۔

نہم: میت میں صرف اسلام شرط کیا کہ بالغ ہو یا نہیں، عاقل ہو یا نہیں، ہر طرح تیمّم کرایا جائے گا جبکہ پانی سے عجز ہو۔

دہم: نجاست کو حکمیہ سے مقید کیا کہ زندہ کا تیمّم نجاست حکمیہ ہی کو دُور کرتا ہے، حقیقیہ کا مٹّی سے ازالہ صرف استنجا میں ہے۔

یازدہم: حکمیہ کو حقیقیہ وصوریہ سے عام کیا کہ نابالغ میں نجاست حکمیہ کا حقیقۃً وجود محلِ نظر ہے۔

دوازدہم: درباره میت حقیقیہ وحکمیہ کی تشقیق بربنائے اختلاف ائمہ ہے کہ موت سے بدن کو نجاست حقیقیہ عارض ہوتی ہے یا حکمیہ، برتقدیر اوّل[1] قبل غسل اس کے پاس قرآن عظیم کی تلاوت منع ہوگی جبکہ اس کا بدن سر سے پاؤں تک کپڑے سے چھُپا نہ ہو جیسے جہاں[2] کوئی نجاست پڑی ہو تلاوت مکروہ ہے اور تقدیر ثانی پر تلاوت میں حرج نہ ہوگا جیسے[3] کوئی قرآن مجید پڑھے اور اس کے پاس کوئی جنب یا حیض ونفاس سے نکلی ہُوئی بے نہائی عورت بیٹھی ہو۔ اور اُوپر گزرا کہ فقیر کی تحقیق میں قول دوم ہی زیادہ راجح ہے **اِن شاء اللہ تعالٰی۔**

سیزدہم: دُور کرنے کیلئے یہ لفظ جانب نیت مشیر ہوا کہ بے نیت تیمّم صحیح نہیں اور اس نے یہ بھی بتایا کہ نیت[4] اپنے بدن سے نجاست حکمیہ یا بدنِ میت سے نجاست موت دُور کرنے کی ہو اور اسی کے معنی میں ہے نیت تطہیر[عہ] اگرچہ استحباباً اور اسی کو مؤدی ہے، اس فعل سے کوئی عبادت مباح کرنے کی نیت مقصودہ ہو جیسے نماز اور جنب کیلئے قراءتِ قرآن یا غیر مقصودہ جیسے مصحف شریف کا چھُونا، جنب کیلئے مسجد میں جانا۔ ہاں عبادت

عـــہ: اشارہ ہے اُن عبادات کیلئے نیت تطہیر کی طرف جن میں طہارت شرط نہیں جیسے سلام وجوابِ سلام واذان واقامت وزیارتِ قبور وعیادتِ مریض وغیرہا کہ پانی نہ ہونے (۵) کی حالت میں اُن کیلئے بھی تیمّم صحیح وجائز ہے کماسیأتی وہ اسی نیت سے ہوگا کہ قربت الٰہی بحال طہارت کروں یہ تطہیر استحبابی ہوئی ۱۲منہ غفرلہ (م)

غیر مقصودہ مباح کرنے کیلئے جو تیمّم ہوگا اُس سے نماز نہیں پڑھ سکتا، جو تیمّم[1] رفع حدث و حصولِ طہارت کی نیت سے کیا جائے اُس سے تو نماز وغیرہ سب کچھ جائز ہے مگر تیمّم[2] کے وقت یہ نیت نہ کی ہو بلکہ صرف اتنا قصد کیا ہو کہ فلاں عبادت ادا کرنے کو تیمّم کرتا ہُوں تو اُس تیمّم سے نماز جائز ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ وہ عبادت مقصودہ بھی ہو اور بغیر طہارت کے جائز بھی نہ ہوتی ہو ورنہ اگر پانی[3] نہ پانے کی صورت میں محدث بحدث اکبر خواہ اصغر نے قرآن عظیم چھُونے یا جنب نے مسجد میں جانے کیلئے تیمّم کیا تیمّم صحیح ہوجائے گا لیکن اُس سے نماز روانہ ہوگی کہ مسِ مصحف یادخولِ مسجد فی نفسہ کوئی عبادت مقصودہ نہیں بلکہ عبادات مقصودہ تلاوت و نماز ہیں اور یہ اُن کے وسیلے، یوں[4] ہی اگر پانی نہ ملنے کی حالت میں بے وضو نے یاد پر تلاوت یا جنب نے اور اذکار الٰہی مثل کلمہ طیبہ اور درود شریف پڑھنے کیلئے تیمّم کیا تیمّم صحیح ہے اور اس سے نماز ناجائز کہ یہ عبادتیں اگرچہ مقصودہ ہیں مگر ان کو بے طہارت رَوا تھیں۔ توظاہر ہوا کہ یہ شرطیں نفسِ تیمّم کی نہیں بلکہ اُس سے جواز نماز کی ہیں ولہٰذا اہم نے تعریف میں ان کو نہ لیا۔

اقول: وبه(۵) ظهر ان قول العلامة ش عند قول التنوير لاقامة قربة اى لاجل عبادة مقصودة لاتصح بدون الطهارة اھ غير سديد فانه فى مقام الاطلاق تقييد[1]۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سے ظاہر ہوگیا کہ تنویر الابصار کی عبارت "لاقامة قربة" (ادائے قربت کیلئے) کے تحت علّامہ شامی کا یہ لکھنا کہ "یعنی ایسی عبادت مقصودہ کیلئے جو بغیر طہارت کے درست نہ ہو"۔ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ وہ حکم جو مطلق ہی رہنا چاہئے ان کے اس اضافہ سے مقید ہوجاتا ہے۔(ت)

بالجملہ بہ نیتِ عبادت تیمّم کرنے سے نماز جائز ہونے کی تو یہ دو۲ شرطیں ہیں اور خود اس نیت سے تیمّم صحیح ہونے کیلئے ان دونوں میں سے کچھ شرط نہیں مسائل بالا میں گزرا کہ مسجد کے اندر ہی پانی ہے جنب اُسے لینے کو جائے تیمّم کرے سلام وجوابِ سلام فوت ہونے کے خیال سے پانی ہوتے ہوئے تیمّم کرے، حالانکہ وہ عبادت مقصودہ نہیں اور یہ بے طہارت جائز۔ ہاں[6] فی نفسہٖ جائز ہونے کو یہ مشروط ہے کہ پانی نہ ہونے کی صورت میں یا تو وہی نیت عامہ تطہیر ورفعِ حدث ہو یا مطلقاً کسی عبادت کی نیت خواہ مقصود ہو[عـــہ] یا نہیں اس کیلئے طہارت

عـــہ عبادت[6] دو۲ قسم ہے مقصودہ کہ خود مستقل قربت ہو دوسری قربت کیلئے محض وسیلہ ہونے کو مقرر نہ ہوئی ہو، دوسری غیر مقصودہ کہ صرف وسیلہ ہے اور ان میں ہر قسم سے بعض مشروط بطہارت ہیں کہ بے طہارت جائز نہیں خواہ طہارت صغرٰی یعنی وضو بھی شرط ہو یا صرف کبرٰی یعنی غسل اور بعض غیر مشروط تو عبادات چار۴ قسم ہوگئیں (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۹

شرط ہو یا نہیں جیسے نماز (۱) سجدۂ تلاوت سجدہ شکر سجدہ جنب کو تلاوت یا اسلام (۲)، سلام، جواب سلام، بے وضو کو یاد پر تلاوت یا (۳) مصحف شریف کا چھُونا، جنب کا مسجد میں جانا یا اذان (۴)، اقامت، بے وضو کا مسجد میں جانا چاروں قسم کے لئے تیمّم صحیح ہے اگرچہ نماز ان میں صرف اسی تیمّم سے روا ہوگی جو قسم اول کی نیت سے کیا اور پانی (۱) ہونے کی حالت میں خاص اُس عبادت فرض یا واجب یا سنّت مؤکدہ کیلئے ہو کہ پانی سے طہارت کرے تو فوت ہوجائے اور اس کا کوئی بدل نہ ہو جیسے سلام وجوابِ سلام اور قولِ محقق واحوط پر نمازِ پنجگانہ وجمعہ میں محافظت وقت کما تقدم تحقیقہ بما لامزید علیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق گزر چکی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت)

ان دو[۱] صورتوں کے سوا اگر کسی دوسری نیت سے تیمّم کیا مثلاً پانی[۲] نہ ہونے کی حالت میں بے وضو نے مسجد میں ذکر کیلئے بیٹھنے بلکہ مسجد[۳] میں سونے کیلئے کہ سرے سے عبادت ہی نہیں یا[۴] پانی ہوتے ہُوئے سجدہ تلاوت یا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۱) مقصودہ مشروطہ جیسے نماز ونمازِ جنازہ وسجدہ تلاوت وسجدہ شکر کہ سب مقصود بالذات ہیں اور سب کیلئے طہارت کاملہ شرط یعنی نہ حدثِ اکبر ہو نہ اصغر۔ نیز یاد پر تلاوت قرآن مجید کہ مقصود بالذات ہے اور اس کیلئے صرف حدثِ اکبر سے طہارت شرط ہے بے وضو جائز ہے۔

(۲) مقصودہ غیر مشروطہ کہ ہو تو مقصود بالذات مگر اس کیلئے طہارت ضرور نہ ہو مطلقاً خواہ صغرٰی جیسے اسلام لانا سلام کرنا سلام کا جواب دینا سب مقصود بالذات ہیں اور ان کیلئے اصلاً طہارت شرط نہیں نیز یاد پر تلاوتِ قرآن مجید کہ اُس کیلئے طہارتِ صغرٰی یعنی باوضو ہونا ضرور نہیں۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ یاد پر تلاوت جنب کے اعتبار سے قسم اوّل میں ہے اور بے وضو کے اعتبار سے قسم دوم میں۔

(۳) غیر مقصودہ مشروطہ کہ ہو تو دوسری عبادت کا وسیلہ مگر بے طہارت جائز نہ ہو خواہ صرف طہارت کبرٰی شرط ہو یا کاملہ جیسے مصحف شریف کا چھُونا کہ بے وضو بھی حرام ہے اور مسجد میں جانا کہ صرف حدثِ اکبر میں حرام اور حدثِ اصغر میں جائز ہے۔

(۴) غیر مقصودہ غیر مشروطہ کہ وسیلہ ہو اور طہارت شرط نہیں جیسے اذان واقامت کہ وسائل نماز ہیں اور جنب سے بھی صحیح اگرچہ اس کی اقامت زیادہ مکروہ ہے اور مسجد میں جانا کہ بے وضو جائز ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ دخولِ مسجد جنب کے لحاظ سے قسم سوم میں ہے اور محدث کی نظر سے قسم چہارم میں۔ پانی نہ ہونے کی حالت میں چاروں قسموں کیلئے تیمّم صحیح ہے اور نماز صرف اسی سے ہوسکے گی جو اس عام نیتِ تطہیر ورفع حدث سے کیا گیا یا خاص قسم اوّل کی نیت سے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ (م)

سجدہ شکر یا مس مصحف یا باوجود وسعتِ وقت نماز پنجگانہ یا جمعہ یا جنب نے تلاوتِ قرآن کیلئے تیمّم کیا لغو وباطل وناجائز ہوگا کہ ان میں سے کوئی بے بدل فوت نہ ہوتا تھا، یونہی ہماری تحقیق پر تہجد یا چاشت یا چاند گہن کی نماز کیلئے اگرچہ اُن کا وقت جاتا ہو کہ یہ نفل محض ہیں سنّتِ مؤکدہ نہیں تو باوجود آب زیارت قبور یا عیادت مریض یا سونے کیلئے تیمّم بدرجہ اولٰی لغو ہے۔

کماحققه ش مخالفا وقع فی البحر وتبعه فی الدر واستدلاله بمالا دلیل لهما فیه کمابینه هو وان تبعهما فیه ح وط رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین وعلینا بهم اٰمین۔	جیسا کہ علّامہ شامی نے اس کی تحقیق کی ہے اس کے برخلاف جو البحر الرائق میں ہے اور در مختار نے بھی اس کی پیروی کی اور ان دونوں حضرات نے اپنے موقف کیلئے ایسی بات سے استدلال کیا جس میں ان کے موقف کی کوئی دلیل نہیں جیسا کہ علامہ شامی نے بیان کیا، اگرچہ اس استدلال میں حلبی وطحطاوی نے بھی بحر ودر کی پیروی کرلی ہے ان سبھی حضرات پر خدائے تعالٰی کی رحمت ہو اور ان کے طفیل ہم پر بھی ___ قبول فرما ___ (ت)

اقول: یہاں سے عـه ظاہر ہوا کہ یہ چیزیں ہماری تعریف پر نقض نہیں ہوسکتیں کہ کوئی کہے دیکھو ان کیلئے تیمّم صحیح ہے اور پانی سے عجز نہیں۔ نہیں نہیں تیمّم وہیں صحیح ہوگا جہاں پانی سے عجز ہے اگرچہ اسی طرح کہ پانی سے طہارت کرنے میں مطالبہ شرعیہ بلابدل فوت ہُوا جاتا ہے یہ بھی صورتِ عجز ہے کماتقدم (جیسا کہ گزر چکا۔ ت)

بدائع ملک العلماء قدس سرہ، میں ہے:

لوتیمّم ونوی مطلق الطهارة اونوی استباحة الصلاة فله ان یفعل کل مالایجوز بدون الطهارة وکذا لوتیمّم لسجدة التلاوة اوالقراءة القراٰن	اگر تیمّم کیا اور مطلق طہارت کی نیت تھی یا نماز کا جواز حاصل کرنے کی نیت تھی تو اس تیمّم سے ہر اس عمل کی ادائیگی کرسکتا ہے جو بغیر طہارت جائز نہیں۔ اسی طرح اگر سجدہ تلاوت کیلئے یا

عـه ای من انکار التعمیم الذی مشی علیه فی البحر والدر وحصر التیمم مع وجود الماء فی مطلوب مؤکد یفوت لا الی خلف ۱۲منه غفرله (م)	یعنی تیمّم کو عام رکھنے کا جو موقف صاحبِ بحر ودر مختار نے اختیار کیا ہے اس کا انکار کرنے سے اور تیمّم کو پانی موجود ہونے کی حالت میں ایسے مؤکد مطلوب پر منحصر کرنے سے جو فوت ہوجائے تو اس کا کوئی بدل نہ ہو، ظاہر ہُوا۔ ۱۲منه غفرله (ت)

بان کان جنبا جازله ان یصلی به سائر الصلوات لان کل واحد من ذلك عبادة مقصودة فاما اذا تیمم لدخول المسجد اومس المصحف لایجوزله ان یصلی به ویقع طهور الماء اوقعه له لاغیر [1]۔	تلاوت قرآن کیلئے تیمّم کیا اس وجہ سے کہ حالتِ جنابت میں تھا تو وہ اس تیمّم سے ساری نمازیں پڑھ سکتا ہے اس لئے کہ ان میں ہر ایک عمل عبادتِ مقصودہ ہے لیکن جب مسجد میں داخل ہونے یا مصحف چھُونے کے لئے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے نماز کی ادائیگی جائز نہیں جس عمل کے لئے یہ تیمّم کیا ہے اس کیلئے تو وہ طہارت ہوگا مگر کسی اور عمل کیلئے طہارت نہ بن سکے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر شرطها عـه ان ینوی عبادة مقصودة۔الخ اوالطهارة اواستباحة الصلاة او رفع الحدث اوالجنابة فلا تکفی نیة التیمم علی المذهب ولا تشترط نیة التمییز بین الحدث والجنابة خلافا للجصاص اھ۔ وتکفی نیة الوضوء الخ [2]۔	البحرالرائق میں ہے اس کی شرط یہ ہے کہ عبادتِ مقصودہ کی نیت ہو الخ۔ یا طہارت یا جوازِ نماز یا رفع حدث یا رفعِ جنابت کی نیت ہو۔ تو بر بنائے مذہب محض تیمّم کی نیت کافی نہیں۔اور حدث وجنابت کے درمیان تمیز وتفریق کی نیت شرط نہیں، جصّاص اس کے خلاف ہیں اھ اور وضو کی نیت بھی کافی ہے الخ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للتیمم فی حق جواز الصلاة	جوازِ نماز کے حق میں تیمّم کیلئے ایسی

عـــه: ای شرط النیة المشروطة فی التیمم المبیح للصلاة ۱۲ منه غفرله۔ (م)	یعنی نماز کو جائز کرنے والے تیمّم میں مشروطہ نیت کی شرط ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۲

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۱

به نية عبادة عـه مقصودة لاتحل بدون	عبادت مقصودہ کی نیت کرنا شرط ہے جو بغیر طہارت

عـــه: بعده فی الدر ولو صلاة جنازة اوسجدة تلاوة لاشكر فی الاصح [1] اھ۔ قال ش هذا بناء علی قول الامام انها مكروهة اما علی قولهما المفتی به انها مستحبة فينبغی صحته وصحة الصلاة به افاده ح [2] اھ وكذا اقره ط فاجتمع عليه السادة الثلثة۔

اس کے بعد درمختار میں ہے: یہ عبادت اگرچہ نماز جنازہ یا سجدہ تلاوت ہی ہو مگر اصح قول کی بنیاد پر سجدہ شکر نہیں اھ۔ علّامہ شامی نے کہا سجدہ شکر کی نفی امام اعظم کے اس قول کی بنیاد پر ہے کہ سجدہ شکر مکروہ ہے لیکن صاحبین اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں اور ان کا قول مفتی بہ ہے تو اس قول کی بنیاد پر اس کیلئے تیمّم صحیح ہونا چاہئے اور اس سے نماز بھی صحیح ہونی چاہئے۔ حلبی نے یہ افادہ فرمایا اھ۔ اسی طرح طحطاوی نے بھی اسے برقرار رکھا تو یہ تینوں حضرات (سید حلبی، سید طحطاوی، سید شامی) اس پر متفق ٹھہرے۔

اقول: قوله ينبغی يدل انه بحث منه وقد رأيته منقولا فی الهندية عن الذخيرة وفی البحر عن التوشيح ولفظ الاولين لوتيمّم لسجدة الشكر علی قول ابی حنيفة وابی يوسف لايصلی المكتوبة بذلك التيمم وعند محمد يصلی بناء علی ان السجدة قربة عند محمد خلافا لهما [3] اھ۔ ولفظ الاخيرين لوتيمّم لسجدة الشكر لايصلی به المكتوبة وعند محمد يصليها بناء علی انها

اقول: حلبی کی عبارت "صحیح ہونا چاہئے" یہ بتاتی ہے کہ یہ خود ان کی بحث ہے اور میں نے دیکھا کہ اسے ہندیہ میں ذخیرہ سے اور بحر میں توشیح سے نقل کیا ہے۔ ہندیہ وذخیرہ کے الفاظ یہ ہیں: "اگر سجدہ شکر کیلئے تیمّم کیا تو امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف کے قول پر اس تیمّم سے نمازِ فرض کی ادائیگی نہیں کر سکتا اور امام محمد کے نزدیک اس سے نمازِ فرض پڑھ سکتا ہے اس بنیاد پر کہ امام محمد کے نزدیک ــ بخلاف شیخین ــ سجدہ شکر قربت ہے اھ۔ اور بحر وتوشیح کے الفاظ یہ ہیں: "اگر سجدہ شکر کے لئے تیمّم کیا تو اس سے نمازِ فرض (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الدر المختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۱
[2] الدر المختار مع الشامی باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۱
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول من التیمم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶

طھارۃ خرج السلام وردہ وصح تیمّم	جائز نہیں۔اس قید سے سلام وجوابِ اسلام (کی نیت سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قربۃ عندہ وعندھما لیست بقربۃ[1] اھ۔

اقول: والمکتوبۃ غیر قید کما لایخفی ثم فیھما خلاف ما ذکروا من نسبۃ الاستحباب الی الصاحبین لکن مثلہ فی الغنیۃ عن المصفی فاذن عن ابی یوسف روایتان۔

اقول: والعجب من الشارح کیف یجعل النفی اصح مع قولہ سجدۃ الشکر مستحبۃ بہ یفتی اھ۔ ولاشك ان الفتوٰی علی ھذا فتوی علی جواز الصلاۃ بتیمّم فعل لھا قال الغنیۃ عن المصفی قالا ھو قربۃ یثاب علیہ وعلیہ یدل ظاھر النظم وثمرۃ الاختلاف تظھر فی انتقاض الطھارۃ

کی ادائیگی نہیں کرسکتا اور امام محمد کے نزدیک اس سے فرض نماز پڑھ سکتا ہے یہ اس بنیاد پر کہ سجدہ شکر امام محمد کے نزدیک قربت ہےاور شیخین کے نزدیک قربت نہیں اھ۔

اقول: "نماز فرض" کا لفظ قید نہیں (نماز نفل یا دوسری عبادت کی ادائیگی کا بھی یہی حکم ہوگا) جیسا کہ مخفی نہیں پھر ___ (غور طلب بات یہ ہے کہ) دونوں ہی عبارتوں میں اُس کے برخلاف ہے جو علما نے ذکر کیا ہے کہ سجدہ شکر کا مستحب ہونا صاحبین کا قول ہے لیکن غنیہ میں بھی مصفی کے حوالہ سے اسی کے مثل لکھاہُوا ہے جب ایسا ہے تو اس مسئلہ میں امام ابویوسف سے دو۲ روایتیں ہیں۔

اقول: شارح (صاحبِ درمختار) پر تعجب ہے کہ سجدہ شکر کی نفی کو انہوں نے اصح کیسے قرار دیا جب کہ خود ان کی عبارت موجود ہے کہ "سجدہ شکر مستحب ہے اسی پر فتوی دیا جاتا ہے اھ۔ اور اس میں شک نہیں کہ سجدہ شکر کے استحباب پر فتوی اس پر بھی فتوی ہے کہ اس کی ادائیگی کیلئے جو تیمّم کیا گیا ہو اس سے نماز جائز ہے۔ غنیہ میں مصفی کے حوالہ سے ہے: "صاحبین نے فرمایا: سجدہ شکر قربت ہے جس پر ثواب (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۰

جنب بنیۃ الوضوء بہ یفتی [1]۔	ہونے والا تیمّم) خارج ہوگیا اور وضو کی نیت سے جنابت والے کا تیمّم صحیح ہے۔ اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی حق جواز الصلاۃ اما فی حق صحتہ لنفسہ فتکفی نیۃ ماقصدہ لاجلہ ای عبادۃ کانت عند فقد الماء وعند وجودہ	اس کا قول جوازِ نماز کے حق میں __ لیکن خود صحت تیمّم کے حق میں تواسی عمل کی نیت کافی ہے جس کے لئے تیمّم کا قصد کیا خواہ وہ کوئی عبادت ہو یہ اُس صورت میں ہے جب پانی نہ ہو اور پانی موجود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اذا نام فی سجود الشکر وفیما اذا تیمم لسجدۃ الشکر ھل تجوز الصلاۃ بہ اھ۔ ای فجواب محمد فی الاولی لاوفی الثانیۃ نعم وجواب الامام بالعکس۔

اقول: وعلی ماحققنا فی رسالتنا نبّہ القوم من اعتبار الھیأۃ مطلقًا لاخلف فی الاولی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ہوگا۔ اور نظم کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور ثمرہ اختلاف ان دو مسئلوں میں ظاہر ہوگا:

(۱) سجدہ شکر میں سوجائے تو طہارت ٹوٹے گی یا نہیں؟

(۲) سجدہ شکر کی ادائیگی کیلئے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے نماز کی ادائیگی جائز ہوگی یا نہیں؟ اھ "یعنی پہلے مسئلہ میں امام محمد کا جواب یہ ہوگا کہ نہیں ٹوٹے گی اور دوسرے میں یہ جواب ہوگا کہ نماز جائز ہوگی اور امام صاحب کا جواب بر عکس ہوگا۔

اقول: ہم نے اپنے رسالہ "نبہ القوم ان الوضوء من ایّ نوم" (۱۳۲۵ھ) میں تحقیق کی کہ مطلقًا ہیأت کا اعتبار ہے اس کی بنیاد پر پہلے مسئلہ میں کوئی اختلاف ظاہر نہ ہوگا (یعنی یہ سجدہ قربت ہو یا نہ ہو اس ہیئت پر سونے سے طہارت نہیں ٹوٹتی تو دونوں ہی قول پر ایک جواب ہوگا ۱۲ م الف) واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار، باب التیمم، مطبع مصطفی البابی مصر، ۱/۱۸۱

یصح بعبادۃ تفوت لاالی خلف [1]۔	ہونے کی صورت میں صحتِ تیمّم کیلئے ایسی عبادت کی نیت شرط ہے جو فوت ہو جائے تو اس کا کوئی بدل نہ ہو۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

قالوا لوتیمّم لدخول مسجد اوقراء ۃ ولومن مصحف اومسه کتابته تعلیمه زیارۃ قبورعیادۃ مریض دفن میت اذان اقامۃ اسلام سلام ردہ لم تجز الصلٰوۃ به فتاوٰی الرملی وظاھرہ انه یجوز فعل ذلك [2]۔	علما نے فرمایا ہے: مسجد میں داخل ہونا، قرآن پڑھنا، اگرچہ مصحف سے پڑھے، قرآن چھُونا، لکھنا، سکھانا، زیارتِ قبور، عیادت مریض، دفنِ میت، اذان، اقامت، اسلام، سلام، جواب سلام اگر ان امور کے لئے تیمّم کیا تو اس سے نماز کی ادائیگی جائز نہیں فتاوٰی رملی __ اس کا ظاہر یہ ہے کہ خود ان امور کی ادائیگی جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

التیمّم لهذہ المذکورات التی لاتشترط لھا الطھارۃ صحیح فی نفسه یجوزفعله عند فقد الماء والا فلا نعم ما عـه یخاف فوته بلابدل من هذہ المذکورات یجوز مع وجود	یہ مذکورہ افعال جن میں طہارت کی شرط نہیں ہے ان کے لئے تیمّم فی نفسہ درست ہے جو پانی نہ ملنے کے وقت جائز ہے مگر پانی ہوتے ہوئے جائز نہیں، ہاں ان امور میں سے وہ جس کے بارے میں کسی بدل کے

عـه کسلام و ردہ **اقول**: قد یکون منه الدفن اعنی تعجیل المامور به اذاخیف علی المیت فی المکث وقد یکون منه عیادۃ المریض اذا اشتد الامر علیه ۱۲ منه غفرله۔ (م)	جیسے سلام وجواب سلام __ **اقول**: اس میں دفن بھی کسی وقت آسکتا ہے یعنی تعجیل دفن جس کا اس وقت حکم دیا گیا ہے جب ٹھہرنے کی صورت میں میت کے لئے خطرہ ہو اور مریض کی عیادت بھی اس میں شامل ہو سکتی ہے جب بیمار کا حال سنگین ہو۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

1 ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۱

2 الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۹

الماء[1] ملخصًا	بغیر فوت ہونے کااندیشہ ہواس کے لئے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمّم جائز ہے۔(ت)

دُرمختار میں منیہ وشرح منیہ سے ہے:

تیمّمه لدخول مسجد ومس مصحف مع وجود الماء لیس بشیئ بل ھو عدم لانه لیس بعبادة یخاف فوتھا[2]۔	پانی ہوتے ہوئے مسجد میں داخل ہونے اور مصحف چھونے کے لیے تیمّم کرنا کوئی چیز نہیں بلکہ یہ تیمّم نہیں اس لئے کہ یہ (دخولِ مسجد وغیرہ) کوئی ایسی عبادت نہیں جس کے فوت ہونے کااندیشہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

علله فی شرح المنیة بماذکرہ الشارح عــہ وبان التیمم انما یجوز ویعتبر فی الشرع عند عدم الماء حقیقة اوحکما ولم یوجد	شرح منیہ میں اس کی علت وہی بتائی ہوئی جو شارح نے ذکر کی اور یہ کہ شریعت میں تیمّم کا جواز واعتبار اس وقت ہے جب پانی حقیقۃً یا حکمًا معدوم ہواور دونوں باتوں

عــہ **اقول:** انما علل بھذا اما عدم خوف الفوت فعلل به دعواہ انه لم یوجد واحد منھما وذلك لان الماء موجود حقیقة والقدرة علی استعماله حاصلة فانما یکون معدوما حکما لخوف الفوت وھھنا لاخوف وبه ظھرانه لایصح جعلھماتعلیلین مستقلین فی الواقع ایضا ۱۲منه غفرله (م)	**اقول:** شرح منیہ میں صرف یہی ایک علّت بتائی ہے۔اور اندیشہ فوت نہ ہونے کا ذکر اپنے اس دعوی کی دلیل میں کیا ہے کہ "دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہ پائی گئی"۔یہ اس لئے کہ پانی حقیقۃً موجود ہے اور اس کے استعمال کی قدرت بھی ہے۔پانی فوتِ عمل کے اندیشہ ہی کے وقت حکمًا معدوم قرار پاتا ہے اور یہاں خوف نہیں (توحکمًا بھی معدوم نہیں) اسی سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ فی الواقع بھی ان دونوں کو دو مستقل تعلیلیں قرار دینا صحیح نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۰

[2] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۹

واحد منهما فلایجوز اھ فیفید ان التیمم لمالا تشترط له الطهارة غیر معتبر اصلا مع وجود الماء الا اذاکان ممایخاف فوته لا الی بدل فلوتیمم المحدث للنوم اولدخول المسجد مع قدرته علی الماء فهو لغوبخلاف تیممه لرد السلام مثلا لانه یخاف فوته لانه علی الفور ولذا فعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وهذا الذی ینبغی التعویل علیه [1] اھ۔ **اقول:** فی الاستدلال بالمنیة علی منع التیمّم مع وجود الماء لغیر المشروطة بالطهارة نظر عـــه	میں سے ایک بھی نہ پائی گئی اس لئے تیمّم جائز نہیں اھ اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ عمل جس میں طہارت کی شرط نہیں ہے اس کیلئے پانی ہوتے ہوئے تیمّم کا کوئی اعتبار نہیں مگر جب ایسا عمل ہو جس کے بارے میں اندیشہ ہوگا کہ فوت ہوجائے گا اور اس کا کوئی بدل بھی نہیں (تو اس کے لئے تیمّم جائز ہے)۔اس لئے اگر بے وضو شخص نے پانی پر قادر ہونے کے باوجود سونے کیلئے یا مسجد میں داخل ہونے کیلئے تیمّم کیا تو وہ لغو ہے۔اس کے برخلاف جوابِ سلام کیلئے تیمّم جائز ہے کیونکہ اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ سلام کا جواب فورًا دینے کا حکم ہے۔اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے کیا__یہ وہ بات ہے جس پر اعتماد ہونا چاہئے اھ (ت) **اقول:** جس عبادت میں طہارت شرط نہیں ہے اس کیلئے پانی ہوتے ہُوئے تیمّم کے عدم جواز پر منیہ کی عبارت سے استدلال میرے نزدیک

عـــه اوردها فی الدر ردا علی مافی البحر من جواز التیمّم لکل ما لا تشترط له الطهارة مع وجود الماء فان عبارة المنیة شاملة لدخول المسجد لصاحب الحدث الاصغر واجاب ح کما فی ش وتبعه ط بتخصیص الدخول بالجنب قال	منیہ کی عبارت درمختار میں نقل کی ہے جس سے شارح اس کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو صاحبِ بحر نے لکھا ہے کہ ہر وہ عمل جس میں طہارت شرط نہیں ہے اس کیلئے پانی ہوتے ہوئے بھی تیمّم جائز ہے۔منیہ کی عبارت سے تردید اس طرح ہوتی ہے کہ یہ عبارت (جس میں تیمّم نہ ہونے کا ذکر ہے) بے وضو شخص کے مسجد میں داخل ہونے کو بھی شامل ہے سید حلبی نے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] ردالمحتار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۹

عندی وکذا فی استدلال البحر بالمبتغی، والدر بالبزازیه عـه علی جوازہ کمابینه	محل نظر ہے۔ اسی طرح اس کے جواز پر مبتغی کی عبارت سے البحرالرائق کے، اور بزازیہ کی عبارت سے در مختار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ش ولایخفی انه خلاف المتبادر ولذا علله فی شرح المنیة بماذکرہ الشارح[1] الخ۔

اقول: دلالة التعلیل مسلم اما(ا) المتبادر فلقائل ان یقول لابل الظاہر ارادة مایحتاج الی الطهور ولذا قال فی الحلیة وکذا لوتیمّم لغیر ہذین الامرین من الامور التی لاتستباح الابالطهارة مع وجود الماء والقدرة قال وقد کان الاولی ترک التعرض لهذا لظهورہ وعدم الخلاف فیه[2] اھ۔ فافهم ۱۲ منه غفرله (م)

جیساکہ شامی میں ہے۔ اور سید طحطاوی نے بھی حلبی کا اتباع کیا ہے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ دخولِ مسجد خاص جنب (بے غسل) سے متعلق ہے اس پر علامہ شامی نے کہا کہ یہ متبادر مفہوم کے خلاف ہے اور اسی لئے شرح منیہ میں اس حکم کی علّت وہ بتائی ہے جو شارح نے ذکر کی الخ۔ (ت)

اقول: تعلیل کی دلالت تو تسلیم ہے، رہی تبادر کی بات تو اس پر کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ نہیں، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ عمل مراد ہو جس کیلئے طہارت کی احتیاجی ہے۔ اسی لئے حلیہ میں یہ لکھا ہے "اور یہی حکم ہے اگر پانی اور قدرت ہوتے ہوئے ان دو کاموں کے علاوہ ایسے امور کیلئے تیمّم کیا جو بغیر طہارت جائز نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس سے تعرض نہ کرنا ہی بہتر تھا اس لئے کہ یہ ظاہر ہے، اور اس میں اختلاف بھی نہیں اھ۔ اسے سمجھو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـه بل حاول العلامة ش ان یستدل بها علی خلافه وهو المنع فقال عبارة البزازیة لوتیمّم عند عدم الماء لقراءة قرأن عن ظهر قلب او من المصحف اولمسه اولدخول المسجد اوخروجه اولدفن اوزیارة قبراوالاذان اوالاقامة لایجوزان یصلی به عند العامة

بلکہ علامہ شامی نے اس عبارت سے در مختار کے برخلاف، منع پر استدلال کرنا چاہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "بزازیہ کی عبارت یہ ہے: اگر پانی نہ ہونے کے وقت، یاد سے یا مصحف سے قرآن پڑھنے، یا مصحف چھُونے، یا مسجد میں داخل ہونے، یا نکلنے، یا دفن کرنے، یا زیارتِ قبر، یا اذان یا اقامت کیلئے تیمّم کیا تو عامہ علماء کے نزدیک اس تیمّم سے نماز کی ادائیگی (باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۳

[2] حلیہ

ش وقضية الدليل المنع۔	کے استدلال پر بھی کلام ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اسے بیان کیا ہے اور دلیل کا اقتضا یہ ہے کہ ممنوع ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولوعند وجود الماء لاخلاف فی عدم الجواز اھ۔ فقوله لاخلاف فی عدم الجواز ای عدمه جواز الصلاۃ به ظاهر فی عدم صحته فی نفسه عند وجود الماء فی هذه المواضع لان من جملتها التیمّم لمس الصحف ولاشبهة فی انه عند وجود الماء لایصح اصلا [1] اھ۔ کلام ش۔

جائز نہیں اور اگر پانی ہوتے ہوئے ان امور کیلئے تیمّم کیا تو عدمِ جواز میں کوئی اختلاف نہیں" اھ۔ تو یہ عبارت کہ "عدمِ جواز یعنی اس تیمّم سے نماز کے عدمِ جواز میں کوئی اختلاف نہیں"۔ اس بارے میں ظاہر ہے کہ پانی ہوتے ہوئے ان مقامات میں یہ تیمّم خود بھی درست نہیں کیوں کہ ان ہی میں وہ تیمّم بھی ذکر ہُوا ہے جو مصحف چھُونے کیلئے ہو اور پانی ہوتے ہوئے اس کے نادرست ہونے میں قطعًا کوئی شبہ نہیں اھ۔ شامی کا کلام ختم ہوا۔

اقول: انما مفاده الاجماع علی عدم جواز الصلاۃ به وهو حاصل قطعًا فان التیمّم الذی فعل مع القدرۃ علی الماء کیف تسوغ به الصلاۃ ولانظر فیه الی کونه جائزا فی نفسه اولا الاتری ان التیمم لتعلیمه جائز قطعا مع وجود الماء ولاتجوز به الصلاۃ وکون بعض ماذکر لایصح له التیمم کمس المصحف لایقضی ان الکل کذلك فالقراٰن فی الذکر لیس عندنا قراٰنا فی الحکم

اقول: مذکورہ کلامِ بزازیہ کا مفاد صرف یہ ہے کہ اس تیمّم سے نماز جائز نہیں اور اتنی بات قطعًا حاصل ہے اس لئے کہ پانی پر قدرت ہوتے ہوئے جو تیمّم کیا گیا اس سے نماز کیونکر جائز ہوسکتی ہے لیکن کلام مذکور میں اس تیمّم کے بجائے خود جائز یا ناجائز ہونے پر کوئی نظر نہیں دیکھئے تعلیمِ قرآن کیلئے پانی ہوتے ہوئے تیمّم قطعًا جائز ہے اور اس تیمّم سے نماز جائز نہیں مذکورہ امور میں سے بعض مثلا مَسِّ مصحف کیلئے پانی ہوتے ہوئے تیمّم کا عدمِ جواز اس کا مقتضی نہیں کہ سبھی کا حال ایسا ہی ہو۔ کیونکہ ہمارے نزدیک ذکر میں مقارنت (ساتھ ہونا) حکم (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] ردالمحتار باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۳

اُسی میں قول مذکور در وان لم تجز الصلاۃ بہ پر ہے ای فیقع طھارۃ لما نواہ	اُسی میں قول مذکور در "اگرچہ اس سے نماز جائز نہیں" پر ہے یعنی یہ صرف اس عمل کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبالجملۃ لانقل صریحا بایدی الطرفین وقضیۃ الدلیل المنع فان اللہ عزوجل یقول فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً وھذا واجد فلاحظ لہ فی التیمم بخلاف من یفوتہ مطلوب مؤکد لا الی بدل فانہ فاقد حکما وان کان واجدا حقیقۃ وحسا واختیار البدل مع تیسر الاصل ممالا یساعدہ عقل ولانقل۔

فان قلت الاصل والبدل فی الوجوب ونحن انما اردنا تطوعا حیث لاوجوب ورأینا الشرع اتی بطھورین فاجتزأنا بادونھما التراب لان التطوع دون الایجاب۔

اقول: التراب فی ذاتہ ملوث لامطھر کمافی البدائع والکافی وغیرھما وانما عرف مطھرا شرعا اذا لم تجدوا ماء فیبقی فیما عداہ علی اصلہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)

میں مقارنت نہیں (یہ ہوسکتا ہے کہ ایک ساتھ چند چیزیں ذکر ہوں لیکن ان کے حکم میں باہم فرق ہو) مختصر یہ کہ کوئی صریح نقل طرفین کے ہاتھوں میں نہیں اور دلیل کا اقتضا یہ ہے کہ منع

ہو، اس لئے کہ اللہ عزّوجلّ نے فرمایا ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (اور تم پانی نہ پاؤ)۔ اور یہ شخص "پانے والا" ہے، تو تیمّم میں اس کا کوئی حصہ نہیں بخلاف اس شخص کے جس سے کوئی ایسا مؤکد مطلوب فوت ہورہا ہے جو بدل نہیں رکھتا کیونکہ حکمًا یہ شخص پانی "نہ پانے والا" ہے اگرچہ حقیقۃً وحِسًّا پانی والا ہے۔ اور اصل میسر ہوتے ہوئے بھی بدل اختیار کرنے کی نہ عقل ہم نوائی کرتی ہے نہ نقل۔ اگر یہ سوال ہو کہ اصل اور بدل وجوب میں ملحوظ ہیں اور ہم نے تو ایک نفل کا ارادہ کیا ہے جہاں وجوب نہیں اور شریعت نے ہمیں دونوں مُطہّر دیے ہیں (پانی بھی، مٹّی بھی) تو ہم نے کمتر مٹّی پر اکتفا کرلیا کیونکہ نفل بھی واجب سے کمتر ہی ہے۔

تو جواب یہ ہوگا کہ مٹّی اپنی ذات کے لحاظ سے مطہّر نہیں بلکہ ملوّث یعنی آلودہ کرنے والی ہے جیسا کہ بدائع اور کافی وغیرہ میں ہے اور شریعت میں مطہّر کی حیثیت سے اس کا تعارف صرف اس وقت کیلئے ہُوا ہے جب پانی نہ ملے "اذالم تجدوا ماءً" تو دیگر اوقات وحالات میں یہ اپنی اصل پر باقی رہے گی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

فقط کما فی الحلیة لان التیمم له جهتان صحته فی ذاته وصحة الصلاة به فالثانیة متوقفة علی العجز عن الماء وعلی نیة عبادة مقصودة لاتصح بدون طهارة واما الاولی فتحصل بنیة ای عبادة کانت سواء کانت مقصودة لاتصح الا بالطهارة اوغیر مقصودة کذلك اوتحل بدونها اومقصودة وتحل بدون طهارة فالتیمم فی کل هذه الصور صحیح فی ذاته کما اوضحه[1] اھ۔ **اقول:** ای عند فقد الماء کما قدمنا تنصیصه به وهو عہ مستفادهھنا من نفس الکلام لمن تدبر و من سابقه ولا حقه لمن نظر۔	طہارت بن سکے گا جس کی نیت کی گئی تھی جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ اس لئے کہ تیمّم کی دو۲ جہتیں ہیں،ایک یہ کہ فی نفسہٖ درست ہو،دُوسری یہ کہ اس سے نماز بھی درست ہو۔دُوسری جہت اس پر موقوف ہے کہ پانی سے عاجز ہواور اس پر کہ ایسی عبادت مقصودہ کی نیت ہو جو بغیر طہارت جائز نہیں۔لیکن پہلی جہت تو کسی بھی عبادت کی نیت سے حاصل ہوجاتی ہے خواہ ایسی۱ عبادت مقصودہ ہو جو بغیر طہارت جائز نہیں یا ایسی۲ عبادت غیر مقصودہ ہو جو بغیر طہارت جائز نہیں یا بغیر۳ طہارت بھی جائز ہے یا عبادت مقصودہ ہو اور بغیر طہارت جائز ہو تو تیمّم ان تمام صورتوں میں فی نفسہٖ درست ہے جیسا کہ حلیہ نے اسے واضح طور پر بیان کیااھ (ت) **اقول:** یعنی پانی نہ ہونے کے وقت جیسا کہ ہم پہلے اس کی صراحت پیش کرچکے ہیں اور تدبر کرنے والے کیلئے یہاں پر خود اس عبارت سے بھی یہ مستفاد ہے اور نظر والے کیلئے سابق لاحق سے بھی۔(ت)

عہ وذلك لانه ذکر للجهة الثانیة شرطین فقد الماء ونیة عبادة مقصودة مشروطة بالطهارة وفی الجهة الاولی بدّل الشرط الثانی بمطلق العبادة وسکت عن الاول فهو ملحوظ فیها ایضا کیف ولولا هذا لکان هذا التعمیم عین تعمیم البحر والدر الذی قد انکره انکارا وکرره سابقا ولاحقا مرارا ۱۲ منه غفرله (م)

یہ اس لئے کہ انہوں نے دوسری جہت کیلئے دو۲ شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) پانی کا نہ ہونا (۲) اور ایسی عبادت مقصودہ کی نیت جس میں طہارت کی شرط ہے۔اور پہلی جہت میں شرط ثانی کے بدلے مطلق عبادت کو ذکر کیا ہے اور شرط اول سے سکوت اختیار کیا ہے تو وہ بھی اس میں ملحوظ ہے۔ملحوظ کیوں نہ ہو جبکہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ تعمیم بعینہٖ بحر ودرمختار کی تعمیم ہوجائے گی جس سے وہ صاف انکار کرچکے ہیں اور پہلے اور بعد میں بار بار اس کی تکرار بھی کی ہے اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

ثم اقول: ظاہر ہے کہ کسی شے کا دُور کرنا اُس کے انقطاع کے بعد ہی ہوگا ازالہ واستمرار یا اعدام وبقا جمع نہیں ہو سکتے تو یہ شرط کہ تیمّم[1] اُس وقت ہو جب حیض ونفاس وحدث منقطع ہو چکے ہوں **کما زادہ العلامۃ الشرنبلالی فی نور الایضاح** (جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے نورالایضاح میں اس کا اضافہ کیا ہے۔ت) باآنکہ اپنی غایت وضوع سے چنداں قابلِ تعرض نہ تھی خود ہمارے اسے دُور کرنے کیلئے کہنے میں آگئی **وباللہ التوفیق**۔ بالجملہ اس لفظ سے فوائد جلیلہ پیدا ہوئے:

(۱) اشتراطِ نیت

(۲) اشتراط انقطاع منافی

(۳) بیان نیت

اقول: تیمّم[۲] دس[۱۰] نیتوں سے صحیح ہے:

نیت[۱] رفع حدثِ اصغر یا اکبر[۲] یا مطلق حدث[۳] نیتِ وضو[۴] یا غسل[۵] یا مطلق طہارت[۶] نیت استباحت نماز[۷] نیت عبادتِ مقصودہ[۸] مشروط بہ طہارت نیت عبادت[۹] دیگر غیر مقصودہ یا غیر مشروطہ یا غیر مقصودہ وغیر مشروطہ نیت[۱۰] اُس تاکیدی مطلوب شرع کی کہ اگر پانی سے طہارت کریں تو بلابدل فوت ہوجائے۔ دسویں صورت پانی ہوتے ہوئے بھی ممکن ہے اور پہلی نو[۹] اُسی وقت روا ہیں کہ پانی پر قدرت نہ ہو۔ پہلی آٹھ[۸] کی نیت سے ہر نماز بھی بے تکلّف ادا ہو سکتی ہے اگرچہ کسی اور عبادت کی غرض سے کیا ہو اور نویں سے کوئی نماز ادا نہ ہوگی اور دسویں سے خاص وہی نماز ادا ہوگی جس کی ضرورت سے کیا ہے نہ دوسری اگرچہ وہ بھی اسی قسم فائت بے بدل بلکہ اسی کی نوع سے ہو مثلاً نمازِ جنازہ[۳] قائم ہُوئی وضو کرے تو چاروں تکبیریں ہوچکیں گی اسے تیمّم سے پڑھا اتنے میں اور جنازہ آگیا اگر وضو کرسکتا ہے اس دوسرے کیلئے وضو لازم ہے اگر وضو کا وقفہ تھا اور نہ کیا اب وضو کا وقفہ نہ رہا تو اس کیلئے دوسرا تیمّم کرے پہلا جاتا رہا۔ ہاں اگر[۴] دوسرے جنازے کی نماز ایسی بلا فصل برپا ہُوئی کہ بیچ میں وضو نہ کرسکا تو اُسی پہلے تیمّم سے پڑھ سکتا ہے درمختار میں ہے:

لوجیئ باخری ان امکنہ التوضی بینھما ثم زال تمکنہ اعاد التیمم والا لا بہ یفتی[1]۔	اگر دُوسرا جنازہ لایا گیا تو ان دونوں کے مابین اگر (اتنا وقت ملا جس میں) وضو کرنے کی گنجائش تھی، پھر ختم ہو گئی تو دوبارہ تیمّم کرے، ورنہ نہیں۔ اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ اھ (ت)

ہمارا لفظ مذکورہ بحمدہ تعالٰی ان دسوں نیتوں کو شامل ہے پہلی تین تو عین منطوق ہیں یونہی اُن کے بعد کی

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۷

تین کہ ان کی ملزوم ہیں اور یہاں نیت استباحتِ نماز کے یہی معنی ہوں گے کہ وہ مانعیت جو میرے اعضاء سے قائم ہے دُور ہوجائے کہ بے اُس کے اباحت نماز نہیں ہوسکتی وہی اس کا طریقہ معینہ ہے۔ رہا کسی اور عبادت کی غرض سے تیمّم مشروط میں قطعًا یہی قصد قلبی ہوگا کہ اس عبادت کے ادا کرنے کے قابل ہوجاؤں اور نیت اسی قصد دلی کا نام ہے تو اسے نیت استباحت اور اسے نیت رفع حدث لازم اور غیر میں قصد طہارت خود ظاہر کہ یہ تیمّم نہ کیا مگر ادبًا کہ عبادت بے طہارت نہ کروں۔

وقد سلك فی البحر الرائق نحو من ذلك فقال شرطها ان یکون المنوی عبادة مقصودة لاتصح الابالطهارة اواستباحة الصلاة اورفع الحدث اوالجنابة وماوقع فی التجنیس من ان النیة المشروطة فی التیمم هی نیة التطهیر وهو الصحیح فلاینافیه لتضمنها نیة التطهیر وانما اكتفٰی بنیة التطهیر لان الطهارة شرعت للصلاة وشرطت لاباحتها فكانت نیتها نیة اباحة الصلاة[1] اھ۔	اور البحرالرائق میں بھی کچھ اسی طرح کی راہ اختیار کی ہے، لکھتے ہیں: اس کی (تیمّم نماز کی) شرط یہ ہے کہ جس امر کی نیت کی گئی وہ ایسی عبادت مقصودہ ہو جو بغیر طہارت درست نہیں یا جواز نماز یا رفع حدث یا رفع جنابت کی نیت ہو۔ اور یہ جو تجنیس میں لکھا ہوا ہے کہ "تیمّم میں جس نیت کی شرط ہے وہ نیت تطہیر ہے اور یہی صحیح ہے" تو یہ عبارت ہمارے مذکورہ بیان کے منافی نہیں اس لئے کہ جواز نماز کی نیت کے ضمن میں تطہیر کی نیت بھی پائی جائے گی اور تجنیس میں صرف نیت تطہیر پر اس لئے اکتفا فرمایا ہے کہ طہارت نماز کیلئے مشروع ہُوئی ہے اور جوازِ نماز کیلئے طہارت کی شرط بھی ہے تو طہارت کی نیت جواز نماز کی بھی نیت ہے" اھ (ت)
اقول: (۱) صدر کلام یقتضی ان الاصل نیة التطهیر وجازت نیة استباحة الصلاة لتضمنها ماهو المقصود وعُجزه یقضی بالعکس ان نیة التطهیر تنبئ عن الاصل فاكتفی بها ولفظ المحقق فی الفتح بعد نقل كلام التجنیس ومازاد	**اقول:** بحر کے شروع کلام کا اقتضا یہ ہے کہ اصل، نیتِ تطہیر ہے۔ اور اباحت نماز کی نیت اس لئے جائز ہے کہ اس کے ضمن میں وہ نیت تطہیر بھی پائی جاتی ہے جو اصل مقصود ہے۔ اور ان کے کلام کا آخری حصہ اس کے برعکس یہ فیصلہ دے رہا ہے کہ تطہیر کی نیت چُونکہ اصل

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۰

غیرہ من نیة استباحة الصلاۃ لاینافیه اذا یتضمن نیة التطهیر [1] اھ وجعل فی الحلیة الاصل ارادۃ الصلاۃ فقال لفظ التیمم ینبئ عن القصد والاصل(ا) ان یعتبر فی الاسماء الشرعیة ما تنبئ عنه من المعانی ثم مطلق القصد غیر مراد بالاجماع وسوق الأیة یفید الامر بالقصد الی الصعید لاقامة الصلاۃ عند عدم الماء المطلق فیتقید الامر به فلایوجد المأمور الشرعی وھو التیمم بدون نیة فعله للصلاۃ اولما ھو منزل منزلتها وھو عبادۃ مقصودۃ بنفسها لاتصح الابالطهارۃ فلاجرم ان ذکر القدوری ان الصحیح من المذھب انه اذانوی الطهارۃ اواستباحة الصلاۃ اجزأہ لان کلامن النیتین تقوم مقام نیة ارادۃ الصلاۃ لان الطهارہ شرعت لها وشرطت لاباحتها ومثله رفع الحدث ورفع الجنابة [2] اھ۔	(جوازِ نماز کی نیت) کا پتا دیتی ہے اس لئے اس پر اکتفا کیا۔ حضرت محقق نے فتح القدیر میں تجنیس کی عبارات نقل کرنے کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے: "دوسرے حضرات نے جواز نماز کی نیت کا جو اضافہ کیا ہے وہ اس عبارت کے منافی نہیں اس لئے کہ جواز کی نیت، نیتِ تطہر پر بھی مشتمل ہوگی"اھ۔ (یعنی جب جوازِ نماز کی نیت ہوگی تو اس کے ضمن میں نیتِ تطہیر جو اصل ہے یہ بھی پالی جائے گی ۱۲م الف) اور حلیہ میں ارادہ نماز کو اصل قرار دیا ہے۔ اس میں لکھتے ہیں: "لفظ تیمّم کا معنی قصد ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ شرعی الفاظ جن معانی کا اظہار کرتے ہیں انہی کا اعتبار ہو پھر مطلق قصد بالاجماع مراد نہیں اور آیت کا سیاق یہ بتاتا ہے کہ آبِ مطلق نہ ہونے کے وقت نماز کی ادائیگی کے لئے قصدِ صعید کا حکم ہے۔ تو یہ امر اسی سے مقید رہے گا۔ اس لئے مامور شرعی یعنی تیمّم بغیر اس کے نہ پایا جائے گا کہ نماز کے لئے اسے عمل میں لانے کی نیت ہو یا ایسے کام کے لئے جو نماز کے قائم مقام ہو یعنی کسی ایسی عبادت مقصودہ کیلئے جو بغیر طہارت جائز نہ ہو یقیناً اسی لئے قدوری نے ذکر فرمایا ہے کہ "صحیح مذہب یہ ہے کہ جب طہارت یا جواز نماز کی نیت کرے تو کافی ہوگی اس لئے کہ دونوں نیتوں میں سے ہر ایک ارادہ نماز کی نیت کے قائم مقام ہے کیوں کہ طہارت اسی کیلئے مشروع ہوئی اور اس کے جواز کیلئے طہارت کی شرط بھی ہے رفعِ حدث اور رفعِ جنابت کی نیت بھی اسی کے مثل ہے"۔اھ (ت)

[1] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱/۱۱۴

[2] حلیہ

اقول: فی قوله فیتقید الامر به فلا یوجد الخ۔نظر ظاھر لما قدمنا عن البدائع ان حکم التیمم وارد علی خلاف القیاس وقد قال فی الحلیة نفسھا صدر الفصل التعبد ورد بمسحھما علی الاعضاء المخصوصة۔ الخ فلوتقید الامر الوارد بارادۃ الصلاۃ لم یجز التیمم لغیرھا کدخول المسجد وتلاوۃ القراٰن للجنب او مسه للمحدث وھو خلاف الاجماع ولیست فی معنی الصلاۃ من کل وجه حتی تلحق بھا دلالة لاسیما وقد حصر المنزل منزلتھا فی عبادۃ مقصودۃ الخ بل الصواب عندی ان اللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی انزل من السماء ماء طھورا لیطھرنا به وامرنا به فی الوضوء والغسل لالخصوص اقامة الصلاۃ بل لکل مایطلب فیه الطھارۃ مقصودا بنفسه کان اولا ثم قال فلم تجدوا ماء ای کافیا لطھرکم فتیمّموا لتطھیرکم صعیدا طیبا فالاصل ھو نیة التطھیر کماافادہ ما فی الفتح والکل انما یدور علیه ولذا اقتصر علیه الامام البرھان فی التجنیس وماالتطھیر المراد ھنا الا ازالة النجاسة الحکمیة وھو الذی اخذته فی التعریف فالحمدللّٰہ الذی القی فی قلبی واجری علی قلمی ماھو الامر المحقق عند محقق الائمة الکرام

اقول: صاحبِ حلیہ کا کلام "تو یہ امر اسی سے مقید رہے گا الخ"۔ عیاں طور پر محلِ نظر ہے۔ اس لئے کہ بدائع کے حوالہ سے ہم پہلے یہ بیان کرچکے ہیں کہ تیمّم کا حکم خلافِ قیاس وارد ہے۔ خود حلیہ میں بھی شروع فصل میں لکھا ہے کہ "التعبد ورد بمسحھما علی الاعضاء المخصوصة یعنی بر خلاف قیاس بطور عبادت اعضائے مخصوصہ پر ان دونوں کے مسح کا حکم وارد ہوا ہے" اب یہ وارد ہونے والا حکم اگر ارادہ نماز سے مقید ہوتا تو کسی غیر نماز جیسے مسجد میں داخل ہونا، جنابت والے کا قرآن پڑھنا، بے وضو شخص کا مصحف چھُونا کسی کام کیلئے تیمّم جائز ہی نہ ہوتا اور یہ اجماع کے خلاف ہے اور یہ افعال ہر جہت سے معنی نماز میں داخل نہیں ہیں کہ بطور دلالت انہیں نماز سے لاحق کردیا جائے۔ خصوصًا جب کہ صاحبِ حلیہ نماز کے قائم مقام فعل کو ایسی عبادت مقصودہ میں محصور قرار دے رہے ہیں جو بغیر طہارت صحیح نہیں ہوتی، بلکہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے ہماری تطہیر کیلئے آسمان سے پاک پانی اتارا۔ اور وضو وغسل میں اسے استعمال کرنے کا ہمیں حکم دیا۔ خاص ادائے نماز کیلئے نہیں بلکہ ہر اس کام کیلئے جس میں طہارت مطلوب ہو خواہ وہ بجائے خود مقصود ہو یا نہ ہو۔ پھر فرمایا: "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً" ای کافیا لطھرکم (فتیمموا) لتطھیرکم (صعیدا طیبا) یعنی تم اپنی طہارت کیلئے کافی پانی نہ پاؤ اپنے کو پاک کرنے کیلئے

والحمدللہ ولی الانعام۔	پاکیزہ رُوئے زمین کا قصد کرو۔ تواصل وہی نیت

تطہیر ہے جیسا کہ حضرت محقق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا۔ اور اسی نیت پر ہر ایک کام کامدار ہے۔ اسی لئے امام برہان الدین مرغینانی نے تجنیس میں اسی پر اکتفا کیا۔ اور یہاں جو تطہیر مقصود ہے وہ یہی نجاست حکمیہ کا دُور کرنا ہے۔ اسی کو میں نے اپنی تعریف میں لیا ہے۔ تو خدا کا شکر ہے کہ میرے دل میں اسی کا القا فرمایا اور میرے قلم پر وہی جاری کیا جو محققین ائمہ کرام کے نزدیک امر محقّق ہے۔ اور ساری خوبیاں احسان وانعام کے مالک خدا ہی کیلئے ہیں۔ (ت)

بقی ان یقال این التطھیر وازالۃ النجاسۃ فی الصورتین الاخیرتین اذلوطھر وزالت لجازلہ کل شیئ۔ **اقول:** بل ولکن(۱) فی حق مانوی ولولا ذلک کیف عـہ حلت لہ تلک الصلاۃ ودخول المسجد جنبا بذلک التیمم ولاغرو فی اعتبارھا زائلۃ فی حق بعض الاشیاء دون بعض فماھی الا حکمیۃ تثبت باعتبار الشرع وتنتفی بعدمہ ونری الحقیقۃ تزول فی حق انسان دون اٰخر ولاجل دون غیرہ کما تقدم فی صدر الرسالۃ وقدمر ھھنا عن البدائع انہ	یہ **اعتراض** ہوسکتا ہے کہ آخری دو (نویں، دسویں) صورتوں میں تطہیر اور ازالہ نجاست کہاں؟ اس لئے کہ اگر وہ پاک ہوجاتا اور نجاست دُور ہوجاتی تو اس کیلئے سب کچھ جائز ہوجاتا۔ **جواب (اقول):** کیوں نہیں۔ تطہیر اور ازالہ نجاست ہے مگر اسی عمل کے حق میں جس کی نیت کی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کیلئے اس تیمّم سے نماز کیسے جائز ہوجاتی اور بحالت جنابت مسجد میں داخل ہونا کیسے جائز ہوجاتا اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ کچھ چیزوں کے حق میں یہ اعتبار نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ نجاست، نجاستِ حکمیہ ہی تو ہے جس کا ثبوت وانتفاء شریعت کے اعتبار اور عدمِ اعتبار سے ہی ہوتا ہے ہم تو دیکھتے ہیں کہ نجاست حقیقیہ کا بھی یہ حال ہے کہ کسی انسان کے حق میں زائل ہوجاتی ہے اور

عـہ کلام فی المشروطات بالطھارۃ ومن قولہ اقول وقد تقدم کلام فی غیرھا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

یہاں سے ان امور کے بارے میں کلام ہے جن میں طہارت کی شرط ہے۔ اور آنے والے "اقول الخ" سے ان کے علاوہ امور سے متعلق کلام ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

یقع طھور الماء اوقعہ لاغیر[1] اھ ومثلہ فی الحلیۃ وفی ش یقع طھارۃ لمانواہ لہ فقط[2] اھ۔

اقول: وقد تقدم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین تیمّم لرد السلام لم یمنعنی ان ارد علیك السلام الا انی لم اکن علی طھر[3] فارشد ان التیمم لرد السلام یجعل التیمم طاھرا فی حقہ مع ان السلام لایحتاج الی الطھارۃ فاذا اعتبر مطھرًا فیما لیست الطھارۃ ضروریۃ لہ لعدم الماء حکما ففی عدمہ حقیقۃ اولی فمالاحل لہ الابالطھارۃ اجدر واحری ومابدا المحقق فی الفتح من احتمال کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایصح معہ التیمّم ثم یرد السلام اذا صار طاھرا[4] اھ ردہ فی البحر بان المذھب ان التیمّم للسلام صحیح وان التجویز المذکور خلاف الظاھر

کسی کے حق میں نہیں۔ یونہی کسی امر کے لئے زائل قرار پاتی ہے کسی کے لئے نہیں۔ جیسا کہ شروع رسالہ میں گزر چکا۔ اور یہاں بدائع کے حوالہ سے گزرا کہ یہ تیمّم اسی کام کیلئے طہارت بنے گا جس کیلئے اسے عمل میں لایا، دوسرے کیلئے نہیں اھ۔ اسی کے مثل حلیہ میں ہے۔ اور شامی میں ہے: "صرف اس عمل کیلئے طہارت بنے گا جس کی نیت کی ہے"۔ اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک بیان ہو چکا ہے کہ جوابِ سلام کے لئے جب تیمّم کیا تو فرمایا تھا: "لم یمنعنی ان اردَّ علیك السلام" (مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے صرف یہ بات مانع تھی کہ میں باطہارت نہ تھا) اس فرمان سے یہ ہدایت حاصل ہُوئی کہ جوابِ سلام کی غرض سے ہونے والا تیمّم، تیمّم کرنے والے کو جواب سلام کے حق میں طاہر بنا دیتا ہے حالانکہ سلام کیلئے طہارت کی ضرورت نہیں تو جب یہ تیمّم اُس عمل میں جس کیلئے طہارت ضروری نہیں پانی کے عدم حکمی کی وجہ سے مطہّر مانا گیا ہے تو عدم حقیقی کی صورت میں تو بدرجہ اولٰی مُطہّر ہوگا اور وہ عمل جو بغیر طہارت جائز ہی نہیں ہوتا اس کیلئے تو اور زیادہ مناسب و بہتر طریقہ پر مطہّر ثابت ہوگا۔ حضرت محقق نے فتح القدیر میں یہ احتمال ظاہر فرمایا ہے کہ

[1] بدائع الصنائع شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۲

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۸

[3] سنن ابی داؤد باب التیمم فی الحضر مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۴۷

[4] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۴

کمالایخفی[1] اھ **اقول:** ویلزم علی ھذا انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان عادما للماء حال التیمّم[2] کماحمله علیه الامام النووی فی شرح مسلم وھو فی غایة البعد اشد البعد لان الواقعة کانت بالمدینة الکریمة فصدر الحدیث مررجل فی سکة من السکك فسلم علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلم یرد علیه حتی اذاکاد الرجل ان یتواری فی السکة ضرب بیدیه علی الحائط[3] الحدیث بل فی الصحیحین اقبل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من نحوبئر فلقیه رجل فسلم علیه فلم یرد علیه حتی اقبل علی جدار فمسح وجهه ویدیه ثم ردّ علیه السلام[4] اھ وبئر جمل موضع بالمدینة الکریمة علی صاحبها واٰله افضل صلاة وسلام۔	"ہوسکتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی ایسے امر کی نیت کی ہو جس کے ساتھ تیمّم درست ہوتا ہے پھر جب طاہر ہوگئے تو سلام کا جواب دیا ہو" اھ لیکن البحرالرائق میں اس احتمال کو ان الفاظ میں رَد کردیا ہے کہ "مذہب یہ ہے کہ سلام کے لئے تیمّم درست اور صحیح ہے۔ اور احتمال مذکور خلاف ظاہر ہے جیسا کہ عیاں ہے"۔ اھ (ت) **اقول:** اس احتمال کی بنیاد پر یہ بھی لازم آئے گا کہ بحالتِ تیمم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دسترس میں پانی نہ تھا جیسا کہ شرح مسلم میں اسی پر امام نووی نے محمول کیا ہے حالانکہ یہ بعید ہی نہیں انتہائی بعید ہے اس لئے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے۔ ابتدائے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "گلیوں میں سے ایک گلی میں ایک آدمی گزرا جس نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سلام کیا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ جب وہ گلی سے اوجھل ہونے کے قریب تھا تو سرکار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دیوار پر دونوں ہاتھ مارے" الحدیث۔ بلکہ صحیحین میں تو یہ صراحت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بئر جمل کی سمت سے تشریف لارہے تھے ایک شخص سے ملاقات ہوگئی اس نے سلام کیا حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ ایک دیوار کے پاس آکر چہرے اور ہاتھوں پر تیمّم کیا پھر اس کے سلام کا جواب دیا" اھ۔ اور بئر جمل خود مدینہ منورہ میں ایک مقام ہے۔ صاحبِ مدینہ اور اُن کی آل پر بہتر درود وسلام۔ (ت)

---

1 البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۰تا۱۵۱
2 شرح مسلم للنووی مع المسلم باب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۱
3 سنن ابی داؤد باب التیمم فی الحضر مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۴۷
4 صحیح للمسلم باب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۱

چہاردہم: جنس ارض اس کی معرفت کو جنس ارض کسے کہتے ہیں اور کیا کیا چیز جنس ارض سے ہے کیا کیا نہیں امر مہم ہے کہ اُسی پر مدار مسائل تیمّم ہے **فاستمع وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق** (تو بغور سماعت ہو۔ اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ہے، اسی کی مدد سے تحقیق کی بلندیوں تک رسائی ہے۔ت)

رسالہ ضمنیہ

المطر السعید علی نبت جنس الصعید ۱۳۳۵ھ

جنس صعید کی نبات پر بارانِ مسعود (ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم

سیّدنا امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہر اس چیز سے کہ جنس ارض سے ہو تیمّم رواہے جبکہ غیر جنس سے مغلوب نہ ہو اور اس کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک روانہیں لہٰذا جنس ارض کی تحدید وتعدید درکار۔ اس میں چار ۴ مقام ہیں:

مقام اوّل تحدید۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اعماق التنقیح والتحقیق (میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ہے، اور اسی کی مدد سے تنقیح وتحقیق کی گہرائیوں تک رسائی ہے۔ ت) علمائے کرام نے بیان جنس ارض میں اُن آثار سے کہ اجسام میں نار سے پیدا ہوتے ہیں پانچ لفظ ذکر فرمائے ہیں:

(۱) احتراق (۲) ترمُّد

(۳) لین (۴) ذوبان

(۵) انطباع

اوّلاً ان کے معانی اور ان کی باہم نسبتوں کا بیان، پھر کلمات علما میں جن مختلف صورتوں پر اُن کا ورود ہوا اس کا ذکر پھر بیانات پر جو اشکال ہیں اُن کا ایراد پھر بتوفیقہ تعالٰی بقدر ضرورت تنقیح بالغ وتحقیق بازغ وتبیین مقاصد ودفع ایرادات وتکمیل تحدید وابانت افادات کریں وباللہ التوفیق۔

بیانِ معانی الفاظ خمسہ:

احتراق: جلنا، امثال، مطعومات میں اس کا اطلاق اس صورت پر آتا ہے کہ شَے اثرِ نار سے کُلًّا یا بعضًا فاسد وخارج عن المقاصد ہوجائے کھانا پکنے کو احتراق نہ کہیں گے بلکہ طبخ ونضج وادراک۔ ان کے غیر میں کبھی آگ سے مجرد تاثر قوی کو احتراق کہتے ہیں اگرچہ اس سے اجزاو مقاصد شے برقرار رہیں جیسے زمین سوختہ کہ اثرِ نار سے بشدّت ہو کر سیاہ ہوگئی درمختار میں ارضِ محترقہ کا مسئلہ ذکر فرمایا کہ اس سے تیمّم جائز ہے۔ طحطاوی وشامی نے کہا:

اذا حرق ترابها من غیر مخالط له حتی صارت سوداء جازلان المتغیر لون التراب لاذاته[1]۔	جب زمین کی مٹّی کسی اور ملنے والی چیز کے بغیر اس حد تک جلادی گئی ہو کہ سیاہ بن گئی ہو تو اس سے تیمّم ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس سے محض مٹی کے رنگ میں تغیر آیا ہے حقیقت اور ذات میں تبدیلی نہیں(ت)

بلکہ ایسی اشیاء میں کبھی مقصود کے لئے مہیّا ہوجانے کو جسے مطعومات میں پک جانا کہتے تھے احتراق بولتے ہیں اسی باب سے ہے احراق احجار وتکلیس یعنی اُن کا چونا بنانا۔

ترمُّد: راکھ ہوجانا

اقول: احتراق(ا) کی چار[۴] صورتیں ہیں: انتفا، انطفا، انتقاص کہ دو[۲] قسم ہوجائے گا۔

انتفا یہ کہ شَے جل کر بالکل فنا ہوجائے جیسے رال، گندھک، نوشادر۔

انطفا یہ کہ بعد عملِ ناراس کے سب اجزاء برقرار رہیں یہ احتراق ارض ہے اگر وہاں خارج سے پانی کی کوئی نم تھی کہ خشک ہوگئی تو وہ کوئی جزء زمین نہ تھی۔

انتقاص یہ کہ نار اس کے اجزاء رطبہ یابسہ میں تفریق کردے اور جسم کا حصہ باقی رہے۔ اس صورت میں اگر رطوبات بہت قلیل تھیں عمل نار سے حجمِ جسم میں فرق نہ آیا نہ پہلے سے بہت ضعیف ہوگیا تو یہ تکلیس احجار ہے ورنہ ترمُّد۔ اس میں اگر رطوبات کثیرہ سب فنا ہونے سے پہلے آگ بجھ گئی کہ آئندہ بوجہ بقائے رطوبت دوبارہ جلنے کی صلاحیت رہی تو فحم، انکشت، کوئلا ہے ورنہ رماد، خاستر، راکھ۔ اس میں غالبًا اجزاء بکھر جاتے ہیں یا چھوئے سے بکھر جائیں گے کہ آگ بالکل تفریق اتصال کرچکی والعیاذ باللہ تعالٰی منہا (اللہ تعالٰی کی اس سے پناہ مانگتے ہیں۔ت) محاورہ عامہ میں اکثر اسی کو رماد کہتے ہیں۔

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۷

لین: نرم پڑنا۔ یہ نضج وطبخ کو بھی شامل ہے کہ ہر شے پک کر اپنی حالت خامی ے نرم ہو جاتی ہے بلکہ تکلیس کو بھی کہ چونا بھی اپنے پتھر سے نرم ہوگا۔

اقول: اس میں **کُلّاً یا بعضاً** عہ۱ بقائے جسم شرط ہے بھڑک ہو کر فنا ہو جانا نرم ہونا نہیں، نیز یہ بھی لازم کہ اگرچہ گرہ قدرے سست ضرور ہوئی کہ پہلی سی باہم گرفت وصلابت نہ رہی مگر عہ۲ جسم کہ منجمد تھا اپنے انجماد پر رہے نہ یہ کہ عہ۳ پانی ہو کر بہہ جائے، بہہ جانے کو نرم پڑنا نہ کہیں گے۔

ذوبان: پگھل جانا۔

اقول: یہ وہ صورت ہے کہ اجزائے عہ۴ موجودہ کی گرہ قریب انحلال ہے نہ تو پوری کھل گئی کہ اثرِ نار سے ان میں کے رطبہ یابسہ کو چھوڑ کر اُڑ جائیں نہ وہ گرفت رہی کہ جسم کی مٹھی اگرچہ نرم پڑ گئی ہو بندھی رہے جو صورت تکلیس احجار میں تھی لہٰذا یہ اجزائے رطبہ فراق چاہ کر اُڑنا چاہتے ہیں کہ آگ کی گرمی اسی کی مقتضی اور گرہ بہت سست ہو گئی لیکن اجزائے یابسہ انہیں نہیں چھوڑتے کہ ہنوز تماسک باقی ہے اس کشمکش میں روانی تو ہوئی مگر مع بقائے اتصال زمین ہی پر رہی اس نے صورتِ سیلان پیدا کی۔

انطباع: یہ لفظ اگرچہ عربی ہے مگر زبانِ عرب پر نہیں، نہ اُن سے کبھی منقول ہوا ولہٰذا قاموس، محیط حتی کہ تاج العروس کے مستدرکات تک اس کا پتا نہیں، ہاں فقہائے کرام نے اس کا استعمال فرمایا، جس کا پہلا سراغ امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تک چلتا ہے، شیخ الاسلام غزینی اس کے معنی فرمائے، پارہ پارہ ونرم ہونا۔ طحطاوی علی الدرالمختار وردالمحتار میں ہے: **قولہ ولا بمنطبع ھومایقطع**

عہ۱: یہ تعمیم اس لئے کہ فنائے بعض اجزا جس طرح تکلیس وترمّد میں ہے لین باقی کے منافی نہیں۔ (م)

عہ۲: یعنی وہی جس قدر بعد احتراق باقی ہے کل خواہ بعض ۱۲ منہ (م)

عہ۳: اس کے بعد بحمد اللہ تعالٰی ہم نے شرح مقاصد میں دیکھا کہ عدم سیلان کو لین میں شرط فرمایا۔

حیث قال اللین کیفیۃ تقتضی قبول الغمز الی الباطن ویکون للشیئ بھا قوام غیر سیال ۱۲ منہ غفرلہ (م)	ان کے الفاظ یہ ہیں: لین (نرمی) ایسی کیفیت ہے جو اندر کی جانب دباؤ قبول کر لینے کی مقتضی ہوتی ہے اور اس کیفیت کی وجہ سے شے کا ایک غیر سیّال قوام ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ۴: احتراز ہے ان اجزا سے کہ جل کر اُڑ گئے کہ ان کی گرہ ضرور کھل گئی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ویلین کالحدید منح[1] (اس کا قول "**ولا بمنطبع**" یہ وہ ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو اور نرم ہو جائے جیسے لوہا، منح۔ت)

اقول: اس سے تو یہ ظاہر کہ لین معنی انطباع میں داخل اور اس کا جزء ہے لیکن ان سے پہلے علامہ مولٰی خسرو ؎ نے انطباع کو خود لین سے تفسیر فرمایا جس سے روشن کہ دونوں ایک چیز ہیں،

غرر و درر میں ہے، (**وھو لاینطبع**) ای لایلین [2] (یعنی نرم نہ ہو۔ت)

علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے جنس ارض میں نفی اطباع ولین دو جگہ لکھ کر غیر جنس میں فقط لین کا نام لیا۔ حلیہ میں ہے:

قال مشایخنا جنس الارض مالایحترق بالنار فیصیر رمادا ومالایلین ولاینطبع ویدخل فیما لایلین ولاینطبع ولایحترق الیاقوت وما احترق بالنار اولان بہا فلیس من جنس الارض [3]۔	ہمارے مشائخ نے فرمایا جنسِ ارض وہ ہے جو آگ سے جل کر راکھ نہ ہو جائے اور جو نرم نہ ہو اور منطبع نہ ہو۔ یاقوت بھی انہی چیزوں میں داخل ہے جو نہ نرم ہوتی ہیں نہ منطبع ہوتی ہیں نہ جلتی ہیں۔ اور جو آگ سے جل جائے یا اس سے نرم ہو جائے وہ جنسِ ارض سے نہیں۔ (ت)

یہ اس عینیت وجزئیت اور ان کے علاوہ لزوم کو بھی محتمل یعنی لین لازم انطباع ہو کہ جب کہہ دیا کہ جو آگ پر نرم پڑے جنسِ ارض نہیں اس سے خود ہی معلوم ہوا کہ جو منطبع ہو جنسِ ارض نہیں کہ تینوں تقدیروں پر ہر منطبع میں لین ضرور ہوگا اور اس سے نفی جنسیت کر چکے مگر صدر کلام میں لین پر انطباع کا عطف ہے اور اسی طرح شرح نقایہ برجندی میں زاد الفقہاء سے ہے: **یلین وینطبع**[4] (نرم اور منطبع ہو۔ت) یہ عینیت کی تضعیف کرتا ہے کہ عطف تفسیری میں معطوف زیادہ مشہور ومعروف چاہئے نہ کہ یہ بالعکس لین میں کیا خفا تھی کہ اسے تفسیر کیا اور کاہے سے انطباع سے جس کے معنی میں یہ کچھ خفا ہے۔ باقی کتب کثیرہ مثل تحفۃ الفقہا وبدائع ملک العلماء وکافی ومستصفٰی وجوہرہ نیرہ وغنیہ وبحر ومسکین وایضاح وہندیہ میں اس کا عکس ہے۔ **ینطبع ویلین** [5] (منطبع اور نرم ہو۔ت) یہاں برتقدیر عینیت عطف تفسیری بے تکلف بنتا ہے اور برتقدیر جزئیت ولزوم بعد انطباع ذکر لین لغو

ع۔ہ: انہیں کا اتباع اخی چلپی نے کیا کما سیأتی (جیسا آگے آئے گا۔ت) ۱۲منہ غفرلہ (م)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

[2] درر الحکام شرح غرر الاحکام باب التیمم مطبعۃ فی دار السعادۃ احمد کامل الکائنۃ ۱/ ۳۱

[3] حلیہ

[4] شرح نقایۃ برجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[5] فتاوٰی ہندیۃ فصل اول من التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶

رہتاہے۔عنایہ میں سب سے جدا اوینطبع اویلین [1] ______ بحرف تردید ہے کہ یہ منطبع ہو یانرم پڑے،یہ عطف تفسیری کی رگ کاٹتاہے۔غرض ان مفادات میں امر مشوش ہے۔

واقول: تحقیق یہ ہے کہ انطباع طبع سے ماخوذ ہے طبع بمعنی عمل وصنعت ہے۔قاموس وتاج العروس میں ہے:

(و) الطبع ابتداء صنعة الشیئ یقال طبع الطباع (السیف) اوالسنان صاغه (و) السكاك (الدرهم) سکه (و) طبع (الجرة من الطین عملها)[2]	طبع __ کسی چیز کے بنانے کی ابتداء __ کہاجاتاہے طبع الطباع السیف اوالسنان (ڈھالنے والے نے تلوار یانیزہ ڈھالا یعنی بنایا) اور السكاك الدرهم یعنی سکہ ساز نے درہم بنایا۔اور طبع الجرة من الطین یعنی مٹّی سے گھڑا بنایا۔(ت)

توانطباع بمعنی قبول صنعت ہے یعنی شے کا قابلِ صنعت ہوجانا کہ وہ جس طرح گھڑنا چاہے گھڑسکے جس سانچے میں ڈھالنا چاہے ڈھل سکے اور یہ نہ ہوگا مگر بعد لین ونرمی تولین نہ اس کا عین ہے نہ جز بلکہ اس کی علت اور گھڑنے کی صورت میں اسے لازم ہے جیسے سونے چاندی لوہے کاآگ سے نرم ہوکر ہر قسم کی گھڑائی کے قابل ہوجانا اور ڈھالنے کی صورت میں ذوبان اس کی علّت اور اسے لازم ہے،جیسے سونے چاندی کوچرخ دے کر روپیہ اشرفی اینٹ بنانا،مغرب ۸ میں ہے:

قول شمس الائمة السرخسی مایذوب و ینطبع ای یقبل الطبع وهذا جائز قیاسا وان لم نسمعه[3]۔	شمس الائمہ سرخسی کی عبارت ہے: مایذوب وینطبع یعنی جو پگھلے اور ڈھلائی قبول کرے۔قیاسًا یہ جائز ہے اگرچہ ہم نے اسے نہ سنا۔(ت)

اقول: عندالتحقیق کلام شیخ الاسلام تمرتاشی کا بھی یہی مفاد۔پُرظاہر کہ بالفعل پارہ پارہ ہوجانا مراد نہیں بلکہ اس کی قابلایت،اور وہ دوطور پر ہوتی ہے،ایک یہ کہ چیز سخت ہو کہ ضرب سے بکھر جائے جیسے کھنگر یہ انطباع (پارہ پارہ کیاجائے۔ت) اور یہ نہ ہوگا مگر بصورت لین ولہذا اویلین (اور نرم پڑے۔ت) اضافہ فرمایا کہ قابلیت صنعت بوجہ لین پر دلالت کرے **واللہ الموفق** (اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔ت) شاید یہی نکتہ ہے

---

[1] العنایۃ مع الفتح باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۲

[2] تاج العروس فصل الطاء من باب العین احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۸

[3] المغرب

کہ منح نے اپنے متبوع درر کے قول سے عدول فرمایا واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: ہماری تقریر سے واضح ہوا کہ مٹّی بھی منطبع ہوتی ہے ابھی قاموس سے گزرا، **طبع الجرۃ من الطین**[1] (مٹی سے گھڑا بنایا۔ت) مگر یہاں مراد وہ ہے جس کی صلاحیت آگ سے نرم ہو کر پیدا ہوئی ہو ولہذا فتح القدیر میں فرمایا: **اذا حُرّق لاینطبع**[2] (جب جلایا جائے تو منطبع نہ ہو۔ت) مراقی الفلاح میں ہے: **ینطبع بالاحراق**[3] (جلانے سے منطبع ہو۔ت) عامہ علمانے کہ یہاں منطبع مطلق چھوڑا ہے اس سے یہی منطبع بالنار مراد ہے جس طرح لین وذوبان کو بھی اکثر نے مطلق رکھا اور مراد وہی ہے کہ نار سے ہو ورنہ پانی میں مٹّی بھی گلتی پگھلتی ہے۔

بیانِ نِسَب: احتراق وترمّد میں نسب اوپر گزری کہ ترمّد اس سے خاص اور اسی کی چار صورتوں سے ایک صورت ہے۔ رہے باقی تین **اقول: (میں کہتاہوں۔ت)** ان میں لین وذوبان اُن معانی پر کہ ہم نے تقریر کئے خود متباید ہیں، مگر یہاں کلام اُن کی صلاحیت میں ہے کہ جو اس کے صالح ہو جنس ارض سے نہیں بسبب صلاحیت لین دونوں سے عام ہے جو ذائب ہوگا پہلے نرم ہی ہو کر ذائب ہوگا یونہی سخت چیز میں گھڑنے کی صلاحیت نرمی ہی سے آئے گی اور جو آگ سے نرم ہوسکے یہ ضرور نہیں کہ بہہ بھی سکے یا گھڑنے ڈھالنے کے بھی قابل ہوسکے جیسے چونے کا پتھر وغیرہ احجار مکلّسہ اور ذوبان وانطباع میں عموم وخصوص من وجہ ہے سونا چاندی ذائب بھی ہیں اور منطبع بھی، اور جما ہوا گھی ذائب ہے منطبع نہیں اور شکر کا قوام منطبع ہے ذائب نہیں چھوٹے بتاسے اور مختلف پیمانوں کے بڑے اور رنگ برنگ صورتوں تصویروں کے کھلونے بنتے ہیں آنچ سے ہی قوام ان انطباعوں کے قابل ہوتا ہے مگر آگ سے بہے گا نہیں جل جائے گا۔ ہاں جو چیز آگ پر صابر ہو نہ فنا ہو نہ راکھ جیسے فلزات بظاہر وہاں انطباع وذوبان برہوگی حتی کہ فولاد میں اگرچہ بتدابیر کمافی شرحی[عـــہ] **المواقف والمقاصد**

عـــہ: فان قیل الحدید لایذوب وان کان یلین قلنا یمکن اذابتہ بالحیلۃ[4] اھ شرح المواقف۔ الذوبان فی غیر الحدید ظاھرا مافی الحدید فیکون بالحیلۃ اھ شرح المقاصد[5] ۱۲منہ غفرلہ (م)

اگر یہ کہا جائے کہ لوہا پگھلتا نہیں اگرچہ نرم ہوجاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ لوہا بھی فی الجملہ کسی تدبیر سے پگھلایا جاسکتا ہےاھ شرح مواقف۔ لوہے کے علاوہ میں تو پگھلنا ظاہر ہے، رہا لوہا تو اس میں بھی تدبیر سے ہوسکتا ہےاھ شرح المقاصد۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

1 القاموس المحیط فصل الطاء، باب العین مطبع مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۰

2 فتح القدیر، باب التیمّم ، نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۲

3 مراقی الفلاح مع الطحطاوی باب التیمم مطبعۃ ازہریۃ مصر ص ۶۹

4 شرح المواقف القسم الرابع ۷/ ۱۷۳

5 شرح المقاصد المبحث الاول ۱/ ۳۷۳

(جیسا کہ شرح مواقف وشرح مقاصد میں ہے۔ت) اور ممکن کہ خالق عزوجل نے بعض ایسی محکم الترکیب بنائی ہوں کہ آگ سے صرف نرم ہوسکیں اُن کے پانی کردینے پر آگے کبھی قادر نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیان تنوع کلمات علماء واشکالات: اوصاف خمسہ مذکورہ کے عدم سے جنس ارض یا وجود سے اس کے غیر کی پہچان بتانے میں کلماتِ علما چودہ [۱۴] وجوہ پر آئے: **(۱)** بعض نے صرف انطباع لیا کہ جس میں یہ نہیں وہ جنس ارض ہے۔

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے: **ذکر الجلابی ان جنس الارض کل جزء من لاینبع** [1]۔ جلابی نے ذکر کیا ہے کہ جنس ارض ہر وہ جزء ہے جو منطبع نہ ہو۔ (ت)

اقول: یہ ظاہر البطلان (۱) ہے کہ لکڑی کپڑے اناج ہزاروں چیزوں پر صادق۔

فان قلت قد اخرجها بقوله کل جزء منه ای من الارض ذکر الکنایة تسامحا اوباعتبار المذکور۔ اقول: اولًا ضاع قوله لا ینطبع فلیس جزء منها لینطبع بالنار۔ **وثانیا:** یعود حاصله ان جنس الارض کل جز منها وهذا کتعریف شیئ بنفسه فانما الشان فی معرفة ان ای شیئ من اجزائها۔	**اگر یہ اعتراض ہو** کہ انہوں نے بکل جزء منہ ج (یعنی ہر جزء زمین) کہہ کر ان سب چیزوں کو خارج کردیا ہے اور منہا کی بجائے منہ مذکر کی ضمیر تسامحًا یا مذکور کا اعتبار کرکے لائے ہیں۔ **اقول: اولًا:** یہ ہو تو ان کا قول "لاینطبع" (منطبع نہ ہو) بے کار ہوجائے گا اس لئے کہ زمین کا کوئی جزء ایسا نہیں جو آگ سے مطبع ہو۔ جنسِ زمین، زمین کا ہر جز ہے اور یہ گویا کہ شیئ کی تعریف خود اسی شے سے کرنا ہے اس لئے کہ یہاں تو یہی جاننا مقصود ہے کہ کون سی شے زمین کا جز ہے۔ (ت)

(۲) صرف ترمّد کہ جو چیز جل کر راکھ نہ ہو جنس ارض ہے نافع شرح قدوری میں ہے: **جنس الارض ماذا احترق لایصیر مادا** [2] (جنسِ زمین وہ ہے جو جل کر راکھ نہ ہو۔ت)

[1] شرح النقایہ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[2] نافع شرح قدوری

اقول: یہ بھی[1] فلزات مثلاً سونے، چاندی، فولاد، نیز تیل، گھی، دودھ وغیرہا لاکھوں اشیاء پر صادق۔ اگر کہئے سونے چاندی کا کشتہ اُن کی راکھ ہے اقول اولا یہ راکھ کے معنی سے ذہول ہے جو ہم نے بیان کئے ثانیا عقیق و یاقوت کا بھی کشتہ ہوتا ہے تو وہ بھی جنس ارض نہ ہو، حالاں کہ بے شک ہیں کماسیأتی (جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ت)

(۳) انطباع و ترمّد کہ جو منطبع یا خاکستر ہو جنس ارض سے نہیں، فتح القدیر میں ہے:

قیل ما کان بحیث اذاحرق بالنار لاینطبع ولایترمد فهو من اجزاء الارض اھ[1]۔ **اقول:** ولایرید التریيف فقد اقرہ وفرع علیه۔	کہا گیا جو ایسا ہو کہ آگ سے جلایا جائے تو نہ منبع ہو نہ راکھ ہو تو وہ زمین کا جز ہے۔ اھ **اقول:** (قیل "کہا گیا" سے اس معنی کو ذکر کرکے) اس کی خرابی وکمزوری بتانا مقصود نہیں کیوں کہ انہوں نے اس قول کو برقرار رکھا ہے اور اس پر تفریع بھی کی ہے۔ (ت)

جامع المضمرات پھر جامع الرموز میں ہے:

جنس الارض مما لایحترق فیصیر رمادا او ینطبع[2]۔	جنس زمین وہ ہے جو جل کر راکھ یا منطبع نہ ہو۔ (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

الضابطة ان کل شیئ یصیر رمادا وینطبع بالاحراق لایجوز به التیمم ولا جاز[3]۔	ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو جلانے سے راکھ ہوجائے یا منطبع ہوجائے اس سے تیمّم جائز نہیں اور ایسی نہ ہو تو جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

بمطھر من جنس الارض فلایجوز بمنطبع ومترمد ومعاون[4]۔	جنسِ زمین کی کسی پاک کرنے والی چیز سے (تیمّم ہوگا) تو منطبع ہونے والی اور راکھ ہونے والی چیز اور معدنوں سے جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۲

[2] جامع الرموز باب التیمم مطبعہ کریمیہ قزان (ایران) ۱/۶۹

[3] مراقی الفلاح باب التیمم مطبعہ ازہریہ مصر ص ۶۸

[4] الدر المختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۵ تا ۱۷۶

اقول: پہلی تین عبارتوں میں احراق سے مجرد عمل نار مراد ہے اور اخیر میں معاون سے فلزات ورنہ کبریت وزنیخ ومر دار سنگ وتوتیا کے بھی معاون ہیں اور ان سے جواز تیمّم مصرح کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب آرہا ہے۔ت) **(۴)** لین وترمّد کہ جو آگ سے نرم پڑے یا راکھ ہو جنس ارض نہیں۔غنیہ میں ہے: **ھو ما یلین** عہ **بالنار او یترمّد**[1]۔ (یہ وہ ہے جو آگ سے نرم ہو یا راکھ ہو جائے۔ت) **(۵)** امام اکمل الدین نے ان پر انطباع کا اضافہ فرمایا کہ یا منطبع ہو، عنایہ میں ہے:

قیل کل ما یحترق بالنار فیصیر رمادا او ینطبع او یلین فلیس من جنس الارض[2]۔	کہا گیا ہر وہ چیز جو آگ سے جل کر راکھ ہو جائے یا منطبع یا نرم ہو وہ جنس زمین سے نہیں۔(ت)

اقول: جب مجرد لین کافی تو اضافہ انطباع بے کار کہ انطباع بے لین نا متصور۔لاجرم اس کا مفاد عبارت چہارم سے زائد نہیں۔

(۶) علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے جانب جنس میں مثل عنایہ ترمد ولین وانطباع لیے کہ جس میں یہ نہ ہوں وہ جنسِ ارض سے ہے اور جانب غیر میں احتراق ولین کہ جس میں ان سے کوئی ہو غیر جنس ہے۔**وقد تقدمت عبارت حلیتہ**[3] (ان کی کتاب "حلیہ" کی عبارت گزرچکی۔ت)

اقول: جملہ ثانیہ بلکہ ایک جگہ اولی کے بیان میں بھی ذکر احتراق پر اقتصار کا یہ عذر واضح ہے کہ مطلق اسی مقید ترمُّد پر محمول مگر ثانیہ میں ترک ذکر انطباع معین کررہا ہے کہ مجرد لین بھی جنس ارض سے اخراج کو بس ہے تو یہاں بھی مثل عنایہ ذکر انطباع ضائع اور عبارت عبارتِ چہارم کی طرف راجع۔

عـہ: وقال بعدہ کالذھب والفضۃ والحدید وغیرھا مما ینطبع ویلین بالنار اھ وذلک ماقدمنا عنھا عند بیان معنی الانطباع ۱۲ منہ غفرلہ (م)[4]	اس کے بعد فرمایا: جیسے سونا، چاندی، لوہا وغیرہ ایسی چیز جو آگ سے منطبع اور نرم ہو اھ یہ وہی ہے جو غنیہ کے حوالہ سے ہم نے انطباع کا معنی بیان کرتے ہوئے پہلے ذکر کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۶

[2] العنایۃ مع فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۲

[3] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۶

(۷،۸) بہت اکابر نے لیے تو یہی اوصاف ثلثہ مگر ترمُّد کو ایک شق کیا اور لین وانطباع کو واو عاطفہ سے ملا کر دوسری شق۔ پھر بعض نے تو لین وانطباع کہا۔ برجندی میں زاد الفقہا سے ہے:

مایحترق بالنار ویصیر رمادا او یلین و ینطبع فلیس من جنس الارض وما عداھما من جنسھا[1]۔	ہر وہ چیز جو آگ سے جل جائے اور راکھ ہو جائے یا نرم اور منطبع ہو جائے وہ جنسِ زمین سے نہیں اور ان دونوں کے ماسوا جنسِ زمین سے ہیں۔ (ت)

اور اکثر نے انطباع ولین۔ بدائع امام ملک العلما میں ہے:

کل مایحترق فیصیر رمادا او ینطبع ویلین فلیس من جنس الارض وماکان بخلاف ذلک فھومن جنسھا[2]۔	ہر وہ چیز جو جل کر راکھ ہو جائے یا منطبع اور نرم ہو جائے وہ جنسِ زمین سے نہیں اور جو اس کے برخلاف ہو وہ جنسِ زمین سے ہے۔ (ت)

یونہی ہندیہ میں بالفاظہٖ لے کر مقرر رکھا بعینہٖ یہی الفاظ البحر الرائق میں امام ابوالبرکات نسفی کی مستصفٰی سے ہیں غیر ان فی اُخرھا وماعداذلك فھو من جنس الارض[3]۔ (فرق یہ ہے کہ اس کے آخر میں "وماعداذلك فھومن جنس الارض" ہے۔ معنی وہی ہے۔ ت) ایضاح علّامہ وزیر میں تحفۃ الفقہا امام اجل علاء الدین سمرقندی سے ہے:

لقانون الفارق بین جنس الارض وغیرھا ان کل مایحترق فیصیر رمادا او ینطبع ویلین فلیس من جنس الارض[4]۔	جنسِ زمین اور اس کے علاوہ میں فرق وامتیاز کا قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی جل کر راکھ ہو جائے یا منطبع اور نرم ہو جائے تو وہ جنسِ زمین سے نہیں۔ (ت)

جوہرہ نیّرہ میں ہے:

ھو ماذا طبع لاینطبع ولایلین واذا احرق لایصیر رمادا[5]۔	جنس زمین وہ ہے کہ ڈھالا جائے تو نہ ڈھلے اور نہ نرم ہو اور جب جلایا جائے تو راکھ نہ ہو۔ (ت)

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[2] بدائع الصنائع فصل ما یتیمم بہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۳

[3] البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۷

[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۵

[5] الجوہرۃ النیّرہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۵

قول: نطباع ولین میں حرف واو اور ان میں اور تردّد میں حرف اَو خصوصًا اس اطباق کے ساتھ بنگاہِ اوّلین یقین دلاتا ہے کہ یا[1] تولین وانطباع شَے واحد ہیں یا[2] اس شوق میں دونوں کا اجتماع مقصود یعنی جوراکھ ہو یا جس میں انطباع اولین دونوں جمع ہوں وہ جنسِ ارض نہیں اور[3] ایک ضعیف وبعید احتمال یہ بھی ہے کہ واو بمعنی اَو ہو مگر اُن میں کوئی خالی از اشکال نہیں۔

فاقول: اوّل صراحۃً باطل ہم روشن آئے کہ لین وانطباع متحد نہیں معہذا بحال تقدیم لین یہ عطف تفسیری معکوس ہوگا بہر حال اب یہ عبارات بھی جانب چہارم عود کریں گی۔

دوم پر لین لغو رہا کہ انطباع بے لین متصور نہیں بلکہ بحال تقدیم انطباع اس باطل کا ایہام ہا کہ کبھی نطباع بے لین بھی ہوتا ہے لہٰذا اجتماع لین سے مشروط کیا اور بعدِ تنقیح حاصل صرف اتنا ہوا کہ تردّد ہو یا انطباع اور عبارات کے لیے عبارت سوم کی طرف ارجاع۔

سوم پر ذکر انطباع فضول رہا کہ مجرد لین کافی اور وہ انطباع کو لازم یہ پھر عبارت چہارم کی طرف عود کرگیا۔

(۹) علامہ شیخی نادہ رومی نے ان تین میں لین کی جگہ ذوبان لیا اور وہی ایک شق تردّد اور دوسری شق ذوبان وانطباع۔

قدم منھما الانطباع وفی کل شمس ^عہ^ الائمۃ السرخسی یذوب وینطبع [1] کمامر عن المغرب۔ **اقول:** ولایختلفان ھھنا	انہوں نے ان دونوں سے انطباع کو پہلے رکھا ہے اور شمس الائمہ سرخسی کے کلام میں "**یذوب وینطبع**" (پگھلے اور منطبع ہو) ہے، جیسا کہ مغرب کے حوالہ سے گزرا۔ (ت) **اقول:** یہ دونوں یہاں مختلف ہیں کیونکہ

عـہ: ومثلہ فی الخانیۃ وفی خزانۃ المفتین عن الظھیریۃ لایجوز التیمم بکل مایذوب وینطبع [2] اھ ۱۲منہ غفرلہ (م)	اس کے مثل خانیہ میں ہے، اور خزانہ المفتین میں ظہیریہ کے حوالے سے یہ الفاظ ہیں کہ تیمّم ہر اس چیز سے جائز نہیں جو پگھلے اور منطبع ہو ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] المغرب

[2] خزانۃ المفتین فصل فی التیمم قلمی نسخہ ۱/ ۱۲

لان بینھما عموما من وجه۔	دونوں میں عموم من وجہ ہے۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

کل شیئ یحترق ویصیر رمادا لیس من جنس الارض وکذلك کل شیئ ینطبع ویذوب[1]۔	ہر وہ چیز جو جل جائے اور راکھ ہو جائے وہ جنس زمین سے نہیں اور ایسے ہی ہر وہ چیز جو منطبع ہو اور پگھلے۔(ت)

اقول:۔یہاں بھی بدستور تین احتمال اور تینوں پر اشکال۔**اوّل:** ذوبان وانطباع ایک ہوں توحاصل تردّد وذوبان ہوگا۔

اقول: مگر اتحاد باطل کما علمت (جیسا کہ معلوم ہوا۔ت)

دوم: دونوں کا اجتماع شرط ہوتو حاصل یہ کہ غیر جنسِ ارض وہ ہے جوراکھ ہوسکے یاانطباع وذوبان دونوں کی صالح ہو۔

سوم: ضعیف واجید اعنی جس میں تردّد یاذوبان یاانطباع ہو جنس ارض نہیں۔

اقول: ان دونوں پر نصوص توآگے آتے ہیں ان شاء اللہ تعالٰی اور ثالث کاضعف وبعد یوں روشن کہ غیر جنس ارض کے لیے دو قانون بنائے ایک میں تردّد رکھا، دوسرے میں انطباع وذوبان کو بحرف واو جمع کیا تومتبادر یہی ہے کہ یہ دونوں قانون واحد میں ہیں۔

(۱۰) امام فخر الملۃ والدین زیلعی نے بالکل مثل نہم فرمایا، صرف غیر جنس کاایک اور قانون بڑھایا کہ جسے زمین کھالے یعنی ایک مدت پر کہ ہر شے کہ مناسب مختلف ہوتی ہے اس میں اثر کرتے ہوئے خاک کردے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

الفاصل بینھما کل شیئ یحترق بالنار ویصیر رماد الیس من جنس الارض وکذا کل شیئ ینطبع ویذوب بالنار وکل شیئ تاکله الارض لیس من جنسھا[2] اھ واثرہ الفاضل اخی چلپی بلفظۃ قیل مقر اوقال فی اٰخرہ ھذا زبدۃ کلام الزیلعی[3] اھ فقد(۱) یوھم من لم یراجع التبیین انه	دونوں کے درمیان فرق وامتیازیوں ہوتاہے کہ ہر وہ چیز جو آگ سے جل جائے اور راکھ ہو جائے وہ جنسِ زمین سے نہیں، ایسے ہی ہر وہ چیز جوآگ سے منطبع ہو اور پگھل جائے اور ہر وہ چیز جسے زمین کھاجائے وہ جنسِ زمین سے نہیں اھ۔ یہ عبارت لفظ "قیل" سے فاضل اخی چلپی نقل کرکے بر قرار رکھی اور اس کے آخر میں لکھاکہ یہ کلام زیلعی کاخلاصہ ہے اھ اس سے تبیین زیلعی کی طرف مراجعت کرنے والے

[1] مجمع الانہر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۸

[2] تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/ ۳۹

[3] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع اسلامیہ لاہور ۱/ ۱۷۴

فیه بلفظة قیل ولیس کذلك۔	کو یہ وہم ہوتا ہے کہ اس میں بھی یہ کلام لفظ قیل کے ساتھ ہوگا حالانکہ ایسا نہیں۔(ت)

اقول: یہ قانون تازہ بجائے خود صحیح ہے مگر معرفت جنس وغیر جنس کو کافی نہیں کہ اس کا عکس کلّی نہیں کہ جو غیر جنس ارض ہو اسے زمین کھالے، زمین سونے چاندی کو بھی نہیں کھاتی بہرحال اس ہمارے مبحث پر اثر نہیں اس کے حاصلات اور اُن پر اشکالات بعینہا مانند نہم ہیں۔

(۱۱) فاضل چلپی نے بالکل دہم کا اتباع کیا مگر لین بجائے انطباع لیا کہ **وکل شیئ یلین ویذوب بها**[1] الخ اور ہر وہ چیز جو آگ سے نرم ہو اور پگھل جائے الخ۔ت) اور اسی کو حاصل کلام تبیین ٹھہرایا کمامر (جیسا کہ گذرا۔ت)

اقول: یہ ہرگز اس کا حاصل نہیں لین وانطباع میں فرقِ عظیم ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ت) ان کو یہ شبہ اتباع دُرر سے لگا اگرچہ دونوں فاضل ہمعصر اعیان قرن تاسع سے ہیں مگر ان کی کتاب دُرر سے اٹھارہ برس بعد ہے تصنیف ۲ دُرر ۸۸۳ھ میں ختم ہوئی اور ذخیرۃ العقبٰی ۹۰۱ھ میں ہے اور اس کے خاتمہ میں سطریں کی سطریں خاتمہ دُرر سے ماخوذ ہیں۔ ہاں لین وانطباع کی تبدیل نے اسے کلام تبیین سے یوں بھی جدا کردیا کہ اس میں تین احتمال تھے، اس میں احتمال اتحاد کی گنجائش نہیں کہ لین وذوبان میں فرق بدیہی ہے۔

رہے وہ اول جمع **اقول:** توذکر لین لغو کہ لازم ذوبان ہے اور حاصل حاصل اول عبارت نہم ہوگا دوم تردید۔**اقول:** توذکر ذوبان لغو کہ مجرد لین کافی ہے اور اب حاصل عبارت چہارم کی طرف عود کرے گا۔

(۱۲) امام جلیل ابوالبرکات نسفی نے ایک شق احتراق لی اور دوسری انطباع ولین کافی میں ہے:

بطاهر من جنس الارض لابما ینطبع ویلین اویحترق[2]۔	جنس زمین کی کسی پاک چیز سے۔ ایسی چیز سے نہیں جو منطبع اور نرم ہوجائے یا جل جائے۔(ت)

اقول: بدستور تین احتمال ہیں اور تینوں پر اشکال۔ اتحاد خود باطل ہے اور اس پر حاصل لین واحتراق اور جمع یعنی احتراق ہو یا انطباع ولین کا اجتماع اس میں لین لغو اور حاصل احتراق یا انطباع اور تردید پر انطباع بے کار اور حاصل مثل احتمال اول۔

---

[1] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع اسلامیہ لاہور ۱/ ۱۷۴

[2] کافی

(۱۳) فاضل معین ہروی نے جانب جنس احتراق وانطباع لیا اور جانب غیر میں لین بواو عاطفہ اضافہ کیا، شرح کنز میں کہا:

جنس الارض ما لایحترق ولاینطبع ومالیس من جنس الارض مایحترق او ینطبع و یلین[1]۔	جنس زمین وہ ہے جو نہ جلے اور نہ منطبع ہو اور جو جنسِ زمین سے نہیں یہ وہ ہے جو جل جائے یا منطبع اور نرم ہو جائے۔(ت)

اقول: یہ حقیقت امر پر صریح متناقض ہے جملہ اولٰی کا مفاد کہ مجرد لین منافی ارضیت نہیں اور ثانیہ کی تصریح کہ منافی ہے لاجرم یہاں عطف تفسیری متعین جو خود باطل اور احتمال اول عبارت ۱۲ کی طرف مائل۔

(۱۴) اقول: یہ سب باوصف اس قدر اختلافات کے ایک امر پر متفق تھے کہ یہ اوصاف جنس وغیر جنس میں فارق ہیں علّامہ مولٰی خسرو نے غرر ودُرر متن وشرح دونوں میں وہ روش اختیار فرماء کہ انہیں فارق ہی نہ مانا بلکہ جواز تیمّم کے لئے ان کو جنس ارض کی قید جانا یعنی جنس ارض میں خاص اس شے سے تیمّم جائز ہے جو آگ سے جل کر نہ نرم پڑے نہ راکھ ہو یہ حاصلِ متن ہے شرح میں فرمایا جو چیز جنسِ ارض سے نہیں یا انطباع خواہ ترمّد رکھتی ہے اس سے تیمّم روا نہیں تو متن وشرح نے صاف بتایا کہ خود جنس ارض دونوں قسم کی ہوتی ہے ایک وہ کہ آگ سے نرم یا راکھ ہوتی ہے دوسری نہیں۔ متن کی عبارت یہ ہے:

علی طاھر من جنس الارض وھو لاینطبع ولایترمّد بالاحتراق[2]۔	جنس زمین کی پاک چیز پر جب کہ وہ جلنے سے نہ منطبع ہو اور نہ راکھ ہو۔(ت)

شرح میں فرمایا:

وذلك لان الصعید اسم لوجه الارض باجماع اھل اللغة فلایتناول مالیس من جنسھا اوینطبع اویترمد[3]۔	اور یہ اس لئے کہ صعید باجماعِ اہلِ لغت روئے زمین کا نام ہے تو یہ لفظ اس چیز کو شامل نہ ہوگا جو جنس زمین سے نہیں یا منطبع یا راکھ ہونے والی ہے۔(ت)

پر ظاہراً کہ یہ طریقہ تمام سلف وخلف مشایخ وعلما سے جدا ہے۔

وحاول العلامة الشرنبلالی ردہ الی	علامہ شرنبلالی نے اسے موافقت کی جانب پھیرنے

[1] شرح کنز مع فتح المعین باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۱
[2] درر الحکام شرح غرر الاحکام باب التیمم مطبوعہ کاملیہ بیروت ۱/ ۳۱
[3] درر الحکام شرح غرر الاحکام باب التیمم مطبوعہ کاملیہ بیروت ۱/ ۳۱

الوفاق فقال علی قول الشرح فی العطف باوتسامح کان ینبغی بالواو لانه عطف خاص[1] اھ۔ **اقول:** وما(ا) ذا یفعل بالمتن فانه لم یقل وھو مالابل قید جنس الارض بجملة حالیة والاحوال شروط ثم قوله لانه عطف خاص وان کان حقا علی ماحققه ان شاء اللہ لکنه مخالف لمسلکھم ومسلك نفسه المار عنه فی العبارة الثالثة۔	کی کوشش کرتے ہوئے فرمایا ہے "شرح کی عبارت میں اَو (یا) کے لفظ سے عطف تسامح ہے۔ یہ عطف واو سے ہونا چاہئے کیوں کہ یہ عام پر خاص کا عطف ہے اھ (ت)۔**اقول:** متن کو کیا کریں گے۔اس میں یہ نہیں ہے کہ **وھو مالاینطبع الخ**۔(اور وہ (جنسِ زمین) وہ ہے جو منطبع نہ ہو الخ) بلکہ اس میں جنس زمین کو جملہ حالیہ سے مقید کیاہے اور حال شرط کی حیثیت رکھتاہے۔پھر ان کا یہ کہنا کہ یہ خاص کا عطف ہے اگرچہ بجائے خود حق ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تعالٰی اس کی تحقیق کریں گے لیکن یہ مصنفین بالاکے موقف اور خود علامہ شرنبلالی کے موقف کے خلاف ہے جوان کے حوالہ سے عبارت سوم کے تحت بیان ہوا۔(ت)

یہ عبارت اگرچہ جنس وغیر میں فاضل بتانے سے جدا رہی پھر بھی اتنا حاصل دیا کہ لین وترمُّد مانع تیمّم ہیں تو اس جملہ میں وہ عبارت چہارم کی شریک ہوئی۔

بالجملہ ہمارے بیان سے واضح ہوا کہ یہ چودہ ۱۴ عبارتیں اس وجہ سے کہ ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۲ میں تین تین احتمال تھے اور ۱۱ میں دو ۲، پچیس ۲۵ عبارات ہوکر اُن کا حاصل نو قولوں کی طرف رجوع کر گیا۔

(۱) غیر جنس ارض ہونے کامدار صرف انطباع

(۲) فقط ترمّد

(۳) ترمّد یاانطباع

(۴) ترمّد یالین عــه

(۵) ترمّد یاذوبان

(۶) ترمّد یااجتماع ذوبان وانطباع

(۷) ترمُّد یاذوبان یاانطباع

عــه: غیر دُرر میں یہ بروجہ مناط لیاجائے گااور دُرر میں طرف ایک طرف سے کلیہ ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] غنیہ ذوی الاحکام مع درر الاحکام باب التیمم مطبوعہ کاملیہ بیروت ۱/ ۳۱

(۸) احتراق یالین

(۹) احتراق یاانطباع

خاص خاص عبارات پر جو ان کے متعلق اشکالات تھے مذکور ہوئے، اب اصل مبحث کے اشکال ذکر کریں وباللہ التوفیق غیر جنس ارض ہونے کا مناط سات قول اخیر میں کہ دو ۲ دو ۲ یا تین ۳ وصف پر مشتمل ہیں ان اوصاف میں سے کسی وصف کا وجود ہے اور جنس ارج ہونے کا مناط ہر قول کے ان سب اوصاف کا انتفا ہے یعنی ان میں سے ایک بھی ہو تو جنس ارض نہیں اور اس سے تیمّم ناجائز اور اصلًا کوئی نہ ہو تو جنس ارض ہے اور تیمّم جائز۔ اب اگر جنس ارض سے کوئی شے ایسی پائی جائے جس میں کسی قول کے اوصاف ملحوظ سے کوئی وصف پایا جاتا ہو وہ اس قول کے مناط ارضیت کی جامعیت پر نقض ہوگا یعنی بعض اشیاء جن کو اس مناط کا شامل ہونا چاہئے تھا اس سے خارج ہوگئیں اور اگر غیر جنس سے کوئی چیز ایسی ثابت ہو جس میں ایک قول کے اوصافِ معتبرہ سے اصلًا کوئی نہیں وہ اس قول کی مانعیت پر نقض ہوگا یعنی بعض اشیاجن کا اس مناط سے خارج ہونا درکار تھا اس میں داخل رہیں دو قول اول کی مانعیت پر نقض ہوگا یعنی بعض اشیاجن کا اس مناط سے خارج ہونا درکار تھا اس میں داخل رہیں دو قول اول کی مانعیت پر نقوض وہیں گزرے اور وہ دونوں قابل لحاظ بھی نہیں باقی یہاں ذکر کریں **واللہ الموفق نقوض جمع میں** کسی جنس ارض میں ایک وصف کا تحقق کافی ہے لہٰذا ہر قول پر جدا کلام کرنے سے اوصاف کی تلخیص کرکے ہر وصف پر کلام کافی ہوگا کہ وہ وصف جتنے اقوال وعبارات میں ہو اس کے نقض سب پر وارد ہوں۔

انطباع پر نقوض **اقول اوّلا** کبریت کہ جب آگ سے ذائب کرکے کسی سانچے میں ڈال دیں یقینا سرد ہوکر اسی صورت پر رہتی ہے، خالص گندھک کے پیالے کٹوریاں گلاس بنتے ہیں ہمارے شہر میں ایک صاحب بکثرت بناتے تھے جسے شبہ ہو وہ اب آزمادیکھے، تو اس میں یقینا جس صورت پر چاہیں ڈھالے جانے کی صلاحیت ہے تو بلاشبہ منطبع ہوئی اور یہ انطباع آگ سے ہی ہوا کہ قبول صورت پر چاہیں ڈھالے جانے کی صلاحیت ہے تو بلاشبہ منطبع ہوئی اور یہ انطباع آگ سے ہی ہوا کہ قبول صورت پر اسی نے مہیا کیا اگرچہ بقائے صورت بعد برودت ہے جیسے چھوٹے بڑے بتاسوں، شکر کے کھلونوں، سونے چاندی کی اینٹوں وغیرہا میں، تو لازم کہ گندھک جنس ارض سے نہ ہو اور اس سے تیمّم ناروا ہو حالانکہ کتب معتمدہ میں اس کا جنس ارض سے ہونا اور اس سے تیمّم کا جواز مصرح ہے **کما سیأتی** (جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ت)

ثانیا: زرنیخ، یہ بھی بلاشبہ آگ سے بہتی اور سرد ہوکر پھر متحجر ہوجاتی ہے تو یقینا قابل انطباع ہے جس کا خود ہم نے تجربہ کیا غایت یہ کہ بہ نسبت کبریت کے زیادہ قوی آنچ چاہتی ہے۔

وھذا معنی قول ابن زکریا الرازی فی کتاب علل المعدن ثم ابن البیطار۔	کتاب علل المعادن میں ابن زکریا رازی پھر جامع میں ابن بیطار کی درج ذیل عبارت کا یہی معنی ہے:

فی الجامع تکوین الزرنیخ کتکوین الکبریت غیران البخار البارد الثقیل الرطب فیه اکثر والبخار الدخانی فی الکبریت اکثر ولذٰلك صار لایحترق کاحتراق الکبریت وصار اثقل واصبر علی النار منه[1]۔	"زرنیخ بھی اسی طرح بنتی ہے جیسے کبریت۔فرق یہ ہے کہ زرنیخ میں، سرد ثقیل،تر بخارات زیادہ ہوتے ہیں اور کبریت میں دخانی بخار زیادہ ہوتا ہے اسی لئے زرنیخ اس طرح نہیں جلتی جیسے کبریت جلتی ہے اور آگ پر کبریت سے زیادہ ثقیل ثابت ہوتی اور دیر تک ٹھہرتی ہے"۔(ت)

حالانکہ اس کا جنس ارض وصالح تیمّم ہونا تو اس اعلٰی تواتر سے روشن جس میں اصلا محل ارتیاب نہیں کما سیأتی (جیسا کہ آگے آرہاہے۔ت) **ترمّد** پر نقوض **اقول اوّلا** خزانۃ الفتاوٰی وحلیہ وجامع الرموز ودرمختار میں تصریح ہے کہ پتھر کی راکھ سے تیمّم جائز ہے۔

ونظم الدر لایجوز بتمرد الارماد الحجر فیجوز[2]۔	درمختار کی عبارت یہ ہے:"راکھ بننے والی چیز سے تیمّم جائز نہیں مگر پتھر کی راکھ مستثنٰی ہے اس سے جائز ہے"۔(ت)

معلوم ہوا کہ پتھر بھی راکھ ہوسکتا ہے تو جنسِ ارض کب رہا اور اس سے تیمّم کیونکر روا ہوا۔

ثانیا: ترکستان میں ایک پتھر ہوتا ہے کہ لکڑی کی جگہ جلتا ہے اس کی راکھ سے تیمّم روا ہے۔حلیہ میں ہے:

فی خزانة الفتاوی قال العبد الضعیف ان کان الرماد من الحطب لایجوز و اکان من الحجر یجوز لانه من الارض وقدرأیت فی بعض بلاد ترکستان کان حطبهم الحجر[3]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے:"بندہ ضعیف کہتا ہے راکھ اگر لکڑی کی ہو تو تیمّم جائز نہیں اور اگر پتھر کی ہو تو جائز ہے کیونکہ وہ جنس زمین سے ہے اور میں نے ترکستان کے بعض شہروں میں دیکھا کہ ان کے یہاں پتھر ہی کا ایندھن ہوتا ہے"۔(ت)

[1] جامع ابن بیطار

[2] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

[3] حلیہ

اسی طرح خزانہ سے قہستانی اور قہستان سے طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

ثالثاً و رابعاً: علامہ برجندی نے نورہ و مردار سنگ سے دو نقض اور وارد کیے کہ یہ جل کر راکھ ہوجاتے ہیں حالانکہ جنسِ ارض سے ہیں۔ شرح نقایہ میں بعد نقل عبارت مارہ زاد الفقہا ہے:

هذا یدل علی ان التیمم بالنورة و المردار سنج لایجوز فانهما یحترق بالنار ویصیران رماداوقد صرح قاضی خان انه یجوز التیمم بهما الا ان یقال ان محترقهما لایسمّی رمادا فی العرف[1]۔	اس سے پتا چلتا ہے کہ نورہ اور مرداسنگ سے تیمّم ناجائز ہے کیونکہ یہ دونوں آگ سے جل راکھ ہوجاتے ہیں حالانکہ قاضی خان نے تصریح فرمائی ہے کہ ان دونوں سے تیمّم جائز ہے مگر یہ کہاجاسکتا ہے کہ عرف میں جلے ہوئے نورہ ومردار سنگ کو راکھ کے نام سے یاد نہیں کیا جاتا۔(ت)

لین پر نقوض اقول اوّلاً چُونے کا پتھر اور جتنے احجار تکلیس کیے جاتے ہیں یقیناً اپنی حالت اصلی سے صلابت میں کم ہوجاتے ہیں تکلیس کرتے ہی اس لئے ہیں کہ جو سخت جرم پِس نہیں سکتا پسنے کے قابل ہوجائے۔

ثانیاً: کبریت (اور) ثالثاً زرنیخ ضرور آگ پر نرم ہوتی ہیں حالانکہ کتب میں بلاخلاف ان سے تیمّم جائز لکھاہے کماسیأتی (جیساکہ آگے آرہاہے۔ت)

ذوبان پر نقوض اقول: یہی کبریت اور زرنیخ دونوں اس پر بھی نقض ہیں ان کی نرمی بہ جانے پر منتہی ہوتی ہے جیساکہ مشاہدہ شاہد--- علا تفتازانی نے مقاصد و شرح مقاصد میں معدنیات کی پانچ قسمیں کیں۔ دوم ذائب مشتعل، اور فرمایا: **ذلك لکبریت والزرنیخ**[2]۔ (وہ کبریت اور زرنیخ کی طرح ہے۔ت)

احتراق پر نقوض اقول اوّلاً وثانیاً یہی گندھک، ہڑتال ایسی جلتی ہیں کہ شعلہ دیتی ہیں۔

ثالثاً: چ کہ اس کا پتھر جلانے ہی سے بنتی ہے۔

رابعاً: مان و بدخشان میں ایک پتھر حجر القتیلہ ہے کوٹنے سے روئی کی طرح نرم ہوجاتا ہے اس کی بتی بناکر چراغ میں روشن کرتے ہیں تیل ڈالتے رہیں تو ایک بتی دو تین مہینے تک کفایت کرتی ہے **ذکرہ فی المخزن وذکرہ فی تاج العروس فی مستدرکہ بعد باذش ان**

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی، فصل فی التیمم، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[2] شرح المقاصد، المبحث الاول المعدنی، دار المعارف النعمانیہ لاہور، ۱/ ۳۷۴

معدنہ بدخشان [1]۔ (اسے مخزن میں ذکر کیا ہے اور تاج العروس کے اندر "باذش" کے بعد اپنے اضافہ کے تحت بتایا ہے کہ اس پتھر کا معدن بدخشاں میں ہے۔ت)

خامسا: شام میں ایک پتھر حجر البُحَیرہ ہے آگ میں ڈالے سے لپٹ دیتا ہے [2]۔ذکرہ فی المحزن و التحفة (اسے مخزن اور تحفہ میں ذکر کیا۔ت) **سادسا:** سنگ خَزامی جزیرہ صِقْلَبّہ میں ایک پتھر ہے کہ آگ سے بھڑکتا اور پانی کا چھینٹا دینے سے اور زیادہ مشتعل ہوتا ہے اور تیل سے بجھتا ہے [3] قالافیھما (مخزن و تحفہ میں ہی اسے بھی بتایا ہے۔ت) **سابعا:** ریل کا کوئلہ کہ پتھر ہے اور لکڑی سا جلتا ہے۔ **ثامنا:** جلی ہوئی زمین کا مسئلہ خود کتب معتمدہ مثل مختارات النوازل و قاضیخان و فتح و حلیہ و بحر و غیاثیہ و جواہر الاخلاطی و مراقی الفلاح و دُرمختار و ہندیہ وغیرہا میں مذکور کہ س سے تیمّم روا ہے کماسیأتی ان شاء الله تعالیٰ (جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء الله تعالیٰ۔ت)

تنبیہ: کبریت سے نقض پر علامہ سیّد ابوالسعود ازہری کو تنبہ ہوا اور عبارت مارۂ ملا مسکین کی شرح میں فرمایا:

الظاھر ان ھذا اغلبی لاکلی فلایشکل بان البعض یحترق لاکبریت [4] اھ	ظاہر یہ ہے کہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔اس لیے یہ اشکال نہ ہوگا کہ جنس زمین سے ایسی چیزیں بھی ہیں جو جلی جاتی ہیں جیسے کبریت اھ (ت)
اقول: (۱) بل الایراد لامردله عن ظاھر العبارة والعذر لایجدی لانھم بصدد اعطاء معرف لما یجوزبه التیمم ومالافاذا کان شیئا یختلف ویتخلف	**اقول:** ظاہر عبارت پر اعتراض واشکال توضرور وارد ہوگا اور عذر مذکور کرآمد نہ ہوگا اس لیے کہ جس چیز سے تیمّم جائز ہے اور جس سے ناجائز ہے اس کی وہ حضرات ایک جامع ومانع تعریف کرنا چاہتے ہیں توجب کوئی چیز اس ضابطہ سے مختلف یا

---

[1] تاج العروس فصل الباء من باب الشین احیاء التراث العربی بیروت ۲۸۱/۴

[2] مخزن الادویہ فصل الحاء مع الجیم مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۲۳۱

[3] مخزن الادویہ فصل الحاء مع الجیم مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۲۳۱

[4] فتح المعین بحث جنس الارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۱/۱

لزم المتخلیط والتغلیط۔	اس سے جداومتخلّف ہوگی توبجائے تعریف کے تخلیط وتغلیط لازم آئے گی۔(ت)

نقوض منع۔اقول: اگلے نقوض میں عبارت غرر ودرر بھی شریک تھی کہ اس کا بھی اتنا حاصل تھا کہ جس میں تردد یالین ہو اس سے تیمّم جائز نہیں، بلکہ اگرچہ جنس ارض سے ہو حالانکہ زرنیخ وکبریت وجصّ ورمادِ حجرونورہ ومردار سنگ معدنی وارض محترقہ ومطلق حجر سے جوازِ تیمّم عامہ معتمدات میں مصرح ہے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی کالحجر والزرنیخ[1] (جنسِ زمین سے جیسے پتھر اور زرنیخ۔ت) مگر نقوض منع اس پر وارد نہیں کہ دوسری جانب سے کلیہ نہ اس کا منطوق ہے نہ مفہوم۔

اب نقوض سنیے **فاقول:** منع پر نقض کثیر ووافر ہیں یہاں بعض ذکر ہیں:

(۱) سانبھر (۲) پارا یہ سب اقوال پر وارد ہیں کہ نہ آگ سے جلیں نہ گلیں نہ پگھلیں نہ نرم پڑیں نہ راکھ ہوں (۳) اولا (۴) پالا (۵) کُل کابرف (۶) رال (۷) کافور (۸) زاج تین قول اول پر کہ نہ راکھ ہوں نہ آگ سے منطبع (۹) کیچڑ جس میں پانی غالب ہو (۱۰) پانی (۱۱) عرق (۱۲) عطر (۱۳) ماء الجبن (۱۴) دودھ (۱۵) بہتا گھی (۱۶) تیل (۱۷) گازوغیرہا اشیاکہ نہ آگ سے نرم ہوں نہ راکھ ہوں نہ ان میں سات قول پیشین پر (۱۸) جماہوا گھی (۱۹) شکر کا قوام۔قول ششم پر کہ نہ راکھ ہوں نہ ان میں ذوبان واطباع کا اجتماع کما تقدم فی بیان النسب (جیسا کہ نسبتوں کے بیان میں گزرچکا۔ت)

(۲۰) علامہ برجندی نے عبارت ہفتم پر خود راکھ سے نقض کیا شرح نقایہ میں عبارت زادالفقہاء نقل کرکے لکھا:

ھذا یدل علی ان التیمم بنفس الرماد یجوز وقد ذکرفی الخلاصۃ اجمعوا انہ لایجوز لکن ذکرفی النصاب قال ابوالقاسم یجوز وابونصر لاوبہ نأخذ[2]۔	اس سے پتاچلتاہے کہ خود راکھ سے تیمّم جائز ہے حالانکہ خلاصہ میں ہے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ راکھ سے تیمّم ناجائز ہے۔لیکن نصاب میں لکھا ہے کہ ابوالقاسم کہتے ہیں: جائز ہے۔اور ابونصر کہتے ہیں ناجائز ہے اور ہم اسی کو لیتے ہیں۔(ت)

اقول: بلکہ وہ سب اقوال پر نقض ہے کہ راکھ نہ آگ سے نرم پڑے نہ جلے نہ دوبارہ راکھ ہو۔

[1] دررالحکام شرح غررالاحکام باب التیمم مطبع کاملیہ بیروت ۱/ ۳۱

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

بالجملہ کوئی قول کوئی عبارت متعدد نقوض سے خالی نہیں،

واللہ المستعان لکشف الران* والصلٰوۃ والسلام الاتمان* علی سیّد الانس والجان* واٰلہ وصحبہ* وابنہ وحزبہ* فی کل حین واٰن* اٰمین۔	اور اللہ تعالٰی ہی سے اس دشواری والتباس کے ازالہ کے لیے مدد طلبی ہے اور کامل درود وسلام ہو انس وجن کے سردار اور ان کی آل، اصحاب فرزند اور ان کی جماعت پر ہر لحہ ہر آن۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

استعانت توفیق بطلبِ تحقیق

اقول بعونہ عزوجل عبارات علماء کے اسالیب مختلفہ پر اشکالات اور تعریفات کی جامعیت پر نقوض سب کا حل ان تین حرفوں میں ہے:

(۱) احتراق سے ترمّد مقصود اور ایسے اطلاقوں کے اطلاق فقہا سے اکثر معہود والہذا حلیہ نے ترمد لے کر دو جگہ صرف احتراق کہا۔

(۲) رماد کے تین اطلاق ہیں:

ایک عام تر کہ صور احتراق میں انقاد وانطفا کے سواسب کو شامل یعنی بقیہ جسم بعد زوال بعض با حتراق۔ باایں معنی احجار مکلسہ بھی اس میں داخل، تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے:

(رماد) ھو مایبقی من الجسد بعد حرقہ ومنہ ماخص باسم فیذکر کالنورۃ والاسفیداج وماخص باسم الرماد وھوالمذکورھنا[1]۔	رماد۔ کسی جسم کا وہ جز ہے جو اس کے جلنے کے بعد رہ جاتا ہے اس میں سے بعض وہ چیزیں ہیں جن کا کوئی خاص نام پڑ گیا ہو انہیں تو اسی نام کے تحت ذکر کیا جائے گا جیسے نورہ اور اسفیداج اور بعض چیزیں وہ ہیں جن کو رماد ہی کا نام دیا جاتا ہے وہی یہاں مذکور ہیں۔ (ت)

جامع عبداللہ بن احمد مالقی اندلسی ابن البیطار میں جالینوس سے ہے:

الناس یعنون بہ الشیئ الذی یبقی من احتراق الخشب (الی ان قال) والنورۃ ایضا نوع من الرماد[2]۔	لوگوں کے نزدیک اس لفظ سے مراد وہ چیز ہوتی ہے جو لکڑی کے جلنے کے بعد رہ جاتی ہے (یہاں تک کہ کہا) اور نورہ بھی رماد ہی کی ایک قسم ہے۔ (ت)

---

[1] تذکرہ داؤد انطاکی، حرف الراء میں رماد کے تحت مذکور ہے، مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۰

[2] جامع ابن بیطار

دوسرا: متوسط کہ اجزائے رطبہ کثیرہ فی الجزم فنا ہونے کے بعد جو اجزائے یابسہ بچیں رماد ہیں عام ازین کہ جسم بستہ رہے جیسے کوئلہ، یانہیں جیسے لکڑی کی راکھ۔اسی قبیل سے ہے رماد عقرب کہ عقرب نر کو لوہے یا تانبے یا مٹی کے برتن میں رکھ کر سر خمیر سے بند کرکے اس تنور میں شب بھر رکھتے ہیں جسے گرم کرکے آگ اس میں سے بالکل نکال لی ہو اور سرِ تنور بند کردیتے ہیں کہ گرمی باقی رہے اور تاکید ہے کہ تنور بہت گرم نہ ہو کہ عقرب خاک نہ ہوجائے[1] **کما فی القرابادین الکبیر والمخزن وغیرھما** (جیسا کہ قرادین کبیر اور مخزن وغیرہما میں ہے۔ت) صبح نکال کر پیس کر سنگِ گردہ ومثانہ وعسرالبول وغیرہا کے لیے استعمال کرتے ہیں اور' شرعًا ناجائز ہے۔

تیسرا: خاص ترخاکستر کہ جسم کثیر الرطوبات اتنا جلایا جائے کہ رطوبات سب فنا ہوجائیں اور جسم ریزہ ریزہ ہو یا ہاتھ لگائے ہوجائے کہ رطوبت باعثِ اتصال وتماسک ہے یعنی اجزامیں باہم گرفت ہونا اور یبوست باعث تفتت وتشتت یعنی ریزہ ریزہ ومنتشر ہونا جیسے گندھا ہوا آٹا اور خشک۔تاج العروس میں ہے:

الرماد دقاق الفحم من حراقة النار وما ھبا من الجمر فطار دقاقا[2] اھ وفی القاموس الفحم الجمر الطافی[3] اھ **اقول:** اصاب فی جعل الرماد دقاقا وفی (۲) اضافتھا الی الفحم نظر فالفحم المدقوق لایسمی رمادا وانما ھو ما ذکرنا من اجزاء الجسم الیابسة المتفتتة بعد الاحراق التام۔	(رماد) آگ سے جلی ہوئی چیز کے کوئلے کے ریزے اور انگارے میں سے وہ جو غبار ہو کر ریزہ ریزہ اڑے اھ۔اور قاموس میں ہے **الفحم**۔بجھا ہوا انگار (یعنی کوئلہ) اھ۔(ت) **اقول:** تاج العروس میں "**رماد**" ریزوں کو بنانا تو درست ہے مگر کوئلہ کی طرف اس کی اضافت محلِ نظر ہے کیونکہ پِسے ہوئے کوئلہ کو رماد (راکھ) نہیں کہا جاتا۔رماد وہی ہے جو ہم نے بتایا یعنی جسم کے وہ اجزا جو مکمل طور سے جلانے کے بعد خشک اور ریزہ ریزہ ہوجائیں۔(ت)

عرف عامہ میں رماد کا زیادہ اطلاق اسی صورت اخیرہ پر اس وجہ سے ہے کہ وہ غالبًا اس سے لکڑی کی راکھ مراد لیتے ہیں **کما تقدم عن ابن البیطار عن جالینوس** (جیساکہ ابن بیطار سے

[1] مخزن لادویہ فصل الراء مع المیم مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۳۱۱

[2] تاج العروس فصل الراء من باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

[3] القاموس المحیط باب المیم فصل الفاء مطبع مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۶۰

بحوالہ جالینوس بیان ہوا۔ت) اور وہ ایسی ہی ہوتی ہے یہاں اس سے مراد معنی اوسط ہے کہ اس شکل ثالث کو بھی شامل۔

(۳) لین، ذوبان، انطباع سب سے مراد وہ حالت ہے کہ آگ سے جسم منطرق میں پیدا ہوتی ہے منطرق وہ جسم کہ مطرقہ یعنی ہتھوڑے کی ضرب سے متفرق نہ ہو بلکہ بتدریج عمق میں دبتا اور عرض وطول میں پھیلتا جائے جیسے سونا، چاندی، تانبا وغیرہا اجساد سبعہ۔ظاہر ہے کہ یہ آگ سے نرم ہوتے ہیں یہ لین ہوا اور ضرب مطرقہ سے متعفتت نہیں ہوتے بلکہ جیسی گھرٹ منظور ہو قبول کرتے ہیں یہ انطباع ہو اور زیادہ آنچ دی جائے تو پگھل جاتے ہیں یہ ذوبان ہوا۔رہا یہ کہ لین وذوبان وانطباع تواور اجسام میں بھی ہوتے ہیں پھر خاص اجساد منطرقہ کی کیا خصوصیت اور اس تخصیص پر کیا حجت۔

اقول: اس کا فوری جواب تو یہ ہے کہ یہ تینوں محض اوصاف ہیں صلابت وجمود وامتناع کے مقابل ان سے ذاتِ اجزائے جسم پر کوئی اثر نہیں بخلاف احتاق بمعنی فساد بعض کہ اکثر وہی متبادر کہ اس میں نفسِ اجزاپر اثر ہے اور تردّد میں تواور اظہر۔علمائے کرام نے دو شقیں فرمائی ہیں:

ایک میں احتراق وترمّد رکھا یہ وہ ہے جس میں خود بعض اجزا کا جل جانا فنا ہو جانا ہے۔

دوسری میں لین، ذوبان، انطباع۔تو یہ وہ ہیں جن کا ذاتِ اجزا پر اثر نہیں یعنی تمام اجزا برقرار رہیں اور جسم نرم ہو جائے گھڑنا قبول کرے یا بہہ جائے یہ نہیں ہوتا مگر انہیں اجساد منطرقہ میں۔غیر منطرق میں جب آگ اتنا اثر کرے کہ اسے نرم کردے قابلِ عمل کردے گلا پگھلادے تو ضرور اس کی بعض رطوبتیں جلائے گی سب اجزا برقرار نہ رہیں گے بخلاف منطرقات کہ ان کی رطوبتیں بہہ جانے پر چرخ کھانے سے بھی کم نہیں ہوتیں۔سہل سا بالائی جواب تو یہ ہے اور بتوفیقہ تعالٰی تحقیق انیق وتدقیق دقیق منظور ہو جو نہ صرف ان اوصاف ثلٰثہ بلکہ خمسہ میں ان معانی کا مراد ہونا واضح کردے تو وہ بعونہ تعالٰی استماع چند نکات سے ہے جو بفضلہٖ عزوجل قلب فقیر پر فائض ہوئے۔

نکتہ اولٰی: **اقول وبربی استعین** (میں کہتا ہوں اور اپنے رب ہی سے مدد کا طالب ہوں۔ت) منطبع ہونے کو شَے کا صرف صالح قبول صورت ہونا کافی نہیں ورنہ ہر رطب حتی کہ پانی بھی منطبع ہو کہ سہولت تشکل لازمہ رطوبت ہے بلکہ اس کے ساتھ حفظ صورت بھی درکار۔قبول کو رطوبت چاہیۓ اور حفظ کو اجزا کا تماسک، کہ جس صورت پر کردیا جائے قائم رہے یہ دونوں منشا اگر شے میں خود موجود ہیں جب تو وہ آپ ہی صالح انطباع ہے اور اگر ایک ہے دوسرا نہیں تو وہ دوسرا جس سے پیدا ہو اس کا انطباع اس کی طرف منسوب ہوگا کہ اس نے اسے منبع کیا مثلاً شیئ متماسک الاجزا میں صلابت مانع قبول صورت ہے، پانی نے اس قابل کیا جیسے چاک کی مٹی تو وہ منطبع بالماء ہے یا آگ سے جیسے تپایا ہوا لوہا تو منطبع بالنار یا نرم شے

میں فرط رطوبت مانع حفظ صورت ہے مٹی کے ملانے یاآگ کے سکھانے سے قابل حفظ ہوئی تو منطبع بالطین یا بالنار ہے اور اگر دونوں نہیں اور دوچیزوں کے معًا عمل سے دونوں قوتیں پیدا ہو گئیں تو اس کاانطباع اس مجموعہ کی طرف منسوب ہوگا اور اگر تعاقب ہوا پہلے ایک سے قبول خواہ حفظ کی صلاحیت آگئی پھر دوسری کے عمل سے دوسری تو اس کاانطباع متاخر کی طرف نسبت کیاجائے گا کہ پہلی کے عمل تک وہ شے صالح انطباع نہ ہوئی تھی دوسری کے عمل سے ہوئی شرع' مطہر میں اس کی نظیر کپڑاہے کہ تانے کااعتبار نہیں اگرچہ ریشم کاہو کہ اس وقت تک کپڑانہ ہواتھا بانے نے اسے کپڑاکیاتو اسی کااعتبار ہے بالجملہ انطباع اس کی طرف منسوب ہوگا جس نے صلاحیت انطباع کی تکمیل کی یہاں تک کہ اگر مثلاً قبول کی قوت شے میں آپ تھی اور قوت حفظ پر آگ نے مدد دی مگر اس نے صالح حفظ نہ کردیا بلکہ یہ صلاحیت اس کے بعد دوسری شے سے پیدا ہوئی تو وہ اسی دوسری شے سے منطبع ٹھہرے گی نہ آگ سے۔ یہاں سے ظاہر ہواکہ جتنی چیزوں کو آگ پگھلاکر پانی کرے جس سے وہ سانچے میں قبول صورت کریں ان کا یہ انطباع جانب نار منسوب نہ ہوگا کہ جس سیال۔ حفظ صورت کے کے قابل نہین ہوتا یہ قابلیت سرد ہوکہ آئے گی وکبریت وزرنیخ اور ان کے امثال منطبع بالنار نہیں بلکہ شکر کا قوام بھی کہ اگرچہ رقّت اس میں آپ تھی جس سے صالح قبول صورت تھا اور نار نے صلاحیت حفظ صورت پر مدد دی کہ لزوجت پیدا کی جو وجہ تماسک اجزا ہے مگر حفظ کے لیے جو بیس درکار تھے اس کی مانع رہی کہ نار موجب ذوبان ہے نار سے جداہو کر جب ہوالگی سرد ہونے نے صلاحیت حفظ دی تو یہ بھی انطباع بالنار نہ ہوا شکّر کے کھلونے اور زیادہ بڑے بتاسے توسانچے میں بنتے ہیں چھوٹے اور متوسط قوام کی بوندیں چادر پر گراکر مگر جب تک آگ سے جداہو کر ہوانہیں لگتی حفظ صورت کی صلاحیت نہیں آتی۔

ہاں شے کے منطبع بالنار کہلانے کو یہ ضرور نہیں کہ ہمیشہ اسی سے منطبع ہو بلکہ صرف اتناکافی کہ فی نفسہٖ ان میں ہو جو منطبع بالنار ہوسکتے ہیں اگرچہ کبھی منطبع بالغیر بھی ہو توچرخ کھاکر سونے چاندی کاسانچے میں منطبع بالبرد ہونا انہیں اجساد منطبعہ بالنار سے خارج نہیں کرتا۔

تنبیہ: اب صلاحیت ذوبان وانطباع بالنار میں نسبت عموم من وجہ ایسے جرم کے ثبوت پر موقوف کہ آگ سے نرم ہو کر قابل شکل ہو اور ساتھ ہی فی نفسہٖ ہر دی ہوئی صورت کاحفظ کرسکے اور آگ کتنا ہی عمل کرے اسے بہانہ سکے یہ حیز خفامیں ہے واللہ تعالٰی اعلم جب یہ نہ ہو ظاہراذوبان انطباع سے عام مطلقاً ہے **والعلم عند ذی الجلال بحقیقۃ کل حال** (اور ہر حالت کی حقیقت کاعلم بزرگی وجلال والے ہی کو ہے۔ت)

نکتہ ثانیہ ۲: اقول: جسم کے اجزائے رطبہ ویابسہ سے مرکب ہو اس کا

امتزاج دو قسم ہے، ضعیف جس کی گرہ کھل جائے اجزائے رطبہ و یابسہ سے جدا ہو جائیں، اور شدید الاستحکام کہ آگ جس کا فعل تفریق ہے ان کی گرہ کھولنے پر قادر نہ ہو۔

قسم اوّل میں تین [3] صورتیں ہیں:

(۱) جسم کے اجزائے یابسہ لطیف ہیں کہ آگ انہیں بھی رطبہ کے ساتھ اڑادے گی اس صورت میں تو جسم فنا ہو جائے گا جیسے رال، گندھک، نوشادر، اسے انتفا یا نفاد کہیے یہ بھک اڑ جانے والے مادوں میں اکثر ہوتا ہے۔

(۲) اس میں اجزائے رطبہ بہ نسبت اجزائے ارض بہت کم ہیں جیسے[1] پتھر کہ اجزائے ارضیہ رقیقہ ہی سے بنتا ہے اور انہیں کا حصہ کثیر و غالب ہے، لزج یعنی چپک دار رطوبتوں سے انہیں اتصال ہوا اور عمل حرارت سے یبوست آئی بار باریوں ہو کر لزوجت کے باعث اجزا میں کتناز آکر سخت جسم پیدا ہو جس کا نام حجر ہے ازانجا کہ ترکیب شدید الاستحکام نہیں آگ تاحدِ تاثیر اجزائے رطبہ کو جدا کرے گی اور وہ اکتناز کہ بوجہ (موجب تھا کم ہو کر جسم میں قدرے تخلخل آئے گا باقی تحجر بدستور رہے گا یہ صورت تکلیس احجار کی ہے۔

(۳) اجزائے رطبہ بھی بکثرت تھے آگ انہیں فنا کرکے ایک بڑا حصہ جسم کا معدوم کرے گی جو رہ گیا وہ رماد اور اس طرح جلنے کا نام **ترمُّد** ہے، ظاہر[2] ہے کہ ان تینوں صورتوں میں انطباع بالنار نہ ہوسکے گا اول میں تو بدیہی کہ جس فنا ہی ہو گیا اور سوم میں بوجہ تفتت وتشتت حفظ صورت کی قوت باقی نہیں دوم میں وہ لین نہیں کہ قبول صورت کرے بوجہ صلابت عمل قلیل قبول نہ کرے گا اور ضرب شدید سے متفتت ہو جائے گا۔ ہاں لین ان سب صورتوں میں ہوگا کہ گرہ نرم ہی ہو کر کھلتی ہے اور بعض صورتوں میں ذوبان بھی ہوگا جیسے گندھک پہلے نرم پڑتی پھر بہتی پھر فنا ہو جاتی ہے۔

قسم دوم میں دو صورتیں ہیں جن میں پہلی دو[2] ہو کر تین ہو جائیں گی۔

(۱) گرہ اس قدر شدید محکم ہو کہ آگ اسے سست بھی نہ کرسکے۔ یہاں اگر جسم پر رطوبت غالب ہو آگ پر قائم ہی نہ رہے گا کہ متنافیین جمع نہیں ہوتے، یہ سیماب ہے۔

اقول: اس کے قائم علی النار نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ آگ کا فعل تصعید ہے یعنی رطوبات کو جانبِ آسمان پھینکنا ان رطوبتوں پر بھی اس نے اپنا کام کیا اور یبوستیں جدا نہ ہو سکیں لہٰذا سارا جسم بقدر عمل حرارت یونہی گرہ بستہ اڑا اور اپنی حالت پر برقرار رہا بخلاف صورت اول قسم اول کہ وہاں بھی اگرچہ اجزائے یابسہ بوجہ لطافت ہمراہ رطبہ خود بھی اڑے مگر گرہ کشادہ منتشر لہٰذا جسم ہباء منثور ہو گیا۔ اور اگر رطوبت غالب نہیں تو جسم آگ سے صرف گرم ہو گا ترکیبِ اجزا پر کچھ اثر نہ پڑے گا جیسے لعل یاقوت ہیرا یا طلق بھی جسے ابرک کہتے ہیں

آگ اس کی بھی گرہ نہیں کھول سکتی مگر حیل وتدابیر خارجیہ سے۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں لین، ذوبان، ترمُّد کچھ نہ ہوسکے گا کہ گرہ بدستور رہے گی تو انطباع نہ ہوسکنا بھی ظاہر کہ وہ بے لین نامتصور اور صورت غلبۂ رطوبت یعنی سیلاب میں اگرچہ لین خود موجود مگر وہی غلبہ رطوبت مانع حفظ صورت تو اس میں قابلیت انطباع یوں ہوتی کہ آگ اس کی رطوبتیں اتنی خشک کردے کہ اس میں "یبس" **قابل** حفظ صورت پیدا ہوجائے یہ اسی گرہ کھلنے پر موقوف اور وہ یہاں منتفی اس حالت کانام **امتناع** رکھیے نہ بایں معنی کہ اثر نار اصلاً قبول نہ کیا کہ تصعید یا سخونت تو ہوئی بلکہ بایں معنی کہ ترکیب اجزا پر اس کا کوئی اثر نہ لیا۔

(۲)[1] آگ گرہ سست کرسکے مگر جسم میں دہنیت اس درجہ قوی ہو کہ کھلنے نہ دے جیسے سونا چاندی کہ آگ سے پانی ہوسکتے ہیں مگر ان کی رطوبت ویبوست جدا نہیں ہوسکتی۔ان میں نار کا اثر اول لین ہوگا کہ نرم پڑ کر مطرقہ یعنی ہتھوڑے کی ضرب سے متاثر بھی ہوں گے اور اپنی شدّت دہنیت کے باعث مجتمع بھی رہیں گے متفتت ومتفرق نہ ہوسکیں گے لاجرم عمق میں دبتے ہوئے عرض وطول میں بتدریج پھیلیں گے اسی کا نام انطراق ہے یعنی زیر مطرقہ صابر ہونا اور صرف[2] یہی ایک صورت انطباع بالنار کی ہے، حفظ صورت کا مادہ خود ان کی ذات میں تھا صلابت مانع قبول صورت تھی آگ نے نرم کرکے اس کے قابل کردیا اور کار انطباع تمام ہوگیا۔ان[3] پر نار کا اثر انتہائی ذوبان ہوگا کہ گرہ زیادہ سست ہو کر اجزائے رطبہ اڑنا چاہیں اور بوجہ امتناع تفرق اجزائے یابسہ انہیں اڑنے نہ دیں گے لہٰذا صورتِ سیلان پیدا ہوگی جیسا کہ بیانِ ذوبان میں گزرا بلکہ اگر اجزائے لطیفہ وکثیفہ قریب تعادل ہیں تو ان کی تکافی قوت اس حرکتِ سیلان کو مستقیمہ بھی نہ ہونے دے گی بشکل مستدیرہ ظاہر ہوگی اسی کا نام دوران یا چرخ کھانا ہے جس طرح ذہب فضہ میں مشہور ہے۔

نکتہ ثالثہ[4] **اقول:** لین وذوبان کہ قسم دوم میں ہیں نار کے آثار اصلیہ ہیں اور انطباع ودوران ان کے توابع اور لین وذوبان کہ قسم اول میں ہیں آثارِ اصلیہ نہیں بلکہ تابع ہیں۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ نار کا اثر اصلی تصعید ہے یعنی جسم کو اوپر پھینکنا۔قسم اول میں آگ اس پر قادر ہوئی خواہ سارے جرم کو لے گئی کہ نفاد ہے یا رطوبت قلیلہ کو کہ تکلیس یا کثیرہ کو کہ ترمد تو یہ آثارِ اصلیہ ہوئے اگرچہ ان کے ضمن میں لین وذوبان پیدا ہوجائیں۔قسم دوم میں بحال غلبہ رطوبت آگ تصعید کلّی پر قادر ہوئے یہ خود اثر اصلی ہے ورنہ صرف تسخین یعنی گرم کرسکی تو یہاں اسی قدر اثر اصلی ہوگا کہ آگ اس سے زیادہ نہیں کرسکتی ان دونوں صورتوں کو لین وذوبان سے علاقہ نہیں۔رہیں قسم دوم کی اخیر دو صورتیں ان میں آگ کا اثر ہی یہی لین وذوبان ہیں کہ آگ یہاں اسی قدر پر قادر تو یہ خود ہی آثار اصلیہ ہیں اور انطباع وانطراق تابع لین کہ اس پر موقوف ہے

اور دوران تابع ذوبان کہ اس پر متوقف ہے تو یہی لین وذوبان آثار اصلیہ کے ساتھ شمار ہونے کے قابل اور وہ جو پہلی قسم میں ہیں ضمنی وتابع اور اپنی اپنی صورتوں کے لازم ملازم ہونے کے باعث صلاحیت میں ان سے جدا کوئی حکم نہ پیدا کریں گے ان[1] کے لین وذوبان انحلال گرہ ہیں جو شئ نفاد یا تکلس یا ترمد کی صالح ہوگی ضرور اس لین یا ذوبان کی بھی صالح ہوگی جو ان کے ضمن میں ہوتا ہے اور جو شئ لین وذوبان وانحلال کی صالح ہوگی ضرور ان تین میں سے کسی کی صلاحیت رکھے گی تو انہیں مستقل لحاظ کرنے کی نہ کوئی وجہ نہ کہیں حاجت۔ فقیر نے اپنے اس دعوے کی کہ لین عــہ وذوبان آثارِ نار میں گنیں گے تو ان سے یہی لین وذوبان قسم دوم مراد ہوں گے جن کو لین وذوبان تعقد کہئے کہ گرہ نہ کھلنے میں پیدا ہوئے نہ قسم اول والے جو لین وذوبان انحلال تھے کہ گرہ کھلنے میں حادث ہونے کلام علماء میں تصدیق پائی وللہ الحمد، یہ اقسام واحکام جس طرح قلبِ فقیر پر فیض قدیر عزجلالہ سے فائز ہوئے لکھ کر مقاصد و مواقف اور ان کی شروح کا مطالعہ کیا اور اپنے بیان میں ذکر دَوران انہیں سے لے کر بڑھایا **والفضل للمتقدم** (اور فضیلت اگلے کے لیے ہے۔ت) ان کی مراجعت نے ظاہر کیا کہ قاضی عضد وعلامہ تفتازانی و علامہ سید شریف رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ احکام اقسام میں مسلک فقیر سے جدا چلے مگر لین وذوبان قسم دوم ہی میں رکے اور یہی ہمیں مقصود تھا ان اکابر اور اس فقیر کے بیان میں فرق یہ ہے کہ فقیر نے قسم اول میں تین حکم رکھے: نفاد، تکلس، ترمُّد۔ اور قسم دوم میں چار صعود کل بمعنی عدم قرار اور سخونت ولین وذوبان انہوں نے بالاتفاق قسم اول میں صرف تفریق رکھی اور قسم دوم میں مواقف و شرح نے لیے یہی چار کہ فقیر نے ذکر کیے مگر صعود کل میں نفاد رکھا جسے فقیر نے قسم اول میں ذکر کیا اور دوران کو سیلان ہی میں لائے جس طرح فقیر نے ان کے اتباع سے کیا اور شرح مقاصد نے اس قسم میں پانچ حکم لیے چار اس طور پر کہ مواقف میں تھے مگر انہوں نے لین وسیلان کو دو[2] مختلف قسموں کے احکام رکھا اور انہوں نے دونوں کو ایک قسم کے دو[2] حکم لیا اور دوران کو سیلان یعنی ذوبان سے جدا پانچواں حکم قرار دیا۔

عــہ: دوبارہ ذوبان اس کا شاہد وہ بھی ہے کہ انطاکی نے تذکرہ میں زیر لفظ معدن تقسیم معدنیات میں کہا:

ان حفظت المادة بحيث يذوب فالمنطرقات[1] الخ فقد جعل الذوبان من باب حفظ المادة وماهو الابقاء الاجزاء جميعا رطبها ويابسها ۱۲ منه غفرله۔(م)	اگر مادہ محفوظ رہے اس طرح کہ پگھل جائے تو منطرقات الخ اس عبارت میں پگھلنے کو حفظ مادہ کے باب سے قرار دیا اور یہ اس وقت ہوگا جب سارے خشک وتر اجزاء باقی رہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] تذکرۃ اولی الالباب حرف المیم مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۰

مواقف عـــہ وشرح میں ہے:

(الحرارۃ فیھا قوۃ مصعدۃ) ای محرکۃ الی فق لانھا تحدث فی محلھا الخفۃ المقتضیۃ لذلک (فاذا اثرت (۱) فی جسم مرکب من اجزاء مختلفۃ باللطافۃ والکثافۃ ینفعل اللطیف منہ اسرع فیتبادر الی الصعود الالطف فالالطف دون الکثیف فیلزم منہ تفریق المختلفات ثم الاجزائ(۲)) بعد تفرقھا (تجمع بالطبع) الی ما یجانسھا لان طبائعھا تقتضی الاحرکۃ الی امکنتھا الطبعیۃ ولانضمام الی اصولھا الکلیۃ (فان الجنسیۃ علۃ الضم) کما اشتھر فی الالسنۃ (ھذا اذالم یکن الالتئام بین بسائط ذلک المرکب شدیدا) اما اذا اشتد الالتحام وقوی الترکیب فالنار لاتفرقھا فان کانت الاجزاء اللطیفۃ والکثیفۃ متقاربہ) فی الکمیۃ (کما فی الذھب افادتہ الحرارۃ سیلانا) وذوبانا (وکلما حاول الخفیف صعودا منعہ الثقیل فحدث وتجاذب وفیحدث دوران و ان غلب اللطیف جدا فیصعد	(حرارت کے اندر صعود پیدا کرنے والی قوت پیدا ہوتی ہے) یعنی ایسی قوت جو اوپر کی جانب حرکت پیدا کرتی ہے اس لیے کہ آگ اپنے محل میں خفّت وسبکساری پیدا کردیتی ہے جو اوپر جانے کی مقتضی ہوتی ہے (توجب یہ کسی ایسے جسم میں اثرانداز ہو جو لطافت وکثافت میں اختلاف رکھنے والے اجزا سے مرکب ہو تو اس جسم کا لطیف جز زیادہ جلد اثر پذیر ہو کر صعود کی جانب بڑھے گا پہلے لطیف تو پھر جو لطیف تر ہو مگر کثیف میں یہ اثر پذیری نہ ہوگی جس کی وجہ سے ان مختلف اجزا کی تفریق اور جدائی لازم آئے گی۔ پھر یہ اجزا باہمی جدا کے بعد (طبعًا یکجا ہوں گے) لطیف اپنے ہم جنس کے ساتھ۔ اس لیے کہ ان کی طبیعتیں ان کے مکان طبعی کی سمت حرکت اور ان کے اصول کلیہ سے انضمام اور ملاپ کی مقتضی ہوں گی (اس لیے کہ زبان زد ہے (یہ اس وقت ہوسکے گا جب اس مرکب کے بسیط اجزا میں شدید اتصال وپیوستگی نہ ہو۔ اگر سخت اتصال ہو اور ترکیب مضبوط ہو تو آگ ان اجزا کو جدا نہ کرسکے گی۔ تو اگر لطیف وکثیف اجزا مقدار میں قریب قریب ہوں جیسے سونے میں ہوتا ہے تو حرارت اس میں بہاؤ اور پگھلاؤ پیدا کردے گی

عـــہ: قاضی بیضاوی نے بھی طوالع الانوار میں اسی کا اتباع کیا مگر نوع (۳) چہارم طلق والی کو مطلق ذکر نہ کیا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ویستصحب الکثیف لقلتہ کالنوشادر) فانہ اذا اثرت فیہ الحرارۃ صعد بالکلیۃ (اولا) یغلب اللطیف بل الکثیف لکن لایکون غالبا جدا (فتفیدہ) الحرارۃ (تلیینا کما فی الحدید وان غلب الکثیف جدالم یتأثر) بالحرارۃ فلایذوب ولایلین (کالطلق) فانہ یحتاج فی تلیینہ الی حیل یتولاھا اصحاب الاکسیر من الاستعانۃ بما یزیدہ اشتعالاکالکبریت والزرنیخ ولذلک قیل من حل الطلق استغنی عن الخلق[1]۔ملخصًا	اور جب بھی ہلکا جز صعود چاہے گا بھاری جز اسے روک دے گا جس سے تجاذب اور باہمی کشاکش پیدا ہوگی تو دوران (چرخ ہونے اور گول ہونے) کی صفت رونما ہوگی۔اور اگر لطیف جز زیادہ غالب ہوگا تو صعود ہو جائے گا اور کثیف کو بھی اس کے قلیل ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھ لے جائے گا جیسے نوشادر میں ہوتا) اس لیے کہ اس میں جب آگ اثر کرتی ہے تو پورا ہی اوپر چلا جاتا ہے (یا لطیف غالب نہ ہوگا) بلکہ کثف غالب ہوگا لیکن بہت زیادہ غالب نہ ہوگا (تو حرارت اس میں نرمی پیدا کر دے گی جیسا کہ لوہے میں ہوتا ہے۔اور اگر کثیف بہت غالب ہو تو حرارت سے متاثر ہی نہ ہوگا) نہ پگھلے گا نہ نرم ہوگا (جیسے طلق یعنی ابرک) کہ اسے نرم کرنے کے لیے کچھ خاص تدبیریں کرنی پڑتی ہیں جو اکسیر بنانے والے عمل میں لاتے ہیں کہ ایسی چیز کی مدد لیتے ہیں جو اسے زیادہ شعلہ زن کردے جیسے کبریت اور زرنیخ کی مدد لیتے ہیں۔اسی لیے کہا جاتا ہے: جو طلق (ابرک) کی گرہ کھول لے وہ مخلوق سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔(ت)

شرح مقاصد عہ میں ہے:

الخاصۃ الاولیۃ للحرارۃ احداث	حرارت کی پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ خفّت

عہ: بعینہٖ اسی طرح شرح تجرید میں ہے انہوں نے حرف بحرف علّامہ کا اتباع کیا مگر اطلق کے ساتھ ایک مثال نورہ اور بڑھائی۔

حیث قال وانکان غالبا جدا کما فی الطلق و النورۃ حدث مجرد سخونۃ واحتیج فی تلیینہ الی الاستعانۃ باعمال الخ	انہوں نے کہا اور اگر بہت غالب جیسے طلق اور نورۃ میں تو صرف گرمی پیدا ہوسکے گی اور اس میں نرمی لانے کے لیے دوسرے عملوں کی ضرورت ہوگی الخ (ت)

اقول: (ا) یہ اضافہ غلط ہے نورہ میں ضرور لین آجاتا ہے کہ تکلیس کی غرض ہی یہ ہے کمامر ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] شرح المواقف المقصد الاول فی الحرارۃ المطبعۃ السعادۃ مصر ۵/ ۱۷۱تا۱۷۴

الخفة والمیل المصعد ثم یترتب علی ذلك باختلاف القوابل اٰثار مختلفة من الجمع والتفریق والتبخیر وغیرذلك وتحقیقه ان مایتاثر عن الحرارة ان کان بسیطاً استحال اولاًفی الکیف ثم افضی به ذلك الی انقلاب الجوھر،وان کان مرکباً فان لم یشتد التحام بسائطه ولاخفاء فی ان الا لطف اقبل للصعود لزم تفریق الاجزاء المکتلفة وتبعه انضمام کل الی مایشاکله بمقتضی الطبیعة وھو معنی جمع المتشاکلات وان اشتد فان کان اللطیف والکثیف قریبین من الاعتدال حدثت من الحرارة القویة حرکة دوریة لانه کلما مال اللطیف الی التصعد جذبه الکثیف الی الانحدار والافان کان الغالب ھو اللطیف یصعد بالکلیة کالنوشادروان کان ھو الکثیف فان لم یکن غالباً جداحدث تسییل کما فی الرصاص اوتلیین کما فی الحدید وان کان غالباً جد کما فی الطلق حدث مجرد سکونة واحتیج فی تلیینه الی الاستعانة باعمال اُخر [1]۔ملخصاً

اور اوپر لے جانے والا میدان پیدا کرتی ہے پھر اثر قبول کرنے والے اجسام کے اختلاف کے لحاظ سے جمع، تفریق، تبخیر وغیرہ مختلف آثار اس پر مترتب ہوتے ہیں۔اس کی تحقیق یہ ہے کہ حرارت سے متاثر ہونے والا جسم اگر بسیط ہو تو پہلے اس کی کیفیت میں تغیّر ہوگا پھر یہ اسے جوہر کی تبدیلی تک پہنچائے گا۔اور اگر مرکب ہو تو اگر اس کے بسیط اجزا کا باہمی اتصال شدید نہ ہو۔اور یہ بھی مخفی نہیں کہ جو جتنا زیادہ لطیف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ صعود قبول کرتا ہے۔تو مختلف اجزا کی تفریق اور جدائی لازم آئے گی اور اس کے پیچھے ہر ایک کا بلحاظ اقتضائے طبیعت اپنے ہم شکل کے ساتھ انضمام بھی ہوگا۔جمع تشاکلات اور ہم شکلوں کی یکجائی کا یہی معنی ہے۔اور اگر اتصال شدید ہو تو اگر لطیف وکثیف قریب بہ اعتدال ہوں تو قوی حرارت سے حرکت دوریہ (گردش وچرخ والی حرکت) پیدا ہوگی اس لیے کہ جب بھی لطیف اوپر چڑھنے کی طرف مائل ہوگا کثیف اسے پستی کی طرف کھینچے گا۔ورنہ اگر غالب لطیف ہو تو بالکلیہ صعود پا جائے گا اور اوپر چلا جائے گا جیسے نوشادر۔اور اگر غالب کثیف ہو تو اگر بہت غالب نہ ہو تو بہاؤ پیدا ہوگا جیسے رصاص میں ہوتا ہے یا نرمی پیدا ہوگی جیسے لوہے میں رونما ہوتی ہے۔اور اگر بہت غالب ہو جیسے طلق (ابرک) میں۔تو محض گرمی پیدا ہوسکے گی اور اس میں نرمی لانے کے لیے دوسرے عملوں سے مدد لینے کی ضرورت ہوگی۔(ت)

[1] شرح المقاصد المبحث الاوّل الخ (بحث کیفیاتِ محسوسہ) دار المعارف العمانیہ لاہور ۱/ ۲۰۲

یہاں دو اختلاف باہم دونوں کتابوں میں ہوئے انہوں نے قسم دوم یعنی شدید الاستحکام کی چار نوعیں کی:

(۱) معتدل جس میں اجزائے لطیفہ و کثیفہ تقریبًا برابر ہوں۔

(۲) لطیف بالغلبہ جس میں اجزائے لطیفہ بہت غالب ہوں۔

(۳) کثیف متقارب جس میں اجزائے کثیفہ غالب ہوں مگر نہ بشدّت۔

(۴) کثیف متفاحش جس میں کثیفہ بشدت غالب ہوں یہاں تک متفق ہیں مگر موافقت نے معتدل کا حکم سیلان رکھا اور دوران کو اسی کا تابع کیا اور کثیف متقارب کا حکم صرف لین رکھا اور شرح مقاصد نے معتدل کا حکم فقط دوران لیا اور کثیف متقارب میں کہیں سیلان کہیں لین کیا۔

اقول: صحیح[1] یہ ہے کہ دوران نہیں مگر ایک حالت سیلان جیسا کہ مواقف نے کیا اور سیلان[2] نوع اول سے ہرگز خاص نہیں سوم میں بھی یقینا ہے جیسا شرح مقاصد نے کہا اور لین اگر بمعنی صلاحیت نرمی لیا جائے تو دونوں کو عام اور اگر بایں معنی ہو کہ صرف نار بلاحیلہ اس سے زیادہ عمل نہ کرے تو بے شک صرف نوع سوم سے خاص جیسا دونوں نے کیا[3] بلکہ اس کے بھی بعض افراد سے جیسا شرح مقاصد نے کہا اور پانچ[عہ] اختلاف بیان فقیر کو ان بیانات اکابر سے ہوئے:

(۱) فقیر نے قسم اوّل یعنی ضعیف الترکیب میں تین[۳] حکم رکھے نفاد، تکلس، ترمُّد۔ انہوں نے صرف ایک حکم لیا تفریق۔ یہ کوئی اختلاف نہیں کہ تینوں حکم اسی تفریق کی شکلیں ہیں۔

(۲) فقیر نے نفاد قسم اوّل میں رکھا اور بیشک اس میں[4] ہے جس پر کبریت شاہد اور کبریت کا ضعیف الترکیب ہونا خود انہیں کتب سے ظاہر۔ شرح مواقف میں مباحث مشرقیہ امام رازی سے ہے:

الاجسام المعدنیة اماقویة الترکیب وح امانیکون منطرق اما لغایة رطوبته کالزیبق اولغایة یبوسته کالیاقوت ونظائرہ،واما ضعیفة الترکیب فاما ان تنحل بالرطوبة وھو الذی یکون ملحی الجوھر کالزاج	معدنی اجسام یاتو قوی الترکیب ہوتے ہیں۔ اور اس وقت یاتو منطرق ہوتے ہیں۔ یہ اجسام سبعہ ہیں۔ یا منطرق نہیں ہوتے۔ غایت رطوبت کی وجہ سے جیسے پارہ یا غایت یبوست کی وجہ سے جیسے یاقوت اور اس کے نظائر۔ یا ضعیف الترکیب ہوتے ہیں پھر یو تو رطوبت کی

عہ: پانچ گنائے ہیں ان میں پہلا حقیقۃً اختلاف نہیں چار رہے ان میں چوتھا دو ہو کر پھر پانچ ہوگئے ۱۲منہ غفرلہ (م)

ولنوشادر والشب اولاتنحل وھوالذی یکون دھنی الترکیب کالکبریت والزرنیخ[1]۔	وجہ سے گھل جاتے ہیں۔ یہ وہ جو نمک والا جوہر رکھتے ہیں جیسے زاج، نوشادر اور شب۔ یا گھلتے نہیں۔ یہ وہ ہیں جو دُہنی (روغن والی) ترکیب رکھتے ہیں جیسے کبریت اور زرنیخ۔ (ت)

شرح مقاصد میں ہے:

الذائب المشتعل ھو الجسم الذی فیہ رطوبت دھنیۃ مع یبوسۃ غیرمستحکم المزاج ولذلك تقوی النارعلی تفریق رطبہ عن یابسہ وھوالاشتعال وذلك کالکبریت والزرنیخ[2]۔	شعلہ زن پگھلنے والا وہ جسم ہوتا ہے جس میں یبوست کے ساتھ دہنی رطوبت ہو مستحکم المزاج نہ ہو اسی لئے آگ اس کے رطب کو یابس سے جدا کرنے کی قوت رکھتی ہے اور یہی اشتعال ہے اس کی مثال کبریت اور زرنیخ ہے۔ (ت)

انہوں نے قسم دوم میں صعود بالکلیہ رکھا اور وہ فی نفسہٖ حق تھا وہ وہی ہے کہ بیان فقیر میں عدم قرار علی النار سے تعبیر اور سیماب سے ممثل ہوا مگر ان اکابر عہ نے نوشادر سے ممثل کیا جس سے ظاہر کہ صورت نفاد بھی اسی میں لیتے ہیں کہ نوشادر میں یہی واقع ہے۔

اقول: اوّلاً: استحکام ترکیب کے منافی کہ جب گرہ نہ کھلے گی جسم نفاد نہ پائے گا۔

ثانیا: نوشادر[۲] ہرگز قوی الترکیب نہیں پھر اسے اس قسم میں شمار فرمانا صریح سہو ہے اس کا ضعیف الترکیب ہونا ابھی شرح مواقف سے بحوالہ امام رازی گزرا۔ اہل فن تصریح کرتے ہیں کہ وہ چار[۳] معدنیات غیر کامل الصورۃ سے ہے کہ زاجات واملاح ونوشادرات وشبوب ہیں۔ تذکرہ داؤد میں زیر شب ہے:

قال اھل التحقیق لمولدات التی لم تکمل صورھا من المعدنیات اربعۃ اشیاء شبوب واملاح ونوشادرات وزاجات[3]۔	اہل تحقیق کا قول ہے کہ وہ مولّدات جن کی صورتیں کامل نہ ہوئیں معدنیات میں سے چار چیزیں ہیں: شب، ملح، نوشادر، زاج۔ (ت)

عــہ: اصفہانی نے شرح طوالع الانوار میں لفظ کی مثال دی یہ بھی اسی نفاد کی طرف گئے ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)

---

[1] شرح مواقف الفصل الثانی فیمالانفس لہ من المرکبات المطبعۃ السعادۃ مصر ۷/ ۱۷۳

[2] شرح المقاصد المبحث الاول المعدنی دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۳۷۴

[3] تذکرہ داؤد انطاکی (حرف الشین) شب کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۰۹

(۳) فقیر نے اس قسم دوم کی تین قسمیں کیں:

(i) شدید الاستحکام متفاحش رطب یہ سیماب ہے اور ان کی انواع اربعہ سے نوع دوم لطیف بالغلبہ۔

(ii) متفاحش یابس جیسے یاقوت وغیرہ یہ ان کی انواع سے نوع چہارم ہے۔

(iii) شدید الاستحکام متقارب یہ اُن کی نوع اوّل وسوم ہیں اور یونہی[1] چاہئے تھا کہ اقسام بحسب احکام ہیں مواقف نے سیلان معتدل سے خاص جانا اور لین کثیف متقارب سے اور شرح مقاصد نے دوران معتدل سے خاص جانا اور سیلان ولین کثیف متقارب سے لہٰذا انہیں دو جدا قسمیں کرنی ہوئیں، اور[2] حق یہ کہ یہ تخصیصات نہیں لہٰذا فقیر نے ان کو ایک ہی نوع کیا ہاں اگر ثابت ہو کہ بعض چیزیں صرف نرم ہوتی ہیں بہتی نہیں تو البتہ لین وذوبان کے لیے دو[3] نوعیں کرنی ہوں گی مگر وہ ثابت نہیں۔

(۴) فقیر نے اول کا حکم عدم قرار علی النار رکھا انہوں نے صعود کل کہا دوم کا ان کی طرح سکونت سوم میں لین وذوبان ودوران جمع کیے، یہ مقاصد کے یوں موافق ہوا کہ اس کی وہ دونوں نوعیں اسی میں آگئیں اور یوں مخالف کہ دوران کو سیلان ہی کی فرع ٹھہرایا نہ کہ حکم مستقل، اور مواقف کے یوں موافق ہوا کہ دوران وسیلان جدا حکم نہ ٹھہرائے اور یوں مخالف کہ انہوں نے اس میں صرف لین رکھا۔

(۵) دونوں کتابوں نے اجزائے خفیفہ وثقیلہ کے تجاذب کو علت دوران رکھا اور فقیر نے اسی کو نفسِ سیلان کی علت رکھا تھا اور ان کے مطالعہ کے بعد کہ دوران بڑھایا اس کی علت میں اس پر تکافی قوتین کو اضافہ کیا متامل[3] پر روشن کہ یہی اظہر وازہر ہے اور باقی احکام میں صحت بحمداللہ تعالیٰ احکام فقیر کی طرف اوپر بیان ہوچکی۔

وللہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ* والصلاۃ والسلام علی المولی الکریم واٰلہ وصحبہ وذوبہ*	اور خدا ہی کے لیے حمد ہے کثیر پاکیزہ برکت والی حمد، اور درود وسلام ہر کرم والے آقا اور ان کی آل، اصحاب اور ان کے سارے لوگوں پر۔(ت)

بحمدہ تعالیٰ ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ انطباع بالنار اور لین وذوبان کہ آثارِ نار میں شمار ہوتے ہیں خود ہی صرف منطرقات میں ہوتے ہیں نہ یہ کہ ہوئے اور میں بھی ہیں اور ہم نے منطرقات کی تخصیص کرلی۔

نکتہ رابعہ: (ان آثار میں کیا کیا طبیعت زمین کے مخالف ہے) بحمدہ عزوجل ہمارے بیان سے روشن ہوا کہ ان اجسام میں باعتبار آثار نار جسم کی چھ[6] حالتیں ہیں، تین[3] ضعیف الترکیب میں نفاد، نکلس، تردُّ۔ تین قوی الترکیب میں امتناع، لین وذوبان۔

اقول: ان میں امتناع تو ظاہر ہے کہ طبیعت ارضیہ کے کچھ منافی نہیں بلکہ اس کا مشہور خاصہ ہے یونہی نکلس بھی کہ اس جسم میں ہوتا ہے جس میں اجزائے ارضیہ بکثرت اور رطوبات بہت کم ہیں اور (۴) اعتبار

غالب ہی کا ہے تو وہ جسم جنس ارض ہی سے ہے خانیہ و ظہیریہ و خزانۃ المفتین و حلیہ و جامع الرموز و مراقی الفلاح و در مختار و ہندیہ میں ہے:

التراب اذا خالطه مالیس من اجزاء الارض یعتبرفیه الغلبة [1]۔اھ ونظم الدر لو الغلبة لتراب جازوالالاخانیة ومنه علم حکم التساوی [2]۔	مٹّی میں جب ایسی چیز مل جائے تو جنسِ ارض سے نہ ہو تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہوگا اھ۔اور در مختار کی عبارت یہ ہے: اگر غلبہ مٹی کا ہو تو تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔اور اسی سے اس صورت کا بھی حکم معلوم ہوگیا جس میں دونوں برابر برابر ہوں۔(ت)

اسی طرح نفاد بھی منافی نہیں کہ یہاں نفاد یا انتفا بایں معنی نہیں کہ شَے صفحہ ہستی سے معدوم ہوجائے بلکہ استحالہ جیسے پانی بھاپ ہو کر اُڑ جاتا ہے فنا ہوگیا یعنی برتن خالی کرگیا اب اس میں کچھ نہ رہا یا پانی پانی نہ رہا بخارات ہوگیا اور ۱ معلوم ہے کہ استحالہ چاروں عنصروں پر وارد ہوتا ہے خواہ بلاواسطہ جیسے مجاور کی طرف کہ اجزائے ارضیہ پانی ہوجائیں پانی ہَوا ہَوا آگ یا بالعکس یا ایک واسطہ سے جیسے ارضیہ ہوا، مائیہ آگ اور بالعکس پہلے میں پانی کی وساطت دوسرے میں ہوا کی یا دو ۲ واسطہ سے جیسے ارضیہ آگ اور بالعکس بوساطتِ آب وہوا تو صورتیں بارہ ۳ ہیں کما فی شروح المقاصد والمواقف والتجوید للتفتازانی والسید والقرشجی (جیسا کہ علامہ تفتازانی کی شرح مقاصد، سیّد شریف کی شرح مواقف اور قرشجی کی شرح تجرید میں ہے۔ت) ہر عنصر کے لیے تین جن میں ارض بھی داخل بلکہ اجزائے ۲ ارضہ بلاواسطہ بھی آگ ہوجاتے ہیں

وهو قضیة ما فی المواقف وغیرها ینقلب کل الی الاٰخر بعضها بلاواسطة وهو کل عنصر یشارك اُخر فی کیفیة ویخالفه فی کیفیة [3] اھ ملخصًا فان الارض مع النار کذلك۔	یہی مواقف وغیرہ کی عبارت ذیل کا مقتضی ہے:"ہر عنصر دوسرے سے بدل جاتا ہے بعض کی تبدیلی بلاواسطہ ہوتی ہے اور یہ ہر وہ عنصر ہوتا ہے جو ایک کیفیت میں دوسرے عنصر کا شریک ہو اور دوسری کیفیت میں اس کے مخالف ہو۔"اھ اور نار کے ساتھ ساتھ ارض کا حال یہی ہے۔ت)

(یبوست میں دونوں شریک ہیں اور حرارت وبرودت میں باہم مختلف ۱۲م۔الف)

[1] فتاوٰی قاضیخان فصل بیا یجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲۹/۱

[2] در المختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱۷۷/۱

[3] شرح المواقف المقصد الحادی عشر من القسم الثالث مطبعۃ السعادۃ مصر ۷/۵۶۔۱۵۵

ابن سینا نے اشارات میں یبوستِ نار پر دلیل قائم کی کہ انها اذا خمدت وفارقتها سخونتها تکون منها اجسام صلبة ارضية يقذفها السحاب الصاعق [1] (وہ جب بجھ جائے اور اس سے اس کی گرمی جدا ہو جائے تو اس سے ٹھوس اجسامِ ارضیہ بن جاتے ہیں جنہیں صحاب صاعق گراتا ہے۔ت)

اور یہ مشاہدہ ہے چند سال ہوئے ضلع علی گڑھ میں ایک صاعقہ گرنا مسموع ہوا والعیاذ باللہ تعالٰی جس میں سخت کڑک تھی سرد ہونے پر دیکھا تو لوہا تھا جب آگ بلاواسطہ خاک ہو جاتی ہے خاک بلاواسطہ آگ کیوں نہ ہو گی لاجرم حسین میبذی نے کہا:

صرحوا ان النار القوية تحيل الاجزاء الارضية نارا [2]۔	لوگوں نے تصریح کی ہے کہ طاقتور آگ زمینی اجزاء کو آگ سے تبدیل کر دیتی ہے۔(ت)

یوں بلاواسطہ آٹھ استحالے ہوئے زمین. برودت جا کر آگ یبوست جا کر پانی پانی رطوبت جا کر زمین. برودت جا کر ہَوا ہُوا حرارت جا کر پانی رطوبت جا کر آگ آگ یبوست جا کر ہَوا حرارت جا کر زمین۔ فلاسفہ [1] پیچ کے چھ مانتے ہیں اوّل وآخر کے دو [2] نہ ماننا تحکم ہے تو یہ ارض کے لئے چوتھی صورت ہوئی کہ ابتداء آگ ہو جائے ہاں نہ رطوباتِ کثیرہ جزءِ ارض ہوتی ہیں جن پر ترمّد موقوف نہ دہنیت ماسکہ جس پر لین وذوبان توچھ [۶] میں یہی تین منافی ارضیت ہوئے۔

وبعبارة اخرى ان میں آثار نار پانچ ہیں کہ یا [۱] کل جسم صاعد ہو جائے گا جوہر دو [۲] قسم کی پہلی صورت کو شامل یا [۳] بعض قلیل یا [۴] بعض کثیر یا اصلا نہیں اور متحجر رہے گا کہ ضرب مطرقہ سے بکھر جائے یا [۵] منطبع کہ اس کی ضرب سے متفرق نہ ہو اور بڑھے پھیلے اول منافی ارضیت نہیں کہ اجزاءِ ارضیہ آگ ہو کر سب صاعد ہو جائیں گے نہ دوم کہ بعض قلیل پر اشتمال ارضیت سے خارج نہیں کرتا نہ چہارم کہ یہ خوشانِ ارض ہے۔ ہاں سوم وپنجم کہ زندہ انطباع ہیں منافی ارض ہیں، ولہذا علمائے کرام نے یہی اوصاف لیے جن کے ثبوت سے جنس ارض کا انتفا ہو اور انتفا سے ثبوت ہو فللہ درھم مادق نظرھم (تو خدا ہی کے لیے ان کی خوبی ہے۔ ان کی نظر کیا ہی دقیق ہے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ترمّد جو منافی ارضیت ہے یہی بمعنی اوسط ہے نہ بمعنی اول شامل تکلیس کہ جنس ارض میں بھی حاصل یونہی احتراق کہ منافی ارضیت ہے یہی بمعنی ترمّد ہے ورنہ بمعنی سخونت وتکلس ونفاد خود ارض میں موجود۔

---

[1] شرح اشارات تنبیہ فالجسم البالغ فی الحرارۃ طبعہ ھو النار مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۶۹

[2] المیبذی (فصل بسائط العنصریہ) انقلاب العناصر مطبع انوار محمدی لکھنؤ ص ۲۲۴

کذالك ینبغی التحقیق * وللہ الحمد علی حسن التوفیق * وافضل صلاۃ واکمل سلام علی النّبی الرفیق *واٰله وصحبه اساطین الدین وارا کین التصدیق *	یوں ہی تحقیق ہونی چاہئے اور حسن توفیق پر حمد خدا ہی کی ہے اور بہتر درود، کامل تر سلام ہونرمی والے نبی اور ان کی آل واصحاب پر جو دین کے ستون اور تصدیق کے ارکان ہیں۔(ت)

حل اشکالات وتطبیقِ عبارات: اشکالوں کا اٹھانا اور عبارتون کا متفق کر دکھانا۔

بحمدہ تعالٰی ہمارے ان بیانات سے الفاظِ خمسہ کے معانی مقصودہ اور ان کی نسبتیں ظاہر ہوگئیں کہ احتراق[۱] عین ترمُّد ہے اور ترمّد[۲] بمعنی اوسط اور [۳]لین وانطباع وذوبان سب کا حاصل انطراق، صلاحیت [۴]لین وانطباع متلازم فی الوجود ہیں اور ان کے مشتق متساوی فی الصدق اور [۵]صلوح ذوبان بھی ظاہرًا ان دونوں کا لازم وملزوم اور ان کا اس سے مطلقًا عموم بھی ایک احتمال غیر معلوم۔اب بارہ[۱۲] عبارات اعنی باستثنائے دو[۲] پیشین اول مورد ایراد اور دوم باطل ہے سب کا حاصل دو[۲] وصفوں کا اعتبار ہوا ترمّد وانطراق پانچوں وصف انہیں دو[۲] کی طرف راجع ہوگئے اور بفضلہٖ تعالٰی اتنے فائدے ظاہر ہوئے:

(۱) انطباع کی لین سے تفسیر کہ درر نے کی صحیح اور تفسیر بالمساوی ہے۔

(۲) تقطیع ولین سے اس کی تفسیر کہ منح نے کی اس کے خلاف نہیں، صرف اصل مفہوم انطباع یعنی قابلیت عمل کا اس میں اظہار فرمادیا **ونعم فعل** (اور کیا ہی اچھا کیا۔ت)

(۳) **یلین وینطبع** خواہ **ینطبع ویلین** ہر ایک میں ایضاح کے لئے جمع متساوین ہے ان میں نہ اتحاد مصداق باطل نہ جمع ہیں ایہام غلط نہ کوئی لغویت نہ تفسیر بالاخفی۔

(۴) اظہر تساوی انطباع وذوبان ہے توبدستور یذوب وینطبع خواہ ینطبع ویذوب ایک ہی بات ہے اور اجتماع مثل جمع ولین وانطباع البتہ اگر عموم انطباع ثابت ہو تو عبارات نہم ودہم ویازدہم نیز عبارات شمس الائمہ و ظہیریہ وخانیہ وخزانۃ المفتین میں جمع ذوبان وانطباع یاذوبان ولین ضرور موہم غلط ہوگا کہ اب جنسیت ارض وجود ذوبان پر موقوف رہے گی حالانکہ مجرد انطباع سے حاصل لاجرم واو بمعنی اَوْ لینا ہوگا اور ذکر ذوبان ضائع۔ان اکابر سے اس کا صدور ہمارے اس استظہار کی صحت پر دلیل ہے کہ ذوبان بھی ملازم انطباع ہے۔

(۵) عبارت ششم میں ایک طرف اضافۂ انطباع دوسری طرف ترک کا حاصل ایک ہی ایضاحًا بڑھایا اور ایجازًا کم کیا۔

(۶) یوں ہی عبارت سیز دہم میں ترک وذکر لین۔

(۷) ینطبع ویلین میں نفع ایضاح مراد ہے کہ لفظ انطباع قلیل السماع اور یلین وینطبع میں ازاعت وہم ہے کہ توہم لیں بمعنی عام کااندفاع۔

(۸) یوں ہی ذوبان وانطباع کی تقدیم وتاخیر میں۔

(۹) عبارت یازدہم میں خوبی یہ ہے کہ قسم دوم میں نار کے دونوں اثر اصلی لے لیے اگرچہ ذکر لین کافی تھا۔

(۱۰) سوم وچہارم وچہاردہم میں نفع ایجاز ہے کہ ملزومات ثلٰثہ انطراق سے صرف ایک لیا کہ دلالت علی المقصود پر بس تھا باقیوں کامسلک ایضاح کے لیے اطناب۔

(۱۱) عبارت عنایہ میں برخلاف کل اومساحت ہے یاالف زیادت ناسخ یاوتکثیر فی التعبیر کے لیے یعنی ینطع کہو یایلین حاصل ایک ہے۔

(۱۲) غرر میں بعد وھو لفظ مابڑھنا چاہیے اور دُرر میں پہلا او گھٹنا کہ وہ جنس کی تفسیر ہوجائے اور یہ غیر جنس کابیان **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نقوض جمع کادفع (۱۳) کبریت وزرنیخ منطرق نہیں تومنطبع کہاں۔

(۱۴) یہاں ترمّد بمعنی اوسط ہے اور رماد حجر بمعنی اول لاجرم قول درمختار الا **رماد حجر**[1] (مگر پتھر کی راکھ۔ت پر علامہ طحطاوی نے فرمایا: **کالجص** عہ [2] (جیسے گچ۔ت)۔علامہ شامی نے فرمایا: **کالجص**

عہ **اقول:** فیه ان الجص هو الحجر نفسه لارماده وانما رماده الکلس و یرده ایضا علی جمع الشامی بینهما و الجواب انه قد یطلق الجص علی الکلس تجوزا کما فی الحلیة عن النصاب الحجر طبخ حتی صار جصا لتیمم جاز وعلیه الفتوی اھ فالکلس فی ش عطف تفسیر ۱۲منه غفرله۔(م)

اقول: (میں کہتاہوں) اس پر یہ اعتراض ہے کہ جص خود پتھر ہی ہے پتھر کی راکھ نہیں راکھ تو کِلس (چونا) ہے۔مثال میں علامہ شامی کے جص اور کِلس دونوں جمع کرنے پر بھی یہ اعتراض ہوگا۔اور جواب یہ ہے کہ کلس (چونا) کو کبھی مجازًا جص (گچ) کہہ دیا جاتا ہے جیساکہ حلیہ میں نصاب کے حوالہ سے ہے۔پتھر اتناپکایاگیاکہ جص (یعنی چونا) ہوگیا پھر اس سے تیمّم کیاتو جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ۔توشامی میں لفظ کلس عطف تفسیری ہے۔۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] درمختار باب التیمم ۱/ ۴۲

[2] الطحطاوی علی الدرالمختار ۱/ ۱۲۸

وکلس [1] (جیسے گچ اور چُونا۔ت) یوں ہی حجر ترکستان ونورہ ومر دار سنگ مدنی۔

(۱۵) یہاں مراد لین انطراق ہے اور وہ نہ جص ومکلس میں نہ کبریت وزرنیخ میں۔

(۱۶) یوں ہی کبریت وزرنیخ میں ذوبان انحلال ہے نہ ذوبان تعقد وانطراق کہ یہاں مراد۔

(۱۷) ان میں اور جص وحجر فتیلہ وسنگ بجیرہ وحجر خزامی اور ریل کے کوئلے اور ارض محترقہ میں احتراق ہو ترمُّد نہیں جو یہاں مراد۔

نقوض منع کا دفع۔اقول: بحمد اللہ وہ بہت سہل ہے ہر تعریف میں جنس ملحوظ ہوتی ہے علمائے کرام نے بوجہ وضوح ونیز تصریحات باب یہاں اس کا ذکر مطوی فرمایا جیسا کہ اکثر ان کی عادات کریمہ سے معہود، لہٰذا نظر میں نقوض نظر آتے ہیں اور حقیقۃً کچھ نہیں وہ جنس جسم ثقیل یابس الاصل بے مائیت یا قلیل المائیۃ ہے اس سے:

(۱) پانی عرق ماء الجبن، شیر، بہتا گھی، تیل، گاز اور ان کے امثال کا خروج ظاہر۔

(۲) یونہی شکر کا قوام جما ہوا گھی وہ کیچڑ جس پر پانی غالب ہے اولا پالا کُل کا برف۔

(۳) یونہی پارے کا مغلوب المائیۃ ہونا ظاہر گویا وہ پانی ہے کہ پورا جما بھی نہیں۔

(۴) سانبھر پانی سے بنتی ہے۔

(۵) یوں ہی ہر قسم زاج انوار الاسرار میں ابن سینا سے ہے:

الزاجات جواھر تقبل الحل وقد کانت سیالۃ فانعقدت [2]۔	زاجات ایسے جواہر جو حل ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں پہلے سیال تھے پھر گرہ پکڑلی۔(ت)

(۶) اگر زاج بمعنی شب یعنی پھٹکری لو تو وہ بھی مائیت منعقدہ ہے۔

(۷) رال اور کافور دونوں گوند ہیں اور گوند درخت کی رطوبت کہ جم جاتی ہے۔

(۸) رماد معنی دوم وسوم پر اس جسم کے جلے ہوئے اجزا ہیں جو اجزائے کثیرہ رطبہ پر مشتمل تھا، تو بحمدہ تعالٰی سب جنس سے خارج لہٰذا جنسِ ارج سے خارج تو جنسِ ارض کی تعریف میں اصح واوضح وجامع ومانع عبار پانزدہم عبارت رضویہ ہے وہ ثقیل عـہ یابس الاصل کہ نہ کثیر المائیۃ ہو نہ آگ سے منطرق۔ عدم ترمد خود

عـہ: ثقیل سے نار خارج ہوئی کہ طالب محیط ہے ورنہ باقی اوصاف اس پر صادق تھے یابس الاصل سے پانی خارج ہوا اور دونوں سے ہوا کہ نہ طالب مرکز ہے نہ خشک۔ باقی فوائد مباحث سابقہ سے ظاہر ہیں۔۱۲منہ غفرلہ (م)

---

[1] ردالمحتار باب التیمم دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۶۰

[2] انوار الااسرار

جنس میں آگیا کما علمت (جیسا کہ معلوم ہوا۔ت) تو اصح تعریفات تعریف جلابی تھی اگر کل جزء منہ کی جگہ یہ جنس ہوتی۔

ھکذا ینبغی التحقیق* واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق*وصلی اللہ تعالٰی علی السید الکریم الرحیم الرفیق*واٰلہ وصحبہ ھداۃ الطریق*اٰمین۔	اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے،اور اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی توفیق کامالک ہے اور خدائے تعالٰی رحمت نازل فرمائے رحم وکرم اور نرمی والے آقا اور ان کی آل واصحاب پر جو راہِ حق کے ہادی ہیں۔الٰہی قبول فرما۔(ت)

تنبیہ نبیہ: یہ ہے وہ کہ بتوفیق لطیف عبدِ ضعیف پر ظاہر ہوا جس نے کلمات ملتئم کردئے اور احکام منتظم اور نقوض منعدم۔مگر یہاں ایک **شبہ قویہ** ہے متعدد اکابر نے منطبع کی مثال میں زجاج لکھا بدائع پھر ہندیہ اور تحفہ پھر ایضاح میں ہے:

مایحترق کالحطب اوینطبع ویلین کالحدید والزجاج[1]۔	جو جلے،جیسے لکڑی،یا منطبع اور نرم ہو،جیسے لوہا اور شیشہ۔(ت)

اسی کے مانند شرح مسکین میں ہے،کافی میں ہے:

لابمایںطبع ویلین اویحترق کالنقدین والرصاص والزجاج ونحو الحنطۃ و الملح والرماد[2]۔	اس سے نہیں جو منطبع اور نرم ہو یا جلے جیسے سونا،چاندی،سیسہ اور یشہ اور جیسے گیہوں،نمک اور راکھ۔(ت)

حلیہ میں ہے:

مالایحترق کالحطب ولایلین ولاینطبع کالزجاج[3]۔	جو لکڑی کی طرح جلنے والا نہ ہو اور شیشے کی طرح نرم ہونے والا اور منطبع ہونے والا نہ ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

لابمنطبع کفضۃ وزجاج[4]۔	چاندی اور شیشے جیسی کسی منطبع چیز سے نہیں۔(ت)

[1] بدائع الصنائع فصل مایتیمم بہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۳

[2] کافی

[3] حلیہ

[4] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

اور ظاہر ہے کہ زجاج منطرق نہیں اس کاانطباع یوں ہی ہے کہ آگ سے پگھلتااور سانچے میں ڈھلتااور ٹھنڈاہو کر صورت پر قائم رہتاہے توثابت ہواکہ ان کے نزدیک یہی لین وذوبان بالنار کہ قبول صورت کے لئے مہیا کریں انطباع بالنار ہیں خواہ قیامِ صورت خوداس شے کے اپنے ذاتی وصف سے ہو جیسے سونے چاندی میں بصورتِ لین مجرد یابرد وزوالِ اثرِ نار سے جیسے ان میں بصورت ذوبان۔اور عبارتیں اب بھی ملتئم ہوجائیں گی اگرچہ بتکلّف۔لین سے خاص وہ مراد ہے کہ انطباع کے قابل کرے خواہ بذاتِ خود یاذوبان تک بڑھ کریوں ہی ذوبان سے،اور ظاہرًاجوآگ سے ایسانرم ہوسکے گاایساذائب بھی ہوسکے گاتوصلاحیتِ لین مزبور وذوبان مذکور متلازم ہوئیں اور یہ صلاحیت انطباع بالنار سے مقصود تولین یاذوبان یاانطباع جوکچھ کہاجائے حاصل ایک ہے او تخالفِ عبارات صرف تخالف تعبیر۔ہاں فقط عبارت عنایہ اب بھی محل نظررہے گی اور کہہ سکتے ہیں کہ اس میں لین سے لین مجرد موجب انطباع مراد اور عطف خاص علی العام،اور فقہائے (ا) کرام اس میں حرفِ اَوْ جائز رکھتے ہیں ردالمحتار صدر نکاح میں زیر قول شارح فاسقین اومحدودین (فاسقین یاجن پر حد جاری کی گئی ہو۔ت) ہے:

ذکر الاخص بعد الاعم واقع فی افصح الکلام علی انھم صرحوا انہ اذاقوبل الخاص بالعام یراد بہ ماعداالخاص لکن فی المغنی ان عطف الخاص علی العام مماتفردت بہ الواو وحتی لکن الفقھاء یتسامعون بجوازہ بثم وباو کما فی حدیث ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا۔[1]	اعم کے بعد اخص کاذکرافصح کلام میں وارد ہے۔علاوہ ازیں اربابِ فن نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ جب عام کے مقابلہ میں خاص لایاجائے تواس عام سے خاص کے ماسوا مراد ہوتے ہیں لیکن مغنی میں یہ ہے کہ عام پر خاص کو معطوف کرنے کے لئے "واو اور حتی" متفرد ہیں لیکن "او" کے ذریعہ اسے معطوف کرنے میں فقہاء تسامح برتتے ہیں۔میں کہتاہوں۔اور بعض حضرات نے "ثم اور او" کے ذریعہ اس عطف کے جواز کی صراحت ہے جیسے حدیث ومن کانت ھجرتہ الخ میں ہے: اور جس کی ہجرت کسی دنیا کی طرف ہو جسے حاصل کرے یاکسی عورت کی طرف جس سے نکاح کرے۔(ت)

اقول اولا: ان تکلفات سے عبارات توملتئم ہوگئیں ورنہ صریح رَد موجود تھاکہ ساتوں عبارات پیشین میں لین کہہ کر زجاج سے مثال دی ہے اور انطباع زجاج لین سے نہیں بلکہ ذوبان سے ہے مگر احکام غلط

[1] ردالمحتار باب النکاح مطبع مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۹۷

ہوگئے کبریت وزرنیخ یقیناً ذائب بالنار اور بایں معنی منطبع بالنار ہیں توا س طور لازم کہ جنسِ ارض سے نہ ہوں اور ان سے تیمّم ناجائز حالانکہ کبرت کے جنس ارض وصالح تیمّم ہونے کی تصریح کتب معتمدہ مثل تبیین الحقائق[1] وفتح القدیر[2] اور بحر الرائق[3] ونہر الفائق[4] ومراقی الفلاح[5] وفتاوٰی عالمگیریہ[6] وفتح اللہ المعین[7] وطحطاوی علی الدر المختار[8] وغیرہا میں ہے اور اصلاً کسی نے اس میں اشارہ خلاف بھی نہ کیا اور زرنیخ کا تو اتر تو اس عظمت وشان سے ہے کہ اس کے امثال سے کسی میں نہیں خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل[1] میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے خود امام مذہب امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس پر نص فرمایا پھر قدوری[2] وہدایہ[3] وملتقی[4] وکافی[5] و صدرالشریعۃ[6] و تبیین[7] وفتح القدیر[8] وحلیہ[9] و غنیہ[10] ودرر[11] و مسکین[12] و برجندی[13] و بحر[14] و نہر[15] و مراقی الفلاح[16] وطحطاوی علی الدر[17] وجلابی[18] ونوازل[19] امام فقیہ ابواللیث و محیط[20] وخانیہ[21] وخلاصہ[22] وخزانۃ المفتین[23] و منیہ[24] و سراجیہ[25] و ہندیہ[26] وغیرہا متون وشروح وفتاوٰی نے بلا اشعار نام خلاف اس کا جواز بتایا، کیا ایسے صریح نصوص جلیلہ علیہ متظافرہ متواترہ اس قابل ہوسکتے ہیں کہ کسی مثال کے مفہوم سے ان کو رد کردیا جائے حاشایہ سب نصوص اس وقت میرے پیش نظر ہیں یہاں تبرکاً صرف نص امام محرر المذہب اور کبریت میں فتح تبیین و تبیینِ فتح پر قناعت کروں۔ خلاصہ میں ہے:

فی الاصل قال ابوحنیفۃ ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنھما یجوز التیمّم بجمیع ماکان من جنس الارض ومن اجزائھا نحو التراب والرمل والنورۃ والزرنیخ والجص والحجر والمدر والاثمد والکحل والطین الاحمر والاصفر والمغرۃ والحائط والمردارسنج ونحوہ[1]۔	مبسوط میں ہے امام ابوحنیفہ وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: تیمّم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس اور زمین کے اجزا سے ہو جیسے مٹی، ریت، چونا، ہڑتال، گچ، پتھر، ڈھیلا، اثمد، سرمہ، گلِ سرخ، گلِ زرد، گیرو، دیوار، مردار سنگ وغیرہ۔ (ت)

امام فخر زیلعی نے فرمایا:

یتیمم بطاھر من جنس الارض کالتراب والحجر والکحل والزرنیخ والنورۃ و الجص والرمل والمغرۃ والکبریت والیاقوت والزبرجد والزمرد والبلخش والفیروزج والمرجان[2]۔	تیمّم کرے جنسِ زمین کی کسی پاک چیز سے جیسے مٹی، پتھر، سرمہ، ہڑتال، چونا، گچ، ریت، گیرو، گندھک، یاقوت، زبرجد، زمرد، بلخش، فیروزہ، مرجان۔ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر فیما یجوز بہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳۵/۱

[2] تبیین الحقائق باب التیمم مطبوعہ امیریہ بولاق مصر ۳۸/۱

امام محقق علی الاطلاق نے فرمایا:

دخل الحجر والجص والنورة والکحل والزرنیخ والمفرة والکبریت[1] الخ۔	پتھر، گچ، چونا، سُرمہ، ہڑتال، گیرو، گندھک الخ، داخل ہے۔ (ت)

ثانیا: سب سے طرفہ یہ کہ مفاد مثال زجاج خود مثال زجاج سے منقوض یہ نقض ہم نے نقوض انطباع میں ذکر نہ کیا کہ اسی مقام کے لیے اس کا ذخیرہ رکھنا مناسب تھا تحفہ وبدائع سے درمختار وہندیہ تک آٹھوں کتابوں نے زجاج مطلق رکھا ہے کہ معدنی ومصنوع دونوں کو شامل اور اس کا معدنی ضرور حجر ہے۔ جامع عبداللہ بن احمد اندلسی مالقی ابن بیطار میں ہے:

(زجاج) قال ارسطاطا لیس منه متحجر ومنه رمال والزجاج الوان کثیرة فمنه الابیض الشدید البیاض الذی لاینکرمن البلوروھو خیراجناس الزجاج ومنه الاحمر والاصفر والاخضر والاسمانجونی وغیرذلك وھو حجر من الاحجار کالمائق الاحمق من الناس لانه یمیل الی کل صبغ یصبغ به والی کل لون یلون به[2]۔	(زجاج) ارسطو نے کہا اس میں متحجر بھی ہوتا ہے اور اس میں ریت والا بھی ہوتا ہے۔ اور زجاج کے بہت سے رنگ ہوتے ہیں، کوئی بہت سفیدی والا ہوتا ہے جو بلور سے بیگانہ نہیں معلوم ہوتا اور یہ زجاج کی سب سے بہتر جنس ہوتی ہے۔ اور سرخ، زرد، سبز، آسمانی وغیرہ بھی ہوتا ہے اور یہ پتھروں میں سے ایک پتھر ہوتا ہے جیسے انسانوں میں انتہائی بھولا بے وقوف شخص ہوتا ہے کیونکہ وہ ہر رنگ لَون کی طرف جس سے اسے رنگا جائے مائل ہو جاتا ہے۔ (ت)

انوار الاسرار الآیات البینات کتاب المعدن میں ہے:

اما حجر الزجاج فانواع کثیرة فی معادن کثیرة فمنه متحجر ومنه مترمل[3]۔	لیکن سنگِ زجاج تو بہت سے معدنوں میں اس کی بہت سی قسمیں ہیں اس میں پتھر والا بھی ہوتا ہے اور ریت والا بھی ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

حجر الزجاج اذااصابته النار ثم خرج	سنگِ زجاج کو جب آگ کی آنچ لگے پھر دخان

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۲
[2] جامع ابن بیطار
[3] انوار الاسرار

الی الھواء من غیرات یتدخن تکسر ولم ینقنع بہ[1]۔	ہوئے بغیر ہوا میں نکل آئے تو ٹوٹ جاتا ہے اور کارآمد نہیں رہتا۔(ت)

تحفہ تنکابنی میں ہے:

ارسطو بلور را از جنس معدنی اودانستہ وآئینہ سنگ از جملہ معدنی وغیر بلورست[2]۔	ارسطو نے بلور کو اس کی معدنی جنس سے سمجھا ہے اور پتھر کا آئینہ معدنیات میں سے اور بلور کے علاوہ ہے۔(ت)

مخزن میں ہے:

(زجاج) دو ۲ نوع ست معدنی ومصنوع ومعدن آن اکثر جاست انچہ در تبریز توابع شیراز وغیرانست سنگے ست تیرہ رنگ ریزہ الخ[3]۔	زجاج کی دو ۲ قسمیں ہیں: معدنی اور مصنوعی۔اور اس کا معدن اکثر جگہ ہے جو شیراز کے توابع میں سے تبریز وغیرہ میں ہوتا ہے وہ ایک تاریک رنگ کا ریزہ ریزہ پتھر ہوتا ہے الخ۔(ت)

اور حجر بتصریح متواتر عامہ کتب میں علی الاطلاق بلا تخصیص جنسِ ارض سے ہے چھبیس ۲۶ کتابیں کہ زرنیخ میں مذکور ہوئیں وہ سب اور اُن کے علاوہ وقایہ ۲۷ و اصلاح ۲۸ و نورالایضاح ۲۹ متون و درمختار ۳۰ و شلبیہ ۳۱ و مجتبی ۳۲ شروح و بزازیہ ۳۳ فتاوٰی وغیرہا زائد ہیں توزجاج سے تیمّم جائز ہو اور وہ جنسِ ارض سے ہے حالانکہ اس معنی پر قید انطباع اسے خارج کر رہی ہے کہ وہ خود ان کے اقرار سے منطبع ہے توجمع منقوض ہے۔

اگر کہیے زجاج میں ان علماء کا اطلاق مقید یعنی زجاج مصنوع پر محمول ہے جو ریتے اور کسی اور چیز غیر جنس ارض سے ملا کر بنایا جاتا ہے محققین شراح کا بیان اس پر شاہد، تبیین میں محیط سے ہے:

ان خالطہ شیئ اٰخر لیس من جنس الارض لایجوز کالزجاج المتخذ من الرمل وشیئ اٰخر لیس من جنس الارض[4]۔	اگر اس میں کسی ایسی چیز کی آمیزش ہو جو جنسِ ارض سے نہیں تو جائز نہیں۔جیسے وہ شیشہ جو ریت اور کسی ایسی چیز سے بنایا گیا ہو جو جنس زمین سے نہیں۔(ت)

---

1 انوارالاسرار

2 تحفۃ المومنین علی حاشیۃ مخزن الادویہ فصل الزاء مع الجیم مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۳۱۶

3 مخزن الادویہ فصل الزاء مع الجیم مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۳۲۰

4 تبیین الحقائق باب التیمم مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/ ۳۹

فتح القدیر میں ہے:

خرجت الاشجار والزجاج المتخذ من الرمل وغیرہ[1]۔	درخت اس سے خارج ہوگئے اور وہ شیشہ بھی جو ریت اور دوسری چیز سے بنایا گیا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لایجوز بالاشجار والزجاج المتخذ من الرمل وغیر[2]۔	درختوں سے جائز نہیں اور اس شیشے سے بھی جائز نہیں جو ریت اور دوسری چیز سے بنایا گیا ہو۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

لایجوز بالزجاج المتخذ من الرمل وشیئ اٰخر[3]۔	اس شیشے سے جائز نہیں جو ریت اور کسی دوسری چیز سے بنا ہو۔(ت)

اسی طرح ابوالسعود ازہری میں ہے۔ عبارت درمختار کفضۃ وزجاج (جیسے چاندی اور شیشہ۔ت) پر ردالمحتار میں لکھا: ای المتخذ من رمل وغیرہ[4] بحر (یعنی وہ شیشہ جو ریت اور دوسری چیز ملا کر بنایا گیا ہو۔ بحر۔ت) تو جسے منطبع کہا وہ جنسِ ارض سے نہیں اور جو جنس ارض سے ہے اسے منطبع نہ کہا۔ **اقول:** یہ اس وقت ہے کہ خود سنگ شیشہ معدنی اس معنی پر منطبع نہ ہو حالانکہ وہ بھی یقینا مثل مصنوع آگ سے گلتا، پگھلتا، ہوا سے ٹھنڈا ہوتا، سانچے میں ڈھلتا ہے، پھر مفرکدھر جامع میں ارسطو سے متصل عبارت مذکورہ ہے:

وھو سریع التحلل مع حرالنار سریع الرجوع مع الھواء البارد الی تحجرہ[5]۔	اور وہ آگ کی حرارت کے ساتھ تیزی سے تحلیل ہوجاتا ہے اور ٹھنڈی ہوا کے ساتھ بہت جلد سنگی حالت کی جانب عود کر آتا ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۲

[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۷

[3] مجمع الانہر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۸

[4] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر، ۱/۱۷۶

[5] جامع ابن بیطار

انوارالاسرار میں بعد عبارت سابقہ ہے:

وھو من الین الاحجار علی النار وسریع الجفاف بعد التزویب[1]۔	اور وہ آگ پر سارے پتھروں سے زیادہ نرم ثابت ہوتا ہے اور پگھلانے کے بعد بہت جلد خشک بھی ہوتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

یستحیل مع حرالنار ویجمدسریعا مع برودۃ الھواء[2]۔	آگ کی حرارت کے ساتھ بدل جاتا ہے اور ہوا کی برودت کے ساتھ بہت جلد جم جاتا ہے۔(ت)

اب یہ مثال غایت اشکال میں ہوگئی کہ خود اپنے نفس کی مبطل ہے تو اس سے تقریر فقیر پر شبہ کیا معنی خود اسی پر شبہ شدیدہ کیا جائے وہ اگر خود متناقض نہ ہوتی تو ان احکام مصرحہ عامہ متون وشروح وفتاوٰی منصوصہ خود محرر المذہب وامام اعظم صاحب مذہب کے مقابل مضمحل ہونی واجب تھی نہ کہ جب آپ ہی اپنا نقض ہے ہاں مسلک اس کی تاویل ہے اگر ممکن ہو اگرچہ بعید کہ تاویل بعید بھی تخطبہ محض سے خیر وبہتر ہے۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی کی جانب سے ملتی ہے۔ت) جملہ معدنیات کا تکون گندھک اور پارے کے ازدواج سے ہے کبریت نر ہے کہ گرم ہے اور پارہ مادہ۔ انہیں کے اختلاف مقادیر واصناف واوصاف واحوال سے مختلف معدنی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے بعض کو ہمارے ائمہ کرام جنس ارض سے رکھتے ہیں جیسے یاقوت، زمرد، زبرجد وغیرہا جواہر اور بعض کو نہیں جیسے ذہب وفضہ وحدید وغیرہا معادن حالانکہ مادہ تکوّن سب کا ایک ہے، تذکرہ انطاکی میں ہے:

(معدن) مادته الزئبق والبریت جیدین متساوین کالاکسیر اوزادالکبریت مع القوۃ الصابغۃ کما فی الذھب اوضدہ مع عدمھا کما فی الفضۃ (الی ان قال) فان حفظت المادۃ بحیث یذوبا فالمنطرقات والافالفلزات علی وزان الأول کالیاقوت اوالثانی کبعض الزمرد	(معدن) اس کا مادہ پارہ اور گندھک ہے۔ دونوں عمدہ برابر برابر ہوں۔ جیسے اکسیر۔ یا کبریت زیادہ ہو ساتھ ہی رنگنے والی قوت بھی ہو جیسے سونا میں یا اس کی ضد (پارہ) زیادہ ہو اور رنگنے والی قوت بھی نہ ہو جیسے چاندی میں (یہاں تک کہ یہ کہا) تو اگر مادہ محفوظ ہو اس طرح کہ پگھل جائے تو منطرقات ورنہ فلزات بطور اول جیسے یاقوت یا

[1] انوارالاسرار

[2] انوارالاسرار

الی اٰخرہ عـــہ اولم تحفظ صورا ولم تثبت معاصیة للتحلیل فالشبوب والاملاح [1]۔	بطور دوم جیسے بعض زمرد الی آخرہ۔ یا کچھ صورتوں کو محفوظ نہ رکھے یا تحلیل کے مخالف نہ ثابت ہو تو شبوب واملاح۔ (ت)

اسی میں ہے: عـــہ

(یاقوت) ھو اشرف انواع الجامدات وکلھا تطلبه فی التکوین کالذھب فی المنطرقات بیمنع العارض واصله الزئبق ویسمی الماء والکبریت ویسمی الشعاع [2] ملخصًا	(یاقوت) یہ جامدات کی قسموں میں سب سے عمدہ ہے اور تکوین میں سارے جامدات کامطلوب ہے جیسے منطرقات میں سونا۔ تو کسی عارض کی وجہ سے مانع بھی ہوتا ہے۔ اس کی اصل پارہ ہے جسے پانی بھی کہا جاتا ہے۔ اور کبریت جسے شعاع بھی کہا جاتا ہے۔ (ت)

مذہب مشہور ومنصور ومعتمد جمہور پر تواُن کی معیار وہی ضابطہ ترمُّد وانطباع ہے وبس۔ اور بعض اکابر نے اسے یوں لیا کہ جو کچھ اجزائے ارض سے ہے جب تک زمین میں ہے اس سے مطلقاً تیمّم روا ہے حتی کہ سونا چاندی جب تک اپنی کان میں ہو کہ اس وقت تک یہ جنسِ ارض سے ہے جب زمین سے نکال کر گلا یا پگھلا یا اجزائے ارضیہ سے صاف کیا اب غیر شے ہوئے اور اس سے تیمّم ناروا۔ تبیین الحقائق میں ہے:

وفی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان یجوز بالکیزان والحباب ویجوز بالذھب والفضة والحدید والنحاس وماشبھھا مادامت علی الارض ولم یصنع منھا شیئ وبعد السبك لایجوز [3]۔	قاضیخان کی شرح جامع صغیر میں ہے: کوزوں اور گھڑوں سے تیمّم جائز ہے اور سونے، چاندی، لوہے، تانبے اور ایسی دوسری دھاتوں سے بھی جائز ہے جب تک یہ زمین پر ہوں اور ان سے کوئی چیز بنائی نہ گئی ہو اور ڈھالنے کے بعد ان سے تیمّم جائز نہیں۔ (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

اما الذھب والفضة فلایجوز بھما اذاکانا مسبوکین وان کانا غیر مسبوکین مختلطین	سونا چاندی جب ڈھلے ہوئے ہوں تو ان سے تیمّم جائز نہیں اور گلائے پگھلائے نہ گئے ہوں بلکہ مٹی سے

عـــہ: یرید موازاۃ سائر الاصناف۔ ۱۲منہ غفرلہ (م)	دیگر اصناف کا مقابلہ مقصود ہے۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] تذکرہ داؤد انطاکی حرف المیم لفظ معدن کے تحت مذکور ہے مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۰

[2] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الیاء لفظ یاقوت کے تحت مذکور ہے مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۰

[3] تبیین الحقائق باب التیمم مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/ ۳۹

بالتراب یجوز[1]۔	ملے ہوئے ہوں تو جائز ہے۔(ت)

شرح الکنز علامہ عینی پھر شرح سید ازہری پھر طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قبل السبك یصح التیمّم ماداما فی المعدن وکذاالحدید والنحاس لانھما من جنس الارض[2]۔	ڈھالنے سے پہلے تیمّم درست ہے جب تک یہ دونوں اپنی کان میں ہوں۔یہی حکم لوہے اور تانبے کاہ۔اس لئے کہ یہ جنسِ زمین سے ہیں۔(ت)

علامہ ط نے فرمایا:

ذکرہ السّید واطلاق المصنّف کغیرہ یفید المنع مطلقًا لوجود الضابط[3]۔	اسے سیّدازہری نے ذکرکیا۔اور دوسرے حضرات کی طرح مصنّف کے بھی مطلق بیان کرنے سے مطلقًا ممانعت مستفاد ہوتی ہے کیونکہ ضابطہ موجود ہے۔(ت)

فتاوٰی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین میں ہے:

مالیس من جوھر الارض اوکان من جوھر الارج الاانہ خلص عن جوھرہ بالاذابہ والاحراق فانہ لایجوز بہ التیمم فالذھب والفضۃ والنحاس والحدید وماشبہ ذلك یجوز بہ التیمّم مادام فی الارض ولم یصنع منہ شیئ فاذا صنع منہ شیئ لم یجزبہ التیمم اذالم یکن علیہ غبار[4]۔	جوزمین کاجوہر نہ ہو یازمین ہی کاجوہر ہومگر وہ پگھلانے،جلانے کے ذریعہ اپنے جوہرواصل سے جداہوگیاہو تواس سے تیمم جائز نہیں۔توسونا،چاندی،تانبا،لوہااور ایسی ہی دوسری چیزوں سے جب تک یہ زمین میں رہیں اور ان سے کچھ نہ بنایاگیاہو،تیمّم جائز ہے جب ان سے کوئی چیزبنادی جائے تواس سے تیمّم جائز نہیں جبکہ اس پر غبارنہ ہو۔(ت)

توحاصل یہ ہواکہ آگ سے لین واحترق دوہیں ایک متقدم کہ معدنی معدن سے نکالتے وقت اجزائے ارضیہ سے اپنی جدائی میں ان کامحتاج ہوان کے نزدیک یہ مطلقًا اسے جنس ارض سے خارج کردیتے ہیں اگرچہ نہ لین مورث انطباع وانطراق ہونہ احتراق تاحد ترمُّد دوسرامتاخر کہ اجزائے ارضیہ سے جداوصاف ہونے کے

1 شرح الوقایہ مایجوزبہ التیمم مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۹۸
2 طحطاوی علی مراقی الفلاح مایجوزبہ التیمم مطبعہ ازہریہ ص۶۹
3 طحطاوی علی مراقی الفلاح مایجوزبہ التیمم مطبعہ ازہریہ ص۶۹
4 خزانۃ المفتین

بعد اس شے کی حالت دیکھی جائے یہاں اگر احتراق بحد ترمّد یا لین موجب انطراق کا صالح ہے تو جنسِ ارض سے نہیں ورنہ ہے۔ جو چیز بڑے قطعے کان سے نکلے کہ صاف کرنے میں جلانے، گلانے کی محتاج نہ ہو اس میں وہ [عہ] قاعدہ معیار جاری ہوگا یاقوت وبلور سے تیمّم جائز ہوگا اور لوہے سے نہیں اور جو ریزہ ریزہ نکلے کہ گلا، جلا کر صاف کی جائے اس سے بعد صفا وہ مطلقاً ناجائز مانیں گے زجاج اسی قبیل سے ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہی معدن میں ملتا اور آگ پر گلا کر صاف کیا جاتا ہے۔ ارسطو نے جو اس کی ایک قسم کو متحجر کہا اس بنا پر تھا کہ وہ بلور کو بھی نوع زجاج مانتا ہے اس کے کلام میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے:

والبلور جنس من الزجاج غیرانه یصاب فی معدنه مجتمع الجسم ویصاب الزجاج مفترق الجسم فیجمع کما ذکرنا بحجر المغنیا [1] اھ یشیر الی قوله منه ماھو رمل فاذا اوقد علیه النار والقی معه حجر المغنیسا جمع جسمه۔	بلور زجاج ہی کی ایک قسم ہے فرق یہ ہے کہ بلور کا جسم معدن میں مجتمع ملتا ہے اور زجاج کا جسم متفرق ملتا ہے پھر جیسا کہ ہم نے بتایا سنگ مغنیسا کے ذریعہ جمع کیا جاتا ہے اھ۔ یہ اشارہ اس عبارت کی جانب ہے: اس میں سے ایک وہ ہے جو ریت ہوتا ہے جب اس پر آگ جلائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ سنگِ مغنیسا بھی ڈالا جاتا ہے تو اس کا جسم مجتمع ہوجاتا ہے۔ (ت)

اسی طرح انوار الاسرار میں ہے مخزن سے گزرا سنگے ست ریزہ [2] (ریزہ ریزہ پتھر ہوتا ہے۔ ت)۔ ولہٰذا ان علمانے لین و

عہ: اقول قسمیں چار ۴ ہوئیں:

(۱) نہ اپنے تصفیہ میں احراق وتلیین کا محتاج ہو نہ بعد کو منطرق جیسے یاقوت۔ (۲) تصفیہ میں محتاج نہ ہو اور بعد کو (۳) اس کا عکس کہ تصفیہ میں محتاج ہو اور بعد کو نامنطرق جیسے شیشہ۔ (۴) پہلے بھی محتاج ہو اور بعد کو بھی منطرق جیسے سونا ______ ان کے نزدیک سوا قسم اول کے سب جنس ارض سے خارج ہیں دوم میں صرف بربنائے معیار، سوم میں صرف بربنائے لین متقدم، چہارم میں اگرچہ دونوں جمع ہیں مگر لین متقدّم۔ اسے جنس ارض سے خارج کرچکا۔ معیار کی حاجت نہیں لہٰذا ہم نے اجزائے معیار کو قسم دوم ہی مین رکھا، ورنہ وہ اس سے خاص نہیں۔ یہ ان کے طور پر ہے اور معتمد صرف لحاظ معیار، تو اول وسوم دونوں جنس ارض ہیں اور دوم وچہارم نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] جامع ابن بیطار

[2] مخزن الادویہ فصل الزاء مع الجیم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۳۲۰

انطباع دو لفظ کہے لین متقدم کے لئے اور اس کی مثال میں زجاج ہے اور انطباع متاخر کے لئے اس کی مثال میں حدید وغیرہ ہیں آخر نہ دیکھا کہ امام جلیل نسفی نے احتراق کی مثالوں میں رماد بھی ذکر فرمائی اور وہ ہر گز قالب احتراق نہیں لاجرم اس کے لئے احتراق متقدم مراد ہے کہ جلنے سے حاصل ہوئی، یوں ہی زجاج کے لئے لین اور اس پر شاہد عدل امام طاہر کا خلاصہ میں کلام ہے کہ زجاج کو اسی لین متقدم میں گنا، فرماتے ہیں:

لو تیمّم علی الذھب والفضۃ والشبہ او النحاس اوالرصاص اوالدقیق او الزجاج اوالحنطۃ او الشعیر مما لیس من جوھر الارض اومن جوھرھا الاانہ خلص من جوھرھا بالاذابۃ والاحراق لایجوز التیمّم بالاتفاق [1] اھ فقولہ لیس من جوھر الارض للدقیق والحنطۃ والشعیر وقولہ اومن جوھر ھو الخ للبواقی۔	اگر سونا، چاندی، پیتل، تانبا، سیسہ، آٹا، شیشہ، گیہوں، جو کسی ایسی چیز سے تیمّم کیا جو جوہرِ زمین سے نہیں یا زمین ہی کے جوہر سے ہے مگر پگھلانے یا جلانے کے ذریعہ زمین کے جوہر سے نکلی ہے تو اس سے تیمّم بالاتفاق جائز نہیں اھ۔ ان کی عبارت "جوہر زمین سے نہیں" آٹا، گیہوں اور جو سے متعلق ہے اور ان کا قول "یا زمین کے جوہر سے ہے مگر الخ" باقی چیزوں سے متعلق ہے۔(ت)

یوں اُن عبارات کی توجیہ ہوجائے گی اور معنی انطباع پر کہ ہم نے تحقیق کئے غبار نہ آئے گا نہ زرنیخ وکبریت یہ سب عبارات متحد ہوگئیں باقی کثیر و وافر عبارات جن میں مثال زجاج نہیں اس نفیس ووجیہ توجیہ سے موجّہ ہیں جو سابق گزری جس سے وہ مذہب جمہور مشہور و منصور پر ماشی ہیں مگر عبارتِ عنایہ کہ اس کا اوّل اسی توجیہ لاحق پر بنے گا ان دو [2] توجیہوں سے تمام عبارات موجّہ ہوگئیں۔

الاقوال(۱) الدر منطبع کزجاج فلم اجدلہ طبا ونسبتہ وحدہ الی السھوا سھل من نسبۃ سائر الکبراء الیہ ھذا ما عندی فان کان عند غیری احسن من ھذا فلیبدہ بامعان* فان المقصود اتباع الحق حیث کانا* واللہ المستعان* وعلیہ	مگر درمختار کی عبارت "منطبع کزجاج" کا کوئی علاج میں نہ پاسکا۔ اور تنہا اسے سہو کی جانب منسوب کرلینا سارے بزرگوں کو سہو پر قرار دینے سے آسان ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے خیال میں آیا۔ اگر کسی کے پاس اس سے بہتر ہو تو بنگاہِ غور اس کا اظہار کرے کیونکہ مقصود حق کا اتباع ہے حق جہاں بھی ملے اور

[1] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر مایجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۶

التکلان * والصّلوۃ والسلام الاتمان الاکملان *علی سید الانس والجان *واٰلہٖ وصحبہٖ کل حین واٰن *والحمد للہ رب العٰلمین *	خداہی سے مدد طلبی ہے اور اسی پر توکّل ہے اور تام وکامل درودوسلام اِنس وجِن کے سردار اور سرکار کی آل واصحاب پر ہر لمحہ وہر آن۔اور ساری خوبیاں سارے جہان کے مالک خداہی کے لیے ہیں۔(ت)

مقامِ دوم (اُن ایک سو اکاسی [۱۸۱] چیزون کا بیان جن سے تیمّم جائز ہے) اُن بعض اشیاء کا شمار جن سے ہمارے [عہ۱] امام جاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں تیمّم جائز ہے انہیں دو [۲] قسم کریں:

منصوصات، جن کی تشریح کتابوں میں اس وقت پیش نظر ہے۔

مزیدات کہ فقیر نے اضافہ کیں وکان حقا علی افرازھا کیلا یساق المعقول مساق المنقول (انہیں الگ کرنا میری ذمہ داری جتھی تاکہ معقول کاذکر منقول کی جگہ نہ ہو۔ت)

منصوصات: نقلِ عبارات میں طول تکرار ہے لہٰذا صرف شمار اسمائے بعض کتب پر قناعت کریں مگر خلافیات یا خفیات ہ اُن مین تکثیر اسمامناسب۔

(۱) خاک کہ اصل الاصول ہے اصل المحرر المذھب ومتون عامۃ (یعنی خاک سے جواز تیمّم محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مبسوط اور فقہ کے عام متون میں مذکورہ۔ت)

پھر اگر مُنبت یعنی قابلِ نبات ہو تو اس سے جواز تیمّم پر اجماعِ اُمت **اقول:** تو مستحب یہ ہے کہ اس کے ملتے اور کسی چیز سے تیمّم نہ کرے فان الخروج عن الخلاف مستحب بالاجماع (کیونکہ سرحد خلاف سے نکل آنا بالاجماع مستحب ہے۔ت)

(۲) ہمارے نزدیک خاک شور بھی جس میں کوئی چیز اُگنے کی صلاحیت نہ ہو خلاصۃ خزانۃ [عہ۲] بزازیۃ

عہ۱: خصه بالذکر لان لمحمد خلافا فی کل مالا یلتزق بالید ولابی یوسف فی جمیع غیر التراب ۱۲منه غفرله (م)	صرف ان کاذکر اس لئے ہے کہ امام محمد کا ہر اس چیز کے بارے میں اختلاف ہے جو ہاتھ سے چپکنے والی نہ ہو۔اور امام ابو یوسف کا مٹی کے علاوہ ساری چیزوں میں اختلاف ہے۔۱۲منہ غفرلہ (ت)
عہ۲:المراد بھا خزانۃ المفتین فی ھذہ الفصول حیث اطلق۔۱۲منه غفرله (م)	ان فصلوں میں جہاں بھی خزانہ کاحوالہ آئے اس سے مراد خزانۃ المفتین ہے۔۱۲منہ غفرلہ (ت)

مراقی الفلاح[1]۔

(۳) ریتا اصل ومتون عامة خلافا لابی یوسف فی قوله الاٰخر (امام ابویوسف کے قول دوم کے برخلاف۔ت)

(۴) پتھر مرّ عن ۳۳ کتابا (۳۳کتابوں کے حوالہ سے اس کا بیان گزر چکا۔ت) اگرچہ صاف دھلا بے غبار ہو خانیة، خلاصة، مراقی، در وکثیر۔

(۵) باریک پسا ہو یاسالم نوازل خانیة بزازیة خزانة المفتین درھندیة وغیرھا وقیدہ فی الشلبیة عن المجتبی بالمدقوق (نوازل، خانیہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، در، ہندیہ وغیرہا۔ اور مجتبٰی کے حوالہ سے شلبیہ میں اس کے ساتھ "پسے ہوئے" کی قید لگائی۔ت)

اقول: مشی علی قول محمد من لزوم ان یلتزق بالید شیئ ومذہب الامام الاطلاق۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ امام محمد کے قول پر گئے ہیں کہ ہاتھ سے کچھ چپک جانا ضروری ہے اور امام اعظم کے مذہب میں یہ قید نہیں۔(ت)

(۶) غبار متون وعامہ۔ **اقول:** جبکہ نہ ناپاک خاک سے اُٹھا ہو اگرچہ نجاست کا اثر زائل ہو جانے سے نماز کے لئے پاک ہو گئی ہو نہ کسی ترچیز ناپاک پر گرا ہو نہ ناپاک خشک چیز پر گر کر اسے تری پہنچی ہو اگرچہ پھر وہ تری خشک بھی ہو جائے وقد تقدم بعضه (اس میں سے کچھ کا بیان گزر چکا۔ت)

(۷) ناپاک خشک چیز پر گرا ہو اغبار جبکہ اسے تری نہ پہنچے تقدم فی الدروس السالفة عن الحلیة والنھایة والھندیة ومثله فی الفتح (گزشتہ اسباق میں حلیہ، نہایہ، ہندیہ کے حوالہ سے اس کا بیان گزرا، اسی کے مثل فتح القدیر میں بھی ہے۔ت)

(۸) ترزمین پر جس پر چھڑکاؤ ہُوا کما یأتی (جیسا کہ آرہا ہے۔ت)

(۹) مقبرے کی زمین جبکہ اس کی نجاست مظنون نہ ہو،

لو یتمّم بتراب المقبرة ان غلب علی ظنه نجاسة لایجوز والا یجوز کما فی السراج[2] ط علی المراقی۔	اگر قبرستان کی مٹی سے تیمّم کیا اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ مٹی نجس ہے تو تیمّم جائز نہیں، ورنہ جائز ہے جیسا کہ سراج میں ہے۔ طحطاوی علی المراقی الفلاح۔(ت)

(۱۰) گرد باد بگولا، اس سے تیمّم کے دو۲ طریقے اوپر گزرے خلاصة، بزازیة۔

(۱۱) جلی ہوئی زمین قد مرّ ویاتی (اس کا بیان گزر چکا اور آگے بھی آئے گا۔ت)

(۱۲) نمک زار زمین جس میں سے نمک نکلتا ہو اگرچہ خفیف تر بھی ہو جبکہ وہ نمک مٹّی سے بنا ہو ویأتی

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح مایجوزبہ التیمم مطبعۃ ازہریہ مصر ص ۶۸

[2]

(اور آگے بھی آئے گا۔ت)

(۱۳) پیلی مٹّی اصل، نوازل، خلاصۃ، خزانۃ ھندیۃ۔

(۱۴) سرخ مٹّی ھی والبدائع والخانیۃ۔

(۱۵) گیرو ھی الاالبدائع، تبیین، فتح، بحر، نھر (بدائع کے سوا یہ سبھی یعنی اصل، خلاصہ، خزانہ، ہندیہ، خانیہ، مزید برآں تبیین، فتح، بحر، نہر۔(ت) **اقول:** وہ سرخ مٹّی کا غیر ہے۔

فقد عدھما مفر زین قال فی الخانیۃ یجوز التیمّم بالمغرۃ والکحل والطین لاحمر [1]۔اھ۔ وفی الخلاصۃ یجوز بالطین الاحمر والاصفر والمغرۃ [2]اھ ومثلہ فی غیرھما اما قول القاموس المغرۃ طین احمر [3] **فاقول:** لم یقل الطین الاحمر وھم (۱) اذا عرفوا نکروا واذا نکروا عرفوا۔	اس لئے کہ فقہا نے گیرو اور سرخ مٹی کو الگ الگ شمار کیا ہے۔خانیہ میں فرمایا: گیرو، سُرمہ اور سرخ مٹّی سے تیمّم جائز ہے اھ۔اور خلاصہ میں فرمایا: سرخ مٹّی، زرد مٹّی اور گیرو سے تیمّم جائز ہے اھ۔اسی کے مثل ان دونوں کے علاوہ میں بھی ہے۔رہی قاموس کی یہ عبارت کہ "گیرو ایک سرخ مٹّی ہے" تومیں یہ کہتاہوں کہ اس میں یہ نہیں ہے کہ گیرو، سرخ مٹّی۔اور اہل لغت کا طریقہ یہ ہے کہ بیان معنی کے لئے جب وہ معرفہ بولیں تو غیر معیّن مراد لیتے ہیں اور جب نکرہ لائیں تو کسی معین چیز کو مراد لیتے ہیں۔(ت)

(۱۶) کالی مٹّی (اور)

(۱۷) سپید مٹّی بدائع ھندیۃ۔

(۱۸) سبز مٹّی نوازل خزانۃ تتارخانیۃ ھندیۃ۔

(۱۹) طفل مصری عہ طحطاویۃ جس سے مصر میں کپڑے رنگتے ہیں تاج العروس۔

عہ: علامہ طحطاوی نے ایک مسئلہ کے ضمن میں کہ آتا ہے طفل بالفتح کو بتایا کہ جنس ارض سے ہے تذکرہ داؤد و مخزن میں طفل کو طین قیمولیا نیز تذکرہ میں طین قیمولیا کو طفل اور دونوں کو طلیطلی سے تفسیر کیا اور مخزن میں طین قیمولیا کو کہا بہندی کھری مٹی نامند واطفال بر تختہائے مشق میمالند (ہندی میں کھریا مٹّی کہتے ہیں اور اسے بچّے مشق کی تختیوں پر لگاتے ہیں۔ت) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی قاضیخان مایجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی مایجوزبہ التیمم مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۳۵

[3] قاموس المحیط فصل المیم باب الرائ مطبع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۰

(۲۰) ڈھیلا اصل نوازل خلاصہ خزانہ منیہ۔

(۲۱) گلِ ارمنی [۲۲] گل مختوم عـہ اغنیہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول: مگر کتاب دیسقوریدوس وانوارالاسرار میں قیمولیا کے صرف دو ۲ رنگ لکھے سفید وبنفشی، اور ابن حسان نے ایک سیاہ رنگ کی لکھی اور کہا وہ علاج میں کچھ کام نہیں آتی **کما فی ابن البیطار** (جیسا کہ ابن بیطار میں ہے۔ت) اور طفل کا رنگ تاج العروس میں زرد بتایا کہ **الطفل بالفتح ھذا الطین الاصفر المعروف بمصر وتصبغ بہ الثیاب** (طَفَل بالفتح: یہی مٹّی جو مصر میں معروف ہے اور اس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ت) ابن بیطار نے علی بن محمد سے طفل کا سبز رنگ نقل کیا کہ **طین شیراز لونہ مشبع الخضرۃ اکثر من خضرۃ الطفل اھ واللہ تعالٰی اعلم** (طین شیراز، اس کا رنگ طفل کی سبزی سے زیادہ گہرا سبز ہوتا ہے اھ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ت) علامہ طحطاوی وصاحب تاج العروس دونوں سادات ساکنان مصر قریب العصر ہیں تو ان کی مراد وہی ہو گی جو شرح قاموس میں ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـہ: بحر مغرب [۱] میں ایک جزیرہ ملیون ہے وہاں ایک معبد ہے جس کی مجاور عورت ہوتی ہے بیرون شہر ایک ٹیلا ہے جس کی مٹی متبرک خیال کی جاتی ہے وہ عورت تعظیم کے ساتھ اس کی مٹّی لاتی اور گوندھ کر ٹکیاں بنا کر اُن پر مہر لگاتی ہے دیسقوریدوس وغیرہ نے زعم کیا کہ اس میں بکری کا خون ملتا ہے جالینوس کہتا ہے میں اس کی تحقیق کے لئے انطاکیہ سے دو ہزار میل سفر کرکے اس جزیرہ میں پہنچا میرے سامنے اس عورت نے وہاں سے ایک گاڑی مٹّی لی اور ٹکیاں بنائیں خون کا کچھ لگاؤ نہ تھا میں نے وہاں کے مؤدب لوگوں علماء کی صحبت یافتوں سے پوچھا کیا پہلے کسی زمانے میں اس میں خون ملایا جاتا تھا؟ جس نے میرا یہ سوال سنا مجھ پر ہنسنے لگا۔ **ذکرہ ابن البیطار** (اسے ابن بطار نے ذکر کیا۔ت)

اقول: والعجب(۲) ان الانطاکی فی التذکرۃ نسب زعم خلط الدم الی جالینوس والتنکابنی فی التحفۃ الیہ والی دیسقوریدوس مع ان جالینوس ھوالذی عنی ھذا العناء الشدید حتی کشف عن بطلانہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اقول: (میں کہتا ہوں) اور حیرت ہے کہ انطاکی نے تذکرہ میں اس مٹی سے خون ملانے کا خیال جالینوس کی طرف منسوب کیا اور تنکابنی نے تحفہ میں یہ خیال جالینوس اور دیسقوریدوس دونوں کی طرف منسوب کیا حالانکہ جالینوس ہی وہ شخص ہے جس نے اس قدر شدید مشقت جھیل کر اس خیال کے بے حقیقت ہونے کا انکشاف کیا۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

(۲۳) گوندے کی دیوار اصل خلاصة جوھرة نوازل خزانة۔

(۲۴) ڈھیلوں کی دیوار محیط خانیة منیة۔

(۲۵) کچّی اینٹ کی دیوار غنیة۔

(۲۶) مٹّی سے لسی ہوئی در مختار۔

(۲۷) کچّی اینٹ فتح حلیہ بحر شلبیہ زاھدی۔

(۲۸) گارا (اور)

(۲۹) کیچڑ جس میں مٹّی غالب ہو اور پانی مغلوب۔اس کی تفصیل مقامِ چہارم میں آئے گی ان شاء اللہ تعالٰی

(۳۰) جلی ہوئی خاک مختارات النوازل نصاب حلیہ۔

(۳۱) مٹّی کے آبخوری مٹکے محیط خانیة منیة خزانة کونڈے رکابیاں وغیرہا ہر ظرف گلی جس پر روغن نہ ہو فتح شلبیة ازھری در مختار نہ غیر جنس کی رنگت خزانة الفتاوٰی حلیة بحر ط۔

(۳۲) وہ ظروف گلی رنگین جن پر جنس ارض ہی مثلاً گیرو یا ملتانی وغیرہ کی رنگت ہو)

یجوز باوان من طین غیر مدھونة [1] در او مدھونة بصبغ من جنس الارض کالطفل والمغرة ط [2]۔	مٹّی کے ایسے برتنوں سے تیمّم جائز ہے جن پر پالش نہ کی گئی ہو۔در مختار۔یا پالش ہو تو جنس ارض ہی کی کسی چیز جیسے طفل اور گیرو کے رنگ سے ہو۔طحاوی۔(ت)

(۳۳) سبز چیکتی چکنی صاف مٹّی کے پیالے، تشتریاں،

یجوز بالغضارة منیة [3] وھو الطین اللازب الحر الاخضر [4] حلیة وغنیة عن القاموس والمزاد مایعمل منه کالسکارج [5] غنیة و فی المغرب الغضارة القصعة الکبیر [6] حلیة۔	"غضارہ" سے تیمّم جائز ہے،منیہ،غضارہ چیکتی، عمدہ، سبز مٹی ہوتی ہے، حلیہ وغنیہ بحوالہ قاموس۔اس سے مراد وہ برتن ہے جو اس مٹی سے بنتا ہے جیسے رکابیاں،غنیہ۔اور مغرب میں لکھا ہے: غضارہ: بڑا پیالہ۔حلیہ (ت)

---

[1] الدر المختار مع الطحطاوی باب التیمم مطبوعہ بیروت ۱/۱۲۸

[2] طحطاوی علی الدر باب التیمم مطبوعہ بیروت ۱/۱۲۸

[3] منیة المصلی، فصل فی التیمم، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۷

[4] غنیة المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

[5] غنیة المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

[6] حلیہ

جبکہ ان پر رنگ کی قلعی نہ ہو غنیہ نہ کسی اور غیر جنس ارض کی قلعی یا رنگ حلیہ۔ وقد ذکرہ قبل ھذا استظھارا (اس سے پہلے اسے "ظاہر" کہتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ت) **اقول:** وھو محل (ا) الجزم (میں کہتا ہوں حالانکہ یہ جزم کا موقع ہے۔ت)

(۳۴) قلعی دار ظرف گلی کا وہ رخ جس طرف قلعی نہیں خانیہ خلاصہ غنیہ۔

اقول: وکانت عبارۃ المنیۃ لایجوز بغضارۃ مطلی بالاٰنك بطن الغضارۃ و ظھرھا سواء [1] اھ قد توھم المنع مطلقًا اذا طلی بہ وجھھا فاولھا فی الغنیۃ بما فی الخانیۃ ای سواء فی المنع بالمطلی والجواز بغیرہ اما عبارۃ البزازیۃ اذا طلی وجھھا بالصبغ لایجوزبہ التیمّم وان لم یطل جاز [2] اھ فالکنایۃ لوجھھا۔	**اقول:** منیہ کی درج ذیل عبارت "سبز مٹّی کے ایسے پیالے سے تیمّم جائز نہیں جس پر رانگ کی قلعی ہو، پیالے کا اندرونی اور بیرونی رخ دونوں برابر ہیں" یہ وہم پیدا کر رہی تھی کہ جب صرف سامنے کا رخ قلعی کیا ہوا ہو تو بھی مطلقًا ممانعت ہے اس لئے غنیہ میں اس کی تاویل اس سے کی جو خانیہ میں مذکور ہے یعنی قلعی شدہ سے ممانعت میں اور غیر قلعی شدہ سے جواز میں دونوں رُخ برابر ہیں۔ لیکن بزازیہ کی یہ عبارت: "جب سامنے کے رخ پر رنگ سے پالش کردی گئی ہو تو اس سے تیمّم جائز نہیں اور اگر اس پر پالش نہ کی گئی ہو تو جائز ہے" اھ۔ تو اس میں "اس پر" کا اشارہ سامنے کے رخ سے متعلق ہے۔(ت)

(۳۵) ٹھیکری ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) مختارات النوازل حلیہ اقول سالم ہو یا (۳۶) پسی ہوئی وقیدہ فی الخزانۃ عن النوازل وفی الجوھرۃ عن الخجندی بالمدقوق (خزانہ میں بحوالہ نوازل اور جوہرہ میں بحوالہ خجندی اس کے ساتھ "پسی ہوئی" ہونے کی قید لگائی۔ت)

اقول: ومثلہ مثل مامر من الحجر المدقوق و لفظ النوازل ثم الخزانۃ یجوز بالاٰجر المدقوق و الخزف المدقوق والسبخۃ والحجر	**اقول:** اور اس کی مثال پسے ہوئے پتھر کی ہے جس کا بیان گزرا۔ اور نوازل پھر خزانہ کے الفاظ یہ ہیں: "تیمّم جائز ہے پسی ہوئی اینٹ، پسی ہوئی ٹھیکری، زمینِ شور اور ایسے پتھر سے جس پر غبار ہو یا ایسے پتھر سے

[1] منیۃ المصلی فصل التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۷

[2] فتاوٰی بزازیہ مع الھندیۃ الخامس فی التیمم نورانی کتب خانہ پشاور۔ ۴/ ۱۷

الذی علیه غبار اولم یکن بان کان مغسولا اواملس مدقوقا اوغیر مدقوق[1] اھ۔ اقول: ھذا(۱) مشی فی سطر واحد علی قولین مختلفین وای(۲) فرق بین الخزف والاٰجر فیقید الجواز بھما بالدق و بین الحجر فلافان قلت بل المعنی ولو مدقوقا اقول انما یترقی الی مافیه خفاء اوخلف فان (۳) حق الوصلیة ان یکون الحکم فیما قبلھا اظھر منه فیما بعدھا ولا (۴) اقول: ان یکون ماقبلھا احق بالحکم مما بعدھا کما قالوا فانه غیرمطرد فلوارید ھذاالقیل ولو غیرمدقوق لان خلاف محمد فیه۔	جس پر غبار نہ ہو اس طرح کہ دھلا ہوا ہو، یا صاف چکنا ہو، پسا ہوا ہو یا پسا ہوا نہ ہو اھ۔(ت) اقول: یہ ایک ہی سطر میں دو مختلف قولوں پر چلنا ہے۔اینٹ اور ٹھیکری سے جواز تیمّم کے لئے پسی ہوئی ہونے کی قید لگائی ہے اور پتھر سے جواز کے لئے یہ قید نہیں توآخر وجہ فرق کیا ہے؟اگر کہئے کہ معنی یہ ہے کہ اگرچہ پسی ہوئی ہو تو (اقول) میں یہ کہوں گا کہ ترقی اس معنی کی جانب کی جاتی ہے جس میں کوئی پوشیدگی یا کوئی اختلاف ہو۔اس لئے کہ کلمہ وصلیہ کا حکم یہ ہے کہ اس کے ماقبل کا حکم، مابعد کے حکم سے زیادہ ظاہر ہو اور میں یہ نہیں کہتا کہ اس کا ما قبل مابعد سے زیادہ مستحقِ حکم ہو۔جیسا کہ بعض حضرات نے کہا۔اس لئے کہ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری نہیں ہو پاتا۔الغرض اگر ترقی مقصود ہو تو کہا جاتا ہے کہ اگرچہ پسی ہوئی نہ ہو اس لئے کہ امام محمد کا اختلاف اسی میں ہے۔(ت)

(۳۷) پکّی اینٹ و یاتی (آگے بھی اس کا ذکر آئے گا۔ت)

اقول: وتقییدہ بالمدقوق کما مر عن الخزانة عن النوازل ومثله فی الجوھرة عن الخجندی مرمافیه وقدقال فی الکافی ولو غیرمدقوق[2]۔	اقول: پسی ہوئی ہونے اس کو مقید کرنا جیسا کہ خزانہ میں بحوالہ نوازل اور اسی کے مثل جوہرہ میں بحوالہ خجندی ہے۔ اس کی خامی کا بیان گزر چکا اور کافی کے الفاظ یہ ہیں: "اگرچہ پسی ہوئی نہ ہو"۔(ت)

(۳۸) روڑا

(۳۹) کنّل

(۴۰) کنکریٹ

---

1 خزانۃ المفتین فصل فی التیمم قلمی نسخہ ۱/ ۱۲

2 کافی

(۴۱) بجری یجوز بدقاق الاجر[1] مختارات النوازل حلیة۔ (پکّی اینٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے تیمّم جائز ہے۔ مختارات النوازل، حلیہ وغیرہا۔ ت)

(۴۲) سرخی۔ باریک کٹی ہوئی پکّی اینٹ۔ وھو عـہ مامرٰ انفا عن النوازل وغیرھا (یہ وہی ہے جس کا بیان ابھی نوازل وغیرہا کے حوالہ سے گزرا۔ ت)

(۴۳) کنکری۔ پتھر کے ریزے کہ زمین پر ہوتے ہیں، عربی حصاۃ۔ نوازل محیط خانیہ خزانہ خجندی جوھرہ اگرچہ باریک ریزے ریگ میں ملے ہوئے لم یخرج ای من الصعید مایصعد علی وجهها من دقاق الحصی[2] حلیہ (زمین کے اوپر جو چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوتی ہیں وہ صعید سے خارج نہیں۔ حلیہ۔ ت)

(۴۴) درزی کی بٹیا جس سے وہ کپڑے کو کوٹ کر سلائی دباتا ہے لوتیمّم بفهر الخیاط عندهما یجوز وعن ابی یوسف روایتان[3] خلاصة (اگر سنگِ خیاط سے تیمّم کیا تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابویوسف سے دو ۲ روایتیں ہیں۔ خلاصہ۔ ت)

اقول: یوهم ان لاخلف عن محمد مع ان الجواز هی الروایة النادرة عنه و المشهورة کما فی الحلیة وغیرها شرط التصاق جزء منه بالید وقال فی وجیز الکردری فهر الخیاط وهو حجر	**اقول:** اس عبارت سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام محمد سے کوئی روایتِ اختلاف نہیں، حالانکہ قول جواز یہ امام محمد سے ایک نادر روایت ہے اور روایتِ مشہورہ۔ جیسا کہ حلیہ وغیرہا میں ہے۔ یہ ہے کہ اس کے کسی جز کا ہاتھ سے چپکنا شرط ہے۔ اور وجیز کردری میں فرمایا ہے

عـہ: وذلك لان التقیید به للمشی علی قول محمد من لزوم التزاق شیئ بالید ولایتأتی الافیما جعل کالدقیق۔ ۱۲ منه غفرله (م)	وہ اس لئے کہ اس کی تقیید امام محمد کے قول پر مشی کی وجہ سے ہے کہ ہاتھ میں کچھ چپک جانا ضروری ہے اور یہ اسی میں ہوسکے گا جسے آٹے کی طرح پیس دیا گیا ہو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] مختارات النوازل

[2] حلیہ

[3] خلاصۃ الفتاوٰی مایجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۶

یداس به الثیاب ان لم یصبغ یجوز عندھما بناء علی عدم الشتراط الالتصاق[1] اھ۔ **اقول:** والضمیر فی عندھما للشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما کما یفھم من سباقه ویشھد له البناء المذکور فقد مشی علی روایة الجواز عن ابی یوسف ونسب المشھورة عن محمد الیه خلافا لما فی الخلاصة۔	کہ "سنگِ خیاط یہ ایک پتھر ہوتا ہے جس سے کپڑے کو پیٹا جاتا ہے اگر رنگا ہوا نہ ہو، اس سے دونوں حضرات کے نزدیک تیمّم جائز ہے اس بنیاد پر کہ چپکنا شرط نہیں اھ (ت) **اقول:** دونوں حضرات سے مراد (عندھما کی ضمیر میں) شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں جیسا کہ ماسبق سے سمجھ میں آتا ہے اور جو بنیاد ذکر کی ہے وہ بھی اس پر شاہد ہے وہ امام ابویوسف کی روایتِ جواز پر چلے ہیں اور امام محمد کی روایتِ مشہورہ ان کی طرف منسوب کی ہے اس کے برخلاف جو خلاصہ میں ہے۔(ت)

(۴۵) گچ۔چُونے کا پتھر جسے پھونک کرچُونا بناتے ہیں کماسیأتی اصل، قدوری، ھدایة، ملتقی، وکثیر (جیسا کہ عنقریب آئے گا۔اصل قدوری، ہدایہ، ملتقی اور کثیر۔ت)

(۴۶) گچ کی ہوئی دیوار، درمختار۔

(۴۷) کلسن چُونا ردالمحتار، جاز وعلیه الفتوی نصاب حلیه (جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔نصاب، حلیہ۔ت) اقول یعنی وہ کہ سنگ گچ یا سنگِ مرمر کوئی پتھر پھونک کر بنا ہو۔

(۴۸)۔پتھر کی راکھ اقول یعنی چونا کہ گزر گیا۔

(۴۹)۔یا کھنگر کہ اس کا غیر اس سے سخت تر ہے۔

(۵۰) یا کوئی پتھر پھونک کر پیس لیا جائے۔

(۵۱) یا نرم پتھر پیس کر پھونکا جائے، یہ سب صورتیں پتھر کی راکھ ہیں اور سب سے تیمّم جائز **والمسألة مرت عن الحلیة وخزانة الفتاوٰی وجامع الرموز والدر وش وط علی الدر والمراقی** (اور یہ مسئلہ حلیہ، خزانۃ الفتاوٰی، جامع الرموز، درمختار، شامی، طحطاوی علی الدر اور مراقی الفلاح کے حوالہ سے گزر چکا۔ت)

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی حاشیۃ الہندیۃ الخامس التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

(۵۲) نورہ بال اڑانے کا نسخہ ہڑتال چونا ملا ہوا۔ اصل، قدوری، ھدایۃ، ملتقی، کافی، تبیین، فتح، بحر، نھر، مسکین، مراقی، نوازل، خانیۃ، خلاصۃ، خزانۃ، سراجیۃ، منیۃ، ھندیۃ، ط۔ والنورۃ طلاء مرکب من اخلاط یزال بہ الشعر[1] نتائج شبلیۃ (نورہ چند خلطوں سے ملا ہوا ہے ایک طلا ہے جس سے بال اڑایا جاتا ہے۔ نتائج، شلبیہ۔ ت)

اقول: وربما تطلق علی نفس الکلس کما فی التذکرۃ وغیرھا وھذا اولی الجدۃ الافادۃ ومر عن البرجندی مافھمہ عن زادالفقھاء ان التیمم بالنورۃ لایجوز لانہ مما یترمّد[2] اقول: ھی (۱) من رماد حجر لا انھا ترمد وقد علمت الجواب۔	اقول: نورہ کبھی خود کلس کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ تذکرہ وغیرہا میں ہے۔ اور یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ اس لفظ سے ایک جدید فائدہ حاصل ہو۔ اور برجندی کے حوالہ سے گزرا کہ انہوں نے زادالفقہا سے یہ سمجھا کہ نورہ سے تیمّم جائز نہیں اس لئے کہ یہ رماد ہو جاتا ہے اقول یہ پتھر کے رماد کا ہوا ہی ہے ایسا نہیں کہ یہ رماد بن جاتا ہے اور جواب پہلے بتادیا جا چکا ہے۔ (ت)

(۵۳) یاقوت زمرد زبرجد فیروزہ۔ تبیین، فتح، حلیہ، بحر، نھر، ھندیہ، ازہری، ط۔ زعم بعض النّاس ان الزمرد والزبرجد واحد (اور بعض لوگوں کا خیال یہ ہے کہ زمرد اور زبرجد ایک ہی ہے۔ ت)

اقول: ویردہ (۲) عدھم کلا علی حدۃ وقد قال فی التذکرۃ عند ذکر انواع الزمرد قیل ان منہ نوعا یسمی الصابونی یضرب الی البیاض وفولس یقول انہ من الزبرجد[3] اھ نعم فی الجامع عن ارسطو	اقول: اس خیال کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ فقہاء نے ہر ایک کو الگ الگ شمار کیا ہے۔ تذکرہ میں انواع زمرد کے ذکر میں کہا ہے: کہا گیا ہے کہ اس کی ایک نوع کو صابونی کہا جاتا ہے جو سپیدی مائل ہوتا ہے اور فولس کا کہنا ہے کہ یہ زبرجد ہی سے ہے اھ۔ ہاں جامع میں ارسطو کے حوالہ سے ہے

[1] شلبیۃ مع التبیین باب التیمم مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/ ۳۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[3] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الزاء زمرد کے تحت مذکور ہے۔ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۰

الزمرد والزبرجد حجران یقع علیهما اسمان وهما عـه فی الجنس واحد [1] اهواتحاد	کہ زمرد اور زبرجد دو پتھر ہیں جن کے دونام ہیں اور ان دونوں کی جنس ایک ہے اھ جنس میں

عـه: وعلیه یحمل مافی التذکرة بلفظ وعن المعلم انه والزمرد سواء [2] اھ نقله عنه ای عن ارسطو فی التحفة والمخزن ان معدنها واحد۔

اقول: ولایدل علی اتحاد هما فرب شیئ یتکون فی معدن شیئ اٰخر الاتری انهما یتولدان فی معدن الذهب کما قال ارسطوا ما مافی التذکرہ قال هرمس لافرق بینهما الاتلون الزبرجد [3] اھ فیحتمل التاویل اوهو قیل اما قول القاموس الزمرد الزبر جد معرب اھ فقد قال فی التاج قال التیفاشی فی کتاب الاحجار قال الفراء ان الزبر جد تعریب الزمرد ولیس کذلك بل الزبرجد نوع اٰخرمن الحجارة وقال ابن ساعد

اور اسی پر وہ محمول ہوگا جو تذکرہ کے اندر ان الفاظ میں ہے: اور معلم سے منقول ہے کہ یہ اور زمرد دونوں برابر ہیں اھ۔اور اسے تحفہ اور مخزن میں اس سے ---- یعنی ارسطو سے---- یہ نقل کیا ہے کہ "ان دنوں کا معدن ایک ہے"۔

اقول: یہ بات زبرجد وزمرد دونوں کے ایک ہونے پر دلالت نہیں کرتی،اس لئے کہ بہت ایسی چیزیں ہیں جو کسی دوسری چیز کے معدن میں بنتی ہیں۔ان ہی دونوں کو دیکھ لیجئے کہ یہ سونے کے معدن میں پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ ارسطو نے کہا۔رہا وہ جو تذکرہ میں ہے کہ "ہرمس نے کہا: ان دونوں میں سوااس کے کوئی فرق نہیں کہ زبرجد متلوّن ہوتا ہے اھ "تو اس عبارت میں تاویل کی گنجائش ہے یا یہ ایک ضعیف قول ہے۔اب قاموس کی عبارت دیکھئے کہ "زمرد: زبرجد اس کا معرب ہے اھ "اس پر تاج العروس میں لکھا ہے: تیفاشی نے کتاب الاحجار میں رقم کیا ہے کہ فراء نے کہا زبرجد،زمرد کی تعریب ہے۔حالاں کہ ایسا نہیں،بلکہ زبرجد پتھر کی ایک دوسری نوع ہے۔اور ابن ساعد (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] جامع ابن بیطار

[2] تذکرۃ اولی الالباب زبرجد کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۵

[3] تذکرۃ اولی الالباب زبرجد کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۵

الجنس لایمنع اختلاف لایمنع اختلاف النوع والصنف کاللعل والیاقوت الرمانی والنیلم والبسراق۔	اتحاد، نوع یاصنف میں اختلاف سے مانع نہیں جیسے لعل ویاقوت رمانی اور نیلم وبسراق۔(ت)

(۵۷) بلخش یتیمّم البلخش قالہ الثمانیۃ المذکورون (بلخش سے تیمّم ہوسکتاہے۔مذکورہ آٹھوں کتابوں میں اسے بیان کیاگیاہے۔ت)

اقول: کتب لغت حتی کہ قاموس محیط میں اس لفظ کا پتانہیں، نہ تاج العروس نے اس سے استدراک کیانہ جامع ابن بیطار وتذکرہ انطاکی وتحفہ ومخزن میں اس کاذکر عجب[1] کہ کتاب مُغرب میں بھی اس سے غفلت کی حالانکہ وہ فقہ حنفی کالغت ہے اور یہ لفظ کتب فقہ حنفیہّ میں موجود پھر میں نے تاج العروس میں زیرِلفظ بدخشان دیکھاکہ اس کی کان بدخشان میں بتائی،

اذقال فی المستدرك بعد باذش بدخشان ویقال بذخش بلدہ فی اعلی طخارستان والعامۃ یسمونھا بلخشان فی جبالھا معادن البلخش واللازورد وحجر الفتیلۃ[1]۔	اس میں استدراک کے تحت لفظ باذش کے بعد یہ لکھا ہے: بدخشاں،اور بذخش بھی کہاجاتاہے۔یہ طخارستان کے بالائی حصہ میں ایک شہر ہے اور عام لوگ اسے بلخشاں کہتے ہیں اس کے پہاڑون میں بلخش،لازورد اور حجر القتیلہ کی کانیں ہیں۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الانصاری قیل معدنہ قرب معدن الزمرد قال شیخنا وھذا نص فی المغایرۃ قال و فرق جماعۃ اُخرون بان الزمرد اشد خضرۃ من الزبرجد اھ واللہ تعالٰی اعلم بخلقہ یخلق مایشاء ویختار ۱۲منہ غفرلہ (م)	انصاری کہتے ہیں: کہا گیاکہ اس کامعدن زمرد کے معدن کے قریب ہوتاہے۔ہمارے شیخ نے فرمایا: یہ اس بارے میں نص ہے کہ دونوں دو۲ پتھر ہیں۔انہوں نے کہا: کچھ دوسرے حضرات نے دونوں میں یہ فرق بتایاہے کہ زمرد، زبرجد سے زیادہ سبز ہوتاہے اھ۔اور اللہ ہی اپنی مخلوق کوخوب جانتاہے جوچاہتاہے تخلیق فرماتاہے اواختیار کرتاہے۔۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] تاج العروس فصل الباء من باب الشین احیاء التراث العربی مصر ۴/ ۲۸۱

اس سے مظنون ہوتا ہے کہ لعل کو کہتے ہوں کہ نسبت بدخشان سے لعل ہی مشہور ہے مگر انوار الاسرار میں اس کا تذکرہ نظر آیا اس میں لکھا:

البلخش حجر بناحیة المشرق فی معادن الذهب لونه لون الیاقوت الاحمر وھو اشف من الیاقوت[1]	بلخش اطراف مشرق میں سونے کی کانوں میں ایک پتھر ہوتا ہے جو سرخ یاقوت کے رنگ کا اور یاقوت سے زیادہ شفاف ہوتا ہے۔(ت)

اس میں اتنی بات کہ سرخ رنگ ہے اور یاقوت سے زیادہ شفاف لعل پر صادق ہے مگر سونے کی کان مین پیدا ہونا ظاہراً اس کے خلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵۸) عقیق الثمانیة الاالتبیین خانیة خلاصة خزانة غنیة مراقی (آٹھوں کتابیں سوائے تبیین کے، خانیہ، خلاصہ، خزانہ، غنیہ، مراقی۔ت)

(۵۹) مرجان یعنی مونگا علی مافی عامة الکتب ویأتی (جیساکہ عامہ کتب میں ہے اور آگے بھی اس کا ذکر آئے گا۔ت)

(۶۰) سُرمہ اصل قدوری ہدایة ملتقی والعامة۔ **اقول:** مگر پسے ہوئے سے بے ضرورت صنع ہے اگر چہرے پر دھبّہ دے لانه من المثلة کما یأتی فی الطین (اس لئے کہ یہ مُثلہ میں شمار ہے جیسا کہ مٹّی کے بارے میں آرہا ہے۔ت)

(۶۱) اِثمِد یعنی اصفہانی سرمہ سیاہ وسرخ ہوتا ہے، حدیث میں اس کی تعریف فرمائی۔ اصل، نوازل، خانیہ، خلاصہ، خزانہ۔

(۶۲) کبریت گندھک مرّ عن ثمانیة کتب (آٹھ کتابوں کے حوالہ سے ذکر ہوا۔ت)

(۶۳) زرنیخ ہڑتال مرّ عن ستّة وعشرین کتابا (چھبیس ۲۶ کتابوں کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ت)

زرد تو کثیر الوجود ہے نیز (۶۴) سرخ، حلیہ، غنیہ۔

(۶۵) سپید۔ حلیہ۔

(۶۶) سیاہ۔ غنیہ۔

(۶۷) مردار سنگ معدنی ویأتی (اور آگے بھی ذکر آئے گا۔ت)

(۶۸) تُوتیا۔ نوازل، خزانہ **اقول:** یعنی معدنی پتھر اگر ملے نہ جست کہ سونے چاندی تانبے کی طرح

---

[1] انوار الاسرار

اجساد سبعہ میں کا ایک ہے کما یأتی (جیسا کہ آرہا ہے۔ت) اگرچہ عہ تحفہ[1] و مخزن میں ناواقفانہ اسے معدنی توتیا کہا۔

عـــہ: فرہنگ خاتمہ مخزن میں ہے:

روئے توتیا شبہ است ومشہور بروح توتیاست چہ آں توتیائے غیر مصنوع ومعدنی ست چہ آں توتیائے غیر مصنوع ومعدنی ست۔	روئے توتیا جست کو کہتے ہیں اور روح توتیا کے نام سے مشہور ہے۔اس لئے کہ یہ غیر مصنوع اور معدنی توتیا ہے۔ت)

تحفہ میں اتنا اور ہے:

بخلاف سائر اقسام توتیا کہ روئیدہ معدن نیستند۔	(بخلاف اور ساری اقسام توتیا کے کہ وہ معدن کی پیداشدہ نہیں۔ت)

اقول: یہ صحیح نہیں بلالکہ صُفر کو کہ تانبے کی ایک قسم ہے فارسی میں رُو کہتے ہیں۔ تحفہ میں ہے: رُوئے اسم فارسی طالیقون ست (رُو، طالیقون کا فارسی نام ہے۔ت) اسی میں ہے:

طالیقون بفارسی مس رست گویند وصفر عربی۔	طالیقون کو فارسی میں مس رست کہتے ہیں اور عربی میں صُفر۔(ت)

اس سے امتیاز کے لئے جست کو روئے توتیا کہتے ہیں کہ توتیائے مصنوع جست اور رانگ سے بھی بنتا ہے۔ مخزن میں ہے:

ہم چنیں از قلعی وشبہ یعنی روئے توتیا شنیدہ شد کہ بعمل آورند۔	اسی طرح سنایا گیا کہ قلعی اور شبہ یعنی روئے توتیا سے بھی بناتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

شبہ بفارسی روئے توتیا وبہندی جست۔	شبہ، فارسی میں روئے توتیا اور ہندی میں جست۔(ت)

جست ایک کثیر الوجود چیز ہے اور توتیائے معدنی معدوم یا نادر الوجود۔ جامع ابن بیطار میں ہے:

فی کثیر من الاحایین قد یحتاج الی التوتیا ولا توجد۔	بسا اوقات توتیا کی ضرورت پڑتی ہے اور ملتی نہیں۔(ت) پھر وہ توتیائے معدنی کیسے ہوسکتا ہے؟ ب

پھر وہ توتیائے معدنی کیسے ہوسکتا ہے؟ بلکہ مخزن میں توسرے معدنی توتیا مانا ہی نہیں کہ انچہ بتحقیق پیوست آنست کہ غیر مصنوع نمی باشد (جو کچھ تحقیق میں آیا وہ یہ ہے کہ غیر مصنوع نہیں ہوتا۔ت) ۱۲منہ غفرلہ (م)

(۶۹) معدنی شیشہ

(۷۰) لاہوری نمک جسے سیندھا اور ملح اندرانی کہتے ہیں ویأتیان ان شاء الله تعالٰی (دونوں کا ذکر ان شاء اللہ تعالٰی پھر آئے گا۔ت) (۷۱) وہ نمک کہ مٹّی سے بنا ہو۔

اقول: دلت علیه مسألة السبخة وجواز التیمّم بها اذاکان ملحها من تراب کما سیأتی اذلولم یجزبه وهو علی وجهها لم یجزبها کمطلی بانك ومصبوغ بغیر الجنس۔	**اقول:** اس کی دلیل زمین شور اور اس سے جواز تیمّم کا مسئلہ ہے جب کہ اس کا نمک مٹی سے پیدا ہوا ہو جیسا کہ آگے آرہا ہے۔اس لئے کہ اگر اس نمک سے تیمّم جائز نہ ہوتا جبکہ یہ اس زمین کی سطح پر پڑا رہتا ہے تو اس زمین سے تیمّم جائز نہ ہوگا جیسے رانگ سے قلعی کئے ہوئے اور غیر جنس زمین سے رنگے ہوئے مٹی کے برتن سے تیمّم جائز نہیں۔(ت)

(۷۲) خاک جس میں اس سے کم راکھ ملی ہو۔جوهرة فتح بحر وتقدم عن ثمانیة أُخر فی النکات (جوہرہ، فتح، بحر اور مزید آٹھ کتابوں کے حوالہ سے نکات کے تحت اس کا بیان گزرچکا۔ت)

(۷۳) یونہی اگر آٹا مل گیا اور خاک زائد ہے جوهرہ۔

(۷۴) سونا کپڑا آدمی جانور جس چیز پر مٹّی یا ایسا غبار ہو کہ ہاتھ پھیرے سے انگلیوں کا نشان بن جائے۔فتح، بحر، در وکثیر وفی التبیین یجوز بالنقع سواء کان الغبار علی ثوبه او علی ظهر حیوان [1] (اور تبیین میں ہے کہ غبار سے تیمّم جائز ہے چاہے وہ اس کے کپڑے پر ہو یا کسی جانور کی پشت پر ہو۔ت)

مزیدات (ایک سوسات ۱۰۷ چیزیں کہ مصنّف نے زائد کیں)

(۷۵) خاک شفا

(۷۶) مسجد کی دیوار

(۷۷) مسجد کا کچّا خواہ پکّا فرش

(۷۸) زمین جس پر شبنم پڑی ہے۔

(۷۹) سخت زمین جس پر مینہ برس کر پانی نکل گیا وهما فی معنی ما یأتی من ارض رش علیها الماء وبقی نداه (یہ دونوں اس زمین کے معنی میں ہیں جس پر پانی کا چھڑکاؤ ہوا اور تری باقی رہ گئی اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب التیمم، مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/۳۹

(۸۰) گھڑا جس کے اندر پانی بھرا اوپر سے بھیگا ہوا۔

(۸۱) کھریا مٹّی

(۸۲) ملتانی مٹّی اور وہ پیلی مٹی کی غیر ہے جس کے بورے پیسے پیسے بکتے ہیں ان میں وہی فرق ہے جو گیرو اور سرخ مٹّی میں۔

(۸۳) گِلِ سر شوے سر دھونے کی مٹّی سفیدی مائل بزروی خوشبو ہوتی ہے گِلِ شیرازی وطین فارسی کہلاتی ہے۔

(۸۴) گِلِ خوردنی خالص سوندھی مٹّی خوشبو خوش ذائقہ جسے طین خراسانی کہتے ہیں۔ بعض حاملہ عورتیں اور پست طبیعت لوگ اسے کھاتے ہیں۔ طبًّا مضر اور شرعاً حرام[1] ہے مگر تیمّم جائز جبکہ دوائیں ملا کر اسے مغلوب نہ کردیا ہو خالص سے ہماری یہی مراد ہے۔

(۸۵) پنڈول

(۸۶) پھوڑی مٹی کہ چکنی کے مقابل ہے لس نہیں رکھتی جلد بکھر جاتی ہے۔

(۸۷) کاٹھیاوار میں سنکر کی مٹی کہ سونے کی مثلی ہوتی ہے۔

(۸۸) چولہے کی بھٹ

(۸۹) تنور کا پیٹ

(۹۰) دیوار کی لُونی

(۹۱) ندی کنارے کا گیلا ریتا

(۹۲) بالُو۔ بھاڑ کا ریتا

(۹۳) سراب کہ دُور سے پانی نظر آتا ہے۔

(۹۴) ریگ رواں کہ پانی کی طرح بہتا ہے۔

(۹۵) دیگچیوں کا تَلا جس پر پاک لیوا چڑھا ہے اگرچہ آنچ کھاچکا۔

(۹۶) درختوں کا تنہ جس پر اَپلے نے مٹی چڑھادی خشک ہونے پر تیمّم کیا جائے۔

(۹۷) سانپ کی بانبی۔

(۹۸) کنکر، مٹّی ہے کہ محجر ہو جاتی ہے۔ معدنی چیزوں کی طرح زمین کے اندر سے نکلتا ہے۔

(۹۹) کھرنجا

(۱۰۰) پکّی سڑک جبکہ[2] نئے بنے ہوں ان پر لید، گوبر، پیشاب وغیرہ نجاست نہ پڑی یا پڑی اور زور کا مینہ برسا کہ پاک کرگیا یا دھو کر پاک کرلیے گئے۔

(۱۰۱) ریہ کہ ایک قسم کی نمکین خاک ہے۔

(۱۰۲) سچّی چینی کے برتن جبکہ ان پر غیر جنس کا روغن نہ ہو۔

(۱۰۳) گندھک کے برتن پیالے وغیرہ۔

(۱۰۴) مٹّی کے کھلونے جن پر غیر جنس کی رنگت نہ ہو۔

(۱۰۵) غلیل کے غُلّے اگرچہ ان میں روئی وغیرہ کا خلط ہو جبکہ مٹّی غالب ہو۔

(۱۰۶) پتھر کی بجری کہ قدرتی پتھر دال کے برابر ہے۔

(۱۰۷) سیمنٹ ایک پتھر ہے پھُنکا ہوا۔

(۱۰۸) ہرونجی دیواروں پر سرخ رنگ میں کام آتی ہے۔

(۱۰۹) سیل کھری اس س دیوار پر سفید چمکدار چکنی قلعی ہوتی ہے اگرچہ تھوڑا دودھ بھی ملاتے ہیں۔ مگروہ قلیل ہے اور اعتبار غالب کا کما تقدم (جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ت)

(۱۱۰) گٹی کہ عمارت کے کام کا چونا ہے۔

(۱۱۱) کالا چونا یہ بھی کارِ عمارت میں آتا ہے اور کوئلہ مغلوب۔

(۱۱۲) گٹا، پکّی اینٹ توڑ کر کالا چونا اور گٹّی ملاتے ہیں۔

(۱۱۳) صندلہ گٹّی اور سرخی ملا کر۔

(۱۱۴) قلعی کا سفیدہ جس سے دیوار پر سفیدی ہوتی ہے معدنی پتھر ہے عربی اسفیداج الجصاصین۔

(۱۱۵) کہگل کی دیوار لان التبن قلیل مستھلک (اس لئے کہ اس میں بھُس تھوڑا اور فنا ہوتا ہے۔ت)

(۱۱۶) یونہی جس درودیوار یا چھت پر صندلہ یا سیمنٹ ۱۱۷ پھرا ہو۔

(۱۱۸) جس درودیوار پر بالوتَر ہو۔

(۱۱۹) جن پر بادامی [۱۲۰]، لاکھی [۱۲۱]، سرخ [۱۲۲]، سبز [۱۲۳]، زرد [۱۲۴]، دھانی [۱۲۵]، آسمانی [۱۲۶]، کتھی [۱۲۷]، زنگاری [۱۲۸]، خاکی [۱۲۹]، فاختی [۱۳۰]، پیازی [۱۳۱]، فیروزی رنگتیں ہوں کہ اگرچہ سرخ میں شنجرف، سبز میں مصنوع توتیاآم کی چھال بکائن کے پتّے، زرد میں کبھی ملتانی کے سوا ٹیسو کے پھول، دھانی میں کبھی سبز گل کے سوا وہی توتیا چھال، آسمانی میں کوئلہ، مصنوع لاجورد، کتھی میں ببول کی چھال، زنگاری میں سبز توتیا، خاکی میں کوئلہ، فاختی میں لاجورد وپیازی میں پیوڑی، فیروزی میں توتیا وغیرہ وغیرہ اشیائے غیر کی آمیزش ہے مگر بہر صورت اصل گٹی ہے اسی کا حصہ کثیر وغالب اور اُن کا خلط اس میں رنگت لانے کے لئے ہوتا ہے۔

(۱۳۲) پکّی قبر کہ وہاں ظنِ نجاست نہیں۔

(۱۳۳) سنگِ مرمر

(۱۳۴) سنگِ موسٰی

(۱۳۵) سنگِ سپید

(۱۳۶) سنگِ سرخ

(۱۳۷) چُوکا، گہرا سبز

(۱۳۸) سنگِ ستارہ سرخی مائل بہت چمکدار ذرّے ذرّے نمایاں۔

(۱۳۹) گوٗدنتی سپید نیلگوں جھلکدار، اس کے نگینے بھی بنتے ہیں۔

(۱۴۰) حجرالیہود و (۱۴۱) مقناطیس، (۱۴۲) سنگِ سماق جس کے کھرل مشہور ہیں۔

(۱۴۳) سان، (۱۴۴) سلی، (۱۴۵) کرنڈ، (۱۴۶) کسولی، (۱۴۷) چقماق، (۱۴۸) ریل کا کوئلہ کہ پتھر ہے۔ (۱۴۹) سلیٹ، (۱۵۰) ترکستان کا وہ پتھر کہ لکڑی سا جلتا ہے۔

(۱۵۱) شام شریف کا وہ پتھر کہ آگ میں ڈالے سے لپٹ دیتا ہے۔

(۱۵۲) صِقلبِیّہ کا وہ پتھر کہ گرم پانی سے مشتعل ہوتا اور تیل سے بجھتا ہے۔

(۱۵۳) حجرالفتیلہ جس کی بتّی بنا کر جلاتے ہیں ان چاروں پتھروں کا بیان اوپر گزرا ہے۔

(۱۵۴) بلور معدنی پتھر ہے **ولاینافیہ مامر من ظن ارسطو انہ من انواع الزجاج المعدنی** (اور ارسطو کا خیال جو بیان ہوا کہ "وہ معدنی زجاج کے اقسام سے ہے" اس کے منافی نہیں۔ت)

(۱۵۵) سنگِ جراحت اور وہ [۱۵۶] لاجورد، [۱۵۷] زہر مہرہ، [۱۵۸] مہرہ مار کہ معدنی ہوں۔

(۱۵۹) دریائی توتیا کہ پتھر ہے امین الدولہ نوشتہ کہ توتیا بحری نیز باشد وآں سنگہائے سفید مستدیر شبیہ بسنگریزہ است، مخزن[1] (امین الدولہ نے لکھا ہے کہ توتیا بحری بھی ہوتا ہے، یہ سفید، گول سنگریزہ کے مشابہ پتھر ہوتے ہیں۔ مخزن۔ت)

(۱۶۰) الماس یعنی ہیرا [۱۶۱] لعل [۱۶۲] نیلم

(۱۶۳) پکھراج

(۱۶۴) یشب

[1] مخزن الادویۃ فصل التاء مع الواو مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۱۹۰

(۱۶۵) گئوسیدک چمکدر جواہر سے ہے زرد سرخی مائل نور تن عہ۱ میں داخل۔

(۱۶۶) سنگِ شجری، درخت کی اسی جھلک نظر آتی ہے۔ زیور میں جڑا جاتا ہے۔

(۱۶۷) سنگِ سنہرا مشابہ پکھراج مگر اس سے ہلکا۔ یہ بھی جڑائی میں کام آتا ہے۔

(۱۶۸) بُسدّ کہ مستقل پتھر ہے یا بیخ مرجان۔ بہر حال قابل تیمّم ہے۔

(۱۶۹) دَہنج یعنی دَہنَہ فرِنگی جسے لوگ دہن فرنگ بولتے ہیں۔

(۱۷۰) عینُ الہر یعنی لہسنیا۔

(۱۷۱) جزع یعنی مہرہ یمانی۔

(۱۷۲) دانہ سلیمانی۔

(۱۷۳) سبز، (۱۷۴) خاکی، (۱۷۵) سنہری ہرتال۔

زرنیخ سات قسم ہوتی ہے چار قسمیں حلیہ وغنیہ سے گزریں تکمیل عہ۲ کے لئے ہم نے انہیں اضافہ کیا ورنہ اس طرح مشہور یہی پانچ قسمیں ہیں اور خاکی اور سنہری ابن البیطار نے کتاب الاحجار سے نقل کیں۔ (م)

عہ۱: اس میں آٹھ پتھر ہیں: یاقوت، پنّا یعنی زمرد، نیلم، پکھراج، لہسنیا، مونگا، ہیرا، گئوسیندک اور نواں موتی۔ ۱۲منہ غفرلہ (م)

عہ۲: شاید حلیہ وغنیہ نے ہڑتال کی سبز قسم اس لئے ترک فرمائی کہ کمیاب ہے۔ تذکرہ میں ہے:

(زرنیخ) خمسة اصناف اصفر وھو اشرفھا واحمر یلیه فی الشرف وابیج یسمی زرنیخ والنورة ودواء الشعر وھذا اوطی الانوع واخضر اقلھا وجودا ونفعا واسود اشدھا حدة واکثرھا کبریتیة [1] اھ۔	ہڑتال کی پانچ قسمیں ہیں: (۱) زرد۔ یہ ساری قسموں سے بہتر ہوتی ہے۔ (۲) سرخ۔ عمدگی میں اسی کے قریب ہوتی ہے۔ (۳) سفید۔ اسے زرنیخ، نورہ اور بال کی دوا بھی کہا جاتا ہے اور یہ سب سے زیادہ پامال قسم ہے۔ (۴) سبز۔ یہ سب سے کم یاب اور کم نفع ہے۔ (۵) سیاہ۔ یہ حدّت میں سب سے شدید اور کبیریتیت میں سب سے زیادہ ہوتی ہے اھ (ت)
اقول: وماقال فی الاخضر فھو عکس المعھود فان المعھود ان عزیز النفع عزز الوجود واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** سبز قسم کے بارے میں جو بتایا یہ معہود کے برخلاف ہے اس لئے کہ معہود یہ ہے کہ جو چیز زیادہ نفع بخش ہوتی ہے وہ کم یاب ہوتی ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

---

[1] تذکرہ اولی الالباب حرف الزاء زرنیخ کے تحت مذکور ہے۔ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۸

اقسام گنی جائیں تو شمار بہت ہو مثلاً کبریت بھی زرد، سرخ، سیاہ، سفید، زرد مائل، سبزی مائل بکبودی، پچرنگی متعدد اقسام کی ہوتی ہے۔اور درزی کی بٹیا شمار فرمائی۔

(۱۷۶) توسِل (۱۷۷) بٹا

(۱۷۸) چکّی کے پاٹ (۱۷۹) تولنے کے باٹ کہ پتھر کے ہوں۔

(۱۸۰) کھرل کیوں نہ معدود ہوں۔

اقول: مگر یہاں ایک دقیقہ ہے جس کا ذکر کتب میں نظر سے نہ گزرا بعض[1] پتھر پیدائشی یا ان میں دانت پیدا کرنے سے ایک سمت میں ایسے کھدڑے ناہموار ہوتے ہیں کہ ان پر کفدست کی ضرب سے ہتھیلی کی پوری سطح پتھر سے مس نہ کرے گی اس صورت میں اگر اکثر کف کو مس نہ ہوا تیمّم صحیح نہ ہوگا لہٰذا اقبال وادبار جن کا ذکر حواشی میں گزرا یعنی ہاتھ جنسِ ارض پر ملنا آگے لے جانا پیچھے لانا کہ سنّت تھا یہاں فرض ہوگا کہ تمام کف یا کم از کم اکثر کو پتھر سے مس ہو جائے، یہی حکم کنکریاں ناہموار زمین وغیرہ میں ملحوظ رہنا لازم۔

ثم اقول: وہ حکم کہ ان شاء اللہ الکریم آگے آتا ہے کہ چہرہ وہر دو دست کو اکثر کف سے مسح کرنا ضرور ہے یہاں[2] اگر جنس ارض پر خود اکثر کف ہی کا مسح ہوا تو لازم ہوگا کہ یہ اکثر تمام وکمال یا اس کا اتنا حصہ جس پر اکثر صادق آئے چہرہ ہر دو دست سے مس کرے ورنہ اگر کف سے مسح کیا اور وہ اس حصے سے مل کر اکثر کف ہے جس نے جنسِ ارض سے مس نہ کیا تھا تو تیمّم نہ ہوگا۔

ثم اقول: وہ جو گزرا[3] کہ کف دست کے لیے جنس ارض پر ضرب ہی بس ہے انہیں دوبارہ مسح نہ کرے اس حالت میں ہے کہ پورے کف دست کا جنس ارض سے مس ہو گیا ہو ورنہ اگر اکثر کا مس ہوا اور اسی اکثر سے چہرہ دہر دو دست کو مسح کیا تو یہ مسح اُن کے لیے کافی سہی خود کفدست کے جو بعض حصّے باقی رہ گئے استیعاب نہ ہوا تیمّم نہ ہوا لہٰذا اس صورت میں لازم ہے کہ ہتھیلیوں پر بھی ہاتھ پیرے۔

وھذا کلہ وان لم ارہ صحیح واضح ان شاء اللہ تعالٰی فاحفظ تحفظ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ سب اگرچہ میری نظر سے نہ گزرا مگر ان شاء اللہ تعالٰی صحیح وواضح ہے تو اسے یاد رکھو محفوظ رہوگے اور خدائے تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔(ت)

(۱۸۱) ابرک عـہ بھی حسبِ[4] تصریح اہل فن پتھر ہے تو ضرور کہ اس سے بھی تیمّم جائز ہو۔انوار الاسرار میں ہے:

عـہ: یہ لفظ اردو میں یونہی کاف سے ہے فقیر کی رائے میں ممکن کہ اصل ابرق قاف سے ہو براقت سے ماخوذ یعنی نہایت چمچملدار جس طرح فارسی میں ابلق کو ابلک کہتے ہیں۔۱۲منہ غفرلہ (م)

حجر الطلق حجر براق مؤلف من ورقات [1] الخ (ابرک کا پتھر ایک چمکدار پتھر ہوتا ہے جو چند ورقوں سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ت) جامع ابن بیطار میں محمد بن عبدون سے ہے:

(طلق) حجر براق یتحلل اذادق الی طاقات صغار دقاق [2]۔	طلق (برک) ایک بہت چمکدار پتھر ہوتا ہے جب اسے کُوٹا جاتا ہے تو چھوٹی چھوٹی باریک تہوں میں تحلیل ہو جاتا ہے۔(ت)

اسی میں دیسقوریدوس سے ہے:

الطلق حجر یکون بقبرس شبیه بالشب الیمانی یتشظی وتتفسخ شظایاه فسخا ویلقی ذلك الفسخ فی النار ویلتهب ویخرج وهو متقدالا انه لایتحرق [3]۔	طلق، قبرس میں شب یمانی کے مشابہ ایک پتھر ہوتا ہے جو تہوں میں چاک ہو جاتا ہے اور اس کی تہیں ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہیں اس ٹکڑے کو آگ میں ڈالا جاتا ہے اور بھڑک اٹھتا ہے اور روشن ہو کر نکلتا ہے مگر وہ جلتا نہیں ہے۔(ت)

تذکرہ انطاکی میں ہے:

هوزئبق خالطه اجزاء ارضیة وتغلب علیه الیبس فتلبد طبقات انعقدت بالبرد [4]۔	وہ پارہ ہے جس سے زمینی اجزاء مل گئے ہیں اور اس پر خشکی غالب کرکے ایسی تہوں میں جمادیا ہے جو ٹھنڈک کی وجہ سے بندھ گئی ہیں۔(ت)

مخزن میں ہے:

ماہیت آں جسمے معدنی ست متکون از زیبق خالص وکبریت قلیلے غالب براں ارضیت ویبس۔ گفتہ اند دوصفت مے باشد یکے صفائحی ورق ورق میگردد دوم مانند سنگ جص [5]۔	اس کی ماہیت ایک معدنی جسم ہے۔ خالص پارہ اور تھوڑی کبریت سے بنتا ہے اس پر ارضیت اور خشکی غالب ہوتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ وہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک صفائحی جو ورق ورق ہو جاتا ہے دوسری قسم گچ کے پتھر کی طرح ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] انوار الاسرار

[2] جامع ابن بیطار

[3] جامع ابن بیطار

[4] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الطاء مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۳۳

[5] مخزن الادویہ فصل الطاء مع اللام مطبوعہ نولکشور کانپور ص ۴۰۹

بلکہ سنگ گچ اسی کی ایک قسم ہے۔جامع میں زکریارازی کی کتاب علل المعادن سے ہے:

الطلق جنسان جنس یکون متصفحا یتکون من حجارۃ الجص ویکون فی جزیرۃ قبرس[1]۔	ابرک کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ کہ چوڑی چوڑی ہوتی ہے جو گچ کے پتھروں سے بنتی ہے،اور جزیرہ قبرس میں پیدا ہوتا ہے۔(ت)

اسی میں غافقی سے ہے:

ھذا الجنس ھو الجبسین وھو الطلق الاندلسی[2]۔	اسی قسم کا نام جبسین ہے اور یہی اندلسی ابرک ہے۔(ت)

اسی میں اسحٰق بن عمران سے ہے:

الجبسین ھو الجص والجص ھو الجبسین وھو حجر رخوبراق ابیض واحمر وممترج بینھما وھو من الابدان الحجریۃ الارضیہ[3]۔	جبسین گچ ہی ہے اور گچ یہی جبسین ہے اور یہ نرم،خوب چمکدار،سفید،سرخ اور دونوں کی آمیزش رکھنے والا ایک پتھر ہوتا ہے اور یہ سنگی زمینی اجسام سے ہے۔(ت)

بلکہ انطاکی نے کہا گچ حقیقۃً کچّی ابرک ہے،تذکرہ میں ہے:

(جبسین) ھو الجص وھو فی الحقیقۃ طلق لم ینضج وقیل انہ زئبق غلبتہ الاجزاء الترابیۃ فتحجر[4]۔	جبسین وہی گچ ہے اور یہ حقیقت میں وہ ابرک ہے جو ابھی پکّی نہ ہو اور کہاگیا یہ پارہ ہے جس پر زمینی اجزا کا غلبہ ہوا تو پتھر بن گیا۔(ت)

اور گچ سے جواز تیمّم عامہ کتب متون وشروح وفتاوٰی میں منصوص اور خود محرر مذہب نے اس پر نص فرمایا تو ابرک سے بھی جواز لازم۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مقام سوم: وہ بعض اشیاء جن سے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک تیمّم صحیح نہیں۔ظاہر ہے کہ اشیائے معدودہ کہ جنس ارض ہیں ان کے سوا دنیا کی تمام چیزیں ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناقابل تیمّم ہیں توان کا شمار نامقدور مگر ہم یہاں بدستور ان کا ذکر کریں جن پر کتب میں نص اس وقت پیش نظر۔عام ازیں کہ اُن میں کوئی محل خفا ہو یا نہ ہو جیسے علما نے نص فرمایا ہے کہ گھاس لکڑی مہندی برف سے تیمّم باطل ہے اس پر بعض عوام کہیں گے علما نے ایسی چیزیں کیوں گنائیں ان سے تیمّم نہ ہوسکنا ہر شخص جانتا ہے یہ اُن کی غلط فہمی ہے ہر شخص اگر جانتا بھی ہے تو یوں ہی کہ علمائے کرام افادہ فرماگئے ورنہ کیا اپنے گھر سے جان لیتا اقول بلکہ

---

[1] جامع ابن بیطار

[2] جامع ابن بیطار

[3] جامع ابن بیطار

[4] تذکرہ داؤد انطاکی، حرف الجیم، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱/۱۰۳

یہ اب تمہارے لیے ظاہر ہیں ورنہ ان میں وہ خفا ہے کہ بعض ائمہ مجتہدین پر اُن کا نا قابل ہونا ظاہر نہ ہوا مقدمہ عشماویہ اور اس کی شرح الاحمد بن ترکی المالکی میں ہے :

(فرائضه اربعة) رابعها (الصعید الطاهر وهو کل ماصعد علی وجه الارض) ای من جنسها من ثلج اوخضخاص اومعدن غیر نقدوجوهر الا ان لایجد غیرهما[1]۔	تیمّم کے فرائض چار ہیں۔ چوتھا فرض، پاک صعید۔ اور یہ ہر وہ چیز ہے جو روئے زمین پر چڑھی ہوئی ہے۔ یعنی جنس زمین سے ہو جیسے برف یا خضخاص یا نقد (سونے چاندی) اور موتی کے علاوہ کوئی دھات مگر یہ کہ ان دونوں کے سوا کچھ نہ ملے۔ (ت)

حاشیہ یوسف سفطی مالکی میں ہے :

قوله من ثلج ومثله الماء الجامد والجلید وکذا یتیمّم علی الملح ولوکان مصنوعا من حلفاء اومن اراك والمعتمد انه یجوز التیمّم علی الخشب وعلی الزرع وعلی الحشیش بشروط ثلثة اذا لم یجد غیر ذلك وضاق الوقت ولم یمکن قلعه فمن کان علی شجرة او مرکب ولم یمکن قلعه فمن کان علی شجرة او مرکب ولم یجد ماء ولا ترابا یتیمّم علی الخشب هذا هو المعتمد[2]۔	ان کی عبارت "من ثلج"۔ برف، اس کے مثل جما ہوا پانی اور پالا بھی ہے۔ اسی طرح نمک پر بھی تیمّم کرسکتا ہے اگرچہ حلفاءً یا اراک سے بنا ہوا ہو اور معتمد یہ ہے کہ لکڑی پر، کھیتی پر اور گھاس پر تین شرطوں سے تیمّم جائز ہے: (۱) جب دوسری چیز نہ ملے۔ (۲) اور وقت تنگ ہو۔ (۳) اور اسے اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو جو شخص کسی درخت یا سواری پر ہو اور اسے نہ پانی ملے نہ مٹّی تو وہ لکڑی پر تیمّم کرلے گا۔ یہی معتمد ہے۔ (ت)

پھر مزیدات لکھیں اور ان میں غالبًا محلِ خفا و شبہ و افادہ تازہ کا لحاظ رکھیں۔ وباللہ التوفیق۔

منصوصات: (۱) جما ہوا پانی۔ جیسے کُل کا برف اگرچہ سل کی سل ہو۔ تبیین، فتح، بحر، مجمع الانھر، ہندیہ۔ (۲) کپڑا (۳) نمدا۔ خانیہ۔ (۴) درخت تحفہ بدائع ایضاح ھندیہ فتح حلیہ بحر۔ (۵) گھاس اربعۃ اول والحلیۃ (پہلی چاروں کتابیں (تحفہ، بدائع، ایضاح، ہندیہ) اور حلیہ۔ ت) (۶) لکڑی بدائع حلیہ ھندیہ (۷) کھورا سراجیہ (۸) نباتات (۹) میوے غنیہ

[1] مقدمہ عشماویہ شرح احمد بن کمال ترکی المالکی
[2] حاشیہ یوسف سفطی

(۱۰) مہندی ظہیریہ خزانہ خزانۃ الفتاوی حلیہ (۱۱) وسمہ الاولان (پہلی دونوں کتابیں یعنی ظہیریہ اور خزانہ۔ت) (۱۲) گیہوں محیط جواھر اخلاطی منیہ کافی خلاصہ ظہیریہ خزانہ (۱۳) جَو الاولان والخلاصۃ (پہلی تینوں (محیط، جواہر اخلاطی) اور خلاصہ۔ت) (۱۴) ہر قسم کاغلّہ الثلثۃ الاول (پہلی تینوں (محیط، جواہر اخلاطی، منیہ)۔ت) (۱۵) آٹا الثلثۃ الاخیرۃ خزانۃ الفتاوی حلیہ جوھرہ بحر (آخری تینوں (خلاصہ، ظہیریہ، خزانہ) خزانۃ الفتاوی، حلیہ، جوہرہ، بحر۔ت) (۱۶) سَتّو خزانۃ الفتاوی حلیہ ظہیریہ خزانہ (۱۷) جملہ اقسام طعام منیہ (۱۸) سونا (۱۹) چاندی ویاٗتیان (اور آگے بھی ان دونوں کا بیان آئے گا۔ت) (۲۰) لوہا خانیہ ظھیریہ خزانہ کافی منیہ تحفہ بدائع زاد الفقہا جلابی برجندی خزانۃ الفتاوٰی جامع الرموز حلیہ ایضاح ھندیہ۔

(۲۱) رانگ (۲۲) سیسا عـہ الخمسۃ الاول خلاصہ سراجیہ اخلاطی مسکین (پہلی پانچوں (خانیہ، ظہیریہ، خزانہ، کافی، منیہ) خلاصہ، سراجیہ، اخلاطی، مسکین۔ت)

عـہ: ذکروا الرصاص (۱) وقال فی الانوار الرصاص ھو الاسرب وفی التذکرۃ الاسرب ھو المراد اذا اطلق ھذاالاسم والقلعی یخص باسم القصدیر [1] اھ وھو مدلول کلام جالینوس المنقول فی رصاص من الجامع وعکس فی التحفۃ والمخزن فقالا از مطلق اومراد قلعی ست ورصاص ابیض نامند وبفارسی ارزیز [2] اھ۔ زاد المخزن وبھندیرانگاواز مقید باسود اسرب کہ بہندی

فقہا نے "رصاص" ذکر کیا ہے۔ انوار میں لکھا ہے: رصاص یہ اسرب ہے۔ اور تذکرہ میں ہے: تو اسرب ہی مراد ہوگا جب یہ نام بولا جائے اور قصدیر کے نام کے ساتھ قلعی مخصوص ہے اھ۔ اور یہی جالینوس کے کلام کا بھی مدلول ہے جو جامع میں "رصاص" کے تحت منقول ہے۔ اور تحفہ و مخزن میں اس کے برعکس بتایا۔ دونوں میں یوں لکھا ہے: مطلق سے مراد قلعی ہے اور اسے رصاص ابیض کہتے ہیں اور فارسی میں ارزیز کہتے ہیں اھ۔ مخزن میں مزید یہ بھی ہے: اور ہندی میں رانگا کہتے ہیں اور اسود سے مقید ہو تو (بقیہ برصفحہ آیندہ)

[1] تذکرۃ اولی الالباب تحت لفظ رصاص مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۷

[2] تحفۃ المؤمنین علی ہامش مخزن الادویۃ تحت لفظ رصاص نولکشور کانپور ص ۳۰۳

(۲۳) تانبا بدائع خانیه ظہیریه خلاصه خزانه غنیه هندیه حلیه۔

(۲۴) صفر که عـه۱ معدنی زرد تانبا پیتل کے مشابہ ہے آنچ سے سیاہ نہیں پڑتا السبعۃ الاول تحفہ ایضاح معادن فتح بحر تنویر اس سے یہی سات جسم منطبع بالنار مراد ہیں جن کو اجساد (ا) سبعہ یا منطرقات، ہفت فلزات، سات دھات کہتے ہیں۔

ان میں چھ ۶ یہی کہ گزرے صُفر تانبے ہی میں داخل ہے اور ساتوں شبہہ معدنی جسے خار صینی اور روح توتیا یا رُوئے توتیا کہتے ہیں یعنی عـه۲ (۲۵) جست، (۲۶) موتی خانیه خلاصه ظہیریه خزانه

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سیسانا مند[1] اھ وجعله الغافقی شاملا لهما فقال کما فی الجامع هو ضربان الاسود وهو الاسرب والاٰنك ولاخر الرصاص القلعی وهو القصدیر [2] اھ و بهٰذا جزم فی القاموس واقره فی التاج العروس فلذا حملنا علیه کلام العلماء ۱۲ منه غفرله (م)

اسرب مراد ہوتا ہے جسے ہندی میں سیسا کہتے ہیں اھ۔ اور غافقی نے لفظ رصاص میں دونوں (رانگا اور سیسا) کو شامل قرار دیا۔ لکھا ہے جیسا کہ جامع میں ہے اس کی دو قسمیں ہیں: سیاہ یہ اسرب اور آنک (رانگ اور سیسا) ہے، دوسری قسم رصاص قلعی، یہ قصدیر ہے اھ۔ اسی پر قاموس میں جزم کیا اور تاج العروس میں بھی اسے برقرار رکھا۔ اسی لیے ہم نے علما کے کلام کو اسی پر محمول کیا ۱۲ منہ۔ غفرلہ (ت)

عـه۱: فی التذکرة (صفر) النحاس[3] اھ و فی القاموس من النحاس[4] اھ وفی التاج وقیل ماصفر منه ورجحه شیخنا لمناسبة التسمیة [5] اھ وماقلته مذکور فی التحفة و المخزن فی طالیقون۔اقول وهو الاقرب وکلام القاموس لاینافیه ۱۲ منه غفرله(م)

تذکرہ میں ہے صُفر: نحاس (تانبا) اھ۔ قاموس میں ہے: من النحاس اھ (تانبے کی ایک قسم ہے)۔ تاج العروس میں ہے: اور کہا گیا صفر تانبے کی وہ قسم ہے جو زرد ہو۔ اسی کو ہمارے شیخ نے مناسبت تسمیہ کے باعث ترجیح دی ہے اھ۔ اور میں نے جو لکھا وہ تحفہ اور مخزن میں طالیقون کے تحت مذکور ہے۔ اقول اور یہی اقرب ہے اور قاموس کی عبارت اس کے منافی نہیں۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عـه۲: فی المخزن تحت طالیقون

اجساد سبعه طلا نقره مس آہن سرب قلعی

مخزن میں طالیقون کے تحت ہے۔ ساتوں اجسام سونا، چاندی، تانبا، لوہا، سیسا، رانگ، (بقیہ بر صفحہ آیندہ)

[1] مخزن الادویہ رصاص کے تحت ص ۳۰۹

[2] تاج العروس ۴/ ۳۹۷

[3] تذکرۃ اولی الالباب ۱/ ۲۲۴

[4] القاموس ۲/ ۷۳

[5] تاج العروس ۳/ ۳۳۷

فتح خزانۃ الفتاوی جامع الرموز۔ اگرچہ (۲۷) غبارے سے پسے ہوئے ہوں محیط سرخسی بدائع مجمع الانھر دُر خادمی ھندیہ۔

اقول: ومافی الشلبیۃ عن الدرایۃ لایجوز باللؤلؤ المدقوق فلیس بتقیید بل تنصیص بالاخفی لان ماکان من اجزاء الارض یجیزہ محمد ان کان مدقوقا	اقول: شلبیہ میں درایہ کے حوالہ سے لکھا ہے: لایجوز باللؤلؤ المدقوق (پسے ہوئے موتی سے تیمّم جائز نہیں) اس عبارت میں "پسے ہوئے" کالفظ تقیید کے طور پر نہیں (جس سے یہ سمجھا جائے کہ پسا ہوا نہ ہو تو اس سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) روح توتیا اھ وفی فھرست روئے توتیا شبہ ومشہور بروح توتیا اھ وقال فی شبہ بفارسی روئے توتیا وبہندی جست۔ آب دران سرد میگردد واوانی خالص آن شکنندہ می باشد اھ۔ وفی التحفۃ خاصیت اوست کہ ہرگاہ آب را در ظرف دہن تنگے ازان کردہ در ظرف دہن بازے قدرے شورہ ریختہ ظرف آب را دران حرکت معتدل دہند آب رابغایت سردے کند ومعمول اہل ہنداست اھ۔ وفی التذکرۃ (شبۃ) بالتانیث تطلق علی المعدن والمعروف الاٰن بروح التوتیا ویسمی الخارصینی اھ اقول وقولہ بالتانیث خطأ ففی القاموس من باب الھاء الشبہ والشبھان محرکتین الحاس لاصفر ویکسر ۱۲ منہ غفرلہ (م)	روح توتیا اھ اور اس کی فہرست میں ہے روئے توتیا شبہ ہے اور روح توتیا سے مشہور ہے اھ۔ اور شبہ کے تحت لکھا ہے: فارسی میں روئے توتیا اور ہندی میں جست۔ پانی اس میں سرد ہو جاتا ہے اور خالص جست کا برتن ٹوٹنے والا ہوتا ہے اھ۔ اور تحفہ میں ہے: اس کی خاصیت یہ ہے کہ جست کا ایک برتن تنگ منہ والا لے کر اس میں پانی رکھیں اور ایک کشادہ منہ والا برتن لے کر اس میں تھوڑا شورہ ڈالیں پھر پانی والا برتن اس میں رکھ کر معتدل حرکت دیں پانی انتہائی سرد ہو جائے گا یہ طریقہ اہل ہند کے یہاں رائج ہے اھ۔ تذکرہ میں شبۃ بالتانیث اس مشہور دھات کو کہتے ہیں جو اب روح توتیا سے مشہور ہے اور اسے خارصینی بھی کہا جاتا ہے اھ۔ اقول صاحب تذکرہ کا اسے تائے تانیث کے ساتھ بتانا خطا ہے اس لیے کہ قاموس کے باب الہاء میں یہ درج ہے: شبہ وشبھان۔ دونوں لفظ (ش وب پر) حرکت کے ساتھ۔ زرد تانبا اور اس پر کسرہ بھی استعمال ہوتا ہے اھ۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

والالافافادان هذالایفیده الدق لما قال بعده لانه یتولد من الحیوان ولیس من اجزاء الارض[1]۔	تیمّم ہوسکتاہے) بلکہ یہ اخفی کی تنصیص وتوضیح کے لئے ہے۔اس لیے کہ جنس زمین کی چیز پسی ہوئی ہو توامام محمد اس سے تیمّم جائز کہتے ہیں ورنہ نہیں۔اس لیے (موتی کے ساتھ "پسے ہوئے"کالفظ بڑھاکر) یہ افادہ فرمایا کہ موتی کو پیسنا بھی کار آمد نہیں بناسکتا۔کیونکہ اس کے بعد فرمایا ہے اس لیے کہ وہ حیوان سے پیداہوتاہے اور اجزائے زمین سے نہیں ہے۔(ت)

(۲۸) مرجان فتح منح دُر خادمی۔یعنی چھوٹے موتی کہ ان کو بھی مرجان کہتے ہیں مقدسی ش۔(۲۹) سانبھر (۳۰) ہر نمک کہ پانی سے بناہو ویاقی (آگے بھی بیان آئے گا۔) (۳۱) مشک (۳۲) عنبر (۳۳) کافور ظھیریہ خزانہ ہندیہ خزانۃ الفتاوی حلیہ (۳۴) زعفران (۳۵) سُک کہ ایک قسم خوشبو ہے الاولان (پہلی دونوں۔ظہیریہ،خزانہ۔ت) (۳۶) زاج۔کسیس (ا) پھٹکڑی عـہ کے سوا اور جنس ہے کسیس کہ زرد ہے اور (۳۷) ہیرا کسیس سبز اور سیاہ ۳۸ کسیس کے اسی کے اقسام ہیں۔

(۳۹) مردار سنگ مصنوع الاخیران وجامع الرموز (آخری دونوں۔خزانۃ الفتاوی،حلیہ (ت) وجامع الرموز) (۴۰) پارادرایہ شلبیہ۔(۴۱) مصنوع شیشہ کہ ریتے میں دوسری چیز ملاکر بناتے ہیں جیسے سجی محیط تبیین فتح بحر مجمع الانھر ش۔تقدم کلھا (ان سب کاذکر پہلے آچکاہے۔ت) (۴۲) راکھ یعنی لکڑی وغیرہ غیر جنس ارض کی جس کی تحقیق گزری۔(۴۳) نمک زار زمین جس کانمک پانی سے بناہو۔وستأتی الثلثة ان شاء عزوجل (ان تینوں کاذکر آگے بھی آئے گا اگر خدائے عزیز وجلیل نے چاہا۔ت) (۴۴) نمک زار جس کانمک مٹّی سے ہو مگراس کے پانی میں ڈوبی ہوئی ہے ذکر الاسبیجابی فی شرحه

عـہ:اور جس[۲] نے پھٹکڑی کوزاج سمجھا جیساکہ تحفہ ومخزن میں خود اپنے بیانوں کے خلاف لکھایوں ہی زکریارازی کا کلام اُس میں مضطرب ہےاس نے غلطی کی جس کی تفصیل انوارالاسرار میں ہے۔(م)

---

[1] حاشیہ شلبیۃ مع التبیین باب التیمم مطبعہ امیریہ بولاق مصر۱/ ۳۹

یجوز التیمّم بالسبخة[1] منیة بناء علی الغالب وھو عدم الغرق بالنز[2] غنیہ (اسیجابی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے: نمک زار سے تیمّم جائز ہے۔منیہ۔اس بنیاد پر کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ زمین سے پھوٹنے والی تری سے مٹّی ڈوب نہیں جاتی۔غنیہ۔ت)

(۴۵) ظروف گلی کا وہ رخ جس پر رانگ وغیرہ غیر جنس کی قلعی ہے۔(۴۶) جس پر غیر جنس کی رنگت ہے۔(۴۷) روغنی ظروف وقد تقدمت (ان سب کاذکر گزرچکا ہے۔ت)(۴۸) وہ ٹھیکری جس میں دوائیں ڈال کر پکائی ہوں وسیأتی ان شاء اللہ مفصلا (اس کا بیان ان شاء اللہ تعالٰی آگے تفصیل سے آئے گا۔ت)(۴۹) مٹّی جس میں راکھ اور (۵۰) جس میں آٹا برابر یازائد ملے ہوں جوھرہ نیرہ۔(۵۱) کیچڑ جس پر پانی غالب ہو۔(۵۲) ناپاک زمین اگرچہ خشک ہونے سے اثر نجاست زائل ہو کر نماز کے لیے پاک مانی گئی ہو۔(۵۳) غبار کہ ناپاک زمین سے اٹھا۔(۵۴) غبار کہ ترچیز ناپاک پر گرا اگرچہ پھر خشک ہوگیا۔(۵۵) غبار کہ خشک چیز ناپاک پر گرا اور اس کوتری پہنچی۔(۵۶) درزی کی بٹیا رنگین۔(۵۷) قبرستان کی مٹّی جہاں نجاست کا ظن ہو وقد تقدم کلھا فی المقابلات (ان سب کا بیان مقابلات میں گزرچکا ہے۔ت)

مزیدات (۵۸) زمین یاپہاڑ جس پر دوب اُگی ہے۔(۵۹) جس پر برف جما ہوا ہو۔(۶۰) جس کا برف پگھل کر بہہ رہا ہے۔(۶۱) جس پر مینہ برس رہا ہے۔(۶۲) جس پر مینہ برس کر کھل گیا مگر پانی جاری ہے۔(۶۳) پکّا فرش یادیوار جس پر کاہی جمی ہے۔(۶۴) باورچی خانہ کی دیوار کی بجھی پھری ہے۔(۶۵) وہ زمین جس پر کسم کی بجھی پھری ہے۔(۶۶) مٹّی کا چراغ جس پر کانٹھ چڑھی ہے۔

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۶
[2] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۸

(۶۷) گلِ حکمت کہ مرکب نسخہ ہے عــہ اور غیر جنس ارض کا حصہ زیادہ ہے۔ (۶۸) رام پور چینی کہ مٹّی پر مسالا ہے، ہاں جس طرف چینی نہ چڑھی ہو اس طرف رواہے۔ (۶۹) تام چینی کہ ٹین اور مسالا ہے۔ (۷۰) وہ سچّی چینی یا (۷۱) مٹّی کے کھلونے جن پر غیر جنس کا روغن ہے۔ (۷۲) وہ نورہ اور (۷۳) گلِ خوردنی اور (۷۴) غلیل کے غُلّے جن میں غیر جنس مقدار میں کم نہیں۔ (۷۵) پارے کا کٹورا (۷۶) پارے کا کشتہ (۷۷) سونے، چاندی، رانگ کسی دھات کا کشتہ (۷۸) شبہ مصنوع یعنی پیتل۔ یہ معدنی نہیں تانبا اور جَست ملاکر بناتے ہیں اسے صُفر سمجھنا غلط ہے۔ (۷۹) گانسا۔ ہفت جوش ساتوں دھات کا مجموعہ۔ (۸۰) بھرت، (۸۱) نکل، (۸۲) جرمن سلور، (۸۳) لکڑی وغیرہ کسی غیر جنسِ ارض کا کوئلہ، (۸۴) شورہ، (۸۵) نوشادر، (۸۶) سُہاگا، (۸۷) پھٹکڑی (۸۸) زاج اخضیر ہندی یعنی نیلا تھوتھا (۸۹) بورہ ارمنی (۹۰) کہربا جس کی تسبیح ہوتی ہے یہ پتھر نہیں گوند ہے تذکرۃ ابن سینا۔

صمغ کالسندروس الغافقی رطوبۃ تقطر من ورق الدوم نقلھما ابن البیطار الظاھر انہ صمغ الجوز اوصمغ شجرۃ غیرہ انوار الاسرار۔	سُندروس کی طرح ایک گوند ہے۔ غافقی گوکھل کے پتّوں سے ٹپکنے والی ایک رطوبت ہے۔ ان دونوں کو ابن بیطار نے نقل کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ اخروٹ کا گوند ہے یا اس کے علاوہ کسی اور درخت کا گوند ہے۔ انوار الاسرار۔ (ت)

عــہ: صنعتہ (۱) طین خالص جزء فحم مسحوق شعر مقصوص، ملح مکلس، خطمی، خبث الحدید، کلس، قشر البیض، من کل نصف جزء الخ من التذکرۃ قال وقد تنقص ھذہ الاجزاء وقد تغیر اوزانھا ولایزید علی ماذکرنا فلیتحفظ بہ ۱۲منہ غفرلہ (م)	اس کا نسخہ یہ ہے: خالص مٹّی، پِسا ہوا کوئلہ، تراشا ہوا بال، چونادار نمک، خطمی، لوہے کا میل، سفید چُونا، انڈے کا چھلکا، سب سے نصف حصّہ الخ __ ازتذکرہ __ اس میں لکھا ہے کہ یہ اجزا کبھی کم بھی کردئے جاتے ہیں اور کبھی ان کے وزنوں میں تبدیلی بھی کردی جاتی ہے مگر جتنے ہم نے ذکر کیے ان سے زیادہ نہیں ہوتے تو اسے محفوظ رکھنا چاہیے اھ۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

(۹۱) سفیدہ کاشغری کہ قلعی کا سپیدہ ہے یعنی رانگ اور جست سے بنتا اور دکھتی آنکھ میں بھراجاتا ہے۔(۹۲) کاجل کہ پاراجاتا ہے۔(۹۳) طباشیر بانس کی رطوبت ہے کہ جم جاتی ہے۔(۹۴) سیندور رانگ اور سفیدہ سے بنتا ہے۔(۹۵) شنجرف مصری (۹۶) شنجرف شامی (۹۷) شنجرف مہوسان سب مصنوع چیزیں ہیں پارے اور گندھک سے مختلف ترکیبوں پر بناتے ہیں ہر ترکیب میں پارا غالب ہے۔(۹۸) شنجرف ہندی اس میں دونوں مساوی بتائے جاتے ہیں بہرحال جنسِ ارض سے نہیں۔(۹۹) شنجرف رمانی یہ سیماب ومس سوختہ سے بنتی ہے اس کے دونوں جز غیر جنس ہیں۔ان کے نسخے انوارالاسرار وجامع ابن بیطار وتذکرہ وتحفہ ومخزن وغیرہا میں ہیں اور معدنی کبریت احمر کی طرح عنقا **قاله فی التذکرة** (اسے تذکرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ت) (۱۰۰) رہی شنجرف رومی جس میں پارا بارہ[1] جز، گندھک آٹھ ہرتال پانچ ہے اس میں اگرچہ جنس ارض غالب ہے مگر باہم طبخ سے امتزاج شدید ہو کر سخت محلِ نظر ہے جس کا بیان مقام چہارو ذکرِ خلط میں آتا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی لہٰذا اس کا بھی ممنوعات ہی میں شمار رکھا **واللہ تعالٰی اعلم باحکامه** (اور اللہ تعالٰی اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔ت) (۱۰۱) لوبان، (۱۰۲) اگر (۱۰۳) مولی کا نمک (۱۰۴) سجی کہ ایک گھاس کا کھار ہے۔(۱۰۵) لیموں کا سَت، (۱۰۶) نباتات کے اُڑائے ہوئے جوہر (۱۰۷) جلا کر نکالے ہوئے نمک۔(۱۰۸) کانچ (۱۰۹) سیپ (۱۱۰) گھونگھا (۱۱۱) سنکھ (۱۱۲) خرمہرہ (۱۱۳) سیپ کا چونا اور[1] اس کا کھانا بھی حرام وہ لاجورد[4] وتوتیا[5] ومہرہ[6] مار کہ مصنوع ہوں اور اکثر مصنوع ہی ملتے ہیں۔(۱۱۷) سنکھیا مشہور زہر یہ بھی پتھر نہیں **عدہ فی التذکرۃ من المولدات التی لم تکمل صورھا** (تذکرہ کے اندر اسے ان مولدات سے شمار کیا ہے جن کی صورتیں ناتمام رہ گئی ہیں۔ت) بعض نے کہا چاندی کا دھواں ہے **قاله فی المخزن وغیرہ** (اسے مخزن وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ت) (۱۱۸) وہ پتھر کہ پہاڑی بکری[19]، بند، ساہی[20] کے سروجوف میں بنتے ہیں۔(۱۲۱) سنگِ ماہی پتھر چٹے کے سر میں کہ ایک مچھلی ہے۔(۱۲۲) گئورد ہن گائے کے بدن میں۔(۱۲۳) مارمہرہ سانپ کے سَر میں جسے مَنْ کہتے ہیں۔

(۱۲۴) سنگ قمر جبال مغرب میں چٹانوں پر اس گر کر جم جاتی ہے تیرہ رنگ جب چودھویں کا چاند چمکتا ہے تو سفید برّاق ہو جاتی ہے اس پر بھی تیمّم جائز نہیں اور (۱۲۵) جس چٹان پر وہ جمی ہوئی ہو اس پر بھی نہیں۔ (۱۲۶) سنگِ گردہ (۱۲۷) سنگِ مثانہ یہ دونوں آدمی کے بدن میں بنتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (۱۲۸) سنگِ بصری (ا) پتھر نہیں بلکہ سیسہ کا دھواں ہے۔ (۱۲۹) سنگ راسخ جلا ہوا تانبا۔ (۱۳۰) سنگِ سَبُوبہ، یہ ایک قسم کے بیج ہیں سختی کے سبب سنگ کہلاتے ہیں۔

یہ تین سو گیارہ[۳] چیزوں کا بیان ہے **۱۸۱** سے تیمّم جائز جن میں **۷۴** منصوص اور **۱۰۷** از یادات فقیر او **۱۳۰** سے ناجائز جن میں **۵۸** منصوص اور **۷۲** زیاداتِ فقیر ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا بلکہ زیادات درکنار اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔

وللہ الحمد اولا واٰخرا*وبہ التوفیق باطنا وظاھرا*وصلی اللہ تعالٰی وسلم علٰی حبیبہ واٰلہ وصحبہ متوافرا متکاثرا*اٰمین*	اور ساری خوبیاں اوّلاً وآخراً خدا ہی کے لیے ہیں اور اسی سے باطناً وظاہراً توفیق ارزانی بھی ہے۔ خدائے تعالٰی کا کثیر ووافر درود وسلام ہو اس کے حبیب، ان کی آل اور ان کے اصحاب پر۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

مقام چہارم: (بعض اختلافی چیزوں کی بحث) ذکر بعض اخلاقیات مع ترجیحات وتوفیقات تتمیما للافادات (تاکہ افادات کی تکمیل ہو جائے۔ ت)

ارض ندیّہ یعنی ترزمین۔ بدائع[۱]۔ خانیہ[۲]۔ خلاصہ[۳]، بزازیہ[۴]، خزانۃ[۵] المفتین، ولوالجیہ[۶]، درایہ[۷]، شلبیہ[۸]، جوہرہ[۹]، منیہ[۱۰]، ہندیہ[۱۱] میں اس سے جواز کی تصریح ہے وذکرہ ابن الشلبی عن الکاکی عن الولوالجی عن الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابن شلبی نے کاکی سے، انہوں نے ولوالجی سے، انہوں نے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے۔ ت)

اقول: وانما خصہ بالذکر لتصویرہ بما اذالم یتعلق بیدہ شیئ فیأتی فیہ خلاف الامام الثالث ایضا کالثانی رضی اللہ تعالٰی عنہم جمیعا ووقع فی شرح النقایۃ للبرجندی	**اقول:** اور خاص طور سے اسی کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس کی صورت یہ فرض کی ہے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ چپکے۔ اس صورت میں امام ثانی (ابویوسف) کی طرح امام ثالث (محمد) کا بھی اختلاف ہوگا رضی اللہ تعالٰی عنہم جمیعا۔ اور برجندی نے شرح نقایہ میں یہ لکھ دیا ہے کہ

یجوز بالارض الندیة من غیر طین وھذا عند ابی حنیفة وعندھما لایجوز[1] اھ۔ **اقول اولًا(۱):** بنی علی الضعیف من عدم الجواز بالطین ویأتی۔ **وثانیًا**:لاوجه (۲) بخلاف محمد مطلقًا فقد قال ملك العلماء فی البدائع لوتیمّم به اجزأہ عند ابی حنیفة و محمد لان الطین من اجزاء الارض ومافیه من الماء مستھلك عـه وھو یلتزق بالید فان خاف ذھاب الوقت تیمّم و صلی عندھما وعلی قیاس قول ابی یوسف یصلی بغیر تیمّم بالایماء ثمّ یعید اذا قدر علی الماء اوالتراب کالمحبوس (۳) فی المخرج اذالم یجد ماء ولاتراب نظیفا[2] اھ۔نعم عنه روایة اخری قال فی الحلیة بعد نقل مافی البدائع ماذکرہ عن محمد من جواز التیمّم بالطین	"بغیر کیچڑ والی تر زمین سے تیمّم جائز ہے۔یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے،اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے"اھ۔(ت) **اقول اولًا** : یہ قول ضعیف۔کیچڑ سے عدمِ جوازِ تیمّم پر۔مبنی ہے۔**ثانیًا** :اس مسئلہ میں امام محمد کا اختلاف مطلقًا ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ملک العلماء نے بدائع میں یہ تحریر فرمایا ہے: "اگر کیچڑ سے تیمّم کرلیا تو امام ابو حنیفہ و امام محمد کے نزدیک کافی ہوگا اس لیے کہ کیچڑ اجزائے زمین میں سے ہے۔اور اس میں جو پانی ہے مٹّی میں فنا شدہ ہے اور وہ ہاتھ سے چپکتی ہے۔تو اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو طرفین کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم کرکے نماز ادا کرلے اور امام ابو یوسف کے قیاس پر یہ حکم ہوگا کہ بغیر تیمّم کے اشارہ سے نماز کی صورت ادا کرلے پھر جب پانی یا مٹّی پر قدرت پائے تو اعادہ کرلے۔جیسے اس شخص کا حکم ہے جو بیت الخلاء میں قید کر یا گیا ہو اور اسے نہ پانی دستیاب ہو نہ صاف مٹّی"۔اھ۔ہاں امام محمد سے ایک اور روایت بھی آئی ہے۔حلیہ میں بدائع کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "کیچڑ سے جواز تیمّم کا حکم جو امام محمد سے نقل کیا ہے وہ ان سے

عـه: ای الطین اضافه تتمیما للشریطة علی قول محمد ۱۲ منه غفرله	(م) یعنی کیچڑ ــــ ہاتھ سے چپکنے کی بات امام محمد کے قول پر شرط کی تکمیل کے لیے بڑھائی ہے۔۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور بالسرور ۱/ ۴۷

[2] بدائع الصنائع بیان مایجوز بہ التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴

احدی الروایتین عنه کما هوظاهر الخلاصة وقد صرح فی النهایة بان فی احد الروایتین عن محمد لایجوز التیمم بالطین[1] اھ۔

اقول: عبارة الخلاصة عن نص الامام محمد نفسه فی المبسوط هکذا و فی الاصل قال ابوحنیفة ومحمد یجوز التیمم بجمیع ماکان من جنس الارض ومن اجزائها نحو التراب والرمل والنورة (وعداشیاء الی ان قال) وقال ابویوسف لایجوز الابالتراب ثم عندنا لافرق فی الحجر علیه غبار اولم یکن مغسولا اوغیر مغسول مدقوقا اوغیر مدقوق وقال محمد ان کان الحجر مدقوقا اوعلیه غبارجاز التیمّم والافلا۔وان تیمّم بارض قدرش علیها الماء وبقی علیها ندوة جاز ولوکان فی طین طاهر لایتیمّم بل یلطخ بعض ثیابه اوجسده ویترکه حتی یجف ثم یتیمّم به ومع هذا الوتیمم بالطین فهو علی الخلاف وقال الکرخی یجوز التیمّم بالطین ولوتیمّم بالحجر الاملس اوالمغسول یجوز عندابی حنیفة وعند ابی یوسف

نقل شدہ ایک روایت ہے جیسا کہ خلاصہ کی ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے اور نہایہ میں تو اس بات کی صراحت موجود ہے کہ امام محمد سے ایک روایت یہ آئی ہے کہ کیچڑ سے تیمّم جائز نہیں۔اھ۔(ت)

اقول: خلاصہ میں خود امام محمد کی کتاب مبسوط کے حوالہ سے یہ عبارت پیش کی ہے۔"اصل میں ہے: ابوحنیفہ و محمد کہتے ہیں تیمّم ہر اس چیز سے جائز ہے جو زمین کی جنس اور اس کے اجزا سے ہو جیسے مٹی،ریت،چُونا (اور بھی کچھ چیزیں شمار کرائیں یہاں تک کہ فرمایا) اور ابویوسف کہتے ہیں: مٹی کے علاوہ کسی چیز سے جائز نہیں۔پھر ہمارے نزدیک پتھر میں اس کی کوئی تفریق نہیں کہ اس پر گرد ہے یا نہیں،دھلا ہوا ہے یا نہیں،پِسا ہوا ہے یا نہیں،اور امام محمد کہتے ہیں: اگر پتھر پسا ہوا ہو یا اس پر گرد ہو تو تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔اور اگر کسی ایسی زمین سے تیمّم کیا جس پر پانی چھڑکا گیا تھا اور اس پر ابھی تری باقی ہے تو یہ تیمّم جائز ہے اور اگر پاک کیچڑ میں ہو تو" تیمّم نہ کرے"بلکہ اپنے کسی کپڑے یا جسم کو اس سے آلودہ کرکے خشک ہونے تک چھوڑدے پھر اس سے تیمّم کرے۔اس کے باوجود اگر کیچڑ سے تیمّم کر ہی لیا تو اس میں اختلاف ہے۔اور امام کرخی فرماتے ہیں: کیچڑ سے تیمّم جائز ہے۔اور اگر صاف، چِکنے یا دُھلے ہوئے پتھر سے تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابویوسف کے

---

[1] حلیہ

لایجوز وعن محمد روایتان فی روایة یجوز ان کان علیه غبار وفی روایة یجوز مطلقًا وبالاٰجر یجوز عند ابی حنیفة وعن محمد روایتان وقول ابی یوسف متردّد و الخزف الجدید علی الاختلاف الا اذا استعمل فیه شیئ من الادویة فحینئذ لایجوز ولوتیمّم بارض نزّت علی الاختلاف الذی ذکرنا فی الخزف وعلی ھذا الخلاف التیمّم بالطین [1] اھ۔

فقد ذکرنص محمد فی ظاھر الروایة جواز التیمّم بکل ماکان من جنس الارض واجزائھا وانه مع الامام فیه وان الخلاف لابی یوسف ثم اشار بمسألة الحجر المدقوق ان محمد ایشترط الالتزاق بالید ثمّ احال التیمّم بالطین علی الخلاف المذکور فنص علی الجوازعند الطرفین لانه من جنس الارض واجزائھا قطعا ولاشك انه یلتزق بالید فکان کلامه

نزدیک جائز نہیں اور امام محمد سے دو ۲روایتیں ہیں۔ایک روایت میں ہے کہ اگراس پر غبار ہوتو جائز ہے اور دوسری روات میں یہ ہے کہ مطلقًا جائز ہے۔اور پکّی اینٹ سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک تیمّم جائز ہے۔امام محمد سے دو ۲روایتیں ہیں۔اور امام ابویوسف کاقول متردّد ہے۔نئے خزف (مٹّی کے پکے ہوئے برتن وغیرہ) میں بھی اختلاف ہے مگر جب اس میں کوئی دوا استعمال کی گئی ہو تواس وقت اس سے تیمّم جائز نہیں۔اگرکسی ایسی زمین سے تیمّم کیا جس میں پانی کی تری ابلتی ہے تو اس میں بھی وہی اختلاف ہے جوخزف سے متعلق ذکرہوا۔اور کیچڑ سے تیمّم میں بھی یہی اختلاف ہے۔"اھ۔(ت)

اس تفصیل سے معلوم ہواکہ خلاصہ میں امام محمد کی ظاہرالروایۃ کی عبارت ذکرفرمائی ہے کہ ہراس چیز سے تیمّم جائز ہے جو زمین کی جنس اور اس کے اجزا سے ہو اور یہ کہ اس مسئلہ میں امام محمد،امام اعظم کے ساتھ ہیں اختلاف امام ابویوسف کا ہے۔پھر پسے ہوئے پتھر کامسئلہ بیان کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایاکہ امام محمد کے نزدیک ہاتھ سے لگنا،چپکنا شرط ہے۔پھر کیچڑ سے تیمّم کے بارے میں اسی ذکرشدہ اختلاف کا حوالہ دے کر یہ صراحت فراہم کردی کہ طرفین کے نزدیک جائز ہے اس لیے کہ یہ یقینا زمین کی جنس اور اس کے اجزا سے ہے اور ہاتھ سے اس کے چپکنے،لگنے میں بھی کوئی شک نہیں۔تو ان کاکلام ٹھیک ویسے ہی ہوا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر مایجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۵ تا ۳۶

ککلام ملك العلماء سواء بسواء۔ ثم افاد بمسألتی الحجر المغسول والاٰجران محمدا فی روایة عنه یوافق الامام فی عدم اشتراط التزاق شیئ بالید ثم احال مسألة الخزف علی الاختلاف والظاھران المراد به الاختلاف المذکور فی الاٰجرلذکرہ عقیبه ولاشتراك العلة فیھما انه لاینفصل منھما شیئ یلتزق بالیدفا فادان عن محمد فی الخزف روایتین فی روایة یجوز مطلقًا وفاقا للامام الاعظم وفی اخری لا الا اذا کان مدقوقا اوعلیه غبار کما ذکر فی الحجر وھی الروایة المشھورة عنه ثم انه احال مسألتی الارض النزة والطین علی الاختلاف المذکور فی الخزف فقد یؤخذ منه ان عنه فیھما ایضا روایتین ھذا معنی قول الحلیة کما ھو ظاھر الخلاصة۔ **اقول:** لکن الروایتین انما ھما الجواز مطلقًا والجواز بشرط الالتزاق(۱) اما عدم الجواز بالطین مطلقًا فی روایة عن محمد کما ذکر عن النھایة فلیس ظاھر الخلاصة ولامتوھما منھا ثمّ لا (۲) شك	جیسے ملک العلماء کا کلام ہے۔ پھر دھلے ہوئے پتھر اور پکّی اینٹ کے مسئلوں سے یہ افادہ فرمایا کہ امام محمد اپنی ایک روایت میں امام اعظم کے موافق ہیں کہ ہاتھ سے کچھ چپکنا شرط نہیں۔ پھر خزف کے مسئلہ میں بھی اختلاف کا حوالہ دیا اور ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد وہی اختلاف ہے جو پکّی اینٹ کے بارے میں ذکر ہوا کیونکہ اسی کے بعد اسے ذکر کیا ہے اور اس لئے بھی کہ دونوں میں یہ علّت مشترک ہے کہ دونوں ہی سے کوئی ایسی چیز الگ نہیں ہوتی جو ہاتھ سے چپک جائے۔ اس سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ خزف میں بھی امام محمد سے دو ۲ روایتیں ہیں ایک روایت میں مطلقًا جائز ہے جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے اور دوسری روایت میں جائز نہیں مگر اسی وقت جب کہ خزف پسا ہوا ہو یا اس پر غبار ہو جیسا کہ پتھر سے متعلق ذکر کیا اور یہی ان کی مشہور روایت ہے۔ پھر انہوں نے تری والی زمین کے مسئلوں میں بھی اسی اختلاف کا حوالہ دیا جو خزف میں ذکر ہوا اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ امام محمد سے ان دونوں کے بارے میں بھی دو ۲ روایتیں ہیں ــ حلیہ کی عبارت "کما ھو ظاھر الخلاصة" (جیسا کہ خلاصہ کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے) کا یہ مطلب ہوا (جو عبارت خلاصہ کی تفصیل کرکے ہم نے واضح کیا)۔ (ت) **اقول:** لیکن یہ دو روایتیں کیا ہیں؟ یہی کہ مطلقًا جواز ہے یا چپکنے کی شرط کے ساتھ جواز ہے مگر یہ کہ امام محمد سے کسی روایت میں کیچڑ سے مطلقًا عدم جواز منقول ہے جیسا کہ حلیہ نے نہایہ کے حوالہ سے ذکر کیا یہ بات نہ تو خلاصہ کے ظاہر سے مستفاد ہوتی ہے نہ ہی اس کا اس سے وہم ہوتا ہے۔ پھر یہ امر یقینی ہے

ان الطین یلتزق منه شیئ بالید کما افادہ ملك العلماء فتتفق الروایتان علی الجواز ولایبقی محل لاستدراکه علی البدائع بالخلاصة لعدم دلالتها علی روایة اخرٰی ولا(۱) بالنهایة اذلاملتفت الی النوادر مع الظواهر وانما کان قصاراہ ان یقول ماذکرہ عن محمد هو مذهبه ویروی عنه خلافه علی مافی النهایة اذا عرفت هذا وقد استقرعرش التحقیق علی ان الروایات الظاهرة عن محمد متفقة علی جواز التیمّم بالطین فقول(۲) البرجندی عندهما لایجوز لیس کما ینبغی۔هذا ثم قال فی الحلیة تیمم بارض قدرش علیها الماء وبقی لهاندوة جاز کذا فی الفتاوی الخانیة وغیرها وفی خزانة الفتاوی لوتیمم بالثری ان کان الی الجاف اقرب جاز وان کان الی البلل اقرب لایجوز[1] اھ

اقول: نفس البلل لایمنع التیمم کما علمت من تظافر المعتمدات علیه فکیف مایقرب منه فیجب

کہ کیچڑ سے ہاتھ میں کچھ ضرور چپکتا ہے جیسا کہ ملک العلماء نے افادہ فرمایا تو دونوں ہی روایتیں (کیچڑ سے تیمّم کے) جواز پر متفق ثابت ہوئیں۔اور خلاصہ کے حوالہ سے بدائع پر استدراک کی کوئی گنجائش نہ رہی۔اس لیے کہ عبارت خلاصہ کی اور روایت کا کوئی پتا نہیں دیتی۔اسی طرح نہایہ کے حوالہ سے بھی استدراک کا موقع نہیں اس لیے کاظاہر روایۃ کے ہوتے ہوئے نوادر قابلِ التفات نہیں۔صاحب حلیہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے تھے کہ "ملک العماء نے امام محمد سے جو نقل کیا وہ امام محمد کامذہب ہے اور ان سے اس کے خلاف بھی ایک روایت آئی ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے"جب یہ بات معلوم ہو گئی اور عرش تحقیق اس پر مستقر ہوا کہ امام محمد سے نقل شدہ ظاہر روایات کیچڑ سے جواز تیمّم پر متفق ہیں تو برجندی کا یہ لکھنا کہ "صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے"مناسب نہیں (یعنی امام ابویوسف کی طرح اسے امام محمد کا بھی مذہب قرار دے دینا درست نہیں ۱۲م الف) یہ ذہن نشین رہے۔پھر حلیہ میں یہ لکھا ہے:"ایسی زمین سے تیمّم جائز ہے جس پر پانی چھڑکا گیا تھا اور نمی رہ گئی ہے۔فتاوٰی خانیہ وغیرہا میں ایسا ہی ہے۔اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ: نمناک مٹّی سے تیمّم کیا تو وہ اگر خشک ہونے سے زیادہ قریب ہو تو جائز ہے اور اگر تر ہونے سے زیادہ قریب ہو تو ناجائز ہے اھ۔(ت)

اقول: خود تری تیمّم سے مانع نہیں، جیسا کہ اس پر کتب معتمدہ کے باہمی اتفاق سے ناظر پر عیاں ہو چکا ہے تو جو مٹّی تری سے قریب ہو وہ کیونکر تیمّم سے مانع ہو گی؟

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور بالسرور ۱/ ۴۷

حمل الجواز فیه علی معنی الحل ای ان کان اقرب ال البلل بحیث یلطخ الوجه لایحل لما فیه من المثلة کما سیأتی۔	لہٰذا ضروری ہے کہ عبارت بالا میں لفظ جواز کو حلّت کے معنی پر محمول کیاجائے۔یعنی مٹّی اگرتری سے زیادہ قریب ہواس طرح کہ چہرے کوآلودہ کردے تو(تیمّم میں اس کااستعمال) حلال نہیں کیوں کہ اس میں مثلہ (صورت بگاڑنا) لازم آئے گا۔ جیساکہ اس کابیان آرہاہے۔(ت)

طین یعنی کیچڑ: ۱۔بدائع، ۲۔خلاصہ، ۳۔بزازیہ، ۴۔ایضاح کرمانی، ۵۔معراج الدرایہ، ۶۔شلبیہ، ۷۔سراجیہ، ۸۔والواجیہ، ۹۔مبتغی، ۱۰۔بحر، ۱۱۔نہر، ۱۲۔ہندیہ میں جواز تیمّم کی تصریح ہے۔

وقدمرت عبارات البدائع والخلاصة ومثل الخلاصة فی البزازیة وعن البدائع نقل فی الهندیة ولفظ ابن الشلبی عن الکاکی عن الکرمانی ماذکر فی الاصل انه یلطخ الثوب بالطین ویتیمّم بعد الجفاف اذاکان فی طین ردغة هوقوله اما عند ابی حنیفة یجوز التیمّم بالطین الرطب اذالم یعلق منه شیئ[1] اھ۔ **اقول:** ای وان لم یعلق منه شیئ کما سیأتی فی عبارة الامام الاجل الکرخی فیکون تصریحا بالخفی لاجل خلاف محمد لیدل علی الظاهر بالاولی والجواز بمعنی الحل فیتلق بما اذالم یعلق حذرا عن المثلة وفی السراجیة لوتیمّم بالطین یجوزاھ۔[2] وزعم البرجندی ان فی	بدائع اور خلاصہ کی عبارتیں گزرچکیں،خلاصہ ہی کے مثل بزازیہ میں بھی ہے اور بدائع سے ہندیہ میں نقل کیاہے۔اور ابن الشلبی کے الفاظ کاکی پھر کرمانی سے روایت کرتے ہوئے وہی ہیں جو اصل (مبسوط) میں ذکر ہوئے کہ آدمی کپڑے پر کیچڑ لگالے اور خشک ہوجانے کے بعد اس سے تیمّم کرے جب سخت کیچڑوالی زمین میں ہو۔یہ امام محمد کاقول ہے۔لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک ترکیچڑ سے تیمّم جائز ہے جب اس میں سے کچھ بدن پر نہ چپکے اھ۔(ت) **اقول:** مراد یہ ہے کہ اگرچہ اس میں سے کچھ بدن پرنہ چپکے جیسا کہ عن قریب امام اجل کرخی کی عبارت میں آرہاہے تویہ امام محمد کے خلاف کی وجہ سے خفی بات کی صراحت کردیتاہے تاکہ ظاہربات پربدرجہ اولٰی دلالت ہو__ یاجواز بمعنی حلّت ہے تونہ چپکنے والی صورت سے اس کاتعلق مثلہ سے بچنے کے لیے ہوگا۔سراجیہ میں ہے: "اگرکیچڑ سے تیمّم کیاتوجائز

---

[1] حاشیۃ الشلبیۃ مع التبیین باب التیمم مطبوعہ امیریہ بولاق مصر ۳۹/۱

[2] فتاوٰی سراجیۃ باب التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنو ص ۷

الخلاصۃ لایجوزالتیمّم بالطین بل یلطخ بعض ثیابہ الخ[1]۔ **اقول:** قدمنا نص الخلاصۃ ولیس فیہ لایجوز بل لایتیمّم وقد قال متصلابہ ومع ھذالوتیمّم بالطین فھو علی الخلاف ای یجوز عند الطرفین خلافا لابی یوسف وقال فی اواخر الکلام وعلی ھذاالخلاف التیمّم بالطین[2] فمن العجب نسبۃ عدم الجواز الیہ۔	ہے اھ۔اور جندی نے یہ کہہ دیا کہ خلاصہ میں ہے: کیچڑ سے تیمّم "جائز نہیں" بلکہ اسے اپنے کسی کپڑے میں لگالے گا الخ۔(ت) **اقول:** خلاصہ کی عبارت ہم پیش کرآئے ہیں اس میں لایجوز (ناجائز) نہیں بلکہ لایتیمّم (تیمّم نہ کرے) ہے۔اور اس سے متصلاً ہی یہ بھی لکھا ہے کہ "اس کے باوجود اگر کیچڑ سے تیمّم کرہی لیا تو اس میں اختلاف ہے" یعنی برخلاف امام ابویوسف کے __ طرفین کے نزدیک جائز ہے __ اور اواخر کلام میں یہ بھی لکھا ہے اور اسی اختلاف پر کیچڑ سے تیمّم بھی ہے __ توخلاصہ کی طرف عدم جواز کی بات منسوب کرنا بڑا عجیب ہے۔(ت)

یوں ہی خانیہ ۱۳ وخلاصہ میں امام کرخی ۱۴ اور خانیہ میں امام شمس الائمہ ۱۵ حلوانی سے اس کا جواب نقل کیا مگر امام خجندی عدم جواز کے قائل ہیں،جوہرہ نیرہ میں ہے:

لولم یجد الا الطین یلطخ بہ طرف ثوبہ اوغیرہ حتی یجف ثم یتیمم بہ وان لم یمکنہ قال فی ان لم یمکنہ قال فی الججندی عہ لایصلی مالم یجد الماء	اگر کیچڑ کے علاوہ کچھ نہ ملے تو اسے اپنے کپڑے کے کنارے یا کسی اور چیز پر کیچڑ لگالے تاکہ وہ خشک ہوجائے پھر اس سے تیمّم کرے اور اگر یہ اس کے لیے ممکن نہ ہو توخجندی میں کہاہے: جب تک پانی یاخشک مٹّی

عہ:مشایخنا قالواھذاقول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فان عندہ لایجوز التیمّم الابالتراب والرمل اما عند ابی حنیفۃ فالتیمّم بالطین جائز لانہ من اجزاء الارض[3] اھ منحۃ الخالق عن الرملی عن الولوالجیۃ۔۱۲منہ غفرلہ (م)	ہمارے مشایخ نے فرمایا یہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کاقول ہے کیونکہ ان کے نزدیک مٹّی یاریت کے علاوہ کسی چیز سے تیمّم جائز نہیں لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توکیچڑ سے تیمّم جائز ہے اس لیے کہ وہ زمین ہی کے اجزا سے ہے اھ منحۃ الخالق از رملی از ولوالجیہ ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

---
1 شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷
2 خلاصۃ الفتاوٰی مایجوزبہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۶
3 منحۃ الخالق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

اوالتراب الیابس وفی الکرخی بالطین الرطب وان لم یعلق بیدیه والصحیح جواز التیمّم بالطین عند ابی حنیفة وزفر [1]۔	نہ ملے نماز نہ پڑھے۔اور کرخی میں ہے: تر کیچڑ سے تیمّم جائز ہے اگرچہ اس کے ہاتھوں میں نہ چپکے اور صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور امام زفر کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم جائز ہے۔(ت)

بلکہ محیط سے منقول ہوا کہ بالاتفاق ناجائز ہے، رحمانیہ میں ہے:

فی المحیط لایجوز التیمم بالطین عندالکل لان التراب لایصیر طینا مالم یصر مغلوبا بالماء [2]۔	محیط میں ہے: سب کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم ناجائز ہے اس لیے کہ مٹّی اسی وقت کیچڑ ہوتی ہے جب پانی سے مغلوب ہوجائے۔(ت)

اور تحقیق وتوفیق وہ ہے جو۔ محیط اسرخسی، محیط[۲] رضوی، حلیہ[۳]، بحر[۴] الرائق، درمختار[۵]، عالمگیریہ[۶]، فتح اللہ[۷] المعین وغیرہا میں افادہ فرمائی کہ جس کیچڑ میں پانی غالب ہے اس سے تیمّم جائز نہیں اور مٹّی غالب ہے تو جائز۔ حلیہ میں ہے:

قال رضی الدین فی محیطه الصحیح ان الطین جنس الارض الا اذا صار مغلوبا بالماء فلایجوز [3]۔	رضی الدین نے اپنی محیط میں فرمایا: صحیح یہ ہے کہ کیچڑ زمین ہی کی جنس ہے مگر جب پانی سے مغلوب ہوجائے تو ناجائز ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

وان صار طین مغلوبا بالماء فلایجوز به التیمّم هکذا فی محیط السرخسی [4]۔	اور اگر کیچڑ پانی سے مغلوب ہو تو اس سے تیمّم جائز نہیں۔ایسا ہی محیط سرخسی میں ہے۔(ت)

علائی وازہری میں ہے: وطین غیر مغلوب بماء [5]۔ (اور (تیمّم جائز ہے) ایسی کیچڑ سے جو پانی سے مغلوب نہ ہو۔ت)

بحر میں ہے:

عند ابی حنیفة یتیمّم بالطین وھو الصحیح	امام ابوحنیفہ کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم جائز ہے اور یہی صحیح ہے

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۵

[2] رحمانیہ

[3] حلیہ

[4] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول من التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۶۷

[5] فتح اللہ المعین باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱

الااذاصار مغلوبا بالماء فلایجوز التیمّم بہ کذا فی المحیط[1]۔	لیکن جب کیچڑ سے مغلوب ہوتواس سے تیمّم جائز نہیں۔ایسا ہی محیط میں ہے۔(ت)

البتہ بلاضرورت اس سے تیمّم ناجائز یعنی مکروہ وممنوع وگناہ ہے کہ ۱ منہ کیچڑ سے سانناصورت بگاڑنا ہے اور صورت بگاڑنامُثلہ اور مُثلہ حرام ہے یہاں تک کہ ۲ جہاد میں جوحربی کافروں کو بھی مُثلہ کرنا صحیح حدیث میں منع فرمایا جن کے قتل کاحکم فرمایا اس کے بھی مثلہ کی اجازت نہ دی۔افسوس ۳ اُن مسلمانوں پر کہ باہم کھیل میں ایک دوسرے کے منہ پر کیچڑ تھوپتے ہیں یاہنسی سے کسی کے سوتے میں اس کے منہ پر سیاہی لگاتے ہیں یہ سب حرام ہے اور اس سے پرہیز فرض،خلاصہ وخانیہ وبدائع وغیرہا میں کہ کیچڑسے تیمّم کی ممانعت فرمائی اور اس کی ۴ یہ ترکیب بتائی کہ اپنے بدن یا کپڑے کے حصے خواہ کسی اور چیز پر کیچڑ کالیس کرلے جب وہ خشک ہوجائے اس سے تیمّم کرے اور یہ نفیس ترکیب خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاصل میں ارشاد فرمائی اس کامنشایہی تقبیح صورت سے بچانا ہے نہ یہ کہ کیچڑ سے تیمّم درست ہی نہیں۔

اقول:(۵) وبہ ظہر مافی ظاہر کلام الایضاح حیث جعل الارشاد الی ھذا الصنیع قول محمد خاصۃ قابلہ بقولہ اماعند ابی حنیفۃ فیجوز الخ انہ صنیع سنیع طلوب عندالامام ایضا قطعا ولیس ارشاد محمد الیہ لابطالہ التیمّم بالطین۔واقرب تاویل لہ ما اقول یرید ان ایجاب ھذا الصنیع مطلقًا سواء علق بیدہ شیئ اولا قول محمد خاصۃ لانہ ان علق لطخ وان	**اقول**: اسی سے وہ خامی بھی دور ہوجاتی ہے جوامام کرمانی کی عبارت اِیضاح کے ظاہر میں ہے اس طرح کہ اس طرز کی رہنمائی کو انہوں نے خاص امام محمد کا قول بنادیا اور اس کے مقالہ میں اپنی یہ عبارت لائے کہ "لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک تر کیچڑ سے تیمم جائز ہے الخ۔اور حق یہ ہے کہ یہ ایک عمدہ طریقہ ہے جو بلاشبہ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی مطلوب ہے اور اس طرز کی جانب امام محمد کی رہنمائی اس لیے نہیں کہ وہ کیچڑ سے تیمّم باطل قرار دیتے ہیں۔(ت) کلام "ایضاح" کی قریب ترتاویل وہ ہے جو میں کہتاہوں (**اقول**) ان کی مراد یہ ہے کہ اس ترکیب کو مطلقًا واجب قرار دینا،خواہ ہاتھ میں کچھ لگے یانہ لگے،خاص امام محمد کاقول ہے،اس لیے کہ اگر کیچڑ ہاتھ میں چپکتی ہے توآلودگی ہوگی اور

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

جلم یعلق لم یصح التیمم عندہ امام الامام فلایوجبہ اذالم یعلق بیدہ شیئ۔	نہیں لگتی تو انکے نزدیک تیمّم ہی درست نہیں۔ لیکن امام اعظم اسے ہاتھ میں کچھ نہ لگنے کی صورت میں واجب نہیں کہتے۔(ت)

وللہذا تصریح[1] فرماتے ہیں کہ یہ ترکیب اس وقت ہے کہ ابھی نماز کے وقت میں اتنی وسعت ہو اور اگر دیکھے کہ ایسا کرے گا تو اس کے خشک ہونے تک نماز کا وقت جاتا رہے گا تو لازم ہے کہ یونہی کیچڑ سے تیمّم کرکے نماز پڑھ لے وقت نہ جانے دے **اقول:** مگر اب[1] لازم ہوگا کہ دونوں ہتھیلیاں باہم خوب ملے رگڑے کہ جہاں تک ممکن ہو کیچڑ چھوٹ جائے اور جو حصہ رہے خشکی پر آجائے کہ جب غبار وزمین خشک پر ہاتھ مار کر جھاڑنا اور اثرِ خاک سے صاف کردینا سنّت ہو تو یہاں وجوب چاہئے نیز تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے ایسانہ کیا اور کیچڑ سے تیمّم کرلیابُرا کیا مگر تیمّم ہوگیا، خلاصہ سے گزرا:

مع ھذا الوتیمم بالطین فھو علی الخلاف [1] اھ ای صح عندالامام والثالث خلافا للثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اس کے باوجود اگر کیچڑ سے تیمّم کرلیا تو اس میں اختلاف ہے اھ۔ یعنی امام اعظم و امام محمد کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف کے نزدیک اس کے برخلاف ہے اللہ تعالٰی ان سبھی حضرات سے راضی ہو۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

لابالطین بل یلطخ جسدہ بہ فاذا جف تیمّم ومع ھذا الوتیمم بہ فعلہ ھذا الخلاف [2]۔	کیچڑ سے تیمّم جائز نہیں بلکہ اپنے جس کے کسی ایک حصے پر کیچڑ لگائے خشک ہونے پر اس سے تیمّم کرلے، اس کے باوجود اگر کیچڑ سے تیمّم کرلیا تو اس میں یہی اختلاف ہے۔(ت)

ولوالجیہ پھر رملی علی البحر پھر منحۃ الخالق میں ہے:

عند ابی حنیفۃ ان خاف ذھاب الوقت تیمّم بالطین لان التیمّم بالطین عندہ جائز لانہ من اجزاء الارض	امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ اگر وقت نکلنے کا اندیشہ ہو تو کیچڑ سے تیمّم کرلے کیونکہ ان کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم جائز ہے اس لیے کہ وہ اجزائے زمین

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فیما یجوزبہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ الہندیۃ الخامس فی التیمم مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

الا انه لایتیمم قبل خوف ذهاب الوقت کیلا یتلطخ بوجهه فیصیر بمعنی المثلة[1]۔	سے ہے لیکن وقت نکلنے کااندیشہ سے پہلے اس سے تیمّم نہ کرے تاکہ چہرہ اس سے آلودہ ہوکر مُثلہ کے معنی میں نہ جائے۔(ت)

بدائع و ہندیہ میں ہے:

لوکان فی طین وردغة لایجد ماء ولاصعیدا ولیس فی ثوبه وسرجه غبار یلطخ ثوبه اوبعض جسده بالطین فاذا جف تیمّم به ولاینبغی ان یتیمّم مالم یخف ذهاب الوقت لان فیه تلطخ الوجه من غیر ضرورة فیصیر بمعنی المثلة وان یتیمّم به اجزأه عند ابی حنیفة و محمد رضی الله تعالٰی عنهما الٰی اٰخر ماقدمنا[2]۔	کیچڑ اور دلدل میں ہو نہ پانی دستیاب ہے نہ مٹّی، نہ کپڑے یازِین پر غبار ہی ہے تواپنے کپڑے یا جسم کے کسی حصّے پر کیچڑ لگالے، جب خشک ہوجائے تواس سے تیمّم کرے اور جب تک وقت نکلنے کااندیشہ نہ ہو اس سے تیمّم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں بلاضرورتِ چہرہ آلودہ ہوکر مثلہ (صورت بگاڑنے) کے معنی میں ہوجاتاہے اور اگر اس سے تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہ وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک کافی ہوگا۔آخر عبارت تک جو ہم پہلے نقل کرآئے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے:

ذکر شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالٰی انه لاینبغی ان یتیمّم بالطین لان فیه تلطیخ الوجه ولوفعل جاز[3]۔	شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا ہے کہ کیچڑ سے تیمّم نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ اس میں چہرہ کی آلودگی ہوتی ہے اور اگر کرہی لیاجائے تو جائز ہے۔(ت)

اقول: انہی[1] عبارات سے ظاہر ہوا کہ بحال گنجائش وقت اس ترکیب پر عمل صرف مستحب نہیں بلکہ واجب ہے کہ جب وہ معنی مُثلہ میں ہے اور مثلہ حرام قطعی توجواس کے معنی میں ہے لااقل مکروہ تحریمی۔

وبه[2] ظهر ضعف ماوقع فی الحلیة حیث	اسی سے اس کاضعیف ہونا عیاں ہوجاتاہے۔

[1] منحۃ الخالق علی البحر باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸
[2] فتاوٰی عالمگیری باب التیمم مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷
[3] فتاوٰی قاضیخان فیما یجوزبہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۹

قال وعلی ھذا لا یلزم المسافر ماذکر بل یستحب له ذلك ولفظ البدائع (فذکر مانقلنا عنها) وکأنه یستشھد بقولھا لاینبغی ان یتیمّم ومثله قول شمس الائمة۔

اقول: ان کان (۱) لھذا میل الی عدم الوجوب فقول الخانیة والخلاصة والبزازیة ولوالجیة والمبتغی بل وشمس الائمة ایضا علی روایة المنیة لایتیمّم بالطین [1] ظاھر فی الوجوب فان استویا وجب الرجوع الی الدلیل وھو قاض بالوجوب کما علمت لاجرم ان صرح فی المنیة وغیرھا بلفظة لایجوز کما ستسمع وقال العلامة الخیر الرملی کما فی المنحة لما کان فی معنی المثلة وجب تاخیر فعله الی ذلك الوقت لئلا یباشر ماھو فی معنی المثلة لغیر ضرورة [2] اھ

اقول :لکن یعکر علیه ان لووجب الاوجب عدم التیمّم به الابعد الجفاف وان خرج الوقت

جو حلیہ میں لکھ دیا ہے کہ: اس بنیاد پر عمل مذکور مسافر کے لیے لازم نہیں بلکہ مستحب ہے اور بدائع کی عبارت یہ ہے (اس کے بعد بدائع کی وہ عبارت ذکر کی جو ابھی ہم نے اس سے نقل کی) معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدائع کے الفاظ لاینبغی ان یتیمّم (تیمّم نہیں کرنا چاہئے-----) سے شہادت پیش کرنا چاہتے، شمس الائمہ کے الفاظ بھی اسی کے مثل ہیں۔(ت)

اقول: اگران الفاظ کاکچھ رجحان عدم وجوب کی طرف ہے توخانیہ،خلاصہ،والوالجیہ، مُبتغی بتِ منیہ شمس الائمہ کے الفاظ لایتیمّم بالطین (کیچڑ سے تیمّم نہ کرے) وجوب کے بارے میں واضح ہیں۔اگر دونوں کاپلّہ برابر ہو تو دلیل کی طرف رجوع ضروری ہوگا۔اور دلیل وجوب ہی کافیصلہ کرتی ہے جیساکہ معلوم ہوچکا۔لامحالہ منیہ وغیرہ میں لفظ "ناجائز" کی صراحت آئی ہے جیسا کہ آگے آپ سنیں گے۔اور علامہ خیرالدین رملی نے جیساکہ منحۃ الخالق میں ہے، یہ فرمایا: "جب یہ مثلہ کے معنی میں ہے تو یہ عمل اس وقت تک مؤخر کرنا واجب ہو تاکہ بلاضرورت ایسے کام کامرتکب نہ ہو جو مثلہ کے معنی میں ہے"۔(ت)

اقول: لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل واجب ہوتاتوجب تک خشک نہ ہو اس سے عدمِ تیمّم واجب کرتے اگرچہ وقت نکل جائے

[1] منیۃ المصلی باب التیمم مطبع عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص۱۶

[2] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۸

كما هو قول الامام ابی یوسف فان المنع الشرعی ایضا مثبت للعجز عن استعمال الماء كما قدمنا فی مسألة الحباب ومسألة الهبه ومسألة المشترك بین ناس بملك فاسد فكذا ینبغی ان یثبت العجز عن استعمال هذا التراب۔

جیسا کہ امام ابویوسف کا قول ہے اس لیے کہ شرعی ممانعت سے بھی پانی کے استعمال سے عجز ثابت ہوتا ہے جیسا کہ ہم پہلے سبیل کے پانی، ہبہ کے مسئلہ اور چند آدمیوں کے درمیان ملک فاسد سے مشترک پانی کے مسئلہ میں بیان کرآئے ہیں تو اس مٹی کے استعمال سے بھی عجز ثابت ہونا چاہئے۔(ت)

واقول: فی الجواب بتوفیق الوھاب حفظ الوقت فریضة واتیان الفریضة اھم من ترك المكروه تحریما فلایجعل عجزا عن التراب جاذلابدل له بخلاف الماء فان له خلفا وھو التراب والله تعالٰی اعلم بالصواب۔

اقول: خدائے وہاب کی توفیق سے اعتراض مذکور کہ جواب میں، **میں کہتاہوں** کہ وقت کا تحفظ فرض ہے اور فرض کی بجاآوری مکروہ تحریمی کے ترک سے اہم ہے تواسے مٹی سے عجز نہ قرار دیا جائے گا اس لیے کہ اس کا کوئی بدل نہیں، پانی کامعاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ اس کا ایک نائب وبدل مٹّی موجود ہے اور خدائے تعالٰی درست وصواب کوخوب جاننے والاہے۔(ت)

بالجملہ بحمداللہ تعالٰی واضح ہےاور کیچڑ سے منع کایہی منشاکہ ہم نے تقریر کیااور اسی سے عبارات میں توفیق وباللہ التوفیق۔

اقول: لكنها مزلة زلت فیها اقلام اعلام من قبل حمل الجواز علی معنی الصحت دون الحل **فاغربها** ماقدمت عن البرجندی حیث عزا الی الخلاصة ماعزولم یبال بماصرح به فی نفس السطر وبعد بعدة اسطر ومنها ماقدمنا عن الایضاح ان لم یؤول بما فتح علی الفتاح **ومنها** قال فی المنیة لایجوز التیمم بالطین قال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله تعالٰی لایتیمّم

اقول: لیکن یہ ایک پھسلن ہے جہاں متعدد علمائے اَعلام کے قلم لفظ جواز کوبجائے حلت کے صحت کے معنی پر محمول کرلینے کی وجہ سے لغزش کھاچکے ہیں۔(۱) سب سے زیادہ عجیب وغریب وہ ہے جو برجندی سے میں نے نقل کیاکہ انہوں نے خلاصہ کی طرف منسوب کرڈالا وہ سب جو منسوب کیا،اوراس کاخیال نہ کیاجو صاحب خلاصہ نے خوداسی سطر میں اور پھر چند سطر بعد بھی صراحت فرمائی ہے۔(۲) وہ بھی ہم نے امام کرمانی کی ایضاح سے نقل کیا،اگراس کی وہ تاویل نہ کی جائے جو فقیر پر خدائے فتاح نے

بالطین وان فعل یجوز[1] اھ ھذا ما فی نسختنا المتن وعلیھا شرح فی الغنیۃ و وقع فی نسخۃ شرحھا فی الحلیۃ قال شمس الائمۃ لایجوز التیمم بالطین وان فعل یجوز[2] اھ قال فی الحلیۃ الجوازبه قال الکرخی وعلیه مشی شمس الائمۃ الحلوانی الا انه قال لاینبغی ان یتیمّم به لان فیه تلطیخ الوجه ولوفعل جازذکرعنه بھذااللفظ قاضیخان فی فتاواہ لاباللفظ الذی حکاہ المصنف عنه فان ظاھرہ التناقض[3]۔	منکشف فرمائی۔(۳) منیہ میں کہا: "کیچڑ سے تیمّم جائز نہیں۔ شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیچڑ سے " تیمّم نہ کرے"، اور اگر کرلیاتو جائز ہے"۔اھ۔یہ ہمارے نسخہ متن میں ہے۔اسی نسخہ پر شرح غنیہ بھی ہےاور ایک دوسرے نسخہ میں جس پر شرح حلیہ ہے یوں لکھا ہے" شمس الائمہ نے فرمایا: کیچڑ" سے تیمّم جائز نہیں"اور اگر کرلیا تو جائز ہے"اھ۔حلیہ میں لکھا:"اس سے جوا زکے قائل کرخی ہیں اور اسی پر شمس الائمہ حلوانی بھی گئے ہیں مگر انہوں نے یہ فرمایا کہ اس سے تیمّم نہیں کرنا چاہئےاس لیے کہ اس میں چہرہ کی آلودگی ہوتی ہے اور اگر کرلیاتو جائز ہے۔ان سے ان ہی الفاظ کے ساتھ قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں نقل کیا ہے ان الفاظ میں نہیں جو ان سے مصنف نے حکایت کی اس لیے کہ اس کاظاہر تو تناقض لئے ہوئے ہے۔"اھ (ت)
اقول: من(۱) سمع ھذالایتبادر ذھنه الا الی ان لایجوز بمعنی لایحل ویجوز بمعنی یصح والظاھر ھو المتبادر غیر ان الشارح العلامۃ لایسلم عدم الحل ایضا کما تقدم فلم یستقم له ھذا المعنی الواضح ومنھا قال فی البحر وقیدالجواز بالطین الولوالجی فی فتاواہ وصاحب المبتغٰی بان	**اقول:** جو بھی یہ سنے گا اس کا ذہن اسی بات کی طرف جائے گا کہ لایجوز (جائز نہیں) لایحل (حلال نہیں) کے معنی میں ہے اور یجوز (جائز ہے) یصح (درست ہے) کے معنی میں ہے اور ظاہر یہی متبادر ہوتا ہے۔ مگر شارح علامہ عدمِ حلّت بھی نہیں مانتے جیسا کہ گزر چکا اس لیے یہ واضح معنی ان کے لیے راست نہ آسکا۔ (۴) بحر میں فرمایا: "والوالجی نے اپنے فتاوٰی میں، اور صاحب مبتغٰی نے بھی کیچڑ سے جواز

[1] منیۃ المصلی باب التیمم مطبع عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۶
[2] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹
[3] حلیہ

یخاف خروج الوقت اماقبله فلاکیلا یتلطخ وجهه فیصیر بمعنی المثلة من غیر ضرورة وهوقید حسن ینبغی حفظه[1] اھ **اقول:** فانظر الی التعلیل هل یرشد الی عدم الجواز بمعنی الحل ام بمعنی الصحة فاندفع(۱) والله الحمد مارد به علیه اخوه المدقق فی النهر والعلامة الرملی فی حاشیة البحر وتبعهماش فی المنحة فاهمین انه یقول قیدبه الولوالجی صحة التیمم بالطین فلو تیمّم به قبل ذهاب الوقت لم یصح و لعل هذا شیئ لم یخطر ببال المحقق البهر ولاارادہ* ولا فی عبارته ماعینه او افاده* **نعم** فی عبارته مایوهم (۲) ظاهره انه حمل حکم تلطیخ الثوب علی عدم الجواز به قبل الجفاف حیث قابله بقول الامام بالجواز اذقال اذالم یجد الاالطین یلطخه بثوبه فاذا جف تیمّم به	کو اس بات سے مقید کیا ہے کہ وقت نکلنے کااندیشہ ہو۔اس سے قبل جائز نہیں تاکہ چہرہ آلودہ ہو کر بلاضرورت مثلہ کے معنی میں نہ ہوجائے۔اور یہ اچھی قید ہے جسے یاد رکھنا چاہئے"۔ **اقول:** بیان علت پر غور کیجئے کیااس سے اس بات کی راہ ملتی ہے کہ جواز بمعنی حلت کاعدم مراد ہے یابمعنی صحت کا؟۔توبحمداللہ وہ اعتراض دفع ہوگیا جس سے صاحب بحر پران کے برادر مدقق نے نہر میں اور علامہ رملی نے حاشیہ بحر میں رد کیااور علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں ان دونوں حضرات کی پیروی کی۔یہ سب ان حضرات نے یہ سمجھتے ہوئے کیاکہ صاحبِ بحر یہ فرمارہے ہیں کہ کیچڑ سے تیمّم درست ہونے کے لیے والولوالجی نے یہ قید لگائی ہے، تواگراس سے وقت نکلنے (کے اندیشہ) سے پہلے تیمّم کرلیاتووہ درست ہی نہ ہوا۔اور شاید یہ معنی ایساہے جو محقق بحر کے خیال میں بھی نہ آیا ہو،نہ ہی انہوں نے یہ مراد لیا،نہ ہی ان کی عبارت میں کوئی ایسا لفظ ہے جس سے اس کی تعیین ہو یا جس سے یہ مستفاد ہو۔(ت) **ہاں** ان کی عبارت میں ایک امر ایساہے جس کے ظاہر سے یہ وہم پیداہوتا ہے کہ انہوں نے کپڑے میں کیچڑ لگانے کاحکم اس پر محمول کیاہے کہ سوکھنے سے پہلے کیچڑ سے تیمّم جائز ہی نہیں اس طرح کہ اس کے مقابلہ میں امام کاقول جواز پیش کیاہے۔عبارت یوں ہے:"جب کیچڑکے سواکچھ نہ ملے تواسے کپڑے میں

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

وقیل عند ابی حنیفة یتیمم بالطّین وھو الصحیح لان الواجب عندہ وضع الید علی الارض لااستعمال جزء منه و الطین من جنس الارض الا اذا صار مغلوبا بالماء فلایجوز التیمّم کذا فی المحیط[1] اھ وھو لیس اول من ذھب وھله الی ھذا۔ثمّ ماذکر فی تعلیل قول الامام یوھم ان الطین لایعلق منه شیئ بالیداو ان جھذا ھو الغالب فیه وھو عکس ماسلکه فی البدائع والصواب مع ملك العلماء و اللہ تعالٰی اعلم۔	لگالے جب خشک ہوجائے تو اس سے تیمّم کرے اور کہا گیا کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کیچڑ سے تیمّم کرلے گا۔اور یہی صحیح ہے کیونکہ ان کے نزدیک واجب یہی ہے کہ زمین پر ہاتھ رکھے اس کے کسی جز کو استعمال کرنا واجب نہیں اور کیچڑ جنسِ زمین ہی سے ہے۔مگر جب پانی سے مغلوب ہو تو اس سے تیمّم جائز نہیں۔ایسا ہی محیط میں ہے"اھ اور یہ پہلے شخص نہیں جن کا وہم غیر ارادی طور پر اس طرف چلاگیا پھر امام اعظم کے قول کی علّت بتاتے ہوئے جوانہوں نے ذکر کیا اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ کیچڑ سے ہاتھ میں کچھ لگتا نہیں یا اس میں اکثر یہی ہوتا ہے۔یہ اس راہ کے برعکس ہے جس پر صاحب بدائع گامزن ہوئے اور صواب ملک العماء کے ساتھ ہے۔اور خدائے برتر خوب جانتا ہے۔(ت)

زمین ۳ وخاک سوختہ۔ان میں عبارات دو۲ طور پر آئیں،اول بلاقید جائز ہے مختارات النوازل۱ حلیہ ۲ ط ۳ یہی اصح ہے فتح۴ ظہیریہ ۵ ھندیة۶ مبتغی ۷ حلیہ ۸ اسی پر فتوی ہے جواھر ۹ الاخلاطی غیاثیة ۱۰ نصاب ۱۱ حلیة۔

دوم: اگر راکھ پر خاک غالب ہو جائز ہے ورنہ نہیں خانیہ۱ بحر ۲ دُر ۳ خادمی ۴ مراقی ۵۔**بل جمع بینھما فقال یجوز بالارج المحترقة والطین المحرق الذی لیس به سرقین قبله والارض المحترقة ان لم یغلب علیھا الرماد**[2] (بلکہ انہوں نے دونوں کو جمع کرکے یوں کہا: جلی ہوئی زمین اور اس جلائی ہوئی مٹّی سے تیمّم جائز ہے جس میں پہلے گوبر نہ تھا،اور جلی ہوئی زمین سے،اگر اس پر راکھ غالب نہ ہو۔ت)

اقول: تحقیق یہ ہے کہ مسئلہ فی نفسہا مطلق بالقید ہے کہ زمین وخاک جل کر راکھ نہیں ہوسکتیں ہاں زمین پر کھتی یا گھاس وغیرہ اور اشیاء تھیں اور وہ جلائی گئیں اور ان کی راکھ خاک سے ملی تو یہاں وہ قید غلبہ ملحوظ ہوگی۔طحطاوی وشامی میں ہے:

---

[1] البحر الرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

[2] مراقی الفلاح باب التیمم مطبع الازہریہ مصر ص ۶۸

ای احترق ماعلیھا من النبات واختلط الرماد بترابھا فحینئذ یعتبر الغالب[1]۔	یعنی زمین پر اُگے ہوئے گھاس پودے جل گئے اور زمین کی مٹّی سے راکھ خلط ہوگئی، ایسی صورت میں جو غالب ہے اس کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

طحطاوی علی المراقی میں قول مکرر مراقی پر ہے:

الاولی الاکتفاء بھذہ عن قولہ سابقا وبالارض المحترقۃ الاان یحمل ماسبق علی ان الارض احرق ترابھا من غیر مخالط[2]۔	اپنی پہلی عبارت "اور جلی ہوئی زمین" کی بجائے اسی پر اکتفا کرنا بہتر تھا۔ مگر یہ کہ ماسبق کو اس پر محمول کریں کہ زمین کی مٹّی کسی اور چیز کی آمیزش کے بغیر جلائی گئی۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

فی قاضیخان اذا احترقت الارض بالنار ان اختلطت بالرماد یعتبرفیہ الغالب ان کانت الغلبہ للتراب جازبہ التیمّم والافلاوفی فتح القدیر یجوزفی الاصح لم یفصل والظاھر التفصیل[3] اھ۔ **اقول:** انما (۱) صحح الجواز بارض محترقۃ ولاتفصیل فیھا کما علمت انمایجیئ التفصیل من قبل المخالط ولاذکر لہ ھنا فاذاجاء علی ذکرہ صرح باعتبار الغلبۃ نقلا عن الخانیۃ ھذا۔	قاضیخان میں ہے: جب زمین آگ سے جل جائے تو اگر وہ راکھ سے مخلوط ہو تو اس میں اعتبار اس کا ہوگا جو غالب ہے۔ اگر مٹّی غالب ہے تو اس سے تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔ اور فتح القدیر میں ہے: "مذہب اصح میں جائز ہے" انہوں نے تفصیل نہ کی اور ظاہر یہ ہے کہ تفصیل ہونی چاہئے اھ (ت) **اقول:** انہوں نے جلی ہوئی زمین ہی سے توجواز کو صحیح بتایا ہے، یقینا اس میں کوئی تفصیل نہیں جیسا کہ معلوم ہوچکا۔ تفصیل تو مخالط کی جہت سے ہوتی ہے اور اس کا یہاں کوئی ذکر ہی نہیں۔ جب اس کے ذکر پر آئے تو بہ نقل خانیہ اعتبار غلبہ کی صراحت فرمائی۔ یہ ذہن نشین رہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۷

[2] مراقی الفلاح باب التیمم مطبع الازہریہ مصر ص ۶۸

[3] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

وماذکر الشرنبلالی فی الطین المحرق فاقول (۱) یتراای لی ان یستثنی منه ماذا کان السرجین قلیلا *واحرق طویلا* حتی ذهب [عہ۱] السرقین*وطهر الطین *فان الاحراق [عہ۲] ایضامن المطهرات بالیقین*ولیست النار کالشمس والریح [عہ۳] جفیما مر*بل لاتبقی ولاتذر*نسأل الله تعالٰی ان یعافینا منها ومن کل شر*	اور شرنبلالی نے جلائی گئی مٹّی کے بارے میں جو ذکر کیا فاقول اس سے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ اس سے اس صورت کا استثنا ہونا چاہئے جب گوبر کم رہا ہو اور دیر تک جلایا گیا ہو یہاں تک کہ گوبر ختم ہوگیا اور مٹّی پاک ہوگئی۔اس لیے کہ جلانا بھی یقینا پاک کرنے والی چیزوں میں ہے اور آگ کامعاملہ دھوپ اور ہوا کی طرح نہیں بلکہ یہ جس پر گزرتی ہے کچھ بچاتی چھوڑتی نہیں۔خداہی سے سوال ہے کہ ہمیں اس سے اور ہر شر سے عافیت عطافرمائے۔(ت)

رَماد۴ یعنی خاکستر۔عامہ کتب مثل خانیہ [۱] ظہیریہ [۲] وسراجیہ [۳] وخزانۃ [۴] المفتین ومحیط [۵] وکافی [۶] وصدر [۷] الشریعۃ

عہ۱: ان فنی فذالك وان ابقی رمادا فالمعتمد طهارته لانقلاب العین والفرض انه قلیل مغلوب بالتراب ۱۲منه غفرله (م)	اگر ختم ہوگیا تب توصرف مٹّی رہی۔اور اگر راکھ ہوکر رہ گیا تو معتمد یہ ہے کہ وہ پاک ہے اس لیے کہ گوبر مٹی سے بدل گیا۔فرض یہ کیا گیا ہے کہ گوبر کم اور مٹّی سے مغلوب ہے۔۱۲منہ غفرلہ(ت)
عہ۲:تنویر رش بماء نجس (اوبال فیه صبی حلیه اھ ش) لاباس بالخبز فیه درمختار بعد ذهاب البلة النجسة بالنارخانیة اھ ش کطین نجس فجعل منه کوزبعد جعله علی النارتنویر [1] ۱۲منه غفرله (م)	کسی تنّور میں نجس پانی چھڑکا گیا(یااس میں کسی بچے نے پیشاب کردیا۔حلیہ اھ ش) تو اس کے اندر روٹی پکانے میں کوئی حرج نہیں۔درمختار۔اس کے بعد کہ آگ سے ناپاک تری ختم ہوچکی ہو۔خانیہ اھ ش۔جیسے وہ مٹّی جو ناپاک ہوگئی پھر اس سے آگ پر پکار کوزہ تیار کیا گیا۔تنویر۔(ت)
عہ۳: یرید ماتقدم فی صدرالرسالة عن ملك العلماء ان احراق الشمس ونسف الریاح اثرها فی تقلیل النجاسة دون استئصالها ۱۲منه غفرله (م)	اس سے اس کی طرف اشارہ مقصود ہے جو شروع رسالہ میں ملک العلماء کے حوالہ سے گزرا کہ نجاست دھوپ کے جلانے اور ہوا کے اڑانے سے کم ہوجاتی ہے ختم نہیں ہوجاتی۔۱۲منہ غفرلہ(ت)

[1] ردالمحتار مع الدرالمختار شرح تنویرالابصار باب الانجاس داراحیاء التراث بیروت ۱/ ۲۱۰

ومنیہ ۸ ودرایہ ۹ وشلبیہ ۱۰ وجوہرہ ۱۱ وبحر ۱۲ وہندیہ ۱۳ وغیرہا میں اس سے عدم جواز کی تصریح ہے حلیہ ۱۴ میں شرح ۱۵ جامع صغیر امام قاضیخان سے ہے یہی صحیح ہے بدائع ۱۶ وخلاصہ ۱۷ میں ہے اس پر اجماع ہے لکن فی البرجندی عن النصاب قال ابو القاسم یجوز وابو نصر لاو بہ ناخذ[1] اھ۔ (لیکن برجندی میں نصاب کے حوالہ سے لکھا ہے: "ابو القاسم نے فرمایا: جائز ہے۔ اور ابو نصر نے فرمایا: ناجائز ہے۔ اور ہم اس کو لیتے ہیں"۔ اھ۔ ت)

اقول: النصاب(۱) والخلاصۃ لامام واحد ولفظہ فیہا بالاٰجر یجوز عند ابی حنیفۃ وعن محمد روایتان وقول ابی یوسف متردد واجمعوا انہ لوتیمّم بالرماد لایجوز[2] اھ فالکنایۃ للائمۃ الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم فلاینفی خلاف بعض المشایخ وما استنبط البرجندی عن زاد الفقہاء قدمنا مافیہ۔	**اقول:** نصاب اور خلاصہ ایک ہی امام کی تصنیف ہیں، اور خلاصہ میں ان کے الفاظ یہ ہیں: "پکی اینٹ سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیمّم جائز ہے اور امام محمد سے دو ۲ روایتیں آئی ہیں۔ اور امام ابو یوسف کا قول متردّد ہے اور اس پر ان حضرات کا اتفاق ہے کہ اگر راکھ سے تیمّم کیا تو ناجائز ہے" اھ۔ اس عبارت میں "ان حضرات" سے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف اشارہ ہے جس سے بعض مشائخ کے درمیان اختلاف کی نفی نہیں ہوتی۔ اور برجندی نے زاد الفقہا سے جو استنباط کیا اس کی خامی ہم پہلے بیان کرچکے ہیں (ت)۔

اور اس سے مراد لکڑی یا اس کے مثل اور اشیا غیر جنس ارض کی راکھ ہے پتھر کی راکھ سے جواز اور یہ کہ اس سے چونا مراد اوپر گزرا، بدائع میں ہے: بالاجماع لانہ من اجزاء الخشبۃ[3] (بالاجماع__ اس لئے کہ وہ لکڑی کے اجزا سے ہے۔ ت) فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے: لانہ من اجزاء الشجر لامن اجزاء الارض[4] اھ (اس لیے کہ وہ درخت کا جز ہے زمین کا جُز نہیں۔ ت)

اقول: واحسن منہما مافی شرحہ للجامع الصغیر لایجوز بالرماد فی الصحیح من الجواب لانہ لیس من اجزاء	**اقول:** ان دونوں عبارتوں سے بہتر وہ ہے جو ان کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ "صحیح جواب یہ ہے کہ راکھ سے تیمّم جائز نہیں اس لیے کہ وہ اجزائے زمین

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[2] خلاصۃ الفتاوی فصل فیما یجوز بہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۶

[3] بدائع الصنائع فصل فی بیان مایجوز بہ التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴

[4] قاضیخان فصل فیما یجوز بہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۹

الارض [1] اھ لشموله رماد کل مالیس من جنس الارض۔

سے نہیں" اھ۔اس لیے کہ یہ عبارت ہر اس چیز کی راکھ کو شامل ہے جو جنس زمین سے نہیں۔

فان قلت ماالترمد(۱) الاذھاب الاجزاء الرطبة وبقاء الیابسة ومعلوم ان الناریة لاتبقی فماھی الاجزاء ارضیة فلم لایجوز التیمّم بھا۔

اگر یہ اعتراض ہو کہ راکھ ہونا یہی تو ہے کہ تراجزاء ختم ہو جائیں اور خشک اجزاء رہ جائیں اور معلوم ہے کہ ناری اجزاء بھی باقی نہیں رہ جاتے تو صرف زمینی اجزاء ہے۔ پھر ان سے تیمّم کیوں جائز نہیں؟

اقول: کانه الی ھذا نظر الامام الصفار والصوب ان البسائط لاتبقی علی حقائقھا فی امثال المرکبات فکما ان مائیة تقطر من الشجر لیست من اجزاء الماء حتی لم یجزالتوضی بھا فکذلك الرماد لیست من اجزاء الارض بل اجزاء ذلك الشیئ بعد جانقلاب الاعیان فلم یجز التیمّم به والیه یشیر مامرانفا عن الامامین ملك العلماء وفقیه النفس رحمھما الله تعالٰی۔

میں کہوں گا (اقول) معلوم ہوتا ہے کہ اسی امر کی طرف امام صفار نے نظر فرمائی ہے اور صحیح یہ ہے کہ امثال مرکبات میں بسائط اپنی حقیقتوں پر باقی نہیں رہتے جیسے وہ مائیة جو درکت سے ٹپکتی ہے پانی کے اجزاء سے نہیں یہاں تک کہ اس سے وضو جائز نہیں تو اسی طرح راکھ بھی زمین کے اجزاء سے نہیں، امام فقیہ النفس کے حوالہ سے گزرا، رحمھما الله تعالٰی۔ (ت) بلکہ اسی شَے کے اجزا انقلاب اعیان کے بعد بھی ہیں تو اس سے تیمّم جائز نہیں اسی کی طرف اس کا بھی اشارہ ہے جو ابھی امام ملک العلماء اور

باآجر ۵ یعنی **پکّی اینٹ**۔ عامہ کتب مثل خانیہ [1] وخلاصہ [2] وخزانۃ [3] المفتین ومنیہ [4] وسراجیہ ۵ وکافی [6] ونہر [7] وغیرہا میں اس سے مطلقاً جواز کی تصریح ہے تبیین [8] الحقائق میں ہے یہی ظاہر الروایۃ ہے، مختارات [9] النوازل وحلیہ [10] وفتح [11] وبحر [12] جوہندیہ [13] میں ہے، یہی صحیح ہے فتح اللہ [14] المعین میں ہے یہی اصح ہے۔

تنبیہ: یہاں تک توکوئی اختلاف عــہ قابلِ لحاظ نہیں کہ جب یہی ظاہر الروایۃ اور یہی صحیح ہے

عــہ: روایت خلاف یہ ہے:

فی محیط الشیخ رضی الدین لایجوز

محیط شیخ رضی الدین میں ہے کہ ایک روایت کے مطابق (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] شرح جامع صغیر للقاضی خان

تو خلاف کی گنجائش نہ رہی مگرایک صورت خلط کی ہے کہ اس میں غیر جنس ارض سے کوئی شے ملی ہو عامہ مشایخ نے اسے خزف یعنی ٹھیکری میں ذکر فرمایا،اور فتح القدیر نے خشتِ پختہ میں **اقول:** ہے یہ کہ اینٹ میں کوئی اور چیز ملا کرپکانے کادستور نہیں اگر خلط ہوگا توخس وخاشاک کا،اور اب مسئلہ غلبہ مخالط اس سے متعلق نہ ہوگا کہ اینٹ کی مٹّی میں کوڑااتنا نہیں ہوتا،بخلاف خزف جیسے گِلِ خوردنی کے طباق کہ اور خوردنی چیزیں ملا کرپکائے جاتے ہیں بہر حال مسئلہ میں خصوصیت نہ خزف کی ہے نہ آجر کی بلکہ جس مٹّی میں غیر کاخلط ہوگا وہی احکام پیدا ہوں گے لہٰذا ہم مسئلہ خلط کو مستقل لکھیں گے ان شاء اللہ تعالٰی۔

سبخہ۶ یعنی زمین نمک زار۔اس میں عبارت چار۴ طور پر ہیں:

(۱) اطلاق جواز خانیہ[۱] نوازل[۲] خزانہ[۳] فتح[۴] شرح[۵] مختصر الطحاوی منیہ[۶] نہر[۷] ط[۸]۔

(۲) اگرآب نمک میں غرق ہو جائز نہیں غنیۃ **وقد تقدم وقال ایضا تحت قول المنیۃ السبخۃ بمنزلۃ الملح مانصہ فان غلب علیھا النز لا یجوز التیمّم بھا کالملح المائی وان غلب التراب جاز کالملح الجبلی**[1] **اھ**

(غنیہ۔اس کاکلام گزر چکا۔اور منیہ کی عبارت "**السبخۃ بمنزلۃ الملح**" (زمین نمک زار نمک کے درجہ میں ہے) کے تحت غنیہ میں یہ بھی تحریر ہے: "تواگراس میں پھوٹنے والی تری کو غلبہ ہو تواس سے تیمّم جائز نہیں جیسے پانی والے نمک سے جائز نہیں اور اگر مٹّی کاغلبہ ہوتو جائز ہے جیسے پہاڑی نمک سے جائز ہے"۔اھ۔(ت)

اقول: اراد التشبیہ فی نفس الجواز	**اقول:** ان کا مقصد صرف جواز وعدمِ جواز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بالاٰجرفی روایۃ لانہ بالطبخ تغیر عن حالہ وصار بحال لایوجد مثلہ من جنسہ خلقۃ فی الارض وفی ظاھر الروایۃ یجوز لانہ طین متحجر فیکون کالحجر الاصلی اھ حلیۃ ۱۲منہ غفرلہ (م)

پکّی اینٹ سے تیمّم جائز نہیں۔کیونکہ پکانے کی وجہ سے اپنے حال سے بدل گئی ہے اور ایسے حال پر ہو گئی ہے کہ اس کی جنس سے تخلیق کے اعتبار سے اس کی مثل زمین میں نہیں پائی جاتی۔اور ظاہر الروایۃ کے مطابق اس سے تیمّم جائز ہے کیونکہ یہ کیچڑ والا پتھر ہے،لہٰذا اس کا حکم اصلی پتھر کی طرح ہوگا۔(ت)

[1] غنیۃ المستملی ، فصل فی التیمم ، مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ، ص۷۸

وعدمه والافالملح الجبلی نفسه من جنس الارض لاان التراب غالب فیه والملح المائی من اجزاء الماء لامن ماء غالب و تراب۔	میں تشبیہ دینا ہے ورنہ پہاڑی نمک توخود جنس زمین سے ہے یہ نہیں کہ اس میں مٹّی غالب ہے اور آبی نمک پانی کے اجزا سے ہے ایسا نہیں کہ آب غالب اور مٹّی سے ملا ہوا ہے۔(ت)

ثم اقول (پھر میں کہتاہوں۔ت) یہ ضرور مطلقًا ملحوظ ہے اور اطلاق کتب بربنائے غالب احوال کمااشار الیه فی الغنیة (جیساکہ غنیہ میں اس کی طرف اشارہ کیاہے۔ت)

(۳) وہ نمک اگرمٹّی سے ہے جائز ہے اور اگرپانی سے بناہے ناجائز ہے اخلاصة ۲بحر ۳ھندیہ ۴محیط رضوی ۵خزانۃ الفتاوی ۶حلیہ۔

(۴) تصریح تعمیم اگرچہ نمک پانی سے ہوجب بھی جائز جب تک پانی غالب نہ ہو یہ حلیہ کی بحث ہے:

حیث قال علی قول الاسبیجابی یجوز التیمّم بالسبخة هذا باطلاقه یفید الجواز بها سواء کانت مائیة اومنعقدة من الارض وهو بقول ابی حنیفة ومحمد اشبه لانه غایه المائیة انها ارض ذات نز وانها طین وقد صرح فی الخلاصة انهما علی الخلاف وکذا صرح غیره فی الطین اللهم اذاکان الماء غالبا کما سنذکره ویحل عدم الجواز بالمائیة علی هذا[1] اھ۔	اسبیجابی کی عبارت"نمک زار سے تیمّم جائز ہے"پر صاحب حلیہ یہ لکھتے ہیں: اس کلام کے اطلاق سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ نمک زار سے مطلقًا تیمّم جائز ہے خواہ آبی ہو یازمین سے بناہوا اور یہ امام ابوحنیفہ وامام محمد کے قول کے زیادہ، مناسب ہے اس لیے کہ آبی زیادہ سے زیادہ یہ کہ تری والی زمین ہے اور وہ مٹّی ہی ہے۔اور خلاصہ میں تصریح فرمائی ہے کہ دونوں ہی میں اختلاف ہے۔اسی طرح دوسرے حضرات نے۔خاکی کے بارے میں صراحت کی ہے۔شاید یہ اس صورت میں ہوجب پانی کاغلبہ ہو جیساکہ ہم عنقریب ذکر کریں گے،اور آبی سے عدمِ جواز بھی اسی پر محمول ہوگا۔اھ۔(ت)

اقول: بلکہ نمک' آبی وترابی میں فرق ظاہر ہے اور قولِ فیصل یہ ہے کہ روئے زمین پر اگرخشک یاخفیف نم کانمک پھیلا ہے تواگرنمک ترابی ہے جائز اور آبی ہے توناجائز ہے فان علی وجه الارض غیرجنسها کانیة مدهونة اومصبوغة بغیر جنس الارض (اس لیے کہ روئے زمین پر

[1] حلیہ

غیر جنس زمین ہے جیسے غیر جنس زمین سے پالش کیے ہوئے یا رنگے ہوئے برتن۔ت) یہی قول سوم کا منشا اور اسی کی صورت اولٰی پر قول اول محمول۔

اقول: اور اس کا اطلاق اس لیے کہ غالباً زمین شور میں نمک ترابی ہی ہوتا ہے اور اگر نمک کا پانی پھیلا ہے مطلقاً ناجائز لغلبۃ المائیۃ (کیونکہ پانی غالب ہے۔ت) اور یہی قول دوم ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نمک ۷۔ اگر آبی ہو ناجائز فتح[۱] منیہ[۲] خلاصہ[۳] جوہرہ[۴] محیط[۵] درر[۶] بزازیہ[۷] سراجیہ[۸] ظہیریہ[۹] خزانہ[۱۰] اس پر اتفاق ہے تبیین[۱۱] بحر[۱۲] عبدالحلیم[۱۳] شرنبلالی[۱۴] خادمی[۱۵] اور اگر جبلی ہو اقول یعنی اجزائے ارض سے بنا ہو خواہ پہاڑ سے نکلے یا زمین شور سے دو۲ روایتیں ہیں تبیین اور دونوں طرف تصحیحین بحر امام شمس الائمہ حُلوانی نے فرمایا: اصح یہ کہ ناجائز ہے **ذکرہ فی المستغنی** (اسے مستغنی میں ذکر کیا ہے۔ت) خلاصہ۔ اسی طرح امام فقیہ النفس نے شرح جامع صغیر میں فرمایا:

من الناس من قال یجوز بالملح الجبلی والاصح انہ لایجوز [1] اھ حلیہ۔	کچھ لوگ اس کے قائل ہیں کہ پہاڑی نمک سے جائز ہے اور اصح یہ ہے کہ ناجائز ہے۔اھ حلیہ۔(ت)

امام[۳] شمس الائمہ سرخسی کی طرف بھی منسوب ہوا کہ میرے نزدیک صحیح عدم جواز ہے۔

ففی المنیہ طبع الھند ان کان جبلیا یجوز وقال شمس الائمۃ السرخسی الصحیح عندی انہ لایجوز کذا ذکرہ فی المحیط[2] اھ وفی الغنیۃ طبع قسطنطینیۃ جعل لفظ السرخسی من الشرح [3] وفی الحلیۃ (م) قال شمس الائمۃ (ش) وفی بعض النسخ بزیادۃ السرخسی ونقل ھذا فی الخلاصۃ عن الحلوانی فلعلہ عنھما[4] اھ۔	منیہ مطبوعہ ہند میں ہے: "اگر پہاڑی ہو جائز ہے اور شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں، ایسا ہی انہوں نے محیط میں ذکر کیا" اھ۔ اور غنیہ مطبوعہ قسطنطنیہ میں لفظ "سرخسی" شرح میں رکھا ہے اور حلیہ میں ہے: "(متن) شمس الائمہ نے فرمایا (شرح) اور بعض نسخوں لفظ "سرخسی" کے اضافہ کے ساتھ ہے اور خلاصہ میں اسے حلوانی سے نقل کیا ہے تو شاید یہ دونوں ہی (شمس الائمہ۔ سرخسی و حلوانی۔) سے مروی ہوا"۔اھ (ت)

1 شرح الجامع الصغیر للقاضی خان

2 منیۃ المصلی باب التیمم مطبع عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص ۱۶

3 غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۸

4 حلیہ

اقول: قال فی السراجیة قال الشیخ الامام السرخسی وحسام الدین اذاکان جبلیا یجوز وان مائیا لا [1] اھ فالظاھر ان السرخسی وقع فی تلك النسخة سھوا مکان الحلوانی او عن السرخسی روایتان واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) سراجیہ میں لکھا ہے: "شیخ امام سرخسی اور حسام الدین نے فرمایا: "پہاڑی ہوتو جائز ہے اور اگر آبی ہوتو جائز نہیں۔"اھ تو ظاہر یہ ہے کہ اس نسخہ میں حلوانی کی جگہ سرخسی سہوًا آگیا ہے یا یہ کہ سرخسی سے دو ۲ روایتیں ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اس قول کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ وہ پگھلتا ہے۔ تبیین۔

ونقلہ فی الشلبیة عن الدرایة عن قاضیخان ای فی شرحہ للجامع الصغیر اوکتاب اٰخر لافی فتاواہ کما قدیتوھم من قولہ وفی قاضیخان الخ وفصلہ فی الغنیة بقولہ کانّ وجھہ انہ لما استحال التحق بالمائی لتبدل طبعہ حتی انہ یذوب فی الماء وینحل بالبرد ویشتدد بالحر کالمائی فخرج من کونہ من اجزاء الارض [2] اھ۔ **اقول:** (۱) لکن ھذا خلاف ماجمع علیہ کلماتھم فی تحدید جنس الارض۔	اور اسے شلبیہ میں درایہ سے اس میں قاضیخان سے یعنی ان کی شرح جامع صغیر یا کسی اور کتاب سے نقل کیا ہے۔یہ ان کے فتاوٰی میں نہیں جیسا کہ ان کی عبارت "وفی قاضیخان الخ" سے وہم ہوتا ہے۔اور غنیہ میں اس کی تفصیل ان الفاظ میں کی ہے: "گویا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ جب وہ بدل گیاتو آبی سے لاحق ہوگیا کیونکہ اس کی طبیعت،آبی کی طبیعت میں تبدیل ہوگئی یہاں تک کہ وہ بھی پانی میں پگھلتا،سردی سے گھلتا،اور گرمی سے سخت ہوتا ہے جیسے آبی کاحال ہے س لیے وہ جزوزمین ہونے سے خارج ہوگیا۔"اھ(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن جنس زمین کی تحدید میں جس بات پر کلمات علماء کااجماع ہے یہ تفصیل اس کے برخلاف ہے۔(ت)ظاہر ۴ کافی اسی قول کااختیار ہے اذا طلق فقال لابنحو الحنطة والملح (اس لیے کہ انہوں نے نمک کو مطلق رکھتے ہوئے یوں کہا: "گیہوں اور نمک جیسی چیزوں سے نہیں"۔ت) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤص ۷

[2] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۸

کے نزدیک جائز ہے خلاصہ[۱] وخجندی[۲] وفتاوی[۳] میں اسی پر مشی کی جوھرہ[۴] یوں ہی محیط[۵] میں رحمانیہ اسی طرح منیہ[۶] **کما مر** (جیسا کہ گزرا۔ت) عامہ مشائخ اسی پر ہیں بزازیہ[۷] یہی اصح ہے خلاصہ وجیز کردری اسی کو امام[۸] صدرالدین شہید نے واقعات میں اختیار فرمایا غیاثیہ[۹] یہی امام[۱۰] شمس الائمہ سرخسی کا قول ہے **کما مر عن السراجیہ**[۱۱] (جیسا کہ سراجیہ کے حوالہ سے گزرا۔ت) یہی مختار ہے شلبیہ[۱۲] **عن زاد الفقیر للمحقق علی الاطلاق** (شلبیہ بحوالہ زادالفقیر از محقق علی الاطلاق۔ت)۔یہی صحیح ہے خانیہ[۱۴] خزانہ[۱۵] مراقی[۱۶] توامام قاضیخان کی تصحیح مختلف ہوئی، یونہی امام سرخسی سے نقل مختلف اور قاطع نزاع یہ ہے کہ فتوی جواز پر ہے تجنیس[۱۷] الامام صاحب الھدایہ بحر[۱۸] نھر[۱۹] ہندیہ[۲۰] ازہری[۲۱] ط[۲۲] توجب یہی قول امام ہے اور یہی قول جمہور اور اسی پر فتوی توخلاف کی اصلاً گنجائش نہ رہی۔

زجاج[۸] یعنی شیشہ۔عامہ کتب مثلاً امام[۱] سمرقندی وبدائع[۲] امام کاشانی وظہیریہ[۳] وخلاصہ[۴] وخزانہ[۵] سراجیہ[۶] وکافی[۷] وحلیہ[۸] وایضاح[۹] ودر مختار[۱۰] ومسکین[۱۱] وہندیہ[۱۲] میں اس سے مطلقاً عدم جواز لکھا مگر محیط[۱] وتبیین[۲] الحقائق وفتح[۳] القدیر وبحر الرائق[۴] ومجمع[۵] الانہر وازہری[۶] وشامی[۷] میں عدم جواز کو مصنوع سے مقید فرمایا جو ریتے مین دوسری کوئی چیز غیر جنز ارض مثلاً سجی وغیر ملاکر بنایا جاتا ہے۔

اقول: یہی تحقیق ہے کہ زجاج ضرور معدنی بھی ہوتا ہے اور معدنی ضرور قسم حجر وجنس ارض سے ہے **کما قدمنا بیانہ** (جیسا کہ ہم نے اسے پہلے بیان کیا۔ت) اکثروں کا اطلاق بربنائے غالب ہے کہ عام طور پر یہی مصنوع شیشہ ملتا ہے اور معدنی کمیاب۔

واغرب العلامۃ ط فقال فی حواشیہ علی الدر والزجاج المتخذ من الرمل و قال تحت قول الدر وزجاج ولو اتخذ من رمل[1] واوضحہ فی حواشیہ علی مراقی الفلاح فقال یعتبر کونھا من جنسھا وقت التیمّم فلایجوز علی الزجاج وان کان اصلہ من رمل[2] ھ وکانہ ظن الواو فی قول الفتح والبحر الزجاج	اور علامہ طحطاوی نے عجب بات کی۔انہوں نے در مختار پر اپنے حواشی میں لکھا: "اور شیشہ جو ریت سے بنا ہو۔" اور در مختار کے لفظ "وزجاج" کے تحت لکھا اگرچہ ریت سے بنا ہو۔اور اسے مراقی الفلاح کے حواشی میں واضح کرکے یوں کہا: "تیمّم کے وقت اس کے جنس زمین سے ہونے کا اعتبار ہے تو شیشہ پر تیمّم نہیں ہوسکتا اگرچہ اس کی اصل ریت سے ہو" اھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فتح القدیر اور البحر الرائق کی عبارت "الزجاج المتخذ

---

1 طحطاوی علی الدر المختار باب التیمم مطبع دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۲۸

2 طحطاوی علی المراقی باب التیمم مطبع الازہریہ مصر ص ۶۸

استخذ من الرمل وغیرہ بمعنی او ولیس کذلك بل ھی للجمع۔ ولفظ التبیین عن المحیط خالطه شیئ اٰخر لیس من جنس الارض کالزجاج المتخذ من الرمل وشیئ اٰخر لیس من جنس الارض [1] اھ ونحوہ فی المجمع والازھری۔	من الرمل وغیرہ" (شیشہ جوریت اور اس کے علاوہ سے بنا ہو) میں لفظ "واو" کو او (یا) کے معنی میں سمجھا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ واو "جمع" کے معنی میں ہے محیط کا حوالہ دیتے ہوئے تبیین کے الفاظ یہ ہیں: اگر اس میں کوئی دوسری ایسی چیز مل گئی جو جنس زمین سے نہیں جیسے وہ شیشہ جوریت اور کسی ایسی چیز سے بنایا گیا ہو جو جنس زمین سے نہیں اھ۔ اور اسی کے ہم معنی مجمع او ازھری میں بھی ہے۔ (ت)

مردار ۹ **سنگ**۔ نوازل ۱ ومحیط ۲ وخانیہ ۳ وخلاصہ ۴ وخزانہ ۵ ومنیہ ۶ وسراجیہ ۷ بلکہ خود محرر المذہب نے کتاب ۸ الاصل میں اس سے جواز تیمّم کی تصریح (فرمائی اور خزانۃ الفتاوٰی سے حلیہ وجامع الرموز میں ممانعت منقول اور تحقیق یہ ہے کہ معدنی سے جائز اور مصنوع سے ناجائز۔ محیط سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

وبالمردا سنج المعدنی دون المتخذ من شیئ اٰخر [2]۔	اور معدنی مردار سنگ سے (جائز ہے) کسی اور چیز سے بنا ہو اس سے ہیں۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

مراد المجوز المعدنی والمانع مالیس بمعدنی وقد افصح البدائع والتحفة بالجواز موصوفا بکونه معدنیا زاد التحفة دون المتخذ من شیئ اٰخر [3]۔	جائز بتانے والے کی مراد معدنی ہے اور ممنوع کہنے والے کی مراد غیر معدنی ہے۔ بدائع اور تحفہ میں جواز کو معدنی ہونے سے موصوف کرکے بتایا اور تحفہ نے یہ بھی اضافہ کیا: اس سے نہیں کسی اور چیز سے بنا ہو۔ (ت)

مرجان ۱۰۔ تبیین ۱ الحقائق ومعراج ۲ الدرایہ وغایۃ ۳ البیان وتوشیح ۴ وعنایہ ۵ ومحیط ۶ وخزانۃ ۷ الفتاوٰی وبحر ۸ ونہر ۹ وہندیہ ۱۰ وغیرہا عامہ کتب میں اس سے جواز کی تصریح ہے مگر فتح ۱ میں ممانعت واقع ہوئی در مختار ۲ وخادمی ۳ نے ان کا اتباع کیا شیخ ۴ الاسلام غزی نے بھی اسی طرف میل فرمایا اور اُن کے شیخ محقق نے بحر میں فرمایا وہ سہو ہے نہر نے فرمایا سبق قلم ہے اور جواز ہے۔

---

[1] تبیین الحقائق باب التیمم مطبع الامیریہ مصر ۱/۳۹

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما یجوز بہ التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷

[3] حلیہ

کما فی الازھری و ش واغرب (ا) عبدالحلیم فقال اُخذًا عن المنح اولعلھما تواردا علیہ فانہ یقول اقول: انہ لیس بسھو بل الظاھر انہ قام عندہ انہ ینعقد من الماء کاللؤلؤ فحینئذ یکون النزاع لفظیا کما لایخفی[1] اھ۔

جیسا کہ ازہری اور شامی میں ہے اور علامہ عبدالحلیم رومی نے عجب بات کی۔ انہوں نے منح الغفار سے اخذ کرکے کہا یا دونوں ہی حضرات کا توارد ہوا۔ لکھتے ہیں: "**میں کہتا ہوں** یہ سہو نہیں۔ بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہی ٹھہرا کہ وہ پانی سے بنتا ہے جیسے موتی۔ تو اس وقت نزاعِ لفظی رہ جائے گا۔ جیسا کہ عیاں ہے" اھ۔ (ت)

اقول: بل حقیقیا کما لایخفی وکون المبنی مما لو اتفقوا علیہ لاتفقوا علی الحکم لایرفع الاختلاف فی المعنی بل یوجبہ عند الاختلاف فی المبنی وعبارۃ المنح علی مافی ش اقول الظاھر انہ لیس بسھو لانہ انما منع جواز التیمم بہ لما قام عندہ من انہ ینعقد من الماء کاللؤلؤ فان کان الامر کذلک فلاخلاف فی منع الجواز والقائل بالجواز انما قال بہ لما قام عندہ من انہ من جملۃ اجزاء الارض فان کان کذلک فلاکلام فی الجواز والذی دل علیہ کلام اھل الخبرۃ بالجواھر ان لہ شبھین شبھا بالنبات وشبھا بالمعادن وبہ افصح ابن الجوزی فقال انہ متوسط بین عالمی النبات والجماد فیشبہ الجماد بتحجرہ ویشبہ النبات بکونہ اشجارًا

اقول: بلکہ نزاع حقیقی ہوگا جیسا کہ آشکارا ہے۔ اگر بنائے اختلاف ایسا امر ہو کہ اس پر اتفاق ہوتا تو حکم پر بھی اتفاق ہوتا اس سے معنوی طور پر اختلاف ختم نہیں ہوجاتا بلکہ اگر مبنٰی مختلف ہے تو اختلاف لازم ہے۔ منح الغفار کی عبارت جیسا کہ شامی میں ہے اس طرح ہے: میں کہتا ہوں، ظاہر یہ ہے کہ سہو نہیں اس لیے کہ انہوں نے جواز تیمّم سے اس لیے منع کیا کہ ان کے نزدیک یہی ٹھہرا کہ وہ پانی سے بنتا ہے جیسے موتی۔ تو اگر حقیقت امر یہی ہو تو منع جواز میں کوئی اختلاف نہیں اور قائل جواز نے جائز اس لیے کہا کہ اس کے نزدیک یہی ٹھہرا کہ وہ اجزائے زمین سے ہے تو اگر وہ ایسا ہی ہو تو جواز میں کوئی کلام نہیں۔ جوہر شناسوں کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دو مشابہتیں پائی جاتی ہیں ایک مشابہت نبات سے ہوتی ہے اور ایک مشابہت معدنیات سے ہوتی ہے۔ ابن الجوزی نے اسے

[1] خادمی للعبدالحلیم خادمی باب التیمم مطبع درسعادۃ مصر ۱/ ۳۶

نابتةً فی قعرالبحر ذوات عروق واغصان خضر متشعبة قائمة[1] اھ۔قال ش اقول وحاصله المیل الی ماقاله فی الفتح لعدم تحقق کونه من اجزاء الارض ومال محشیه الرملی الی مافی عامة الکتب من الجواز وکانّ وجهه ان کونه اشجارا فی قعرالبحر لاینافی کونه من اجزاء الارض لان الاشجار التی لایجوز التیمّم علیهاھی التی تترمد بالنار وھذا حجر کباقی الاحجار یخرج فی البحر علی صورة الاشجار فلھذا جزموا فی عامة الکتب بالجواز فیتعین المصیر الیه[2]۔	صاف طور پر بیان کیا۔وہ لکھتے ہیں کہ یہ عالم نبات وعالم جماد کے درمیان متوسط ہے۔اپنے تحجر اور پتھر کی طرح ٹھوس ہونے میں جماد کے مشابہ ہےاور اس بات میں نبات کے مشابہ ہے کہ سمندر کی گہرائی میں اس کے، رگوں اور پھوٹی ہوئی کھڑی ہری ہری ڈالیوں والے اُگنے والے درخت ہوتے ہیں۔اھ۔(ت) علامہ شامی لکھتے ہیں: میں کہتاہوں اس کاحاصل اس جانب میلان ہے جو فتح القدیر میں لکھا ہے اس لیے کہ اس کااجزائے زمین سے ہونا متحقق نہ ہوااور اس کے محشیٰ رملی کامیلان اس طرف ہے جو عامہ کتب میں جواز تحریر ہے۔شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ سمندر کی گہرائی میں درخت ہونااجزائے زمین سے ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ جن درختوں سے تیمّم جائز نہیں یہ وہ ہیں جوآگ سے راکھ ہوجاتے ہیں اور مرجان (مونگا) دوسرے پتھروں کی طرح ایک پتھر ہے جو سمندر میں درختوں کی طرح نکلتاہے اسی لیے عامہ کتب میں جواز پر جزم کیاتواس کی طرف رجوع متعین ہے۔(ت)

اقول: اصحاب[1] احجار نے اس[2] کے حجر ہونے کی تصریح کی اور اسے حجر شجری کہانہ کہ شجر حجری، جامع ابن بیطار میں ارسطو سے ہے:

البُسُذ والمرجان حجر واحد غیران المرجان اصل والبسذ فرع ینبت والمرجان متخلخل مثقب والبسذ ینبسط کماتنبسط اغصان الشجرة ویتفرع	بُسذ اور مرجان ایک ہی پتھر کو کہتے ہیں۔فرق یہ ہے کہ مرجان اصل ہے اور بُسذ فرع۔یہ اگتاہے۔اور مرجان میں تخلخل اور سوراخ ہوتاہے اور بسذ درخت کی ڈالیوں کی طرح پھیلتاہے اور ڈالیوں کی طرح

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

مثل الغصون[1]۔	اس میں شاخیں بھی نکلتی ہیں۔(ت)

مخزن میں ہے:

مرجان جسمے حجری شبیہ بساق وشاخ درخت ست[2]۔	مرجان ایک حجری جسم ہے جو درخت کی ساق وشاخ کے مشابہ ہوتا ہے۔(ت)

تحفہ میں ہے:

بُسد اسم مرجان ست وآں سنگے ست باقوت نباتیہ کہ از قعر دریا مے روید[3]۔	بسد مرجان کا نام ہے اور وہ ایک نباتی قوت رکھنے والا پتھر ہے جو دریا کی گہرائی سے اُگتا ہے۔(ت)

انوار الاسرار میں ہے:

حجر المرجان ینبت فی البحر[4]۔	سنگِ مرجان سمندر میں اُگتا ہے۔(ت)

اور نبات[۱] سے اس کی مشابہت اور اس کے سبب علامہ ابن الجوزی کا اسے عالمِ جماد وعالمِ نبات میں متوسط فرمانا اور اسی کو مؤدی ہے وہ قول کہ انوار لاسرار میں نقل کیا:

قیل هو اول المتولدات النباتیة واٰخر المتولدات الحجر[5]۔	کہا گیا وہ اول نباتی مولدات میں سے اور آخر حجری مولدات میں سے ہے۔(ت)

اسے حجر سے خارج اور شجر میں داخل نہیں کرنا جس[۲] طرح کھجور کو کہنا کہ وہ عالمِ نبات وعالمِ حیوانات میں متوسط ہے نر ومادہ ہوتی ہے اور مادہ جانبِ نر میل کرتی ہوئی دیکھی جاتی ہے، تلقیح سے بارور ہوتی ہے اسے نبات سے خارج اور حیوانات میں داخل نہیں کرتا وللہذا تذکرہ انطاکی میں یہ لکھ کر:

بُسذ بالمعجمة هو المرجان اواصله والمرجان فرع و العکس وهو جامع بین النباتیة والحجریة لانه یتکون ببحر	بسذ۔ بذال معجمہ۔ یہ مرجان یا اس کی اصل ہے اور مرجان فرع ہے یا برعکس۔ وہ نباتیت اور حجریت کے مابین ہے اس لیے کہ وہ افریقہ اور

---

1 جامع ابن بیطار

2 مخزن الادویہ فصل المیم مع الراء مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۹۱

3 تحفۃ المومنین الباء مع السین علی حاشیۃ مخزن الادویۃ صل ۱۴۲

4 انوار الاسرار

5 انوار الاسرار

الروم ممایلی افریقیة وافرنجة حیث یجزر ویمد فتجذب الشمس فی الاول الزئبق والکبریت ویزد وجان بالحرارة ویستحجر فی الثانی اللبرد،فاذا عاد الاول ارتفع متفر عالترجرجه بالرطوبة[1]۔	فرنگ کے قریب بحر روم میں پیدا ہوتا ہے جہاں مد وجزر واقع ہوتا ہے تو دھوپ جزء میں پارہ اور گندھک کھینچ لیتی ہے اور حرارت سے دونوں میں ملاپ ہوجاتا ہے اور مد میں وہ برودت کی وجہ سے پتھر بن جاتا ہے پھر جب جزر آتا ہے تو رطوبت سے اضطراب وحرکت کی وجہ سے شاخدار ہو کر بلند ہوجاتا ہے۔(ت)

آخر میں یہی لکھا کہ:

وھو اصبر الاحجار علی الاستعمال[2]۔	اور وہ استعمال میں سارے پتھروں سے زیادہ پائدار ہے۔(ت)

لاجرم اس سے جواز تیمّم میں شک نہیں اور قول فتح کی نفیس توجیہ وہ کہ علامہ مقدسی نے ارشاد فرمائی کہ ان کی مراد مرجان سے چھوٹے موتی ہیں کہ انہیں بھی مرجان کہتے ہیں کمافی القاموس (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

ذہب ۱۱ وفضّہ (سونا اور چاندی) یعنی معادن سبعہ کہ سات ۷ ہیں کہ ان کے بارے میں عبارتیں بھی سات طور پر آئی ہیں:

(۱) مطلقًا ممانعت یہی عامہ کتب میں ہے ۱تحفہ و ۲بدائع و ۳ظہیریہ و ۴خانیہ و ۵خزانۃ الفتاوی و ۶سراجیہ و ۷خزانہ و ۸کافی و ۹ایضاح و ۱۰زادالفقہا و ۱۱جلابی و ۱۲برجندی و ۱۳منیہ و ۱۴مسکین و ۱۵ہندیہ و ۱۶محیط و ۱۷جواہر اخلاطی وغیرہا میں ذہب اور زادالفقہا و تحفہ و ایضاح کے سوا باقی ۱۴ میں **فضہ** اور سراجیہ و مسکین و محیط و جواہر کے سوا باقی ۱۳ نیز ۱۴حلیہ میں **حدید** اور ۱خانیہ و ۲خلاصہ و ۳ظہیریہ و ۴سراجیہ و ۵خزانہ و ۶کافی و ۷منیہ و ۸مسکین وجواہر اخلاطی میں **رصاص** اور ۱تحفہ و ۲بدائع و ۳ظہیریہ و ۴خانیہ و ۵خلاصہ و ۶خزانہ و ۷ایضاح و ۸غنیہ و ۹ہندیہ میں **صفر** اور ماورائے تحفہ وایضاح باقی سات اور ۸حلیہ میں **نحاس** کی نسبت اس کی تصریح ہے۔

(۲) بلاذکر قید مطلقًا جواز جامع الرموز میں ہے:

لابالحجرین والحدید کمافی الخزانة وغیرہ	سونے چاندی اور لوہے سے نہیں جیسا کہ خزانہ وغیرہ

[1] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الباء لفظ بسذ کے تحت مذکور ہے مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۵
[2] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الباء لفظ بسذ کے تحت مذکور ہے مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۵

لکن فی الزاھدی وغیرہ تیمّم بالثلثه والرصاص والنحاس عند ابی حنیفة ومحمد[1]۔	میں ہے لیکن زاہدی وغیرہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک ان تینوں سے اور رصاص ونحاس (سیسا وتانبا) سے تیمّم کرسکتا ہے۔(ت)

اقول: یہ نقل[۱] بہت غریب اور بشدت بعید اور بہ تقدیر ثبوت ثالث پر محمول۔

(۳) جب تک اپنی معدن میں ہیں ان سے تیمّم جائز ہے کہ اس وقت وہ جنس ارض سے ہیں کما مر عن[۱] الطحطاوی[۲] عن الازھری عن[۳] العینی (جیسا کہ طحطاوی کے حوالہ سے گزرا، انہوں نے ازہری سے نقل کیا انہوں نے عینی سے۔ت) جب گلائے جلائے پگھلائے جائیں اب جائز نہیں کما تقدم عن[۴] الظھیریة و[۵] الخلاصة و[۶] الخزانه و[۷] شرح قاضیخان و[۹] صدرالشریعة (جیسا کہ ظہیریہ، خلاصہ، شرح قاضیخان، تبیین اور صدرالشریعۃ کے حوالہ سے بیان ہوا۔ت) طحطاوی علی الدرالمختار میں تبیین کی عبارتِ مارہ نقل کرکے فرمایا:

ھذا یفید جوازالتیمّم علیھا فی محالھا ولومن غیرغبار علیھا ثم ذکر الفاصل بین جنس الارض وغیرہ وذکر ان ماینطع ویذوب لیس من جنسھا وھو یفید عدم الجواز[2] اھ اقول (۲) ھی فی محالھا مختلطة بالتراب غیرمتمیزة عنه فالفرض خلاف الواقع۔	اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ جب تک اپنے محل میں رہیں ان پر تیمّم جائز ہے اگرچہ ان پر غبار نہ ہو۔ پھر جنسِ زمین اور غیر جنسِ زمین میں حدِ فاصل بیان کی اور یہ بتایا کہ جو ڈھلے اور پگھلے وہ جنسِ زمین سے نہیں اور اس سے عدم جواز مستفاد ہوتا ہے اھ اقول یہ جب اپنے محل میں ہو تو مٹی سے مخلوط ہوتے ہیں اس سے الگ نہیں ہوتے تو جو فرض کیا ہے وہ خلاف واقع ہے۔(ت)

(۴) مٹّی سے مخلوط ہوں تو جائز ورنہ نہیں درر میں ہے:

علی ظاھر من جنس الارض کذھب و فضة مختلطین بالتراب اوحنطة وشعیر علیھما غبار[3]۔	جنس زمین کی کسی پاک چیز پر جیسے سونا اور چاندی جو مٹّی سے مخلوط ہوں یا گیہوں اور جَو جن پر گرد پڑی ہوئی ہو۔(ت)

[1] جامع الرموز باب التیمم مطبع گنبد ایران ۱/۱۲۸

[2] طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم مطبع گنبد ایران ۱/۱۲۸

[3] دُرر غرر لملّا خسرو باب التیمم دارالسعادۃ مصر ۱/۳۱

(۵) گلانے کے بعد جائز نہیں اور اس سے پہلے اگر مٹّی سے مخلوط ہوں اور مٹّی غالب ہو تو جائز ورنہ نہیں، ۱ محیط سرخسی و ۲ بحر و ۳ ہندیہ میں ہے:

لوتیمّم بالذهب والفضة ان مسبوکا لایجوز وان لم یکن مسبوکا وکان مختلطا بالتراب والغلبة للتراب جازاه قال البحر فعلم بهذا ان ماطلقه فی فتح القدیر محمول علی هذا التفصیل[1]اه ومثله عبدالحلیم **اقول:** (۱) لم یتواردا موضعا واحدا ولاحاجة الی الحمل کما ستعرف ان شاء الله تعالٰی۔	سونے چاندی سے تیمّم کیا اگر گلایا ہوا ہو تو جائز نہیں۔ اگر گلا ہوا نہ ہو اور مٹّی سے مخلوط ہو اور مٹّی غالب ہو تو جائز ہے اھ۔ بحر میں کہا: اس سے معلوم ہوا کہ فتح القدیر میں جو مطلقًا بیان کیا ہے وہ اسی تفصیل پر محمول ہے اھ۔ اسی کے مثل عبدالحلیم نے فرمایا۔ اقول (محیط و بحر) دونوں کا توارد ایک محل پر نہیں اور دوسری عبارت کو پہلی پر محمول کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب معلوم ہوگا۔ (ت)

(٦) گلائے ہوں یا بے گلائے اگر مٹّی سے مخلوط ہوں اور مٹّی غالب تو جائز ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

لواختلط تراب بغیره کذهب وفضة ولو مسبوکین فلو الغلبة لتراب جازوالالا خانیة ومنه علم حکم التساوی[2]اه ومثله الخادمی واعترضه ط و ش بتصریحهم ان المسبوك لایجوزبه التیمّم قال ط ولم یتکلم علی ماذا سبك احدهما مع التراب وهوغیر متأت[3]اه وقال ش هذا انما یظهر اذاکان یمکن سبکهما بترابهما الغالب علیهما والظاهر انه غیرممکن[4]اه **اقول:** رحمکما الله ورحمنا بکما ارأیتما(۲) اذا سُبکا وبُردا واختلطت برادتهما بالتراب	اگر مٹّی دوسری چیز مثلًا سونا چاندی سے مل جائے اگرچہ یہ گلائے ہوئے ہوں تو اگر مٹّی غالب ہے تیمّم جائز ہے ورنہ نہیں۔ خانیہ۔ اسی سے برابری کا حکم بھی معلوم ہوگیا اھ۔ اسی کے مثل خادمی نے لکھا۔ اس پر طحطاوی اور شامی نے یہ اعتراض کیا کہ علمانے صراحت فرمائی ہے کہ گلے ہوئے سے تیمّم جائز نہیں۔ طحطاوی نے فرمایا: مٹّی کے ساتھ ان دونوں کو گلایا ہی نہیں جاسکتا اھ۔ اور شامی نے فرمایا: یہ بات اسی وقت واضح ہو کر سمجھ میں آسکتی ہے جب ان دونوں کو اس مٹّی کے ساتھ جو ان پر غالب ہے گلانا ممکن ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسا ممکن نہیں اھ اقول آپ دونوں حضرات

---

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

[2] درمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۲

[3] طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم دارالمعرفت بیروت ۱/ ۱۲۸

[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۷

فهل لاتعتبر الغلبة۔	پر خدا رحمت فرمائے اور آپ کی برکت سے ہم پر بھی رحم فرمائے۔ بتائیے اگر انہیں گلادیا جائے اور ان کا برادہ مٹی سے مخلوط ہو جائے تو کیا غلبہ کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

(۷) مجمع الانہر میں سوم وششم کو جمع کیا کہ جب تک اپنے معدن میں ہوں یا مٹّی سے مخلوط ومغلوب تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

حیث قال لایجوز بالمعادن الاان یکون فی محلها ومختلطًا بالتراب والتراب غالب[1]۔	"انہوں نے یوں فرمایا: معادن سے تیمّم جائز نہیں مگر جب کہ یہ اپنے محل میں ہوں یا مٹی سے مخلوط ہوں اور مٹّی غالب ہو" (توجائز ہے)۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں قول سوم کی یہ توجیہ فرمائی کہ وہ جب تک معدن میں ہیں ان پر مٹّی ہوتی ہے۔ اس مٹّی سے تیمّم جائز ہے نہ کہ اُن سے۔

حیث قال خرجت المعادن الا ان تکون فی محالها فیجوز للتراب الذی علیها لابنفسها[2] اھ۔ **اقول:** وبه اندفع ماظن العلامة ط من التنافی بین قولی التبیین۔	وہ فرماتے ہیں: معادن اس سے خارج ہوگئے مگر جب کہ وہ اپنے محل میں ہوں تو تیمّم جائز ہوگا خود ان سے نہیں بلکہ اس مٹّی کی وجہ سے جو ان پر چڑھی ہوئی ہے۔ (ت) **اقول:** اسی سے وہ منافات بھی دفع ہوگئی جو علامہ طحطاوی نے تبیین کی دونوں عبارتوں کے درمیان گمان کی۔ (ت)

در مختار نے اس میں ایک اور قید بڑھائی کہ مٹّی اتنی ہو کہ ہاتھ پھیرے سے نشان بنے،

حیث قال لابمعادن فی محالها فیجوز عـه	معدنیات جو اپنے محل میں ہوں ان معدنیات سے نہیں، تو

عـه: قال ط قوله فیجوز لاوجه للتفریع[3] اھ **اقول:** (۱) لیس تفریعا بل تعلیل للنفی المستفاد

طحطاوی نے درمختار کی عبارت "فیجوز" (تو جائز ہے) پر یہ اعتراض کیا ہے کہ تفریع کی کوئی وجہ نہیں اھ۔
اقول: (میں کہتا ہوں) یہ تفریع نہیں بلکہ ان کے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۸
[2] فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۶
[3] طحطاوی علی الدر المختار باب التیمم دار المعرفہ بیروت ۱/ ۱۲۸

لتراب علیها۔وقیدہ الاسبیجابی بان یستبین اثر التراب بمدیدہ علیه وان لم یستبن لم یجز وکذا کل ما لایجوز التیمّم علیه کحنطه وجوخة فلیحفظ[1]۔	اس مٹی کی وجہ سے تیمّم جائز ہے جو ان پر پڑی ہوئی ہے۔ اسبیجابی نے اس میں یہ قید بڑھائی کہ مٹّی اتنی ہو کہ اس پر ہاتھ پھیرنے سے مٹّی کا نشان ظاہر ہو اور اگر نشان نہ ظاہر ہو تو جائز نہیں۔اسی طرح ہر وہ چیز جس پر تیمّم جائز نہیں جیسے گیہوں اور تو اسے ذہن نشین رکھنا چاہئے۔(ت)

حلیہ میں سوم وچہارم کو غلبہ تراب سے مقید فرمایا۔

حیث قال ثم ماوقع لبعضھم من ان ھذہ المعادن ان کانت مسبوکه لایجوز وان کانت غیرمسبوکة مختلطة بالتراب یجوز ولبعضھم من انھا مادامت فی معادنھا فی الارض لم یصنع منھا شیئ جاز فاذا صنع منھا شیئ لایجوز اذالم یکن علیھا غبار فالظاھران مرادھم کما فی المحیط للامام رضی الدین و ان لم یکن مسبوکا وکان مختلطا بالتراب والغلبة للتراب جاز انتھی فان ھذا	اس کی عبارت اس طرح ہے: پھر یہ جو بعض حضرات کی عبارات میں آیا کہ یہ معدنیات اگر گلائے جاچکے ہوں تو تیمّم جائز نہیں اور اگر بغیر گلائے ہوئے مٹّی سے ملے ہوئے ہوں تو جائز ہے۔اور بعض حضرات کی عبارات میں آیا کہ یہ جب تک زمین کے اندر اپنی کانوں میں ہوں ان سے کچھ بنایا نہ گیا ہو تو جائز ہے پھر جب ان سے کچھ صنعت ہو گئی تو اس سے جائز نہیں جبکہ اس پر غبار نہ ہو۔توظاہر یہ ہے کہ ان کی مراد۔جیسا کہ امام رضی الدین کی محیط میں ہے۔یہ ہے کہ اگر گلائے ہوئے نہ ہوں اور مٹّی سے مخلوط ہوں اور مٹی غالب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) من قوله فی محالھا ای لایجوز التیمم بمعادن ولوکانت فی محالھا فان التیمّم بھا اذ ذاك انما یجوزلتراب علیھا لابھا ۱۲منه غفرله(م)	قول"فی محالّھا"(جو اپنے محل میں ہوں) سے جو نفی مستفاد ہوتی ہے اس کی تعلیل ہے۔یعنی تیمّم معدنیات سے جائز نہیں اگرچہ وہ اپنے محل میں ہوں اس لیے کہ اس وقت ان سے تیمّم اس مٹّی کی وجہ سے جائز ہوتا ہے جو ان پر پڑی ہوتی ہے خود ان سے نہیں۔۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

[1] درمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۲

القید لابدمنه فیما یظهر کما صرحوا به فی غیره سیذکره المصنّف فی مسألة اختلاط الرماد بالتراب ثم لایخفی ان هذا فی الحقیقة بالتراب لاباعیان هذه المعادن فیتفرع علی هذا انه یجوز عند الکل لکن فی فتاوی الولوالجی فلوکان مخلوطا بالتراب ان کانت الغلبة للتراب یجوزعند ابی حنیفة ومحمد وعند ابی یوسف لایجوز [1] اھ مافی الحلیة۔	ہوتو جائز ہے، انتہی۔اس لیے ظاہرًا یہ قید ضروری ہے جیساکہ دوسری چیز کے بارے میں ان حضرات نے تصریح فرمائی ہے۔اور مٹی سے راکھ مل جانے کے مسئلہ میں عنقریب اسے مصنّف بھی بیان کریں گے۔پھر یہ بھی مخفی نہ رہے کہ درحقیقت یہ مٹی سے تیمّم ہے ان معدنیات سے نہیں تواس پر یہ متفرع ہوگا کہ یہ توسب کے نزدیک جائز ہے۔لیکن فتاوٰی والوالجی میں ہے کہ مٹّی سے مخلوط ہے اگر مٹی غالب ہے تو امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک جائز ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز نہیں۔حلیہ کی عبارت ختم ہوئی۔(ت)
اقول: ابویوسف لایجیز الابالتراب الخالص حتی لم یجز بالغبار لمما زجة الهواء ولابالارض الندیة لمما زجة قلیل من الماء فکیف یجیز بما خالطه ذهب وفضة فالصواب مع الولوالجی۔	**اقول:** امام ابویوسف خالص مٹی کے سوا کسی چیز سے تیمّم جائز نہیں کہتے۔یہاں تک کہ انہوں نے غبار اور ترزمین سے بھی تیمّم جائز نہ کہااس لیے کہ غبار میں ہوا کی آمیزش ہوتی ہے اور ترزمین میں کچھ پانی کی آمیزش ہوتی ہے پھر وہ اس مٹّی سے تیمّم کیسے جائز کہہ سکتے ہیں جس میں سوناچاندی ملے ہوئے ہوں توصواب ودرستی والوالجی کے ساتھ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں قولِ درمختار **فیجوز لتراب علیها** (تواس مٹّی کی وجہ سے جائز ہے جوان پرپڑی ہوئی ہے۔ت) کواسی غلبہ تراب سے مقید کیااور قول سوم کے اطلاق کو غالب پر محمول کہ جب تک وہ معادن میں ہیں غالبًا مٹّی ہی غالب ہوتی ہے اور اب اس قید ظہور اثر پر کہ درمختار نے زائد کی تھی اعتراض فرمایاکہ بحال غلبہ تراب اس کی کیاحاجت؟

حیث قال قوله فیجوز ای اذا کانت الغلبه للتراب کمافی الحلیة عن المحیط ولعل من اطلق	اس کے الفاظ اس طرح ہیں: **قوله فیجوز** توجائز ہے، یعنی جب مٹّی غالب ہوتو جائز ہے، جیساکہ حلیہ میں محیط کے حوالہ سے ہے۔اور جس نے اسے مطلقًا بیان کیاہے شاید اس نے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بناہ علی انھا مادام فی محالھا تکون مغلوبۃ بالتراب بخلاف ماذا اخذت للسبك لان العادۃ اخراج التراب منھا قولہ وقیدہ الاسبیجابی کذا فی النھر وظاھرہ ان الضمیر راجع الی التیمّم بالمعادن لکن اذاکانت مغلوبۃ بالتراب لایحتاج الی ھذا القید[1]۔	اس پر بنیاد رکھی کہ جب تک یہ معادن اپنے محل میں ہوتے ہیں مٹّی سے مغلوب ہوتے ہیں اور جب گلانے کے لیے لئے جاتے ہیں تو یہ حالت نہیں ہوتی اس لیے کہ عادت یہ ہے کہ اس وقت ان سے مٹّی نکال لی جاتی ہے۔**قولہ وقیدہ الاسبیجابی** (اسبیجابی نے ہاتھ پھیرنے سے مٹی کانشان بننے کی قید بڑھائی ہے) ایسا ہی نہر میں ہے اس کلام کاظاہر یہ ہے کہ معدنیات سے تیمّم کی طرف ضمیر راجع ہے لیکن جب وہ مٹّی سے مغلوب ہوں تواس قید کی ضرورت نہیں۔(ت)

اقول: ظاہراً ذہن علامہ شارح میں یہ تبعیت نہریہ تھا کہ سوناچاندی اپنے معادن میں بڑے بڑے قطعے مٹّی چڑھے ہوئے ملتے ہیں اور اسی طرف ' کلام فتح مشیر کہ **فیجوز لتراب علیھا** (تواس مٹی کی وجہ سے جائز ہے جوان پر پڑی ہوئی ہے۔ت) اور مسموع یہ ہے کہ وہ اپنے معدن میں ریزہ ریزہ ہی ہوتے ہیں وہاں سے نکال کر مٹّی سے صاف کرکے ان کے پتر اینٹ وغیرہ بناتے ہیں۔

کماذکرہ ابن سینا وغیرہ قال ابن البیطاء فی الزئبق ابن سینا منہ منقی من معدنہ ومنہ ماھو مستخرج من حجارۃ معدنہ بالنار کاستخراج الذھب والفضۃ وحجارۃ معدنہ کالزنجفر ویظن دیسقوریدوس وجالینوس انہ مصنوع کالمرتك لانہ مستخرج بالنار فیجب ان یکون الذھب ایضامصنوعا[2]۔	جیسا کہ ابن سینا وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ابن بیطار نے زیبق کے بارے میں لکھا ہے: "ابن سینانے کہا: اس میں کوئی وہ ہوتا ہے جو اپنی کان سے صاف ستھرا نکلتا ہے اور کوئی وہ ہوتا ہے جواپنی کان کے پتھروں سے آگ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے جیسے سوناچاندی کو نکالا جاتاہے۔اور اس کی کان کے پتھر شنگرف کی طرح ہوتے ہیں اور دیسقوریدوس اور جالینوس کاخیال ہے کہ وہ مردار سنگ کی طرح مصنوعی ہوتا ہے کیونکہ آگ کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اس بنیاد پر تو یہ بھی لازم آئے گا کہ سونا بھی مصنوعی ہو۔"(ت)

اس تقدیر پر بلاشبہ غلبہ تراب ضرور اور ۲ ظہور اثر کی قید مہجور اور قول علامہ شامی منصور ۳ **وللحلیۃ فی محل**

---

1 ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۶

2 جامع ابن بیطار

الجزم ذکر الظهور (اور بغیر گلائے ہوئے، مٹی سے مخلوط ہونے کی صورت میں، مٹی کے غلبہ کی قید سے مقید کرنے کے لیے) حلیہ کو "ظاہر" کہنے کی بجائے اسے بطور جزم ذکر کرنا چاہیئے۔ت)

اقول: بلکہ (۱) اگر بڑے بڑے قطعے بھی ہوں اوران پر مٹّی چڑھی ہوئی ہو جب بھی اس قید کی حاجت نہیں نہ غلبہ کی ضرورت، صرف اتنا چاہیئے کہ ہاتھ تراب سے مَس کرنے نہ ان چیزوں سے ظہور [۲] اثر کی قید کہ امام اسیجابی نے ذکر فرمائی صورت غبار میں ہے، سخت مٹی کی تَہ اگر کسی چیز پر چڑھی ہو کہ ہاتھ پھیرے سے نشان نہ بنے تو بلاشبہ اس پر تیمّم جائز ہے، جیسے پتھر پر بالجملہ یہ اختلافات ہیں جو اس مسئلہ میں آئے۔

وانا اقول: وبالله التوفیق (اور میں کہتا ہوں، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی جانب سے ہے۔ت) قول [۳] فیصل یہ ہے کہ ذہب وفضّہ وغیرہما معادن سبعہ یقینا جنسِ ارض سے نہیں اوران پر تیمّم نہیں ہوسکتا **کما فی الفتح والحلیة والبحر والدر وغیرها** (جیسا کہ فتح القدیر، حلیہ، البحر الرائق اور درمختار وغیرہا میں ہے۔ت) اور یہ ہے وہ کہ عامہ کتب میں ہے [۴] **ولا حاجة الی التفصیل کما زعم البحر** اور بحر نے (فتح القدیر کے مطلق کو تفصیل پر محمول ہونے کا) جو گمان کیا اس تفصیل کی کوئی ضرورت نہیں۔ت) خلط تراب کا مسئلہ کچھ ان کی خصوصیت نہیں رکھتا ہر اس چیز کو عام ہے جس سے تیمّم ناجائز ہو اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر ان کے ریزے مٹی میں مخلوط ہوں خواہ گلانے سے پہلے جیسے معدن میں یا گلانے کے بعد بُرادہ کرکے بہرحال غلبہ تراب ضرور ہے اگر اگر بڑے بڑے قطعے یا پتریاں ان کے بنے ہوئے برتن یا زیور ہوں تو اگر ان پر مٹّی کالیس چڑھا ہے تیمّم جائز اور اگر غبار پڑا ہے تو اتنا ضرور ہے کہ ہاتھ پھیرے سے انگلیوں کا نشان بنے یہ ہے تحقیق حقیق بالقبول اور اسی پر عامہ اقوال محمول وباللہ التوفیق۔

مسئلہ [۲] خلط۔ جنس ارض میں جب اس کا غیر مل جائے تو اس سے تیمّم جائز ہے یا نہیں، اس میں عبارات چار [۴] طور پر آئیں۔

(۱) کہ جادہ واضحہ مالوفہ اور شرع مطہر کا قاعدۂ معروفہ ہے کہ غلبہ ارض پر مدار ہے اگر جنس ارض غالب ہے جائز ورنہ نہیں فائدہ پنجم میں خانیہ وظہیریہ وخزانہ وحلیہ وجامع الرموز ومراقی الفلاح ودرمختار وہندیہ سے اس کی عبارات گزریں اسی طرح منیہ وغیرہا میں ہے یعنی اگر جنسِ ارض مغلوب یا دونوں مساوی ہوں دونوں حال میں ناجائز۔

کما تقدم عن الدر ونقل العلامة الازهری عن نوح افندی ان الغلبة للتراب یجوز وان للرماد لاقال	جیسا کہ درمختار کے حوالہ سے گزرا اور علامہ ازہری نے نوح آفندی سے یہ نقل کیا: "اگر مٹّی غالب ہے تو جائز ہے اور اگر راکھ غالب ہے تو نہیں۔اور

ومنه علم حکم المساوی[1] اھ۔

اقول: اقتفی(۱) اثر الدر ولم یفرق فان نظم الدر لو الغلبة للتراب جاز والالا ومنه علم حکم التساوی[2] اھ ووقع فی الدر ایضا تبعا للبحر عن المحیط یجوز بطین غیرمغلوب بماء[3] اھ فزعم العلامة ط ان الظاھر من کلامه ان المساوی فی حکم غیر المغلوب بالماء والذی یأتی فی قوله و الحکم للغالب انه لایجوز بالمساوی[4] اھ۔

اقول: نصوا(۲) ان قولك لاافضل منه ینفی المساواة ایضا لانها فی غایة الندرة وانما المعهود التفاضل فاذا انفی الافضل منه ثبت انه الافضل مما عداہ (۳) کذا ھھنا ثم (۴)کان علیه رحمه الله تعالٰی ان یقول الظاھر من کلامه ان المساوی کالغالب فان کونه غیرمغلوب معلوم نعم رأیت فی الجوھرة اذا خالطه مالیس من جنس الارض و کان المخالط اکثر منه لایجوز

اسی سے مساوی کا حکم بھی معلوم ہوگیا۔"اھ (ت)

اقول: انہوں نے در مختار کے نشان قدم کی پیروی کی مگر امتیاز نہ کرسکے اس لیے کہ در مختار کی عبارت اس طرح ہے:"اگر مٹی غالب ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔اور اسی سے برابری کا حکم بھی معلوم ہوگیا"اھ۔در مختار میں بہ تبعیتِ بحر، بحوالہ محیط یہ عبارت بھی آئی ہے:"مٹی جو پانی سے مغلوب نہ ہو اس سے تیمّم جائز ہے"اھ۔اس پر علامہ طحطاوی نے یہ خیال کیاکہ:"ان کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ مساوی اسی کے حکم میں ہے جو پانی سے مغلوب نہ ہو۔اور ان کی عبارت "والحکم للغالب"(حکم غالب کا ہے) کے تحت یہ آرہاہے کہ مساوی سے جائز نہیں"اھ۔ت)

اقول: علمانے اس کی صراحت فرمائی ہے کہ "لاافضل منہ"(اس سے کوئی افضل نہیں) سے مساوات کی بھی نفی ہو جاتی ہے اس لئے کہ وہ انتہائی نادر ہے معہود یہی ہے کہ باہم کچھ تفاوت ضرور ہوتاہے۔توجب"اس سے افضل"کی نفی ہو گئی تو یہ ثابت ہوگیاکہ وہ اپنے علاوہ سب سے افضل ہے ایسا ہی یہاں ہے۔پھر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کویوں کہنا تھا کہ: ان کے کلام سے ظاہر یہ ہے کہ "مساوی غالب ہی کی طرح ہے"اس لیے کہ اس کا غیر مغلوب ہونا یقینی ہے۔ہاں

---

1 فتح المعین باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۱

2 الدرالمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۲

3 درمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۲

4 طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم مطبع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۸

به التیمّم [1] اھ۔	جوہرہ میں یہ عبارت نظر آئی: "جب مٹی سے غیر جنس زمین مل جائے اور ملنے والی چیز اس سے زیادہ ہو (کان اکثر منه) تو اس سے تیمّم جائز نہیں۔" اھ (ت)

(اس عبارت سے خیال ہوتا ہے کہ ملنے والی چیز اگر مساوی ہو تو تیمّم جائز ہے۔ ۱۲م۔الف)

اقول: وھو (۱) ان اول بماذکرت و الا فمحجوج بالخانیة وبالقاعدة المطردة اذا اجتمع الحاظر والمبیح فللحاظر الترجیح۔	**اقول**: اگر اس کی بھی وہی تاویل کرلی جائے جو میں نے بیان کی ہے تو ٹھیک، ورنہ اس کے خلاف خانیہ کی عبارت حجت ہے اور یہ عام قاعدہ بھی، کہ جب محرّم ومبیح (ناجائز کرنے والی اور جائز کرنے والی دلیلیں) جمع ہوں تو ترجیح محرِّم کو ہوگی۔ (ت)

اور ظاہرًا یہاں لحاظ غلبہ باعتبار اجزاہی ہے بخلاف آب کہ اس میں اعتبار غلبہ یا باعتبار طبع وباعتبار اسم بھی تھا جس کی تفصیل وتحقیق ہمارے رسالہ النور والنورق ہے۔ حلیہ میں ہے:

ثم لاشك ان الغلبة هنا معتبرة بالاجزاء بلاخلاف بخلاف المخالطة لماء فان فیه خلافا [2]۔	پھر اس میں شک نہیں کہ یہاں بغیر کسی اختلاف کے اجزا کے لحاظ سے غلبہ کا اعتبار ہے جب کہ پانی سے مخالطت میں ایسا نہیں کیوں کہ اس میں اختلاف ہے۔ (ت)

(۲) مطلقًا ناجائز اگرچہ جنس ارض غالب ہو فتح اللہ المعین میں ہے:

ظاهر کلام الزیلعی یقتضی عدم جواز التیمّم بماهو من جنس الارض مطلقًا سواء کانت الغلبة لما هو من جنس الارض ام لا ونصه قال فی المحیط اذاکان الخزف من طین خالص یجوز وان کان من طین خالطه شیئ اٰخر لیس من جنس الارض لایجوز کالزجاج المتخذ من الرمل وشیئ اٰخر لیس من جنس الارض انتھی [3]۔	ظاہر کلام زیلعی کا تقاضا یہ ہے کہ اس صورت میں جنس زمین سے مطلقًا تیمّم جائز نہیں، جبکہ اس سے کوئی دوسری ایسی چیز مل جائے جو جنس زمین سے نہ ہو خواہ جنس زمین غالب ہو یا نہ ہو۔ ان کی عبارت یہ ہے: محیط میں فرمایا جب ٹھیکری خالص مٹی کی ہو تو جائز ہے اور اگر ایسی مٹی کی ہو جس میں کوئی دوسری ایسی چیز ملی ہوئی ہو جو جنس زمین سے نہیں تو ناجائز ہے۔ جیسے وہ شیشہ جوریت اور کوئی ایسی چیز ملاکر بنایا گیا ہو جو جنس زمین سے نہیں۔ انتہی۔ (ت)

[1] الجوہرۃ نیرہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۵
[2] حلیہ
[3] فتح اللہ المعین باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۱

اقول: اللہ عزوجل سید ازہری پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر۔ یہ تعمیم نہ (۱) امام زیلعی کی مراد نہ ان کے کلام سے مستفاد، نہ اس کے لیے وجہ سداد ورنہ غبار سے بھی ناجائز ہو کہ مخلوط ہے تر زمین سے بھی ناجائز کہ تری کا خلط ہے طین غالب سے بھی ناجائز ہو کہ پانی کا میل ہے اسی طرح بہت نقوض خود کلام زیلعی وجماہیر ائمہ حنفیّہ سے اس پر وارد ہوں گے بلکہ یہاں کلام خزف وزجاج مصنوع میں ہے کہ دونوں میں طبخ کے ساتھ خلط ہوتا ہے تو اگر ظاہر زیلعی سے مستفاد ہوگا تو قول چہارم کہ آتا ہے نہ یہ دوم کہ مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر محض بے اصل ہے۔

فان قلت لم لایحمل کلام السید ایضا علی ھذا اقول کلافانہ یستدرك بہ علی مسألۃ الطین وھذا نصہ یجوز بطین غیر مغلوب بماء لکن ظاھر کلام الزیلعی[1] الخ۔	**اگر یہ اعتراض ہو** کہ سید ازہری کے کلام کو بھی کیوں نہ اسی پر محمول کیا جائے۔اقول (میں کہوں گا) ایسا ہرگز نہ ہو پائے گا اس لیے کہ وہ اس سے مٹی کے مسئلہ پر استدراک کررہے ہیں ان کی عبارت یہ ہے: "تیمّم ایسی مٹی سے جائز ہے جو پانی سے مغلوب نہ ہو لیکن ظاہر کلام زیلعی الخ"۔(ت)

(۳) بحالت خامی جو خلط ہو اس میں اسی غلبہ کا اعتبار ہے جو قول اول میں گزرا اور ملا کر پکائیں جلائیں تو مطلقاً تیمّم جائز ہے کہ غیر جنس کے اجزا جل کر خالی جنس ارض رہ جائے گی یہ بحث محقق علی الاطلاق کی ہے **واستحسنہ فی الحلیۃ واقرہ فی البحر** (اور حلیہ میں اسے عمدہ قرار دیا اور بحر میں اسے برقرار رکھا۔ت) فتح القدیر میں ہے:

من اجزاء الارض الاٰجر المشوی علی الصحیح الا ان خلط بہ مالیس من الارض کذا اطلق فیمارأیت مع ان المسطور فی فتاوٰی قاضیخان التراب اذا خالطہ مالیس من اجزاء الارض تعتبر فیہ الغلبۃ وھذا یقتضی ان یفصل فی المخالط للبن بخلاف المشوی لاحتراق مافیہ مما لیس من اجزاء الارض[2]۔	قول صحیح پر اجزائے زمین ہی سے پکی ہوئی اینٹ بھی ہے مگر یہ کہ اس سے وہ چیز ملی ہوئی ہو جو جنسِ زمین سے نہیں میں نے جہاں تک دیکھا اس میں حکم اسی طرح مطلق ہے حالانکہ فتاوٰی قاضیخان میں یہ تحریر ہے کہ مٹی میں جب کوئی ایسی چیز مل جائے جو اجزائے زمین سے نہ ہو تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کچی اینٹ سے ملنے والی (غیر جنس زمین) میں ہی یہ تفصیل کی جائے، پکی میں نہیں کیونکہ اس میں جو غیر جنس کے اجزا ہوتے ہیں وہ جل جاتے ہیں۔(ت)

[1] فتح المعین باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۹۱

[2] فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۱۲

حلیہ میں ہے :

م لوتیمّم بخزف ان کان متخذا من التراب الخالص ولم یجعل فیه شیئ من الادویة جاز ش سواء کان علیه غبار اولم یکن فان جعل فیه شیئ من الادویة فان کان علیه غبار جاز م وان لم یکن علیه غبار ش لایجوز کذا فی الخانیة وفی الخلاصة والخذف الجدید علی الاختلاف یعنی عند ابی حنیفة یجوز وعن محمد روایتان وقول ابی یوسف متردد ثم قال الااذا استعمل فیه شیئ من الادویة فحینئذ لایجوز[1] اھ۔ ویشکل اطلاق هذا بالحکم الاٰتی عن قریب فی اختلاط الرماد بالتراب اذاکان التراب غالبا وبما هو المسطور فی الفتاوی الخانیة والظهیریة وغیرهما ان التراب اذاخالطه مما لیس من اجزاء الارض غیرالرماد انه ایضا تعتبرفیه الغلبة فان هذا یقتضی جریان هذا التفصیل فی المخالط للبن النیئ بخلاف المشوی لاحترق کما نبه علیه شیخنا المحقق رحمه الله تعالٰی فضلا عن اطلاق عدم الجواز اذا خالطه شیئ من ذلك من غیرتفصیل۔	متن: اگر ٹھیکری سے تیمّم کیا تو وہ اگر خالص مٹی سے بنی ہو اور اس میں کوئی دواء نہ ڈالی گئی ہو تو جائز ہے۔ شرح: خواہ اس پر کچھ غبار ہو یا نہ ہو پھر اگر اس میں کوئی دوا ملائی گئی ہو و اگر اس پر کچھ غبار ہو تو جائز ہے۔ متن: اور اگر اس پر کوئی غبار نہ ہو۔ شرح: تو جائز نہیں۔ ایسا ہی خانیہ میں ہے۔ اور خلاصہ میں یوں ہے: او ر نئی ٹھیکری میں اختلاف ہے یعنی امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام محمد سے دو ۲ روایتیں ہیں اور امام ابی یوسف کا قول متردد ہے۔ پھر فرمایا: مگر جب اس میں کوئی دوا استعمال ہو تو اس وقت جائز نہیں اھ۔ اس عدم جواز کے اطلاق میں اشکال اس حکم سے ہوتا ہے جو عنقریب مٹّی سے راکھ کے مخلوط ہونے کے بارے میں آرہا ہے جب کہ مٹی غالب ہو۔ اور اس سے بھی جو فتاوی خانیہ و ظہیریہ وغیرہما میں مرقوم ہے کہ جب مٹّی میں راکھ کے علاوہ کوئی ایسی چیز مخلوط ہو جائے جو اجزائے زمین سے نہیں، تو اس میں بھی غلبہ کا اعتبار ہے۔ کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ تفصیل اس چیز مین جاری ہو جو کچی اینٹ سے ملی ہوئی ہو، پکی اینٹ میں نہیں کیونکہ اس میں غیر اجزائے زمین آگ سے جل جاتے ہیں جیسا کہ اس پر ہمارے شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی ہے۔ اس سے کوئی اور چیز ملنے کی صورت میں بلا تفصیل عدمِ جواز کا اطلاق تو در کنار ہے۔ (ت)

[1] حلیہ

اقول: حق[1] یہ ہے کہ مدار فناء وبقائے اجزائے غیر جنس پر ہے، پکانے، جلانے، میں جس طرح یہ ضرور نہیں کہ اجزائے دگر باقی رہیں یہ بھی ضرور نہیں کہ فنا ہو جائیں، بلکہ نظر ان خصوص اجزا اور مقدار احراق پر ہوگی، اگر اجزائے غیر سب جل گئے تو بلاشبہ جواز ہے جس میں مذہب امام پر خلاف کی گنجائش نہیں اور اگر اجزائے ارض پر غالب تھے اور بعد احراق بھی غالب رہے تو بالاجماع عدمِ جواز ہے، اور اگر مغلوب تھے یا اب احراق سے ایک حصہ فنا ہو کر مغلوب ہوگئے تو قول اول گذشتہ اور قول چہارم آئندہ کا اختلاف ہے، محقق علی الاطلاق کو خشت پختہ میں نفی تفصیل کی گنجائش اس وجہ سے ہوئی جس کی طرف سابقًا ہم نے اشارہ کیا کہ اینٹ کی مٹّی میں عادۃً خلط ہوتا ہے تو خس وخاشاک کا کہ وہ احراق سے فنا ہو جاتے ہیں تو خزف[2] میں مطلقًا اس کا اجرا جیسا کہ حلیہ میں واقع ہوا صحیح نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) خام میں خلط اسی تفصیل غلبہ پر ہے اور ملا کر پکانے میں مطلقًا ممانعت اجزائے ارضیہ غالب ہوں خواہ مغلوب یہی ظاہر کلام مذکور [1]محیط و [2]زیلعی و [3]منیہ اور یہی اُس عبارت [4]خلاصہ سے مستفاد جو ابھی حلیہ سے گزری اور یہی مفاد [5]تجنیس و [6]خانیہ و [7]بزازیہ ہے وجیز کردری میں ہے:

الخزف علی الخلاف الااذا جعل فیہ شیئ من الادویۃ[1]۔	خزف میں اختلاف ہے مگر جب کہ اس میں کوئی دواہ ڈال دی گئی ہو۔(ت)

بحر میں ہے:

وکذا بالخزف الخالص الااذاکان مخلوطا بمالیس منجنس الارض اوکان علیہ صبغ لیس من جنس الارض کذا اطلق فی التجنیس والمحیط وغیرھما مع ان المسطور فی قاضیخان الی اٰخر مامر عن الفتح[2]۔	اور ایسے ہی خالص خزف (ٹھیکری) سے۔ مگر جب وہ کسی ایسی چیز سے مخلوط ہو جو جنس زمین سے نہیں، یا اس پر جنس زمین کے علاوہ کسی چیز کا رنگ چڑھایا گیا ہو تجنیس اور محیط وغیرہما میں ایسے ہی مطلق بیان کیا ہے باوجودیکہ قاضیخان میں یہ مرقوم ہے: اس کے بعد آخر تک وہ ہے جو فتح القدیر کے حوالہ سے گزرا۔(ت)

خود فتح میں فرمایا کہ ہم نے جتنی کتابیں ملاحظہ فرمائیں سب میں بحال خلط حکم منع یونہی مطلق ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) البتہ ایک جوہرہ نے اس مسئلہ خزف میں شرطِ غلبہ ذکر کی **کما سبق فی صدر ھذا المسألۃ** (جیسا کہ اس مسئلہ کے شروع میں گزرا۔ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ مع العالمگیری الخامس فی التیمم مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

[2] البحر الرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

اقول: مگر انہوں نے کوئی سند ذکر نہ کی اور وہ بشہادت امام محقق علی الاطلاق اس میں متفرد ہیں بلکہ غیاثیہ میں اسی پر اجماع نقل کیا:

حیث قال الخزف اذا استعمل فیه شیئ من الادویة حینئذ لایجوز بالتیمّم به بالاجماع[1]۔	ان کا کلام یہ ہے کہ "خزف میں جب کوئی دوا استعمال کی جائے تو اس وقت اس سے تیمّم بالاجماع جائز نہیں۔" (ت)

اقول: فتح و حلیہ و بحر یہاں فتاوٰی امام قاضیخان سے استناد فرماتے ہیں کہ اعتبار غالب کا ہے مگر خود امام فقیہ النفس نے اسی مسئلہ خزف میں بحال خلط منع مطلق رکھا کہ فرمایا:

لو تیمّم بالخزف ان کان علیه غبار جاز ان لم یکن علیه غبار فان کان متخذا من التراب الخالص ولم یجعل فیه شیئ من الادویة جاز وان جعل فیه شیئ من الادویة ولم یکن علمه غبار لایجوز۔	اگر خزف سے تیمّم کیا تو اگر اس پر غبار ہو، جائز ہے اور اگر اس پر غبار نہ ہو تو یہ صورت ہے کہ اگر وہ خالص مٹی کی بنی ہو اور اس میں کوئی دوا نہ پڑی ہو تو جائز ہے او اگر اس میں کوئی دوا پڑی ہو اور اس پر کوئی غبار نہ ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

وہاں اگر وہ اطلاق تھا کہ:

التراب اذا خالطه مالیس من اجزاء الارض یعتبر فیه الغلبة[2]۔	مٹّی میں جب غیر اجزائے زمین سے کچھ مخلوط ہو جائے تو اس میں غلبہ کا اعتبار ہے۔ (ت)

تو یہاں یہ اطلاق ہے کہ:

وان جعل فیه شیئ من الادویة لایجوز[3]۔	اور اگر اس میں کوئی دوا پڑی ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

یہ اگر حالت غلبہ پر محمول ہو سکتا ہے وہ حالت غیر طبخ پر،

واستشهد له فی الحلیة بما فی مختارات النوازل یجوز التیمم بالخزف هو الصحیح وبما فی خزانة الفتاوی یجوز	حلیہ میں اس پر ان دو عبارتوں سے استشہاد کیا ہے (۱) مختارات النوازل: "خزف سے تیمّم جائز ہے۔ یہی صحیح ہے"۔ (۲) خزانۃ الفتاوٰی: "خزف سے

[1] فتاوٰی غیاثیہ باب التیمم مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۷
[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز بہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۹
[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوز بہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۹

بالحزف اذا کان علیہ صبغ لیس من جنس الارض[1] اھ۔

اقول: اما(۲) الاول فابعد شیئ عن الشھادۃ لہ فانہ انما ذکر حکم الخزف فی نفسہ وھوکذلك ولم یتعرض لشیئ من العوارض من فکیف یدل علی الجواز بالمخلوط واما الثانی فقریب(۲) منہ فان الخزف کثیرا ما یصبغ والخلط نادر وذکر الغالب وترك النادر غیربعید وقد أیتنی کتبت علی ھامش الحلیۃ ھھنا مانصہ اطلاق الجواز بالخزف اوتقییدہ بما اذالم یکن صبغ مخالف لاینافی اطلاق المنع اذاکان طبخہ مع شیئ مخالف فانہ نادر خارج لایلاحظ الیہ فی افادۃ حکم نفس الخزف بخلاف الصبغ فانہ کثیر اھ ما کتبت علیہ ھذا۔

وقال فی الغنیہ موجھا اطلاق المنع بخلط الطبخ (ولوتیمّم بالخزف ان کان متخذا من التراب بالخالص ولم یجعل فیہ شیئ من الادویۃ) کالفحم والشعر وغیرھما ممایجعل فی الطین الذی تتخذ منہ البنادق (جاز) التیمّم بہ (وان لم یکن علیہ غبار) وان کان

تیمّم جائز ہے مگر جب اس پر کوئی ایسا رنگ چڑھا ہو جو جنس زمین سے نہیں اھ۔(ت)

اقول: اول تو ان کے مطلوب کی شہادت سے انتہائی بعید ہے اس لیے کہ اس میں صرف یہی بیان ہے کہ خود خزف کا کیا حکم ہے؟ تو نفس خزف کا تو وہی حکم ہے مگر اس عبارت میں اس کے عوارض کا کوئی ذکر ہی نہیں پھر اس سے خزف مخلوط کا جواز کیسے دریافت ہو سکتا ہے؟ عبارت دوم بھی اول سے قریب ہی ہے اس لیے کہ خزف کی رنگائی تو بہت ہوتی ہے مگر اس میں دوسری چیز کی ملاوٹ نادر ہے۔ اکثر کو ذکر میں لانا اور نادر کو ترک کردینا کوئی بعید امر نہیں۔ یہاں حلیہ کے حاشیہ پر مجھے اپنی لکھی ہوئی درج ذیل عبارت نظر آئی: "خزف سے جواز کو مطلقًا بیان کرنا یا جواز کو اس بات سے مقید کرنا کہ کوئی مخالف رنگ نہ ہو، یہ اس کے منافی نہیں کہ اس سے تیمّم مطلقًا منع ہو جب اسے کسی مخالف چیز کے ساتھ پکا دیا گیا ہو، اس لیے کہ یہ صورت الگ ہے جو بہت کم واقع ہوتی ہے اور نفس خزف کا حکم بتانے میں نظرانداز کی جا سکتی ہے اس کے برخلاف رنگائی والی صورت بکثرت پائی جاتی ہے اھ" (حاشیہ پر لکھی ہوئی میری تحریر ختم ہوئی) یہ ذہن نشین رہے۔

غنیہ میں ملا کر پکانے کی صورت میں مطلقًا ممانعت کی توجیہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے "(اور اگر خزف سے تیمّم کیا تو اگر وہ خالص مٹّی سے بنی ہو اور اس میں کوئی

[1] حلیہ

فیه شیئ من الادویة ظاهرا لایجوز الا ان یکون علیه غبار لما تقدم فی الطلی بالاٰنك وکان ینبغی ان تعتبر الغلبة لکن لم یعتبروها لانه بخلط الدواء مع الطبخ خرج عن کونه من جنس الارض من کل وجه[1] اھ۔

اقول اوّلًا : رأیتنی(۱) کتبت علیه الذی تقدم فی المطلی هو قوله (لایجوز التیمم بالغضارۃ المطلی بالاٰنک) لوقوعه علی غیر جنس الارض[2] اھ فهذا یقتضی ان معنی قوله ان کان فیه شیئ من الادویة ظاهرا ای مستعلیا فوقه ولیس کذلك فان ههنا مزجا والتاویل بان المراد ظهور الاثر والاحالة علی ماتقدم من جهة انه لم یبق من جنس الارض علی الاطلاق * شدید البعد عن المذاق* کما لایخفی علی الحذاق*

وثانیا: الظهور(۲) سواء ارید

دوا نہ پڑی ہو) جیسے کوئلہ، بال اور دوسری چیزیں جو اس مٹّی میں ڈالی جاتی ہیں جس سے بندوق کی گولیاں بنتی ہیں تو اس سے تیمّم (جائز ہے، اگرچہ اس پر غبار نہ ہو) اور اگر اس میں اوپر کوئی دوا پڑی ہو تو جائز نہیں مگر اسی صورت میں جب اس پر غبار ہو۔ اس کی وجہ وہی ہے جو رانگ سے قلعی کیے ہوئے برتن کے بارے میں گزر چکی۔ یہاں غلبہ کا اعتبار ہونا چاہیے تھا لیکن اس کا اعتبار نہ کیا گیا اس لیے کہ پکانے کے ساتھ دوا ملانے کی وجہ سے وہ پورے طور سے جنس زمین ہونے سے خارج ہو گئی"۔ اھ (ت)

اقول: اوّلًا میں نے دیکھا کہ اس پر میں نے وہ عبارت لکھی ہے جو قلعی کیے ہوئے برتن کے بارے میں گزری یعنی ان کا یہ کلام: "(اس برتن سے تیمّم جائز نہیں جس پر رانگ کی قلعی کی گئی ہو) اس لیے کہ یہ تیمّم غیر جنس زمین پر ہوگا"۔ اھ۔ یہ کلام اس کا مقتضی ہے کہ ان کی عبارت "ان کان فیه شیئ من الادویة ظاهرا" کا معنی یہ ہو کہ اگر اس کے اوپر کوئی دوا چڑھی ہوئی ہو، حالانکہ یہ صورت نہیں اس لیے کہ یہاں تو مٹّی میں دوا کی آمیزش اور ملاوٹ ہوتی ہے اب اگر "ظاهرًا" کی تاویل میں یہ کہا جائے کہ مطلب یہ ہے کہ دوا کا اثر ظاہر ہوا اور ماسبق کا حوالہ اس لحاظ سے دیا ہے کہ یہ بھی مطلقًا جنس زمین سے نہ رہی تو یہ تاویل مذاق سلیم سے بہت بعید ہے جیسا کہ ماہرین پر مخفی نہیں۔ (ت)

ثانیًا: ظہور ممانعت کی شرط نہیں خواہ اس سے

---

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹
[2] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

بہ عینًا اواثرًا لیس شرط المنع الاتری ان الزجاج المتخذ من الرمل والقلی وھو الموجود الاٰن غالبا فی ایدی الناس لایظھر فیہ للقلی عین ولا اثروعدم جواز التیمّم بہ معلوم مقرر۔

وثالثا: اشترط(ا) الظھوری بای وجہ کان تقیید لاطلاقھم فان ارتکب ھذا فلم لایقید بشرط الغلبۃ المعلوم من قواعد الشرع والعقل۔

فان قلت ھو احتراز عن نزریسیر یختلط من غیرقصد قلما یخلو الشیئ عنہ عادۃ فی اعتبارہ حرج بخلاف دواء یخلط قصدا فانہ یکون علی مقدار صالح ولابد لہ من اثرظاھر۔

اقول: بھذا یرجع الی اعتبارہ الغلبۃ اذ ھو الفصل بین القلیل والکثیر والاوساط مالھا من انضباط الاتری الی قول الھدایۃ فی المیاہ لنا ان الخلط القلیل لامعتبر بہ لعدم امکان الاحتراز عنہ کما فی اجزاء الارض فیعتبر الغالب والغلبہ بالاجزاء[1] اھ۔

عین مراد ہو یااثر۔ دیکھیے کہ شیشہ جوریت اور شخار سے بنتاہے۔اور اس وقت لوگوں کے پاس زیادہ تر یہی پایا جاتاہے۔اس میں شخار کانہ عین ہوتاہے نہ اثر، مگراس سے تیمّم کاعدمِ جواز معلوم اور طے شدہ ہے۔

ثالثًا: ظہور کی شرط جس طرح بھی لگائی جائے اس سے اطلاق علماء کی تقیید لازم آتی ہے اگر قید لگانی ہی ہے توکیوں نہ شرط غلبہ کی قید لگائی جائے جس کااثر شرعی عقلی قواعد سے ہونا معلوم ہے۔

اگر یہ کہاجائے کہ "ظاھرًا" کہہ کہ اس قلیل معمولی مقدار سے احتراز مقصود ہے جو بلاارادہ مل جاتی ہے جس سے شے عادۃً کم ہی خالی ہوتی ہے تو اس کااعتبار کرنے میں حرج ہے۔اس کے برخلاف ایسی دواجو قصدًا ملائی جائے اس کی ایک قابل لحاظ مقدار ہوتی ہےاوراس کانمایاں اثر ضروری ہے۔ (ت)

اقول: تو اس کا مآل، غلبہ کااعتبار ہے کیونکہ قلیل وکثیر کے درمیان حدِ امتیاز وہی ہے، درمیانی حالتوں کاتو کوئی انضباط ہی نہیں۔پانی سے متعلق صاحب ہدایہ کی عبارت دیکھئے، فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ معمولی آمیزش کاکوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں، جیسے اجزائے زمین میں، تو غالب کااعتبار ہوگااور غلبہ اجزاء سے ہوتاہے۔"اھ (ت)

---

[1] الہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ مطبع المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۸

<table>
<tr>
<td>
ورابعاً: خروجه(۱) بالطبخ مع الدواء مطلقًا عن جنس الارض ای دلیل علیه فانما کان الطبخ اکثر اثرا فیه الماء لحصول شدة الامتزاج به کما فی الکافی والتبیین وغیرهما لان بالنار بتخلخل الشیئ فینفذ فیه الماء وتنحل منه اجزاء لطیفة تسری فی الماء ولاکذلك الطین و اذلیس ههنا للطبخ زیادة اثر فلم یبق الا المزج وهو معتبرفیه الغلبة قطعا کماتقدم وبالله التوفیق۔
</td>
<td>
رابعًا: دوا کے ساتھ ملا کر پکانے سے وہ مطلقًا جنس زمین سے خارج ہوتی ہے اس پر کیا دلیل ہے؟ پکانے کا اثر پانی پر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس سے خوب امتزاج ہوجاتا ہے جیسا کافی اور تبیین وغیرہما میں ہے اس لیے کہ آگ سے شیئ میں تخلخل پیدا ہوجاتا ہے تو پانی اس میں نفوذ کرجاتا ہے ار اس کے لطیف اجزاء پانی میں سرایت کرجاتے ہیں۔اور مٹی کا معاملہ ایسا نہیں اور جب یہاں پکانے کا کوئی خاص اثر نہیں تو بس امتزاج ہی رہ گیا اور امتزاج کی صورت میں قطعی طور پر غلبہ کا اعتبار ہے جیسا کہ گزرچکا اور توفیق خدا ہی سے ہے۔(ت)
</td>
</tr>
<tr>
<td>
وخامسًا : ما(۲)الفرق بین ماذ قُرض شعرودُق فحم ومزجا بطین غالب مزجابالغاوصنعت منه بنادق و جففت بالشمس وبین ما اذاصنعت واحرقت فای شیئ زادتها النار حتی جازبها التیمّم فی الاولی دون الاخری بل لم تزدها النار الانقصالاحتراق حصة من المخالط فهذا ماعندی والعلم بالحق عند ربّی۔
</td>
<td>
خامسًا: دو۲صورتیں ہیں،ایک یہ کہ بال کاٹا گیا،کوئلہ پیسا گیا اور دونوں کو غالب مٹّی سے خوب ملادیا گیا اور اس سے گولیاں بناکر دھوپ میں سکھادی گئیں،دوسری صورت یہ کہ گولیاں بناکر آگ میں جلائی گئیں تو آگ نے ان گولیوں میں کیا زیادہ کردیا کہ پہلی صورت میں تو تیمّم جائز ہوا اور دوسری میں جائز نہ ہوا،دونوں میں آخر فرق کیا ہے؟ بلکہ دوسری صورت میں آگ نے کچھ بڑھایا نہیں بلکہ کم ہی کیا اس لیے کہ مٹّی سے ملنے والی چیز کا ایک حصّہ جلادیا،یہ میرے نزدیک ہے اور حق کا علم میرے رب ہی کے یہاں ہے۔(ت)
</td>
</tr>
</table>

بالجملہ مسئلہ خلط بالطبخ مثل مسئلہ جمع بین الاختین بملك الیمین ہے احلتهما اٰیة وحرمتهما اخری (ان دونوں کو ایک آیت نے حلال کیا اور دوسری نے حرام کیا۔ت) اُدھر اطلاقات ائمہ کہ خلط میں غلبہ کا اعتبار ہے مخالط مغلوب میں حکم جواز بتارہے ہیں،ادھر ویسے ہی اطلاقات ائمہ کہ جس میں کچھ دوائی پکائی جائے صالح تیمم نہیں جانب مع جارہے ہیں،دونوں اطلاقوں میں سے ایک ضرور مقید ہے۔دوم کو صرف علامہ

ابراہیم حلبی نے اطلاق پر رکھنا چاہا اور اس کی جو وجہ فرمائی بوجوہ مخدوش ہے اگر کہیے اس کی تائید مسئلہ زجاج متخذ من الرمل وغیرہ سے ہوتی ہے کہ محیط و تبیین اور خود محقق علی الاطلاق اور ان کے اتباع نے اس میں مطلقًا حکم منع دیا اور ریتے کے غالب ہونے کی کوئی قید ذکر نہ فرمائی۔

اقول: علماء نے واقع پر حکم فرمایا اور واقع یہی ہے کہ جنس ارض اس میں غالب نہیں۔ تحفہ میں ہے:

مصنوع او راسنگریزہ سفید و قلی ست کہ بالمناصفہ گدازند[1]۔	مصنوعی شیشہ سفید سنگریزے اور شخار سے بنتا ہے اس طرح کہ دونوں نصف نصف لے کر پگھلاتے ہیں۔(ت)

تذکرہ انطاکی میں ہے:

والمصنوع منه من القلی جزء والرمل الابیض الخالص نصف جزء ویسبکان حدالامتزاج[2]۔	مصنوعی شیشہ کے اندر شخار کا ایک حصہ ہوتا ہے اور سفید خالص ریت کا نصف حصہ۔ دونوں کو اس حد تک گلایا جاتا ہے کہ ایک دوسرے سے خوب مل جائیں۔(ت)

اور اول کو امام محقق الاطلاق و صاحب جوہرہ و محقق حلبی صاحب حلیہ و محقق زین صاحب بحر نے اطلاق پر رکھا اور وہی جادہ واضحہ و قاعدہ عقلیہ ونقلیہ ہے لہذا وہی مرجح ہونا چاہئے اور احتیاط احسن، غرض خلط میں خلاصہ حکم یہ نکلا کہ اگر بلا طبخ ہے تو جب تک جنس ارض غالب ہے تیمّم جائز ہے۔ اور اگر طبخ کے ساتھ خلط ہو تو اگر اجزائے مخالف غالب یا مساوی تھے اور بعد طبخ بھی ایسے ہی رہے تو تیمّم مطلقًا ناجائز اور اگر جلنے سے کل فنا ہوگئے مطلقًا جائز۔ اور اگر بعض مغلوب باقی رہے تو اگر خلط قصدی نہ تھا بعض اجزائے قلیلہ خود ملے رہ گئے تھے تیمّم جائز۔ اور اگر قصدًا ملانے گئے تھے تو اظہر و ارجح جواز اور اولٰی احتراز یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی جنس ارض کی وہ تحقیق بالغ و تنقیح بازغ کہ اس کا دسواں حصہ کہیں نہ ملے گا بفضلہٖ تعالٰی ان مباحث جلیلہ پر مشتمل جن کی نعمت کو رحمت بے سبب نے اسی تحریر کے لیے ودیعت رکھا تھا۔

وللّٰه الحمد اولا واٰخر* وباطنًا وظاهرًا* وصلی اللّٰه تعالٰی وسلم وبارك كثيرا متواترًا* وافرا متظافرا * علی عالم حِكَمِه* وقاسم	اور خدا ہی کے لیے ساری حمد ہے اول و آخر، ظاہر و باطن اور خدائے تعالٰی کی کثیر، متواترہ وافر و غالب رحمت و برکت ہو اس کی حکمتوں کے عالم، نعمتوں کے قاسم،

---

[1] تحفہ تنکابنی الزاء مع الجیم ص ۳۱۶

[2] تذکرہ داؤد انطاکی حرف الزاء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۵

نعمه* وافضل خلقه* وسراج افقه* واٰله وصحبه÷ وابنه وحزبه* ابد الابدین* عدد خلق الله فی کل اٰن وحین* والحمد لله ربّ العٰلمین۔	مخلوق میں افضل، اور آفتاب افق پر اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور ان کی جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ، جس قدر ہر آن اور ہر وقت خلقِ خدا ہو، اور خدائے رب العالمین ہی کے لیے ساری حمد ہے۔(ت)

(رسالہ ضمنیہ المطر السعید تمام ہوا)

پانزدہم عہ کامل طہارۃ کے یہ معنی کہ اس جنس ارض کو کبھی نجاست نہ پہنچی ہو یا پہنچی تو پاک ہوگئی ہو یعنی اصلا اس کا کوئی حصہ نہ رہا ہو جیسے پانی سے دھل کر یا آگ سے جل کر اجزائے نجاست سب نکل یا جل جائیں دھوپ یا ہوا سے خشک ہو کر جبکہ نجاست کا کوئی اثر رنگ وبُو نہ رہے تو وہ شئی نماز کے لیے پاک ہوجاتی ہے مگر اس سے تیمّم جائز نہیں ہوتا کہ دھوپ یا ہوا استیصال نجاست نہیں کرتی کچھ اجزائے خفیفہ باقی رہ جاتے ہیں جو نماز میں معاف ہیں اور تیمّم میں معاف نہیں **کما مر تحقیقه فی صدر الکلام بتوفیق الملك العلام** (جیسا کہ اس کی تحقیق آغاز کلام میں، ملک علّام کی توفیق سے گزر چکی۔ت)

ثم اقول: اس زمین[1] یا جنس زمین کو کبھی نجاست نہ پہنچنے کے یہ معنی کہ اس کے علم میں نہ ہو نہ بعد کو علم آئے۔

لانا انما کلفنا بمالانعلم نجاسته لابما نعلم عدم نجاسته اذلاسبیل لنا الیه فانما التکلیف بجسب الواسع۔	اس لیے کہ ہم اسی کے مکلّف ہیں جن کی نجاست ہمارے علم میں نہ ہو، اس کے مکلّف نہیں جس کی عدمِ نجاست ہمیں معلوم ہو، اس لیے کہ ہمارے پاس اس کی کوئی راہ نہیں۔ تکلیف بقدرِ وسعت ہی ہے۔(ت)

ہاں اگر اسے اُس شَے کی نجاست کا علم نہ تھا نہ وہ کسی مظنہ[2] نجاست میں تھی کہ یہاں ظن بھی ملتحق بہ یقین ہے، بیت الخلا کی زمین سے تیمّم جائز نہ ہوگا اگرچہ اسے اس حصہ خاص کا جس پر تیمّم کرنا چاہتا ہے نجس ہونا معلوم نہ ہو یوں جس چیز کی نجاست اس کے علم[3] وظن میں نہ تھی بعد کو کسی مسلمان ثقہ عادل کی خبر سے معلوم ہوا کہ یہ شَے یا جگہ نجس تھی یا کسی مستور یا فاسق نے خبر دی اور اس کا دل اس کے صدق پر جما تو وہ تیمّم باطل تھا اگر اس سے نماز پڑھی تھی اعادہ کرے ہاں کافر کی خبر کا اعتبار نہیں اور غیر عادل کی بات دل پر نہ جمے تو اس کا لحاظ بھی ضرور نہیں اور اگر اسے[4] نجاست

عہ یہ اس چہاردہم کا پانزدہم ہے جو صفحہ ۵۷۷ پر گزرا۔(م)

معلوم نہیں نہ بعد کو معلوم ہوئی تو تیمّم صحیح ہوا اور نماز جائز اگرچہ علم الٰہی میں وہاں کوئی نجاست ہو۔

شانزدہم: خود یا اپنی نیت مذکورہ سے دوسرے کو اس میں تین مسئلے ہیں (۱) یہ کہ [1] جس طرح اپنے ہاتھوں آپ تیمّم جائز ہے یوں ہی یہ بھی روا ہے کہ بشرائط آئندہ دوسرے سے اپنے اعضاء پر تیمّم کرالے۔

اقول: مگر [2] یہ بلاضرورت مکروہ ہوگا جس طرح وضو میں دوسرے سے استعانت بلکہ اس سے زائد کہ اس کے نفس جواز وصحت ہی میں بعض کو خلاف ہے کما **ستسمع** (جیسا کہ عنقریب سنوگے۔ت)

(۲) دوسرا [3] اس کے حکم سے اسے تیمّم کرائے حکم سے مراد اسے دربارہ تیمّم اپنا وکیل ونائب کرنا ہے عام ازیں کہ صراحۃً ہو یا دلالۃً اگر کسی طرح اس کی جانب سے نائب بنانے پر دلالت نہ پائی گئی اور اس نے بطور خود ہاتھ زمین پر مار کر اس کے منہ اور ہاتھوں پر پھیر دیئے تو تیمّم نہ ہوگا۔

(۳) ضرور [4] ہے کہ یہ حکم دینے والا اس کی ضرب کے وقت خود نیت کرے اس کی نیت کافی نہیں۔ مراقی الفلاح میں ہے:

فان نوی التیمم وامر به غیره فیممه [1]۔	تو اگر تیمّم کی نیت کی اور دوسرے کو حکم دیا کہ اس نے اسے تیمّم کرادیا۔(ت)

بحرالرائق سے گزرا:

لوامر غیره بان ییممه جاز بشرط ان ینوی الاٰمر (الی ان قال) لما ان المامور اٰلة وضربه ضرب للاٰمر فالعبرة للاٰمر [2]۔	اگر دوسرے سے اپنا تیمّم کروایا تو جائز ہے بشرطیکہ حکم دینے والا نیت کرے (یہاں تک کہ فرمایا) اس لیے کہ مامور ذریعہ ہے اور اس کی ضرب، آمر کی ضرب ہے تو اعتبار آمر کا ہے۔(ت)

اسی میں معراج الدرایہ سے ہے:

لوامر غیره ان ییممه ونوی هو جازو قال ابن القاضی لایجزئه [3] اھ والناوی هو الاٰمر کما لایخفی۔	اگر دوسرے کو تیمّم کرانے کا حکم دیا اور خود نیت کی تو جائز ہے اور ابن القاضی نے کہا کہ کافی نہ ہوگا اھ اور نیت آمر کو کرنی ہوگی جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

[1] مراقی الفلاح باب التیمم مکتبہ ازہریہ ص ۶۹
[2] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۵
[3] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۵

اقول: [1] یہاں ذہنِ فقیر میں ایک تفصیل گزرتی ہے اتناتو پہلے معلوم ہولیاکہ تیمّم معہود میں نیت وقتِ ضرب شرط ہے بعد ضرب کافی نہیں مگراس حالت میں ہاتھوں پرکافی مٹی قابل تیمّم لگی ہوئی ہو **کماتقدم تحقیقه فی ذکر مذهب السید الامام ابی شجاع** (جیساکہ مذہب سیدامام ابی شجاع کے بیان میں کی تحقیق پہلے گزرچکی ہے۔ت)

اب یہاں چار [۴] صورتیں ہیں کہ اخیر کی صورت دو۲ ہوکرپانچ ہوجائیں گی: ایک یہ کہ زید نے عمرو سے کہا: مجھے تیمّم کرادے اس نے قبول کیا۔دوسرے یہ کہ عمرو نے زید سے کہا: میں تجھے تیمّم کرادوں، یا کہامی تجھے تیمّم کرائے دیتاہون۔زید نے کہا اچھا۔ان دونوں صورتوں میں توظاہرکہ تیمّم بامرزید ہوا۔ تیسرے یہ کہ عمرو نے کہااور زید نے سکوت کیااور اس کی ضرب کے وقت نیت کرلی ظاہراًاس صورت میں بھی جواز چاہئے کہ اس نے اپنی تصریح قولی سے فعل ضرب زید کی طرف مضاف کیااور زید نے اپنے سکوت سے اسے قبول کہ ایسی جگہ سکوت دلیلِ رضاہے توان پہلی دوصورتوں میں زید کی طرف سے حکم صراحۃً تھا اوراس میں دلالۃً غمزالعیون میں ہے:

الوکالة کما تثبت بالقول تثبت بالسکوت ولذا قال فی الظهیریة لو قال(۲) ابن العم للکبیرة انی ارید ان ازوجك نفسی فسکتت فتزوجها جا زذکره المصنف رحمه الله تعالٰی فی باب الاولیاء والاکفاء فی شرح الکنز [1]۔	وکالت جیسے قول سے ثابت ہوتی ہے سکوت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔اسی لیے ظہیریہ میں فرمایا: اگرچچازاد بھائی نے بالغہ سے کہا میں چاہتاہوں کہ تیرا نکاح اپنی ذات سے کردوں،اس پروہ خاموش رہی پھراس نے اس بالغہ سے نکاح کرلیاتوجائزہے اسے مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح کنزمیں باب الاولیاء والاکفاء میں بیان کیاہے۔(ت)

چوتھے یہ نہ زید نے کچھ کہانہ عمرو نے۔عمرو نے بطورخود جنس ارض پرہاتھ مارے اگرچہ اس کے دل میں یہی ارادہ ہوکہ زید کو تیمّم کراؤں گابظاہراس میں دو۲ صورتیں نکلیں گی ایک یہ کہ ضرب سے عمروکے ہاتھوں پرکافی مٹی قابل تیمّم لگ گئی تھی اور جس وقت اس نے ہاتھ اس کے عضوپرپھیرنے چاہے اس نے نیت تطہیرکرلی عام ازیں کہ ضرب عمروکے وقت اس نے نیت نہ کی ہویارجماً بالغیب کرلی ہواس صورت میں جوازظاہرہے کہ اب یہ تیمّم

[1] غمزالعیون شرح الاشباہ القاعدۃالثانیہ عشرالفرج افضل من النفل مطبوعہ ادارۃالقرآن کراچی ۱/ ۱۸۸

تیمّم معہود نہیں بلکہ تراب حقیقی سے ہے اور اس میں تراب واعضا کو اتصال دیتے وقت ہی نیت چاہیے پھر بھی توکیل کی ضرورت باقی ہے کہ اس کی طرف سے فعل پایا جائے، ورنہ ہوا اگر چہرہ و ذراعین پر غبار لاکر ڈال دے بے ہاتھ پھیرے تیمّم نہ ہوگا اور کود بہ نیت تیمم اڑتے غبار میں داخل ہوا کہ غبار تمام محل مطلوب کو پہنچ گیا تیمّم ہو گیا کہ اس کا فعل سبب اتصال ہوا اس کی تحقیق کے لیے یہاں اس توکیل وانابت کا ایجاب وقبول بطور ربیع بالتعاطی من الجانبین ہوگا کہ مذہب صحیح میں جائز ہے مثلاً روٹی کا نرخ (۱) معروف ایک پیسہ ہے بکر خالد کی دکان پر آیا چار پیسے اس کے سامنے رکھ کر چار روٹیاں لے گیا نہ بکر نے کچھ کہا نہ خالد نے بیع صحیح وتام ہو گئی از انجا کہ یہ تیمّم تیمّم معہود نہ تھا وقتِ ضرب نیت شرط نہ ہوئی بلکہ اگر وقت ضرب عمرو زید اپنے لیے نیت تطہیر کرتا بیکار تھی کہ وہ فعل ضرب صراحۃً ودلالۃً کسی طرح اس کی طرف مضاف نہ تھا پرائے فعل پر نیت کیا معنی اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس صورت میں بھی زید کا حکم دلالۃً پایا گیا کہ جب اس نے تراب آلودہ ہاتھوں سے اسے تیمّم کرانا چاہا اور اس نے قبول کیا اور نیت تطہیر کی یہ دلالۃً انابت ہوئی۔

دوسرے یہ کہ عمرو کے ہاتھوں پر مٹی نہ لگی یا لگی تھی اس نے جھاڑ دی جیسا کہ مسنون ہے ظاہراً اس صورت میں جواز نہ چاہیے کہ اس وقت عمرو کے خالی ہاتھ ہیں تو تیمّم تیمّم معہود ہے اور تیمّم معہود میں وقت ضرب نیت لازم اور یہ نیت یہاں نامتصور کہ اس کی وہ ضرب زید کی طرف مضاف نہ تھی نہ صرف دل کے ارادے سے ایک کا فعل دوسرے کی طرف مضاف ہو جیسے عمرو (۲) زید کے ارادہ سے کوئی چیز خریدے عمرو ہی اس کا مالک ہوگا صرف ارادہ سے زید کی نہیں ٹھہر سکتی کما فی الدر وغیرہ ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے کہ خریداری جب خریدار پر نفاذ کے طور پر پائی جائے نافذ ہوگی۔ت) بخلاف اس کے کہ نہ زید نے عمرو سے کہا نہ عمرو نے زید سے کچھ تذکرہ کیا اور بطور خود زید کا نساح ہندہ سے کردیا اور زید کو خبر پہنچی اس نے صراحۃً یا دلالۃً جائز رکھا نافذ ہو گیا کہ یہ امر عمرو کی طرف سے کسی طرح مضاف ہو سکتا ہی نہ تھا کہ عقد تصریحاً جانبِ زید مضاف تھا اور ضرب کف میں کوئی اضافت نہیں ھذا ماظھر *فلیراجع ولیحرر *والعلم بالحق عند العلی الاکبر* (ظاہر میں یہی ہے۔اس کی مراجعت اور صفائی کرلی جائے اور حق کا علم رب بلاند وبرتر کے یہاں ہے۔ت)

اس صورت اخیرہ یعنی پنجم میں اگرچہ زید کی نیت تھی بھی حکم صراحۃً دلالۃً کسی طرح نہ ہونے سے جواز نہ ہوا، اور اگر زید نے صراحۃً کہا مجھے تیمّم کرادے اور نیت نہ کی یا کوئی بیکار ہ نیت مثل نیت نفس تیمّم کی جب بھی جواز نہ ہوگا تو ظاہر ہوا کہ حکم ونیت دونوں کا اجتماع چاہیے واللہ تعالٰی اعلم۔

ہفدہم: یا خود اس فعل سے یا اپنے خواہ اپنے امور کے وہ کف الخ یہ تیمّم تیمّم کی اس تقسیم کی طرف اشارہ ہے جس کی تحقیق اوپر گزری کہ ایک تیمّم معہودہ ہے یعنی کفِ دست جنسِ ارض پر مار کر منہ اور ہاتھوں پر پھیرنا، دوسرا غیر معہود کہ اور کوئی فعل ایسا کرنا جس کے سبب بلاواسطہ ان اعضاء کو جنسِ ارض سے

اتصال ہو اس کی صورتیں اور تفصیلیں بسطِ کامل کے ساتھ اوپر گزریں۔

ہیجدہم: ان کے اکثر کا منہ اور ہاتھوں سے مس ہونا یہ تیمّم معہود کی ایک شرط کی طرف اشارہ ہے کہ کفِ دست جو جنس ارض سے مَس کیے گئے ان کے کل یا اکثر سے منہ اور دونوں ہاتھوں کا مسح ہوا اگر صرف (۱) ایک یا دو ۲ انگلیوں سے مسح کرے گا تیمّم نہ ہوگا جیسے (۲) سر اور موزوں کا مسح کہ ان میں بھی اکثر کف شرط ہے بلکہ ان سے بھی زیادہ کہ اگر وہاں ایک انگلی بار بار تر کرکے سر یا موزوں کے مختلف مواضع پر لگائی کہ اکثر کی مقدار کو پہنچ گئی مسح ہوگیا اور یہاں اگر ایک یا دو انگلیوں کو بار بار ضرب کرکے چہرہ یا ہاتھ کے مختلف مواضع پر پھیر کہ استیعاب کرلیا تیمّم نہ ہوگا کہ خود اکثر دست شرعًا معین ہے ظاہر ہے کہ یہ شرط تیمّم معہود ہی میں ہے غیر معہود میں سرے سے مسح بالکف ہی کی ضرورت نہیں۔

وقد اهتدی له العلامة الشامی لکن ذکرہ متوقفا متأ ملا مستدرکابه علی الدر والبحر والوسع(۳) له ماظهر الفیض اللطیف علی العبد الضعیف من تقسیم التیمم لم یکن شیئ من هذه قال فی الدر وشرطه المسح وکونه بثلاث اصابع[1] فاکثر۔فقال رحمه الله تعالٰی هو معنی قوله فی البحر بالید اوباکثرها فلومسح باصبعین لایجوز ولوکررحتی استوعب بخلاف مسح الراس فانه اذا مسحها باصبع اوباصبعین بماء جدید لکل هتی صارقدر ربع الراس صح اھ امداد وبحرقلت لکن فی التاترخانیة ولوتمعك بالتراب بنیة التیمم فاصاب التراب وجهه ویدیه اجزأہ لان المقصود قد حصل اھ فعلم ان اشتراط اکثر الاصابع محله حیث مسح بیدہ تأمل[2] اھ۔	علامہ شامی کو اس طرف راہ یابی ہوئی مگر انہوں نے اسے توقف وتامل کے ساتھ در مختار اور البحر الرائق پر استدراک کرتے ہوئے ذکر کیا۔وہ تقسیم تیمّم جو فیض لطیف سے بندہ ضعیف پر ظاہر ہوئی اگر علامہ شامی کے خیال میں آجاتی تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔در مختار میں ہے: "اور اس کی شرط مسح اور مسح کا تین یا زیادہ انگلیوں سے ہونا ہے۔"اس پر علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہی عبارت بحر بالید اوباکثرها (ہاتھ سے یا ہاتھ کے اکثر حصہ سے) کا معنی ہے تو اگر دو انگلیوں سے مسح کیا، جائز نہ ہوگا۔اگرچہ تکرار کرکے استیعاب کرلیا ہو۔ مسح سر کا حکم اس کے برخلاف ہے کیونکہ اگر ایک یا دو انگلیوں سے، ہر بار کے لیے نیا پانی لے کر مسح کیا یہاں تک کہ چوتھائی سر کے برابر مسح ہوگیا تو صحیح ہے اھ امداد و بحر۔**میں کہتا ہوں:** لیکن تاتارخانیہ میں ہے: اگر تیمّم کی نیت سے مٹّی پر لوٹ پوٹ کیا جس سے اس کے چہرے اور ہاتھوں پر مٹّی پہنچ گئی تو یہ کافی ہے اس لیے کہ مقصود حاصل ہوگیا اھ اس سے معلوم ہوا کہ اکثر انگلیوں کی شرط لگانے کا موقع اس وقت ہے جب ہاتھ سے مسح ہو۔اس میں تامل کرنا چاہئے۔اھ۔(ت)

[1] در مختار مع الشامی باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۹

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۹

ثم اقول: اشتراطهم الید او اکثر فی التیمم المعهود وعدم اجزاء الاستیعاب باصبع او اصبعین نص فی تعیین(۱) الید وانها مقصودة لایکفی لاستیعاب بغیرها فلوا مسّ خشبةً او ثوبا اوقرطاسا مثلا بجنس الارض وامرها علی الوجه والذراعین لااراہ یجوز الا(۲) ان یلتزق بها من التراب مایستوعب المحل فیکون تیمما غیرمعهود وذلك لان الشرع المطهر انماجعل التراب طهوراعند عدم الماء فان لم یکن التراب الحقیقی فلابد من الحکمی ولم یعرف التراب الحکمی شرعا الایدا مست بالصعید الحقیقی ومن ادعی غیرذلك فعلیه البیان کیف والامر تعبدی مافیه للقیاس یدان فما (۳) وقع فی الحلیة من قوله الشرط مجردالمس علی الارض او علی جنس الارض بالیدین اوبغرهما اوامرارذلك علی العضوین سواء التزق بالماس شیئ من ذلك اولم یلتزق [1] اھ ممالست احصله ولایحضرنی الاٰن من غیره نعم (۴) یجوز امساس الکفین بحائل تابع لهما کخرقة ملفوفة علیها کما مرفی تیمیم المیت الانثی

ثم اقول: (میں پھر کہتا ہوں) تیمّم معہود میں ہاتھ یا اس کے اکثر حصہ کی شرط لگانا، اور ایک یا دو انگلی سے استیعاب کا ناکافی ہونا ہاتھ کی تعیین پر نص ہے اور اس پر بھی کہ وہ مقصود ہے جس کے بغیر استیعاب ناکافی ہے۔ تو اگر مثلاً کسی لکڑی یا کپڑے یا کاغذ کو، جنس زمین سے مس کرکے چہرے اور کلائیوں پر گزار لیا تو میرے خیال میں یہ جائز نہ ہوگا مگر اسی صورت میں جب ان چیزوں پر اتنی مٹی چپک گئی ہو جس سے محل تیمم کا استیعاب ہو جائے تو یہ تیمّم غیر معہود ہو جائے گا، وہ اس لیے کہ شرع مطہر نے پانی نہ ہونے کے وقت مٹّی کو مطہر قرار دیا ہے تو اگر حقیقی مٹّی نہ ہو تو حکمی ہونا ضروری ہے۔ اور شرعًا تراب حکمی کی حیثیت سے معلوم ومعروف صرف وہی ہاتھ ہے جسے صعید حقیقی سے مس کیا گیا ہو۔ جو کسی اور کا بھی مدعی ہو اس کے ذمہ دلیل ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ معاملہ تعبدی ہے جس میں قیاس کی دست رست نہیں۔ اس تفصیل کے تحت حلیہ کی درج ذیل عبارت میرے لیے ناقابلِ فہم ہے: "شرط صرف یہ ہے کہ زمین یا جنس زمین پر ہاتھوں سے یا کسی اور چیز سے مس ہو اور اسے دونوں عضووں پر گزارا جائے اس میں سے کچھ مس کرنے والے سے چپکے یا نہ چپکے اھ"۔ کسی اور نے بھی ایسی عبارت لکھی ہے اس وقت یہ بھی مجھے یاد نہیں آتا۔ ہاں یہ جائز ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو کسی ایسے حائل سے مس کیا جائے

[1] حلیہ

والخنثی وکذا الرجل اذا یممته حرۃ اجنبیة وذلك لان مس التابع مس المتبوع کمس(۱) جلد المصحف الشریف وغلافه الغیر المتجافی عنه وکذلک(۲) اذاکان علی کفیه ضماد متجسد وقد یبس جاز له الضرب بهما فان ضرہ ازالته کان الضرب ھکذا مسحا لکفیه فیما اعلم واللّٰہ تعالٰی اعلم فان ارادھذا فذاك مع شدۃ مافیه من الایھام والافھو مشکل واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جوان کے تابع ہو جیسے کوئی کپڑا جوان پر لپیٹ لیا ہو، جیساکہ عورت اور خنثی مرد کے تیمّم میں بیان ہوا۔یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب مرد کو آزاد اجنبیہ تیمّم کرائے،وہ اس لیے کہ تابع کامس، متبوع ہی کامس ہے جیسے مصحف شریف کی جلد،اور اس کے ایسے غلاف کامس جو اس سے الگ نہ ہو۔اسی طرح جب ہتھیلیوں پر کوئی لیپ چڑھاہوا ہو اور سوکھ گیا ہو تو ان ہتھیلیوں سے ضرب جائز ہے اگراس لیپ کاچھڑانا ضرور دیتا ہو تو یہی ضرب جہاں تک مجھے علم ہے ہتھیلیوں کا بھی مسح قرار پائے گی۔اور خدا خوب جاننے والا ہے۔اگر صاحبِ حلیہ کی مراد یہی ہے تو ٹھیک ہے پھر بھی اس میں شدید ایہام ہے اور اگر یہ مراد نہیں تو اس میں بڑا اشکال ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔(ت)

نوزدہم: جداجدا اتصالوں سے، یہ اس لیے کہاگیاکہ تیمّم معہود میں کف کو ایک بار جو اتصال جنس ارض سے دیا گیا وہ ایک ہی عضو کے مسح کوکافی ہوتا ہے ایک اتصال سے وہ عضووں کا مسح جائز نہیں مثلاً ایک ۳ بار دونوں ہتھیلیوں سے ضرب کرکے چہرہ کا مسح کرلیا تو اب ان میں کسی ہتھیلی سے کسی ہاتھ کا مسح جائز نہیں ہاتھوں کے لیے ضرب جدید چاہیےئ اور اگر دونوں ہتھیلیوں ضرب کرکے ایک ہتھیلی سارے منہ پر پھیرے اور دوسری ایک ہاتھ پر تو یہ جائز ہے مگر دوسرے ہاتھ کے لیے پھر ضرب جدید کی حاجت ہےئ۔سراج وہاج وجوہرہ نیرہ وہندیہ میں ہے:

ولو مسح باحدی یدیه وجهه وبالاخری احدی یدیه عـه اجزأہ فی الوجه والید الاولٰی ویعید الضرب للید الاخری[1]۔	اگراپنے ایک ہاتھ سے چہرے کا مسح کیااور دوسرے سے ایک ہاتھ کا، تو چہرے اور پہلے ہاتھ کے لیے یہ کافی ہوگااور دوسرے ہاتھ کے لیے پھر ضرب لگائے گا۔(ت)

عـه :ووقع فی نسخة الجوھرۃ وبالاخری یدیه اقول لعله سقط فیھا من قلم الکاتب لفظة احدی فانه غیرممکن ولوامکن لکان الحکم ماذکر ۱۲منه(م)	جوہرہ نیرہ کے نسخہ میں "وبالاخری یدیه" لکھا ہے (اور دوسرے سے اپنے دونوں ہاتھوں کا مسح کیا) **اقول:** شاید اس میں کاتب کے قلم سے لفظ "احدی" چھوٹ گیا ہے اس لیے کہ وہ صورت ممکن نہیں اور اگر ممکن بھی ہو تو حکم وہی ہوگا جو بیان ہوا۔ ۱۲منہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ باب التیمم مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶

ولہذا اگر میّت[1] کو تیمّم کرایا یا دوسرے شخص نے کسی زندہ کو اور ایک بار دونوں ہتھیلیاں جنس ارض پر مار کر چہرہ پر پھیریں دوبارہ ضرب کرکے دونوں ہتھیلیوں سے اس کے ایک ہاتھ کو مسح کیا تو دوسرے ہاتھ کے لیے تیسری ضرب کی حاجت ہے یہ وہ تیمّم ہے کہ دو ضربوں سے جائز نہ ہوگا ولہذا ہم نے عدد سے مقید نہ کیا بلکہ جدا جدا اتصال کہا۔

وھذا ھو محمل مافی جامع الرموز عن العمان لو یمم غیرہ یضرب ثلثا للوجہ والیمنی والیسری واقرہ فی الدر[1] اھ قال ش العمان کتاب غریب عـہ والمشھور فی الکتب المتداولۃ الاطلاق وھو الموافق للحدیث الشریف التیمم ضربتان الاان یکون المراد اذامسح یدالمریض بکلتایدیہ فحینئذ لاشبھۃ فی انہ یحتاج الی ضربۃ ثالثۃ یمسح بھا یدہ الاخری[2] اھ۔	یہی اس کا بھی محمل ہے جو جامع الرموز میں عمان سے منقول: "اگر دوسرے کو تیمّم کرایا تو چہرے، داہنے ہاتھ اور بائیں ہاتھ کے لیے کل تین ضربیں لگائے گا۔اسے درمختار میں برقرار رکھا اھ علامہ شامی نے فرمایا: "عمان" کوئی غیر معروف کتاب ہے۔ متداول کتابوں میں مشہور یہی ہے کہ دو ضربوں کا حکم مطلقًا ہے۔یہی حدیث شریف التیمم ضربتان (تیمّم دو ضربیں ہیں) کے مطابق بھی ہے۔ لیکن اگر یہ مراد ہو کہ مریض کے ہاتھ پر اپنے دونوں ہاتھوں سے مسح کیا تو ایسی صورت میں بلاشبہ اسے تیسری ضرب کی ضرورت ہوگی جس سے اس کے دوسرے ہاتھ کا مسح کرے گا اھ "۔(ت)

بستم: منہ اور کہنیوں کے اوپر ہر ہاتھ ہم نے اور کہا پھر نہ کہا اس لیے کہ وضو کی طرح تیمّم[۴] میں بھی ترتیب شرط نہیں کما فی البحر (جیسا کہ البحر الرائق میں ہے۔ت) چاہے پہلے منہ کا مسح کرے یا پہلے داہنے ہاتھ یا بائیں ہاتھ کا یا سب اعضاء کا ایک ساتھ، جیسے بگولے وغیرہ سے تیمّم میں گزرا[۳] ہاں تیمّم معہود میں ترتیب سنّت ہے جس طرح وضو میں کہ پہلے دونوں ہتھیلیوں سے چہرے کا مسح ہو پھر بائیں ہتھیلی سے سیدھے ہاتھ کا پھر سیدھی سے بائیں کا۔

عـہ: لم ارلہ ذکرا فی کشف الظنون ۱۲منہ (م)

کشف الظنون میں اس کا کوئی ذکر نہ ملا۔ ۱۲منہ (ت)

---

[1] جامع الرموز باب التیمم مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۶۸

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۵

(۱) طریق مسنون کہ ابھی مذکور ہوا۔

(۲) پہلی ضرب میں دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ کا اور دوسری ضرب میں پہلے بائیں ہاتھ پھر داہنے کا۔

(۳) پہلی ضرب میں دہنی ہتھیلی سے منہ کا مسح کرے پھر بائیں سے داہنے ہاتھ کا پھر دہنی ہتھیلی سے دوسری ضرب کرکے بائیں ہاتھ کا۔

(۴) اس کا عکس کہ پہلے بائیں ہتھیلی سے منہ کا پھر دہنی سے بائیں ہاتھ کا پھر بائیں سے دوسری ضرب کرکے دہنے کا۔

(۵) پہلی ضرب میں بائیں ہتھیلی سے دہنے ہاتھ کا پھر دہنی سے منہ کا پھر دہنی کی دوسری ضرب سے بائیں ہاتھ کا۔

(۶تا۸) اوّل بائین ہتھیلی سے دہنے ہاتھ کا پھر دہنی سے بائیں کا پھر دہنی خواہ بائین خواہ دونوں کی ضرب سے منہ کا۔

(۹) ضرب اوّل میں دہنی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کا پھر بائیں سے منہ کا پھر بائیں کی دوسری ضرب سے دہنے ہاتھ کا۔

(۱۰تا۱۲) پہلے دہنی ہتھیلی سے بائین ہاتھ پھر بائیں سے دہنے ہاتھ کا پھر دہنی خواہ بائیں خواہ دونوں کی ضرب سے منہ کا۔

تیمّم ان سب طریقوں پر صحیح ہوگا اور سنّت سے منقول صرف اوّل۔

بست ویکم: کوئی حصّہ ایسا نہ رہے یہ شرط استیعاب کا بیان ہے کہ جتنے منہ اور جتنے ہاتھوں کا دھونا وضو میں فرض ہے اس تمام حصہ پر تیمّم غیر معہود میں جنس ارض اور معہود میں ہاتھ کا پہنچنا فرض ہی یہی صحیح ہے اور یہی ظاہر الروایۃ اور اسی پر اعتماد تو اگر ایک [۲] بال کی نوک بھی ہاتھ یا جنس ارض پہنچنے سے باقی رہ گئی تیمّم نہ ہوگا تو لازم [۳] ہے کہ انگوٹھی چھلّے کنگن پہنچیاں چوڑیاں کف دست اور کلائی کا ہر گہنا اتار لیا جائے یا اسے ہٹا ہٹا کر مسح یا ایصال جنس کیا جائے کما فی البحر والدر وغیرھما عامۃ الاسفار (جیساکہ البحر الرائق، درمختار اور ان کے علاوہ عامہ کتب میں ہے۔ت)

اقول: تو یہاں وضو سے زیادہ اہتمام لازم خصوصًا تیمّم معہود میں کہ ڈھلکتا ہوا پانی اڑتا ہوا غبار خود بھی رسائی کی چیز ہے اور ہاتھ تو جہاں پہنچایا جائے وہیں پہنچے گا۔

ثم اقول: مواضع حرج کہ ہم نے الجود الحلو میں ذکر کیے یہاں بھی واجب الاستثنا ہیں

مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ (تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی۔ت) تیمّم کی مشروعیت ہی دفعِ حرج کے لیے ہوئی تو جس امس میں خود حرج نہیں بلکہ اس کی نگہداشت میں حرج ہے جیسے کوئے میں سُرمہ وغیرہ وہ بے خبری میں معاف ہے بعد اطلاع معاف نہیں اور جس میں خود حرج ہے جیسے آنکھ کے ڈھیلے وغیرہ وہ مطلقاً معاف ہے۔

عفااللہ تعالٰی عنا مطلقًا بالاطلاق فینا وفی ذنوبنا* وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی ھادی قلوبنا* وماحی عیوبنا* وکاشف کروبنا* واٰلہ و صحبہ* وابنہ وحزبہ* اجمعین بہ ابد الابدین* عدد خلق اللہ فی کل اٰن وحین* والحمد للہ رب العٰلمین*	اللہ تعالٰی ہمیں مطلقاً عفو سے نوازے مطلقاً ہم میں اور ہمارے گناہوں میں۔اور خدائے تعالٰی رحمت وبرکت وسلام نازل فرمائے ہمارے دلوں کے ہادی، ہمارے عیوب کے مٹانے والے، ہماری مشکلات کے دور کرنے والے آقا پر اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے فرزند، ان کے گروہ سب پر، ہمیشہ ہمیشہ، جس قدر ہر آن وہر وقت خلق خدا کی تعداد ہو اور ساری تعریف خدائے رب العٰلمین کے لیے ہے۔(ت)

بحمداللہ تعالٰی یہاں تک تعریف رضوی کی شرح مبسوط تھی کہ نہ ایسی تعریف کہیں ملے نہ کوئی ایسی شرح پائے اور اسی کے ختم سے سوالِ اول کا جواب ختم ہوا جو بفضلہٖ تعالٰی ایسی تحقیقات جلیلہ جزیلہ بدیعہ رفیعہ پر مشتمل ہے جن کی نظیر نظر نہ آئے۔

ذٰلِكَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَیۡنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۸﴾ [1] رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾ [2] وَاللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ ہے خدا کا فضل ہم پر اور لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔اے میرے رب مجھے یہ توفیق دے کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر کیا اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لیے میری نسل میں نیکی دے بیشک میں تیری بارگاہ میں رجوع لایا اور میں مسلمانوں سے ہوں، اور خدائے پاک وبرتر خوب جانتا ہے اور اس کا علم کامل ومحکم ہے۔اس کا مجد برتر ہے۔(ت)

---

[1] القرآن ۱۲/۳۸

[2] القرآن ۴۶/۱۵

رسالہ ضمنیہ

الجدّ السّدید فی نفی الاستعمال عن الصعید ۱۳۳۵ھ

جنسِ زمین کے مستعمل نہ ہونے میں بہت عمدہ بیان (ت)

سوال ۱۳ دوم:

جس طرح طہارت سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے کہ دوبارہ وضو کے قابل نہیں رہتا تیمّم سے مٹّی بھی یوں ہی مستعمل ہو جاتی ہے یا نہیں بیّنوا توجروا۔

الجواب

اقول: وباللہ التوفیق ہم اوپر بیان کر آئے کہ تراب یعنی جنس ارض دو ۲ قسم ہے حقیقی جس کا بیان رسالہ **المطر السعید** میں گزرا، اور حکمی کہ وہ ہاتھ ہیں کہ بہ نیت تطہیر جنس ارض سے مس کیے گئے یہ تراب حکمی ضرور بالاجماع مستعمل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر عضو پر جدا اتصال سے مسح شرط ہے جس کا بیان ابھی افادہ نوزدہم میں گزرا اور اسی کے ثمرات سے ہیں تیمّم کی وہ ترکیبیں جو مشائخ نے مستحسن رکھیں جن میں ہتھیلی کے حصوں کو ذراع کے مختلف حصوں پر تقسیم فرمایا کہ ہر حصہ کا نئے حصہ سے مس ہو تاکہ حتی الامکان تراب مستعمل کے استعمال سے احتراز ہو **کما تقدم ذکرہ فی سابع ابحاثنا علی الوجہ السادس من وجوہ حد التیمم** (جیسا کہ اسکا ذکر تعریفات تیمّم میں سے چھٹی تعریف پر ہماری ساتوں بحث کے تحت گزرا۔ت) یہاں یقیناً تراب مستعمل سے یہی تراب حکمی مراد ہے کہ یہ صورتیں تیمّم معہود کی ہیں اور تیمّم معہود میں تراب حکمی ہی درکار تراب حقیقی کی اصلاً حاجت نہیں بلکہ لگی ہو تو اس کے جھڑا دینے جھاڑ دینے کا حکم ہے ایک دفعہ میں نہ چھوٹے تو جتنی بار میں صاف ہو جائے پھر انہوں نے یہ ترکیبیں عام افادہ میں فرمائی ہیں اگرچہ تیمّم دُھلے پتھر پر ہو۔ رہی تراب حقیقی وہ اصلاً مستعمل نہیں ہوتی۔ جوہرہ نیرہ میں ہے:

التیمم لایکسب التراب الاستعمال [1]۔	تیمّم مٹی میں مستعمل ہونے کی صفت نہیں پیدا کرتا۔ (ت)

طحطاوی علی الدر المختار میں ہے: **التراب لایوصف بالاستعمال** (مٹّی مستعمل ہونے سے موصوف

[1] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مطبع امدادیہ ملتان ۱/۲۷

نہیں ہوتی۔ت)**اقول:** فقیر کے نزدیک یہی تحقیق ہے اور اس پر متعدد روشن دلائل قائم وباللہ التوفیق۔

دلیل اوّل نصوص صریحہ یہاں مٹیاں دو۲ ہیں: ایک تو وہ جس پر ہاتھ مارے وہ تو بلاشبہہ مستعمل نہیں ہوتی جس پر اجماع کہنا کچھ مستبعد نہیں۔

لولاان عبرعنه فی غنیة ذوی الاحکام عن البرھان بالاصح المشیر الی قوت فی الخلاف مع انه فی غایة الغرابة روایة والسقوط درایة فیما اعلم واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر غنیہ ذوی الاحکام میں بحوالہ برہان اس کی تعبیر لفظ "اصح" سے نہ ہوتی کہ اس لفظ سے اختلاف میں کچھ قوت ہونے کا اشارہ ہوتا ہے باوجودیکہ جہاں تک مجھے علم ہے یہ خلاف روایۃً انتہائی غریب اور درایۃً بالکل ساقط ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضیخان

اذا تیمّم (۲) الرجل عن موضع تیمّم عنه غیرہ جاز[1]۔	جب آدمی نے ایسی جگہ سے تیمّم کیا جہاں سے کسی اور نے تیمّم کیا تھا تو یہ جائز ہے۔(ت)

شلبیہ علی الزیلعی:

قال الزاھدی لوتیمّم جماعة بحجر واحد اولبنة وارض جاز کبقیة الوضوء[2]۔	زاہدی نے کہا: اگرایک جماعت نے ایک پتھر یا کچی اینٹ یا زمین سے تیمّم کیا تو جائز ہے جیسے بقیہ آب وضو (کہ اس سے پھر کوئی دوسرا وضو کرسکتا ہے)۔(ت)

محیط سرخسی وہندیہ:

لوتیمّم اثنان من مکان واحد جاز[3]۔	اگر دو۲ نے ایک جگہ سے تیمّم کیا، جائز ہے۔(ت)

تاتارخانیہ وعالمگیری:

اذا تیمّم مرارًا من موضع واحد جاز[4]۔	اگرایک ہی جگہ بارہا تیمّم کیا تو جائز ہے۔(ت)

---

1 فتاوٰی قاضیخان باب التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۳۰

2 شلبیہ علی تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۳۸

3 فتاوٰی عالمگیری باب التیمم مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱

4 الفتاوی التاتارخانیہ نوع فیما یجوزبہ التیمم ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۴۲

درمختار:

جاز تیمّم جماعۃ من محل واحد[1]۔	ایک ہی جگہ سے یک جماعت کا تیمّم جائز ہے۔(ت)

جوہرہ نیّرہ:

لوتیمّم رجل من موضع تیمّم اٰخر بعدہ منہ جاز[2]۔	اگر کسی جگہ سے ایک آدمی نے تیمّم کیا اور اس کے بعد دوسرے نے اسی جگہ سے تیمّم کیا تو جائز ہے۔(ت)

منیہ وحلیہ:

اذا تیمّم الرجل من موضع فتیمّم اٰخر من ذلك الموضع ایضاجاز[3] کما فی غیرما کتاب من الکتب المعتبرۃ فی المذھب۔	جب آدمی نے ایک جگہ سے تیمّم کیا پھر دوسرے نے بھی اسی جگہ سے تیمّم کیا تو جائز ہے جیسا کہ مذہب کی کتب معتبرہ سے متعدد کتابوں میں موجود ہے۔(ت)

بالجملہ مسئلہ ظاہر ہے اور عبارات وافر۔

غیران الغنیۃ ابدت فیہ تشکیکا ان ھذا علی قول من لم یجعل الضربۃ من التیمّم ظاھر واما علی قول من جعلھا منہ ففیہ اشکال[4] اھ۔ **اقول:** لافرق علی القولین* ولااشکال فی البین* **اما**(۱) **اولا** فلما اعلمناك فی البحث السابع المذکوران الضرب المنوی یطھر الکفین ھو الصحیح فلا تمسحان بعد فثبت اسقاط الفرض بنفس الضرب و	بجز اس کے کہ غنیہ میں اس پر ایک تشکیک کا اظہار کیا ہے کہ "یہ ان لوگوں کے قول پر تو ظاہر ہے جنہوں نے ضرب کو تیمّم سے نہ قرار دیا لیکن جنہوں نے ضرب کو تیمّم سے قرار دیا ہے ان کے قول پر اس میں اشکال ہے اھ (ت)۔ **اقول:** دونوں قول کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں نہ ہی کوئی اشکال ہے۔**اولاً:** اس لیے کہ ہم مذکورہ ساتویں بحث میں بتا چکے کہ ضرب منوی سے دونوں ہتھیلیاں پاک ہوجاتی ہیں۔ یہی صحیح ہے۔ پھر بعد میں ان پر مسح نہ ہوگا تو نفس ضرب سے اسقاطِ فرض ثابت ہوگیا اگرچہ

[1] دُرمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۵
[2] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مکتبہ امدادیہ، ۱/۲۷
[3] منیۃ المصلی باب التیمم مطبع عزیزیہ کشمیری بازار لاہور ص۱۶
[4] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص۸۰

ان لم یرتفع الحدث بعد العدم تجزیہ کماء غسل بہ المحدث بعض اعضائہ وھذا لایتخالف فیہ القولان فان ثبت بہ الاستعمال حصل علی کل منھما الاشکال۔	ابھی حدث مرتفع نہ ہوا اس لیے کہ وہ ناقابل تقسیم ہے جیسے اس صورت میں، جب محدث نے پانی سے اپنے بعض اعضاء پانی سے دھولئے ہوں اور اس بارے میں کوئی دو متخالف قول نہیں تو اگر اس سے استعمال ثابت ہو تو دونوں ہی قول پر اشکال لازم آئے گا۔
واما ثانیا: فلان (۱) المحدث اذا ادخل (۲) رأسہ الاناء لایصیر الماء مستعملا کما فی الخانیۃ وکذا (۳) الخف والجبیرۃ کما فی البحر والصحیح ان المسألۃ وفاقیۃ کما بیّنا فی الطرس المعدل والنمیقۃ الانقی من اٰخرھما وما التیمم الامسحا فلایفید الاستعمال* وبہ زال الاشکال* واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال*	**ثانیاً:** اس لیے کہ محدث جب اپنا سر برتن میں ڈال دے تو پانی مستعمل نہیں ہوتا جیسا کہ خانیہ میں ہے یہی حکم موزہ اور پٹّی کا بھی ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔۔۔اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے جیسا کہ ہم نے الطرس المعدل اور النمیقۃ الانقٰی کے آخر میں بیان کیا ہے۔اور تیمّم مسح ہی تو ہے تو مستعمل نہ بنائے گا اور اسی سے اشکال دور ہوگیا اور خدائے برتر حقیقت حال کو خوب جاننے والا ہے (ت)

دوسری وہ مٹی کہ بعض صورتوں میں ہاتھوں کو لگتی ہے، یہ اگر جھاڑ دی گئی جیسا کہ مسنون ہے جب تو اس کے مستعمل ہونے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہتھیلیاں نفسِ ضرب سے پاک ہوگئیں یہ مٹی پاک ہتھیلیوں کو لگی تو اُن سے مل کر مستعمل ہوسکتی ہے نہ ان سے چھوٹ کر۔اور اگر نہ جھاڑی گئی اور چہرہ وہر دودست کو لگی تو اس وقت بھی مستعمل نہ ہوگی کہ مذہب صحیح میں استعمال کے لئے انفصال شرط ہے کمافی الطرس المعدل (جیسا کہ الطرس المعدل میں گزرا۔ت) تو اگر مستعمل ہوتی تو چہرہ وذراعین سے چھوٹ کر اور کتب مذہب میں نص صریح ہے کہ وہ اسوقت بھی مستعمل نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر تیمّم کرنے والوں کے چہرہ ودست سے جھڑی ہوئی مٹیاں جمع کرلی جائیں کہ قابل ضرب ہوجائیں اور کوئی ان سے تیمّم کرے جب بھی جائز ہے۔[1] درایہ شرح ہدایہ امام قوام الدین کاکی پھر [2] شلبیہ علی شرح الکنز للزیلعی نیز [3] بنایہ امام عینی میں ہے:

یجوز التیمّم بالتراب المستعمل عندنا وفی قول للشافعی وفی ظاھر مذھبہ لایجوز والمستعمل ماتناثر من العضو[1] اھ۔	مستعمل مٹی سے تیمّم ہمارے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کے ظاہر مذہب میں جائز نہیں اور مستعمل وہ مٹی ہے جو عضو سے جھڑے۔(ت)

[1] شلبیہ علی تبیین الحقائق باب التیمم مطبعہ امیریہ مصر ۱/۳۸

۴حاشیہ علامہ سید احمد مصری علی الدر المختار میں ہے:

التراب لایوصف بالاستعمال ولوالذی علق بیدیه حتی لوتجمع ماعلق بایدی المتیممین یجوز علیه التیمّم [1]۔	مٹی مستعمل ہونے سے موصوف نہیں ہوتی اگرچہ وہی مٹی ہوجوہاتھوں میں لگی ہوئی ہے، یہاں تک کہ اگر چند تیمّم کرنے والوں کے ہاتھوں پر لگی ہوئی مٹی اکٹھی ہوجائے تواس پر تیمّم جائز ہے۔(ت)

توثابت ہواکہ جنسِ ارض کسی طرح مستعمل نہیں ہوتی۔

نص۵ اجل امام اجل شمس الائمہ حلوانی رحمہ اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ تیمّم میں جومنہ اور ہاتھوں پر مسح کیاجاتاہے یہاں کوئی چیز ایسی نہیں کہ مستعمل ہوجائے۔ ۶فتح القدیر میں ہے:

واختیار شمس الائمة ان المنع فی مد الاصبع والاثنتین غیر معلل باستعمال البلة بدلیل انه لومسح باصبع اواصبعین فی التیمّم لایجوز مع عدم شیئ یصیر مستعملا خصوصا اذا تیمّم علی الحجر الصلد [2] اھ وقد ذکرنا وجه هذاالخصوص اٰخر رسالتنا الطرس المعدل۔	اور شمس الائمہ نے یہ اختیار کیاہے کہ ایک دوانگلیوں کے پھیلانے کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ تری استعمال ہوگی اس دلیل سے کہ اگر تیمّم میں ایک دوانگلی سے مسح کرے توبھی ناجائز ہے جبکہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو مستعمل ہو خصوصًاجب چکنے ٹھوس پتھر پر تیمّم ہواھ۔اس خصوص کی وجہ ہم نے اپنے رسالہ الطرس المعدل کے آخر میں بیان کی ہے۔(ت)

دلیل دوم: نصوص صریحہ بوجہ آخر ۷فتح القدیر میں ہے:

هل یأخذالتراب حکم الاستعمال فی الخلاصة وغیرهالوتیمم جنب اوحائض من مکان فوضع اٰخر یده علی ذلك المکان فتیمّم اجزأه والمستعمل هو التراب الذی استعمل فی الوجه والذراعین [3] اھ وهو یفید	کیامٹی پر بھی مستعمل ہونے کاحکم لگتاہے؟۔۔۔خلاصہ وغیرہا میں ہے کہ "اگر جنب یاحائض نے کسی جگہ سے تیمّم کیاپھر دوسرے نے اسی جگہ ہاتھ رکھ کر تیمّم کیاتوکافی ہوگااور مستعمل وہ مٹی ہے جوچہرے اور کلائیوں میں استعمال ہوئی اھ۔اس عبارت سے مٹّی کے مستعمل ہونے کا

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب التیمم مطبع دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۳۲

[2] فتح القدیر مسح الراس مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۶

[3] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۰

تصور استعماله وکونه بان یمسح الذراعین بالضربة التی مسح بها وجهه لیس غیر[1] اھ۔	تصور ملتاہے اور یہ کہ اس کا مستعمل ہونا بس یہی ہے کہ جس ضرب سے چہرے کا مسح کیاہے اسی سے کلائیوں کا مسح کرے اھ۔(ت)

^۸ بحرالرائق میں ہے:

فی المحیط والبدائع لوتیمّم اثنان من مکان واحد جازلانه لم یصر مستعملا لان التیمّم انما یتأدی بما التزق بیدہ لابما فضل کالماء الفاضل فی الاناء بعدوضوء الاول اھ وھو یفید تصور استعماله وقصرہ علی صورة واحدة وھی ان یمسح الذراعین بالضربة التی مسح بها وجهه لیس غیر[2]۔	محیط اور بدائع میں ہے: اگر دو۲ نے ایک ہی جگہ سے تیمّم کیاتو جائز ہے اس لیے کہ وہ جگہ مستعمل نہ ہوئی کیونکہ تیمّم تو اسی سے ادا ہوجاتاہے جو کچھ ہاتھ میں لگ گیا ہے اس سے نہیں جو بچ رہا، جیسے وہ پانی جو پہلے شخص کے وضو کے بعد برتن میں بچ گیا ہو اھ اس عبارت سے اس کے مستعمل ہونے کا تصور ملتاہے اور اس کا کہ وہ ایک ہی صورت میں محدود ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ کلائیوں کا مسح اسی ضرب سے کرے جس سے چہرے کا مسح کیا ہے دوسری ضرب سے نہیں۔(ت)

^۹ طحطاوی^عـہ علی مراقی الفلاح میں ہے:

قال فی الفتح ھذا یفید تصور استعماله وھو مقصور علی صورة واحدة وھو ان یمسح الذراعین بالضربة التی مسح بها وجهه لاغیر[3]۔	فتح القدیر میں فرمایا: اس سے اس کے مستعمل ہونے کا تصور ملتاہے اور یہ کہ وہ ایک ہی صورت میں محدود ہے وہ یہ کہ کلائیوں کا اسی ضرب سے مسح کرے جس سے چہرے کا مسح کیاہے نہ کہ دوسری ضرب سے۔(ت)

عـہ نقلناعبارته لفائدتین اظهار تقریرہ ودفع ایراد العلامة ش عنه کما سیأتی ۱۲منه غفرله (م)	ہم نے ان کی عبارت دو۲ فائدوں کے تحت نقل کی: (۱) ان کی تقریر کا اظہار (۲) اور اس پر علامہ شامی کے اعتراض کا دفعیہ۔ جیسا کہ عنقریب آرہاہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---
1 فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۰
2 البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۷
3 طحطاوی علی مراقی الفلاح باب التیمم مطبع الازہریہ بولاق مصر ص۶۹

کیسی صریح تصریح ہے کہ مستعمل ہونا صرف تراب حکمی کے لیے ہے کہ ایک ضرب سے دو عضو کا مسح نہیں ہوسکتا اور یہ کہ اس کے سوا کوئی صورت تراب کے مستعمل ہونے کی نہیں۔

دلیل سوم: نصوص عامہ ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث ومتون وشروح وفتاوٰی **اقول:** بحر سے پہلے تمام ائمہ وعلمانے جملہ کتب مذہب میں تیمّم کے لیے صعید طاہر کی قید لگائی جس سے ثابت وروشن کہ تیمّم کے لیے جنسِ ارض کی صرف طہارت درکار تو لازم کہ ہر صعید طاہر مطلقاً مطہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا اور جنس ارض بھی پانی کی طرح کبھی طاہر غیر مطہر بھی ہوتی تو واجب تھا کہ مطہّر کی شرط لگاتے صرف طاہر پر اکتفا صحیح نہ ہوتا مگر وہ اسی پر اطباق فرمائے ہوئے ہیں تو صراحۃً بتارہے ہیں کہ مٹّی مستعمل نہیں ہوتی ۱قدوری ۲تحفۃ الفقہاء ۳ہدایہ ۴وقایہ ۵نقایہ ۶مختار ۷وافی ۸کنز ۹غرر ۱۰اصلاح ۱۱الملتقی ۱۲نورالایضاح میں کہ سب متون معتمدہ مذہب ہیں یہی لفظ طاہر یا طہارت کہا اور شراح نے اسے مقرر رکھا۔ مختصر میں ہے: **یتیمم بصعید طاھر**[1]۔ (پاک صعید سے تیمّم کرے۔ت) وقایہ ونقایہ ووافی وغرر واصلاح میں ہے: **علی کل طاھر من جنس الارض**[2] (جنسِ زمین سے ہر پاک پر۔ت) کنز وغیرہ میں ہے: **بطاھر من جنس الارض**[3] (جنسِ زمین کے کسی پاک پر۔ت)

ملتقی الابحر میں ہے: **شرطہ طھارۃ الصعید**[4] (اس کی شرط یہ ہے کہ صعید پاک ہو۔ت)

۱۳بدائع میں ہے: **ومنھا ان یکون التراب طاھرا**[5] (اور ان میں سے یہ ہے کہ مٹّی پاک ہو۔ت)

۱۴ہدایہ میں ہے: **لان الطیّب ارید بہ الطاھر فی النص**[6] (اس لیے کہ نص میں وارد شدہ طیّب سے مراد پاک ہے۔ت)

۱۵تبیین میں ہے: **صعیدا طیبا ای طاھرا**[7] (طیّب صعید پاک۔ت) اس میں نیز ۱۶عنایہ و۱۷فتح و

---

1 القدوری باب التیمم مطبوعہ مجتبائی ص ۱۱

2 شرح مختصر الوقایہ باب التیمم مطبع المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۹۸/۱

3 کنزالدقائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷

4 ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب التیمم مطبع احیاء التراث العربی بیروت ۳۹/۱

5 بدائع الصنائع واما شرائط الرکن باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۳/۱

6 الہدایہ باب التیمم المکتبۃ العربیہ کراچی ۳۶/۱

7 تبیین الحقائق باب التیمم المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۳۸/۱

۱۸غنیّہ میں ہے: الطاھر مراد بالاجماع[1] (پاک، بالاجماع مراد ہے۔ت)

بدائع میں ہے: معنی الطھارہ صارمرادا بالاجماع حتی لایجوزالتیمّم بالصعید النجس[2] (معنی طہارت بالاجماع مراد ہے یہاںتک کہ نجس صعید سے تیمّم جائز نہیں۔ت)۱۹مجمع الانہر میں ہے: الطیّب ھناك بمعنی الطاھر بدلالۃ قولہ تعالٰی وَّلٰكِنۡ يُّرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ[3] (طیّب یہاں پاک کے معنی میں ہے جس پر یہ ارشادِ باری تعالٰی دلالت کررہا ہے: "اور لیکن وہ چاہتاہے کہ تمہیں پاک کردے"۔ت)۲۰نہایہ وعنایہ وعامہ شروح ہدایہ میں ہے: التیمّم القصد الی الصعید الطاھر للتطھیر[4] (تیمّم کامعنی تطہیر کے لیے پاک صعید کاقصد کرناہے۔ت)۲۱جواہر اخلاطی میں ہے: قصد مخصوص الی طاھر من جنس الارض[5] (جنس زمین کے کسی پاک کی جانب مخصوص قصد۔ت) محقق علی الاطلاق و ۲۲بحرالرائق و۲۳غنیّہ ذوی الاحکام کی عبارتیں تعریف چہارم میں گزریں کہ الحق انہ اسم لمسح الوجہ والیدین عن الصعید الطاھر[6] (حق یہ ہے کہ وہ پاک صعید سے چہرے اور ہاتھوں کے مسح کانام ہے۔ت)

۲۴علامہ ابن کمال پاشا و مجمع الانہر کی عبارت تعریف پنجم میں گزری: ھوطھارۃ حاصلۃ باستعمال الصعید الطاھر[7] (وہ ایسی طہارت ہے جوپاک صعید کے استعمال سے حاصل ہو۔ت) بالجملہ یہ عبارت قدیمًا وحدیثًا مجمع علیہا چلی آئی سب میں پہلے فاضل ابن وہبان نے اپنے منظومہ میں لفظ مطہر لکھاحیث قال:

وعذرك شرط ضربتان ونیۃ والاسلام والمسح الصعید المطھر[8]

انہوں نے یوں کہا: اور تیرا عذر شرط ہے اور دوضربیں، نیت، اسلام، مسح اور پاک کرنے والی صعید۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب التیمم المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱/۳۹
[2] بدائع الصنائع، وامابیان ماتیمم بہ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۵۳
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۹
[4] العنایۃ مع فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۰۶
[5] جواہر اخلاطی (قلمی نسخہ) فصل فی التیمم، ۱/۱۱
[6] غنیّہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام باب التیمم مطبعہ کامل الکائنہ فی دار السعادہ مصر ۱/۲۸
[7] مجمع الانہر، باب التیمم، مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷
[8] منظومہ ابن وہبان

اقول: جنس ارض میں طاہر ومطہر متلازم ہیں اور قافیہ **طاھر** بوجہ دخل تاسیس قوافی غیر موسسہ میں نہ آسکتا لہذا **مطہر** کہا، مگر علامہ صاحب بحر نے یہ تدقیق نکالی کہ طاہر سے مطہر اولٰی ہے اور عبارت کنز پر کہ وہی عبارت جملہ ائمہ ہے اعتراض فرمایا جس کا بیان صدر کتاب عـہ۱ میں گزرا،[۲] طرفہ یہ کہ انہیں بحر محقق نے باتباع محقق علی الاطلاق تصریح فرمائی کہ تیمم صعید طاہر سے مسح عضوین کا نام ہے **کما تقدم فی الوجہ الرابع** (جیساکہ تعریف چہارم میں گزرا۔ت) جس سے ظاہر کہ کنز وجملہ ائمہ پر وہ اعتراض محض ایک جوشِ قلم تھا پھر بھی ان کے تلمیذ شیخ الاسلام غزی نے تنویر اور مدقق علائی نے در مختار اور ازہری وطحطاوی وشامی ان قریب العہد متاخرین علمانے اس میں ان کا اتباع کیا۔

بل وقع المیل الی نحوہ للعلامۃ الشرنبلالی فی شرح الوھبانیۃ اذقال تحت البیت المذکور اشتمل البیت علی شرائط التیمّم وھی ست السادسۃ الصعید الطھور وھوالذی لم تصبہ نجاسۃ والارض اذااصابتھا نجاسۃ وذھب اثرھا لم یجزالتیمم منھا ارجح الاقوال وتصح الصّلاۃ[1] علیھا۔	بلکہ ایسے ہی معنی کی طرف شرح وہبانیہ میں علامہ شرنبلالی کا بھی میلان ہوگیاہے۔انہوں نے مذکورہ شعر کے تحت فرمایا ہے: "یہ شعر تیمّم کی شرطوں پر مشتمل ہے اور یہ چھ ہیں۔ چھٹی شرط صعید طہور،اور یہ وہ ہے جسے کوئی نجاست نہ لگی ہو،زمین پر جب کوئی نجاست لگ جائے اور اس کا اثر جاتا رہے توراجح ترین قول میں اس سے تیمّم جائز نہیں اور نماز اس پر درست ہے۔(ت)

پھر ان حضرات نے بھی اس کی وجہ یہ نہ بتائی کہ تراب مستعمل سے احتراز ہے بلکہ اس زمین سے احتراز جسے نجاست پہنچی اور خشک ہو کر بے اثر ہوگئی **وقد تقدمت عبارۃ البحر والدر والباقون انما تبعوھا** (البحر الرائق اور در مختار کی عبارتیں گزر چکیں باقی حضرات نے انہی کی پیروی کی ہے۔ت) محققین نے یہ احتراز خود نفس لفظ **طاھر** سے ثابت فرمایا امام ملک العلماء کا کلام اور اس کی تحقیق تام اور یہ کہ یہی عامہ شراح ہدایہ کا مسلک عام اور یہی باقرار صاحب بحر جمہور اکابر کا مفاد کلام اور بحر کی اس میں بحث ناتمام اور اس کے جوابات موضع مرام یہ سب کچھ عـہ۲ اوپر گزرے ایضاح الاصلاح میں ہے:

عـہ۱ یعنی کتاب حسن التعمم ۱۲۔

عـہ۲ یعنی صدر کتاب حسن التعمم میں ۱۲۔

[1] شرح الوہبانیۃ للعلامۃ الشرنبلالی۔

لایجوزعلی مکان فیه نجاسةوقد زال اثرھامع انه تجوزالصلاۃ فیه لانه لایخلو من اجزاء النجاسة وھی وان قلت تنافی وصف الطیب[1]۔	ایسی جگہ تیمّم جائز نہیں جس میں نجاست رہی ہواور اس کااثرزائل ہوگیاہو باوجودیکہ اس میں نماز جائز ہے۔اس لیے کہ وہ جگہ نجاست کے اجزا سے خالی نہ ہوگی اور نجاست اگرچہ کم ہومگر طیّب وپاکی کے منافی ہے۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

المرادبالطاھرالکامل لتخرج ارض اصابتھا نجاسة[2]۔	طاہر سے مراد طاہر کامل ہے تاکہ وہ زمین خارج ہوجائے جسے نجاست لگی ہو۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

(بطاھر) طیب وھوالذی لم تمسه نجاسة ولوزالت بذھاب اثرھا[3]۔	پاک وپاکیزہ سے اور یہ وہ ہے جس پر کوئی نجاست نہ لگی ہو اگرچہ ایسی نجاست جواثر کے ختم ہونے سے زائل ہوگئی ہو۔(ت)

تنبیہ جلیل: اقول: وباللہ التوفیق(میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) یہ دلائل ظاہرہ باہرہ کہ ہم نے تقریر کئے انہیں کے ضمن میں وہ شبہات حل ہوگئے کہ دو مسئلوں کی تقریر دلیل میں کلمات معللین سے گزرتے۔

پہلامسئلہ: تیمّم کی ترکیب احسن کہ یوں یوں کرے تاکہ حتی الامکان استعمال مستعمل سے بچے جس کابیان دلیل اوّل میں گزراکہ یہ تراب حکمی کاذکر ہے وہ بیشک مستعمل ہوتی ہے۔علامہ شامی نے منحۃ الخالق میں اس کی دوسری تاویل چاہی کہ استعمال سے مراد استعمال صوری ہے۔

ولم یستقم له لانھم ذکروا بعدہ مایعیّن الاستعمال الحقیقی قال فی البحر بعد ذکر صفة التیمّم ھو الاحوط لان فیه احترازا عن استعمال المستعمل بالقدر	یہ تاویل راست نہ آئی اس لیے کہ ان حضرات نے اس کے بعد وہ ذکر کیاہے جس سے استعمال حقیقی کی تعیین ہوجاتی ہے۔بحر میں تیمّم کاطریقہ بتانے کے بعد لکھاہے:"وہی احوط ہے اس لیے

[1] ایضاح الاصلاح

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

[3] مراقی الفلاح باب التیمم مطبع الازہریۃ المصریہ مصر ص ۶۸

الممکن فان التراب الذی علی یدہ یصیر مستعملا بالمسح حتی لوضرب یدیه مرة ومسح بھما وجھه وذراعیه لایجوز[1]اھ ومثله فی الحلیة ومجمع الانھر وغیرھما وھوبرمته ماخوذ من البدائع۔	کہ اس میں بقدر ممکن مستعمل کے استعمال سے احتراز ہے اس لیے کہ ہاتھ پر جو مٹّی ہے وہ مسح سے مستعمل ہوجاتی ہے یہاں تک کہ اگر اپنے دونوں ہاتھ ایک بار مار کران سے چہرے اور کلائیوں کا مسح کرلیا تو جائز نہیں" اھ۔اسی کے مثل حلیہ اور مجمع الانہر وغیرہما میں ہے اور یہ پورا کلام بدائع سے ماخوذ ہے۔(ت)
قال فی المنحة قوله یصیر مستعملا بالمسح فیه نظر لانه ان استعمل باول الوضع یلزم ان لایجزئ فی باقی العضو والایستعمل باول الوضع کالماء لایلزم ما ذکرہ وھوکذلك یؤیدہ ماقاله العارف فی شرح ھدیة ابن العماد عن جامع الفتاوی وقیل یمسح بجمیع الکف و الاصابع لان التراب لایصیر مستعملا فی محله کالماءاھ ولذا عبر بعضھم فی ھذہ الکیفیة بقوله والاحسن اشارة^{عـه} الی تجویز خلافه[2]اھ۔	منحۃ الخالق میں ہے ان کا کلام "مسح سے مستعمل ہوجاتی ہے" محل نظر ہے اس لیے کہ اگر پہلی بار رکھنے ہی سے مستعمل ہوتولازم آئے گا کہ باقی عضو میں کافی نہ ہو اور اگر اول وضع سے مستعمل نہ ہو جیسے پانی تو وہ لازم نہ آئے گا جو انہوں نے ذکر کیا۔اور یہ ایسا ہی ہے۔اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو صاحب معرفت نے ہدیہ ابن العماد کی شرح میں جامع الفتاوٰی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہا گیا پوری ہتھیلی اور انگلیوں سے مسح کرے گا اس لیے کہ مٹّی اپنے محل میں مستعمل نہیں ہوتی جیسے پانی اھ۔اسی لیے بعض حضرات نے اس طریقہ کو "احسن وبہتر" سے تعبیر کیا ہے تاکہ اس کے خلاف کے جواز کی طرف اشارہ ہو اھ۔(ت)

عـه **اقول:** تجویز (۱) الخلاف مصرح به فی الذخیرة والبزازیة والحلیة والغنیة وغیرھا فلاحاجة الی التمسك فیه باشارة ۱۲ منه غفرله (م)	**اقول:** صورت خلاف کے جواز کی ذخیرہ، بزازیہ، حلیہ، غنیّہ وغیرہا میں صراحت موجود ہے تو اس بارہ میں اشارہ سے تمسّک کی کوئی ضرورت نہیں۔۱۲منہ (ت)۔

---
[1] البحرالرائق، باب التیمم، مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۶/۱
[2] منحۃ الخالق مع البحر مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۶/۱

اقول: ھذا بحمداللہ تعالٰی ماقد جنحنا الیہ* وقدمنا تحقیقہ بمالامزید علیہ* وان الاحتراز الذی ارادہ الصدور* غیر میسور ولا مقدور* بل (۱) احسنیتہ ایضا لامحل لھا لانہ ان صار مستعملا لم یجز والافالتکلف لایحسن لکونہ اشتغالا بمالایجدی۔ قال الاّ ان یقال المراد انہ یصیر مستعملا صورۃ لاحقیقۃ[1] اھ۔

اقول: یہ بحمداللہ تعالٰی وہی ہے جس طرف ہم مائل ہوئے اور جس کی تحقیق ہم نے پہلے اس حد تک کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں اور ہم نے یہ بھی بتایا کہ یہ حضرات اعلام جو احتراز چاہتے ہیں وہ میسر نہیں اور مقدور بھی نہیں بلکہ اس طریقہ کے احسن ہونے کا بھی کوئی موقع نہیں اس لیے کہ وہ مٹی اگر مستعمل ہوگی تو آگے کفایت ہی نہ کرے گی اور مستعمل نہ ہوئی تو تکلّف کوئی اچھی چیز نہیں کہ یہ بے فائدہ امر میں مشغولی ہے۔علامہ شامی نے فرمایا: مگر یہ کہا جائے کہ مراد یہ ہے کہ وہ صورۃً مستعمل ہے حقیقۃً نہیں اھ۔(ت)

اقول: (۲) بل ھو مستعمل صورۃ وحقیقۃ الاتری الی تعریف التیمّم فی البدائع وکثیر من الکتب انہ استعمال الصعید فی عضوین مخصوصین وفی التبیین والجوھرۃ استعمال جزء من الارض وفی التنویر استعمالہ بصفۃ مخصوصۃ وفی الایضاح طھارۃ حاصلۃ باستعمال الصعید وقد قال العلامۃ ش الاستعمال ھو المسح المخصوص کما تقدم کل ذلک فی التعریفات فلاشك ان التراب یستعمل فی العضوین کالماء فی الاعضاء انما الکلام فی انہ ھل یسلب بذلك وصف الطھوریۃ ام لاالم تسمع الی قول الدرایۃ والبنایۃ یجوز التیمّم بالتراب المستعمل[2] عندنا فقد

اقول: بلکہ وہ صورۃً بھی مستعمل ہے حقیقۃً بھی۔ بدائع اور دوسری بہت سی کتابوں میں تیمّم کی تعریف پر نظر کیجئے "وہ دو مخصوص عضوؤں میں استعمال صعید کا نام ہے"۔ تبیین اور جوہرہ میں ہے: زمین کے کسی جز کا استعمال۔۔۔ تنویر میں ہے: اس کا ایک مخصوص طور پر استعمال۔۔۔ ایضاح میں ہے: وہ طہارت جو صعید کے استعمال سے حاصل ہو۔۔۔ خود علامہ شامی فرما چکے ہیں: "استعمال یہی مسح مخصوص ہے"۔ جیسا کہ یہ ساری باتیں تعریفات میں گزر چکی ہیں۔ تو اس میں شک نہیں کہ دونوں عضوؤں میں مٹی استعمال ہوتی ہے جیسے پانی اعضاء میں استعمال ہوتا ہے۔۔۔۔ کلام صرف اس میں ہے کہ کیا اس استعمال سے طہوریت کی صفت سلب ہوتی ہے یا نہیں؟۔۔۔ درایہ و بنایہ کے الفاظ سن چکے کہ "ہمارے نزدیک مستعمل مٹی سے تیمّم جائز ہے"۔

[1] منحۃ الخالق مع البحر باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۶

[2] البنایۃ شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۴

سمیاہ مستعملا وابقیاہ طھورا نعم یراد فی الماء بالمستعمل المسلوب الطھوریة کنایة لانه حکمه فان اریدھا ھذا کان الحاصل ان ھذا التراب یصیر مسلوب الطھوریة صورۃ لاحقیقة وھذ الایکاد یرجع الی طائل۔	انہوں نے مستعمل بھی کہا اور اسے طہور بھی باقی رکھا۔ ہاں پانی میں مستعمل سے کنایۃً وہ مراد ہوتا ہے جس کی طہوریت سلب ہوچکی ہو اس لیے کہ مستعمل پانی کا یہی حکم ہے۔۔۔۔۔ اگر یہ مراد ہو تو حاصل یہ ہوگا کہ یہ مٹّی صورۃً مسلوب الطھوریۃ ہوتی ہے حقیقۃً نہیں۔ اور اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ (ت)
قال ولکن الفرق ظاھر بین ھذا وبین قوله حتی لوضرب یدیه مرة الخ تأمل [1] اھ۔ **اقول:** (۱) رحمکم الله ورحمنابکم انماعرض لکم ھذالعدم الفرق بین الترابین الحقیقی والحکمی الحکمی یصیر مسلوب الطھوریة حقیقة وھوالمرادھھنا قطعا فلا تاویل ولاخلف غیرانه لایجدیھم لانه مادام فی عضوواحد لایصیر مستعملا بالاجماع* والاوجب لکل عضو ضربات وھومنتف بلانزاع* بل(۲) علی کراھته اجماع* وبالجملة لم اعلم لھذا الاحتیاط* وجھًایحصل به للقلب نشاط*	علامہ شامی فرماتے ہیں: "لیکن فرق ظاہر ہے اس میں اور ان کے اس قول میں کہ "یہاں تک کہ اگر اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک بار مارا اور ان سے چہرے اور کلائیوں کا مسح کرلیا تو جائز نہیں"۔ تأمل کرو اھ (ت) اقول: اللہ آپ پر رحمت فرمائے اور آپ کی برکت سے ہم پر بھی رحمت فرمائے۔ یہ سب تراب حقیقی وتراب حکمی کے درمیان فرق نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو درپیش ہوا۔ تراب حکمی سے طہوریت حقیقۃً سلب ہوجاتی ہے اور وہی یہاں قطعًا مراد ہے تو نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے نہ کوئی خلف لازم آرہا ہے۔ علاوہ اس کے کہ یہ ان کے لیے سُودمند نہیں کیونکہ مٹّی جب تک ایک عضو میں رہے بالاجماع مستعمل نہیں ہوتی ورنہ ہر عضو کے لیے متعدد ضربیں واجب ہوں اور بلااختلاف ایسا ہرگز نہیں بلکہ اس کی کراہت پر اجماع ہے۔ بالجملہ میرے علم میں اس احتیاط کی کوئی ایسی وجہ نہیں جس سے قلب کو نشاط حاصل ہو۔ (ت)
فانقلت یلزمھم مثل ذلك فی مااستحسنوا فی صفة مسح الرأس والاذنین	**اگر یہ اعتراض ہو** کہ اسی طرح کا کلام اس پر بھی لازم آئے گا جو سر، دونوں کان، اور

[1] منحۃ الخالق مع البحر باب التیمم، مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۴۶

والرقبة کما ذکرہ فی الخلاصة والعنایة والمنیة وفی الحلیة عن الزاهدی عن البحر المحیط وفی النهر وغیرها من الاسفار الغروقال فی الحلیة توارد ها غیرواحد من المتاخرین من غیرتعقب[1] اھ وهذا لفظ الخلاصة استیعاب(۱)الرأس سنة وکیفیته ان یبل کفیه واصابع یدیه ویضع بطون ثلثة اصابع من کل کف علی مقدم الرأس ویعزل السبابتین والابهامین ویجافی الکفین ویجرهما الی مؤخر الرأس ثم یمسح الفودین بالکفین ویمسح ظاهر الاذنین بباطن الابهامین وباطن الاذنین بباطن السبابتین حتی یصیرماسحًا ببلل لم یصر مستعملا[2] اھ زادالتاتایان والنهر ویمسح رقبته بظاهر الیدین وزاد غیرالخلاصة والمنیة هکذا روت عائشة رضی الله تعالٰی عنها مسح رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم[3] اھ قال فی الحلیة الله تعالٰی اعلم به نعم ماشتملت علیه الکیفیة المذکورة من انه یمسح ظاهراذنیه بباطن ابهامیه وباطن اذنیه بباطن مسبحتیه هو السنة فی مسحهما کما تقدم

گردن پر مسح کے طریقہ میں علمانے عمدہ قرار دیا ہے جیسا کہ اسے خلاصہ، عنایہ منیہ میں اور حلیہ میں زاہدی سے وہ بحر محیط سے اور نہر وغیرہا کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ اور حلیہ میں لکھا ہے اس طریقہ پر متاخرین میں سے متعدد حضرات کا بغیر کسی تنقید کے توارد ہوا ہےاھ۔ خلاصہ کے الفاظ یہ ہیں: "سر کا استیعاب سنّت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ہتھیلیاں اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تر کرے اور ہر ہتھیلی کی تین انگلیوں کا پیٹ، سر کے اگلے حصہ پر رکھے اور شہادت کی انگلیوں اور انگوٹھوں کو الگ کیے رہے اور ہتھیلیوں کو بھی جدا رکھے اور انگلیوں کو سر کے پچھلے حصہ تک کھینچ لائے پھر دونوں کروٹوں کا ہتھیلیوں سے مسح کرے اور کانوں کے اوپری حصہ کا انگوٹھوں کے پیٹ سے اور کانوں کے اندرونی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے پیٹ سے مسح کرے تاکہ اس کا مسح ایسی تری سے ہو جو مستعمل نہ ہوئی"۔۔۔۔۔۔ اس پر عنایہ، منیہ اور نہر نے یہ اضافہ کیا: "اور گردن کا ہاتھوں کے اوپری حصہ سے مسح کرے"۔ خلاصہ ومنیہ کے علاوہ نے یہ بھی لکھا: "اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسح بیان کیا"اھ۔۔۔۔۔۔ حلیہ میں فرمایا: اللہ تعالٰی اسے خوب جاننے والا ہے۔ ہاں مذکورہ طریقہ جس امر پر مشتمل ہے یعنی یہ کہ اپنے کانوں کے اوپری حصہ کا انگوٹھوں

[1] حلیہ

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع فی المسح مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

[3] العنایۃ مع فتح القدیر سنن الوضو مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۹

فی حدیث عمرو بن شعیب واخرجه ابن ماجة ایضاً بسند صحیح عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بمعناه[1] اھ۔

اقول: کلا فان ثمه بلة تنفد بالمد فارادوا استحفاظها کیلا یحتاج الی ماء جدید قال(۱) فی الفتح اما ماروی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اخذ لاذنیه ماء جدیدا فیجب حمله علی انه لفناء البلة قبل الاستیعاب واذا انعدمت البلة لم یکن بد من الاخذ کما لو انعدمت فی بعض عضو واحد[2] اھ اما ههنا فلیس الا وصف حکمی اکسبته الضربة الید لتطهیر عضو واحد فلا یزول مادامت الید علی احد الاعضاء الثلثة اعنی الوجه والذراعین ثم رأیت العلامة سعدی افندی قال علی قول العنایة حتی یصیر ماسحا ببلل لم یصر مستعملا مانصه اقول حقیقة وان لم یصر مستعملا حکما فی عضو واحد فلا یخالف ماسیأتی بعد اسطر[3] اھ

کے پیٹ سے اور کانوں کے اندرونی حصہ کا شہادت کی انگلیوں کے پیٹ سے مسح کرے یہی ان دونوں کے مسح میں مسنون ہے جیسا کہ عمرو بن شعیب کی حدیث میں گزرا اور ابن ماجہ نے بھی بسند صحیح اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی کے معنی میں روایت کیا اھ۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) ہر گز نہیں۔ وہاں کچھ تری ہے جو پھیلانے سے ختم ہو جاتی ہے تو وہاں مقصد یہ ہے کہ وہ تری محفوظ رہے تاکہ نئے پانی کی ضرورت نہ ہو۔ فتح القدیر میں ہے: "یہ جو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کانوں کے لئے نیا پانی لیا تو اسے اس پر محمول کرنا ضروری ہے کہ استیعاب سے پہلے تری ختم ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ جب تری ختم ہو جائے تو نیا پانی لینا ضروری ہے جیسے ایک ہی عضو کے کسی حصے میں تری ختم ہو جائے تو یہی حکم ہے" اھ لیکن یہاں تو صرف ایک حکمی وصف ہے جو ایک عضو کی تطہیر کے لیے ضرب نے ہاتھ کو عطا کیا تو جب تک ہاتھ تینوں اعضا۔۔۔ چہرے اور کلائیوں میں سے کسی ایک پر رہے گا یہ وصف بھی رہے گا۔ پھر عنایہ کی عبارت (یہاں تک کہ اس کا مسح ایسی تری سے ہو جو مستعمل نہ ہوئی) پر علامہ سعدی افندی کی یہ تحریر میں نے دیکھی: میں کہتا ہوں جو مستعمل نہ ہوئی یعنی حقیقۃً استعمال نہ آئی

---

[1] حلیہ

[2] فتح القدیر سنن الوضوء مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵

[3] حاشیہ چلپی مع فتح القدیر مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۹

ای [عه] ممایفید عدم استعمال الماء فی عضو واحد۔	اگرچہ ایک عضو میں حکماً مستعمل نہ ہو تو یہ اس کے برخلاف نہیں جو چند سطر بعد آرہا ہے" اھ۔ یعنی وہ جس سے ایک عضو میں پانی کے مستعمل نہ ہونے کا افادہ ہوتا ہے۔ (ت)
اقول: هذا عین مافهمته ولله الحمد وقد انقطع به نزاع طال فرده الامام العلامة الزیلعی و وافقه المحقق علی الاطلاق وتبعهما ابن امیرالحاج بانه لایفید لانه لابد من الواضع والمدفان کان مستعملا بالوضع الاول فکذا بالثانی فلایفید تاخیره[1] اھ بل قال الامام فقیه النفس الاستیعاب فی مسح الرأس سنة وصورة(ا) ذلك ان یضع اصابع	**اقول:** بعینہٖ یہی میں نے بھی سمجھا۔ وللہ الحمد۔ اس سے ایک طویل نزاع کا خاتمہ ہوگیا جسے امام علامہ زیلعی نے رَد کیا اور محقق علی الاطلاق نے ان کی موافقت کی اور ابن امیر الحاج نے ان دونوں حضرات کی پیروی فرمائی کہ اس طریقہ سے کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ رکھنا اور پھیلانا ضروری ہے تو اگر پہلی بار رکھنے سے ہی تری مستعمل ہوگئی تو دوسری بار سے بھی ایسا ہی ہوگا پھر اسے مؤخر کرنا بے فائدہ ہے اھ۔ بلکہ امام فقیہ النفس نے فرمایا: "سر کے مسح میں استیعاب سنّت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں

عـه وهوقول العنایة روی الحسن فی المجرد عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه اذامسح ثلثا بماء واحد کان مسنونا فان قیل قد صار البلل مستعملا بالمرة الاولی فکیف یسن امراره ثانیا وثالثا اجیب بانه یأخذ حکم الاستعمال لاقامة فرض اٰخر لا لاقامة السنة لانها تبع للفرض الاتری ان الاستیعاب یسن بماء واحد[2] اھ ۱۲ منه غفرله(م)	عنایہ کی عبارت یہ ہے: حسن نے مجرد میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے، کہ جب ایک ہی پانی سے تین بار مسح کرے تو مسنون ہی ہوگا اگر اعتراض ہو کہ تری تو پہلی بار میں مستعمل ہوگئی پھر دوسری تیسری بار اسے گزارنا کیسے مسنون ہوگا، تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کوئی دوسرا فرض ادا کرنے کے لیے وہ مستعمل کا حکم رکھتی ہے سنت کی ادائیگی کے لیے نہیں۔ دیکھئے کہ استیعاب ایک ہی پانی سے مسنون ہے اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] غنیۃ المستملی کتاب الطہارت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۴
[2] العنایۃ مع فتح القدیر سنن الوضوء مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰

یدیه علی مقدم رأسه وکفیه علی فودیه ویمدھما الی قفاہ فیجوز واشاربعضھم الی طریق اٰخر احترازا عن استعمال الماء المستعمل الا ان ذلك لایمکن الا بکلفة ومشقة فیجوز الاول ولایصیر الماء مستعملا ضرورة اقامة السنة[1] اھ فان(ا) کل ذلك مبناہ علی اخذ الاستعمال بمعنی الحکمی وانما المراد الحقیقی ای لیصیر ماسحابلل طری لم یذھب بالمسح ولم یستقله الاستعمال* والعلم بالحق عند ذی الجلال*	ہاتھوں کی انگلیاں سر کے اگلے حصّہ پر، اور دونوں ہتھیلیاں کروٹوں پر رکھے اور دونوں کو گدّی تک کھینچ لے جائے تو جائز ہے اور بعض حضرات نے ایک اور طریقہ کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ مستعمل پانی کے استعمال سے بچاؤ ہو مگر وہ زحمت ومشقت کے بغیر ممکن نہیں تو پہلا طریقہ بھی جائز ہے اور ادائے سنّت کی ضرورت کے باعث پانی مستعمل نہ ہوگا" اھ۔ اس لیے کہ ان سب کی بنیاد اس پر ہے کہ استعمال کو حکمی کے معنی میں لے لیا ہے حالانکہ مراد حقیقی ہے۔ یعنی اس کا مسح ایسی تازہ تری سے ہو جو مسح سے نہ ختم ہوئی نہ استعمال سے کم ہوئی۔ اور حق کا علم رب ذوالجلال کے یہاں ہے۔ (ت)

دوسرا مسئلہ: کہ ایک ہی جگہ پر دونوں ضربیں ہونا یا ایک جگہ سے ایک شخص کا چند بار خواہ یکے بعد دیگرے ایک جماعت کا تیمّم کرنا سب روا ہے اس کی تعلیل میں فرمایا کہ یہ مٹّی تو ایسی ہے جیسے ایک [2] شخص کے وضو کے بعد لوٹے میں بچا ہوا پانی کہ دوبارہ خواہ دوسرے کو اس سے وضو جائز ہے استعمال تو اس کا ہوا جو ہاتھ میں آئی۔ یہ تقریر علامہ برجندی وفاضل عبدالحلیم رومی نے بطور تنزل ذکر فرمائی کہ مٹّی مستعمل نہیں ہوتی اور بالفرض ہو بھی تو وہ ہوگی جو اعضا کو لگ کر جھڑی نہ یہ جس پر ضرب کی، شرح نقایہ میں ہے:

(علی کل طاھر) متعلق بضربتین لایقال فح یدل الکلام علی ان الضربتین تکونان علی موضع واحد مع ان التراب یصیر مستعملا بالضربة الاولی لانانقول لوسلم ذلك فالتراب المستعمل ھوالذی ینتثر من الوجه والیدین لاالذی وضع	(ہر پاک پر) اس کا تعلق "ضربتین" سے ہے۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ تب تو کلام اس پر دال ہوگا کہ دونوں ضربیں ایک ہی جگہ ہوں باوجودیکہ پہلی ضرب سے مٹّی مستعمل ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر اسے تسلیم بھی کرلیا جائے تو مستعمل مٹّی وہ ہوگی جو چہرے اور ہاتھوں سے جھڑے۔

[1] فتاوٰی قاضیخان باب الوضوء والغسل مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷

الید علیہ صرح بہ صاحب الخلاصۃ[1]۔	وہ نہیں جس پر ہاتھ رکھا گیا۔ صاحبِ خلاصہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے"۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح حاشیہ درر میں ہے:

ولفظہ فی الجواب قلت کون التراب مستعملا غیر مسلم ولئن سلم فالتراب المستعمل[2] الخ۔	جواب میں ان کے الفاظ یہ ہیں: میں کہوں گا۔ مٹّی کا مستعمل ہونا تسلیم نہیں۔اور اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو مستعمل مٹّی الخ۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ کچھ محلِ اشتباہ نہیں ہاں خلاصہ و محیط و بدائع کی عبارتیں کہ فتح و بحر سے دلیل دوم میں گزریں بلااظہار تنزل ہیں۔
(۱) خلاصہ ہی کی عبارت جامع الرموز میں لی اور بجائے ضرب شخص دیگر ضرب دیگر سے تصویر کی کہ:

لوضرب علی طاھر للوجہ ثم علیہ للید اجزأہ لان المستعمل ھو التراب المستعمل فی الوجہ والید کما فی الخلاصۃ[3]۔	اگر کسی طاہر پر چہرے کے لیے پھر اسی پر ہاتھ کے لیے ضرب لگائی تو کافی ہے اس لیے کہ مستعمل وہ مٹّی ہے جو چہرے اور ہاتھ میں استعمال ہوئی۔ جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

اسی کے مثل بزازیہ و مراقی الفلاح میں ہے اول نے فرمایا:

التیمّم بموضع تیمّم بہ اٰخر یجوز لانہ لم یرفع مستعمل الاول[4]۔	ایسی جگہ سے تیمّم جائز ہے جہاں سے کوئی اور تیمّم کرچکا ہو اس لیے کہ اس نے پہلے کی استعمال کی ہوئی مٹّی نہ اٹھائی۔(ت)

اور ثانی نے:

لعدم صیرورتہ مستعملا لان التیمّم بما فی الید[5]۔	اس لیے کہ وہ مستعمل نہ ہوئی اس لیے کہ تیمّم اس سے ہوا جو ہاتھ میں لگی۔(ت)

---

1 شرح النقایۃ للبرجندی، فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷
2 الدرر علی الغرر باب التیمم مطبع درسعادۃ مصر ص۲۶
3 جامع الرموز باب التیمم مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۶۹
4 فتاوٰی بزازیہ مع الہندیہ الخامس فی التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷
5 مراقی الفلاح ، باب التیمم ، مطبعہ الازہریۃ المصریہ مصر ص۶۹

(۲) اور محیط و بحر کے مثل شامی میں نہر سے ہے کہ :

لم یصر مستعملا اذ التیمم انما یتأدی بما التزق بیدہ لا بما[1] فضل عـــہ۔	مستعمل نہ ہوئی اس لیے کہ تیمّم اس سے ادا ہوتا ہے جو ہاتھ میں لگی ہوئی ہو، اس سے نہیں جو بچی ہوئی ہے۔ (ت)

(۳) اور بدائع کے مثل حلیہ اور اسی طرح شلبیہ میں ولوالجیہ سے ہے کہ :

التراب المستعمل ماالتزق بید المتیمّم الاول لامابقی علی الارض[2]۔	مستعمل مٹی وہ ہے جو پہلے تیمّم کرنے والے کے ہاتھ میں لگی ہو وہ نہیں جو زمین پر بچ رہی۔ (ت)

اخیر کے لفظ میں :

جازلان التراب لایصیر مستعملا لان المستعمل ماالتزق بیدیہ وھو کفضل	جائز ہے اس لیے کہ مٹّی مستعمل نہیں ہوئی کیونکہ مستعمل تو وہ ہے جو ہاتھوں میں لگی ہو اور یہ اس

عـــہ تمامہ فیہ واذاکان علی حجر املس فیجوز بالاولی[3] اھ وکتبت علیہ **اقول**: انما(۱) یزید الاملس بان لیس فیہ مایلتزق بالید ولایوجب ذلك اولویتہ بالجواز فان المضروب علیہ الید اذن سواء فی الحکم ارضاکان اوحجرا وانفصال شیئ منہا لامنہ لایوجب تفاوتہما فی ھذا وان تفاوتا فی ان شیئا من اجزائہا مستعمل وھوالملتزق بالید لامن اجزائہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)	اس میں پوری عبارت یہ ہے : اور جب چکنے پتھر پر ہو تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے اھ اس پر میں نے یہ لکھا **اقول**: چِکنے پتھر میں یہ بات بڑھی ہوئی ہے، کہ اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو ہاتھ میں چپکے۔ یہ بات اس کے بدرجہ اولیٰ جواز کی موجِب نہیں۔ اس لیے کہ جس پر ہاتھ مارا جائے اس وقت دونوں ہی کا حکم یکساں ہے زمین ہو یا پتھر۔ زمین سے کچھ جدا ہونا اور پتھر سے کچھ جدا نہ ہونا اس حکم میں ان دونوں کا تفاوت لازم نہیں آتا اگرچہ دونوں کا اس امر میں تفاوت ہے کہ زمین کے اجزا سے کچھ استعمال میں آتا ہے اور یہ وہ ہے جو ہاتھ سے چپک گیا اور پتھر کے اجزا سے کچھ استعمال میں نہیں آتا۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۵

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۷۵

[3] حلیہ

مافی الاناء[1]۔	پانی کی طرح ہے جو برتن میں بچ رہا۔(ت)

(۴) علامہ ابراہیم حلبی نے دیکھا کہ مٹّی کا ہاتھوں میں لگنا یا چہرہ ودست پر مسح کیا جانا موجبِ استعمال نہیں ہوسکتا جیسے پانی کہ جب تک بعد استعمال عضو سے انفصال نہ ہو مستعمل نہ ہوگا لہذا قید انفصال زائد کی کہ:

جاز لانہ لم یصر مستعملا انما المستعمل ما ینفصل عن العضو بعد المسح قیاسا علی الماء[2]۔	جائز ہے اس لیے کہ مٹّی مستعمل نہ ہوئی۔ مستعمل تو وہ ہے جو مسح کے بعد عضو سے جدا ہو، یہ پانی پر قیاس کرتے ہوئے ہے۔(ت)

شامی میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا۔

اقول: یہی ہے وہ جسے فاضلین برجندی ورومی نے تنزل میں لیا اور یہی ہے وہ جسے امام قوام الدین کاکی وامام بدرالدین عینی نے صراحۃً فرمایا کہ مذہب حنفی میں اس سے تیمّم جائز ہے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلاف ہے بالجملہ ان عبارات کا تنوّع یوں آیا:

والتأمل لایخفی علیہ الفرق اذاامعن النظر ان شاء اللہ تعالٰی۔	اور تامل کرنے والا نگاہِ غور کرے تو اس پر فرق مخفی نہ رہے گا اگر اللہ نے چاہا۔(ت)

رہا کشفِ شبہہ وہ بحمد اللہ تعالٰی امام محقق علی الاطلاق وخاتمۃ المحققین علّامہ زین بن نجیم رحمہما اللہ تعالٰی نے بروجہ احسن فرمادیا انہی عبارات کو نقل کرکے اوّلاً فرمایا ان سے سمجھا جاتا ہے کہ مٹّی کا مستعمل ہونا بھی ایک صورت رکھتا ہے جس سے روشن کہ اس کا مستعمل ہونا غایت خفا میں ہے پھر اس صورت کی تعیین فرمائی کہ جس ضرب سے ایک عضو پر مسح کیا اس سے دوسرے پر نہیں کرسکتا اور صاف فرمادیا لاغیر۔ لیس غیر (نہ کہ دوسری ضرب سے۔ت) بس صرف یہی ایک صورت ہے اور اصلاً کوئی شکل نہیں جس میں مٹّی پر حکم استعمال طاری ہو یہ بداہۃً اسی تراب حکمی کا حکم ہے کہ حقیقی یہاں قطعاً ساقط النظر بلکہ مسنون الازالہ ہے توثابت ہوا کہ مستعمل فی الوجہ والید (چہرہ وہاتھ میں استعمال شدہ مٹّی۔ت) یا مستعمل الاول (پہلے کی استعمال شدہ مٹّی۔ت) یا مافی الید (ہاتھ میں استعمال شدہ۔ت) درکنار کہ تراب حکمی کے صاف محتمل ہیں ماالتزق بیدہ (جو اس کے ہاتھ سے چپک جائے۔ت) سے بھی یہی مراد ہے یعنی وہ وصفِ تطہیر کہ کفین نے مساس ارض بالنیۃ سے حاصل کیا۔

اقول اوّلاً: یہ خود عبارت محیط وبحر ونہر وغیرہم سے روشن کہ انہوں نے حصر فرمایا کہ تیمّم اسی سے

---

[1] حاشیۃ شلبیۃ علی التبیین باب التیمم المطبعۃ الامیریۃ بولاق مصر ۱/۳۹

[2] ردالمحتار، باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

ادا ہوتا ہے جو ہاتھ میں لگے یہ حصر صحیح نہیں ہوسکتا مگر تراب حکمی میں کہ حقیقی کا ہاتھ میں لگا ہونا قطعاً ضرور نہیں خصوصاً نہر کا اس کے بعد فرمانا کہ چکنے پتھر پر ہو تو بالاولٰی جائز صراحۃً تناقض ہوجائے گا کہ وہاں حقیقی کا کون سا ذرّہ ہاتھ میں لگے گا۔

ثانیًا: ایک صاف بات ہے مستعمل نہ ہوگا مگر مطہر کہ جب یہ دوسرے سے رفع نجاست حکمیہ کرتا ہے وہ اس سے منتقل ہو کر اس میں آجاتی ہے لہٰذا دوبارہ تطہیر کے قابل نہیں رہتا اور جو مطہر ہے وقتِ تطہیر اس کا وجود لازم کہ مطہر مفید طہارت ہے نہ کہ مُعِد اور تیمم معہود میں وقت مسح وجہ وذراعین تراب حقیقی کا وجود لازم نہیں، تو ثابت ہوا کہ تیمّم معہود میں تراب حقیقی مطہر نہیں اور جب مطہر نہیں تو مستعمل بھی نہیں ہوسکتی **وھو المطلوب** (اور یہی مطلوب ہے۔ت) اگر کہئے تیمّم غیر معہود میں تو تراب حقیقی ہی مطہر ہے، چاہئے وہاں مستعمل ہوجائے۔

اقول: ہم نے یہ کہا تھا کہ ہر مستعمل ہوجانے والے کا مطہر ہونا ضرور نہ یہ کہ ہر مطہر کا مستعمل ہونا لازم یہ **کلماتِ علما** جن سے شبہ گزرتا ہے تیمّم معہود ہی میں تھے اس میں ہم نے مبرہن کردیا کہ تراب حقیقی ہرگز مراد نہیں بالجملہ ان کلمات کا۔

اولاً: نفیس و صحیح وصریح و رجیح محمل تو یہی ہے کہ مراد تراب حکمی ہے۔

ثانیا: ممکن کہ کلام تنزل پر مبنی ہو جس طرح فاضلین برجندی و رومی نے واضح کیا۔

ثالثًا: ممکن کہ استعمال سے مراد استعمال حقیقی ہو جیسا علامہ سعدی افندی نے عبارات اولٰی میں افادہ فرمایا یعنی ضرب سے جنس ارض مستعمل نہ ہونے پر استدلال مقصود ہے وہ نفی لازم سے ادا فرمایا گیا کہ استعمال حکمی کو استعمال حقیقی لازم تو فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر مستعمل ہو حالانکہ حقیقۃً مستعمل نہیں حقیقۃً استعمال تو اسی مٹّی کا ہے جو ہاتھوں میں لگی۔

رابعًا: کم از کم یہ عبارات موردِ احتمالات ہیں اور وہ نصوص کہ ہم نے ذکر کیے، صریح تو انہیں پر تعویل لازم۔

خامسًا: یہ دلیل' کی تقریر میں ہیں جو مذہب منقول نہیں اور وہ نصوص خاص مسائل کے احکام ہیں خصوصًا وہ بھی اس طرح کہ مذہب حنفی میں مٹّی حکم استعمال نہیں پاتی اس میں خلاف امام شافعی کو ہے تو بحمدہٖ تعالٰی آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ جنس ارض تیمّم سے اصلاً مستعمل نہیں ہوتی نہ وہ جس پر ضرب کی نہ وہ کہ اعضا پر مسح کی گئی۔

ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ سبحٰنہ ولی التوفیق وبہ ظھران الصواب مع العلامۃ ط فی نفی الاستعمال عن التراب علی الاطلاق والرد(۲) علیہ من العلامۃ ش حیث قال انما المستعمل ماینفصل عن العضو بعد المسح شرح المنیۃ	اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور خدائے پاک ہی مالک توفیق ہے۔۔۔ اس تحقیق سے یہ بھی عیاں ہوگیا کہ مٹّی سے مطلقًا استعمال کی نفی میں علامہ طحطاوی درستی پر ہیں۔ اس پر علامہ شامی نے یہ لکھا ہے" کہ مستعمل وہ مٹّی ہے جو مسح کے بعد عضو سے جدا ہو، شرح منیہ۔

ونحوه ماقدمناه عن النهر وهوالمذکور فی الحلیة فافهم[1] اھ اشاربه کعادته کمانبه علیه فی خطبته الی الرد علی السیّد ط غیرسدید بل یجب ارجاع مافی الحلیة والغنیة والنهرالی مایوافق ماذکرالسید لانه المنصوص علیه فی المذهب والله سبحنه وتعالٰی اعلم وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه وبارك وسلم اٰمین والحمدلله ربّ العٰلمین۔	اسی کے ہم معنی وہ بھی ہے جو نہر سے ہم نے پہلے ذکر کیا اور یہی حلیہ میں بھی مذکور ہے، فافہم۔ تو سمجھنا چاہئے "اھ۔ اس کلام سے حسب عادت انہوں نے۔۔۔۔۔ جیسا کہ اپنے خطبہ میں تنبیہ کی ہے۔۔۔۔۔۔ سیّد طحطاوی کے رَد کی طرف اشارہ کیا ہے مگر یہ تردید صحیح نہیں بلکہ لازم ہے کہ حلیہ، غنیّہ اور نہر کی عبارتوں کی وہ تاویل کی جائے جو بیانِ سیّد طحطاوی کے موافق ہو اس لیے کہ مذہب میں وہی منصوص ہے۔۔۔۔۔ اور خدائے پاک و برتر خوب جانتاہے۔ اور اللہ تعالٰی رحمت فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور گروہ پر اور برکت وسلامتی بھی۔۔۔۔ اور ساری خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خداہی کے لیے ہیں۔ (ت)

(رسالہ ضمنیہ الجد السدید ختم ہوا)

مسئلہ ۱۱۴: سوال سوم:

مسجد کی دیوار سے تیمّم جائز ہے یا نہیں، کچھ ورق بنام فتاوی رشیدیہ یعنی جوابات رشید احمد گنگوہی چھپے ہیں جن کی فہرست کاشروع کتاب الکفر سے ہے اس کے صفحہ ۶۷ پر اس سوال کے جواب میں لکھا: تیمّم دیوارِ مسجد سے کرنے کو بعض کتب فقہ میں مکروہ لکھاہے فقط آیا یہ جواب صحیح ہے یا غلط، اور کون سی کتاب فقہ میں اسے مکروہ لکھاہے بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تحریر مذکور صواب سے بیگانہ فقاہت سے بر کرانہ محض بے بنیاد کورانہ ہے مذہب حنفی میں اس کی کچھ اصل نہیں نہ کسی کتاب معتمد سے اس کی کراہت مستبین نہ ایسی نقل مجہول کسی طرح قابل قبول نہ ایسا ناقل التفات کے قابل نہ اس پر شرع سے کوئی دلیل اور قول بے دلیل مردود وذلیل بلکہ کتب معتمدہ سے اس کا بطلان روشن جن سے گرنہ بیندبہ روز پرہ چشم برافگن تیمّم میں دو۲ ضربیں ہوتی ہیں اس بیان میں ہم دو۲ ہی ضرب پر اکتفا کریں۔

---

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

ضرب اول: زعم مذکور کا بے اصل وبے دلیل ہونا یہ تو بدیہی[1] کہ بعض کتب کوئی سند نہیں۔ نہیں معلوم کیسی کتاب کس کی کتاب اسکی کیا[2] عبارت کیا مفاد۔ ناقل نے کیا سمجھا کیا مراد۔ خود ناقل کو بھی اس پر جزم نہ اعتماد۔ کہ طرز بیان سے تبرّی عہدہ مستفاد۔ بعض[3] کتب میں رطب ویابس سب کچھ ہوتا ہے اگر ناقل کے نزدیک وہ کتاب اور اس کا وہ حکم لائق اعتماد ہوتا سائل کو حکم بتاتا جس طرح اسی جواب میں مسجد کے اندر وضو کو بتایا ہے کہ حنفیّہ کے نزدیک منع اور گناہ ہے اس کے متصل ہی یہ الفاظ ہیں یہاں یہ نہ کہا کہ مکروہ ہے بلکہ یہ کہ بعض کتب میں مکروہ لکھا اس کی بے اصلی کا اتنا ہی بیان بس ہے۔ رہا بے دلیل[4] ہونا ہونا اگر یہاں شبہہ گزر سکتا تھا تو وہی وجہ سے: یکم پانی پر قیاس اور وہ محض جہل وسواس۔

اولاً: ہم ثابت کر آئے کہ تیمّم سے جنس ارض اصلاً مستعمل نہیں ہوتی بخلاف آب، اور آب مستعمل اگرچہ مذہب صحیح میں طاہر ہے مگر قذِر ہے یعنی گھِن کی چیز اور[5] مسجد کو ایسی اشیا سے بچانا واجب جیسے لعابِ دہن وآب بینی۔

ثانیاً: اگر بفرض غلط تسلیم کریں کہ مٹی زمین اور ہاتھوں پر مسح ہو کر چھوٹتے ہی مستعمل ہو جاتی ہے تو آج کل عامہ مساجد کی دیواریں پختہ وگچ کردہ ہیں اور اگر کوئی کچی بھی ہے تو کہگل کی ہوئی یا صاف لسی ہوئی ان میں یہ مٹی کہاں تو اُن کی دیواروں پر تیمّم کیوں مکروہ؟

ثالثاً: دیواریں عام طور پر ایسی بنائی جاتی ہیں جن پر ہاتھ رکھنے سے ان کے اجزا نہیں چھوٹتے اور[6] باہر سے آیا ہوا غبار کہ ہوا نے لاکر ڈالا ہوا اجزائے مسجد سے نہیں تو غالب صور میں جو مٹّی ہاتھ کو لگے گی مسجد کی نہ ہوگی ورنہ مسجد سے گرد وغبار صاف کرنا منع ہو کہ اجزائے مسجد کا اس سے چھڑانا اور دور کرنا ہے۔

رابعاً: [7] علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ زمین مسجد پر جو مٹّی پھیلی ہوئی ہے کیچڑ کے سَنے پاؤں اس سے پونچھنا مکروہ ہے کہ یہ زمین مسجد ہی سے پونچھنا ہوگا پھیلا ہوا غبار حائل نہ سمجھا جائے گا اور اگر گرد[8] جھاڑ کر مسجد کے کسی گوشے میں جمع کردی ہے تو اس سے پونچھنے میں حرج نہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخان وتجنیس امام صاحب ہدایہ ومحیط سرخسی وبحر الرائق وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا کتب کثیرہ ومعتمدہ میں ہے:

واللفظ للخانیة یکرہ مسح الرجل من طین وردغة باسطوانة المسجد اوبحائطه وان مسح بتراب فی المسجد ان کان ذلك التراب مجموعا فی ناحیة غیر منبسط لاباس به وان کان منبسطا	اور الفاظ خانیہ کے ہیں: "مٹّی اور کیچڑ سے آلودہ پاؤں کو مسجد کے ستون یا کسی دیوار سے پونچھنا مکروہ ہے۔ اگر مسجد کے اندر کسی مٹّی سے پونچھنا تو اگر وہ مٹّی کسی گوشہ میں جمع کردی گئی ہے پھیلی ہوئی نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اور اگر فرش پر پھیلی ہوئی ہے تو مکروہ ہے اس لئے

مفروشا یکرہ لانہ بمنزلۃ ارض المسجد[1]۔	کہ وہ زمین مسجد ہی کے درجہ میں ہے۔(ت)

جب یہ جمع کی ہوئی مٹّی کہ خود زمینِ مسجد پر ہے جو اصل مسجد ہے جس کا تعلق مسجد سے ابھی بالکلیہ منقطع بھی نہ ہوا اس سے کیچڑ کے پاؤں پونچھنا کہ فی الحال تقذیر ہے مکروہ نہ ہوا تو یہ مٹّی کہ دیوارِ مسجد پر تھی جو فرع مسجد اور حکم مسجد میں ہے اور ہاتھوں میں لگ کر دیوار مسجد سے بھی یکسر منقطع ہو گئی، منہ اور ہاتھوں پر پھیرنا کہ فی الحال موجبِ استعمال بھی نہیں کیونکر مکروہ ہو سکتا ہے۔

دوم: دیوارِ مسجد وقف ہے اور وقف اسی کام میں لایا جاسکتا ہے جس غرض کے لیے وقف کیا گیا۔ دوسرے کام میں لانا منع ہے خصوصًا مسجد کہ اس کا معاملہ عامہ اوقاف سے بھی تنگ تر ہے اور تیمّم دوسرا کام ہے کہ دیوارِ مسجد اس غرض کے لیے نہیں بنائی جاتی۔ شاید گنگوہی خیال میں تو وہی پانی پر قیاس باطل ہوگا کہ مسجد میں وضو کے ساتھ اسے ذکر کیا اور ایسے اذہانِ سافلہ وعقولِ ناقصہ سے کچھ مستبعد نہیں کہ یہ شبہہ بھی گزرے جو اوّل سے افسد ہے تیمّم جو کچھ تصرف ہے اپنے چہرہ ودست پر ہے دیوار سے صرف چھونے ہاتھ لگانے کا تعلق ہوگا یہ دیوار' میں کوئی تصرف نہ کہلائے گا ورنہ مکروہ نہیں، بلکہ حرام ہوتا اور نہ صرف دیوارِ مسجد بلکہ دیوار ہر وقف بلکہ دیوار یتیم بلکہ ہر نابالغ بلکہ بے اذن مالک ہر دیوار مملوک سے تیمّم کرنا بلکہ اس پر ہاتھ لگانا یا انگلی سے چھونا یا دیوارِ مسجد سے پیٹھ لگانا سب حرام ہوتا اور اس کا قائل نہ ہوگا مگر سخت جاہل، ہاتھ لگانے سے دیوار کا کچھ خرچ نہیں ہوتا چراغ میں تیل بتّی کا خرچ ہے پھر بھی مسجد[2] کے چراغ سے کہ مسجد کے لیے روشن ہے خط پڑھنا یا کتاب دیکھنا یا سبق پڑھنا پڑھانا بلاشبہہ رَوا ہے، فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ان ارادانسان ان یدرس کتابا بسراج المسجد ان کان سراج المسجد موضوعا فی المسجد للصلاۃ قیل لاباس بہ و ان کان موضوعا فی المسجد لا للصلاۃ بان فرغ القوم من صلاتھم وذھبوا الی بیوتھم وبقی السراج فی المسجد قالوا لاباس بان یدرس بہ الی ثلث اللیل و فی مازاد علی الثلث	اگر کوئی آدمی مسجد کے چراغ سے کسی کتاب کا سبق پڑھنا چاہے تو اگر مسجد کا چراغ مسجد کے اندر نماز کے لیے رکھا گیا ہے تو کہا گیا کہ اس میں حرج نہیں اور اگر مسجد کے اندر نماز کے لیے نہیں رکھا ہے اس طرح کہ لوگ اپنی نماز سے فارغ ہو کر گھروں کو چلے گئے اور چراغ مسجد میں رہ گیا تو علما نے فرمایا ہے کہ تہائی رات تک اس سے درس دینے میں حرج نہیں اور تہائی سے زیادہ

[1] فتاوٰی قاضیخان فصل فی المسجد مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

لایکون لہ حق التدریس[1]۔	میں اسے حق تدریس نہ ہوگا۔(ت)

ضرب دوم: کتب معتمدہ میں زعم گنگوہی کا خلاف۔

اوّلاً: یہی ۱ پاؤں پونچھنے کا مسئلہ کہ تین ۳ وجہ سے بحکم دلالۃ النص دیوار مسجد سے جواز تیمّم پر دلیل صاف کما مر تقریرہ (جیسا کہ اس کی تقریر گزرچکی۔ت)

ثانیاً: نمبر ۱۴۲ ۲ میں گزرا کہ مسجد میں احتلام واقع ہو اور نکلنا چاہے تو بہت اکابر نے بے تیمّم کیے فوراً نکل جانے کی اجازت دی اور تیمم کرکے نکلنا صرف مستحب رکھا ۱ذخیرہ و ۲حلیہ و ۳ہندیہ و ۴تاتارخانیہ و ۵خانیہ موجبات الغسل و ۶خزانۃ المفتین و ۷نہرالفائق و ۸سراج وہاج و ۹در مختار و ۱۰ردالمحتار و ۱۱الطحطاوی علی مراقی الفلاح و ۱۲ابوالسعود و ۱۳الطحطاوی علی الدرالمختار میں اسی پر جزم واعتماد فرمایا ظاہر ہے کہ یہ تیمّم غالبًا نہ ہوگا مگر دیوار یا زمین مسجد سے اگر ان سے تیمّم مکروہ ہوتا تو ایک امر جائز سے بچنے کے لیے ہرگز اس کی اجازت بھی نہ ہوتی نہ کہ مستحب قرار پاتا یہ استحبابِ علما کراہت گنگوہی کا صریح دافع ہے۔

وللّٰہ الحمد واللّٰہ تعالٰی اعلم * وصلی اللّٰہ تعالٰی وبارك وسلّم *علی الحبیب الاکرم *والشفیع الاعظم *ھادی الامم *الی الطریق الامم *واٰلہٖ وصحبہ ذوی الجود والکرم *والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین علی ماھدی وعلم *وعلمہ عز شانہ اتم *وحکمہ جل مجدہ احکم *	اور خدا ہی کے لیے حمد ہے، اور خدائے برتر ہی خوب جانتا ہے۔اور اللہ تعالی رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے کریم تر حبیب، عظیم تر شفیع، راہ راست کی طرف امتوں کے ہادی پر، اور جُود وکرم والی ان کی آل واصحاب پر، اور سارے جہانوں کے مالک خدا ہی کے لیے حمد ہے اس پر جو اس نے ہدایت وتعلیم فرمائی اور اس شان غالب والے کا علم تام اور اس مجد بزرگی والے کا حکم محکم ہے۔(ت)

(نوٹ: باب العقائد کو یہاں سے نکال لیا گیا ہے اسے عقائد والی جلد میں لایا جائے گا)

[1] فتاوٰی قاضی خان باب الرجل یجعل دارہ مسجدا الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مآخذ ومراجع

	نام	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابو العباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۔۹۱۱
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبیّ	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجّاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

<u>ح</u>

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

<u>خ</u>

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

<u>د</u>

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	ردعلی الجہمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی التوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱۔	شرح الھدایة	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المروف بیرکلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴۔	عمدة القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃالبیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غررالاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمزعیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبد الوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبد الحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبد اللطیف بن عبد العزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبد السید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمۃ العشماویۃ	ابو العباس عبد الباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبد العزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطاامام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۴

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
رموز 5
پیش لفظ 6
فتاوٰی رضویہ، کتاب الطہارۃ پر ایک نظر 6
فوائد جلیلہ 8
فہرست جلد چہارم 10
ابواب و مسائل 10
فہرست ضمنی مسائل 22
رسالہ الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ ۱۳۳۵ھ کلام صدر الشریعۃ سے متعلق انوکھا مطلوب (ت) 190
رسالہ مجلی الشمعۃ لجامع حدث ولمعۃ ۱۳۳۶ھ (حدث اور لمعہ رکھنے والے سے متعلق شمع افروز) 284
ذیل باب الوضوء 322
ذیل باب الغسل 324
ذیل باب المیاہ 328
فصل فی البئر 340
باب المسح علی الخفین 346
باب الحیض 350
فصل فی المعذور 368
باب الانجاس (نجاستوں کا بیان) 378
رسالہ سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب ۱۳۱۲ھ کتّے کی طہارتِ عین کے قائلین سے عیب دُور کرنے کا بیان 400
رسالہ الاحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر ۱۳۰۳ھ (یہ رسالہ شکر روسر کے طالب (حکم شرعی) کیلئے شکر سے زیادہ میٹھا ہے) 474
تمّت المقدمات (مقدمات پورے ہوگئے۔ت) 536
وضع ضابطہ کلیہ دریں باب وتفرقہ در حکم عظام وشراب اس باب میں ضابطہ کلیہ کا بیان اور شراب اور ہڈیوں کے حکم میں فرق کا بیان 536
خاتمہ: 547
رزقنا اللہ حسنہا آمین 547

باب الاِستِنْجَاء(یہ باب استنجا کے بیان میں ہے) 576

مآخذ و مراجع 748

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد چہارم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوھاری دروازہ، لاھور، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون نمبر ۲۵۷۳۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد چہارم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ________ مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا محمد صدیق ہزاروی

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

فوائد جلیلہ (ترتیب و تبویب) ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ ۱_ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲_ مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیبِ فہرست ________ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ________ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

اشاعت ________ جنوری ۱۹۹۳ء

صفحات ________ ۷۶۰

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

قیمت ________ ۲۵۰

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰   ۷۶۶۵۷۷۲

* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
تیمّم کا بیان ____ ۳۱
موزوں پر مسح کا بیان ____ ۳۴۵
حیض کا بیان ____ ۳۴۹
نجاستوں کا بیان ____ ۳۷۷
استنجاء کا بیان ____ ۵۷۵
فوائد جلیلہ ____ ۶۱۱
مآخذ و مراجع ____ ۷۴۷

فہرست رسائل

o حسن التعمم ____ از ۳۱۱ جلد سوم تا ۳۲۰ جلد چہارم
o قوانین العلماء ____ ۳۱ تا ۱۸۷
o الطلبة البديعة ____ ۱۸۹ تا ۲۸۲
o مجلی الشمعة ____ ۲۸۳ تا ۳۲۰
o سلب الثلب ____ ۳۹۹ تا ۴۶۴
o الاحلی من السکر ____ ۴۷۳ تا ۵۵۳

رموز

محقق :علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیہ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحبِ ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحبِ حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر: البحر الرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علماء احناف

نہر: النہر الفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیّہ: غنیہ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلی، ابن اسیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

چند سال قبل محسن اہلسنّت مفتی اعظم پاکستان ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس (اہلسنت) شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی قدس سرہ العزیز کی سرپرستی اور نگرانی میں فتاوٰی رضویہ کی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق اشاعت کا جو عظیم منصوبہ رضافاؤنڈیشن کے نام سے شروع کیا گیا تھا بفضلہٖ تعالیٰ پوری آب وتاب کے ساتھ اپنی ارتقائی منازل طے کررہا ہے، اب تک فتاوٰی رضویہ کی کتاب الطہارۃ (مکمل) چار جلدوں میں زیورِ طباعت سے مزیّن ہوکر منظرِ عام پر آچکی ہے۔ کتاب الطہارت بارہ ۱۲ قدیم مجلدات میں سے جلد اول مکمل اور جلد دوم کے تقریباً ڈیڑھ سو ۱۵۰ صفحات پر پھیلی ہوئی تھی۔

فتاوٰی رضویہ، کتاب الطہارۃ پر ایک نظر

عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتابوں میں کتاب الطہارت کے تحت مندرجہ ذیل ابواب سے متعلق مسائل مندرج ہوتے ہیں:

(۱) وضو (۲) نواقضِ وضو (۳) غسل (۴) پانیوں کا بیان (۵) کنویں کا بیان (۶) تیمّم (۷) مسحِ خفین (۸) حیض (۹) انجاس (۱۰) استنجاء۔

لیکن فتاوٰی رضویہ کا انداز واسلوب کتبِ فتاوٰی میں منفرد اور ممتاز ہے۔

اس عظیم فقہی وعلمی شاہکار میں کتاب الطہارۃ کے تحت مذکورۃ الصدر دس ۱۰ ابواب سے متعلق مسائل کے علاوہ مندرجہ ذیل بیالیس ۴۲ ابواب سے متعلق بھی ضمناً ہزاروں مسائل مذکور ہیں: ۱نماز، ۲احکام مسجد، ۳جنائز، ۴زکوۃ، ۵روزہ، ۶حج، ۷نکاح، ۸طلاق، ۹عتق، ۱۰قسم، ۱۱حدود، ۱۲سیر، ۱۳شرکت، ۱۴وقف، ۱۵بیوع، ۱۶شہادت، ۱۷وکالت، ۱۸دعوی، ۱۹ہبہ، ۲۰اجارہ، ۲۱حجر، ۲۲غصب، ۲۳قسمت، ۲۴شکاروذبیحہ وقربانی، ۲۵حظرو اباحت، ۲۶احیاءِ موات، ۲۷شرب، ۲۸دیت، ۲۹مداینات، ۳۰وصی، ۳۱فرائض، ۳۲فوائدفقہیہ، ۳۳رسم المفتی، ۳۴عقائد، ۳۵کلام، ۳۶رَدِّمذہباں، ۳۷فوائد حدیثیہ، ۳۸اسماء الرجال، ۳۹فضائل ومناقب، ۴۰فوائد اصولیہ، ۴۱طبعیات، ۴۲ہندسہ وریاضی۔ فتاوٰی رضویہ کی کتاب الطہارۃ ۲۴۶ استفتاء ات کے جوابات، اقول اور قُلت وغیرہ کے عنوان سے ۳۶۴۱ تحقیقات

www.dawateislami.net
Majlis of DawateIslami

وتدقیقاتِ مصنّف رحمہ اللہ تعالٰی، ۱۹۴۵معروضات وتطفلات اور ۳۰رسائل پر مشتمل ہے جن میں سے ایک رسالہ "باب العقائد والکلام "جو جلد اول قدیم کے صفحہ ۷۳۵تا۷۹۴پر تھا کتاب الطہارۃ سے خارج کر دیا گیا ہے جدید ایڈیشن میں اسے عقائد وکلام والی جلد میں شامل کیا جائے گا۔

فتاوٰی رضویہ جلد چہارم

پیش نظر جلد، جلدِ اول قدیم کے صفحہ ۷۹۴رسالہ "قوانین العلماء فی متیمم علم عندزید ماء" سے آخر یعنی صفحہ ۸۴۹تک اور جلد دوم قدیم کے شروع سے صفحہ ۱۴۵یعنی کتاب الطہارۃ کے آخر تک ہے۔ یہ جلد ۱۳۲سوالوں کے جوابات، اقول اور قلت کے عنوان سے ۴۹۵تحقیقی نکات، ۱۴۵تطفلات ومعروضات اور انتہائی نفیس ودقیق مباحث جلیلہ کے حامل مندرجہ ذیل پانچ عظیم الشان رسائل پر مشتمل ہے،

(۱) قَوَانِیْنُ الْعُلَمَاءِ فِیْ مُتَیَمِّمٍ عَلِمَ عِنْدَ زَیْدٍ مَاءً۔

اس تیمّم کرنے والے کا حکم جس کو علم ہو کہ دوسرے کے پاس پانی ہے۔

(۲) اَلطِّلْبَۃُ الْبَدِیْعَۃُ فِیْ قَوْلِ صَدْرِ الشَّرِیْعَۃِ۔

امام صدرالشریعۃ صاحب شرح وقایہ کی ایک عبارت پر محققانہ بحث

(۳) مُجَلِّی الشَّمْعَۃِ لِجَامِعِ حَدَثٍ وَّلُمْعَۃٍ۔

جنابت وحدث دونوں کے جمع ہونے کی ۹۸صورتوں کا بیان۔

(۴) سَلْبُ الثَّلْبِ عَنِ الْقَائِلِیْنَ بِطَہَارَۃِ الْکَلْبِ۔

کتّے کے نجس ہونے کا بیان۔

(۵) اَلْاَحْلٰی مِنَ السُّکَّرِ لِطَلَبَۃِ سُکَّرِ رُوْسَرْ۔

جانوروں کی ہڈیوں سے صاف کردہ چینی کا بیان۔

اس جلد میں متعدد ضمنی مسائل کے علاوہ پانچ مستقل ابواب پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے:

(۱) تیمّم (اس کی بحث جلد سوم کے صفحہ ۲۹۷سے چلی آرہی ہے)

(۲) مسحِ خفین (موزوں پر مسح کا بیان)

(۳) حیض (حائضہ عورت کے احکام کا بیان)

(۴) اَنجاس (نجاستوں کا بیان)

(۵) استنجاء (استنجاء کرنے کا مشروع طریقہ)

فوائد جلیلہ

فتاوٰی رضویہ جلد اول قدیم کے حاشیہ پر اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف فقہی، کلامی، اخلاقی، اصلاحی، معاشرتی اور معاملاتی ابواب سے متعلق متعدد مستقل مسائل ذکر فرمائے جن میں سے بعض کی طرف کتاب کے اندر اشارہ موجود ہوتا ہے اور بعض بالکل مستقل حیثیت میں کتاب سے علاوہ فائدے کے طور پر مذکور ہیں جن کا ذکر فہرست میں ہے لیکن وہ کتاب کے اندر موجود نہیں بلکہ حاشیہ پر موجود ہیں۔ نئی طباعت میں چونکہ صرف متنِ کتاب یا اس سے متعلق حواشی ہی دیئے گئے ہیں حاشیہ پر موجود مستقل مسائل نہیں دیئے گئے لہٰذا ان کی علیحدہ کتابت کرواکے "فوائد جلیلہ "کے نام سے مستقل رسالہ کی صورت میں پیش نظر جلد کے آخر میں لگادیئے گئے ہیں جن کی ترتیب وتبویب کا فریضہ حضرت قبلہ مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے حکم پر راقم نے سرانجام دیا ہے۔ ان فوائد کی مجموعی تعداد ۱۱۳۸ ہے۔ قارئین کی سہولت کیلئے ہر مسئلہ کے آخر میں پُرانی جلد اول مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی کا صفحہ اور فائدہ نمبر بھی درج کردیا گیا ہے۔ ان فوائد جلیلہ کو نقل کرنے میں مولانا حافظ محمد سلیمان سعیدی اور مولانا محمد یونس نے بھرپور تعاون فرمایا۔

اس جلد میں شامل جلد اول (قدیم) کی عربی عبارات کا ترجمہ بھی محققِ جلیل حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم القدسیہ شیخ الادب دارالعلوم جامعہ اشرفیہ مبارکپور ہندوستان نے فرمایا جن کا مختصر تعارف جلد سوم کے پیش لفظ میں گزرچکا ہے، جبکہ جلد دوم (قدیم) کے ۱۴۵ صفحات کی عربی عبارات کے ترجمہ کے فرائض فاضل شہیر، سابق مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان حضرت علامہ محمد صدیق ہزاروی مدرس دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور زید مجدہ، نے سرانجام دیئے ہیں۔ مولانا ہزاروی کا شمار سریع القلم اور کثیر التصانیف فضلاء میں ہوتا ہے اب تک متعدد کتب کے تراجم وتلخیصات کے علاوہ بیسیوں مستقل تصانیف تحریر فرماچکے ہیں۔ اخبارات ورسائل میں آپ کے بہت سے تحقیقی مضامین شائع ہوچکے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ اللہ تبارک وتعالٰی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو عمرِ خضر عطافرمائے اور ان کی سرپرستی میں فتاوٰی رضویہ شریفہ کو نافعِ عام بنانے کیلئے اس عظیم اشاعتی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین!

O حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۱۱ جمادی الاولٰی ۱۴۱۳ھ / ۷ نومبر ۱۹۹۲ء

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست جلد چہارم

ابواب و مسائل

باب التیمم		تیمّم سے نماز پڑھتا تھا نماز میں سراب پر نظر پڑی تو کیا کرے۔	۳۴، ۶۷۱
تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ دوسرے کے پاس پانی موجود تھا نماز ہوگئی اگر وہ اب پانی دے گا آئندہ کے لیے تیمّم ٹوٹے گا۔	۳۲، ۶۷۱	گمان غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا نیت توڑنا واجب ہے۔	۳۵، ۶۷۲
سو۱۰۰ آدمی نماز پڑھ رہے تھے ایک شخص پانی لایا اور خاص ایک سے کہا کہ یہ پانی لے اسی کی گئی اور اگر وہ امام ہو تو سب کی گئی۔	۶۷۱	تیمّم سے نماز نماز کامل ہے تیمّم طہارت کاملہ ہے۔	۳۵، ۶۷۲
نماز میں کافر کہے کہ پانی لے تو اس کا اعتبار نہیں پوری کرکے پانی مانگے دے دے تو پھیرے۔	۳۳، ۶۷۱	نماز میں پانی دیکھا اور پوری کرلی اگر دینے میں شک ہو تو مانگنا مستحب ہے اور ظن غالب ہو کہ نہ دے گا تو مستحب بھی نہیں۔	۳۶، ۶۷۲
اگر کسی وجہ سے معلوم ہو کہ کافر تمسخر سے نہیں کہتا تو نیت توڑنی چاہیے۔	۳۳، ۶۷۱	اگر ظن غالب ہو کہ پانی ایک میل سے کم ہے تو تلاش واجب ہے اور شک ہو تو مستحب ہے ورنہ مستحب بھی نہیں۔	۳۶،۳۷، ۶۷۲
اگر کسی فاسق مسخرہ پر ظن ہو کہ براہِ تمسخر کہتا ہے تو نیت توڑنے کی اجازت نہیں۔	۳۳، ۶۷۱	نماز میں دوسرے کے پاس پانی دیکھا اور ظن غالب ہے کہ مانگے سے دے دے گا تو اگرچہ نیت توڑنا واجب ہے لیکن اگر نماز پوری کرکے مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز ہوگئی اور تیمّم باقی ہے۔	۳۷، ۶۷۲
نماز میں معلوم ہوا یا یاد آیا کہ دوسرے کے پاس پانی ہے اگر ظن غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا نیت توڑے ورنہ جائز نہیں۔	۳۴، ۶۷۱		

ایک شخص نے چندآدمیوں کو پانی مشترکاً ہبہ کیا اور انہوں نے قبضہ کرلیا جب بھی تیمّم کسی کا نہ جائے گا۔	٣٩، ٦٧٢	جنگل میں پانی کاقرب معلوم نہ تھا جاننے والے سے پوچھا اس نے نہ بتایا تیمّم سے پڑھ لی نماز ہو گئی۔	٦،٧٣ ٧٣
اگران میں صرف ایک کو ہبہ کیا توبعد قبضہ اسی کا تیمّم جاتارہا لیکن اگروہ امام تھاتونماز سب کی گئی اگرچہ اوروں کا تیمّم نہ گیا۔	٤٠، ٦٧٢	بتانے والا موجود تھا اور اس نے نہ پوچھا اور نماز پڑھ لی پھر دریافت کیااور اس نے پانی قریب بتایا نماز نہ ہوئی۔	٧٤، ٦٧٤
تیمّم سے جماعت ہورہی ہے اور ایک شخص پانی لایا اور کہا یہ میں نے تم سب کو ہبہ کیا، یاامام کے سوا کسی اور کو کہا یہ میں نے تجھے ہبہ کیا، بعد سلام امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا سب کی نماز گئی۔	٤٠، ٦٧٢	اس نے پوچھا اور اس نے سنا اور کچھ نہ بولا بعد نماز پانی بتایا نماز ہو گئی۔	٧٤، ٦٧٤
شروع نماز سے پہلے دوسرے کے پاس پانی معلوم ہوا اگرغالب گمان ہو کہ مانگے سے دے دے گا تو مانگنا واجب، شک ہے تومستحب، ورنہ مستحب بھی نہیں۔	٤٢، ٦٧٣	گمان غالب تھا کہ نہ دے گا تیمّم سے نماز پڑھ لی اتنے میں اس کے پاس اور پانی کثیر آگیا اور دے دیا تو کیا حکم ہے۔	٦٧٤
آب طہارت سفر میں مبذول نہیں کہ اس کے دینے میں بہت تکلف ہوتا ہے۔	٥٨، ٦٧٣	گمان غالب تھا کہ دے دے گا بعد نماز مانگا اس نے انکار کردیا اس لیے کہ اتنے میں پانی خرچ ہو کر کم رہ گیا تھا تو کیا حکم ہے۔	٦٧٤
دس صورتیں جن میں پانی دے دینے کا ظن غالب ہوتا ہے	٥٩، ٦٧٣	پانی پر قدرت جس سے تیمّم ناجائز ہو پانچ طرح حاصل ہوتی ہے۔	٧٦
جس چیز کے ہوتے ہوئے تیمّم نہ ہوسکتا ہو تیمّم کی حالت میں جب وہ شے پائی جائے گی اسے توڑ دے گی۔	٦٩، ٦٧٣	کسی کے پاس پانی دیکھا اور دینے کا غالب گمان نہ ہوا بعد نماز مانگا اس نے کہا خرچ ہو گیا پہلے مانگتے تو دے دیتا اس کا کچھ اعتبار نہیں۔ پانی جس کے پاس ہے اس نے غلط حیلہ کردیا کہ خرچ ہوگیا تو اس کا کچھ اثر نہیں۔	٧٧، ٦٧٤
یہاں واقعی پانی دینے نہ دینے کا اعتبار ہے اسے گمان کچھ ہو۔ ہاں اگر واقع کا حال نہ کھلا تو اس کے گمان پر مدار ہے۔	٧٢، ٦٧٣	پانی دینے کا وعدہ کرنے سے اسی وقت کیلئے پانی پر قادر سمجھا جائے گا کسی آئندہ وقت پر اس کا اثر نہ ہوگا۔	٧٩، ٦٧٤

وقت وعدہ سے قدرت ثابت ہوگی پہلے سے نہیں۔	۸۰، ۶۷۴	مانگے پر چپ رہنا بھی انکار ہے اگر کوئی قرینہ خلاف پر نہ ہو۔	۱۱۸، ۶۷۷
اول وقت ہے اور پانی ایک میل فاصلہ پر ہے اگرچہ وسط وقت میں وہاں تک پہنچ جانے کا گمان ہو تاخیر واجب نہیں صرف مستحب ہے۔	۸۲، ۶۷۴	اس وقت اور مانگنے والے اور سکوت کرنے والے کی حالتوں اور باہمی تعلقات پر نظر ضرور ہے کہ اس سے کبھی ظاہر ہوتا ہے کہ سکوت بربنائے منع نہ تھا۔	۱۱۹، ۶۷۷
پانی پر قدرت کے معنی	۸۴، ۶۷۵	اُن قرینوں کا بیان جن کے سبب انکار ثابت نہیں ہوتا۔	۱۲۰
آخر وقت میں پانی ملنے کی امید کی چودہ ۱۴ صورتیں ہیں جن میں حکم ہے کہ وقتِ کراہت نہ آنے تک انتظار مستحب ہے۔	۹۸، ۶۷۵	پانی مانگنے پر سکوت کی چھ ۶ صورتیں اور ان کے احکام کی تفصیل تحقیق مصنف سے۔	۱۲۱
جنگل میں معلوم نہیں کہ پانی ایک میل دور ہے یا کم، تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، ہوگئی، اس پر تلاش کرنا بھی لازم نہیں جب تک ایک میل سے کم کا ظن نہ ہو۔	۱۰۷، ۶۷۶	پانی دیکھا اور نہ مانگا نہ نماز سے پہلے نہ بعد اور اسے وقت نکل جانے کے بعد اس کی حاجت پر اطلاع ہوئی اور پانی لایا تو نماز پھیرنا چاہیے۔	۱۲۳، ۶۷۷
معلوم ہے کہ پانی دو میل سے کم ہے وقتِ مستحب میں اس تک پہنچ جاؤں گا اور یہ معلوم نہیں کہ ایک میل ہے یا اس سے بھی کم جائز ہے کہ تیمّم کرکے پڑھ لے پھر اگرچہ ایک میل سے کم ہی نکلے نماز ہوگئی، ہاں اگر یہ ظن غالب تھا کہ ایک میل سے کم ہے اور تلاش نہ کیا اور تیمّم سے پڑھ لی نماز نہ ہوئی اگرچہ بعد کو ایک میل یا زیادہ ہی دور ہونا ظاہر ہو۔	۱۰۷، ۶۷۶	پانی دیکھا اور نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھی اور وہ دیکھتا رہا اور پانی بعد وقت دیا تو ظاہراً اب بھی اعادہ نماز چاہیے۔	۱۲۳، ۶۷۷
یہ وعدہ کہ وقت کے بعد دوں گا کچھ مؤثر نہیں۔ وہ وعدہ جس سے وقت میں پانی ملنے کی امید ہو اگر نماز سے پہلے ہو امطلقاً مؤثر ہے اگرچہ بعد کو وفا بھی نہ ہو۔	۱۱۴، ۶۷۷	نماز کے بعد پانی دینے میں ضابطہ احکام۔	۱۲۵
وقت میں دینے کا وعدہ اگر بعد نماز ہو تو کیا حکم ہے۔	۱۱۴، ۶۷۷	انکار کے بعد دینا مفید نہیں مگر یہ کہ نماز پوری ہونے سے پہلے دے دے۔	۲۵ ا، ۶۷۷
دینے سے دلالۃً انکار کی صورتیں۔	۱۱۷، ۶۷۷	پانی دیا اور استعمال سے منع کردیا تو یہ منع کہاں تک مؤثر ہے اس کی صورتیں تحقیق مصنّف سے۔	۱۲۶
اس نے مانگا اس نے پانی دوسرے کو دے دیا تو کیا حکم ہے۔	۱۱۸، ۶۷۷	پچیس ۲۵ صورتیں جن میں پانی ہوتے ہوئے تیمّم کا حکم ہے۔	۱۲۷

اس کی تحقیق کہ پانی دینے کا ظن غالب ہو تو بے مانگے تیمّم سے پڑھ لینے سے نماز ہوگی یا نہیں۔	۱۲۸	جنب کے صرف وضو کے قابل پانی تھا اس نے فقط تیمّم کیا اب حدث ہوا تو وضو کرے۔	۱۹۷، ۶۸۲
جنگل میں جس سے پانی کا حال پوچھا جاتا ہے موجود ہے اور بے پوچھے پڑھ لی تو کیا حکم ہے۔	۱۵۵، ۶۷۸	نہانے میں کچھ جگہ رہ گئی اور پانی نہ رہا تیمّم کرے اس کے بعد حدث ہو تو دوسرا تیمّم کرے۔	۱۹۹، ۶۸۲
پانی مانگنے اور دینے نہ دینے کے مسائل میں ۱۹ قاعدے تحقیقاتِ مصنف سے۔	۶۷۸	نہانے میں کچھ بدن باقی رہ گیا اور پانی ختم ہو چکا اب جتنا پانی پائے، اس جگہ پر بہالے کہ جنابت کم ہو جائے۔	۲۰۳، ۶۸۲
جنابت کے ساتھ حدث بھی ہے اور نہا نہیں سکتا وضو کر سکتا ہے تو وضو بھی نہ کرے صرف تیمّم کافی ہے۔	۹۰، ۶۸۱	نہانے میں اعضائے وضو اور کچھ اور بدن باقی رہ گیا پھر اتنا پانی ملا کہ اُن میں ایک کو کافی ہے تو جس میں چاہے خرچ کرے اور وضو بہتر۔	۲۰۳، ۶۸۲
تنگیٔ وقت کے لیے تیمّم کی تائید مزید۔	۱۹۰	جنب نے وضو کرلیا اور پانی نہ رہا تیمّم کیا اب جو پانی ملے تو اعضائے وضو دھونے کی اسے حاجت نہیں بقیہ بدن دھولے غسل اُتر جائے گا۔ جو اعضا پہلے دھولیے ان کی طہارت اسی معنی پر ہو چکی کہ دوبارہ اُن کے دھونے کی حاجت نہیں نہ یہ کہ ان سے وہ کام جائز ہو جائیں جو جنب کو ناجائز تھے۔	۲۳۱، ۶۸۲
ایک طہارت میں پانی اور مٹی جمع نہیں ہو سکتے۔	۱۹۱، ۶۸۱	جنب نہایا اور پیٹھ کا کچھ حصہ باقی تھا پھر حدث ہوا دونوں کیلئے ایک تیمّم کرے پانی اُن میں سے جس کیلئے کافی ملے گا تیمّم اس کے حق میں ٹوٹ جائے گا دوسرے کے حق میں باقی رہے گا اور اگر ایک کو کافی ہے دونوں نہ ہو سکیں تو جنابت دھوئے اور مذہب راجح میں حدث کا تیمّم پھر کرلے۔	۲۵۸، ۶۸۲
ہر حدث چھوٹا ہو یا بڑا آتا ہے تو ایک ساتھ، جاتا ہے تو ایک ساتھ، اس میں ٹکڑے نہیں۔	۱۹۱، ۶۸۱	اسی صورت میں اگر جنابت نہ دھوئی بلکہ وضو کرلیا تو جنابت کا تیمّم بالاتفاق پھر کرنا ہوگا۔	۲۶۲، ۶۸۲
اکثر اعضائے وضو زخمی ہیں تو صرف تیمّم کرے یوں ہی اکثر بدن زخمی ہے تو فقط تیمّم کرے۔	۱۹۱، ۶۸۱	جنابت کیلئے غسل و تیمّم سے پہلے جو حدث ہوگا وہ غسل یا تیمّم اسے بھی زائل کردے گا لیکن جنب نے اعضائے وضو دھولیے اس کے بعد حدث ہو تو بقیہ بدن دھونے سے اس کا غسل اُتر جائے گا یہ حدث نہ جائے گا اس کیلئے وضو یا تیمّم ضرور ہے۔	۲۶۶، ۶۸۳
وضو یا غسل میں اگر ناخن بھر جگہ پانی بہنے سے رہ گئی تیمّم کرے اُتنا جسم دھونا کافی نہ ہوا مگر جب اتنا پانی ملے کہ اس ناخن بھر جگہ پر بہنے کو کافی ہو تیمّم ٹوٹ جائے گا اسی پر بہانے سے غسل اُتر جائے گا۔	۱۹۱، ۶۸۱	پانی اُتنی ہی جگہ کو پاک کرتا ہے جہاں گزرے اور مٹی چہرہ و دست پر گزر کر سارے بدن کو۔	۲۶۶، ۶۸۳

جنابت کیلئے تیمّم کیا پھر حدث ہوا وضو کیا پھر نہانے کا پانی پایا اور نہ نہایا تو جنابت لوٹ آئی مگر اعضائے وضو کی طہارت نہ گئی۔	۲۶۷، ۶۸۳	اس کی تحقیق کہ حدث وجنابت جمع ہونے کی دو قسمیں ہیں اور ان کے احکام کا بیان۔	۲۷۵
صورت مذکورہ میں اگر جنابت لوٹ آنے کے بعد پھر حدث ہوا اور قابلِ وضو پانی پائے بہر حال وضو کرنا ہوگا۔	۲۶۸،۶۸۳	حدث مندرج یعنی تابعِ جنابت کی بارہ [۱۲] صورتیں ہیں۔ حدث مستقل کہ تابعِ جنابت نہ ہو اس کی دس صورتیں ہیں۔	۲۷۶
اسی صورت میں اگر قابلِ وضو پانی نہ تھا اور جنابت کیلئے تیمّم کیا تو حدث بھی اُٹھ جائے گا مگر صرف اس وقت تک کہ وضو کے قابل پانی پائے۔	۲۶۸، ۶۸۴	حدث مستقل ہونے کا ضابطہ کلیہ۔	۲۷۶
حدث تابع ومستقل کا بیان اور حدث مستقل کے احکام۔		حدث مندرج کوئی حکم نہیں رکھتا اور اس کی اور حدث مستقل کی تفصیل احکام میں ۱۶ مسئلے افاداتِ مصنّف سے۔	۲۷۷
حدث تابع کے احکام۔	۲۶۸، ۶۸۴	حدث مندرج کوئی حکم نہیں رکھتا اور اس کی اور حدث مستقل کی تفصیل احکام میں ۱۶ مسئلے افاداتِ مصنّف سے۔	۲۷۷
جنب نے تیمّم کیا پھر حدث ہوا اور اس کے لئے وضو نہ کیا تھا کہ پانی نہانے کے قابل ملا اور نہ نہایا جس سے جنابت عود کرکے باقی رہی اور پانی چھوڑ کر میل بھر سے زیادہ چلا گیا اور اب پانی صرف وضو کے قابل پایا وضو کی حاجت نہیں۔	۲۶۸، ۶۸۴	حدث مستقل کی صوتیں اور ان کے احکام۔	۲۸۰
صورت مذکورہ میں عود جنابت کے بعد جتنے حدث ہوں گے ان کے لئے وہی تیمّم جنابت کافی ہے، ہاں اگر تیمّم یا وضو کے بعد پھر حدث ہو تو وضو لازم ہے۔	۲۷۰،۶۸۴	جنب نے وضو کیا پھر حدث ہوا پھر سارا وضو کیا مگر ایک انگلی کی ایک پور چھوڑ دی تو اگرچہ جنابت کیلئے تیمّم کرے گا مگر اس پور کے قابل پانی ملے تو اسے دھونا ضرور ہے تیمّم کافی نہ ہوگا۔	۲۸۰، ۶۸۵
جنب نے تیمّم سے نماز پڑھی پھر حدث ہوا اور وضو کرکے موزے پہنے پھر پانی پر گزرا اور بے نہائے ایک میل چلا گیا اور نماز کا وقت آیا وضو کو پانی موجود ہے وضو کی حاجت نہیں جنابت کا تیمّم کرے، ہاں اس کے بعد حدث ہو تو وضو کرے اور اس میں موزے اتار کر پاؤں دھوئے کہ جنب کیلئے موزوں کا مسح نہیں۔	۲۷۰، ۶۸۴	محدث نے اگر صرف ایک ایک بار اعضاء دھونے کے لائق پانی پایا تیمّم نہیں کرسکتا اور تیمّم تھا اور اتنا پانی ملا ٹوٹ گیا۔	۲۸۴، ۶۸۵
اس کی تحقیق کہ حدث کبھی جنابت سے پہلے ہوتا ہے کبھی ساتھ، کبھی بعد اور اس کی صورتوں کا بیان۔	۲۷۴	حدث ہو یا جنابت یا دونوں ایک تیمّم اُن میں سے جس کی نیت سے چاہے کرلے کافی ہے۔	۶۸۵

سفر میں ہے وضو کی حاجت ہے اور کپڑے پر بقدر مانع نماز کوئی نجاست اور پانی اتنا ہے کہ چاہے وضو کرلے چاہے نجاست دھولے اس پر لازم ہے کہ نجاست دھوئے اور حدث کیلئے تیمّم کرلے۔	۲۰۹، ۶۸۵	حیض والی کے ہاتھ کی پکی روٹی اور اس کو اپنے ساتھ کھلانے کا حکم۔	۳۵۵
اللہ عزّوجل کی رحمت کہ محتاج بندے کے ایک ایک پیسے کا لحاظ فرمایا کہ آٹا گوندھنے کو پانی نہ رہے گا تو تیمّم کرو دھیلے کا پانی پیسے کو ملتا ہو تو دھیلا زیادہ نہ دو تیمّم کرلو۔	۳۱۷، ۶۸۵	عورت اگر نفاس سے آٹھ دن میں فارغ ہوجائے تو اس کا حکم۔	۳۵۶
افضل یہ ہے کہ نجاست دھونے کے بعد تیمّم کرے اور پہلے کرچکا ہو تو دوبارہ کرلے۔	۳۱۷، ۶۸۵	بحالتِ حیض ونفاس صحبت کرنے کا کفارہ۔	۳۵۶
اگر جنابت کا بقیہ باقی ہے اور حدث بھی اور پانی ایک ہی کے قابل ملا تو لازم ہے کہ پہلے بقیہ جنابت دھوئے اس کے بعد حدث کا تیمّم کرے اگر پہلے تیمّم کرلیا تو پانی اس دھونے میں خرچ ہوجانے کے بعد دوبارہ تیمّم لازم ہے۔	۳۱۸، ۶۸۶	دربارۂ کفارہ مذکور مختلف روایات اور اُن کے محامل کا بیان۔	۳۵۶
مسح خفین		دینار شرعی اور درم شرعی کی مقدار۔	۳۶۴
موزہ اتارنے سے موزہ کا مسح ٹوٹ جاتا ہے اگر وضو کے بعد حدث نہ ہوا اور موزہ خود ہی اُتارا یا مسح کی مدت ختم ہونے کے سبب اتارنا ضرور ہوا صرف پاؤں دھولے ہاں اگر بعد وضو حدث ہوا تھا تو آپ ہی سارا وضو کرے گا۔	۶۸۵	حالتِ حیض میں ضرورت کو پورا کرنا کس طرح جائز ہے۔	۳۶۵
سُوتی موزوں پر مسح کا حکم۔	۳۴۵	بحالتِ جنابت جوابِ سلام کا طریقہ۔	۳۶۵
بُوٹ پر مسح کا حکم۔	۳۴۷	اخبار یا کتاب میں آیت قرآنِ کریم لکھی ہو تو اس کا چھونا بے وضو کیلئے جائز ہے یا نہیں؟	۳۶۶
حیض کا بیان		**معذور کا بیان**	
نماز میں حیض آجانے کا حکم۔	۳۴۹	بواسیر والے کے احکام	۳۷۱
عورت بحالتِ حیض مراقبہ کرسکتی ہے۔	۳۵۱	معذور صبح کے وضو سے اشراق کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔	۳۷۴
دس ۱۰ دن سے کم حیض آنے کی صورت میں صحبت کب جائز ہوگی؟	۳۵۲	**نجاستوں کا بیان**	
عورت کے پیٹ یا ران وغیرہ اعضاء پر فراغت حاصل کرنے کا حکم۔	۳۵۳	ہاتھی دانت کا استعمال جائز ہے۔	۳۷۷

چوہا راب میں گر جائے تو اُس کا حکم اور اس کے پاک کرنے کے دو طریقے	۳۷۸	کُتّا نجس العین نہیں، یہی راجح ہے اور اس کی وجوہ ترجیح، اول۔	۴۳۱
بحالتِ جنابت پسینہ آئے اور کپڑے تَر ہو جائیں تو ناپاک ہوں گے یا نہیں۔	۳۸۰	دوم، سوم، چہارم،	۴۳۷، ۴۸۳
رنگوں کے پاک ہونے کا بیان۔	۳۸۱	پنجم، ششم، ہفتم۔	۴۴۰، ۴۴۱
عموم بلوی نجاست متفق علیھا میں بلکہ موضع نص قطعی میں بھی باعث تخفیف ہوتا ہے۔	۳۸۱	کتّے کے نجس العین ہونے کے دلائل کی تضعیف بچند وجوہ۔	۴۴۴
ناپاک مصری کا پھینک دینا روا نہیں اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۳۸۲	وجہ اول۔	۴۴۴
روسر کی شکر کا حکم۔	۳۸۲	وجہ دوم، سوم۔	۴۴۶
چھپکلی سرکہ میں گر گئی اور زندہ نکال لی گئی تو ایسے سرکہ کا کیا حکم ہے؟	۳۸۳	چہارم۔	۴۴۷
بہتی چیز ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۳۸۴	پنجم۔	۴۵۱
پُڑیا کے رنگے ہوئے کپڑے سے نماز درست ہے یا نہیں۔	۳۸۹	التنبیہ علی الطیبی و مجمع البحار۔	۴۴۹
مرغی کی قے پاک ہے یا ناپاک؟	۳۹۰	قاعدہ کلیہ کہ کوئی نجاست اپنے معدن میں حکمِ نجاست نہیں پاتی۔	۴۵۵
نجس چیز ایک مرتبہ میں پاک ہو جاتی ہے یا نہیں۔	۳۹۲	کسی شے پر ابتنا کے دو معنی ہیں۔	۴۵۵
جُوتے پر اگر پیشاب پڑ جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۳۹۵	اس رسالے کا نام سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب۔	۴۶۳
شُبہہ سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی۔	۳۹۶	داد یا پھنسی سے اگر کچھ لہو نکلے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۴۶۴
پکی ہوئی کھچڑی یا چاول یا چونے میں چوہے کی مینگنی نکلے تو کیا حکم ہے؟	۳۹۸	التنبیہ علی ردّ المحتار۔	۴۷۰
کُتّے کے نجس العین ہونے اور نہ ہونے کی تحقیق۔	۳۹۹	ہر جانور کی ہڈّی کا حکم۔	۴۷۱
التنبیہُ علی البحر والدرر وغیرہما۔	۴۲۳	مسواک میں ہاتھی دانت ہڈی ہو تو اس کا حکم۔ رعایت خلاف بالاجماع معتبر ہے۔	۴۷۱۴ ۷۱
التنبیہ علی ردّ المحتار۔	۴۲۴	چھت پر گوبر سے لِھسائی کی گئی پھر وہ چھت ٹپکی اور پانی کپڑے وغیرہ کسی چیز کو لگا تو اس کا حکم۔	۴۷۱
التنبیہ علی ابی السعود۔	۴۲۷		

چینی جو ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے نہ معلوم وہ ہڈیاں کس جانور کی ہوتی ہیں اس کے حکم کی کامل تفصیل۔	۴۷۳	ظنِ غالب کی دو صورتیں۔ پہلی صورت۔	۴۹۳
مقدمہ اولٰی کہ بجز خنزیر ہر جانور کی ہڈیاں خواہ ماکول ومذبوح ہو یاغیر ماکول اور نامذبوح پاک ہیں۔	۴۷۵	شک، ظن، وہم کی تعریفیں اور ان پر ایرادات لطیفہ	۴۹۷
مقدمہ ثانیہ کہ شریعت میں طہارت وحلّت اصل ہیں کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کی محتاج نہیں اور حُرمت ونجاست عارضی ہیں کہ اپنے ثبوت میں محتاج دلیل خاص۔	۴۷۶	ہر ایک کی بے غبار تعریف رضوی۔	۴۹۷
دماء، فروج، مضار میں حرمت اصل ہے۔	۴۷۶	ظنِ غالب کی دوسری صورت۔	۴۹۸
ظنِ لاحق یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔ ۱۴/۳ سے زائد فقہ اس ضابطے پر مبنی ہے۔	۴۷۷	اس صورت کا حکم۔	۴۹۸
مقدمہ ثالثہ کہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن۔	۴۷۸	مجوس کا ذبیحہ حرام ہے دوسرے کھانوں میں حرج نہیں۔	۵۰۱
مقدمہ رابعہ کو بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکام شرع کی مناط ومدار نہیں۔	۴۷۹	فائدہ جلیلہ کہ مکروہ تنزیہی نہ گناہ کبیرہ ہے نہ صغیرہ۔ اس کا مرتکب اصلا عقاب کا مستحق نہیں۔	۵۰۵
مقدمہ خامسہ کہ حلت حرمت طہارت نجاست احکام دینی ہیں اور احکامِ دینی میں فرق کی خبر محض نامعتبر۔	۴۸۱	مقدمہ ثامنہ کہ کسی شے کی نوع یا صنف میں بوجہ ملاقات نجس یا اختلاط حرام نجاست وحُرمت کا تیقن اس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب ہوسکتا ہے جب معلوم ہو کہ یہ ملاقات بروجہ عموم وشمول ہے۔	۵۰۷
مقدمہ سادسہ کہ کسی شے کا محلِ احتیاط سے دور ہونا یا کسی قوم کا بے احتیاط ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے مطلقًا ناپاک یا حرام قرار پائے یااُس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں ناپاک یا حرام قرار پائیں۔	۴۸۳	مقدمہ تاسعہ کہ جب بازار میں حلال وحرام مطلقًا یا کسی جنس میں مختلط ہوں اور کوئی علامت فارقہ نہ ملے تو شریعت خریداری سے منع نہیں کرتی۔	۵۱۱
جس پانی میں بچہ ہاتھ یا پاؤں ڈال دے پاک ہے جب تک نجاست تحقیق نہ ہو۔	۴۸۶	مقدمہ عاشرہ کہ حق جل مجدہ، نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیزیں استعمال کریں جو نفس الامر میں طاہر وحلال ہوں کہ اس کا یقین ہماری قدرت سے باہر ہے۔	۵۱۲
کفار کے تیار کردہ کھانوں اور ان کی بنائی ہوئی مٹھائیوں کا حکم۔	۴۸۷	بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اسے مانع نجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو۔	۵۱۴
کفار وفساق کے کپڑوں کا حکم۔	۴۹۰	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک حوض پر گزرنا اور ہمراہیوں سے حضرت عمرو بن عاص کا صاحبِ حوض سے دریافت کرنا کہ اس حوض پر درندے آتے ہیں یا نہیں اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا صاحبِ حوض کو بتانے سے منع فرمادینے کا واقعہ اور منع کرنے کے وجوہ۔	۵۱۵
مقدمہ سابعہ کہ شدت بے احتیاطی باعثِ ظنِ غالب ہے اور ظنِ غالب شرعًا معتبر۔	۴۹۳		

واقعہ مذکورہ میں حوض صغیر تھا یا کبیر۔	۵۱۶	ٹنچر کا حکم۔(انگریزی دوا)	۵۴۲
ایک مجتہد کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے مجتہد کو اپنی تقلید پر آمادہ کرے۔	۵۱۹	خاتمہ	۵۴۶
امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ہارون رشید کی گفتگو دربارہ مؤطا شریف۔	۵۱۹	جلب تیسیر قواعدِ مسلّمہ ہے۔	۵۴۷
مجتہد بلکہ عامی کو بھی ظنِ غیر کی تقلید پر مجبور نہ کیا جائے گا اُن امور میں جو مبتلی کی رائے پر مفوض ہوتے ہیں۔	۵۱۹	حدیث انکم فی زمان من ترك منكم عشر ما امر به الخ اخرجه الترمذی وغیرہ۔	۵۴۸
شریعت مطہرہ میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے۔مثلاً مسلمان نے دعوت کی الخ۔	۵۲۵	تنبیہ	۵۵۲
دوحدیث بابت مدارات خلق۔	۵۲۷	عیسائی کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی شیرینی قابل استعمال ہے یا نہیں۔	۵۵۳
ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پرواہ نہ کرے اور اتیان مستحب وترک غیر اولٰی پر مدارات ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔	۵۲۸	نصارٰی کے مذہب میں خُونِ حیض کے سوا کوئی چیز ناپاک نہیں۔	۵۵۴
وضع ضابطہ کلیہ دریں باب وتفرقہ درحکم عظام وشراب۔	۵۳۵	عیسائی کی چھوئی ہوئی چیز کا استعمال شرعاً مکروہ ہے۔	۵۵۴
واضح ہو کہ کسی شے حرام خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر یقین دو قسم ہے: اول شخصی، دوم نوعی پھر نوعی دو قسم ہے اول اجمالی، دوم کلی۔	۵۳۵	زید نے عمرو سے کہا کہ تم مٹی کے برتن کو پاک کرکے رکھو تو چاقو ماردوں گا۔اس کا حکم کیا ہے؟	۵۵۵
اور وہ اشیاء بھی جن کا کسی ماکول ومشروب یا اور استعمالی چیزوں میں خلط سنا جانا موجب تردّد وتشویش وباعثِ سوال وتفتیش ہو۔ دو قسم ہیں: اول مامنہ محذور۔دوم ماہو محذور۔	۵۳۵	شیر خوار بچہ کا پیشاب پاک ہے ناپاک۔	۵۵۶
خلاصہ ضابطہ مذکورہ۔	۵۳۶	اگر جسم پر نجاست لگ جائے اور وہاں وَرم ہو تو کیا حکم۔	۵۵۶
الشروع فی الجواب بتوفیق الوہاب۔	۵۳۷	لحاف، توشک وغیرہ روئی دار کپڑے ناپاک ہوجائیں تو پاک کس طرح ہوں گے۔	۵۵۶
خبر متواتر کے مخبرین مین جمہور کے نزدیک اسلام شرط نہیں۔	۵۳۷		

ناپاک سوت کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۵۵۶	غسل خانہ کا گھڑا زمین پر رکھ دینے سے ناپاک ہوگا یا نہیں۔اور جو شخص اپنے کو مولوی کہلوائے اُس کا حکم۔	۵۶۷
غسل خانے کے جو بچہ کا پانی گھڑے سے نکالنا پھر اُس گھڑے کو دھوکر استعمال کرنا مکروہ ہے یا نہیں۔	۵۵۷	کھانے کے پاس کُتّا کھڑا تھا کسی نے منہ ڈالتے نہیں دیکھا لیکن کچھ نشانات ہیں الخ تو کیا حکم ہے؟	۵۶۸
ناپاکی دھونے کے بعد تہبند باندھ کر غسل کرے تو تہبند پاک رہے گا یا نہیں۔	۵۵۸	سڑکوں پر چھڑکاؤ کرنے کی غرض سے جو پانی حوضوں میں جمع کیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔	۵۶۸
جن حلوائیوں کی کڑاہیوں کو کتّے چاٹتے ہیں اُن کے یہاں کی شیرینی یا دودھ لے کر کھانا پینا درست ہے یا نہیں۔	۵۵۸	کفار کی نفریں اور آفریں معتبر نہیں۔	۵۶۸
مٹی کے برتن ناپاک ہوجائیں تواُن کے پاک کرنے کا طریقہ۔	۵۵۸	خاکروب اگر سقّے کی ترمشک چھودے تو کیا حکم ہے؟	۵۶۹
کفار کا استعمال کیا ہوا ڈول چرمی دھوکر مسلمان استعمال کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۵۹	جس گھی میں کُتّا منہ ڈال دے اُس کا حکم۔	۵۶۹
بدن پاک کرنے میں کیا ضروری ہے۔	۵۶۰	بھنگی کی چھوئی چیز کا حکم۔	۵۶۹
اگر کپڑے پر بیلوں کے پیشاب کی چھینٹیں پڑی ہوں تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۵۶۳	ہاتھی کے پیئے ہوئے پانی کا حکم۔	۵۷۰
ناپاک گھی کو پاک کرنے کے تین طریقے۔	۵۶۳	منی مطلقًا ناپاک ہے مگر انبیاء کرام کی تخلیق جس نطفے سے ہوئی وہ اور خود انبیائے کرام کی منی بلکہ تمام فضلات پاک ہیں۔	۵۷۰
انگلی پر نجاست لگ جائے تو چاٹ کر پاک ہوجائے گی یا نہیں۔	۵۶۵	بیلوں کے پیشاب کی چھینٹوں کا حکم۔	۵۷۰
ہنود کے یہاں کی اشیائے تَر وخشک کا حکم شرعی۔	۵۶۵	نیا کپڑا بغیر دھوئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۵۷۲
ناپاک زمین دھوپ سے پاک ہوجائے پھر گیلا پیر رکھنے سے پیر ناپاک ہوگا یا نہیں۔	۵۶۶	دیسی اور ولایتی صابون کا حکم۔	۵۷۲
جس زمین پر بچے پیشاب پاخانہ کرتے ہیں اُس پر راب گر گئی پھر اس کی شکر بنائی گئی وہ پاک ہے یا ناپاک۔	۵۶۷	باب الاستنجاء	
چوہے کی مینگنی یا اُپلے کی کرسی کھانے میں نکل آئے تو کیا حکم ہے؟	۵۶۷	وضو کے بچے ہوئے پانی سے بڑا یا چھوٹا استنجاء کرنے کا حکم۔	۵۷۵
		بقیہ وضو کا پینا ستّر مرض سے شفاء ہے۔	۵۷۵

ایسے شخص کی نماز وامامت کا حکم جو بوجہ عذر بائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرسکے۔	۵۷۶	حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آٹھ جواب جس میں وارد کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی گھورے پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔	۵۸۹
بعد پیشاب دربارہ استنجاء نبوی عادت اور صحابہ کرام کی عادت کا بیان۔	۵۷۸	اول جواب یہ کہ منسوخ ہے۔اس پر علامہ عسقلانی وعلامہ عینی کا تعقب اور تعقب کا جواب رضوی۔	۵۹۰
ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرنا افضل ہے۔	۵۷۹	جواب دوم	۵۹۱
استنجا کن کن چیزوں سے خشک کرنا چاہیے، اور کن کن سے خشک نہ کیا جائے۔	۵۷۹	جواب سوم بیان کردہ امام منذری اور اس کی اصلاح رضوی۔	۵۹۱
کتاب منیۃ المصلّی کی ایک عبارت کا حل۔	۵۸۰	علامہ ابہری کا جواب چہارم اور اس کی اصلاح رضوی۔	۵۹۲
لفظ مخرج کے معنی لغوی واصطلاحی کا بیان۔	۵۸۱	جواب پنجم کی ایضاح پر قدح رضوی۔	۵۹۴
مہلک بیاباں کو مفازہ کہنے کی وجہ۔	۵۸۱	جواب ششم پر رضوی ناپسندیدگی۔	۵۹۴
انگوٹھی پر اگر قرآن یا اسمائے معظمین لکھے ہوں تو اُس کو اتار کر بیت الخلا جانا افضل ہے۔	۵۸۱	جواب ہفتم پر اعتراض رضوی پھر اس کی اصلاح۔	۵۹۵
بعد پیشاب صرف پانی سے استنجا کرے تو پاجامہ یا تہبند نجس ہوتا ہے یا نہیں اور اس کی امامت کیسی ہے۔	۵۸۳	جواب ہشتم	۵۹۶
ہڈی سے استنجا کرنے کی ممانعت کا سبب۔	۵۸۴	مذکورہ بالا چار احادیث کو حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر بسہ طریق ترجیح رضوی۔	۵۹۶
قوم جن اور اُن کے جانوروں کی خوراک کا بیان۔	۵۸۴	ایک لوٹے پانی سے استنجا اور وضو درست ہے یا نہیں۔	۵۹۷
کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم اور یہ کہ اس میں چار حرج ہیں۔	۵۸۵	دیوبندی عقائد کی کتابیں ہنود کی پوتھیوں سے بدتر ہیں اور فقہائے کرام کا یہ تحریر کرنا کہ "یجوزالاستنجاء باوراق المنطق" درست نہیں۔	۵۹۸
ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوبارہ بغیر غسل آلہ جماع کرنا مکروہ ہے۔	۵۸۵	بعد پیشاب بحالت کلوخ سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا یا کلوخ کرتے ہوئے کو سلام کرنا کیسا ہے۔	۵۹۸
اُس اشکال کا دفع رضوی جو صاحب فتح الباری اور صاحب عمدۃ القاری کو حدیث صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں پیش آیا۔	۵۸۷	مسلمان کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۹۹
چار احادیثِ صحیحہ اس بارہ میں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممنوع، بے ادبی، خلاف سنت ہے۔	۵۸۷	اور بعد فراغت مبرز کو کاغذ سے پاک کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۹۹
		کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگرچہ سادہ ہو۔	۵۹۹

حروف ہجا قرآن ہیں، حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے تھے۔	۶۰۰	خطیب کو خطبہ پڑھتے وقت شک ہوا کہ قطرہ اُترآیا بعد خطبہ آلہ تناسل کو چھوا تو تری معلوم نہ ہوئی اور نماز پڑھادی تو کیا حکم ہے۔	۶۰۵
پیشاب کے بعد کلوخ لیا اور پانی سے پاک کرنا بھول گیا اور نماز ادا کرلی یا نماز میں یاد آیا تو نماز ہوگئی یا نہیں۔	۶۰۰	حدیث میں وارد کہ شیطان دھوکا دینے کو تھوک دیتا ہے جس سے تری کا شبہ ہوتا ہے۔	۶۰۵
پیشاب کرکے اسی جلسہ میں صرف پانی سے استنجا کرنا درست ہے یا نہیں یا کلوخ لینا شرط ہے۔	۶۰۰	جب لنگر یا لنگوٹ سے قطرہ بند ہوجاتا ہے تو اس کا باندھنا واجب ہے۔	۶۰۶
استبرا واجب ہے اور اس کی تعریف۔	۶۰۱	پختہ اینٹ سے استنجا منع ومکروہ ہے جس ڈھیلے سے چھوٹا استنجا کیا، بعد خشکی دوبارہ اس سے استنجا کرسکتے ہیں۔	۶۰۷
مسجد کے پیشاب خانوں کا رخ اگر بسوئے مشرق یا مغرب ہو اور اہل محلّہ باوجود ممانعت علماء بدلنے کی کوشش نہ کریں تو اُن کا کیا حکم ہے نیز اس شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں جو ان میں پیشاب وغیرہ کرتا ہو۔	۶۰۱	ڈھیلے اور پانی سے استنجا کرنے پر قطرہ پیشاب کا ہمیشہ آجاتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔	۶۰۷
جو شخص استنجاء خشک کرتا ہو اگر اس کو کوئی شخص سلام کرے تو وہ جواب دے یا نہیں۔	۶۰۱	بروقت پیشاب یا پاخانہ رُوبشمال کرنا کیسا ہے۔	۶۰۷
صحن مسجد کے بارے میں ایک سوال کا جواب۔	۶۰۲	یہاں سے بیت المقدس اور بغداد شریف کی سمت بھی شمال ہے۔	۶۰۷
جاذب یعنی بلاٹنگ سے استنجاء کرنے کا حکم۔	۶۰۳	چھوٹی حمائل شریف ٹین کے ڈبے میں رکھ کر پھر کپڑے میں سی کر بچوں کے گلے میں ڈالنے کا حکم۔	۶۰۸
بڑا یا چھوٹا استنجاء محض پانی سے کرنے والے کا حکم۔	۶۰۴	قرآن چھوٹی تقطیع پر لکھنا، حمائل بنانا شرعًا مکروہ وناپسند ہے۔	۶۱۰
پاخانہ میں تھوکنے کا حکم۔	۶۰۴		

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

باب الوضو		باب الغسل	
مسح کہ وضو میں ہے اس سے مراد تری پہنچانا ہے کسی طرح ہو اگرچہ مینہ پڑنے یا غوطہ لگانے سے۔	۲۳۷، ۶۲۲	چونا کتھا اگر دانتوں پر جم جائے تو بغیر چھڑائے غسل ہوگا یا نہیں۔	۳۲۳
وضو میں مسح کی جگہ سر دھونا خلاف سنت ہے۔	۲۳۷، ۶۲۲	ہر انزال میں پیشاب کے بعد نہانا چاہیے۔	۱۹۶، ۶۳۴
آنکھ سے پانی نکلنا ناقضِ وضو ہے یا نہیں۔	۳۲۱	بعد جماع نہ پیشاب کیا نہ سویا نہ اتنا چلا کہ بقیہ منی نکل جاتا اور نہالیا اب بقیہ نکلا دوبارہ نہانا ہوگا اگرچہ بے شہوت نکلے۔	۱۹۶، ۶۳۴
فصل فی النواقض		ہر منی کہ شہوت سے نکلے اُس سے پہلے مذی ضرور نکلتی ہے۔	۲۳۴، ۶۳۴
کئی حدث ہوئے وضو کیا وہ سب سے ہے نہ فقط اول سے۔	۲۹۹	اگر حیض واحتلام وجماع وانزال سب جمع ہوں تو سب کو ایک ہی غسل کافی ہے۔	۲۵۲، ۶۳۴
حدث اصغر وہی ہے جس سے فقط وضو واجب ہو نہانا نہ ہو۔	۲۳۵	غسل میں نیت کیا ہے اور وہ کیسے ہوتی ہے؟	۳۲۳
اس کی تحقیق کہ ہر موجب غسل موجب وضو ہے۔	۲۳۶	پردے کی جگہ برہنہ غسل کرنے کا حکم۔	۳۲۳
تحقیق المصنف ان الحدث المتجز ی علی قسمین شامل ومقتصر۔ (مصنف کی تحقیق کہ حدث متجزی دو ۲ قسم پر ہے (۱) شامل، (۲) مقتصر)	۲۶۵		

بغیر دفق و شہوت احتلام کا حکم۔	۳۲۴	کنویں کے احکام۔	۳۳۹
زانی کے ذبیحہ کا حکم۔	۳۲۴	ناپاک پانی سے وضو یا غسل کیا، تو معلوم ہونے پر کب تک نمازیں دُہرائی جائیں۔	۳۴۰
اگر کافر اسلام لائے تو غسل کا حکم دیا جائے گا۔	۳۲۵	آب کنواں دَہ در دَہ کب ہوگا۔	۳۴۲
غسل خانہ میں ننگے نہانے کا حکم۔	۳۲۶	کتا اگر کنویں میں گر جائے تو کیا حکم ہے؟	۳۴۲
پانی کا بیان		**مسائل نماز**	
کافر کے جُوٹھے پانی کا حکم۔	۳۲۷	تیمّم والے نے نماز میں پانی پایا نماز ٹوٹ گئی اگرچہ التحیات کے بعد۔	۳۲، ۷۰۵
دَہ در دہ حوض کا حکم جبکہ پانی دہ در دہ نہ ہو۔	۳۲۸	ایک سلام پھیرنے کے بعد پانی پایا نماز ہوگئی۔	۳۲، ۷۰۵
دَہ در دہ حوض میں عمق، طول و عرض کتنا لازم ہے، اور اس کا حکم جاری کا ہے یا نہیں۔	۳۲۸	صاحبِ ترتیب کو قضا نماز یاد تھی اور وقت میں گنجائش اور اس سے خلاف حکم وقت کی پڑھی تو اس وقتیہ کو صحیح کہیں گے یا کیا۔	۱۳۱
مینہ کے پانی کا حکم۔	۳۳۱	محل اقامت میں امام چار رکعت کی نماز دو پڑھ کر چلا گیا اور مقتدیوں کو اُس کا حال نہ معلوم ہوا کہ مقیم ہے یا مسافر اُن کی نماز نہ ہوئی اگرچہ یہ خود مسافر ہوں، ہاں اگر جنگل میں یا منزل پر ایسا ہوا تو ان کی بھی ہوگئی جو مقیم ہے اپنی چار پوری کرلے۔	۷۰۵
حرام پیسے سے بنوائے گئے حوض کے پانی کا حکم۔	۳۳۳	التحقیق ان العلم المذکور بحال الامام شرط الحکم بصحۃ الاقتداء لاشرط نفس الاقتدا۔	۱۴۵(حاشیہ)
مستعمل پانی کے بارے میں امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب محقق۔	۳۳۵	**جنائز**	
آبِ وضو کے قطرے کپڑے پر گرنے یا مسجد میں گرانے کا حکم۔	۳۳۶	جنب یا حائضہ جس پر نہانا لازم تھا اُسی حالت میں مرجائے تو ایک ہی غسل میّت سب کو ادا کردے گا۔	۲۵۲
حُقّہ کے پانی کا حکم۔	۳۳۷	**مسائل طلاق**	
کنویں کا بیان		کسی سے کہا تو نے اپنی عورت کو طلاق دی اُس نے کہا میں نے طلاق دی طلاق ہوگئی اور جھنجھلا کر جھڑکنے کی آواز سے کہا میں نے طلاق دی، نہ ہوگی۔	۱۱۹، ۱۲، ۷۱۲

عورت نے طلاق مانگی اس نے نہ مانا اس نے پھر کہا دی اس نے سختی سے کہا دی، نہ ہوئی، اور نرم آواز سے کہا تو ہوگئی۔	۱۱۹، ۷۱۲	**مسائل دعوٰی**	
تنبیہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ طلاق کے مسائل بہت نازک ہیں ایک حرف کی کمی بیشی درکنار لہجہ کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے سخت احتیاط درکار ہے۔	۷۱۲	حاکم نے مدعٰی علیہ سے حلف کو کہا وہ چپ رہا، یہ بھی انکار ہے جبکہ گونگا یا بہرا نہ ہو۔	۱۱۸، ۷۱۹
مسائل قسم		اس صورت میں مستحب ہے کہ قاضی اس سے تین بار حلف کو کہے اگر سکوت کرے انکار ٹھہرا کر مدعی کو ڈگری دے دے۔	۱۱۸، ۷۱۹
قسم کھائی فلاں چیز تجھے دینے سے انکار نہ کروں گا اس نے مانگی، اس نے وعدہ کیا تو کیا حکم ہے۔	۱۱۴، ۷۱۳	**مسائل ہبہ**	
قسم کھائی کہ فلاں چیز زید کو نہ دوں گا اس نے مانگی اس نے وعدہ کرلیا قسم نہ ٹوٹے گی جب تک دے نہیں۔	۱۱۵، ۷۱۳	عورت سے کہا تو نے مہر بخشا، اس نے کہا بخشا بخشا، گواہوں نے کہا ہم گواہ ہوجائیں، کہا ہوجاؤ ہوجاؤ، قرینہ سے معلوم ہوگا کہ اس کا یہ کہنا واقعی ہے یا طنز سے، طنز سے ہے تو نہ بخشا گیا۔	۱۱۹، ۷۱۹
قسم کا کفارہ دینے کو اتنا نہیں کہ دس مسکینوں کو کھانا دے پانچ کو دے سکتا ہے تو صرف تین روزے رکھے۔	۲۰۰، ۷۱۳	مسائل اجارہ	
قسم کھائی کہ نکسیر پھوٹنے سے وضو نہ کرے گا، پھر پیشاب کیا پھر ناک سے خون نکلا اس نے وضو کیا حانث ہوجائے گا۔	۲۲۹، ۷۳۷	کافر کی خدمت گاری کی نوکری جائز نہیں۔	۷۲۸
مسائل بیع		قبر پر قرآن مجید پڑھنے کی اُجرت جائز نہیں اور اس کے جواز کا حیلہ۔	۷۲۱
بائع نے بیع میں شرط کرلی کہ تین دن تک مجھے بیع قائم رکھنے نہ رکھنے کا اختیار ہے اس مدت تک مبیع اسی کی ملک رہے گی مشتری کو تصرف جائز نہ ہوگا یہ شرط انتہا درجہ تین دن کے لیے جائز ہے زیادہ کیلئے حرام ومفسد بیع۔	۱۲۶، ۷۱۷	**مسائل حظر واباحت**	
کسی سے کہا اپنا غلام میری طرف سے بعوض ہزار روپے کے آزاد کردے، اس نے کردیا یہ بیع تو ہوئی مگر اسے نہ ایجاب وقبول درکار نہ بیع کے شرائط۔	۲۵۷، ۷۱۷ (حاشیہ)	مسلمان کو جائز نہیں کہ باختیار خود اپنے کو ذلت میں ڈالے۔	۴۷، ۷۲۸

اگر کوئی مسلمان بھوک یا پیاس سے مرتا ہو اس کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے ایسی حالت میں اگر وہ دوسرے کے پاس کھانا پانی پائے اس پر مانگنا فرض ہے اور یہ خود مجبورانہ محتاج نہ ہو تو اس پر دینا فرض ہے۔	۴۸، ۷۲۸	فقہائے کرام احکام میں اکثر نادر صورتوں کا لحاظ نہیں فرماتے۔	۱۹۶
پانی ضائع کرنا حرام ہے۔	۲۰۰، ۷۲۸	الشروح مقدمة علی الفتاوٰی۔	۲۰۷
مال ضائع کرنا حرام ہے۔	۲۰۲، ۷۲۸	ذکر اکثر المتون المعتمدة فی المذهب۔	۲۰۸
فوائد فقہیہ		المنیة لیست من المتون بل عدادها فی الفتاوٰی۔	۲۰۸
دلالت بھی مثل صریح ہے مگر جب صریح اس کے خلاف ہو تو معتبر نہیں۔	۱۲۱	لیس التنویر من تلك المتون۔	۲۰۸
متجانسان لایختلف مقصودهما اذا اجتمعا تداخلا۔	۲۵۶	الاشباه والنظائر لیست من المتون بل مرتبتها فی الفتاوٰی او فی الشروح۔	۲۰۸
لایفرد التابع بحکم۔	۲۵۷	الهدایة مع انها شرح معدودة فی المتون۔	۲۰۸
بسقوط المتبوع یسقط التابع	۲۵۷	ذکر کثیر من الشروح المعتمدة۔	۲۰۹
اذا بطل شیئ بطل مافی ضمنه۔	۲۵۷	ذکر بعض مالایعتمد۔	۲۰۹
تراعی شروط المتضمن بالکسر دون المتضمن۔	۲۵۷	ذکر کثیر من الفتاوٰی المعتمدة۔	۲۰۹
رسم الفتی		ذکر بعض مالایعتمد۔	۲۱۰
کثیرا مایشیرون بالمثال الی المراد۔	۳۳	ذکر المعروضات۔	۲۱۰
ربما یقال باطل بمعنی سیبطل۔	۳۹	ذکر ماقالوا انه لایعتمد۔	۲۱۰
کون روایة ظاهرة لایقضی بکون خلافها نادرة۔	۵۳	قد یطلق لفظ الشیخین علی الصاحبین۔	۲۱۰
عادة محمد الاستشهاد علی خلافیة بخلافیة ایضاحا۔	۹۴	افادات علما میں تکرار مسائل معیوب نہیں۔	۲۵۱، ۷۳۶
المفاهیم توخذ من قیود تذکر فی الحکم لافی التعلیل الااذادل الدلیل۔	۱۴۸	کل نقل ذیله فی الهندیة بقوله کذا فهو نقل عنه بلفظه وماذیله بقوله هکذا فنقل عنه بالمعنی۔	۳۰۷

الامام الحلبی صاحب الحلیۃ لیس من ارباب الترجیح۔	۳۱۶	**فوائد اصولیہ**	
عقائد		صیغۃ الاخبار آکد من الامر۔	۳۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں پر اُن کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔	۴۷، ۴۳۸	صیغۃ الاخبار وانکان ظاھرھا الوجوب ربما تاتی للندب۔	۵۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی جان ومال کے مالک ہیں۔	۴۷، ۴۳۸	الاحتمال اذا لم یکن عن دلیل لم یعارض الظاھر۔	۷۰
اگر وہ کسی مسلمان سے کچھ طلب فرمائیں وہ معاذاللہ سوال نہیں بلکہ یقینا ایسا ہے جیسے مولٰی اپنے غلام سے اس کی کمائی کا کچھ لے کر غلام اور اس کی کمائی سب مِلک مولٰی ہے۔	۴۸، ۴۳۸	جب تک دلیل قطعی بآسانی ملے دلیل ظنی پر عمل جائز نہیں	۱۳۲، ۴۴۴
مسائل کلامیہ		قد تکون مع بمعنی بعد۔	۲۲۷
احتمال بلا دلیل لاینافی الیقین بالمعنی الاعم۔	۷۰	یجوز اجتماع علل شرعیۃ علی معلول	۲۲۹
رَدِّ بدمذہباں		اختصاص شیئ بشیئ علی وجھین۔	۲۴۹
غیر مقلدین کہ تقلید ائمہ چھوڑ کر عمل بالحدیث کے مدعی ہیں دلیل قطعی چھوڑ کر ظنی کی طرف جاتے ہیں اور یہ حرام ہے۔	۱۳۲	القبلیۃ لاتقتضی وجود مدخولھا	۲۹۲(حاشیہ)
فوائد حدیثیہ		التخییر لاینافی الوجوب۔	۲۹۴
ذکر بعض الصّحاح من کتب الحدیث ومالا یعد منھا۔	۲۱۰	الاسائۃ دون کراھۃ التحریم وفوق کراھۃ التنزیہ۔	۳۱۴
ذکر السنن۔	۲۱۰	قد یطلق الاولٰی علی الواجب بل علی الفرض۔	۳۱۴
ذکر بعض تصانیف ائمتنا فی الحدیث وانھا لیست بدون السنن بل فوق بعضھا۔	۲۱۰	لاغرو فی اطلاق الاساءۃ علی ترک الواجب۔	۳۱۵
ذکر المسانید۔	۲۱۱	قد یطلق الوجوب بمعنی التأکد بل مجرد الثبوت۔	۳۱۶

مجمل فہرست رسائل

رسالہ ۱ : قوانین العلماء فی متیمم عند زید ماء تیمّم کرنے والا نماز میں یا اس سے پہلے یا بعد دوسرے کے پانی پر مطلع ہو اس کی تفاصیل احکام میں بے **نظیر تحقیقات مصنّف** علماء کے قانون کا ذکر پھر مصنّف کا اس کیلئے قانون وضع کرنا۔	۳۱	بحث متی العبرۃ بظنه المنع اوالعطاء والکلام مع البدائع والحلیة۔	۷۵
اظہارِ حکم کے لئے بارہ ۱۲ مسائل کی تمہید بے ندید والکلام مع النھر والشامی والفتح وغیرھم۔	۳۲	**بحث** حصول القدرۃ علی الماء بالوعد وفیه خمس تنبیہات و**تحقیق** احکام لم توجد فی الکتب۔	۷۷
بحث ھل یجب الطلب اذا علمه قبل الصلاۃ والکلام مع الغنیة والمبسوط وفیه مقامان۔	۴۲	**اشکال للمصنّف** علی مسألة الوعد۔	۸۲
المقام ۱: کلمات العلماء ھھنا علی ثلثة مسالك **والکلام** مع النھایة والبحر والشامی والمبسوط وکثیرین والمفصلین والموجبین والحلیة وصدر الشریعة۔	۵۰	بحث مسألة رجاء الماء اُخر الوقت والکلام مع الامام العینی بخمسة عشروجھا ومع الامام ملك العلماء والائمة الجلة البخاری والکاکی والاکمل والکمال۔	۸۹
المقام ۲: ھل الشك ملحق بطن العطاء والمنع والکلام مع الجوھرۃ بخمسة وجوہ مع صدر الشریعة۔	۶۲	**تقسیم** المصنّف الوعد الی الابائی والرجائی وتحقیق الحکم فیه۔	۱۱۴

منع دلالۃ میں مصنف کی تحقیق اور وہ تفصیل کہ کتابوں میں نہ ملے گی۔	۱۱۷	مدعا پر نصوص۔	۲۱۳
بحث هل وجوب الطلب بمعنى الاشتراط لحصة التيمم وتحقيق المصنّف فيه والكلام مع السادات الازهری و ط و ش۔	۱۲۸	كلام الامام صدر الشريعة واعتراضات النظار عليه۔	۲۱۶
		تاويلات العلماء لكلام صدر الشريعة ثنتا عشرة افادة من المصنف لتحقيق المقام والكلام مع البرجندی باربعة وجوه ومع الفاضل قره باغی بثمانية وجوه والاعتراض على غاية الحواشی بسبعة وجوه والرد على اللكنوی بخمسة وعشرين وجها۔	۲۳۱
قانون الامام صدر الشريعة والكلام عليه بثلثة وجوه ومع اخی چلپی والرد على اللكنوی۔	۱۳۳	انظار شريفة للمصنّف	۲۵۲
قانون البحر الرائق والكلام عليه باحد عشر وجها۔	۱۴۸	كشف شبهات بالغة بانظار بازغة۔	۲۵۸
قانون العلامة الحلبی والكلام عليه بتسعة وجوه۔	۱۶۶	تحقيق المصنّف فی من اجنب فتيمّم فاحدث فتوضأ فمر بنهر ولم يغتسل انه اذا وجد وضوء يتوضو ويتيمم للجنابة والكلام مع الخانية۔	۲۶۷
القانون الرضوی ۴۲۶ قسموں کو دس ۱۰ میں جمع کر دینا اور انیس ۱۹ قاعدوں کا بیان۔	۱۷۱	تاويل المصنّف كلام صدر الشريعة۔	۲۷۱
۱۳۸ قسموں کا بیان اور ان کے احکام کا احاطہ اور بے شمار قسموں کا اشارہ اور ان کے احکام کا احاطہ۔	۱۸۵	شرح المصنف كلام صدر الشريعة۔	۲۷۲
رسالہ ۲: الطلبة البديعة فی قول صدر الشريعة۔ شروع باب التيمم شرح عقائد میں امام صدر الشریعۃ کی عبارت کہ اس روز سے آج تک معرکۃ الآرا رہی اُس کی نفیس تحقیق افادات خاصہ **مصنّف** سے۔	۱۸۹	**رسالہ ۳:** مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة جنابت وحدث دونوں جمع ہونے کی ۹۸ صورتیں اور اُن کے احکام میں جلیل تحقیقیں	۲۸۳
مصنّف کا اس مدعا پر سات دلیلیں قائم کرنا کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو اور غسل نہ کر سکے وضو کر سکتا ہو تو وضو بھی نہ کرے صرف تیمّم کرے والكلام مع البدائع والحلبی والشامی وملك العلماء والكافی و الزيلعی والفتح والحلية والبحر والشرنبلالی وچلپی و الطحطاوی والرد على الكنكوهی۔	۱۹۱		

مسئلہ کی تین تقسیمیں **والکلام** مع شرح الطحاوی و الخلاصۃ والکافی والھندیۃ وشرح الوقایۃ۔	۲۸۴	بحث اجتماع النجاسۃ الحقیقۃ والحکمیۃ والماء یکفی لاحدھما والکلام مع السراج الوھاج والحلیۃ وکثیرین۔	۳۰۹
نقل عباراتِ علماء۔	۲۸۹	ترجیح قول محمد فیما اذا اجتمع الحدثان الاکبر والاصغر والماء کاف لاحدھما۔	۳۱۷
توضیحات مصنّف۔	۲۹۶	حاصل التحقیق* والحمد للرب الرحیم الرفیق* والصلوٰۃ والسلام علی ھادی الطریق* واٰلہ وصحبہ اولی التوفیق* والحمد للّٰہ ربّ العٰلمین۔	۳۱۷
فہرست احکام۔	۲۹۷	**رسالہ ۴:** سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب۔ کتّے کے طاہر العین یا نجس العین ہونے کی مفصل بحث۔	۳۹۹
مصنف کا **ضابطہ کلیہ**۔	۳۰۰	**رسالہ ۵:** الاحلی من السکر الطلبۃ سکرر و سر۔ جانوروں کی ہڈیوں سے حاصل شدہ چینی کا حکم اور اس کی کامل بحث۔	۴۷۳
ذکر اختلافات واضطرابات **والکلام** مع شرح الطحاوی والشامی والغنیۃ۔	۳۰۱		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسالہ

قوانین العلماء فی متیمم عــہ علم عند زید ماء ۱۳۳۵ھ

عُلماء کے قوانین اس تیمّم کرنے والے کے بارے میں جسے معلوم ہُوا کہ زید کے پاس پانی ہے (ت)

شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں ضمناً اس مسئلہ کا ذکر آیا کہ اگر دوسرے کے پاس پانی پایا اور نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھ لی پھر مانگا اور اُس نے دے دیا تو نماز نہ ہوئی، نہ دیا تو ہوگئی۔ اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق وہاں لکھی کہ بجائے خود ایک رسالہ ہو گئی طول کے سبب اُسے وہاں سے جُدا کیا اور رسالہ کا حوالہ دیا۔ یہ وہ رسالہ ہے وباللّٰہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی ارسل من بحرنداہ* ماء ھداہ* مع مصطفاہ*فاعطانا بلا سؤال*وطھرنا بہ من دنس	تمام تعریف خدا کیلئے جس نے اپنے بحرِ سخا سے، آبِ ہدٰی، اپنے مصطفٰی کے ساتھ بھیجا، تو ہمیں بے مانگے عطا کیا اور اس سے ہمیں گمراہی کے میل سے

عــہ: **اقول:** جو تیمّم سے ہو اور جو تیمّم کرنا چاہتا ہو متیمم دونوں پر صادق ہے اور ان مسائل میں دونوں کا ذکر ہے پھر علم کہا رأی نہ کہا کما قالوا کہ علم شرط ہے دیکھنا ضرور نہیں جیسے پانی اس سے آڑ میں ہے یا یہ اندھا ہے اور اسے علم آیا کہ دوسرے کے پاس پانی ہے اور زید کہا رفیق نہ کہا کما قالوا کہ رفیق ہونا کچھ شرط نہیں ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)

الضلال* صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم *وبارك وشرف ومجدوکرم*علی التوالی والتواتر والاتصال*الی ابد الاٰباد من ازل الاٰزال*وعلٰی اٰلہ وصحبہ خیر صحب واٰل*	پاک کیا۔خدائے برتر ان پر درود وسلام نازل فرمائے اور برکت وشرافت،بزرگی وکرامت بخشے۔پے بہ پے لگاتار اور پیہم،ابدوں کے ابد تک،ازلوں کے ازل سے۔اور ان کی آل واصحاب پر جو بہتر آل واصحاب ہیں۔(ت)

متیمّم کہ دوسرے کے پاس پانی پائے یہ مسئلہ بہت معرکۃ الآراء وطویلۃ الاذیال ہے اکثر کتب میں اُس کے بعض جزئیات مذکور ہیں امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ پھر محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں پھر محقق زین العابدین نے بحر الرائق میں رحمھم اللہ تعالٰی ورحمنا بھم (خدائے برتر ان پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر رحمت فرمائے۔ت) اُس کیلئے قوانین کلیہ وضع فرمانا چاہے کہ جمیع شقوق کو حاوی ہوں۔فقیر اوّلاً چند مسائل ذکر کرے جن کا لحاظ ہر ضابطہ میں ضروری ہے وہی اپنے اختلافات پر مادہ ہر ضابطہ ہیں پھر قوانین علماء اور مالہا وماعلیہا پھر وہ جو فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہُوا واللہ الحمد واللہ المستعان وعلیہ التکلان (اور خدا ہی کیلئے ساری حمد ہے اور خدا ہی مستعان ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔ت)

مسئلہ ۱: اگر دُوسرے کے پاس اتنا پانی ہو نا کہ اس کی طہارت کو کافی اور اس کی حاجت سے زائد ہو معلوم نہ تھا اور تیمم کرکے نماز پڑھ لی نماز کے بعد معلوم ہوا تو نماز پر اس کا کچھ اثر نہیں نماز ہو گئی اگرچہ بعد نماز وہ اسے پانی خود یا اس کے مانگنے سے دے بھی دے۔

لما علمت ان لاقدرۃ الا بالعلم حتی لووضع فی رحلہ ماء ونسیہ وصلی تمت وان تذکر بعدھا لم یعد کما تقدم مفصلا فی نمرۃ۔	اس کی وجہ وہی ہے جو بیان ہوئی کہ بغیر علم واطلاع کے قدرت نہیں۔یہاں تک کہ اگر اپنے خیمہ میں پانی رکھا اور بھول گیا اور نماز پڑھ لی تو پوری ہو گئی۔اگر بعد نماز یاد آیا تو اعادہ نہیں جیسا کہ نمبر ۱۵۸ میں تفصیل سے گزرا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

المصلی بالتیمم اذاوجد الماء بعد الفراغ من الصلاۃ لاتلزمہ الاعادۃ ولووجد فی خلال الصلاۃ فسدت وکذا (۲) لووجد بعد التشھد قبل السلام وان (۳) وجد بعد	تیمّم سے نماز ادا کرنے والے کو جب نماز سے فارغ ہونے کے بعد پانی ملے تو اس پر اعادہ لازم نہیں اور اگر نماز کے درمیان پانی پائے تو نماز فاسد ہو گئی۔اسی طرح اگر تشہد کے بعد سلام سے پہلے پائے۔اگر ایک سلام

ماسلم تسلیمة واحدة لم تفسد [1]۔	پھیرنے کے بعد پائے تو نماز فاسد نہ ہُوئی۔(ت)

مسئلہ ۲: اگر نماز پڑھتے میں اس نے پانی لاکر رکھا کہ یہ لے لے یا مطلق کہا کہ جس کے جی میں آئے اس سے وضو کرے تو تیمّم ٹوٹ گیا نماز جاتی رہی اس کا ذکر ضمناً نمبر۱۶۱ میں گزرا مگر یہاں ایک استثناء نفیس ہے امام فقیہ النفس نے فرمایا[۲] اگر وہ کہنے والا نصرانی ہو نیت نہ توڑے کہ اس کے کہنے کا کیا اعتبار شاید مسخرہ پن سے کہتا ہو، ہاں نماز کے بعد اس سے مانگے دے دے تو نماز پھیرے ورنہ ہو گئی۔ خانیہ میں ہے:

المصلی بالتیمم اذا قال له نصرانی خذ الماء فانه یمضی علی صلاته ولایقطع لان کلامه قد یکون علی وجه الاستهزاء فلایقطع بالشك فاذافرغ من الصلاة سأله ان اعطاه اعاد الصلاة والافلا [2]۔	تیمّم سے نماز ادا کرنے والے سے جب کوئی نصرانی کہے پانی لے تو نماز پڑھتا رہے قطع نہ کرے اس لئے کہ اس کا کلام بطور استہزاء بھی ہوتا ہے تو شک کی بنیاد پر قطع نہ کرے۔ جب نماز سے فارغ ہوجائے تو اس سے طلب کرے اگر دے دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں۔(ت)

اسی طرح خلاصہ میں زیادات وفتاوٰی رزین سے ہے **اقول:** علمائے[۳] کرام اکثر بجائے مناط ذکر مظنہ پر اکتفاء فرماتے اور مثال سے مقصود کی راہ دکھاتے ہیں یہاں نہ نصرانی کی تخصیص نہ کافر کی خصوصیت بلکہ مدار ظن استہزا ہے اگر نصرانی[۴] یا کوئی کافر اس کا نوکر یا ماتحت یا رعیت یا اس کی شاگردی میں ہے یا اس سے کسی حاجت کی طمع رکھتا ہے یا خوف کرتا ہے تو ان صورتوں میں اُس پر گمان استہزا نہ ہوگا نیت توڑنی ہوگی ہاں اگر پھر مانگے پر نہ دے تو تیمّم باقی ہے **وذلك لظهور القدرة علی الماء ظنامع عدم مایعارضه** (وہ اس لئے کہ ظنی طور پر پانی پر قدرت ظاہر ہو گئی اور اس کا کوئی معارض موجود نہیں۔ت) اور اگر کوئی[۵] فاسق بیباک تمسخر کا عادی ہے لوگوں سے یونہی کہا کرتا پھر نہیں دیتا ہے تو اُس کے کہنے پر نیت توڑنے کی اجازت نہ ہوگی۔

لان ابطال العمل حرام ولم یحصل الظن علی القدرة بقول مثله من المستهزئین اللئام۔	اس لئے کہ عمل کا باطل کرنا حرام ہے اور اس جیسے کمینے تمسخر کرنے والے کی بات سے قدرت کا ظن حاصل نہ ہوا۔(ت)

ہاں بعد نماز دے دے تو اعادہ کرنی ہوگی ورنہ نماز بھی ہو گئی اور تیمّم بھی باقی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

1 فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزله التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۷

2 فتاوٰی قاضی خان، فصل فیمابه التیمم، مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰

مسئلہ ۳: اگر اس نے اس سے پانی لینے کو نہ کہا مگر عین نماز میں اسے اس کے پاس کافی پانی ہونے کا علم ہوا اقول: اگرچہ تذکّر سے کہ پہلے اس کے پاس پانی ہونا معلوم تھا یاد نہ رہا تیمّم کرکے نماز شروع کی نماز میں یاد آیا کہ فلاں کے پاس پانی ہے وھذا ظاھر جدا (اور یہ بہت ظاہر ہے۔ت) تو دو صورتیں ہیں اگر اسے گمان غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا۔ تو نیت توڑے اور مانگے اور اگر گمان غالب ہو کہ نہ دے گا یا کسی طرف غلبہ ظن نہ ہو شک کی حالت ہو تو نیت توڑنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ صدر الشریعۃ میں زیادات سے ہے:

المتیمم المسافر اذا رأی مع رجل ماء کثیرا وھو فی الصلاۃ وغلب علی ظنہ انہ لایعطیہ اوشك مضی علی صلاتہ لانہ صح شروعہ فلایقطع بالشك وان غلب علی ظنہانہ یعطیہ قطع الصلاۃ وطلب منہ الماء[1]۔	تیمّم والا مسافر حالتِ نماز میں جب کسی کے پاس کثیر پانی دیکھے اور غالب گمان ہو کہ وہ اسے پانی نہ دے گا یا شک ہو تو نماز پڑھتا رہے اس لئے کہ اس کا شروع کرنا صحیح ہے تو شک کی وجہ سے نیت نہ توڑے گا اور اگر غالب گمان ہو کہ پانی دے دے گا تو نماز توڑ دے اور اس سے پانی طلب کرے۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح بدائع وحلیہ میں جامع کرخی سے ہے:

غیرانہ لیس فیہ ذکر ظن العطاء صریحا وانمادل علی القطع فیہ بالمفھوم۔	مگر اس میں دینے کا گمان ہونے والی صورت صراحۃً مذکور نہیں۔ مفہوم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں نماز توڑ دینے کا حکم ہے۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

ان علم انہ یعطیہ قطع وان اشکل لا[2]۔	اگر یہ جانتا ہو کہ وہ دے دے گا تو نماز توڑ دے اور اگر اشکال واشتباہ کی صورت ہو تو نہ توڑے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

المصلی (۲) بالتیمم اذا رأی سرابًا ان کان	تیمّم سے نماز ادا کرتے ہوئے اگر سراب (پانی کی شکل

---

[1] شرح الوقایہ فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبع رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع عالمگیری، فصل الخامس فی التیمم، مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۶

اکبر رأیہ انہ ماء یباح لہ ان ینصرف وان استوی الظنان لایحل لہ قطع الصلاۃ واذافرغ من الصلاۃ ان ظھر انہ کان ماء یلزمہ الاعادۃ والافلا[1]۔	میں ریت) دکھائی دے تو اگر اس کا غالب گمان ہو کہ یہ پانی ہے تو اس کیلئے نماز توڑنا جائز ہے اور اگر دونوں گمان برابر ہوں تو نماز توڑنا جائز نہیں، اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد ظاہر ہو جائے کہ پانی ہی ہے تو اعادہ لازم ہے ورنہ نہیں۔(ت)

تنبیہ۔اقول: ظاہر عبارات بحالت ظن غالب عطاوجوب قطع ہے،

لان(۲) صیغۃ الاخبار اکد من صیغۃ الامر ولان بظن العطاء وان لم یقدر علی الماء حتی یبطل تیممہ لکن اورث شبھۃ قویۃ فی بقائہ فلایحل المضی علیہ حتی یظھر بطلانھاولان الصلاۃ بالتیمم (۳)کاملۃ عندنا کالصلاۃ بالوضوء ولذا (۴) صح اقتداء المتوضیء بالمتیمم بل جاز بلاکراھۃ وان کان العکس افضل فھذا القطع لیس عہ للاکمال بل للابطال و	اس کی چند وجہیں ہیں (۱) اس لئے کہ صیغہ خبر صیغہ امر سے زیادہ مؤکد ہے (۲)اس لئے کہ دینے کا اسے گمان ہے تو اتنے سے پانی پر اسے قدرت نہیں حاصل ہوگئی کہ اس کا تیمّم باطل ہوجائے لیکن اس گمان سے تیمّم باقی رہ جانے میں ایک قوی شبہ ضرور پیدا ہوگیا تو اس تیمّم پر برقرار رہنا حلال نہ ہوگا جب تک کہ اس شبہ کا بطلان ظاہر نہ ہوجائے (۳) اس لئے کہ ہمارے نزدیک تیمّم سے نماز کی ادائیگی کامل ہے جیسے وضو سے نماز کامل ہے اسی لئے یہ درست بلکہ بلاکراہت جائز ہے کہ وضو والا

عہ فان قلت الیس قدقالواندب لراجی الماء تأخیرالصلاۃ الی اٰخر الوقت المستحب لیقع الاداء باکمل الطھارتین اقول الاکمل فوق الکامل والقطع انما جاء للاکمال لاللزیادۃ بعد الکمال قال فی البنایۃ علی قول	اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ کیا علمانے یہ نہیں فرمایا کہ پانی ملنے کی امید ہو تو آخر وقت مستحب تک نماز مؤخر کرنا مندوب ہے تاکہ نماز کی ادائیگی دونوں طہارتوں میں سے اس طہارت سے ہو جو زیادہ کامل ہے **اقول:** (جواب یہ ہے کہ) زیادہ کامل کا درجہ کامل سے اوپر ہے اور نماز توڑنا کامل کرنے ہی کیلئے ہے کامل ہوجانے کے بعد زیادتی کمال کیلئے نہیں ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲۸/۱

لیس ثمه فی المضی علی الصلاۃ ضرر علیه یزال ومثل القطع لولم یجب لم یجزلقوله تعالٰی ولاتبطلوا اعمالکم واللہ سبحٰنه اعلم۔	تیمّم والے کی اقتدا کرے اگرچہ اس کا عکس افضل ہے۔ تو اس گمان کے باعث نماز توڑنا اسے کامل کرنے کیلئے نہیں بلکہ باطل کرنے کیلئے ہے اور وہاں نماز پڑھتے رہنے میں اس کا کوئی نقصان بھی نہیں جسے دُور کرنا ہو۔ اور نماز توڑنا ایسا عمل ہے کہ اگر واجب نہ ہوتا تو اس کا جواز ہی نہ ہوتا اس لئے کہ باری تعالٰی کا فرمان ہے: "اور تم اپنے عملوں کا باطل نہ کرو"۔ اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: یہ حکم نماز کے قطع واتمام کا تھا۔ رہا یہ کہ اس سے پانی مانگنا اس پر واجب ہے یا نہیں **اقول:** بحال ظن عطا تو وجوب میں شبہ نہیں کہ اسی کیلئے نیت توڑنے کا حکم ہوا باقی دو۲ حالتوں میں عبارت خلاصہ یہ ہے بیرون نماز پانی دیکھ کر مانگنا واجب ہونے نہ ہونے کا اختلاف آئندہ اور اور مسائل لکھ کر فرمایا:

ھذا کله قبل الشروع فی الصلاۃ ولو شرع بالتیمم فی السفر فرأی رجلا معه ماء کثیران علم انه یعطیه یقطع الصلاۃ وان علم انه لایعطیه یمضی علی صلاته وان اشکل یمضی علی صلاته ثم یسأله ان اعطاہ اعاد الصلاۃ وان ابی فصلاته تامة[1]۔	یہ سارا حکم نماز شروع کرنے سے پہلے ہے اور اگر سفر میں تیمّم سے نماز شروع کردی پھر کسی کو دیکھا کہ اس کے پاس بہت سا پانی ہے تو اگر یہ جانتا ہو کہ وہ اسے پانی دے دے گا تو نماز توڑ دے۔ اور اگر جانتا ہو کہ نہ دے گا تو نماز پڑھتا رہے اور اگر اشتباہ ہو تو بھی نماز پڑھتا رہے پھر فارغ ہو کر اس سے مانگے اگر دے دے تو نماز کا اعادہ کرے اور انکار کرے تو نماز کامل ہو گئی۔ (ت)

اسی طرح ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے غیرانه لم یذکر ظن المنع[2] (مگر انہوں نے منع وانکار کا گمان ہونے والی صورت نہ بیان کی۔ ت) اس کا یہ مفاد کہ بحالِ ظن منع سوال کی اصلاً حاجت نہیں اور بحالِ شک نماز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الھدایة باکمل الطھارتین وھو الوضو وصیغة افعل تدل علی ان التیمم طھارۃ کاملة ولکن الوضؤ اکمل منھا[3] اھ منه غفرله (م)	ہدایہ کی عبارت "باکمل الطھارتین" (دونوں سے اکمل طہارت کے ذریعہ) پر بنایہ کے الفاظ یہ ہیں: وہ وضو ہے اور افعل کا صیغہ یہ بتارہا ہے کہ تیمّم بھی طہارت کاملہ ہے لیکن وضو اس سے زیادہ کامل ہے اھ۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[2] فتاوٰی ہندیہ آخر فصل اول مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

[3] البنایہ فی شرح الھدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۶

پُوری کرکے مانگے یہ صاف نہ فرمایا کہ مانگنا واجب ہے یا مستحب اقول مگر مسئلہ (۱) ظن قرب آب میں تصریح ہے کہ اگر قُرب مشکوک ہو طلب واجب نہیں صرف مستحب ہے، درمختار میں ہے:

الا یغلب علی ظنه قربه لایجب بل یندب ان رجاوالالا [1]۔	اگر قرب آب کا غالب گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بلکہ مندوب ہے اگر امید رکھتا ہو ورنہ مندوب بھی نہیں۔(ت)

شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں اور بعض عبارات بھی اس کے مفید گزریں اور جوہرہ نیّرہ میں ہے: اذاشك یستحب له الطلب [2] (شک کی صورت میں طلب مستحب ہے۔ت)

اسی طرح ہندیہ میں سراج وہاج سے ہے، بحر میں بدائع سے ہے:

اذالم یغلب علی ظنه قربه لایجب بل یستحب اذاکان علی طمع من وجود الماء [3]۔	قربِ آب کا غالب گمان نہ ہو تو طلب واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جب کہ پانی موجود ہونے کی اسے کچھ امید ہو۔(ت)

اس کے بکثرت مؤیدات عنقریب آتے ہیں اِن شاء اللہ تعالٰی تو حاصلِ حکم یہ نکلا کہ بحالِ ظن عطامانگنا واجب اور بحال شک مستحب اور بحالِ ظن منع مستحب بھی نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: صحیح و معتمد وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ نماز میں بحالِ غلبہ ظن عطا اگرچہ نیت توڑنے کا حکم ہے مگر فقط اس غلبہ ظن سے نہ تیمّم ٹوٹے نہ نماز جائے یہاں تک کہ اگر پُوری کرلی اور پھر مانگا اور اُس نے نہ دیا تو نماز بھی صحیح اور تیمّم بھی باقی کہ ظاہر ہُوا کہ وہ ظن غلط تھا۔ **اقول:** یہ حکم خود انہیں عبارات مذکورہ زیادات و جامع کرخی و محیط سرخسی و خلاصہ و بزازیہ وصدر الشریعۃ و حلیہ وہندیہ سے ظاہر کہ قطع نماز کو فرمایا اور قطع وہی کی جائے گی کہ ہنوز باقی ہے باطل خود ہی معدوم ہو گئی قطع کیا ہو بحر میں ہے:

اذاکان فی الصلاۃ وغلب علی ظنه الاعطاء لاتبطل بل اذااتمهاسأله ولم یعطه تمت صلاته لانه ظهر ان ظنه کان خطاء کذافی شرح الوقایۃ	جب اندرونِ نماز ہو اور اسے غالب گمان ہوا کہ دے دے گا تو اس سے نماز باطل نہیں ہوجاتی بلکہ اس صورت میں جب نماز پُوری کرلے پھر مانگے اور وہ نہ دے تو نماز پُوری ہو گئی اس لئے کہ ظاہر ہوگیا

[1] درمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۴/۱

[2] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم، مکتبہ امدادیہ ملتان، ۲۸/۱

[3] البحرالرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۱/۱

فعلم منه ان مافی فتح القدیر من بطلانها بمجرد غلبة ظن الاعطاء لیس بظاهر الا ان قاضیخان فی فتاواه ذکر البطلان فی هذه الصورة بمجرد الظن عن محمد[1]۔	کہ اس کا گمان غلط تھا۔ایسا ہی شرح وقایہ میں ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ محض غلبہ ظن عطا سے بطلانِ نماز کی بات جو فتح القدیر میں ہے وہ ظاہر نہیں مگر قاضی خان نے اس صورت میں محض گمان کی وجہ سے بطلانِ نماز امام محمد سے اپنے فتاوٰی میں نقل فرمایا ہے۔(ت)

اسی طرح ردالمحتار میں نہر سے ہے:

قال لاتبطل کما جزم به الزیلعی وغیره فما فی الفتح فیه نظر نعم فی الخانیة عن محمد انها تبطل بمجرد الظن فمع غلبته اولی وعلیه یحمل مافی الفتح[2]اھ **اقول:**(۱)عبارة الخانیة المسافر اذا شرع فی الصلاة بالتیمم ثم جاء انسان معه ماء فانه یمضی فی صلاته فاذا سلم فسأله ان منع جازت صلاته وان اعطاه بطلت وعن محمد رحمه الله تعالٰی اذا رأی فی الصلاة مع غیره ماء وفی غالب ظنه انه یعطیه بطلت صلاته[3] اھ فلیس فیها عن محمد بطلانها	انہوں نے کہا: نماز باطل نہیں ہوجاتی جیسا کہ اس پر امام زیلعی وغیرہ نے جزم کیا ہے تو فتح القدیر میں جو لکھا ہے وہ محلِ نظر ہے۔ہاں خانیہ میں امام محمد سے ایک روایت ہے کہ محض گمان سے نماز باطل ہوجاتی ہے تو غلبہ ظن سے بدرجہ اولٰی باطل ہوجائے گی اور اسی پر محمول ہے وہ جو فتح القدیر میں ہے۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) خانیہ کی عبارت یہ ہے: "مسافر جب تیمّم سے نماز شروع کردے پھر کوئی آدمی آئے جس کے پاس پانی ہو تو وہ نماز پڑھتا رہے جب سلام پھیرلے تو اس سے پانی مانگے اگر نہ دے تو اس کی نماز ہوگئی اور اگر دے دے تو باطل ہوگئی۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ "جب اندرون نماز دوسرے کے پاس پانی دیکھے اور اس کا غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسے دے دے گا تو اس کی نماز باطل ہوگئی"۔اس عبارت کے اندر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبع سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

[2] ردالمحتار باب التیمم، مطبع مصطفی البابی مصر، ۱/۸۵

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

بمجرد الظن بالمعنی الذی ارادالنهر بل قدقید صریحاً بغلبة الظن ولولم یقید لکان هوالمراد اذالظن الضعیف ملتحق بالشك کماصرحوا به فکیف تبطل بالشك صلاة صح الشروع فیها بیقین وکأنه لم یراجع الخانیة واعتمد قول اخیه ذکر البطلان بمجرد الظن فحمله علی تجرید الظن عن الغلبة ولیس کذلك وانما مراده بمجرد الظن ای قبل ان یسأل فیظهر تحقیق ظنه اوخیبته۔

ثمّ اقول: ماروی عن محمد رحمه الله تعالٰی یحتمل تأویلین الاول ان بطلت(۱) بمعنی ستبطل کماهو معروف فی کلماتهم فی غیرمامقام وقد بیناه فی رسالتنا فصل القضاء فی رسم الافتاء الثانی ان المعنی ان حکم نفس هذه الصورة هوالبطلان حتی لولم یزد علی هذا ومضی علی صلاته ولم یسأل بعدهاحکم ببطلانهاسواء اعطاه صاحب الماء بدون سؤال اولاوعبارة الفتح هکذا جماعة (۲)من المتیممین وهب لهم صاحب الماء فقبضوه لاینتقض تیمم احد منهم لانه لایصیب کلامنهم مایکفیه علی قولهما وعلی قول ابی حنیفة رضی الله

اُس معنی میں مجرد ظن سے بطلان نماز کا ذکر نہیں جو صاحبِ النہر الفائق نے مراد لیابلکہ اس میں توصاف غلبہ ظن کی قید موجود ہے اور اگر یہ قید نہ ہوتی تو بھی ظن سے غلبہ ظن ہی مراد ہوتا اس لئے کہ ظنِ ضعیف تو شک میں شامل ہے جیسا کہ علما نے اس کی صراحت فرمائی ہے تو شک سے ایسی نماز کیسے باطل ہوجائے گی جسے شروع کرنا یقینی طور پر درست بھی ہوا ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صاحب نہر نے خود خانیہ کی مراجعت نہ فرمائی اور اپنے برادر (صاحبِ بحر) کی عبارت "ذکر البطلان بمجرد الظن" (مجرد ظن سے بطلان کاذکر کیا ہے) پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا معنی یہ لے لیا کہ گمان غلبہ سے خالی ہو حالانکہ ایسا نہیں۔مجرد ظن سے ان کی مراد یہ ہے کہ محض گمان ہو۔یعنی ابھی مانگا نہیں کہ گمان کی درستی وکامیابی یا ناکامی منکشف ہو۔(ت)

ثم اقول: امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے جو روایت آئی ہے اس میں دو۲ تاویلیں ہوسکتی ہیں: اول یہ کہ "باطل ہوئی" کا معنٰی یہ ہے کہ ابھی باطل ہوجائے گی جیسا کہ ان حضرات کی عبارتوں اور متعدد جگہوں میں یہ معنی معلوم ومعروف ہے۔اور ہم نے اسے اپنے رسالہ "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں بیان کیا ہے۔دوم یہ کہ خود اس صورت کا حکم یہ ہے کہ نماز باطل ہوگئی یہاں تک کہ اگر اس نے اس سے زیادہ کچھ نہ کیا اور نماز پڑھ لی، بعد میں مانگا بھی نہیں تو اس نماز کے باطل ہونے کا حکم ہوگا خواہ پانی والا بغیر مانگے اسے دے یا نہ دے۔اور فتح القدیر کی عبارت اس طرح ہے: تیمّم والوں کی جماعت ہورہی ہے انہیں پانی کے مالک نے پانی ہبہ کردیا جس پر وہ قابض

تعالٰی عنهم لاتصح هذه الهبة للشيوع ولو(۱) عين الواهب واحدا منهم يبطل تيممه دونهم حتى لوكان امامابطلت صلاة الكل وكذا(۲) لوكان غيرامام الا انه لمافرغ القوم سأله الامام فاعطاه تفسد على قول الكل لتبين انه صلى قادرا على الماء واعلم انهم فرعوا الوصلى بتيمم فطلع عليه رجل معه ماء فان غلب على ظنه انه يعطيه بطلت قبل السؤال وان غلب ان لايعطيه يمضى على صلاته وان اشكل عليه يمضى ثم يسأله فان اعطاه ولو بيعا بثمن المثل ونحوه اعاد والافهى تامة وكذالواعطاه بعد المنع الا انه يتوضّأ هنالصلاة اخرى وعلى هذافاطلاق فسادالصلاة فى صورة سؤال الامام امان يكون محمولا على حالة الاشكال اوان عدم الفساد عند غلبة ظن عدم الاعطاء مقيد بمااذالم يظهر له بعدُ اعطاؤه[1] اھ

وانت تعلم ان(۳)هذه العبارة بعيدة عن ذينك التاويلين امااالاول فظاهرواما الثانى فلان مفاد ماحكاه عنده ان عند ظن العطاء اوالمنع لاتوقف على السؤال بل صحت فى ظن المنع وبطلت فى ظن العطاء سأل اولم يسأل انما يتوقف الامر على السؤال عند الشك والاشكال ولذا فهم

بھی ہوگئے توان میں سے کسی کا تیمّم نہ ٹوٹے گااس لئے کہ ہر ایک کو اتنا نہ پہنچے گا جو اس کیلئے کافی ہو یہ حکم بر قول صاحبین ہے۔اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے قول پر یہ ہبہ ہی شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں،اور اگر ہبہ کرنے والے نے ان میں سے کسی ایک کو معین کردیا تو اس کا تیمّم باطل ہوجائے گا باقی لوگوں کا نہیں یہاں تک کہ وہ شخص معین اگر امام تھا تو سب کی نماز باطل ہوگئی۔اسی طرح اگر غیر امام ہو۔مگر یہ کہ جب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے توامام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا تو سب کے قول پر نماز فاسد ہوگی اس لئے کہ ظاہر ہوگیا کہ اس نے پانی پر قدرت ہوتے ہوئے نماز ادا کی۔جاننا چاہئے کہ مشائخ نے یہ تفریع فرمائی ہے کہ اگر کسی نے تیمّم سے نماز شروع کی پھر اس کے سامنے ایسا شخص نمودار ہوا جس کے پاس پانی ہے تو اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ وہ پانی دے دے گا تو مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہوگئی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ نہ دے گا تو نماز پُوری کرے اور اگر اشتباہ کی صورت ہو تو نماز پوری کرے پھر اس سے مانگے اگر دے دے خواہ ثمن مثل کے بدلے بیع وغیرہ سے ہی دے تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نماز کامل ہوگئی۔اسی طرح اگر انکار کرنے کے بعد دے مگر اِس صورت میں وہ یہاں کسی دوسری نماز کیلئے وضو کرے گا۔تو امام کے مانگنے کی صورت میں فساد نماز کو مطلقًا کہنا یا تو حالت اشتباہ پر محمول ہوگا یا اس پر کہ نہ دینے کا غلبہ ظن ہونے کی صورت میں عدم فساداس سے مقید ہے کہ ابھی اس کے دینے کا حال ظاہر نہ ہُوا ہو اھ،ناظر کو

[1] فتح القدیر، باب التیمم مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۹

المخالفة بینه وبین فرع سؤال الامام حیث حکموا فیه ببطلان صلاتهم اذا اعطاه وهو باطلاقه یشمل ما اذا کان الامام ظن فی صلاته عطاء اومنعا اوشك فتوقفت الصحة فی ظن المنع ایضا علی مایتبین من الحال بعد السؤال ولذا ردد التوفیق بین حملین اما ان یخص الفرع بصورة الشك فیصح التوقف علی السؤال اویقال ان فی ظن المنع ایضا یزول حکم الصحة بظهور خطائه بعد الصلاة فهذا مافهمه ورامه رحمه الله تعالٰی وهو غیرمنسوج علی منوال ماروی عن الامام الربانی رحمه الله تعالٰی کیف وقد نسبه الی المشایخ انهم هم الذین فرعوه(۱) وانت تعلم ان ماحکاه عین مافی الخلاصة سوی ان فیها ان علم انه یعطیه یقطع الصلاة ووقع بدله فی الفتح بطلت قبل السؤال ولیس مفادها البطلان بمجرد ظن العطاء ولا الجزم بالصحة مطلقا فی ظن المنع حتی لاتعادو ان اعطی ولا تخصیص احالة الحکم علی مایتبین بعد السؤال*بصورة الاشکال*بل هو عام یشمل جمیع الاشکال*کما یتجلی فی کل ذلك حقیقة الحال*بعون المولی ذی الجلال*والظاهر (۲) والله تعالٰی اعلم انه رحمه الله تعالٰی اعتمد

معلوم ہے کہ یہ عبارت صاحب فتح القدیر کی ان دونوں تاویلوں سے بعید ہے۔پہلی تاویل کا بعد توظاہر ہے دوسری اس طرح کہ اپنے طور پر انہوں نے جو حکایت فرمائی اس کا مفاد یہ ہے کہ دینے یا نہ دینے کا ظن ہونے کی صورت میں مانگنے پر کچھ موقوف نہیں بلاالکہ حکم یہ ہے کہ نہ دینے کا ظن ہو تو نماز صحیح اور دینے کا ظن ہو تو باطل ہوگئی مانگے یا نہ مانگے۔صرف شک واشکال کی صورت میں مانگنے پر معاملہ موقوف رہتا ہے۔اس لئے انہوں نے اس مسئلہ میں اور امام کے مانگنے کے مسئلہ میں اختلاف سمجھا کیوں کہ اس میں علما نے سبھی کی نماز باطل ہونے کا حکم کیا ہے جب امام کو مانگنے پر پانی والا پانی دے دے۔اور یہ حکم اپنے اطلاق کی وجہ سے دورانِ نماز امام کے ظن عطا، ظن منع اور شک تمام صورتوں کو شامل ہے تو ظن منع کی صورت میں بھی مانگنے کے بعد ظاہر ہونے والے حال پر نماز کی صحت موقوف رہی اور اسی لئے انہوں نے دو حمل کے درمیان تطبیق دائر فرمائی کہ یا تو جزئیہ کو صورت شک سے خاص کیا جائے تو صحتِ نماز مانگنے پر موقوف رہے گی یا یہ کہا جائے کہ بعد نماز گمان کی خطا ظاہر ہوجانے سے صحتِ نماز کا حکم ظن منع کی صورت میں بھی ختم ہوجاتا ہے۔یہ وہ ہے جو صاحبِ فتح القدیر رحمہ اللہ تعالٰی نے سمجھا اور مراد لیا۔ان کا یہ سارا کلام امام ربانی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل شدہ روایت کے طریقہ پر وارد نہیں اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے جبکہ وہ صاف اس کی نسبت مشائخ کی طرف فرمارہے ہیں کہ ان ہی حضرات نے یہ تفریع کی ہے۔یہ بھی معلوم ہے

ھھنا علی مافی صدرہ ولم یراجع کلماتھم ولذاردد فی التوفیق مع ان الشق الاول لامساغ لہ والاخیر(۱) ھو المنصوص علیہ فی کتب المذھب کما سیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	کہ صاحبِ فتح القدیر نے جو حکایت فرمائی بعینہٖ وہی ہے جو خلاصہ میں تحریر ہوئی۔فرق یہ ہے کہ خلاصہ میں ہے "اگر جانتا ہو کہ دے دے گا تو نماز توڑدے"۔اس کے بدلہ فتح القدیر میں یہ ہے کہ "مانگنے سے پہلے ہی نماز باطل ہو گئی۔حالانکہ اس عبارت کا مفاد یہ نہیں کہ محض ظن عطا سے نماز باطل ہو گئی،نہ ہی ظن منع کی صورت میں مطلقًا صحت نماز کا جزم ہے یہاں تک کہ دے دینے پر بھی اعادہ نماز نہ ہو،نہ ہی یہ کہ مانگنے کے بعد ظاہر ہونے والی حالت پر حکم کا حوالہ صرف صورت شک کے ساتھ خاص ہے بلکہ یہ حکم عام اور تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حقیقتِ حال بعونِ مولائے ذی الجلال روشن ہو گی۔ظاہر یہ ہے اور خدائے برتر ہی جاننے والا ہے کہ صاحب فتح القدیر رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں اپنی یاد پر اعتماد فرمایا ہے کلمات علماء کی مراجعت نہ فرمائی اسی لئے تطبیق میں تردید کی صورت اختیار کی حالانکہ شق اول کی تو کوئی گنجایش ہی نہیں اور اخیر پر تو کتب مذہب میں نص موجود ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اگر خدائے برتر نے چاہا۔(ت)

مسئلہ ۶: اگر شروع نماز سے پہلے دوسرے کے پاس پانی معلوم ہوا تو آیا اس سے مانگنا واجب ہے یا نہیں یہاں اختلاف روایت تاحدِ اضطراب ہے اور وہ کہ مطالعہ کتب ونظر دلائل سے فقیر کو منقح ہوا یہ کہ یہاں بھی وہی حکم ہے جو مسئلہ ۴ میں گزرا یعنی ظن غالب ہو کہ دے دے گا تو سوال واجب اور بے مانگے تیمّم کرکے نماز پڑھنا حلال نہیں ورنہ واجب نہیں اور بلاسوال نماز حلال ہاں بحال شک سوال مستحب مسئلہ ہر دو ظن میں خود یہی تحقیق وتوفیق ہے اور مسئلہ شک میں یہی قول جمہور وراجح علی التحقیق ہے اس اختلاف روایات کے متعلق بعض عبارات دکھا کر اپنے دونوں دعووں کو دو ۲ مقاموں میں تحقیق کریں وباللہ التوفیق۔ہدایہ میں ہے:

(ان کان مع رفیقہ ماء طلب منہ قبل ان یتیمم)لعدم المنع غالبا(ولو تیمم قبل الطلب اجزأہ عندابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ)لانہ لایلزمہ الطلب من ملك الغیروقالا لایجزیہ لان الماء مبذول عادۃ[1]۔	اگر رفیق سفر کے پاس پانی ہو تو قبل تیمّم اس سے طلب کرے کیونکہ عمومًا اس سے انکار نہیں ہوتا۔اور اگر بغیر مانگے تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ہو جائے گا۔اس لئے کہ دوسرے کی ملک سے مانگنا اس پر لازم نہیں۔اور صاحبین نے فرمایا تیمّم نہ ہوگا اس لئے کہ پانی عمومًا خرچ کیا اور دیا جاتا ہے۔(ت)

[1] ہدایہ مع الفتح، باب التیمم، مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

عنایہ وبنایہ میں ہے:

ذکر الاختلاف فی الایضاح والتقریب وشرح الاقطع بین ابی حنیفة وصاحبیه کماذکر فی الکتاب وقال فی المبسوط ان کان مع رفیقه ماء فعلیه ان یسأله الاعلی قول الحسن بن زیاد فانه کان یقول السؤال ذل وفیه بعض الحرج وماشرع التیمم الالدفع الحرج[1]۔	ایضاح، تقریب اور شرح اقطع میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ذکر کیا ہے جیسے کتاب میں بیان کیا ہے۔اور مبسوط میں فرمایا: اگر رفیق کے پاس پانی ہو تو اس پر یہ ہے کہ رفیق سے مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں وہ کہتے تھے کہ مانگنا ذلّت کا کام ہے اور اس میں کچھ حرج بھی ہے جبکہ تیمّم کی مشروعیت دفع حرج ہی کیلئے ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

القدرة علی الماء بملکه اوبملك بدله اذاکان یباع اوبالاباحة امامع ملك الرفیق فلا لان الملك حاجز فثبت العجز[2]۔	پانی پر قدرت یُوں ہوتی ہے کہ خود اس کامالک ہو یا فروخت ہورہا ہو تو اس کے بدل کامالک ہو یا اس کے استعمال کی اباحت ہو۔لیکن پانی رفیقِ سفر کی ملک ہو تو ایسا نہیں اس لئے کہ ملک مانع ہے تو عجز ثابت ہوگیا۔(ت)

اس میں نیز ذخیرہ امام برہان الدین سے بنایہ وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے:

عن الجصاص لاخلاف بینهم فمراد ابی حنیفة اذاغلب علی ظنه منعه ومرادهما اذاظن عدم المنع لثبوت القدرة بالاباحة فی الماء لافی غیره عنده[3]۔	جصاص سے منقول ہے کہ ائمہ میں کوئی اختلاف نہیں۔امام ابوحنیفہ کی مراد یہ ہے کہ غالب گمان نہ دینے کاہو اور صاحبین کی مراد یہ ہے کہ عدم انکار کا گمان ہو اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک پانی میں اباحت سے قدرت ثابت ہوجاتی ہے دوسری چیزوں میں نہیں۔(ت)

[1] العنایہ مع فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵
[2] فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵
[3] فتح القدیر، باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

نہایہ امام سغناقی پھر بنایہ امام عینی وذخیرہ اخی چلپی میں ہے:

لم یذکر فی عامة النسخ قول ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه فی ھذا الموضع بل قیل لایجوز التیمم قبل الطلب اذاکان غالب ظنه ان یعطیه مطلقامن غیرذکرالخلاف بین علمائناالثلثة رضی اللّٰه تعالٰی عنھم الافی الایضاح [1] اھ ھذا نقل الذخیرة ولم یذکر فی البنایة قوله الا فی الایضاح وذکر مکانه الاعلی قول الحسن بن زیاد فانه یقول السؤال ذلة وفیه ضرر [2]۔	اکثر نسخوں میں اس جگہ امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول مذکور نہیں بلکہ یہ کہا گیا کہ مانگے بغیر تیمم جائز نہیں جبکہ غالب گمان یہ ہو کہ دے دے گا۔ یہ ہمارے تینوں علماء رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان کوئی اختلاف بتائے بغیر مطلقاً مذکور ہے۔ مگر ایضاح میں ذکر خلاف ہے اھ یہ ذخیرہ کی عبارت ہے اور بنایہ میں "الا فی الایضاح" نہیں اس کی جگہ یہ ہے: مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں وہ کہتے ہیں کہ مانگنا ذلت ہے اور اس میں ضرر ہے۔ (ت)

نیز عینی میں ہے:

ذکر الزوزنی وغیرہ لوتیمم قبل الطلب اجزأه عند ابی حنیفة فی روایة الحسن عنه [3]۔	زوزنی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر مانگے بغیر تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں جو حسن نے ان سے روایت کی، تیمّم ہوجائے گا۔ (ت)

بحر میں ہے:

اعلم ان ظاھر الروایة عن اصحابنا الثلثة وجوب السؤال من الرفیق کمایفیدہ مافی المبسوط قال واذا کان مع رفیقه ماء فعلیه ان یسأله الا علی قول الحسن بن زیاد فانه کان یقول السؤال ذل وفیه بعض الحرج وماشرع التیمم الالدفع الحرج ولکنا نقول ماء الطھارة مبذول	معلوم ہو کہ ہمارے تینوں اصحاب سے ظاہر روایت یہ ہے کہ رفیق سے مانگنا واجب ہے جیسا کہ یہ اس سے مستفاد ہوتا ہے جو مبسوط میں ہے، فرماتے ہیں: جب اس کے رفیق سے مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر ایسا نہیں اس لئے کہ وہ کہتے تھے کہ مانگنا ذلت ہے اور اس میں کچھ حرج ہے جبکہ تیمّم کی مشروعیت دفع حرج

[1] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع الاسلامیہ لاہور ۱/۱۸۰
[2] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷
[3] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷

عادۃ بین الناس ولیس فی سؤال مایحتاج الیہ مذلۃ فقد سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعض حوائجہ من غیرہ اھ فاندفع بھذا ماوقع فی الھدایۃ وشرح الاقطع من الخلاف بین ابی حنیفۃ وصاحبیہ فعندہ لایلزمہ الطلب وعندھما یلزمہ واندفع مافی غایۃ البیان من ان قول الحسن حسن وفی الذخیرۃ نقلا عن الجصّاص انہ لاخلاف بین ابی حنیفۃ وصاحبیہ فمرادہ فیما اذاغلب علی ظنہ منعہ ایاہ ومرادھما عند غلبۃ الظن بعدم المنع وفی المجتبی الغالب عدم الظنۃ بالماء حتی لوکان فی موضع تجری الظنۃ علیہ لایجب الطلب منہ [1] اھ۔	ہی کیلئے ہوتی ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ طہارت کا پانی لوگوں کے درمیان عادۃً لیا دیا جاتا ہے اور جس چیز کا ضرورت مند ہو اس کے مانگنے میں ذلّت نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اپنی ضرورت کی بعض چیزیں دوسرے سے مانگی ہیں۔اھ اس سے وہ دفع ہوگیا جو ہدایہ اور شرح اقطع میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا ذکر واقع ہوا کہ امام صاحب کے نزدیک طلب لازم نہیں اور صاحبین کے نزدیک لازم ہے اور وہ بھی دفع ہوگیا جو غایۃ البیان میں ہے کہ حسن کا قول حسن ہے اور وہ بھی جو ذخیرہ میں جصّاص سے منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ اور صاحبین میں کوئی اختلاف نہیں۔امام صاحب کی مراد وہ صورت ہے جب اس کا غالب گمان ہو کہ اسے نہ دے گا اور صاحبین کی مراد وہ صورت ہے جب غالب گمان ہو کہ انکار نہ کرے گا۔ مجتبٰی میں ہے اکثر یہی ہے کہ پانی میں بخل نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ اگر کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی میں بخل ہوتا ہے تو اس سے مانگنا واجب نہیں اھ۔(ت)

غنیہ میں ہے:

اذاتیمم وصلی ولم یسأل فعلی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ صلاتہ صحیحۃ فی الوجوہ کلھا (ای سواء ظن منحا اومنعا اوشک) وقالا لا یجزئہ والوجہ ھو التفصیل کما قال ابونصر الصفار انہ انما یجب السؤال فی غیرموضع عزۃ الماء فانہ	جب تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور طلب نہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر اس کی نماز تمام صورتوں میں صحیح ہے (یعنی خواہ دینے کا گمان ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو) اور صاحبین فرماتے ہیں: نماز نہ ہوگی۔اور وجہ صواب یہ ہے کہ تفصیل کی جائے، جیسا کہ ابونصر صفار نے فرمایا کہ مانگنا ایسی ہی جگہ واجب ہے جہاں پانی کم یاب نہ ہو کیونکہ اسی صورت میں وہ

[1] البحرالرائق باب التیمم مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۲

حینئذ یتحقق ماقالاہ من انہ مبذول والا فکونہ مبذولا عادۃ فی کل موضع ظاھر المنع علی مایشھد بہ کل من عانی الاسفار فینبغی ان یجب الطلب ولاتصح الصلاۃ بدونہ فیما اذاظن الاعطاء لظھور دلیلھما دون مااذا ظن عدمہ لکونہ فی موضع عزۃ الماء[1] اھ۔

اقول: الصفار(۱) لم یحدث قولا خلاف اقوالھم بل ھو کالشرح لھاکما فعل الامام الجصاص فلولاحظ ھذا لما احتاج الی الخروج عن اقوال ائمۃ المذھب جمیعا بالتوزیع والتلفیق قال اما اذا شك فی موضع عزۃ الماء اوظن المنع فی غیرہ فالاحتیاط فی قولھما والتوسعۃ فی قولہ لان فی السؤال ذلا وقول من قال لا ذل فی سؤال مایحتاج الیہ ممنوع[2] اھ۔

اقول: فاذن(۲) یؤل الامر الی ترجیح قول الامام مطلقاویذھب اختیار قولھماعندظن العطاء لان الذل محترز عنہ مطلقاوقدثبت فی

بات متحقق ہوگی جو صاحبین نے فرمائی کہ پانی لیادیا جاتا ہے ورنہ ہر جگہ پانی کا عادۃً مبذول ہونا (لیادیا جانا) کھلے طور پر قابلِ رد و منع ہے جس پر سفروں کی زحمت اٹھانے والاہر شخص شاہد ہے۔ تو حکم یہ ہونا چاہیے کہ مانگنا واجب ہے اور اس کے بغیر نماز صحیح نہیں اس صورت میں جبکہ دینے کا گمان ہو کیونکہ اس صورت میں صاحبین کی دلیل ظاہر ہے مگر اس صورت میں نہیں جبکہ نہ دینے کا گمان ہو اس لئے کہ یہ پانی کی کمیابی کی جگہ ہوگا اھ (ت)۔

اقول: صفار نے اقوالِ ائمہ کے برخلاف کوئی نیا قول ایجاد نہ کیا بلکہ یہ ان ہی اقوال کی شرح کی حیثیت رکھتا ہے جیسا کہ امام جصاص نے کیا ہے۔ صاحبِ غنیہ اگر اس کا خیال فرماتے تو انہیں توزیع و تلفیق کرکے ائمہ مذہب کے سارے اقوال سے خروج کی ضرورت نہ پیش آتی وہ لکھتے ہیں: "لیکن جب ایسی جگہ ہو جہاں پانی کمیاب ہو یا ایسی جگہ نہ ہو لیکن انکار کا گمان ہو تو احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور وسعت امام صاحب کے قول میں ہے اس لئے کہ مانگنے میں ایک ذلّت ضرور ہے اور یہ بات ہمیں تسلیم نہیں کہ ضرورت کی چیز مانگنے میں کوئی ذلت نہیں" اھ (ت)

اقول: تو معاملہ اس پر آجائے گا کہ امام صاحب کے قول کو مطلقاً ترجیح ہے اور ظن عطا کی صورت میں صاحبین کا قول مختار نہ رہ جائے گا اس لئے کہ ذلّت مطلقاً پرہیز کیے جانے کے لائق ہے

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ٦٩
[2] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ٦٩

الحدیث [عہ۱] نهی (۱) المؤمن عن ان یذل نفسه الا ان یقال انما یذل [عہ۲] بالسؤال حیث یعزلانه اذن شیئ مضنون به فالمسئول منه ان منع فهذا ذل ظاهر وان دفع من وتحمل المنة ذل حاضر بخلاف موضع لایعز فیه فانهم یتباذلون به فیه ولایتوقع المنع ولا الامتنان فی الدفع وعن هذاقال فیه لظهوردلیلهما قال واستدلاله بانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدسأل بعض حوائجه من غیره مستدرك لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان بالمؤمنین (۲) اولٰی من انفسهم فلایقاس غیره علیه لانه اذاسال افترض علی المسؤل البذل ولا کذلك غیره [1] اھ۔

حدیث میں بھی اس بات سے ممانعت آئی ہے کہ مومن اپنے کو ذلت میں ڈالے۔ مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ مانگنے سے ذلت وہاں ہوگی جہاں پانی کمیاب ہو اس لئے کہ ایسی صورت میں پانی ایسی چیز ٹھہرے گا جس میں بخل وانکار ہوتا ہے اب جس سے مانگا گیا اگر نہ دے تو اس میں مانگنے والے کی کھلی ہوئی ذلت ہے اور اگر دے دے تو اس کا احسان ہوگا اور احسان لینا بروقت ذلت ہے۔ بخلاف ایسی جگہ کے جہاں پانی کمیاب نہ ہو کیونکہ لوگ وہاں آپس میں پانی لیتے دیتے ہوں گے اور انکار ومنع متوقع نہ ہوگا اور دے دینے میں احسان جتلانے کی صورت بھی نہ ہوگی۔ اسی لئے صاحبِ غنیہ نے اس صورت سے متعلق فرمایا کہ اس میں صاحبین کی دلیل ظاہر ہے۔ مزید لکھتے ہیں: "اور اس بات سے استدلال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

عہ۱ الطبرانی فی المعجم الکبیرعن ابی ذر رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من اعطی الذلة من نفسه طائعا غیرمکره فلیس منا [2] ۱۲منه غفرله (م)

امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو اپنی ذات کو ذلّت بخوشی بغیر اکراہ کے دے دے وہ ہم میں سے نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عہ۲ ظهرلی هذا ثم رأیت العلامة الشرنبلالی اشار الی هذا الفرق کمایاتی اٰنفا فی عبارات القول الثالث ۱۲منه غفرله (م)

یہ کلام میرے ذہن میں آیا تھا پھر میں نے دیکھا کہ علامہ شرنبلالی اس فرق کی طرف اشارہ فرماچکے ہیں جیسا کہ قول سوم کی عبارتوں میں ابھی آئے گا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی ۲۴۸/۱۰ الترغیب والترہیب بحوالہ طبرانی ۱۷۹/۴

اقول: لیس (۱) کمثلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غیرہ فی شیئ من الصفات ومنہاالغیرۃ فھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اغیر خلق اللہ واللہ تعالٰی اغیر منہ ومحال من نفس کریمۃ غیراء ان تتعرض لشیئ ممایعد ذلافثبت ان من سؤال الحاجۃ مالیس بذل والالماوقع منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولادخل (۲) فی ھذا لافتراض البذل وعدمہ وقد یفترض(۳) فی حق غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایضاً کاطعام(۴) ذی مخمصۃ فھذا قد ینتفع بہ لمافی المبسوط۔

وانا اقول: انما(۵) الجواب فی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولی بالمؤمنین من انفسھم علی منزع اٰخر دقیق وھو ان (۶) املاکھم املاکہ اذھم انفسھم املاکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولااحتمال لذل فی سؤال المولی بعض عبیدہ ممافی یدہ فانہ وما

اپنی ضرورت کی کچھ چیزیں دوسرے سے مانگیں قابل استدراک ہے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ اختیار ہے تو حضور پر کسی اور کا قیاس نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ جب طلب کریں تو جس سے طلب فرمایا اس پر دینا فرض ہوگیا۔ یہ حال کسی اور کا نہیں اھ (ت)

اقول: کسی بھی صفت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مثل دوسرا شخص نہیں۔ حضور کی ایک صفت "غیرت" بھی ہے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلقِ خدا میں سب سے زیادہ غیرت مند ہیں اور خدائے برتر ان سے بڑھ کر غیرت والا ہے، اور کسی بھی باعزّت طبیعت سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی ایسے فعل سے تعرض کرے جو ذلّت شمار ہوتا ہو۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ضرورت کی چیز مانگنا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے جس کا ذلّت میں شمار نہیں ہوتا ورنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہی نہ ہوتا __ اور اس میں دینا فرض ہونے نہ ہونے کا کوئی دخل نہیں فرض تو کبھی غیر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں بھی ہوجاتا ہے، جیسے بھُوک کی شدّت والے کو کھانا دینا اس گفتگو سے کلام مبسوط کی حمایت میں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ (ت)

اور **میں کہتا ہوں** (اس بات کا جواب کہ "حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں" ایک دوسرے دقیق انداز پر ہے۔ وہ یہ کہ مومنوں کی ملکیتیں خود حضور کی مِلک ہیں اس لئے کہ خود مومنین کی جانیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مِلک ہیں اور اس میں کسی ذلّت کا احتمال نہیں کہ آقا اپنے غلام سے اس کے ہاتھ کی کوئی چیز طلب کرے اس لئے کہ خود غلام اور جو کچھ

فی یدہ ملك مولاہ فلیس من السؤال فی شیئ بل استخدام فبھذا یتجہ مرامہ ویتضح کلامہ ثم قال لکن عدم وجوب الطلب من الرفیق نسبہ صاحب الھدایۃ وصاحب الایضاح الی ابی حنیفۃ کماتقدم واماشمس الائمۃ فی المبسوط فانہ نسبہ الی الحسن بن زیاد فانہ یقول السؤال ذل وفیہ بعض الحرج وربمایوفق بان الحسن رواہ عن ابی حنیفۃ فی غیرظاھرالروایۃ واخذھوبہ فاعتمد فی المبسوط ظاھرالروایۃ واعتبرصاحب الھدایۃ والایضاح روایۃ الحسن لکونھا انسب بمذھب ابی حنیفۃ فی عدم اعتبار القدرۃ بالغیروفی اعتبار العجز للحال واللہ سبحنہ تعالٰی اعلم [1] اھ۔	اس کے ہاتھ میں ہے سب اس کے آقا کی ملکیت ہے تو دراصل یہ مانگنا ہے ہی نہیں بلکہ یہ خدمت لینا ہے۔اس بیان سے صاحبِ غنیہ کے مقصد کی توجیہ اور ان کے کلام کی توضیح ہوجاتی ہے۔پھر لکھتے ہیں: "لیکن رفیق سے مانگنا واجب نہ ہونے کو صاحبِ ہدایہ اور صاحبِ ایضاح نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔لیکن شمس الائمہ نے مبسوط میں اسے حسن بن زیاد کی طرف منسوب کیاہے کہ وہی یہ کہتے ہیں کہ مانگنے میں ذلّت ہے اور اس میں کچھ حرج ہے تطبیق یُوں دی جاسکتی ہے کہ حسن نے اسے امام ابوحنیفہ سے غیرظاہر الروایۃ میں روایت کیااور خود حسن نے اسی کو لیا۔تو مبسوط میں ظاہر الروایۃ پر اعتماد کیااور صاحبِ ہدایہ وصاحبِ ایضاح نے روایت حسن کا اعتبار کیا اس لئے کہ وہ اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے مذہب سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کہ قدرت کااعتبار دوسرے کے لحاظ سے نہیں ہوتا اور اس بارے میں کہ فی الحال جو عجز ہے اسی کا اعتبار ہے۔اور خدائے پاک ہی خُوب جاننے والا ہے اھ (ت)

اقول: ولی(۱) فیہ کلام سیاتی (اس میں مجھے کلام ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ت) حلیہ میں ہے:

فی الاختیار جاز(ای التیمم قبل الطلب)عند ابی حنیفۃ وعند ابی یوسف لایجوز ولم یذکر عـہ محمدا وانما ذکران قیاس قولہ	اختیار میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک (مانگنے سے پہلے تیمّم) جائز ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز نہیں۔امام محمد کا ذکر نہ کیا صرف یہ ذکر کیا کہ ان کے

عـہ ای صاحب الاختیار	(یعنی صاحبِ اختیار نے ۱۲۔ت)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

ان غلب علی ظنه انه یعطیه لایجوز والا یجوز[1] اھ

قول کے قیاس کا اقتضایہ ہے کہ اگر اسے غالب گمان ہو کہ دے دے گا تو جائز نہیں ورنہ جائز ہے اھ (ت)

اقول: ھکذاجری القیل والقال*ولاحاجۃالٰی استکثارالاقوال*بل نأتی علی المقامین لفصل المقال*بتوفیق ربنا المھیمن المتعال*

اقول: اسی طرح قیل و قال جاری ہے۔اور زیادہ اقوال لانے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہم اپنے برتر نگہبان پروردگار کی توفیق سے تفصیل کلام کیلئے اُن دو ۲ مقاموں پر آتے ہیں:

المقام الاول: تظافرت ھھناکلمات العلماء علٰی ثلثۃ مسالک:

مقامِ اوّل: یہاں کلماتِ علماء تین مسالک پر کثرت سے وارد ہوئے ہیں:

اولھا: لایجب الطلب مطلقاوانه قول سیدنا الامام خلافالصاحبیه اوقول الطرفین خلافا للثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

مسلک اوّل: مطلقًا مانگنا واجب نہیں۔اور یہ ہمارے امام صاحب کا قول ہے بخلاف صاحبین۔یا یہ طرفین کا قول ہے بخلاف امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

ودخل فی قولی مطلقامن صرح بالاطلاق کمافی جامع الرموزعن التجرید یصح قبل الطلب من الرفیق وان ظن الاعطاء کماقال ابوحنیفة خلافا لابی یوسف[2] اھ۔

میرے "مطلقًا" کہنے میں اطلاق کی تصریح کرنے والے اور اس حکم کو بلاقید ذکر کرنے والے سبھی لوگ داخل ہیں۔اطلاق کی تصریح جیسے جامع الرموز میں تجرید کے حوالہ سے ہے کہ رفیق سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم صحیح ہے اگرچہ دینے کا گمان رکھتا ہو جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے بخلاف امام ابو یوسف"۔اھ

ویقرب منه قول الاختیار المارحیث اطلق الجوازعند الامام وقابله بالتفصیل علی قیاس قول محمد ومثلھا عبارۃ الجوھرۃ الاٰتیة ومن

اس سے قریب "اختیار" کی گزشتہ عبارت ہے کہ اس میں امام صاحب کے جواز کو مطلق ذکر کیا ہے اور اس کے مقابلہ میں قول امام محمد کے قیاس پر تفصیل بیان کی ہے اور اسی کے مثل جوہرہ کی عبارت ہے جو آرہی ہے

---

[1] الاختیار لتعلیل المختار، باب التیمم، درفراس للنشر والتوزیع بیروت ۲۲/۱

[2] جامع الرموز باب التیمم مطبع ایران ۷۵/۱

ارسلوا ارسالا وھم الاکثرون ففی الوقایۃ قبل طلبہ جاز خلافالھما [1] اھ وفی النقایۃ یصح قبل الطلب [2] اھ ومرعن الھدایۃ تیمم قبل الطلب اجزأہ عندابیحنیفۃ [3]۔ وفی بدائع ملك العلماء لوکان مع رفیقہ ماء ولم یعلم بہ لایجب الطلب عندناوان علم بہ ولکن لاثمن لہ فکذلك عندابی حنیفۃ وقال ابویوسف علیہ السؤال وجہ قولہ ان الماء مبذول عادۃ ولابی حنیفۃ ان العجز متحقق والقدرۃ موھومۃ لان الماء من اعزالاشیاء فی السفر [4] اھ وفی الخانیۃ لورأی مع رفیقہ ماء فتیمم قبل ان یسأل وصلی جاز [5] اھ وفی الخلاصۃ وفی الاصل لوکان مع رفیقہ ماء فانہ یسأل قال فی التجرید السؤال لیس بواجب عندابی حنیفۃ وقال ابویوسف واجب [6] اھ ولفظ البنایۃ عن التجرید لایجب الطلب من الرفیق عندابی حنیفۃ و	بلاقید ذکر کرنے والے حضرات زیادہ ہیں۔وقایہ میں ہے:"مانگنے سے پہلے جائز ہے بخلاف صاحبین اھ"۔نقایہ میں ہے:"قبل طلب صحیح ہے"اھ۔اور ہدایہ کی عبارت گزر چکی:"مانگنے سے پہلے تیمّم کیاتوامام ابوحنیفہ کے نزدیک ہوگیا"۔ بدائع ملک العلماء میں ہے:"اگراس کے رفیق سفر کے پاس پانی تھا اور اسے علم نہ ہواتو ہمارے نزدیک مانگنا واجب نہیں اور اگر اسے علم ہولیکن اس کا دام نہیں رکھتا تو بھی امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہی ہے اور امام ابویوسف کا قول ہے کہ اس پر مانگنا ہے۔ان کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ عجز متحقق ہے اور قدرت موہوم ہے اس لئے کہ سفر میں پانی سب سے کم یاب شَے ہے اھ۔ خانیہ میں ہے:"اگراپنے رفیق کے پاس پانی دیکھا پھر مانگنے سے پہلے تیمّم کیااور نماز پڑھ لی تو جائز ہے"اھ خلاصہ میں ہے:"اصل(مبسوط)میں ہے:اگررفیق سفر کے پاس پانی ہو تومانگے گا۔تجرید میں ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مانگنا واجب نہیں اور امام ابویوسف کا

[1] شرح الوقایہ باب التیمم مطبع رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[2] نقایہ مختصر الوقایہ کتاب الطہارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۶

[3] الہدایۃ مع العینی کتاب الطہارۃ المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷

[4] بدائع الصنائع کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۸

[5] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

[6] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فے التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

محمد خلافا لابی یوسف رحمهم الله تعالٰی[1] اھ وفی ملتقی الابحر ان تیمم قبل الطلب اجزأه[2] اھ وفی الاصلاح ویصح قبل طلبه من رفیق له ماء خلافالهما[3] اھ قال ش وبقول الامام جزم فی المجمع والملتقی والوقایة وابن الکمال اھ وقال العلامة الوزیرفی الایضاح هذا علی وفق مافی الهدایة والایضاح والتقریب وغیرها(ای کشرح الاقطع کماتقدم عن العنایة والبنایة والبحرقال) وفی التجرید ذکر محمدا مع ابی حنیفة[4] اھ ثم ذکر توفیق الجصاص ثم کلام المبسوط المارفی عبارة العنایة والبحر ثم اعقبه بکلام البدائع المار۔

اقول: (۱) وبهذه النصوص ظهر مافی قول النهایة لم یذکر الخلاف الا فی الایضاح وکذلك یقال للعلامة البحر هٰؤلاء المتون والعمائد البدایة و الوقایة والاصلاح والمجمع والتجرید والایضاح والتقریب و

قول ہے کہ واجب ہے" اھ
تجرید کا حوالہ دیتے ہُوئے بنایہ کے الفاظ یہ ہیں: "رفیق سے مانگنا امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک واجب نہیں بخلاف امام ابویوسف۔ رحمہم اللہ تعالٰی اھ۔ ملتقی الابحر میں ہے: "اگر مانگنے سے پہلے تیمّم کرلیا تو ہوگیا" اھ۔ اصلاح میں ہے: "اپنے کسی رفیق سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کرلینا صحیح ہے بخلاف صاحبین" اھ۔ علّامہ شامی لکھتے ہیں: "امام صاحب ہی کے قول پر مجمع، ملتقی، وقایہ اور ابن الکمال کا جزم ہے" اھ علامہ وزیرایضاح میں رقمطراز ہیں: "یہ اس کے مطابق ہے جو ہدایہ، ایضاح، تقریب اور ان کے علاوہ (یعنی جیسے شرح اقطع جیسا کہ عنایہ، بنایہ اور بحر کے حوالوں سے گزرا) میں ہے۔ اور تجرید میں امام محمد کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ذکر کیا ہے" اھ پھر امام جصاص کی تطبیق ذکر کی ہے پھر مبسوط کا کلام جو عنایہ وبحر کی عبارتوں میں گزرا اس کے بعد بدائع کی عبارت لکھی ہے جو ابھی گزری۔ (ت)

اقول: ان ہی نصوص سے نہایہ کے اس قول کی خامی ظاہر ہوگئی کہ "صرف ایضاح میں اختلاف کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح علامہ بحر سے بھی عرض کیا جائے گا کہ یہ متون وعمائد بدایہ، وقایہ، اصلاح، مجمع، تجرید، ایضاح، تقریب،

[1] عینی شرح الہدایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۱/۳۳۷
[2] ملتقی الابحر باب التیمم مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت ۱/۳۲
[3] اصلاح ایضاح
[4] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۳

شرح الاقطع والبدائع والخلاصة والفتح والاختیار والجوهرة کلهم ناصون بالخلاف بین الامام وصاحبیه والامام الاجل ابوبکر الجصاص یوفق بین قول الامام وصاحبیه وقال فی البرهان شرح مواهب الرحمٰن الاظهر قولهما ثم ذکر توفیق الجصاص وایده بقوله ولهذا لم یحك الکافی خلافا[1] اھ نقله العلامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام کیف یرد قولهم جمیعا بمجرد ان فی المبسوط لم ینسب الخلاف الا الی الحسن الیس المثبتون وهم عصبة مقدمین علی ناف واحد الیس ان ظاهر (۱) الروایة ربما (۲) تتعدد فی مسألة واحدة وقولی هذا اولی من توفیق الغنیة المار فی عبارتها ان هؤلاء اعتبروا الروایة النادرة لکونها انسب بمذهب الامام فاعتبارها لهذا شیئ وجعلها قول الامام ونصب الخلاف بینه وبین صاحبیه فی المذهب شیئ اٰخروان(۳) اقره فی ردالمحتار ومنحة الخالق والله سبحٰنه الموفق۔	شرح اقطع، بدائع، خلاصہ، فتح، اختیار، جوہرہ سب کے سب اس پر نص کررہے ہیں کہ امام اعظم اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔اور امام اجل ابو بکر جصاص امام صاحب اور صاحبین کے قول میں تطبیق دے رہے۔اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں فرمایا: زیادہ ظاہر قولِ صاحبین ہے، پھر جصاص کی تطبیق ذکر کی ہے اور اپنے اس قول سے اس کی تائید کی ہے کہ اسی لئے "کافی" نے کسی اختلاف کی حکایت نہ کی اھ،اسے علامہ شرنبلالی نے غنیۃ ذوی الاحکام میں نقل کیا۔ان تمام حضرات کا قول صرف اس وجہ سے کیسے رد کردیا جائے گا کہ "مبسوط نے محض حسن کی طرف اختلاف کی نسبت کی ہے" کیا اثبات کرنے والے جبکہ وہ طاقتور بھی ہیں ایک نفی کرنے والے پر مقدم نہیں؟ کیا ایسا نہیں کہ بارہا ایک مسئلہ میں ظاہر الروایۃ متعدد بھی ہوتی ہے۔میرا یہ قول (تعدد ظاہر الروایۃ) غنیہ کی اس تطبیق سے بہتر ہے جو اس کی عبارت میں گزری کہ "ان حضرات نے روایت نادرہ کا اعتبار کیا اس لئے کہ وہ مذہب امام سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے"۔اس وجہ سے اس کا اعتبار کرنا اور چیز ہے۔اور اسے امام کا قول قرار دینا اور ان کے اور صاحبین کے درمیان مذہب میں اختلاف قائم کرنا اور چیز ہے۔اگرچہ غنیہ کی تطبیق کو علامہ شامی نے بھی ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں برقرار رکھا ہے،اور خدائے پاک ہی توفیق بخشنے والا ہے۔(ت)
وثانیها: یجب مطلقا وانه ظاهر الروایة عن ائمتنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم وذلك مامر عن المبسوط	**مسلک دوم**: مانگنا مطلقًا واجب ہے اور یہ کہ یہ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ظاہر الروایۃ ہے۔اور یہی وہ ہے جو مبسوط کے حوالہ سے

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع احمد کامل الکائنہ فی دار السعادۃ ۱/۳۲

واعتمدہ تبعا لشیخه فی التنویر فقال قبل طلبه لاتیمم علی الظاھر اھ قال فی المدرای ظاھر الروایة عن اصحابنا لانه مبذول عادة وعلیه الفتوٰی [1] اھ۔

اقول: ولم ارھذہ اللفظة لغیرہ ولاعزاہ محشوہ لاحد وفی التبیین لوعلم به خارج الصلاۃ وصلی بالتیمم قبل الطلب لایجزئه [2] اھ ثم ذکر روایة الحسن ثم توفیق الجصاص،و فی جواھر الاخلاطی مع رفیقه ماء وشرع فی الصلاۃ قبل الطلب لایجوز وقیل یجوز علی قیاس قول الامام خلافا للقاضی [3] اھ۔

اقول: وھنا عبارات اُخر لیست صرائح کماتقدم عن الخلاصة عن الاصل انه یسأل فان (۱) الصیغة وان کان ظاھرھا الوجوب کثیرا ماتأتی للندب کمالایخفی علی من خدم کلماتھم ویقرب منه قول القدوری ان کان مع رفیقه ماء طلب منه قبل ان یتیمم فان منعه منه تیمم [4] اھ والسراجیة

گزرا۔اور تنویر میں اپنے شیخ کا اتباع کرتے ہوئے اسی پر اعتماد کیا تو یہ لکھا کہ "اس سے مانگنے سے پہلے ظاہر کی بنیاد پر تیمم نہیں کرے گا"اھ۔درمختار میں فرمایا: "ظاہر سے مراد ہمارے اصحاب سے ظاہر الروایہ،اس لئے کہ پانی عادۃً دیا جاتا ہے اور اسی پر فتوی ہے"اھ (ت)

اقول: یہ لفظ میں نے کسی اور کے یہاں نہ دیکھا،اور نہ ہی درمختار کے محشّٰی حضرات نے اس پر کسی کا حوالہ دیا۔تبیین میں ہے: اگر خارج نماز اسے اس کا علم ہوگیا پھر بھی مانگنے سے پہلے تیمّم سے نماز پڑھ لی تو یہ اس کیلئے کفایت نہیں کرسکتا"اھ۔پھر انہوں نے حسن کی روایت اور جصاص کی تطبیق ذکر کی۔

جواہر الاخلاطی میں ہے: "اس کے رفیق کے پاس پانی ہے اور مانگنے سے پہلے نماز شروع کردی تو جائز نہیں اور کہا گیا کہ قول امام کے قیاس پر جائز ہے۔بخلاف قاضی کے۔اھ (ت)

اقول: یہاں کچھ اور عبارتیں بھی ہیں جو صریح نہیں جیسے خلاصہ سے بحوالہ اصل گزرا کہ "وہ مانگے گا"اس لئے کہ صیغہ خبر اگرچہ وجوب میں ظاہر ہے لیکن ندب واستحباب کے لئے بھی کثرت سے آتا ہے جیسا کہ کلمات علماء کے خدمت گزاروں پر مخفی نہیں۔اس سے قریب یہ عبارتیں بھی ہیں (۱) اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے

[1] درمختار، باب التیمم ، مطبع دہلی، ۱/۴۴
[2] تبیین الحقائق باب التیمم مطبع الازہریہ مصر ۱/۴۴
[3] جواہر الاخلاطی فصل فی التیمم (قلمی نسخہ) ۱/۱۳
[4] قدوری باب التیمم مطبع کان پور ص ۱۲

اذاوجد مع رفیقہ ماء فانہ یسأله فان لم یعطه تیمم وصلی [1] اھ،والکنز یطلبه من رفیقه فان منعه تیمم [2] اھ کیف وقد قال مثله فی الملتقی واعتمد مذهب الامام وهذا نصه ان کان مع رفیقه ماء طلبه وان منعه تیمم وان تیمم قبل الطلب اجزأه [3] اھ۔

طلب کرے اگر نہ دے تو تیمّم کرے"اھ قدوری۔(۲)"اپنے رفیق کے پاس پانی پائے تواس سے مانگے اگرنہ دے تو تیمّم کرے اور نمازپڑھے"اھ سراجیہ۔(۳)"اپنے رفیق سے پانی طلب کرے اگرنہ دے تو تیمّم کرے"اھ کنزالدقائق۔یہ صیغہ ہاں وجوب کیلئے کیسے ہوسکتا ہے جب کہ ملتقی میں بھی اسی کے مثل فرمایا پھر بھی ان کا اعتماد مذہب امام پر ہے،ان کی عبارت یہ ہے:"اگراس کے رفیق کے پاس پانی ہو تواس سے طلب کرے،اگرنہ دے تو تیمّم کرےاور اگرمانگنے سے پہلے تیمّم کرلیاتو بھی ہوگیا"۔اھ (ت)

تنبیہ: قولی ههنا یجب مطلقا المراد به انهم ذکروها مرسلة ولم یقیدوها بمایاتی فی القول الثالث اذ هذا هو الواقع فی کلام المبسوط واتباعه نعم حمله الامام صدر الشریعة علی صریح التعمیم کماسیاتی فی ذکر قانونه مع تضعیفه ان شاء الله تعالٰی ویقرب منه مامرعن الغنیة من حمل کل من قولی الامام وصاحبیه علی التعمیم حتی تأتی له التلفیق وقد تقدم انه لیس بتحقیق۔

تنبیہ: میرے"مطلقًا واجب"کہنے سے مراد یہ ہے کہ علمانے اسے مرسل ذکر کیا ہے اور وہ قید نہیں لگائی ہے جو تیسرے قول میں آرہی ہے۔اس لئے کہ مبسوط اور اس کے اتباع کے کلام میں یہی صورت واقع ہے (یعنی ارسال ہے تقیید نہیں)۔ہاں امام صدر الشریعۃنے اسے صریح تعمیم پر محمول کیا ہے جیساکہ ان کے قانون کے ذکر میں تضعیف کے ساتھ اس کا ذکر آرہا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔اور اس سے قریب وہ بھی ہے جو غنیہ سے گزراکہ انہوں نے امام اور صاحبین کے دونوں قولوں کو تعمیم پر رکھا یہاں تک کہ ان کیلئے تلفیق کی گنجائش نکل آئی وہاں گزر چکاکہ یہ تحقیق نہیں۔(ت)

وثالثها: ادارة الامر علی ظنه فان ظن العطاء وجب الطلب ولم یجز

مسلک سوم: معاملہ اس کے گمان پر دائر رکھناکہ اگراسے دینے کا گمان ہو تومانگناواجب ہے

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲

[2] کنزالدقائق مع التبیین باب التیمم المطبعۃالازہریہ بولاق مصر ۱/۴۴

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب التیمم داراحیاء التراث العربی ۱/۴۴

التیمم قبله تقدم فیه نص النهایة وستأتی نصوص البحر المحیط والمنیة والخزانة والبرجندی وفی الخانیة وخزانة المفتین رأی مع رفیقه ماء ان کان غالب ظنه انه یطیه لایجوزله ان یتیمم بل یسأله اھ[1] وفی الکافی مع رفیقه ماء وظن انه ان سأله اعطاہ لم یجز التیمم وان کان عندہ انه لایعطیه تیمم وان شك وتیمم وصلی فسأل فاعطی یعید[2] اھ وفی الهندیه بعد نقله وهکذا فی شرح الزیادات للعتابی اھ[3]، وفی البرجندی نقل عن القاضی الامام ابی زید رحمه الله تعالٰی انه یجب الطلب فی موضع لایعز الماء فیه لافی موضع یعز[4] اھ، وفی المنیة وشرح مسکین للکنز وعن ابی نصر الصفار رحمه الله تعالٰی اذاکان فی موضع یعز فیه الماء فالافضل ان یسأل من رفیقه وان لم یسأل اجزأہ فان کان فی موضع لایعز الماء فیه لایجزئه قبل الطلب[5] اھ زاد فی المنیة کمافی عمرانات[6]۔ واعتمدہ الشرنبلالی فی متنه وشرحه فقال یجب طلبه ممن هو معه

اور اس سے پہلے تیمّم جائز نہیں۔اس بارے میں نہایہ کی عبارت گزرچکی اور بحر محیط،منیہ،خزانہ اور برجندی کی عبارتیں آرہی ہیں۔خانیہ اور خزانۃ المفتین میں ہے: "اپنے رفیق کے پاس پانی دیکھا اور گمان کیا کہ اگر اس سے مانگے تو دے دے گا تو تیمّم جائز نہیں بلکہ اس سے طلب کرے"اھ اور کافی میں ہے اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو اور اسے گمان ہو کہ اگر طلب کرے تو دے دے گا تو تیمّم جائز نہیں اور اگر اس کے گمان میں یہ ہو کہ نہیں دے گا تو تیمّم کرے اور اگر شک رکھتا ہو اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لے پھر مانگے اور وہ دے دے تو اعادہ کرے"اھ ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "اسی طرح عتابی کی شرح زیادات میں ہے"اھ۔برجندی میں قاضی امام ابوزید رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل ہے کہ "مانگنا ایسی جگہ واجب ہے جہاں پانی کمیاب نہ ہو ایسی جگہ نہیں جہاں کمیاب ہو"اھ۔منیہ اور شرح مسکین للکنز میں ہے کہ ابو نصر صفار سے ہے کہ جب ایسی جگہ ہو جہاں پانی کم یاب ہو تو بہتر یہ ہے کہ اپنے رفیق سے طلب کرے اور اگر طلب نہ کیا تو یہ اس کو کفایت کرے گا اور اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں پانی کمیاب نہیں ہوتا تو طلب سے پہلے اسے کفایت نہیں کرے گا اھ منیہ میں یہ اضافہ کیا:

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الکافی الفصل الاول من التیمم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الکافی الفصل الاول من التیمم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

[4] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸

[5] شرح مسکین للکنز علٰی حاشیۃ فتح المعین فصل فی التیمم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۷

[6] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ۵۰

لانه مبذول عادة فلاذل فی طلبه انکان فی محل لاتشح به النفوس[1] اھ ومنها العبارات التی قدمنا فی المسألة الثالثة والرابعة عن الزیادات ومحیط السرخسی والخانیة والخلاصة والبزازیة وصدر الشریعة والبحر والهندیة تصریحا وجامع الکرخی والبدائع والحلیة مفهوما من الامر بقطع الصلاة عندظن الاعطاء فانه یوجب الوجوب اذ لولاه عـه لماحل القطع ویقابلها اطلاق نص الخانیة وخزانة المفتین شرع بالتیمم ثم جاء انسان معه ماء فانه یمضی فی صلاته[2] اھ **اقول:** وقدعلمت انهم یرمون عن قوس واحدة وهو وجوب الطلب فی مظنة الاعطاء لاغیرها وانما نشأ الخلاف من الاختلاف فی ان الماء هل هو مبذول عادة فی السفر کالحضر اولا فمن قال نعم قال یجب مطلقا ومن قال لاقال لاومن فصل فصل فلم یبق فی الوصول	"جیسے آبادیوں میں" اھ۔اور شرنبلالی نے اپنے متن وشرح میں اسی پر اعتماد کرتے ہوئے فرمایا: "اسے اپنے ساتھی سے مانگنا واجب ہے اس لئے کہ پانی عادةً دیا جاتا ہے تو اسے مانگنے میں کوئی ذلت نہیں اگر ایسی جگہ ہو جہاں پانی کے معاملہ میں طبیعتوں میں بخل نہیں پایا جاتا"۔اھ ان ہی میں سے وہ عبارتیں بھی ہیں جو پہلے ہم نے تیسرے اور چوتھے مسئلہ میں زیادات، محیط سرخسی، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، صدر الشریعۃ، بحر اور ہندیہ کے حوالوں سے صراحۃً اور جامع کرخی، بدائع اور حلیہ کے حوالوں سے مفہومًا بیان کیں کہ ظنّ عطاکے وقت نماز توڑنے کا حکم ہے،اس لئے کہ یہ حکم مانگنے کا وجوب لازم کرتا ہے کیونکہ اگر وجوب نہ ہوتا تو نماز توڑنا جائز نہ ہوتا۔ان عبارتوں کے مقابلہ میں خانیہ اور خزانۃ المفتین کی یہ عبارت ہے: "تیمّم سے نماز شروع کی پھر کوئی آدمی آیا جس کے پاس پانی ہے تو وہ نماز پڑھتا رہے"اھ (ت) **اقول:** معلوم ہوچکا کہ سبھی حضرات ایک ہی کمان سے تیر چلارہے ہیں۔وہ یہ ظنِ عطا کی جگہ مانگنا واجب ہے دوسری جگہ نہیں۔خلاف صرف اس بارے میں اختلاف سے پیدا ہُوا کہ کیا پانی سفر میں بھی حضر کی طرح عادةً لیا دیا جاتا ہے یا ایسا نہیں؟ جنہوں نے کہا ہاں، وہ مطلقًا وجوب کے قائل ہوئے۔اور جنہوں نے کہا نہیں، وہ وجوب کے قائل نہیں،اور

عـه کما یستفاد ماقدمنا عن تقریر وجوب القطع فی المسألة الثالثة ۱۲ منه غفرله (م)	جیسا کہ وجوب قطع کی اس تقریر سے مستفاد ہوتا ہے جو ہم نے مسئلہ سوم میں پیش کی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی مطبعۃ الازہریۃ مصر ص۷۱

[2] فتاوٰی خانیہ فصل فیما یجوزلہ التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۲۷

الی الصواب الا انحلال عقدۃ ھذا المبنی فاما المفصلون فقد اعتمدوا المظان وھی الجادۃ الواضحۃ واما المثبتون فنظروا الی حال الحضر والسفر فی منازل ذات مناھل وماء الشرب واما النافون فالی حال السفر فی منازل قلیلۃ المیاہ وماء الطھر۔

جنھوں نے اُس میں تفصیل کی،اس میں بھی تفصیل کی تو صواب ودرستی تک رسائی کی راہ میں صرف اس مبنی کی گرہ کشائی حاصل رہی۔ تفصیل کرنے والوں نے ظن کی جگہوں پر اعتماد کیا۔یہ صاف راستہ ہے۔اور اثبات کرنے والوں نے حضر اور پنگھٹ اور پینے کے پانی والی جگہوں میں سفر کی حالت پر نظر کی۔اور نفی کرنے والوں نے کم پانی والی اور آب طہارت کی قلّت والی جگہوں میں سفر کی حالت پر نظر کی۔(ت)

وانا اقول: وباللہ التوفیق انما(۱) المبذول عادۃ ماء الشرب لاسیمافی الحضر واما(۲) ماء الطھر خصوصا الغسل فکثیرمن الناس یضنون بہ فی الحضر علی الاجانب حذاران ینفدما عندھم فیتحرجوا الیٰ ان یاتی السقاء اویحتاجوا الی کلفۃ الاستقاء بل ان کان احدھم علی رأس رکیۃ وسألہ غریب اوعابر سبیل ماعندہ من الماء للغسل بل للوضوء یقول امالك یدان الست علی البئر فکیف بالسفر۔

اور **میں کہتا ہوں**: اور خدا ہی سے توفیق ہے۔جو عادۃً دیا جاتا ہے وہ صرف پینے کا پانی ہے، خصوصًا حضر میں رہا طہارت خصوصًا غسل کا پانی تو اس میں بہت سے لوگ حضر میں بھی اجنبی لوگوں پر بخل کرتے ہیں اس اندیشہ سے کہ ان کا پانی ختم ہوجائے گا تو انہیں بہشتی کے آنے تک زحمت ومشقت ہوگی یا خود پانی کھینچنے کی زحمت اٹھانے کی ضرورت ہوگی بلکہ اگر کوئی شخص کسی کنویں ہی پر ہو اور اس سے کوئی مسافر یا راہ گیر اس کا پانی غسل بلکہ وضو کیلئے بھی مانگے تو وہ کہے گا کیا تمہارے پاس ہاتھ نہیں؟ کیا تمہارے سامنے کنواں نہیں؟ یہ تو حضر کا حال ہے پھر سفر کا کیا حال ہوگا؟ (ت)

ثمّ (۳)لایحل التیمم الا اذا بعد الماء میلا ونعلم قطعا ان المقیم فی مصرہ یتحفظ علی الماء تحفظہ علی الطعام اذا بعد الماء عنہ بھذا القدر فکیف بمن فی السفر فالغالب ھی الضنۃ وما

پھر یہ دیکھئے کہ تیمّم کا جواز کب ہوتا ہے؟ جب پانی ایک میل دُوری پر ہو اور یہ ہمیں قطعًا معلوم ہے کہ جب پانی اس قدر دُور ہوگا تو مقیم اپنے شہر میں پانی کی ویسے ہی حفاظت رکھے گا جیسے کھانے کی حفاظت رکھتا ہے پھر اس کا کیا ہوگا جو سفر میں

لکونه مبذولا فیه من مظنة الافی خصوص صور(۱) عدیدة کأن(۱) یکون من له الماء ولم هذا او(۲) شقیقه او(۳) صدیقه او(۴) اجیره او(۵) رعیته او(۶) یهاً به او(۷) له فیه طمع یریده او(۸) یعلم هذا ان الرجل غیر شحیح و لالئیم ولامناوٍ له وان عنده من الماء ماان اعطانی منه فضل له مایبلغه المنزل وافیاً بحاجاته من دون تقصیرولاتقتیراو(۹) یکون هذا مریضاً مقعداً اشل مثلا وهو علی رأس البئر او(۱۰) یعلم انه کریم النفس یستحیی ان یرد السائل لاسیما انکان ممن یؤثرون علی انفسهم ولوکان بهم خصاصة ففی مثل هذه الصوریصح له الظن الاعطاء المعتبر فی الشرع وهو اکبر الرأی الملتحق فی العمل بالیقین دون الظن الضعیف الملحق بالشك ولاشك ان هذه الصور اقل بکثیرمن غیرها فکیف یقال ان ماء الطهر مبذول عادة بل مظنون به غالبًا نعم لم تبلغ قلة هذه الصورحد ندرة توجب طرحها عن النظر ونوط الحکم بالمظنة فوجب ادارة الامر علی ظنه وهو اعلم بنفسه فلا(۲) یقید بموضع فیه الماء عزیز اوغزیر فلاشك ان الوجه هو التفصیل هذا فی الحکم۔

ہو؟ تو سفر میں زیادہ تر بخل ہی ہوگا۔اور سفر میں پانی کے مبذول ہونے کی کوئی جگہ نہیں مگر چند گنی چنی صورتوں میں مثلًا یہ کہ (۱) پانی کا مالک اس کی اولاد سے ہو،(۲) یا اس کا سگا بھائی ہو (۳) یا دوست ہو،(۴) یا ملازم ہو (۵) یا رعیت ہو (۶) یا اس سے ڈرتا ہو (۷) یا اسے اس سے کوئی طمع ہو جسے وہ بروئے کار لانا چاہتا ہو (۸) یا جانتا ہو کہ یہ آدمی بخیل،پست ہمت اور میرا مخالف نہیں اور اس کے پاس پانی بھی اتنا ہے کہ اگر مجھے اس میں سے دے دے تو اتنا بچ رہے گا جس سے وہ اپنی ضروریات بغیر کوتاہی و کمی کے پُورا کرتا ہوا گھر پہنچ جائے گا(۹) یا یہ اپاہج ہو یا مثلًا ہاتھ شل ہو اور وہ کنویں پر ہے (۱۰) یا جانتا ہو کہ وہ کریم النفس ہے سائل کو رد کرنے سے حیا رکھتا ہے خصوصًا جب کہ ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ انہیں سخت احتیاج ہی کیوں نہ ہو۔تو ایسی صورتوں میں اس کا ظنِّ عطا جس کا شریعت میں اعتبار ہے درست ہوگا اور یہ غالب گمان ہے جو عمل میں یقین سے ملحق ہے،ضعیف گمان نہیں جو شک میں شامل ہے بلاشبہہ یہ صورتیں دوسری صورتوں سے بہت زیادہ قلیل وکمتر ہیں۔پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ آب طہارت عادۃً لیا دیا جاتا ہے۔بلکہ اس میں تو اکثر بُخل ہی ہوتا ہے۔ہاں ان صورتوں کی قلّت حدِّ ندرت تک نہ پہنچی کہ انہیں بالکل نظر انداز کردینا اور حکم کو جائے گمان سے متعلق کرنا لازم ہو تو خود اسی کے گمان پر معاملہ کو دائر رکھنا ضروری ہوا اور وہ خود اپنی حالت زیادہ جانتا ہے تو پانی کے کمیاب

اما التوفیق **فاقول:** وباللّٰه التوفیق لاغروفی اطلاق الحکم بالنظرالی الغالب الکثیر* وکم له فی الفقه من نظیر* فکان سیدناالامام* رضی اللّٰه تعالٰی عنه اطلق الحکم بعدم وجوب الطلب*نظرالماغلب* ورواه الحسن کماسمع* وتداولته المتون والعامة کماوقع * وذهب اجتهادالحسن الی اجزائه علی اطلاقه فقال به وکذلك ظن بعض ففسرواالاطلاق بالعموم وقلیل ماهم ورواه الصاحبان عن شیخهماوقدعرفاالمراد ففسراه وقالابه فمنهم من نظر الاطلاق عن الامام والتفصیل عنهافنصب بینهم الخلاف وهومسلك الهدایة و کثیرین ومنهم من نظرالمرام وان التفصیل هو المراد بالاطلاق فصرح بالوفاق اولم یؤم الی خلاف وهومسلك المبسوط والکافی ومن حکی عنهم فی النهایة وهم الاکثرون علی مافیها،ومنهم من نظر الی جانبی اللفظ والمقصود فاثبت الخلاف لفظاونفاه معنی فذهب الی التوفیق وهومسلك الامام الجصاص وهوالتحقیق الناصع ولذاتری الخانیة مشی علی کلا القولین جازمًا به غیرمؤم الی الخلاف فی شیئ من الموضعین کمانقلنانصوصها فی المسلکین الاول و

یا وافر ہونے کی جگہ سے حکم مقید نہ ہوگا۔ تو اس میں شک نہ رہا کہ وجہِ صواب تفصیل ہی ہے یہ تو حکم سے متعلق کلام ہوا۔ رہ گئی تطبیق **تو میں کہتا ہوں** اور خدا ہی سے توفیق ہے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ غالب وکثیر پر نظر کرتے ہوئے حکم مطلق بیان کردیا جائے۔ فقہ میں اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غالب وکثیر پر نظر کرتے ہوئے مانگنے کے عدمِ وجوب کا حکم مطلق بیان فرما دیا اور حسن نے اسے جیسا سنا روایت کردیا اور متون وعامہ کتب نے جیسا وقوع میں آیا ویسا ہی پیش کردیا۔ اور حسن کا اجتہاد اس طرف گیا کہ اسے اطلاق ہی پر جاری رکھا جائے تو وہ اسی کے قائل ہُوئے۔ ایسے ہی کچھ اور حضرات کا بھی گمان ہوا تو انہوں نے اطلاق کی تفسیر عموم سے کردی۔ اور ایسے حضرات کم ہی ہیں۔ اور صاحبین نے اپنے شیخ سے مراد سمجھ کر اس کی روایت کی تو انہوں نے اس کی تفسیر کردی اور خود اسی تفسیر کے قائل ہوئے۔ اب بعض حضرات نے امام کے اطلاق اور صاحبین کی تفصیل پر نظر کی اور ان ائمہ کے درمیان اختلاف پیش کردیا۔ یہ صاحب ہدایہ اور بہت سے حضرات کا مسلک ہے۔ اور بعض حضرات نے مقصد پر نظر کی اور یہ دیکھا کہ اطلاق سے بھی مراد تفصیل ہی ہے تو انہوں نے اتفاق کی تصریح کردی یا کسی خلاف کی جانب اشارہ نہ کیا۔ یہ مبسوط، کافی اور ان حضرات کا مسلک ہے جن سے نہایہ میں حکایت کی۔ اور

الثالث وتبعه فی خزانة المفتین کما علمت وکلهم علی الصواب وبعضهم اولی به من بعض الاشرذمة (۱)صرحوا بتعمیم عدم الوجوب مع اتفاقهم جمیعا علی وجوب الطلب فی مظنة القرب واخاف ان یکون هذا فی عبارة التجرید المحکیة فی جامع الرموز من قبل القهستانی نقل بالمعنی علی ما فهم فان عبارة التجرید التی اثرها امامان جلیلان فی الخلاصة والبنایة کما مرلا اثر فیها لهذا التعمیم والله تعالٰی بکل شیئ علیم ونظیره فی(۲) جانب الایجاب صنیع صدر الشریعة وفی الجانبین صنیع الغنیة والله تعالٰی اعلم۔ **تنبیه:** جعل فی الحلیة الاقوال اربعة فافرز قول الصفار عن القول بالظن وانت تعلم انه هو [عـه] فانما اقام المظنة	یہ لوگ اکثر ہیں جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ اور بعض حضرات نے الفاظ اور مقصود دونوں جانب نظر کی تو لفظًا اختلاف ثابت کیا اور معنًی اس کی نفی کی تو وہ تطبیق کی راہ پر گئے۔ یہ امام جصاص کا مسلک ہے اور یہی تحقیق خالص ہے۔ اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ خانیہ میں دونوں ہی قول پر جزم کرتے ہوئے اور دونوں جگہوں میں سے کسی خلاف کا اشارہ کئے بغیر چلے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کی عبارتیں مسلک اول اور مسلک سوم میں نقل کیں اور خزانۃ المفتین میں ان ہی کی پیروی کی، جیسا کہ معلوم ہوا۔ اور یہ سبھی حضرات درستی پر ہیں اور بعض، بعض سے اولٰی ہیں مگر وہ گنتی کے لوگ جنہوں نے عدمِ وجوب کی تعمیم کی صراحت کی۔ جبکہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہونے کا گمان ہو تو طلب واجب ہے۔ اور میرا اندیشہ یہ ہے کہ یہ بات جامع الرموز میں تجرید کی حکایت کردہ عبارت میں قہستانی کی طرف سے در آئی ہے اس طرح کہ انہوں نے اپنے فہم کے مطابق اسے معنًی نقل کردیا اس لئے کہ تجرید کی جو عبارت دو ۲ بزرگ اماموں نے خلاصہ وبنایہ میں نقل فرمائی جیسا کہ گزری اس میں اس تعمیم کا کوئی نشان، پتا نہیں اور خدائے برتر ہی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسی کی نظیر جانب ایجاب میں صدر الشریعۃ کا طریقہ بھی ہے اور دونوں ہی جانب میں غنیہ کا عمل اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔ (ت) **تنبیہ:** حلیہ میں اقوال چار کردئے اس طرح کہ صفّار کا قول، قول بالظن سے جُدا شمار کردیا جبکہ ناظر کو معلوم ہے کہ یہ وہی ہے۔ بس یہ ہے کہ انہوں نے ظن

عـه **اقول:** سیعلم(۳) من احاط بنصوص مرت وتأتی ان لکلامهم ههنا وجهتین فمنهم من رددبین نفی اثبات صریحا نحوان	**اقول:** گزشتہ وآئندہ نصوص وعبارات کا احاطہ کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ یہاں کلام علما کے دو ۲ رُخ ہیں۔ بعض حضرات نے صراحۃً نفی واثبات کے درمیان (باقی برصفحہ آئندہ)

مقام الظن کمالایخفی وقد قدمته فی حاشیة نمرة۔ **المقام الثانی** : قد تبینانه ان ظن العطاء وجب الطلب اوالمنع لابقی الشك فاعتری فیه الشك وجاءت العبارات علی وجهین فی الحاقه باحد	کی جگہ مظنہ رکھا ہے جیساکہ مخفی نہیں۔میں پہلے نمبر ۱۴۴ کے حاشیہ میں بھی اسے بیان کرچکاہوں۔(ت) **مقامِ دوم**: یہ واضح ہوچکاکہ اگر دینے کا گمان ہو تو مانگنا واجب ہے اور نہ دینے کا گمان ہو تو واجب نہیں۔شک کا حکم رہ گیا تو اس میں شک درآیااوراسے ظن عطاو ظن منع کسی ایک سے ملحق کرنے سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظن العطاء وجب الطلب والالا کالبحر المحیط والاختیار والمبتغی اومفهوما نحوان ظن العطاء لم یجز التیمم کالنهایة والخانیة وخزانة المفتین والخزانة وغیرهم فافادوا الحاق الشك بظن المنع ومنهم من ذکر حکم الظنین واهمل ذکر الشك کالکافی والمنیة والهندیة عن العتابی والزیادات ایضا بتصریح الحلیة وقدبحث فی الحلیة فی هذا القول عن الحاق الشك باحد الظنین جعل الکل محتملا ورجح الالحاق بالمنع ولایخرج قول الامامین الصفار وابی زید عن هذا فلاوجه لعده علیحدة الابالنظر الی تغایرفی اللفظ ۱۲ منه غفرله (م)

تردید کی ہے مثلاً یہ کہ "اگر عطا کا گمان ہو طلب واجب ہے ورنہ نہیں" جیسے بحر، محیط،اختیار اور مبتغی میں ہے۔یا مفہوماً تردید کی ہے مثلاً یوں کہ "اگر دینے کا گمان ہو تو تیمم جائز نہیں" جیسے نہایہ،خانیہ،خزانۃ المفتین اور خزانہ وغیرہامیں ہے توان حضرات نے شک کو ظن منع سے ملحق کرنے کاافادہ فرمایااور بعض حضرات نے دونوں ظن (ظنّ عطاو ظنّ منع) کاحکم بیان کردیااور شک کاذکر چھوڑدیا،جیسے کافی،منیہ اور ہندیہ میں عتابی سے نقل کرتے ہوئے ہےاور حلیہ کی تصریح کے مطابق زیادات میں بھی ہے۔اور حلیہ کے اندراس قول کے تحت شک کو کسی ایک ظن سے لاحق کرنے سے متعلق بحث کی ہے تو محتمل ہر ایک کو رکھااور منع سے لاحق کرنے کو ترجیح دی اور امام صفار وامام ابوزید کا قول اس سے باہر نہیں تواسے علیحدہ شمار کرنے کی کوئی وجہ نہیں سوائے اس کے کہ لفظوں کے اختلاف پر نظر ہو ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

الظنین۔

احدھما: قال صدرالشریعۃوفی الزیادات اذاکان خارج الصلاۃولم یطلب وتیمم لایحل لہ الشروع بالشك فان القدرۃ والعجزمشکوك فیھا[1]اھ فقدالحقہ بظن العطاء فکما لایجوزالتیمم اذاظن العطاء کذلك اذاشك لکن نص فی الحلیۃ ان حکم صورۃ الشك غیرمنصوص علیہ فی الزیادات [2] اھ والذی ذکرفی البحر وجعلہ حاصل الزیادات وغیرھا یخالف مافی شرح الوقایۃ وعبارتہ وفی الزیادات ان المتیمم المسافر الٰی اٰخر مانقلنا فی المسألۃ الثالثۃ وقال فیھا بعد قولہ فلایقطع بالشك بخلاف مااذاکان خارج الصلاۃ الٰی اٰخر مانقلناھھنافلعل قولہ بخلاف الخ مدرج من عند الامام بین مسألتی الزیادات علی مایقتضیہ کلام الحلیۃ والبحر ولذالم یعزہ فی الحلیۃ الا الیہ واللہ تعالٰی اعلم ھذا ووقع فی الخادمی حکایۃ ان الحاقہ بظن العطاء مصحح قال فی الدرر قبل طلبہ جاز التیمم اختیارہ فی الھدایۃ وقیل لااختیارہ فی المبسوط [3] اھ فقال الخادمی

متعلق عبارتیں دو۲ طرح آئیں:

اول: صدر الشریعۃ نے فرمایا: "زیادات میں ہے کہ جب بیرونِ نماز ہو اور طلب نہ کرے اور تیمّم کرے تو شک کے ساتھ شروع کرنااس کے لئے جائز نہیں اس لئے کہ قدرت وعجز دونوں میں شک ہے" اھ اس عبارت میں شک کو ظن عطاسے ملحق کیاہے جیسے ظن عطاکی صورت میں تیمّم جائز نہیں۔اسی طرح شک کی صورت میں لیکن حلیہ میں تصریح ہے کہ "صورت شک کاحکم زیادات میں منصوص نہیں" اھ۔اور بحر میں جو ذکر کیاہے اسے زیادات وغیرہاکاحاصل قرار دیاہے وہ اس کے برخلاف ہے جو شرح وقایہ میں ہے شرح وقایہ کی عبارت یہ ہے: "زیادات میں ہے کہ تیمّم والا مسافر اس کے آخر تک جو ہم نے مسئلہ سوم میں نقل کیا۔اس میں "فلایقطع بالشک تو شک کی وجہ سے نماز نہ توڑے گا" کے بعد یہ بھی لکھاہے: "بخلاف اس صورت کے جب بیرونِ نماز ہو اس کے آخر تک جو ہم نے یہاں نقل کیا شاید عبارت "بخلاف الخ" امام صدرالشریعۃ کی طرف سے زیادات کے دونوں مسئلوں کے درمیان درج ہوئی ہے جیساکہ حلیہ اور بحر کے کلام کااقتضاہے اسی لئے اسے حلیہ میں ان ہی کی طرف منسوب کیا۔اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔یہ ذہن نشین رہے۔خادمی

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مطبع المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[2] حلیۃ

[3] درر شرح الغرر باب التیمم مطبع دار السعادت کامل بیروت ۱/۳۲

المصحح ان رجا اعطاءہ اوشك يعيد والالا[1] اھ ولم يعزہ لاحد ولم ارہ لمعتمد فاللّٰہ تعالٰی اعلم۔	میں حکایۃً آیا ہے کہ شک کو ظن عطا سے لاحق کرنا تصحیح یافتہ ہے۔ درر میں فرمایا: "مانگنے سے پہلے تیمّم جائز ہے۔ اسی کو ہدایہ میں اختیار کیا اور کہا گیا: جائز نہیں۔ اس کو مبسوط میں اختیار کیا" اھ اس پر خادمی نے لکھا کہ: "تصحیح یافتہ یہ ہے کہ اگر دینے کی اُمید یا شک ہو تو اعادہ کرے ورنہ نہیں اھ"۔ اور اس پر کسی کا حوالہ نہ دیا۔ نہ ہی میں نے کسی معتمد کے کلام میں اسے پایا، تو خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)
وثانیھما: قال فی المبتغی بالغین مع رفیقه ماء ظن انه یعطیه لایتیمم والاتیمم[2] اھ فقد الحقه بظن المنع وهو قضیة مافی المنیة اذقال ان کان مع رفیقه ماء لایجوزله التیمم قبل ان یسأل عنه اذا کان علی غالب ظنه انه یعطیه[3] اھ وفی البرجندی عن الخزانةان کان غالب ظنه انه یعطیه لایجوزله ان یتیمم قبل الطلب[4] اھ وفی جامع الرموزعن البحرالمحیط ان ظنه وجب الطلب والالا[5] اھ وهذا مارجحه فی الحلیة اذقال احتمال الحاق الشك بظن المنع[عہ] ارجح کمایظهر من توجیه هٰذا	**دوم:** مبتغی (غین معجمہ سے) میں فرمایا: "ہم سفر کے پاس پانی ہے اگر گمان ہو کہ وہ دے دے گا تو تیمّم نہ کرے ورنہ تیمّم کرے"۔ اھ انہوں نے شک کو ظن منع سے لاحق کیا۔ یہی عبارت منیہ کا بھی مقتضٰی ہے۔ اس میں یہ لکھا ہے: "اگر اس کے رفیق کے پاس پانی ہو تو اس کیلئے اس سے مانگنے سے پہلے تیمّم جائز نہیں جب کہ اس کا غالب گمان یہ ہو کہ دے دے گا"۔ اھ، برجندی میں خزانہ کے حوالہ سے یہ ہے: "اگر اس کا غالب گمان یہ ہو کہ اسے دے دے گا تو مانگنے سے پہلے اس کیلئے تیمّم کرنا جائز نہیں" اھ جامع الرموز میں بحر محیط کے حوالہ سے لکھا ہے: "اگر دینے کا گمان ہو تو مانگنا واجب ہے ورنہ نہیں" اھ۔ یہی وہ ہے جسے

عـہ وقع فی نسختی الحلیة بظن العطاء اقول وهو سبق قلم اومن خطأ النساخ	حلیہ کے میرے نسخے میں "بظن العطاء" لکھا ہوا ہے **اقول:** یہ سبقتِ قلم ہے یا کاتبوں کی (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] حاشیۃ علی الدرر باب التیمم مطبع عثمانیہ بیروت ص ۲۹
[2] المبتغی
[3] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۹
[4] البرجندی فصل فی التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸
[5] جامع الرموز فصل فی التیمم مکتبہ اسلامیہ ایران ۱/۷۰

التفصیل وان کان فی شرح الوقایة لصدر الشریعة انه لایحل له الشروع بالشك فان القدرة والعجز مشکوك فیهما اھ ثم ذکر التوجیه بقوله ولایبعد القول بان الاول (ای ادارة الامر علٰی ظنه) اوجه لان الماء لیس بمبذول للاستعمال غالبافی الاسفار وخصوصافی مواضع عزته فالعجز متحقق نظرًا الٰی ذلك ولان ملك الغیرحاجزعن التصرف والقدرةموهومة فیصلح التمسك بهٰذاالاصل مبیحاللتیمم مالم یعارضه مایخرجه عن مقتضاه وهوظن دفعه[1] اھ وهو ماخوذ عن الفتح وقدمنا نصه قبل المقام الاول وعن البدائع وقدمنا نصه فیه۔

حلیہ میں ترجیح دی۔ لکھتے ہیں: "شک کو ظن منع سے لاحق کرنے کا احتمال زیادہ راجح ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل کی توجیہ سے ظاہر ہوگا۔ اگرچہ صدر الشریعۃ کی شرح وقایہ میں یہ ہے کہ شک کے ساتھ اس کیلئے نماز شروع کرنا جائز نہیں اس لئے کہ قدرت وعجز میں شک ہے اھ"۔ پھر توجیہ یوں ذکر کی: "یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ اول (یعنی اس کے گمان پر معاملہ کو دائر رکھنا) زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ سفروں میں زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ پانی استعمال کیلئے نہیں دیا جاتا خصوصًا ایسی جگہوں میں جہاں پانی کم یاب ہو تو اس بات پر نظر کرتے ہوئے عجز متحقق ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ملک غیر، تصرف سے مانع ہے اور قدرت موہوم ہے۔ تو تیمّم کے جواز کیلئے اس قاعدہ سے تمسّک بجا ہے جب تک کہ اس کے معارض کوئی ایسی چیز نہ ہو جو اس کے مقتضٰی سے اسے باہر لائے اور وہ یہ ہے کہ دینے کا گمان ہو" اھ۔ یہ توجیہ فتح القدیر سے ماخوذ ہے۔ اس کی عبارت مقام اول سے قبل ہم نقل کر آئے اور بدائع سے ماخوذ ہے۔ اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وانما صوابه بظن المنع فان الحاقه بظن العطاء هو الذی فی صدر الشریعة لاخلافه ویتضح الامر بماذکر من التوجیه فانه یثبت الحاقه بظن المنع کماتری ۱۲منه غفرله(م)

خطا صحیح "بظن المنع" ہی ہے کیونکہ ظنِ عطا سے لاحق کرنا ہی تو صدر الشریعۃ کی شرح میں ہے اس کا مقابل نہیں۔ آگے صاحبِ حلیہ نے جو توجیہ ذکر کی ہے اس سے معاملہ واضح ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس توجیہ سے شک کو ظنِ منع سے ہی لاحق کرنا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پیشِ نظر ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] حلیہ

اقول: وھذاھو الراجح امّاولافلانه یشھد به نظیرہ مسألة الطلب غلوۃ فقد نصوا قاطبة فیھا انه ان غلب علی ظنه قرب الماء وجب الطلب والالا ففی مختصر الامام القدوری والھدایة لیس علی المتیمم اذالم یغلب علی ظنه ان بقربه ماء ان یطلب الماء وان غلب علی ظنه لم یجز تیممه حتی یطلبه [1] اھ وفی الوقایة والنقایة والاصلاح والکنز والوافی والملتقی والغرر والتنویرونور الایضاح یجب طلبه غلوۃ لوظنه قریباوالافلا [2] اھ افھم النقایة وافصح الکل واقرھم الشراح والمحشون قاطبة عـه وقدمنافی المسألة الرابعة التنصیص به عن البدائع والسراج الوھاج	**اقول:** اور یہی راجح بھی ہے۔اوّلاً اس لئے کہ اس پر اس کی ایک نظیر شاہد ہے وہ بقدر غلوہ (تیر پھینکنے کی دُوری کے برابر) پانی تلاش کرنے کا مسئلہ ہے۔اس میں سبھی حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اسے غالب گمان ہو کہ قریب میں پانی ہے تو تلاش کرناواجب ہے ورنہ نہیں۔امام قدوری کی مختصر اور ہدایہ میں ہے:"تیمّم والے پر پانی تلاش کرنالازم نہیں جب اس کاغالب گمان یہ نہ ہو کہ اس کے قریب میں پانی ہے۔اور اگر اس کاغالب گمان یہ ہو تو جب تک تلاش نہ کرلے تیمّم جائز نہیں"اھ۔وقایہ،نقایہ،اصلاح،کنز،وافی،ملتقی،غرر،تنویر اور نور الایضاح میں ہے:"غلوہ(تیر پھینکنے پر جہاں تک پہنچے اتنی دوری) کی مقدار پانی تلاش کرناواجب ہے اگر وہ پانی قریب گمان کرتا ہو ورنہ نہیں"اھ نقایہ نے اسے مفہوماً

عـه غیران فی الجوھرۃ عند ابی حنیفة اذاشك وجب علیه الطلب [3] اھ اقول وھو نقل غریب متوغل فی الاغراب لاسیمابلفظة عند و الظاھر انھا تصحیف عن من عند الناسخ فلعلھا ان کانت فروایة شاذۃ فاذۃ واللّٰہ تعالٰی اعلم ۱۲منه غفرله(م)	سوااس کے کہ جوہرہ میں ہے:عند ابی حنیفة اذاشك وجب علیھاالطلب (امام ابوحنیفہ کے نزدیک شک کی صورت میں پانی تلاش کرنااس پر واجب ہے"اھ **اقول:** یہ نقل غریب غرابت میں حد سے متجاوز ہے خصوصًا بلفظِ"عند"ظاہر یہ ہے کہ ناقل کے قلم سے یہ"عن"کی تصحیف ہے تو یہ کوئی شاذ سب سے الگ تھلگ روایت ہوگی،اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] قدوری باب التیمم مطبع مجتبائی کانپور ص ۱۲

[2] شرح الوقایہ باب التیمم مطبوعہ مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۷

[3] الجوہرۃالنیرۃ باب التیمم مطبع مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹،۲۸

والجوهرة النيرة والبحر والدر والهندية ايضاً ومثله فی مالايحصى فقد اطبقوا على الحاق الشك بظن البعد

واماثانيا: فلانه هو المصرح به فی غيرماكتاب جليل فقد قدمنا نصوص النهاية والخانية وخزانة المفتين والاختيار شرح المختار سالفا* وذكرنانصوص المبتغى والمنية والبحر المحيط والخزانة انفا*وخلافه لم يعرف الافی شرح الوقاية۔

بلى نسب الحاق الشك بظن العطاء فی الجوهرة الى الصاحبين على خلاف قول الامام رضى الله تعالٰى عنهم فقال وجوب الطلب قولهماوعند ابی حنيفة لايجب لان سؤال ملك الغيرذل عند المنع وتحمل منة عند الدفع وعندهما ان غلب على ظنه انه لايعطيه لايجب عليه الطلب ايضاً وان شك وجب وتفريع قول ابی حنيفة اذالم يجب الطلب وتيمم قبله اجزأه [1] وتفريع قولهمافی وجوب الطلب اذاشك وصلى ثم سأله

عبارت ہم نے مقامِ اوّل میں پیش کی۔(ت)

بتایا اور سب لوگوں نے صراحۃً بیان کیا اور تمام شارحین و محشین نے انہیں برقرار رکھا۔ اور ہم مسئلہ چہارم میں بدائع، سراج وہاج، جوہرہ نیرہ، بحر، درمختار اور ہندیہ سے بھی اس کی تصریح پیش کرآئے ہیں۔ اور اسی کے مثل بے شمار کتابوں میں ہے تو شک کو ظنِّ بُعد سے لاحق کرنے پر سب کا اتفاق موجود ہے۔(ت)

ثانیا: اس لئے کہ متعدد جلیلہ میں اسی کی تصریح موجود ہے۔ ہم نہایہ، خانیہ، خزانۃ المفتین اور اختیار شرح مختار کی عبارتیں پہلے پیش کرچکے اور مبتغی، منیہ، بحر محیط اور خزانہ کی عبارتیں ابھی بیان کیں۔ اور اس کے خلاف سے کہیں آشنائی نہ ہُوئی مگر شرح وقایہ میں۔

ہاں جوہرہ میں شک کو ظن عطا سے لاحق کرنے کی نسبت صاحبین کی طرف کی ہے برخلافِ قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اس میں لکھا ہے: "مانگناواجب ہے یہ صاحبین کا قول ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک واجب نہیں اس لئے کہ غیر کی ملک مانگنے میں ذلّت ہے اگر وہ انکار کردے اور احسان سے زیر بار ہونا ہے اگر وہ دے دے۔ اور صاحبین کے نزدیک بھی اگر اس کا غالب گمان ہو کہ نہیں دے گا تو مانگنا واجب نہیں۔ اور شک کی صورت ہو تو واجب ہے امام ابوحنیفہ کے قول پر تفریع یہ ہے کہ جب طلب واجب نہ ہو اور قبلِ طلب تیمّم کرلے تو ہوگیا۔ اور وجوب طلب میں قولِ صاحبین پر تفریع یہ ہے کہ جب شک

[1] الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹

واعطاہ وجب علیہ الاعادۃ باتفاقھما وان منعہ فعند ابی یوسف صلاتہ جائزۃ وعند محمد یعید وان غلب علی ظنہ انہ یمنعہ فصلی ثم اعطاہ توضأ واعاد وان غلب علی ظنہ الدفع الیہ فصلی ثم سألہ فمنعہ اعاد عند محمد وعند ابی یوسف لا[1] اھ۔

کی صورت ہو اور نماز پڑھ لے پھر مانگے اور وہ دے دے تو باتفاق صاحبین اس پر اعادہ واجب ہے اور اگر نہ دے تو امام ابویوسف کے نزدیک اس کی نماز صحیح ہے۔اور امام محمد کے نزدیک اسے اعادہ کرنا ہے۔اور اگر اس کا غالب گمان ہو کہ نہیں دے گا تو اس نے نماز پڑھ لی پھر اس نے دے دیا تو وضو کرے اور نماز لوٹائے۔اور اگر دینے کا غالب گمان رہا ہو اس وقت اس نے نماز (تیمّم سے) پڑھ لی پھر مانگا اس نے نہ دیا تو امام محمد کے نزدیک اسے اعادہ کرنا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک اعادہ نہیں"اھ (ت)

اقول: قولہ فی ظن المنع ثم اعطاہ اعاد ای باتفاقھما وان لم یعط لابالاجماع وحاصل قول محمد علی ماحکاہ انہ ان ظن العطاء اوشك اعاد مطلقا اعطی بعد الصلاۃ اومنع وان ظن المنع فان اعطی اعاد والالا ومحصولہ انہ یشترط لجواز التیمم ظن منع لایظھر خلافہ وحاصل قول ابی یوسف انہ ان اعطی اعاد وان منع لاسواء ظن عطاء اومنع اوشک۔

اقول: ظنِ منع میں ان کی عبارت"پھر اس نے دے دیا تو اعادہ کرے"کا معنٰی یہ ہے کہ باتفاقِ صاحبین اس کا حکم اعادہ ہے اور اگر نہ دیا تو بالاجماع اعادہ نہیں۔اور حکایت جوہرہ کے مطابق قول امام محمد کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسے عطا کا گمان یا شک ہو تو مطلقًا اعادہ کرنا ہے بعد نماز دے یا نہ دے اور اگر منع کا ظن رہا ہو تو اگر بعد نماز دے دے اعادہ کرے ورنہ نہیں۔اور اس کا محصول یہ ہے کہ وہ جواز تیمّم کیلئے ایسے ظن منع کی شرط لگاتے ہیں جس کے خلاف بعد میں ظاہر نہ ہو۔اور امام ابویوسف کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بعد نماز اگر دے دے تو اعادہ کرے اور اگر نہ دے تو نہیں پہلے خواہ دینے کا ظن رہا ہو یا نہ دینے کا، یا شک رہا ہو۔(ت)

[1] الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹

وفیه اولا(۱) قد کان حکم وجوب الطلب ان لایجزئ التیمم قبله کماقال فی تفریع قول الامام انه لمالم یجب اجزأه وقدمنا فی الافادة الخامسة من شرح الحد الرضوی عن سراجه وجوهرته انه حیث وجب الطلب ولم یطلب لم یجزوان لم یجدبعدفعلی هذا انما یظهر وجوب الطلب فی الشك علی ماحکی عن محمد لاعلی قول ابی یوسف۔

جوہرہ کے بیان پر چند کلام ہے: **اول**: طلب واجب ہونے کا حکم یہ تھا کہ اس سے پہلے تیمّم کفایت نہ کرے جیسا کہ قولِ امام کی تفریع میں لکھا کہ "جب طلب واجب نہ ہو تیمّم ہو جائے گا"۔ ہم تعریف رضوی کی شرح کے افادہ پنجم میں ان کی سراج اور جوہرہ سے نقل کر آئے ہیں کہ جہاں طلب واجب ہو اور طلب نہ کرے تو تیمّم جائز نہیں اگرچہ بعد میں پانی نہ ملے۔ تو اس کے پیشِ نظر صورتِ شک میں وجوب طلب صرف اس قول پر ظاہر ہے جو انہوں نے امام محمد سے حکایت کیا امام ابویوسف کے قول پر ظاہر نہیں۔

الا ان یبنی علی التحقیق الذی نبدیه بتوفیق الله ان الوجوب ههنا علی غیرحد الوجوب ثمه وتکون الثمرة البطلان اذاظن العطاء اوشك ولم یسأل قبل ولابعد والله تعالٰی اعلم۔

مگر یہ کہ اس تحقیق پر بنیاد رکھیں جس کا ہم بتوفیق خدائے برتر اظہار کریں گے کہ یہاں پر وجوب کا وہ معنی نہیں جو وہاں پر ہے۔ اور اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ تیمّم باطل ہوگا جب دینے کا گمان یا شک رہا ہو اور پانی نہ پہلے طلب کیا ہو نہ بعد میں۔ اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔

وثانیا: لازم(۲) هذاالمحکی عن محمد بل صریحه کماعلمت ان لورأی فی الصلاة وظن العطاء اوشك بطلت صلاته من دون توقف علی منح اومنع بعدلان مامنع(۳) وجوده التیمم نقضه حدوثه کمافی البدائع والبحر والدر وغیرهاوهذه کماعلمت روایة نادرة عن محمد وقداسلفنا البحث علیها وانها

دوم: امام محمد سے اس حکایت کا لازم بلکہ صریح جیسا کہ معلوم ہوا، یہ ہے کہ اگر نماز کے اندر دیکھا اور دینے کا گمان یا شک ہوا تو بعد میں دینے، نہ دینے پر کچھ موقوف رہے بغیر ابھی اس کی نماز باطل ہو گئی۔ اس لئے کہ جس چیز کی موجودگی تیمّم سے مانع ہو اس کا حدوث تیمّم کا ناقض ہوگا۔ جیسا کہ بدائع، بحر، درمختار وغیرہا میں ہے۔ اور یہ جیسا کہ معلوم ہوا، امام محمد سے ایک نادر روایت ہے اور ہم پہلے اس پر بحث کر چکے ہیں۔ اس روایت میں یا تو تاویل

مؤولة اومهجورة۔

اقول:(۱) والتاویل لایتمشی هنا لتصریحه بعدم الالتفات لمایظهر بعد فلم یبق الاالهجر۔

وثالثا: (۲) بل تلك النادرة ایضابمفهومهاان هذااذاظن العطاء لا اذاشك تخالف هذه الحکایة المسویة بین ظن الاعطاء والشك۔

ورابعا:(۳)ینافیه مامر عن الاختیار من قیاس قول محمد المعتبر فیه ظن الاعطاء فقط ویناقضه صریحا مامر عن النهایة ان المذهب الغیرالمنقول فیه خلاف بین اصحابنا الثلثة رضی الله تعالٰی عنهم الا فی الایضاح هو قصر الوجوب علی ظن الاعطاء والخلاف الذی فی الایضاح وغیره هو عدم الوجوب عند الامام مطلقا فلیس عند احد من الفریقین تسویة ظن العطاء والشك عند محمد ولاعند ابی یوسف فتبصر ولله الحمد۔

وامّا ثالثا: فاقول: وبالله التوفیق وهو الحل علی وجه التحقیق اذا(۴) کان شیئ ظاهرا وخلافه محتملا لاعن

کی جائے یا یہ روایت مہجور ومتروک ہے۔(ت)

اقول: اور یہاں تاویل نہیں چل سکتی اس لئے کہ وہ صراحت کررہے ہیں کہ اس کی طرف کچھ التفات نہیں جو بعد میں ظاہر ہو تو یہی رہ گیا کہ یہاں یہ روایت مہجور ومتروک ہو۔

سوم: بلکہ وہ نادر روایت بھی اپنے مفہوم سے ظنِ عطا اور شک میں برابری بتانے والی اس حکایت کی مخالفت کررہی ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عطا کا گمان ہو اس وقت نہیں جب شک ہو۔

چہارم: اس کے منافی وہ بھی ہے جو اختیار کے حوالہ سے قول امام محمد کا قیاس بیان ہوا کہ اس میں صرف ظنِّ عطا کا اعتبار ہے۔اور صراحۃً اس کے مناقض وہ ہے جو نہایہ کے حوالہ سے بیان ہوا کہ مذہب جس میں سوائے ایضاح کے کسی سے بھی ہمارے تینوں اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان کوئی اختلاف منقول نہیں، یہ ہے کہ وجوب طلب صرف ظنِ عطا میں محدود ہے۔اور ایضاح وغیرہ میں جو خلاف منقول ہے وہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک مطلقًا وجوب نہیں۔تو فریقین میں سے کسی کے نزدیک بھی ظنِّ عطا اور شک کو نہ امام محمد کے نزدیک برابر بتایا گیا نہ امام ابویوسف کے نزدیک۔تو اسے نگاہِ بصیرت سے دیکھنا چاہیے۔اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔(ت)

ثالثًا: فاقول: وبالله التوفیق، (**میں کہتا ہوں**، اور خدا ہی سے توفیق ہے) اور بطور تحقیق یہی حل بھی ہے۔جب کوئی چیز ظاہر ہو اور اس کے

دلیل لم یعارضه فلایقع الشك فی ذلك الظاهر لعدم استواء الطرفین فقد نصوا فی علم الکلام ان الاحتمال لاعن دلیل لاینافی الیقین بالمعنی الاعم فکیف ینافی الظّن والشك فی العطاء لایکون الا اذالم یترجح جانبه بدلیل فیبقی محتملا لاعن دلیل فلایورث الشك فی العجز المعلوم الظاهر بخلاف ظن العطاء فانه عن دلیل ولابد فیعارض الظاهر ویبقی العجز مشکوکا فلایتحقق شرط التیمم وذلك کمن شك فی قرب الماء فان شکه هذا لایجعل العجز مشکوکا حتی ساغ له التیمم بلاطلب ولم یسغ لمن ظن القرب کماتقدم فظهر(۱) به الجواب الساطع عن قول صدر الشریعة ان القدرة والعجز مشکوك فیهما[1] وتبین ان مثل الشك لایعارض ظهورالعجز فوجب طرحه والحاقه بظن المنع وللّٰه الحمد ثم بعد بضع لیالی رأیت تصدیق تعلیلی هذا فی کلام الامام ملك العلماء کمایاتی اواخر المسألة الثامنة وللّٰه الحمد۔

خلاف کا احتمال بلادلیل ہو تو یہ اس ظاہر کے معارض نہ ہوگا تو اس ظاہر میں شک نہ واقع ہوگا اس لئے کہ طرفین برابر نہیں۔ علما نے علم کلام میں تصریح فرمائی ہے کہ "احتمال بلادلیل یقین بمعنی اعم کے منافی نہیں" تو ظن کے منافی کیسے ہوگا۔ اور عطا میں شک نہ ہوگا مگر اسی وقت جب کہ جانب عطا کو کسی دلیل سے ترجیح حاصل نہ ہوسکے تو جانب عطا محتمل بلادلیل رہ جائے گی تو اس سے اُس عجز میں شک نہ پیدا ہوگا جس کا ظاہر معلوم ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب عطا کا ظن ہو اس لئے کہ یہ ایک دلیل سے ہے اور یہ لازمی امر ہے تو ظاہر، ظاہر کے معارض ہوجائے گا اور عجز مشکوک رہے گا تو تیمّم کی شرط متحقق نہ ہوسکے گی۔ اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی کو پانی کے قریب ہونے کا شک ہو کہ اس کا یہ شک اس کے عجز کو مشکوک نہیں بنادیتا یہاں تک کہ پانی تلاش کئے بغیر اس کیلئے تیمّم روا ہے اور اس کیلئے روا نہیں جسے پانی کے قریب ہونے کا گمان ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ اس تحقیق سے صدر الشریعۃ کے اس کلام کا روشن جواب عیاں ہوگیا کہ "قدرت وعجز دونوں میں شک ہے"۔ اور واضح ہوگیا کہ ایسا شک ظہورِ عجز کے معارض نہیں۔ تو اس شک کو نظر انداز کرنا اور ظنِ منع سے لاحق کرنا لازم ہے۔ اور خدا ہی کیلئے حمد ہے پھر میں نے چند راتوں کے بعد اپنی اس تعلیل کی تصدیق امام ملک العلماء کے کلام میں دیکھی جیسا کہ مسئلہ ہشتم کے اواخر میں آرہا ہے اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔ (ت)

[1] شرح الوقایہ باب التیمم مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۲

مسئلہ ۷ : شرح[1] تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں گزرا کہ یہاں اعتبار واقع کا ہے اگر اسے ظن غالب تھا کہ نہ دے گا (یا شک تھا) اور اس نے تیمّم سے پڑھ لی بعدہ، اس نے پانی دے دیا (بطور خود خواہ) اس کے مانگنے سے تو نماز[عـہ۱] نہ ہوئی اعادہ کرے اور اگر ظن غالب تھا کہ دے دے گا اور (خلافِ حکم کرکے) اس نے نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھ لی بعد کو مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز[عـہ۲] ہوگئی شرح وقایہ کی عبارت وہیں گزری اور دیگر عبارات قوانین میں آئیں گی اِن شاء اللہ تعالٰی۔ ہاں اگر اس نے نہ اول مانگا نہ بعد کو کہ منع وعطا کا حال کھلتا۔

اقول: نہ ظن عطا کی صورت میں اُس نے پانی خرچ کرلیا یا پھینک دیا نہ شک یا ظن منع کی حالت میں اس نے بعد نماز بے انکار سابق دے دیا تو البتہ اس کے ظن کا اعتبار ہے اگر ظن عطا تھا نماز نہ ہوئی ورنہ ہوگئی۔

عـہ۱ ولد عزیز مولوی مصطفٰی رضا خان سلّمہ ذوالجلال ورقاہ الی مدارج الکمال نے یہاں ایک تقیید حسن کا مشورہ دیا کہ صاحب آب کے پاس اس وقت کے بعد نیا پانی اور نہ آگیا ہو ورنہ آبِ کثیر میں سے دے دینا اُس ظن وشک کو کہ قلّتِ آب کی حالت میں تھا دفع نہ کرے گا وکان ذلك عند تبییض الرسالۃ للطبع فی ۱۶ من المحرم الحرام ۱۳۳۶ھ وللہ الحمد (اور یہ مشورہ طباعت کیلئے رسالے کی تیاری کے وقت ۱۳۳۶ھ ماہ محرم کی ۱۶ تاریخ کو دیا اور حمد اللہ تعالٰی ہی کیلئے ہے۔ت)

اقول: یہ قید ضرور قابلِ لحاظ ہے اگرچہ کتابوں میں نظر سے نہ گزری کہ علما نے اُسی حالتِ موجودہ پر کلام فرمایا اور یہاں یوں تفصیل مناسب کہ اگر وہ[2] ظنِ منع بر بنائے قلّت آب تھا تو بعد کثرت دینا اس کا تخطیہ نہ کرے گا اور اگر اور وجوہ سے تھا مثلاً صاحبِ آب سے رنجش یا ناشناسائی یا اس کی نسبت گمانِ بخل تو ضرور اس گمان کی غلطی ظاہر ہوگی کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم فلیراجع ولیحرر ۱۲ منہ (جیسا کہ مخفی نہیں اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔ت) (م)

عـہ۲ آیا اسی مشورہ ولد عزیز کے قیاس پر یہاں بھی کہا جائے کہ اگر یہ نہ دینا اس بنا پر ہو کہ اتنی دیر میں پانی اس کے پاس خرچ ہو کر کم رہ گیا تو یہ منع اس ظنِّ عطا کی خطا نہ بتائے گا۔

اقول: یہاں[2] صورتیں ہیں اگر یہ خرچ ہوجانا اس طور پر ہو کہ اس سے پہلے کسی نے مانگا اسے دے دیا اب کم رہ گیا منع کردیا تو بے شک اس ظن کی خطا ثابت نہ ہوگی ظاہراً اعادہ نماز چاہئے اور اگر خود اس نے اپنی حاجت میں خرچ کیا تو اب نہ دینا اُس ظن کا رد کرے گا کہ اتنا تو اُسے خود درکار تھا اور جو باقی رہا اُس سے انکار ہے فلیراجع ولیحرر ۱۲ منہ غفرلہ (تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔ت)

(م)

لانہ بظن العطاء کان قادرا فی الظاھر علی الماء ولم یتبین غلط ھذا الظن فیعمل بہ لفوت درك الحقیقۃ۔	اس لئے کہ وہ ظنِّ عطاکے باعث پانی پر بظاہر قادر تھااور اس ظن کی غلطی واضح نہ ہوئی تو اس کو اسی پر عمل کرنا ہے کیوں کہ حقیقت تک رسائی فوت ہوگئی۔(ت)

حلیہ میں ہے:

انما یکون الملحوظ ظنالیس غیرعند عدم الاستکشاف لہ فاذا وجد وظھر الامر بخلاف کان الحال علی ماظھر [1] اھ واستشھد لہ بعبارات البدائع والکافی ثم اطال رحمہ اللہ تعالٰی بابداء سؤال ودفعہ حاصل السؤال قدیکون ظنہ مصیبا ویتبدل رأی صاحب الماء فلایظھر خطاء ظنہ وحاصل الجواب ان الاصل عدم التبدل والظن ربما یخطئ واستشھد فی السؤال بنصوص فی المذھب انہ ان کان بحضرتہ من یسألہ عن الماء فسألہ فلم یخبرہ فتیمم وصلی ثم اخبرہ بہ لااعادۃ علیہ [2] اھ ای فلم یکن بالاخبار اللاحق عالما فی السابق حین سألہ فلم یخبرہ فکذا الایکون بالعطاء اللاحق قادرا فی السابق حین ظن منعہ وافاد الجواب انہ فعل مافی	ظن ہی ملحوظ ہوتا ہے کچھ اور نہیں جبکہ اس ظن کی حقیقت منکشف نہ کرلی ہو۔ پھر جب تحقیق ہوجائے اور معاملہ اس ظن کے برخلاف ظاہر ہو تو جو ظاہر ہو اسی کے مطابق حال ہوگا اھ اس پر انہوں نے بدائع اور کافی کی عبارتوں سے شہادت پیش کی ہے پھر ایک سوال و جواب لاکر طویل گفتگو کی ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوگا کہ اس کا گمان درست ہو اور پانی والے کی رائے بدل جائے تو اس کے گمان کی خطا ظاہر نہ ہوگی جواب کا حاصل یہ ہے کہ اصل نہ بدلنا ہے اور ظن میں کبھی خطا بھی ہوتی ہے۔ سوال میں کچھ نصوصِ مذہب سے استشہاد کیا ہے کہ "اگر اس کے پاس کوئی ایسا ہو جس سے پانی کے بارے میں دریافت کرسکے تو اس سے دریافت کیا، اس نے نہ بتایا، اس نے تیمّم کیا اور نماز نہ پڑھ لی، پھر اس نے بتایا تو اِس پر اعادہ نہیں" اھ یعنی بعد میں بتانے سے وہ سابق میں جبکہ اس سے پوچھا تھا اور اس نے نہ بتایا، واقف نہ ہوگیا تو اسی طرح بعد میں دینے سے وہ سابق

[1] حلیہ

[2] حلیہ

وسعه قبل الفعل فیقع جائزادفعاً للحرج فلاینقلب غیرجائز قال وبعبارة اخری انه اذا ابی تأکد العجز فلاتعتبر القدرة بعد ذلك ذکره فی الولوالجیة ولانه متعنت ولاقول للمتعنت بخلاف مانحن فیه فانه لم یستفرغ الوسع بالاستکشاف[1] اھ

میں جبکہ اسے نہ دینے کا گمان تھا، قادر نہ ہوگیا۔اور جواب سے یہ مستفاد ہوا کہ اس نے عمل سے پہلے جو کچھ اس کے بس میں تھا کرلیا تو دفع حرج کے پیش نظر وہ جائز ہی واقع ہوگا پھر ناجائز میں تبدیل نہ ہوگا۔فرماتے ہیں: بعبارت دیگر "اس نے جب انکار کردیا تو عجز مؤکد ہوگیا پھر اس کے بعد قدرت ہونے کا اعتبار نہیں۔اسے ولوالجیہ میں ذکر کیا ہے۔اور اس لئے کہ وہ تشدّد برتنے والا ہے اور ایسے شخص کی بات کا اعتبار نہیں،بخلاف ہمارے زیر بحث صورت کے کہ اس نے دریافت کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف نہ کی"۔اھ (ت)

اقول: اغفل السؤال نصوصاً فی المذهب ثمه موافقة فی الصورة لماهنا وهی انه ان کان(۱) عنده من یسأله فلم یسأله وصلی ثم سأله فاخبره بماء قریب بطلت صلاته کماقدمنا فی نمرة عن الحلیة عن المحیط ومثله فی البدائع والتبین والدر وغیرها فعلمه ان هذا ممن یسأل هنا عن حال الماء کظنه العطاء فی هذه المسألة وترك السؤال کمثله فیها والاخبار اللاحق کالعطاء اللاحق فتبطل صلاته کمابطلت ثم هذا۔

اقول: وہاں کچھ نصوصِ مذہب اور تھے جو یہاں والی صورت کے موافق تھے انہیں سوال میں چھوڑ دیا وہ یہ کہ اگر اس کے پاس ایسا شخص ہو جس سے دریافت کرسکے اور دریافت نہ کیا،نماز پڑھ لی،پھر اس سے پُوچھا۔اس نے قریب میں پانی بتایا تو اس کی نماز باطل ہوگئی۔جیسا کہ ہم نے نمبر ۱۵۹ میں محیط سے نقل کردہ حلیہ کی عبارت پیش کی۔اسی کے مثل بدائع، تبیین، درمختار وغیرہا میں بھی ہے تو اسے یہ علم ہونا کہ یہ شخص ایسا ہے جس سے پانی کے بارے میں یہاں دریافت کیا جاسکتا ہے ایسا ہی ہے جیسے اس مسئلہ میں عطا کا ظن ہے اور سوال نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے یہاں سوال نہ کرنا اور بعد میں بتانا ایسا ہی ہے جیسے یہاں بعد میں دینا تو یہاں بھی اس کی نماز باطل ہوگئی جیسے وہاں باطل ہُوئی۔(ت)

وقوله اذا ابی ای عن الاخبار **اقول:** یشمل(۲) مااذا سأله

صاحبِ حلیہ کی عبارت "اذا ابی" (جب انکار کرے) یعنی بتانے سے انکار کرے۔**اقول:** یہ اس

[1] حلیہ

فسمع وسکت لانه صادق علیه قولهم لم یخبره وانما عبره عنه فی الحلیة بالاباء لان السکوت عند الحاجة اباء عرفا وقد صرحوا بمسألة الاباء ههنا ایضا انه ان سأله قبل الصلاة فابی ثم اعطاه بعدها فقد تمت ولاعبرة بالمنح بعد المنع۔ وماقال انه متعنت وقد اخذه عن البدائع **فاقول**: هذا(۱) غیرمتعین ولاثابت فقدینسی ثم یتذکر وحال المسلم تحمل علی الصلاح مهما امکن واللّٰه تعالٰی اعلم قال ثم بعد برهة من ظهور هذا للعبد الضعیف وتسطیره رأیت صدر الشریعة قدصرح بماذکرنا من الحکم فی هاتین المسألتین وبعلته فیما لواتم الصلاة مع ظن العطاء ثم سأله فاعطاه فتواردنا علی ذلك[1] اھ۔

اقول: (۲)هوسبق قلم بل انما ذکر العلة فیما اذاسأله فابی قال لانه ظهر ان ظنه

صورت کو بھی شامل ہے جب اس سے سوال کرے اور وہ سُن کر خاموش رہے۔ کیونکہ اس پر علماء کا یہ قول صادق ہے کہ "اس نے نہ بتایا" اسے حلیہ میں انکار سے اس لئے تعبیر کیا کہ ضرورت کے وقت سکوت عرفاً انکار ہی ہے۔ اور علما نے یہاں بھی مسئلہ انکار کی صراحت فرمائی ہے کہ اگر اس نے قبل نماز اس سے مانگا، اس نے انکار کیا پھر بعد نماز اسے دے دیا تو اس کی نماز پُوری ہو گئی۔ اور انکار کے بعد دینے کا کوئی اعتبار نہیں۔ (ت) صاحبِ حلیہ نے فرمایا وہ تشدد برتنے والا ہے اسے انہوں نے بدائع سے لیا ہے۔ اس پر مجھے کلام ہے **فاقول** یہ متعین اور ثابت نہیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت بھُول گیا ہو پھر اسے یاد آیا ہو جہاں تک ہو سکے مسلمان کی حالت کو صلاح ودرستی ہی پر محمول کیا جائے گا۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ صاحبِ حلیہ لکھتے ہیں: بندہ ضعیف کے ذہن میں یہ آیا اور اُسے رقم کیا پھر کچھ عرصہ بعد دیکھا کہ صدر الشریعۃ اس کی تصریح کرچکے ہیں جو ہم نے ان دونوں مسئلوں میں حکم بیان کیا اور اس کی علت بھی بتا چکے ہیں اس صورت میں جب کہ ظنِّ عطا کے باوجود نماز پُوری کرلی پھر مانگا اور اس نے دے دیا۔ تو اِس پر ہمارا ان کا توارد ہو گیا اھ۔ (ت)

اقول: یہ سبقتِ قلم ہے۔ صدر الشریعۃ نے علت صرف اس صورت میں بیان کی ہے جب اس نے مانگا اور اس نے انکار کردیا۔ فرماتے ہیں: اس لئے

[1] حلیہ

کان خطأ[1] اھ وھذا نظیر ماسبق ان الحاق الشك بغلبة الظن للعطاء ارجح وانما صوابه المنع کمامر۔	کہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا گمان غلط تھا اھ (تو عبارت حلیہ میں "ثم سأله فاعطاہ" کی جگہ "ثم سأله فابی" ہونا چاہئے) اور یہ اسی کی نظیر ہے جو عبارت حلیہ میں گزرا کہ شک کو "عطا" کے غلبہ ظن سے لاحق کرنا زیادہ راجح ہے۔ صحیح "منع" ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ (ت)

تنبیہ: نماز کے بعد وہ دینا جس سے مطلقاً نماز اعادہ کرنی ہوتی ہے اگرچہ مصلی کو ظن منع ہو کونسا ہے اور وقت نماز گزر جانے کے بعد دینا بھی یہ اثر رکھتا ہے یا نہیں، اس کا بیان مسئلہ نہم میں آتا ہے وباللہ التوفیق۔

مسئلہ ۸: امام[۱] محقق علی الاطلاق سے مسئلہ ششم میں گزرا کہ پانی پر قدرت تین ۳ طرح ہوتی ہے:

اوّل: خود اپنی ملک میں ہو۔ **اقول:** یعنی حاجتِ ضروریہ سے فارغ اور استعمال پر قدرت تو ہر جگہ شرط ہے۔

دوم: اگر بکتا ہے تو قیمت پر قادر ہو۔ اقول: یعنی اُنہیں وجوہ پر کہ گزریں کہ قیمت مثل سے بہت زیادہ نہ مانگے اور قیمت اس کے پاس حاضر نہیں تو اُدھار دینے پر راضی ہو۔

سوم: اباحت۔ **اقول:** یہ مصدر مبنی للمفعول ہے یعنی پانی کا مباح ہونا خواہ باباحتِ اصلیہ جیسے بارش ودریا کا پانی یا کسی کے وقف کیے سے یا بلاوقف عام لوگوں یا کسی خاص قوم کیلئے جن میں یہ داخل ہے مالک نے طہارت کیلئے مباح کیا ہو اگر اسے طہارت درکار ہے یا مالک خاص اس شخص کو مباح کرے۔ **ثم اقول:** دو[۲] صورتیں قدرت کی اور ہیں:

چہارم: ہبہ کہ تملیک بلاعوض ہے بخلاف اباحت کہ شَے ملک مالک ہی پر رہتی ہے اُس کی اجازت سے صرف کی جاتی ہے۔

پنجم: مالک کا وعدہ کرنا کہ میں تجھے پانی دوں گا یہاں تک کہ ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں انتظار لازم ہے اگرچہ وقت نکل جائے کہ وعدہ میں ظاہر وفا ہے اور پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل تو ظاہرًا قادر ہے لہٰذا تیمم جائز نہیں اس کا ذکر نمبر ۹۰ میں گزرا اور باتباع امام زفر حکم یہ ہے کہ جب وقت جاتا دیکھے تیمم کرکے پڑھ لے جیسا کہ نمبر ۹۱ میں گزرا۔

[1] شرح الوقایہ، باب التیمم ۱/۱۰۳

اب یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں:

تنبیہ اوّل: وہ[1] وعدہ کہ پانی نہ رہنے کے بعد ہو معتبر نہیں مثلاً نماز میں اس نے کسی کے پاس پانی دیکھا اور دینے کا ظن غالب نہ ہُوا نماز پُوری کی اس کے بعد مانگا اس نے کہا میرے پاس پانی تھا تو مگر خرچ ہوگیا اگر اُس وقت مانگتے میں ضرور دیتا تو اس وعدہ کا اعتبار نہیں نماز ہوگئی[2] اور اگر نماز سے پہلے دیکھا اور دینے کا ظن غالب نہ ہوا اور تیمّم پہلے کرچکا تھا یا اب کرلیا پھر مانگا تو اس نے وہی جواب دیا کہ اب نہ رہا اُس وقت مانگتے تو دے دیتا اس وعدے سے بھی وہ تیمّم نہ جائے گا اُسی سے نماز پڑھے یہی اصح ہے کہ نہ رہنے کے بعد وعدہ اس پر دلیل نہیں کہ دے بھی دیتا، شے موجود ہوتے وقت وعدہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دینا منظور ہے اور نہ رہنے کے بعد نہ دینے والا بھی یہ کیوں کہے کہ میں نہ دیتا بلکہ مفت کرم داشتن ہے کہ ہوتا تو ضرور دیتا، بحرالرائق میں ہے:

فی المجتبٰی رأی فی صلاتہ ماء فی ید غیرہ ثم ذھب منہ قبل الفراغ فسألہ فقال لوسألتنی لاعطیتك فلااعادۃ علیہ وان کانت العدۃ قبل الشروع یعید لوقوع الشك فی صحۃ الشروع والاصح انہ لایعید لان العدۃ بعد الذھاب لاتدل علی الاعطاء قبلہ[1] اھ **اقول:** ھذا الفرع یحتاج لہ الشرح وقد تبین مماصورناہ فقولہ ثم ذھب منہ ای الماء من صاحبہ بانفاقہ مثلا قبل الفراغ لھذا من صلاتہ فسألہ بعد صلاتہ فقال نفد ولوسألتنی قبل	مجتبٰی میں ہے: "اپنی نماز کے اندر دوسرے کے ہاتھ میں پانی دیکھا۔ پھر اس کے پاس سے ختم ہوگیا اس سے پہلے کہ فارغ ہو۔ پھر اس سے مانگا۔ تو اس نے کہا: اگر تم نے مجھ سے مانگا ہوتا تو تم کو میں دے دیتا۔ اس صورت میں اس پر اعادہ نہیں۔ اور اگر وعدہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہوا تو اعادہ کرے۔ اس لئے کہ صحتِ شروع میں شک واقع ہوگیا اور اصح یہ ہے کہ اسے اعادہ نہیں کرنا ہے اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ پہلے دے دیتا"۔ اھ (ت) **اقول:** اس جزئیہ کی شرح کرنے کی ضرورت ہے اور ہم نے جس طرح مسئلہ کی صورت میں پیش کی ہے اس سے واضح ہوجاتا ہے۔ شرح اس طرح ہوگی: قولہ پھر اس کے پاس سے ختم ہوگیا یعنی پانی پانی والے کے پاس سے ختم ہوگیا مثلاً اسے خرچ کردیا اس سے پہلے کہ فارغ ہو یعنی اِس کے اپنی نماز سے فارغ ہونے سے پہلے۔ پھر اس سے مانگا۔ یعنی نماز ادا کرنے کے

[1] البحرالرائق باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۲

لاعطیتك قوله وان کانت العدة قبل الشروع۔

اقول: تصویرہ بصورتین ذکرناھما انه تیمم ثم رأی اورأی ثم تیمم ثم سأله بعد حین فقال انفقت ولوسألت لاعطیت ولیس المراد انه رأی فسأل فاجاب فتیمم لانه تیمم صحیح قطعا لوقوعه بعد ظھور العجز عن الماء بخلاف تینك الصورتین ففیھما قیل لیس له ان یصلی بذلك التیمم بل یتیمم ثانیا ولوصلی بالاول یعید لوقوع الشك فی صحة الشروع به فی الصلاة لانه ان لم یظھر بوعده القدرة فلایقعد عن ایراث الشك فی العجز فوقع الشك فی بقاء التیمم فلم یصح له الشروع بطھارة مشکوکة بخلاف مااذا رأی فی الصلاة لان الشروع صح بالیقین فلایزول الابمثله والاصح انه لایعید لان العدة بعد الذھاب والنفاد لاتدل علی الاعطاء قبله۔

اقول: لماقررنا من ان الشحیح ایضا لایثقل علیه مثل ھذا الوعد فاذالم یترجح به جانب العطاء کان وجوده وعدمه سواء فلم یورث شکافی العجز کماقدمنا تحقیقه اٰخر المسألة السادسة فھذا مایتعلق بشرحه ولابأس بالتنبیه علی نکت۔

بعد مانگا۔ تواس نے کہا: ختم ہوگیا، اور پہلے اگر تم نے مجھ سے مانگا ہوتا، توتم کو میں دے دیتا۔ قولہ اور اگر وعدہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہوا۔ **اقول:** اس کی تصویر دو۲ صورتوں میں ہے جو ہم نے بیان کیں (۱) اس نے تیمّم کرلیا پھر دیکھا (۲) یا دیکھنے کے بعد تیمّم کرلیا پھر اس سے کچھ دیر بعد مانگا تواس نے کہا: میں نے خرچ کردیا اگر تم نے مانگا ہوتا تو دے دیتا۔ یہ مراد نہیں کہ اس نے دیکھتے ہی مانگا، اس نے وہ جواب دیا، اِس نے اب تیمّم کیا۔ اس لئے کہ یہ تیمّم توقطعًا صحیح ہے اس لئے کہ یہ پانی سے عجز ظاہر ہونے کے بعد ہوا ہے۔ بخلاف اُن دونوں صورتوں کے کہ ان ہی کے بارے میں یہ کہا گیا کہ اس کیلئے اس تیمّم سے نماز پڑھنا جائز نہیں بلکہ دوبارہ تیمّم کرے گا۔ اور اگر پہلے تیمّم سے نماز پڑھ لی تواعادہ کرے اس لئے کہ اس تیمّم سے نماز شروع کرنے کی صحت میں شک واقع ہوگیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنے وعدہ سے قدرت بروئے ظہور نہ لاسکا توکم از کم عجز میں شک پیدا کرنے سے قاصر نہ رہا اس طرح بقائے تیمّم میں شک واقع ہوگیا تو مشکوک طہارت سے نماز شروع کرنا اس کیلئے جائز نہ ہوا۔ بخلاف اس صورت کے جب اندرونِ نماز پانی دیکھا ہو اس لئے کہ شروع بالیقین صحیح ہوا ہے تواس کا زوال بھی ویسی ہی چیز سے ہوگا۔ اور اصح یہ ہے کہ اسے اعادہ نہیں کرنا ہے اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ پہلے دے دیتا

اقول: اس کی وجہ وہ ہے جس کی ہم نے تقریر کی کہ بخیل کے لئے بھی ایسا وعدہ کرنا کوئی مشکل اور گراں نہیں تو جب اس وعدہ سے جانب عطا کو ترجیح نہ ملی تواس کا ہونا، نہ ہونا

	برابر ہے اس لئے یہ عجز میں کوئی شک نہ لاسکا جیسا کہ ہم مسئلہ ششم کے آخر میں اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔یہ کلام تو شرح سے متعلق تھا،اب کچھ نکات پر تنبیہ کردی جائے تو کوئی حرج نہیں۔(ت)
فاقول اولا: کان تسمیته وعد اللمشاکلة والا فالوعد للمستقبل۔	**فاقول:** نکتہ اولٰی: اسے "وعدہ" کے نام سے ذکر کرنا مشاکلہ کی وجہ سے ہے ورنہ وعدہ تو مستقبل کیلئے ہوتا ہے۔
وثانیا: التصویر بذهاب الماء خرج وفاقا والا(۱) فالحکم کذلك لولم یذهب واحتال بهذا الجواب بل بالاولی لانه منع اشنع۔	نکتہ دوم: صورتِ مسئلہ میں جو کہا گیا کہ پانی ختم ہوگیا یہ اتفاقاً ہے۔ورنہ اگر پانی واقع میں ختم نہ ہُوا اور اس نے یہ جواب دے کر بہانہ کیا تو بھی حکم یہی ہے بلکہ درجہ اولٰی یہ حکم ہوگا۔اس لئے کہ یہ بدتر انکار و منع ہے۔
وثالثا: لابد عندی من التقیید بعدم ظن العطاء فی الوجهین کمافعلت لان ظن العطاء اذالم یظهر خلافه یمنع صحة التیمم والصلاة کمامر ویاتی وبهذا الوعد ان لم یظهر وفاقه لم یظهر خلافه ایضا بالاولی فتجب اعادة الصلاة والله تعالٰی اعلم۔	**نکتہ سوم:** میرے نزدیک دونوں صورتوں میں عدمِ ظنِّ عطا کی قید لگانا ضروری ہے جیسا کہ میں نے تصویر مسئلہ میں کہا۔اس لئے کہ جب عطا کا گمان ہو اور اس کے خلاف ظاہر نہ ہو تو یہ تیمّم اور نماز کی صحت سے مانع ہے جیسا کہ گزرا اور آئندہ بھی آئے گا اور اس وعدہ سے اس گمان کی اگر موافقت ظاہر نہ ہوئی تو اس کی مخالفت بھی بدرجہ اولٰی ظاہر نہ ہوئی اس لئے نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

تنبیہ دوم: **اقول**[۲] وعدہ آب کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے پانی پر قدرت کا موجب سمجھا گیا ظاہرًا یہ حکم وقت کے وقت تک ہے کہ کسی موقت حاجت کیلئے ایک وقت میں وعدہ اُسی وقت کا وعدہ سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ کبھی دے دیں گے اگرچہ سال بھر بعد۔خروج وقت پر خلف وعدہ سمجھا جائے گا کہ دینے کا کہا تھا اور نہ دیا آئندہ اوقات کیلئے بھی وہ وعدہ اور اُس کے سبب اس کا پانی پر قادر ہونا سمجھا جائے تو مہینہ بھر کامل گزر جائے اور اُسے نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہو کہ وعدہ باقی ہے تو قدرت باقی ہے تو تیمّم ناجائز ہے اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ انتظار کرے اگرچہ وقت نکل جائے تو ہر وقت یہی حکم رہے گا اور

ہفتوں مہینوں نماز سے معطل رہنے کا حکم ہوگا حاشایہ شریعتِ مطہرہ کا مسئلہ نہیں ہوسکتا لاجرم وعدہ کا اثر اُس ایک ہی وقت تک رہے گا وبس،

وھذا ظاھر جدا ومن خدم الفقه یری تائیدہ فی مسائل کثیرۃ من کتاب الطلاق وکتاب الایمان واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یہ بہت واضح ہے جسے فقہ کی خدمت نصیب ہوئی اسے کتاب الطلاق اور کتاب الایمان کے بہت سے مسائل میں اس کی تائید نظر آئے گی۔اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

تنبیہ سوم: اقول ظاہراً یہ ہے کہ وعدہ قدرت مقصورہ ثابت کرے گا یعنی وقت وعد سے نہ مستندہ یعنی وقت علم بہ آب سے وذلك لانه ھو سبب ثبوتھا فلاتثبت قبله لان المسبب لایتقدم السبب (وہ اس لئے کہ یہ وعدہ ہی ثبوت قدرت کا سبب ہے تو قدرت اس سے پہلے ثابت نہ ہوگی،اس لئے کہ مسبّب،سبب سے مقدّم نہیں ہوتا۔ت) ظاہر ہے کہ وعدہ آئندہ کیلئے ہوتا ہے تو ماضی پر اس کا کیا اثر بلکہ اگر وعدہ اس کے سوال پر ہو تو یہ بھی دلالت نہ کرے گا اس سے پہلے مانگتا تو دے دیتا کہ اب بھی تو مانگے پر نہ دیا نرا وعدہ ہی کیا تو یہ کیونکر مفہوم ہو کہ پہلے دے ہی دیتا بالجملہ وعدہ حقیقۃً عطا نہیں کہ سب احکام عطا نافذ ہوں بلکہ وہ حقیقۃً عدمِ عطا ہے صرف اس اُمید پر کہ مسلمان کے وعدے میں ظاہر وفا ہے اسے ظاہرًا پانی پر قادر مانا گیا ہے،

لما مر فی الظفر لقول زفر عن البحر عن البدائع عن محمد ان الظاھر الوفاء بالوعد فکان قادرا علی الاستعمال ظاھرا[1]۔	اس کی وجہ رسالہ "الظفر لقول زفر" میں بحر کے حوالہ سے بیان ہوئی۔بحر نے بدائع سے انہوں نے امام محمد سے نقل کیا کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے تو وہ ظاہرًا استعمال پر قادر ہُوا۔(ت)

تو پیش از وعدہ نہ قدرت ہوگی نہ مانگے پر وعدے سے یہی ظاہر ہو کہ پہلے مانگتا تو دے دیتا۔

ھذا ما ظھر فلیراجع ولیحرر والعلم بالحق عند العلی الاکبر۔	یہ وہ ہے جو میرے ذہن میں آیا تو اس کی مراجعت اور وضاحت کرلی جائے۔اور حق کا علم خدائے برتر وبزرگ ہی کو ہے۔(ت)

اقول: مگر اس میں یہ قوی شک ہے کہ علمانے بعد نماز مانگنے پر پانی دے دینے کو اس پر دلیل ٹھہرایا ہے

---

[1] بدائع الصنائع فصل ماشرائط الرکن فانواع مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۱

کہ پہلے مانگتا جب بھی دے دیتا۔

کمایاتی فی المسألة الاٰتیة عن الزیادات وجامع الکرخی والبدائع والحلیة ان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبله [1]۔	جیسا کہ اگلے مسئلہ میں زیادات، جامع کرخی، بدائع اور حلیہ کے حوالے سے آرہا ہے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینا اس کی دلیل ہے کہ پہلے بھی دے دیتا۔ (ت)

تو یوں ہی کیوں نہ کہا جائے کہ بعد نماز مانگنے پر وعدہ اس کی دلیل ہے کہ پہلے مانگتا جب بھی وعدہ کرلیتا اور نفس وعدہ کو موجب قدرت مانا ہے تو جس طرح بعد کو پانی دے دینے سے قدرت سابقہ ثابت ہوئی کہ پہلے مانگتا تو مل جاتا تو پانی زیر قدرت تھا یونہی بعد کے وعدے سے ثابت ہوگی کہ پہلے مانگتا تو وعدہ ہو جاتا اور وعدہ موجبِ قدرت تھا تو قدرت مل جاتی تو پانی زیر قدرت تھا اور جب مانگے پر نرے وعدے سے یہ حکم ہو تو بے مانگے وعدے سے بدرجہ اولیٰ کہ یہاں تو یہ احتمال ہے کہ جب بے مانگے وعدہ کرلیا عجب نہیں کہ پہلے مانگے پر دے ہی دیتا اگرچہ اس اولویت میں یہ کلام واضح ہے کہ شاید اور کیا عجب مفید نہیں ظہور درکار ہے کلام امام محمد سے ابھی گزرا **فکان قادرا ظاهرا** (تو ظاہراً قادر ہوا۔ت)

اقول: مگر بذل ووعدہ میں فرق بیّن ہے بذل حال سے بذل سابق مظنون ہوا اور بذل قطعاً موجب قدرت ہے تو قدرت مظنون ہوئی بخلاف وعدہ کہ قدرت کا موجب قطعی نہیں خلف بھی ممکن ہے دینے والے کو کوئی عذر پیش آنا بھی ممکن ہے **الاتری ان محمدا انما یقول ان الظاهر الوفاء** (یہ دیکھئے امام محمد فرماتے ہیں کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے۔ت) تو وعدہ صرف مورث ظن قدرت ہے اور وعدہ حال سے سابقہ بھی یقینی نہیں صرف مظنون ہے تو اس وقت کے وعدے سے سابق میں ظنِّ قدرت نہ ہوا بلکہ ظن ظن ہوا اور ظن ظن شیئ ظن شیئ نہیں تو سابق کیلئے ظنِ قدرت ثابت نہ ہوا تو عجز ظاہر کا معارض نہ پایا گیا اور تیمّم ونماز صحیح رہے اور یہ تقریر اُس صورت کو بھی شامل کہ بعد کو بے مانگے وعدہ کرے **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) بالجملہ مقام مشکل ہے اور ظاہر وہ ہے جو فقیر نے گزارش کیا **والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم**۔

ثم اقول: بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ مسئلہ وعدہ خود ہی مشکل ہے بلکہ اُس سے بھی صاف تر مسئلہ رجا اور اُس کا اور مسئلہ ظن قرب کا فرق اکابر محققین امام اجل عبدالعزیز بخاری اور امام قوام کاکی وامام اکمل بابرتی وامام کمال ابن الہمام وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے مشکل سمجھا اور لاحل چھوڑ دیا،

[1] بدائع الصنائع فصل ماشرائط الرکن فانواع مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۱

واللہ المسئول لحل کل اشکال* ودفع کل اعضال* ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم المتعال*	اور خدا ہی سے ہر اشکال کے حل، اور ہر پیچیدگی کے دفعیہ کا سوال ہے۔ اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر بلند باعظمت برتر خدا ہی سے۔ (ت)
اما مسالۃ الوعد فلم ازل استشکلھا لان الوعد لایورث الارجاء فی المآل والرجاء فی القابل لایرفع العجز المتحقق فی الحال فکیف یقال انہ بمجرد الوعد صار قادرا علی الماء قال فی التبیین راجی (ا) الماء یستحب لہ التاخیر ولایجب لان العدم ثابت حقیقۃ فلایزول حکمہ بالشك عہ [1] اھ وفی الھدایۃ وعن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما فی غیر روایۃ الاصول ان التأخیر حتم لان غالب الرأی کالمتحقق وجہ الظاھر ان العجز ثابت حقیقۃ فلایزول حکمہ الابیقین مثلہ [2] اھ	**مسئلہ وعدہ** کو تو میں ہمیشہ مشکل سمجھتا رہا۔ اس لئے کہ وعدہ صرف زمانہ آئندہ میں امید پیدا کرتا ہے اور مستقبل میں امید حال میں متحقق عجز کو ختم نہیں کرتی پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ محض وعدہ سے پانی پر قادر ہوگیا۔ تبیین میں ہے: پانی کی امید رکھنے والے کیلئے نماز کو مؤخر کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔ اس لئے کہ پانی کا نہ ہونا حقیقۃً ثابت ہے تو شک سے اس کا حکم زائل نہ ہوگا" اھ۔ ہدایہ میں ہے: "امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے غیر روایت اصول میں مروی ہے کہ مؤخر کرنا لازم ہے اس لئے کہ غالب گمان، متحقق کی طرح ہے۔ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے تو اس کا حکم ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا اھ"۔

عہ **اقول**: اراد بالشك مایقابل الیقین بدلیل مایتلوہ من نص الھدایۃ وقد قال فی البنایۃ وفی الشلبیۃ عن الدرایۃ کلیھما عن الایضاح المراد بالرجاء غلبۃ الظن ای یغلب علی ظنہ انہ یجد الماء فی اٰخر الوقت [3] اھ ومثلہ فی البحر وغیرہ منہ غفرلہ (م)	شک سے وہ مراد لیا ہے جو یقین کا مقابل ہو اس کی دلیل ہدایہ کی عبارت ہے جو اس کے بعد آرہی ہے۔ بنایہ میں ہے اور شلبیہ میں درایہ کے حوالہ سے پھر بنایہ ودرایہ دونوں ہی ایضاح سے ناقل ہیں کہ امید سے مراد غلبہ ظن ہے یعنی اس کا غالب گمان یہ ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا اور اسی کے مثل بحر وغیرہ میں ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱

[2] حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق باب التیمم امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱

[3] الہدایہ باب التیمم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۶

وعزاہ فی الحلیۃ لھا ولغیرھا والمسألۃ معلومۃ دوّارۃ فی المتون والشروح والفتاوی وھی تعطی قطعا ان رجاء القدرۃ فی المآل لایرفع العجز فی الحال باجماع اصحابنا فی روایات الاصول فیجب ان لایعد قادرا بالوعد وانما یؤمر بالانتظار استحبابا ان وقع الوعد قبل الصلاۃ وان وعد بعدھا لم یبطل صلاۃ صحت بیقین کمالوحصل لہ رجاء الوجدان آخر الوقت بعد ماصلی فان مالا یمنع التیمم وجودہ لایرفعہ حدوثہ حین حدث فضلا عماسبق اما الفرق بان القدرۃ علی الماء تثبت بالاباحۃ اجماعا فیجب الانتظار بخلاف غیرہ کثوب ودلو فلاتثبت عند الامام فیستحب وعندھما نعم فیجب **فاقول:** الوعد لیس اباحۃ فی الحال بل ایراث رجائھا فی المآل فبون بین بین قولہ اعطیب وقولہ ساعطی۔

اما ان الظاھر الوفاء فکان قادرا علی استعمال الماء ظاھرا **فاقول:** الماء معدوم عندہ بعد

حلیہ میں اس پر ہدایہ اور دوسری کتاب کا بھی حوالہ دیا ہے۔اور یہ مسئلہ معلوم ومعروف ہے متون، شروح اور فتاوٰی میں کثرت سے گردش کرنے والا ہے،اور اس سے قطعی طور پر یہ پتا چلتا ہے کہ مستقبل میں قدرت کی امید، حال میں پائے جانے والے عجز کو ختم نہیں کرتی۔اس پر روایات اصول میں ہمارے اصحاب کا اجماع ہے۔تو ضروری ہے کہ وعدہ کی وجہ سے اسے قادر نہ شمار کیا جائے، صرف استحبابًا اسے انتظار کا حکم دیا جائے گا اگر قبل نماز وعدہ ہُوا،اور اگر بعد نماز وعدہ ہُوا تو یہ ایک ایسی نماز کو باطل نہیں کرسکتا جو بالیقین صحیح ادا ہوئی جیسے اس صورت میں جب کہ ادائے نماز کے بعد آخر وقت میں اسے پانی ملنے کی امید پیدا ہوئی اس لئے کہ جس چیز کی موجودگی تیمّم سے مانع نہیں ہوتی اس کا حدوث بوقت حدوث بھی تیمّم کو ختم نہیں کرسکتا بوقت سابق ختم کرنا تو در کنار۔یہ فرق کہ پانی پر قدرت بالاجماع اباحت سے ثابت ہوجاتی ہے تو اس کا انتظار واجب ہے،دوسری چیز جیسے کپڑے اور ڈول کا یہ حال نہیں اس میں امام صاحب کے نزدیک اباحت سے قدرت ثابت نہیں ہوتی تو انتظار صرف مستحب ہے اور صاحبین کے نزدیک اس میں بھی قدرت ثابت ہوتی ہے تو انتظار واجب ہے (اس پر مجھے کلام ہے) **فاقول:** وعدہ فی الحال اباحت نہیں بلکہ اس سے صرف آئندہ زمانہ میں امید پیدا ہوتی ہے۔کسی کے یہ کہنے میں کہ "میں نے دیا" اور یہ کہنے میں کہ "آئندہ دوں گا" کھُلا ہوا فرق ہے۔(ت)

اب رہی یہ بات کہ ظاہر وفائے وعدہ ہے تو ظاہرًا پانی کے استعمال پر قادر ہوا فاقول (تو اس پر میں کہتا ہوں کہ) پانی اس کے نزدیک

ولاقدرة علی المعدوم کیف وقد قال فی البحر فی مسألة من نسی الماء فی رحله هذا لانه لاقدرة بدون العلم لان القادر علی الفعل هو الذی لواراد تحصیله یتأتی له ذلك ولاتکلیف بدون القدرة [1] اھ ومعلوم ان الموعود له لیس الامر بیده حتی یتأتی له تحصیل الوضؤ بارادته بل هو بید الواعد فلم تثبت القدرة۔

فان قلت الیس اذا اعطاه بعد الصلاة بلا اباء بطلت فقد عد بالعطاء اللاحق قادرا فی السابق وسیاتی التصریحبه عن الزیادات وجامع الکرخی والبدائع والحلیة انه ظهر انه کان قادرا لان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبله [2] اھ مع ان الماء کان معدوماعنده اذذاك والمعدوم غیرمقدور فلم لایجعل قادرابالوعدوان کان الماء معدوما عنده بعد بل هذا اولی لانه علی شرف الحصول امامامضی فلایمکن ان یجعل غیرالحاصل فیه حاصلا۔

اب بھی معدوم ہے اور معدوم پر قدرت نہیں۔یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ البحرالرائق میں اپنے خیمہ یا کجاوہ میں رکھاہُوا پانی بھُول جانے والے کے مسئلہ میں یہ لکھا ہے: "یہ اس لئے کہ بغیر علم کے قدرت نہیں اس لئے کہ فعل پر قادر وہی ہے کہ اگر اس فعل کو بروئے ثبوت لانا چاہے تو لاسکے اور قدرت کے بغیر کوئی مکلّف نہیں ہوتا"اھ یہ معلوم ہے کہ جس سے وعدہ کیا گیا ہے معاملہ اس کے ہاتھ میں نہیں کہ وہ چاہے تو وضو کرے بلکہ یہ وعدہ کرنے والے کے ہاتھ میں ہے تو قدرت ثابت نہ ہوئی۔(ت)

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ جب بعد نماز اسے بلاانکار دے دے تو نماز باطل ہوگئی،اس سے ظاہر ہوا کہ بعد میں دینے سے سابق میں اس کو قادر شمار کیا گیا۔اس کی تصریح زیادات،جامع کرخی،بدائع اور حلیہ کے حوالوں سے آرہی ہے کہ "ظاہر ہوگیا کہ وہ قادر تھا اس لئے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے بھی دے دیتا"۔اھ۔باوجودیکہ پانی اس وقت اس کے پاس معدوم تھا اور معدوم مقدور نہیں۔تو وعدے کی وجہ سے بھی اس کو قادر کیوں نہ قرار دیا جائے اگرچہ اس کے پاس پانی اب بھی معدوم ہے۔بلکہ یہ بدرجہ اَولٰی ہوگا اس لئے کہ وہ آئندہ حصول کی راہ میں ہے اور جو زمانہ گزر چکا اس میں تو غیر حاصل کو حاصل بنانا ممکن ہی نہیں۔(ت)

[1] البحرالرائق باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶۰

[2] البدائع الصنائع باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۹

اقول: وباللہ التوفیق لیست القدرۃ المانعۃ للتیمم بمعنی الاستطاعۃ فانھا لاتکون قبل الفعل وان کان الماء بکفہ بل(۱) بمعنی سلامۃ الاسباب والاٰلات بحیث لایبقی شیئ ممایتوقف علیہ تحصیل الماء خارجا عن قبضتہ فیکون قادرا بمعنی ان تحصیلہ بیدہ ویشترط مع ذلك عدم الحرج فمن بعد الماء عنہ میلا وھو قادر علی المشی فقد سلمت لہ الاسباب وعد عاجزا للحرج ثم غالب الظن کالیقین الاتری ان من ظن قرب الماء عدقادرا علیہ مع انہ لایعلمہ حقیقۃ والظن ربما یخطی اذاعلمت ھذا فمن أُعطی لاحقا حصل لہ الظن علی العطاء سابقالو سأل فثبت ظنا وھو کالثبوت یقینا انہ کان قادرا اذذاك علی تحصیل الماء بالسؤال فکان قادرا علی الماء لان القدرۃ الحسیۃ بالعطاء وماکان بینہ وبینالعطاء الا السؤال کماظھر بالبذل اللاحق بالسؤال وان کان بدون سؤال فبالاولی وقد کان السؤال بیدہ وترکہ عالما بالماء عندہ فکان کمن یکون علی راس البئر وفیھا ماء وبیدہ الدلو والرشاد وھو قادر علی الاستقاء فترك وتیمم وبالجملۃ ظھر بالبذل اللاحق انہ لواراد تحصیلہ سابقالتأتی

میں اس کے جواب میں کہوں گا اور خدا ہی سے توفیق ہے، وہ قدرت جو تیمّم سے مانع ہے بمعنی استطاعت نہیں۔ اس لئے کہ یہ تو فعل سے پہلے ہوتی ہی نہیں اگرچہ پانی اس کی ہتھیلی میں ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ یہ قدرت بمعنی سلامتِ اسباب وآلات ہے اس طرح کہ جتنی چیزوں پر تحصیل آب موقوف ہے ان میں سے کوئی بھی اس کے قبضہ سے باہر نہ رہ جائے تو وہ قادر ہوگا اس معنی میں کہ اس کی تحصیل اس کے ہاتھ میں ہے۔ اُس کے ساتھ یہ شرط بھی ہوگی کہ حرج نہ ہو کیونکہ پانی جس سے ایک میل دُور ہے اور اسے چلنے کی قدرت بھی ہے تو اس کیلئے سلامت اسباب تو موجود ہے پھر بھی حرج کے باعث اسے عاجز شمار کیا گیا۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ غالب ظن، یقین کی طرح ہے۔ دیکھیے جسے پانی قریب ہونے کا ظن ہو اسے پانی پر قادر شمار کیا گیا ہے حالانکہ حقیقۃً اسے پانی کا علم نہیں۔ اور ظن تو بارہا غلط بھی ہوتا ہے۔ جب یہ سب معلوم ہوگیا تو اب دیکھئے جسے بعد میں پانی دے دیا گیا اسے یہ گمان حاصل ہوا کہ اگر مانگتا تو وہ پہلے بھی دے دیتا تو ظنًا ثبوت ہوا۔ اور یہ یقینا ثبوت کی طرح ہے۔ کہ وہ اس وقت کے سوال کے ذریعہ تحصیل آب پر قادر تھا۔ تو وہ پانی پر قادر ہوا اس لئے کہ حسّی قدرت تو دینے ہی سے ہوتی ہے۔ اور اس کے اور دینے کے درمیان صرف سوال ہی کا فاصلہ تھا۔ جیسے اس کا قادر ہونا بعد میں سوال پر دینے سے ظاہر ہوتا ہے اور بغیر سوال دیا ہو تو بدرجہ اولٰی۔ اور سوال اس کے

له لعدم توقفه الاعلی سؤاله المقدور له وهذا هو معنی القدرة بخلاف الموعود له فان التوقف ههنا علی الوفاء ولیس الوفاء بیده فقد ظهر الفرق والحمد لله ربّ العٰلمین۔

ہاتھ میں تھا جسے اس نے ترک کر دیا جبکہ جانتا تھا کہ اس کے پاس پانی ہے تو یہ اس شخص کی طرح ہوا جو کسی کُنویں پر ہو جس میں پانی بھی ہے اور اس کے ہاتھ میں ڈول رسّی موجود ہے، پانی کھینچنے پر قدرت بھی ہے مگر اس نے پانی نہ نکالا اور تیمّم کر لیا۔ مختصر یہ کہ بعد میں دینے سے ظاہر ہو گیا کہ اگر وہ سابق میں پانی حاصل کرنا چاہتا تو میسر آجاتا کیونکہ وہ صرف اس کے مانگنے پر موقوف تھا اور مانگنا اس کی قدرت میں ضرور تھا۔ یہی قدرت کا معنٰی بھی ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس سے پانی کا وعدہ ہوا اس لئے کہ یہاں موقوفی وفا پر ہے اور وفا اس کے ہاتھ میں نہیں۔ اس بیان سے دونوں میں فرق واضح ہو گیا۔ اور ساری خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خدا ہی کیلئے ہیں۔ (ت)

فان قلت الیس قد اوجبوا الطلب وابطلوا الصلاة قبله فیما اذا کان فی العمرانات اوقربها مطلقا اوفی الفلاة وقد اخبر بقرب الماء اوظنه بوجه اٰخر من رؤیة خضرة وغیرها کما قدمته فی خامس افادات شرح الحد الرضوی واثرت ثمه عن الحلیة ان العلم بقرب الماء قطعا اوظاهرا ینزله منزلة کون الماء موجودا بحضرته فلا یجوز تیممه کما لا یجوز مع وجوده بحضرته[1] اھ فکذلك ههنا وان کان الماء معدوما ینزله ظن الوفاء لانه هو الظاهر من المسلم منزلة الموجود فلا یجوز له التیمم۔

اگر یہ سوال ہو کہ کیا ایسا نہیں کہ فقہاء نے پانی تلاش کرنا واجب اور اس سے پہلے ادائے نماز کو باطل قرار دیا ہے جب وہ آبادی یا قربِ آبادی میں ہو تو مطلقًا یا بیابان میں ہو تو اس وقت جب اسے بتایا گیا ہو کہ پانی قریب ہے یا کسی دوسرے طریقہ مثلًا ہریالی وغیرہ دیکھ کر اسے گمان ہوا ہو جیسا کہ شرح تعریف رضوی کے افادہ پنجم میں اس کا بیان ہو چکا ہے اور وہاں حلیہ سے یہ بھی نقل ہوا ہے کہ "پانی قریب ہونے کا قطعًا یا ظاہرًا علم ہو جائے تو یہ پانی اس کے پاس موجود ہونے کی منزل میں لا اتارتا ہے تو اسے تیمّم کرنا جائز نہیں ہوتا جیسے پاس موجود ہونے کی صورت میں جائز نہیں ہوتا" اھ تو اسی طرح یہاں پانی اگرچہ معدوم ہے ظنِّ وفا اس لئے کہ مسلم سے وہی ظاہر ہے اسے موجود کی منزل میں لا اتارے گا تو اس کے لئے تیمّم جائز نہ ہوگا۔ (ت)

[1] حلیہ

اقول: ولربی الحمد علی الخبیرسقطت* وفی القیاس غلطت*فرق عظیم بین المسألتین القرب والعطاء کلاھما مانع عن التیمم لحصول القدرۃ بھما فان الشرع المطھر جعل ماکان دون میل کالذی بیدہ والالجاز لمن بیتہ علی شط البحر التیمم اذالم یجد الماء فی بیتہ کماتقدم فی نمرۃ عن العنایۃ والظن الغالب فی العمل کالعلم ومع علم المانع لامساغ للتیمم بیدان القریب لماکان مقدورا حقیقۃ شرعا فی الحال کماعلمت کان ظن القرب ظن انہ مقدور الاٰن وانہ حاصل بحضرتہ فی اعتبار الشرع المطھر وھھنا ظن الوفاء ظن انہ سیحصل مع العلم القطعی بانہ غیرحاصل فی الحال فذلك علم ان المانع موجود وھذا علم انہ سیحدث ان وفی توقع حدوث المانع لایمنع التیمم۔ **وھذا** ماقدمت فی الظفر لقول زفر انہ اذا ادرك الوقت فاراد الصلاۃ لاینھی عنھاولاینظر الا الی حالتہ الراھنۃ وقلت قبلہ فیہ ان الطاعۃ بحسب الاستطاعۃ قال ربنا تبارك و	**اقول:** (جواباً میں کہوں گا) اور میرے رب ہی کیلئے حمد ہے باخبر سے سوال کیا اور قیاس میں غلطی کی۔دونوں مسئلوں میں عظیم فرق ہے قربِ آب اور عطائے آب دونوں ہی تیمّم سے مانع ہیں کیونکہ دونوں سے قدرت حاصل ہوجاتی ہے۔اس لئے کہ جو پانی ایک میل سے کم دُوری پر ہو شرع مطہر نے اسے اس پانی کی طرح قرار دیا ہے جو ہاتھ میں موجود ہو۔ورنہ سمندر کے کنارے جس کا گھر ہو اس کیلئے یہ جائز ہوتا کہ گھر میں پانی نہ پائے تو تیمّم کرلے جیسا کہ نمبر۹۱ میں عنایہ کے حوالہ سے گزرا۔اور ظنّ غالب حق عمل میں یقین کی حیثیت رکھتا ہے۔اور مانع کا یقین ہوتے ہوئے تیمّم کی کوئی گنجائش نہیں۔مگر یہ ہے کہ آب قریب چونکہ ازرُوئے شرع فی الحال حقیقۃً مقدور ہے جیسا کہ معلوم ہوا تو قرب کا گمان اس امر کا گمان ہے کہ پانی اِس وقت مقدور ہے اور وہ شرع مطہر کے اعتبار میں اس کے پاس حاصل ہے اور یہاں وفائے وعدہ کا گمان اس بات کا گمان ہے کہ پانی آئندہ حاصل ہوگا۔ساتھ ہی اس بات کا قطعی علم ہے کہ وہ فی الحال حاصل نہیں۔تو اس بات کا علم ہے کہ مانع موجود ہے۔اور یہ اس بات کا کہ مانع پیدا ہوگا اگر اس نے وعدہ وفا کردیا اور مانع کے پیدا ہونے کی توقع تیمّم سے مانع نہیں۔(ت) یہی بات میں رسالہ "**الظفر لقول زفر**"میں بیان کرچکا ہُوں کہ جب وقت ہوگیا اور اس نے نماز ادا کرنی چاہی تو اسے اس سے روکا نہ جائے گا اور صرف اس کی موجودہ حالت دیکھی جائے گی۔اس سے پہلے اس رسالہ میں مَیں نے لکھا ہے کہ

تعالٰی فَاتَّقُوااللّٰہَ مَااسْتَطَعْتُمْ [1] ولاینظر الا الی الحالۃ الراھنۃ واستشھدت علیہ بمسألۃ الراجی ھذہ ان لیس علیہ التأخیروبمسألۃ الدر امرہ الطبیب بالاستلقاء الخ وستأتی عن البنایۃ سبع مسائل ومن زیاداتنا سبع اُخر تشھد لھذا ومن ذلک مامر فی نمرۃ۹۰ من مسألۃ عار وُعدثو بالہ ان یصلی عاریا ولاینتظر ھذا ھو مذھب امام المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ،والاٰن رأیت فی الغنیۃ فی مسألۃ الراجی نفسھا (یستحب ان یؤخر) ولولم یفعل وتیمم وصلی جاز لانہ اداھا بحسب قدرتہ لموجودۃ عند انعقاد سببھا وھو ما اتصل بہ الاداء [2]اھ ثم بنعمۃ ربی ولہ الحمد رأیت بعد قلیل من الحین لامام الاجل ابا البرکات النسفی رحمہ اللہ تعالٰی فی الکافی فرّق بعین ما وفقنی ربی من انہ این الحاصل مما سیحصل کماسأذکر نصہ ان شاء اللہ تعالٰی وللہ الحمد فی الاولی والاخری ھذا ماکان یتخالج صدری فی مسألۃ الوعد۔

"طاعت،حسبِ استطاعت ہوتی ہے۔ہمارے رب تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے۔تو تم خدا سے ڈرو جتنی تمہیں استطاعت ہو اور موجودہ حالت ہی دیکھی جائے گی۔اس پر میں نے پانی کی امید رکھنے والے کے اس مسئلہ سے استشہاد بھی کیا ہے کہ اس پر نماز مؤخر کرنا لازم نہیں۔اور درمختار کے اس مسئلہ سے کہ طبیب نے اسے چت لیٹنے کا مشورہ دیا الخ۔عنقریب بنایہ کے حوالہ سے سات مسائل آرہے ہیں۔اور ہمارے اضافہ سے سات اور،وہ سب اس پر شاہد ہیں۔اسی میں سے وہ مسئلہ بھی ہے جو نمبر۹۰ میں گزراکہ کوئی برہنہ بدن ہے جس سے کپڑے کا وعدہ کیا گیا ہے اس کیلئے برہنہ نماز ادا کرنا اور انتظار نہ کرنا،جائز ہے۔یہی امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔اور اب میں نے غنیہ میں خود امید آب والے کا مسئلہ دیکھا جو اس طرح ہے: (تاخیر مستحب ہے) اور اگر نہ کی اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو جائز ہے اس لئے کہ اس نے اپنی اس قدرت کے مطابق نماز ادا کی جو سبب نماز کے انعقاد کے وقت موجود تھی اور سبب نماز وہ وقت ہے جس سے متصل نماز ادا ہوئی اھ پھر بانعامِ ربانی اور اس کا شکر ہے۔تھوڑے دنوں بعد میں نے دیکھا کہ امام اجل ابو البرکات نسفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کافی میں بعینہٖ وہی فرق بیان کیا ہے جس کی میرے رب نے مجھے توفیق دی کہ کہاں وہ جو حاصل ہے اور کہاں وہ جو آئندہ حاصل ہوگا۔جیسا کہ ان کی عبارت عنقریب ذکر کروں گا اگر خدائے برتر کی مشیت ہوئی۔اور خدا ہی کیلئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔یہ وہ باتیں ہیں جو مسئلہ وعد سے متعلق میرے دل میں خلجان کررہی تھیں۔(ت)

---

[1] القرآن ۶۴/۱۶

[2] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۴

وامّامسألة الرّجاء وما عللها به فی الهداية. فاعترضه الامام الاجل الشيخ عبدالعزيز ثم الامام قوام الدين الكاکی ثم الامام اکمل الدين البابرتی ثم الامام المحقق علی الاطلاق بوجهين عـہ۱ قال فی الفتح علی عبارة الهداية المذکورة قوله عـہ۲ لان	**اب مسئلہ امید** اور ہدایہ میں بیان شدہ اس کی تعلیل پر ۱ کلام کیا جاتا ہے۔اس پر امام اجل شیخ عبدالعزیز، پھر امام قوام الدین کاکی، پھر امام اکمل الدین بابرتی، پھر امام محقق علی الاطلاق نے دو وجہوں سے اعتراض کیا ہے۔فتح القدیر میں ہدایہ کی مذکورہ عبارت پر یہ کلام ہے: "ان کا قول: "اس لئے

عـہ۱ التعليل يرد عليه الوجهان وعلی الحکم الوجه الاول فقط کماسياتی ۱۲ منه غفرله (م)

(عـہ۲ قوله قوله مبتدء خبره يقتضی وقوله مع انه منظور فيه متعلق بقوله يقتضی **اقول**: والمقصود الايراد علی وجه ظاهر الرواية وانما اشرك معه تعليل الرواية النادرة لان النظر الاول يبتنی علی ان ظاهر الرواية لم يعتبره فهما نظران حاصل الاول کيف قلتم لايزول الابيقين مثله ولم تجعلوا غالب الرأی کالمحقق مع انکم اعتبرتموه فی مسألتی العمرانات و

تعلیل پر دونوں وجہوں سے اعتراض ہوتا ہے اور حکم پر صرف وجہ اوّل سے اعتراض ہوتا ہے جیسا کہ آرہا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

ان کی عبارت میں "**قولہ**" (ان کا قول) مبتدا ہے۔اس کی خبر ہے "**یقتضی**" (مقتضی ہے) اور ان کی عبارت "**مع انه منظور فيه**" (باوجودیکہ اس میں کلام ہے) ان کی عبارت "**یقتضی**" سے متعلق ہے **اقول**: مقصد ظاہر الروایۃ کی وجہ پر اعتراض کرنا ہے۔اس کے ساتھ روایت نادرہ کی تعلیل کو اس لئے شریک کرلیا کہ پہلا اعتراض اس پر مبنی ہے کہ ظاہر الروایہ نے اس کا اعتبار نہ کیا تو یہ دو اعتراض ہوئے۔پہلے کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے

(باقی برصفحہ آئندہ)

۱ امید کی صورت میں روایت نادرہ میں یہ حکم ہے کہ نماز مؤخر کرنا واجب ہے جس کی تعلیل ہدایہ میں یہ ہے کہ "غالب رائے متحقق کی طرح ہے" یعنی غلبہ ظن کو حق عمل میں یقین کی حیثیت حاصل ہے۔اور ظاہر الروایہ میں اس کا حکم یہ ہے کہ تاخیر صرف مستحب ہے واجب نہیں، ہدایہ میں اس کی تعلیل یہ ہے کہ "عجز حقیقۃً ثابت ہے تو ویسے ہی یقین کے بغیر اس کا حکم زائل نہ ہوگا" مسئلہ وعد پر کلام کے شروع میں یہ باتیں گزر چکی ہیں ۱۲ محمد احمد مصباحی

غالب الرأی کالمتحقق مع قوله فی وجه ظاهر الروایة ان العجز ثابت حقیقة فلایزول حکمه الابیقین مثله انه منظور فیه بان التیمم فی العمرانات وفی الفلاة اذااخبر بقرب الماء اوغلب علی ظنه بغیرذلك لایجوز قبل الطلب اعتبارالغالب الظن کالیقین یقتضی انه لوتیقن وجود الماء فی اٰخر الوقت لزمه التأخیرعلی ظاهر الروایة لکن المصرح به خلافه علی ماتقدم اول الباب انه اذاکان بینه وبین الماء میل جاز التیمم من غیرتفصیل وفی الخلاصة المسافر اذاکان علی تیقن من وجود الماء اوغالب ظنه علی ذلك فی اٰخر الوقت فتیمم فی اول الوقت وصلی ان کان بینه وبین الماء مقدار میل جاز وان کان اقل ولکن یخاف الفوت لایتیمم[1] اھ وقد فصله اتم تفصیل	کہ غالب رائے، متحقق کی طرح ہے،ظاہر الروایہ کی وجہ میں ان کے اس قول کے ساتھ کہ "عجز حقیقۃً ثابت ہے تواس کا حکم ویسے ہی یقین کے بغیرزائل نہ ہوگا" باوجودیکہ ایک تواس میں یہی کلام ہے کہ غالب ظن کو یقین کی طرح ماننے کے باعث پانی تلاش کرنے سے پہلے آبادیوں میں تیمّم جائز نہیں اسی طرح بیابانوں میں بھی جبکہ اسے یہ بتایا گیا ہو کہ قریب میں پانی ہے یا کسی اور طرح اسے پانی کاغلبہ ظن ہوا ہو (دوسرے یہ کہ ان کا وہ قول) اس کا مقتضی ہے کہ اگر اسے یقین ہو کہ آخروقت میں پانی مل جائے گا توظاہر الروایہ کے مطابق اسے نماز مؤخر کرنا لازم ہے لیکن اس کے برخلاف جیسا کہ اول باب میں گزرا یہ تصریح موجود کہ جب اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمّم جائز ہے اس میں کوئی تفصیل نہیں اور خلاصہ میں ہے کہ مسافر کو جب آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین یا غلبہ ظن ہو پھر بھی وہ اول وقت میں تیمّم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الفلاة وحاصل الثانی ان قولکم هذا یقتضی ان لوتیقن وجدان الماء فی اٰخر الوقت لم یجزله التیمم لانه معارض اذن بیقین مثله مع ان المصرح به خلافه ۱۲ منه غفرله (م)	کیسے کہا کہ ویسے ہی یقین کے بغیرزائل نہ ہوگا اور آپ نے غالب رائے متحقق کی طرح کیوں نہ قرار دیا جب کہ آبادیوں اور بیابانوں کے دونوں مسئلوں میں آپ نے اس کو مانا ہے اور دوسرے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا یہ قول اس کا مقتضی ہے کہ اگر اسے آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تواس کیلئے تیمّم جائز نہ ہو کیونکہ ایسی صورت میں ویسا ہی یقین اس کے معارض مل گیا حالانکہ تصریح اس کے برخلاف موجود ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۰

الامام الاجل البخاری ونقل کلامه فی العنایة والدرایة وهذا لفظ الاکمل قال قوله لان غالب الرأی کالمتحقق قال الشیخ عبدالعزیز هذا التعلیل مشکل لانه یقتضی ان یجب التأخیر عند التحقق فی اٰخر الوقت مع بعد المسافة فی الروایات الظاهرة لیصح مقیسا علیه ولیس کذلك فانه ذکر فی اول الباب ان من کان خارج المصر یجوزله التیمم اذاکان بینه وبین الماء میل اواکثر ،وفی الخلاصة وعامة النسخ المسافر اذاکان علی تیقن من وجود الماء فی اٰخر الوقت اوغالب ظنه ذلك جاز له التیمم اذاکان بینه وبین الماء میل اواکثر وان کان اقل لایجوز وان خاف فوت الصلاة فلوحمل هذا یعنی التعلیل علی ان المراد ان التیمم لایجوز فی المتحقق فی غیرروایة الاصول فالحق به غالب الظن فی هذه الروایة لم یستقم ایضالانه علل وجه ظاهر الروایة بان العجز ثابت حقیقة فلایزول حکمه الابیقین مثله وذلك یقتضی ان حکم العجزوهوجوازالتیمم یزول عندالتیقن بوجود الماء فی ظاهرالروایة ولیس کذلك علی مابینااولوحمل علی ان هذا فیما اذاکان بینه وبین ذلك الموضع اقل من میل لم یستقم ایضا لانه لافرق

کرکے نماز پڑھ لے تو اگر اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہو تو جائز ہے۔اور اگر کم ہو لیکن نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم نہ کرے"اھ امام اجل عبدالعزیز بخاری نے اس کی بھرپور تفصیل فرمائی ہے اور ان کا کلام عنایہ اور درایہ میں نقل ہوا ہے۔عنایہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ یہ ہیں: ان کا قول"اس لئے کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے"۔اس پر شیخ عبدالعزیز نے فرمایا:اس تعلیل میں اشکال ہے اس لئے کہ اس کا اقتضایہ ہے کہ آخر وقت میں یقین کی صورت میں بُعد مسافت کے باوجود ظاہر روایات میں مؤخر کرنا واجب ہوتا کہ وہ مقیس علیہ ہوسکے حالانکہ ایسا حکم نہیں۔اس لئے کہ شروع باب میں وہ بتاچکے ہیں کہ"جو بیرونِ شہر ہو اس کیلئے تیمّم جائز ہے جب کہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو"اور خلاصہ وعامہ کتب میں ہے کہ"مسافر کو جب آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین یا غالب گمان ہو تو اس کیلئے تیمّم جائز ہے جبکہ اس کے اور پانی کے درمیان ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو اور اگر اس سے کم فاصلہ ہو تو تیمّم جائز نہیں اگرچہ نماز فوت ہوجانے کا اندیشہ ہو"۔تو اگر اس کا یعنی تعلیل کا محمل یہ ہو کہ"مراد یہ ہے کہ غیر روایت اصول میں چونکہ بصورت تحقق بھی تیمّم جائز نہیں اس لئے اس روایت میں غالب ظن کو بھی اس سے ملحق کردیا گاے"تو بھی بات نہیں بنتی۔اس لئے کہ ظاہر روایت کی انہوں نے علت یہ بتائی ہے کہ"عجز حقیقةً ثابت ہے تو ویسے ہی یقین کے

فی تعلیل ظاہر الروایۃ بین غلبۃ الظن والیقین فیما اذاکانت المسافۃ اقل من میل فی عدم جواز التیمم کما انہ لافرق بینھما فیما اذاکانت المسافۃ اکثر من میل فی جواز التیمم ،وقدصرح فی اٰخر ھذا الباب انہ اذاغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء لایجوز التیمم کمالوتیقن بذلك فعلم انہ مشکل بقی وجہ اٰخر وھو ان یحمل ھذا علی مااذالم یعلم ان المسافۃ قریبۃ اوبعیدۃ فلوثبت انہ تیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت فقدامن الفوات ولمالم یثبت بعد المسافۃ لتشکیك فیہ لم یثبت جواز التیمم فیجب التاخیراما لوغلب علی ظنہ ذلك وکذلك عندھما فی غیرروایۃ الاصول لان الغالب کالمتحقق وفی ظاہر الروایۃ لایجب التاخیرلان العجز ثابت لعدم الماء حقیقۃ وحکم ھذاالعجز وھو جواز التیمم لایزول الابیقین مثلہ وھو التیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت ولم یوجد فلایجب التاخیرولکن ھذا الوجہ لایخلوعن تمحل ویلزم علیہ انہ فرق ھھنابین غلبۃ الظن والیقین فی ظاہر الروایۃ ولم یفرق بینھما فیما اذاغلب علی ظنہ ان بقربہ ماء فی عدم جواز التیمم ولافیما اذاکانت المسافۃ بعیدۃ فی جواز التیمم کمابیناقال فالاظھر

بغیر زائل نہ ہوگا"۔یہ تعلیل اس کی مقتضی ہے کہ ظاہر الروایۃ میں حکمِ عجز جواز تیمّم پانی ملنے کے یقین کے وقت زائل ہوجائے۔حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ ہم بتاچکے۔اور اگر اس کا محمل یہ ہو کہ "یہ اس صورت میں ہے جب اس کے اور اس جگہ کے درمیان ایک میل سے کم فاصلہ ہو"تو بھی بات نہیں بنتی۔اس لئے کہ تعلیل ظاہر الروایۃ میں ایک میل سے کم فاصلہ ہونے کی صورت میں، تیمّم ناجائز ہونے کے معاملہ میں غلبہ ظن اور یقین کے درمیان کوئی فرق نہیں جیسے کہ ان دونوں کے درمیان ایک میل سے زیادہ مسافت ہونے کی صورت میں تیمّم جائز ہونے کے معاملہ میں کوئی فرق نہیں۔وہ خود اس باب کے آخر میں صراحت کرچکے ہیں کہ جب اسے قریب میں پانی ہونے کا غلبہ ظن ہو تو تیمّم جائز نہیں جیسے اگر اس کا یقین ہو تو تیمّم جائز نہیں معلوم ہوا کہ یہ تعلیل اشکال رکھتی ہے۔ایک صورت اور رہ گئی وہ یہ کہ اس کا محمل وہ صورت ہو جب اسے یہ معلوم نہ ہو کہ مسافت قریب ہے یا بعید تو اگر یہ ثابت ہو کہ اسے آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہے تو نماز کے فوت ہونے سے اس کو بے خوفی حاصل ہوگئی اور شک کی وجہ سے جب بُعدِ مسافت ثابت نہیں تو جواز تیمّم بھی ثابت نہیں، تو نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔لیکن اگر اُس کو اِس کا غلبہ ظن ہو تو بھی غیر روایت اصول میں شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے اس لئے کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے عجز حقیقۃً ثابت ہے اور اس عجز کا

بقاء الاشکال[1] اھ ضمیر قال الی الامام البخاری وقد اقرہ العلامتان الکاکی والبابرتی رحمہ اللہ الجمیع ورحمنا بھم اٰمین۔ **واقول**: انما وجه الکلام الی ظاهر الروایة وتعلیلها وصرفه الشیخ اجلالالها الی الروایة النادرة ودلیلها وجعل لها اربعة محامل وردالکل وانا ارید تلخیصه مع الایضاح فقد خفی علی بعض اجلة الکبراء۔ **فاقول**: وباللہ التوفیق جعل محمله الاول تقدیران وجوب التاخیر عند تیقن الوجدان فی اٰخر الوقت متفق علیه بین الروایات الظاهرة والنادرة انما الخلاف عندالظن فقاسته النادرة علی الوفاقیة وردہ ببطلان هذا التقدیر للتنصیص المتواتر علی جواز التیمم اذا بعد الماء میلا۔ **اقول**؛ ای وربما یتیقن فیه الوجدان فی اٰخر الوقت	حکم جواز تیمّم ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا۔اور وہ یہ ہے کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو اور یقین نہ پایا گیا تو تاخیر واجب نہیں لیکن یہ صورت تکلّف سے خالی نہیں اور اس پر یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ظاہر الروایہ میں انہوں نے یہاں غلبہ ظن اور یقین کے درمیان فرق کیا اور ان دونوں کے درمیان عدم جواز تیمّم میں اس صورت میں فرق نہ کیا جب اسے قریب میں پانی ہونے کا غلبہ ظن ہو نہ ہی جواز تیمّم میں اُس صورت میں فرق کیا جب مسافت بعید ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔فرمایا: "تو اظہر یہی ہے کہ اشکال باقی ہے"اھ "فرمایا" کی ضمیر امام بخاری کیلئے ہے۔اس کلام کو علّامہ کاکی اور علامہ بابرتی نے بھی برقرار رکھا۔خدا ان سب حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی رحمت فرمائے۔الٰہی! قبول فرما۔(ت) **واقول**: کلام کا رخ ظاہر الروایۃ اور اس کی تعلیل کی جانب ہی ہے مگر شیخ نے اس کی عظمت کے پیش نظر رخ روایت نادرہ اور اس کی دلیل کی طرف پھیر دیا ہے۔اور اس کے چار محمل نکالے ساتھ ہی ہر ایک کو رد بھی کردیا میں اس کلام کی تلخیص کرنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی توضیح بھی، کیونکہ یہ بعض جلیل بزرگوں پر واضح نہ ہوسکا۔(ت) **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں) اور خدا ہی سے توفیق ہے: محمل اول: پہلا محمل اس تقدیر کو قرار دیا کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تو تاخیر نماز کے وجوب پر ظاہر ونادر سبھی روایات متفق ہیں۔اختلاف صرف ظن کی صورت میں ہے تو روایت نادرہ میں صورت ظن کا قیاس اُس صورت پر ہے جو متفق علیہ ہے۔اور اس کا ردیوں کیا کہ یہ ماننا ہی غلط ہے(کہ جب بھی آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو تو بالاتفاق تاخیر واجب ہے) اس لئے کہ اس کی متواتر تصریح آئی ہے کہ پانی

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۰

فان المیل یقطع بسیر الوسط فی اقل من نصف ساعة ووقت الصبح والمغرب اوسع من ضعف ذلك فضلا عن سائر الاوقات۔

والثانی: ان فی کلیهما الاختلاف والحقت النادرة احد المختلفین بالاٰخر **اقول** وھو من ابعد المحامل اذلایبقی علی ھذا تعلیلا بل ایضاحا لخلافیة باخرٰی کعادة(۱) الامام الربانی محمد فی کتبه ورده بان جواب الظاھر اذن بالفرق بین الظن فلایجوز فیه التیمم والیقین فیجوز وقد علم بطلانه

اقول: ویمکن ان یجعل ردا للالحاق فقط وان کان بعیدا کذلك المحمل۔

والثالث: ان النادرة انما توجب التاخیر عند ظن الوجدان فیما اذاکان الفصل اقل من میل **اقول:** معناہ ان علم الماء قریبا لایجوزله التیمم ان ظن وجدانه والا بأن ضاق الوقت جاز کما ھو قول زفر ورده بان المذھب انما فرق بالقرب والبعد دون غلبة ظن الوجدان والیقین کمایعطیه ماذکره

ایک میل دُور ہونے کی صورت میں تیمّم جائز ہے۔

اقول: کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس صورت میں بارہاایسا بھی ہوگا کہ اسے آخر وقت میں پانی مل جانے کا یقین ہے اس لئے کہ ایک میل کا فاصلہ متوسط رفتار سے آدھ گھنٹہ سے کم میں طے ہو جاتا ہے جبکہ فجر ومغرب کا بھی وقت اس کے دوگنا سے زیادہ ہے دیگر اوقات کا تواور بھی زیادہ ہوگا۔(ت)

محمل دوم: دونوں ہی میں اختلاف ہے اور روایت نادرہ نے ایک اختلافی کو دوسرے اختلافی سے لاحق کر دیا **اقول:** یہ سب سے بعید تر محمل ہے اس لئے کہ پھر یہ تعلیل نہ رہ جائے گی بلکہ ایک اختلافی مسئلہ کی دوسرے اختلافی مسئلہ سے توضیح ہوگی جیسا کہ امام ربانی محمد بن الحسن کا اپنی تصانیف میں طریقہ ہے۔اس پر رد یہ ہے کہ پھر ظاہر الروایہ کا جواب یہ ہوگا کہ ظن ویقین میں فرق ہے۔ظن کی صورت میں تیمّم جائز نہیں اور یقین کی صورت میں جائز ہے حالانکہ اس فرق کا بطلان معلوم ہوچکا ہے۔**اقول:** اسے صرف الحاق کا رد بھی قرار دیا جاسکتا ہے اگرچہ یہ بھی اسی محمل کی طرح بعید ہے۔(ت)

محمل سوم: پانی ملنے کا گمان ہونے کی صورت میں روایت نادرہ تاخیر نماز کو اس وقت لازم کرتی ہے جب ایک میل سے کم فاصلہ ہو۔**اقول:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اسے علم ہو کہ پانی قریب ہے تو اگر اسے یہ گمان ہو کہ وقتِ نماز کے اندر پانی مل جائے گا۔تو تیمّم جائز نہیں اور اگر یہ گمان نہ ہو اس طرح کہ وقت تنگ ہوچکا ہو تو تیمّم جائز ہے جیسا کہ یہ امام زفر کا قول ہے۔اس پر رد یہ ہے کہ مذہب میں صرف

فی وجه الظاھر فان کان الفصل میلا اواکثر جاز مطلقا والا لا مطلقا وبان المذھب بطلان التیمم عند ظن القرب کماصرح به اٰخر ھذا الباب فکیف یجیزہ مع العلم بالقرب لعدم التیقن بالوجدان ولیس معناہ ان یظن الوجدان لظنه الماء اقرب من میل فان کونه اقرب مفروض علی ھذا المحمل وسیاتی ایضاحه۔

والرابع: ان النادرۃ فیما اذاجھل الفصل وتقریرہ دلیلھا ان للتیمم مبیحا ومانعا امّاالمبیح فالعلم ببعد المسافة واما المانع فالعلم بانه یجد الماء فی اٰخر الوقت والمبیح ھھنا غیر معلوم بالفرض والمانع لوکان متیقنا لم یجز له التیمم قطعا للامن من الفوات وھھنا ھو مظنون والمظنون کالمتیقن فلایجوز ایضا وجب التاخیر وحاصل جواب الظاھر ان للتیمم مصححا ومانعا فالمصحح العجز عن الماء وھو حاصل قطعا لان الماء معدوم حقیقة والمانع العلم بوجدانه فی اٰخر الوقت وھو غیر متیقن وان کان مظنونا فلایعارض المتیقن وردہ بان فیه تمحلا لتقیید

قُرب وبعد کی تفریق ہے پانی ملنے کے غلبہ ظن ویقین میں تفریق نہیں جیسا کہ یہ اس سے معلوم ہورہا ہے جو ظاہر الروایہ کی وجہ میں ذکر کیا کہ اگر فاصلہ ایک میل یا زیادہ ہو تو مطلقاً تیمّم جائز ہے ورنہ مطلقاً جائز نہیں۔ دُوسرا رد یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ پانی قریب ہونے کا گمان ہو تو تیمّم باطل ہے جیسا کہ اس باب کے آخر میں اس کی تصریح فرمائی ہے پھر قریب ہونے کا علم ہونے کے باوجود اس وجہ سے تیمّم کیسے جائز کہہ دیں گے کہ وقت میں پانی ملنے کا یقین نہیں۔ یہ معنی نہیں کہ ایک میل سے کم ہونے کے گمان کی وجہ سے اسے پانی مل جانے کا گمان ہو اس لئے کہ اس محمل میں ایک میل سے کم ہونا تو فرض ہی کیا گیا ہے اس کی مزید توضیح بھی آرہی ہے۔(ت)

محمل چہارم: روایت نادرہ اس صورت سے متعلق ہے جب اسے فاصلہ معلوم نہ ہو۔ اس کی دلیل کی تقریر یہ ہے کہ تیمّم کو ایک چیز مباح کرنے والی ہے اور ایک چیز ممنوع کرنے والی ہے۔ مبیح یہ ہے کہ بُعد مسافت کا علم ہو۔ مانع یہ ہے کہ اس بات کا علم ہو کہ آخر وقت میں پانی مل جائے گا اور فرض کیا گیا ہے کہ مبیح (یعنی بعد مسافت) یہاں نامعلوم ہے۔ اور مانع اگر متیقن ہو تو قطعاً اس کیلئے تیمّم جائز نہ ہوگا اس لئے کہ فوت نماز کا اندیشہ نہیں اور یہاں مانع متیقن نہیں مظنون ہے۔ مظنون بھی متیقن ہی کی طرح ہے تو بھی تیمّم کا جواز نہیں اور نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور ظاہر الروایۃ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایک چیز تیمّم کو صحیح قرار دینے والی ہے اور ایک چیز تیمّم کو ممنوع کرنے والی ہے۔ مصحح یہ ہے

اطلاق الروایات بقید لا اشارت الیه فی کلام احد من الفریقین وهو الجهل بحال المسافة قربا وبعدا ولانه بعید الانفهام من العبارة وبانه یلزم ان ظاهر الروایة فرقت ههنا بین الظن والیقین مع انها سوت بینهما فی مسألتی القرب والبعد فلایجوز مع ظن القرب ویجوز مع ظن البعد کالعلم فی الفصلین فبقی الاشکال علی کل حال هذا توضیح کلامه رحمه الله تعالٰی وقد علمت ان الکلام رحمه الله تعالٰی وقد علمت ان الکلام علی کل وجه انمایتوجه الی تعلیل ظاهر الروایة ففیه الاشکال یتوجه الی تعلیل ظاهر الروایة ففیه الاشکال کماسلکه الامام الکمال*

وذکرالامام العینی فی البنایة کلام العنایة هذا برمته عـه غیرانه غیر قول الامام البخاری اما لوغلب علی ظنه ذلك فکذلك عندهما بقوله اما لوغلب علی ظنه عدم بعد المسافة فذلك عندهما [1] اھ فجعل المشار الیه قرب المسافة۔

کہ پانی سے عاجز ہو۔اور یہ قطعًا حاصل ہے اس لئے کہ پانی حقیقۃً معدوم ہے۔اور مانع یہ ہے کہ آخر وقت میں پانی ملنے کا علم ہو اور یہ یقینی نہیں اگرچہ مظنون ہے تو یہ متیقن کے معارض نہ ہوگا۔اس پر رَد یہ ہے کہ اس میں تلف ہے اس لئے کہ اس میں اطلاق روایات کی ایسی قید سے تقیید ہے جسکا فریقین میں سے کسی کے کلام میں کوئی اشارہ بھی نہیں۔اور وہ یہ قید ہے کہ مسافت کے قرب وبُعد کی حالت کا پتانہ ہو۔اور اس لئے بھی کہ عبارت سے یہ سمجھ میں آنا بہت بعید ہے۔اس پر دوسرا رَد یہ بھی ہے کہ یہ اعتراض لازم آئے گا کہ ظاہر الروایہ نے یہاں تو ظن ویقین کے درمیان فرق رکھا باوجودیکہ ان دونوں کے درمیان قرب وبُعد کے مسئلوں میں برادری رکھی کہ قُرب کا ظن ہو تو جائز نہیں اور بعد کا ظن ہو تو جائز ہے ویسے ہی جیسے کہ دونوں صورتوں میں علم ویقین کا حکم ہے۔تو اشکال بہرحال باقی رہا۔یہ شیخ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کی توضیح ہے۔اور یہ معلوم ہوچکا کہ ہر وجہ پر کلام ظاہر الروایہ کی تعلیل کی جانب ہی متوجہ ہے کیونکہ اشکال اسی میں ہے۔جیسا کہ اسی راہ پر امام کمال الدین ابن الہمام چلے ہیں۔امام عینی نے بنایہ میں عنایہ کا یہ کلام مکمل ذکر کیا۔صرف یہ فرق ہے کہ امام عبدالعزیز بخاری کی عبارت "امالوغلب علی ظنه ذلك فکذلك عندهما (اگر اسے اس پر غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے) کو بدل کر یہ لکھ دیا "اما

عـه وجعله ملخصه مع انه لم یخرم منه شیأا وکأنه رحمه الله تعالٰی اراد تلخیصه ثم بداله الاستیفاء ۱۲ منه غفرله۔(م)

اور انہوں نے اسے اس کا ملخص قرار دیا باوجودیکہ اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام عینی رحمہ اللہ تعالٰی کا پہلے تلخیص کا ارادہ تھا پھر یہ خیال ہوا کہ پورا کلام ہی بیان کردیں۔(ت)

[1] البنایہ المعروف عینی شرح ہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/ ۳۲۷

اقول: وھو(۱) باطل قطعا فان عند ظن القرب یجب التاخیر اجماعا طفحت بذلک کتب المذھب لانہا روایۃ نادرۃ والمذھب خلافہا بل الاشارۃ الی وجود الماء فی اٰخر الوقت انہ ان غلب ھذا علی ظنہ فکذلک عندھما کمالایخفی وقد(۲) اوضحہ بقولہ فی جواب الظاھر لایزول الابیقین مثلہ وھو التیقن بوجود الماء فی اٰخر الوقت[1] اھ

فھذا ھو الذی شرط الظاھر تیقنہ علی مایقتضیہ تعلیل الھدایۃ واکتفت النادرۃ بغلبتہ علی الظن فکان ھو المشار الیہ بقولہ ان غلب علی ظنہ ذلک فاعلم ذلک ثم قال اعنی الامام العینی وقد ذکر ھذا کلہ صاحب الدرایۃ ایضا ناقلا عن شیخہ والعجب من الشیخ (یرید الامام البخاری) حیث لم یذکر وجہ التخلص منہ مع کونہ من المحققین الکبار وکذا صاحب الدرایۃ والاکمل ذکرا ھذا وسکتا علیہ فنقول وباللہ التوفیق نذکر وجہاً ینحل منہ ھذا الاشکال وھو انہ یعتبر

لوغلب علی ظنہ عدم بعد المسافۃ فذلک عندھما" (اگر اسے مسافت بعید نہ ہونے کا غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے یہاں یہی حکم ہے۔ت) اس تبدیلی سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے امام بخاری کی عبارت میں لفظ "ذلک کا اشارہ "قرب مسافت" کی جانب سمجھا۔(ت)

اقول: جبکہ یہ خیال قطعاً باطل ہے اس لئے کہ اگر قُرب مسافت کا گمان ہو تو بالاجماع نماز مؤخر کرنا واجب ہے اس بیان سے کتبِ مذہب بھری ہُوئی ہیں ایسا نہیں کہ یہ کوئی نادر روایت ہے اور اصل مذہب اس کے برخلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ "ذٰلک" کا اشارہ وجود الماء فی اٰخر الوقت (آخر وقت میں پانی کی دستیابی) کی طرف ہے کہ اگر اسے اس کا غلبہ ظن ہو تو بھی شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے یہ کچھ پوشیدہ نہیں۔اور اسے انہوں نے جواب ظاہر الروایہ کے تحت اپنی اس عبارت میں واضح بھی کردیا ہے کہ "ویسے ہی یقین کے بغیر زائل نہ ہوگا اور آخر وقت میں پانی کی دستیابی کا یقین ہے"۔یہی وہ بات ہے جس کا یقین ہونے کی شرط ظاہر الروایہ میں تعلیل ہدایہ کے اقتضاکے مطابق پائی گئی اور روایت نادرہ میں صرف غلبہ ظن پر اکتفاہُوئی تو ان کی عبارت "ان غلب علی ظنہ ذلک" (اگر اسے "اس کا" غلبہ ظن ہو) میں اشارہ اسی کی طرف ہوا۔یہ معلوم رہنا چاہیے۔پھر امام عینی لکھتے ہیں: "یہ سب صاحب درایہ نے بھی اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔اور شیخ یعنی امام بخاری پر تعجب ہے کہ

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/ ۳۲۷

رجاء الماء وعدم رجائه باسباب اُخر غير بعد المسافة اوقربها وهو[۱] ان يكون فی السماء غيم رطب وغلب على ظنه انه يمطر ويقدر على الماء فی اٰخر الوقت فانه يستحب له التأخير فی ظاهر الرواية ويجب عليه فی غير رواية الاصول كمالوتحقق بوجود الماء او[۲] يكون الماء بعيدا لكن ارسل من يستقی له وغلب على ظنه حضور من ارسله فی اٰخر الوقت بامارات ظهرت له او[۳] كان الماء فی بئر ولم تكن له اٰلة الاستقاء لكن غلب على ظنه وجدانه فی اٰخر الوقت او[۴] كان الماء بقرب منه ولم يعلم مكانه وجود ثمن يشتری به الماء [1]۔

انہوں نے اس اشکال سے چھٹکارے کی صورت بیان نہ کی، حالانکہ وہ کبار محققین میں شامل ہیں۔اس طرح صاحبِ درایہ اور اکمل الدین نے بھی اسے ذکر کیااور اس پر سکوت ہی اختیار کیا۔تواب ہم کہتے ہیں اور خدا ہی سے توفیق ہے ہم ایسی صورت بیان کرتے ہیں جس سے یہ اشکال حل ہو جائے۔وہ یہ کہ پانی کی امید اور عدمِ اُمید مسافت کے قُرب وبُعد کے علاوہ کچھ اور اسباب سے بھی ہوتی ہے۔مثلاً: (۱) یہ کہ آسمان میں ابرِ تر ہواور اسے غالب گمان ہو کہ بارش ہوگی اور آخر وقت میں وہ پانی پر قادر ہو جائے گا۔تو اس کے لئے ظاہر الروایہ میں نماز مؤخر کرنا مستحب ہے اور غیر روایتِ اصول میں واجب ہے جیسے پانی ملنے کے یقین کی صورت میں واجب ہے۔(۲) پانی دُور ہو لیکن کسی ایسے شخص کو بھیجا ہے جو اس کیلئے پانی بھر لائے اور اسے غالب گمان ہے کہ جسے بھیجا ہے وہ آخر وقت میں حاضر ہو جائے گا۔اس کی کچھ ایسی علامات ہیں جو اس پر ظاہر ہیں۔(۳) پانی کنویں کے اندر ہے۔اس کے پاس نکالنے کا سامان نہیں لیکن غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں مل جائے گا۔(۴) پانی قریب ہی ہے مگر اسے اس کی جگہ معلوم نہیں ایسے ثمن کا وجود جس سے پانی خریدے۔(ت)

(**اقول**: هكذا فی نسخة الطبع السقيمة وفيه سقط وكان العبارة هكذاولم يعلم مكانه لايستطيع طلبه فی كل جهة لما به من ضعف ولوعلم مكانه لامكنه الذهاب الى جهة معينة وقدذهب الى جهة مثلا فلم يجده فرجع وهو حسير وغلب على ظنه

(**اقول**: طباعت کے سقیم نسخہ میں اسی طرح ہے۔اس میں کچھ چھُوٹ گیا ہے۔خیال ہے کہ عبارت اس طرح ہوگی "اور اسے اس کی جگہ معلوم نہیں۔اور چونکہ اسے ضعف لاحق ہے اس لئے ہر طرف تلاش نہیں کرسکتا۔اگر اسے پانی کی جگہ معلوم ہوتی تو ایک معین سمت جاسکتا تھا ایک طرف (مثلاً) گیا بھی مگر اسے ملا نہیں،

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۸

انه یلحقه فی اٰخر الوقت من یخبره اویاتیه به او[5] کان الماء یباع ولاثمن عنده ولاغلب علی ظنه وجود ثمن یشتری به الماء فی اٰخر الوقت اونحو ذلك ممایؤدی هذا المعنی فلتراجع نسخة اُخری قال) او[6] عنده مایعد للعطش وغلب علی ظنه وجود ماء اٰخر غیرمشغول بالحاجة الاصلیة او[7] کان الماء عند اللصوص اوالسباع اومن یخاف منه علی نفسه اوماله وغلب علی ظنه زوال المانع اٰخر الوقت وقس علی هذا اسبابا اُخر[1]۔

(اقول: کأن[8] تکون ظلمة یرجو زوالها اووجود فانوس او[9] هومریض اواشل اومقعد اوشیخ کبیر الی غیرذلك من عوارض یحتاج بهاالی من یوضئه اویستقی له وذهب ولده اوخادمه لحاجة ویرجوعوده واٰخر الوقت او[10] تعاوده حمی نافضة ساعة اوساعتین لایستطیع معها الوضوء او الغسل اوالاستقاء ورجاذها بها فی اواخر الوقت او[11] الماء لغیره وهو غائب فی حاجة له ویظن عطاءه وعوده فی اٰخر الوقت او[12] لایجد الجنب او

تھک کر لَوٹ آیا اور اسے غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں ایسا شخص آجائے گا جو پانی کی جگہ بتادے یا پانی لے آئے۔(۵) یا پانی فروخت ہو رہا ہے اور اس کے پاس دام نہیں اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں ثمن مل جائے گا جس سے پانی خریدے گا" یا ایسی ہی کچھ اور عبارت جس سے یہ معنی ادا ہوسکے تو کسی دوسرے نسخہ کی مراجعت کرنی چاہیے آگے فرماتے ہیں) (٦) اس کے پاس پیاس دُور کرنے کیلئے پانی رکھا ہُوا ہے اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں دوسرا پانی مل جائے گا جو حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوگا (۷) پانی ایسی جگہ ہے جہاں چور یا درندے ہیں یا ایسا آدمی ہے جس سے اس کو اپنی جان یا مال کے لئے خطرہ ہے اور غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں مانع دُور ہوجائے گا۔اسی پر دُوسرے اسباب کا قیاس کرلو۔(ت)

(اقول:(۸) مثلاً یہ کہ تاریکی ہو جس کے چھٹ جانے یا کوئی فانوس مل جانے کی امید ہو (۹) بیمار ہے یا ہاتھ شل ہے یا لُنجھا ہے یا سن رسیدہ بوڑھا ہے۔ایسے ہی اور عوارض جن کی وجہ سے اس کو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو وضو کرادے یا اس کیلئے پانی نکال دے اور اس کا فرزند یا خدمت گار کسی کام سے گیا ہُوا ہے۔آخر وقت میں اس کی واپسی کی امید ہے۔(۱۰) باری سے گھنٹہ دو گھنٹہ جاڑا آتا ہے جس کے ہوتے ہُوئے وضو یا غسل نہیں کرسکتا۔امید ہے کہ اواخر وقت میں جاتا رہے گا (۱۱) پانی دُوسرے کا ہے وہ اپنے

[1] عینی شرح الهدایہ باب التیمم المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ ۱/۳۲۸

المحدثة سترا عن حضار سیغیبون او[۳] لایستطیع الذهاب للاستقاء لاجل مال اوولد ویرجو حضور حافظ او[۴] الماء فی المسجد ویرجو الجنب ان وجد فی اٰخر الوقت من یاتیه به فهی سبعة مع سبعة ویؤید الکل ماهومنصوص صریحامن امام المذهب ان من وعد بدلوا ورشاء لایجب علیه الانتظار وقدمر فی نمرة۹۰ قال العینی)والمصنف رحمه الله تعالٰی لم یقیدالرجاء وعدمه ببعد المسافة وقربهابل اطلق فوجب حمله علی وجه لایرد علیه الاشکال ولیس فی کلامه اشعاربماقید الشیخ حتی یرد علیه من الاشکال مالامخلص له[1] اھ۔

اقول: رحم الله الامام البدر*ورحمنا به فی کل ورد وصدر*قد انتفعنابماافاد من الفروع فیما قدمنا ان لانظر الا الی الحالة الراهنة وکفٰی به شبهة علی مسألة الوعد اما(ا)ما رام من حل الاشکال فهیهات بیان ذلك انه حیث تکررذکرالمسافة فی کلام الامام البخاری ذهب وهل العلامة الی

کسی کام سے غائب ہے۔گمان ہے کہ آخر وقت میں واپس آجائے گا اور پانی دے دے گا جنب کو یا بے وضو عورت کو حاضرین سے آڑ نہیں مل رہی ہے اور آخر وقت میں یہ لوگ چلے جائیں گے مال یا اولاد کی وجہ سے پانی لانے کیلئے جا نہیں سکتا اور امید ہے کہ آخر وقت میں کوئی نگہبان آجائے گا پانی مسجد کے اندر ہے اور جنب کو امید ہے کہ آخر وقت میں کوئی لانے والا مل جائے گا اُن سات کے ساتھ یہ مزید سات ۷ صورتیں ہیں سبھی کی تائید اس مسئلہ سے ہورہی ہے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صراحۃً منصوص ہے کہ "جس سے ڈول یا رسّی کا وعدہ ہُوا اس پر انتظار واجب نہیں۔یہ مسئلہ نمبر ۹۰ میں گزر چکا۔آگے علامہ عینی فرماتے ہیں:)"مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے امید وعدمِ امید کو مسافت کے قُرب وبعد سے مقید نہ کیا بلکہ مطلق رکھا تو اسے ایسی صورت پر محمول کرنا واجب ہے جس پر اشکال نہ وارد ہو۔شیخ عبدالعزیز نے جو قید لگائی اس کی مصنف کے کلام میں کوئی نشان دہی تو ہے نہیں کہ ان پر وہ اشکال وارد ہو جس سے کوئی راہ خلاص نہ ہو اھ"(ت)**اقول:** خدا امام بدر الدین عینی پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی ہر حاضری وواپسی میں رحمت فرمائے۔انہوں نے سابقًا جن جزئیات کا افادہ فرمایا اس سے ہمیں یہ فائدہ ملا کہ صرف حالت موجودہ پر نظر کی جائے گی۔مسئلہ وعد پر شبہہ کیلئے یہی کافی ہے۔اشکال کا حل جو ان کا مقصود تھا وہ تو بہت دُور ہے۔اس کا

[1] عینی شرح الہدایہ باب التیمم ملک سنز فیصل آباد ۱/۳۲۸

انه جعل موضوع الخلافية بين الظاهرة والنادرة ماذا كان الرجاء لاجل قرب المسافة ولذا وضع مكان اسم الاشارة فی كلامه عدم بعد المسافة واذ قد علم ان علی هذا التقدير *لامخلص من اشكال الامام النحرير*كماصرح به اٰخر التحرير*عطف العنان الی ابداء صوريكون فيهاالرجاء لالاجل قرب الماء وظن انها تخلص عن جاالاشكال ولاصحة لشيئ من ذٰلک

اما الاول اعنی جعل الامام الخلافية ماذكر۔

فاقول اوّلا: ذكر(۱)الامام البخاری له اربعة محامل ليس فی شيئ منها مايعطی ان المراد الرجاء لقرب الماء الا الثالث المفروض فيه القرب فدلّ ان البواقی ليست علی فرضه فكيف يكون الرجاء لاجل القرب هو المراد مطلقا۔

وثانيا: بل فی(۲)الرابع التنصيص علی خلافه حيث فرض الكلام فيمااذاجُهل القرب والبعد ثم جعله علی الرجاء بقوله اما لوغلب علی ظنه ذلك الخ والعجب(۳)انكم حولتم هذا الذی هو ابين مخالفة لذلك الحمل الٰی غلبة ظن القرب وسبحٰن

بیان یہ ہے کہ امام بخاری کے کلام میں مسافت کا ذکر بار بار آیا اس سے علامہ عینی کا خیال اس طرف چلا گیا کہ انہوں نے روایت ظاہرہ ونادرہ کے درمیان مسئلہ خلافیہ کا موضوع اس صورت کو قرار دیا ہے جب مسافت کے قُرب کی وجہ سے امید پیدا ہوئی ہو۔اسی لئے امام بخاری کے کلام میں جو اسم اشارہ تھا اس کی جگہ علامہ عینی نے "عدم بعد المسافۃ" (مسافت کا دُور نہ ہونا) رکھ دیا۔ پھر جب انہیں پتا چلا کہ اس تقدیر پر اس امام ماہر کے اشکال سے چھٹکارا نہیں جیسا کہ خود آخر تحریر میں اس کی تصریح کی ہے تو عنانِ کلام کچھ ایسی صورتیں پیش کرنے کی جانب موڑی جن میں امید، قُربِ آب کی وجہ سے نہ ہو اور یہ خیال فرمایا کہ یہ صورتیں اس اشکال سے خلاصی عطا کردیں گی حالانکہ ان دو خیالوں میں سے ایک بھی صحیح نہیں۔(ت) **پہلا خیال** امام موصوف کا امر مذکور کو اختلافی قرار دینا۔**فاقول:** (اس پر میں کہتا ہوں) **اولا** امام بخاری نے اس کے چار محمل بیان کئے ان میں سے کسی میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ قربِ آب کی وجہ سے امید مراد ہے مگر صرف تیسرا محمل جس میں قرب فرض کیا گیا ہے اس سے پتا چلا کہ باقی محملوں میں یہ مفروض نہیں تو کیوں کر صرف امید بوجہ قرب مطلقًا مراد ہوگی۔(ت)

ثانیا: بلکہ چوتھے محمل میں تو اس کے برخلاف تصریح موجود ہے اس طرح کہ اس میں کلام اس صورت میں فرض کیا گیا ہے جب قُرب وبُعد کچھ معلوم نہ ہو پھر اس کو امید پر اپنی اس عبارت سے منطبق کیا ہے "**امالوغلب علی ظنه ذلك** الخ" (لیکن اگر اس کو اِس کا غلبہ ظن ہو الخ) حیرت ہے

الله اذاغلب علٰی ظنه القرب کیف یقال لم یعلم ان المسافة قریبة اوبعیدة فان الظن الغالب علم۔

کہ یہ جو اس محمل کے مخالف ہونے پر سب سے زیادہ روشن وواضح ہے اُسے آپ نے قُرب کے غلبہ ظن کی جانب پھیر دیا۔سبحان اللہ! جب اسے قرب کا غلبہ ظن ہوگا تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ اسے علم نہیں کہ مسافت قریب ہے یا بعید۔ ظن غالب تو علم ہے۔(ت)

فان قیل بل العلم هنا بمعنی الیقین فَرَضَ نفیه واَثبت الظن لتکون خلافیة بین النادرة المعتبرة ایاه والظاهرة الملغیة له الشارطة للیقین القطعی فالحاصل انه اذالم یتیقن القرب والبعد لکن غلب علی ظنه القرب کان کیقین القرب علی النادرة وفرقت الظاهرة فجوزت التیمم فی ظن القرب ومنعته عند الیقین۔

اگر یہ کہا جائے کہ نہیں یہاں علم بمعنی یقین ہے۔یقین کی نفی فرض کی ہے اور ظن کا اثبات تاکہ یہ اختلافی مسئلہ ہوسکے روایت نادرہ کے درمیان جو ظن کا اعتبار کرتی ہے اور روایت ظاہرہ کے درمیان جو ظن کو بیکار قرار دیتی ہے اور یقین قطعی کی شرط لگاتی ہے تو حاصل یہ ہُوا کہ جب قُرب وبُعد کا یقین نہ ہو لیکن قُرب کا غالب گمان ہو تو یہ روایت نادرہ پر یقین قُرب ہی کی طرح ہوگا اور روایتِ ظاہرہ نے دونوں میں فرق رکھا ہے کہ قرب کے ظن کی صورت میں تیمّم کو جائز قرار دیا اور یقین کی صورت میں ممنوع رکھا۔(ت)

اقول: ففیم یقول بقی [عہ] وجه اٰخر فان هذا هوالمحمل الاول الذی جعل فیه الیقین وفاقیا والظن خلافیا۔

اقول: (میں کہوں گا) پھر کس کے بارے میں وہ فرمارہے ہیں"بقی وجه اٰخر" (ایک صورت رہ گئی۔یہی تو وہ پہلا محمل ہے جس میں یقین کو اتفاقی اور ظن کو اختلافی قرار دیا ہے۔(ت)

[عہ] **فان قلت** فکیف تفرق انت بین المحامل **اقول:** الاولان علی فرض بعد المسافة کمااشار الیه فی الاول والفرق بینهما بجعل الیقین وفاقیاوخلافیاوالثالث بفرض قربها والرابع بفرض انه لایعلم قرباً ولابعداً ۱۲منه غفرله (م)

اگر یہ سوال ہُوا کہ پھر ان محملوں میں کیسے فرض کیا جائے گا **اقول**: پہلے دونوں محمل بُعد مسافت کے مفروضہ پر ہیں جیسا کہ محمل اول میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔اوران دونوں میں یقین کو اتفاقی اور اختلافی رکھنے سے فرق ہوگا۔ تیسرا محمل قرب مسافت کے مفروضہ پر ہے اور چوتھا محمل یہ فرض کرکے ہے کہ وہ نہ قریب ہونا جانتا ہے نہ دُور ہونا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

وثالثا: (۱) بل قد نص فی الاول ایضا علی خلافه اذقال یقتضی ان یجب التاخیر عند التحقق فی اٰخر الوقت مع بعد المسافة فی الروایات الظاهرة الخ فافصح ان الکلام عند بعد المسافة فکیف یکون مبنی الرجاء قربها وان تنزلنا یکن الکلام مطلقا یشمل القرب والبعد والالم یکن لقوله مع بعد المسافة مساغ وعلی الکل یبطل ان المراد خصوص الرجاء لاجل القرب۔

ورابعا: بل (۲) الثانی ایضا شاهد علی بطلانه فانه قدّر فیه ان النادرة هی التی تمنع التیمم فی الظن والیقین والظاهرة تخالفها فیهما لوکان هذا لاجل قرب المسافة کان المعنی ان الروایة الظاهرة تجیز التیمم وان کان الماء قریبا بالیقین وهذا لایتفوه به عاقل فکیف یجوز لهذا الامام الجلیل الذی قد قلتم انه من المحققین الکبار ان یدخله فی المحامل۔

وخامسا: یا (۳) للعجب لم یقنع بجعله محملا بل رده بان ذلك یقتضی ان جواز التیمم یزول عند التیقن ولیس

ثالثًا: بلکہ محمل اول میں بھی اس کے برخلاف تصریح موجود ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "یہ اس کا مقتضی ہے کہ ظاہر روایات پر بُعدِ مسافت کے باوجود آخر وقت میں یقین کی صورت میں تاخیر واجب ہو"۔اس میں صاف بتادیا کہ بُعدِ مسافت کی صورت میں کلام ہے پھر قربِ مسافت امید کا مبنیٰ کیسے ہوگا؟ اگر ہم تنزّل اختیار کریں تو کلام مطلق ہو کر قُرب وبُعد دونوں کو شامل ہوگا ورنہ ان کے الفاظ "**مع بعد المسافة**" (بُعدِ مسافت کے باوجود) کی کوئی گنجائش نہ نکل سکے گی بہر صورت یہ باطل ہے کہ خاص وہی امید مراد ہے جو قربِ مسافت کے باعث ہو۔(ت) **رابعا:** بلکہ محمل دوم بھی اس کے بطلان پر شاہد ہے۔اس لئے کہ اس میں انہوں نے یہ فرض کیا ہے کہ روایتِ نادرہ ہی ظن ویقین دونوں میں مانع تیمّم ہے اور روایتِ ظاہر دونوں میں اس کے برخلاف ہے اگر یہ قُربِ مسافت کی وجہ سے ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ روایت ظاہرہ تیمّم کو جائز قرار دیتی ہے اگرچہ پانی یقینًا قریب ہو۔یہ تو کوئی ہوشمند نہیں بول سکتا پھر امام جلیل کیلئے یہ کیسے ممکن ہوگا جن کے بارے میں آپ فرماچکے کہ وہ کبارِ محققین میں سے ہیں یہ کیسے ممکن ہوگا کہ اسے محملوں میں داخل فرمائیں۔(ت) **خامسا:** یا للعجب! اسے محمل بتانے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ اس کی تردید اس طرح فرمائی کہ اس کا اقتضا یہ ہے کہ یقین کی صورت میں جوازِ تیمّم

كذلك فقد ادعى ان التيمم جائز مع تيقن القرب وهل ثم شيئ افسد منه۔	ختم ہوجائے حالانکہ ایسانہیں یہ کہہ کرانہوں نے یہ دعوی کردیاکہ یقین قُرب کے باوجود تیمّم جائز ہے۔کیاوہاں کوئی چیز فساد میں اس سے بالاتر بھی ہے؟
وسادسا: يحيله(۱)على مابين وانما بين الجواز عند البعد فكانت الاحالة* باطلة محالة*	**سادسا:** اس پر حوالہ یہ دے رہے ہیں کہ جیساکہ بیان ہُوااور بیان یہ کیاہے کہ دُوری کی صورت میں جواز ہے توحوالہ باطل ومحال ہوا۔
وسابعا: بل(۲)فى الثالث ايضااشعارالى خلافه فانه جعل موضوع المسألة مااذاكان الفصل اقل من ميل لااذاظنه اقل من ميل والموضوع ماخوذ مفروض مفروغ عنه فكيف يختلف فيه بظن ويقين ويجعل عدمه محتملا على احدالوجهين وقدقال لا(۳)فرق فى ظاهر الرواية بين الظن واليقين اذاكانت المسافة اقل من ميل فلوكان المعنى على ظن القرب اٰل الى انه لافرق بين الظن واليقين عند الظن وبالجملة جميع محامله وكل كلامه يرد هذا المعنى الذى ذهب اليه وهل العلامة۔	**سابعا:** بلکہ محمل سوم میں بھی اس کے خلاف کی نشان دہی موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے مسئلہ کا موضوع اس صورت کو بنایا،جب فاصلہ ایک میل سے کم ہواس صورت کو نہیں جب اس کا گمان ایک میل سے کم کا ہو اور موضوع پُوری گفتگو میں ماخوذ مفروض ہوتا ہے اس پر بحث سے فراغ رہتا ہے پھراس میں ظن ویقین کااختلاف کیسے کریں گے اور ایک صورت میں اس کے عدم کو محتمل کیسے بنائیں گے؟۔جب کہ یہ فرماچکے ہیں کہ مسافت ایک میل سے کم ہونے کی صورت میں ظاہر الروایہ میں ظن ویقین کے درمیان کوئی فرق نہیں تواگر ظن قرب کی بنیاد پر معنی لیا جائے تو مآل یہ ہوگاکہ ظن کی صورت میں ظن ویقین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔مختصر یہ کہ امام موصوف کے سبھی محمل اور ان کاپُورا کلام اس معنی کی تردید کررہا ہے جس کی طرف علامہ کا خیال گیا۔(ت)
واما الثانى اعنى زعم المخلص منه على ماابدى۔	**خیال دوم** پیش کردہ صورتوں کے ذریعہ اشکال سے چھٹکارا۔
فاقول: لا ولا(۴)نصف مخلص فان الحاصل على هذا ان النادرة توجب التيمم عند ظن وجدان الماء	**فاقول:**(اس پر میں کہتاہوں)نہیں آدھاچھٹکارا بھی نہیں ہوتا۔اس لیے کہ اس طورپر حاصل یہ ہواکہ روایت نادرہ قرب آب کے علاوہ

فی اٰخر الوقت لاحد من الاسباب المذکورۃ المغایرۃ لقرب الماء والظاہرۃ تقول لاعبرۃ بغلبۃ الظن بوجد انہ بھا انما العبرۃ للیقین بہ وھو مورد کلا الایرادین کما کان فانھم نصوا ان ظن القرب یمنع التیمم فقد اعتبروا الظن ثمہ فکیف الغوہ ھنا ونصوا(۱)ان عندبعدالماء میلا یجوزلہ التیمم من دون تفصیل مع القطع بانہ ربما یتیقن ببلوغہ الماء فی اٰخرالوقت فلم یعتبروا الیقین ثمہ فکیف اعتبروہ ھنا فثبت ان سعیہ رحمہ اللہ تعالٰی ھذالم یرجع الی طائل*وتعجبہ من اولئك الجلۃ الی نفسہ الکریمۃ اٰئل*

ثمّ اقول: لعلك قدتفطنت مما القینا علیك ان الایرادالاخیراعنی علی صورۃ الیقین بمسألۃ البعدمیلا انما یرد علی ماعلل بہ فی الھدایۃ ظاھر الروایۃ اما نفس المسألۃ فلاغبار علیھامن جھتہ فان المذھب عدم وجوب التاخیرظاناکان اومستیقنا کماتقدم التصریح بہ عن الخلاصۃ بنقل الائمۃ

مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک کی وجہ سے آخر وقت میں پانی ملنے کا گمان ہونے کی صورت میں تیمّم واجب کرتی ہے اور روایت ظاہرہ یہ بتاتی ہے کہ ان اسباب کی وجہ سے پانی ملنے کے غلبہ ظن کا کوئی اعتبار نہیں۔اعتبار تو صرف اس یقین کا ہے کہ پانی مل جائے گا اس حاصل پر دونوں اعتراض جیسے پہلے وارد ہو رہے تھے اب بھی وارد ہیں (۱) اس لئے کہ ان حضرات نے نص فرمایا ہے کہ قربِ آب کا ظن مانع تیمّم ہے تو انہوں نے وہاں ظن کا اعتبار کیا پھر یہاں اسے کیسے بیکار قرار دیا؟اور ان حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ پانی ایک میل دُور ہو تو تیمّم جائز ہے۔اس میں کوئی تفریق وتفصیل نہ فرمائی۔باوجودیکہ یہ قطعی امر ہے کہ بعض اوقات اسے یقین ہوگا کہ وہ آخر وقت میں پانی تک پہنچ جائے گا۔تو وہاں ان حضرات نے یقین کا اعتبار نہ کیا پھر یہاں کیسے اعتبار کرلیا۔تو ثابت ہوا کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کی یہ کاوش کچھ سُودمند نہ ہوسکی اور ان بزرگوں پر انہوں نے جس تعجب کا اظہار فرمایا وہ خود ان کی ذاتِ گرامی پر عائد ہوتا ہے۔(ت)

ثمّ اقول: ہمارے بیان سے ناظرین نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ دوسرا اعتراض یعنی ایک میل دُوری والے مسئلہ سے صورت یقین پر اعتراض صرف اس تعلیل پر وارد ہوتا ہے جو صاحبِ ہدایہ نے ظاہر الروایہ سے متعلق پیش کی۔لیکن نفسِ مسئلہ پر جانب اعتراض سے کوئی غبار نہیں آتا اس لئے کہ مذہب یہی ہے کہ تاخیر نماز واجب نہیں خواہ اسے ظن ہو یا یقین جیسا کہ اس کی تشریح خلاصہ سے

البخاری والکاکی والبابرتی والسیواسی وتقریرهم ایاه نعم الایراد الاول علی صورة الظن بمسألة ظن القرب یرد علی التعلیل والمسألة معا للاحتیاج الی الفرق بینهما حیث لم یعتبروا ههنا الظن بل ولا الیقین وقد منعوا ثمه لمحض غلبة الظن ولاجل هذا قلت انهم استشکلوا المسألة والتعلیل معاوان کانوا انما وجهوا الکلام الی التعلیل هذا۔

گزر چکی خلاصہ کا کلام امام بخاری، امام کاکی، امام بابرتی اور امام سیواسی نے نقل کیااور اسے برقرار رکھا ہاں پہلا اعتراض جو صورتِ ظن پر ظنِ قرب کے مسئلہ سے وارد ہوتا ہے وہ تعلیل اور مسئلہ دونوں ہی پر وارد ہوتا ہے اس لئے کہ دونوں میں فرق کرنے کی ضرورت ہے کہ یہاں پر کیوں ظن بلکہ یقین کا بھی اعتبار نہ کیااور وہاں محض غلبہ ظن کی وجہ سے منع کردیا۔اس لئے میں نے کہاکہ حضرات علماء نے مسئلہ اور تعلیل دونوں ہی میں اشکال قرار دیا اگرچہ کلام کارُخ صرف اس تعلیل کی جانب کیا۔(ت)

ورأیت الامام ملك العلماء قرر المسألة فی البدائع بحیث لایتوجه الیه هذاالاشکال ورفع الخلاف عن الظاهرة والنادرة فقال قدقال اصحابنا ان المسافران کان علی طمع من الماء فی اٰخر الوقت یؤخر التیمم الی اٰخر الوقت وان لم یکن لایؤخر هکذا روی المعلی عن ابی حنیفة وابی یوسف رضی اللّٰه تعالٰی عنهماوذکر فی الاصل احب الی ان یؤخر الی اٰخر الوقت ولم یفصل بین ما اذاکان یرجو الماء اولا یرجو وهذا لایوجب اختلاف الروایة بل یجعل روایة المعلی تفسیرالما اطلقه فی الاصل ولو تیمم اول الوقت وصلی ان کان عالما ان الماء قریب بان کان بینه وبین الماء اقل من میل لم تجز صلاته بلاخلاف لانه واجد للماء وان کان میلا فصاعدا اجازت

میں نے دیکھا کہ امام ملک العلماء نے بدائع میں مسئلہ کی تقریر اس طرح فرمائی ہے کہ اس پر یہ اشکال پیش نہیں آتا۔اور انہوں نے روایتِ ظاہرہ ونادرہ کا اختلاف بھی دور کردیاہے، رقمطراز ہیں: "ہمارے اصحاب نے فرمایاکہ مسافر کو اگرآخر وقت میں پانی کی امید ہو تو تیمّم آخر وقت تک مؤخر کرے۔اور اگرایسی امید نہ ہو تومؤخر نہ کرے۔ایسے ہی معلّٰی نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔اور اصل (مبسوط) میں ذکر فرمایا ہے کہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ یہ ہے کہ آخر وقت تک مؤخر کرے۔اور پانی کی امید ہونے اور نہ ہونے کا فرق نہ بیان کیا۔اس سے اختلافِ روایت لازم نہیں آتابلکہ معلّٰی کی روایت مبسوط کے اطلاق کی تفسیر قرار پاتی ہے۔اور اگراوّل وقت میں تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو اگراسے علم تھاکہ پانی قریب ہے اس طرح کہ اس کے اور

وان(۱) لم یکن عالما بقرب الماء اوبعدہ تجوز صلاتہ سواء کان یرجوا الماء فی اٰخر الوقت اولا سواء کان بعد الطلب اوقبلہ عندنا خلافا للشافعی لمامر ان العدم ثابت ظاھرا واحتمال الوجود احتمال لادلیل علیہ فلایعارض الظاھر[1] اھ

پانی کے درمیان ایک میل سے کم فاصلہ ہے تواس کی نماز جائز نہیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں اس لئے کہ پانی اس کیلئے دستیاب ہے۔اور اگر ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو تواس کی نماز ہوگئی۔اور اگر اسے پانی کے قُرب وبُعد کا علم نہیں تواس کی نماز جائز ہے خواہ آخر وقت میں پانی کی امید ہو یا نہ ہو خواہ پانی تلاش کرنے کے بعد ہو یا پہلے ہو۔یہ حکم امام شافعی کے برخلاف ہمارے نزدیک ہے اس کی وجہ گزر چکی کہ عدم ظاہرًا ثابت ہے اور پانی ملنے کا احتمال ایسا احتمال ہے جس پر کوئی دلیل نہیں تو وہ ظاہر کے معارض نہ ہوگا"۔(ت)

اقول: لکن(۱) للعبد الفقیر* توقف فی التعلیل الاخیر* فان من(۲) علم فی اول وقت الظھر اوالعشاء مثلا ان الماء من ھنا علی مسافۃ اقل من میلین اوثلثۃ امیال وعلم انہ یصل الیہ فی سعۃ الوقت ولم یعلم انہ علی فصل میل او اقل فصادق علیہ انہ لایعلم قرب الماء ولابعدہ وھو یرجو الماء لاعن احتمال بلادلیل بل عن دلیل فیعارض الظاھر ویمنع التیمم ولیس کذلك انما یمنع التیمم ظن ان الماء قریب* وھو منہ فی شك مریب ھذا۔

اقول: لیکن بندہ محتاج کو تعلیل اخیر میں کچھ توقف ہے اس لئے کہ مثلاً جسے وقتِ ظہر یا وقتِ عشاکے شروع میں علم ہوا کہ پانی یہاں سے دو میل یا تین میل سے کم مسافت پر ہے اور اسے یہ بھی علم ہے کہ وقت میں وسعت رہتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائے گا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ ایک میل کا فاصلہ ہے یا کم تو اس پر یہ صادق ہے کہ پانی کے قُرب وبُعد کا اسے علم نہیں۔اور اس کو پانی کی امید بلادلیل احتمال کے باعث نہیں بلکہ دلیل کے باعث ہے تو یہ احتمال ظاہر کے معارض اور تیمّم سے مانع ہوجائے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔ تیمّم سے مانع صرف اس بات کا گمان ہے کہ پانی قریب ہے اور اسی میں تو اسے پریشان کن شک درپیش ہے۔یہ ذہن نشین رہے۔(ت)

ولنعم حل الاشکال عن مسئلۃ الرجاء ماقررہ الامام الجلیل ابو البرکات

مسئلہ امید کے اشکال کا **بہترین حل** وہ ہے جس کی تقریر امام الجلیل ابوالبرکات

---

[1] بدائع الصنائع فصل واما بیان وقت التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴

رحمہ اللہ تعالٰی فی الکافی حیث عدل عن تعلیل الھدایۃ*وعلل بتعلیل حسن الی الغایۃاذقال مسافر غلب علی ظنہ ان بقربہ ماء وجب الطلب ولایجب بغیرغلبۃ الظن اواخبار لان العدم ثابت حقیقۃ وظاھرًا لفوات الدلیل الدال علی الوجود من حیث الظاھر اذالظاھر فی المفاوزعدم الماء بخلاف العمرانات فانہ لوتیمم قبل الطلب فیھا لم یجز لان العدم وان کان ثابتاحقیقۃ لم یثبت ظاھرًا لقیام الدلیل علیہ وھو العمارۃ اذقیامھا بالماء وکذا لوغلب علٰی ظنہ اواخبرہ مخبرلان غالب الرأی کالمتحقق فی حق وجوب العمل[1] ولھذاوجب العمل باخبارالاٰحاد والاقیسۃوالاٰی المؤولۃ والمخصوصۃ والبینات فان قیل لوکان غالب الرأی کالمتحقق ھنا لوجب التاخیر فیما اذا غلب علی ظنہ انہ یجد الماء فی اٰخر الوقت قلنا عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما ان التاخیر ختم ولان غلبۃ ظنہ ثم انہ سےصیر بقرب الماء وھذا غلبۃ ظنہ انہ بقرب الماء اھ کلامہ الشریف[2]. وھذا بحمداللہ تعالٰی عین ماظھر

نسفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کافی میں فرمائی۔انہوں نے ہدایہ کی تعلیل سے ہٹ کر خود ایک انتہائی عمدہ تعلیل پیش کی، فرماتے ہیں: ایک مسافر ہے جس کا غالب گمان یہ ہے کہ اس کے قریب پانی ہے تو تلاش کرنا واجب ہے۔غلبہ ظن یا کسی کے بتائے بغیر تلاش واجب نہیں اس لئے کہ پانی نہ ہونا حقیقۃً اور ظاہرًا ثابت ہے کیونکہ بظاہر ایسی کوئی دلیل نہیں جو پانی ہونے کا پتا دے اس لئے کہ بیابانوں میں ظاہر پانی کا نہ ہونا ہی ہے۔آبادیوں کا حال اس کے برخلاف ہے۔اگر آبادیوں کے اندر پانی تلاش کرنے سے پہلے تیمّم کرلے تو جائز نہیں۔اس لئے کہ نہ ہونا اگرچہ حقیقۃً ثابت ہے مگر ظاہرًا ثابت نہیں کیونکہ پانی ہونے کی دلیل آبادی-- موجود ہے وجہ یہ ہے کہ آبادیوں کا قیام پانی سے ہوتا ہے__اسی طرح اگر پانی کا غلبہ ظن ہو یا کوئی مخبر خبر دے (تو بھی پانی تلاش کرنے سے پہلے تیمّم جائز نہیں) کیونکہ غالب رائے وجوبِ عمل کے حق میں یقینی و متحقق کی حیثیت رکھتی ہے۔اسی لئے اخبار آحاد، قیاسات، تاویل و تخصیص یافتہ آیات اور بنیات و گواہان سے وجوبِ عمل ثابت ہوجاتا ہے۔اگر یہ سوال ہو کہ اگر غالب رائے کو یہاں متحقق کی حیثیت حاصل ہوئی تو اس صورت میں نماز کو مؤخر کرنا واجب ہوتا جب اسے اس بات کا غالب

[1] کافی

[2] الکفایہ علی الہدایہ مع الفتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۵

للعبد الضعیف فیماذکرت ونحوہ فی الکفایۃ فقدظھران مسألۃ الرجاء لیس المراد فیھامن رجا لاجل القرب فانہ لایجوز لہ التیمم اجماعا بل من رجا الوصول فی اٰخر الوقت مع بعدہ الاٰن فھذا لیس بظن القرب بل ظن انہ سیقرب فلایعتبر(ا) ولایعکر علیہ بمسألۃ ظن القرب وقدصرح بکونھاموضوعۃ فی بعد المسافۃ فی غیر ماکتاب معتمد ففی الدرایۃ ثم الشلبیۃ ھذاالاستحباب اذاکان بینہ وبین موضع یرجوہ میل اواکثر فان کان اقل لایجزیہ التیمم وان خاف فوت وقت الصلاۃ [1] اھ ومثلہ فی البحرونحوہ فی الدروفی البنایۃھذا اذاکان الماء بعیدااوان کان قریبا لایتیمم وان خاف خروج الوقت قال الفقیہ ابوجعفراجمع اصحابنا الثلثۃ علی ھذا [2] اھ ثم قال اعنی العینی وقیل اذاکان بینہ وبین موضع یرجوہ [3] الی اٰخر ماقدمناعن الدرایۃ۔

گمان ہوتا کہ آخر وقت میں اسے پانی مل جائے گا۔ تو ہم جوابًا کہیں گے کہ یہ امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت ہے کہ نماز مؤخر کرنا واجب ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ وہاں اس کا غلبہ ظن یہ ہے کہ وہ کچھ دیر بعد پانی کے قریب ہوجائے گا اور یہاں اس کا غلبہ ظن یہ ہے کہ وہ بروقت پانی کے قریب ہے اھ امام نسفی کا مبارک کلام ختم ہوا۔

یہ بحمداللہ تعالٰی بعینہٖ وہی بات ہے جو بندہ ضعیف کے ذہن میں آئی جیسا کہ سابقًا ذکر کیا اسی کے ہم معنٰی کفایہ میں بھی ہے تو یہ واضح ہوگیا کہ مسئلہ امید میں یہ مراد نہیں کہ جسے قُربِ آب کی وجہ سے امید ہو کیونکہ اس کے لئے بالاجماع تیمّم جائز نہیں بلکہ جسے امید ہے کہ آخر وقت میں پانی کے پاس پہنچ جائے گا باوجودیکہ اس وقت پانی سے دُور ہے تو اسے قربِ آب کا گمان ہی نہیں بلکہ یہ گمان ہے کہ وہ آئندہ پانی کے قریب ہوجائے گا تو یہ گمان معتبر نہیں اور اس پر ظنِ قرب کے مسئلہ سے کوئی گرد نہیں ڈالی جاسکتی۔ متعدد معتمد کتابوں میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ مسئلہ اُمید بُعدِ مسافت کی صورت میں رکھا گیا ہے۔ درایہ پھر شلبیہ میں ہے: "یہ استحباب اُس وقت ہے جب اس کے درمیان اور اس جگہ کے درمیان جہاں پانی کی امید ہے ایک میل یا زیادہ کا فاصلہ ہو اگر اس سے کم ہو تو اس کیلئے تیمّم جائز نہیں اگرچہ وقتِ نماز نکل جانے کا خطرہ ہو"۔ اسی کے مثل بحر میں اور اس کے

[1] الشلبی علی الکنز مع تبیین الحقائق باب التیمم مطبعۃ امیریہ مصر ۱/۴۱
[2] البنایہ شرح ہدایہ باب التیمم ملک سنز فیصل آباد ۱/۳۲۵
[3] البنایہ شرح ہدایہ باب التیمم مطبعۃ الامداد یۃ مکۃ المکرمہ ۱/۳۲۵

اقول: (۱)ولاادری ماالفرق بینه وبین ماقال هذا اذاکان الماء بعیداالخ حتی جزم بذلك ومرّض هذا وجعله قولاً اٰخر مع انه لاتفاوت الا فی اللفظ۔

اقول:(۱) وقد تقدم نص الخلاصۃوتقریر الائمۃالجلۃ ان الظن والیقین فی ذلك سواء لا یجب علیه التأخیر وان تیقن بوجدان الماء فی اٰخر الوقت وتلك النادرۃ حیث اوجبت فی الظن فالیقین اولٰی فقدظهر ان الواقع من المحامل الاربعۃ هو الثانی وان کان ابعد بالنظر الٰی ظاهر العبارۃاما قول النادرۃ غالب الرأی کالمتحقق قلنانعم ولوکان متحققالم یؤثر لانه انما تیقن انه سیقرب لاانه قریب وبهذا یعوزُ الاشکالُ علی تعلیل الهدایۃ لظاهر الروایۃ۔

اقول: وایضایمکن حمله علی المحمل الرابع فان من جهل

ہم معنیٰ دُرمختار میں ہے اور بنایہ میں اس طرح ہے: "یہ اُس وقت ہے جب پانی دُور ہو۔ اگر قریب ہو تو تیمّم نہ کرے اگرچہ اسے وقت نکل جانے کا اندیشہ ہو، فقیہ ابُو جعفر نے فرمایا: اس پر ہمارے تینوں اصحاب وائمہ کا اجماع ہے"اھ۔آگے علامہ عینی صاحبِ بنایہ لکھتے ہیں: "اور کہا گیا جب اس کے اور اس جگہ کے درمیان جہاں اُسے پانی کی امید ہے اس کے آخر تک جو ہم نے درایہ کے حوالہ سے پیش کیا۔(ت)

اقول: پتا نہیں ان کے کلام "یہ اُس وقت ہے جب پانی دُور ہو الخ اور اس کلام میں فرق کیا ہے کہ انہوں نے اُس پر تو جزم کیا اور قیل (کہا گیا) سے اس کی تمریض وتضعیف کی اور اسے ایک الگ قول بنادیا جب کہ دونوں میں سوائے الفاظ کے کوئی تفاوت نہیں۔(ت)

اقول: خلاصہ کی عبارت اور بزرگ ائمہ کی تقریر پہلے گزر چکی کہ ظن ویقین اس بارے میں یکساں ہیں۔اس پر نماز مؤخر کرنا واجب نہیں اگرچہ آخر وقت میں پانی ملنے کا یقین ہو اور اس روایت نادرہ نے جب ظن کی صورت میں واجب کیا تو یقین تو اس سے بڑھا ہُوا ہے۔اس سے واضح ہوا کہ امام بخاری کے پیش کردہ چاروں محملوں میں سے واقع محمل دوم ہے اگرچہ ظاہر عبارت کے لحاظ سے بعید تر معلوم ہوتا ہے اب رہا روایت نادرہ سے متعلق یہ قول کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے۔ہم کہتے ہیں ہاں اور اگر یہ یقینی و متحقق ہو جب بھی مؤثر نہیں اس لئے کہ اسے صرف اسی بات کا یقین ہُوا کہ آئندہ وہ قریب ہوگا،اس کا نہیں کہ وہ قریب ہے۔اسی سے ظاہر الروایہ سے متعلق ہدایہ کی تعلیل پر پیش آنے والا اشکال ختم ہو جاتا ہے۔(ت)**اقول:** اسے محمل چہارم پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔اس لئے کہ جو مسافت سے

المسافةجازله التیمم فی المفاوز وان کان یرجو الوصول الیه فی اٰخر الوقت کماقدمناه اٰنفا عن البدائع وذلك لان المانع عن التیمم هو قرب الماء یقینا اوظنا غالبا وقد انتفیا والجواب عن دلیل النادرة والاشکالُ علی تعلیل الهدایة کماکان لان ههنا ایضا یباح له التیمم وان تیقن الوصول الیه فی اٰخرالوقت کما اسلفنا تقریرہ تحت عبارة البدائع المذکورة الیٰ ههنا ظهر انحلال الاشکال عن الحکم واستبان الفرق بین مسألتی الرجاء وظن القرب۔

اما تعلیل الهدایة **فاقول**: التأویل*خیر من التعطیل*یمکن ان یؤول بان المراد بالیقین هو الیقین الفقهی الشامل لغلبة الظن فلیس المقصود التفرقة ههنا بین الظن والیقن لماعلمت انهما سواء ههنا علی کلتا الروایتین وانما المعنی انکار ان یکون له اثرههنا وذلك ان العجز ثابت حقیقةشرعا لانعدام الماء حقیقة وظاهرًا لعدم الدلیل علی قربه ان جهل المسافة وقیام الدلیل علی عدمه ان علم اوظن البعد فلایزول حکمه الثابت شرعا وهو جواز التیمم الابیقین

ناواقف ہو اس کیلئے بیابانوں میں تیمّم جائز ہے اگرچہ امید رکھتا ہو کہ آخر وقت میں پانی تک پہنچ جائے گا، اسے بدائع کے حوالہ سے ہم ابھی پیش کرآئے اس کی وجہ یہ ہے کہ تیمّم سے مانع پانی کا قریب ہونا ہے بطور یقین یا بطور ظن غالب اور یہ دونوں ہی امر یہاں مفقود ہیں۔اور روایت نادرہ کی دلیل کا جواب اور ہدایہ کی تعلیل پر اشکال جیسے پہلے تھااب بھی رہے گا۔اس لئے کہ یہاں بھی تیمّم اس کیلئے مباح ہے اگرچہ آخر وقت میں پانی تک پہنچے گااسے یقین ہے جیساکہ اس کی تقریر ہم بدائع کی مذکورہ عبارت کے تحت کرآئے یہاں تک دو باتیں طے ہوگئیں ایک تو حکم پر جو اشکال تھااس کا حل واضح ہوگیا دوسرے مسئلہ امید اور مسئلہ ظنِ قرب کے درمیان فرق روشن ہوگیا۔(ت)

اب رہا تعلیل ہدایہ کا معاملہ **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) کسی کلام کی تاویل کرنا اسے لغو وبیکار کرنے سے بہتر ہے اس کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ یقین سے مراد یقین فقہی ہے جو غلبہ ظن کو بھی شامل ہوتا ہے کہ یہاں ظن ویقین کے درمیان فرق کرنا مقصود نہیں اس لئے کہ معلوم ہوچکا کہ یہاں دونوں ہی روایتوں پر ظن ویقین یکساں ہیں مقصود صرف اس بات کا انکار ہے کہ یہاں وہ یقین کچھ اثر انداز ہے وہ اس لئے کہ عجز حقیقۃً ثابت ہے، شرعًا اس لئے کہ پانی حقیقت میں معدوم اور ظاہرًا اس لئے کہ مسافت سے ناآشنائی کی صورت میں پانی کے قریب ہونے پر کوئی دلیل نہیں،

فقھی مثلہ بان یحصل لہ ظن القرب واذلیس فلیس فانہ لاعبرۃ بظن انہ سیقرب ولاباستیقانہ وانماھذاھوالحاصل فی رجاء الوصول اوتیقنہ دون ظن القرب المانع عن التیمم المعارض للعجزالظاھرفھذا تقریرہ ولیس فی العبارۃ ماینکرہ فوجب الحمل علیہ فقد انحل الاشکال وللہ الحمد عن مسألۃ الرجاء حکماوتعلیلا*

اقول: وتم علی مسألۃ الوعد تفریعا وتاصیلا* فمعلوم قطعا بداھۃ ان الوعد لایحصّل وانما یرجّی وقد تقرر فی المذھب ان راجی الماء یجوز لہ التیمم ولایجب علیہ التأخیر وان زعم الاٰن زاعم ان الوعد محصّل للشیئ فی الحال فقد صادم بداھۃ غیر مکذوبۃ وای وعد مثل وعد اللہ ورسولہ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتلك الجنۃ قدوعدھا المتقون افتراھم دخلوھا الاٰن وتنعما بنعیمھا فی الدنیا وحصلوا الحور

اور دُوری کا یقین یا ظن غالب ہونے کی صورت میں اس کے عدم پر دلیل موجود ہے۔ تو اس کا حکم جواز تیمّم جو شرعًا ثابت تھا زائل نہ ہوگا مگر ایسے یقین فقہی سے جو اسی کے مثل ہو اس طرح کہ اسے قرب کا ظن ہو جائے اور جب یہ نہیں تو وہ بھی نہیں (قرب کا ظن نہیں تو حکم عجز کا زوال یعنی عدم جوازِ تیمّم بھی نہیں ۱۲م۔الف) اس لئے کہ اس کا یہ گمان کا کہ وہ آئندہ قریب ہو جائے گا، کوئی اعتبار نہیں، نہ ہی اس کے یقین ہی کا کوئی اعتبار ہے اور پانی تک پہنچنے کی اُمید میں یہی گمان یا یقین پایا جاتا ہے۔ ہر وقت پانی قریب ہونے کا گمان جو تیمّم سے مانع اور عجز ظاہر کا معارض ہے یہ نہیں پایا جاتا یہ اس تعلیل سے متعلق تاویل کی تقریر ہوئی اور عبارت میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو اس تاویل کی تردید کرتا ہو تو کلام کو اسی پر محمول کرنا لازم ہے۔ خدا ہی کیلئے ساری خُوبیاں ہیں اس سے مسئلہ امید کے حکم اور تعلیل دونوں ہی سے متعلق اشکال حل ہوگیا۔(ت)

اقول: اور تفریع وتاصیل کے لحاظ سے مسئلہ وعدہ یہاں پر تمام ہُوا اس لئے کہ قطعًا بداہۃً معلوم ہے کہ وعدہ پانی حاصل نہیں کرادیتا۔ پانی حاصل ہونے کی صرف اُمید پیدا کرتا ہے۔ اور مذہب میں یہ طے شدہ ہے کہ پانی کی امید رکھنے والے کیلئے تیمّم کرلینا جائز ہے اور اس پر نماز مؤخر کرنا واجب نہیں اب اگر کوئی یہ خیال کرے کہ وعدہ فی الحال شیئ کو حاصل کرادیتا ہے تو وہ ناقابل تکذیب بداہت سے تصادم میں مبتلا ہے خدائے بزرگ وبرتر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے جیسا کون سا وعدہ ہوسکتا ہے اور متقیوں سے اس

والقصور* والالبان والخمور* والحریر* والسریر* هذه سفسطة ظاهرة فاذا کان هذا فی مواعید العباد* وبالجملة لم یصل فهمی القاصر الی کنه هذه المسألة ولم ارمن تکلم فیها لکشف خافیها غیر انه لیس لنامع نص فی المذهب مجال مقال فالمسألة مسلمة قطعا لکونها منصوصا علیها فی الاصل کماعزاه له فی الخلاصة لکن لادلالة لها ولالشیئ مماعلمتُ من من فروع المذهب وتعلیلا تها علی کون الوعد یثبت قدرة مستندة بل الذی لاح من الدلیل یقضی باقتصارها کما علمت فانا استخیر الله تعالٰی فیه وحاش لله لااقطع القول به ولااجعله حکما وانما اقول کماقلت هذا ماظهر* فلیراجع ولیحرر* والله سبحٰنه ومولٰنا واٰله وصحبه وسلم اٰمین۔	جنت کا وعدہ ہوا ہے تو کیا وہ ابھی جنّت میں داخل ہوگئے اور اس کی آسائشوں کی لذت دنیاہی میں پاگئے اور حُور وقصور، شیر وشراب، ریشم وتخت سب ابھی حاصل کرلئے یہ کھلا ہوا سفسطہ ہے توجب یہ اس کے وعدہ کا معاملہ ہے جس سے وعدہ خلافی محال ہے تو بندوں کے وعدوں کا کیا حال ہوگا۔ الختصر میرا فہم قاصر اس مسئلہ کی تہ تک نہ پہنچ سکا نہ ہی کوئی ایسا نظر آتا جس نے اس مسئلہ کا راز سربستہ کھولنے کیلئے اس میں کلام کیا ہو مگر یہ نصّ مذہب ہوتے ہوئے ہمیں مجال کلام نہیں۔ مسئلہ تو قطعًا مسلّم ہے کیوں کہ اصل میں اس پر نص موجود ہے جیسا کہ خلاصہ نے اس کا حوالہ دیا لیکن یہ مسئلہ اور مذہب کے جتنے بھی مسائل وجزئیات اور ان کی تعلیلات میرے علم میں آئیں کسی کی کوئی دلالت اس پر نہیں کہ وعدہ سے قدرت مستندہ ثابت ہوتی ہے کہ بلکہ دلیل سے جو کچھ ظاہر ہُوا وہ اسی کا مقتضی ہے کہ اس سے قدرت مقتصرہ ثابت ہوگی جیسا کہ (تنبیہ سوم کے شروع میں) معلوم ہوا۔ تو میں خداتعالی سے اس بارے میں استخارہ کرتا ہوں اور خدا ہی کیلئے پاکی ہے، میں اس بارے میں قطعی قول نہیں کرتا، نہ ہی اسے کوئی حکم قرار دیتا۔ میں اب بھی وہی کہتا ہوں جو پہلے کہہ چکا کہ یہ وہ ہے کہ جو میرے ذہن میں آیا تو اس کی مراجعت اور تنقیح و تحقیق کی ضرورت ہے اور خدائے پاک وبرتر ہی خُوب جاننے والا ہے۔ اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی اور ان کی آل واصحاب پر الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

تنبیہ چہارم: اقول: ظاہرًا وعدہ کی مثبت قدرت مانا گیا ہے اُس میں شرط ہے کہ یا تو مطلق ہو مثلًا دُوں گا یا وقت حاضر سے مقید مثلًا ابھی دیتاہُوں نہ وہ کہ وقت آئندہ سے مقید ہو مثلًا کل دُوں گا یا

شام کو لینا یا گھنٹہ بھر بعد ملے گا اور وقت میں نصف ہی گھنٹہ ہے ایسا وعدہ اصلاً مثبت قدرت نہ ہوگا قبل نماز ہو یا بعد کہ وہ حقیقۃً دو[۲] چیزوں سے مرکب ہے وقت حاضر میں منع اور وقت آئندہ کیلئے امید دلانا تو وقت حاضر کیلئے منع ہی ہُوا نہ وعدہ ورنہ لازم ہو کہ اگر وہ کہے دس برس بعد دُوں گا تو دس برس تک اسے نماز سے معطل رہنے کا حکم ہو **کما تقدم تقریرہ فی التنبیہ الثانی وھذا ظاھر جدا** (جیسا کہ تنبیہ دوم میں اس کی تقریر پیش ہُوئی اور یہ بہت واضح ہے۔ت)

بالجملہ ایسا وعدہ بنظر وقت حاضر منع ہے تو اگر پہلے ظن عطا تھا اُس کی خطا ثابت ہوگی اور ظن منع تھا تو اس کی تصدیق ہوگی اور شک تھا تو علمِ منع سے بدل جائے گا **واللہ تعالٰی اعلم** اس وعدے کا نام وعدِ ابائی رکھئے اور مطلق یا مقید بوقت حاضر کا نام وعدِ رجائی۔

تنبیہ پنجم: اقول:[۱] وعدہ رجائی اگر قبل نماز ہو ضرور مطلقاً مؤثر ہے اگر تیمّم سے پہلے ہے تیمّم کا مانع ہوگا اور بعد ہے تو اس کا ناقض اور عین نماز میں ہے تو اس کا مبطل اگرچہ وفا ہو یا نہ ہو یعنی وقت گزر جائے اور پانی نہ دے کہ ہمارے ائمہ نے انتظار واجب فرمایا اگرچہ وقت نکل جائے لیکن[۲] اگر یہ وعدہ بعد نماز ہو خواہ یوں کہ اس نے مانگا ہی بعد یا اصلاً نہ مانگا اور اس نے بطورِ خود وعدہ کرلیا یہاں دو[۲] صورتیں ہیں اگر وقت کے اندر دے دیا ضرور اعادہ نماز کرے گا۔

فان العطاء فی الوقت مبطل مطلقا ولو بلا وعد ومازادہ الوعد الا تأییدا۔ **فان قلت** کیف ولا یخلوا لوعد عن منع فی الحال لان حاصلہ لا اعطیك الاٰن بل بعد حین فان من یجیب من فورہ فیم یعد فھذا عطاء بعد اباء فلا یعتبر۔ **اقول:** الوعد لوقت الحاجۃ لایعد منعا عرفا ولا شرعا فمن حلف(۳) لایمنع زیدا کذا فسأله زید	اس لئے کہ وقت میں دے دینا مطلقاً باطل کر دیتا ہے اگرچہ بلا وعدہ ہو۔ وعدہ بھی ہوا تو اس کی اور زیادہ تائید ہی ہُوئی۔(ت) **اگر یہ سوال ہو** کہ یہ کیسے جب کہ وعدہ حال میں منع سے خالی نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ تم کو ابھی نہ دُوں گا کچھ بعد میں دُوں گا، کیونکہ جو فوراً کام کردے وہ وعدہ کس بات کا کرے گا۔ تو یہ انکار کے بعد دینا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ ہوگا۔(ت) **اقول:** (جواباً میں کہوں گا) ضرورت کے وقت دینے کا وعدہ عرفاً منع نہیں شمار ہوگا، نہ ہی شرعاً۔ اگر کسی نے قسم کھائی زید سے فلاں چیز

فوعدہ لوقت حاجتہ لایحنث قطعا وبہ تبین ان الوعد غیرالعطاء ایضا فلو(۱)حلف لایعطی لایحنث بمجرد الوعد ایضافھوامربین بین فکما لاتثبت ایضا احکام العطأ بل الرجاء کماذکرنا ولکن العبرۃ بالمنقول وان لم یظھر للعقول۔	کا انکار نہ کروں گا۔اب زید نے اس سے وہ چیز طلب کی۔اس نے وعدہ کیا کہ جب ضرورت ہوگی دے دوں گا تو ہرگز اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وعدہ اور ہے دینا اور۔اگر قسم کھائی کہ فلاں چیز اسے نہ دے گا تو صرف وعدہ کرنے سے اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔وعدہ ایک درمیانی امر ہے تو جیسے اس کیلئے منع کے احکام ثابت نہ ہوں گے ایسے ہی عطا کے احکام بھی نہ ثابت ہوں گے بلکہ رجا کے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔لیکن اعتبار منقول کا ہے اگرچہ عقلوں پر واضح نہ ہو۔(ت)

اور اگر وقت میں نہ دیا تو دو صورتیں ہیں یا تو اس کا خُلف ظاہر ہوگا کہ وقت گزر گیا اور قصداً نہ دیا تو یہ وعدہ موثر نہ ہوگا۔

لانہ لم یعط وماأعطاہ الوعد من ظن الاعطاء زال بالخلاف ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ فان کان قبلہ یظن عطاء فقد خاب اومنعا فقدصدق اویشك فتبدل بعلم المنع۔	اس لئے کہ اس نے دیا نہیں اور وعدہ نے جو ظنِ عطا بخشا تھا وہ وعدہ خلافی سے ختم ہوگیا اور ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کی غلطی واضح ہو۔اگر پہلے اسے عطا کا گمان تھا تو وہ ناکام ہوا، یا منع کا گمان تھا تو سچ ہوا، یا شک تھا تو وہ منع کے یقین سے بدل گیا۔(ت)

اور اگر اُس کا خُلف ظاہر نہ ہوا، مثلاً وعدہ یوں تھا کہ دو گھڑی بعد آکر لے جانا یہ نہ گیا وقت کے اندر اسے یا اسے کہیں جانے کی ضرورت لاحق ہوئی یوں افتراق ہوگیا اور نہ دے سکا تو اس صورت میں ظاہر یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ مطلقاً اعادہ نماز کا حکم ہو۔

فان الحقیقۃ بقیت فی السترفدارالامر علی الظن فان کان یظن العطاء فقدتضاعف بالوعدوان کان یظن المنع فقد تضعف بل اضمحل بہ لان الوعد یورث ظن العطاء قطعا کماقال الامام محمد ان	اس لئے کہ حقیقت تو رُوپوش ہی رہ گئی اس لئے مدار امر ظن پر ہُوا اب اگر اسے عطا کا گمان تھا تو وہ وعدہ سے اور بڑھ گیا اور اگر منع کا گمان تھا تو وہ اس سے ضعیف بلاکہ مضمحل ہوگیا اس لئے کہ وعدہ بلاشبہہ ظنِّ عطا پیدا کرتا ہے، جیسا کہ

الظاھر الوفاء ولاامکان لتعلق الظن الغالب بکلاالطرفین فاذا حدث ظن العطاء فقد زال ظن المنع وکذا الشك لان الرجحان یبطل التساوی فلم یبق ماتبنی علیه صحة صلاته والاصل فی الماء الاباحة وقد تبین ان التقصیر منه لترکه السؤال لاجل ظن منع اوشك ظهر کونهما فی غیر المحل فتعاد الصلاۃ لتقع البراء ۃ بیقین* فان الصلاۃ من اجل مایحتاط له فی الدین* ھذاما ظھر لی والعلم بالحق عند الحق المبین۔ وبالجملة لقدطال الکلام فی ھذہ المسألة الثامنة ولعمری لم یخل عن فائدۃ عائدۃ بل اشتمل ولوجه ربی الحمد علی غرر درر لم تنتظم ببنان البیان* ونفائس عرائس لم یطمثھن انس قبلی ولاجان* وحاصل ماقررنا فیه ان الوعد الابائی لایؤثر مطلقا والرجائی مؤثر مطلقا الا اذاکان بعد الصلاۃ وظھر خلفه واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "ظاہر وفا ہے" اور یہ ممکن نہیں کہ ظن غالب کا تعلق دونوں ہی جانب سے ہو۔ تو جب ظن عطا پیدا ہوگا ظنِ منع ختم ہو جائے گا۔ یہی حال شک کا ہے اس لئے کہ جب ایک طرف رجحان پیدا ہوگا تو وہ دونوں جانب کی باہمی مساوات باطل کردے گا۔ اب ایسا کوئی امر باقی نہ رہا جس پر اس کی نماز کی صحت کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اور پانی میں اصل اباحت ہے۔ اور واضح ہوگیا کہ کوتاہی اس کی ہے کہ اس نے سوال ہی نہ کیا اس ظن سے یا شک کے باعث جن (دونوں) کا بے جا ہونا عیاں ہوگیا تو نماز کا اعادہ کرنا ہوگا تاکہ یقینی طور پر عہدہ برآ ہو جائے اس لئے کہ دین کے جن کاموں میں احتیاط برتی جاتی ہے ان میں نماز سب سے بزرگ ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے ذہن میں آیا اور حق کا علم حق مبین کو ہے۔ بالجملہ اس آٹھویں مسئلہ میں کلام طویل ہوگیا مگر نفع بخش فائدے سے خالی نہ رہا بلکہ ایسے آبدار گوہروں پر مشتمل ہُوا جو کبھی انگشتِ بیان سے پروئے نہ گئے اور ایسی نفیس وحسین عروسوں پر جنہیں مجھ سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جِن نے۔ اور ساری حمد میرے رب کی ذات کیلئے ہے۔ اور اس بارے میں ہم نے جو کچھ ثابت کیا اس کا حاصل یہ ہوا کہ وعدہ ابائی مطلقاً بے اثر ہے اور وعدہ رجائی مطلقاً مؤثر ہے مگر جب کہ ادائے نماز کے بعد ہو اور اس کا خلف ظاہر ہو جائے۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

یہ تمام مباحث وہ ہیں کہ ذہنِ فقیر پر فیضِ قدیر سے القا ہوئے۔ ہزار ہزار حسرت کہ کتب حاضرہ میں ان میں سے کسی صورت سے اصلاً تعرض نہ پایا یہی حال آئندہ مسئلہ سکوت کا ہے ناچار دونوں میں

ان ابحاث کی احتیاج نے مُنہ دکھایا یاحاشا احکام میں رائے زنی نہ ہمارا منصب نہ اس پر اعتبار تتبع اسفار وتلاحق انظار اولی الابصار ضرور درکار۔

واللّٰه المستعان * وعلیه التکلان * ولاحول ولاقوة الّا باللّٰه العلی العظیم وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی سیدنا مولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین۔	اور خدا ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے اور اسی پر بھروسہ ہے اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر خدائے برتر و باعظمت ہی سے۔اور اللہ تعالٰی رحمت نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر الٰہی قبول فرما۔(ت)

مسئلہ ۹ منع یعنی دینے سے انکار دو۲ قسم ہے ایک صراحۃً کہ صاف کہہ دے نہ دُوں گا یا اور الفاظ کہ ان معنی کو مؤدی ہوں۔

اقول: منع ابائی کہ ہم نے ابھی تنبیہ چہارم میں ذکر کیا اسی قسم میں ہے کہ وہ خاص مدلولِ کلام ہے۔دوسرا دلالۃً یعنی اور کوئی امر کہ منع پر دلالت کرے۔در مختار میں اس کی مثال استہلاک سے دی یعنی پانی خرچ کرلینا یا پھینک دینا کہ اب دینے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔

حیث قال یطلبه ممن ھو معه فان منعه ولودلالة بان استھلکه تیمم [1]	ان کے الفاظ یہ ہیں:"پانی اپنے ساتھی سے طلب کرے گا اگر وہ انکار کرے اگرچہ دلالۃً اس طرح کہ وہ پانی ختم کرڈالے تو تیمّم کرے"۔(ت)

یونہی اگر بعض خرچ کردیا اور باقی طہارت مطلوبہ کو کافی نہ رہا طحطاوی میں ہے:

اواستھلك البعض والباقی غیرکاف [2]۔	یا کچھ ختم کرڈالا اور جو بچا وہ ناکافی ہے۔(ت)

اقول: مطلوب کی قید ہم نے اس لئے لگائی کہ اگر نہا چکا اور مثلاً پیٹھ پر اتنی جگہ خشک رہی جسے ایک چُلّو پانی درکار ہے تو اگر ایک ہی چُلّو باقی ہے طہارت غسل کو کافی ہے اور اگر پُورا نہانا ہے تو آدھا گھڑا بھی کافی نہیں۔اور اگر اس نے مانگا اور اس نے اُسے نہ دیا زید کو دے دیا تو یہ بھی حکماً استہلاک اور دلالۃً منع ہوگا یا نہیں۔

اقول: لم ارہ واذکر ماظھرلی	**اقول:** یہ میری نظر سے نہ گزرا،اب

[1] در مختار، باب التیمم، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۴۴

[2] طحطاوی علی الدرالمختار باب التیمم مطبوعہ بیروت، ۱/۱۳۲

بتوفیقه جل وعلا وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی۔	میں وہ بیان کرتا ہوں جو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق سے مجھ پر ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ اگر خدائے برتر نے چاہا تو درست ہی ہوگا۔(ت)

اگر[1] دوسرے کو اباحۃً دے دیا تو یہ منع ہے کہ صاف معلوم ہوا کہ اسے دینا نہ چاہا اور جسے مباح کیا وہ اسے دے نہیں سکتا کہ وہ اباحت سے مالک نہ ہوا اور اگر اُس کے ہاتھ ہبہ تامہ بیع کر دیا تو اگرچہ یہ اس خاص شخص کی طرف سے منع ہوا مگر یہ مسئلہ کہ دوسرے کے پاس پانی پایا بدستور متوجہ ہے کہ اب جو اس کا مالک ہوا اگر ظن غالب ہو کر یہ مانگے سے دے دے گا تو اس سے مانگنا واجب ورنہ نہیں اور اب اس کے عطا و منع میں وہ سب احکام عود کریں گے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

ثم اقول: ظاہرًا بلکہ **اِن شاء اللہ المولٰی تعالٰی** یقینا منع[2] دلالۃً کی تیسری صورت سکوت بھی ہے اس نے مانگا اور اس نے صاف انکار تو نہ کیا مگر چُپ رہا تو حاجت کے وقت سکوت سے یہی سمجھا جائے گا کہ دینا منظور نہیں

وقد تقدم قولهم فی من سألة المتیمم عن الماء فلم یخبره وهو یشمل السکوت وقد عبر منه فی الحلیة بالاباء۔	حضرات علماء کرام کا کلام اُس سے متعلق گزر چکا جس سے تیمم والے نے پانی کے بارے میں پُوچھا تو اس نے خبر نہ دی یہ صورت سکوت کو بھی شامل ہے اور حلیہ میں اس کی تعبیر انکار سے کی ہے۔(ت)

اس[3] کی نظیر سکوت مدعا علیہ ہے جب بطلب مدعی اس پر حلف متوجہ ہوا اور قاضی نے اُس سے حلف طلب کیا وہ چُپ رہا یہ سکوت انکار سمجھا جائے گا جبکہ نہ سننے یا نہ بول سکنے کے باعث نہ ہو ولہذا[4] مستحب ہے کہ قاضی اس سے تین بار کہے اگر سکوت کرے حلف سے نکول ٹھہرا کر مدعی کو ڈگری دے دے تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

(قضی) القاضی (علیه بنکوله مرة) حقیقة (بقوله لااحلف او) حکما کأن (سکت من غیر آفة) کخرس وطرش فی الصحیح سراج وعرض الیمین ثلثا ثم القضاء احوط[1] اھ قال ش ای ندبا[2]۔	قاضی (قسم سے ایک بار انکار کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ دے دے گا) یہ انکار حقیقۃً ہو (اس طرح کہ وہ کہے میں قسم نہ کھاؤں گا، یا) حکمًا ہو مثلًا وہ گونگے پن اور بہرے پن جیسی کسی معذوری و (آفت کے بغیر خاموش رہے) یہی صحیح قول ہے۔

[1] الدرالمختار مع الشامی کتاب الدعوی مطبع مصطفی البابی مصر ۴/۱۷۴

[2] ردالمحتار کتاب الدعوی مطبع مصطفی البابی مصر ۴/۲۷۴

سراج۔اور تین بار قسم پیش کرنا پھر فیصلہ دینا زیادہ محتاط طریقہ ہے اھ۔علامہ شامی نے فرمایا: یعنی استحبابًا۔(ت)

اقول: مگر استعمال[1] قرائن ضرور ہے وہ اُس وقت وحالتِ سائل ومسئول عنہ اور ان کے تعلقات سے اُن پر ظاہر ہوتے ہیں۔یہ تو سکوت ہے قول صریح میں استعمال قرائن لازم ہے ایک ہی بات حرف بحرف ایک ہی جملہ اور اُس سے کبھی اقرار مفہوم ہوتا ہے کبھی انکار۔زید[2] نے عمرو سے کہا تُو نے اپنی عورت کو طلاق دی اُس نے نرم آواز ودبے لہجے سے کہا میں نے طلاق دی۔یہ اقرار ہے طلاق ہوگئی اور اگر اُس نے ترش وگرم ہو کر سخت آواز سے تعجب یا زجر وتوبیخ کے لہجے میں کہا میں نے طلاق دی۔یہ انکار ہے طلاق نہ ہوئی۔الفاظ بعینہا وہی ہیں اور حکم اثبات سے نفی تک بدل گیا۔یوں[3] ہی اگر عورت نے کہا مجھے طلاق دے اس نے نہ مانا عورت نے پوچھا دی،اس نے جھڑکنے کے لہجے میں سختی سے کہا دی،طلاق نہ ہوئی ورنہ ہوگئی۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا طلقنی فابی فقالت دادی قال دادم ان کان فی قولہ دادم ادنی تثقیل لایقع الطلاق[1]۔	کسی عورت نے اپنے شوہر سے کہا"مجھے طلاق دے دے"اس نے انکار کیا۔پھر عورت نے کہا"تم نے دی"اُس نے کہا"میں نے دی"۔اگر شوہر کے قول میں کُچھ گرانباری ہو تو طلاق نہ ہوگی۔(ت)

یونہی[4] شوہر نے گواہوں کے سامنے عورت سے کہا: اللہ تیرا بھلا کرے تُو نے مجھے مہر بخش دیا۔وہ بولی ہاں میں نے بخشا عـــہ ہاں میں نے بخشا،گواہوں نے کہا کیا ہم گواہ ہوجائیں کہ تُو نے مہر بخش دیا۔بولی ہاں گواہ ہوجاؤ ہاں گواہو جاؤ۔علما فرماتے ہیں اس کے یہ الفاظ اقرار وانکار دونوں کو محتمل ہیں گواہ اس کی

عـــہ فتاوٰی نسفی پھر فتاوٰی ذخیرہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں دو۲ بار کی قید نہ لگائی اور گواہوں کے جواب میں عورت کا یہ قول بتایا کہ ہزار آدمی گواہ ہوجاؤ۔اقول: یہ لفظ معنی طنز کی طرف زیادہ مائل ہے عالمگیری کی عبارت کتاب الھبہ باب ۱۱ میں یہ ہے:

فی فتاوی النسفی رجل قال لامرأتہ بین یدی	فتاوٰی امام نسفی میں ہے کہ ایک شخص نے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الطلاق مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۲

طرز سے پہچانیں گے کہ تحقیق مقصود ہے یا طنز سے کہہ رہی ہے۔ وجیز امام کردری کتاب النکاح فصل ۱۲ میں ہے:

قال لها عند الشهود جزاك الله تعالٰی خیرا وهبت المهر فقالت آرے بخشیدم[1] مرتین فقال الشهود لها انشهد علی هبتك فقالت مرتین[2] آرے گواہ باشید فهذا یحتمل الردو الاجابة والشهود یعرفون ذلك ان قالت علی وجه التقریر حملت علی الاجابة والا علی الرد[3]۔	بیوی سے گواہوں کے سامنے کہا خدا تجھے جزائے خیر عطا فرمائے تُو نے مجھے مہر بخش دیا، وہ بولی "ہاں میں نے بخش دیا" دوبار کہا۔ اس پر گواہوں نے کہا کہ کیا ہم گواہ ہوجائیں کہ تُو نے بخش دیا۔ وہ دو ۲ بار بولی "ہاں گواہ ہو جاؤ"۔ تو اس میں رَد و قبول دونوں کا احتمال ہے۔ گواہان اس کی شناخت کرسکیں گے۔ اگر اس نے بطور اثبات کہا تو قبول پر محمول ہوگا ورنہ رَد پر محمول ہوگا۔ (ت)

فلہذا اگر قرینہ سابقہ[1] یا حاضرہ یا لاحقہ دلالت کرے کہ یہ سکوت بروجہ منع نہ تھا تو حکم انکار میں نہ ٹھہرے گا۔ قرینہ سابقہ یہ کہ اُس کی عادت معلوم ہے کہ سوال اگرچہ مانے سکوت کرتا اور کام کردیتا ہے تو جب تک نہ دینا متحقق نہ ہو ایسے کا سکوت دلیل منع نہ ہوگا۔ قرینہ حاضرہ یہ ہے کہ اُس وقت وہ کسی امر عظیم میں مشغول ہے یا وظیفہ پڑھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الشهود غفر الله لك حیث وهبت لی المهر الذی لك علی فقالت آرے بخشیدم فقال الشهود هل نشهد علی هبتك فقالت ہزار تن گواہ باشید قال یعرف الرد والتصدیق فی اثناء کلامها فیحمل علی ماترون کذا فی الذخیرة ۱۲ منه غفرله (م)	گواہوں کے سامنے اپنی عورت سے کہا اللہ تیرا بھلا کرے کیا تُو نے مجھ پر لازم اپنا حق مہر بخش دیا؟ تو عورت نے کہا: ہاں میں نے بخش دیا۔ اس پر گواہوں نے کہا کیا ہم گواہ ہوجائیں کہ تُو نے اپنا حق مہر بخش دیا۔ عورت نے کہا ہزار آدمی گواہ ہوجاؤ۔ فرمایا اس صورت میں عورت کے طرزِ کلام سے انکار یا تصدیق کی پہچان ہوگی اس کو اس پر محمول کیا جائے گا جو تم غور کے بعد نتیجہ اخذ کرو ذخیرہ میں ایسے ہی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الثانی عشر فی المہر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۲/۴
[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الہندیۃ الثانی عشر فی المہر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۲/۴
[3] فتاوٰی الہندیۃ کتاب الھبۃ باب ۱۱ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۲۳۳/۴

رہاہے یاپریشان ہے یا کسی بات پر سخت غصہ میں ہے کہ ان حالات کاسکوت دلیل منع نہیں ہوتا۔قرینہ لاحقہ یہ کہ اُس وقت کی حالت سے تو کچھ ظاہر نہ ہوامگر تھوڑی دیر بعد وقت کے اندر وہ پانی لے آیا اگرچہ یہ اتنی دیر میں جلدی کرکے اُس کی نگاہ سے جُدا نماز تیمّم سے پڑھ چکا ہو کہ وقت پر دینا صریح اجابت ہے تو منع کہ سکوت سے مفہوم ہوتا تھا صریح کے معارض نہ ہوگا۔فتاوٰی امام قاضی خان وغیرہا میں ہے: **الصریح یفوق الدلالۃ**[1] (صریح،دلالت سے بڑھا ہوا ہے۔ت) اور یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ وہ سکوت بفرض منع ہی تھا پھر رائے بدل گئی کہ یہ خلاف اصل ہے،حلیہ میں ہے:

فان قلت من الجائز تبدل حال المسئول قلت الاصل عدم التبدل فیجری علیه مالم یتم الدلیل علی خلافه ولم یوجد[2]۔	اگر یہ کہا جائے کہ ہوسکتا ہے جس سے سوال ہوااس کی حالت بدل گئی ہو۔میں کہوں گا۔اصل عدم تبدل ہے تو وہ امر اسی پر جاری ہوگا جس کے خلاف پر دلیل تام نہ ہُوئی اور نہ پائی گئی۔(ت)

اقول: تفصیل مقام بتوفیق العلّام یہ ہے کہ سکوت کے بعد یا ۱تو وہ اصلاً نہ دے گا یا ۲اس نماز کا وقت نکل جانے کے بعد دے گا یا ۳وقت میں دے گا مگر بعد اس کے کہ یہ تیمّم سے پڑھ چکایوں کہ اسے تیمّم کرتے اُس سے نماز پڑھتے دیکھااور اُس وقت پانی نہ دیا یا ۴اس پر مطلع نہ ہو کر دیا یا ۵عین نماز میں دے گا یا ۶نماز سے قبل۔یہ چھ۶ صورتیں ہیں ان میں پہلی کا حکم توظاہر ہے کہ دلالت منع کا کوئی معارض نہ پایا گیابلکہ اُس کا ثبوت ہوگیاتو نماز و تیمّم دونوں صحیح رہے اور اخیر دو۲ بھی قابلِ بحث نہیں کہ جب ختم نماز سے پہلے پانی مل گیاآپ ہی وضو کرکے پڑھنے کا حکم اور چہارم کا حکم ابھی گزرا کہ اجابت ہے باقی دو۲ صورتیں رہیں دوم وسوم ان میں ظاہر یہی ہے کہ منع پر سکوت کی دلالت مستقر ہوگئی کوئی قرینہ اس کے معارض ہونا درکنار اُس کا مؤید پایا گیا نماز صحیح ہوئی اعادہ نہ ہوگا دوم میں یوں کہ حاجت ہر وقت متجدد ہوتی ہے جب اس حاجت کا وقت گزار دیااور مانگنے نہ دیا معلوم ہوا کہ اس وقت دینا منظور نہ تھا دوسری حاجت کے وقت دینانہ اس سوال کی اجابت کرے نہ اس کے وقت قدرت کے اثبات۔اس وقت عجز ظاہر تھااور وقتِ حاجت سوال پر سکوت نے ظن منع دیا تھااس کی حاجت اس کا سوال اس کا ظن سب وقت حاضر کی نسبت تھے دوسرے وقت دینے نے اس ظن کو غلط نہ کیابلکہ ثابت و محقق کردیااور یہاں **لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ** (اس گمان کااعتبار نہیں جس کی خطاواضح ہو۔) (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۱۵۹

[2] حلیۃ

صادق نہ آیا ورنہ چاہیے کہ وہ مہینہ بھر بعد دے تو اس کی یہ ڈیڑھ سو نمازیں سب باطل ہو جائیں کہ بعد وقت جیسا ایک وقت ویسے ہی ہزار یہ حرج ہے اور دفع حرج لازم اور اس کی طرف سے تقصیر نہیں کہ اس کے قابو میں سوال ہی تھا یہ اسے بجا لا چکا محیط وبحر سے ابھی گزرا جازت صلاتہ لانہ فعل ماعلیہ [1] (اس کی نماز ہو گئی اس لئے کہ اس کے ذمہ جو تھا وہ بجالایا۔ت)

حلیہ سے گزرا:

فعل مافی وسعہ قبل الفعل فیقع جائزا دفعا للحرج فلاینقلب غیر جائز [2]۔	اس کے بس میں جو تھا فعل سے قبل بجالایا تو دفع حرج کے پیش نظر اس کا عمل جائز ہی ادا ہوا تو اب ناجائز میں تبدیل نہ ہوگا۔(ت)

اور سوم میں یوں کہ اس دینے سے بھی قدرت مقتصرہ ثابت ہوگی یعنی وقت عطا سے نہ مستندہ یعنی سابق سے کہ مانگنے پر اُس کا چُپ رہنا اور اسے تیمّم کرتے اور نماز تیمّم سے شروع کرتے دیکھنا اور اب بھی خاموش رہنا اس کے عجز کو مؤکد کرگیا اب قدرت جدیدہ اُسے نقض نہ کرے گی۔ ولوالجیہ وحلیہ سے گزرا:

انہ اذا ابی تأکد العجز فلاتعتبر القدرۃ بعد ذلك [3]۔	اس نے جب انکار کردیا تو عجز مؤکد ہوگیا اب اس کے بعد قدرت ہونے کا اعتبار نہیں۔(ت)

بدستور اس کے قابو میں سوال تھا اُسے بجالایا اب اس پر الزام نہیں جیسا کہ ابھی محیط وبحر وحلیہ سے گزرا اگر کہیے وہ کہ مانگ کر چلا آیا اور جلدی کرکے اُس کی نگاہ سے جُدا مثلاً اپنے خیمہ میں تیمّم سے پڑھ لی اُس کے ذمہ بھی سوال ہی تھا جسے بجالایا اُس پر کیوں الزام ہے۔

اقول: سوال مطلوب بالذات ومنتہائے مقصد نہیں کہ سوال کرلیا اور عہدہ برآ ہوگئے جواب کچھ بھی ہو بلکہ وہ بغرض استکشاف حال ہے کہ جواب سے منع واجابت جو ظاہر ہو اُس پر عمل کیا جائے یہاں عطا بروقت سے اجابت ظاہر ہوئی **کما تقدم** (جیسا کہ گزرا۔ت) تو مجرد سوال کرلینا اُسے بری الذمہ نہ کرے گا۔

الاتری ان الحلیۃ جعلت تاکدالعجز عبارۃ اخری عن ھذا المعنی اعنی فعل مافی وسعہ کماتقدم فی المسألۃ السابعۃ۔	دیکھئے کہ اس معنی اس کے بس میں جو تھا بجالایا کی دُوسری تعبیر حلیہ نے عجز مؤکد ہونے کے قرار دیا جیسا کہ مسئلہ ہفتم میں گزرا۔(ت)

[1] البحرالرائق، شرح کنزالدقائق، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۶۲

[2] حلیہ

[3] حلیہ

بخلاف صورت دوم وسوم کہ وہاں منع ظاہر ہوا، کما تقرر (جیسا کہ گزرا۔ت) اور بخلاف اُس صورت کے کہ جسے پانی کی خبر ہونا گمان کیا اُس سے پُوچھا اُس نے سُنا اور جواب نہ دیا بعد نماز بتایا کہ سوال خبر پر جواب نہ دینا بعینہٖ ترک اخبار ہے اور سوال شَے پر سکوت بعینہٖ انکار عطا نہیں جس کی وجوہ اُوپر گزریں **وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔**

ثم اقول: یہ سب اُس صورت میں تھا کہ اُس نے مانگا اور اُس نے سکوت کیا تھا اور اگر اس نے پانی دیکھا اور اصلًا نہ مانگا اور اُسے بعد خروج وقت اس کی حاجت پر اطلاع ہُوئی اور پانی لایا اس صورت میں بلاشبہ مظنون ہے کہ اگر یہ مانگتا ضرور دیتا اور تقصیر اس کی طرف سے ہے کہ سوال نہ کیا تو ایک یا جتنی نمازیں پڑھیں سب کا اعادہ چاہیے، نمبر ۱۵۹ میں محیط سے گزرا:

لم تجز صلاتہ لانہ کان قادرا علی استعمالہ بواسطۃ السؤال فاذالم یسألہ جاء التقصیر من قبلہ [1]۔	اس کی نماز نہ ہوئی اس لئے کہ وہ مانگ کر اس پانی کو استعمال کرسکتا تھا۔ نہ مانگا تو کوتاہی اسی کی جانب سے ہوئی۔(ت)

حلیہ سے ابھی گزرا:

فانہ لم یستفرغ الوسع بالاستکشاف [2]۔	اس لئے کہ اس نے تفتیش کے ذریعہ اپنی پُوری کوشش صرف نہ کی۔(ت)

بلکہ [۲] اگر وہ اسے دیکھتا رہا کہ تیمّم سے پڑھتا ہے اور باوصف اطلاع پانی نہ دیا یا بعد وقت دیا جب بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مانگنے پر بھی نہ دیتا تو بلاسوال نہ دینا ظنِ منع کی تحقیق نہیں کرتا منع یہ ہے کہ مانگے سے نہ دے اور بارہا ہوتا ہے کہ لوگ بے مانگے خود پرواہ نہیں کرتے اور مانگا جائے تو دے دیں بلکہ یہاں دُوسرے وقت بے طلب دینے سے یہی پہلو رجحان پاتا ہے کہ مانگتا تو ضرور دیتا بخلاف صورت سکوت کہ یہ سوال کرچکا تھا اور اُس نے اُس وقت نہ دیا تو ظاہر ہوا کہ دینا منظور نہ تھا زیادات وجامع کرخی وبدائع وحلیہ میں ہے:

اذاغلب علی ظنہ انہ لایعطیہ اوشك مضی علی صلاتہ فاذافرغ سألہ فان اعطاہ توضأ واستقبل الصلاۃ لانہ ظھر	جب اسے غلبہ ظن ہو کہ نہ دے گا یا شک کی صورت ہو تو اپنی نماز پر برقرار رہے جب فارغ ہوجائے اس سے مانگے۔ اگر وہ دے دے وضو کرکے

[1] محیط

[2] حلیہ

انہ کان قادرا لان البذل بعد الفراغ دلیل البذل قبلہ وان ابی فصلاتہ ماضیۃ لان العجز قد تقرر[1] اھ۔

ازسرِنَو نماز ادا کرے۔ کیونکہ ظاہر ہوگیا کہ وہ قادر تھا اس لئے کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد دے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے پہلے بھی دے دیتا۔ اور اگر انکار کرے تو اس کی نماز تام ہے اس لئے کہ عاجز ہونا ثابت ہوگیا۔ (ت)

اقول: تقررہ ان الاصل فی الماء الاباحۃ والحظر عارض کما قالوہ فی الحلیۃ وغیرہا فی دلیل قول الامام اذا وعدہ احد اعطاء الماء یجب الانتظار وان فات الوقت وانما یمنع لحاجۃ اوشح وقد ظھر انتفاؤھما ببذلہ الاٰن فظھر انہ لوسئل قبل لبذل لان خصوصیۃ الوقت ملغاۃ بل تاخر الوقت ادل علی البذل قبلہ اذلو کان محتاجا الیہ قبل لانفقہ اوبقی محتاجا الیہ الاٰن فاذا کان ھذا فی البذل بعد السؤال وقد ارسلوہ ارسالا ولم یقیدوہ بما اذا لم یرہ یصلی متیمّما فالبذل بدون سؤال اولٰی کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول: اس کی تقریر یہ ہے کہ پانی میں اصل اباحت ہے۔ اور منع عارضی چیز ہے۔ جیسا کہ حلیہ وغیرہا نے اسے بیان کیا ہے۔ امام اعظم کے اس قول کے تحت: "جب اس سے کوئی پانی دینے کا وعدہ کرے تو انتظار واجب ہے اگرچہ وقت نکل جائے" پانی سے انکار بخل کی وجہ سے ہوتا ہے یا اس لئے کہ خود اسے ضرورت ہے اور اِس وقت دے دینے سے دونوں باتوں کا نہ ہونا ظاہر ہوگیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ اگر پہلے بھی اس سے مانگا جاتا تو وہ دے دیتا۔ اس لئے کہ خصوصیّتِ وقت ساقط وبیکار ہے۔ بلکہ وقت کا مؤخر کرنا اس سے پہلے دے دینے پر زیادہ دلالت کرتا ہے اس لئے کہ اگر پہلے اسے خود اس کی ضرورت ہوتی تو خرچ کرلیا ہوتا یا اب بھی اس کا ضرورت مند رہتا۔ جب یہ مانگنے کے بعد دینے کا معاملہ ہے اور علماء نے اسے ارسالاً ذکر کیا یہ قید نہ لگائی کہ "جب اسے تیمّم سے نماز ادا کرتے دیکھا نہ ہو" تو بغیر مانگے دے دینا تو اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ واضح ہے اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔ (ت)

اور یہاں دو۲ صورتیں وعدہ کی ہیں ایک یہ کہ نماز سے پہلے اس کے سوال پر خواہ بطور خود اُس نے پانی دینے کا وعدہ کیا اور بعدِ خروج وقت دیا یا اُس وقت کہ یہ تیمّم کرکے پڑھ چکا تھا خواہ اس نے اسے دیکھا یا نہ دیکھا اس میں کوئی صورت محلِ بحث نہیں کہ وعدہ کو ہمارے علماء نے خود ہی موجب قدرت جانا ہے وقت میں اُسے تیمّم سے

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹

نماز جائز ہی نہیں خواہ وہ پانی کبھی دے یا کبھی نہ دے مگر باتباع امام زفر کہ اخیر وقت تیمّم سے پڑھے گا اُس کے خود اعادہ کا حکم ہے۔

دوسرے یہ کہ بعد نماز وعدہ کیا اور بعد خروج وقت دیا، تنبیہ پنجم میں گزرا کہ اس کا نماز پر کچھ اثر نہ ہونا چاہیے **بالجملہ**[1] نماز کے بعد وقت کے اندر دینے میں [عہ۱] مطلقاً نماز کا اعادہ ہے مگر یہ کہ نماز سے پہلے یا بعد انکار کرکے دیا یا پہلے سکوت کیا اور اسے تیمّم کرتے اور تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا اور اُس وقت بھی ساکت رہا بعد نماز دیا کہ یہ بھی حکماً عطا بعد منع ہے اور عنقریب آتا ہے کہ وہ مفید نہیں اور بعد خروج وقت دینا [عہ۲] مطلقاً مبطل نماز نہیں مگر اُس حالت میں کہ اُس نے دیکھا اور اصلاً نہ مانگا اور اُس نے بعد وقت دے دیا یہ تمام مباحث اوّل تا آخر سوائے استہلاک کہ دُرمختار میں مصرح تھا اس فقیر بارگاہِ رسالت **علیه افضل الصلاة والتحیة** نے تفقہاً ذکر کیں

فلیراجع ولیحرر فان اصبت فمن ربی وله الحمد وان اخطأتُ فمنی ومن الشیطان* والله ورسوله عنه بریاان* جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم* والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	تو اس کی مراجعت اور تنقیح کرلی جائے۔اگر میں نے ٹھیک بیان کیا تو میرے رب کی جانب سے ہے اور اگر میں نے خطا کی تو یہ میری طرف سے اور شیطان کے وساوس سے ہے خدائے بزرگ و برتر اور اس کے رسول انور ان پر خدائے برتر کی طرف سے سلام ورحمت ہو اس سے بری ہیں اور خدائے پاک و برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰: منع[۲] کے بعد دینا مفید نہیں **کمافی الزیادات وصدر الشریعة والغنیة والبحر یاتی** (جیسا کہ زیادات، صدرالشریعۃ، غنیہ اور بحر نے ذکر کیا اور آگے بھی آئے گا۔ت)

اقول: اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس نے نماز سے پہلے مانگا اور اُس نے انکار کردیا پھر نماز سے پہلے ہی دے دیا خواہ بطور خود یا اس کے دوبارہ مانگنے پر خواہ یہ دوبارہ مانگنا تیمّم سے پہلے ہو یا بعد ہر حال میں یہ دینا مفید و معتبر ہے کہ اس عطا نے اُس منع کو منسوخ کردیا اگر تیمّم کرچکا ہے ٹوٹ گیا وضو کرکے نماز پڑھے اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور نماز کے بعد دیا آپ یا اس کے مانگنے پر توجہ دینا معتبر نہیں کہ اُس کے انکار کے سبب عجز

عہ۱ مطلقاً مبطل نماز نہ کہا کہ بصورتِ وعدہ یہ پانی دینا مبطل نماز نہ ہوگا کہ وہ خود ہی باطل تھی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عہ۲ یہ صورت وعدہ کو بھی شامل کہ وہ نماز خود ہی باطل تھی نہ کہ یہ پانی مبطل ۱۲ منہ غفرلہ (م)

متحقق اور تیمّم جائز اور نماز صحیح ہوچکی اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ **من سعی فی نقض ماتم من جھته فسعیه مردود علیه** (جو ایسے امر کو توڑنے کی کوشش کرے جو اس کی جانب سے مکمل ہوگیا اس کی کوشش اسی پر پلٹ جائے گی۔ت) جب انکار سابق ہے تو عطائے لاحق قدرت سابقہ کیونکر ثابت کرسکتی ہے ہاں فی الحال قدرت ثابت ہوگی اب دیتے وقت تیمّم ٹوٹے گا اور آئندہ کیلئے وضو کرے گا۔ اور اگر نماز سے پہلے انکار کیا اور عین نماز میں کہا لے لے نماز و تیمّم دونوں جاتے رہے کہ اگرچہ قدرت سابقہ ثابت نہ ہوئی فی الحال تو ثابت ہُوئی اور وسط نماز میں اگرچہ قعدہ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے تیمم کا پانی پر قادر ہونا نماز و تیمّم کو باطل کرتا ہے **کما تقدم عن الخانیة** (جیسا کہ پہلے خانیہ کے حوالہ سے گزرا۔ت)

مسئلہ ۱۱: اقول[1] دینے کے بعد منع مفید ہے اور اس کا فائدہ صرف اس قدر ہے کہ تیمّم اگر بوجہ عطا ناجائز ہُوا تھا اب جائز ہوجائے اس سے زیادہ وہ عطا کے کسی اثر کو زائل نہیں کرتا مثلاً تیمّم کے بعد اُس نے پانی دیا تیمّم ٹوٹ گیا اب منع کرنے سے واپس نہ آئے گا یونہی اگر قبل تمامِ نماز دیا یا بے سبقت منع بعد نماز وقت دیا نماز جاتی رہی اب منع کرنے سے صحیح نہ ہوجائے گی۔ اور اگر اُس عطا سے تیمّم خود ہی ممنوع ہوا تھا جب تو یہ منع کچھ بھی مفید نہ ہوگا کہ اس کا فائدہ اباحت تیمّم تھا اور وہ پہلے سے حاصل ہے پھر اتنا فائدہ بھی اُس وقت ہے جب کہ پانی ابھی خرچ نہ ہُوا اور دینے والے کی ملک پر باقی ہو اور لینے والا اُس میں تصرف سے ممنوع نہ ہو مثلاً پانی بطور اباحت دیا اگر یہ تیمّم پہلے کرچکا تھا جاتا رہا ہنوز وضو پُورا نہ کیا تھا کہ اس نے منع کردیا اب اسے پانی کا استعمال جائز نہ رہا یونہی اگر پانی ہبہ کیا تھا اور ابھی اس کا قبضہ نہ ہوا تھا کہ اس نے منع کردیا کہ ہبہ قبل قبضہ ناتمام تھا اور اس کو منع کا اختیار حاصل اور اس صورت میں بھی تیمّم اگر پہلے کرچکا تھا زائل کہ مجرد اباحتِ آب بلکہ نرا وعدہ ناقضِ تیمّم ہے نہ کہ ہبہ ہاں اگر یہ قبضہ کرچکا تو اب اُس کا منع بیکار ہے کہ اس کی ملک زائل ہوچکی اور بے رضا یا قضا اسے رجوع کا اختیار نہیں بخلاف اس صورت کے کہ پانی اُس کے ہاتھ بیچا اور بائع نے اپنا خیار شرط کیا تھا اور یہ ابھی پانی استعمال نہ کرنے پایا تھا کہ اُس نے بیع فسخ کردی کہ یہاں اُسے اختیار تصرف پہلے ہی سے نہ تھا تیمّم سابق باقی رہا کہ بیع[2] میں جب بائع کا خیار شرط ہو مبیع نہ اُس کی ملک سے خارج ہو نہ مشتری کو اُس میں تصرف جائز اگرچہ باذن بائع قبضہ کرچکا ہو۔ ہدایہ میں ارشاد فرمایا:

خیار البائع یمنع خروج المبیع عن ملکه ولایملك المشتری التصرف فیه وان قبضه باذن البائع[1]۔	بائع کا خیار اس کی ملک سے مبیع کے نکلنے سے مانع ہے اور اس میں مشتری تصرف کا مالک نہیں اگرچہ بائع کی اجازت سے اس پر قبضہ کرچکا ہو۔ (ت)

[1] الہدایہ خیار شرط مکتبہ عربیہ کراچی ۵۳/۲ جز ۳

اور جب وہ شرعاً اُس میں تصرف سے ممنوع ہے تو پانی پر قدرت ثابت نہ ہُوئی اور تیمّم بحال رہا کما قدمنا فی نمرۃ ۱۴۷ و ۱۶۱ (جیسا کہ نمبر ۱۴۷ و ۱۶۱ میں ہم نے بیان کیا۔ت) تو اس منع نے کوئی نیا فائدہ نہ دیا۔ فتح القدیر نواقض تیمّم میں ہے:

والمراد من القدرۃ اعم من الشرعیۃ والحسیۃ حتی لو رأی ماء فی حب لاینتقض تیممہ وان تحققت قدرۃ حسیۃ لانہ انما ابیح للشرب[1] اھ **اقول:** والمراد ما یجمعھما معًا ای لابد من اجتماع کلا القدرتین کما یستغرق العام الاصولی افرادہ حتی لو کانت احدھما لم تکف وان کان (۱) المتبادر من تلک العبارۃ کفایۃ احدھما لان العام یتحقق فی ضمن ای خاص کان۔	قدرت سے مراد وہ ہے جو شرعی و حسّی دونوں کو عام ہو یہاں تک کہ اگر سبیل کا پانی پایا تو اس کا تیمّم نہ ٹوٹے گا اگرچہ حسّی قدرت ثابت ہے اس لئے کہ وہ پانی صرف پینے کیلئے مباح ہوا ہے اھ۔ **اقول:** مراد وہ ہے جو دونوں قدرتیں جمع کردے یعنی دونوں ہی قدرتوں کا مجتمع ہونا ضروری ہے جیسے عامِ اصولی اپنے تمام افراد کا احاطہ کرلیتا ہے یہاں تک کہ اگر صرف ایک قدرت ہو تو کافی نہ ہوگی اگرچہ اس عبارت سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ ایک بھی کافی ہو اس لئے کہ عام کسی بھی خاص کے ضمن میں متحقق ہوجاتا ہے۔(ت)

فائدہ ۲: پانی پر قدرت ہوتے ہوئے بوجہ ممانعت شرعیہ حکم تیمّم کی تین ۳ صورتیں اُوپر گزریں سبیل کا پانی کہ پینے کیلئے ہے۔ وہ پانی کہ کسی کو ہبہ کرکے اُس سے بطور امانت لے لیا وہ پانی کہ ملک فاسد سے اُس کا مالک ہُوا وہ دو امام محقق علی الاطلاق نے ذکر فرمائیں اور تیسری محقق زین نے بحر میں۔ یہ چوتھی عـــہ فقیر نے اضافہ کی کہ وہ پانی کہ بشرط خیار بائع خرید کر اُس پر باذن بائع قابض ہوا جب تک خیار جاکر بیع تام نہ ہوجائے اُس سے وضو وغیرہ کچھ جائز نہیں۔

اقول: اور انہیں پر حصر نہیں گزشتہ نمبروں میں اس کی بہت صورتیں تھیں مثلاً (۱۱) فاسق کا خوف (۳۴) مال امانت پر خوف (۴۷ و ۴۸) کسی مسلمان یا جانور کی پیاس کا خیال (۵۰) نجاست دھونے

عـــہ مگر اس نے پانی سے عجز کے نمبروں میں اضافہ کیا کہ یہ وہی نمبر ۵۳ ملک غیر ہے۔(م)

[1] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۱۹

کی ضرورت (۵۲) خاص لوگوں کی طہارت پر وقت اور یہ اُن میں نہیں (۵۳) ملک غیر جس میں یہ صورت چہارم بھی داخل (۵۴) نہانا ہے اور ستر نہیں (۵۵) عورت کو وضو کرنا ہے اور ستر نہیں (۶۳) پانی باہر ہے اور عورت کے پاس چادر نہیں (۸۴) سواری سے اتارنے چڑھانے کو محرم نہیں (۸۶) اُترنے سے زخم کا سیلان نماز میں رہے گا (۸۷) پانی سے طہارت کسی مؤکد کو بے بدل فوت کرے گی (۱۰۱) فاسق کے آجانے کا اندیشہ (۱۲۴) کپڑے بھیگ کر بے ستری ہوگی (۱۴۳) پانی مسجد میں ہے اور یہ جنب (۱۶۰ و ۱۶۱) مزاحمت پدر سے احتراز (۱۶۴ تا ۱۶۶) خنثی وانثی ومرد میت کا تیمّم اکیس یہ اور تین وہ کہ نمبر (۵۱ و ۱۴۸ وتنبیہ بعد نمبر ۱۶۱) میں گزریں چوبیس ۲۴ ہوئیں اور پچیسویں ۲۵ یہ صورت کہ جنب نہایا اور بدن کا کچھ حصّہ دھونے سے رہ گیا پانی ختم ہوگیا تیمّم کیا پھر حدث ہُوا اس کیلئے تیمّم کیا اب اس پر دو واجب ہیں جو حصہ نہانے میں رہ گیا تھا اس کا دھونا اور تیمّم جنابت کے بعد حدث ہوا ہے لہذا اُس کیلئے وضو کرنا اب اس نے پانی پایا جس سے وہ حصّہ دُھل سکتا ہے یا وضو کرے تو وضو ہو سکتا ہے مگر مجموع کیلئے کافی نہیں اسے حکم ہے کہ وہ حصہ دھوئے اور امام ابو یوسف کے نزدیک حدث کا تیمّم نہ جائے گا کہ پانی اگرچہ اس کیلئے کافی تھا مگر شرعًا یہ اُس سے وضو نہ کر سکتا تھا کہ اُسے اس باقی حصے میں صرف کرنا واجب تھا۔ یہ مسئلہ ہم نے اپنے رسالہ "**الطلبة البدیعة**" کے آخر میں مفصّل ذکر کیا ہے وہاں دیکھا جائے **وقد رجحنا فیھا قول محمد** (اس میں ہم نے امام محمد کے قول کو ترجیح دی ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲: ضرور یہ **اقول:** یہاں[۱] دو[۲] مسئلے ہیں ایک یہ کہ پانی قریب ہونے کا ظن غالب ہو تو طلب یعنی تلاش واجب ہے بے تلاش تیمّم جائز نہیں دوسرا یہ کہ کسی کے پاس پانی معلوم ہوا اور ظن غالب ہے کہ مانگے سے دے دے گا تو طلب یعنی مانگنا واجب ہے بے مانگے تیمّم جائز نہیں۔ پہلے مسئلہ کی نسبت شرح تعریف رضوی کے فائدہ پنجم میں ہم تحقیق کر آئے کہ یہ وجوب بمعنی اشتراط ہے یعنی تلاش کرنا شرط صحت تیمّم ہے بے اس کے تیمّم ونماز مطلقًا فی الحال باطل اگرچہ بعد کو یہی ظاہر ہو کہ پانی نہ تھا۔

وقداخذ به السادسة الجلة ابو السعود وط وش فی حواشی الکنز والدر علی مانص علیه فی المعتمدات ان لوصلی بتیمم وثمه من یسأله ثم اخبره بالماء اعاد والا لا[1] کمافی الدر وقدمنا فی المسألة السابعة	سید ابو السعود، سید طحطاوی اور سید شامی نے کنز اور در مختار کے حواشی میں اسی کو لیا ہے جیسا کہ معتمد کتابوں میں اس کی تصریح آئی ہے کہ اگر تیمّم سے نماز پڑھ لی جب کہ وہاں ایسا کوئی شخص موجود تھا جس سے یہ پانی کے بارے میں پُوچھ سکتا تھا پھر اس نے

[1] در مختار، باب التیمم، مکتبہ مجتبائی دہلی، ۴۴/۱

عزوہ للمحیط والحلیة والزیلعی والبدائع ایضاً بأن فی البحر عن السراج لوتیمم من غیر طلب وکان الطلب واجباً وصلی ثم طلب فلم یجدو جبت علیه الاعادة [1] اھ ومفادہ ان تجب الاعادة ھنا وان لم یخبرہ [2] اھ ھذا لفظ ش ومثله فی ط وفتح الله المعین۔

اقول: رحمھم (ا) الله تعالٰی ورحمنا بھم این ھھنا وجوب الطلب وکیف یجب وھو لایدری ان الماء قریب ام لافضلاعن غلبة الظن بالقرب انما الواجب ھھنا السؤال عمن یظن ان عندہ علما بحال الماء وفرق بیّن بین المسألتین فان من ظن القرب فقد ظنه قادرا علی الماء فبطل تیممه مالم یطلب قبل التیمم فیظھر خطؤ ظنه امامن ظن ان عند ھذا علما بحال الماء فھو لایدری انه ان سأله یخبرہ بقرب الماء اوبعدہ فلم یکن للقرب حظ من الظن فلم یوجد معارض لعجزہ الظاھر فصح تیممه وتمت صلاته الا ان یظھر القرب فتجب الاعادة لان التفریط جاء من قبله بترك السؤال۔

پانی کی خبر دی تو نماز کا اعادہ کرے ورنہ نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے اور مسئلہ ہفتم میں ہم اس پر محیط، حلیہ، زیلعی اور بدائع کا بھی حوالہ دے چکے ہیں ان سادات محشین کا ماخذ یہ ہے کہ بحر میں سراج کے حوالہ سے ہے کہ: اگر بغیر تلاش کیے تیمّم کرلیا جبکہ تلاش واجب تھی اور نماز پڑھ لی پھر تلاش کیا مگر پانی نہ ملا تو بھی اس پر اعادہ واجب ہے اھ یہ شامی کے الفاظ ہیں اور اسی کے مثل حاشیہ طحطاوی اور فتح اللہ المعین بھی ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) خدا ان حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر بھی رحمت فرمائے یہاں پر تلاش کہاں واجب ہے اور کیسے واجب ہوگی جب کہ وہ جانتا ہی نہیں کہ پانی قریب ہے یا نہیں؟ قریب کا غلبہ ظن ہونا تو دُور کی بات ہے یہاں پر واجب صرف یہ ہے کہ ایسے شخص سے دریافت کرے جس کے بارے میں اس کا یہ گمان ہو کہ وہ پانی کی حالت کچھ جانتا ہوگا اور ان دونوں مسئلوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔اس لئے کہ جسے قربِ آب کا گمان ہے اسے پانی پر اپنی قدرت کا گمان ہے تو اس کا تیمّم باطل ہے جبکہ قبل تیمّم تلاش نہ کرلے کہ اس کے گمان کی غلطی ظاہر ہو لیکن جسے یہ گمان ہو کہ اس شخص کو پانی سے متعلق کچھ آگاہی ہوگی تو اسے یہ پتا نہیں کہ اگر اس شخص سے دریافت کرے تو وہ پانی کا قریب ہونا بتائے گا یا دُور ہونا بتائے گا تو

[1] البحر الرائق مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۱

[2] ردالمحتار باب التیمم مصطفی البابی، مصر ۱/۱۸۱

قرب کا ظن کسی طرح نہ حاصل ہُوا تو یہ اس کے عجز ظاہر کے معارض نہ ہوا اس لئے اس کا تیمّم صحیح ہے اور اس کی نماز تام ہے مگر یہ کہ پانی کا قریب ہونا منکشف ہو تو اعادہ لازم ہوگا اس لئے کہ کوتاہی اسی کی جانب سے ہُوئی اس نے دریافت نہ کیا۔(ت)

کلام دُوسرے مسئلہ میں ہے کہ یہاں بھی وجوب اسی معنی اشتراط پر ہے کہ بحالِ ظن عطا اگر بے مانگے تیمّم کرلے سرے سے صحیح ہی نہ ہو اور نماز باطل ہو اگرچہ بعد کو نہ دینا ہی ظاہر ہو یا ایسا نہیں عجب یہ ہے کہ یہاں عبارات جانب مبنی افادہ اشتراط پر آئیں اور جانب حکم صحت تیمّم و نماز پر۔اُدھر ۱کافی و ۲خانیہ و ۳خزانۃ المفتین و ۴نہایہ و ۵چلپی و ۶خزانہ و ۷برجندی کی عبارتیں جن میں تیمّم کی نسبت لایجوز ہے مثلاً لایجوز التیمم قبل الطلب [1] (قبل طلب تیمّم جائز نہیں۔ت) اگر معنی نفی حل کو محتمل بھی رکھے جائیں تو امام ۸صفار و ۹قدوری و ۱۰ہدایہ و ۱۱تبیین و ۱۲منیہ و ۱۳غنیہ و ۱۴ہروی علی الکنز کے نصوص جن میں صراحۃً لایجزئہ (کفایت نہیں کرسکتا۔) ہے۔مثلاً صلی بالتیمم قبل الطلب لایجزئہ [2] (قبل طلب تیمّم سے نماز ادا کرلی تو یہ اسے کفایت نہیں کرسکتا۔ت) قابلِ تاویل نہیں۔منیہ نے مسئلہ اولیٰ سے اس کی تشبیہ امام صفار سے نقل کی کہ لایجزئہ قبل الطلب کمافی عمرانات [3] (قبل طلب یہ اسے کام نہیں دے سکتا جیسے آبادیوں میں۔ت) انہیں کے قریب ہے ۱۵مبسوط و ۱۶شرح وقایہ و ۱۷جواہر اخلاطی وغیرہا کی عبارتیں جن میں عدم جواز بہ نسبت نماز ہے کہ ان لم یطلب وصلی لم یجز [4] ولفظ الجواھر شرع فی الصلاۃ قبل الطلب لایجوز [5] (اگر طلب نہ کیا اور نماز ادا کرلی تو جائز نہیں۔اور جواہر کے الفاظ یہ ہیں: طلب کرنے سے پہلے نماز شروع کردی تو یہ جائز نہیں۔ت) بحث علّامہ ابراہیم حلبی سے گزرا لاتصح الصلاۃ بدونہ [6] (اس کے بغیر نماز درست نہیں۔ت) ۱۸حلیہ میں زیر مسئلہ جنب وجد الماء فی المسجد [7] (جنابت والا جسے مسجد میں پانی ملا۔ت) اسی

---

[1] البرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور بالسرور ۱/۴۸

[2] المختصر للقدوری باب التیمم مکتبہ مجتبائی کانپور ص ۱۲

[3] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۰

[4] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

[5] جواہر اخلاطی (قلمی) باب للتیمم ۱۳

[6] غنیۃ المستملی باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۹

[7] حلیہ

مسئلہ سوال از رفیق پر تفریعات میں فرمایا وحیث یجب لایصح تیممہ الابعد المنع[1] جہاں مانگنا واجب ہے اس کا تیمّم درست نہیں مگر بعد انکار جن سے لازم کو بے مانگے تیمّم ہوگا ہی نہیں تو نماز مطلقاً باطل ہوگی اگرچہ بعد کو ظن عطا کی خطا ظاہر ہوجائے کہ مانگے سے نہ دے۔ادھر مسئلہ پنجم میں ۱زیادات و۲جامع کرخی و۳محیط سرخسی و۴خلاصہ و۵وجیز و۶شرح وقایہ و۷حلیہ و۸عالمگیریہ و۹بحر اور مسئلہ ہفتم میں حلیہ و۱۰صدر الشریعۃ وغنیہ عــہ۱ وبحر سے روشن ہوا کہ سرے سے بطلان نماز کا حکم صحیح نہیں صحیح ومعتمد ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ صرف غلبہ ظن عطا سے نہ تیمّم باطل ہو نہ نماز اگر ظن عطا کی خطا ظاہر ہو دونوں صحیح وتام ہیں۔کتب حاضرہ میں اس صاف تعارض کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ ہُوئی۔

واناا قول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مخلص وہی ہے کہ ہم نے تاویل روایت نادرہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں ذکر کیا بحال ظن عطا حکم ظاہر وحاضر عدم صحت نماز ہے مگر یہ کہ بعد کو مانگے اور نہ دے (ع ــہ۲)اور بحال شک وظن منع حکم ظاہر وحاضر صحت ہے مگر یہ کہ بعد کو مانگے سے یا آپ دے دے بالجملہ اول میں فساد اور ثانی میں صحت کا حکم حکم موقوف ہے ظہور خلاف نہ ہو تو رہے گا ورنہ بدل جائے گا جیسے صاحبِ ترتیب کو فائتہ یاد اور وقت میں وسعت ہے اور وقتیہ پڑھ لی اس کے فساد کا حکم دیا جائے گا مگر فساد موقوف اگر قبل قضائے فائتہ چار وقتیہ اور پڑھ لے گا اور سب میں پچھلی کا وقت نکل جائے گا سب صحیح ہوجائیں گی اور اگر اس بیچ میں فائتہ کی قضا کرلے گا تو اُس سے پہلے ایک سے پانچ تک جتنی وقتیہ پڑھی تھیں سب کی فرضیت باطل ہو کر نفل رہ جائیں گی کما مصرح بہ فی محلّہ (جیسا کہ اس کے موقع پر اس کی صاف صراحت موجود ہے۔ت) رہا فرق کہ پہلے مسئلے میں اُس کے ظن کا اعتبار رہا اگرچہ واقع اُس کے خلاف ہو اور یہاں نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

اقول: قریب پانی شرعاً مقدور ہے تو ظنِ قرب عین ظن قدرت ہے اور ظن ملتحق بیقین تو قدرت معلوم تو تیمّم شرعاً معدوم اور معدوم صحیح نہ ہوجائے گا۔بخلاف ظنِ عطا کہ عجز معلوم اور ظن اس کا ہے کہ اگر مانگوں تو دے دے گا اور قدرت نہ ہوگی مگر بعد عطا تو یہ اس کا ظن نہ ہُوا کہ قدرت ہے بلکہ اس کا کہ آئندہ ہوسکتی ہے **نظیر ماقدمناہ فی مسألۃ الوعد ووجدنا التصریح بہ فی مسألۃ الرجاء فی الکافی والکفایۃ** (یہ اسی کی نظیر ہے جو مسئلہ وعدہ میں ہم نے پیش کیا اور جس کی تصریح ہمیں کافی وکفایہ میں مسئلہ اُمید کے

عــہ۱: یہ عبارت قوانین ہیں جن کا حوالہ مسئلہ ہفتم میں ہے ۱۲ (م)

عــہ۲: اس میں منع کی پانچوں صورتیں داخل ہیں صراحۃً ہو یا حکماً ۱۲ منہ غفرلہ (م)

---

[1] حلیۃ المحلی

اندر ملی۔ت) لہٰذا یہ ظن مناطِ حکم نہ ہوا مگر جب کہ واقع نہ ظاہر ہو کہ ہنگام فواتِ ذریعہ علم فقہیات میں ظن معمول بہ ہے، اور ایک توجیہ مع اشارہ تضعیف افادہ پنجم صفحہ ۶۶۱ طبع اول میں گزری کہ جب تک علم متیسر ہو ظن پر عمل نہیں۔ فتح القدیر بحثِ استقبال میں ہے:

المصیر (ا) الی الدلیل الظنی وترك القاطع مع امکانه لایجوز[1]۔	دلیل قطعی میسر ہونے کے باوجود اسے چھوڑنا اور دلیل ظنی کو لینا جائز نہیں۔ (ت)

مسئلہ قُرب وبُعد میں تحصیل علم بے دقّت متیسر نہیں لہٰذا ظن پر مدار رہا اور مسئلہ عطا و منع میں متیسر لہٰذا ظن معتبر نہ ہُوا مگر جب کہ درک حقیقت نہ ہو۔

اشرت الیٰ ضعفه بقولی یمکن ان یوجه **اقول**: ووجه ضعفه انه یوجب السؤال عند ظن المنع ایضاً فیکون ترجیحاً للثانی من اقوال المسألة السادسة وانما الراجح بل الراجع الیه الکل بالتوفیق هو القول الثالث ان لاوجوب الا عند ظن العطاء۔ **فان قلت** اذن ماالجواب عما مر من منع بالظن مع تیسر تحصیل العلم **اقول**: لاتیسر اذالم یظن العطاء لان السؤال ممن یمنع ذلة شدیدة وهی مظنونة هنا اومحتملة علی سواء وقد نهی عــه المشرع المطهر المؤمن عن عرض نفسه للذل۔	میں نے "یمکن ان یوجه" (اس کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے) کہہ کر اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا **اقول**: اس توجیہ کے ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اس سے لازم ہوتا ہے کہ انکار کا ظن غالب ہو جب بھی سوال کرے تو اس سے مسئلہ ششم کے اقوال میں سے دوسرے قول کی ترجیح ہوگی جب کہ راجح بلکہ بعد تطبیق سبھی اقوال کا مرجع ومآل تیسرا قول ہے کہ صرف ظنِّ عطا کی صورت میں سوال واجب ہے۔ (ت) **اگر سوال ہو** کہ پھر یہ جو گزرا کہ تحصیل یقین میسر ہوتے ہوئے ظن پر عمل جائز نہیں، اس کا کیا جواب ہے؟ **اقول**: ظن عطا نہ ہونے کی صورت میں تحصیل یقین میسر وآسان نہیں اس لئے کہ ایسے شخص سے مانگنا جو نہ دے سخت ذلت ہے اور یہاں اس کا یا تو ظن غالب ہے یا احتمالِ مساوی۔ اور شرع مطہر نے مومن کو اس سے روکا ہے کہ وہ اپنی ذات کو معرضِ ذلّت میں لائے۔ (ت)

عــه کماتقدم فی المسألة السادسة ۱۲ منه غفرله (م)	(جیسا کہ مسئلہ ششم میں گزرا۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتح القدیر باب شروط الصلوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۵

فان قلت اذن یجب ادارۃ الامر علی ظنه فی ظن المنع لتعسر تحصیل العلم فتصح صلاته وان اعطی بعدفیترجح مافهمه المحقق من تفریعاتهم فی الخلاصة وغیرھاکمامر فی المسألة الخامسه **اقول**: وقدکان الاصل ایجاب السؤال لتیسرہ فی نفسه وانما رفع عنه لعارض فاذا ظهرت الحقیقة عملت عملها وزال ماکان لعارض وھو اقامة الظن مقامها کماتقدم عن صدر الشریعةوھذاماوعدنا ثمه* من ان للکلام تتمة*ھذا کله ماظهر للقلبی* والعلم بالحق عند ربّی* ان ربی کل شیئ علیم *وصلی الله تعالٰی علی الحبیب الکریم * واٰله وصحبه اولی التکریم* والحمدلله رب العٰلمین۔	**اب اگر یہ سوال ہو** کہ پھر تو ظن منع کی صورت میں مدار کا اس کے گمان پر رکھنا ضروری ہوگا کیونکہ تحصیل یقین دشوار ہے تو اگر وہ بعد میں دے دے جب بھی اس کی نماز صحیح رہے گی تو راجح وہی ہوگا جو خلاصہ وغیرہا کی تفریعات مشائخ سے محقق علی الاطلاق نے سمجھا جس کا ذکر مسئلہ پنجم میں گزرا **اقول**: (جوابًا میں کہوں گا) اصل تو یہی تھا کہ مانگنا واجب کیا جائے کیونکہ فی نفسہ یہ میسر وآسان ہے اور عارض کی وجہ سے یہ حکم اس سے اٹھالیا گیا پھر جب حقیقت ظاہر ہو جائے تو وہ اپنا کام کرے گی اور ظن کو حقیقت کے قائم مقام رکھنے کا جو حکم عارض کی وجہ سے تھا وہ بھی ختم ہو جائے گا، جیسا کہ صدر الشریعۃ کے حوالے سے بیان ہوا۔ یہی وہ ہے جس کا ہم نے وہاں (افادہ پنجم صفحہ ۶۶۲ طبع اول میں) وعدہ کیا تھا کہ اس کلام کا کچھ تکملہ بھی ہے۔ یہ سب وہ ہے جو قلبِ فقیر پر ظاہر ہُوا اور حق کا علم میرے رب کے یہاں ہے۔ بلاشبہہ میرے رب کو ہر چیز کا علم ہے خدائے برتر اپنے حبیب کریم اور ان کی مکرم آل واصحاب پر درود نازل فرمائے۔ اور سب خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خدا ہی کیلئے ہیں۔ (ت)

یہ ہیں وہ مسائل جن کا یہاں لانا منظور تھا۔

ذکرِ قوانین: یہ مسائل بفضلہٖ تعالٰی ایسی وجہ پر بیان ہوئے کہ فہیم ذی علم ان سے خود وضع قانون بھی کرسکتا ہے اور قوانین موضوعہ کی جانچ بھی، اور یہ کہ خلافیات میں وہ کس کس قول پر مبنی ہیں اور اقوال منقحہ پر کیا ہونا چاہیے۔ یہ معیار پیش نظر رکھ کر قوانین علما مطالعہ ہوں:

الامام القانون الصدری	**اوّل قانون امام صدر الشریعۃ**:
الامام صدر الشریعة نقل اولا عن المبسوط ان لم یطلب وصلی لم یجز لان	امام صدر الشریعۃ نے پہلے مبسوط سے یہ عبارت نقل کی: "اگر اس نے طلب نہ کیا اور نماز ادا کرلی

الماء مبذول عادة وعن موضع اٰخر منه عليه ان يسأل الاعلى قول حسن بن زياد فان السؤال ذل ونقول ماء الطهارة مبذول عادة[1]۔

ثم عن الزيادات ماتقدم فی المسألة الثالثة من انه يقطع الصلاة ان ظن العطاء والالا وادرج فيه مامر فی المقام الثانی من وجوب السؤال فی الشك ايضا اذا رأی خارج الصلاة لان العجز مشكوك۔

قال ثم قال فی الزيادات فاذا فرغ من صلاته فسأله فاعطاه اواعطى بثمن المثل وهو قادر عليه استأنف الصّلاة واذا ابی تمت صلاته وكذا اذا ابی ثم اعطى لكن ينتقض تيممه الاٰن۔

ثم قال رحمه الله تعالٰی اقول ان اردت ان تستوعب الاقسام كلها فاعلم انه اذا رأی الماء خارج الصلاة وصلى ولم يسأل بعد الصّلوٰة ليظهر العجز والقدرة فعلى ماذكر فی المبسوط سواء غلب علی ظنه الاعطاء اوعدمه اوشك فيهما وهی مسألة المتن۔ واذا رأی فی الصلاة ولم

تو جائز نہیں اس لئے کہ پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے"۔اور مبسوط ہی کے دوسرے مقام سے یہ عبارت بھی: "اس پر یہ ہے کہ مانگے مگر حسن بن زیاد کے قول پر یہ نہیں اس لئے کہ مانگنے میں ذلّت ہے۔اور ہم یہ کہتے ہیں کہ طہارت کا پانی عادۃً دے دیا جاتا ہے"۔ پھر زیادات سے وہ کلام نقل کیا جو مسئلہ سوم میں گزرا کہ "اگر دینے کا گمان ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں"۔اور اسی میں وہ بات بھی اپنی طرف سے درج کردی جو مقام دوم میں گزری کہ "شک کی صورت میں بھی مانگنا ضروری ہے جب کہ نماز کے باہر دیکھا ہو اس لئے کہ عجز مشکوک ہے"۔ تحریر فرمایا کہ پھر زیادات میں یہ لکھا ہے: "پھر جب نماز سے فارغ ہو کر اس سے مانگا اس نے دے دیا یا ثمن مثل پر زور دیا اور یہ ثمن مثل پر قادر ہے تو وہ از سرِ نو نماز پڑھے اور انکار کردیا تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔اسی طرح جب انکار کرے پھر (بعد میں) دے دے لیکن اب اس کا تیمّم ٹوٹ جائے گا"۔ پھر صدر الشریعۃ رحمہ اللہ تعالٰی نے تحریر فرمایا: "میں کہتا ہوں اگر ساری قسموں کا احاطہ منظور ہو تو معلوم ہو کہ جب اس نے بیرونِ نماز پانی دیکھا اور نماز پڑھ لی، بعد نماز مانگا بھی نہیں کہ عجز یا قدرت کا انکشاف ہو تو اس کا حکم وہ ہے جو مبسوط میں ذکر ہوا۔ خواہ اسے دینے کا گمان ہو یا نہ دینے کا یا دونوں میں شک ہو۔یہ وہ مسئلہ ہے جو متن میں مذکور ہے۔اور جب اندرونِ نماز دیکھا اور بعد نماز

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۱

يسأل بعدهافكذاوان رأى خارج الصّلاة ولم يسأل وصلى ثم سأله فان اعطى بطلت صلاته وان ابى تمت سواء ظن الاعطاء اوالمنع اوشك فيهماوان رأى فى الصلاة فكما ذكر فى الزيادات لكن يبقى صورتان احدهما انه قطع الصلاة فيمااذا ظن المنع اوشك فسأله فان اعطى بطل تيممه وان ابى فهو باق والاخرى انه اذااتم الصلاة فيما اذاظن انه يعطى ثم سأل فان اعطى بطل صلاته وان ابى تمت لانه ظهران ظنه كان خطاء بخلاف مسألة التحرى [1] الى اٰخر ماتقدم فى الافادة الخامسة۔

قوله العجز مشكوك)تقدم مافيه قوله (فاذا فرغ من صلاته)**اقول:** لم ينقل عبارة الزيادات متسقةفان تعين فيهامرجع فرغ الى من ظن منعااوشك فذاك والا فهو للمصلى مطلقا لاسيما وقد

طلب نہ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر بیرونِ نماز دیکھا اور طلب نہ کیا، نماز پڑھ لی پھر مانگا تو اب اگر دے دے اس کی نماز باطل ہوگئی اور انکار کردے تو پُوری ہوگئی خواہ پہلے اسے عطا کا گمان رہا ہو یا منع کا، یا دونوں میں شک رہا ہو اور اگر اندرونِ نماز دیکھا تو حکم وہی ہے جو زیادات میں بیان ہوا۔ لیکن اس میں دو۲ صورتیں رہ جاتی ہیں: ایک یہ کہ اس نے ظن منع یا شک کی صورت میں نماز توڑ دی پھر اس سے مانگا اب اگر وہ دے دے تو اس کا تیمّم باطل ہوگیا اور انکار کردے تو باقی ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ظنِّ عطا کی صورت میں اس نے نماز پُوری کرلی پھر مانگا اب اگر وہ دے دے تو اس کی نماز باطل ہوگئی اور انکار کردے تو پوری ہوگئی کیونکہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا گمان غلط تھا برخلاف مسئلہ تحری کے اس کے بعد آخر تک وہ بیان کیا ہے جو افادہ پنجم کے تحت گزرا۔

(۱) عبارت زیادات میں صدر الشریعۃ کے مندرج قول (عجز مشکوک ہے) پر کلام گزر چکا (۲) عبارت زیادات کے یہ الفاظ "پھر جب وہ اپنی نماز فارغ ہوجائے" **اقول:** صدر الشریعۃ نے زیادات کی عبارت مرتب و مسلسل نہ ذکر کی۔ اس کی عبارت میں اگر "فرغ" (فارغ ہوجائے گی) ضمیر کا مرجع "**من ظن منعااوشک**" (جو نہ دینے کا گمان کرے

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۲

وقع بعد قوله وان غلب علی ظنه انه يعطيه فيشمل الصورة الاخری التی ذكر رحمه الله تعالٰی انها متروكة۔

یا اسے شک ہو) متعین ہے تب تو کلام ویسے ہی ہے جیسے صدر الشریعۃ نے لکھا ورنہ یہ ضمیر مطلقًا "مصلی" کیلئے ہوگی خصوصًا جبکہ اس کے بعد یہ الفاظ آئے ہیں "اور اگر اسے غالب گمان ہو کہ دے دے گا" اس تقدیر پر یہ کلامِ زیادات اُس صورت دوم کو بھی شامل ہوگا جسے صدر الشریعۃ نے بتایا کہ وہ متروک ہے۔(ت)

قوله وكذا اذا ابی ثم اعطی)اقول الكلام فيما بعد الصلاة لكن البعدية انما تلزم فی العطاء سواء كان الاباء قبل الصلاة كما اذا سأل قبلها فابی فتيمم فصلّی ثم اعطی بسؤاله اوبدونه اوبعد الصلاة كما اذا علم فيها فاتمها ثم سأله فابی ثم اعطی سؤاله الاٰخر اوبغيره مضت الصلاة فی الوجهين امالوكان العطاء قبل تمام الصّلوٰة بعد الاباء فانه ينسخ الاباء مطلقا كما قدمنا فی المسألة العاشرة۔

(۳) عبارت زیادات (اسی طرح جب وہ انکار کرے پھر دے دے) **اقول:** کلام بعد نماز کے احوال سے متعلق ہے لیکن بعدیت صرف دینے میں لازم ہے۔ انکار خواہ قبل نماز ہو جیسے یہ صورت ہو کہ قبل نماز اس نے مانگا تو اس نے انکار کر دیا اب اس نے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی پھر اس نے مانگنے پر یا بغیر مانگے دے دیا یا بعد نماز ہو جیسے یہ صورت ہو کہ اسے اندرون نماز علم ہُوا تو اس نے نماز پُوری کرلی پھر اس سے مانگا اس نے انکار کردیا اس کے بعد دوبارہ اس کے مانگنے پر یا بغیر مانگے دے دیا تو دونوں صورتوں میں نماز ہوگئی۔ لیکن اگر بعد انکار دینا نماز پُوری ہونے سے قبل ہوگیا تو یہ دینا انکار سابق کو مطلقًا منسوخ کردے گا جیسا کہ مسئلہ دہم میں نے ہم نے بیان کیا۔(ت)

قوله فعلی ماذكر فی المبسوط)ای لم تجز صلاته لتركه الطلب وجوز اخی چلپی ان يكون المراد بما فی المبسوط قول الحسن **اقول:** انما(۱) يسند الی الكتاب مااعتمده لاما اورده ورده۔

(۴) صدر الشریعۃ کے الفاظ (تو اس کا حکم وہ ہے جو مبسوط میں ذکر ہوا) یعنی اس کی نماز جائز نہ ہوئی کیونکہ اس نے طلب ترک کر دی اخی چلپی نے فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے (مافی المبسوط جو مبسوط میں ہے) سے مراد حسن کا قول ہو۔ اقول کتاب کی طرف سے اسی بات کی نسبت کی جائے گی جس پر اس نے اعتماد کیا نہ وہ جس کو اس نے نقل کرکے اس کی تردید بھی کر دی۔(ت)

قولہ وھی مسألۃ المتن) اعتاص ھذا اللفظ علی اخی چلپی فان فی المبسوط عدم الجواز قبل الطلب وانہ باتفاق ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ولفظ المتن قبل طلبہ جاز خلافا لھما فھما مختلفان حکما وروایۃ معًا فکیف یقال ان مافی المبسوط ھی مسألۃ المتن فاولہ بقولہ معناہ ان الخلاف المطلق ثابت فیھا غایۃ مافی الباب ان روایۃ المتن علی خلاف روایۃ المبسوط فی بیان الاختلاف [1] اھ ولاجل ھذا جوز ان یکون المرادبہ قول الحسن کی یحصل الوفاق بینہ وبین حکم المتن **اقول**: وکیف یصح لمجرد الاتفاق فی مطلق الاختلاف جعل نقیضین واحدا وانما المعنی ان الصورۃ المذکورۃ فی المبسوط ھی المذکورۃ فی المتن وھی الرؤیۃ خارج الصلاۃ وان اختلفا فیھا حکما وروایۃ۔

قولہ فکذا) ای لم تجز صلاتہ سواء ظن منحا اومنعا

(۵) الفاظ صدر الشریعۃ (وھی مسألۃ المتن یہ وہ مسئلہ ہے جو متن میں مذکور ہے) یہ لفظ اخی چلپی کیلئے پیچیدہ ثابت ہوا اس طرح کہ مبسوط میں ذکر ہے کہ "قبل طلب نماز جائز نہیں" اور یہ بھی کہ اس پر ہمارے تینوں اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق ہے اور متن میں یہ ہے کہ "قبل طلب نماز جائز ہے "اور " صاحبین کے نزدیک حکم اس کے برخلاف ہے"۔ تو مبسوط اور متن کے درمیان حکم اور روایت دونوں ہی کا اختلاف موجود ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ "جو مبسوط میں ہے وہی مسئلہ متن ہے۔ اب اخی چلپی نے اس تعبیر کی یوں تاویل فرمائی: "اس کا مطلب ہے کہ اس میں مطلق اختلاف تو یقینا ثابت ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ بیانِ اختلاف میں متن کی روایت، مبسوط کی روایت کے برخلاف ہے" اھ اسی لئے انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ "ماذکر فی المبسوط" (مبسوط میں جو مذکور ہے) سے مراد حسن کا قول ہو تاکہ اس میں اور حکمِ متن میں مطابقت ہوجائے۔ اقول محض مطلق اختلاف میں اتفاق کی وجہ سے نقیضین کو ایک قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ وھی مسألۃ المتن (یہی مسئلہ متن ہے) کا معنٰی یہ ہے کہ جو صورت مبسوط میں مذکور ہے وہی متن میں مذکور ہے وہ ہے بیرونِ نماز پانی دیکھنا اگرچہ مبسوط و متن کے درمیان اس بارے میں حکم اور روایت دونوں کا اختلاف ہے۔ (ت) (۶) لفظ صدر الشریعۃ "فکذا" (تو بھی یہی حکم ہے) یعنی اس کی نماز جائز نہیں خواہ دینے

[1] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مکتبہ اسلامیہ لاہور ۱/ ۱۸۲

اوشک۔

قولہ وان رأی فی الصلاۃ) **اقول**: ای وسأل بعدھا لیفارق المذکور سابقاولانہ المذکور فی الزیادات۔

قولہ فکماذکر فی الزیادات **اقول**: ای ان اعطاہ استأنف وان ابی تمت ولم یقل ھھنا فکذا کماقال قبل لان ثمہ ذکراولا ماھو مذکور فی المبسوط فاسندہ الیہ ثم صورۃ اخری یوافقہ فی الحکم فاحالھا علیہ اماھھنا فذکراولا مالیس فی الزیادات فاذا اتی علی مافیھا اسندہ الیھا ولم یفھم الکلام من عــہ فسرہ بقولہ ای الحکم علی التفصیل المذکور وھو انہ ان غلب علی ظنہ الاعطاء قطع الصلاۃ والالا [1] اھ فان(۱) الکلام فیمن سأل بعد الصلاۃ وماذا بقی لہ حتی یقال یقطع اویتم۔

کا ظن ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو۔(ت)

(۷) الفاظ صدر الشریعۃ وان رأی فی الصّلاۃ (اور اگر اندرونِ نماز دیکھا اقول یعنی اور بعد نماز طلب کیا تاکہ یہ صورت اس سے جُدا ہو جو پہلے ذکر ہُوئی اور اس لئے بھی کہ زیادات میں یہی مذکور ہے۔(ت) (۸) الفاظ صدر الشریعۃ (تو حکم وہی ہے جو زیادات میں بیان ہوا) **اقول**: یعنی اگر اسے دے دیا تو از سرِ نو نماز پڑھے اور انکار کر دیا تو اس کی نماز پُوری ہو گئی یہاں پر "فکذا" (تو بھی یہی حکم ہے) نہ کہا جیسے پہلے کہا۔ وجہ یہ ہے کہ وہاں پر پہلے وہ ذکر کیا جو مبسوط میں مذکور ہے تو اس کی نسبت اس کی طرف کی۔ پھر ایک اور صورت ذکر کی جو حکم میں اس کے موافق تھی تو اس کیلئے اوپر والے حکم کا حوالہ دے دیا لیکن یہاں پر پہلے وہ ذکر کیا ہے جو زیادات میں نہیں پھر جب اس کے بیان پر آئے جو زیادات میں ہے تو اسے اس کی طرف منسوب کیا۔ اور بالفاظ ذیل اس کی تفسیر کرنے والے نے سمجھا ہی نہیں: "یعنی حکم بر تفصیل مذکور ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر اسے غالب گمان دینے کا ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں" اھ بات یہ ہے کہ کلام اس کے بارے میں ہو رہا ہے جو نماز کے بعد مانگے۔ اور (جب وہ نماز پڑھ چکا ہے تو) اس کیلئے باقی کیا رہا کہ "توڑے" یا "مکمل کرے" بولا جا سکے۔(ت)

عــہ وھو صاحب عمدۃ الرعایۃ (م)

(یعنی صاحب عمدۃ الرعایۃ ۱۲۔ت) یعنی مولانا عبدالحی فرنگی محلّی م ۱۳۰۴ھ۔

[1] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ ۱/۱۰۳

قولہ لکن تبقی صورتان) اقول: الاخری(۱)ان فرض ترکھا فی الزیادات فلم تترك فی کلامکم لان من رأی فی الصلاۃ وسأل بعدھا یشملھا قطعا والاحالۃ علی الزیادات للحکم لاللتصویر۔

قولہ احدھما) قال اخی چلپی یمکن انفھامھا من قولہ وکذا ابی ثم اعطی لانہ صریح فی ان الاعطاء ناقض والاباء متمم فتأمل[1] اھ

اقول: قولہ(۲)کذا ای تمت صلاتہ فاین فیہ ان الاعطاء ناقض بل فیہ ان الاعطاء بعد الاباء ھباء نعم لوقال یمکن انفھامھا من قولہ اذا اعطاہ استأنف واذا ابی تمت فانہ صریح الخ لاتجہ ولعلہ سبق قلم ومن التقصیر(۳) قول من عـہ قال لاذکرلھما فی العبارات السابقۃ صریحا وان کان قول الزیادات وان ابی تمت یدل علی حکمھما باطلاقہ واشارتہ[2] اھ فلم ترك قولہ اذا اعطی استأنف لیدل علی حکم الوجھین فی الصورتین۔

(۹) الفاظ صدر الشریعۃ (لیکن دو۲ صورتیں رہ جاتی ہیں) **اقول:** اگر فرض کرلیا جائے کہ دوسری صورت میں زیادات میں متروک ہے تو آپ کے کلام میں متروک نہیں اس لئے کہ "جس نے اندرونِ نماز دیکھا اور بعد نماز طلب کیا" یہ صورت اس دوسری صورت کو بھی قطعًا شامل ہے۔رہ گیا زیادات کا حوالہ تو وہ حکم سے متعلق ہے، بیان صورت سے متعلق نہیں۔(ت)

(۱۰) لفظ صدر الشریعۃ "احدھما" (ایک صورت یہ کہ الخ)اخی چلپی نے کہا: "یہ صورت ان کے قول "اور اسی طرح جب انکار کرے پھر دے دے" سے سمجھ میں آسکتی ہے اس لئے کہ وہ اس بارے میں صریح ہے کہ دینا ناقض ہے اور انکار سے نماز تام ہوجاتی ہے فتامل اھ۔اقول: ان کا لفظ ہے "کذا" (اس طرح) یعنی اس کی نماز پُوری ہوگئی۔اس میں یہ کہاں ہے کہ دینا ناقض ہے .بزیادات کے الفاظ (وان ابی تمت اور اگر انکار کردے تو نماز پُوری ہوگئی) بلکہ اس میں یہ ہے کہ انکار کے بعد دینا دُھول ہے۔ہاں اگر یہ کہتے کہ ان کے قول (جب دے دے تو ازسرِنو ادا کرے اور انکار کردے تو نماز پُوری ہوگئی) سے یہ دوسری صورت سمجھ میں آسکتی ہے اس لئے کہ وہ اس بارے میں صریح ہے کہ دینا ناقض ہے اور انکار نماز کو تام کردینے والا ہے" تو یہ کہنا درست ہوتا۔شاید یہ سبقت قلم ہے یہ کہنے میں تقصیر ہے کہ "ان دونوں صورتوں کا سابقہ عبارتوں میں صراحۃً کوئی ذکر نہیں اگرچہ

عـہ وھو صاحب عمدۃ الرعایۃ ۱۲ (م)

(قائل صاحب عمدۃ الرعایۃ (مولٰنا عبدالحی فرنگی محلّی) ہیں ۱۲۔ت)

[1] ذخیرۃ العقبٰی باب التیمم مطبع اسلامیہ لاہور ۱/۱۸۲

[2] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ ۱/۱۰۳

ثمّ ان کان فی (۱) قول الزیادات مرجع فرغ من صلاتہ المصلی مطلقالم یصح قولہ لاذکرلھما فی العبارات السابقۃ صریحا وان کان مرجعہ خصوص من ظن منعًا اوشك لم یصح قولہ باطلاقہ فان المباین لایدخل فی اطلاق مباینہ۔ فانقلت لعلہ وزع فلمن ظن عطاء واتم الاشارۃ ولمن ظن منعا اوشك وقطع الاطلاق۔ اقول : ولایصح فان القطع یباین الفراغ فاین الدخول فی الاطلاق۔ھذا واقول ضبط کل کلام ھذا الامام فی نصف سطر انہ ان لم یسأل اواعطاہ بطل مافعل من تیمم وصلاۃ وان ابی تم فالشرط الاول یشمل ماذالم یسأل فاعطی اولم یعط وما اذاسأل فاعطی ویبقی للثانی ماذاسأل فلم یعط ویدل باطلاقہ علی انہ سواء	زیادات کے الفاظ (اذا اعطی استأنف جب دے دے تو از سر نو پڑھے) کو بھی کیوں نہ ذکر کیا کہ دونوں صورتوں کی دونوں شکلوں پر دلالت ظاہر ہو۔ (ت) پھر اگر زیادات کی عبارت میں فرغ من صلاتہ (وہ اپنی نماز سے فارغ ہو) کا مرجع مطلقًا مصلی ہے تو یہ کہنا درست نہیں کہ "سابقہ عبارتوں میں صریحًا ان دونوں صورتوں کا کوئی ذکر نہیں" اور اگر اس کا مرجع خاص من ظن منعا اوشک" (وہ جسے انکار کا گمان یا شک ہو) ہے تو "باطلاقہ" (اپنے اطلاق سے) کہنا درست نہیں۔ اس لئے کہ مباین اپنے مباین کے اطلاق میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت) اگر یہ کہو کہ شاید انہوں نے بطور توزیع و تقسیم ذکر کیا ہو تو جسے عطا کا گمان ہو اور نماز پوری کرلے اس کے لئے لفظ "اشارہ" رکھا اور جسے انکار کا گمان ہو یا شک ہو اور نماز توڑ دے اس کیلئے لفظ "اطلاق" رکھا۔ (ت) اقول: (میں کہوں گا) یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ نماز توڑنا نماز پڑھ چکنے اور اس سے فارغ ہونے کے مباین ہے تو "اطلاق" میں کیسے داخل ہوگا۔ یہ ذہن نشین رہے اقول: امام صدر الشریعۃ کے پُورے کلام کا ضبط نصف سطر میں یہ ہے کہ "اگر وہ سوال نہ کرے یا اسے دے دے تو جو تیمّم اور نماز اس نے ادا کیا وہ باطل ہوگیا اور اگر انکار کردے تو تام ہوا" تو پہلی شرط اس صورت کو شامل ہے جب اس نے مانگا نہیں اور اس نے دے دیا یا نہ دیا اور اس صورت کو بھی جب اس کے

فی کل ذلك ظن منحا اومنعا اوشك ورأه خارج الصلاۃ اوفیھا فقطع اواتم وان اردنا زیادۃ ماقدم عن الزیادات زدنا فی الشرط الاخری ولواعطاہ بعد الصلاۃ فیبقی العطاء فی الاولی مقیدا بما اذالم یکن بعد الصلاۃ عقیب اباء ویبقی للثانیۃ شقان سأل فلم یعط اواعطی بعد الصلاۃ مسبوقا باباء ثم زدنا بعدہ سواء ظن منحا اومنعًا اوشك غیرانہ ان ظن العطاء قطع الصلاۃ والالا۔

اپنے اطلاق اور اشارہ سے ان کے حکم پر دال ہیں"۔اھ مانگنے پر اس نے دیا اور دوسری شرط کے تحت وہ صورت رہے گی جب اس کے مانگنے پر اس نے نہ دیا۔اور کلام اپنے اطلاق سے یہ بھی بتائے گا کہ ان باتوں میں یہ سب صورتیں یکساں ہیں اسے دینے کا گمان رہا ہو یا نہ دینے کا یا شک رہا ہو اور اس نے بیرونِ نماز دیکھا ہو یا اندرونِ نماز دیکھ کر نماز توڑ دی ہو یا پُوری کی ہو۔اور انہوں نے زیادات کے حوالہ سے جو پہلے بیان کیا اگر ہم اس کا بھی اضافہ کرنا چاہیں تو دوسرے جملہ شرطیہ میں یہ الفاظ بڑھادیں"اگرچہ بعد نماز اسے دے دیا ہو"تو پہلے جملہ شرطیہ میں دینا اس سے مقید رہے گا کہ انکار کرکے بعد نماز دینا نہ ہو اور دوسرے جملہ کے تحت دو۲ شقیں رہ جائیں گی(۱)مانگنے پر دیا نہیں(۲)یا انکار کرکے بعد نماز دیا پھر اس کے بعد ہم یہ بڑھادیں"خواہ اسے دینے کا گمان رہا ہو یا انکار کا، یا شک رہا ہو مگر یہ ہے کہ اگر دینے کا گمان ہو تو نماز توڑ دے ورنہ نہیں"۔(ت)

اقول: ولایخرج منه ماذا سأل فلم یعط ولم یاب بل سکت وذلك لماقدمنا ان اعطاہ بعد السکوت قبل ان یراہ یصلی بالتیمم لم یکن السکوت اباہ فدخل فی الاول اعنی اعطاہ وان کان ھذا بعد الصلاۃ فلم یتقدمه اباء وکان الحکم ح للعطاء دون السکوت والا کان اباء فدخل فی الثانی وکان الحکم ح للسکوت من جھۃ انه

اقول: اس سے وہ صورت خارج نہ ہوگی جب مانگنے پر اس نے نہ دیا نہ انکار کیا بلکہ خاموش رہا یہ اس لئے کہ ہم بتاچکے کہ اگر خاموش رہنے کے بعد اسے تیمّم سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے سے قبل دے دیا تو یہ خاموشی انکار نہیں تو یہ اول یعنی"اعطاہ"(اسے دے دیا) میں داخل ہے اور اگر یہ بعد نماز ہے تو اس دینے سے پہلے انکار نہ پایا گیا اور اس صورت میں حکم عطا کا ہے سکوت کا نہیں۔ورنہ (اگر بعد سکوت تیمّم سے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے سے پہلے دینا نہ ہوا) وہ سکوت انکار ہو کر شرط ثانی میں داخل ہوگا۔اور اس صورت میں حکم

دلیل المنع۔

لکن **اولا** بقی(۱)مااذاسأل فلااعطی ولاابی بل وعدثم اخلف فان کان هذاالوعد قبل الصلاۃ اوفیهابطل تیممه قطعاوان لم یعطه ولم یدخل فی قوله ان لم یسأل اواعطاه لانه سأل ولم یعط وکذلك ان وقع بعدهاواختیر بطلانها مطلقاوان قلنا کماهوالظاهروالله تعالٰی اعلم ان الصلاۃ ماضیة ان ظهر خلفه فهذه صورۃ تمام الصلاۃ ولم تدخل فی قوله ان ابی لان من وعد لایقال انه منع وابی الاان یدعی ان الوعد عطاء فتدخل فی الاول ولکن یحتاج الی دلیل واین الدلیل بل الدلیل علٰی خلافه کمابینا۔

فان قلت بل نختار ان الوعد المخلف اباء فتدخل فی الثانی ولعل هذا غیر بعید بالنظر الی مأال الیه الامر۔

اقول: ان لم یجعل الوعد عطاء لم ینفع وان جعل لم یحتج الیه وذلك لان الاخلاف ان کان اباء مستند ای من حین وعد

سکوت کا ہے اس وجہ سے کہ وہ دلیل انکار ہے۔

لیکن **اولا** وہ صورت رہ گئی جب اس نے مانگا تو اس نے نہ دیا نہ انکار کیا بلکہ وعدہ کیا پھر اس کے خلاف کیا تو اگر یہ وعدہ نماز سے پہلے یا نماز کے دوران ہوا ہو تو اس کا تیمّم قطعًا باطل ہوگیا اگرچہ اس نہ دیا اور یہ "ان لم یسأل او اعطاہ" (اگر اس نے نہ مانگا یا اس نے دے دیا) کے تحت داخل نہ ہُوا۔ اس لئے کہ اس نے مانگا اور اس نے نہ دیا اسی طرح اگر یہ وعدہ بعد نماز ہوا۔ اس میں مطلقًا بطلان نماز اختیار کیا گیا ہے اگرچہ ہم نے جیسا کہ ظاہر ہے اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے یہ کہا کہ نماز ہوگئی اگر وعدہ خلاف ظاہر ہوئی کہ یہ نماز تام ہونے کی صورت ہے اور "ان ابی" (اگر انکار کیا) کے تحت داخل نہیں اس لئے کہ جس نے وعدہ کیا اس کے بارے میں یہ نہ کہا جائے گا کہ اس نے منع وانکار کیا لیکن اگر یہ دعوی کیا جائے کہ وعدہ عطا ہے تو یہ صورت شرطِ اوّل کے تحت داخل ہے۔ لیکن اس دعوی پر دلیل کی ضرورت ہے۔ اور دلیل کہاں؟ بلکہ دلیل تو اس کے خلاف پر موجود ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ (ت)

اگر یہ کہیے کہ ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ وہ وعدہ جس کے خلاف عمل ہو وہ انکار ہی ہے تو یہ صورت شرط ثانی کے تحت داخل ہوگی۔ اور یہ مآل کار کے اعتبار سے کچھ بعید بھی نہ ہوگا۔

اقول: (میں کہوں گا) اگر وعدہ کو عطا نہ قرار دیا جائے تو سُودمند نہیں اور اگر عطا قرار دیا جائے تو اس کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وعدہ خلافی اگر انکار مستند ہے یعنی وقت وعدہ سے،

وردت المسألة الاولی حیث وعد قبل تمام الصلاۃ واخلف فقد اثر مع کونه اباء وان کان اباء مقتصرا ای من حین اخلف ولم یکن اعطاء حین وقع وردت ایضا لانه سأل ولم یعط فلم توجد شریطة الابطال فلم بطلت فلامحید الاجعل الوعد عطاء بعینه وھو خلاف المعقول والمدلول واﷲ تعالٰی اعلم۔

وثانیا: کون(۱) ماء الطھارۃ مبذولا عادۃ فی کل مکان* بطلانه غنی عن البیان* یعرفه البله والصبیان وشان المبسوط یجل عن ارادته فوجب ردہ الی ماوفق به الائمة الجلة ابوبکر الجصاص وابوزید الدبوسی وابونصر الاصغار علیھم رحمة الغفاران المراد موضع لایعز فیه الماء فاذن کلام المبسوط حیث یظن العطاء فکیف یقال سواء غلب علی ظنه الاعطاء اوعدمه اوشک۔

وثالثا: ھل(۲) السؤال مطلقا سواء ظن ظنا اوشك واجب علیه غیرمشترط لصحة الصلاۃ ام ھو شرطھا علی الثانی کیف صح الشروع فیھا بلاسؤال وکیف جاز المضی فیھا لمن ظن

توپہلا سوال وارد ہوگا کیوں کہ اس نے قبل تمام نماز وعدہ کیااور خلاف کیا تو یہ انکار ہونے کے باوجود اثرانداز ہوا(جب کہ صورتِ انکار میں نماز تام ہوتی ہے) اور اگر انکار مقتصر ہو یعنی وقت عدم وفا سے،اور جب وعدہ ہوا ہے اس وقت دینا نہ ہو تو بھی پہلا سوال وارد ہوگا۔اس لئے کہ "اس نے مانگااور اس نے نہ دیا" تو ابطال کی جو شرط تھی (نہ مانگا یا اس نے دے دیا) وہ نہ پائی گئی پھر نماز کیوں باطل ہوئی تو کوئی مفر نہیں سوااس کے کہ وہ وعدہ کو بعینہٖ عطاقرار دیں اور یہ معقول ومدلول دونوں کے خلاف ہے۔(ت)

ثانیا: آب طہارت ہر جگہ عادۃً دے دیا جاتا ہے اس کا بطلان بیان سے بے نیاز ہے بے وقوفوں اور بچّوں کو بھی معلوم ہے اور مبسوط کا مقام ایسا معنی مراد لینے سے بلند ہے تو اس کے کلام کو اسی طرف پھیرنا ضروری ہے جس سے امام ابوبکر جصاص،امام ابوزید دبوسی اور امام ابونصر صغار علیہم الرحمۃ نے تطبیق دی کہ مراد ایسی جگہ ہے جہاں پانی کم یاب نہ ہو اب مبسوط کا کلام یہ ہوگا کہ (ایسی جگہ سوال نہ کیا) جہاں پانی دینے کا گمان ہو۔پھر یہ کیسے کہا جائے گا کہ (عدم سوال مبطل ہے) خواہ اسے دینے کا ظن ہو یا نہ دینے کا یا شک کی صورت ہو۔

ثالثا: کیا ایسا ہے کہ مانگنا خواہ کوئی گمان ہو یا شک ہو مطلقًا اس پر واجب ہے مگر صحتِ نماز کی شرط نہیں یا اس کی شرط بھی ہے۔برتقدیر ثانی بغیر مانگے اس کا نماز شروع کرنا کیسے صحیح ہوا؟اور ظن منع یا شک والے کیلئے

منعاأوشك بل وكيف قلتم فيمن يظن العطاء يقطعها وانما القطع لما انعقد وما ذا نفع الفرق ههنا بين ظن العطاء وغيره فترك الشرط مبطل مطلقا وكيف امضيتموها اذا سأل بعدها فابى وان كان يظن العطاء فان ماوقع باطلا لفقد شرط من شروط الصحة لاينقلب جائزا بعد كمن ظن قربه ولم يطلب وصلى بالتيمم ثم طلب فلم يجد بطلت ايضا كما تقدم عن السراج الوهاج والجوهرة۔

بل كيف يتأخر عنها سؤال كان شرطالها عـه والشرط لايتأخر عن

اس نماز کی ادائیگی پر برقرار رہنا کیسے جائز ہوا؟ بلکہ یہ سوال بھی ہے کہ جو عطاء کا ظن رکھتا ہو اس کیلئے آپ نے یہ کیوں کہا کہ نماز توڑ دے؟ توڑنا تو اسی کا ہوتا ہے جو بندھ چکا ہو اور جس کا انعقاد ہوگیا ہو اور یہاں ظن عطا اور اس کے ماسوا میں فرق سے کیا فائدہ؟ شرط کا ترک تو مطلقاً مبطل ہے اور اُس صورت میں آپ نے نماز کو تام قرار دیا جب اس نے بعد نماز طلب کیا اور اس نے انکار کردیا اگرچہ اسے عطا کا گمان رہا ہو اس پر سوال یہ ہے کہ آپ نے نماز کو تام کیسے قرار دیا؟ جو عمل کسی شرط صحت کے فقدان کی وجہ سے باطل واقع ہوا وہ بعد میں جائز کی صورت میں تبدیل نہیں ہوسکتا۔ ایسے اس کا حال ہے جسے قربِ آب کا ظن تھا اور اس نے پانی تلاش نہ کیا۔ تیمّم سے نماز پڑھ لی پھر تلاش کیا تو نہ پایا جب بھی اس کی نماز باطل ہے جیسا کہ سراج وہاج اور جوہرہ کے حوالہ سے بیان ہوا۔ بلکہ جو سوال نماز کی شرط تھا وہ نماز سے مؤخر کیسے ہوگا؟ شرط تو مشروط سے مؤخر

عـه **فان قلت** كيف تقول هذا مع تصريحهم بان (۱) علم المقتدى بحال الامام من سفر واقامة شرط صحة الاقتداء كمافى الخانية والبحر والدر وغيرها ثم صرحوا بأنه لايشترط حصوله من الابتداء بل يكفى حصوله بعد الصلاة باخبار الامام مثلا انه

اگر یہ سوال ہو کہ آپ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ مقتدی کو امام کی حالت سفر واقامت کا علم ہونا "صحت اقتدا کی شرط ہے" جیسا کہ خانیہ، بحر اور درمختار وغیرہا میں ہے۔ پھر یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ شروع ہی سے یہ علم ہونا شرط نہیں بلکہ بعد نماز یہ علم ہوجانا بھی کافی ہے مثلاً اس طرح کہ امام (بعد نماز) بتادے کہ وہ (باقی برصفحہ آئندہ)

المشروط وعلی الاول لم قلتم بطلت صلاته بترك السؤال بعدها وان ظن منعا اوشك فترك المرء بعض مایجب علیه لایفسد صلاته مالم یخل ذلك بشیئ من شروط صحتها۔ **فان قلت** کیف حکمتم ببطلان صلاته اذاظن العطاء ولم یسأل فما منه الاترك مالیس شرطا لصحة الصلاۃ۔ **اقول:** ببلی شرط صحة الصلاۃ الطهارۃ وشرط طهارته هذه ظهور	نہیں ہوتی۔ برتقدیر اول آپ نے یہ کیوں فرمایا کہ بعد نماز ترک سوال سے اس کی نماز باطل ہوگئی اگرچہ اسے انکار کا گمان ہو یا شک کی صورت ہو۔ ترک واجب سے نماز فاسد نہیں ہوجاتی جب کہ یہ صحت نماز کی کسی شرط میں خلل انداز نہ ہو۔ **اگر یہ سوال ہو** کہ جب اسے عطا کا ظن ہو اور نہ مانگے تو آپ نے اس کی نماز باطل ہونے کا کیسے حکم کردیا جبکہ اس نے ایک ایسا ہی کام ترک کیا جو صحت نماز کی شرط نہیں۔ **اقول:** (میں کہوں گا) کیوں نہیں نماز صحیح ہونے کی شرط طہارت ہے اور اس طہارت کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مسافر کما اشیر الیه فی المتون وصرح به فی التوشیح والنهایة والسراج والتتارخانیة والبحر والدر وغیرها فقدجوزوا تأخر الشرط عن المشروط اقول لیس هکذا بل التحقیق(۱) فیه انه شرط الحکم بصحة الاقتداء لاشرط نفسه وهو مرادما ذکروا من الاشتراط کما افاده فی الفتح واوضحناه فی صلاۃ المسافر من فتاوٰنا وبالله التوفیق ۱۲ منه غفرله (م)

مسافر ہے جیسا کہ متون میں اس صورت کی طرف اشارہ آیا ہے اور توشیح، نہایہ، سراج، تاتارخانیہ، بحر اور درمختار وغیرہا میں اس کی صراحت آئی ہے تو ان حضرات نے مشروط سے شرط کا مؤخر ہونا جائز رکھا **اقول:** (میں جواباً کہوں گا) معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ وہ علم صحت اقتدا کے حکم کیلئے شرط ہے خود صحت اقتدا کی شرط نہیں۔ علماء نے جو شرط ہونا ذکر کیا اس سے یہی مراد ہے جیسا کہ فتح القدیر سے یہ مستفاد ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی کے اندر نمازِ مسافر کے بیان میں اسے واضح کیا ہے اور خدا ہی سے توفیق ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

العجزوظهورالعجز یزول بظن عطاء لم یظهرخلافه فاذاظن العطاء حکم بفسادصلاته موقوفاالی ان یظهر خلافه فتصح اولا فتفسد باتا کما بینت اٰخرالمسائل فاذالم یسأل لم یظهر فبت فسادهالالاشتراط السؤال بل لفقدان ظهور العجز بخلاف مااذا ظن المنع فانه لم یوجد معارض لظهور العجز وهو ظاهروکذا اذاشك لکونه احتمالا لاعن دلیل فلایعارض الظاهر کماحققت اٰخر المسألة السادسة ولله الحمد۔

اقول: ثم ههنا عدة اسئلة ترد علی ظاهرکلام الامام فی النظرالظاهر اجبنا ان نوردها ونردها الاول جعلتم الشك فی الاعطاء والمنع شکا فی القدرة والعجز فاذن ظن المنع ظن العجز وقد قلتم ان غلبة الظن اقیم مقام حقیقة القدرة والعجز تیسیرا فاذا ظهرخلافه لم یبق قائما مقامهما فقد افدتم انه اذالم یظهرخلافه یبقی قائمامقامهمافلم قلتم ان من ظن المنع ولم یسأل بعد ولم یعطه

شرط یہ ہے کہ اس کا عجز ظاہر ہو۔اور ظہور عجز ایسے ظن عطا سے ختم ہوجاتا ہے جس کے خلاف ظاہر نہ ہو۔تو جب اسے عطا کا گمان ہوجائے حکم کیا جائے گا کہ اس کی نماز کا فاسد ہونا موقوف رہے گا یہاں تک کہ اس گمان عطا کے خلاف ظاہر ہو تو نماز صحیح ہوجائے گی یا اس کے خلاف ظاہر نہ ہو تو نماز قطعی طور پر فاسد ہوجائے گی جیسا کہ میں نے آخری مسئلہ میں بیان کیا جب اس نے سوال نہ کیا اس کے ظن عطا کے خلاف ظاہر نہ ہوا تو فسادِ نماز قطعی ہوگیا اس لئے نہیں کہ سوال شرط ہے بلکہ اس لئے کہ ظہور عجز مفقود ہے۔بخلاف اس صورت کے جب انکار کا ظن ہو اس لئے کہ ظہور عجز کا کوئی معارض نہ پایا گیا یہ تو واضح ہے اسی طرح جب شک رہا ہو اس لئے کہ یہ احتمال بلادلیل ہے تو ظاہر کے معارض نہ ہوگا جیسا کہ میں نے مسئلہ ششم کے آخر میں اس کی تحقیق کی ہے۔اور خدا ہی کیلئے حمد ہے۔(ت)

اقول: اب یہ دیکھئے کہ یہاں امام صدر الشریعۃ کے ظاہر کلام پر بادی النظر میں چند اعتراض وارد ہوتے ہیں جنہیں ہم ذکر کرکے ان کی تردید کردینا چاہتے ہیں۔

پہلا اعتراض: عطاء ومنع میں شک کو آپ نے قدرت وعجز میں شک قرار دیا ہے اس لحاظ سے ظن منع ظن عجز ہوگا جبکہ آپ نے فرمایا ہے کہ غلبہ ظن کو آسانی کیلئے قدرت وعجز کی حقیقت ویقین کے قائم مقام رکھا گیا ہے پھر جب اس کے خلاف ظاہر ہوجائے تو وہ حقیقت قدرت وعجز کے قائم مقام نہیں رہ جاتا اس سے یہ مستفاد ہُوا کہ جب اس کے خلاف نہ ظاہر ہو تو وہ

صاحبه بطلت صلاته مع ان عنده ظن العجز ولم يظهر خلافه فيكون قائما مقام حقيقة العجز۔

ان دونوں کے قائم مقام رہتا ہے پھر آپ نے یہ کیسے فرمایا کہ جسے انکار کا گمان ہو اور اس نے ابھی مانگا نہیں اور پانی والے نے اسے دیا بھی نہیں تو اس کی نماز باطل ہوگئی باوجودیکہ اسے عجز کا گمان ہے اور اس کے خلاف ظاہر بھی نہ ہوا تو وہ حقیقت عجز کے قائم مقام رہے گا۔

الثاني: رأى الماء وهو يصلي وظن المنع فاتم كماامرتم فلما فرغ وجد صاحبه قدذهب ولايدری مكانه فمتى توجبون عليه السؤال افی صلاته فيجب القطع وقد نهيتموه ام بعدها وقد ذهب وغاب فايجاب السؤال ايجاب المحال فوجب القول بادارة الحكم على ظنه۔

دُوسرا اعتراض: اس نے نماز پڑھتے وقت پانی دیکھا اور اسے انکار کا گمان ہُوا تو جیسا کہ آپ نے حکم دیا ہے اس نے نماز پُوری کرلی جب فارغ ہُوا تو دیکھا کہ پانی والا چلا گیا اب کہاں ہے پتا نہیں۔ تو اب اس کے ذمہ آپ مانگنا کب واجب کرتے ہیں اگر نماز کے دوران ہی واجب کرتے ہیں تو نماز توڑنا واجب ہوگا جب کہ اس سے آپ نے منع فرمایا ہے اور اگر بعد نماز واجب کرتے ہیں تو اب وہ چلا گیا اور غائب ہوگیا ایسی صورت میں اس سے مانگنے کو واجب کرنا ایک امر محال کو واجب کرنا ہے لامحالہ اس کے ظن ہی پر مدار حکم رکھنے کا قائل ہونا پڑے گا۔

الثالث: اذا اوجبتم السؤال بكل حال* وان لم يسأل حكمتم مطلقا بالابطال* فلاشك ان ظنه بمعزل عن الحكم عند ترك السؤال* واذا سأل ظهرت الحقيقة وانسلّ الظن عن المجال* فمتى اقيم مقامها وماله الاالزوال*

تیسرا اعتراض: جب آپ نے ہر حال میں مانگنا واجب کیا اور اگر نہ مانگا تو مطلقًا ابطال کا حکم دیا اب دو ہی صورتیں ہیں سوال یا ترک سوال۔ ترک سوال کی صورت میں تو صاف ظاہر ہے کہ اس کے ظن کا حکم سے کوئی تعلق نہیں اور سوال کی صورت میں حقیقت خود ہی منکشف ہوجاتی ہے اور ظن میدان سے نکل جاتا ہے تو ظن کو حقیقت کے قائم مقام کب رکھا گیا جبکہ اس کے حصہ میں زوال کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اقول: والجواب عن الکل فی حرف واحدان السؤال واجب مهما امکن فاذا تعذر دار الامر علی الظن*وقوله(۱) فاذا ظهرخلافه لیس فی الحکم حتی یؤخذ مفهومه بل فی تعلیل مسألة وکان الواقع فیهاظهور خلافه فبنی الامر علیه والله تعالٰی اعلم۔

اقول: ایک حرف میں سب کا جواب یہ ہے کہ بصورت امکان سوال واجب ہے جب یہ معتذر ہو تو حکم کا مدار ظن پر ہے۔اور صدر الشریعۃ کا قول "فاذا ظهر خلافه" (تو جب اس کے خلاف ظاہر ہوا) حکم کے تحت نہیں کہ اس کا مفہوم لیا جائے بلکہ وہ ایک مسئلہ کی تعلیل کے تحت ہے اور اس میں واقع یہی تھا کہ اس کے خلاف ظاہر ہوا، تو بنائے کار اسی پر رکھی اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔(ت)

الثانی القانون البحری

دوم: قانون علامہ صاحب البحر

قال رحمه الله تعالٰی ان المتیمم اذارأی مع رجل ماء کافیا فلا یخلو امان یکون فی الصلاة اوخارجها وفی کل منهما اما ان یغلب علی ظنه الاعطاء اوعدمه اویشك وفی کل منها اما ان سأله اولا وفی کل منها اما ان اعطاه اولافهی اربعة وعشرون فان کان فی الصلاة وغلب علی ظنه الاعطاء قطع وطلب الماء فان اعطاه توضأ والا فتیممه باق فلو اتمها ثم سأله فان اعطاه استأنف وان ابی تمت وکذا اذا ابی ثم اعطی وان غلب علی ظنه عدم الاعطاء اوشك لایقطع صلاته فان قطع وسأل فان اعطاه توضأ والا فتیممه باق وان اتم ثم سأل فان اعطاه بطلت وان ابی تمت

صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "معلوم ہوا کہ تیمّم والا جب کسی آدمی کے ساتھ آب کافی دیکھے تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا تو یہ دیکھنا اندرون نماز ہوگا یا بیرونِ نماز ہوگا۔اور ہر ایک میں یا تو دینے یا نہ دینے کا غلبہ ظن ہوگا یا شک ہوگا۔اور ان میں سے ہر ایک میں یا تو اس سے طلب کیا ہوگا یا نہ کیا ہوگا۔اور ہر ایک میں یا تو اس نے دیا ہوگا یا نہ دیا ہوگا تو یہ چوبیس ۲۴ صورتیں ہوئیں۔اگر اندرونِ نماز ہو اور دینے کا غلبہ ظن ہو تو نماز توڑ دے اور پانی طلب کرے۔اگر دے دے تو وضو کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے اگر نماز پُوری کرلی پھر مانگا تو اگر دے دے از سرِ نو نماز پڑھے اور اگر انکار کردے تو اس کی نماز پُوری ہوگئی۔اسی طرح جب انکار کردے پھر دے دے۔اور اگر اسے نہ دینے کا غلبہ ظن ہو یا شک ہو تو نماز

وان کان خارج الصلاۃ فان لم یسأل وتیمم وصلی جازت الصلاۃ علی مافی الھدایۃ ولاتجوز علی مافی المبسوط فان سأل بعدھا فان اعطاہ اعاد والافلا سواء ظن الاعطاء اوالمنع اوشك وان سأل فان اعطاہ توضأ وان منعه تیمم وصلی فان اعطاہ بعدھا لااعادۃ علیه وینتقض تیممه ولایتأتی فی ھذ القسم الظن اوالشك وھذا حاصل مافی الزیادات وغیرھا وھذا الضبط من خواص ھذا الکتاب[1] اھ وتبعه اخوہ وتلمیذہ المدقق فی النھر اثر عنه ش واقر۔

نہ توڑے۔اور اگر توڑ دی اور مانگا تو اگر دے دے وضو کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے۔اور اگر پُوری کرلی پھر مانگا تو اگر دے دے نماز باطل ہوگئی اور اگر انکار کردے تو تام ہے اور اگر بیرونِ نماز ہو تو اگر نہ مانگا اور تیمّم سے نماز ادا کرلی تو کلامِ ہدایہ کے مطابق نماز ہوگئی اور بیانِ مبسوط کے مطابق نہ ہُوئی اگر بعد نماز مانگا تو اگر وہ دے دے اعادہ کرے ورنہ نہیں خواہ عطا کا گمان رہا ہو یا منع کا یا شک رہا ہو۔اور اگر مانگا تو دینے کی صورت میں وضو کرے اور انکار کی صورت میں تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔اب اگر بعد نماز دے دے تو اس پر اعادہ نہیں، تیمّم ٹوٹ جائے گا۔اس قسم میں ظن یا شک کی صورت ہی نہیں یہ سب اس کا حاصل ہے جو زیادات وغیرہا میں ہے۔اور یہ انداز ضبط اس کتاب کی خصوصیات سے ہے اھ۔ان کے برادر تلمیذ مدقق نے النہرالفائق میں اسی کی پیروی کی۔ان سے علّامہ شامی نے نقل کیا اور برقرار رکھا۔(ت)

اقول: اولا: (۱)بل ھی علی ماسلك ست وستون تضمن کلامه بیان اربع وخمسین وبقیت علیه اثنتا عشرۃ وذلك لانه اما ان یراہ فی الصلاۃ اوقبلھا وعلی کل یظن العطاء اوالمنع اویشك فھی ست وفی کل منھا احدی عشرۃ لانه اما ان یسأل قبل الصلاۃ او بعدھا اولاولا کیف وقدمر علی ھذا

اقول: اولا: بلکہ یہ ان کی روشِ کلام کے مطابق چھیاسٹھ ۶۶ صورتیں ہیں جن میں سے چوّن ۵۴ صورتوں کا بیان ان کے کلام کے ضمن میں آگیا اور بارہ ۱۲ صورتیں رہ گئیں۔وہ اس لئے کہ یا تو وہ اندرونِ نماز دیکھے گا یا قبل نماز۔اور بہر دو صورت یا تو اسے عطا کا ظن ہوگا یا انکار کا، یا شک ہوگا۔یہ چھ ۶ صورتیں ہوئیں اور ان میں سے ہر ایک گیارہ ۱۱ صورتیں ہیں اس لئے کہ وہ یا تو قبل نماز مانگے گا

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

التقسیم فی قولہ قطع وطلب فلو اتم ثم سأل وفی قولہ قطع وسأل وان اتم ثم سأل وفی قولہ فان سأل بعدھاوان سأل ای قبلھا وقال فان لم یسأل ای اصلا (واعنی بالسؤال قبل الصلاۃ قبل تمامھاسواء کان قبل شروعھااوبقطعھا اذارأہ فیھا)وعلی کل من الاولین یعطی اولا وعلی الثالث یعطی قبل الصلاۃ اوفیھا اوبعدھا اولا اصلا فھی ثمان وواحدۃ منھاتصیرار بعاوھی ماذا سأل قبلھا فابی فانہ اما ان یعید السؤال بعدھا اولا وعلی کل یعطی اولا فصارت احدی عشرۃ فبلغت ستاوستین واناصورلك احدی الاسداس لتقیس علیھا سائرھابان تضع ظن المنع مقام ظن العطاء ثم الشك فھی ثلاث وثلثون ثم تضع رأی قبلھا مکان رأی فی الصلاۃ فھی ثلاث وثلثون اخری وھذہ صورتہ۔

یا بعد نماز یا نہ قبل نماز نہ بعد نماز۔ یہ صورتیں کیسے نہ ہونگی جب کہ ان کی روشِ بیان درج ذیل عبارتوں میں اسی تقسیم پر جاری ہے (دیکھئے ان کی عبارت خط کشیدہ الفاظ ۱۲م۔الف) (۱) نماز توڑ دے اور پانی طلب کرے اگر نماز پُوری کرلی پھر مانگا (۲) توڑی دی اور مانگا اور اگر پُوری کرلی پھر مانگا (۳) اگر بعد نماز مانگا اور اگر مانگا (۳) اگر بعد نماز مانگا اور اگر مانگا یعنی قبل نماز اور فرمایا: تو اگر نہ مانگا یعنی بالکل مانگا ہی نہیں (نہ قبل نماز نہ بعد نماز) میری عبارت میں جو "قبل نماز" آیا ہے اس سے میری مراد ہے" تکمیل نماز سے "خواہ یوں کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہو یا یوں کہ جب اندرونِ نماز پانی دیکھنا نماز توڑدی ہو (اب سلسلہ کلام وہیں سے ملا لیجئے ۱۲م۔الف) اور ان میں کی پہلی دونوں میں سے ہر تقدیر پر یا تو وہ دے گا یا نہ دے گا اور تیسری تقدیر پر قبل نماز[1] دے گا، یا اندرون[2] نماز، یا بعد[3] نماز، یا بالکل[4] نہ دے گا۔ یہ آٹھ صورتیں ہوئیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جس کی چار[4] صورتیں بن جائیں گی۔ یہ قبل نماز مانگنے پر انکار والی صورت ہے کیونکہ اس صورت میں یا تو بعد نماز دوبارہ مانگے گا، یا نہ مانگے گا اور بہر تقدیر یا تو وہ دے گا یا نہ دے گا۔ تو گیارہ" صورتیں ہو کر چھاسٹھ[66] کو پہنچ جائیں گی اب ان میں سے ایک سدس (گیارہ) کی شکل پیش کی جاتی ہے تاکہ بقیہ کو اسی پر قیاس کیا جاسکے اس طرح کہ ظن عطا کی جگہ ظن منع پھر شک رکھ دیں تو یہ تینتیس[33] صورتیں ہوجائیں گی، پھر "اندرونِ نماز دیکھا" کی جگہ "قبل نماز دیکھا" رکھ دیں تو یہ دوسری تینتیس[33] صورتیں ہوجائیں گی۔ نقشہ یہ ہے:

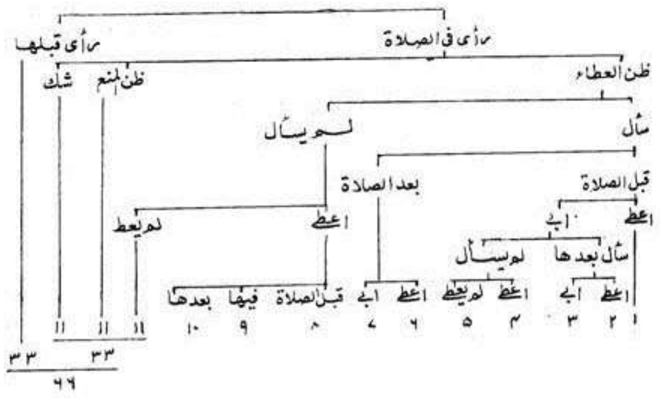
رأی فی الصلاۃ
رأی قبلہا
ظن العطاء
ظن المنع
شك
سأل
لم یسأل
قبل الصلاۃ
بعد الصلاۃ
اعطی
لم یعط
ابی
سأل بعدها
لم یسأل
اعطی
ابی
اعطی
لم یعط
اعطی
ابی
قبل الصلاۃ
فیہا
بعدها
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰
۱۱ ۱۱ ۱۱
۳۳ ۳۳
۶۶

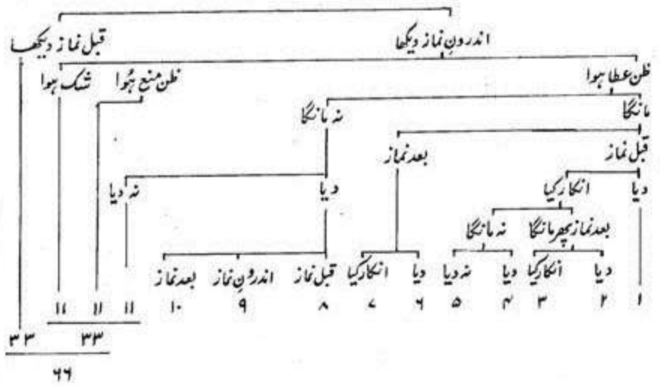
اندرونِ نماز دیکھا
قبل نماز دیکھا
ظن عطا ہوا
ظن منع ہوا
شک ہوا
مانگا
نہ مانگا
قبل نماز
بعد نماز
دیا
نہ دیا
انکار کیا
بعد نماز پھر مانگا
نہ مانگا
دیا
انکار کیا
دیا
نہ دیا
دیا
انکار کیا
قبل نماز
اندرونِ نماز
بعد نماز
۱ ۲ ۳ ۴ ۵ ۶ ۷ ۸ ۹ ۱۰
۱۱ ۱۱ ۱۱
۳۳ ۳۳
۶۶

ولم يذكر فيما اذارأى فی الصلاة الا السؤال قبلها اوبعدها فبقی ان لايسأل اصلا وصاحبه يعطيه قبل الصلاة اوفيها اوبعدها اولا فهی اربع علی كل من صور الظنين والشك فكانت اثنتی عشرة لم يذكرها۔

فان قلت لافائدة فی التشقيق بعد الاباء قبل الصلاة بأنه سأل بعدهااولا وعلی كل اعطی اولافان الحكم لايختلف وهو صحة صلاته لان العطاء بعد الاباء غير مفيد كمامر فی المسألة العاشرة۔

اقول: بلی فائدته اعطاء هذاالحكم الاتری الی قوله فی الضابطة فيمااذارأى فی الصلاة وكذااذاابی ثم اعطی وفيمااذارأى خارجهافان منعه واعطاه بعدها لااعادة[1] اه ولذا اخذه المحقق الحلبی فی شقوق ضابطته كماسياتی ان شاء الله تعالٰی وان فرض فالكلام علی مسلكه رحمه الله تعالٰی وهو لم يعتبر فی الاقسام تمايز الاحكام كماسياتی وان سلمنا فهی ثمان واربعون ثمان فی ست كماتری وقد تضمن كلامه حكم ست وثلثين وترك اثنتی عشرة۔

علامہ صاحب بحر نے اندرونِ نماز دیکھنے کی تقدیر پر صرف مانگنے کا ذکر کیا ہے قبل نماز ہو یا بعد نماز۔اور یہ شکل رہ گئی کہ بالکل نہ مانگا اور پانی والے نے اسے قبل نماز یا اندرونِ نماز یا بعد نماز دے دیا، یا نہ دیا تو ظنِ عطا، ظنِ منع اور شک ہر ایک پر یہ چار چار صورتیں ہو کر بارہ ۱۲ ایسی ہوئیں جن کو انہوں نے نہیں ذکر کیا۔(ت)

اگر یہ سوال ہو کہ قبل نماز انکار ہو جانے کے بعد یہ شقیں نکالنے میں کوئی فائدہ نہیں کہ بعد نماز اس نے مانگا یا نہ مانگا اور بہر تقدیر اس نے دیا یا نہ دیا۔اس لئے کہ حکم مختلف نہیں، حکم یہی ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے اس لئے کہ انکار کے بعد دینا مفید نہیں جیسا کہ مسئلہ دہم میں گزرا۔(ت)

اقول: کیوں نہیں۔یہ حکم دینا ہی اس کا فائدہ ہے۔ضابطہ میں صاحبِ بحر کا کلام دیکھئے،اندرونِ نماز دیکھنے کے تحت ہے "اور ایسے ہی جب انکار کردے پھر دے دے" اور بیرونِ نماز دیکھنے کے تحت ہے "تو اگر (اس وقت) نہ دیا اور بعد نماز دے دیا تو اعادہ نہیں" اھ۔اسی لئے محقق حلبی نے بھی اسے اپنے ضابطہ کی شقوں میں لیا ہے جیسا کہ ان کا کلام اِن شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔اور اگر بے فائدہ ہی فرض کرلیا جائے تو یہاں کلام صاحبِ بحر رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر ہے اور انہوں نے قسموں کے اندر احکام کے جُدا گانہ ہونے کا اعتبار نہیں کیا ہے جیسا کہ اس کا بیان آرہا ہے اور اگر ہم تسلیم ہی کرلیں تو یہ اڑتالیس ۴۸ صورتیں ہیں چھ میں آٹھ۔۸*۶ = ۴۸ جیسا کہ پیش نظر ہے اور ان کا کلام صرف چھتیس ۳۶ صورتوں کے حکم پر مشتمل ہے۔بارہ ۱۲ صورتیں انہوں نے چھوڑ دیں۔(ت)

---

[1] البحر الرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۴

وثانیا: نقل(۱) التوفیق عن الذخیرۃ عن الجصاص وھو التحقیق فارسالہ ماذا کان خارج الصلاۃ ولم یسأل اصلا خلافیۃ غیر مقطوع فیھا بقول مالاینبغی۔

وثالثا: قد(۲) مشی علیہ فیمن رأی فی الصلاۃ یقطع ان ظن العطاء والالا ومامبناہ الاذلك التوفیق انہ یجب السؤال ان ظن العطاء والالا کماقدمنافقدمشی علی التوفیق ثم جعل الکل خلافیۃ وانماکان الوجہ ان یحیل ھذہ ایضا علی الخلاف اویقطع القول فی تلك ایضا۔

ورابعا: قولہ(۳) فیمااذارأی خارجا فسأل فمنع فتیمم فصلی انہ لایتأتی فیہ الظن والشك فیہ شك ای شك فان اراد عدم تأتیھمابعد المنع فالمنع لایختص بھذاالقسم وایضا لاتأتی لھمابعد الاعطاء ایضا بل اولی لانہ تم الامر وفی المنع یحتمل ان یحملہ علی حالۃ راھنۃ ویظن بہ عطاء اومنعااویشك فیمابعدذلك وان اراد مطلقا وھوالظاھرمن کلامہ فعدم تأتیھما بعد المنع لا یمنع تأتیھما قبلہ وقد جعل(۴) الاقسام

ثانیا: ذخیرہ کے ذریعہ امام جصاص سے تطبیق نقل کی۔وہی تحقیق بھی ہے اس کے باوجود بیرونِ نماز رہ کر بالکل نہ مانگنے والی صورت کو کوئی قطعی قول پیش کیے بغیر اختلافی چھوڑ دینا مناسب نہیں۔

ثالثا: اسی پر اس کے بارے میں چلے ہیں جو اندرونِ نماز دیکھے تو اگر ظنِ عطا ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں۔اس کی بنیاد وہی تطبیق ہے کہ مانگنا واجب ہے اگر عطا کا گمان ہو ورنہ نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو یہاں تطبیق پر چلے پھر سب کو خلافی بنادیا۔مناسب طریقہ یہی تھا کہ یا تواِسے بھی اختلاف کے حوالے کرتے یا اُس میں بھی قطعی قول کرتے۔

رابعا: یہ صورت کہ "بیرونِ نماز دیکھنے پر مانگا تو اس نے نہ دیا پھر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی"۔اس کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ "اس قسم میں ظن یا شک کی صورت نہیں" یہ کلام بڑے شک واعتراض کا محل ہے اگر یہ مراد ہے کہ بعد منع ظن یا شک نہیں ہوتا تو منع اسی قسم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ بدرجہ اولی نہیں،اس لئے کہ کام پُورا ہوگیا۔اور منع میں تو یہ احتمال ہے کہ اس منع کو موجودہ حالت پر محمولہ کرے اور اس کے بعد اس سے دینے یا نہ دینے کا گمان یا شک رکھے۔اور اگر یہ مراد ہے کہ مطلقًا ظن یا شک نہیں ہوتا۔یہی ان کے کلام سے ظاہر بھی ہے تو اس پر یہ کلام ہے کہ بعد منع ظن وشک کی صورت نہ ہونا اس سے مانع نہیں کہ قبل منع ظن یا شک رہا ہو۔انہوں

اولا ستایکون فی الصلاۃ اوخارجھا وعلی کل یظن عطاء اومنعا اویشك ثم فصل کلامنھا الی السؤال وعدمه والعطاء والاباء فکیف یخرج ھذامن الظن والشك وان خرج کیف تصیر اربعاوعشرین۔

وخامسا: لاتخالف الرؤیة فی الصلاۃ وخارجھا فی شیئ من الاحکام ولااقسام الرؤیة فی الصلاۃ فیمابینھا غیر انه یقطع ان ظن العطاء والالا فماکان لیدخل فی الشقوق فیطول الامر وکان یجمع جمیع(۱)ماقاله بل مع الزیادۃ واحاطة الست المتروکة ان یقول من علم مع غیرہ ماء یکفی لطھرہ قبل الصلاۃ اوفیھا فان لم یسأل فعلی الخلاف وان سأل فان اعطی توضأ وان کان تیمم انتقض وان کان صلی بطلت وان منع تیمم اولم ینتقض اومضت ولاعبرۃ بالعطاء بعد الاباء فی الوجھین وسواء فی کل ذلك ظن عطاء قطع الصلاۃ والالا فھذا نحوثلث سطورہ بیدان الثلث کثیر۔

نے پہلے چھ[6] قسمیں بنائی ہیں اس طرح کہ وہ اندرونِ[1] نماز ہوگا یا بیرونِ[2] نماز اور بہر دو تقدیر یا تو اسے ظن[1] عطا ہوگا یا ظن منع[2] یا شک ہوگا_ پھر ان میں سے ہر ایک میں سوال[1] وعدم سوال[2] اور عطا[1] وعدم[2] عطا کی تفصیل ہے تو یہ قسم ظن وشک سے خارج کیسے ہوگی اور اگر خارج ہو تو چوبیس[24] صورتیں کیسے بنیں گی؟

خامسا: اندرونِ نماز وبیرونِ نماز دیکھنے میں اور اندرون نماز دیکھنے کی قسموں میں باہم احکام کا کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ اگر اسے عطا کا ظن ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں تو ان سب کو شقوں میں داخل کرکے طویل کرنا مناسب نہ تھا اگر یوں کہتے تو ان کی پوری بات مع اضافے اور متروکہ چھ صورتوں کے احاطے کے سمٹ آتی: "جسے کسی کے پاس طہارت کیلئے کفایت کرنے والے پانی کا قبل نماز یا اندرونِ نماز علم ہوا تو اگر نہ مانگا تو اس صورت میں اختلاف ہے اور اگر مانگا اس نے دے دیا تو وضو کرے اور اگر تیمّم تھا تو ٹوٹ گیا اور اگر نماز پڑھ لی تو باطل ہوگئی اور اگر نہ دیا تو تیمّم کرے یا تیمّم ٹوٹا ہی نہیں یا نماز بھی ہوگئی اور دونوں ہی شکلوں میں انکار کے بعد دینے کا کوئی اعتبار نہیں اور ان سب صورتوں میں خواہ اسے عطا کا گمان ہو یا منع کا، یا شک ہو مگر یہ ہے کہ اگر ظن عطا ہو نماز توڑ دے ورنہ نہیں۔ تو یہ ان کی سطروں کے تہائی کے قریب ہے مگر یہ کہ تہائی زیادہ ہے۔ (ت)

وسادسا: قوله(۱) فی خارج الصلاۃ ان لم یسأل وتیمم وصلی یرید به کما اشرنا الیه ماذالم یسأل قبلها ولابعدها لانه سیذکرهما من بعد فهو مشتمل علی اثنی عشر قسما کما علمت یظن منحا او منعا او یشك وعلی کل یعطیه صاحبه قبل الصلاۃ اوفیها اوبعدها اولا اصلا ولاخلاف ان کان الا فی ثلث منها وهی ماذا لم یعطه اصلا وهذا ایضا بشرط ان لایوجد الوعد قبل تمام الصلاۃ والا لمنع ونقض وابطل ولو اعطی قبل الصلاۃ وجب الوضوء وان کان تیمم انتقض اوفیها وجب الاستئناف بعد التوضی اوبعدها بطلت کل ذلك بالاجماع لان القدرۃ علی الماء تحصل باجماع اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنهم بالاباحۃ فکیف بالعطاء والعطاء عطاء وان لم یکن عن سؤال کما اذاکان عندہ من یسأله فلم یسأل وصلی فاخبرہ مبتدئا اومجیبا اعاد مطلقا کما تقدم وقد(۲) احسن الدر اذقال لوصلی بتیمم وثمه من یسأله ثم اخبرہ بالماء اعاد[1]. فلم یقل ثم سأله فاخبرہ لاجرم ان قال فی الجوهرۃ النیرۃ رأی رجلا معه ماء فلم یسأله فصلی ثم اعطاہ بعد فراغه من غیر سؤال توضأ و

سادسا: بیرونِ نماز والی صورت کے تحت ان کا قول "اگر نہ مانگا اور تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی"۔اس سے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ان کی مراد یہ ہے کہ "نہ قبل نماز مانگا نہ بعد نماز" اس لئے کہ آگے ان دونوں کو ذکر کر رہے ہیں جیسا کہ معلوم ہوا یہ بارہ ۱۲ قسموں پر مشتمل ہے: اسے ۱ دینے کا ظن ہوگا یا نہ ۲ دینے کا شک ہوگا اور بہر تقدیر پانی والا اسے قبل ۱ نماز دے گا یا اندرون ۲ نماز یا بعد نماز، یا بالکل ۴ نہ دے گا اگر مانا جائے کہ اختلاف ہے تو ان میں سے صرف تین صورتوں میں ہوگا یہ جب کہ بالکل نہ دیا اور یہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ قبل تکمیل نماز وعدہ نہ پایا جائے ورنہ وہ مانع، ناقض اور مبطل ہوگا (تیمّم سے مانع ہوگا اور اگر تیمّم ہے تو اسے توڑ دے گا تیمّم سے نماز پڑھ لی تو اسے باطل بھی کردے گا) اگر قبل نماز دیا تو وضو واجب ہے اور اگر تیمّم تھا تو ٹوٹ گیا اندرون نماز دیا تو وضو کرکے ازسرِنو پڑھنا ضروری ہے بعد نماز دیا تو سب بالاجماع باطل ہوگیا اس لئے کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے کہ اباحت سے پانی پر قدرت ہوجاتی ہے تو عطا سے کیوں نہ ہوگی اور عطاء عطاء ہی ہے اگرچہ بغیر سوال ہو، جیسے اس صورت میں جب کہ اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہو جس سے دریافت کرسکے مگر نہ دریافت کیا اور نماز پڑھ لی پھر اس نے ازخود بتایا یا پُوچھنے پر بتایا بہرصورت اعادہ کرے۔ جیسا کہ گزرا۔ درمختار نے یہ عمدہ تعبیر کی: "اگر تیمّم سے نماز

[1] درمختار باب التیمم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۴۴/۱

اعاد وان لم يعط فصلاته تامة [1] اھ فجعلها خلافية مطلقا غير سديد فى تسعة من اثنى عشروان (ا) اخذت المتروكات ايضا كمافعلنا ففى ثمانية عشراى على هذا التقسيم اما على اخذ صور الوعد فكثير جدا كماياتى۔

وسابعا: ترک (ا) صور الوعد والسكوت وفيها مباحث تهم فالاقسام على ماسلك لااربعة وعشرون ولاستة وستون بل اربعمائة وستة وعشرون وذلك لانه اما (ا) ان يسأل قبل التيمم او (۲) بعده قبل الشروع فى الصلاة او (۳) فيها بقطعها او (۴) بعدها اولا (۵) اصلا فهى خمس ولايكون الاولان الا بالعلم قبل الصلاة والبواقى تحتمل العلم فيها وقبلها فهى ثمانية وعلى كل تقدير يظن منحا اومنعا اويشك فهى اربعة وعشرون۔ فريق السؤال منها ثمانية عشروفريق عدمه ستة والسؤال قبل التيمم اوبعده قبل الصلاة ثلاثى

پڑھ لی جبکہ وہاں کوئی ایسا تھا جس سے دریافت کرلے پھر اس نے پانی کی خبر دی تو اعادہ کرے"۔ یہ نہ فرمایا کہ "پھر اس نے سوال کیا تو اس نے بتایا"۔ لاجرم جوہرہ نیرہ میں یہ کہا: کسی ایسے شخص کو دیکھا جس کے پاس پانی ہے اس سے طلب نہ کیا۔ نماز پڑھ لی۔ پھر اس کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بغیر مانگے دے دیا تو وضو کرکے اعادہ کرے اور اگر نہ دیا تو اس کی نماز تام ہے" اھ تو اسے بارہ ۱۲ میں سے نو ۹ صورتوں میں مطلقًا خلافی قرار دینا درست نہیں۔ اور اگر متروکات بھی لے لیے جائیں جیسا کہ ہم نے کیا تو اٹھارہ ۱۸ صورتوں میں۔ یعنی اس تقسیم پر لیکن وعدہ کی صورتیں بھی لی جائیں تو بہت زیادہ ہوجائیں گی، جیسا کہ ذکر آرہا ہے۔ (ت)

سابعا: وعدہ اس سکوت کی صورتیں چھوڑ دیں جبکہ اس میں اہم بحثیں ہیں تو ان کے طرز پر قسمیں نہ چوبیس ۲۴ ہوں گی نہ چھیاسٹھ ۶۶ بلکہ چارسو چھبیس ۴۲۶ ہوں گی۔ وہ اس لئے کہ سوال یا تو قبل تیمم ۱ ہوگا، یا بعد ۲ تیمم قبل شروع نماز، یا اندرون ۳ نماز اس طرح کہ نماز توڑدے، یا بعد ۴ نماز یا سوال بالکل نہ ہوگا ۵ یہ پانچ صورتیں ہوئیں پہلی دونوں صورتیں قبل نماز علم کے بغیر نہ ہوں گی اور بقیہ میں احتمال ہے کہ اندرون نماز معلوم ہو یا قبل نماز ہو۔ تو یہ آٹھ ہوئیں اور بہر تقدیر اسے ظن عطا ہوگا یا ظن منع یا شک ہوگا تو یہ چوبیس ۲۴ صورتیں ہوئیں۔ ان میں سے اٹھارہ ۱۸ سوال والی ہیں اور چھ ۶ عدم سوال والی اور ظن عطا و منع اور شک کے

[1] الجوہرۃ النیرۃ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۹

باعتبار الظنین والشك والسؤال فیها اوبعدها کل سداسی باضافة کون الرؤیة فی الصلاة اوقبلها وصورة عدم السؤال تشمل الوجهین کماستعرف۔

ثمّ علی کل سؤال اما ان یعطی من فوره وهو العطاء العاجل اویعد اویسکت اویابی وبعدکل من الثلثة اما ان یعطی وهو العطاء الاٰجل اولا واذالم یعط فی الوعد فاما ان یظهر خلفه اولا کماقدمنا فی التنبیه الخامس ففی کل سؤال ثمانیة [عه] وجوه.اما العطاء العاجل فلایفارق السؤال فی زمانه والاٰجل فی غیر الوعد یحتمل ان(۱) یکون قبل التیمم او(۲)بعده قبل الصلاة او(۳) فیها او(۴) بعدها فی الوقت قبل الاطلاع علی تیممه وصلاته او(۵) بعده او(۶) بعد الوقت اما فی الوعد فلا الاوجهین وهما العطاء فی الوقت اوبعده لان الوعد یوجب الانتظار الی خروج الوقت فهما وعدالم یکن له ان یتیمم اویصلی بداء اوعودا اذاعرفت هذا

اعتبار سے سوال قبل تیمّم یا بعد تیمّم قبل نماز کی تین تین صورتیں ہیں اور نماز کے اندر یا نماز کے بعد سوال کی چھ چھ صورتیں ہیں اس طرح کہ رؤیت اندرون نماز یا قبل نماز ہونے کا اضافہ ہوگا اور عدم سوال والی صورت دونوں شکلوں کو شامل ہے، جیسا کہ معلوم ہوگا۔(ت)

پھر ہر سوال پر یا تو اسے فورًا دے دے گا اس کا نام عطائے عاجل ہے یا وعدہ یا سکوت یا انکار کرے گا۔اور ان تینوں میں سے ہر ایک کے بعد یا تو دے دے گا اور یہ عطائے آجل ہے یا نہ دے گا اور جب صورت وعدہ میں نہ دے گا تو یا تو اس کے خلاف ظاہر ہوگا یا نہیں جیسا کہ تنبیہ پنجم میں ہم پہلے بیان کرچکے تو ہر سوال میں آٹھ [۸] صورتیں ہوئیں، عطائے عاجل تو سوال سے وقت میں جدا نہیں ہوتی اور عطائے آجل غیر وعدہ میں احتمال ہے کہ قبل[۱] تیمّم ہو یا بعد تیمّم [۲]قبل نماز یا اندرون نماز[۳] یا بعد نماز[۴] اندرون وقت اس کے تیمّم ونماز پر اطلاع سے قبل یا بعد[۵] یا وقت کے بعد[۶] لیکن وعدہ میں دو[۲] ہی شکلیں ہیں۔وقت میں یا بعد وقت دینا،اس لئے کہ وعدہ وقت نکلنے تک انتظار واجب کرتا ہے تو جب اس سے

عـه یعطی عاجلا(۱) یعدفیعطی(۲) اولایعطی(۳) مخلفااوغیر مخلف(۴) یسکت فیعطی(۵) اولا(۶) یابی فیعطی (۷) اولا (۸) ۱۲ منه (م)

(۱) فورًا دے دے (۲) وعدہ کرے پھر دے دے۔(۳) وعدہ خلافی کرتے ہوئے نہ دے (۴) یا بغیر وعدہ خلافی کے نہ دے (۵) سکوت اختیار کرے پھر دے دے (۶) یا نہ دے (۷) انکار کرے پھر دے دے (۸) یا نہ دے ۱۲منہ (ت)

فاذا کان السؤال قبل التیمم ساغ الکل فثمٰنیته صار بتسدیس کل عطاء اٰجل فی غیر الوعد وتثنیته فیه مع اربعة وجوہ عدم العطاء ووجه واحد للعطاء العاجل تسعة عشر عــه ولکونه ثلاثیا سبعة و خمسین(۵۷)، (۲)اذا کان بعدہ قبل الصلاۃ خرج الاول من ستة العطاء الاٰجل وھو العطاء قبل التیمم فھو فی کل من السکوت والاباء خمسة سادسھا عدم العطاء صارت اثنتی عشر وللوعد اربعة کماکانت ای یعطی فی الوقت اوبعدہ اولایعطی مخلفااوغیر مخلف وواحد ھوالعطاء العاجل فھی سبعة عشروبالتثلیث احدو خمسون(۵۱) و(۳)اذا کان فیھا فالاقسام کسابقه سبعة عشر غیر ان ھذا سداسی فصارت مائة(۱۰۲) واثنین۔

وعدہ ہوا تو اسے روا نہیں کہ تیمّم کرے یا نماز پڑھے خواہ ابتداءً یا دوبارہ۔جب یہ معلوم ہوگیا تو دیکھئے جب سوال قبل تیمّم ہو تو سب صورتیں ہوسکتی ہیں۔تو اس کی آٹھ صورتیں ہر عطائے آجل غیر وعدہ کی چھ[۶] صورتوں کے ساتھ اور وعدہ کی دو صورتیں عدم عطا کی چار[۴] اور عطائے آجل کی ایک صورت کے ساتھ کُل انیس[۱۹] صورتیں ہوئیں اور ثلاثی ہونے کی وجہ سے ستاون[۵۷] ہوئیں۔اور جب سوال بعد تیمّم قبل نماز ہو تو عطائے آجل کی چھ[۶] میں سے پہلی شکل نکل جائے گی اور وہ یہ کہ عطا قبل تیمّم ہو اب سکوت وانکار ہر ایک میں پانچ صورتیں ہیں چھٹی شکل عدم عطا ہے تو بارہ صورتیں ہوئیں اور وعدہ کی چار صورتیں رہیں جیسے پہلے تھیں یعنی وقت کے اندر دے یا اس کے بعد یا وعدہ خلافی کرتے ہُوئے نہ دے یا بغیر وعدہ خلافی کے نہ دے اور ایک عطائے عاجل والی صورت ہے

عــه لانه فی الوعد یعطی فی الوقت اوبعدہ اولایعطی مخلفا اوغیر مخلف ھذہ اربعة وفی کل من السکوت والاباء لایعطی اویعطی قبل التیمم اوقبل الصلاۃ اوفیھا اوبعدھا فی الوقت فھی سبعة فی کلیھما فاربعة مع اربعة عشرو واحد ھو العطاء العاجل صارت تسعة عشر ۱۲منه غفرله (م)

اس لئے کہ بصورت وعدہ یا تو وقت[۱] میں دے دے گا یا بعد[۲] وقت دے گا یا وعدہ[۳] خلافی کرتے ہوئے یا بغیر وعدہ[۴] خلافی کے نہ دے گا۔یہ چار[۴] صورتیں ہوئیں اور سکوت وانکار ہر ایک میں یا تو نہ[۱] دے گا یا قبل[۲] تیمّم دے گا یا قبل[۳] نماز یا دورانِ نماز[۴] یا بعد نماز[۵] وقت میں اطلاع سے قبل یا بعد[۶]، یا بعدِ وقت[۷] تو دونوں میں یہ سات ۷ صورتیں ہیں تو چار ۴ صورتیں،ان چودہ صورتوں کے ساتھ اور ایک صورت عطائے عاجل کے ساتھ کُل انیس ۱۹ صورتیں ہُوئیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

واذا کان بعدھا خرج من عطایا السکوت والاباء الثلثۃ الاُول ففی کل مع عدم العطاء اربعۃ وفی الوعد اربعۃ کالرسم فھی اثنا عشر والعطاء العاجل ھھنا وجھان اعطاہ بعد ماراٰہ یتیمم ویصلی بہ اولم یطلع علیہ ویحتاج الی ھذا التقسیم لدفع توھم ان لوراٰہ فسکت دل علی المنع فلاینفع العطاء بعدہ وقد ازحناہ فی المسألۃ التاسعۃ فصارت اربعۃ عشرو بالتسدیس اربعۃ وثمانین ففریق السؤال مائتان واربعۃ وتسعون۔

و اذا لم یسأل فیعطی من دون وعد اویعد اولا ولاوھھنا نفس ھذا العطاء علی ستۃ وجوہ العطاءِ الاٰجل ثم الاولان منھا ثلاثیان وسائر ھن سداسیات کثالث ھذہ الاقسام اعنی لاولا فکانت ستۃ وثلثین والوعد علی خمسۃ وجوہ الاولین الثلاثین وثلثۃ تلیھا سداسیات لان الوعد بلاسؤال فی وقت اُخرلا تعلق لہ بھذہ الصلاۃ فکانت اربعۃ وعشرین ثم فی کل وعد اربعۃ کالرسم فھی ستۃ وتسعون ومع ستۃ وثلثین المزبورات

تو سترہ ۱۷ صورتیں ہُوئیں اور تین میں ضرب دینے سے اکیاون ۵۱ ہو گئیں۔اور جب سوال اندرونِ نماز ہو تو اس سے پہلے والے کی طرح یہاں بھی سترہ ۱۷ قسمیں ہوں گی مگر یہ کہ ان میں سے ہر ایک میں چھ صورتیں ہیں تو ایک سو دو ۱۰۲ صورتیں ہو گئیں،اور جب بعد نماز ہو تو سکوت وانکار کی عطا والی صورتوں میں سے پہلی تین نکل جائیں گی تو ہر ایک میں عدم عطاکے ساتھ چار اور وعدہ میں بدستور چار رہیں گی۔یہ بارہ صورتیں ہیں اور عطائے عاجل کی یہاں دو شکلیں ہیں اسے تیمّم کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے دیکھنے کے بعد دیا یا اس پر مطلع نہ ہوا۔اور اس تقسیم کی ضرورت یہ وہم دفع کرنے کیلئے ہے کہ اگر اسے دیکھ کر سکوت کرتا تو یہ دلیل منع ہوتا اس کے بعد دینا کارآمد نہ ہوتا۔مسئلہ نہم میں ہم یہ وہم دُور کرآئے ہیں تو چودہ ۱۴ صورتیں ہوئیں جو چھ میں ضرب دینے سے چوراسی ۸۴ بنیں۔اس طرح سوال کی شق میں کُل دو سو چورانوے ۲۹۴ صورتیں ہوئیں۔(ت)

اور جب سوال نہ کرے تو وہ یا تو بغیر وعدہ کیے دے دے گا یا وعدہ کرے گا یا نہ دے گا نہ وعدہ کرے گا۔یہاں خود یہ عطا وہاں کی عطائے آجل کی چھ ۶ صورتوں پر ہے۔ان میں سے پہلی دو،ثلاثی ہیں اور باقی سُداسی ہیں جیسے اِن اقسام میں سے تیسری،یعنی نہ عطا ہو نہ وعدہ۔تو چھتیس ۳۶ صورتیں ہوئیں۔اور وعدہ میں پانچ صورتیں ہیں پہلی دو،ثلاثی اور ان کے بعد تین سُداسی۔اس لئے کہ دوسرے وقت میں بلاسوال وعدہ کو اِس نماز سے کوئی تعلق نہیں تو یہ چوبیس ۲۴ صورتیں ہوئیں۔پھر ہر وعدہ پر بدستور چار ۴ صورتیں۔یہ چھیانوے ۹۶

مائۃواثنان وثلثون فصارت مع صور السؤال اربعمائۃ وستۃ وعشرین۔

اقول: واعلم ان الظاھر من کلماتھم نفعنااللہ تعالٰی ببرکاتھم قصر النظر علی الاعطاء والاباء فبھماعبروا فی الزیادات وجامع الامام الکرخی وبدائع ملک العلماء وحلیۃ المحقق وضابطۃ الامام صدر الشریعۃ کماسمعت نصوصھم والمحقق الحلبی فی الغنیۃ تارۃ قال فی التصویر اما ان یعطی اویمنع تارۃ قال فی التصویر اما ان یعطی اویمنع وتارۃ قال اماان یعطی اولا فاذا اتی علی الحکم قال ان سأل فاعطی وان سأل فمنع ولم یذکرالواسطۃ کماستسمع نصہ ان شاء اللہ تعالٰی وکذلک المحقق البحرقال فی الشقوق اعطاہ اولاوفی بیان الاحکام فی ما اذا رأی فی الصلاۃ اتی مرتین بالنفی والاثبات ومرتین بان اعطی وان ابی وفی خارج الصلاۃ مرۃ کالاول ومرۃ کالثانی واخوہ فی النھرلخص کلامہ فعبر فی موضعین عن قولہ وان ابی بقولہ والاولذالم نعدلہ ضابطۃ بحیالھافظھران مرادھم ھھنابنفی الاعطاء ھوالاباء فلایرد علی البحر

صورتیں ہیں اور مذکور چھتیس۳۶ کے ساتھ مل کر ایک سوبتیس۱۳۲ صورتیں بنتی ہیں پھر سوال کی (۲۹۴) صورتوں کے ساتھ مل کر کُل چارسو چھبیس۴۲۶ صورتیں ہوجاتی ہیں۔(ت)

اقول: معلوم رہے کہ ان حضرات (خدا ہمیں ان کے برکات سے نفع بخشے) کے کلمات سے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے عطاوانکارپر نظر محدود رکھی ہے۔ عطاء واِباء سے ہی زیادات، جامع کرخی، بدائع ملک العلماء، حلیہ محقق، اور ضابطہ امام صدر الشریعۃ میں تعبیر آئی، جیسا کہ ان کی عبارتیں پیش ہوئیں۔ محقق حلبی نے غنیہ کے اندر بیان صورت میں کبھی کہا **اما ان یعطی اویمنع** (یا تودے گا یا منع کرے گا) اور کبھی کہا **اما ان یعطی اولا** (یا تودے گا یا نہ دے) پھرجب بیان حکم پر آئے توکہا **ان سأل فاعطی وان سأل فمنع** (اگر مانگا تودے دیا، اور اگر مانگا تو مانع ہوا) اور کوئی واسطہ ذکر نہ کیا، جیسا کہ ان کی عبارت اِن شاء اللہ تعالٰی پیش ہوگی۔ اسی طرح محقق بحر نے شقوں کو بتاتے ہوئے کہا اعطاہ اولا (اسے دے گا یا نہ دے گا) (اور بیان احکام میں اندرونِ نماز دیکھنے کی صورت میں دوبار نفی واثبات لائے اور دوبار "ان اعطی وان ابی" (اگر دیا، اگر انکار کیا) لائے۔ اور بیرون نماز دیکھنے کی صورت میں ایک بار بطرز اول اور ایک بار بطرز ثانی۔ ان کے برادر نے النہرالفائق میں

ولاعلی الغنیة انهما ذکرا فی التشقیق العطاء وعدمه واقتصر البحر فی نصف الاحکام علی العطاء والاباء والغنیة لم تذکر غیرهما۔	انہی کے کلام کی تلخیص کی ہے تو دو جگہ ان کے قول "وان ابی" (اگر انکار کریں) کی تعبیر "و الا" (ورنہ) سے کی ہے اسی لئے ہم نے ان کا کوئی مستقل ضابطہ نہ شمار کیا تو ظاہر ہوا کہ یہاں نفی عطاء سے ان حضرات کی مراد انکار ہے۔ تو بحر اور غنیہ پر یہ اعتراض نہ وارد ہوگا کہ دونوں نے شقوں کے بیان میں عطا و عدم عطا ذکر کیا اور بحر میں نصف احکام کے اندر عطاء و اباء پر اقتصار کیا۔ اور غنیہ نے عطا و اباء کے سوا کچھ ذکر ہی نہ کیا۔ (ت)
ولا ان قول البحر مرتین ان اعطاہ توضأ والافتیمه باق وکذا قول النهر ان لم یعطه بقی تیممه صادق بما اذا لم یعط بل وعد ولم یعط بعد الوعد ایضا مثلا مع ان تیممه ینتقض باجماع اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم اذا علم هذا فمن سبر ظهر له وفور ما ترك البحر من الصور واستبان ان (۱) جعله عدم السؤال خلافیة بین الهدایة والمبسوط مطلقا لایصح فی احد وخمسین من ستة وستین لان اقسام عدم السؤال قبل التثلیث والتسدیس سبعة وعشرون فی ستة عـہ۱ منها ثلاثیین عـہ۲ واربعة سداسیات عطاء الماء فهی ثلثون عـہ۳، وفی اثنی عشر الوعد قبل الصلاة	نہ ہی یہ اعتراض ہوگا کہ دو بار بحر کا یہ کہنا "ان اعطاہ توضأ والافتیمه باق" (اگر دے دے وضو کرے ورنہ اس کا تیمم باقی ہے) اسی طرح نہر کا کہنا ان لم یعطه بقی تیممه (اگر نہ دے تو اس کا تیمّم باقی ہے اس صورت میں بھی صادق ہے جب عطا نہ ہو بلکہ وعدہ ہو مثلاً وعدہ ہو اور بعد وعدہ بھی نہ دے باوجودیکہ اس کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اس پر ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو جو جانچ کرے گا اس پر منکشف ہوگا کہ بحر نے کتنی زیادہ صورتیں چھوڑ دی ہیں یہ بھی روشن ہوگیا کہ عدمِ سوال کو ہدایہ و مبسوط کے درمیان مطلقاً خلافی ٹھہرانا چھیاسٹھ ۶۶ میں سے اکیاون ۵۱ صورتوں میں صحیح نہیں۔ اس لئے کہ تین اور چھ میں ضرب دینے سے پہلے عدم سوال کی قسمیں ستائیس ۲۷

عـہ۱ وهی المرسومة فی التصویر تحت اعطی ۱۲ منه۔م (یہ وہ صورتیں ہیں جو نقشے میں اعطی (دیا) کے تحت درج ہیں ۱۲ منہ۔ت)

عـہ۲ مرسومتین تحت قبل الصلاة ۱۲ منه۔م (جو قبل صلاۃ کے تحت درج ہیں ۱۲ منہ۔ت)

عـہ۳ المرسومات تحت وعد من ۷ الی ۱۸۔م (جو وعدہ کے تحت ۷ سے ۱۸ تک درج ہیں۔ت)

اوفیھا ثمانیة عـہ۱ منھا ثلاثیات واربعة سداسیات فھی ثمانیة واربعون فھذہ الثمانیة والسبعون لایشك احد ان بطلان الصلاۃ فیھا متفق علیه لایجری فیھا خلاف الھدایة والمبسوط لان العطاء والوعد السابق علی تمام الصلاۃ کلیھما مانع للتیمم وناقض له ومبطل للصلاۃ بلاخلاف سواء اعطی بعد الوعد فی الوقت اوبعدہ اولم یعط مخلفا اوغیر مخلف(۱) ومثلھا فی الوعد بعد الصلاۃ صورتا العطاء عـہ۲ فی الوقت لانه مبطل وان لم یکن وعد ولم یزدہ الوعد الاقوۃ وکذلک(۲) صورتا عدم العطاء عـہ۳ فیه اذالم یظھر خلفه لان الوعد یورث ظن العطاء ولم یظھر خلافه وقدفات درك الحقیقة فبنی الامر علی ظنه فھذہ اربعة کلھن سداسی فکانت اربعة وعشرین ومع السابقات مائة واثنین لکن البحر خص الکلام بما اذارأی خارج الصلاۃ فانتصفت ولم یبق من السبع والعشرین الاخمس اربع فی الوعد بعد الصلاۃ اذا عـہ۴ اعطی بعد الوقت اولم عـہ۵ یعط مخلفا، والعطاء بعد

ہوتی ہیں، ان میں سے چھ ۶ صورتوں دو ثلاثی اور چار سداسی میں پانی دینا ہے تو یہ تیس ۳۰ صورتیں ہیں،
اور بارہ صورتوں میں قبل نماز یا دورانِ نماز وعدہ ہے ان میں سے آٹھ ثلاثی اور چار سداسی ہیں تو یہ اڑتالیس ۴۸ صورتیں ہُوئیں تو کل اٹھتّر ۷۸ صورتیں ایسی ہیں کہ کسی کو شک نہ ہوگا کہ ان میں نماز کا بطلان متفق علیہ ہے جس میں ہدایہ ومبسوط کا اختلاف جاری نہیں اس لئے کہ تکمیل نماز سے پہلے عطا اور وعدہ دونوں ہی تیمّم سے مانع اس کیلئے ناقض اور نماز کے لئے مبطل ہیں جس میں کوئی اختلاف نہیں خواہ بعد وعدہ وقت میں دے یا بعد وقت یا وعدہ خلافی کرتے ہوئے یا بلا وعدہ خلافی کے نہ دے ان ہی کی مثل وعدہ بعد نماز میں وقت کے اندر دینے کی دو صورتیں ہیں اس لئے کہ دینا باطل کردیتا ہے اگرچہ وعدہ نہ ہوا، اور وعدہ بھی ہے تو اس کی قوت میں اور اضافہ ہی کرے گا اسی طرح وقت کے اندر عدم عطا کی دو ۲ صورتیں جبکہ وعدہ خلافی نہ ظاہر ہو اس لئے کہ وعدہ عطا کا ظن پیدا کرتا ہے اور اس کے خلاف ظاہر نہ ہُوا اور حقیقت کا ادراک ہاتھ میں نہ رہا تو بنائے کار اس کے ظن پر ہوگی تو یہ چار جن میں سب سُداسی ہو کر چوبیس ۲۴ ہوئیں سابقہ

عـہ۱ وھی ۷ الی ۱۴۔(م) (یہ ۷ سے ۱۴ تک ہیں۔ت)

عـہ۲ ھما ۱۹ و ۲۳۔(م) (یہ ۱۹و۲۳ ہیں۔ت)

عـہ۳ ھما ۲۲ و ۲۶ (م) (یہ ۲۲و۲۶ ہیں۔ت)

عـہ۴ ھما ۲۰ و ۲۴ (م) (یہ ۲۰و۲۴ ہیں۔ت)

عـہ۵ ھما ۲۱ و ۲۵ (م) (یہ ۲۱و۲۵ ہیں۔ت)

الوقت ایضا خلف کماقدمت، والخامس: عـه لاوعد ولااعطی فهذه یجری فیها الخلاف علی فرض ابقائه فالمبسوط یقول بطلت لترك السؤال والهدایة صحت لان السؤال غیر واجب ولم یوجد عطاء ولاوعداو زال ظن الوعد بالاخلاف ولاجل ان کل هذه الخمس سداسیات هی ثلثون وعلی تشطیر البحر خمسة عشر هذاکله علی استظهاری ان الوعد بعدالصلاة اذاظهرخلفه لم یؤثرفی صلاة مضت فان لم یسلم لم یبق للخلاف محل غیر صورة واحدة من السبع والعشرین وهی مااذالم یعد ولم یعط فیکون الغلط فی ثلثة وستین من ستة وستین وان اکملناباخذ متروکاته کمافعلناکان الغلط فی مائة واثنین اومائة وستة وعشرین من مائة واثنین وثلثین وها انالك اصورها* کی یسهل علیك تصورها* وباللّٰه التوفیق*

کے ساتھ مل کر ایک سودو ۱۰۲ ہوگئیں لیکن بحر نے خاص اس صورت پر کلام کیا ہے جب بیرونِ نماز دیکھا ہو تو آدھی رہ گئیں اور ستائیس ۲۷ میں سے صرف پانچ بچیں چار وعدہ بعد نماز میں جب کہ بعد وقت دیا، یا وعدہ خلافی کرتے ہوئے نہ دیا۔ اور بعد وقت دینا بھی وعدہ خلافی ہی ہے جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا۔ اور پانچویں صورت وہ کہ نہ وعدہ ہو نہ عطا۔ یہ وہ صورتیں ہیں جن میں اختلاف جاری ہوگا اگر یہ مانیں کہ اختلاف باقی ہے تو مبسوط کا قول ہے کہ ترک سوال کی وجہ سے نماز باطل ہے اور ہدایہ کا قول ہے کہ صحیح ہے اس لئے کہ سوال واجب نہیں اور عطا نہ پائی گئی نہ ہی وعدہ ہوا یا ہوا ظن وعدہ، خلف کی وجہ سے زائل ہوگیا۔ چونکہ ان پانچ میں سے ہر ایک سداسی ہے کل تیس ۳۰ صورتیں ہُوئیں اور بحر کے آدھے بیان کی وجہ سے پندرہ ۱۵ ہوئیں یہ سب اس بنیاد پر ہے کہ میں نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ بعد نماز وعدہ کے خلاف جب ظاہر ہوجائے تو وہ اداشدہ نماز میں اثرانداز نہ ہوگا۔ اگر میرا یہ خیال تسلیم نہ ہو تو ستائیس ۲۷ میں سے ایک صورت کے سوا کہیں اختلاف نہ رہ جائے گا۔ وہ صورت یہ ہے کہ نہ وعدہ ہو نہ عطا ہو۔ تو چھیاسٹھ ۶۶ میں سے تریسٹھ ۶۳ میں خطا ثابت ہوگی اور اگر ان کی متروکات کو لے کر ہم کامل کریں جیسا کہ پہلے ہم نے کیا تو غلطی ایک سو بتیس ۱۳۲ میں سے ایک سو چھبیس ۱۲۶ میں ہوگی ان صورتوں کا ایک نقشہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ انہیں ذہن نشین کرنے میں سہولت ہو اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ (ت)

عـه وهی ۲۷۔ (م) (یہ ۲۷ ہے۔ ت)

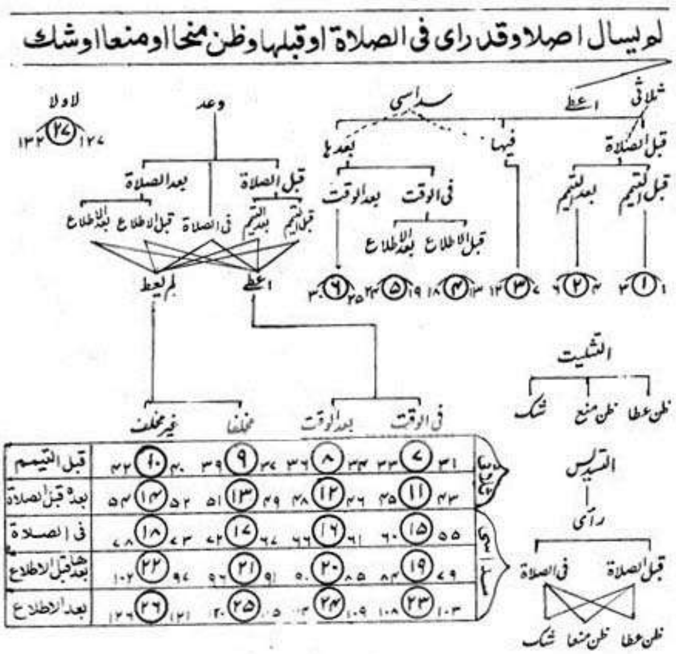

الثلاثیات عشرۃ ۱ و ۲ ومن ۷ الی ۱۴ فہی ثلثون

السداسیات سبعۃ عشر من ۳ الی ۶ ومن ۱۵ الی الأخر فہی مائۃ واثنان

فالمجموع ۱۳۲

I.T. Majlis of DawateIslami

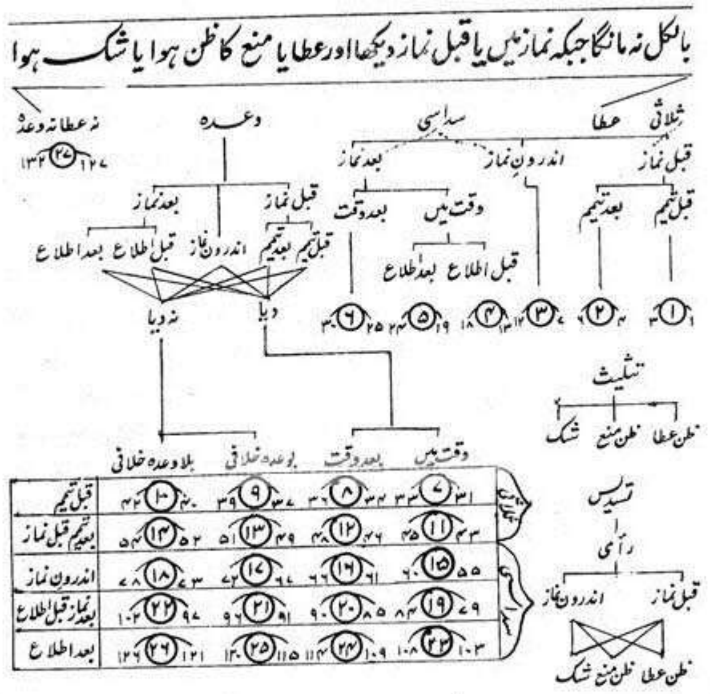

ثلاثیات دس ہیں۔ ۱ و ۲ ۔ اور ۷ سے ۱۴ تک۔ تو یہ تیس ہیں۔
سداسیات سترہ ہیں۔ ۳ سے ۶ تک اور پندرہ سے آخر تک۔ تو یہ ایک سو دو ہیں۔

کل ۱۳۲

I.T. Majlis of DawateIslami

الثالث القانون الحلبی

قال رحمه الله تعالٰی هذا علی وجوه اما ان یغلب علی ظنه الاعطاء اوالمنع اواستویا وعلی کل تقدیر اما ان یسأل اویتیمم ویصلی من غیر سؤال واذاسأل فاما ان یعطی اویمنع واذا منع قبل الصلاة فاما ان یسأل بعدها اولا وعلی کلا التقدیرین یعطی اولا واذا تیمم وصلی فاما ان یسأل بعد الصلاة اولا وعلی کلا التقدیرین یعطی اولا فالاقسام سبعة وعشرون اما ان تیمم وصلی بلاسؤال ثم سأل فاعطی اواعطی بلاسؤال فانه یلزمه الاعادة علی کل تقدیر امافی ظن الاعطاء فظاهر واما فی غیره فلزوال الشك وظهور خطأ الظن وان سأله فمنع جازت صلاته سواء کان السؤال قبلها اوبعدها لانه قدتحقق العجز من الابتداء ولافائدة فی العطاء بعدها بعد المنع قبلها واما اذاتیمم وصلی من غیر سؤال ولم یسأل بعد لیتبین له الحال فعلی قول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه صلاته صحیحة فی الوجوه کلها وقالا لایجزئه والوجه هو التفصیل فینبغی ان یجب الطلب ولاتصح الصلاة بدونه اذاظن الاعطاء دون ما اذاظن عدمه لکونه فی

سوم: قانون محقق ابراہیم حلبی

محقق حلبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: "اس کی چند صورتیں ہیں یا تو اسے عطا یا منع کا غلبہ ظن ہوگا یا دونوں میں برابری ہوگی بہر تقدیر یا تو مانگے گا یا بغیر مانگے تیمّم و نماز ادا کرے گا بصورتِ سوال یا تو عطا ہوگی یا منع اور منع قبل نماز ہو تو بعد نماز پھر سوال ہوگا یا نہ ہوگا بہر دو تقدیر وہ دے گا یا نہ دے گا۔اور جب تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی تو بعد نماز سوال کرے گا یا نہیں۔بہر دو تقدیر وہ دے گا یا نہیں۔تو ستائیس ۲۷ قسمیں ہوئیں۔اگر مانگے بغیر تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی پھر مانگا تو اس نے دے دیا یا مانگے بغیر دے دیا تو بہر تقدیر اس پر اعادہ لازم ہے۔ظن عطا کی صورت میں تو وجہ ظاہر ہے۔اس کے علاوہ میں اس لئے کہ شک زائل ہوگیا اور ظن کی خطا ظاہر ہوگئ اگر مانگنے پر منع و انکار کیا تو اس کی نماز ہوگئ خواہ مانگنا قبل نماز ہو یا بعد نماز۔اس لئے کہ عجز ابتدا سے ہی متحقق ہوگیا۔اور نماز سے پہلے انکار کے بعد، نماز کے بعد دینے میں کوئی فائدہ نہیں اور جب بغیر مانگے تیمّم کیا اور نماز پڑھ لی۔بعد میں بھی نہ مانگا کہ حال منکشف ہو تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر تمام صورتوں میں اس کی نماز صحیح ہے۔اور صاحبین نے فرمایا: یہ اسے کفایت نہیں کرسکتا۔اور مناسب طریقہ یہ ہے کہ تفصیل کی جائے۔تو ہونا یہ چاہے کہ طلب واجب ہو اور اس کے بغیر نماز

موضع عزة الماء اما اذاشك فی موضع عزة الماء اوظن المنع فی غیرہ فالاحتیاط فی قولهما والتوسعة فی قوله[1] اھ وقد مر بحثه مستوعبا فی المسألة السادسة۔	صحیح نہ ہو جبکہ اسے عطا کا گمان رہا ہو۔اس صورت میں نہیں جبکہ پانی کی کم یابی کی جگہ ہونے کی وجہ سے اس کو عدم عطا کا گمان رہا ہو اور جب پانی کی کم یابی کی جگہ شک کی صورت ہو یا دُوسری جگہ منع کا ظن ہو تو احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور وسعت امام صاحب کے قول میں ہے" اھ اس کی بحث مکمل طور پر مسئلہ ششم میں گزر چکی۔(ت)
اقول: اتی علی جمیع ماذکر فی الشقوق غیر انه ترك حکم مااذا سأل قبل الصلاۃ فاعطی لظهور فانه ان کان قبل التیمم منعه اوبعدہ نقضه اوفی الصلاۃ ابطلها بل وسواء کان ذلك عطاء عاجلا اواٰجلا بعدو عدا وسکوت اوابا ء کما قدمنا فالمراد بماقبل الصلاۃ قبل اتمامها ولوفیها اوقبلها بعد التیمم اوقبله وارساله صورۃ ترك السؤال مطلقة عن قید عدم العطاء وجعلُها خلافیة قد تدارکه قوله قبلها اواعطی بلاسؤال فعلم ان الکلام هنا فی مالم یسأل ولم یعط وبالجملة هی احسن ضابطة رأیت لولا ان فیها:	**اقول:** پہلے جو شقیں ذکر کیں سبھی کے احکام بیان کردئے مگر اس صورت کا حکم چھوڑ دیا جب قبل نماز مانگنے پر اس نے دے دیا۔اس لئے کہ اس صورت کا حکم ظاہر ہے۔کیونکہ اگر یہ قبل تیمّم ہے تو تیمم سے مانع ہوگا اور اگر بعد تیمّم ہے تو اسے توڑ دے گا اور اگر اندرونِ نماز ہے تو اسے باطل کردے گا خواہ یہ دینا فوراً ہو یا دیر میں، وعدہ کے بعد ہو یا سکوت کے بعد یا انکار کے بعد جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا تو قبل نماز سے مراد قبل تکمیل نماز ہے اگرچہ دورانِ نماز ہو یا قبل نماز تیمّم کے بعد ہو یا اس سے پہلے انہوں نے مطلقاً سوال نہ کرنے کی صورت میں عدم عطا کی قید نہ لگائی اور اسے اختلافی قرار دیا مگر اس سے پہلے اپنی عبارت "اواعطی بلاسؤال" (یا بغیر مانگے دے دیا) سے اس کا تدارک کردیا جس سے معلوم ہوا کہ یہاں کلام اس صورت میں ہے جب نہ مانگا ہو نہ دیا ہو بالجملہ یہ سب سے عمدہ ضابطہ ہے جو میری نظر سے گزرا اگر اس میں یہ چند باتیں نہ ہوتیں:
اوّلًا: ترک(۱) صور الوعد والسکوت(۲) مع ان فیها مالایغنی عنه الصموت* فلوانهم ذکروها لافادونا وخلصونا عن	**اوّلًا:** وعدہ اور سکوت کی صورتیں ترک کردیں جب کہ ان میں وہ کچھ ہے جس سے سکوت کام نہیں دے سکتا اگر یہ حضرات ان صورتوں کو

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۸

التردد فی احکامها ولم یحوجوا مثلی الی النظر فیها۔
وثانیًا: بترکها(۱) اشتملت صورة عدم السؤال ما اذا وعد ولم یعط ولیست خلافیة اذاوقع الوعد قبل تمام الصلاة بل یمنع وینقض ویبطل اتفاقا سواء ظهر خلفه اولا فهی ستة اربعة [عہ۱] منها ثلاثیات واثنان [عہ۲] سداسیان لان کلامه لایختص بخارج الصلاة ککلام البحر فهی اربعة وعشرون وکذلک (۲) اذا وعد بعدها ولم یظهر خلفه وهما [عہ۳] اثنان کلاهما سداسی فسری الغلط الی ستة وثلثین قسما وان لم یسلم استظهاری وجعل الوعد ولوکان بعدُ مبطلا مطلقا زاد اثنان [عہ۴] اعنی اثنی عشر اُخروشمل الغلط ثمانیة واربعین۔
وثالثا: قوله(۳) وان سأل فمنع یشمل کماصرح به السؤال قبل الصلاة

ذکر کرتے تو ہمیں مستفید فرماتے اور ان کے احکام میں تردد سے نجات دیتے اور مجھ جیسے کو ان میں نظر کی ضرورت نہ ہوتی۔
ثانیًا: ان صورتوں کو چھوڑ دینے کی وجہ سے عدمِ سوال کی صورت اسے بھی شامل ہے جب وعدہ کیا ہو اور نہ دیا ہو حالانکہ یہ صورت اختلافی نہیں جبکہ وعدہ تکمیل نماز سے پہلے ہوگیا ہو بلکہ یہ بالاتفاق مانع، ناقض اور مبطل ہے خواہ اس کے خلاف ظاہر ہو یا نہ ہو۔ یہ چھ [۶] صورتیں ہیں جن میں سے چار ثلاثی اور دو سداسی ہیں اس لئے کہ ان کا کلام، صاحبِ بحر کے کلام کی طرح خارج نماز سے خاص نہیں تو کل چوبیس [۲۴] صورتیں ہوئیں۔ اسی طرح جب بعد نماز وعدہ ہو اور اس کے خلاف نہ ظاہر ہو اور یہ دو صورتیں ہیں دونوں ہی سداسی ہیں تو چھتیس [۳۶] قسموں تک غلطی سرایت کر آئی۔ اور اگر میرا استظہار اور وعدہ کو اگرچہ بعد ہی ہیں ہو مطلقًا مبطل قرار دینا تسلیم نہ ہو تو دو [۲] یعنی بارہ صورتوں کا اور اضافہ ہوگا اور غلطی اڑتالیس [۴۸] صورتوں کو شامل ہوجائے گی۔
ثالثًا: ان کا قول "وان سأل فمنع" (اگر مانگنے پر اس نے انکار کیا) جیسا کہ انہوں نے

عہ۱ هی ۹و۱۰ و ۱۳ و ۱۴ (م) (یہ ۹، ۱۰، ۱۳، ۱۴ ہیں۔ت)

عہ۲ هما ۱۷ و ۱۸ (م) (یہ ۱۷ اور ۱۸ ہیں۔ت)

عہ۳ هما ۲۲ و ۲۶ (م) (یہ ۲۲ اور ۲۶ ہیں۔ت)

عہ۴ هما ۲۱ و ۲۵ (م) (یہ ۲۱ اور ۲۵ ہیں۔ت)

وبعدھا فیشمل المنع قبلھا وبعدھا فتخصیص المنع بماقبلھا فی قولہ ولافائدۃ الخ لافائدۃ فیہ بل قدیوھم ان لیس الحکم کذا ان منع بعدھا ثم اعطی ولیس کذلك کماقدمنا فی شرح القانون الصدری والمسألۃ العاشرۃ فالوجہ اسقاط لفظۃ قبلھا۔

ورابعًا: لم تکن(۱) حاجۃ الی التشقیق بالظنین والتشکیك من اول الامر لانہ انما تمس الیہ الحاجۃ فیما اذا لم یسأل ولم یعط ولم یعد وھی خلافیۃ علی فرض الخلاف۔

وخامسًا: حط(۲) کلامہ فی ھذا اعنی الذی جعلہ خلافیۃ علی انہ ان ظن العطاء فالمختار مذھب الصاحبین ای سواء کان الموضع موضع عزۃ الماء اوموضع بذلہ بدلیل اطلاق ھنا والتفصیل فی المنع والشك وان ظن المنع فان کان الموضع موضع العزۃ فالمختار مذھب الامام وان کان موضع البذل اوشك فی موضع العزۃ فقولھما احوط وقولہ اوسع ولاادری لم ترك الشك فی موضع البذل۔

تصریح کی قبل نماز اور بعد نماز دونوں وقت مانگنے کو شامل ہے تو قبل نماز اور بعد نماز انکار کو بھی شامل ہوگا تو اپنی عبارت "ولافائدۃ فی العطاء بعدھا بعد المنع قبلھا" (بعد نماز دینے میں کوئی فائدہ نہیں اس کے بعد کہ نماز سے پہلے انکار کردیا ہو) میں منع کو قبل نماز سے خاص کرنے میں کوئی فائدہ نہیں بلکہ اس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اگر بعد نماز انکار کیا پھر دے دیا تو یہ حکم نہیں حالانکہ ایسا نہیں جیسا کہ قانون صدر الشریعۃ کی شرح اور مسئلہ وہم میں بیان کرچکے۔ تو مناسب یہی تھا کہ لفظ "قبلھا" ساقط کردیا جاتا۔

رابعًا: اوّل امر سے ہی دونوں ظن اور شک کی شقیں نکالنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اس کی ضرورت تو اس وقت ہوتی ہے جب اِس نے نہ مانگا اور اس نے نہ دیا نہ وعدہ کیا اور یہی اختلافی صورت ہے اگر فرض کیا جائے کہ خلاف ہے۔

خامسا: جس کو خلاف قرار دیا ہے اس میں اپنا کلام اس پر اتارا کہ اگر اسے ظن عطا ہو تو مختار صاحبین کا مذہب ہے یعنی خواہ وہ جگہ پانی کی کم یابی کی ہو یا پانی دئے جانے کی جگہ ہو اس کی دلیل یہاں اس کو مطلق ذکر کرنا اور منع وشک میں تفصیل کرنا ہے اگر اسے ظن منع ہو اگر وہ جگہ پانی کی کمیابی کی ہو تو مختار امام صاحب کا مذہب ہے اور اگر جگہ پانی خرچ کیے جانے کی ہو یا اسے پانی کی کمیابی کی جگہ میں شک ہو تو صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط ہے اور امام صاحب کے قول میں زیادہ وسعت ہے۔ پتا نہیں بذل کی جگہ شک ہونے کا ذکر کیوں چھوڑ دیا۔ (ت)

فان قیل الاصل فی الماء الاباحة فلایعتری الشك الافی محل العزة۔

اقول: فکیف ظن المنع فی محل البذل فان جاز ذلك لامور خارجة فالشك اولٰی۔

وسادسا: لم (۱) کان الاحوط قولهما عند ظن المنع فی محل البذل لافی محل العزة فقد حققنا فی المسألة السادسة ان ذکر الموضع ذکر المظنة والمناط حقیقة ظنه ولربما یظن العطاء فی محل المنع والمنع فی محل العطاء ظنًا صحیحًا صادقًا ناشئا عن دلیل معتمد فان ادیر الامر علٰی ظنه کما هوالتحقیق سقط الفرق بحال المحل وکان الاحوط قولهما اذاشك فی محل ما مطلقا لا اذا ظن المنع ولوفی محل البذل وان حکم بالمظنة مع قطع النظر عن ظنه فلم جعلتم المختار قولهما فی ظن العطاء ولوکان فی محل العزة۔

وسابعا: ان (۲) ارید بالاحوط مافیه الخروج عن العهدة بیقین کان قولهما احوط مطلقا وان اریدبه الاقوی دلیلا فکیف یکون احوط عند الشك فقد حققنا اٰخر المسألة السادسة

اگر کہا جائے کہ پانی میں اصل اباحت ہے تو شک صرف اسی جگہ ہوگا جہاں پانی کم یاب ہو۔

اقول: (میں کہوں گا) پھر بذل دے دئے جانے) کی جگہ ظن منع کا ذکر کیسے کیا؟ اگر خارجی امور کی بناپر اس کے ذکر کا جواز تھا تو شک کا بدرجہ اولٰی ہوگا۔

سادسا: قول صاحبین میں زیادہ احتیاط ظن منع کے وقت صرف کم یابی ہی کی جگہ کیوں ہے؟ ہم نے مسئلہ ششم میں تحقیق کی ہے کہ جگہ کا ذکر ایک جائے گمان کا ذکر ہے ورنہ مدار حقیقت ظن پر ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کبھی منع کی جگہ اسے عطا کا گمان ہو اور عطا کی جگہ منع کا، ایسا صحیح گمان جو کہ معتمد دلیل سے پیدا ہوا ہو۔ تو اگر مدار کار اس کے گمان پر ہو جیسا کہ یہی تحقیق ہے تو حالت محل کا فرق ساقط ہوجائے گا اور قولِ صاحبین میں مطلقًا زیادہ احتیاط ہوگی جبکہ کسی بھی جگہ شک ہو نہ اس وقت جبکہ اسے منع کا ظن ہو اگرچہ بذل کی جگہ۔ اور اگر اس کے ظن سے قطع نظر کرکے مظنہ پر حکم ہے تو آپ نے صاحبین کا قول اس صورت میں مختار کیسے ٹھہرایا جبکہ اسے ظن عطا ہوا اگرچہ وہ کم یابی کی جگہ ہو۔

سابعا: اگر احوط سے مراد وہ ہو جس میں یقینی طور پر عُہدہ برآ ہونا ہو تو صاحبین کا قول مطلقًا احوط ہوگا اور اگر اس سے مراد وہ ہو جس کی دلیل زیادہ قوی ہے تو وہ شک کے وقت احوط کیسے ہوگا؟ ہم نے تو مسئلہ ششم کے آخر میں تحقیق کی ہے کہ شک

ان الشك ملحق بظن المنع الى هنا تمت قوانين العلماء مع ما لها وعليها الآن آن ان نذكر مافاض من فيض القدير على العاجز **فاقول**: الفقير وبالله التوفيق۔	ظن منع سے ملحق ہے۔یہاں تک قوانین علماء مع شرح فوائد وذکر ایرادات تمام ہُوئے۔اب ہم وہ بیان کرتے ہیں جو فیض قدیر سے عاجز فقیر پر فائض ہوا۔**فاقول**: (میں کہتا ہوں) اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)
الرابع القانون الرضوی	**چہارم: قانون رضوی**
العطاء[عـہ] بعد الوقت لایؤثر فیما مضی	وقت کے بعد دینا جو نافذ ہوچکا اس میں مؤثر

عـہ لم یذکر علی طریق التشقیق روماللاختصار فان العبارۃ تطول فیه کأن تقول لایخلو اما ان یعطی(۱) اویعد(۲) اویمنع(۳) اویسکت(۴) اولا (۵) شیئ علی الاول اما ان یعطی فی الوقت اوبعدہ فان کان(۱) فی الوقت فاما بعد ختم الصلاۃ عقیب اباء حقیقی اوحکمی کائن قبل الصلاۃ اوبعدھا اولا(۲) وان (۳) کان بعدہ فلایخلو اما ان کان علمه فی الوقت ولم یسأله اولا(۴) وعلی(۵) الثانی اما ان یعد بعد الصلاۃ ویظهر خلفه اولا(۶) وعلی(۷) الثالث یکون المنع قبل فعل کالتیمم والصلاۃ او(۸) بعدہ وعلی(۹) الرابع اما ان یلحقه العطاء

اختصار کے ارادہ سے تشقیق کے طور پر اس کا ذکر نہ ہوا اس لئے کہ اس میں عبارت لمبی ہوجاتی ہے۔مثلاً یوں کہا جائے۔اس سے خالی نہ ہوگا کہ یا تو دے[1] یا وعدہ[2] کرے یا انکار[3] کرے یا خاموش[4] رہے یا کچھ[5] نہ ہو بر تقدیر اوّل یا تو وقت میں دے گا یا اس کے بعد اگر وقت[1] میں دے تو یا تو ختم نماز کے بعد دے گا اس انکار حقیقی یا حکمی کے بعد جو نماز سے پہلے رہا ہو یا نماز کے بعد یا ایسا[2] نہیں ہوگا اور اگر وقت[3] کے بعد ہو تو اس سے خالی نہیں کہ یا تو وقت کے اندر علم ہوا اور اس سے نہ مانگا یا ایسا[4] نہ ہوگا اور بتقدیر[5] ثانی یا تو بعد نماز وعدہ کرے گا اور اس کا خلف ظاہر ہوگا یا ایسا[6] نہ ہوگا اور بر تقدیر سوم[7] انکار کسی فعل مثلاً تیمّم ونماز سے پہلے ہوگا یا اس[8] کے بعد اور بر تقدیر رابع[9] یا تو عطا سے وقت کے (باقی بر صفحہ آئندہ)

الا اذاعلم ولم یسأل فیه اصلا وفیه مؤثر مطلقاً الا اذاکان بعد الصلاۃ عقیب اباء سابق اولا حق ولوحکمیاوالوعدکھذا الااذا کان بعد الصلاۃ وظھر خلفه ای العطاء فی الوقت والمنع لایمنع شیأا ولایرفع والسکوت منع الا اذا لحقه العطاء فی الوقت قبل ان یراہ یتیمم ویصلی وان لم یعط ولم یعد ولم یسأل فان ظن العطاء بطلت والاتمت۔	نہیں مگر جبکہ علم ہو اور وقت کے اندر بالکل نہ مانگے اور وقت کے اندر دینا مطلقاً مؤثر ہے مگر جبکہ نماز کے بعد انکار سابق یا لاحق کے بعد ہو خواہ انکار حکمی ہی ہو وعدہ بھی اسی (وقت میں دینے) کی طرح ہے مگر جب کہ نماز کے بعد ہو اور اس کے خلاف ظاہر ہو جائے اور منع کسی چیز کو روکنے اور ختم کرنے والا نہیں اور سکوت منع ہی ہے مگر جب کہ اسے وقت کے اندر دینا لاحق ہو اس سے پہلے کہ اسے تیمّم کرتے اور نماز پڑھتے دیکھے اور اگر نہ دیا نہ وعدہ کیا نہ اس نے مانگا اگر دینے کا ظن رہا ہو نماز باطل ہو گئی ورنہ تام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

فی الوقت قبل ان یتیمم ویصلی اولا(۱۰) وعلی(۱۱) الخامس اما ان یظن العطاء اولا(۱۲) فھی اثنا عشرلاتزید ولاحاجة فھذا بیان الشقوق ثم یفیض فی بیان الاحکام فیطول الکلام فادمجنا الاقسام فی بیان الاحکام واختصرنا الکلام مع الاستیعاب التام والحمدﷲ ذی الجلال والاکرام وقد علمت انالم نقسم قسمین الاحیث یختلفا فی الحکم وحصرنا الاربعمائة والستة والعشرین فی اثنی عشر بل رددناھا فی المتن الی عشرۃ کماتری وﷲ الحمد ۱۲ منه غفرله (م)

اندر تیمّم و نماز کی ادائے گی سے پہلے لاحق ہو گی یا ایسا[۱] نہ ہو گا اور برتقدیر[۱] خامس یا تو اسے ظن عطا ہو گا یا نہیں[۲] یہ بارہ[۲] صورتیں ہیں زیادہ نہیں۔اور اس کی حاجت نہیں کیونکہ یہ توشقوں کا بیان ہے پھر احکام کا بیان چلے گا تو کلام اور دراز ہو گا اس لئے ہم نے اقسام کو بیان احکام ہی میں ملا دیا اور مکمل احاطہ کے باوجود کلام مختصر رکھا اور ساری حمد عزّت وبزرگی کے مالک خدائے برتر ہی کیلئے ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہم نے دو[۲] قسمیں وہیں کی ہیں جہاں ان دونوں کا حکم مختلف ہو اس طرح چار سو چھبیس ۴۲۶ کو ہم نے بارہ ۱۲ میں محصور کیا بلکہ متن میں بارہ[۱۲] کو بھی دس[۱۰] کی جانب پھیر دیا جیسا کہ پیش نظر ہے۔اور خدا تعالٰی ہی کیلئے ساری تعریف ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

وبہ تمّت الضابطۃ* لجمیع الصور الاربعمائۃ والستۃ والعشرین ضابطۃ* بیانہ انی رددت الاقسام طرا الی عشرۃ لانہ اما ان یعطی اویعد اویسکت اویمنع اولاشیئ ولایکون الثالث الابعد السؤال ولاالخامس الابدونہ والاولان شاملان لھما فیصلحان للتثنیۃ بکون کل بعد السؤال اوبلاسؤال۔

فالعطاء[1] قسم واحد وھو غیر الأجل الذی یتأخر عن السؤال بزمان فلابدان یتقدمہ وعدا وصمت اومنع وھذا مقابل لھا فی التقسیم فلاجرم ان یکون عاجلا ای علی فور السؤال اولاعاجلا ولا اٰجلا بل بدون سؤال۔

والوعد[2] والمراد بہ الرجائی حال بقاء الماء کماھو المتبادر من اطلاقہ ثلثۃ اقسام لانہ [2]اما قبل تمام الصلاۃ او [3]بعدہ وفی ھذا ظھر خلفہ[4] اولا۔

والسکوت قسمان لانہ [5]یعطی بعدہ فی الوقت قبل الاطلاع علی تیممہ وصلاتہ اولا۔

ان ہی الفاظ میں تمام چار سو چھبیس[426] منضبط صورتوں کے لئے ضابطہ مکمل ہوگیا **اس کا بیان** یہ ہے کہ میں نے ساری قسموں کو دس صورتوں کی جانب پھیر دیا ہے وہ اس لئے کہ یا تو وہ دے[1] گا یا وعدہ[2] کرے گا یا سکوت[3] کرے گا یا منع[4] کرے گا یا کچھ[5] نہ کرے گا۔اور تیسری صورت سوال کے بعد ہی ہوگی،اور پانچویں بلاسوال ہی ہوگی۔اور پہلی دونوں،سوال وعدم سوال دونوں کو شامل ہیں تو وہ دو دو ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں اس طرح کہ ہر ایک بعد سوال ہوگی یا بلاسوال۔(ت)

تو **عطا**[1] ایک قسم ہے اور یہ عطائے آجل نہیں جو زمان میں سوال سے کچھ بعد میں ہوتی ہے تو ضروری ہے کہ اس سے پہلے وعدہ یا خموشی یا انکار ہو۔اور یہ تقسیم میں ان سب کے مقابل ہے تو ضروری ہے کہ عاجل ہو۔یعنی سوال ہوتے ہی دینا ہو یا نہ عاجل ہو نہ آجل بلکہ بغیر سوال ہو۔

وعدہ[2] اس سے مراد ہے وعدہ رجائی جو بقائے آب کی حالت میں ہو جیسا کہ اطلاق سے یہی متبادر ہوتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں اس لئے کہ یا تو[2] قبل تکمیل نماز ہوگا یا[3] بعد تکمیل اور اس میں یا تو اس کا خلف ظاہر ہوگا یا[4] ایسا نہ ہوگا۔

سکوت کی دو قسمیں ہیں اس لئے کہ وہ بعد[5] سکوت وقت کے اندر اس کے تیمّم ونماز پر اطلاع سے پہلے پانی دے دے گا یا ایسا[6] نہ ہوگا۔

والمنع قسمان [۷]یعطی قبل تمام الصلاۃ [۸]اولا۔ **والخامس** [۹]قسمان کان یظن العطاء [۱۰]اولا فھی عشرۃ وکل منحازعن صاحبہ بحکم فمافرقت الاالافتراق الحکم۔

بیان احاطتھا الاقسام

(۱) العطاء[۱] غیر اجل مواقعہ ستۃ قبل[۱] التیمم اوبعدہ[۲] قبل الصلاۃ اوفیھا[۳] اوبعدھا[۴] فی الوقت قبل الاطلاع المذکور اوبعدہ[۵] اوبعد[۶] الوقت الاولان ثلاثیان بالظنین والشك والبواقی سداسیات باضافۃ الرؤیۃ فی الصلاۃ اوقبلھا فکانت ثلثین وبتثنیۃ کونہ بعد سؤال اوبدونہ کان ینبغی ان تکون ستین غیران الستۃ الاخیرۃ اعنی التی بعد الوقت لاتثنی لان السؤال بصلاۃ الوقت لایکون بعد الوقت فتبقی اربعۃ(۵۴) وخمسین اربعۃ وعشرون منھا بالسؤال وثلثون بلاسؤال۔

حکمہ التأثیر ای ان وقع قبل التیمم منعہ اوبعدہ نقضہ اوفی الصلاۃ قطعھا اوبعدھا ابطلھا غیر ان الابطال فیما اذاسأل فی الصلاۃ مضاف الی السؤال

انکار کی بھی دو قسمیں ہیں یا تو قبل تکمیل نماز [۷]دے گا یا نہ [۸]دے گا۔

پانچویں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اسے [۹]ظنِ عطا تھا یا [۱۰]نہیں۔ یہ دس [۱۰]صورتیں ہیں اور ہر صورت دوسری سے حکم میں جُدا ہے کیونکہ حکم الگ ہونے ہی کی وجہ سے ان کو الگ الگ کیا گیا ہے۔(ت)

اس کا بیان کہ یہ صورتیں ساری قسموں کو محیط ہیں۔

(۱) عطائے غیر آجل کے مواقع چھ[۶] ہیں: (۱) قبل تیمّم (۲) بعد تیمّم قبل نماز (۳) یا اندرونِ نماز (۴) یا بعد نماز وقت کے اندر، اطلاع مذکور سے پہلے (۵) یا اطلاع مذکور کے بعد (۶) یا وقت کے بعد پہلی دونوں صورتیں ظن عطا و منع اور شک کی وجہ سے ثلاثی ہیں اور نماز کے اندر دیکھنے یا اس سے قبل دیکھنے کے اضافہ کی وجہ سے باقی سب سُداسی ہیں تو تیس[۳۰] ہوئیں۔ اور عطا کے بعد سوال یا بلا سوال ہونے سے ہر ایک کو دو کرکے ساٹھ[۶۰] ہو جانا چاہیے تھا مگر آخری چھ[۶] صورتیں یعنی جو وقت کے لیے مانگنا وقت کے بعد نہ ہوگا تو چوّن[۵۴] صورتیں رہ جائیں گی، چوبیس[۲۴] سوال والی اور تیس[۳۰] بلا سوال۔

اس عطا کا حکم یہ ہے کہ (بہرحال) موثر ہے۔ یعنی (۱) اگر یہ دینا قبل تیمم ہو تو تیمم سے مانع ہوگا۔ (۲) اگر بعد تیمم ہو تو اسے توڑ دے گا (۳) اگر دوران نماز ہو تو اسے قطع کردے گا (۴) بعد نماز ہو تو اسے باطل کردے گا۔ مگر یہ کہ اندرون نماز مانگنے کی صورت میں

فیبقی للعطاء نقض التیمّم۔

(۲) وعد قبل تمام الصلاۃ مواقعه الثلثة الاول ثلاثیان ثم سداسی ویحتمل الکل اربعة وجوہ لاغیر علی ماقدمنا تحت قانون البحر یعطی فی الوقت اوبعدہ اولا یعطی فیظهر خلفه اولا فهی اربعة وعشرون فی الاولین ومثلها فی الثالث فکانت ثمانیة واربعین فی ربعها اعنی اثنی عشر العطاء بعد الوقت وهی لاتثنی کماعلمت وستة وثلثون البواقی تثنی فالمجموع اربعة(۸۴) وثمانون۔

حکمه الأثار الثلثة بالوجه المذکور

(۳) وعد بعد الصلاۃ فظهر خلفه له وجهان ان لایعطی اصلا من دون عذر اویعطی بعد الوقت لماقدمنا ان الوعد فی حاجة موقتة یتعلق بالوقت خاصة وعلی کل یکون بعد الاطلاع اوبدونه والکل سداسی فهی اربعة وعشرون نصفها الاول اعنی مالاعطاء فیها تثنی فتصیر اربعة وعشرین ونصفها الأخر اعنی العطاء بعد الوقت لایثنی لمامر فیکون لکل ستة(۳۶) وثلثین اثناعشر منها لسؤال۔

ابطال کی نسبت مانگنے کی جانب ہے تو عطاء کی وجہ سے تیمم ٹوٹتا رہے گا۔

(۲) وعدہ قبل تکمیل نماز اس کے مواقع وہ پہلے تینوں مواقع ہیں وہ ثلاثی پھر ایک سداسی ہے، اور ہر ایک میں چار صورتوں کا احتمال ہے۔ زیادہ نہیں جیسا کہ قانونِ بحر کے تحت ہم نے پہلے بیان کیا۔ (۱) وقت میں دے دے گا (۲) بعد وقت دے گا (۳) نہ دے گا تو اس کا خلف ظاہر ہوگا (۴) یا نہ ظاہر ہوگا تو پہلی دونوں میں یہ چوبیس۲۴ ہوگئیں۔ ان ہی کے مثل تیسری میں ہوں گی تو اڑتالیس۴۸ ہوئیں ان کی چوتھائی یعنی بارہ۱۲ میں عطا بعد وقت ہے۔ اور یہ دوگنا نہ ہوں گی جیسا کہ معلوم ہوا، اور باقی چھتیس۳۶ دو۲ دو۲ ہوں گی تو کل چوراسی۸۴ ہوئیں۔

حکم وہی تینوں اثرات بطریق مذکور (۳) وعدہ بعد نماز جس کا خلف ظاہر ہوا۔ اس کی دو۲ صورتیں ہیں، یا (۱) تو بالکل نہ دے بغیر کسی عذر کے یا (۲) وقت کے بعد دے اس لئے کہ ہم بتا چکے کہ وقتی حاجت کے لئے وعدہ خاص وقت سے متعلق ہوتا ہے اور بہر دو صورت یا تو بعد (۳) اطلاعِ مذکور ہوگا یا اس (۳) کے بغیر اور ہر صورت سُداسی ہے تو چوبیس۲۴ صورتیں ہوئیں، ان میں سے نصف اول یعنی وہ جن میں عطا نہیں ڈبل ہو کر چوبیس۲۴ ہو جائیں گی اور نصف دیگر یعنی عطا بعد وقت والی ڈبل نہ ہوں گی وجہ گزر چکی تو کُل چھتیس۳۶ ہو جائیں گی جن میں سے بارہ سوال والی ہیں۔

حکمه تمت۔

(۴) (ا) لم یظهر خلفه له ایضا وجهان یعطی فی الوقت اولا یعطی لنحو وجوه قدمنا فی المسألة الثامنة کأن کان قال له تعالِ فی الوقت الفلانی اعطك فلم یذهب هذا والاقسام ههنا ثمانیة[48] واربعون لان التقسیم کسابقه وههنا الفریقان مثنیان۔

حکمه یعید الصلاة۔

(۵) سکت واعطی فی الوقت قبل الاطلاع حیث ان السکوت یتقدمه السؤال فللسؤال اربعة مواقع قبل التیمم[1] او[2] الصلاة او[3] فیها او[4] بعدها والعطاء علی الاول رباعی کذلك وعلی الثانی ثلاثی باسقاط الاول وعلی الثالث کذلك لانه قطع الصلاة بالسؤال ولم ینتقض تیممه فالعطاء اما ان یکون قبل المستانفة اوفیها اوبعدها وعلی الرابع ماله الاوجه واحد لانه لایعید الصلاة بالسکوت والاذلان ثلاثیان فسبعتهما احد وعشرون والاخیران سداسیان فاربعتهما اربعة وعشرون والکل خمسة[45] واربعون۔

حکمه الاٰثار الثلثة۔

حکم نماز تام ہے۔

(۴) اس کا خلف ظاہر نہ ہوا۔اس کی بھی دو ۲ صورتیں ہیں وقت[1] کے اندر دے دے گا یا[2] نہ دے گا۔اور اسی قسم کی وجہوں کے باعث جو ہم نے مسئلہ ہشتم میں بیان کیں۔مثلاً اس سے کہا تھا فلاں وقت آنا تمہیں دُوں گا۔یہ نہ گیا قسمیں یہاں اڑتالیس[48] ہیں۔اس لئے کہ تقسیم اس سے پہلے والی کی طرح ہے اور یہاں دونوں ہی فریق ڈبل ہیں۔

حکم اعادہ نماز ہے۔

(۵) خاموش رہا اور وقت کے اندر قبل اطلاع مذکور دے دیا۔چونکہ سکوت سے پہلے سوال ہوگا۔تو سوال کے چار مواقع ہیں (۱) قبل تیمم (۲) قبل نماز (۳) دورانِ نماز (۴) بعد نماز اور بر تقدیر اول عطا کی بھی ایسے ہی چار[4] چار[4] صورتیں ہیں، اور بر تقدیر دوم ثلاثی ہے باسقاطِ اول اور بر تقدیم سوم بھی ایسا ہی ہے۔اس لئے کہ اس نے مانگ کر نماز توڑ دی اور اس کا تیمم ابھی نہ ٹوٹا تو دینا از سرِ نو پڑھی جانے والی نماز سے پہلے ہوگا یا اس کے اندر یا اس کے بعد اور بر تقدیر چہارم اس کی صرف ایک صورت ہے اس لئے کہ سکوت کی وجہ سے اس کو نماز کا اعادہ نہیں کرنا ہے پہلی دونوں ثلاثی ہیں تو ان کی ساتوں مل کر اکیس[21] ہونگی اور آخر والی دونوں سُداسی ہیں تو ان کی چاروں چوبیس[24] ہوں گی اور کُل پینتالیس[45] ہوں گی۔

حکم تینوں اثرات۔

(۶) سکت(۱) ولم یعط فی الوقت قبل الاطلاع فاما فی الوقت بعد الاطلاع اوبعدہ اولا اصلا وفی کلہا السؤال علی مواقعہ الاربعۃ فکل من الاولین الثلاثیین بثلثۃ وجوہ العطاء وعدمہ تسعۃ وکل من الاخیرین السداسیین ثمانیۃ عشر فھی اربعۃ [۵۴] وخمسون۔

حکمہ تمت۔

(۷) منع(۲) فاعطی قبل تمام الصلاۃ لسؤال ثلثۃ مواقع غیر الاخیر وکذا للعطاء علی الاول وعلی الباقین اثنان لانہ بقطع الصلاۃ یستأنفہا فھی سبعۃ وکل فی الاولین الثالث سداسیان باثنی عشر فھی سبعۃ [۲۷] وعشرون۔

حکمہ الاٰثار الثلثۃ لاجل لعطاء لا للمنع۔

(۸) منع(۳) ولم یعط قبلہ فاما بعدھا فی الوقت قبل الاطلاع اوبعدہ اوبعد الوقت اولا ولسؤالہ المواقع الاربعۃ ثلاثیان فیضرب اربعۃ اربعۃ وعشرون وسداسیان ثمانیۃ واربعون کلہا اثنان [۷۲] وسبعون۔

(۶) خاموش رہا اور وقت کے اندر اطلاع مذکور سے قبل نہ دیا یا تو [۱] وقت کے اندر بعد اطلاع نہ دیا یا وقت [۲] کے بعد نہ دیا یا بالکل [۳] نہ دیا اور ان میں سے ہر ایک میں سوال اپنے چاروں مواقع پر ہے۔ تو پہلی دونوں ثلاثی میں سے ہر ایک عطا وعدم عطا کی تین صورتوں کے ساتھ نو [۹] ہوگی اور بعد والی دونوں سُداسی میں سے ہر ایک اٹھارہ [۱۸] ہوگی۔ تو کُل چوّن [۵۴] ہوں گی۔

حکم نماز تام ہے۔

(۷) انکار کیا پھر قبل تکمیل نماز دے دیا۔ اس کے سوال کے تین مواقع ہیں آخری چھوڑ کر اسی طرح پہلی صورت میں عطا کے مواقع اور باقی دو [۲] میں دو [۲] ہیں اس لئے کہ نماز توڑ دینے کی وجہ سے اس کو از سرِ نو ادا کرے گا۔ تو یہ سات [۷] ہوئیں۔ اور اولین میں سے ہر ایک ثلاثی ہے تو ان کی پانچوں پندرہ [۱۵] ہونگی اور سوم کی دونوں قسمیں سداسی ہیں تو بارہ [۱۲] ہوں گی کل ستائیس ۲۷ ہوں گی۔

حکم تینوں اثرات، اس وجہ سے کہ عطا ہُوئی، اس وجہ سے نہیں کہ انکار ہُوا۔ (۸) انکار کیا اور قبل تکمیل نماز نہ دیا۔ یہ یا [۱] تو بعد نماز وقت کے اندر قبل اطلاع یا بعد [۲] اطلاع ہوگا، یا بعد [۳] وقت ہوگا یا ایسا نہ [۴] ہوگا اس میں سوال کے وہی چاروں مواقع ہیں دو ثلاثی تو چار سے ضرب دینے سے چوبیس [۲۴] صورتیں ہوں گی اور دو [۲] سداسی ہیں تو اڑتالیس [۴۸] ہوں گی۔ کُل بہتر [۷۲] ہونگی۔

حکمه تمّت۔	**حکم** نماز تام ہے۔
(۹) لم ^۱ يكن شیئ وظن العطاء هو علی وجهين بالرؤية فی الصلاة اوقبلها۔ **حكمه يعيد۔**	**(۹)** کچھ نہ ہوا اور اسے عطا کا گمان تھا۔ نماز کے اندر یا نماز سے قبل دیکھنے کی تقدیر کی وجہ سے اس کی دو^۲ صورتیں ہیں۔ **حکم** نماز کا اعادہ کرے۔
(۱۰) لم ^۲ يكن شيئ ولاظن عطاء هی اربعة بالوجهين مع ظن المنع اوالشک۔ **حكمه تمّت۔**	**(۱۰)** کچھ نہ ہوا اور اسے ظن عطا بھی نہ تھا۔ دونوں وجہوں کو ظن منع یا شک کے ساتھ ملا کر اس کی چار صورتیں ہوں گی۔ **حکم** نماز تام ہے۔
وبه تمت احاطة ^۳عـہ الاقسام *	اسی سے احاطہ اقسام مع بیانِ احکام مکمل ہوگیا۔

عـہ : وهذا جدول الاجمال باعتبار التقسيم الاول الى خمسة اقسام

پانچ اقسام کی طرف تقسیم اول کے اعتبار سے یہ اجمالی نقشہ ہے۔

القسم	[illegible]	[illegible]	[illegible]
عطا	۵۴	۲۴	۳۰
وعد	۱۶۸	۷۲	۹۶
سكوت	۹۹	۹۹	۰
منع	۹۹	۹۹	۰
خامس	۶	۰	۶
الكل	۴۲۶	۲۹۴	۱۳۲

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
عطا	۵۴	۲۴	۳۰
وعدہ	۱۶۸	۷۲	۹۶
سکوت	۹۹	۹۹	۰
منع	۹۹	۹۹	۰
خامس	۶	۰	۶
میزان	۴۲۶	۲۹۴	۱۳۲

وهذا بعينه ماحصل بالتقسيم الاول تحت قانون البحر فتوا فقهما مع شدة تباينهما فی الطريق دليل الصحة والتحقيق ۱۲ منه غفرله (م)

بعینہٖ یہی قانون بحر کے تحت تقسیم اول سے حاصل ہوا تو طریق میں شدید مباینت کے باوجود دونوں کا باہم موافق ہوجانا صحت وتحقیق کی دلیل ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

مع بیان الاحکام* والحمد الدائم لولی الانعام* ذی الجلال والاکرام* وافضل الصلاۃ والسلام* علی السید المنعام* واٰلہ الکرام* وصحبہ العظام* وامتہ الی یوم القیام* اٰمین۔

اور دائمی حمد ہے ولی انعام مالک عزّت وبزرگی کیلئے۔ اور افضل درود وسلام بہت انعام فرمانے والے آقا، اور ان کی کریم آل، عظیم اصحاب اور ان کی امت پر روزِ قیامت تک الٰہی قبول فرما!

تنبیہ: اتبعناھم فی ترك اقسام الوعد باظہار النفاد والوعد الابائی والمنع بعد العطاء مع ذکرھم العطاء بعد المنع۔

چند اقسام دیگر پر تنبیہ: درج ذیل قسموں کو ترک کرنے میں ہم نے بھی ان ہی حضرات کی پیروی کی۔ (۱) پانی ختم ہونے کا اظہار کرکے وعدہ (۲) وعدہ ابائی (۳) منع بعد عطا۔۔ جبکہ ان حضرات نے عطا بعد منع کو ذکر کیا ہے۔

فان قیل لااثر لھذہ لمامر ان الوعد بعد النفاد لایعتبر والوعد الابائی لااثرلہ فی الوقت الحاضر بل فی الوقت الموعود بہ والمنع بعد العطاء ان اثر فاباحۃ تیمم منعہ العطاء لاغیر کماقدمت فی المسألۃ العاشرۃ۔

اگر کہا جائے کہ اس کا کوئی اثر نہیں اس لئے کہ ختم ہونے کے بعد وعدہ کا اعتبار نہیں اور موجودہ وقت میں وعدہ ابائی کا کوئی اثر نہیں بلکہ وقت موعود میں ہے اور دینے کے بعد انکار اگر اثر کرے گا تو یہی کہ وہ تیمم جو عطا سے ممنوع ہوگیا تھا اب مباح ہوجائے گا کچھ اور اثر نہ ہوگا جیسا کہ مسئلہ دہم میں بیان ہوا۔

اقول: الیس ھذا اثرا والوعد کیفما کان ان لحقہ العطاء قبل تمام الصلاۃ تحصل الاٰثار الثلثۃ وان کان حصولھا بالعطاء کما بالعطاء قبلہ بعد المنع وان لم یلحقہ جاز تیممّہ وبقی وتمّت الصّلوۃ۔

اقول: کیا یہ اثر نہیں۔ اور وعدہ جیسا بھی ہو اگر قبل تکمیل نماز اسے عطا لاحق ہوئی تو تینوں اثرات حاصل ہوں گے اگرچہ یہ عطا سے حاصل ہوں گے جیسا کہ اس سے قبل، منع کے بعد دینے سے اگر عطا نہ لاحق ہو تو اس کا تیمم جائز وباقی اور نماز تام ہے۔

وقد ذکروا المنع ولااثرلہ الا ھذا وذکر المنع لایغنی عنہ فانہ من الوعد فیشتبہ الامر فیہ

علماء نے انکار کا ذکر کیا ہے اور اس کا سوائے اس کے کوئی اثر نہیں اور انکار کا ذکر کارآمد نہیں اس لئے کہ وہ وعدہ سے (انکار)

ثم قد ذکروا العطاء بعد الاباء وخصوہ بالعطاء بعد الصلاۃ وھو لااثرلہ اصلا وانما ذکروہ لبیان خلوہ عن الاثر فان اردنا ایرادھا زدنا فی الضابطۃ ان الوعد باظھار النفاد والوعد الابائی کلاھما لااثرلہ الا اذالحقہ العطاء قبل تمام الصلاۃ ولایسمع منع بعد عطاء الا اذا بقی الماء ولم یخرج عن ملك المعطی فیبیح التیمم ان منعہ عہ العطاء واذن تصیر اقسام الوعد سبعۃ لانہ باظھار نفاد الماء اوبدونہ علی الاول یعطی[1] قبل ختم الصلاۃ مؤولا بسھوہ مثلا اولا[2] وعلی الثانی ام ان یعد ابائیا[3] یعطی بعدہ قبل تمام الصلاۃ لان تاجیل وعدہ لایمنعہ عن تعجیلہ اولا[4] واما[5] رجائیا وقع قبل تمامھا او[6] بعدہ وفی ھذا ظھر خلفہ اولا[7]۔ والمنع ثلثۃ باضافۃ	ہے۔تو معاملہ اس میں مشتبہ ہو جائے گا۔ پھر عطا بعد انکار کا ذکر کیا ہے اور اسے عطا بعد نماز سے خاص کیا ہے۔اس کا بھی کوئی اثر نہیں۔اس کی بے اثری بتانے ہی کیلئے علما نے اسے ذکر کیا ہے۔اگر ہم اسے بھی لانا چاہیں تو ضابطہ میں یہ اضافہ کردیں گے کہ ختم ہونے کا اظہار کرکے وعدہ اور وعدہ ابائی دونوں بے اثر ہیں مگر جب کہ قبل تکمیل نماز انہیں عطا لاحق ہو۔اور منع بعد عطا مسموع نہیں مگر جب کہ پانی باقی ہو اور دینے والے کی ملک سے باہر نہ ہوا ہو تو تیمم کو مباح کردے گا اگر عطا اس سے مانع ہو۔اور اب وعدہ کی قسمیں سات ۷ ہو جائیں گی اس لئے کہ وعدہ پانی ختم ہونے کا اظہار کے ساتھ ہوگا یا اس کے بغیر ہوگا برتقدیر اول ختم نماز سے پہلے۔مثلاً اپنے بھول جانے کا عذر کرتے ہوئے دے دے گا۔(۲) یا نہیں برتقدیر ثانی (۳) یا تو ایسا وعدہ ابائی کرے گا جس کے بعد قبل تکمیل نماز دے دے اس لئے کہ وعدہ کو مؤجل کرنا اس کی تعجیل سے مانع نہیں (۴) یا ایسا نہ ہوگا (۵) یا وعدہ رجائی کرے گا جو قبل تکمیل نماز واقع ہو (۶) یا اس کے بعد ہو،اور اس میں اس کا خلف ظاہر ہو (۷) یا ایسا نہ ہو۔اور منع کی تین ۳ قسمیں ہو جائیں گی اس کا اضافہ

عہ: احتراز عن البیع بخیار البائع کماتقدم فی المسألۃ العاشرۃ ۱۲منہ غفرلہ (م)	بیع بشرط خیار بائع سے احتراز ہے،جیساکہ مسئلہ دہم میں گزرا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

ماذا کان بعد العطاء مع بقاء الماء وملکه اما خلافه وھو المنع بعد ما نفد اوخرج عن ملك المانع فلایحتاج الی ادخاله فی الاقسام لانه یرجی الامن مجنون فتصیر جمیع الاقسام خمسة عشر۔

اما انواع ھذه الخمسة المزیدة

فاقول: (۱۱) وعد[۱] باظھار النفاد واعطی قبل تمام الصلاة صوره ثمان واربعون۔

حکمه التأثیر۔

(۱۲) وعد[۲] کذلك ولم یعط قبل تمامھا صوره ۱۶۲۔

حکمه تمت ویظھر لك ھذا بتالییه لان ھذا الوعد لایخالف الابائی احکاما ولااقساما اجمالا ولاتفصیلا۔

(۱۳) وعد[۳] ابائیا واعطی قبل تمام الصلاة مواقعه ثلثة: (i) قبل التیمم (ii) اوالصلاة (iii) اوفیھا فعلی الاول الثلاثی للعطاء المواقع الثلثة وعلی الثانی الثلاثی اثنان فخمسة فی ثلثة خمسة عشر وبالتثنیة

کردینے کی وجہ سے جو منع بعد عطا پانی اور ملک باقی رہنے کے ساتھ ہو۔ لیکن اس کا خلاف۔ وہ یہ کہ پانی ختم ہونے کے بعد یا مانع کی ملک سے نکل جانے کے بعد منع ہو۔ تو اسے داخل اقسام کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایسا منع وانکار مجنون کے سوا کسی سے متوقع نہیں اب کل اقسام پندرہ[۱۵] ہوجائیں گی۔ لیکن ان اضافہ شدہ پانچ کی نوعیں **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں):

(۱۱) ختم ہونا ظاہر کرکے وعدہ کیا اور تکمیل نماز سے پہلے دے دیا۔ اس کی اڑتالیس[۴۸] صورتیں ہیں۔

اس کا حکم موثر ہے۔

(۱۲) اسی طرح وعدہ کیا اور قبل تکمیل نماز نہ دیا۔ اس کی ۱۶۲ صورتیں ہیں۔

حکم نماز تام ہے۔ یہ اپنے بعد والی دونوں قسموں سے واضح ہوگی اس لئے کہ یہ وعدہ احکام، اقسام، اجمال، تفصیل کسی وعدہ ابائی کے برخلاف نہیں۔

(۱۳) وعدہ ابائی کیا اور تکمیل نماز سے پہلے دے دیا۔ تو اوّل ثلاثی میں عطا کے تینوں مواقع ہیں۔ اور دوم ثلاثی میں دو[۲] ہیں تو پانچ کو تین میں ضرب دینے سے پندرہ[۱۵] صورتیں ہوں گی اور پندرہ کو دو میں ضرب دینے سے

ثلثون عن اما الثالث ففیه وجهان لان الوعد فی الصّلاۃ ان کان بسؤال فقد لزمه استئناف الصلاۃ والامضت لان هذا الوعد لاینقض التیمم فعلی الثانی ماللعطاء الاوجه واحد ان یعطی قبل تمام هذه الصلاۃ وعلی الاول یحتمل ان یعطی قبل شروع الصلاۃ المستأنفة اوفیها فصار الثالث وهو سداسی علی ثلثة وجوه بثمانیة عشر ومع الثلثین ثمانیة واربعون[48]۔

حکمه التأثیر لاللوعد فانه منع بالنظر للوقت بل للعطاء۔

(۱۴)وعدا بائیا ولم یعط قبل تمامها له المواقع الخمسة بزیادة ما[4] بعد الصلاۃ مطلعا[5] اوغیر مطلع فان کان قبل التیمم اوالصلاۃ احتمل اربعة:(۱) ان یعطی بعد الصلاۃ فی الوقت مع الاطلاع۔(۲) اوبدونه (۳) اوبعد الوقت (۴) اولا۔وان کان بعد الصلاۃ قبل الاطلاع خرج الاول بعده خرج الثانی لان العطاء لایخالف الوعد فی هذین فان المراد الاطلاع حین تیمم وصلی به لیتوهم اویثبت السکوت اذذاك دلیل المنع۔

(۱۳) وعدہ ابائی کیااور قبل تکمیل نماز دے دیا۔اس کے تین [3] مواقع ہیں:

(i) قبل تیمم (ii) قبل نماز (iii) اندرونِ نماز

تیس ہوں گی۔تقدیر سوم پر دو ۲ صورتیں ہیں اس لئے کہ نماز میں وعدہ اگر اس کے مانگنے پر ہوا تو اس پر از سرِ نو پڑھنا لازم ہے ورنہ نافذ وتام ہو گئی اس لئے کہ یہ وعدہ تیمم نہیں توڑتا۔تو دوسری صورت میں عطا کی صرف ایک شکل ہوگی وہ یہ کہ قبل تکمیل نماز دے دے اور پہلی صورت میں احتمال ہے کہ از سرِ نو پڑھی جانے والی نماز شروع کرنے سے پہلے دے یا اس نماز کے اندر ہی دے تو سوم جو سُداسی ہے تین شکلوں پر ہو کر اٹھارہ ۱۸ ہو گئی۔یہ تیس ۳۰ کے ساتھ مل کر کُل اڑتالیس ۴۸ ہوئیں۔

حکم: تاثیر وعدہ کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ تو بنظر وقت منع ہے بلکہ عطا کی وجہ سے۔

(۱۴) وعدا بائی کیااور قبل تکمیل نماز نہ دیا نماز (۴) کے بعد مطلع ہو کر یا غیر مطلع(۵) رہ کر نہ دینے کی صورت کا اضافہ کرکے اس کے پانچ مواقع ہوں گے اگر تیمم یا نماز سے پہلے ہو تو اس میں چار ۴ احتمال ہوں گے:

(۱) نماز کے بعد،وقت کے اندر اسے اطلاع دینا۔(۲) بغیر اطلاع دینا(۳) بعد وقت دینا(۴) ایسا کُچھ نہ ہو۔

اگر بعد نماز قبل اطلاع ہو تو احتمال اول خارج ہو جائے گا اور اگر بعد اطلاع ہو تو احتمال دوم خارج ہو جائے گا۔اس لئے کہ ان دونوں میں عطا خلاف وعدہ نہیں۔کیونکہ مراد ہے اس وقت اطلاع جب تیمم کیا اور اس سے نماز ادا کی تاکہ یہ وہم یا ثبوت

فاذن کل من الاولین الثلاثین اثناعشر وکل من الاٰخرین السداسیین ثمانیة عشر فھی ستون وبالتثنیة مائة وعشرون۔

بقی الثالث الوسطانی ان یکون الوعد فی الصّلاۃ فان لم یکن عن سؤالہ احتمل ان یعطی بعدھا فی الوقت اوبعدہ اولا وان کان بسؤالہ فلاجل الاستئناف احتمل ان یعطی فی الوقت بعد المستأنفة مع الاطلاع اوبغیرہ اوبعد الوقت اولا فھذہ سبعة سداسیات باثنین واربعین والکل مائة واثنان ۱۶۲ وستون۔

حکمه تمت وینتقض تیممه الاٰن ان اعطی۔

(۱۵) اعطی ثم منع وملکه والماء باق ھذا العطاء یحتمل انیکون بلاسؤال اوبعدہ عاجلا اوبعد وعدا وصمت اومنع وعلی کل یکون قبل التیمم اوالصلاۃ اوفیھا اوبعدھا بالاطلاع اوبدونه اوبعد الوقت۔

وبالجملة جمیع صور العطاء الاٰتیة فی سائر الاقسام الماضیة ومنھا مؤثرات باحد الاٰثار الثلثة وھی کل القسم الاول اربعة وخمسون وثلثة اسباع الثانی ستة وثلثون لان العطاء قبل التیمم اوالصلاۃ اوفیھا وکل فی الوقت

ہوسکے کہ اس وقت سکوت دلیل منع ہے۔

اب پہلی دونوں ثلاثی میں سے ہر ایک بارہ، اور بعد والی دونوں سُداسی میں سے ہر ایک اٹھارہ، تو یہ ساٹھ ۶۰ صورتیں ہُوئیں اور دو۲ میں ضرب دینے سے ایک سوبیس ۱۲۰ ہوئیں۔

تیسری درمیانی باقی رہ گئی وہ یہ کہ وعدہ نماز میں ہو، تو اگر اس کے سوال پر نہ ہو تو احتمال ہے کہ بنا کے بعد وقت کے اندر یا بعد وقت دے دے یا نہ دے اور اگر اس کے سوال پر ہے تو استیناف نماز کی وجہ سے احتمال پیدا ہوا کہ از سرِ نوپڑھی جانے والی نماز کے بعد وقت میں بحالتِ اطلاع یا بلااطلاع دے دے، یا بعد وقت دے یا نہ دے۔ یہ سات ۷ احتمالات ہوئے سب سُداسی ہیں تو بیالیس ۴۲ ہوئے اور کُل ایک سو باسٹھ ۱۶۲ ہوئے۔

حکم: نماز تام ہے اور تیمم اس وقت ٹوٹ جائے گا اگر دے دے۔

(۱۵) دیا پھر منع کیا اور اس کی ملک اور پانی باقی ہے۔ اس عطا میں احتمال ہے کہ بلاسوال ہو یا بعد سوال فورًا ہو یا وعدہ یا خموشی یا انکار کے بعد ہو اور بہر تقدیر یا تو دینا قبل تیمم ہوگا یا قبل نماز یا اندرونِ نماز یا بعد نماز بحالتِ اطلاع یا بلا اطلاع یا بعد الوقت۔

بالجملہ آنے والی عطا کی ساری صورتیں گزشتہ ساری اقسام میں ہے ان میں سے کچھ تینوں اثرات میں سے کوئی ایک اثر بھی رکھتی ہیں اور یہ قسم اول کی سبھی ہیں جن کی تعداد چوّن ۵۴ ہے اور ثانی کی ۳/۷ چھتّیس ۳۶ اس لئے کہ عطا تیمم سے پہلے ہوگی یا نماز سے پہلے یا نماز کے اندر، اور ہر ایک وقت کے [1] اندر

بعد السؤال اوبدونه اوبعد الوقت فهی ثلثة فی کل والاولان ثلاثیان والثالث سداسی ونصف الرابع اربعة وعشرون وکل الخامس خمسة واربعون والسابع سبعة وعشرون والثانی عشر ثمانیة واربعون مجموعها مائتان واربعة وثلثون۔

ومنها مالایؤثر لکونه بعد الوقت وهو ثلث الثالث اثنا عشر وثلث السادس ثمانیة عشرلان فیه وجهین للعطاء ووجها لعدمه

ونصف العطاء بعد الوقت فکان ثلث الکل۔

وربع الثامن ثمانیة عشرلان فیه وجها لعدم العطاء وثلثة وجوه للعطاء منها وجهان لمافی الوقت فکان لعدم الوقت ربع الکل ومن الثالث عشر ثمانیة واربعون مجموعها ستة وتسعون ومع المؤثرات ثلثمائة ۳۳۰ وثلثون فلتخزن فان هذه لایفارق فیها المنع والعطاء فی الموقع اما فی الفریق الثانی فظاهر لان العطاء بعد الوقت فلایکون المنع الابعده۔

واما فی فریق المؤثرات فلان الفرض منعه قبل الاستعمال فان اعطی قبل التیمم لایکون له ان یتیمم حتی یقع المنع بعد التیمم وان اعطاه قبل الصلاة لایکون له ان یصلی حتی یقع فی الصلاة وقس علیه و

بعد سوال یا بلاسوال ۲ یا بعد وقت تو ہر ایک میں یہ تین ہیں اور پہلی دونوں ثلاثی ہیں تیسری سداسی ہے اور چہارم کی نصف چوبیس ۲۴ اور خامس کی سبھی پینتالیس ۴۵ اور سابع کی ستائیس ۲۷ اور بارھویں کی اڑتالیس ۴۸۔کل دوسوچونتیس ۲۳۴۔

ان میں سے کچھ غیر مؤثر ہیں کیونکہ بعد وقت ہیں، یہ سوم کی تہائی بارہ ہیں اور ششم کی تہائی اٹھارہ اس لئے کہ اس میں عطائی دو شکلیں ہیں اور عدم عطا کی ایک شکل ہے اور نصف عطا بعد وقت تو کل کی تہائی ہوئیں۔

اور ہشتم کی چوتھائی اٹھارہ اس لئے کہ اس میں عدمِ عطا کی ایک صورت،اور عطا کی تین صورتیں ہیں۔دو صورتیں اس کی ہیں جو وقت کے اندر ہو۔تو عدم وقت کے لئے کل کی چوتھائی ہوئی اور تیرھویں سے اڑتالیس ۴۸ جن کا مجموعہ چھیانوے ۹۶ ہوگا اور مؤثرات کے ساتھ تین سو تیس ۳۳۰۔انہیں جمع کرلیا جائے کہ ان کے اندر منع وعطا میں موقع کا اختلاف نہیں۔فریق ثانی میں توظاہر ہے اس لئے کہ عطا بعد وقت ہے تو منع بھی بعد وقت ہی ہوگا۔

اور فریق مؤثرات میں اس لئے کہ فرض یہ کیا گیا ہے کہ استعمال سے پہلے منع کردیا ہو تواگر تیمم سے پہلے دے دیا اسے تیمم کرنا روانہ ہوگا یہاں تک کہ تیمم کے بعد منع واقع ہو اور اگر نماز سے پہلے دے دیا تو اس کیلئے نماز ادا کرنا روانہ ہوگا یہاں تک کہ منع اندرونِ نماز واقع ہو اور اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

ومنها مافی الوقت ولایؤثر وھی ثلث السادس ثمانیة عشر ونصف الثامن ستة وثلثون ومن الثالث عشر ثمانیة واربعون مجموعها مائة واثنان ففی ھذہ یمکن الافتراق لانه اذا اعطی فی الوقت ولم یؤثر فله ان لایستعمل لماء الاٰن ویدخرہ للوقت الاٰتی فیصح المنع قبل استعماله بعد الوقت فھذہ تنقسم الی قسمین المنع فی الوقت وبعدہ فتصیر مائتین[۲۰۴] واربعة ومع المخزونات خسمائة[۵۳۴] واربعة وثلثین ھذہ وجوہ ھذا القسم الخامس عشر۔

حکمه اباحة التیمم الاٰن ان کان العطاء منعه ولا اثرله علی مامضی من تیمم اوصلاۃ بل ان کان فللعطاء السابق مجموع ھذہ الاقسام الخمسة تسعمائة واربعة وخمسون ومع السابقات الف وثلثمائة وثمانون واللّٰه تعالٰی اعلم۔

اضافة اخرٰی

اقول: وھھنا وجوہ اُخر فان احوال اربعة: عطا،وعد،سکوت،منع۔وقد ذکروا العطاء بعد المنع وذکرنا فی وجوہ قوانینھم العطاء بعد الوعد وبعد السکوت وزدنا المنع بعد العطاء فمن

اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو وقت میں ہوں اور مؤثر نہ ہوں یہ ششم کی تہائی اٹھارہ ہیں اور ہشتم کی نصف چھتیس[۳۶] اور تیرھویں سے اڑتالیس۔کل ایک سودو[۱۰۲] ہیں۔ان میں افتراق ہوسکتا ہے۔اس لئے کہ اگر وہ وقت میں دے اور مؤثر نہ ہو تو اسے حق ہے کہ اس وقت پانی استعمال نہ کرے اور وقت آئندہ کیلئے ذخیرہ کررکھے تو بعد وقت اس کے استعمال سے پہلے منع صحیح ہوگا۔تو ان کی دو قسمیں ہوں گی منع[۱] اندرون وقت، منع[۲] بعد وقت تو دو سو چار[۲۰۴] ہوجائیں گی اور جمع شدہ کو ملاکر پانچ سو چونتیس[۵۳۴] ہونگی یہ اس پندرھویں قسم کی صورتیں ہیں۔

حکم: اس وقت تیمم مباح ہونا ہے اگر عطا اس سے مانع تھی۔اور گزشتہ تیمم یا نماز پر اس کا کوئی اثر نہیں۔بلکہ اگر اثر ہوگا تو عطائے سابق کا ہوگا۔ان پانچوں اقسام کا مجموعہ نوسوچوّن[۹۵۴] ہُوا اور سابقہ قسموں کو ملاکر ایک ہزار تین سو اسّی[۱۳۸۰] ہوا اور خدائے برتر خُوب جاننے والا ہے۔

اضافہ دیگر

اقول: یہاں کچھ اور صورتیں ہیں۔اس لئے کہ حالتیں چار[۴] ہیں: عطا،وعدہ،سکوت،منع۔

علما نے عطا بعد منع بھی ذکر کیا ہے اور ہم نے ان کے قوانین کی صورتوں کے اندر عطا بعد وعدہ وبعد سکوت بھی ذکر کیا ہے اور منع بعد عطا کا اضافہ کیا ہے۔تو

وزانها الوعد ثم الاباء والاباء ثم الوعد والسکوت ثم الاباء اوالوعد فهذه اربعة ترکیبات اُخر ثنائیات اماما فوق الثنائی فلا امکان لاحصائه جل من احصی کل شیئ عددا والاسترسال فی بیان تقاسیم هذه الاربعة ایضا مخرج عن القصد ومن عرف تصرفنا فی ابانة الاقسام لم یعسر علیه فلنقتصر علی بیان الاحکام الکلیة بانین علی استظهاراتنا السالفة غیر قاطعی القول فیما یتعلق بابحاثنا۔	اسی کے مقابلہ میں وعدہ[1] پھر انکار، انکار[2] پھر وعدہ، سکوت[3] پھر انکار، یا وعدہ[4] بھی ہیں۔ تو یہ چار دوسری ثنائی ترکیبیں ہُوئیں لیکن ثنائی سے اوپر تو ان کا شمار ممکن نہیں، بزرگ ہے وہ جس نے ہر چیز کا شمار رکھا ہے۔ اب ان چاروں کی تقسیموں کی توضیع میں چلیں تو اعتدال سے باہر ہو جائیں گے۔ توضیح اقسام میں ہمارا تصرف جس نے سمجھ لیا اس کیلئے یہ مشکل نہ ہوگا۔ تو ہم احکام کلیہ کے بیان پر اقتصار کریں بنائے کلام ہمارے سابقہ استظہاروں پر ہوگی مگر جو ہماری ابحاث سے متعلق ہے اس میں ہم قطعی قول نہ کریں گے۔
فاقول: [1] اذا وعدثم ابی فان کان الوعد قبل التیمم واذن لایکون الاباء ایضا الاقبه لان الوعد حاجز عن التیمم فهذا الاباء یبیح التیمم وان کان الوعد بعد التیمم نقضه فلایعیده الاباء بل یجیز تجدیده وکذا ان کان فی الصلاة قطعها فلایصلها الاباء بعده وان کان بعدها تمت الصلاة وزال ماکان یخشی علیه من جانب الوعد ان لم یظهر خلفه۔	**فاقول:** [1] جب وعدہ کرے پھر انکار کردے تو اگر وعدہ قبل تیمم ہو اور اِس صورت میں انکار بھی قبل تیمم ہی ہوگا۔ اس لئے کہ وعدہ تیمم میں رکاوٹ ڈالتا ہے تو یہ انکار تیمم مباح کردے گا اور اگر وعدہ تیمم کے بعد ہو تو اسے توڑ دے گا۔ تو انکار اسے واپس نہ لائے گا بلکہ اس کی تجدید جائز کردے گا اسی طرح اگر وعدہ نماز کے اندر ہو تو نماز کو توڑ دے گا تو اس کے بعد انکار اسے جوڑ نہ دے گا اور اگر وعدہ بعد نماز ہو تو نماز تام ہے اور وہ زائل ہے جس کا وعدہ کی جانب سے خطرہ رہتا ہے کہ اس کے خلاف نہ ظاہر ہو۔
وان[2] ابی ثم وعد فان وقع الوی قبل تمام الصلاة نسخ الاباء ومنع ونقض وقطع وان وقع بعدها	(۲) اور اگر انکار کرے پھر وعدہ کرے تو اگر وعدہ قبل تکمیل نماز واقع ہوا انکار کو منسوخ کردے گا اور مانع، ناقض اور قاطع ہوگا۔ اور اگر بعد نماز ہوا

I.T. Majlis of Dawateislami

لم یؤثر لان العطاء بعد الصلاۃ لایضر اذاکان بعد المنع فکیف بالوعد۔ وان[1] سکت ثم ابی فالسکوت کان نفسه دلیل الاباء والاٰن قداتی الصریح۔وان[2] سکت ثم وعد فان کان السکوت یحتمل ان یکون لاللاباء کماوصفنا فی ابحاثه فھذا الوعد جعل ذلك المحتمل متعینا فیعمل عمله من الاٰثار الثلثه والا لافصح التیمم وتمت الصلاۃ واللّٰه سبحنه وتعالٰی اعلم* وعلمه جل مجدہ اتم واحکم* وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله و صحبه وابنه وحزبه وبارك وسلم* الی ابد الابدین* فی کل اٰن وحین* والحمدللّٰه رب العٰلمین*	تو مؤثر نہ ہوگا اس لئے کہ بعد نماز عطا مضر نہیں جبکہ بعد منع ہو۔ تو وعدہ کا کیا حال ہوگا۔ (۳) اگر خاموش رہا پھر انکار کیا تو سکوت خود ہی دلیل انکار تھا اور اب تو صریح ہوگا۔ (۴) اگر خاموش رہا پھر وعدہ کیا تو اگر سکوت میں یہ احتمال ہو کہ انکار کی وجہ سے نہ ہوگا جیسا کہ اس کی بحثوں میں ہم نے بتایا تو یہ وعدہ اس محتمل کو متعین کردے گا۔ تو اپنا کام کرے گا کہ تینوں اثرات ڈالے گا۔ ورنہ نہیں تو تیمم صحیح اور نماز تام ہوگی۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے اس مجدِ بزرگ والے کا علم زیادہ تام اور محکم ہے، اور خدائے برتر کی طرف سے ہمارے آقا و مولیٰ محمد اور ان کی آل، اصحاب، فرزند اور گروہ پر ہمیشہ ہمیشہ، ہر لحہ وہر آن درود اور برکت وسلام ہو۔ اور ساری تعریفیں سارے جہانوں کے مالک خدا کیلئے ہیں۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الطلبۃ البدیعۃ فی قول صدر الشریعۃ ۱۳۳۵ھ
کلام صدر الشریعۃ سے متعلق انوکھا مطلوب (ت)

نمبر ۱۵۷ میں تھا کہ نہانا ہو اور پانی صرف وضو کے قابل ہے تو فقط تیمم کرے۔ یہاں شرح وقایہ امام صدر الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نے اس مسئلہ کو معرکۃ الآرا کردیا اُس کے حواشی کے علاوہ اور کتب مثل شرح نقایہ قہستانی ودرر علّامہ خسرو ودرمختار وغیرہا میں اُس کی طرف توجہ مبذول ہُوئی اس بحث کو بھی وہاں سے جدا کیا کہ یہ رسالہ ہو وباللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وھو المستعان* الذی شرح صدر الشریعۃ والایمان* بارسال سید الانس والجان *وقایۃ للمومنین من النیران* وطھرنا بہ عن خبث الکفر وحدث الضلال* ونھانا عن اضاعۃ الماء والمال*	ساری خُوبیاں خدا کیلئے اور وہی ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے جس نے جن وانس کے سردار کو نار سے اہلِ ایمان کو بچانے کیلئے بھیج کر شریعت اور ایمان کا سینہ کھولا۔ اور ان کے ذریعہ ہمیں کُفر کے خُبث اور ضلالت کے حدث سے پاک کیا۔ اور ہمیں پانی اور مال برباد کرنے سے منع فرمایا

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

علیه وعلی اٰله الطیبن*واصحابه المطیبین المُطیبین*وتابعیهم باحسان الی یوم الدّین* صلاۃ الله وسلامه کل اٰن وحین*من ازل الاٰزال الی ابد الاٰبدین*اٰمین وعلینا بهم یاارحم الراحمین*	ان پر اور ان کی پاکیزہ آل، پاکیزہ کیے ہوئے پاکیزہ کرنے والے اصحاب، اور روزِ جزا تک بھلائی کے ساتھ ان حضرات کی پیروی کرنے والوں پر خدا کی جانب سے ہر لمحہ وہر آن، ازلوں کے ازل سے، ابدوں کے ابد تک درود وسلام قبول فرما اور ان کے طفیل ہم پر بھی اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے۔(ت)

اقول: وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں الله تعالٰی کی مدد سے۔ت) اگر کوئی[1] شخص جنب ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرے مثلاً پیشاب کیا تھا اس کے بعد جماع کیا یا احتلام سے اٹھا پھر پیشاب کیا اور حالت یہ ہو کہ وہ نہا نہ سکے اور وضو کرسکے خواہ یوں کہ جنگل میں ہے اور پانی صرف وضو کے قابل ہے یا یوں کہ مریض ہے نہانا مضر ہے وضو سے ضرر نہیں یا یوں کہ صبح تنگ وقت محتلم اٹھا نہائے تو وقت نکل جائے گا اور وضو کی گنجائش ہے اس صورت میں قول امام زفر پر فتوٰی ہے کہ محافظت وقت کیلئے تیمم سے پڑھ لے احتیاطاً اس پر عمل کرے پھر برعایت اصل مذہب بعد خروج وقت پانی سے طہارت کرکے اعادہ کرے جس کا بیان ہمارے رسالہ "**الظفر لقول زفر**" میں گزرا۔ اور اب بحمدہ[2] تعالٰی اُس کی اور تائید قوی پائی کتب جلیلہ معتمدہ محیط وذخیرہ وبنایہ امام عینی میں ہے

شرع التیمم لدفع الحرج وصیانة الوقت عن الفوات[1]۔	تیمم حرج کے دفعیہ اور وقت کو فوت ہونے سے بچانے کیلئے مشروع ہوا ہے۔(ت)

کفایہ میں ہے:

التیمم شرع لصیانة الصلاۃ عن الفوات (الی ان قال) فلما جوز الشرع التیمم لتوهم الفوات لأن یجوز عند تحقق الفوات اولی[2]۔	تیمم اس لئے مشروع ہُوا کہ فوت ہونے سے نماز کی حفاظت ہو (یہاں تک کہ فرمایا) توجب شریعت نے فوت ہونے کے وہم کی وجہ سے تیمم جائز کیا تو فوت ہونے کے تحقق ویقین کے وقت بدرجہ اولٰی جائز ہوگا۔(ت)

---

[1] البنایة شرح الہدایہ باب التیمم مطبع ملک سنز، فیصل آباد ۱/ ۳۲۷

[2] الکفایة مع فتح القدیر باب التیمم مطبع نوریہ رضویہ سکھّر ۱/ ۱۶۶

ان سب صورتوں میں حکم یہ ہے کہ صرف تیمم کرے اور وضو اگرچہ مضر نہیں اور اس کے قابل پانی بھی موجود اور وقت میں بھی اس کی وسعت ہے اصلانہ کرے وہی تیمم کہ جنابت کیلئے کرے گا حدث کے لئے بھی کافی ہو جائے گا۔ کتب مذہب سے اس پر دلائل کثیرہ ہیں:

دلیل اوّل: عامہ معتمدات میں تصریح ہے کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ایک طہارت میں پانی اور مٹی جمع نہیں ہو سکتے مثلاً محدث کے پاس اتنا پانی ہے کہ ہاتھ مُنہ دھولے یاجُنب کے پاس اتنا کہ وضو کرلے یاسارابدن دھولے مگر چند اُنگل جگہ رہ جائے تواُسے حکم ہے کہ صرف تیمم کرے اُن مواضع میں پانی خرچ کرنے کی اصلاً حاجت نہیں کہ جب تک ناخن بھر جگہ باقی رہ جائے گی حدث وجنابت بدستور رہیں گے اُن میں ذرّہ بھر بھی کم نہ ہوگا کہ ہر حدث چھوٹا یابڑا آتا ہے توایک ساتھ اور جاتا ہے توایک ساتھ اُس میں حصّے نہیں کہ بعض بدن کو حدث یاجنابت اب لاحق ہو بعض کو پھر یابعض بدن سے اب دُور ہوجائے اور بعض سے کُچھ دیر میں اور جب بعد صرف بھی حدث بدستور تو پانی کاخرچ کیاضرور۔ یوں ہی اگر محدث کے اکثر اعضائے وضو یاجنب کا اکثر بدن مجروح ہو تیمم کریں یہ نہیں کہ جتنا بدن صحیح ہے اتنا دھوئیں اور باقی کے لئے تیمم۔ تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی میں ہے:

انه تعالٰی امرنا باحدی الطهارتین علی البدل ولم یامرنا بالجمع بینهما ومن جمع بینهما فقد جمع بین الاصل والبدل فصار مخالفا للنص[1]۔	اللہ تعالٰی نے ہمیں بطور بدل دو طہارتوں میں سے ایک کاحکم دیا، دونوں کو جمع کرنے کاحکم نہ دیا۔ جو دونوں کواکٹھا کرے وہ اصل اور بدل کویکجا کرکے نص کامخالف ہوا۔ (ت)

بنایہ امام عینی میں ہے:

انه عجز عن بعض الاصل فیسقط الاعتداد به مع البدل فی حالة واحدة کمن عجز عن بعض الرقبة فی الکفارة ولایلزم (۴) اذاغسل بعض الاعضاء ثم نضب الماء لان ماتقدم یسقط ویصیر مؤدیا للفرض بالتیمم خاصة[2]۔	وہ اصل کے کچھ حصہ سے عاجز ہوگیا تو بدل کے ساتھ بیک وقت اس کا شمار ساقط ہے جیسے دو شخص کفارہ میں بردہ کے بعض حصہ سے عاجز ہوجائے اس پر اس صورت سے اعتراض نہ لازم آئے گا جب کچھ اعضاء دھوچکا ہو پھر پانی ختم ہوگیااس لئے کہ جو پہلے ہوا وہ ساقط ہوجائے گا اور وہ خاص تیمم سے فرض ادا کرنے والا ہوگا۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق، باب التیمم، مطبعہ امیریہ مصر ۱/۴۱

[2] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الماء الذی یجوز بہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد ۱/۳۲۴

حلیہ محقق ابن امیر الحاج میں ہے:

اعلم ان الجواب فی ھذہ المسائل یتفرع علی اصل مذھبی وھو ان تلفیق اقامۃ الطھارۃ الواحدۃ بالماء والتراب معاغیر مشروع عند اصحابنا لان الماء اصل والتراب خلف والجمع بین الاصل والبدل فی حکم واحد لانظیرلہ فی الشرع الاتری ان(۱) التکفیر بالمال لایکمل بالصوم ولابالعکس ولاعدۃ(۲) الحائض بالاشھر ولاذوات الاشھر بالحیض[1]۔	واضح ہو کہ ان مسائل کا جواب ایک مذہبی قاعدہ پر متفرع ہے۔وہ یہ کہ ایک ہی طہارت کی ادائیگی بیک وقت پانی اور مٹّی دونوں سے مخلوط کرنا ہمارے اصحاب کے نزدیک نامشروع ہے۔اس لئے کہ پانی اصل ہے اور مٹی نائب ہے۔اور ایک حکم کے اندر اصل اور بدل دونوں کو جمع کرنے کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں دیکھئے مال کے ذریعہ کفارہ کی ادائیگی روزے سے پُوری نہیں کی جاتی۔اسی طرح برعکس بھی نہیں یونہی حیض والی کی عدّت مہینوں سے اور مہینوں والی کی عدّت حیض سے تکمیل نہیں پاتی۔(ت)

اختیار شرح مختار پھر خزانۃ المفتین میں ہے:

من بہ جراحۃ وعلیہ الغسل غسل بدنہ الاموضعھا ولایتیمم وکذلک اذاکانت فی اعضاء الوضوء لان الجمع بینھما جمع بین البدل والمبدل ولانظیرلہ فی الشرع[2]۔	جسے زخم ہو اور اس کو غسل کرنا ہے تو وہ جگہ چھوڑ کر اپنے بدن کو دھوئے اور تیمم نہ کرے۔اسی طرح جب اعضائے وضو میں جراحت ہو (تو وہ جگہ چھوڑ کر باقی دھوئے) اس لئے کہ دونوں کو جمع کرنا بدل اور مُبدَل کو جمع کرنا ہے اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

لوکان ببعض اعضاء الجنب جراحۃ اوجُدری فان کان الغالب ھو السقیم تیمم لان العبرۃ للغالب ولایغسل الصحیح عندنا خلافا للشافعی لان الجمع بین الغسل و	جنب کے بعض اعضاء میں زخم یا چیچک ہو تو اگر اکثر حصّہ سقیم ہے تیمم کرے اس لئے کہ اعتبار اکثر کا ہے اور صحیح حصّہ کو ہمارے نزدیک دھونا نہیں ہے بخلاف امام شافعی کے۔وجہ یہ ہے کہ دھونا اور تیمم دونوں کو

[1] حلیہ

[2] اختیار شرح مختار آخر باب التیمم مطبع البابی مصر ۱/۲۳

التیمم ممتنع الا فی حال وقوع الشك فی طهوریة الماء ولم یوجد [1] اھ کلامه الشریف۔ **اقول**: عـه بل ولافیها(۱) لان الصحیح فی الواقع احدهما والاٰخر معدوم شرعا فلاجمع الا صورة۔	جمع کرنا ممتنع ہے مگر جبکہ پانی کی طہوریت میں شک ہو اور یہ شک موجود نہیں۔(ان کا کلام شریف ختم ہوا) (ت) **اقول**: بلکہ اس حالت میں بھی نہیں اس لئے کہ فی الواقع دونوں میں سے ایک ہی درست ہے اور دوسرا شرعًا معدوم ہے تو جمع کرنا صرف صورۃً ہے۔(ت)

کنزالدقائق وتنویر الابصار میں ہے:

لایجمع بینهما اھ ای تیمم وغسل [2] درمختار بفتح الغین لیعم الطهارتین [3] ش عن ح۔ **اقول**: کل(۲) لیس لمتوهم ان یتوهم الجمع بین التیمم والغسل بالضم۔	دونوں کو جمع نہ کرے گا اھ یعنی تیمّم اور غسل (دھونے) کو-- درمختار غسل عین کے فتحہ کے ساتھ تاکہ دونوں طہارتوں کو شامل ہوجائے۔شامی از حلبی۔(ت)**اقول**: بلکہ کوئی یہ وہم نہیں کرسکتا کہ تیمّم اور غسل (بالضم) جمع ہوگا۔(ت)

دلیل دوم: صاف مطلق ارشاد ہے کہ جنب کے پاس اگرچہ وضو کے لئے کافی پانی موجود ہو وضو نہ کرے صرف تیمّم کرے اور یہ کہ مذہب حنفی کا اس پر اجماع ہے شافعی وحنبلی کو نزاع ہے۔جواہر الفتاوٰی امام کرمانی باب رابع میں ہے:

عـه ثم رأیته فی ش عن البحر قال لان الفرض یتأدی باحدهما لابهما فجمعنا بینهما بالشك [4] اھ ثم رأیته بعینه فی التبیین ۱۲ منه غفرله (م)	پھر میں نے اسے شامی میں بحر کے حوالہ سے دیکھا فرمایا: اس لئے کہ فرض ایک ہی سے ادا ہوتا ہے دونوں سے نہیں تو شک کی وجہ سے ہم نے دونوں کو جمع کیا اھ پھر بعینہٖ یہی میں نے تبیین میں بھی دیکھا ۱۲ منه غفرله۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع شرائط تیمّم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۱

[2] درمختار، باب التیمم، مجتبائی دہلی ۱/۴۵

[3] ردالمحتار، باب التیمم، مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۹

[4] ردالمحتار، باب التیمم، مصطفی البابی مصر، ۱/۱۸۹

جنب فی مفازۃ معه من الماء مایکفی لوضوئه فانه یتیمم ولایستعمل الماء [1]۔	کسی بیابان میں جنابت والا ہے جس کے پاس اتنا پانی ہے جو اس کے وضو کے لئے کفایت کرے تو وہ تیمّم کرے گا اور پانی استعمال نہیں کرے گا۔ (ت)

نوازل امام اجل فقیہ ابو اللیث پھر خزانۃ المفتین میں ہے:

مسافرا جنب ومعه ماء یکفی للوضوء فانه یتیمم [2]۔	کوئی مسافر جنب ہوا اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جو وضو کے لئے کفایت کرے تو وہ تیمّم کرے گا۔ (ت)

خلاصہ میں ہے:

فان اجنب المسافر ولم یجد من الماء الاقدرما یتوضأ فانه یتیمم ولایتوضأ عندنا [3]۔	اگر مسافر جنب ہوا اور اسے اسی قدر پانی ملا کہ وضو کرے تو ہمارے نزدیک وہ تیمّم کرے گا اور وضو نہیں کرے گا۔ (ت)

کافی میں ہے:

جنب معه ماء کاف للوضوء تیمم ولم یتوضأ وعند الشافعی توضأ ثم تیمم [4]۔	جنب ہے جس کے پاس وضو کے لئے بقدر کفایت پانی ہے وہ تیمّم کرے اور وضو نہ کرے اور امام شافعی کے نزدیک وضو کرے پھر تیمّم کرے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

انما تنقض رؤیۃ الماء اذاکان یکفی للوضوء ان کان محدثا اوالاغتسال ان کان جنبا والا لا وھذا فرع انه فی الابتداء اذاوجد مالایکفیه لایستعمله فی بعض محل الطھارۃ بل یترکه	پانی دیکھنا اسی وقت ناقض ہوتا ہے جبکہ بے وضو تھا تو اتنا پانی ہو جو وضو کے لئے کافی ہو اور جنب تھا تو اتنا جو غسل کے لئے کافی ہو ورنہ ناقض نہیں اور یہ اس کی فرع ہے کہ ابتدا میں جب اسے ناکافی پانی ملے تو اسے محل طہارت کے ایک حصے میں استعمال

[1] جواہر الفتاوٰی

[2] خزانۃ المفتین

[3] خلاصۃ الفتاوٰی، الفصل الخامس فی التیمم، نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[4] کافی

ویتیمم لاغیر وھذا قول اصحابنا ومالك و غیرہ بل حکاہ البغوی عن اکثر العلماء [1]۔	نہیں کرے گا بلکہ اسے چھوڑ دے گا اور صرف تیمّم کرے گا۔ یہ ہمارے اصحاب اور امام مالک وغیرہ کا قول ہے بلکہ بغوی نے اسے اکثر علماء سے حکایت کیا ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

من علیہ الغسل اذاتیمم ثم وجد ماء لایکفی لغسلہ اوالمحدث ماء غیر کاف لوضوئہ لاینتقض تیممہ ولوکان معہ ذلك قبل التیمم جازلہ التیمم بدون استعمال خلافا للشافعی واحمد رحمہما اللہ تعالٰی [2]۔	جس کے اوپر غسل فرض ہے جب وہ تیمّم کرلے پھر اسے اتنا پانی ملے جو غسل کے لئے ناکافی ہو یا بے وضو کو اتنا پانی ملے جو وضو کے لئے نہ کافی ہو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا اور اگر قبل تیمّم اتنا پانی ہوتا تو بھی اسے استعمال کیے بغیر اس کے لئے تیمّم جائز ہوتا بخلاف امام شافعی وامام احمد رحمہما اللہ تعالٰی کے۔ (ت)

اسی طرح کتب کثیرہ حتّٰی کہ خود شرح وقایہ میں ہے:

اذاکان للجنب ماء یکفی للوضوء لاللغسل یتیمم ولایجب علیہ التوضی عندنا خلافا للشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ [3]۔	جب جنب کے پاس اتنا پانی ہو جو وضو کے لئے کافی ہو غسل کے لئے نہیں، تو وہ تیمّم کرے اور اس پر وضو ہمارے نزدیک واجب نہیں بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (ت)

اور سب سے اجل واعظم محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کتاب الاصل میں ارشاد ہے:

اجنبب وعندہ ماء یکفی للوضوء تیمم وصلی [4] اھ اثرہ فی الکفایۃ والغنیۃ فصل مسح الخفین تحت قولہ لایجوز المسح لمن علیہ الغسل [5]۔	جنب ہوا اور اس کے پاس اتنا ہی پانی ہے جو وضو کے لئے کافی ہو تو وہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔ اھ اسے کفایہ اور غنیہ فصل مسح الخفین میں زیر قول "لایجوز المسح لمن علیہ الغسل" نقل کیا۔ (ت)

---

[1] حلیہ

[2] غنیۃ المستملی، باب التیمم، سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۸۴

[3] شرح الوقایۃ، باب التیمم، مکتبہ رشیدیہ دہلی، ۱/۹۵

[4] الکفایۃ مع فتح القدیر باب المسح علی الخفین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۳۵

[5] الکفایۃ مع فتح القدیر باب المسح علی الخفین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۳۵

ظاہر ہے کہ جنابت غالبًا حدث سے جُدا نہیں ہوتی اگر جماع کیا تو اس سے پہلے مباشرت فاحشہ تھی اور احتلام ہوا تو اُس سے پہلے سونا تھا اور مطلقًا انزال بے سبقت خروج مذی نہیں ہوتا یوں ہی بعد ہر انزال بول عادات مستمرہ عامہ سے ہے اور طبًّا بلکہ شرعًا[۱] بھی مطلوب کہ منی منفصل بشہوت کا جو بقیہ ہو خارج ہو جائے ورنہ بعد[۲] غسل نکلا تو دوبارہ نہانا ہوگا تو ظاہر ہوا کہ عام جنابتیں حدث سابق وحدث لاحق دونوں اپنے ساتھ رکھتی ہیں پھر تمام کتب کی تصریح کہ جنب غسل سے عاجز ہو اور وضو پر قادر جب بھی وضو نہ کرے صرف تیمّم کرے دلیل صریح ہے کہ جنابت کا تیمّم اس وقت جتنے بھی حدث موجود ہوں سب کا رافع ہے تو وضو کیا ضرور فقہائے[۳] کرام نادر صورت کا اکثر لحاظ نہیں فرماتے جنابت کے ساتھ حدث کا ہونا تو اس درجہ کثیر وغالب ہے کہ مفارقت ہی شاذ نادر ہے تو اس حالت میں اگر تیمّم جنابت کے ساتھ حدث کے لئے وضو بھی درکار ہوتا تو یوں عام حکم معقول تھا کہ جنب اگر غسل نہ کرسکے اور وضو پر قادر ہو تو تیمّم کے ساتھ وضو لازم ہے کہ صورت نادرہ افتراق کا لحاظ نہ فرمایا نہ کہ غالب کو ساقط النظر فرما کر یوں عام حکم دیں بل فی ش الجنابۃ لاتنفک عن حدث یوجب الوضوء[1] اھ (بلکہ شامی میں ہے: جنابت وضو واجب کرنے والے حدث سے جُدا نہیں ہوتی۔ (ت)

وھذا ظاھرہ اللزوم **اقول:** ان(۴) حمل علی الغالب والافبلی کمن اجنب ولم یجد الامایکفی للوضوء فتیمم ثم احدث فتوضأ ثم وجد مایکفی للغسل فقد عاد جنبا من دون حدث۔	اس عبارت کاظاہر یہی بتاتا ہے کہ جنابت اور حدث میں لزوم **اقول:** اسے اگر اکثر پر محمول کریں تو ٹھیک ہے ورنہ جنابت حدث سے جدا کیوں نہیں ہوتی؟ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص جنب ہوا اور اسے اتنا ہی پانی ملا جو وضو کے لئے کفایت کرسکے تو اس نے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو وضو کیا پھر اسے اتنا پانی ملا جو غسل کے لئے کافی ہے اب وہ پھر جنب ہوگیا اس کی جنابت حدث سے جُدا ہے۔ (ت)

دلیل سوم: تصریح فرماتے ہیں کہ جنب کے پاس وضو کے لئے کافی پانی ہو تو اُس پر وضو اُس حالت میں ہے کہ جنابت کے لئے تیمّم کے بعد حدث واقع ہو بہت عبارات آگے آتی ہیں

اور نوازل امام فقیہ ابواللیث پھر خزانۃ المفتین میں ہے:

اذا احدث بعد التیمم ومعہ مایکفی	جب اس تیمّم کے بعد حدث ہو اور اس کے پاس وضو

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

للوضوء فانه یتوضأ به[1]	کے لئے بقدر کفایت پانی ہو تواس سے وضو کرے گا۔(ت)

فتح القدیر ودرالحکام وشرح نقایہ عہ برجندی وبحر الرائق حتی کہ خود شرح وقایہ **مسح الخفین** میں ہے:

واللفظ له تیمم للجنابت فان احدث بعد ذلك توضأ[2]۔	الفاظ شرح وقایہ ہی کے ہیں: جنابت کا تیمّم کیا اگراس کے بعد حدث ہو تو وضو کرے۔(ت)

یہ تقیید صاف بتارہی ہے کہ تیمّم جنابت سے پہلے جو حدث ہو اس کے لئے وضو نہیں یہی تیمّم اُسے بھی رفع کردے گا بلکہ خود کتاب مبسوط میں ارشاد محرر المذہب بعد بعد عبارت مذکورہ ہے:

فان(۱) احدث وعنده ذلك الماء توضأ[3]۔	پھر اگر حدث ہو اور اس کے پاس وہ پانی موجود ہے تو وضو کرے۔(ت)

تیمّم جنابت کے بعد جو حدث ہُوا اس میں حکم وضو فرمایا۔

فان قلت ماتفعل بمانقل فی العنایة ولوبلفظة قیل فی مسألة الاصل هذه اذقال تحت قول الهدایة لایجوز المسح لمن علیه الغسل قیل صورته توضأ ولبس الخف ثم اجنب ثم وجد ماء یکفی للوضوء لاللاغتسال فانه یتوضأ ویغسل رجلیه ولایمسح ویتیمم	**اگر سوال ہو** اسے کیا کیا جائے جو عنایہ کے اندر اسی مسئلہ مبسوط میں نقل ہے اگرچہ "قیل" کے لفظ سے ہے۔ہدایہ کی عبارت ہے: "اس کے لئے مسح جائز نہیں جس کے اوپر غسل ہو" اس کے تحت صاحبِ عنایہ لکھتے ہیں: "کہا گیا اس کی صورت یہ ہے کہ وضو کرکے موزہ پہن لیا پھر جنابت ہوئی پھر اتنا پانی ملا جو وضو کے لئے کفایت کرسکتا ہے غسل کے لئے

عہ هو فی نسختی البرجندی معز وللنهایة لکن فی البحر عن النهایة لایتأتی الاغتسال مع وجوه الخف ملبوسا اھ والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)	میری نسخہ برجندی میں اس پر نہایہ کا حوالہ ہے لیکن بحر میں نہایہ سے یہ نقل ہے: "موزہ ملبوس ہوتے ہوئے غسل نہیں ہوسکتا اھ" اور خدائے بزرگ وبرتر خوب جاننے والا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خزانۃ المفتین

[2] شرح الوقایہ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۸

[3] مبسوط امام محمد، باب التیمم، ادارۃ القرآن کراچی، ۱/۱۰۷

للجنابۃ[1] اھ۔

اقول: رحمہ اللہ تعالٰی فلم یذکر الحدث اصلافان احتُج بارسالہ وجب الوضوء علی جنب لاحدث معہ ووجد وضوء وھو باطل قطعا باجماع الحنفیۃ حتی ظاھر العبارۃ الاٰتیۃ للامام شارح الوقایۃ بل معناہ قطعا انہ اذا احتاج بعد ذلك للوضوء یتوضأ ویغسل رجلیہ کماھو عبارۃ العلامۃ الوزیر فی الایضاح وشیخی زادہ فی مجمع الانھر فی نفس ھذا التصویر اذقالا من(ا) لبس خفیہ علی وضوء ثم اجنب فی مدۃ المسح ینزع خفیہ ویغسل رجلیہ اذا توضأ[2] اھ۔

واذا ابتنی الامر علی حاجۃ الوضوءلم تبق للعبارۃ دلالۃ علی ماتوھمت فانا نقول انما یحتاج الیہ اذا احدث بعد تیممہ للجنابۃ والواو فی قولہ ویتیمم لیست للترتیب فالمعنی ثم اجنب فتیمم للجنابۃ ثم احدث ثم

نہیں تو یہ وضو کرے گا اور اپنے پَیروں کو دھوئے گا، مسح نہیں کرے گااور جنابت کا تیمّم کرے گا۔(ت)

اقول: اللہ تعالٰی ان پر رحمت فرمائے۔انہوں نے حدث کا تو کوئی ذکر ہی نہ کیا۔اگر ان کے بلاقید ذکر کرنے سے استدلال ہے تو وضو ایسے جنب پر بھی واجب ہوگا جس کے ساتھ کوئی حدث نہیں اور اسے وضو کا پانی مل گیااور یہ باجماع حنفیّہ قطعًا باطل ہے یہاں تک کہ امام شارح وقایہ کی آنے والی عبارت کاظاہر بھی یہ نہیں بلکہ عنایہ کی عبارتِ بالاکامطلب یہ ہے کہ اس کے بعد جب اسے وضو کی ضرورت ہو تو وضو کرے گااور اپنے پَیروں کو دھوئے گا جیسا کہ ایضاح میں علامہ وزیر کی عبارت اور مجمع الانہر میں شیخی زادہ کی عبارت خود اسی صورت مسئلہ کے بیان میں ہے دونوں حضرات فرماتے ہیں:"جس نے وضو پر اپنے موزے پہنے پھر مدت مسح میں جنابت لاحق ہُوئی تو وقتِ وضو اپنے موزے نکالے اور پیروں کو دھوئے"اھ(ت)

جب بنائے امر وضو کی احتیاج پر ہے تو مذکورہ وہم پر عبارت کی کوئی دلالت ہی نہیں۔اس لئے کہ ہم کہتے ہیں اسے اس کی ضرورت اس وقت ہوگی جب جنابت کا تیمّم کرنے کے بعد پھر اسے حدث ہو۔ان کی عبارت"ویتیمم"میں واو ترتیب کا نہیں۔تو معنی یہ ہے کہ پھر وہ جنب ہو تو جنابت کا

[1] العنایۃ مع فتح القدیر، باب التیمم، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھّر،۱/۱۳۴

[2] مجمع الانہر باب المسح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶

وجد الماء۔الخ وانظر عبارۃ الفاضل معین الھروی فی شرح الکنز فی نفس التصویر توضأ ولبس الخف ثم اجنب فتیمم للجنابۃ ثم احدث ثم وجد ماء یکفی للوضوء لا للاغتسال فانہ یتوضأ ویغسل رجلیہ ولایمسح ویتیمم للجنابۃ [1] اھ فالعبارۃ عین عبارۃ العنایۃ وقد ابرز کل ماقدرہ ورحم اللہ اخی چلپی اذنقل عبارۃ العنایۃ ھذہ واسقط منھا قولہ ویتیمم للجنابۃ واللہ تعالٰی اعلم۔	تیمّم کرے پھر اسے حدث ہو پھر پانی پائے الخ شرح کنز میں فاضل معین ہروی کی عبارت خود اسی صورت مسئلہ کے بیان میں ملاحظہ ہو: "وضو کیا اور موزہ پہن لیا پھر اسے جنابت ہوئی تو جنابت کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہُوا پھر اسے اتنا پانی ملا جو صرف وضو کے لئے کافی ہے غسل کے لئے نہیں تو وہ وضو کرے گا اور اپنے پَیروں کو دھوئے گا اور مسح نہیں کرے گا اور جنابت کے لئے تیمّم کرے گا" اھ (ت) یہ عبارت بعینہٖ عنایۃ کی عبارت ہے اور ہر ایک نے اپنا اندازہ بیان کیا ہے اللہ تعالٰی اخی چلپی پر رحم کرے کیونکہ انہوں نے عنایۃ کی یہی عبارت نقل کی ہے اور اس سے اس کا یہ قول "ویتیمم للجنابۃ" ساقط کردیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

دلیل چہارم: اُس کی تعلیل فرماتے ہیں کہ تیمّم جو پہلے ہوچکا حدث متأخر کو زائل نہ کرے ظاہر ہوا کہ جنابت کے لئے تیمّم سے پہلے جو حدث ہوگا تیمّم اسے بھی زائل کردے گا۔کافی امام جلیل ابوالبرکات نسفی میں ہے:

جنب(۱) اغتسل وبقی لمعۃ وفنی ماؤہ یتیمم لبقاء الجنابۃ لانھا لاتتجزی زوالا وثبوتا فان تیمم ثم احدث تیمم للحدث لان تیممہ للجنابۃ متقدم علی الحدث فلم یجز عن الحدث المتؤخر کمالو اغتسل عن الجنابۃ ثم احدث علیہ ان یتوضأ ولم یجز الاغتسال عن	جنب نے غسل کیا کچھ جگہ چمکتی رہ گئی اور اس کا پانی ختم ہوگیا تو جنابت باقی رہنے کی وجہ سے وہ تیمّم کرے اس لئے کہ زائل ہونے اور ثابت ہونے کسی معاملہ میں جنابت حصہ حصہ نہیں ہوتی (جاتی ہے تو ایک ساتھ،آتی ہے تو ایک ساتھ) تو اگر اس نے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہُوا تو حدث کے لئے تیمّم کرے اس لئے کہ اس کا تیمّم جنابت حدث سے پہلے ہوچکا۔تو بعد والے حدث

[1] شرح الکنز للہروی مع فتح المعین باب مسح الخفین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

الحدث المتأخر [1]۔	سے کفایت نہ کرے گا۔ جیسے اگر جنابت کا غسل کیا پھر اسے حدث ہوا تو اسے وضو کرنا ہے اور غسل سابق، حدث متأخر سے کفایت نہ کرسکے گا۔ (ت)

دلیل پنجم: اُس کی توجیہ میں یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ جنابت کے لئے تیمّم کرلینے کے بعد جو حدث ہوا تو اب یہ جنب نہیں کہ جنابت تو تیمّم سے زائل ہوچکی نرا محدث ہے اور وضو کے لئے پانی موجود ہے تو وضو لازم ہے صاف اشعار فرمایا کہ اس وقت بھی اگر یہ جنب ہوتا وضو نہ کرتا صرف تیمّم جنابت وحدث دونوں کے رفع کو کافی ہوتا ورنہ اس فرمانے کے کیا معنی کہ اور یہ جنب نہیں وھذا اظھر من ان یظھر (یہ اس سے زیادہ واضح ہے کہ اس کی وضاحت کی جائے۔ت) بدائع ملک العلماء میں ہے:

الجنب اذا وجد من الماء قدر مایتوضأ به لا غیر اجزأہ التیمم عندنا لان الغسل اذا لم یفد الجواز کان الاشتغال به سفھا مع ان فیه تضییع(۱) الماء وانه حرام فصار کمن وجد(۲) مایطعم به خمسة مساکین فکفر بالصوم یجوز ولا یؤمر باطعام الخمسة لعدم الفائدۃ فکذا ھذا بل اولی لان ھناك لایؤدی الی تضییع المال لحصول الثواب بالتصدق ومع ذلك لم یؤمر به لماقلنا فھھنا اولی [2] ولوتیمم الجنب ثم احدث بعد ذلك ومعه من الماء	جنب کو جب اتنا ہی پانی ملے جس سے صرف وضو کرسکے تو ہمارے نزدیک تیمّم اسے کافی ہوگا اس لئے کہ دھونے سے جب جواز نماز کا فائدہ نہیں حاصل ہوسکتا تو اس میں مشغولی بے وقوفی ہے۔ ساتھ ہی اس میں پانی کی بربادی بھی ہے اور یقینا یہ حرام ہے۔ تو اس کا حال اس کی طرح ہوا جسے اسی قدر ملا کہ اس سے پانچ مسکینوں کو کھلاسکے اس لئے اس نے روزوں سے کفارہ ادا کیا تو جائز ہے اور اسے پانچ کو کھلانے کا حکم نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ بے فائدہ ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر ہے اس لئے کہ وہاں مال کی بربادی تک معاملہ نہیں پہنچتا کیونکہ صدقہ کرنے کا ثواب مل جائے گا، اس کے باوجود اس کا اسے حکم نہ دیا گیا تو یہاں بدرجہ اولٰی حکم نہ ہوگا۔ اور اگر جنب نے تیمّم کیا پھر اس کے

[1] کافی

[2] بدائع الصنائع شرائط تیمّم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۰

قدر مایتوضأ بہ فانہ یتوضأ بہ لان ھذا محدث ولیس بجنب ومعہ من الماء قدر مایکفیہ للوضوء فیتوضأبہ[1]۔	بعد اسے حدث ہوا اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جس سے وضو کرلے تو وہ وضو کرے گا کیونکہ یہ بے وضو ہے جنب نہیں ہے اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جو وضو کے لئے کافی ہے تو اس سے وضو کرے گا۔(ت)

یونہی درمختار میں ہے:

لوتیمم للجنابۃ ثم احدث صار محدثا لاجنبا فیتوضأ[2]۔	اور اگر جنابت کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو وہ محدث ہے جنب نہیں اس لئے وضو کرے گا۔(ت)

تیمّم کے بعد حدث پر حکم وضو کو اس پر متفرع کیا کہ اب وہ محدث ہے جنب نہیں یعنی جنب ہوتا تو حدث کے باعث وضو نہ کرتا ولہذا ردالمحتار میں فرمایا:

افاد انہ اذا وجد ماء یکفیہ للوضوء فقط انما یتوضأ بہ اذا احدث بعد تیممہ عن الجنابۃ امالووجدہ وقت التیمم قبل الحدث لایلزمہ عندنا الوضوء بہ عن الحدث الذی مع الجنابۃ لانہ عبث اذلابد لہ من التیمم[3] اھ۔ تنبیہ:قول ملک العلماء قدس سرہ فیہ تضییع الماء تبعہ فیہ الامام النسفی فی الکافی فقال لنا انہ اذالم یطھر عن الجنابۃ باستعمالہ تکون تضییعا[4] اھ۔	اس سے یہ افادہ فرمایا کہ جب اسے اتنا پانی ملے جس سے صرف اس کا وضو ہوسکتا ہو تو وہ اس سے وضو کرے گا جبکہ اسے اپنے تیمّم جنابت کے بعد حدث ہوا ہو۔ لیکن اگر یہ پانی تیمّم ہی کے وقت قبل حدث ملا تو ہمارے نزدیک اسے اس حدث سے جو جنابت کے ساتھ ہے وضو کرنا لازم نہیں کیونکہ عبث ہے اس لئے کہ تیمّم اس کے لئے ضروری ہے۔اھ(ت) تنبیہ: ملک العلماء قدس سرہ کا ارشاد "فیہ تضییع الماء" (اس میں پانی برباد کرنا ہے) اس پر امام نسفی نے ان کی پیروی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں: "ہماری دلیل یہ ہے کہ اس کے استعمال سے جب وہ جنابت سے پاک نہ ہوا تو یہ برباد کرنا ہی ہے" اھ(ت)

[1] بدائع الصنائع شرائط التیمم، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۵۰/۱

[2] دُرمختار، باب التیمم، مطبع مجتبائی دہلی، ۴۵/۱

[3] ردالمحتار باب التیمم، مکتبہ مصطفی البابی مصر، ۱۸۷/۱

[4] کافی للامام النسفی

وتبعهما الامام الزیلعی فی التبیین فقال اذا لم یفدکان الاشتغال عبثا وتضییعا للماء فی موضع عزته وتضییع(۱) المال حرام [1] اھ۔	تبیین میں امام زیلعی نے ان دونوں حضرات کی پیروی کی ہے۔ تو فرمایا: "جب یہ بے فائدہ ہے تو اس میں مشغول عبث ہے اور ایسی جگہ پانی برباد کرنا ہے جہاں پانی کم یاب ہے اور مال برباد کرنا حرام ہے اھ"
وتبعهم المحقق فی الفتح فقال لایفید اذلایتجزأ بل الحدث قائم مابقی ادنی لمعة فیبقی مجرد اضاعة مال خصوصا فی موضع عزته مع بقاء الحدث کماهو [2] اھ۔ وتبعه فی الحلیة والبحر علی الفاظه وزادت الحلیة وقدصح عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قال وانهی امتی عن اضاعة المال [3] اھ والفقیر تبعهم فیما مضی وآجدر بهم للاتباع۔	اور محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ان حضرات کی پیروی کرتے ہوئے فرمایا: "بے فائدہ ہے اس لئے کہ حدث کی تجزّی نہیں ہوتی بلکہ جب تک ذرا سا بھی حصّہ چھُوٹا رہے گا حدث رہے گا تو صرف مال کی بربادی باقی رہ جائے گی خصوصًا ایسی جگہ جہاں پانی کم یاب ہے باوجودیکہ حدث جیسے تھا ویسے ہی باقی رہے گا"۔اھ (ت) اب حلیہ اور بحر نے الفاظ میں بھی ان کی پیروی کی۔ حلیہ نے مزید یہ فرمایا: حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بروایت صحیحہ ثابت ہے کہ فرمایا: "اور میں اپنی اُمت کو مال برباد کرنے سے منع فرماتا ہُوں"اھ۔ فقیر نے بھی ماضی میں انہی حضرات کی پیروی کی اور وہ ان کی پیروی کا زیادہ مستحق ہے۔
اقول: لکن(۲) للعبد الضعیف نظر فیه قوی فانه وان لم یرفع الحدث لعدم تجزیه فلاشك انه یسقط الفرض	**اقول:** لیکن بندہ ضعیف کو اس میں نظر قوی ہے کیونکہ اس سے حدث غیر متجزی ہونے کے باعث اگرچہ ختم نہیں ہوتا لیکن اس میں شک نہیں کہ جس حصّے

[1] تبیین الحقائق باب التیمم، مطبعہ امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱
[2] فتح القدیر باب التیمم، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۱۹
[3] حلیہ

عما یصیبه وکفی به فائدة ویعظم وقعه اذاوجد بعده مایکفی للباقی بعد هذا الاستعمال ولوترکه وراح ثم وجد هذا لم یکف۔

وقدقال الامام رضی الدین السرخسی فی المحیط فیما اذا(۱) اغتسل وبقیت لمعة ثم وجد ماء لایکفی لها یغسل شیئا من اللمعة ان شاء تقلیلا للجنابة[1] اھ قال فی الحلیة بعد نقله فی مسألة أُخری نظیره مانصه یغسل من اللمعة مایتأتی تقلیلا للجنابة[2] اھ

وفی خزانة المفتین عن شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی وان کان لایکفی یغسل مقدار ما یکفیه حتی تقل الجنابة ویتیمم[3] اھ

ومثله فی الخلاصة وشرح الوقایة وکثیر من الکتب بل قدقال فی الکافی نفسه جنب(۲) علی ظهره لمعة ونسی اعضاء وضوئه وماؤه یکفی احدهما صرفه الی ایهما شاء لان کل واحد نجاسة الجنابة فاعضاء الوضؤ اولی اقامة

تک پہنچے گا اس سے فرض ساقط کردے گا۔اتنی افادیت کافی ہے۔اس کی وقعت اس وقت اور بڑھ جائے گی جب اس کے بعد اسے اتنا پانی ملے جو اسے استعمال کرنے کے بعد بقیہ اعضا کے لئے کافی ہو۔اور اگر اسے چھوڑ کر چلاجائے پھر یہ ملے تو ناکافی ہوگا۔امام رضی الدین سرخسینے محیط میں فرمایا ہے:"اس صورت میں جبکہ غسل کرلیا اور کچھ جگہ چمکتی رہ گئی پھر اتنا پانی ملا جو اس کے لئے کافی نہیں تو اگر چاہے جنابت کم کرنے کے لئے اس جگہ کا کچھ حصّہ دھولے"۔اھ حلیہ کے اندر اسے نقل کرنے کے بعد ویسے ہی ایک دوسرے مسئلہ میں یہ لکھا:"چھوٹی ہوئی جگہ سے جو ہوسکے جنابت کم کرنے کی خاطر دھولے"اھ خزانۃ المفتین میں امام اسبیجابی کی شرح طحاوی سے نقل ہے:"اگر کافی نہ ہو تو جس قدر کفایت کرے دھولے تاکہ جنابت کم ہوسکے اور تیمّم کرے"۔اھ بلکہ خود"کافی"میں لکھا ہے:"جنب کی پشت پر چھُوٹی ہوئی جگہ ہے اور اعضائے وضو دھونا بھُول گیا اب جو پانی ہے کسی ایک ہی کے لئے کفایت کرسکتا ہے تو دونوں میں سے جس میں چاہے اسے صرف کرے۔اس لئے کہ ہر ایک نجاست جنابت

[1] محیط رضی الدین السرخسی

[2] حلیہ

[3] خزانۃ المفتین

للسنة[1] اھ	اسی کے مثل خلاصہ، شرح وقایہ اور بہت سی کتابوں میں ہے بھی ہے تو اعضائے وضو بہتر ہوں گے تاکہ سنّت کی ادائیگی ہو جائے"۔اھ
وبمعناہ فی الھندیة عن شرح الزیادات للعتابی فھذا الصرف لیس الاتقلیلا للجنابة کماصرح بہ الائمة الاسبیجابی ورضی الدین السرخسی وطاھر البخاری وصدر الشریعة ومحمد الحلبی وغیرھم والالزم الجمع بین الوظیفتین فعلم انہ لیس باضاعة ولایوجب حرمة ولاشناعة۔	اسی کے ہم معنٰی ہندیہ میں عتابی کی شرح زیادات سے نقل ہے۔تو یہ صرف کرنا تقلیل جنابت کے لئے ہے جیسا کہ امام اسبیجابی، امام رضی الدین سرخسی، امام طاہر بخاری، امام صدر الشریعۃ، امام محمد حلبی وغیرہم نے اس کی صراحت فرمائی ورنہ دونوں عمل (دھونا اور تیمّم) جمع کرنا لازم آتا اس سے معلوم ہوا کہ یہ پانی برباد کرنا نہیں اور اس سے کوئی حرمت وشناعت لازم نہیں آتی۔(ت)
اقول: بل لایبعد ان یعد مستحبا لمافیہ من الخروج عن خلاف الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ والخروج(۱) عن الخلاف مستحب بلاخلاف مالم یلزم مکروہ مذھبہ وانتفاء الکراھة قد علم مما اثرنا من النصوص۔	**اقول:** بلکہ اسے اگر مستحب شمار کیا جائے تو بعید نہ ہوگا کیونکہ اس میں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اختلاف سے بچنا ہے اور اختلاف سے بچنا جب تک کہ اپنے مذہب کا کوئی مکروہ نہ لازم آئے بلاخلاف مستحب ہے۔اور کراہت نہ ہونا ان نصوص سے معلوم ہوگیا جو ہم نے نقل کئے۔(ت)

دلیل ششم: تصریحات ہیں کہ آیہ کریمہ فلم تجدوا ماء میں وہ پانی مراد ہے جس کا استعمال اسے قابلِ نماز کردے اتنا پانی کہ اسے استعمال کیے پر بھی قابلیت نماز نہ پیدا ہو (**اقول:** یعنی یُوں کہ اتنا پانی جس کے استعمال پر اسے قدرت ہے اور زائد بوجہ فقدان یا ضرر یا تنگی وقت مقدور نہیں تحصیل طہارت کے لئے کافی نہ ہو اس سے زیادہ کی حاجت ہو ورنہ اگر یہ فی نفسہٖ مقدار مطلوب پر ہے اور کوئی اور وجہ مانع تو اس پانی کی مورثِ قابلیت ہونے میں خلل نہیں) نہ ابتداءً مانع تیمّم ہے نہ انتہاءً اُس کا ناقض اُس کا وجود وعدم برابر ہے۔بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

المراد من الماء المطلق فی الاٰیة	آیت میں مائے مطلق سے مراد مقید ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ باب التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹/۱

هو المقيد وهو الماء المقيد لاباحة الصلاة عند الغسل به۔[1]	یہ وہ پانی ہے کہ اگر اس سے دھو یا جائے تو جواز نماز کا فائدہ دے۔(ت)

تبیین الحقائق امام فخر الدین میں ہے:

الغسل المامور به هو المبيح للصلاة ومالا يبيحها فوجوده وعدمه سواء[2]۔	جس دھونے کا حکم دے دیا گیا ہے یہ وہ ہے جس سے نماز جائز ہوجائے اور جس سے نماز جائز نہ ہو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔(ت)

بنایہ امام بدر محمود میں ہے:

المحدث اوالجنب اذا وجد بعض مايكفيه من الماء لطهارته فعدم وجوب الاستعمال مذهبنا ومذهب مالك واكثر العلماء لان الاٰية سيقت لبيان الطهارة الحكمية فكان قوله تعالٰى فلم تجدوا ماء اى طهورًا محللا للصلاة وبوجود مالا يكفى لم يوجد مايحلل[3]۔	بے وضو یا جنب کو جب اپنی طہارت کے لئے کفایت کرنے والے پانی میں سے کچھ ہی ملے تو اس کا استعمال واجب نہیں۔یہ ہمارا،امام مالک اور اکثر علماء کا مذہب ہے۔اس لئے کہ آیت کریمہ طہارت حکمیہ کے بیان کے لئے آئی ہے،توارشاد باری تعالٰی "فلم تجدوا ماءً" (پھر تم پانی نہ پاؤ) سے مراد ایسا آبِ طہارت ہے جو نماز مباح کردے اور ناکافی پانی ہونے سے وہ نا پایا گیا جو نماز حلال کردے۔(ت)

فتح محقق حیث اطلق میں مجملاً پھر حلیہ میں موضحاً مفصلاً ہے:

واللفظ لها قلنا المراد بالماء فى النص مايكفى لازالة المانع لانه سبحنه امر بغسل جميع البدن فى حق الجنب ومعلوم ان ذلك بالماء ثم نقل الى التيمم عند عدمه بقوله عزّوجل فلم فَلَمْ تَجِدُوْا	الفاظ حلیہ کے ہیں: ہم کہتے ہیں نص میں پانی سے مراد وہ ہے جو ازالہ مانع کے لئے کافی ہو اس لئے کہ خدائے پاک نے حق جنب میں پُورا بدن دھونے کا حکم فرمایا ہے اور معلوم ہے کہ یہ پانی ہی سے ہوگا۔پھر پانی نہ ہونے کے وقت ارشاد باری عزوجل "فَلَمْ تَجِدُوْا

---

[1] بدائع الصنائع باب التیمم مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۱

[2] تبیین الحقائق باب التیمم،مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱/۴۱

[3] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء ملک سنز فیصل آباد کراچی، ۱/۳۲۳

ماء فبالضرورة یکون التقدیر ان لم تجدوا ماء تغسلون به جمیع ابدانکم جنبا فتیمموا وهذا کمایصدق عند عدم الماء اصلا یصدق عند وجود الماء غیر کاف لذلك فیتعین التیمم فی هذا کالاول [1]۔	مَآءً" (پھر تم پانی نہ پاؤ) سے حکم تیمّم کی طرف منتقل ہوگیا۔تو ضروری طور پر تقدیر کلام یہ ہوگی: اگر تم ایسا پانی نہ پاؤ جس سے اپنا پُورا بدن بحالتِ جنابت دھو سکو تو تیمّم کرو۔اور یہ بات جیسے بالکل پانی نہ ہونے کے وقت صادق ہے ویسے ہی ناکافی پانی ہونے کے وقت بھی صادق ہے تو اوّل کی طرح اس میں بھی تیمّم متعین ہے۔(ت)

کفایہ امام جلال الدین پھر بحر محقق زین العابدین میں ہے:

واللفظ له الاٰیة سیقت لبیان الطهارة الحکمیة فکان التقدیر فلم تجدوا ماء محللا للصلاة وباستعمال القلیل لم یثبت شیئ من الحل فان الحل حکم والعلة غسل الاعضاء کلها وشیئ من الحکم لایثبت ببعض العلة کبعض النصاب فی حق الزکاة وبعض الرقبة فی حق الکفارة [2] کذا ذکر فی کثیر من الشروح۔	الفاظ بحر کے ہیں: آیت طہارت حکمیہ کے بیان کے لئے آئی ہے،تو تقدیر کلام یہ ہوگی: پھر تمام نماز کو حلال کرنے والا پانی نہ پاؤ۔اور قلیل کے استعمال کرنے سے کچھ بھی حلّت ثابت نہ ہوئی، کیونکہ حلت حکم ہے،اور سارے اعضا کو دھونا علّت ہے۔اور کوئی حکم بعض علّت سے ثابت نہیں ہوتا جیسے حق زکاۃ میں بعض نصاب،اور حق کفارہ میں بعض بردہ کا حال ہے۔اسی طرح بہت سی شروح میں مذکور ہے۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ جنابت کے ساتھ اگرچہ سَو حدث ہوں وضو کرلینا ہر گز اُسے نماز کے قابل نہیں کرسکتا تو جب اسی قدر پانی پر قدرت ہے اُس کا ہونا نہ ہونا یکساں۔اگر اتنا پانی بھی نہ پاتا کیا کرتا۔صرف تیمّم اب بھی صرف تیمّم ہی کرے۔
دلیل ہفتم: شرح وقایہ میں جو خود اپنی اور تمام ائمہ کی تصریحات کے خلاف ایک موہم عبارت واقع ہُوئی جس سے یہ متبادر کہ جنابت کے ساتھ حدث بھی ہو تو وضو کرے اور جنابت کے لئے تیمّم عامہ محشین وکبرائے ناظرین یک زبان اُس کی تاویل کی طرف جھکے کہ ساتھ سے مراد بعد ہے یعنی جنب نے تیمّم کرلیا اس کے بعد حدث ہوا

---

[1] فتح القدیر باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۱۹
[2] البحر الرائق، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۹

اور پانی قابلِ وضو حاضر ہے تو اب وضو کرے کہ گزشتہ تیمّم بعد کے حدث میں کام نہیں دے سکتا جیسے نہالینے کے بعد حدث ہوتا تو وضو کرنا لازم تھا نہ یہ کہ جنابت کا تیمّم رفع حدث سابق کو کافی نہیں تیمّم کے ساتھ وضو بھی کرنا پڑے کہ یہ بلاشبہہ مذہب کے خلاف اور اس کا بطلان ظاہر وصاف۔ خلاصہ یہ کہ طہارت وحدث میں جو متأخر ہے سابق کو رفع کر دیتا ہے تو جنابت کے ساتھ اگر ہزار حدث ہوں جب تیمّم کرے گا سب رفع ہو جائیں گے لہٰذا واجب کہ عبارت شرح وقایہ کو حدث بعد تیمّم پر حمل کریں۔ علماء کا تاویل پر ہجوم روشن دلیل ہے کہ حکم وہ نہیں جو اُس کے ظاہر سے مفہوم ولہٰذا جس نے تاویل نہ پائی اعتراض کر دیا بہر حال اس کا ظاہر کسی نے مسلّم نہ رکھا۔

اللھم الا الفاضل القرہ باغی فی حاشیته علی شرح الوقایة کماس یاتی اِن شاء اللہ تعالٰی۔	ہاں مگر فاضل قرہ باغی نے شرح وقایہ پر اپنے حاشیہ میں جیسا کہ ان کا کلام اِن شاء اللہ تعالٰی آئے گا۔(ت)
اقول: والعجب من علامة الوزیر سکت عنه فی الایضاح مع شدة ولوعه بالاعتراض علی الامامین الشارح والماتن رحمہ اللہ الجمیع حتی تجاوز الی المؤاخذات اللفظیة وسمی متنه الفقھی الاصلاح والاصولی تغییر التنقیح غیر انه لاینسب الی ساکت قول اما اثبات الھندیة کلام شرح الوقایة ھذا بالتقریر فمع قطع النظر عن ان غالب الفتاوی المنسوجة علی ھذا المنوال جل ھمتھا الجمع والتلفیق ولذا(۱) رجحت علیھا الشروح الباحثة بالتنقیح والتحقیق۔	**اقول:** تعجب ہے کہ علامہ وزیر اس پر ایضاح میں خاموش رہے جبکہ امامین شارح وماتن پر اعتراض سے ان کو بہت زیادہ دلچسپی ہے۔خدا سب پر رحمت فرمائے یہاں تک کہ لفظی گرفتوں تک تجاوز کرگئے اور اپنے فقہی متن کا نام "اصلاح" اور اصولی متن کا نام "**تغییر التنقیح**" رکھا مگر (یہاں وہ ساکت رہے تو) ساکت کی طرف تو کوئی قول منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ ہندیہ نے شرح وقایہ کا یہ کلام ایک تقریر سے ثابت کیا ہے۔یوں تو اس انداز پر جمع شدہ زیادہ تر فتاوٰی کا بڑا مقصد جمع وتلفیق ہوتا ہے اسی لئے تنقیح وتحقیق سے بحث کرنے والی شروح کو ایسے فتاوٰی پر ترجیح حاصل ہے۔(ت)

اقول: وعندی مَثَل المتون عـه	اقول: میرے نزدیک فقہ میں متون،

عـه اقول: ای کمختصرات(۱) الائمۃ الطحاوی والکرخی والقدوری والکنز والوافی والوقایۃ والنقایۃ والاصلاح والمختار ومجمع البحرین ومواھب الرحمٰن والملتقی وامثالھا الموضوعۃ لنقل المذھب لا کامثال(۲) المنیۃ فانھا لاتعد والفتاوی وقد رأیت التنویر (۳) یدخل روایات عن القنیۃ مع مصادمھا للمذھب المنصوص علیہ فی کتب محمد کمابینت بعضہ فی کتابی کفل الفقیہ الفاھم فی حکم قرطاس الدراھم وقد(۴) جھل بعض ضلّال الزمان وھو الگنگوھی فی رسالتہ فی الجماعۃ الثانیۃ اذجعل الاشباہ من المتون(۵) ولم یدر السفیہ مامعنی المتن المراد ھنا وزعم بجھلہ ان کل بیضاء شحمۃ وکل سوداء تمرۃ وھذا کتاب الاشباہ مشحونا بالنقول عن الفتاوی وبابحاثہ فمامرتبتہ الافی الفتاوی اوفی الشروح ھذا وقد(۶) عدوا الھدایۃ من المتون مع انھا شرح بالصورۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اقول: یعنی جیسے مختصر امام طحاوی، مختصر امام کرخی، مختصر امام قدوری، کنزالد قائق، وافی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، مختار، مجمع البحرین، مواہب الرحمٰن ملتقی۔ اور ایسی ہی دوسری کتابیں جو نقل مذہب کے لئے لکھی گئی ہیں۔ منیہ جیسی کتاب نہیں کہ اس کا درجہ فتاوٰی سے زیادہ نہیں اور میں نے دیکھا کہ تنویر الابصار میں قنیہ سے نقل شدہ روایات داخل ہیں جب کہ وہ امام محمد کی کتابوں میں منصوص مذہب سے متصادم ہیں۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کا میں نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاھم فی حکم قرطاس الدراھم" میں بیان کیا ہے ایک گمراہ زمانہ گنگوہی کی بے خبری دیکھیے کہ جماعت ثانیہ سے متعلق اپنے رسالہ میں "اشباہ" کو متون سے قرار دیا۔ نادان کو یہ پتا نہیں کہ یہاں متن سے کون سا معنی مراد ہے اور اپنی بے خبری سے یہ سمجھ لیا کہ "ہر سفید چیز چربی اور ہر سیاہ چیز کھجور ہے"۔ (یا اردو مثل میں: ہر چمکتی چیز سونا ہے ۱۲م۔الف) یہ کتاب الاشباہ فتاوٰی کی نقول وابحاث سے بھری ہوئی ہے تو اس کا درجہ فتاوٰی ہی کا ہے یا شروح کا۔ یہ ذہن نشین رہے، اور علماء نے ہدایہ کو متون سے شمار کیا ہے باوجودیہ کہ وہ صورۃً شرح ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

شروح اور فتاوٰی کا حال وہی ہے	والشروح عـہ۱ والفتاوی عـہ۲ فی الفقه۔

عـہ **اقول**: کشروح(۱) کتب الاصول الجامعین والاصل والزیادات والسیرین للائمة وشروح المختصر المذکورة المبنیة علی التحقیق ومبسوط الامام السرخسی وبدائع ملك العلماء والتبیین والفتح والعنایة والبنایة وغایة البیان والدرایة والکفایة والنهایة والحلیة والغنیة والبحر والنهر والدرر والدر وجامع المضمرات والجوهرة النیرة والایضاح وامثالها وتدخل فیها عندی حواشی المحققین مثل غنیة الشرنبلالی وحواشی الخیر الرملی وردالمحتار ومنحة الخالق واشباهها لا کالمجتبی(۲) وجامع الرموز وابی المکارم ونظرائها بل ولا کالسراج الوهاج ومسکین ۱۲ منه غفرله (م)

عـہ۲ اقول مثل الخانیة(۳) والخلاصة والبزازیة وخزانة المفتین وجواهر الفتاوی والمحیطات والذخیرة والواقعات للناطفی وللصدر الشهید ونوازل الفقیه ومجموع النوازل والولوالجیة والظهیریة والعمدة والکبری والصغری وتتمة الفتاوٰی والصیرفیة وفصول العمادی وفصول الاستروشنی

اقول: جیسے کتبِ اصول کی شرحیں جو ائمہ نے لکھیں (کتبِ اصول یہ ہیں: جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، سِیر کبیر، سیر صغیر) اور (حاشیہ بالا میں) مذکورہ مختصرات کی شرحیں جو تحقیق پر مبنی ہوں۔ اور مبسوط امام سرخسی، بدائع ملک العلماء، تبیین الحقائق، فتح القدیر، عنایہ، بنایہ، غایۃ البیان، درایہ، کفایہ، نہایہ، حلیہ، غنیہ، البحر الرائق، النہر الفائق، درر احکام، دُرمختار، جامع المضمرات، جوہرہ نیرہ، ایضاح۔ اور ایسی ہی دیگر کتابیں۔ میرے نزدیک ان ہی میں محققین کے حواشی بھی داخل ہیں جیسے غنیہ شرنبلالی، حواشی خیر الدین رملی، رد المحتار، منحۃ الخالق، اور ایسے ہی حواشی۔ مجتبٰی، جامع الرموز، شرح ابی المکارم جیسی کتابیں نہیں۔ بلکہ سراج وہاج اور شرح مسکین بھی نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

اقول: جیسے خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، خزانۃ المفتین، جواہر الفتاوی، محیطات (محیط نام کی متعدد کتابیں ہیں) ذخیرہ، واقعاتِ ناطفی، واقعات صدر شہید، نوازل فقیہ، مجموع النوازل، ولوالجیہ، ظہیریہ، عمدہ، کبری، صغری، تتمہ الفتاوٰی، صیرفیہ، فصول عمادی، فصول استروشنی، جامع صغار، تاتارخانیہ، ہندیہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مثل عـہ۱ الصحاح عـہ۲ والسنن عـہ۳۔	جو حدیث میں صحاح، سنن

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وجامع الصغار والتاتارخانیة والهندیة وامثالها ومنها المنیة کماذکرت لا کالقنیة(۱) والرحمانیة وخزانة الروایات ومجمع البرکات وبرهانه اما المعروضات(۲) فمابنی منها علی التنقر والتنقید والتنقیح فهی عندی فی مرتبة الشروح کالفتاوی الخیریة والعقود الدریة للعلامة شامی واطمع ان یسلك ربی بمنه وکرمه فتاوای هذه فی سلکها فللارض من کأس الکرام نصیب اما فتاوی(۳) الطوری والمحقق ابن نجیم فقدقیل انه لایعمد علیها واللّٰه تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

عـہ۱ الثلثة بالثلثة علی الولاء ۱۲ منه غفرله (م)

عـہ۲ کصحاح(۴) الشیخین والمنتقی وابن السکن والمختارة وعندی منها موطا مالك ویتلوهاابن حبان لاکالمستدرك ۱۲ منه غفرله

(م) عـہ۳ کسنن(۵) ابی داؤد والنسائی والترمذی وفی مرتبتها مسند الرؤیانی ومثلها بل فوق(۶)

اور ایسی ہی کتابیں۔ ان ہی فتاوٰی میں منیہ بھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ۔قنیہ، رحمانیہ، خزانۃ الروایات، مجمع البرکات، اور ان کی برہان جیسی کتابیں نہیں۔ لیکن معروضات تو ان میں جو چھان بین اور تنقید و تنقیح پر مبنی ہوں وہ میرے نزدیک شروح کے درجہ میں ہیں جیسے فتاوٰی خیریہ اور علامہ شامی کی العقود الدریہ۔ اور مجھے امید ہے کہ میرا رب اپنے احسان و کرم سے میرے ان فتاوی کو بھی ان ہی کی سلک میں منسلک فرمائے گا کہ اہلِ کرم کے جام سے زمین کو بھی حصہ مل جاتا ہے۔ رہے فتاوٰی طوری اور فتاوٰی محقق ابن نجیم تو ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قابلِ اعتماد نہیں۔ اور خدائے برتر ہی خُوب جاننے والا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

تینوں، تینوں کے مقابل پے بہ پے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت) (یعنی سب سے معتبر صحاح پھر سنن پھر مسانید، اسی طرح متون پھر شروح پھر فتاوٰی۔ م الف) جیسے صحاح شیخین ومنتقی وابن السکن ومختارہ۔ اور میرے نزدیک ان ہی میں مؤطا امام مالک بھی ہے اور انہی سے متصل صحیح ابنِ حبان بھی۔ مستدرک جیسی کتب نہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت) جیسے ابوداؤد، نسائی اور ترمذی کی سنن۔ ان ہی کے درجہ میں مسند رویانی بھی ہے اور ان ہی کے مثل بلکہ ان میں

(باقی برصفحہ آئندہ)

والمسانید عـــہ فی الحدیث انما یشعر باعتمادہ* علی مایتقرر من مرادہ*لابخصوص العمل علی ظاھر مفادہ*واللہ اعلم بنیات عبادہ*	اور مسانید کا حال ہے۔مگراس سے قطع نظر تقریر ہندیہ سے یہی پتا چلتا ہے کہ اس کا اعتماد اس مراد پر ہے جو اس تقریر سے ثابت ہوتی ہے خاص اس کے ظاہر مفاد پر عمل معتمد نہیں۔اور خدا ہی اپنے بندوں کی نیتیں خُوب جانتا ہے۔(ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں بعد نقل کلام شرح وقایہ وبحث وجواب جس کا ذکر اِن شاء اللہ تعالٰی آگے آتا ہے حکم مذکور پر انکار کردیا،

حیث قال اجنب ولم یوجد ناقض الوضوء ھل یجب التیمم والتوضئ جمیعا اذا احدث ومعہ ماء یکفی للوضؤ فقط فیہ تردد والظاھر انہ اذا تیمم للجنابۃ لاحاجۃ الی	ان کے الفاظ یہ ہیں: جنابت ہوئی اور کوئی ناقضِ وضونہ پایا گیا توکیا اس پر تیمّم اور وضو دونوں ہی واجب ہوں گے جبکہ اسے حدث ہوا ہو اور اس کے پاس اتنا ہی پانی ہے جو صرف وضو کے لئے کفایت کرسکے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعضھا شرح معانی الاٰثار للطحاوی وکتاب الاٰ ثار لمحمد والحجج لعیسی بن ابان عن محمد وکتاب الخراج لابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع ۱۲ منہ غفرلہ (م)

بعض سے بالاتر امام طحاوی کی شرح معانی الآثار، امام محمد کی کتاب الآثار، امام محمد سے روایت شدہ حجج عیسٰی بن ابان اور امام ابویوسف کی کتاب الخراج ہے۔اللہ تعالٰی سب سے راضی ہو۔(ت)

عـــہ: اجلھا(۱) مسند الامام احمد ومن ھذۃ الدرجۃ المصنفان ومعاجیم الطبرانی لا کمسندالفردوس وامثالہ ولیس مسندا بھذا المعنی بل ھو تخریج احادیث الفردوس ومن احب تمامہ فلینظر رسالتی مدارج طبقات الحدیث ۱۲ منہ غفرلہ (م)

ان میں سب سے بزرگ تر مسند امام احمد ہے اور اسی درجہ میں دونوں مصنف (مصنف عبدالرزاق ومصنف ابن ابی شیبہ) اور طبرانی کی معجم کبیر وصغیر واوسط بھی ہیں۔مسند الفردوس اور اس جیسی کتابیں نہیں۔وہ اس معنی میں مسند ہے بھی نہیں۔بلکہ اس میں احادیث فردوس کی تخریج ہے۔اس سے متعلق پوری بحث کا جسے شوق ہو وہ میرا رسالہ "مدارج طبقات الحدیث" ملاحظہ کرے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

التوضی ولابد للحکم بالاحتیاج الیھما من روایۃ صریحۃ[1]۔	اس بارے میں تردّد ہے۔اور ظاہر یہ ہے کہ وہ جب جنابت کا تیمّم کرلے تو وضو کی کوئی ضرورت نہیں۔دونوں ہی کی ضرورت ہونے کا حکم کرنے کے لئے کوئی صریح روایت ہونا ضروری ہے۔(ت)

اقول: فاضل شارح کو تردّد ہُوا اور وضو کی حاجت نہ ہونے کو ظاہر رکھا اور جانب خلاف کسی روایت صریحہ کا انتظار کیا حالانکہ یہ محلِ جزم ہے اور روایاتِ صریحہ اس طرف موجود کماعرفت وتعرف اِن شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ معلوم ہوا اور بمشیت خدائے برتر آئندہ بھی معلوم ہوگا۔ت) اسی کے قریب حاشیہ درمختار میں سید علامہ احمد طحطاوی کا قول ہے:

فی صدر الشریعۃ اذاکان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضوء یجب علیہ الوضوء ای اذاوجد الحدث بعد التیمم للجنابۃ کمانص علیہ القھستانی وظاھر ھذا انہ اذاوجد حین التیمم المذکور ماء یکفی للوضوء لایتوضأ بہ للاستغناء بھذا التیمم عنہ وانما یستعملہ اذاوجد الحدث بعد ذلك وھو صریح عبارۃ القھستانی[2] اھ فنقل عنہ ما یاتی اٰنفا۔ **اقول:** لم (۲) یصل فھمی الی سرجعلہ ظاھر نص القھستانی ثم صریح عبارتہ وھو (۳) صریحھا لاشك ثمّ (۴) انما عاقہ عن الجزم بہ قصر نسبتہ علی القھستانی وماھولہ بل	شرح صدر الشریعۃ میں ہے:"جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے تو اس پر وضو واجب ہے"۔یعنی جب تیمّم جنابت کے بعد حدث پایا گیا ہو جیسا کہ اس پر قہستانی نے نص کیا ہے۔اس کا ظاہر یہ ہے کہ جب تیمّم مذکور کے وقت وضو کے لئے کفایت کرجانے والا پانی ملے تو اس سے وضو نہیں کرے گا کیونکہ اس تیمّم کی وجہ سے اُس وضو سے بے نیازی ہے وہ پانی اسی وقت استعمال کرے گا جب اس کے بعد حدث پایا جائے۔یہی قہستانی کی صریح عبارت ہے"۔اور اس کے بعد قہستانی کی وہ عبارت نقل کی جو ابھی آرہی ہے۔(ت) **اقول:** انہوں نے پہلے اسے نص قہستانی کا ظاہر کہا پھر اس کو صریح عبارت کہا،اس میں کیا رمز ہے میرے فہم کی رسائی وہاں تک نہ ہوئی۔یقیناً یہ قہستانی کی صریح عبارت ہے۔اس پر جزم سے ان کے لئے یہی چیز مانع ہُوئی کہ اس کی نسبت

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم مطبع نولکشور ۱/۴۴

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب التیمم مطبوعہ بیروت ۱/۱۳۴

للامام الجلیل الاسبیجابی۔	قہستانی تک محدود ہے حالانکہ یہ قہستانی کا کلام نہیں بلکہ امام جلیل اسبیجابی کا ہے۔(ت)

یہ سات ؎ دلائل ہیں اور بحمد اللہ تعالٰی روشن وکامل ہیں، اب صریح تر نصوص جزئیہ لیجئے **وباللہ التوفیق**۔

نص اول: محقق علامہ محمد بن فراموز درر الحکام میں فرماتے ہیں:

لوان رجلا انتبه من النوم محتلما وکان له ماء یکفی للوضوء لاللغسل تیمم ولم یجب علیه الوضوء عندنا خلافا للشافعی [1]۔	اگر کوئی شخص احتلام کی حالت میں نیند سے بیدار ہو اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جو صرف وضو کے لئے کافی ہے غسل کے لئے نہیں تو وہ تیمّم کرے گا ہمارے نزدیک ۔بخلاف امام شافعی کے۔اس پر وضو واجب نہیں۔(ت)

صریح تصریح ہے کہ سوتے سے مُحتلم اٹھا جنابت وحدث دونوں تھے اور وضو کے قابل پانی موجود، وضو نہ کرے صرف تیمّم کرے اور یہ کہ جنب کو حدث کے لئے وضو کا حکم دینا ہمارا مذہب نہیں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔

نص دوم: شرح مختصر امام اجل طحاوی للامام علی الاسبیجابی وغیرہ پھر جامع الرموز پھر طحطاوی علی الدر پھر ردالمحتار میں ہے:

الجنب اذاکان له ماء یکفی لبعض اعضائه اوالمحدث ^{عـه} للوضوء تیمم ولم یجب علیه	جنب کے پاس جب اتنا ہی پانی ہو جو اس کے بعض اعضاء کے لئے کفایت کرسکے۔یا محدث کو،

عـه هکذا هو فی جامع الرموز وعنه فی ردالمحتار ووقع نسخة ط المصریة طبع المیری بدون لفظ المحدث وهو یشبه التکرار فما اعضاء الوضوء الابعض اعضاء الجنب ۱۲ منه غفرله (م)	یہ لفظ اسی طرح جامع الرموز میں ہے اور اس سے ردالمحتار میں بھی ایسے ہی نقل ہے اور طحطاوی کے مصری نسخہ طبع میری میں لفظ "محدث" کے بغیر ہے اور اس سے تکرار سی معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ اعضائے وضو جنب کے بعض اعضاء ہی تو ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] درر الحکام لمولٰی خسرو باب التیمم المکتبۃ الکاملیہ بیروت ۱/۴۹

صرفه الیه الا اذا تیمم للجنابة ثم وقع منه حدث موجب للوضوء فانه یجب علیه الوضوء حینئذ لانه قدر علی ماء کان له[1]۔	وضو کے لئے۔ تو وہ تیمّم کرے اور اس پر اس پانی کو بعض اعضاء کے لئے صرف کرنا واجب نہیں مگر جب جنابت کا تیمّم کرلے پھر اس سے کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے تو اب اس پر وضو واجب ہے اس لئے کہ وہ وضو کے لئے کافی پانی پر قادر ہے۔ (ت)

صاف ارشاد ہے کہ جنب کو حدث کے لئے وضو صرف اسی وقت ہے کہ جنابت کا تیمّم کرچکنے کے بعد حدث ہو اُس سے پہلے جتنے بھی حدث تھے اُن کے لئے وضو کی اصلاً حاجت نہیں۔

اقول: یعنی دونوں حالتوں میں جنب مذکور پر حدث کے لئے وضو نہیں۔ جب تک تیمّم نہ کیا تھا جنب تھا اور حدث کے لئے وضو کا حکم نہ تھا اب کہ تیمّم کرلیا پھر حدث ہوا اور اس پر حکم وضو آیا اس وقت وہ جنب نہیں کہ جنابت کے لئے تیمّم کرچکا اور وہ وقوعِ حدثِ اصغر سے نہیں ٹوٹ سکتا عبارت مذکورہ شرح طحاوی کا تتمہ ہے **ولم یجب علیه التیمم لانه بالتیمم خرج عن الجنابة الی ان یجد ماء کافیا للغسل**[2] (اور اس پر تیمّم واجب نہیں کیونکہ وہ تیمّم کرکے جنابت سے نکل چکا ہے یہاں تک کہ غسل کے لئے کافی پانی پائے۔ت)

نص سومعہ: فتاوٰی امام اجل فقیہ النفس فخر الملّۃ والدّین قاضی خان میں ہے:

جنب تیمم للظهر وصلی ثم احدث فحضرته العصر ومعه ماء یکفی للوضوء فانه یتوضأ لان الجنابة	کسی جنب نے ظہر کے لئے تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر اسے حدث ہُوا تو نمازِ عصر کا وقت آیا اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جو وضو کے لئے کافی ہو تو وہ وضو کرے گا

عہ: ردالمحتار کی عبارت کہ دلیل پنجم میں گزری کہ جس جنب کو صرف وضو کے قابل پانی ملے اس پر وضو فقط اس وقت ہے کہ تیمّم جنابت کے بعد حدث ہو اگر اس تیمّم سے پہلے حدث تھا اس کے لئے وضو عبث ہے، گویا نص چہارم ہے کہ نصوص ائمہ واکابر ہی اس کے مأخذ ہیں ۱۲منہ غفرلہ۔ (م)

[1] جامع الرموز باب التیمم مطبعہ کریمیہ قزان ایران ۱/۶۴

[2] السعایۃ شرح الوقایۃ، باب التیمم، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۴۹۱

قد زالت بالتیمم فاذا احدث بعد التیمم ومعه ماء یکفی للوضوء فانه یتوضأ به فان توضأ للعصر وصلی ثم مربماء وعلم به ولم یغتسل حتی حضرته المغرب وقداحدث اولم یحدث ومعه ماء قدر مایتوضأ به فانه عـه یتیمم ولایتوضأ به	کیونکہ جنابت تو تیمّم سے دُور ہوگئی۔پھر جب بعد تیمّم اسے حدث ہُوا اور اس کے پاس اتنا پانی بھی ہے جو وضو کے لئے کافی ہو تو وہ اس سے وضو کرے گا۔تو اگر عصر کے لئے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر پانی کے پاس سے گزرا اور اس سے باخبر بھی ہُوا مگر غسل نہ کیا،یہاں تک کہ مغرب کا وقت آگیا اور اسے حدث بھی ہوا یا حدث نہ ہوا۔اتنا پانی بھی اس کے پاس ہے جس سے وضو کرسکے تو اسے تیمّم کرنا ہے وضو نہیں کرنا ہے

عـه فقیر کے پاس خانیہ کے چار[۴] نسخے ہیں ایک مطبع العلوم کا مطبوعہ ۱۲۷۲ھ ہجریہ اس کی جلد اول نہیں۔دوسرا مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۵ء جسے چوراسی[۸۴] برس ہُوئے۔تیسرا مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ کہ ہامش ہندیہ پر ہے۔چوتھا مطبع مصطفائی ۱۳۱۰ھ جس کے ہامش پر سراجیہ ہے۔عجب کہ ان سب میں ومعه ماء قدر مایتوضأبه کے بعد الفاظ حکم ساقط ہیں اس کے بعد لانه لمامر تعلیل ہے عجب نہیں کہ مصری ومصطفائی دونوں نسخے اسی نسخہ کلکتہ سے نقل ہوئے ہوں جس میں عبارت چھُوٹ گئی اگرچہ خود فحوائے عبارت نیز ملاحظہ ارشاد امام محمد کتاب الاصل سے کہ بعونہٖ تعالٰی افادات میں آتا ہے الفاظ ساقط ظاہر تھے کہ فانه یتیمم ولایتوضأ به ہوں گے کاتب کی نظر ایک لایتوضأ به سے دوسرے کی طرف منتقل ہوگئی بحمدہ تعالٰی نسخ قدیمہ سے اس کی تصدیق ہوگئی۔چند سال ہوئے فقیر کے پاس ایک پُرانا قلمی نسخہ لکھنؤ سے آیا تھا اس میں بعینہٖ عبارت یونہی تھی جس طرح فقیر نے خیال کی ومعه من الماء قدر مایتوضأ به فانه یتیمم ولایتوضأ به لانه لمامر۔۔۔الخ اس کے بعد ولد عزیز ذوالعلم والتمیز فاضل بہار مولوی محمد ظفرالدین وفقه الله تعالٰی لحمایة الدین*ونکایة للمفسدین*وجعله کاسمه ظفر الدین*نے اپنے زمانہ مدرسی مدرسہ شمس الہدی بانکی پور میں عظیم آباد کے مشہور کتب خانہ خدابخش خان سے ایک بہت قدیم قلمی نسخے مکتوبہ ۹۰۰ھ ہجریہ سے جسے لکھے ہوئے ۴۳۵ برس ہوئے یہ مسئلہ نقل کرکے بھیجا اس میں بھی یہی صحیح عبارت ہے ومعه ماء قدرما یتوضأ به فانه یتیمم ولایتوضأبه لانه لمامر۔۔۔الخ۔دوسری نقل ایک نسخہ مکتوبہ ۹۲۷ھ سے بھیجی جسے ۴۰۸ برس ہُوئے اُس میں یوں ہے ومعه ماء قدر مایتوضأ به فانه یتیمم لانه لمامر۔۔۔الخ اس کا بھی حاصل وہی ہے کمالایخفی ۱۲منہ غفرلہ (م)

لانہ لما مر بماء یکفی للاغتسال عاد جنبا فھذا جنب معہ ماء لایکفی للاغتسال فیتیمم [1]۔	کیونکہ جب وہ غسل کے لئے کافی پانی پر گزرا تو پھر جنب ہوگیا۔اب یہ ایسا جنب ہے جس کے پاس غسل کے لئے ناکافی پانی ہے تواسے تیمّم کرنا ہے۔(ت)

کیسا روشن نص ہے کہ جنب جسے غسل کو پانی نہ ملے اور وضو کے قابل موجود ہو اُسے اگر تیمّم جنابت کے بعد حدث ہو جب تو وضو کرے اور تیمّم سے پہلے ہو تو صرف تیمّم کرے وضو نہ کرے۔

اقول: واستنادی بماذکر رحمہ اللہ تعالٰی من اصول الاحکام فی التعلیلات والافدخول ھذا الفرع فی ھذا الاصل فیہ کلام قوی للعبد الضعیف*غفرلہ المولی اللطیف کماستعرفہ فی الافادات*انشاء واھب العطیات*	**اقول:** میرا استناد ان اصول احکام سے ہے جو امام فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالٰی نے تعلیلات کے تحت ذکر کیے۔ورنہ اس جزئیہ کے اس اصل کے اندر داخل ہونے میں بندہ ضعیف کو۔ مولائے لطیف اسے مغفرت سے نوازے۔پر زور کلام ہے جیسا کہ اگر عطاؤں سے نوازنے والے رب نے چاہاتو افادات کے تحت معلوم ہوگا۔(ت)

بالجملہ سات ۷ روشن دلائل اور تین ۳ نصوص جلائل تلک عشرۃ کاملۃ (وہ پُورے دس ہیں۔ت) سے بحمدہ عزّوجل حکم آشکار ہوگیا۔

وللہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کمایحب ربنا و یرضی*وصلی اللہ تعالٰی علی اصفی مصطفی*وارضی مرتضی*وٰالہ وصحبہ الی یوم القضاء*امین۔	اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر، پاکیزہ، برکت والی حمد جیسی ہمارا رب چاہے اور پسند فرمائے۔اور خدائے برتر کی طرف سے درود ہو سب سے زیادہ پسندیدہ ذات گرامی پر اور ان کی آل واصحاب پر فیصلہ کے دن تک۔الٰہی قبول فرما!

رہاامام صدر الشریعۃ کا کلام اور اُس میں تاویلات علمائے کرام ہم اولاً کلام پیشینیاں پیش کریں۔پھر وہ جو قلب فقیر پر جفیض قدیر سے فائض ہوا بدیہ انظار انصاف کش۔

قال الامام*صدر الشریعۃ الھمام*اعلی اللہ تعالٰی مقامہ فی	امام بلند ہمت صدر الشریعۃ۔خدائے برتر دار السلام میں انہیں مقام بلند عطافرمائے اور

[1] فتاوٰی قاضی خان باب التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۳۰

دار السلام *ورحمنا به وبسائر الائمة الکرام *فی کل حال ومقام *مدی اللیالی والا یام *اول باب التیمم من شرحه للوقایة اذاکان للجنب ماء یکفی للوضوء لاللغسل یتیمم ولایجب علیه التوضی عندنا خلافا للشافعی اما اذاکان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء یجب علیه الوضوء فالتیمم للجنابة بالاتفاق واذاکان للمحدث ماء یکفی لغسل بعض اعضائه فالخلاف ثابت ایضا[1] اھ

واعترضوه بخمسة وجوه:

الاول: قال البرجندی فی شرح النقایة بعد نقل کلام الصدر الامام هو مشعر بانه قدتکون جنابة مع وجود الوضوء ولایخفی ان الجنابة تحصل بخروج المنی او بغیبة الحشفة وخروج الخارج من الذکر وغیبة الحشفة ناقضان للوضوء۔

والجواب ان الجنب اذا تیمم واحدث ثم توضأ ومر بماء کاف للاغتسال ولم یغتسل ثم بعد عن الماء فانه صار جنبا ومع^عه ذلك وضوءه باق۔

ہم پر ان کی برکت سے اور دیگر ائمہ کرام کی برکت سے ہر حال ومقام میں جب تک گردش شب وروز رہے ہمیشہ رحمت فرمائے۔ شرح وقایہ اول باب التیمم میں فرماتے ہیں: "جب جنابت والے کے پاس اتنا پانی ہو جو وضو کے لئے کفایت کرے غسل کے لئے نہیں تو وہ تیمّم کرے ہمارے نزدیک بخلاف امام شافعی کے۔ اس پر وضو کرنا واجب نہیں۔ لیکن جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہو جو وضو کو واجب کرتا ہے تو اس پر وضو واجب ہے۔ تو جنابت کے لئے تیمّم بالاتفاق ہے۔ اور جب محدث کے پاس اتنا ہی پانی ہو جو صرف اس کے بعض اعضا کے دھونے میں کفایت کرسکے تو اس صورت میں بھی اختلاف ثابت ہے"۔ (ت)

ناظرین نے اس پر پانچ طرح **اعتراض** کیا ہے:

اول: برجندی نے شرح نقایہ میں، امام صدر الشریعۃ کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا: یہ کلام اس کا پتا دیتا ہے کہ کبھی وضو رہتے ہوئے بھی جنابت ہوتی ہے حالانکہ مخفی نہیں کہ جنابت منی کے نکلنے یا حشفہ کے غائب ہونے سے ہوتی ہے۔ اور ذکر سے نکلنے والی چیز کا باہر آنا اور حشفہ کا غائب ہونا دونوں ہی ناقض وضو ہیں۔

جواب یہ ہے کہ جنب جب تیمّم کرلے اور بے وضو ہو کر پھر وضو کرے اور غسل کے لئے کافی پانی پر گزرے مگر غسل نہ کرے پھر پانی سے دور ہوجائے تو وہ جنابت والا ہوگیا۔ اس کے باوجود اس کا

عه **اقول:** ای لم یعد حدثه علی وزان ماقدمنا ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: یعنی دوبارہ اسے حدث نہ ہوا، اسی انداز پر جو ہم نے پہلے بیان کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] شرح الوقایہ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۹۵

ویمکن ان یصور ذلك علٰی قول محمد بان یجامع الرجل المتوضیئ امرأۃ ولم ینزل فانه قداجنب ولم ینتقض [عہ۱] وضوءہ فان المباشرۃ الفاحشۃ غیر ناقضۃ عندہ ولم یوجد [عہ۲] شیئ اٰخر من نواقض الوضوء۔ وعلی قول الشیخین [عہ۳] رضی اللہ تعالٰی عنھم بان یستمنی بالید ثم یاخذ رأس الذکر حتی لایخرج المنی فقد [عہ۴] اجنب و	وضو باقی ہے۔ اس کی صورت امام محمد کے قول پر یہ بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ باوضو مرد عورت سے مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو وہ جنابت زدہ ہوگیا اور اس کا وضو نہ ٹوٹا کیونکہ ان کے نزدیک مباشرت فاحشہ ناقض وضو نہیں اور نواقض وضو میں سے کوئی دوسری چیز بھی نہ پائی گئی۔ اور شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر یہ صورت ہوسکتی ہے کہ ہاتھ سے منی نکالے پھر ذکر کا سرا پکڑلے تاکہ منی باہر نہ آئے تو وہ جنب ہوگیا اور ناقضِ وضو

عہ۱ اقول: قد علمت المعنی فاحتفظ ولاتزل ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: ناظر کو مراد معلوم ہوگئی تو نگہداشت چاہئے اور لغزش سے پرہیز ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عہ۲ **اقول:** ای مما ھو حدث اصغر اذ لایقال نواقض الوضوء الاعلیھا فھھنا افصح عن المراد ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: یعنی اس چیز سے جو حدث اصغر ہو کیوں کہ نواقضِ وضو کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے تو یہاں اپنی مراد واضح کردی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عہ۳ **اقول:** ھذا(۱) سھو وانما ھو قول الطرفین واطلاق الشیخین علیھما بعید وان(۲) جاء فی بعض المواضع علی الصاحبین کمابینته فی کتابی فصل القضاء ۱۲منه غفرله (م)

اقول: یہ سہو ہے۔ وہ طرفین کا قول ہے اور ان پر اطلاقِ شیخین بعید ہے اگرچہ بعض مقامات میں صاحبین کے لئے شیخین کا اطلاق ہے جیسا کہ میں نے اپنی کتاب "فصل القضاء" میں بیان کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ۴ **اقول:** ای(۳) اذاخرج المنی لان الخروج شرط بالاجماع انما النزاع فی اشتراط الشھوۃ عند الخروج اوکفایتھا عند الانفصال به قالا وبالاول ابویوسف فاحتمال ارادۃ خلافه ظن مالایلیق بالعلماء ۱۲منه غفرله (م)

اقول: یعنی جب منی باہر آجائے اس لئے کہ باہر آنا بالاجماع شرط ہے نزاع صرف اس میں ہے کہ شہوت یعنی باہر آنے کے وقت ہونا شرط ہے یا بس اپنے مقر سے منی کے انفصال کے وقت (شہوت) ہونا کافی ہے۔ دوم کے قائل طرفین ہیں اور اول کے قائل امام ابویوسف ہیں۔ تو یہ احتمال کہ اس کے خلاف مراد لے لیا ہوا ایسا ظن ہے جو علماء کے لائق نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

لم یوجد ناقض للوضوء [1] اھ۔	نہ پایا گیا اھ (ت) (برجندی کی عبارت ختم ہوگئی)
واعترضه عصری وهو اللکنوی فی سعایته بما تلخیصه انه فی صورة المباشرة الفاحشة ان لم یولج لم یجنب وان اولج فقد انتقض وضوءه لان دخول الحشفة ناقض للغسل والوضوء جمیعا وکذا فی صورة الاستمناء ان خرج المنی فقد انتقض وضوءه وان لم تحصل الجنابة وان لم یخرج فلاجنابة ولاحدث [2] اھ۔هذا حاصل ما اطال به فی نحو ثلثة امثال عبارتنا هذه۔	اس پر ایک معاصر عالم۔ مولوی عبدالحی لکھنوی فرنگی محلّی۔نے اپنی سعایہ (حاشیہ شرح وقایہ) میں **اعتراض** کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: "مباشرت فاحشہ کی صورت میں اگر ایلاج نہ کیا تو جنب نہ ہوا۔اور ایلاج کیا تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اس لئے کہ دخولِ حشفہ غسل و وضو دونوں ہی کا ناقض ہے۔اسی طرح منی نکالنے کی صورت میں اگر منی باہر آئی تو اس کا وضو ٹوٹ گیا اگرچہ جنابت نہ ہوئی اور اگر منی باہر نہ آئی تو نہ جنابت ہے نہ حدث اھ"یہ اس کا حاصل ہے جو انہوں نے ہماری اس عبارت سے تین گنا میں پھیلا کر لکھا ہے۔(ت)
والثانی: التناقض وقرره ش بمایبتنی علی الاول فجوابه جوابه وذلك قوله فی ردالمحتار قول صدر الشریعة مشکل لان الجنابة لاتنفك عن حدث یوجب الوضوء وقد قال اولایجب علیه التیمم لا الوضوء فقوله ثان یا یجب علیه الوضوء تناقض [3] اھ۔ثم ذکر الجواب الاٰتی عن القهستانی فی الاشکال الخامس فانه دافع	دوم: تناقض۔شامی نے اس کی تقریر ایسے کلام سے کی ہے جو اشکال اول ہی پر مبنی ہے تو جو اُس کا جواب ہے اِس کا جواب ہے ردالمحتار میں ان کا یہ کلام ہے: "صدر الشریعۃ کے قول میں اشکال ہے اس لئے کہ جنابت وضو واجب کرنے والے حدث سے جُدا نہیں ہوتی اور پہلے فرماچکے ہیں کہ اس پر تیمّم واجب ہے "وضو نہیں" تو پھر اس کے بعد یہ کہنا کہ اس پر وضو واجب"ہے"دونوں میں تناقض ہے"اھ۔پھر اس کا وہ جواب ذکر کیا جو قہستانی کے حوالہ

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم نولکشور لکھنؤ ۴۴/۱

[2] السعایۃ، باب التیمم، سہیل اکیڈمی لاہور، ۴۹۱/۱

[3] ردالمحتار، باب التیمم، مصطفی البابی مصر، ۱۸۷/۱

للتناقض ایضاً بوجه حسن صحیح۔
ونقل ههنا فی السعایة مایمکن ان یؤخذ منه تقریر اٰخر للتناقض غیر مبتن علی الاشکال الاول وهو انه اذا لم یکن معها حدث فکیف یوجب الشافعی هناك الوضوء [1] اھ۔فیؤخذ منه ان الحدث الاصغر وان لم یلزم الاکبر ولکن کلام الصدر الامام فی الصورة الاولی ایضاً فی جنابة معها حدث بدلیل ایجاب الشافعی الوضوء فجاء التناقض۔
والثالث: ان قوله فالتیمم للجنابة بالفاء ان کان تفریعاً فلامحصل له لان کون التیمم للجنابة غیر مفرع علی وجوب الوضوء وان کان تعلیلا ورد علیه ان فی الصورة السابقة ایضاً التیمم للجنابة فیلزم ان یجب الوضوء هناك ایضاً [2]۔
والرابع:ان کون التیمم للجنابة بالاتفاق مشترك بین الصورتین لااختصاص له بهذه الصورة [3] اھ۔نقلهما اللکنوی۔
والخامس: مخالفته لما تقرر فی المذهب کمابیناه بالدلائل والنصوص

سے اشکال پنجم کے تحت آرہا ہے۔وہ جواب بھی عمدہ و صحیح طرز پر تناقض دفع کردیتا ہے۔
یہاں سعایہ میں وہ نقل کیا جس سے تناقض کی ایک دوسری تقریر اخذ کی جاسکتی ہے جو اشکال اول پر مبنی نہ ہو"وہ یہ کہ جب جنابت کے ساتھ حدث نہ ہو تو وہاں امام شافعی وضو کیسے واجب کریں گے؟ اھ اور اس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ حدث اصغر اگرچہ حدث اکبر کو لازم نہیں لیکن صدر الشریعۃ کا کلام پہلی صورت میں بھی ایسی ہی جنابت کے بارے میں ہے جس کے ساتھ حدث بھی ہو اس دلیل سے کہ اس میں امام شافعی وضو واجب کرتے ہیں۔تو تناقض ہوگا۔
سوم: ان کی عبارت "فالتیمم للجنابة"(تو تیمّم جنابت کے لئے ہے) میں "فا" اگر تفریع کے لئے ہے تو اس کا کوئی حاصل نہیں اس لئے کہ تیمّم جنابت کے لئے ہونا وجوبِ وضو پر متفرع نہیں - اور اگر تعلیل کے لئے ہے تو یہ اعتراض ہوگا کہ سابقہ صورت میں بھی تیمّم جنابت ہی کے سبب ہے تو لازم آئے کہ وہاں بھی وضو واجب ہو۔
چہارم: بالاتفاق جنابت کے لئے تیمّم ہونا دونوں صورتوں میں مشترک ہے اسی صورت سے خاص نہیں اھ۔یہ دونوں اعتراض مولانا فرنگی محلّی نے نقل کیے۔
پنجم: یہ اس کے مخالف ہے جو مذہب میں مقرر وثابت ہے جیسا کہ دس دلائل ونصوص سے

[1] السعایۃ باب التیمم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۹۰
[2] السعایۃ، باب التیمم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۴۹۰
[3] السعایۃ، باب التیمم، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۴۹۰

العشرة ان الحدث مع الجنابة لایوجب الوضوء اصلا اذا لم یجد ماء یکفی للغسل الیه اشار البرجندی بقوله متصل العبارة المذکورة اٰنفا۔ لکن الکلام فی انه هل یجب فی الصورتین عـه التوضئ اذا احدث فیه تردد والظاهر لا ولابد للحکم بالاحتیاج من روایة صریحة [1] اھ۔ کماقدمنا عنه تلو الدلائل وذکرنا انه لوکان فی نظره اذ ذاك نصوص المذهب لماقنع بالتردد والاستظهار۔وهذا هو اعظم الا یرادات وهو الذی احوج العلماء الی تأویل کلامه رحمه الله تعالٰی۔ومحط کلامهم جمیعا ارجاع	ہم نے اسے بیان کیا۔مذہب میں یہ ہے کہ جنابت کے ساتھ حدث بالکل موجبِ وضو نہیں جب اتنا پانی دستیاب نہ ہو جو غسل کے لئے کافی ہو اسی کی طرف برجندی نے ابھی ذکر شدہ عبارت سے متصل اپنے درج ذیل کلام سے اشارہ کیا ہے: "لیکن کلام اس میں ہے کہ کیا دونوں صورتوں میں وضو کرنا واجب ہے جب حدث ہوا ہو۔اس بارے میں تردّد ہے اور ظاہر نفی ہے۔احتیاج وضو کا حکم کرنے کے لئے کوئی صریح روایت ہونا ضروری ہے"۔اھ جیسا کہ دلائل کے بعد ان سے ہم نے یہ عبارت نقل کی اور بتایا کہ اگر اس وقت ان کی نظر میں مذہب کے نصوص ہوتے تو وہ تردّد واستظہار پر قناعت نہ کرتے۔ یہی سب سے بڑا اعتراض ہے اسی کی وجہ سے حضرات علماء کو صدالشریعۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کی تاویل کرنے کی ضرورت پیش آئی۔اوران سب حضرات کی تاویلات کا مآل یہ ہے

عـه: ای الاخریین ولعمری لقد اصاب فی تخصیص الکلام بهما وعزل الصورة الاولی لان فیها لاشك فی وجوب الوضوء اذا احدث کماسیاتی تحقیقه فی الافادة بعونه تعالٰی ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی بعد والی دونوں صورتوں میں۔اور ان دونوں سے کلام خاص کرکے اور پہلی کو الگ کرکے یقینا انہوں نے صحیح کیا اس لئے کہ پہلی صورت میں حدث ہونے کے وقت وجوب وضو میں شک نہیں جیسا کہ اس کی تحقیق بعونہ تعالٰی افادہ (نمبر) ۱۱ میں آرہی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴

الحکم بوجوب الوضوء الی الحدث بعد التیمم للجنابۃ غیر ان لھم فیہ مسلکین: **احدھما** تقدیر [عہ] المضاف ای	کہ "وجوب وضو کا حکم اس حدث کی طرف عائد ہے جو تیمّم جنابت کے بعد ہو"۔ مگر اس بارے میں ان کے دو [۲] مسلک ہیں: **طریق اوّل**: ("اما اذا کان مع الجنابۃ

عہ قال فی السعایۃ فی غایۃ الحواشی قولہ یجب جزاء اما وکلمۃ کان تامۃ وتقدیر الکلام اما اذا وجد مع تیمم الجنابۃ حدث یوجب الوضوء فیجب الوضوء اتفاقا یعنی احدث بالتیمم للجنابۃ مع وجود الماء الکافی للوضوء فیجب الوضوء مع انہ تیمم الجنب اتفاقا بخلاف الصورۃ المسطورۃ فان فیھا بعد تیمم الجنابۃ لایجب الوضوء فقولہ بالاتفاق متعلق بقولہ یجب وقولہ فالتیمم الفاء للتفریع ای فثبت التیمم للجنابۃ مع وجوب الوضوء فانہ ذکر فی الجامع عن شرح الطحاوی و غیرہ انہ لایجب للجنب صرف الماء الی بعض الاعضاء اوللحدث الا اذا تیمم للجنابۃ ثم وقع منہ حدث یوجب الوضوء لانہ یجب علیہ الوضوء ح لانہ قدر علی ماء کاف بہ ولم یجب التیمم لانہ بالتیمم خرج عن الجنابۃ الی ان یجد

سعایہ میں لکھا ہے: غایۃ الحواشی میں ہے: لفظ "یجب" "اما" کی جزا ہے اور کان تامہ ہے۔ تقدیر کلام یہ ہوگی لیکن جب تیمّم جنابت کے ساتھ کوئی حدث پایا جائے تو بالاتفاق وضو واجب ہے۔ یعنی تیمّم جنابت کے ساتھ، وضو کے لئے کافی پانی ہوتے ہوئے وہ محدث ہوا تو وضو واجب ہے باوجودیکہ یہ جنب کا تیمّم ہے اتفاقاً۔ بخلاف صورت مسطورہ کے، کہ اس میں تیمّم جنابت کے بعد وضو واجب نہیں تو لفظ "بالاتفاق" لفظ "یجب" سے متعلق ہے۔ اور فالتیمم میں فا تفریع کے لئے ہے یعنی۔ تو وجوب وضو کے ساتھ، جنابت کے لئے تیمّم ثابت ہوا۔ کیونکہ جامع میں شرح طحاوی وغیرہ سے ذکر کیا ہے کہ جنب کے لئے بعض اعضاء میں پانی صرف کرنا یا حدث کے لئے صرف کرنا واجب نہیں مگر جب جنابت کا تیمّم کرلے پھر اس سے کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے تو اب اس پر وضو واجب ہوگا اس لئے کہ وہ اتنے پانی پر قادر ہے جو وضو کے لئے کافی ہے۔ اور تیمّم واجب نہیں اس لئے کہ وہ تیمّم کرکے جنابت سے نکل چکا ہے یہاں تک کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

اذا وجد عـہ۱ مع تیمم الجنابۃ حدث یجب الوضوء بالاتفاق عـہ۲ فیبقی عـہ۳ ھذا التیمم للجنابۃ خاصۃً عـہ۴ بخلاف ما اذا وجد الحدث	حدث" میں جنابت سے پہلے) مضاف مقدر ماننا، یعنی جب تیمّم جنابت کے ساتھ کوئی حدث پا یا جائے تو بالاتفاق وضو واجب ہے تو یہ تیمّم خاص جنابت کے لئے رہ جائے گا بخلاف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الماء الکافی للغسل انتھی فاندفع السؤال المشھور ان الجنابۃ تستلزم الحدث فکیف یصح قولہ اذاکان مع الجنابۃ حدث ومن فسر فالتیمم للجنابۃ واجب بعد الوضوء فما شم رائحۃ المقصود[1] اھ۔ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عـہ۱: اشار الی ماقالہ فی غایۃ الحواشی ان کان فی قول الشارح تامۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عـہ۲: اشار الی ماقالہ ان بالاتفاق متعلق بیجب ۱۲ منہ غفرلہ (م) اللہ

عـہ۳: اشار الی ماقالہ ان الفاء فی قولہ فالتیمم للتفریع ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عـہ۴: زدت(۱) خاصۃً اذبہ یتم المقصود و غیرت ماسلکہ ان المراد ثبت التیمم للجنابۃ مع وجوب الوضوء فان(۲) المقصود اذن فیما حذفہ ۱۲

غسل کے لئے کافی پانی اسے ملے ۔انتہی۔ تو وہ مشہور اعتراض دفع ہوگیا کہ جنابت حدث کو مستلزم ہوتی ہے۔پھر صدر الشریعۃ کا قول "اذا کان مع الجنابۃ حدث" (جب جنابت کے ساتھ کوئی حدث ہو) کیسے صحیح ہوگا۔اور جس نے یہ تفسیر کی: فالتیمم للجنابۃ واجب بعد الوضوء (تو جنابت کے لئے تیمّم وضو کے بعد واجب ہے) تو اسے مقصد کی بُو بھی نہ ملی اھ- عبارتِ سعایہ ختم ہوئی۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

اس کی طرف اشارہ ہے جو غایۃ الحواشی میں لکھا کہ شارح کی عبارت میں "کان" تامہ ہے ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

(تو اذا کان کی تفسیر "اذاوجد" (جب پایا جائے) سے کی گئی۔ ۱۲ م الف)اس کی طرف اشارہ ہے جو اس میں لکھا ہے کہ "بالاتفاق "یجب سے متعلق ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اس کی طرف اشارہ ہے کہ فالتیمم میں ف برائے تفریع ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

میں نے "خاصۃً" بڑھادیا کیونکہ اسی سے مقصد پُورا ہوتا ہے اور اس میں جو طریقہ اختیار کیا کہ "یہ مراد ہے کہ وجوب وضو کے ساتھ جنابت کا تیمّم ثابت ہے" میں نے اسے بدل دیا، کیونکہ اس طور پر (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] السعایۃ حاشیہ شرح وقایہ باب التیمم سہیل اکیڈمی، لاہور ۱/۴۹۰

قبل التیمم فانه عـه۱ یکون له وللجنابة معًا کما افید فی شرح الطحاوی وغیرہ۔ هذا تهذیب مانقلته السعایة عن غایة الحواشی واعتمدته وان ناقشته عـه۲ فی زوائد ومن طالع عبارتها و	اُس صورت کے جب حدث تیمّم سے قبل پایا جائے کہ یہ حدث اور جنابت دونوں کے لئے ہوگا۔ جیسا کہ شرح طحاوی وغیرہ میں اس کا افادہ ہوا ہے۔ یہ اس کی اصلاح و تنقیح ہے جو سعایہ میں غایۃ الحواشی سے نقل کیا اور اس پر اعتماد کیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قوله مع وجوب الوضوء وفیه الفرق بین الصورتین فتبقی الجملة بحذفه ناقصة مختلة وحذفت(۱) قوله اتفاقا لانه خلاف المقصود وفی نفسه مردود* کماستعلم بعون الودود ۱۲ منه غفرله (م)

عـه۱: زدته اذ به تمام التقریب علی الوجه الذی وصفنا منه غفرله (م)

عـه۲: نازعه فی کون کان تامة بانه لادخل له فی المقصود ویمکن کونها ناقصة وفی کون الفاء للتفریع وقال الاظهر علی هذا ان تکون تعلیلیة یعنی لان التیمم للجنابة والحدث طار (ای طارئ) فلایکفی له [1] اھ۔ملخصا مهذبا **اقول**: (۲) یحتاج الی ذکر الخصوص کمافعلنا والافکون التیمم للجنابة لایمنع کونه للحدث الا ان یکون الحدث طارئافاذن ذکر فی التعلیل ما لادخل له وطوی ماهو التعلیل وکیفما کان لیس

مقصود اسی لفظ سے ادا ہوگا جو صدر الشریعۃ نے حذف کیا یعنی "مع وجوب الوضوء" اور اسی سے دونوں صورتوں کے درمیان فرق ہوسکے گا تو اسے حذف کر دینے سے جملہ ناقص اور مختل ہو جائے گا۔ اور غایۃ الحواشی کا لفظ "اتفاقًا" میں نے حذف کر دیا اس لئے کہ خلاف مقصود ہے اور بجائے خود بھی نامقبول ہے جیسا کہ بعونِ الٰہی معلوم ہوگا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

میں نے اسے بڑھادیا کیونکہ اس سے تقریب تام ہوتی ہے اس طور پر جو ہم نے بیان کیا ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اس سے کان کے تامہ ہونے میں نزاع کیا کہ اس کا مقصد میں کچھ دخل نہیں ناقصہ بھی ہوسکتا ہے۔ اور فاکے برائے تفریع ہونے میں نزاع کیا اور کہا اس طور پر ظاہر تر یہ ہے کہ تعلیلیہ ہو یعنی اس لئے کہ تیمّم جنابت کا ہے اور حدث طاری ہے تو اس کے لئے کافی نہیں اھ انکی عبارت تلخیص اور اصلاح و تنقیح کے ساتھ ختم ہوئی **اقول**: انہیں "خصوص" کے ذکر کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم نے کیا ورنہ تیمّم کا جنابت کے لئے ہونا اس سے مانع نہیں کہ حدث کے لئے بھی ہو مگر یہ کہ حدث (بعد تیمّم) طاری ہو۔تو تعلیل میں وہ ذکر کیا جسے کوئی دخل نہیں اور اسے چھوڑ دیا (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] السعایۃ حاشیہ شرح وقایہ باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ۴۹/۱

وازن بینھما وبین الفاظنا عرف کیف لخصنا ما اطال بہ وقربناہ* ونقحناہ وھذبناہ*	اگرچہ کچھ زوائد میں اس سے مناقشہ بھی کیا۔ عبارت سعایہ کا مطالعہ اور اس کا اور ہمارے الفاظ کا موازنہ کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ اس میں جو طویل کلام تھا ہم نے اس کی کیسی تلخیص کردی اور فہم کے قریب بھی کردیا۔ الفاظ کی تنقیح وتہذیب بھی ہوگئی۔(ت)
والاٰخر: جعل مع بمعنی بعد وھو المسلك المشھور۔	**طریق دوم:** مع کو بعد کے معنی میں قرار دینا۔ یہ مشہور طریقہ ہے۔
قال: المحقق مولٰی خسرو فی الدرر بعد بعارتہ التی قدمنا فی النصوص اما اذاکان مع الجنابۃ حدث یوجب الوضوء بان احدث بعد التیمم فیجب علیہ الوضوء فالتیمم للجنابۃ بالاتفاق[1] اھ۔	محقق مولٰی خسرو نے درر الحکام۔ میں اس عبارت کے بعد جو ہم نے نصوص میں پیش کی فرمایا: "لیکن جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے اس طرح کہ تیمّم کے بعد محدث ہوا تو اس پر وضو واجب ہے۔ تو اس پر وضو واجب ہے۔ تو تیمّم بالاتفاق جنابت کے لئے ہے"اھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الاکلاما فی امر زائد ومن(۱) سلك مسلکا صحیحا لایقال ان کلامہ مخدوش کماقالہ فی عمدۃ الرعایۃ وان اختار فی امر زائد ظاھرا مکان الاظھر وکون بحث کان بمعزل عن المقصود بالکلیۃ اظھر من ان یظھر ثم کونھا تامۃ ھو الظاھر المتبادر ذکرہ(۲) المحشی بیانا للواقع کعادتھم لالتوقف الجواب علیہ فلیس فیما نقل من عبارتہ دلالۃ علیہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

جو واقعۃً تعلیل ہے۔ خیر جو بھی ہو یہ ایک زائد معاملہ میں ہی کلام ہے۔ اور جو کسی صحیح رَوِش پر چلا ہو اس کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کلام مخدوش ہے جیسا کہ عمدۃ الرعایہ میں کہا اگرچہ اس امر زائد میں وہاں ظاہر تر کی جگہ ظاہر اختیار کیا ہے۔ اور کان کی بحث کا مقصود سے بالکل الگ ہونا بالکل محتاج بیان نہیں۔ پھر اس کا تامہ ہونا بھی ظاہر ومتبادر ہے۔ محشّی نے بیان واقع کے طور پر اسے ذکر کردیا ہے جیسا کہ ان حضرات کی عادت ہے۔ اس لئے نہیں ذکر کیا ہے کہ جواب اسی پر موقوف ہے منقولہ عبارت میں اس پر کوئی دلالت بھی نہیں ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

[1] درر مولٰی خسرو باب التیمم مکتبہ احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادۃ مصر ۱/۲۹

قال العلامة الشرنبلالی فی الغنیة یعنی فالتیمم باق لرفع الجنابة [1] وقال تلمیذہ (الفاضل اخی چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی۔
قولہ مع الجنابة حدث یوجب الوضوء) یعنی اذا اغتسل الجنب وبقی فی عضو من اعضائه عـه۱ لمعة وفنی الماء فتیمم للجنابة ثم احدث حدثا یوجب الوضوء ولم عـه۲ یتیمم للحدث فوجد مایکفی

علّامہ شرنبلالی نے غنیہ میں فرمایا یعنی : "تو تیمّم جنابت دور کرنے کے لئے باقی ہے" اور ان کے تلمیذ فاضل اخی چلپی نے ذخیرۃ العقبی میں لکھا: **قولہ "مع الجنابة حدث یوجب الوضوء"** (جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہے جو وضو واجب کرتا ہے) یعنی جب غسل کرلے اور اس کے کسی عضو میں کچھ جگہ چھُوٹ جائے اور پانی ختم ہوجائے تو جنابت کے لئے تیمّم کرلے پھر اسے کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے اور اس حدث کے لئے اس نے تیمّم نہ کیا پھر

عـه۱: اعترضه فی السعایة بان تقریرہ یحکم یکون مع بمعنی بعد و اذاحمل علیه فتصویرہ سهل لایحتاج الی حدیث اللمعة[2] اھ۔ **اقول**: الاعتراض (۱) علی التصویر کالمناقشة فی المثال فانه لایضر بالمقصود ۱۲ منه غفرله (م)

عـه۲ **اقول**: هذہ (۲) زیادة ضائعة فلوتیمم للحدث لکان الحکم کذا وانما زادہ مراعاة للتصویر الذی ذکر فیه الشارح الامام اٰخر الباب مانقل عنه وهو (۳) ایضاً غیر محوج فان الشارح ذکر ایضاً ماذا تیمم للجنابة ثم احدث فتیمم للحدث وقال فکذا فی الوجوہ المذکورة ومن وجوہ المشار الیها قوله وان کفی لاحدهما بعینه غسله ویبقی التیمم فی حق الاٰخر ۱۲ منه غفرله (م)

سعایہ میں اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس تقریر کا حکم یہ ہے کہ مع بمعنی بعد ہو اور جب اس پر محمول کرلیا جائے تو اس کی تصویر آسان ہے۔ حدیث لمعہ (چھوٹی ہوئی جگہ کی بات) درمیان میں لانے کی ضرورت ہی نہیں اھ **اقول**: کسی مسئلہ کی صورت نکالنے پر اعتراض ایسا ہی ہے جیسے مثال میں مناقشہ کہ یہ مقصود کے لئے مضر نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اقول: یہ بیکار کا اضافہ ہے۔ اگر وہ حدث کے لئے تیمّم کرلے جب بھی حکم یہی ہوگا۔ اسے انہوں نے اس تصویر کی رعایت میں بڑھادیا جس میں یہ منقولہ جملہ شارح امام نے آخر باب میں ذکر فرمایا ہے حالانکہ اضافہ کی ضرورت نہیں کیونکہ شارح نے یہ ذکر کیا ہے لیکن (باقی برصفحہ آئندہ)

للوضوء لا للمعة فتیممه باق وعلیه الوضوء [3] اھ۔

اسے اتنا پانی ملا جو وضو کے لئے کافی ہے، اس چھُوٹی ہوئی جگہ

---

1 غنیہ ذوی الاحکام باب التیمم مکتبہ احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادۃ مصر ۱/۲۹

2 السعایہ شرح وقایہ باب التیمم سہیل اکیڈمی، لاہور ۱/۴۹۱

3 ذخیرۃ العقبی باب التیمم مطبع اسلامیہ لاہور ۱/۱۶۷

وقال الشمس القهستانی فی شرح النقایة بعد مانقلنا عنه فی النصوص وهذا صورة ماقال المصنف واما اذاکان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء یجب علیه الوضوء فالتیمم للجنابة بالاتفاق (۱) فان مع فیه بمعنی بعد کما قالوا فی قوله تعالٰی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ۶

وبه ینحل مافی هذا المقام من الاشکال المشهور اھ۔[1]

وتبعه المدقق العلائی فی الدر واقرہ محشوه واعترض هذا المسلك فی السعایة بانه لواجنب ثم احدث فوجد مایکفی للوضوء فقط

کے لئے نہیں، تواس کا تیمّم باقی ہے اور اسے وضو کرنا ہے اھ (ت)

شمس قہستانی نے شرح نقایہ میں کہا اس عبارت کے بعد جو ہم نے نصوص میں ان سے نقل کی: اور یہی اس کی صورت ہے جو مصنف نے کہا: "لیکن جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے اس پر وضو لازم ہے تو تیمّم جنابت کے لئے ہے بالاتفاق"۔ کیونکہ اس میں "مع" بعد کے معنی میں ہے جیسا کہ علماء نے ارشادِ باری تعالٰی "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ۶" (بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے) میں کہا ہے۔اسی سے وہ مشہور اشکال حل ہو جاتا ہے جو اس مقام پر پیش آتا ہے اھ مدقق علائی نے در مختار میں اس کا اتباع کیا اور اسے محشین نے بھی برقرار رکھا۔سعایہ میں اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم احدث فلتیمم للحدث و قال فکذا فی الوجوه المذکورة ومن وجوه المشار الیها قوله وان کفی لاحدهما بعینه غسله و یبقی التیمم فی حق الاخر ۱۲ منه غفرله (م)

جنابت کا تیمّم کیا۔پھر حدث ہوا تو حدث کا تیمّم کیا۔اور آگے فرمایا مذکورہ صورتوں میں بھی ایسا ہے، جن صورتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان میں یہ بھی ہے کہ اگر ان میں سے بعینہٖ کسی ایک پر کفایت کرنے والا ہو تو اسے دھوئے اور دوسرے کے حق میں تیمّم باقی رہے گا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] جامع الرموز باب التیمم مطبعہ کریمیہ قزان ایران ۱/ ٦٤

فانه یتیمم ولایجب علیه الوضوء یکون تیممه کافیاً لرفع الحدث الاکبر و الاصغر مع انه یصدق علیه انه وجد به حدث یوجب الوضوء بعد الجنابة فیلزم بمقتضی عبارة الشارح ان یجب علیه الوضوء قال فالاولی ان یقال مع بمعنی بعد والمضاف محذوف ای بعد تیمم الجنابة اویقال مع علی معناه والمضاف محذوف ای مع تیمم الجنابة[1] اھ ملخصاً

طریق پر **اعتراض** کیا کہ اگر اسے جنابت ہو پھر حدث ہو۔ اس کے بعد اسے اتنا ہی پانی ملے جو صرف وضو کے لئے کفایت کرسکے تو وہ تیمّم کرے گا اور اس پر وضو واجب نہیں۔ اس کا تیمّم حدثِ اکبر و اصغر دونوں کو رفع کرنے کے لئے کافی ہوگا۔ باوجودیکہ اس کے متعلق یہ صادق ہے کہ اس کے ساتھ جنابت کے بعد ایسا حدث پایا گیا جو وضو واجب کرتا ہے تو بمقتضائے عبارت شارح لازم آئے گا کہ اس پر وضو واجب ہو۔ کہا: تو اولٰی یہ کہنا ہے کہ مع بمعنی بعد ہے اور مضاف محذوف ہے یعنی "**مع تیمم الجنابة**" اھ (ت)

هذا **وعندی** حاشیة علی شرح الوقایة للفاضل محمد القره باغی اتمها سنة تسعمائة وثلثین ای بعد خمس وعشرین سنة من وفاة اخی چلپی وقال قلت لتاریخه ثم تسویدی(۹) وھی کتابة یوسف بن حسن بن عبدالله سنة تسعمائة وسبع وسبعین نقل فیها کلام اخی چلپی بلفظة قال بعض المحشین ثم قال اقول لایخفی ان هذا التصویر تکلف بعید الاخذ من هذه العبارة علا ان الشارح سیصرح هذه المسألة بقوله وان کفی للوضوء لاللمعة فتیممه باق وعلیه الوضوء فبحمل هذه العبارة علی ماذکره

یہ سب ہوا۔ اور میرے پاس شرح وقایہ پر فاضل محمد قرہ باغی کا ایک حاشیہ ہے جسے انہوں نے ۹۳۰ھ میں مکمل کیا، یعنی اخی چلپی کی وفات کے پچیس ۲۵ سال بعد۔ اور اس کی تاریخ تکمیل کے لئے ثم تسویدی کہا ہے اور ۹۷۷ھ میں یوسف بن حسن بن عبداللہ کا کتابت کیا ہُوا ہے اس میں اخی چلپی کا کلام "**قال بعض المحشین**" کے لفظ سے نقل کیا ہے پھر لکھا ہے: "میں کہتا ہوں مخفی نہیں کہ یہ صورت نکالنے میں تکلّف ہے اور اس عبارت سے اسے اخذ کرنا بعید ہے علاوہ ازیں شارح عنقریب اس مسئلہ کی تصریح اس عبارت میں کریں گے: "اور اگر وضو کے لئے کافی ہے چھُوٹی ہوئی جگہ کے لئے نہیں تو اس کا تیمّم باقی ہے اور اسے وضو کرنا ہے" اب اگر

[1] السعایة باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۹۱

القائل یلزم التکرار ولعله انما ارتکبه زعما بان الحدثین لایجتمعان فی شخص ابتداء ولاشك انهما یجتمعان لکن یکفی عنهما تیمم واحد اذا لم یوجد الماء الکافی للوضوء واما اذا وجد فلابد من الوضوء ثم التیمم للجنابة والمذکور فی الکتاب هو هذا المعنی۔ والعجب منه انه لم یلتفت الی هذا المعنی مع ان عبارة الشارح بُعیدا هذا صریح باجتماع الحدثین ابتداءً حیث قال لوکان به حدثان کالجنابة وحدث یوجب الوضوء ینبغی ان ینوی عنهما لایقال ان الجنابة لما اوجب غسل بعض الاجزاء الذی هو عبارة عن الوضوء فلافائدة لاعتبار الحدث الذی یوجب الوضوء مع الجنابة لانا نقول بعد تسلیم جمیع المقدمات یجوز (۱) اجتماع العلل الشرعیة علی معلول واحد شرعی کماصرح به صاحب التلویح فقال لو (۲) حلف ان لایتوضأ من الرعاف فبال ثم رعف فتوضأ حنث وله نظائر فی الشرع [1] اھ کلام القره باغی ببعض اختصار۔	اس عبارت کو اس پر محمول کیا جائے جو قائل نے ذکر کیا تو تکرار لازم آئے گی۔اور اس نے اس تاویل کا ارتکاب شاید اس خیال سے کیا ہے کہ کسی شخص میں دونوں حدث ابتداءً جمع نہیں ہوتے حالانکہ بلاشبہہ دونوں جمع ہوتے ہیں، لیکن دونوں کی طرف سے ایک ہی تیمّم کافی ہے جبکہ وضو کے لئے آب کافی دست یاب نہ ہو اور دست یاب ہو تو وضو پھر جنابت کا تیمّم ضروری ہے۔کتاب میں یہی بات مذکور ہے۔ قائل پر تعجب ہے کہ اس معنی کی طرف التفات نہ کیا حالانکہ اس کے کچھ ہی بعد شارح کی عبارت اس بارے میں صریح ہے کہ دونوں حدث ابتداءً جمع ہوتے ہیں۔انہوں نے فرمایا ہے: "اگر اسے دو حدث ہوں جیسے جنابت اور کوئی ایسا حدث جو وضو واجب کرتا ہے تو اسے چاہئے کہ دونوں سے تیمّم کی نیت کرے"۔اگر یہ کہا جائے کہ جنابت سے جب ان بعض اجزاء کا دھونا واجب ہوا جو وضو سے عبارت ہے تو جنابت کے ساتھ وضو واجب کرنے والے حدث کا اعتبار کرنے میں کوئی فائدہ نہیں تو ہم کہیں گے اگر اعتراض کے تمام مقدمات تسلیم کرلیے جائیں تو بھی جواب یہ ہے کہ ایک معلول شرعی پر چند علل شرعیہ کا اجتماع ہوسکتا ہے جیسا کہ صاحبِ تلویح نے اس کی صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر قسم کھائی کہ نکسیر سے وضو نہ کرے گا پھر اس نے پیشاب کیا اس کے بعد نکسیر ٹوٹی پھر اس نے وضو کیا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی۔اور شریعت میں اس کی بہت سی نظیریں ہیں"۔فاضل قرہ باغی کا کلام کچھ اختصار کے ساتھ ختم ہوا۔(ت)

[1] تعلیق علی شرح الوقایۃ للقرہ باغی

فھذا کل مارأیت لھم من القال والقیل*والنقض والتأویل*والانکار عـہ والتعویل*

واعلم ان السعایۃ لیست عندی وانما ارسل الی بعض اصحابی من لکھنؤ نقل نحو ورقۃ منھا متعلقۃ بھذا المقام علی طلبی لکی اری ماعندہ فیہ عسی ان نقل عن کتاب مافیہ غناء فقد کان جمع من الکتب اکثر مما عندی فلما طالعتہ لم ارہ فازبطائل* ولاجاز بنائل*وانما جمع القال والقیل* وتکلم علی زوائد بفارغ عن التحصیل* اوباغالیط واباطیل*ولم یھتد لکثیر من الابحاث الراقۃ* والانظار الفائقۃ*واذا اتی علی المقصود جرح الصحیح* واعتمد الجریح *کما ستعرف کل ذلك ان شاء اللہ المستعان*والاٰن اٰن ان نفیض فی تحقیق المرام بتوفیق المنان*

اقول: وباللہ الاستعانۃ ومنہ الفیض والاعانۃ *الکلام ھھنا فی ثمانیۃ مواضع دفع(۱) النقوض وتقریر(۲)معنی الکلام علی مسلك التأویل والتعویل اعنی اجراءہ وبیان(۳) معنی قولہ

یہ وہ سب قیل وقال،تاویل اعتراض،اور انکار واعتماد ہے جو میری نظر سے گزرا۔

معلوم رہے کہ سعایہ میرے پاس نہیں میرے ایک دوست نے اس مقام سے متعلق اس کے تقریبًا ایک ورق کی نقل میرے پاس بھیجی جو میں نے اس خیال سے طلب کی تھی کہ اس مقام سے متعلق محشّی صاحب سعایہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ دیکھ سکوں۔ہوسکتا ہے اس میں کسی کتاب سے کوئی اطمینان بخش بات نقل کی ہو۔کیونکہ ان کے پاس میرے یہاں سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ تھا۔مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ انہیں کوئی کام کی بات نہ ملی اور کوئی مفید کلام نہ لاسکے بس قیل وقال جمع کردیا۔اور کچھ زائد باتوں پر ایسا کلام کیا ہے جو افادیت سے خالی یا باطل وغلط ہے۔اور اس مقام سے متعلق بہت سی دلکش بحثوں اور بلند فکروں تک ان کی رسائی نہ ہوئی،اور مقصود پر آئے تو صحیح کو مجروح اور مجروح کو معتمد بنادیا۔جیسا کہ یہ سب اِن شاء اللہ معلوم ہوگا اب وقت آیا کہ بہ توفیق رب منان تحقیق مطلوب کاآغاز کریں۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اور خدا ہی سے مدد طلبی ہے اور اسی کی جانب سے فیض ومدد ہے یہاں پر کلام آٹھ مقامات میں ہے: (۱) اعتراضات کا جواب (۲) معنی کلام کی تقریر مسلک تاویل پر بھی اور مسلک اعتماد پر بھی یعنی ظاہر پر جاری رکھتے ہوئے بھی (۳) کلام شارح

عـہ الانکار لعلامۃ البرجندی والتعویل للفاضل القرہ باغی والنقوض خمسۃ۔(م)

انکار علامہ برجندی نے کیا،اعتماد فاضل قرہ باغی نے،اور اعتراضات پانچ ہیں۔(ت)

فالتیمم للجنابة وان(۴) قوله بالاتفاق متعلق بهذا ام بقوله یجب علیه الوضوء وان (۵) الفاء فی قوله فالتیمم للتفریع ام للتعلیل*وبیان(۶) الحسن والقبیح والباطل والصحیح من مسالك التاویل*وانه(۷) هل ثم شبهات ترد علی المرام*وما کشفها وحلها بتوفیق العلام*وهل(۸) للکلام تاویل اُخر*خیر مما ذکرو اظهر*وها انا اعطیك بحول الله تعالٰی افادات تحیط بکل ذلک*وتسلم بك ان شاء الله تعالٰی احسن المسالک*وما توفیقی الّا بالله خیر مالک*	"فالتیمم للجنابة"(تو تیمّم جنابت کے لئے ہے)کا معنی (۴) ان کا قول"بالاتفاق"اسی سے متعلق ہے (۵) فالتیمم میں"ف"برائے تفریع ہے یا برائے تعلیل (۶) تاویل کے طریقوں میں سے حسن وقبیح اور باطل وصحیح کا بیان (۷) کیا یہاں کچھ اعتراضات بھی ہیں جو مقصود پر وارد ہوتے ہیں۔پھر خدائے علام کی توفیق سے ان کا حل اور جواب کیا ہے ؟ (۸) کلام کی جن تاویلوں کا ذکر اور اظہار ہوا کیاان سے بہتر کوئی دوسری تاویل بھی ہے؟اب میں بعون اللہ تعالٰی کچھ افادات پیش کرتا ہُوں جو ان سارے مقامات ومباحث کااحاطہ کرتے ہوئے ان شاء اللہ تعالٰی ناظرین کو بہترین راہ پر گامزن کریں گے۔اور مجھے توفیق نہیں مگر خدائے برتر ہی سے جو بہتر مالک ومنعم ہے۔(ت)
الافادة: کفی بحمده عزوجل لحل الاشکال الاول ماقدمت من تصویر جنب تیمم فاحدث فتوضأ فمر علی ماء کاف لغسله[1] وقد ذکره البرجندی ایضا	**افادہ ا:** بحمد خدائے غالب وبزرگ اشکال اوّل کے حل کے لئے وہی تصویر مسئلہ کافی ہے جو میں نے پہلے پیش کی کہ کسی جنابت والے نے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تواس نے وضو کیا پھر وہ اتنے پانی کے پاس گزرا جو اس کے غسل کے لئے کافی ہے۔اسے علامہ برجندی نے بھی ذکر کیا ہے۔
اقول: فهذا جنب لیس معه حدث یوجب الوضوء لان الوضوء (ا) طرأ علی اعضاء الوضوء فطهرها مطلقا الی ان یطرأ حدث اُخر اصغرا واکبر حتی انه اذاوجد ماء للغسل لم یکن علیه غسل هذه الاعضاء لماسیاتی فی الافادة الحادیة عشرة ان الحدث الحال	**اقول:** تو یہ ایسا جنب ہے جس کے ساتھ کوئی ایسا حدث نہیں جو وضو واجب کرتا ہو۔اس لئے کہ عملِ وضو اعضائے وضو پر طاری ہوا تو انہیں مطلقاً پاک کردیا جب تک کہ کوئی دُوسرا حدث اصغر یا اکبر طاری ہو۔یہاں تک کہ

[1] شرح النقایہ للبرجندی باب التیمم مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۴۴

بالاعضاء متجزئ فاذا رأی ماء الغسل لم تعد عـه الجنابة الافیما وراء تلك الاعضاء*	جب اسے غسل کے لئے پانی ملے تو اس پر ان اعضاء کا دھونا لازم نہیں۔اس کی وجہ افادہ۱۱

عـه قال العلامة الحلبی فی الغنیة من مسح الخفین اجنب وتیمم فاحدث وتوضأ ومر بعد ذلك علی مایکفی للاغتسال فلم یغتسل فالرجل (ای بکسر الراء) بعد غسلها اذذاك لاتعود جنابتها برؤیة الماء ولایلزم غسلها مرة اخری لاجل تلك الجنابة[1] اھ۔

ونقله فی المنحة واقر وانما خص القدم بالذکر لان الکلام فی نزع الخف وغسل الرجل وسائر اعضاء الوضوء کمثلها وفی البدائع(۱) ینقض المسح نزع الخفین لانه سری الحدث السابق الی القدمین ثم ان کان محدثا یتوضأ بکماله وان لم یکن محدثا یغسل قدمیه لا غیر وللشافعی فی قول یستقبل الوضوء وجهه ان الحدث حل ببعض اعضائه والحدث لایتجزء فیتعدی الی الباقی ولنا ان الحدث السابق هو الذی حل بقدمیه وقد غسل بعده سائر الاعضاء وبقیت القدمان فقط فلایجب علیه الاغسلهما[2] اھ۔ملخصا ۱۲ منه غفرله (م)

علامہ حلبی نے غنیہ میں مسح خفین کے تحت لکھا ہے:"کسی کو جنابت لاحق ہُوئی اور تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا اور وضو کیا۔اس کے بعد وہ اتنے پانی پر گزرا جو غسل کے لئے کافی ہے مگر غسل نہ کیا تو پیر جب پہلے اس وقت دھولیا تھا اب پانی دیکھنے سے اس میں جنابت عود نہ کرے گی اور اس جنابت کی وجہ سے اسے دوبارہ دھونا لازم نہ ہوگا"اھ

یہ کلام علامہ شامی نے بھی منحۃ الخالق میں نقل کیا اور برقرار رکھا خاص قدم ہی کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ کلام موزہ نکالنے اور پیر دھونے کے بارے میں ہے (اِسی سے دیگر اعضائے وضو کا حکم بھی معلوم ہوجاتا ہے کیوں کہ) دیگر اعضائے وضو بھی قدم ہی کے مثل ہیں بدائع میں ہے:"موزوں کا نکالنا مسح کو توڑ دیتا ہے اس لئے کہ سابقہ حدث قدموں تک سرایت کرآیا پھر اگر وہ محدث تھا تو پورا وضو کرے اور اگر محدث نہ تھا تو صرف قدموں کو دھوئے کُچھ اور نہیں۔اور امام شافعی -کا ایک قول یہ ہے کہ از سرِنو وضو کرے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حدث اس کے بعض اعضاء میں حلول کرآیا اور حدث کی تجزی نہیں ہوتی تو باقی اعضاء کی طرف بھی تجاوز کرجائے گا ہماری دلیل یہ ہے کہ حدث سابق وہی ہے جو اس کے قدموں پر آیا دیگر اعضاء کو تو اس حدث کے بعد دھو چکا ہے صرف دونوں قدم رہ گئے تھے تو اسے ان دونوں کو ہی دھونا واجب ہے ۱۲منہ غفرلہ۔(ت)

[1] منیۃ المستملی فصل فی المسح علی الخفین، سہیل اکیڈمی لاہور، ص۱۰۸،۱۰۹

[2] بدائع الصنائع نواقض المسح ایم ایم سعید کمپنی، کراچی ۱/۱۲

فهذا جنب متوضئ بلامراء*

وان اعتراك شبهة فيه فاعتبره بجنب واجد للماء فان المسنون له ان يقدم الوضوء ولاشك انه مادام فی بدنه لمعة لم يصبها الماء يبقى جنبا فهو حين هو متوضئ جنب وليس عليه الاافاضة الماء على سائر جسده فاذافعل فقد طهر ولايعيد الوضوء اجماعا فالجنابة الحالة بماوراء اعضاء الوضوء اذالم تناف الوضوء حينئذ بل الوضوء هو الذی نفاها من تلك الاعضاء فكيف ينقض عودها فی غير الاعضاء اذمالايمنع وجوده الطهارة بدء لن ينقضها حدوثه بقاء وهذا اظهر من ان يظهر۔

ونعنی بالمتوضئ طهارة اعضاء وضوءه ونزاهتها عن الحدثين لاالتوضئ الذی تجوزله الصلاة فان ذلك بزوال الحدث القائم بنفس

میں آرہی ہے کہ اعضاء میں حلول کرنے والے حدث کی تجزی ہوتی ہے توجب اس نے غسل کا پانی دیکھا جنابت ان اعضاکے ماسوا میں ہی عود کرے گی۔ان اعضا میں نہیں تو یہ بلاشبہہ ایسا جنب ہے جو باوضو ہے۔(ت)

اگراس میں کوئی شبہہ درانداز ہو تواس کا قیاس اس جنب پر کیجئے جسے پانی دستیاب ہے۔اس کے لئے مسنون یہی ہے کہ پہلے وضو کرے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب تک اس کے بدن پر کوئی ایسی جگہ رہ جائے گی جس پر پانی نہ گزرا ہو، تووہ جنب باقی رہے گا۔تو جس وقت وہ باوضو ہے اس وقت بھی جنابت والا ہے اور اس کے ذمہ یہی کام ہے کہ بقیہ سارے جسم پر پانی بہالے۔یہ کام کرلیا تو وہ بالکل پاک ہوگیا۔اب بالاجماع اس کو دوبارہ وضو نہیں کرنا ہے۔تواعضائے وضوکے ماسوا میں حلول کرنے والی جنابت جب اس وقت وضوکے منافی نہ ہوئی۔ بلکہ وضوہی نے تواس جنابت کو ان اعضا سے دُور کیا۔تو دیگر اعضا میں اس جنابت کا عود کرنا اس وضو کا ناقض کیسے ہوگا؟جس چیز کا وجود ابتداءً مانع طہارت نہیں ہرگز اس کا حدوث بقاءً ناقضِ طہارت نہیں۔یہ معنی اتنا روشن و واضح ہے کہ اظہار وبیان سے بے نیاز ہے۔اور باوضو سے ہماری مراد یہ ہے کہ اس کے اعضائے وضو پاک اور حدثِ اکبر واصغر سے خالی ہیں۔وہ باوضو مراد نہیں جس کے لئے نماز جائز ہو یہ بات تو اس حدث کے دُور ہونے سے حاصل ہوگی جو

المکلف لاباعضائه وهو تلبسه بنجاسة حکمیة فانه لایزول مالم یطهر بدنه کله کما قدمنا فی الطرس المعدل وهذا معنی قولهم ان الحدث لایتجزأ۔

اما تصویر البرجندی علی قول محمد **فاقول**: یبتنی علی ان ینتشر فیولج فینزع فیفتر کل هذا قبل ان یمذی والالم یفارق الاکبر الاصغر

وهو وان ندر محتمل ویکفی للتصویر الاحتمال۔

ورد اللکنوی (۱) علیه مردود بما یاتی **اما** تصویره الاخیر علی قول الشیخین ای الطرفین وقوله فیه لم یوجد ناقض الوضوء۔

فاقول: بلی (۲) اذ الامناء لایخلو عن امذاء سواء کان عند الاستمناء اوالامناء ولذا استشکل الامام شمس الائمة الحلوانی طهارة المنی بالفرك لان (۳) کل فحل یمذی ثم یمنی واجاب بانه مغلوب بالمنی مستهلك فیه فیجعل تبعا قال المحقق فی الفتح وهذا ظاهر فانه اذا کان الواقع انه لایمنی حتی یمذی وقد طهره الشرع بالفرك یابسا یلزم انه اعتبر ذلك للضرورة[1] اھ۔

مکلّف کے اعضاء سے نہیں بلکہ اس کی ذات سے لگا ہوا ہے۔وہ تو نجاست حکمیہ سے اس کے تلبس وآلودگی کا نام ہے۔یہ حدث اُس وقت تک دُور نہ ہوگا جب تک اس کا پُورا بدن پاک نہ ہوجائے، جیسا کہ ہم "الطرس المعدل" میں اسے بیان کرچکے ہیں۔حضرات علماء کے قول "حدث متجزی نہیں ہوتا" کا یہی معنٰی ہے۔(ت) برجندی نے امام محمد کے قول پر جو صورت مسئلہ پیش کی (**فاقول**) اس پر میں کہتا ہوں یہ اس پر مبنی ہے کہ انتشار ہو پھر داخل کرکے نکال لے اس کے بعد سست پڑے۔یہ سب مذی آنے سے قبل ہو ورنہ حدثِ اکبر حدثِ اصغر سے جُدا نہ پایا جاسکے گا۔یہ صورت اگرچہ نادر ہے مگر محتمل ہے اور صورت مسئلہ بتانے کے لئے احتمال کافی ہے۔(ت) اس پر مولوی عبدالحی فرنگی محلّی نے جو رَد کیا ہے وہ خود غلط ہے۔اس کی تردید آرہی ہے لیکن شیخین یعنی- طرفین -کے قول پر تصویر مسئلہ اور اس میں یہ کہنا کہ ناقضِ وضو نہ پایا گیا۔**فاقول**: (تو اس پر میں کہتا ہوں) کیوں نہیں منی نکلنا بغیر مذی نکلنے کے نہیں ہوتا خواہ نکالنے کے وقت ہو یا خود سے نکلنے کے وقت۔اسی لئے امام شمس الائمہ حلوانی نے رگڑنے سے منی کی طہارت ہونے کو مشکل سمجھا اس لیے کہ ہر نر کو پہلے مذی آتی ہے پھر منی آتی ہے۔اور اشکال کا جواب یہ دیا کہ مذی منی سے مغلوب اس میں مستہلک ہوتی ہے اس لئے اسی کے تابع قرار دے دی جاتی ہے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "یہ ظاہر ہے اس لئے کہ جب واقعہ یہ ہے کہ بغیر مذی کے منی نہیں آتی اور شرع نے خشک ہونے کی حالت میں رگڑنے سے اس کو پاک قرار دیا تو لازم ہے کہ

[1] فتح القدیر، تطہیر الانجاس، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۱۷۴

اما ردالکنوی علیہ **فاقول**:نداء من بعید* وقول من لم یصل الی العنقود* رسخ ببالہ کمااشار الیہ فی مسألۃ المباشرۃ مرتین وافصح عنہ قبلہ وفی عمدۃ الرعایۃ ان الحدث الاصغر لازم للاکبر فان کل ماینتقض بہ الغسل ینتقض بہ الوضوء [1] اھ۔	ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار کیا"۔اھ (ت
	اب رہی مولانا لکھنوی کی تردید۔**فاقول**: دُور کی پکار ہے اور اس کی بات جو خوشہ تک نہ پہنچ سکا ان کے دل میں یہ راسخ ہوگیا جیسا کہ مسئلہ مباشرت میں دو ۲ بار اشارہ کیا اور اس سے پہلے واضح طور سے کہا اور عمدۃ الرعایۃ میں لکھا کہ حدثِ اصغر، حدثِ اکبر کے لئے لازم ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس سے غسل ٹوٹتا ہے اس سے وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اھ۔
وھو **اولا**(۱) بُعد عن فھم المرام*وخروج عمافیہ الکلام*فان البحث فی انفکاك الاکبر عن الاصغر ای ھل توجد جنابۃ بلاحدث اصغر وکل احد(۲) یعلم ان الاصغر لایقال الاعلی مایوجب الوضوء فقط فھو مأخوذ بشرط لافیباین الاکبر صدقا کیف ولاملحظ لوصفہ بالاصغریۃ الاھذا ولوکان لابشرط شیئ لصح ان یقال ان الجنابۃ وانقطاع الحیض والنفاس حدث اصغر ولایقبلہ الاذوجھل اکبر فاذا تباینا صدقا استحال ان یوجد بنفس وجودہ بل لابدلہ من وجود مایوجبہ عینا فھذا معنی قولہ لم یوجد ناقض الوضوء کمااشرنا الی ذلك علی الھامش۔	**اوّلاً**: یہ فہم مقصد سے دُوری اور جس بارے میں کلام ہے اس سے علیحدگی ہے کیونکہ بحث حدث اکبر کے حدث اصغر سے جدا ہونے میں ہے۔یعنی کیا کوئی جنابت حدث اصغر کے بغیر پائی جاتی ہے؟ اور ہر ایک جانتا ہے کہ اصغر اسی کو کہا جاتا ہے جو صرف وضو واجب کرے۔تو یہ شرطِ نفی کے ساتھ (بشرط لا) لیا گیا ہے (یعنی وضو واجب کرے غسل نہ واجب کرے ۱۲ م الف) تو صدق میں اکبر کے مباین ہوگا، کیوں نہ ہو جبکہ اصغریت سے اس کا اتصاف کے لحاظ کی صورت یہی ہے۔اور یہ اگر لابشرط شیئ ہوتا تو یہ کہنا صحیح ہوتا کہ جنابت اور انقطاعِ حیض ونفاس حدث اصغر ہیں اور اسے کوئی جہل اکبر والا ہی قبول کرسکتا ہے۔تو جب دونوں صدق میں ایک دوسرے کے مباین ہیں تو محال ہے کہ اصغر کا وجود اکبر ہی کے وجود سے ہو جائے بلکہ اس کے لئے اس کا وجود ضروری ہے جو معین طور پر اسے لازم کرے تو برجندی کے قول

[1] عمدۃ الرعایۃ مع شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۹۵

وثانیا(۱): اللزوم باطل بماصورنا اٰنفا من جنب توضأ وقد(۲) سلمه الرجل اذخص الصورتین الاخیرتین بالاعتراض ولم یمس الصورة الاولٰی فان کان یعلم ان فیها جنابة ولاحدث فلم هذه الا یرادات وادعاء اللزوم وان کان لایعلمه فلم ترکها من الا یراد فقدعاد فیها ایضا الحدث الاکبر وهو ینقض الغسل والوضوء کلیهما۔

وثالثا(۲): لایخفی مافی قوله وان لم تحصل الجنابة فان الکلام علی قول الطرفین۔

ورابعا(۳): ای محل لهذه الوصل یة فماکان مقصود البرجندی ان الحدث لایوجد بلاجنابة بل ان الجنابة قدتوجد ولاحدث فکان الرد علیه باثبات الحدث فی صورة جنابة یصورها البرجندی للانفکاك لافی صورة عدم الجنابة حتی یقال قد وجد الحدث وان لم تحصل جنابة۔

تنبیه(۴)۔اقول:لربما یقول قائل لیس لموجب غسل قط ان یوجب الوضوء فضلا عن اللزوم وذلك لان من

لم یوجد ناقض الوضوء (ناقض وضو نہ پایا گیا) کا یہی معنی ہے۔ جیساکہ اس کی طرف ہم نے حاشیہ میں اشارہ کیا۔(ت)

ثانیا: اصغر کا لازم اکبر ہونا اس صورت سے باطل ہے جو ابھی ہم نے اوپر بیان کی۔جنب نے وضو کیا اور مولانا لکھنوی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے اس لئے کہ انہوں نے صرف اخیر دو صورتوں پر اعتراض کیا اور پہلی صورت کو ہاتھ نہ لگایا۔اگر جانتے تھے کہ اس صورت میں جنابت ہے حدث نہیں تو یہ اعتراضات اور لزوم کا دعوٰی کیوں؟ اور اگر اسے نہیں جانتے تھے تو اس پر اعتراض کیوں ترک کیا اس میں بھی تو حدث اکبر لوٹ آیا ہے اور وہ غسل و وضو دونوں توڑ دیتا ہے۔

ثالثا: ان کے قول "اگرچہ جنابت نہ حاصل ہُوئی" کی خامی پوشیدہ نہیں۔اس لئے کہ کلام طرفین کے قول پر ہے۔

رابعا: اس وصلیہ (اگرچہ) کا کون سا موقع ہے۔برجندی کا مقصود یہ نہ تھا کہ حدث بلاجنابت نہیں پایا جاتا بلکہ یہ تھا کہ کبھی جنابت بلاحدث ہوتی ہے۔تو اس کا رَد یوں ہوتا کہ برجندی انفکاک ثابت کرنے کے لئے جو صورتِ جنابت پیش کر رہے ہیں اس میں حدث بھی ثابت کیا جاتا،نہ کہ عدمِ جنابت کی صورت میں حدث کا اثبات ہو اور کہا جائے "حدث پالیا گیا اگرچہ جنابت نہ حاصل ہوئی"۔(ت)

تنبیہ۔اقول: شاید کوئی یہ کہے کہ کوئی بھی موجبِ غسل کبھی وضو واجب نہیں کرسکتا اور یہ تو دُور کی بات ہے کہ ہر موجبِ غسل موجبِ وضو بھی ہے۔

ارکان الوضوء المسح ولایوجبه موجب الغسل ومالایوجب الجزء لایوجب الکل۔	سبب یہ ہے کہ ارکانِ وضو میں مسح بھی ہے۔ موجب غسل مسح واجب نہیں کرتا اور جو جز واجب نہ کرے وہ کُل بھی واجب نہ کرے گا۔
وحله کما **اقول**:معنی(۱) المسح الواجب فی الوضوء اصابة بلة ولوفی ضمن اسالة لامایبانها والالما تأدی بغسل الراس واصابة المطر والانغماس وهو باطل قطعا قال فی الفتح والحلیة والبحر و غیرها الاٰلة لم تقصد الاللایصال الی المحل فاذا اصابه من المطر قدر الفرض اجزاء[1] اھ۔	اس کا حل وہ ہے جو میں بیان کرتا ہوں (**اقول**) وضو میں جو مسح واجب ہے اس کا معنی ہے تری پہنچانا اگرچہ پانی بہانے ہی کے ضمن میں ہو۔اس کا معنٰی وہ نہیں جو پانی بہانے کے مباین ہو ورنہ یہ (فرض مسح) سر کو دھونے، بارش پہنچنے،اور غوطہ کھانے سے ادا نہ ہوتا۔اور یہ قطعًا باطل ہے۔فتح القدیر، حلیہ اور بحر و غیرہا میں ہے: "ذریعہ وآلہ صرف محل تک پہنچانے کے لئے مقصود ہے۔تو اگر مقدار فرض پر بارش کا پانی پہنچ جائے کافی ہے"۔
فی المحیط والهندیة اذاغسل الرأس مع الوجه اجزأه عن المسح ولکن(۲) یکره لانه خلاف ماامربه[2] اھ	محیط اور ہندیہ میں ہے: "جب چہرے کے ساتھ سر بھی دھولے تو مسح کی ضرورت نہیں لیکن یہ مکروہ ہے اس لئے کہ جو حکم ہوا ہے اس کے برخلاف ہے"۔اھ
ولاشك ان موجب الغسل یوجب اصابة الرأس ببلة بالاسالة فقد اوجب جمیع اجزاء الوضوء وبالجملة مسح الرأس ماخوذ لابشرط شیئ فیتأدی بالغسل والحدث الاصغر	اب اس میں شک نہیں کہ موجبِ غسل پانی بہانا واجب کرکے سر کو تری پہنچانا واجب کردیتا ہے تو اس نے تمام ہی اجزائے وضو واجب کردیے۔ بالجملہ مسح سر لا بشرط شیئ لیا گیا ہے تو وہ دھونے سے بھی ادا ہوجائے گا اور حدث اصغر بشرط لاشیئ

[1] البحرالرائق فرائض الوضوء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ فرائض الوضوء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۶

ماخوذ بشرط لاشیئ فلایلزم الحدث الاکبر هکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔ **الافادة:** لاشك ان ظاهر الکلام وجوب الوضوء علی جنب معه حدث اذاوجد مایکفی للوضوء فقط وهذا هو مسلك التعویل الذی سلکه القرة باغی ولاشك ان المراد حینئذ بالصورة الاولی التی حکم فیها بعدم وجوب الوضوء عندنا خلافا للامام المطلبی رضی اللہ تعالٰی عنه جنابة لاحدث معها کماصورناه وعلی هذا یکون معنی الکلام ان من له حدث واحد اصغر او اکبر وجد ماء لایکفی لطهره لایستعمله عندنا خلافا للشافعی وهذا قوله حتی اذاکان للجنب وقوله واذاکان للمحدث امااذا اجتمع الحدثان وکفی الماء لاحدهما وجب صرفه الیه فان کان یکفی للوضوء یجب علیه الوضوء وهذا قوله اما اذاکان الخ ولاشك ان التناقض یندفع بهذا الوجه بابین وجه۔	لیا گیا ہے تو وہ لازم حدث اکبر نہیں۔اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور خدا ہی مالک توفیق ہے۔(ت) **افادہ ۲:** اس میں شک نہیں کہ صدر الشریعۃ کا ظاہر کلام یہی ہے کہ وہ جنب جس کے ساتھ کوئی حدث بھی ہے اس پر وضو کرنا واجب ہے جبکہ اسے اتنا ہی پانی ملے جو صرف وضو کے لئے کفایت کرسکے یہی وہ مسلک اعتماد ہے جو فاضل قرہ باغی نے اختیار کیا۔اب پہلی صورت جس میں ہمارے نزدیک امام شافعی مطلبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برخلاف عدم وجوب وضو کا حکم کیا ہے بلاشبہہ اس سے مراد وہ صورت جنابت ہوگی جس کے ساتھ کوئی حدث نہ ہو جیسا کہ ہم نے اس کی شکل پیش کی ہے۔اب معنی کلام یہ ہوجائے گا کہ جسے ایک ہی حدث ہے اصغر یا اکبر اس نے اتنا پانی پایا جو اس کی طہارت کے لئے ناکافی ہے تو ہمارے نزدیک وہ اس پانی کو استعمال نہ کرے گا،بخلاف امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے یہ بات ان کی اس عبارت میں ہے:"اذاکان للجنب ماء یکفی للوضوء لاللغسل ولایجب علیه التوضی عندنا خلافا للشافعی"اور اس عبارت میں بھی:"واذا کان للمحدث ماء یکفی لغسل بعض اعضائه فالخلاف ثابت ایضا"(یعنی جب جنب کے پاس اتنا پانی ہو جو وضو کا کام دے سکے غسل کا نہیں تو وہ تیمّم کرے اور اس پر ہمارے نزدیک،بخلاف امام شافعی کے وضو کرنا واجب نہیں اور جب محدث کے پاس اتنا پانی ہو جس سے بعض ہی اعضاء کو دھوسکے اس صورت میں بھی خلاف ثابت ہے)لیکن جب دونوں حدث جمع ہوجائیں اور پانی ایک ہی کے لئے کفایت کرتا ہو تو اس میں اسے صرف کرنا ضروری ہے۔اگر وضو کے لئے کفایت کررہا ہے تو اس پر وضو واجب ہے یہ بات صدر الشریعۃ کی اس عبارت میں ہے:"اما اذاکان مع

ومانقله اللکنوی من الرد علیه ان کیف اوجب الشافعی الوضوء بلاحدث **فاقول**: هو (۱) رضی الله تعالٰی عنه یوجب استعمال القدر المقدور مطلقا سواء کان محدثا اوجنبا معه حدث اولا فاذاقدر الجنب علی الوضوء وجب وان لم یکن محدثا۔	الجنابة حدث یوجب الوضوء یجب علیه الوضوء (جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث بھی ہو جو وضو واجب کرتا ہے تو اس پر وضو واجب ہے) اس میں شک نہیں کہ اس توجیہ سے بھی تناقض بہت روشن وواضح طور پر دُور ہوجاتا ہے۔(ت) اس پر مولانا لکھنوی نے جو رَد نقل کیا کہ "امام شافعی نے بغیر حدث کے وضو کیسے واجب کردیا"۔ تو اس پر میں کہتا ہوں (**فاقول**) امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ مطلقًا صرف یہ واجب کرتے ہیں کہ جس قدر پانی استعمال کرنے کی قدرت ہو اتنا استعمال کرے۔ خواہ محدث ہو یا ایسا جنب جس کے ساتھ حدث ہو یا ایسا جس کے ساتھ حدث نہ ہو۔ تو جب جنابت والے کو وضو کی قدرت ہو اس پر وضو واجب ہوگا اگرچہ وہ محدث نہ ہو۔(ت)
الافادة: اماتاویل سلکه فی غایة الحواشی وتبعه اللکنوی۔	**افادہ ۳**: وہ تاویل جو غایۃ الحواشی میں اختیار کی اور مولانا لکھنوی نے جس کی پیروی کی اب اس پر کلام کیا جاتا ہے۔
فاقول اولا(۲): لاشك انه ابعد تاویل* ولوساغ مثل الحذف بلادلیل* لاستقام کثیر من الاباطیل*	**فاقول۔اوّلًا**: اس میں شک نہیں کہ یہ سب سے بعید تاویل ہے۔ اگر بغیر کسی دلیل کے حذف جیسی چیز روا ہو تو بہت سی اباطیل درست ہوجائیں گی۔
وثانیا: الحدث(۳) المقارن للتیمم یبطله فلایبقی له ولاللجنابة فکیف قال فالتیمم للجنابة فلم ینفعه تقدیر المضاف۔ **الّا** ان یراد بالتیمّم کونه متیمما ولایکون متیمّما الا اذا تم التیمم و یراد بالمعیة اتصال الزمانین المتعاقبین	**ثانیا**: وہ حدث جو تیمّم کے مقارن ہو اسے باطل کردے گا اب یہ نہ حدث کا رہ جائے گا نہ جنابت کا پھر یہ کیسے کہا: "فالتیمم للجنابة" (تو تیمّم جنابت کا ہے) تو مضاف مقدر ماننا کام نہ آیا۔ مگر یہ کہ تیمّم سے مراد لیا جائے اس کا متیمم ہونا۔ اور وہ متیمم اسی وقت ہوگا جب تیمّم پورا ہوجائے۔ اور معیّت سے مراد ہو یکے بعد دیگرے دو۲ وقتوں کا

بلافصل ای اما اذا ولی حدث تمام التیمم فیستفاد منه تأخر الحدث منه فبعد هذه التکلفات یؤل الامر الی ماسلك الجمهور ان مع بمعنی بعد فاین هذا مما اختاروہ والعجب(۱) ان مؤلف السعایة ردعلیهم ماسلکوہ مع ماله من قرب عتید* وتبع هذا علی تلك التجشمات مع مالها من بعد بعید۔

وثالثا(۲) : یرد علیه بعد تلك التمحلات انه لم قید باتصال الحدث بتمام التیمم فانه ان تأخر عنه ولو طویلا کان الحکم هکذا قطعا۔

ورابعا: علی(۳) اللکنوی خاصة انه لم یقتصر علیه بل زاد فی الطنبور نغمة وفی الشطرنج بغلة فجوز علی حذف المضاف ان یکون مع بمعناہ فهدم لزوم البعدیة التی فیها کان المنجأ رأسا۔

الا ان یضاف له تکلف ثالث ان المراد بالمعیة البعدیة المتصلة وبالبعدیة البعدیة المنفصلة فیکون المعنی علی الاول اما اذا لحق التیمم حدث من فور تمامه وعلی الثانی اما اذالحقه حدث

ایک دوسرے سے ملا ہوا ہونا۔اب معنی یہ ہوگا: "لیکن جب حدث تیمّم مکمل ہونے کے متصلاً بعد ہو"اس سے حدث کا متاخر ہونا مستفاد ہوگا اتنے سارے تکلّفات کے بعد مآل کار وہی ہوگا جو جمہور نے اختیار کیا کہ "مع" بمعنی بعد ہے تو کہاں یہ اور کہاں وہ جو انہوں نے اختیار کیا تعجب ہے کہ مؤلف سعایہ نے مسلک جمہور کی تو تردید کی جبکہ وہ عبارت سے بہت قریب تھا۔اور اس مسلک کا اتنے سارے تکلفات کے باوجود اتباع کیا جبکہ یہ سب بہت بعید ہیں۔

ثالثا: ان سارے تکلفات کے بعد بھی اس پر یہ اعتراض وارد ہوگا کہ تکمیل تیمّم سے حدث کے متصل ہونے کی قید کیوں؟اگر حدث اس سے بہت زیادہ بعد میں ہو جب بھی تو حکم قطعًا اور یقینی یہی ہے۔

رابعا: مولانا لکھنوی پر خاص طور سے یہ اعتراض بھی ہوگا کہ انہوں نے اسی پر اکتفانہ کی بلکہ طنبور میں ایک نغمہ اور شطرنج میں ایک بغلہ اور بڑھا یا کہ حذف مضاف کے ساتھ یہ بھی جائز رکھا کہ "مع"اپنے معنی ہی میں رہے۔اس طرح انہوں نے اس بعدیت کے لزوم کو بالکل ہی ڈھادیا جس میں کچھ جائے پناہ تھی۔

مگر یہ کہ اس کے لئے ایک تیسرا تکلّف بھی بڑھالیا جائے کہ معیت سے مراد بعدیت متصلہ،یا بعدیت سے مراد بعدیت منفصلہ بر تقدیر اول معنٰی یہ ہوگا: لیکن جب تیمّم کو کوئی حدث اس کے تام ہوتے ہی لاحق ہو اور بر تقدیر ثانی یہ معنی

متأخر عنه بزمان وانت تعلم ان (۱) کلا القیدین ضائع۔

الافادة۴: مادندن به اللکنوی علی الجماعة وتلخیصه ان بعدیة الحدث عن الجنابة حاصلة اذا تأخر حدوثه عنها قبل التیمم فاٰل الاشکال کماکان یریدبه انهم اخطؤا فی ترك ماارتکبه هو وغایة الحواشی من تقدیر المضاف فان البعدیة عن الجنابة لاتغنی مالم یکن بعد التیمم۔

فاقول: بل(۲)هو الذی اخطأ وارتکب فی کلامهم ایضا تقدیر مضاف تسویة للرد علیهم وذلك ان البعدیة زمانیة ولایجتمع فیها القبل مع البعد والجنابة باقیة مالم ترتفع بغسل اوتیمم فان حدث حدث قبله فقد اجتمع مع الجنابة فلم یکن بعدها بل معها نعم کان بعد حدوثها وماقالوه بل المعترض هو الذی اضاف هذا المضاف الٰی کلامهم فثبت ان الحدث لایکون بعد الجنابة الا اذاحدث بعد زوالها وهو ههنا بالتیمم فتأخره عن التیمم مفاد نفس اللفظ هکذا تفهم کلمات العلماء ولله الحمد فظهران احسن التأویلات الامام للعهد

ہوگا: لیکن جب اسے کوئی ایسا حدث لاحق ہو جو وقت میں اس سے کچھ متاخر ہو۔ ناظر پر یہ بھی واضح ہے کہ دونوں ہی قید میں بیکار ہیں۔(ت)

افادہ۴: فاضل لکھنوی نے جماعت پر جو بے جا رد کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدث کا بعد جنابت ہونا اس صورت میں بھی حاصل ہے جب حدث جنابت کے بعد، تیمّم سے پہلے پیدا ہو تو اشکال بدستور لوٹ آئے گا۔ مقصد یہ ہے کہ مضاف مقدر ماننے کا عمل جس کا انہوں نے اور غایۃ الحواشی نے ارتکاب کیا جمہور نے اسے چھوڑ کر غلطی کی اس لئے کہ حدث کا بعد جنابت ہونا کچھ کارآمد نہیں جب تک کہ بعد تیمّم نہ ہو۔

اقول: بلکہ انہوں نے ہی خطا کی اور کلام جمہور میں بھی ایک زائد بات ماننے کا ارتکاب کیا تاکہ ان کی تردید کی راہ ہموار ہوسکے وہ یہ کہ بعدیت زمانی ہے جس میں قبل، بعد کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتا۔ اور جنابت باقی ہے جب تک غسل یا تیمّم سے دُور نہ ہو۔ تو اگر اس سے پہلے کوئی حدث پیدا ہوا تو وہ جنابت کے ساتھ جمع ہوگیا اس طرح اس کے بعد نہ ہوا بلکہ ساتھ ہُوا۔ ہاں اس کے حدوث کے بعد ہوا حالانکہ جمہور نے یہ نہ کہا بلکہ خود معترض ہی نے یہ مزید ان کے کلام میں زیادہ کردیا تو ثابت یہ ہوا کہ حدث بعد جنابت اُسی وقت ہوگا جب جنابت ختم ہونے کے بعد ہو۔ اور یہاں جنابت کا ختم ہونا تیمّم سے ہے۔

تاویل الجماعۃ وانہ لاصحۃ لمزعومات غایۃ الحواشی والسعایۃ الا اذا ارجعت الیہ۔

الافادۃ۵: اذاعلمت ان لامحید الاالبعدیۃ فالمراد بالصورۃ الاولی ما اذالم یکن معہا حدث اوکان قبل التیمم فمعنی الکلام ان الجنب الفاقد الغسل فی کلا الوجھین ان وجد وضوء لایتوضأ بل یتیمم خلافا للشافعی اما اذاکان حدث بعد ماتیمم لہا فحینئذ یجب علیہ الوضوء وھذا کلام صحیح عین مامر عن شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی وغیرہ وبہ انحلت الشبہۃ الخامسۃ ومعہا شبہۃ التناقض ایضا باصح وجہ واحسنہ۔

الافادۃ ۶: قولہ فالتیمم للجنابۃ لاشك ان اللام فیہ للعھد ای التیمم المذکور الصادر من جنب معہ وضوء لان فرض المسألۃ فیہ اوبدل عن المضاف الیہ ای تیمم الجنب المذکور فمن البدیھی بطلان کون للاستغراق اوالطبیعۃ وکذا اخذ المضاف الیہ مطلق الجنب فانہ ان ارید التخصیص ای تیمم کل جنب

تو حدث کا تیمّم سے متاخر ہونا خود اس لفظ ہی سے مستفاد ہے اسی طرح علماء کے کلمات سمجھے جاتے ہیں۔اور خدا ہی کے لئے حمد ہے۔تو واضح ہوا کہ درست تاویلات میں سب سے بہتر تاویل،جماعت کی اختیار کردہ تاویل ہے اور یہ بھی واضح ہوا کہ غایۃ الحواشی اور سعایہ کے مزعومات میں کوئی درستی وصحت نہیں مگر اسی وقت جبکہ وہ تاویل جماعت کی طرف راجع ہوں۔(ت)

افادہ ۵: جب یہ معلوم ہوا کہ چارہ کار بعدیت ہی ہے۔صورت اولی سے مراد وہ ہے جب جنابت کے ساتھ کوئی حدث نہ ہو یا تیمّم سے پہلے ہو۔تو معنی کلام یہ ہُوا کہ جنب جسے ان دونوں صورتوں میں آبِ غسل دست یاب نہیں اگر اسے آبِ وضو مل جائے تو وضو نہیں کرے گا بلکہ تیمّم کرے گا،بخلاف امام شافعی کے لیکن جب کوئی حدث جنابت کا تیمّم کرلینے کے بعد ہو تو اب اس پر وضو واجب ہے۔یہ درست کلام ہے ٹھیک یہی بات امام اسبیجابی کی شرح طحاوی وغیرہ کے حوالہ سے گزری اسی سے پانچواں شبہہ حل ہوگیا اور اس کے ساتھ شبہہ تناقض بھی اصح واحسن طریقہ پر حل ہوگیا۔(ت)

افادہ ۶: ان کی عبارت "فالتیمم للجنابۃ" میں لام بلاشبہہ لام عہد ہے یعنی تیمّم مذکور جو ایسے جنب سے عمل میں آیا جس کے پاس آبِ وضو ہے۔اس لئے کہ مسئلہ اسی کے بارے میں فرض کیا گیا ہے یا یہ لام مضاف الیہ کے عوض ہے یعنی جب مذکور تیمّم جب واقعہ یہ ہے تو بدیہی بات ہے کہ اس کا لام استغراق یا لام طبیعت وماہیت ہونا باطل ہے۔اسی طرح

انما یکون للجنابة لا غیر فبطلانه ظاهر حتی علی مسلك التعویل فان جنبا معه حدث ولاماء یکون تیممه للحدثین قطعا الاتری الی قول شرح الوقایة نفسه اذاکان به حدثان حدث یوجب الغسل کالجنابة وحدث یوجب الوضوء یکفی تیمم واحد عنهما [1] اھ وان لم یرد کانت المقدمة القائلة ان کل جنب یتیمم للجنابة خالیة عن الافادة لانه معلوم لکل احد ولایصلح تعلیلا ولاتفریعا وبه استبان ان الامام فی قوله للجنابة لام التخصیص فکان المعنی ان تیمم الجنب المذکور للجنابة خاصة۔

الافادة ۷: تعلق قوله بالاتفاق بکون التیمم للجنابة هو الظاهر المتبادر من العبارة لانه انما یفهم عائدا الی الجملة المذیلة به۔

اقول: لکن لاصحة له اصلا لان فرض المسألة فی جنب له ماء یکفی للوضوء ووجود ماء مامطلقا وان قل وان لم یکف للوضوء ایضا مانع للتیمم مطلقا عند الامام المطلبی سواء کان المتیمم

مضاف الیہ مطلق جنب لینا بھی باطل ہے۔اس لئے کہ اگر تخصیص مراد ہو یعنی ہر جنب کا تیمّم صرف جنابت کے لئے ہوتا ہے اور کسی چیز کے لئے نہیں۔تو اس کا بطلان ظاہر ہے یہاں تک کہ مسلک اعتماد پر بھی۔کیونکہ وہ جنب جس کے ساتھ کوئی حدث بھی ہو اور پانی نہ ہو اس کا تیمّم یقینا دونوں ہی حدث کے لئے ہوگا خود شرح وقایہ کی یہ عبارت دیکھئے:"جب اسے دو حدث ہوں،ایک حدث غسل واجب کرتا ہے،جیسے جنابت اور ایک حدث وضو واجب کرتا ہے تو ایک ہی تیمّم دونوں سے کافی ہے"اھ اور اگر تخصیص نہ مراد ہو تو یہ مقدمہ کہ"ہر جنب جنابت کا تیمّم کرے گا" غیر مفید ہو جائے گا کیونکہ یہ تو سبھی کو معلوم ہے اور نہ تعلیل بن سکے گی نہ تفریع۔اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ"للجنابة"میں لام،لام تخصیص ہے تو معنٰی یہ ہوگا کہ جنب مذکور کا تیمّم خاص جنابت کے لئے ہے۔(ت)

افادہ۷: لفظ"بالاتفاق"کا تعلق تیمّم کے جنابت کے لئے ہونے سے ہی ظاہر اور عبارت سے متبادر ہے اس لئے کہ سمجھ میں یہی آتا ہے کہ جس جملہ کے ذیل میں یہ لفظ رکھا گیا ہے اسی کی طرف راجع ہے۔

اقول: لیکن یہ بالکل درست نہیں اس لئے کہ مسئلہ اس جنب کے بارے میں فرض کیا گیا ہے جس کے پاس وضو کے لئے آب کافی موجود ہے اور مطلقًا کسی بھی پانی کا موجود ہونا اگرچہ کم ہی ہو،اگرچہ وضو کے لئے بھی کافی نہ ہو

---

[1] شرح الوقایہ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۹۹

جنبا اومحدثا لانه یحمل قوله عزوجل فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً علی الاستغراق مع الاطلاق فکیف یوافقنا فی شیئ من الصور علی کون تیمم جنب له بعض الماء للجنابة بل باطل عنده لفقد شرطه وهو عدم الماء مطلقا والباطل لایکون لشیئ اللّهم الا علی مسلك التعویل وجعل الفاء للتفریع، وفرض التیمم بعد الوضوء لوقوعه ح عند نفاد الماء ولامساغ له علی مسلك التاویل لان فیه التیمم قبل الحدث فکیف یکون بعد الوضوء وکذا علی مسلك التعویل واخذ لان للتعلیل اذلامعنی لقولك یجب الوضوء لان التیمم ان وقع بعده یکون للجنابة بالاتفاق ومسلك التعویل نفسه من الاباطیل فلاصحة لتعلقه بمایلیه وبه(۱) استبان قلة فهم الذی عـه زعم ان قوله بالاتفاق متعلق بوجوب الوضوء اوبکون التیمم للجنابة [1] اھ فخیربین الصحیح والباطل، وقد(۲) اضطرب کلامه فیه فاقرفی سعایته تعیین تعلقه بیجب وقال فی عمدة فی تقریر الایراد الرابع ان فی الصورة السابقة ایضا التیمم للجنابة اتفاقا [2] اھ فجعله متعلقا

امام شافعی کے نزدیک تیمّم سے مطلقًا مانع ہے خواہ تیمّم کرنے والا جنب ہو یا محدث وجہ یہ ہے کہ وہ ارشاد باری عزّوجل "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً" (پھر تم کوئی پانی نہ پاؤ) کو استغراق مع اطلاق پر محمول کرتے ہیں تو وہ ہمارے ساتھ کسی بھی صورت میں اس پر کیسے اتفاق کرسکتے ہیں کہ وہ جنب جس کے پاس کچھ پانی موجود ہے اس کا تیمّم جنابت کے لئے ہوگا بلکہ ان کے نزدیک ایسے جنب کا تیمّم ہی باطل ہے کیونکہ تیمّم کی شرط مطلقًا پانی نہ ہونا ہی مفقود ہے۔ اور جو باطل ہو وہ کسی چیز کے لئے نہیں ہوسکتا ہاں اگر مسلک اعتماد لیا جائے اور ف کو تفریع کے لئے قرار دیا جائے،

اور فرض کیا جائے کہ تیمّم بعد وضو ہے تو معنی مذکور صحیح ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس صورت میں تیمّم اس وقت ہوگا جب پانی ختم ہوچکا ہو اور مسلک تاویل پر معنی مذکور کی گنجائش نہیں۔ اس لئے کہ اس میں تیمّم قبل حدث ہوگا تو بعد وضو کیسے ہوسکے گا؟ اسی طرح جب مسلک اعتماد مان کر فابرائے تعلیل قرار دیں تو بھی معنی بالا صحیح نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ اس تقدیر پر کلام یہ ٹھہرے گا کہ "وضو کرنا واجب ہے اس لئے کہ تیمّم اگر اس کے بعد ہوگا تو بالاتفاق جنابت کے لئے ہوگا" یہ کلام ہی بے معنی ہے اور مسلک

عـه: هو صاحب عمدة الرعایة اللکنوی ۱۲

(صاحبِ عمدۃ الرعایۃ فاضل لکھنوی ۱۲۔ت)

[1] عمدۃ الرعایۃ مع شرح الوقایۃ، باب التیمم، المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۹۵
[2] عمدۃ الرعایۃ مع شرح الوقایۃ، باب التیمم، المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۹۵

بمایلیه ثم ذکر هذا التخییر ثم قال متصلا به اویقال معناه فالتیمم ثابت اوباق للجنابة اتفاقا[1] اھ فعاد(۱) الی الباطل الصریح ولایدری مامعنی(۲) اوعطفا علی التخییر فان هذا داخل فیه الا ان یرید انه مخیربین الحق والباطل اولاتخییر بل علی الباطل عینا۔ هذا۔

اعتماد خود باطل ہے تو جس عبارت کے بعد یہ لفظ ہے اس سے اس کا تعلق کسی طرح درست نہیں۔ اسی سے اس کی کم فہمی بھی عیاں ہوگئی، جس کا یہ خیال ہے کہ "لفظ بالاتفاق یا تو وجوب وضو سے متعلق ہے یا تیمّم کے جنابت کے لئے ہونے سے متعلق ہے" اھ یہ کہہ کر صحیح اور باطل کے درمیان تخییر کی راہ اختیار کی۔

اور اس بارے میں قائل مذکور کا کلام اضطراب وانتشار کا حامل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ (۱) سعایہ میں تو یہ صورت متعین رکھی کہ اس کا تعلق "یجب" (وجوبِ وضو) سے ہے (۲) اور عمدۃ الرعایہ میں اعتراض چہارم کی تقریر میں یہ لکھا کہ "سابقہ صورت میں بھی تیمّم جنابت کے لئے ہے اتفاقاً" اھ اس میں اس لفظ کو اسی عبارت سے متعلق قرار دیا جس سے یہ متصل ہے (۳) پھر یہی تخییر والی بات ذکر کی (۴) پھر اسی سے متصل یہ لکھ دیا کہ "یا یہ کہا جائے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ پس تیمّم جنابت کے لئے ثابت یا باقی ہے اتفاقاً اھ اس عبارت میں پھر باطل صریح کی طرف عود کیا قائل کو یہ پتا نہیں کہ تخییر پر عطف کرکے "او" کہنے کا کیا معنٰی ہوگا؟ یہ بھی تو اس میں داخل ہے۔ مگر یہ مقصد ہوسکتا ہے کہ حق اور باطل دونوں کے درمیان تخییر دی جائے یا تخییر بالکل نہ ہو بلکہ ٹھیک باطل ہی متعین ہو یہ ذہن نشین رہے۔ (ت)

واقول: بل لوکان فرض المسألة وجدان الماء بعد التیمم لم یستقم الکلام ایضا اما علی مسلك التعویل فظاھر لان الصورة الاخیرة فیه اجتماع الحدثین فاذا وجد اوعدم الماء وتیمم کان عنهما بالوفاق لا عن الجنابة خاصة عند احد من الفریقین اما مذهبنا فمعلوم واما مذهب السادة الشافعیة فقال الامام ابن حجر المکی الشافعی فی فتاواه الکبری من علیه جنابة وحدث اصغر یکفیه لهما تیمم واحد وهذا واضح جلی لان

واقول: اگر مسئلہ کی صورتِ مفروضہ یہ ہوتی کہ تیمّم کے بعد پانی پاجائے تو بھی بات نہ بنتی۔ مسلک اعتماد پر تو ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اس میں صورت اخیرہ یہ ہے کہ دونوں حدث جمع ہوں تو وہ پانی پائے اور تیمّم کرے یا نہ پائے اور تیمّم کرے بہر تقدیر تیمّم دونوں ہی حدث سے ہوگا۔ کسی بھی فریق کے نزدیک خاص جنابت سے نہ ہوگا۔ اس بارے میں ہمارا مذہب تو معلوم ہی ہے۔ حضرات شافعیہ کا مذہب ملاحظہ ہو۔ امام ابن حجر مکی شافعی اپنے فتاوٰی کبرٰی میں رقم طراز ہیں: "جس پر جنابت اور حدث اصغر دونوں ہیں اسے دونوں کے لئے ایک ہی

التیمم عن الحدث الاصغر وعن الاکبر حقیقتهما

تیمّم کافی ہے۔ اور یہ روشن وواضح ہے اس لئے کہ تیمّم حدثِ اصغر

[1] عمدۃ الرعایۃ مع شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۹۵/۱

ومعناهما وصورتهما ومقصودهما واحد فلایتخیل منع الاندراج ولانه یلزم علی الامر بتیمّمین متوالیین مایشبه العبث لانه اذاتیمم اولا لاستباحة الصلاة استباحها به فایجاب الثانی عبث لا فائدة فیه [1] اھ هذا فی الابتداء۔ وان ارید البقاء ای ان بعد وجدانه یبقی للجنابة بالاتفاق فباطل اذیبطل عنده رأسا بوجدان ماء مامطلقا لفقدان شرطه واما علی مسلك التاویل والصورة الاخیرة فیه الحدث بعد التیمم فان ارید بقاء کماافصح به الشرنبلالی فظاهر البطلان کمامر اٰنفا غیر انه رحمه الله تعالٰی لم یذیله بالاتفاق فسلم بخلاف ذلك عــه الذی قال فالتیمم باق اتفاقا فانه وقع فی خطأ مظلم*وان ارید ابتداءً فنعم هو متفق علیه کونه اذ ذاك للجنابة خاصة لعدم الحدث حینئذ لکن لفظة بالاتفاق تقع عبثا و موهمة غلط اما الاول فلانه اذابطل عنده بالوجدان فمافائدة وفاقه البائن واما الاخیر فلان	اور تیمّم حدثِ اکبر دونوں کی حقیقت، دونوں کا معنی، دونوں کی صورت اور دونوں کا مقصود ایک ہی ہے تو یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ ایک دوسرے میں مندرج نہیں ہوسکتا۔ اور ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اگر پے درپے دو تیمّم کا حکم دیا جائے تو ایک بیکار وعبث ساکام کرنا لازم آئے گا کیوں کہ جب اس نے پہلی بار اباحت نماز حاصل کرنے کے لئے تیمّم کرلیا تو اس سے جوازِ نماز حاصل کرلیا پھر دوسرا تیمّم واجب کرنا عبث ہے جس میں کوئی فائدہ نہیں" اھ یہ حکم ابتدا کا ہُوا۔ اگر بقامراد ہو یعنی پانی کی دستیابی کے بعد تیمّم بالاتفاق جنابت کے لئے باقی رہے گا تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ امام شافعی کے نزدیک کسی بھی آب مطلق کی دستیابی کے وقت تیمّم سرے سے باطل ہے کیونکہ ان کے طور پر اس کی شرط (عدم ماءِ مطلق) ہی مفقود ہے اب رہا مسلک تاویل (بصورت مفروضہ بالا اس مسلک کی بنیاد پر بھی بات نہ بنے گی جس کی تفصیل یہ ہے ۱۲ ام الف) اس میں صورت اخیرہ یہ ہے کہ حدث تیمّم کے بعد ہو تو اگر بقاءً مراد ہو جیسا کہ شرنبلالی نے اسے غیر مبہم طور پر کہا تو اس کا بطلان ظاہر ہے جس کی

عــه هو اللکنوی المذکور	(فاضل لکھنوی مذکور ۱۲ ت)

[1] فتاوٰی کبرٰی لابن حجر مکی، باب التیمم، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۷۰/۱

ذکرھا فی الصورۃ الاخیرۃ لاسیما بمقابلۃ الاختلاف المذکورفی الاولی یفید عدم الاتفاق فی الاولٰی ولیس کذلك لان فی الاولٰی ان لم یکن حدث کان للجنابۃ وحدھا بالاتفاق وانکان کان لھما بالوفاق انما الاختلاف ثمہ فی بقاء التیمم عندنا وانتقاضہ عندہ بوجدان ماء غیر کاف وبالجملۃ قولہ بالاتفاق یجب صرفہ الی قولہ یجب کمافعل فی غایۃ الحواشی نعما فعل۔

اقول: وبہ ظھر اوّلًا انہ(۱)کان الانسب للدرر تقدیم قولہ بالاتفاق علی قولہ فالتیمم لانہ بصدد ایضاح کلامہ الصدر الامام وان یز]یح عنہ الاوھام۔

وثانیا:(۲)ان صاحب غایۃ الحواشی مع تصریحہ بتعلقہ بیجب لم یحسن فی ضمہ مع الجملۃ التالیۃ ایضا اذقال

وجہ ابھی بیان ہُوئی ہاں علّامہ شرنبلالی نے یہ صورت لکھ کر اس کے بعد "بالاتفاق" نہ کہا اس لئے وہ سلامت رہے۔بخلاف اس قائل کے جس نے یہ لکھ دیا کہ "تیمّم باقی ہے اتفاقاً" وہ تو تاریک خطا میں پڑ گیا۔اور اگر ابتداءً مراد ہو تو وہاں یہ متفق علیہ ہے کہ وہ تیمّم اس صورت میں خاص جنابت کے لئے ہوگا کیونکہ اس صورت میں حدث ہے ہی نہیں لیکن اس تقدیر پر لفظ "بالاتفاق" عبث اور ایک غلطی کا وہم پیدا کرنے والا ٹھہرے گا عبث اس لئے کہ جب یہ تیمّم امام شافعی کے نزدیک پانی کی دستیابی کی وجہ سے باطل ہے تو ان کے اس اختلاف آمیز اتفاق سے فائدہ کیا؟ ابہام غلط اس لئے کہ یہ لفظ صورتِ اخیرہ میں خصوصًا صورتِ اولٰی میں ذکر شدہ اختلاف کے مقابل ذکر کرنے سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صورتِ اُولٰی میں اتفاق نہیں حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔اس لئے کہ پہلی صورت میں بھی اگر حدث نہ ہو تو تیمّم صرف جنابت ہی کے لئے ہوگا بالاتفاق اور اگر حدث بھی ہو تو دونوں ہی کے لئے ہوگا بلااختلاف وہاں اختلاف صرف اس بارے میں ہے کہ ہمارے نزدیک تیمّم باقی رہے گا اور ان کے نزدیک غیر کافی پانی کی دست یابی سے ٹوٹ جائے گا۔بالجملہ لفظ "بالاتفاق" کو ان کے قول "یجب" (وجوب وضو) کی جانب پھیرنا لازم ہے جیسا کہ غایۃ الحواشی میں کیا اور خوب کیا۔(ت)

اقول: اس سے چند باتیں اور واضح ہوگئیں اوّلًا دررالحکام میں لفظ "بالاتفاق" کو لفظ "فالتیمم" سے پہلے رکھنا انسب تھا کیوں کہ صاحبِ درر اپنی اس عبارت سے صدر الشریعۃ کے کلام کو واضح کرنا اور اس سے اوہام دُور کرنا چاہتے ہیں۔

ثانیا: "یجب" سے لفظ مذکور کے تعلق کی صراحت کرنے کے باوجود صاحب غایۃ الحواشی نے بھی اس لفظ کو بعد والے جملہ سے ملا کر اچھا نہ کیا

مع انہ تیمم للجنب اتفاقا[1]

انہوں نے اپنی عبارت میں یہ کہا: "مع انہ تیمّم للجنب اتفاقاً" (تو وضو واجب ہے باوجودیکہ یہ جنب کا تیمّم ہے اتفاقاً)

وثالثاً: بطلان(۱) الایراد الرابع المنقول فی السعایۃ مع التقریر ان کون التیمم للجنابۃ بالاتفاق مشترك بین الصورتین فانہ لیس لشیئ اصلا عند الامام الشافعی فی کلا الوجھین۔ فان استعفی عن لفظۃ بالاتفاق واقتصر علی ان کونہ للجنابۃ مشترك بین الصورتین لااختصاص لہ بھذہ الصورۃ اندرج فی الایراد السابق علیہ وسیأتیك الجواب عنہ بعونہ تعالٰی۔

ثالثاً: چوتھا اعتراض جو سعایہ میں اس تقریر کے ساتھ منقول ہے کہ "تیمّم کا بالاتفاق جنابت کے لئے ہونا دونوں ہی صورتوں میں مشترک ہے" (یہ اعتراض و تقریر) باطل ہے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں یہ تیمّم امام شافعی کے نزدیک کسی چیز کے لئے نہیں۔
اب اگر لفظ "بالاتفاق" سے دستبردار ہو کر صرف یہ کہیں کہ "تیمّم کا جنابت کے لئے ہونا دونوں ہی صورتوں میں مشترک ہے اسی صورت کے ساتھ اسے کوئی اختصاص نہیں" تو یہ بات اسی اعتراض میں شامل ہو جائے گی جو اس سے پہلے ان پر کیا۔ اور بعونہٖ تعالٰی اس کا جواب عنقریب سامنے آرہا ہے۔ (ت)

الافادۃ۸: نختار ان الفاء للتفریع کما مشی علیہ العلامۃ الشرنبلالی وغایۃ الحواشی وقول(۲) السعایۃ لامحصل لہ لان کون ھذا التیمم للجنابۃ خاصۃ لم ینشأ الا من وجوب الوضوء للحدث اذ لولم یجب لکان التیمم لھما معا لاستحالۃ ان تجوز صلاۃ مع الحدث فلابد ان یعتبر التیمم المذکور رافعا لہ اودافعا

افادہ ۸: ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ ف تفریع کے لئے ہے جیسا کہ اسی راہ پر علّامہ شرنبلالی اور غایۃ الحواشی کے روش ہے۔ اور سعایہ کا اسے لاحاصل بتانا خود لاحاصل ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس تیمّم کا خاص جنابت کے لئے ہونا اسی امر سے پیدا ہوا کہ حدث کے لئے وضو واجب ہے، اس لئے کہ اگر یہ وجوب نہ ہوتا تو تیمّم حدث وجنابت دونوں ہی کے لئے ہوتا کیونکہ حدث کے ساتھ کسی نماز کا جواز محال ہے تو یہ ماننا ضروری ہے

[1] السعایۃ باب التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۹۰

وان کان الاخیر لیس له فی الشرع نظیر فاستلزام محال محالا غیر محال۔

الافادة۹: نختار انها للتعلیل وزعم(۱) السعایة اشتراك العلة مردود اما علی مسلك التاویل مع اجتماع الحدثین فی الصورة الاولی فظاهر لان التیمم طرأ علیهما فرفعهما معا فکیف یختص بالجنابة واما علیه مع انفراد الجنابة فی الصورة الاولی وعلی مسلك التعویل فاختصاص(۲) شیئ بشیئ تارة یکون لانحصار الوجود فیه واخری لتفرده به من بین مشارکاته فی الوجود ومعلوم بداهة ان هذا هو المراد هنا فانه اذا وجد حدث ولم یقع التیمم الاعن الجنابة لم یغن عن الحدث ووجب الوضوء بخلاف مااذا لم یکن حدث فلای شیئ یجب وهذا الوجه من الاختصاص غیر مشترك فظهر ان الفاء تحمل الوجهین فقصر(۳) الشرنبلالی وغایة الحواشی علی احدهما وقع وفاقا لاداعی الیه بل التعلیل هو(۴) الاظهر الازهر فان کون التیمم لخصوص الجنابة غیر مقصود هنا بالافادة والله تعالٰی اعلم۔

کہ تیمّم مذکور اسے رفع کرنے والا ہے یا دفع کرنے والا ہے اگر اخیر ہو تو شرع میں اس کی کوئی نظیر نہیں تو ایک محال کا دوسرے محال کو مستلزم ہونا کوئی محال نہیں۔(ت)

افادہ ۹: ہم یہ اختیار کرتے ہیں کہ فا تعلیل کے لئے ہے اور سعایہ کا یہ خیال کہ "علت مشترک ہے" غلط ہے یہ مسلک تاویل پر جبکہ پہلی صورت میں دونوں حدث جمع ہوں ظاہر ہے اس لئے کہ تیمّم نے دونوں حدثوں پر طاری ہوکہ دونوں ہی کو رفع کیا تو وہ جنابت کے ساتھ خاص کیسے ہوگا؟ اور مسلک تاویل پر جب کہ پہلی صورت میں جنابت بلاحدث ہو اور مسلک اعتماد پر وجہ یہ ہے کہ ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ خاص ہونا کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا وجود اسی میں منحصر ہے اور کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ یہ اس کے مشارکات فی الوجود کے درمیان اسی کے ساتھ متفرد ہے۔ اور بداہۃً معلوم ہے کہ یہاں پر یہی مراد ہے اس لئے کہ جب کوئی حدث پایا جائے اور تیمّم صرف جنابت کا واقع ہو تو حدث کا کچھ کام نہ کرسکا اور وضو واجب ہوا بخلاف اس صورت کے جبکہ کوئی حدث پا یا جائے اور تیمّم صرف جنابت کا واقع ہو تو حدث کا کچھ کام نہ کرسکا اور وضو واجب ہوا بخلاف اس صورت کے جبکہ کوئی حدث موجود ہی نہ ہو پھر کس چیز کے لئے وضو واجب ہوگا۔ یہ وجہ اختصاص مشترک نہیں۔ اس بیان سے ظاہر ہوا کہ فامیں تفریع و تعلیل دونوں ہی احتمال جاری ہیں۔ تو شرنبلالی اور غایۃ الحواشی کا صرف ایک ہی کو ذکر کرنا محض اتفاقاً واقع ہوا اس کا کوئی داعی نہیں ہے بلکہ احتمال تعلیل ہی زیادہ ظاہر وروشن ہے۔ اس لئے کہ یہاں یہ بتانا مقصود نہیں کہ تیمّم خاص جنابت ہی کے لئے ہے۔ اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے۔(ت)

الافادة۱۰: تبین الجواب الصواب بحمد الجلیل*عن الاسئلة الخمسة کلها علی مسلك التاویل*وعن غیر الخامس علی مسلك التعویل*وظهر ان اقواها السؤال الاخیر الجلیل*و هو الذی دعا العلماء الی الانکار اوالتاویل*وان السؤال الاول لیس باشکال*بل سریع الانحلال*وکذا الثانی کشفه رخیص*ان لم یمزج بالخامس العویص*اما الثالث والرابع الذان اُتت بهما السعایة*فانهما واهیان الی الغایة*وبقاء الخامس علی مسلك التعویل هو الذی نادی علیه بالرحیل*لمصادمته الدلائل القاهرة*والنصوص الزاهرة*ولم ار من یختاره و یرتضیه الا القره باغی فی الحاشیة ولم یات اصلا بشیئ یغنیه*فقوله تکلّف بعید الاخذ من العبارة۔

اقول: نعم(۱) لمازاد چلپی من حدیث اللمعة ارجاعاله الی ما یاتی عن الشارح والافلیس فیه الاخذ مع بمعنی بعد ولیس فیه بُعد فقد فی الکتاب العزیز۔**قوله:** یلزم التکرار۔

افادہ ۱۰: بحمد رب جلیل مسلک تاویل پر پانچوں اعتراضات کا جواب اور مسلک اعتماد پر پنجم کے سوا باقی سب کا جواب واضح ہوگیا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ سب سے قوی اعتراض پانچواں ہے یہی علماء کے لئے انکار وتاویل کا باعث بنا۔اور پہلا اعتراض کوئی مشکل نہیں بلکہ بہت جلد حل ہوجاتا ہے اسی طرح دوسرے کا جواب بھی آسان ہے اگر پانچویں مشکل سوال کے ساتھ اس کو نہ ملایا جائے__ رہا تیسرا اور چوتھا جن کو سعایہ نے پیش کیا تو یہ انتہائی کمزور ہیں مسلک اعتماد پر پانچویں اعتراض کا باقی رہ جانا یہی وہ امر ہے جو اس کے لئے کوچ کا اعلان کررہا ہے کیونکہ وہ قاہر دلائل اور روشن نصوص سے متصادم ہے۔میں نے قرہ باغی محشّٰی کے سوا کسی ایسے کو نہ دیکھا جس نے اس مسلک کو اختیار وپسند کیا ہو۔اور قرہ باغی قطعًا کوئی کام کی بات نہ لاسکے۔(اب ان کے خیال اور عبارت کا تھوڑا تجزیہ ملاحظہ ہو ۱۲م الف) قول قرہ باغی: چلپی کا کلام سراسر تکلف ہے عبارت سے یہ معنی ماخوذ ہونا بہت بعید ہے۔(ت)

اقول: ہاں اس لئے کہ انہوں نے حضرت شارح کے کلام آئندہ کی طرف راجع کرنے کی غرض سے لمعہ کی بات بڑھادی ورنہ اس تاویل میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ مع کو بعد کے معنی میں لیا ہے،اور اس میں کوئی بُعد نہیں یہ تو قرآن عزیز میں بھی ہوا ہے (فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۝)۔قول قرہ باغی: تکرار لازم آتی ہے۔

اقول: اولا(۱): فکان ما ذا اذا ذکر ضابطة تشمل فروعا ثم بعد حین اورد فرعا منها لتبین حکم یعد تکرار فاذا لم یقبح مع تقدم ذکرہ فی الضابطة کیف یقبح ولم تذکر بعد۔ **وثانیا**: لو(۲) تتبعت ماوقع (۳) لهم و للشارح الامام من تکرر^{عہ} الافادات لاعیاك طلبها۔ **قوله**: ولعله انما ارتکبه زعما۔۔الخ۔ **اقول**: من(۴) این لکم هذا وانما	**اقول: اوّلًا**: تکرار لازم آتی ہے تو کیا ہوگا۔ جب کوئی ایسا ضابطہ بیان کیا جائے جو بہت سی جزئیات کو شامل ہو پھر کچھ آگے کسی حکم کو واضح کرنے کے لئے ان میں سے کوئی جزئیہ لایا جائے تو اسے تکرار شمار کیا جائے گا؟ جب یہ ضابطہ کے تحت پہلے مذکور ہونے کے باوجود بُرا نہیں تو یہ کیسے قبیح ہوگا جبکہ مسئلہ ابھی تک بیان نہ ہوا۔(ت) **ثانیا**: اگر اس کی تلاش اور چھان بین ہو کہ حضرات علماء اور خود شارح امام سے افادات کی تکرار کس قدر ہوئی ہے تو تھک کر بیٹھ جانا پڑے گا **قول قرہ باغی**: شاید چلپی نے یہ سمجھ کر اس تکلف کا ارتکاب کیا ہے کہ دونوں حدث کسی شخص میں ابتداءً جمع نہیں ہوتے۔(ت) **اقول**: آپ کو یہ کہاں سے پتا چلا انہوں

عـہ: وهذا سید الائمة محرر المذهب محمد رضی الله تعالٰی عنه قد کرر المسائل فی کتبه قال الامام شمس الائمة السرخسی رحمه الله تعالٰی فی المبسوط فرغ نفسه لتصنیف مافرعه ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه محمد بن الحسن الشیبانی رحمه الله تعالٰی فانه جمع المبسوط لترغیب المتعلمین والتیسیر علیهم ببسط الالفاظ وتکرار المسائل فی الکتب لیحفظوها شاؤا اوابوا[1] اھ ۱۲ منه غفرله۔(م)	اور یہ ہیں ائمہ کے سردار محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کہ آپ نے مسائل کو اپنی کتب میں تکرار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام شمس الائمہ اپنی مبسوط میں فرماتے ہیں کہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالٰی نے فروعاتِ امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے خود کو وقف کر رکھا تھا پس انہوں نے متعلّمین کے شوق اور آسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کتاب مبسوط کو جمع فرمایا جس میں الفاظ کو وسعت اور مسائل کو تکرار کے ساتھ بیان کیا تاکہ متعلّمین جنہیں چاہیں محفوظ کرلیں یا جنہیں نہ چاہیں نہ کریں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] مبسوط سرخسی، خطبۃ الکتاب، دار المعرفہ، بیروت ۱/۳

فعله لان ذا الحدثين لایتوضأ اذا لم یکف الماء لغسله۔	نے وہ تاویل اس لئے اختیار کی ہے کہ غسل کے لئے پانی ناکافی ہونے کی صورت میں دونوں حدث والے کو وضو نہیں کرنا ہے۔
قوله: اما اذاوجد فلابدمن الوضوء ثم التیمم للجنابة۔	قول قرہ باغی: لیکن جب وضو کے لئے بقدر کفایت پانی مل جائے تو وضو کرنا ضروری ہے پھر جنابت کے لئے تیمّم کرنا ہے۔(ت)
اقول: هذا(۱) هو مذهب الشافعی لاسیما بلفظة ثم فان فیه ایجاب اعدام الماء وان قل قبل التیمم ولایقول به حنفی قط۔	**اقول:** یہی امام شافعی کا مذہب ہے خصوصًا لفظ ثمّ (پھر) کے ساتھ۔ کیونکہ اس میں یہ واجب کرنا ہے کہ پانی اگرچہ کم ہی ہو تیمّم سے پہلے اسے ختم کرلینا ہے۔ کوئی حنفی کبھی اس کا قائل نہ ہوگا۔
قوله: والعجب منه انه لم یلتفت۔	قول قرہ باغی: تعجب ہے کہ انہوں نے اس طرف التفات نہ کیا۔(ت)
اقول: مبنی(۲) علی ماتصور ولامتصور	**اقول:** قرہ باغی نے خود جو تصور کیا اسی پر اس کی بنیاد ہے حقیقت میں وہ متصور ہی نہیں۔
قوله: بعد تسلیم جمیع المقدمات۔	قول محشّٰی مذکور: تمام مقدمات تسلیم کرلینے کے بعد۔
اقول: ماتلک(۳) المنوع المطو یات فان المقدمات عند الحنفیة من البدیهیات۔	**اقول:** وہ منع کیا ہیں جو آپ نے تہ کردئے حنفیّہ کے نزدیک تو سارے مقدمات بدیہیات سے ہیں۔
قوله یجوز اجتماع العلل الشرعیة علی معلول واحد۔	قولہ ایک معلول پر متعدد علل شرعیہ کا اجتماع ہوسکتا ہے۔
اقول: کما(۴) لایمتنع اجتماع علل علی معلول کذٰلك لایمتنع ارتفاع علل برافع واحد کالتی(۵) انقطع حیضها ثم احتلمت ثم التقی الختانان ثم انزلت فقد اجتمعت	**اقول:** جیسے ایک معلول پر چند علتوں کا اجتماع ممتنع نہیں ایسے ہی ایک رافع سے چند علتوں کا ارتفاع بھی ممتنع نہیں۔ جیسے وہ عورت جس کا حیض منقطع ہوا پھر اسے احتلام ہوا پھر التقائے ختانین ہُوا

علیھا اربع علل وترفع جمیعا بغسل اوتیمم واحد فاذاکان لہ حدثان اصغر و اکبر ولم یجد ماء للغسل فلابد لہ ان یتیمم وتیممہ لکونہ عن جنابۃ مطھر لجمیع البدن ومن البدن اعضاء الوضوء فقط طھرھا ورفع الحدثین کمااذا اغتسل فلیس ھذا التیمم الا قائما مقام الغسل فکما یرتفعان بہ فکذا بنائبہ ولم یعرف من الشرع تیمم یطرؤ علی حدثین فیرفع احدھما ویذر الاٰخر والا لزم لہ اما تیمم اٰخر وھو باطل حتی عند الشافعیۃ کما قدمناہ اوالماء وھو الجمع بین البدل والمبدل الباطل باجماع الحنفیۃ فبلج الحق والحمدللہ ربّ العٰلمین۔

فان قلت القیاس علی الغسل مع فارق وذلك لان ذا الحدثین اذا اغتسل فقد اتی بما امر بہ فی کل من الحدثین وھو اسالۃ الماء علی تلك الاعضاء وکذلك اذا تیمم فاقدا للماء اما اذاوجد وضوءً فبالتیمم انما یکون اٰتیا بما امر بہ للحدث الاکبر لا بما امر بہ للاصغر لانہ قادر فیہ علی الاصل

(قربت ہوئی) پھر انزال ہوا اس پر چار علتوں کا اجتماع ہوا اور ایک ہی غسل یا تیمّم سے چاروں مرتفع ہوجائیں گی۔ تو جب کسی کو دو حدث ہوں ایک اصغر ایک اکبر۔ اور اسے غسل کے لئے پانی نہ ملے تو ضروری ہے کہ تیمّم کرے۔ اس کا تیمّم چونکہ جنابت سے ہوگا اس لئے تمام بدن کو پاک کردے گا۔ اعضائے وضو بھی بدن ہی کا حصّہ ہیں تو انہیں بھی تیمّم نے پاک کردیا اور اکبر و اصغر دونوں حدث رفع کردئے۔ جیسے غسل کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ تیمّم غسل ہی کے قائم مقام ہے تو جیسے غسل سے دونوں حدث مرتفع ہوجاتے ہیں ویسے ہی اس کے نائب سے بھی مرتفع ہوجائیں گے۔ شریعت میں ایسے کسی تیمّم کا نشان نہیں ملتا جو دو حدثوں پر طاری ہو مگر ایک کو ختم کرے دوسرے کو چھوڑ دے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس پر یا تو ایک دُوسرا تیمّم بھی لازم ہوتا اور یہ باطل ہے یہاں تک کہ شافعیہ کے نزدیک بھی، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا یا پانی (استعمال کرنا) بھی لازم ہوتا اور یہ بدل اور اصل دونوں کو جمع کرنا ہے جو باجماع حنفیّہ باطل ہے تو حق روشن ہوگیا اور ساری خوبیاں سارے جہانوں کے مالک خدا کے لئے ہیں۔ (ت)

اگر سوال ہو کہ غسل پر قیاس، قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ دونوں حدث والے نے جب غسل کیا تو وہ سب بجالایا جس کا دونوں حدثوں میں سے ہر ایک میں اسے حکم دیا گیا وہ ہے ان اعضا پر پانی بہانا (جو غسل سے پُورا ہوگیا) یہی حال اس وقت ہے جب پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کیا۔ لیکن جب آبِ وضو موجود ہو تو تیمّم سے صرف اس کی بجاآوری کرنے والا ہوگا جس کا حدثِ اکبر سے متعلق اسے

فکیف یصیر الی البدل وبالجملة شرط التیمم العجز عن الماء وقدعجز فی الحدث الاکبر دون الاصغر فکان التیمم مجزئا عن ذلك لا عن ھذا فافترق الحدثان بقاء وارتفاعا۔

حکم ہوا۔اس کی بجاآوری کرنے والانہ ہوگا جس کا حدث اصغر سے متعلق اسے حکم ہوا۔اس لئے کہ اس میں یہ اصل پر قادر ہے تو بدل کی طرف کیسے منتقل ہوسکتا ہے؟ مختصر یہ کہ تیمّم کی شرط پانی سے عاجز ہونا ہے اور اس کا عجز حدثِ اکبر میں تو ہے حدثِ اصغر میں نہیں تو تیمّم صرف اس سے کفایت کرنے والا ہوگا اس سے نہ ہوگا اس طرح دونوں حدث بقااور ارتفاع میں جُداجُدا ہوجائیں گے (ایک ختم ہوگا ایک باقی رہ جائے گا)(ت)

اقول: ھذا لوکان کل منھما مستبدا بحیالہ ولیس کذلك فلیس الحدث الااعتبارا شرعیا لاٰثار معلومة کمنع الصلاة وقد انطوی الاکبر علی جمیع اٰثار الاصغر فکلما منعہ الاصغر منعہ الاکبر بالاولی ولاعکس وارتفاع شیئ یوجب زوال جمیع اثارہ وقدسلمتم ارتفاع الاکبر بھذا التیمم فیجب ارتفاع کل اٰثارہ ومنھا منع الصلاة فلزم اباحتھا ولاتباح قط مع حدث فثبت ان ھذا التیمم رفع کل حدث طرأعلیہ۔

اقول: یہ اس وقت ہوتا جب دونوں حدثوں میں سے ہر ایک کو مستقل حیثیت حاصل ہوتی۔اور ایسا نہیں اس لئے کہ حدث کچھ معلوم آثار جیسے منع نماز وغیرہ کے شرعی اعتبار ہی کا نام ہے اور حدث اکبر حدث اصغر کے تمام اثرات پر مشتمل ہے تو اصغر جس سے مانع ہوگا اس سے اکبر بدرجہ اولٰی مانع ہوگا۔اس کے برعکس نہیں۔اور کسی چیز کا ختم ہوجانا اسے لازم کرتا ہے کہ اس کے جتنے بھی اثرات ہوں سبھی زائل ہوجائیں آپ کو تسلیم ہے کہ اس تیمّم سے حدث اکبر مرتفع ہوگیا تو ضروری ہے کہ اس کے سارے اثرات بھی اُٹھ جائیں ان ہی میں منع نماز بھی ہے تو لازم ہوگا کہ نماز مباح ہو۔اور نماز کسی حدث کے ساتھ کبھی مباح نہیں ہوتی۔تو ثابت ہوا کہ اس تیمّم نے ہر وہ حدث دُور کردیا جو اس پر طاری ہُوا۔(ت)

فان قلت ارتفاع شیئ انما یوجب زوال اٰثارہ من حیث ھی اٰثارہ ولاینافیہ بقاء بعضھا لمؤثر اٰخر کمن توضأ وفی فخذہ نجاسة مانعة فلاشك ان قد صح وضوءہ وزال المنع الذی کان

اگر یہ سوال ہو کہ کسی چیز کا مرتفع ہونا اس کے اثرات دُور ہونے کو واجب کرتا ہے تو اسی حیثیت سے کہ وہ اس چیز کے اثرات ہیں۔اب ان میں کچھ اثرات کسی دوسرے مؤثر کی وجہ سے باقی رہ جائیں تو یہ اُس کے منافی نہیں۔مثلاً کسی نے وضو کیا

من قبله مع ان المنع لاجل النجاسة بحاله كذا هنا هما حدثان قام احدهما باعضاء الوضوء والأخر عم ظاهر البدن طرأ ففيها مانعيتان وفي سائر الجسد مانعية واحدة فاذا تيمم وهو واجد لماء الوضوء زالت من اعضاء الوضوء المانعية الكبرى لصحة مزيلها بوجود شرطه وهو العجز عن الماء الكافي للغسل وبقيت الصغرى لان المزيل لاصحة له بالنسبة اليها لفقد شرطه بالقدرة على الماء الكافي للوضوء وبه ظهر انه ليس كالتى وصفت انها حاضت واحتلمت وجومعت وامنت وكفاها غسل او تيمم واحد وكذا من احدث مرارا يكفيه وضوء واحد وذلك لان المزيل ليس فاقد الشرط بالنظر الى شيئ منها فازالها جميعا بخلاف مانحن فيه وبه اتضح الفرق بين هذا وبين من ليس له الا الجنابة فانه ان وجد وضوء لايتوضؤ لازالة المانع ية القائمة باعضاء الوضوء فانها ليست الا الكبرى وهي لا تتجزى بخلاف الصورة الاولى وبه تبين ان ليس فيه الجمع بين البدلين بل توزيعهما على شيئين كمن صرف الماء الى غسل النجس وتيمم للحدث بل كمن اطعم عن يمين وصام عن اخرى وبه استبان

اور اس کی ران پر اتنی نجاست ہے جو جوازِ نماز سے مانع ہے۔ تو اس میں شک نہیں کہ اس کا وضو صحیح ہے اور اس کی جانب سے جو رکاوٹ تھی وہ دُور ہوگئی باوجودیکہ نجاست کی وجہ سے رکاوٹ اب بھی برقرار ہے اسی طرح یہاں وہ دو۲ حدث ہیں ایک تو اعضائے وضو پر لگا ہوا ہے دوسرا پورے ظاہر بدن کو شامل ہے تو اعضاءِ وضو کے اندر دو۲ مانعتیں ہیں اور باقی سارے جسم میں ایک ممانعت (مانعیت) ہے جب آبِ وضوء موجود ہونے کی حالت میں اس نے تیمّم کیا تو اعضاء وضو سے مانعیت کبرٰی دُور ہوگئی کیونکہ اسے دُور کرنیوالا امر اپنی شرط غسل کے لئے کفایت کرنیوالے پانی سے عجز کے پائے جانے کی وجہ سے صحیح و درست ہے۔ اور مانعیت صغرٰی رہ گئی کیونکہ اس کی بہ نسبت جو دُور کرنے والا امر تھا وہ صحیح و درست نہیں اس لئے کہ اس کی شرط مفقود ہے کیوں کہ وضو کے لئے کافی پانی پر قدرت موجود ہے۔ اسی سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس کا معاملہ اس عورت کی طرح نہیں جس کی حالت بیان ہوئی کہ اس میں انقطاعِ حیض، احتلام، جماع، انزال چار اسباب جمع ہوئے اور ایک ہی غسل یا تیمّم کافی ہوگیا۔ اسی طرح وہ شخص جسے بار بار حدث ہُوا ہو اسے ایک ہی وضو کافی ہے اس لئے کہ ان میں کی بہ نسبت جو دُور کرنے والا امر ہے وہ فقدانِ شرط کا شکار نہیں اس لئے اس نے سبھی کو دُور کردیا بخلاف اس صورت کے جو ہمارے زیرِ بحث ہے اسی سے اِس شخص میں (جسے دونوں حدث ہیں) اور اس میں جسے صرف جنابت ہے واضح فرق ہوگیا کہ وہ اگر آبِ وضو پائے

انہ لیس عبثاً ولااضاعۃ ولا الاشتغال بہ سفھاً ولیس کماقالوا من بقاء الحدث کماھو بل زال احدھما۔	تو اعضائے وضو سے لگی ہُوئی مانعیت زائل کرنے کے لئے اسے وضو نہیں کرنا ہے اس لئے کہ وہاں تو صرف مانعیت کبرٰی ہے اور یہ متجزی نہیں، برخلاف پہلی صورت کے اسی سے یہ بھی عیاں ہُوا کہ دونوں بدل جمع کرنا نہیں بلکہ دو۲ چیزوں پر دونوں کو تقسیم کرنا ہے۔ جیسے وہ شخص جو پانی نجس کے دھونے میں صرف کرے اور حدث کے لئے تیمّم کرے۔ بلکہ جیسے وہ جو ایک قسم کے کفارے میں کھانا کھلائے اور دوسری کے کفارے میں روزہ رکھے۔ اور اسی سے یہ بھی منکشف ہوگیا کہ یہ نہ عبث ہے نہ پانی کی بربادی، نہ اس میں مشغولی کوئی نادانی وبے وقوفی اور لوگوں نے جو کہا کہ حدث جیسے تھا ویسے ہی رہ گیا۔ یہ بات بھی نہیں بلکہ ایک حدث زائل ہوگیا۔ (ت)
اقول: مااَمْتَنَہ من کلام لولا ان فیہ ذھولا عن حدیث منع الاستبداد عہ فانک جعلتھما شیئین مستقلین عند الاجتماع مع ان المتقرر فی الشرع ان(۱) المتجانسین اذا اجتمعا ولم یختلف مقصودھما تداخلا وقداعترفت بہ فی التی وصفت	**اقول:** کیا ہی متیں کلام ہے اگر اس میں منع استقلال کی بات سے ذہول نہ ہوتا۔ آپ نے دونوں کو بوقتِ اجتماع دو مستقل چیز بنادیا جبکہ شریعت میں مقرر وثابت یہ ہے کہ دو ہم جنس جب یکجا ہوں اور ان کا مقصود مختلف نہ ہو تو ایک دوسرے میں داخل ہوجائیں گے۔ آپ نے اس کا اعتراف

عہ ذکرہ علی سبیل الجدل ای لانسلم ان الحدث الاصغر عند اجتماعہ بالاکبر یستبد فی امر الطھارۃ بحکم لِمَ لایندمج فیہ فیطھر بطھارتہ ولایکون الحکم الا للاکبر وذلك لان من یحکم بوجوب الوضوء لہ مدع فیکفینا المنع وعلیہ الدلیل والا فامر الاندماج متیقن لاشبھۃ فیہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)	اسے بطور جدل ذکر کیا ہے یعنی ہم نہیں مانتے کہ حدث اصغر حدثِ اکبر کے ساتھ یک جائی کی صورت میں طہارت سے متعلق کوئی مستقل حکم رکھتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اکبر میں داخل ہو کر اس کی طہارت سے یہ بھی طہارت پائے اور حکم صرف اکبر کو حاصل ہو یہ طرزِ کلام اس لئے کہ جو شخص اس کے لئے وجوبِ وضو کا حکم کرتا ہے وہ مدعی ہے تو ہمارے لئے منع کافی ہے اور اس کے ذمہ دلیل ہے ورنہ اصغر کے اکبر میں دخول وانضمام کا معاملہ تو یقینی ہے جس میں کوئی شُبہ نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

وفیمن احدث مرارا کان هنالك التداخل مع المساواة فان الکل فی رتبة واحدة فکیف واحدهما اکبر واقوی ومن کل وجه یتضمن الاخری فالمحل جزء من المحل والمطهر بعض من المطهر والمقصود شقص من المقصود فکیف لایلزم اندماج الصغری فی الکبری وان یکون الحکم لها فی امرالطهارة لالصغری فان(۱) التابع(۱) لایفرد بحکم ویسقط(۲) اذا سقط المتبوع والشیئ(۳) اذابطل بطل مافی ضمنه والمتضمن(۴)عـــه بالفتح لاتراعی له شروطه بل شروط متضمنة کل ذلك من القواعد الشرعیة الاتری ان المذی لایطهر عن ثوب ولابدن بفرك ولایظهر له حکم مع المنی فیطهربه ویظهربه الجواب عن توارد العلل هذا ماسنح به الجنان*تشحیذ الاذهان*وحسبنا فی الحکم	بھی کیا ہے اس عورت کے بارے میں جس کی حالت بیان ہوئی ہے اور اس شخص کے بارے میں جسے چند بار حدث ہوا ہو۔وہاں باوجود مساوات کے تداخل ہوگیا۔مساوات اس لئے کہ وہ سب ایک ہی درجہ میں ہیں۔پھر اس وقت کیوں نہ ہوگا جبکہ ایک اکبر واقوی اور ہر جہت سے دوسرے کو متضمن بھی ہو دیکھئے کہ ایک کا محل طہارت دوسرے کے محلِ طہارت کا جُز ہے۔اور مطہر، مطہر کا بعض ہے اور مقصود، مقصود کا حصّہ ہے۔توکیسے لازم نہ ہوگا کہ صغرٰی، کبرٰی میں داخل ہوجائے اور امر طہارت میں حکم اسی کبرٰی کو حاصل ہو صغرٰی کو نہیں۔اس لئے کہ تابع کا کوئی الگ حکم نہیں ہوتا۔اور متبوع ساقط ہو تو وہ بھی ساقط ہوجاتا ہے اور شیئ جب باطل ہوتی ہے تو وہ بھی باطل ہوجاتا ہے جو اس کے ضمن میں ہو۔اور متضمَّن (بالفتح) کے لئے اس کی شرطوں کی رعایت نہیں ہوتی بلکہ اس کے متضمِّن کی

عـــه کما(۶) فی اعتق عبدك عنی بالف لماکان البیع فیه ضمن یالم یشترط فیه الایجاب والقبول لعدم اشتراطهما فی العتق ولایثبت فیه خیار الرؤیة والعیب ولایشترط کونه مقدور التسلیم ش عن الرحمتی اوائل النکاح ۱۲ منه غفرله (م)	جیسے اعتق عبدک عنی بالف (اپنا غلام میری طرف سے ہزار روپے میں آزاد کردو) اس میں چونکہ بیع ضمنی ہے اس لئے اس بیع میں ایجاب وقبول کی شرط نہ ہوئی کیونکہ آزادی میں ان دونوں کی شرط نہیں اور اس میں خیار رؤیت اور خیار عیب بھی ثابت نہیں ہوتا اور نہ یہ شرط ہے کہ مولٰی وہ غلام اس کے قبضے میں دینے پر قادر ہو شامی عن الرحمتی،اوائل النکاح ۱۲منہ غفرلہ (ت)

ماقدمنا من دلالاتھم وتصریحاتھم واللہ المستعان وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

الافادۃ ۱۱: الاٰن حصحص الحق وکشف قناعۃ*وظھر ان المسلك مسلك التاویل والتأویل مستأویل الجماعۃ*بیدان ھھنا شبھات خطرت فخشیت ان تعتری قاصرا مثل فیحتاج الی الجواب فاجبت الاسعاف با یرادھا*وابانۃ سقوطھا وفسادھا*وباللہ التوفیق۔

الشبھۃ الاولٰی: ان الامام صدر الشریعۃ یقول اغتسل(۱) الجنب ولم یصل الماء لمعۃ ظھرہ وفنی الماء واحدث حدثا یوجب الوضوء فتیمم لھما ثم وجد(۱) من الماء مایکفیھما بطل تیممہ فی حق کل منھما وان(۲) لم یکف لاحدھما بقی فی حقھما وان(۳) کفی لاحدھما بعینہ غسلہ ویبقی التیمم فی حق الاٰخر وان(۴) کفی لکل منفرد اغسل اللمعۃ [1]۔الخ فالصورۃ الثالثۃ

شرطوں کی رعایت کی جاتی ہے۔یہ سب شرعی قواعد ہیں۔دیکھئے کہ مذی رگڑنے کے ذریعہ نہ کپڑے سے پاک ہوتی ہے نہ بدن سے اور وہی منی کے ساتھ ہو تو اس کا کوئی حکم ظاہر نہیں ہوتا رگڑنے سے پاک ہوجاتی ہے۔اسی سے تو اردعلل کا جواب بھی ظاہر ہے یہ وہ ہے جو کچھ اذہان کو صیقل کرنے کے لئے خاطر کا فیضان ہُوا۔اور حکم سے متعلق تو ہمارے لئے وہ دلالت وتصریحات کافی ہیں جو حضرات فقہاء سے ہم نے پیش کیں۔اور خدا ہی مستعان ہے اور خدائے بزرگ وبرتر ہی خوب جاننے والا ہے۔(ت)

افادہ۱۱: اب حق صاف ظاہر ہوگیا اور اپنے چہرے سے پردہ ہٹادیا اور واضح ہوگیا کہ مسلک وہی مسلک تاویل ہے اور تاویل وہی تاویل جماعت ہے۔لیکن یہاں دل میں چند شبہات گزرے تو اندیشہ ہوا کہ ایسے ہی کسی قاصر کو درپیش ہوں تو اسے جواب کی ضرورت ہوگی تو میں نے چاہا کہ ان شبہات کو لاکر اور ان کے سقوط وفساد کو واضح کرکے اس کی حاجت روائی کردوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے (ت)

شُبہ: امام صدر الشریعۃ فرماتے ہیں:"جنب نے غسل کیا پانی اس کی پیٹھ کی ایک جگہ تک نہ پہنچا اور ختم ہوگیا۔اور کوئی ایسا حدث ہوا جو وضو واجب کرتا ہے تو اس نے دونوں کے لئے تیمّم کیا پھر(۱) اسے اتنا پانی مل گیا جو دونوں کے لئے کافی ہو تو اس کا تیمّم دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں باطل ہوگیا۔اور(۲) اگر کسی ایک کے لئے ناکافی ہو تو دونوں کے حق میں باقی رہے گا۔اور(۳) اگر معین طور پر ایک کے لئے کافی ہو تو اسے دھوئے اور

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۴

تشمل ما اذا کفی للوضوء دون اللمعة وقد حکم فیه ببطلان تیممه فی حق الحدث وایجاب الوضوء والظاهر ان هذا انما یستقیم علی ماقدم اول الباب من وجوب الوضوء علی ذی حدثین وجد وضوء فانه فرض فیه الحدث قبل التیمم ثم اوجب الوضوء للحدث فاذن یکون التأویل توجیها للقول بمالا یرضی به قائله۔

بل یسری الشك الی الحکم المنقح فان صدر الشریعة غیر متفرد به هذا الامام الجلیل الاقدم ابوالبرکات النسفی قائلا فی الکافی فی جنب علی بدنه لمعة احدث قبل ان یتیمم تیمم لهما واحدا فان وجد مایکفی لاحدهما غیر عین صرفه الی اللمعة ویعید التیمم للحدث عند محمد[1] اھ فمامنشؤا عادة تیمم الحدث الا ایجاب الوضوء له مع کونه قبل تیمم الجنابة وابویوسف وان خالفه فی الاعادة فلالانه لایوجب الوضوء فی نفسه بل لعارض وذلك ان امر الجنابة اغلظ فکان الماء

دوسرے کے حق میں تیمّم باقی رہے گا اور اگر (۴) تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو تو لُمعہ (غسل میں چھُوٹی ہُوئی جگہ) دھوئے الخ۔
تو تیسری صورت اسے بھی شامل ہے جب پانی وضو کے لئے کافی ہو لُمعہ کے لئے کافی نہ ہو۔ اور اس صورت میں یہ حکم کیا ہے کہ حق حدث میں اس کا تیمّم باطل ہوجائے گا اور وضو کرنا واجب ہوگا۔ ظاہر یہ ہے کہ اسی بنیاد پر راست آسکے گا جسے اوّل باب میں بتا یا کہ ایسا دو حدث والا جس کے پاس وضو کا پانی موجود ہے اس پر وضو واجب ہے کہ اس میں حدث تیمّم سے پہلے ہونا فرض کیا ہے پھر حدث کے لئے وضو واجب کیا اس کے پیشِ نظر تاویل مذکور کسی کے کلام کی ایسی توجیہ ہوگی جس سے خود صاحبِ کلام راضی نہ ہو۔ (ت)

بلکہ یہ شک منقّح حکم تک سرایت کرآئے گا اس لئے کہ صدر الشریعۃ اس میں متفرد نہیں۔ یہ ان سے مقدم امام جلیل ابوالبرکات نسفی ہیں جو کافی میں رقمطراز ہیں: "ایسا جنب ہے جس کے بدن پر لُمعہ ہے اسے قبل تیمّم حدث ہوا تو دونوں ہی کے لئے ایک تیمّم کرے۔ اب اگر اسے اتنا پانی مل جائے جو غیر معین طور پر دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کافی ہو تو اسے لمعہ میں صرف کرے، اور امام محمد کے نزدیک حدث کے لئے تیمّم کا اعادہ کرے" اھ تو تیمّم حدث کے اعادہ کا منشا اس کے سوا نہیں کہ حدث کے سبب وضو واجب ہے باوجودیکہ حدث تیمّم جنابت سے پہلے ہے اور امام ابویوسف اعادہ کے

[1] کافی

مستحق الصرف الیھا والمستحق لحاجۃ اھم کالمعدوم کماسیاتی عن الکافی ان شاء اللہ تعالٰی فی الرسالۃ التالیۃ وھذا یفید اتفاق الصاحبین رضی اللہ تعالٰی عنھما علی وجوب الوضوء لجنب احدث قبل التیمم لھا مع ان المقرر فیمامر ان بل اوضوء علیہ الااذا احدث بعد ماتیمم۔

حکم میں اگرچہ ان کے برخلاف ہیں مگر اس لئے نہیں کہ وہ فی نفسہ وضو واجب نہیں کہتے، بلکہ کسی عارض کی وجہ سے۔ اور وہ یہ ہے کہ جنابت کا معاملہ زیادہ سخت ہے تو پانی اسی کا مستحق ہوا کہ جنابت میں صرف ہو اور جو کسی اہم حاجت کا مستحق ہو چکا ہو وہ کالمعدوم ہے۔ جیسا کہ اگلے رسالہ میں ان شاء اللہ تعالٰی کافی کے حوالہ سے آرہا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اس جنب کے لئے وجوب وضو پر اتفاق ہے جو جنابت کا تیمّم کرنے سے پہلے محدث ہوا باوجودیکہ ماسبق میں ثابت و مقرر یہ ہے کہ اس پر وضو نہیں مگر اس صورت میں جبکہ تیمّم کرلینے کے بعد اسے حدث ہو۔ (ت)

ولعلك تقول **اوّلا**: این ھذا من ذاك فانہ کان ثمہ واجد الماء الوضوء قبل التیمم للجنابۃ فکان ایجاب الوضوء ایجابہ علی جنب لایجد غسلا وھو خلاف المذھب اماھھنا فانما وجدہ بعدماتیمم لھا والفرض انہ لایکفی للمعۃ فکان تیممہ لھا بحالہ فلم یعد جنبا وبالقدرۃ علی الوضوء انتقض تیممہ فی حق الحدث لانہ لایکون طھارۃ الا الی وجدان الماء فاذا وُجد فُقد فقد عاد محدثا والمحدث غیر جنب اذا وجد وَضوء فلاشك فی وجوب الوضوء علیہ الاتری الی ماقدمت فی الدلیل الخامس عن البدائع یتوضأبہ لان ھذا محدث ولیس بجنب[1] وعن الدر صار محدثا لاجُنبا

اس پر چند باتیں کہی جاسکتی ہیں **اوّلاً** کہاں یہ کہاں وہ! وہاں اسے تیمّم جنابت سے پہلے آب وضو دستیاب تھا تو وہاں وضو واجب کرنا ایسے جنب پر وضو واجب کرنا تھا جسے غسل کا پانی دستیاب نہیں اور وہ خلاف مذہب ہے لیکن یہاں اسے جنابت کا تیمّم کرلینے کے بعد پانی ملا ہے اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ وہ پانی لُمعہ کے لئے کافی نہیں اس لئے اس کا تیمّم جنابت برقرار ہے تو دوبارہ وہ جنابت والا نہ ہوا۔ اور وضو پر قدرت کی وجہ سے حق حدث میں اس کا تیمّم ٹوٹ گیا کیونکہ تیمّم پانی کی دست یابی تک ہی طہارت ہوتا ہے جب وہ دستیاب ہوگیا یہ مفقود ہوگیا۔ تو وہ پھر محدث ہوگیا۔ اور محدث غیر جنب کو جب وضو کا پانی مل جائے تو اس پر وضو واجب ہونے میں کوئی شک نہیں وہ عبارت دیکھئے جو دلیل پنجم میں بدائع کے حوالہ سے پیش ہُوئی: "اس سے وضو کرے گا کیونکہ یہ محدث ہے

[1] بدائع الصنائع شرائط رکن التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۱

فیتوضأ[1]۔ **وثانیا:** لم یکن علیه وضوء لبقاء الحدث کماھو لوجود الجنابة ولاتزول بالوضوء اما الاٰن فقدزالت بالتیمم۔ **وثالثا:** لم یکن ماءہ مبیحا للصلاۃ لاجل الجنابة والاٰن یبیح۔ **ورابعا:** کان فیه الجمع بین البدلین فی طھارۃ واحدۃ والاٰن قدتمت الطھارۃ الاولی بالتیمم بلاماء وبعود الحدث بالقدرۃ علی الماء دون الجنابة تتم ھذہ بالماء بلاتراب۔ **وخامسا:** قدعلم دوّارفی المتون وسائر کتب المذھب ان حدوث قدرۃ علی الماء کحدوث حدث فی نقض التیمم ولاشك ان لوتیمم لھما ثم احدث فعلیه الوضوء فکذا اذا قدر علی ماء الوضوء فانی الابتناء علی ماصدر عن الصدر فی صدر الباب۔**اقول:** ببلی فان مبنی کل ذلك علی	اور جنب نہیں ہے"۔اور درمختار کے حوالہ سے یہ "محدث ہوا جنابت والا نہیں تو اسے وضو کرنا ہے"۔ **ثانیا:** اس پر وضو اس لئے نہیں تھا کہ جنابت موجود ہونے کی وجہ سے حدث ویسے ہی باقی رہتا اور جنابت وضو سے دُور نہ ہوتی لیکن اس وقت تو جنابت تیمّم سے دُور ہوچکی ہے۔ **ثالثًا:** اُس کا پانی جنابت کی وجہ سے نماز مباح کرنے والا نہ تھا اور اِس وقت مباح کرنے والا ہے۔ **رابعًا:** اُس میں ایک طہارت کے اندر دونوں بدل جمع کرنا ہوتا۔اور اس وقت پہلی طہارت بغیر پانی کے تیمّم کے ذریعہ پوری ہوچکی ہے اور پانی پر قادر ہونے سے حدث بلاجنابت لوٹ آنے کی وجہ سے یہ طہارت بغیر مٹی کے پانی سے پُوری ہوگی۔ **خامسًا:** متون اور دیگر کتب مذہب میں یہ مسئلہ متداول طور پر معروف ہے کہ تیمّم توڑنے کے معاملہ میں پانی پر قدرت پیدا ہونا ایسے ہی ہے جیسے حدث پیدا ہونا۔اور اس میں شک نہیں کہ اگر وہ دونوں ہی کے لئے تیمّم کرلیتا پھر اسے حدث ہوتا تو اس پر وضو واجب ہوتا تو یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب آبِ وضو پر اسے قدرت مل جائے۔تو یہ حکم اس پر کہاں مبنی رہا جو شروع باب میں صدر الشریعۃ کے حوالہ سے صادر ہوا۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) کیوں نہیں ان سب

[1] الدرالمختار مع الشامی باب التیمم مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۶

فرض انتقاض تیممه فی حق الحدث برؤیة الماء وفیه النظر کیف ولو نقضه بقاء لمنعه ابتداء ومنعه ابتداء هو عین مافی صدر الباب خلاف ماعلیه النصوص والدلائل اما الملازمة فقدقال(۱) الامام ملك العلماء فی البدائع الغراء الاصل فیه ان کل مامنع وجوده التیمم نقض وجوده التیمم ومالا فلا[1] اھ ومثله فی البحر والتنویر والدرو غیرها من الاسفار الغرای کل مالایمنع ابتداء لاینقض بقاء وینعکس بعکس النقیض الی قولنا کل ما(۱) ینقض بقاء یمنع ابتداء فثبت المطلوب وبه علم ان الخامس ابین بطلانا وافصح بالبناء علی ذلك الحکم المحذور۔

الشبهة الثانیة: نصوا فیمن بقیت له لمعة واحدث بعد التیمم لها کما صور فی اکثر الکتب وکذا ان احدث قبله کماصور بالوجهین فی بعضها ثم وجد الماء قبل التیمم للحدث انه ان کفی للمعة دون الوضوء غسلها وتیمم للحدث وکذا ان کفی لکل منهما لاعلی التعیین لان الجنابة اغلظ فان(۲) خالف وتوضأ اعاد التیمم للمعة باتفاق

کی بنیاد اسی مفروضہ پر ہے کہ پانی دیکھنے سے اس کا تیمّم حق حدث میں ٹوٹ جاتا ہے اور یہی محلِ نظر ہے۔ یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر یہ بقاءً ناقض تیمّم ہوتا تو ابتداءً مانع تیمّم بھی ہوتا اور ابتداءً مانع تیمّم ہونا یہی تو وہ بات ہے جو شروع باب میں نصوص ودلائل کے برخلاف وارد ہوتی ہے۔ ملازمہ (بقاءً ناقض ہونے کو ابتداءً مانع ہونا لازم ہے) کا ثبوت یہ ہے کہ امام ملک العلماء نے بدائع شریف میں رقم فرمایا ہے کہ "اس بارے میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کا وجود تیمّم سے مانع ہے اس کا وجود تیمّم کا ناقض بھی ہے اور جو مانع نہیں وہ ناقض بھی نہیں" اھ۔ اسی کے مثل البحر الرائق، تنویر الابصار، درمختار وغیرہا مشہور کتابوں میں بھی ہے۔ یعنی ہر وہ جو ابتداءً مانع نہیں وہ بقاءً ناقض نہیں اس کا عکس نقیض یہ ہوگا "ہر وہ جو بقاءً ناقض ہے وہ ابتداءً مانع ہے" تو مطلوب ثابت ہوگیا۔ اسی سے معلوم ہوا کہ خامس کا بطلان زیادہ روشن ہے اور اس حکم محذور پر مبنی ہونے میں یہ زیادہ واضح ہے۔ (ت)

شبہ ۲: وہ شخص جس کا کچھ حصہ نہانے میں دھونے سے رہ گیا اور جنابت کا تیمّم کرنے کے بعد اسے حدث ہوا جیسا کہ اکثر کتابوں میں یہ صورت مسئلہ بیان کی ہے یوں ہی اگر تیمّم کرنے سے پہلے اسے حدث ہوا جیسا کہ بعض کتابوں میں دونوں ہی صورت بیان کی ہے پھر اس شخص کو حدث کا تیمّم کرنے سے پہلے پانی مل گیا اس کے بارے میں علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ اگر وہ پانی وضو کے لئے نہیں بلکہ

[1] بدائع الصنائع باب نواقض التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۷

الروایات وستأتی النصوص فالذی فی هذه الصور الثلاث لیس الا تلفیق الطهارتین والجمع بین البدلین حیث تطهر فی وقت واحد بالماء والتراب معاوکون الماء للجنابة والتراب للحدث لایمنع الجمع والافلم منعتم ذاحدثین وجد وضوء عن الوضوء فان ثمه ایضا لم یجتمعا علی شیئ واحد بل کان التراب للجنابة والماء للحدث۔

الشبهة الثالثة: نصوا قاطبة فی صورتی کفایة الماء للّمعة وحدها اولکل منفردا بوجوب استعماله فی اللمعة وانتقاض تیممه لها وانه یتیمم للحدث ومعلوم قطعا ان هذا الماء لم یکن محللا للصلاة فی الصورتین لبقاء الحدث والاحتیاج له الی التیمم فکان یجب ان لاینتقض تیممه لها لمامر من نصوص الائمة الجهابذة فی الدلیل السادس ان المراد فی الکریمة هو الماء الذی اذا استعمل اباح الصلاة وهذا لیس به هذا تقریر الشبهات۔

واقول: فی الجواب بتوفیق الوهاب اما الاخریان ان کان الحدث فیهما بعد التیمم

صرف چھوٹی ہوئی جگہ کے لئے کافی ہے تو اسے دھولے اور حدث کے لئے تیمّم کرے یوں ہی اگر دونوں میں سے ہر ایک کے لئے بلاتعین کافی ہو تو بھی اس جگہ کو دھوئے اس لئے کہ جنابت زیادہ سخت ہے۔اگر اس نے اس کے برخلاف کیا اور پانی وضو میں صرف کیا تو چھوٹی ہوئی جگہ کے لئے اسے باتفاق روایت دوبارہ تیمّم کرنا ہے نصوص عنقریب آرہے ہیں۔ان تینوں صورتوں میں دونوں طہارتوں کو خلط کرنا اور دونوں بدل کو جمع کرنا ہی تو ہے۔اس طرح کہ بیک وقت اس نے پانی اور مٹی دونوں سے طہارت حاصل کی اور پانی کا جنابت کے لئے، مٹی کا حدث کے لئے ہونا جمع سے مانع نہیں۔اگر یہ بات نہیں تو دو حدث والے کو جسے آب وضو دستیاب ہے آپ نے وضو سے کیوں روکا (وجہ فرق کیا ہے) وہاں بھی تو دونوں بدل ایک شیئ پر مجتمع نہ ہوئے بلکہ مٹی جنابت کے لئے ہے اور پانی حدث کے لئے ہے۔(ت)

شبہہ ۳: جب پانی صرف لمعہ کے لئے کفایت کرے یا جب تنہا ہر ایک کے لئے کفایت کرے دونوں صورتوں میں سبھی علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ پانی لمعہ میں استعمال کرنا واجب ہے۔اس کا تیمّمِ جنابت ٹوٹ جائے گا اور حدث کے لئے وہ تیمّم کرے گا۔یہ بھی قطعًا معلوم ہے کہ دونوں صورتوں میں یہ پانی نماز مباح کرنیوالا نہ تھا کیونکہ حدث باقی ہے اور اس کے لئے تیمّم کی ضرورت ہے۔تو ضروری کہ اس کا تیمّمِ جنابت نہ ٹوٹے اس لئے کہ دلیل سادس میں ائمہ ماہرین کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ آیت کریمہ میں وہ پانی مراد ہے جو استعمال کیا جائے تو نماز مباح ہوجائے گی اور یہ وہ پانی نہیں۔یہ شبہات کی تقریر ہے۔(ت)

جوابِ شبہات: جوابِ شبہات میں بتوفیق خدائے وہاب میں کہتا ہوں۔آخری دونوں

للجنابة فالجواب واضح لانه اذن مستبد قطعاً لا يصلح للاندراج لارتفاع الجنابة بالتيمم فكيف يندرج الموجود فی المرفوع ولذا اجمعت الامة انه اذا احدث بعد تطهير الجنابة بالغسل اوبالتيمم و وجد وَضوء يجب عليه الوضوء فاذا لم يندرج فيها لم يكن الجمع بين البدلين فی طهارة واحدة بل طهارتين كمن اجنب ولم يجد غسلا فتيمم فاحدث و وجد وضوء فتوضأ ولا يرد ذوالحدثين لاجل الاندراج فيكون جمعا فی طهارة واحدة وكذلك المراد بالاباحة الاباحة من جهة ازالة مانعية لاقاها وان بقی المنع من جهة اخری كماسبق فی من توضأ وعلی فخذه نجس مانع ولا يرد ذوالحدثين فليس به مانعيتان و وضوؤه يزيل احدهما وان بقيت الاخری بل مانعية واحدة لاندراج الصغری فی الكبری فاذالم يكف للكبری لم يكن محللا للصلاة اصلا ولوكان يكفی للصغری۔

واما ان كان الحدث فيهما قبل التيمم كمافی الشبهة الاولی **فاقول**:الجواب عنهما جميعا فی حرف واحد*ان شاء الله العزيز

شبہات کو لیجئے۔اگران میں حدث تیمّم جنابت کے بعد تھاتو جواب واضح ہے کہ اس صورت میں وہ یقینا مستقل ہے۔جنابت میں شامل و مندرج ہونے کے قابل نہیں کیونکہ جنابت تو تیمّم سے ختم ہوچکی ہے تو موجود معدوم میں کیسے شامل ہوگا۔اسی لئے اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ جب غسل یا تیمّم سے تطہیر جنابت کے بعد حدث ہواور آبِ وضو دست یاب ہو تواس پر وضوواجب ہے۔جب حدث جنابت میں شامل نہ ہواتو دونوں بدل کو ایک طہارت میں جمع کرنا نہ ہوابلکہ دو طہارتوں میں ہوا جیسے وہ شخص جسے جنابت لاحق ہُوئی اور غسل کا پانی نہ پایا تو تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا اور وضو کا پانی پایا تو وضو کیا-اس پر دونوں حدث والے سے اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا ایک حدث دوسرے میں شامل ہے تو وہاں ایک ہی طہارت میں دونوں بدل جمع کرنا لازم آئے گا اسی طرح اباحت سے مراد وہ اباحت ہے جواس مانعیت کے ازالہ کی جہت سے ہو جس پانی کا اتصال ہوا اگرچہ دوسری جہت سے ممانعت باقی ہو جیسا کہ اس کے بارے میں گزرا جس نے وضو کیااور اس کی ران پر کوئی مانع نجس موجود ہے۔اس پر بھی دونوں حدث والے سے اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کا حال ایسا نہیں کہ اس میں دو مانعیت (ممانعت) ہوں اور وضو ایک کو دور کردے اگرچہ دوسری باقی رہ جائے بلکہ اس میں ایک ہی مانعیت ہے کیونکہ صغرٰی کبرٰی میں شامل ہوگئی ہے تو پانی جب کبرٰی کے لئے ناکافی ہو قطعًا نماز کو مباح کرنے والا نہ ہوسکے گا اگرچہ صغرٰی کے لئے کافی ہو۔(ت)

لیکن ان دونوں صورتوں میں اگر حدث تیمّم سے پہلے ہو،جیسا کہ شبہہ اولٰی میں ذکر ہے،**تو میں کہتاہوں** اس کا جواب ایک حرف میں ہے

الواجد الماجد*وقدلوحنا اليه فى الافادة العاشرة وذلک(ا) ان الحدث له معنيان كماقدمنا فى الطرس المعدل احدهما نجاسة حكمية تحل بسطوح الاعضاء الظاهرة التى يلحقها حكم التطهير حلول سريان والسطح ممتد منقسم طولا وعرضا فبانقسامها تنقسم النجاسة الحالة بها وعن هذا يسقط الفرض عما اصابه الماء مع بقاء النجاسة فى الباقى والأخر وصف للمكلف وهو تلبسه بها فيبقى مادام ذرة منها وهذا هو الحدث الذى لايتجزى،واذ() كان الاول متجزئاينقسم الى قسمين شامل ومقتصر فالشمول فى الجنابة مالم يمس ماء والاقتصار اذا غسل بعض البدن فان النجاسة الحكمية تزول من المغسول وتبقى فى غيره.والحدث الاصغر لايعتبر فى غير الاعضاء الاربعة فان كانت الكبرى شاملة وجب الاندراج لعمومها تلك الاعضاء ايضا وان كانت مقتصرة لم يلزم كأن تكون الجنابة فى غيرهن وفيهن الحدث ولايكون الابان يتوضأ الجنب اويمر الماء على اعضاء وضوئه وتبقى لمعة فى غيرهن ثم يحدث فيعتريهن الحدث ح ولاوجه للاندراج لتباين المحل والى هذا اشرت بقولى فى المندرج المحل جزء من المحل والمطهر بعض من المطهر وهذا هو مرادهم ههنا كمادل عليه قول الامام صدر الشريعة ولم

اگر خدائے غالب غنی بزرگ نے چاہا۔اس جواب کی طرف ہم افادہ دہم میں اشارہ بھی کرچکے ہیں۔وہ یہ ہے کہ حدث کے دو۲ معنی ہیں، جیسا کہ ہم نے الطرس المعدل میں بیان کیا-ایک نجاستِ حکمیہ جو اعضا کی اُن ظاہری سطحوں میں حلول سریانی کئے ہوتی ہے جنہیں حکم تطہیر لاحق ہوتا ہے-اور سطح ایک پھیلی ہوئی، طول وعرض میں منقسم چیز ہے تو سطحوں کے منقسم ہونے سے ان میں حلول کرنے والی نجاست بھی منقسم ہوجاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس حصّہ کو پانی پہنچتا ہے اس سے فرض ساقط ہوجاتا ہے اور بقیہ حصّہ میں نجاست باقی رہتی ہے۔دوسرا معنی یہ ہے کہ حدث مکلّف کی ایک صفت ہے اور وہ یہ ہے کہ مکلّف نجاست حکمیہ سے متلبس ہے تو جب تک اس نجاست کا ایک ذرّہ بھی باقی ہے یہ حدث باقی رہے گا۔یہی وہ حدث ہے جو غیر متجزی وغیر منقسم ہے۔اور اوّل چونکہ متجزی ہے اس کی دو۲ قسمیں ہونگی،شامل اور مقتصر۔جنابت میں شمول اس وقت ہے جب پانی مَس نہ ہوا ہو۔اور اقتصار اس صورت میں ہے جب بدن کا کوئی حصّہ دُھل گیا ہو اس لئے کہ دھوئے ہوئے حصّہ سے نجاست حکمیہ زائل ہوجاتی ہے اور دوسرے حصّہ میں باقی رہتی ہے۔

اور حدث اصغر کا چاروں اعضا کے علاوہ میں اعتبار ہی نہیں تو اگر نجاست کبرٰی شاملہ ہے تو اندراج لازم ہے کیونکہ وہ ان اعضا میں بھی عام ہے اور اگر مقتصرہ ہے تو اندراج لازم نہیں۔مثلاً یہ صورت ہو کہ جنابت اعضائے اربعہ کے علاوہ میں ہو اور ان اعضا میں

یصل الماء لمعة ظہرہ [1] خص الظهر بالذکر لیفید ان الکبری فی غیر محل الصغری فلا یصح الاندراج الا تری(۱) ان ذا الجنابة الشاملة والحدث اذا اغتسل کفاہ عن الوضوء وان لم یجد ماء لغسله فتیمم کفاہ ایضا اما صاحب المقتصرة فی غیر اعضاء الوضوء والحدث کمن اغتسل وبقیت ظہرہ مثلا ثم احدث فہذا اذا غسل ظہرہ تم غسله وخرج عن الجنابة لکن لایکفیه غسله ظہرہ عن الوضوء بل یجب علیه ان یتوضأ اویتیمم للحدث ان لم یجد له الماء وماهو الالعدم اندراج الصغری فی تلك المقتصرة الکبری۔

فان قلت هذا فی الماء فانه(۲) ایضا مطہر مقتصر علی ما یصبه بخلاف التیمم فانه یعم جمیع البدن کالغسل۔

اقول: نعم یعم البدن لکن عمله(۳) فی

حدث ہو۔اور اس کی یہی شکل ہوگی کہ جنب وضو کرے یا اس کے اعضائے وضو پر پانی گزر جائے اور دیگر اعضا میں لمعہ رہ جائے پھر اسے حدث ہو تو اعضائے وضو پر حدث عارض ہو جائے گا۔ایسی صورت میں اندراج کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ (اصغر واکبر کے) محل الگ الگ ہیں۔اس کی طرف مندرج کے تحت میں نے اپنے ان الفاظ سے اشارہ کیا کہ۔" محل، محل کا جز ہے۔اور مطہر، مطہر کا بعض ہے اور یہاں پر علماء کی یہی مراد ہے۔جیسا کہ صدر الشریعۃ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں: "اور پانی اس کی پشت کے لُمعہ (چھوٹی ہوئی جگہ) تک نہ پہنچا۔خاص طور سے پشت کو اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ افادہ ہوسکے کہ کبری، غیر محلِ صغری میں ہے اس لئے اندراج نہ ہوسکے گا۔دیکھئے جنابت شاملہ اور حدث دونوں رکھنے والا جب غسل کرے تو یہی غسل وضو سے بھی کفایت کرجاتا ہے اور اگر غسل کے لئے پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمّم کرے تو یہ بھی کافی ہوتا ہے۔مگر وہ جو غیر اعضائے وضو میں جنابت مقتصرہ اور (اعضائے وضو میں) حدث رکھتا ہے۔مثلاً وہ جس نے غسل کیا اور اس کی پیٹھ باقی رہ گئی پھر اسے حدث ہوا تو یہ جب اپنی پیٹھ دھولے اس کا غسل مکمل ہوگیا اور وہ جنابت سے نکل گیا۔لیکن اس کا اپنی پیٹھ دھولینا وضو سے کفایت نہیں کرسکتا بلکہ اس پر واجب ہے کہ وضو کرے یا اگر پانی نہ ملے تو حدث کے لئے تیمّم کرے۔یہ اسی لئے ہے کہ نجاست معنوی اس نجاست کبرٰی مقتصرہ میں مندرج نہیں۔(ت)

اگر سوال ہو کہ یہ تو پانی میں ہے کہ وہ بھی جس حصہ تک پہنچتا ہے اس کے لئے مطہر مقتصر ہے۔مگر تیمّم کا یہ حال نہیں کیونکہ وہ غسل کی طرح پورے بدن کو ہمہ گیر اور عام ہے۔

اقول: ہاں بدن کو عام اور ہمہ گیر ہے لیکن

[1] شرح الوقایۃ باب التیمم مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۴

الحدث هو الرفع لاتغییرہ عن صفته حتی یجعل المندرج غیرمندرج اوبالعکس بل انما یرفعه علی ماھو علیه من الحال ان مندرجا فمندرجا اومستبدا فمستبدا فاذا اغتسل وبقیت لمعة فی ظھرہ ثم احدث فتیمم لھما ازالھما مغیّین الی وجدان الماء وھذہ ثمرة عمومه لاان یدرج نجاسة حکمیة قائمة بالاعضاء الاربعة فی نجاسة اخری قائمة بالظھر فتبقی کل منھما تنتظر الماء الکافی لھا بحیاله فاذا وجد وضوء وجب علیه الوضوء ولووجدہ قبل ھذا التیمم لمعه التیمم للحدث لان کل ناقض بقاء مانع ابتداء ویکون الماء محللا للصلاة بالنظر الی ھذا المستقل المستبد ال غیر المنظور فیه الی الاٰخر ولم یجتمع الماء والتراب علی طھارة بل توزعا علی طھارتین مستقلتین فانحلت الشبھات جیمعا والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔**اقول:** ومن ھھنا ظھر وللہ الحمد ان(۱) من اجنب فتیمم فاحدث فتوضأ فمر بنھر

حدث میں اس کا عمل یہی ہے کہ اسے دُور کردے یہ نہیں کہ اس کی صفت بدل ڈالے اس طرح کہ مندرج کو غیر مندرج بنادے یا اس کے برعکس۔بلکہ صرف اتنا کرے گا کہ حدث جس حالت وصفت پر ہے اسی حال پر اسے رفع کردے گا۔مندرج ہے تو بحالت اندراج، مستقل ہے تو بحالت استقلال۔اب دیکھئے جب اس نے غسل کیا اور اس کی پشت میں لمعہ باقی رہ گیا پھر اسے حدث ہوا،اب اس نے حدث وجنابت دونوں کے لئے تیمّم کیا تو یہ تیمّم دونوں کو پانی کی دست یابی تک کے لئے دُور کردے گا۔یہی اس کے عموم اور ہمہ گیری کا ثمرہ ہے۔یہ نہیں کہ ایک نجاست حکمیہ جو اعضائے اربعہ میں ہے اسے دوسری نجاست حکمیہ میں جو پشت میں۔ہے مندرج کردے۔اس لئے دونوں نجاستوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے لیے مستقل طور پر مائے کافی کے انتظار میں رہے گی جس وقت اسے وضو کا پانی مل جائے اس پر وضو واجب ہوجائے گا۔اور اگر اس تیمّم سے پہلے اسے وضو کا پانی ملتا تو وہ حدث کا تیمّم کرنے سے مانع ہوتا اس لئے کہ ہر وہ جو بقاءً ناقض ہے ابتداءً مانع ہے۔اور پانی اس مستقل متبد کے لحاظ سے جس میں دوسرے کی جانب نظر نہیں نماز کو مباح کرنے والا ہے۔اور ایک طہارت پر پانی اور مٹی کا اجتماع نہ ہوا بلکہ دونوں دو مستقل طہارتوں پر متفرق اور جُدا جُدا ہیں۔تمام شبہات حل ہوگئے اور ساری تعریف خدائے رب العٰلمین کے لئے ہے۔اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر درود ہو۔(ت)

اقول: یہیں سے بحمدہ تعالٰی یہ بھی ظاہر ہوا کہ جسے جنابت ہوئی تو اس نے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو اس نے وضو کیا پھر کسی دریا کے

و قدر عـه على الاغتسال فلم يغتسل عاد جنبا غير محدث بالحدث الاصغر لان الجنابة انما تعود فيما لم يصبه الماء من اعضائه وبوضوئه السابق مر الماء على اعضاء الوضوء فلا تعود اليها جنابة الابسبب جديد كمابينا فى الافادة الاولى ونقلنا التنصيص به عن الغنية والبدائع فهذا(۱) ان حدث ولوقبل التيمم للجنابة العائدة و وجد وضوء وجب عليه الوضوء قطعا لان هذا حدث طرأ على طهر فينقضه ولايكفيه تيممه الأن لانه لجنابة مقتصرة فى غير اعضاء الوضوء فلم يندرج الحدث فيه وبقى مستقلا بحياله نعم يرتفع (۲) بتيممه للجنابة العائدة ان لوكان عاجزا عن الوضوء ايضا لان التيمم وان كان لجنابة قدر ظفر يعم البدن فاذا وجد شرطه وهو العجز عن الماء فى اعضاء الوضوء ايضا طهرها ايضا اما وهو قادر على الوضوء فلا لفقد الشرط ،وبالجملة(۳) اذا استقل الحدثان فالتيمم لهما وان كان واحدا بالصورة تيممان معنى ينظر فى كل منهما الى شرطه فحيث تحقق يصح فى حقه وحيث لا لابخلاف تيمم(۴) جنب ذى حدث مندرج فانه تيمم	پاس سے گزرا اور غسل پر قادر ہوا مگر اس نے غسل نہ کیا تو وہ پھر جنب ہوگیا لیکن محدث بہ حدث اصغر نہ ہُوا-اس لئے کہ کہ جنابت ان ہی اعضاء میں عود کرے گی جنہیں پانی نہ پہنچا اور اعضائے وضو پر اس کے وضوئے سابق کی وجہ سے پانی گزر گیا تو ان پر جنابت بغیر کسی سبب جدید کے عود نہ کرے گی جیسا کہ ہم نے افادہ اولٰی میں بیان کیا-اور اس کی تصریح غنیہاور بدائع سے نقل کی-پھر اس کو اگر حدث ہو-اگرچہ لوٹ آنے والی جنابت کا تیمّم کرنے سے پہلے ہو-اور وہ آب وضو پائے تو اس پر وضو قطعًا واجب ہے-اس لئے کہ یہ ایسا حدث ہے جو طہارت پر طاری ہوا تو اسے توڑ دے گا-اور اس وقت اس کا تیمّم کرنا اسے کفایت نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ اس جنابت کے لئے ہے جو غیر اعضائے وضو میں مقتصر ہے تو حدث اس میں مندرج نہ ہوا اور الگ مستقل رہ گیا-ہاں اس کا حدث لوٹ آنے والی جنابت کا تیمّم کرنے سے اٹھ جائے گا اگر وہ وضو سے بھی عاجز ہو-کیونکہ تیمّم اگرچہ ناخن برابر جنابت کے لئے ہو لیکن تمام بدن کو عام ہوتا ہے-تو جب اس کی شرط-اعضائے وضو میں بھی

عـه قال الامام فقيه النفس علم به **اقول**:والمراد القدرة فان العلم لايستلزم القدرة والقدرة تستلزم العلم ۱۲ منه غفرله-(م)

امام فقیہ النفس نے فرمایا: دریا کا اسے علم ہوا **اقول**: مراد قدرت ہے اس لئے کہ علم ہونا قدرت کو مستلزم نہیں اور قادر ہونا علم کو مستلزم ہے ۱۲منہ غفرلہ-(ت)

واحد صورۃ ومعنی لاجل الاندراج وھھنا لا اندراج الا تری الی ماقدمنا عن الکافی الاٰن من ایجاب الوضوء علیه اذا وجد ماء کافیا ببله باتفاق الامامین وان قال الامام الثانی بصرف حکم الوضوء عنه لعارض وسیجیئ فی الرسالۃ التالیۃ ان الاصح قول محمد وھذہ عین الجزئیۃ المطلوبۃ فانه جنب ذولمعۃ وقد احدث قبل التیمم لھا فوجب الوضوء علیه وکذلك ھو مفاد المنیۃ علی نسخۃ المتن کماقدمنا وکذلك نص علیه فی شرح الوقایۃ کما تقدم وقد اقرہ المحشون و الناظرون ولم یستشکله احد کما استشکلوا جمیعا قوله فی صدرالباب*وماھو الا لان ما ھنا فی حدث مستقل فلایحوم حول ایجاب الوضوء فیه شبھۃ ولاارتیاب*،وھھنا تعود جمیع الابحاث التی اوردناھا فی الافادۃ العاشرۃ علی طریقۃ السؤال*ودفعناھابعدم الاستقلال*فترد الاٰن ولامرد لشیئ منھا ولازوال*ورحم اللہ الفاضل البرجندی والعلماء جمیعا اذ صور وجود الجنابۃ من دون حدث بثلاث صور اولھا ھذہ ولما اتی علی استظھار عدم وجوب الوضوء خص الکلام بالاخریین وجعل ھذہ بمعزل عنه کما نقلنا کلامه اٰخر الدلائل وتتمته فی الاشکال الخامس لان ھذہ لا یرتاب فیھا وجوب

پانی سے عجز- پائی جائے تو انہیں بھی پاک کردے گا۔ مگر وضو پر قدرت کی حالت میں پاک نہ کرے گا اس لئے کہ شرط مفقود ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب دونوں حدث مستقل ہوں تو ان کے لئے تیمّم اگرچہ صورۃً ایک ہو معنیً دو ۲ تیمّم ہوتے ہیں ہر ایک میں اس کی شرط پر نظر کی جائے گی جہاں جس کی شرط متحقق ہو اس کے حق میں وہ تیمّم صحیح ہوگا جہاں شرط نہ متحقق ہو صحیح نہیں ہوگا۔ مگر حدث مندرج والے جنب کا تیمّم اس کے برخلاف ہے اس لئے کہ اندراج کی وجہ سے وہ صورۃً بھی ایک تیمّم ہے اور معنیً بھی اور یہاں اندراج نہیں وہی عبارت دیکھ لیجئے جو ابھی ہم نے کافی کے حوالہ سے پیش کی ہے کہ باتفاق امام اعظم وامام محمد علیہما الرحمۃ اس پر وضو کے لئے کافی پانی کی دستیابی کی صورت میں وضو واجب ہے اگرچہ امام ثانی (ابویوسف) کا قول ہے کہ اس سے وضو کا حکم عارضہ کے سبب ساقط ہوجائے گا اور آنیوالے رسالہ میں یہ بات آرہی ہے کہ اصح قول امام محمد کا ہے، اور یہ بعینہٖ ہمارا مطلوب جزئیہ ہے اس لئے کہ وہ لمعہ والا جنب ہے جسے تیمّم جنابت سے پہلے حدث بھی لاحق ہو تو اس پر وضو واجب ہوگیا۔ اسی طرح شرح وقایہ میں بھی اس کی تصریح ہے جیسا کہ گزرا۔ اسے محشین اور ناظرین نے برقرار بھی رکھا اور کسی نے اس میں اشکال نہ محسوس کیا جیسے شروع باب میں ان کے قول میں سبھی حضرات نے اشکال سمجھا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں جو کلام ہے وہ حدث مستقل کے بارے میں ہے تو اس میں ایجاب وضو کے گرد کسی شک وشبہہ کا گزر نہیں۔ اور یہاں وہ ساری بحثیں آجاتی ہیں جنہیں ہم افادہ دہم

الوضوء نعم (۱) لوتیمم ثم احدث ولم یتوضأ ثم مر بماء وجاوزہ فھذا وان وجد وضوء لاوضوء علیہ سواء احدث او لم یحدث لان الحدث بعد ماکان مستقلا صار مندرجا لعود الجنابۃ الی اعضاء الوضوء وکذا (۲) کل حدث یحدث بعدہ ما لم یحدث بعد رفع الجنابۃ العائدۃ عن اعضاء الوضوء بعضا اوکلا بماء اوتراب۔

فظھر (۳) ان ماوقع فی مسألۃ الجنب المذکورۃ فی الخانیۃ الشریفۃ من قولہ احدث اولم یحدث سبق قلم من الامام الاجل فقیہ النفس رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ ورحمنا بہ فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین ولاغر وفلکل جوادکبوۃ* ولکل صارم نبوۃ* ولاعصمۃ الالکلام الالوھیۃ ثم النبوۃ* والمسألۃ قد ذکرھا محرر المذھب محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الاصل لم یذکر فیہ احدث اولم یحدث وھکذا اثرہ فی الخلاصۃ اذ قال رجل (۴) تیمم للجنابۃ وصلی ثم احدث ومعہ من الماء قدرمایتوضأ بہ لصلاۃ یتوضأ بہ لصلاۃ اخری فان توضأ بہ ولبس خفیہ ثم مر بالماء ولم یغتسل حتی صار عادم الماء ثم حضرت الصلاۃ ومعہ من الماء قدرمایتوضأ بہ فانہ یتیمم ولایتوضأ فان تیمم ثم حضرت الصلاۃ الاخری وقدسبقہ الحدث فانہ یتوضؤ بہ وینزع خفیہ وان لم یکن مر بماء قبل

میں بطور سوال لائے اور انہیں عدم استقلال کے جواب سے دفع کیا وہ اب پھر وارد ہوں گی اور ان میں سے کوئی نہ رد ہو سکتی ہے نہ ٹل سکتی ہے۔خدا کی رحمت ہو فاضل برجندی -اور تمام علماء- پر کہ فاضل موصوف نے بغیر حدث کے جنابت پائے جانے کی تین صورتیں پیش کیں جن میں پہلی صورت یہی ہے-اور جب عدم وجوب وضو کے بارے میں اپنی رائے کے اظہار پر آئے تو صرف بعد والی دونوں صورتوں سے متعلق کلام کیا اور اسے معرضِ کلام سے بالکل الگ رکھا جیسا کہ دلائل کے آخر میں ہم نے ان کا کلام نقل کیا اور اس کا تکملہ اشکال پنجم میں ہے کیونکہ اِس سے متعلق وجوب وضو میں کوئی شک نہیں-ہاں اگر تیمّم کرلیا پھر اسے حدث ہوا اور وضو نہ کیا پھر (نہانے کے قابل) پانی کے پاس سے گزرا، اور اسے چھوڑ کر آگے چلا گیا-تو اس شخص کے پاس اگرچہ آبِ وضو موجود ہے مگر اس پر وضو نہیں خواہ اسے حدث ہو یا نہ ہو-اس لئے کہ اس کا حدث پہلے اگرچہ مستقل تھا مگر اب اعضائے وضو میں جنابت لَوٹ آنے کی وجہ سے مندرج ہوگیا-اسی طرح عود جنابت کے بعد جو بھی حدث ہوگا (سب مندرج ہو جائے گا) بشرطیکہ عود کرنے والی جنابت کو پانی یا مٹی کے ذریعہ اعضائے وضو سے کُلًّا یا بعضًا رفع کرنے کے بعد وہ حدث نہ پیدا ہوا ہو (کہ ایسا حدث مندرج نہ ہوگا) اس سے ظاہر ہوا کہ جنب کے مذکورہ مسئلہ میں خانیہ شریف میں واقع یہ عبارت "احدث اولم یحدث" (اسے حدث ہو یا نہ ہو) امام اجل فقیہ النفس کی سبقت قلم سے صادر ہوئی۔

ذلك مسح علی خفیه الکل فی الاصل [1] اھ۔ھذا ماعندی والعلم بالحق عندربی انه بکل شیئ علیم۔

خدائے برترانہیں اپنی وسیع رحمت سے نوازے اوران کی برکت سے دُنیا وآخرت میں ہم پر بھی رحم فرمائے۔یہ کوئی حیرت انگیزامر نہیں کیونکہ ہراسپ خوش رفتار کو ٹھوکر بھی لگتی ہے اور ہر شمشیر بردار کو ناموافقت سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔عصمت تو صرف کلامِ الوہیت پھر کلامِ نبوت کو ہے یہ مسئلہ محررِ مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل (مبسوط شریف) میں بیان کیا ہے۔اس میں "احدث اولم یحدث" ذکر نہ فرمایا۔خلاصہ میں ان کی عبارت اسی طرح نقل فرمائی ہے جو درج ذیل ہے: "ایک شخص نے جنابت کا تیمّم کیااور نمازادا کی پھر اسے حدث ہوااور اس کے پاس اتنا پانی ہے جس سے وضو کرسکتا ہے تو اس سے دوسری نماز کے لئے وضو کرے گا۔اگراس سے وضو کرلیا اور موزے پہن لیے پھر پانی کے پاس سے گزرااور غسل نہ کیا یہاں تک کہ پانی اس کے لئے معدوم ہوگیا پھر نماز کاوقت آیا اب اس کے پاس بقدر وضو پانی ہے تو وہ تیمّم کرے گااور وضو نہیں کرے گا۔اگراس نے تیمّم کرلیا پھر دوسری نماز کاوقت اس حالت میں آیا کہ اسے حدث لاحق ہوچکا تو اس پانی سے وہ وضو کرے گااور اپنے موزے اتارے گا-اور اگراس سے پہلے وہ پانی سے نہ گزرا تھا تو اپنے موزوں پر مسح کرے- یہ سب اصل (مبسوط) میں ہے اھ یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے۔اور حق کا علم میرے رب کے یہاں ہے،یقینا وہ ہر شَے کا علم رکھتا ہے۔(ت)

الافادة۱۲: تقریری ھذا فتح وللہ الحمد باباٰاٰخر للتاویل **فاقول:**مع علی معناھا ولانتصرف فی شیئ من الالفاظ ونقول الجنابة اذاشملت لم یظھر معھا حدث بل اندمج فیھا واستُھلك کالمذی فی المنی فی حکم الطھارة فمعیتھما لاتکون الا باستقلالھما وذلك فی جنابة مقتصرة لاتشتمل محل الحدث طرأ ولایکون الا بان یتوضأ بعد الجنابة کلا اوبعضا ثم یحدث کماتقدم والفرض ان الماء یکفی للحدث لاللجنابة فیجب ان تکون

افادہ ۱۲: میری اس تقریر نے بحمدہ تعالٰی تاویل کا ایک اور دروازہ کھولا **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) عبارت شرح وقایہ میں مع اپنے معنی پر ہے اور ہم کسی لفظ میں تصرف نہیں کرتے۔ہم کہتے ہیں جنابت جب شاملہ ہو اس کے ساتھ کوئی حدث ظاہر نہ ہوگا بلکہ اسی میں مل جائے گا اور غائب ومستہلک ہوجائے گا جیسے حکمِ طہارت میں منی کے اندر مذی کے غ یاب واستہلاک کا حال ہے۔تو حدث وجنابت دونوں ایک ساتھ اسی وقت ہوں گے جب دونوں مستقل ہوں۔یہ اس جنابت مقتصرہ میں ہوگا جو

[1] خلاصۃ الفتاوٰی خمسۃ من المتیممین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳۸/۱

الجنابة فی محل اکبر من اعضاء الوضوء وحینئذ لاشك انه اذا وجد وضوء یجب علیه الوضوء بالاتفاق لان تیممه یکون للجنابة خاصة ولا یرفع الحدث لکونه مستبدا بالحکم والماء کاف له والحمدلله حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه*وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمّد واٰله وذویه*اٰمین۔

فظهران معنی کلام الامام ان المحدث علی ثلثة انواع الاول من به جنابة وحدها سواء لم یکن معها حدث اصلا کمامر تصویره اوکان وهو مغمور مستهلك فیها کجنب لم یمس ماء اوغسل بدنه ماعدا اعضاء الوضوء اوغسل غیرها و غیرحصة اخری ثم احدث فی الکل قبل ان یتطهر لها،والثانی من به جنابة معها حدث کجنب توضأ اوغسل بعض اعضاء وضوئه فقط اومع غیرها من سائر البدن کلا او بعضا ثم احدث قبل التیمم لها او فعل ذلك وفنی الماء وتیمم لها ثم احدث ثم مر بماء یکفی لها فلم یغتسل،والثالث من به حدث وحده وهوظاهر وهذه احکامها اما القسم الاول

پورے محلِ حدث کو شامل نہ ہو اس کی صورت یہی ہوگی کہ جنابت کے بعد کلًّا یا بعضًا وضو کرے پھر اسے حدث ہو جیساکہ پہلے ذکر ہوا۔اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ پانی حدث ہی کے لئے کفایت کررہا ہے جنابت کے لئے نہیں۔تو ضروری ہے کہ جنابت اعضائے وضو سے زیادہ بڑے حصّے میں ہو جب یہ صورت ہو تو بلاشبہہ آب وضو ملنے کے وقت اس پر بالاتفاق وضو واجب ہوگا اس لئے کہ اس کا تیمّم خاص جنابت کے لئے ہوگا اور حدث رفع نہ کرے گا کیونکہ حدث تو اپنا مستقل حکم رکھتا ہے۔اور اس کے لئے بقدر کفایت پانی موجود ہے اور ساری حمد خدا کے لئے ہے کثیر پاکیزہ بابرکت حمد۔اور خدائے برتر کی طرف سے ہمارے آقا و مولٰی محمد اور ان کی آل اور ان کے سبھی لوگوں پر درود وہو۔الٰہی! قبول فرما۔(ت)اس سے ظاہر ہوا کہ امام صدر الشریعۃ کے کلام کا معنی یہ ہے کہ محدث کی تین ۳ قسمیں ہیں:

اوّل: وہ جسے صرف جنابت ہے خواہ اس کے ساتھ کوئی حدث بالکل نہ ہو۔جیساکہ اس کی صورت کا بیان گزرا۔یا حدث ہو تو وہ جنابت ہی میں مخفی ومستہلک ہو جیسے وہ جنب جس نے پانی مَس نہ کیا۔یا اعضائے وضو کے ماسوا بدن دھولیا۔یا اعضائے وضو اور کسی دوسرے حصّہ کو چھوڑ کر باقی سب دھولیا۔پھر ان سبھی صورتوں میں جنابت سے پاکی حاصل کرنے سے پہلے اسے حدث ہوا۔

دوم: وہ جسے ایسی جنابت ہے جس کے ساتھ کوئی حدث بھی ہے۔جیسے وہ جنب جس نے وضو کرلیا یا صرف بعض اعضائے وضو دھولیے یا بعض اعضائے وضو باقی بدن میں سے کل یا بعض

(اذاکان للجنب) المتفرد بالجنابة بدلیل المقابلة (ماء یکفی للوضوء لاللغسل) ای ازالة الجنابة الشاملة کمافی الصورة الاولی او غیرھا کمافی الاخیرتین فانه (یتیمم لایجب علیه التوضی عندنا)اذلاحدث معه یستقل بحکم والفرض انه لایخرجه عن جنابته فکان وجوده وعدمه سواء (خلافا للشافعی) رضی الله تعالٰی عنه لماعلمت و(اما) القسم الثانی (اذاکان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء) مستبد بالحکم (فانه یجب علیه الوضوء) قطعالان حدثه مستقل وقدقدر علی ماء یکفی لازالته ولایکفیه التیمم (فا) عــه ن ا (التیمم الذی یفعله انما یکون (للجنابة) خاصة لعدم الاندراج فیلزم الوضوء (بالاتفاق و) اما القسم الثالث (اذاکان للمحدث) المتفرد بالحدث (ماء یکفی لغسل بعض اعضائه

کے ساتھ دھولے پھر جنابت کا تیمّم کرنے سے پہلے اسے حدث ہوا یا اتنااس نے کیااور پانی ختم ہوگیااور جنابت کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا پھراتنے پانی کے پاس سے گزراجو جنابت کے لئے کافی تھامگراس نے غسل نہ کیا۔

سوم: وہ جسے صرف حدث ہو یہ ظاہر ہے۔اور تینوں قسموں کے احکام یہ ہیں۔لیکن قسم اول (جب جنب کے پاس) وہ جسے صرف جنابت ہو اس قید کی دلیل یہ ہے کہ مقابلہ میں ایسا جنب مذکور ہے جس کے ساتھ حدث بھی ہے(اتنا پانی ہو جو وضوکے لئے کافی ہو غسل کے لئے نہیں) یعنی جنابت شاملہ دُور کرنے کے لئے نہیں جیساکہ پہلی صورت میں ہے۔یا غیر جنابت شاملہ کے لئے نہیں جیساکہ بعد والی دونوں صورتوں میں ہے۔(تو وہ تیمّم کرے گااور ہمارے نزدیک اس پر وضوواجب نہیں)اس لئے کہ اس کے ساتھ کوئی ایساحدث نہیں جو مستقل

عــه: ھذا علی التعلیل وان جعلنا الفاء للتفریع امکن تعلق قوله بالاتفاق بمایلیه علی تقدیر تأخر التیمم عن الوضوء فیکون المعنی (یجب علیه الوضوء) فاذاتوضأ (فالتیمم) الذی یفعله بعد ےبقی (للجنابة بالاتفاق)لارتفاع الحدث بالوضوء ونفاد الماء بعده ولکن الاول ھو الاولی کمالایخفی ۱۲ منه غفرله (م)

یہ اس تقدیر پر ہے کہ ف برائے تعلیل ہے۔اور اگر فاء برائے تفریع مانیں تو ان کے قول بالاتفاق کا تعلق اسی عبارت سے ہوگا جس سے یہ متصل ہےاس تقدیر پرکہ تیمّم وضوکے بعد ہو تو معنی یہ ہوگا (اس پر وضوواجب ہے) توجب وہ وضو کرلے (تو تیمّم) جسے وہ بعد میں ہی کرے گا(بالاتفاق جنابت کے لئے) باقی رہے گا کیونکہ حدث وضوسے رفع ہوگیااور اس کے بعد پانی بھی ختم ہوگیا۔لیکن اول اولٰی ہے جیساکہ مخفی نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

فالخلاف) بیننا وبین الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنه (ثابت ایضا) [1] فی وجوب صرف ذلك الماء وعدمه وھذا کماتری بحمداللہ تعالٰی احق باسم الشرح من اسم التأویل اذلیس فیه صرف لفظ عن معناہ واصلا، وانا اجعله ھدیة لروح الامام صدر الشریعة* جعله اللہ تعالٰی لاصلاح احوالی ومغفرة* ذنوبی ذریعة* انه ھو الرؤف الرحیم* ربنا تقبل منّا انك انت السمیع العلیم* والحمدللہ حمدًا کثیرا طیبا مبارکا فیه* وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا **محمد** واٰله وذویه* اٰمین۔	حکم رکھتا ہو۔اور فرض یہ کیا گیا ہے کہ وہ پانی اسے جنابت سے نکال نہیں سکتا تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے (بخلاف امام شافعی کے) رضی اللہ تعالٰی عنہ۔اس کی وجہ معلوم ہوچکی (لیکن) قسم دوم (جب جنابت کے ساتھ کوئی ایسا حدث ہو جو وضو واجب کرتا ہے) جبکہ حدث اپنا مستقل حکم رکھتا ہو (تو اس پر وضو واجب ہے) قطعًا کیونکہ اس کا حدث مستقل ہے اور اسے اتنے پانی پر قدرت بھی ہے جو اس حدث کو دُور کرنے کے لئے کافی ہے۔اور اس کے لئے تیمّم کفایت نہیں کرسکتا اس لئے (کہ تیمّم) جو وہ کررہا ہے صرف (جنابت کے لئے ہے) کیونکہ حدث اس میں مندرج نہیں۔تو وضو لازم ہے (بالاتفاق)۔رہی قسم سوم (جب محدث) جو صرف حدث والا ہے (کے پاس اتنا پانی ہو جو اس کے بعض اعضاء کے دھونے کے لئے کفایت کرے تو بھی اختلاف) ہمارے اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان (ثابت ہے) اس بارے میں کہ اس پانی کو صرف کرنا واجب ہے یا نہیں۔(ان کے نزدیک ہے ہمارے نزدیک نہیں ۱۲م الف) یہ توضیح جیسا کہ ناظرین کے سامنے ہے تاویل سے زیادہ شرح کا نام دیے جانے کی مستحق ہے۔کیونکہ اس میں کسی لفظ کو اس کے معنی سے پھیرنا بالکل نہیں۔میں اسے امام صدر الشریعۃ کی روح پاک کے لئے ہدیہ کرتا ہوں۔انہیں خدائے برتر میرے احوال کی اصلاح اور میرے گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ بنائے۔اور خدا ہی کے لئے حمد ہے کثیر پاکیزہ بابرکت حمد اور خدائے برتر کی طرف سے ہمارے آقا و مولٰی محمد، ان کی آل اور ان کے سبھی لوگوں پر درود ہو۔الٰہی قبول فرما۔(ت)

خلاصہ تحقیقات: ان چند مسائل سے واضح تنبیہ ان مسائل میں ہم جہاں جنابت کا لفظ لکھیں گے اُس سے مراد حدث اکبر ہے یعنی جس سے نہانا واجب ہوتا ہے خواہ جنابت ہو یا انقطاع حیض ونفاس اور لفظ حدث سے خاص حدث اصغر مراد ہے یعنی جس سے صرف وضو واجب ہوتا ہے **اقول:** وباللہ التوفیق

مسئلہ (۱): جنابت باقی ہونے کی حالت میں جب حدث پایا جائے (خواہ جنابت سے پہلے کا ہو

---

[1] ماخوذ من شرح الوقایة، باب التیمم، المکتبة الرشیدیہ دہلی، ۱/۹۵

جیسے سو کر اٹھا اور نہانے کی حاجت پائی بلکہ یہ صورت ہر انزال میں ہے کہ اُس سے پہلے خروج مذی ہے یوں ہی غیبوبت حشفہ سے پہلے مباشرت فاحشہ یا اُس سے بعد کا جیسے جماع کے بعد پیشاب کیا یا اس کے ساتھ کا جیسے جنابت کے لئے تیمّم کیا پھر حدث ہوا وضو کیا پھر پیشاب کو بے ٹھا اور اس کا پہلا قطرہ نکلنے کے ساتھ قابلِ غسل پانی موجود ہونے کا علم ہوا یا عورت کو پہلی ہی بار دس ۱۰ دن دو ۲ منٹ خون آیا تو جس وقت دس ۱۰ رات دن کے گھنٹے منٹ ختم ہوئے وہی وقت اس کے انقطاعِ حیض اور اس پر وجوب غسل کا تھا اور ساتھ ہی ہنوز جریانِ خون باقی ہے اب یہ استحاضہ اور حدثِ اصغر ہے اگرچہ یہاں معیت بمعنی اتصال حقیقی ہے کہ ایک آن کا بھی فاصلہ نہیں بلکہ ایک ہی آن فصل مشترک ہے کہ اس پر حیض ختم اور اُسی سے استحاضہ شروع) بالجملہ ۱ جب حدث وجنابت ایک وقت میں جمع ہوں اگرچہ اُن کے حدوث میں تقدم تاخر معیت کچھ بھی ہو اس کی دو ۲ قسمیں ہیں:

اوّل: کُل یا بعض اعضائے وضو جتنی جگہ حدث ہے جنابت اُس سب جگہ کو محیط ہو حدث کا کوئی حصّہ محلِ جنابت سے باہر نہ ہو عام ازیں کہ جنابت بھی صرف اتنی ہی جگہ ہو یا اُس کے علاوہ اور بھی ہم نے اس کا نام حدث مندرج یا مندمج رکھا اس کی بارہ ۱۲ صورتیں ہیں کہ اگر حدث ۱ کُل اعضائے وضو میں ہے تو جنابت بھی کُل میں ہے یا ۲ حدث بعض میں ہے تو جنابت کل یا ((۳) اعضائے وضو سے اُس بعض یا ۴ کے ساتھ بعض باقی کے بھی ایک حصّہ میں ہے یہ چار ۴ شکلیں ہُوئیں اور ہر شکل پر ممکن کہ جنابت صرف یہیں ہو یا اس کے ساتھ باقی بدن کے بعض یا کُل میں بھی تو بارہ ۱۲ ہو گئیں مثلاً:

(۱) جنب ۱ محدث نے وضو نہ کیا باقی کُل بدن دھولیا کہ حدث وجنابت صرف کُل اعضائے وضو میں ہیں یا ۲ باقی بعض بدن دھویا کہ حدث کُل اعضائے وضو اور جنابت اُن کے ساتھ باقی بدن کے بھی بعض میں ہے یا ۳ اصلاً پانی نہ چھُوا کہ حدث اُس کُل اور جنابت سارے بدن میں ہے۔

(۲) محدث ۴ نے بعض اعضائے وضو دھولئے کہ حدث بعض میں رہا پھر بلا حدث جنابت ہوئی جس کی تصویر اوپر گزری اب یہ جنابت کل اعضائے وضو میں ہے اور وہی صورتیں ہیں کہ باقی بدن کُل یا بعض ۵ دھولیا یا ۶ کچھ نہیں۔

(۳) جنب ۷ محدث نے بعض اعضائے وضو دھولے اور باقی بدن کُل یا ۸ بعض یا ۹ کچھ نہیں۔

(۴) محدث ۱۰ نے مثلاً دو عضو وضو دھولے پھر جنابت بے حدث ہوئی اور اُن دو ۲ میں کا ایک ہی دھویا کہ حدث دو ۲ عضو باقی میں ہے اور جنابت اُن دو ۲ اور اُن کے سوا تیسرے میں بھی اور باقی بدن کُل یا بعض ۱۱ دھویا یا ۱۲ کچھ نہیں۔

تنبیہ اوّل: اندراج ۲ حدث کی چھ ۶ صورتیں جن میں جنابت اعضائے وضو میں محل حدث سے زائد میں ہے یعنی ۴۔۵۔۶۔۱۰۔۱۱۔۱۲ اُسی حالت میں ممکن ہیں کہ جنابت حدث کے بعد ہو کہ یہاں یہ درکار کہ اعضائے وضو میں بعض جگہ حدث نہ ہو اور جنابت ہو اگر حدث متاخر ہوا تو اس بعض سے اس کا ارتفاع دھونے

ہی سے ہوگا اور دھونا جنابت کو بھی زائل کردے گا۔ہاں باقی چھ[6] میں حدث وجنابت کا تقدم وتاخر دونوں ممکن ولہذا ہم نے اُن میں جنب محدث کہا کہ ہر صورت کو محتمل رہے وباللہ التوفیق۔

دوم: حدث کُل یا بعض محل جنابت سے جُدا ہو اسے حدث مستقل یا مستبد کہیے۔اس[1] کی دس[10] صورتیں ہیں کہ حدث کُل یا بعض اعضائے وضو جتنی جگہ میں ہو جنابت اُس جگہ کے بعض میں ہو یا اعضائے وضو میں اصلًا نہ ہو یہ بھی چار[4] شکلیں ہوئیں مگر دو[2] پہلی بدستور ثلاثی ہیں اور دو[2] پچھلی کہ اعضائے وضو میں اصلًا نہ ہو ثنائی کہ باقی بدن کے بعض یا کُلی کے سوا بالکل نہ ہونے کا احتمال نہیں کہ کلام اجتماع جنابت وحدث میں ہے لہذا یہ دس[10] ہی صورتیں رہیں، مثلًا:

(۱) جنب[1] نے صرف بعض اعضائے وضو یا[2] ان کے ساتھ باقی کل یا[3] بعض بدن دھولیا پھر حدث ہوا کہ یہ کل اعضائے وضو میں ہے۔

(۲) جنب[4] نے صرف پورا وضو کیا یا[5] باقی بدن کا بھی ایک حصّہ دھو یا پھر حدث ہوا۔

(۳) جنب[6] نے فقط ہاتھ یا(۷) غیر اعضائے وضو کا کُل یا(۸) بعض بھی دھو یا پھر حدث ہوا اور پاؤں دھوئے کہ پاؤں سے جنابت و حدث دونوں زائل ہوگئے اور حدث باقی تین ۳ اعضاء میں ہے اور جنابت اُن میں سے صرف دو ۲ میں کہ بعد جنابت ہاتھ دھو چکا ہے

(۴) جنب[9] نے فقط وضو یا[10] باقی بدن کا بھی بعض دھو یا پھر حدث ہوا اور بعض اعضائے وضو دھوئے۔

اقول: یہاں[2] کلیہ یہ ہے کہ جنابت کے بعد جو عضو وضو دُھل چکا اُس میں حدث مستقل ہے خواہ جمیع اعضائے وضو ہوں کہ اس وقت پورا حدث مستقل ہوگا جیسے ۴۔۵۔۹۔۱۰ میں یا بعض اس وقت یہی ٹکڑا مستقل ہوگا جو اس بعض میں ہے باقی بدستور تابع جنابت رہے گا جیسا باقی ۶ میں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ اقول: استقلال[3] حدث نہیں ہوتا مگر جبکہ حدث جنابت کے بعد ہو کہ یہاں یہ درکار کہ جنابت محل حدث میں اصلًا نہ ہو یا ہو تو اُس کے بعض میں ہو اگر حدث پہلے ہو تو یہ ناممکن ہے کہ جنابت لاحقہ کُل یا بعض محل حدث سے بے دھوئے نہ اُٹھے گی اور دھونا حدث سابق کو بھی زائل کردے گا۔

ثم اقول: تفصیل مقام یہ ہے کہ یہاں چونتیس[34] احتمال عقلی ہیں کہ حدث[1] اگر کُل اعضائے وضو میں ہے تو جنابت کُل یا[2] بعض میں ہو یا[3] ان میں کہیں نہیں اور[4] اگر حدث بعض میں ہے تو جنابت کُل اعضائے وضو یا[5] اُسی حدث والے حیض کے کُل یا بعض[6] یا بعض[7] دیگر کے کُل یا بعض[8] یا بعض[9] اول کے کُل اور دیگر کے بعض یا[10] بالعکس یا[11] دونوں بعضوں کے بعض یا[12] کسی میں نہیں۔یہ بارہ[12] شکلیں ہوئیں جن میں سوم ودوازدہم بوجہ مذکور ثنائی ہیں اور باقی دس[10] ثلاثی۔ان میں بارہ[12] صورتیں کہ جنابت بعض دیگر کے کُل یا بعض میں ہو خواہ تنہا یا بعض حدثی کے بعض

کے ساتھ کہ ۷، ۸، ۱۰، ۱۱ ہیں اور ہر ایک ثلاثی محال ہیں کہ ان سب صورتوں کا حاصل یہ ہوا کہ اعضائے وضو کا دوسرا حصّہ جسے بعض دیگر کہا تھا حدث سے بالکل خالی ہے اور اُس کے کُل یا بعض میں جنابت ہے اور پہلے حصّے کے کُل میں حدث ہے اور اس میں جنابت اصلاً نہیں یا بعض میں ہے اب اگر جنابت پہلے ہے اُس کے بعد حدث ہوا تو دوسرا حصّہ بے پُورا دھوئے حدث سے کیونکر خالی ہو سکتا ہے اور جب دھو یا جائے گا جنابت کو بھی رفع کر دے گا اُس کے کُل یا بعض میں کیسے رہ سکتی ہے اور حدث پہلے ہے اُس کے بعد جنابت بے حدث ہوئی تو پہلے حصے کا جب تک کُل یا بعض نہ دھو یا گیا اس سے جنابت کیونکر اُٹھی اور اگر دھو یا گیا تو کُل یا بعض سے حدث بھی دُھل گیا اُس کے کُل میں کیسے رہ سکتا ہے اور اگر حدث وجنابت ساتھ ہوں تو دونوں استحالے ہیں لہٰذا ان ۳۴ میں سے ۲۲ ہی رہیں ۱۲ مندرج ۱۰ مستقل۔

مسئلہ ۲(ا): حدث مندرج کوئی حکم جُداگانہ نہیں رکھتا جنابت کے اندر مستہلک ومستغرق ہو جاتا ہے جیسے منی میں مذی۔ اس کی بارہ[۱۲] صورتوں سے ۱ و ۷ جن میں جنابت وحدث باہم منطبق ہیں ایک دوسرے سے باہر نہیں یہ تو حاجت بیان سے مستغنی ہیں کہ پانی پہلی صورت میں وضو یا ساتویں میں تکمیل وضو کو کافی ملا تو ضرور استعمال کرے گا اُسی میں جنابت وحدث دونوں زائل ہو جائیں گے۔ نہ ملا نہ کرے گا دونوں رہیں گے، ہاں باقی دس صورتوں میں اندراج کا اثر ان احکام سے ظاہر ہوگا۔

مسئلہ ۳: صورت سوم میں کہ پُورا نہانا درکار ہے اور کُل اعضائے وضو میں حدث ہے جو وضوئے کامل چاہتا اگر نہانے پر قادر نہ ہو کر پانی اتنا نہیں یا نہانا مضر ہے یا نہائے تو نماز کا وقت جاتا ہے اور وضو کے لئے کافی پانی موجود ہے اور اس سے ضرر بھی نہیں اور وقت میں بھی اُس کے گنجائش ہے بااینہمہ وضو نہ کرے صرف تیمّم کافی ہے کہ یہ حدث کوئی حکم مستقل نہیں رکھتا۔

مسئلہ ۴: یوں ہی صورت ۶ میں کہ غسل کامل درکار ہے اور حدث صرف بعض اعضائے وضو میں کہ فقط تکمیل وضو چاہتا۔ ممکن ہے کہ اُس کے لئے ایک ہی چلّو درکار ہوتا اگر اتنے پانی پر قادر ہو جب بھی استعمال نہ کرے صرف تیمّم پر قانع ہو۔

مسئلہ ۵: یوں ہی صورت ۹ و ۱۲ میں کہ حدث اگر چاہتا تو تکمیل وضو لیکن جنابت اعضائے وضو کا ایک حصّہ اور اُن کے علاوہ سارا بدن دھونا مانگتی ہے اگر اُنہیں وجوہ سے اس پر قدرت نہ ہو اور تکمیل وضو کو پانی حاضر اور اُس پر قادر جب بھی صرف تیمّم کرے۔ غرض تضاعیف ۳ کی چاروں ۴ صورتیں ایک حکم رکھتی ہیں۔

مسئلہ ۶: باقی ۶ صورتوں ۲۔ ۴۔ ۵۔ ۸۔ ۱۰۔ ۱۱ میں جنابت کے لئے جتنا دھونا درکار ہے

اگراسکے لیے پانی یا وقت نہیں اور حدث کہ دوم میں وضو باقیوں میں تکمیل چاہتا اس کے لئے پانی اور وقت کافی موجود ہیں اور یہ اسی وقت ہوگا کہ مطلوب جنابت مطلوب حدث سے زیادت معتد بہا رکھتا ہو جب تو ان چھ کا بھی وہی حکم ہے کہ وضو و تکمیل کی حاجت نہیں تیمّم کرے۔

ولایلزم فیھا ولا فی الصورتین و تلفیق الطھارت من ماء و تراب بل یسقط ما تقدم ویکون مؤدیا بالتیمم فقط کما قدمنا عن الامام العینی فی الدلیل الاول۔	ان میں اور صورت ۹۔ ۱۲ میں طہارت کو پانی اور مٹی سے خلط کرنا لازم نہیں آتا بلکہ پہلے جو ہو چکا ساقط ہو جائے گا اور وہ صرف تیمّم سے ادا کرنے والا ہوگا، جیساکہ دلیل اول میں امام عینی کے حوالے سے ہم نے پیش کیا۔(ت)

مسئلہ ۷: ان چھ۶ صور میں مطلوب جنابت سے عجز بوجہ ضرر ہو نا ظاہر۲ا صورت چہارم و دہم میں متوقع نہیں کہ اس میں سے ایک حصہ پہلے بوجہ حدث ہو چکا تھا اور باقی کو دھونے پر قدرت اب مفروض ہے کہ مطلوب حدث کے لئے پانی پایا اور اس کے دھونے پر قادر ہے تو عجز کہیں نہ ہوا لہٰذا ضرور ہے کہ صورت چہارم میں پورا وضو اور دہم میں جس قدر مطلوب جنابت سے بجالائے یہاں اگرچہ وضو یا تکمیل وضو کا حکم ہوا مگر نہ حدث بلکہ جنابت کے لئے۔ اور اگر فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں اس حصہ اعضائے وضو میں ضرر پیدا ہو گیا جتنا مطلوب جنابت میں مطلوب حدث سے زائد ہے اور تیمّم کی اجازت اب بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ حصہ سارے بدن کے لحاظ سے بہت کم ہے اور غسل میں جب محل ضرر غیر محل ضرر سے کم ہو یہ جائز نہیں کہ غیر محل ضرر کو دھوئے اور باقی کے لئے تیمّم کرے **فانہ ہو التلفیق الممنوع ولا امکان لسقوط ما تقدم لعدم قیام التیمم مقامہ لفقد شرطہ العجز** (کیونکہ یہی تلفیق ممنوع ہے اور سابق کے ساقط ہونے کا امکان نہیں اس لیے کہ تیمّم اپنی شرط۔عجز۔کے فقدان کی وجہ سے اس کے قائم مقام نہیں۔ت) بلکہ محل ضرر پر مسح کرے باقی دھوئے۔ یہی حکم یہاں سے بہرحال حدث کے لئے وضو یا تکمیل یہاں بھی نہیں۔

مسئلہ ۸: باقی چار صورتوں ۲۔۵۔۸۔۱۱ میں کہ تین کے فصل متوالی سے ہیں نظر کی جائے کہ جتنا بدن دھو چکا اور باقی میں سے جتنے کے دھونے پر قدرت ہے یہ مجموعہ زائد ہے یا اس کے علاوہ اب جو جنابت کے لئے دھونا ہے وہ زیادہ ہے۔ بر تقدیر اول محل ضرر پر مسح کرے اور جو باقی رہ جائے اسے دھوئے اور بر تقدیر دوم تیمّم۔ وجو تکمیل بوجہ حدث یہاں بھی نہیں اسکی تفصیل یہ ہے کہ اعضائے وضو کل یا بعض جس قدر حدث میں نہ دھوئے گئے کہ ان کا نام مطلوب حدث ہے اتنے پر قدرت تو مانی ہوئی ہے کماتقدم (جیساکہ گزرا۔ت) اور جتنا بدن بعد جنابت دھل چکا اُس کا کام بھی فارغ ہو گیا اس مجموعہ کا

نام مقدور رکھئے اور مطلوب حدث کے علاوہ جتنا مطلوب جنابت یعنی اُس میں دھونا اب درکار ہے اسے دوسرا فریق کیجئے ان میں کمی بیشی کی نسبت دیکھی جائے صورت دوم میں تمام اعضائے وضو اور بعض باقی بدن مطلوب جنابت تھی یہ فریق دیگر ہوا اور تمام اعضائے وضو مطلوب حدث تھا اور بعض دیگر باقی بدن دھل چکا یہ فریق اول تمام اعضائے وضو دونوں فریقوں میں مشترک ہیں مشترک ساقط کرکے باقی بدن کے دونوں میں نسبت دیکھی جائے جو دھل چکا وہ زیادہ ہے تو وضو کرے نہ حدث بلکہ جنابت کے لئے اور باقی بدن سے جتنا نہ دھلا تھا اس پر مسح کرے اور اگر جتنا نہ دھلا تھا وہ زیادہ ہے تو تیمّم۔

مسئلہ ۹: یونہی صورت ہشتم میں بعض اعضائے وضو تو جنابت و حدث دونوں سے دھل چکے تھے اور بعض کہ باقی تھے مطلوب حدث و مطلوب جنابت دونوں میں مشترک تھے لہٰذا باقی ہی بدن کے دونوں حصہ مغسول و غیر مغسول میں نسبت ملحوظ ہوگی مغسول زیادہ ہے تو تکمیل وضو کرے نہ حدث بلکہ جنابت کے لئے اور باقی مطلوب جنابت پر مسح اور غیر مغسول زیادہ ہے تو تیمّم۔

مسئلہ ۱۰: صورت پنجم میں مطلوب حدث بعض اعضائے وضو ہیں اور مطلوب جنابت میں کل تو وہ اعضائے وضو کہ حدث میں نہ دھلے تھے بوجہ اشتراک ساقط ہوئے اور جتنے دھل چکے تھے مقدور میں شامل ہونگے تو مغسول حدث اور باقی بدن سے مغسول سابق یہ دونوں ایک فریق ہوئے اور باقی بدن کا غیر مغسول دوسرا فریق اگر فریق اول زائد ہے وضو کرے نہ حدث بلکہ جنابت کے لیے اور باقی مطلوب جنابت پر مسح اور اگر دوم زائد ہے تیمّم۔ہاں اگر اتنی دیر میں مغسول حدث میں ضرر پیدا ہوگیا تو یہ فریق دوم میں شامل ہوگا اب اگر پہلا فریق زائد ہو تو اعضائے وضو سے جس قدر حدث میں نہ دھلے تھے اب دھوئے بغرض جنابت نہ بوجہ حدث اور جتنے دھل چکے تھے ان پر اور باقی بدن کے غیر مغسول پر مسح۔اور دوسرا فریق زیادہ ہو تو تیمّم۔

مسئلہ ۱۱: صورت ۱۱ میں مطلوب حدث کہ بعض اعضائے وضو ہیں مع زیادت داخل مطلوب جنابت ہیں تو مطلوب حدث مشترک ہو کر ساقط ہوا اور مغسول حدث بدستور شامل مقدور تو وہ اور باقی بدن نہ دھلے انہیں جنابت کے لئے اور باقی بدن کے لئے غیر مغسول پر مسح اور فریق دوم زیادہ ہے تو تیمّم مگر یہ کہ مغسول حدث کا جتنا ٹکڑا جنابت میں نہ دھلا اس میں ضرر تازہ پیدا ہوا تو وہ بھی فریق دوم میں شامل ہوگا اگر فریق اول زیادہ ہو تو اس ٹکڑے اور باقی بدن کے غیر مغسول پر مسح کرے اور مطلوب حدث بغرض جنابت دھوئے ورنہ تیمّم۔

تنبیہ: یہ نسبتیں اُسی تقدیر پر ہیں کہ حصّہ مقدور کے علاوہ باقی تمام حصے میں ضرر ہو ورنہ اُس میں بھی جتنے میں ضرر نہیں شاملِ مقدور ہوگا۔

تنبیہ: جتنے حصہ میں فی نفسہ ضرر نہ ہو مگر اس کے دھونے سے پانی وہاں تک پہنچنا لازم ہو جس میں ضرر ہے تو وہ بھی غیر مقدور ہے کمانصوا علیه واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم (جیسا کہ علمانے اس کی تصریح کی ہے اور خدائے پاک وبرتر خُوب جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲: جس طرح ابتدا میں اس حدث کے قابل پانی موجود ہونا تیمّم کو مانع نہیں یوں ہی اگر پانی اصلًا نہ تھا اور تیمّم کرلیا کہ جنابت وحدث دونوں کو رفع کرگیا اب پانی اتنا ملا کہ اُس حدث کو کافی ہے جب بھی اُس کے استعمال کی حاجت نہیں یہ تیمّم حدث کے حق میں بھی نہ ٹوٹے گا کہ حدث کا کوئی حکم نہ تھا تیمّم جنابت کا تھا اور اُس کے قابل پانی نہیں بفضلہٖ عزوجل یہ تمام احکام ومسائل وتفصیلات جلائل اس فتاوٰی کے خصائص سے ہیں اس کے غیر میں نہ ملیں گے۔

ذکرناها تفقها ونرجو من ربنا اصابة الصواب* والحمدللّٰه العزیز الوهاب* وصلی اللّٰه تعالٰی علی السید الاواب* واٰله وصحبه وامته الی یوم الحساب*	ہم نے یہ تفقّہا بیان کیے اور ہمیں اپنے رب سے امید ہے کہ صواب ودرستی کو ہم نے پالیا اور تمام تعریف عزّت والے بہت عطافرمانے والے خدا کے لئے ہے۔ اور خدائے برتر کی طرف سے درود ہو بہت رجوع لانے والے آقا، ان کی آل، ان کے اصحاب اور ان کی امت پر روزِ حساب تک۔(ت)

مسئلہ ۱۳: حدث' مستقل مستقل ہے اس کے لئے تیمّم میں خاص اُس پانی سے عجز دیکھا جائے گا جو اس کے لئے کافی ہو مطلوب جنابت سے عجز اُس کے لئے تیمّم جائز نہ کرے گا مثلًا استقلال' کی صورت نہم میں جنب نے وضو کیا پھر حدث ہوا پھر سارا وضو کیا مگر ایک انگلی کی ایک پور چھوڑ دی کہ اب جنابت کے لئے اتنا پانی درکار ہے جو اعضائے وضو کے علاوہ جمیع بدن کو کافی ہو اور حدث کے لئے صرف اس پور کو۔ اب اس نے اگر صرف اتنا پانی پایا کہ اس پور کو دھوسکے تو یہ خیال نہ کرے کہ اُس سارے بدن کے لئے تو تیمّم کرنا ہے ایک پور دھونا کیا ضرور ایسا کرے گا تو تیمّم کافی نہ ہوگا نماز نہ ہوگی بلکہ ضرور ہے کہ اس پور کو دھولے کہ حدث مستقل سے فارغ ہوجائے جنابت کے لئے تیمّم کرے۔

مسئلہ ۱۴: اگر جنابت وحدث مستقل کسی کے قابل پانی نہ پایا اور تیمّم کیا کہ دونوں کے لئے ایک ہی کافی ہوا یہ تیمّم

جداجدا اپنی شرط کا پابند رہے گا اگر اتنا پانی پایا کہ حدث کو کافی ہے اور جنابت کو کافی نہیں حدث کے حق میں تیمّم ٹوٹ جائے گا اسے دھونا لازم ہوگا بخلاف صورت مسئلہ ۱۲ کہ اُس میں تیمّم صورۃً ومعنیً ہر طرح ایک تھا تو حدث کے لئے کافی پانی سے نہ جائے گا جب تک جنابت کو کافی نہ ہو۔

مسئلہ ۱۵: جنابت کی تطہیر اگرچہ تیمّم سے ہوئی ہو پانی سے کوئی حصّہ نہ دھویا ہو اُس کے بعد جو حدث ہوگا تمام وکمال مطلقاً مستقل رہے گا کہ جنابت رفع ہوچکی معدوم میں موجود کا اندراج کیا معنی مثلاً کسی' مریض کو نہانا مضر ہے وضو مضر نہیں اُسے جنابت ہُوئی اور حدث بھی اسے فقط تیمّم کا حکم تھا تیمّم کرلیا اب پھر حدث ہوا اور وہ یہ خیال کرے کہ مجھے تو حدث کے لئے بھی تیمّم ہی کافی ہُوا تھا اب بھی تیمّم کرلوں یہ نہیں ہوسکتا کہ جنابت کے لئے تو تیمّم کرچکا وہ حدث سے نہ ٹوٹے گا جب تک دوبارہ جنابت نہ ہو اب اگر یہ تیمّم جنابت کے لئے کرتا ہے لغو ہے اور اگر حدث کے لئے کرتا ہے تو وضو پر تو وہ قادر ہے اس کے لئے تیمّم کیسے کرسکتا ہے لاجرم وضو لازم ہے۔

مسئلہ ۱۶: ہاں اگر جنب نے پانی نہ پاکر تیمّم کیا پھر حدث ہوا پھر قابلِ جنابت پانی پایا اور استعمال نہ کیا کہ تیمّم ٹوٹ گیا اور جنابت عود کر آئی اب یہ صورت اجتماع جنابت وحدث کی ہوگی اور دونوں کہاں کہاں ہیں اس کے لحاظ سے وہی صور اندراج واستقلال جاری ہوں گی جو ان میں سے پائی جائے مثلاً جنابت کے لئے صرف تیمّم کیا تھا پھر حدث ہوا پھر جنابت پلٹی تو اب یہ سارے بدن میں ہے جس میں اعضائے وضو بھی داخل لہٰذا حدث کہ مستقل تھا اب مندرج ہوگیا اور فقط قابلِ وضو پانی کا استعمال اُسے ضرور نہ ہوگا اور اگر بعد جنابت وضو کرلیا تھا پھر پانی نہ رہا تیمّم کیا پھر حدث ہوا پھر جنابت پلٹی تو اب یہ حدث مستقل ہی رہے گا کہ اعضائے وضو میں جنابت نہ رہی اور پلٹے گی اُتنی ہی جتنی باقی رہی تھی وقس علیہ (اور اسی پر قیاس کیا جائے۔ت) یوں ہی اگر اس عود جنابت کے بعد حدث ہوا تو انہیں تفاصیل واحکام پر رہے گا اگر بعد جنابت وعود اعضائے وضو سے دونوں وقت کچھ نہ دھویا تھا حدث بتمامہ مندرج ہوجائے گا اور اگر پہلے یا اب وضو کرلیا تھا اس کے بعد حدث ہوا بالکلیہ مستقل رہے گا اور اگر بعض اعضائے وضو دھولئے تھے تو اس قدر میں مستقل باقی میں مندرج۔

واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم * وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم * وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد النبی الکریم الاکرام * الحبیب الرؤف الارأف الرحیم الارحم * وعلٰی اٰلہ وصحبہ سادۃ الامم * قادتنا	اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم بہت تام اور محکم ہے اس کا مجد جلیل ہے۔ اور خدائے برتر درود نازل فرمائے ہمارے آقا ومولٰی محمد نبی کریم اکرم، حبیب مہربان، مہربان تر، رحیم ارحم پر اور ان کی آل واصحاب سرداران اقوام پر جو راہِ راست کی جانب ہماری قیادت کرنے والے

الی الطریق الامم*وابنه وحزبه وامته وبارك وسلم*ابدالاٰبدین*والحمدللّٰه ربّ العٰلمین*	ہیں اور ان کے فرزند، ان کے گروہ وان کی امت پر اور برکت و سلام سے بھی نوازے ہمیشہ ہمیشہ، اور تمام تعریف سارے جہانوں کے مالک خدا کے لئے ہے۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

مجلی الشمعۃ لجامع حدث ولمعۃ ۱۳۳۶ھ

(حدث اور لمعہ رکھنے والے سے متعلق شمع افروز)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی جلّی الشمعۃ*شمعۃ الاسلام باوفی لمعۃ*حمدا بریاعن الریاء والسمعۃ* اذاظھر انوار من عید الجمعۃ* وفتح بنورہ بصر المؤمن وسمعہ*واتم بظھورہ قلع کل ضلال وقمعہ*صلی اللہ تعالٰی علیہ وبارك وسلم ابد الصلاۃ وسلاما وبرکات تعم ذویہ وتجمع جمعہ*اٰمین۔اللہ	تمام حمد خدا کے لئے جس نے شمع فروزاں کی، شمع اسلام کو بھرپور تابندگی کے ساتھ جلوہ گر گیا،ایسی حمد جو ریا وسمعہ سے پاک ہو اس لئے کہ اس نے اس ذات کے انوار ظاہر کیے جس نے جمعہ کو عید بنایا اور جس کے نور سے مومن کی بصارت وسماعت کھولی،اور اس کے ظہور سے ہر گمراہی کا قلع قمع تام کیا اس ذات پر خدائے برتر کی طرف سے درود اور برکت وسلام ہو،ایسا درود وسلام اور ایسی برکتیں جو حضور کے سبھی لوگوں کو عام اور ان کی پُوری جماعت کو ہمہ گیر ہو الٰہی قبول فرما۔(ت)

رسالہ الطلبۃ البدیعہ میں مسئلہ لُمعہ کا ذکر آیا اور اُس میں تفاصیل کثیرہ ہیں کہ کتابوں میں نہ ملیں گی اُن کے بیان میں یہ سطور ہیں وباللہ التوفیق (اور یہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہے۔ت) جنب نے بدن کا کچھ حصّہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی نہ رہا پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے اب جو پانی ملے اُسے وضو ورفع حدث میں

صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں یا کیا۔ یہ مسئلہ لُمعہ ہے لُمعہ بالضم یہاں وہ حصّہ بدن ہے جو بعد جنابت سے لانِ آب سے رہ گیا۔

اقول: یہاں تین تقسیمیں ہیں:

تقسیم اوّل: بلحاظ محل لمعہ۔ اُس میں سات ۷ احتمال ہیں:

(۱) وہ لُمعہ خود یہی اعضائے وضو ہوں انہیں کو غسل میں نہ دھویا تھا پھر حدث بھی ہوا، اور یہ صورت وہ ہے کہ کلی اور ناک میں پانی پہنچانا ہوچکا ہو ورنہ صرف اُن اعضا میں جنابت نہ ہوگی جن کا وضو میں دھونا فرض ہے جس پر پانی کی کفایت و عدم کفایت کا مدار ہے کہ یہاں کافی سے وہی مراد ہے جو ادائے فرض کردے ولہذا محدث اگر اتنا پانی پائے کہ مُنہ ہاتھ پاؤں ایک ایک بار دھولے نہ تثلیث کو کافی ہو نہ مضمضہ واستنشاق کو تو اُس پر وضو فرض ہے تیمّم جائز نہیں اور بعد تیمّم اتنا پانی پائے تو تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

(۲) لُمعہ تمام اعضائے وضو مع زیادت ہوں کہ وضو بھی نہ کیا اور باقی بدن کا بھی بعض حصہ نہ دھویا تھا اگرچہ اسی قدر کہ مضمضہ واستنشاق نہ کیا تھا۔

(۳) لمعہ صرف بعض اعضائے وضو ہو یعنی ان کے سوا تمام بدن مع دہان وبینی اور ان میں سے بعض دھولیے تھے بعض باقی۔

(۴) لمہ بعض اعضائے وضو مع بعض باقی بدن ہو مثلاً نصف وضو کیا اور باقی نصف بدن دھویا یا مثلاً صرف منہ دھونا اور مضمضہ باقی تھا۔

(۵) لُمعہ بعض وضو مع جمیع باقی بدن ہو کہ صرف اعضائے وضو سے کچھ دھوئے۔

(۶) لمعہ اعضائے وضو سے جُدا بعض باقی بدن ہو اگرچہ اسی قدر کہ پُورا نہایا اور مضمضہ واستنشاق نہ کیا۔

(۷) لمعہ جمیع باقی بدن ہو کہ صرف وضو بے مضمضہ واستنشاق کیا۔

تقسیم دوم: بنظرِ ترتیب حدث و تیمّم و وجدان آب۔ علمانے کچھ مفصّل کچھ مجمل ان شقوق کی طرف توجہ فرمائی کہ تیمّم جنابت کے بعد حدث ہوا یا پہلے اور بعد ہوا تو اُس کے لئے تیمّم کے بعد پانی ملا یا پہلے **اقول:** یہاں چار ۴ چیزیں ہیں:

(i) تیمّم جنابت

(ii) حدث

(iii) تیمّم حدث

(iv) وجدان آب

ان کے اختلاف ترتیب میں عقلی احتمال چوبیس ۲۴ ہیں لیکن یہاں چند نکتے ہیں کہ اُن میں سے بہت کو کم کردیں گے۔ **اولاً:** وجدانِ آب کے بعد فرضِ صورت کا مرتبہ نہیں بلکہ بیانِ حکم کا کہ پانی پایا تو کیا کرے،

ولهذا لما ذكر الامام الاسبيجابى فى شرح الطحاوى ما اذا وجد الماء بعد التيمم للجنابة لم يزد على انه ان كفاه غسل والا فتيممه باق[1]۔	اسی لئے جب امام اسبیجابی نے شرح طحاوی میں تیمّم جنابت کے بعد پانی ملنے کی صورت بیان کی تو اس سے زیادہ نہ کہا کہ "وہ پانی اگر کافی ہو تو غسل کرے ورنہ اس کا تیمّم باقی ہے۔(ت)

توچوبیس ۲۴ میں وہ چھ ۶ جن کی ابتدا میں وجدانِ آب ہے صرف ایک رہی کہ جنب نے ابھی نہ تیمّم کیا تھا نہ حدث ہوا کہ پانی پایا یوں ہی باقی ۱۸ میں جہاں وجدانِ آب وسط میں آئے تصویر اس پر ختم کردی جائے کہ رباعی کی جگہ ثلاثی یا ثنائی رہ جائے۔

ثانیاً: مذہب صحیح ۱ و معتمد پر نیت تیمّم میں تعیین حدث وجنابت لغو ہے تو باقی ۱۸ میں وہ چھ ۶ جن کی ابتدا میں تیمّم جنابت ہے اور وہ چھ ۶ جن کے آغاز میں تیمّم حدث ہے متحد ہیں اور اگر تعیین ہی کیجئے تو تیمّم حدث پیش از حدث باطل ہے یوں بھی یہ چھ ۶ نکل جائیں گے۔

ثالثاً: جس ترتیب میں دونوں تیمّم متصل واقع ہوں ایک واجب الحذف ہے کہ تیمّم ۲ بعد تیمّم لغو ہے یوں ان ۱۸ سے پانچ رہ جائیں گی اور اس ایک سے مل کر ۶۔ ایک یہ کہ بعد جنابت پانی پالیا ابھی تیمّم وحدث کچھ نہ ہوا تھا دوسری یہ کہ تیمّم جنابت کے بعد پایا ابھی حدث نہ تھا یہ دو ۲ یہاں قابلِ لحاظ نہیں کہ اُن میں حدث وجنابت کا اجتماع ہی نہیں۔ اور اُن کا حکم خود ظاہر، پہلی میں اگر پانی غسل کو کافی ہے غسل کرے ورنہ تیمّم دُوسری میں اگر پانی کافی ہے تیمّم ٹوٹ گیا نہائے ورنہ نہیں، باقی چار ۴ یہ ہیں:

(۱) حدث کے بعد پانی پایا ابھی تیمّم نہ کیا تھا، یہ دومِ متروک کی طرح ثنائی ہے یعنی اُن چار ۴ چیزوں سے اس میں دو ۲ ہیں۔

(۲) حدث ہوا پھر تیمّم کیا پھر پانی پایا۔

(۳) تیمّم کیا پھر حدث ہوا پھر پانی پایا یہ دونوں ثلاثی ہیں۔

(۴) تیمّم کیا پھر حدث ہوا پھر تیمّم کیا پھر پانی پایا یہ رباعی ہے۔

ثم اقول: مسئلہ لمعہ میں معظم مقصود یہ بتانا ہے کہ حدث وجنابت دونوں جمع ہوں اور پانی ایک کے

[1] شرح الطحاوی للاسبیجابی

قابل تواُسے کس طرف صرف کرے باقی صور تکمیل اقسام کے لئے ہیں یہ سوال وہیں عائد ہوگا جہاں حدث مستقل ہو کہ حدث مندرج اپنا کوئی حکم ہی نہیں رکھتا نہ وہ اپنے لئے پانی کا طالب، اور ہم رسالہ الطلبة البدیعہ میں واضح کرچکے کہ جنب کا حدث مستقل نہ ہوگا مگر جبکہ کُل یا بعض اعضائے وضو سے پانی یا مٹی سے جنابت کے زوال کلی [عـہ] یا موقت کے بعد حادث ہو اور حدث جب حادث ہوگا کُل اعضائے وضو پر طاری ہوگا تو وہ صورت جس پر اس مسئلہ لُمعہ میں کلام ہے اقسام مسطورہ رسالہ مذکورہ سے صورتِ اولٰی کے اقسام پر ہے جس میں حدث کُل اعضائے وضو میں تھا اُس کی آٹھ قسمیں تھیں جنابت کُل یا بعض اعضائے وضو میں تنہا یا مع بعض یا کل باقی بدن ہو یا اعضائے وضو میں اصلا نہ ہو صرف بعض یا کُل باقی بدن میں ہو ان میں سے قسم سوم کہ جنابت کل اعضائے وضو مع جمیع باقی بدن میں ہو یہاں نہیں کہ کلام لمعہ میں ہے یہ لمعہ نہ ہوا سارے بدن میں جنابت ہوئی باقی سات [۷] یہی سات [۷] ہیں جو ابھی تقسیم اوّل میں مذکور ہوئیں۔ یہ ان چار [۴] انواع تقسیم دوم سے مل کر اٹھائیس [۲۸] ہوئیں مگر ان میں چار [۴] وہ ہیں جن میں حدث اصلاً مستقل نہیں یعنی تقسیم اول کی دو [۲] قسم پیشین جن میں جنابت جمیع اعضائے وضو میں ہے تقسیم دوم کی دو [۲] نوع اوّل سے مل کر جن میں حدث تیمّم جنابت سے پہلے ہے لہٰذا یہ چار [۴] اس مسئلہ میں ملحوظ نہیں۔

اقول: اور ان کا حکم ظاہر پانی لمعہ کے لئے کافی دیکھا جائے گا اگر ہے اُس کا دھونا واجب اُس کے ساتھ حدث خود ہی دُھل جائے گا ولہٰذا پہلی صورت میں کہ جنابت صرف کُل اعضائے وضو میں تھی وضو کے قابل پانی پانے سے وضو واجب ہوگا نہ حدث بلکہ جنابت کے لئے، اور اگر پانی لمعہ کو کافی نہیں تو استعمال اصلاً ضروری نہیں اگرچہ وضو کے لئے کافی ہو ہاں تقلیل لمعہ کے لئے اسے استعمال کرے گا جس میں اختیار رہے گا کہ خواہ وضو کرے خواہ باقی بدن میں جو لمعہ ہے اُسے دھولے خواہ بعض وہ اور بعض اعضائے وضو دھولے اور اگر پانی اُن میں ہر ایک کے بعد بچے تو چاہے باقی بدن کا لُمعہ دھوئے اور کُچھ اعضائے وضو یا وضو پُورا کرے اور کُچھ لمعہ دھوئے ہاں دونوں صورتوں میں وضو اولٰی ہے کہ ادائے سنّت ہے کما تقدم عن الکافی وشرح الزیادات للعتابی فی الطلبة البدیعة (جیسا کہ کافی اور عتابی کی شرح زیادات کے حوالے سے الطلبة البدیعة میں گزرا۔ت) باقی رہیں چوبیس [۲۴] اُن میں اٹھارہ [۱۸] کا حدث مطلقاً مستقل ہے یعنی تقسیم اول کی ساتوں قسمیں تقسیم دوم کی اخیرین سے مل کر چودہ [۱۴] ہوئیں اس لئے کہ حدث بعد تیمّم ہمیشہ مستقل ہوتا ہے نیز تقسیم اوّل کی دو قسم اخیر دوم کی اولین سے مل کر چار ہوئیں اس لئے کہ یہاں جنابت خود ہی اعضائے وضو میں نہیں تو حدث اگرچہ اُس کے

عـہ: بعد جنابت اگر پُورا وضو کرلیا کل اعضائے وضو سے جنابت کا زوال کُلّی ہوگیا اور بعض دُھلے تو بعض سے اور اگر صرف تیمّم کیا تو کُل اعضا سے وقت وجدان آب تک زوال ہوا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (م)

تیمّم سے پہلے ہو مستقل ہوگا۔ باقی چھ ۶ یعنی تقسیم اول کی ۳۔۴۔۵ تقسیم دوم کی ۱۔۲ سے مل کر ان میں پورا حدث مستقل نہیں بلکہ اُتنے ہی حصّہ اعضائے وضو کا جو بعد جنابت دُھل چکے تھے ان ۱۸ میں حدث پورے وضو کا پانی چاہے گا اور ان چھ ۶ میں صرف اُتنا جو اس حصہ کو دھودے جس میں یہ مستقل ہے۔ یہ یاد رکھیے کہ آگے کام دے گا۔

تقسیم سوم: پانی کہ پایا کس مقدار کا تھا اس میں علماء نے پانچ اصناف فرمائیں:

(۱) صرف وضو کو کافی

(۲) صرف لمعہ کو کافی

(۳) مجموع کو کافی

(۴) ہر ایک کو جدا جدا کافی کہ چاہے وضو کرلے یا لُمعہ دھولے دونوں نہ ہوسکیں۔

(۵) اصلاً کافی نہیں اکثر کتب مثل (۱) شرح طحاوی و (۲) خزانۃ المفتین و (۳) منیہ و (۴) حلیہ و (۵) شرح وقایہ و (۶) ردالمحتار میں وضو و لمعہ سے تعبیر فرمائی۔

وانا اقول: تعبیر ۱ حدث وجنابت سے جس طرح خلاصہ میں فرمائی اس سے اولٰی ہے اور حق ۲ تعبیر تقیید حدث بمستقل ورنہ اطلاق حدث سے کل حدث متبادر، اور ہم ابھی ثابت کرچکے کہ یہاں چھ ۶ صورتوں میں حدث کا صرف ایک پارہ مستقل ہوتا ہے اُس کے لئے وضو کو کافی پانی درکار نہیں بلکہ اُتنے ٹکڑے کو۔

والکافی(۳) والھندیۃ وان عبرا بالحدث واللمعۃ فقدقالا لوصرفہ الی الوضوء جاز اتفاقا[1]۔ وقال فی الکافی فی الأخر ثم وجد ماء یکفی لاحدھما ای لبقیۃ بدنہ اولمواضع وضوئہ[2] اھ۔ وقال فی السراج الوھاج ومنحۃ الخالق فی مسألۃ اللمعۃ لوتوضأ بذلك الماء لم یجز[3] اھ۔ وصدر(۴) الشریعۃ وان عبر فی موضعین بالحدث والجنابۃ	اور کافی وہندیہ میں اگرچہ حدث ولمعہ سے تعبیر کی پھر بھی یہ فرمایا "اسے اگر وضو میں صرف کیا تو بالاتفاق جائز ہے"۔ اور کافی کے اندر آخر میں فرمایا "پھر اتنا پانی پایا جو دونوں میں سے ایک کے لئے کافی ہے یعنی بقیہ بدن کے لئے یا مواضع وضو کے لئے" اھ سراج وہاج اور منحۃ الخالق میں لمعہ کے مسئلہ میں فرمایا "اگر اس پانی سے وضو کیا تو جائز نہیں" اھ، اور صدرالشریعۃ نے اگرچہ دوجگہ حدث وجنابت سے

[1] فتاوٰی ہندیہ ما ینقض التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

[2] کافی

[3] منحۃ الخالق مع البحر، باب التیمم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۳۹

غیر ان عبارته ابعد العبارات عن احاطة الاقسام لتخصیصه الکلام بلمعة فی الظهر فقد اختار القسم السادس من الاقسام السبعة عینا وبالجملة الظاهر المتبادر من کلامهم رحمهم الله تعالٰی ورحمنا بهم قصر الکلام علی القسمین الاخیرین الذین فیهما الحدث خارج اعضاء الوضوء والله تعالٰی اعلم بمراد عباده۔	تعبیر فرمایا سوا اس کے کہ لمعہ پشت سے کلام خاص کردینے کی وجہ سے ان کی عبارت احاطہ اقسام کے معاملہ میں سب سے زیادہ بعید ہے۔ پھر انہوں نے ساتوں اقسام میں سے قسم ششم خاص طور سے اختیار کی بالجملہ کلمات علماء سے ظاہر متبادر یہی ہے کہ کلام ان اخیر دو قسموں میں محدود ہے جن میں حدث اعضاوضو کے باہر ہے۔ خدا ان حضرات پر رحمت فرمائے اور ان کی برکت سے ہم پر رحم فرمائے اور خدائے برتر کو اپنے بندوں کی مراد خوب معلوم ہے۔(ت)

ثمّ اقول: تقسیم اوّل کی ہر قسم میں یہ پانچوں صنفیں نہ ہوسکیں گی۔

قسم اوّل میں صرف دو۲ ہوں گی کہ پانی وضو کو کافی ہے یا نہیں کہ وضو و لمعہ متحد ہیں تو پہلی عــہ۱ تین۳ صنفیں ایک ہیں اور چہارم ناممکن۔ لہذا قسم عــہ۲ اوّل کہ دو۲ نوع آخر سے دو۲ تھی ان دو۲ صنفوں سے چار۴ ہوئی۔

قسم دوم میں تین کہ صرف وضو کو کافی ہو یا مجموع کو کہ لمعہ ہے یا کسی کو نہیں یہاں دوم و چہارم محال تو یہ قسم دو۲ نوع آخر پھر ان تین صنفوں سے چھ۶ ہوئی۔

قسم سوم میں دو۲ نوع آخر کے ساتھ پُورا حدث مستقل ہے تو کامل وضو کا طالب لہذا یہاں بھی تین۳ ہی صنفیں ہوں گی صرف لمعہ کو کافی ہو یا مجموع کو کہ وضو ہے یا کسی کو نہیں۔ یہاں اول و چہارم محال اور دو۲ نوع اول کے ساتھ بعض حدث مستقل ہے تو اپنے ہی قابل پانی چاہے گا اور اب پانچوں صنفیں ہوں گی کہ یہاں اعضائے وضو دو۲ حصّے ہوگئے ایک میں جنابت ہے جو بعد جنابت نہ دھویا تھا دوسرے میں حدث مستقل اب ہوسکتا ہے کہ پانی۱ صرف اس حدث کو کافی ہو جبکہ یہ حصّہ چھوٹا ہو یا۲ صرف جنابت کو جبکہ وہ حصّہ کم ہو اور دونوں صورتوں میں پانی بڑے کے قابل نہیں یا۳ پورے وضو کو کافی ہو کہ مجموعہ ہے یا۴ ہر حصّے کو جدا جدا جبکہ وہ

عــہ۱: یایوں کہیے کہ پہلی دو بھی ناممکن صرف سوم و پنجم ہیں۔ ظاہر ہے کہ مجموع کو کافی ہونے کے یہ معنی کہ اُس سے دونوں ادا ہوسکیں یہ یہاں حاصل ہے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عــہ۲: یہ اختلاف تعبیر ملحوظ رہے کہ قسم سے مراد تقسیم اوّل کے اقسام ہیں اور نوع سے تقسیم دوم کے اور صنف سے تقسیم سوم کے ۱۲ منہ غفرلہ (م)

دونوں برابر ہوں یا کم وبیش اور پانی بڑے کو کافی ہے نہ مجموع کو یا[5] کسی کو کافی نہیں جبکہ دونوں برابر ہوں یا پانی چھوٹے سے بھی کم تو دس[10] یہ چھ[6] وہ سولہ[16] ہوئیں۔

قسم چہارم: چاروں نوعوں کے ساتھ پانچ ہے کہ مطلوب حدث کل وضو ہو جیسے دو[2] نوع آخر کے ساتھ یا بعض وضو جیسے دو[2] نوع اول کے ساتھ بہر تقدیر اُسے مطلوب جنابت سے کہ بعض وضو وبعض باقی بدن ہے کمی بیشی مساوات ہر نسبت ممکن۔ بیشی یوں کہ جنابت میں رُو وپشت سے دو[2] دو[2] انگل جگہ رہی تھی ظاہر ہے کہ اعضائے ثلٰثہ کو اس سے بہت زائد پانی درکار ہوگا وقس علیہ تو یہ قسم بیس[20] ہوئے۔

قسم پنجم: ہر نوع کے ساتھ چار رہی ہے کہ تنہا جمیع باقی بدن کل محلِ وضو سے زائد ہے تو یہاں صنفِ دوم ناممکن ہے اور یہ قسم سولہ[16]۔

قسم ششم: میں بہر حال پانچوں ہو ناظاہر کہ اعضائے وضو کو بعض باقی بدن سے ہر نسبت متصور، تو یہ بھی بیس[20] ہے۔

قسم ہفتم: میں صنف دوم محال اور مثل پنجم سولہ[16]۔ لہٰذا مسئلہ لُمعہ میں **سب صورتیں اٹھانوے**[98] ہُوئیں، کتب اکابر میں بہت کم کا بیان ہے اگرچہ ظاہر متبادر اقتصار بدو قسم آخر پر رکھیں جب تو بہت کم رہیں گی حتی کہ سب سے زیادہ تفصیل والی کتاب شرح وقایہ میں ۹۸ میں سے صرف پندرہ[15] ورنہ احاطہ بہر حال نہیں ہوسکتا کہ اصناف ہی کا احاطہ نہ فرمایا صور درکنار تفصیل مسئلہ اس وقت دس[10] کتابوں سے پیش نظر شرح[1] مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی پھر[2] خزانۃ المفتین، [3]خلاصہ، [4]کافی پھر[5] ہندیہ، [6]منیہ، [7]حلیہ پھر [8]ردالمحتار، [9]سراج وہاج، [10]صدرالشریعۃ۔ سراج سے منحۃ الخالق نے کچھ نقل کرکے باقی کا اُس پر حوالہ کردیا اور البحرالرائق نے زیر قول مصنّف لبعدہ میلا ضمناً صرف ایک صورت کی طرف اشعار فرمایا۔ منیہ نے صرف نوعِ اوّل لی اور اس میں بھی تین ہی صنفیں۔ خلاصہ نے نوع سوم پر اقتصار فرمایا۔ کافی وہندیہ نے نوعِ چہارم میں پانچوں اصناف اور دوم وسوم میں صرف صنف چہارم۔ شرح طحاوی وخزانۃ المفتین وحلیہ وردالمحتار نے دو[2] نوع اخیر میں پانچوں صنف۔ شرح وقایہ نے نوع دوم کا بھی اضافہ فرمایا مگر کلام کو تصریحاً صرف قسم ششم سے خاص فرمادیا۔ عبارت یہ ہیں:

منیہ: جنب اغتسل وبقی لمعۃ ولیس معہ ماء تیمم للمعۃ وان وجد ماء بعد ما احدث یغسل اللمعۃ ویتیمم للحدث اذاکان الماء یکفی للمعۃ	**منیہ:** کسی جنب نے غسل کیا، لُمعہ رہ گیا اور اس کے پاس پانی نہیں تو لمعہ کے لئے تیمّم کرے اور اگر حدث ہونے کے بعد پانی پاجائے تو لمعہ دھوئے اور حدث کے لئے تیمّم کرے جبکہ پانی لمعہ کے لئے کفایت کرتا ہو

ولایکفی للوضوء وان کان یکفی للوضوء لاللمعة یتوضأ ویتیمم عہ لاجل اللمعة وان کان الماء یکفی لاحدهما علی الانفراد فانه یغسل اللمعة ویتیمم للحدث[1] اھ۔

اور وضو کے لئے کفایت نہ کرتا ہو۔اور اگر وضو کے لئے کفایت کرے لمعہ کے لئے نہیں تو وضو کرے اور لمعہ کی وجہ سے تیمّم کرے اور اگر پانی تنہا کسی ایک کے لئے کافی ہو تو لُمعہ دھوئے اور حدث کے لئے تیمّم کرے اھ۔

خلاصه: اغتسل وبقی لمعة یتیمم فان وجد الماء غسل اللمعة ولایتیمم فان عہ احدث قبل غسل اللمعة ثم وجد الماء ان کفی هما صرفه الیهما وان کان لایکفی لواحد منهما یتیمم للحدث وتیممه للجنابة باق یستعمل ذلك الماء فی اللمعة لتقلیل الجنابة

خلاصه غسل کیا اور لمعہ رہ گیا تو تیمّم کرے پھر اگر پانی مل جائے تو لمعہ دھوئے اور تیمّم نہ کرے۔اگر لمعہ دھونے سے پہلے اسے حدث ہو پھر اسے پانی ملے اگر دونوں کے لئے کافی ہو تو دونوں میں صرف کرے اور اگر دونوں میں سے کسی کے لئے کافی نہ ہو تو حدث کے لئے تیمّم کرے اور اس کا تیمّم جنابت باقی ہے۔وہ پانی تقلیل جنابت کے لئے لُمعہ میں استعمال کرے گا۔

عہ۱: قوله ویتیمم لاجل اللمعة ساقط من نسخة شرح علیها الشارحان المحققان فانصرف الکلام الی ماوجد الماء بعد التیمم للمعة وهو ثابت فی نسخة المتن فوجب ان یکون الکلام فی وجدان الماء قبل التیمم لهما ولزم ان یکون المراد اللمعة فی غیر اعضاء الوضوء کالصورة الاولی فی شرح الوقایة منه غفرله (م)

لفظ "ویتمم لاجل اللمعة" (اور لمعہ کی وجہ سے تیمّم کرے) اس نسخہ سے ساقط ہے جس پر دونوں محقق شارحوں نے شرح کی ہے تو کلام لمعہ کا تیمّم کرنے کے بعد پانی پانے والی صورت کی طرف راجع ہوگیا اور یہ لفظ متن کے نسخہ میں ثابت ہے تو ضروری ہے کہ دونوں کا تیمّم کرنے سے پہلے پانی ملنے کی صورت میں کلام ہو۔اور لازم ہے کہ وہ لمعہ مراد ہو جو اعضائے وضو کے علاوہ میں ہو جیسے شرح وقایہ کی صورت اولیٰ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عہ۲: قوله احدث ای بعد التیمم للمعة بدلیل قوله یتیمم الحدث وتیممه للجنابة باق ۱۲ منه غفرله (م)

"اسے حدث ہو" یعنی لمعہ کا تیمّم کرنے کے بعد جس پر یہ عبارت دلالت کررہی ہے: "تو حدث کے لئے تیمّم کرے اور اس کا تیممِ جنابت کرے اور اس کا تیممِ جنابت باقی ہے"۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۰

فان کفی لاحدھما دون الاٰخر صرف الیه وان کفی لکل علی الانفراد یغسل اللمعة ویتیمم للحدث[1] اھ۔

اگر ایک کے لئے کافی ہو دُوسرے کے لئے نہیں تو اسی میں اسے صرف کرے اور اگر تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو تو لمعہ کو دھوئے اور حدث کے لئے تیمّم کرے اھ،

کافی و ھندیه: جنب اغتسل وبقی لمعة یتیمم فان تیمم ثم احدث تیمم للحدث فان تیمم عــه۱ (ای للحدث) فوجد ماء یکفیھما صرفه الیھما وان کفی معینا صرفه الیه والتیمم للاٰخر باق وان کفی واحدا غیر عین صرفه الی اللمعة واعاد تیممه للحدث عند محمد وعند ابی یوسف لایعید فان عــه۲ لم یکن تیمم للحدث قبل وجود ھذا الماء فتیمم (ای للحدث کمافی الھندیة) قبل غسل اللمعة لم یجز عند محمد وعند ابی یوسف یجوز وان لم یکف عــه۳ واحدا بقی تیممھا جنب

کافی وہندیہ کسی جنب نے غسل کیا اور لمعہ رہ گیا تو تیمم کرے، اگر تیمّم کرلیا پھر حدث ہوا تو حدث کا تیمّم کرے پھر اگر حدث کا تیمّم کرلینے کے بعد اتنا پانی ملا جو دونوں کو کافی ہو تو دونوں میں صرف کرے۔ اور اگر کسی ایک معین کے لئے کافی ہو تو اسی میں صرف کرے اور دوسرے کا تیمّم باقی ہے۔ اور اگر کسی ایک کے لئے غیر معین طور پر کافی ہو تو اسے لمعہ میں صرف کرے اور اپنے تیمّم حدث کا اعادہ کرے امام محمد کے نزدیک اور امام ابویوسف کے نزدیک اعادہ نہیں اگر یہ پانی ملنے سے پہلے حدث کا تیمّم نہ کیا تھا تو لمعہ دھونے سے

عــه: ای تیمم للمعة ثم احدث فتیمم له ثم وجد الماء ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی لمعہ کی وجہ سے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو اس کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو اس کا تیمّم کیا پھر اسے پانی ملا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــه: ای تیمم للمعة ثم احدث فوجد الماء قبل ان یتیمم له وھو یکفی لاحدھما غیر معین فان غسل اللمعة ثم تیمم للحدث جاز بالاتفاق وان عکس ففیه خلاف ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی لمعہ کی وجہ سے تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو اس کا تیمّم کرنے سے پہلے پانی ملا جو دونوں میں سے ایک کے لئے غیر معین طور پر کافی ہے۔ تو اگر لمعہ دھولیا پھر حدث کا تیمّم کیا تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر برعکس کیا تو اس میں اختلاف ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــه: رجع الی الکلام السابق اکمالا للتخمیس ۱۲ منه غفرله (م)

پانچویں صورت کی تکمیل کے لئے کلام سابق کی جانب رجوع کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الموضوع فی الفلوات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۳

علی بدنه لمعة احدث قبل ان یتیمم تیمم لهما واحدا فان وجد ما یکفی لاحدهما غیر عین صرفه الی اللمعة ویعید التیمم للحدث عند محمد[1]۔

پہلے (حدث کا جیسا کہ ہندیہ میں ہے) تیمّم کرلیا تو امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے۔اور اگر ان میں سے کسی کے لئے کافی نہ ہو تو دونوں کا تیمّم باقی ہے۔کوئی جنب جس کے بدن پر لُمعہ ہے اُسے تیمّم سے پہلے حدث ہوا تو دونوں کے لئے ایک ہی تیمّم کرے پھر اگر اتنا پانی ملے جو غیر معین طور پر کسی ایک کے لئے کافی ہو تو اُسے لمعہ میں صرف کرے اور امام محمد کے نزدیک حدث کے تیمّم کا اعادہ کرے۔

جنب معه ماء کاف للوضوء تیمم ولم یتوضأ فان[عہ۱] توضأ وتیمم لجنابته فاحدث تیمم لحدثه فان وجد ماء یکفی لاحدهما صرفه الی الجنابة ویعید تیممه للحدث عند محمد[2] اھ۔

کسی جنب کے پاس وضو کے لئے بقدر کفایت پانی ہے تو وہ تیمّم کرے اور وضو نہ کرے پھر اگر اس نے وضو کرلیا اور جنابت کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا تو اپنے حدث کا تیمّم کرے اب اگر

حلیه وردالمحتار: الواجد للماء بعد ماتیمم للجنابة ثم احدث بعد ذلك علی وجهین احدهما ان یجد الماء قبل[عہ۲] ان یتیمم للحدث فالماء اما ان یکون کافیا للمعة والوضوء فیغسلها ویتوضأ

عہ۱ **اقول:** ای عبثا عند هذا الامام ومن معه اومقللا للجنابة عند الاکثرین اوخارجا عن الخلاف کما بحثت ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: یعنی اس امام اور ان کے موافق حضرات کے مذہب پر عبث وبے فائدہ طور پر وضو کرلیا یا اکثر حضرات کے نزدیک تقلیل جنابت کے لئے وضو کرلیا یا اختلاف سے نکلنے کے لئے وضو کیا جیسا کہ میں نے بحث کی ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عہ۲ **اقول:** القبلیة (۱) لاتقتضی وجود مدخولها قال تعالٰی قل لوکان البحر مدادا لکلمٰت ربی لنفد البحر ان تنفد کلمٰت ربی فالمعنی

اقول: قبلیت اپنے مدخول کے وجود کی مقتضی نہیں۔ارشاد باری تعالٰی ہے:"تم فرماؤ اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے اس سے قبل کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں" (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی ہندیہ مایُنقض التیمم پشاور ۱/۲۹

[2] کافی

واما غیرکاف لاحدھما فیتیمم للحدث واماکاف یا للمعۃ دون الوضوء فیصرفہ الی اللمعۃ ویتیمم للحدث واما کافیا للوضوء دون اللمعۃ فیتوضأ ولایغسل اللمعۃ ولایتیمم لھا واما کافیا لاحدھما غیرعین فیغسل اللمعۃ ویتیمم للحدث الوجہ الثانی ان یجد الماء بعد ان یتیمم للحدث[1] الخ فیہ ذکر الخمسۃ علی نحو مامر۔	اتنا پانی ملا جو دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کافی ہے تو اسے جنابت میں صرف کرے اور امام محمد کے نزدیک تیمّم حدوث کا اعادہ کرے" اھ
شرح طحاوی وخزانۃ المفتین المسافر اجنب فاغتسل ثم علم انہ بقی لمعۃ فانہ یتیمم لانہ لم یخرج عن الجنابۃ	**حلیہ و ردالمحتار** وہ جسے تیمّم جنابت کے بعد پانی ملے پھر اس کے بعد اسے حدث ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ حدث کا تیمّم کرنے سے پہلے پانی ملے تو پانی اگر لمعہ اور وضو دونوں کے لئے کافی ہو تو لمعہ کو دھوئے اور وضو کرے اور اگر پانی کسی ایک کے لئے ناکافی ہو تو حدث کا تیمّم کرے۔ اگر لمعہ کے لئے کافی ہو وضو کے لئے نہیں تو پانی لمعہ کے لئے صرف کرے حدث کے لئے تیمّم کرے، اور اگر وضو کے لئے کافی ہو لمعہ کے لئے نہیں تو وضو کرے اور لمعہ کو نہ دھوئے، نہ ہی اس کے لئے تیمّم کرے اور اگر غیر معین طور پر کسی ایک کے لئے کافی ہو تو لمعہ کو دھوئے اور حدث کا تیمّم کرے دُوسری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تیمم للجنابۃ ثم احدث ثم وجد الماء من دون ان یتیمم قبلہ للحدث والا فالتیمم بعدہ للحدث لیس فیما اذا کفی لھما معا اوللوضوء خاصۃ وقس علیہ قول الخلاصۃ احدث قبل غسل اللمعۃ بل وقول شرح الطحاوی الاٰتی وجد الماء بعد ماتیمم قبل الحدث فان وجود الحدث بعدہ غیر ملحوظ فیہ وان کان لابدمنہ عاش اومات علی قول ان الموت حدث کماھو الراجح عندنا ۱۲ منہ غفرلہ (م)

تو معنی یہ ہوا کہ جنابت کا تیمّم کیا پھر اسے حدث ہوا پھر پانی پایا بغیر اس کے کہ اس سے پہلے حدث کا تیمّم کیا ہو۔ ورنہ اس کے بعد حدث کا تیمّم اس صورت میں نہیں جب دونوں ہی کے لئے پانی کافی ہو یا صرف وضو کے لئے کافی ہو۔ اسی پر خلاصہ کی عبارت "لمعہ دھونے سے پہلے حدث ہُوا" کاق یاس کیا جائے بلکہ شرح طحاوی کی آنے والی اس عبارت کا بھی "اسے پانی ملا اس کے بعد کہ تیمّم کرچکا حدث سے پہلے"۔ کیونکہ اس کے بعد حدث کا وجود ملحوظ نہیں اگرچہ اس سے مفر نہیں جئے یا مرے اس قول پر موت حدث ہے جیسا کہ ہمارے نزدیک راجح بھی ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

لبقاء اللمعة ولواحدث قبل التیمم یتیمم تیمما واحدا للمعة والحدث جمیعا کما اذا احدث مرارًا لایجب علیه اکثر من وضوء واحد ولواحدث بعد التیمم ثم وجد الماء [عہ۱] فھو علی خمسة اوجه اذا کفا ھما جمیعا یغسل اللمعة ویتوضأ للحدث وان کان لایکفیھما [عہ۲] یغسل مقدار مایکفیه حتی تقل الجنابة ویتیمم ولوکفی للمعة [عہ۳] یغسل اللمعة ویتیمم للحدث ولوکفی للوضوء دون اللمعة ویتیمم للحدث ولوکفی للوضوء دون اللمعة یتوضأ ولایغتسل اللمعة وھو کالجنب اذا تیمم ثم احدث ثم وجد الماء یکفیه للوضوء یتوضأ به ولوکفی لکل علی الانفراد لاجمیعًا یغسل اللمعة لان الجنابة اغلظ ثم یتیمم للحدث ولوبدأ بالتیمم ثم غسل اللمعة لایجوز وعلیه ان یتیمم بعد الغسل وفی النوادر ان علیه [عہ۴]

صورت یہ کہ حدث کا تیمّم کرنے کے بعد پانی ملے۔الخ اس میں بھی سابق کی طرح پانچ صورتیں ذکر کیں"۔

شرح طحاوی وخزانۃ المفتین مسافر کو جنابت لاحق ہُوئی تو اس نے غسل کیا پھر اسے معلوم ہوا کہ لمعہ رہ گیا تو وہ تیمّم کرے اس لئے کہ لمعہ باقی رہ جانے کی وجہ سے وہ جنابت سے باہر نہ ہوا اور اگر قبل تیمّم اسے حدث ہوا تو لمعہ اور حدث دونوں کے لئے ایک ہی تیمّم کرے جیسے بار بار حدث ہو تو اس پر ایک وضو سے زیادہ واجب نہیں۔اور اگر بعد تیمّم اسے حدث ہوا پھر پانی ملا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں: (۱) جب دونوں کو پانی کافی ہو تو لمعہ دھوئے اور حدث کے لئے وضو کرے (۲) اور اگر دونوں کے لئے غیر کافی ہو تو جس حصہ تک کفایت کرے دھولے تاکہ جنابت کم ہو اور تیمّم کرے (۳) اگر لمعہ کے لئے کافی ہو تو لمعہ دھوئے اور حدث کا تیمّم کرے (۴) اگر وضو کے لئے کافی ہو لمعہ کے لئے نہیں تو وضو کرے اور لمعہ نہ دھوئے اور وہ اس جنب کی طرح ہے جو تیمّم کرے

عہ۱ ای قبل یتیمم للحدث لان الوجدان بعدہ یاتی بعدہ منه غفرله (م)

عہ۲ ای شیئا منھما ۱۲ منه غفرله (م)

عہ۳ ای دون الوضوء ۱۲ منه غفرله (م)

عہ۴ **اقول:**ای له ولك ان تقول ان(۱) التخییر لاینافی الوجوب کمافی کفارة الیمین ۱۲ منه غفرله (م)

یعنی حدث کا تیمّم کرنے سے پہلے اس لئے کہ اس کے بعد ملنے کا ذکر آگے آرہا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

یعنی دونوں میں سے کسی کے لئے کافی نہ ہو ۱۲منہ غفرلہ (ت)

یعنی وضو کے لئے کافی نہ ہو ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اقول: یعنی اسے اختیار ہے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تخییر منافی وجوب نہیں جیسے کفارہ یمین میں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

ان یبدء بایھما شاء۔
ولووجد الماء عہ۱ بعد ماتیمم للمعۃ قبل الحدث فھو علی وجھین ان کفاہ یغسلہ وان لم یکفہ یغسل قدر مایکفیہ وتیممہ علی حالہ ولو وجد عہ۲ بعد ما احدث وتیمم للحدث فھو علی خمسۃ اوجہ علی ماذکرنا ان کفاھما صرف الیھما وان لم یکفھما غسل اللمعۃ مقدار مایکفیہ وتیممہ علی حالہ وان کفی للمعۃ لاللوضوء یغسل اللمعۃ والتیمم علی حالہ وان کفی للوضوء دون اللمعۃ یتوضوء وان کفی لاحدھما علی الانفراد یغسل اللمعۃ وتیممہ علی حالہ وعلی

پھر اسے حدث ہو پھر پانی ملے جو وضو کے لئے کافی ہو تو اس سے وضو کرے گا (۵) اور اگر تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو، دونوں کے لئے نہیں، تو لمعہ دھوئے اس لئے کہ جنابت زیادہ سخت ہے پھر حدث کے لئے تیمّم کرے اور اگر پہلے تیمّم کیا پھر لمعہ دھویا تو جائز نہیں۔ اور اس پر یہ ہے کہ دھونے کے بعد تیمّم کرے اور نوادر میں ہے کہ اس پر یہ ہے کہ دونوں میں جس سے چاہے ابتدا کرے۔ اور اگر لمعہ کے لئے تیمّم کرنے کے بعد حدث سے پہلے پانی پایا تو اس کی دو۲ صورتیں ہیں اگر اسے کافی ہو دھوئے اور اگر کافی نہ ہو تو جہاں تک کفایت کرے دھولے اور اس کا تیمّم برقرار ہے اور اگر حدث ہونے اور حدث کا تیمّم کرنے کے بعد پایا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں اسی طرح جو ہم نے بیان کیں۔ اگر دونوں کو کفایت کرے تو دونوں میں صرف کرے اور

عہ۱: ای تیمم لھا ثم وجد الماء ولم یحدث بعد ۱۲ منہ غفرلہ (م)

عہ۲: **اقول:** ای اجنب فتیمم للمعۃ ثم احدث فتیمم لہ ثم وجد الماء لان الوجوہ کلھا مسوقۃ فیما اذا بقی لمعۃ فتیمم لھا ولقولہ وتیمم للحدث فعلم ان التیمم للمعۃ مفروغ عنہ والا لقال تیمم لھما وقدا تضح لک بکلام الحلیۃ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

یعنی لمعہ کی وجہ سے تیمّم کیا پھر اسے پانی ملا اور ابھی اسے حدث نہیں ہوا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

اقول: یعنی اسے جنابت ہوئی تو لمعہ کا تیمّم کیا پھر حدث ہوا تو حدث کا تیمّم کیا پھر پانی ملا اس لئے کہ تمام صورتیں اس میں جاری کی جارہی ہیں جب لمعہ رہ گیا ہو پھر اس کا تیمّم کرلیا ہو اور ان کے قول وتیمّم للحدث (اور حدث کا تیمّم کیا) سے بھی یہ معنی متعین ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ لمعہ کے تیمّم سے کلام الگ ہے اور اس سے بحث نہیں ورنہ یوں کہتے تیمّم لھما (دونوں کا تیمّم کرلیا) اور حلیہ کی عبارت سے یہ معنی واضح ہوچکا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

قیاس قول محمد یتیمم [1] اھ شرح وقایۃ اغتسل الجنب ولم یصل الماء لمعۃ ظھرہ وفنی الماء واحدث حدثا یوجب الوضوء فتیمم لھما ثم وجد من الماء مایکفیھما بطل تیممہ فی حق کل واحد منھما وان لم یکف لاحدھما بقی فی حقھما وان کفی لاحدھما بعینہ غسلہ ویبقی التیمم فی حق الاٰخر وان کفی لکل منفردًا غسل اللمعۃ ھذا اذاتیمم للحدثین واحدا اما اذا تیمم للجنابۃ ثم احدث فتیمم للحدث ثم وجد الماء فکذا فی الوجوہ المذکورۃ وان تیمم للجنابۃ ثم احدث ولم یتیمم للحدث فوجد الماء [2] الخ وفیہ ذکر الخمسۃ نحومامر۔	اگر دونوں کے لئے غیر کافی ہو تو جہاں تک کفایت کرے دھولے اور اس کا تیمّم برقرار ہے اور اگر لمعہ کے لئے کافی ہو وضو کے لئے نہیں تو لمعہ دھوئے اور تیمّم برقرار ہے اور اگر وضو کے لئے کافی ہو لمعہ کے لئے نہیں تو وضو کرے اور اگر تنہا کسی ایک کے لئے کافی ہو تو لمعہ دھوئے اور اس کا تیمّم برقرار ہے اور امام محمد کے قول کے قیاس پر تیمّم کرے" اھ۔**شرح وقایہ** جنب نے غسل کیا اور پانی اس کی پیٹھ کے لمعہ تک نہ پہنچا اور پانی ختم ہوگیا اور اسے وضو واجب کرنے والا کوئی حدث ہُوا تواس نے دونوں کا تیمّم کیا پھر اسے اتنا پانی مل گیا جو دونوں کے لئے کافی ہو تو اس کا تیمّم دونوں میں سے ہر ایک کے حق میں باطل ہوگیا اور اگر کسی کے لئے کافی نہ ہو تو دونوں کے حق میں باقی رہا اور اگر معین طور پر ایک کے لئے کافی ہو تو اسے دھوئے اور دوسرے کے حق میں تیمّم باقی رہے گا اور اگر تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو تو لمعہ دھوئے یہ اس صورت میں ہے جب دونوں حدثوں کے لئے ایک ہی تیمّم کیا ہو لیکن جب جنابت کا تیمّم کرلیا پھر حدث ہوا تو حدث کا تیمّم کیا پھر پانی ملا تو مذکورہ صورتوں میں حکم وہی ہے اور اگر جنابت کا تیمّم کرلیا پھر حدث ہوا اور حدث کا تیمّم نہ کیا پھر پانی ملا الخ اس میں بھی پانچ صورتیں اسی طرح ذکر کی ہیں جو گزریں۔

توضیحاتِ مصنّف: فقیر غفرلہ المولی القدیر چاہتا ہے کہ بتوفیق الٰہی عزّوجل جملہ اٹھانوے ۹۸ صور مع احکام مبین کرے اُن کے لئے یہ تصویر رکھیں کہ اقسام سبعہ پیشانی پر ہوں اور ہر پیشانی کے تحت میں

[1] شرح الطحاوی للاسبیجابی وخزانۃ المفتین

[2] شرح الوقایۃ ماینقض التیمم المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۴

چاروں نوعیں ان رموز حروف میں لکھیں:

ت: تیمّم جنابت

ح : حدث

م : تیمّم حدث

و : وجدانِ آب

توح و کا مطلب یہ ہوا کہ جنابت کا ابھی تیمّم نہ کیا تھا کہ حدث ہُوا اور اب بھی تیمّم نہ کیا تھا کہ پانی پایا اور **ت ح و** یہ کہ جنابت کے بعد تیمّم کیا پھر حدث ہوا پھر پانی ملا وقس علیہ پھر ان میں ہر ایک کو اُتنے اصناف پر منقسم کریں جتنی اُس میں محتمل ہیں یہاں لمعہ ووضو وہر دو وہریک وہیچ سے پانی کی کفایت مقصود ہے کہ لمعہ کو کافی ہے یا وضو کو یا دونوں کو یا ہر ایک کو یا کسی کو نہیں اور جہاں پُورا حدث مستقل نہیں وہاں بجائے وضو قدر مستقل لکھا ہے یعنی اُتنا پانی ملا جو صرف اُن اعضا کو کافی ہے جن میں حدث مستقل ہے یعنی اعضائے وضو کا جتنا حصہ جنابت کے بعد دھولیا تھا پھر حدث ہوایوں یہ تمام صور تیں مفصل ہو گئیں اب احکام کی باری آئی وہ بہت جگہ مشترک ہیں ایک ایک پانچ پانچ یا کم وبیش صورتوں کے لئے ہے لہٰذا تکرار سے بچنے کو اول اُن احکام کی فہرست نمبر شمار کے ساتھ لکھیں پھر جدول صور میں ہر صورت کے نیچے حکم لکھ کر جو حکم ہو اس کا نمبر تحریر کردیں کہ اُس کے ذریعہ سے جس صورت کا حکم چاہیں فہرست میں دیکھ لیں **و باﷲ التوفیق**۔

فہرست احکام: مناسب ہو کہ ہر نوع کے حکم علیحدہ لکھیں کہ مراجعت میں اور بھی سہولت ہو

ح و **(۱)** لمعہ دھوئے اور حدث کے لئے تیمّم کرے اُس کے دھونے سے پہلے خواہ بعد اور بعد ہونا بہتر ہے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلاف نہ رہے۔ صورت ۱۱و ۲۷ و ۶۳۔

(۲) قدر مستقل کو دھوئے اور لمعہ کا تیمّم کرے ص ۱۲و ۲۸ و ۴۸۔

(۳) وضو کرے اور لمعہ کا تیمّم۔ ص ۶۴ و ۸۴۔

(۴) پورا وضو کرے طہارت ہو گئی۔ ص ۱۳۔

(۵) وضو کرے اور باقی جگہ [عہ] دھوئے طاہر ہو گیا۔ ص ۲۹ و ۶۵۔

(۶) پُورا نہائے۔ ص ۴۹ و ۸۵۔

(۷) پہلے لمعہ دھوئے پھر حدث کا تیمّم کرے اگر پہلے تیمّم کرلے گا لمعہ دھونے کے بعد پھر کرنا ہوگا۔ ص ۱۴ و ۳۰ و ۴۷ و ۶۶ و ۸۳۔ ت

عہ: باقی جگہ کے یہ معنی کہ اعضائے وضو کے علاوہ اور بدن میں جہاں جنابت تھی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

(۸) دونوں کے لئے ایک تیمّم کرے اور لمعہ کی تقلیل استحباباً نہ وجوباً یعنی ناکافی پانی جنابت کی جتنی جگہ کو دھوسکے بہتر یہ کہ دھولے کہ جنابت کم ہوجائے اور آئندہ تھوڑا پانی بھی کفایت کرے۔ ص۱۵و۳۱و۵۰و۶۷و۸۶۔

ح ت و (۹) لمعہ کے حق میں تیمّم ٹوٹ گیا حدث کے حق میں باقی ہے لمعہ دھوئے۔ ص۱۶و۳۲و۶۸۔

(۱۰) حدث کے حق میں تیمّم ٹوٹ گیا لمعہ کے حق میں باقی ہے قدر مستقل کو دھوئے۔ ص۱۷و۳۳و۵۲۔

(۱۱) تیمّم حدث کے لئے نہ رہا لمعہ کے لئے ہے وضو کرے۔ ص۶۹و۸۸۔

(۱۲) تیمّم دونوں کے حق میں ٹوٹ گیا پُورا وضو کرے طہارت ہوگئی۔ ص۱۸۔

(۱۳) تیمّم دونوں کے حق میں ٹوٹ گیا وضو کرے اور باقی عہ جگہ دھوئے طاہر ہوگیا۔ ص۳۴و۷۰۔

(۱۴) تیمّم دونوں کے حق میں ٹوٹ گیا: پُورا نہائے۔ ص۵۳و۸۹۔

(۱۵) تیمّم دونوں کے حق میں ٹوٹ گیا پہلے لُمعہ دھوئے اس کے بعد حدث کا تیمّم کرے۔ ص۱۹و۳۵و۵۱و۷۱و۸۷۔

(۱۶) تیمّم دونوں کے حق میں باقی ہے لمعہ کی تقلیل کرے۔ ص۲۰و۳۶و۵۴و۷۲و۹۰۔

ت ح و (۱۷) تیمّم گیا وضو کرے طہارت ہوگئی؛ ص۱و۲۲۔

(۱۸) تیمّم نہ رہا وضو کرے اور باقی عہ جگہ دھوئے طاہر ہوگیا۔ ص۵و۳۹و۷۵۔

(۱۹) تیمّم ٹوٹ گیا لمعہ دھوئے اور حدث کا تیمّم کرے۔ ص۲۱و۳۷و۷۳۔

(۲۰) تیمّم باقی ہے حدث کے لئے وضو کرے ص۶و۳۸و۵۶و۷۴و۹۲۔

(۲۱) تیمّم نہ رہا پُورا نہائے ص۵۷و۹۳۔

(۲۲) تیمّم نہ رہا پہلے لمعہ دھوئے پھر حدث کا تیمّم کرے ص۴۰و۵۵و۷۶و۹۱۔

(۲۳) تیمّم باقی ہے حدث کے لئے تیمّم کرے اور لمعہ کی تقلیل ص۲و۷و۲۳و۴۱و۵۸و۷۷و۹۴۔

ت ح م و (۲۴) دونوں تیمّم ٹوٹ گئے وضو کرے طہارت ہوگئی۔ ص۳و۲۵۔

(۲۵) دونوں تیمّم گئے وضو کرے اور باقی عہ جگہ دھوئے طاہر ہوگیا۔ ص۸و۴۴و۸۰۔

(۲۶) لمعہ کا تیمّم گیا حدث کا باقی ہے لمعہ دھوئے۔ ص۲۴و۴۲و۷۸۔

عہ باقی جگہ کے یہ معنی کہ اعضائے وضو کے سوا اور بدن میں جہاں جنابت تھی ۱۲ منہ غفرلہ (م)

(۲۷) حدث کا تیمّم گیا لمعہ کا باقی ہے وضو کرے۔ ص۹ و ۴۳ و ۶۰ و ۷۹ و ۹۶۔

(۲۸) دونوں تیمّم گئے پُورا نہائے۔ ص۶۱ و ۹۷۔

(۲۹) دونوں تیمّم گئے پہلے لمعہ دھوئے اس کے بعد حدث کا تیمّم کرے۔ ص۴۵ و ۵۹ و ۸۱ و ۹۵۔

(۳۰) دونوں تیمّم باقی ہیں لمعہ کی تقلیل کرے۔ ص۴ و ۱۰ و ۲۶ و ۴۶ و ۶۲ و ۸۲ و ۹۸ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

(۱) جنب نہالیا صرف وضو باقی تھا پھر حدث ہُوا **(۲)** وضو اور کُچھ اور حصۂ بدن باقی تھا

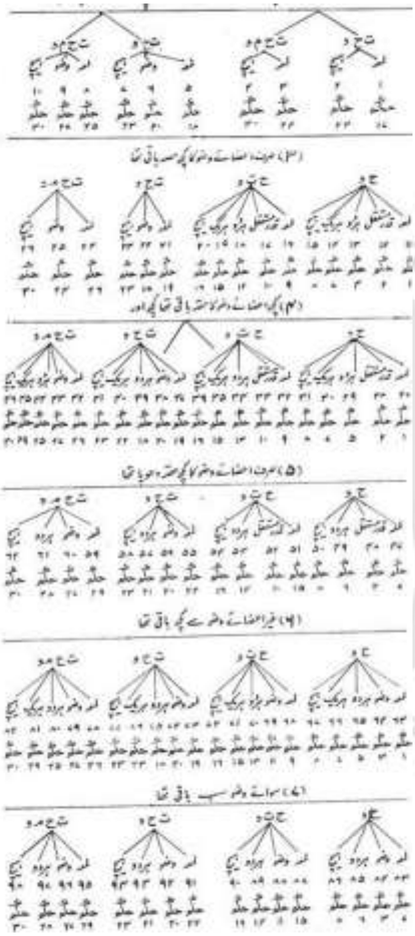

مصنف کا ضابطہ کلیہ: **ثمّ اقول** علمائے کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببر کاتہم فی الدارین نے یہ تقسیم و تفصیل بغرض تفہیم و تسہیل اختیار فرمائی جو بحمدہٖ تعالٰی اپنے منتہائے کمال کو پہنچی اب ہم بغرض ضبط وربط و قلّت انتشار انہیں کے کلمات شریفہ کے استفادہ سے ضابطہ کلیہ لکھیں کہ جملہ اقسام واحکام کو حاوی ہو جنب کہ بعد جنابت ہنوز پُورا نہا یا مگر بعض یا کُل اعضائے وضو کی تطہیر پانی سے یا تیمّم کر چُکا اُس کے بعد حدث

ہوا کہ دو[۲] صورت اخیرہ میں بتمامہ مستقل ہے اور صورت اولیٰ میں صرف اُتنا کہ حصّہ مغسولہ اعضائے وضو میں ہے اس صورت میں پانی کہ پایا اگر بقیہ جنابت وحدثِ مستقل دونوں میں سے صرف ایک کو کافی ہے اس میں صرف کرے اُس کے لئے اگر پہلے تیمّم کرچکا تھا ٹوٹ گیا اور دوسرے کے لئے نہ کیا تھا تو اول کے حق میں ٹوٹ گیا ثانی کے حق میں باقی رہا اور اگر پانی دونوں کو معًا کافی ہے تو دونوں کا وہ حکم ہے جو اول کا تھا بجالائے طہارت ہوگئی اور اگر کسی کو کافی نہیں تو دونوں کا وہ حکم ہے جو ثانی کا تھا اگر کسی کے لئے تیمّم نہ کیا تھا اب دونوں کے لئے ایک تیمّم کرے اور کرلیا تھا تو باقی رہا بہر حال لمعہ کی تقلیل کرے کہ مستحب ہے اور اگر ہر ایک کو جدا جدا کافی ہے تو لمعہ میں صرف کرے تیمّم ان میں جس ایک کا یا دونوں کے لئے ایک یا جدا جدا جیسا بھی کرچکا تھا کسی کے حق میں باقی نہ رہا۔ پانی نہ رہنے کے بعد حدث کے لئے تیمّم کرے پہلے کرلے گا تو بعد صرف پھر کرنا ہوگا یہی اصح ہے جس کی تفصیل وتحقیق اس تنبیہ آئندہ میں آتی ہے **وباللہ التوفیق** (اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے۔ت) اور اگر اس نے برخلاف حکم اُسے حدث میں صرف کرلیا حدث تو زائل ہوگیا مگر جنابت کے لئے تیمّم بالاجماع لازم ہوا اگرچہ پہلے کر بھی چکا ہو یہ ہے قول جامع ونافع*

باذن الجامع النافع* عزجلالہ* وعم نوالہ* والحمدللہ ربّ العٰلمین* وصلی اللہ تعالٰی وسلم وبارك علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین* ابد الاٰبدین اٰمین*	باذن جامع نافع، اس کی بزرگی غالب اور اس کی عطا وبخشش عام ہے۔ اور تمام تعریف اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا مالک ہے۔ اور خدائے برتر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے ہمارے آقا ومولیٰ محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر، ہمیشہ ہمیشہ، الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

تنبیہ: اس جدول کے ۱۸ نمبروں میں یعنی ۱۴۔۱۹۔۳۰۔۳۵۔۴۷۔۵۱۔۶۶۔۷۱۔۸۳۔۸۷ دس[۱۰] یہ اور ۴۰۔۴۵۔۵۵۔۵۹۔ ۷۶۔۸۱۔۹۱۔۹۵ آٹھ[۸] یہ ان میں اختلاف روایات ہے ان اٹھارہ[۱۸] میں پانی لمعہ وحدث مستقل ہر ایک کے لئے جدا جدا کافی ہے کہ اُن میں جس ایک کو چاہے دھولے دونوں کے قابل نہیں ان میں اتنا حکم تو بالاتفاق ہے کہ اس سے لمعہ دھوئے حدث میں صرف نہ کرے کہ جنابت سخت تر ہے۔ اس میں اختلاف ہوا کہ پہلی دس[۱۰] صورتوں میں جو حدث کے لئے تیمّم کرے گا آیا یہ ضرور ہے کہ اول لمعہ دھوئے جب پانی نہ رہے اُس وقت حدث کے لئے تیمّم کرے یا پہلے پیچھے ہر طرح کرسکتا ہے دونوں روایتیں ہیں اور پچھلی آٹھ میں کہ حدث کا تیمّم پہلے کرچکا تھا اس پانی کے ملنے سے ٹوٹا یا نہیں دونوں قول ہیں پھر جن کے نزدیک نہ ٹوٹا جب تو اس پر تیمّم کا اعادہ ہی نہیں اور جن کے نزدیک ٹوٹ گیا وہ لازم کرتے ہیں کہ پہلے لمعہ دھو کر تیمّم کا اعادہ کرے

ورنہ جس پانی کے پانے نے پہلا تیمّم توڑ دیا اس کا موجود رہنا دوسرا تیمم باطل کرے گا۔ منشاء اختلاف تمام صورتوں میں ایک ہے کہ آیا یہ پانی جو ازالہ حدث مستقل کے بھی قابل ہے اگرچہ اس سے لمعہ ہی دھونے کا حکم ہے اس کے ملنے سے حدث کے لئے پانی پر قدرت ثابت ہوئی یا نہیں جنہوں نے خیال فرمایا کہ ہوئی حکم دیا کہ جب تک یہ پانی خرچ نہ ہولے حدث کا تیمّم نہ کرے اور اگر پہلے کرچکا ہے ٹوٹ گیا کہ پانی پر قدرت تیمّم گزشتہ کی ناقض اور آئندہ کی مانع ہے اور جنہوں نے لحاظ فرمایا کہ اگرچہ پانی اس کے بھی قابل پایا مگر وہ بحکم شرع دوسری حاجت کی طرف مصروف ہے لہٰذا اس سے ازالہ حدث پر قدرت نہ ہُوئی انہوں نے حکم دیا کہ یہ پانی نہ اگلے تیمّم حدث کو توڑے گا نہ اس کے ہوتے حدث کے لئے تیمّم ممنوع ہوگا۔

اقول: ایک اختلاف تو یہ اصل مسئلے میں تھا ثانیاً ان روایتوں کی طرز نقل بھی مختلف آئی بعض عہ۱ میں یوں کہ ایک روایت یہ ہے ایک وہ جس سے اُن کی مساوات ظاہر اور یہ نہ کھلا کہ روایات ظاہرہ ہیں یا نادرہ بعض میں عہ۲ یوں کہ دوم روایت نوادر ہے جس سے ظاہر کہ اول ظاہر الروایۃ ہے۔

بعض عہ۳ میں یوں کہ اول روایت زیادات ہے اور دوم روایت اصل۔ اصل وزیادات دونوں کتب ظاہر الروایۃ سے ہیں اقول اور ہے یہی کہ دونوں روایتیں ظاہر الروایۃ ہیں کہ مثبت نافی پر مقدم ہے نافی کو اُس وقت روایت اصل خیال میں نہ تھی اور نوادر سے یاد لہٰذا اسے روایت نادرہ فرمایا اور جب حسبِ تصریح ثقات وہ کتاب الاصل میں موجود تو ضرور ظاہر الروایۃ ہے بلکہ اول سے بھی اولٰی کہ اصل زیادات پر مرجح ہے۔ شرح وقایہ حلیہ بحر ۱۲ (م)

ثالثاً: قائلین کرام کی طرف اس کی نسبت بھی مختلف طور پر آئی بعض نے عہ۴ بلفظ ضعف فرمایا کہ کہا گیا کہ اول قول محمد دوم قول ابویوسف ہے بعض عہ۵ نے جزماً انہیں ان کا

عہ۱ سراج وہاج منحۃ الخالق شرح وقایہ ردالمحتار مع ان فی اصلہ الحلیۃ تسمیۃ الاصل والزیادات (م)

(باوجود اس کے اس کی اصل حلیہ میں اصل اور زیادات کا نام ذکر کیا ہے۔ت)

عہ۲ شرح طحاوی خزانۃ المفتین ۱۲ (م)

عہ۴ محیط رضوی سراج منحہ وغیرہ ۱۲ (م)

عہ۵ کافی حلیہ ہندیہ ردالمحتار مع نقل الحلیۃ ایاہ عن المحیط و غیرہ بلفظۃ قیل ۱۲ (م) (اس کے باوجود حلیہ نے اس کو محیط وغیرہ سے لفظ "قیل" سے نقل کیا ہے۔ت)

قول بتایا **بعض** عـہ۱ نے اول کو فرمایا قیاس قول محمد ہے یعنی تصریحاً اُن سے مروی نہیں اُن کے قول کا قیاس چاہتا ہے کہ حکم یہ ہو۔ **اقول:** اور ہے یہی کہ اول قول محمد اور دوم قولِ ابویوسف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کہ نقل ثقات موجب اثبات **رابعا:** اختیار بھی مختلف رہا **بعض** نے اُس عـہ۲ پر جزم فرمایا **بعض** نے عـہ۳ اس پر **بعض** عـہ۴ نے دونوں ذکر کرکے چھوڑ دئے۔ **خامسا:** تصحیح میں بھی اختلاف پڑا **بعض** عـہ۵ نے اسے اصح کہا **بعض** عـہ۶ نے اسے ظاہراً اوجہ **سادسا:** اُس منشأ اختلاف کی تقریر بھی مختلف آئی۔ **بعض**[1] نے یوں فرمایا کہ اگرچہ یہ پانی لمعہ میں صرف کرنا بالاتفاق واجب ہے مگر امام محمد کے نزدیک یہ وجوب اُس سے ازالہ حدث پر قدرت کا مانع نہیں کہ کرے تو بالاجماع صحیح تو ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک مانع ہے کہ جب شرع اس سے ازالہ حدث کی اُسے اجازت نہیں دیتی تو قدرتِ شرعیہ کب ہوئی اور **بعض**[2] نے یوں تقریر کی کہ نہیں بلکہ وجوب ہی میں اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک اسے لمعہ کی طرف صرف کرنا واجب نہیں صرف اولٰی ہے لہٰذا ازالہ حدث پر قدرت ثابت اور امام ابویوسف کے نزدیک واجب ہے اور واجب کی مخالفت شرعاً ممنوع و محظور لہٰذا حدث میں صرف غیر مقدور۔ اب ہم عبارات کرام ذکر کریں جن سے ان بیانات کا انکشاف ہو۔

فی السراج الوھاج ثم منحۃ الخالق اذا احدث بعد التیمم ثم وجد ماء یکفی لکل واحد منھما علی الانفراد غسل بہ اللمعۃ لان الجنابۃ اغلظ ثم یتیمم للحدث ولو بدأ بالتیمم ثم غسلھا	**سراج وہاج** پھر **منحۃ الخالق** میں ہے: "جب تیمّم کے بعد حدث ہو پھر اتنا پانی پائے جو تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو تو اس سے لمعہ دھوئے اس لئے کہ جنابت زیادہ سخت ہے پھر حدث کا تیمّم کرے۔ اور اگر پہلے تیمّم کیا پھر لمعہ دھویا تو ایک روایت میں ہے کہ جائز نہیں اور وہ تیمّم کا اعادہ کرے گا ایک

عـہ۱ شرح طحاوی خزانۃ المفتین ۱۲ (م)

عـہ۲ حلیہ نیز بدائع و محیط رضوی بہ **دلالۃ النص کماستعرف** (م) (اسی پر دلالۃ النص ہے جیسا کہ عنقریب جان لوگے۔ (ت)

عـہ۳ در مختار و محشیان ۱۲ (م)

عـہ۴ سراج وہاج منحہ ۱۲ (م)

عـہ۵ ہندیہ **ونقل عن شرح الزیادات للعتابی** ۱۲ (م) (اور عتابی کی شرح زیادات سے نقل کیا گیا ہے۔ ت)

عـہ۶ حلیہ ردالمحتار **وادمی الیہ فی شرح الوقایۃ واعتمدۃ البحر تبعا للحلبی** ۱۲ (م) (شرح وقایہ میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بحر نے حلبی کی اتباع میں اسی پر اعتماد کیا ہے ۱۲۔ ت)

---

[1] کافی ۱۲

[2] غنیہ ۱۲

فی روایۃ لایجوز ویعید التیمم وفی روایۃ لہ ان یبدأ بایھما شاء قیل الاولٰی قول محمد والثانیۃ قول ابی یوسف [1] اھ۔

وتقدم عن **شرح الطحاوی وخزانۃ المفتین** فیما اذالم یکن تیمم قبل وجدان الماء لوبدأ بالتیمم ثم غسل اللمعۃ لایجوز وفی النوادر یبدأ بایھما شاء ثم قالا فیما اذاسبق تیمہ یغسل اللمعۃ وتیمہ علی حالہ وعلی قیاس قول محمد یتیمم [2] اھ۔

اقول: ولا(۱) فرق بین الصورتین لاتحاد المبنی کماعلمت فقدمشی اولا علی قول محمد وجعل(۲) الثانی روایۃ النوادر ومشی ثانیا علی قول ابی یوسف وجعل الاول قیاس قول محمد وفی **المنیۃ** وعلیہ ان یبتدئ بغسل اللمعۃ ثم یتیمم [3] اھ فقد مشی علی قول محمد، وفی **الدر المختار** (ناقضہ قدرۃ ماء کاف لطھرہ فضل عن حاجتہ) کعطش وعجن وغسل نجس و

روایت میں ہے کہ اسے اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہے پہلے کرے، کہا گیا کہ روایت اولٰی امام محمد کا قول ہے اور روایت ثانیہ امام ابویوسف کا قول ہے"اھ شرح طحاوی اور خزانۃ المفتین سے گزرا،اس صورت میں جبکہ پانی ملنے سے پہلے تیمّم نہ کیا ہو اگر پہلے تیمّم کیا پھر لمعہ دھویا تو جائز نہیں اور نوادر میں ہے کہ دونوں میں سے جسے چاہے پہلے کرے پھر اس صورت میں جب اس کا تیمّم پہلے ہوچکا ہو لکھا کہ "لمعہ دھوئے اور اس کا تیمّم برقرار ہے۔اور برقیاسِ قولِ محمد تیمّم کرے"اھ (ت)

اقول: دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیونکہ مبنٰی میں اتحاد ہے جیساکہ معلوم ہوا۔تو پہلے امام محمد کے قول پر چلے اور ثانی کو روایت نوادر قرار دیا۔اور ثانیا امام ابویوسف کے قول پر چلے اور اوّل کو امام محمد کے قول کا قیاس قرار دیا۔اور منیہ میں ہے: اس پر یہ ہے کہ پہلے لمعہ دھوئے پھر تیمّم کرے"۔اور اس میں امام محمد کے قول پر چلے ہیں۔درمختار میں ہے: "(ناقض تیمّم اتنے پانی پر قدرت ہے جو اس کی طہارت کے لئے کافی اس کی حاجت سے زائد ہو) حاجت جیسے پیاس،آٹا گوندھنا، نجس اور

---

[1] منحۃ الخالق مع البحر، باب التیمم، مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۳۹

[2] شرح الطحاوی للاسبیجابی وخزانۃ المفتین

[3] منیۃ المصلی باب التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۰

لمعة عـه جنابة لان المشغول بالحاجة كالمعدوم [1] اھ فقد مشى على قول ابي يوسف۔

واقره محشوه وفي **الحلية** هل عليه ان يبتدئ بغسل اللمعة حتى لوتيمم للحدث ثم غسل اللمعة اعاد التيمم للحدث ففي روايات الزيادات نعم وعليها اقتصر المصنف ووجهها انه يصير عادما للماء فيجزئه التيمم وفي رواية الاصل لابل بايهما بدأجاز لان الماء صار مستحق الصرف الى اللمعة فصار معدوما حكما كالماء المستحق للعطش۔قال رضي الدين في المحيط وكذا غيره قبل مافي الزيادات قول محمد ومافي الاصل قول ابي يوسف اھ وفيها يظهر ان قول ابي يوسف

لمعہ جنابت دھونا اس لئے کہ جو حاجت میں مشغول ہے وہ معدوم کی طرح ہے"اھ اس میں امام ابویوسف کے قول پر چلے۔اور درمختار کے محشی حضرات نے اسے برقرار رکھا۔ **حلیہ** میں ہے: کیا اس پر یہ لازم ہے کہ پہلے لمعہ دھوئے یہاں تک کہ اگر حدث کا تیمّم کرلیا پھر لمعہ دھویا تو اسے تیمّم حدث کا اعادہ کرنا ہے؟ روایت زیادات میں اس کا جواب اثبات میں ہے اور اسی پر مصنّف نے اکتفا کی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فقدان آب والا ہو جاتا ہے تو اس کا تیمّم کفایت کرجاتا ہے۔اور روایت اصل میں اس کا جواب نفی میں ہے بلکہ وہ دونوں میں سے جو بھی پہلے کرلے جائز ہے اس لئے کہ پانی لمعہ میں صرف کا مستحق ہوگیا تو وہ حکمًا معدوم ہوگیا جیسے وہ پانی جو پیاس کا مستحق ہوگیا ہو۔رضی الدین نے محیط اور ایسے ہی انکے علاوہ نے بھی فرمایا ہے: کہا گیا ہے

عـه قال العلامة ش اى لو اغتسل وبقية لمعة فتيمم ثم احدث فتيمم ثم وجد ماء يكفيها فقط فانه يغسلها به ولايبطل تيممه للحدث [2] اھ **اقول**:(۱) سبحن الله اذالم يكف للوضوء كان عدم انتقاض تيممه لعدم الكفاية لاللشغل بالحاجة والشارح بصدد بيان المشغول فالوجه ان مراده كماصرحت به الاحكام ما اذا كفى لكل على البدلية ۱۲ منه غفرله (م)

علامہ شامی نے فرمایا: "یعنی اگر غسل کیا اور کوئی لمعہ رہ گیا پھر تیمّم کیا پھر اسے حدث ہُوا تو تیمّم کیا پھر اتنا پانی ملا جو صرف لمعہ کے لئے کافی ہے تو اسے اس پانی سے دھوئے گا اور اس کا تیمّم حدث باطل نہ ہوگا"اھ **اقول**: سبحان اللہ جب وضو کے لئے کافی نہ ہوا تو اس کے تیمّم کا نہ ٹوٹنا عدم کفایت کی وجہ سے ہوا حاجت میں مشغول کی وجہ سے نہیں اور شارح اس پانی کو بتانا چاہتے ہیں جو حاجت میں مشغول ہو۔تو وجہ صحیح یہ ہے کہ ان کی مراد حسبِ تصریح احکام وہ صورت ہے جب پانی بطور بدلیت ہر ایک کے لئے کافی ہو ۱۲منہ غفرلہ (ت)

[1] درمختار، باب التیمم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۴۵

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

اوجه [1] اھ۔ وعبر عنه فی **ردالمحتار** بقوله لاینتقض تیمم الحدث عند ابی یوسف وعند محمد ینتقض ویظهر ان الاول اوجه اھ ثم قال فیما لم یتیمم قبل الوجدان فی روایة یلزمه غسلها قبل التیمم للحدث وفی روایة یخیر اھ ملخصا من الحلیة [2] اھ

وفی **شرح الوقایة** واذاغسل اللمعة هل یعید التیمم روایتان وان تیمم اولاثم غسل اللمعة ففی اعادة التیمم روایتان ایضا وان صرف الی الحدث انتقض تیممه فی حق اللمعة باتفاق الروایتین اھ ثم قال فیما اذا لم یتیمم للحدث قبل ان کفی کل واحد منفردا یصرفه الی اللمعة ویتیمم للحدث فان توضأ به جاز ویعید التیمم للحدث ولوبدأ بالتیمم للحدث هل یعید التیمم فی روایة الزیادات یعید وفی روایة الاصل لاثم انما تثبت القدرة اذا لم یکن مصروفا الی جهة اهم حتی اذاکان علی بدنه اوثوبه نجاسة یصرفه الی النجاسة [3] اھ وهو کما تری یشیر الی ترجیح روایة الاصل۔

وفی **الهندیة** صرفه الی اللمعة واعاد تیممه للحدث

کہ جو زیادات میں ہے وہ امام محمد کا قول ہے اور جو اصل میں ہے وہ امام ابو یوسف کا قول ہے۔اھ حلیہ میں یہ بھی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ امام ابو یوسف کا قول زیادہ مناسب ہے اھ۔

ردالمحتار میں اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: " تیمّم حدث امام ابو یوسف کے نزدیک نہ ٹوٹے گا اور امام محمد کے نزدیک ٹوٹ جائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اول درجہ ہے اھ۔ پھر اس صورت کے متعلق جبکہ پانی ملنے سے پہلے تیمّم نہ کیا ہو لکھا ہے: "ایک روایت میں اس پر تیمّم حدث سے پہلے لمعہ دھونا لازم ہے اور ایک روایت میں اسے اختیار ہے" اھ۔ ملخصًا من الحلیہ اھ۔

شرح وقایہ میں ہے: "جب لمعہ دھولیا تو کیا تیمّم کا اعادہ کرے گا؟ دو۲ روایتیں ہیں اور اگر پہلے تیمّم کرلیا پھر لمعہ دھویا تو بھی اعادہ تیمّم میں دو روایتیں ہیں۔اور اگر حدث میں صرف کریں تو حق لمعہ میں اس کا تیمّم باتفاق روایتیں ٹوٹ گیا"۔اھ پھر اس صورت سے متعلق جبکہ حدث کا تیمّم پہلے نہ کیا ہو، لکھا ہے: "اگر تنہا ہر ایک کے لئے کافی ہو تو اسے لمعہ میں صرف کرے گا اور حدث کا تیمّم کرے گا پھر اگر اس سے وضو کرلیا تو جائز ہے اور تیمّم کا اعادہ کرنا ہے اور اگر حدث کا تیمّم پہلے کیا تو کیا تیمّم لوٹائے گا؟ روایت زیادات میں ہے کہ لوٹائے گا اور روایت اصل میں ہے کہ: نہیں لوٹائے گا پھر

[1] حلیہ

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

[3] شرح الوقایۃ باب التیمم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۰۴، ۱۰۵

عند محمد وعند ابی یوسف لاولو صرفه الی الوضوء جاز وتیمم لجنابته اتفاقا فان لم یکن تیمم للحدث قبل وجود هذا الماء فتیمم قبل غسل اللمعة لم یجز عند محمد وعند ابی یوسف یجوز والاول اصح هکذا فی الکافی [1] اهـ۔

اقول: قوله والاول اصح لیس فی نسختی الکافی والعبارۃ غیر منقولة کماھی فی الکافی کمایظهر بالمقابلة وقد(ا)نبه علیه بقوله هکذا فی الکافی کماذکر فی خطبة الکتاب اصطلاحه فی کذا وهکذا نعم ذکر بعض العصریین ان فی شرح الزیادات للعتابی انه (وهواللکنوی ۱۲) الاصح ولم یذکر الواسطة فی النقل فان صح هذا فلعله زید فی الهندیة من ثمه اومن غیره اولعله ساقط من نسختی الکافی وعلی کل فالهندیة ثقة فی النقل واللّٰه تعالٰی اعلم وفی **الکافی** ان کفی واحدا غیر عین صرفه الی اللمعة لانه اهم واعاد تیممه للحدث

قدرت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب زیادہ اہم جانب میں مصروف نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر اس کے بدن یا کپڑے پر کوئی نجاست ہو تو اسے نجاست کی جانب صرف کرے گا" اھ یہ کلام روایت اصل کی ترجیح کی جانب اشارہ کررہاہے جیساکہ سامنے ہے۔

ہندیہ میں ہے: اسے لمعہ میں صرف کرے اور تیمّم حدث کااعادہ کرے امام محمد کے نزدیک اور امام ابویوسف کے نزدیک اعادہ نہیں اور اگر اسے وضو میں صرف کرلیاجائے تو جائز ہے اور اسے جنابت کا تیمّم کرنا ہے بالاتفاق اگر یہ پانی ملنے سے پہلے حدث کا تیمّم نہیں کیا تھا اب لمعہ دھونے سے پہلے تیمّم کیا تو امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اور امام ابویوسف کے نزدیک جائز ہے اور اول اصح ہے اسی طرح کافی میں ہے"اھ۔(ت)

اقول: والاول اصح (اور اول اصح ہے) کافی کے میرے نسخہ میں نہیں اور عبارت جیسے کافی میں ہے ویسے منقول نہیں جیسا کہ مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اس پر اپنے الفاظ "ھکذا فی الکافی" سے تنبیہ بھی کردی ہے جیساکہ خطبہ کتاب میں لفظ کذا اور ھکذا سے متعلق اپنی اصطلاح بتائی ہے ہاں بعض معاصرین (فاضل لکھنوی ۱۲) نے ذکر کیا ہے کہ عتابی کی شرح زیادات میں ہے کہ "وہی اصح ہے" واسطہ نقل نہ بتایا۔ اگر یہ صحیح ہے تو شاید ہندیہ میں وہیں سے یا اور کسی کتاب سے یہ اضافہ کردیا گیا ہے یا ہوسکتا ہے یہ لفظ میرے نسخہ کافی میں چھُوٹ گیا ہو۔ بہرحال ہندیہ نقل میں ثقہ ہے، اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیماینقض التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹/۱

عند محمد لقدرته علی الماء ووجوب صرفه الی الجنابة لاینافی قدرته علی صرفه الی الحدث ولهذا لوصرفه الی الوضوء جاز وتیمم لجنابة اتفاقا وعند ابی یوسف لایعید لانه مستحق الصرف الی اللمعة والمستحق بجهة کالمعدوم فان لم یکن تیمم للحدث[1] الخ وقد سبق۔	کافی میں ہے: "اگر غیر معین طور پر ایک کے لئے کافی ہو تو اسے لمعہ میں صرف کرے کیونکہ وہ اہم ہے اور امام محمد کے نزدیک تیمّم حدث کا اعادہ ہے کیونکہ وہ پانی پر قادر ہوگیا تھا اور جنابت میں اسے صرف کرنے کا وجوب حدث میں صرف کرنے پر قدرت کے منافی نہیں۔ اسی لئے اگر اسے وضو میں صرف کرلیا تو جائز ہے اور اسے جنابت کا تیمّم کرنا ہے بالاتفاق۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک (تیمّم حدث کا) اعادہ نہیں اس لئے کہ وہ پانی لمعہ میں صرف کیے جانے کا مستحق ہوچکا تھا اور جو کسی جانب کا مستحق ہو معدوم کی طرح ہے۔ تو اگر اس نے حدث کا تیمّم نہ کیا تو تھا الخ یہ کلام گزرچکا۔ (ت)
اقول: اخر دلیل ابی یوسف فافاد ترجیحه وصرح فی تعلیل محمد بوجوب صرفه الی اللمعة وانه لاینافی قدرته علی الوضوء وفی الغنیة (علیه ان یبدأ بغسل اللمعة) لیصیر عادما للماء فی حق الحدث ولایجوز تیممه للحدث قبله عند محمد لان صرف ذلك الماء الی اللمعة دون الحدث لیس بواجب عنده بل علی سبیل الاولویة فوجوده یمنع التیمم للحدث وعند ابی یوسف صرفه الی اللمعة واجب فهو کالمعدوم بالنسبة الی الحدث فیجوز التیمم له قبل غسل اللمعة ولوکان تیمم بعد ما احدث	**اقول:** امام ابویوسف کی دلیل مؤخر کرکے اس کی ترجیح کا افادہ کیا اور امام محمد کی تعلیل میں اس بات کی تصریح فرمائی کہ لمعہ میں اسے صرف کرنا واجب ہے اور یہ وضو پر قدرت کے منافی نہیں۔ غنیہ میں ہے (اس پر یہ ہے کہ پہلے لمعہ دھوئے) تاکہ حق حدث میں پانی نہ رکھنے والا ہوجائے۔ امام محمد کے نزدیک اس سے پہلے اس کا تیمّم حدث جائز نہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اس پانی کو حدث چھوڑ کر لمعہ میں صرف کرنا واجب نہیں بلکہ بطور اولٰی کے ہے، تو اس کا وجود تیمّم حدث سے مانع ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک اسے لمعہ میں صرف کرنا واجب ہے تو وہ حدث کی بہ نسبت کالمعدوم ہے اس لئے لمعہ دھونے سے پہلے حدث کا تیمّم جائز ہے اور اگر حدث ہونے کے

[1] کافی

لاجل [عه] الحدث ثم وجد ماء یکفی لاحدهما ینتقض تیممه عند محمد لاعند ابی یوسف بناء علی ماتقدم [1] اھ ثم ههنا مسألة اخری من هذا القبیل مشی فیها الامام ملك العلماء والامام رضی الدین السرخسی علی وجوب تأخیر التیمم فظاهر قیاسه المشی علی قول محمد هنا ففی **البدائع** بعد ذکر القدرة علی الماء الکافی وعلی هذا الاصل مسائل فی الزیادات مسافر (۱) محدث علی ثوبه نجاسة اکثر من قدر الدرهم ومعه مایکفی لاحدهما غسل به الثوب وتیمم للحدث عند عامة العلماء لان الصرف الی النجاسة یجعله مصلیا بطهارتین حقیقیة وحکمیة فکان اولی من الصلاة بطهارة واحدة ویجب ان یغسل ثوبه من النجاسة ثم یتیمم ولو بدأبالتیمم لایجزء به لانه قدر علی ماء لوتوضأ به تجوز صلاته [2] اھ وفی

بعد حدث کے لئے تیمّم کرلیا تھا پھر اسے اتنا پانی ملاجو کسی ایک کے لئے کافی ہو تو اس کا تیمّم امام محمد کے نزدیک ٹوٹ جائے گا، امام ابویوسف کے نزدیک نہ ٹوٹے گا۔ اسی بنیاد پر جو پہلے بیان ہوئی" اھ۔ پھر یہاں اسی قبیل کاایک اور مسئلہ ہے جس میں امام ملک العلماء اور امام رضی الدین سرخسی کی روش اس پر ہے کہ تیمّم مؤخر کرنا واجب ہے تو اس کاظاہر قیاس یہ ہے کہ یہاں امام محمد کے قول پر چلے ہیں۔ **بدائع** میں آب کافی پر قدرت کاذکر کرنے کے بعد ہے: "اس اصل کے تحت زیادات میں چند مسائل میں کوئی حدث والا مسافر ہے جس کے کپڑے پر قدر درہم سے زیادہ نجاست ہے اور اس کے پاس اتنا پانی ہے جو دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کافی ہے تو اس سے کپڑا دھوئے اور حدث کے لئے تیمّم کرے۔ عامہ علماء کے نزدیک اس لئے کہ نجاست میں صرف کرنا اسے حقیقی وحکمی دو طہارتوں سے نماز ادا کرنے والا بنادے گا تو یہ ایک طہارت سے نماز ادا کرنے سے بہتر ہے اور واجب ہے کہ

عـه **اقول**: کانه زاده (۲) ایضاحا والا فلا حاجة الیه لانه لواحدث ثم تیمم لهالکان له ایضا ولایختلف الحکم ۱۲ منه غفرله (م)

اقول: معلوم ہوتا ہے کہ اسے انہوں نے بطور توضیح بڑھادیا ہے ورنہ اس کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اگر اسے حدث ہوا پھر اس نے جنابت کا تیمّم کیا تو وہ حدث کے لئے بھی ہوجائے گا اور حکم مختلف نہ ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] غنیۃ المستملی باب التیمم مطبع سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۶
[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان ماینقض التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۷

المحیط الرضوی ثم الھندیۃ لوتیمم اولاثم غسل النجاسۃ یعید التیمم لانہ تیمم وھو قادر علی مایتوضأ بہ[1] اھ ورأیتنی کتبت علیہ سابقا مانصہ۔

اقول: ھذا علی قول محمد اماعلی قول ابی یوسف فلا لکونہ مشغولا بحاجۃ فکان کالمعد لعطش وبہ جزم فی الدر المختار اھ ثم رأیت بعدہ بزمان نظر فیہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ کمانظر فیہ المحقق الحلبی فی الحلیۃ کمانظر الفقیر وللہ الحمد فقال بعد نقل مافی البدائع والمحیط قال العبد الضعیف غفراللہ تعالٰی لہ فیہ نظر بل الظاھر الحکم بجواز التیمم تقدم علی غسل الثوب اوتأخر لانہ مستحق الصرف الی الثوب علی ماقالوا والمستحق الصرف الی جھۃ منعدم حکما بالنسبۃ الی غیرھا کما فی مسألۃ اللمعۃ مع الحدث قبل التیمم لہ اذاکان الماء کافیا لاحدھما فبدأ بالتیمم للحدث قبل غسلھا کماھو روایۃ الاصل وکمافی مسألۃ خوف

کپڑے سے نجاست دھوئے پھر تیمّم کرے اور اگر پہلے تیمّم کرلیا تو یہ کفایت نہیں کرسکتا اس لئے کہ وہ اتنے پانی پر قادر ہے کہ اگر اس سے وضو کرے تو اس کی نماز ہوجائے"اھ اور **محیط رضوی** پھر ہندیہ میں ہے: "اگر پہلے تیمّم کیا پھر نجاست دھوئی تو تیمّم کا اعادہ کرے اس لئے کہ اس نے اس حالت میں تیمّم کیا جب کہ وہ اتنے پانی پر قادر تھا جس سے وضو کرے"۔اھ اس پر میں نے زمانہ سابق میں اپنی لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی:

اقول: یہ حکم امام محمد کے قول پر ہے لیکن امام ابویوسف کے قول پر اعادہ نہیں اس لئے کہ وہ پانی حاجت میں مشغول تھا تو اس پانی کی طرح ہوا جو پیاس کے لئے رکھا ہوا ہو۔اسی پر درمختار میں جزم کیا ہے"اھ پھر اس کے کچھ عرصہ کے بعد میں نے دیکھا کہ اس پر محقق حلبی نے حلیہ میں بھی ویسے ہی کلام کیا ہے جیسے فقیر نے کلام کیا اور خدا ہی کے لئے حمد ہے انہوں نے بدائع اور محیط کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: بندہ ضعیف کہتا ہے خدائے برتر اس کی مغفرت فرمائے یہ محلِ نظر ہے بلکہ ظاہر جواز تیمّم کا حکم ہے۔کپڑا دھونے سے پہلے تیمّم ہو یا اس کے بعد ہو۔اس لئے کہ حسبِ ارشادِ علماء وہ پانی کپڑے میں صرف کیے جانے کا مستحق ہے اور جو کسی ایک جانب صرف کئے جانے کا مستحق ہوچکا ہو وہ دوسری جانب کی بہ نسبت حکمًا معدوم ہے جیسے حدث کے ساتھ لمعہ کے مسئلہ میں اس سے پہلے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل بیان ماینقض التیمم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹

العطش ونحوہ نعم یتمشی ذلك علی روایۃ الزیادات[1] اھ، وتبعہ فی **البحر الرائق** علی الفاظہ وزاد بعدہ ولھذا قال فی شرح الوقایۃ وانما تثبت القدرۃ اذا لم یکن مصروفا الی جھۃ اھم اھ[2] **لکن** زعم فی السراج ان وجوب تاخیر التیمم فی مسألۃ النجاسۃ مجمع علیہ بخلاف مسألۃ اللمعۃ فاذن لایکون جزم البدائع والمحیط فیھا بوجوب التاخیر دلیل المشی علی قول محمد فی اللمعۃ۔

اقول: لکن(۱) قداسمعناك نص الامام صدر الشریعۃ اٰنفا انما تثبت القدرۃ اذا لم یکن مصروفا الی نجاسۃ[3]۔ ونص الدر المختار المشغول بحاجۃ غسل نجس کالمعدوم[4] فاین الاجماع وقد جزما بہ کأنہ لاخلاف فیہ فضلا عن الاجماع علی خلافہ ثم اذقد ذکر الاجماع ھھنا

حدث کا تیمّم کیا ہو۔جب پانی دونوں میں سے کسی ایک کے لئے کافی ہو تو لمعہ دھونے سے پہلے تیمّم حدث سے ابتدائی ہو۔ جیسا کہ اصل کی روایت ہے اور جیسا کہ خوفِ تشنگی وغیرہ کے مسئلہ میں ہے ہاں وہ حکم روایت زیادات پر چل سکتا ہے اھ اور **البحرالرائق** میں ان ہی کے الفاظ کے ساتھ ان کا اتباع کیا ہے۔اور اس کے بعد مزید یہ لکھا ہے: "اسی لئے شرح وقایہ میں فرمایا: "اور قدرت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب اس سے زیادہ اہم جانب میں مصروف نہ ہو" اھ لیکن سراج میں یہ خیال کیا ہے کہ مسئلہ نجاست میں تیمّم مؤخر کرنے کا وجوب متفق علیہ اور اجماعی ہے،بخلاف مسئلہ لمعہ کے اس کے پیش نظر مسئلہ نجاست میں وجوب تاخیر پر بدائع ومحیط کا جزم مسئلہ لمعہ میں امام محمد کے قول پر مشی کی دلیل نہ ہوگا۔(ت) **اقول:** لیکن امام صدر الشریعۃ کی عبارت ہم ابھی پیش کرچکے کہ "قدرت اسی وقت ثابت ہوتی ہے جب نجاست کی جانب مصروف نہ ہو"۔اور دُرمختار کی یہ عبارت کہ "جو کسی نجس کو دھونے کی ضرورت میں مشغول ہے معدوم کی طرح ہے" تو اجماع کہاں؟ جب کہ ان دونوں نے اس پر یوں جزم کیا ہے جیسے اس میں کوئی خلاف ہی نہیں اس کے خلاف پر

[1] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۹
[2] البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۹
[3] شرح الوقایۃ باب التیمم المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۰۵
[4] الدرالمختار باب التیمم مجتبائی دہلی ۱/۴۵

وقدم نقل الخلاف فی مسألۃ اللمعۃ ابدی بینھما فارقا بہ تشبت العلامۃ الشامی فی دفع نظر الحلیۃ والبحر۔فقال فی منحۃ الخالق ذکر فی السراج لوبدأ بالتیمم ثم غسل النجاسۃ اعاد التیمم اجماعا بخلاف المسألۃ الاولی ای مسألۃ اللمعۃ علی قول ابی یوسف لانہ تیمم ھنا وھو قادر علی ماء لوتوضأ بہ جاز وھناك ای فی مسألۃ اللمعۃ لوتوضأ بذلك الماء لم یجز لانہ عاد جنبا برؤیۃ الماء اھ وبہ یندفع النظر فتدبر[1] اھ و اوردہ ایضا فی ردالمحتار فقال وھو فرق حسن دقیق فتدبرہ[2] اھ	اجماع تو در کنار۔ پھر جب سراج میں یہاں اجماع ذکر کیا اور اس سے پہلے مسئلہ لمعہ میں اختلاف نقل کیا تو ان دونوں کے درمیان ایک وجہ فرق بھی ظاہر کی جس سے علّامہ شامی نے حلیہ وبحر کا کلام دفع کرنے میں تمسّک کیا۔ منحۃ الخالق میں لکھتے ہیں: "سراج میں ذکر کیا ہے کہ اگر پہلے تیمم کرلیا پھر نجاست دھوئی تو اسے اجماعًا تیمّم کا اعادہ کرنا ہے۔بخلاف پہلے مسئلہ کے یعنی مسئلہ لمعہ کے برخلاف، امام ابویوسف کے قول پر اس لئے کہ یہاں اس نے اس حالت میں تیمّم کیا کہ وہ ایسے پانی پر قادر تھا جس سے اگر وضو کرتا تو جائز ہوتا اور وہاں یعنی مسئلہ لمعہ میں اگر اس پانی سے وضو کرتا تو جائز نہ ہوتا اس لئے کہ پانی دیکھنے کی وجہ سے وہ پھر جنب ہوگیا"۔اھ اور اسی سے وہ کلام دفع ہوجاتا ہے۔فتدبر (تو غور کرنا چاہئے) اھ ــــ سراج کا کلام ردالمحتار میں بھی ذکر کرکے فرمایا ہے: "**وھو فرق حسن دقیق فتدبرہ** (اور یہ ایک عمدہ دقیق فرق ہے جس میں تدبر کرنا چاہئے)" اھ (ت)
اقول: وباللہ التوفیق لہ محملان۔ **الاوّل:** الجواز بمعنی الصحۃ کماتعطیہ عبارۃ ملك العلماء حیث نسب الجواز الی الصلاۃ وفیہ۔ **اوّلًا** (۱): ان مجرد صحۃ الوضوء بہ لایثبت القدرۃ ولاینفی العجز	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور توفیق خدا ہی سے ہے اس کے دو۲ محمل ہیں: **اوّل:** جواز بمعنی صحت ہو جیسا کہ ملک العلماء کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے اس طرح کہ انہوں نے جواز کی نسبت نماز کی طرف کی ہے۔اب اس میں کلام ہے **اوّلًا** محض اتنا کہ اس سے وضو درست ہے نہ قدرت کا اثبات کرتا ہے نہ عجز کی نفی کرتا ہے۔

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۹

[2] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۷

الاتری ان المریض اوالبعید میلا لوتحمل الحرج وتوضأ بہ لصح وجازت صلاتہ بہ بل الشغل بحاجۃ اھم ایضا من وجوہ العجز کالمدخر لعطش اوعجن مع جواز صلاتہ بہ قطعا ان فعل۔

وثانیا: علی(۱) السراج خاصۃ اذن یطیح الفرق فالصحۃ وجواز الصلاۃ حاصل قطعا فی مسألۃ اللمعۃ ایضا الا تری الی ماتقدم عن الھندیۃ والکافی وشرح الوقایۃ لوصرفہ الی الوضوء جاز زاد الاولان اتفاقا وعودہ جنبا لایمنعہ عن التوضی للحدث لان ھذہ الجنابۃ مقتصرۃ والحدث غیر مندمج فیھا۔

الثانی: بمعنی الحل ای لوتوضأ بہ فی مسألۃ النجاسۃ حل بخلاف مسألۃ اللمعۃ لانہ عادجنبا فوجب صرفہ الی اجنابۃ۔

اقول: وفیہ

اولا: لانسلم الحل فی النجاسۃ فان فیہ اختیار الصلاۃ مع نجاسۃ حقیقیۃ عمدا لانہ کان قادرا علی ان یزیل النجاستین الحقیقۃ

دیکھئے بیمار یا ایک میل دُوری والے نے اگر مشقت اٹھائی اور پانی سے وضو کیا تو وضو صحیح ہے اور اس سے نماز جائز ہے بلکہ زیادہ اہم ضرورت میں پانی کا مشغول ہونا بھی عجز کی صورتوں میں سے ہے جیسے وہ پانی جو پیاس کے لئے آٹا گوندھنے کے لئے جمع کر رکھا ہو باوجودیکہ اگر اس سے وضو کرے تو اس کی نماز قطعًا جائز ہے۔ **ثانیا**: خاص سراج پر یہ کلام ہے کہ ایسا ہے تو فرق ضائع کردینا چاہئے کیونکہ صحت اور جواز نماز تو قطعًا مسئلہ لمعہ میں بھی حاصل ہے۔ وہ دیکھئے جو ہندیہ، کافی اور شرح وقایہ کے حوالہ سے گزرا کہ اگر اس پانی کو وضو میں صرف کرلیا تو جائز ہے۔ ہندیہ وکافی نے اتفاقا (بالاتفاق) کا اضافہ کیا۔ اور اس کا پھر جنب ہوجانا حدث کا وضو کرنے سے مانع نہیں اس لئے کہ یہ جنابت مقتصرہ ہے اور حدث اس میں مندرج نہیں۔ **دوم**: جواز بمعنی حلت ہو یعنی مسئلہ نجاست میں اگر اس پانی سے وضو کرلیا تو حلال ہے بخلاف مسئلہ لمعہ کے۔ اس لئے کہ پھر جنب ہوگیا تو اسے جنابت میں صرف کرنا واجب ہے۔ **اقول**: اس میں بھی کلام ہے۔ **اولًا**: ہم نہیں مانتے کہ مسئلہ نجاست میں حلت ہے کیونکہ اس میں نجاست حقیقیہ کے ساتھ نماز کی ادائیگی کو قصدًا اختیار کرنا ہے اس لئے کہ اسے قدرت تھی کہ دونوں نجاستیں دُور کرے حقیقیہ کو پانی

بالماء والحکمیة بالتراب کما قال ملك العلماء ولم یکن للماء خلف فی الحقیقة فاذا صرفه الی الحکمیة التی کان یجدله خلفا فیها فقد ازمع واجمع علی ان یصلی فی نجس مانع مع القدرة علی ازالته فکیف یحل ھذا اما الاجزاء فلانه عاجز عن الماء عند ایقاع الصلاۃ وانما النظر فیه الی الحالة الراهنة۔

سے اور حکمیہ کو مٹّی سے جیسا کہ ملک العلماء نے فرمایا ہے اور نجاست حقیقیہ میں پانی کا کوئی بدل اور نائب نہیں تو جب اس نے پانی کو حکمیہ میں صرف کیا جس میں پانی کا ایک بدل اسے دستیاب تھا تو اس نے اس بات کا پختہ ارادہ اور عزم محکم کرلیا کہ نجس مانع کے ازالہ پر قدرت کے باوجود اُس نجس مانع کے ساتھ نماز ادا کرے گا تو یہ حلال کیسے ہوگا؟۔ رہا کفایت کر جانا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز کی ادائے گی کے وقت وہ پانی سے عاجز ہے اور اس بارے میں صرف حالت موجودہ پر نظر کی جاتی ہے۔(ت)

فان قلت بل یدل علی الحل قول ملك العلماء فکان اولی من الصلاۃ بطهارۃ واحدۃ [1] وقول الخانیة والخلاصة والحلیة والبحر لوتوضأ وصلی فی الثوب النجس جاز ویکون مسیئا [2] اھ فان(۱) الاساءۃ دون کراهة التحریم۔

اقول: تعلیل ملك العلماء ادل دلیل کما علمت علی ان(۲) لفظة الاولی فیه مثلها فی قول عـه التجنیس والمزید ان

اگر یہ سوال ہو کہ ملک العلماء کی یہ عبارت حلت پر دلالت کررہی ہے: "تو ایک طہارت سے نماز کی ادائے گی سے اولیٰ ہے"۔ اور خانیہ، خلاصہ، حلیہ اور بحر کی یہ عبارت: "اگر وضو کرلیا اور نجس کپڑے میں نماز ادا کی تو جائز ہے اور اساءت والا (بُرا کرنے والا) ہوگا" اھ اس لئے کہ اساءت کا درجہ کراہت تحریم سے نیچے ہے۔ **اقول:** ملک العلماء کی تعلیل سب سے بڑی دلیل ہے جیسا کہ ناظر کو معلوم ہے مگر یہ ہے کہ جیسے اس میں لفظ "اَولی" ہے ویسے ہی تجنیس اور مزید کی اس عبارت میں ہے: "بیشک

عـه بل فی نفس البدائع من کتاب الاستحسان الامتناع من المباح اولی من ارتکاب المحظور [3] اھ ۱۲ منه غفرله (م)

بلکہ خود بدائع کتاب الاستحسان میں یہ عبارت ہے: مباح سے باز رہنا ممنوع کے ارتکاب سے اولیٰ ہے اھ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] بدائع الصنائع فصل بیان ماینقض التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۷
[2] البحر الرائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۳۹
[3] بدائع الصنائع کتاب الاحسان ایم ایم سعید کمپنی، کراچی ۵/۱۳۰

مراعاۃ فرض العین اولی قال الشامی فحیث ثبت انہ فرض کان خلافہ حراما[1] اھ۔
من صدر الجہاد واطلاق(ا) المسیئ علی من ترک واجبا غیر نادر لاجرم ان قال فی الغنیۃ لوازال بذلک الماء الحدث وبقی الثوب نجسا لکان قدترک الطھارۃ الحقیقۃ مع قدرتہ علیھا بغیر عذر فیکون اثما لکن تصح صلاتہ لثبوت العجز بعد نفاد الماء[2] اھ وھذا عین مافھمت وقداداہ بلفظ اوجز وا حسن رحمہ اللہ تعالٰی والعلماء جمیعا۔
وثانیا: اذن ینقلب الفرق فحیث جازلہ صرف الماء الی الوضوء وابقاء النجاسۃ المانعۃ بلامزیل لان یحل لہ صرفہ الی الوضوء مع ازالۃ الجنابۃ بالتیمم لاولی وای مدخل فیہ لکون الجنابۃ اغلظ فان الکل ینتفی اما بالماء اوبالتراب وای دلیل علی انہ تجب ازالۃ الاغلظ بالماء دون التراب

فرض عین کی رعایت "اولٰی" ہے اس پر شامی نے فرمایا: تو جب یہ ثابت ہوا کہ وہ فرض ہے تو اس کا خلاف حرام ہوا، اھ ازشروع کتاب الجہاد اور واجب ترک کرنے والے پر لفظ "مُسِیئ" (بُرا کرنے والا) کا اطلاق کوئی نادر بات نہیں۔ لاجرم غنیہ میں لکھا ہے: "اگر اس پانی سے حدث دُور کیا اور کپڑا نجس رہ گیا تو وہ طہارت حقیقیہ پر قادر ہونے کے باوجود بلاعذر اس کا تارک ہوا تو گنہ گار ہوگا لیکن اس کی نماز صحیح ہوجائے گی کیوں کہ پانی ختم ہوجانے کے بعد عجز ثابت ہوگیا" اھ یہ بعینہٖ وہ ہے جو میں نے سمجھا اور انہوں نے اسے زیادہ مختصر اور بہتر الفاظ میں ادا کیا ان پر اور تمام علما پر خدا کی رحمت ہو۔
ثانیا: ایسا ہے تو فرق پلٹ جائے گا۔ جب اس کے لئے یہ جائز ہے کہ پانی وضو میں صرف کردے اور بغیر کسی زائل کرنے والی چیز کے نجاست مانعہ کو باقی رکھے تو اس کے لئے جنابت کو تیمّم سے زائل کرنے کے ساتھ پانی کو وضو میں صرف کرلینا بدرجہ اولٰی جائز وحلال ہوگا اور اس میں نجاست کے زیادہ سخت ہونے کا کیا دخل؟ سبھی تو دور ہوجارہا ہے یا پانی سے یا مٹی سے اس پر کیا دلیل ہے کہ جو

[1] ردالمحتار، کتاب الجہاد، مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۱
[2] غنیۃ المستملی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۶

وبالجملة ظهر بحمدالله تعالٰی ان النظر لامرد له وان الاظهر فی مسألة النجاسة مااستظهره فی الحلیة والبحر وجزم به فی شرح الوقایة والدر المختار۔

اقول: وبه ترجح ولله الحمد ماسلکه المحقق الحلبی صاحب الغنیة فی تقریر منشأ الخلاف(۱) فان القول بجواز الصرف الی الوضوء مع اولویة الصرف الی اللمعة هو الذی یقتضیه الدلیل وعلی تسلیم وجوب الصرف الیها ترد مسائل کثیرة ثبت فیها العجز عن الماء لاجل المنع الشرعی کمابیناها فی رسالة قوانین العلماء وقد(۲) یکون الوجوب فی کلام الکافی من باب قولك حقك واجب علی فظهران الاظهر فی هذه خلاف مااستظهره فی الحلیة فالراجع فیه قول محمد وقدذیل بالاصح وهو تصحیح صریح وصاحب(۳) الحلیة رحمه الله تعالٰی لیس من اصحاب الترجیح۔

فان قلت کونه مستحق الصرف الی حاجة اهم لایختص بالوجوب الاتری ان المعد لعجن منه مع ان العجن غیر واجب۔

زیادہ سخت ہے اسے مٹی سے نہیں پانی ہی سے زائل کرنا واجب ہے؟ بالجملہ بحمدِ خدائے برتر یہ واضح ہوگیا کہ اس کلام کو کوئی بات رَد کرنے والی نہیں اور مسئلہ نجاست میں اظہر وہی ہے جو حلیہ اور بحر میں ظاہر کیا گیا اور جس پر شرح وقایہ اور درمختار میں جزم ہوا۔(ت) **اقول:** اسی سے بحمدہ تعالٰی اسے بھی ترجیح حاصل ہوگئی جس پر محقق حلبی منشأ خلاف کی تقریر میں چلے، اس لئے کہ مقتضائے دلیل یہی قول ہے کہ لمعہ میں پانی صرف کرنے کے اولٰی ہونے کے ساتھ وضو میں اس کے صرف کا جواز ہے اور لمعہ میں صرف کا وجوب مان لینے پر ان بہت سے مسائل سے اعتراض ہوگا جن میں کسی شرعی ممانعت کی وجہ سے پانی سے عجز ثابت ہے جیسا کہ انہیں ہم نے رسالہ "**قوانین العلماء**" میں بیان کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کافی کی عبارت میں وجوب "**حقّك واجب علیّ**" (تمہارا حق میرے اوپر واجب ہے یعنی بقوّت ثابت ہے) کے باب سے ہو۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس بارے میں اظہر اس کے برخلاف ہے جو حلیہ میں ظاہر کیا اور کہا "تو اس میں راجح امام محمد کا قول ہے" اور اس کے آخر میں "اصح" بھی لکھ دیا یہ صریح تصحیح ہے جبکہ صاحبِ حلیہ ان پر خدا کی رحمت ہو اصحابِ ترجیح سے نہیں ہیں۔(ت) **اگر سوال ہو** پانی کا زیادہ اہم ضرور میں صَرف کئے جانے کا مستحق ہونا وجوب سے ہی خاص نہیں، دیکھئے آٹا گوندھنے کے لئے رکھا ہوا پانی اسی باب سے ہے باوجودیکہ آٹا گوندھنا واجب نہیں۔

اقول: ذلك تخفیف(۱) من ربکم ورحمة یراعی حاجات عبادہ بالنقیر والقطمیر فجاز التیمم اذاکان یبیع الماء من عندہ بفلس وقیمتہ ثمہ نصف فلس وجاز لبعد میل وان کان فی جھة مذھبہ وھو یسیر الیہ لحاجة نفسہ انما المنع لحق الشرع فلایتحقق الا بالوجوب اذ مالایجب شرعا لایمنع ترکہ شرعا فظھر الفرق والحمدﷲ رب العٰلمین ولذا مشیت فی الجدول علی قول محمد لانہ المذیل بالتصحیح الصریح ولانہ الاظھر من حیث الدلیل ولانہ الاحوط فی الدین وان کان قول ابی یوسف ایضالہ قوة لانہ قول ابی یوسف ولانہ فی الاصل وقد استظھر اوجھیتہ فی الحلیة واومی الی ترجیحہ فی شرح الوقایة واخر دلیلہ فی الکافی غیر انھم اعتمدوا حرفا واحدا وھو استحقاق الصرف وقد علمت جوابہ وﷲ الحمد۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ تمہارے رب کی جانب سے آسانی اور رحمت ہے وہ نقیر و قطمیر (کھجور کی چھال اور گٹھلی کے چھلکے) میں اپنے بندوں کی حاجتوں کی رعایت فرماتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس صورت میں تیمّم جائز ہوگیا جب پانی والا ایک پیسے میں پانی بیچ رہا ہے اور وہاں اس کی قیمت آدھا پیسہ ہے۔اور ایک میل پانی دُور ہو تو تیمّم جائز ہوگیا اگرچہ وہ اس کے راستے ہی کی سمت میں ہو۔اور اس طرف وہ اپنی ضرورت کے لئے جا بھی رہا ہے لیکن حق شرع کی وجہ سے ممانعت تو یہ بغیر وجوب کے متحقق نہ ہوگی اس لئے کہ شرعًا جو واجب نہیں اس کا ترک شرعًا ممنوع نہیں اس سے فرق واضح ہوگیا،اور تمام حمد خدا کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا مالک ہے اسی لئے میں نقشہ میں امام محمد کے قول پر چلاہُوں اس لئے کہ اس پر صریح تصحیح کا نشان دیا گیا ہے اور اس لئے کہ دلیل کے اعتبار سے وہی اظہر ہے اور اس لئے کہ دین میں وہی احوط ہے۔اگرچہ امام ابویوسف کے قول میں بھی قوت ہے اس لئے کہ وہ امام ابویوسف کا قول ہے اور اس لئے کہ وہ "اصل" میں ہے اور حلیہ میں اس کے اوجہ ہونے کو ظاہر بتایا،اور شرح وقایہ میں اس کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا اور کافی میں اس کی دلیل مؤخر رکھی۔مگر ان سب حضرات کا معتمد ایک ہی حرف ہے اور وہ ہے استحقاق صرف اور اس کا جواب معلوم ہوچکا اور خدا ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

بالجملہ[۲] حاصل تحقیق یہ ہوا کہ اگر کپڑے یا بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ مانعہ ہے اور وضو نہیں اور پانی اتنا ملا کہ چاہے نجاست دھولے چاہے وضو کرلے دونوں نہیں ہوسکتے تو واجب ہے کہ اُس سے نجاست ہی دھوئے اگر خلاف کرے گا گنہگار ہوگا حدث کے لئے تیمّم کرے خواہ نجاست دھونے سے پہلے یا بعد اور بعد اولٰی ہے کہ

خلاف علماء سے بچنا ہے اور اسی لئے اگر پہلے کرچکا ہے نجاست دھونے کے بعد دوبارہ تیمّم کرلینا انسب واحری ہے اور اگر جنابت کا لمعہ باقی ہے اور حدث بھی ہوا اور وہ لمعہ غیر مواضع وضو میں ہے یا کچھ مواضع وضو کے ایک حصے میں کچھ دوسرے عضو میں اور پانی اتنا ملا کہ دونوں میں جس ایک کو چاہے دھولے دونوں نہیں ہوسکتے تو اُس پانی کو لمعہ دھونے میں صرف کرے اور حدث کے لئے لازم کہ جب پانی خرچ ہولے اس کے بعد تیمّم کرے اگرچہ پہلے بھی کرچکا ہو کہ وہ منتقض ہوگیا ظاہر ہے کہ تیمّم بعد کو کرنے یا بعد کو دوبارہ کرلینے میں نہ کچھ خرچ ہے نہ کچھ حرج۔ تو اگر قول امام محمد کی صریح تصحیح نہ بھی ہوتی خلاف ائمہ سے خروج کے لئے اسی پر عمل مناسب ومندوب ہوتا نہ کہ اس طرف صراحۃً لفظ اصح موجود اور یہی دلیل کی رُو سے ظاہر تر اور اسی میں احتیاط اور امر نماز میں احتیاط باعث فلاح وصلاح۔

اصلح اللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی بالنامع سائر اخواننا فی الدین* وجعلنا جمیعا من المفلحین* وحشرنا فی زمرۃ الصلحین* تحت لواء سید المرسلین* صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلیھم وعلٰی اٰلہ واٰلھم وحزبہ وحزبھم اجمعین* ابد الاٰبدین* والحمدللّٰہ ربّ العٰلمین* وصلی اللّٰہ تعالٰی علی المصطفٰی واٰلہ وصحبہ* وابنہ وحزبہ* وعلینا بھم ولھم وفیھم ومعھم اٰمین* یاارحم الرحمین واللّٰہ تعالٰی اعلم* وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم*	خدائے پاک برتر ہمارا حال ہمارے تمام دینی بھائیوں کے ساتھ درست فرمائے اور ہم سب کو فلاح والوں میں سے بنائے اور ہمیں صالحین کے زمرے میں سید المرسلین کے جھنڈے تلے جمع فرمائے۔ خدائے برتر کا درود ہو حضور پر اور رسولوں پر اور حضور کی آل اور رسولوں کی آل اور حضور کی جماعت اور رسولوں کی جماعت سب پر ہمیشہ ہمیشہ اور تمام حمد خدا کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک ہے اور اللہ تعالٰی رحمت فرمائے سرکار مصطفٰی، ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے فرزند، ان کے گروہ پر اور ہم ان کے طفیل، ان کے سبب، ان کے اندر اور ان کے ساتھ قبول فرمااے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے اور خدائے برتر ہی خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم بہت تام اور محکم ہے اس کا مجد جلیل ہے۔ (ت)

الحمدللہ کتاب مستطاب حسن التعمم لبیان حد التیمم مسودہ فقیر سے اٹھارہ ۱۸ جز سے زائد میں باحسن وجوہ تمام ہوئی جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعًا طاقتِ فقیر سے بدرجہا ورا ہیں مگر فیض قدیر عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اُٹھیں ع:

کم ترك الاول للاخر

(اگلے پچھلوں کے لئے کتنا چھوڑ گئے۔ت)

کتنے مسائل جلیلہ معرکۃ الآرا بحمدہٖ تعالٰی کیسی خُوبی وخوش اسلوبی سے طے ہوئے وللہ الحمد (اور خدا ہی کے لئے حمد ہے۔ت) کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ ۸ رسائل ہیں:

(۱) سمح الندرٰی فیما یورث العجز عن الماء ۱۳۳۵ھ۔

کہ وقتِ طبع حاشیہ پر اس عہ کا نام لکھنا رہ گیا۔

(۲) الظفر لقول زفر ۱۳۳۵ھ۔

(۳) المطر السعید علی نبت جنس الصعید ۱۳۳۵ھ۔

(۴) الجد السدید فی نفی الاستعمال عن الصعید ۱۳۳۵ھ۔

یہ چار ضمنیہ ہیں۔

(۵) باب العقائد والکلام ۱۳۳۵ھ۔

(۶) قوانین العلماء فی متیمم علم عند زید ماء ۱۳۳۵ھ۔

(۷) الطلبة البدیعة فی قول صدر الشریعة ۱۳۳۵ھ۔

(۸) مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة ۱۳۳۵ھ۔

یہ چار ملحقہ ہیں سوال وشروع جواب ۱۳۲۵ھ میں ہے لہذا نام کتاب میں یہی عدد ہیں پھر بحمدہٖ تعالٰی اس مقام کے طبع کے وقت کے اوائل ماہ رمضان مبارک ۱۳۳۵ھ سے ہے یہ رسائل اور ان کے ساتھ اور مضامین کثیرہ اضافہ ہوئے مجموع کی تصنیف بحمدہٖ تعالٰی ساڑھے پانچ مہینے میں ہے جن میں دو ۲ دن کم تین مہینے علالتِ شدیدہ ونقاہتِ مدیدہ کے ہیں جس کا بقیہ اب تک ہے لہذا رسالہ اخیرہ اوائل ۱۳۳۶ھ میں آیا جیسا کہ اس کے نام نے ظاہر کیا بہر حال جو کچھ ہے میری قدرت سے ورا اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف رحیم کا ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

وللہ الحمد حمد الشاکرین* وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه اجمعین*	اور خدا ہی کے لئے حمد ہے شکر گزاروں کی حمد اور اللہ تعالٰی کا درود ہو اس کی مخلوق میں سب سے بہتر محمد اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے

عہ یہ رسالہ (طبع جدید میں) جلد سوم کے صفحہ ۴۱۱ سے ۴۴۰ تک ہے۔

اٰمین والحمدللّٰہ رب العٰلمین* سبحٰنك اللھم وبحمدك اشھد ان لاالٰہ الاانت استغفرك واتوب الیك ط	فرزند، ان کے گروہ سب پر الٰہی! قبول فرما۔اور تمام تعریف اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کامالک ہے۔پاکی ہے تجھے اے اللہ ساتھ ہی تیری حمد بھی۔میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں۔(ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

ذیل باب الوضوء

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ محلّہ خیر نگر دروازہ مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب تاجر طلسمی پریس ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

شیخ بشیر الدین صاحب رئیس لال کورتی میرٹھ کی ایک آنکھ میں سے خفیف خفیف پانی اس طرح نکلتا ہے کہ تھوڑی دیر میں ذرا ذرا نمی محسوس ہوتی ہے اور رومال سے صاف کرنے پر قریبًا ایک چاول کے برابر کپڑا نم معلوم ہوتا ہے نمی کے الکس کی وجہ سے بار بار صاف کرتا ہوتا ہے۔ کبھی وہ نمی جلد جلد محسوس ہوتی ہے اور کبھی دیر دیر میں صاف کرنے کی ضرورت ہوتی ہے فجر میں بہت وقت اس طرح گزر جاتا ہے کہ صاف نہیں کیا جاتا ہے جب بھی سلانی کیفیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ نمی بصورت کے چڑ معمولی طور پر معلوم ہوتی ہے۔ کبھی یہ نہیں ہوا کہ اگر کسی کام کی وجہ سے بھول گئے ہوں دیر تک صاف نہ کیا ہو تو بھی سیلانی حالت رہتی ہے۔

اس کی بابت ایک بڑے ڈاکٹر کی رائے یہ ہے کہ دماغ سے جو پانی آتا ہے بنی کی راہ نکلنا ہے وہ یہی ہے چونکہ بنی میں جانے کا راستہ بند ہوگیا ہے اس واسطے آنکھ کے کوئے سے نمی کا الکس معلوم ہوتا ہے بعض کا خیال یہ ہے کہ سر میں کہیں کسی موقع پر کچھ ناسُوری کیفیت ہے وہ جگہ یہ پانی پیدا کرتی ہے۔ ایسی حالت میں وضو ہر وقت تازہ ہونا چاہئے بعض کا یہ خیال ہے کہ جب تک سیلانی کیفیت نہ ہو تازہ وضو لازم نہیں۔ اُن کو اس وجہ سے تکدر رہتا ہے اور محض احتیاط کی وجہ سے کہ بعض مقامات میں وضو کرنا دشوار ہوتا ہے اُنہوں نے اپنی آمدورفت کم

کردی، یہ حالت ناقضِ وضو ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر دماغ کی وہ رطوبت ہے کہ ناک سے آتی ہے جب تو ظاہر کہ طاہر ہے قابلِ سیلان بھی ہو تو ناقضِ وضو نہیں اور اگر ناسُور سے ہو جب بھی صورتِ مذکورہ سے لان کی نہیں اور چھڑانے سے چھُوٹنے کا کچھ اعتبار نہیں بہر حال اس سے وضو نہ جائے گا **واللہ تعالٰی اعلم**

ذیل باب الغسل

مسئلہ ۱۱۶: از سرونج مسؤلہ عبدالرشید خان صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

برس یا چھ ماہ عرصہ سے زید حالتِ جنابت میں ہے جب اسے ضرورت غسل کی ہُوئی اس نے غسل نہ کیا اور کوئی وجہ اُسے غسل سے روکنے والی بھی نہیں ہے اور اُسی حالتِ جنابت میں وہ پان کھاتا رہا تو چُونا کتھا حالتِ ناپاکی میں زید کے دانتوں پر جم گیا اب زید نے غسل کیا اور غرغرہ کیا مگر پانی زید کے دانتوں پر اور دانتوں کی جڑوں میں نہ پہنچا کیونکہ دانتوں پر اور دانتوں کی جڑوں میں تو چُونا کتھا جما ہوا ہے۔ایسی حالت میں غسل زید کا جائز ہوا یا ناجائز،اور اگر ناجائز ہُوا تو کیا تدبیر کرنی چاہئے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر وہ جگہ جہاں چُونا جم گیا ہے جنابت کے بعد کسی طرح کلی کرنے یا پانی پینے سے نہ دُھل گئی تھی اور وہ چُونا ایسا جم گیا ہے کہ اس کا چھُڑانا باعثِ ضرر وایذا ہے تو معاف ہے غرغرہ کافی ہوگا اور اگر بے ضرر چھُڑا سکتا ہے تو چھڑانا واجب ہے بغیر چھڑائے غسل نہ ہوگا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷: از مانیا والہ ڈاک خانہ قاسم پور ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) غسل کی نیت کرنی چاہئے یا نہیں،اور کیا نیت ہے اُس کی یا غسل جنابت یا احتلام کا ہوا اگر اس نے نیت نہیں کی غسل ہُوا یا نہیں؟

(۲) غسل کرنے والا بند مکان میں غسل کر رہا ہے اور زیادہ تر اُس مکان میں تاریکی نہیں ہے اور فرض اپنے دیکھ رہا ہے اور کپڑا نہیں باندھا ہے غسل ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب

(۱) غسل میں نیت سنّت ہے، اگر نہ کی غسل جب بھی ہوجائے گا اور اُس کی نیت یہ ہے کہ ناپاکی دُور ہوجانے اور نماز جائز ہونے کی نیت کرتا ہوں۔

(۲) برہنہ غسل کرنے سے بھی غسل ہوجاتا ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں اگر مکان پردے کا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: مولوی عبدالحفیظ صاحب طالب علم مدرسہ منظرِ اسلام ۳۔ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کو احتلام بغیر شہوت ودفق کے ہو یا کسی مرض کی وجہ سے جیسے جریان وغیرہ، کیونکہ اس میں بھی بلاشہوت ودفق کے ہوتا ہے ان دو۲ صورتوں میں غسل محتلم پر واجب ہوگا یا نہیں؟ یا یہ بھی وہی حکم رکھتا ہے جو کہ ذی دفق وشہوت سے خارج ہوتا ہے۔

الجواب:

جاگتے میں جو منی بغیر دفق وشہوت کے نکلے اس سے وضو واجب ہوتا ہے غسل نہیں مگر احتلام کی نسبت اس کو کیا خبر کہ بغیر دفق وشہوت ہے احتیاطاً غسل کرے گا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از جنوبی افریقہ مقام بھوٹا بھوٹی برٹش پاسوٹولینڈ مسؤلہ حاجی اسمٰعیل میاں بن حاجی امیر میاں کاٹھیاواری۔

حضور نے فرمایا ہے کہ زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے۔ اس پر زید کہتا ہے کہ کیسے جائز ہو، زانی پر غسل چالیس ۴۰ روز تک نہیں اُترتا ہے۔ کیا زید کا قول سچا ہے اور زانی کا غسل اُترتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زید نے محض غلط کہا زانی کے ظاہر بدن کی طہارت اول ہی بار نہانے سے فوراً ہوجائے گی ہاں قلب کی طہارت توبہ سے ہوگی اس میں چالیس ۴۰ دن کی حد باندھنی غلط ہے چالیس ۴۰ برس توبہ نہ کرے تو چالیس ۴۰ برس طہارت باطن نہ ہوگی۔ اور غسل نہ اُترنے کو ذبیحہ ناجائز ہونے سے کیا علاقہ! طہارت شرط ذبح نہیں، جنب کے ہاتھ کا ذبیحہ بھی درست ہے بلکہ وہ جن کا غسل فی الواقع کبھی نہیں اُترتا یعنی کافران کتابی ان کے ہاتھ کا ذبیحہ سب کتابوں بلکہ خود قرآن عظیم میں حلال فرمایا ہے:

طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ [1]۔	کتابیوں کے ہاتھ کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے۔

[1] القرآن ۵/۵

اور کفّار کا کبھی غسل نہ اُترنا اس لئے کہ غسل کا ایک فرض تمام دہن کے پُرزے پُرزے کا حلق تک دُھل جانا ہے، دوسرا فرض ناک کے دونوں نتھنوں میں پُورے نرم بانسے تک پانی چڑھنا اول اگرچہ ان سے ادا ہو جاتا ہو جبکہ بے تمیزی سے مُنہ بھر کر پانی پئیں مگر دوم کے لئے پانی سُونگھ کر چڑھانا درکار ہے جسے وہ قطعًا نہیں کرتے بلکہ آج لاکھوں جاہل مسلمان اس سے غافل ہیں جس کے سبب اُن کا غسل نادرست اور نمازیں باطل ہیں نہ کہ کفار۔ امام ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

فی المحیط نص محمد فی السیر الکبیر فقال و ینبغی للکافر اذا اسلم ان یغتسل غسل الجنابة لان المشرکین لایغتسلون من الجنابة ولایدرون کیفیة الغسل اھ۔ وفی الذخیرة من المشرکین من لایدری الاغتسال من الجنابة ومنهم من یدری کقرشی فانهم توارثوا ذلك من اسمٰعیل علیه الصّلٰوة والسلام الا انهم لایدرون کیفیته لایتمضمضون ولا یستنشقون وهما فرضان الا تری ان فرضیة المضمضة والاستنشاق خفیت علی کثیر من العلماء فکیف علی الکفار فحال الکفار علی ما اشار الیه فی الکتاب اما ان لایغتسلوا من الجنابة اویغتسلون ولکن لایدرون کیفیته وای ذلك کان یؤمرون بالاغتسال بعد الاسلام لبقاء الجنابة وبه تبین ان ماذکر بعض مشایخنا ان الغسل بعد الاسلام مستحب فذلك فیمن لم یکن اجنب اھ۔ مختصرا [1]۔	محیط میں ہے: "امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے سِیر کبیر میں تصریح فرمائی ہے کہ کافر جب اسلام قبول کرے تو اُسے غسلِ جنابت کرنا چاہئے کیونکہ مشرکین جنابت کا غسل نہیں کرتے اور نہ ہی غسل کا طریقہ جانتے ہیں" (انتہی)۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ بعض مشرک غسلِ جنابت کا علم نہیں رکھتے اور بعض جیسے کفارِ قریش جانتے ہیں کیونکہ وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے نسلًا بعد نسلٍ ایسا کرتے آئے ہیں لیکن وہ اس کا طریقہ نہیں جانتے ہیں وہ نہ کُلی کرتے ہیں نہ ناک میں پانی چڑھاتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں فرض ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کُلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کی فرضیت بہت سے اہلِ علم پر مخفی ہے تو کفار پر اس کے پوشیدہ رہنے کا کیا حال ہوگا لہٰذا کفار کا وہی حال ہے جس کی طرف انہوں نے (امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے) کتاب (سِیر کبیر) میں اشارہ فرمایا کہ یا تو وہ غسلِ جنابت کرتے ہی نہیں یا غسل تو کرتے ہیں لیکن اس کا طریقہ نہیں جانتے۔ جو بھی بات ہو بہرحال اسلام لانے کے بعد ان کو غسل کرنے کا حکم دیا جائے گا کیونکہ جنابت باقی ہے

[1] حلیہ

	اس سے ظاہر ہوا کہ بعض مشائخ کا یہ کہنا کہ اسلام لانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔اس شخص کے بارے میں ہے جو جنبی نہ ہو مثلاً بلوغ سے پہلے اسلام لے آیا (مختصراً)اھ (ت)

ہاں یہ اور بات ہے کہ بحال جنابت بلاضرورت ذبح نہ چاہئے کہ ذبح عبادت الٰہی ہے جس سے خاص اُس کی تعظیم چاہی جاتی ہے پھر اُس میں تسمیہ وتکبیر ذکرِ الٰہی ہے تو بعد طہارت اولٰی ہے اگرچہ ممانعت اب بھی نہیں۔دُرمختار میں ہے:

لایکرہ النظر الی القراٰن لجنب کما لاتکرہ ادعیۃ ای تحریما والا فالوضوء لمطلق الذکر مندوب وترکہ خلاف الاولٰی[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جنبی کے لئے دُعائیں پڑھنے کی طرح قرآن پاک کو دیکھنا بھی مکروہ نہیں اور اس سے مکروہ تحریمیہ مراد ہے ورنہ مطلق ذکر کے لئے وضو کرنا مستحب ہے اور اس کا چھوڑنا خلافِ اولٰی ہے۔اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

سوال ۲۰: دوم: اگر زید غسل خانہ میں غسل جنابت یا احتلام کا کرتا ہے اور وضو کرکے تہبند نکال کر غسل کرے تو غسل اُترتا ہے یا نہیں، غسل خانہ اوپر سے بند ہو یا کھلا، دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

سارے بدن پر پانی بہنے سے غسل اترتا ہے جس میں حلق تک مُنہ اور ہڈی کے کناروں تک اندر سے ناک کا بانسا بھی داخل ہے اس کے بعد جیسے بھی ہو غسل اُتر جائے گا،ہاں کھُلے غسل خانے میں ننگا نہ ہونا بہتر ہے اور اگر وہاں قریب بلند مکان ہوں جس سے احتمال ہو کہ کسی کی نظر پڑے گی تو وہاں تہبند رکھنے کی تاکید ہے۔وہ احتمالِ نظر جتنا قوی ہوگا اُتنی ہی یہ تاکید بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ اگر نظر پڑنے کا ظن غالب ہوگا تہبند رکھنا واجب ہوگا اور وہاں برہنہ نہانا گناہ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] دُرمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۳

ذیل باب المیاہ

مسئلہ ۱۲۱ : از پولول مولول ڈاک خانہ ہیروں ضلع دربھنگہ. بلگرام چرن مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ان اطراف کے مولوی کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے جھُوٹے پانی سے وضو درست ہے۔ اس پر ہم کو شک ہے اس شک کو رفع کیجئے۔

الجواب :

ہندو تو ہندو بے وضو مسلمان بھی مثلاً جس کٹورے یا بادیے سے منہ لگا کر پئے گا اُس پانی سے

وضو جائز نہ رہے گا مگر یہ کہ وہ پانی تھوڑا ہو اور اُسے اچھے پانی میں کہ اس سے زائد ہے ملادیا جائے پھر بھی کافر کے جھوٹے سے احتراز چاہئے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ایاك وما یسوء الاذن**[1] (جس بات کا سُننا (شرعًا) ناگوار ہو اس سے بچو۔ت) ہاں اگر اس کے سوا اور پانی نہ ملے اور اس کا نجس یا مستعمل ہونا ثابت نہ ہو تو بضرورت آپ ہی اُس سے وضو کرنا ہوگا ایسے مسائل یوں اطلاق کے طور بیان کرنا مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: از ڈاکخانہ راموچکما کول ضلع چاٹگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ سید محمد مفیض الرحمٰن صاحب ۹۔جمادی الاخرہ ۱۳۳۶ھ

جو حوض دہ در دہ یا اس سے بڑا ہو مگر موسم گرما میں خشک ہونے کے باعث پانی دہ در دہ سے کم ہوگیا اب اگر حوض میں کوئی نجاست گر جائے بشرطیکہ اوصاف ثلٰثہ میں سے کوئی وصف متغیر نہ ہو وہ پانی پاک ہوگا یا ناپاک؟

الجواب:

حوض اگرچہ ہزار درہزار ہو جبکہ اس وقت اُس میں پانی دَہ در دہ سے کم ہے ایک ذرہ نجاست اسے ناپاک کردے گا اگرچہ کوئی وصف نہ بدلے **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: موضع بیتھوڈاک خانہ وضلع گیا مسئولہ جناب الطاف اشرف صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

(۱) دہ در دہ کے عمق و عرض وطول کا کس قدر ہونا لازم ہے۔ (۲) دہ در دہ حکم جاری کا رکھتا ہے یا نہیں اور رکھتا ہے تو کس وجہ کر اور نہیں رکھتا ہے تو کس وجہ کر۔ (۳) اس موضع کے جانب غرب ایک گڈھی ہے جس کو لوگ پوکھر کہا کرتے ہیں متصل بستی کے پیش دروازہ ایک شخص کے واقع ہے جس کا نقشہ حسب ذیل ہے گڈھی کے جانب شرق ایک چھوٹا نالہ ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی الغادیۃ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۷۶/۴

معروف پل سے ہے۔ یہ نالہ ہمیشہ خشک رہتا ہے جب زمانہ برسات کا ہوتا ہے تو ہمیشہ یاجب آب باراں ہوتا ہے تو اس نالہ سے تمام بستی کا پانی ہر اقسام کا ناطاہر گڈھی مذکور میں گرا کرتا ہے اور زمانہ خشکی میں جب یہ گڈھی خشک ہوتی ہے تو لوگ کمینہ اس میں بول وبراز کیا کرتے ہیں اور اس گڈھی کے کنارے میں ہر چہار جانب ہمیشہ بَول وبراز ہُوا کرتا ہے اور جب اس میں پانی رہتا ہے تو دھوبی کپڑا بھی دھوتا ہے اور کمینا یان آب دست بھی کیا کرتے ہیں اور کمینا یان کی عورتیں کپڑے ناطاہر ہر اقسام کے دھوتی ہیں اور گندی وناطاہر چیزیں بھی اُس میں لوگ پھینکا کرتے ہیں۔

اور زمانہ میں شاید باید کمتر خصوصًا زمانہ برسات میں جب پانی بے حساب زیادہ برستا ہے تب گوشہ سے اُس گڈھی کے ہموارہ نالی سے کھیتوں میں ہو کر پانی نکلتا ہے جب گڈھی کے کناروں تک برابر پانی رہتا ہے تو پانی نکلنے سے محفوظ رہتا ہے اور جب کبھی اُس گڈھی میں پانی کم ہو جاتا ہے اور جب کچھ پانی انداز کا برستا ہے تو اُس حالت میں تمامی بستی کا پانی ناطاہر بذریعہ نالہ مذکورہ وبذریعہ گلیاں اور ہر چہار جانب کی غلاظت بذریعہ آب باراں کے گر کر مل جاتے ہیں اور کسی طرف سے اُس گڈھی کا پانی نہیں نکلتا ہے اس گڈھی کا پانی قابل استعمال کے ہے یا نہیں اور ہے تو کس وجہ کر اور نہیں ہے تو کس وجہ کر۔

(۴) یہ گڈھی دَہ دردَہ میں شمار کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ (۵) دہ دردہ میں شرائط رنگ وبُو وذائقہ کا ہے یا نہیں۔ ہے تو کس وجہ کر اور نہیں ہے تو کس وجہ کر۔ (۶) دہ دردہ کے عمق وعرض وطول میں بھی اختلاف ہے یا نہیں۔ اگر مختلف فیہ ہے تو جمہور کی رائے کس روایت پر ہے۔ (۷) مسئلہ اکراہ طبعی اس گڈھی کے پانی پر محمول ہوگا یا نہیں۔ (۸) جس کا آب جانب جنوب ساٹھ ہاتھ وجانب شمال ساٹھ ہاتھ وجانب شرق پچاس ہاتھ وجانب غرب ۱۰۰ ہاتھ وعمق اختلافیہ درمیان گڈھی تیراتا پانی بعض جگہ کمر تک بعض جگہ کمر سے کم۔

(نقشہ گڈھی اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

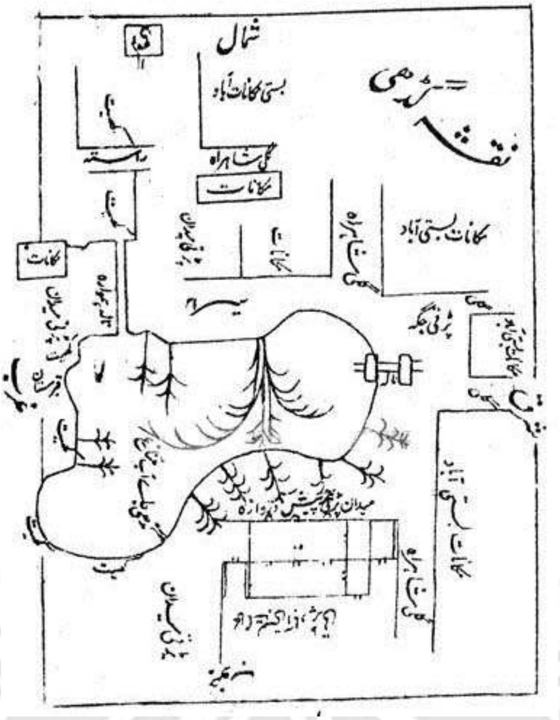

الجواب:

(۱) دہ در دہ ہونے کو عرض وطول اتنا چاہیئے جن کا حاصل ضرب سو۱۰۰ ہاتھ ہو اور عمق اتنا کہ لپ سے پانی لیں تو زمین نہ کھلے۔

(۲) دَہ در دہ حکم جاری میں ہے اور اس کی وجہ اندازہ ائمہ کہ مائے کثیر کی یہ تقدیر فرمائی **کما بیناہ فی فتاوٰنا** (جیسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

ذکر بعض المحشین عن شیخ الاسلام العلامۃ سعد الدین الدیری فی رسالتہ القول الراقی انہ حقق فیھا ما اختارہ اصحاب المتون من اعتبار العشر و اورد نحومائۃ نقل ناطقۃ بالصواب ولایخفی ان الذین افتوا بالعشر کصاحب الھدایۃ وقاضی خان و غیرھما من اھل الترجیح ھم اعلم بالمذھب منافعلینا اتباعھم [1]۔۔۔الخ۔	بعض حاشیہ نگاروں نے شیخ الاسلام علامہ سعد الدین دیری سے نقل کیا،انہوں نے اپنے رسالہ "القول الراقی فی حکم الفساق" میں دہ در دہ کے اعتبار میں اصحابِ متون کی مختار بات کو صحیح ثابت کرتے ہوئے (اس کی تائید میں) تقریبًا ایک سو صحیح اقوال نقل کے ے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ متاخرین مثلاً صاحبِ ہدایہ اور قاضیخان نے جو (ہر طرف سے دس گز کا) فتوی تو وہ لوگ اہلِ ترجیح میں سے ہیں مذہب کا علم ہم سے زیادہ رکھتے ہیں لہذا ہم پر ان کی اتباع ضروری ہے الخ (ت)

(۳) مینہ کا پانی جب تک بہہ رہا ہے اگرچہ اُس میں نجس پانی یا اور نجاستیں ملیں ناپاک نہ ہوگا جب تک اس کا رنگ یا مزہ یا بُو نجاست کے سبب نہ بدلے فان الماء طھورلاینجسہ شیئ مالم یتغیر احد اوصافہ [2] (بے شک پانی پاک ہے اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی جب تک اس کا کوئی وصف نجاست کی وجہ سے نہ بدلے۔ت)
تو بارش کا پانی جب تک بہتا ہُوا اس گڑھی کے کناروں تک آیا اور اس کا کوئی وصف نجاست نے نہ بدلا پاک ہے اگرچہ اس میں ناپاک نالیوں کے پانی وغیرہ شامل ہوں اگرچہ گڑھی کے کنارے پر نجاستیں پڑی ہوں۔
ایک حالت تو یہ تھی، دُوسری حالت اُس پانی کے گڑھی میں داخل ہونے کی ہے اس وقت اگر اس میں کوئی نجاست مرئیہ نہیں صرف ناپاک نالیوں کے پانی اس کے ساتھ بہہ کر آئے ہیں اور اُن سے اس کا کوئی وصف نہ بدلا اور دَہ در دَہ کی مساحت میں پھیلنے تک گڑھی کے اندر بھی کسی نجاست سے نہ ملا اگرچہ آگے بڑھ کر نجاستوں سے ملے تو اندر بھی یہ پانی پاک ہی رہے گا وہ ناپاک پانی جو اُس کے ساتھ بہہ کر آئے تھے اُن کو بھی اس نے پاک کر دیا فان الماء الجاری یطھر بعضہ بعضا [3] (جاری پانی کا بعض (اس کے) دوسرے بعض کو پاک

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۱
[2] ردالمحتار باب المیاہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۳۳
[3] ردالمحتار، باب المیاہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۱۴۰

کردیتا ہے۔ت) اور اب یہ پانی کبھی ناپاک نہ ہوگا اگرچہ گڑھی کے اندر کتنی ہی نجاستیں ہوں اور اُوپر سے کتنی ہی نجاستیں ڈالی یا دھوئی جائیں جب تک خاص نجاست کی وجہ سے اُس کا کوئی وصف بدلنا معلوم نہ ہو خواہ گڑھی سے باہر اُبل کر بہے یا اُس میں رُکا رہے۔

اور اگر گڑھی میں داخل ہوتے وقت اس میں نجاست مرئیہ تھی یا اس کا کوئی وصف نجاست سے بدلا ہوا تھا یا دَہ در دَہ کی مساحت میں پھیلنے سے پہلے گڑھی کے اندر کسی نجاست سے ملا تو یہ پانی ناپاک ہے اس قسم کا پانی جتنا بھی آتا جائے گا سب ناپاک ہوگا اگرچہ اس سے ساری گڑھی بھر جائے مگر یہ کہ گڑھی میں پہلے سے دَہ در دَہ پاک پانی ہو کر اب یہ بھی اس سے مل کر پاک ہوتا جائے گا جب تک نجاست تبدیل وصف نہ کرے یا یہ ہو کہ مثلاً بارش کا پانی پاک اس پر آکر اُسے بہادے اُبال کر گڑھی سے باہر نکال دے تو پاک ہوجائے گا اور پھر ٹھہر کر بھی پاک ہی رہے گا اگرچہ نالہ وغیرہ سے اُس میں نجاستیں آکر شامل ہوں جب تک نجاست اُس کا کوئی وصف نہ بدل دے اور اگر گڑھی میں مثلاً دو طرف سے بارش کا بہاؤ آیا ایک جانب دہ در دہ کی مساحت سے پہلے ہی نجاستیں تھیں یا خود اس بہتے پانی میں نجاست مرئیہ موجود تھی کہ گڑھی میں داخل ہو کر ناپاک ہوگیا اور دوسری جانب کا پانی کوئی نجاست مرئیہ بہا کر نہ لایا تھا اور گڑھی کے اندر بھی دہ در دہ ہونے سے پہلے کسی نجاست سے نہ ملا کہ پاک رہا اب یہ دونوں پانی مل گئے تو ناپاک طرف کا پانی بھی پاک ہوگیا **لانہ فی حکم الجاری**[1] (کیونکہ وہ جاری پانی کے حکم میں ہے۔ت) اس طرح پاک وناپاک پانی مل کر گڑھی بھرے تو سب پاک ہے اور نہ بھرے تو سب پاک ہے جب تک نجاست تبدیل وصف نہ کرے۔

(۴و۸) یہ گڑھی دہ در دہ سے بہت زائد ہے کہ اُسے سو۱۰۰ ہاتھ درکار ہے اور یہ ہزاروں ہاتھ ہے۔

(۵) دہ در دہ کا رنگ یا بُو یا ذائقہ اگر نجاست ملنے کے سبب بدل جائے تو ضرور ناپاک ہوجائے گا اور پاک چیزوں کے سڑنے یا بہت دن گزرنے سے تینوں وصف بدل جائیں تو کچھ حرج نہیں اور تحقیق نہ ہو کہ یہ تغیر کس وجہ سے ہے تو حکم جواز ہے، درمختار میں ہے:

ینجس بتغیر احد اوصافہ من لون اوطعم اوریح ینجس لا لوتغیر بطول مکث ولوشك فالاصل الطھارۃ ویجوز بماء خالطه طاھر جامد کاشنان وزعفران	نجاست ملنے سے پانی کے رنگ، ذائقے اور بُو میں کسی ایک وصف کے بدلنے سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے زیادہ ٹھہرنے کی وجہ سے تبدیل ہو تو ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ طہارت اصل ہے اور اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کوئی ٹھوس

[1] ردالمحتار، باب المیاہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۱۴۰

وفاکهة ورق شجر وان غیر کل اوصافه [1]۔	پاک چیز مثلاً اُشنان، زعفران، پھل اور درختوں کے پتّے مل جائیں اگرچہ وہ اس کے تمام اوصاف بدل دے۔(ت)

(۶) دہ دَردہ کے عرض و طول میں کچھ اختلاف نہیں ہوسکتا کہ اس کا مفاد ہی سو ۱۰۰ ہاتھ ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ عرض وطول دس دس ہاتھ ہونا ضرور یا صرف حاصل ضرب سو ۱۰۰ ہاتھ ہونا کافی مثلاً ۲۵ ہاتھ طول ۴ ہاتھ عرض یا ۵۰ ہاتھ طول ۲ ہاتھ عرض اور یہی صحیح ہے اور عمق ہیں صحیح و معتمد یہی ہے کہ پانی لینے سے زمین نہ کھلے ہمارے فتاوی میں اس مسئلہ میں خاص ایک رسالہ ہے **هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر** ۱۳۳۴ھ جسے تحقیق بازغ و تنقیح بالغ دیکھنی ہو اس کی طرف رجوع کرے۔

(۷) کراہت طبعی کوئی مسئلہ شرعی نہیں، ہاں کوئی محل شک ہو تو احتیاط مناسب ہے او یہ بھی نہ ہو کہ شرعاً جس کی طہارت ثابت ہو اُسے اپنی اوہام پرستی سے ناپاک سمجھے یا اس کے استعمال کرنے والوں پر طعن کرے۔ حکم وہی ہے جو اللہ و رسول کا ہے اور حکم نہیں مگر اللہ رسول کے لئے جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از بلند شہر بالائے کوٹ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ محمد عبدالسلام صاحب ۳۰۔رمضان ۱۳۳۷ھ
یہاں جامع مسجد میں ایک حوض وضو کے لئے تعمیر ہوا اس کے بنانے میں جو خرچ ہوا اس کی کیفیت یہ ہے کہ کچھ روپیہ تو اہلِ محلّہ سے لیا گیا اور اس کے علاوہ مبلغ عہ ۱۰ روپیہ مرغ بازی کی شرط کے بھی اسی حوض میں خرچ ہوئے اور کچھ روپیہ جو برادری میں کسی آدمی پر ایک مقدمہ میں ڈنڈ ڈالا گیا تھا وہ بھی اس حوض میں صرف ہوا۔ آیا اس حوض کے پانی سے وضو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس سے وضو جائز ہے اول تو حرام روپیہ حوض میں خود نہ لگایا گیا بلکہ اُس کے عوض اینٹ یا مسالا خریدا یا راج مزدوروں کی اُجرت میں دیا ہوگا بصورتِ اجرت تو ظاہر ہے کہ اُس خبیث مال کو حوض سے تعلق نہ ہوا اور بصورت خریداری یہاں عام خریداریاں یوں ہوتی ہیں کہ اتنے کی فلاں چیز دے دو اُس نے دی اس کے قبضے میں آگئی بیع تمام ہوگئی اس کے بعد قیمت دی جاتی ہے تو عقد ونقد زر حرام میں جمع نہ ہوا تو خریدی شے میں خباثت نہ آئی **کما ھو قول الامام الکرخی المفتی به علی مافصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا

[1] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

مفتی بہ قول ہے ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے مفصل بیان کیا ہے۔ت) اور اگر بالفرض عقد و نقد اُس شرا میں حرام پر جمع ہوئے ہوں مثلاً وہ زرحرام دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں چیز دے اُس نے دے دی اس نے زرحرام ثمن میں دے دیا تو اگرچہ اب وہ خریدی ہوئی شے خبیث ہُوئی مگر کیا معین کرسکتا ہے کہ وہ اینٹ یا مسالا کون سا ہے مجہول حالت میں حکم ممانعت نہیں ہوسکتا۔امام محمد فرماتے ہیں:

به ناخذ مالم یعرف شیئا حراما بعینه هندیة عن الذخیرة[1]۔	ہم اسی بات کو اختیار کریں گے جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا معلوم نہ ہو اسے فتاوٰی ہندیہ میں ذخیرہ سے نقل کیا گیا۔(ت)

ہاں اگر اکثر چُنائی ایسی ہی خبیث اشیا سے ہو تو اس سے وضو نہ کرنا مناسب ہے لان للاکثر حکم الکل فی[2] هذا عند قوم (کیونکہ بعض لوگوں کے نزدیک ایسی صورت میں اکثر کُل کے حکم میں ہوتا ہے۔ت) اگرچہ اس کے پانی میں کوئی نقص نہیں،نہ اس سے وضو صحیح وبے خلل ہونے میں کوئی نقص اگرچہ کل حوض کی تعمیر زرحرام سے ہو لان الکراھۃ لمجاور (کیونکہ کراہت،اس سے ملنے والی چیز کے باعث ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از باسنی متصل ناگور مارواڑ مرسلہ امیر احمد صاحب ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کا دہ در دہ حوض طول مکث وکثیر الاستعمال کی وجہ سے بدبُو کرجائے اور رنگ میں تغیر آجائے تو وضو کرنا درست ہے یا نہیں۔ایک مولوی صاحب ماءِ مستعمل غیر مطہر قرار دے کر پیشاب کے برابر فرمارہے ہیں اور یہ بھی فرمارہے ہیں کہ ہمارے امام صاحب کے نزدیک ماءِ مستعمل نجس بہ نجاست غلیظہ ہے لہٰذا نجس ہے تو کیا وہ دہ در دہ حوض کا پانی مستعمل قرار دیا جاسکتا ہے مولٰنا عبدالحہ صاحب لکھنوی مرحوم فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی قاضی خان کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایسے پانی سے وضو بنانا درست ہے یجوز التوضئ فی الحوض الکبیر المنتن اذا لم یعلم نجاسته[3]۔(بڑے بدبودار حوض ینجس بتغیر احد اوصافہ بنجس لا لو تغیر بمکث اھ سے وضو کرنا جائز ہے جب تک نجاست کا علم نہ ہو۔ت) اسے مولوی صاحب موصوف تسلیم نہیں کرتے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الهدایا۔الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۴۲/۵

[2] تبیین الحقائق باب مسح الخفین المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۵۰

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول من باب المیاہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۱۸

الجواب:

طول مکث سے بدبولانا پانی کو نجس نہیں کرسکتا اگرچہ کٹورا بھر ہو، تنویر وغیرہ متون میں ہے:

ینجس بتغیر احد اوصافه بنجس لا لوتغیر بمکث [1]۔	نجاست ملنے سے کوئی وصف بدل جائے تو پانی ناپاک ہوجاتا ہے زیادہ دیر ٹھہرنے سے بدلے تو ناپاک نہیں ہوتا۔(ت)

درمختار میں ہے:

فلوعلم نتنه بنجاسة لم یجز ولوشك فالاصل الطهارة [2]۔	اگر نجاست کی وجہ سے پانی کے بدبودار ہونے کا یقین ہو تو وضو جائز نہیں اور اگر شک ہو تو اصل چیز طہارت ہے (لہٰذا جائز ہوگا)۔(ت)

دہ دردہ حوض قلیل نجاست سے بھی ناپاک نہیں ہوتا نہ کہ مائے مستعمل سے مائے مستعمل صحیح ومعتمد ومفتی بہ مذہب میں ناپاک نہیں طاہر غیر مطہر ہے یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب معتمد ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

وهو طاهر لیس بطهور [3]۔	اور وہ پاک ہے پاک کرنے والا نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

رواہ محمد عن الامام وهذہ الروایة هی المشهورة عنه واختارها المحققون قالوا علیها الفتوٰی [4]۔	اسے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے اور ان سے مشہور روایت یہی ہے اور محققین نے اسے اختیار کیا ہے اور فرمایا اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

مائے مستعمل اگر غیر مستعمل سے زائد یا برابر ہوجائے تو مجموع سے وضو ناجائز ہوگا اور مستعمل کم ہے تو وضو جائز۔ درمختار میں ہے:

غلبة المخالط لومماثلا کمستعمل	اگر (پانی میں) ملنے والی چیز اسی جیسی ہو جیسے مستعمل

---

[1] درمختار مع التنویر باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[2] درمختار مع التنویر باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[3] درمختار مع التنویر باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۷

[4] ردالمحتار باب المیاہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۷

فبالاجزاء فان المطلق اکثر من النصف جاز التطھیر بالکل والا لا [1]۔	پانی تو غلبے کا اعتبار اجزاء کے اعتبار سے ہوگا اگر مطلق پانی نصف سے زیادہ ہے تو تمام پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔(ت)

بالجملہ حوض مذکور سے وضو بلاشبہ جائز ہے اور معترض کا قول غلط و ناقابل التفات۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۶: از پوربندر کاٹھ یاوار میٹھی مسجد مرسلہ سید غلام محمد صاحب ۱۱۔ شوال ۱۳۳۷ھ

امام العلماء المحققین مقدام الفضلاء المدققین جامع شریعت و طریقت حکیم امت مولٰنا و مرشدنا و مخدومنا مولوی حاجی قاری شاہ احمد رضا خان صاحب **متع اللہ المسلمین بطول بقائھم۔**

بعد تسلیم فدویت ترمیم معروض رائے شریف و ذہن لفیط ہو کہ ایک حوض دہ در دہ ہے عرض و طول میں لیکن حوض کو اوپر کو پتھّر لگانے سے مُنہ حوض کا کم از دہ در دہ ہوگیا ہے اس صورت میں حوض پانی سے پُورا بھر دیا جاتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس حوض میں وضو نہیں ہوتا اس لئے کہ دہ در دہ کی حد سے پانی تجاوز کر جاتا ہے اور پانی بھی ہلتا نہیں ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ وضو ہو جاتا ہے اس لئے یہاں پر لوگوں میں سخت فساد واقع ہے۔ سو حضرت مسئلہ کا خلاصہ کرکے تحریر فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جاوے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ،

اگر پانی پتھّر سے نے چاہے تو وہ دہ در دہ ہے نجاست سے بھی ناپاک نہ ہوگا جب تک اُس سے مزہ یا رنگ یا بُو نہ بدلے اور پانی اُس حد سے اونچا ہو کر پتھّر سے گھر جائے اور پتھر کے بیچ میں مساحت دہ در دہ سے کم ہے تو اب دہ در دہ نہ رہا ایک خفیف قطرہ نجاست سے ساری سطح ناپاک ہو جائے گی ہاں وضو کے لئے ہاتھ ڈال کر پانی لینے سے مستعمل نہ ہوگا بے وضو پاؤں ڈال دینے سے مستعمل ہو جائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا وضو کا مستعمل پانی اُس میں گرنے سے مستعمل نہ ہوگا جب تک مستعمل غیر مستعمل سے زیادہ یا مساوی نہ ہو جائے اس کے پاک کردینے کو یہ کافی ہے کہ اوپر کا حصّہ پانی کا نکال دیں یہاں تک کہ صرف پتھر کے نے چے نے چے پانی رہ جائے جہاں سے دہ در دہ ہے وہ سب پاک ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: از مدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳۔ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے وضو کے پانی کے قطرے کپڑے یا کسی چیز پر گریں گے

[1] درمختار باب المیاہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

تو وہ ناپاک ہوجائے گااور اگر جماعت ختم ہونے پر ہے اس صورت میں وہ بلا ہاتھ پاؤں پونچھے شریک جماعت ہوگیا تو جو قطرے اس کی رِیش وغیرہ سے گریں گے اُس سے رحمت کے فرشتے پیدا ہوں گے۔ حضور کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اُن قطروں سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا، مگر مسجد میں اُن کا گرانا جائز نہیں بدن اتنا پُونچھ کر کہ قطرے نہ گریں مسجد میں داخل ہو اوران قطروں سے رحمت کے فرشتے بننا مجھے معلوم نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: از شہر گیا محلّہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین احمد اللہ خان ۸۔ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حُقّہ کے پانی سے وضو جائز رکھا گیا ہے وہ کون حالت اور کس وقت پر؟

الجواب:

جب آب مطلق اصلًا نہ ملے تو یہ پانی بھی آب مطلق ہے اس کے ہوتے ہوئے تیمّم ہر گز صحیح نہیں اور اُس تیمّم سے نماز باطل۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فصل فی البئر

مسئلہ ۱۲۹ تا ۱۳۴: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مرسلہ محمد ادریس خان ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک چاہ میں ایک چُوہا نکلا جس کے نصف دھڑ کے نیچے کی کھال گل کر پانی ہی میں رہ گئی تھی لیکن پیٹ نہیں پھٹا تھا تو اب کنواں کس طرح پاک ہو۔

(۲) یہ بھی تشریح فرمایئے کہ پانی کا ٹوٹنا کسے کہتے ہیں یعنی کتنا پانی کنویں میں جائے تو چھوڑ دینا چاہئے۔

(۳) اگر کسی وجہ سے کنویں کے پاک کرنے کی غرض سے مٹی نکالنے کا حکم ہو تو مٹی کس قدر نکالنا چاہئے۔

(۴) اگر کنواں پاکی کے شرائط پُورے کرنے کے اندر بیٹھنے یا شق ہونے لگے تو اُس کا بیٹھنا یا شق ہونا پاکی کا مانع ہوسکتا ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک کنواں پانی ٹوٹنے کا حکم رکھتا ہے اور اُس کنویں میں دو۲ آدمی کے قد پانی ہے اور پانی نکالتے نکالتے زیادہ سے زیادہ گھٹنوں تک اور کم سے کم اتنا کہ بالٹی خوب ڈوب جاتی ہے بلکہ اس کے اُوپر بھی پانی چھ سات اُنگل رہتا ہے بدیں وجوہات اسے چھوڑ دیا گیا (کہ آدمی پانی نکالتے نکالتے تھک گئے یا کنواں شق ہونے لگا یا بیٹھنے لگا تو خیال کیا کہ اس کو پھر کون بنوائے گا یہ تو بیکار ہُوا جاتا ہے) تو کنواں پاک ہُوا یا نہیں؟

(۵) وہ لوگ جو بلا تشریح دریافت کیے ہوئے ہما وشما کے کہنے سے کنویں کو پاک کرادیں یا کردیں اور پاک بھی ایسا کہ حکم پانی ٹوٹنے کا رکھتا ہو اور ٹوٹا نہ ہو ایسی نجاست جو کہ ساٹھ ۶۰ ڈول نکالنے سے پاک ہوسکتی ہے اور ہما وشما کے کہنے سے جنھوں نے کہ نجاست کو دیکھا بھی نہ ہو بیس ۲۰ ڈول نکلوادئے اور پانی کے استعمال کا حکم دے دیا کہ اب کُنواں پاک ہوگیا۔ اُن کے واسطے کا کیا حکم ہے۔

(۶) اگر ناپاک پانی سے وضو یا غسل کرکے نماز پڑھی اور بعد کو ناپاکی کا حال معلوم ہوا تو نماز کب تک کی واپس دہرانا چاہئے۔

الجواب:

(۱) کُل پانی نکالا جائے یہاں تک کہ آدھا ڈول نہ ڈوبے اور اگر وہ کنواں نہ ٹوٹتا ہو تو اس کے پانی کا اندازہ کرلیں کہ اتنے ڈول ہے اُس قدر نکال لیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس کا جواب اُوپر گزرا کہ جب آدھے ڈول سے کم بھرنے لگے تو پانی ٹوٹ گیا، **واللہ اعلم۔**

(۳) چڑیا چوہا مثلاً کنویں میں مر کر رہ گیا اور مٹی میں دب گیا کہ پانی نکالنے سے نہیں نکل سکتا تو پانی توڑ کر نکالیں اور اگر پانی کسی طرح نہ ٹوٹ سکے تو وہ کنواں اتنی مدت چھوڑ دیں کہ ظن غالب ہوجائے کہ وہ جانور اب گل کر مٹی ہوگیا ہوگا اور اس کا اندازہ چھ ۶ مہینے کیا گیا ہے باقی مٹی نکالنے کی کوئی حاجت کنواں پاک کرنے میں نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جتنا پانی توڑنے سے باقی رہ گیا ہو مثلاً فرض کرو کہ اگر سو ۱۰۰ یا دو سو ۲۰۰ ڈول اور نکالے جاتے تو آدھی بالٹی سے کم بھرتی مگر اس وقت اتنے ڈول نکالنا بوجہ مذکور مصلحت نہیں تو آج چھوڑدیں کل یا دو چار روز میں جب پانی زیادہ ہوجائے وہ باقی کے سو ۱۰۰ دو سو ۲۰۰ ڈول نکال دیں کنواں پاک ہوگیا لان الولاء غیر شرط (کیونکہ مسلسل نکالنا شرط نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) ایسے لوگ گنہگار ہیں اور شرعاً مستحق تعزیر جس کا اختیار سلطانِ اسلام کو ہوتا ہے اب اتنا ہونا چاہئے کہ اگر وہ توبہ نہ کریں تو مسلمان اُن سے میل جول ترک کردیں کہ انہوں نے شریعت میں بے جا دخل دیا اور مسلمانوں کو نجاست پلائی اور اُن کی نمازیں اور بدن اور کپڑے خراب کیے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) جب سے اُس ناپاک پانی سے وضو کرکے نماز پڑھی ہو اور اس کے بعد پاک پانی سے طہارت کرکے پاک کپڑوں سے نماز نہ پڑھی ہو مثلاً ناپاک پانی سے وضو کیا اور اس کے بعد پانی پاک کرلیا گیا اور اُس پاک پانی سے کسی دن اس طرح نہایا کہ سر سے پاؤں تک تین بار پانی بہہ گیا اس کے بعد پاک پانی سے وضو کرتا رہا اور کسی دن سر دھویا اور کپڑے بدلے تو اس کے بعد سے جو نمازیں پڑھیں وہ نہ پھیری جائیں گی اور

اگر کپڑے نہ بدلے یا سر نہ دھویا اور اُس پاک پانی سے وضو کرتا رہا تو سب نمازیں پھیری جائیں گی اگرچہ مہینے ہوگئے ہوں کہ بعد کے وضوؤں سے اگرچہ منہ ہاتھ پاک ہوگئے مگر وہ ناپاک پانی جو مسح میں سر کو لگا تھا وہ ہزار بار کے مسح سے بھی پاک نہ ہوگا جب تک دھویا نہ جائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از شہر بریلی محلّہ خواجہ قطب مرسلہ منشی رضا علی صاحب ۲۔رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ ٹھیلے کی رسّی جس میں ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا اور جو بیل کے سینے کے نیچے باندھی جاتی ہے کنوئیں میں ڈالی گئی جس نے کپڑا رسّی پر لپیٹا تھا اس کا بیان ہے کہ کپڑا پاک لپیٹا تھا۔لوگوں کا شبہہ ہے کہ بیل کے گوبر یا پیشاب کی چھینٹیں شاید پڑی ہوں ایسی صورت میں کنواں پاک رہا یا ناپاک ہوا۔اگر ناپاک ہوا تو کس قدر پانی نکالنا چاہئے۔

الجواب:

کنواں پاک ہے اصلاً کچھ نکالنے کی حاجت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: از شہر بریلی محلّہ خواجہ قطب مسئولہ مسعود علی ۲۔رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ٹھیلے میں بیل کے جوتنے کے لئے بیل کے سینہ بند اور گردن میں ایک رسّی بندھی ہُوئی تھی اور اس کے سینے اور گردن کی خراش بچانے کے واسطے ایک بے نمازی عورت کا مَیلا دوپٹا رسّی پر لپٹا ہوا جو کہ ایک عرصہ دراز تک استعمال میں آچکا ہے اس حالت میں ظن ہے کہ رسّی اور کپڑا گوبر اور پیشاب کی آلودگی سے یا اُس خون اور رطوبت سے جو بیل یا پہیّے کی رگڑ سے کھال چھلنے کے بعد نکلتا ہے نہیں بچا ہوگا وہ کنوئیں میں گر گیا اس حالت میں کنواں پاک ہے یا نجس۔

الجواب:

بے نمازی عورت کا مَیلا دوبٹا ہونے سے اس کی ناپاکی لازم نہیں نہ عرصہ دراز تک استعمال سے نہ سینے کی رسّی کو گوبر اور پیشاب سے علاقہ،رہا کھال چھل کر خون نکلنا یہ ثبوت طلب ہے نکلا ہوگا کافی نہیں یہ معلوم وثابت و تحقیق ہونا لازم کہ واقعی خُون و غیرہ نجس رطوبت نکل کر اس کپڑے میں لگی تھی اس تحقیق کے بعد ضرور کنواں ناپاک مانا جائے گا اور کُل پانی نکالنے کا حکم ہوگا ورنہ وہم وشک پر نجاست نہیں ہوسکتی ایسا ہی زیادہ شک ہو تو بیس ۲۰ ڈول نکال دیں جن سے مقصود نہ کنواں بلکہ اپنے دل کا شک سے پاک کرنا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از شہر کہنہ بریلی محلّہ گھیر جعفر خان پنجابی ٹولہ مسئولہ جناب محمود علی خان صاحب رضوی ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواں ہے جس میں پانی اس قدر ہے کہ ایک حوض دہ در دہ اُس کے پانی سے بذریعہ چرسے کے بھر دیا جاتا ہے مگر پانی اُس کا نہیں ٹوٹتا اُس کنویں میں گلہری گر کر مر گئی اور سڑ کر پھٹ گئی ایسی حالت میں کس قدر پانی نکالا جاوے کہ کنواں پاک ہو جاوے۔

الجواب:

اگر کنواں آپ دہ در دہ ہو یعنی اس کا قطر پانچ گز دس گرہ ایک اُنگل ہو جب تو ناپاک نہ ہوگا اور اس سے کم ہے تو ذراسی نجاست سے اُس کا کُل پانی ناپاک ہو جائے گا اگرچہ کثرت عمق یا زیادات آمدِ آب کے سبب اُس سے دس [۱۰] حوض دہ در دہ بھر سکیں۔ اس صورت میں اُس میں جتنے ڈول پانی ہو وہ ناپ کر نکال دیا جائے پاک ہو جائے گا خواہ دفعۃً نکالیں یا کئی روز میں اور خواہ نکالنے سے اس کا پانی ٹوٹ جائے یا اصلًا نہ گھٹے ہر صورت میں اُتنے ڈول نکالنے سے پاک ہو جائے گا اور وہ جو آج کل بعض بے علم لوگ ایسے کُنویں سے ۳۰۰ یا ۳۶۰ ڈول نکالنا کافی بتاتے ہیں غلط ہے۔ ناپنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ رسّی میں پتھّر باندھ کر آہستہ آہستہ چھوڑیں، خم نہ پڑے جب تہہ کو پہنچ جائے نکال کر ناپیں کہ اتنے ہاتھ پانی ہے پھر جلد جلد سو [۱۰۰] ڈول کھینچ کر ایسے ہی ناپیں جتنا پانی گھٹا اس سے حساب لگالیں مثلاً بیس [۲۰] ہاتھ پانی ناپ میں آیا اور سو [۱۰۰] ڈول نکالنے سے ایک ہاتھ گھٹا تو ۱۹۰۰ ڈول اور نکالیں یا دو [۲] معتبر شخص کہ پانی میں نگاہ رکھتے ہوں اندازہ کرکے بتادیں کہ اس میں اتنے ڈول پانی ہے ہزار دوہزار جتنے بتائیں اُس قدر نکال دیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: از رامہ تحصیل گوجر خان ڈاکخانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۸ھ

اگر سگ کنویں میں گر پڑے اور اس کے مُنہ کے پانی میں داخل ہونے کی ثبوت نہیں ملتی پانی کا کیا حکم ہے۔

الجواب زیادہ احتیاط یہ ہے کہ کُل پانی نکالیں کہ بہت مشائخ کے نزدیک وہ نجس العین ہے مگر صحیح ومعتمد یہ کہ اُس کا حکم باقی سباع کے مثل ہے کہ صرف لعاب ناپاک ہے تو اگر منہ پانی نہ پہنچا صرف بیس [۲۰] ڈول تطییبِ قلب کے لئے کافی ہیں، دُرمختار میں ہے:

لواخرج حیا ولیس بنجس العین ولا بہ حدث او خبث لم ینزح شیئ الاان	اگر زندہ نکالاگیا اور وہ نہ تو نجس عین ہے اور نہ ہی کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو کچھ بھی نہیں نکالا جائے گا

یدخل فمه الماء فیعتبر بسورہ فان نجسا نزح الکل والا لا ھو الصحیح [1]۔	مگر یہ کہ اس کا منہ پانی تک پہنچ جائے تو اس وقت اس کے جھُوٹے کا اعتبار کیا جائے گا، اگر ناپاک ہے تو تمام پانی نکالا جائے ورنہ نہیں۔یہی صحیح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لم ینزح شیئ ای وجوبا لما فی الخانیة لوقعت شاۃ وخرجت حیة ینزح عشرون دلوا لتسکین القلب لاللتطھیر [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس (صاحبِ دُرمختار) کے قول "لم ینزح شیئ" (کچھ بھی نہ نکالا جائے) سے مراد یہ ہے کہ نکالنا واجب نہیں جیساکہ خانیہ میں ہے کہ اگر بکری گر جائے اور زندہ نکل آئے تو اطمینانِ قلب کے لئے بیس ڈول نکالے جائیں، پاک کرنے کے لئے نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از ضلع فرید پور موضع قتل نگر مرسلہ عبدالغنی صاحب ۲۲ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بہشتی بے نمازی جو چھوٹا استنجا پانی سے نہیں کرتے معمولی طور پر غسل کرکے یعنی ایک ڈول پانی سر پر ڈال کر کنویں میں غوطہ لگایا تھا اور استعمالی کپڑا بھی نہیں بدلا تھا اب اس کنویں کا کیا حکم ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر چھوٹا استنجا ڈھیلے سے کرلیا ہو اور بدن یا کپڑے پر کوئی نجاست ہونا تحقیق نہ ہو تو بیس ۲۰ ڈول نکالیں ورنہ کل پانی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۹

[2] ردالمحتار فصل فی البئر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب المسح علی الخفین

مسئلہ ۱۴۰: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملّا یعقوب علی خان ۱۵ جمادی الاولی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُوتی موزہ پر مسح جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سُوتی یا اُونی موزے جیسے ہمارے بلاد میں رائج ان پر مسح کسی کے نزدیک درست نہیں کہ نہ وہ مجلد ہیں

یعنی ٹخنوں تک چمڑا منڈھے ہوئے نہ منعل یعنی تلا چمڑے کا لگا ہوا نہ ثخین یعنی ایسے دبیز و محکم کہ تنہا اُنہیں کو پہن کر قطع مسافت کریں تو شق نہ ہوجائیں اور ساق پر اپنے دبیز ہونے کے سبب بے بندش کے رُکے رہیں ڈھلک نہ آئیں اور اُن پر پانی پڑے تو روک لیں فوراً پاؤں کی طرف چھن نہ جائے جو پاتابے ان تینوں وصف مجلد منعل ثخین سے خالی ہوں اُن پر مسح بالاتفاق ناجائز ہے۔ہاں اگر اُن پر چمڑا منڈھ لیں یا چمڑے کا تلا لگالیں تو بالاتفاق یا شاید کہیں اُس طرح کے دبیز بنائے جائیں تو صاحبین کے نزدیک مسح جائز ہوگا اور اسی پر فتوی ہے۔

فی المنیة والغنیة (المسح علی الجوارب لایجوز عند ابی حنیفة الا ان یکونا مجلدین) ای استوعب الجلد مایستقر القدم الی الکعب (اومنعلین) ای جعل الجلد علی ما یلی الارض منهما خاصة کالنعل للرجل (وقالایجوز اذاکانا ثخینین لایشفان) فان الجورب اذاکان بحیث لایجاوز الماء منه الی القدم فهو بمنزلة الادیم والصرم فی عدم جذب الماء الی نفسه الابعد لبث اودلك بخلاف الرقیق فانه یجذب الماء وینفذه الی الرجل فی الحال[1]۔	منیہ اور غنیہ میں ہے (امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جرابوں پر مسح جائز نہیں مگر یہ کہ چمڑے کی ہوں) یعنی اس تمام جگہ کو گھیر لیں جو قدم کو ٹخنوں تک ڈھانپتی ہے (یا منعل ہوں) یعنی جرابوں کا جو حصّہ زمین سے ملتا ہے صرف وہ چمڑے کا ہو، جیسے پاؤں کی جُوتی ہوتی ہے (اور صاحبین نے فرمایا اگر (جرابیں) ایسی دبیز ہوں کہ نہ کھلتی ہوں تو مسح جائز ہے کیونکہ اگر جراب اس طرح کی ہو کہ پانی قدم تک تجاوز نہ کرے تو وہ جذب کرنے کے حق میں چمڑے اور چمڑا چڑھائے ہوئے موزے کی طرح ہے مگر کچھ دیر ٹھہرنے یا رگڑنے سے پانی جذب کرے تو کوئی حرج نہیں بخلاف پتلی جراب کے، کہ وہ پانی کو جذب کرکے فوراً پاؤں تک پہنچاتی ہے۔(ت)
(وعلیه) ای علی قول ابی یوسف ومحمد (الفتوی والثخین ان یستمسك علی الساق من غیر ان یشد بشیئ) هکذا فسروه کلهم وینبغی ان یقید بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاهد مایکون فیه ضیق یستمسك علی الساق من غیر شد والحد	(وعلیہ) یعنی امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول پر (فتوی ہے،اور ثخین وہ ہے کہ کسی چیز سے باندھے بغیر پنڈلی پر ٹھہر جائے) تمام فقہانے اس کی یونہی وضاحت کی ہے لیکن مناسب ہے کہ اس کے ساتھ تنگ نہ ہونے کی قید لگائی جائے کیونکہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ جو جراب تنگ ہو

[1] غنیۃ المستملی، فصل فی المسح علی الخفین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۲۰

بعدم جذب الماء اقرب وبمایمکن فیه متابعة المشی اصوب۔

وہ باندھے بغیر بھی پنڈلی پر ٹھہر جاتی ہے۔ موزے کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ پانی کو جذب نہ کرے اور اس کے ساتھ لگاتار چلنا ممکن ہو، حق کے زیادہ قریب اور بہترین تعریف ہے۔ (ت)

وقدذکر نجم الدین الزاهدی عن شمس الائمة الحلوانی ان الجوارب من الغزل والشعر ماکان رقیقا منها لایجوز المسح علیه اتفاقا الاان یکون مجلدا اومنعلا وماکان ثخینا منها فان لم یکن مجلدا اومنعلا فمختلف فیه وماکان فلاخلاف فیه [1] اھ ملتقطا۔

نجم الدین زاہدی نے شمس الائمہ حلوانی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ اُون اور بالوں سے بنی ہوئی جرابیں پتلی ہوں تو بالاتفاق ان پر مسح جائز نہیں جب تک وہ مجلّد یا منعل نہ ہوں اور اگر وہ دبیز ہوں تو ان میں سے جو مجلّد اور منعل نہ ہوں ان پر مسح کرنے میں اختلاف ہے جبکہ مجلّد اور منعل میں کوئی اختلاف نہیں، انتہی انتخاباً۔ (ت)

قلت وهنا وهم عرض للمولی الفاضل اخی یوسف چلپی فی حاشیة شرح الوقایة فلاعلیك منه بعد ماسمعت نص امام الشان شمس الائمة وکذلك نص فی الخلاصة بمایکفی لازاهته کماحققه فی الغنیة وذکر طرفا منه فی ردالمحتار فراجعها ان شئت والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

فاضل اخی یوسف چلپی کو حاشیہ شرح وقایہ کے اس مقام پر ایک وہم [ا] ہوا۔ لہٰذا امام الشان شمس الائمہ کی تصریح سننے کے بعد اب تمہیں وہ قول اختیار نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح خلاصہ میں بھی تصریح ہے جو اس کے ازالہ کے لئے کافی ہے جیسا کہ غنیہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور کچھ بحث ردالمحتار میں بھی مذکور ہے اگر چاہو تو وہاں رجوع کرو۔ اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱: مقام کہنہ دہانہ ضلع رزے ڈنسی گوالیار مسئولہ منشی نور محمد سوداگر

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ بُوٹ جن سے ٹخنہ ڈھک جاتا ہے یعنی بُوٹ کہ پلٹن والے پہنتے ہیں وہ بُوٹ کیا چمڑے کے موزے کا حکم رکھتا ہے یا نہیں۔ چونکہ چمڑے کے موزے پر

[1] غنیۃ المستملی فصل فی المسح علی الخفین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۲۱

[ا] چلپی نے فرمایا اگر وہ ثخین نہ ہو تو نیچے چمڑا چڑھا ہونے کے باوجود مسح جائز نہیں۔ ذخیرۃ العقبٰی ص ۵۲

مسح کرنا درست ہے (عالمگیری) تو فرمایئے کہ بُوٹ پر مسح کرنا درست ہے یعنی مسح کرنا چاہئے یا نہیں اور نماز اس سے درست ہے یا کیا؟

الجواب:

درست ہے معراج الدرایہ پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

یجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله ازرار یشدها علیه تسده لانه کغیر المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شیئ فهو کخروق الخف واللّٰه تعالٰی اعلم۔[1]	ایسے موزے پر مسح جائز ہے جو قدم کے اوپر سے کھلا ہو اور اسے بٹن لگا کر بند کیا گیا ہو تو وہ بند کی طرح ہے اور اگر قدم کی پیٹھ سے کچھ حصہ ننگا ہو تو وہ پھٹے ہوئے موزے کی طرح ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المسح علی الخفین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۹۲

باب الحیض

مسئلہ ۱۴۲: ازوطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ہٰذہ المسئلۃ درو رسالہ طہارت کبرٰی نوشتہ است نونے نماز میگزارد ہم دراثنائے صلاۃ حائضہ شد نماز قطع کند پس اگر نماز فرض بود بعد طہارت قضایش واجب نبود واگر نفل بود قضا واجب آید۔ بینوا توجروا۔	اللہ تعالٰی آپ کو اپنی رحمت سے نوازے، اس مسئلہ میں آپ کی کیارائے ہے، رسالہ "طہارتِ کبرٰی" میں لکھا ہے: "کوئی عورت نماز پڑھ رہی ہو اور نماز کے دوران اسے حیض آجائے تو وہ نماز توڑ دے پھر اگر وہ فرض نماز ہے تو حصولِ طہارت کے بعد اس کی قضا واجب نہ ہوگی اور اگر نفل نماز ہو تو واجب ہوگی۔ بیان کریں اجر پائیں۔(ت)

الجواب:

دریں رسالہ اگرچہ بس یار جاخطا سرزدہ امااین مسئلہ درست نوشتہ است فمثلہ فی البحر والدر و غیرھما من الاسفار الغرّ وجہش انچہ	اس رسالے میں اگرچہ بہت جگہ غلطی واقع ہوئی ہے تاہم یہ مسئلہ صحیح لکھا گیا ہے اسی کی مثل البحرالرائق، درمختار اور ان کے علاوہ عمدہ کتب میں منقول ہے،

I.T. Majlis of DawateIslami www.dawateislami.net

کہ ایں وقت بخیال میرسد آنست کہ نماز اگرچہ نفل باشد بشروع واجب گردد واگر قبل از اتمام فسادے رونماید قضا لازم آید اماایں حکم حکم شروع قصدی ست پس اگر کسے مثلاً نماز ظہر گزاردہ فراموش کرد وباز عقدش بربست پیش از فراغ بیادش آمد ہمچناں بشکست قضا برو لازم نیست کہ ایں شروع بربنائے ظن غلط بود ہمچناں چوں زن راحیض رسید پیدا شد کہ نماز ایں وقت برو واجب نبود وظن وجابے کہ بربنائش آغاز کردہ بود غلط برآمد زیراکہ نزد ما اعتبار مر آخر وقت راست کمانصوا علیہ پس قضا لازم نیاید بخلاف نفل کہ شروع دروے نہ بظن وجوب بود ونہ عروض حیض در آخر وقت مانع تنفل در اول ست پس شروع دروے صحیح بود چوں فاسد شد قضا واجب آمد۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اس کا سبب جو اس وقت خیال میں آرہا ہے یہ ہے کہ نماز اگرچہ نفل ہو شروع کرنے سے واجب ہوجاتی ہے اگر تکمیل سے پہلے کوئی فساد ظاہر ہو تو قضا لازم ہوگی لیکن یہ حکم اس نماز کا ہے جسے قصداً شروع کیا ہو۔ لہٰذا اگر کوئی شخص نمازِ ظہر ادا کرکے بھُول گیا ہو پھر اس کی نیت کرلی لیکن فارغ ہونے سے پہلے یاد آگیا اور اسی حالت میں نماز توڑدی تو اس پر قضا لازم نہیں ہوگی کیونکہ یہ شروع کرنا غلط گمان کی بنیاد پر تھا۔ اسی طرح جب عورت کو حیض آیا تو اس وقت کی نماز اس پر فرض نہ تھی اس نے فرض خیال کرتے ہوئے شروع کردی تھی تو یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ ہمارے نزدیک آخر وقت کا اعتبار ہے جیسے فقہاءِ کرام نے بیان فرمایا لہٰذا قضا لازم نہیں ہوگی۔ بخلاف نفل کے کہ وہ نہ تو واجب سمجھ کر شروع کئے اور نہ ہی آخر وقت میں حیض کا شروع نفل پڑھنے سے مانع ہے لہٰذا نوافل کا شروع کرنا صحیح تھا جب فاسد ہوگئے تو قضا واجب ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس بزرگ وبرتر ذات کا علم سب سے زیادہ مکمل اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۳ ۴ صفر مظفر ۱۳۱۲ھ

ایک مسمّاہ کو بوجہ عارضہ چند سال سے حبس طمث تھا بالکل ادرار مسدود تھا اگرچہ مقتضائے عمر نہ تھا پھر جب دوا ہوئی باعانت دوا اجرائے دم ہوا ہے ایسی حالت میں نماز ترک کی جائے یا ادا کی جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دم آئے نماز ترک کی جائے، ہاں اگر دس ۱۰ روز کامل سے آگے بڑھے تو غسل کرکے پڑھنا شروع کریں اور وہ پچھلا طمث جس کے بعد احتباس ہوگیا تھا اگر دس ۱۰ دن آیا تھا تو خیر ورنہ جب یہ دن دس سے بڑھے تو وہ جتنا دس سے کم تھا اُتنے دنوں کی نماز قضا کی جائے مثلاً وہ چھ ۶ روز کا تھا تو چار ۴ دن کی نماز قضا کریں اور چار کا تو چھ کی وعلی ہذا القیاس **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۔ شوال ۱۳۱۴ھ۔

عورت حالت حیض اور نفاس میں مراقبہ جیساکہ طریقہ نقشبندیہ میں دستور ہے کرسکتی ہے یانہیں اور اسی حالت میں بیٹھ کر مرشد سے توجہ لے سکتی ہے یانہیں؟ بحوالہ کتاب مع عبارت ارقام فرمائیں۔

الجواب:

ہاں اُمّ المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علٰی کل احیانہ [1] رواہ الامام احمد ومسلم وابوداود والترمذی وابن ماجۃ۔"	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ تعالٰی کا ذکر فرماتے تھے"۔اس (حدیث) کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ نے روایت کیا ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المؤمن لاینجس [2] رواہ الستۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	"مومن ناپاک نہیں ہوتا"اسے چھ ائمہ حدیث (اصحابِ صحاح ستّہ) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

لاباس لحائض وجنب بقراءۃ ادعیۃ ومسھا وحملھا [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	حائضہ اور جنبی کے لئے دُعاؤں کے پڑھنے، انہیں ہاتھ لگانے اور اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۵: از علی گڑھ ۵۔ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اوّل: ایک عورت کو آٹھ دن سے کم حیض ہوتا ہے سپیدی آجانے کے بعد بے نہائے اس سے

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی الرجل یذکر اللہ علٰی غیر طہور مطبع مجتبائی پاکستان ۱/۴

[2] جامع ترمذی، باب ماجاء فی مصافحۃ الجنب، طبع مجتبائی پاکستان ۱/۱۷

[3] درمختار، باب الحیض، مطبع مجتبائی پاکستان ۱/۵۱

صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جو حیض اپنی پُوری مدّت یعنی دس دن کامل سے کم میں ختم ہو جائے اس میں دو۲ صورتیں ہیں یا تو عورت کی عادت سے بھی کم میں ختم ہوا یعنی اس سے پہلے مہینے میں جتنے دنوں آیا تھا اُتنے دن بھی ابھی نہ گزرے اور خُون بند ہوگیا جب تو اس سے صحبت ابھی جائز نہیں اگرچہ نہالے اور اگر عادت سے کم نہیں مثلاً پہلے مہینے سات۷ دن آیا تھا اب بھی سات یا آٹھ روز آکر ختم ہُوا یا یہ پہلا ہی حیض ہے جو اس عورت کو آیا اور دس۱۰ دن سے کم میں ختم ہوا تو اُس سے صحبت جائز ہونے کے لئے دو۲ باتوں سے ایک بات ضرور ہے یا۱ تو عورت نہالے اور اگر بوجہ مرض یا پانی نہ ہونے کے تیمّم کرنا ہو تو تیمّم کرکے نماز بھی پڑھ لے خالی تیمّم کافی نہیں یا۲ طہارت نہ کرے تو اتنا ہو کہ اس پر کوئی نمازِ فرض فرض ہو جائے یعنی نماز پنجگانہ سے کسی نماز کا وقت گزر جائے جس میں کم سے کم اس نے اتنا وقت پایا ہو جس میں نہاکر سر سے پاؤں تک ایک چادر اوڑھ کر تکبیر تحریمہ کہہ سکتی تھی اس صورت میں بے طہارت کے بھی اُس سے صحبت جائز ہو جائے گی ورنہ نہیں مگر یہ کہ عورت کتابیہ یہودیہ یا نصرانیہ ہو تو اُس سے مطلقاً بے نہائے صحبت جائز ہے جبکہ انقطاع حیض ایام عادت سے کم میں نہ ہوا ہو۔

فی الدر المختار یحل وطؤھا اذا انقطع حیضھا لاکثرہ بلا غسل وجوبا بل ندبا وان انقطع لاقلہ فان لدون عادتھا لم یحل (الوطؤ وان اغتسلت لان العود فی العادۃ غالب بحر) وان لعادتھا فان کتابیۃ حل فی الحال (لانہ لااغتسال علیھا لعدم المطالب) والالایحل حتی تغتسل اوتتیمم بشرطہ (ھو فقد الماء بہ والصلٰوۃ بہ علی الصحیح کمایعلم من النھر و غیرہ وبھذا ظھر ان المراد التیمم الکامل المبیح للصلاۃ مع الصلاۃ بہ ایضا) اویمضی علیھا زمن یسع الغسل ولبس الثیاب والتحریمۃ	درمختار میں ہے: اگر عورت کا حیض، زیادہ دنوں کے بعد ختم ہو تو اس کے ساتھ غسل واجب بلکہ مستحب غسل سے بھی پہلے وطی کرنا جائز ہے اور اگر کم از کم مدت میں ختم ہو تو (دیکھیں گے) اگر عادت سے کم میں ختم ہو تو جماع جائز نہیں اگرچہ غسل کرلے کیونکہ عادت کی طرف لَوٹنا غالب ہے (بحرالرائق) اگر عادت کے مطابق ختم ہوا تو کتابیہ ہونے کی صورت میں اسی وقت وطی حلال ہو جائے گی کیونکہ اس پر غسل واجب نہیں اس لئے کہ اس سے (غسل کا) مطالبہ کرنے والی چیز (یعنی اسلام) نہیں۔ اگر وہ کتابیہ نہیں تو جب تک غسل یا شرائطِ تیمّم پائے جانے کی صورت میں تیمّم نہ کرے اس سے جماع جائز نہیں۔ صحیح قول کے مطابق (اس کے لئے تیمّم کی) شرط یہ ہے کہ پانی نہ ہونا اور اس کے ساتھ نماز پڑھنا ہے جیسا کہ

یعنی من آخر الوقت لتعلیلھم بوجوبھا فی ذمتھا حتی لوطھرت فی وقت العید لابد ان یمضی وقت الظھر کما فی السراج [1] اھ مزیدا من ردالمحتار [2]۔ ورأیتنی کتبت علی قولہ ولیس الثیاب ما نصہ ای المبیحۃ للصلاۃ ولورداء واحدا یسترھا من قرنھا الی قدمھا لان المقصود کون الصلاۃ دینا علیھا وذلك یحصل بھذا القدر ولذا استظھر العلامۃ الحلبی فی الغسل ان المراد قدر الفرض وھو ظاھر [3] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	نہر (نہرالفائق) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اس سے ظاہر ہوا کہ تیمّم کامل مراد ہے جس سے نہ صرف یہ کہ نماز پڑھنا جائز ہوجائے بلکہ اس کے ساتھ نماز بھی پڑھ لے) یا اتنا وقت گزر جائے جس میں غسل کرکے کپڑے پہننے اور تکبیر تحریمہ کی گنجائش ہو کیونکہ انہوں نے اسی بات کو عورت کے ذمہ (نماز) واجب ہونے کی علت قرار دیا ہے حتی کہ اگر عید کے وقت پاک ہوجائے تو اس پر وقتِ ظہر گزرنا ضروری ہے جیسا کہ سراج میں ہے (انتہی) یہ ردالمحتار سے اضافہ کے ساتھ ہے۔اور میرا خیال ہے کہ میں نے اس (دُرمختار) کے قول "ولیس الثیاب" پر لکھا ہے کہ اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جن کے ساتھ نماز جائز ہوجاتی ہے اگرچہ ایک چادر ہو جو سر سے قدموں تک اسے ڈھانپ لے کیونکہ مقصد تو نماز کا اس کے ذمہ فرض ہونا ہے اور یہ اس مقدار سے حاصل ہوجاتا ہے اسی لئے علامہ حلبی نے غسل کے بارے میں بتایا کہ اس سے فرض کا اندازہ مراد ہے اور یہی ظاہر ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

سوال دوم: ایامِ حیض میں اپنی عورت سے ران یا پیٹ پر یا کسی اور مقام پر فراغت حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پیٹ پر جائز اور ران پر ناجائز۔کلیہ یہ ہے کہ حالتِ حیض ونفاس میں زیر ناف سے زانو تک عورت کے بدن سے بلا کسی ایسے حائل کے جس کے سبب جسم عورت کی گرمی اس کے جسم کو نہ پہنچے تمتع جائز نہیں یہاں تک کہ اتنے ٹکڑے بدن پر شہوت سے نظر بھی جائز نہیں اور اتنے ٹکڑے کا چھُونا بلاشہوت بھی جائز نہیں اور اس سے اوپر نیچے کے بدن سے مطلقاً ہر قسم کا تمتع جائز یہاں تک کہ سحق ذکر کرکے انزال کرنا۔

[1] دُرمختار باب الحیض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۱

[2] ردالمحتار باب الحیض مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۵

[3] جدّالممتار علی الدرالمختار باب الحیض المجمع الاسلامی مبارکپور ہندوستان ص ۱۶۴

فی الدرالمختار یمنع حل قربان ماتحت ازار یعنی مابین سرۃ ورکبۃ ولو بلاشھوۃ وحل ماعداہ مطلقاً[1] اھ وفی ردالمحتار نقل فی الحقائق عن التحفۃ والخانیۃ یجتنب الرجل من الحائض ماتحت الازار عند الامام وقال محمد الجماع فقط ثم اختلفوا فی تفسیر قول الامام قیل لایباح الاستمتاع من النظر و غیرہ بمادون السرۃ الی الرکبۃ ویباح ماورائہ وقیل یباح مع الازار اھ ولایخفی ان الاول صریح فی عدم حل النظر الی ماتحت الازار والثانی قریب منہ ولیس بعد النقل الاالرجوع الیہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دُرمختار میں ہے: "ازار کے نیچے یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان کا قُرب جائز نہیں اگرچہ بلاشھوت ہو اور اس کے علاوہ مطلقاً جائز ہے۔اھ"۔ اور ردالمحتار میں ہے: "حقائق میں تحفہ اور خانیہ سے نقل کیا گیا کہ "امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مرد کو حائضہ عورت کی ازار کے نیچے سے اجتناب کرنا چاہئے"۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: "فقط جماع سے پرہیز کرے"۔پھر امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی وضاحت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔کہا گیا ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک دیکھنے اور اس کے ساتھ نفع حاصل کرنا بھی جائز نہیں اس کے ماسوا جائز ہے۔اور ایک قول یہ ہے کہ ازار کے ساتھ جائز ہے (انتہی) مخفی نہ رہے کہ پہلا قول ازار کے نیچے (جسم) کی طرف دیکھنے کی حرمت میں واضح ہے اور دوسرا اس کے قریب ہے اور نقل کے بعد گنجائش نہیں اس کی طرف رجوع ہوتا ہے (انتہی) (یعنی قیاس نہیں کیا جاتا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۷: از شہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نفاس کی اکثر مدّت چالیس ۴۰ روز ہے کمتر کی حد نہیں اگر نفاس کا پانی ہشت روز میں بند ہو اور نماز اور روزہ اور وطی کے بعد پانی پھر آیا اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

پانی کوئی چیز نہیں وہ تو رطوبت ہے نفاس میں خون ہوتا ہے چالیس ۴۰ دن کے اندر جب خون عود کرے شروع ولادت سے ختم خون تک سب دن نفاس ہی کے گنے جائیں گے جو دن بیچ میں خالی رہ گئے وہ بھی نفاس ہی میں شمار ہوں گے مثلاً ولادت کے بعد دو ۲ منٹ تک خُون آکر بند ہوگیا عورت بگمانِ طہارت غسل کرکے نماز

---

[1] درمختار باب الحیض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۱

[2] ردالمحتار باب الحیض مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۴

روزہ وغیرہ کرتی رہی چالیس ۴۰ دن پُورے ہونے میں ابھی دو ۲ منٹ باقی تھے پھر خُون آگیا تو یہ سارا چلّہ نفاس میں ٹھہرے گا نمازیں بیکار گئیں فرض یا واجب روزے یا ان کی قضا نمازیں جتنی پڑھی ہوں انہیں پھر پھیرے۔

فی ردالمحتار ان من اصل الامام ان الدم اذاکان فی الاربعین فالطھر المتخلل لایفصل طال اوقصر حتی لورأت ساعۃ دما واربعین الاساعتین طھرا ثم ساعۃ وماکان الاربعون کلھا نفاسا وعلیہ الفتوٰی کذا فی الخلاصۃ [1] نھر، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ردالمحتار میں ہے: "امام اعظم رحمہ اللہ کے ہاں ضابطہ یہ ہے کہ جب خون چالیس دنوں میں ہو توطُہر متخلل فاصل نہیں ہوگا وقت زیادہ ہو یا کم۔ حتی کہ اگر عورت نے ایک ساعت خُون دیکھا پھر دو ساعتیں کم چالیس دن پاک رہی پھر ایک ساعت خون دیکھا تو پُورے چالیس دن نفاس کے شمار ہوں گے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے نہر، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۸: ۸ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حیض والی عورت کی روٹی پکی ہوئی کھانا جائز ہے یا نہ، اور اپنے ساتھ اس کو روٹی کھلانا جائز ہے یا نہ، اور اس عرصہ میں اگر مرجائے تو اس کا کیا حکم ہے، حیض کے کتنے دن ہیں، **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

اس کے ہاتھ کا پکاہُوا کھانا بھی جائز، اُسے اپنے ساتھ کھلانا بھی جائز۔ ان باتوں سے احتراز یہود ومجوس کا مسئلہ ہے۔

وقدکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدنی راسہ الکریم لام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا وھی فی بیتھا وھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معتکف فی المسجد لتغسلہ فتقول اماحائض فیقول حیضتك لیست فی یدك [2]۔	سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنا سرمبارک دُھلوانے کے لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قریب کرتے تھے اس وقت آپ گھر میں ہوتیں اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں معتکف ہوتے اُم المومنین عرض کرتیں: میں حائضہ ہُوں۔ آپ فرماتے: حیض تمہارے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الحیض مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۹

[2] جامع ترمذی، باب ماجاء فی الحائض تتناول الشیئ من المسجد، مطبع مجتبائی لاہور ۱/۱۹

مَرجائے تواس کے لئے ایک ہی غسل کافی ہے کمانص علیہ علماؤناوبہ قال جمہور الائمۃ (جیسا کہ ہمارے علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور جمہور ائمہ کا بھی یہی قول ہے۔ت) حیض کم از کم تین رات دن کامل ہے اور زیادہ سے زیادہ دس رات دن کامل۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۱۴۹ ۹۔ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت لڑکا جنے اور نفاس سے آٹھ دن میں فارغ ہوگئی اب اُس کے واسطے روزے نماز کا کیا حکم ہے اور چُوڑی وغیرہ چاندی یا کانچ کی یا وہ چارپائی یا مکان پاک رہا یا ناپاک یا چالیس ۴۰ دن کی میعاد لگائی جائے گی۔بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ جو عوام جاہلوں عورتوں میں مشہور ہے کہ جب تک چلّہ نہ ہوجائے زچہ پاک نہیں ہوتی محض غلط ہے خون بند ہونے کے بعد ناحق ناپاک رہ کر نماز روزے چھوڑ کر سخت کبیرہ گناہ میں گرفتار ہوتی ہیں مردوں پر فرض ہے کہ انہیں اس سے باز رکھیں نفاس کی زیادہ حد کے لئے چالیس ۴۰ دن رکھے گئے ہیں نہ یہ کہ چالیس دن سے کم کا ہوتا ہی نہ ہو اس کے کم کے لئے کوئی حد نہیں اگر بچّہ جننے کے بعد صرف ایک منٹ خون آیا اور بند ہوگیا عورت اُسی وقت پاک ہوگئی نہائے اور نماز پڑھے اور روزے رکھے۔اگر چالیس ۴۰ دن کے اندر اُسے خُون عود نہ کرے گا تو نماز روزے سب صحیح رہے گے۔چُوڑیاں، چارپائی، مکان سب پاک ہیں فقط وہی چیز ناپاک ہوگی جسے خون لگ جائے گا بغیر اس کے ان چیزوں کو ناپاک سمجھ لینا ہندوؤں کا مسئلہ ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۰: ازفرخ آباد شمس الدین احمد شنبہ ۱۸۔ شوال ۱۳۳۴ھ

کوئی شخص اپنی بی بی سے حیض یا نفاس کی حالت میں صحبت کرے تو اُس کا کفارہ کیا ہے؟

الجواب:

اگر ابتدائے حیض میں ہے تو ایک دینار، اور ختم پر ہے تو نصف دینار، اور دینار دس درم کا ہوتا ہے اور دس درہم دو روپے تیرہ آنے کچھ کوڑیاں کم۔سُنن دارمی وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ [عـہ] میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاوقع الرجل باھلہ وھی حائض فلیتصدق	جب آدمی اپنی عورت سے حالتِ حیض میں صحبت کرے

عـہ: عزاہ فی المشکوۃ لاربعۃ وانما الذی رأیت للنسائی مایاتی ۱۲ منہ (م)

مشکوٰۃ المصابیح میں اسے چاروں سنن کی طرف منسوب کیا ہے اور وہ جو میں نے نسائی کے لئے دیکھی ہے وہ ہے جو اس کے بعد آرہی ہے ۱۲ منہ (ت)

بنصف دینار [1]	تو چاہیے کہ نصف دینار صدقہ دے۔

سنن نسائی وابن ماجہ میں انہیں سے ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یتصدق بدینار اونصف دینار [2] ایک یا نصف دینار تصدق کرے ورواہ الدارمی فجعل الترديد من شك الراوی حيث قال يتصدق بدينار ونصف دينار شك الحكم [3] (اسے امام دارمی نے روایت کیااور تردید کوراوی کاشک قرار دیا کہ اس نے کہاایک دینار صدقہ کرے یانصف دینار، حکم (راوی کو) شک ہوا۔ت)

مسند عـہ احمد ودارمی وترمذی میں اُنہیں سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاکان دمااحمر فدینار واذاکان دمااصفر فنصف دینار [4]۔	جب سُرخ خون ہو تو ایک دینار اور زرد ہو تو آدھا۔

طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے بافادہ تصحیح اُنہیں سے یوں روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من اتی امرأته فی حیضها فلیتصدق بدینار ومن اتاها وقدادبر الدم عنها ولم تغتسل فنصف دینار [5]۔	جس نے اپنی عورت سے حیض میں صحبت کی وہ ایک اشرفی تصدق کرے اور اگر خون بند ہوچکا اور ابھی نہائی نہ تھی تو آدھی۔

مسند میں انہیں سے یوں ہے: تصدق بدینار فان لم تجد دینار فنصف

عـہ وعزاه ایضا فی الجامع الکبیر لابی داود والنسائی لم اره لهما۔	جامع کبیر میں ہے اس کو بھی ابوداؤد اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے میں نے یہ حدیث ان دونوں میں نہیں دیکھی۔

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیات یان الحائض، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹

[2] سنن ابن ماجہ باب کفارۃ من اتی حائضا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۷

[3] سُنن الدارمی باب من قال علیہ الکفارۃ مدینہ منورہ حجاز ۱/۲۰۳

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی الکفارۃ فی ذلک، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۰

[5] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبداللہ بن عباس حدیث نمبر ۱۲۱۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۴۰۲

دینار[1]۔ایک اشرفی صدقہ کر اور نہ ہوسکے تو آدھی۔درمختار میں ہے:

یندب تصدقه بدینار اونصفه ومصرفه کزکاة وهل علی المرأة تصدق قال فی الضیاء الظاهر لا[2]۔	ایک دینار یا نصف دینار صدقہ دینا مستحب ہے اس کا مصرف وہی ہے جو زکاۃ کا ہے۔اور کیا عورت کو بھی صدقہ دینا واجب ہے؟ تو ضیاء (الضیاء المعنوی شرح مقدمۃ الغزنوی) میں فرمایا: ظاہر بات یہ ہے کہ اس پر (واجب) نہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

یتصدق بدینار اوبنصفه استحبابا وقیل بدینار انکان اول الحیض وبنصفه ان وطئ فی اخره کان قائله رأی انه لامعنی للتخییر بین القلیل والکثیر فی النوع الواحد[3] اه اقول لاعزا فی التخییر بین الفاضل والافضل فیکون المعنی یتصدق بنصف دینار وهذا ادنی ماینذب الیه کفارة لماوقع فان اکمل دینارا فاجود وایضا قدیکون الترديد باعتبار المیسر ای بدینار ان تیسر والا فبنصفه وقدروی فی الحدیث کمامر لکن الاظهر کماقال القاری فی المرقاة ان قائله اخذ التفصیل من الحدیث الاٰتی عن ابن عباس[4] اه	ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرنا مستحب ہے اور کہا گیا کہ اگر حیض کا آغاز تھا تو ایک دینار،اور آخری دنوں میں وطی کی تو نصف دینار دے، گویا اس قائل کی رائے میں ایک ہی نوع میں قلیل وکثیر کے درمیان اختیار کا کوئی مطلب نہیں اھ۔ **اقول:** فاضل اور افضل کے درمیان اختیار دینا قابل تعجب نہیں لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ نصف دینار صدقہ کرے اور یہ اس کے جُرم کا کم از کم مستحب کفارہ ہے اگر پُورا دینار دے تو نہایت عمدہ ہے نیز کبھی اختیار میسر آنے والی چیز کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے یعنی اگر میسر ہو تو ایک دینار اور میسر نہ ہو تو نصف دینار دے اور یہ بات حدیث میں مروی ہے جیسا کہ گزر چکا لیکن زیادہ ظاہر بات وہ ہے جو حضرت ملّا علی قاری

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مطبوعہ بیروت ۱/۳۶۳
[2] درمختار باب الحیض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۲
[3] فتح القدیر باب الحیض مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۱۴۷
[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۰۰

ببلون الدم فانه یکون فی بدنه احمر فاذا قارب الانقطاع یصفر۔	رحمہ اللہ نے بیان فرمائی کہ اس کے قائل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے جو آگے (مرقات میں) آرہی ہے تفصیل حاصل کی ہے (انتہی) یعنی خون کے رنگ کے اعتبار سے جو تفصیل گزری ہے، کیونکہ وہ شروع میں سُرخ ہوتا ہے اور ختم ہونے کے قریب زرد ہوجاتا ہے۔
اقول: وبه ظهر ضعف ماوقع فی البحر وتبعه ش من جعل العبارتین قولین اذقال قیل ان کان فی الاول الحیض فدینار اٰواٰخره فنصفه وقیل دینار لواسود ونصفه لواصفر [1] اھ قال فی البحر ویدل له مارواه ابوداود والحاکم وصححه [2] فذکر اللفظ الثالث الذی عزوناه لاحمد والترمذی ولم اره لابی داؤد واللہ تعالٰی اعلم هذا وقال القاری قال المنذری قدوقع اضطراب فی هذا الحدیث متناواسنادا رفعا ووقفا وارسالا واعضالا کذا نقله السید جمال الدین عن التخریج	**اقول**: اسی سے اس بات کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو البحرالرائق میں ہے اور امام شامی نے بھی اس کی اتباع کرتے ہوئے دو عبارتوں کو دو قول قرار دیا جب انہوں نے کہا کہ کہا گیا ہے اگر حیض کے شروع میں (جماع کیا) تو ایک دینار اور آخر میں ہو تو نصف دینار ہوگا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر سیاہ رنگ ہو تو ایک دینار اور زرد رنگ ہو تو نصف دینار ہوگا [3]۔ البحرالرائق میں فرمایا اس بات پر امام ابوداؤد اور حاکم کی روایت دلالت کرتی ہے جسے انہوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ اور لفظ ثالث (سُرخ رنگ) ذکر کیا جسے ہم نے امام احمد اور ترمذی کے حوالے سے نقل کیا ہے لیکن میں نے اسے ابوداؤد میں نہیں دیکھا واللہ تعالٰی اعلم۔ اس (تقریر) کو اپنایئے حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: منذری نے کہا ہے کہ اس حدیث میں متن، سند، رفع، وقف،

[1] ردالمحتار باب الحیض مصطفی البانی مصر ۱/۲۱۸

[2] البحرالرائق باب الحیض مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۷

[3] امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ حیض کی ابتدا میں خون کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور آخر میں زرد، لہذا آغازِ حیض اور سیاہ رنگ ایک ہی بات ہے جبکہ اختتامِ حیض اور زرد رنگ بھی ایک ہی چیز ہے گویا ایک ہی قول کو صاحب البحرالرائق اور شامی نے دو قول قرار دیا ۱۲ ہزاروی

فقول ابن حجر وسندہ حسن غیر مستحسن[1] اھ

اقول: لایضر عندنا الارسال ولاالاعضال وقد یاتی الرادی بالسند تاما وقد یحذف فلا اضطراب وکذا الرفع والوقف ثم الوصل والرفع زیادۃ ثقۃ فتقبل کماحققہ المحقق فی الفتح فی غیرما موضع قال القاری قال میرك ھذا بیان اضطراب الاسناد اما الاضطراب فی متنہ فروی(۱) بدینار اونصف دینار علی الشك وروی(۲) یتصدق بدینار فان لم یجد فبنصف دینار وروی(۳) التفرقۃ بین ان یصیبھا فی اقبال الدم اوفی انقطاع الدم وروی(۴) یتصدق بخمس دینار وروی(۵) بنصف دینار وروی(٦) اذاکان دما احمر فدینار وان کان دما اصفر فنصف دینار[2] اھ

اقول: قدعلمت کل ھذہ الروایات وتخاریجھا الاروایۃ الخمس وھو للدارمی ابن راھویہ وحسنہ خاتم الحفاظ عن عبدالحمید بن زید بن الخطاب قال کان لعمر بن الخطاب

ارسال اور اعضال[3] کے اعتبار سے اضطراب ہے سید جمال الدین نے تخریج سے اسی طرح نقل کیا ہے پس ابن حجر (عسقلانی) کا اس کی سند کو حسن قرار دینا غیر مستحسن ہے اھ۔

اقول: ہمارے نزدیک ارسال واعضال سے کوئی فرق نہیں پڑتا راوی کبھی پُوری سند لاتا ہے اور کبھی حذف کردیتا ہے لہٰذا کوئی اضطراب نہیں رفع اور وقف کا بھی یہی حال ہے پھر رفع اور وصل (راوی کے) اضافہ ثقاہت کے لئے ہیں لہٰذا اسے قبول کیا جائے جسے محقق نے فتح القدیر کے کئی مقامات پر اس کی تحقیق کی ہے۔ملّا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرک نے کہا ہے کہ یہ اضطراب سند کا بیان ہے لیکن متن کا اضطراب یہ ہے کہ ایک روایت میں ایک دینار اور نصف دینار کا بطور شک ذکر کیا گیا۔دوسری روایت میں ہے کہ ایک دینار صدقہ دے۔تیسری روایت کے مطابق خون آنے اور نہ آنے کے دونوں میں جماع کرنے کا فرق ہے جبکہ چوتھی روایت میں ہے دینار کا پانچواں حصہ صدقہ کرے۔پانچویں روایت میں ہے وہ نصف دینار صدقہ کرے۔اور چھٹی روایت میں ہے اگر خُون سُرخ ہو تو ایک دینار دے اور زرد ہو تو نصف دینار دے اھ۔**اقول:** ان تمام روایات

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۰۱

[2] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۰۱

[3] تابعی سے اوپر کا راوی ساقط ہو تو یہ ارسال ہے اور حدیث کی سند سے دو یا زاید راویوں کا سقوط اعضال کہلاتا ہے ۱۲ازہروی۔

امرأۃ تکرہ الجماع فکان اذا اراد ان یاتیھا اعتلت علیه بالحیض فوقع علیھا فاذاھی صادقة فاتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فامرہ ان یتصدق بخمس دینار [1] اھ۔

ووقع فی کنز العمال ومنتخبه فامرہ ان یتصدق بخمسین دینارا [2] ولااراہ الاتصحیفا واللہ تعالٰی اعلم وذکر فیه عازیا للحارث فی مسندہ ورامز الابن ماجة ولم ارہ لم عن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه انه اتی جاریة له فقالت انی حائض فوقع بھا فوجدھا حائضا فوقع بھا فوجدھا حائضا فاتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فذکر ذلك له فقال یغفر اللہ لك یااباحفص تصدق بنصف دینار [3] **اقول:** ویبعد تعدد الواقعة فیرجع الی الترجیح فان کان ھذا اقوی سند اخرج

کی تخریج معلوم ہوچکی البتہ دینار کے پانچویں حصے والی روایت امام دارمی اور ابن راہویہ نے نقل کی ہے اور خاتم الحفّاظ (علّامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) نے اسے حسن قرار دیا ہے وہ حضرت عبدالحمید بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ایک لونڈی، جماع کو ناپسند کرتی تھی آپ جب بھی اس کے پاس جانے کاارادہ فرماتے وہ حیض کا بہانہ پیش کردیتی۔ایک مرتبہ آپ نے اس سے جماع کیا تو (واقعی) وہ سچی تھی، آپ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دینار کا پانچواں حصّہ صدقہ کرنے کا حکم دیا اھ۔ کنزالعمال اور اس کے انتخاب میں ہے کہ آپ نے ان کو پچاس دینار صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ میرے خیال کے مطابق ان کو پڑھنے میں غلطی لگی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔اس میں حارث کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہ اُنہوں نے اپنی مسند میں لکھا اور ابن ماجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ذکر کیا لیکن میں نے اس میں وہ روایت نہیں پائی وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی ایک لونڈی کے پاس تشریف لے گئے اس نے کہا میں حائضہ ہوں آپ نے اس سے جماع کیا تو اسے حائضہ پایا پھر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: اے ابوحفص! اللہ

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۰۱

[2] کنزالعمال محظورۃ المباشرۃ حدیث ۴۵۸۸۸ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱۶/۵۶۵

[3] کنزالعمال محظورۃ المباشرۃ حدیث نمبر ۴۵۸۸۹ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱۶/۵۶۶

الخمس من الاضطراب ثم **اقول**: الاصوب ان اوللتنویع کمابینته الروایات الثلاث الاخیرة لکن العجب انه جعلها للشك ثم ادخله فی الاضطراب وکیف یسری الاضطراب الی المتن بشك بعض الرواة فی بعض الالفاظ هذا لایقول به احد ثم قدبقی علیه من الروایات خمسا دینار فروی ابوداود مرسلا عن الحکم بترك المقسم وابن عباس وفیه فامره ان یتصدق بخمسی دینار [1] بصیغة التثنیة فی نسخه الثلاث فعلی طریقته تمت سبعا **اقول**: ولیس هذا اضطرابا قادحا فانه مالایمکن جمعه کماافاده المحققان العسقلانی وابن الهمام والجمع ههنا میسور فالخمس والخمسان لمن وقع فیه خطأ کماهی واقعة الفاروق رضی الله تعالٰی عنه والنصف والنصفان علی من تعمد کمایشیر الیه لفظ من اتی والتوزیع باعتبار	تعالٰی تمہاری مغفرت کرے نصف دینار صدقہ کرو۔ **اقول**: واقعہ کا متعدد ہونا (سمجھ سے) بعید ہے پس ترجیح کی طرف رجوع کیا جائے اگر اس (نصف دینار والی روایت) کی سند قوی ہو تو خُمس (پانچویں حصّے) والی روایت اضطراب سے نکل جائے گی ثم **اقول**: لفظ "او" تقسیمِ نوع کیلئے ہے جیسے آخری تین روایات سے واضح ہے لیکن تعجب کی بات ہے کہ انہوں نے اسے شک کے لئے قرار دے کر اضطراب میں داخل کیا (لیکن) بعض راویوں کے بعض الفاظ میں شک سے متن میں اضطراب کیسے ہوگا، اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اس کے بعد روایات میں سے دینار کے دو خُمس والی روایت باقی رہ گئی امام ابوداؤد نے حکم سے مرسلًا روایت کرتے ہوئے مقسم اور حضرت ابن عباس رضی الله عنہما کا ذکر چھوڑ دیا [2]۔ اس روایت میں ہے "پس آپ نے دو ۲ خُمس دینار صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ان (امام ابوداؤد) کے تین نسخوں [3] میں تثنیہ کے صیغے سے مروی ہے پس ان کے طریقے پر سات ۷ روایات پُوری ہو گئیں۔ **اقول**: یہ اضطراب نقصان دِہ نہیں کیونکہ نقصان اس صورت میں ہوتا ہے جب روایات کے درمیان موافقت ممکن نہ ہو جیسے دو محققین علامہ عسقلانی اور ابن ہمام رحمہما الله نے بتایا لیکن یہاں روایات کے درمیان مطابقت ممکن ہے لہذا

---

1 سُنن ابی داؤد باب فی اتیان الحائض مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/ ۳۵

2 سُنن ابی داؤد میں یہ روایت امام ابوداؤد، امام اوزاعی سے مرسلًا روایت کرتے ہیں حکم سے نہیں۔ والله تعالٰی اعلم ۱۲ ازہری

3 سنن ابی داؤد کے تین نسخے ہیں: (۱) نسخہ لؤلوی (۲) نسخہ ابن داسہ (۳) نسخہ ابن الاعرابی ۱۲ ازہری

اُخر الدم واوله کمافی الروایة الثالثة والرابعة وفی اوله ایضا باعتبار الواجد والفاقد کمافی الروایة الخامسة وھذا جمع جلی واضح ولله الحمد والتخفیف عن المخطئ ظاھر وعن اتی فی اخر الدم فزعم العلّامة فرشتة ان الصفرة مترددة بین الحمرة والبیاض فبالنظر الی الثانی لایجب شیئ وبالنظر الی الاول یجب الکل فینصف [1] اھ	خُمس (۱/۵) اور دو خمس (۲/۵) کا حکم اس شخص کیلئے ہوگا جس نے غلطی سے جماع کیا، جیسے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا واقعہ ہے، نصف اور پُورا دینار اس شخص پر ہوگا جس نے جان بُوجھ کر ایسا کیا جیسے لفظ "من اتی" (جو شخص عورت کے پاس جائے) سے اشارہ ہوتا ہے اور تقسیم خون کے آغاز واختتام کے اعتبار سے بھی ہے جیسا کہ تیسری اور چوتھی روایت میں ہے اور شروع میں دینار پانے والے اور نہ پانے والے کے اعتبار سے ہے جیسا کہ پانچویں روایت میں ہے یہ جمع نہایت روشن اور واضح ہے اور اللہ تعالٰی ہی کیلئے حمد وستائش ہے مخطی سے تخفیف کا ہونا توظاہر اور جو مرد حیض کے آخری ایام میں جماع کرے تو اس کے بارے میں علّامہ فرشتہ کا خیال ہے کہ زرد رنگ سُرخی اور سفیدی کے درمیان میں ہے لہٰذا دوسرے (سفید رنگ) کا اعتبار کرتے ہوئے کچھ بھی واجب نہیں ہوتا اور پہلے (سُرخ رنگ) کے اعتبار سے پُورا دینار واجب ہوتا ہے لہٰذا (زرد رنگ میں) نصف کردیا جائے گا اھ۔
اقول: وفیه مالایخفی فان الصفرة حیض قطعا لاتردد فیه ثم التعبیر بالوجوب خلاف المذھب واستظھر القاری انه تعبد محض لامدخل للعقل فیه قال والاقرب ماقیل فیه ان الحکمة فی اختلاف الکفارة بالاقبال والادبار انه فی اوله قریب عھد بالجماع فلم یعذر فیه بخلافه فی اُخرہ فخفف فیه [2] اھ۔	**اقول:** اس قول کی خرابی واضح ہے کیونکہ زرد رنگ قطعًا حیض ہے جس میں کوئی شک نہیں پھر وجوب سے تعبیر کرنا خلافِ مذہب ہے۔مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے واضح طور پر فرمایا کہ یہ محض ایک تعبدی حکم ہے عقل کا اس میں کوئی دخل نہیں انہوں نے فرمایا اس سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس میں اقرب بات یہ ہے کہ حیض کے آغاز واختتام میں کفارہ کے اختلاف میں یہ حکمت ہے کہ
اقول: اذاکان ھذا اقرب فکیف یکون کونه تعبدیا اظھر ولاشك انه نزع ظاھر ولایصار الی التعبد مالم ینسد باب العقل۔والله تعالٰی اعلم۔	

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۰۱/۲
[2] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۰۱/۲

شروع میں وہ زمانہ جماع سے قریب ہوتا ہے، لہٰذا اس ضمن میں معذور نہیں سمجھا جائے گا بخلاف اختتام حیض کے، لہٰذا اس وقت کفارہ میں تخفیف ہوگی اھ۔

اقول: جب یہ بات اقرب ہے تو اس (مقدار) کا تعبدی ہونا کیسے اظہر ہوگا اس میں شک نہیں کہ یہ محض ظاہری نزاع ہے اور وہ اس وقت تک عبادت نہیں بن سکتا جب تک عقل کا دروازہ بند نہ کیا جائے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

بالجملہ حاصل جمع احادیث یہ ٹھہرا کہ جس سے نادانستہ ایسا واقع ہُوا اگر آخر حیض میں تھا (اور اسی میں حکماً وہ صورت داخل کہ خون دس ۱۰ دن سے کم میں منقطع ہوا اور عورت نے ابھی غسل نہ کیا نہ کوئی نماز اس پر دَین ہُوئی) وہ ایک خُمس دینار کفارہ دے اور اگر شباب حیض میں تھا تو دو خمس اور جس نے دانستہ ایسا کیا اگر آخر حیض میں تھا نصف دینار دے اور اوّل میں تو ایک دینار، ہاں ایک کی طاقت نہ ہو تو نصف ہی دے۔ یہ سب حکم استحبابی ہے واجب نہیں مگر استغفار۔

اقول: دینار شرعی دس ۱۰ درم ہے تو خُمس دینار کی جگہ دو ۲ درم، دو ۲ خُمس پر چار، نصف پر پانچ، کُل پر دس ۱۰ ہوئے، اور درم شرعی اس انگریزی روپے سے ۲۵/۷ ہے تو ایک درم یہاں کے چار آنے ۵ ۱۹/۲۵ پائی ہوا اور دس ۱۰ درم دو ۲ روپے پونے تیرہ آنے ۳/۵ پائی، مگر عجب نہیں کہ یہاں سونا دینا ہی انسب ہو کہ ہر جگہ دینار ہی کے حصے فرمائے گئے۔ دینار ساڑے چار ماشے ہے اور اس کا خمس سات رتی اور رتی کا پانچواں حصہ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ سب در بارہ حیض تھا اور اس پر نفاس واضح القیاس مرقاۃ میں زیر روایت ثالث **اذاکان دما احمر** (جب حیض کا خون سرخ ہو۔ت) ہے **ای الحیض وقیس بہ النفاس**[1] اھ (یعنی حیض کا خون سُرخ ہو اور اسی پر نفاس کو قیاس کیا جائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: ازقصبہ میراں پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مرسلہ محمد صدیق بیگ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد کب تک عورت ناپاک رہتی ہے کتنے یوم کے بعد غسل کرکے نماز پڑھے؟

الجواب:

بچّہ پیدا ہونے کے بعد جب تک خون آئے ناپاک رہے گی جس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس روز کامل ہے اور کم کی کوئی حد نہیں، اگر پاؤ منٹ آکر بند ہوگیا اور چالیس ۴۰ روز تک پھر نہ آیا تو اُسی پاؤ منٹ

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الحیض مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۰۱

کے بعد پاک ہو گئی نہاکر نماز پڑھے اور اگر چالیس روز کامل تک آیا ے یا اُس سے کم، تو جس وقت بند ہوا اس وقت پاک ہوئی۔ بیس [۲۰] تیس [۳۰] چالیس [۴۰] جتنے دن ہوں اور اگر چالیس دن سے زیادہ آیا تو اس سے پہلے ولادت میں جتنے دن آیا تھا اُتنا نفاس ہے اُس کے بعد پاک ہو گئی باقی استحاضہ ہے اُس کی نمازیں کہ قضا ہوئی ہوں ادا کرے۔ اور اگر پہلی دلادت ہے تو چالیس [۴۰] دن کامل تک نفاس تھا باقی جو آگے بڑھا استحاضہ ہے اُس میں نہاکر نمازیں پڑھے روزے رکھے خون اگر پُورے چالیس دن پر بند ہو تو نہالے اور نماز پڑھے اور اس سے کم پر بند ہو تو اس سے پہلی ولالت پر جتنے دن آیا تھا اُتنے دن پُورے کرکے بند ہوا تو ابھی نہاکر نماز پڑھ سکتی ہے مگر بہتر یہ کہ نماز کے اخیر وقت مستحب تک انتظار کرے اور اگر عادت سابقہ سے کم پر بند ہوگیا تو واجب ہے اخیر وقت مستحب تک انتظار کرکے نہائے اور نماز پڑھے پھر اگر چالیس دن کے اندر آگیا تو پھر چھوڑ دے پھر بند ہو جائے تو اُسی طرح کرے یہاں تک کہ چالیس دن پُورے ہوں **وھو تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۵۲: از جنوبی افریقہ مقام بھوٹا بھوٹی برٹش باسوٹو لینڈ مسئولہ حاجی اسمٰعیل میاں بن حاجی امیر میاں کاٹھیاواڑی۔

زید اگر ایامِ حیض میں عورت کی ران یا شکم پر آلہ کو مس کرکے انزال کرے تو جائز ہے یا نہیں اور زید کو شہوت کا زور ہے اور ڈر یہ کہ کہیں زنا میں نہ پھنس جاؤں۔

الجواب:

پیٹ پر جائز ہے ران پر ناجائز کہ حالتِ حیض ونفاس میں ناف کے نیچے سے زانو تک اپنی عورت کے بدن سے تمتّع نہیں کرسکتا **کمافی المتون وغیرھا** (جیسا کہ (کتب) متون وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

سوال [۱۵۳] دوم: نکاح پڑھتے وقت عورت کو پانچ کلمے پڑھاتے ہیں اب وہ عورت حیض کی حالت میں ہے تو وہ پانچ کلمے اپنی زبان سے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حالتِ حیض میں صرف قرآن عظیم کی تلاوت ممنوع ہے کلمے پانچوں پڑھ سکتی ہے کہ اگرچہ اُن میں بعض کلماتِ قرآن ہیں مگر ذکر و ثنا ہیں اور کلمہ پڑھنے میں نیتِ ذکر ہی ہے نہ نیتِ تلاوت، تو جواز یقینی ہے۔ **کماصرحوا بہ قاطبۃ** (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

سوال [۱۵۴] سوم: عمرو پر غسل جنابت یا احتلام کا ہے اور زید سامنے ملا اور سلام کہا تو اُس کو جواب دے یا نہیں؟ اور اگر اپنے دل میں کوئی کلامِ الٰہی یا درود شریف پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

دل میں بایں معنی کہ نِرے تصوّر میں بے حرکت زبان تو یوں قرآن مجید بھی پڑھ سکتا ہے اور زبان سے قرآن مجید بحالتِ جنابت جائز نہیں اگرچہ آہستہ ہو، اور درود شریف پڑھ سکتا ہے مگر کلّی کے بعد چاہے اور جواب سلام دے سکتا ہے اور بہتر یہ کہ بعد تمیم ہو کما فعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم نے کیا۔ت) تنویر میں ہے:

لایکرہ النظر الیہ (ای القراٰن) لجنب وحائض ونفساء کادعیۃ [1]۔	جنبی، حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے دعاؤں کی طرح قرآن پاک کی طرف دیکھنا بھی مکروہ نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

نص فی الھدایۃ علی استحباب الوضوء لذکر اللہ تعالٰی [2]۔	ہدایہ میں اللہ تعالٰی کے ذکر کیلئے وضو کے مستحب ہونے پر تصریح کی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

ترك المستحب لایوجب الکراھۃ [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مستحب کو چھوڑنے سے کراہت ثابت نہیں ہوتی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۵: از پچم گاؤں ضلع پترہ ملک بنگال مرسلہ سید عبدالاغفر ۱۰۔ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی اردو کتاب یا اخبار میں چند آیاتِ قرآن بھی شامل ہوں تو اُس کو بلاوضو چھُونا یا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کتاب یا اخبار جس جگہ آیت لکھی ہے خاص اُس جگہ کو بلاوضو ہاتھ لگانا جائز نہیں اُسی طرف ہاتھ لگایا جائے جس طرف آیت لکھی ہے خواہ اس کی پشت پر دونوں ناجائز ہیں باقی ورق کے چھُونے میں حرج نہیں پڑھنا بے وضو جائز ہے۔نہانے کی حاجت ہو توحرام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] دُرمختار، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۳

[2] ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۸

فصل فی المعذور

مسئلہ ۱۵۶: از لکھنؤ محلّہ محمود نگر مطبع مصطفائی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب		۷ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

ما تقولون ایھا السادۃ العلماء فی من لایستطیع ان یصلی صلاۃ واحدۃ الابوضع القطن فی الاحلیل لمابہ من سلس البول وجریانہ فی کل وقت بحیث یبتل رأس احلیلہ وینجس ازارہ ھل ھو معذور عند الشرع ویجری علیہ احکام المعذورین من الوضوء فی کل وقت واداء الصلٰوۃ بذلك الثوب وعدم صلوحہ لامامۃ الناس وغیرھا من الاحکام ام لاوکیف یصلی فی الاسفار سیما اذاکان علی الوابور البری ای المرکب الدخانی الذی یجری فی کثیر من بلادنا فان فی وضع القطن ھناك فی الاحلیل تعذرا ای تعذر بینوا ھذا وفصلوا بمالامزید علیہ من الکتاب والسنۃ واقاویل السلف واستحقوا الثواب الجزیل من اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فی غدان شاء اللہ تعالٰی۔	اے رہبری کرنے والے علماء کرام! آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو آلہ تناسل کے سوراخ میں رُوئی رکھے بغیر ایک نماز بھی نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وہ سلسل البول کا مریض ہے اور اس کا پیشاب ہر وقت اس طرح جاری رہتا ہے کہ عضو مخصوص کے سوراخ کا سر تر رہتا ہے اور اس کی ازار ناپاک رہتی ہے کیا وہ شرعی طور پر معذور ہے اور اس پر معذور کے احکام جاری ہوں گے کہ وہ ہر وقت کیلئے وضو کرے اور وہ اس ناپاک کپڑے کے ساتھ نماز پڑھ سکے نیز وہ لوگوں کی امامت کرانے اور اس طرح کے دیگر کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، یا وہ معذور نہیں ہے۔ وہ سفر میں نماز کیسے پڑھے خصوصًا جب بھاپ سے چلنے والی گاڑی پر ہو جو ہمارے اکثر شہروں چلتی ہیں کیونکہ وہاں سوراخ ذکر میں رُوئی رکھنے میں کوئی نہ کوئی مشکل درپیش ہوتی ہے قرآن وسنّت اور اقوالِ سلف سے اس طرح تفصیل سے بیان فرمائیں کہ مزید گنجائش نہ رہے اور کل (بروز قیامت) اللہ سبحانہ، وتعالٰی کی طرف سے عظیم ثواب کے مستحق ہوں، اِن شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

الجواب:

الحمدلله وحده اذاکان احتشاؤه یردمابه کماوصف فی السؤال فقدخرج عن حد العذر والتحق بالاصحاء یتوضأ لکل حدث ویغسل کل نجس ویؤم کل نفس ولایعذر فی ترك الاحتشاء بل هو فریضة علیه کفریضة الصلاة قال فی الدر یجب ردعذره اوتقلیله بقدر قدرته ولو بصلاته مؤمنا وبرده لایبقی ذاعذر [1] اه ومثله فی البحر وغیره والمسأله ظاهرة وفی الزبر دائرة اما تعسره فی العجلة الدخانیة فضلا عن تعذره فلا یظهرله وجه فان من سافر فحمل معه زاده لایثقل علیه القطن ان زاده وان کان یزعم انه یخرج بصدمات الحرکة فلیطوله ولیسفله ولیربط العضو الی فوق۔ وذکر العلامة الشامی فی ردالمحتار ان من کان بطئ الاستبراء فلیفتل نحوورقة مثل الشعیرة ویحتشی بهافی الاحلیل فانها تتشرب مابقی من اثرالرطوبة التی یخاف خروجها وینبغی ان یغیب فی المحل لئلا تذهب الرطوبة الی طرفها الخارج و	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو یکتا ہے۔ اگر رُوئی رکھنے سے اس کے قطرے ٹپکنے بند ہوجاتے ہیں جیسا کہ سوال میں بیان کیا تو وہ عذر کی حد سے نکل گیا اور صحیح افراد کے ساتھ شامل ہوگا۔ ہر حدث (اصغر) کے بعد وضو کرے جہاں نجاست لگی ہو اسے دھوڈالے اور ہر ایک کی امامت کراسکتا ہے اس سے رُوئی نہ رکھنے کا عذر قبول نہ ہوگا بلکہ نماز کی طرح روئی رکھنا بھی اس پر فرض ہے۔ دُرمختار میں ہے: "حسبِ طاقت عذر کو دُور کرنا یا کم کرنا واجب ہے اگرچہ اشارے کے ساتھ نماز پڑھنے کے ذریعے وہ اور اس کو دُور کرنے کے بعد وہ معذور نہیں رہے گا اھ البحر الرائق وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے مسئلہ ظاہر ہے اور (تمام) کتب میں موجود ہے بھاپ سے چلنے والی گاڑی میں مشکل پیش آنے نہ کہ متعذر ہونے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں کیونکہ جو آدمی سفر کرتے ہوئے زادِ راہ لے جاتا ہے وہ اگر اس میں رُوئی کا اضافہ کرلے تو کوئی بوجھ نہیں پڑتا۔ اور اگر اس کا خیال یہ ہے کہ گاڑی کی بار بار حرکت سے رُوئی نکل جائیگی تو وہ اسے لمبا کرکے نیچے کی طرف کرے اور اوپر کی طرف سے عضو کو باندھ دے۔ علّامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا جس شخص کو تاخیر سے طہارت حاصل ہوتی ہو وہ جو کے دانے برابر (روئی وغیرہ کا) پتّا وغیرہ بٹ کراسی

[1] درمختار فروع من باب الحیض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۳

للخروج من خلاف الشافعی وقدجرب ذلك فوجد انفع من ربط المحل لکن الربط اولٰی اذا کان صائما لئلا یفسد صومه علی قول الامام الشافعی رحمه الله تعالٰی اعلم اھ[1]۔	عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالے وہ رطوبت کے باقیماندہ اثر کو جس کے نکلنے کا ڈر ہے جذب کرلے گا اور چاہے کہ اسے اندر غائب کردے تاکہ رطوبت اس کی باہر والی جانب نہ نکلے۔امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے خلاف عمل کرنے سے بھی بچ جائے گا۔ اس کا متعدد بار تجربہ کیا گیا اور اسے باندھنے سے زیادہ نافع پایا لیکن جب روزہ دار ہو تو باندھنا زیادہ بہتر ہے تاکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر (بھی) اس کا روزہ نہ ٹوٹے اھ
اقول: لکن مجرد الربط لایسد الخلة لصاحب السلس فهویجب علیه الاحتشاء کماذکرنا ولامراعاة للخلاف فی اتیان الواجبات وعندی احسن من وضع المفتول ان یأخذو رقة لهاصلابة مع نعومة کورقة التمر الهندی فیطویه طیا ویحتشی به بحیث یکون وسطه داخلا ویبقی طرفاه عندراس الاحلیل فانه اجدی واحری لسد المجری فان خشی الخروج ربط المحل الی فوق کماوصفنا والله تعالٰی اعلم۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) سلسل البول والے کیلئے محض باندھنا سوراخ کو بند نہیں کرتا اس میں (رُوئی وغیرہ) داخل کرنا واجب ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور واجب کی ادائیگی میں اختلاف (سے بچنے) کی رعایت نہیں کی جاتی اور میرے نزدیک بٹی ہوئی چیز رکھنا نہایت اچھا ہے وہ یوں کہ ایک پتّا جو سخت ہونے کے ساتھ کچھ نرم بھی ہو، جیسے ہندی کھجور کا پتّا ہوتا ہے، لیا جائے اور خوب لپیٹ کر سوراخ میں اس طرح داخل کرے کہ اس کا درمیانی حصّہ داخل ہوجائے اور کنارے آلہ تناسل کے کنارے کے پاس رہ جائیں۔جریان کو بند کرنے کیلئے یہ طریقہ نہایت نافع اور زیادہ مناسب ہے اگر نکلنے کا ڈر ہو تو اُوپر سے اس جگہ کو باندھ دے، جیسا کہ ہم نے طریقہ بیان کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۷: مسئولہ مولوی مودود الحسن سہسوانی ۲۲۔رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید کو اس قسم کا عارضہ ہے کہ دو۲ دو۲ تین۳ تین۳ منٹ کے بعد دُبر سے ایک قسم کے جانور جن کو چُنچنے کہتے

[1] ردالمحتار فصل الاستنجائ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۵۳

ہیں نکلتے ہیں اور ان کا خروج بعد زوال تقریبًا ایک بجے سے لے کر نصف شب تک عارض رہتا ہے اس درمیان میں ہر ہر نماز کے واسطے ایک ایک وضو کافی ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اخیر شب میں بالکل انقطاع ہوجاتا ہے کہ ایک کِرم بھی طلوعِ شمس تک نہیں نکلتا جب تو یہ شخص روزانہ صحیح ہوجاتا ہے ہر روز اسے وہی تدبیر چاہیے جو اس قسم کے امراض میں پہلے دن کی جاتی ہے یعنی جبکہ شروع مرض بعد زوال ہوتا ہے ظہر میں آخر وقت تک انتظار کرے کہ شاید منقطع ہوجائے اگر منقطع ہوجائے فبہا ورنہ اخیر وقت وضو کرکے نماز پڑھ لے پھر اگر عصر میں مرض منقطع ہوجائے نماز باوضوئے صحیح پڑھ لینے کی مہلت ملے تو ظہر کی نماز کا بھی اعادہ کرے اور اگر عصر میں فرصت نہ پائے تو ظہر وعصر کی بھی صحیح ہوگئیں اور مغرب وعشا میں صرف وضوئے تازہ کافی ہے بشرطیکہ ایک ایک بار بھی خروج ہوتا رہے پھر جب صبح کا سارا وقت خروج سے خالی گزرے گا وہ حکم معذوری زائل ہوگا اور وقت ظہر یا جس وقت عارضہ عود کرے پھر وہی روزِ اول کا حساب کرنا پڑے گا اور اگر وقت صبح میں بھی انقطاع کُلی نہیں ہوتا خروج ہوتا رہتا ہے اگرچہ ایک ہی بار تو وہی پہلے دن کا امتحان اسے کافی ہے اگر ایک وقت کامل کبھی ایسا گزر چکا ہے کہ شروع وقت سے آخر تک وضو کرکے فرض پڑھ لینے کی مُہلت نہ ملی تو وہ معذور ہے جب تک ہر وقت میں کم سے کم ایک بار بھی عارضہ ہوتا رہے گا صرف پانچ وقت وضوئے تازہ کافی ہوگا۔

فی ردالمحتار لوعرض بعد دخول وقت فرض انتظر الٰی اٰخرہ فان لم ینقطع یتوضأ ویصلی ثم ان انقطع فی اثناء الوقت الثانی یعید تلک الصلوۃ وان استوعب الوقت الثانی لایعید لثبوت العذر حینئذ من وقت العروض اھ برکویۃ ونحوہ فی الزیلعی والظہیریۃ[1] الخ وباقی المسائل معروفۃ متونا وشروحا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے اگر فرض نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد عذر پیش آیا تو آخر وقت تک انتظار کرے اگر منقطع نہ ہو تو وضو کرکے نماز پڑھ لے پھر اگر دوسرے وقت میں ختم ہوجائے تو اس (پہلی) نماز کو لوٹائے اور اگر دوسرے وقت کو گھیرے تو نہ لوٹائے کیونکہ اس وقت عذر ثابت ہوگیا جس کی ابتداء پیش آنے کے وقت سے ہوگی اھ برکویہ، زیلعی اور ظہیریہ میں بھی اسی طرح ہے الخ اور باقی مسائل متون اور شروح کے اعتبار سے معروف ہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الحیض مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۲۳

مسئلہ ۱۵۸و۱۵۹: از نجیب آباد مرسلہ حافظ محمد ایاز صاحب ۲۶جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرح متین مسائل ذیل میں موجب حکم قرآن مجید وحدیث شریف ارشاد فرمائیے اللہ تعالٰی اجرِ عظیم عطافرمائے ایک شخص کو عرصہ سے مرض بواسیر تھا اب صرف اس قدر باقی ہے کہ مسّوں میں ہر وقت چپک سارہتا ہے اور طراوت رہتی ہے جس کے باعث سے طہارت کُلّی حاصل نہیں ہے لہٰذا بوجہ اس کے وہ شخص ہو وقت پاجامے کے اندر لنگوٹ رکھتا ہے اور عملدرآمد اس کا اس صورت سے رہتا ہے کہ اول وقت صبح طہارت پانی سے کرکے لنگوٹ پاک باندھا اس کے بعد وضو کیا اور نماز پڑھی یعنی اتنی دیر بھی اگر لنگوٹ نہ باندھا جائے تو پاجامہ ناپاک ہوجائے بعدازاں ظہر کے وقت پاخانہ گیا اور لنگوٹ کھول دیا بعد انفراغ طہارت وغیرہ کے لنگوٹ دوسرا پاک باندھ لیا اور وضو کرکے نماز پڑھ لی ازاں بعد عصر کے وقت بھی اسی طرح لنگوٹ بدلا گیا۔اب مغرب وعشاکے وقت پاخانہ وغیرہ کی ضرورت ہوئی نہ لنگوٹ کھولنے کی ضرورت پڑی اُسی لنگوٹ سے جو عصر کے وقت باندھا تھا نمازِ مغرب وعشا خواہ وضو خواہ تیمّم سے ادا کرے۔

تواب ان صور تہائے مذکورہ بالا میں پانچوں نمازیں اس شخص کی پورے طور پرادا ہوگئیں یا نہیں اور حالاتِ مذکورہ پر نماز پڑھنا اور نماز کافی ہونا درست ہے یا نہیں؟

۲ایسا شخص جس کا بیان اُوپر گزرا جبکہ اُس کی نماز کامل متصور ہو تو ایسی حالت میں جب کوئی شخص امامت کے لائق نہ ہو یعنی مسجد میں سب لوگ جاہل ہوں تو یہ شخص مذکور امامت کرسکتا ہے یا نہیں؟-اور رمضان المبارک میں نمازِ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں اس وجہ سے کہ حافظ ہے۔عنداللہ ارشاد کافی کہ جس سے اس عاجز معذور ومجبور کی تسلّی ہوجائے ارقام فرمادیجئے۔

الجواب:

اگر ۱وہ چپک صرف نم ہوتی ہے جس میں قوّتِ سیلان نہیں کپڑا الگ کر اُسے چھڑالاتا ہے اگرچہ بار بار مختلف جگہ مس ہونے سے قدر درہم سے زائد آلودہ ہوجاتا ہو تو اُس سے نہ وضو جائے گا نہ کپڑا ناپاک ہوگا۔

اور ۲اگر وہ رطوبت سیلان کرتی ہے اور لنگوٹ کے سبب غایت یہ کہ پاجامہ اُس کے تلوّث سے محفوظ اور اُس کا سیلان لنگوٹ تک محدود رہے تو اس صورت میں ضرور جتنی بار بہہ کر خروج کرے گی فی نفسہٖ حدث وناقض وضو ہے اور لنگوٹ اگر قدر درم سے زائد بھر جائے تو بذاتہٖ ناپاک ہے اور پاجامہ کا پاک ہونا اس کی پاکی کو کافی نہیں۔

ہاں ۳اگر لنگوٹ باندھنا اس کے سیلان ہی کو منع کردیتا ہے تو ضرور اُس پر فرض ہے کہ لنگوٹ باندھے اور جب تک سیلان سے مانع ہوگا نہ وضو جائے گا نہ کپڑا ناپاک ہوگا۔

پہلی اور تیسری صورت میں اسے امامت کی بھی اجازت ہے اور دُوسری صورت میں اگر معذوری کی حد کو نہ پہنچا تو بے طہارت کاملہ خود اس کی اپنی نماز بھی نہ ہوگی اُس پر فرض ہوگا کہ جب سیلان ہو وضو کرے اور جب کپڑا ناپاک ہو بدلے یا دھوئے۔

ہاں اگر کبھی اسے یہ تجربہ ہولیا کہ ایک وقت کامل شروع سے آخر تک گزر گیا کہ اُسے وضو کرکے فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملی تو اب دو صورتیں ہیں اگر اس حالت کے بعد نماز کے پانچوں وقتوں میں یہ عارضہ برابر ہوتا رہا اگرچہ ہر وقت میں ایک ایک بار، تو معذور ہے، اس کی اپنی نماز ہوجائے گی مگر امامت نہیں کرسکتا مگر ایسے شخص کی جو اسی عذر میں مبتلا ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ اس کے بعد کوئی وقت کامل ایسا گزرا کہ وہ عارضہ بالکل نہ ہوا تو حکم معذور جاتا رہا پھر اگر شروع ہو تو دوبارہ معذور ہونے کے لئے وہی درکار ہوگا کہ ایک وقت کامل شروع سے آخر تک گزر جائے جس میں اُسے طہارت کرکے فرض کی مہلت نہ ملے ولہذا وہ اوقات جن میں وہ لنگوٹ نہیں بدلتا اگر پُوری طہارت کے ساتھ گزر جاتے ہیں تو اُن میں تو اُس کی اپنی نماز بھی صحیح ہے اور امامت بھی صحیح فرائض ہوں خواہ تراویح مگر صبح کو جو پھر عارضہ کا آغاز ہوگا ابھی معذور نہ ٹھہرے گا ہر بار عارضہ آنے پر وضو کرنا اور کپڑا ناپاک ہونے پر دھونا یا بدلنا پڑے گا جب تک وہی تجربہ ایک وقت کامل میں نہ ہوجائے کل کا تجربہ آج کیلئے کافی نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح معناہ اذاکان بحیث لولاالربط سال لان القمیص لوتردد علی الجرح فابتل لاینجس مالم یکن کذلك لانہ لیس بحدث اھ ای وان فحش کمافی المنیۃ[1]۔	فتح القدیر میں فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اس صورت میں ہو کہ باندھنے کے بغیر جاری ہوجاتا ہو کیونکہ اگر قمیص زخم سے ٹکرا کر تر ہوجائے تو اس وقت ناپاک نہ ہوگی جب تک وہ (زخم) اس صورت میں نہ ہو (یعنی جاری ہونے کی صورت میں ناپاک ہوگی) کیونکہ وہ (نہ جاری ہونے والا) حدث نہیں اگرچہ زیادہ ہو جیسا کہ منیہ میں ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

فی البزازیۃ اذاقدر ذوجرح علی منع دم بربط لزم وکان کالاصحاء[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ میں ہے اگر زخمی (زخم کو) باندھنے کے ذریعے خُون روکنے پر قادر ہو تو اس پر (باندھنا) لازم ہے اور وہ شخص غیر معذور لوگوں کی طرح ہوجائے گا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار، مطلب نواقض الوضوء، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۱۰۳

[2] تقریرات الرافعی علی حاشیۃ ابن عابدین، قبیل باب الانجاس، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۲۲۵

مسئلہ ۱۶۰: از قصبہ نجیب آباد و ضلع بجنور مرسلہ حافظ محمد ایاز صاحب ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ جو شخص معذور ہے کہ پاخانہ کی جگہ سے اس کے کچھ چیپک سا ہر وقت آتا ہے تو اس کے واسطے حضور نے معذور کا حکم فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ شخص ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کرے اور جو پانی غلیظ درہم سے کم ہو اور وہ بہتا بھی نہ ہو تو اُس سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا، صورتِ اول میں جو ہر نماز کے واسطے تازہ وضو کی ضرورت ہے اُس وضو کو اگر قبل از وقت کرلیا۔ مثلاً جمعہ کی نماز کے واسطے بارہ بجے وضو کرکے مسجد کو چلا گیا تو اس وضو سے نمازِ جمعہ ادا ہو گی یا نہیں اور یا نمازِ مغرب کے واسطے ایک گھنٹہ دن سے وضو کرلیا تو اس سے نمازِ مغرب ادا ہو گی یا نہیں یا مثلاً نمازِ تہجّد کے وقت جسم وغیرہ دھو کر صاف تہبند یعنی لنگوٹ پاجامہ کے اندر باندھ لیا اور وضو کرکے نماز تہجّد وقرآن شریف وغیرہ وغیرہ صبح کی نماز تک پڑھتا رہا جب نماز کا وقت ہوا دو ۲ رکعت سنّت صبح کی پڑھ کر مسجد میں جاکر فرض باجماعت ادا کیا اور ازاں بعد طلوعِ آفتاب تک وہاں بیٹھا رہا بعد طلوع نمازِ اشراق سے فارغ ہو کر مکان کو آیا۔ تو اب اُس تہجد کے وضو سے یہ سب نمازیں اس کی ہوگئیں یا بعد نماز تہجد کے صبح کی نماز کے واسطے مکرر وضو کرنا چاہے اور اُس کے بعد اشراق کے واسطے صبح کی نماز کا وضو کافی ہو گا یا اشراق کے واسطے پھر جدید وضو کرے۔ اور دوسری صورت کو جو غلاظت درہم سے کم ہو اور بہتی نہ ہو بلکہ لنگوٹ سے بار بار پُونچھ جائے اس کے واسطے وضو و نماز کا کیا حکم ہے عنداللہ وعندالرسول مع دلائل ارشاد فرمایئے ورنہ اسی فکر میں یہ عاجز ہمیشہ رہے گا واللہ تعالیٰ اعلم آپ کو اجرِ عظیم وثوابِ جمیل عطا فرمائے۔

الجواب:

مسئلہ کو پھر دیکھیے نہ بہنے کی صورت میں درم سے کم زائد کی کوئی تخصیص نہ تھی اگر بہنے کے قابل نہیں بلکہ کپڑا الگ کر چھڑالاتا ہے تو نہ وہ معذور ہوا نہ وضو گیا نہ کپڑا ناپاک ہوا اگرچہ درم سے زائد بھر جائے اور اگر بہنے کے قابل ہے تو اس صورت میں معذور بتایا تھا اور اس میں بھی درم سے کم وزائد کی کوئی قید نہیں ہاں اس صورت میں کپڑا ناپاک ہونے کیلئے درم سے زائد بھرنے کی شرط ہے معذور کا وضو ہمارے نزدیک خروج وقت سے جاتا ہے دخول سے نہیں تو تہجّد کے وضو سے صبح نہیں پڑھ سکتا کہ وقتِ عشا خارج ہوگیا صبح کے وضو سے اشراق نہیں پڑھ سکتا کہ وقت صبح خارج ہوگیا اشراق کے وضو سے ظہر وجمعہ پڑھ سکتا ہے اس بیچ میں کسی فرض نماز کا وقت خارج نہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۱و۱۶۳: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۲۸۔ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ

(۱) معذور صبح کے وضو سے اشراق کی نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔

(۲) معذور نے ایسے آخر وقت میں نماز شروع کی کہ دوسرے وقت میں تمام ہُوئی مثلاً ظہر کی عصر میں یا عصر کی مغرب میں تو نماز ہوگئی یا اس کو پھر قضا پڑھے در صورت ثانیہ جب ایسا وقت آخر ہوگیا کہ نماز دوسرے وقت میں جاکر ختم ہوگی تو نماز پڑھ کر پھر اس کی قضا پڑھے یا نہ پڑھے جب تک وقت دوسرا نہ ہوجائے کہ پہلے نماز اول پڑھے پھر دوسری۔

الجواب:

(۱) نہیں کہ خروجِ وقت ناقضِ وضوءِ معذور ہے ہاں اشراق کے وضو سے آخر تک نمازیں فرض و نفل پڑھ سکتا ہے کہ دخولِ وقت ناقضِ وضو نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نماز بالاجماع باطل ہوگئی کہ خروجِ وقت و دخولِ وقت دونوں پائے گئے تو خلال نماز میں وضو جاتا رہا۔ ہاں اگر بعد قعدہ اخیرہ کے قبل سلام وقت جاتا رہے تو صاحبین کے نزدیک نماز ہوجائے گی اور امام کے نزدیک نہیں کما فی المسائل الاثنا عشریة (جیسا کہ بارہ مسائل والی صورت میں ہے۔ت) اگر وقت قلیل رہ گیا اور خلال نماز میں خروجِ وقت کا اندیشہ ہے واجبات پر اقتصار کرے مثلاً ثنا و تعوذ و درود دعا ترک کرے رکوع و سجود میں صرف ایک بار سبحٰنك کہے اور اگر واجبات کی بھی گنجائش نہیں تو بجائے فاتحہ صرف ایک آیت پڑھے غرض فرائض پر قناعت کرے اور خروجِ وقت مشکوک ہوجائے تو شک سے نہ وقت خارج مانا جائے گا نہ وضو ساقط لان الیقین لایزول بالشك (اس لئے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔ت) ہاں اگر اقتصار علی الفرائض پر بھی خروجِ وقت بالیقین ہوجائیگا تو اگر کسی امام کے نزدیک نماز ہوسکے گی اُس کے اتباع سے پڑھ لے فان الاداء الجائز عند البعض اولی من الترك کما فی الدر[1] (بلاشبہ ایسی ادائیگی جو بعض کے نزدیک جائز ہو، چھوڑنے کی نسبت اولیٰ ہے جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔ت) پھر قضا پڑھے اس وقت مذاہب دیگر کی طرف مراجعت کی مہلت نہ ملی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مسئولہ منشی حفیظ الدین صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ خیر المعاد ضلع رہتک ۲۶ محرم ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بعارضہ بواسیر سخت مبتلا ہے

---

[1] در مختار کتاب الصلاۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

اور اس کی یہ حالت ہے کہ شب و روز تمام مسّے مقعد سے باہر نکلے ہوئے رہتے ہیں اور اُن میں سے ہر وقت رطوبت جاری رہتی ہے اور پاجامہ یا تہبند کو لگتی رہتی ہے اس سے بچاؤ اُس شخص کو غیر ممکن ہے کسی صورت سے وہ اپنا کپڑا نہیں بچاسکتا۔ اگر نیچے لنگوٹ رکھتا ہے تو وہ بھی زیادہ دیر میں تر ہو کر پارچہ تہبند یا پاجامہ کو ناپاک کردیتا ہے ہاں بعد فراغ اجابت طہارت تو وہ بخوبی باقاعدہ کرلیتا ہے رطوبت مسّوں سے کپڑا اس کا کسی صورت سے پاک نہیں رہ سکتا پس ایسا شخص بغیر پاک کیے کپڑے کے ویسی حالت میں نماز ادا کرے تو یہ نماز اس کی جائز ہے یا نہیں بموجب شرع شریف کے ہدایت فرماؤ کہ اللہ تعالٰی اس کی جزا دینے والا ہے۔

الجواب:

مسّوں سے اگر رطوبت بہہ کر نہ نکلے بلکہ ان کی سطح بالا تر پر تری ہو کہ کپڑا الگ کر چھڑالائے جب تو اُس سے کپڑا ناپاک نہ ہوگا بے تکلّف نماز پڑھے اور اس تقدیر پر اُس کے نکلنے سے وضو بھی نہ جائے گا لان مالیس بحدث لیس بنجس (کیونکہ جو چیز حدث نہیں وہ ناپاک بھی نہیں۔ت) ہاں جبکہ بہہ کر نکلتی ہے تو وضو کی بھی ناقض ہے اور درم بھر سے زائد جگہ میں ہو تو کپڑا بھی نجس کرے گی جبکہ وہ ہر وقت نکلتی ہے تو اُسے حکم معذور ہے پانچ وقت تازہ وضو کرے۔ رہا کپڑا اگر سمجھتا ہے کہ پاک کپڑا بدل کر فرض پڑھے گا تو اُس کے ایک درم سے زائد بھرنے سے پیشتر فرض ادا کرلے گا جب تو اُس پر لازم ہے کہ ہر وقت پاک کپڑا بدلے اور اگر جانتا ہے کہ فرض پڑھنے کی مہلت نہ ملے گی اور کپڑا پھر اُتنا ہی ناپاک ہوجائیگا تو اُسے معافی ہے اُسی کپڑے سے پڑھے لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ[1] (اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

باب الانجاس

(نجاستوں کا بیان)

مسئلہ ۱۶۴: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب ۱۳رجب ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہاتھی دانت کا استعمال کرنا کیسا ہے اگر سُرمہ دانی دندان فیل کی ہو یا چوب دستی پر نصب کیا جائے تو رکھنا ان کا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے۔

اخرج البیہقی عن بقیۃ عن عمرو بن خالد	بیہقی نے بقیہ سے عمرو بن خالد سے قتادہ سے انس

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

عن قتادہ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یمتشط بمشط من عاج [1]	بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم عاج کا کنگھا کرتے تھے۔(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

انه (یعنی الفیل) کسائر السباع فی الاصح [2] الخ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اصح قول کے مطابق ہاتھی باقی درندوں کی طرح ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۵:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چُوہا راب کے گھڑے میں گر کر مر گیا پھُولا پھٹا نہ تھا نکال دیا۔ یہ راب پاک یا ناپاک، اور طریقہ تطہیر کیا ہے۔ بینوّا توجّروا۔

الجواب:

اگر وہ راب جمی ہوئی ہے جب تو چوہے کی گرد کی تھوڑی راب نکال دیں باقی سب پاک ہے۔

فقد عُدَّ فی الدرالمختار وغیرہ التقویر من المطھرات [3]۔ قال العلامة الشامی ای تقویر نحو سمن جامد من جوانب النجاسة وخرج بالجامد المائع وھو ماینضم بعضه الی بعض فانه ینجس کله مالم یبلغ القدر الکثیر اھ فتح [4] اھ ملخصا۔	دُرمختار وغیرہ میں کھرچ کر نکالنے کو پاک کرنے والی چیزوں میں شمار کیا گیا ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کے اطراف میں جما ہوا (مثلًا) گھی کھُرچنا، لفظ "جامد" سے مائع نکل گیا یعنی جو ایک دوسرے سے ملا ہوا ہو وہ تمام کا تمام ناپاک ہے جب تک کثیر کی حد کو نہ پہنچے اھ فتح القدیر، انتہی (خلاصہ)۔(ت)

اور اگر پتلی تھی تو سب ناپاک ہو گئی اور اس کے پاک کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ جس قدر راب ہو

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی، باب المنع من الادھان فی عظام الفیلۃ، مطبوعہ دار صادر بیروت، ۱/۲۶
[2] مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی فصل یطھر جلد المیتۃ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص۸۹
[3] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۴
[4] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۳۱

اُتنا ہی پانی اُس میں ملا کر جوش دیں یہاں تک کہ پانی جل جائے، تین بار ایسا ہی کریں مگر اس میں وقت ہے اور عجب نہیں کہ راب خراب ہو جائے۔

قال العلامۃ خسروفی الدرر لوتنجس العسل فتطہیرہ ان یصب فیہ ماء بقدرہ فیغلی حتی یعود الی مکانہ ھکذا ثلث مرات [1] اھ ملخصاً۔ وفی ردالمحتار عن شرح الشیخ اسمٰعیل عن جامع الفتاوٰی ھذا عند ابی یوسف خلافاً لمحمد وھو اوسع وعلیہ الفتوی [2] اھ۔	علامہ خسرو نے الدرر میں فرمایا: اگر شہد ناپاک ہو جائے تو اسے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس میں اتنا ہی پانی ڈال کر جوش دیا جائے یہاں تک کہ صرف شہد رہ جائے تین بار اسی طرح کیا جائے (انتہی) تلخیص۔اور ردالمحتار میں شرح شیخ اسمٰعیل سے ہے انہوں نے جامع الفتاوٰی سے نقل کیا کہ یہ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہے امام محمد رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے، لیکن اس میں زیادہ وسعت ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔اھ (ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ پانی ملا کر جوش دینا کچھ شرط نہیں اصل مقصود یہ ہے کہ پانی کے اجزاء اس شَے کے اجزا سے خوب خلط ہو کر پانی تین بار جُدا ہو جائے یہ بات اگر صرف پانی ملا کر حرکت دینے سے حاصل ہو جائے کافی ہے۔

کماصرح بہ فی مجمع الروایۃ وشرح القدوری وحققہ العلامۃ الخیر الرملی فی فتاواہ وایدہ العلامۃ الشامی فی ردالمحتار فراجعہ۔	جیسا کہ مجمع الروایہ اور شرح قدوری میں اس کی تصریح کی گئی ہے،علّامہ رملی نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق فرمائی اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کی تائید کی ہے پس اس کی طرف رجوع کرو۔(ت)

دُوسرا طریقہ سہل وعمدہ یہ ہے کہ اُس میں ویسی ہی پتلی راب ڈالتے رہیں یہاں تک کہ بھر کر ابلنا شروع ہو اور اُبل کر ہاتھ دو ہاتھ بہہ جائے سارا گھڑا پاک ہو جائے گا یا دُوسرے گھڑے میں پاک راب لیں اور دونوں کو بلندی پر رکھیں نیچے خالی دیگچہ رکھ لیں اُوپر سے دونوں گھڑوں کی دھاریں ملا کر چھوڑیں کہ ہوا میں دونوں مل کر ایک دھار ہو کر دیگچہ میں پہنچیں ساری راب پاک ہو جائے گی، یوں راب ضائع بھی نہ ہو جائے گی مگر اس میں احتیاط یہ ہے کہ ناپاک راب کی کوئی بُوند دیگچہ میں پاک راب سے نہ پہلے پہنچے نہ بعد، ورنہ وہ پاک بھی

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام باب تطہیر الانجاس مطبوعہ دار السعادۃ بیروت ۱/۴۵

[2] ردالمحتار، مطلب فی تطہیر الدھن والعسل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۵

ناپاک ہوجائیگی لہٰذا بہتریوں ہے کہ پاک کی دھار پہلے چھوڑیں بعدہ، اس میں ناپاک کی دھار ملائیں اور ناپاک کا ہاتھ پہلے روک لیں بعدہ، پاک کا ہاتھ روکیں اس میں اگر ناپاک راب گھڑے میں باقی رہ جائے اور پاک ختم ہوجائے دوبارہ پاک گھڑے میں دیگچہ سے بھرلیں اور باقیماندہ کے ساتھ جاری کردیں کہ دیگچہ میں جتنی پہنچ چکی ہے پاک ہوئی ہے اور یہ طریقے کچھ راب ہی سے خاص نہیں ہر بہتی چیز اپنی جنس سے ملا کر یونہی پاک کرسکتے ہیں دودھ سے دودھ، تیل سے تیل، سرکہ سے سرکہ، رس سے رس وعلیٰ ہذاالقیاس۔

فی القھستانی المائع کالماء والدبس وغیرھما طھارته باجرائه مع جنسه مختلطا به کماروی عن محمد کمافی التمرتاشی واما بالخلط مع الماء[1] الخ۔	قہستانی میں ہے مائع، جیسے پانی اور شیرہ وغیرہ کو اس کی جنس سے ملا کر دھار چھوڑنے سے پاک ہوجاتا ہے جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے، تمرتاشی میں ایسے ہی ہے، اور یا پانی کے ساتھ ملا کر پاک کیا جائے الخ۔(ت)

اس مسئلہ کی تحقیق تام ردالمحتار میں ہے۔ من شاء فلیرجع الیه[2] (جو تحقیق حاصل کرنا چاہے وہ ردالمحتار کی طرف رجوع کرے الخ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۶:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالتِ جنابت میں اگر پسینہ آئے اور کپڑے تر ہوجائیں تو نجس ہوجائیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نہیں جنب کا پسینہ مثل اس کے لعابِ دہن کے پاک ہے۔

فی الدر المختار سؤر الآدمی مطلقا ولو جنبا اوکافرا طاھر وحکم العرق کسؤر اھ ملخصا[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: "آدمی کا جھوٹا مطلقاً پاک ہے چاہے جنبی ہو یا کافر ہو، اور پسینے کا حکم جھوٹے جیسا ہے (انتہی) ملخصاً واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] جامع الرموز فصل یطہر الشیئ الخ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۹۵

[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۱۲۴

[3] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۰

مسئلہ ۱۶۷: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مصری ایک سُرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو بندھی تھی اُس کی سُرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں اور نہ کھائیں تو پھینک دیں یا کیا کریں بینوا توجروا۔

الجواب:

پڑیا کی نجاست پر فتوٰی دئے جانے میں فقیر کو کلام کثیر ہے ملخص اُس کا یہ کہ پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر (۱) بطریقہ شرعی ثابت بھی ہو تو اس (۲) میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلوے نجاست متفق علیہا میں باعث تخفیف۔

حتی فی موضع النص القطعی کمافی ترشش البول قدرؤس الابر کما حققه المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر [1]۔	حتی کہ نص قطعی کی جگہ میں جیسا کہ سوئی کے سرے برابر پیشاب کے چھینٹے (باعثِ تخفیف ہیں) جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

نہ کہ محلِ (۳) اختلاف میں جو زمانہ صحابہ سے عہدِ مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا نہ کہ (۴) جہاں صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم وامام ابویوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اُسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمہ ترجیح وتصحیح نے مختار ومرجح رکھا ہو نہ کہ (۵) ایسی حالت میں جہاں اُس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہلِ فتوٰی کو اصل مذہب سے عدول اور روایت اخری امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی نہ کہ (۶) جب مصلحت اُلٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتا کی موجب ہو تو ایسی جگہ بلاوجہ بلکہ برخلاف وجہ مذہب مہذب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ترک کرکے مسلمانوں کو ضیق وحرج میں ڈالنا اور عامہ مومنین ومومنات جمیع دیار واقطار ہندیہ کی نمازیں معاذاللہ باطل اور انہیں آثم ومصر علی الکبیرہ (گناہ گار اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کرنے والا۔ت) قرار دینا روشِ فقہی سے یکسر دُور پڑنا ہے وباللہ التوفیق۔

پھر اس کاغذ میں تو یقین بھی نہیں کہ پُڑیا ہی سے رنگا گیا ہو اور صرف گمان اگرچہ قوی ہو جب تک اس درجہ قوّت وشوکت کو نہ پہنچے کہ دوسرا احتمال اُس کے حضور محض مضمحل ومہجور ہوجائے ہرگز اصل طہارت کا معارض نہیں ہوسکتا کما حققت ذلك بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالتی الاحلی من السکر لطلبة سکر روسر

[1] فتح القدیر باب الانجاس مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۳

(جیسا کہ میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے رسالہ الاحلی من السکر لطلبۃ سکرر وسر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

اور جہاں مصری ناپاک ہو جائے تو اس کا پھینک دینا روا نہیں کہ اضاعتِ مال ہے اور اضاعتِ مال حرام بلکہ اگر اُس کے بڑے بڑے ٹکڑے دَلدار ہیں جن پر سے کُھرچ کر نجاست کو دُور کر سکتے ہیں جب تو یوں ہی کریں کہ یہ طریقہ بھی تطہیر کیلئے کافی ہے۔کمانصوا علیہ فی مسئلۃ تقویر السمن کمافی الدر المختار وغیرہ من اسفار الکبار (جیسا کہ فقہاءِ کرام نے گھی کھُرچنے کے مسئلہ میں بیان فرمایا جس طرح درمختار وغیرہ میں اکابر کی کتب سے منقول ہے۔ت)

اور اگر ریزے ہیں جن پر سے کھُرچنا میسر نہیں یا نجاست جگر میں پیر گئی کہ کھُرچے سے نہ جائے گی تو مصری کو قوام کریں کہ خوب رقیق وسیال ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی دوسری مصری پاک بھی قوام کریں کہ وہ بھی اسی حالت پر آئے اب فوراً بحالت رقّت وسیلان ہی یہ پاک مصری اُس ناپاک کے برتن میں ڈالتے جائیں یہاں تک کہ بھر کر اُبلنے لگے اور قدرے بَہہ جائے سب پاک ہو گئی یا دونوں مصریوں پاک وناپاک کی دھار ملا کر تیسرے خالی برتن میں چھوڑیں کہ ناپاک مصری کی بوند نہ اس پاک سے پہلے اُس برتن میں پہنچے نہ بعد بلکہ ہوا میں دونوں کی دھار ایک ہو کر برتن میں گرے سب پاک ہو جائے گی کمابیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: ایضاً۔

روسر کی شکر جیسی شاہجہان پور میں بنتی ہے اور اُس کی نسبت مشہور ہے کہ ہڈی کی راکھ سے صاف کی جاتی ہے کھانا جائز یا ناجائز۔بینوا توجروا۔

الجواب:

حلال ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس خاص شکر میں جو ہمارے سامنے رکھی ہے کوئی نجس یا حرام چیز ملی ہے محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئاحرما بعینہ[1]۔	ہم اسے اختیار کریں گے جب تک ہمیں کسی چیز کا بالذات حرام ہونا معلوم نہ ہو۔(ت)

فقیر نے اس شکر کی تحقیق یں بحمد اللہ تعالٰی ایک کافی ووافی رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی الاحلی من السکر لطلبۃ سکرر وسر ۱۳۰۳ھ لکھا جس میں نہ صرف اس شکر بلکہ اس قسم کی تمام چیزوں اور انگریزی دواؤں شربتوں

[1] فتاوٰی عالمگیری الباب الثانی فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۲

وغیرہا کا حکم منقح کردیا اس باب میں بفضلہ تعالیٰ وہ نفیس ضوابط لکھے جس سے ہر جزئیہ کا حکم بہ نہایت انجلا منکشف ہوسکے من شاء فلیرجع الیھا (جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۹: از رائے پور ڈاک خانہ ہنڈوان راج سوائی جے پور مرسلہ سید محمد نوازش علی صاحب ۱۸ شعبان ۱۳۰۵ھ

بعد سلام سنّۃ الاسلام کے عرض یہ ہے کہ ایک سبوچہ سرکہ میں چھپکلی گرپڑی اور قریب چار پانچ منٹ کے سرکہ میں پڑی رہی بعد ازاں اسے زندہ نکال لیا کہ بھاگ گئی ایسی صورت میں اُس سرکہ کو کھانا چاہیے یا نہیں، اور حرام ہے یا مکروہ اور اگر سرکے میں مرجائے تو کیا حکم ہے، اور وہ سرکہ کس طرح پاک ہوسکتا ہے۔ جواب سے سرفرازی بخشیے فقط۔

الجواب:

جبکہ وہ زندہ نکل آئی سرکہ پاک ہے۔

فی الدرالمختار لواخرج حیاو لیس بنجس العین ولا بہ حدث اوخبث لم ینزح شیئ الاان یدخل فمہ الماء فیعتبر بسؤرہ[1]۔	درمختار میں ہے اگر اسے زندہ نکالا گیا تو وہ نہ تو نجسِ عین ہے اور نہ ہی اس پر پاخانہ یا نجاست لگی ہوئی ہے تو کچھ بھی نہ نکالا جائے مگر یہ کہ اس کا منہ پانی تک پہنچ جائے پس (اس وقت) اس کے جھُوٹے کا اعتبار کیا جائیگا۔(ت)

پھر اگر اس کا مُنہ سرکہ میں نہ ڈوبا بلکہ تیرتی ہی رہی تو اس سرکہ کا کھانا مکروہ تک نہیں اور ڈوب گیا تو غنی کیلئے کراہت تنزیہی ہے فقیر کے لئے اس قدر بھی نہیں۔

فی الدرالمختار سؤرسواکن البیوت طاھر للضرورۃ مکروہ تنزیھا ان وجد غیرہ والالم یکرہ اصلا کاکلہ لفقیر اھ ملخصا[2]۔	درمختار میں ہے گھروں میں رہنے والے جانوروں کا جھُوٹا ضرورت کے تحت پاک ہے اس کے سوا موجود ہو تو مکروہ تنزیہی ہے ورنہ بالکل مکروہ نہیں جیسے فقیر کیلئے اس کا کھانا (مکروہ نہیں) اھ ملخصا(ت)

ہاں اگر مرجائے تو سرکہ ناپاک ہوگیا پس زندہ رہنے کی حالت میں اگر غنی ازالہ کراہت اور سرکہ کا اپنے حق میں ستھرا نظیف ہوجانا چاہے یا مرجانے کی صورت میں پاک کریں تو اس کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ دوسرا سرکہ صاف محفوظ کسی لوٹے میں لے کر اس گھڑے میں ڈالتے جائیں یہاں تک کہ یہ مُنہ تک بھر کر اُبل جائے اور باہر نکلنا شروع ہو

---

[1] درمختار فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۹

[2] درمختار فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۰

جب زمین پر کچھ دُور بہہ جائے موقوف کریں سارا گھڑا صاف ونظیف ہوجائے گا۔ اور انسب یہ کہ اس قدر ڈالیں جس میں سرکہ گھڑے سے اُبل کر بقدر دوڈیڑھ ہاتھ طول کے بہہ جائے۔

دوم: یہ کہ ایک گھڑا طیب محفوظ سرکہ کا لے کر دونوں سبو چے کسی بلندی مثلاً پلنگ پر رکھیں اور اُن کی محاذات میں کوئی بڑا دیگچہ کشادہ مُنہ کا نیچے رکھا ہو دونوں گھڑوں کو ایک ساتھ اس طرح جھکائیں کہ اُن کی دھاریں دیگچے تک پہنچنے سے پہلے ہوا میں باہم مل جائیں اور دیگچے میں ایک دھار ہو کر گریں یوں جس قدر سرکہ دیگچے میں پہنچے گا سب پاک ونظیف بلاکراہت ہوجائیگا مگر اس میں یہ خیال رکھیں کہ مکروہ یا نجس سرکہ کا کوئی جز بغیر دوسرے سرکہ سے ملے ہوئے دیگچے میں نہ پہنچے مثلاً جھکاتے وقت دوسرا سرکہ ابھی نہ گرا تھا کہ اس کی دھار اول گئی یا دُوسرا گھڑا ختم ہوگیا اس میں کا سرکہ باقی تھا وہ بعد کو ڈال دیا گیا یا کسی وقت ایسا ہوا کہ دونوں کی دھار الگ الگ ہو کر گری یہ صورتیں نہ ہونے پائیں بلکہ اس سرکہ کا ہر جز دیگچے میں دوسرے سرکہ کی دھار سے ہوا میں مل ہی کر پہنچے۔ یہ دونوں نفیس طریقے بغور سمجھ کر ہمیشہ محفوظ رکھے جائیں کہ وہ نہ صرف ازالہ کراہت بلکہ ازالہ نجاست میں بھی بکار آمد ہیں۔ دودھ، پانی، سرکہ، تیل، رقیق گھی اور ایسی ہی ہر بہتی چیز جو ناپاک ہوجائے دودھ ہو تو پاک دودھ اور پانی ہو تو پاک پانی، وعلی ھذا القیاس ہر شَے اپنی ہی جنس کے ساتھ ملا کر بطور مذکور بہادیں یا دھاریں ملا کر برتن میں لے لیں سب پاک ہوجائے گا اور دوسرا طریقہ پہلے سے بھی افضل واعلٰی ہے کہ اس میں اس شَے کا کوئی جُز ضائع نہیں جاتا۔ درمختار میں ہے:

المختار طھارۃ المتنجس بمجرد جریانہ[1]۔	مختار یہ ہے کہ ناپاک چیز کو محض جاری کرکے پاک کیا جائے۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

وان قل الخارج[2]۔	اگرچہ نکلنے والا کم ہو۔ (ت)

علّامہ عبدالبر ابن الشحنہ نے فرمایا:

لانہ صار جاریا حقیقۃ وبخروج بعضہ	کیونکہ وہ حقیقتًا جاری ہوگیا اور بعض کے نکلنے سے

[1] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۳۶/۱

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۸/۱، ردالمحتار مطلب یطھر الحوض بمجرد الجریان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۰/۱

وقع الشك فی بقاء النجاسۃ فلاتبقی مع الشك[1]۔	نجاست کے باقی رہنے میں شک ہے، تو شک کے ساتھ نجاست باقی نہیں رہے گی۔(ت)

بدائع میں ہے:

وعلی ھذا حوض الحمام اوالاوانی اذا تنجس[2]۔	حمام کا حوض اور برتن ناپاک ہوجائیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔(ت)

شرح تنویر میں ہے:

حکم سائر المائعات کالماء فی الاصح[3]۔	اصح قول کے مطابق تمام مائع چیزوں کا حکم پانی کی طرح ہے۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

المائع کالماء والدبس وغیرھما طھارتہ اما باجرائہ مع جنسہ مختلطابہ کماروی عن محمد کمافی التمرتاشی[4] الخ۔	مائع (بہنے والی چیز) پانی اور شیرے وغیرہ کی طہارت اس کی جنس کے ساتھ ملاکر جاری کرنے سے ہوتی ہے، جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے جیسے تمرتاشی میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا صریح بانہ یطھر بالاجراء نعم علی ماقدمناہ عن الخلاصۃ من تخصیص الجریان بان یکون اکثر من ذراع اوذراعین تیقید بذلك ھنالکنہ مخالف لاطلاقھم من طھارۃ الحوض بمجرد الجریان[5]۔	یہ اس بارے میں واضح ہے کہ وہ جاری کرنے سے پاک ہوجاتا ہے۔ہاں جو کچھ ہم نے اس سے پہلے خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ جریان ایک یا دوہاتھوں سے زیادہ بلند ہونے کے ساتھ خاص ہے۔یہ قید وہاں تو صحیح ہے لیکن حوض کے بارے میں ان کے اطلاق کے خلاف ہے کیونکہ وہ محض جاری ہونے سے پاک ہوجاتا ہے(ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب یطھر الحوض بمجرد الجریان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان مایقع بہ التطھیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

[3] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[4] جامع الرموز فصل یطھر الشیئ الخ مکتبہ اسلامیہ قاموس گنبد ایران ۱/۹۵

[5] ردالمحتار مطلب فی الحاق نحوالقصعۃ بالحوض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۱

خزانہ میں ہے:

اناء ان ماء احدھما طاھر والاٰخر نجس فصبا من مکان عال فاختلطا فی الھواء ثم نزلا طھر کلہ [1]	دو [2] برتن جن میں سے ایک کا پانی پاک ہو اور دوسرے کا ناپاک ہو بلند جگہ سے ان کا پانی گرایا جائے پھر فضا میں ان کا پانی مل کر گرے تو تمام پانی پاک ہوجائے گا۔(ت)

ان مسائل کی تحقیق کامل حاشیہ علّامہ فاضل شامی قدس سرّہ السامی میں ہے

من شاء فلیرجع الیھا قلت واذاکانت النجاسۃ تزول بھذا فزوال الکراھۃ من باب اولی فانھا انما کانت فی سؤر السواکن لتوھم النجاسۃ کماحققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر فمزیل المعلوم احق واحری بازالۃ الموھوم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے قلت جب اس طریقے سے نجاست زائل ہوجاتی ہے تو کراہت کا زوال بطریق اولٰی ہوگا وہ گھروں میں رہنے والے جانوروں کے جھُوٹے میں نجاست کے وہم سے ہوتی ہے جیسے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی ہے پس جو چیز معلوم نجاست کو زائل کرتی ہے وہ موہوم نجاست کو زائل کرنے کا زیادہ حق رکھتی ہے اور زیادہ مناسب ہے۔اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اور اس ذات بزرگ وبرتر کا علم زیادہ کامل اور مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۰: از اندور صدر بازار چھاؤنی بانسری صاحب قریب مکان بابودین دیال مرسلہ میاں عبدالقادر صاحب یکم رجب ۱۳۰۸ھ

چہ می فرمایند علمائے ذوی الاقتدار ومفتیان ورع شعاردریں مسئلہ کہ مردے میگوید کہ ماکیان مذبوحہ رابدون برآوردن پروچاک شکمش درآب گرم انداختہ برون برآوردہ پرہاے برکندہ پزانند پس بعدم چاک شکم اوکہ آلایش بطنی اندرونش بود مردار گردیدہ ازیں باعث تشکیک است ورحلت وحرمت آں جانور مذبوحہ صورت ایں مسئلہ چگونہ است بیان فرمایند	کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اور متقی مفتیانِ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی کہتا ہے کہ ذبح کی ہوئی مُرغیوں کے پَر اکھیڑنے اور پیٹ چاک کیے بغیر ان کو گرم پانی میں ڈالتے ہیں پھر باہر نکال کر پَر اکھاڑ کر پکاتے چونکہ پیٹ چاک نہ کرنے کی وجہ سے پیٹ کی آلائش اندر ہی رہتی ہے لہٰذا وہ مردار ہوگیا۔بنابریں اس مذبوحہ جانور کے حلال وحرام ہونے میں شک پیدا ہوگیا

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

بسند عبارت کتب علماء رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔	اس مسئلہ کی کیا صورت ہوگی۔ علمائے کرام رحمہم اللہ کی کتابوں سے حوالہ دیتے ہوئے بیان فرمائیں۔ (ت)

الجواب:

پیداست کہ مراد اینان از نیکار یختن ماکیان دریں آب نمی باشد بلالکہ ہمیں ایصال حرارتے لظاہر جلدش تا مواضع بینخاے پر سست ونرم شود وبرکندن نیز آساں گردد اینقدر راتیز گرم آبی کہ بحد جوش وغلیان رسیدہ باشد ضرور نیست نہ درنگ بسیارے کہ باعث نفوذ آب وجزآں دراجزائے باطنہ لحم باشد بلکہ اگر ایں چنیں کنند مقصود ایشاں رازیاں دارد پس ہمیں قدر کہ درآب فاترے نہادند یادرجوشش آب مہلت بسیارے ندادند نجاست باجزائے گوشت سرایت نمی کند ہمیں بسطوح ظاہرہ میرسد لہذا دریں صورت حکم مردار زنہار نتواں داد طہارت وحلت او اہمیں بسندست کہ لحم راسہ بار بہ آب شویند وفشرند وبکار برند۔	ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے اس عمل کا مقصد مرغیوں کو اس پانی میں پکانا نہیں ہے بلکہ یہی ان کی ظاہری جلد کو حرارت پہنچاتا ہے تاکہ پَر کی جڑوں والی جگہ ڈھیلی اور نرم پڑ جائے اور پروں کا اکھاڑنا آسان ہوجائے۔ اس کام کیلئے اتنے گرم پانی کا ہونا ضروری نہیں جو جوش کی حالت کو پہنچ چکا ہو نہ ہی زیادہ ٹھہرنا جو پانی اور اس کے اجزا کا گوشت کے اندرونی اجزاء میں سرایت کرنے کا باعث بنے بلکہ اگر وہ ایسا کریں تو اُن کے مقصد میں نقصان ہوگا۔ پس اتنے کام سے کہ نیم گرم پانی میں رکھیں یا اُبلے ہوئے پانی میں زیادہ دیر نہ رکھیں نجاست، گوشت کے اجزاء میں سرایت نہیں کرتی محض ظاہری سطح تک پہنچتی ہے لہذا اس صورت میں ہرگز مردار ہونے کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور اس کے پاک وحلال ہونے کیلئے یہی کافی سند ہے کہ گوشت کو تین بار پانی سے دھوئیں اور نچوڑیں اور کام میں لائیں۔ (ت)
آرے اگر ماکیان بحالت غلیان وفوران آب آں مقدار درآب مکث کرد کہ نجاست باطن بسبب جوش ودرنگ درقعر وعمق لحم نفوذ نمود آنگاہ برقول مفتی بہ حکم مردار پیدا کند کہ بہیچ حیلہ اوراطاہر وحلال نتواں ساخت۔	البتہ اگر مرغیوں کو اُبلتے ہوئے پانی میں اتنا وقت رکھیں کہ پانی کے جوش اور اس میں ٹھہرنے کی وجہ سے اندر کی نجاست گوشت کی گہرائیوں میں سرایت کرجائے تو اس وقت مفتٰی بہ قول کے مطابق وہ مردار ہوجائیں گی، کیونکہ اسے کسی طریقے سے بھی پاک اور حلال نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق سیدی کمال الملۃ والدین محمد بن الہمام قدسنا اللہ تعالٰی بسرہ الکریم درفتح القدیر فرماید:

لوالقيت دجاجة حالة الغليان فى الماء قبل ان يشق بطنها لنتف اوكرش قبل الغسل لايطهر ابدا لكن على قول ابى يوسف يجب ان يطهر على قانون ماتقدم فى اللحم۔

قلت **وهو سبحنه اعلم هو معلل بتشربها النجاسة المتخللة فى اللحم بواسطة الغليان وعلى هذا اشتهران اللحم السميط بمصر نجس لايطهر لكن العلة المذكورة لاتثبت حتى يصل الماء الى حد الغليان ويمكث فيه اللحم بعد ذلك زمانا يقع فى مثله التشرب والدخول فى باطن اللحم وكل من الامرين غير متحقق فى السميط الواقع حيث لايصل الماء الى حد الغليان ولايترك فيه الامقدار ماتصل الحرارة الى سطح الجلد فتنحل مسام السطح عن الصوف بل ذلك الترك يمنع من جودة انقلاع الشعر فالاولى فى السميط ان يطهر بالغسل ثلثا لتنجس سطح الجلد بذلك الماء فانهم** لایتحرسون فیہ عن المنجس۔ وقدقال شرف الائمۃ

محقق علی الاطلاق، دین وملت میں کامل، سیدی امام محمد بن ہمام، اللہ تعالٰی ان کی ذاتِ والا صفات سے ہمیں برکت عطا فرمائے، فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اگر تم مرغی کے پیٹ کو چاک کرنے سے پہلے اسے دھوئے بغیر پَر اُکھاڑنے کے لئے اُبلتے ہوئے پانی میں ڈال دی تو وہ کبھی بھی پاک نہ ہوگی البتہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر گوشت کے بارے میں جو قانون گزر چکا ہے اس کا پاک ہونا ثابت ہے۔ (ت)

قلت وھوسبحنہ اعلم اس مذکور بالا قول کی علّت یہ ہے کہ پانی کے جوش کے باعث وہ نجاست گوشت کے اندر جذب ہوجاتی ہے، اسی بنیاد پر مشہور ہے کہ مصر میں سمیط (بکری کا بچہ جس کے بال صاف کرکے اسے بھُون لیا جائے) کا گوشت ناپاک شمار ہوتا ہے وہ پاک نہیں ہوتا، لیکن یہ علت اس وقت تک ثابت نہیں ہوتی جب تک پانی جوش کی حد کو نہ پہنچ جائے اور اس کے بعد اس میں گوشت اتنی دیر تک نہ ٹھہرا رہے جس سے پانی گوشت کے اندر داخل ہوکر جذب ہوجائے۔ اور سمیط میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں کیونکہ نہ تو پانی جوش کی حد کو پہنچتا ہے اور نہ ہی اسے اس میں اتنی دیر چھوڑا جاتا ہے کہ حرارت، جِلد کی سطح کے نیچے پہنچ جائے اور بالوں کے نیچے مساموں میں داخل ہوجائے بلکہ اس کو اس قدر (پانی میں) چھوڑنا اچھی طرح بال اکھاڑنے سے بھی مانع ہے پس سمیط کے بارے میں بہترین بات یہ ہے کہ چونکہ اس نجس پانی سے جِلد کا ظاہر ناپاک ہوگیا لہذا تین بار

بہذا فی الدجاجة والکرش والسمیط مثلھما [1] اھ۔ وقال قدس سرہ قبل ذلك ناقلا عن التجنیس طبخت الحنطة فی الخمر قال ابویوسف تطبخ ثلثا بالماء وتجفف کل مرة وکذا اللحم وقال ابوحنیفة لاتطهر ابدا وبه یفتی اھ قال والکل عند محمد لاتطهر ابدا [2]۔

وازینجا بوضوح پیوست کہ ہرکہ ایں کارخواہدا ولے واحوط درحقش آنست کہ اولًا ماکیان راشکم چاك وازامعا پاك کند وخون مسفوح کہ بمحل ذبح منجمد مے شود شوید پس ازاں بہرآبے کہ خواہد تہدتا از نجس شدن لحم ایمن ماند سید علّامہ احمد طحطاوی درحاشیہ درمختار فرمودہ فالاولی قبل وضعها فی الماء المسخن ان یخرج مافی جوفها ویغسل محل الذبح مما علیه من دم مسفوح تجمد [3] اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

دھونے سے پاک ہوجائے گا کیونکہ وہ لوگ ناپاک کرنے والی چیز سے پرہیز نہیں کرتے۔ شرف الائمہ نے مرغی اور کرش (جگالی کرنے والے جانوروں کی اوجھڑی) کے بارے میں یہی بات فرمائی اور سمیط ان دونوں کی مثل ہے الخ۔

صاحبِ فتح القدیر قدس سرہ، نے اسے پہلے تجنیس سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ گندم، شراب میں پکائی گئی اس کے بارے میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں اسے تین بار پانی میں پکایا جائے اور ہر بار خشک کیا جائے۔ گوشت کا بھی یہی حکم ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ کبھی پاک نہیں ہوگی اور اسی پر فتوی ہے اھ اور فرمایا یہ سب کچھ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پاک نہیں ہوتا۔ (ت)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو شخص یہ کام کرنا چاہے اس کیلئے بہتر اور زیادہ محتاط یہ ہے کہ پہلے مرغی کا پیٹ چاک کرکے اسے آنتوں سے پاک کرے اور بہنے والے خون کو جو گردن وغیرہ پر جم جاتا ہے دھولے اس کے بعد جس پانی میں چاہے رکھے تاکہ گوشت کے ناپاک ہونے سے مطمئن ہو۔ علّامہ احمد طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا بہتر یہ ہے کہ گرم پانی میں رکھنے سے پہلے جو کچھ اس کے پیٹ میں ہے نکال لیا جائے اور ذبح کے مقام سے جما ہوا خون مسفوح دھولیا جائے اھ۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شہر کہنہ ۴۔ ذیقعدہ ۱۳۰۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پڑیا کے رنگ ہوئے کپڑے سے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتح القدیر آخر باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۶

[2] فتح القدیر آخر باب الانجاس وتطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۵

[3] طحطاوی حاشیہ درمختار آخر باب الانجاس دار المعرفة بیروت لبنان ۱/۱۶۴

الجواب:

بادامی رنگ کی پُڑیا میں تو کوئی مضائقہ نہیں اور رنگت کی پُڑیا سے ورع کے لئے بچنا اولٰی ہے پھر بھی اس سے نماز نہ ہونے پر فتوی دینا آج کل سخت حرج کا باعث ہے۔

والحرج مدفوع بالنص وعموم البلوی من موجبات التخفیف لاسیما فی مسائل الطھارۃ والنجاسۃ۔	نص سے ثابت ہے کہ حرج دُور کیا گیا اور عموم بلوٰی اسبابِ تخفیف سے ہے خصوصًا مسائلِ طہارت اور نجاست میں۔(ت)

لہٰذا اس مسئلہ میں مذہب حضرت امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے عدول کی کوئی وجہ نہیں ہمارے ان اماموں کے مذہب پر پُڑیا کی رنگت سے نماز بلاشبہ جائز ہے۔ فقیر اس زمانے میں اسی پر فتوی دینا پسند کرتا ہے۔

وقدذکرنا علی ھذہ المسئلۃ کلاما اکثر من ھذا فی فتاوٰنا وسنحقق الامر بمالامزید علیہ ان ساعد التوفیق من اللہ سبحٰنہ وتعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسی مسئلہ پر اس سے بھی زیادہ بحث کی ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف سے توفیق معاون ہُوئی تو ہم اس سلسلے میں ایسی تحقیق کریں گے جس کے بعد مزید گنجائش نہیں رہے گی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۲: مرسلہ مرزا باقی بیگ صاحب رام پوری ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرغی کی قے پاک ہے یا ناپاک، اور جس شے کی بِیٹ پلید ہے کیا اس کی قے بھی پلید ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہر جانور کی قے اس کی بیٹ کا حکم رکھتی ہے جس کی بیٹ پاک ہے جیسے چڑیا یا کبوتر، اس کی قے بھی پاک ہے۔اور جس کی نجاست خفیفہ جیسے باز یا کوّا، اُس کی قے بھی نجاست خفیفہ۔اور جس کی نجاست غلیظہ ہے جیسے بط یا مرغی، اس کی قے بھی نجاست غلیظہ۔اور قے سے مراد وہ کھانا پانی وغیرہ ہے جو پوٹے سے باہر نکلے کہ جس جانور کی بیٹ ناپاک ہے اس کا پوٹا معدن نجاسات ہے پوٹے سے جو چیز باہر آئے گی خود نجس ہوگی یا نجس سے مل کر آئے گی بہر حال مثل بیٹ نجاست رکھے گی خفیفہ میں خفیفہ، غلیظہ میں غلیظہ بخلاف اُس چیز کے جو ابھی پوٹے تک نہ پہنچی تھی کہ نکل آئی۔مثلًا مُرغی نے پانی پیا ابھی گلے ہی میں تھا کہ اُچھّو لگا اور نکل گیا

یہ پانی پیٹ کا حکم نہ رکھے گا لانہ ما استحال الی نجاسۃ ولالاقی محلھا (کیونکہ اس نے نجاست میں حلول نہیں کیا اور نہ ہی نجاست کی جگہ سے ملا۔ت) بلکہ اسے سؤر یعنی جھُوٹے کا حکم دیا جائے گا کہ اُس کے منہ سے مل کر آیا ہے اُس جانور کا جھُوٹا نجاست غلیظہ یا خفیفہ یا مشکوک یا مکروہ یا طاہر جیسا ہوگا ویسا ہی اس چیز کو حکم دیا جائے گا جو معدہ تک پہنچنے سے پہلے باہر آئی جو مُرغی چھوٹی پھرے اُس کا جھوٹا مکروہ ہے یہ پانی بھی مکروہ ہوگا اور پوٹے میں پہنچ کر آتا تو نجاست غلیظہ ہوتا۔

اقول: اتقن ھذا التحقیق النفیس فلعلك لاتجدہ مصرحابہ فی متداولات الاسفار وانما استنبطناہ بحمداللہ من کلمات العلماء استنباطًا واضحًا کالصبح حین الاسفار۔	**اقول:** اس نفیس تحقیق کو محفوظ کرلو شاید تم اسے بڑی کتب میں بھی بالتصریح نہ پاؤ بحمداللہ تعالٰی ہم نے اسے علماءِ کرام کے کلام سے روزِ روشن کی طرح واضح استنباط کیا ہے۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

مرارۃ کل حیوان کبولہ وجرتہ کزبلہ [1]۔	ہر جانور کا پِتّا اس کے پیشاب کی طرح اور اس کی جگالی گوبر کے حکم میں ہے۔(ت)

کتاب التجنیس والمزید میں ہے: لانہ واراہ جوفہ [2]۔(کیونکہ اس نے اسے پیٹ میں چھپایا۔ت)

درمختار میں ہے:

ینقضہ قیئ ملأ فاہ من مرۃ اوطعام اوماء اذا وصل الی معدتہ وان لم یستقر وھو نجس مغلظ ولو من صبی ساعۃ ارتضاعہ وھو الصحیح لمخالطۃ النجاسۃ ولوھو فی المرئ فلانقض اتفاقا [3] اھ ملخصا۔	صفرا نیز کھانے یا پانی کی قے منہ بھر وضو کو توڑ دیتی ہے جب وہ معدے تک پہنچے اگرچہ وہاں نہ ٹھہرے اور وہ نجاست غلیظہ ہے اگرچہ دُودھ پیتے بچّہ کی ہو اور یہی صحیح ہے کیونکہ وہ نجاست سے مِل جاتی ہے اور اگر وہ نرخرے میں رہے تو بالاتفاق وضو نہیں ٹوٹے گا اھ ملخصا۔(ت)

[1] درمختار باب الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۷
[2] ردالمحتار باب الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۳۳
[3] درمختار نواقض الوضوء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۵

وقدعلم من له ادنی فهم وجه الاستنباط فی المسألتین واعلم انابیننا الکلام علی ظاهر الروایة المصحح المرجح الواضح الوجه القوی الدلیل الواجب التعویل وان کان ههنا فی بعض الصور کلام للکمال اجبنا عـــه عنه علی هامشه والحمدلله حمدا کثیرا والله تعالٰی اعلم۔	جس شخص کو ادنٰی سمجھ بھی حاصل ہے وہ دونوں مسئلوں میں استنباط کی وجہ جان سکتا ہے جان لو کہ ہمارے کلام کی بنیاد ظاہر روایت ہے جس کی تصحیح کی گئی اسے ترجیح دی گئی وہ نہایت واضح ہے اس کی دلیل قوی ہے اور اس پر اعتماد واجب ہے۔ اگرچہ اس جگہ بعض صورتوں میں کمال نے کلام کیا ہے جس کا جواب ہم نے اس کے حاشیے پر دیا ہے۔ اللہ تعالٰی کے لئے بہت زیادہ حمد ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۳: مرسلہ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نجس چیز ایک مرتبہ میں پاک ہوگی بغیر مبالغہ کے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:

نجاست اگر مرئیہ ہو یعنی خشک ہونے کے بعد بھی نظر آئے تو اُس کی تطہیر میں عدد اصلا شرط نہیں بلکہ زوال عین درکار ہے خواہ ایک بار میں ہوجائے یا دس بار میں مگر بقائے اثر بقائے عین پر دلیل تو زوال اثر مثل رنگ وبو ضرور لیکن وہ اثر جس کا زوال دشوار ہو معاف کیا جائے گا، صابون یا گرم پانی وغیرہ سے چھڑانے کی حاجت نہیں۔ درمختار میں ہے:

یطهر محل نجاسة مرئیة بعد جفاف بزوال عینها واثرها ولوبمرة اوبمافوق ثلث فی الاصح ولایضربقاء اثرکلونٍ وریح لازم فلایکلف فی ازالته الٰی ماء حار اوصابون ونحوه [1] اھ ملخصا۔	اصح قول کے مطابق نظر آنے والی نجاست کی جگہ سے عینِ نجاست اور اس کا اثر دُور کیا جائے، خواہ ایک مرتبہ سے یا تین سے بھی زیادہ مرتبہ سے دور ہو تو خشک ہونے کے بعد پاک ہوجاتی ہے، اور ایسا اثر جو اس کے لئے لازم ہوچکا ہے (یعنی دور نہیں ہوتا) مثلاً رنگ اور بُو، تو اسے گرم پانی یا صابن وغیرہ کے ساتھ دُور کرنے کی تکلیف نہیں دی جائے گی اھ ملخصا (ت)

عـــه وقدتقدم فی المسألة العاشرة باب الوضوء (م) | اس کا جواب باب الوضوء کے دسویں مسئلہ میں گزر چکا ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

اور غیر مرئیہ کو سُوکھنے کے بعد نہ دکھائی دے اس میں علماء کے دو قول ہیں ایک قول پر غلبہ ظن کا اعتبار ہے یعنی جب گمان غالب ہوجائے کہ اب نجاست نکل گئی پاک ہوگیا اگرچہ یہ غلبہ ظن ایک ہی بار میں حاصل ہو یازائد میں۔اور دوسرے قول پر تثلیث یعنی تین بار دھونا شرط ہے ہر بار اتنا نچوڑیں کہ بوند نہ ٹپکے اور نچوڑنے کی چیز نہ ہو تو ہر بار خشک ہونے کے بعد دوبارہ دھوئیں اس قول پر اگر یوں تثلیث نہ کرے گا طہارت نہ ہوگی۔ایک جماعتِ علماء نے فرمایا یہ طریقہ خاص اہلِ وسواس کے لئے ہے جسے وسوسہ نہ ہو وہ اسی غلبہ ظن پر عمل کرے،ان علماء کا قصد یہ ہے کہ دونوں قولوں کو ہر دو حالت وسوسہ وعدمِ وسوسہ پر تقسیم کرکے نزاع اُٹھادیں۔

اقول: الا ان ھذا التطبیق لایکاد یلائم ظاھر اطلاق عامۃ المتون فان الموسوسین فی الناس اقل قلیل بالنسبۃ الی غیرھم واطلاق الحکم المختص بالغالب الکثیر غیر بعید ولامستنکر بخلاف عکسہ کمالایخفی۔	**اقول:** مگر یہ تطبیق عام متون کے ظاہر اطلاق کے مناسب معلوم نہیں ہوتی کیونکہ وسوسے والے لوگ دوسروں کی نسبت بہت کم ہیں اور حکم کا اطلاق جو غالب اکثریت سے مختص ہے وہ (عقل سے) نہ تو بعید ہے اور نہ ہی غیر معروف، بخلاف اس کے عکس کے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

دُوسری جماعتِ ائمہ نے فرمایا قول ثانی قول اول کی تحدید وتقدیر ہے یعنی یہ غلبہ ظن غالبًا تین بار میں حاصل ہوتا ہے۔

ای وانما العبرۃ للغالب وعلیہ تبنی الاحکام ویقطع النظر عن القلیل النادر۔	یعنی اعتبار غالب کا ہوتا ہے اور احکام کی بنیاد بھی یہی ہے، قلیل وکمیاب سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے۔(ت)

اس تقدیر پر دونوں قول قولِ ثانی کی طرف عود کر آئیں گے ہدایہ وکافی ودرر وغنیہ وتنویر وغیرہا میں اسی طرف میل فرمایا اور بیشک وہ بہت قرینِ قیاس ہے بالجملہ دنوں قول نہایت باقوت ہیں اور دونوں کو ظاہر الروایۃ کہا گیا اور دونوں طرف تصحیح وترجیح۔

اقول: مگر قول ثانی عامہ متون میں مذکور اور غالبًا اُسی میں احتیاط زیادہ اور اُس میں انضباط ازید اور آج کل اگر بعض لوگ موسوس ہیں تو بہتیرے مُداہن وبے پروا ہیں انہیں ایک ایسے غیر منضبط بات بتانے میں اُن کی بے پرواہی کی مطلق العنانی ہے لہٰذا قول ثانی ہی پر عمل انسب والیق ہے اور ہدایہ وکافی کی توفیق حسن پر تو قول ثانی کے سوا دوسرا قول ہی نہیں۔بہرحال ایک بار دھونے سے جبکہ زوال نجاست کا ظن غالب نہ ہو اور غالبًا بلامبالغہ سرسری طور پر ایک دفعہ دھونے میں ایسا ہی ہوگا تو اس صورت میں بالاتفاق حاصل نہ ہوگی۔

دُرِ مختار میں ہے:

یطهر محل غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل لومکلفا والا فمستعمل طهارة محلها بلاعدد به یفتی وقدر لموسوس بغسل وعصر ثلثا فیما ینعصر مبالغا بحیث لایقطر وبتثلیث جفاف فی غیر منعصر[1] اھ ملخصا۔	جس جگہ نجاست دکھائی نہ دیتی ہو اگر دھونے والے کو غالب گمان حاصل ہو جائے تو پاک ہو جاتی ہے ورنہ اس جگہ کی طہارت کے لئے گنتی کے بغیر پانی استعمال کیا جائے اسی پر فتوٰی ہے اور وسوسہ والے کے لئے جس چیز کو نچوڑنا ممکن ہے اسے تین بار دھونا اور یوں نچوڑنا کہ اب قطرے نہ گریں اور جس چیز کو نچوڑنا ممکن نہیں اس کو تین بار خشک کرنا مقرر ہے۔اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بلاعدد به یفتی،کذا فی المنیة وظاهره انه لوغلب علی ظنه زوالها بمرة اجزأه وبه صرح الامام الکرخی فی مختصره واختاره الامام الاسبیجابی وفی غایة البیان التقدیر بالثلث ظاهر الروایة وفی السراج اعتبار غلبة الظن مختار العراقیین والتقدیر بالثلث مختار البخاریین والظاهر الاول ان لم یکن موسوسا وان کان موسوسا فالثانی اھ بحر قال فی النهر وهو توفیق حسن اھ وعلیه جری صاحب المختار فانه اعتبر غلبة الظن الافی الموسوس وهوماشی علیه المصنّف واستحسنه فی الحلیة وقال وقدمشی الجم الغفیر علیه فی الاستنجاء۔ **اقول:** وهذا مبنی علی تحقق الخلاف	اس (صاحبِ درمختار) کا قول "بلاعدد" (گنتی شرط نہیں) پر فتوٰی ہے،منیہ میں بھی اسی طرح ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے نجاست کے زائل ہونے کا غالب گمان ہو جائے تو یہی کافی ہے۔امام کرخی نے اپنی مختصر میں اسی کی تصریح فرمائی اور امام اسیجابی نے بھی اسے ہی اختیار کیا اور غایۃ البیان میں ہے کہ تین بار کا مقرر کرنا ظاہر روایت ہے۔سراج میں ہے کہ عراقیوں کے نزدیک غلبہ ظن کا اعتبار مختار ہے جبکہ تین بار کا اندازہ بخارا والوں کا مختار ہے۔اور پہلا ظاہر ہے اگر وسوسے والا نہ ہو،اگر وسوسہ کرنے والا ہو تو دوسری بات ظاہر ہے اھ (بحرالرائق انتہی) نہر الفائق میں فرمایا کہ یہ اچھی تطبیق ہے اھ۔صاحبِ مختار نے بھی یہی راستہ اختیار کیا کہ انہوں نے وسوسہ نہ کرنے والوں کے بارے میں اسی کا اعتبار کیا ہے مگر وسوسہ کرنے والے کے بارے میں ان کا وہی موقف جس پر مصنف (صاحبِ دُرمختار) چلے ہیں اور حلیہ نے بھی اسی کو مستحسن قرار دیا ہے اور فرمایا استنجاء کے بارے میں جم غفیر کا یہی مسلک ہے (ت) **اقول:** میں (علامہ شامی) کہتا ہوں اس کی

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

وھو ان القول بغلبة الظن غیر القول بالثلث قال فی الحلیة وھو الحق واستشھد له بکلام الحاوی القدسی والمحیط۔	بنیاد (دونوں باتوں میں) ثبوتِ اختلاف پر ہے یعنی جب غلبہ ظن کا قول تین کے قول کا غیر ہو حلیہ میں فرمایا یہی حق ہے اور انہوں نے اس پر حاوی قدسی اور محیط کے کلام سے شہادت پیش کی ہے۔(ت)
اقول: وھوخلاف مافی الکافی ممایقتضی انھما قول واحد وعلیه مشی فی شرح المنیة فقال فعلم بھذا ان المذھب اعتبار غلبة الظن وانھا مقدرة بالثلث لحصولھا بھافی الغالب وقطعًا للوسوسة وانه من اقامة السبب الظاھر مقام المسبب الذی فی الاطلاع علی حقیقته عسرکالسفر مقام المشقة اھ وھو مقتضی کلام الھدایة وغیرھا واقتصر علیه فی الامداد وھو ظاھر المتون حیث صرحوا بالثلث[1] اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	**اقول:** (میں (علامہ شامی) کہتا ہوں) یہ (اختلاف) اس کے خلاف ہے جو کافی میں ہے اور اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ دونوں ایک ہی قول ہیں۔ شرح منیہ میں یہی راستہ اختیار کیا گیا ہے انہوں نے فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ مذہب میں غلبہ ظن کا اعتبار ہے اور وہ تین بار کا اندازہ ہے کیوں کہ غالب یہی ہے تین بار دھونے سے طہارت حاصل ہوجاتی ہے اور وسوسہ ختم ہوجاتا ہے اور یہ کہ سبب ظاہر کو اس مسبّب کے قائم مقام رکھنا ہے جس کی حقیقت پر اطلاع مشکل ہے جیسے سفر مشقت کے قائم مقام ہے اھ ہدایہ وغیرہ کے کلام کا مقتضٰی بھی یہی ہے اور الامداد بھی اسی پر اختصار کیا گیا ہے۔ظاہر متون بھی یہی ہیں کیونکہ انہوں نے تین کی تصریح کی ہے اھ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۷۴:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جُوتے پر پیشاب پڑگیااور اس پر خاک جم کر تندار ہوگیاتو رگڑنے سے پاک ہوجائے گایانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جُوتے پر اگر پیشاب پڑگیااور اس پر خاک جم گئی توایسے ملنے سے جس سے اُس کا اثر زائل ہوجائے پاک ہوجائے گا ورنہ بغیر دھونے کے پاک نہ ہوگا۔

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۴۲

فی الدر المختار ویطھر خف ونحوہ کنعل تنجس بذی جرم ھو کل مایری بعد الجفاف ولو من غیرھا کخمر وبول اصابہ تراب بہ یفتی بدلك یزول بہ اثرھا والاجرم لھا فیغسل انتھٰی [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے موزہ اور اس کی مثل جیسے جُوتا (وغیرہ) اگر جسم والی نجاست سے ناپاک ہوجائیں اور یہ ہر وہ نجاست ہے جو خشک ہونے کے بعد دکھائی دیتی ہو اگرچہ (یہ جسم نجاست کے) غیر سے ہو جیسے شراب اور پیشاب جس پر مٹّی پڑ گئی، تو یہ ایسے رگڑنے سے پاک ہوجائیں گے جس سے اثر زائل ہوجائے اسی پر فتوی ہے اور جس نجاست کا جسم نہ ہو اسے دھویا جائے گا اھ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۵: از کلکتہ دھرم تلا نمبر۶ مرسلہ جناب میرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ۔
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گدّا رُوئی کا جس میں نجس ہونے کا شبہہ قوی ہے نیچے بچھا ہے اور اس پر پاک رضائی اوڑھی ہے، بارش سے چھت ٹپکی رضائی اور گدّا خوب تَر ہوگیا رضائی پیروں کے تلے بھی دبی تھی یعنی گدّے سے ملحق تھی اس صورت میں رضائی کی نسبت کیا حکم ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

شبہہ سے کوئی چیز ناپاک نہیں ہوتی کہ اصل طہارت ہے **والیقین لایزول بالشك** (یقین شک سے دُور نہیں ہوتا۔ت) ہاں ظن غالب کہ بربنائے دلیل صحیح ہو فقہیات میں ملحق بیقین ہے نہ بربنائے توہمات عامہ پس اگر گدّے [1] میں کسی نجاست کا ہونا معلوم تھا اور [2] یہ بھی معلوم ہو کہ رضائی گدّے کے خاص موضع نجاست سے ملصق تھی اور [3] گدّے میں خاص اُس جگہ تری بھی اتنی تھی کہ چھوٹ کر رضائی کو لگے یا رضائی کے موضع اتصال میں اس قدر رطوبت تھی کہ چھوٹ کر گدّے کے محلِ نجاست کو تر کردے غرض یہ کہ موضع نجاست پر رطوبت خواہ وہیں کہ خواہ دوسری چیز مجاور کی پہنچی ہوئی اس قدر ہو جس کے باعث نجاست ایک کپڑے سے دوسرے تک تجاوز کرسکے (اور اس تجاوز کے یہ معنی کہ کچھ اجزائے رطوبت نجسہ اُس سے متصل ہو کر اس میں آجائیں نہ صرف وہ جسے سیل یا ٹھنڈک کہتے ہیں کہ حکم فقہ میں یہ انفصال اجزا نہیں صرف انتقال کیفیت ہے اور وہ موجب نجاست نہیں اور اس قابلیت تجاوز کی تقدیرر رطوبت کا اس قدر ہونا ہے جسے نچوڑے سے بوند ٹپکے کہ ایسے ہی رطوبت کے

---

[1] دُرمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۳

اجزادوسری شے کی طرف متجاوز ہوتے ہیں)

جب تینوں شرطیں ثابت ہوں تو البتہ رضائی کے اُتنے موضع پر تجاوز نجاست کا حکم دیا جائے گا پھر اگر وہ موضع بقدر معتبر فی الشرع مثلاً ایک درہم سے زائد ہو تو رضائی ناپاک ٹھہرے گی اور اُسے اوڑھ کر نماز ناجائز ہوگی ورنہ حکم عفو میں رہے گی اگرچہ ایک درم کی قدر میں کراہت تحریمی اور کم میں صرف تنزیہی ہوگی اور اگران تینوں شرط میں کسی کی بھی کمی ہوئی تو رضائی سرے سے اپنی طہارت پر باقی اور سراپاک ہے۔مثلاً گدّے کی نجاست مشکوک تھی یا وہ سب ناپاک نہ تھا اور رضائی کا خاص موضع نجاست سے ملنا معلوم نہیں یا محل نجاست کی رطوبت خود اپنی خواہ رضائی سے حاصل کی ہوئی قابلِ تجاوز نہ تھی یہ سب صورتیں طہارت مطلقہ تامہ کے ہیں۔

هذا هو التحقيق الذی عولنا عليه لظهور وجهه ولكونه احوط وان كان الكلام فی المسئلة طويل الذيل ذكر بعضه فی ردالمحتار اٰخر الانجاس واٰخر الكتاب وفيه عن البرهان ولايخفی منه انه لايتيقن بانه مجرد نداوة الا اذاكان النجس الرطب هو الذی لايتقاطر بعصره اذيمكن ان يصيب الثوب الجاف قدر كثير من النجاسة ولاينبع منه شيئ بعصره كماهو مشاهد عند البداية بغسله [1] اھ وفيه عن الامام الزيلعی لانه اذالم يتقاطر منه بالعصر لاينفصل منه شيئ وانما يبتل مايجاوره بالنداوة وبذلك لايتنجس [2] الخ وفيه عن الخانية اذاغسل رجله فمشی علی ارض نجسة بغير مكعب فابتل الارض من بلل رجله واسود وجه الارض	یہی وہ تحقیق ہے جس پر ہم نے اعتماد کیا کیونکہ اس کا سبب ظاہر ہے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے اگرچہ اس مسئلہ میں کلام کا دامن نہایت طویل ہے جس میں سے کچھ ردالمحتار میں باب الانجاس اور کتاب ردالمحتار کے آخر میں مذکور ہے۔اور اس میں البرہان سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ اس بات میں کوئی خفا نہیں کہ اس کے محض رطوبت ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا مگر جب کہ تر نجاست کے نچوڑنے سے قطرے نہ نکلیں کیوں کہ ممکن ہے کہ خشک کپڑے کو بہت سی نجاست لگے اور نچوڑنے سے اس سے کچھ نہ نکلے جیسا کہ اسے دھونے کا آغاز کرتے وقت مشاہدہ ہوتا ہے۔الخ اسی (ردالمحتار) میں امام زیلعی سے نقل کیا کہ جب نچوڑنے سے قطرے نہ نکلیں تو اس سے کچھ بھی جُدانہ ہوگا اور اس سے ملنے والی چیز محض مجاورت (ملنے) سے تر ہوگی اور اس سے وہ ناپاک نہیں ہوتی۔

[1] ردالمحتار باب الانجاس مصطفی البابی مصر ۱/۲۵۵

[2] ردالمحتار مسائل شتی مصطفی البابی مصر ۵/۵۱۷

لکن لم یظھر اثر طبل الارض فی رجلہ فصلی جازت صلاتہ وان کان بلل الماء فی رجلہ کثیرا حتی ابتل وجہ الارض وصارطینا ثم اصاب الطین رجلہ لاتجوز صلاتہ [1] الخ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اور اسی (ردالمحتار) میں خانیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص پاؤں دھوکر جُوتے کے بغیر ناپاک زمین پر چلا اور اس کے پاؤں کی رطوبت سے زمین تر ہوگئی اور زمین پر نشان لگ گیا لیکن زمین کی رطوبت اس کے پاؤں میں ظاہر نہیں ہوئی اب اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے اور اگر پاؤں میں پانی کی رطوبت زیادہ تھی حتی کہ زمین کا ظاہر تر ہوگیا اور کیچڑ پاؤں میں لگ گیا تو اس کی نماز جائز نہیں الخ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۶: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر پکی ہوئی کھچڑی یا چاول میں یا چُونے میں چُوہے کی مینگنی نکلے تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چُوہے کی مینگنی اگر چاول کھچڑی روٹی وغیرہ کھانے کی چیزوں میں نکلے تو اسے پھینک کر وہ اشیا کھالی جائیں بشرطیکہ اس کا رنگ یا بُو یا مزہ ان میں نہ آگیا ہو اور اگر چُونے میں نکلے اور وہ چونا جما ہوا ہے تو اس کے قریب کا پھینک کر باقی کھالیں اور بہتا ہوا ہے تو اس سب سے احتراز کریں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] ردالمحتار مسائل شتّی مصطفی البابی مصر ۵/۵۱۸

رسالہ
سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب ۱۳۱۲ھ
کتّے کی طہارتِ عین کے قائلین سے عیب دُور کرنے کا بیان

مسئلہ ۱۷۷: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۸ رجب ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الی یوم الدین اس میں کہ زید تو مستنداً بقولہ تعالٰی یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ[1] الآیۃ (اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں ان کے لئے کیا حلال ہے۔ت) ومتمسکا باحادیث الامر باکل صید قتلہ الکلب المعلم المرسل ولم یاکل منہ (اور ان احادیث کو دلیل بناتے ہوئے جن میں ایسے شکار کے کھانے کا حکم ہے جسے سکھائے ہوئے اور چوڑھے ہُوئے کتّے نے شکار کیا لیکن اس سے کچھ نہیں کھایا۔ت) کہ ازانجملہ ایک یہ حدیث عدی بن حاتم ہے:

قال قلت یارسول اللہ انا نرسل الکلاب المعلمۃ قال کل ماامسکن علیك قلت	فرماتے ہیں میں نے عرض کیا" یارسول اللہ ! ہم سکھائے ہوئے کتّوں کو (شکارپر) چھوڑتے ہیں

[1] القرآن ۴/۵

وان قتلن قال وان قتلن [1] الحدیث۔	(اس کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا: "جو کچھ وہ تمہارے لئے روک رکھیں اسے کھاؤ"۔ میں نے عرض کیا "اگرچہ وہ اسے ہلاک کردیں؟" فرمایا: "اگرچہ وہ اسے ہلاک کردیں" الحدیث (ت)

اور احادیث الاذن فی اقتناء کلب ماشیۃ وصید وزرع وغنم (جانوروں کی حفاظت، شکار، کھیتی اور بکریوں کی حفاظت کیلئے کتّا رکھنے کی اجازت کے بارے میں احادیث۔ت) کہ از انجملہ ایک یہ حدیث عبداللہ بن مغفل ہے:

قال انی لمن یرفع اغصان الشجرۃ عن وجہ رسول اللہ وھو یخطب فقال لولا ان الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا فاقتلوا کل اسود وبھیم ومامن اھل بیت یرتبطون کلبًا الا نقص من عملھم کل یوم قیراط الاکلب صیدا وکلب حرث اوکلب غنم [2]۔	آپ فرماتے ہیں مَیں ان لوگوں میں سے ہُوں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کے آگے سے ٹہنیاں اٹھارہے تھے جب آپ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے، آپ نے فرمایا: اگر کتّے ایک مخلوق نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا پس ہر سیاہ کتّے کو ماردو، اور جو لوگ گھروں میں کتا رکھتے ہیں ان کے عمل سے روزانہ ایک قیراط کم ہوتا ہے مگر شکار کا کُتّا، کھیتی کی حفاظت اور بکریوں کی حفاظت کے لئے کُتّا (اس سے مستثنٰی ہے)۔(ت)

واحادیث الترخیص فی ثمن کلب الصید (شکاری کتّے کہ حصولِ قیمت کے بارے میں آپکی اجازت سے متعلق احادیث۔ت) کہ از انجملہ ایک وہ حدیث ہے جس کو ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں ہیثم سے وہ عکرمہ سے وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں:

قال رخص رسول اللہ فی ثمن کلب الصید [3]۔	فرماتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شکاری کتّے کی قیمت لینے کی اجازت فرمائی ہے۔(ت)

وحدیث ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما:

کانت الکلاب تقبل وتدبر فی عھد رسول اللہ	رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں

[1] جامع الترمذی باب مایؤکل من صید الکلب مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۷

[2] جامع الترمذی باب من امسک کلباً ماینقص من اجرہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۰

[3] مسند امام اعظم ابوحنیفہ کتاب البیوع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۹

فلم یکونوا یرشون شیأً من ذلك [1]۔	کتے (اِدھر اُدھر) آتے جاتے تھے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سے (یعنی کتوں کے ان کے ساتھ چھُونے سے) کچھ بھی نہیں دھوتے تھے۔(ت)

وحدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما:

قال علیه الصلاة والسلام ایما اھاب دبغ فقد طھر [2]۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس چمڑے کو رنگ لیا جائے وہ پاک ہوجاتا ہے۔(ت)

ومتدلا باقوال علمائنا الحنفیۃ (اور ہمارے علماء حنفیہ کے اقوال سے استدلال کرتے ہوئے۔ت) کہ ازانجملہ ایک یہ ہے کہ جو عامہ کتب فقہ میں ہے:

کل اھاب اذادبغ فقد طھر الاجلد الخنزیر والآدمی [3]۔	خنزیر اور آدمی کے چمڑے کے علاوہ ہر چمڑا دباغت سے پاک ہوجاتا ہے۔(ت)

اور دُوسرا یہ جو ہدایہ میں ہے:

ولیس الکلب بنجس العین [4]۔	اور کتّا نجس عین نہیں۔(ت)

اور تیسرا جو تنویر الابصار اور اُس کی شرح درمختار میں ہے:

اعلم انه لیس الکلب بنجس العین عند الامام وعلیه الفتوٰی وان رجح بعضھم النجاسة کمابسطه ابن الشحنة [5]۔	جان لو! امام اعظم کے نزدیک کتّا نجس عین نہیں۔اور اسی پر فتوی ہے،اگرچہ بعض فقہاء نے اس کے نجس ہونے کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ابن الشحنہ نے اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔(ت)

اور چوتھا یہ جو ردالمحتار میں ہے:

وھو (ای عدم کون الکلب نجس العین) الصحیح والاقرب الی الصواب بدائع و	اور وہ (یعنی کُتّے کا نجس العین نہ ہونا ہی) صحیح اور درستگی کے زیادہ قریب ہے، بدائع۔ متون سے

---

[1] صحیح البخاری باب اذاشرب الکلب فی الاناء قدیمی کُتب خانہ کراچی ۲۹/۱

[2] جامع الترمذی، باب جاء فی جلود المیتۃ آفتاب عالم پریس لاہور، ۲۰۶/۱

[3] منیۃ المصلی فصل فی النجاسۃ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۰۸

[4] ہدایہ شریف، قبیل فصل فی البئر، المکتبۃ العربیہ، کراچی، ۲۴/۱

[5] درمختار، باب المیاہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۳۸/۱

وھو ظاھر المتون بحر ومقتضی عموم الادلة فتح [1]۔	یہی ظاہر ہوتا ہے البحر الرائق۔عام دلائل کا مقتضٰی یہی ہے، فتح القدیر (ت)

اور پانچواں یہ جو عالمگیری میں ہے:

والصحیح ان الکلب لیس بنجس العین [2]۔	صحیح یہ ہے کہ کتّا نجسِ عین نہیں۔(ت)

اور چھٹا یہ جو عنایہ میں ہے:

الاصح ان الکلب لیس بنجس العین [3]۔	اصح بات یہ ہے کہ کُتّا نجس عین نہیں۔(ت)

اور ساتواں یہ جو غایۃ البیان میں ہے:

فی نجاسة عینه اختلاف المشایخ والاصح انه لیس بنجس العین [4]۔	اس کے نجسِ عین ہونے میں مشائخ کا اختلاف ہے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ نجسِ عین نہیں۔(ت)

اور آٹھواں یہ جو مراقی الفلاح میں ہے:

یطھر جلد الکلب لانه لیس بنجس العین علی الصحیح [5]۔	کتّے کا چمڑا پاک ہوجاتا ہے کیونکہ صحیح قول کے مطابق وہ نجسِ عین نہیں۔(ت)

اور نواں یہ جو نہر الفائق میں ہے:

یطھر جلد الکلب ایضا بناء علی ماعلیه الفتوی من طھارة عینه وان رجح بعضھم النجاسة [6]۔	کتّے کا چمڑا بھی پاک ہوجاتا ہے اور اس کی بنیاد وہ مفتٰی بہ قول ہے کہ یہ ذاتی طور پر پاک ہے اگرچہ بعض فقہاء نے اس کے ناپاک ہونے کو ترجیح دی ہے۔(ت)

اور دسواں یہ جو شامی میں ہے:

فمعنی القول بطھارة عینه طھارة ذاته	اس کے طاہر عین ہونے کے قول کا مطلب یہ ہے کہ یہ جب تک

---

[1] ردالمحتار، باب المیاہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۹

[2] فتاوٰی عالمگیری الفصل الاول من الباب الثالث مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹

[3] العنایۃ مع فتح القدیر قبیل فصل فی البئر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۲

[4] السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ/من احکام الدباغۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۰۸

[5] مراقی الفلاح مع الطحطاوی فصل یطہر جلد المیتۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۹۰

[6] السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ من احکام الدباغۃ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱/۴۰۹

مادام حیا وطھارۃ جلدہ بالدباغ والذکاۃ وطھارۃ مالا تحلہ الحیوۃ من اجزائہ کغیرہ من السباع[1]۔	زندہ ہے ذاتی طور پر پاک ہے۔اس کا چمڑا دباغت یا ذبح (شرعی) کے ساتھ پاک ہوجاتا ہے نیز اس کے جن اجزاء میں زندگی سرایت نہیں کرتی دوسرے درندوں کی طرح وہ بھی پاک ہیں۔(ت)

اور گیارھواں یہ جو سعایہ میں ہے:

قلت لم یتضح لی الی الاٰن دلیل علی کونہ نجس العین ودلائل المثبتین کلھا مخدوشۃ[2]۔	میں کہتا ہوں اب تک مجھے اس کے نجس عین ہونے پر کوئی واضح دلیل نہیں ملی، نجس ثابت کرنے والوں کے تمام دلائل کمزور ہیں۔(ت)

اور بارھواں وہ جو مولوی عبدالحہ لکھنوی نے تعلیق ممجد میں بعد ذکر ان حدیثوں کے جو کہ طہارت اُہُب پر دباغت سے مطلقًا دلالت کرتی ہیں کہا ہے:

وبھذہ الاحادیث ونظائرھا ذھب الجمھور الی الطھارۃ بالدباغۃ مطلقا الا انھم استثنوا من ذلک جلد الانسان لکرامتہ وجلد الخنزیر لنجاسۃ عینہ واستثنی ایضا جلد الکلب من ذھب الی کونہ نجس العین وھو قول جمع من الحنفیۃ وغیرھم ولم یدل علی دلیل قوی بعد[3]۔	ان احادیث اور ان کی مثل پر بنیاد رکھتے ہوئے جمہور فقہاء نے دباغت کے ذریعے مطلقًا طہارت کی راہ اختیار کی ہے مگر انہوں نے اس سے انسان کے چمڑے کو اس کی عزّت کی بنیاد پر اور خنزیر کے چمڑے کو اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے مستثنٰی قرار دیا ہے اور جو لوگ کتّے کو نجسِ عین سمجھتے ہیں انہوں نے اس کو بھی مستثنٰی کیا ہے احناف کی ایک جماعت اور ان کے علاوہ فقہاء کرام کا یہی قول ہے لیکن ابھی تک اس پر کوئی مضبوط دلیل نہیں پائی گئی۔(ت)

اور تیرھواں یہ جو فتح القدیر میں ہے:

اختلف المشایخ فی التصحیح والذی یقتضیہ	تصحیح میں علماء کا اختلاف ہے اور "ایما اھاب"

[1] ردالمحتار قبیل فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

[2] السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ من احکام الدباغۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۰۹

[3] تعلیق ممجد لعبدالحہ اللکھنوی

عموم ایما اھاب طھارۃ عینہ ولم یعارضہ مایوجب نجاستھا فوجب حقیقۃ عدم نجاستھا[1]۔	(جو بھی چمڑا) کا عموم طہارت عین کا مقتضی ہے اور اس کے مقابلے میں نجاست کو واجب کرنے والی کوئی دلیل موجود نہیں لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کا نجس نہ ہونا حق ہوا۔ (ت)

کہتا ہے کہ کُتّا طاہر العین ہے اور کہتا ہے کہ آیت میں تو وجہ دلالت کی یہ ہے کہ یہ آیت بلا ضرورت کتّے سے از روئے اصطیاد کے جواز انتفاع پر بلکہ بجز کھانے کے اور اُس سے سب طرح کے فائدے اُٹھانے کے جواز پر دلالت کرتی ہے، قرطبّی نے کہا ہے:

وقد ذکر بعض من صنف فی احکام القراٰن ان الایۃ تدل علی ان الاباحۃ تناولت ماعلمنا الجوارح وھو ینظم الکلب وسائر جوارح الطیر وذلك یوجب اباحۃ سائر وجوہ الانتفاع فدل علی جواز بیع الکلب والجوارح والانتفاع بھابسائر وجوہ المنافع الاماخصہ الدلیل وھو الاکل من الجوارح ای الکواسب من الکلاب وسباع الطیر[2]۔	احکامِ قرآن کے بعض مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اباحت ان تمام شکاری جانوروں کو شامل ہے جن کو ہم سکھائیں اور اس میں کتّا اور تمام شکاری پرندے بھی شامل ہیں اور یہ (جواز) انتفاع کے تمام طریقوں کی اباحت کو واجب کرتا ہے پس یہ کتّے اور (دیگر) شکاری جانوروں کو بیچنے اور ان سے ہر طرح کا نفع حاصل کرنے پر دلالت کرتا ہے مگر جس کو دلیل نے خاص کرلیا ہو، اور وہ شکاری جانوروں یعنی کسب کرنے والے کتّوں اور درندوں کو کھانا ہے (اور یہ جائز نہیں)۔ (ت)

اور کسی چیز سے بلا ضرورت انتفاع کا جائز ہونا اُس چیز کے عدمِ نجاست کی علامت ہے تو اس نے اُس کے عدمِ نجاست پر بھی دلالت کی کماھو ظاھر (جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔ت)

اور حدیث ابن عمر میں یہ کہ موسم گرمی میں اکثر اوقات کُتّے کیچڑ میں بھرے ہوئے پانی میں بھیگے ہوئے مسجد میں آتے جاتے ہوں گے اور کیچڑ پانی مسجد میں گرتا ٹپکتا ہوگا تو جبکہ باوجود اس کے رش بھی نہ ثابت ہوا تو ان کے اجسام اور اعیان کے عدم نجاست ثابت ہُوئی۔

[1] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۳

[2] الجامع لاحکام القرآن زیر آیہ وما علّمتم من الجوارح الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۶۶

اور احادیث اذن فی اقتناء الکلب (کتّا رکھنے کی اجازت سے متعلق احادیث۔ت) کی دلالت کی نسبت مولوی عبدالحہ نے سعایہ میں کہا ہے:

نعم لھا دلالۃ علی طھارۃ جسمہ وعدم تنجس عینہ البتۃ فان الاذن فی اقتنائہ دال علی انہ لیس ینجس العین[1]۔	ہاں اس کے جسم کے پاک ہونے اور نجس عین نہ ہونے پر یقینا دلیل ہے کیوں کہ اسے رکھنے کی اجازت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ نجس عین نہیں۔(ت)

اور باقی حدیثوں میں وجہ دلالت کی ظاہر ہے اور عمرو استدلالًا باحادیث الامر بقتل الکلاب (کتوں کو ہلاک کرنے کے حکم سے متعلق احادیث سے استدلال کرتے ہوئے۔ت) واحادیث عدم دخول الملٰئکۃ بیتا فیہ کلب (جس گھر میں کتّا ہو اس میں فرشتوں کے داخل نہ ہونے کے بارے میں احادیث۔ت) واحادیث الامر بغسل الاناء من دلوغ الکلب سبعا اوثمانیا اوثلثا واھراق مافضل من شربہ (کتّے کے چاٹنے سے برتن کو سات یا آٹھ یا تین بار دھونے اور اس کے پینے سے جو بچ جائے اسے بہادینے کے بارے میں احادیث۔ت) وحدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ:

ان النبی دعی الی دار قوم فاجاب ودعی ای دار اُخرین فلم یجب فقیل لہ فی ذلك فقال ان فی دار فلاں کلبا فقیل لہ وان فی دار فلان ھرۃ فقال الھرۃ لیست بنجسۃ انما ھی الطوافین علیکم والطوافات[2]۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک قوم نے دعوت دی، آپ نے قبول کرلی۔اور آپ کو دوسروں کے گھر میں بلایا گیا تو آپ نے قبول نہ کیا، اس بارے میں آپ سے عرض کیا گیا۔آپ نے فرمایا کہ فلاں کے گھر میں کتّا ہے۔عرض کیا گیا اور فلاں کے گھر میں بلّی ہے۔آپ نے ارشاد فرمایا: بلّی ناپاک نہیں اور وہ تمہارے پاس آنے جانے والے (غلاموں) اور آنے جانے والی (لونڈیوں) کی طرح ہے۔(ت)

وتمسکا باقوال بعض علمائنا الحنفیۃ کو ازانجملہ ایک یہ ہے جو مبسوط میں ہے:

الصحیح من المذھب عندنا ان الکلب نجس[3]۔	ہمارے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ کتا ناپاک ہے۔(ت)

[1] السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ احکام الاسآر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۴۴۶
[2] التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر، اب بیان النجاسات، المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل، ۱/۲۵
[3] المبسوط للسرخسی سؤرمالایوکل لحمہ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱/۴۸

اور دوسرا یہ جو ابو المکارم کی شرح نقایہ میں ہے:

فی فتاوٰی قاضی خان مایدل علی ان الکلب نجس العین وفی موضع آخر مایدل علی انہ لیس کذلك وسمعت ان الروایۃ الصحیحۃ عندنا ھو الاول[1]۔	فتاوی قاضی خان میں ایسی بات ہے جو کتّے کے نجسِ عین ہونے پر دلالت کرتی ہے اور (اسی میں) دوسری جگہ وہ بات ہے جس میں ایسا نہ ہونے پر دلالت ہے اور میں نے سنا کہ ہمارے نزدیک صحیح روایت، پہلی ہے (یعنی نجسِ عین)۔(ت)

اور تیسرا یہ جو شرح وقایہ وغیرہ بعض کتبِ فقہ میں ہے:

اذاسد کلب عرض النھر ویجری الماء فوقہ انکان مایلاقی الکلب اقل ممالایلاقیہ یجوز الوضوء فی الاسفل والالا[2]۔	اگر کتّا نہر کی چوڑائی بند کردے اور پانی اس کے اوپر سے جاری ہو تو اگر کتّے سے ملا ہوا پانی اس سے کم ہے جو اس (کے جسم) سے ملا ہوا نہیں ہے تو (نہر کی) نچلی جانب سے وضو کرنا جائز ہے ورنہ نہیں۔(ت)

کہتا ہے کہ کتّا نجس العین ہے اور زید عمرو کے ان دلائل میں سے احادیث امر بقتل کلاب اور احادیث عدم دخول ملائکہ اور احادیث امر بغسل اناء کا تو جواب یہ دیتا ہے کہ ان سب حدیثوں کے نجاست کلب پر دلالت کرنے میں ضُعف ہے۔احادیث امر بقتل کلاب کے دلالت کرنے میں تو اس وجہ سے کہ یہ امر ان کی نجاست کے سبب نہ تھا بلکہ ملائکہ کے اُس گھر میں جس میں کتّا ہو نہ داخل ہونے کی وجہ سے تھا جیسا کہ امر مذکور ہی کی احادیث سے مفہوم ہوتا ہے اور اگر ہم تسلیم بھی کرلیں تو اس کا نسخ وارد ہو چکا ہے اور احادیث عدم دخول ملائکہ کے دلالت کرنے میں اس وجہ سے کہ امتناعِ ملائکہ کا باعث کلب کی نجاست ہی نہیں متعین ہوسکتی بلکہ ممکن ہے کہ کوئی اور امر ہو۔

قال العلامۃ الدمیری فی حیوۃ الحیوان قال العلماء سبب امتناعھم من البیت الذی فیہ الکلب کثرۃ اکلہ النجاسات وبعض الکلاب یسمی شیطانا والملائکۃ	علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں جس گھر میں کتّا ہو اس میں فرشتوں کے نہ آنے کا باعث کتّوں کا بکثرت نجاست کھانا ہے،اور بعض کتّوں کو تو شیطان کہا جاتا ہے اور فرشتے شیطان

[1] شرح النقایۃ لابی المکارم

[2] شرح الوقایۃ بیان مایجوزبہ الوضوء المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۸۴

ضد الشیاطین ولقبح رائحة الکلب والملئکة تکرہ والرائحة الخبیثة ولانہا منھی عن اتخاذھا فعوقب متخذھا بحرمانہ دخول الملئکة بیتہ [1]۔	کی ضد میں، نیز کتا بدبودار ہوتا ہے اور فرشتے بدبُو کو پسند نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ کتا رکھنے سے منع کیا گیا پس اسے رکھنے والے کو یوں سزادی گئی کہ اس کے گھر میں فرشتوں کا داخلہ نہیں ہوتا۔(ت)

اور نظیر اس کی وہ حدیث ہے جس کو امام مالک اور بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہ سے مرفوعًا اخراج کیا ہے کہ جس گھر میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں فرشتے نہیں داخل ہوتے اور نیز وہ حدیث ہے جس کو امام مالک اور احمد اور ترمذی اور ابن حبان نے ابو سعید سے مرفوعًا اخراج کیا ہے کہ جس گر میں تماثیل یا صورت ہوتی ہیں اُس میں فرشتے نہیں آتے اور نیز وہ حدیث جس کو بغوی اور طبرانی اور ابو نعیم نے معرفة میں اور ابن قانع نے سوط بن غزی سے مرفوعًا اخراج کیا ہے کہ ملائکہ اس قافلہ کے ساتھ نہیں ہوتے جس میں گھنٹا ہوتا ہے اور نیز وہ حدیث ہے جس کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعًا اخراج کیا ہے کہ ملائکہ جنب اور **متضمخ بخلوق** [2] پر اُن کے غسل کرنے تک حاضر نہیں ہوتے۔

اور نیز وہ حدیث ہے جس کو احمد اور ابوداؤد نے عمار سے مرفوعًا اخراج کیا ہے کہ ملائکہ جنازہ کافر پر خیر سے اور متضمخ بزعفران اور جنب پر نہیں حاضر ہوتے تو جیسا کہ ان حدیثوں سے نجاست تصویر اور جنازہ کافر اور متضمخ بزعفران وغیر ذلک پر استدلال کرنا غیر ممکن ہے ایسا ہی احادیث عدم دخول ملائکہ سے نجاست کلب پر تمسک کرنا ناجائز اور احادیث امر بغسل اناء کے دلالت کرنے میں تو ضعف کا ہونا ظاہر ہے، ہاں نجاست لعابِ کلب پر یہ حدیثیں البتہ دال ہیں نہ اُس کے عین کی نجاست پر۔ اور حدیث ابی ہریرہ کا جواب اوّلًا تو یہ دیتا ہے کہ مولٰنا الہداد جونپوری نے حاشیہ ہدایہ میں اور دمیری نے حیٰوۃ الحیوان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے یعنی دمیری نے کہ اس حدیث کو امام احمد اور دارقطنی اور حاکم اور بیہقی نے حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے لیکن میں نے جو سنن دارقطنی اور مستدرک حاکم کی طرف مراجعت کی تو میں نے ان دونوں میں اس حدیث کو اس لفظ سے نہیں پایا بلکہ لفظ

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتی دارقوم من الانصار ودونھم دار فیشق ذلك علیھم فقالوا یارسول اللہ تاتی دار فلان ولاتاتی دارنا فقال	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چند انصار کے گھروں میں تشریف لاتے تھے ان میں سے نیچے کی جانب ایک گھر تھا ان پر یہ بات گراں گزری توانھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ فلاں

[1] حیٰوۃ الحیوان الکبرٰی، زیر لفظ الکلب، مصطفی البابی حلبی مصر، ۲/ ۲۹۰

[2] خلوق [2] (ایک خاص قسم کی خوشبو) لگانے والا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان فی دارکم کلباً قالوا فان فی دارھم سنورا فقال النبی السنور سبع[1]۔	کے گھر تشریف لاتے ہیں اور ہمارے گھر تشریف نہیں لاتے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس لئے کہ تمہارے گھر کتا ہے۔انہوں نے عرض کیا تو ان (فلاں کے) گھر بلّی ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلّی ایک درندہ ہے۔(ت)

کے ساتھ پایا تو اول تو اصح اس کا وقف ہے اور دوسرے اسناد اس کی قوی نہیں۔

قال الحافظ ابن حجر فی التلخیص بعدذکر الحدیث قال ابن ابی حاتم فی العلل سألت ابازرعۃ عنہ فقال لم یرفعہ ابونعیم وھو اصح وعیسی عہ لیس بالقوی قال العقیلی لایتابعہ علی ھذا الحدیث الامن ھو مثلہ اودونہ وقال ابن حبان خرج عیسی عن حدالاحتجاج ولما ذکرہ الحاکم قال ھذا الحدیث صحیح تفرد بہ عیسی عن ابی زرعۃ وھو صدوق لم یجرح قط ھکذا قال وقدضعفہ ابوحاتم وابوداود وغیرھما وقال ابن الجوزی لایصح[2] انتھی ملخصاً۔	حافظ ابن حجر (عسقلانی) نے تلخیص میں یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا ابن ابی حاتم نے علل میں فرمایا کہ میں نے اس حدیث کے بارے میں ابوزرعہ سے پُوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ابونعیم نے اسے مرفوع ذکر نہیں کیا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔اور عیسٰی (راوی) قوی نہیں۔عقیلی نے فرمایا اس حدیث میں ان کی متابعت وہی کرے گا جو اس کی مثل یا اس سے کم (درجہ میں) ہو۔ابنِ حبان نے کہا: عیسٰی حجت کی حد سے نکل گیا (یعنی اس کی بات کو دلیل نہیں بناسکتے) اور حاکم نے اس حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہا یہ حدیث صحیح ہے اس کو ابوزرعہ سے روایت کرنے میں عیسٰی متفرد ہیں اور وہ سچّے ہیں ان پر کبھی جرح نہیں ہُوئی،انہوں نے اسی طرح کہا،(لیکن) ابوحاتم اور ابوداؤد کے علاوہ دوسروں نے اسے ضعیف قرار دیا،اور ابن جوزی نے کہا یہ صحیح نہیں انتہی ملخصا(ت)

اور تیسرے برتقدیر اس کے رفع اور اس کے اسناد کی صحت کے اس کو اس لفظ سے نجاست کلب

عہ: ھذا احد رواۃ ھذا الحدیث ۱۲ (م)	اس حدیث کے راویوں میں سے ایک یہ ہیں۔(ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۲/۳۲۷

[2] التلخیص الجیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر باب بیان النجاسات المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۱/۲۵

پر ہرگز دلالت نہیں۔ہاں بلّی کے مثل کُتّے کے شیطان نہ ہونے پر البتہ اس کو دلالت ہے جیسا کہ بعض شارحین نے لکھا ہے اور ثانیًا یہ کہ بر تقدیر اس کے اُس لفظ کے ساتھ موجود ہونے اور اس کے رفع اور اس کے اسناد کی صحت کے نہیں ثابت ہوگی اس سے مگر نجاست اضافیہ یعنی کتّے کا بہ نسبت بلّی کے نجس ہونا نہ حقیقیہ کما لایخفی علی من له طبع سلیم وذهن مستقیم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس کی فطرت سلیم اور ذہن ٹھیک ہے۔ت) اور وہ مسلّم ہے بیشک بہ نسبت بلّی کے کتا نجس ہے کیونکہ اس کا گوشت اور خون اور لعاب اور سور اور عرق ہمارے نزدیک نجس ہے بخلاف بلّی کے، اور بحث اس کی نجاست عین سے ہے تو حدیث کو اُس پر دلالت نہیں فتدبر، اور اقوالِ فقہا میں سے اُن دونوں قولوں کا تو جو مبسوط اور شرح نقایہ میں ہے جواب یہ دیتا ہے کہ اول تو ان دونوں قولوں میں کلب کی نجاست کی نسبت لفظ صحیح بولا ہے اور اُن اقوال میں جو میرے دلائل سے ہیں اس کے طاہر العین ہونے کی نسبت لفظ اقرب الی الصواب اور لفظ اصح کہا ہے وقد صرحوا بأن لفظ الاصح اٰکد من الصحیح فیتبع الاٰکد کما صرح به فی ردالمحتار [1] (فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ لفظ "اصح" لفظ "صحیح" سے زیادہ مؤکد ہے پس جس میں زیادہ تاکید ہے اس کی اتباع کی جائے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ت)

اور دوم: اگر ہم مساوات لفظ تصحیح کو بھی مان لیں تو فتوٰی تو اس کے طاہر العین ہونے پر ہے فیؤخذ بما علیه الفتوی دون غیرہ (پس اسے اختیار کیا جائے جس پر فتوٰی ہے نہ کہ اس کے غیر کو۔ت)

اور سوم: اگر ہم اختلاف فتوٰی کو بھی تسلیم کریں تو تب بھی بموجب قاعدہ اذا اختلف التصحیح والفتوٰی فالعمل بما فی المتون اولی [2] (جب تصحیح اور فتوٰی میں اختلاف ہو تو جو کچھ متون میں ہے اس پر عمل کرنا اولٰی ہے۔ت) کے عمل ما فی المتون ہی پر کیا جائے گا۔

والمراد بالمتون لیس جمیع المتون بل المختصرات التی الفها حذاق الائمة وکبار الفقهاء المعروفین بالعلم والزهد والفقة والثقة فی الروایة کابی جعفر الطحاوی والکرخی والحاکم والشهید	متون سے مراد تمام متون نہیں بلاکہ وہ مختصر کتب میں جن کو ماہر ائمہ اور فقہاءِ کبیر جو علم، زہد، فقہ اور روایت میں ثقافت کے ساتھ مشہور ہیں، نے تالیف کیا جیسے ابو جعفر طحاوی، کرخی، حاکم، شہید، قدوری اور وہ لوگ جو اس طبقے

[1] الدر المختار علی حاشیۃ ردالمحتار، مطلب اذا تعارض التصحیح، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۵۰

[2] ردالمختار مطلب اذا تعارض التصحیح مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۹

والقدوری ومن فی هذه الطبقة وقدکثر اعتماد المتأخرین علی الوقایة لبرهان الشریعة وکنزالدقائق لابی البرکات والمختار لابی الفضل ومجمع البحرین لمظفر الدین ومختصر القدوری لاحمد بن محمد وذلك لماعلموا من جلالة مولفیها والتزامهم ایراد مسائل معتمد علیها واشهرها ذکرا واقولها اعتمادا الوقایة والکنز ومختصر القدوری وهی المراد بقولهم المتون الثلثة۔	میں شامل ہیں متاخرین کا برہان الشریعۃ کے وقایہ، ابوالبرکات کی کنزالدقائق اور ابوالفضل کی المختار مظفر الدین کی مجمع البحرین اور احمد بن محمد کی مختصر القدوری پر بہت زیادہ اعتماد ہے، اور یہ اس لئے کہ انہیں ان کتب کے مولفین کی جلالت علمی نیز قابلِ اعتماد مسائل ذکر کرنے کے التزام کا علم تھا۔ ان میں سے ذکر کے اعتبار سے زیادہ مشہور اور قول کے اعتبار سے زیادہ معتمد علیہ وقایہ، کنزالدقائق اور مختصر القدوری ہے اور فقہاء کرام کے قول متون سے یہی "تین متون" مراد ہیں۔ (ت)

تو ان سب میں علی الخصوص ان متون ثلثہ میں بجز اس کے طاہر العین ہونے کے اور کچھ نہیں ہے وللہ الحمد، اور اس کا جو کہ شرح وقایہ وغیرہ میں ہے یہ کہ اس قول میں کلب سے مراد کلبِ میت ہے۔ حسن چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی میں کہا ہے:

قوله واذاسد كلب ای میت[1]	قولہ اور جب کتا (نہر کی چوڑائی) بند کرے، یعنی مردہ (کتا)۔ (ت)

اور ایسا ہی سعایہ اور رعایہ میں بھی ہے اور شرح وقایہ کے اردو ترجمہ میں ہے کہ اگر مرا ہوا کتّا رواں ندی میں پڑا ہو تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے اور بر تقدیر زید کے قول کے صحیح ہونے کے اُس کے استدلال اور جواب بھی صحیح ہیں یا نہیں اور نیز اس میں کہ بر تقدیر کلب کی طہارت عین کی صحت کے یہ جو ردالمحتار میں نقلاً عن البدائع ہے

قال مشایخنا من صلی وفی کمه جر وتجوز صلاته وقیده الفقیه ابوجعفر الهندوانی بکونه مشدود الفم[2]۔	ہمارے مشائخ نے فرمایا جس نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کی آستین میں کتّے کا بچّہ تھا تو اس کی نماز جائز ہے فقیہ ابوجعفر ہندوانی نے قید لگائی ہے کہ اس کا مُنہ باندھا ہوا ہو۔ (ت)

اور نیز یہ جو اس میں نقلاً عن المحیط ہے:

[1] ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ کتاب الطہارۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۴

[2] ردالمحتار باب المیاہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹

صلی ومعه جروکلب اومالایجوز الوضوء بسوره قیل لم یجز والاصح انکان فمه مفتوحا لم یجز لان لعابه یسیل فی کمه فینجس لواکثر من قدر الدرهم ولوکان مشدودا بحیث لایصل لعابه الی ثوبه جازلان ظاهر کل حیوان طاهر ولایتنجس الابالموت ونجاسة باطنه فی معدنها فلایظهر حکمها کنجاسة باطن المصلی [1]	کسی نے نماز پڑھی اور اس کے پاس کتّے کا بچّہ یا وہ چیز تھی جس کے جھُوٹے سے وضو جائز نہیں، تو کہا گیا (نماز) جائز نہیں، یقیناً زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس کا منہ کھُلا ہوا ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس کا لعاب آستین میں بہہ کر اسے ناپاک کردے گا جبکہ وہ ایک درہم سے زیادہ ہو، اور اگر اس کا منہ اس طرح باندھا ہو کہ اس کا لعاب نمازی کے کپڑے تک نہ پہنچے تو نماز جائز ہے کیونکہ ہر حیوان کا ظاہر پاک ہے اور وہ مرنے کے بغیر ناپاک نہیں ہوتا، اندرونی نجاست اپنے اصل مقام پر ہے لہٰذا نمازی کے پیٹ کی نجاست کی طرح اس کا حکم بھی ظاہر نہ ہوگا۔(ت)

اور نیز یہ جواُس میں نقلاً عن الحلیۃ ہے:

والاشبه اطلاق الجواز عند امن سیلان القدر المانع قبل الفراغ من الصّلاۃ [2]۔	زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے جبکہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے اس قدر (لعاب) جاری ہونے سے بے خوف ہو جو مانع طہارت ہے۔(ت)

بوجہ اس کے اُس پر یعنی کلب کی طہارت عین پر مبنی ہونے کے بدلیل المبنی علی الصحیح صحیح (جس کی بنیاد صحیح پر ہو وہ صحیح ہوتا ہے۔ت) کے صحیح ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰه الذی اعطی کل شیئ خلقه ثم هدی فکان اصل کل شیئ طاهرا اذمن القدوس الطاهر بدا وصلی اللّٰه تعالٰی علی السید الطیب الطاهر الذی میز	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے ہیں جس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی پھر اسے ہدایت دی، پس ہر چیز کی اصل پاک ہے کیونکہ وہ پاکیزہ طاہر ذات کی طرف سے ظاہر ہُوئی طیب وطاہر سردار پر

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۳۹

[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۹

الخبیث من الطیب بنور الھدی وعلی اٰلہ الاطائب وصحبہ الطاھر وبارك وسلم دائما ابدا قال احد کلاب الباب النبوی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البریلوی غفراللہ لہ وحقق املہ اٰمین قول زید اصح وارجح واحق بالقبول واوفق بالمنقول والمعقول ہے۔	جس نے نورِ ہدایت کے ساتھ ناپاک کو پاک سے جُدا کردیا آپ کی پاکیزہ آل اور پاک صحابہ کرام پر اللہ تعالٰی کی رحمت، برکت اور سلامتی ہمیشہ ہمیشہ نازل ہو۔ سگِ بابِ نبوی احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی قادری، بریلوی، اللہ تعالٰی اس کی بخشش کرے اور اس کی امید کو ثابت وسچ کردے (آمین) نے کہا کہ زید کا قول زیادہ صحیح، راجح اور قبولیت کا زیادہ حق رکھتا ہے نیز معقول ومنقول کے زیادہ موافق ہے۔ (ت)

اور اس کے اکثر دلائل وجوابات صحیح ونجیح وقابل قبول فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں یہ جانور سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر، یہی مذہب ہے صحیح واصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتوٰی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔ کلام زید میں بقدر کفایت اس کی تفصیل مذکور اور مسئلہ خود کثیر الدرر ومعروف ومشہور لہٰذا اداءً لحق الجواب وکشف الصواب جمیع ابحاث متقدمہ حدیث وفقہ وترجیح وتزییف میں اضافہ چند فائدہ زائدہ منظور

اما الحدیث فنذکر ماذکر اصحابنا ثم نورد تحقیق الروایۃ ثم نشیر الی تنقیح الدرایۃ۔	رہی حدیث تو ہم وہی ذکر کرینگے جو ہمارے اصحاب نے ذکر کیا پھر روایت کی تحقیق لائیں گے اس کے بعد درایت کی درستگی بیان کرینگے۔ (ت)

آثار عدیدہ میں مروی کہ کلب مملوک کے قاتل پر ضمان لازم اور سگ شکاری کو عورت کا مہر مقرر کرسکتے ہیں۔

قال العلامۃ علی القاری علیہ رحمۃ الباری فی المرقاۃ کتاب البیوع باب الکسب تحت حدیث ابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب مانصہ ھو محمول عندنا علی ماکان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین امر بقتلہ وکان الانتفاع بہ ے یومئذ محرما ثم رخص فی الانتفاع بہ حتی روی انہ قضی فی کلب صید قتلہ رجل	علّامہ ملّا علی قاری ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو، نے مرقاۃ کے کتاب البیوع، باب الکسب میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کو "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتّے کی قیمت وصول کرنے سے منع فرمایا" کے تحت فرمایا "جو کچھ انہوں نے ذکر کیا وہ ہمارے نزدیک اس پر محمول ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا جب آپ نے اسے مار دینے کا حکم دیا اور ان دنوں اس سے نفع حاصل کرنا حرام تھا پھر اس سے انتفاع کی اجازت دے دی

باربعین درهما وقضی فی کلب ماشیة بکبش ذکره ابن الملك[1] اھ۔

اقول: ظاهره عزوذلك الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقدصرح به فی الاسرار والنهایة وذخیرة العقبٰی[2] وغیرها من الشروح والاسفار فقالوا ان عبدالله بن عمروبن العاص رضی الله عنهما روی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه قضی فی کلب باربعین درهما ولکن ظنی ان المعروف عــه وقفه فلعل قضی فی الموضعین علی البناء للمفعول۔قال الامام الاجل ابوجعفر فی شرح معانی الآثار نزول هذه الاٰیة بعد تحریم الکلاب وان هذه الاٰیة اعادت الجوارح المکلبین الی صیرتها حلالا واذاصارت کذلك کانت فی سائر الاشیاء التی هی حلال فی حل امساکها واباحة اثمانها

یہاں تک مروی ہے کہ ایک شخص نے شکاری کتّا ہلاک کردیا تو آپ نے (اس کے خلاف) چالیس درہم کے ساتھ فیصلہ فرمایا اور جانوروں کی حفاظت کیلئے رکھے گئے کتّے کے سلسلے میں ایک مینڈھا دینے کا فیصلہ فرمایا اسے ابن الملک نے ذکر کیا اھ (ت)

اقول: بظاہر یہ، رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے اور اسرار، نہایہ ذخیرۃ العقبٰی وغیرہ شروح اور بڑی بڑی کتب میں اس کی تصریح کرتے ہوئے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے کُتّے کے سلسلے میں چالیس درہم کا فیصلہ فرمایا لیکن میرے خیال میں اس کا موقوف ہونا معروف ہے شاید دونوں جگہوں میں "قُضِیَ" مبنی للمفعول ہے۔امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار میں فرمایا کہ اس آیت کا نزول کتّوں کو حرام قرار دینے کے بعد ہوا اور اس آیت نے سکھائے ہوئے شکاری کتوں کو دوبارہ حلت کی طرف لوٹا دیا یعنی ان کا روکا ہوا (شکار) حلال ہوگا، ان کی قیمت لینا جائز ہوگی اور ان میں سے

عــه بعد کتابتی لهذا المحل رأیت المحقق حیث اطلق ذکر الحدیث فی الفتح عن الاسرار ثم قال هذا لایعرف الاموقوفا الخ والله الحمد ۱۲ منه

اس جگہ کی کتابت کے بعد میں نے دیکھا کہ محقق علی الاطلاق نے اس حدیث کو فتح القدیر میں اسرار سے ذکر کیا ہے پھر فرمایا یہ حدیث نہیں پہچانی جاتی مگر موقوفاً الخ وللہ الحمد ۱۲منہ (ت)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الکسب وطلب الحلال مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳۸/۶

[2] ذخیرۃ العقبٰی علی شرح الوقایۃ مسائل شتی من البیع، مطبع منشی نولکشور کانپور ۴۰۰/۲

وضمان متلفیھا ما اتلفوا منھا کغیرھا اوقدوری فی ذلك عمن بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدثنا یونس ثنا ابن وھب قال سمعت ابن جریج یحدث عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عبداللہ بن عمرو انہ قضی فی کلب صید قتلہ رجل باربعین درھما وقضی فی کلب ماشیۃ بکبش اھ.ثم اسند عن ابن شھاب الزھری انہ قال اذا قتل الکلب المعلم فانہ یقوم قیمتہ فیغرمہ الذی قتلہ ثم عن محمد بن یحیی بن حبان الانصاری قال کان یقال یجعل فی الکلب الضاری اذاقتل اربعون درھما[1] اھ وفی عمدۃ القاری للعلامۃ البدر محمود العینی عن عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ اجاز الکلب الضاری فی المھر وجعل علی قاتلہ عشرین من الابل[2] ذکرہ ابوعمر فی التمھید۔	جو کچھ ضائع کیا گیا، ضائع کرنے والے پر اس کی ضمان ہوگی جیسا کہ دوسرے جانوروں میں ہوتا ہے (یہ مطلب نہیں کہ خود اس کا کھانا حلال ہوگیا) اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد والوں (صحابہ کرام وتابعین) سے بھی روایات مروی ہیں۔ہم (امام طحاوی) سے یونس نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابن وہب نے بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے ابنِ جریج سے سُنا وہ عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا (عبداللہ بن عمرو) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شکاری کتے کو کسی نے ہلاک کردیا تو انہوں نے اس کے بدلے میں چالیس درہموں کا فیصلہ فرمایا اور جانوروں کی حفاظت کرنے والے کتے کے بارے میں ایک مینڈھے کا فیصلہ کیا اھ، پھر (امام طحاوی نے) ابن شہاب زہری کا قول نقل کیا انہوں نے فرمایا: جب معلّم کتا ہلاک کیا جائے تو اس کی قیمت معین کرکے قاتل تاوان ادا کرے پھر محمد بن یحیٰی بن حبان کا قول نقل کیا فرماتے ہیں کہا جاتا تھا کہ جب کوئی شخص شکاری کتّے کو ہلاک کرے تو اس کے بدلے میں چالیس درھم مقرر کئے جائیں اھ علامہ بدر الدین عینی محمود کی عمدۃ القاری میں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے مہر میں شکاری کتا دینا جائز قرار دیا ہے اور اس کے قاتل پر بیس ۲۰ اونٹ تاوان رکھا ہے، اسے ابوعمر نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔(ت)

ان احادیث سے کلب کا مال متقوم ہونا ثابت اور پُرظاہر کہ نجس العین مال متقوم نہیں تو واجب کہ طاہر العین ہو

ولذا جعل التضمین فی الدر مبنیا علی القول	اسی لئے دُرمختار میں اس کی ضمان مقرر کرنے کیلئے

[1] شرح معانی الآثار باب ثمن الکلب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۲۵۱

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب ثمن الکلب ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۲/ ۵۹

بالطھارۃ حیث قال لیس الکلب بنجس العین عند الامام وعلیه الفتوٰی فیباع ویوجر ویضمن[1] الخ قال الشامی ھذہ الفروع بعضھا ذکرت احکامھا فی الکتب ھکذا وبعضھا بالعکس والتوفیق بالتخریج علی القولین کمابسطه فی البحر[2] الخ۔ **اقول:** وانتظر مانذکرہ فی جواز البیع وفتش تعرف۔ **واما الفقه:** فنقول نقول کثیرۃ بشیرۃ شائع فی کتب المذھب متونا وشروحا وفتاوٰی۔	طہارت کے قول کو بنیاد بنایا گیا ہے۔جب انہوں نے فرمایا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک کُتّا نجسِ عین نہیں ہے۔اور اسی پر فتوی ہے لہذا اسے بیچا جاسکتا ہے اُجرت پر دیا جاسکتا ہے اور اس کی ضمان بھی (واجب) ہوگی۔الخ علّامہ شامی نے فرمایا: ان فروع میں سے بعض کے احکام، کتب میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں اور بعض کے بالعکس،اور ان کے درمیان مطابقت دونوں پر تخریج کی صورت میں ہوسکتی ہے جیساکہ البحرالرائق میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔الخ **اقول:** جو کچھ ہم بیع کے جواز میں ذکر کریں گے اس کاانتظار کرو اور جستجو کروگے جان لوگے (ت) رہا فقہ کے بارے، تو ہم کہتے ہیں کتب مذہب میں چاہے وہ متون شروح ہوں یا فتاوٰی،ان میں اس مسئلہ کا بکثرت ذکر ہے۔(ت)

مختصر[۱] قدوری وہدایہ[۲] وقایہ[۳] ونقایہ[۴] ومختار[۵] وکنز[۶] ووافی[۷] واصلاح[۸] ونورالایضاح[۹] وملتقی[۱۰] وتنویر وغیرہا عامہ متون میں تصریح صریح ہے کہ:

کل اھاب دبغ فقدطھر الاجلد الخنزیر والآدمی[3]۔	خنزیر اور آدمی کے چمڑے کے علاوہ جس چمڑے کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہوجاتا ہے (ت)

اس کلیہ سے صرف یہی دو استثنا فرماتے ہیں استثنائے کلب کا اصلاً پتا نہیں دیتے ولہذا علامہ زین العلماء نے البحرالرائق[۱۳] پھر علامہ حسن شرنبلالی نے غنیہ[۱۴] ذوی الاحکام میں **تبعا للمحق علی الاطلاق فی الفتح** فرمایا:

الذی یقتضیه عموم مافی المتون کالقدوری والمختار والکنز طھارۃ عینه ولم یعارضه	متون مثلاً مختصر القدوری،المختار اور کنزالدقائق کا عموم اسی بات کا مقتضی ہے کہ اس (کتّے) کا عین پاک

[1] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۳۸/۱
[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۹/۱
[3] المختصر للقدوری کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۷

ما یوجب نجاستها فوجب احقیة تصحیح عدم نجاستها [1] الخ۔	ہے اور ایسی کوئی چیز معارض نہیں جو اس کی نجاست کو واجب کرتی ہو لہٰذا اس کی طہارت کا زیادہ حق ہونا ثابت ہوا۔(ت)

علامہ سید ابو سعود ازہری نے فتح اللہ [۱۴] المعین میں فرمایا:

قوله وكل اهاب مقتضى هذه الكلية طهارة جلد الكلب بالدباغ بناء على ماهو المفتى به من انه ليس بنجس العين [2]۔	اس کا قول "وکل اھاب" (اور ہر چمڑا) ایک ایسا کلیہ ہے جس کے مطابق کتّے کا چمڑا بھی دباغت کے ذریعے پاک ہوجاتا ہے اس کی بنیاد وہ مفتٰی بہ قول ہے کہ یہ نجس عین نہیں ہے۔(ت)

اسی میں حکم قیل بیان کرکے فرمایا:

وكذا الكلب ایضا علی ماعلیه الفتوی من طهارة عینه وان رجح بعضهم النجاسة [3]۔	کُتّے کا بھی یہی حکم ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی طہارتِ ذاتی پر فتوٰی ہے اگرچہ ان (فقہاءِ کرام) میں سے بعض نے نجاست کو ترجیح دی ہے۔(ت)

امام ابوالبرکات عبداللہ محمود نسفی کافی [۱۵] شرح وافی میں فرماتے ہیں:

الكلب ليس بنجس العين لانه ينتفع به حراسة واصطيادا فكان كالفهد فيطهر بالدباغ [4]۔	کتا نجس عین نہیں کیونکہ حفاظت اور شکار کے لئے اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے لہٰذا وہ چیتے کی طرح ہے پس دباغت سے پاک ہوجائے گا۔(ت)

اسی طرح مستخلص [۱۶] الحقائق میں ہے۔امام [۱۷] زیلعی تبیین [۱۸] الحقائق پھر علّامہ شرنبلالی غنیہ میں فرماتے ہیں:

فی الكلب روایتان بناء علی انه نجس العین اولا والصحیح انه لایفسد مالم یدخل	اس بنیاد پر کہ کتّا نجس عین ہے یا نہیں اس کے بارے میں دو [۲] روایتیں ہیں صحیح یہ ہے کہ (پانی وغیرہ) خراب

---

[1] فتح القدیر باب ماء الذی یجوزبہ الوضوء الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۸۳

[2] فتح اللہ المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[3] فتح اللہ المعین کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۰

[4] کافی شرح وافی

فاہ لانہ لیس بنجس العین[1]۔	نہیں کرتا جب تک منہ نہ ڈالے کیونکہ وہ نجسِ عین نہیں ہے۔(ت)

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر (۱۸) میں ہے:

(کل اھاب دبغ فقط طھرا لاجلد الادمی لکرامتہ والخنزیر لنجاسۃ عینہ) واختلف فی جلد الکلب والصحیح انہ یطھر[2]۔	(ہر چمڑا جسے دباعت دی جائے پاک ہو جاتا ہے مگر آدمی کا چمڑا اس کی عزّت اور خنزیر کا چمڑا اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے پاک نہیں ہوتا) کتّے کے چمڑے میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ پاک ہو جاتا ہے۔(ت)

نقایہ اور اُس کی شرح جامع [۱۹] الرموز میں ہے:

(کل اھاب دبغ طھر الاجلد الخنزیر والادمی) فی الاکتفاء رمزالی ان الکلب یطھر بہ خلافا للصاحبین ففی کونہ نجس العین خلاف کمافی الزاھدی والاول الصحیح کمافی التحفۃ[3]۔	(جس چمڑے کو دباعت دی جائے پاک ہو جاتا ہے سوائے خنزیر اور آدمی کے چمڑے کے) (ان دونوں پر) اکتفاء کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دباعت سے کتّے کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے اس میں صاحبین کا اختلاف ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے۔پہلا قول صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔(ت)

نور الایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

تنزح (بوقوع خنزیر ولوخرج حیاولم یصب فمہ الماء) لنجاسۃ عینہ (و) تنزح (بموت کلب) قید بموتہ فیھالانہ غیر نجس العین علی الصحیح[4]۔	خنزیر کے گرنے سے سارا پانی نکالا جائے اگرچہ زندہ نکلے اور اس کا منہ پانی تک نہ پہنا ہو کیونکہ وہ نجس عین ہے،اور کتّے کے مرنے سے تمام پانی نکالا جائے۔اس کے ساتھ موت کی قید اس لئے لگائی ہے کہ صحیح قول کے مطابق یہ نجس عین نہیں ہے۔(ت)

علامہ احمد مصری اس کے حاشیہ (۲۰) میں فرماتے ہیں:

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام بر حاشیہ الدرر الحکام مطبعۃ احمد کامل امکائنہ فی دار السعادۃ ۱/۲۷

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی ابحاث الماء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲

[3] جامع الرموز کتاب الطہارۃ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۵۴

[4] مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحاوی فصل فی مسائل الاٰبار نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۱

ھو قول الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعندھما نجس العین کالخنزیر والفتوٰی علی قول الامام وان رجح قولھما کمافی الدر عن ابن الشحنۃ[1]۔	امام اعظم رحمہ اللہ کا یہی قول ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک یہ خنزیر کی طرح نجس عین ہے، فتوٰی امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر ہے اگرچہ صاحبین کے قول کو ترجیح دی گئی ہے جیسا کہ درمختار میں ابن الشحنہ سے منقول ہے۔(ت)

علّامہ محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ ۲۱ میں فرماتے ہیں:

کون الکلب لیس بنجس العین ھو المرجح۔	کتّے کے نجس عین نہ ہونے کو ترجیح حاصل ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

قدسلف مرارا انہ القول الراجح[2]۔	بارہا گزر چکا ہے کہ اسی قول کو ترجیح ہے۔(ت)

یہی قول امام صدر ۲۶ شہید کا مختار ہے،

کمافی الطحطاوی علی الدر وفی الحلیۃ عن الذخیرۃ عن شرح الطحاوی ان الکلب لیس بنجس العین وھو اختیار الصدر الشہید[3]۔	جیسا کہ درمختار کی شرح طحطاوی میں اور حلیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے شرح طحاوی سے منقول ہے کہ کُتّا نجسِ عین نہیں ہے صدر الشہید کا مختار قول بھی یہی ہے۔(ت)

اُسی میں تحفہ ۲۳ الفقہاء امام علاء الدین سمرقندی ومحیط ۲۴ امام رضی الدین وبدائع امام ۲۵ العلماء ابوبکر مسعود کاشانی رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے:

الصحیح انہ لیس بنجس العین[4]۔	صحیح بات یہ ہے کہ یہ نجس عین نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وفی موضع آخر من البدائع وھذا اقرب القولین الی الصواب انتھی ومشی علیہ غیر واحد من المشایخ[5]۔	بدائع میں دوسرے مقام پر ہے کہ یہ قول صحت کے زیادہ قریب ہے اھ اکثر مشائخ نے یہی راہ اختیار کی ہے۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی فصل فی مسائل الآبار نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۱

[2] حلیہ ابن امیر الحاج

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب المیاہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۱۴

[4] بدائع الصنائع فصل فی طہارۃ الحقیقیۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳

[5] بدائع الصنائع فصل اما بیان المقدار الذی الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۴

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ[۲۶] شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

الذی تقتضیه الدرایة عدم نجاسة عینه لماقال صاحب الهدایة ولعدم الدلیل علی نجاسة العین والاصل عدمها والدلیل الدال علی نجاسة سؤره لایقتضی نجاسة عینه[1]۔	درایت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا عین ناپاک نہیں جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا نیز اس کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور اصل چیز عدم ہے اور وہ دلیل جو اس کے جھُوٹے کے ناپاک ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کے نجس ہونے کی مقتضی نہیں ہے۔(ت)

صغیری[۲۷] میں فرمایا:

جروالکلب اذاجلس علیه بنفسه فعلی الروایة الصحیحة ینبغی ان تجوز صلاته لانه غیر حاصل للنجاسة[2] اھ ملخصا۔	اگر اس (نمازی) پر کتے کا بچہ خود بخود بیٹھ جائے تو صحیح روایت کے مطابق مناسب ہے کہ اس کی نماز جائز ہو کیونکہ وہ نجاست اٹھائے ہوئے نہیں ہے اھ ملخصا (ت)

علامہ شرنبلالی تیسیر[۲۸] المقاصد شرح نظم الفرائد میں فرماتے ہیں:

الکلب لیس نجس العین فی الاصح[3]۔	اصح قول کے مطابق کتا نجسِ عین نہیں ہے۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر میں ہے:

علی القول بان الکلب لیس بنجس العین لا ینجسه اذالم یصل فمه الماء وهو الاصح[4]۔	اس قول کی بنیاد پر کہ کتا نجسِ عین نہیں ہے وہ پانی (وغیرہ) کو ناپاک نہیں کرے گا جب تک اس کا منہ پانی تک نہ پہنچے، یہی زیادہ صحیح ہے۔(ت)

اُسی میں کتاب التجنیس[۳۰] والمزید للامام برہان الدین الفرغانی سے ہے: انه الاصح[5] (یہی زیادہ صحیح ہے۔ت) بزازیہ[۳۱] میں اسی سے یوں ہے: ھو الصحیح[6] (وہی صحیح ہے۔ت) نیز وجیز میں جامع صغیر[۳۲]

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی البئر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۹

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی الآسار مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۷

[3] تیسر المقاصد شرح نظم الفرائد

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر باب المیاہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۱۷

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر باب المیاہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۱۴

[6] فتاوی بزازیۃ علی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ السادس فی ازالۃ الحقیقیۃ، نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۱

سے ہے:

جلدہ یطھر بالدباغ عندنا[1]۔	ہمارے نزدیک اس کا (کتے کا) چمڑا دباغت سے پاک ہوجاتا ہے۔(ت)

اُسی میں نصاب ۳۳ سے ہے:

ان کان الجرو مشدود الفم تجوز اھ یعنی صلاۃ حاملہ[2]۔	اگر کتے کے بچے کا منہ باندھا ہوا ہو تو (نماز) جائز ہے اھ یعنی اُسے اٹھانے والے کی نماز جائز ہے۔(ت)

مجموعہ علامہ ۳۴ انقروی میں ہے: سنہ لیس بنجس[3] (اس کا دانت ناپاک نہیں ہے۔ت)

اسی میں بحوالہ قنیہ ۳۵ امام اجل ابونصر دبوسی ۳۶ سے ہے:

طین الشارع ومواطئ الکلاب فیہ طاھر الا اذا رأی عین النجاسۃ قال وھو الصحیح من حیث الروایۃ وقریب المنصوص عن اصحابنا[4]۔	راستے کا کیچڑ اور اس میں کتوں کی گزرگاہ پاک ہے مگر جب اس میں عینِ نجاست دیکھے۔ فرمایا روایت کے اعتبار سے یہی صحیح ہے اور ہمارے اصحاب کی تصریح کے قریب ہے۔(ت)

اسی طرح طریقہ محمدیہ ۳۷ میں مجمع الفتاوٰی ۳۸ سے ہے۔ خلاصہ ۳۹ میں ہے:

لوصلی وفی عنقہ قلادۃ فیھا من کلب اوذئب تجوز صلاتہ[5]۔	اگر کسی آدمی نے نماز پڑھی اور اس کی گردن میں ایک ہار تھا جس میں کتّے یا بھیڑیئے سے کوئی چیز تھی (مثلاً بال وغیرہ) تو اس کی نماز جائز ہے (ت)

اسی طرح اس مذہب مہذب کی تصحیح وترجیح اور اس پر جزم واعتماد بناو تفریع شراح ہدایہ مثل

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ السادس فی ازالۃ الحقیقیۃ، نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۱

[2] فتاوٰی بزازیۃ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ السابع فی النجس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۱

[3] فتاوٰی انقرویہ، کتاب الطہارۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۴

[4] فتاوٰی انقرویہ کتاب الطہارۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۴

[5] خلاصۃ الفتاوٰی، الفصل السابع، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱/۴۴

علامہ[۴۰] قوام الدین کاکی وعلامہ[۴۱] سغناقی صاحبِ نہایہ وغیرہما وعقد الفوائد شرح نظم الفرائد[۴۲] للعلامۃ ابن الشحنۃ وامام اسبیجابی شارح مختصر طحاوی[۴۳] وذخیرۃ[۴۴] وتوشیح شرح الہدایہ[۴۵] للعلامۃ السراج الہندی وتجرید[۴۶] وعمدۃ المفتی[۴۷] وغیرہا سے ثابت۔ بحرالرائق میں ہے:

صحح فی الهدایة طهارة عینه وتبعه شارحوها کالاتقانی والکاکی والسغناقی[1]۔	ہدایہ میں اس کی ذاتی طہارت کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور اس کے شارحین جیسے اتقانی، کاکی اور سغناقی نے بھی اسی کی پیروی کی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وقدصرح فی عقد الفوائد شرح منظومة ابن وهبان بان الفتوی علی طهارة عینه[2]۔	ابن وہبان کی منظوم شرح عقد الفرائد میں تصریح کی گئی ہے کہ فتوی اس کی ذاتی طہارت پر ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال القاضی الاسبیجابی واما الکلب یحتمل الذکاة والدباغة فی ظاهر الروایة خلافا لماروی والحسن[3]۔	قاضی اسبیجابی نے کہا ظاہر روایت کے مطابق کتّا ذبح اور دباغت کا احتمال رکھتا ہے یہ حسن کی روایت کے خلاف ہے (ت)

اُسی میں ہے:

ذکر فی السراج الوهاج معزیا الی الذخیرة اسنان الکلب طاهرة واسنان الاٰدمی نجسة لان الکلب یقع علیه الذکاة بخلاف الخنزیر والاٰدمی اھ ولایخفی ان هذاکله علی القول بطهارة عینه لانه علله بکونه یطهر بالذکاة[4]۔	السراج الوہاج میں، ذخیرہ کے حوالے سے ذکر کیا گیا کہ کتّے کے دانت پاک ہیں اور آدمی کے دانت ناپاک ہیں کیونکہ کتّے کو ذبح کیا جاسکتا ہے نہ کہ خنزیر اور آدمی کو اھ مخفی نہیں کہ یہ تمام باتیں اس کی ذاتی طہارت کے قول کی بنیاد پر ہیں کیوں کہ انہوں نے اس کی علّت یہ بیان کی ہے کہ وہ ذبح کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] البحر الرائق، کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[4] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

اُسی میں ہے:

ذکر السراج الهندی فی شرح الهدایة معزیا الی التجرید ان الکلب لواتلفه انسان ضمنه ویجوزبیعه وتملیکه وفی عمدة المفتی لواستأجر الکلب یجوز [1]۔	السراج الہندی نے ہدایہ کی شرح میں تجرید کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذکر کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کتے کو مارے دے تو ضامن ہوگا اور اس کا بیچنا اور اس کا مالک بنانا جائز ہے۔ عمدۃ المفتی میں ہے کتا اُجرت پر لینا جائز ہے۔ (ت)

اس کے حاشیہ منحۃ[۴۸] الخالق میں نہرالفائق سے ہے:

اقول بطهارة عینه هو الاصح [2] اھ ملخصا۔	اس کے طاہر عین ہونے کا قول ہی زیادہ صحیح ہے اھ۔ تلخیص، مرقاۃ[۴۹] میں زیر حدیث اذادبغ الاهاب فقدطهر (جب چمڑے کو دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا۔ ت)

علامہ ابن (۵۰) ملک سے نقل فرمایا:

هذا بعمومه حجة علی الشافعی فی قوله جلد الکلب لایطهر بالدباغ واستثنی من عمومه الاٰدمی تکریماله والخنزیر لنجاسة عینه [3]۔	یہ (حدیث) اپنے عموم کے ساتھ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول میں کہ کتّے کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا ان کے خلاف حجت ہے اس کے عموم کی وجہ سے آدمی کو اس کی عزّت واحترام کے پیشِ نظر اور خنزیر کو اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے مستثنٰی کیا گیا ہے۔ (ت)

یہ پچاس[۵۰] ہیں ان میں اگرچہ ضمناً ہدایہ ودُرمختار واتقانی ومراقی ونہر کا بھی ذکر آیا مگر یہ کلام زید میں معدود ہو چکی تھیں لہٰذا انہیں شمار نہ کیا۔

وانمالم نعد السراج الوهاج لانه وان نقل عن الذخیرة مامرلکنه ذکر ان جلد الکلب نجس وشعره طاهر هوالمختار [4] اھ وهذا قول ثالث ذکره الولوالجی وغیره واعتمده الفقیه	ہم سراج وہاج کو شمار نہیں کرتے کیونکہ اگرچہ اس نے ذخیرہ سے نقل کیا جیسا کہ گزر گیا لیکن اس نے ذکر کیا کہ کتے کا چمڑا ناپاک اور اس کے بال پاک ہیں۔ یہی مختار ہے اھ۔ یہ تیسرا قول ہے جسے ولوالجی وغیرہ نے ذکر کیا اور

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

[2] منحۃ الخالق علی البحر، کتاب الطہارۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۰۲

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ فصل اول من باب تطہیر النجاسات مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۷۰

[4] البحرالرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۱۰۲

ابو اللیث فی فتاواہ وحکاہ فی العیون عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان الکلب اذادخل الماء فانتفض فاصاب ثوبا افسدہ ولواصابہ مطرلالان فی الاول اصاب الماء جلدہ وجلدہ نجس وفی الثانی شعرہ وشعرہ طاھر [1]۔لیس فیہ ان القائلین بنجاسۃ العین متفقون علی طہارۃ الشعر کماظنہ البحر حیث قال بعد ذکرطھرہ لایخفی ان ھذا علی القول بنجاسۃ عینہ ویستفادمنہ ان الشعر طاھر علی القول بنجاسۃ عینہ لماذکر فی السراج الوھاج [2]الخ۔ثم قال بعد کلام طویل علم مماقررناہ انہ لایدخل فی قول من قال بنجاسۃ عین الخنزیر [3] الخ وتبعہ الشرنبلالی ثم الدر ثم ابوالسعود وھذا نظم الدر لاخلاف فی نجاسۃ لحمہ وطہارۃ شعرہ [4] اھ قال السید العلامۃ فی ردالمحتار یفھم من عبارۃ السراج ان القائلین بنجاسۃ عینہ اختلفوا فی طہارۃ شعرہ والمختار الطہارۃ وعلیہ یبتنی ذکر الاتفاق لکن ھذا مشکل لان

فقیہ ابواللیث نے اپنے فتاوٰی میں اس پر اعتماد کیااور عیون میں امام ابویوسف رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ کتا جب پانی میں داخل ہو کر اپنے آپ کو جھاڑے اوراس سے کپڑے پر چھینٹے پڑ جائیں تو کپڑے کو ناپاک کردے گا اور اگر اسے بارش پہنچے تو کپڑا خراب نہیں ہوگا، کیونکہ پہلی صورت میں پانی اس کے چمڑے کو پہنچااور اس کا چمڑا ناپاک ہے جبکہ دوسری صورت میں پانی اس کے بالوں کو پہنچا اوراس کے بال پاک ہیں۔

اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کے نجس عین ہونے کا قول کرنے والے بالوں کی طہارت پر متفق ہیں جیسا کہ صاحبِ بحرالرائق نے گمان کیاجب اس کی طہارت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ بات،اس کے نجس عین ہونے کے قول پر مبنی ہے اور اس سے مستفاد ہے کہ نجاست ذاتی کا قول کرنے کی صورت میں بھی بال پاک ہیں، جیساکہ سراج وہاج میں ذکر کیاگیا الخ۔ پھر طویل کلام کے بعد فرمایااس چیز سے جس کو ہم نے ثابت کیا، معلوم ہواکہ جو شخص کتّے کے نجس عین ہونے کا قائل ہے اس کے قول میں بال داخل نہیں۔بخلاف ان کے اس قول کے کہ خنزیر نجسِ عین ہے (یعنی اس کے بال بھی ناپاک ہیں الخ شرنبلالی پھر دُرمختار اور ابوالسعود نے اس کی اتباع کی

[1] درر شرح غرر قبیل فصل بئر مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ فی دار سعادۃ ۱/۲۴
[2] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲
[3] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳
[4] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

نجاسة عینه تقتضی نجاسة جمیع اجزائه ولعل ما فی السراج محمول علی ما اذا کان میتا لکن ینافیه ما مر عن الولوالجیة نعم قال فی المنح وفی ظاهر الروایة اطلق ولم یفعل ای انه لو انتفض من الماء فاصاب ثوب انسان افسده سواء کان البلل وصل الی جلده اولا وهذا یقتضی نجاسة شعره فتأمل[1] اھ

در مختار کی عبارت یہ ہے کہ "اس کے گوشت کے ناپاک اور بالوں کے پاک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں "اھ
سید علامہ (ابن عابدین) نے ردالمحتار میں فرمایا سراج کی عبارت سے معلوم ہوا ہے کہ اس کی ذاتی نجاست کے قائلین کا اس کے بالوں کی طہارت میں اختلاف ہے اور مختار، طہارت ہے اور اسی پر ذکر اتفاق کی بنیاد ہے۔ لیکن یہ مشکل ہے کیونکہ اس کا نجس عین ہونا تمام اجزاء کی نجاست کا تقاضا کرتا ہے اور شاید جو کچھ سراج میں ہے وہ اس کے مُردہ ہونے کی صورت پر محمول ہو لیکن جو کچھ ولوالجیہ سے گزرا ہے وہ اس کے منافی ہے ہاں المنح میں فرمایا "اور ظاہر روایت میں مطلقًا ہے تفصیل سے بیان نہیں کیا یعنی اگر وہ پانی سے نکل کر اپنے آپ کو جھاڑے اور پانی انسان کے کپڑے کو لگ جائے تو اسے ناپاک کردے گا برابر ہے رطوبت اس کے چمڑے تک پہنچے یا نہ، اور یہ بات اس کے بالوں کی نجاست کا تقاضا کرتی ہے پس غور کرو اھ۔ (ت)

اقول: فیه بحث من وجوہ۔

اقول: اس میں کئی وجوہ سے بحث ہے:

الاول: ضمیر هو المختار فی عبارة السراج کما یحتمل رجوعه الی کل من نجاسة الجلد وطهارة الشعر کذلك الی الکل اعنی المجموع من حیث هومجموع فیکون المعنی ان قول القائل بان جلده نجس وشعره طاهر هو المختار دون قول من یقول بطهارة الجمیع وح یکون التصحیح ناظرا الی هذا القول الثالث ولایفهم خلافا بین قائلی النجاسة

اول: سراج کی عبارت میں "هو المختار کی "ھو" ضمیر جیسے "نجاسة الجلد" اور "طهارة الشعر" میں سے ہر ایک کی طرف رجوع کا احتمال رکھتی ہے اسی طرح وہ کل یعنی مجموعے کی طرف اس حیثیت سے کہ وہ دونوں کا مجموعہ ہے لَوٹنے کا احتمال بھی رکھتی ہے۔ پس معنٰی یہ ہوگا کہ قائل کا قول "اس کا چمڑا ناپاک اور بال پاک ہیں" یہی مختار ہے نہ اس کا قول جو دونوں کی طہارت کا قائل ہے اور اس وقت تصحیح اس تیسرے قول کی طرف

[1] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

فی طہارۃ الشعر۔

الثانی: ظاھر کلامی البحر والدر لا یدخل ولاخلاف لکونھما نکرۃ او فی معناھا داخلین تحت النفی ناطق بنفی الخلاف اصلا وآب عن البناء علی روایۃ دون اخری ولاحاجۃ الیہ علی ما قررنا عبارۃ السراج کما تری۔

الثالث: لاغرو فی حمل الکلب علی المیت الغیر المذکی والجلد علی غیر المدبوغ فلربما تترك امثال القیود اعتمادا علی معرفتھا فی مواضعھا ولذا لما قال فی المنیۃ وفی البقال قطعۃ جلد کلب التزق بجراحۃ فی الرأس یعید ماصلی بہ[1] اھ

فسرہ العلامۃ الشارح ابرھیم الحلبی ھکذا جلد کلب ای غیر مدبوغ ولامذکی یعید ما صلی بہ ای بذلك الجلد اذاکان اکثر من قدر الدرھم وحدہ اوبانضمام نجاسۃ اخری وھذا ظاھر[2] اھ وح لاملمح لکلام السراج الی قول نجاسۃ العین کما افاد

متوجہ ہوگی اور نجاست (کتے کے نجس عین ہونے) کے قائلین کے درمیان بالوں کی طہارت میں اختلاف نہیں سمجھا جائے گا۔

دوم: البحرالرائق اور درمختار کا ظاہر کلام "لایدخل" اور "لا خلاف" نکرہ یا اس کے حکم میں ہیں جو نفی کے تحت داخل ہو کر اختلاف کی بالکل نفی کرتا ہے اور اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یہ ایک روایت پر مبنی ہو دوسرے پر نہ ہو اور اس کی حاجت بھی نہیں جیسا کہ ہم نے سراج کی عبارت سے ثابت کیا جس طرح تم دیکھ رہے ہو۔

سوم: کتّے سے مراد غیر مذبوح اور چمڑے سے بغیر دباغت چمڑا مراد لینا تعجب خیز بات نہیں کیونکہ بعض اوقات امثال قیود کو ان کے مقام میں حصول معرفت پر اعتماد کرتے ہوئے چھوڑ دیا جاتا ہے اسی لئے جب منیہ نے کہا کہ بقالی میں ہے کتّے کے چمڑے کا ٹکڑا سر میں زخم کے ساتھ چمٹ گیا تو پڑھی گئی نماز لوٹائے اھ۔

علامہ شارح ابراہیم حلبی نے اس کی وضاحت یوں کی کہ اسی طرح کہ کتّے کا چمڑا یعنی جسے دباغت نہ دی گئی ہو اور نہ اس (کتّے) کو ذبح کیا گیا اس چمڑے کے ساتھ جو نماز پڑھی ہے اسے لوٹائے جبکہ وہ تنہا (چمڑا) ایک درہم سے زائد ہو یا اس کے ساتھ دوسری نجاست ملی ہوئی ہو اور یہ ظاہر ہے اھ۔ اس وقت سراج کے کلام میں نجاست عین

---

[1] منیۃ المصلی فصل الآسار مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۵۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الآسار مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۱۹۱

ھو رحمہ اللہ تعالٰی ولایعکر علیہ بمنافاتہ لما ذکر الولوالجی کما لا یخفی فانہ وان نافاہ فقد وافق لاصح الارجح ولیس السراج ھھنا فی بیان کلام الولوالجی حتی یجب التوافق بینھما۔	کے قول کی طرف اشارہ نہیں ہوگا جیسا کہ انہوں (صاحب بحر) نے بتایا اور نہ ہی ان پر یہ الزام ہوگا کہ یہ ولوالجی کے کلام کے منافی ہے جیسا کہ مخفی نہیں کیونکہ وہ اگر اس کے منافی ہو تب بھی یہ اس کے موافق ہے جسے ترجیح دے کر اصح قرار دیا گیا ہے اور سراج یہاں ولوالجی کے کلام کے درپے نہیں کہ ان دونوں کے درمیان موافقت واجب ہو۔
الرابع: ھب ان نجاسۃ العین تقتضی نجاسۃ جمیع الاجزاء لکن لقائل ان یقول لا بدع فی استشناء الشعر الا تری ان الخنزیر نجس العین باتفاق مذھب اصحابنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ومع ذلك محمد یقول بطھارۃ شعرہ ففی الخلاصۃ من الفصل السابع من کتاب الطھارۃ شعر الخنزیر اذا وقع فی البئر علی الخلاف عند محمد لاینجس لان حل الانتفاع یدل علی طھارتہ وعند ابی یوسف ینجس لانہ نجس العین ویجوز الخرز بہ للضرورۃ[1] اھ۔ وفی الغرر لمولی خسرو شعر المیتۃ طاھر وکذا شعر الخنزیر عند محمد قال فی الدرر لضرورۃ استعمالہ فلا ینجس الماء بوقوعہ فیہ وعند ابی یوسف نجس فینجس الماء[2] اھ۔	**چہارم:** عین نجاست کا تمام اجزاء کی نجاست کا مقتضٰی ہونا مسلم ہے لیکن قائل کہہ سکتا ہے کہ بالوں کا استشناء کوئی نئی بات نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارے تینوں اصحاب (احناف) رضی اللہ عنہم خنزیر کے نجس عین ہونے پر متفق ہیں لیکن اس کے باوجود امام محمد رحمہ اللہ اس کے بالوں کی طہارت کے قائل ہیں، خلاصہ میں طہارت کی ساتویں فصل میں ہے کہ خنزیر کے بال کنویں میں گر جائیں تو اس میں اختلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک پانی ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ انتفاع کا جائز ہونا اس کی طہارت پر دلالت کرتا ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناپاک ہوجائے گا کیونکہ وہ نجس عین ہے اور اس کے ساتھ سلائی کرنا ضرورت کے تحت جائز ہے اھ۔ مولٰی خسرو کی غرر میں ہے کہ مردار کے بال پاک ہیں۔ اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک خنزیر کے بال بھی پاک ہیں الدرر میں "ضرورتِ استعمال کے لئے" فرمایا پس اس کے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی فصل سابع من کتاب الطھارۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۴

[2] درر شرح غرر، قبیل فصل بئر، مطبعۃ احمد کامل الکائنہ فی دار سعادۃ، ۱/۲۴

اقول: حاصل التعلیل ان الضرورۃ اوجبت اباحۃ استعمالہ ثم اذا ثبت الاباحۃ ثبت الطھارۃ لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ وجواب ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان ما ثبت بضرورۃ تقدر بقدرھا وانت تعلم انہ بین البرھان فلا جرم ان صححہ فی البدائع ورجحہ فی الاختیار وجعلہ فی الدر ھو المذھب وبما قررنا کلام الدر بان الجواب عما اوردعلیہ السید العلامۃ ابوالسعود الازھری فی حاشیۃ الکنز حیث زعم ان محمدا اباح الانتفاء بہ مطلقا ولومن دون ضرورۃ وجعلہ مقتضی قول النھر طھرہ محمد وعلیہ ابتنی رد قول من قال انہ فی زماننا استغنی عنہ فینبغی ان لا یجوز استعمالہ عند الکل لانعدام الضرورۃ قائلا فیہ نظر لان محمدا لم یقصر جواز استعمالہ علی الضرورۃ ورد علی الدر تعلیلہ بالضرورۃ بان لوکان کذلك لقال ان الماء القلیل ینجس بوقوعہ فیہ لعدم الضرورۃ ولیس کذلك ولان صریح قولہ فی النھر واثر الخلاف یظھر فیما لوصلی ومعہ من شعر الخنزیر ما یزید علی الدرھم او وقع فی الماء القلیل یاباہ وبما قررناہ

گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک وہ نجس ہے پس پانی بھی ناپاک ہوجائیگا۔اھ (ت)

اقول: اس علت کا ماحصل یہ ہے کہ ضرورت نے اس کے استعمال کی اباحت ثابت کردی پھر جب اباحت ثابت ہوگئی تو طہارت بھی ثابت ہوگئی تو طہارت بھی ثابت ہوگئی کیوں کہ جو چیز بھی ثابت ہوتی ہے وہ اپنے تمام لوازم کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔امام ابویوسف رحمہ اللہ کا جواب یہ ہے کہ جو چیز ضرورت کے تحت ثابت ہوتی ہے اس کا اندازہ ضرورت کے حساب سے لگایا جاتا ہے اور تم جانتے ہو کہ اس کی دلیل واضح ہے لہذا بدائع میں اسے صحیح قرار دیا،الاختیار میں اسے ترجیح دی اور درمختار میں اسی کو مذہب قرار دیا اور جس طرح ہم نے درمختار کا کلام بیان کیا اس سے اس اعتراض کا جواب واضح ہوگیا جو ان پر سید علامہ ابوالسعود الازہری نے حاشیہ کنز میں نقل کیا جب یہ خیال کیا کہ امام محمد رحمہ اللہ نے اس سے مطلق انتفاع جائز قرار دیا ہے اگرچہ بغیر ضرورت ہو اور نہر الفائق کے قول (امام محمد نے اسے پاک قرار دیا) کو ابوالسعود الازہری نے اسی کا مقتضی قرار دیا اور اسی پر ان کے قول کے رَد کی بنا ہے جو کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت نہیں لہذا چاہیے کہ سب کے نزدیک اس کا استعمال جائز نہ ہو کیونکہ ضرورت ہی نہیں رہتی ابوالسعود نے "فیہ نظر" کہہ کر اس پر اعتراض کیا کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ

يظهر مافی الدرمن المنافاة حيث علل طهارته عند محمد بضرورة الاستعمال ثم فرع عليه ان الماء لاينجس بوقوعه فيه [1] اهـ

نے اس کے استعمال کا جواز ضرورت پر منحصر نہیں کیا اور الدرر نے جو ضرورت کو اس کی تعلیل قرار دیا ہے ابوالسعود نے اس کو بھی رد کردیا کہ اگر ایسا ہوتا تو وہ کہتے اس کے گرنے سے تھوڑا پانی ناپاک ہوجاتا ہے کیونکہ ضرورت معدوم ہے حالانکہ ایسا نہیں نیز نہر میں ان کا صریح قول کہ اختلاف کا اثر اس صورت میں ہی ظاہر ہوگا جب وہ نماز پڑھے اور اس کے پاس ایک درہم سے زیادہ خنزیر کے بال ہوں یا وہ تھوڑے پانی میں گریں اس طرح کی تعلیل کا انکار کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ثابت کیا وہ الدرر میں پائی جانے والی منافات کو ظاہر کرتا ہے جب انہوں نے امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک ضرورتِ استعمال کو اس کی طہارت قرار دیا پھر اس پر تفریعًا کہا کہ اس کے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اھ (ت)

اقول: ولعلك اذا تأملت فيما القينا عليك علمت ان هذا كله فی غير محله وحاشا محمدا ان يبيح الانتفاع به بلاضرورة مع قول الله تعالٰی فانه رجس وانما الامر مابينا انه اباح للضرورة ومن ضرورة الاباحة سقوط النجاسة واذا سقطت جازت الصلاة ولم يفسد الماء فمحمد اعتبر زمان الضرورة ولم يعتبر خصوص محلها وابويوسف اعتبر الامرين جميعا وهو الصحيح لاجرم نص فی البرهان شرح مواهب الرحمٰن ان رخص محمد الانتفاع بشعره لثبوت الضرورة عنده فی ذلك ومنعاه لعدم تحققها لقيام غيره مقامه [2] اھ

اقول: شاید جب تو اس پر غور کرے جو ہم نے تمہارے سامنے پیش کیا تو جان لے کہ یہ سب کچھ اپنے محل پر نہیں ہے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا کہ امام محمد رحمہ اللہ بلاضرورت اس سے انتفاع جائز قرار دیں حالانکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "پس بیشک یہ ناپاک ہے" بات وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ آپ نے ضرورت کے تحت جائز قرار دیا اور اباحت سے نجاست کا ساقط ہوجانا لازم ہے جب نجاست ساقط ہوگئی تو نماز جائز ہوگی اور پانی خراب نہ ہوا، پس امام محمد رحمہ اللہ نے وقتِ ضرورت کا اعتبار کیا ہے محلِ مخصوص کا نہیں کیا، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ نے دونوں باتوں کے مجموعہ کا اعتبار کیا ہے، اور یہی صحیح ہے۔ یقینا برہان شرح

[1] فتح المعین، کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۷۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل یطہر جلد المیتۃ کارخانہ تجارت کراچی ص ۹۰

نقله ط فی حاشیة المراقی وقال فی الغنیة شعر الخنزیر لما ابیح الانتفاع به للخرز ضرورة قال محمد انه لو وقع فی الماء لاینجسه[1] اھ۔

وقال العلامة عبدالعلی البرجندی فی شرح النقایة اطلاق الشعر یدل علی ان شعر الخنزیر ایضا طاهر لایفسد الماء ولایضر حمله فی الصلاۃ وهوقول محمد وذلك لضرورة حاجة الناس الی استعماله فی الخرز وعند ابی یوسف نجس لان الخنزیر نجس العین کذا فی الحصر واما عظم الخنزیر فنجس اتفاقا لانه لاضرورة فی استعماله کمافی الشعر[2] اھ۔

فانظر کیف نصوا جمیعا ان تطهیر محمد مبتن علی الضرورة فظهر سقوط کل ماذکر هذا السید العلامة رحمه الله تعالی واستبان ان لاحجة له فی قول النهر ولامنافاة بین قولی الدرر وان عند زوال الضرورة یجب وفاق

مواہب الرحمٰن میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کا اس کے بالوں سے انتفاع کی اجازت دینا اس ضرورت کی بنیاد پر ہے جو اس سلسلے میں ان کے ہاں ثابت ہوئی اور شیخین نے منع کیا کیونکہ ان کے نزدیک ضرورت ثابت نہیں کیونکہ دوسری چیز اس کے قائم مقام ہے اھ (ت) اسے امام طحطاوی نے مراقی الفلاح کے حاشیہ میں نقل کیا اور غنیہ میں فرمایا کہ جب ضرورت کے تحت خنزیر کے بالوں سے سلائی کیلئے نفع حاصل کرنا جائز قرار دیا گیا تو امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ پانی میں گر جائیں تو اسے ناپاک نہیں کرے گے اھ۔ علامہ عبدالعلی برجندی نے شرح نقایہ میں فرمایا: "مطلق بالوں کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خنزیر کا بال بھی پاک ہے نہ وہ پانی کو خراب کرتا ہے اور نہ ہی نماز میں اس کا اٹھانا نقصان دہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے اور یہ اس لئے کہ لوگوں کو سلائی کیلئے اس کے استعمال کی ضرورت پیش آتی ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ناپاک ہے کیونکہ خنزیر نجس عین ہے، جیسا کہ حصر میں ہے لیکن خنزیر کی ہڈی بالاتفاق ناپاک ہے کیونکہ بالوں کی طرح ہڈی کے استعمال کی ضرورت پیش نہیں آتی اھ (ت)

پس دیکھو کس طرح تمام (فقہاء) نے بیان فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ کا اسے پاک قرار دینا ضرورت کی بنیاد پر ہے پس جو کچھ اس سید علامہ (ابو السعود) رحمہ اللہ نے ذکر کیا اس کا ساقط ہونا ظاہر ہوا۔ اور واضح ہوا کہ نہر کے قول میں ان کے لئے کوئی حجت نہیں اور نہ ہی

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الانجاس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۶

[2] شرح النقایۃ للبرجندی، کتاب الطھارۃ نولکشور لکھنؤ، ۱/ ۳

الکل علی التحریم والمتنجیس کماافادہ العلامۃ المقدسی وتبعہ العلاّمۃ نوح افندی ومن بعدہ وھو الذی نعتقد فی دین اللہ سبحٰنہ وتعالٰی وبہ ظھر الجواب عن ھذا البحث بأن لاضرورۃ فی شعر الکلب فعلی قائل النجاسۃ العمل بقضیتھا ثم رأیت البرجندی صرح بہ حیث قال انا قد ذکرنا ان الکلب نجس العین عند بعضھم فینبغی ان یکون شعرہ نجسا عندھم اذلاضرورۃ فی استعمالہ[1] اھ

الدرر کے دو قولوں کے درمیان منافات ہے نیز ضرورت کے زائل ہونے کی صورت میں اس کی حرمت اور نجاست پر سب کا اتفاق ہے جیسا کہ علامہ مقدسی (کے کلام) سے اس بات کا فائدہ حاصل ہُوا اور علامہ نوح آفندی اور ان کے بعد والوں نے ان کی اتباع کی اور دین خداوندی میں ہم بھی اسی بات کا اعتقاد رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ اس بحث کا جواب بھی ظاہر ہوا کہ کتے کے بالوں کی ضرورت نہیں پڑتی پس نجاست کے قائل کو اس کے فیصلہ پر عمل کرنا ہوگا، پھر میں نے برجندی میں اس کی تصریح دیکھی جب انہوں نے فرمایا کہ ہم نے بعض کے نزدیک کتّے کے نجسِ عین ہونے کا ذکر کیا ہے پس مناسب یہ ہے کہ ان کے نزدیک اس کے بال بھی ناپاک ہوں کیونکہ اس کے استعمال کی ضرورت نہیں اھ (ت)

الخامس: ماعزاہ للمنح مذکور ایضا فی الخانیۃ واعتمدہ واشار الی ضعف التفصیل حیث قال مانصہ الکلب اذا خرج من الماء وانتفض فاصاب ثوب انسان افسدہ قیل ان کان ذلك من ماء المطر لایفسدہ الا اذا اصاب المطر جلدہ وفی ظاھر الروایۃ اطلق ولم یفصل[2] اھ وقدصرح فی خزانۃ المفتین برمزق لقاضی خان ان شعر الخنزیر او الکلب اذاوقع فی الماء یفسدہ لانہ نجس العین[3]۔ لکن لقائل ان یقول

پنجم: جو کچھ انہوں نے منح کی طرف منسوب کیا ہے وہ خانیہ میں بھی مذکور ہے انہوں نے اس پر اعتماد کیا اور تفصیل کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "کتا جب پانی سے نکل کر اپنے آپ کو جھاڑے اور وہ کسی انسان کے کپڑے کو لگ جائے تو اسے ناپاک کردے گا کہا گیا کہ اگر یہ بارش کے پانی سے ہو تو اسے ناپاک نہیں کریگا مگر جب بارش اس کے چمڑے تک پہنچ جائے اور ظاہر روایت میں اطلاق ہے تفصیل نہیں ہے اھ اور خزانۃ المفتین میں "ق" کے ساتھ قاضی خان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الطہارت نولکشور (لکھنؤ) ۱/ ۳۸

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۱

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی مایقع فی البئر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۶

اذابنیتم حکایة الوفاق علی الروایة المختارة للسراج فلاوجه للردعلیه بروایة اخری نعم لوذکر ماذکرنا عن الخانیة وبین ان الترجیح قداختلف وان التنجیس ظاهر الروایة فوجب اختیاره وسقط الحکم بالوفاق معتمدا علی اختیار السراج لکان وجیها وبعد اللتیا واللتی فحکایة الوفاق مدخولة لاشك لاجرم ان صرح فی متن الغرر بالتثلیث فقال والکلب نجس العین وقیل ل اوقیل جلده نجس وشعره طاهر[1] اھ۔ وامّا الترجیح فاقول بوجوہ:	نقل کیا کہ خنزیر یا کُتّے کے بال پانی میں گر جائیں تو اُسے خراب کردیتے ہیں کیونکہ وہ نجس عین ہے۔ لیکن کوئی قائل کہہ سکتا ہے کہ جب تم نے سراج کی مختار روایت پر حکایتِ اتفاق کی بنیاد رکھی ہے تو دوسری روایت کے ساتھ اسے رَد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے ہاں اگر وہ اس بات کا ذکر کرتے جو ہم نے خانیہ سے (نقل کرتے ہوئے) ذکر کی ہے اور بیان کرتے کہ ترجیح مختلف ہے اور ظاہر روایت کے مطابق اسے ناپاک قرار دیا ہے لہذا اسے اختیار کرنا واجب ہے اور سراج کے اختیار کے مطابق جس اتفاق کا حکم دیا گیا ہے وہ ساقط ہے تو اس بات کا کوئی وقار ہوتا، مختصر اور طویل گفتگو کے بعد اتفاق کی بات محلِ نظر ہو گئی۔ بلاشک وشبہہ غرر کے متن میں تثلیث کی تصریح کرتے ہوئے کہا "اور کتا نجس عین ہے کہا گیا کہ نہیں ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کا چمڑا ناپاک ہے بال پاک ہیں۔ (ت) **ترجیح:** میں اس سلسلے میں کئی طرح سے گفتگو کروں گا:

اولًا: یہی قول امام ہے

کماقدمه السائل عن الدر المختار وقدمناہ عن القهستانی والطحطاوی۔	**اول:** یہی قول امام ہے جیسا کہ سائل نے اس سے پہلے درمختار سے نقل کیا ہے، اور ہم نے قہستانی اور طحطاوی سے (نقل کرتے ہوئے) اس سے پہلے بیان کیا ہے (ت)

نظم الفرائد میں ہے:

وعندهما عین الکلاب نجاسة وطاهرة قال الامام المطهر[2]	اور ان دونوں (صاحبین) کے نزدیک کتے کا عین ناپاک ہے، اور امام پاک (ابوحنیفہ رحمہ اللہ) نے فرمایا پاک ہے۔ (ت)

[1] درر شرح غرر قبیل فصل بئر دون عشر الخ مطبعۃ احمد الکامل الکائنہ فی دار سعادۃ ۱/ ۲۴

[2] نظم الفرائد

حلیہ میں ہے:

مشی علیه فی الحاوی القدسی [1]۔	حاوی قدسی میں یہی راہ اختیار کی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی النهایة وغیرها عن المحیط الکلب اذاوقع فی الماء فاخرج حیا ان اصاب فمه یجب نزح جمیع الماء وان لم یصب فمه الماء فعلی قولهما یجب نزح جمیع الماء وعلی قول ابی حنیفة لاباس وقال هذا اشارة الی ان عین الکلب لیس بنجس [2]۔	نہایہ وغیرہ میں محیط سے نقل کیا کہ کتاجب پانی میں گر جائے اور زندہ نکال لیا جائے اگراس کا منہ پانی تک پہنچا ہے تو تمام پانی نکالا جائے، اور اگر منہ پانی تک نہیں پہنچا تو صاحبین کے قول پر تمام پانی نکالا جائے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں اور فرمایا کہ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ کتا نجس عین نہیں۔(ت)

اسی طرح تجرید القدوری میں [3] ہے کمانقله عنه ایضا فی الحلیة (جیسے کہ انہوں نے اسے حلیہ میں بھی ان سے نقل کیا۔ت) بحرالرائق میں ہے:

قال فی القنیة رامز المجد الائمة وقداختلف فی نجاسة الکلب والذی صح عندی من الروایات فی النوادر والامالی انه نجس العین عندهما وعند ابی حنیفة لیس بنجس العین [4]۔	قنیہ میں مجد الائمہ کے حوالے سے بتایا کہ کتے کے نجس ہونے میں اختلاف ہے اور نوادر وامالی کی روایات میں سے جو کچھ میرے نزدیک صحیح ہے وہ یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک نجس عین ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نجس عین نہیں ہے۔(ت)

اور کچھ روایتیں امام محمد سے بھی اس کے موافق آئیں:

فی الحلیة عن الخانیة عن الناطفی انه اذاصلی	حلیہ میں بحوالہ خانیہ ناطفی سے نقل کیا ہے کہ جب کسی نے

[1] حلیہ شرح منیۃ المصلی
[2] حلیہ شرح منیۃ المصلی
[3] تجریدی القدوری
[4] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

علی جلد کلب اوذئب قدذبح جازت صلاتہ[1]۔	مذبوح کتّے یا بھیڑیے کی کھال پر نماز پڑھی تو اس کی نماز جائز ہے۔(ت)

بحرالرائق میں عقدالفوائد سے ہے:

لایخفی ان ھذہ الروایۃ تفید طھارۃ عینہ عند محمد[2] الخ۔	مخفی نہیں کہ یہ روایت امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک اس کی ذاتی طہارت کا فائدہ دیتی ہے(ت)

منیہ میں ہے:

روی عن محمد امرأۃ صلت وفی عنقھا قلاوۃ علیھا سن اسد او ثعلب اوکلب جازت صلاتھا[3] اھ قال شارحھا العلامۃ ابرھیم کون الروایۃ عن محمد لاینافی کونھا اتفاقیۃ ففی الفتاوٰی ذکرھا مطلقا والدلیل یدل علیہ[4] اھ اقول: نعم اطلقھا فی الخانیۃ والخلاصۃ والولوالجیۃ وغیرھا وقداسمعناك نص الخلاصۃ وھو بعینہ لفظ الخانیۃ والولوالجی عزاھا لہ فی الحلیۃ لکن الاطلاق لایدل علی الاتفاق فربما یطلق المطلق مایختارہ وان کانت ھناك خلافات عدیدۃ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ	حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے ایک عورت نے گلے میں ایسا ہار ڈال کر نماز پڑھی جس میں شیر، لومڑی یا کتے کے دانت (جڑے ہوئے) تھے تو اس کی نماز جائز ہے اھ اس کے شارح ابراہیم نے فرمایا اس روایت کا امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہونا اس کے اتفاقی ہونے کے منافی نہیں فتاوٰی میں اسے مطلقًا ذکر کیا گیا ہے اور دلیل بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔(ت) **اقول:** ہاں خانیہ، خلاصہ اور ولوالجیہ وغیرہ نے اس کو مطلق ذکر کیا ہے ہم نے تمہیں خلاصہ کی عبارت سنائی تھی خانیہ کے الفاظ بھی بعینہٖ یہی ہیں اور حلیہ میں اسے ولوالجی کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن اطلاق، اتفاق پر دلالت نہیں کرتا بسااوقات اپنے مختار کو مطلق قرار دیا جاتا ہے اگرچہ وہاں متعدد اختلافات ہوتے ہیں میرا خیال ہے کہ میں نے اس کے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] البحرالرائق کتاب الطھارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲
[3] منیۃ المصلی فصل فی النجاسۃ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۱۰
[4] غنیۃ المستملی فصل فی النجاسۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵

مانصہ۔ **اقول:** کیف تکون اتفاقیة مع ان المنقول من الثانی المشھور عن الثالث نجاسة عین الکلب وقدصححه جماعة وان کان الاصح المعتمد المفتی به ھی الطھارة [1] اھ نعم ھو صحیح بالنسبة الی ماعدا الکلب من السباع المذکورة وامثالھا۔	حاشیے پر لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ کیسے اتفاقی ہوگا حالانکہ ثانی سے منقول اور ثالث سے مشہور ہے کہ کتا نجس عین ہے۔ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی اگرچہ زیادہ صحیح، معتمد علیہ اور مفتی بہ، طہارت ہی ہے اھ ہاں یہ کتے کے علاوہ دیگر مذکورہ بالا درندوں اور ان کی امثال کی طرف نسبت کرتے ہوئے صحیح ہے۔(ت)

بلکہ امام ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی سے بھی بعض فروع اسی طرف جاتی ہیں۔

وقدقرأنا علیك عن الانقروی عن الزاھدی عن الدبوسی فی مواطئ الکلاب فی الطین ان طھارتھا ھی الروایة الصحیحة وقریب المنصوص عن اصحابنا وھذہ کتب المذھب طافحة بتصریح جواز بیع الکلب وحل ثمنه وانما ذکروا الخلف فی بیع العقود فعن محمد جوازہ وعن ابی یوسف منعه واطلاق الاصل یؤید الاول وعلیه مشی القدوری وغیرہ وصحح شمس الائمة الثانی فقال انما لا یجوز بیع الکلب العقور الذی لایقبل التعلیم وقال ھذا ھو الصحیح من المذھب [2] کمانقله فی الفتح۔لاجرم ان قال حافظ الحدیث والمذھب الامام الطحاوی فی شرح معانی الأثار بعدماحق حل اثمان	ہم نے بواسطہ انقروی اور زاہدی، دبوسی سے نقل کرتے ہوئے کیچڑ میں کتوں کی گزرگاہ کے بارے میں تمہیں بتایا ہے کہ اس کا پاک ہونا ہی صحیح روایت ہے اور ہمارے اصحاب سے منصوص روایات کے قریب ہے اور یہ کتبِ مذاہب کتے کی خرید وفروخت کے جواز اور اس کی قیمت حلال ہونے سے متعلق تصریح سے بھری پڑی ہیں البتہ کاٹنے والے کتّے کے بارے میں ان کا اختلاف ہے۔پس امام محمد رحمہ اللہ سے اس کا جواز اور امام ابویوسف رحمہ اللہ سے عدم جواز منقول ہے۔اصل (مبسوط) کا اطلاق پہلی بات کی تائید کرتا ہے، قدوری وغیرہ نے یہی راہ اختیار کی ہے جبکہ شمس الائمہ نے دوسری بات کو صحیح قرار دیا ہے انہوں نے فرمایا کاٹنے والا کتّا جو تعلیم کو قبول نہیں کرتا اس کی خرید وفروخت جائز نہیں اور فرمایا کہ صحیح مذہب یہی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں اسے نقل کیا ہے۔یقینا حدیث ومذہب کے

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

[2] فتح القدیر مسائل منثورہ من باب البیع مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۴۵

الکلب ھذا قول ابیحنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین [1] اھ۔وقال فی البحر امابیعہ وتملیکہ فھوجائز ھکذا نقلوا واطلقوا لکن ینبغی انیکون ھذا علی القول بطھارۃ عینہ اماعلی القول بالنجاسۃ فھو کالخنزیر فبیعہ باطل فی حق المسلمین کالخنزیر [2] الخ فینقدح من ذلک وفاقھم جمیعاعلی قضیۃ الطھارۃ من جراء تلک الروایات۔

اقول: لکن افاد فی الفتح منع توقف جواز البیع علی طھارۃ العین وانما یعتمد جوازہ جواز الانتفاع الا تری ان السرقین والبعرلما جاز الانتفاع بھما جاز بیعھما وقد قال فی الھدایۃ مجیبا عن استدلال الشافعی علی حرمۃ بیع الکلب بانہ نجس العین ولانسلم نجاسۃ العین ولوسلم فیحرم التناول دون البیع [3] اھ فان عدت قائلا ان حل الانتفاع ایضا یعتمد طھارۃ العین فان الخنزیر لماکان نجس العین لم یجز الانتفاع بہ بوجہ من الوجوہ بذلک عللوہ فی

حافظ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں کتے کی قیمت کے حلال ہونے کے بارے میں تحقیق فرمانے کے بعد فرمایا امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی تمام کا یہی قول ہے اھ۔ بحرالرائق میں فرمایا کہ اس (کتّے) کی بیع اور تملیک جائز ہے۔اسی طرح فقہاءِ کرام نے نقل کیا اور مطلقاً بیان کیا لیکن مناسب ہے کہ یہ بات اس کی عینی طہارت کے قول پر ہو لیکن نجاست کے قول پر وہ خنزیر جیسا ہوگا، لہٰذا مسلمانوں کے حق میں خنزیر کی طرح اس کی خریدوفروخت بھی باطل ہے الخ پس ان روایات کے پیشِ نظر ان سب کا طہارت کے فیصلے پر اتفاق مطعون ہوگا۔(ت) بلکہ بیع کا جواز، جوازِ انتفاع پر مبنی ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ گوبر اور مینگنی سے جب نفع حاصل کرنا جائز ہے تو ان کی خریدوفروخت بھی جائز ہے۔ کتّے کی بیع حرام ہونے پر امام شافعی رحمہ اللہ کے استدلال کہ وہ نجس عین ہونے کی وجہ سے حرام ہے، کا جواب دیتے ہوئے ہدایہ میں فرمایا ہم نجاست عین تسلیم نہیں کرتے اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے تو اس کا کھانا حرام ہے، خریدوفروخت حرام نہیں اھ۔ اگر تم یہ کہتے ہوئے اعتراض کرو کہ انتفاع کا جائز ہونا بھی تو طہارتِ عین پر مبنی ہے کیونکہ جب

[1] شرح معانی الآثار باب ثمن الکلب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۵۰
[2] البحرالرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۰۳
[3] الہدایۃ مسائل منثورہ من کتاب البیوع مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۱۰۳

عامة الکتب نعم یجوز الانتفاع بنجس العین علٰی سبیل الاستھلاك وھذا ھو الثابت فی السرقین[1] کما افادہ فی النھایة ونقلہ فی البحر۔ قلت نعم ھذا یصلح دلیلا لاصل المدعی اعنی الطھارة اماجعلہ وجھا لتخصیص جواز البیع بقول الطھارة فکلا کیف وحل الانتفاع بالکلب بطریق الاصطیاد مجمع علیہ قطعا لما نطق بہ النص الکریم فمبنی جواز البیع ثابت عند الکل وان انکر الصاحبان مبنی المبنی اعنی الطھارة کما انکر الشافعی فرع المبنی اعنی جواز البیع فافھم۔	**اقول:** لیکن فتح القدیر سے اس بات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ جواز بیع، طہارت عین پر موقوف نہیں ب خنزیر نجس عین ہے تو کسی طرح اس سے انتفاع جائز نہیں۔عام کتب میں اس کی یہی علّت بیان کی ہے ہاں نجس عین کو ہلاک کرکے اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔یہی بات گوبر میں بھی ثابت ہے، جیسا کہ نہایہ میں اس بات کا فائدہ دیا اور اسے البحرالرائق نے نقل کیا۔میں کہتا ہوں ہاں یہ اصل مدعٰی یعنی طہارت کی دلیل بن سکتی ہے لیکن اسے طہارت کے قول پر جوازِ بیع کی تخصیص کیلئے سبب قرار دینا ہرگز صحیح نہیں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ کتّے سے شکار کے طریقے پر نفع حاصل کرنا جائز ہے اور یہ قطعی طور پر متفق علیہامسئلہ ہے کیونکہ اس کو قرآنِ کریم نے بیان کیا ہے پس جوازِ بیع کی بنیاد سب کے نزدیک ثابت ہے اگرچہ صاحبین اس بنیاد کی بنیاد یعنی طہارت کا انکار کرتے ہیں جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس بنیاد کی فرع یعنی جواز بیع کاانکار کیا ہے۔پس اسے سمجھو۔(ت)

اور معلوم ومقرر ہے کہ کلام الامام امام الکلام علما فرماتے ہیں قول امام پر افتالازم ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں نہ کہ جب صاحبین سے بھی روایات اُن کے موافق آئی ہوں۔

اللھم الالضرورة اوضعف دلیل وقدعلم انتفاؤھما ھھنا۔	اے اللہ ! مگر ضرورت یا ضعفِ دلیل کی وجہ سے،اور یقینا یہاں ان دونوں کانہ ہونا معلوم ہے(ت)

بحرالرائق وفتاوٰی خیریہ وحاشیہ طحطاویہ علی الدرالمختار وردالمحتار میں ہے:

واللفظ للعلامة الرملی المقرر ایضا عندنا انہ لا یفتی ولا یعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما اوقول احدھما اوغیرھما الا لضرورة من ضعف دلیل او تعامل بخلافہ کمسألة المزارعة	اور الفاظ علّامہ رملی کے ہیں ہمارے نزدیک بھی ثابت ہے کہ صرف امام اعظم رحمہ اللہ کے قول پر فتوٰی دیا جائے گااور عمل کیا جائیگا اس سے صاحبین یا ان میں سے ایک یا کسی دوسرے کے قول کی طرف بغیر ضرورت متوجہ نہیں ہوں گے ضرورت جیسے کمزور دلیل یا اس کے خلاف

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

وان صرح المشایخ بان الفتوی علی قولھما لانہ صاحب المذھب والامام المقدم۔ اذاقالت حذام فصدقوھا فان القول ماقالت حذام [1]	تعامل کا پایا جانا جیسا کہ مسئلہ زراعت میں ہے اگرچہ مشائخ تصریح کریں کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے کیونکہ آپ (امام اعظم رحمہ اللہ) صاحبِ مذہب اور امام متقدم ہیں۔ جب حذام کوئی بات کہے تو اس کی تصدیق کرو کیونکہ بات تو وہی ہے جو خدام نے کہی۔

امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ تجنیس میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال [2]۔	میرے نزدیک واجب ہے کہ ہر حال میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دیا جائے۔(ت)

اسی طرح اور کتب سے ثابت وقد ذکرناہ فی کتا النکاح من فتاوٰنا (ہم نے اسے اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں ذکر کیا ہے۔ت) تو واجب ہوا کہ طہارت عین ہی پر فتوے دیں اور اسی کو معمول ومقبول رکھیں۔

ثانیًا: یہی قول اکثر ہے۔

کمایظھر لمن یطالع نقولنا فی التطھیر مع ما ترکنا من الکثیر البشیر ویراجع نقول التنجس یجدھا لاتبلغ نصف ذلك ولاثلثه وان شرط مع ذلك عدم الاضطراب فلا یبقی فی یدہ الا اقل قلیل کماستقف علیه ان شاء اللہ تعالی وقدقال فی الحلیة الکثیر علی انہ لیس بنجس العین [3]۔	جیسا کہ اس شخص کے لئے ظاہر ہے جو تطہیر کے بارے میں ہمارے نقول کا مطالعہ کرے باوجود کہ ہم نے بہت کچھ چھوڑ دیا ہے اور اس کے نجس ہونے کے بارے میں نقول کی طرف رجوع کرے تو انہیں ان (نقولِ تطہیر) کا نصف بلکہ تہائی بھی نہیں پائے گا۔اور اس کے ساتھ عدمِ اضطراب کی شرط رکھی جائے تو اس کے ہاتھ میں بہت کم رہ جائیگی جیسا کہ تو عنقریب اس پر مطلع ہوگا ان شاء اللہ

[1] فتاوٰی خیریة مطلب لایفتی بغیر قول ابی حنیفہ وان صححہ المشائخ مطبوعہ دار المعرفة بیروت ۲/ ۳۳

[2] التجنیس والمزید

[3] التعلیق المجلی حاشیہ منیۃ المصلی فصل فی البئر مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۱۵

	تعالٰی۔اور حلیہ میں فرمایا کہ زیادہ روایات اس کے نجسِ عین نہ ہونے پر ہیں۔(ت)

اور ثابت ومشہور ہے کہ معمول بہ وہی قول اکثر وجمہور ہے۔

فی ردالمحتار قدصرحوا بان العمل بماعلیہ الاکثر [1] اھ۔وفی العقود الدریۃ عن شرح الاشباہ للبیری لایجوز لاحد الاخذ بہ لان المقرر عند المشایخ انہ متی اختلف فی مسألۃ فالعبرۃ بماقالہ الاکثر [2]۔	ردالمحتار میں ہے فقہاءِ کرام نے تصریح کی ہے کہ عمل اکثر کے اقوال پر ہوگا اھ۔بیری کی شرح اشباہ کے حوالے سے العقود الدریہ میں ہے کہ اسے اختیار کرنا کسی کیلئے جائز نہیں کیونکہ مشائخ کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثر کے قول کا اعتبار ہوگا۔(ت)

ثالثًا: یہی موافق احکام قرآن وحدیث ہے۔

کماعلمت وتعلم وقدقال فی الغنیۃ قبیل واجبات الصلاۃ لاینبغی ان یعدل عن الدرایۃ اذاوافقتہا روایۃ [3] اھ ومثلہ فی ردالمحتار۔	جیسا کہ تُونے جانا اور تجھے معلوم ہوجائیگا۔اور غنیہ میں واجباتِ نماز سے کچھ پہلے فرمایا کہ جب روایت،درایت کے موافق ہوجائے تو اس سے رُوگردانی کرنا مناسب نہیں اھ ردالمحتار میں بھی اسی کی مثل ہے(ت)

رابعًا: یہی من حیث الدلیل اقوے بلکہ قول تنجیس پر دلیل اصلًا ظاہر نہیں۔

وقدسمعت قول الغنیۃ لعدم الدلیل علی نجاسۃ العین [4] اھ وقداعترف بذلک الائمۃ الشافعیۃ قال فی البحر ولقد انصف النووی حیث قال فی شرح المھذب واحتج اصحابنا باحادیث لادلالۃ فیہا فترکتہا لانی التزمت فی خطبۃ الکتاب الاعراض عن الدلائل	تو نے غنیہ کا قول سنا ہے کہ نجاستِ عین پر کوئی دلیل نہیں۔اھ شافعی ائمہ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔بحرالرائق میں فرمایاامام نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں یہ کہہ کر انصاف سے کام لیا کہ ہمارے اصحاب نے ایسی احادیث کو دلیل بنایا جن میں کوئی دلالت نہیں پس میں نے ان کو چھوڑ دیا کیونکہ میں نے خطبہ کتاب

[1] ردالمحتار، فصل فی البئر، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۶۶

[2] العقود الدریۃ قدائد تتعلق باداب المفتی (حاجی عبدالغفار وپسران ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳

[3] غنیۃ المستملی قبیل واجبات الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

[4] غنیۃ المستملی فصل فی البئر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۹

الواھیۃ[1] اھ۔

وقال الامام العارف الشعرانی الشافعی فی میزان الشریعۃ الکبری سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالٰی یقول لیس لنادلیل علی نجاسۃ عین الکلب الامانھی عنہ الشارع من بیعہ اواکل ثمنہ[2] اھ۔

اقول: ای ولایتم ایضا فان الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدنھی عن بیع اشیاء واثمانھا وھی طاھرۃ العین وفاقا اخرج الائمۃ احمد والستۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[3] ۔ولاحمد ومسلم والاربعۃ والطحاوی والحاکم عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن ثمن الکلب والسنور[4] علی ان علماء نا قدبینوا ان ذلك کان حین کان الامر بقتل الکلاب ولم یکن یحل لاحد امساك شیئ منھا فنسخ بنسخہ[5] کما حققہ الامام

میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ کمزور دلائل سے اعراض کروں گا اھ۔امام عارف شعرانی شافعی رحمہ اللہ نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا کہ میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ سے سُنا آپ فرماتے تھے ہمارے پاس کتّے کے نجسِ عین ہونے پر اس کے سوا کوئی دلیل نہیں کو شارع علیہ السلام نے اس کی خرید وفروخت اور اس کی قیمت کھانے سے منع فرمایا اھ۔(ت)

اقول: یہ دلیل بھی تام نہیں کیونکہ شارع صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چیزوں کی خرید وفروخت اور ان کی قیمت لینے سے منع فرمایا حالانکہ ان کا عین بالاتفاق پاک ہے۔امام احمد اور اصحاب صحاح ستّہ نے بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا۔ احمد، مسلم، اصحابِ اربعہ، طحاوی اور حاکم رحمہم اللہ انہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتّے اور بلّی کی قیمت لینے سے منع فرمایا۔علاوہ ازیں ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت تھا جب کتّے کو قتل کرنے کا حکم تھا اور کسی کیلئے اس میں سے

[1] البحر الرائق،کتاب الطہارت، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۶

[2] المیزان الکبرٰی باب النجاسۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۱۱۴

[3] صحیح البخاری باب بیع المیتۃ والاصنام مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۸

[4] شرح معانی الآثار باب ثمن الکلب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۵۱

[5] شرح معانی الآثار باب ثمن الکلب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴۸

ابو جعفر الطحاوی وفی شرح معانی الاٰثار۔	کچھ روک رکھنا جائز نہ تھا پس اس (قتل) کے منسوخ ہونے سے یہ بھی منسوخ ہوگیا جیسا کہ امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الاٰثار میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

خامسًا: اگر دلائل میں تعارض بھی ہو تو مرجع اصل ہے،

کما نصوا علیه فی الاصول وتشبثوا به فی مسائل الاسرار بآل تائین وترک رفع الیدین وغیرهما۔	جیسا کہ انہوں نے اسے اصول میں بیان کیا اور آہستہ آمین کہنے اور ترک رفع یدین جیسے مسائل میں اس کو اختیار کیا۔(ت)

اور اصل تمام اشیا میں طہارت ہے۔

حتی الخنزیر فانه من المنی والمنی من الدم والدم من الغذاء والغذاء من العناصر والعناصر طاهرة حتی لولم یرد الشرع بتنجیس عینه بقی علی اصله فی المیزان الاصل فی الاشیاء الطهارة وانما النجاسة عارضة فانها صادرة عن تکوین الله تعالٰی القدوس الطاهر [1] الخ۔ وفی الطریقة والحدیقة ص ان الطهارة فی الاشیاء اصل ش لان الله تعالٰی لم یخلق شیأ نجسا من اصل خلقته ص وش انما ص النجاسة عارضة ش فاصل البول ماء طاهر وکذلك الدم والمنی والخمر عصیر طاهر ثم عرضت النجاسة [2] اھ ملخصاً۔ ولذا قال فی الغنیة ھٰهنا والاصل عدمها [3] ای عدم النجاسة کما مر۔	حتی کہ خنزیر بھی، کیونکہ وہ منی سے ہے، منی خون سے، خون غذا سے اور غذا عناصر سے اور عناصر پاک ہیں حتی کہ اگر شریعت اسے نجسِ عین قرار نہ دیتی تو وہ اپنی اصل پر باقی رہتا۔ میزان میں ہے اشیاء میں اصل طہارت ہے اور نجاست لاحق ہوتی ہے یعنی اللہ تعالٰی پاک وطاہر کے حکم سے صادر ہوتی ہے الخ۔ الطریقۃ المحمدیہ اور الحدیقۃ الندیہ میں ہے (متن) اشیاء میں اصل طہارت ہے (شرح) کیونکہ اللہ تعالٰی نے اصلِ تخلیق میں کسی چیز کو نجس پیدا نہیں کیا (متن) نجاست عارضی ہے (شرح) پس پیشاب کا اصل پاک پانی ہے، اسی طرح خون، منی اور شراب پاک رس ہے پھر نجاست لاحق ہوئی اھ ملخصا۔ اسی لئے غنیہ میں اس مقام پر فرمایا اور اصل عدمِ نجاست ہے جیسا کہ گزر گیا۔(ت)

[1] المیزان الکبرٰی باب النجاسۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۴

[2] الحدیقۃ الندیۃ النوع الرابع تمام انواع الاربعۃ فی بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطھارۃ والنجاسۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۳/۷

[3] غنیۃ المستملی فصل فی البئر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۹

سادسًا: اسی میں تیسیر ہے:

لاسیما علی من ابتلی باقتنائه لصید اوزرع اوماشیة والتیسیر محبوب فی نظر الشارع یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[1] وقال صلی الله علیه وسلم ان الدین یسر الحدیث[2] رواه البخاری والنسائی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم یسروا ولاتعسروا[3] رواه احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	خصوصًا جو شخص شکار، کھیتی باڑی یا جانوروں کی حفاظت کے لئے اس کے رکھنے پر مجبور ہو اور شارع کی نظر میں آسانی محبوب ہے (ارشادِ خداوندی ہے) اللہ تعالٰی تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک دین آسان ہے" (الحدیث) اسے امام بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آسانی پیدا کرو اور تنگی پیدا نہ کرو"۔ اس حدیث کو امام احمد، بخاری ومسلم اور نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

سابعًا: بہت قائلان تنجیس کے اقوال خود مضطرب ہیں کہیں نجاست عین پر حکم فرماتے کہیں طہارت عین کا پتا دیتے بلکہ صاف تصریح کرتے ہیں جس مبسوط شمس الائمہ سرخسی کے مسائل الآسار میں ہے:

الصحیح من المذهب عندنا ان عین الكلب نجس[4]۔	ہمارے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے کہ کتے کا عین نجس ہے۔ (ت)

اُسی کے باب الحدث میں ہے:

جلد الكلب یطهر عندنا بالدباغ خلافا للحسن والشافعی لان عینه نجس عندهما ولكنا نقول الانتفاع به مباح حالة الاختیار فلوكان عینه نجسًا لما ابیح الانتفاع به[5]۔	ہمارے نزدیک کتّے کا چمڑا دباغت سے پاک ہوجاتا ہے امام حسن اور امام شافعی رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عین ناپاک ہے لیکن ہم کہتے ہیں حالتِ اختیار میں اس سے نفع حاصل کرنا جائز ہے پس اگر اس کا عین ناپاک ہوتا تو اس سے نفع حاصل کرنا جائز نہ ہوتا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲/۱۵۸

[2] صحیح البخاری باب الدین یسر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

[3] صحیح البخاری باب امر الوالی اذاوجہ امیرین الٰی موضع الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۶۳

[4] المبسوط للسرخسی، سؤر مالایؤکل لحمہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۸

[5] المبسوط للسرخسی جلد المیتۃ واحکامہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۰۲

اُسی کی کتاب الصید میں ہے:

بھذا یتبین انہ لیس بنجس العین [1]	اس سے واضح ہوا کہ یہ نجس عین نہیں۔(ت)

جس فتاوٰی ولوالجیہ میں مسئلہ تنجس ثوب بانتفاض قلب بیان کیا۔

قال فی البحر ولایخفی ان ھذا علی القول بنجاسۃ عینہ [2]۔	بحرالرائق میں فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ بات (کتّے کے جھاڑنے سے کپڑے کا ناپاک ہونا) اس کے نجس عین ہونے کا قائل ہونے کی بنیاد پر ہے (ت)

اُسی میں مثل تجنیس مسئلہ جواز صلاۃ مع قلادہ اسنان کلب بیان فرمایا۔

قال فی البحر ولایخفی ان ھذا کلہ علی القول بطھارۃ عینہ [3]۔	بحرالرائق میں فرمایا مخفی نہ رہے یہ سب کچھ اس کا عین پاک ہونے کی بنیاد پر ہے۔(ت)

جس ایضاح میں عبارت مبسوط شیخ الاسلام فی روایۃ لایطھر وھو الظاھر من المذھب (ایک روایت میں ہے پاک نہیں ہوتا اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ت) نقل کرکے خود اپنے متن اصلاح کے قول الا جلد الخنزیر والاٰدمی (مگر خنزیر اور آدمی کی کھال۔ت) پر اعتراض فرمایا الحصر المذکور علی خلاف الظاھر (حصر مذکور، ظاہر کے خلاف ہے۔ت) اُسی کی کتاب البیوع میں فرمایا:

صح بیع الکلب خلافا للشافعی لانہ نجس العین عندہ لاعندنا لانہ ینتفع بہ [4]۔	کتے کی خرید وفروخت صحیح ہے اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ نجسِ عین ہے ہمارے نزدیک نہیں کیونکہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے۔(ت)

جن درر وغرر میں وہ فرمایا تھا کہ الکلب نجس العین [5] الخ (کتّا نجسِ عین ہے الخ۔ت) اُنھی کی بیوع میں ہے:

صح بیع کل ذی ناب کالکلب لانہ مال	کتّے کی طرح ہر دانت والے جانور کی خرید وفروخت

[1] المبسوط للسرخسی ثمن کلب الصید مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۱/۲۳۵
[2] البحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲
[3] البحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳
[4] ایضاح واصلاح
[5] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام فرض الغسل مطبوعہ کامل الکائنہ فی دار السعادۃ ۱/۲۴

متقوم الاالخنزیر لانہ نجس العین [1] اھ	ملخصا جائز ہے کیونکہ وہ مال متقوم ہے سوائے خنزیر کے، کیونکہ وہ نجس عین ہے اھ ملخصا (ت)

جس خزانۃ المفتین میں ہے عینہ نجس (اس کا عین ناپاک ہے۔ت) اُسی میں ہے: سنہ لیس بنجس [2] (اس کا دانت ناپاک نہیں ہے۔ت) جس خانیہ میں مسائل متقدمہ شعر وانتقاض فرمائے اور فرمایا:

اذامشی کلب علی ثلج یصیر الثلج نجسا وکذا الطین والردغۃ اھ ملخصا [3]۔	کتّا برف پر چلے تو برف ناپاک ہوجائے گی، اسی طرح مٹّی اور گارا بھی اھ ملخصا (ت)

یہاں تک کہ حلیہ وغنیہ وبحر الرائق میں واقع ہوا،

واللفظ للبحر اختار قاضی خان فی الفتاوی نجاسۃ عینہ وفرع علیھا فروعا [4] اھ	الفاظ بحر الرائق کے ہیں کہ قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کے نجس عین ہونے کو اختیار کیا اور اس کو کئی مسائل کی بنیاد بنایا اھ (ت)

اُسی خانیہ میں فرمایا: سنہ غیر نجس (اس کا دانت ناپاک نہیں ہے۔ت) اور فرمایا:

لوصلی وفی عنقہ قلادۃ فیھا سن کلب اوذئب یجوز صلاتہ [5]۔	اگر کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کے گلے میں ایسا ہار ہو جس میں کُتّے یا بھیڑیے کے دانت ہوں، تو اس کی نماز جائز ہے (ت)

اور فرمایا:

ان کان فی کمہ ثعلب اوجروکلب لاتجوز صلاتہ لان سؤرہ نجس لایجوزبہ التوضأ [6]۔	اگر اس کی آستین میں لومڑی یا کُتّے کا بچّہ ہو تو اس کی نماز جائز نہیں کیونکہ اس کا جھُوٹا ناپاک ہے تو اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب البیوع مسائل شتی مطبوعہ کامل الکائنہ فی دار السعادۃ ۱۹۸/۲

[2] خزانۃ المفتین

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۱/۱

[4] البحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۱/۱

[5] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۰/۱

[6] فتاوٰی قاضی خان فصل فی النجاسۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۱/۱

بلکہ صاف واضح فرمادیا کہ اُس کی نجاست عین کے یہ معنے ہیں کہ اس کاماذٰی نجاسات ہیں لہٰذا اس کا بدن غالبًا ناپاک ہوتا ہے۔

حیث قال ینزح کل الماء اذاوقع فیھا کلب اوخنزیر مات اولم یمت اصاب الماء فم الواقع اولم یصب اما الخنزیر فلان عینه نجس والکلب کذلك ولهذا لوابتل الکلب وانتقض فاصاب ثوبا اکثر من قدر الدرھم افسدہ لان مأواہ النجاسات وسائر السباع بمنزلة الکلب[1] اھ ملخصا۔	جہاں فرمایا کہ جب اس میں کتّا یا خنزیر گر جائیں تو تمام پانی نکالا جائے چاہے وہ مریں یا نہ، اور گرنے والے کا منہ پانی کو پہنچے یا نہ۔ خنزیر اسی لئے کہ وہ نجسِ عین ہے اور کتّا بھی اسی طرح ہے، اس لئے اگر کتّا تر ہو جائے اور اپنے آپ کو جھاڑے اور یہ (پانی) درہم سے زیادہ کپڑے کو پہنچے تو اسے ناپاک کردے گا کیونکہ اس کا ٹھکانہ نجاستیں ہیں اور تمام درندے کتے کی طرح ہیں اھ تلخیص (ت)

اور اسی باب سے ہے عامہ کتب مذہب کا اتفاق کہ کلیہ **کل اھاب دبغ طاھر** (ہر وہ چمڑا جسے دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے۔ت) سے سوا خنزیر کے کسی جانور کا استثناء نہیں فرماتے، فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ کسی کتاب میں یہاں والکلب بھی فرمایا ہو اگرچہ دوسری جگہ طہارت جلد کلب میں خلاف نقل کریں **وباللّٰہ التوفیق**۔

واما التزییف فاقول اولا: (رہا اس کا کھوٹا پن! تو میں کہتا ہوں، **اوّلاً**۔ت) امر بالقتل سے تحریم پر استدلال تو ایک طریق ہے مگر نجاست عین پر اُس سے احتجاج محض باطل و سحیق احادیث میں سانپ بچھّو چیل کوّے چوہے چھپکلی گرگٹ وغیرہا اشیائے کثیرہ کے قتل کا حکم ہے یہاں تک کہ احرام میں حتی کہ حرم میں پھر کیا یہ سب اشیا نجس العین ہوں گی۔

ھذا لم یقل به احد اخرج الائمة مالك واحمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن ابن عمرو البخاری ومسلم والنسائی والترمذی وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة وابوداؤد بسند	اس کا کوئی بھی قائل نہیں امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ (رحمہم اللہ تعالٰی) نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بخاری، مسلم، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، ابوداؤد

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی مایقع فی البئر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۵

حسن عن ابی ھریرۃ واحمد باسناد حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خمس من الدواب لیس علی المحرم فی قتلھن جناح الغراب والحدأۃ والعقرب والفارۃ والکلب العقور [1]۔وفی حدیث ابن عباس خمس کلھن فاسقۃ یقتلھن المحرم ویقتلن فی الحرم وعد الحیۃ بدل الحدأۃ [2] وفی احدی روایات الصدیقۃ الحیۃ مکان العقرب [3]۔احمد والشیخان وابوداود والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عمرعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلوا الحیات اقتلوا ذاالطفیتین والابتر [4] الحدیث۔ابوداؤد و النسائی عن ابن مسعود والطبرانی فی الکبیر عن جریر بن عبداللہ البجلی وعن عثمان بن ابی العاص بسند صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثأرھن فلیس منا [5]۔ابوداود والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الکبیر

نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیاان سب نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ مُحرِم پر پانچ جانوروں کو قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، کوّا، چیل، بچھّو، چوہا اور کاٹ کھانے والا کتّا۔حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے پانچ جانور تمام کے تمام فاسق ہیں مُحرم ان کو قتل کرے، اور انہیں حرم میں بھی قتل کیا جائے، انہوں نے چیل کی جگہ سانپ کو شمار کیا ہے۔ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں بچھّو کی جگہ سانپ کا ذکر ہے۔امام احمد، شیخان (بخاری و مسلم)، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالٰی، حضرت عبداللہ ابن عمر کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: سانپوں کو قتل کرو گر گل کے پتّوں جیسے نشانات والے سانپ اور دُم کٹے سانپ کو قتل کرو (الحدیث)۔ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے کبیر میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اور حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا تمام

[1] صحیح البخاری باب مایقتل المحرم من الدواب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶
[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۲۵۷
[3] سنن ابن ماجہ مایقتل المحرم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۰
[4] سنن ابی داؤد باب قتل الحیات مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۵۶
[5] سنن ابی داؤد باب قتل الحیات مطبوعہ مجتبائی پاکستان لاہور ۲/۳۵۶

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلو السودین فی الصلوۃ الحیۃ والعقرب[1] وایضاً ھذا عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلوا الوزغ ولو فی جوف الکعبۃ[2]۔ احمد عن ابن مسعود بسند صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قتل حیۃ فکانما قتل رجلا مشرکا قد حل دمہ[3] احمد وابن حبان بسند صحیح عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قتل حیۃ فلہ سبع حسنات ومن قتل وزغۃ فلہ حسنۃ[4]۔	سانپوں کو مارو، جو شخص ان کی طرف سے حملے کا خوف رکھے وہ ہم میں سے نہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (آپ نے فرمایا) نماز میں دو سیاہ جانوروں سانپ اور بچھّو کو ہلاک کرو، نیز انہوں نے ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا گرگٹ کو قتل کرو اگرچہ کعبہ شریف کے اندر ہو۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: "جو شخص سانپ کو مارے گویا اس نے ایسے مشرک مرد کو قتل کیا" جس کا خون (بہانا) حلال ہوچکا تھا۔ امام احمد اور ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ انہی کی روایت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا: "جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے سات ۷ نیکیاں پائیں جس نے گرگٹ کو ہلاک کیا اس کیلئے ایک نیکی ہے"۔ (ت)

ثانیاً: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاتقربھم الملئکۃ الجنب والسکران والمتضمخ بالخلوق[5] رواہ البزار باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تین آدمیوں کے قریب (رحمت کے) فرشتے نہیں جاتے جنبی، نشے والا اور خلوق (ایک قسم کی خوشبو) لگانے والا۔ بزار نے اسے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

اس حدیث میں مست نشہ کو بھی فرمایا کہ ملائکہ اس کے پاس نہیں آتے، کیا مدہوش نجس العین ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب العمل فی الصلوۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۹۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۲۰۲

[3] مسند الامام احمد بن حنبل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۳۹۵

[4] مسند الامام احمد بن حنبل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۴۲۰

[5] مجمع الزوائد باب ماجاء فی الخمر ومن یشربہا مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۵/۷۲

ثالثًا: ولوغ کلب سے غسل اناء بلکہ مبالغہ تسبیع و تثمین و تتریب کو بھی تنجیس عین سے اصلًا علاقہ نہ ہونا اجلی بدیہیات سے ہے۔

وقداغرب الشوکانی فی نیل الاوطار فجعله حجة زاعما انه اذاکان لعابه نجسا وھوعرق فمه ففمه نجس ویستلزم نجاسة سائر بدنه وذلك لان لعابه جزء من فمه وفمه اشرف مافیه فبقیة بدنه اولٰی [1] اھ۔	شوکانی نے نیل الاوطار میں عجیب بات کرتے ہوئے اسے حجت قرار دیا ہے ان کا خیال ہے کہ جب اس کا لعاب ناپاک ہے اور وہ منہ کا پسینہ ہے تو اس کا منہ بھی ناپاک ہوگا اور یہ تمام بدن کی نجاست کو مستلزم ہے یہ اس لئے کہ اس کا لعاب اس کے منہ کا ایک جزء ہے اور منہ اس کے جسم کا اشرف حصّہ ہے، پس باقی بدن تو بدرجہ اولٰی ناپاک ہوگا۔اھ (ت)
اقول: ھذا کما تری یساوی ھزلا ویتساوك ھُزلا فان کون اللعاب جزء الفم ممالایتفوہ به صبی عاقل فضلا عن فاضل ثم ھو انما یتولد من داخل لا من الجلد فانما یدل علی نجاسة اللحم دون العین ثم لوتم لدل علی نجاسة عین کل ماسؤرہ نجس وھو باطل۔	**اقول:** یہ بات جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو مذاق کے برابر ہے اور کمزوری کے باعث متزلزل ہے کیونکہ لعاب کا منہ کا جُزء ہونا کسی عقلمند بچّہ کا قول بھی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ ایک فاضل یہ کہے، پھر یہ (لعاب) اندر سے پیدا ہوتا ہے جلد سے نہیں، اور یہ گوشت کی نجاست پر دلالت کرتا ہے عین کے نجس ہونے پر نہیں، پھر اگر ان کی بات صحیح بھی ہو تو یہ اس چیز کے عین نجس ہونے پر دلالت کرے گی جس کا جھوٹا ناپاک ہے حالانکہ یہ باطل ہے۔(ت)

رابعًا: حدیث انھا لیست بنجس انھا من الطوافین والطوافات [2] (یہ ناپاک نہیں کیونکہ تمہارے پاس چکّر لگانے والوں اور آنے جانے والیوں میں سے ہے۔ت) حدیث حسن صحیح ہے

اخرجه الائمه مالك و احمد و الاربعة وابن حبان والحاکم وابن خزیمة وابن منیدة فی صحاحھم عن ابی قتادة وابوداود والدارقطنی	ائمہ حدیث امام مالک، احمد، ائمہ اربعہ (بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ) ابن حبان، حاکم، ابن خزیمہ اور ابن مندہ نے اپنی صحاح میں حضرت ابوقتادہ

[1] نیل الاوطار باب آسار البہائم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷

[2] سنن ابی داؤد باب سور الہرۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰

عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	رضی اللہ عنہ سے نیز ابوداود اور دارقطنی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا (ت) مگر یہ حدیث ابی ہریرہ کا تتمہ نہیں نہ اس میں مقاب

بلہ بالکلب ہے اُس کا تتمہ یا طرق مختصرہ کی تمام حدیث احمد واسحٰق بن راہویہ وابوبکر بن ابی شیبہ دارقطنی وحاکم و عقیلی سب کے یہاں اُسی قدر ہے کہ:

الهر یا السنور سبع فرواه الاربعة الاول من طریق وکیع عن سعید بن المسیب عن ابی زرعة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الهر سبع [1]۔ورواه الدارقطنی من جهة محمد بن ربیعة عن سعید عن ابی زرعة وهومطولا بالقصة والحاکم من حدیث عیسٰی بن المسیب ثنا ابوزرعة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم السنور سبع [2]۔وقال العقیلی فی ترجمة عیسٰی بن المسیب من کتاب الضعفاء حدثنا محمد بن زکریا البلخی نامحمد بن ابان ومحمدبن الصباح قالا ثنا وکیع نا عیسی بن المسیب عن ابی زرعة عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی	(الھر یاالسنور فرمایا) بلّی درندہ ہے پہلے چار نے اسے وکیع سے انہوں نے حضرت سعید بن مسیب سے انہوں نے ابوزرعہ سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلّی درندہ ہے۔دارقطنی نے محمد بن ربیعہ سے انہوں نے حضرت سعید سے انہوں نے حضرت ابوزرعہ سے روایت کیا،اس کا قصہ طویل ہے،حاکم نے عیسٰی بن مسیب کی روایت سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں ہم سے ابوزرعہ نے بیان کیا انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"بلّی درندہ ہے"۔عقیلی نے کتاب الضعفاء میں عیسٰی بن مسیب کا ترجمہ (تعارف) نقل کرتے ہوئے کہا ہم سے محمد بن زکریا بلخی نے بیان کیاان سے محمد بن ابان اور محمد بن صباح نے بیان کیا وہ دونوں فرماتے ہیں ہم سے وکیع نے،وہ فرماتے ہیں ہم سے عیسٰی بن مسیب نے بواسطہ ابوزرعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیاکہ رسول اللہ

[1] مصنف ابن ابی شیبہ من قال لایجزئ ویغسل منہ الاناء ، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۲۷

علیه وسلم وذکر الهر وقال هی سبع [1] اھ فلعل العلامة الدمیری شُبّه علیه فانتقل ذهنه فی تتمّة هذا الحدیث الی ذاك هذا فی لفظ الهرة وقدذکره علی الصواب فی لفظ السنور فقال روی الحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالی عنه قال کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یأتی دارقوم من الانصار فساق الحدیث الی قوله فقال السنور سبع [2] اھ۔

فانقلت ربما یتحصل لناالمقصود بهذا اللفظ ایضاً فان الحدیث قدعلل زیارة اهل بیت عندهم هرٌّ دون الذین عندهم کلب بانها سبع فدل علی ان الکلب اخبث من السبع وقد تقرر عندنا نجاسة اسٰار سائر السباع فلوکانت هی ایضا قصاری الامر فی الکلاب غیر متعدیة من اللعاب علی الاهاب لم یکن لهذا التعلیل معنی قلت نعم یدل علی زیادة شیئ فی الکلب علی سائر السباع ولیکن مافیه من عدم دخول الملئکة بیتا هو فیه اما خصوص الفرق بنجاسة العین

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، پھر انہوں نے بلّی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "یہ درندہ ہے" اھ۔شاید علامہ دمیری کو شبہہ ہوگیا اور ان کا ذہن اس حدیث کے تتمہ پر اس بات کی طرف منتقل ہوگیا۔یہ تو لفظ "ھرۃ" میں ہے لیکن انہوں نے لفظ "سنور" کو صحیح قرار دیتے ہوئے ذکر کیا، فرماتے ہیں حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم انصار کے گھر تشریف لاتے تھے پھر وہ حدیث بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے، آپ نے فرمایا بلّی درندہ ہے اھ۔

اگر تم کہو کہ کبھی ہمیں اس لفظ سے بھی مقصود حاصل ہوجاتا ہے کیونکہ جن کے ہاں بلّی ہو وہاں جانا صحیح ہے جہاں کتا ہو وہاں نہیں۔حدیث شریف میں اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ایک درندہ ہے۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کتا درندوں سے بھی زیادہ خبیث ہے۔اور ہمارے نزدیک تمام درندوں کے پس خوردہ کی نجاست ثابت ہوچکی ہے۔پس اگر کتے کے بارے میں بھی صرف اتنی ہی بات ہو اور وہ لعاب سے چمڑے کی طرف متعدی نہ ہو تو اس تعلیل کا کوئی مطلب نہ ہوگا (قلت) ہاں کتّے میں باقی درندوں سے زائد چیز پر دلالت موجود ہے وہ یہ کہ کتّے کے بارے میں جس گھر میں یہ ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے لیکن نجاست عین کے ساتھ خصوصی فرق ہرگز نہیں، جو

[1] کتاب الضعفاء الکبیر فی ترجمہ عیسٰی بن المسیب مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۸۷/۳

[2] حیاۃ الحیوان تحت لفظ السنور مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر ۵۷۶/۱

فکلا ومن ادعی فعلیه الدلیل ولعل تعلیلی هذا احسن من تعلیل الطیبی بان الکلب شیطان کمانقله فی مجمع بحار الانوار واقره۔[1] فان ذلك انماورد فیما نعلمه فی الکلب الاسود کما فی حدیث قطع الصلاۃ عند احمد والستة الا البخاری عن عبدالله بن الصامت عن ابی ذر رضی الله تعالٰی عنه وفیه فانه یقطع صلاته المرأة والحمار والکلب الاسود قلت یااباذر مابال الکلب الاسود من الکلب الاحمر من الکلب الاصفر قال یاابن اخی سألت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کماسألتنی فقال الکلب الاسود شیطان[2]۔

ولاحمد عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الکلب الاسود البهیم الشیطان[3] وقد دل السؤال والجواب ان القید ملحوظ وان غیر الاسود عن ذاك محفوظ۔

فان قلت مایدریك لعل الکلب الذی کان فی بیتهم کان اسود

دعوٰی کرے اس کے ذمہ دلیل ہے اور شاید میری یہ تعلیل، طیّبی کی تعلیل کہ کتا شیطان ہے سے زیادہ اچھی ہے جیسا کہ انہوں نے مجمع بحار الانوار میں نقل کرکے اسے برقرار رکھا۔ ہمارے علم کے مطابق یہ بات سیاہ کتّے کے بارے میں آئی ہے جیسا کہ نماز توڑنے سے متعلق حدیث میں ہے جسے امام احمد نے اور بخاری کے سوا صحاح ستّہ کے دیگر ائمہ نے بواسطہ حضرت عبداللہ بن صامت، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں ہے کہ "آدمی کی نماز عورت، گدھے اور سیاہ کتّے کے گزرنے سے ٹوٹ جاتی ہے" میں نے عرض کیا اے ابوذر سیاہ کتے کی کیا خصوصیت ہے جو سرخ اور زرد کو حاصل نہیں۔ انہوں نے فرمایا: اے بھتیجے! میں نے اس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہاری طرح سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: "سیاہ کتا شیطان ہے"۔ امام احمد، حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا سے وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں آپ نے فرمایا: "نہایت سیاہ کتّا شیطان ہے"۔ سوال وجواب اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ (رنگ کی) قید ملحوظ ہے اور غیر سیاہ کتا اس (حکم) سے محفوظ ہے۔ (ت) **اگر تم کہو کہ** تمہیں کیا معلوم شاید وہ کتا جو ان کے گھروں میں تھا سیاہ رنگ کا ہو؟ میں کہتا ہوں تمہیں

---

[1] مرقات المفاتیح باب السترۃ فصل اول مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۴۵

[2] الصحیح لمسلم باب سترۃ المصلی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۷

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا دارالفکر بیروت ۶/۱۵۷

قلت مایدریك لعله کان احمر اواصغر وبالجملة فالحدیث اقتصر فی معرض التعلیل علی وصف الکلبیة فلوکان العلة خصوص اللون لصرح به او اتی بلام العهد هذا ثم ان فی الحدیث تاویلا اٰخر افادہ ایضا الطیبی فقال هو استفهام انکار [1] اھ فعلی هذا یکون المعنی اثبات السبعیة للکلب ونفیها عن الهر فینصلم الاستدلال من اصله۔ **اقول:** لکن الحدیث فی بعض طرقه بلفظ ان السنور سبع کمافی المیزان فافهم [عہ]۔	کیا معلوم، شاید وہ سرخ یا زرد رنگ کا ہو۔ بہرحال حدیث شریف میں صرف اس کا کتّا ہونا ہی دلیل بنے گا۔ اگر کوئی خصوصی رنگ علّت ہوتا تو اس کی تصریح فرماتے یا لامِ عہدلاتے، اسے اپنائیے، پھر حدیث میں ایک اور تاویل بھی ہے جس کا فائدہ بھی طیّبی سے حاصل ہوا، انہوں نے فرمایا یہ استفہام انکاری ہے اھ پس اس بنیاد پر معنٰی یہ ہوگا کہ کتنے کیلئے درندگی ثابت کرنا اور بلّی سے اس کی نفی کرنا ہے، لہٰذا استدلال سرے سے ہی ختم ہوجائیگا۔ **اقول:** لیکن حدیث کے بعض طرق یہ الفاظ ہیں "ان السنور سبع" جیسا کہ میزان میں ہے۔ پس سمجھ لو۔ (ت)

خامسًا: عبارت شرح وقایہ سے استدلال عجیب ہے حالانکہ اسی کی بیوع میں یہاں تک تصریح ہے:

صح بیع الکلب والفهد والسباع علمت اولا ش هذا عندنا وعند ابی یوسف رحمه الله تعالٰی لایجوز بیع الکلب العقور وعند الشافعی رحمه الله تعالٰی لایجوز بیع الکلب اصلا بناء علی انه نجس العین عنده [2]۔	(متن) کتے، بھیڑیے اور درندوں کی بیع جائز ہے، انہیں سکھایا جائے یا نہ۔ (شرح) یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک کاٹنے والے کتّے کی بیع جائز نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک کتّے کی بیع بالکل جائز نہیں، کیوں کہ وہ ان کے نزدیک نجس عین ہے۔ (ت)

بالجملہ قول اصح وارجح بلکہ ماخوذ ومعمول ومفتی بہ وہی طہارت عین ہے تو جتنے امور بربنائے نجاست عین مانے جاتے ہیں سب خلاف معتمد ومخالف قول مختار ومشید ہیں لاجرم فتح میں فرمایا:

ماذکر فی الفتاوی من التنجس من وضع	فتاوٰی میں جو مذکور ہے کہ برف یا کیچڑ میں جہاں

عــہ: یشیر الی ان ان لیس بنص فی عدم حذف الهمزة (م)	اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لفظِ "ان" ہمزہ کے حذف نہ ہونے میں نص نہیں۔ (ت)

[1] مجمع بحار الانوار

[2] شرح الوقایہ مسائل شتی، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۸۴

رجله موضع رجل کلب فی الثلج اوالطین ونظائر هذه مبنی علی روایة نجاسة عین الکلب ولیست بالمختارة[1]۔	کتّے نے پاؤں رکھا وہاں پاؤں رکھا جائے تو ناپاک ہوجاتا ہے، اور اس قسم کی دوسری باتیں کتے کے نجس عین ہونے پر مبنی ہیں اور یہ بات مختار نہیں (ت)

حلیہ میں فرمایا:

الکثیر علی انه لیس نجس العین وعلی هذا فیکون الصحیح عند الکثیر انه لاینزح اذا اخرج ولم یصب الماء فمه کماهو معزو الی ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه[2]۔	بہت سے فقہاکے نزدیک یہ نجس عین نہیں لہذا اس بنیاد پر زیادہ لوگوں کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ جب کتا (پانی سے) نکالا جائے اور اس کا منہ پانی تک نہ پہنچا ہو تو (کنویں سے) پانی نہیں نکالا جائے گا، یہ بات امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب ہے۔(ت)

پس عندالتحقیق اُس کے بال[1] بھی پاک، کھال[2] بھی پاک، ذبح[3] ودباغت[4] باعث تطہیر جلد علی القول المتفق علیه عندنا واللحم ایضا علی اضعف التصحیحین (اس قول کے مطابق جو ہمارے نزدیک متفق علیہ ہے اور دو تصحیحوں سے کمزور تر تصحیح کے مطابق گوشت بھی پاک ہے۔ت) زندہ ومردہ[5]، مذبوح وغیر مذبوح ہر حالت میں دانت پاک، ناخن[6] پاک، اگر[7] کنویں میں گرا اور زندہ نکل آیا اور بدن پر کوئی نجاست معلوم نہ تھی نہ لعاب پانی کو پہنچا تو پانی پاک، تطییبًا للقلب صرف بیس[20] ڈول نکالے جائیں۔ کیچڑ[8] وغیرہ پر چلا ہے اور وہیں آدمی برہنہ پا چلے تو پاؤں نجس نہ ہوں گے۔ پانی[9] میں بھیگا ہُوا چٹائی پر لیٹے یا[10] بدن جھاڑے اور اس کی چھینٹوں سے کپڑا وغیرہ تر ہوجائے ناپاک نہ ہوگا جب تک بدن پر نجاست نہ ہو۔ ان تمام فروع میں تو اصلًا کلام نہیں،

ووقع فی الدرلیس نجس العین وعلیه الفتوی فیباع ویؤجر ویضمن ولایفسد الثوب بعضه مالم یر ریقه ولاصلاة حامله ولوکبیرا وشرط الحلوانی شدفمه[3] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ نجس عین نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے پس اسے بیچا جاسکتا ہے، اجرت پر دیا جاسکتا ہے اور (ہلاکت کی صورت میں) اس کا تاوان لازم ہوگا اور اس کے کاٹنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا جب تک لعاب دکھائی نہ دے اسے اٹھاکر نماز پڑھنے والے کی نماز نہیں ٹوٹے گی اگرچہ بڑا ہو۔ حلوانی کے نزدیک اس کا منہ بندھا ہونا شرط ہے اھ تلخیص (ت)

---

[1] فتح القدیر، آخر باب الانجاس مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۸۶

[2] التعلیق المجلی حاشیۃ منیۃ المصلی فصل فی البئر مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۱۵

[3] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۳۸

اقول: اما البیع فقد تقدم الکلام علیه وهو الکلام فی الاجارۃ فانها ایضا انما تعتمد حل الانتفاع واماعدم فساد الثوب مالم یبتل بلعابه فقد اقرہ علی هذا التفریع محشیه العلامة الشامی والعبد الضعیف لا یحصله فانه ماش علی قول التجنیس ایضا قطعا لان الرجس لایعدی النجاسة الابلل ونجاسة ریقه لاخلف فیها فی المذهب فعدم النجاسة بسن یابس والتنجس بشفة رطبة کلاهما متفق علیه لاجرم ان قال البحر فی البحر لایخفی ان هذہ المسألة علی القولین [1] الخ ثم رأیت العلامة الطحطاوی نبه علیه معترفا ایضا من البحر واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	**اقول:** جہاں تک خرید وفروخت کا تعلق ہے تو اس پر کلام گزر چکا ہے اور اجارہ کے بارے میں بھی وہی حکم ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی توانتفاع کا حلال ہونا ہے، لیکن کپڑے کا خراب نہ ہونا جب تک لعاب سے تر نہ ہو، اس پر اس کے محشّٰی علامہ شامی نے اس تفریع کو برقرار رکھا ہے۔ یہ بندہ ضعیف اسے نہیں مانتا کیونکہ وہ اس کے قطعی نجس ہونے کا بھی قائل ہے اور نجاست، رطوبت کے بغیر آگے متجاوز نہیں ہوتی اور تھوک کے نجس ہونے میں مذہب میں کوئی اختلاف نہیں پس خشک دانت کے ساتھ ناپاک نہ ہونا اور تر ہونٹ کے ساتھ ناپاک ہوجانا دونوں باتوں پر اتفاق ہے صاحبِ بحر نے بحر الرائق میں فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ مسئلہ دو۲ قولوں کی بنیاد پر ہے الخ پھر میں نے دیکھا کہ علامہ طحطاوی نے بحر سے اس کا اعتراف کرتے ہوئے اس پر تنبیہ کی ہے واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی (ت)

باقی رہی وہ فرع کہ اس کے حامل کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اگر کتّا خود آکر مصلّی پر بیٹھ جائے جب تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں صحت نماز خاص اسی مذہب صحیح یعنی طہارت عین ہی پر مبتنی ہے قول نجاست پر نماز نہ ہوگی کہ اگرچہ کتّا خود آکر بیٹھا مگر وہ عین نجاست ہے تو مصلّی حاملِ نجاست ہوا اور قول طہارت پر ہوجائے گی کہ اب نجس ہے تو لعاب اور لعاب محمول کلب ہے نہ محمول مصلی اور حمل بالواسطہ یہاں معتبر نہیں جیسے ہوشیار بچّہ جس کے جسم وثوب یقینا ناپاک ہوں خود آکر مصلّی پر بیٹھ جائے نماز جائز ہے اگرچہ ختم نماز تک بیٹھا رہے کہ اس صورت میں مصلی خود حاملِ نجاست نہیں اور جبکہ مذہب مفتی بہ طہارت عین ہے تو اس صورت میں جوازِ نماز بھی قطعًا مفتی بہ۔

فان مالایبتنی الا علی الصحیح لایکون	جس چیز کی بنیاد صحیح ہو وہ بھی صحیح ہوتی ہے اور یہ

[1] البحرالرائق کتاب الطہارت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

الاصحیحا وھذا کما تری من اجلی البدیھات۔	جیسا کہ تم دیکھتے ہو نہایت واضح باتوں میں سے ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

(ان صلی ومعه سنورتجوز) صلاته مطلقاً ان جلس بنفسه واذا لم یکن علی ظاهره نجاسة مانعة ان حمله اما ان کان علیه نجاسة مانعة اذ ذاك فلا تجوز صلاته کما لوحمل صبیا لایستمسك بنفسه وفی ثیابه اوبدنه نجاسة مانعة لانه حینئذ هو الحاصل للنجاسة بخلاف المستمسك فان المصلی لیس حاملا للنجاسة التی علیه (بخلاف الکلب) اذا حمله المصلی حیث لا تجوز صلاته لانه حامل للنجاسة التی هی لعابه اما اذا جلس علیه بنفسه فعلی روایة انه نجس العین کذلك لانه حامله وهو نجاسة واما علی الروایة الصحیحة فینبغی ان تجوز صلاته لانه غیر حامل للنجاسة کما فی الهرة ونحوها علی ماسبق[1] اھ ملخصا۔	اگر کسی نے نماز پڑھی اور اس کے پاس بلّی تھی اس کی نماز مطلقًا جائز ہے اگر وہ خود بخود بیٹھی ہو،اور اگر اس نے اسے اٹھایا ہو تو اس صورت میں اس کے ظاہر پر اتنی نجاست نہ ہو جو مانع ہو (نماز جائز ہوگی) لیکن جب اس پر مانع کی حد تک نجاست ہو اس وقت نماز جائز نہیں جیسا کہ اگر اس نے بچہ اٹھایا ہو جو خود بخود ٹھہر نہیں سکتا اور اس کے کپڑوں یا بدن پر اتنی نجاست ہے جو نماز سے مانع ہے کیونکہ اس وقت وہ خود نجاست اٹھانے والا ہوگا۔بخلاف اس کے جو خود بخود ٹھہر سکتا ہے اس صورت میں نماز ہی اپنے اور پائی جانے والی نجاست کو اٹھانے والا شمار نہیں ہوگا (بخلاف کتے کے) جب اسے اٹھایا ہو تو نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ اس کی نجاست یعنی لعاب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ لیکن جب وہ خود بخود بیٹھ جائے تو اس روایت کی بنیاد پر کہ وہ نجس عین ہے اسی طرح ہے کہ کیونکہ وہ اسے اٹھائے ہوئے ہے اور وہ نجاست ہے لیکن صحیح روایت کے مطابق مناسب ہے کہ اس کی نماز صحیح ہو کیونکہ وہ نجاست کو اٹھائے ہوئے نہیں، جیسا کہ بلّی وغیرہ کے بارے میں گزر چکا ہے۔(ت)

اور اگر خود مصلی ہی نے اسے لے کر نماز پڑھی یا نماز میں اٹھالیا تو قول طہارت عین ہی پر اس صورت میں دو۲ قول ہیں۔

[1] غنیۃ المستملی منیۃ المصلی فصل فی الآسار مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۹۱

اقول: والسرفیه ان الابتناء علی شیئ له وجهان احدهما ان لایبتنی الا علیه والاٰخر ان یکون هو احد مایبتنی علیه والمبنی علی الصحیح بالمعنی الاول صحیح قطعا وبالمعنی الاٰخر لایجب ان یکون صحیحا فجواز ان یکون البعض الاٰخر مما یبتنی علیه غیر صحیح فلا یکون المبتنی صحیحا بسببه وعن هذا نقول ان صحة الفرع تستلزم صحة الاصل ولاعکس لان الاصل لازم اعم فثبوته غیرقاض بثبوت ملزومه۔	اقول: اس میں راز یہ ہے کہ کسی چیز پر بنیاد رکھنے کی دو[2] صورتیں ہیں ایک[1] یہ کہ اس کے علاوہ دوسری چیز پر بنیاد نہ ہو، اور دوسرا[2] یہ کہ جن باتوں پر بنیاد رکھی گئی ہے، یہ ان میں سے ایک ہے پہلے معنٰی کے اعتبار سے جو چیز صحیح پر مبنی ہوگی وہ قطعی طور پر صحیح ہوگی، اور دوسرے معنٰی کے اعتبار سے اس کا صحیح ہونا واجب نہیں کیونکہ جائز ہے کہ دوسرا بعض جس پر اس کی بنیاد ہے وہ غیر صحیح ہو لہذا اس کے سبب (فرع کی صحت) سے بنیاد کا صحیح ہونا لازم نہ ہوگا اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ فرع کی صحت اصل کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے لیکن اس کا عکس نہیں کیونکہ اصل لازم اعم ہے پس اس کے ثبوت سے ملزوم کا ثبوت ضروری نہیں۔(ت)

اس قول پر اگرچہ عین کلب نجس نہیں مگر لعاب تو بالاتفاق نجس ہے اور اصل کلی یہ ہے کہ کوئی نجاست اپنے معدن میں حکم نجاست نہیں پاتی ورنہ نماز محال ہو کہ خود بدن مصلی خون وغیرہ سے کبھی خالی نہیں اب نظر علماء دو[2] مسلک پر مختلف ہوئی:

مسلک اوّل: جن کی نظر میں لعاب جب تک منہ سے باہر نہ نکلے اپنے معدن میں ہے انہوں نے حکم صحت دیا یا تو مطلقاً جیسا کہ امام ملک العلماء نے بدائع میں اختیار فرمایا اور اپنے مشائخ کرام سے نقل کیا اور اسی پر حلیہ میں اور بحر الرائق و در مختار کے کتاب الطہارت میں اور حلبی وشامی نے حواشی در اور طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں جزم فرمایا، یا اس شرط کے ساتھ کہ اُس کا منہ بندھا ہو ورنہ نماز نہ ہوگی یہ امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا ارشاد ہے۔ محیط رضوی ونصاب وابوالسعود وغیرہا اور بحر ودُر کی شروط الصلاۃ میں اسی پر اعتماد اور اسی طرف علامہ طحطاوی نے حاشیہ در میں میل کیا اور نظر فقہی میں تحقیق وہی ہے کہ بندش شرط نہیں قبل از فراغ نماز لعاب بقدر مانع جواز کے سیلان پر بنا ہے نہ بہے تو نماز ہوجائے گی اگرچہ منہ کھُلا رہے، ورنہ نہیں، اگرچہ بندھا ہو۔

اقول: بلکہ حق یہ کہ شرط **بندش** کا مقصود بھی یہی ہے **کمایفیدہ ماذکر عن المحیط وغیرہ من تعلیل التقیید** (جیسا کہ وہ بات یعنی تقیید کی علت اس کا فائدہ دے گی جسے ہم محیط وغیرہ سے

ذکر کریں گے۔ت) غالبًا لعاب کلاب کامنہ کھُلا ہونے کی حالت میں میلان کرتا اور بندش سے رکنا مظنون ہے لہٰذا شد و فتح سے تعبیر کی گئی ومثله كثير الوقوع من الفقهاء كمالايخفى على من تتبع (اور اس کی مثل فقہاء سے کثیر الوقوع ہے جیسا کہ تلاش کرنے والے پر مخفی نہیں۔ت) غرض اختلاف لفظ میں ہے نہ معنٰی میں وبهذا يندفع التهافت المظنون فى كلمات البحر والدر والطحطاوى وبالله التوفيق (بحرالرائق، درمختار اور طحطاوی کے کلمات میں جس تکرار کا گمان تھا اس سے وہ دُور ہوگیا۔اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔ت) بہر حال ان سب ائمہ وعلماء نے نجاستِ لعاب کا اعتبار نہ فرمایا جب تک منہ سے باہر سیلان نہ کرے اس مسلک پر بلاشبہہ یہ فرع بھی صرف اسی طہارت میں کلب پر بنتی اور جب وہ مفتی بہ تو یہ بھی اس طریقہ پر یقینا مفتی بہ۔

فى البحر عن البدائع انه (اى طهارة عين الكلب) اقرب القولين الى الصواب ولذالك قال مشايخنا فيمن صلى وفى كمه جرو انه تجوز صلاته وقيد الفقيه ابوجعفر الهندوانى الجواز بكونه مشدود الفم [1] اھ۔وفى البحر ايضا اذاصلى وهوحامل جروا صغيرا لا تصح صلاته على القول بنجاسة مطلقا وتصح على القول بطهارته اما مطلقا او بكونه مشدود الفم كما قدمناه عن البدائع [2] اھ۔وفى حاشية المراقى انه ليس بنجس العين وعليه الفتوٰى واثر الخلاف يظهر فيما لوصلى وفى كمه جروصغير جازت على الاول لا الثانى وشرط الهندوانى كونه مشدود	بحرالرائق میں بدائع سے منقول ہے کہ یہ (کتے کا طاہر عین ہونا) دو۲ قولوں میں سے صحت کے زیادہ قریب قول ہے۔اس لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ جس آدمی کی آستین میں کتّے کا بچّہ ہو اس کی نماز جائز ہے اور فقیہ ابو جعفر ہندوانی کے نزدیک جواز کے لئے اس کے منہ کا باندھا ہونا شرط ہے اھ۔بحرالرائق میں ہی ہے کہ جب کسی آدمی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے کتے کا چھوٹا سا بچّہ اٹھار کھا تھا تو اس قول پر کہ وہ نجس ہے نماز مطلقًا صحیح نہیں ہوگی اور طہارت کے قول کی بنیاد پر یا تو مطلقًا صحیح ہوگی یا اس صورت میں کہ اس کا منہ باندھا ہوا ہو، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بدائع سے نقل کیا اھ۔مراقی الفلاح کے حاشیہ میں ہے کہ وہ نجس عین نہیں اور اسی پر فتوی ہے۔اور اختلاف کا اثر اس

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۱

[2] البحرالرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

الفم [1] اھ ملخصاً۔وفی البزازیۃ عن النصاب ان کان الجرو مشدود الفم یجوز [2] اھ وفی شروط الصلاۃ للدر والبحر وفتح اللہ المعین واللفظ للدر ما یتحرك بحرکۃ او یعد حامل له کصبی علیه نجس ان لم یستمسك بنفسه منع والالا کجنب وکلب ان شد فمه فی الاصح [3] اھ۔ وفی حاشیته للعلامۃ ط **قوله** ان شد فمه لوقال وکلب ان لم یسل منه ما یمنع الصلاۃ لکان اولی لانه لوعلم عدم السیلان اوسال منه دون المانع لایبطل الصلاۃ وان لم یشد فمه حلبی وفیه تأمل [4] اھ ونقل العلامۃ الشامی ما افادہ الحلبی فاقرہ وایدہ وفی الحلیۃ فی محیط رضی الدین رجل صلی ومعه جروکلب ومالا یجوز ان یتوضأ بسؤرہ قیل لم یجز والاصح یسیل فی کمه فیصیر مبتلا بلعابه فیتنجس کمه فیمنع جواز الصلاۃ ان کان اکثر من قدر الدرھم فان فمه مشدودا بحیث لایصل لعابه

صورت میں ظاہر ہوگا جب وہ اس حال میں نماز پڑھے کہ اس کی آستین میں کتّے کا چھوٹا بچّہ ہو، پہلے قول کے مطابق نماز جائز ہوگی دوسرے کے مطابق نہیں۔اور ہندوانی نے منہ بندھا ہونا شرط رکھی ہے اھ تلخیص۔

بزازیہ میں نصاب سے نقل کیا ہے کہ اگر کتّے کے بچّہ کامُنہ باندھا ہوا ہو تو نماز جائز ہے اھ۔نماز کی شرائط میں درمختار، بحرالرائق اور فتح اللہ المعین میں ہے الفاظ درمختار کے ہیں کہ جو اس کی حرکت سے حرکت کرے یا اسے اٹھانے والا شمار ہو جیسے بچہ کہ اس پر نجاست ہو اگر وہ خود بخود نہ ٹھہر سکے تو منع کیا جائے گا ورنہ نہیں جیسے جنبی اور کتا،اگر اس کا منہ باندھا ہو۔یہ اصح قول کے مطابق ہے اھ۔اور اس کے حاشیہ میں علامہ (طحطاوی) نے فرمایا" یہ کہنے کی بجائے کہ اگر اس کا منہ باندھا ہوا ہو، وہ فرماتے، اور کتّے کے منہ سے اگر وہ چیز نہ نکلے جو نماز کو روکتی ہے"تو یہ بات زیادہ بہتر ہوتی کیونکہ جاری نہ ہونا معلوم ہو یا اس سے اتنا جاری ہو جو مانع نہیں ہے تو نماز باطل نہ ہوگی اگرچہ منہ باندھا ہوا نہ ہو۔(حلبی) اور کہا اس میں غور کرو اھ۔علامہ شامی نے وہ بات نقل کی جس کا فائدہ حلبی سے حاصل ہُوا

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل یطہر جلد المیتۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۸

[2] فتاوٰی بزازیۃ مع الفتاوی الہندیۃ السابع فی النجس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۱

[3] الدرالمختار باب شروط الصلاۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۵

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۹۰

الی ثوبه جازلان ظاهر کل حیوان طاهر ولایتنجس الا بالموت ونجاسة باطنه فی معدنها فلا یظهر حکمها کنجاسة باطن المصلی انتهی [1]۔ والاشبه ان هذا التفصیل فی کلب من شانه غلبة سیلان لعابه بحیث یبلغ مایسیل منه قبل فراغ حامله ما یمنع صحة الصلاة وانشد فوه یمنع ذلك منه ومالیس کذلك فالاشبه فیه اطلاق الجواز کماهوظاهر مافی البدائع عن مشایخنا [2] اھ۔

پھر اسے برقرار رکھا اور اس کی تائید کی۔ اور حلیہ میں رضی الدین کی محیط سے منقول ہے کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور اس کے ساتھ کتّے کا بچہ یا وہ چیز تھی جس کے جھوٹے سے وضو کرنا جائز نہیں، کہا گیا ہے کہ نماز جائز نہیں لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس کا مُنہ کُھلا ہوا ہو تو جائز نہیں کیونکہ اس کا لعاب آستین میں بہتا رہے گا اور وہ لعاب سے تر ہو کر ناپاک ہو جائے گی لہٰذا ایک درہم سے زیادہ ہونے کی صورت میں نماز کے جواز کو روکے گی اور اگر اس کا منہ اس طرح باندھا ہوا ہو کہ اس کا لعاب کپڑے تک نہ پہنچے تو نماز جائز ہے کیونکہ ہر حیوان کا ظاہر پاک ہے اور وہ موت کے بغیر ناپاک نہیں ہوتا جبکہ اندر کی نجاست اپنے مرکز میں ہے۔ پس نمازی کے اندر کی نجاست کی مثل اس کا حکم بھی ظاہر نہ ہوگا انتہی۔ زیادہ مناسب بات یہ ہے کہ یہ تفصیل اس کتے کے بارے میں ہے جس کا لعاب اکثر جاری رہتا ہے کیونکہ اس کا لعاب جب اس صورت میں ہو کہ جو کچھ جاری ہوا وہ اُٹھانے والے کے فارغ ہونے سے پہلے اس حد تک پہنچ جائے جو نماز کے صحیح ہونے سے مانع ہے اگرچہ اس کا منہ بند کیا جائے تو یہ نماز سے مانع ہوگا اور جو ایسا نہ ہو اس میں مطلقاً جواز (کا قول) زیادہ مناسب ہے جیسا کہ ہمارے مشایخ کے اُس قول سے ظاہر ہے جو بدائع میں ہے۔ (ت)

مسلک دوم: جن کی نظر اس طرف گئی کہ لعاب سطح دہن میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ باطن گوشت سے متولد ہو کر دہن میں آتا ہے تو منہ سے باہر نکلنے نہ نکلنے کو کچھ دخل نہ رہا کہ اپنے اصل موضع سے منتقل ہو چکا تو اگرچہ بیرونِ دہن آئے حکمِ نجاست پالیا جیسے خُون کہ اندر سے نکل کر دہن وزبان کی سطوح پر آجائے پس صورت مذکور میں دہنِ کلب وغیرہ سباع بہائم کے اندر ہی لعاب کا ہونا حملِ نجاست کا موجب ہے، انہوں نے مطلقاً فساد نماز کا حکم دیا خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وہندیہ وذخیرہ منتقی ومنیہ وغنیہ میں اسی

[1] التعلیق المجلی مع منیۃ المصلی مسائل ازالۃ النجاسۃ الحقیقۃ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۵۸

[2] التعلیق المجلی مع منیۃ المصلی، مسائل ازالۃ النجاسۃ الحقیقۃ، مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۵۸

پر جزم فرمایا۔

ففی الاربع الاول اللفظ متقارب والمعنی واحد والسیاق للوجیز صلی ومعه حیوان حی یجوز التوضیئ بسؤرہ کالفارۃ یجوز واساء وان کان سؤرہ نجسا کجروکلب لایجوز وفی النصاب ان کان الجرو مشدود الفم یجوز [1] اھ۔وفی الحلیة عن الذخیرۃ عن المنتقی عن محمد صلی ومعه حیة اوسنورا وفارۃ اجزأہ وقد اساء وان کان ثعلب اوجر وکلب لم تجز صلاته وذکر فی جنس ھذہ المسائل اصلا فقال کل مایجوز التوضیئ بسؤرہ تجوز الصلاۃ معه ومالایجوز الوضوء بسؤرہ لا تجوز الصلاۃ معه [2] انتھی۔قال فی الحلیة بعد نقله ولکن لایعری عن تأمل وسنوضحه الخ والموعود به ھو ما قدمنا عنھا من ان الاشبه التفصیل بالشد والفتح فی کلب شانه کذا واطلاق الجواز فی غیرہ قال بعد تحقیقه وحینئذ فیظھر ان فی کلیة الاصل المذکور نظرا فتنبه له [3] اھ۔وفی المنیة ان صلی ومعه سنورا وحیة یجوز	پہلی چار (کتب) میں الفاظ تقریبًا ایک جیسے ہیں اور معنے بھی،اور وجیز (بزازیہ) کے الفاظ یوں ہی کسی آدمی نے نماز پڑھی اور اس کے پاس ایسا زندہ حیوان تھا جس کے جھُوٹے سے وضو جائز ہے مثلًا چُوہا،تو نماز جائز ہوگی لیکن گناہ گار ہوگا اور اگر اس کا جھوٹا ناپاک ہو جیسے کتے کا بچہ،تو نماز ناجائز نہیں ہوگی۔اور نصاب میں ہے اگر کتّے کے بچّہ کا منہ بندھا ہوا ہو تو جائز ہوگی انتہی۔ حلیہ میں بحوالہ ذخیرہ،منتقٰی سے امام محمد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا کہ کسی شخص نے نماز پڑھی اور اس کے پاس سانپ یا بلّی یا چوہا تھا تو نماز جائز ہے۔لیکن اس نے گناہ کیا۔اور اگر لومڑی یا کتّے کا بچّہ ہو تو نماز جائز نہ ہوگی اور اس قسم کے مسائل کے بارے میں قاعدہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:"جب اس کے جھُوٹے سے وضو جائز ہو تو اس کے ساتھ نماز بھی جائز ہوگی اور جس کے جھُوٹے سے وضو جائز نہ ہو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی انتہی۔اسے نقل کرنے کے بعد حلیہ میں فرمایا لیکن یہ غور وفکر سے خالی نہیں اور ہم عنقریب اس کی وضاحت کرینگے الخ،جس بات کا وعدہ کیا گیا ہے یہ وہی ہے جو ہم

[1] فتاوٰی بزازیۃ مع الفتاوی الہندیۃ السابع فی النجس نورانی کتب خانہ پشاور ۲۱/۴
[2] حلیۃ المحلی
[3] حلیۃ المحلی

بخلاف جرو الکلب[1] اھ۔ وفی الغنیۃ لایقال النجاسۃ التی فی محلھا غیر معتبرۃ ولایعطی لھا حکم النجاسۃ لانا نقول سلمنا ولکن اللعاب قد انتقل عن محلہ الذی تولہ فیہ واتصل بالفم الذی لہ حکم الظاھر بالنظر الی ما یخرج من الباطل فاعتبر نجاسۃ وقد تنجس بھا لسانہ وسائر فمہ فکان مانعا اھ[2] ملخصا۔	نے اس سے پہلے ان سے نقل کی ہے یعنی منہ باندھنے اور کھُلا چھوڑنے کی تفصیل اس کتے کے بارے میں ہے جو اس شان کا ہو اور مطلق جواز اس کے غیر میں ہے انہوں نے تحقیق کے بعد فرمایا اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ قاعدے میں نظر ہے پس اس سے آگاہی حاصل کرو (انتہی) منیہ میں ہے کہ اگر کسی نے نماز پڑھی اور اس کے پاس بلّی یا سانپ ہو تو جائز ہوگی بخلاف کتّے کے بچّے کے انتہی۔ غنیہ میں ہے یہ نہ کہا جائے کہ جو نجاست اپنے محل میں ہے غیر معتبر ہے اور اس کو نجاست کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ ہم کہتے ہیں ہم نے مان لیا لیکن لعاب اپنے اس مقام سے جہاں وہ پیدا ہوا منتقل ہو کر منہ سے مل جاتا ہے جسے باطن سے باہر آنے والی چیز کی طرف نظر کرتے ہوئے ظاہر کا حکم دیا جاتا ہے لہٰذا اس کی نجاست کا اعتبار ہوگا اور اس سے اس کی زبان اور تمام منہ ناپاک ہوگیا پس وہ مانع ہوگا انتہی تلخیص۔ (ت)

اس مسلک پر یہ فرع صرف طہارت عین پر مبنی نہیں بلکہ اس کے ساتھ صحت صلاۃ کے لئے طہارت لعاب بھی درکار اور وہ کلب وغیرہ سباع بہائم میں مفقود، لہٰذا صحتِ نماز بھی مفقود اگرچہ طاہر العین ہی ہو ایسی جگہ المبنی علی صحیح صحیح نہیں یہ تو اختلافِ علماء تھا ترجیح دیکھیے تو وہ مسلک اول ہی کی طرف ہے محیط رضوی و بحر الرائق ودُر مختار وغیرہا میں صراحۃً اس کی تصحیح بلفظ اصح اور حلیہ میں بلفظ اشبہ مذکور۔

کما مر وقد صرح العلامۃ الفقیہ خیر الدین الرملی فی فتاواہ الخیریۃ لنفع البریۃ من کتاب الطلاق بما نصہ وانت علی علم بانہ بعد التنصیص علی اصحیتہ لایعدل عنہ الی غیرہ[3] اھ وفیھا من کتاب الصلح حیث	جیسا کہ گزرا علامہ فقیہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی الخیریہ لنفع البریہ کی کتاب الطلاق میں اسے صراحۃً بیان کیا اور تم جانتے ہو کہ اس کے اصح ہونے پر تنصیص کے بعد غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاتا انتہی اور اس کی کتاب الصلح میں ہے کہ جب اصح ثابت

[1] منیۃ المصلی، فصل الاسآر مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامع نظامیہ لاہور ص ۱۵۸
[2] غنیۃ المستملی فصل الاسآر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۹۱
[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۹

ثبت الاصح لایعدل عنہ[1]۔	ہوجائے تو اس سے عدول نہیں کیا جاتا۔ (ت)

معہذا اکثر وہ کتابیں جن میں مسلک اول اختیار فرمایا شروح ہیں اور مسلک دوم پر اکثر مشی کرنے والے فتاوی اور شروح فتاوے پر مرجح ہیں۔ کمانصوا علیہ فی مواضع لاتحصی کثرۃ (جیسا کہ انہوں نے بیشمار مقامات پر اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔ت) تو ثابت ہوا کہ مذہب ارجح پر اس فرع کو بھی مثل فروع سابقہ صرف طہارت عین ہی پر ابتنا ہے اور ایسی جگہ بلاشبہہ المبنی علی صحیح صحیح صحیح (جو چیز صحیح پر مبنی ہوتی ہے وہ صحیح ہوتی ہے۔ت)

اما تدقیق الغنیۃ **فاقول**: وباللہ التوفیق سلمنا ان الریق لایتولد فی الفم لکن لاشك ان معدنہ ھو الفم حتی انہ لایسمی ریقا مالم یطلع فی الفم وبہ فارق الدم ولایجب لکون شیئ معدن شیئ تولدہ فیہ الا تری ان العروق معادن الدم لاشك مع انہ لایتولد فیھا بل فی الکبد ثم یسری الیھا ویجری فیھا وقد رأینا کم فی مسئلۃ ان السخلۃ اذا وقعت من امھا رطبۃ فی الماء لا تفسدہ عللتموھا بقولکم وھذا لان الرطوبۃ التی علیھا لیست بنجسۃ لکونھا فی محلھا[2] اھ اما فاذا کانت رطوبۃ رحم امھا علی جلدھا فی محلھا فماظنکم بالریق فی الفم بل التحقیق عندی ان نفی الکون فی المحل عن ھذا واثباتہ لرطوبۃ السخلۃ کلاھما سھوا ما	میں غنیہ کی تدقیق کے بارے میں، اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں، ہم نے مان لیا کہ لعاب منہ میں پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کا معدن منہ ہی حتی کہ جب تک وہ منہ میں ظاہر نہ ہو اس کو لعاب نہیں کہا جاتا اور اس سے خون (کا حکم) الگ ہوگیا، اور کسی چیز کے کسی کیلئے معدن ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ اس میں پیدا بھی ہو کیا تم نہیں دیکھتے کہ خون کا معدن رگیں ہیں اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے باوجود وہاں پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ جگر میں پیدا ہوتا ہے پھر ان کی طرف چلتا اور رگوں میں جاری ہوتا ہے۔ ہم نے تمہیں دکھایا کہ بکری کا تربچّہ جو اپنی ماں سے پیدا ہوکر پانی میں گرا پانی خراب نہیں ہوا تم نے اس کی علّت یوں بیان کی کہ اس پر جو رطوبت ہے وہ ناپاک نہیں کیونکہ وہ اپنے محل میں ہے اھ۔ پس جب بچّہ کی جلد پر اس کی ماں کے رحم کی رطوبت اپنے محل میں ہے تو منہ میں پائے جانے والے

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلح مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۰۴

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الانجاس مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۰

الاول فلما سمعت واما الاٰخر فلان المحل الذی لایحکم فیہ بنجاسۃ النجاسۃ انماھو معدنھا لا ما اصابتہ ومعدن تلك الرطوبات ھی الرحم دون جلد السخلۃ کمالایخفی والفرع ماش علی قول الامام بطھارۃ رطوبۃ الرحم فقدحققنا فیما علقنا علی ردالمحتار ان الفرج فی قولھم رطوبۃ الفرج طاھرۃ عندہ لاعندھما بالمعنی الشامل للفرج الخارج والفرج الداخل والرحم جمیعا ومایری من التعارض فی الفروع فللتفریع علی القولین۔	لعاب کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ بلکہ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ اس کا اپنے محل میں نہ ہونا اور بکری کے بچّہ کی رطوبت کا اپنے محل میں ثابت ہونا دونوں باتیں سہو ہیں۔پہلی بات اس بنیاد پر جو تم نے سُن لیا۔اور دوسری بات اس لئے کہ وہ محل اس کا معدن ہے جس میں (پائی جانے والی) نجاست پر نجاست کا حکم نہیں لگے گا،نہ وہ جو اس کو پہنچے۔اور ان رطوبات کا معدن رحم ہے،نہ بچّہ کی جلد۔جیسا کہ مخفی نہیں اور فرع،امام اعظم رحمہ اللہ کے قول کہ رحم کی رطوبت پاک ہے،پر جاری ہوتی ہے ہم نے ردالمحتار کی تعلیق میں اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے کہ فرج انکے قول"فرج کی رطوبت،امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک پاک ہے صاحبین کے نزدیک نہیں"میں عام معنی کے اعتبار سے فرج خارج،فرج داخل اور رحم سب کو شامل ہے۔اور وہ جو فروع میں تعارض دکھائی دیتا ہے تو یہ دو قولوں پر تفریع کی بنیاد پر ہے۔(ت)

پس ثابت ہوا کہ ان دونوں مسئلہ اصل وفرع میں کلام زید عین اصابت سے ناشی اور قول صحیح ورجیح وصح وارجح پر ماشی ہے **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (تحقیق اسی طرح چاہیے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا ہے۔ت)

تنبیہ نبیہ: ہر عاقل ذی علم جانتا ہے کہ جواز بمعنی صحت وبمعنی اباحت خصوصًا اباحت **بالمعنی الاخص الغیر الشامل لکراھۃ التنزیہ اعنی تساوی الطرفین** (خصوصًا اباحت اخص معنٰی کے اعتبار سے جو کراہۃ تنزیہی کو شامل نہیں یعنی دونوں طرفوں کے برابر ہونے میں۔ت) میں زمین آسمان کا فرق ہے اول ہر گز مستلزم ثانی نہیں بہت افعال کہ مکروہِ تنزیہی بلکہ تحریمی بلکہ حرام ہیں منافی صحت نماز نہیں ہوتے تو نماز اُن افعال کے ساتھ جائز ہوگی یعنی صحیح ومسقط فرض مکروہ فعل جائز ومباح بالمعنے المذکور نہ ہوگا بلکہ حرام یا گناہ یا ناپسند علمائے کرام اہل مسلک اول کہ حمل کلب وغیرہ سباع سوائے خنزیر کے ساتھ نماز جائز بتاتے ہیں جواز بمعنی صحت میں کلام فرما رہے ہیں یعنی ان جانوروں کا پاس ہونا نہ طہارت وغیرہ کسی شرط نماز کا نافی نہ کسی رُکن وفرض نماز کا منافی تو نماز فاسد نہ ہوگی فرض اُتر جائے گا معاذاللہ یہ نہیں فرماتے کہ بے ضرورت شرعیہ ایسا فعل مکروہ وناپسند نہیں حاشا کلب تو کلب

اُن جانوروں کی نسبت جن کا نہ صرف بدن بلکہ لعاب بھی پاک ہے صاف تصریح فرماتے ہیں کہ نماز میں انہیں اُٹھائے ہونا بُرا ہے جو ایسا کرے گا بُرا کرے گا خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وہندیہ وذخیرہ ومنتقٰی کی عبارتیں محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد سُن چکے کہ **یجوز واساء اجزأہ وقد اساء** (جائز ہے لیکن بُرا کیا، اسے کفایت کرتا ہے لیکن وہ گنہگار ہوا۔ت) نماز تو ہو گئی مگر اُس نے بُرا کیا تو جب پاک بدن پاک دہن جانوروں کی نسبت یہ ارشاد ہے ناپاک دہن جانوروں کو لینا کس قدر سخت ناپسند رکھیں گے بلکہ جانور کا کیا ذکر بے ضرورت لڑکوں بچّوں کا اٹھانا بھی مکروہ بتاتے ہیں۔ درمختار میں ہے: **یکرہ حمل الطفل**[1] (بچّہ کو اٹھانا مکروہ ہے۔ت) یہاں تک کہ بے ضرورت تلوار باندھنا بھی مکروہ رکھتے ہیں جبکہ اس کی حرکت سے دل بٹے۔ نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

لایکرہ تقلد المصلی بسیف ونحوہ اذالم یشتغل بحرکۃ وان شغلہ کرہ فی غیر حالۃ قتال[2]	نمازی کا تلوار وغیرہ باندھنا مکروہ نہیں جب اس کی حرکت سے مشغول نہ ہوا گر وہ مشغول رکھے تو حالتِ جنگ کے سوا مکروہ ہے۔(ت)

تو ان کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ اس فعل کو پسند رکھتے یا ناپسند نہیں جانتے ہیں محض بدگمانی وبدزبانی ہے۔ بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے روشن ہو گیا کہ غیر مقلد صاحبوں کا اس مسئلہ کو مطاعن ائمہ عظام حنفیہّ کرام خصّھم اللہ تعالٰی باللطف العام و عمّھم بالجود والانعام واللہ تعالٰی انہیں عمومی لطف وکرم کے ساتھ خاص فرمائے اور انہیں عام جود وانعام عطا فرمائے۔ت) میں شمار کرنا محض سفاہت وبے عقلی ہے حضرات صاحبین اور اُن کے موافقین رحمہ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک تو سگِ نجس العین ہے اور طاہر ماننے والوں سے بھی ایک جماعت عظمیہ اہل مسلک ثانی مطلقاً اس صورت میں نماز فاسد بتاتے ہیں، رہے قائلینِ طہارت سے اہلِ مسلک اول وہ بھی اسائت وکراہت کی تصریح فرماتے ہیں اُن کا مطلب صرف اس قدر کہ اگر کسی شخص نے کسی ضرورت وحاجت خواہ اپنی نادانی وجہالت سے ایسا کیا تو نماز باطل نہ ہو گی اس میں معاذ اللہ کیا جائے طعن ہے ہاں اگر فرماتے کہ ایسا کرنا چاہیے یا کرے تو کچھ ناپسندیدہ نہیں تو ایک بات تھی مگر حاشاوہ اس تہمت سے پاک ومنزہ ہیں **وللہ الحمد**. **الحمد للہ** کہ یہ جواب ۲۴ رجب مرجب عــہ ۱۳۱۲ ہجریہ قدسیہ روز جان سے افروز دوشنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ **سلب الثلب عن القائلین بطھارۃ الکلب** ۱۳۳۳ھ (کتے کی طہارت عین کے قائلین سے عیب دور کرنے کا

عــہ: بسبب مکابرہ بعض اہل بدعت وتحریر بعض دیگر فتاوائے ضروریہ بارہ روز تک یہ جواب نہ لکھا گیا ۱۲ (م)

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیمایکرہ للمصلی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۲۰۲

بیان۔ت) تام ہوا۔

(واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین وافضل الصلاۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اور ہماری آخر پکار یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور صلاۃ وسلام تمام رسولوں کے سردار، ہمارے سردار اور مولٰی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے تمام آل واصحاب پر ہو۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۷۸: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری بغل میں داد یا پھنسی کسی قسم کی ہوگئی ہے اُس میں چُل ہوتی ہے جس وقت کھجلاتا ہُوں تو کچھ لہو سا نکل آتا ہے اُس جگہ کا پاک کرنا سیلان آب تو بغیر سارے بدن زیرین کے ہونہیں سکتا لہٰذا اس موضع کو تین مرتبہ کپڑا پانی میں تَر کرکے اپنے فہم کے موافق پاک کرلیتا ہوں اور کپڑا ہر مرتبہ میں دوسرا لیتا ہوں کہ اوّل کو پاک کرنا ذرا دشوار ہوتا ہے اور یہی صورت جناب مولوی سعادت حسین صاحب مدرس مدرسہ عالیہ نے بتائی اگر آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں گے تو اِن شاء اللہ تعالٰی اطمینان کُل ہوجائے گا، **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مسئلہ اگرچہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مختلف فیہ اور مشایخ فتوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم میں معرکۃ الآرا رہا ہے مگر فقیر غفراللہ تعالٰی اسی پر فتوی دیتا ہے کہ بدن سے نجاست دُور کرنے میں دھونا یعنی پانی وغیرہ بہانا شرط نہیں بلکہ اگر پاک کپڑا پانی میں بھگو کر اس قدر پونچھیں کہ نجاست مرئیہ ہے تو اس کا اثر نہ رہے مگر اُتنا جس کا ازالہ شاق ہو اور غیر مرئیہ ہے تو ظن غالب ہوجائے کہ اب باقی نہ رہی اور ہر بار کپڑا تازہ لیں یا اُسی کو پاک کرلیا کریں تو بدن پاک ہوجائیگا اگرچہ ایک قطرہ پانی کا نہ بہے یہ مذہب ہمارے امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے اور یہاں امام محمد بھی اُن کے موافق ہیں اور بہت اکابر ائمہ فتوی نے اسے اختیار فرمایا اور عامہ کتب معتبرہ مذہب میں بہت فروع اسی پر مبتنی ہیں تو اس پر بے دغدغہ عمل کیا جاسکتا ہے مثلاً انگلی پر کچھ نجاست لگ گئی تھی اسے خبر نہ تھی کسی وجہ سے انگلی تین بار چاٹ لی یہاں تک کہ اُس کا اثر

جاتا رہا انگلی پاک ہو گئی۔ عورت [۲] کے سرِ پستان پر ناپاکی تھی بچّہ نے دُودھ پیا یہاں تک کہ اثرِ نجاست زائل ہوا پستان پاک ہو گئی،

فی الدرالمختار والبحر وغیرھما تطھر اصبع وثدی تنجس بلحس ثلثا [1]۔	درمختار اور بحرالرائق وغیرہ میں ہے ناپاک انگلی اور پستان تین مرتبہ چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے (ت)

شراب پی [۳]، اس کے بعد لب تین بار چاٹ لئے اور لعاب دہن میں پیدا ہو کر بار بار نگل لیا یہاں تک کہ اثرِ خمر نہ رہا منہ پاک ہو گیا۔ یونہی [۴] بلّی نے چوہا کھا کر زبان سے اپنا منہ صاف کر لیا اور دیر گزری کہ دہن بوجہ لعاب صاف ہو گیا اُس کے بعد پانی پیا، پانی ناپاک نہ ہوگا۔

فی التنویر سؤر شارب خمر فور شربھا وھرۃ فور اکل فارۃ نجس [2] فی ردالمحتار عن الحلیۃ بخلاف ما اذا مکث ساعۃ ابتلع ریقہ ثلث مرات بعد لحس شفیتہ بلسانہ وریقہ ثم شرب فانہ لاینجس لا بد ان یکون المراد اذا لم یکن فی بزاقہ اثر الخمر من طعم اوریح [3] اھ۔ وفیہ عنھا فی مسألۃ الھرۃ فان مکث ساعۃ ولحست فمھا فمکروہ منیۃ ولاینجس عندھما وقال محمد ینجس لان النجاسۃ لا تزول عندہ الا بالماء [4] الخ۔	تنویر میں ہے شرابی کے شراب پینے کے فوراً بعد کا جھُوٹا اور بلّی کے چُوہا کھانے کے فوراً بعد کا جھُوٹا ناپاک ہے۔ ردّالمحتار میں حِلیہ سے منقول ہے کہ بخلاف اس کے جب ایک ساعت ٹھہر جائے اور زبان اور لعاب کے ساتھ ہونٹوں کو چاٹنے کے بعد اپنا لعاب تین بار نگل لے پھر (پانی وغیرہ) پئے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔ اس سے یہ بات مراد لینا ضروری ہے کہ جب اس کے لعاب میں شراب کے ذائقے یا بُو کا اثر نہ ہو اھ۔ اور اسی (ردالمحتار) میں اِس (حلیہ) سے بلّی کے مسئلے میں ہے کہ اگر وہ ایک ساعت ٹھہرے اور اپنا منہ چاٹ لے تو مکروہ ہے (منیہ) شیخین کے نزدیک ناپاک نہیں ہوگا اور امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ناپاک ہو جائے کیونکہ ان کے نزدیک پانی کے بغیر نجاست زائل نہیں ہوتی۔ (ت)

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۳

[2] درمختار فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۰

[3] ردالمحتار فصل فی البئر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۳

[4] ردالمحتار فصل فی البئر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۴

تے[5] ہوئی اور اتنی دیر کے بعد کہ آمدورفت لعاب نے اس کا اثر کھو دیا یا نماز پڑھی نماز ہو گئی۔

فی المنیة والحلیة م وکذا باللحس اذا اصاب الخمر یدہ فلحسہ بریقہ ثلاث مراۃ یطھر کما یطھر فمہ بریقہ [1] ش فی الفتاوی الخانیة اذا قاء ملأ الفم ینبغی ان یغسل فاہ فان توضأ ولم یغسل فاہ حتی صلی جازت صلاتہ لانہ یطھر بالبزاق فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما وکذا اذا شرب الخمر ثم صلی بعد زمان وکذا اذااصاب بعض اعضائہ نجاسة فطھرھا بلسانہ حتی ذھب اثرھا وکذا السکین اذا تنجس فلحسہ بلسانہ اومسحہ بریقہ وکذا الصبی اذا قاء علی ثدی الامام ثم مص الثدی مرارا یطھر انتھی وکذا فی غیرھا والذی تقتضیہ القواعد المذھبیة من تحریر الکلام فی ھذا المقام انہ اذا اصاب بعض اعضائہ نجاسة حقیقیة فان کانت مرئیة ولحسھا ھو اوغیرہ حتی ذھب عینھا واثرھا ان کان لایشق زوالہ یطھر وان کانت غیر مرئیة فتطھر باللحس ثلاث مرات کماذکرہ المصنف فی ھذہ المسألة اوحتی یغلب علی الظن زوالھا وسیصرح المصنف ان الفتوی علیہ [2]۔	منیہ اور حلیہ میں ہے ماتن نے فرمایا "اور اسی طرح چاٹنے کے ساتھ (پاک ہو جاتا ہے) جب کسی آدمی کے ہاتھ کو شراب لگ گئی پس اس نے اپنے لعاب کے ساتھ تین بار چاٹا تو پاک ہو جائیگا جیسے اس کا منہ تھوک کے ساتھ پاک ہو جاتا ہے اس پر شارح نے فرمایا فتاوی خانیہ میں ہے جب کسی نے منہ بھر کرتے کی تو چاہے کہ اپنا مُنہ دھولے اگر اس نے وضو کیا لیکن کُلی نہیں کی یہاں تک کہ نماز پڑھ لی تو اس کی نماز جائز ہو جائیگی کیونکہ وہ امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ عنہما کے نزدیک تھوک سے پاک ہو جاتا ہے۔اس طرح جب شراب پی پھر کچھ دیر بعد نماز پڑھی یوں ہی جب اس کے بعض اعضا پر نجاست لگی اور اس نے اس کو اپنی زبان سے پاک کر دیا یہاں تک کہ اس کا اثر چلا گیا اسی طرح جب چھُری ناپاک ہو گئی پھر اس نے اسے زبان سے چاٹا یا تھوک سے صاف کیا یوں ہی جب بچّے نے ماں کے پستان پر قے کی پھر کئی بار پستان کو چُوسا تو وہ پاک ہو جائے گا انتہی۔دوسری کتب میں بھی اسی طرح ہے۔ قواعدِ مذہبیہ اس مقام پر جس کلام کے تحریر کے متقاضی ہیں وہ یہ ہیں کہ جب کسی عضو پر نجاستِ حقیقی لگ جائے تو اگر وہ دکھائی دینے والی ہے اور اس نے یا کسی دوسرے نے اس کو چاٹ لیا یہاں تک کہ اصل نجاست اور اس کا اثر زائل ہو گیا۔اگر اس کو دُور کرنے میں مشقّت نہ ہو تو پاک ہو جائے گا،اور

[1] منیۃ المصلی فصل فی الاسآر مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۴۷

[2] حلیہ

	اگر وہ نجاست دکھائی نہیں دیتی تو تین بار چاٹنے سے پاک ہوجاتی ہے جیسا کہ مصنّف نے اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے یا کہ اس وقت جبکہ اس کے زوال کا غالب گمان ہوجائے۔ عنقریب مصنّف اس کی تصریح کریں گے کہ فتوٰی اسی پر ہے۔(ت)

۶ پچھنے لگائے اور موضع خون کو بھیگے ہوئے پاکیزہ کپڑے کے تین ٹکڑوں سے پونچھ دیا پاک ہوگیا یہ صورت مسئولہ کا خاص جزئیہ ہے کہ محیط رضوی وفتاوٰی ذخیرہ وتتمۃ الفتاوٰی ظہیریہ وحلیہ وغیرہا میں اُس کی تصریح ہے۔

فی الحلیۃ بعدما تقدم اٰنفا اعلم بانھم صرحوا کما فی الخلاصۃ وکما یشیر الیہ مانقلنا اٰنفا من الخانیۃ بان الحکم بالطھارۃ فی ھذہ الفروع تفریع علی ان الطھارۃ للبدن من النجاسۃ الحقیقیۃ یکون بغیر الماء من المائعات الطاھرات وقد عرفت انہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف علی اختلاف عن ابی یوسف فی ذلک غیر ان فی محیط الشیخ رضی الدین ولومسح موضع المحجمۃ بثلاث خرقات رطبات لطائف اجزأہ من الغسل لانہ عمل عمل الغسل وقال ابویوسف لایجزئہ حتی یغسلہ انتہی وعن الاول فی الذخیرۃ وتتمۃ الفتاوی الصغری الی ان الحاکم قال انہ روی عن ابی حفص عن محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالٰی ومشی علی الثانی قاضی خان بعد ان حکاہ عن الفقیہ ابی جعفر حیث قال اذاکان علی بدنہ نجاسۃ فمسحھا بخرقۃ مبلولۃ ثلاث مرات حکی عن الفقیہ ابی جعفر انہ قال یطھر اذاکان الماء متقاطرا علی بدنہ ثم قال بعد ذلک ولومسح موضع الحجامۃ بثلاثۃ خرق مبلولۃ قدمر قبل ھذا	حلیہ میں اس کے بعد جو ابھی گزرا ہے" جان لو کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور جیسا کہ اس کی طرف وہ بات اشارہ کرتی ہے جسے ہم نے ابھی خانیہ سے نقل کیا ہے کہ ان فروع میں طہارت کا حکم، اس بات پر تفریع ہے کہ نجاست حقیقیہ سے بدن کی طہارت پانی کے علاوہ دیگر پاک بہنے والی چیزوں سے ہوجاتی ہے اور تم معلوم کرچکے ہو کہ یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کا قول ہے لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ کا کچھ اختلاف بھی ہے۔ شیخ رضی الدین کی محیط میں ہے اگر حجامت کی جگہ کو کپڑے کے تین باریک تر ٹکڑوں سے صاف کیا تو دھونے کے قائم مقام ہے کیونکہ اس نے غسل کا عمل کیا امام ابویوسف فرماتے ہیں دھونے کے بغیر کفایت نہ ہوگی (انتہی) اور پہلے کے بارے میں ذخیرہ اور فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ میں ہے، یہاں تک کہ حاکم نے کہا یہ ابوحفص سے اور وہ محمد بن حسن سے روایت کرتے ہیں اور دوسرے کو قاضی خان نے فقیہ ابوجعفر سے حکایت کرنے کے بعد اختیار کیا جب کہا "اگر اس کے بدن پر نجاست ہو پس وہ اسے کپڑے کے تر ٹکڑے کے ساتھ تین بار صاف کرے تو فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ پاک ہوجائیگا بشرطیکہ اس کے بدن پر پانی کے قطرے گریں اس کے بعد فرمایا اگر تین تر ٹکڑوں کو حجامت کی جگہ پھیرا تو پہلے گزر چکا کہ یہ

انه یجوز اذاکان متقاطرا والولوالجی حیث قال ولواصاب بعض اعضائه نجاسة قبل یده ثلثا ومسحها علی ذلك الموضع ان کانت البلة من یده متقاطرة جاز والا فلا لانه یکون غسلا انتهی فقیاس هذا انه لایجوز عند ابی یوسف ازالة النجاسة المذکورة فی الفروع الماضیة بالبزاق حتی یکون متقاطرا بحیث تسمی الازالة غسلا واللّٰه تعالٰی سبحٰنه اعلم [1] اھ ماافاد واجاد علیه رحمة الملك الجواد وفی ردالمحتار بقی ممایطهر بالمسح موضع الحجامة ففی الظهیریة اذامسحها بثلاث خرق رطبات لطاف اجزأه عن الغسل واقره فی الفتح وقاس علیه ماحول محل الفصد اذا تلطخ ویخاف من الاسالة السریان الی الثقب قال فی البحر وهو یقتضی تقیید مسئلة المحاجم بمااذا خاف من الاسالة ضررا والمنقول مطلق اھ اقول وقدنقل فی القنیة عن نجم الائمة الاکتفاء فیها بالمسح مرة واحدة اذازال بها الدم لکن فی الخانیة لومسح موضع الحجامة بثلاث خرق مبلولة یجوز ان کان الماء متقاطرا اھ والظاهر ان هذا مبنی علی قول ابی یوسف فی المسئلة بلزوم الغسل کمانقله عنه فی

جائز ہے جبکہ قطرے گریں اور ولوالجی سے نقل کیا انہوں نے فرمایا اگر کسی عضو پر نجاست لگ جائے پھر وہ اپنے ہاتھ کو تین بار تر کرکے اس جگہ پر ملے تو اگر اس کے ہاتھ کی رطوبت متقاطر ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں کیونکہ یہ دھونا ہوجائے گا (انتہی) اس کا قیاس یہ ہے کہ گزشتہ فروع میں جس نجاست کا ذکر کیا گیا ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کو لعاب سے دور کرنا اس وقت جائز ہے جب لعاب قطروں کی طرح گرے کیونکہ اس ازالے کو دھونا قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (انتہی) ان پر سخی بادشاہ کی رحمت ہو۔ انہوں نے کیا ہی اچھا فائدہ پہنچایا۔ ردالمحتار میں ہے کہ جو چیزیں پونچھنے سے صاف ہوجاتی ہیں ان میں سے حجامت کی جگہ باقی رہ گئی۔ ظہیریہ میں ہے جب تین تر اور نرم ٹکڑوں سے پُونچھا تو دھونے کے قائم مقام ہوگا۔ فتح القدیر میں بھی اس کو برقرار رکھا ہے بچھنہ کی جگہ کے ارد گرد کو بھی اس پر قیاس کیا ہے جب وہ وہ آلودہ ہوجائے اور پانی بہانے سے سوراخ میں جانے کا ڈر ہو۔ بحر میں فرمایا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حجامت کی جگہوں کے مسئلے کو اس بات سے مقید کیا جائے کہ جب پانی بہانے سے ضرر کا خوف ہے، اور جو کچھ منقول ہے وہ مطلق ہے (انتہی) قنیہ میں نجم الائمہ سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ پونچھنے پر اکتفا اس وقت ہوگا جب اس سے خون نکلنا بند ہوجائے۔ لیکن خانیہ میں ہے کہ حجامت کی جگہ کو تین تر ٹکڑوں کے ساتھ پونچھا تو جائز ہے

[1] حلیہ

الحلیة عن المحیط[1] الخ۔	شرطیکہ پانی کے قطرے گریں (انتہی) اور ظاہر یہ ہے کہ یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے اس قول پر مبنی ہے کہ دھونا ضروری ہے جیساکہ آپ سے حلیہ میں محیط کے حوالے سے نقل کیا۔ (ت)

ان عبارات سے واضح ہوا کہ تطہیر نجاست حقیقیہ میں شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک پانی شرط نہیں مگر امام محمد مثل نجاست حکمیہ یہاں بھی مائے مطلق ضرور جانتے ہیں ولہٰذا لعابِ دہن کے پانچوں مسائل گزشتہ میں خلاف فرماتے ہیں اور طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک تطہیر بدن میں تقاطر بھی شرط نہیں صرف زوالِ نجاست درکار ہے جس طرح ہو۔

وعلیه تبتنی المسائل المذکورة وعلیه مشی الذخیرة والتتمة والظهیریة والمحیط الرضوی وغیرها۔	اور مسائل مذکورہ اسی پر مبنی ہیں اور ذخیرۃ، تتمہ، ظہیریۃ اور محیط رضوی وغیرہ میں یہی راہ اختیار کی ہے۔ (ت)

مگر امام ابویوسف مثل نجاست حکمیہ یہاں بھی اسالہ لازم مانتے ہیں۔

وهو الذی مشی علیه فی الخانیة والولوالجیة واختاره الفقیه ابوجعفر والیه یمیل کلام الفتح ویرد علیه وفاقه الامام فی مسائل البزاق الا ان یحمل علی کون البزاق کثیرا یسمی مروره سیلانا کما تقدم عن الحلیة۔ **اقول:** وقد لا یساعده التعبیر باللحس والاطلاقات او یقال ان امرار الریق باللسان بمنزلة الصب کما ابداه عذرا عنه فی الغنیة۔ **اقول:** وفیه نظر ظاهر فالظاهر ان وفاقه ههنا لاجل الضرورة کما مشی علیه فی الغنیة اولا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	خانیہ اور ولوالجیۃ نے یہی راستہ اختیار کیا۔ فقیہ ابوجعفر نے اسے پسند کیا۔ فتح القدیر کا کلام بھی اسی طرف مائل ہے لیکن تھوک کے مسائل میں ان کا امام اعظم رحمہ اللہ سے موافق ہونے پر اعتراض وارد ہوتا ہے مگر یہ کہ اسے تھوک کے زیادہ ہونے پر محمول کیا جائے جس کے گزرنے کو جاری ہونا کہا جاسکے جیساکہ حلیہ سے گزرا۔ (ت) **اقول:** چاٹنے یا مطلق تھوک کی صورت میں یہ تعبیر اس کی موافقت نہیں کرتی یا کہا جائے کہ لعاب کو زبان کے ساتھ گزارنا بہانے کی طرح ہے جیساکہ غنیہ میں ان سے عذر پیش کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ (ت) **اقول:** یہ بھی واضح طور پر قابلِ اعتراض ہے ظاہر یہ ہے کہ ان کا یہاں (امام صاحب کی) موافقت کرنا ضرورت کے تحت ہے جیسا کہ غنیہ کے شروع میں انہوں نے یہ راہ اختیار کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

توحاصلِ امامِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ قرار پایا کہ بدن سے ازالہ نجاستِ حقیقیہ پانی لعاب دہن خواہ کسی

---
[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۲۷

مائع طاہر سے ہو دھو کر خواہ پُونچھ کر کہ اکثر نہ رہے مطلقاً کافی و موجبِ طہارت ہے پھر اگر یہ ازالہ بذریعہ آب ہو جیسے صورت سوال میں کہ پانی سے بھیگے کپڑے سے بدن پُونچھا گیا تو امام محمد بھی طہارت مانیں گے اور اگر پانی کی تری کپڑے میں اس قدر تھی کہ ہر بار قطرے بدن پر سے ٹپکے تو جمیع ائمہ مذہب حصولِ تطہیر پر اتفاق فرمائیں گے۔

هذا هو التحرير البالغ بتوفيق الله تعالى وبه تبين ان تقييد الفتح مسألة الفصد بخوف الضرر ميل منه الى مذهب الثانى اوارشاد الى الاحوط والا فعلى مذهب صاحب المذهب لاحاجة اليه ولذا قال فى البحر ان المنقول مطلق وبه تبين تخصيص العلامة الشامى تطهير المسح بموضع الحجامة جمود على تصوير وقع فى مسألة والا فهو لايوافق شيأ من المذاهب لاسيما مذهب صاحب المذهب كما علمت وقداسمعناك من النصوص مافيه غنية ولله الحمد والله تعالى اعلم۔	اللہ تعالٰی کی توفیق سے یہی تحریر (مقصد تک) پہنچنے والی ہے اس سے ظاہر ہوا کہ پچھنے لگوانے کے مسئلے میں فتح القدیر کا خوفِ ضرر کی قید لگانا ان کا دوسرے مذہب کی طرف میلان ہے یا زیادہ محتاط کی طرف رہنمائی کرنا ہے ورنہ صاحبِ مذہب کے مذہب پر اس کی حمایت نہیں اسی لئے بحر الرائق میں فرمایا کہ منقول مطلق ہے اور اسی سے واضح ہُوا کہ علامہ شامی کا مسح کے ساتھ پاک کرنے کو حجامت کی جگہ سے خاص کرنا صرف اسی صورت سے متعلق ہے جو اس مسئلے میں واقع ہوئی ورنہ وہ کسی مذہب بالخصوص صاحبِ مذہب کے مذہب کے موافق نہیں جیسا کہ تم نے جان لیا اور ہم نے تمہیں بے پروا کردینے والی نصوص سنادیں، وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۹: غرہ شعبان ۱۳۱۲ھ

حضورِ اقدس! پرسوں کوّے کی بیٹ پانی میں پڑی تھی کمترین نے اُسی پانی سے استنجا کیا اور جسم جس جگہ سے ناپاک تھا وہ بھی پاک کیا بعد کو وضو کیلئے جو پانی لینے کو جانا ہوا تو مٹکے میں بیٹ پڑی دیکھی پیٹ اور پسلیوں پر بھی پانی بہایا تھا اور تولیہ سے پُونچھا تھا مگر بالکل جسم خشک نہ ہوا تھا کسی قدر نمی پسلیوں اور پیٹ پر لگی تھی اُسی حالت میں صدری رُوئی کی پہن لی اور بٹن بھی لگالیے اب یہ نہیں معلوم کہ پوروں سے صدری بھیگی یا نہیں بعد چند منٹ کے دیکھا تو صدری پر کہیں پانی لگا ہوا نظر نہ آیا اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

صدری پاک ہے صرف ایسی نم جو کپڑے کو تر نہ کرسکے ناپاک نہیں کرتی فقط سیل آجانے کا کچھ اعتبار نہیں

بلکہ سرے سے وہ پانی ہی جس سے استنجا کیا بدن دھویا پاک تھا کہ اس کے بعد بیٹ پڑی دیکھی ممکن ہے کہ پانی لینے کے بعد پڑی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۰: از گلگٹ مرسلہ سردار امیر خان ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہڈّی مردار جانور کی پاک ہے یا ناپاک ہے کیونکہ سینگ تو ہر جانور کا پاک ہے اگر مسواک میں ہڈّی ہاتھی دانت کی ہو تو کیسی ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہڈی ہر جانور کی پاک ہے حلال ہو یا حرام، مذبوح ہو یا مردار جبکہ اس پر بدن میتہ کی کوئی رطوبت نہ ہو سوا سوئر کے کہ اس کی ہر چیز ناپاک ہے مسواک میں ہاتھی دانت کی ہڈی ہو تو کچھ حرج نہیں، ہاں اس کا ترک بہتر ہے۔

لمحل خلاف محمد فانہ قائل بنجاسۃ عینہ[1] کالخنزیر کمافی الفتح القدیر وردالمحتار وغیرھما ورعایۃ الخلاف مستحبۃ بالاجماع۔	کیونکہ اس جگہ امام محمد رحمہ اللہ کا اختلاف ہے۔آپ خنزیر کی طرح اس کے بھی نجس عین ہونے کے قائل ہیں جیسے فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے اور اختلاف کی رعایت کرنا بالاجماع مستحب ہے۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

شعر المیتۃ غیر الخنزیر وعظمھا طاھر [2] اھ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خنزیر کے علاوہ مردار کے بال اور ہڈیاں پاک ہیں انتہی تلخیص۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸۱: ۹ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

جناب مولانا صاحب دام برکاتہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔آداب غلامانہ بجالاکر ملتمس ہوں چھت پر گوبری کی گئی اور پہلی مرتبہ کی بارش میں وہ چھت ٹپکی اس ٹپکے ہوئے پانی پر ناپاکی کا حکم ہے یا نہیں بینوا توجروا۔زیادہ حدادب، کمترین احمد حسین عرف منجھلا عفی عنہ۔

الجواب:

گرامی برادر! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔اگر گوبر بالکل دُھل گیا اس کے بعد کا پانی ٹپکا تو کچھ

---

[1] ردالمحتار مطلب فی احکام الدباغۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۷

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مضائقہ نہیں مگر غالبًا اول ہی بارش میں اس کی امید کم ہے۔اور اگر گوبر باقی تھا اور ٹپکتے ہوئے پانی میں اس کا رنگ یا بُو تھی تو بے شک ناپاک ہے اور اگر رنگ وبُو کچھ نہ تھا تو اگر یہ پانی اُس حالت میں ٹپکا کہ بارش ہنوز ہو رہی ہے اور مینہ کا پانی رواں تھا تو ناپاک نہیں اور مینہ برس چکا تھا اُس کے بعد ٹپکا تو ناپاک ہے والسلام والمسئلة فی الھندیة وغیرھا واللہ تعالٰی اعلم (یہ مسئلہ فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

رسالہ

الاحلی من السکر لطلبة سکر روسر ۱۳۰۳ھ

(یہ رسالہ شکر روسر کے طالب (حکم شرعی) کیلئے شکر سے زیادہ میٹھا ہے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

از نوابِ گنج بارہ بنکی مرسلہ شیخ الجلیل پنجابی ماہ ذیقعدہ ۱۳۰۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روسر کی شکر کہ ہڈیوں سے صاف کی جاتی ہے اور صاف کرنے والوں کو کچھ احتیاط اس کی نہیں کہ وہ ہڈیاں پاک ہوں یا ناپاک، حلال جانور کی ہوں یا مردار کی، اور سُنا گیا کہ اُس میں شراب بھی پڑتی ہے اسی طرح کل کی برف اور کل کی وہ چیزیں جن میں شراب کا لگاؤ سُنا جاتا ہے شرعًا کیا حکم رکھتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سمع المولی وشکر * لمن حمد العلی الاکبر *	جس نے بلندو بالاذات کی تعریف کی، مولا تعالٰی نے اسے

شکرك ربنا الذ واحلی* من کل ما یلذ ویستحلی* والصلاة والسلام* علی سیدالانام* اعظم یعسوب لنحل الاسلام* عذاب الریق حلو الکلام* منبع شهد یزیل السقام* واٰله وصحبه العظام الفخام* ما اشتفی بالعسل مریض سقیم* واحب الحلو مسلم سلیم* اٰمین*	ثنا اور جزا عطا فرمائی۔ اے ہمارے رب! ہر اس چیز پر تیرا شکر نہایت لذیذ وشیریں ہے جس سے لذت اور مٹھاس حاصل کی جاتی ہے اور درود وسلام مخلوق کے سردار پر جو اسلام کے درخت خرما کیلئے شہد کی مکھی سے بہتر حیثیت رکھتے ہیں جن کا لعاب میٹھا اور کلام شیریں ہے شہد کا منبع ہیں، جو بیماریوں کو دُور کردیتا ہے، اور آپ کے باعظمت اور عظیم المرتبت آل واصحاب پر جب تک شہد سے بیمار کو شفاء اور بے عیب مسلمان میٹھی چیز کو پسند کرے، آمین۔(ت)

امابعد اس مسئلہ سے سوال متکرر آیا اور آرائے عصر کو مضطرب پایا اور حاجت ناس اس طرف ماس اور دفع ہوا جس نہایت ضرور اور کشف وساوس اہم امور لہٰذا مناسب کہ بحول الواہب اس تازہ فرع کی تحقیق وتنقیح اور حکم شرع کی توضیح وتصریح اس نہج نجیع وطرز رجیح کے ساتھ عمل میں آئے کہ نہ صرف اسی مسئلہ تازہ بلکہ اس قسم کی تمام جزئیات بے اندازہ کا حکم واضح وآشکار ہوجائے افقر الفقراعبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی عاملہ المولی القوی بلطفہ الخفی الحنفی الوفی وغفرلہ وللمومنین واحسن الیہ والیہم اجمعین (نہایت طاقت والا مولا اسے اپنی کامل اور غیبی مہربانی سے نوازے، اسے اور تمام مومنوں کو بخشش دے اس سے اور تمام مسلمانوں سے اچھا سلوک کرے۔ت) اس بارہ میں یہ مختصر فتوی لکھتا اور الاحلی عـــہ من السکر لطلبة سکر روسر (شکر روسر کے طالب کیلئے یہ رسالہ

عـــہ: من لطائف هذا الاسم مطابقته للمسمی من جهة ان الرسالة کما حکمت علی هذا السکر بحکمین الحل فی صورة والحرمة فی اخری کذلك لهذا الاسم وجهان الی کلا الحکمین فالمعنی علی الحل انها احلی لهم من السکر لتسویغها لهم ما تشتهیه انفسهم مع ازالة الوساوس ودفع الطعن وعلی الحرمة انها وان نهتهم عن سکر فلم تحرمهم الحلاوة فان تحقیق حکم الشرع لذة القلب وتناول المشتهیات لذة النفس والاولی اهم واعلی فهذه الرسالة احلی لهم من السکر الذی حرم علیهم ۱۲ منه۔(م)	اس رسالے کے نام میں یہ خوبی ہے کہ یہ اسم بامسمّٰی ہے کیونکہ جس طرح رسالہ نے اس شکر کے بارے ایک لحاظ سے حلال اور ایک لحاظ سے حرام دو حکم بیان کئے ہیں اسی طرح نام میں بھی دونوں کا لحاظ ہے۔ حلت کے لحاظ سے عوام کیلئے یہ شکر سے زیادہ میٹھا ہے کیونکہ اس نے شبہات اور اعتراضات کو ختم کرکے عوام کیلئے شکر کو مرغوب بنادیا ہے، اور حرمت کے لحاظ سے اس نے عوام کو اگرچہ شکر سے منع کردیا ہے تاہم ان کو لذتِ ایمانی سے محروم نہیں کیا کیونکہ ان کو شرعی مسئلہ کی تحقیق دے کر قلبی لذّت دی ہے جبکہ مرغوب غذا سے صرف لذّتِ نفس حاصل ہوتی ہے۔ پہلی چیز یعنی قلبی لذت اہم اور اعلٰی ہے اس لئے شکر کو حرام کرنے والا یہ رسالہ عوام کے لئے شکر سے زیادہ میٹھا ہے ۱۲ منہ (ت)

شکر سے زیادہ میٹھا ہے۔ت) اس کا تاریخی نام رکھتا ہے وباللہ التوفیق والوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق کا حصول اور تحقیق کی بلندیوں تک پہنچانا ہے۔ت) پیش از جواب چند مقدمے موضع صواب واسئل جالرشاد من الملک الجواد (فیاض بادشاہ سے رہنمائی کا سوال کرتا ہوں۔ت)

مقدمہ اولٰی:

ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول و نامذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چکنائی ۱۲) نہ ہو سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا، اور دسومت میں قید ناپاکی اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خون سائل نہیں رکھتے اُن کی ہڈیاں بہر حال پاک ہیں اگرچہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدم اختلاط دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے استخواں کیونکر ناپاک ہو سکتے ہیں۔

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمختار شعر المیتۃ غیر الخنزیر وعظمھا وعصبھا وحافرھا وقرنھا الخالیۃ عن الدسومۃ[1] (قید للجمیع کما فی القھستانی فخرج الشعر المنتوف ومابعدہ اذا کان فیہ دسومۃ[2]) ودم سمك طاھر[3] انتھت ملخصۃ۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے "خنزیر کے علاوہ ہر مردار کے بال، ہڈی، پٹھے، کُھر اور سینگ جو چربی سے خالی ہوں (یہ قید سب کے ساتھ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے۔ پس اکھاڑے ہُوئے بال اور جو کچھ اس کے بعد ہے اگر اس میں چربی ہو تو وہ اس حکم سے خارج ہیں) اور مچھلی کا خُون پاک ہے، انتہت تلخیص (ت)

مگر حلال وجائز الاکل صرف جانور ماکول اللحم مذکی یعنی مذبوح بذبح شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاۃ شرعی عـــہ مرجائے یا کاٹا جائے بجمیع اجزائیہ حرام ہے اگرچہ طاہر ہو کہ طہارتِ مستلزم وحلت نہیں جیسے سنکھیے یا بقدر مضرت اور انسان کا دودھ بعد عمر رضاعت اور مچھلی کے سوا جانوران دریائی کا گوشت وغیر ذلک کہ سب پاک ہیں اور باوجود پاکی حرام۔

عــــہ: یعنی بشرطیکہ محتاج ذکاۃ ہو نہ سمک وجراد کہ ان کا استثنا معلوم ومعروف ۱۲منہ (م)

[1] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۸

[3] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۸

فی الحاشیة الشامیة اذاکان جلد حیوان میت ماکول اللحم لایجوز اکله وھو الصحیح لقوله تعالٰی حرمت علیکم المیتة وھذا جزء منھا وقال عـــہ۱ علیه الصلاۃ والسلام انما یحرم من المیتة اکلھا اما اذاکان جلد مالایوکل فانه لایجوز اکله اجماعا بحرعن السراج [1] اھ ملخصا۔وفی الغنیة شرح المنیة عن القنیة حیوان البحر طاھر وان لم یؤکل حتی خنزالبحر ولوکان میتتة [2] اھ۔ وفیھا تحت قوله والمسك طاھر حلال زاد قوله حلال لانه لایلزم من الطھارۃ الحل کما فی التراب منح [3] اھ۔	حاشیہ شامیہ میں ہے جب ایسے مردار حیوان کا چمڑا ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو اس کا کھانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے تم پر مردار حرام کیا گیا ہے اور یہ اس کا جز ہے۔اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مردار سے صرف اس کا کھانا حرام ہوتا ہے"۔اور اگر ایسے جانور کا چمڑا ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو بالاجماع اس کا کھانا جائز نہیں۔البحرالرائق نے سراج سے نقل کیا (انتہی) تلخیص۔اور اسی میں ہے"مشک (کستوری) پاک حلال ہے"کے تحت ہے حلال کا لفظ زیادہ کیا کیونکہ طہارت سے حلال ہونا لازم نہیں آتا ہے جیسا کہ مٹّی میں ہے (منح) اھ۔اور غنیہ شرح منیہ میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ دریائی جانور پاک ہیں اگرچہ انہیں کھایا نہ جاتا ہو۔یہاں تک کہ دریائی خنزیر بھی،اگرچہ مردار ہو۔اھ (ت)

مقدمہ ثانیہ:

شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلّت عـــہ۲ اصل ہیں اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کا محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے اُن کا اثبات ناممکن کہ

عـــہ : **اقول:** اخرجه احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی والترمذی بالفاظ متقاربة کلھم عن ابن عباس وابن ماجة عن ام المومنین میمونة رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲منه (م) عـــہ۲: یعنی سوابعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے جیسے دماء وفروج ومضار ۱۲منہ (ت)	**اقول:** اس کو احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی سب نے متقارب الفاظ سے ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ۱۲منہ (ت)

[1] ردالمحتار مطلب فی احکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۶

[2] ردالمحتار مطلب فی احکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

[3] غنیۃ المستملی قبیل ستر العورۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۰۸

طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اُس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور نرا ظن لاحق یقین سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا یہ شرع شریف کا ضابطہ عظیمہ ہے جس پر ہزار ہا احکام متفرع، یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مبتنی اور فی الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوس ہائلہ وفتنہ پردازی اوہام باطلہ ودست اندازی ظنون عاطلہ سے امان میں رہا۔ حدیث صحیح میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [1] رواہ الائمة مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اسے ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں بلکہ ہزار ہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اُسے حرام یامکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بار ثبوت اُس کے ذمّہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اُس کا دعوٰی اُسی پر مردود اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لئے تمسک باصل موجود، علماء فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحات جلیہ حنفیّہ وشافعیہ وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت یہاں تک کہ کسی عالم کو اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

فی الطریقة المحمدیة وشرحها الحدیقة الندیة للعلامة عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی الاصل فی الاشیاء الطھارۃ لقوله سبحٰنه وتعالٰی ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا والیقین لایزول الشك والظن بل یزول بیقین مثله وھذا اصل مقرر فی الشرع منصوص علیه فی الاحادیث مصرح به فی کتب الفقھاء من الحنفیة والشافعیة وغیرھم ولم ارفیه مخالفا من احد من العلماء اصلا فاذا شك اوظن فی طھارۃ ماء اوطعام	علّامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے اشیا کی اصل طہارت ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: "اللہ نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا فرمایا، اور یقین، شک اور گمان کے ساتھ زائل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جیسے یقین کے ساتھ یقین زائل ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ شریعت میں مقرر ہے احادیث میں اس کی تصریح ہے اور حنفی، شافعی اور دیگر فقہا کی کتب میں واضح طور پر مذکور ہے میں نے اس میں علما کا اختلاف بالکل نہیں پایا لہٰذا جب پانی، کھانے یا اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طہارت میں

[1] بخاری شریف باب ماینہی عن القاسد والتدابر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۹۶

وغیر ذلك ممالیس بنجس العین فذلك الشیئ طاھر فی حق الوضوء وحل الاکل وسائر التصرفات وکذا اذا غلب الظن علی نجاسته الخ اھ ملتقطا [1]۔ وفی الاشباہ والنظائر شك فی وجود النجس فالاصل بقاء الطھارۃ [2] الخ وفی الحدیقۃ لاحرمۃ الامع العلم لامع الشك والظن لان الاصل فی الاشیاء الحل [3] الخ وفی غمز العیون للعلامۃ السید الحموی تحت قاعدۃ الیقین لا یزول بالشك قیل ھذہ القاعدۃ تدخل فی جمیع ابواب الفقہ والمسائل المخرجۃ علیھا تبلغ ثلثۃ ارباع الفقہ [4] واکثر۔	جو نجس عین نہیں ہے شک پیدا ہو تو یہ چیز وضو کے حق میں پاک ہے اور اس کا کھانا بھی جائز، نیز دیگر تصرفات میں استعمال جائز، اسی طرح جب اس کی نجاست کا غالب گمان ہو (یقین نہ ہو تو بھی پاک ہے الخ اھ ملتقطا۔(ت) اور الاشباہ والنظائر میں ہے وجود نجاست میں شک ہو تو اصل طہارت باقی رہتی ہے الخ اور حدیقہ میں ہے حرمت، علم (یقین) کے ساتھ ہے شک اور گمان کے ساتھ نہیں کیونکہ اشیاء کی اصل حلّت ہے الخ علّامہ سید حموی کی غمز العیون میں ایک قاعدے "یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا" کے تحت ہے کہا گیا ہے کہ یہ قاعدہ فقہ کے تمام ابواب میں داخل ہے اور اس کے تحت نکالے جانے والے مسائل، فقہ کی تین چوتھائی بلکہ اس سے زیادہ تک پہنچتے ہیں۔(ت)

مقدمہ ثالثہ:

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیق بالغ وثبوت کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجئے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے حاجت مُبین سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدس سرہما الجلیل فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات	احتیاط اس بات میں نہیں کہ حرمت یا کراہت جن کے لئے

[1] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہا فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۱۔۱۰۷

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثالثہ من الفن الاول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۷

[3] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۱۔۱۰۷

[4] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثالثہ من الفن الاول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۵

الحرمة اوالکراھة اللذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحة التی ھی الاصل وقد توقف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع انہ ھوالمشرع فی تحریم الخمر امّ الخبائث حتی نزل علیہ النص القطعی [1] وآثرہ ابن عابدین فی الاشربة مقررا۔	دلیل کی ضرورت ہے، کو ثابت کرنے کے ذریعے اللہ تعالٰی پر افترا باندھا جائے بلکہ اباحت کے قول میں احتیاط ہے کیونکہ اباحت اصل ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شارع ہونے کے باوجود، تمام خباثتوں کی جڑ شراب کو حرام قرار دینے میں اس وقت تک توقف کیا جب تک آپ پر نص قطعی نازل نہیں ہوئی اھ ابن عابدین نے مشروبات کے باب میں اسے ثابت رکھتے ہوئے ترجیح دی ہے۔(ت)

مقدمہ رابعہ:

بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکامِ شرع کی مناط ومدار نہیں ہوسکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہوجاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں یا ہے تو بہزار ''''تفاوتِ اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کر سُنا ہے نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے نہ اُس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سُن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی یا ثابت ہُوا تو یہ کہ فلاں کافرمایا فاسق منتہائے اسناد تھا پھر معلوم ومشاہد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سُنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا عمرو سے پُوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا۔ بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا۔ علی ھذا القیاس۔ الخ

وماھذا الالما اخبر الصادق المصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من فشوِ الکذب بعد قرون الخیر لاسیما ھذا الزمان الابعد الاخر وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایأتی علیکم زمان الّا الذی بعدہ شرمنہ حتی تلقوا ربکم [2] اخرجہ احمد ومحمد بن اسمعیل والترمذی والنسائی	اور یہ بات حضور علیہ السلام کی اس خبر کی بنیاد پر ہے جو آپ نے بھلائی کے زمانوں کے بعد جھوٹ کے عام ہونے سے متعلق دی ہے بالخصوص اس نہایت ہی بعید اور پچھلے زمانہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم پر جو آئندہ زمانہ آئے گا بد سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو"۔اسے امام احمد،

[1] ردالمحتار کتاب الاشربۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۲۶

[2] بخاری شریف باب لایأتی زمانٌ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۴۷

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واخرج الطبرانی بسند صحیح عن ابن مسعود عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: امس خیر من الیوم خیر من غدو کذلک حتی تقوم الساعۃ[1]۔	محمد بن اسمٰعیل (بخاری)، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اور طبرانی نے بسند صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی، آپ نے فرمایا: "کل گُزرا ہوا آج سے بہتر تھا اور آج کا دن آنے والے کل سے بہتر ہے، تا قیامت اسی طرح ہوگا"۔ (ت)

حدیث موقوف میں ہے شیطان آدمی کی شکل بن کر لوگوں میں جھُوٹی بات مشہور کردیتا ہے سُننے والا اوروں سے بیان کرتا اور کہتا ہے مجھ سے ایک شخص نے ذکر کیا جس کی صورت پہچانتا ہوں نام نہیں جانتا۔

مسلم فی مقدمۃ الصحیح عن عامر بن عبدۃ قال قال عبداللہ ان الشیٰطین لیتمثّل فی صورۃ الرجل فیأتی القوم فیحدثھم بالحدیث من الکذب فیتفرقون فیقول الرجل منھم سمعت رجلا اعرف وجھہ ولا ادری ماا سمہ یحدث[2]۔	امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں جناب عامر بن عبدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان آدمی کی شکل میں ایک قوم کے پاس آتا ہے اور ان سے جھُوٹی بات بیان کرتا ہے پھر وہ منتشر ہوجاتے ہیں تو ان میں سے ایک آدمی کہتا ہے میں نے ایک آدمی کو بیان کرتے ہوئے سُنا میں اس کو چہرے سے پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں افواہی خبر اگرچہ تمام شہر بیان کرے سننے کے قابل نہیں نہ کہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

الفاضل المصطفی الرحمتی فی صوم حاشیۃ الدر المختار لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعہ کماقد تشیع اخبار یتحدث بھاسائر اھل البلدۃ ولایعلم من اشاعھا کماورد عـــہ ان فی اٰخر الزمان یجلس الشیطٰن بین الجماعۃ فیتکلم	دُرمختار کے حاشیہ (ردالمحتار) میں (استفاضہ کے معنی کے بارے میں) فاضل مصطفٰی رحمتی کا قول منقول ہے کہ محض خبر پھیلنا کہ شائع کرنے والے کا علم نہ ہو (استفاضہ نہیں ہے) جیسے بعض بے بنیاد خبریں لوگوں کی زبان پر عام ہوجاتی ہیں لیکن شائع کرنے والے کا علم نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث شریف

عـــہ: قدمنا تخریجہ آنفا منہ (م) | (ہماری طرف سے ابھی اس کی تخریج گزر چکی ہے۔ (ت)

[1] مجمع الزوائد باب فیما مضی من الزمان الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۷/۲۸۶
[2] مقدمۃ الصحیح لمسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

بالکلمۃ فیتحدثون بھا ویقولون لاندری من قالھا فمثل ھذا لاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت بہ حکم [1] اھ ملخصا۔	میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان ایک جماعت کے درمیان بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گا تو وہ اسے بیان کرینگے اور کہیں گے ہم اس کے قائل کو نہیں جانتے پس اس قسم کی بات کو سُننا بھی مناسب نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے اھ ملخصا (ت)

سیدی محمد امین الدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت وھوکلام حسن ویشیر الیہ قول الذخیرۃ اذا استفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع [2] اھ۔	میں کہتا ہوں یہ اچھا کلام ہے اور ذخیرہ کا قول کہ "جب اس سے یقین کا فائدہ حاصل ہو اور وہ ثابت ہوجائے کیونکہ مجرد شائع ہونے سے اس کا تحقق نہیں ہوتا" اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔(ت)

مقدمہ خامسہ:

حلت حرمت طہارت نجاست احکامِ دینیہ ہیں ان میں کافر کی خبر محض عـــہ نامعتبر۔

قال اللہ تعالٰی لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز مسلمانوں پر کافروں کو راہ نہ دے گا۔(ت)

بلکہ مسلمان فاسق بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں چہ جائے کافر۔

قال اللہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو الآیۃ (ت)

عـــہ: یعنی جب ضمن معاملات میں نہ ہو مثلاً کافر گوشت لایا اور کہا مسلمان سے خریدا ہے بات اُس کی مقبول اور گوشت حلال اور جو کہا مجوسی کا ذبیحہ ہے قول اُس کا ماخوذ اور لحم حرام وکم من شیئ یثبت ضمناً ولایثبت قصدا ۱۲ منہ (بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

[2] القرآن ۴/ ۱۴۱

[3] القرآن ۴۹/ ۶

دُرمختار میں ہے:

شرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء فتیمم ولایتوضأ ان اخبربها مسلم عدل منزجرعما یعتقد حرمته ویتحری فی خبر الفاسق والمستور اھ ملخصا[1]۔	دیانات (عبادات سے متعلق خبر) میں عدالت شرط ہے جیسے پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں اگر کوئی مسلمان عادل جو حرام امور سے باز رہنے والا ہو، خبر دے تو تیمم کرے، وضو نہ کرے۔اور فاسق و مستور الحال کی خبر کے بارے میں غور وفکر کرے انتہی تلخیص۔
وفی العالمگیریة عن الکافی لایقبل قول المستور فی الدیانات فی ظاهر الروایات وهو الصحیح[2] اھ۔	اور عالمگیریہ میں کافی سے نقل کیا کہ ظاہر روایات کے مطابق دیانات میں مستور الحال کا قول قبول نہ کیا جائے یہی صحیح ہے اھ۔
وفی ردالمحتار عن الهدایة الفاسق متهم والکافر لایلتزم الحکم فلیس له ان یلزم المسلم[3] اھ۔	اور ردالمحتار میں ہدایہ سے نقل کیا ہے کہ فاسق تہمت زدہ ہے اور کافر حکم کا خود التزام نہیں کرتا پس اسے مسلمان پر لازم کرنے کا حق نہیں۔اھ (ت)

ہاں فاسق و مستور میں اتنا ہے کہ اُن کی خبر سُن کر تحری واجب اگر دل پر اُن کا صدق جمے تو لحاظ کرے جب تک دلیل اقوی معارض نہ ہو اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں مثلاً پانی رکھا ہو کافر کہے ناپاک ہے تو مسلمان کو روا کہ اُس سے وضو کرلے یا گوشت خریدا ہو کافر کہے اس میں لحم خنزیر ملا ہے مسلمان کو اُس کا کھانا حلال اگرچہ اس کا صدق ہی غالب ہو اگرچہ اُس کی یہ بات دل پر کچھ عــہ جمتی ہوئی ہو کہ جو خُدا کو جھٹلاتا ہے اُس سے بڑھ کر جھُوٹا کون پھر ایسے کی بات محض واہیات البتہ احتیاط کرے تو بہتر وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو۔

فی فتاوٰی الامام قاضی خان ان کان المخبر بنجاسة الماء رجلا من اھل الذمة لایقبل قوله فان وقع فی قلبه انه صادق فی هذا الوجه قال	فتاوائے امام قاضی خان میں ہے اگر پانی کے ناپاک ہونے کی خبر دینے والا ذمّی (کافر) ہو تو اس کی بات قبول نہ کی جائے اگر اس کے دل میں واقع ہو کہ وہ اس

عــہ: کچھ اس لئے کہ مجرد خبر کافر کا بے ملاحظہ امور دیگر جو اس کے مؤیدات وقرائن ہوں قلب مومن پر ٹھیک جمنا کا لمحال ہے ۱۲منہ (م)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۳

فی الکتاب احب الی ان یریق الماء ثم یتیمم ولوتوضأ وصلی جازت صلاتہ [1] اھ وفی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ رجل اشتری لحما فلما قبضہ فاخبرہ مسلم ثقۃ انہ قدخالطہ لحم الخنزیر لم یسعہ ان یاکلہ [2] اھ۔	بات میں سچا ہے تو کتاب میں فرمایا: مجھے زیادہ پسند ہے کہ پانی بہادے اور تیمم کرے اور اگر اس کے ساتھ وضو کرکے نماز پڑھی تو بھی جائز ہے (ت) اور فتاوٰی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے گوشت خریدا جب اس پر قبضہ کرلیا تو اسے کسی صالح مسلمان نے خبر دی کہ اس میں خنزیر کا گوشت ملا ہوا ہے تو اس کے لئے کھانے کی گنجائش نہیں اھ (ت)
قلت ومفھوم المخالفۃ معتبر فی الکتب کماصرح بہ الائمۃ والعلماء **وفی** ردالمحتار عن الذخیرۃ انہ فی الفاسق یجب التحری وفی الذمی یستحب [3] اھ۔**وفی** شرح التنویر عن شرح النقایۃ والخلاصۃ والخانیۃ اما الکافر اذاغلب صدقہ علی کذبہ فاراقتہ احب [4] اھ	**میں کہتا ہوں** کتب میں مفہوم مخالف کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ ائمہ وعلمانے اس کی تصریح کی، ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ فاسق کے سلسلے میں سوچ وبچار ضروری ہے اور ذمی کے بارے میں مستحب ہے اھ (ت) اور شرح تنویر میں شرح نقایہ، خلاصہ اور خانیہ سے منقول ہے کہ کافر کا سچ جب اس کے جھوٹ پر غالب ہو تب بھی اس (پانی) کا بہادینا زیادہ پسندیدہ ہے اھ (ت)

مقدمہ سادسہ:

کسی شے کا محل احتیاط سے دور یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اُس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقًا ناپاک یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہُوا تو اُن کی بے احتیاطی پر اور بے احتیاطی مقتضی وقوع دائم نہیں پھر نفس شے میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا جنہیں امثال مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرماچکی کماذکرنا فی المقدمۃ الثانیۃ (جیسا کہ ہم نے

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یقبل قول الواحد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۴

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۳

دوسرے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔ت) اور توضیحاللمرام مسائل مسائل شرح سے اس کے چند نظائر بھی معرض بیان میں آنا مناسب کہ اس میں ایک توایضاح قاعدہ دوسرے اکثار فائدہ تیسرے علاج وساوس واللہ تعالٰی الموفق۔

(۱) دیکھو کیا کم ہے ان کنوؤں کی بے احتیاطی جن سے کفار فجار جہاں گنوار نادان بچّے بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں پھر شرع مطہر اُن کی طہارت کا حکم دیتی اور شرب ووضوروافرماتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

فی التتارخانیة ثم ردالمحتار من شك فی انائه اوثوبه اوبدنه اصابته نجاسة اولا فهو طاهر مالم یستیقن وکذا الاٰبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات ویستقی منها الصغار والکبار والمسلمون والکفار[1] اھ۔ **اقول:** وهذا امر مستمر من لدن الصدر الاول الی زماننا هذا لایعیبه عائب ولاینکره منکر فکان اجماعًا۔	تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے جس کو اپنے برتن، کپڑے یا بدن میں شک ہو کہ اسے نجاست پہنچی ہے یا نہیں، توجب تک (نجاست لگنے کا) یقین نہ ہو وہ پاک ہے اسی طرح کنویں، حوض اور راستوں میں رکھے ہوئے مٹکے جن میں سے چھوٹے اور بڑے، مسلمان اور کفار (سب) پیتے ہیں (پاک ہیں) اھ **اقول:** یہ بات پہلے دَور سے ہمارے زمانے تک جاری ہے کوئی عیب لگانے والا اسے عیب نہیں لگاتا اور نہ کوئی منکر اس کا انکار کرتا ہے پس اجماع ہوا۔ (ت)

(۲) خیال کرو اس سے زیادہ ظنوں وخیالات ہیں اُن جوتوں کے بارہ میں جنہیں گلی کوچوں ہر قسم کی جگہوں میں پہنے پھرے پھر علما فرماتے ہیں جُوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو کنواں طاہر اگرچہ تطییبًا للقلب (دل کی تسلّی کے لئے) دس بیس ۲۰ عـــہ ڈول تجویز کیے گئے۔

فی الطریقة والحدیقة عن التاترخانیة سئل الامام الخجندی عن رکیة وهی البئر وجدفیها	طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے امام خجندی سے رکیہ کے بارے میں پُوچھا گیا اور یہ ایک

عـــہ: الاول مصرح به بعض الکتب والثانی لضابطة وضعها محمد نظرا الی ان العشرین اقل ماورد کمافی الخانیة وهذا هو الاولی بالاخذ واللہ اعلم ۱۲ منه (م)	پہلے کی تصریح بعض کتب میں موجود ہے اور دوسرا اس ضابطہ کی بناء پر جسے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے وضع کیا ہے اس کی رعایت کرتے ہوئے کہ احادیث میں وارد شدہ اقوال میں تعداد کے اعتبار سے سب سے کم بیس ۲۰ کا قول ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے یہ وہ ہے جس پر عمل کرنا اولٰی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۱

خف ای نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیہ اثر النجاسۃ ھل یحکم بنجاسۃ الماء قال لا[1] اھ ملخصا۔

کنواں ہے کہ اس میں موزہ یعنی جُوتا پایا گیا جس کو پہننے والا پہن کر راستوں پر چلتا ہے اسے معلوم نہیں کہ اس میں کب گرا اور اس پر نجاست کا نشان بھی نہیں تو کیا پانی کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا؟ انہوں نے فرمایا: نہیں اھ تلخیص۔

اقول: بل قد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ الصلاۃ فی النعال التی کانوا یمشون بھا فی الطرقات[2]۔ کمافی حدیث خلع النعال عند احمد وابی داود جمع المحدثین عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ واخرج الائمۃ احمد والشیخان والترمذی والنسائی عن سعید بن یزید سألت انسًا اکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ[3] قال نعم۔ واخرج ابوداود والحاکم وابن حبان والبیھقی باسناد صحیح والطبرانی فی الکبیر علی نزاع فی صحتہ عن شداد بن اوس والبزار بسند ضعیف عن انس مرفوعًا وھذا حدیث الاول خالفوا الیھود (وفی روایۃ والنصارٰی) فانھم لایصلون فی نعالھم ولاخفافھم[4] وقد کثرت الاحادیث القولیۃ والفعلیۃ فی ھذا المعنی مرفوعات وموقوفات۔

اقول: بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان جوتوں میں جن کے ساتھ وہ راستوں میں چلتے تھے، نماز پڑھنا صحیح طور پر ثابت ہے جیسا کہ جُوتا اتارنے والی حدیث میں ہے جسے امام احمد، ابوداؤد اور محدثین کی ایک جماعت نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اور امام احمد، بخاری ومسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت کی وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پُوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نعلین مبارک میں نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں۔ اور ابوداؤد، حاکم، ابن حبان اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے کبیر میں ایسی سند کے ساتھ جس کی صحت میں نزاع ہے شداد بن اوس سے اور بزار نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کیا اور یہ پہلی حدیث ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کرو (ایک روایت میں ہے اور نصارٰی کی بھی) کیونکہ وہ اپنے جُوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے اس مفہوم میں قولی، فعلی، مرفوع اور موقوف احادیث بکثرت پائی جاتی ہیں۔ (ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الثانی من الصنفین الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۹۲

[3] صحیح البخاری باب الصلوٰۃ فی النعال مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۶

[4] سنن ابی داؤد باب الصلوٰۃ فی النعال مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۵

قلت وقد افرزت فی ھذہ المسئلۃ وتحقیق الحکم فیھا کراہۃ لطیفۃ تحتوی بعون الملك القوی علی فرائد نظیفۃ وفوائد شریفۃ سمیتھا جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال حاصل ماحققت فیھا ان الصلاۃ فی الحذاء الجدید والنظیف المصون عن مواضع الدفق ومواقع الریبۃ تجوز بلاکراھۃ ولاباس وکذا النعل الھندیۃ اذا لم تکن صلبۃ ضیقۃ تمنع افتراش اصابع القدم والاعتماد علیھا بل قد یقال باستحبابہ واما غیر ذلك فیمنع منہ ومن المشی بھا فی المساجد وان کانت رخصۃ فی الصدر الاول فکم من حکم یختلف باختلاف الزمان واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتا ہوں** میں نے اس مسئلہ اور اس کے حکم کی تحقیق میں ایک عمدہ کتابچہ لکھا ہے جو طاقت والے بادشاہ کی مدد سے عمدہ موتیوں اور عظیم فوائد پر مشتمل ہے میں نے اس کا نام جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال (جُوتوں سمیت نماز پڑھنے کے حکم کی واقفیت کا عمدہ اجمالی بیان۔ت) رکھا ہے۔ میں نے اس میں جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ نئے اور پاک جوتے میں جو نجاست کی جگہوں اور شک وشبہ کے مقامات سے محفوظ ہو، بلاکراہت نماز پڑھنا جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہندوستانی جُوتے کا بھی یہی حکم ہے جب کہ وہ ایسا سخت اور تنگ نہ ہو جو انگلیاں بچھانے اور ان پر ٹیک لگانے میں رکاوٹ ہو، بلکہ اس کے مستحب ہونے کا قول بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جُوتے میں نماز پڑھنے اور اس کے ساتھ مساجد میں چلنے سے بھی منع کیا جائے گا اگرچہ پہلے دور میں اس کی اجازت تھی کچھ احکام اختلافِ زمانہ سے بدل جاتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) غور کرو کیا کچھ گمان ہیں بچّوں کے جسم وجامہ میں کہ وہ احتیاط کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی پھر فقہا حکم دیتے ہیں جس پانی میں بچّہ ہاتھ یا پاؤں ڈال دے پاک ہے جب تک نجاست تحقیق نہ ہو۔

فی المتن والشرح المذکورین کذلك حکم الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیہ لان الصبیان لایتوقون النجاسۃ لکن لایحکم بھابالشك والظن حتی لوظھرت عین النجاسۃ اواثرھا حکم بالنجاسۃ [1] اھ ملخصا۔	مذکور متن وشرح (طریقہ وحدیقہ) میں ہے "اسی طرح اس پانی کا حکم ہے جس میں بچّے نے ہاتھ داخل کیا کیونکہ بچّے نجاست سے اجتناب نہیں کرتے لیکن شک اور گمان کی بنیاد پر اس کا حکم نہیں دیا جائے گا البتہ عینِ نجاست یا اس کا اثر ظاہر ہوجائے تو نجاست کا حکم دیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

(۴) لحاظ کرو کس درجہ مجال وسیع ہے روغن کتان میں جس سے صابون بنتا ہے اس کی کلیاں کھلی رکھی رہتی ہیں اور چوہا

[1] الحدیقۃ الندیہ النور الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۱/۲؍۷

اُس کی بُو پر دوڑتا اور جیسے بن پڑے پیتا اور اکثر اُس میں گِر بھی جاتا ہے پھر ائمہ ارشاد کرتے ہیں ہم اس بناپر روغن کو ناپاک نہیں کہہ سکتے کہ یہ فقط ظن ہیں کیا معلوم کہ خواہی نخواہی ایسا ہُوا ہی۔

فیهما عن التاتارخانیة عن المحیط البرهانی قدوقع عند بعض الناس ان الصابون نجس لانه یؤخذ من دهن الکتان ودهن الکتان نجس لانه اوعیته تکون مفتوحة الرأس عادة والفأرة تقصد شربها وتقع فیها غالبا ولکنا محشر الحنفیة لانفتی بنجاسة الصابون لانالانفتی بنجاسة الدهن لان وقوع الفأرة مظنون ولانجاسة بالظن [1] اھ ملخصا۔	ان دونوں (طریقہ وحدیقہ) میں بحوالہ تتارخانیہ، محیط برہانی سے منقول ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک صابن ناپاک ہے کیونکہ وہ کتان کے تیل سے بنایا جاتا ہے اور کتان کا تیل ناپاک ہے کیونکہ اس کے برتن عام طور پر کھُلے منہ ہوتے ہیں اور چُوہے اس کو پینا چاہتے ہیں اور اکثر اس میں گر پڑتے ہیں لیکن ہم گروہِ احناف صابن کے ناپاک ہونے کا فتوی نہیں دیتے کیونکہ تیل کی نجاست پر ہمارا فتوی نہیں ہے اس لئے کہ چُوہے کا گرنا محض گمان ہے اور گمان سے نجاست ثابت نہیں ہوتی اھ تلخیص (ت)

(۵) نظر کرو کتنی ردی حالت ہے اُن کھانوں اور مٹھائیوں کی جو کفار وہنود بناتے ہیں کیا ہمیں اُن کی سخت بے احتیاطوں پر یقین نہیں کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ اُن کی کوئی چیز گوبر وغیرہ نجاسات سے خالی نہیں کیا ہمیں نہیں معلوم کہ اُن کے نزدیک گائے بھینس کا گوبر اور بچھیا کا پیشاب نظیف طاہر بلکہ طہور ومطہر بلکہ نہایت مبارک ومقدس ہے کہ جب طہارت ونظافت میں اہتمام تمام منظور رکھتے ہیں توان سے زائد یہ فضیلت کسی شے سے حاصل نہیں جانتے پھر علما اُن چیزوں کا کھانا جائز رکھتے ہیں۔

فی ردالمختار عن التترخانیة طاهر ما یتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمین کالسمن والخبز والاطعمة والثیاب [2] اھ ملخصا۔	ردالمحتار میں تتارخانیہ سے منقول ہے کہ جو چیز مشرکین اور جاہل مسلمان بناتے ہیں مثلاً گھی، روٹی، کھانے اور کپڑے وغیرہ وہ پاک ہیں اھ ملخصا (ت)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکمال رافت ورحمت وتواضع ولینت وتالیف واستمالت کفار کی دعوت قبول فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الامام احمد عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان	امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے

[1] الحدیقۃ الندیہ الصنف الثانی من الصنفین فیماورد عن ائمتنا الحنفیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۷۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۱

یھودیا دعا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وآله وسلم الی خبز شعیرو اھالة سخنة فاجابه[1]۔	کہ ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانے تیل کی دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔(ت)

(٦) نگاہ کرو مشرکوں کے برتن کون نہیں جانتا جیسے ہوتے ہیں وہ انہی ظروف میں شرابیں پئیں سَور چکھیں جھٹکے کے ناپاک گوشت کھائیں، پھر شرع فرماتی ہے جب تک علم نجاست نہ ہو حکم طہارت ہے۔

فی الحدیقة اوعیة الیھود والنصارٰی والمجوس لاتخلوعن نجاسة لکن لایحکم بھا بالاحتمال والشك[2] اھ ملخصاً۔	حدیقہ میں ہے یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے برتن اکثر پاک نہیں ہوتے لیکن محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کا حکم نہیں دیا جائیگا اھ تلخیص (ت)

یہاں تک کہ خود صحابہ کرام حضور سید العٰلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کے برتن بے تکلف استعمال کرتے اور حضور منع نہ فرماتے۔

احمد فی المسند و ابوداود فی السنن عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه قال کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فنصیب من آنیة المشرکین واسقیتھم ونستمتع بھافلا یعیب ذلك علینا[3]، قال المحقق النابلسی ای ننتفع بالاٰنیة والاسقیة من غیر غسلھا فلایعیب علینا فضلا عن نھیه وھو دلیل الطھارة وجواز الاستعمال[4] اھ ملخصاً۔ **اقول:** بل قدصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم التوضؤ من مزادة مشرکة	امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے سُنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تو ہمیں مشرکین کے برتن اور مشکیزے ملتے اور ان سے ہم فائدہ حاصل کرتے اور حضور علیہ السلام اس بات کو ہمارے لئے معیوب نہ جانتے۔ محقق نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہم ان برتنوں اور مشکیزوں کو بغیر دھوئے استعمال کرتے تو آپ ہمارے لئے معیوب نہ سمجھتے، روکنا تو الگ بات ہے۔یہ طہارت اور جوازِ استعمال کی دلیل ہے اھ تلخیص۔(ت) **میں کہتا ہوں،** بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکہ عورت کے توشہ دان سے وضو کرنا صحیح طور پر ثابت ہے

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار المعرفۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲۷۰/۳
[2] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۱/۲ ـ ۷
[3] سنن ابی داؤد باب فی استعمال آنیۃ اھل الکتاب مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱۸۰/۲
[4] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۲/۲ ـ ۷

وعن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من جرۃ نصرانیۃ مع علمہ بان النصاری لایتوقون الانجاس بل لانجس عندھم الادم الحیض کما فی مدخل الامام ابن الحاج، الشیخان فی حدیث طویل عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن جمیع الصحابۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ توضؤا من مزادۃ امرأۃ مشرکۃ[1]، الشافعی وعبدالرزاق وغیرھما عن سفیٰن بن عیینۃ عن زید بن اسلم عن ابیہ ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ توضأ من ماء فی جرۃ النصرانیۃ[2]۔

قلت وقدعلقہ عـہ خ فقال توضأ عمر بالحمیم ومن بیت نصرانیۃ[3] اھ فی الطریقۃ وشرحھا وقال الامام الغزالی فی الاحیاء

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عیسائی نجاست سے اجتناب نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک خونِ حیض کے علاوہ کوئی چیز ناپاک نہیں، جیسا کہ امام ابن الحاج کی مدخل میں ہے۔امام بخاری ومسلم نے ایک طویل روایت میں حضرت عمرا بن حصین اور تمام صحابہ کرام سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے ایک مشرکہ عورت کے توشہ دان سے وضو کیا۔امام شافعی اور عبدالرزاق وغیرہ نے سفیان بن عُیینہ سے انہوں نے زید بن اسلم سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے کے پانی سے وضو فرمایا۔(ت) **میں کہتا ہوں،** امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقًا روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گرم پانی سے اور ایک عیسائی عورت کے گھر سے

عـہ: **اقول:** واذ قد علمت ان البخاری انما اوردہ معضلا فاطلاق العزو الیہ کما وقع عن الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی ازالۃ الخفاء فیہ خفاء کمالایخفی ۱۲ منہ (م)

اقول: جب یہ معلوم ہوگیا کہ امام بخاری نے اسے معضلًا ذکر کیا تو مطلقًا تعلیق کی طرف منسوب کرنے (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی سے ازالۃ الخفاء میں واقع ہوا ہے) میں خفاء (غلطی) ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

[1] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثالث مطبوعہ مطبع اسلام اسٹیم پریس لاہور ۳۰۹/۲

[2] الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثالث مطبوعہ مطبع اسلام اسٹیم پریس لاہور ۳۳۴/۲

[3] صحیح البخاری باب وضوء الرجل مع امرائتہ وفضل وضوء المراۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲/۱

سیرة الاولین استغراق جمیع لاھم فی تطھیر القلوب والتساھل ای عدم عـہ المبالاة فی تطھیر الظاھر وعدم الاکتراث عـہ بتنظیف البدن والثیاب والاماکن من النجاسات حتی ان عمر مع علو منصبه توضأ بماء فی جرة نصرانیة مع علمه بان النصاری لایتحامون النجاسة وعادتھم انھم یضعون الخمر فی الجرار[1] اھ ملخصاً۔	وضو فرمایا اھ طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح میں ہے "امام محمد غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں فرمایا: پہلے لوگوں کی سیرت یہ ہے کہ ان کے تمام فکر وغم کا محور دلوں کی تطہیر ہوتی تھی جبکہ ظاہر کو پاک کرنے میں سُستی کرتے اور بدن، کپڑوں اور جگہوں کی پاکیزگی حاصل کرنے کی زیادہ پروانہیں کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ آپ نے باوجود بلند منصب پر فائز ہونے کے ایک عیسائی عورت کے گھڑے سے وضو کیا حالانکہ آپ جانتے تھے کہ عیسائی نجاست سے پرہیز نہیں کرتے اور ان کی عادت ہے کہ وہ گھڑوں میں شراب رکھتے ہیں اھ تلخیص (ت)۔

(۷) تامل کرو کس قدر معدن بے احتیاطی بلکہ مخزن ہرگونہ گندگی ہیں کفار خصوصاً ان کے شراب نوش کے کپڑے علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہرگز استنجاء کالحاظ رکھیں نہ شراب پیشاب وغیرہما نجاسات سے احتراز کریں پھر علماء حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوث واضح نہ ہو۔

فی الدرالمختار ثیاب الفسقة واھل الذمة طاھرة[2] وفی الحدیقة سراویل الکفرة من الیھود والنصاری والمجوس یغلب علی الظن نجاسته لانھم لایستنجون من غیر ان یأخذ القلب بذلك فتصح الصلاة فیه لان الاصل الیقین بالطھارة[3] اھ ملخصاً۔	درمختار میں ہے فاسق اور ذمّی لوگوں کے کپڑے پاک ہیں اھ اور حدیقہ میں ہے یہودیوں، عیسائیوں، مجوسیوں وغیرہ کفار کی شلوار غالب گمان کے مطابق ناپاک ہے کیونکہ وہ استنجاء نہیں کرتے لیکن جب یہ بات دل میں نہ بیٹھے تو اس کے ساتھ نماز صحیح ہے کیونکہ اصل چیز طہارت کا یقین ہے اھ تلخیص (ت)

عـہ۱: اقول الاولی لفظاً ومعنیً تبدیل العدم بالقلة ۱۲ منه (م) عـہ۲: ای قلته ای ترك التعمق فیه ۱۲ منه (م)	**میں کہتا ہوں** لفظی اور معنوی اعتبار سے بہتری "عدم" کو "قلت" سے تبدیل کردینے میں ہے ۱۲ منہ (ت) یعنی کم پرواہ کرتے یعنی پاکیزگی میں کوشش کو ترک کرتے تھے۔ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیۃ الدقۃ امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ فیصل آباد ۶۵۸/۲

[2] درمختار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۵۷/۱

[3] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۱/۲

بلکہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباس غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون وساوس کو دخل نہیں دیتے۔

فی الحلیۃ التوارث جارفیما بین المسلمین فی الصلوۃ بالثیاب المغنومۃ من الکفرۃ قبل الغسل[1] اھ	حلیہ میں ہے کہ کفار سے مال غنیمت میں حاصل ہونے والے کپڑوں کو دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھنا مسلمانوں میں نسل در نسل سے چلاآرہاہے اھ (ت)

یہ ساتے نظیریں ہیں اور اگر استقصا ہو توکتاب ضخیم لکھنا ہو تو وجہ کیا ہے وہی جو ہم اوپر ذکر کرآئے کہ طہارت وعلت اصل ومتیقن اور ازالہ یقین کو یقین ہی متعین۔ **وللذا** عادت علمائے دین یوں ہے کہ حکم بطہارت کے لئے ادنٰی احتمال کافی سمجھتے ہیں اور اس کا عکس ہرگز معہود نہیں کہ محض خیالات پر حکمِ نجاست لگادیں۔ دیکھو گائے بکری اور ان کی امثال اگر کنویں میں گر کر زندہ نکل آئیں قطعًا حکمِ طہارت ہے حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ اُن کی رانیں پیشاب کی چھینٹوں سے پاک ہوتی ہیں مگر علما فرماتے ہیں محتمل کہ اس سے پہلے کسی آبِ کثیر میں اُتری ہوں اور اُن کا جسم دُھل کر صاف ہوگیا ہو۔

فی حاشیۃ ابن عابدین افندی رحمہ اللہ تعالٰی قال فی البحر وقیدنا بالعلم لانھم قالوا فی البقر ونحوہ یخرج حیا لایجب نزح شیئ وان کان الظاھر اشتمال بولھا علی افخاذھا لکن یحتمل طھارتھا بان سقطت عقب دخولھا ماء کثیرا مع ان الاصل الطھارۃ اھ ومثلہ فی الفتح[2] اھ۔ یقول العبد الضعیف غفراللہ تعالٰی لہ علقت ھھنا علی ھامش ردالمحتار مانصہ۔	حاشیہ ابن عابدین آفندی میں ہے: "البحرالرائق میں فرمایا ہم نے اسے علم (یقین) کے ساتھ مقید کیا ہے کیونکہ انہوں نے گائے اور اس کی مثل جو (کنویں سے) زندہ نکلیں، کے بارے میں کہا ہے کہ کسی چیز کا نکالنا واجب نہیں اگرچہ ظاہر یہ ہے کہ اُن کی رانوں پر پیشاب لگا ہوتا ہے لیکن اس بات کا احتمال ہے کہ اس کے زیادہ پانی میں داخل ہونے کے بعد نجاست دُھل گئی ہو اور وہ پاک ہوگئی ہو علاوہ ازیں طہارت اصل ہے اھ اور اسی طرح فتح القدیر میں ہے اھ۔ بندہ ضعیف، اللہ تعالٰی اس کی بخشش فرمائے، کہتا ہے کہ میں نے اس مقام پر ردالمحتار کے حاشیے پر کچھ تحریر کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے (ت)

[1] حلیۃ المحلی

[2] ردالمحتار فصل فی البئر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۴۲

اقول: لولاھیبۃ العلامۃ المحقق علی الاطلاق مقارب الاجتھاد صاحب الفتح رضی اللہ تعالٰی عنہ لقلت ان ھذا الاحتمال انما یتمشی فی السوائم اوفی بعضھا اما العلوفۃ فلاتخفی احوالھا علی مقتنیھا غالبًا والحکم عام فلا بد من توجیہ اٰخر ویظھر لی عـــہ واللہ تعالٰی اعلم ان ھذا الاشتمال انما ھو ظاھر یغلب علی الظن من غیران یبلغ درجۃ الیقین لان البول لاینزل علی الافخاذ والقرب غیر قاض بالتلوث دائما وھی ربما تتفاج وتنخفض حین الاھراق فلم یحصل العلم بالنجاسۃ والی ھذا یشیر اٰخر کلام المحقق حیث یقول وقیل ینزح من الشاۃ کلہ والقواعد تنبو عنہ مالم یعلم یقینا تنجسھا [1] اھ نعم الظھور المفضی الی غلبۃ الظن یقضی باستحباب التنزہ وھذا لاشک فیہ قد استحبوا فی ھذہ المسئلۃ نزح عشرین دلوا کما نص علیہ فی الخانیۃ [2] فافھم. واللہ تعالٰی اعلم اھ ماعلقتہ علی الھامش

اقول: اگر محقق علی الاطلاق اور منصب اجتہاد کا قُرب رکھنے والے صاحبِ فتح القدیر کی ہیبت کا خیال نہ ہوتا تو میں کہتا کہ یہ احتمال سال بھر چرنے والے تمام یا بعض جانوروں کے بارے میں ہے جہاں تک گھر میں چارہ کھانے والے جانوروں کا تعلق ہے تو عام طور پر مالک سے ان کا حال پوشیدہ نہیں ہوتا اور حکم عام ہے لہٰذا کسی دوسری توجیہ کی ضرورت ہے مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی. اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ پیشاب کا رانوں سے لگا ہونا ظاہرًا غلبہ ظن ہے درجہ یقین کو نہیں پہنچتا کیوں کہ پیشاب رانوں پر نہیں اترتا اور قرب ہمیشہ ملوث ہونے کا فیصلہ نہیں کرتا اور بعض جانور ٹانگیں پھیلا کر اور جھک کر پیشاب کرتے ہیں اور اس طرح وہ اسے بہا دیتے ہیں لہٰذا نجاست کا یقین حاصل نہ ہوا۔ کلامِ محقق کا آخری حصّہ بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے جب انہوں نے فرمایا کہا گیا ہے کہ بکری (کے گرنے) سے پُورا پانی نکالا جائے حالانکہ قواعد اس کی نفی کرتے ہیں جب تک اس کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو اھ۔ ہاں ایسا ظہور جو غلبہ ظن تک پہنچائے

عـــہ: ثم ان المولی سبحنہ وتعالٰی فتح وجھا اٰخر شافیا کافیا ابلج ازھر کماقدمناہ فی فصل البیر والحمدللہ اللطیف الخبیر فراجعہ فانہ مھم کبیر ۱۲ منہ غفرلہ (م)

پھر مولٰی سبحٰنہ نے ایک دوسری وجہ ظاہر فرمائی جو شافی، کافی، واضح اور روشن ہے جیسا کہ ہم نے اسے فصل فی البئر میں پہلے ذکر کیا ہے، اور سب خُوبیاں اللہ لطیف وخبیر کے لئے ہیں پس اس کی طرف رجوع کرو کہ یہ ایک بڑا معاملہ ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر فصل فی البئر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھّر ۱/۹۲
[2] فتاوٰی قاضی خان فصل مایقع فی البئر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۵

لکن لایعکر به علی ماردنا اثباته ههنا من ان المعهود من العلماء ابداء الاحتمال للحکم بالطهارة دون العکس فان هذا حاصل بعد کمالیس یخاف علی ذی فهم۔	پاک کرنا مستحب قرار دیتا ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں فقہاء کرام نے اس مسئلے میں بیس ۲۰ ڈول نکالنا مستحب کہا ہے جیسا کہ خانیہ میں اسے بیان کیا۔پس سمجھ لو،اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اھ یہ وہ ہے جو میں نے حاشیے پر تعلیق کی ہے لیکن اس کے ساتھ اس بات پر اعتراض نہیں کرنا چاہے جو ہم یہاں ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ علماء سے معروف ہے کہ احتمال، حکمِ طہارت کو ظاہر کرنے کیلئے لایا جاتا ہے کہ نہ کہ اس کا عکس۔اور یہ (طہارت) ابھی تک حاصل ہے جیسا کہ کسی بھی ذی فہم پر مخفی نہیں۔(ت)

مقدمہ سابعہ:

شدّت بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبہ وقوع وکثرت شیوع ہو بیشک باعثِ غلبہ ظن اور ظن غالب شرعًا معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام، مگر اس کی دو ۲ صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کردے اور محض ناقابل التفات سمجھے گویا اُس کا عدم وجود یکساں ہو ایسا ظن غالب فقہ میں ملحق بیقین کہ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف یقین سابق کا پُورا مزاحم ورافع ہوگا اور غالبًا اصطلاح علما میں غالب ظن واکبر رای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

فی غمزالعیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر الشك لغة مطلق التردد وفی اصطلاح الاصول استواء طرفی الشیئ وهو الوقوف بین الشیئین بحیث لایمیل القلب الی احدهما فان ترجح احدهما ولم یطرح الاٰخر فهو ظن فان طرحه فهو غالب الظن وهو بمنزلة الیقین وان لم یترجح فهو وهم۔ولبعض متأخری اصولیین عبارة اخری اوجز مماذکرناه مع زیادة علی	الاشباہ والنظائر کی شرح غمزالعیون والبصائر میں ہے "شک، لغت میں مطلق تردّد کو کہتے ہیں اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں کسی چیز کی دونوں طرفوں کا برابر ہونا اور دو چیزوں کے درمیان یوں ٹھہر جانا کہ دل، ان میں سے ایک کی طرف بھی مائل نہ ہو اگر ان میں سے ایک کو ترجیح حاصل ہو جائے اور دوسری کو چھوڑا نہ جائے تو وہ ظن ہے اگر دوسری کو چھوڑ دیا جائے تو یہ ظنِ غالب ہے جو یقین کے درجہ میں ہے اور اگر کسی جانب ترجیح نہ ملے تو وہم ہے (ت) بعض متاخرین اصولیوں کے نزدیک ایک دوسری عبارت ہے جو ہماری مذکورہ عبارت سے زیادہ مختصر ہے

ذلك وهی ان الیقین جزم القلب مع الاستناد الی الدلیل القطعی والاعتقاد جزم القلب من غیر استناد الی الدلیل القطعی کاعتقاد العامی والظن تجویز امرین احدهما اقوی من الاٰخر والوهم تجویز امرین احدهما اضعف من الاٰخر والشك تجویز امرین لامزیة لاحدهما علی الاٰخر انتهی اهملخصاً۔[1]

لیکن اس میں کچھ اضافہ بھی ہے وہ یہ ہے کہ یقین، دل کی پختگی کو کہتے ہیں جبکہ اس میں دلیل قطعی کی سند بھی ہو اعتقاد، دل کی پختگی ہے لیکن کسی دلیلِ قطعی کی طرف اضافت نہیں ہوتی جیسے عام آدمی کا اعتقاد۔ ظن، دو ۲ باتوں کا یوں جائز قرار دینا کہ ان میں سے ایک دوسری کی نسبت زیادہ قوی ہو۔ وہم، دو ۲ باتوں کا (اس طرح) جائز قرار دینا کہ ان میں سے ایک، دوسری کی نسبت ضعیف ہو۔ اور شک، دو ۲ باتوں کا یوں جائز قرار دینا کہ ان میں سے ایک کو دوسری پر کوئی فوقیت حاصل نہ ہو اھ ملخصا۔

اقول: وبالله التوفیق انما یتعلق غرضنا من هذه العبارة بماذکر السید الفاضل رحمه الله تعالٰی من التفرقة بین الظن وغالب الظن واما بقیة کلام فماشٍ علی المعهود من العلماءِ الکرام من عدم التعمق فی الالفاظ عند اتضاح المرام ولاباْس ان اذکره اشباعًا للفائدة وان کان اجنبیا عن المقام۔ (قوله رحمه الله تعالٰی استواء طرفی الشیئ اقول تفسیر بالاعم فانه یشمل المعقول والمحسوس کاستواء طرفی حوض مربع مثلا ولوزید عندالعقل لما نفع ایضا لان المربع کمایستوی طرفاه فی الخارج فکذا فی الذهن بل لوقیل استواء

میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں جو کچھ سید فاضل رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر کیا ہے ان کی عبارت سے ہماری غرض ظن اور ظنِ غالب کے درمیان تفریق ہے جہاں تک باقی کلام کا تعلق ہے تو وہ اسی پر جاری ہے جو علماءِ کرام کے درمیان معروف ہے کہ مقصد واضح ہونے کے بعد الفاظ میں غور وفکر نہیں کیا جاتا اور اگر میں فائدے میں سَیری حاصل کرنے کے لئے ذکر کروں تو کوئی حرج نہیں اگرچہ یہ بحث اس مقام میں اجنبی ہے۔

ان کے قول "کسی چیز کی دونوں طرفوں کے برابر ہونے" کے بارے میں مَیں کہتا ہوں کہ یہ اعم کے ساتھ تفسیر ہے کیونکہ یہ معقول اور محسوس کو شامل ہے جیسے مربع حوض کی دونوں طرفوں کا برابر ہونا، اگر وہ "عندالعقل" کی قید کا اضافہ کرتے تو بھی نفع نہ دیتا کیونکہ مربع کی دونوں اطراف جس طرح خارج میں برابر ہوتی ہیں ذہن میں بھی اسی طرح ہوتی ہیں، اور اگر "استواء

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، الفن الاول من القاعدۃ الثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۸۴

طرفی المعقول لم یتم ایضا لصدقه علی الحوض المذکورفی مرتبة المعلوم سواء قلنا بحصول الاشیاء بانفسها کما لحج به کثیر من اتباع الفلاسفة اوباشباحها کما هو الحق ولبقاء الطرفین علی العموم وانما المقصود الایجاب والسلب ولبقاء الاستواء علی الاطلاق وانما المراد فی میل القلب من جهة الحکم لامن جهة اخری کملاء مة غرض وغیره۔(قوله وهو الوقوف الخ) **اقول:** هذا کذلك فیعم مثلا وقوف السالك بین طریقین الی بلد لایمیل قلبه الی احدهما وغیرذلک۔(قوله فان ترجح احدهما الخ) اقول یشمل المستحب مثلا ففعله مترجح علی ترکه مع ان الترك غیر مطروح ویجری فی الامور العادیة والطبعیة وغیرذلك فربما یعرض للانسان شیأان فی الطعام واللباس والدواء والنکاح وغیرها وهوامیل وارغب الی احدهما منه الی الاٰخر من دون ان یطرح الاٰخر۔(قوله فان طرحة الخ)

طرفی المعقول" (معقول کی دونوں طرفوں کا برابر) کی قید لگائی جائے تو بھی تعریف کامل نہ ہوگی کیونکہ مرتبہ معلوم میں یہ حوض مذکور پر صادق آتی ہے چاہے ہم ذات کے ساتھ اشیاء کے حصول کا قول کریں جیسا کہ اکثر متبعینِ فلاسفہ نے اسے اختیار کیا یا مشابہ ذات کے ساتھ اشیاء کے حصول کا قول کریں جیسا کہ یہی حق ہے یہ تعریف اس لئے بھی تام نہیں ہوتی کہ دونوں اطراف عموم پر باقی رہتی ہیں حالانکہ مقصود تو ایجاب اور سلب ہے نیز ان کا برابر ہونا مطلق ہے اس سے بھی تعریف کامل نہیں حالانکہ میلانِ قلب میں حکم کا اعتبار مراد ہے کوئی دوسری وجہ مثلاً کسی غرض کا پایا جانا وغیرہ مراد نہیں ہے۔ان کا قول "**وهو الوقوف**" (اور وہ ٹھہرنا ہے)، میں کہتا ہوں یہ بھی عام ہے مثلاً اس کو بھی شامل ہوسکتا ہے جو کسی شہر کی طرف جانے والے دو۲ راستوں کے درمیان کھڑا ہو اور اس کا دل کسی ایک کی طرف بھی مائل نہ ہو، اس کے علاوہ بھی (مراد ہوسکتا ہے) ان کے قول "**فان ترجح احدهما**" (اگر ان میں سے ایک راجح ہوجائے) کے بارے میں **میں کہتا ہوں** مثال کے طور پر یہ مستحب کو بھی شامل ہے کیونکہ اس کا کرنا، چھوڑنے پر ترجیح رکھتا ہے باوجودیکہ ترک بھی کیا جاتا ہے اور یہ طبعی وعادی امور اور اس کے علاوہ میں بھی جاری ہوتا ہے۔بعض اوقات انسان کے سامنے دو۲ چیزیں ہوتی ہیں اشیاءِ خوردنی ولباس ودوا ونکاح وغیرہ میں وہ ان میں سے ایک کی طرف دوسرے کی نسبت زیادہ میلان رکھتا ہے لیکن دُوسری کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا۔ان کے قول "**فان طرحه**" (اگر وہ اسے چھوڑ دے)

اقول: یصدق علی الواجب وکذا الکلام فی الامور بالغیر الشرعیة علی ان الظن اعم من غالب الظن ولاشك فی صحة اطلاق الاول علی الاٰخر والمراد بالمقابلة بینهما کماذکر ان ھذا القسم یختص بھذا الاسم۔ (قولہ وان لم یترجح فھو وھم) **اقول:** عدم الترجح یشمل الاستواء ثم الاحسن ترتیب الظن والوھم معًا علٰی شیئ واحد وھو ترجح احد الجانبین اذ لاینفك کل منھما عن صاحبه وجودا فھما متلازمان تحققا وان تباینا صدقا فکان الاسلم ان یقول فان ترجح احدھما علی الاٰخر فالراجح مظنون ویخص بالغالب ان طرح الاٰخر والمرجوح مرھوم۔(قولہ مع زیادة علی ذٰلک) اقول ظاھرہ انه اتی بجمیع مامر وزاد مع انه زاد شیأ ونقص اٰخر اعنی التفرقة بین الظن وغالبه۔(قولہ و الاعتقاد جزم القلب) **اقول:** المعروف شمول الاعتقاد للظن عن ھذا تسعھم یعرفون الظن بالاعتقاد الراجح کمانص علیه فی شرح	کے بارے میں **میں کہتا ہوں** کہ یہ واجب پر بھی صادق آتا ہے اسی طرح غیر شرعی امور میں بھی کلام ہوسکتا ہے علاوہ ازیں ظن، ظنِ غالب سے عام ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے کا دوسرے پر اطلاق صحیح ہے اور ان دونوں میں مقابلہ سے مراد جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے اس قسم کا اس نام کے ساتھ خاص ہونا ہے۔ان کے قول"**وان لم یترجح فھو وھم**" (اگرایک جانب راجح نہ ہو تو وہم ہے) کے بارے میں کہتا ہوں کہ راجح نہ ہونا برابری کو شامل ہے پھر احسن بات یہ ہے کہ ظن اور وہم اکٹھے ایک چیز پر مرتّب ہوتے ہیں اور وہ دو[۲] جانبوں میں سے ایک کا راجح ہونا ہے کیونکہ وجودی طور پر ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے جُدا نہیں ہوتا پس تحقیق کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے کو لازم ہیں اگرچہ صدق کے اعتبار سے جُدا جُدا ہوں، لہٰذا زیادہ محفوظ بات یہ تھی کہ فرماتے "اگر ان میں سے ایک، دوسرے پر راجح ہو تو وہ ظن ہوگا پھر اگر دوسری جانب کو چھوڑ دیا گیا تو غالب کے ساتھ مختص ہوگا (ظن غالب ہوگا) اور جسے ترجیح حاصل نہیں ہوئی وہ موہوم ہوگا۔ان کے قول"**مع زیادة علی ذلک**" (اس پر کچھ اضافے کے ساتھ) کے بارے میں مَیں کہتا ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ، گزشتہ تمام عبارت کچھ اضافے کے ساتھ لائے ہیں حالانکہ انہوں نے کچھ اضافہ کیا اور کچھ یعنی ظن اور غالب ظن کے درمیان فرق کا بیان کم کردیا۔ان کے قول"**والاعتقاد جزم القلب**" (دل کی پختگی کو اعتقاد کہا جاتا ہے) کے بارے میں مَیں کہتا ہوں معروف یہ ہے کہ اعتقاد،

المواقف من المقصد الاول من المرصد الخامس من الموقف الاول اللھم الا ان یصطلح علی تخصیصہ بالجازم قلت وقد یشھد لہ قولھم ان الاٰحادلا تفید الاعتقاد فافھم۔ (قولہ من غیر استناد الخ) **اقول:** اللہ اعلم بما افاد من قصر الاعتقاد علی التقلید اما نحن قدرأینا ان علم الاصول یقال لہ علم العقائد وربما نسمع الائمۃ یقولون نعتقد کذا الدلیل کذا واعتقدنا کذاالبرھان کذا وھذا الامام الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی یقول فی صدرالفقہ الاکبر اصل التوحید ومایصح الاعتقاد علیہ [1] الخ افتری ان المعنی مایصح الجزم بہ من دون استناد الی قاطع (قولہ والظن تجویز امرین الخ) **اقول:** یشمل تجویز العزیمۃ والرخصہ والعزیمۃ اقوی۔ (قولہ والوھم الخ) **اقول اولًا** یشمل تجویز الرخصہ والعزیمۃ والرخصہ اضعف **وثانیا**	ظن کو بھی شامل ہے اسی لئے تم ان سے سُنوگے کہ وہ ظن کی تعریف، اعتقاد راجح کے ساتھ کرتے ہیں جیسا کہ شرح مواقف کے موقف اول میں مرصد خامس کے مقصد اول میں اس کی تصریح ہے البتہ یہ کہ وہ جازم کی تخصیص کے ساتھ اپنی اصطلاح بنالیں۔ میں کہتا ہوں اس پر ان (مصطلحین) کا قول کہ خبر واحد اعتقاد کا فائدہ نہیں دیتی، شہادت ہے، سمجھ لو۔ ان کے قول "من غیر استناد" (کسی نسبت واضافت کے بغیر) کے متعلق میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے کہ انہوں نے اعتقاد کو تقلید پر بند کردیا ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ علمِ اصول کو علم العقائد کہا جاتا ہے اور کبھی کبھی ہم ائمہ کرام کو کہتے ہوئے سنتے ہیں کہ ہم فلاں دلیل کی بنیاد پر یہ اعتقاد رکھتے ہیں اور فلاں برہان کی بنیاد پر ہمارا یہ عقیدہ ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فقہ اکبر کے شروع میں فرماتے ہیں اصل توحید اور ہے جس کا اعتقاد رکھنا صحیح ہے (آخر تک) کیا تمہارے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی قطعی دلیل کی طرف نسبت کیے بغیر جس پر جزم صحیح ہو؟ ان کے قول "والظن تجویز امرین" (دو باتوں کو جائز قرار دینا ظن ہے) الخ کے بارے میں میں کہتا ہوں کہ یہ عزیمت اور رخصت کے جواز کو بھی شامل ہے حالانکہ عزیمت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ ان کے قول "والوھم الخ" (اور وہم الخ) کے متعلق میں کہتا ہوں پہلی بات یہ ہے کہ یہ رخصت وعزیمت کو جائز قرار دینے پر مشتمل ہے حالانکہ رخصت

[1] فقہ اکبر شروع کتاب مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۲

لافرق بین تفسیری الظن والوھم فتجویز امرین احدھما اقوی ھو بعینه تجویز امرین احدھما اضعف۔(قوله والشك الخ) **اقول:** یشمل الاباحة والتخییر وبالجملة فلا یخلو شیئ من التفاسیر الثمانیة المذکورة للشك والوھم والظن من الشکوك فالاوضح الاخصر فی حدھا ما **اقول:** اذا لم تجزم فی حکم بایجاب ولا سلب فان استوےیا عندك فھو الشك والا فالمرجوح موھوم والراجح مظنون فان بلغ الرجحان بحیث طرح القلب الجانب الاٰخر فھو غالب الظن واکبر الرأی واللّٰه تعالٰی اعلم ولنرجع الی ماکنافیه۔	زیادہ ضعیف ہے دوسری بات یہ ہے کہ ظن اور وہم کی تفسیروں میں کوئی فرق نہیں پس (ایسی) دو۲ باتوں کو جائز قرار دینا جن میں سے ایک زیادہ قوی ہو بعینہٖ ان دو۲ باتوں کو جائز قرار دینا ہے جن میں سے ایک زیادہ ضعیف ہو۔ان کے قول "والشک" (اور شک۔آخر تک) کے بارے میں کہتا ہوں کہ یہ اباحت وتخییر کو شامل ہے حاصل کلام یہ ہے کہ شک وہم اور ظن کے بارے میں مذکورہ آٹھ تفاسیر شکوک سے خالی نہیں لہٰذا ان کی تعریف میں نہایت واضح اور بہت مختصر بات وہ ہے جو میں کہتا ہوں (یعنی) جب ایجاب وسلب کے حکم میں تمہیں کوئی قطعی بات حاصل نہ ہو تو اگر تمہارے نزدیک وہ دونوں برابر ہیں تو یہ شک ہے ورنہ جو مرجوح ہے وہ موہوم اور راجح مظنون ہوگا۔اور اگر ترجیح اس حد کو پہنچ جائے کہ دل دوسری جانب کو چھوڑ جائے تو وہ غالب گمان اور بڑی رائے ہے۔اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور ہمیں اسی کی طرف لوٹنا چاہیے جس میں ہم تھے۔(ت)

دُوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف وقلّت یہ صورت نہ یقین کاکام دے نہ یقین خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبہ شک وتردّد ہی میں سمجھی جاتی ہے کلماتِ علماء میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے نہ غلبہ ظن۔

ںفی الحدیقة الندیة غالب الظن اذا لم یأخذ به القلب فھو بمنزلة الشك والیقین لایزول بالشك [1] اھ وفی شرح المواقف الظن ھو المعبر عنه بغلبة الظن لان الرجحان ماخوذ فی حقیقته فان ماھیته ھو	حدیقہ ندیہ میں ہے کہ جب ظن غالب کو دل قبول نہ کرے تو وہ شک کی طرح ہے۔اور یقین، شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا اھ اور شرح مواقف میں ہے ظن ہی کو غلبہ ظن کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت میں ترجیح پائی جاتی ہے اس لئے اس کی

[1] الحدیقۃ الندیۃ بیان اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۱۷

الاعتقاد الراجح فکانہ قیل اوغلبۃ الاعتقاد التی ھی الظن وفائدۃ العدول الی ھذہ العبارۃ ھی التنبیہ علی ان الغلبۃ ای الرجحان ماخوذۃ فی ماھیتہ [1] اھ۔	ماہیت اعتقاد راجح ہی ہے گویا کہا گیا" یا غلبہ اعتقاد جو ظن ہے"اور اس عبارت کی طرف رُخ کرنے کا فائدہ اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ اس کی ماہیت میں غلبہ یعنی ترجیح کے معنے پائے جاتے ہیں اھ (ت)

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر وافضل جانتے ہیں نہ کہ اُس پر عمل واجب ومتحتم ہو جائے دیکھو کافروں کے پاجامے مشرکوں کے برتن اُن کے پکائے کھانے بچّوں کے ہاتھ پاؤں وغیر ذٰلک وہ مقامات جہاں اس قدر غلبہ وکثرت ووفور وشدّت سے نجاست کا جوش کہ اکثر اوقات وغالب احوال تلوث وتنجس جس کے سبب اگر طہارت کی طرف ایک بار ذہن جاتا ہے تو نجاست کی جانب دس۱۰ بیس۲۰ دفعہ مگر ازانجا کہ ہنوز ان میں کسی چیز کو بے دیکھے تحقیق طور پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور قلب قبول کرتا ہے کہ شاید پاک ہوں لہٰذا علمانے تصریح کی کہ اس پانی سے وضواور اُس کھانے کا تناول اور اُن برتنوں کا استعمال اور ان کپڑوں میں نماز صحیح وجائز اور فاعل زنہار آثم ومستحق عقاب نہیں اور اُس غلبہ ظن کا یہی جواب عطا فرمایا کہ اکثر احوال یوں سہی پر تحقیق وتیقن تو نہیں پھر اصل طہارت کا حکم کیونکر مرتفع ہو البتّہ باعتبار غلبہ وظہور احتراز افضل وبہتر اور فعل مکروہ تنزیہی یعنی مناسب نہیں کہ بے ضرورت ارتکاب کرے اور کیا تو کچھ حرج بھی نہیں۔

فی الطریقۃ المحمدیۃ وشرحھا لکن ھنا ای فی غلبۃ الظن من غیران یأخذ بہ القلب لےیستحب الاحتراز عنہ ویکرہ تنزیھا استعمالہ کسراویل الکفرۃ وسؤر الدجاجۃ المخلاۃ والماء الذی ادخل الصبی یدہ فیہ واوانی المشرکین وقال فی الذخیرۃ یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسۃ فانھم یستحلون شرب الخمر واکل المیتۃ ولحم الخنزیر ویشربون ذلك ویاکلون فی قصاعھم واوانیھم فیکرہ للمسلمین الاکل والشرب	طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح میں ہے "لیکن یہاں پر یعنی غلبہ ظن میں کہ اسے دل قبول نہ کرتا ہو اس سے احتراز مستحب ہے اور اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے جیسے کفار کی شلوار پاجامے، گلیوں میں پھرنے والی مرغی کا جھوٹا، وہ پانی جس میں بچّے نے اپنا ہاتھ داخل کیا اور مشرکین کے برتن، ذخیرہ میں فرمایا"مشرکین کے برتن دھونے سے پہلے ان میں کھانا پینا مکروہ ہے کیونکہ ان کے برتن بظاہر غالبًا نجس ہیں وہ شراب نوشی، مردار خوری اور خنزیر کے گوشت کو حلال جانتے، اسے کھاتے پیتے اور اپنے پیالوں اور دوسرے برتنوں میں استعمال کرتے ہیں پس ان کو تین بار دھونے سے پہلے مسلمانوں کو ان کا

[1] شرح المواقف المرصد الخامس مقصد الثانی قم ایران ۱/ ۴۹۸۔۴۹۹

فیھا قبل الغسل ثلاث مرات۔وذٰلك مقدار مایغلب علی ظنه انھا طھرت لوکانت متحققة النجاسة دفعا للوسواس اعتبارا للظاھر من حال تلك الاوانی کما کرہ التوضی بسؤر الدجاجة المخلاة لانھا لاتتوقی عن النجاسة فی الغالب والظاھر المتبادر للافھام لعدم تمییزھا وعدم تحاشیھا عن استعمال ذلك وکما کرہ التوضی بماء قلیل ادخل الصبی یدہ فیه لانه لایتوقی من النجاسة فی الظاھر المتبادر والغالب الکثیر المعتاد وکما کرہ الصلاۃ فی سراویل المشرکین اعتبارا للظاھر فانھم لایستنجون اذابالوا و تغوطوا وکان الظاھر من سراویلھم النجاسة ومع ھذا ای کون الغالب الظاھر من حال اوانیھم النجاسة لواکل اوشرب فیھا قبل الغسل جاز ولایکون اکلا ولاشاربا حراما لان الطھارۃ اصل لان اللہ تعالٰی لم یخلق شیئا نجسا من اصل خلقته وانما النجاسة عارضة فاصل البول ماء طاھر وکذلك الدم والمنی والخمر عصیر طاھر ثم عرضت النجاسة فیجری علی الاصل المحقق حتی یعلم بحدوث العارض وما یقول الانسان بان الظاھر الغالب فی الاشیاء المذکورۃ النجاسة قلنا نعم

استعمال مکروہ ہے۔اور یہ مقدار وہ ہے کہ اگر ان برتنوں پر نجاست لگی ہوئی ہو تو اس سے اس کے پاک ہونے کا غالب گمان حاصل ہو جائے اس طرح ان برتنوں کے ظاہری حالت سے پیدا ہونے والا وسوسہ دُور ہو جائے گا جیسا کہ گلیوں میں پھرنے والی مُرغی کے جھُوٹے سے وضو مکروہ ہے کیونکہ عام طور پر وہ نجاست سے نہیں بچتی۔اور ذہنوں میں ظاہر ومتبادر بات یہ ہے کہ وہ اس (نجاست) کے استعمال میں نہ تمیز کرتی ہے اور نہ ہی اس سے بچتی ہے۔اور جیسا کہ اس قلیل پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے جس میں بچّے نے اپنے ہاتھ ڈالا کیونکہ ظاہر اور متبادر اور غالب نیز عام عادت یہ ہے کہ وہ نجاست سے نہیں بچتا۔اور جیسے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے مشرکین کی شلواروں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ وہ پیشاب اور قضائے حاجت کے بعد استنجاء نہیں کرتے اور ان کی شلواروں کا ظاہری حال ناپاکی ہے اور اس کے باوجود یعنی ان کے برتنوں کے بارے میں ظاہر وغالب یہی ہے کہ وہ ناپاک ہیں، اگر دھونے سے پہلے ان میں کھایا یا پیا تو جائز ہے اور کھانا پینا حرام نہ ہوگا کیونکہ طہارت اصل ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے حقیقت میں کسی چیز کو ناپاک پیدا نہیں کیا نجاست (بعد میں) لاحق ہوتی ہے پس پیشاب کی اصل پاک پانی ہے اسی طرح خون، منی اور شراب پاک رس ہے پھر ان کو نجاست لاحق ہوئی پس حکم اصل پر جاری ہو گیٔ جو ثابت ہے یہاں تک کہ عارض کے پیدا ہونے کا علم ہو جائے۔اور اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ ظاہرًا مذکورہ اشیا میں گمان نجاست ہے ہم کہتے ہیں ہاں لیکن طہارت

لکن الطہارۃ ثابتۃ بیقین والیقین لایزول الابیقین مثلہ انتھی ثم قال فی الذخیرۃ ولاباس بطعام الیھود والنصارٰی کلہ من غیر استثناء طعام دون طعام اذاکان مباحا من الذبائح وغیرھا لقولہ تعالٰی وطعام الذین اوتوا الکتٰب حل لکم من غیر تفصیل فی الاٰیۃ بین الذبیحۃ وغیرھا وبین اھل الحرب وغیر اھل الحرب وبین بنی اسرائیل کنصارٰی العرب ولابأس بطعام المجوس کلہ الا الذبیحۃ وقال فی الذخیرۃ فی موضع اٰخر روی عن ابن سیرین رحمہ اللہ تعالٰی ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانوا یظھرون ویغلبون علی المشرکین ویأکلون ویشربون فی اوانیھم ولم ینقل انھم کانوا یغسلونھا وروی عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لماھجموا علی باب کسری وجدوا فی مطبخہ قدورا فیھا الوان الاطعمۃ فسألوا عنھا فقیل لھم انھا مرقۃ فاکلوا وبعثوا بشیئ من ذلك الی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتناول عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من ذلك الطعام وتناول اصحابہ ای بقیۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم منہ ایضا فالصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اکلوا من الطعام الذی طبخوا المجوس لان الاصل حل الاکل ولاتثبت الحرمۃ بالظن وطبخوا ای الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فی قدورھم قبل الغسل والدلیل لہ ان الطھارۃ اصل	یقین سے ثابت ہے اور یقین یقین کامل کے ساتھ زائل ہوتا ہے اھ پھر ذخیرہ میں فرمایا: "یہود ونصارٰی کے تمام کھانوں میں بغیر استثناء کوئی حرج نہیں کہ یہ کھانا ہو وہ نہ ہو جبکہ وہ مباح ہو ذبیحہ ہو یااس کے سوا، کیونکہ اللہ تعالٰی کاارشاد ہے: "اور اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے" آیت کریمہ میں ذبیحہ اور غیر ذبیحہ، اہلِ حرب، غیر اہلِ حرب اور بنی اسرائیل جیساکہ عرب کے عیسائی کے درمیان کوئی تفصیل نہیں ہےاور مجوسیوں کے ذبیحہ کےعلاوہ تمام کھانوں میں کوئی حرج نہیں ذخیرہ میں ایک دوسرے مقام پرابن سرین رحم اللہ سے نقل کیاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حملہ کرکے مشرکین پر غالب آتے تو ان کے برتنوں میں کھاتے پیتے تھے اور یہ بات منقول نہیں کہ وہ ان کو دھوکر استعمال کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کسرٰی کے دروازے پر جمع ہوئے تو ان کے باورچی خانہ میں ہانڈیاں پائیں جن میں طرح طرح کے کھانے تھے انہوں نے ان کے بارے میں پُوچھاتو بتایاگیاکہ یہ شوربہ ہے۔چنانچہ انہوں نے اسے کھایا اور کچھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور باقی صحابہ کرام نے بھی اسے تناول فرمایا۔پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کھانے سے کھایا جس کو مجوسیوں نے پکایا تھا کیونکہ اصل میں اُسکا کھانا حلال ہے اور گمان سے حُرمت ثابت نہیں ہوتی نیز صحابہ کرام نے ان کی ہانڈیوں کو دھونے سے پہلے ان میں پکایا،اس بات کی دلیل یہ ہے کہ طہارت اصل ہے

والنجاسة عارضة وقدوقع الشك فی العارض ولاترتفع الطهارة الثابتة بقضية الاصل ومايقول القائل ان الظاهر هو النجاسة قلنا نعم ولكن الطهارة كانت ثابتة بيقين واليقين لايزول بالشك والظن الابيقين الايری انه اذا اصاب عضوانسان اوثوبه مقدار فاحش من سؤر الدجاجة المخلاة اوالماء القليل الذی ادخل الصبی يده اورجله فيه وصلی مع ذلك جازت صلاته واذاصلی فی سراويل المشركين جازت ايضا لاناقد تيقنا الطهارة وشككنا فی النجاسة فلم تثبت بالشك كذا هنا فی طعام المجوس وقدورهم لاتثبت النجاسة بالشك وان كان الاحتياط عدم ذلك فی نظيره ولانقول بهذا فی واقعة الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم لاحتمال معارضة هذا الاحتياط امر اٰخر كالحاجة الی الطعام فی ذلك الوقت اوبيان الجواز للقاصر لانهم من اهل القدوة كماقال عليه الصلاة والسلام عليكم بسنّتی وسنّة الخلفاء الراشدين من بعدی انتهی مانقله عن الذخيرة[1] اھ مانقلته عنهما بتلخيص و	اور نجاست لاحق ہونے والی اور لاحق ہونے والی میں شک واقع ہُوا جس سے وہ طہارت جو اصل سے ثابت ہے، ختم نہیں ہوگی۔اور وہ جو کچھ کہنے والا کہتا ہے کہ ظاہر، نجاست ہی ہے ہم کہتے ہیں ہاں لیکن طہارت یقین کے ساتھ ثابت ہوئی تھی اور یقین شک اور گمان کے ساتھ زائل نہیں ہوتا وہ صرف یقین سے دُور ہوتا ہے کیا نہیں دیکھا گیا کہ جب کسی انسان کے عضو یا کپڑے کو گلیوں میں پھرنے والی مُرغی کا جھُوٹا زیادہ مقدار میں پہنچ جائے یا قلیل پانی جس میں بچّے نے اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈالا اور وہ اس کے ساتھ نماز پڑھے تو نماز جائز ہوگی اور جب مشرکین کی شلوار میں نماز ادا کرے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ ہمیں طہارت کا یقین اور نجاست میں شک ہے پس وہ شک کے ساتھ ثابت نہ ہوگی جس طرح یہاں مجوسی کے کھانے اور ہانڈیوں میں شک سے نجاست ثابت نہ ہوتی اگرچہ اس کی مثل میں احتیاط عدمِ طہارت ہی ہے اور صحابہ کرام کے واقعہ میں ہم یہ بات نہیں کہتے کیونکہ اس احتیاط کے مقابل ایک دوسرا معاملہ ہے جیسے اس وقت کھانے کی حاجت یا مجبور انسان کے لئے بیان جواز، کیونکہ وہ لوگ ان لوگوں میں سے تھے جن کی اقتداء کی جاتی ہے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پر میری اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنّت کی پیروی لازم ہے"اھ جو کچھ ذخیرہ سے نقل کیا ہے وہ مکمّل ہوگیا۔جو کچھ میں نے ان دونوں سے تلخیص اور

[1] الحدیقۃ الندیہ والنوع الرابع فی اختلاف الفقہاء مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۱۱

التقاط وھو کماتری کلام نفیس یفید النفائس ویبید الوساوس واللہ الحافظ من شر الدسائس۔

اقول: ومما ینبغی التنبه له ان قوله فیمامر انه لم ینقل عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم کانوا یغسلون اوانی الغنائم وقصاعھا کانه اراد به الادامة والالتزام والا فقد صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الامر بغسلھا احمد والشیخان وابوداؤد والترمذی وغیرھم عن ابی ثعلبة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قلت یارسول اللہ انا بارض قوم اھل کتاب افناکل فی اٰنیتھم قال ان وجدتم غیرھا فلا تأکلوا فیھا وان لم تجدوا فاغسلوھا وکلوا فیھا [1] وفی لفظ ابی داؤد انھم یأکلون لحم الخنزیر ویشربون الخمر فکیف نصنع باٰنیتھم وقدورھم [2] الحدیث

وفی احدی روایتی ابی عیسٰی سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن قدور المجوس

انتخاب کے طریقے پر نقل کیا ہے وہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو نفیس کلام ہے جو عمدہ باتوں کا فائدہ دیتا اور وسوسوں کو دُور کرتا ہے اور اللہ تعالٰی ہی سازشوں کے شر سے حفاظت فرمانے والا ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہاں اس بات پر آگاہی مناسب ہے کہ ان کے گزشتہ قول یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں کہ وہ غنیمتوں کے برتن اور پیالے دھوتے تھے، ان سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ نہیں دھوتے تھے اور نہ اس کا التزام کرتے تھے ورنہ صحیح حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے دھونے کا حکم ثابت ہے۔اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری ومسلم، ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اہل کتاب کے علاقے میں رہتے ہیں تو کیا ہم ان کے برتنوں میں کھاسکتے ہیں؟آپ نے فرمایا: اگر تم ان کے علاوہ برتن پاؤ تو ان میں نہ کھاؤ اور اگر نہ پاؤ تو ان کو دھوکر ان میں کھالو۔ابوداؤد کے الفاظ میں ہے کہ وہ خنزیر کا گوشت کھاتے اور شراب پیتے ہیں تو ہم ان کے برتنوں اور ہانڈیوں کے ساتھ کیا کریں (الحدیث)

ابوعیسٰی کی دو[2] روایتوں میں سے ایک میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مجوسیوں کی

---

[1] بخاری شریف کتاب الذبائح باب صید القوس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی ۲/۸۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۱۹۴

فقال انقوها غسلا واطبخوا فيها[1]۔

وعند احمد عن ابن عمر ان اباثعلبة رضی الله تعالٰی عنهم سأل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم افتنا فی اٰنیة المجوس اذا اضطررنا الیها قال اذا اضطررتم الیها فاغسلوها بالماء واطبخوا فیها[2]۔فاذا ثبت الامر فقد ثبت الغسل وان لم ینقل بخصوصه اذ ما کانوا لیخالفوا امر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولا یأتمروا به ابدا هذا ومن نظر فی الدلائل التی اسلفنا ایقن ان الامر فی هذا الحدیث للندب والنهی للتنزیه والله تعالٰی اعلم۔

وفی نصاب الاحتساب بعد نقل ما فی الذخیرة بالاختصار قال العبد اصلحه الله تعالٰی ومابتلینا من شراء السمن والخل واللبن والجبن وسائر المائعات من الهنود علی هذا الاحتمال تلویث اوانیهم وان نساء هم لایتوقین عن السرقین وکذا یأکلون لحم ماقتلوه

ہانڈیوں کے بارے میں پُوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ان کو دھو کر پاک کرلو اور ان میں پکاؤ۔امام احمد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ہمیں مجوسیوں کے برتنوں کے بارے میں حکم بتائیے جب ہم ان کے استعمال پر مجبور ہوں۔آپ نے فرمایا: جب تم ان کے استعمال پر مجبور ہو تو ان کو پانی سے دھو کر اِن میں پکاؤ۔جب حکم ثابت ہوا تو عملاً دھونا بھی ثابت ہوگیا اگرچہ وہ خاص طور پر منقول نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کرتے تھے اور نہ ہمیشہ ہمیشہ بجالاتے اسے اختیار کیجئے۔اور جو شخص ہمارے گزشتہ دلائل پر غور کرے گا اسے اس بات کا یقین ہوجائیگا کہ امر، استحباب کے لئے ہے اور نہی تنزیہ کے لئے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

نصاب الاحتساب میں ذخیرہ کی بحث بالاختصار نقل کرنے کے بعد فرمایا بندہ عرض کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کی اصلاح کرے اور جو ہم گھی، سرہ، دُودھ، پنیر اور دیگر مائع چیزیں ہندوؤں سے خریدنے کے سلسلے میں مبتلا ہیں حالانکہ ان کے برتنوں کے (نجاست سے) ملوث ہونے کا احتمال ہے ان کی عورتیں گوبر سے اجتناب نہیں کرتیں اور اسی طرح وہ اپنے مقتول کا گوشت

[1] ترمذی شریف باب جاء فی الاکل فی اٰنیۃ الکفار آفتاب عالم پریس مطبع مجتبائی لاہور ۲/۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۸۴

وذلك ميتة فالاباحة فتوٰی والتحرز تقوٰی [1] اھ ملخصا **اقول:** واراد بالاباحة ما لا اثم فيه وبالتقوی الورعة فافهم۔

کھاتے ہیں اور یہ مردار ہوتا ہے پس فتوٰی کے اعتبار سے وہ مباح ہے لیکن تقوٰی یہ ہے کہ اجتناب کرے اھ ملخصا اقول اباحت سے مراد وہ ہے جس میں گناہ نہ ہو اور تقوٰی سے مراد شبہات سے بچنا ہے پس سمجھ لو۔(ت)

فائدة جليلة: يقول العبد الضعيف لطف به المولی اللطيف اعلم ان هذا الذی جزمنا به وعولنا عليه فيما مر من ان المكروه تنزيها ليس من الاثم فی شی لا كبيرة ولا صغيرة ولا يستحق العبد به معاقبة ما لا كثيرة ولا يسيرة هو الحق الناصع الذی لا محيد منه وبه صرح غير واحد من العلماء ففی حظر ردالمحتار تحت قوله اما المكروه كراهة تنزيه فالی الحل اقرب اتفاقا بمعنی انه لايعاقب فاعله اصلا لكن يثاب تاركه ادنی ثواب تلويح [2] اھ۔

عظیم فائدہ: بندہ ضعیف، اس پر لُطف وکرم کا مالک رحم فرمائے، کہتا ہے جان لو جو کچھ پہلے گزر چکا ہے اور اس پر ہم نے جزم اور بھروسا کیا وہ یہ ہے کہ مکروہ تنزیہی پر صغیرہ، کبیرہ کوئی گناہ نہیں اور اس سے بندہ کسی قسم کی سزا کا مستحق نہیں ہوتا نہ زیادہ کا اور نہ ہی کم کا، یہی واضح حق ہے جس سے علیحدگی اختیار نہیں کی جاسکتی اور متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے ردالمحتار کے باب الحظر میں اما المكروه كراهة تنزية کے تحت ہے کہ بالاتفاق حلّت کے زیادہ قریب ہے یعنی اس کے مرتکب کو بالکل عذاب نہیں ہوگا۔ لیکن تارک کو کچھ نہ کچھ ثواب ملے گا، تلویح اھ۔(ت)

اقول: والی الحل اقرب يعنی الاباحة والا فالحل المقابل للحرمة ثابت لاشك وفيه أخر الاشربة عن العلامة ابی السعود المكروه تنزيها يجامع الاباحة [3] اھ

اقول: حلت کے زیادہ قریب ہونے سے مراد اباحت ہے ورنہ وہ حُلّت جو حُرمت کے مقابلے میں ہے ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں، اور اس میں اشربہ کے آخر میں علامہ ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ جمع ہوتی ہے اھ (ت)

اقول: يعنی الاساغة وعدم الحظر ونفی الحرج وسلب الحجر والا فاستواء الطرفين يباين ترجح احد الجانبين ولو

اقول: اس سے جائز، غیر ممنوع، حرج کی نفی اور رکاوٹ کا سلب مراد ہے ورنہ دونوں طرفوں کا برابر ہونا ایک جانب کی ترجیح کے خلاف ہے اگرچہ

---

[1] نصاب الاحتساب

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۱۴/۵

[3] ردالمحتار آخر باب الاشربۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۲۷/۵

دون عزم وفیه من الصلاۃ الظاھر انه اراد بالمباح مالایمنع فلا ینافی کراھة التنزیه[1] اھ.
وفی شرح الطوالع من بحث العصمة ترك الاولی لیس بذنب فالاولی ومایقابله یشترکان فی اباحة الفعل[2] اھ. **اقول**: والمعنی ماذکرنا اعنی الرخصه وعدم التشدید المعبر عنه بنفی البأس وانت تعلم ان لوکان اثما لماجامع الاباحة اذلاشیئ من الاثم بمباح ولکان مما یمنع فان کل اثم ولوصغیرۃ محظور ولما جاز التعبیر عنه بلا بأس به اذ ما من اثم اِلّا وفیه بأس ولماساغ الجزم بنفی العقاب علیه فقد ثبت فی العقائد تجویز العقاب علی الصغائر نعم قد افصح العلماء ان کل مکروہ تحریما من الصغائر[3]۔ کمافی صلاۃ ردالمحتار عن البحر صاحب البحر فی بعض رسائله وھو المستفاد من کلمات غیرہ فی ھذا المقام۔ وقدزلت قدم بعض عــه المشاھیر من ابناء العصر فزعم ان المکروہ تنزیھا صغیرۃ فاذا اصر

قصداً نہ ہو۔ اور اسی میں نماز کی بحث میں ہے "ظاہر یہ ہے کہ مباح سے مراد وہ ہے جو منع نہ ہو پس وہ راہتِ تنزیہی کے منافی نہ ہوگا" اھ۔ شرح الطوالع کی بحث عصمۃ میں ہے کہ اولیٰ کا چھوڑنا گناہ نہیں پس اولیٰ اور اس کا مقابل فعل کے مباح ہونے میں برابر ہیں اھ،
اقول: جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا مطلب رخصت اور عدم تشدید ہے جس کو "لاباس به" سے تعبیر کیا گیا ہے اور تو جانتا ہے کہ اگر وہ گناہ ہوتا تو مباح کے ساتھ جمع نہ ہوتا کیونکہ کوئی گناہ مباح نہیں، اور وہ ان میں سے ہوتا جو ممنوع ہیں کیونکہ ہر گناہ چاہے وہ چھوٹا ہی ہو ممنوع ہے اور "لاباس به" کے ساتھ اس کی تعبیر نہ ہوتی کیونکہ ہر گناہ میں حرج ہے اور وہ عذاب کی نفی کا جزم نہ کرتے کیونکہ عقائد میں صغیرہ گناہوں پر عذاب کا جائز ہونا ثابت ہے۔ ہاں علماء نے واضح کیا ہے کہ ہر مکروہِ تحریمہ صغائر سے ہے جیسا کہ ردالمحتار میں نماز کے ذکر میں بحرالرائق سے نقل کیا صاحب البحرالرائق نے اپنے بعض رسائل میں لکھا ہے اس مقام پر دوسروں کے کلمات سے بھی اسی بات کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ بعض علماءِ عصر میں سے بعض مشہور حضرات (مثلاً

عــه: یعنی المولوی عبدالحی اللکنوی فی رسالة فی شرب الدخان ۱۲ منه (م)

یعنی مولوی عبدالحی لکھنوی سے اپنے رسالہ فی شرب الدخان میں لغزش ہوئی۔ (ت)

[1] ردالمحتار آخر باب الاشربۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۳۲۷/۵
[2] شرح الطوالع
[3] ردالمحتار مطلب المکروہ تحریما من الصغائر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۵۶/۱

یکون کبیرۃ کما نص علیه فی رسالة له وقد استوفینا الکلام علی ھذا المرام فی رسالة عـه اخری واللہ الموفق۔	مولانا عبدالحہ لکھنوی رحمہ اللہ) سے لغزش ہوئی۔اور انہوں نے گمان کیا کہ مکروہ تنزیہی صغیرہ گناہ ہے جو بار بار کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے جیسا کہ انہوں نے اپنے رسالے (شرب الدخان) میں لکھا ہے ہم نے ایک دوسرے رسالے میں اس مقصد پر پُورا کلام کیا ہے۔اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا ہے۔(ت)

مقدمہ ثامنہ:

کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہ ملاقات نجس یا اختلاط حرام نجاست وحرمت کا تیقن اُس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اُسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہو کر یہ ملاقات واختلاط بروجہ عموم وشمول ہے مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحم خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے اور وہاں اس احتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ فرد خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم التزام معلوم تو یہ احتمال اُسی قبیل سے ہے جسے قلب قابل قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل ومضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں نہ وہ ظن غالب کو مساوات یقین سے نازل کرے تو اصل طہارت کا یقین اس غلبہ ظن سے ذاہب وزائل ہو گیا مگر یہ کہ اس فرد خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہو جائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا ولہذا علماء نے فرمایا دیبائے فارسی ناپاک اور اُس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔

فی الدر المختار دیباج اھل فارس نجس لجعلھم فیه البول لبریقه [1] اھ وفی الحلیة عن	دُرمختار میں ہے کہ اہل فارس کا دیباج (ریشمی کپڑا) ناپاک ہے کیونکہ وہ اس میں چمک پیدا کرنے کیلئے پیشاب

عـه: ثم الفنا فیه بتوفیق اللہ تعالٰی رسالة مستقلة سمیناھا جمل مجلّیه ان المکروہ ۱۳۰۴ھ تنزیھا لیس بمعصیه ۱۲ منه (م)	اللہ تعالٰی کی توفیق سے پھر ہم نے اس مسئلہ کے بارے ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا نام جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیہ رکھا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] درمختار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۷

البدائع قالوا فی الدیباج الذی ینسجه اهل فارس لاتجوز الصلاۃ فیه لانهم یستعملون فیه البول عند النسج ویزعمون انه یزید فی تزینه ثم لایغسلونه فان الغسل یفسدہ[1] الخ	استعمال کرتے ہیں اھ،اور حلیہ میں بدائع سے منقول ہے انہوں نے کہا اہل فارس جو دیباج بُنتے ہیں اُس میں نماز جائز نہیں کیونکہ وہ بُنتے وقت اُس میں پیشاب استعمال کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے اس کی زینت میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اسے دھوتے نہیں کیونکہ دھونے سے وہ خراب ہوجاتا ہے الخ (ت)

اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف اتنا محقق کہ ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ خاص ناپاک وحرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں تو اس بنا پر ہر گز ہر گز حکم تحریم وتنجیس علی الاطلاق روا نہیں اور یہاں وہ احتمالات قطعاً مسموع ہوں گے کہ جب عموم نہیں تو جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ممکن کہ افراد محفوظ سے ہو اور اصل متیقن طہارت وحُلّت تو شکوک وظنون ناقابلِ عبرت۔ دیکھو کیا ہم کو مطعوم وملبوس وظروف کفار کی نسبت یقینِ کامل نہیں کہ بے شُبہہ اُن میں ناپاک بھی ہیں پھر اس یقین نے کیا کام دیا اور اُن اشیاء کا استعمال مطلق حرام کیوں نہ ہُوا تو وجہ وہی ہے کہ اُن کے طعام ولباس وظروف پر عموم نجاست معلوم نہیں اور جب اُن میں طاہر بھی ہیں اگرچہ کم ہوں تو کیا معلوم کہ جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں اُن میں سے نہیں۔

فی الاحیاء الغالب الذی لایستند الی علامة تتعلق بعین مافیه النظر مطرح[2] اھ۔	احیاء العلوم میں ہے وہ غالب چھوڑ دیا جائے جو کسی ایسی علامت کی طرف منسوب نہ ہو جس کا اس معین چیز کے ساتھ تعلق ہے جس میں غور کیا جارہا ہے اھ (ت)

واضح تر سُنیے مجمع الفتاوٰی وغیرہ میں تصریح کی کہ ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں نہ اُن کے گلوں سے خُون دھوئیں نہ پکانے میں نجاستوں سے بچیں پھر ویسے ہی ناپاک زمینوں پر ڈال دیتے ہیں اور بعد کو دھوتے بھی نہیں (دیکھو نوع کی نسبت کس درجہ وضاحت وصراحت کے ساتھ وقوع نجاست بیان فرمایا) بااینہمہ حکم ناطق دیا کہ وہ بے دغدغہ پاک ہیں ان کے خشک وتر سے موزے بناؤ کتابوں کی جلدیں بناؤ پانی پینے کو مشک ڈول بناؤ کچھ مضائقہ نہیں۔

فی الطریقة عنه وفیها فی الغنیة وغیرها عن القنیة الجلود التی تدبغ فی بلادنا ولایغسل مذبحها ولا تتوقی النجاسات	الطریقۃ المحمدیۃ میں اس (مجموعۃ الفتاوٰی) سے منقول ہے اور اسی میں ہے کہ غنیہ وغیرہ میں قنیہ سے منقول ہے کہ ہمارے شہروں جن چمڑوں کو دباغت

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار مایصیر بہ المحل نجساً الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۱/۱

[2] احیاء علوم الدین المثار الثانی للشبہۃ مطبوعہ المشہد الحسینی قاہرہ ۱۰۶/۲

فی دبغها ویلقونها علی الارض النجسة ولایغلسونها بعد تمام الدبغ فهی طاهرة یجوز اتخاذ الخفاف منها وغلاف الکتب والقرب والدلاء رطبا ویابسا[1] اھ	دی جاتی ہے اور ان کے مذبح کو دھویا نہیں جاتا اور نہ ہی دباعت کے دوران نجاستوں سے اجتناب کیا جاتا ہے بلکہ وہ اسے ناپاک زمین پر ڈالتے ہیں اور دباعت مکمل ہونے کے بعد بھی نہیں دھوتے تو وہ پاک ہیں ان سے جُوتا بنانا، کتابوں کی جلدیں مشک اور ڈول بنانا جائز ہے چاہے تر ہوں یا خشک اھ (ت)

بس ایسی صورت میں ائمہ نے یہی حکم عطافرمایا کہ ہر فرد خاص کو ملاحظہ کریں گے اور نوع کی نسبت جو اجمالی یقین ہو اسے تمام افراد میں مساوی نہ مانیں گے مثلاً کفار خصوصًا اہل حرب کو ہم یقینا جانتے ہیں کہ انہیں پروائے نجاسات نہیں اور بیشک وہ جیسی چیز پاتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں پھر وہ پوستین کہ دارالحرب سے پک کر آئے علما فرماتے ہیں اسے دیکھا چاہیے کہ اس کا پکنا نجس چیز سے تحقیق ہو تو بے دھوئے نماز ناجائز اور طاہر سے ثابت ہو تو قطعًا جائز اور شک رہے تو دھونا افضل نہ کہ استعمال گناہ وممنوع ٹھہرے۔

فی الدرالمختار مایخرج من دارالحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر اوبنجس فنجس وان شك فغسله افضل اھ ومثله فی المنیة وغیرها[2]۔	درمختار میں ہے جو کچھ دارالحرب سے نکلے جیسے سنجاب اگر معلوم ہو کہ پاک چیز کے ساتھ اس کی دباعت ہوئی ہے تو پاک ہے اور ناپاک کے ساتھ ہوئی ہے تو ناپاک ہے اگر شک ہو تو دھونا افضل ہے اھ منیہ وغیرہ میں اس کی مثل ہے۔(ت)

یونہی خود منقح مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں بچّہ جب پانی میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو خاص اُس بچّہ کو رکھ پاؤں دیکھیں اگر ڈالتے وقت نجاست ثابت ہو تو ناپاک اور پاکی ظاہر ہو تو طاہر اور کچھ نہ کھلے تو صرف مستحب ہے کہ اور پانی استعمال کریں اور اگر اسی سے وضو کرلے نماز پڑھ لے تاہم بے شبہہ جائز۔

فی سیرة الاحمدیة للعلامة محمد الرومی احمدی عن التاتر خانیة عن اصل الامام محمد رحمه الله تعالٰی الصبی اذادخل یده فی کوز ماء اورجله فان علم ان یده طاهرة	محمد رومی آفندی کی کتاب سیرت احمدیہ میں تتارخانیہ کے حوالے سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی اصل (مبسوط) سے منقول ہے کہ جب بچّہ اپنا ہاتھ یا پاؤں پانی کے کُوزے (لوٹے وغیرہ) میں ڈالے اگر یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ اس کا

[1] الطریقة المحمدیة مع الحدیقة الندیة الصنف الثانی من الصنفین الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۸۲/۲

[2] دُرمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۳۸/۱

بیقین (بان غسلها له اوغسلت عنده اھ نابلسی) یجوز التوضی بھذا الماء وان علم ان یده نجسة بیقین (بان رأی علیها عین النجاسة اواثرها اھ حدیقة) لایجوز التوضی به وان کان لایعلم انه طاھرا ونجس فالمستحب ان یتوضأ بغیره لان الصبی لایتوقی عن النجاسات عادة ومع ھذا لوتوضأبه اجزأه[1] اھ۔	ہاتھ پاک تھا (یعنی اس نے خود اسے دھویا یا اس کے سامنے دھویا گیا اھ نابلسی) تو اس پانی کے ساتھ وضو جائز ہے اگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ وہ ناپاک تھا (مثلاً اس پر عینِ نجاست یا اس کا نشان دیکھا اھ حدیقہ) تو اس سے وضو جائز نہیں اور اگر معلوم نہ ہو کہ وہ پاک ہے یا ناپاک، تو مستحب ہے کہ اس کے غیر سے وضو کرے کیونکہ بچّہ عام طور پر نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتا اس کے باوجود اگر اس کے ساتھ وضو کرے تو کافی ہوگا اھ۔ (ت)

خاص ضابطہ کی تصریح لیجئے سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

به نأخذ مالم نعرف شیأ حراما بعینه وھو قول ابی حنیفة واصحابه[2] اھ نقله الامام الاجل ظھیر الدین فی فتاواه وغیره فی غیرھا۔	ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک ہمیں بعینہٖ کسی چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہوجائے امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب (شاگردوں) رحمہم اللہ کا یہی قول ہے اھ اسے امام اجل ظہیر الدین نے اپنے فتاوٰی میں اور دوسروں نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

حدیقہ میں ہے:

الحرمة بالیقین والعلم وھو لم یتیقن ولم یعلم ان عین مااخذه حرام ولایکلف الله نفسا الاوسعها[3] اھ **اقول:** وھذا وانکان فی مسئلة الجوائز فلیس الحرام للغصب بدون الحرام	حرمت، یقین اور علم کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ نہیں جانتا اور نہ اسے یقین ہے کہ جو کچھ اس نے لیا ہے وہ بعینہٖ حرام ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اھ (ت) **اقول:** یہ اگرچہ تحائف کے مسئلہ میں ہے پس اجتناب کے حکم میں غصب کی صورت میں حرام ہونے والا نجاست کی بنیاد پر حرام ہونے والے سے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ اختلاف الفقہاء فی امر الطہارۃ والنجاسۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۱۲/۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی الہدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۴۲/۵

[3] الحدیقۃ الندیۃ الفصل الثانی من الفصول الثلاثۃ فی بیان حکم التورع الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۷۲۱/۲

للنجاسة فی حکم الاجتناب کمالایخفی۔	کم نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

بالجملہ ایسی صورت میں حکمِ کُلی یہی ہے کہ نوع کی نسبت غیر کلی یقین منع کلی کا موجب نہیں بلکہ خصوص افراد کا لحاظ کریں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مقدمہ تاسعہ:

جب بازار میں حلال وحرام مطلقًا یا کسی جنس خاص میں مختلط ہوں اور کوئی ممیّز وعلامت فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شَے میں احتمالِ حلت قائم اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی، یہ دعوٰی بھی ہماری تقریرات سابقہ سے واضح اور خود ملاذ مذہب ابوعبداللہ شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اُس پر نص فرمایا۔

فی الاشباہ عن الاصل اذا اختلط الحلال بالحرام فی البلد تقوم دلالۃ علی انہ من الحرام [1] اھ۔ وفی الحمویۃ کون الغالب فی السوق الحرام لایستلزم کون المشتری حراما لجواز کونہ من الحلال المغلوب والاصل الحل [2] اھ۔	اشباہ میں اصل (مبسوط) سے نقل کیا گیا ہے کہ جب شہر میں حلال وحرام مخلوط ہو جائے تو اس کا خریدنا اور لینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلالت قائم ہو جائے اھ۔ اور حمویہ میں ہے بازار میں حرام کی بکثرت پائے جانے سے لازم نہیں آتا کہ جو کچھ خریدا ہے وہ بھی حرام ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز حلال مغلوب سے ہو اور اصل بات حلّت ہے اھ (ت)

تنبیہ اوّل: وباللہ التوفیق (اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے میں کہتا ہوں۔ت) یہ احتمال حل پر عمل کا قاعدہ نظر بفروع فقہیہ اُس صورت سے مخصوص ہے کہ وہ سب اشیا جن میں وجود حرام کا تیقن اور اُن میں سے ہر فرد کے تناول میں تناول حرام کا احتمال ہے اس تناول کرنے والے کی ملک میں نہ ہوں ورنہ اُن میں سے کسی کا استعمال جائز نہ ہوگا مگر تین صورتوں سے ایک یہ کہ وجہ حرمت جب صالح ازالہ ہو تو اُن میں کسی سے اُسے زائل کردیا جائے کہ اب بقائے مانع میں شک ہوگیا اور یقین مجہول المحل جس کا محل خاص بالتعیین معلوم نہ ہو ایسے شک سے زائل ہوجاتا ہے مثلًا چادر کا ایک گوشہ یقینًا ناپاک تھا اور تعیین یاد نہ رہے کوئی سا کونا دھولے پاکی کا حکم دیں گے عــہ۔

عــہ: تنبیہ بعد کو اضافہ فرمائی تھی مگر نامکمل رہی ۱۲ح (م)

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثانیۃ من الفن الاول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی، ۱/۱۴۸

[2] حمویۃ المعروف غمز العیون مع الاشباہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ص ۱۴۸

مقدمہ عاشرہ:

حضرت حق جل وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع ونفس الامر میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطہ قدرت سے ورا۔

قال اللہ تعالٰی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[1]۔	ارشادِ باری تعالٰی ہے "اللہ تعالٰی کسی نفس کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا"۔(ت)

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رُو سے طیب وطاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم اور حرج مدفوع بالنص۔

قال تعالٰی مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ[2] وقال تعالٰی یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "دین کے سلسلے میں تمہیں کسی حرج میں نہیں ڈالا"۔اور فرمایا: "اللہ تعالٰی تمہارے لئے آسانی چاہتاہےاور تنگی نہیں چاہتا"۔(ت)

اے عزیز! یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لئے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اُس کے لئے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الاغلبه فسددوا وقاربوا وابشروا[4] الحدیث اخرجه البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وصدرہ عند البھیقی فی شعب الایمان بلفظ الدین یسر ولن یغالب الدین احد الاغلبه[5] واخرج احمد والنسائی وابن ماجة والحاکم باسناد صحیح عن ابن عباس رضی اللہ	بے شک دین آسان ہے اور ہر گز کوئی شخص دین میں سختی نہ کرے گا مگر وہ اس پر غالب آجائے گا پس ٹھیک ٹھیک چلو، قریب ہو جاؤ اور خوشخبری دو، (الحدیث) اسے بخاری اور نسائی نے حضرت ابُو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور بیہقی شعب الایمان میں ان الفاظ کے ساتھ لائے ہیں "دین آسان ہے اور کوئی شخص دین پر غالب آنے کی کوشش نہیں کرتا مگر وہ (دین) اس پر غالب آجاتا ہے"

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] القرآن ۲۲/۷۸

[3] القرآن ۲/۱۸۵

[4] صحیح البخاری باب الدین یسر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

[5] شعب الایمان القصد فی العبادۃ حدیث ۳۸۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۴۰۱

تعالٰی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلك من کان قبلکم بالغلو فی الدین [1]۔ واخرج احمد برجال الصحیح والبیھقی فی الشعب وابن سعد فی الطبقات عن ابن الادرع رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انکم لن تدرکوا ھذا الامر بالمغالبۃ [2]۔ واخرج احمد فی المسند والبخاری فی الادب المفرد والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احب الدین الی اللہ الحنیفۃ السمحۃ [3] واخرج ایضا ھؤلاء فیھا بسند جید عن محجن بن ادرع الاسلمی والطبرانی ایضا فی الکبیر عن عمران بن حصین وفی الاوسط وابن عدی والضیاء وابن عبدالبر فی العلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر دینکم الیسرہ [4] واخرج ابوالقاسم بن بشران فی امالیہ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی

امام احمد، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا "دین میں زیادتی کرنے سے بچو تم سے پہلے لوگ دین میں زیادتی کی وجہ سے ہلاک ہوئے"۔ امام احمد نے صحیح روایوں کے ساتھ، بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابن الادرع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم اس دین کو مغالبہ کے ساتھ ہرگز نہیں پاسکتے"۔ (یعنی جو حکم ملے اس پر عمل کرو خود مباح امور کو واجب قرار نہ دو)۔ امام احمد نے اپنی مسند میں امام بخاری نے الادب المفرد میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالٰی کے ہاں پسندیدہ دین کامل وابستگی اور نرمی اختیار کرنا ہے" نیز انہوں نے اپنی کتب میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت محجن بن ادرع اسلمی سے اور طبرانی نے کبیر میں عمران بن حصین سے اور اوسط میں نیز ابن عدی، ضیاء اور ابن عبدالبر نے علم کے بیان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے زیادہ آسان ہو"۔

---

[1] سنن نسائی باب التقاط الحصی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۴۸/۲

[2] مسند امام احمد حدیث ابن الادرع مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳۳۷/۴

[3] بخاری شریف باب الدین یسر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰/۱

[4] مسند امام احمد بن حنبل حدیث محجن بن الادرع مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۳۸/۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والتعمق فی الدین فان اللہ قد جعلہ سہلا[1] الحدیث۔	ابو القاسم بن بشران نے اپنی امالی میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، آپ نے فرمایا: دین کی گہرائی (باریکیوں) میں جانے سے پرہیز کرو اللہ تعالٰی نے اسے آسان بنایا ہے۔الحدیث (ت)

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اُسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شَے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنہ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو رواکہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن ویحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقۃ لاحرمۃ الامع العلم لان الاصل الحل ولایلزمہ السؤال عن شیئ حتی یطلع علی حرمتہ ویتحقق بھا فیحرم علیہ[2] ح اھ ملخصا وفیھا عن جامع الفتاوی لایلزم السؤال عن طھارۃ الحوض مالم یغلب علی ظنہ نجاستہ وبمجرد الظن لایمنع من التوضئ لان الاصل فی الاشیاء الطھارۃ[3] اھ	حدیقہ میں ہے علم کے بغیر حُرمت نہیں کیونکہ اصل حلّت ہے اور انسان پر لازم نہیں کہ وہ کسی چیز کے بارے میں سوال کرے حتی کہ اس کی حرمت پر مطلع ہو جائے اور یوں وہ اس کی تحقیق کرکے اب اپنے اوپر حرام کرلے، حدیقہ ملخصًا اور اسی میں جامع الفتاوٰی سے منقول ہے جب تک اس کو نجاست کا غالب گمان نہ ہو جائے حوض کی طہارت کے بارے میں سوال نہ کرے اور محض گمان کی بنیاد پر وضو کرنے سے نہ روکے کیونکہ اشیاء میں اصل طہارت ہے۔(ت)

بلکہ خود سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی مسلمان کے یہاں جائے اور وہ اسے اپنے کھانے میں سے کھلائے تو کھالے اور کچھ نہ پُوچھے اور اپنے پینے کی چیز سے پلائے تو پی لے اور کچھ دریافت نہ کرے۔

اخرج الحاکم فی المستدرک والطبرانی فی الاوسط والبیھقی فی الشعب باسناد لاباس بہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن	حاکم نے مستدرک، طبرانی نے اوسط اور بیہقی نے شعب الایمان میں ایسی سند کے ساتھ جس میں کوئی حرج نہیں، حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۲۹۳۳ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۳/۱۳۴

[2] الحدیقۃ الندیۃ بیان حکم التورع والتوقی من طعام اہل الوظائف مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۸۷

[3] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الثانی من الصنفین فیماورد عن ائمتنا الحنفیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۶۲

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذادخل احدکم علی اخیہ المسلم فاطعمہ من طعامہ فلیأکل ولایسأل عنہ وان سقاہ من شرابہ فلیشرب ولایسأل عنہ [1]۔	کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنے مسلمان بھائی کے پاس جائے اور وہ اسے اپنے کھانے سے کھلائے تو کھالے اور اس کے بارے میں سوال نہ کرے اور اگر وہ اپنے مشروب سے پلائے تو پی لے اور اس کے بارے میں کچھ نہ پُوچھے۔(ت)

امیر المومنین عــہ۱ عمر رضی اللہ عنہ ایک حوض پر گزرے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ساتھ تھے حوض والے سے پُوچھنے لگے کیا تیرے حوض میں درندے بھی پانی پیتے ہیں؟ امیر المومنین نے فرمایا: اے حوض والے! ہمیں نہ بتا،

مالك فی مؤطاہ عن یحیٰی بن عبدالرحمٰن ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خرج فی رکب فیھم عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی وردوا حوضا فقال عمرو یاصاحب الحوض ھل ترد حوضك	امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے مؤطا میں حضرت یحیٰی بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سواروں کے ایک دستہ میں تشریف لائے ان میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بھی تھے ایک حوض پر پہنچے تو حضرت عمرو بن عاص

عــہ۱: ویروی مثل ذلك عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بعض اسفارہ فسار لیلا فمروا علی رجل عند مقراۃ لہ عــہ۲ فقال عمر یا صاحب المقراۃ اولغت السباع اللیلۃ فی مقراتك فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صاحب المقراۃ لاتخبرہ ھذا مکلف لھا احملت فی بطونھا ولنا ما بقی شراب وطھور [2] ۱۲منہ۔ عــہ۲: المقراۃ بالکسر مجتمع الماء (م)	اسی طرح کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وہ حدیث مروی ہے جو ابن عمر نے روایت کی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے بعض سفروں میں تشریف لے گئے ایک دفعہ رات کو سفر شروع کیا تو ایک ایسے شخص پر گزر ہوا جس کے پاس اس کا اپنا تالاب تھا تو حضرت عمر نے کہا اے تالاب والے! کیا رات کو تیرے تالاب سے درندوں نے پانی پیا ہے؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے تالاب والے! اسے اس بات کی خبر نہ دو یہ مکلّف ہے جو ان کے پیٹوں میں ہے وہ ان کے لئے ہے اور باقی ہے وہ ہمارے پینے اور طہارت کے لئے ہے۔(ت) "المقراۃ" کسرہ کے ساتھ وہ جگہ جہاں بارش کا پانی جمع ہو۔(ت)

[1] شعب الایمان باب فی المطاعم حدیث ۵۸۰۱ مطبوعہ دار الکتب علمیہ بیروت لبنان ۵/۶۷، المستدرک کتاب الاطعمہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۱۲۶

[2] سنن دار قطنی کتاب الطہارۃ، ۱/۲۶

السباع فقال عمر بن الخطاب یاصاحب الحوض لاتخبرنا فانا نرد علی السباع وترد علینا [1] قال سیدی عبدالغنی ولعله کان حوضًا صغیرا والا لما سأل [2] اھ ملخصًا وقال تحت قوله لاتخبرنا ای ولوکنت تعلم انه تردد السباع لانانحن لانعلم ذلك فالماء طاھر عندنا فلواستعملناہ لاستعملنا ماء طاھرا [عــہ] ولایکلف اللہ نفسًا الّا وسعھا [3] اھ **یقول** العبد الضعیف غفرله القوی اللطیف جل وعلا قد حمل المولی الفاضل رحمه اللہ تعالٰی ھذا الحدیث کماتری علی ماقدمنا من ان المطلوب عدم العلم بالنجاسة لا العلم بعدم النجاسة ولیس علینا ان نبحث فان الشیئ وان کان متنجسا فی الواقع فانه طاھرلنا مالم نعلم بذلك ولذاحمل الحوض علی حوض صغیر یحمل الخبث وقد سبقه الی ھذا الحمل علّامة عصرہ سیدی زین بن نجیم المصری رحمه اللہ تعالٰی	رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے حوض والے! کیا تیرے حوض میں درندے بھی آتے ہیں؟ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے صاحبِ حوض! ہمیں نہ بتانا کیوں کہ ہم درندوں کے پاس اور وہ ہمارے ہاں آتے جاتے ہیں۔ سیدی عبدالغنی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: شاید وہ چھوٹا حوض تھا ورنہ وہ نہ پُوچھتے، انتہی تلخیص۔ وہ "لاتخبرنا" (ہمیں نہ بتانا) کے تحت فرماتے ہیں یعنی اگرچہ تو جانتا بھی ہو کہ درندے آتے ہیں، کیونکہ ہم اس بات کو نہیں جانتے، پس ہمارے نزدیک پانی پاک ہے پس اگر ہم اسے استعمال کریں گے تو پاک پانی استعمال کریں گے۔ اور ہر نفس کو اللہ تعالٰی اس کی طاقت کے مطابق تکلیف دیتا ہے۔ (ت) بندہ ضعیف "قوی ومہربان اور بلندو بالا ذاتِ باری اس کی بخشش فرمائے" **کہتا** ہے کہ فاضل مولانا نے اس حدیث کو جیسا کہ تم دیکھتے ہو اس بات پر محمول کیا ہے جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے یعنی مطلوب، نجاست کا علم نہ ہونا ہے نہ کہ عدمِ نجاست کا علم ہونا ہے اور ہم پر لازم نہیں کہ ہم بحث کریں کیونکہ کوئی چیز اگرچہ فی الواقع ناپاک بھی ہو تو ہمارے نزدیک پاک ہوگی جب تک ہمیں اس کے نجس ہونے کا علم نہ ہو۔ اسی لئے حوض کو چھوٹے حوض پر محمول کیا گیا ہے جو نجس ہوجاتا ہے۔ اپنے زمانے کے علّامہ سیدی زین بن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالٰی نے البحر الرائق

عــہ: ای فی حقنا وان کان علی خلاف ذلك فی الواقع ۱۲ منه (م)	یعنی ہمارے حق میں پاک ہے اگرچہ وہ حقیقۃً اس کے خلاف ہو ۱۲ منہ (ت)

[1] المؤطاامام مالک الطھور للوضوء مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۷
[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الاول فیماورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۵۶
[3] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الاول فیماورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۶۵۶

فی البحر حیث قال (فروع) فی الخلاصة معزیاً الی الاصل یتوضأ من الحوض الذی یخاف فیه قذر ولایتیقنه ولایجب ان یسأل اذا لحاجة الیه عند عدم الدلیل والاصل دلیل یطلق الاستعمال وقال عمر رضی الله تعالٰی عنه [1] الخ فذکر الحدیث المذکور بمعناه وانت تعلم ان کلامه انما هو فی الحوض الصغیر کما لایخفی وقد استشهد بالحدیث علی عدم وجوب السؤال والتفتیش عنه وان خشی التنجس بناء علی اصابة الطهارة۔ فالعبد الضعیف تمسك به فی هذا المقام تبعًا لهما لکن الحدیث ذو وجوه وشجون فقد **قیل** یعنی ان الماء کثیر فلایحتمل التنجس بولوغ السباع وعلیه درج الشیخ المحقق الدهلوی رحمه الله تعالٰی فی شرح المشکوٰة ویکدره سؤال عمرو بن العاص رضی الله تعالٰی عنه کما اشار الیه علی القاری وقال العارف النابلسی لوکان کثیرا مقدار العشر لما سأل لانه لایتنجس ح الابظهور اثر النجاسة فیه اجماعا وظهور الاثر یعرف بالحس فلایحتاج

میں اس حمل کی طرف سبقت کی ہے جب انہوں نے فرمایا: (فروع) خلاصہ میں مبسوط کی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس حوض سے وضو کرسکتا ہے جس کے گندہ ہونے کا گمان ہو لیکن اس کا یقین نہ ہو اور اس پر سوال کرنا واجب نہیں کیونکہ اس کی ضرورت دلیل نہ ہونے کی صورت میں ہوتی ہے اور اصل (طہارت) دلیل ہے جو استعمال کا اطلاق کرتی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (آخر تک) انہوں نے حدیث مذکور کو معنوی طور پر ذکر کیا اور تم جانتے ہو کہ ان کا کلام چھوٹے حوض کے بارے میں ہے جیسا کہ مخفی نہیں اور انہوں نے حدیث شریف سے شہادت پیش کی ہے کہ اس کے بارے میں پوچھنا اور تفتیش کرنا واجب نہیں اگرچہ اس کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو کیونکہ طہارت اصل ہے۔ پس اس ضعیف بندے نے اس مقام پر ان دونوں کی اتباع میں اسی بات کو اختیار کیا لیکن حدیث کی کئی وجوہ اور مفاہیم ہیں کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پانی زیادہ ہے تو درندوں کے منہ ڈالنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں یہی بات درج فرمائی لیکن حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا سوال اس بات کو مکدر کردیتا ہے جیسا کہ اس کی طرف حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا۔ عارف نابلسی رحمہ اللہ نے فرمایا اگر وہ زیادہ دہ در دہ کی مقدار ہوتا تو آپ اس کی نجاست کا سوال نہ فرماتے کیونکہ اس صورت میں

[1] البحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۶

الی السؤال [1] اھ وماکان عمرو لیخفی علیہ حکم الماء الکثیر ولا کان من الموسوسین فسؤالہ ادل دلیل علی ان الماء کان قلیلا یحمل الخبث وقدکان فی فلاۃ فکان مظنۃ ورود السباع فعن ھذا نشأ السؤال وردہ عمر بطرح الاحتمال ولیتنبہ ان نقلہ الاجماع انما ھو ناظر الی الماء الکثیر مع قطع النظر عن خصوص التفسیر لا الی مقدار العشر بالتخصیص کمالایخفی ھذا تقریر کلامہ علی حسب مرامہ۔

وہ بالاجماع اسی وقت ناپاک ہوتا ہے جب اس میں نجاست کا اثر ظاہر ہو اور اثر کا ظاہر ہونا حِس کے ساتھ پہچانا جاتا ہے پس وہ سوال کا محتاج نہ ہوگا اھ یعنی حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی کی یہ شان نہ تھی کہ آپ پر زیادہ پانی کا حکم مخفی رہتا اور نہ ہی آپ وسوسہ کرنے والوں میں سے تھے لہٰذا آپ کا سوال اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ پانی تھوڑا تھا جو ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ جنگل میں تھا لہٰذا وہاں درندوں کے آنے کا گمان ہو سکتا تھا اس بنیاد پر سوال پیدا ہوا جسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ترک احتمال کے ساتھ رَد کر دیا۔آگاہ رہنا چاہئے کہ ان کا اجماع نقل کرنا خاص تفسیر سے قطع نظر محض زیادہ پانی کی بنیاد پر تھا دس ۱۰ کی مقدار سے تخصیص کرتے ہوئے نہیں جیسا کہ مخفی نہیں یہ ان کے مقصد کے مطابق ان کے کلام کی تقریر ہے۔(ت)

اقول: ویظھر لی ان ھٰھنا مجال سؤال بوجھین۔اما اولا فلما قدالقینا علیك ان الاجماع انما ھو علی ان الکثیر لا یتنجس الا بتغییر اما تحدید الکثیر ففیہ نزاع شھیر واختلاف کبیر فی الکتب سطیر فرب کثیر عند قوم قلیل عند اٰخرین وبالعکس واذاالامر کما وصفنالك فما یدریك لعل الماء کان قلیلا عند عمرو فبحث وکثیرا عند عمر فمااکترث والامر اظھر علی قول

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) مجھ پر یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ یہاں دو طرح سے سوال ہو سکتا ہے۔**اوّل:** جب ہم نے تمہیں بتایا کہ اجماع اس بات پر ہے کہ کثیر پانی تبدیلی کے بغیر ناپاک نہیں ہوتا لیکن کثیر کی حدبندی میں اختلاف مشہور ہے اور بہت بڑا اختلاف جو کتب میں تحریر ہے اکثر ایک چیز کسی قوم کے نزدیک کثیر ہوتی ہے اور دوسروں کے نزدیک قلیل اور کبھی اس کے خلاف ہوتا ہے اور جب معاملہ ایسا ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو تمہیں کیا خبر کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک پانی تھوڑا ہو لہٰذا انہوں نے

[1] الحدیقۃ الندیۃ فیماورد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۵۶/۲

اصحابنا ان الکثیر فی حق کل مایستکثرہ۔

ویترا أی لی فی الجواب عنه ان المجتهد لیس له ان یحمل المجتهد الاٰخر علی تقلید نفسه ویصده عن العمل بمذهبه ولذا انکر عالم المدینة علی هارون الرشید اذاستأذنه ان یعلق المؤطا علی الکعبة ویحمل الناس علی مافیه فقال لا تفعل فان اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اختلفوا فی الفروع وتفرقوا فی البلدان وکل مصیب ابونعیم عنه فی الحلیة وعلی المنصور اذ هم ان یبعث بکتبه الی الامصار ویأمر المسلمین ان لایتعدوها فقال لا تفعل هذا فان الناس قد سبقت الیهم الاقاویل وسمعوا احادیث و رووا روایات واخذ کل قوم بما سبق الیهم ودانوا به فدع الناس وما اختار کل اهل بلد منهم لانفسهم ابن سعد عنه فی الطبقات ففکذا لایجبر مجتهد بل عامی علی تقلید ظن الغیر فیما یفوض الی رأی المبتلی کما نص علیه فی البحر وغیرہ فعلی هذا قول

بحث کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک زیادہ ہو لہذا انہوں نے اس کی پروانہ کی۔ ہمارے اصحاب کے قول پر بات ظاہر ہے کہ ہر ایک کے حق میں وہی کثیر ہے جس کو وہ کثیر سمجھے۔ اس کا جواب مجھ پر یوں ظاہر ہوا کہ کسی مجتہد کو حق نہیں پہنچتا کہ کسی دوسرے مجتہد کو اپنی تقلید کی ترغیب دے اور اسے اس کے اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکے یہی وجہ ہے کہ مدینہ کے عالم نے ہارون الرشید کی بات ماننے سے انکار کردیا جب اس نے مؤطا کو کعبۃ اللہ کی دیوار پر لٹکانے اور لوگوں کو اس پر عمل کی ترغیب دینے کی اجازت طلب کی۔ عالم نے فرمایا: ایسا نہ کرو رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ نے فروع میں اختلاف کیا اور مختلف شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک حق پر ہے۔ یہ بات حلیہ میں ابونعیم سے مروی ہے۔ اور جب منصور نے مختلف شہروں میں انکی کتابیں بھیجنے اور مسلمانوں کو حکم دینے کا ارادہ کیا کہ وہ ان سے تجاوز نہ کریں، تو اس کا انکار کرتے ہوئے عالمِ مدینہ نے فرمایا: "ایسامت کرو لوگوں تک باتیں پہنچ چکی ہیں انہوں نے احادیث سُنی ہیں روایات نقل کی ہیں اور جس قوم تک جو پہنچا انہوں نے اسے اختیار کرکے اس پر عمل پیرا ہوگئے پس لوگوں کو اسی چیز پر چھوڑ دیجئے جو ہر شہر والوں نے اپنے لئے اختیار کرلی"۔ اسے ابنِ سعد نے طبقات میں نقل کیا۔ اسی طرح کسی مجتہد اور کسی عامی کو بھی اس چیز میں جو مبتلا کی رائے پر چھوڑی گئی ہے دوسرے کے گمان کی تقلید پر مجبور نہ کیا جائے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ اس بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "لاتخبرنا" (ہمیں خبر نہ دینا) کو اس بات پر محمول کرنا مناسب نہیں کہ میرے نزدیک پانی زیادہ ہے اگر تمہارے نزدیک تھوڑا بھی ہو تب بھی تم میری رائے پر عمل کرو اور سوال نہ کرو، بلاالکہ اس بنیاد پر

عمر لاتخبرنا لاینبغی حمله علی ان الماء کثیر عندی وان کان قلیلا عندك فبرأیی فاعمل ولاتسأل بل المعنی علی هذا ایضًا هو المنع عن اتباع الظنون ای ان الماء وان تستقله لکن لست علی یقین من نجاسته فانصرف الکلام الی ما اردنا۔

واما ثانیًا: فلانا لانسلم ان الکثیر لایحتاج فیه الی السؤال فلربما ینتن الماء فیتغیر لونه فیحتمل انه لطول المکث اوحلول الخبث فیتحقق مثار للسؤال فعلم ان القلیل والکثیر سواء فی حاجة السؤال لکشف الحال عند المظنة والاحتمال بیدان الکثیر فی الاشربة المظنة کالامر الحسی اعنی تغیر احد الاوصاف بخلاف القلیل وبهذا القدر لا یستند العلم الی مجرد الحسن لان الذی یدرك بالحس لا یکفی لبتین الامر وزوال اللبس کما لا یخفی۔

وافاض الله الجواب عنه بان هذا مضر یعود نفعا محضًا فلئن قلتم به فی قصة الحدیث [عـه] فقد ترکتم

بھی مفہوم یہ ہوگا کہ گمان کی اتباع سے روکا گیا مطلب یہ کہ اگرچہ تم پانی کو تھوڑا سمجھتے ہو لیکن تمہیں اس کی نجاست کا یقین نہیں پس ان کے کلام کو اس کی طرف پھیرا جائے گا جو ہماری مراد ہے۔

دوم: ہم نہیں مانتے کہ زیادہ پانی کے بارے میں سوال کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ بعض اوقات وہ بدبُودار ہوجاتا ہے یا اس کا رنگ بدل جاتا ہے۔ پس اس بات کا احتمال ہے کہ زیادہ دیر ٹھہرنے یا نجاست داخل ہونے کے باعث ایسا ہوا ہو لہٰذا اس کا مقام سوال ہونا ثابت ہوگیا۔ پس معلوم ہوا کہ جب گمان واحتمال والی صورت ہو تو کشفِ حال کے لئے سوال کی ضرورت میں قلیل وکثیر برابر ہیں۔ علاوہ ازیں کثیر میں (نجاست کا) گمان محض امر حسی کی بنیاد پر ہوتا ہے یعنی اس کا کوئی وصف بدلتا ہے۔ بخلاف قلیل کے۔ اور محض اتنی سی بات سے علم، مجرد حس کی طرف منسوب نہیں ہوگا کیونکہ حس کے ساتھ جس چیز کا ادراک ہوتا ہے وہ بات کو واضح کرنے اور شک کو دُور کرنے کے لئے کافی نہیں جیسا کہ مخفی نہیں۔

فیضانِ الٰہی: اللہ تعالٰی نے اس کے جواب کا فیضان عطا فرمایا اگرچہ یہ ضرر ہے اللہ تعالٰی اسے نفع بخش فرمائے کہ اگر تم اس حدیث کے ضمن یہ بات کرتے ہو

عـه: فان قلت لامساغ لهذا فی

اگر تو کہے کہ حدیث کے اس واقعہ سے (باقی برصفحہ آئندہ)

ما قصدتم واعترفتم بما نرید اذکان مثار سؤال عمرو ح ھواحتمال الخبث ومبنی جواب عمر ھواتباع الاصل وذلك ماکنا نبغ وانما کنتم تذھبون بالحدیث الی ان الماء کثیر لایحمل الخبث فلا تخبرنا ای اخبارك وعدمه سواء وعلی ھذا التقریر یصیر الکثیر نظیر الیسیر کما اعترفتم فلم تغن عنکم کثرتکم شیئا واللہ الموفق ھذا۔

وقیل عـہ بل ذھب عمر رضی اللہ تعالٰی عنه الی طھارۃ سؤر السباع کما تقوله الائمۃ الثلثۃ علی خلاف بینھم فی الکلب والخنزیر فقوله لا تخبرنا ای سواء علینا اخبرتنا اولم تخبرنا فانا نطھر ماتفضل السباع۔

تو تم نے اپنا مقصود چھوڑ کر ہماری مراد کا اعتراف کرلیا کیونکہ اس وقت حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے سوال کا دارومدار، نجاست کو برداشت کرنے پر ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب کی بنیاد، اصل کی اتباع ہے اور ہم اسی کی تلاش میں ہیں۔ حدیث کی روشنی میں تمہارا موقف یہ ہے کہ (چونکہ) زیادہ پانی نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا لہٰذا تو ہمیں خبر نہ دے یعنی تیرا خبر دینا اور نہ دینا دونوں برابر ہیں اس تقریر کی بنیاد پر زیادہ، تھوڑے کی مثل ہوجائے گا جیسا کہ تم نے اعتراف کیا۔ پس تمہاری کثرت نے تم کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ اور اللہ تعالٰی ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔ (ت)

اور کہا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ درندوں کے جھوٹے کو پاک سمجھتے ہیں جیسا کہ ائمہ ثلاثہ کتّے اور خنزیر کے (جھوٹے کے) بارے میں اس کے قائل ہیں اگرچہ ان میں کچھ اختلاف بھی ہے پس ان کا قول کہ "ہمیں خبر نہ دینا" کا مطلب یہ ہے کہ خبر دو یا نہ دو ہمارے لئے برابر ہے کیونکہ ہم درندوں کے جھوٹے کو پاک سمجھتے ہیں (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قصۃ الحدیث اصلا اذالماء الکثیر لایتغیر بمجرد ولوغ السباع وشرب الماء قلت بلٰی فان لفظ الحدیث ھل ترد لاھل تلغ ویمکن ان ترد جماعات منھن وتقع فی الماء وتبول فیه وتقضی الحاجۃ فتغلب النجاسۃ علی بعض اوصاف الماء ۱۲ منه (م)

عـہ: معطوف علی قیل السابق منه (م)

اس کا جواز ہر جگہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ کثیر پانی محض درندوں کے چاٹنے اور پینے سے متغیر نہیں ہوتا۔ میں کہتا ہوں ہاں کیونکہ حدیث کا لفظ "ھل ترد" ہے "ھل تلغ" نہیں اور ممکن ہے کہ درندوں کے کئی گروہ پانی پر وارد ہوتے ہوں اور پانی میں جاکر بَول وبراز کرتے ہوں تو پانی کے بعض اوصاف پر نجاست غالب آجائے۔ (ت)

پہلے گزرے ہوئے قیل پر معطوف ہے ۱۲منہ (ت)

اقول: وقد یلمح الیه علی مافیه قوله فی الحدیث فانا نرد علی السباع وترد علینا [1] وقوله کمازاد رزین عن بعض الرواة وانی سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول لها مااخذت فی بطونها ومابقی فهولنا طهور [2]۔ ومااخرج الامام الشافعی عن عمر بن دینار ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه ورد حوض مجنّة فقیل انما ولغ الکلب اٰنفا فقال انما ولغ بلسانه فشرب وتوضأ [3]۔ **ویکدر** هذا والذی قبله جمیعا انکم ملتم بالکلام الی خلاف مایتبادر منه فان ظاهر النهی کراهة الاخبار وماذاك الاخشیة ان لواخبر لزمه التحرج فاراد التوسیع باستصحاب الطهارة مالم یعلم ولوکان الامر کما ذکرتم من کثرة الماء اوطهارة السؤر لما ضر اخباره شیأ فعلی ماینهاه عنه بل کان حق الکلام	**اقول:** حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ کہ "ہم درندوں کے پاس جاتے اور وہ ہمارے پاس آتے ہیں" میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے، نیز رزین نے بعض راویوں سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول زائد نقل کیا ہے کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: "جو کچھ ان جانوروں نے اپنے پیٹوں میں لے لیا وہ ان کے لئے ہے اور جو باقی رہ گیا ہے وہ ہمارے لئے پاک ہے۔ اسی طرح جو امام شافعی رحمہ اللہ نے عمر بن دینار رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مجنّہ کے حوض پر تشریف لے گئے تو کہا گیا ابھی یہاں کتّے نے منہ مارا ہے۔ تو آپ نے فرمایا: اس نے اپنی زبان سے چاٹا ہے۔ پھر آپ نے اس سے پیا اور وضو فرمایا۔ اس میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ (ت) یہ اور اس سے پہلے کی تمام بحث سے یہ بات مکدر ہو جاتی ہے کیونکہ تمہارے کلام کا میلان اس بات کے خلاف ہے جو واضح طور پر ذہن میں آتی ہے کیونکہ نہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ خبر دینا مکروہ ہے اور یہ اس ڈر کی بنیاد پر ہے کہ اگر خبر دے گا تو حرج میں پڑنا لازم آئے گا لہٰذا ان کی مراد یہ تھی کہ جب تک علم نہ ہو حصولِ طہارت میں وسعت ہونی چاہئے۔ اور اگر وہ بات ہوتی جس کا تم نے ذکر کیا پانی زیادہ تھا یا وہ جھوٹے کو پاک سمجھتے تھے تو اس صورت میں ان کا خبر دینا نقصان دہ نہ ہوتا پس انہوں نے کس

[1] المؤطا امام مالک الطہور للوضوء مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۷
[2] مشکوٰۃ المصابیح باب احکام المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۱
[3] مصنف عبدالرزاق حدیث ۲۴۹ باب الماء تردہ الکلاب والسباع مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۶

ح ان يقول لعمرو ماذا تريد بالاستنخبار الماء كثير ولو ولغت اوسؤرها طاهر فما فعلت الى هذا اشار محمد رحمه الله تعالٰى حيث قال بعد رواية الحديث فى مؤطاه اذاكان الحوض عظيما ان حركت منه ناحية لم تتحرك به الناحية الاخرى لم يفسد ذلك الماء ماولغ فيه من سبع ولاماوقع فيه من قذر الا ان يغلب على ريح اوطعم اى اولون فاذاكان حوضا صغيرا ان حركت منه ناحية تحركت الناحية الاخرى فولغ فيه السباع اووقع فيه القذر لايتوضأ منه الايرى ان عمر بن الخطاب رضى الله تعالٰى عنه كره ان يخبره ونهاه عن ذلك وهذا كله قول ابى حنيفة رحمه الله تعالٰى[1] اھ۔

اقول: فعلى هذا معنى قوله فانانرد الخ وكذا استشهاده بارشاد النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان ثبت انا نعلم ان المياه قلما تسلم عن ورد السباع لكن لم نؤمر بالبحث ولابالتكلف وامرنا بالاتكال على اصل الطهارة مالم نعلم بعروض النجاسة فلها

بناپر اس سے منع فرمایا بلکہ اس وقت حق کلام یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عمرو رضی اللہ عنہ سے فرماتے خبر حاصل کرنے سے تمہارا کیا مقصد ہے پانی زیادہ ہے اگرچہ اس میں (درندہ) منہ ڈالے یا ان کا جھوٹا ہو پاک ہے پس تم کیا کروگے امام محمد رحمہ اللہ نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے جب انہوں نے اپنے مؤطا میں یہ حدیث روایت کرنے کے بعد فرمایا جب حوض اتنا بڑا ہو کہ اس کی ایک جانب کو حرکت دی جائے تو دوسری جانب حرکت نہ کرے تو اس میں درندے کے پانی پینے یا نجاست گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی بُو اور ذائقے پر غالب آجائے اور اگر حوض اتنا چھوٹا ہو کہ اس کی ایک طرف کو حرکت دینے سے دوسری جانب متحرک ہو اور اس میں سے درندے نے پانی پیا یا نجاست پڑ گئی تو اس سے وضو نہ کیا جائے۔ کیا نہیں دیکھا گیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا کہ وہ ان کو خبر دے اور اس سے منع فرمادیا یہ تمام حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے۔ (ت)

اقول: اس بنیاد پر ان کے قول "ہم درندوں کے پاس جاتے اور وہ ہمارے ہاں آتے ہیں" اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے انکے استدلال، بشرطیکہ وہ ثابت ہو، کا مفہوم یہ ہوگا کہ ہم جانتے ہیں کہ پانی، درندوں کی آمدورفت سے بہت کم محفوظ ہوتے ہیں لیکن ہمیں بحث اور تکلّف کا حکم نہیں دیا گیا ہمیں اصل طہارت پر بھروسا کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک نجاست کے واقع ہونے کا

[1] المؤطالامام محمد باب الوضوء ممایشرب منہ السباع وتلغ فیہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی ص ۶۶

ماحملت فی بطونها لان ماء الله مباح علی کل ذات کبد حرّاء ولنا ما غیر طهور لعدم التیقن بعروض المحذور فاٰل الکلام الی ماوصفنا لك من ان الیقین الاجمالی بعروض النجاسة لنوع لایقضی بتنجس کل فرد منه وبالجملة فالحدیث ذووجوه والاوجه ماذکرنا فصح الاستدلال علی عدم وجوب السؤال لاجل ظن اواحتمال وکان اول قدوة لنا فیه امامنا محمد رضی الله تعالٰی عنه۔لکن یرتاب فیه بان النهی عن الاخبار علی هذا یکون نهیًا عن مناصحة المسلمین وصونهم عن تعاطی المنکر فی الدین فان من علم ان فی ثوب المصلی نجاسة مثلا وهولایدری وجب علیه اخباره بذٰلك ان ظن قبوله لان فعله علی خلاف امر الله سبحٰنه وتعالٰی فی نفسه وان ارتفع الاثم لعدم العلم۔

والجواب عنه کماافاد العارف النابلسی ان عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه لایعلم ان صاحب الحوض یعلم ان السباع ترده حتی یکون قوله ذلك کفا ومنعا من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر ومن النصیحة فی الدین غایته انه اراد

علم نہ ہو پس جو ان جانوروں نے اپنے پیٹوں میں لے لیا وہ ان کے لئے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالٰی کا پانی ہر گرم جگر والی چیز کیلئے مباح ہے اور جو کچھ باقی ہے وہ ہمارے لئے پاک ہے کیونکہ ناپاک چیز کے گرنے کا ہمیں علم نہیں۔ پس ہم نے جو کچھ کہا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کسی نوع کے ناپاک ہونے کا اجمالی یقین اس کے ہر فرد کی نجاست کا تقاضہ نہیں کرتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث (کا مفہوم) کئی وجوہ پر مشتمل ہے لیکن زیادہ مناسب وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، پس ظن یا احتمال کی وجہ سے سوال واجب نہ ہونے پر استدلال صحیح ہے اور اس میں ہمارے پہلے مقتدا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ (ت) لیکن یہاں شک پیدا ہوتا ہے کہ اس بنیاد پر خبر دینے سے روکنا دین کے سلسلے میں مسلمانوں کی خیر خواہی اور برائی میں مشغول ہونے سے ان کی حفاظت سے روکنا ہو کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ نمازی کے کپڑے پر نجاست لگی ہوئی ہے اور اسے (نمازی کو) معلوم نہیں تو اس پر واجب ہے کہ اسے خبر کردے اگر اس کی قبولیت کا گمان ہو کیونکہ حقیقت میں اسکا یہ فعل اللہ تعالٰی کے حکم کے خلاف ہے اگرچہ عدمِ علم کی وجہ سے وہ گناہ گار نہ ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ عارف نابلسی رحمہ اللہ سے مستفاد ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معلوم نہ تھا کہ حوض والے کو اس پر درندوں کے آنے جانے کا علم ہے جس کی وجہ سے آپ کا وہ قول "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" اور دین میں خیر خواہی سے باز رکھتا اور رکاوٹ بنتا ہو نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے پانی کی طہارت کے سلسلے میں

رضی اللہ تعالٰی عنہ نفی الوسواس فی طھارۃ الماء والنھی عن کثرۃ السؤال فی الامور المبنیۃ علی الیقین فی ان الاصل فی الماء الطھارۃ[1] اھ۔

قلت وحاصلہ ان المحذور ای کون النھی نھیًا عن النھی عن المنکر مبنی علی العلم بکونہ منکرا وھو مبتن علی العلم بالتجنس واذلیس ھذا فلیس ذاك فلیس ذٰلك ولم یکن ان صاحب الحوض ھم بالاخبار فنھاہ عمر حتی یکون نھیا بعد الظن بانہ یعلم شیأ وانما سأل عمرو ولایدری ماعند المسؤل عنہ فاراد سدباب الظنون والتنبیہ علی انالم نؤمر بذلك ولو فتحنا مثل ھذا الباب علی وجوھنا لوقعنا فی الحرج والحرج مدفوع بالنص فتأمل حق التأمل ولاتظنن ان الامر دار بین مصلحۃ التوسیع ومفسدۃ النھی عن النھی عن المنکر بل بین دفع مفسدۃ الوسوسۃ والتعمق والمفسدۃ التی ذکرتُ وتلك حاضرۃ متیقنۃ وھذہ محتملۃ متوھمۃ فترجح الاول فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔

وسوسوں کی نفی فرمائی اور جو امور یقین پر مبنی ہیں ان کے بارے میں کثرتِ سوال سے منع فرمایا کیونکہ پانی میں اصل طہارت ہے اھ۔(ت)

قلت اس کا ماحصل یہ ہے کہ ممنوع یعنی نہی عن المنکر سے روکنے کی ممانعت اس پر مبنی ہے کہ اس کے منکر ہونے کا علم ہو اور وہ اس پر مبنی ہے کہ اس کے نجس ہونے کا علم ہو۔ پس جب یہ بات (اس کا ناپاک ہونا) نہیں تو وہ (یعنی اس کے منکر ہونے کا علم نہیں) لہٰذا نہی عن المنکر سے روکنے کی ممانعت بھی نہ پائی گئی اور یہ بات بھی نہیں کہ حوض کا مالک خبر دینے کا ارادہ کرچکا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روک دیا تاکہ اس ظن کے بعد کہ وہ کچھ جانتا تھا یہ نفی کہلائے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے سوال کیا اور ان کو معلوم نہ تھا کہ مسؤل عنہ کے پاس اس کا کیا جواب ہے، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیالات وگمان کا دروازہ بند کرنیکا ارادہ کیا اور اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ ہمیں اس بات کا حکم نہیں دیا گیا اور اگر ہم اپنے سامنے اس قسم کا دروازہ کھول دیں تو حرج میں پڑ جائیں گے اور شرعی طور پر حرج دُور کیا گیا ہے، پس غور کرو جیسے غور کرنے کا حق ہے۔ اور یہ خیال نہ کرو کہ یہ معاملہ توسیع کی مصلحت اور نہی عن المنکر سے روکنے کی خرابی کے درمیان دائر ہے بلکہ وسوسہ اور بہت گہرائی میں جانے کے فساد کو دُور کرنے اور اس فساد کے درمیان دائر ہے جس کا میں نے ذکر کیا اور وہ موجود یقینی ہے جبکہ اس میں احتمال اور وہم ہے پس پہلے کو ترجیح حاصل ہوگی۔ سمجھ لو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---
[1] الحدیقۃ الندیۃ الصّف الثانی من الصنفین فیما ورد عن ائمتنا الحنفیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ آباد ۲/ ۶۵۶

ہاں اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے،

فی البحر الرائق عن السراج الھندی عن الفقیہ ابی اللیث ان عدم وجوب السؤال من طریق الحکم وان سأل کان احوط لدینہ الخ۔	البحرالرائق میں سراج ہندی سے منقول ہے انہوں نے فقیہ ابواللیث سے نقل کیا کہ سوال کا واجب نہ ہونا شرعی حکم کے طریقے پر ہے اور اگر سوال کرے تو یہ دینی اعتبار سے زیادہ محتاط ہونا ہے الخ (ت)

اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط وورع میں کسی امر اہم وآکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے مثلاً مسلمان نے دعوت کی یہ اس کے مال وطعام کی تحقیقات کر رہے ہیں کہاں سے لایا، کیونکر پیدا کیا، حلال ہے یا حرام، کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اُسے ایذا دینا ہے خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم ومحترم ہو، جیسے عالمِ دین یا سچّا مرشد یا ماں باپ یا استاذ یا ذی عزت مسلمان سردار قوم تو اس نے اور بے جا کیا ایک تو بدگمانی دوسرے موحش باتیں تیسرے بزرگوں کا ترک ادب، اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کرلُوں گا حاشا وکلّا اگر اسے خبر پہنچی اور نہ پہنچنا تعجب ہے کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں تو اس میں تنہا برروپوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے کماھو مجرب معلوم (جیسا کہ تجربہ سے معلوم ہے۔ت) نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا" ہیہات "احبا کو رنج دینا کب رواہے۔اور یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اُس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا۔معہذا اگر ایذا نہ بھی ہُوئی اور اُس نے براہِ بے تکلفی بتادیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعاً ناجائز۔غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ۲ ہی صورتیں ہیں یا تو اس طور پر بچ جائے کہ اُسے اجتناب ودامن کشی پر اطلاع نہ ہو یا سوال وتحقیق کرے تو اُن امور میں جن کی تفتیش موجب ایذا نہیں ہوتی مثلاً کسی کا جُوتا پہنے ہے وضو کرکے اُس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے دریافت کرلے کہ پاؤں تر ہیں یوں ہی پہن لوں وعلٰی ہذا القیاس یا کوئی فاسق بیباک مجاہر معلن اس درجہ وقاحت وبیحیائی کو پہنچا ہوا ہو کہ اُسے نہ بتادینے میں باک ہو نہ دریافت سے صدمہ گزرے نہ اُس سے کوئی فتنہ متوقع ہو نہ اظہار ظاہر میں پردہ دری ہو تو عندالتحقیق اُس سے تفتیش میں بھی جرح نہیں ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت یا اُن کی رُسوائی وفضیحت یا تجسّس عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لئے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کردیا اے عزیز! مدارات خلق والفت وموانست

اہم امور سے ہے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت بمدارۃ الناس [1] الطبرانی فی الکبیر عن جابر وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأس العقل بعد الایمان باللہ التحبب الی الناس [2] الطبرانی فی الاوسط عن علی والبزار فی المسند عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن انس والبھیقی فی الشعب عنھم جمیعا رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا: "مجھے لوگوں سے خاطر مدارات کے لئے بھیجا گیا ہے"۔اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالٰی پر ایمان لانے کے بعد کمالِ عقل انسانوں سے محبت کرنا ہے"۔اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔اور بزار نے مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان تمام سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

مگر جب تک نہ دین میں مداہنت نہ اُس کے لئے کسی گناہِ شرعی میں ابتلا ہو۔

قال اللہ تعالٰی لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ [3] وقال تعالٰی لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ [4] وقال تعالٰی وَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ(۶۲) [5] ۔وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف [6] الشیخان و	اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: "وہ اللہ تعالٰی کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے"۔ اور ارشادِ خداوندی ہے: "ان دونوں (زانی اور زانیہ) کے بارے میں تمہیں دینِ خداوندی میں نرمی نہیں کرنی چاہئے"۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے: "اور اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ

[1] شعب الایمان فصل فی الحلم والتورۃ الخ حدیث ۸۴۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۵۱
[2] شعب الایمان فصل فی الحلم والتورۃ الخ حدیث ۸۴۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۴۴
[3] القرآن ۵/ ۵۴
[4] القرآن ۲۴/ ۲
[5] القرآن ۹/ ۶۲
[6] صحیح البخاری کتاب اخبار الآحاد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۸

وابوداود والنسائی عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق [1] احمد الامام ومحمد الحاکم عن عمران والحکم بن عمرو الغفاری رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	وہ (لوگ) انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں"۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے" اس حدیث کو امام بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔اسے امام احمد اور محمد حاکم نے حضرت عمران اور حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)

پس ان امور میں **ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ** یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروانہ کرے اور اتیان مستحب وترک غیر اولٰی پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے اُن کی حُرمت وشناعت نہ ثابت ہو اُن میں اپنے ترفع وتنزہ کے لئے خلاف وجُدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع کے مناقض ہیں ہاں وہاں ہوشیار وگوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمتِ جلیلہ وکُوچہ سلامت وجادہ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہلِ تکشف غافل وجاہل ہوتے ہیں وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں خبردار ومحکم گیر یہ چند سطروں میں علم غزیر وباللہ التوفیق والیہ المصیر (یہ سب اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہے اور اسی کی طرف رجوع کرنا ہے۔ت)

قال الامام حجۃ الاسلام حکیم الامۃ کاشف الغمّۃ ابوحامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الاحیاء المبارک اقول لیس لہ ان یسألہ بل ان کان یتورع فیتلطف فی الترک و ان کان لابد لہ فلیأکل بغیر سوأل ایذاء	حجۃ الاسلام، حکیم الاُمہ، کاشف الغمہ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے احیاء العلوم شریف میں فرمایا: "میں کہتا ہوں (جس کو دعوت دی گئی) اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس (داعی) سے سوال کرے بلکہ اگر وہ تقوٰی اختیار کرنا چاہتا ہے تو نرمی کے ساتھ چھوڑ دے اور اگر (دعوت میں) جانا ضروری ہو تو پُوچھے بغیر کھائے کیونکہ سوال

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی مطبوعہ دار الکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۲۹

وهتك ستر و ایحاش وهو حرام بلاشك فان قلت لعله لایتأذی فاقول لعله یتأذی فانت تسأل حذرا من"لعل"فان قنعت بلعل فلعل ماله حلال والغالب علی الناس الاستیحاش بالتفتیش ولایجوزله ان یسأل عن غیره من حیث یدری هو به فان الایذاء فی ذلك اکثر وان سأل من حیث لایدری هو ففیه اساءة ظن وهتك ستروفیه تجس وفیه تسبیب للغیبة وان لم یکن ذلك صریحا وکل ذلك منهی عنه فی اٰیة واحدة وکم من زاهد جاهل یوحش القلوب فی التفتیش ویتکلم بالکلام الخشن المؤذی وانما یحسن الشیطان ذلك عنده طلبًا للشهرة باکل الحلال ولوکان باعثه محض الدین لکان خوفه علی قلب مسلم ان یتأذی اشد من خوفه علی بطنه ان یدخله مالایدری وهو غیر مؤاخذ بمالایدری اذالم یکن ثم علامة توجب الاجتناب فلیعلم ان طریق الورع الترك دون التجسس واذالم یکن بدمن الاکل فالورع الاکل واحسان الظن هذا هو المألوف من الصحابه رضی الله

کرنے میں ایذار سانی، پردہ دری اور وحشت پیدا کرنا ہے اور یہ بلاشبہ حرام ہے۔ اگر تم کہو کہ شاید اسے ایذا نہ پہنچے۔ تو میں کہوں گا شاید اسے تکلیف پہنچے اور تم لفظ "لعل" "شاید" پر قناعت کرتے تو اچھا تھا کیونکہ ممکن ہے اس کا مال حلال ہو (یعنی اس کو حرام نہ سمجھتے) اور غالب بات یہ ہے کہ تفتیش سے لوگوں کو وحشت ہوتی ہے اور جب وہ جانتا ہو تو اس کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے سے سوال کرے کیونکہ اس میں ایذارسانی زیادہ ہے اور اگر یوں پُوچھتا ہے کہ اُسے معلوم نہیں تو اس میں بدگمانی اور پردہ دری ہے نیز اس میں تجسّس ہے جو غیبت کا باعث بنتا ہے اگرچہ یہ صریح نہ ہو اور یہ تمام باتیں ایک آیت (سورہ حجرات آیت ۱۲) میں ممنوع قرار دی گئی ہیں اور کتنے ہی جاہل زاہد ہیں جو تفتیش کے ذریعے دلوں میں وحشت پیدا کرتے ہیں اور نہایت سخت اور ایذارساں کلام استعمال کرتے ہیں در حقیقت شیطان اس کی نظروں میں اسے اچھا قرار دیتا ہے تاکہ وہ حلال خور مشہور ہو، اور اگر اس کا باعث محض دین ہو تو پھر مسلمانوں کے دل کو اذیت پہنچانے کا خوف ایسی چیز کو پیٹ میں داخل کرنے کے خوف سے زیادہ ہے جس کے بارے میں وہ نہیں جانتا کیونکہ جس بات کو وہ نہیں جانتا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔ جب وہاں ایسی علامت نہ ہو جس کی وجہ سے اجتناب لازم ہوتا ہے تو جان لو پرہیزگاری ترک سوال میں ہے تجسّس میں نہیں اور اگر کھانا ضروری ہو تو کھانے اور اچھا گمان کرنے میں پرہیزگاری ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہی طریقہ پسند ہے، اور جو

تعالٰی عنهم ومن زاد علیهم فی الورع فهوضال مبتدع ولیس بمتبع[1] اھ ملخصاً۔

وفیه قال الحارث المحاسبی رحمه الله تعالٰی لوکان له صدیق اواخ وهو یأمن غضبه لوسأله فلاینبغی ان یسأله لاجل الورع لانه ربما یبدو له ماکان مستور عنه فیکون قدحمله علی هتك الستر ثم یؤدی ذٰلك الی البغضاء وان رابه منه شیئ ایضالم یسأله ویظن به انه یطعمه من الطیب ویجنبه الخبیث فان کان لایطمئن قلبه الیه فلیحترز متلطفا ولایهتك ستره بالسؤال لانی لم ار احدا من العلماء فعله[2] اھ ملخصاً۔

وفی الطریقة والحدیقة مالا یدرك کله وهو الاحتراز عن الشبهات کلها فی جمیع المعاملات لایترك کله فالاولی والاحوط الاحتراز مافیه امارة ظاهرة للحرمة وهی الشبهة القویة ومن له شهرة تامة بالظلم والغصب اوالسرقة

شخص پرہیزگاری کے سلسلے میں ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے وہ گمراہ اور بدعتی ہے، مطیع نہیں ہے تلخیص۔

اور اسی سلسلے میں حضرت حارث محاسبی رحمہ اللہ نے فرمایا: "اگر کسی شخص کا دوست یا بھائی ہو اور سوال کرنے میں اس کی ناراضگی کا ڈر نہ ہو تو بھی پرہیزگاری کے حصول کیلئے سوال کرنا مناسب نہیں کیونکہ بعض اوقات اس کے سامنے وہ بات ظاہر ہوجاتی ہے جو اس سے پوشیدہ رکھی گئی ہے پس وہ اسے پردہ دری پر برانگیختہ کرے گی پھر دشمنی تک پہنچائے گی اور اگر اسے اس میں کچھ شک ہو تب بھی سوال نہ کرے بلکہ اس کے بارے میں یہی گمان رکھے کہ وہ اسے پاکیزہ چیزیں کھلاتا اور خبیث چیزوں سے دُور رکھتا ہے اگر اس پر اس کا دل مطمئن نہ ہو تو نہایت نرم طریقے سے کنارہ کش ہوجائے لیکن سوال کرکے اس کی پردہ دری نہ کرے، کیونکہ میں نے کسی عالم کو ایسا کرتے نہیں دیکھا، تلخیص۔ اور الطریقۃ المحمدیہ اور الحدیقۃ الندیہ میں ہے" جس چیز کو مکمل طور پر نہ پایا جاسکے اور وہ تمام معاملات میں ہر قسم کے شبہے سے بچنا ہے تو سب کو نہ چھوڑا جائے پس زیادہ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ ان چیزوں سے احتراز کیا جائے جن میں حرمت کی نشانی واضح ہے اور وہ قوی شبہ ہے اور اسی طرح اس سے بھی اجتناب کیا جائے جو ظلم، غصب، چوری، خیانت اور دھوکا دہی وغیرہ

[1] احیاء العلوم الباب الثالث فی البحث والسؤال المثار الاول مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/۱۱۹

[2] احیاء العلوم الباب الثالث فی البحث والسؤال المثار الثانی مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/۱۲۴

اوالخانیة اوالتزویر اونحوها من الربٰو والمکس فی الاموال وقطع الطریق ممایمکن الاحتراز عنه من غیر ترك مافعله اولی منه ای من ترکه اوفعل ما ترکه کذلك ای اولی من فعله وهذا احتراز عما اذا ترتب علی اجتنابه عن اموال من ذکروترك الاحترام لهم اذاکانوا ممایجب احترامهم اوینبغی له کاسلاطین والحکام وقضاة الشرع والابوین والاستاذ والمعلم عـہ۱ والکبیر فی السن وشیخ المحلة والصدیق ولاینبغی بل لایجوز اساءة الظن بهم ومتی ادی ذلك الی شیئ من هذا لم یکن الاولی ولا الاحتیاط الاحتراز عن تلك الشبهات لما یعارضها من ترك الاحترام اواساءة الظن بمن یجب اوینبغی احترامه ولایحسن عـہ۲ اساء ة الظن به وهذا من اصعب الامور یرید المستحب فیقع فی الحرام [1] اھ ملخصا۔	مثلاً سُود کھانے، مالی نقصان پہنچانے اور ڈاکہ زنی میں مشہور ہو یہ وہ چیزیں ہیں کہ اولٰی کو چھوڑے بغیر بھی ان سے اجتناب ممکن ہے مراد یہ ہے کہ اس پر عمل اسے چھوڑنے سے اولٰی ہے اسی طرح جس چیز کا چھوڑنا اسے بجالانے سے بہتر ہے اسے کئے بغیر بھی ان چیزوں سے اجتناب ہوسکتا ہے۔ یہ بات کہ جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ان کے مال سے بچنے کی بنا پر ان کے احترام کو چھوڑنا لازم آتا ہے یہ اس بات سے احتراز ہے کہ جب وہ ایسے لوگ ہوں جن کا احترام واجب یا مناسب ہے جیسے بادشاہ، حکام، قاضیِ شرع، ماں باپ، استاذ، معلم، عمر رسیدہ، محلّہ کے بزرگ اور دوست تو ان کے بارے میں بدگمانی نامناسب بلکہ ناجائز ہے اور جب یہ بات (ان کی دعوت سے احتراز) ایسی بات کی طرف پہنچائے تو ان شبہات سے بچنا نہ تو اولٰی ہے اور نہ ہی زیادہ محتاط، کیونکہ اس صورت میں ان لوگوں کا احترام چھوڑنا پڑتا ہے اور ان کے بارے میں بدگمانی پیدا ہوتی ہے جن کا احترام واجب یا مناسب ہے اور ان کے بارے میں بدگمانی (جائز) نہیں یہ نہایت مشکل کام ہے وہ مستحب کا ارادہ کرتے کرتے حرام میں پڑ جائے گا، تلخیص (ت)

عـہ۱: ای ولولحرفة من الحرف کماذکره العارف النابلسی بنفسه فی بعض المواضع من هذا الشرح ۱۲ منه (م) عـہ۲: ای لایجوز کماسبق ۱۲ (م)	یعنی پیشوں میں سے اگرچہ وہ کسی بھی پیشے کا معلم ہو جیساکہ خود عارف نابلسی نے اسی شرح کے بعض مواضع پر اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت) یعنی لایجوز (ناجائز ہے) جیساکہ گزرا ۱۲ (ت)۔

[1] الحدیقة الندیة بیان حکم التورع والتوقی من طعام اہل الوظائف مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۷۰۴

اقول: وھو کماتری صریح اوکالصریح فی ترک السؤال ولوکان اکثر مالہ من الحرام فانہ ذکر المشہورین بالسرقۃ وقطع الطریق والغصب والربٰو ولم یفصل مطلقا اما الامام حجۃ الاسلام فجنح عند کثرۃ الحرام الی ایجاب السؤال وقال انما اوجبنا السؤال اذا تحقق ان اکثر مالہ حرام وعند ذلك لایبالی بغضب مثلہ بل یجب ایذاء الظالم باکثر من ذلك والغالب ان مثل ھذا لایغضب من السؤال[1] اھ

اقول: یہ ترک سوال میں صریح یا صریح کی طرح ہے جیسا کہ دیکھ رہے ہو اور اگر اس کا زیادہ مال حرام (کی کمائی) سے ہو تو وہ چوری، ڈاکے، غصب اور سود میں مشہور لوگوں کا ذکر کرے لیکن تفصیل میں مطلقًا نہ جائے، امام حجۃ الاسلام کا میلان حرام مال زیادہ ہونے کی صورت میں وجوب سوال کی طرف ہے انہوں نے فرمایا ہم نے اس صورت میں سوال کرنا واجب قرار دیا ہے جب ثابت ہو جائے کہ اس کا زیادہ مال حرام ہے اس حالت میں اس کے غصّہ وغیرہ کی پروانہ کی جائے بلکہ ظالم کو اس سے بھی زیادہ ایذا پہنچانا واجب ہے اور غالب یہ ہے کہ اس قسم کا آدمی ایسے سوال پر غصہ نہیں کرتا اھ (ت)

قلت ومبنی ذلك تحریمہ الاکل عند من غالب مالہ حرام فیدخل فی القسم الاول الذی ذکرنا انہ لایبالی فیہ بسخط احد ولا لومۃ لائم وھذا وجہ عند مشایخنا وبہ افتی الفقیہ السمرقندی وغیرہ وصححہ فی الذخیرۃ والصحیح المختار فی المذھب المعول علیہ المفتی بہ اطلاق الرخصۃ مالم یعرف شیأ حراما بعینہ وھو مذھب ابراھیم النخعی وابی حنیفۃ واصحابہ قال محمد وبہ ناخذ فانی یعارض فتوی ابی اللیث فتوی ابی حنیفۃ وتصحیح الذخیرۃ ترجیح محمد۔

وابوحنیفۃ ھوالامام

قلت اس کی بنیاد یہ ہے کہ جس کا اکثر مال حرام ہو اس کے ہاں کھانا حرام ہے، یہ پہلی قسم میں داخل ہوگا جس کا ہم نے ذکر کیا کہ اس سلسلے میں کسی کی ناراضگی کی پروانہ کرے اور نہ ہی کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرے ہمارے مشائخ کے نزدیک یہ زیادہ مناسب ہے فقیہ سمرقندی وغیرہ نے اسی پر فتوی دیا ہے ذخیرہ میں اسے صحیح قرار دیا اور قابل اعتماد مذہب اور مفتی بہ قول میں صحیح اور مختار بات مطلق رخصت ہے جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا معلوم نہ ہو ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔امام محمد فرماتے ہیں ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں پس ابواللیث کا فتوی امام ابوحنیفہ کے فتوی کا اور تصحیح ذخیرہ امام محمد کی ترجیح کا معارض کیسے ہوگا حالانکہ امام ابوحنیفہ جو امام اعظم ہیں۔

[1] احیاء العلوم الباب الثالث فی البحث والسؤال المثار الثانی مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۲/ ۱۲۴

الاعظم ومحمد هو المحرر للمذهب فلذا اطلق العلامة البركلى القول وتبعناه فى ذلك لكن يظهر لى ان التورع محمود فى نفسه وقدمدح فى احاديث متواترة المعنى فصلنا جملة منها فى كتابنا المبارك ان شاء الله تعالٰى مطلع القمرين فى ابانة سبقة العمرين"وانما يترك حيث يترك لاجل عارضة اقوى مالى اقول يترك كلا لايترك ولكن ح يكون الورع فى ترك مايظنه المتقشف ورعًا فحيث لا توجد العوارض كالايذاء وهتك الستر واثارة الفتنة كماوصفنا لك من شان ذاك الجرئ المجاهر فلامعنى لترك الرعة ح مع وجود المقتضى وعدم المانع فلذا ذهبنا الى استثنائه والله الموفق هذا وفى عين العلم والاسرار بالمساعدة فيما لم ينه عنه وصار معتادا فى عصرهم حسن وان كان بدعة [1] اھ اى حسنة اوفى العادات كمايفيده التقييد بمالم ينه عنه ومثله فى الاحياء والله تعالٰى اعلم۔	اور امام محمد ان کے مذہب کو تحریر کرنے والے ہیں اسی لئے علامہ برکلی کا قول مطلق ہے اور ہم نے اس سلسلے میں اس کی اتباع کی لیکن مجھ پر ظاہر ہوا کہ ذاتی طور پر پرہیزگاری قابلِ تعریف ہے احادیث متواتر المعنی میں اس کی تعریف آئی ہے ہم ان میں سے کچھ (احادیث) اپنی مبارک کتاب "مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین" میں تفصیل سے نقل کریں گے اِن شاء اللہ تعالٰی، جہاں چھوڑا جاتا ہے وہاں کسی نہایت مضبوط عارضہ کی وجہ سے چھوڑا جاتا ہے، مجھے کیا ہے کہ میں کہوں کہ چھوڑا جائے، ہرگز نہیں چھوڑا جائے لیکن اس وقت پرہیزگاری اس چیز کو چھوڑنے میں ہوگی جس کو حقیقتِ حال معلوم کرنے والا پرہیزگاری خیال کرتا ہے پس جہاں ایذاء رسانی، پردہ دری اور فتنہ پروری جیسے عوارض نہیں پائے جائیں گے جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے اس جرات مند اعلانیہ روکنے والے کی شان بیان کی وہاں پرہیزگاری چھوڑنے کا کوئی مطلب نہیں کیونکہ وہاں اس سے (پُوچھ گچھ) کا مقتضٰی بھی موجود ہے اور کوئی مانع بھی نہیں اسی لئے ہم نے اس کے استثناء کا راستہ اپنایا ہے واللہ الموفق ہذا۔اور "عین العلم والاسرار بالمساعدۃ" میں ہے کہ جس چیز سے روکا نہیں گیا اور وہ ان کے زمانے میں عادت بن گئی ہو وہ اچھی چیز ہے اگرچہ وہ بدعتِ حسنہ ہی ہو یا وہ عادات ہوں جیسا کہ "اس سے نہ روکا گیا ہو" کی قید سے فائدہ حاصل ہوتا ہے احیاء العلوم میں بھی اسی کی مثل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] عین العلم باب فی الصمت وافۃ اللسان مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۲۰۶

تمّت المقدمات

(مقدمات پورے ہوگئے۔ت)

وضع ضابطہ کلیہ دریں باب وتفرقہ درحکم عظام وشراب

اس باب میں ضابطہ کلیہ کا بیان اور شراب اور ہڈیوں کے حکم میں فرق کا بیان

اقول: وباللہ التوفیق

واضح ہو کہ کسی شے حرام خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر یقین دو [2] قسم ہے:

(۱) شخصی یعنی ایک فرد خاص کی نسبت تیقن مثلاً آنکھوں سے دیکھا کہ اس کنویں میں نجاست گری ہے۔

(۲) اور نوعی یعنی عــہ مطلق نوع کی نسبت یقین۔ اور اس کی پھر دو [2] قسمیں ہیں:

ایک اجمالی یعنی اس قدر ثابت کہ اس نوع میں اختلاط واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ علی العموم اُس کے ہر فرد کی نسبت علم ہو جیسے کفار کے برتن، کپڑے، کنویں۔ دوسرا کلی یعنی نوع کی نسبت بروجہ شمول وعموم ودوام والتزام اس معنی کا ثبوت ہو مثلاً تحقیق پائے کہ فلاں نجس یا حرام چیز اس ترکیب کا جزوخاص ہے کہ جب بناتے ہیں اُسے شریک کرتے ہیں اور یہ وہیں ہوگا کہ بنانے والوں کو بالخصوص اس کے ڈالنے سے کوئی غرض خاص مقصود ہو ورنہ بلاوجہ التزام متیقن نہیں ہوسکتا جیسے پانی وغیرہ کسی شے کو ہڈیوں سے صاف کریں کہ تصفیہ میں ناپاک یا حرام استخواں کی کوئی خصوصیت نہیں جو مقصود ان سے حاصل پاک وحلال ہڈیوں سے بھی قطعاً متیسر **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

اور وہ اشیاء بھی جن کا کسی ماکول ومشروب یا اور استعمالی چیزوں میں خلط سُنا جانا موجب تردّد وتشویش وباعثِ سوال وتفتیش ہو دو [2] قسم ہیں:

ایک مامنہ محذور یعنی وہ جن میں ہر قسم کے افراد موجود بعض اُن میں حرام ونجس بھی ہیں اور بعض حلال وطاہر جیسے عظام یہاں منشاء توہم صرف اُن لوگوں کا بیباک ونامحتاط ہونا ہے جن کے اہتمام سے وہ چیز بنتی ہے کہ جب ان اشیاء میں حرام ونجس بھی موجود اور اُن کو پرواہ واحتیاط مفقود تو کیا خبر کہ یہاں کس قسم کی چیز ڈالی گئی ہے اسی لئے جب وہ کارخانہ ثقہ مسلمانوں کے تعلق ہو تو خاطر پر اصلاً تردّد نہ آئے گا اور صدور محذور کی طرف ذہن سلیم نہ جائے گا۔

عــہ: اراد بالنوع مالیس بشخص بدلیل المقابلۃ فیعم الصنف والجنس ۱۲ منہ (م)

نوع سے مراد وہ ہے جو شخصی نہ ہو کیونکہ یہاں نوعی، شخصی کے مقابل ہے تو یہ نوع اور جنس دونوں کو عام ہوگی ۱۲منہ (ت)

دوسرے ماہو محذور یعنی وہ کہ حرام مطلق یا نجس محض ہیں جن کا کوئی فرد حلال وطاہر نہیں جیسے شراب **بجمیع اقسامھا علی مذھب محمد الماخوذ للفتوی** (اپنی تمام اقسام کے ساتھ، امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق اسی پر فتوی ہے۔ت) یہاں باعث احتراز وتنزہ خود اُس شے کی نفس حالت ہے نہ بنانے والوں کو جرات وجسارت یہاں تک کہ ابتداءً اہل کارخانہ کی وثاقت وعدالت معلوم ہونا اس مقام پر علاج اندیشہ نہ ہوگی بلکہ یہ سُن کر ان کی وثاقت واحتیاط میں شک آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان دو ۲ صورتوں میں ہنگامِ نظر وتنقیح حکم بوجہ فرق واقع ہوتا ہے۔

صُورت اولیٰ میں مجرد اُس شے مثلاً استخواں کے پڑنے پر تیقن عام ازاں کہ شخصی ہو یا نوعی اجمالی ہو یا کلی خواہی نخواہی اس جزئی یا نوع میں مخالطت حرام یا نجس کا یقین نہیں دلاتا۔ ممکن کہ صرف افراد طیبہ ومباحہ استعمال میں آئے ہوں۔ اسی طرح خاص افراد محرمہ ونجسہ کے استعمال پر یقین نوعی اجمالی بھی علی الاطلاق تحریم وتنجیس کا مورث نہیں کہ ہر جزئی خاص میں استعمال فرد طاہر وحلال کا احتمال قائم ولہذا افراد قسمین کا بازار میں اختلاط مانع اشترا وتناول نہیں کہ کسی معین پر حکم بالجزم نہیں کرسکتے **کماحققنا کل ذٰلك فی المقدمۃ الثامنۃ والتاسعۃ** (جیسا کہ ہم نے آٹھویں اور نویں مقدمہ میں ان تمام باتوں کی تحقیق کی ہے۔ت) بخلاف **صورتِ ثانیہ** کہ وہاں صرف اس کے پڑنے کا یقین شخصی خواہ نوعی کلی اُس جزئی خاص یا تمام نوع کی تنجیس وتحریم میں بس ہے جس کے بعد کچھ کلام باقی نہیں رہتا اور وہ احتمالات کی بوجہ تنوع افراد صورتِ اولیٰ میں متحقق ہوتے تھے یہاں قطعاً منقطع **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اسی طرح صورتِ اولیٰ میں اگر بالخصوص افراد حرام وناپاک ہی پڑنے کا ایسا ہی یقین یعنی شخص یا نوعی کلی ہو تو اس کا بھی یہی حکم کہ اس تقدیر پر صورتِ اولیٰ صورت ثانیہ کی طرف رجوع کر آئی۔

لانتفاء التنوع فی الافراد فان الیقین تعلق بخصوص الافراد المحرمۃ والنجسۃ وھی لاتتنوع الی محذور وغیر محذور۔	کیونکہ افراد میں تنوع کی نفی ہے پس یقین خاص حرام وناپاک افراد سے متعلق ہوگا اور وہ ممنوع وغیر ممنوع میں تقسیم نہیں ہوتا۔(ت)

البتہ یقین نوعی اجمالی یہاں بھی بکار آمد نہیں کہ جب علٰی وجہ العموم والالتزام تیقن نہیں تو ہر فرد کی محفوظی محتمل جب تک کسی جزئی خاص کا حال تحقیق نہ ہو کہ اس وقت یہ یقین یقین شخصی کی طرف رجوع کرجائے گا **وھو مانع کماذکرنا** (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا وہ مانع ہے۔ت)

بالجملہ خلاصہ ضابطہ یہ ہے کہ مامنہ محذور میں ہر قسم کا یقین بکار آمد نہیں جب تک وہ ماہو محذور کی طرف رجوع نہ کرے اور ماہو محذور میں ہر قسم کا یقین کافی مگر صرف نوعی اجمالی کہ ساقط وغیر مثبت ممانعت ہے جب تک یقین شخصی کی طرف مائل نہ ہو یہ نفیس ضابطہ قابلِ حفظ ہے کہ شاید اس رسالہ عجالہ کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اگرچہ جو کچھ ہے کلمات علماء سے مستنبط اور انہی کی کفش برداری کا تصدق والحمدللہ ربّ العٰلمین۔

الشروع فی الجواب بتوفیق الوھاب

(وہاب (اللہ تعالٰی) کی توفیق سے جواب کا آغاز ہے۔ت)

کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر اب مقدمہ ۴ و ۵ کی تقریر پیشِ نگاہ رکھ کر لحاظ درکار اگر یہ اخبار افواہ بازار یا منتہائے سند بعض مشرکین و کفار تو بالکل مردود و محض بے اعتبار ہاں صورت اخیرہ میں اگر ان کا صدق دل پر جمے تو احتیاط بہتر تاہم گناہ نہیں اور اتنا بھی نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہیں اور اگر فساق بداعمال یا مستور نامعلوم الحال کی خبر تو شہادت قلب کی طرف رجوع معتبر اگر دل اس امر میں اُن کے کذب کی طرف جھکے تو کچھ باک نہیں مگر احتراز افضل کہ آخر مسلمان ہیں عجب کیا کہ سچ کہتے ہوں خصوصًا مستور کہ اُس کی عدالت معلوم نہیں تو فسق بھی تو ثابت نہیں اور اگر قلب اُن کے صدق پر گواہی دے تو بیشک احتراز چاہئے کہ ایسے مقام پر تحری حجتِ شرعیہ ہے اگرچہ وہ خبر بنفسہ حجت نہ تھی مگر یہاں ممانعت کا درجہ حرمت قطعیہ تک تجاوز نہ کرے گا۔

لان التحری محتمل للخطاء کمافی الھدایۃ والظنون ربما تکذب کمافی الحدیث۔	کیونکہ سوچ وبچار میں خطاء کا بھی احتمال ہوتا ہے جیساکہ ہدایہ میں ہے اور گمان بعض اوقات جھوٹے ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے(ت)

اور وہ بھی اُسی کے حق میں جس کا دل اُن کے صدق کی طرف جائے۔

فان شھادۃ قلبك لیست حجۃ الاعلیك وذٰلك فی القاطع کالوجدان فکیف بالظنون۔	کیونکہ تمہارے دل کی گواہی تو تمہارے خلاف ہی جائیگی اور وہ قطعی چیز وجدان کی طرح ہے تو گمان کی صورت میں کیا کیفیت ہوگی۔(ت)

پس اگر دوسرے کے دل پر اُن کا کذب جمے اُس کے حق میں وہی پہلا حکم ہے کہ احتراز بہتر ورنہ اجازت۔

فی صلاۃ ردالمحتار استفید مماذکر انه بعد العجز عن الادلۃ المارۃ علیه ان یتحری ولایقلد مثله لان المجتهد لایقلد مجتهدا [1] الخ	ردالمحتار میں نماز کی بحث میں ہے مذکورہ کلام سے مستفید ہوا کہ گزشتہ دلائل سے عجز کے بعد اس پر لازم ہے کہ غور وفکر کرے اور اپنے جیسے کی تقلید نہ کرے کیونکہ مجتہد، مجتہد کی تقلید نہیں کرتا الخ(ت)

ہاں اگراس قدر جماعت کثیر کی خبر ہو جن کا کذب پر اتفاق عقل تجویز نہ کرے تو بیشک علی الاطلاق حرمت قطعی کا حکم دیا جائیگا اور اس کے سوا کسی امر پر لحاظ نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ سب مخبر فساق وفجار بلکہ مشرکین وکفار ہوں۔

فان العدالۃ بل والاسلام ایضا لایشترط فی	کیونکہ جمہور کے نزدیک تواتر میں عدالت بلکہ اسلام کی شرط

[1] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۵۱/۱

التواتر عند الجمهور خلافا للامام فخر الاسلام علی ماشتهر مع ان کلامه قدس سره ایضا غیر نص فی الاشتراط [1] کماافاده المولی بحر العلوم فی الفواتح والله اعلم۔	بھی نہیں البتہ اس میں امام فخر الاسلام کا اختلاف ہے جیسا کہ مشہور ہے لیکن اس کے باوجود ان کا کلام بھی شرط رکھنے میں صریح نہیں جیسا کہ بحر العلوم نے فواتح میں اس بات کا فائدہ دیا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اسی طرح اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگرچہ ایک ہی ہو جب بھی احتراز واجب اور برف حرام و نجس۔

فان فی الدیانات لایشترط العدد ویقبل خبر الواحد العدل بلاتردد۔	کیونکہ دیانتوں میں گنتی شرط نہیں اور ایک عادل آدمی کی خبر کسی تردّد کے بغیر قبول کی جاتی ہے۔(ت)

مگر یہ ضرور ہے کہ وہ خود اپنے معاینہ سے خبر دے ورنہ سُنی سنائی کہنے میں اُس کا قول خود اُس کا قول نہیں یہاں تک کہ جب اکابر علمانے دیبائے فارسی کی نسبت لکھا اس میں پیشاب پڑتا ہے۔امام علّامہ ملک العلماء ابوبکر بن مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی وغیرہ ائمہ نے فرمایا: اگر یہ بات تحقیق ہوجائے تو اُس سے نماز ناجائز ہوگی تو کیا وجہ کہ اُن علماء کا خود مشاہدہ نہ تھا لہٰذا ہنوز معاملہ تحقیق طلب رہا۔

فی البدائع ثم الحلیة بعدذکر مانقلنا عنهما فی المقدمة الثامنة فان صح انهم یفعلون ذلك فلاشك انه لاتجوز الصلاة معه [2] اهوفی ردالمحتار علی ما اثرنا عن الدرالمختار ثم ان کان کذلك لاشك انه نجس تاترخانية [3] اه	بدائع پھر حلیہ میں اس کے بعد جس کو ہم نے ان دونوں سے آٹھویں مقدمہ میں نقل کیا ہے کہا ہے کہ "اگر صحیح طور پر ثابت ہوجائے کہ وہ ایسا کرتے ہیں تو اس میں شک نہیں کہ اس کے ساتھ نماز جائز نہیں (انتہی) اور ردالمحتار میں اس بات پر جو ہم نے وہاں درمختار سے نقل کی ہے، یہ ہے کہ اگر اسی طرح ہے تو اس کے نجس ہونے میں کوئی شک نہیں، تاترخانیہ اھ (ت)

اسی طرح تواتر کے یہ معنی کہ اس قدر جماعت کثیر خاص اپنے معاینہ سے بیان کرے نہ یہ کہ کہنے والے تو ہزار ہے مگر جس سے پوچھی سننا بیان کرتا ہے کہ اس صورت میں اگ اصل مخبر کا پتا نہیں تو وہ ہی افواہ بازاری ہے ورنہ

[1] فواتح الرحموت بحث العلم بالتواتر حق مطبوعہ المطبعۃ الامیریہ بولاق مصر ۱۱۸/۲

[2] بدائع الصنائع فصل فی بیان مقدار مایصیر بہ المحل نجسا الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۱/۱

[3] ردالمحتار قبیل کتاب الصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۵۷/۱

انتہائے خبر اُس مخبر پر رہے گی اور ناقلین درمیان سے ساقط ہوجائیں گے صرف نظر اُس اصل کے حال پر اقتصار کرے گی یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر اس قسم کی خبریں عوام یا کم علموں کے نزدیک متواترات سے ملتبس ہوجاتی ہیں حالانکہ عندالتحقیق تواتر کی بو نہیں۔

قال المولی الناصح سیدی عبدالغنی قدس سرہ فی مبحث اٰفة الرقص من شرح الطریقة اماخبر التواتر من الناس لبعضھم بعضا بذلك^{عہ} فھو ممنوع لاستناد الکل فیہ الی الظن والتوھم والتخمین واستفادة الخبر من بعضھم لبعض بحیث لوسألت کل واحد منھم عن روية ذلك ومعاینة لقال لم اعاینہ وانما سمعت ومن قال عاینتہ تستکشف عن حالہ فتراہ مستندا الی ظنون وامارات وھمیة وعلامات ظنیة وربما اذتأملت وتفحصت وجدت خبر ذلك التواتر الذی تزعمہ کلہ مستندا فی الاصل الی خبر واحد اواثنین [1] الی اٰخر ماطال واطاب رحمہ اللہ تعالٰی۔	نصیحت کرنے والے ہمارے سردار مولانا عبدالغنی قدس سرہ، نے الطریقۃ المحمدیہ کی شرح میں رقص کی مصیبت ذکر کرتے ہوئے فرمایا لوگوں کی اس بارے خبر کو متواتر قرار دینا غلط ہے کیونکہ یہ تمام ظن، وہم اور اندازے کی طرف منسوب ہیں، اور یہی حال اس خبر کے مستفید ہونے کا ہے کہ اگر تم ان میں سے ہر ایک سے اس کے دیکھنے کے بارے میں پُوچھو تو کہے گا میں نے اسے نہیں دیکھا میں نے تو سنا ہے۔ اور جو کہے کہ میں نے دیکھا ہے اس کا حال معلوم کرو تو دیکھوگے کہ وہ محض گمان، وہمی نشانیوں اور ظنی علامتوں کی طرف نسبت کرے گا اور جب تم غور و فکر اور چھان بین کروگے تو جسے تم تواتر سمجھتے ہو اس کو ایک یا دو شخصوں کی طرف منسوب پاؤگے۔ آخر تک جو آپ نے طویل بحث کی ہے۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ (ت)

الحاصل جب خبر معتبر شرعی سے ثابت ہوجائے کہ شراب اس ترکیب کا جز ہے تو برف کی حرمت و نجاست میں کلام نہیں اور علی العموم اُس کے تمام افراد ممنوع و محذور اور یہ احتمال کہ شاید اس فرد خاص میں نہ پڑی ہو محض مہمل و مہجور کہ یہ ماھو محذور میں یقین نوعی کلی ہے اور ایسی جگہ یہ احتمالات یک لخت مضمحل و غیر کافی (دیکھو ضابطہ کلیہ کی تحریر اور

عـہ: ای بماذکر من معائب المتصوفة المدعین لہ بالکذب اذااخبر بذلك عن رجل معین ۱۲ منہ (م)	یعنی تصوف کے جھُوٹے دعویدار حضرت کے مذکورہ عیوب (رقص وغیرہ) کی جب کسی شخص کے بارے خبر دی جائے ۱۲ منہ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع فی آفات البدن الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۲۱

مقدمہ ۸ کی صدر تقریر) یہاں تک کہ ایسی شے کا دوا میں بھی استعمال ناروا مگر جب اُس کے سوا دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اس سے قطعًا شفا ہو جائے گی جیسے بحالتِ اضطرار پیاسے کو شراب پینا یا بھُوکے کو گوشت مردار کھانا شرع مطہر نے جائز فرمایا کہ اُس سے پیاس اور اس سے بھُوک کا جانا یقینی ہے نہ مجرد قول اطباء کہ ہرگز موجبِ یقین نہیں بارہا اطبّا نسخے تجویز کرتے اور اُن کے موافق آنے پر اعتماد کُلی رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہرگز ٹھیک نہیں اُترتے بلکہ کبھی بجائے نفع مضرت کرتے ہیں اور قرابادین کی بالاخوانیں کون نہیں جانتا یہاں تک کہ اکذب من قرابادین الاطباء (فلاں) اطباء کی قرابادین (دواؤں کی ڈکشنری) سے زیادہ جھوٹا ہے۔ت) مثل ہو گئی علی الخصوص اس بارہ میں ڈاکٹروں کا قول تو بدرجہ اولٰی قابل قبول نہیں کہ نہ انہیں دین اسلام کے حلال وحرام کا غم واہتمام نہ اس ملک والوں کی معرفت مزاج وطرق علاج وتدقیق علل و تحقیق علامات میں حذاقت کامل ومہارت تام۔

وھذا الذی اخترناہ فی مسئلۃ التداوی بالمحرم ھو الصواب الواضح الذی بہ یحصل التوفیق قال فی ردالمحتار قولہ اختلف فی التداوی بالمحرم ففی النھایۃ عن الذخیرۃ یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اٰخر وفی الخانیۃ فی معنی قولہ علیہ الصلاۃ والسلام ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم کمارواہ البخاری ان مافیہ شفاء لابأس بہ کمایحل الخمر للعطشان فی الضرورۃ وکذا اختارہ صاحب الھدایۃ فی التجنیس اھ من البحر۔ وافاد سیدی عبدالغنی انہ لایظھر الاختلاف فی کلامھم لاتفاقھم	حرام چیز کے ساتھ علاج کے مسئلہ میں ہم نے اس بات کو اختیار کیا ہے یہی بہتر اور واضح ہے جس کے ساتھ توفیق حاصل ہوتی ہے تنقید و تحقیق کے ائمہ نے بھی اسے پسند کیا ہے، ردالمحتار میں فرمایا: اس (دُرمختار) قول کہ حرام چیز سے علاج کرنے میں اختلاف ہے تو نہایہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ جائز ہے بشرطیکہ اسے اس میں شفاء کا علم ہو اور کسی دوسری دوا کا علم نہ ہو۔اور خانیہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی: "اللہ تعالٰی نے اس چیز میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی جسے تم پر حرام قرار دیا"۔ جیسا کہ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے، کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہا کہ جس چیز میں شفاء ہو اس (کے استعمال) میں حرج نہیں جیسا کہ ضرورت کے وقت پیاسے کیلئے شراب حلال ہے، صاحبِ ہدایہ نے تجنیس میں اسے پسند کیا ہے اھ (بحرالرائق)۔اور سیدی عبدالغنی (نابلسی) رحمہ اللہ نے بتایا کہ ان (فقہاء) کے کلام میں اختلاف ظاہر نہیں ہوتا

على الجواز للضرورة واشتراط صاحب النهاية العلم لاينافيه اشتراط من بعده الشفاء ولذاقال والدی فی شرح الدرر ان قوله لاللتداوی محمول على المظنون والا فجوازه باليقينی اتفاق كماصرح به فی المصفی اھ۔

اقول: وهو ظاهر موافق لما مر فی الاستدلال لقول الامام لكن قدعلمت ان قول الاطباء لايحصل به العلم والظاهر ان التجربة يحصل بهاغلبة الظن دون اليقين الا ان يريدوا بالعلم غلبة الظن وهوشائع فی كلامهم تأمل [1] اھ مافی ردالمحتار مع بعض اختصار۔

اقول: اماما ذكر من امر التجارب فللعبد الضعيف ههنا تنقيح شريف واريد ان احقق المسئلة فی بعض رسائلی ان يسر المولی سبحنه وتعالی واما عزوه الحديث للبخاری فلم اره فی البحر ولافی الخانية وانما رواه الطبرانی فی المعجم الكبير بسند صحيح على اصول عـــه الحنفية۔

کیونکہ ضرورت کے تحت جواز پر سب کا اتفاق ہے۔اور صاحبِ نہایہ نے جو علم کی شرط لگائی ہے بعد والوں کا شفاء کی قید لگانا اس کے منافی نہیں اسی لئے میرے والد ماجد نے الدرر کی شرح میں فرمایا کہ اس کا قول "نہ دوائی کیلئے" حالتِ ظن پر محمول ہے ورنہ یقینی صورت میں اس کا جواز متفق علیہ ہے، جیسا کہ المصفٰی میں اس کی تصریح ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں یہ ظاہر ہے اور امام صاحب کے قول کا جو استدلال گزر چکا ہے اس کے موافق ہے لیکن تم جانتے ہو کہ اطباء کے قول سے علم حاصل نہیں ہوتا اور ظاہر ہے کہ تجربہ سے محض غالب گمان حاصل ہوتا ہے یقین نہیں مگر یہ کہ وہ علم سے غالب گمان مراد لیں اور یہ بات ان کے کلام میں عام ہے اس پر غور کرو اھ اختصار از ردالمحتار۔(ت)

اقول: وہ تجربات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں یہاں بندہ ضعیف کی قابلِ قدر تنقیح ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے بعض رسائل میں مسئلہ کی تحقیق کروں گا اگر اللہ تعالٰی اسے میرے لئے آسان کردے باقی انہوں نے حدیث امام بخاری کی طرف منسوب کی ہے میں نے اسے بحر الرائق اور خانیہ میں نہیں دیکھا۔اسے طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حنفی قواعد کے

عـــه: قاله لان رجاله رجال الصحيح على مافيه من انقطاع ۱۲ منه (م)

یہ اس لئے کہا کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ومعتمد صحیح کے راوی ہیں اس بنا پر کہ اس میں انقطاع ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار مطلب فی التداوی بالمحرم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۴

نعم رأیته فی اشربة الجامع الصحیح باب شرب الحلواء والعسل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه من قوله تعلیقًا فلیتنبه[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	مطابق روایت کیا ہے۔ہاں میں نے اسے صحیح بخاری کے کتاب الاشربہ کے باب "شرب الحلواء والعسل" میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے تعلیقًا مروی دیکھا ہے پس اس پر آگاہ ہو جاؤ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور اگر ایسی خبر سے ثبوت نہیں تو غایت درجہ اس قدر کہ بحکم تورع واجتنابِ شبہات احتراز کرے مگر تحریم وتنجیس کا حکم بے دلیل شرعی ہر گز روا نہیں قدرے بیان اس کا آگے گزرا اور اِن شاء اللہ تعالٰی خاتمہ رسالہ میں ہم پھر اس طرف عود کریں گے والعود احمد (اور عود زیادہ بہتر ہے۔ت) یہ تو اصل حکمِ فقہی ہے اور واقع پر نظر کیجئے تو اس خبر کی کچھ حقیقت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی نہ اُس پانی میں جسے منجمد کرتے ہیں شراب ملانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے تو برف پر حکمِ جواز ہی ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت) ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنہیں ٹنچر کہتے ہیں اُن سب میں یقینا شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، نہ اُن کا کھانا حلال نہ بدن پر لگانا جائز، نہ خرید نا حلال نہ بیچنا جائز۔

کماحققناہ فی فتاوٰنا ان اسبارتو وھی روح النبیذ خمر قطعا بل من اخبث الخمور فھی حرام ورجس نجس نجاسة غلیظة کالبول وما استروح به بعض الجھلة المتسمین بالعلم من کبراء اراکین الندوة المخذولة فمن اخبث القول نسأل اللہ العصمة فی کل حرکة وکلمة۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ اسپرٹ، نبیذ کی روح اور قطعی طور پر شراب ہے بلکہ یہ سب سے زیادہ خبیث شراب ہے پس یہ پیشاب کی طرح حرام ہے ناپاک ہے اور نجاست غلیظہ ہے ندوہ کے ذلیل ورسوا ارا کین نے جو جاہل ہونے کے باوجود اپنے آپ کو عالم کہلاتے ہیں جس بات سے راحت حاصل کی وہ نہایت خبیث قول ہے ہم بارگاہِ خداوندی میں ہر حرکت اور قول کی حفاظت کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

مسلمان اسے خُوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں نجاستوں سے بچیں خصوصًا سخت آفت اس وقت ہے کہ ان علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت میں مرے کہ معاذاللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو والعیاذ باللہ رب العٰلمین (دو جہانوں کا پروردگار اللہ بچائے۔ت) اسی طرح **بیشک** اس شکر کا ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی جس کے انکار کی گنجائش نہیں مگر **اوّلًا** غور واجب کہ اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکّر کا

---

[1] صحیح البخاری باب شرب الحلواء والعسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۴۰

صرف مرور و عبور ہوتا ہے بغیر اس کے کہ اُن کے کچھ اجزا شکّر میں رہ جاتے ہوں جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطر کرکے صاف کرتے ہیں کہ برتن میں نتھرا پانی شفاف آجاتا ہے اور انکشف واستخواں کا کوئی جُز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا جب تو اس شکّر کی حلّت کو صرف اُن ہڈیوں کی طہارت درکار ہے اگرچہ حلال وماکول نہ ہوں۔

کمالایخفی علی عاقل وذٰلك لانه لم یختلط بالحرام فیتمحض فی الاکل والمرور علی طاھر ولوحراما لایورث منعًا۔	جیسا کہ یہ کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں اور یہ اس لئے کہ اس میں حرام کی آمیزش نہیں پس اس کا کھانا واضح ہے اور پاک چیز پر گرنے سے اگرچہ وہ حرام ہو ممانعت لازم نہیں آتی۔(ت)

اور درصورت مرور ظاہر یہی ہے کہ منافذ کو تنگ کرتے اور بطور تقاطر رس کو عبور دیتے ہوں کہ ازالہ کثافت کی ظاہرًا یہی صورت ہڈیوں پر صرف بہاؤ میں نکل جانا غالبًا باعثِ تصفیہ نہ ہوگا تو اس تقدیر پر درصورت نجاست استخوان نجاست عصیر وحرمت شکّر میں شک نہیں ورنہ عہ بلاریب طیب وحلال۔

اور اگر اجزائے استخوان پیس کر رس میں ملاتے اور وہ مخلوط وغیر متمیز ہو کر اس میں رہ جاتے ہیں تو حلّتِ شکّر کو ان ہڈیوں کی حلت بھی ضرور صرف طہارت کفایت نہ کریگی کہ اگر غیر ماکول یا مردار کے استخواں ہُوئے تو اس تقدیر پر شکّر کے ساتھ اُن کے اجزاء بھی کھانے میں آئیں گے للاختلاط وعدم الامتیاز (اختلاط اور عدمِ امتیاز کی وجہ سے۔ت) (اور ان کا کھانا گو طاہر ہوں حرام، تو شکّر بھی حرام ہوجائے گی فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار لوتفتت فیه نحوضفدع جاز الوضوء به لاشربه لحرمة لحمه[1] اھ (درمختار وغیرہ بڑی کتب میں ہے اگر اس پانی میں مینڈک وغیرہ پھُول جائیں تو اس سے وضو جائز ہوگا لیکن اس کا پینا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کا گوشت حرام ہے۔ت) روسر کی جس شکّر کا حال تحقیقًا معلوم ہو کہ یہ بالخصوص کیونکر بنی ہے اُس کے تفاصیل احکام ہماری اس تقریر سے ظاہر اور استخواں کی طہارت نجاست حلت حرمت کا حکم پہلے معلوم ہوچکا (دیکھو مقدمہ ۱)

ثانیًا: کیف ماکان ان خیالات پر مطلق شکر روسر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں بلکہ مقام اطلاق میں طہارت وحلّت ہی پر فتوٰی دیا جائیگا تاوقتیکہ کسی صورت کا خاص حال تحقیق نہ ہو کہ اس قدر سے تمام افراد کی نجاست وحرمت پر یقین نہیں صرف ظنون وخیالات ہیں جنہیں شرع اعتبار نہیں فرماتی (دیکھو مقدمہ ۲)

مانا کہ بنانے والے بے احتیاط ہیں مانا کہ اُنہیں نجس وطاہر وحرام وحلال کی پرواہ نہیں مانا کہ ہڈیوں میں وہ بھی

عہ: یعنی اگر ہڈیاں ناپاک نہ ہوں یا رس اپنے بہاؤ میں اُن پر گزر جاتا ہو ۱۲ منہ (م)

---

[1] درمختار باب المیاہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۵

پائی جاتی ہیں جن کے اختلاط سے شے حرام یا نجس ہو جائے مگر نہ سب ہڈیاں ایسی ہی ہیں بلکہ حلال وطاہر بھی بکثرت نہ بنانے والوں کو خواہی نخواہی التزام کہ خاص ایسے ہی طریقہ سے صاف کریں جو موجب تحریم وتنجیس ہو نہ کچھ ناپاک یا حرام ہڈیوں میں کوئی خصوصیت کہ انہیں تصفیہ میں زیادہ دخل ہو جس کے سبب وہ لوگ اُنہیں کو اختیار کریں اور جب ایسا نہیں تو صرف اس قدر پر یقین حاصل ہوا کہ ہڈیوں سے صاف کرتے ہیں کیا ممکن نہیں کہ وہ ہڈیاں طاہر وحلال ہوں دیکھو اگر آدمی کو جنگل میں ایک چھوٹا سا گڑھا پانی سے بھرا ملے اور اس کے کنارے پر اقدامِ وحوش کا پتا چلے اور پانی بھی جانور کے پینے سے کنارہ پر گرا دیکھے بلکہ فرض کیجئے کہ جانور بھی جاتا ہوا نظر پڑے مگر بوجہ بُعد یا ظلمتِ شب پہچان میں نہ آئے تو اس سے خواہی نخواہی یہ ٹھہرا لینا کہ کوئی درندہ یا خاص خنزیر ہی تھا اور پانی کو ناپاک جان کر اس سے احتراز کرنا ہرگز حکم شرع نہیں بلکہ وسوسہ ہے۔ مانا کہ جنگل میں سباع وخنزیر بھی ہیں، مانا کہ وہ بھی انہیں پانیوں سے پیتے ہیں، مانا کہ یہ جانور جو جاتے دیکھا ممکن کہ سوئر ہو مگر کیا ممکن نہیں کہ کوئی ماکول اللحم جانور ہو۔

قال فی الحدیقة بعد نقل ماقدمنا عنها عن جامع الفتاوٰی اول المقدمة العاشرة من ان بمجرد الظن لایمنع التوضئ الخ (مقولة قال ۱۲) لکن نقل قبل ذٰلك قال ولورأی (یعنی صاحب المجمع ۱۲) اقدام الوحوش عندالماء القلیل لایتوضأ به انتهی وینبغی تقیید ذلك بما اذاغلب علی ظنه انها اقدام الوحوش والا فیحتمل انها اقدام ماکول اللحم فلا یحکم بالنجاسة بالشك ویقید ایضا بانه رأی رشاش الماء حول ذلك الماء القلیل ونحو ذلك من القرائن الدالة علی ان الوحوش شربت منه و الافلا نجاسة بالشك [1] اھ۔ **قلت** فقد سبقه بهذا الحمل	ہم نے دسویں مقدمہ کے شروع میں بحوالہ حدیقۃ الندیۃ جامع الفتاوٰی سے نقل کیا کہ محض گمان وضو میں رکاوٹ نہیں بنتا الخ اسے نقل کرنے کے بعد صاحب حدیقہ فرماتے ہیں لیکن صاحب مجمع نے اس سے پہلے نقل کیا کہ کوئی شخص تھوڑے پانی کے پاس درندوں کے قدم دیکھے تو اس سے وضو نہ کرے انتہی، اسے اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب اسے غالب گمان ہو کہ یہ درندوں کے قدم ہیں ورنہ یہ بھی احتمال ہوگا کہ ان جانوروں کے قدم ہوں جن کا گوشت کھایا جاتا ہے لہذا شک کی بنیاد پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جائے گا اور یہ قید بھی ہونی چاہیے کہ جب وہ اس قلیل پانی کے گرد پانی کے چھینٹے دیکھے اور اس طرح کے دُوسرے قرائن جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ درندوں نے اس سے پیا ہے ورنہ محض شک کی بنیاد پر نجاست ثابت نہ ہوگی اھ (ت) **قلت** اس بات پر (کہ پانی تھوڑا ہو) محمول

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الثانی من الصنفین فیماورد عن ائمتنا الحنفیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۶۶۶/۲

البحر فی البحر حیث قال وفی المبتغٰی بالغین المعجمة وبرؤیة اثر اقدام الوحوش عند الماء القلیل لایتوضأ به سبع مر بالرکیة وغلب علی ظنه شربه منها تنجس والافلا اھ وینبغی ان یحمل الاول علی ما اذا غلب علی ظنه ان الوحوش شربت منه بدلیل الفرع الثانی والا فمجرد الشك لایمنع الوضوء به بدلیل ماقدمنا عـه نقله عن الاصل[1] الخ۔	کرنے میں بحر الرائق کے مصنّف نے ان سے سبقت کرتے ہوئے بحر میں کہا المبتغٰی میں ہے کہ تھوڑے پانی کے پاس درندوں کے قدموں کے نشانات دیکھے تو اس سے وضو نہ کرے۔ایک درندہ کُنویں کے پاس سے گزرا،اگر غالب گمان ہو کہ اس نے اس سے پیا ہے تو وہ ناپاک ہوجائے گا ورنہ نہیں اھ اور مناسب ہے کہ پہلے کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ جب اسے گمان غالب ہو کہ درندوں نے اس سے پیا ہے کیونکہ اس (مفہوم) پر فرع ثانی (درندے کا گزرنا) دلیل ہے ورنہ محض شک اس کے ساتھ وضو کو منع نہیں کرتا اس کی دلیل وہ ہے جسے ہم (صاحب بحر الرائق) نے اس سے پہلے اصل (مبسوط) سے نقل کیا ہے الخ (کہ اس حوض سے وضو کیا جاسکتا ہے جس میں نجاست گرنے کا خوف ہو لیکن یقین نہ ہو)۔(ت)

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ بے پرواہ ہیں پھر نفس شکر میں سوا ظنون کے کیا حاصل اس سے بدرجہا زیادہ ہیں وہ بے احتیاطیاں اور خیالات جو بعض مسائل سابقۃ الذکر میں متحقق (دیکھو مقدمہ ۶) بلکہ جہاں بوجہ غلبہ وکثرت وفور وشدت بے احتیاطی غلبہ ظن غیر ملتحق بالیقین حاصل ہو وہاں بھی علما تنجیس وتحریم کا حکم نہیں دیتے صرف کراہت تنزیہی فرماتے ہیں (دیکھو مقدمہ ۷) پھر ما نحن فیہ تو اس حالت کا وجود بھی محل نظر کون کہہ سکتا ہے کہ اکثر ناپاک وحرام ہڈیاں ہی ڈالتے ہوں گے اور طیب وطاہر شاذ ونادر۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ اپنی بے پرواہی کو وقوع میں لاتے اور ہر طرح کی ہڈیاں ڈالتے ہی ہیں پھر یہ تو نہیں کہ دائمًا صرف وہی طریقہ برتتے ہیں جو نجس وحرام کردے اور جب یوں بھی ہے اور یوں بھی تو ہر شکّر میں احتمال محفوظی تو ہر گز حکم نجاست وحرمت نہیں دے سکتے (دیکھو مقدمہ ۸) بلکہ جب تک کسی جگہ کوئی وجہ وجیہ رَیب وشبہہ کی نہ پائی جائے تحقیقات کی بھی حاجت نہیں بلکہ جہاں تحقیق پر کوئی فتنہ یا ایذائے اہل ایمان یا ترک ادب بزرگان یا پردہ دری مسلمان یا اور کوئی محذور سمجھے وہاں تو ہر گز ان خیالات وظنون کی پابندی نہ کرے (دیکھو مقدمہ ۱۰)

عـه هو ماقدمناه عنه عن الخلاصة عن الاصل اول المقدمة العاشرة ۱۲ منه (م)	یہ وہ ہے جو ہم نے دسویں مقدمہ کے شروع میں اصل سے خلاصہ سے البحر الرائق سے بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] البحر الرائق کتاب الطہارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۷

ہاں بے شک جو شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ خاص مردار یا حرام ہڈیاں لی گئیں اور اس کے سامنے شکّر میں اس طور پر ملادی گئیں کہ اب جُدا نہیں ہوسکتیں یا بچشم خود معاینہ کرے کہ بالخصوص ناپاک استخواں لائے گئے اور اس کے رُوبرو اس میں بے حالت جریان شامل ہُوئے اور وہی رس منعقد ہوکر شکّر بنا تو بالخصوص یہی شکّر جو اس کے پیشِ نظریوں بنی اس پر حرام جس کا کھانا جائز نہ کھلانا جائز نہ لینا جائز نہ دینا جائز۔ **یوہیں** جس خاص شکّر کی نسبت خبر معتبر شرعی سے جس کا بیان مقدمہ ۵ میں گزرا ایسا برتاؤ درجہ ثبوت کو پہنچے اور معتمد بیان کرنے والا کہے میں پہچانتا ہوں یہ خاص وہی شکّر ہے جس میں ایسا عمل کیا گیا تو اس کا استعمال بھی روانہ رہے گا بغیر ان صورتوں کے ہرگز ممانعت نہیں اور اگر اس نے خود دیکھا یا معتبر سے سنا مگر جب بازار میں شکر بِکنے آئی مخلوط ہوگئی اور کچھ تمیز نہ رہی تو پھر حکمِ جواز سے اور خریداری واستعمال میں مضائقہ نہیں جب تک کسی خاص شکّر پر پھر دلیل شرعی قائم نہ ہو (دیکھئے مقدمہ ۹) یہ ہے حکمِ شرع اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے، صلی اللہ تعالٰی علی صاحبہ وبارک وسلم آمین!

خاتمہ:

رزقنا اللہ حسنھا آمین

بحمداللہ تعالٰی ہم نے اس شکّر کے بارے میں ہر صورت پر وہ واضح وبین کلام کیا کہ کسی پہلو پر حکمِ شرع مخفی نہ رہا اب اہلِ اسلام نظر کریں اگر یہاں اُن صورتوں میں سے کوئی شکل موجود جن پر ہم نے حکمِ حرمت ونجاست دیا تو وہی حکم ہے ورنہ مجرد ظنون واوہام کی پابندی محض تشدّد وناواقفی نہ بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط بلکہ احتیاط اباحت ہی ماننے میں ہے جب تک دلیل خلاف واضح نہ ہو (دیکھو مقدمہ ۳) ہم یقین کرتے ہیں کہ ان خیالات وتصوّرات کا دروازہ کھولا جائے گا تو مبتدیوں پر دائرہ نہایت تنگ ہوجائے گا ایک روسرکی شکّر کیا ہزارہا چیزیں چھوڑنی پڑیں گی گھوسیوں کا گھی، تیلیوں کا تیل، حلوائیوں کا دُودھ، ہر قسم کی مٹھائی، کافر عطاروں کا عرق شربت کیا بلا ہے اور اُن کی طہارت پر بے تمسک باصل کونسا بینہ قاطعہ ملا ہے اس دائرہ کی توسیع میں امت پر تضییق اور ہزاروں مسلمانوں کی تاثیم وتفسیق جسے شرع مطہر کہ کمال یسر وسماحت ہے ہرگز گوارا نہیں فرماتی صلی اللہ تعالٰی علٰی صاحبہ وبارک وسلم۔

فی الحاشیۃ الشامیۃ فیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ [1] اھ و فیھا ھو ارفق باھل ھذا الزمان	حاشیہ شامی میں ہے کہ اس میں بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس میں اُمت کی طرف گناہ کی نسبت لازم آتی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اس میں موجودہ دور کے

[1] ردالمحتار مطلب فیمن وطء من زفت الیہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶/۴

لئلا یقعوافی الفسق والعصیان [1] اھ وقد قالت العلماء من کل مذھب کلماضاق امرا تسع [2] ومن القواعد المسلّمۃ المشقّۃ تجلب التیسیر [3]۔	لوگوں کے لئے زیادہ نرمی ہے تاکہ وہ نافرمانی اور گناہ میں نہ پڑیں اھ۔ ہر مذہب کے علماء فرماتے ہیں جب کوئی معاملہ سختی کا باعث ہو تو اس میں وسعت آجاتی ہے اور مسلّمہ قواعد سے ہے کہ مشقت آسانی کو لاتی ہے۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں ہمارا زمانہ اتقائے شبہات کا نہیں غنیمت ہے کہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچے۔

فی فتاوی الامام قاضی خان قالوا لیس زماننا زمان اجتناب الشبھات وانما علی المسلم ان یتقی الحرام المعاین [4] اھ۔و فی تجنیس الامام ھان الدین عن ابی بکر ابراھیم لیس ھذا زمان الشبھات ان الحرام اغنانا یعنی ان اجتنبت الحرام کفاك [5] اھ ملخصًا وعنھما فی الاشباہ نحوذلك۔و فی الطریقۃ وشرحھا بعد النقل علی الامامین المعاصرین رحمھما اللہ تعالٰی زمانھما ای زمان قاضی خان وصاحب الھدایۃ رحمھما اللہ تعالٰی قبل ستمائۃ سنۃ من الھجرۃ النبویۃ وقدبلغ التاریخ الیوم ای فی زمان المصنف لھذا الکتاب رحمہ اللہ تعالٰی تسعمائۃ	فتاوٰی قاضی خان میں ہے فقہاء فرماتے ہیں ہمارا زمانہ شبہات سے اجتناب کا زمانہ نہیں مسلمان پر لازم ہے کہ آنکھوں دیکھے حرام سے بچے اھ امام برہان الدین کی تجنیس میں ابوبکر بن ابراہیم سے منقول ہے کہ یہ شبہات کا زمانہ نہیں ہے بیشک حرام نے ہمیں مستغنی کردیا یعنی اگر تو حرام سے بچے تو کافی ہے اھ۔(تلخیص) اور ان دونوں سے الاشباہ میں اسی کی مثل ہے۔ الطریقۃ المحمدیہ اور اس کی شرح میں دو معاصر ائمہ رحمہما اللہ سے نقل کرنے کے بعد فرمایا ان دونوں یعنی قاضی خان اور صاحبِ ہدایہ کا زمانہ سن ہجری کے اعتبار سے چھ سو ۶۰۰ سال پہلے کا ہے اور آج اس مصنف کے زمانے میں ۹۸۰ھ ہوگئی ہے اور آج (شرح لکھتے وقت) ۱۰۹۳ھ ہے اور یہ بات مخفی نہیں کہ عہد نبوت

[1] ردالمحتار فصل فی اللبس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۳/۶
[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول، القاعدۃ الرابعہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۱۷/۱
[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول، القاعدۃ الرابعہ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰۵/۱
[4] فتاوٰی قاضی خان الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۷۷۰/۴
[5] غمز عیون البصائر مع الاشباہ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۸/۲

وثمانین سنة من الھجرة وبلغ التاریخ الیوم الی الف وثلث وتسعین سنة من الھجرة ولاخفاء ان الفساد والتغیر یزیدان بزیادة الزمان لبعدہ عن عھد النبوۃ [1] اھ ملخصاً وفی العٰلمگیریة عن جواھر الفتاوٰی عن بعض مشایخه علیك بترك الحرام المحض فی ھذا الزمان فانك لاتجد شیأً لاشبھة فیه [2] اھ۔	سے دُوری کی وجہ سے جُوں جُوں زمانہ بڑھتا جاتا ہے فساد وتغیر میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے اھ ملخصاً۔ فتاوٰی عالمگیری میں بحوالہ جواہر الفتاوٰی بعض مشائخ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس زمانے میں تم پر محض حرام کا چھوڑنا واجب ہے کیونکہ آج تم کوئی ایسی چیز نہیں پاؤگے جس میں شبہہ نہ ہو۔ (ت)

سبحٰن اللہ جبکہ چھٹی صدی بلکہ اُس سے پہلے سے ائمہ دین یوں ارشاد فرماتے آئے تو ہم پسماندوں کو اس چودھویں صدی میں کیا اُمید ہے فاناللہ وانّاالیہ راجعون ایسی ہی وجوہ ہیں کہ حدیث میں آیا:

انکم فی زمان من ترك منکم عشرما امربه ھلك ثمّ یاتی زمان من عمل منھم بعشر ماامربه نجا [3] اخرجه الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	تم (اے صحابہ کرام) اس زمانے میں ہو کہ تم میں سے جو شخص اس چیز کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دے جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ہلاک ہوگا پھر ایک زمانہ آئے گا کہ تم میں سے جو آدمی اس چیز کے دسویں حصّے پر بھی عمل کرے گا جس کا اسے حکم دیا گیا ہے تو وہ نجات پائے گا۔ ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

ہاں جو شخص بحکم

قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف وقدقیل اخرجه خ وغیرہ عن عقبة بن الحارث النوفلی [4]۔ وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد جسے امام بخاری وغیرہ نے عقبہ بن حارث نوفلی سے روایت کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے (کہ تو اس سے مباشرت کرے) جبکہ کہا گیا ہے (تو اس کا بھائی ہے)

[1] الحدیقۃ الندیۃ الفصل الثانی من الفصول الثلاثۃ مطبع نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰-۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ باب نمبر ۲۵ فی البیع الخ نورانی کتب خانہ ۵/۳۶۴

[3] جامع الترمذی ابواب الفتن، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۵۱

[4] صحیح البخاری باب الرحلۃ فی المسئلۃ النازلۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

من اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ [1] اخرجہ الستۃ عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنا دین اور عزّت بچالی"۔ اس حدیث کو اصحابِ صحاح ستّہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے (ت)

بچنا چاہیے اور اُن امور کا کہ ہم مقدمہ دہم میں ذکر کر آئے لحاظ رکھے بہتر وافضل اور نہایت محمود عمل مگر اس کے ورع کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے نہ کہ اس کے سبب اصل شے کو ممنوع کہنے لگے یا جو مسلمان اُسے استعمال کرتے ہوں اُن پر طعن واعتراض کرے اُنہیں اپنی نظیر میں حقیر سمجھے اس سے تو اس ورع کا ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرح پر افترا اور مسلمانوں کی تشنیع وتحقیر سے تو محفوظ رہتا۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ [2] وقال جل مجدہ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ [3] ای لایعب بعضکم بعضًا واللمزھو الطعن باللسان [4] و لابی داؤد وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل المسلم علی المسلم حرام مالہ وعرضہ ودمہ حسب امریئ من الشران یحتقر اخاہ المسلم [5]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھُوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ پر جھُوٹ باندھو، بیشک جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا" اور اللہ بزرگ وبرتر نے فرمایا: اپنے آپ پر طعن نہ کرو۔ یعنی ایک دوسرے پر طعن نہ کرو۔ زبان سے طعنہ زنی کو "اللمز" کہتے ہیں۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا آپ نے فرمایا: "مسلمان کا مال، عزّت اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ کسی انسان کے بُرا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔(ت)

[1] صحیح البخاری باب فضل من استبرألدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

[2] القرآن ۱۶/۱۱۶

[3] القرآن ۴۹/۱۱

[4] تعلیقات جدیدۃ من التفاسیر المعتبرۃ لحل الجلالین مع الجلالین مطبوعہ اصح المطابع دہلی ۲/۴۲۸

[5] سُنن ابن ماجہ باب حرمۃ دم المؤمن ومالہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۰

عجب اس سے کہ ورع کا قصد کرے اور محرمات قطعیہ میں پڑے یہ صرف تشدد و تعمق کا نتیجہ ہے اور واقعی دین وسنّت صراطِ مستقیم ہیں ان میں جس طرح تفریط سے آدمی مداہن ہو جاتا ہے یونہی افراط سے اس قسم کے آفات میں ابتلا پاتا ہے لم یجعل لہ عوجا (اس میں اصلاً کجی نہ رکھی ت) دونوں مذموم۔ بھلا عوام بیچاروں کی کیا شکایت آج کل بہت جہال منتسب بنام علم وکمال یہی روش چلتے ہیں مکروہات کہ مباحات بلکہ مستحبات جنہیں بزعم خود ممنوع سمجھ لیں اُن سے تحذیر وتنفیر کو کیا کچھ نہیں لکھ دیتے حتی کہ نوبت تابہ اطلاق شرک وکفر پہنچانے میں باک نہیں رکھتے۔ پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تدارک عمل میں آئے۔ نہیں نہیں بلکہ اُسے طرح طرح سے جمائیں، اُلٹی سیدھی دلیلیں لائیں۔ پھر جب مؤاخذہ کیجئے تو ہواخواہ بفحوائے عذر گناہ بدتراز گناہ تاویل کریں کہ بنظر تخویف وترہیب تشدد مقصود ہے۔ سبحٰن اللہ اچھا تشدد ہے کہ اُن سے زیادہ بدتر گناہوں کا خود ارتکاب کر بیٹھے کیا نہیں جانتے کہ مسلمان کو کافر ومشرک بتانا بلاکلہ براہِ اصرار اُسے عقیدہ ٹھہرانا کتنا شدید وعظیم اور دین حنیف سہل لطیف سمح نظیف میں یہ سخت گیری کیسی بدعت شنیع ووخیم **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم** نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "آسانی کرو اور دقت میں نہ ڈالو اور خوشخبری دو اور نفرت نہ دلاؤ"

احمد والبخاری ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا یسروا ولا تعسروا وبشروا ولاتنفروا [1]۔ ولمسلم وابی داؤد عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذابعث احدًا من اصحابہ فی بعض امرہ قال بشروا ولاتنفروا ویسروا ولا تعسروا [2]۔	امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: آسانی پیدا کرو، تنگی نہ کرو، خوشخبری دو، نفرت پیدا نہ کرو۔ امام مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی صحابی کو کسی کام کے لئے بھیجتے تو فرماتے خوشخبری دو، متنفر نہ کرو، آسانی پیدا کرو، تنگی میں نہ ڈالو (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم تم آسانی کرنے والے بھیجے گئے ہو، نہ دشواری میں ڈالنے والے۔

احمد والستۃ ماخلا مسلما عن ابی ھریرۃ	امام احمد اور اصحابِ صحاح ستہ ماسوائے امام مسلم کے

[1] صحیح البخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم بالموعظۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

[2] الصحیح لمسلم باب تامیر الامام الامراء الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین[1]۔	(رحمہم اللہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تنگی میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "ہلاک ہوئے غلو و تشدد والے"۔

احمد ومسلم وابوداؤد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم هلك المتنطعون[2]۔	امام احمد، مسلم اور ابوداؤد رحمہم اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: گفتگو میں شدت اختیار کرنے والے ہلاک ہُوئے۔(ت)

اور وارد ہوا فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نرم شریعت ہر باطل سے کنارہ کرنے والی لے کر بھیجا گیا جو میرے طریقے کا خلاف کرے میرے گروہ سے نہیں۔

الخطیب فی التاریخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بعثت بالحنیفیة السمحة ومن خالف سنّتی فلیس[3] منی الی غیر ذلك من احادیث یطول ذکرها والتی ذکرنا کافیة وافیة نسأل اللہ سبحانه العفو والعافیة اٰمین۔	خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے آسانی اور ہر باطل سے جُدا شریعت کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور جس نے میری سنّت کی مخالفت کی وہ مجھ سے نہیں۔ اس کے علاوہ احادیث ہیں جن کا ذکر باعثِ طوالت ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا وہ کافی ووافی ہے ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ، نے آج تک اس شکّر کی صورت دیکھی نہ کبھی اپنے یہاں منگائی نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہر گز ممانعت نہیں مانتا نہ جو مسلمان استعمال کریں اُنہیں آثم خواہ بیباک جانتا ہے نہ تورع و

[1] صحیح البخاری باب صب الماء علی البول فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵

[2] سنن ابی داؤد باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۷۹

[3] تاریخ بغداد حدیث نمبر ۳۶۷۸ دار الکتب العربیہ بیروت ۷/۲۰۹

احتیاط کا نام بدنام کرکے عوام مومنین پر طعن کرے نہ اپنے نفس ذلیل مہین رذیل کے لئے اُن پر ترفّع و تعلّی روا رکھے،

وباللّٰہ التوفیق*والعیاذ من المداھنة والتضییق*وھو سبحانه وتعالٰی اعلم*وعلمه جل مجدہ اتم واحکم*واعلم ان لنا فی الکلام*علٰی ھذا المرام*بتوفیق المولی۔سبحانه وتعالٰی مباحث اخرٰی*ادق واعلٰی لکنھا دقیقة المنزع*عمیقة المشرع*عریصة المنال*طویلة الازیال*وقد قضینا الوطر عن ابانة الصواب وتحقیق الجواب*فکیفنا امرھا۔فطوینا ذکرھا فھاك جوابا قل ودل۔بفضل الملك عزوجل فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ[1]۔ ومعلوم ان ماقل وکفٰی۔خیرمما کثر والھی[2]۔ قاله المصطفی علیه افضل الثنا۔رواہ ابویعلی والضیاء المقدسی۔عن ابی سعیدن الخدری رضی اللّٰہ تعالٰی عنه وعن کل ولی اٰمین۔	اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے، منافقت اور تنگی پیدا کرنے سے اس کی پناہ چاہتا ہوں، اور اس پاک اور بلند ذات کا علم زیادہ ہے اس کی ذات بلند اور اس کا علم نہایت مکمل اور مضبوط و محکم ہے۔ **جان لو** اپنے مولٰی سبحانہ، وتعالٰی کی توفیق سے اس مقصد پر ہمارے پاس کچھ اور مباحث بھی ہیں جو نہایت باریک اور اعلٰی ہیں لیکن ان کا حصول نہایت باریک بینی کا کام ہے اور ان کا منبع نہایت گہرائی میں ہے ان کو پانا دشوار ہے اور ان کا دامن نہایت طویل ہے۔ ہم نے راہِ حق کے اظہار اور جواب کی تحقیق میں مقصود حاصل کرلیا ہے ہم نے اس معاملہ میں اسی پر اکتفاء کیا اور اس کا ذکر ختم کردیا کہ جواب عزّت وبزرگی والے بادشاہ کے فضل سے قلیل لیکن زیادہ راہنمائی کرنے والا ہے اگر تیز بارش نہ بھی پہنچے تو اوس کافی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو بات مختصر اور کفایت کرنے والی ہو وہ زیادہ اور غافل کرنے والی سے بہتر ہے حضرت محمد مصطفٰی علیہ افضل الثناء نے یہی بات فرمائی، اسے ابویعلٰی اور ضیاء مقدسی نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا اللہ تعالٰی ان سے اور ہر ولی سے راضی ہو۔ آمین (ت)

تنبیہ: فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے ان مقدمات عشرہ میں جو مسائل ودلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاؤ رنگت کی پُڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیت خبر وحالت مخبر وحاصل واقعہ وطریقہ مداخلت حرام ونجس وتفرقہ ظن ویقین ومدارج ظنون وملاحظہ ضابطہ کلیہ ومسالک ورع ومدارات خلق وغیرہا امور مذکورہ کی تنقیح ومراعات کرلیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر

---

[1] القرآن ۲/۲۶۵

[2] مسند ابی یعلی عن مسند ابی سعید الخدری حدیث ۱۰۴۸ مطبوعہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۲/۱۷

سابقہ سے واضح نہ ہو جائے۔

واللہ سبحانہ الموفق والمعین۔وبہ نستعین فی کل حین۔وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سیدالمرسلین وخاتم النبین۔محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وعلینا معھم برحمتك یاارحم الراحمین۔اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔استراح القلم من تحریرہ فی ثلثۃ ایام من اواخر ذی القعدۃ المحرم۔اٰخرھا یوم السبت السادس والعشرون من ذاك الشھر المکرم۔سنۃ ثلث بعد الالف ۵ وثلثمائۃ من ھجرۃ حضرۃ سید العالم۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم۔مع اشتغال البال برد اھل الضلال وشیون اُخر۔والحمد للہ العلی الاکبر۔مالذا الملح وحُبّ السُّکّر۔واللہ تعالٰی اعلم۔وعلّمہ اتم۔وحکمہ احکم۔	اللہ سبحٰنہ وتعالٰی ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے اور ہر وقت ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں۔رسولوں کے سردار اور آخری نبی حضرت محمد مصطفٰی اور آپ کے تمام آل واصحاب پر رحمت ہو،اور ان کے ساتھ ہم پر بھی،اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے تیری رحمت کے ساتھ۔یا اللہ! ہماری دعا قبول فرما،یا اللہ! ہماری دعا قبول فرما،اے سچّے معبود! ہماری دعا قبول فرما۔حرمت والے ذیقعدکے آخر میں تین دن کے اندر قلم اس کی تحریر سے فارغ ہوگیا۔۲۶ ذی القعدۃ ۱۳۰۳ھ بروز ہفتہ آخری دن تھا۔باوجودیکہ میں گمراہ لوگوں کے رَد اور دوسرے امور میں قلبی طور پر مشغول تھا،اللہ بزرگ وبرتر کے لئے حمد ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸۳: ازنینی تال متصل سوکھاتال مرسلہ حافظ محمد ابراہیم خان محرر پیشی ڈائریکٹر کرنیل میجر ریاست گوالیار ۱۴ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

حضرت مخدومی دامت برکاتہم بعد آداب خادمانہ التماس خدمت اطہر کہ مسئلہ مندرجہ ذیل سے جلد غلام کو سرفراز فرمائیں،عیسائی کے ہاتھ کی چھُوئی ہوئی شیرینی قابلِ استعمال ہے یا نہیں۔مثلاً زید عیسائی ہے اور بکر مسلمان ہے زید نے بازار سے مٹھائی لی اور بکر کو قبل اپنے کھانے کے احتیاط کے ساتھ دے دی تو بکر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں۔بکر مسلمان اپنے یہاں سے کتھّا چونا زید کو دے دیتا ہے اور جب ضرورت ہوتی ہے تو بکر اپنے یہاں سے پانی وغیرہ اُس کتھے چُونے میں ڈال دیتا ہے اور اپنے ہی یہاں کے پانی سے بکر پان وغیرہ بھگو دیتا ہے بلاالکہ زید خود احتیاط رکھتا ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے تو پانی بکر کے یہاں سے اُس میں استعمال کے واسطے منگوالیتا ہے اس حالت میں بکر پان زید کے ہاتھ کا استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب :

نصارٰی کے مذہب میں خونِ حیض کے سوا شراب پیشاب پاخانہ غرض کوئی بلااصلا ناپاک نہیں وہ ان چیزوں سے بچنے پر ہنستے اور اپنی ساختہ تہذیب کے خلاف سمجھتے ہیں تو اُن کا ظاہر حال نجاست سے متلوث ہی رہتا ہے۔ امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

یتعین علی من له امران یقیم من الاسواق من یشتغل بهذا السبب (یرید بیع الاشربة الدوائیة کشراب العناب وشراب البنفسج وغیر ذلک) من اهل الکتاب لان النصارٰی عندهم ابوالهم طاهرة ولایتدینون بترک نجاسة الادم الحیض فقط فالشراب الماخوذ من النصارٰی الغالب علیه انه متنجس [1]۔	صاحبِ اختیار کا فرض ہے کہ وہ ان اہل کتاب کو بازاروں سے اٹھادے جو اس کام میں مشغول ہیں (یعنی دوائیوں پر مبنی مشروبات جیسے عناب اور بنفشہ وغیرہ کا شربت بیچتے ہیں) کیونکہ عیسائی اپنے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں اور وہ خونِ حیض کے علاوہ کسی نجاست کو چھوڑنے کا عقیدہ نہیں رکھتے۔ لہٰذا عیسائیوں سے حاصل کردہ مشروب غالب گمان کے مطابق ناپاک ہوتا ہے۔ (ت)

استفسارات رد نصارٰی کے سترھویں استفسار میں ہے مسلمان لوگ بَول وبراز اور خُون سے آلُودہ رہنے کو عقلاً بھی نامستحسن جانتے ہیں اور عیسائی لوگ اس بات پر اُنہیں ہنسا کرتے ہیں تو ان کی چھوئی ہُوئی تر چیزوں کا استعمال شرعاً مطلقاً مکروہ ناپسند جیسے بھیگے ہوئے پان اگرچہ مسلمان ہی کے پانی سے بھیگے ہوں کماحققنا ذلک فی کتابنا الاحلی من السکر لطلبة سکر روسر (جیساکہ ہم نے اسے اپنی کتاب "الاحلی من السکر لطلبة سکر روسر" میں تحقیق سے بیان کیا ہے۔ ت) اور اس کے سوا یہاں ایک دقیقہ انیقہ اور ہے جو اس کراہت کو تر وخشک دونوں کو شامل اور اشد وکامل کرتا ہے شرع مطہر میں جس طرح گناہ سے بچنا فرض ہے یونہی مواضع تہمت سے احتراز ضرور ہے اور بلاوجہ شرعی اپنے اوپر دروازہ طعن کھولنا ناجائز اور مسلمانوں کو اپنی غیبت وبدگوئی میں مبتلا کرنے کے اسباب کا ارتکاب ممنوع اور انہیں اپنے سے نفرت دلانا قبیح وشنیع۔ احادیث واقوالِ ائمہ دین سے اس پر صدہا دلائل ہیں وقد ذکرنا بعضها فی کتاب الحظر من فتاوٰنا وفی غیره من تصانیفنا منها الحدیث الصحیح بشروا ولاتنفروا [2] (ہم اپنے فتاوٰی کی "کتاب الحظر" اور دوسری تصانیف میں اس کا کچھ حصہ ذکر کیا ہے اس سے ایک صحیح حدیث یہ ہے: خوشخبری دو متنفر نہ کرو۔ ت) وحدیث ایاک ومایعتذر

---

[1] المدخل فصل فی ذکر الشراب الذی یستعمله المریض مطبعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱۵۴/۴

[2] صحیح البخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱

منه [1] (جس بات سے عذر پیش کرنا پڑے اس سے بچو۔ت) وحدیث ایاك ومایسوء الاذن [2] (جو بات کان کو اچھی نہ لگے اس سے بچو۔ت) وحدیث من کان یؤمن باللّٰه والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التهم الی غیر ذلك من النصوص [3] (جو شخص اللہ تعالٰی اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمتوں کی جگہ پر کھڑا نہ ہو اسکے علاوہ دیگر نصوص ہیں،ت) تو اپنا کھتا چونہ دینا اپنے پانی سے پان بھگونا ساری احتیاط کرنا مگر پان عیسائی کے ہاتھ کا ہونا اس میں سوا اس کے کیا نفع ہے کہ مسلمان نفرت کھائیں بدنام کریں متہم جانیں غیبت میں پڑیں اسی طرح جب اُس کے یہاں کی شیرینی ان مفاسد کا دروازہ کھولتی ہو تو اُس سے بھی احتراز شرعاً درکار واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴: ۲۹ صفر ۱۳۱۷ھ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تم مٹی کے برتن کو اب پاک کرکے رکھو تو میں تمہارے چاقو ماردوں، اب زید کے لئے کیا حکم ہے بموجب شرع شریف کے، بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید نے تین ۳ گناہ کئے: مسلمان ۱ کو ناحق تہدید، مال ۲ کو ضائع رکھنے کی تاکید، مسئلہ ۳ شرعیہ پر انکار شدید۔ زید پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور عمرو سے بھی اپنا قصور معاف کرائے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

اگر کپڑا بقدر درم کے یا اس سے کم پیشاب سے پلید ہوگیا اور پھر وہ کپڑا تہہ توڑ کر سب میں اثر پلیدی سرایت کرگیا تو وہ کپڑا پاک رہے گا یا نہیں۔

الجواب:

جب کپڑے کو نجاست پہنچے اور ایک تہہ سے دوسری تہہ تک سرایت کرے تو ہر تہہ کی نجاست جدا شمار میں آئیگی اگر سب مل کر قدر درم سے زائد ہو نماز فاسد ہو خواہ وہ تہیں ایک ہی کپڑے کی ہوں جیسے دوہرے لباس یا چند کپڑے تہہ بتہہ بدن پر ہوں جیسے شعار و دثار۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین بیان ذم الحرص والطمع مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۱۶۰/۸

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابوالفادیہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۸۶/۴، مجمع الزوائد باب فیما یجنب من الکلام مطبوعہ دارالکتاب بیروت لبنان ۹۵/۸

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

فی ردالمحتار فی البحر وغیرہ لایعتبر نفوذ المقدار الی الوجه الاٰخر لوالثوب واحدا بخلاف مااذاکان ذاطاقین کدرھم متنجس الوجھین [1] اھ الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار اور بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مقدار کا دوسری طرف سرایت کرنا معتبر نہ ہوگا اگر کپڑا ایک ہو، بخلاف اس کے جب دو تہوں والا ہو جس طرح درھم کی دونوں طرفیں ناپاک ہوں الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۶: ازبزریہ عنایت گنج بریلی شہر کہنہ ۲۶ صفر ۱۳۱۸ھ: شِیر خوار بچّے کا پیشاب پاک یا ناپاک؟

الجواب:

آدمی کا بچّہ اگرچہ ایک دن کا ہو اُس کا پیشاب ناپاک ہے اگرچہ لڑکا ہو والمسألة دوارة متونا وشروحا (یہ مسئلہ متن وشرح کی کتب میں اکثر پایا جاتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۷: ازاٹاوہ کچہری کلکٹری مکان منشی عنایت اللہ ۱۲ شعبان ۱۳۱۸ھ

جسم پر اگر کوئی نجاست بالتحقیق لگ چکی ہو اور وہاں ورم ہو مثلاً شکم پر ہو یا رانوں تک ورم پہنچا ہو تو نجاست دھوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر پانی بہانا ضرر کرے تو کسی عرق مثلاً عرق مکوہ وغیرہ سے کُنگنا کرکے دھوئے نجاست حقیقی ان چیزوں سے بھی پاک ہوجاتی ہے، ہاں نہانے یا وضو میں پانی کے سوا دوسری چیز کام نہیں دیتی اور اگر ان سے بھی ضرر ہو تو کپڑا پانی یا عرق میں خوب بھگو کر اس سے موضعِ نجاست کو ملے دوبارہ دوسرا کپڑا سہ بارہ تیسرا بھگو کر ملے طہارت ہوجائے گی اور اگر یہ بھی نقصان دے تو جب تک حالت ضرر کی رہے ویسے ہی نماز پڑھے، معاف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: ازفراشی محلّہ ۷ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لحاف توشک وغیرہ رُوئی دار کپڑے ناپاک ہوجائیں تو وہ مع روئی کے دُھل کر پاک ہوسکتے ہیں یا روئی علیحدہ ہو کر کپڑا الگ اور روئی الگ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر روئی کا سُوت کات لیا جائے تو وہ سُوت بغیر اسی کے کہ دری وغیر بنوائی جائے دھونے سے پاک ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱

الجواب:

جو کپڑے نچوڑنے میں آسکیں جیسے ہلکی توشک رضائی وغیرہ وہ یوں ہی دھونے سے پاک ہوجائیں گے ورنہ بہتے دریا میں رکھیں یااُن پر پانی بہائیں یہاں تک کہ نجاست باقی نہ رہنے پر ظن حاصل ہو یا تین بار دھوئیں اور ہر بار اتنا وقفہ کریں کہ پہلا پانی نکل جائے۔

فی الدرالمختار یطھر محل غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل طھارة محلھا بلاعدد بہ یفتی وقدر ذلك لموسوس بغسل وعصر ثلثا فیما ینعصر وتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ممایتشرب النجاسة وھذا کلہ اذاغسل فی اجانة اما لوغسل فی غدیر اوصب علیہ ماء کثیرا وجری علیہ الماء طھر مطلقا بلاشرط عصر وتجفیف وتکرار غمس ھو المختار[1] اھ باختصار۔	درمختار میں ہے (نجاست) نہ دکھائی دینے والی جگہ دھونے والے کے غالب گمان کے ساتھ کہ اب جگہ پاک ہوگئی کسی خاص تعداد کے بغیر بھی پاک ہوجاتی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اگر وسوسہ کرنے والا ہو تو تین بار دھو کر ہر بار نچوڑے جبکہ وہ ایسی چیز ہو جو نچوڑی جاسکتی ہے اگر نچوڑی نہ جاسکتی ہو تین بار خشک کرلیا جائے یعنی جو نجاست اس کے اندر جذب ہوئی اس کے قطرے ختم ہوجائیں یہ تمام باتیں اس صورت میں ہیں جب ٹب وغیرہ میں دھوئے اگر بڑے تالاب میں دھوئے یا اس پر بہت سا پانی ڈالے یا اس پر پانی جاری کرے تو نچوڑنے یا خشک کرنے اور بار بار غوطہ دینے کی شرط کے بغیر مطلقًا پاک ہوجائے گی یہی مختار ہے اھ تلخیص (ت)

ناپاک روئی کا سُوت دھونے سے بخوبی پاک ہوسکتا ہے بلکہ دری بنا کر پاک کرنے سے سُوت کی تطہیر آسان ہے کہ وہ نچوڑنے میں سہل آسکتا ہے کمالایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۹: از شہر کہنہ ۲۷ رجب ۱۳۲۰ھ: غسل خانہ کے چہ بچہ کا پانی گھڑے سے نکالنا اور پھر اس کو دھو کر استعمال میں لانا مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

مکروہ نہیں مگر بے ضرورت پینے یا وضو یا کھانا پکانے کے گھڑے سے یہ کام نہ لیا جائے۔

لان الطباع تتنفر عن ھذا وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا	کیونکہ طبیعتیں اس سے نفرت کرتی ہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خوشخبری دو

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

ولاتنفروا [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور متنفر نہ کرو۔(ت)

مسئلہ ۱۹۰: احمد یار خان موضع ٹھریا نجابت خاں ضلع وتحصیل بریلی

علماءِ دین اتباع شرع متین کیافرماتے ہیں مسئلہ ہذامیں جنبی شخص پیشتر ہاتھ دھوکر ناف سے نیچے ناپاکی دھولے بعد وہ تہبند پاک باندھ کر میدان میں مسنون غسل اداکرے تواس حالت میں وہ تہبند پاک رہے گا یا ناپاک اور غسل سے وہ آدمی پاک ہوگیا یاناپاک رہااوراُس پانی کی چھینٹ دیگر شخص کے واسطے پاک ہے یاناپاک؟ **بیّنوا توجّروا۔**

الجواب:

تہبند پاک رہے گا غسل کا پانی پاک ہے اُسکی چھینٹ سے کوئی ناپاکی نہ آئے گی رہا غسل ادا ہوجانا اگر تہبند ایسا ہے کہ پانی اس کے نیچے کے تمام بدن پر بھی ذرّہ ذرّہ پر بہ جائے گا تو غسل اداہوجائے گا ورنہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از ضلع گورگانوہ مقام ریواڑی متصل تحصیل حکیم جلال الدین بروزسہ شنبہ بتاریخ ۱۴صفرالمظفر۱۳۳۲ھ۔

حلوائیوں کی کڑاہیوں کو کُتّے چاٹتے ہیں اُنہی کڑاہیوں میں وہ شیرینی بناتے ہیں اور دُودھ گرم کرتے ہیں اُن کے یہاں کی شیرینی یا دُودھ لے کر کھاناپینادرست ہے یاکہ نہیں؟ **بیّنوا توجّروا۔**

الجواب:

طہارت ونجاست ظاہری میں شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ احتمال سے نجاست ثابت نہیں ہوتی جس خاص شے کی نجاست معلوم ہو وہی خاص نجس وحرام ہے وبس۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

بہ نأخذ مالم نعرف شیأ حرامابعینہ [2]۔	ہم اسی کو اختیار کرینگے جب تک ہمیں کسی خاص چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔(ت)

مسئلہ کی تمامتر تحقیق وتفصیل ہمارے رسالہ **الاحلی من السکر** میں ہے**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: از کوٹ ضلع بجنور محلّہ کوٹرہ مسئولہ امتیاز حسین صاحب ۱۷شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ اگر مٹی کے برتن مثل پیالے وکونڈے وغیرہ میں نجاست غلیظہ مثل پاخانہ وپیشاب لگ جائے اوراس کو پانی سے دھوکر پاک کریں اور دُھوپ میں خشک کردیں اسی طرح

[1] ابوداؤد شریف باب فی کراھیۃ الماء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشرفی الھدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

تین مرتبہ پاک کرلیا جائے تو وہ عندالشرع پاک قابل استعمال رہا یا نجس ہے۔

الجواب:

ہاں پاک ہوگیا مٹی کا برتن چکنا استعمالی جس کے مسام بند ہوگئے ہوں جیسے ہانڈی، وہ تو تانبے کے برتن کی طرح صرف تین بار دھو ڈالنے سے پاک ہوجاتا ہے اور جو ایسا نہ ہو جیسے پانی کے گھڑے وغیرہ اُن کو ایک بار دھو کر چھوڑ دیں کہ پھر بوند نہ ٹپکے اور تری نہ رہے دوبارہ دھوئیں اور اسی طرح چھوڑ دیں سہ بارہ ایسا ہی کریں کہ پاک ہوجائیگا چینی کا برتن جس میں بال ہو وہ بھی یوں ہی خشک کرکے تین بار دھویا جائے گا اور ثابت ہو تو صرف تین بار دھو دینا کافی ہے مگر نجاست اگر جرم دار ہے تو اس کا جرم چھڑا دینا بہرحال لازم ہے خشک کرنے کے یہ معنی ہیں کہ اتنی تری نہ رہے کہ ہاتھ لگانے سے ہاتھ بھیگ جائے خالی نم یا سیل کا رہنا مضائقہ نہیں نہ اس کے لئے دھوپ یا سایہ شرط در مختار میں ہے:

قدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیر منعصر ممایتشرب النجاسة والا فبقلعها [1] کمامر۔	تین بار خشک کرنا مقرر کیا ہے یعنی جو چیز نچوڑی نہ جاسکتی ہو اور نجاست کو جذب کرلے اس کے قطرے ختم ہوجائیں ورنہ اس کی نجاست کو دُور کیا جائے، جیسا کہ گزرا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله انقطاع تقاطر زاد القهستانی وذهاب النداوة وفی التاترخانية حد التجفيف ان يصير بحال لاتبتل منه اليد ولايشترط صيرورته يابساجدا [2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اس (در مختار) کے قول "انقطاع تقاطر" میں قہستانی نے اضافہ کیا ہے کہ رطوبت ختم ہوجائے۔ تاتارخانیہ میں ہے خشک کرنے کی حد یہ ہے کہ اب اس سے ہاتھ تر نہ ہو بالکل خشک ہونا شرط نہیں (ت)

مسئلہ ۱۹۳: مسئولہ مولوی سلیم اللہ صاحب جنرل سیکریٹری انجمن نعمانیہ لاہور ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ کفار کا استعمال کیا ہوا چرس یا ڈول چرمی یا حقّہ چرمی دھو کر اور صاف کرکے مسلمان استعمال کرسکتا ہے۔

[1] در مختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۵۶/۱

[2] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۲۱/۱

الجواب : دھونے نے صاف کرلینے کے بعد کوئی شبہہ نہیں رہتا، استعمال بلاشبہہ جائز ہے۔ صحیحین ومسند امام احمد وسنن ابی داؤد وجامع ترمذی شریف میں ابو ثعلبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ للترمذی قال سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن قدور المجوس فقال انقوها غسلا واطبخوا فیها[1]۔والله تعالٰی اعلم۔	الفاظ امام ترمذی کے ہیں فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مجوسیوں کی ہانڈیوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: انہیں دھو کر پاک کرلو اور ان میں پکاؤ۔(ت)

مسئلہ ۱۹۴ تا ۱۹۷: از لکھنؤ چوبداری محلّہ متصل کوٹھی قدیم عینک سازان مکان نمبر ۱۰۳ مرسلہ حضرت سید محمد میاں صاحب مارہروی ۵ محرم ۱۳۳۳ھ

(۱) کپڑے یا بدن پر کوئی حصّہ نجس ہوگیا اُس پر پانی پہلی مرتبہ ڈالا پھر ہاتھ سے اس کے قطرے پونچھ ڈالے، اسی طرح تین مرتبہ پانی ڈالا اور اُسی ہاتھ سے جس سے پہلی مرتبہ قطرے پونچھے تھے اُس کو دھوئے بغیر قطرے پُونچھے تو آیا یہ عضو مغسول اور وہ ہاتھ دونوں پاک ہوجائیں گے بحالیکہ عضو مغسول کو وہ ہاتھ لگا ہے جس نے پہلی اور دوسری تیسری مرتبہ کے غسالہ کو پونچھا تھا اور خود الگ پانی سے دھویا نہ گیا تھا۔

(۲) اگر اس ترکیب سے پاکی نہ ہوسکے تو کیا کیا جائے؟

(۳) بدن کو دھو کر جھٹک دیا سب قطرے گرگئے ہاں وہ رہ گئے جو بال کی جڑ میں ہیں یا بہت ہی باریک میں جھٹکنے سے بھی نہیں گرتے تو ایسی صورت میں عضو تین بار دھو ڈالے پاک ہوجائیگا یا نہیں، اگر نہیں تو کیا کرے، خاص کر اُس صورت میں جب دونوں ہاتھ نجس ہوں۔

(۴) بدن پاک کرنے میں ہر بار کے دھونے میں تقاطر جاتا رہنا ضرور ہے یا مطلقاً ہر قطرہ کا خواہ وہ چھوٹا ہی ہو اور پونچھنے سے صرف بدن پر پھیل کر رہ جاتا ہو اس کا بھی دُور کرنا یعنی وہی پھیلا دینا ضرور ہے۔

الجواب:

بدن پاک کرنے میں نہ چھوٹے قطرے صاف کرکے دوبارہ دھونا ضرور نہ انقطاع تقاطر کا انتظار درکار بلکہ قطرات وتقاطر درکنار دھار کا موقوف ہونا لازم نہیں نجاست اگر مرئیہ ہو جب تو اُس کے عین کا زوال مطلوب اگرچہ ایک ہی بار میں ہوجائے اور غیر مرئیہ ہے تو زوال کا غلبہ ظن جس کی تقدیر تثلیث سے کی گئی جہاں عصر شرط ہے اور وہ متعذر ہو

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی الاکل فی آنیۃ الکفار مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲

جیسے مٹّی کا گھڑا یا معتسر ہو جیسے بھاری قالین دری توشک لحاف وہاں انقطاع تقاطر یا ذہاب تری کو قائم مقام عصر رکھا ہے بدن میں عصر ہی درکار نہیں کہ ان کی حاجت ہو صرف تین بار پانی بہ جانا چاہئے اگرچہ پہلی دھار ابھی حصّہ زیریں پر باقی ہے مثلاً ساق پر نجاست غیر مرئیہ تھی اوپر سے پانی ایک بار بہایا وہ ابھی ایڑی سے بہ رہا ہے دوبارہ اوپر سے پھر بہایا ابھی اس کا سیلان نیچے باقی تھا سہ بارہ پھر بہایا جب یہ پانی اُتر گیا تطہیر ہو گئی بلکہ ایک مذہب پر تو انقطاع تقاطر کا انتظار جائز نہیں اگر انتظار کرے گا طہارت نہ ہوگی کہ ان کے نزدیک تطہیر بدن میں عصر کی جگہ توالی غسلات یعنی تینوں غسل پے درپے ہونا ضرور ہے مذہب ارجح میں اگرچہ اس کی بھی ضرورت نہیں مگر خلاف سے بچنے کے لئے اس کی رعایت ضرور مناسب ہے اس تقریر سے تین سوال اخیر کا جواب ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

یطهر محل نجاسة مرئیة بقلعها ای زوال عینها واثرها ولو بمرة او بما فوق ثلث فی الاصح ولایضر بقاء اثرلازم ومحل غیر مرئیة بغلبة ظن غاسل طهارة محلها بلاعدد به یفتی وقدر بغسل وعصر ثلثا فیما ینعصر مبالغا بحیث لایقطر وبتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیر منعصر ممایتشرب النجاسة والا فبقلعها[1]۔	اصح مذہب کے مطابق نظر آنے والی نجاست کی جگہ عین نجاست اور اس کے اثر کو دُور کرنے سے پاک ہو جاتی ہے اگرچہ ایک مرتبہ سے ہو یا تین بار سے زیادہ یہ اصح مذہب ہے۔اس سے لازم ہونے والے (نہ دُور ہونے والے) اثر کا باقی رہنا کچھ نقصان دہ نہیں اور جہاں نجاست نظر نہ آتی ہو اگر دھونے والے کو اس جگہ کے پاک ہونے کا غالب گمان حاصل ہوجائے تو پاک ہوجائیگی۔اس میں گنتی شرط نہیں اور اسی پر فتوٰی ہے۔جس چیز کو نچوڑا جاسکتا ہے وہ تین بار دھونے اور خوب نچوڑنے کے ساتھ کہ اب کوئی قطرہ باقی نہ ہو، پاک ہوجاتی ہے۔اور جس کا نچوڑنا ممکن ہو اور اس میں نجاست جذب ہوتی ہو وہ تین بار خشک کرنے یعنی قطرات کے ختم ہونے سے پاک ہوجاتی ہے ورنہ اسے زائل کیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بتثلیث جفاف ای جفاف کل غسلة من الغسلات الثلاث وهذا شرط فی غیر البدن ونحوه امافیه فیقوم مقامه توالی الغسل ثلثا قال فی الحلیة والاظهر ان کلا من التوالی	تین بار خشک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر بار دھونے کے بعد خشک کیا جائے یہ شرط غیر بدن وغیرہ میں ہے بدن میں تین بار مسلسل دھونا اس کے قائم مقام ہوگا حلیہ میں فرمایا اظہر بات یہ ہے کہ اس میں تسلسل اور

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

والجفاف لیس بشرط فیه وقدصرح به فی النوازل وفی الذخیرة مایوافقه [1] اھ واقرہ فی البحر۔	اور خشک کرنے (دونوں) میں سے کوئی بات بھی شرط نہیں نوازل میں اس کی تصریح ہے، ذخیرہ میں اس کے موافق ہے اھ بحر الرائق میں اس کو برقرار رکھاہے۔(ت)

رہا سوال اول یہ تو ظاہر ہوگیا کہ ہر بار قطرات کا پونچھنا فضول تھا بلکہ بلاوجہ ہاتھ ناپاک کرلینا مگر جبکہ اس نے ایسا کیا، مثلاً پاؤں پر نجاست تھی سیدھے ہاتھ میں لوٹا لے کر اُس پر پانی بہایا اور جو قطرات باقی رہے بائیں ہاتھ سے پونچھ لیے تو یہ ہاتھ ناپاک ہوگیا مگر ایسی نجاست سے کہ دو بار دھونے سے پاک ہوجائے گی اس لئے کہ ایک بار دُھل چکی اب پاؤں پر دو بار پانی ڈالنا تھا دوسری بار کے بعد ایک ہی بار ڈالنا تھا لیکن اس نے دوبارہ دھو کر نجس ہاتھ سے پھر اس کے قطرے پونچھے تو اب پاؤں کو وہ نجاست لگ گئی جو دو بار دھونے کی محتاج ہے تو پاؤں کو پھر دو بار دھونے کی ضرورت ہوگئی اور ہاتھ بدستور اُسی نجاست سے نجس رہا اُس میں تخفیف نہ ہُوئی کہ اُس پر سیلان آب نہ ہوا اب پاؤں پر سہ بارہ کا پانی دوبارہ کے حکم میں ہے کہ اس کے بعد ایک بار اور دھونے کی حاجت ہے لیکن اس نے اس کے بعد بھی وہی نجس ہاتھ اس کے قطرات صاف کرنے میں استعمال کیا تو اب پھر پاؤں کو دو۲ بار دھونے کی ضرورت ہوگئی وھکذا (اور اسی طرح ہے۔ت) لہٰذا اُسے لازم کہ پاؤں پر دو بار پانی بہائے اور قطرات نہ پونچھے اور وہ ہاتھ جدا دو بار دھولے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الامداد والمیاہ الثلثة متفاوتة فی النجاسة فالاولی یطھر مااصابته بالغسل ثلثا والثانیة بالثنتین والثالثة بواحدة وکذا الاوانی الثلثة التی غسل فیھا واحدة بعد واحدة وقیل یطھر الاناء الثالث بمجرد الاراقة والثانی بواحدة والاول بثنتین [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	"الامداد" میں فرمایا نجاست میں تینوں پانی الگ الگ حکم رکھتے ہیں پہلا پانی جس چیز کو لگ جائے وہ تین بار دھونے سے پاک ہے۔ دوسرا پانی جسے پہنچے وہ دو بار، اور تیسرے پانی جسے پہنچے ایک بار دھونے سے پاک ہوجاتی ہے۔ اسی طرح وہ تینوں برتن جو یکے بعد دیگرے اس میں دھوئے گئے۔ اور کہا گیا ہے تیسرا برتن محض پانی بہانے سے پاک ہوجائے گا دوسرا ایک بار دھونے سے اور پہلا دو بار دھونے سے پاک ہوگا اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲۱

[2] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

مسئلہ ۱۹۸: از سرنیا ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۶ شوال ۱۳۲۲ھ

اگر کپڑوں پر بیلوں کے پیشاب گوبر وغیرہ کی چھینٹیں پڑی ہیں اور کپڑے بدلنے کی فرصت نہیں ہے نماز ایسی حالت میں ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر چھینٹیں چہارم کپڑے سے کم پر پڑی ہیں نماز ہوجائے گی ورنہ نہیں اور کھیت کے کام سے فرصت نہ ہونے کا کچھ اعتبار نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹:

از موضع بھوٹا بھوٹی بسوٹولانڈ ملک افریقہ مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صاحب صدیقی حنفی قادری ابن امیر میاں ۲۳ صفر ۱۳۳۶ھ

گھی گرم تھا اس میں مُرغی کا بچّہ گرا اور فوراً مرگیا یہ گھی کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گھی ناپاک ہوگیا، بے پاک کیے اُس کا کھانا حرام ہے۔ پاک کرنے کے تین [۳] طریقے ہیں: ایک یہ کہ اُتنا ہی پانی اُس میں ملاکر جنبش دیتے ہیں یہاں تک کہ سب گھی اُوپر آجائے اُسے اتارلیں۔ اور دُوسرا پانی اُسی قدر ملاکر یونہی کریں۔

پھر اتار کر تیسرے پانی سے اُسی طرح دھوئیں۔ اور اگر گھی سرد ہوکر جم گیا ہو تو تینوں بار اُس کے برابر پانی ملاکر جوش دیں یہاں تک کہ گھی اوپر آجائے اتارلیں۔

اقول: جوش دینے کی پہلی ہی بار حاجت ہے پھر تو گھی رقیق ہوجائے گا اور پانی ملاکر جنبش دینا کفایت کرے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الدرر لوتنجس الدهن یصب علیه الماء فیغلی فیعلوا الدهن الماء فیرفع بشیئ هکذا ثلاث مرات اھ وهذا عند ابی یوسف خلافًا لمحمد وهو اوسع وعلیه الفتوی کمافی شرح الشیخ اسمٰعیل عن جامع الفتاوٰی وقال فی الفتاوی الخیریة لفظة فیغلی ذکرت فی بعض الکتب والظاهر انها من زیادة الناسخ فانالم نرمن	الدرر میں فرمایا اگر تیل ناپاک ہوجائے تو اس پر پانی ڈال کر جوش دیا جائے اس طرح تیل پانی پر غالب آکر کچھ اُوپر آجائے گا۔ یوں ہی تین بار کیا جائے اھ یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ہے امام محمد رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے، اس میں زیادہ وسعت ہے اور اسی پر فتویٰ ہے جیسے شرح شیخ اسمٰعیل میں جامع الفتاوٰی سے منقول ہے۔ اور فتاوٰی خیریہ میں فرمایا: "فیغلی" (جوش دیا جائے) کا لفظ بعض

شرط لتطهير الدهن الغليان مع كثرة النقل فى المسألة والتتبع لها الا ان يرادبه التحريك مجازا فقدصرح فى مجمع الرواية وشرح القدورى انه يصب عليه مثله ماء ويحرك فتأمل اه اويحمل على ماذاجمد الدهن بعد تنجسه ثم رأيت الشارح صرح بذلك فى الخزائن فقال والدهن السائل يلقى فيه الماء والجامد يغلى به حتى يعلو[1] الخ۔	کتب میں مذکور ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لکھنے والے کی طرف سے اضافہ ہے کیونکہ ہم نے تیل کو پاک کرنے کیلئے جوش دینے کی شرط نہیں دیکھی حالانکہ یہ مسئلہ بہت زیادہ منقول ہے اور اس کی چھان بین بھی بہت زیادہ کی گئی البتہ یہ کہ اس "جوش دینے" سے مجازًا حرکت دینا مراد لیا جائے، مجمع الروایۃ اور شرح قدوری میں اس کی تصریح کی گئی کہ اس پر اُتنا ہی پانی ڈالا جائے اور حرکت دی جائے، پس غور کرو اھ یا اسے اس صورت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے کہ جب وہ ناپاک ہونے کے بعد جم جائے۔ پھر میں نے دیکھا کہ شارح نے الخزائن میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا بہنے والے تیل میں پانی ڈالا جائے اور جمے ہوئے کو جوش دیا جائے یہاں تک کہ وہ اُوپر آجائے الخ (ت)

دوم: ناپاک گی جس برتن میں ہے اگر جمنے کی طرف مائل ہوگیا ہو آگ پر پگھلالیں اور ویسا ہی پگھلا ہوا پاک گھی اُس برتن میں ڈالتے جائیں یہاں تک کہ گھی سے بھر کر اُبل جائے سب گھی پاک ہوجائیگا۔ جامع الرموز میں ہے:

المائع كالماء والدبس وغيرهما طهارته باجرائه مع جنسه مختلطًا به[2]۔	بہنے والی چیز جیسے پانی اور شیرہ وغیرہ کو اس کے ہم جنس کے ساتھ ملا کر جاری کیا جائے تو پاک ہوجاتی ہے۔ (ت)

سوم: دوسرا گھی پاک لیں اور مثلاً تخت پر بیٹھ کر نیچے ایک خالی برتن رکھیں اور پرنالے کی مثل کسی چیز میں وہ پاک گھی ڈالیں اُس کے بعد یہ ناپاک گھی اُسی پرنالے میں ڈالیں یوں کہ دونوں کی دھاریں برتن میں گریں اس طرح پاک وناپاک دونوں گھی ملا کر ڈالیں یہاں تک کہ سب ناپاک گھی پاک گھی سے ایک دھار ہو کر برتن میں پہنچ جائے سب پاک ہوگیا، خزانہ میں ہے:

اناء ان ماء احدهما طاهر والأخر نجس فصبا من مكان عال فاختلطا فى الهواء	دو۲ برتنوں میں سے ایک کا پانی پاک اور دوسرے کا ناپاک ہو توان کو بلند مقام سے گرایا جائے اور وہ

---
[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[2] جامع الرموز فصل یطہر الشیئ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۹۵

ثم نزلا طھر کلہ[1]	فضامیں مل کر اُتریں تو تمام پانی پاک ہوجائیگا۔(ت)

پہلے طریقہ میں پانی سے گھی کو تین بار دھونے میں گھی خراب ہونے کا اندیشہ ہے اور دوسرے طریقہ میں اُبل کر تھوڑا گھی ضائع جائے گا۔ تیسرا طریقہ بالکل صاف ہے مگر اس میں احتیاط بہت درکار ہے کہ برتن میں ناپاک گھی کی کوئی بوند نہ پاک گھی سے پہلے نہ بعد کو گرے نہ پرنالے میں بہاتے وقت اُس کی کوئی چھینٹ اُڑ کر پاک گھی سے جدا برتن میں گرے ورنہ جتنا برتن میں پہنچا یا اب پہنچے گا سب ناپاک ہوجائے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: از کٹک بخشی بازار متصل مسجد مولوی صاحب مرسلہ داور علی خان صاحب سہاوری ۸۔جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

اُنگلی پر نجاست لگ جائے اور اُسے چاٹ لیا جائے تو انگلی پاک ہوجائے اور مُنہ بھی پاک رہے۔

الجواب: انگلی کی نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک رُوح کا کام ہے اور اسے جائز جاننا شریعت پر افترا واتہام اور تحلیل حرام اور قاطع اسلام ہے اور یہ کہنا محض جھُوٹ ہے کہ منہ بھی پاک رہے گا نجاست چاٹنے سے قطعًا ناپاک ہوجائے گا اگرچہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلنے سے کہ اثر نجاست کا مُنہ سے دُھل کر سب پیٹ میں چلاجائے گا پاک ہوجائے گا مگر اس چاٹنے نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہے۔

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِۚ اُولٰٓىٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے،اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کیلئے۔پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔وہ ان باتوں سے پاک ہیں جو لوگ کہتے ہیں(ت)

مسئلہ ۲۰۱: از بنگلور بازار مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

ہنود سے اشیاء خوردنی جیسے دُودھ دہی گھی ترکاری شیرینی وغیرہ تر یا خشک کا استعمال اہل سنت کے نزدیک درست ہے یا حرام،اور آیہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ[3] (بے شک مشرکین نجس ہیں۔ت،) سے اہل تشیع کا اشیاء مذکورہ میں کیا خیال ہے اور مجدد صاحب کا اس امر میں کیا فتوٰی ہے؟

الجواب:

آیہ کریمہ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ اُن کے نجاست قلب ونجاست دین کے بارے میں ہے اجسام

---

[1] ردالمحتار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] القرآن ۲۴/۲۶

[3] القرآن ۹/۲۸

اگر ملوّث بہ نجاست ہیں نجس ہیں ورنہ نہیں تمام کتب فقہ متون وشروح وفتاوٰی اس کی تصریحات سے مالامال ہیں ان کے یہاں کا گوشت تو ضرور حرام ہے مگر اُس حالت میں کہ مسلمان نے اللہ عزّوجل کے لئے ذبح کیا اور بنانے پکانے لانے کے وقت مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا کوئی نہ کوئی مسلمان اُسے دیکھتا رہا تو اُس وقت حلال ہے ورنہ حرام اور باقی اشیا جن میں نجاست یا حرمت متحقق وثابت ہو نجس وحرام ہیں اور نہ طاہر وحلال کہ اصل اشیا میں طہارت وحلت ہے قال تعالٰی:

خَلَقَ لَكُمۡ مَّا فِي الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا [1]۔	زمین میں جو کچھ ہے وہ سب تمہارے فائدے کے لئے پیدا فرمایا۔(ت)

جب تک کسی عارض سے اس اصل کا زوال ثابت نہ ہو حکم اصل ہی کیلئے رہے گا۔ محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ [2]۔	ہم اسی پر عمل کرینگے جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو جائے۔(ت)

مگر اس میں شک نہیں کہ ہنود بلکہ تمام کفار اکثر ملوث بہ نجاست رہتے ہیں بلکہ اکثر نجاستیں اُن کے نزدیک پاک ہیں بلکہ بعض نجاستیں ہنود کے خیال میں پاک کنندہ ہیں تو جہاں تک دشواری نہ ہو اُن سے بچنا اولٰی ہے غرض فتوٰی جواز اور تقوی احتراز روافض کا خیال ضلال ہے اور اس مسئلہ میں حضرت مجدد کا کوئی خیال مجھے اس وقت یاد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲: از ڈاکخانہ راموچکما کول ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ سید محمد مفیض الرحمان صاحب ۹۔ جمادی الاخرہ ۱۳۳۶ھ۔

جو زمین ناپاک دھوپ کی وجہ سے پاک ہوگئی ہو اب اُس زمین پر اگر کوئی گیلا پیر رکھ دے اور مٹّی لگ جائے تو کیا پیر ناپاک ہوگا؟

الجواب:

جب زمین کو زوال اثر کے بعد حکم طہارت دے دیا گیا اب وہ پانی پڑنے سے ناپاک نہ ہوگی تر پاؤں اس پر رکھ دینے سے ناپاک نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۲۹/۲

[2] فتاوٰی عالمگیری الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۴۲/۵

مسئلہ ۲۰۳و ۲۰۴: از شہر کہنہ ۱۲۔ رمضان ۱۳۳۶ھ

(۱) بچّے زمین پر پیشاب پاخانہ کرتے تھے اس پر راب گر گئی وہ سب اٹھا کر آڑے میں اس کی کھانچی پڑی کھاجر کے سوار پڑا اب وہ کچی شکّر پاک ہُوئی یا پکا کر پاک یا کس طرح پاک ہو؟ (۲) کرسی یا چُوہے کی مینگنی کھانے میں نکل آئے تو کیا کِیا جائے؟

الجواب:

(۱) جب بچّے زمین پر پاخانہ پھرتے ہیں وہ اٹھا دیا جاتا ہے زمین کھُرچ دی جاتی ہے، پیشاب کرتے ہیں وہ خشک ہو جاتا ہے اُس کا اثر زائل ہو جاتا ہے زمین پاک ہو جاتی ہے شبہہ اور وہم پالنا منع ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کرسی تر کھانے جیسے شوربے کو ناپاک کردے گی اور جس میں ایسی تری نہ ہو جیسے چاول، اگر پک جانے کے بعد گری تو اس کے پاس کے دانے جُدا کر دیے جائیں اور اگر جس وقت پانی تھا اُس وقت گری تو سب ناپاک ہے جانور کو کھلا دے۔ اور مینگنی اگر بکری کی ہے تو اس کا یہی حکم ہے اور چُوہے کی ہے اور ناج مثلاً روٹی یا دلیے یا دال پلاؤ کھچڑی میں نکلی تو معاف ہے جبکہ اتنی نہ ہو کہ اس کا مزہ کھانے میں آگیا ہو اور اگر شوربے دار سالن میں نکلی تو اسے نہ کھانا چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵: از ضلع بلیا مسئولہ سید محمد رضا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے غسل خانہ مسجد میں غسل کیا گھڑا پانی کا اتفاقاً ایک منٹ زمین پر رکھ دیا اب وہ گھڑے کا پیندا تین مرتبہ آب طاہر سے غوطہ دینے سے پاک وطاہر ہوا قابل استعمال کے ہوگیا یا نہیں اگر پاک ہوگیا تو کیوں قیمت اُس کی مثل ہنود کے اُس شخص گھڑا زمین پر رکھنے والے سے طلب کی جاتی ہے کیا وہ غوطہ دینے سے پاک نہیں ہوا نجس کا نجس رہا اگر ایسا رہا تو متابعت ہنود کی کی گئی اور دوسرا امر یہ ہے کہ اگر کوئی جاہل شخص اپنے تئیں مولوی کہلائے تو شرع میں اس کے لئے کیا حکم ہے صور تہائے مذکورہ بالا میں صاف صاف جواب مزین بدستخط ومہر مرحمت ہو۔

الجواب:

فقط تین غوطے دینے سے پاک نہیں ہوسکتا نہ زمین پر رکھ دینا ناپاک کرے جب تک زمین کی ناپاکی قابلِ سرایت بوجہ تری سبو یا زمین ثابت نہ ہو نہ قیمت مانگنے کی ضرورت بلکہ ناپاک ہوا ہو تو اُس سے پاک کرایا جائے جو نہ صرف غوطے بلکہ تین بار دھونے اور ہر بار خشک کرنے سے ہوگا۔ لوگ مولوی کہیں تو اُس پر الزام نہیں، ہاں وہ خود کہے کہ مجھے مولوی کہو تو الزام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۶: از بریلی محلّہ گندانالہ مسئولہ محمد جان صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھانا پلنگ پر کسی برتن میں رکھا تھااور قریب ہی ایک کُتّے کو کھڑادیکھا کسی نے منہ ڈالتے نہیں دیکھاالبتہ کچھ نشانات کھانے کے گرنے کے اور برتن میں بھی اُس طرف جس طرف کتّا کھڑا تھاکچھ جگہ خالی دیکھی اس صورت میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

جبکہ اُس طرف برتن خالی ہونے اور کھانا گرنے کی اور کوئی وجہ ظاہر نہ ہواور کُتّا موجود ہے توضرور اُس نے کھایااور کھانا ناپاک ہوگیااگرتر مثل شیر وشوربا ہے توسب اور خشک مثل برنج ہے توجہاں مُنہ لگاہے وہاں سے اُتار کر پھینک دیں باقی پاک ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ سید گوہر علی حسین صاحب قائم مقام معتمد انجمن خادم المسلمین بریلی ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سڑکوں پر چھڑکاؤ کرنے کی غرض سے پانی حوضوں میں بھرا جاتا ہے اور اُس میں اکثر ہاتھ مُنہ اور کپڑے وغیرہ دھوئے جاتے ہیں چھڑکاؤ کرنے والے بہشتی اُنہی حوضوں سے پانی لے کر اور مشکوں میں بھر کر چھڑکاؤ کرتے ہیں اور بعدہ مشکوں کو ایک دفعہ پانی سے دھوکر اہل محلّہ کے یہاں پانی بھرتے ہیں آیا یہ پانی خوردونوش میں استعمال کرنے کے قابل ہے اور پاک ہے واضح رائے عالی رہے کہ غیر مسلم بھی بہشتیوں کی ان حرکات پر نفرین کرتے ہیں۔

الجواب: صورتِ مسئولہ میں حکم جواز ہے جب تک کسی خاص حالت میں نجاست ثابت نہ ہو۔

نص علیہ فی کتب المذھب قاطبۃ ومن احسن من بینہ مصنّف الطریقۃ المحمدیۃ وشارحھا قدس سرھما وقد فصلناہ فی الاحلی من السکر۔	کتب مذہب میں اس کی تصریح موجود ہے طریقہ محمدیہ کے مصنّف اور شارح نے اسے بہت ہی اچھا بیان کیا، ہم نے "الاحلی من السکر" میں اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔(ت)

کفار کی نفرین وآفرین کچھ ملحوظ نہیں حلوائیوں کی کڑاہیاں جن کو شب بھر کُتّے چاٹیں صبح وہ اپنے مظنون النجاسۃ پانی سے دھوئیں اور سال بھر کے باندھے ہوئے انگوچھے سے پُوچھیں جس میں تقریبًا چھٹانک بھرپیشاب ہوگا یہ کچھ قابل نفریں نہیں اور ان کا دُودھ مٹھائی طیب اور وہ پانی نجس۔ شریعت ایسے مہمل فرق نہیں فرماتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: از شہر بریلی بہاری پور مدرسہ نارمل اسکول مسئولہ خالق داد خان صاحب ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خاکروب نے ایک سقّہ کی تر مشک چھُودی ہے اس صورت میں وہ مشک پاک رہی یا ناپاک۔ اور اگر ناپاک ہے تو کسی طرح سے وہ پاک ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

تین بار اُس جگہ پر پانی بہادیں تطییبا للقلب (دل کے اطمینان کے لئے ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۲۰۹: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خان مرسلہ سید محمد معین صاحب ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ روغن زرد رقیق دیگچی میں کوٹھری کے اندر رکھا تھا، کتّا اندر گیا اور جاکر کُتّے نے دیگچی کھول کر کھایا ہوگا فوراً کوٹھری میں جاکر کتّے کو ہٹایا تو اس کے منہ سے گھی گرتا نظر آیا مگر کھاتے ہوئے نہیں دیکھا آیا وہ گھی قابل کھانے کے رہا یا نہیں اور رہا تو کس صورت میں۔

الجواب:

گھی ناپاک ہوگیا، اگر رقیق ہے تو سب اور جما ہوا ہے تو جہاں سے کھایا وہ جگہ ناپاک ہوئی باقی پاک رہا، یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ اس صورت میں ناپاک نہ ہوگا کہ آنکھ سے تو نہ دیکھا محض جہالت ہے **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از سسونہ ڈاک خانہ شیش گڈھ ضلع بریلی مرسلہ علی جان خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خاکروب نے کھِیلیں دُکاندار سے خریدیں اور اپنے کپڑے میں لے لیں بعد کو کسی حجت پر کھِیلوں کے ڈھیر پر لوٹ دیں اب وہ کھیلیں پاک ہیں یا ناپاک، علاوہ اس کے شیرینی لڈو پیڑہ جلیبی اگر خاکروب ہاتھ میں یا کپڑے میں لے لے تو وہ پاک رہی یا ناپاک؟ **بینوا توجرّوا۔**

الجواب: اگر اس کے ہاتھ میں نجاست ہو اور ہاتھ یا جو چیز اُس نے لی تر ہو تو وہ شے ناپاک ہوجائے گی اور خشک چیز خشک ہاتھ یا کپڑے میں لینے سے ناپاک نہ ہوگی مگر بھنگی کی چھوئی ہوئی چیز سے لوگ تنفر کرتے ہیں لہٰذا اُس سے بچنا چاہئے۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا**[1] (خوش کرو متنفر نہ کرو۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

---

[1] صحیح البخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولہم من المواعظ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

مسئلہ ۲۱۱: از امام پور مرسلہ جناب گل احمد صاحب افغان خراسانی ۱۹ شوال المکرم ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے ہاتھی کو قریب کُنویں کے نہلاتا ہے اور اس کی چھینٹیں کنویں کے اندر جاتی ہیں اور جس ڈول میں ہاتھی پانی پیتا ہے وہی بار بار کنویں میں ڈالتا ہے ایسی صورت میں کنویں کا کیا حکم ہے اس کے پانی کا استعمال غسل، وضو، کھانے، پینے میں کرنا درست ہے یا نہیں اور اگر اُس سے وضو یا غسل کیا ہو تو نمازوں کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجّروا۔

الجواب:

ہاتھی کے بدن کی چھینٹیں اگرچہ مذہب راجح میں ناپاک نہیں مگر اُس کا پیا ہوا پانی اور وہ ڈول جس میں پانی پیا یقینا ناپاک ہیں جب وہی ڈول کنویں میں ڈالا سب پانی ناپاک ہوگیا اُس کا استعمال وضو، غسل وخورد ونوش میں حرام ہے اور وضو وغسل کیا تو بدن اور کپڑے پاک کیے جائیں اور نمازیں پھیری جائیں اور ہاتھی والے کو اس حرام حرکت سے باز رکھا جائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: مسئولہ ننھے خاں کانکر ٹولہ شہر کہنہ ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں جو کہ نطفہ آدمی کی پیدائش کا قرار پاتا ہے وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب:

منی مطلق ناپاک ہی ہے سوااُن پاک نطفوں کے جن سے تخلیق حضراتِ انبیا علیہم الصّلوٰۃ والسلام ہُوئی اور خواہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نطفے کہ اُن کا پیشاب بھی پاک ہے یونہی تمام فضلات **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: از بلڈانہ برار بسوہ اسٹیشن متعلق ملکہ پور مدرسہ اسلامیہ مسئولہ سراج الدین صاحب ۱۳ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیل گاڑی ہانکنے والا جس کے پاس ایک کُرتا اور ایک ہی پاجامہ ہے یہی پیشہ ہے گاڑی کے کرائے سے شکم سیری کرتا ہے بیلوں کو ہانکنے کے وقت بیلوں کے پیشاب و گوبر کی چھینٹ دُم بیل کے ہلانے سے سب جگہ لگی بڑے بڑے داغ کپڑوں پر آئے دھونے کی فرصت نہیں ملی اس حالت میں نماز پنجگانہ ادا کرنے کی شرح شریف میں کیا تعلیم ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیلوں کا گوبر پیشاب نجاست خفیہ ہے جب تک چہارم کپڑا نہ بھر جائے یا متفرق اتنی پڑی ہوں کہ جمع کرنے سے چہارم کپڑے کی مقدار ہو جائے کپڑے کو نجاست کا حکم نہ دیں گے اور اس سے نماز جائز ہوگی اور بالفرض اگر اس سے

زائد بھی دھبّے ہوں اور دھونے سے سچّی معذوری یعنی حرج شدید ہو تو نماز جائز ہے۔

فقدطھرہ محمد [1] اخذ عـــہ اللبلوی کمافی الدر المختار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	امام محمد رحمہ اللہ نے عموم بلوٰی کے پیش نظر اسے پاک قرار دیا ہے جیسا کہ دُر مختار میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱۳ : از شہر گیا محلّہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین واحمد اللہ خان صاحبان شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُوئر اور کتّا اور ہاتھی کس وجہ خاص سے نجس کیے گئے ہیں، مدلل بدلائل آیاتِ قرآن مجید۔بینوا توجروا۔

الجواب:

جس وجہ خاص سے تم طاہر کیے گئے ہو، واللہ تعالٰی اعلم

عـــہ: مسخه الناسخ وصوابه اُخرا ای فی اُخر امره حین دخل الری مع الخلیفة ورأی ببلوی الناس من امتلاء الطرق والخانات وقاس المشایخ علی قوله ھذا طین بخاری فتح واختارہ مجدد المائة الحاضرة سیدی ووالدی اعلحضرت قدس سره دفعا للحرج عن الفلاحین ومن حذا حذوھم ھذا ولذا اختار ھھنا فی الخشی قولھما انھا مخففة واستظھره فی الشرنبلالیة وعزاه الی مواھب الرحمٰن لکن فی النکت للعلامة قاسم ان قول الامام بالتغلیظ رجحه فی المبسوط وغیره ولذا جری علیه اصحاب المتون اھ

الفقیر حامد رضا قادری الرضوی البریلوی

کاتب نے اس کو مسخ کردیا ہے، اس کا درست بیان آخر میں یعنی آپ کے آخری حکم میں ہے جب آپ خلیفہ کے ساتھ ری میں داخل ہوئے اور راستوں اور دکانوں کے گوبر سے بھرے ہونے کی وجہ سے لوگوں کو ابتلاءِ عام میں دیکھا اور مشائخ نے امام محمد کے اسی قول پر بخارٰی کی مٹی کو قیاس کیا ہے فتح اور مجدد مائۃ حاضرہ میرے آقا و والد اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کسانوں اور ان جیسا کام کرنے والوں سے حرج کو دور کرنے کے لئے اسی کو اختیار فرمایا ہے اسے محفوظ کرلو، اسی لئے یہاں مینگنی کے بارے میں شیخین کا قول اختیار فرمایا۔ شرنبلالیہ میں اسی کو ظاہر فرمایا ہے اور اس کو مواہب الرحمٰن کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن علّامہ قاسم کی نکت میں یہ ہے کہ امام کا قول نجاستِ غلیظہ کے ساتھ ہے مبسوط وغیرہ میں اسی کو ترجیح دی ہے اسی لئے اصحابِ متون نے اسے اختیار فرمایا اھ ۱۲(ت)

[1] درمختار باب الانجاس مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۵

مسئلہ ۲۱۴: از نگینہ ضلع بجنور محلّہ شیخ کی سرائے تکیہ منہاران مسئولہ حافظ بشیر احمد صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ کورا کپڑا بازار کا خریدا ہوا دیسی ہو یا انگریزی جبکہ قیمت دے کر خریدا گیا ہو وہ بلا دھوئے ہوئے پہننا جائز ہے اور نماز اس پر درست ہے، دوسرا کہتا ہے بغیر دھوئے نماز جائز نہیں کہ اس کے طاہر ہونے کا یقین نہیں، کس کا قول صحیح ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طاہر ہونے پر یقین کی اصلاً حاجت نہیں آدمی جو کپڑے پہنے سوتا ہے جاگنے پر کیا یقین ہے کہ انہیں کوئی نجاست نہ پہنچی۔ کپڑے کے استعمال اور اس سے نماز پڑھنے کے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ اس کا نجس ہونا معلوم نہ ہو دیسی یا انگریزی جتنے کپڑے خریدے جائیں یا بے خریدے ملیں جب تک اُن کی نجاست معلوم نہ ہو پاک ہیں یہ خیال بے اصل ہے کہ قیمت دینے سے پاک ہوں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۵: از موضع خورد موٴ ڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صابون دیسی یا ولایتی مروجہ کا استعمال زندہ اور مُردہ کے لئے جائز ہے یا ناجائز۔ قطعی فیصل ہونا چاہئے۔

الجواب:

مسلمان کا بنایا ہوا صابون جائز ہے اور ہندو یا مجوسی یا نصرانی کا بنایا ہوا صابون جس میں چربی پڑتی ہو اگرچہ گائے یا بکری کی، ناپاک وحرام ہے دیسی ہو یا ولایتی اور جس میں چربی نہ ہو جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ حاجی اسمٰعیل بن حاجی امیر میاں قادری کاٹھیاواڑی از جنوبی افریقہ بمقام بھوٹا بھوٹی برٹش باسوٹولینڈ۔ اگر تیل یا گھی گرم ہو یا سرد اُس میں حرام جانور مثلاً چُوہا، بلّی یا کتّا یا خنزیر وغیرہ جانور اندر مرگیا یا جھُوٹا کرگیا اب وہ گھی وتیل وغیرہ کیسے پاک ہوگا اور ہو کھانا درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

گھی اگر رقیق پتلا ہے تو اُس کے پاک کرنے کا طریقہ مسئلہ پنجم عـہ میں گزرا اور اگر جما ہوا ہے تو اُس جانور یا اُس کے

عـہ: حاجی اسمٰعیل میاں صاحب کے ایک سو گیارہ سوالات میں سے سوال پنجم کے جواب میں وہ طریقہ ذکر فرمایا کہ اس کتاب کے صفحہ ۵۶۳ پر مسئلہ ۱۹۹ میں مذکور ہے ۱۲ (م)

مُنہ لگنے کی جگہ سے تھوڑا سا گھی کھُرچ کر پھینک دیں باقی پاک ہے، احمد وابوداؤد ابوہریرہ اور دارمی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاوقعت الفارۃ فی السمن فان کان جامدا فالقوھا وماحولھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر جمے ہوئے گھی میں چُوہا گرجائے تو چوہا اور اس کے آس پاس کا گھی نکال کر پھینک دو۔

---

[1] سنن ابی داؤد شریف باب فی الفارۃ تقع فی السمن مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الاِستِنجَاء

(یہ باب استنجا کے بیان میں ہے)

مسئلہ ۲۱۷: کیافرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لوٹے سے وضوکیااس میں پانی بچ رہا،اُس بچے ہوئے پانی سے چھوٹابڑااستنجایاوضو کرنا کیساہےاوراُسے پھینک دیناجائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پھینک دیناتو تضیعِ مال ہے کہ شرع میں قطعًا ممنوع اور وضو کرنا بیشک جائز، مگر یہ کہ اُس میں مائے مستعمل اس قدر گرگیاہو کر غیر مستعمل پر غالب ہوگیا۔رہااستنجا،جواز میں تواُس کے بھی شُبہہ نہیں،نہ کسی کتاب میں اُس کی ممانعت نظیر فقیر سے گزری۔ ہاں اس قدر ہے کہ بقیہ وضوکیلئے شرعًا عظمت واحترام ہےاور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کہ حضور نے وضوفرماکر بقیہ آب کو کھڑے ہوکرنوش فرمایااورایک حدیث میں روایت کیاگیاکہ اس کاپیناستر ۷۰ مرض سے شفاہے۔تووہ ان امور میں آبِ زمزم سے مشابہت رکھتاہےایسے پانی سے استنجامناسب نہیں۔تنویر کے آدابِ وضومیں ہے:

وان یشرب بعدہ من فضل وضوئہ مستقبل القبلۃ قائما[1]۔	وضو کے بعد وضو کا پسماندہ (پانی) قبلہ رُخ کھڑے ہو کر پئے۔(ت)

[1] درمختار مع تنویرالابصار باب مستحبات الوضوء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۳

درمختار میں ہے: کماء زمزم[1] (آبِ زمزم کی طرح۔ت) جامع ترمذی میں سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے مروی کہ انہوں نے کھڑے ہو کر بقیہ وضو پیا پھر فرمایا:

احببت ان اریکم کیف کان طھور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	میں نے چاہا کہ تمہیں دکھاؤں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقہ وضو کیونکر تھا۔

ردالمحتار میں ہے:

ماء زمزم شفاء وکذا فضل الوضوء وفی شرح ھدیۃ ابن العماد لسیدی عبدالغنی النابلسی ومما جربتہ انی اذااصابنی مرض اقصد الاستشفاء بشرب فضل الوضوء فحصل لی الشفاء وھذا دابی اعتمادًا علی قول الصادق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ھذا الطب النبوی الصحیح[3] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔	آبِ زمزم شفا ہے اور اسی طرح وضو کا بچا ہوا پانی بھی۔ ہدیۃ ابن العماد کی شرح میں علّامہ عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے تجربہ کیا ہے کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وضو کے بقیہ پانی سے شفا حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں پس مجھے شفا حاصل ہو جاتی ہے نبی صادق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس صحیح طب نبوی میں پائے جانے والے ارشاد گرامی پر اعتماد کرتے ہوئے میں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۲۱۸: حاجی اللہ یار خان صاحب ۲۲ رمضان مبارک ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مصلی کے بائیں ہاتھ میں ایسی چوٹ لگ گئی ہے کہ حرکت نہیں کرسکتا پانی سے استنجا کرنے سے معذور ہے البتہ داہنے ہاتھ سے ڈھیلوں سے صاف کرسکتا ہے ایسا شخص نماز پڑھ سکتا ہے اور امامت اس کی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دہنے ہاتھ سے استنجا اگرچہ ممنوع وگناہ ہے صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی **کمااخرجہ احمد والشیخان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (جیسا کہ امام احمد اور شیخان (امام بخاری ومسلم) رحمہم اللہ تعالٰی نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ت) مگر جب عذر ہے تو کچھ مواخذہ نہیں **فان الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں۔ت) درمختار

[1] درمختار مع التنویر، باب مستحبات الوضوء، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۲۳

[2] جامع الترمذی باب وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف کان مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸

[3] ردالمحتار مطلب فی مباحث الشرب قائما مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۸

میں ہے:

کرہ تحریما بیمین ولاعذر بیسارہ[1] اھ ملخصاً۔	بائیں ہاتھ میں کوئی عذر نہ ہو تو دائیں ہاتھ سے (استنجا) مکروہِ تحریمہ ہے اھ ملخصا (ت)

اور نجاست جب مخرج بَول وبراز سے مقدار درہم سے زیادہ تجاوز نہ کرے تو ڈھیلے کافی ہوتے ہیں اُن کے بعد پانی لینا فقط سنّت ہے درمختار میں ہے:

الغسل بالماء بعد الحجر سنة[2] اھ ملخصاً۔	پتھر (استعمال کرنے) کے بعد پانی سے دھونا سنّت ہے اھ ملخصا

یہ سنّت بھی اگرچہ باقی سنن مؤکدہ کے مثل ہے جس کاترک بیشک باعثِ کراہت،

علی ماحققه المحقق علی الاطلاق فی الفتح وتبعه تلمیذہ المحقق ابن امیر الحاج فی الحلیة۔	جیسا کہ محقق علی الاطلاق رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں اور ان کی اتباع میں ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج نے حلیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

مگر حالتِ عذر ہمیشہ مستثنیٰ ہوتی ہے اور ترک سنت صحتِ نماز میں خلل انداز نہیں پس صورت مستفسرہ میں بلاتامل نہ اُس شخص کی اپنی نماز میں حرج نہ امامت میں نقصان البتہ اگر نجاست مخرج کے علاوہ قدر درم سے زیادہ ہو تو اُس وقت پانی سے دھوئے بغیر طہارت نہیں ہوتی۔ درمختار میں ہے:

یجب ای غسله ان جاوز المخرج نجس مانع ویعتبر القدر مانع للصلاة فیما وراء موضع الاستنجاء[3]۔	اگر (طہارت سے) مانع نجاست مخرج سے تجاوز کرجائے تو اس کا دھونا واجب اور نماز سے مانع نجاست کے اندازے کا اعتبار اس نجاست سے ہوگا جو جائے استنجا کے علاوہ ہے۔(ت)

ایسی حالت میں اگر پانی پر کسی طرح کسی ہاتھ سے سے قدرت نہ پائے تو اُس کی اپنی نماز ہوجائے گی، درمختار میں ہے: لو شلّتا سقط اصلا[4] (اگر دونوں ہاتھ شَل ہوجائیں تو طہارت بالکل ساقط ہوجائیگی۔ت) مگر امامت

[1] درمختار فصل الاستنجا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶
[2] درمختار فصل الاستنجا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶
[3] درمختار فصل الاستنجا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶
[4] درمختار فصل الاستنجا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

نہیں کرسکتا کمالایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (جیسا کہ مخفی نہیں، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۱۹: ۴جمادی الاخرٰی ۱۳۱۲ھ : کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور اصحابوں نے پیشاب کے بعد اکثر مرتبہ استنجا پانی سے کیا یا ڈھیلوں سے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عادت اس باب میں مختلف تھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اکثر مٹّی سے استنجا فرماتے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ پانی سے۔ کشف الغمہ میں ہے:

کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یبول کثیرا ثم یمسح بالتراب اوالحائط ثم یقول ھکذا علمنا ولم یبلغنا انہ کان یغسلہ بالماء بعد وکان حذیفۃ لایجمع بین الماء والحجر اذابال وکذلک عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما فکانا یغسلان بالماء فقط[1]۔	حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت زیادہ پیشاب کرتے پھر مٹّی یا دیوار سے خشک کرتے اس کے بعد فرماتے "ہمیں اس طرح معلوم ہے"۔اور ہم تک یہ بات نہیں پہنچی کہ اس کے بعد وہ پانی کے ساتھ دھوتے ہوں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ پیشاب کرتے تو پانی اور پتھّر کو جمع نہیں کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہی طریقہ تھا یہ دونوں صرف پانی سے دھوتے تھے۔(ت)

اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دونوں صورتیں ثابت ہیں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیشاب کے بعد پانی سے استنجا فرماتے۔

احمد والترمذی وصححہ والنسائی عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت مرن ازواجکن ان یغسلوا اثر الغائط والبول فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یفعلہ[2]۔	امام احمد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اپنے خاوندوں کو کہو کہ وہ قضائے حاجت اور پیشاب کا اثر پانی سے دھوڈالیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی یونہی کرتے تھے۔امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(ت)

اور وہی (عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا) روایت فرماتی ہیں کہ ایک بار حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پانی لیکر کھڑے ہوئے۔ فرمایا: کیا ہے؟ عرض کی:

---

[1] کشف الغمہ فصل فی کیفیۃ الاستنجاء مطبوعہ دار الفکر بیروت، لبنان ۱/۴۸

[2] جامع الترمذی باب الاستنجاء بالماء مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۵

استنجے کے لئے پانی۔فرمایا: مجھ پر واجب نہیں کیا گیا کہ ہر پیشاب کے بعد پانی سے طہارت کروں۔

ابوداؤد وابن ماجة بسند حسن عن ام المؤمنين عائشة رضى الله تعالى عنها قالت بال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقام عمر خلفه بكوزمن ماء فقال ماهذا ياعمر فقال ماء تتوضؤ به قال مامرت كلما بلت ان اتوضأ ولوفعلت لكانت سنة [1]۔	امام ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے سندِ حسن کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے پانی کالوٹا لے کر کھڑے ہوگئے، حضور علیہ السلام نے فرمایا: اے عمر! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: یہ پانی ہے آپ اس سے وضو فرمائیں۔آپ نے فرمایا: مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ جب بھی پیشاب کروں تو وضو کروں، اگر ایسا کروں توسنّت بن جائے گا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

المراد بالوضوء هنا الاستنجاء بالماء كماذكره النووى [2]۔	یہاں وضو سے استنجا کرنا مراد ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے (ت)

اور مسئلہ یہ ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا جائز ہے جس سے کرے گا کافی ہوگا اور افضل یہ ہے کہ دونوں کو جمع کرے فی الهندية عن التبيين الافضل ان يجمع بينهما [3] (فتاوٰی عالمگیری میں التبیین سے منقول ہے کہ دونوں کو جمع کرنا افضل ہے۔ت) والله تعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم (اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس بزرگ و برتر ذات کا علم مکمل و محکم ہے۔ت)

مسئلہ ۲۲۰: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اگر کسی جگہ پُرانا کپڑا یا مٹّی کا ڈھیلا یا ریت نہ ہو تو وہاں پتھر سے استنجا سکھانا کیسا ہے اور اگر تھوڑی دُور پر ہر شَے موجود ہے اور یہ کوتاہی کرگیا اور پتھّر سے سکھایا تو کیسا ہے بينوا توجروا۔

الجواب:

استنجا خشک کرنے میں ہر بے قیمت بیکار پاک چیز کہ رطوبت کو جذب کرکے موضع کو صاف کردے ڈھیلا ہو یا

[1] سُنن ابوداؤد شریف کتاب الطہارۃ، باب فی الاستبرائ مطبوعہ آفتاب عالم پرس لاہور ۱/۷

[2] حلیہ (مذکورہ کتاب دستیاب نہ ہو سکی)

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۸

پتھر مٹی ہو یا پُرانا کپڑا زمین ہو یا دیوار سب برابر ہے ہاں ہڈی یا کوئلہ یا پکی اینٹ یا ٹھیکری یا چونا نہ ہو، دُرمختار میں ہے:

(الاستنجاء سنة مؤکدة بنحو حجر) مما ھو عین طاھرۃ قالعة لاقیمة لھا کمدر (منق وکرہ بعظم وروث واٰجر وخزف وزجاج وفحم) وحق غیر وکل ماینتفع بہ[1]۔	پتھر جیسی چیز کے ساتھ استنجا سنّتِ مؤکدہ ہے یعنی وہ چیز جو پاک ہو نجاست کو دُور کرنے والی ہو اور قیمتی نہ ہو جیسا کہ صاف کرنے والا ڈھیلا ہڈّی، گوبر، پکّی اینٹ، ٹھیکری، گچ اور کوئلے کے ساتھ استنجاء مکروہ ہے نیز غیر کی ملکیت اور نفع بخش چیز کے ساتھ بھی مکروہ ہے (ت)

نورالایضاح میں ہے:

یکرہ الاستنجاء بجص[2] اھ ملخصین۔	چُونے کے ساتھ استنجاء مکروہ ہے اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البدائع السنة ھو الاستنجاء بالاشیاء الطاھرۃ من الاحجار والامداد والتراب والخرق البوالی اھ ومثلہ الجدار الاجدار غیرہ کالوقف ونحوہ وللمستأجر الاستنجاء بالحائط ولو لدار مسبلة[3] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم	بدائع میں فرمایا پاک چیز مثلاً پتھّروں، ڈھیلوں، مٹی، پرانے کپڑے کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا سنت ہے اھ دیوار بھی اسی طرح ہے لیکن کسی دوسرے کی دیوار نہ ہو مثلاً وقف شدہ وغیرہ۔ کرایہ دار دیوار سے استنجا کرسکتا ہے اگرچہ دیوار تر ہو۔ اھ تلخیص (ت)

مسئلہ ۲۲۱: ۲۷ صفر از کھنڈوا ضلع نماڑ ملک متوسط مرسلہ مولوی اللہ یار خاں صاحب

ازمکان منشی حبیب اللہ تحصیلدار باحسن آداب زانوائے ادب تہ کردہ بعرض مستفیضان باریابان حضور فیض معمور میرساند دیرنوالا ضرورتے درمسئلہ کتاب منیۃ المصلی واقع ست لہٰذا بخدمت فیض درجت عالی منقبت محی مراسم شریعت ماحی لوازم بدعت مظہر حسنات ملت بیضا مصدر برکات شریعت غرا	عمدہ آداب کے ساتھ زانوائے ادب تہ کرتے ہوئے آنحضور کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے والے حضرات کی ایک عرض جو اس علاقے میں منیۃ المصلی کے ایک مسئلہ کے سلسلے میں ہے فیضدرجت، عالی مرتبت، شریعت کے رسوم کو زندہ کرنے والے، بدعت کے لوازم کو

[1] درمختار، فصل الاستنجاء، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

[2] نورالایضاح فصل فی الاستنجاء مطبوعہ علیمی کتب خانہ لاہور ص ۶

[3] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب ادام اللہ فیضہم و ظلہم وبرکاتہم استفتا مع عبارت **یکرہ دخول المخرج لمن فی اصبعه خاتم فیه شیئ من القراٰن لمافیه من ترك التعظیم** [1] ارسال می نمایند معنی دخول المخرج بتصریح ترجمہ اردو ارشاد فرمایند کہ چہ مراد مؤلف ست و معنی لغوی واصطلاحی صیغہ مخرج دریںجاچیست۔ بینوا توجروا۔

مٹانے والے روشن ملّت کی اچھائیوں کو ظاہر کرنے والے، چمکتی ہوئی شریعت کی برکات کے منبع حضرت مولانا محمد احمد رضا خان اللہ تعالٰی ان کے فیوض، سایہ عاطفت اور برکات کو ہمیشہ باقی رکھے، کے حضور عبارت کے ساتھ استفتاء پیش کرتے ہیں، عبارت یہ ہے "جس آدمی کے ہاتھ میں ایسی انگوٹھی ہو جس میں قرآن پاک سے کچھ لکھا ہو اس کا مخرج میں داخل ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس میں تعظیم کو چھوڑنا ہے"۔ جواباً وضاحت کے ساتھ اردو زبان میں دخولِ مخرج کا معنٰی لکھیں اور بتائیں کہ مؤلف کی کیا مراد ہے اور اس جگہ لفظ مخرج کا لغوی اور اصطلاحی معنٰی کیا ہے، بیان فرمائیں اجر پائیں۔ (ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالٰی وکرّم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مخرج جائے خروج واینجا مراد بیت الخلاست کہ محل خروج خارج ست خارج بول وبراز را نامند چنانکہ در ردالمحتار اور آداب استنجا فرمود **ویدفن الخارج** [2] وحلق موئے دُبر را تعلیل نمود وکیلا یتعلق بہ شیئ من الخارج وتواند کہ خلا را مخرج گفتن ازاں عالم باشد کہ بیابان مہلکہ را مفازہ یعنی جائے فوز ونجات خوانند زیرا کہ دخول خلا محض بضرورت ست وداخل درعین دخول بر قصد تعجیل خروج پس گویا او مدخل نیست مخرج ست فافہم بالجملہ معنی دخول المخرج پاخانے میں جانا وحاصل مسئلہ آنکہ ہر کہ دردست او خاتمی ست کہ بروچیزے از قرآن یا از اسمائے معظّمہ

مولانا المکرم، اللہ تعالٰی آپ کو عزت بخشے، السلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، "مخرج" نکلنے کی جگہ کو کہتے ہیں یہاں بیت الخلا مراد ہے کہ نجاست خارج کرنے کی جگہ ہے بول وبراز کو خارج کہتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار کے آدابِ استنجاء میں فرمایا: "اور خارج (پیشاب وپاخانہ) کو (زمین میں) دبادے"۔ اور دُبر کے بال مونڈنے کی علّت یہ بیان کی کہ ان کے ساتھ خارج (پیشاب وپاخانہ) نہ لگ جائے اور ممکن ہے کہ خلا کو مخرج کہنا یوں ہو جیسے بیابانِ مہلکہ کو مفازہ یعنی جائے فوز وفلاح کہتے ہیں کیونکہ دخولِ خلا محض ضرورت کے پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اور داخل ہونے والا دخول کے وقت فوراً نکلنے کے ارادے پر ہوتا ہے تو گویا وہ مدخل

[1] منیۃ المصلی قبیل فصل فی التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۵

[2] ردالمحتار آداب استنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۲۳۰/۱

مثل نامِ الٰہی یانام قرآن عظیم یااسماانبیاء یاملائکہ علیہم الصلاۃ والثنا نوشتہ است اومامورست کہ چوں بخلارود خاتم از دست کشیدہ بیرون نہد افضل ہمین ست واگر خوف ضیاع باشد درجیب انداز دیا بچیزے دگر بپوشد کہ اینہم رواست اگرچہ بے ضرورت احترازو اولٰی ست اگر ازینہا ہیچ نکرد وہمچناں درخلا رفت مکروہ باشد علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درغنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی زیرہمیں عبارت مذکور فرماید یکرہ دخول المخرج ای الخلاء وفی اصبعه خاتم فیه شیئ من القراٰن اومن اسمائه تعالٰی لمافیه من ترك التعظیم وقیل لایکرہ ان جعل فصله الی باطن الکف ولوکان مافیه شیئ من القراٰن اومن اسمائه تعالٰی فی جیبه لاباس به وکذا لوکان ملفوفا فی شیئ والتحرز اولٰی [1] درمراقی الفلاح ست یکرہ دخول الخلاء ومعه شیئ مکتوب فیه اسم اللہ اوقراٰن [2] علامہ طحطاوی درحاشیہ ش فرمود لماروی ابوداود والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذادخل الخلاء نزع

نہیں مخرج ہے۔اسے سمجھو بالجملہ دخول مخرج کا معنی پاخانے نے میں جانا ہے اور حاصل مسئلہ یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں ایسی انگوٹھی ہو جس پر قرآن پاک میں سے کچھ (کلمات) یا متبرک نام جیسے اللہ تعالٰی کا اسم مبارک یا قرآن حکیم کا نام یا اسمائے انبیاء وملائکہ علیہم الصّلوۃ والثناء (لکھے) ہوں تو اسے حکم ہے کہ جب وہ بیت الخلاء میں جائے تو اپنے ہاتھ سے انگوٹھی نکال کر باہر رکھ لے بہتر یہی ہے اور اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو جیب میں ڈال لے یا کسی دوسری چیز میں لپیٹ لے کہ یہ بھی جائز ہے اگرچہ بے ضرورت اس سے بچنا بہتر ہے اگران صورتوں میں کوئی بھی بجانہ لائے اور یوں ہی بیت الخلاء میں چلاجائے تو ایسا کرنا مکروہ ہے علامہ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں اسی عبارت مذکور کے تحت فرمایا مخرج یعنی بیت الخلا میں داخل ہونا مکروہ ہے جب اسکی انگلی میں ایسی انگوٹھی ہو جس پر قرآن میں سے کچھ (کلمات) یا اللہ تعالٰی کا کوئی اسم مبارک (لکھا ہوا) ہو کیونکہ اس میں ترک تعظیم ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرے تو مکروہ نہیں اور اگر اس کی جیب میں کوئی ایسی چیز (کاپی وغیرہ) ہو جس میں قرآن پاک کا کچھ حصہ اللہ تعالٰی کا اسم گرامی ہو تو کوئی حرج نہیں اسی طرح اگر کسی لفافے میں بند ہو تو بھی حرج نہیں لیکن بچنازیادہ بہتر ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے جس آدمی کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس میں اللہ تعالٰی کا نام مبارک یا قرآن پاک کی کوئی آیت لکھی ہو تو اس کے لئے بیت الخلاء میں داخل ہونا مکروہ ہے۔

علامہ طحطاوی نے

[1] غنیۃ المستملی سنن الغسل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۰

[2] مراقی الفلاح فصل فی الاستنجاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰

خاتمہ ای لان نقشہ محمد رسول اللہ [1] اھ قلت بل رواہ الاربعۃ وابن حبان والحاکم وبعض اسانیدہ صحیح ثم قال اعنی الطحطاوی قال الطیبی فیہ دلیل علی وجوب تنحیۃ المستنجی اسم اللہ تعالٰی واسم رسولہ والقراٰن اھ وقال الابھری وکذا سائر الرسل وقال ابن حجر استفید منہ انہ یندب لمرید التبرز ان ینحی کل ماعلیہ معظم من اسم اللہ تعالٰی اونبی اوملک فان خالف کرہ لترک التعظیم اھ وھوالموافق لمذھبنا کمافی شرح المشکٰوۃ [2]۔ در درمختار ست رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کے حاشیہ میں فرمایا کیونکہ امام ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء میں جاتے وقت انگوٹھی اتار لیتے کیونکہ اس میں "محمد رسول اللہ" کا منقش تھا اھ میں کہتا ہوں بلکہ اسے چاروں محدثین (امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ رحمہم اللہ) ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کی بعض سندیں صحیح ہیں۔ پھر امام طحطاوی نے فرمایا: طیبی نے کہا ہے کہ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ استنجا کرنے والا اللہ تعالٰی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم گرامی نیز قرآن پاک کو الگ کردے اھ اور ابہری نے کہا اسی طرح باقی تمام رسولوں کے نام الگ کردے۔ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قضائے حاجت کا ارادہ کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ ہر وہ چیز الگ کردے جس میں کوئی قابلِ تعظیم بات مثلاً اللہ تعالٰی، کسی نبی یا فرشتے کا نام ہو اگر اس کے خلاف کرے گا تو ترک تعظیم کی وجہ سے مکروہ ہوگا اھ یہی بات ہمارے مذہب کے موافق ہے جیسا کہ شرح مشکٰوۃ میں ہے۔ درمختار میں ہے غلاف میں لپیٹے ہُوئے تعویذ کے ساتھ بیت الخلاء میں داخل ہونا مکروہ نہیں لیکن بچنا افضل ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۲: از پٹنہ مرسلہ ابوالمساکین مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں مثل لکھنؤ وپٹنہ عظیم آباد اکثر لوگ بعد فراغت بول کلوخ سے استنجا نہیں کرتے بلکہ صرف پانی پر اکتفا کرتے ہیں آیا اُن کا پائجامہ یا تہبند نجس ہوتا ہے یا نہیں اور ایسے شخص کی امامت میں کوئی خراب لازم آتی ہے یا نہیں اور بعض آدمیوں کا بیان ہے کہ پانی لینے سے قطرہ رک جاتا ہے یہ صرف اُن کا خیال ہی خیال ہے یا واقعی امر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کلوخ وآب میں جمع افضل ہے نفسِ سنّت ہر ایک سے ادا ہو جاتی ہے سب سے اولٰی جمع ہے پھر تنہا آب

[1] حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح فصل فی الاستنجاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۳۰
[2] حاشیۃ الطحطاوی مع مراقی الفلاح فصل فی الاستنجاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۳۰
[3] درمختار حکم مس المصحف والکتب الشرعیۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

پھر تنہا کلوخ صرف پانی پر قناعت سے کپڑا نجس نہیں ہوتا، نماز وامامت میں کوئی حرج نہیں **والمسائل فی الحلیۃ وردالمحتار وغیرھا** (مسائل حلیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہیں۔ت) پانی خصوصًا سرد اکثر امزجہ میں بوجہ تکثیف ضرور انسداد قطرہ پر معین ہوتا ہے۔ حدیث میں خروج مذی پر غسلِ مذاکیر کے حکم کو علماء نے اسی پر حکمت پر محمول کیا ہے **کما افادہ الامام الطحاوی فی شرح معانی الاثار** (جیسا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بتایا۔ت) اور بحال برودتِ مثانہ نزولِ قطرہ کا اور مؤید ہوتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: ۲رجب مرجب ۱۳۲۱ھ:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہڈی سے استنجا کس وجہ سے ناجائز ہے اور یہ جو کہتے ہیں کہ وہ خوراک جن کی ہے اس کی اصل ہے یا نہیں اور اگر خوراک جن کی ہے تو اُن کے کفاروں کی ہے یا مسلمانوں کی بھی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قوم جنّ کے وفد جو بارگاہِ اقدس حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اپنے اور اپنے جانوروں کے لئے خوراک طلب کی اُن سے ارشاد ہوا:

لکم کل عظم ذکر اسم اللہ یقع فی ایدیکم اوفر مایکون لحما وکل بعرۃ علف لدوابکم [1]۔	تمہارے لئے ہر ہڈی ہے جس پر اللہ عزوجل کا نام پاک لیا جائے یعنی حلال مذکّی جانور کی ہڈی ہو وہ تمہارے ہاتھ میں اُس حال پر ہوگی جیسی اُس وقت تھی جب اُس پر گوشت پورا اور کامل تھا (یعنی گوشت چھڑائی ہُوئی ہڈی تمہیں مع گوشت ملے گی) اور ہر مینگنی تمہارے چوپایوں کے لئے چارہ ہے۔(م)

پھر انسانوں سے ارشاد فرمایا:

فلاتستنجوا بھما فانھما طعام اخوانکم [2] **رواہ مسلم فی صحیحہ عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	ہڈی اور مینگنی سے استنجاء نہ کرو کہ وہ تمہارے بھائیوں کی خوراک ہے۔(م) اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

[1] الصحیح لمسلم باب الجہر بالقراءۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۴

[2] الصحیح لمسلم باب الجہر بالقراءۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۴

مسئلہ ۲۲۴: مسئولہ سید شاہ مہدی حسن میاں صاحب از سرکار مارہرہ شریف ۳ شعبان معظم ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رشید احمد گنگوہی کا ایک مرید کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں کوئی کراہت نہیں وہ حدیث سے ثابت ہے اس باب میں جو حکم ہو حدیث وفقہ سے بیان فرمائیں واجر کم علی اللہ تعالٰی (تمہارے لئے اس کا اجر اللہ تعالٰی کے ذمہ کرم پر ہے۔ت)

الجواب:

اقول: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے میں چار ۴ حرج ہیں: **اوّل:** بدن اور کپڑوں پر چھینٹیں پڑنا جسم ولباس بلاضرورت شرعیہ ناپاک کرنا اور یہ حرام ہے۔ بحرالرائق میں بدائع سے ہے:

اما تنجیس الطاھر فحرام [1] اھ ذکرہ فی بحث الماء المستعمل۔	پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے اھ اسے مستعمل پانی کی بحث میں ذکر کیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مافی شرح المنیۃ فی الانجاس من ان التلوث بالنجاسۃ مکروہ فالظاھر حملہ علی مااذاکان بلاعذر والوط [2] عذر۔	شرح منیۃ المصلی میں انجاس کی بحث میں ہے کہ نجاست سے ملوث ہونا مکروہ ہے ظاہر یہ ہے کہ اسے غیر عذر کی صورت پر محمول کیا جائے گا اور وطی عذر ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

افتی بعض الشافعیۃ بحرمۃ جماع من تنجس ذکرہ قبل غسلہ الا اذاکان بہ سلس فیحل کوطء المستحاضۃ مع الجریان ویظھر انہ عندنا کذلک لمافیہ من التضمخ بالنجاسۃ بلاضرورۃ لامکان غسلہ بخلاف وطء المستحاضۃ ووطء السلس تأمل [3]۔	بعض شوافع نے فتوٰی دیا ہے کہ جس آدمی کا آلہ تناسل ناپاک ہو اس کے لئے اسے دھونے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے مگر یہ کہ سلس البول کا مریض ہو تو جائز ہے جیسے مستحاضہ سے خُون جاری ہونے کے باوجود جماع کرنا جائز ہے ظاہر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بھی اسی طرح ہے کیونکہ اس میں بلاضرورت نجاست سے ملوث ہونا ہے اس لئے کہ دھونا ممکن ہے۔ بخلاف مستحاضہ اور سلسل البول والے کی وطی کرنے کے۔ غور کرو۔(ت)

[1] البحرالرائق کتاب الطھارۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۴

[2] ردالمحتار، مطلب الفرق بین الفرض العملی والقطعی والواجب مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[3] ردالمحتار فی حکم وطء المستحاضۃ ومن بذکرہ نجاسۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

دوم: ان چھینٹوں کے باعث عذابِ قبر کا استحقاق اپنے سر پر لینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تنزھوا من البول فان عامة عذاب القبرمنه [1] رواہ الدارقطنی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح وللحاکم بلفظ استنزھوا وقال صحیح علی شرطھما [2]۔	پیشاب سے بہت بچو کہ اکثر عذاب قبر اُسی سے ہے (م) اسے دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔ حاکم لفظ "استنزھوا" لائے ہیں اور فرمایا کہ یہ ان (بخاری ومسلم) کی شرط پر صحیح ہے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو ۲ شخصوں پر عذابِ قبر ہوتے دیکھا۔ فرمایا:

کان احدھما لایستتر من بوله وکان الاٰخر یمشی بالنمیمة [3] رواہ الستة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ان میں ایک تو اپنے پیشاب سے آڑ نہ کرتا تھا اور دُوسرا چغلخوری کرتا۔ (م) اسے چھ ۶ محدثین (اصحابِ ستہ) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (ت)

سوم: رہگزر پر ہو یا جہاں لوگ موجود ہوں تو باعثِ بے پردگی ہوگا بیٹھنے میں رانوں اور زانوؤں کی آڑ جاتی ہے اور کھڑے ہونے میں بالکل بے ستری اور یہ باعثِ لعنتِ الٰہی ہے۔ حدیث میں ہے:

لعن اللہ الناظر والمنظور الیه [4] ھکذا فی حفظی ولایحضرنی الاٰن من خرجه واللہ تعالٰی اعلم۔	جو دیکھے اس پر بھی لعنت اور دکھائے اس پر بھی لعنت۔ (م) میرے ذہن میں اسی طرح ہے لیکن اس وقت مجھے یاد نہیں کہ اس کی تخریج کس نے کی ہے۔ اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

چہارم: یہ نصارٰی سے تشبّہ اور ان کی سنّتِ مذمومہ میں اُن کا اتباع ہے آج کل جن کو یہاں یہ شوق جاگا ہے اس کی یہی علّت اور یہ موجبِ عذاب وعقوبت ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: لَاتَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ [5]۔ شیطان کے قدموں پر نہ چلو۔ (ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبّه بقوم فھو منھم [6]۔	جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔ (ت)

---

[1] الدارقطنی باب نجاسۃ البول مطبوعہ دارالمحاسن للطباعۃ قاہرہ ۱/ ۱۲۷

[2] نصب الرایۃ کتاب الطہارۃ حدیث ۴۳ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۱۲۸

[3] ترمذی شریف باب التشدید فی البول مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۱

[4] مشکوٰۃ شریف باب النظر الی المخطوبۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۷۰

[5] القرآن الحکیم ۲/ ۱۶۸

[6] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابن عمر، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت لبنان ۲/ ۵۰

اس حرکت سے نہی اور اس کے بے ادبی وجفا وخلافِ سنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونے میں احادیثِ صحیحہ معتمدہ وارد ہیں۔

حدیث اوّل: امام احمد وترمذی ونسائی وابن حبان صحیح میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

من حدثکم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یبول قائما فلاتصدقوہ ماکان یبول الاقاعدا[1]۔	جو تم سے کہے کہ حضور اقدس اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہو کر پیشاب فرماتے اُس سچّا نہ جاننا حضور پیشاب نہ فرماتے تھے مگر بیٹھ کر۔(م)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

حدیث عائشۃ احسن شیئ فی ھذا الباب واصح[2]۔	جتنی حدیثیں اس مسئلہ میں آئیں ان سب سے یہ حدیث بہتر وصحیح تر ہے۔(م)

یہی حدیث صحیح ابو عوانہ ومستدرک حاکم میں ان لفظوں سے ہے:

مابال قائما منذ انزل علیہ القراٰن[3]۔ **اقول:** وبہ اندفع ماوقع للامامین الشھاب ابن حجر العسقلانی فی فتح الباری والبدر محمود العینی فی عمدۃ القاری حیث قالا واللفظ للعینی الجواب عن حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انہ مستند الی علمھا فیحمل علی ماوقع منہ فی البیوت واما فی غیر البیوت فلاتطلع ھی علیہ وقد حفظہ حذیفۃ رضی اللہ	جب سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن مجید اُترا کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ فرمایا۔(م) **اقول:** اس سے وہ شُبہہ دُور ہوگیا جو دو[2] اماموں الشاب ابنِ حجر عسقلانی کو فتح الباری میں اور البدر محمود عینی کو عمدۃ القاری میں پیش آیا کہ انہوں نے فرمایا (الفاظ عینی کے ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی معلومات سے منسوب ہے پس اسے اس صورت پر محمول کیا جائیگا جو آپ سے گھروں میں وقوع پذیر ہوئیں۔ لیکن گھروں کے علاوہ پر ام المومنین مطلع نہیں ہوئیں اسے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے

[1] جامع الترمذی شریف باب النہی عن البول قائماً، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱/۴

[2] جامع الترمذی شریف، باب النہی عن البول قائماً، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۴

[3] المستدرک للحاکم البول قائماً وقاعداً مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۸۱

تعالٰی عنه وھو من کبار الصحابة[1] اھ۔وذلك انھا رضی الله تعالٰی عنھا انما ولدت بعد نزول القراٰن بخمس سنین فکیف یحمل علی مارأت من فعله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی البیوت وانما تقوله عن توقیف وبه یترجح ان حدیث حذیفة رضی الله تعالٰی عنه کان لعذر والاعذار مستشناۃ عقلا وشرعا ثم اذا ثبتت ھذه سنته صلی الله تعالٰی علیه وسلم مختلیافی بیته الکریم تثبت دلالة فی الخارج فان خارج البیوت احوج الی الستر والتزام الادب قال العینی وایضا یمکن ان یکون قول عائشة رضی الله تعالٰی عنھا مابال قائما یعنی فی منزله والا اطلاع لھا علی مافی الخارج[2] اھ۔ **اقول:** ماھو الاالاول وقدعلمت رده فلاادری مامعنی قوله وایضا۔	یادرکھااور وہ جلیل القدر صحابہ کرام میں سے تھے اھ۔ نیز ام المومنین نزولِ قرآن کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں لہٰذا اسے کیسے اس پر محمول کیا جائے جو ام المومنین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم گھروں میں دیکھا آپ تو بتانے سے بیان فرمارہی ہیں (یعنی یہ حدیث موقوف ہے) اس سے اس بات کو ترجیح حاصل ہوگئی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ایک عذر کی بنیاد ہے اور عذر عقلی اور شرعی طور پر مستثنٰی ہوتے ہیں۔ پھر جب آپ کی یہ سنّت خانہ اقدس کی خلوت میں ثابت ہوگئی تو بطور دلالت باہر بھی ثابت ہوگئی کیونکہ گھروں سے باہر ستر اور آداب کا خیال رکھنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے،امام عینی فرماتے ہیں نیز ممکن ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ "آپ نے کھڑے ہوکر پیشاب نہیں فرمایا" سے مراد یہ ہو کہ آپ نے گھر میں کھڑے ہوکر پیشاب نہیں فرمایا آپ کو باہر کے بارے میں اطلاع نہیں تھی اھ (ت) **اقول:** بات تو وہی پہلی ہے اور تمہیں اس کا رد معلوم ہوچکا ہے پس مجھے معلوم نہیں کہ ان کے قول "ایضًا" کا کیا مطلب ہے۔(ت)

حدیث دوم: بزار اپنی مسند میں بسندِ صحیح بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث من الجفاء ان یبول الرجل قائما اویمسح جبھته قبل ان یفرغ من صلاته	تین ۳ باتیں جفاوبے ادبی سے ہیں یہ کہ آدمی کھڑے ہوکر پیشاب کرے یا نماز میں اپنی پیشانی سے (مثلًا

[1] عمدۃ القاری باب البول قائمًا وقاعدًا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۵۳/۳
[2] عمدۃ القاری باب البول قائمًا وقاعدًا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۵۳/۳

اوینفخ فی سجودہ [1]۔	مٹی یا پسینہ) پُونچھنے یا سجدہ کرتے وقت (زمین پر مثلاً غبار صاف کرنے کو) پھُونکے۔ (م)

تیسیر میں ہے: رجالہ رجال الصحیح [2] (اس حدیث کے سبب راوی ثقہ معتمد صحیح کے راوی ہیں۔م) عمدۃ القاری میں ہے: رواہ البزار بسند صحیح [3] اسے بزار نے بسند صحیح روایت کیا۔م) قال وقال الترمذی حیث بریدۃ فی ھذا غیر محفوظ وقول الترمذی یردُّ بہ [4] (اور کہا کہ امام ترمذی نے فرمایا: اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت غیر محفوظ ہے۔اور امام ترمذی کا قول اس کے ساتھ رَد کیا جاتا ہے۔ت) **حدیث سوم:** ترمذی عـــہ۱ وابن ماجہ و بیہقی امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال رأنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابول قائما فقال یاعمر لاتبل قائما فمابلت قائما بعد [5]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو فرمایا: "اے عمر! کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو"۔اس دن سے میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا۔(م)

حدیثِ چہارم: ابن ماجہ عـــہ۲ و بیہقی جابر رضی اللہ عنہ سے راوی:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یبول الرجل قائما [6]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔(م)

امام خاتم الحفاظ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔رہی حدیثِ حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ:

عـــہ۱: اقتصر فی عمدۃ القاری علی عزوہ للبیھقی وھو ممالاینبغی ۱۲ منہ غفرلہ۔(م)	عمدۃ القاری میں اس حدیث کو بیہقی کی طرف منسوب کرنے پر اقتصار کیا ہے حالانکہ ایسا کرنا مناسب نہیں۔(ت)
عـــہ۲: کذا اقتصر ھھنا علی عزوہ للبیھقی ۱۲ منہ غفرلہ (م)	اسی طرح یہاں بھی اس حدیث کو بیہقی کی طرف منسوب کرنے پر اقتصار کیا ہے۔(ت)

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار باب مانہی عنہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲۶۶/۱
[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر زیر حدیث مذکور مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲۹۳/۳
[3] عمدۃ القاری باب البول قائماً و قاعداً الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۳۵/۳
[4] عمدۃ القاری باب البول قائماً و قاعداً الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۳۵/۳
[5] جامع الترمذی، باب النہی عن البول قائما، مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی، ۴/۱
[6] سنن ابن ماجہ باب فی البول قائماً و قاعداً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۷

اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سباطۃ قوم فبال قائما [1]۔رواہ الشیخان۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک گھورے پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔(رواہ الشیخان) (ت)

ائمہ کرام علمائے اعلام نے اس سے بہت جواب دیے: اوّل: یہ حدیث ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منسوخ ہے۔یہ امام ابوعوانہ نے اپنی صحیح اور ابن شاہین نے کتاب السُّنّہ میں اختیار کیا،

وتعقبہما العسقلانی والعینی فقالا الصواب انہ غیر منسوخ زاد العینی لان کلامن عائشۃ وحذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما اخبربما شاھدۃ [2] اھ۔**اقول:** معلوم ان حدیث حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یکن فی اٰخر عمرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقدرأتہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا واطلعت علی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی یوم لحق اللہ عزوجل وانما یؤخذ بالاٰخر فالاٰخر من افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکون کل اخبربما شاھد لایمنع النسخ اذاعلمنا ان احدی المشاھدتین متأخرۃ مستمرۃ والحاوی علی حکم النسخ ماصح من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ من الجفاء [3]	امام عسقلانی اور عینی نے ان دونوں کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا: صحیح بات یہ ہے کہ یہ غیر منسوخ ہے کیونکہ حضرت عائشہ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما دونوں نے جو کچھ دیکھا اس کی خبر دی اھ (ت) **اقول:** یہ بات معلوم ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آخری دَور کی نہیں جبکہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آپ کو وصال تک دیکھا اور آپ کے افعال مبارکہ پر مطلع رہیں اور آخری عمل کو اپنایا جاتا ہے لہذا آپ کے بھی آخری فعل پر عمل ہوگا۔بنابریں ہر ایک کا اپنے مشاہدے کے مطابق خبر دینا نسخ کو منع نہیں کرتا جب ہمیں معلوم ہو جائے کہ دو مشاہدوں میں سے ایک متاخر بھی ہے اور جاری بھی اور حکمِ نسخ پر آپ کا وہ قول حاوی ہوگا جو صحیح طور پر ثابت ہے کہ یہ ظلم ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام

[1] جامع البخاری، باب البول قائمًا و قاعدًا، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۳۵۹/۱

[2] عمدۃ القاری باب البول قائمًا و قاعدًا ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۳۵/۳

[3] عمدۃ القاری باب البول قائمًا و قاعدًا ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۳۵/۳

وقدکان صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ابعد الناس عنہ۔	لوگوں سے بڑھ کر اس سے پرہیز کرتے تھے۔(ت)

دوم: اُس وقت زانوائے مبارک میں زخم تھا بیٹھ نہ سکتے تھے۔ یہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا، حاکم ودارقطنی وبیہقی اُن سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بال قائما من جرح کان بمابضہ[1] لکن ضعفہ ھذان وابن عساکر فی غرائب مالک وتبعھم الذھبی فقال منکر۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس زخم کی وجہ سے جو زانو کے اندرونی طرف تھا کھڑے ہو کر پیشاب فرمایا۔ لیکن ان دونوں (دارقطنی اور بیہقی) اور ابن عساکر نے غرائب مالک میں اسے ضعیف قرار دیا اور ذہبی نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا یہ منکر ہے۔(ت)

سوم: وہاں نجاسات کے سبب بیٹھنے کی جگہ نہ تھی امام عبدالعظیم زکی الدین منذری نے اس کی ترجی کی۔

قال العینی قال المنذری لعلہ کانت فی السباطۃ نجاسات رطبۃ وھی رخوۃ فخشی ان یتطایر علیہ قال العینی قیل فیہ نظر لان القائم اجدر بھذہ الخشیۃ من القاعد وقال الطحاوی لکون ذلک سھلا ینحدر فیہ البول فلایرتد علی البائل[2] اھ **اقول:** انما اتجہ ھذا علی المنذری لزیادتہ خشیۃ التطایر ولوقال کماقلت لسلم فقد تکون مجمع نجاسات رطبۃ لایوجد معھا موضع جلوس ثم رأیت فی المرقاۃ قال قال السید جمال الدین قیل فعل ذلک لانہ لم یجد مکانا للقعود لامتلاء الموضع	عینی نے کہا منذری کہتے ہیں شاید ڈھیری میں تر نجاستیں تھیں اور وہ نرم تھیں اور آپ کو ملوث ہونے کا ڈر ہوا۔ امام عینی فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کی نسبت اس ڈر کے زیادہ لائق ہے۔ امام طحاوی فرماتے ہیں زمین کے نرم ہونے کی وجہ سے پیشاب اس میں اُتر جاتا ہے اور پیشاب کرنے والے کی طرف نہیں لوٹتا اھ (ت) **اقول:** امام منذری اس تاویل کی طرف اس لئے متوجہ ہوئے کہ انہوں نے چھینٹے اُٹھ کر لگنے کا زیادہ ڈر محسوس کیا اور وہ ہمارے والی بات کہتے تو وہ اعتراض سے بچ جاتے کیونکہ جہاں تَر نجاستیں جمع ہوں وہاں بعض اوقات بیٹھنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ پھر میں نے مرقاۃ میں دیکھا صاحبِ مرقاۃ فرماتے ہیں سید جمال الدین نے فرمایا کہا گیا ہے

[1] المستدرک علی الصحیحین البول قائماً او قاعداً مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان ۱/۱۸۲، السنن الکبرٰی للبیہقی باب البول قائما مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۱۰۱

[2] عمدۃ القاری باب البول قائماً و قاعداً مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۳/۱۳۶

بالنجاسة [1] اھ فھذا ماذکرت وھو الصواب فی الجواب۔	آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ تمام جگہ نجاست سے بھری ہونے کی وجہ سے آپ کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی اھ پس یہ ہے جو کچھ میں نے ذکر کیا اور جواب میں یہی بہتر ہے۔(ت)

چہارم: اُس میں ڈھال ایسا تھا کہ بیٹھنے کا موقع نہ تھا اسے ابہری وغیرہ نے نقل کیا۔

قال العینی قال بعضھم لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم لم یجد مکانا للقعود لکون الطرف الذی یلیہ من السباطۃ علیا مرتفعا [2] اھ۔ وقال القاری فی المرقاۃ قال الابھری قیل کان مایقابلہ من السباطۃ عالیا ومن خلفہ منحدرا مستقلا لوجلس مستقبل السباطۃ سقط الٰی خلفہ ولوجلس مستدبرا لھا بدا عورتہ للناس اھ وقال بعد اسطر قیل فعل ذلک لانہ ان استدبر للسباطۃ تبدو العورۃ للمارۃ وان استقبلھا خیف ان یقع علی ظھرہ مع احتمال ارتداد البول الیہ [3] اھ۔ **اقول اولا**: فی ھذہ الزیادۃ ماعلمت ان القائم اجدربہ۔**وثانیا**: لوکان مایستقبلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منھا عالیا مرتفعا لم یکن ان یختارہ لھذا لارتداد البول ح قطعا بل الصواب فیہ	عینی نے فرمایا بعض نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کے لئے جگہ نہ پائی کیونکہ جس طرف آپ تھے ادھر سے ڈھیر بلند تھا اھ۔ حضرت ملّا علی قاری رحمہ اللہ نے مرقات میں فرمایا ابہری فرماتے ہیں کہا گیا ہے کہ آپ کے سامنے کی طرف ڈھیر بلند تھا اور پچھلی جانب جھکا ہوا پست تھا اگر ڈھیر کی طرف منہ کرکے بیٹھتے تو پیچھے کی طرف گر پڑتے اور اُدھر پیٹھ کرکے بیٹھتے تو لوگوں کے سامنے ستر ننگا ہوتا اھ چند سطروں کے بعد فرمایا کہا گیا ہے آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ اگر ڈھیر کی طرف پیٹھ کرتے تو گزرنے والوں کے سامنے ستر ننگا ہوتا اور اگر منہ اُدھر کرتے تو پیٹھ کے بل گرنے کا ڈر تھا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی جانب پیشاب کے لَوٹنے کا احتمال بھی تھا اھ (ت) **اقول اول**: ان تمام اضافوں سے معلوم ہوا کہ کھڑا ہونا زیادہ مناسب تھا۔ **دوم**: اگر اس جانب جدھر آپ کا چہرہ مبارکہ تھا بلند جگہ ہوتی پیشاب کے لوٹنے کی وجہ سے آپ اسے قطعًا اختیار نہ فرماتے بلکہ اس میں بہتر بات وہی ہے جو

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱/۳۶۳

[2] عمدۃ القاری، باب البول قائمًا وقاعدًا، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت، ۳/۱۳۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۶۳

ماقال ابن حبان کما نقل عنه فی فتح الباری انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یجد مکانا یصلح للقعود فقام لکون الطرف الذی یلیه من السباطة کان عالیا فامن ان یرتد الیه شیئ من بوله [1] اھ فجعل ماقام علیه عالیا ومایقابله منحدرا وجعله سبب الامن من ارتداد البول فانقلب الامر علی من نقل عنه الابھری فجعل ماقام علیه منحدرا ومایقابله عالیا وجعله سبب خوف السقوط فی القعود مع انه کذلك فی القیام الا نادرا۔	ابن حبان نے کہی ہے جیسا کہ فتح الباری میں ان سے نقل کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیٹھنے کیلئے مناسب جگہ نہ پائی تو کھڑے ہوئے کیونکہ آپ کے سامنے سے ڈھیر بلند تھا پس آپ پیشاب لوٹنے کے خطرہ سے بے خوف ہوگئے اھ پس انہوں نے کھڑے ہونے کی جگہ کو بلند قرار دیا اور سامنے کی جگہ کو پست قرار دیا اور اسے پیشاب کے لوٹنے سے امن کا باعث خیال کیا تو معاملہ اس شخص کے خلاف ہوگیا جس سے ابہری نے نقل کیا کیونکہ اس نے کھڑے ہونیکی جگہ کو پست اور مقابل کی جگہ کو بلند قرار دیا اور اسے بیٹھنے کی صورت میں گرنے کے ڈر کا باعث قرار دیا حالانکہ اکثر کھڑے ہونے کی صورت میں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔
فان قلت هذا یرد علی ابن حبان ایضا اذلایظھر الفرق فی مثله بین القیام والقعود لان الصبب اذاکان بحیث لایستقر علیه القاعد فکذا القائم۔	**اگر تم کہو** کہ یہ اعتراض ابنِ حبان پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں کھڑے ہونے اور بیٹھنے میں فرق ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ جب نشیبی جگہ ایسی صورت میں ہو کہ وہاں بیٹھنے والا نہ ٹھہر سکے تو کھڑا ہونے والا بھی اسی طرح ہوگا۔
اقول: بلی قدتکون کھیأة مثلث له حرف دقیق یستقر علیه القائم اذاوضع علیه وسط قدمیه لاعتدال الثقل فی الجانبین بخلاف القاعد فانه لامستقر علیه الاقدمیه وساقیه وثقل سائر جسمه لاحامل له۔	**اقول**؛ (میں کہتا ہوں) ہاں کبھی وہ تکونی شکل میں ہوتی ہے اس کے کنارے باریک ہوتے ہیں اگر کھڑا ہونے والا اس پر قدم کا درمیانہ حصہ رکھے تو وہ ٹھہر سکتا ہے کیونکہ دونوں طرف بوجھ برابر ہوتا ہے۔ بخلاف بیٹھنے والے کے، کیونکہ اس کے لئے تو صرف پاؤں اور پنڈلیوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے جبکہ باقی جسم کے بوجھ کو اٹھانے والی کوئی چیز نہیں (ت)

[1] فتح الباری باب البول عند سباطة قوم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۳

پنجم: اُس وقت پشتِ مبارک میں درد تھا اور عرب کے نزدیک یہ فعل اس سے استشفاء ہے۔ یہ جواب امام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہے۔ چالیس طبیبوں کا اتفاق ہے کہ حمام میں ایسا کرنا ستّر مرض کی دوا ہے۔

ذکرہ القاری عن زین العرب عن حجۃ الاسلام قال العینی قال الشافعی لماسأله حفص الفرد عن الفائدۃ فی بوله قائما العرب تستشفی لوجع الصلب بالبول قائما فنری انه کان به اذذاك[1] اھ۔ وفی فتح الباری روی عن الشافعی واحمد فذکر نحوه قال العینی قلت یوضح ذلك حدیث ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه المذکور اٰنفا[2] اھ۔	ملا علی قاری نے زین العرب سے انہوں نے حجۃ الاسلام سے یہ ذکر کیا۔ امام عینی فرماتے ہیں امام شافعی سے جب حفص فرد نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا فائدہ پُوچھا تو انہوں نے جوابًا فرمایا عربی لوگ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے پیٹھ کے درد کا علاج کرتے ہیں پس ہمارا خیال ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت یہی تکلیف تھی اھ۔ اور فتح الباری میں امام شافعی اور امام حمد رحمہما اللہ سے اسی طرح مذکور ہے، امام عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں ابھی گزرنے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس کی وضاحت کرتی ہے اھ (ت)
اقول: لاادری ماھذا فاین فعل شیئ للاستشفاء من مرض قصدا غیر مضطر الیه من فعله مع عدم الاختیار لاجل الاضطرار۔	**اقول:** میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے آپ کا کسی عمل کو کسی مجبوری کے بغیر قصداً بیماری سے شفاء کے لئے اختیار کرنا اس کے مقابلے میں کیا حیثیت رکھتا ہے کہ آپ نے اضطرار کے باوجود اسے اختیار نہ کیا۔ (ت)
ششم: زعم المارزی فی کتاب العلم فعل ذلك لانها حالة یؤمن فیها خروج الحدث من السبیل الاٰخر بخلاف القعود ومنه قول عمر رضی الله تعالٰی عنه البول قائما احصن للدبر[3] اھ۔ نقله فی العمدۃ زاد العسقلانی ففعل ذلك لکونه قریبا	**ششم:** مارزی نے کتاب العلم میں یہ خیال ظاہر کیا کہ آپ کا یہ عمل اس لئے تھا کہ اس صورت میں دوسرے راستے سے حدث (ہوا وغیرہ) نکلنے کا خوف نہیں ہوتا بخلاف بیٹھنے کے۔ اسی سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بھی ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا دُبر کو محفوظ رکھتا ہے اھ، اسے العمدۃ میں نقل کیا امام عسقلانی

[1] عمدۃ القاری باب البول قائمًا وقاعدًا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۳/۱۳۶

[2] عمدۃ القاری باب البول قائمًا وقاعدًا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۳/۱۳۶

[3] عمدۃ القاری باب البول قائمًا وقاعدًا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۳/۱۳۶

من الدیار[1] اھ

اقول: وانا استبشع مثل ھذہ التعلیلات فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقدعصمہ اللہ تعالٰی من کل مایستھجن۔

ھفتم: قال العینی تکلموا فی سبب بولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائما فقال القاضی عیاض انما فعل لشغلہ بامور المسلمین فلعلہ طال علیہ المجلس حتی حصرہ البول ولم یمکن التباعد کعادتہ واراد السباطۃ لدمثھا واقام حذیفۃ لیسترہ عن الناس[2] اھ

اقول: ای مساس لھذا بسببیۃ الفعل قائما انما ھو وجہ لترکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الابعاد المعتادلہ وفی ھذا ذکرہ فی فتح الباری فھذا یحتاج فی تسدیدہ الی ان یضم الیہ ماذکر المارزی والا بطل کما یحتاج ماذکر المارزی فی تاییدہ الی ان یضم الیہ ھذا کمافعلی ابن حجر والا ضعف۔

نے اضافہ کیا کہ آپ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ گھروں کے زیادہ قریب تھے اھ۔(ت)

اقول: نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افعال مبارکہ کی ایسی توجیہات کو میں نہایت بدذوقی سمجھتا ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ فرمایا جسے قبیح سمجھا جاتا ہے۔(ت)

ہفتم: (محدثین نے) نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں گفتگو کی ہے قاضی عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا آپ نے ایسا اس لئے کیا کہ آپ مسلمانوں کے کاموں میں مشغول تھے اور ممکن ہے مجلس طویل ہو گئی حتی کہ پیشاب نے آپ کو روک دیا اور عادت کے مطابق آپ کے لئے دُور جانا ممکن نہ ہُوا اور آپ نے (کوڑے کرکٹ کے) ڈھیر کا ارادہ فرمایا کیونکہ وہ جگہ نرم تھی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو کھڑا کیا تاکہ لوگوں سے پردہ ہو اھ (ت)

اقول: یہ بات کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا سبب کیسے بن گئی یہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عادت کے مطابق دُور جانے کو چھوڑنے کی وجہ ہے۔اسے انہوں نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے پس یہ اپنی مضبوطی کے لئے اس بات کا محتاج ہے کہ جو کچھ مارزی نے ذکر کیا اسے بھی اس کے ساتھ ملایا جائے ورنہ یہ باطل ہو جائیگا جیسا کہ مارزی کا ذکر کردہ قول اپنی تائید کے لئے اس کے ملانے کا محتاج ہے جیسا کہ ابن حجر نے کیا ورنہ وہ کمزور رہ جائیگا۔(ت)

[1] فتح الباری باب البول عند سباطۃ قوم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۳

[2] عمدۃ القاری باب البول قائما وقاعدا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۳/۱۳۶

هشتم: قال ابوالقاسم عبدالله بن احمد بن محمود البلخی فی کتابه المسمی بقبول الاخبار ومعرفة الرجال حدیث حذیفة هذا فاحش منکر لانراه الامن قبل بعض الزنادقة قال الامام العینی بعد نقله هذا کلام سوء لایساوی سماعه وهو فی غایة الصحة [1] اھ ووقع للقاری عقب ذکر حدیث الحذیفة وانه متفق علیه قال الشیخ لوصح هذا الحدیث لکان فیه غنی عن جمیع ماتقدم لکن ضعفه الدارقطنی والبیهقی والاظهر انه فعل ذلك لبیان الجواز نقله الابهری [2] اھ۔

اقول: الشیخ هو الامام ابن حجر العسقلانی وانما قال هذا فی حدیث ابی هریرة المار فلاادری ممن وقع هذا التخلیط من الابهری اومن القاری۔

ہشتم: ابوالقاسم عبداللہ بن احمد بن محمود بلخی نے اپنی کتاب مسمّٰی "قبول الاخبار ومعرفة الرجال" میں فرمایا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت قبیح منکر ہے یہ بعض زندیق بیان کرتے ہیں امام عینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ بُرا کلام ہے اسے سننا صحیح نہیں جبکہ حدیث بالکل صحیح ہے اھ حضرت ملّا علی قاری روایت حذیفہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ متفق علیہ ہے۔ شیخ فرماتے ہیں اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو تو اس میں پہلے بیان سے بے نیازی ہوگی۔ لیکن دارقطنی اور بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بیانِ جواز کے لئے ایسا کیا، اسے ابہری نے نقل کیا اھ (ت)

اقول: شیخ سے مراد امام ابنِ حجر عسقلانی میں اور انہوں نے یہ بات حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ حدیث کے بارے میں کہی ہے، پس میں نہیں جانتا کہ یہ گڑبڑ اکس سے واقع ہوئی، ابہری سے یا ملّا علی قاری سے۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بار یہ فعل وارد ہُوا اور صحیح حدیث سے ثابت کہ روزِ نزولِ قرآن کریم سے آخر عمر اقدس تک عادتِ کریمہ ہمیشہ بیٹھ ہی کر پیشاب فرمانے کی تھی اور صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو جفاو بے ادبی فرمایا اور متعدد احادیث میں اس سے نہی وممانعت آئی تو واجب کہ ممنوع ہو اور انہیں احادیث کو اُن پر ترجیح بوجوہ ہو:

اولاً: وہ ایک بار کا واقعہ حال ہے کہ صد گونہ احتمال ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری باب البول قائماً وقاعداً مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۳/۱۳۶

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب آداب الخلاء فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳۶۳

ثانیاً: فعل و قول میں جب تعارض ہو قول واجب العمل ہے کہ فعل احتمال خصوص وغیرہ رکھتا ہے۔

ثالثاً: مبیح وحاظر جب متعارض ہوں حاظر مقدم ہے۔

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) نفسِ حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان مقلدانِ نصرانیت پر رَد ہے وہاں کافی بلندی تھی اور نیچے ڈھال اور زمین گھورے کے سبب نرم کہ کسی طرح چھینٹ آنے کا احتمال نہ تھا سامنے دیوار تھی اور گھورا فنائے دار میں تھا نہ کہ گزرگاہ پسِ پشت حذیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کو کھڑا کرلیا تھا اس طرف کا بھی پردہ فرمایا اس حالت میں پشت اقدس پر بھی نظر پڑنا پسند نہ آیا ان احتیاطوں کے ساتھ تمام عمر مبارک میں ایک بار ایسا منقول ہُوا، کیا یہ نئی روشن کے مدعی ایسی ہی صورت کے قائل ہیں سبحان اللہ کہاں یہ اور کہاں ان بے ادبوں کے نامہذب افعال اور اُن پر معاذاللہ حدیث سے استدلال لاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم ع

کارِ پاکاں راقیاس ازخود مگیر

(پاک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو)

؎ او گمان بردہ کہ من کردم چواو

فرق راکے بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے اس جیسا عمل کیا، وہ بڑائی ڈھونڈنے والا فرق کب دیکھ سکتا ہے) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۵: از موضع منصور پور متصل ڈاک خانہ قصبہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خان ۳۰ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لوٹا پانی سے استنجاء وضو درست ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ مطلب ہے کہ استنجا کے بچے ہوئے کہ پانی سے وضو کیا جائے یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ حرج نہیں، اور اگر یہ مطلب ہے کہ اتنے تھوڑے پانی میں استنجا و وضو دونوں کرلینا تو جواب یہ ہے کہ استنجا میں تطہیر شرط ہے اتنا دھونا کہ بدن پر سے چکنائی جاتی رہے اور وضو میں بُنِ موسے ٹھوڑی کے نیچے اور ایک کان سے دوسرے کان تک سارے منہ اور ناخنوں سے کہنیوں کے اوپر تک دونوں ہاتھ اور گٹّوں تک دونوں پاؤں ایک ایک بار دھونا فرض ہے اور تین تین بار سنّت یوں کہ اتنے جسم کے ایک ایک ذرہ پر پانی بہتا ہوا گزرے اگر کوئی ذرّہ پانی بہنے سے رہ جائے گا اگرچہ بھیگا ہاتھ اُس پر گزر جائے تو وضو نہ ہوگا نماز نہ ہوگی اور اگر تین بار کامل ہر ہر ذرّہ پر نہ بہا تو سُنّت ادا نہ ہوگی اور ابتدائے وضو میں تین بار کلائیوں تک ہاتھ دھونا تین بار سارا دہن حلق کی جڑ تک دھونا تین بار ساری ناک میں اوپر تک پانی چڑھانا

سنّت ہے اور ایک چُلّو پانی مسحِ سر کو چاہیے۔ یہ سب باتیں بلاافراط وتفریط جتنے پانی میں ادا ہو جائیں اُسی قدر درکار ہے لوٹے دو لوٹے کی کوئی تخصیص نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: از ضلع ناگپور ڈاکخانہ محلّہ نیا بازار حافظ محمد اکبر بروز شنبہ ۲۴ رجب ۱۳۳۴ھ

چہ می فرمایند علمائے دینِ متین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریں مسئلہ کہ بیعت کردن یعنی مرید شدن بدست اشرفعلی دیوبندی بہ کاغذات جائز ست یانہ۔ اور ان کے رسالوں پر علانیہ عمل کریں یا استنجا کرکے پھینک ڈالیں بقول فقہاء کے **یجوز الاستنجاء باوراق المنطق** (منطق کے مکتوب اوراق سے استنجا جائز ہے۔ت)

اور یہ رسالے منطق سے بھی زیادہ خراب ہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اشرفعلی کے ہاتھ پر بیعت حرام قطعی ہے بالمشافہہ ہو خواہ بذریعہ تحریر بلکہ بیعت درکنار علمائے حرمین طیبین نے بالاتفاق تحریر فرمایا: **من شك فی عذابه وكفره فقد كفر۔** جو اس کے اقوال پر مطلع ہو کر اُس کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر۔

اشرفعلی اور تمام دیوبندی عقیدے والوں کی کتابیں کتب منطق بلکہ ہنود کی پوتھیوں سے بدتر ہیں کہ انہیں دیکھ کر مسلمان کے بگڑنے کی اتنی توقع نہیں جو ان کتابوں سے ہے ان کا دیکھنا بیشک حرام ہے مگر وہ کہ ان کے ورقوں سے استنجا کیا جائے یہ زیادتی ہے اور بعض فقہاء کا وہ لکھ دینا مقبول نہیں حروف کی تعلیم لازم ہے کہ نہ انکی کتابیں کہ ان کی کتابوں میں قال اللہ وقال الرسول بھی ہے جس سے وہ عوام کو دھوکا دیتے ہیں ایک امام کا بعض نوجوانوں پر گزر ہُوا جنھوں نے نشانہ پر ابوجہل کا نام لکھ کر لگایا اور اس پر تیر اندازی کررہے تھے امام نے انہیں منع فرمایا جب اُدھر سے واپس تشریف لائے ملاحظہ فرمایا کہ اُنھوں نے نامِ ابوجہل کے حروف متفرق کردیے اب ان پر تیر لگارہے ہیں فرمایا میں نے تمہیں نامِ ابوجہل کی تعظیم کو نہ کہا تھا بلکہ حروف کی تعظیم کو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۷و۲۲۸: مسئولہ معرفت آدم جی سیٹھ مقیم بردر دولت اعلحضرت قبلہ۔ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) عورت بعد پیشاب کلوخ لے یا صرف پانی سے استنجا کرے۔

(۲) بعد پیشاب حالت کلوخ میں سلام کرنا یا سلام کا جواب یا کلوخ کرتے ہوئے کو سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب

(۱) دونوں کا جمع کرنا افضل ہے اور اس کے حق میں کلوخ سے کپڑا بہتر ہے۔

(۲) نہ اُس پر سلام کیا جائے نہ وہ سلام کرے اور نہ جواب دے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۹: از مقام بھوٹا بھوٹی بسور ٹولانڈ ملک افریقہ مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صاحب حنفی قادری ابن امیر میاں ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

مسلمان کو کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے بلند مکان پر جائز ہے۔

الجواب:

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ سنّتِ نصارٰی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: **من الجفاء ان یبول الرجل قائما** [1] بے ادبی وبدتہذیبی ہے یہ کہ آدمی کھڑے ہو کر پیشاب کرے۔ رواہ البزار بسند صحیح عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے بزار نے بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اس کی پُوری تحقیق مع ازالہ اوہام ہمارے فتاوٰی میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال ۲۳۰ دوم: بعد فراغت جائے ضرور کے کاغذ سے استنجا پاک کرنا جائز ہے یا نہیں۔ زید کہتا ہے ریل گاڑی میں درست ہے۔

الجواب:

کاغذ سے استنجا کرنا مکروہ وممنوع وسنّتِ نصارٰی ہے کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگرچہ سادہ ہو، اور لکھا ہوا ہو تو بدرجہ اولٰی۔ دُرمختار میں ہے **کرہ تحریما بشیئ محترم** [2] (کسی قابلِ احترام چیز کے ساتھ (استنجا) مکروہ تحریمی ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

یدخل فیہ الورق قال فی السراج قیل انہ ورق الکتابۃ وقیل ورق الشجر وایہما کان فانہ مکروہ اھ واقرہ فی البحر وغیرہ والعلۃ فی ورق الشجر کونہ علفا للدواب اونعومتہ فیکون ملوثا غیر مزیل وکذا ورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ ولہ احترام ایضا لکونہ الۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاترخانیۃ بان	اس میں کاغذ بھی داخل ہے سراج میں فرمایا کہا گیا ہے کہ وہ کتابت کا ورق (کاغذ) ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے درخت کا ورق (پتّا) مراد ہے جو بھی ہو مکروہ ہے اھ بحر الرائق وغیرہ میں بھی اسے برقرار رکھا گیا ہے درخت کے پتّے (مکروہ ہونے کی) علّت اس کا جانوروں کے لئے چارہ ہونا یا اس کی نرمی ہے پس یہ ملوث کرنے والا ہے (نجاست کو) دُور کرنیوالا

1

2 در مختار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۶

تعظیمه من ادب الدین ونقلوا عندنا ان للحروف حرمة ولو مقطعة وذکر بعض القراء ان حروف الهجاء قراٰن انزلت علی هود علیه الصلوٰة والسلام [1]۔	نہیں اسی طرح کاغذ، صاف اور قیمتی ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، نیز وہ قابلِ احترام ہے کیونکہ وہ کتابت علم کا آلہ ہے اسی لئے تتارخانیہ میں اس کی علت یوں بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم آداب دین سے ہے (فقہاءِ کرام) نے نقل کیا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزّت ہے اگرچہ وہ کٹے ہوئے ہوں بعض قراء نے فرمایا کہ حروفِ تہجی بھی قرآن ہیں جو حضرت ہُود علیہ السلام پر نازل ہوئے۔(ت)

اور ریل کا عذر صرف زید ہی کو لاحق ہوتا ہے اور مسلمانوں کو کیوں نہیں ہوتا، کیا ڈھیلے یا پرانا کپڑا نہیں رکھ سکتے، ہاں سنّتِ نصارٰی کا اتباع منظور ہو تو یہ قلب کا مرض ہے دوا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ واساواڑ ضلع کاٹھیاواڑ مرسلہ سید احمد صاحب پیش امام ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے بعد پیشاب کلوخ لیا اور استنجا کرنا بھُول گیا بعد اس کے نماز ادا کرلی یا ادائیگی نماز یا بعد نماز یاد آیا کہ میں استنجا بھُول گیا، نماز ہوگئی یا اعادہ کرنا چاہئے۔

الجواب:

اگر پیشاب روپے بھر سے زیادہ جگہ میں نہ پھیلا تھا تو صرف ڈھیلا طہارت کیلئے کافی ہے نماز ہوگئی اور اگر روپے بھر سے زائد جگہ میں پھیل گیا تھا تو ڈھیلے سے طہارت نہیں ہوسکتی پانی سے دھونا فرض ہے اگر نماز میں یاد آئے فوراً جدا ہوجائے اور استنجا کرے اور مستحب یہ ہے کہ اس کے بعد وضوء بھی پھر کرے اور نماز پھر پڑھے اور اگر نماز کے بعد یاد آیا تو اب استنجاء کرکے دوبارہ پڑھے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲: از موضع چُپڑا ڈاک خانہ باسی ضلع پورینہ مرسلہ کلیم الدّین ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

پیشاب کرکے اُسی جلسہ میں بغیر کلوخ کے استنجا کرنا صرف پانی سے درست ہے یا نہیں؟ یا کلوخ سے لینا شرط ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغیر کلوخ کے صرف پانی سے استنجا اُسی جلسہ میں کرتے تھے ہم لوگوں کے واسطے کیوں ناجائز ہوگا؟

الجواب:

ناجائز نہیں ہے صرف افضل ہے کہ ڈھیلے کے بعد پانی ہو اور بغیر ڈھلے کے اُسی جلسہ میں ہو تو اقویا کے لئے جن کو قطرہ آنے کا اندیشہ نہ ہو یا جن کو قطرہ حرارت سے آتا اور پانی سے بند ہوجاتا ہو ان کے لئے کوئی حرج نہیں ورنہ

---

[1] ردالمحتار فصل الاستنجا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲۷

ناجائز ہے کہ استبرا واجب ہے یعنی وہ فعل کرنا کہ اطمینان ہوجائے کہ اب قطرہ نہ آئے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۳: از کاٹھیاوار گونڈل مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب قادری برکاتی رضوی ۹ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

یہاں مسجد جامع میں پیشاب خانے اس طرح بنے ہوئے ہیں کہ استنجے کے وقت آدمی کا رُخ مشرق اور پُشت مغرب کی طرف ہوتی ہے یہ کیسا ہے باوجود چند علماء کے منع کرنے کے بھی اہل محلّہ بے پرواہی کرکے ایسے پیشاب خانے بدلنے کی کوشش نہیں کرتے ان کے حق میں کیا حکم ہے، نیز اُس شخص کے لئے جو ہمیشہ ان پیشاب خانوں میں مشرق کی طرف مُنہ اور مغرب کی طرف پشت کرکے پیشاب وغیرہ کرتا ہو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

پیشاب کے وقت مُنہ نہ قبلہ کو ہونا جائز ہے نہ پشت، جو لوگ ایسا کریں خطاکار ہیں مہتممین مسجد یا اہلِ محلّہ پر واجب ہے کہ اُن کا رُخ جنوبًا شمالًا کریں اور جب تک ایسا نہ ہو پیشاب کرنے والوں پر لازم ہے کہ رُخ بدل کر بیٹھیں ممکن ہے کہ جو لوگ واقف ہوں وہ ایسا ہی کرتے ہوں مسلمان پر نیک گمان چاہئے صرف اتنی وجہ سے اُن کی امامت ناجائز نہیں کہی جاسکتی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴: مسئولہ شاہ محمد از دارالعلوم منظر اسلام

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ

زید دروقت خشک کردن استنجا بر عمرو سلام علیک گفت آیا عمرو کہ استنجا خشک میکند جواب سلام زید را بدہد یانہ واگر دہد چہ گناہ ست واگر گناہ ست دلیل چیست۔	زید نے استنجا خشک کرتے وقت عمرو کو سلام کیا، کیا عمرو، جو استنجا خشک کررہا ہے زید کے سلام کا جواب دے یا نہ؟ اگر دے تو گناہ ہے اور اگر گناہ ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ (ت)

الجواب:

او بیچنان ست کہ بہ کسے ہنگام کمیز انداختنش سلام کنی کہ خشک کردن نمود مگر بسبب بقائے قطرات بول واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ ایسے ہی ہے جیسے کہ تم کسی کو پیشاب کرتے وقت سلام کہو کیونکہ خشک کرنا اسی وقت ہوتا ہے جب پیشاب کے قطرے باقی ہوں۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۵: از چوہر کوٹ بار کھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخص راعادت	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی

است کہ چوں ذکرادمی شپلد برسرآں بول برآید دمی ایستد رواں نمی گردد اگر نمی شپلد برسرآں بول نمودار نشود آیا دریں صورت وضواس شکستہ شود یانہ اگر دریں حالت وضو بشکند آیا صاحب عذر شود یانہ یا حکم است کہ اونہ شپلد ونہ وسواس کند ہرگاہ کہ بول آید وضو بکند ہرچہ بگنجد بفرمایند اگرایں عادت بود او وضو نمی کرد نمازہا خواندہ است آیا جملہ نماز باز گرداند یا معاف ست بباعث حرج بسیار ازیں سوال بے ادبی معاف فرمایند۔	عادت ہے جب اس کا آلہ تناسل حرکت میں آتا ہے تو پیشاب اس کے (آلہ تناسل) کے سر کے اوپر آکر ٹھہر جاتا ہے جاری نہیں ہوتا اور اگر حرکت نہ کرے تو اس کے اوپر پیشاب ظاہر نہیں ہوتا کیا اس صورت میں اس کا وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں، اگر اس حالت میں وضو ٹوٹ جائے تو کیا وہ معذور شمار ہوگا یا نہ؟ یا اسے نہ اچھلنے والے کا حکم دیا جائے اور کسی قسم کا وسوسہ نہ کرے جب پیشاب نکلے تو وضو کرے جو کچھ آنجناب فرمائیں۔ اور اگر اس کی یہ عادت تھی اور وضو کیے بغیر نمازیں پڑھتا رہا تو کیا تمام نمازیں لوٹائے یا زیادہ حرج کے باعث معاف ہے۔ سوال کرنے پر بے ادبی سے معاف فرمائیں۔ (ت)

الجواب:

کمیز تاآنکہ برلب عضو برنیاید وضو بجائے خودست نمازہا کہ ایں چناں گزاردہ ست بے خلل ست فشردن عضو پس از بول سنّت بیش نیست اگر میداند کہ ہربار کہ می فشرد چیزے برمی آید و منقطع نمی شود واگر نفشرد برنیاید آنگاہ اور افشردن بکار نیست ہمچناں وضو کردہ نماز گزارد و وسوسہ رابدل راہ ندہد واللہ تعالٰی اعلم۔	پیشاب جب تک عضو کے کنارے پر نہ آئے وضو قائم ہے جو نمازیں اس حال میں پڑھی ہیں ان میں کوئی خرابی نہیں۔ پیشاب کے بعد عضو کو جھاڑنا صرف سنت ہے اس سے زیادہ (فرض یا واجب) نہیں، اگر سمجھتا ہو کہ جب بھی جھاڑے گا کچھ نہ کچھ باہر آئے گا اور پیشاب ختم نہیں ہوگا اور اگر نہیں جھاڑے گا تو نہیں آئے گا اس صورت میں جھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح وضو کرکے نماز پڑھے اور دل میں کسی قسم کے وسوسہ کو جگہ نہ دے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۶: شہر بریلی (دارالعلوم) منظر الاسلام مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب طالب علم دارالعلوم مذکور ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا صحن اس طرح پر ہے کہ نصف حوض کے داہنے بائیں صحن مسجد ہے اور نصف کے اردگرد صرف زمین مقام الف میں اُس کے سیڑھیاں ہیں زید کو مرض ہے کہ اگر ڈھیلا لے کر فورًا علی الاتصال پانی سے استنجا پاک نہ کرے تو قطرہ آجاتا ہے اب وہ استنجا کرتا ہوا آیا ہے پانی حوض

میں بہت نیچا ہو گیا ہے اور اِدھر اُدھر لوٹوں میں وضو کا بچا ہوا پانی رکھا ہے وہ مقام ب سے فصیل فصیل مقام الف تک ہاتھ میں درحالیکہ (درحالیکہ رضائی یا چادر وغیرہ اوڑھے ہو) جا کر پانی لاسکتا ہے یا نہیں۔

نقشہ یہ ہے:

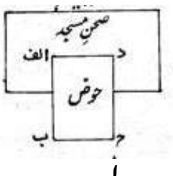

الجواب:

جبکہ حوض کی فصیل ہی پر گیا اور چادر اوڑھے ہے صحنِ مسجد میں قدم نہ رکھا، یوں جا کر پانی لے آیا اور غسل خانہ میں استنجا کیا تو اصلا کسی قسم کا حرج نہیں حوض وفصیل حوض مسجد سے خارج ہے ولہذا اس پر وضو واذان بلا کراہت جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۷: از رنگون مرسلہ سیٹھ عبدالستار ابن اسمٰعیل صاحب رضوی ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد استنجا لینے پیشاب کرنے کے بجائے کلوخ کے وقت ضرورت جاذب (انگریزی ساخت کا بلاٹنگ) کا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

کاغذ سے استنجا سنّتِ نصارٰی ہے اور شرعًا منع ہے جبکہ قابلِ کتابت یا قیمتی ہو۔ اور ایسا نہ بھی ہو تو بلا ضرورت سنّتِ نصرانی سے بچنا ضرور ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

کرہ تحریما بشیئ محترم یدخل فیہ الورق قیل انہ ورق الکتابۃ وقیل ورق الشجر وایھما کان فانہ مکروہ اھ ورق الکتابۃ لہ احترام لکونہ اٰلۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاترخانیۃ بان تعظیمہ من ادب الدین واذاکانت العلۃ کونہ اٰلۃ للکتابتہ یوخذ منھا عدم الکراھۃ فیما لایصلح لھا اذاکان قالعا للنجاسۃ غیر متقوم کماقدمنا من	کسی قابلِ احترام چیز کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اس میں ورق بھی داخل ہے کہا گیا ہے کہ اس سے لکھنے کا کاغذ مراد ہے اور کسی نے کہا اس سے مراد درخت کا پتّا ہے، ان میں سے جو بھی ہو مکروہ ہے اھ۔ کتابت کا کاغذ اس لئے قابلِ عزّت ہے کہ وہ کتابتِ علم کا آلہ ہے اسی لئے تتارخانیہ میں اس کی علّت یہ بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم آدابِ دین سے ہے اور جب اس کی علّت یہ ہو کہ وہ آلہ کتابت ہے تو اس کا

جوازہ بالخرق البوالی[1]۔	نتیجہ یہ ہوا کہ اگر کاغذ تحریر کی صلاحیت نہ رکھتا ہو اور نجاست کو زائل کرنے والا ہو اور قیمتی بھی نہ ہو تو اسکے استعمال میں کوئی کراہت نہیں جیسا کہ اس سے پہلے ہم نے پُرانے کپڑے کے ٹکڑوں سے استنجاء کا جواز بیان کیا ہے۔(ت)

پیشاب کے لئے خالی پانی بھی کافی ہے اگر کوئی عذر نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

الجمع بین الماء و الحجر افضل ویلیه فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیه الاقتصار علی الحجر وتحصل السنة بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الامداد وغیرہ[2]۔	پانی اور پتھّر کو جمع کرنا افضل ہے صرف پانی پر اکتفاء کرنے میں بھی فضیلت ہے اور صرف پتھروں سے استنجا کرنا بھی باعثِ فضیلت ہے ہر ایک سے سنت پر عمل ہو جاتا ہے اگرچہ فضیلت میں فرق ہے جیسا کہ الامداد وغیرہ میں بیان کیا ہے (ت)

پُرانا کپڑا بھی کافی ہے، زمین یا دیوار سے صاف کر دینا بھی کافی ہے وفیہ عن امیر المؤمنین الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس سلسلے میں حضرت امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مروی ہے۔ت) ہاں کوئی صورت میسر نہ ہو تو جاذب سے بھی طہارت ہو جائیگی جبکہ نجاست کو درہم بھر سے زیادہ جگہ میں پھیلائے بغیر جذب کرلے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: از شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ استنجا چھوٹا خواہ بڑا باوجود دستیاب ہونے مٹی کے ڈھیلے کے محض پانی سے کرنے والے کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب:

خلاف افضل ہے خصوصًا بڑا استنجاء واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹: از بیکانیر مارواڑ محلّہ مہاوتان مرسلہ قاضی قمر الدین صاحب ۹ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پائخانہ میں تھوکنا کیسا ہے کہ اس کی ممانعت ہے کہ وہاں نہ تھوکے، بینوا توجروا۔

الجواب:

ہاں پاخانے میں تھوکنے کی ممانعت ہے کہ مسلمان کا مُنہ قرآن عظیم کا راستہ ہے وہ اس سے ذکرِ الٰہی

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۲۷/۱

[2] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۲۶/۱

کرتا ہے تو اس کا لعاب ناپاک جگہ پر ڈالنا بیجا ہے، ردالمحتار میں ہے:

لایبزق فی البول [1] اھ قلت والدلیل اعم کما علمت۔	پیشاب میں نہ تھوکا جائے اھ میں کہتا ہوں اور دلیل عام ہے جیسا کہ تم جانتے ہو (ت)

البتہ وہاں کی دیوار وغیرہ جہاں نجاست نہ ہو اس پر تھوکنے میں حرج نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۰: از بنارس محلّہ اودھو پورہ مرسلہ محمد بشیر الدین بن محمد قاسم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کو خطبہ پڑھتے وقت شک معلوم ہوا کہ مجھ کو قطرہ اُتر آیا اور خطبہ اس نے آلہ تناسل کو ہاتھ سے چھُوا تو کچھ تری معلوم نہ ہوئی تو اس نے وضو نہ کیا اور اس شک کی حالت میں نمازِ جمعہ پڑھادی چونکہ اُس کو شک تھا کیونکہ ایسا واقعہ اس سے قبل کئی مرتبہ اس کو ہوچکا تھا مگر اور مرتبہ وضو کرلیتا تھا اس مرتبہ اُس نے وضو نہ کیا تو بعدِ نمازِ جمعہ جب اکثر لوگ چلے گئے تو اس نے آلہ تناسل کو دیکھا تو اوپر سے کچھ تری معلوم نہ ہوئی تو اُس نے دُودھ دوہنے کی طرح دوہا تو ذرا سی تری معلوم ہوئی تو اب لوگوں کی نماز ہوئی یا نہیں اگر نہیں ہوئی تو اس میں کیا کرنا چاہئے یہ بھی نہیں معلوم کہ نمازِ جمعہ میں کتنے لوگ اور کہاں کہاں کے آدمی تھے خطیب بہت گھبرایا ہے اور اُس کی نجات کی کیا صورت ہوسکتی ہے کہ خدا کے پاس رہائی ہو اور شریعتِ مطہرہ کیا حکم اس میں دیتی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں نہ وضو گیا نہ نماز میں خلل آیا نہ کسی کو اطلاع دینے کی حاجت نہ وسوسہ پر عمل کی اجازت۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ شیطان دھوکا دینے کے لئے تھوک دیتا ہے جس سے تری کا شبہہ ہوتا ہے۔ جب ہاتھ سے دیکھ لیا تری نہ تھی پھر دغدغہ کا کیا محل رہا، بعد نماز دیر کے بعد جب اکثر لوگ چلے گئے اگر دیکھنے سے تری نظر بھی آئی تو اس سے ختم شدہ نماز پر کچھ اثر نہیں ہوسکتا فان الحادث یضاف لاقرب اوقاتہ (نوپید (نجاست) کو قریب وقت کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ت) نہ کہ اُس وقت نیز تری نہ پائی دودھ کی طرح دوہنے سے اگر کچھ نکلی تو وہ یقیناً ابھی نکلی اب اس وقت وضو گیا نہ کہ پہلے سے جاتا رہا۔ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ شاگرد جلیل سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جب حالت ایسے یقین کی ہو کہ تم قسم کھا کر کہہ سکو کہ وضو نہ رہا اُس وقت سے اعتبار کیا جائے گا اور جب تک شک ہو جس پر قسم نہ کھا سکو وضو برقرار ہے امام اجل ابراہیم نخعی

---

[1] ردالمحتار مطلب فی الفرق بین الاستبراء والاستنقاء والاستنجاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۴

استاذ الاستاذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں: "شیطان کے وسوسے پر عمل نہ کرو اگر وہ زیادہ پریشان کرے تو اس سے کہے میں بے وضو ہی پڑھوں گا تیری نہ سُنوں گا، یوں وہ خبیث باز آتا ہے اور اُس کی سنو تو اور زیادہ پریشان کرتا ہے"۔ہاں اگر یہ حالت ہوتی کہ قطرے اُترنے کا ظن غالب ہوگیا تھا اور وضو نہ رہنے پر یقین فقہی ہوچکا تھا پھر دانستہ نماز پڑھادی تو ضرور نماز نہ ہوتی اور سخت سے سخت گناہِ کبیرہ ہوتا اور عذاب شدید عظیم کا استحقاق ہوتا اور تمام مقتدیوں کو اطلاع دینی فرض ہوتی زبانی یا خط بھیج کر۔اور جو غیر معروف رہے اُن کے لئے متعدد جُمعوں جماعتوں میں اعلان کرنا ہوتا کہ فلاں جمعہ کی نماز باطل تھی ظہر کی قضا پڑھو۔لیکن مسلمان سے اس کی توقع بہت بعید ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: از بلند شہر قریب جامع مسجد مرسلہ رحمت اللہ صاحب ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک امام صاحب کو یہ عارضہ ہے کہ دو تین مہینے جبکہ سردی پڑتی ہے تو اُن کو سردی سے قطرہ آجاتا ہے اور خصوصًا استنجا پاک کرکے اور دوسرے کپڑے سے خشک کرکے بھی یہی گمان رہتا ہے کہ قطرہ آگیا اور جب دیکھتے ہیں تو قطرہ نہیں اور کبھی کبھی آ بھی جاتا ہے اور امام صاحب کو نماز میں بھی اکثر یہ گمان گزر جاتا ہے کہ قطرہ آگیا ہے اور نہیں آتا تو وہ اگر نیچے ایک پاک تہبند نماز پڑھنے پڑھانے کے وقت یا پاک لنگر و لنگوٹ رکھ لیں تو نماز ہوگی یا نہیں اور حقیقت میں اس طرح قطرہ بھی نہیں آتا ہے اور اطمینان بھی رہتا ہے کیونکہ گرمائی رہتی ہے اور گرمائی سے واقعی قطرہ بھی نہیں آتا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ لنگر یا لنگوٹ سے قطرہ بند ہوجاتا ہے تو ان کا باندھنا واجب ہے۔بحر میں ہے:

متی قدر علی رد السیلان بربا ط اوحشو وجب ردہ [1]	جب (کپڑا وغیرہ) باندھنے یا کوئی زائد چیز رکھنے کے ذریعے جریان کو روکنے پر قادر ہو تو روکنا واجب ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۴۲: از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیشاب کرکے رفع کراہت کے واسطے اُس پر چند بار پانی بہا کر اُسی وقت اُسی جگہ صرف پانی سے استنجا کیا ہے؟

الجواب:

زمین اگر پختہ یا سخت ہو جس پر تین بار پانی بہادینے سے ظن غالب ہو کہ نجاست کو بہالے گیا تو اُسی وقت وہیں

---

[1] البحر الرائق باب الحیض مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی پاکستان ۱/۲۱۶

پانی سے استنجا کرنے میں حرج نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳: از مقام بسوہ اسٹیشن تعلق ملکاپور ضلع بلڈانہ برار مدرسہ اسلامی بسوہ اسٹیشن مسئولہ سراج الدین ۱۳رمضان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ چکنی مٹی سے کپڑے خراب ہونے کے سبب اینٹ پختہ سے استنجا صاف کرنا، بعد اینٹ کے ٹکڑے جس سے استنجا صاف کیا گیا وہ کسی صورت سے پاک ہو کر پھر استنجا صاف کرنے کے کام میں آسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پختہ اینٹ سے استنجا منع ومکروہ ہے اور اُس میں اندیشہ مرض بھی ہے جس ڈھیلے وغیرہ سے چھوٹا استنجا کیا گیا ہو بعد خشکی دوبارہ کام میں لاسکتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴: از مدرسہ منظرِ اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ڈھیلے اور پانی سے استنجا کرنے پر قطرہ پیشاب کا ہمیشہ آجاتا ہے ایسی صورت میں کیا حکم ہے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر پانی سے استنجا کرنے پر قطرہ آتا ہے تو صرف ڈھیلے سے استنجا کرے اگر پیشاب روپے بھر سے زائد جگہ میں نہ پھیلا ہو تو ڈھیلے ہی سے پاک ہوجائے گا اور اگر ڈھیلے سے استنجا پر قطرہ آتا ہے اور پانی سے بند ہوجاتا ہے تو پانی سے استنجا ضرور ہے اور اگر دونوں طرح آتا ہے تو انتظار کرنا اور وہ تدبیریں بجالانا جن سے قطرہ رکے واجب ہے اور اگر کسی طرح نہ رُکے اور ایک نماز کا وقت اول سے آخر تک گزر جائے کہ وضو کرکے فرض پڑھنے کی مہلت نہ پائے تو وہ معذور ہے جب تک نماز کے ہر وقت میں کم از کم ایک بار آتا رہے گا اُسے وضو تازہ کرلینا کافی ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵تا۲۴۷: از کاٹھیاواڑ مسئولہ حسین ولد قاسم مہتمم مدرسہ اسلامیہ باٹوہ شب۔ ۱۷ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کیا استقبال واستدبار قبلہ بوقت پیشاب پائخانہ جائز ہے۔

(۲) کیا استقبال واستدبار جنوب وشمال بوقت پیشاب وپاخانہ مرخص ہے اگر مرخص ہے تو استقبال بسوئے شمال افضل ہے یا بجنوب۔

(۳) در بارہ استقبال شمال عوام بلکہ دانستہ حضرات چہ میگوئیاں کرتے ہیں کہ بیت المقدس انبیاء علیہم السلام کا قبلہ خصوصاً سرورِ انبیاء سرتاج اصفیاء روحی فداہ کا قبلہ بھی بیت المقدس ہی تھا اور وہ واقع بہ شمال ہے اور روضہ شیخ سید عبدالقادر گیلانی قدس سرہ العزیز بھی بسوئے شمال ہے لہٰذا استقبالِ شمالی میں کمال درجہ کی بے ادبی ہے تو کیا یہ ہر دو مقاماتِ اقدس واقع بہ شمال ہیں اور استقبال شمال میں کوئی ممانعت شرع میں پائی جاتی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) پاخانہ پیشاب کے وقت قبلہ معظّمہ کا استقبال واستدبار دونوں ناجائز ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) شمال جنوب کی کوئی تخصیص نہیں قبلہ کو نہ مُنہ ہو نہ پیٹھ پھر جس طرف بھی بیٹھے جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) نہ بیت المقدس یہاں سے ٹھیک شمال کو ہے نہ بغداد شریف، بلکہ دونوں یہاں سے جانبِ مغرب ہی ہیں اگرچہ شمال کو قدرے جھکے ہوئے اور شریعت پر زیادت کی اجازت نہیں اور اگر اُن لوگوں کا کہنا فرض کرلیا جائے کہ وہ جانبِ شمال ہی ہیں تو فقط استقبال ہی بے ادبی نہیں بلکہ استدبار بھی۔ اب مشرق یا مغرب کو منہ کرنا تو یوں منع ہوا کہ کعبہ معظّمہ کو منہ یا پیٹھ ہوگی اور جنوب وشمال کو یوں منع ہوا کہ بیت المقدس یا بغداد شریف کو رُو یا پشت ہوگی تو قضائے حاجت کے وقت کسی طرف منہ کرنے کی اجازت نہ رہی۔ یہ کیونکر ممکن۔ ہر جہت کا حکم اُس کے دونوں پہلوؤں میں ۴۵، ۴۵ درجے تک رہتا ہے جس طرح نماز میں استقبالِ قبلہ، تو تمام آفاق کا احاطہ ہوگیا اور قضائے حاجت کی کوئی صورت نہ رہی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۶: ازادھ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ جناب محمد صادق علی خان صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

بچّوں کے گلے میں بچّوں کے ماں باپ بچّوں کی حفاظت کے لئے چھوٹی حمائل شریف ٹین کے تعویذ میں اور اُوپر اُس کے کپڑا پاک چڑھا کر ڈالتے ہیں غرض بہت احتیاط سے یہ کام ہوتا ہے یا فقط ایک دو آیت، بچّے پاخانے میں جاتے ہیں طرح طرح کی بے ادبیاں ظہور میں آتی ہیں یہ کام شرع میں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تعویذ موم جامعہ وغیرہ کرکے غلاف جُداگانہ میں رکھ کر بچّوں کے گلے میں ڈالنا جائز ہے اگرچہ اُس میں بعض آیاتِ قرآنیہ ہوں اور اس احتیاط کے ساتھ پاخانے میں لے جانا بھی جائز ہے، ہاں افضل احتراز ہے، درمختار میں ہے:

رقیۃ فی غلاف متجاف لم یکرہ دخول	غلاف میں لپٹے ہوئے تعویذ کے ساتھ بیت الخلاء

الخلاء بہ والاحتراز افضل [1]	میں داخل ہونا مکروہ نہیں البتہ بچنا افضل ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان المراد بھامایسمونہ الاٰن بالھیکل والحمائل المشتمل علی الاٰیات القرآنیۃ فاذاکان غلافہ منفصلا عنہ کالمشمع ونحوہ جاز دخول الخلاء بہ ومسہ وحملہ للجنب [2]۔	ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ چیز ہے جسے آج کل ہیکل یا حمائل کہتے ہیں اور وہ آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل ہوتی ہے جب اس کا غلاف الگ ہو جیسے موم جامعہ وغیرہ تو اس کے ساتھ بھی بیت الخلا میں داخل ہونا جائز ہے، نیز جنبی آدمی کا اسے ہاتھ لگانا اور اٹھانا بھی جائز ہے۔(ت)

بے ادبیوں کی احتیاط کی جائے پھر یہ امر مانع انتفاع نہیں کہ پہنانے والوں کی نیت تبرک ہے۔

وانما الاعمال بالنیات [3] وقد کتب امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی افخاذاھل الصدقۃ حبیس فی سبیل اللہ۔	اعمال (کے ثواب) کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اونٹوں کی رانوں پر لکھا"اللہ کی راہ میں روکا ہوا"۔(ت)

اس مقصد کی تفصیل ہمارے رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن میں ہے مگر تعویذ پر قرآن عظیم و مصحف کریم کا قیاس نہیں ہو سکتا۔

اوّلاً: قرآن مجید اگرچہ دس غلافوں میں ہو پاخانے میں لے جانا بلاشبہہ مسلمانوں کی نگاہ میں شنیع اور اُن کے عرف میں بے ادبی ٹھہرے گا اور ادب وتوہین کا مدار عرف پر ہے تعویذ کہ بعض آیات پر مشتمل ہو وہ آیات ضرور قرآن عظیم ہیں مگر اُسے تعویذ کہیں گے نہ قرآن، جیسے کتاب نحو کہ امثلہ قواعد میں آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل، اُس کے لئے کتاب نحو ہی کا حکم ہوگا نہ کہ مصحف شریف کا۔ مصحف شریف دارالحرب میں لے جانا منع ہے اور کتاب لے جانے سے کسی نے منع نہ کیا مصحف کے پٹھے کو بے وضو چھونا حرام اور اُس کتاب کے ورق کو بھی چھُونا جائز۔

ثانیاً: اُس کا ٹین میں رکھ کر بند کر دینا یا موم جامے یا کپڑے ہی کے غلاف میں سی دینا یہ خود خلافِ شرع ہے کہ اُس کی تلاوت سے منع ہے ائمہ سلف تو غلافِ مصحف شریف میں بند لگانے کو مکروہ جانتے تھے کہ بند باندھنا بظاہر منع کی صورت ہوگا تو یوں ٹین وغیرہ میں رکھ کر ہمیشہ کیلئے سی دینا کہ حقیقۃً منع ہے کس درجہ مکروہ و مورد شنع ہے۔ تبیین الحقائق میں فرمایا:

---

[1] دُر مختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴

[2] ردالمحتار، مطلب یطلق الدعاء علٰی مایشتمل الثناء، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۱

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الٰی رسول اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

كان المتقدمون يكرهون شد المصاحف واتخاذ الشّدِّ لها لئلا يكون فی صورة المنع فاشبه الغلق علی باب المسجد [1]۔	متقدمین، قرآن پاک کو (کسی چیز میں) بند کردینے اور انہیں بند کرنے کا طریقہ اختیار کرنے کو مکروہ سمجھتے تھے تاکہ (اس سے) روکنے کی صورت نہ پیدا ہو تو اس طرح وہ مسجد کا دروازہ بند کرنے کے مشابہ ہوجائے گا (ت)

ثالثًا: قرآن عظیم چھوٹی تقطیع پر لکھنا حمائل بنانا شرعًا مکروہ ناپسند ہے، امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کے پاس قرآن مجید باریک لکھاہُوا دیکھا اسے مکروہ رکھا اور اس شخص کو مارا اور فرمایا **عظموا کتاب اللّٰه**[2]۔ **رواہ ابو عبید فی فضائل القراٰن** کتاب اللہ کی عظمت کرو۔ (ابوعبید نے اسے فضائل قرآن میں روایت کیا۔ت) امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم مصحف کو چھوٹا بنانا مکروہ رکھتے[3] **رواہ عنه عبدالرزاق فی مصنّفه وبمعناہ ابوعبید فی فضائله** (عبدالرزاق نے اسے اپنے مصنّف میں روایت کیا، اور ابوعبید نے فضائل میں اس کا مفہوم نقل کیا ہے۔ت) اسی طرح ابراہیم نخعی نے اسے مکروہ فرمایا[4] رواہ ابن ابی داؤد فی المصاحف (ابن داؤد نے اسے مصاحف میں بیان کیا۔ت) درمختار میں ہے: **یکرہ تصغیر مصحف**[5] (قرآن پاک کو چھوٹی تقطیع میں لانا مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے: **ای تصغیر حجمه**[6] (یعنی اس کا حجم چھوٹا کرنا۔ت) تو اس قدر چھوٹا بنانا کہ معاذ اللہ ایک کھلونا اور تماشہ ہو کس طرح مقبول ہوسکتا ہے اور وہ جری لوگ یہ فعل مردود نہیں تعویذوں کی خاطر کرتے ہیں اگر مسلمان ان کو تعویذ نہ بنائیں تو کیوں خریدیں اور نہ خریدیں تو وہ کیوں اسے چھاپیں تو ان کا تعویذ بنانا ان کے اُس فعل کا باعث ہے اور اُس کے ترک میں اُس کا انسداد تو اس کا تعویذ بنانا ضرور مستحق الترک ہے اس دلیل کی تفصیل جلیل ہمارے رسالہ **الکشف الشافیا فی حکم فونوجرافیا** میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] تبیین الحقائق فصل کرہ استقبال القبلۃ بالفرج الخ مطبوعہ بولاق مصر ۱/۱۶۸

[2]

[3]

[4]

[5] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۲۴۵

[6] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مصطفی البابی مصر ۵/۲۴۷

فتاوٰی رضویہ جلد اول (قدیم) کے حاشیہ پر "ف" کے تحت مبسوط فقہی مسائل

فوائدِ جلیلہ

ترتیب و تبویب

مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتاب الطّہارۃ

باب الوضوء

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱	**مسئلہ:** وضو میں آنکھیں زور سے نہ بند کرے مگر وضو ہو جائے گا	۴	۱۲
۲	**مسئلہ:** عورت کے ہاتھ پاؤں پر مہندی کا جرم لگا رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو وضو و غسل ہو جائیگا۔ ہاں جب اطلاع ہو چھڑا کر وہاں پانی بہادے۔	۱	۱۴
۳	**مسئلہ:** سُرمہ آنکھ کے کوئے یا پلک میں رہ گیا اور اطلاع نہ ہُوئی تو ظاہرًا حرج نہیں اور بعد نماز کوئے میں محسوس ہوا تو اصلاً پاک نہیں۔	۲	۱۴
۴	**مسئلہ:** کاتب کے ناخن پر روشنائی کا جرم لگا رہ گیا اور خبر نہ ہوئی تو ظاہرًا حرج نہیں۔	۳	۱۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵	مسئلہ: وضو وغسل میں پانی پہنچنا فرض ہے اگرچہ اپنے فعل سے نہ ہو مثلاً پھوہار برسی اور چوتھائی کو نم پہنچ گئی مسحِ سر کا فرض اُتر گیا۔	۲	۱۵
۶	مسئلہ: پاؤں کے دھونے پر اجماع ہے ایک جماعت قلیلہ کے سوا کسی نے پاؤں کے مسح کا قول نہیں کیا۔ تحقیق یہ ہے کہ اس جماعت قلیلہ نے اپنے مؤقف سے رجوع کرلیا۔	۱	۱۶
۷	مسئلہ: اگرلب خُوب زور سے بند کرکے وضو کیا اور کُلی نہ کی وضو نہ ہوگا۔	۲	۱۷
۸	مسئلہ: بھنّویں، مُونچھیں، بچی کے بال چھدرے ہوں توان کا اور ان کے نیچے کی کھال سب کا دھونا وضو میں فرض ہے۔	۳	۱۷
۹	مسئلہ: وضو میں کنپٹیوں پر بھی پانی بہانا فرض ہے۔	۱	۱۸
۱۰	مسئلہ: سر کے نیچے جو بال لٹکتے ہیں اُن کا مسح کافی نہیں۔	۳	۱۸
۱۱	مسئلہ: ٹوپی یا دوپٹا اگر ایسا ہو کہ اس پر سے نم سر کے چوتھائی حصہ پر یقیناً پہنچ جائے تو کافی ہے ورنہ نہیں۔	۴	۱۸
۱۲	مسئلہ ضروریہ: مُنہ ہاتھ پاؤں کے ذرّے ذرّے پر پانی بہنا فرض ہے۔ فقط بھیگا ہاتھ پہنچنا فرض نہیں کم از کم ہر پُرزے پر سے دو قطرے بہیں۔	۱	۱۹
۱۳	مسئلہ: تحقیق جلیل کہ مواضع ضرورت میں جس طرح بے اطلاع مٹی گارے کا لگا رہ جانا مانع وضو وغسل نہیں یونہی سخت چیزوں مثلاً آٹے وغیرہ کا بھی۔	۳	۱۹
۱۴	مسئلہ: وضو وغسل میں ایسا واجب کوئی نہیں جس کے نہ کرنے سے گنہگار ہو مگر طہارت ادا ہو جائے۔	۳	۲۰
۱۵	مسئلہ: ہمارے مذہب میں بسم اللہ سے وضو کی ابتداء صرف سنّت ہے واجب نہیں اگرچہ امام ابن الہمام کا خیال وجوب کی طرف گیا۔	۴	۲۰
۱۶	مسئلہ: مسواک کا طول بالشت بھر سے زیادہ نہ چاہئے۔	۲	۲۴
۱۷	مسئلہ: وضو کا پانی روزِ قیامت نیکیوں کے پلّے میں رکھا جائیگا۔	۱	۲۵
۱۸	مسئلہ: وضو یا غسل میں پانی سے ہاتھ نہ جھٹکنا بہتر ہے مگر منع نہیں اور اس بارے میں جو حدیث آئی ہے کہ وہ شیطان کا پنکھا ہے ضعیف ہے۔	۴	۲۷
۱۹	مسئلہ: پانی سے استنجے کے بعد کپڑے سے خوب صاف کرلینا مستحب ہے کپڑا نہ ہو تو بار بار بائیں ہاتھ سے یہاں تک کہ خشک ہو جائے۔	۵	۲۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۰	**مسئلہ:** جس کپڑے سے استنجے کا پانی خشک کرے اس سے باقی اعضاء نہ پونچھے۔	۶	۲۹
۲۱	**مسئلہ:** یہ یاد ہے کہ بیت الخلاء میں گیا اور قضاءِ حاجت کے لئے بیٹھا تھا مگر یہ یاد نہیں کہ پیشاب وغیرہ کچھ ہوا یا نہیں تو یہی ٹھہرائیں گے کہ ہوا تھا وضو لازم ہے۔	5	۱۳۲
۲۲	**مسئلہ:** وضو کیلئے پانی لیکر بیٹھنا یاد ہے مگر وضو کرنا یاد نہیں تو یہی قرار دیں گے کہ وضو کرلیا۔	۶	۱۳۲
۲۳	**مسئلہ:** جس عورت کے دونوں مسلک پردہ پھٹ کر ایک ہوگئے اسے جو ریح آئے احتیاطًا وضو کرے اگرچہ احتمال ہے کہ یہ ریح فرج سے آئی ہو۔	۷	۱۳۲
۲۴	**مسئلہ:** وضو کی ابتدا میں جو دونوں ہاتھ کلائیوں تک تین بار دھوئے جاتے ہیں سنت یہ ہے کہ مُنہ دھونے کے بعد جو ہاتھ دھوئے اس میں پھر دونوں کفدست کو شامل کرلے سر ناخن سے کہنیوں کے اُوپر تک تین بار دھوئے۔	5	۱۴۵
۲۵	**مسئلہ:** بدن پر کوئی نجاست ہو مثلًا تر خارش ہے یا زخم یا پھوڑا یا پیشاب کے بعد بے استنجا سو رہا کہ پسینہ آکر تری پہنچنے کا احتمال ہے جب تو گٹوں تک ہاتھ پہلے دھونا سُنّتِ مؤکدہ ہے اگرچہ سویا نہ ہو جبکہ ہاتھ کا اس نجاست پر پہنچنا محتمل ہو اور اگر بدن پر نجاست نہیں تو ان کا دھونا سنت ہے مگر مؤکدہ نہیں اگرچہ سو کر اٹھا ہو یونہی اگر نجاست ہے اور اس پر ہاتھ نہ پہنچنا معلوم ہے یعنی جاگ رہا اور یاد ہے کہ ہاتھ وہاں نہ پہنچے تو اس صورت میں بھی سنتِ موکدہ نہیں، ہاں سنت مطلقًا ہے	۱	۱۴۶
۲۶	**مسئلہ:** مسواک موجود ہو تو انگلی سے دانت مانجنا ادائے سنت وحصول ثواب کے لئے کافی نہیں، ہاں مسواک نہ ہو تو انگلی یا کھر کھرا کپڑا ادائے سنت کردے گا اور عورتوں کے لئے مسواک موجود ہو جب بھی مسی کافی ہے۔	۲	۱۴۸
۲۷	**مسئلہ:** مسواک دھو کر کی جائے اور کرکے دھولیں اور کم از کم تین تین بار تین پانیوں سے ہو۔	۱	۱۵۵
۲۸	**مسئلہ:** سب کے لئے غسل و وضو میں پانی کی ایک مقدار جس طرح عوام میں مشہور ہے محض باطل ہے، ایک شخص دیو قامت ہے ایک نہایت نحیف دُبلا پتلا، ایک بہت دراز قد ہے دوسرا کمال ٹھِنگنا، ایک بدن نرم و نازک وتر ہے دوسرا خشک کھرّا ایک کے تمام اعضاء پر بال ہیں دوسرے کا بدن صاف، ایک کی داڑھی بڑی اور گھنی دوسرا بے ریشہ یا چند بال۔ ایک کے سر پر بڑے بڑے بال انبوہ دوسرے کا سر مُنڈا ہوا، ان سب کے لئے ایک مقدار کیونکہ ممکن بلکہ شخص واحد کے لئے فصلوں اور شہروں اور عمر ومزاج کے تبدل سے مقدار بدل جاتی ہے۔ برسات میں بدن میں تری ہوتی ہے۔ پانی جلد دوڑتا ہے، جاڑے میں خشکی ہوتی ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔	۴	۱۶۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۹	مسئلہ: انگوٹھی ڈھیلی ہو تو وضو میں اسے پھرا کر پانی ڈالنا سنّت ہے اور تنگ ہو کہ بے جنبش دیے پانی نہ پہنچے تو فرض۔ یہی حکم بالی وغیرہ کا ہے۔	۴	۱۷۲
۳۰	مسئلہ: وضو میں منہ پر زور سے چھپا کا مارنا مکروہ ہے، بلکہ کسی عضو پر اس زور سے نہ ڈالے کہ چھینٹیں اُڑ کر بدن یا کپڑوں پر جائیں۔	۵	۱۷۲
۳۱	مسئلہ: اعضاء کا مل مل کر دھونا وضو اور غسل دونوں میں سنّت ہے۔	۶	۱۷۲
۳۲	مسئلہ: اعضاءِ وضو دھونے میں حدِ شرعی سے اتنی خفیف تحریر بڑھانا جس سے حدِ شرعی تک استیعاب میں شبہہ نہ رہے واجب ہے۔	۷	۱۷۲
۳۳	مسئلہ: وضو میں ہاتھ اور یونہی پاؤں بائیں سے پہلے دَہنا دھونا یعنی سیدھے سے ابتداء کرنا سنّت ہے، اگرچہ بہت کتب میں اسے مستحب لکھا۔	۱۲	۱۷۲
۳۴	مسئلہ: جہاں اور اعضاء میں ترتیب سنت ہے کہ پہلے منہ دھوئے پھر ہاتھ پھر سر کا مسح پھر پاؤں دھونا یونہی مضمضہ واستنشاق میں بھی یعنی سنّت ہے کہ پہلے کلی کرے اس کے بعد ناک میں پانی ڈالے۔	۱۳	۱۷۲
۳۵	مسئلہ: وضو میں کلی یا ناک میں پانی ڈالنے کا ترک مکروہ ہے، اور اس کی عادت ڈالے تو گنہگار ہوگا۔ یہ مسئلہ وہ لوگ خوب یاد رکھیں جو کُلیاں ایسی نہیں کرتے کہ حلق تک ہر چیز کو دھوئیں اور وہ کہ پانی جن کی ناک کو چھُو جاتا ہے سُونگھ کر اُوپر نہیں چڑھاتے یہ سب لوگ گنہگار ہیں اور غسل میں تو ایسا نہ ہو تو سِرے سے نہ غسل ہو گا نہ نماز۔	۱	۱۷۴
۳۶	مسئلہ: وضو میں نیت نہ کرنے کی عادت سے گنہگار ہوگا اس میں نیت سنّت مؤکدہ ہے۔	۱	۱۷۷
۳۷	مسئلہ: طہارت میں ہر عضو کا پُورا تین بار دھونا سنتِ مؤکدہ ہے، ترک کی عادت سے گنہگار ہوگا۔	۲	۱۷۷
۳۸	مسئلہ: پانی ڈالنے کی گنتی معتبر نہیں جتنا دھونے کا حکم ہے اس پر پورا پانی بہ جانا معتبر ہے مثلاً ہاتھ پر ایک بار پانی ڈالا کہ تہائی کلائی پر بہا باقی پر بھیگا ہاتھ پھیرا دوبارہ دوسری تہائی دُھلی سہ بارہ تیسری، تو یہ ایک ہی بار دھونا ہُوا ہر بار پورے ہاتھ پر کہنی سمیت پانی ذرہ ذرہ پر بہتا تو تین بار ہوتا۔ اس طرح دھونے کی عادت سے گنہگار ہوگا اور اگر سَو بار پانی ڈالا اور ایک ہی جگہ بہا کچھ حصے پر کسی دفعہ نہ بہا اگرچہ بھیگا ہاتھ پھرا تو وضو ہی نہ ہوگا۔	۳	۱۷۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۹	**مسئلہ:** اگر پانی کم ہو یا سردی سخت ہو یا اور کسی ضرورت کے لئے پانی درکار ہے۔اس وجہ سے اعضاء ایک ایک بار دھوئے تو مضائقہ نہیں۔	۴	۱۷۷
۴۰	**مسئلہ:** بعض نے فرمایا کہ وضو پر وضو اسی وقت مستحب ہے کہ پہلے وضو سے کوئی نماز یا سجدہ تلاوت وغیرہ کوئی فعل جس کے لئے باوضو ہونے کا حکم ہے ادا کرچکا ہو بغیر اس کے تجدید وضو مکروہ ہے بعض نے فرمایا ایک بار تجدید تو بغیر اس کے بھی مستحب ہے ہاں ایک سے زیادہ بے اس کے مکروہ ہے اور مصنف کی تحقیق کہ ہمارے ائمہ کا کلام اور نیز احادیث خیر الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام مطلقًا تجدید وضو کو مستحب فرماتی ہیں،اور ان قیدوں کا کوئی ثبوت ظاہر نہیں۔	۱	۱۸۵
۴۱	**مسئلہ:** ہر وقت باوضو رہنا مستحب ہے اور اس کے فضائل۔	۴	۱۸۵
۴۲	**مسئلہ:** وضوئے مستحب بے نیت ادا نہ ہوگا۔	۵	۱۸۷
۴۳	**مسئلہ:** بعض نے فرمایا ایک جلسہ میں دوبار وضو مکروہ ہے۔ بعض نے فرمایا دوبار تک مستحب اس سے زائد مکروہ ہے اور مصنف کی تحقیق کہ احادیث وکلمات ائمہ مطلق ہیں اور ان تحدیدوں کا ثبوت ظاہر نہیں۔	۳	۱۸۹
۴۴	**مسئلہ:** وضو میں جلدی نہ چاہئے بلکہ درنگ واحتیاط کے ساتھ کرے عوام میں جو مشہور ہے کہ وضو جوانوں کا، نماز بوڑھوں کی سی۔یہ وضو کے بارے میں غلط ہے۔	۵	۲۰۸
۴۵	**مسئلہ:** مستحب ہے کہ اعضاء دھونے سے پہلے بھیگا ہاتھ پھیر لے خصوصًا جاڑے میں۔	۱	۲۰۹
۴۶	**مسئلہ:** ہر عضو دھو کر اس پر ہاتھ پھیر دینا چاہئے کہ پانی کی بُوندیں ٹپکنا موقوف ہوجائیں تاکہ بدن یا کپڑے پر نہ ٹپکیں۔	۳	۲۰۹
۴۷	**مسئلہ:** سنّت یہ ہے کہ پانی ہاتھ پاؤں کے ناخن کی طرف سے کُہنیوں اور گِٹّوں کے اوپر تک ڈالے اُدھر سے اِدھر کو نہ لائیں۔	۴	۲۱۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۸	**مسئلہ**: سنّت ہے کہ وضو کے بعد رومالی پر چھینٹادے لے۔	۲	۲۱۲
۴۹	**مسئلہ**: دستہ دار لوٹا ہو تو مستحب یہ ہے کہ پانی ڈالتے وقت اس کا دستہ تھامے اس کے مُنہ پر ہاتھ نہ رکھے۔	۲	۲۱۴
۵۰	**مسئلہ**: مستحب ہے کہ وضو سے پہلے لوٹے کا دستہ تین بار دھولے۔	۳	۲۱۴
۵۱	**مسئلہ**: مستحب ہے کہ وضو مٹّی کے برتن سے کرے۔	۴	۲۱۴
۵۲	**مسئلہ**: مُنہ دھونے میں نہ گالوں پر ڈالے نہ ناک پر نہ زور سے پیشانی پر، یہ سب افعال جُہّال کے ہیں بلکہ باآہستگی بالائے پیشانی سے ڈالے کہ ٹھوڑی سے نیچے تک بہتا آئے۔	۱	۲۱۹
۵۳	**مسئلہ ضروریہ**: خود پانی کا تمام عضو پر بہنا ضرور ہے اگر ہاتھ یا پاؤں کے نیچے پر پانی ڈالا کُہنیوں گٹّوں تک نہ پہنچا تھا کہ بیچ میں ہاتھ لگا کر آخر عضو تک پھیر دیا تو وضو نہ ہوگا کہ یہ بہانا نہ ہُوا بلکہ چُپڑنا ہوا۔	۲	۲۱۹
۵۴	**مسئلہ**: کھانے سے پہلے کلائیوں تک ہاتھ تین بار دھونا، تین کُلیاں کرنا سنت ہے اگرچہ وضو ہو۔		
۵۵	**مسئلہ**: وضو میں منہ سے گرتا ہوا پانی مثلاً کلائی پر لیا اور بہالیا اس سے وضو نہ ہوگا اور غسل میں مثلاً سر کا پانی پاؤں تک جہاں جہاں گزرے گا پاک کرتا جائیگا وہاں نئے پانی کی ضرورت نہیں۔	۲	۲۳۹
۵۶	**مسئلہ**: آدمی وضو کرنے بیٹھا پھر کسی مانع کے سبب تمام نہ کرسکا تو جتنے افعال کیے اُن پر ثواب پائیگا اگرچہ وضو نہ ہوا۔	۴	۲۴۸
۵۷	**مسئلہ**: جس نے خود ہی قصد کیا کہ آدھا وضو کرے گا وہ ان افعال پر ثواب نہ پائیگا۔	۵	۲۴۸
۵۸	**مسئلہ**: یونہی جو وضو کرنے بیٹھا اور بلاعذر ناقص چھوڑ دیا وہ بھی جتنے افعال بجالایا اُن پر مستحقِ ثواب نہ ہونا چاہیئے۔	۶	۲۴۸
۵۹	**مسئلہ**: سارے سر کا مسح سنّت ہے اور اس کا جو یہ طریقہ بعض نے رکھا ہے کہ ہر ہاتھ کی تین ۳ انگلیاں سر کے اگلے حصّے پر رکھے انگوٹھا اور کلمہ کی انگلی اور ہتھیلی نہ لگائے اُن چھ ۶ انگلیوں کو آگے سے گُدّی تک وسطِ سر پر لے جائے اور ہتھیلیوں سے سر کی کروٹوں پر مسح کرے اور کانوں کے پچھلے حصے کو انگوٹھوں اور اگلے کو انگشتانِ شہادت کے پیٹ اور گردن کے پچھلے حصہ کو انگلیوں کی پشت سے مسح کرے۔ اس طریقہ کی کچھ حاجت نہیں اس میں تکلفات ہیں اور وہ بھی بلاوجہ بلکہ سارے ہاتھ سر کے آگے سے گُدّی تک کھینچ لے جائے یوں کہ سَر کے اگلے حصے میں وسطِ سر پر دونوں طرف انگلیاں رکھے اور سر کی کروٹوں پر ہتھیلیاں۔ اس میں سر کا استیعاب ہو جائیگا۔	۴	۲۵۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۰	**مسئلہ:** ایک انگلی سر پر رکھ کر کھینچ دی جائے کہ چہارم سر کی قدر تک پہنچ گئی مسح نہ ہوگا۔	۵	۲۵۸
۶۱	**مسئلہ:** یوں ہی دو۲ انگلیوں سے بھی مسح نہ ہوگا۔ ہاں تین انگلیاں رکھ کر اتنی کھینچے کہ چہارم سر کی مقدار ہوجائے تو مسح ہوجائیگا۔	۱	۲۵۹
۶۲	**۶۲ مسئلہ:** تین انگلیوں کے پُورے سر کو لگائے اور اس قدر کھینچے کہ چہارم سر کی مقدار ہوگئی تو مسح نہ ہوگا یعنی جبکہ تری چہارم سر تک پہنچنے سے پہلے فنا ہوگئی ہو۔	۲	۲۵۹
۶۳	**مسئلہ:** انگلیوں کے پورے سر پر رکھ کر کھینچے یہاں تک کہ چہارم سر کی مقدار تک پہنچ گئے۔ اگر اخیر تک پوروں سے پانی ٹپکتا رہا تو بالاتفاق مسح ہوگیا اور بیچ میں تقاطر فنا ہوگیا جب بھی صحیح یہ ہے کہ مسح ہوجائیگا یعنی جبکہ تری اخیر تک رہی ہو اگرچہ بوندیں ٹپکنا موقوف ہوگیا ہو۔	۳	۲۵۹
۶۴	**مسئلہ:** اگر سر پر مینہ کی بُوندیں اتنی گریں کہ چہارم سر بھیگ گیا مسح ہوگیا اگرچہ اس شخص نے ہاتھ لگایا نہ قصد کیا۔	۶	۲۵۹
۶۵	**مسئلہ:** مسح کے لئے ہاتھ کی ضرورت نہیں اگر لکڑی بھگو کر سر پر پھیر دی کہ چہارم سر تر ہوگیا مسح ہوگیا۔	۱	۲۶۰
۶۶	**مسئلہ:** اگر ایک انگلی بھگو کر سر پر رکھے اور دوبارہ بھگو کر سر کی دوسری جگہ اور اس طرح مکرر کیا یہاں تک کہ چہارم سر کو تری پہنچ گئی مسح ہوگیا۔	۵	۲۶۰
۶۷	**مسئلہ:** اوس میں سر برہنہ بیٹھا اور اس سے چہارم سر کے قدر بھیگ گیا مسح ہوگیا۔	۳	۴۱۰
۶۸	**مسئلہ:** اتنے گرم یا اتنے سرد پانی سے وضو مکروہ ہے جو بدن پر اچھی طرح نہ ڈالا جائے، تکمیل سنّت نہ کرنے دے، اور اگر کوئی فرض پورا کرنے سے مانع ہوا تو وضو ہی نہ ہوگا۔	۱	۴۱۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۹	**مسئلہ:** عورت نے جس پانی سے وضو وغیرہ کوئی طہارت کی اس سے بچے ہوئے پانی سے طہارت مکروہ ہے۔	۵	۴۱۲
۷۰	**مسئلہ:** وضو میں مستحب ہے کہ اگر آفتابہ دستہ دار ہو دستہ تین پانیوں سے دھولے اور اعضا دھوتے وقت دستہ پر ہاتھ رکھے آفتابہ کے سر پر نہیں۔	۳	۴۵۵
۷۱	**مسئلہ:** اگر سر پر تیل وغیرہ کوئی رقیق بے جرم دوالگی ہے تو اُسی پر مسح جائز ہے۔ اور اگر جرم دار ہے تو اس سے بچا کر چہارم سر کا مسح کرے اس پر مسح جائز نہ ہوگا۔	۱	۴۶۳
۷۲	**مسئلہ:** گدھے کے جھُوٹے پانی کے سوا اور پانی نہ ملے تو اُس سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی ضرور کرے ورنہ نماز نہ ہوگی۔	۴	۴۶۴
۷۳	**مسئلہ:** وضو کرنے بیٹھا چُلّو میں پانی لیا اُس کے بعد حدث واقع ہوا، یہ چلو ہاتھ دھونے میں صرف کرسکتا ہے۔	۲	۶۰۶
۷۴	**مسئلہ:** وضو میں منہ دھولیا پھر لپ میں پانی کلائیاں دھونے کو لیا کہ حدث واقع ہوگیا منہ کی طہارت جاتی رہی مگر اس پانی کو کلائیاں دھونے میں استعمال کرسکتا ہے۔	۵	۶۰۶
۷۵	مسئلہ: ہاتھ دھولیے پھر پانی منہ دھونے کو لپ میں لیا کہ حدث ہوگیا یہ پانی منہ دھونے میں صرف ہوسکنا نہ چاہیے۔	۷	۶۰۶
۷۶	**مسئلہ:** غَسل یعنی دھونا اور مسح یعنی بھیگا ہاتھ پھیرنا جمع ہوسکتے ہیں کہ جس عضو کا دھونا مضر ہو مسح کرے اوروں کو دھوئے بلکہ ایک ہی عضو میں جتنے ٹکڑے کو پانی ضرر دیتا ہو اُتنے پر مسح کرے باقی کو دھوئے۔	۴	۶۴۷
۷۷	**مسئلہ:** پاؤں دھونا اور مسحِ موزہ جمع نہیں ہوسکتے یہ جائز نہیں کہ ایک پاؤں دھوئے اور ایک میں موزہ پر مسح کرے۔	۵	۶۴۷
۷۸	**مسئلہ:** دھونا اور پٹی کا مسح جمع ہوسکتے ہیں مثلاً ایک ہاتھ یا پاؤں پر پٹّی بندھی ہے اس کا مسح کریں اور دُوسرا دھوئیں یا ایک ہی عضو میں جہاں تک پٹی ہے اس پر مسح باقی کا غَسل۔	۶	۶۴۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۹	**مسئلہ:** سردی وغیرہ سے اعضا پھٹ گئے دھوئے دھوسکے ٹھنڈا پانی نقصان کرے تو گرم پانی اگر کرسکتا ہو کرنا واجب، اگر گرم سے بھی نقصان ہو تو مسح کرے اگر مسح بھی نقصان دے تو اس پر جو پٹّی بندھی یا دوا کا ضماد ہے اُس پر پانی بہائے، یہ بھی ضرر دے تو اس پٹّی یا ضماد پُورے پر مسح کرے اس سے نقصان ہو تو چھوڑدے، معاف ہے۔	۴	۶۴۸
۸۰	**مسئلہ:** ناخن ٹوٹ گیا اس پر دوا مرہم گوند چتّے کا پوست بندھا ہے اگر خود ناخن کا دھونا یا مسح کرنا مضر ہو، وہ تو مضر نہیں مگر دوا کا چھڑانا مضر ہے تو دوا پر پانی بہائے اس سے ضرر ہو تو دوا پر مسح کرے، اس سے نقصان ہے تو معاف۔	۶	۶۴۸
۸۱	**مسئلہ:** پانی بیکار صرف کرنا پھینک دینا حرام ہے۔	۱	۶۴۹
۸۲	**مسئلہ:** کافر وضو کرکے یا نہاکر اسلام لایا اور اس وضو یا غسل کے بعد حدث نہ ہوا اُسی وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے۔	۳	۶۶۲
۸۳	**مسئلہ:** سر اور موزوں کے مسح میں بھی ایک بار مسح کرے تو اکثر کف سے ہونا شرط ہے مگر اگر ایک انگلی بار بار تر کرکے سر یا موزوں کے مختلف مواضع پر لگائی کہ اکثر کی مقدار کو پہنچ گئی مسح ہوگیا۔	۲	۷۲۲
۸۴	**مسئلہ:** وضو میں مسح سر کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنی ساری ہتھیلیاں انگلیوں کے سرے تک تر کرے (لوگ جو فقط انگلیاں بھگو لیتے ہیں، نہ چاہیے) پھر دونوں انگوٹھے اور کلمے کی انگلیاں اور ہتھیلیاں جُدا رکھ کر باقی تین تین انگلیاں پُوری (نہ فقط پورے جس طرح جاہل کرتے ہیں) پیشانی پر رکھ کر آخر سر تک (ہاتھ جماکر) پھیرے (نہ جس طرح جاہل چھچھلتے ہوئے ہاتھ لے جاتے ہیں کہ کہیں لگے کہیں نہیں) پھر سر کی دونوں کروٹیں دونوں ہتھیلیوں سے مسح کرے اور کانوں کا پچھلا حصّہ دونوں انگوٹھوں کے پیٹ سے مسح کرے اور اگلا حصہ کلمے کی انگلیوں کے پیٹ سے اور ہتھیلیوں کی پشت گردن پر پھیرے۔	۵	۷۲۹
۸۵	**مسئلہ:** اگر سر کے مسح میں انگلیوں کی تری ختم ہوگئی کانوں کے مسح کو نئی تری لینی ہوگی۔	۱	۷۳۰
۸۶	**مسئلہ:** مسح سر میں ادائے سنّت کو یہ بھی کافی ہے کہ انگلیاں سر کے اگلے حصّے پر رکھے اور ہتھیلیاں سر کی کروٹوں پر اور ہاتھ جماکر گُدّی تک کھینچتا لے جائے۔	۲	۷۳۰
۸۷	**مسئلہ:** وضو کیا لوٹے میں پانی بچ رہا وہ دوسرے وضو میں کام آسکتا ہے، لوگ جو اسے پھینک دیتے ہیں یہ حرام ہے۔		

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۸۸	**مسئلہ:** مسح کہ وضو میں ہے، اُس سے مراد تری پہنچنا ہے کسی طرح ہو۔ اگر سر دھولیا یا غوطہ لگایا یا مینہ سر پر پڑا مسح ادا ہوگیا۔	۴	۸۱۶
۸۹	**مسئلہ:** وضو میں مسح کی جگہ سر دھونا مکروہ خلافِ سنّت ہے اگرچہ فرضِ مسح ادا ہو جائیگا۔	5	۸۱۶
	فصل فی النواقض		
۱	**مسئلہ:** وضو کرتے وقت ناقضِ وضو واقع ہو تو نئے سرے سے وضو کرے۔	۱	۳۱
۲	**مسئلہ:** پانی چلّو میں لیا اور ابھی استعمال نہ کیا تھا کہ حدث واقع ہوا بعض کے نزدیک اس پانی کو وضو میں استعمال کرسکتا ہے اور مصنّف کی تحقیق کہ یہ خلاف صحیح ہے وہ چلّو وضو میں کام نہیں دے سکتا۔	۲	۳۲
۳	**مسئلہ:** زکام کتنا ہی ہے وضو نہیں جاتا۔	۱	۳۴
۴	**مسئلہ:** بلغم کی قے کتنی ہی کثیر ہو وضو نہیں جائیگا۔	۲	۳۴
۵	**مسئلہ:** آنکھیں دُکھنے یا ڈھلکے میں جو آنسو بہے یا آنکھ، کان، چھاتی، ناف وغیرہ سے دانے ناسور خواہ کسی مرض کے سبب پانی بہے وضو جاتا رہے گا۔	۴	۳۴
۶	**مسئلہ:** یہ کلیہ ہے کہ جو رطوبت بدن سے بہے اگر نجس نہیں تو ناقضِ وضو بھی نہیں۔	۷	۳۵
۷	**مسئلہ:** شراب کی قے بھی اگر منہ بھر کر نہ ہو ناقضِ وضو نہیں۔	۳	۳۶
۸	**مسئلہ:** تحقیق یہ ہے کہ درد اور مرض سے جو کچھ بہے اُس وقت ناقض ہے کہ اُس میں آمیزش خون وغیرہ نجاسات کا احتمال ہو۔	۲	۳۷
۹	**مسئلہ:** ناف سے زرد پانی بہ کر نکلے وضو جاتا رہے۔	۳	۳۷
۱۰	**مسئلہ:** دانے کا پانی اگرچہ صاف سُتھرا ہو صحیح یہ کہ وہ بھی ناپاک اور ناقضِ وضو ہے۔	۴	۳۷
۱۱	**مسئلہ:** اندھے کی آنکھ سے جو پانی بہے ناپاک و ناقضِ وضو ہے۔	5	۳۷
۱۲	**مسئلہ:** تحقیق یہ ہے کہ درد یا علّت سے جو رطوبت بہے اس میں صرف احتمال خُون وریم ہوناہی وجوب وضو کو کافی ہے اگرچہ فتح وحلیہ میں استحباب مانا۔	۱	۳۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۳	مسئلہ: دانے سے جو صاف ستھرا پانی نکلے متعدد روایات میں پاک ہے اور اس سے وضو نہیں جاتا۔ کھجلی والوں کو اس میں بہت وسعت ہے بحالِ ضرورت اس پر عمل کرسکتے ہیں اگرچہ قولِ صحیح اس کے خلاف ہے۔	۲	۳۹
۱۴	مسئلہ: بدن سے نارو کا ڈورا نکلنے سے وضو نہ جائے گا۔	۳	۳۹
۱۵	مسئلہ: نارو سے رطوبت بہے تو وضو جاتا رہے گا اگرچہ صاف سفید پانی ہو۔	۴	۳۹
۱۶	مسئلہ: بحران کے پسینہ سے وضو نہیں جاتا۔	۵	۳۹
۱۷	مسئلہ: جسے ناک سے خُون جاتا ہو اُسی حالت میں اُسے زکام ہو اور ریزش سرخی لیے نکلے اگرچہ اُس وقت خون بہنا معلوم نہیں ہوا اُس کی یہ ریزش بھی ناقضِ وضو ہے۔	۱	۴۰
۱۸	مسئلہ: مصنف کی تحقیق کہ جو چیز عادتًا بدن سے بہا کرتی ہو اور اُس سے وضو نہ جاتا ہو، جیسے آنسو، پسینہ، دودھ، بلغم، ناک کی ریزش وہ اگرچہ کتنی ہی کثرت سے نکلے ناقضِ وضو نہیں اگرچہ اس کی یہ کثرت بجائے خود ایک مرض گنی جاتی ہو۔	۳	۴۰
۱۹	مسئلہ: خون چھنکا انگلی سے چھُوا اور اس پر داغ آگیا یا خلال یا مسواک یا دانت مانجھتے وقت انگلی میں لگ آیا یا کوئی چیز دانت سے کاٹی اور اس پر خون کا اثر پایا یا ناک انگلی سے صاف کی اس پر سُرخی آگئی وہ خون آپ جگہ سے ہٹنے کے قابل نہ تھا وضو نہ جائیگا اور وہ خون بھی پاک ہے۔	۱	۴۱
۲۰	مسئلہ: خُون یا ریم آبلے کے اندر سے بہ کر آبلے کے مُنہ تک آکر رہ جائے تو وضو نہ جائے گا۔	۲	۴۱
۲۱	مسئلہ: خارش وغیرہ کے دانوں پر خالی چپک ہے کپڑا اس سے بار بار لگ کر بہت جگہ میں بھر گیا ناپاک نہ ہوا نہ وضو گیا۔	۳	۴۱
۲۲	مسئلہ: یہی حکم چھنکے ہوئے خون کا ہے کہ نہ اُس سے کپڑا نجس ہو نہ وضو ساقط۔	۴	۴۱
۲۳	مسئلہ: خون یا ریم بہنے کے قابل ہو مگر کپڑے میں لگ کر بہنے نہ پائے وضو جاتا رہے گا اور دِرم بھر سے زائد ہو تو کپڑا بھی نجس ہو جائے گا۔	۵	۴۱
۲۴	مسئلہ: سُوئی چُبھ کر خواہ کسی طرح خون کی بُوند اُبھری اور بولا سا ہو کر رہ گئی ڈھلکی نہیں، تو فتوٰی اس پر ہے کہ وہ پاک ہے وضو نہ جائے گا۔	۶	۴۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۵	**مسئلہ:** خُون یا ریم اُبھرا اور ڈھلکنے کے قابل نہ تھا اُسے کپڑوں سے پونچھ لیا دیر دیر کے بعد بار بار ایسا ہی ہوا وضو نہ جائے گا اور کپڑا پاک رہا۔ ہاں اگر ایک ہی جلسے میں بار بار اُبھرا اور پُونچھ لیا اور چھوڑ دیتے تو تب مل کر ڈھلک جاتا تو وضو نہ رہا اور وہ ناپاک ہے۔	۷	۴۱
۲۶	**مسئلہ:** خون اُبھرا اور اس پر مٹی ڈال دی پھر ابھرا پھر ڈالی وضو نہ رہا جبکہ ایک جلسے میں اتنا اُبھرا کہ مل کر بہ جاتا۔	۱	۴۲
۲۷	**مسئلہ:** ایک جلسے میں متفرق طور پر جتنا خُون اُبھرا یہ جمع ہو کر بہ جاتا ہے یا نہیں اس کا مدار اندازے پر ہے۔	۲	۴۲
۲۸	**مسئلہ:** ناپاک سُرمہ لگایا اور کوئی نجاست آنکھ کے ڈھیلے کو پہنچی اس کا دھونا معاف ہے۔	۳	۴۲
۲۹	**مسئلہ:** خون یا پیپ آنکھ میں بہا مگر آنکھ سے باہر نہ گیا تو وضو نہ جائے گا اُسے کپڑے سے پُونچھ کر پانی میں ڈال دیں تو ناپاک نہ ہوگا۔	۴	۴۲
۳۰	**مسئلہ:** ناک سے سخت بانسے میں خون بہا اور نرم حصّے میں نہ آیا تو مشہور تر یہ ہے کہ وضو نہ جائیگا۔	۵	۴۲
۳۱	**مسئلہ:** زخم پر پٹّی بندھی ہے اُس میں خُون وغیرہ لگ گیا اگر اس قابل تھا کہ بندش نہ ہوتی تو بہ جاتا تو وضو گیا ورنہ نہیں، نہ پٹّی ناپاک۔	۶	۴۲
۳۲	**مسئلہ:** قطرہ اُتر آیا یا خُون وغیرہ ذَکر کے اندر بہا جب تک اُس کے سوراخ سے باہر نہ آئے وضو نہ جائیگا، اور پیشاب کا صرف سوراخ کے منہ پر چمکنا کافی ہے۔	۱	۴۳
۳۳	**مسئلہ:** فقط اتنی بات کہ مثلاً ناک یا دانت سے انگلی پر خون لگ آیا دوبارہ دیکھا پھر اثر پایا وضو جانے کو کافی نہیں جب تک اس میں خود بہنے کی قوّت مظنون نہ ہو۔	۲	۴۳
۳۴	**مسئلہ:** قے اگر منہ بھر کر ہو ناقضِ وضو ہے پھر اگر چند بار میں تھوڑی تھوڑی آئے کہ سب ملانے سے مُنہ بھر کر ہو جائے تو اگر ایک ہی متلی سے آئی ہے وضو جاتا رہے گا اگرچہ مختلف جلسوں میں آئی ہو اور اگر متلی تھم گئی تھی اور پھر دوسری متلی سے اور آئی تو ملائی نہ جائیگی اگرچہ ایک ہی مجلس میں آئی ہو۔	۳	۴۶
۳۵	**مسئلہ:** فرج داخل میں خونِ حیض وغیرہ کوئی نجاست اتر آئے جب تک اس کے منہ سے تجاوز کرکے فرج خارج میں نہ آئے گی غُسل یا وضو کُچھ واجب نہ ہوگا۔	۲	۵۴
۳۶	**مسئلہ:** نجاست اگر مخرج کی اندرونی سطح تک آجائے وضو نہ جائے گا جب تک کنارے پر ظاہر نہ ہو۔	۳	۵۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۷	**مسئلہ:** جونک یا بڑی کلّی بدن کو لپٹی اگر اتنا خُون چُوس لیا کہ خود نکلتا تو بہہ جاتا تو وضو جاتا رہے گا اور تھوڑا چُوسا چھوٹی کلّی تھی تو وضو نہ جائے گا۔ یونہی کھٹمل یا مچھّر کے کاٹنے سے وضو نہیں جاتا۔	۱	۵۶
۳۸	**مسئلہ:** ورم زیادہ جگہ میں پھیلا ہوا ہے اور اُسے مسح بھی نقصان کرتا ہے اور وہ اوپر سے پھوٹا اور خون یا پیپ ورم پر بہا صحیح بدن کی طرف بڑھا تو بعض کتب میں فرمایا وضو نہ گیا۔ اور مصنّف کی تحقیق یہ ہے کہ جاتا رہے گا، اور اگر اس ورم کو غسل یا مسح کر سکتے ہو تو بالاتفاق ناقض وضو ہوگا۔	۳	۵۷
۳۹	**مسئلہ:** زخم اگرچہ جسم کے اندر دُور تک پھیلا ہوا اور صرف منہ ظاہر ہے تو اس کے گہراؤ میں خون وغیرہ بہتے رہیں کچھ حرج نہیں جب منہ پر آکر ڈھلکے گا وضو جاتا رہے گا اگرچہ زخم کی سطح سے آگے نہ بڑھے۔	۵	۶۱
۴۰	**مسئلہ:** زخم اگر ظاہر جسم ہی پر دُور تک پھیلا ہوا ہے مگر ایک خط یا ڈورے کی طرح دراز و باریک ہے کہ اُس کی اندرونی سطح باہر سے نظر نہیں آتی تو ظاہر یہ ہے کہ اس کا حکم بھی اُسی محض اندرونی زخم کی طرح ہوگا کہ خون اندر دورہ کرے تو مضائقہ نہیں اور اُس کے کناروں تک آجائے تو مضائقہ نہیں جب تک ڈھلکے نہیں اور اگر اس کے بالائی کنارے تک اُبل کر بدن کی جلد پر ڈھلکا تو وضو نہ رہے گا اگرچہ زخم کی حد سے آگے نہ بڑھے۔	۱	۶۲
۴۱	**مسئلہ:** کھُلا ہوا چوڑا گھاؤ جس کی اندرونی سطح باہر سے دکھائی دے۔ ظاہر یہ ہے کہ جب تک اچھا نہ ہو باطن بدن کے حکم میں ہے اگر اس کے اندر خُون وغیرہ اُبلے کہ اُس کے کناروں تک آجائے یا صرف اس کے بالائی حصّے پر اُبل کر اُس کے اندر اندر بہے باہر نہ نکلے تو وضو نہ جائیگا نہ وہ خون ناپاک ہو کہ ہنوز اپنے مقام ہی میں دَورہ کر رہا ہے۔	۲	۶۲
۴۲	**مسئلہ:** صاحبِ ہدایہ نے ایک کتاب میں فرمایا کہ خُون جو تھوڑا تھوڑا نکلے کہ کسی دفعہ کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہ ہوا گرچہ جمع کرنے سے کتنا ہی ہو جائے اصلاً ناقضِ وضو نہیں اگرچہ ایک ہی مجلس میں نکلے یہ قول خلافِ مشہور و مخالف جمہور ہے۔ بے ضرورت اس پر عمل جائز نہیں ہاں جو ایسے زخم یا آبلوں میں مبتلا ہو جس سے اکثر وقت خُون یا ریم قلیل نکلتا رہتا ہے کہ ایک بار کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہیں ہوتا مگر جلسہ واحدہ کا جمع کئے سے ہو جاتا ہے اور بار بار وضو اور کپڑوں کی تطہیر موجب ضیق کثیر ہے کہ معذوری کی حد تک نہ پہنچا اس کے لئے اس پر عمل میں بہت آسانی ہے۔	۳	۶۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۳	مسئلہ: گھٹنے یا اور ستر کھلنے یا اپنا یا پرایا ستر دیکھنے سے وضو نہیں جاتا۔	۱	۶۶
۴۴	مسئلہ: دوڑنے یا کُودنے سے وضو نہیں جاتا۔	۳	۶۷
۴۵	مسئلہ: کتنی ہی بلندی پر سے گر پڑے وضو نہ جائیگا مگر یہ کہ خون وغیرہ کچھ خارج ہو یا بے ہوش ہو جائے۔	۴	۶۷
۴۶	مسئلہ: جب تک ہوش باقی ہیں طبیعت کسی قدر کسی کام میں مشغول ہو وضو نہ جائیگا جیسے کتاب کا مطالعہ یا دِ الٰہی کا مراقبہ۔	۵	۶۷
۴۷	مسئلہ: بوجھ اٹھانے یا گر پڑنے یا کسی وجہ سے منی بے شہوت اپنے محل سے جُدا ہو کر نکل گئی وضو واجب ہوگا غسل نہیں۔	۷	۶۷
۴۸	مسئلہ: پھُڑیا بالکل اچھی ہو گئی اور اس کا مردہ پوست باقی ہے جس میں اوپر منہ اور اندر خلا ہے، نہانے میں اس میں پانی بھر گیا پھر دبا کر نکال دیا وضو نہ جائے گا نہ وہ پانی ناپاک ہوا۔	۸	۶۷
۴۹	مسئلہ: پھُڑیا میں اگر ابھی خون وغیرہ رطوبت باقی ہے نہانے کا پانی اس میں بھرا اور بہہ کر نکلا وضو جاتا رہے گا کہ وہ پانی نجس ہوگیا۔	۲	۶۸
۵۰	مسئلہ: پانی پیا اور معدے میں اتر گیا اور معاً قے ہو کر ویسا ہی صاف نتھرا پانی نکل گیا وضو جاتا رہا جبکہ منہ بھر کر ہو اور وہ پانی بھی ناپاک ہے۔	۳	۶۸
۵۱	مسئلہ: اگر معاذاللہ کیڑے قے ہوئے یا سانپ، وضو نہ جائے گا اگرچہ منہ بھر کر ہو۔	۶	۶۸
۵۲	مسئلہ: کُرسی مُونڈھے پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا سو گیا وضو نہ گیا مگر یورپین ساخت کی کرسی جس کی وسط نشست گاہ میں ایک بڑا سوراخ رکھتے ہیں اس پر سونے سے جاتا رہے گا۔	۳	۷۱
۵۳	مسئلہ: گھوڑے پر زین ہے اس کی سواری میں سو گیا وضو نہ جائے گا اگرچہ ڈھال میں اترتا ہو۔	۴	۷۱
۵۴	مسئلہ: ننگی پیٹھ پر سوار ہے اور سو گیا تو اگر راستہ ہموار یا چڑھائی ہے وضو نہ جائے گا اُتار ہے تو جاتا رہے گا۔	۵	۷۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۵	مسئلہ: اگر دیوار وغیرہ سے تکیہ لگایا ہے اور اتنا غافل سوگیا وہ شَے ہٹالی جائے تو گرپڑے گا فتوی اس پر ہے کہ یوں بھی وضو نہ جائے گا جب کہ دونوں سرین خوب جمی ہوں۔	٦	۷۱
۵٦	مسئلہ: قیام، تعود، رکوع، سجود نماز کی کیسی ہی حالت پر سوجائے اگرچہ غیر نماز میں اس ہیات پر ہو وضو نہ جائیگا مگر قعود میں وہی شرط جو کہ دونوں سرین جمے ہوں اور سجود کی شکل وہ ہو جو مردوں کے لئے سنّت ہے کہ بازو پہلو سے جدا ہوں اور پیٹ رانوں سے الگ۔	۷	۷۱
۵۷	مسئلہ: ظاہرًا کاٹھی کا حکم بھی ننگی پیٹھ کی طرح ہے اور یورپین ساخت کی کاٹھی جس کے بیچ میں سوراخ ہوتا ہے اس پر سونے سے مطلقًا وضو جاتا رہے گا۔	۹	۷۱
۵۸	مسئلہ: خاص نماز کے سجدے میں بھی اگر اس وضع پر سویا کہ کلائیاں زمین پر بچھی ہیں پیٹ رانوں سے لگا ہے پنڈلیاں زمین سے ملی ہیں جیسے عورتوں کا سجدہ ہوتا ہے تو وضو جاتا رہے گا اسے یوں بھی تعبیر کرسکتے ہیں کہ عورت سجدے میں سوئے تو وضو ساقط اور مرد سوئے تو باقی۔	۱۰	۷۱
۵۹	مسئلہ: گرم تنور کے کنارے اس پر پاؤں لٹکائے بیٹھ کر سوگیا تو مناسب ہے کہ وضو کرے۔	۱	۷۲
٦۰	مسئلہ: بیمار لیٹ کر نماز پڑھتا تھا نیند آگئی وضو نہ رہا۔	۳	۷۲
٦۱	مسئلہ: نماز میں سونے کا کلیہ یہ ہے کہ اگر ان دس صورتوں پر سویا جن میں وضو نہیں جاتا تو نہ وضو جائے نہ نماز فاسد ہو، ہاں اگر رکن بالکل سوتے میں ادا کیا اس کا اعتبار نہ ہوگا اس کا اعادہ ضرور ہے اور جو جاگتے میں شروع کیا اور اس رکن میں نیند آگئی اس کا جاگتے کا حصہ معتبر رہے گا اگر وہ بقدر ادائے رکن تھا کافی ہے ان احکام میں قصدًا سونا اور بلا قصد سوجانا برابر ہے۔ اور اگر ان دس صورتوں پر سویا جن میں وضو جاتا رہتا ہے تو وضو تو گیا ہی پھر اگر قصدًا سویا تو نماز بھی فاسد ہوگی ورنہ وضو کرے جہاں سویا وہاں سے باقی نماز ادا کرسکتا ہے۔	۴	۷۲
٦۲	مسئلہ: اُونگھنے سے وضو نہیں جاتا جبکہ ہوشیاری کا حصہ غالب ہو۔	۵	۷۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۳	مسئلہ: بیٹھے بیٹھے نیند کے جھونکے لینے سے وضو نہیں جاتا اگرچہ کبھی ایک سرین اُٹھ جاتا ہو۔	۶	۷۲
۶۴	مسئلہ: جھُوم کر گر پڑا اگر معًا آنکھ کھُل گئی وضو نہ گیا۔	۷	۷۲
۶۵	مسئلہ: ان دسوں صورتوں میں جن سے وضو جاتا ہے یہی قید ہے کہ انہیں صورتوں پر سونا پایا جائے ورنہ اگر سویا اس صورت پر کہ وضو نہ جاتا اور نیند میں اس شکل پر آگیا جس میں جاتا ہے مگر معًا شکل پیدا ہوتے ہی بلا وقفہ جاگ اٹھا وضو نہ جائے گا۔	۸	۷۲
۶۶	مسئلہ: نیند خود ناقضِ وضو نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ سوتے میں خروج ریح کا ظن غالب ہے۔	۳	۹۰
۶۷	مسئلہ: جنون سے وضو جاتا رہتا ہے۔	۲	۹۲
۶۸	مسئلہ: نماز جنازہ کے سوا اور نماز میں بالغ آدمی جاگتے ہیں ایسا ہنسے کہ اوروں تک ہنسی کی آواز پہنچی تو وضو بھی جاتا رہے گا۔	۳	۹۲
۶۹	مسئلہ: بوہرا ہو جانا یعنی دماغ میں معاذاللہ خلل پیدا ہونے سے فاسد ہو جائے آدمی کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے کبھی پاگلوں کی سی مجنون کی طرح لوگوں کو مارتا گالیاں دیتا نہ ہو تو اس حالت کے پیدا ہونے سے وضو نہیں جاتا۔	۵	۹۲
۷۰	مسئلہ: غش وبیہوشی سے وضو جاتا ہے مگر یہ خود ناقض وضو نہیں بلکہ اُسی ظن خروج ریح وغیرہ کے سبب۔		
۷۱	مسئلہ: جسے ریح کا عارضہ حد معذوری تک ہو اس کا وضو سونے سے نہ جانا چاہئے۔	۸	۹۳
۷۲	مسئلہ: سوتے میں دونوں سرین زمین پر جمے ہوں تو وضو نہیں جاتا مگر اعادہ وضو مستحب جب بھی ہے۔	۲	۱۹۲
۷۳	مسئلہ: بغل کھجانے سے وضو مستحب ہے جبکہ اس میں بدبو ہو۔	۳	۱۹۲
۷۴	مسئلہ: جذامی یا برص والے سے مس کرنے میں بھی جدید وضو مستحب ہے۔	۴	۱۹۲
۷۵	مسئلہ: صلیب جسے نصارٰی پُوجتے ہیں اور ہنود کے بُت وغیرہ کے چھُونے سے بھی نیا وضو چاہئے۔	۵	۱۹۲
۷۶	مسئلہ: جن باتوں سے اعادہ وضو مستحب ہے جب وہ وضو کرنے میں واقع ہوں تو مستحب ہے ہے کہ پھر سرے سے وضو شروع کرے۔	۱	۱۹۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۷	مسئلہ: علماء کا اختلاف ہے کہ نواقضِ وضو میں بھی نجاست حکمیہ جنابت کی طرح تمام بدن میں سرایت کرتی ہے۔شرع نے تخفیف کیلئے صرف وضو سے اس کا ازالہ مقرر فرمایا یہ نجاست فقط اعضاءِ وضو ہی میں ہوتی ہے راجح تر یہی قول دوم ہے۔(مصنّف کی اس مسئلہ میں تحقیق و تنقیح فتاوٰی رضویہ میں ملاحظہ فرمائیں)	۵	۲۵۴
۷۸	مسئلہ: راجح یہی ہے کہ حدث،اصغر صرف چار اعضاء میں ہوتا ہے نہ یہ کہ ہو تو سارے بدن میں اور تخفیف کے لئے شرع نے صرف چار عضووں کی طہارت کو کُل بدن کی تطہیر فرمادیا جیسے جنابت کا تمیم کہ حدث سارے بدن میں ہے اور صرف منہ اور ہاتھوں کے مسح سے سب بدن پاک ہوسکتا ہے وضو میں ایسا نہیں ولہذا اگر کوئی شخص وضو کی جگہ غسل کا التزام کرے عزیمت و باعثِ ثواب نہ ہوگا بلکہ بدعت و مورث مواخذہ وعتاب۔	۲	۲۵۷
۷۹	مسئلہ: نماز جنازہ میں اگرچہ قہقہہ سے ہنسے وضو نہیں جاتا۔	۴	۲۵۷
۸۰	مسئلہ: دانتوں میں سے خون نکلا اگر سُرخ ہے وضو جاتا رہا اور آبِ دہن کے خلط سے زرد ہے تو نہیں۔	۱	۵۲۲
۸۱	مسئلہ: نجاست کا اپنی قوّت سے بہہ کر نکلنا ناقضِ وضو ہے اگرچہ اس کے ساتھ اور پاک رطوبت اس سے زائد مخلوط ہو۔	۱	۵۲۳
۸۲	مسئلہ: رقیق خون کی قے کی مطلقاً وضو جاتا رہے گا سر سے آیا ہو خواہ جوف سے، قلیل ہو یا کثیر۔	۲	۵۲۳
۸۳	مسئلہ: قے میں بستہ خون جوف سے آیا اگر منہ بھر کر ہو ناقضِ وضو ہے ورنہ نہیں۔	۳	۵۲۳
۸۴	مسئلہ: بلغم کی قے سے وضو نہیں جاتا خواہ کتنا ہی کثیر ہو۔	۴	۵۲۳
۸۵	مسئلہ: آمیزش آب دہن قلیل وکثیر یعنی رنگ کی زردی سرخی کا فرق اس خون میں ہے کہ خود منہ کے کسی حصّے سے آئے وہ خون کہ سینے یا معدہ سے قے میں آئے امام زیلعی کی تحقیق میں مطلقاً ناقضِ وضو ہے اگرچہ منہ میں آکر آمیزش آب دہن سے زرد ہو جائے۔	۵	۵۲۳
۸۶	مسئلہ: ورزش کرنے سے وضو نہیں جاتا جب تک کوئی ناقضِ وضو نہ صادر ہو۔	۱	۵۸۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۸۷	مسئلہ: مصنف کی تحقیق کہ مسلمان کی موت حدث ہے نجاست نہیں وللہ الحمد۔	۱۵	۶۱۱
۸۸	مسئلہ: حدثِ اصغر وہی ہے جس سے فقط وضو واجب ہو نہانا نہ ہو۔	۵	۸۱۵
۸۹	مسئلہ: اس کی تحقیق کہ ہر موجب غسل موجب وضو ہے۔	۳	۸۱۶
	باب الغسل		
۱	مسئلہ: عورت کو غسل میں گندھی چوٹی کھولنی ضرور نہیں بالوں کی جڑیں بھیگ جانا کافی ہے، ہاں چوٹی اتنی سخت گندھی ہو کہ جڑوں تک پانی نہ پہنچے گا تو کھولنا ضرور ہے۔	۱	۱۵
۲	مسئلہ: اگر اعضاء پوچھنے سے ضرر ثابت ہو تو پونچھنا واجب تک ہوسکتا ہے۔	۴	۲۶
۳	مسئلہ: غسل کا پانی بھی نیکیوں کے پلّے میں رکھا جانا ظاہر ہے۔	۳	۲۹
۴	مسئلہ: غسل میں عورت کو مستحب ہے کہ فرج داخل کے اندر انگلی ڈال کر دھولے ہاں واجب نہیں بغیر اس کے غسل اُتر جائے گا۔	۱	۵۵
۵	مسئلہ: دانتوں کی جڑ یا کھڑکی میں سخت چیز جمی ہو تو چھڑا کر کلی کرنا لازم ورنہ غُسل نہ اُترے گا۔	۱	۹۵
۶	مسئلہ: چُونا یا مسی کی ریخیں جن کے چھڑانے میں ضرر ہو معاف ہیں۔	۲	۹۵
۷	مسئلہ: وضو و غسل میں غرغرہ سنّت ہے مگر روزہ دار کو مکروہ۔	۳	۹۵
۸	مسئلہ: منہ کے ہر ذرہ پر حلق تک پانی بہنا اور دونوں نتھنوں میں ناک کی ہڈّی شروع ہونے تک پانی چڑھنا غسل میں فرض اور وضو میں سنّتِ مؤکدہ ہے۔	۴	۹۵
۹	مسئلہ: ناک میں کوئی کثافت جمی ہو تو پہلے اس کا چھُڑا لینا غسل میں فرض اور وضو میں سنت ہے۔	۱	۹۶
۱۰	مسئلہ: وضو و غسل میں سنّت ہے کہ ناک کی جڑ تک پانی چڑھائے مگر روزہ دار اس سے بچے ہاں تمام نرم بانسے تک چڑھانا اسے بھی ضروری ہے۔	۲	۹۶
۱۱	مسئلہ: مواضع احتیاط میں پانی پہنچنے کا ظنِ غالب کافی ہے یعنی دل کو اطمینان ہو کہ ضرر پہنچ گیا مگر یہ اطمینان نہ بے پرواہوں کا کافی ہے جو دیدہ ودانستہ بے احتیاطی کررہے ہیں نہ وہمی وسوسہ زدہ کا اطمینان ضرور جسے آنکھوں دیکھ کر بھی یقین آنا مشکل بلکہ متدین محتاط کا اطمینان چاہئے۔	۱	۹۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۲	مسئلہ: ہلتا ہوا دانت چاندی کے تار سے باندھنا یا مسالے سے جمانا جائز ہے اور اس وقت غسل میں اس اتار یا مسالے کے نیچے پانی نہ بہنا معاف ہونا چاہئے۔	۳	۹۹
۱۳	مسئلہ: ناپاک سرمہ آنکھوں میں لگالیا آنکھیں اندر سے دھونے کا حکم نہیں۔	۱	۱۰۰
۱۴	مسئلہ: جب بدن کے بعض حصے پر پانی ضرر دیتا ہو بعض پر نہیں تو اکثر کا اعتبار ہے۔	۱	۱۰۱
۱۵	مسئلہ: بیماری وغیرہ سے غش آگیا یا معاذاللہ نشہ سے بیہوش ہُوا اس کے بعد جو ہوش آیا تو اپنے کپڑے یا بدن پر مذی پائی تو اس پر سواءِ وضو کے غسل نہ ہوگا اس کا حکم سوتے سے جاگ کر مذی دیکھنے کے مثل نہیں کہ وہاں غسل واجب ہوتا ہے۔	۱	۱۰۹
۱۶	مسئلہ: انزال ہوا اور نہالیا اس کے بعد پھر منی نکلی دوبارہ نہانا واجب ہوگا اگرچہ اس بار بے شہوت نکلی ہو مگر یہ کہ پیشاب کرچکا یا سولیا یا زیادہ چل لیا اس کے بعد منی بے شہوت نکلی تو غسل کا اعادہ نہیں۔	۴	۱۱۸
۱۷	مسئلہ: نماز میں احتلام ہُوا اور منی باہر نہ آئی کہ نماز تمام کرلی اس کے بعد اُتری تو غسل واجب ہوگا مگر نماز ہوگئی کہ اس وقت تک جنب نہ ہوا تھا۔	۵	۱۱۸
۱۸	مسئلہ: رات کو احتلام ہوا جاگا تو تری نہ پائی وضو کرکے نماز پڑھ لی اس کے بعد منی باہر آئی تو غسل اب واجب ہوا اور نماز صحیح ہوگئی۔	۶	۱۱۸
۱۹	مسئلہ: جاگا احتلام خوب یاد ہے مگر تری نہیں پھر مذی نکلی غسل نہ ہوگا۔	۱	۱۱۹
۲۰	مسئلہ: منی کو اپنے محل یعنی مرد کی پشت، عورت کے سینہ سے جُدا ہوتے وقت شہوت چاہئے پھر اگر بلاشہوت نکلے غسل واجب ہوگا مثلاً احتلام ہو یا نظر یا فکر یا کسی اور طریق سوائے ادخال کے منی بشہوت اُتری اس نے عضو کو مضبوط تھام لیا کہ نہ نکلنے دی یہاں تک کہ شہوت جاتی رہی یا بعض لوگ سانس اوپر چڑھا کر اُترتی ہوئی منی کو روک لیتے ہیں یا بعض میں ضعفِ شہوت کے سبب منی خیال بدلنے یا کروٹ لینے یا اُٹھ بیٹھنے یا پشت پر پانی کا چھینٹا دے لینے سے رُک جاتی ہے غرض کسی طرح شہوت کے وقت اترتی ہُوئی منی کو روک لیا یا خود رُک گئی اور پھر جب شہوت جاتی رہی نکلی تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک غسل واجب ہوجائیگا کہ اترتے وقت شہوت تھی اگرچہ نکلتے وقت نہ تھی اور امام ابویوسف کے نزدیک نہ ہوگا کہ ان کے نزدیک نکلتے وقت بھی شہوت شرط ہے ہاں جب تک نکلے گی نہیں غسل بالاتفاق واجب نہ ہوگا کہ نکلنا ضرور شرط ہے۔	۶	۱۱۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۱	**مسئلہ:** جماع یا احتلام پر سونے چلنے پھرنے یا پیشاب کرنے کے بعد جو اور منی بلاشہوت نکلے اس سے غسل نہ ہوگا۔ اور چلنے کی بعض نے چالیس قدم تعداد بتائی اور صحیح یہ ہونا چاہئے کہ جب اتنا چل لیا جس سے اطمینان ہوگیا کہ پہلی منی کا بقیہ ہوتا تو نکل چکتا اس کے بعد بلاشہوت نکلی تو غسل نہیں۔	۱	۱۲۱
۲۲	**مسئلہ:** پیشاب کے بعد مرد پر استبراء واجب ہے یعنی وہ افعال کرنا جس سے اطمینان ہوجائے کہ قطرات نکل چکے اب نہ آئیں گے مثلاً کھنکارنا یا ٹھلنا یا ران پر ران رکھ کر عضو کو دبانا وغیرہ ذلک۔ اس میں ٹھلنے کی مقدار بعض نے چالیس قدم رکھی بعض نے یہ کہ چالیس برس کی عمر تک اسی قدر اور زیادہ پر فی برس ایک قدم اور صحیح یہ کہ جہاں تک میں اطمینان حاصل ہو خواہ چالیس سے کم یا زائد۔	۱	۱۲۲
۲۳	**مسئلہ:** وہ جو مسئلہ گزرا کہ پیشاب کے بعد منی اُترے تو غسل نہیں اس میں یہ شرط ہے کہ اس وقت شہوت نہ ہو ورنہ یہ جدید انزال ہوگا۔	۳	۱۲۲
۲۴	**مسئلہ:** زوج کی منی اگر عورت کی فرج سے نکلے تو اس پر وضو واجب ہوگا اس کے سبب غسل نہ ہوگا۔	۵	۱۲۲
۲۵	**مسئلہ:** چوٹ لگنے یا گرنے یا بوجھ اٹھانے سے منی بے شہوت نکل جائے تو غسل نہ ہوگا صرف وضو لازم ہوگا۔	۲	۱۲۵
۲۶	**مسئلہ:** عورت کو اگر احتلام یاد ہو اور جاگ کر تری نہ پائے تو مرد کی طرح اس پر بھی غسل نہیں یہی مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی مگر بعض مشائخ کرام فرماتے ہیں اگر خواب میں انزال ہونے کی لذت یاد ہو تو غسل واجب ہے بعض فرماتے ہیں اس وقت چت لیٹی ہو تو غسل واجب۔ لہٰذا ان صورتوں میں بہتر یہ ہے کہ نہالے۔	۶	۱۲۵
۲۷	**مسئلہ:** عورت کی ران پر جماع کیا اور منی اس کی فرج میں چلی گئی یا کنواری کی فرج میں جماع کیا اور اس کی بکارت زائل نہ ہوئی تو ان دونوں صورتوں میں عورت پر غسل نہ ہوگا، نہ اس کا انزال ثابت ہوا نہ اس کی فرج داخل میں حشفہ غائب ہُوا اور نہ بکارت جاتی رہتی، ہاں ان جماعوں سے اگر عورت کو حمل رہ گیا تو اب اس پر اسی جماع سے غسل واجب ہونے کا حکم دیں گے اور آج تک جتنی نمازیں قبل غسل پڑھی ہیں سب پھیرے کہ حمل رہ جانے سے ثابت ہوا کہ عورت کو خود بھی انزال ہوگیا ورنہ حمل نہ رہتا۔	۸	۱۳۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۸	**مسئلہ**: بچّہ بالکل صاف پیدا ہوا جس کے ساتھ خون کا اصلاً نشان نہیں، نہ بعد کو خُون آیا پھر بھی زچہ پر احتیاطًا غسل واجب ہے۔	۸	۱۳۲
۲۹	**مسئلہ**: جائز ہے کہ زن وشوہر دونوں ایک برتن سے ایک ساتھ غسلِ جنابت کریں اگرچہ باہم ستر نہ ہو اور اس وقت متعلق ضرورتِ غسل بات بھی کرسکتے ہیں مثلاً ایک سبقت کرے تو دوسرا کہے میرے لیے پانی رہنے دو۔	۱	۱۴۱
۳۰	**مسئلہ**: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ وضو وغسل میں پانی کی کوئی مقدار خاص لازم نہیں۔	۱	۱۵۷
۳۱	**مسئلہ**: غسل میں ایک صاع سے زیادہ خرچ کرنا افضل ہے جب تک حدِ اسراف بے سبب یا وسوسہ کی حالت نہ ہو۔	۲	۱۵۷
۳۲	**مسئلہ**: عورت کے بال گُندھے ہوں اور تین بار سر پر پانی بہانے سے تثلیث میں شبہہ رہے تو پانچ بار بہاسکتی ہے۔	۳	۱۹۵
۳۳	**مسئلہ**: میت کو نہلاکر غسل کرنا مستحب ہے۔	۴	۲۳۸
۳۴	**مسئلہ**: جتنی جگہ کا وضو یا غسل میں دھونا فرض ہے جب تک اس کا ایک ایک ذرّہ نہ دُھلے دھوئے ہُوئے عضو بھی باوضو یا بے جنابت نہ ٹھریں گے مثلاً پاؤں میں ایک ذرّہ دھونے سے باقی ہے اور ہاتھ منہ خوب دھولیے ہیں تو ابھی قرآن مجید نہ ہاتھ سے چھُوسکتا ہے نہ آستین یا دامن سے نہ جو جنب تھا ابھی تلاوت کرسکتا ہے جب تک پاؤں کا بھی وہ ذرّہ نہ دھولے۔	۴	۲۴۶
۳۵	**مسئلہ**: نابالغ نہ کبھی بے وضو ہو نہ جنب۔ انہیں وضو وغسل کا حکم عادت ڈالنے اور ادب سکھانے کے لئے ہے ورنہ کسی حدث سے ان کا وضو نہیں جاتا نہ جماع سے ان پر غسل فرض ہو۔	۳	۲۴۷
۳۶	**مسئلہ**: ہنود وغیرہم کفار جس طرح نہاتے ہیں اس سے غسلِ جنابت نہیں اترتا اسلام لائیں تو قواعدِ غسل سکھا کر تصحیح غسل لازم ہے ورنہ ان کی نماز نہ ہوگی۔	۱	۳۳۱

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۳۰	۱	مسئلہ: کوئی شخص کہیں مہمان گیا صاحبِ خانہ کی عورتیں بھی اسی مکان میں ہیں رات کو اسے نہانے کی حاجت ہونے کو تھی کہ اس نے عضو کو مضبوط تھام لیا اور منی نہ نکلنے دی جب شہوت جاتی رہی اس وقت چھوڑا کہ منی جو شہوت کے ساتھ اتری تھی بلا شہوت باہر ہوئی اس صورت میں مذہب یہ ہے کہ غسل فرض ہو گیا کہ منی کا شہوت کے ساتھ اُترنا ہی وجوبِ غسل کو کافی ہے اگرچہ نکلتے وقت شہوت نہ رہے مگر امام ابویوسف اس صورت میں غسل واجب نہیں مانتے اگر مہمان کو ندامت ہو کہ اس وقت نہاؤں گا تو میری طرف بدگمانی ہوگی تو مذہب امام ابویوسف پر عمل کرکے نماز پڑھ لے پھر وہ موقع نکل جانے پر نہا کر پھیرے۔	۳۷
۶۴۷	۱	مسئلہ: عورت کو سر دھونا نقصان کرے گلے سے نہائے اور سارے سر پر مسح کرے۔	۳۸
۶۴۷	۳	مسئلہ: وضو یا غسل میں جس عضو کے دھونے کا حکم ہے اگر دھونا مضر ہو تو اس کا مسح دھونے کے قائم ہے۔	۳۹
۸۰۶	۱	مسئلہ: ہر انزال میں پیشاب کرنے کے بعد نہانا چاہئے کہ منی کا بقیہ خارج ہو جائے۔	۴۰
۸۰۶	۲	مسئلہ: اگر بعد جماع نہ پیشاب کیا نہ سویا نہ اتنا چلا پھرا کہ بقیہ منی نکل جاتا اور نہا لیا اس کے بعد اسی منی کا بقیہ خارج ہوا جو بشہوت پشت سے جُدا ہوئی اور بعض نکل کر حسبِ عادت بعض باقی رہ گئی تھی تو دوبارہ نہانا لازم ہوگا۔	۴۱
۸۱۲	۳	مسئلہ: منی اپنے محل یعنی مرد کی پشت یا عورت کے سینے سے جُدا ہوتے وقت شہوت ضرور ہے اس وقت اگر شہوت نہ تھی غسل واجب نہ ہوگا مثلاً بھاری بوجھ اٹھانے سے اتر آئی یا معاذاللہ عارضہ جریان میں۔ہاں جب شہوت سے جُدا ہوئی ہو تو سوراخ سے نکلتے وقت شہوت اگرنہ بھی ہو غسل واجب ہو جائے گا غرض انفصال محل کے وقت شہوت شرط ہے خروج کے وقت ضرور نہیں مگر بہرحال وجوبِ غسل کے لئے خروج ضرور شرط ہے اگر شہوت سے اُتری اور نہ نکلی تو جب تک نہ نکلے گی غسل واجب نہ ہوگا۔	۴۲
۸۱۵	۳	ف: ہر منی کہ شہوت سے نکلے اس سے پہلے مذی ضرور نکلتی ہے۔	۴۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۴	مسئلہ: عورت کا حیض ختم ہوا اور ابھی نہائی نہ تھی کہ سوتے میں احتلام ہوا دوبارہ غسل آیا۔ سوتے سے اُٹھی ہی تھی کہ شوہر نے جماع کیا قدر حشفہ غائب ہوتے ہی تیسری بار وجوبِ غسل ہوا آخر جماع میں عورت کو انزال ہوا اب چوتھی بار وجوب ہوا۔ یونہی اگر نہانے سے پہلے احتلام وجماع وانزال کتنی ہی بار واقع ہوں کہ سو''' بار یا ہزار'''' بار وجوبِ غسل ہو سب کے لئے ایک ہی نہانا کافی ہوگا۔ اور اگر اسی حالت میں قبل غسل مرجائے تو ایک غسل میت سب کو کفایت۔	۵	۸۲۱
	باب المیاہ		
۱	مسئلہ: پانی چلّو میں لیا اور ابھی استعمال نہ کیا تو تھا کہ حدث واقع ہوا بعض کے نزدیک اس پانی کو وضو میں استعمال کر سکتا ہے اور مصنّف کی تحقیق کہ یہ خلافِ صحیح ہے وہ چلّو وضو میں کام نہیں دے سکتا۔	۲	۳۲
۲	مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ جس بدن پر حدث ہو پانی کا اسے چھُو کر اس سے جُدا ہونا ہی اس کے مستعمل کردینے کو بس ہے خود صاحب حدث کا پانی ڈالنا یا اس کی نیت یا اس بدن سے جُدا ہو کر دوسرے بدن یا کپڑے یا زمین پر ٹھہر جانا کچھ شرط نہیں۔	۴	۳۲
۳	مسئلہ: وضو سے جو پانی برتن میں بچ رہا اس سے وضو جائز ہے۔	۱	۲۳۴
۴	مسئلہ: وضو یا غسل میں اگر کسی عضو کا پانی دھار بندھ کر برتن میں گرا برتن کا پانی قابلِ طہارت رہے گا، ہاں اگر اتنا گرا کہ برتن کے پانی سے زائد ہو گیا تو اس سے وضو وغسل نہ ہو سکے گا۔	۲	۲۳۴
۵	مسئلہ: ساڑھے سات گز مربع حوض میں کسی بچّہ نے پیشاب کردیا ناپاک نہ ہوگا۔	۱	۲۳۶
۶	مسئلہ: حوض دَہ در دَہ نجاست سے اصلاً ناپاک نہیں ہوتا جب تک خاص نجاست کے سبب اس کا رنگ یا مزہ یا بُو بدل نہ جائے۔	۲	۲۳۶
۷	مسئلہ: وضو نہیں اور پانی کولی وغیرہ میں ہے جسے جھکا نہیں سکتا تو کٹورے وغیرہ سے لیکر ہاتھ دھوئے یا کسی باوضو یا نابالغ بچّہ سے نکلوائے اور یہ بھی مہیا نہ ہو تو چلّو سے لیکر ہاتھ دھولے پانی اس ضرورت کے سبب مستعمل نہ ہوگا بے ضرورت ہوتا تو مستعمل ہو جاتا۔	۳	۲۳۷
۸	مسئلہ: جنب یا بے وضو کا اگر وہ عضو جس کی ابھی طہارت نہ کی ذرہ بھر بھی اگر مٹکے بھر پانی میں ڈوب جائیگا تو مذہب اصح میں پانی قابلِ طہارت نہ رہے گا۔	۴	۲۳۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	مسئلہ: لگن میں وضو کرکے یہ مستعمل پانی گھڑے بھر پانی میں ملادیا سب قابل وضو ہوگیا کہ مستعمل وغیر مستعمل پانی کے ملنے میں زائد کا اعتبار ہے۔	۱	۲۳۸
۱۰	مسئلہ: آبِ مطلق کے سوا دُودھ گلاب کیوڑے وغیرہا کسی چیز سے وضو وغسل نہیں ہوسکتا۔	۱	۲۴۰
۱۱	مسئلہ: وضو یا غسل کا پانی مسجد میں ڈالنا چھڑکنا حرام ہے اور گلاب سے وضو کیا تو وضو نہ ہوا اور وہ گلاب مسجد میں چھڑک سکتے ہیں۔	۲	۲۴۰
۱۲	مسئلہ: باوضو نے ماں باپ کے کپڑے یا ان کے کھانے کیلئے پھل یا مسجد کا فرش ثواب کیلئے دھویا پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ یہ افعال قربت کے ہیں۔	۴	۲۴۱
۱۳	مسئلہ: جس پانی سے قربت مطلوبہ شرعًا کی اقامت کی جاتی ہے وہ انسان کے گناہ دھوتا ہے گناہوں کی نجاست حکمیہ اس کی طرف منتقل ہوتی ہے لہذا مستعمل ہوجاتا ہے۔	۲	۲۴۲
۱۴	مسئلہ: اس کی ترجیح کہ مستعمل ہونے کیلئے صرف بدن سے جدا ہونا کافی ہے کہیں استقرار شرط نہیں۔	۴	۲۴۲
۱۵	مسئلہ: گرمی کے سبب عبادت یا مطالعہ کتاب میں دل نہیں جمتا اس نیت سے ٹھنڈک پہنچنے کو نہایا یا ہاتھ منہ دھوئے تو قربت ضرور ہے مگر پانی مستعمل نہ ہوگا اگر باوضو تھا۔	۲	۲۴۴
۱۶	مسئلہ: بدن ستھرا رکھا میل دُور کرنا شرع میں مطلوب ہے کہ اسلام کی بنا ستھرائی پر ہے۔اس نیت سے باوضو نے بدن دھویا تو قربت بے شک ہے مگر پانی مستعمل نہ ہوا۔	۴	۲۴۴
۱۷	مسئلہ: جمعہ یا عیدین یا عرفہ یا احرام وغیرہا کہ جو غسل سنت ومستحب ہیں صرف آبِ مطلق سے ادا ہوں گے گلاب کیوڑے سے ادا نہ ہوں گے۔	۵	۲۴۴
۱۸	مسئلہ: بے وضو نابالغ کا ہاتھ پانی میں ڈوب جانے سے پانی خراب نہیں ہوتا اس سے وضو روا ہے۔ ہاں نجاست کا شک ہوتو بہتر یہ ہے کہ اس سے وضو نہ کرے۔	۵	۲۴۷
۱۹	مسئلہ: باطنِ حشم دھونے سے پانی مستعمل نہ ہوگا اگرچہ جنب دھوئے۔	۱	۲۵۷
۲۰	مسئلہ: مصنف کی تحقیق کہ مسح سے بھی پانی مستعمل ہوجاتا ہے۔اور اس میں اوہام کا ازالہ۔	۵	۲۵۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۱	مسئلہ: بے وضو شخص نے پانی کے برتن میں اپنا سر داخل کیا یہاں تک کہ چہارم سر کو پانی لگ گیا مسح ادا ہو گیا اور برتن کا پانی مستعمل نہ ہوا۔	۶	۲۵۷
۲۲	مسئلہ: نابالغ کا پاک ہاتھ یا بدن کا کوئی جزا گرچہ بے وضو ہو پانی میں ڈالنے سے قابلِ وضو رہے گا۔	۱	۲۶۱
۲۳	مسئلہ: میت کے بدن سے قبلِ غسل جو پانی اگرچہ بے قصدِ غسل مس کرے قابلِ وضو نہ رہے گا۔	۲	۲۶۲
۲۴	مسئلہ: حیض ونفاس ابھی ختم نہ ہوا اس حالت میں عورت کا ہاتھ پانی میں پڑنے سے بدستور قابلِ وضو رہے گا۔	۲	۲۶۳
۲۵	مسئلہ: بضرورت ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل نہیں ہوتا۔ہاں ضرورت سے زائد مستعمل کردے گا۔	۳	۲۶۳
۲۶	مسئلہ: ہاتھ ڈالا ضرورت سے پھر پانی ہی میں دھونے کی نیت کرلی مستعمل ہو گیا۔	۴	۲۶۳
۲۷	مسئلہ: جس طرح سارا ہاتھ پڑنے سے پانی مستعمل ہوتا ہے یوں ہی ناخن یا کوئی حصہ۔	۵	۲۶۳
۲۸	مسئلہ: مستعمل پانی پاک ہے اس سے کپڑا دھو سکتے ہیں مگر اس سے وضو نہیں ہو سکتا اور اس کا پینا یا اس سے آٹا گوندھنا مکروہ ہے۔	۲	۲۶۴
۲۹	مسئلہ: چالیس ائمہ وکتب کے نصوص سے اس مسئلہ کا اثبات کہ دَہ در دَہ سے کم پانی میں بے ضرورت کسی ایسے عضو کا پڑجانا جس پر نجاستِ حکمیہ ہو یعنی وضو یا غسل میں اس کے دھونے کا حکم ہو اور ابھی نہ دھو یا اس سبب پانی کو مستعمل وناقابل وضو کردیتا ہے۔	۳	۲۶۴
۳۰	مسئلہ: جنب یا بے وضو کا پاؤں لگن میں پڑ گیا پانی مستعمل ہو گیا۔یوں ہی اگر لگن میں سے بضرورت چلّو میں پانی لینا تھا کہ اور کوئی برتن پاس نہ تھا اور اسے جتنا ہاتھ چلّو لینے کیلئے داخل کرنا ہوتا اس سے زائد لگن میں ڈال دیا یا پانی طہارت کے قابل نہ رہا۔	۱	۲۶۵
۳۱	مسئلہ: پانی کی کَولی میں کٹورا گر کر ڈوب گیا اور کوئی برتن موجود نہیں، نہ کہیں اور پانی ہے کہ اس سے ہاتھ دھو کر کَولی میں ڈالے اس ضرورت سے بے وضو یا جنب نے کَولی میں ہاتھ ڈال کر کٹورا نکال لیا تو پانی مستعمل نہ ہوا اگرچہ کُہنی یا بغل تک ہاتھ داخل کرنا پڑا ہو کہ جو بضرورت ہے معاف ہے۔	۲	۲۶۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۲	**مسئلہ:** ٹھنڈک لینے کو ہاتھ ایک پُورا ہی بے دُھلا ڈالے گا تو پانی وضو کے قابل نہ رہے گا کہ یہ بے ضرورت ہے۔	۳	۲۶۵
۳۳	**مسئلہ:** کنویں میں ڈول گر گیا اس کے نکالنے کو آدمی بے نہائے گھُسا پانی خراب نہ ہوگا جبکہ اس کے بدن یا کپڑے پر کوئی نجاستِ حقیقیہ نہ ہو رفع حدث کی نیت کرے۔	۱	۲۶۶
۳۴	**مسئلہ:** اگر غسل اتارنے کی نیت سے کنویں میں غوطہ لگایا پانی بالاتفاق مستعمل ہوجائیگا۔	۲	۲۶۶
۳۵	**مسئلہ:** باوضو آدمی کُنویں میں مثلاً ڈول نکالنے کو گھُسا اور وہاں باقصد قربت نہانے کی نیت کرلی پانی مستعمل ہوگیا۔	۱	۲۶۷
۳۶	**مسئلہ:** مسئلۃ البئر حجط میں بکثرت اختلافات ہیں اور قول منقح ومعتمد یہ ہے کہ اگر جنب یا بے وضو کنویں میں گھُسے تو اس کے جتنے بدن پر پانی گزرا وہ تو پاک ہوگیا رہا کنویں کا پانی اگر بے ضرورت گھُسا تو مستعمل ہوگیا ورنہ نہیں۔ اور کنویں سے گرا ہوا ڈول نکالنے کی ضرورت امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک معتبر نہیں تو پانی مستعمل ہوجائے گا۔	۲	۲۶۷
۳۷	**مسئلہ:** حیض یا نفاس والی کا ابھی خون منقطع نہ ہُوا تو وہ مثل طاہر ہے کہ ہنوز اس پر حکمِ غسل نہیں اگر ٹھنڈک لینے کو کنویں میں گھُسے پانی مستعمل نہ ہوگا بخلاف بعد انقطاع کہ اب اس پر حکم غسل متوجہ ہے تو اگر بے ضرورت کنویں میں جائے گی پانی مستعمل ہوجائے گا۔	۳	۲۶۷
۳۸	**مسئلہ:** جنب نے دس ۱۰ کنوؤں میں نہانے کیلئے غوطہ لگایا پہلے تین کا پانی مستعمل ہوگیا کہ تین بار تک پانی ڈالنا سنّت ہے چوتھے کنویں سے آخر تک حکمِ استعمال نہ ہوگا مگر اس حالت میں کہ بقصد قربت نہانے کی نیت کرے یا تیسرے کنویں سے نکلنے کے بعد حدث واقع ہوجائے، رہا جنب اس کے جتنے بدن پر پانی پہنچا اتنا پاک ہوگیا یہاں تک کہ اگر غوطے میں تمام بدن پر پانی گزر گیا اور کُلی کرلی ناک میں پانی پہنچادیا غسل اتر گیا۔	۴	۲۶۷
۳۹	**مسئلہ:** جو احکام جنب کے دس کنوؤں میں نہانے کے گزرے ہیں وہی احکام محدث کے لئے ہیں جبکہ مثلاً دس کنوؤں میں اپنے اعضاء وضو کیلئے دھوئے۔	۵	۲۶۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۰	مسئلہ: دَہ دردَہ پانی کی سب جوانب یکساں ہیں۔ نجاست نظر آنے والی پڑی ہو جب بھی خاص اس طرف سے بھی وضو جائز ہے۔	۱	۲۶
۴۱	مسئلہ: عورت کے پئے ہوئے یا اس کے وضو یا غسل سے بچے ہُوئے پانی سے مرد کو یوں ہی مرد کے بقیہ سے عورت کو وضو و غسل جائز ہے۔	۱	۲۷۰
۴۲	مسئلہ: تحقیق یہ ہے کہ ہمارے سب ائمہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک آبِ مستعمل پاک ہے اور حدث سے پاک کرنے والا نہیں۔	۱	۲۷۳
۴۳	مسئلہ: تحقیق یہ ہی ہے کہ دَہ دردَہ پانی کا کوئی حصّہ نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا اگرچہ خاص اس کے پاس کا، اگرچہ نجاست نظر آنے کی ہو۔	۳	۲۸۱
۴۴	مسئلہ: تالاب یا جھیل دَہ دردہ ہے مگر اس میں نرکل یا کھیتی یا اور قسم کی اشیاء اُگی ہیں اگرچہ قریب قریب ہوں پانی کثیر ہی مانا جائیگا اور ان کے اگنے کی جگہ مستثنٰی ہو کر دہ دردہ سے کم نہ قرار پائے گا۔	۱	۲۸۶
۴۵	مسئلہ: حوض دہ دردہ ہے اور پانی پر کاہی جمی ہوئی ہے وضو میں پاؤں اس کے اندر ڈال کر دھوئے اگر کاہی اتنی سخت ہے کہ پانی کو ہلانے سے جنبش نہ کرے گی تو وضو نہ ہوگا اور اگر ایسی نہیں تو ہو جائے گا۔	۲	۲۸۶
۴۶	مسئلہ: برف سے دہ دردہ حوض کا پانی جم گیا اگر ابھی نرم ہے کہ جنبش دینے سے پھٹ جاتا ہے تو اعضاء وضو اس کے اندر ڈال کر دھونا جائز ہے وضو ہو جائے گا اور اگر سخت ٹکڑے ہیں کہ ہلانے سے نہیں ٹوٹتے تو اعضاء اس کے اندر ڈال کر دھونے سے وضو نہ ہوگا اتنا پانی برف کے ٹکڑوں میں گھرا ہوا اس کے اندر عضو بے وضو ڈالا مستعمل ہو جائیگا، ہاں برتن پانی نکالنے کو نہیں چلّو لینے کو ہاتھ ڈالا تو یہ معاف ہے۔	۳	۲۸۶
۴۷	مسئلہ: حوض اوپر سے دہ دردہ ہے اور نیچے سے کم تو جب تک بھرا ہے نہ اس میں نہانے یا اعضاءِ وضو ڈالنے سے مستعمل ہوگا نہ نجاست پڑنے سے ناپاک اور جب پانی صرف نیچے اتنی جگہ رَہ جائے یا اوّل سے اتنا ہی بھرا ہو جہاں دہ دردہ سے کم ہے، تو وضو سے مستعمل ہو جائیگا اور نجس سے ناپاک۔	۳	۲۹۰
۴۸	مسئلہ: اگر حوض نیچے دہ دردہ اور اوپر کم ہے تو جب تک پانی نیچا دہ دردہ کی جگہ تک ہے نہ نجاست سے ناپاک ہوگا نہ وضو و غسل سے مستعمل اور اگر پورا بھر دیا جہاں بالائی سطح دہ دردہ سے کم ہے تو مستعمل بھی ہو جائے گا اور نجاست سے ناپاک بھی یعنی اوپر کا حصّہ جہاں تک دہ دردہ سے کم ہے نیچے کا حصّہ پاک رہے گا یہی اصح ہے ہندیہ عن المحیط۔	۴	۲۹۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۹	**مسئلہ:** یہ فقہی چیستان ہے کہ کون سا پانی ہے کہ جب تک کثیر ہے اس میں نہانے سے مستعمل ہوجائے گا اور نجاست پڑنے سے ناپاک، لیکن جب گھٹ جائے تو اب نہ مستعمل ہو نہ نجس۔	۵	۲۹۰
۵۰	**مسئلہ:** صحیح یہی ہے کہ پانی کا دہ دردہ مربع ہونا کچھ ضروری نہیں صرف سو ہاتھ کی مساحت میں ہونا درکار ہے اگر سو ہاتھ طول ایک ہاتھ عرض یا دو سو ہاتھ طول ایک بالشت عرض ہے تو وہ بھی دَہ دردہ ہے۔اور اس بارہ میں مصنّف کی تحقیقات۔	۶	۲۹۰
۵۱	**مسئلہ:** بڑے حوض یا تالاب یا دریا سے ایک چھوٹے حوض کی شاخ نکالی جس کا احاطہ اس کے احاطہ سے جُدا ہے بظاہر یہ جدا پانی نہ سمجھا جائے گا کہ سب پانی ملا ہوا ہے، تو خود یہ حوض اگرچہ دہ دردہ نہ ہو نجاست سے ناپاک نہ ہونا چاہئے بے وضو اعضاء اس میں ڈالنے سے مستعمل نہ ہو کہ اسی بڑے پانی کا ٹکڑا ہے، مگر خانیہ میں اس کے خلاف ہے۔	۱	۲۹۳
۵۲	**مسئلہ:** ایک چھوٹے حوض میں پانی ایک طرف سے آتا دوسری طرف سے نکل جاتا ہے۔وہ مطلقاً آب جاری ہے اگرچہ اتنا چوڑا ہو کہ پانی اس میں پھیلنے کے لئے رُکتا ہوا نکلے فورًا نکلا چلا نہ جائے بہر حال نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔	۲	۲۹۳
۵۳	**مسئلہ:** دہ دردہ سے کم ایک چشمہ میں سوت ہیں اور اس کے ڈھال کی طرف نالی ہے پانی ہر وقت سوتوں سے اُبلتا اور نالی سے نکلتا ہے۔تو یہ چشمہ جاری کے حکم میں ہے نجاست سے ناپاک نہ ہوگا یہی صحیح ہے اور خاص جہاں سے پانی کا نکاس ہے وہ تو بالاتفاق جاری ہے۔	۳	۲۹۳
۵۴	**مسئلہ:** کنویں میں وضو یا غسل کا پانی کتنا ہی ڈال دیا جائے اگر اس میں کچھ نجاست نہ ہو کُنواں پاک تو رہے گا ہی مستعمل بھی نہ ہوگا۔جب تک مستعمل پانی کنویں کے پانی سے مقدار میں زیادہ نہ ہو اور اس سے ایک ڈول نکالنے کی بھی حاجت نہیں۔	۲	۳۰۱
۵۵	**مسئلہ:** بے وضو یا جنب کنویں میں گھسے پانی مستعمل ہوجائے گا اس کے مطہر کرنے کو بیس ۲۰ ڈول نکالے جائیں۔	۱	۳۰۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۶	**مسئلہ:** عرب شریف میں بڑے بڑے حوض جنگل میں بنائے جاتے ہیں جو بارش کے پانی سے بھرتے اور خرچ کے لئے خزانہ رہتے ہیں ان کے حکم کی تحقیق کہ وہ کنویں کے حکم میں نہیں نجاست پڑے تو کنویں کی طرح کچھ ڈول نکالنا کافی نہ ہوگا مگر بحالت حرج۔	۲	۳۰۸
۵۷	**مسئلہ:** گولی اگرچہ کتنی بڑی ہو اگرچہ آدھی زمین میں گڑی ہو کنویں کے حکم میں نہیں ہوسکتی ناپاک پانی بے ڈھلاے ضرورت پڑنے پر اسے پاک یا مطہر کرنے کیلئے کچھ ڈول کافی نہ ہوں گے بلکہ اس کا یہی طریقہ ہے کہ اچھے اچھے پانی سے لبریز کرکے ابال دیں۔	۵	۳۰
۵۸	**مسئلہ:** پانی میں نرکل یا کھیتی اگرچہ قریب قریب ہو اس کی مساحت کو دہ دردہ سے کم نہ کریں گے۔	۱	۳۱۵
۵۹	**مسئلہ:** آبِ کثیر میں خود عین نجاست کا رنگ یا بُو یا مزہ آجائے تو ناپاک ہوگا نجاست سے جو چیز ناپاک ہوئی جیسے گلاب یا سرکہ یا زعفران اس کے رنگ بُو مزے کا اعتبار نہیں۔	۱	۳۲۰
۶۰	**مسئلہ:** حوض اگر مثلث متساوی الاضلاع ہو سو ہاتھ مساحت ہونے کیلئے اس کی ہر ضلع 1/5 ۱۵ ہونی چاہئے۔	۴	۳۲۸
۶۱	**مسئلہ:** دوسرے قول پر حوض مثلث متساوی الاضلاع کے دہ دردہ ہونے کے لئے ہر ضلع 1/2 ۲۱ ہاتھ ۳/۸ گرہ ہونا چاہئے۔	۱	۳۲۹
۶۲	**مسئلہ:** شراب خور کی مونچھیں بڑی ہوں ان کو شراب لگ گئی جب تک مونچھیں پاک نہ ہوجائیں جو پانی پئے گا پانی اور برتن دونوں ناپاک ہوجائیں گے۔	۶	۳۳۲
۶۳	**مسئلہ:** نہر کے کنارے پانی لینے وضو کرنے کو تختہ بندی کرکے گھاٹ بنائے اگر وہ حصہ کو تختوں نے گھیرا دہ دردہ ہے یا نہر کا پانی تختوں سے نیچے ہے جب تو ظاہر ہے کہ ہر طرح آبِ کثیر ہے اور گر پانی تختوں سے آکر مل گیا اور یہ حصہ دہ دردہ سے کم ہے تو یہ جدا حوض مانا جائے گا اور نجاست سے نجس اور استعمال سے مستعمل ہوجائیگا ظاہرًا یہ اشتراط ہر دو امتداد طول وعرض پر مبنی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔	۱	۳۴۱
۶۴	**مسئلہ:** بڑے تالاب کا پانی برف سے جم گیا ایک جگہ سے برف توڑ کر کچھ کھول لیا اس کا بھی حکم اسی گھاٹ کی طرح ہے۔	۲	۳۴۱

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۳۴۱	۳	مسئلہ: ان صورتوں میں مستعمل یا ناپاک ہوگا تو صرف وہی گھاٹ یا برف ہٹایا ہوا ٹکڑا جس میں استعمال یا وقوعِ نجاست ہوا برابر کا دوسرا گھاٹ یا برابر سے برف ہٹا کر جو پانی لیں طاہر مطہر ہے۔	۶۵
۳۴۱	۴	مسئلہ: بڑے حوض سے ایک چھوٹے حوض کی شاخ نکالی تو یہ حوض جدا سمجھا جائیگا نجاست اور استعمال سے ناپاک و نامطہر ہوجائے گا ظاہراً اس کی بناء بھی اسی اشتراط پر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔	۶۶
۳۴۲	۱	مسئلہ: نہر یا تالاب یا حوض کلاں میں جو باہر نکلا ہوا کنج ڈھائی ہاتھ سے کم چوڑا ہو مستقل حوض نہ شمار کیا جائیگا اسی کبیر کا تابع رہے گا، ہاں ڈھائی ہاتھ چوڑا مستقل ہے۔	۶۷
۳۴۳	۱	مسئلہ: پانی دہ در دہ جگہ میں پھیلا ہوا ہے کہ نجاست پڑنے سے ناپاک نہ ہوا یہی پانی نجاست پڑنے کے بعد اگر سمٹ کر تھوڑی جگہ میں ہوجائے جب بھی پاک ہی رہے گا بشرطیکہ نجاست باقی نہ رہی ورنہ اب ناپاک ہوجائے گا۔ مثلاً دہ در دہ حوض میں پانی نکال دینے کو ایک نالی ہے حوض میں مردہ چُوہا گر گیا ناپاک نہ ہوا کہ آبِ کثیر ہے اب وہ نالی کھول دی اور حوض کے برابر ایک کنواں ہے پانی نکل کر کنویں میں جمع ہوگیا اگر چُوہا نکال کر پھینک دیا یا پانی کے ساتھ کنویں میں نہ آیا کنواں پاک ہے اور چُوہا بھی کنویں میں آگیا تو اب ناپاک ہوگیا۔	۶۸
۳۴۳	۲	مسئلہ: کنویں میں نجاست گری برابر دہ در دہ حوض ہے پانی کھینچ کر حوض میں ڈال دیا کہ دہ در دہ جگہ میں پھیل گیا اس سے پاک نہ ہوجائے گا اگرچہ نجاست نکال کر پھینک دی ہو۔	۶۹
۳۴۴	۱	مسئلہ: بڑے تالاب میں نجاست پڑی کہ ناپاک نہ ہُوا اب وہ کثرتِ خرچ یا شدّتِ گرما سے سُوکھ کر کتنا ہی کم رہ جائے ناپاک نہ ہوگا اگر نجاست ہنوز باقی نہیں۔	۷۰
۳۴۴	۲	مسئلہ: بڑے تالاب کی تلی میں پانی ہے نجاست پڑی کہ ناپاک ہوگیا۔ اب چاہے نجاست نکال کر لبالب بھر بھی دیں عام کتبِ متداولہ کے حکم سے ناپاک ہی رہے گا جب تک چھلک کر اُبل نہ جائے۔	۷۱
۳۴۴	۳	مسئلہ: کلیہ یہ ہے کہ پانی کی کثرت وقلّت نجاست سے ملتے وقت دیکھی جاتی ہے اگر اس وقت کثیر تھا تو گھٹ یا سمٹ کر بھی ناپاک نہ ہوگا جبکہ نجاست اس وقت باقی نہ ہو اور اگر اس وقت قلیل تھا تو بڑھ یا پھیل کر بھی پاک نہ ہوگا جب تک پاک سے مل کر جاری نہ ہو۔	۷۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۳	**مسئلہ:** ہر بہتی چیز اپنی جنس طاہر یا پاک پانی کے ساتھ مل کر بہنے سے پاک ہوجاتی ہے۔	۱	۳۴۵
۷۴	**مسئلہ:** اس بہنے میں طول عرض عمق کچھ شرط نہیں چھوٹی سی تھالی میں بھی ابالنے سے پاک ہوجائے گی۔	۲	۳۴۵
۷۵	**مسئلہ:** اس بہنے میں تین شرطیں ہیں ایک طرف سے پانی یا اسی ناپاک شدہ چیز مثلاً دُودھ یا تیل کی طاہر جنس اس ظرف میں داخل ہونا دوسری طرف سے اس کے بعض کا بہنا اور یہ دخول وخروج آخر میں ایک ساتھ ہونا۔	۳	۳۴۵
۷۶	**مسئلہ:** حوض یا کٹورے میں جو ناپاک پانی تہہ میں ہے اور پاک سے بھرا جب تک لبالب بھرجائے گا سب ناپاک ہوتا جائے گا۔ جب بھر کر اُبلے گا وہ پانی اور محل سب پاک ہوجائیگا۔	۴	۳۴۵
۷۷	**مسئلہ:** حمام کے حوض میں نل سے پانی آرہا ہے اور ادھر لوگ برابر اس میں سے پانی لے رہے ہیں کہ پانی کی جنبش تھمنے نہیں پاتی اس حالت میں وہ نجاست سے وہ ناپاک نہ ہوگا کہ جاری ہے۔ ہاں جنبش تھمنے کے بعد نجاست پڑی یا پہلی نجاست باقی رہی تو اب ناپاک ہوجائیگا۔	۱	۳۴۶
۷۸	**مسئلہ:** وضو کا حوض جس میں نالی سے پانی آرہا ہو اور دُوسری طرف کوئی نہارہا ہو یا لوگ وضو کررہے ہیں کہ پانی کا ہلنا موقوف نہیں ہوتا اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا پانی تھم گیا اور نجاست پڑی یا رہی تو اب نجس ہوگا۔	۲	۳۴۶
۷۹	**مسئلہ:** کنویں میں سوت سے پانی آرہا ہے اور اوپر سے چرخ یا ڈول سے لیا جارہا ہے کہ پانی ٹھہرنے نہیں پاتا اس حالت میں نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔ ہاں تھمنے پر نجاست رہی تو ناپاک ہوجائیگا۔	۳	۳۴۶
۸۰	**۸۰ مسئلہ:** اس بہنے میں کہ اُبلنا شرط ہے اس کے لئے کوئی مقدار معین ضروری نہیں کہ اتنی دُور بہہ کر جائے، نہیں بلکہ اُبلتے ہی پاک ہوجائے گا کہ جاری ہوگیا۔ ہاں جب تک اُبلتا رہے گا جریان کا حاکم باقی رہے گا۔ کسی نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔ جب ابلنا تھمے گا اور دَہ دردَہ نہیں تو اب اگر نجاست پڑی یا پہلی ہی نجاست باقی ہو تو نجس ہوجائیگا۔	۴	۳۴۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۸۱	**مسئلہ:** اس ابال میں برتن اور اندر کا پانی وغیرہ تو پاک ہو ہی گیا اُبل کر جب باہر نکلا وہ بھی پاک ہے جو کچھ بہتی چیز ہو دودھ یا گرم کیا ہوا گھی یا تیل وغیرہ اور اگر پانی ہے تو فقط پاک نہیں مطہر بھی ہے۔اس سے وضو ہو سکتا ہے۔	۱	۳۴۷
۸۲	**مسئلہ:** ڈول اگر اندر سے ناپاک ہو جائے اور اسے پانی بھر کر ابال دیں پاک ہو گیا لیکن اگر باہر سے ناپاک ہے تو صرف ابال کافی نہ ہوگا جب تک بہتا ہُوا پانی خاص موضع نجس پر اتنی کثرت سے نہ گزرے کہ نجاست نہ رہنے کا ظن غالب ہو جائے اور اگر باہر سے تلا ناپاک ہو تو اُبال سے پاک نہ ہوگا کہ وہاں پانی نہ پہنچے گا۔یہی حکم ہر برتن کا ہے۔	۲	۳۴۷
۸۳	**مسئلہ:** اُبالنے میں پانی جس طرف سے داخل ہوا اسی طرف لوٹ آیا تو کافی نہ ہوگا۔	۳	۳۴۷
۸۴	**مسئلہ:** برتن اگر جھکا ہوا ناہموار زمین پر رکھا ہے اُوپر سے پانی ڈالا کہ دوسری جھکی ہوئی جانب سے نکل گیا پاک ہو گیا،اور اگر جھکی ہوئی جانب میں پانی ڈالا کہ ادھر ہی کو لوٹ آیا تو پاک نہ ہوگا۔	۶	۳۴۸
۸۵	**مسئلہ:** کسی محل کے جوف میں پانی کی حرکت اس کے حق میں جریان نہیں جب تک باہر سے داخل ہو کر اسے اُبال نہ دے لیکن اس کے جوف میں اگر چھوٹا ظرف رکھا ہو اور وہ بھر کر اُبل گیا وہ پاک ہو جائیگا اگرچہ بڑا ظرف بھرے بھی نہیں۔	۷	۳۴۸
۸۶	**مسئلہ:** اگر نجاست غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ نکال دی اس کے بعد ابالا تو مطلقاً پاک ہو گیا اور اگر مرئیہ باقی رکھی اور اُبالا تو جب تک اُبل رہا ہے پاک ہے ابال تھمتے ہی پھر ناپاک ہو جائیگا۔	۸	۳۴۸
۸۷	**مسئلہ:** اس کی تحقیق کی پانی جاری یا دہ دردہ کا کوئی حصہ کیسی ہی نجاست اس میں واقع ہو ناپاک نہ ہوگا جب تک اس سے رنگ یا مزہ یا بُو نہ بدلے یہاں تک کہ جہاں نجاست مرئیہ پڑی ہے اس کا متصل حصّہ بھی پاک ہے۔اگرچہ اکثر یا کل پانی اس نجاست پر ہو کر گزرے اسی پر فتوٰی ہے اور دوسرا قول اگرچہ بہت کتب میں ہے معتمد نہیں۔	۱	۳۴۹
۸۸	**مسئلہ:** جاری پانی کے اوصاف نجاست سے بدل گئے کہ ناپاک ہو گیا پھر نجاست تہ نشین ہو کر پانی صاف ہو گیا،اوصاف کا تغیر جاتا رہا خود پاک ہو گیا۔	۲	۳۴۹

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۳۴۹	۳	**مسئلہ:** نہر کا سارا پیٹ ناپاک ہے اور اوپر پانی جاری ہے جب تک اس کا کوئی وصف نہ بدلے پانی پاک رہے گا اگرچہ پانی اتنا کم ہو کر تہہ کی نجاستیں نظر آتی ہوں۔	۸۹
۳۵۰	۱	**مسئلہ:** دہ دردہ پانی کہ جاری نہیں اگر نجاست سے اس کے اوصاف بدل گئے پھر مثلاً نجاست تہہ نشین ہو کر خود ہی سنبھل گئے تو یہ بھی مثل جاری کے پاک ہو جانا چاہئے مگر سیدی عبدالغنی نے اس کے خلاف فرمایا۔	۹۰
۳۵۰	۲	**مسئلہ:** پانی جب نکلتا چلا جاتا ہے تو عرض میں اس کا پھیلنا مانع جریان نہیں اسی پر فتوٰی ہے۔	۹۱
۳۵۰	۳	**مسئلہ:** بھنور کا پانی بھی آب جاری ہے اگرچہ چکّر کھا کر نکلتا ہے۔	۹۲
۳۵۰	۴	**مسئلہ:** گرمیوں میں بڑا تالاب خشک ہوگیا اس میں جانوروں نے گوبر کئے۔ آدمیوں نے پاخانے پھرے برسات میں پانی آیا اور اسے بھر دیا اگر یہ آنے والا پانی جس طرف سے تالاب میں داخل ہوا وہاں دہ دردہ کی مساحت تک جگہ صاف تھی کوئی نجاست نہ تھی پانی دہ دردہ ہونے کے بعد نجاستوں سے ملا پھر چاہے آخر تک نجاستیں ہوں سارا تالاب پاک رہے گا جب تک نجاست سے متغیر نہ ہو اور اگر اس جانب اتنی جگہ نہیں پانی دہ دردہ ہونے سے پہلے نجاست سے ملا تو اب سارا تالاب ناپاک ہوگیا۔ اگرچہ اس کے بعد صد در صد ہو جائے۔ اور اگر برف سے اس کا کچھ حصّہ جم جائے تو وہ بھی ناپاک ہوگا۔ ہاں اگر آنے والا پانی اسے بھر کر ابال دے تو سب پاک ہو جائیگا۔ اکثر کتبِ معتمدہ میں یہی ہے۔ اور ایک قولِ بعض یہ بھی ہے کہ بڑا تالاب ہر طرح مطلقاً پاک رہے گا اگرچہ پانی تالاب میں داخل ہوتے ہی نجاستوں سے ملا اور بھر کر نہ اُبلا اس کا بیان تجدید النظر میں آتا ہے۔	۹۳
۳۵۱	۱	**مسئلہ:** تالاب سے باہر اس کے لب پر کتنی ہی نجاستیں ہوں پانی کہ بہتا ہوا اوپر گزرنے کے بعد تالاب میں داخل ہوگا صحیح مذہب میں مطلقاً پاک رہے گا جب تک متغیر نہ ہو جائے۔ اور اگر تالاب کے اندر کنارے پر یا دَہ دردہ سے پہلے نجاستیں ہیں اور ان پر یہ پانی گزرا تو جمہور کے نزدیک سارا تالاب ناپاک ہوگیا۔	۹۴
۳۵۱	۲	**مسئلہ:** بڑے تالاب کا پانی خرچ یا خشک ہو کر تھوڑا رہ گیا اور اب اس میں نجاست پڑی کہ ناپاک ہوگیا پھر بارش کے پانی نے اسے بھر دیا اس میں بھی وہی صورتیں ہیں اگر یہ پاک پانی تالاب کے اندر دہ دردہ ہونے کے بعد اس نجس پانی سے ملا تو سب پاک ہے ورنہ سب ناپاک جب تک اُبل نہ جائے اور دوسرے قول پر مطلقاً سب پاک ہے۔	۹۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹۶	**مسئلہ:** کپڑے یا بدن کی نجاست کہ تین بار ے دھونے سے پاک ہوئی یہ تینوں پانی ناپاک ہیں۔	۴	۳۵۱
۹۷	**مسئلہ:** نجاست دھونے میں جب تک پانی کپڑے یا بدن میں دورہ کررہا ہے پاک ہے جب جدا ہوگا اس وقت ناپاک کہا جائیگا۔	۵	۳۵۱
۹۸	**مسئلہ:** کپڑا اگر طشت میں تین پانیوں سے دھوئیں، بہتر یہ ہے کہ طشت میں پہلے کپڑا رکھیں اوپر سے پانی ڈالیں اگر عکس کیا تو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک طہارت نہ ہوگی۔	۶	۳۵۱
۹۹	**مسئلہ:** صحیح یہ ہے کہ کپڑے اور بدن کا ایک حکم ہے ہاتھ پاؤں ناپاک ہے طشت کے پانی میں ڈالا اور وہ بدل کر دوبارہ ڈالا پھر سہ بارہ تو پاک ہوگیا۔	۷	۳۵۱
۱۰۰	**مسئلہ:** طشت میں ناپاک کپڑا اور اس کے دھونے کو پانی ہے یہ پانی جب تک کپڑے سے جُدا نہ ہو ناپاک نہ کہا جائیگا مگر ظاہرًا یہ اسی کپڑے کے حق میں ہے دوسرا کپڑا اگر اس پانی میں پڑ جائے گا اور روپے بھر سے زیادہ بھر جائے گا بظاہر ناپاک ہوجانا چاہئے۔	۱	۳۵۲
۱۰۱	**مسئلہ:** استنجا کرنے کیلئے لوٹے سے ہاتھ پر دھار ڈالی یہ دھار جب تک ہاتھ پر نہ پہنچی آب جاری ہے اس حالت میں اگر پیشاب کی چھینٹ اس دھار پر پڑ جائے گی ناپاک نہ ہوگی۔	۲	۳۵۲
۱۰۲	**مسئلہ:** جاری یا کثیر پانی پر نجاست وارد ہونے سے باقی رہتی ہے ہاں ان میں اثر نہیں کرتی۔	۱	۳۵۳
۱۰۳	**مسئلہ:** جاری پانی نجاست غیر مرئیہ پر وارد ہو تو اسے بالکل فنا و معدوم کردیگا۔	۲	۳۵۳
۱۰۴	**مسئلہ:** زمین پر نجاست غیر مرئیہ تھی یا مرئیہ بالکل جُدا کردی گئی اب موضع نجاست پر پانی ڈالا کہ اس ساری جگہ پر گزرتا ہوا ہاتھ بھر آگے بہہ گیا زمین بھی پاک ہوگئی اور یہ بہایا ہوا پانی بھی پاک ہے، لیکن زمین پر نجاست کا اثر باقی رہے تو پاک نہ ہوگی، یونہی اگر پانی کا وصف اس سے بدلا تو ناپاک ہوجائیگا۔	۳	۳۵۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۰۵	مسئلہ: پانی یا دُودھ یا تپایا ہوا گھی یا تیل کوئی بہتی چیز ناپاک ہو جائے تو دوسرے برتن میں پانی یا اسی شے کی جنس طاہر لے کر تیسرے برتن میں اس طرح گرائیں کہ پاک ناپاک دونوں دھاریں ہوامیں ایک ہو کر اس میں پہنچیں ناپاک کی کوئی بوند جدا نہ گرے تو سب پاک ہو جائیگا۔	۴	۳۵۳
۱۰۶	مسئلہ: اسی صورت میں اگر پاک وناپاک ملا کر مثلاً کسی کچّی چھت پر بہائیں کہ دونوں ایک ہو کر بہیں تو سب پاک ہوگیا۔	۵	۳۵۳
۱۰۷	مسئلہ: بہتا پانی گوبر وغیرہ نجاستوں پر گزرااور وہ اس میں مخلوط ہو کر بے نشان محض ہو گئیں۔اب یہ پانی اگر دہ دردہ سے کم جگہ میں ٹھہرے گا ناپاک نہ ہوگا کہ نجاست غیر مرئیہ ہو گئی،اور ایسی نجاست پر پانی کا جریان اسے فنا کردیتا ہے۔	۶	۳۵۳
۱۰۸	مسئلہ: قلیل پانی میں نجاست مرئیہ تھی طول مدت سے مٹی کی طرف مستحیل ہو گئی اس کے بعد اس پانی کو بہایا پاک ہوگیا۔	۷	۳۵۳
۱۰۹	مسئلہ: سفر میں پانی کی کمی ہے چاہا یہ کہ پاس جو پانی ہے اس سے وضو کرلے اور پھر قابلِ وضو رہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ اگر وسیع پر نالہ پاس ہے جس کے اندر اعضاء ڈال کر وضو ہو سکتا ہے اسے اونچا رکھ کر اس میں پانی ڈلوائے اور دوسرے کنارے کے نیچے کوئی خالی برتن رکھ دے جب پانی اس پرنالے میں جاری ہو اس کے اندر اعضاء ڈال کر وضو کرے۔یہ بہتا پانی جو اس برتن میں جمع ہوگا پھر وضو اور پینے کے قابل رہے گا۔	۴	۳۵۸
۱۱۰	مسئلہ: نہر کا اوپر سے مینڈھا باندھ دیا گیا، نیچے پان بدستور جاری ہے اب بھی نجاست سے ناپاک نہ ہوگا۔	۱	۳۵۹
۱۱۱	مسئلہ: حوض صغیر سے ایک نہر کھود کر اس میں پانی بہایااور اس بہتے کے اندر وضو کیا پانی مستعمل نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر کسی گڑھے میں جمع ہو تو دوبارہ اس سے وضو ہو سکتا ہے یونہی اس گڑھے سے نہر کھود کر کوئی وضو کرے تو سہ بارہ ہو سکتا ہے اسی طرح جہاں تک ہو۔	۴	۳۵۹
۱۱۲	مسئلہ: دو۲ چھوٹے حوض کچھ فاصلے سے ہیں ایک سے پانی نکل کر دُوسرے میں جاتا ہے وہ بیچ کے فاصلے میں جاری ہے اس کے اندر وضو سے مستعمل نہ ہوگا۔	۵	۳۵۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۱۳	**مسئلہ:** ان حوضوں میں مسافت کچھ نہیں ایک سے نکلتے ہی دوسرے میں پانی داخل ہو جاتا ہے اس حالت میں اس میں وضو کرنے سے مستعمل ہو جائے گا۔	۱	۳۶۰
۱۱۴	مسئلہ: ناپاک پانی خود کتنا ہی جاری ہو جائے پاک نہ ہوگا جب تک پاک کے ساتھ مل کر نہ بہے۔	۱	۳۶۲
۱۱۵	**مسئلہ:** اس کی مزید تحقیق کہ سوت والے کنویں کا پانی جب تک پانی لینے کی حرکت سے ہل رہا ہے جاری ہے۔	۴	۳۶۲
۱۱۶	**مسئلہ:** خلاصہ یہ کہ جریان تین قسم ہے جو مائع فضا میں بہہ رہا ہو اس میں صرف اسی قدر کافی جو تعریف جریان میں ہم نے بیان کیا دوسرا جو کسی محل کے جوف میں ہو اس کے جریان کو اس محل سے باہر نکلنا ضرور تیسرا ملحق بالجاری اس میں یہ بھی لازم کہ پانی کی جنبش مستمر رہے۔	۲	۳۶۳
۱۱۷	**مسئلہ:** مینہ کا پانی جب تک چھت یا زمین پر بہہ رہا یا پرنالے سے گر رہا ہے جاری ہے۔	۴	۳۶۵
۱۱۸	**مسئلہ:** چھت پر کتنی ہی نجاستیں پڑی ہوں یا عین پرنالے میں ہوں اور مینہ کا پانی کہ چھت پر سے بہتا اس پرنالے سے گزرتا اترا ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بُو میں فرق نہ آئے۔ یہی صحیح اور معتمد ہے۔	۵	۳۶۵
۱۱۹	**مسئلہ:** مینہ برس رہا ہے اور چھت پر نجاستیں ہیں اور چھت ٹپکی تو یہ پانی پاک ہے جب تک بارش ہو رہی ہو اور اس ٹپکے ہوئے پانی کے رنگ مزے بُو میں فرق نہ آیا۔	۱	۳۶۶
۱۲۰	**مسئلہ:** بارش تھمنے کے بعد جو پانی ٹپکا اور چھت پر وہاں نجاست ہے یہ پانی ناپاک ہے اگرچہ اس کا کوئی وصف نہ بدلا ہو۔	۲	۳۶۶
۱۲۱	**مسئلہ:** نجس پانی پر پاک پانی کا گزرنا اسے پاک نہ کردے گا جب تک نجس پانی پاک پانی کے ساتھ مل کر بہہ نہ جائے۔	۳	۳۶۶
۱۲۲	**مسئلہ:** آب واحد کی کثرت وقلّت میں صرف رُوئے آب کا اعتبار ہے۔	۲	۳۶۸
۱۲۳	**مسئلہ:** بڑے تالاب کا بالائی پانی برف سے جم گیا۔ ایک جگہ برف توڑ کر سوراخ کیا گیا پانی اس میں سے نکل کر برف کے اوپر دہ دردہ جگہ میں پھیل گیا۔ اگر اس پانی کا اتنا دَل ہے کہ ہاتھ سے اٹھائیں تو نیچے کا برف نہ کھل جائے تو اس کے اندر اعضاء ڈال کر وضوء جائز ہے ورنہ نہیں۔	۱	۳۶۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۲۴	**مسئلہ:** جاری پانی میں جس طرح عرض شرط نہیں عمق بھی کچھ ضرور نہیں۔	۲	۳۷۵
۱۲۵	**مسئلہ:** مصنّف کی تحقیق اور توفیق کی فی نفسہٖ آبِ کثیر کے لئے کچھ عمق درکار نہیں صرف اتنا ہو کہ سَو ہاتھ کی مساحت میں زمین کہیں کُھلی نہ ہو، ہاں پانی لیتے وقت کثیر رہنے کے لئے ضرور اتنا عمق درکار کہ اس لینے سے زمین نہ کھل جائے۔	۱	۳۷۸
۱۲۶	**مسئلہ:** مینہ جاری پانی ہے جنب کلی کرکے ناک میں نرم بانسے کی حد تک پانی چڑھا کر مینہ میں ننگا کھڑا ہو کہ پانی اس کے سب بدن پر پھر جائے غسل ہو جائے گا۔	۱	۳۷۹
۱۲۷	**مسئلہ:** مصنف کی تحقیق میں نہ چلّو کی خصوصیت چاہیے نہ لپ کی، بلکہ جس طرح پانی لیا گیا اس سے زمین نہ کھلی ہو چلّو تھا یا لپ یا برتن۔	۳	۳۷۹
۱۲۸	**مسئلہ:** مصنف کی تحقیق میں اتنا دَل صرف وہیں درکار ہونا چاہئے جہاں سے پانی لیں اگرچہ باقی مساحت میں جو ہی بھر ہو۔	۴	۳۷۹
۱۲۹	**مسئلہ:** پانی اگر اتنا کثیر ہے کہ ہاتھ خواہ برتن سے پانی اٹھانے پر اگرچہ زمین کھل گئی مگر ہر طرف کا ٹکڑا مساحت میں سَو ہاتھ رہا تو ایسا کھلنا کچھ مضر نہیں۔	۱	۳۸۰
۱۳۰	**مسئلہ:** پانی اٹھانے سے زمین کھل کر ٹکڑے دہ در دہ نہ رہے تو اگر اس میں پہلے سے کوئی نجاست موجود تھی زمین کھلتے ہی ناپاک ہو جائے گا اور اس کے بعد پھر پانی کا مل جانا فائدہ نہ دے گا یوں ہی اگر بے ضرورت بے دُھلا ہاتھ ڈالا زمین کھلتے ہی پانی مستعمل ہو جائیگا۔ یوں ہی اگر جس وقت زمین کھلی اسے حدث واقع ہوا مستعمل ہو جائیگا اور یہ صورتیں نہ ہوں تو طاہر مطہر رہے گا۔	۲	۳۸۰
۱۳۱	**مسئلہ:** اولیٰ یہ ہے کہ مرد کے بچے پانی سے عورت بھی طہارت نہ کرے۔	۶	۴۱۴
۱۳۲	**مسئلہ:** جس پانی میں بچّے نے ہاتھ پاؤں ڈال دیا اس سے وضو جائز ہے جب تک نجاست پر یقین نہ ہو۔ ہاں بچنا اولیٰ ہے جب تک طہارت پر یقین نہ ہو۔	۲	۴۱۵
۱۳۳	**مسئلہ:** حوض کے پانی میں بدبو آتی ہو اس سے وضو جائز ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔	۵	۴۱۵
۱۳۴	**مسئلہ:** معاذ اللہ جس زمین پر غضب اترا اس کے پانی کا کسی طرح استعمال اس کی مٹی سے تیمّم سب مکروہ ہے مگر زمین ثمود میں ناقہ صالح علیہ السلام کا کنواں۔	۶	۴۱۵

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۱۶	۳	**مسئلہ:** پرایا پانی بے اجازت لے لیا اگرچہ زبردستی یا چرا کر اس سے وضو ہوجائے مگر حرام ہے۔	۱۳۵
۴۱۶	۴	**مسئلہ:** کسی کے مملوک کنوئیں سے اس کی ممانعت پر بھی پانی بھر لیا اس کا استعمال جائز ہے۔	۱۳۶
۴۴۰	۲	**مسئلہ:** جس پانی میں مائے مستعمل کی دھار پہنچی یا واضح قطرے گرے اس سے وضو نہ کرنا بہتر۔	۱۳۷
۴۴۰	۳	**مسئلہ:** پانی میں ریت کیچڑ مل جائے تو جب تک رقیق رہے اس سے وضو جائز ہے اقول: مگر بلاضرورت کیچڑ ملے ہوئے سے وضو کرنا منع ہے کہ مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور یہ شرعًا حرام ہے۔	۱۳۸
۴۴۲	۱	**مسئلہ:** حوض میں پتّے گر کر پانی کا رنگ اتنا بدل گیا کہ چلّو میں اٹھائے سے بھی سبزی معلوم ہوتی ہے تو صحیح مذہب میں اب بھی اس سے وضو جائز ہے مگر بوجہ خلاف مناسب نہیں۔	۱۳۹
۴۴۶	۱	مسئلہ: گھوڑے کا جھُوٹا پانی قابلِ وضو ہے۔	۱۴۰
۴۴۶	۲	**مسئلہ:** یوں ہی گائے بھینس بکری وغیرہا حلال جانوروں کا جھُوٹا جبکہ اس وقت ان کے منہ کی نجاست معلوم نہ ہو۔	۱۴۱
۴۴۶	۳	**مسئلہ:** بعض نے کہا ان کے نَر کا جھوٹا ناپاک ہے اور صحیح یہ کہ وہ بھی پاک ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔	۱۴۲
۴۴۷	۳	**مسئلہ:** اگر دیکھا کہ بیل وغیرہ نے مادہ کا پیشاب سُونگھا یا بکرے نے آلہ تناسل مذی وغیرہ نکلتے میں چُوسا اور قبل منہ پاک ہوجانے کے پانی میں ڈال دیا تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔	۱۴۳
۴۴۷	5	**مسئلہ:** جس پانی میں کوئی بدبُودار چیز مل جائے اس سے وضو مکروہ ہے خصوصًا اگر اس کی بدبو نماز میں باقی رہے کہ مکروہ تحریمی ہوگی۔	۱۴۴
۴۵۰	۴	**مسئلہ:** صرف نبیذ تمر پائے تو مستحب کہ اس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی کرلے کہ بالاتفاق طہارت ہوجائے اور اگر صرف تیمم کیا جب بھی حرج نہیں۔	۱۴۵
۴۵۵	۱	**مسئلہ:** مسواک کرنے کے بعد اسے دھو کر رکھنا سنّت ہے نہ پانی قابلِ وضو رہے گا مگر اس سے وضو مکروہ ہے۔	۱۴۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۴۷	**مسئلہ:** مسواک کرنے سے پہلے بھی اسے دھولینا سنّت ہے۔اس پانی سے وضو مکروہ بھی نہیں اگر مسواک نئی یا پہلے دُھلی ہُوئی ہے۔	۲	۴۵۵
۱۴۸	**مسئلہ:** دفعِ نظر کے لئے حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جس کی نظر لگی اس کے اعضاء وضو وغیرہ دھو کر وہ پانی چشم زدہ کے سر پر ڈالا جائے اور اُسے حکم ہے کہ جب اُس سے دھونے کو کہا جائے انکار نہ کرے۔	۴	۴۵۵
۱۴۹	**مسئلہ:** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثارِ شریفہ مثل جُبّہ اقدس ونعل مبارک کا غسالہ شفاوبرکت قابل وضواور معطی طہارت ہے مگر پاؤں پر نہ ڈالا جائے۔	۱	۴۵۶
۱۵۰	**مسئلہ:** ائمہ نے دوبارہ نبیذ تمر اقوال وروایات امام میں نہایت نفیس تطبیق فرمائی ہے کہ ایک بار سوال اس صورت سے تھا کہ چھوہارے ڈالے اور ہنوز پانی نبیذ نہ ہوا اگرچہ خفیف حلاوت اور رنگت آگئی۔فرمایا اس سے وضو جائز ہے دوسرا سوال اس صورت سے ہوا کہ پانی نبیذ ہوگیا فرمایا اس سے وضو جائز نہیں اور پانی نہ ملے تو تیمّم کرے۔ تیسرا سوال اس صورت سے تھا کہ نبیذ ہونے نہ ہونے میں شک یا تردّد ہے نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ نبیذ ہوگیا نہ یہ کہ نہ ہوا، فرمایا اس سے وضو بھی کرے اور تیمّم بھی کہ اگر ہنوز نبیذ نہ ہوا تو اس سے طہارت ہوجائے گی اور ہوگیا تو تیمّم سے امام سے اس اختلاف کی نظیر وہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال بوسہ صائم میں ابھی آتی ہے۔	۴	۴۸۴
۱۵۱	**مسئلہ:** پانی میں اگر ستّو وغیرہ کوئی چیز ڈالی جائے کہ تہ نشین ہوجائے اوپر نتھرا پانی رہے یا کچھ خفیف آمیزش کے ساتھ جو مانع رقّت نہ ہو وہ کوئی چیز دگر ہوجائے تو اس سے وضو میں حرج نہیں۔	۱	۴۹۸
۱۵۲	**فائدہ:** معنی رقت کے انضباط کا شعر کہ اشعار تعریف مائے مطلق میں ضم کیا جائے۔ رقت آں واں کہ بسیلاں ہم یک سطح شود خالی از جرم اگر مانع او ناید پیش	۲	۴۹۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۳	**مسئلہ:** پانی کی رقّت بعض بہتی چیزوں کے ملنے سے بھی جاتی رہتی ہے جیسے اتنا شہد کہ اُسے دَلدار کردے۔	۱	۴۹۹
۱۵۴	**مسئلہ:** تصریحاتِ متواترہ کہ پانی میں کسی شَے کا پکانا اسی وقت اسے آب مطلق نہ رکھے گا جب وہ ٹھنڈا ہو کر گاڑھا ہوجانے کے قابل ہوجائے۔	۲	۵۰۳
۱۵۵	**مسئلہ:** دیگچہ بھر پانی میں چھٹانک بھر گوشت ڈال کر پکایا تو پانی قابلِ وضو رہے گا۔	۳	۵۰۸
۱۵۶	**مسئلہ:** جو چیز پانی میں پکائی جائے اگر پانی اس سے بالفعل گاڑھا ہوجائے کہ بہانے میں پُورا نہ پھیلے دَل باقی رہے تو مطلقًا قابلِ وضو نہ رہا اگرچہ اس چیز سے مقصود صابون وغیرہ کی طرح زیادت نظافت ہی ہو اور اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا تو اس سے وضو مطلقًا جائز ہے جبکہ وہ شَے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کیلئے ہو اور اگر وہ چیز ایسی نہیں اور پانی اس قابل ہوگیا کہ ٹھنڈا ہو کر دَلدار ہوجائے گا اگرچہ بالفعل نہیں تو اس سے وضو مطلقًا ناجائز ہے۔ اور اگر پانی اس قابل نہ ہوا تو اگر پک کر دوسری شیئ مقصود دیگر کیلئے ہوگئی تو اس سے وضو روا نہیں ورنہ ہے۔	۴	۵۰۸
۱۵۷	**مسئلہ:** مشک بھرتے وقت پانی کہ ڈول سے نکل کر مشک میں جارہا ہے جب تک دہانہ مشک میں داخل نہ ہو جاری ہے۔ اس بیچ میں اگر کسی نجاست سے ملے گا ناپاک نہ ہوگا۔	۲	۵۵۵
۱۵۸	**مسئلہ:** گائے بکری کسی پاک جانور کا بچّہ پیدا ہوتے ہیں اسی تری کی حالت میں جو وقتِ پیدائش اس کے بدن پر ہوتی ہے کنویں یا لگن میں گرجائے اور زندہ نکل آئے پانی پاک رہے گا۔	۱	۵۶۳
۱۵۹	**مسئلہ:** لہنگے والی عورت اگر کنویں سے پانی بھرے پانی کی طہارت میں فرق نہ آئیگا جب تک معلوم وثابت نہ ہو کہ اس کے بدن سے کوئی ناپاک بُوند ٹپک کر پانی میں پہنچی۔	۱	۵۶۴
۱۶۰	**مسئلہ:** خچر جس کی ماں گھوڑی ہو گھوڑے کے حکم میں ہے اس کا جھوٹا پاک ہے اور کھانا مکروہ ہے حرام نہیں۔	۲	۶۴۴
۱۶۱	**مسئلہ:** محدث جسے صرف حاجتِ وضو ہے اگر پانی کے برتن میں اپنا سر ڈالے گا مسح ہوجائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا۔ مگر بے دھوئے انگلی یا ناخن کا کنارہ بھی دہ دردہ سے کم پانی کو لگ جائیگا سارا پانی مستعمل ہوجائیگا۔ یوں ہی اگر جنب یا حائض بعد انقطاعِ حیض اگر اپنا سر بلکہ ایک بال ہی پانی سے چھُودیں سب مستعمل ہوجائے گا۔	۲	۷۲۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۶۲	مسئلہ: پٹّی جس پر بوجہ مرض مسح کرنا ہے یا پاؤں کا موزہ اگر بجائے مسح پانی میں ڈال دے مسح ادا ہوجائیگا اور پانی مستعمل نہ ہوگا۔	۳	۲۶ھ
	فصل فی البئر		
۱	مسئلہ: کنوں ناپاک ہوگیا اس کا گولا زمین سے اونچا ہے اور پانی یہاں تک بھرا ہے یا بھر دیا گیا ہے یہاں ایک سوراخ کرکے کچھ نکال دیا سب پاک ہوگیا اگرچہ کل پانی نکالنے کا حکم ہو۔	۷	۳۶۲
۲	مسئلہ: حوض یا گہرے سے گہرا کنواں جب اوپر تک بھر کر پاک پانی سے بہادیا جائے تہہ تک سب پاک ہوجائے گا۔	۱	۳۶۸
۳	مسئلہ: جس کنویں سے عورتیں بچّے گنوار پانی بھریں ناپاک نہیں۔	۸	۴۱۴
۴	مسئلہ: گھڑا وغیرہ جو برتن زمین پر رکھا جاتا ہو کنویں میں ڈالنے سے ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔	۹	۴۱۴
۵	مسئلہ: لوٹا کہ پاخانے کو لے جاتے اور موضع نجاست سے الگ رکھتے ہیں کنویں میں اس کے ڈالنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔	۱۰	۴۱۴
۶	مسئلہ: ہندو وغیرہ کافروں کے کنویں کا پانی اور ان کے برتن ناپاک نہ کہے جائینگے جب تک نجاست کا علم نہ ہو مگر کراہت ضرور ہے، یونہی ان کے کپڑے۔	۱۱	۴۱۴
۷	مسئلہ: بچّے کے نہالچے کا ٹکڑا کنویں میں گِر گیا بے علمِ نجاست ناپاک نہ ہوگا۔ ہاں مکروہ ہے بیس ڈول نکالیں۔	۳	۴۱۵
۸	مسئلہ: یہی حکم استعمالی جوتے کا ہے (یعنی بے عِلمِ نجاست ناپاک نہ ہوگا احتیاطًا بیس ڈول نکالیں گے)	۴	۴۱۵
۹	مسئلہ: جب کل پانی نکالنے کا حکم ہو نجاست نکلنے کے وقت کنویں میں جتنا پانی ہے سب نکالا جائے گا اگرچہ دس ہزار ڈول ہو، دو سو ڈول کا تخمینہ بغداد شریف کے کنوؤں کے لئے تھا یہاں اس پر عمل نہیں ہوسکتا۔	۱	۵۷۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۰	**مسئلہ:** مینگنی گوبر لید خشک یاتر ثابت یا ریزہ ریزہ کنویں میں گر جائے اگر قلیل ہے جسے دیکھنے والا کم کہے تو کنواں ناپاک نہ ہوگا شہر میں ہو خواہ گاؤں میں، کنویں پر ڈھکنا ہو یا نہ ہو، ہاں کثیر ہو تو سب پانی نکالا جائے گا۔	5	۵۷۳
۱۱	**مسئلہ:** یہ حکم ضرورت کیلئے ہے جہاں ضرورت نہ ہو مثلاً گوبر کا سنا ہوا گھڑا کوئی شخص کنویں میں ڈال دے تو کنواں ناپاک ہو جائے گا جبکہ اس میں ابتلائے عام نہ ہو، ہاں اگر عام کنواں ہے جس کی بندش نہیں ہو سکتی اور کفار اور گنوار بھرنے اور اکثر گوبر کے سنے گھڑے ڈالتے ہیں تو یہ بھی محلِ ضرورت وحرج میں آگیا جبکہ اور کنواں وہاں نہ ہو ورنہ گندوں کا کنواں گندوں پر چھوڑیں۔	۶	۵۷۳
۱۲	**مسئلہ:** کُنویں کے پاس نجاست کا چہ بچہ ہے اگر نجاست اس سے کنویں تک سرایت کرے کہ کنویں میں اُس کا اثر رنگ یا مزہ یا بُو ظاہر ہو تو کنواں ناپاک ہو جائیگا اگرچہ وہ چہ بچہ کتنے ہی فاصلہ پر ہو۔	۱	۵۷۴
۱۳	**مسئلہ:** کل پانی خواہ کچھ ڈول جتنے نکالنے کا حکم ہو ایک ساتھ نکالنا ضرور نہیں اگر بتدریج نکالیں جب بھی کافی ہے مثلاً بیس ۲۰ ڈول کا حکم ہو ایک ایک ڈول روز نکالیں تو بیس ۲۰ دن میں پاک ہو جائیگا کل پانی نکالنے کا حکم ہے اور اس میں نجاست نکلنے کے وقت تین ہزار ڈول پانی تھا سَو سَو ڈول روز نکالے تو مہینہ بھر میں پاک ہو جائے گا۔	۱	۵۷۵
	بابُ التیمم		
۱	**مسئلہ:** تیمّم کی ضرب کی اور ابھی مُنہ یا ہاتھ پر نہ ملنے پایا تھا کہ حدث واقع ہوا تو از سرِ نو ضرب کرے۔	۱	۳۲
۲	**مسئلہ:** اگر تیمّم میں دو ۲ انگلیوں سے مسح کیا تیمّم نہ ہوگا اس میں تین انگلیاں ضرور ہیں۔	۴	۲۵۹
۳	**مسئلہ:** ایک یا دو انگلیوں سے تیمّم کیا اور بار بار انہیں مٹّی پر لگا کر بدن پر پھیرا جب بھی تیمم نہ ہوگا۔	۴	۲۶۰
۴	**مسئلہ:** اگر خاک میں بنیت تیمّم لَوٹا اور غبار منہ اور دونوں ہاتھوں کو بالاستیعاب پہنچ گیا تیمّم ہو گیا۔	۱	۲۶۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵	**مسئلہ:** سفر میں وضو کا پانی گھٹ گیا، حُقّہ کے پانی سے وہ کمی پُوری ہوسکتی ہے اس کی تکمیل فرض ہے اور تیمّم کی اجازت نہیں ہوسکتی۔	۲	۳۳۴
۶	**مسئلہ:** سفر میں اگر صحیح اندیشہ ہو کہ پانی جو ساتھ ہے اس سے وضو یا غسل کرے تو آپ یا دوسرا مسلمان یا اپنا خواہ اس کا جانور یہاں تک کہ وہ کتّا جس کا پالنا جائز ہے پیاسا رہ جائے گا یا آٹا گوندھنے یا اتنی نجاست پاک کرنے کو جس سے نماز جائز ہوجائے پانی نہ ملے گا تو ان سب صورتوں میں تیمّم کرے۔	۴	۴۲۰
۷	**مسئلہ:** اگر وضو یا غسل کا پانی جانور کے لئے کسی ظرف میں محفوظ رکھ سکتا ہے تو جانور کی پیاس کے خیال سے تیمّم جائز نہیں۔	۵	۴۲۰
۸	**مسئلہ:** کسی کافر ذمی مطیع الاسلام کی پیاس کیلئے بھی یہی حکم ہونا چاہیئے کہ تیمّم کرے اور پانی اس کے لئے بچائے، ہاں کافر حربی کی پیاس کے لئے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳	۴۲۱
۹	**مسئلہ:** نمازِ جنازہ قائم ہوئی بعض کا وضو نہیں پانی موجود ہے، تندرست ہیں مگر وضو کریں تو نماز جنازہ فوت ہو تیمّم کرکے شامل ہوسکتے ہیں مگر اس تیمّم سے نہ دوسری نماز پڑھ سکتے ہیں نہ قرآن مجید چھُو سکتے ہیں۔	۲	۵۸۲
۱۰	**مسئلہ:** مریض نے جس کو وضو مضر ہے یا تندرست نے جہاں پانی نہیں نمازِ جنازہ کے لئے تیمّم کیا اس تیمّم سے ہر نماز پڑھ سکتا ہے جب تک پانی پر قدرت نہ ہو۔	۳	۵۸۲
۱۱	**مسئلہ:** زمین پر نجاست پڑ کر خشک ہوگئی کہ اس کا رنگ وبُو وغیرہ کوئی اثر اصلًا نہ رہا نماز کے حق میں پاک ہوگئی مگر اس سے تیمّم نہیں ہوسکتا جب تک دھو کر پاک نہ کرلی جائے۔	۸	۵۸۷
۱۲	**مسئلہ:** ہاتھ جو تیمّم کے ارادے سے زمین یا دیوار یا پتھّر غرض جنسِ زمین سے کسی شے پر مارے جاتے ہیں بحکم الٰہی یہ ہاتھ ہی خود جنسِ زمین کے حکم میں ہوجاتے ہیں کہ منہ اور ہاتھوں کا ان سے مسح وہی کام دیتا ہے جو جنسِ ارض سے مسح۔	۳	۵۹۱
۱۳	**مسئلہ:** ہتھیلیاں کہ نیت کے ساتھ جنس زمین سے ملائی گئیں ان کے بعد جنس زمین کی اصلًا حاجت نہیں رہتی بلکہ حکم ہے کہ ہتھیلیاں زمین پر مار کر جھاڑلیں کہ جو گرد وغبار لگا بھی ہو جھڑ جائے نرے صاف ہاتھ منہ اور ہاتھوں پر پھیرے جائیں	۴	۵۹۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۴	**مسئلہ:** تیمّم کے لئے ہاتھ جنسِ ارض پر رکھے تو سنّت یہ ہے کہ ہاتھ اس پر ملے آگے بڑھائے پھر اپنی طرف لائے۔	۴	۵۹۳
۱۵	**مسئلہ:** جائز ہے کہ دُوسرے سے کہے کہ مجھے تیمّم کرادے وہ اپنے ہاتھ جنس زمین پر مار کر اسکے مُنہ اور ہاتھوں پر مسح کرے اس صورت میں اس کہنے والے کی نیت شرط ہوگی جس سے کہا اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔	۱	۵۹۴
۱۶	**مسئلہ:** آندھی چلی غبار چہرے اور ہاتھوں پر غبار پڑ گیا۔ اگر تیمّم کی نیت سے اس غبار پڑے ہونے کی حالت میں چہرے اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیرے تیمّم ہو جائیگا ورنہ نہیں۔	۲	۵۹۴
۱۷	**مسئلہ:** آندھی کے سامنے کھڑا ہوا کہ غبار آکر پڑے یا دیوار ڈھائی کہ غبار منہ اور ہاتھوں پر پڑا جب تک تیمّم کی نیت سے اس پر ہاتھ نہ پھیرے تیمّم نہ ہوگا۔	۱	۵۹۵
۱۸	**مسئلہ:** جھاڑو دی یا گیہوں تولے غبار اڑ کر منہ اور ہاتھوں پر پڑا وہی حکم ہے کہ تیمّم کی نیت سے اس پر ہاتھ پھیرے تیمّم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔	۲	۵۹۵
۱۹	**مسئلہ:** تیمّم کی نیت سے خاک پر لوٹا اگر خاک چہرہ وہر دو دست کو پہنچ گئی تیمّم ہوگیا ورنہ نہیں۔	۳	۵۹۵
۲۰	**مسئلہ:** کسی غبار کی جگہ اپنا مُنہ اور دونوں ہاتھ تیمّم کی نیت سے داخل کیے کہ وہ غبار سارے مُنہ اور کُہنیوں سے اوپر تک ہاتھوں کو محیط ہوگیا تیمّم ہوگیا۔	۴	۵۹۵
۲۱	**مسئلہ:** دیوار گری اس سے گرد اُٹھی جو اس کے بدن کو محیط ہوئی اس نے اس غبار بلند میں اپنے منہ اور ہاتھوں کو تیمّم کی نیت سے جنبش دی تیمّم ہوگیا۔	۵	۵۹۵
۲۲	**مسئلہ:** اپنے منہ اور ہاتھوں پر خاک یا ریت گرائی کہ سارے منہ اور ہاتھوں کے سب کروٹوں کو چھُو گیا تیمّم نہ ہوا، ہاں اگر گرد اس کے اعضاء پر ابھی موجود ہے اور اس حالت میں منہ اور ہاتھوں پر تیمّم کی نیت سے ہاتھ پھیرے تو تیمّم ہوگا۔	۶	۵۹۵
۲۳	**مسئلہ:** منہ اور ہاتھوں پر گرد گرائی اور اس کا غبار ان اعضاء کے گرد اڑ رہا ہے اس حالت میں اس غبار بلند میں بنیت تیمّم ہاتھ منہ کو جنبش دی تیمّم ہوگیا۔	۷	۷۹۵
۲۴	**مسئلہ:** جہاں غبار اُڑ رہا ہے راہ چلتا اس کے اندر ہو کر گزرا اگر اس حالت میں کہ گرد اعضاء پر بلند ہے اور اعضاء کو بہ نیت تیمم جنبش دی تیمّم ہو جائے گا ورنہ نہیں۔	۸	۵۹۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۵	**مسئلہ:** تیمّم میں شرط یہ ہے کہ یہ شخص وہ فعل کرے جو بذاتِ خود اس کے اعضاء اور جنسِ زمین کے اتصال کا باعث ہو بالواسطہ باعث ہونا معتبر نہیں جیسے آندھی کے سامنے کھڑا ہو جانا کہ یوں غبار آکر اعضا پر پڑے گا۔اس کا فعل بذاتہٖ موجب اتصال نہ ہوا۔	۹	۵۹۵
۲۶	**مسئلہ:** غبار سے تیمّم کا ایک طریقہ یہ ہے کہ مثلاً جس کپڑے پر گرد ہو اس پر ہاتھ مارے یا اُسے جھاڑ کر اس کا غبار اُٹھے اب اپنی ہتھیلیاں ہوا میں اس غبار کے نیچے رکھے کہ گرد ہتھیلیوں پر پڑے اس غبار سے منہ کا مسح کرے پھر اگر وہی غبار ابھی ہواء میں باقی ہو دوبارہ ہتھیلیاں اس کے نیچے کرے جب غبار ان پر پڑے اس گرد سے ہاتھوں کا مسح کرے اور اگر وہ غبار ہوا میں نہ رہا کپڑا دوبارہ جھاڑے کہ پھر اسی طرح غبار پیدا ہو اور طریق مذکور بجالائے۔	۲	۵۹۶
۲۷	**مسئلہ:** گرد اگر کسی ناپاک کپڑے وغیرہ پر اس حالت میں پڑی کہ وہ تر تھا تو اس غبار سے تیمّم جائز نہیں، ہاں ناپاک چیز خشک ہو جانے کے بعد اس پر غبار پڑا تو اس سے تیمّم روا۔	۳	۵۹۶
۲۸	**مسئلہ:** جس کے ہاتھ شل ہوں وہ ہاتھوں کو زمین پر رگڑے اور منہ کو دیوار پر، یوں بقدر امکان بجالائے جتنا حصّہ ہاتھ یا منہ کا جنس ارض پر مسح سے باقی رہ جائے معاف کیا جائے گا اسی قدر سے اس کا تیمّم صحیح ہو جائیگا۔ **اقول:** یعنی جبکہ کوئی دوسرا ایسا نہ ملے کہ تیمّم کرادے اگرچہ اُجرت لیکر، جبکہ یہ اجرت دے سکتا ہو واللہ تعالٰی اعلم۔	۴	۵۹۶
۲۹	**مسئلہ:** مصنف کی تحقیق کی تیمّم کی چار صورتیں ہیں اگر جنسِ زمین اپنے چہرہ ودست سے دُور ہو تو دو طریقے ہیں ایک یہ کہ اس سے اپنی ہتھیلیاں مسح کرکے اپنے چہرہ وہر دو دست پر پھیرے۔یہی طریقہ ماثور ومشہور ہے دوسرے یہ کہ یا تو اس جنس ارض کو اپنے اعضاء پر پھیرے مثلاً پتھّر کا کوئی ٹکڑا اٹھا کر یا اپنے اعضا کو اس سے ملے خواہ اوپر سے جیسے لنجھے کا منہ دیوار اور ہاتھ زمین پر ملنا یا کسی شخص کا بنیت تیمّم خاک پر لَوٹنا جس سے خاک سارے مُنہ اور کُہنیوں کے اُوپر تک ہاتھوں کو چھُو جائے خواہ اندر سے یوں کہ اپنے اعضا کو خاک یا ریتے یا غبار کے اندر نبیت تیمّم داخل کرے۔اور اگر جنس زمین دونوں عضووں سے متصل ہے تو اس کی دو۲ صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ وہ صرف اس کے عضووں سے لپٹی ہوئی ہو ان سے اوپر اس کا کثیر دَل نہ ہو جیسے گرد ہوا سے اُڑ کر آئی یا اس نے خود اڑائی، مثلاً دیوار ڈھائی یا جھاڑو دی یا گیہوں تولے یا کپڑے وغیرہ پر ہاتھ مارا یا اُسے جھاڑا بہرحال اب گرد بیٹھ گئی یا اپنے اعضاء پر اس طرح چھڑکی کہ اُڑی نہیں اعضاء پر گر کر ٹھہر گئی یا اُڑی تو اب بیٹھ گئی اس سے تیمّم یوں ہی ممکن ہے کہ بنیت تیمّم اپنے ان گرد آلود چہرہ ودست پر ہاتھ پھیرے دوسرے یہ کہ اعضاء کے اوپر اس کا کثیر دَل ہو مثلاً کوئی شخص کسی خوف سے ریتے کے اندر رہا ہو یا گرد اُڑ کر آئی ہو یا خود اُڑائی اور وہ ابھی ٹھہری نہیں اعضاء کے گرد اڑ رہی ہے بلند ہے تو اس ریتے یا غبار میں اگر اپنے منہ اور ہاتھوں کو نبیت تیمّم جنبش دے گا تیمّم ہو جائے گا۔	۵	۶۰۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۰	**مسئلہ :** کہیں بگولے وغیرہ سے غبار اڑرہا ہے بنیت تیمّم اس کے اندر چلا گیا کہ غبار اس کے چہرہ ودست کو محیط ہوا تیمّم ہوگیا۔اور اگر تیمّم کی نیت سے نہ گیا تھا یا غبار آندھی وغیرہ سے خود اڑ کر آیا ہے تو جب تک بلند ہے منہ اور ہاتھوں کو بنیت تیمّم اس میں جنبش دینا ہی تیمّم ہو جانے کو بس ہے اور اگر اعضاء پر بیٹھ گیا تو اب بنیت تیمّم اس پر ہاتھ پھیرنا ضرور ہے۔	۱	۶۰۳
۳۱	**مسئلہ :** مصنّف کی تحقیق کی اگر جنس زمین پر ہاتھ مارتے وقت تیمّم کی نیت ہونا شرط ہے اس وقت نیت نہ تھی تو بعد کو نیت کرلینا کافی نہ ہوگا۔	۴	۶۰۳
۳۲	**مسئلہ :** جس طرح وضو میں ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنّت ہے تیمّم میں تکرار سنّت نہیں بلکہ ایک ایک بار مُنہ اور ہاتھوں کا مسح سنّت ہے۔	۶	۶۰۳
۳۳	**مسئلہ :** جنسِ زمین پر بنیت تیمّم ہاتھ مارتے ہی سے اتنے ہاتھوں کی طہارت ہوجاتی ہے ہاتھوں پر مسح کرنے میں اتنے ٹکڑے مثلاً ہتھیلیاں خالی چھوڑدے کہ ان کا ایک بار مسح ہوگیا۔	۷	۶۰۳
۳۴	**مسئلہ :** سنّت ہے کہ جنسِ زمین پر ضرب ہتھیلیوں سے ہو نہ صرف پُشتِ دست سے۔	۱	۶۰۴
۳۵	**مسئلہ :** جتنے منہ اور ہاتھوں کا وضو میں دھونا فرض ہے تیمّم میں اتنوں کا مسح فرض ہے اگر ان میں سے کوئی ذرہ مسح سے رہ جائے تیمّم نہ ہوگا ولہذا اگر صرف کفِ دست زمین پر مارے اور مسح کرنے میں پُشتِ دست پر ہاتھ نہ پھیرا تیمّم نہ ہوا۔	۲	۶۰۴
۳۶	**مسئلہ :** اگر ضرب میں پُشتِ دست بھی جنسِ ارض پر مارے اس کا بھی مسح ہوجائے گا دوبارہ انہیں مسح نہ کیا جائے گا۔	۳	۶۰۴

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۰۴	۴	**مسئلہ :** مصنف کی تحقیق کہ جب ہتھیلیاں تیمّم کے لئے جنسِ ارض پر رکھیں اب دوبارہ ان پر ہاتھ پھیرنا مکروہ ہے۔	۳۷
۶۰۴	۵	**مسئلہ :** جس طرح باوضو کو دوبارہ وضو کرنا ثواب ہے تیمّم ہوتے ہوئے دوبارہ تیمّم کرنا کچھ ثواب نہیں بلکہ عبث اور مکروہ ہے۔	۳۸
۶۰۴	۶	**مسئلہ :** تیمّم میں کسی عضو پر مکرر مسح کرنا بالاجماع مکروہ ہے یعنی ضرب جدید اور ضربِ واحد سے بھی عبث ہے **اقول** مگر جبکہ استیعاب میں شبہ ہو۔	۳۹
۶۰۴	۷	**مسئلہ :** تیمّم میں ہاتھوں کے مسح کا بہتر طریقہ ذخیرہ وکافی میں یہ فرمایا کہ بائیں ہتھیلی اپنے داہنے پُشتِ دست پر رکھے اور انگوٹھا اور کلمے کی انگلی چھوڑ کر باقی تین انگلیوں سے کلائی کی پشت پر کُہنیوں کے اُوپر تک مسح کرے نیچے سے پھر ان دو۲ انگلیوں سے کلائی کے پیٹ کا مسح کرے اوپر سے نیچے اترتا ہوا، پھر یوں ہی بائیں ہاتھ پر کرے۔	۴۰
۶۰۴	۸	**مسئلہ :** تحفہ، بدائع، وزادالفقہاء ومحیط سرخسی ومحیط رضوی میں اس کا بہتر طریقہ یہ فرمایا کہ بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیوں سے داہنے ہاتھ کی پشت انگلیوں کے سروں سے کہنیوں کے اوپر تک مسح کرے، پھر اپنے بائیں ہتھیلی سے داہنی کلائی کے پیٹ کا کہنیوں کے اوپر سے ہتھیلی کے شروع تک مسح کرے اور بائیں انگوٹھے کا پیٹ داہنے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے، پھر یونہی بائیں ہاتھ پر کرے۔	۴۱
۶۰۴	۹	**مسئلہ :** سنت یہ ہے کہ جنس ارض پر کفِ دست وپشتِ دست دونوں سے ضرب کرے، پہلے ہتھیلیاں رکھے پھر ان کی پیٹھ۔	۴۲
۶۰۵	۲	**مسئلہ :** اگر ہاتھ جنسِ ارض پر مارنے سے کچھ مٹی گرد غبار ہاتھ میں لگ جائے تو سنّت ہے کہ ملنے سے پہلے انہیں جھاڑلے جتنی بار جھاڑنے میں ہاتھ صاف ہو جائیں۔	۴۳
۶۰۵	۴	**مسئلہ :** زمین پر بے نیت تیمّم ہاتھ رکھے تھے اور ان میں اتنی مٹی لگ گئی کہ تیمّم کو کافی ہو اب تیمّم کی نیت کی تو انہی ہاتھوں کو مل سکتا ہے۔اس بار ضرب کی حاجت نہیں۔	۴۴
۶۰۵	۵	**مسئلہ :** مصنّف کی تحقیق کہ اگر جنسِ زمین پر ہاتھ مارنے کے بعد حدث ہو گیا وہ ضرب باطل ہو گئی اس سے مسح نہیں کرسکتا پھر ضرب کرے۔	۴۵

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۰۷	۲	**مسئلہ:** زید نے عمرو سے کہا مجھے تیمّم کرادے عمرو نے جنسِ ارض پر ہاتھ مارے اس کے بعد زید کو حدث ہو گیا علّامہ حدادی کی بحث میں یہ ضرب بیکار ہو گئی اور مصنّف کی تحقیق میں بیکار نہ ہوئی۔	۴۶
۶۰۷	۵	**مسئلہ:** زید نے عمرو سے کہا مجھے تیمّم کرادے عمرو نے جنسِ ارض پر ہاتھ مارے اس کے بعد عمرو کو حدث ہو گیا علّامہ بحر کی بحث میں یہ ضرب بکار آمد ہے اور مصنّف کی تحقیق میں بیکار ہو گئی، پھر ضرب کرے۔	۴۷
۶۰۷	۸	**فائدہ:** مصنف کی تحقیق مفرد اور نزاعِ ہزار سالہ کا فیصلہ کہ دونوں ضربیں تیمّم معہود کے لئے رُکن ہیں غیر معہود کے لئے نہیں۔	۴۸
۶۰۸	۴	**مسئلہ:** تیمّم کی ضربوں سے صرف اس قدر مراد ہے کہ ہاتھوں سے جنسِ ارض کو مَس کرنا کچھ سختی سے مارنا ضرور نہیں، ہاں اولیٰ ہے۔	۴۹
۶۱۲	۱ الف	**مسئلہ:** اگر خود اپنے شہر میں پانی میل بھر دُور ہو تیمّم کر سکتا ہے۔	۵۰
۶۱۲	۲ الف	**مسئلہ:** اگر مسافر کو امید ہو کہ آگے چل کر پانی مل جائے گا تو مستحب ہے کہ اتنی تاخیر کرے کہ وقتِ کراہت نہ آجائے اور اگر بلا انتظار ابھی تیمّم سے پڑھ لے جب بھی جائز ہے جبکہ پانی میل بھر دُور ہو۔	۵۱
۶۱۳	۱	**مسئلہ:** سفر میں پانی اگر اتنی قیمت کو ملے جتنی قیمت اس جگہ اس وقت بازار کا بھاؤ ہے اور اتنی قیمت حاجتِ ضروریہ سے زائد اس کے پاس ہے تو خریدنا واجب اور تیمّم ناجائز اگرچہ ایک مشکیزہ ایک روپے کو ہو جیسے موسم حج میں بعض مواقع پر ہو جاتا ہے۔	۵۲
۶۱۳	۲	**مسئلہ:** اگر قیمت پاس نہیں دوسری جگہ ہے اور بیچنے والا ادھار دینے پر راضی ہو جب بھی خریدنا واجب۔	۵۳
۶۱۳	۳	**مسئلہ:** اگر یہ قیمت نہیں رکھتا اور کوئی شخص قرض دینے کا کہتا ہے کہ مجھ سے دام قرض لے کر پانی خرید لے تو لینا واجب نہیں۔	۵۴
۶۱۳	۴	**مسئلہ:** وضو یا غسل میں پانی سے نقصان کا نرا اندیشہ کافی نہیں، نہ کسی ڈاکٹر یا فاسق یا ناقص طبیب کا کہنا کافی، بلکہ تین دلائل شرعیہ سے ایک کا ہونا ضرور یا تو ظاہر واضح روشن علامت یا صحیح تجربہ یا طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کا بیان۔	۵۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۶	**مسئلہ:** کیسی ہی سخت سردی ہو اس کے سبب وضو کی جگہ تندرست کو تیمّم جائز نہیں مگر جبکہ انہیں تین دلائل شرعیہ میں کسی دلیل سے ثابت ہو کہ وضو کیا تو بیمار ہو جائے گا۔	۵	۶۱۳
۵۷	**مسئلہ:** اگر پانی پر دشمن ہے اور وہ وضو وغسل کو منع کرتا اور ضرر رسانی کی دھمکی دیتا ہے جس پر وہ قادر ہے جب تو تیمّم سے پڑھ لے اور پھر وضو سے اعادہ کرے اور اگر وہاں دشمن کے موجود ہونے سے خود اسے خوف واندیشہ ہے اس کی طرف سے ممانعت نہیں تو تیمّم کرے اور اعادہ نہیں۔	۱	۶۱۶
۵۸	**مسئلہ:** اگر مرد یا عورت کو نہانا ہے اور وہاں کچھ مرد خواہ عورتیں اور بھی ہیں یا عورت کو وضو کرنا ہے اور وہاں نامحرم مرد ہیں اگر آڑ ممکن ہو غسل ووضو لازم ہے تیمّم کرنا جائز نہیں اور اگر آڑ ناممکن ہو تو دو[۲] صورتیں میں ایک یہ کہ وہ آڑ نہیں کرنے دیتے کہ اسے قید کر رکھا ہے یا آڑ کرنے میں ضرررسانی سے دھمکاتے ہیں اس صورت میں تیمّم کرے اور بعد کو اعادہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ خود ہی آڑ پر قادر نہیں مثلاً بوجہ مرض یا اس لئے کہ وہاں آڑ کی جگہ ہی نہیں جیسے کشتی تو اس صورت میں یہ ان سے کہے کہ پیٹھ پھیر لیں یا آنکھیں بند کرلیں۔ اگر وہ مان لیں غسل ووضو کرے اور نہ مانیں تو تیمّم کرے اور ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی اعادہ کا حکم ہو۔	۳	۶۱۶
۵۹	**مسئلہ:** جو تیمّم تنگی وقت کے لئے کیا ہو اس سے دوسری عبادت کے بے طہارت جائز نہیں کہ یہ اس ضرورت کے لئے تھا جہاں ضرورت نہیں اس کے لئے وہ تیمّم بھی باطل۔	۳	۶۱۸
۶۰	**مسئلہ:** ہبہ مالک کر دینے کو کہتے ہیں اور اباحت یہ کہ مِلک تو اپنی ہی رکھی مگر اسے برتنے خرچ کرنے کی اجازت دی مالک کر دینے سے ہر چیز پر قدرت حاصل ہو سکتی ہے لیکن مباح کرنے سے پانی کے سوا کسی چیز پر قدرت نہ سمجھی جائے گی۔	۴	۶۳۰
۶۱	**مسئلہ:** اباحت درکنار فقط اتنا وعدہ کہ میں تجھے پانی دُوں گا ظاہرًا پانی پر قادر کرتا ہے کہ ظاہر وفاءِ وعدہ ہے۔	۵	۶۳۰
۶۲	**مسئلہ:** کسی نے اسے وضو کیلئے پانی دینے کا وعدہ کیا یہ منتظر رہا جب دیکھا کہ اب انتظار میں وقت جائے گا نماز تیمّم سے شروع کردی اتنے میں وہ پانی لے آیا اگر جانے کہ نیت توڑ کر وضو کرکے وقت میں نماز پالوں گا تو تیمّم جاتا رہا وضو کرکے پڑھے اور اگر جانے کہ اب وضو کا وقت نہیں تو تیمّم باقی ہے نیت نہ توڑے نماز پوری کرے بعد کو وضو کرکے پھیرے۔	۶	۶۳۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۳	مسئلہ: پانی نہ ہونے کے سبب تیمم کیا تھا پھر ایسا بیمار ہوگیا کہ وضو نقصان کرے گا اور پانی پایا تو دوبارہ بیماری کا تیمّم کرے کہ وہ تیمّم کہ پانی نہ ہونے کا تھا جاتا رہا۔	۱	۶۳۱
۶۴	مسئلہ: پانی نہ ہونے کے سبب تیمّم کیا تھا اب پانی تو ملا مگر اس پر دشمن یا درندہ وغیرہ ہے جس کے سبب پانی لے نہیں سکتا پہلا تیمّم نہ ٹوٹے گا۔	۳	۶۳۱
۶۵	مسئلہ: تیمّم کیلئے پانی معدوم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے پاس نہ ہو اور اس تک پہنچنے میں حرج وضرر ہو۔	۵	۶۳۱
۶۶	مسئلہ: پانی اگر آنکھوں کے سامنے موجود ہے مگر اس تک پہنچ نہیں سکتا، تو وہ پانی معدوم ہی ٹھہرے گا۔	۶	۶۳۱
۶۷	مسئلہ: اقول اگر پانی سے عجز کا سبب تو نہ بدلے مگر سبب کا مسبّب بدل جائے تو اس سے پہلا تیمّم نہ ٹوٹے گا، مثلاً پانی پر دشمن تھا جس سے جان کا اندیشہ۔ وہ جانے نہ پایا تھا کہ چور آگیا جس سے مال کا اندیشہ تو اس کے آتے ہی دشمن چلا گیا تو وہ تیمّم جو خوفِ دشمن سے کیا تھا باقی رہے گا۔	۱	۶۳۲
۶۸	مسئلہ: جاڑے میں وضو کرنے سے سردی بہت معلوم ہوگی اس کی تکلیف ہوگی مگر کسی مرض کا اندیشہ نہیں تو تیمّم کی اجازت نہیں۔	۵	۶۳۲
۶۹	مسئلہ: نہانے کی حاجت میں اگر پانی گرم کرسکتا ہے یا حمام کی اجرت حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہے تو سردی کے خوف سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۷	۶۳۳
۷۰	مسئلہ: جو تیمّم کہ مسجد سے نکلنے کے لئے کیا اس سے تلاوتِ قرآن مجید حلال نہیں ہوسکتی۔	۲	۶۳۷
۷۱	مسئلہ: اگر بوجہ عذر باہر نہ جاسکے اب نماز کے لئے ضرور تیمّم کرنا ہوگا۔ مگر وہ تیمّم کہ مسجد میں ٹھہرنے کیلئے کیا تھا کافی نہ ہوگا نماز یا تلاوت کے لئے دوبارہ تیمّم کرنا ہوگا مسجد کی زمین خواہ دیوار سے اور اب وہ شرطیں جلدی کیں اس میں نہ ہوں گی جو ہم نے نکلنے کے تیمّم میں بیان کیں۔	۳	۶۳۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۲	**مسئلہ:** نہانے کی حاجت ہے اور حوض دہ در دہ سے کم اور کوئی برتن پانی لینے کو نہیں حوض کے اندر جاکر نہائے تو تمام پانی قلیل ہونے کے سبب خراب و مستعمل ہوجائیگا اگر وہ پانی وقف ہے یا مالک کی اجازت نہیں تو اس میں نہانا جائز ہے تیمّم کرے اور اگر مالک کی اجازت ہے یا پانی خود اس کی مِلک ہے یا جنگل کا مباح پانی ہے تو نہانا لازم اور تیمّم ناجائز۔	۱	۶۴۱
۷۳	**مسئلہ:** پانی موجود ہو صَرف پر ہر طرح قدرت ہو لیکن طہارت میں اسے خرچ کرنے سے شرع مطہر کی ممانعت ہو تو یہ بھی عجز کی صورت اور تیمّم کی اجازت ہے جیسے راہ میں پینے کی سبیل کہ اس سے وضو جائز نہیں یا پانی کسی کو ہبہ کردیا اب اگرچہ اس کی رضا یا حاکم کے جبر سے واپس لے سکتا ہے مگر دی ہوئی چیز واپس لینا گناہ ہے اس لئے عجز ثابت ہے۔	۱	۶۴۳
۷۴	**مسئلہ:** اگر گدھے کا جھُوٹا پانی یا وہ نبیذ موجود ہے جس کے نبیذ ہوجانے یا ابھی پانی رہنے میں شبہ ہے اور ان صورتوں میں حکم یہ ہے کہ ان پانیوں سے وضو بھی کرے اور تیمم بھی اور بہتر یہ ہے کہ پہلے وضو کرے بہرحال اس وضو میں نیت شرط ہے جیسے اور وضو بے نیت بھی ہوجاتے ہیں کہ پانی اعضاءِ وضو پر بہہ جائے اگرچہ اس کا ارادہ وضو کرنے کا نہ ہو بلکہ اصلاً ارادہ نہ ہو جیسے مینہ میں بھیگ گیا یا دریا میں غوطہ لگایا یا کسی نے زبردستی اعضاء پر پانی بہادیا ہر طرح وضو ہوگیا۔ان دو پانیوں میں ایسا نہیں بلکہ خاص نیت طہارت کے ساتھ وضو کرنا لازم ہے۔	۱	۶۴۴
۷۵	**مسئلہ:** یہ جو حکم ہے کہ وضو کے اکثر یا نصف اعضاء میں زخم ہو تو تیمّم کرے اور یہاں گنتی میں اکثر مراد ہے اس گنتی میں سر بھی داخل ہے **اقول:** مگر اور اعضا میں تو محلِ وضو سے کسی جگہ کوئی زخم یا دانہ ہونا کافی ہے۔سر میں ضرور ہے کہ تین چہارم سے زیادہ مجروح ہو کہ عضو وضو صرف رُبع سر ہے تو جب تک چہارم سر محفوظ ہے سر مجروح نہ ٹھہریگا جس طرح ہاتھ، اگر کہنیوں سے اُوپر بغلوں تک یا پاؤں گٹوں سے اوپر رانوں تک مجروح ہوں تو مجروح نہ ٹھہریں گے کہ محل وضو سالم ہے۔نیز لازم ہے کہ اسے مسح ضرر کرے اگر دھونا مضر ہو تو وضو میں سر مطلقاً صحیح ہے کہ وضو میں اس کا دھونا نہیں۔	۱	۶۴۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۶	**مسئلہ:** وضو میں اگر سر کا مسح نقصان کرتا ہو واجب ہے کہ سر پر پٹی باندھ کر اس کے اتنے ٹکڑے پر بھیگا ہاتھ پھیرے جو چہارم سر پر واقع ہے اگر اس سے بھی نقصان ہو تو مسح بالکل چھوڑ دے معاف ہے تیمّم کی اجازت نہیں اور غسل میں سر کا دھونا ضرر دیتا ہو تو سارے سر پر ایک ایک بال پر اوّل سے آخر تک مسح کرے۔ مسح بھی ضرر دے تو محلِ نقصان پر پٹّی باندھ کر اس سب پر پانی بہائے۔ اس سے بھی نقصان ہو تو اس سب پر بھیگا ہاتھ پھیرے۔ اس سے بھی ضرر ہو تو گلے سے نہالے سر بالکل چھوڑ دے معاف ہے تیمّم روا نہیں۔	۱	۶۴۶
۷۷	**مسئلہ:** سر میں مرض ہے دھونا مضر ہے اور گلے سے نہانے میں بخارات جو اٹھ کر جائیں گے صحیح تجربے یا طبیب حاذق مسلم مستور کے کہنے سے ضرر دیں گے تو گلے سے بھی نہ نہائے تیمّم کرے۔	۸	۶۴۷
۷۸	**مسئلہ:** اگر پانی معلوم تھا اور یہ سمجھا کہ خرچ ہوگیا، تیمّم سے نماز پڑھ لی، بعد کو معلوم ہوا کہ پانی باقی تھا بالاتفاق نماز نہیں ہوئی وضو کرکے پھر پڑھے اگرچہ قضا۔	۲	۶۵۰
۷۹	**مسئلہ:** پانی اگر بیٹے کی مِلک پر ہے اور اس حد تک پہنچنے سے پہلے باپ نے کہہ دیا تھا کہ وہ پانی میں لوں گا جب تو بیٹے کا اگر اس وقت تیمّم ہے اس پانی پر پہنچنے سے بھی نہ ٹوٹے گا کہ باپ کی ممانعت کے سبب اس پر قدرت نہیں اور اگر باپ نے ایسا نہ کہہ دیا تھا تو پانی پر پہنچ کر بیٹے کا تیمّم جاتا رہے گا اب اگر باپ اس پانی کو لے گا بیٹے کو دوبارہ تیمّم کرنا ہوگا۔	۳	۶۵۳
۸۰	**مسئلہ:** جنگل میں جنب و حائض و محدث و میت میں مباح پانی ملا کہ ایک کو کافی ہے بہتر یہ ہے کہ جنب اس سے نہالے باقیوں کے لئے تیمّم۔	۴	۶۵۳
۸۱	**مسئلہ:** اگر یہ پانی ان میں سے کسی ایک کی مِلک ہے جب تو ظاہر کہ وہی مستحق ہے اور اگر اس میں سب کی شرکت ہے تو مناسب یہ ہے کہ سب اپنے حصّے میت کو دے دیں اسے نہلادیں اور آپ تیمّم کریں کہ اس کا حصّہ یہ اپنے صرف میں نہیں لاسکتے۔ **اقول:** اگرچہ ان میں کوئی میت کا وارث بالحصر ہو کہ پانی ابھی خود میت کو درکار ہے اور اس کی حاجات غسل و کفن و دفن توریث کیا دیون پر بھی مقدم ہیں) اور یہ اپنا حصہ اسے دے سکتے ہیں **اقول:** اس لئے کہ محدث بھی نہیں ہوتا مگر بالغ، ہاں اگر نابالغ محدث فرض کیا جائے تو لاجرم میت واحیاء سب کو تیمّم ہوگا کہ حصہ نابالغ بھی دوسرے پر صرف نہیں ہوسکتا ہے۔		

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۵۴	۱	**مسئلہ:** جنب وحائض ومحدث تیمّم سے تھے مباح پانی اتنا ملاکہ ایک ہی کو کافی ہو سب کا تیمّم ٹوٹ گیا، جب مثلاً بوجہ اولویت جنب اس سے نہالے اس کے بعد باقی دوبارہ تیمّم کریں۔	۸۲
۶۵۴	۲	**مسئلہ:** مباح پانی اگرچہ کتنا ہی قلیل ہو جتنوں کو ملے گا سب جداجدا اس پر قادر سمجھے جائیں گے مثلاً سَو آدمی تیمّم سے تھے بعض کا تیمم غسل کا تھا بعض کا وضو کا بعض کو نہانے میں مثلاً پیٹھ پر اتنی جگہ پانی بہنے سے رہ گئی تھی جسے ایک چُلّو پانی بس ہوتا بعض کو وضو میں بائیں پاؤں کا اتنا ہی حصّہ دھونے سے رہ گیا تھا۔ مثلاً ساٹھ ایسے تھے اور چالیس وہ جن کو وضو وغسل کے لئے پانی ملا ہی نہ تھا اب ایک چُلّو پانی مباح پایا ان چالیس کا تیمّم باقی ہے، ان ساٹھ کا ٹوٹ گیا جب اُن میں سے ایک اسے استعمال کرے ۵۹ پھر تیمّم کریں۔	۸۳
۶۵۴	۳	**مسئلہ:** کچھ لوگ تیمّم سے ہیں ایک شخص وضو کے قابل پانی اپنی مِلک سے لایا اور کہا تم میں جو چاہے اس سے وضو کرلے یا کہا یہ پانی اس کے لئے ہے جو خواہش کرے جتنوں کا تیمّم وضو کا تھا سب کا ٹوٹ گیا جتنوں کا غسل کا تھا باقی رہا۔	۸۴
۶۵۴	۴	**مسئلہ:** باپ جس پانی کو لینا چاہے بیٹے کو اس کی مزاحمت نہیں پہنچتی یہ صورت بھی بیٹے کے لئے عجز کی ہوگی۔	۸۵
۶۵۴	۵	**مسئلہ:** ایک پانی چند شخصوں کی ملک فاسد تھا انھوں نے بخوشی اپنے میں ایک کو اس کے صرف کی اجازت دے دی اور یہ اُس کے وضو یا غسل کو کافی ہے اور وہ تیمّم سے ہے تیمّم نہ جائیگا اس اجازت سے پانی پر قدرت نہ ثابت ہوگی کہ وہ مِلک خبیث ہے اور اس میں تصرف شرعاً ممنوع۔	۸۶
۶۵۴	۷	**مسئلہ:** تیمّم والے کے پیچھے پانی سے طہارت والا نماز پڑھ سکتا ہے مگر افضل عکس ہے۔ جبکہ وہ لائقِ امامت ہو۔	۸۷
۶۵۹	۳	**مسئلہ:** پانی موجود اور استعمال پر قدرت ہو تو سواء اُس عبادت فرض یا واجب یا سنّتِ مؤکدہ کے جو بلاعوض ہو باقی کسی شَے کے لئے تیمّم جائز نہیں اگر کرے گا لغو محض ہوگا۔	۸۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۸۹	**مسئلہ:** جہاں پانی نامعلوم ہونے کے سبب تیمّم کی اجازت تھی وہاں شرط ہے کہ وہ جگہ نہ آبادی[۱] ہو نہ آبادی[۲] کے قریب یعنی میل بھر سے کم فاصلے پر نہ وہاں[۳] ظاہر علامتیں ایسی ہوں جن سے پانی کا قرب معلوم ہو جیسے ہری دوب یا پرندوں چرندوں کا ہجوم یا کسی[۴] ثقہ کا کہنا کہ پانی یہاں میل سے کم پر موجود ہے ان باتوں کے ہوتے ہوئے پانی بے تلاش کیے تیمّم کریگا تو باطل ہوگا نماز نہ ہوگی اگرچہ بعد کو یہی ظاہر ہو کہ واقع میں پانی وہاں سے قریب نہ تھا۔ ہاں جہاں یہ چاروں باتیں نہ ہوں اور پانی بے تلاش کیے تیمّم سے نماز پڑھ لی نماز ہوگئی اگرچہ بعد کو ظاہر ہو کہ پانی وہیں موجود تھا۔	۴	۶۵۹
۹۰	**مسئلہ:** جنگل میں جہاں مظنہ آب ہے پانی صرف اس حد تک طلب کرنا واجب ہے جس میں نہ اسے ضرر ہو نہ انتظار میں اس کے رفیقوں کو۔	۱	۶۶۲
۹۱	**مسئلہ:** جہاں پانی نہیں کافر نے اسلام لانے کیلئے تیمّم کیا پھر مسلمان ہوا اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا نہ کوئی ایسا فعل کرسکتا ہے جس کے لئے طہارت ضروری ہو بلکہ اس کے لئے بعد اسلام پھر تیمّم کرے۔	۴	۶۶۲
۹۲	**مسئلہ:** پانی نہ ہونے کی حالت میں جوازِ تیمّم کیلئے دو میں سے ایک شرط ہے یا تو مطلق تطہیر و رفع حدث کہ یہ نیت تو عام وتام ہے یا مطلقاً کسی عبادت کی نیت اگرچہ نہ مقصودہ ہو نہ مشروطہ۔	۲	۶۶۴
۹۳	مسئلہ: پانی ہوتے ہوئے صرف اسی عبادت مؤکدہ کے لئے تیمّم جائز ہے جو پانی سے طہارت کرنے میں بلابدل فوت ہوتی ہو۔	۳	۶۶۴
۹۴	**مسئلہ:** بے وضو شخص جسے نہانا نہیں مسجد میں ذکرِ الٰہی کے لئے بیٹھنا چاہتا ہے اور پانی نہیں بہتر ہے کہ تیمّم کرے مگر اس تیمّم سے نماز نہ ہوگی۔	۴	۶۶۴
۹۵	**مسئلہ:** مسجد میں سونا کوئی عبادت نہیں اس کے لئے تیمّم محض لغو وباطل ہے اگرچہ پانی پر قدرت نہ ہو، ہاں اگر جنب کسی خوف کی ضرورت سے مسجد میں ٹھہرنا چاہے اور پانی نہ پائے تیمّم کرے کہ یہ تیمّم بنیت تطہیر بغرض قرار فی المسجد ہوگا۔ ولہذا اس سے نماز جائز نہ ہوگی کہ قرار فی المسجد کوئی عبادت مقصودہ نہیں۔	۵	۶۶۴
۹۶	**مسئلہ:** پانی ہوتے ہوئے مسِ مصحف یا تلاوت کے لئے تیمّم کیا تو لغو وباطل ہوگا نہ اس سے مصحف شریف کا چھونا حلال ہوسکے گا نہ جنب کو تلاوت۔	۶	۶۶۴

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۶۴	۷	**مسئلہ:** پانی ہوتے صرف تنگی وقت کے باعث تہجد یا چاشت یا چاند گہن کی نماز کیلئے تیمّم لغو و باطل ہے اس سے یہ نمازیں جائز نہ ہو سکیں گی۔	۹۷
۶۶۴	۸	**مسئلہ:** پانی ہوتے ہوئے زیارتِ قبور یا عیادتِ مریض یا سونے کیلئے تیمّم باطل ہے۔	۹۸
۶۶۶	۱	**مسئلہ:** صرف اتنی نیت کہ تیمّم کرتا ہوں صحتِ تیمم کو کافی نہیں۔	۹۹
۶۶۶	۲	**مسئلہ:** حدث وجنابت میں تمیز کی نیت کچھ ضرور نہیں مجمل کافی ہے۔	۱۰۰
۶۶۶	۳	**مسئلہ:** جنب اگر وضو کی نیت سے تیمّم کرے جب بھی صحیح ہے تو اگر وضو کا تیمّم غسل کی نیت سے کرے تو بدرجہ اولٰی۔	۱۰۱
۶۶۶	۴	**مسئلہ:** دفنِ میت مسلم بھی منجملہ عباداتِ الٰہی ہے باوضو ہونا چاہئے پانی نہ ملے تو تیمّم کرے۔	۱۰۲
۶۶۶	۵	**مسئلہ:** تیمّم وضو و غسل ہر طہارت غیر معذور کے لئے اُس وقت ہونے کا محل ہے جب وہ چیزیں کہ طہارت کی منافی ہیں جیسے حیض ونفاس، حدث وخون وغیرہ منقطع ہولیں حدث باقی ہونے کی حالت میں طہارت فضول ولغو ہے۔	۱۰۳
۶۶۷	۴	**مسئلہ:** دسوں ۱۰ نیتوں میں سے پچھلی دو ۲ نیتوں سے جو تیمّم کیا جاتا ہے اس سے بھی نجاست حکمیہ دُور ہوتی ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ خاص اس شے کے حق میں جس کی نیت سے تیمّم کیا مثلاً پانی نہ ہونے کی حالت میں دخولِ مسجد یا مسِ مصحف یا زیارتِ قبور یا عیادتِ مریض یا دفنِ میت یا سلام یا جوابِ سلام کے لئے تیمّم کیا ان چیزوں کے حق میں طہارت حاصل ہو گئی یوں ہی اگر پانی موجود ہونے کی حالت میں نماز جنازہ یا عید یا سلام یا جواب سلام وغیرہا ان چودہ اشیاء کے لئے تیمم کیا جن کا ذکر نمبر ۸۷ میں گزرا تواُن اشیا کے لئے طہارت ہو گئی۔	۱۰۴
۶۸۵	۲	**مسئلہ:** جس چیز میں اجزائے ارضیہ وغیر ارضیہ کا خلط ہو اس میں اگر اجزائے ارضیہ غالب ہیں جنس ارض سے ہے ورنہ نہیں۔	۱۰۵
۶۹۶	۱	**ف:** پِسے ہوئے سُرمہ سے بے ضرورت تیمّم منع ہے اگرچہ صحیح ہو جائے گا۔	۱۰۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۰۷	مسئلہ: کھرنجے اور سڑک اور سادہ زمین پر بھی اس حالت میں تیمم جائز ہے کہ ان پر لید گوبر پیشاب کوئی نجاست نہ پڑی ہو یا پڑی اور زور کا مینہ برسا کر پاک کر گیا یا دھو کر پاک کر لی۔	۱	۶۹۷
۱۰۸	ف: ناہموار پتھر دیوار زمین وغیرہا جنسِ ارض جس پر ضرب سے ہتھیلی کی پوری سطح اس سے نہ لگے اس پر ضرور ہے کہ ہاتھ آگے پیچھے اس طرح پھریں کہ پُورے کفِ دست یا اس کے اکثر حصّے کو اُس سے مس ہوجائے ورنہ تیمّم صحیح نہ ہوگا۔	۱	۶۹۸
۱۰۹	مسئلہ: اگر پُورے کف دست کا جنس ارض سے مس ہوگیا جب تو اس کے اکثر سے چہرہ وہر دو دست کا مسح کافی ہے اور اگر اکثر کف کا مسح ہوا تو لازم ہے کہ یہی اکثر یا اس کا اتنا حصّہ جس پر اکثر کف صادق آئے چہرہ ودست کا مسح کرے ورنہ تیمّم نہ ہوگا۔	۲	۶۹۸
۱۱۰	مسئلہ: اگر ضرب میں پُوری ہتھیلیاں جنسِ ارض سے مس نہ کریں تو واجب ہے کہ ہتھیلیوں کی باقی پر بھی ہاتھ پھیرے اور اگر باقی حصہ متعین نہیں تو کلائیوں کے ساتھ ساری ہتھیلیوں پر ہاتھ پھیرے ورنہ تیمّم نہ ہوگا۔	۳	۶۹۸
۱۱۱	مسئلہ: کہربا پتھر نہیں اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۱	۷۰۱
۱۱۲	مسئلہ: سنگِ بصری پتھر نہیں اس پر تیمّم نہیں ہوسکتا۔	۳	۷۰۱
۱۱۳	مسئلہ: اگر کیچڑ کے سوا تیمّم کو کچھ نہ ملے تو اگر وقت میں وسعت ہے کپڑا یا اپنا پاؤں مثلاً اس سے سان لے جب خشک ہوجائے تو اس سے تیمّم کرے۔	۵	۷۰۴
۱۱۴	مسئلہ: کیچڑ سکھا کر تیمّم کا حکم اس وقت ہے کہ وقت میں گنجائش ہو ورنہ گیلے ہی سے تیمّم واجب۔	۱	۷۰۵
۱۱۵	مسئلہ: بضرورت کیچڑ سے تیمّم کرے تو واجب ہے کہ دونوں ہتھیلیاں خُوب ملے کہ کیچڑ چھُوٹ جائے اور خشکی آجائے ہاں وقت میں اس کی بھی گنجائش نہ ہو تو یونہی تیمّم کرکے پڑھے۔	۲	۷۰۵
۱۱۶	مسئلہ: وقت میں گنجائش ہو تو وہ ترکیب کہ کیچڑ خشک کرکے تیمّم کی بتائی گئی صرف مستحب نہیں بلکہ واجب ہے۔	۳	۷۰۵
۱۱۷	مسئلہ: اگر مٹی میں گوبر ملا تھا اور مٹّی غالب اور اس قدر دیر تک جلایا کہ گوبر بالکل فنا ہوگیا یا کچھ اجزاء اس کی راکھ کے رہے تو مٹی سے مغلوب رہے اس صورت میں اُس مٹّی پر تیمّم جائز ہوگا۔	۳	۷۰۷

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۷۱۴	۵	**مسئلہ:** یہ حکم کہ تیمّم غیر جنس ارض پر اس وقت روا ہے جب اس پر ہاتھ پھیرے سے انگلیوں کا نشان بنے صرف مسئلہ غبار میں ہے جو غیر جنس ارض پر پڑا ہو ورنہ اگر اس پر مثلاً مٹی کا باریک لیس خشک ہو جس پر ہاتھ پھیرے سے نشان نہ بنے گا اس پر جواز تیمّم میں شبہہ نہیں۔	۱۱۸
۷۱۹	۱	**مسئلہ:** تیمّم کی شرط یہ ہے کہ جس چیز پر تیمّم کرے نہ اس وقت اس کی ناپاکی معلوم ہو نہ بعد کو ثابت ہو۔	۱۱۹
۷۱۹	۲	**مسئلہ:** جو جگہ یا چیز مظنہ نجاست ہے جیسے بیت الخلاء کی زمین اُس پر تیمّم نہیں ہو سکتا اگرچہ اس وقت اس کی نجاست اس کے علم میں نہ ہو۔	۱۲۰
۷۲۰	۱	**مسئلہ:** کسی شے پر تیمّم کیا بعد کو کسی مسلمان ثقہ عادل نے خبر دی کہ وہ شے نجس تھی یا کسی مستور یا فاسق نے خبر دی اور اس کے دل پر اس کا صدق جما تو وہ تیمّم صحیح نہ ہوا اس سے نماز پڑھی ہو تو پھیرے اور دل پر نہ جما ہو تو اس کا لحاظ ضرور نہیں اور اگر کسی کافر نے خبر دی اگرچہ کلمہ گو ہو تو وہ مطلقاً مردود ہے۔	۱۲۱
۷۲۰	۲	**مسئلہ:** جس چیز پر تیمّم کیا نہ وہ مظنہ نجاست تھی نہ بعد کو اس کا نجس ہونا ثابت ہوا تیمّم صحیح ہو گیا اگرچہ واقع میں وہ نجس تھی۔	۱۲۲
۷۲۰	۴	**مسئلہ:** دوسرے سے اپنا تیمّم کرانا بلاضرورت مکروہ ہے۔	۱۲۳
۷۲۰	۵	**مسئلہ:** ضرور ہے کہ دوسرا اس کے حکم سے اسے تیمّم کرائے اگرچہ وہ حکم صراحۃً نہ ہو دلالۃً ہو جس کی تفصیل آتی ہے۔	۱۲۴
۷۲۰	۶	**مسئلہ:** جس وقت وہ دوسرا ضرب کرے ضرور ہے کہ یہ حکم دینے والا اس وقت نیت کرے اس دوسرے کی نیت کافی نہ ہوگی۔	۱۲۵
۷۲۱	۴	**مسئلہ:** اگر تیمّم میں حصولِ طہارت یا رفع حدث یا جوازِ نماز کی نیت نہ کی بلکہ صرف اتنی کہ یوں تیمّم کرتا ہوں یا میں نے تیمّم کی نیت کی تو تیمّم نہ ہوگا۔	۱۲۶
۷۲۲	۱	**مسئلہ:** تیمّم معہود میں اکثر کف سے چہرے اور ہاتھوں کو مسح کرنا لازم ہے اگر ایک یا دو انگلیوں سے مسح کیا اگرچہ انہیں بار بار ضرب کرکے سارے چہرے و دست کا استیعاب کر لیا تیمّم نہ ہوگا۔	۱۲۷
۷۲۲	۴	**مسئلہ:** تیمّم معہود میں خاص ہاتھ کی ضرب اور اس سے چہرہ و دست کا مسح شرط ہے اگر لکڑی یا کپڑے یا کاغذ کو جنسِ ارض پر مَس کرکے منہ اور ہاتھوں پر پھیرے گا تیمّم نہ ہوگا۔	۱۲۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۲۹	**مسئلہ:** کاغذ کپڑا کوئی چیز جنسِ ارض پر پھیری کہ اُس میں مٹّی خُوب بھر گئی اب اسے بہ نیت تیمّم چہرہ ودست پر پھیرا کہ سارے محل تیمّم پر خود مٹّی لگ گئی تیمّم ہوگیا۔	۵	۷۲۲
۱۳۰	**مسئلہ:** اگر دستانے پہنے ہُوئے جنسِ ارض پر ہاتھ مار کر چہرہ ودست پر پھیرا تیمّم ہوجانا چاہئے جس طرح میت کو تیمّم کرانے میں ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرانا نمبر ۱۶۴تا۱۶۶میں گزرا۔	۷	۷۲۲
۱۳۱	**مسئلہ:** ہتھیلیوں پر کوئی لیپ لگاہے اور وہ خشک ہوگیااور اُس کا چھڑانا مضر ہے اسی حالت میں ہتھیلیاں جنسِ ارض پر مار کر تیمّم کرے۔	۲	۷۲۳
۱۳۲	**مسئلہ:** ہتھیلی ایک ضرب سے ایک ہی عضو کو مسح کر سکتی ہے خواہ منہ ہو یا داہنا ہاتھ یا بایاں دو عضووں کو ایک ہتھیلی کی ضرب واحد کافی نہیں۔	۳	۷۲۳
۱۳۳	**مسئلہ:** میت یا مریض کو تیمّم کرایا پہلی ضرب سے دو ہتھیلیاں اس کے چہرے پر پھیریں، دوسری سے دونوں ہتھیلیوں سے اس کے ایک ہاتھ کو مسح کیا اب دوسرے ہاتھ کیلئے جدید ضرب ضرور ہے یہ صورت وہ ہے کہ تیمّم دو ۲ ضربوں سے نہیں ہوسکتا۔	۴	۷۲۳
۱۳۴	**مسئلہ:** تیمّم میں ترتیب شرط نہیں چاہے پہلے ہاتھوں کا مسح کرے یا منہ کا ہر طرح تیمّم ہوجائے گا۔	۵	۷۲۳
۱۳۵	**مسئلہ:** تیمّم معہود میں ترتیب سنّت ہے۔	۷	۷۲۳
۱۳۶	**مسئلہ:** تیمّم میں چہرہ وہر دو دست جہاں تک وضو میں دھونا فرض ہیں ان میں ایک رونگٹے کی نوک بھی اگر تیمّم معہود میں ہاتھ پھیرنے یا غیر معہود میں جنس ارض پہنچنے سے رہ جائے گی تیمّم نہ ہوگا۔	۱	۷۲۴
۱۳۷	**مسئلہ:** لازم ہے کہ انگوٹھی چھلّے انگلیوں کلائیوں کے ہر گہنے کو اتار کر تیمّم کیا جائے یا انہیں ہٹا ہٹا کر مسح کریں۔	۲	٦٢٤
۱۳۸	**مسئلہ:** آدمی نے جہاں سے تیمّم کیا اگر ہزار بار وہیں سے تیمم کرے یا جہاں سے ایک شخص نے تیمّم کیا اگر ہزاروں آدمی خاص اسی جگہ سے تیمّم کریں کچھ حرج نہیں کہ جنسی ارض سے تیمّم سے مستعمل نہیں ہوتی۔	۱	۷۲۵
۱۳۹	**مسئلہ:** تیمّم کرنے والوں کے مُنہ اور ہاتھوں کو جو مٹّی تیمّم میں لگ کر چھوٹی اگر جمع کرنے سے اتنی ہوجائے کہ اس پر ضرب ہوسکتی ہے تو اس پر بھی ہزاروں بار تیمّم ہوسکتا ہے کہ جنسِ ارض کتنی ہی استعمال کی جائے کسی طرح مستعمل نہیں ہوتی۔	۴	۷۲۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۴۰	مسئلہ: ایک عضو کو ایک ہی ضرب سے مسح کرے عضو واحد کے لئے متعدد ضربیں بالاجماع مکروہ ہیں۔	۴	۷۲۹
۱۴۱	مسئلہ: کسی دیوار پر تیمّم دیوار میں کوئی تصرف نہیں۔	۴	۷۳۴
۱۴۲	مسئلہ: تیمّم سے نماز پڑھ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ دوسرے کے پاس پانی موجود تھا، نماز ہو گئی اگر وہ اب پانی دے گا آئندہ کے لئے تیمّم ٹوٹے گا۔	۱	۷۵۰
۱۴۳	مسئلہ: نماز میں پانی پایا تیمّم ٹوٹ گیا نماز جاتی رہی اگرچہ التحیات کے بعد سلام سے پہلے پائے۔	۲	۷۵۰
۱۴۴	مسئلہ: ایک سلام پھیرنے کے بعد پانی پایا نماز ہو گئی۔	۳	۷۵۰
۱۴۵	مسئلہ: سو آدمی تیمّم سے نماز پڑھ رہے ہیں ایک شخص پانی لایا اور خاص ایک سے کہا کہ یہ پانی لے تو اسی کی گئی اور ان کی ہو گئی۔ ہاں اگر وہ امام ہے تو سب کی گئی اور اگر یوں کہا کہ جس کے جی میں آئے یہ پانی لے تو سب کی گئی۔	۴	۷۵۰
۱۴۶	مسئلہ: اگر کافر کہے تو اس کا اعتبار نہیں نماز پڑھ کر پانی مانگے دے دے تو نماز پھیرے ورنہ ہو گئی۔	۵	۷۵۰
۱۴۷	مسئلہ: اگر کسی وجہ سے کسی کافر کی نسبت معلوم ہو کہ یہ تمسخر سے نہیں کہتا تو نیت توڑنی چاہئے۔	۷	۷۵۰
۱۴۸	مسئلہ: اگر کسی فاسق مسخرہ پر ظن ہو کہ یہ براہِ تمسخر کہتا ہے نیت توڑنے کی اجازت نہیں۔	۸	۷۵۰
۱۴۹	مسئلہ: نماز میں معلوم ہُوا یا یاد آیا کہ دوسرے کے پاس پانی ہے اگر ظن غالب ہو کہ مانگنے سے دے دے گا نیت توڑے ورنہ جائز نہیں۔	۹	۷۵۰
۱۵۰	مسئلہ: نماز پڑھتے میں سراب پر نظر پڑی اگر گمان غالب ہوا کہ یہ پانی ہے نیت توڑے اگر دیکھے کہ پانی نہیں تیمّم باقی ہے نماز پھر پڑھے اور اگر پانی ہونے کا گمان غالب نہ ہو نیت توڑنا جائز نہیں بعد نماز دیکھے اگر پانی ہے نماز پھیر ورنہ نماز ہو گئی اور تیمّم باقی ہے۔	۱	۷۵۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۵۱	**مسئلہ:** جب گمان غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا تو نیت توڑنا واجب ہے	۲	۷۵۱
۱۵۲	**مسئلہ:** تیمّم سے نماز کامل ہے، تیمّم بھی ہمارے نزدیک طہارت کاملہ ہے	۴	۷۵۱
۱۵۳	**مسئلہ:** وضو والے کو تیمّم والے کی اقتدا میں اصلاً کراہت نہیں اگرچہ عکس افضل ہے۔اقول یعنی جبکہ تیمّم والا اعلم وافضل واحق بالامامۃ ہو۔	۵	۷۵۱
۱۵۴	**مسئلہ:** جب ظن غالب ہو کہ مانگے سے دے دے گا تو مانگنا واجب ہے اور شک ہو تو مستحب اور ظن غالب ہو کہ نہ دے گا تو مستحب بھی نہیں۔	۶	۷۵۱
۱۵۵	**مسئلہ:** اگر ظن غالب ہو کہ پانی یہاں کہیں قریب ایک میل سے کم فاصلے پر ہے تو تلاش کرنا واجب ہے اور شک ہو تو مستحب ورنہ مستحب بھی نہیں۔	۷	۷۵۱
۱۵۶	**مسئلہ:** نماز میں پانی دوسرے کے پاس معلوم ہوا اور ظن غالب ہوا کہ مانگے سے دے دے گا تو اگرچہ نیت توڑ کر مانگنا واجب ہے مگر فقط اس غلبہ ظن سے نہ تیمّم ٹوٹے نہ نماز جائے یہاں تک کہ اگر اُس نے خلاف حکم کرکے نماز پوری کرلی پھر مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز ہوگئی اور تیمّم باقی ہے۔	۸	۷۵۱
۱۵۷	**مسئلہ:** ایک جماعت تیمّم سے ہے ایک شخص پانی لایا اور کہا یہ میں نے تم سب کو ہبہ کیا انہون نے اس پر قبضہ کرلیا تیمّم کسی کا نہ گیا اقول یعنی اگر وہ پانی سب کو کافی نہ ہو مثلاً دس ۱۰ شخص ہیں اور پانی صرف نو کو کافی، تو بالاتفاق، اور اگر سب کو کافی بلکہ کافی سے بھی زائد ہے تو امام رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی ان کا تیمّم نہ ٹوٹے گا صاحبین کے نزدیک ٹوٹ جائے گا، اور فتوٰی قولِ امام پر ہے۔	۳	۷۵۲
۱۵۸	**مسئلہ:** اگر اُن میں ایک شخص کو ہبہ کیا تو بعد قبضہ صرف اسی کا تیمّم گیا اوروں کا باقی ہے، اور اگر جماعت ہورہی ہے اور امام کو ہبہ کیا تو نماز سب کی گئی اگرچہ اوروں کا تیمّم نہ گیا۔اقول اور اگر چند کو ہبہ کیا اور اُتنوں کے لیے پانی کافی تھا تو صاحبین کے نزدیک بشرطِ قبضہ اُتنوں کا تیمّم جاتا رہا اور امام کے نزدیک سب کا باقی ہے مگر وہ جس کا حصہ تقسیم کرکے قبضہ دے۔	۴	۷۵۲
۱۵۹	**مسئلہ:** تیمّم سے جماعت ہورہی ہے اور ایک شخص پانی لایا اور کہا یہ میں نے تم سب کو ہبہ کیا، یا امام کے سوا کسی اور کو کہا یہ میں نے تجھے ہبہ کیا بعد سلام امام نے اس سے پانی مانگا اس نے دے دیا سب کی نماز گئی۔	۵	۷۵۲

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۷۵۳	۵	**مسئلہ:** شروع نماز سے پہلے اگر دوسرے کے پاس پانی معلوم ہوا اگر غالب گمان ہے کہ مانگے سے دے دے گا مانگنا واجب ہے بے مانگے تیمّم سے نماز پڑھنا منع ہے۔اور اگر شک ہو تو مانگنا مستحب ہے ورنہ مستحب بھی نہیں۔	۱۶۰
۷۵۸	۱	**ف:** یہ جو کہا جاتا ہے کہ پانی عادۃً مبذول ہے یعنی اُس کے دینے میں کسی کو تکلیف نہی ہوتی پینے کے پانی میں ہے خصوصًا جائے اقامت میں طہارت خصوصًا غسل کا پانی سفر میں مبذول نہیں بلکہ اس کے دینے میں بہت اشیائ سے زیادہ تکلف ہوتا ہے۔	۱۶۱
۷۵۹	۱	**ف:** دس ۱۰ صورتیں جن میں پانی دے دینے کا ظن غالب ہوتا ہے کہ جس کے پاس پانی ہے اس کی اولاد ہو یا سگا بھائی یا دوست یا نوکر یا رعیت یا اس سے ڈرتا یا کچھ طمع رکھتا ہو یا اسے معلوم ہو کہ یہ شخص نہ تو بخیل ہے نہ پست خیال نہ میرا مخالف اور اس کے پاس اتنا پانی ہے کہ مجھے دے کر منزل تک پہنچنے تک اس کی حاجتوں کے لیے کافی پانی بچ رہے گا یا یہ بیمار لنجھا یا ہاتھ شل ہو اور وہ کنویں پر کھڑا ہے یا اسے معلوم ہے کہ وہ کریم النفس ہے سوال رَد کرتے شرماتا ہے۔	۱۶۲
۷۶۲	۲	**مسئلہ:** جس چیز کے ہوتے ہوئے تیمّم نہ کرسکتا ہو تیمّم کی حالت میں جب وہ شَے پائی جائے گی اسے توڑدے گی۔	۱۶۳
۷۶۳	۱	**مسئلہ:** یہاں اصل اعتبار واقع کا ہے اگر اسے گمان ہو کہ نہ دے گا اور بے مانگے تیمّم سے پڑھ لی بعد نماز اس نے خود یا اس کے مانگے سے دے دیا نماز نہ ہوئی وضو کرکے پھر پڑھے اور اگر گمان تھا کہ دے دے گا اور بے مانگے تیمّم سے پڑھ لی پھر مانگا اور اس نے نہ دیا تو نماز ہوگئی تیمّم باقی رہا۔ہاں اگر اصلًا نہ مانگا نہ اس نے آپ دیا نہ اور طرح حال کھلا تو گمان پر حکم رہے گا اگر دینے کا گمان تھا اور نہ مانگا نماز نہ ہوئی ورنہ ہوگئی۔	۱۶۴
۷۶۳	۲	**مسئلہ:** جنگل میں ہے اسے پانی کا حال معلوم نہیں کہ دور ہے یا نزدیک،اور وہاں کوئی ایسا موجود ہے جس کی نسبت پانی کا حال جاننا مظنون ہو اُس سے پوچھا اُس نے نہ بتایا اس نے تیمّم سے پڑھ لی اس کے بعد اس نے بتایا نماز ہوگئی آئندہ نماز کیلئے وضو کرے۔	۱۶۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۶۶	**مسئلہ:** بتانے والا موجود تھا اور اس نے نہ پوچھا اور نماز پڑھ لی، پھر دریافت کیا اور اس نے پانی قریب بتایا نماز نہ ہوئی۔	۳	۶۶۳
۱۶۷	**مسئلہ:** اس نے پوچھا اور اس نے سنا اور کچھ نہ بولا بعد نماز بتایا نماز ہوگئی۔	۴	۶۶۳
۱۶۸	**مسئلہ:** ان غالب تھا کہ نہ دے گا تیمّم سے پڑھ لی اُتنے میں اُس کے پاس اور پانی کثیر آگیا اور دے دیا اگر وہ نہ دینے کا گمان بربنائے قلّت آب تھا تو بعد کثرت دینے سے اُس کی غلطی ثابت نہ ہونی چاہیے اور اگر اور وجوہ مثل رنجش وغیرہ کی بناپر تھا تو اُس کی غلطی ضرور ثابت ہوئی نماز پھیرے۔	۵	۶۶۳
۱۶۹	**مسئلہ:** گمان غالب تھا کہ دے دے گا بعد نماز مانگا اُس نے انکار کردیا یا اس لیے کہ اتنے میں پانی خرچ ہوکر کم رہ گیا تھا اگرچہ خرچ خود اس نے اپنی حاجت میں کیا تو ظاہر اُس گمان کی غلطی ثابت ہوئی اعادہ نماز کی حاجت نہیں اور اگر دوسرے کو دے دیا تو اُس ظن کی خطا ثابت ہوئی نماز کا اعادہ چاہیے۔	۶	۶۶۳
۱۷۰	**مسئلہ:** نماز میں کسی کے پاس پانی دیکھا اور دینے کا گمان غالب نہ ہوا نماز کے بعد مانگا اُس نے کہا پانی خرچ ہوگیا پہلے مانگتے تو میں دے دیتا اس کہنے کا اعتبار نہیں نماز ہوگئی۔	۴	۶۶۴
۱۷۱	**مسئلہ:** نماز سے پہلے پانی دیکھا اور دینے کا گمان غالب نہ ہوا تیمّم کرلیا یا پہلے کرچکا تھا کچھ دیر بعد مانگا اُس نے وہی جواب دیا کہ ہوچکا پہلے مانگتے تو مجھے دینے میں عذر نہ ہوتا اس کہنے سے بھی تیمّم نہ جائے گا اُسی تیمّم سے نماز پڑھے۔	۵	۶۶۴
۱۷۲	**مسئلہ:** پانی اس کے پاس تھا اور اُس نے غلط حیلہ کردیا کہ نہ رہا پہلے مانگتے تو دے دیتا تو اس کا بھی نماز پر کچھ اثر نہیں، نہ تیمّم جائے اگرچہ معلوم ہی ہوجائے کہ اُس نے جھوٹ حیلہ کہا۔	۱	۶۶۵
۱۷۳	**مسئلہ:** پانی دینے کا وعدہ کرنے سے اُسی وقت تک کیلئے پانی پر قادر سمجھا جائے گا کسی آئندہ وقت پر اُس کا اثر نہ ہوگا۔	۲	۶۶۵
۱۷۴	**مسئلہ:** ظاہرًا وعدے سے قدرت وقت وعدہ سے ثابت ہوگی پہلے سے نہیں۔	۱	۶۶۶
۱۷۵	**مسئلہ:** اول وقت ہے اور پانی ایک میل ہے اور امید واثق ہے کہ اوسط وقت میں وہاں تک پہنچ جائے گا جب بھی اس پر تاخیر واجب نہیں جائز ہے کہ ابھی تیمّم سے پڑھ لے۔ ہاں تاخیر مستحب ہے جبکہ جانے کہ پانی ملنے اور طہارت کرنے میں وقت مکروہ نہ آجائے گا۔	۱	۶۶۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۷۶	**مسئلہ:** پانی پر قدرت کہ مانع تیمّم ہے اور تیمّم کے بعد حاصل ہو تو مبطل تیمّم ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ پانی اگرچہ حاضر نہ ہو اُس کا حاصل کرنا بلاحرج اس کے اختیار میں ہو کہ چاہے تو حاصل کرلے اور اس تحصیل میں اسے کوئی حرج لاحق نہ ہو جیسے پانی ایک میل سے کم دور ہو اور یہ چل سکتا ہے اور نہ راہ میں جان یا مال کا کوئی خطرہ ہے نہ پانی پر اور اگر وہ کنوئیں میں ہے تو رسّی ڈول موجود ہے اور کوئی مرض بھی نہیں کہ پانی مضر ہو تو یہ پانی پر قدرت ہے اگرچہ یہاں سے سترہ سو [۱۷۰۰] گز دور ہو۔	۱	۷۶۸
۱۷۷	**مسئلہ:** آخر وقت میں پانی ملنے کی امید کی چودہ [۱۴] صورتیں جن میں حکم ہے کہ وقت کراہت نہ آنے تک انتظار مستحب ہے اور اسے اختیار ہے کہ انتظار نہ کرے اور ابھی تیمّم سے پڑھ لے۔ (۱) سیاہ گھٹا اُٹھی اور امید غالب ہے کہ تھوڑی دیر میں پانی ہی پانی ہو جائے گا۔ (۲) پانی میل بھر سے دور ہے کسی کو لینے بھیجا اور غالب ظن ہے کہ وقتِ مستحب کے اندر لے آئے گا اب بھی انتظار ضرور نہیں۔ **اقول:** لیکن اگر ظن غالب ہے کہ وہ پانی لے کر روانہ ہوگیا اور اب میل بھر سے کم فاصلے پر ہے تو انتظار واجب ہے تیمّم سے نماز نہ ہوگی۔ ہاں اگر دیکھے کہ وقت جاتا ہے تو تیمّم کرکے پڑھ لے پھر پھیرے۔ (۳) کنواں موجود ہے رسّی یا ڈول نہیں، نہ کوئی ایسی چیز کہ ان کا کام دے سکے مگر غالب گمان ہے کہ آخر وقت میں رسّی ڈول مل جائے گا۔ (۴) معلوم ہے کہ پانی یہاں کہیں قریب ہے یعنی میل بھر سے کم فاصلے پر مگر اسے جگہ معلوم نہیں چاروں طرف تلاش کرنے کا حکم ہے اور یہ بوجہ ضعف چار طرف جانے آنے پر قادر نہیں دو ایک طرف گیا اور نہ پایا واپس آیا اور تھک گیا اور گمان غالب ہے کہ آخر وقت میں کوئی ایسا آجائے گا جو پانی لادے یا جگہ بتادے۔ (۵) پانی قیمت مثل کو بک رہا ہے دام پاس نہیں وہ ادھار دیتا نہیں اور گمان غالب ہے کہ آخر وقت میں دام مل جائیں گے۔		

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	(٦) پانی موجود ہے مگر پینے کے لئے رکھا ہے وضو کرلیا تو پینے کو نہ رہے گا اور ظن غالب ہے کہ آخر میں اور فاضل پانی مل جائے گا۔ (٧) پانی پر رہزن یا دشمن یا درندہ ہے اور گمان غالب ہے کہ جلد چلا جائے گا۔ (٨) سخت اندھیری ہے پانی تک راہ نہ سوجھے گی اور ظن غالب ہے کہ آخر وقت میں اُجالا ہو جائے گا یا روشنی کا سامان مل جائے گا۔ (٩) مریض یا لُنجھا یا لُولا ہے یا ہاتھ شل ہیں یا نہایت بوڑھا ہے غرض کوئی عارضہ ایسا ہے کہ خود پانی بھرنے یا وضو کرنے پر قادر نہیں اور اپنے بیٹے یا نوکر کو کسی کام کیلئے بھیجا ہے اور گمان غالب ہے کہ ایسے وقت واپس آئے گا کہ پانی بھر کر مجھے وضو کرادے اور میں نماز پڑھ لوں۔ (١٠) باری سے جاڑا آتا ہے اور ہمیشہ گھنٹا دو گھنٹے رہ کر اُتر جاتا ہے اس وقت پانی بھرنے، وضو کرنے یا نہانے پر قادر ہو جائے گا ابھی نہیں۔ (١١) دوسرے کے پاس پانی موجود ہے وہ کہیں کام کو گیا ہوا ہے اور امید ہے کہ مانگے سے دے دے گا اور ظن غالب ہے کہ آخر وقت میں واپس آئے گا۔ (١٢) نہانا یا عورت کو وضو کرنا ہے لوگ موجود ہیں آڑ نہیں اور گمان غالب ہے کہ چلے جائیں گے اور وقت مل جائے گا۔ (١٣) مال یا بچہ پاس ہے اسے چھوڑ کر پانی لینے جا نہیں سکتا اور ظن غالب ہے کہ آخر وقت میں کوئی رفیق آجائے گا جو اس کی حفاظت کرے یا پانی لادے۔ (١٤) پانی مسجد میں ہے اور اسے نہانا ہے اور گمان غالب ہے کہ تھوڑی دیر میں کوئی ایسا مل جائے گا کہ پانی لادے مستحب ہے کہ انتظار کرے اور اگر انتظار نہ کیا اور تیمّم کرکے پانی مسجد میں سے لے آیا اور نہالیا کچھ مضائقہ نہیں۔	٣	٧٧٢
١٧٨	**مسئلہ:** جنگل میں ہے اور معلوم نہیں کہ پانی ایک میل دور ہے یا کم اور تیمّم کرکے نماز پڑھ لی نماز ہو گئی خواہ آخر وقت میں پانی ملنے کی امید ہو یا نہ ہو اس پر تلاش کرنا بھی لازم نہیں جب تک ایک میل سے کم ہونے کا ظن نہ ہو۔	١	٧٧٥
١٧٩	**مسئلہ:** معلوم ہے کہ پانی دو میل سے کم ہے وقتِ مستحب میں اُس تک پہنچ جاؤں گا اور یہ معلوم نہیں کہ ایک میل ہے یا اس سے بھی کم جائز ہے کہ تیمّم کرکے پڑھ لے پھر اگرچہ ایک میل سے کم ہی نکلے نماز ہو گئی۔ ہاں اگر یہ ظن غالب تھا کہ ایک میل سے کم ہے اور تلاش نہ کیا اور تیمّم سے پڑھ لی نماز نہ ہوئی اگرچہ بعد کو ایک میل یا زیادہ ہی دور ہونا ظاہر ہو۔	٣	٧٧٥

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۸۰	مسئلہ: یہ وعدہ کہ وقت کے بعد دوں گا کچھ مؤثر نہیں۔	۱	۷۷۷
۱۸۱	مسئلہ: وہ وعدہ جس سے وقت میں پانی ملنے کی امید ہو اگر نماز سے پہلے ہو امطلقاً مؤثر ہے اگرچہ بعد کو وفا بھی نہ ہو۔	۲	۷۷۷
۱۸۲	مسئلہ: وقت میں دینے کا وعدہ اگر بعد نماز ہو پھر وقت کے اندر ہی دے دے ضرور نماز پھیرنی ہوگی اور اگر وقت میں کسی عذر سے نہ دے جب بھی پھیرنہ ہوگی اور بلاعذر نہ دے توظاہرًا پھیرنے کی حاجت نہیں۔	۱	۷۷۸
۱۸۳	مسئلہ: دینے سے انکار کبھی صراحۃً ہوتا ہے مثلًا نہ دوں گا کبھی دلالۃً مثلًا اس نے مانگا اس نے پانی اپنے خرچ میں کرلیا یا پھینک دیا اگرچہ اتنا باقی رہا کہ اس کی طہارت کو کافی نہیں۔	۱	۷۷۹
۱۸۴	مسئلہ: اگر اس نے مانگا اور اس نے پانی دوسرے کو بطور اباحت دے دیا مالک نہ کیا تو یہ بھی دینے سے انکار ہے اور اگر دوسرے کو مالک کردیا تو اگرچہ اس کی طرف سے انکار ہوگیا مگر اب وہ دوسرا پانی کا مالک ہے وہی مسائل اس کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اس کے مانگنے سے اس کا دے دینا مظنون ہے تو مانگنا واجب وغیر ذلک۔	۲	۷۷۹
۱۸۵	مسئلہ: مانگے پر چپ رہنا بھی انکار ہے اگر کوئی قرینہ اس کے خلاف نہ ہو۔	۳	۷۷۹
۱۸۶	مسئلہ: اُس وقت اور مانگنے والے اور سکوت کرنے والے کی حالتوں اور باہمی تعلقات پر نظر ضرور ہے کہ اس سے کبھی ظاہر ہوتا ہے کہ سکوت بربنائے منع نہ تھا۔	۶	۷۷۹
۱۸۷	مسئلہ: پانی دیکھا اور نہ مانگا نہ نماز سے پہلے نہ بعد، اور اسے وقت نکل جانے کے بعد اس کی حاجت پر اطلاع ہوئی اور پانی لایا تو نمازیں پھیرنا چاہیئے۔	۱	۷۸۱
۱۸۸	مسئلہ: اُس نے پانی دیکھا اور نہ مانگا اور تیمّم سے پڑھی اور وہ دیکھتا رہا اور پانی بعد وقت دیا توظاہرًا اب بھی اعادہ نماز چاہیے۔	۱	۷۸۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۸۹	**مسئلہ:** دینے سے انکار کرکے دینا کچھ مفید نہیں مگر یہ کہ نماز پوری ہونے سے پہلے دے دے تو تیمّم ونماز جاتے رہیں گے۔	۱	۷۸۳
۱۹۰	**مسئلہ:** جنگل میں جس سے پانی کا حال پوچھا جاتا ہے موجود تھا اور بے پوچھے تیمّم سے پڑھ لی اس کے بعد اس نے پانی میل بھر سے کم دور بتایا نماز نہ ہوئی خواہ اس کے پوچھنے پر بتائے یا آپ ہی۔	۵	۷۹۳
۱۹۱	**قاعدہ۱:** اگر اس نے اسے بے مانگے پانی دیا اگرچہ وقت کے بعد یا اس کے مانگنے پر نہ وعدہ کیا نہ منع نہ سکوت بلکہ فورًا پانی دے دیا خواہ تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد نماز سے پہلے یا عین نماز میں یا نماز کے بعد خواہ قبل سوال اسے تیمّم سے پڑھتے دیکھا اور خاموش رہا یا نہ دیکھا بہر حال اسے گمان غالب اُس کے دینے یا نہ دینے کا تھا یا شک تھا عام ازیں کہ یہ نماز میں اس کے پاس پانی ہونے پر مطلع ہوا یا پہلے ان سب صورتوں میں وہ دینا مؤثر ہے یعنی تیمّم سے پہلے دیا تو تیمّم جائز نہیں اور تیمّم کرچکا تھا تو ٹوٹ گیا اور عین نماز میں دیا یا بعد تو نماز و تیمّم دونوں گئے بہر کیف وضو کرکے اس نماز کو پڑھے۔	۱	۷۹۹
۱۹۲	**قاعدہ۲:** تیمّم سے پہلے یا بعد نماز سے پہلے یا عین نماز میں اسی وقت میں پانی دینے کا وعدہ کیا تو یہ بھی بمعنی مذکور مطلقًا مؤثر ہے یعنی تیمّم کا ناقض ومانع اور نماز میں ہو تو اس کا قاطع عام ازیں کہ اس نے پانی نماز میں دیکھا یا اُس سے پہلے اور اس نے خود وعدہ کیا یا اس کے مانگنے پر اور بعد کو وقت میں دے یا بعد وقت یا اصلا نہ دے خواہ کسی عذر سے یا بالقصد وعدہ خلافی سے اور عام ازیں کہ اس وعدے سے پہلے اسے دینے یا نہ دینے کا ظن ہو یا نہ ہو بہر حال مؤثر ہے۔	۲	۷۹۹
۱۹۳	**قاعدہ۳:** یہ تیمّم سے نماز پڑھ چکا اس کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ پانی وقت میں دے گا اور پھر بلاعذر نہ دیا یا دیا تو وقت گزر جانے پر دیا اس صورت میں نماز ہوگئی خواہ یہ وعدہ اس نے خود کیا ہو یا بعد نماز اس کے سوال پر اور اس پانی پر اطلاع اسے نماز میں ہوئی ہو یا پہلے عام ازیں کہ اس نے اسے نماز مذکور تیمّم سے پڑھتے دیکھا ہو یا نہیں اور اسے پیش از وعدہ کوئی ظن ہو یا شک۔	۳	۷۹۹
۱۹۴	**قاعدہ۴:** اس کے نماز پڑھ لینے کے بعد وعدہ کیا اور وقت میں دے دیا یا نہ دینا کسی وجہ سے ہوا نہ وعدہ خلافی سے اس میں مطلقًا نماز کا اعادہ کرنا ہوگا صور مذکورہ قاعدہ سوم سے کوئی بھی صورت واقع ہو۔	۴	۷۹۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۹۵	**قاعدہ۵:** اس نے مانگا وہ چپ رہا مگر وقت میں پانی دے دیا اور اسے تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھ کر خاموش نہ رہا تھا تو یہ دینا بھی مطلقًا مؤثر ہے یعنی تیمّم کا ناقض یا مانع یا نماز کا مبطل یا قاطع خواہ اس کا مانگنا اور اس کا دینا تیمّم سے پہلے ہو یا اس کے بعد نماز سے پہلے یا عین نماز میں یا نماز کے بعد بھی بعد وقت نماز میں عام ازیں کہ اسے نماز میں پانی پر اطلاع ہوئی ہو یا پہلے اور دینے نہ دینے کا ظن ہو یا شک۔	۱	۸۰۰
۱۹۶	**قاعدہ۶:** اس کے مانگنے پر چپ رہا اور پھر پانی اصلًا نہ دیا یا وقت کے بعد دیا یا اسے تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا اور بعد نماز وقت ہی میں دیا عام ازیں کہ اسے نماز میں اطلاع ہوئی ہو یا پہلے اور تیمّم سے پہلے مانگا یا بعد، نماز سے پہلے یا نماز میں یا بعد اور کوئی ظن تھا یا شک، بہرحال نماز پوری ہوگئی اعادہ کی حاجت نہیں۔	۲	۸۰۰
۱۹۷	**قاعدہ۷:** مانگنے پر انکار کردیا مگر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا یہ دینا مطلقًا بمعنی مذکور قاعدہ دوم مؤثر ہے وضو کرکے یہ نماز پڑھنی یا پھیرنی ہوگی خواہ یہ مانگنا اور دینا تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہو اور اطلاع نماز میں ہوئی ہو یا پہلے اور دینے نہ دینے کا ظن ہوا ہو یا شک۔	۳	۸۰۰
۱۹۸	**قاعدہ۸:** اس نے تیمّم یا نماز سے پہلے یا نماز میں یا اس کے بعد مانگا اور اس نے انکار کرکے اصلًا نہ دیا یا وقت گزرنے پر دیا یا وقت ہی میں مگر نماز کے بعد دیا خواہ تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا یا نہیں بہرحال نماز ہوگئی خواہ اطلاع کبھی ہوئی اور ظن ہوا یا شک۔	۴	۸۰۰
۱۹۹	**قاعدہ۹:** نہ اس نے مانگا نہ اس نے وقت میں دیا نہ بعد مگر نماز میں خواہ اس سے پہلے پانی پر مطلع ہوکر اسے ظن غالب ہوا تھا کہ مانگے سے دے دے گا نماز نہ ہوئی پھر پڑھے۔	۵	۸۰۰
۲۰۰	**قاعدہ۱۰:** صورتِ مذکورہ میں اسے دینے کا گمان نہ ہوا بلکہ نہ دینے کا ظن غالب یا شک تھا تو نماز ہوگئی۔	۶	۸۰۰
۲۰۱	**قاعدہ۱۱:** خود یا اس کے مانگنے پر کہا پانی ختم ہوچکا پہلے کہتے تو دے دیتا پھر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا یہ بدستور مؤثر ہے وضو کرکے نماز پڑھے یا پھیرے کبھی مطلع ہوا اور کوئی ظن یا شک کیا۔	۱	۸۰۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۰۲	**قاعدہ ۱۲:** یہی کہا اور پانی اصلًا نہ دیا یا بعد وقت خواہ وقت میں یا بعد نماز نماز پر مطلع ہو کر یا بے اطلاع دیا انہیں تعمیموں پر مطلقًا مؤثر نہیں نماز ہو گئی ہاں پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔	۲	۸۰۱
۲۰۳	**قاعدہ ۱۳:** وعدہ وقت کے بعد دینے کا کیا مگر وقت میں نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا تو حکم مثل قاعدہ ۱۱ ہے۔	۳	۸۰۱
۲۰۴	**قاعدہ ۱۴:** اسی قسم کے وعدہ میں پانی ختم نماز سے پہلے نہ دیا تو حکم و تفصیل مثل قاعدہ ۱۲ ہے۔	۴	۸۰۱
۲۰۵	**قاعدہ ۱۵:** ابھی خرچ نہ ہوا اور دینے والے کی مِلک پر باقی ہے کہ اس نے منع کر دیا اس میں صدہا صورتیں ہیں بہر حال حکم یہی ہے کہ اب اس کا استعمال ناجائز ہو گیا تیمّم کرے۔	۱	۸۰۲
۲۰۶	**قاعدہ ۱۶:** وعدہ کرکے انکار کر دیا اگر وعدہ تیمّم سے پہلے تھا جس کے باعث تیمّم ناجائز ہو گیا تھا اب انکار کر دینے سے جائز ہو گیا اور اگر تیمّم کے بعد وعدہ تھا تو تیمّم ٹوٹ گیا انکار اسے جوڑنہ دے گا دوبارہ تیمّم کرے یوں ہی اگر عین نماز میں وعدہ کیا نماز و تیمّم دونوں گئے انکار انہیں پھیر نہ لائے گا پھر تیمّم کرکے نماز پھیرے اور اگر وعدہ بعد نماز تھا نماز پوری ہو گئی اور اس انکار نے اس کے پورا ہو جانے کو اور مضبوط کر دیا۔	۱	۸۰۳
۲۰۷	**قاعدہ ۱۷:** پانی مانگنے پر انکار کر دیا تھا اس کے بعد اب وعدہ کر لیا کہ وقت میں دے دے گا اگر یہ وعدہ تیمّم سے پہلے ہے تو تیمّم ناجائز ہو گیا اور تیمّم کے بعد ہے تو ٹوٹ گیا اور عین نماز میں ہے تو نماز و تیمّم دونوں گئے بہر حال آخر وقت تک انتظار کرے اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے نماز پڑھے نہ ملے اور وقت جاتا دیکھے تو تیمّم کرکے پڑھ لے پھر پھیر لے اور اگر بعد انکار یہ وعدہ نماز پڑھ لینے کے بعد کیا تو نماز ہو گئی اس پر اس کا کچھ اثر نہیں۔	۲	۸۰۳
۲۰۸	**قاعدہ ۱۸:** مانگنے پر خاموش ہو رہا پھر انکار کر دیا نماز و تیمّم سب جائز ہیں انکار بعد نماز کیا ہو خواہ پہلے۔		
۲۰۹	**قاعدہ ۱۹:** سوال پر سکوت کے بعد وقت میں دینے کا وعدہ کر لیا اگر یہ وعدہ تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہے یا نماز کے بعد مگر اس حال میں کہ اسے تیمّم سے نماز پڑھتے نہ دیکھا تو ان صورتوں میں یہ وعدہ مؤثر ہے تیمّم کا ناقض یا مانع اور نماز کا مبطل یا قاطع اور اگر تیمّم سے نماز پڑھنے پر مطلع ہوا جب بھی ساکت رہا اس کے بعد وعدہ کیا تو نماز ہو گئی۔	۴	۸۰۳

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۸۰۴	۱	**مسئلہ:** جسے نہانے کی حاجت ہو اور اس کے ساتھ کوئی حدث موجبِ وضو بھی ہو مثلاً سو یا پھر احتلام ہوا یا انزال کے بعد پیشاب کیا اور حالت یہ ہو کہ نہا نہیں سکتا اور وضو کرسکتا ہے مگر پانی صرف وضو کے لائق موجود ہے یا نہانا مضر ہے وضو میں ضرر نہیں یا صبح کو اتنے تنگ وقت میں اُٹھا کہ فقط وضو کرکے نماز مل جائے گی نہانے سے نہ ملے گی تو ان سب صورتوں میں حکم ہے کہ وضو اصلاً نہ کرے صرف تیمّم کرے وہی جنابت وحدث دونوں کیلئے کافی ہوجائے گا۔	۲۱۰
۸۰۴	۲	**مسئلہ:** تنگیِ وقت کے لئے تیمّم کہ مذہب امام زفر ہے معتمد کتابوں سے اس کی تائید مزید۔	۲۱۱
۸۰۴	۳	**مسئلہ:** ایک طہارت میں پانی اور مٹی جمع نہیں ہوسکتے مثلاً وضو کی حاجت ہے اور پانی اتنا ہے کہ سارا وضو ایک ایک بار ہوجائے گا ایک پاؤں کا حصہ بچ رہے گا تو کچھ نہ دھوئے صرف تیمّم کرے؛ یونہی نہانے کی حاجت میں پانی فقط وضو کے قابل ہو وضو نہ کرے یا سارا بدن دھولینے کے قابل ہو مگر چند انگل جگہ باقی رہ جائے گی جب بھی کچھ نہ دھوئے صرف تیمّم کرے۔	۲۱۲
۸۰۴	۴	**مسئلہ:** ہر حدث چھوٹا ہو یا بڑا، آتا ہے تو ایک ساتھ، جاتا ہے تو ایک ساتھ، اس میں ٹکڑے نہیں۔	۲۱۳
۸۰۴	۵	**مسئلہ:** اکثر اعضائے وضو زخمی ہیں صرف تیمّم کرے، یونہی نہانے میں اکثر بدن پر پانی نہیں ڈال سکتا تو جتنے پر ڈال سکتا ہے اس پر بھی نہ ڈالے فقط تیمّم کرے۔	۲۱۴
۸۰۴	۶	**مسئلہ:** وضو کیا یا نہایا اور کچھ جگہ باقی رہ گئی اور پانی ختم ہوچکا تیمّم کرے یہ تیمّم ہی اس کی طہارت ہوگا جتنا بدن دھویا تھا بیکار ہوگیا۔ **اقول:** یعنی اس سے رفع حدث نہ ہوا نماز جائز نہ ہوئی ورنہ جتنے بدن پر پانی گزر گیا اس پر سے فرض ضرور ساقط ہوگیا یہاں تک کہ اگر مثلاً نہانے میں ایک بالشت جگہ بچ رہی تھی اور تیمّم کیا اب جو اتنا پانی ملے گا کہ اس بالشت بھر جگہ پر بہہ سکے تیمّم ٹوٹ جائے گا اور جب وہاں اسے بہالے گا اسی قدر سے پورا غسل اُتر جائے گا یوں ہی وضو میں اگر اس دھونے کے بعد حدثِ جدید نہ ہوا ہو۔	۲۱۵
۸۰۶	۵	**مسئلہ:** جنب کے پاس صرف وضو کے قابل پانی تھا اور اس نے حسب الحکم فقط تیمّم کرلیا اب کوئی حدث واقع ہوا تو وضو کرے اگلا تیمّم بعد کے حدث میں کام نہیں دے سکتا۔	۲۱۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۱۷	**مسئلہ:** نہانے میں کچھ جگہ رہ گئی اور پانی نہ رہا تیمّم کرے اس کے بعد اگر حدث ہو تو اس کے لئے دوسرا تیمّم کرے جیسے نہانے کے بعد حدث واقع ہو تو پھر وضو کرنا لازم ہوتا ہے۔	۱	۸۰۷
۲۱۸	**مسئلہ:** نہایا اور مثلاً پیٹھ باقی رہ گئی اور پانی ختم ہو چکا اب اتنا پانی پایا کہ نصف پیٹھ دھولے تو مناسب ہے کہ دھولے کہ جنابت جتنی کم ہو بہتر ہے آئندہ تھوڑا ہی پانی کافی ہو جائے گا۔	۳	۸۰۸
۲۱۹	**مسئلہ:** نہانے میں مثلاً پیٹھ کا حصہ اور اعضائے وضو باقی رہ گئے تیمّم کرلیا اب اتنا پانی ملا کہ چاہے پیٹھ دھولے چاہے وضو کرلے تو اسے اختیار ہے جس میں چاہے صرف کرے اور بہتر یہ کہ وضو کرے کہ اس میں سنت وفرض دونوں کی ادا ہے۔	۴	۸۰۸
۲۲۰	**مسئلہ:** اگر جنب وضو کرلے اتنے اعضا کی طہارت ہو جائے گی جب تک دوبارہ کوئی حدث نہ ہو، اب اگر پانی ملے جب بھی ان اعضاء کا دھونا ضرور نہ ہوگا صرف باقی بدن دھونے سے جنابت زائل ہو جائے گی، ان کی طہارت اسی معنی پر ہے نہ یہ کہ ان اعضاء سے وہ کام جائز ہو جائیں جو جنب کو ناجائز تھے اس وضو سے قرآن مجید نہیں چھو سکتا اگرچہ ہاتھ دھل گئے، قرآن مجید پڑھ نہیں سکتا اگرچہ زبان دھل گئی مسجد میں قدم نہیں رکھ سکتا اگرچہ پاؤں دھل گئے یہ سب باتیں تو اسی وقت جائز ہوں گی جب پورا غسل کرلے ایک رونگٹا بھی دھونے سے رہ جائے گا تو ان میں سے کچھ نہیں کرسکتا۔	۳	۸۱۴
۲۲۱	**مسئلہ:** جنب نہایا اور پیٹھ کا کچھ حصہ باقی تھا کہ پانی نہ رہا اب حدث ہوا دونوں کیلئے ایک ہی تیمّم کرے اس کے بعد اگر پانی اتنا ملا کہ وضو اور اس کا بقیہ دونوں کو کافی ہے تو یہ تیمّم دونوں کے حق میں ٹوٹ جائے گا وضو بھی کرے اور بقیہ بھی دھوئے اور [2] کسی کو کافی نہ ہو تو تیمّم دونوں کے حق میں باقی ہے اور [3] خاص ایک کو کافی ہے تو اسی کے حق میں تیمّم ٹوٹا اس میں پانی صرف کرے دوسرے کے حق میں تیمّم باقی ہے اور [4] اگر ان میں ہر ایک کو کافی ہو مگر دونوں نہ ہو سکیں تو جنابت کا بقیہ دھوئے اور امام محمد کے نزدیک حدث کا تیمّم دوبارہ کرے۔	۶	۸۲۲
۲۲۲	**مسئلہ:** جس چیز کا ہونا تیمّم سے مانع ہو اگر بعد تیمّم پائی جائے گی تیمّم ٹوٹ جائے گا اور جس کا ہونا تیمّم سے مانع نہ ہو اگر بعد تیمّم پائی جائے گی ناقض بھی نہ ہوگی۔	۱	۸۲۳

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۸۲۴	۱	**مسئلہ:** جس چیز کے پائے جانے سے تیمّم ٹوٹ جاتا ہے اگر تیمّم کے وقت وہ موجود تھی تیمّم صحیح نہ ہوگا اور جس سے تیمّم نہیں ٹوٹتا وہ اگر وقتِ تیمّم ہو منع نہ کرے گی۔	۲۲۳
۸۲۴	۲	**مسئلہ:** نہانے میں پیٹھ کا حصہ رہ گیا پھر حدث ہوا اور تیمّم کیا اب پانی اتنا ملا کہ ان میں جسے چاہے دھوئے دونوں کو کافی نہیں اس صورت میں اسے حکم تھا کہ جنابت کا بقیہ دھولے اگر اس نے ان کا خلاف کرکے وضو کرلیا تو وہ تیمّم جنابت کے حق میں بھی بالاتفاق ٹوٹ گیا دوبارہ تیمّم کرے۔	۲۲۴
۸۲۵	۳	**مسئلہ:** جنب نے ابھی کوئی عضو نہ دھویا نہ تیمّم کیا کہ حدث ہوا اب نہائے خواہ تیمّم کرے ہر ایک سے جنابت وحدث دونوں زائل ہوجائیں گے لیکن اگر جنب اعضائے وضو دھوچکا اور باقی کل یا بعض بدن میں جنابت باقی ہے اس کے بعد حدث ہوا اب جتنا بدن جنابت میں دھونے سے رہ گیا تھا اتنا ہی دھونے سے غسل اُترجائے گا مگر حدث نہ زائل ہوگا اس کیلئے وضو کرے یا پانی نہ رہے تو تیمّم۔	۲۲۵
۸۲۵	۴	**مسئلہ:** پانی مطہر مقتصر ہے یعنی جتنی جگہ گزرے گا اسی قدر کو پاک کرے گا مگر مٹّی مطہر شامل ہے کہ تیمّم میں ہاتھ صرف چہرہ وہر دودست پر گزرنے سے سارا بدن پاک ہوجاتا ہے۔	۲۲۶
۸۲۵	۵	**مسئلہ:** مٹی اگرچہ مطہر شامل ہے مگر جب جنابت کے ساتھ مستقل حدث موجود ہو جس کے محل کو جنابت محیط نہیں تو ان میں تیمّم اسی کیلئے مطہر ہوگا جس میں اس کی شرط یعنی پانی سے عجز متحقق ہو ورنہ نہیں مثلاً جنب نے وضو کرلیا باقی بدن کل یا بعض باقی رہا پھر حدث ہوا اب جنابت کیلئے تیمّم کیا اگر وضو کے قابل بھی پانی نہیں تو تیمّم سے جنابت وحدث دونوں اُترجائیں گے اور اگر وضو کے لائق پانی موجود ہے بقیہ جنابت کے لائق نہیں تو تیمّم صرف جنابت کو زائل کرے گا حدث کیلئے وضو کرنا لازم ہوگا کہ یہ حدث محلِ جنابت سے جدا ہے لہٰذا اس کا تابع نہیں ہوسکتا۔	۲۲۷
۸۲۶	۱	**مسئلہ:** جنابت کے لئے تیمّم کیا پھر حدث ہوا وضو کیا پھر نہانے کا پانی پایا اور نہ نہایا تو جنابت لوٹ آئی مگر اعضائے وضو کی طہارت نہ گئی۔	۲۲۸
۸۲۶	۲	**مسئلہ:** صورتِ مذکورہ میں جنابت لوٹ آنے کے بعد اگر اسے پھر حدث ہو خواہ دوبارہ تیمّم جنابت سے پہلے یا بعد اور وضو کے قابل پانی پائے بہرحال وضو کرنا ہوگا یہ تیمّم جنابت اس حدث کو زائل نہ کرے گا کہ یہ حدث محل جُدا میں ہے تابع جنابت نہیں۔	۲۲۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۳۰	**مسئلہ:** اس صورت ہیں اگر وضو کے قابل بھی نہ ملے اور جنابت کیلئے تیمّم کرے حدث بھی اٹھ جائے گا مگر اسی وقت تک کہ وضو کے قابل پانی نہ ملے اگر ملے گا اور جنابت دھونے کے قابل نہ ہوگا تو وضو کرنا ہوگا جنابت کے حق میں تیمّم باقی رہے گا۔	۳	۸۲۶
۲۳۱	**مسئلہ:** جب حدث کا کوئی ذرہ محلِ جنابت سے جدا ہو تو وہ حدث مستقل ہے جنابت کا تابع نہیں جس کے قابل پانی موجود ہوگا اسے دھونا لازم ہوگا دوسرے کے قابل نہ ہوا تو اس کیلئے تیمّم کرے گا اور اگر کسی کے قابل نہیں تو دونوں کیلئے ایک تیمّم کافی تو ہوگا مگر یہ تیمّم ظاہرًا ایک اور بلحاظ معنٰی دو تیمّم ہوں گے ایک جنابت کا ایک حدث کا ان میں جس کے قابل پانی پائے گا اس کے حق میں ٹوٹ جائے گا دوسرے کے قابل نہ ہوا تو اس کے حق میں باقی رہے گا۔	۴	۸۲۶
۲۳۲	**مسئلہ:** جنابت جبکہ تمام موضع حدث کو شامل ہو وہ حدث تابع جنابت ہے اس کیلئے کوئی مستقل حکم نہیں اگر پانی غسل کو کافی نہیں اور وضو کو کافی ہے جب بھی وضو کی حاجت نہیں صرف تیمّم کافی ہے اور تیمّم کے بعد صرف وضو کے قابل پانی ملا جب بھی تیمّم نہ جائے گا نہ وضو ضرور ہوگا۔	۵	۸۲۶
۲۳۳	**مسئلہ:** جنب نے تیمّم کیا پھر حدث ہوا اور اس کیلئے وضو نہ کیا تھا کہ پانی نہانے کے قابل ملا اور نہ نہایا جس سے جنابت عود کرکے باقی رہی اور پانی چھوڑ کر میل بھر سے زیادہ چلا گیا اور اب پانی صرف وضو کے قابل پایا وضو کی حاجت نہیں۔	۶	۸۲۶
۲۳۴	**مسئلہ:** صورتِ مذکورہ میں بعد عود جنابت بھی کتنے حدث ہوں سب کو وہی تیمّم جنابت رفع کردے گا وضو کی حاجت نہ ہوگی۔ہاں اگر جنابت عود کرنے کے بعد تیمّم یا وضو کرلیا اور پھر حدث ہوا تو وضو لازم ہوگا۔	۱	۸۲۷
۲۳۵	**مسئلہ:** جنب نے تیمّم سے پہلے نماز پڑھ لی پھر حدث ہوا اور وضو کے لائق پانی ہے آئندہ نماز کیلئے وضو کرے اب اگر اس نے وضو کرکے موزے پہن لیے پھر پانی پر گزرا اور بے نہائے چھوڑ کر ایک میل یا زیادہ چلا گیا کہ پھر بے آب ہو گیا اب نماز کا وقت آیا اور وضو کو پانی موجود ہے وضو کی حاجت نہیں جنابت کیلئے تیمّم کرے اس تیمّم کے بعد اگر حدث ہو تو وضو کرے اور اب موزوں پر مسح نہیں کرسکتا، موزے اتار کر پاؤں دھوئے اس لیے کہ اسے جنابت لاحق ہے اور جنابت میں موزوں کا مسح نہیں ہاں اگر اس بیچ میں پانی پر نہ گزرا جس سے جنابت عود کرتی تو مسح موزہ جائز ہے جب تک اس کی مدت باقی ہو۔	۳	۸۲۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۳۶	**مسئلہ :** جنب نے وضو کیا پھر حدث ہوا پھر سارا وضو کیا مگر ایک انگلی کی ایک پور چھوڑ دی تو اگرچہ جنابت کے لیے تیمّم کرے گا مگر اس پور کے قابل پانی ملے تو اسے دھونا ضرور ہے تیمّم کافی نہ ہوگا۔	۲	۸۳۳
۲۳۷	**مسئلہ :** جنب کو حدث بھی ہو اور نہانا مضر ہو وضو مضر نہ ہو تو صرف تیمّم کافی ہے لیکن اگر تیمّم کرلیا پھر حدث ہوا تو وضو ضرور ہوگا۔	۳	۸۳۳
۲۳۸	**مسئلہ :** محدث اگر اتنا پانی پائے کہ منہ ہاتھ پاؤں ایک ایک بار دھولے، اور سر کا مسح کرلے نہ تین تین بار دھوسکے گا نہ کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کو بچے گا تو اسے تیمّم جائز نہیں ہوسکتا اُسی قدر کرے وضو ہوگیا اور اگر تیمّم سے تھا اور اتنا پانی پایا تیمّم جاتا رہا۔	۱	۸۳۴
۲۳۹	**مسئلہ :** حدث ہو یا جنابت یا دونوں ایک تیمّم ان میں سے جس کی نیت سے چاہے کرلے کافی ہے کچھ تخصیص ضرور نہیں کہ حدثِ اصغر رفع کرتا ہو یا اکبر۔	۱	۸۳۵
۲۴۰	**مسئلہ :** سفر میں ہے وضو کی حاجت اور کپڑے پر بقدر مانع نماز کوئی نجاست ہے اور پانی اتنا ہے کہ چاہے وضو کرلے چاہے نجاست دھولے، اس پر لازم ہے کہ نجاست دھوئے اور حدث کیلئے تیمّم کرے۔	۱	۸۴۶
۲۴۱	**مسئلہ :** اللہ عزوجل کی رحمت کہ محتاج بندے کے ایک ایک پیسے کا لحاظ فرمایا آٹا گوندھنے تک کا لحاظ فرمایا کہ آٹا گوندھنے کو پانی نہ رہے گا تو تیمّم کرلو دھیلے کا پانی پیسے کو ملتا ہے تو دھیلا زیادہ نہ دو تیمّم کرلو۔	۷	۸۴۸
۲۴۲	**مسئلہ :** وضو کرنا ہے اور نجاست دھونا اور پانی ایک ہی کو کافی ہے تو نجاست دھوئے اور حدث کیلئے تیمّم کا اختیار ہے چاہے نجاست دھونے سے پہلے کرے مگر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ بعد کو کرے اور اگر پہلے کرچکا ہے تو بعد کو پھر کرلے۔	۱	۸۴۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۴۳	**مسئلہ:** وضو کرنا ہے اور جنابت کا کچھ حصہ باقی ہے وہ بھی دھونا ہے اور پانی ایک ہی کے قابل ہے جنابت کا حصہ دھوئے اور لازم ہے کہ حدث کیلئے تیمّم اس کے بعد کرے پہلے کرلیا تو جائز نہ ہوگا پانی خرچ ہونے کے بعد دوبارہ کرے۔	۲	۸۴۹
۱	**مسح الخفین**		
۱	**مسئلہ:** مسح موزہ کے عوض موزہ پہنے ہوئے پاؤں برتن میں ڈال دیا کہ پشت موزہ کو پانی پاؤں کی تین چھنگلیا کی قدر پہنچ گیا یا جس کے ہاتھ وغیرہ پر پٹی بندھی ہے اس نے ہاتھ برتن میں ڈال کر پٹی کو تر کرلیا اور اس کے سوا کوئی حصہ ہاتھ کا جس کا دھونا ہنوز اس پر لازم تھا داخل نہ ہوا تو مسح ادا ہوگیا اور برتن کا پانی مستعمل نہ ہوا۔	۲	۲۵۸
۲	**مسئلہ:** دھونے کی بچی ہوئی تری سے مسح ہوسکتا ہے اور مسح کرلیا مسح نہ ہوا اور اگر عضو دھونے کے بعد جو تری ہاتھ میں رہی اس سے کیا تو ہوگیا۔	۳	۲۵۸
۳	**مسئلہ:** مسح موزہ سے پاؤں دھونا افضل ہے مگر مسح نہ کرنے پر اس پر خارجی ہونے کا گمان ہوتا ہو کہ وہ مسح جائز نہیں جانتے تو مسح ہی افضل ہے۔	۱	۳۳۰
۴	**مسئلہ:** شبنم سے تر گھاس میں چلنے سے موزوں کا مسح ادا ہوجائے گا جبکہ اس مقدار تک بھیگ جائے جو مسح موزہ میں درکار ہے۔	۴	۴۱۹
۵	**مسئلہ:** غسل میں موزوں کا مسح جائز نہیں بلکہ موزے اتار کر پاؤں دھونا فرض ہے۔	۱	۵۷۹
۶	**مسئلہ:** موزہ اتارنے سے موزے کا مسح ٹوٹ جاتا ہے اگر وضو کے بعد حدث نہ ہوا اور موزہ خود ہی اتارا یا مسح کی مدت ختم ہونے کے سبب اتارنا ضرور ہوا صرف پاؤں دھولے، ہاں اگر بعد وضو حدث ہوا تھا تو آپ ہی سارا وضو کرے گا۔	۸	۸۱۵
	حیض و جنب		
۱	**مسئلہ:** زنِ حائضہ کو مستحب ہے کہ بعد فراغ حیض جب غسل کرے ایک پرانے کپڑے سے فرج داخل کے اندر سے خون کا اثر صاف کرلے۔	۳	۵۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲	مسئلہ: جو آیت بلکہ پوری سورت خالص دعا و ثنا ہو جنب و حائض بے نیت قرآن صرف دعا و ثنا کی نیت سے اسے پڑھ سکتے ہیں جیسے الحمد و آیۃ الکرسی۔	۴	۲۲۲
۳	مسئلہ: کسی آیت کا اتنا ٹکڑا کہ ایک چھوٹی آیت کے برابر ہو بہ نیت قرآن پڑھنا جنب و حائض کو بالاتفاق ممنوع ہے۔	۱	۲۲۳
۴	مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ بہ نیت قرآن ایک حرف کی بھی جنب و حائض کو اجازت نہیں۔	۴	۲۲۳
۵	مسئلہ: تعلیم کی نیت سے قرآن مجید قرآن ہی رہے گا صرف اتنی نیت جنب و حائض کو کافی نہیں۔	۳	۲۲۶
۶	مسئلہ: جنب کو وہ آیات ثنا بہ نیت ثنا بھی پڑھنا حرام ہے جن میں رب عزوجل نے اپنے لیے متکلم کی ضمیریں ذکر فرمائیں۔	۱	۲۳۲
۷	مسئلہ: جن آیات دعا و ثنا کے اول میں قل ہے ان میں جنب یہ لفظ چھوڑ کر بہ نیت دعا پڑھے ورنہ جائز نہیں۔	۲	۲۳۲
۸	مسئلہ: اسے حروفِ مقطعات والی دعا کی اجازت نہیں۔	۲	۲۳۲
۹	مسئلہ: جن آیات میں خالص دعا و ثنا نہیں انہیں جنب یا حائض بہ نیت عمل بھی نہیں پڑھ سکتے۔	۶	۲۳۲
۱۰	مسئلہ: صرف عمل میں لانے کی نیت سے جنب و حائض خالص آیاتِ دعا و ثنا بھی نہیں پڑھ سکتے۔	۶	۲۳۲
۱۱	مسئلہ: دَم کرنے کیلئے بھی جنب وہی خالص آیاتِ دعا و ثنا بے نیتِ قرآن خاص بہ نیتِ دعا و ثنا ہی پڑھ سکتا ہے۔	۷	۲۳۲
۱۲	مسئلہ: فقط شفا لینے کی نیت قرآن مجید کو قرآنیت سے خارج نہیں کر سکتی۔	۱	۲۳۳
۱۳	مسئلہ: لکھے ہوئے قرآن کو جنب اپنی نیت سے نہیں بدل سکتا مثلاً سورہ فاتحہ تنہا کہیں لکھی ہے اس میں یہ نیت کرلے کہ یہ ایک دعا ہے اور اسے ہاتھ لگائے یہ جائز نہیں۔	۵	۲۳۳
۱۴	مسئلہ: آیاتِ دُعا و ثنا کو بہ نیتِ دُعا و ثنا پڑھنے کی اجازت ہے لکھنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے اگرچہ دعا ہی کی نیت کرے تو جنب وہ تعویذ کسی نیت سے نہ لکھے جس میں آیات قرآنیہ ہوں۔	۶	۲۳۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۵	مسئلہ: حیض ونفاس والی کو مستحب ہے کہ جب تک یہ حالت رہے وضو کرکے نمازکے اوقات پر تسبیح وتہلیل درود شریف پڑھ لیا کرے تہجد کی عادت ہو تواس وقت بھی۔	۲	۲۳۸
	انجاس		
۱	مسئلہ: نجاست کہ تین پانیوں سے دھوئی جاتی ہے۔پہلا پانی جس چیز کو لگے وہ تین بار دھونے سے پاک ہوگی اور دوسرا پانی لگے تو دوبار اور تیسرا تو ایک ہی بار دھونے سے پاک ہوجائے گی۔	۱	۳۳
۲	مسئلہ: ناپاک بُوندیں برتن کے اوپر گریں اور اندر پانی ہے یا اندر ہی بوند گری مگر جہاں پانی تھا اس جگہ سے اوپر گری تو پانی ناپاک نہ ہوگا جب تک ٹھہرے ہوئے ہونے کی حالت میں اندر کی بوند پر نہ گزرے۔	۲	۳۳
۳	مسئلہ: سوتے میں جورال بہے اگرچہ پیٹ سے آئی اگرچہ بدبودار ہو پاک ہے۔	۱	۳۵
۴	مسئلہ: بدن مکلّف سے جو چیز نکلے اور وضو نہ جائے وہ ناپاک نہیں مگر یہ ضرور نہیں کہ جو ناپاک نہ ہو اس سے وضو نہ جائے۔	۴	۳۵
۵	مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ ریح جو انسان سے خارج ہوتی ہے پاک ہے۔	۵	۳۵
۶	مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ آب منی پاک ہے۔	۶	۳۵
۷	مسئلہ: خون پیشاب وغیرہ فضلات جب تک بدن سے باہر نہ نکلیں ناپاک نہیں۔	۲	۳۶
۸	مسئلہ: میت کے منہ سے جو پانی نکلتا ہے ناپاک ہے۔	۴	۳۶
۹	مسئلہ: نجس چیز دوبارہ نجس ہوسکتی ہے ولہٰذا اگر شراب پیشاب میں پڑجائے پھر سرکہ ہوجائے پاک نہ ہوگی۔	۵	۳۶
۱۰	مسئلہ: : بچے نے دودھ پیا اور معدے تک پہنچا ہی تھا کہ فوراً ڈال دیا وہ دودھ نجس ہے جب کہ منہ بھر کر ہو روپے بھر جگہ سے زیادہ جس چیز پر لگ جائے گا ناپاک کردے گا۔	۴	۶۸
۱۱	مسئلہ: پانی پیا اور ابھی سینے ہی تک پہنچا تھا کہ اوچھو سے نکل گیا وہ ناپاک نہیں نہ اس سے وضو جائے یوں ہی دودھ۔	۵	۶۸

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۸	۷	**مسئلہ:** ہر جاندار کا پِتّا اس کے پیشاب کے حکم میں ہے مثلاً آدمی کے پِتّے نجاستِ غلیظہ ہیں، گھوڑے گائے کے نجاست خفیفہ۔	۱۲
۶۸	۸	**مسئلہ:** ہر جانور کی جگالی اس کے گوبر مینگنی کے حکم میں ہے مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری کی نجاست خفیفہ اور جلّالہ کی غلیظہ۔	۱۳
۱۳۵	۶	**مسئلہ:** سوئی کی نوک کے برابر باریک بُندکیاں نجس پانی یا پیشاب کی کپڑے یا بدن پر پڑ گئیں معاف رہیں گی اگرچہ جمع کرنے سے روپے بھر سے زائد جگہ میں ہو جائیں مگر پانی پہنچا اور نہ بہا، یا غیر جاری پانی میں وہ کپڑا گر گیا تو نجس ہو جائے گا اور اب اس کی نجاست سے کپڑا بھی ناپاک ٹھہرے گا۔	۱۴
۲۷۷	۲	**مسئلہ:** جمے ہوئے گھی میں چوہا مر جائے اسے نکال کر آس پاس سے تھوڑا گھی پھینک دیں جہاں تک اس کی نجاست سرایت کرنے کا ظن ہو باقی پاک ہے۔	۱۵
۲۷۸	۲	مسئلہ: ناپاک کپڑے میں پاک کپڑا لپیٹا یا پاک میں ناپاک اور اس ناپاک میں صرف سیل باقی تھی وہ سیل پاک میں بھی آجائے تو اس سے ناپاک نہ ہوگا، ہاں تری آجائے تو ناپاک ہو جائے گا۔	۱۶
۳۲۰	۲	**مسئلہ:** چُونا اگرچہ ناپاک مٹی میں بجھایا گیا ہو تو یہ صورت نجاست غیر مرئیہ کی ہے اگرچہ چُونا مرئی ہے۔	۱۷
۳۶۰	۵	مسئلہ: شیرہ انگور نچوڑتا اور وہ بہہ رہا ہے کہ خون وغیرہ کی چھینٹ اس میں پڑ گئی جس کا اثر ظاہر نہ ہوا شیرہ پاک وحلال رہے گا۔	۱۸
۳۶۶	۴	**مسئلہ:** بہتی چیز ناپاک ہو کر جم گئی دھونے سے پاک ہو جائے گی اقول ظاہرًا یہ اس شے میں ہو کہ جمنے کے بعد پھر سیلان کی طرف اس کا اعادہ دشوار ہو ورنہ جاڑے میں تایا ہوا گھی ناپاک ہو کر جم گیا اس کا ٹکڑا لے کر اُوپر سے پانی بہائیں یا ناپاک پانی سے برف جما کر دھولیں، اور اندر تک پاک ہو جائے یہ محلِ تامل ومحتاج تصریح ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**	۱۹
۳۶۷	۱	**مسئلہ:** بکری کا شیر خوار بچہ مر گیا اس کے پیٹ میں جو دودھ ہے پاک رہے گا اس کی موت سے ناپاک نہ ہوگا۔ یہی صحیح مذہبِ امام ہے اور صاحبین کے نزدیک ناپاک ہو جائے گا لیکن جب جم جائے اوپر سے دھو ڈالیں پاک ہو جائے گا۔	۲۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۱	**مسئلہ:** نجاست دھونے میں ضرور ہے کہ دھونے والا پانی زائل ہوجائے اور نجاست کے زوال کا ظن غالب ہوجائے جسے غیر مرئیہ میں تین بار دھونے سے مقدر کیا ہے۔	۲	۳۶۷
۲۲	**مسئلہ:** ریشم کا کیڑا اور اس کا پانی اور اس کی بیٹ بھی پاک ہے۔	۳	۴۱۱
۲۳	**مسئلہ:** نجاست سے جو کیڑا پیدا ہوتا ہے خود پاک ہے قلبِ ماہیت سے نجاست نہ رہی ہاں اس کے بدن پر جو نجاست کا اثر ہے اس سے ناپاک ہے یہاں تک کہ اگر اسے دھودیں پھر پانی میں گرے حرج نہ کرے گا اور قدرے درم کپڑے سے زیادہ اگر کپڑے میں بندھے ہوئے نماز پڑھے مضائقہ نہیں۔	۴	۴۱۱
۲۴	**مسئلہ:** دائیں چلانے میں بیل پیشاب گوبر کردیں ناج کا حصہ کچھ ضرور ناپاک ہوجاتا ہے مگر تمیز نہ رہی محل مجہول ہوگیا اب اگر وہ ناج بٹ گیا دونوں حصے پاک ہوگئے یا اس میں سے کچھ کسی کو ہبہ کردیا یا فقیر کو دے دیا جب بھی دونوں جانب طہارت کا حکم ہے جو حصہ نکل گیا اس کے لئے پاک ہے اور جو باقی رہا اس کے لئے پاک ہے۔	۳	۴۳۸
۲۵	**مسئلہ:** کپڑا ناپاک ہوگیا اور جگہ یاد نہ رہی کہیں سے پاک کرلیا جائے پاک ہوجائے گا، ہاں اگر بعد کو یاد آیا کہ ناپاکی دوسری طرف تھی تو پھر پاک کرنا ہوگا اور جو نمازیں پڑھی ہیں پھیری جائیں گی۔	۴	۴۳۸
۲۶	**مسئلہ:** ریشم کا کیڑا اور اس کا تخم اور بیٹ اور کیڑا کہ زخم وغیرہ نجاستوں سے پیدا ہو سب پاک ہیں۔	۱	۴۴۵
۲۷	**مسئلہ:** جو جانور بہتا خون نہ رکھتا ہو پانی اس کے مرجانے سے ناپاک نہ ہوگا اگرچہ ریزہ ریزہ ہوجائے، ہاں جب اس کے اجزا جدا کرنا ممکن نہ رہے گا تو اسے پینا یا اس کا شوربا بنانا حرام ہوجائے گا صرف دو جانوروں میں یہ بھی حلال رہے گا ٹیری اور وہ مچھلی کہ خود مر کر نہ اترآئی ہو۔	۲	۴۴۵
۲۸	**مسئلہ:** جانور کا منہ ناپاک ہوگیا تھا اس نے چار برتنوں میں منہ ڈالا، پہلے تین ناپاک ہوگئے چوتھا پاک رہا۔	۴	۴۴۷
۲۹	**مسئلہ:** گوشت کا خون کہ رگوں کا خون نکل جانے کے بعد خود گوشت میں باقی رہتا ہے پاک ہے اور حلال جانور ہو تو حلال بھی ہے۔	۶	۴۴۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۰	مسئلہ: دودھ، گھی، تیل، روغنِ زیتون سے دھونا نجاست کو پاک نہیں کرتا۔	۳	۴۸۶
۳۱	مسئلہ: سرکہ یا چنے یا باقلا کا پانی جبکہ گاڑھا نہ ہوگیا ہو نجاست کو پاک کردے گا اقول: مگر بلاضرورت ایسی اشیاء سے دھونا جائز نہیں کہ مال ضائع کرنا ہے اور چنے وغیرہ میں رزق کی بے ادبی بھی، زرقانی علی المواہب میں روایت میں ہے کہ ہر دانے پر قلمِ قدرت سے اتنی عبارت لکھی ہوتی ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذا رزق فلان بن فلان۔ بسم اللہ شریف کے بعد یہ دانہ فلاں بن فلاں کا رزق ہے۔ وہ دانہ اس کے سوا کسی دوسرے کے پیٹ میں نہیں جاسکتا۔ فقیر کہتا ہے بہت دانے ایسے ہوتے ہوں گے کہ آٹا پس کر اس کے کچھ اجزا ایک روٹی میں گئے کہ زید نے کھائی کچھ دوسری میں کہ عمرو نے، تو ایسے دانے کے اس حصے پر زید کا نام مع ولدیت لکھا ہوگا اور اس حصے پر عمرو کا، یوں ہی اگر وہ دانہ چار شخصوں میں منقسم ہوا تو چاروں حصوں پر چاروں نام درج ہوں گے اور بعض دانے یونہی ضائع ہوجاتے ہیں ان پر کسی کا نام نہ ہوگا۔ فسبحٰن اللہ القدیر علی ما یشاء عز جلالہ وعم نوالہ ۱۲ غفرلہ وحفظہ ربہ تبارک وتعالٰی۔	۴	۴۸۶
۳۲	مسئلہ: دَلدار نجاست غلیظہ میں ساڑھے چار ماشے وزن معتبر ہے کہ اس سے زائد میں نماز باطل ہوگی اس کا دھونا فرض ہے اور اس قدر میں مکروہ تحریمی اور دھونا واجب اور کم میں اساءت اور دھونا سنت، اور رقیق میں روپے بھر کی مساحت کا اعتبار ہے کہ اتنی جگہ میں پھیلی ہوئی نہ ہو اور زائد ومساوی وکم میں وہی احکام۔	۲	۴۸۷
۳۳	مسئلہ: ناپاک تیل کپڑے پر پڑا اس وقت روپے بھر نہ تھا پھر پھیل کر زیادہ ہوگیا تو صحیح تر یہ ہے کہ مانعِ جوازِ نماز ہوگا یہاں تک کہ اگر دو رکعتیں پڑھیں اس وقت تک اتنا نہ پھیلا وہ نماز ہوگئی معًا دو ۲ رکعتیں اور پڑھیں اور ان میں سلام سے پہلے پھیل کر روپے بھر سے زیادہ ہوگیا یہ نماز نہ ہوئی۔	۳	۴۸۷
۳۴	مسئلہ: رقّت اور سیلان اور جامد ہونے کی اصل حقیقت میں مصنّف کی تحقیق کہ اس فتاوٰی کے سوا کہیں نہ ملے گی۔	۴	۴۸۷
۳۵	ف: عرف فقہاء میں رقیق وبے جِرم کے ایک معنٰی ہیں اور کثیف وغلیظ وثخین وذی جِرم کے ایک۔	۱	۴۹۱

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۹۱	۲	**مسئلہ:** موزے یا جوتے میں کوئی جِرم دار نجاست مثل لید گوبر کے لگ جائے یا پیشاب وغیرہ رقیق نجاست مٹی یا ریت سے جِرم دار ہو جائے تو اتنا رگڑ دینے سے کہ اس کا اثر زائل ہو جائے طہارت ہو جائے گی ولہٰذا جوتے کے تلے کہ موضع نجاست پر گزر کر پاک زمین یا ریتے پر چلے اور مٹی یا ریت اس سے مل کر سوکھ کر جھڑ گئی جوتا پاک ہو گیا۔	۳۶
۴۹۲	۱	**مسئلہ:** موزے یا جوتے پر اوپر کی جانب پیشاب کی چھینٹیں پڑیں کہ وہاں ریتا مٹی نہ پہنچا یا۔تلا پیشاب سے ناپاک ہوا اور بغیر مٹی وغیرہ سے دَلدار ہوئی سوکھ گیا تو اب بے دھوئے طہارت نہ ہوگی۔	۳۷
۴۹۲	۲	**مسئلہ:** ذی جِرم وہ ہے کہ سوکھنے کے بعد اس کا اُبھرا ہوا دَل باقی رہے اور بے جِرم وہ کہ بالکل پھیل جائے دل اصلًا نہ رہے خشک ہونے پر اُبھار نظر نہ آئی اگرچہ رنگ باقی رہے۔	۳۸
۵۵۵	۱	**مسئلہ:** شریعت کا قاعدہ کُلیہ ہے کہ دربارہ نجاست شک وظن کا اعتبار نہیں اور اس کی مفید مثالیں۔	۳۹
۵۶۳	۲	**مسئلہ:** رِحم کی رطوبت پاک ہے۔	۴۰
۵۶۳	۵	**مسئلہ:** شہید کا خون جب تک اُس پر ہے پاک ہے اگر اسے اٹھا کر نماز پڑھی صحیح ہے،ہاں اگر اس سے جدا ہو کر مصلّی کے بدن یا کپڑے کو درم بھر سے زائد لگ جائے نماز نہ ہوگی کہ شہید سے جدا ہونے کے بعد اُسے حکمِ نجاست دیا جاتا ہے۔	۴۱
۵۷۵	۲	**مسئلہ:** زمین پر پیشاب پڑ کر خشک ہو گیا اثر نہ رہا پاک ہو گئی اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں مگر تیمّم نہیں ہو سکتا۔	۴۲
۵۷۶	۱	**مسئلہ:** گائے،بکری،گھوڑے وغیرہ جانوروں کے بدن پر جو پیشاب کرنے میں چھینٹیں پڑتی ہیں یا دھار پڑے بہر حال خشک ہو کر ان کا بدن پاک ہو جاتا ہے۔	۴۳
۵۷۶	۲	**مسئلہ:** جُوتے میں کوئی جِرم دار نجاست لگے اور چلنے میں ریت مٹی سے خشک ہو کر جھڑ جائے جوتا پاک ہو جائے گا۔	۴۴
۵۷۶	۳	**مسئلہ:** گائے،بکری،گھوڑے وغیرہ جانوروں کے بدن پر جو لید گوبر مینگنیاں لگ جاتی ہیں جب سوکھ کر لیٹنے،لوٹنے،بدن کھجانے سے جھڑ کر صاف ہو جائیں ان کا بدن پاک ہو جاتا ہے۔	۴۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۶	**مسئلہ:** مثلاً گھوڑے کو نہلایا اُس کی چھینٹیں اس کے کپڑوں یا بدن پر پڑیں کچھ حرج نہیں جب تک نجاست ثابت نہ ہو۔	۴	۵۷۶
۴۷	**مسئلہ:** گھوڑے کا پسینہ پاک ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس کے بدن پر خاص اس جگہ نجاست ہے۔	۵	۵۷۶
۴۸	**مسئلہ:** سوار نے گھوڑا پانی میں اتارا اس نے بھیگی دُم ہلائی جس کی چھینٹیں اس کے بدن اور کپڑوں پر آئیں کچھ مضائقہ نہیں جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس وقت اس کی دم ناپاک تھی اور اتنے پانی پر گزرنے سے پہلے جس سے پاک ہو جاتی اس کی چھینٹیں آئیں۔	۶	۵۷۶
۴۹	**مسئلہ:** بکری کا بچہ اس وقت پیدا ہوا کہ ابھی اس کا بدن رطوبتِ رحم سے گیلا ہے گود میں اٹھا کر نماز پڑھی کچھ حرج نہیں اور اگر پانی میں گر گیا پانی ناپاک نہ ہوگا کہ فرج کی رطوبت پاک ہے اور خشک ہونے کے بعد اسے اٹھا کر نماز پڑھی یا پانی میں گرا تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں کہ صاحبین کے نزدیک اگرچہ رحم کی رطوبت ناپاک تھی خشک ہونے سے اس کا بدن پاک ہو گیا۔	۷	۵۷۶
۵۰	**مسئلہ:** زمین خشک ہونے سے نجاست سے بالکل صاف نہیں ہو جاتی خفیف نجاست باقی رہتی ہے جو غیرِ تیمّم مثل نماز وغیرہ میں عفو ہے۔	۱	۵۸۸
۵۱	**مسئلہ:** کسی شے کا کسی شخص یا شے کے حق میں نجس ہونا اس کے یہ معنی ہیں کہ بوجہ نجاست اس شخص کے لیے یا اس شے میں جائز الاستعمال نہیں اور اس کے حق میں پاک ہونا یہ کہ ایسی نجاست نہ رہی کہ اس کو یا اُس میں استعمال ناروا ہو اگرچہ واقع میں کچھ نجاست باقی ہو۔	۲	۵۸۸
۵۲	**مسئلہ:** نجاست غیر مرئیہ مثل پیشاب وغیرہ میں تین بار دھونے اور ہر بار اتنا نچوڑنے کا حکم ہے کہ بوند نہ ٹپکے اب اگر ایک کپڑا زید نے نچوڑا کہ اسکے نچوڑنے سے اب اس میں سے بوند نہ ٹپک سکی لیکن عمرو کہ زید سے زیادہ قوی ہے۔ اگر نچوڑتا تو ابھی اور ٹپکتی اس صورت میں وہ کپڑا زید کے حق میں پاک ہو گیا اسے پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے مگر عمرو کے حق میں ناپاک ہے اسے جائز نہیں۔	۳	۵۸۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۳	**مسئلہ:** جو چیزیں کہ بے دھوئے پاک ہوجانے کا حکم دیا ہے جیسے خشک ہونے سے زمین، جھاڑنے سے منی، رگڑنے سے جوتا، دباغت سے کھال، پونچھنے سے چھری، ان میں اختلاف ہے کہ پانی پڑنے سے ناپاک ہوں گی یا نہیں اور صحیح سب میں یہ ہے کہ ناپاک نہ ہوں گی۔	۸	۵۸۸
۵۴	**مسئلہ:** تحقیق یہی ہے کہ خشک ہونے سے زمین، جھاڑنے سے منی، رگڑنے سے جوتا، دباغت سے کھال اگرچہ ایسی پاک ہوجاتی ہیں کہ پانی پڑنے سے بھی نجاست عود نہیں کرتی مگر یہ حقیقۃً کمال طہارت وزوال جملہ اجزائے نجاست نہیں بلکہ خفیف اجزاء باقی رہتے ہیں جو پانی کے حق میں بھی معاف ہیں۔	۱	۵۸۹
۵۵	**مسئلہ:** موت سے بدن میت میں نجاست حقیقیہ پیدا ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک حکمیہ، زیادہ قرین قیاس وہ ہے اور زیادہ مناسب یہ۔	۱	۶۱۱
۵۶	**ف:** معاصی ومکروہات کا ارتکاب بھی ایک طرح کی نجاست حکمیہ لاتا ہے اگرچہ ان سے وضو نہیں جاتا۔	۵	۶۱۱
۵۷	**مسئلہ:** غسل سے پہلے اگر میت کا کوئی عضو آب قلیل میں پڑ جائے تو احتیاطًا پانی غیر طاہر کہا جائے گا۔	۱۷	۶۱۲
۵۸	**مسئلہ:** کافر کا مُردہ یقینًا نجس خبیث ناپاک نجاست عین ہے لاکھ دریاؤں سے نہلائیں پاک نہیں ہوسکتا ع ہرچہ شوئی پلید تر باشد اس کا رونگٹا بھی اگر دہ دردہ سے کم پانی میں پڑجائے گا پیشاب کی طرح سب کو نجس کردے گا۔	۱۸	۶۱۲
۵۹	**مسئلہ:** نجاست تین بار خوب دھولی اور کپڑا ہر بار پورا نچوڑ لیا مگر نجاست کا دھبّا یا بُو یا نجس شدہ تیل کی چکنائی نہیں جاتی تو یہ معاف ہے کپڑا پاک ہوگیا اور صابُون یا گرم پانی سے دھونے یا کھٹائی وغیرہ لگانے کی ضرورت نہیں۔	۶	۶۳۲
۶۰	**مسئلہ:** نجاست حکمیہ نجاست حقیقیہ سے سخت تر ہے نجاست حقیقیہ اگر غلیظ ہو تو درم بھر اور خفیفہ ہو تو ربع ثوب سے کم معاف ہے اور حکمیہ کا ذرہ بھی معاف نہیں۔	۱	۶۴۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۱	**مسئلہ:** گوبر وغیرہ نجاسات جب جل کر بالکل راکھ ہوجائیں جس میں اصلاً جان نہ رہے تو وہ راکھ پاک ہے۔ **تنبیہ ضروری: اقول:** جب تک آگ ہے راکھ نہ ہوئی ضرور اس میں جان باقی ہے اس وقت تک وہ ہرگز پاک نہیں بعض جاہلان بدایوں کو دیکھا گیا کہ ایک پیالی میں اُپلے کی آگ پر لوبان ڈال کر مولوی عبدالقادر صاحب مرحوم قبر پر رکھی اول تو معاذاللہ قبر اور آگ اور وہ بھی اُپلے کی نجس ناپاک۔ غنیمت ہے کہ منع کئے سے اُٹھالی۔ ۱۲ محی الدین عفاعنہ	۵	۷۰۷
۶۲	مسئلہ: جانور کے بدن کو جو نجاست لگی سوکھ کر صاف ہوکر پاک ہوجاتی ہے۔	۲	۴۴۷
	استنجاء		
۱	**مسئلہ:** بڑے استنجاء میں سنت یہ ہے کہ خوب پاؤں پھیلا کر بیٹھے اور سانس سے نیچے کو زور دے کہ جتنے حصہ مخرج کاظاہر ہوسکے ظاہر ہو کہ سب نجاست دھل جائے۔	۴	۵۵
۲	**مسئلہ:** یہ مسنون طریقہ کہ بڑے استنجاء میں مذکور ہوا روزہ دار کے لیے نہیں وہ ایسا نہ کرے۔	۵	۵۵
۳	**مسئلہ:** بڑا استنجاء ڈھیلوں سے کرکے وضو کرلیا اب یاد آیا کہ پانی سے نہ کیا تھا اگر پانی سے استنجاء اس مسنون طریقہ پر پاؤں پھیلا کر سانس کازور نیچے کو دے کر کرے گا وضو جاتا رہے گا اور ویسے ہی کرلے گا تو ہمارے نزدیک نہ جائے گا۔	۶	۵۵
۴	**مسئلہ:** استنجاء سے پہلے تین بار دونوں ہاتھ کلائیوں تک دھونا سنت ہے اگرچہ سوتے سے نہ اٹھا ہو، ہاں سوتے سے اُٹھا اور بدن پر کوئی نجاست تھی تو زیادہ تاکید یہاں تک کہ سنت مؤکدہ ہے۔	۴	۱۴۵
۵	**مسئلہ:** استنجاء کرنے کے لئے خاص پانی شرط نہیں ہر چیز پاک کہ نجاست کاازالہ کردے کافی ہے۔	۱	۳۱۶
۶	**مسئلہ:** ڈھیلے سے استنجاء پوری طہارت ہے جبکہ نجاست روپے بھر سے زیادہ نہ پھیلی ہو۔	۵	۴۰۸
۷	**مسئلہ:** اگر نجاست موضع بول وبراز سے آگے نہ بڑھی ہو تو ڈھیلا لینے سے پاک ہوجاتی ہے اس کے بعد جو پانی سے استنجاء کریں وہ پانی ناپاک نہ ہوگا ہاں اگر اس موضع سے کچھ آگے بڑھی تھی تو اتنی جگہ ڈھیلے سے پاک نہ ہوگی صرف خشک ہوجائے گی استنجاء کا پانی ناپاک ہوجائے گا اور اگر درم بھر سے زیادہ اس موضع سے جدا پھیلی تھی اور بغیر پانی سے پاک کی نماز پڑھے نماز نہ ہوگی اور پورے درم بھر لگی تھی تو نماز پھیرنی واجب ہوگی اور اس سے کم تھی تو پھیرنا بہتر ہے۔	۱	۵۶۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	مسائل نماز		
۱	**مسئلہ:** صرف ایک جبّہ پہن کر نماز پڑھی جس سے رکوع وسجود وغیرہ کسی حالت میں زانو کا کوئی حصہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کچھ حرج نہیں۔	۳	۶۶
۲	**مسئلہ:** ایسے جبّے کا گریبان اتنا وسیع ہے کہ اس کے اندر سے اپنے ستر تک نظر جاپڑی کچھ حرج نہیں، ہاں قصداً دیکھنا مکروہ ہے نماز میں یا وضو فاسد جب بھی نہ ہوں گے۔	۴	۶۶
۳	**مسئلہ:** عورت کو طلاق رجعی دی تھی یہ نماز پڑھ رہا تھا اتفاقاً عورت کی فرج داخل پر نظر بشہوت جاپڑی رجعت ہوگئی اور نماز و وضو میں کچھ خلل نہیں، ہاں قصداً ایسا کرے تو کراہت ہے۔	5	۶۶
۴	**مسئلہ:** مرد نماز میں تھا عورت نے اس کا بوسہ لیا اس سے مرد کو خواہش پیدا ہوئی نماز جاتی رہی اگرچہ یہ اس کا اپنا فعل نہ تھا اور عورت نماز پڑھتی ہو مرد بوسہ لے عورت کو خواہش پیدا ہو عورت کی نماز نہ جائے گی۔	۱	۶۷
۵	**مسئلہ:** نماز میں اگر بیگانہ عورت کی شرمگاہ پر نظر جاپڑی جب بھی نماز وضو میں خلل نہیں مگر عورت کی مائیں بیٹیاں اس پر حرام ہوجائیں گی جبکہ فرج داخل پر نظر بشہوت پڑی ہو اور اگر قصداً ایسا کرے تو سخت گناہ ہے مگر نماز وضو جب بھی باطل نہ ہوں گے۔	۲	۶۷
۶	**مسئلہ:** نماز میں منہ کی کمال صفائی کا لحاظ لازم ہے ورنہ فرشتوں کو سخت ایذا ہوتی ہے۔	۲	۱۵۶
۷	**مسئلہ:** خالی پاجامہ سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۲	۱۵۸
۸	مسئلہ: نماز میں اگر کن انکھیوں سے بے گردن پھیرے اِدھر اُدھر دیکھے تو مکروہ نہیں، ہاں بے حاجت ہو تو خلاف اولیٰ ہے۔	5	۱۷۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	**مسئلہ**: تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین سنّتِ مؤکدہ ہے ترک کی عادت سے گنہگار ہوگا ورنہ مکروہ ضرور ہے۔	۷	۱۷۶
۱۰	**مسئلہ**: نماز میں مٹی سے بچانے کیلئے دامن اٹھانا مکروہ ہے۔	۲	۲۰۲
۱۱	**مسئلہ**: نماز میں منہ پر پسینہ ایسا آیا کہ ایذا دیتا اور دل بٹتا ہے تو اس کا پوچھنا مکروہ نہیں ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۳	۲۰۲
۱۲	**مسئلہ**: گرمی کے موسم میں دامن یا پاجامہ سرین سے مل کر ان کی صورت ظاہر کرتا ہے اس سے بچنے کیلئے کپڑا دہنے بائیں نماز میں جھٹک دینا مکروہ نہیں بلکہ مطلوب ہے اور بلاحاجت کراہت۔	۴	۲۰۲
۱۳	**مسئلہ**: نمازی کو ہر وہ عمل کہ نماز میں مفید ہو جائز وغیر مکروہ ہے اور ہر وہ عمل جس کا فائدہ نماز کی طرف عائد نہ ہو کم از کم مکروہ وخلاف اولٰی ہے۔	۶	۲۰۲
۱۴	**مسئلہ**: سجدہ میں ماتھے پر لگی ہوئی مٹی اگر ایذا دے مثلاً اس میں باریک کنکریاں ہوں یا کثیر ہو کہ آنکھوں پلکوں پر جھڑتی ہے جب تو مطلقاً اسے پونچھنے میں حرج نہیں اور نہ اخیر التحیات کے ختم سے پہلے مکروہ ہے اور اس کے بعد سلام سے پہلے حرج نہیں اور سلام کے بعد اسے صاف کر دینا تو مستحب ہے بلکہ اگر ریا کا خیال ہو کہ لوگ ٹیکا دیکھ کر نمازی سمجھیں جب تو اس کا باقی رکھنا حرام ہوگا۔	۷	۲۰۲
۱۵	**مسئلہ**: اگر کپڑا بیش قیمت ہے جیسے ریشمیں تانے کا مرد کیلئے یا خالص ریشمی عورت کیلئے اور نماز خالی زمین پر پڑھ رہا ہے اور مٹی گیلی ہے کہ کپڑا نہ بچائے تو کیچڑ سے خراب ہوگا اور دھونے سے بگڑ جائے گا تو ایسی حالت میں بچانے کی اجازت ہونی چاہیے واللہ تعالٰی اعلم۔	۱	۲۰۳
۱۶	**مسئلہ**: مستحب ہے کہ سجدہ میں سر خاک پر بلاحائل ہو۔	۹	۲۰۳
۱۷	**مسئلہ**: شیطان کے تھوک اور پھونک سے نماز میں قطرے اور ریح کا شبہہ ہو جاتا ہے حکم ہے کہ جب تک ایسا یقین نہ ہو جس پر قسم کھاسکے اس پر لحاظ نہ کرے شیطان کہے کہ تیرا وضو جاتا رہا تو دل میں جواب دے لے کہ خبیث تو جھوٹا ہے اور اپنی نماز میں مشغول رہے۔	۱	۲۱۲

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۲۶	۵	مسئلہ: نمازی اگر اپنے امام کے سوا کسی کو قرآن مجید میں لقمہ دے گا نماز جاتی رہے گی۔	۱۸
۲۲۶	۶	مسئلہ: نمازی نماز میں ہے اس وقت کسی نے کہا فلاں آیت یا سورت پڑھ، اس نے اس کا کہنا ماننے کی نیت سے پڑھی نماز جاتی رہے گی۔	۱۹
۲۲۷	۵	مسئلہ: نماز میں سورۃ فاتحہ یا سورت پڑھی اور قراءت کی نیت نہ کی دعا وثنا کی نیت کی جب بھی نماز ہوجائے گی۔	۲۰
۲۳۰	۳	مسئلہ: نماز میں اگر کسی آیت یا ذکر الٰہی سے کسی شخص کو خطاب یا بات کا جواب چاہے گا مثلاً بقصد جواب خوشی کی خبر پر الحمدلله، رنج کی خبر پر انّاللّٰہ وانّاالیه راجعون کہا نماز جاتی رہے گی، ہاں اگر کسی نے پکارا اسے یہ جتانے کیلئے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں سبحان الله یا لاالٰه الاالله وغیرہ کہا نماز نہ جائے گی۔	۲۱
۲۵۵	۶	مسئلہ: ناپاک زمین پر پاک جوتا یا موزے پہن کر کھڑا ہو اور نماز پڑھے نماز نہ ہوگی، ہاں جوتے اتار کر ان پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو تو ہوجائے گی۔	۲۲
۳۹۸	۹	مسئلہ: دربارہ وقت عشاء جو قول صاحبین پر بعض نے فتوٰی دیا علامہ نوح نے فرمایا اس پر اعتماد جائز نہیں۔	۲۳
۴۰۳	۷	مسئلہ: نماز میں بائیں طرف کا سلام پھیرنا بھول گیا جب تک قبلہ سے نہ پھرا ہو کہہ لے۔	۲۴
۵۸۲	۱	مسئلہ: دو نمازیں ایک وقت میں ملا کر پڑھنا حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔	۲۵
۵۸۴	۳	مسئلہ: جب جانے کے اب سویا تو نماز جاتی رہے گی اس وقت سونا حلال نہیں مگر جبکہ کسی جگادینے والے پر اعتماد ہو۔	۲۶
۵۸۴	۴	مسئلہ: ایسے وقت میں سویا کہ عادۃً وقت میں آنکھ کھل جاتی اور اتفاقاً نہ کھلی تو گنہگار نہیں۔	۲۷
۶۱۱	۱۶	مسئلہ: پیش از غسل اگر کسی مردے کو اُٹھا کر نماز پڑھی احتیاطاً فساد نماز کا حکم دیا جائے گا۔	۲۸
۶۱۲	۲ب	مسئلہ: جو پولیس کے خوف سے چھپا بیٹھا ہو اس پر سے جمعہ وجماعت ساقط ہیں۔	۲۹

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
٦١٧	١	**مسئلہ:** بوڑھا ضعیف شخص گھوڑے یا اُونٹ پر سوار ہے اور خود اترنے چڑھنے پر قادر نہیں اور کوئی مدد دینے والا نہیں یا وہ اُجرت مانگتا ہے اور یہ دے نہیں سکتا یا اجرت مثل سے زیادہ مانگتا ہے یا نقد چاہتا ہے اور یہاں اس کے پاس نہیں ان سب صورتوں میں سواری ہی پر نماز پڑھے۔	٣٠
٦١٧	٢	**مسئلہ:** عورت سواری پر ہے اور چڑھانے اتارنے کو نہ شوہر نہ محرم سواری ہی پر نماز پڑھے۔ حج میں شقدف نشین عورتوں کو یہ صورت اکثر پیش آتی ہے یہ بھی ایک مصلحتِ شرع ہے جس کیلئے اس نے بغیر محرم کے عورت پر سفر حرام فرمایا۔	٣١
٦١٧	٦	**مسئلہ:** سفر میں گھوڑا بد رکاب ہے اُتر کر چڑھنے نہ دے گا اسی پر نماز پڑھے۔	٣٢
٦١٨	١	**مسئلہ:** اُترنے چڑھنے میں مرض بڑھے گا سواری ہی پر نماز پڑھے۔	٣٣
٦١٨	٢	**مسئلہ:** کھڑا ہو تو زخم بہے یا قطرہ آئے بیٹھ کر نماز پڑھنی لازم ہے۔	٣٤
٦١٨	٦	**مسئلہ:** فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، ہاں اگر جمعہ شہر میں ایک ہی جگہ ہوتا ہے اور اس کا امام فاسق ہے تو بمجبوری اس کے پیچھے پڑھے کہ دوسری جگہ جمعہ نہ مل سکے گا اور اگر جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو تو اسے بھی فاسق کے پیچھے پڑھنا منع۔ اقول: مگر اس صورت میں کہ صالحین کی امامت سے جمع پہلے ہو چکا اب دوسری جگہ نہ ملے گا یا اسے بوجہ مرض وغیرہ اور جگہ جانے کی طاقت نہیں۔	٣٥
٦١٨	٧	**مسئلہ:** عیدین کی نماز ہر امام کے پیچھے نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں بھی مثل جمعہ لازم کہ امام خود سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون ہو اور اُن میں کوئی نہ ہو تو بمجبوری جسے مسلمانوں نے امامِ جمعہ مقرر کیا ہو۔	٣٦
٦١٨	٨	**مسئلہ:** سورج گہن میں بھی صرف امام معیّن جمعہ امامت کر سکتا ہے۔	٣٧
٦١٨	٩	**مسئلہ:** سورج گہن میں جماعت ضروری نہیں صرف مستحب ہے جبکہ امامِ جمعہ حاضر ہو۔ یہ بھی جائز کہ ہر شخص اپنے گھر یا مسجد میں تنہا پڑھے۔	٣٨
٦١٨	١١	**مسئلہ:** گہن چھوٹ جائے تو اس کے بعد گہن کی نماز نہیں۔	٣٩
٦١٨	١٢	**مسئلہ:** ظہر یا جمعہ کی پہلی سنتیں اگر قیام جماعت کے سبب نہ پڑھ سکا تو جب تک وقت باقی ہے ان کی قضا کا حکم ہے بعد وقت نہ ہو سکے گی۔	٤٠
٦١٩	٤	**مسئلہ:** نماز تہجّد مستحب ہے۔	٤١

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۲	مسئلہ: صبح کی سنتیں قضاہو جائیں تو بلندی آفتاب کے بعد ضحوہ کبرٰی سے پہلے تک ان کی قضا صرف مستحب ہے۔	5	۶۱۹
۴۳	مسئلہ: مصنّف کی تحقیق کہ مستحب نماز کاوقت جاتا ہو تو اس کیلئے تیمّم روانہیں۔	۱	۶۲۰
۴۴	مسئلہ: چاند گہن کی نماز صرف مستحب ہے اور سورج گہن کی سنّتِ مؤکدہ قریب بواجب۔	۲	۶۲۱
۴۵	مسئلہ: سورج گہن کی نماز میں مناسب یہ ہے کہ عیدگاہ میں پڑھیں یا مسجدِ جمعہ میں۔	۳	۶۲۲
۴۶	مسئلہ: معاذاللہ جو بات ہولناک ہو جیسے سخت آندھی، کڑک، زلزلہ، مینہ یا برف لگاتار برسے جانا دن کو اندھیری رات کو خوفناک روشنی ان سب میں مستحب ہے کہ مسلمان نفل نماز سے اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔	۷	۶۲۲
۴۷	مسئلہ: شہر سے باہر سواری پر نمازِ نفل اشارے سے جائز ہے مگر چڑھنا اترنا ممکن اور پانی میل بھر سے کم دور ہو تو تیمّم اجازت نہیں۔	۱	۶۲۳
۴۸	مسئلہ: اگر پانی سے طہارت کرکے وقت میں فرض پاسکتا ہے سنتیں یا وتر نہ ہوسکیں گے تو تیمّم کی اجازت نہیں پانی سے طہارت کرکے تنہا فرض پڑھ لے اور وتروں کی قضا پڑھے سنتیں گئیں۔	۳	۶۲۳
۴۹	مسئلہ: مسافر ایسی جگہ ہے کہ ساری زمین بھیگی ہوئی اور ناپاک ہے کہیں نماز پڑھنے کی جگہ نہیں اگر جلدی کرکے وہاں سے نکل سکتا اور پاک زمین نماز کیلئے پاسکتا ہو تو ایسا ہی کرے اور اگر دیکھے کہ جب تک وقت جاتا رہے گا تو وہیں اشارے سے پڑھ لے اور اس نماز کا پھیرنا بھی ضرور نہیں۔	۳	۶۲۴
۵۰	مسئلہ: سفر قلیل یا کثیر کا فرق تین مسئلوں میں ہے قصر نماز وافطار صوم و مسح موزہ۔ باقی پانی میل بھر دور ہونے کیلئے تیمّم یا آبادی سے باہر سواری پر نفل پڑھنے میں کچھ مدّت سفر درکار نہیں اپنے شہر سے باہر سیر وشکار یا کسی کام کو گیا ہو جب بھی یہ اجازتیں ہیں۔	۴	۶۲۶
۵۱	مسئلہ: چند آدمی برہنہ ہیں ان کے پاس سترِ عورت کے لائق صرف ایک کپڑا ہے کہ ایک اسے باندھ کر پڑھ لیتا ہے تو دوسرے کو دیتا ہے ان میں جو یہ جانے کہ مجھ تک باری اس وقت پہنچے گی کہ وقت جاتا رہے گا وہ اخیر وقت کے قریب انتظار کرکے یونہی پڑھ لے پھر پھیرے۔	۳	۶۲۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۲	**مسئلہ:** کشتی یا ریل یا کسی تنگ مکان میں لوگ جمع ہیں کہ کھڑے ہو کر نماز کی گنجائش نہیں جب وقت جاتا دیکھے بیٹھ کر پڑھ لے پھر پھیرے۔	۴	۶۲۷
۵۳	**مسئلہ:** کپڑا ناپاک ہے اور اس کے سوا ستر عورت کے قابل پاک کپڑا نہیں اور پانی دھونے کو موجود ہے مگر جتنی دیر میں اسے پاک کرے وقت جاتا رہے گا یوں ہی پڑھ لے پھر پھیرے۔	۵	۶۲۷
۵۴	**مسئلہ:** مریض اس وقت کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا مگر ظن غالب ہے کہ کچھ دیر کے بعد قیام پر قادر ہو جائے گا لیکن انتظار میں وقت جاتا ہے بیٹھ کر پڑھ لے اور اعادہ کی حاجت نہیں۔	۶	۶۲۷
۵۵	**مسئلہ:** مریض اس وقت وضو یا غسل سے عاجز ہے مگر جانتا ہے کہ وقت نکل جانے کے بعد قادر ہو جائے گا۔ مثلاً صبح کو نہانے کی حاجت ہے ٹھنڈے وقت میں اسے پانی سے ضرر ہوتا ہے دن چڑھے نقصان نہ ہوگا تو وقت میں تیمّم سے پڑھ لے اور اعادہ نہیں۔	۷	۶۲۷
۵۶	**مسئلہ:** کپڑے والے نے برہنہ سے کہا کہ میں نماز پڑھ لوں تو تجھے کپڑا دے دوں گا آخر وقت کے قریب تک انتظار کرکے یوں ہی پڑھ لے اور اعادہ نہیں۔	۸	۶۲۷
۵۷	**مسئلہ:** آنکھ بنوائی طبیب نے جنبش سے منع کیا اشارے سے نماز پڑھے اور اعادہ نہیں۔	۳	۶۲۸
۵۸	**مسئلہ:** اگر نماز صبح یا جمعہ یا عیدین میں وقت اتنا تنگ ہو کہ نماز میں سنتیں مثلاً رکوع سجدہ کی تسبیحیں تین تین بار سبحانک اللّٰھم اعوذ درود دعا بجالانے سے وقت نکل جائے گا تو صرف واجبات پر قناعت کرے اور اگر واجبات مثلاً قراءت فاتحہ وسورت کے قابل بھی وقت نہیں تو صرف فرض یعنی ایک آیت پر اقتصار کرے بعد کو نماز پھیرے۔ **اقول:** یہاں ترک التحیات کی صورت نہ نکلے گی کہ یہ چاروں نمازیں دو رکعتی ہیں اور قعدہ اخیرہ میں اگرچہ التحیات پڑھنی واجب نہیں مگر اتنی دیر بیٹھنا جس میں پوری التحیات پڑھی جائے فرض ہے توجب اس فرض کو ادا کرے گا تو اُسی کے ساتھ یہ واجب بھی ادا ہوسکے گا تو اس کا ترک جائز نہیں۔	۸	۶۲۸

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۲۹	۳	**مسئلہ:** ٹھنڈے وقت نہانے سے مرض کی زیادت یا بیمار پڑجانے کا صحیح اندیشہ ظن غالب تجربے یا طبیب مسلم حاذق غیر فاسق کے بیان سے ہے اور دن چڑھے نہائے تو نقصان نہ ہوگا اب یہ صبح کو جنب اٹھا تیمّم سے نماز پڑھے اور اعادہ نہیں۔	۵۹
۶۲۹	۴	**مسئلہ:** پانی پر دشمن یا چور یا درندہ یا سانپ یا آگ لگی ہوئی ہے تیمّم سے پڑھ لے اُن کے چلے جانے یا آگ بجھ جانے کا انتظار فرض نہیں، ہاں جلد زوال کی امید ہو تو اخیر وقت مستحب تک انتظار مستحب ہے بہر حال اعادہ کی حاجت نہیں۔	۶۰
۶۲۹	۵	**ف:** آدمی جب وقت پر نماز کا ارادہ کرے منع نہ کیا جائے گا اور اس وقت جس طرح قادر ہے اسی قدر کا حکم دیا جائے گا اگرچہ دیر کے بعد اس سے بہتر حالت ملنے کا گمان ہو، ہاں اگر وقت مستحب کے اندر بہتر حالت ہو جانے کی امید ہو تو انتظار بہتر ہے۔	۶۱
۶۳۰	۲	**مسئلہ:** ننگے سے کسی نے کپڑا دینے کا وعدہ کیا آخر وقت مستحب تک انتظار کرکے یوں ہی پڑھ لے اور پھیرنے کی حاجت نہیں۔	۶۲
۶۳۲	۲	**مسئلہ:** اگر رات اتنی اندھیری ہے کہ مسجد تک راستہ نظر نہیں آتا یا صبح کو سیاہ بدلی محیط ہونے سے یا کسی وقت سیاہ آندھی چل چکنے سے ایسی تاریکی ہے تو یہ جماعت میں حاضر نہ ہونے کا عذر ہے۔ **اقول:** یوں ہی یہ صورت اخیرہ ترکِ جمعہ کیلئے عذر ہے لکونه فی معنی الاعمی وانما لم یذکروہ فیھا لان الغالب وجود مثل الظلمة باللیل دون النھار (کیونکہ وہ نابینا کے حکم میں ہے اور علماء نے اس صورت کو اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اس طرح کی تاریکی عموماً رات کے وقت پائی جاتی ہے دن کو نہیں۔ت)	۶۳
۶۳۲	۴	**مسئلہ:** اگر کھڑے ہونے سے مرض بڑھے یا دیر میں اچھا ہو یا درد شدید ناقابل تحمل ہو تو بیٹھ کر نماز کی اجازت ہوگی خالی تکلیف ہونا عذر نہیں۔	۶۴
۶۳۳	۲	**مسئلہ:** چراغ یا لالٹین مہیا ہو جسے مسجد تک لے جاسکے یا مہیا کرنے میں دقّت نہیں مثلاً تیل دیا سلائی موجود ہے تو کیسی ہی اندھیری ہو ترکِ جماعت کیلئے عذر نہیں ہو سکتی۔	۶۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۶۶	**مسئلہ:** جس کے پاس روشنی کاسامان نہیں مثلاً ایک ہی چراغ ہے اور گھر میں اہل وعیال ہیں کہ یہ مسجد میں لے جائے تو وہ کاموں سے معطل رہ جائیں یابچے اندھیرے میں ڈریں یا عورت اکیلی ہے اسے خوف آئے تو ایسی حالت میں وہ سخت اندھیری کہ مسجد تک راستہ نہ سوجھے ترکِ جماعت کیلئے عذر ہے۔	۳	۶۳۳
۶۷	**مسئلہ:** اندھیری مسجد کو جانابڑی فضیلت رکھتاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: "جواندھیریوں میں حاضری مسجد کے عادی ہیں انہیں بشارت دو روز قیامت کامل نور کی۔"	۴	۶۳۳
۶۸	**مسئلہ:** شارع صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جماعت کی اس درجہ تاکید فرمائی ہے کہ ایک نابیناخدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی کہ یارسول اللہ! میرے پاس کوئی ایسا نہیں کہ مجھے ہاتھ پکڑ کر مسجد میں لے آیا کرے مجھے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت عطاہو، اجازت فرمائی جب وہ چلے پھر بلایااور ارشاد فرمایا: اذان کی آواز تمہیں پہنچتی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: توحاضر ہو۔ عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہماکہ یہ بھی آنکھوں سے معذور تھے حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! مدینہ طیبہ میں سانپ بچھو بھیڑی بہت ہیں، کیامجھے اجازت ہے کہ نماز گھر میں پڑھ لیاکروں۔ فرمایا: کیاتمہیں حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح کی آواز پہنچتی ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: توحاضر ہو۔ نابیناکہ اٹکل نہ رکھتاہو نہ کوئی لے جانے والاہو خصوصاً جب سانپ بھیڑیوں کااندیشہ ہو توضرور رخصت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں افضل پر عمل کرنے کی ہدایت فرمائی کہ لوگ سبق سیکھ لیں جو بلاعذر گھر میں پڑھتے اور مسجد میں حاضر نہ ہوکر ضلالت وگمراہی میں پڑتے ہیں کہ ان ترکتم سنۃ نبیّکم لضللتم وفی ابی داود لکفرتم والعیاذباللہ تعالٰی (اگرتم اپنے نبی کی سنت چھوڑوگے توگمراہ ہوجاؤگے۔ اور سنن ابی داؤد میں ہے توکافر ہوجاؤگے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ ت)	۵	۶۳۳
۶۹	**مسئلہ:** تڑاقے کی دھوپ ناقابلِ برداشت اور ایسی ہی شدت کی ٹھٹھر یاہولناک آندھی زلزلہ بجلیاں تڑپ کر گرنا، کثرت کااَولا، بشدّت کیچڑ اندھن یہ سب چیزیں جمعہ وجماعت میں عذر ہیں۔	۱	۶۳۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۰	**مسئلہ:** جو مسجد تک نہ جاسکے جیسے لنجھا اپاہج یا وہ مفلوج مریض نقیہ بوڑھا کہ چل نہیں سکتے اندھا کہ اٹکل نہیں رکھتا رات کو رتوندوالا یا دردِ کمر وغیرہ باعث چلنے سے معذور، ان لوگوں پر جمعہ وجماعت واجب نہیں۔	۲	۶۳۶
۷۱	**مسئلہ:** پانی کسی کے پاس معلوم ہوا اور نہ مانگا تیمّم سے نماز پڑھ لی اب مانگا تو اگر اس نے دے دیا نماز جاتی رہی اگرچہ پہلے سے یہی ظن تھا کہ نہ دے گا اور اگر نہ دیا نماز ہوگئی اگرچہ اسے یہ گمان تھا کہ دے دے گا۔	۵	۶۶۱
۷۲	**مسئلہ:** جنگل میں ہے اور کوئی سمتِ قبلہ بتانے والا نہیں تحرّی کرے یعنی جس طرف دل جمے کہ ادھر قبلہ ہوگا اس طرف پڑھے اگر بعد پڑھنے کے معلوم ہو کہ جہت غلط تھی کچھ مضائقہ نہیں نماز ہوگئی۔	۶	۶۶۱
۷۳	**مسئلہ:** اس حالت میں اگر جس طرف دل جمتا تھا اس کے خلاف طرف میں نماز پڑھی نماز باطل ہوئی اگرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ قبلہ اسی طرف ٹھیک تھا جدھر اس نے پڑھی کہ اس کا قبلہ وہی ہے جس طرف دل جمے۔	۷	۶۶۱
۷۴	**مسئلہ:** جو ایسی جگہ ہو جہاں نہ پانی نہ پاک مٹی وہ نمازوں کے وقت نماز کی صورت ادا کرے حقیقۃً نماز کی نیت نہ ہو پھر قدرت پانے پر ان نمازوں کی قضا پڑھے۔	۳	۷۰۲
۷۵	**مسئلہ:** صاحب ترتیب کو قضا نماز یاد ہے اور وقت میں اتنی گنجائش ہے کہ اسے پڑھ کر وقت کی پڑھتا باوجود اس کے اس نے خلاف حکم کرکے وقت کی پڑھ لی اس نماز کو ابھی نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نہ ہوئی نہ یہ کہ ہوگئی بلکہ دیکھیں گے اگر اسی طرح قضا شدہ کے پڑھنے سے پہلے چار نمازیں وقت کی اور پڑھ لے گا اور اُن میں پچھلی کا وقت ختم ہوجائے گا تو حکم دیں گے کہ یہ سب نمازیں ہوگئیں اور اگر اس بیچ میں اس قضا شدہ کو پڑھ لے گا تو اس کے پڑھنے سے پہلے ایک سے پانچ تک جتنے وقت کی پڑھی تھیں سب کی قضا پھیرنی ہوگی وہ نمازیں نری نفل رہ گئیں۔	۱	۷۸۶
۷۶	**مسئلہ:** جو شخص محلِ اقامت یعنی شہر یا گاؤں میں چار رکعتی نماز پڑھائی اور دو پر سلام پھیر دے تو ضرور ہے کہ مقتدی کو امام کا حال معلوم ہو کہ مسافر ہے یا مقیم خواہ مقتدی خود مقیم ہو یا مسافر۔ اگر امام نے نہ نماز سے پہلے اپنا مسافر ہونا بتایا نہ بعد کو اور چلا گیا اور اس کا حال سفر واقامت معلوم نہ ہوا تو مقتدیوں کی نماز نہ ہوگی پھر پڑھیں۔ ہاں اگر جنگل میں یا منزل پر دو پڑھ کر چلا گیا تو ان کی نماز بھی ہوجائے گی یہی سمجھا جائے گا کہ مسافر تھا۔	۳	۷۹۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷۷	مسئلہ: تیمّم والے نے نماز میں پانی پایا نماز ٹوٹ گئی اگرچہ التحیات کے بعد۔	۲	۷۵۰
۷۸	مسئلہ: ایک سلام پھیرنے کے بعد پانی پایا نماز ہو گئی۔	۳	۷۵۰
۷۹	مسئلہ: محل اقامت میں امام چار رکعت کی نماز دو پڑھ کر چلا گیا اور مقتدیوں کو اس کا حال معلوم نہ ہوا کہ مقیم ہے یا مسافر ان کی نماز نہ ہوئی اگرچہ یہ خود مسافر ہوں، ہاں اگر جنگل میں یا منزل پر ایسا ہوا تو ان کی بھی ہو گئی جو مقیم ہے اپنی چار پوری کرلے۔	۳	۷۹۰
	احکام مسجد		
۱	مسئلہ: مسجد میں مسواک نہ کرنی چاہی، مسجد میں کلی کرنا حرام ہے مگر یہ کہ کسی برتن میں ہو یا بانی مسجد نے وقت بنائے مسجد اس میں کوئی جگہ خاص اس کام کیلئے بنادی ہو ورنہ اجازت نہیں۔	۴	۱۵۲
۲	مسئلہ: منہ میں بدبو ہو تو جب تک صاف نہ کرلیں مسجد میں جانا یا نماز پڑھنا منع ہے۔	۳	۱۵۵
۳	مسئلہ: جب تک بدن یا کپڑے میں کوئی بُو باقی ہو مسجد میں جانا حرام جماعت میں شریک ہونا منع۔	۱	۳۳۴
۴	مسئلہ: جو مسجد ویران ہو اور اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہوسکے تو اب فتوٰی اس پر ہے کہ اس کے کڑی تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جاسکتے ہیں۔	۱	۳۹۳
۵	مسئلہ: غیر معتکف کو مسجد میں سونا منع ہے۔	۳	۶۳۶
۶	مسئلہ: جس طرح ناپاکی کی حالت میں مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے یونہی مسجد میں گزرنا چلنا بھی حرام ہے۔	۱	۶۳۷
۷	مسئلہ: جنب کو اپنا جنب ہونا یاد نہ رہا مسجد میں جانا چاہا ایک قدم رکھا تھا کہ یاد آگیا فوراً وہ قدم باہر کرلے یہاں تیمّم کا انتظار نہ کرے۔	۴	۶۳۷
۸	مسئلہ: ایک شخص کے مکان کا دروازہ مسجد میں ہے کہ آتے جاتے مسجد میں گزرنا پڑتا ہے اور نہ دوسری طرف دروازہ پھیر سکتا ہے نہ اور مکان رہنے کو پاتا ہے اسے بھی بحالِ جنابت مسجد میں گزرنا جائز نہیں اگر پانی نہ پائی تو آنے جانے کے لیے تیمّم ضرور ہے۔	۳	۶۳۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	**مسئلہ:** مسجد میں غسل کرنا حرام ہے مگر تین صورتوں میں ایک تو یہ کہ بانی مسجد نے مسجد کردینے سے پہلے وہاں کوئی جگہ غسل کیلئے بنادی ہو تو اس میں نہا سکتا ہے، دوسرے کسی ایسے بڑے برتن میں کہ سب پانی اسی کے اندر گرے کوئی چھینٹ اڑ کر مسجد میں نہ جائے، تیسرے لحاف توشک وغیرہ بہت بھاری روئی کے کپڑے بچھا کر اُن پر اس طرح نہانا کہ نہ کوئی چھینٹ باہر جائے نہ پانی کپڑوں کو توڑ کر مسجد کی زمین تک پہنچے۔	۱	۶۳۹
۱۰	**مسئلہ:** جمعہ کے دن خطبہ سن رہا تھا کہ وضو جاتا رہا اگر نکلنے کا راستہ پائے تو نکل جائے اور وضو کرکے پھر حاضر ہو اور اگر راستہ نہ ملے تو لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جانے کی اجازت نہیں اگر مسجد میں پانی ملے اور کوئی کپڑا ایسا ہو کہ پانی جذب کرلے گا اور اس سے چھن کر مسجد میں کوئی بوند نہ جائے گی تو اسے بچھا کر وضو کرے۔	۲	۶۳۹
۱۱	**مسئلہ:** مسجد میں وضو بھی حرام ہے اور اس کے جواز کی بھی وہی تین صورتیں ہیں جو غسل میں گزریں۔	۳	۶۳۹
۱۲	**مسئلہ:** بحرالرائق وغیرہ میں برتن میں وضو کرنے کی صرف معتکف کو اجازت دی غیر معتکف نہیں کرسکتا۔ مصنف کے نزدیک اس کی تحقیق یہ ہے کہ برتن اگر ایسا چھوٹا ہو کہ چھینٹیں ضرور مسجد میں پڑیں گی جب تو معتکف کو بھی اجازت نہیں ہوسکتی اور اگر اتنا بڑا ہے کہ یقیناً کوئی چھینٹ باہر نہیں جاسکتی تو غیر معتکف کو بھی اجازت ہے اگر حالت ایسی ہے کہ چھینٹ باہر نہ جانے کا ظن غالب ہے تو معتکف کو جائز غیر معتکف نہ کرے۔	۴	۶۳۹
۱۳	**مسئلہ:** مسجد کو ہر گھن کی چیز سے بچانا واجب ہے اگرچہ پاک ہو جیسے لعابِ دہن آبِ بینی آبِ وضو۔ **تنبیہ:** بعض لوگ کہ وضو کے بعد اپنے منہ اور ہاتھوں سے پانی پونچھ کر مسجد میں ہاتھ جھاڑتے ہیں محض حرام اور ناجائز ہے۔	۵	۷۳۳
۱۴	**مسئلہ:** گرد وغبار وغیرہ کہ ہوا باہر سے لاکر مسجد میں ڈالے اجزائے مسجد سے نہ ہوجائے گا اسے صاف کرنے کا حکم ہے۔	۱	۷۳۴
۱۵	**مسئلہ:** مسجد کی زمین پر جو گرد پھیلی ہے اس سے یا مسجد کی دیوار یا ستون خشتی خواہ چوبی سے کیچڑ پونچھنا اگرچہ پاک کیچڑ ہو ممنوع و ناجائز ہے۔	۲	۷۳۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۶	**مسئلہ:** مسجد سے گرد جھاڑ کر کسی گوشہ میں جمع کردی ہے اس سے کیچڑ کے سنے پاؤں پونچھنے میں حرج نہیں۔	۳	۷۳۴
۱۷	**مسئلہ:** مسجد میں نمازیوں کیلئے چراغ روشن ہے اس سے کتاب دیکھنا پڑھنا پڑھانا سب روا ہے اور اگر نمازی نماز پڑھ گئے جب بھی تہائی رات تک اس سے کام لے سکتا ہے کہ اتنے وقت تک مسجد ہی کیلئے چراغ روشن رہنا ہوگا اس کے بعد جائز نہیں کہ مسجد کا تیل بتی اپنے کام میں صرف کرنا ہوگا۔ **اقول:** یہ وہاں کہ اس سے زیادہ وقت تک مسجد میں روشنی کی عادت نہ ہو اور اگر ساری رات روشنی رہتی ہے جیسے تینوں مسجد کریم میں، تو رات بھر اس کی روشنی سے فائدہ لے سکتا ہے۔	۵	۷۳۴
	جنائز		
۱	**مسئلہ:** میّت کے سب بدن پر پانی کسی طرح گزر جائے وہ پاک ہوجائے گا اور اس پر نماز جنازہ جائز لیکن زندوں پر جو اسے غسل دینا فرض ہے وہ بے ان کے بالقصد فعل کے نہ اُترے گا اس لیے اگر مردہ دریا میں ملے لازم ہے کہ اسے بقصد غسل جنبش دے لیں کہ ان پر سے فرض ساقط ہو۔	۲	۲۶۲
۲	**مسئلہ:** غسل میت سکھانے کے لیے مردہ کو نہلایا اور اسے غسل دینے کی نیت نہ کی وہ بھی پاک ہوگیا اور زندوں پر سے بھی فرض اُتر گیا کہ فعل بالقصد کافی ہے، ہاں بے نیت ثواب نہ ملے گا۔	۳	۲۶۲
۳	**مسئلہ:** میّت کے سر و ریش کو خطمی سے دھوئیں ورنہ پاک صابون سے۔	۱	۴۴۸
۴	**مسئلہ:** پانی نہ ہو یا کوئی ایسا نہ ہو جسے میّت کا نہلانا شرعاً جائز ہو تو اسے بھی تیمّم کرائیں۔	۱	۶۰۹
۵	**مسئلہ:** جب میّت کو تیمّم کرایا جائے تیمّم کرنے والے کی نیت شرط ہے بلانیت نہ ہوگا۔	۸	۶۱۱
۶	**مسئلہ:** میّت کا غسل ایک بار فرض ہے اور تین بار پانی بہانا سنّت۔	۹	۶۱۱
۷	**مسئلہ:** نمازِ جنازہ تکبیروں پر ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد نہیں مل سکتا اگرچہ ابھی سلام نہ ہوا ہو۔	۵	۶۱۸

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۱۸	۱۰	**مسئلہ:** نمازِ جنازہ جب ولی پڑھ لے دوبارہ نہیں ہوسکتی سورج گہن کی نماز سَو بار ہوسکتی ہے۔	۸
۶۵۹	۵	مسئلہ: خود اپنی کنیز شرعی کہ اُم ولد تھی یعنی اس کے نطفے سے اس کے اولاد ہوئی جسے اس نے اپنی اولاد تسلیم کیا اس کی موت کے بعد اس کا ہاتھ نہیں چھوسکتی کہ وہ مرتے ہی آزاد واجنبیہ ہوگئی۔	۹
		مسئلہ: میّت نے اگرکچھ مال نہ چھوڑا تو زندگی میں جس پر اس کا نفقہ واجب تھا اس کا کفن دفن بھی اسی پر واجب ہے۔	۱۰
۶۵۹	۹	**مسئلہ:** عورت اگرچہ کتنا ہی مال چھوڑے اس کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے۔	۱۱
۶۵۹	۱۰	**مسئلہ:** اگر میّت کے نہ مال ہے نہ کوئی ایسا جس پر اس کا نفقہ واجب تھا تو اس کا کفن دفن بیت المال سے واجب ہے۔ اگر بیت المال نہ ہو جیسے یہاں تو جن مسلمانوں کو اطلاع ہو ان پر واجب ہے خواہ ایک شخص کرے یا چندہ سے، اگر کوئی نہ کرے گا تو جن جن کو خبر تھی سب سخت گنہگار رہیں گے۔	۱۲
۶۶۳	۱	**مسئلہ:** میّت کو جب تک غسل نہ دے لیں اگر اس کا سارا بدن کپڑے سے ڈھکا ہوا نہ ہو تو اس کے پاس قرآن مجید کی تلاوت عام مشائخ کے نزدیک منع ہے۔ اگر تلاوت چاہیں تو اس کا سارا جسم چادر سے ڈھانک دیں۔	۱۳
۶۶۳	۹	**مسئلہ:** زیارتِ قبور وعیادتِ مریض بھی عبادتِ الٰہی ہیں ان کا باوضو ہونا مستحب ہے پانی قادر نہ ہو تو تیمّم کرے اگرچہ اس تیمّم سے نماز نہ ہوگی۔	۱۴
۶۶۶	۴	**مسئلہ:** دفنِ میّتِ مسلم بھی منجملہ عبادتِ الٰہی ہے باوضو ہونا چاہی، پانی نہ ملے تو تیمّم کرے۔	۱۵
۶۶۷	۲	**مسئلہ:** اگر وضو کرتا نماز جنازہ ہوچکتی اس ضرورت سے تیمّم کرکے پڑھی کہ اتنے میں اور جنازہ آگیا اور اس میں اتنی مہلت تھی کہ وضو کرلیتا مگر یہ نہ کیا اور اب اتنی مہلت نہ رہی تو اس کیلئے دوبارہ تیمّم کرے پہلا جاتا رہا۔	۱۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۷	مسئلہ: ایک جنازہ تیمّم سے پڑھا تھا کہ دوسرے کی نماز تیار ہوگئی دونوں نمازوں کے بیچ میں وضو کرلینے کی مہلت نہ تھی تو پہلا ہی تیمّم باقی ہے اسی سے دوسرا جنازہ بھی پڑھے۔	۳	۶۶۷
	مسائل زکوٰۃ		
۱	مسئلہ: جس کے عزیز محتاج ہوں، اسے منع ہے کہ انہیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے حدیث میں فرمایا ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔	۳	۱۸۲
	مسائل روزہ		
۱	مسئلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال ہوا کہ روزہ دار اپنی عورت کا بوسہ لے ایک بار اجازت فرمائی اور ایک بار منع۔ دیکھیں تو جن کو اجازت فرمائی وہ بوڑھے تھے اور جن کو منع فرمایا جوان۔	۶	۴۸۴
۲	مسئلہ: دانتوں سے خون نکلا روزہ میں اسے نکل گیا اگر خون کا مزہ حلق میں محسوس ہو روزہ جاتا رہا ورنہ نہیں۔	۲	۵۲۲
۳	مسئلہ: کلی کے بعد جو خفیف تری منہ میں رہ جاتی ہے کہ تنہا حلق میں جانے کے قابل نہ ہو اگر لعاب دہن کے ساتھ چلی جائے روزہ میں خلل نہ آئے گا۔	۶	۵۲۳
۴	مسئلہ: منہ میں کھانے یا پان کا ایسا ہلکا اثر رہ جائے کہ آپ حلق میں اترنے کے قابل نہ ہو اگر لعابِ دہن کے ساتھ اُتر جائے گا روزہ نہ جائے گا۔	۷	۵۲۳
۵	مسئلہ: کھانے وغیرہ کے اس اثر کی قلّت وکثرت کی معیار امام محقق علی الاطلاق کی تحقیق میں یہ ہے کہ اگر اُترتے وقت حلق میں اُس کا مزہ محسوس ہوا تو کثیر ہے روزہ جاتا رہے گا ورنہ نہیں۔	۸	۵۲۳
۶	مسئلہ: جو چیز آپ حلق میں اُترسکے کثیر وناقض صوم ہے اور جو آب دہن کے ساتھ اس کی مدد سے اُتر جائے خود اُترنے کے قابل نہ ہو قلیل ہے روزہ نہ جائے گا۔	۹	۵۲۳
۷	مسئلہ: تل کا ایک دانہ روزہ دار نے قصداً نگلا روزہ جاتا رہا اور اگر منہ میں رکھ کر چبایا تو نہیں اگرچہ آب دہن کے ساتھ اُتر جائے، ہاں اس صورت میں اگر حلق میں اس کا مزہ محسوس ہو تو روزہ جاتا رہے گا۔	۱۰	۵۲۳

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۴۰	۳	**مسئلہ:** روزے میں بھول کر جماع میں مشغول ہوا پھر یاد آیا، یا رات سے مشغول ہوا اور اسی اثنا میں صبح صادق چمک آئی اگر یاد آتے ہی یا صبح ہوتے ہی معًا فورًا جُدا ہوگیا تو روزہ ہوجائے گا اگرچہ جدا ہونے کے بعد انزال بھی ہوجائے اور اگر یاد آنے یا صبح چمکنے پر ایک لحظہ بھی توقف کیا تو روزہ گیا اسے پورا کرے اور قضا رکھے۔	۸
		مسائل حج	
۲۴۲	۳	**مسئلہ:** حج میں جو کنکریاں ماری جاتی ہیں وہ بھی گناہ دھوتی اور اس نجاست حکمیہ سے ملوث ہوجاتی ہیں للہذا ماری ہوئی کنکری دوبارہ استعمال کرنا مکروہ ہے اور اگر ضرورت ہو تو تین بار دھولے بلکہ مطلقًا کنکریاں دھو ہی کر کام میں لانا مستحب ہے کہ شاید کوئی نجاست حکمیہ یا حقیقیہ ہو۔	۱
۵۲۷	۴	**مسئلہ:** اگر احرام میں زعفران ملا ہوا پانی مثلًا نہانے میں استعمال کیا اگر زعفران قلیل ہے غسل ہوگیا اور کفارہ نہ آئے گا ورنہ غسل نہ ہوگا اور کفارہ دے گا۔	۲
۵۲۷	۶	**مسئلہ:** کھانے میں کیسی ہی خوشبو پکی ہو احرام میں اس کے کھانے میں حرج نہیں جرمانہ کچھ نہ آئے گا اور بغیر پکائی پڑی ہو اور خوشبو کے اجزا غالب ہوں تو قربانی لازم آئے گی اور کھانے کے اجزا غالب ہوں تو کچھ نہیں، ہاں خوشبو آتی ہے تو مکروہ ہے۔	۳
۵۲۷	۷	**مسئلہ:** کھانے کے سوا اور کسی طرح جو چیزیں بدن میں استعمال کی جاتی ہیں جیسے پٹنا صابون وغیرہ، اس میں اگر خوشبو اس قدر کثیر ہو کہ دیکھنے اسے خوشبو کہے تو احرام میں اس کے استعمال سے قربانی دینی ہوگی ورنہ صدقہ۔	۴
		مسئلہ: خوشبو اگر پینے کی چیز میں پڑی ہو اگر وہ خوشبو سے غالب ہے احرام میں پینے سے قربانی واجب ہوگی ورنہ صدقہ مگر یہ کہ بارہا پئی تو اب بھی قربانی۔	۵
۵۲۸	۲	**مسئلہ:** کھانے خواہ پینے کی چیز میں زعفران پکتے میں ملائیں تو اس کے کھانے پینے میں محرم پر کچھ نہیں اور بے پکائی تو قربانی یعنی جبکہ زعفران غالب ہو۔	۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷	**مسئلہ:** کسی نے فقیر سے کہا میں نے تجھے اپنا مال حج کیلئے مباح کیا یعنی تجھے اجازت دی کہ تو صرف حج کے لائق میرا روپیہ لے کر حج کر آ اس سے حج اس پر واجب نہ ہوگا نہ اُسے اس اباحت کا قبول ضرور۔	۳	۶۳۰
	مسائل نکاح		
۱	**مسئلہ:** جب دُلہن کو بیاہ کر لائیں مستحب ہے کہ اس کے پاؤں دھو کر مکان کے چاروں گوشوں میں چھڑکیں اس سے برکت ہوتی ہے۔	۵	۴۵۵
۲	**مسئلہ:** عورت کا دودھ دوا میں ملا کر شیر خوار بچہ کو دیا امام ابو یوسف کے نزدیک اگر دودھ کا مزہ یا رنگ باقی تھا حرمتِ رضاعت ثابت ہو گئی اور اگر دوا کے سبب دونوں جاتے رہے تھے تو حرمت نہ ہوگی اور امام محمد کے نزدیک اگر دوا اسے اس قدر بدل دے کہ دودھ نہ رہے بچہ کی غذا نہ ہو سکے تو حرمت نہ ہوگی ورنہ ہوگی اگرچہ رنگ، مزہ، بُو سب بدل جائیں اور یہی راجح ہے۔	۳	۵۲۲
۳	**مسئلہ:** حرمتِ رضاعت کیلئے بچے کا پستان سے پینا ہی ضرور نہیں بلکہ جس طرح منہ یا ناک کے ذریعہ سے دودھ اس کے جوف میں پہنچ گیا حرمت آ آئے گا۔	۴	۵۲۲
۴	مسئلہ: کھانے میں عورت کا دودھ ملایا وہ کھانا شیر خوار بچہ کو کھلایا حرمتِ رضاعت مطلقاً ثابت نہ ہوگی۔	۱	۵۲۴
۵	**مسئلہ:** نماز کا وقت اتنا ہے کہ بیوی سے صحبت کے بعد نہا کر وقت نہ ملے گا تو صحبت جائز نہیں۔	۱	۵۸۴
۶	**مسئلہ:** بہت صورتوں میں زوجہ سے صحبت حرام ہوتی ہے۔	۲	۵۸۴
۷	**مسئلہ:** نکاح یوں کیا کہ مَیں تجھے ایک مہینے یا ایک سال یا دو سو۲۰۰ برس کیلئے نکاح میں لایا نکاح نہ ہوا اور اگر نکاح خالص طور پر کیا اور دل میں یہ ارادہ ہے کہ ایک مہینے یا ایک دن یا منٹ ہی بھر بعد چھوڑ دوں گا تو جائز ہوا۔	۶	۶۴۳
۸	**مسئلہ:** عورت کے جب باپ، دادا، جوان بھائی، بھتیجا اور چچا نہ ہوں تو چچا کا بیٹا اس کا ولی ہے اگر اس نے اس سے کہا میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں اور وہ چپ رہی اس نے دو گواہوں کے سامنے کہہ دیا کہ میں اُسے اپنے نکاح میں لایا نکاح ہو گیا اقول: یعنی جبکہ یہ اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا چال چلن یا پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس کا نکاح ہونا عرفاً معیوب سمجھا جائے۔	۸	۷۲۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	مسئلہ: زید سے کہا نہ سنا عمرو نے بطور خود اس کا نکاح ہندہ سے کردیا نکاح صحیح ہوگیا مگر اجازتِ زید پر موقوف رہا اگر جائز کردیا خواہ صراحۃً مثلاً میں اس نکاح پر راضی ہوا یا دلالۃً مثلاً کسی نے مبارک باد دی اسے قبول کیا یا منکوحہ کو کچھ حصہ مہر کا بھیجا تو جائز ہوگیا، رد کردیا تو باطل۔	۳	۷۲۱
	مسائل طلاق		
۱	مسئلہ: اب فتوی اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذاللہ مرتد ہوکر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی وہ بدستور اپنے شوہر مسلمان کے نکاح میں ہے مسلمان ہوکر یا بلااسلام دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی۔	۳	۳۹۳
۲	مسئلہ: کسی سے کہا تونے اپنی عورت کو طلاق دی اس نے دبے لہجے سے کہا میں نے طلاق دی طلاق ہوگئی اور جھنجھلا کر جھڑکنے کی آواز سے کہا میں نے طلاق دی، نہ ہوگی۔	۱	۷۸۰
۳	مسئلہ: عورت نے طلاق مانگی اس نے نہ مانا اُس نے پھر کہا دی اس نے سختی سے کہا دی، نہ ہوئی اور نرم آواز سے کہا تو ہوگئی۔ تنبیہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ طلاق کے مسائل بہت نازک ہیں ایک حرف کی کمی بیشی درکنار لہجہ کے بدلنے سے حکم بدلتا ہے سخت احتیاط درکار ہے۔	۲	۷۸۰
	مسائل عتق		
۱	مسئلہ: زید کی چار ۴ بیبیاں اور دس یا زیادہ غلام ہیں اس نے کہا میں ان میں سے ایک کو طلاق دوں تو میرا ایک غلام آزاد ہے اور دو کو تو دو، تین کو تو تین، چار کو تو چار۔ پھر چاروں کو طلاق دے دی ایک ساتھ خواہ کسی طرح۔ ہر طرح سے دس ۱۰ غلام آزاد ہوئے کہ ۱ + ۲ + ۳ + ۴ = ۱۰	۶	۵۱۲
	مسائل قسم		
۱	مسئلہ: قسم کھائی کہ آج وقتِ ظہر سے پہلے کوئی نماز پڑھے گا دس بجے کوئی جنازہ آیا اس کی نماز پڑھی قسم پوری نہ ہوئی دو رکعت نفل پڑھنے سے پوری ہوگی، یوں ہی اگر گہن پڑا اور اس کی نماز پڑھی تو پوری ہوگئی۔	۱	۴۸۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲	مسئلہ: گوشت کھانے کی قسم مچھلی کھانے سے نہ ٹوٹے گی۔	۱	۴۸۲
۳	مسئلہ: قسم کھائی پانی نہ پیے گا پھر وہ پانی پیا جس میں زعفران مل گیا ہے اگر خلط قلیل ہے کہ رنگنے کے قابل نہ ہوا قسم ٹوٹ گئی ورنہ نہیں۔	۳	۵۲۷
۴	مسئلہ: قسم کھائی کہ فلاں چیز تجھے دینے سے انکار نہ کروں گا اس نے مانگی اس نے وعدہ کیا تو قسم نہ ٹوٹی جبکہ وہ وعدہ ایسے وقت کیلئے نہ ہو جس تک اس کی حاجت فوت ہو جائے گی۔	۲	۷۷۸
۵	مسئلہ: قسم کھائی کہ فلاں چیز زید کو نہ دوں گا اس نے مانگی اس پر وعدہ کرلیا قسم نہ ٹوٹے گی جب تک دے نہیں۔	۳	۷۷۸
۶	مسئلہ: قسم کا کفارہ دینے کو اتنا نہیں کہ دس مسکینوں کو کھانا دے پانچ مسکینوں کو دے سکتا ہے صرف تین روزے رکھے نصف کھانا دینے کی کچھ ضرورت نہیں۔	۳	۸۰۷
۷	مسئلہ: قسم کھائی کہ نکسیر پھوٹنے سے وضو نہ کرے گا پھر اس نے پیشاب کیا اس کے بعد ناک سے خون بہا اور وضو کیا قسم ٹوٹ گئی یہ وضو نکسیر سے بھی ٹھہرے گا اگرچہ وضو ابتداء پیشاب سے ٹوٹ چکا تھا۔	۲	۸۱۴
	مسائل حدود		
۱	مسئلہ: شراب میں پانی یا پانی میں شراب ملا کر پی حرام مطلقًا ہے۔ مگر اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے حد نہ لگے گی مگر یہ کہ نشہ آجائے۔	۱۱	۵۲۳
	مسائل سِیَر		
۱	مسئلہ: جتنے لوگ کلمہ اسلام پڑھتے اور پھر ضروریات دین سے کسی شے کا انکار کرتے ہیں ان کا حکم مثل کافر حربی ہے کہ وہ مرتد ہیں۔	۵	۴۲۱
۲	مسئلہ: لشکر اسلام نے کسی قلعہ کفار کا محاصرہ کیا اور معلوم ہے کہ اس میں کوئی کافر ذمی بھی ہے اس قلعہ والوں کا قتل حرام ہے کہ قتل ذمی کا اندیشہ ہے ہاں اس میں سے بعض لوگ نکل گئے یا نکال دئے گئے یا ناجائز طور پر قتل ہی کردئے تو اب باقیوں کا قتل جائز ہے کہ ذمی کا باقی رہنا مشکوک ہوگیا۔	۵	۴۳۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳	**مسئلہ:** عالمِ دین سنّی صحیح العقیدہ کی توہین کفر ہے۔	۱	۵۷۰
	مسائلِ شرکت		
۱	**مسئلہ:** باپ کے بعد سب بھائی ترکہ میں کام کرتے رہے اور مال بڑھا تو وہ سب کا برابر ہے اگرچہ بعض نے کام کم کیا ہو بعض نے زیادہ، بعض نے تدبیریں اچھی بتائی ہوں جن سے نفع ہوا بعض نے نہیں۔	۷	۴۲۸
۲	**مسئلہ:** بیٹا باپ کے کام میں اسے مدد دیتا ہے دونوں کے کام سے اموال پیدا ہوئی تمام اموال کا مالک صرف باپ ہے باپ فقط مددگار سمجھا جائے گا یونہی اگرزن وشو میں کام مرد کا ہے اور عورت مدد دیتی ہے مال میں حصہ دار نہ ٹھہرے گی۔	۸	۴۲۸
۳	**مسئلہ:** مباح چیز کے حاصل کرنے میں اگر بیٹے نے باپ کے ساتھ کام کیا تو مددگار نہ ٹھہرے گا بلکہ جو کچھ یہ مال حاصل کرے گا اس کا یہی مالک ہوگا اگرچہ اس کا کھانا پینا باپ ہی کے ذمّے ہو۔	۱۰	۴۲۸
۴	**مسئلہ:** مباح لکڑی آدھی کاٹ کر چھوڑ دی دوسرے نے کاٹ کر جدا کی یا کوئی مباح پیڑ جڑ سے اکھیڑنے کیلئے دونے مل کر زور کیا یہاں تک کہ وہ کمزور ہو کر ایک کی طاقت سے اُکھڑ آنے کے قابل ہو گیا اب ان میں ایک الگ ہو گیا دوسرے نے اُکھیڑا ان صورتوں میں اس لکڑی اور پیڑ کا تنہا یہ دوسرا ہی مالک ہوگا پہلے کا حصہ نہ ہوگا پھر اگر دونوں نے شرکت چاہی تھی تو پہلا اپنے اتنے کام کی مزدوری پائے گا اور اگر اس نے صرف اسے مدد دی تھی تو اُجرت بھی نہیں۔	۱۲	۴۲۸
۵	**مسئلہ:** کنویں سے پانی ایک نے بھرا ابھی پانی باہر نہ نکالا تھا کہ دوسرے نے ڈول لے کر کنویں سے باہر نکال لیا اس پانی کا مالک بھرنے والا نہ ہوگا بلکہ یہ باہر نکالنے والا۔	۱۳	۴۲۸
۶	**مسئلہ:** ایک نے شکار کو اُبھارا اور گھیر کر لایا دوسرے نے پکڑ لیا یہ دوسرا مالک ہوگا نہ پہلا۔	۱۴	۴۲۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷	مسئلہ: مباح لکڑی ایک نے کاٹی دوسرے نے اکٹھی کی یااس نے کاٹ کر اکٹھی کر دی تھی یہ اٹھا کر لایادونوں صورتوں میں لکڑی کامالک پہلا شخص ہوگااور یہ دوسرامزدوری پآئے گااگر بطور اعانت نہ تھا۔	۱	۴۲۹
۸	مسئلہ: سفر یاحضر میں دو رفیق اپنامال ملالیں اور مل کر کھائیں تواس میں حرج نہیں اگرچہ ایک زیادہ کھائے گادوسرا کم۔	۳	۴۳۰
	مسائل وقف		
۱	مسئلہ: وقف کاپانی جس لیے واقف نے معین کیااس کے غیر میں صرف کرنا حرام ہے حتّی کہ خود واقف کو	۷	۴۱۷
۲	مسئلہ: وقفی مدارس کاپانی مثل وقف ہے اگروضو کیلئے ہے توعضو پر تین بار ڈالناجائز ہے چوتھی بار حرام، جبکہ دویاتین میں شبہہ ہوااور واقع میں تین بارڈال چکاتھاتودفع شبہہ کوایک باراور ڈالناجائز ہے۔	۱	۴۱۸
۳	مسئلہ: جوسبیل کسی نے وضو کیلئے لگائے ہو تواس سے پیناجائز ہے جبکہ وہ پانی کسی کی مِلک ہواور اگروقف کاپانی ہے توضرور ہے کہ وقتِ وقف واقف نے پینے کی بھی نیت کی ہو یااس وقت اسے معلوم ہو کہ سبیل وضو کاپانی لوگ عادۃً پیا بھی کرتے ہیں ورنہ پیناجائز نہ ہوگا۔	۲	۴۱۸
۴	مسئلہ: اشیائے منقولہ بغیر جائداد غیر منقولہ وہی وقف ہوسکتی ہیں جن کے وقف کرنے کارواج ہو۔	۴	۴۱۸
۵	مسئلہ: اگررواج ہوتوروپے اشرفی نوٹ بھی وقف ہوسکتے ہیں یوں کہ محتاجوں کوتجارت کیلئے دئے جائیں کہ ان سے فائدہ اٹھائیں پھر صرف یانفعِ تجارت میں شرکت قرار پائی ہے تومع نفع ان سے لے کر اور محتاجوں کودیں یوں ہی الٹ پھیر کرتے رہیں۔	۵	۴۱۸
۶	مسئلہ: رواج ہوتومثلاً اتنے من گیہوں یوں وقف ہوسکتے ہیں کہ حاجت مند کوبیج کیلئے قرض دئے جائیں اس کی پیداوار سے اتنے گیہوں لے کراور کوبیج کیلئے دئے جائیں یوں ہی کرتے رہیں۔	۶	۴۱۸

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۱۸	۷	**مسئلہ:** رواج ہو تو گائے بھینس بکری یوں وقف ہو سکتی ہے کہ دودھ دہی مکھن گھی محتاجوں کو دیا جایا کرے۔	۷
۴۱۸	۸	**مسئلہ:** جنازہ کیلئے چارپائی چادر، پڑھنے کیلئے قرآن مجید، مطالعہ کیلئے کتابوں کا وقف جائز ہے۔	۸
۴۱۸	۹	**مسئلہ:** پل اور سقائی کا وقف صحیح ہے۔	۹
۴۱۸	۱۰	**مسئلہ:** جائداد غیر منقولہ کے ساتھ اس کے توابع منقولات بغیر رواج بھی وقف ہو سکتے ہیں مثلاً زمین کے ساتھ ہل بیل۔	۱۰
۴۱۹	۱	**مسئلہ:** پانی کسی طرح وقف نہیں ہو سکتا۔	۱۱
۴۱۹	۴	**مسئلہ:** وقف خود کسی کی مِلک نہیں ہو سکتا، ہاں وقف کا محاصل موقوف علیہم کو دئے جانے کے بعد ان کی ملک ہو جائے گا اور وقف علی الاولاد میں پھل وغیرہ ظاہر ہوتے ہیں حسب حصص ان کی مِلک ہو جائیں گے اگر قبل تقسیم ان میں کوئی مر جائے اس کا حصہ اس کے وارثوں کو پہنچے گا۔	۱۲
۴۱۹	۵	**مسئلہ:** مساجد، مدارس، وقفی سقایوں، حوضوں میں جو پانی زرِ وقف سے بھرا گیا وہ حکمِ وقف میں ہے اس کا کوئی مالک نہیں اور واقف نے جس غرض کیلئے رکھا ہے اس کے غیر میں صرف نہیں ہو سکتا۔	۱۳
۴۱۹	۶	**مسئلہ:** آدمی اپنی مِلک سے جو سبیل لگائے اس کا پانی اسی کی ملک رہتا ہے ہاں لوگوں کو اس کا صرف ہونا مباح ہے وہ بھی اسی طور پر جو مالک نے رکھا یا اس کی اجازت سے دوسرے کام میں۔	۱۴
۴۱۹	۷	**مسئلہ:** مسجد کے حوض یا سقائی جو نمازیانِ مسجد کے وضو کو بھرے جاتے ہیں ان کا پانی گھروں میں لے جانا حرام ہے اگرچہ وضو کو مگر باجازت مالک اگر کسی نے اپنی مِلک سے بھروائی یا اول روز سے اجازت واقف ہو اگر زرِ وقف سے بھرے گئے۔	۱۵
۴۲۰	۱	**مسئلہ:** جاڑے میں مسجد کے سقائی گرم کی جاتے ہیں بعض لوگ پانی گھر کو لے جاتے ہیں یہ بلا اجازت مذکورہ حرام ہے بہت احتیاط چاہئے۔	۱۶
۴۲۰	۲	**مسئلہ:** پینے کی سبیل سے اگر عورتوں کے پینے کو گھروں میں لے جانے کی اجازت ہے تو جائز ہے۔	۱۷

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۸	**مسئلہ:** سبیل اگر خاص راہگیروں کیلئے ہے اس میں سے گھروں کو لے جانا حرام ہے بلکہ اگر خاص ایک قسم کے راہگیروں کیلئے ہے تو صرف اُنہیں کیلئے جائز ہے جیسے بعض جاہل لوگ عشرہ محرم خاص ہمراہیان تعزیہ کیلئے شربت کرتے ہیں دوسرے اس میں سے بے اجازت نہیں پی سکتے بلکہ اگر خاص ایک تعزیہ والوں کیلئے کیا، تو دوسرے تعزیہ والوں کو پینا جائز نہیں اگرچہ تعزیہ خود بدعت و ناجائز ہے۔	۳	۴۲۰
	مسائل بیع		
۱	**مسئلہ:** بیع تعاطی سے جائز ہے کہ بائع و مشتری زبان سے کچھ نہ کہیں یہ چیز لے لے وہ ثمن لے لے مثلاً روٹی کا عام بھاؤ ایک پیسہ ہے زید عمرو کی دکان پر آیا چار پیسے اس کے سامنے رکھے اور چار روٹیاں لے لیں عمرو نے کچھ نہ کہا بیع ہو گئی۔	۱	۴۷۱
۲	**مسئلہ:** زید کی نیت سے کوئی چیز خرید نا زید کو اس کا مالک نہیں کرتا یہ خریدنے والا ہی مالک ہوگا جب زید کو دے گا اس وقت زید کی ملک ہو گی اور اگر چاہے نہ دے تو اس پر کچھ الزام نہیں ہاں اگر عقد بیع میں زید کی طرف اضافت ہو مثلاً مشتری کہے یہ چیز زید کے ہاتھ بیع کر دے بائع کہے میں نے بیچی مشتری کہے میں نے زید کے واسطے قبول کی یا بائع کہے میں نے زید کے ہاتھ بیچی مشتری کہے میں نے قبول کی تو البتہ یہ بیع زید کیلئے ہو گی اگر وہ جائز رکھے گا چیز کا مالک وہی ہو گا نہ جائز رکھے گا تو بیع رَد ہو جائے گی۔	۲	۴۷۱
۳	**مسئلہ:** اگر کوئی چیز بیچے اور بائع زیادہ سے زیادہ تین دن تک کیلئے اپنا اختیار شرط کرے کہ چاہوں تو اس مدت میں بیع قائم رکھوں یا نہ رکھوں اس صورت میں مدت مذکورہ تک بیع ملک بائع ہی پر رہے گی اور مشتری کو اس میں تصرف جائز نہ ہوگا اگرچہ بائع نے بیع اس کے قبضے میں دے دی ہو۔	۳	۴۸۳
۴	**مسئلہ:** کسی نے کہا میری طرف سے اپنا غلام اتنے روپوں کے بدلے آزاد کر دے اس نے کر دیا اس بیع میں نہ ایجاب و قبول کی حاجت ہے نہ یہ ضرور ہے کہ مولی وہ غلام اس کے قبضے میں دینے پر قادر ہو نہ یہ اُسے کسی عیب کے سبب یا اس بنا پر کہ میں نے بے دیکھے خریدا تھا واپس کر سکتا ہے کہ یہاں بیع آزاد کر دینے کے ضمن میں پائی گئی ہے نہ اصالۃً۔	۷	۸۲۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	مسائل شہادت		
۱	**مسئلہ:** تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ ہے۔	۳	۱۵۸
	مسائل وکالت		
۱	**مسئلہ:** کسی کو سو روپے دئے کہ گھوڑا مجھے خرید دے کسی خاص گھوڑے کیلئے نہ کہا وکیل نے ایک گھوڑا سَو روپے کو خریدا اور عقد میں مؤکل کا نام نہ لیا کہ اس کیلئے خریدا نہ زر مؤکل پر عقد وارد کیا کہ اس مال کے بدلے خریدا نہ قیمت میں خاص وہ روپے دئے یا مؤکل نے روپے دئے ہی نہ تھے اس صورت میں اگر وکیل اقرار نہ کرے کہ یہ گھوڑا میں نے مؤکل کیلئے خریدا ہے تو گھوڑا وکیل ہی کی مِلک ٹھہرے گا مؤکل کو اس پر دعوی نہیں پہنچتا اور عنداللہ نیت کا اعتبار ہے اگر اس کیلئے خریدا اس کا ہے اگرچہ بعد کو منکر ہو جائے۔	۴	۴۲۶
۲	**مسئلہ:** کسی کو غیر معین چیز خریدنے کا وکیل کیا مثلاً ایک تھان زربفت کا لے آؤ اگر اس نے عقد مؤکل کی طرف اضافت کیا کہ فلاں کے ہاتھ بیع کر دے اس نے کہا میں نے فلاں کے ہاتھ بیع کی جب تو ظاہر ہے کہ مؤکل مالک ہوگا اور اگر مطلق خریدا تو اگر مال موکل کی طرف عقد اضافت کیا کہ اس روپے کے بدلے دے دے تو موکل مالک ہے اور اپنے مال کی طرف تو خود مالک ہے اور کسی خاص مال کی طرف اضافت بھی نہ کی تو نیت پر مدار ہے اپنی نیت سے خریدا تو خود مالک ہے اور موکل کی نیت سے تو وہ، اور خرید کے وقت نیت بھی کچھ نہ تھی نیت میں اختلاف پڑا مثلاً کہتا ہے میں نے اپنے لی خریدا موکل کہتا ہے میرے لی خریدا یا بالعکس تو قیمت میں جس کا مال دیا وہی مالک ٹھہرے گا۔	۱	۴۳۲
۳	**مسئلہ:** پانی مول لینے کے لئے وکیل کیا وکیل نے زعفران ملا ہوا پانی خریدا اگر ہنوز اسے پانی ہی کہا جائے گا موکل کا ٹھہرے گا اور رنگ کہلائے گا تو موکل پر لازم نہ ہوگا وکیل اپنے لیے خریدنے والا ٹھہرے گا۔	5	۵۲۷

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
		مسائل دعوی	
۷۷۹	۴	مسئلہ: مدعی کے پاس گواہ نہ تھے مدعاعلیہ کاحلف چاہا حاکم نے اس سے حلف کو کہا وہ چُپ رہا یہ سکوت بھی انکار ہے جبکہ گونگا یا بہرہ نہ ہو۔	۱
۷۷۹	۵	مسئلہ: اس صورت میں مستحب ہے کہ قاضی اس سے تین بار حلف کو کہے اگرسکوت کرے انکار ٹھہرا کرمدعی کو ڈگری دے دے۔	۲
		مسائل ہبہ	
۴۲۹	۲	مسئلہ: کھانے پینے کی چیز جوبچوں کانام کرکے بھیجتے ہیں اس میں سے ماں باپ کھاسکتے ہیں کہ اصل مقصود ماں باپ کو بھیجنا ہوتاہے اور چیز تھوڑی سمجھ کربچوں کانام لیاجاتاہے۔	۱
۴۲۹	۴	مسئلہ: اگر معلوم ہو کہ دینے والے نے واقعی بچے ہی کو دی ہے ماں باپ کودینا مقصود نہیں توماں باپ کواس میں سے کھاناحرام ہے مگر یہ کہ محتاج ہوں۔	۲
۴۳۵	۳	مسئلہ: مال جس میں تصرف اس کامالک کسی شخص یاجماعت کو مباح کردے جیسے سبیل کاپانی یادعوت کاکھانا یاجس نے کہہ دیاہو کہ میرے باغ کے پھل جوچاہے کھائے وہ مال تصرف کے وقت بھی مالک ہی کی مِلک ہوتاہے لینے والوں کی ملک نہیں ہوجاتا ولہذا مہمان کو جائز نہیں کہ جو کھانااس کے سامنے رکھاگیا یااس کے کھانے سے بچ رہااس میں سے بے اجازت مالک کسی فقیر کو کوئی ٹکڑادے، ہاں اجازت دلالۃً بھی کافی ہے جب یقینا معلوم ہو کہ اتنا تصرف وہ روارکھے گا اسے ناگوار نہ ہوگا۔	۳
۴۳۸	۱	مسئلہ: ولی نے جوچیز بچے کو کھانے پینے کیلئے اپنے مال سے دی اور اسے مالک نہ کردیا اس میں سے ولی کوجائز ہے کہ دوسرے کو دے دے اور اگرنابالغ ہی کے مال سے تھی یا اسے دے کر مالک کردیا تواب کسی کو نہیں دے سکتا۔	۴
۶۴۳	۵	مسئلہ: دی ہوئی چیز پھرلینا گناہ ہے اگرچہ موہوب لہ خوشی سے پھیردے۔	۵
۷۸۰	۳	مسئلہ: شوہر نے گواہوں کے سامنے عورت سے کہااللہ تیرا بھلاکرے کہ تونے مہربخش دیااس نے دوبار کہاہاں بخش دیا۔ گواہوں نے کہاہم گواہ ہوجائیں اس نے دوبار کہاہاں ہوجاؤ۔ قرینہ وحالت سے معلوم ہوگا کہ اُس کایہ کہناواقعی ہے یاطنز سے۔	۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	مسائل اجارہ		
۱	**مسئلہ:** جس اجیر کا وقت مول لیا مثلاً اتنے ماہوار پر خدمتگار وہ اجیر خاص کہلاتا ہے وہ اس وقت میں دوسرے کا کام نہیں کرسکتا اور اس کی تنخواہ کام پر موقوف نہیں اگر اس نے وقت دیا اور اسے کام نہ ملا خالی بیٹھا رہا تنخواہ پائے گا اور اگر اسے جو کام بتایا تھا اس نے کیا اور کسی نے آکر بگاڑ دیا جب بھی اسے تنخواہ ملے گی اور اس کے کام کرنے میں جو چیز ٹوٹے بگڑے اس پر اس کا تاوان نہیں۔	۱	۴۲۴
۲	**مسئلہ:** کسی کو مثلاً ایک دن یا دس دن کیلئے نوکر رکھا کہ جنگل کی مباح چیز مثلاً لکڑی پھول پھل پتّے پالا پانی وغیرہ اس کیلئے جمع کرکے لائے یہ جائز ہے جو اجرت اس کی ٹھہری اسے ملے گی اور شے کا مالک یہ نوکر رکھنے والا ہوگا۔	۲	۴۲۴
۳	**مسئلہ:** اگر وقت مقرر نہ کیا بلکہ چیز معیّن کی مثلاً یہ لکڑی تو اجارہ فاسد ہے دونوں گنہگار ہوں گے اور اجیر اجرت مقررہ سے اس قدر پائے گا جو معمولی نرخ سے زیادہ نہ ہو وہ شے اب بھی اسی نوکر رکھنے والے کی ملک ہوگی۔	۳	۴۲۴
۴	**مسئلہ:** اگر وہ لکڑی اس نوکر رکھنے والے کی مِلک ہے اور اس کیلئے وقت مقرر نہ کیا بلکہ لکڑی معیّن کردی جیسے لکڑی چیرنے والوں کے ساتھ معمول ہے تو یہ جائز ہے اور اجیر اُجرت مقررہ پائے گا۔	۴	۴۲۴
۵	**مسئلہ:** کسی سے کہا کہ اس شیر یا بھیڑی کو قتل کرو تجھے ایک روپیہ دوں گا اور وہ جانور چھوٹا ہوا ہے بند نہیں تو یہ اجارہ فاسد ہے ایسا کام اگر ایک روپے یا زیادہ کے قابل ہے تو اسے ایک ہی روپیہ ملے گا اور کم کے قابل ہے تو کم اور وہ شکار اس اجیر کرنے والے کی مِلک ہوگا۔	۱	۴۲۵
۶	**مسئلہ:** اگر کسی کو شکار کرنے یا کاتنے یا مقدمہ لڑانے یا اپنے دین کا تقاضا کرنے یا قبضہ کرنے پر اجیر کیا اور وقت بیان کیا کہ ایک دن یا ایک مہینہ مثلاً تو اجارہ صحیح ہے جب اُجرت مقرر کردی جائے گی ورنہ فاسد ہے اجرت مثل و اجرت مقررہ میں جو کم ہوگا وہ دیا جائے گا یہ مسئلہ ضرور حفظ کرنے کا ہے کہ آج کل وکیلوں کا تقرر بلا تعیّنِ مدت ہوتا ہے سو ان کے جن کا ہر پیشی پر محنتانہ قرار پاتا ہے۔	۷	۴۲۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷	**مسئلہ:** نان بائی سے کہا میں نے تجھے آج کے دن کیلئے اس پر اجیر کیا کہ یہ آٹا ایک روپے اجرت پر لگادے یہ اجارہ فاسد ہے کہ اس میں عمل اور وقت دونوں پر عقد اجارہ وارد کیا۔	8	۴۲۵
۸	**مسئلہ:** اگر نان بائی سے یوں کہا کہ میں نے تجھے یہ آٹا پکانے کیلئے ایک روپے پر اجیر کیا اس شرط پر کہ آج ہی پکادے یا یوں کہا جیسا یہاں معمول ہے کہ یہ آٹا آج پکادے ایک روپیہ دوں گا تو یہ جائز ہے کہ اجارہ فقط عمل پر ہوا۔	۱	۴۲۶
۹	**مسئلہ:** جسے کسی چیز مباح کے لانے پر اجیر کیا اور نہ وقتِ اجارہ مقرر کیا نہ وہ شے معیّن کی تو اس مباح کو اگر اپنی نیت سے لے گا خود مالک ہوگا مستاجر کی نیت سے لے گا تو وہ مالک ہوگا اور اگر کوئی نیت نہ تھی یا نیت میں اختلاف پڑا یہ کہتا ہے میں نے اپنے لی لی مستاجر کہتا ہے میرے لی لی تو جس کے برتن میں لی اس کیلئے ہوگی۔	۶	۴۳۱
۱۰	**مسئلہ:** شرع میں دلالت بھی مثل صریح ہے مگر جب صریح اس کے خلاف ہو تو دلالت معتبر نہیں مثلاً قبر پر قرآن مجید پڑھنے کی اجرت لینی منع ہے لوگ جو مقرر کرتے ہیں اور اُجرت کا نام درمیان میں نہیں آتا بعد کو لیتے دیتے ہیں یہ بھی اجرت ہی ہے کہ عادۃً معلوم ہے کہ وہ لینے ہی کو پڑھتے ہیں اور یہ پڑھنے ہی پر دیتے ہیں، ہاں اگر صاف کہہ دیں کہ دیا کچھ نہ جائے گا پھر دیں تو حرج نہیں کہ تصریحًا نفی اس عادت کی دلالت پر مقدم ہے۔	5	۴۸۰
	مسائل حجر		
۱	**مسئلہ:** غلام کو تجارت کا اذن دیا تو جو دعوت تاجروں کا دستور ہے غلام بھی اس مال سے کرسکتا ہے۔	۱	۴۳۰
۲	**مسئلہ:** سمجھ وال بچہ اگر ماذون ہے یعنی اس کے ولی شرعی نے اسے خرید وفروخت کی اجازت دی ہے اس کا پانی یا اسی قسم کی اور چیز جو اس کی ملک ہو پورے داموں کو اس سے خرید سکتے ہیں۔	۳	۴۳۳
۳	**مسئلہ:** نابالغ اگرچہ قریب بلوغ ہو وہ اپنی ملک سے ایک گھونٹ پانی نہ کسی کو مفت دے سکتا ہے نہ کوئی چیز بازار کے بھاؤ سے ایسی کمی پر بیچ سکتا ہے جسے صریح غبن کہیں، نہ اس کے ولی کو اس کے مال میں ان دونوں صورتوں کا اصلاً اختیار۔	۴	۴۳۳

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴	**مسئلہ:** معتوہ یعنی بوہرے کی تعریف اور یہ کہ اس کا اور سمجھ وال بچے کا ایک حکم ہے اس کا بھرا پانی بھی وہی حکم رکھتا ہے جو نابالغ کا۔ یوں ہی اس کی ہر مِلک مثل مِلک نابالغ ہے۔ یہاں تک کہ اس پر نماز فرض نہیں پڑھے گا تو نفل ہوگی۔ عاقل بالغ فرض و واجب وتراویح بلکہ نفل میں بھی اس کی اقتدا نہیں کرسکتا۔	۵	۴۳۴
۵	**مسئلہ:** جو تصرف خالص نفع ہے جیسے ہبہ قبول کرنا وہ صبی عاقل بے اذن ولی کرسکتا ہے اور جس میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو جیسے خرید وفروخت وہ ولی کی اجازت سے کرسکتا ہے اور جو محض ضرر ہے جیسے عورت کو طلاق دینا غلام آزاد کرنا کسی کو کچھ مال بخش دینا یہ نہ خود کرسکتا ہے نہ ولی اجازت دے سکتا ہے۔	۸	۴۳۷
	مسائلِ غصب		
۱	**مسئلہ:** گمان ہوا کہ فلاں چیز باپ کے پاس زید کی امانت تھی اس گمان پر زید کے وارثوں کو دے دی پھر معلوم ہوا کہ وہ اس کے باپ ہی کی تھی ان سے واپس لے گا اور اگر وہ خرچ کرچکے تاوان لے گا۔	۳	۴۲۳
۲	**مسئلہ:** حساب کتاب میں غلطی سے گمان ہوا کہ زید کے سو ۱۰۰ روپے مجھ پر آتے ہیں پھر ظاہر ہوا کہ حساب برابر ہوچکا تھا وہ روپے اس سے واپس لے گا۔	۴	۴۲۳
۳	**مسئلہ:** پانی میں اختلاف ہے کہ مثلی ہے یا قیمی، مثلاً اگر کسی کا مشک بھر پانی کسی نے خرچ لیا یا پھینک دیا۔ تو اس مشک بھر پانی اسے دینا ہوگا یا اس کی قیمت اور مصنّف کی تطبیق کہ پانی بایں معنی مثلی ہے کہ اس کے حصوں کی یکساں حالت ہوتی ہے ایک گھڑے سے دو لوٹوں میں پانی لو تو دونوں پانی ایک سے ہوں گے جیسے سیر بھر گیہوں کے دو حصے کرو تو ایک دوسرے کے مثل ہوگا اسی کو مثلی کہتے ہیں اور اسے بایں معنی قیمی کہا گیا ہے کہ وہ ماپا یا تولا نہیں جاتا۔	۴	۴۳۹

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	مسائل قسمت		
۱	**مسئلہ:** روپیہ اشرفی غلّہ جو چیزیں مثلی ہیں ان میں سے بالغ وارث بطور خود اپنا حصہ نابالغوں کے حصے سے جدا کر سکتے ہیں اور یہ تقسیم مقبول رہے گی اگر نابالغوں کا حصہ ان کیلئے سلامت رہے اگر وہ تلف ہو جائے تو تقسیم کالعدم ہو کر یہ ٹھہرائیں گے کہ جو جاتا رہا وہ بالغ نابالغ سب کے حصوں میں سے گیا باقی میں سے نابالغوں کو حصہ دیا جائے گا۔	۲	۴۳۹
۲	**مسئلہ:** یہی حکم ایسی چیزوں میں شریک حاضر وغائب کا ہے جو شریک موجود ہے اپنا حصہ بطور خود لے سکتا ہے اور یہ تقسیم صحیح رہے گی اگر شریک غائب کا حصہ اس کیلئے سلامت رہے ورنہ جو گیا دونوں کا تھا اور جو باقی رہا دونوں کا ہے۔	۳	۴۳۹
	مسائل حظر واباحت		
۱	**مسئلہ:** اپنے دامن یا آنچل سے بدن پونچھنا شرعًا منع نہیں مگر دامن سے ہاتھ منہ پونچھنے سے اہل تجربہ منع فرماتے ہیں کہ اس سے بھول پیدا ہوتی ہے۔	۱	۳۰
۲	**مسئلہ:** کھانے کے بعد کاغذ سے ہاتھ پونچھنا نہ چاہئی۔	۳	۳۰
۳	**مسئلہ:** کھانے کے بعد اپنے عمامہ وغیرہ لباس سے ہاتھ پونچھنا منع ہے۔ مصنف کے نزدیک یہ ممانعت اس وقت ہے کہ ابھی ہاتھ نہ دھوئے ہوں یا دھونے کے بعد چکنائی یا بُو باقی ہو جس سے کپڑا خراب ہو۔	۴	۳۰
۴	**مسئلہ:** تنہا پاجامہ پہنے راہ میں نکلنے والا ساقط العدالۃ مردود الشہادۃ ہے۔	۳	۱۵۸
۵	**مسئلہ:** جس انگشتری پر کوئی متبرک نام لکھا ہو وقتِ استنجا اس کا اتار لینا بہت ضرور ہے۔	۸	۱۷۱
۶	**مسئلہ:** مطلقًا حروف کی تعظیم چاہیے خواہ کچھ لکھا ہو۔	۹	۱۷۱
۷	**مسئلہ:** جس انگشتری پر کچھ لکھا ہو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ ہے۔	۱	۱۷۲
۸	**مسئلہ:** تعویذ اگر غلاف میں ہو تو اسے پہن کر بیت الخلا میں جانا مکروہ نہیں۔ پھر بھی اس سے بچنا افضل ہے۔	۲	۱۷۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	**مسئلہ:** طلوعِ صبح صادق سے طلوع شمس تک دنیوی کلام مطلقاً مکروہ ہے۔	۲	۱۹۷
۱۰	**مسئلہ:** نماز عشاء پڑھنے کے بعد بے حاجت دنیوی باتوں میں اشتغال مکروہ ہے۔	۳	۱۹۷
۱۱	**ف:** لعب ولہو وہزل ولغو وباطل وعبث متقارب المعنٰی ہیں۔	۵	۲۰۰
۱۲	**۱۲مسئلہ:** عبادت ومحنت دینیہ کے بعد دفع کلال وملال وحصول تازگی وراحت کیلئے احیاناً کسی امر مباح میں مشغولی جیسے جائز اشعار عاشقانہ کاپڑھناسننا شرعاً مباح بلکہ مطلوب ہے۔	۱	۲۰۱
۱۳	**مسئلہ:** صلہ رحم اور اپنے اقرباء کی مواسات عمدہ حسنات سے ہے مگر اگرنیت بوجہ اللہ نہ ہو بلکہ مثلاً خون کی شرکت امور طبعی محبت کاتقاضا، تواس سے عنداللہ کچھ فائدہ نہیں۔	۲	۲۰۱
۱۴	**مسئلہ:** نماز میں انگلی چٹکاناگناہ وناجائز ہے یوں ہی اگر نماز کے انتظار میں بیٹھا ہے یانماز کیلئے جارہاہے اور ان کے سوااگر حاجت ہو مثلاً انگلیوں میں بخارات کے سبب کسل پیداہواتوخالص اباحت ہے اور بے حاجت خلافِ اولٰی وترکِ ادب ہے۔	۱	۲۰۵
۱۵	**مسئلہ:** یہی سب احکام اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالنے کے ہیں۔	۲	۲۰۵
۱۶	**مسئلہ:** ہاتھ پاؤں سینہ پشت پر بال ہوں تو نُورہ سے دور کرنا بہتر ہے اور مُوئے زیر ناف پر بھی استعمال نَورہ آیاہے۔	۳	۲۱۰
۱۷	**ف: تنبیہ ضروری بہت ضروری:** آریوں پادریوں وغیرہم کے لکچر ندائیں سننے کو جانے سے قرآن عظیم سخت ممانعت فرماتاہے۔	۶	۲۱۴
۱۸	**مسئلہ:** بلاضرورت پاک چیز کو ناپاک کرنا حرام ہے۔	۱	۲۲۱
۱۹	**مسئلہ:** بے وضو آیت کو چھونا توخود ہی حرام ہے اگرچہ آیت کسی اور کتاب میں لکھی ہو مگرقرآن مجید کے سادہ حاشیہ بلکہ پٹھوں بلکہ چولی کا بھی چُھونا حرام ہے ہاں جزدان میں ہو تو جُزدان کو ہاتھ لگاسکتاہے۔	۱	۲۲۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۲۰	**مسئلہ:** قرآن مجید کا خالی ترجمہ اگرچہ الگ لکھا ہو اسے بھی بے وضو چھونا منع ہے	۲	۲۲۲
۲۱	**مسئلہ:** کتب تفسیر وحدیث وفقہ میں جہاں آیت لکھی ہو خاص اس جگہ بے وضو ہاتھ لگانا حرام ہے باقی عبارت میں افضل یہ ہے کہ باوضو ہو۔	۳	۲۲۲
۲۲	**فائدہ ضروریہ:** تلاوت قرآن یا قراءت حدیث کے سوا اپنی طرف سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام خواہ کسی نبی کو معصیت کی طرف منسوب کرنا حرام ہے۔	۷	۲۳۳
۲۳	**مسئلہ:** کھانا کھا کر برتن کو چاٹ کر صاف کرنا مسنون ہے۔	۱	۲۴۳
۲۴	**مسئلہ:** بے وضو اپنے سینہ سے بھی مصحف شریف کو مَس نہیں کرسکتا۔	۳	۲۵۵
۲۵	**مسئلہ:** بے وضو کی گردن پر لمبی چادر کا ایک کونا پڑا ہوا ہے اور وہ اس کے دوسرے کونے کو ہاتھ پر رکھ کر مصحف شریف چھونا چاہے اگر چادر اتنی لمبی ہے کہ اس شخص کے اُٹھنے بیٹھنے سے اس دوسرے گوشہ تک حرکت نہ پہنچے گی تو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۴	۲۵۵
۲۶	**مسئلہ:** پانی میں پیشاب کرنا مطلقًا مکروہ ہے اگرچہ دریا میں ہو۔	۳	۲۷۶
۲۷	**مسئلہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصرانی کے یہاں کا کھانا کھانے سے ممانعت فرمائی۔	۱	۳۳۲
۲۸	**مسئلہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہاں تک بنے نصارٰی کے برتنوں سے دور رہو اور برتن نہ ملیں تو پہلے انہیں دھو کر پاک کرلو اس کے بعد استعمال میں لاؤ۔	۴	۳۳۲
۲۹	**مسئلہ:** تہمت کی جگہ کھڑے ہونے سے حدیث میں ممانعت ہے۔	۲	۳۳۳
۳۰	**مسئلہ:** بکثرت حدیثیں اس بارے میں کہ بلاوجہ شرعی وہ بات نہ کی جائے جو سننے سے بری معلوم ہو عذر کی حاجت پڑے مسلمانوں کو نفرت دلائے۔	۳	۳۳۳
۳۱	**مسئلہ:** بلاوجہ شرعی وہ بات کرنی مکروہ ہے جس سے اس کی غیبت کا دروازہ کھلے۔	۴	۳۳۳
۳۲	**مسئلہ:** یہاں نصارٰی کے کھانے پینے سے بہ نسبت ہنود کے بہت زیادہ بچنے کا حکم ہے۔	۵	۳۳۳
۳۳	**مسئلہ:** رات ہو یا دن عورت جوان ہو یا بوڑھی جمعہ ہو یا عید یا جماعت پنجگانہ یا مجلس وعظ مطلقًا عورتوں کا جانا منع ہے۔	۲	۳۸۶

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳۴	**ف:** بے کسی صحیح وجائز حاجتِ شرعی کے سمندر میں سوار ہونا نہ چاہیے کہ اس کے نیچے آگ ہے۔	۱	۴۰۹
۳۵	**مسئلہ:** ہنود ونصاری کے برتن اگر خریدے یا کسی طرح ملے ان میں بغیر پاک کیے کھانا پینا مکروہ ہے۔	۱	۴۱۵
۳۶	**مسئلہ:** ائمہ فرماتے ہیں اگر جنگل میں ایک کتا ایک حربی کافر پاس سے مرے جاتے ہوں اور مسلمان کے پاس ایک کی پیاس کے قابل پانی ہے کتے کو پلائے اور حربی کو نہ دے۔	۴	۴۲۱
۳۷	**مسئلہ:** سوال جو بے ضرورتِ شرعیہ حرام ہے کچھ مال ہی مانگنے پر موقوف نہیں بلکہ اجنبی سے کسی کام یا خدمت کو کہنا بھی سوال میں داخل ہے خصوصًا دوسرے کے نابالغ بچے یا کنیز وغلام سے اقول: یونہی کسی کے نوکر سے کام لینا جبکہ باہم انبساط وبے تکلفی اس حد تک نہ ہو۔	۹	۴۳۷
۳۸	**مسئلہ:** رافضی کے یہاں کچھ کھانا پینا ہرگز نہ چاہیے۔	۲	۵۷۴
۳۹	**مسئلہ:** جوابِ سلام میں دیر جائز نہیں۔	۱	۶۱۹
۴۰	**مسئلہ:** سلام شروع ملاقات کے وقت ہے دیر کے بعد یا کچھ کلام کرکے خلاف سنت ہے۔	۲	۶۱۹
۴۱	**مسئلہ:** بچے نے جب تک بات نہ کی ہو اسے مرد وعورت سب بے پردہ نہلا سکتے ہیں یہی وہ عمر ہے جس تک ستر عورت کی اصلًا حاجت نہیں۔	۲	۶۵۶
۴۲	**مسئلہ:** بدن یا بال دیکھنے یا چھونے میں جو حکم زندے کا تھا وہی مردے کا ہے اقول: بلکہ بعض جگہ زائد کہ شوہر حیات میں مس کرسکتا ہے اور بعد موت اس کے بدن کو اصلًا ہاتھ نہیں لگا سکتا۔	۴	۶۵۶
۴۳	**مسئلہ:** دوسرے کی کنیز شرعی کا حکم مثل اپنی محرم عورت کے ہے کہ پیٹ پیٹھ اور ناف سے زانو کے نیچے تک دیکھنا جائز نہیں اس کے سوا میں جائز ہے بلکہ خوف فتنہ نہ ہو یا حاجتِ شرعیہ ہو تو چھونا بھی۔	۱	۶۵۸
۴۴	**مسئلہ:** اجنبی آزاد عورت کے منہ کی صرف ٹکلی جس میں کان یا گلے یا بالوں کا کوئی ذرہ داخل نہیں اور ہتھیلیاں اور تلوے دیکھنا اگرچہ حرام نہیں، ہاں مکروہ تحریمی ہے کہ ترک واجب ہے مگر اس کے اُن مواضع کا بھی چھونا مطلقًا حرام ہے ولہذا شیخ کو حرام ہے کہ اجنبی عورت کا ہاتھ پکڑ کر بیعت لے۔	۲	۶۵۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴۵	**مسئلہ:** دوسرے کی کنیز شرعی اگر اس کے سر میں تیل ڈالے یا ہاتھ پاؤں دبائے یا نہلانے میں اس کا پیٹ پیٹھ ملے جائز ہے جبکہ نیت بد نہ ہو۔	۳	۶۵۸
۴۶	**مسئلہ:** مسئلہ ضروریہ اشد ضروریہ: آزاد عورت کو حرام ہے کہ کسی نامحرم مرد کے بدن کو ہاتھ لگائے اگرچہ ہاتھ پاؤں کو، اور مرد پر حرام ہے کہ اسے اِس کی اجازت دے، یہاں سے مشائخ زمانہ سبق لیں کہ اجنبی جوان مریدات اور وہ خود بھی ضعیف نہیں پھر یہ ان کے قدم لیتیں اُن کے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں آنکھوں سے لگاتی ہیں اُن پر فرض ہے کہ اُنہیں ان حرکات سے بشدّت روکیں، یوں ہی بعض لوگ نہانے میں نائن یا اصیل سے ہاتھ پاؤں یا پیٹھ ملواتے ہیں یہ بھی حرام ہے اور احتراز فرض لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ البتہ اگر عورت بہت ضعیفہ بڑھیا ہے کہ محل فتنہ نہیں یا یہ بہت ضعیف بوڑھا ہے اور طرفین سے کسی جانب احتمالِ فساد نہیں تو مصافحہ کی اجازت ہے۔ **اقول:** تو یونہی اس کے پاؤں چھونے سے اس عورت کو ممانعت نہ کی جائے گی اور اسی قیاس پر پیٹھ ملنا جبکہ ہر طرح فتنہ سے امن ہو واللہ تعالٰی اعلم۔	۴	۶۵۸
۴۷	۴۷ **مسئلہ:** جہاں کوئی نجاست پڑی ہو تلاوت مکروہ ہے۔	۲	۶۶۳
۴۸	**مسئلہ:** اگر کوئی جنب یا حیض یا نفاس والی عورت پاس موجود ہو تو قرآن عظیم کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں بلکہ اگر اپنی عورت حائضہ یا نفساء کی گود میں سر رکھے لیٹا ہو اس وقت بھی تلاوت کر سکتا ہے۔	۳	۶۶۳
۴۹	**مسئلہ:** کپڑے میں بانے کا اعتبار ہوتا ہے تانے کا لحاظ نہیں، بانا اگر ریشم ہو مرد کو ناجائز ہے اگرچہ تانا سُوت ہو اور بانا سُوت ہے تو جائز اگرچہ تانا ریشم ہو۔	۲	۶۷۹
۵۰	**مسئلہ:** مٹی کھانا حرام ہے یعنی زیادہ کہ مضر ہے خاکِ شفا شریف سے تبرّگا قدرے چکھ لینا جائز ہے جیسے پان میں چونا، کمافی نصاف الاحتساب۔	۳	۶۹۶
۵۱	**مسئلہ:** سیپ کا چُونا حرام ہے جس پان پر وُہ چُونا لگا ہو ہو اس کا کھانا حرام ہے۔	۲	۷۰۱
۵۲	**مسئلہ:** بلاضرورت دو دامنہ پر کوئی ایسی چیز سانا جس سے صورت بگڑے ناجائز ہے۔	۲	۷۰۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۵۳	**مسئلہ:** جہاد میں حربی کافروں کے ساتھ بھی مثلہ کرنا یعنی قتل کے بعد ناک، کان کاٹنا حرام ہے۔ ہاں عین قتال میں جہاں بھی ضرب ہو جو کچھ بھی قطع کیا جائے کمال اجر ہے۔	۳	۷۰۴
۵۴	**مسئلہ ضروریہ:** بعض نوجوان جو آپس میں کیچڑ سے کھیلتے ہیں ایک دوسرے کے منہ پر کیچڑ ملتے ہیں یا ہنسی سے کسی کے سوتے میں اس کے منہ پر کالک لگاتے ہیں یہ سب حرام ہے۔	۴	۷۰۴
۵۵	**مسئلہ:** جس طرح بے وضو کو قرآن مجید کے حرفوں کو چھونا حرام ہے یونہی اس کے حاشیہ کی سادہ بیاض کو، یونہی اس کی جلد کو، یونہی چولی کو جو پٹھوں پر چڑھی ہوئی ہے، ہاں جزدان یا مقوے میں ہو تو ان کا چھونا جائز ہے۔	۱	۷۲۳
۵۶	**مسئلہ:** مسلمان کو جائز نہیں کہ باختیار خود اپنے نفس کو ذلت میں ڈالے مثلاً خدمت گاری کافر کی نوکری حدیث میں اس سے منع فرمایا۔	۳	۷۵۵
۵۷	**مسئلہ:** اگر کوئی مسلمان بھوک یا پیاس سے مرتا ہو اس کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے۔ ایسی حالت میں اگر وہ دوسرے کے پاس کھانا پانی پائے اس پر مانگنا فرض ہے اور یہ خود مجبورانہ محتاج نہ ہو تو اس پر دینا فرض ہے۔	۸	۷۵۵
۵۸	**مسئلہ:** پانی ضائع کرنا حرام ہے۔	۸	۸۰۷
۵۹	**مسئلہ:** مال ضائع کرنا حرام ہے۔	۱	۸۰۸
	مسائل احیاء موات		
۱	**مسئلہ:** خودرَو گھاس مالک کی مِلک نہیں ہوتی جو کاٹ لے اسی کی ہے مگر اگر زمین جوتی اسے پانی دیا کہ گھاس اُگے تو اب یہ گھاس اس کی مِلک ہوگی دوسرا بے اس کی اجازت کے نہیں لے سکتا۔	۱	۴۱۷
۲	**مسئلہ:** مباح چیز جیسے دریاؤں کا پانی جنگل کا خودرَو پھل پھول ان پر جس کا ہاتھ پہلے پہنچ جائے اور قبضہ کرلے وہی مالک ہو جاتا ہے اس تفصیل پر جو آگے مذکور ہے۔	۲	۴۲۲
۳	**مسئلہ:** کسی مباح چیز کے لانے کیلئے دوسرے کو اپنا نائب یا وکیل یا خادم یا مددگار بنانا صحیح نہیں جسے وکیل کیا جب وہ قبضہ کرے گا وہی مالک ہو جائے گا۔	۴	۴۲۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۴	**مسئلہ:** کسی سے بلااجرت کہا جنگل سے میرے لئے لکڑیاں یا پتّے وغیرہ لے آؤ یا مثلاً ہرن یا مچھلی شکار کرلاؤ اس نے کیا لکڑیوں پتوں شکار کا خود ہی مالک ہوا یوں ہی جنگل میں جو برف آسمان سے گرا وہ منگوایا تو اٹھانے والا ہی مالک ہوگا۔	۱	۴۲۳
۵	**مسئلہ:** مباح چیزوں کی تحصیل، جیسے غیر مملوک جنگل سے گھاس لکڑی شکار یا دریا یا نہر کنویں سے پانی لینا اس میں شرکت نہیں ہوسکتی کہ ایک کرے اور دونوں کی ملک ہو بلکہ جو جتنی چیز لے گا وہی تنہا اس کا مالک ہوگا اور جو چیز دونوں نے مل کر حاصل کی مثلاً ایک لکڑی دونوں نے کاٹی تو دونوں اس کے مالک ہوں گے اور اگر ایک نے قبضہ کیا اور دوسرا مددگار تھا تو چیز قابل کی ہوگی اور مددگار کو مزدوری ملے گی جو کچھ ایسے کام پر ملتی ہو۔	۶	۴۲۸
۶	**مسئلہ:** جو سرکاری زمین میں باذن سلطان کنواں کھودے اس کے گرد چالیس چالیس ہاتھ تک دوسرے کو کنواں کھودنے کی اجازت نہ ہوگی۔	۴	۵۷۳
	مسائل شرب		
۱	**مسئلہ:** کنویں کا پانی کنویں کے مالک کا نہیں خالص مِلک خدا ہے۔	۵	۴۱۶
۲	**مسئلہ:** مینہ کا پانی جس کے برتن میں خود بھر جائے برتن والا اس کا مالک نہ ہوگا جو لے لے اسی کا ہے۔ ہاں اس کا برتن بے اس کی اجازت استعمال نہیں کرسکتا۔	۲	۴۱۷
۳	**مسئلہ:** اگر کسی نے برتن اسی غرض سے رکھا کہ اس میں مینہ کا پانی آئی تو اس پانی کا وہی مالک ہوگا دوسرا بے اس کی اجازت کے نہیں لے سکتا۔	۳	۴۱۷
۴	**مسئلہ ضروریہ:** بہشتیوں کے بچے اکثر کنووں پر پانی بھرتے اور لوگ ان سے پینے یا وضو کو پانی لیتے ہیں یہ حرام ہے۔	۲	۴۳۴
۵	**مسئلہ:** سقاجب تک کسی کے برتن میں نہ ڈال دے پانی کا خود مالک ہے اگر زید کے گھر لے جانے کو مشک بھری اور اس کے برتنوں تک لے گیا اور اس وقت بھی اسے اختیار ہے کہ وہاں نہ ڈالے دوسری جگہ لے جائے یا جو چاہے کرے، ہاں جب اس کے برتن میں ڈال دیا اب بے اس کی اجازت کے نہیں لے سکتا۔	۴	۴۳۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
٦	**مسئلہ:** بوہرے کے بھرے ہوئے پانی سے جو اس کی مِلک ہو بے حالتِ احتیاج اس کے ماں باپ کو انتفاع میں بھی دقّت ہے۔	٦	۴۳۴
٧	**مسئلہ بغایت مشکلہ:** بہت معتمد کتابوں میں ہے کہ اگر نابالغ نے حوض یا کنویں سے پانی لے کر کچھ حصہ اس میں ڈال دیا اب اس حوض یا کنویں کا پانی سب پر حرام ہوگیا۔	١	۴۳۵
٨	**مسئلہ:** نابالغ کا مملوک پانی اگر اس کے گھر سے لاکر بھی کوئی شخص کنویں یا مباح حوض میں ڈال دے گا اس کا استعمال بھی اسی طرح حرام ہوجائے گا۔	۴	۴۳۵
٩	**مسئلہ:** یہ پانی اس نابالغ کے والدین بشرط احتیاج بالاتفاق استعمال کرسکتے ہیں اور ایک روایت پر بلا احتیاج بھی۔	۵	۴۳۵
١٠	**مسئلہ:** نابالغ کی مِلک کا یہ پانی کہ کنویں یا مباح حوض میں مل گیا کسی طرح کتنے ہی داموں کو خریدا بھی نہیں جاسکتا نہ اس کی بیع سے نہ اس کے ولی کی۔	١	۴۳٦
١١	**مسئلہ:** نابالغ کی مِلک کا پانی اگر کسی کے مملوک پانی میں مل جائے گا مثلاً کھڑے وغیرہ میں تو اس پانی کا استعمال بھی یونہی حرام ہوجائے گا حتی کہ اس کے مالک کو۔	٢	۴۳٦
١٢	**مسئلہ:** کچھ پانی وغیرہ کی خصوصیت نہیں نابالغ کی مِلک کی کوئی چیز جب دوسری چیز میں اس طرح مل جائے گی کہ تمیز ناممکن ہو مثلاً کسی کے دودھ میں نابالغ کا پانی یا پانی میں عرق یا گیہوں میں گیہوں یا چاول میں چاول جب بھی یہی حکم ہے کہ وہ چیز خود مالک پر بھی حرام ہوگئی۔	٣	۴۳٦
١٣	**مسئلہ:** کسی کے غلام یا کنیز شرعی نے جو پانی کنویں یا مباح حوض سے بھرا وہ مالک عاقل بالغ کی اجازت سے جائز ہوسکتا ہے اب اجازت دے یا غائب ہے اور اسے خبر پہنچے اس وقت اجازت دے اور اگر اس کا مالک نابالغ یا معتوہ ہے تو عاقل بالغ ہونے کے بعد اس کی اجازت درکار ہے۔	٦	۴۳٦
١۴	**مسئلہ:** یہ احکام ٹھہرے ہوئے پانی میں ہیں اگرچہ دَہ دردَہ یا زائد ہو جاری پانی میں اگر نابالغ کی مِلک کا پانی مل جائے تو اس کا استعمال ناجائز نہ ہوگا۔	٩	۴۳٦

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۵	مسئلہ: جس پانی میں نابالغ کا پانی مل گیا اسے جس طرح صرف میں نہیں لاسکتے یوں ہی پھینک بھی نہیں سکتے اُبال بھی نہیں کرسکتے۔ اقول مگر جبکہ کنواں ناپاک ہوجائے اس وقت کل یا بعض جتنے ڈول نکالنے کا حکم ہو بظاہر اس کی اجازت ہونی چاہئے فان القصد فیہ الی الاصلاح دون الافساد الاتری اذاکان حوضًا مملوکا لصغیر فیہ ماؤہ فتنجس فانہ یطھر بالاجزاء ولایترک فاسدًا علی الصبی فلیتأمل (کیونکہ اس میں مقصود پانی کی اصلاح ہے پانی کا فساد مقصود نہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ جب حوض بچے کی ملکیت ہو اور اس میں پانی ہو پھر نجس ہوجائے تو پانی جاری کرکے اسے پاک کیا جاتا ہے اور فاسد پانی کو بچے کیلئے نہیں چھوڑا جاتا، غور کرو۔ ت) اور اسلم یہ ہے کہ اس نابالغ کی مِلک کا اگر کوئی جانور ہو جتنا پانی اس نے ڈالا تھا اس جانور کو پلادیں یا اس کی کوئی عمارت بنتی ہو اس کے گارے میں ڈال دیں یا ڈول بھی محسوب رکھیں جو باقی رہے کنویں سے اور نکال لیں ھذا ماعندی واللہ اعلم (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور اللہ تعالٰی زیادہ بہتر جاننے والا ہے۔ ت)	۲	۴۳۷
۱۶	مسئلہ: اگر مینہ یا سیل نے اسے ابال دیا تو بلا دقّت جواز ہوگیا۔	۳	۴۳۷
۱۷	مسئلہ: الحمدللہ مشکل کی سہل آسانی حوض یا کنویں میں نابالغ نے جتنا پانی ڈالا ہے اتنا یا اس سے زائد بھر کر اسے دے دیں باقی کا استعمال جائز ہوگیا۔	۱	۴۳۹
۱۸	مسئلہ: یہاں جواز کیلئے پانی کا جریان نہ مطلقًا کافی نہ ہمیشہ ضرور بلکہ اتنا پانی نکل جانا چاہی جتنا نابالغ نے ڈالا تھا۔	۶	۴۳۹
	مسائل دیت		
۱	مسئلہ: ہاتھ میں انگلیاں اصل ہیں ولہذا اگر کسی کی انگلیاں کاٹ دیں پُورے ہاتھ کی دیت لازم آئی گی۔	۵	۲۵۹
۱	**مسائل مداینات**		
	مسئلہ: جس کے کسی پر مثلًا سو ۱۰۰ روپے آتے ہوں کہ اس نے دبالئے یا اور کسی وجہ سے ہوئی اور اسے اس روپیہ ملنے کی امید نہیں تو سو روپے کی مقدار تک اس کا جو مال ملے لے سکتا ہے آج کل اس پر فتوی دیا گیا ہے مگر سچے دل سے بازار کے بھاؤ سے سو ہی روپے کا مال ہو زیادہ ایک پیسہ کا ہو تو حرام درحرام ہے۔	۲	۳۹۳

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۶۵۹	۷	مسئلہ: مدیون پر ڈگری ہوئی اس کا مال ادائی دین میں لیا جائے گا مگر پہننے کے ضروری کپڑے نہیں لی جاسکتے۔	۲
		مسائل وصی	
۴۲۷	۱	مسئلہ: ماں باپ محتاج ہوں تو اپنے بچے کا مال بقدرِ حاجت بلا قیمت لے سکتے ہیں اور غنی ہیں لیکن اس وقت اپنے مال پر ہاتھ نہیں پہنچتا مثلاً سفر میں ہیں اور بچہ کا مال موجود ہے تو بقیمت لے کر خرچ کر سکتے ہیں جب اپنا مال ملے قیمت ادا کریں۔	۱
۴۲۸	۱	مسئلہ: باپ کو اختیار ہے کہ اپنے نابالغ بچہ کو استاد کی خدمت کیلئے دے کہ یہ مفت اس کا کام کاج جو اس کے قابل ہے کرے اور وہ اسے تعلیم کرے اگرچہ کسی جائز پیشہ ہی کی۔	۲
۴۲۸	۲	مسئلہ: باپ اور دادا اور ان کے وصی کو اختیار ہے کہ نابالغ سے اسے ادب دینے اور کام کی عادت ڈالنے کیلئے اس کے لائق کی خدمت لیں۔	۳
۴۳۰	۴	مسئلہ: ماں نے اپنا مال اپنے یتیم بچے کے ساتھ ملالیا اور دونوں ساتھ کھاتے ہیں، اگر ماں کے حصہ میں معتدبہ زیادت آتی ہے تو یہ اسے جائز نہیں۔	۴
۴۳۱	۱	مسئلہ: نابالغ یتیم کما کر ماں کو دیتا ہے ماں اس پر خرچ کرتی ہے اس میں سے ایک دو لقمے کھا سکتی ہے۔	۵
۴۳۱	۲	مسئلہ: دوسرے کے بچے سے سہل معمولی کام لینا مثلاً محلّہ میں سے فلاں کو بلالا یا یہ بات کہہ آ اس قدر میں حرج نہیں۔	۶
۴۳۳	۱	مسئلہ: جس سے جتنی بے تکلفی ہو اس کے مال میں تصرف کرنا اس کے غلام یا نوکر سے اتنا کام لینا بے اس کے پوچھے بھی جائز ہے جہاں تک معلوم ہو کہ وہ روا رکھے گا اسے ناگوار نہ گزرے گا۔	۷
۴۳۳	۵	مسئلہ: استادوں کو اختیار ہے کہ باپ دادا یا ان کے وصی کی اجازت سے اپنے شاگردوں سے معمولی کام، خدمت لیں، جہاں تک عام دستور ہے اور اس میں بچہ کو ضرور نہ ہو ان کا بھرا ہوا پانی لے سکتے ہیں نہ ان سے بھروا کر استعمال کر سکتے ہیں۔	۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۹	مسئلہ: استاد جسے بچہ سے خدمت لینے کا اختیار ہے یہ کر سکتا ہے کہ بچے سے پانی بھرنے کو کہے جبکہ وہ ہوشیار ہو اور اس برتن مثلاً ڈول یا گھڑے کو بھر کر کنویں سے نکالنے کی طاقت رکھتا ہو جب وہ اسے بھر کر کنویں تک لائے اس وقت استاد اس کے ہاتھ سے لے کر کنویں سے باہر خود نکال لے یا کسی بالغ شاگرد وغیرہ سے نکلوالے اب اس پانی کا استعمال جائز ہوگا۔	۱	۴۳۴
۱۰	مسئلہ: ماں باپ دادا دادی اپنے بچے سے کام لے سکتے ہیں یاتویوں کہ محتاج ہیں یا نوکر رکھنے کی طاقت نہیں یا بچے کو ادب دینے کام سکھانے کی عادت ڈالنے کیلئے	۱۰	۴۳۷
۱۱	**مسائل فرائض**		
	مسئلہ: غسل کفن دفن کی حاجت تقسیم ترکہ بلکہ ادائے دیون پر بھی مقدم ہے جب تک اس سے فراغ نہ ہولے کوئی قرض خواہ بھی کچھ نہ پائے گا، نہ کوئی وصیت نافذ کی جائے گی نہ کسی وارث کو کچھ دیا جائے گا۔	۶	۶۵۹
	مسائل فقہیّہ		
۱	مسئلہ: زیادہ احتیاط یہ ہے کہ صدقہ فطر وفدیہ روزہ نماز وکفارہ قسم وغیرہ میں نیم صاع گیہوں جو کے پیمانے سے دئے جائیں یعنی جس برتن میں ایک سو چوالیس روپے بھر جو ٹھیک ہموار سطح سے آجائیں کہ نہ اُونچے رہیں نہ نیچے اس برتن بھر کر گیہوں کو ایک صدقہ سمجھا جائے ہم نے تجربہ کیا پیمانہ نیم صاع جو میں بریلی کے سیر سے کہ سَو روپے بھر کا ہے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر گیہوں آتے ہیں فی کس اتنے دئے جائیں۔	۱	۱۴۴
۲	مسئلہ: تنہا وضو کا مسنون پانی رامپوری سیر سے کہ چھیانوے ۹۶ روپے بھر کا ہے تقریبًا آدھ پاؤ اوپر سیر بھر ہے اور باقی غسل کا ساڑھے چار سیر کے قریب مجموع غسل کا چھٹانک اوپر ساڑھے پانسیر سے کچھ زیادہ۔	۱	۱۴۵
۳	مسئلہ: حکم حکمت کیلئے ہوتا ہے مگر حکمت پر اس کا مدار نہیں رہتا بندہ کو حکم کا اتباع چاہی حکمت جو اسے معلوم ہے موجود ہو یا نہیں، جیسے سفر میں دو ۲ رکعت کی تخفیف اس حکمت کیلئے ہے کہ سفر مشقت ہے اور مشقت طالب آسانی۔ پھر اگر بادشاہِ وقت کو سفر میں کوئی مشقت نہ پہنچے بلکہ سیر وشکار سے اور زیادہ راحت وفرحت ہو جب بھی قصر کرے گا کہ اسے حکم سے کام ہے نہ کہ حکمت سے۔	۶	۲۴۴

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۲۵۵	۲	**ف:** محدث جب مطلق ہو تو اس سے مراد بے وضو ہوتا ہے نہ وہ جس پر غسل ہے۔	۴
۴۱۹	۳	**مسئلہ:** امانت وہبہ وصدقہ وشرکت ومضاربت وغصب میں روپے اشرفی جو دئے گئے وہی متعین ہوتے ہیں مثلاً سو روپے زید کے پاس امانت رکھے زید کو حرام ہے کہ ان روپوں کو دوسرے سو روپوں سے بدلے یا کسی کی اشرفی چھینی خاص وہی اشرفی اسے پھیر کر دینا فرض ہے دوسری بدل کر نہیں دے سکتا اگرچہ بعینہٖ وہی سکہ وہی حالت ہو۔	۵
۴۲۱	۷	**مسئلہ:** مسائل فقہ میں ظن اگر غالب ہو مثل یقین ہے ورنہ مثل وہم نامعتبر۔	۶
۵۶۰	۳	**ف:** استار ایک تولہ ۸ ماشے دو رتی ہے اور رطل ۳۳ تولے ۹ ماشے۔	۷
۶۳۶	۶	**مسئلہ:** شریعت مطہرہ جو رخصتیں عطافرماتی ہے مثلاً مسافر روزہ قضا کر سکتا ہے چار رکعتیں فرض کی دوپڑھے گا پانی میل بھر دور ہو تو نمازی تیمم کرے اُن میں مطیع عاصی سب شریک ہوتے ہیں اگر کسی نے کسی ناجائز کام کیلئے سفر کیا ہو وہ بھی قصر کرے گا اور روزہ قضا کر سکے گا اور جو معاذاللہ زنا سے جنب ہوا اور پانی نہ پایا تیمم کرے گا۔	۸
۶۳۲	۳	**مسئلہ:** ہمیشہ یاد رہے کہ احکام الٰہیہ بجالانے میں قلیل مشقت کبھی عذر نہیں ہو سکتی مشقت شدید عذر ہے۔	۹
۶۵۵	۵	**مسئلہ:** ثواب کی بات میں دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینی کہ اس کے کرنے کیلئے آپ چھوڑنی یہ نہ چاہئے **اقول:** مگر محل ادب میں کہ یہاں اسے ترجیح دینا ہی بڑی قربت ہے جیسے نماز جنازہ میں حکم ہے کہ باپ کو مقدم کرے اگرچہ بیٹے کا حق ہے بدائع میں ہے: منع التقدم لئلا یستخف بابیہ فلم تسقط ولایتہ بالتقدیم۔	۱۰
۶۶۴	۹	**مسئلہ:** عبادت کی چار قسمیں مقصودہ مشروطہ بطہارت، مقصودہ غیر مشروطہ، مشروطہ غیر مقصودہ، غیر مقصودہ وغیر مشروطہ اوران کی مثالیں۔	۱۱
۸۰۸	۵	**مسئلہ:** اختلاف ائمہ سے حتی الامکان بچنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کا کوئی مکروہ نہ لازم آئے مثلاً باوضو نے اپنے عضو مخصوص کو کھجانے میں ہاتھ لگایا ہمارے نزدیک وضو نہ گیا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جاتا رہا تو مستحب ہے کہ وضو کرلے لیکن اگر وضو کرکے وہیں بیٹھا ہے اور کھجایا تو وہیں دوبارہ وضو نہ کرے کہ بے مجلس بدلے دوبارہ وضو مکروہ ہے بلکہ مجلس بدل کر وضو کرنا چاہے۔	۱۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	رسم المفتی		
۱	**فائدہ ضروریہ:** خلاف مذہب بحثیں اگرچہ امام ابن الہمام کی ہوں مقبول نہیں جبکہ خلاف اختلافِ زمانہ سے ناشئی نہ ہو۔	۲	۲۱
۲	**ف:** کتب شروح حدیث میں جو مسئلہ کتبِ فقہ کے خلاف ہو معتبر نہیں۔	۳	۱۸۸
۳	**ف:** شئی اگرچہ مطلق ذکر کی جائے اپنے اسباب وشروط واحکام وآثار پر خود ہی دلالت کرے گی۔	۷	۱۹۰
۴	**ف:** شرعی کے دو معنی ہیں مقبول فی الشرع ومطلوب فی الشرع۔	۱	۲۰۲
۵	**ف:** چھ[۶] باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے لہذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے اور وہ چھ باتیں[۱] ضرورت، [۲] دفع حرج، [۳] عرف، [۴] تعامل، [۵] دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، [۶] کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ ان سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔	۳	۳۸۵
۶	**ف:** انہیں وجوہ سے صحیح ومؤکد احادیث کا خلاف کیا جاتا ہے اور وہ خلاف نہیں ہوتا جیسے عورتوں کا جماعت وجمعہ وعیدین میں حاضر ہونا کہ زمانہ رسالت میں حکم تھا اور اب مطلقاً منع ہے۔	۱	۳۸۶
۷	**ف:** علامہ شامی فرماتے ہیں: ہم نے صرف تقلید امام اعظم اپنے اوپر لازم کی ہے نہ کسی اور کی ولہذا ہمارا مذہب حنفی کہا جاتا ہے، نہ یوسفی وغیرہ امام ابویوسف وغیرہ کی نسبت سے۔	۷	۳۸۸
۸	**ف:** امام سے مسائل منقول ہین دلائل مشائخ نے استنباط کی ہیں ان کا ضعف اگر ثابت بھی ہو تو قول امام کا ضعف لازم آنا درکنار دلیل امام کا بھی ضعف ثابت نہیں ہوتا ممکن ہے کہ امام نے اور دلیل سے فرمایا ہو۔	۲	۳۸۹
۹	**مسئلہ:** جب کسی مسئلہ میں امام کا قول نہ ملے امام ابویوسف کے قول پر عمل ہو ان کے بعد امام محمد پھر امام زفر پھر امام حسن بن زیاد وغیرہم مثل امام عبداللہ بن مبارک وامام اسد بن عمرو وامام زاہد ولیث بن سعد وامام عارف داؤد طائی وغیرہم اکابر اصحاب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کے اقوال پر عمل ہو۔	۶	۴۰۰

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۰۸	۳	**فائدہ:** مکروہ تحریمی کو حرام کہہ سکتے ہیں۔	۱۰
۴۸۴	۳	**فائدہ:** ایک ہی چیز میں اختلاف سوال سے مفتی کا فتوٰی مختلف ہوجاتا ہے اسی چیز کو پوچھیں کہے گا جائز، اسی کو پوچھیں کہے ناجائز، اختلاف احوال سے یہ اختلاف پیدا ہوتا ہے۔	۱۱
۵۸۱	۱	**فائدہ:** کسی مسئلہ میں کوئی امام معتمد جو قید زیادہ فرمائی اور اوروں سے اس کا خلاف ثابت نہ ہو واجب القبول ہے اقول صورتیں چار ہیں دوسروں کے یہاں اس کی نفی اثبات کچھ نہیں یہی وہ صورت مذکور ہے بعض دیگر نے خلاف کیا اور ترجیح اسے ہے جب بھی حکم وہی ہے اور ترجیح اسے ہے تو بالعکس اور کسی کو ترجیح نہ دی گئی تو حسب دستور احوط یا ایسر یا اوفق یا اوفق ملحوظ ومنظور۔	۱۲
۵۸۱	۲	**فائدہ:** تقیید شراح اطلاق متون کی مخالفت نہیں بلکہ بیان مراد ہے۔	۱۳
۸۲۰	۹	**فائدہ:** افاداتِ علماء میں تکرارِ مسائل معیوب نہیں امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی کتب میں مسائل مکرر ذکر فرمائی کہ لوگوں کو خود ہی خواہی نخواہی حفظ ہوجائیں۔	۱۴
		عقائد	
۲۴۴	۷	**فائدہ جلیلہ:** ہر نیک کام سے گناہ دھلتے ہیں مگر جو چیز قربت میں صرف کی گئی اس کی طرف گناہوں کی نجاست حکمیہ منتقل ہونا صرف اس چیز میں ہے جسے بالخصوص شرع مطہر نے اس قربت کی اقامت کو معین فرمایا ہو جیسے وضو وغسل میں پانی یا زکوٰۃ میں مال۔ یہ حکم مطلق ہو تو نیکی الٹی بدی ہوجائے مثلاً پانی پلانا ضرور کار ثواب ہے اب جو پانی پلانے کیلئے لیا اگر گناہوں کی نجاست اس میں آجائے تو پانی ناپاک یا خراب ہوجائے تو نجس یا مکروہ پانی پینے کو دینا ٹھہرے اور یہ نیکی نہیں بدی ہے یہاں سے ظاہر ہوا کہ وہابیہ مخذولین کا زکوٰۃ پر قیاس کرکے نیاز اولیاء کے کھانے کو معاذاللہ بلفظ خباثت تعبیر کرنا کہ صدقہ کی وجہ سے اس میں خباثت آگئی جیسا کہ وہابیہ کی براہین قاطعہ وغیرہا میں ہے یہ محض ان خبیثوں کی خباثت وحماقت ہے نیاز اولیاء سے کھانا متبرک ہوجاتا ہے ہاں خبیثوں کیلئے خباثت ہے کما قال اللہ تعالٰی: اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓىٕكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ (گندیاں گندوں کیلئے ہیں اور گندے گندیوں کیلئے اور ستھریاں ستھروں کیلئے ہیں اور ستھرے ستھریوں کیلئے، ستھرے اور ستھریاں ان گندوں کی باتوں سے پاک ہیں) والحمدللہ ۱۲۔	۱

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۹۰	۱	**مسئلہ:** ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ارادہ سے ہوتا ہے اس کے ارادہ کے سوا عالم میں کوئی شیئ موثر حقیقی نہیں، نہ آگ جلاتی ہے نہ پانی بجھاتا ہے بلکہ اسی کے ارادہ سے جلنا بجھنا پیدا ہوتا ہے اس نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اسباب ومسببات میں ربط فرمادیا ہے کہ وہ بھی اسی کے ارادہ کا ہر وقت محتاج ہے وہ چاہے تو چیز پانی سے جل جائے آگ سے بجھ جائے آنکھیں سنیں کان دیکھیں وغیر ذلک۔ چاہے تو اسباب کو معطل کردے لاکھ سبب موجود ہوں اور مسبّب نہ ہوسکے چاہے تو اسباب کو معزول فرمادے کوئی سبب نہ ہو اور مسبّب موجود ہوجائے اعلم ان اللہ علٰی کل شیئ قدیر۔ (جان لو بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ت)	۲
۵۵۰	۳	**فائدہ:** جہنم کی آگ سخت اندھیری کی طرح کالی تاریک اندھیری ہے اس کی لپٹ میں اصلاً روشنی نہیں۔	۳
۵۵۸	۱	**مسئلہ:** مسلمان جو جانور نیازِ اولیا ذبح کرتے ہیں حلال ہے اور ان پر یہ بدگمانی کہ وہ معاذاللہ غیر خدا کی عبادت چاہتے ہیں سخت حرام۔	۴
۵۵۸	۲	**مسئلہ:** اگر کوئی جاہل ایسی ملعون نیت کرے بھی اور ذابح تکبیر کہہ کر ذبح کرے جانور حلال ہے کہ یہاں ذابح کی نیت کا اعتبار ہے اور اسے حرام کہنا قرآن عظیم کے خلاف ہے۔	۵
۵۵۹	۳	**مسئلہ:** اگر کوئی مرتد یا مشرک بُت پرست کوئی جانور ذبح کرے تو اس ذبح سے اس کی کھال پاک ہوجانے میں دونوں قول باقوت ہیں اور احتیاط اس میں ہے کہ ناپاک سمجھیں۔	۶

Majlis of DawateIslami

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۷	**مسئلہ**: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حالِ حیات وحالِ وفات میں ہمیشہ ہر وقت طیّب وطاہر ہیں۔	۲	٦١١
۸	**مسئلہ عقائد**: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت یعنی ان کے اجسام طیبہ سے ارواح طاہرہ کا جدا ہونا صرف ایک آن کیلئے ہوتا ہے پھر ویسے ہی زندہ ہو جاتے ہیں جیسے حیات ظاہری میں تھے جسم وروح سے معًا ولہٰذا ان کا ترکہ نہیں بٹتا نہ ان کے بعد ان کی ازواج سے نکاح جائز۔	۳	٦١١
۹	**۹مسئلہ**: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مردہ کہنا حرام بلکہ بطور توہین ہو تو صریح کفر ہے اللہ عزوجل نے شہید کو مردہ کہنے سے منع فرمایا۔انبیاء علیہم الصلوٰہ والسلام کی حیات اُن سے بدرجہا زائد ہے شہید کی حیات احکام دنیا میں نہیں۔اس کا ترکہ بٹے گا اس کی بی بی عدت کے بعد نکاح کر سکے گی بخلاف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔	۴	٦١١
۱۰	**مسئلہ**: تمام کافر اگرچہ بظاہر کلمہ گو نماز گزار ہوں جیسے وہابیہ وغیرہم یہ سب اللہ عزوجل سے محض جاہل ہیں جو اللہ ہے اسے جانتے نہیں اور جسے اپنے زعم میں اللہ کہہ رہے ہیں وہ اللہ نہیں۔	۵	٦٦٢
۱۱	مسلمانوں کے سوا اللہ تعالٰی کو کوئی نہیں جانتا کلمہ گو مرتد اگرچہ نمازیں پڑھیں قال اللہ تعالٰی قال الرسول کہیں اللہ عزوجل کو ہرگز نہیں جانتے۔	۳	۷۳۵
۱۲	**مسئلہ**: جمیع صفات کمال اللہ عزوجل کیلئے لازم ذات ہیں اور جملہ عیوب ونقائص کذب جہل وغیرہ وغیرہ سب اس پر محال بالذات ہیں کہ اصلاً کسی طرح امکان نہیں رکھتے وہابی کہ ان کو ممکن کہتا ہے گمراہ بددین ہے۔	۲	۷۳٦
۱۳	**عقیدہ**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں پر ان کی جانوں سے زیادہ اختیار رکھتے ہیں۔	۴	۷۵۵
۱۴	**عقیدہ**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے جان ومال کے مالک ہیں اگر وہ کسی مسلمان سے کچھ طلب فرمائیں وہ معاذاللہ سوال نہیں بلکہ یقینا ایسا ہے جیسے مولٰی اپنے غلام سے اس کی کمائی کا کچھ حصہ لے کہ غلام اور اس کی کمائی سب مولٰی کی ملک ہے اسی لیے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی ھل انا ومالی الالک یارسول اللہ میں اور میرا مال کس کے ہیں حضور ہی کے ہیں یارسول اللہ!	۱۰	۷۵۵

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	ردِّ بدمذہباں		
۱	**فائدہ:** امام محقق علی الاطلاق نے باوصف مرتبہ اجتہاد مسئلہ جہر آمین میں مخالفتِ مذہب کی جرأت نہ کی اور فرمایا مجھے کچھ اختیار ہوتا تومیں یوں دونوں قولوں میں اتفاق کراتا کہ نہ زور سے ہو نہ بالکل آہستہ۔ مسلمانو! انصاف! ان اکابر کی تو یہ کیفیت اور جاہلان بے تمیز کہ اکابر کا کلام بھی نہ سمجھ سکیں وہ امام کے مقابلہ کو طیار۔	۷	۳۹۸
۲	**مسئلہ:** تقلیدِ شخصی واجب ہے اور یہ بات کہ جس مسئلہ میں جس مذہب پر چاہو عمل کرو باطل ہے اکابر ائمہ نے اس کے باطل ہونے کی تصریح فرمائی اس کے سبب غیر مقلد وہابیوں کا دین میں ایک بڑا فتنہ پیدا ہوا۔	۱	۴۰۱
۳	**ترجمہ فائدہ جلیلہ:** بعض علماء بحث کی جگہ لکھ تو گئے ہیں کہ آدمی جس قول پر چاہے عمل کرے مگر یہ بحث ہی تک کہنے کی بات ہے دل ان کے بھی اسے پسند نہیں کرتے بلکہ بُرا جانتے ہیں جابجا جس کسی مسئلہ میں بیقیدی عوام کا اندیشہ سمجھتے ہیں صاف فرمادیتے ہیں کہ اسے عوام پر ظاہر نہ کیا جائے کہ وہ مذہب کے گرانے پر جرأت نہ کریں پھر یہی علماء عمر بھر اپنے کو حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کہتے کہلاتے رہے کبھی مذہب سے بیقیدی نہ برتی عمریں اپنے اپنے مذہب کی تائید میں صرف کیں اور اس میں بڑے بڑے دفتر تصنیف ہوئے اور تمام علمائے امت نے اس پر اجماع کیا بلکہ اپنے اپنے مذہب کی تائید میں مناظرہ تو زمانہ صحابہ کرام سے چلا آتا ہے اگر مذہب کوئی چیز نہ ہوتا اور آدمی کو عمل کیلئے سب برابر ہوتے تو یہ سب کچھ مناظرے اور ہزارہا کتابیں اور ائمہ واکابر کی عمروں کی کارروائیاں سب لغو وفضول میں وقت وعمر ومال برباد کرنا ہوتا اس سے بدتر کون سی شناعت ہے۔	۲	۴۰۱
۴	**فائدہ:** نصارٰی صراحۃً تثلیث کے قائل ہیں مگر تاویل کے ساتھ لہٰذا شرع مطہر نے انہیں مشرک نہ ٹھہرایا اور ان کے اور مشرکوں کے احکام میں فرق فرمایا مگر وہابیہ اللہ ورسول سے آگے بڑھتے اور پوری توحید لا الٰہ الا اللہ ماننے والے مسلمانوں کیلئے بات بات پر مشرک کا لفظ گھڑتے ہیں وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)	۱	۷۳۸

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	فوائد حدیثیہ		
۱	**ترجمہ اصل عبارت:** حدیث ضعیف سے استحباب ثابت ہوتا ہے نہ کہ سنیت۔	۱	۱۱
۲	**فائدہ:** حدیث ضعیف استحباب واباحت میں بالاجماع مقبول ہے۔	۱	۲۶
	فضائل ومناقب		
۱	**مسئلہ:** انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وضو سونے سے نہیں جاتا۔	۱	۹۱
۲	**فائدہ:** انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی آنکھیں سوتی ہیں دل کبھی نہیں سوتا۔	۲	۹۱
۳	**فائدہ:** ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبد العلی نے فرمایا اگر کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی یہ مرتبہ حاصل تھا کہ حضور کا وضو سونے سے نہ جاتا آنکھیں سوتیں دل بیدار رہتا۔ اور ایسے ہی اور اکابر اولیاء جو اس مرتبہ تک پہنچے ہوں اگرچہ حضور سیدنا غوث اعظم کے مراتب تک نہیں پہنچ سکتے تو یہ کہنا حق سے بعید نہ ہوگا اور مصنف کا حدیث سے اس کی تائید کرنا۔	۴	۹۱
۴	**مسئلہ:** نیند کے سوا باقی اور نواقض سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وضو جاتا ہے یا نہیں، اس میں اختلاف ہے علامہ قہستانی وغیرہ نے فرمایا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وضو کسی طرح نہ جاتا، اور مصنف کی تحقیق کہ نواقض حکمیہ مثل خواب وغشی سے نہ جاتا اور نواقض حقیقیہ مثل بول وغیرہ سے ان کی عظمت شان کے سبب جاتا رہتا۔	۱	۹۲
۵	**ف:** بعض نواقض وضو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے یوں ناقض نہیں کہ ان کا وقوع ہی ان سے محال ہے جیسے جنون یا نماز میں قہقہہ۔	۴	۹۲
۶	**ف:** غشی بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جسم ظاہر پر طاری ہوسکتی ہے دل مبارک اس حالت میں بھی بیدار وخبردار رہتا۔	۳	۹۳
۷	**مسئلہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضلات شریفہ مثل پیشاب وغیرہ سب طیّب طاہر تھے جن کا کھانا پینا ہمیں حلال وباعث شفا وسعادت مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت شان کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم میں حکم نجاست رکھتے۔	۵	۹۳

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۹۳	۱	**فائدہ:** حدیثوں میں جوارشاد ہوا کہ وضو کے پانی کے ساتھ اس کے گناہ نکلتے ہیں اہل کشف اسے آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔	۸
۲۴۵	۲	**فائدہ:** ائمہ شافعیہ فرماتے ہیں کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مدارک ایسے دقیق ہیں جن کو اکابر اولیاء ہی پہچانتے ہیں۔	۹
۲۴۵	۳	**فائدہ:** اولیاء فرماتے ہیں کہ امام اعظم وامام ابویوسف سرداران اہل کشف ومشاہدہ ہیں۔	۱۰
۲۵۴	۳	**مسئلہ:** حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضو بلکہ غسلِ جنابت کا بھی پانی ہمارے حق میں طاہر ومطہر ہے، اسی طرح تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام۔	۱۱
۳۸۹	۵	**فائدہ جلیلہ:** اجلہ اکابر ائمہ دین معاصرانِ امام اعظم وغیر ہم رضی اللہ عنہ وعنہم کی تصریحات کہ امام ابوحنیفہ کے علم وعقل کو اوروں کا علم وعقل نہیں پہنچتا جس نے ان کا خلاف کیا ان کے مدارک تک نارسائی سے کیا۔	۱۲
۳۸۹	۶	**فائدہ:** استاذالمحدثین امام اعمش شاگرد حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ واستاد امام اعظم نے امام سے کہا اے گروہِ فقہاء تم طبیب ہو ہم محدثین عطار، اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو دونوں کنارے لیے۔	۱۳
۳۸۹	۷	**فائدہ:** امام اجل سفیان ثوری نے ہمارے امام سے کہا آپ کو وہ علم کھلتا ہے جس سے ہم سب غافل ہوتے ہیں اور فرمایا ابوحنیفہ کا خلاف کرنے والا اس کا محتاج ہے کہ ان سے مرتبہ میں بڑا اور علم میں زیادہ ہو اور ایسا ہونا دور ہے۔	۱۴
۳۸۹	۸	**فائدہ:** امام شافعی نے فرمایا تمام جہاں میں کسی کی عقل ابوحنیفہ کی مثل نہیں۔ امام علی بن عاصم نے کہا: اگر ابوحنیفہ کی عقل تمام روئے زمین کے نصف آدمیوں کی عقلوں سے تولی جائے تو امام ابوحنیفہ کی عقل غالب آئی۔ امام بکر بن جیش نے کہا: اگر ان کی عقل کا تمام اہل زمانہ کی مجموع عقلوں کے ساتھ وزن کریں تو ایک ابوحنیفہ کی عقل ان تمام ائمہ واکابر و مجتہدین ومحدثین وعارفین سب کی عقل پر غالب آئی۔	۱۵
۳۹۰	۱	**فائدہ:** امام شعرانی شافعی اپنے پیرومرشد حضرت سیدی علی خواص شافعی سے راوی کہ امام ابوحنیفہ کے مدارک اتنے دقیق ہیں کہ اکابر اولیاء کے کشف کے سوا کسی کے علم کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔	۱۶

صفحہ نمبر	فائدہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۰۸	۱	**مسئلہ:** زمزم شریف سے غسل ووضو بلا کراہت جائز ہے اور ڈھیلے کے بعد استنجاء مکروہ اور نجاست دھونا گناہ۔	۱۷
۵۳۵	۳	**فائدہ جلیلہ:** ہر خیر ہر نعمت ہر مراد ہر دولت دین میں دنیا میں آخرت میں روزِاول سے آج تک آج سے ابدالاباد تک جسے ملی یا ملتی ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست اقدس سے ملی اور ملتی ہے معطی حقیقی اللہ عزّوجل ہے اور اس کی تمام نعمتوں کے بانٹنے والے صرف محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، دوسرے سے کوئی نعمت کوئی مراد کسی کو کبھی ملی نہ ملے۔	۱۸
۵۵۰	۶	**۱۹ فائدہ:** اللہ اکبر کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوتی صرف خُرمے اور پانی پر اہلبیت طہارت کی گزر رہتی۔	۱۹
۵۵۲	۳	**مسئلہ:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کسی چیز سے شرف نہ پایا بلکہ جو چیز حضور کی طرف منسوب ہوگئی اسے شرف مل گیا۔	۲۰
۵۵۲	۴	**مسئلہ:** اللہ عزوجل نے غیر افضل اشیا کو بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق فرماتا ہے تاکہ ان اشیا کو فضل حاصل ہو لہٰذا ولادتِ اقدس ماہِ ربیع الاول شریف میں ہوئی نہ ماہِ مبارک رمضان میں اور روز جانِ افروز دوشنبہ ہوئی نہ روز مبارک جمعہ اور مکان مولدِ اقدس میں ہوئی نہ کعبہ معظّمہ میں۔	۲۱
		دلائل افضیلت کوثر: (۱) آخرت میں وہی افضل ہے جو عنداللہ افضل ہے اور جو عنداللہ افضل ہے فی نفسہٖ افضل ہے اور جو فی نفسہٖ افضل ہے جہاں ہو افضل ہے تو جو آخرت میں افضل ہے وہی دنیا میں افضل ہے اور شک نہیں کہ آخرت میں کوثر افضل ہے تواب بھی کوثر زمزم سے افضل ہے۔ (۲) زمزم دنیا کا پانی ہے اور کوثر آخرت کا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے بے شک آخرت درجوں میں بڑی ہے اور فضیلت میں زائد۔ (۳) کوثر کا پانی جنت سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: کوثر میں جنّت سے دو پر نالے گر رہے ہیں ایک سونے کا ایک چاندی کا۔ اور فرماتے ہیں: سن لو اللہ کا مال بیش بہا ہے، سن لو اللہ کا مال جنت ہے۔ (۴) کوثر کا پانی اُمتِ مرحومہ کیلئے زیادہ نافع ہے ایک قطرہ جس کے حلق میں جائے گا ابدآلآباد تک کبھی پیاسا نہ ہوگا نہ کبھی اس کے چہرے پر سیاہی آئے۔	۲۲

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	(۵) اللہ عزوجل نے عطائے کوثر سے اپنے حبیب افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان عظیم رکھا کہ انّا اعطینٰک الکوثر۔ بیشک ہم نے کہ عظمت والے ہیں تم کو کہ بے مثل ویکتا ہو کوثر عطا فرمایا۔ اسی طرف اِنّا میں ضمیر جمع اور اعطینٰک میں کاف مفرد کا اشارہ ہے تو کوثر کی عظمت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے اللہ عزوجل ہم فقرائے بے قدر کو بھی اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کفِ کرم سے اُس میں سے پینا نصیب فرمائے۔ آمین!	۶	۵۵۲
۲۳	**فائدہ:** حضور اقدس صلی اللہ علیہ وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ وسلم تمام جہان کیلئے نعمت الٰہیہ ہیں۔	۵	۷۳۷
	فوائد اصُولیہ		
۱	**مسئلہ:** سنّت مؤکدہ کے ترک عادت سے گنہ گار و مستحق عذاب ہوتا ہے۔	۵	۹۵
۲	**فائدہ:** حتی الامکان اختلافِ علماء سے بچنا مستحب ہے جب تک اس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ نہ لازم آئے۔	۱	۹۸
۳	**فائدہ:** سنتِ ہُدٰی سنّتِ مؤکدہ کا نام ہے اور سنت زائدہ سنّت غیر مؤکدہ کا۔	۲	۱۷۴
۴	**مسئلہ:** سنتِ مؤکدہ کا ترک ایک آدھ بار مورثِ عتاب ہے مگر گناہ نہیں، ہاں ترک کی عادت کرے تو گنہ گار ہوگا اور اس بارے میں دفعِ اوہام و توفیق اقوالِ علمائے کرام۔	۲	۱۷۶
۵	**فائدہ:** اگرچہ فقہاء خاص مکروہ تنزیہی یا تنزیہی و تحریمی دونوں سے عام پر اطلاقِ کراہت فرماتے ہیں مگر اصل یہی ہے کہ اس کے مطلق سے مراد کراہت تحریمی ہے جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔	۲	۱۷۸
۶	**فائدہ:** مکروہِ تنزیہی لغۃً و شرعًا منہی عنہ نہیں اگرچہ نحویوں کے طور پر اس میں صیغہ نہی ہو۔	۲	۱۷۹
۷	**مسئلہ:** اسراف کہ ناجائز و گناہ ہے صرف دو صورتوں میں ہوتا ہے ایک یہ کہ کسی گناہ میں صرف و استعمال کریں دوسرے بیکار محض مال ضائع کریں۔	۱	۱۸۴
۸	**فائدہ:** مستحب سنت کی تکمیل ہے سنت واجب کی واجب فرض کی فرض ایمان کی۔	۴	۱۸۷
۹	**مسئلہ:** جب تک اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہ آئے اور اماموں کے مذہب کی رعایت مستحب ہے۔	۳	۴۱۴

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۱۰	**مسئلہ:** مستحب کا ترک مکروہ نہیں	۴	۴۱۴
۱۱	**مسئلہ:** جو یقین کسی مجہول میں ہو شک سے زائل ہو جاتا ہے۔	۲	۴۳۸
۱۲	**مسئلہ:** ائمہ متقدمین کے عرف میں حرام کو بھی مکروہ کہتے ہیں۔	۴	۴۴۵
۱۳	**مسئلہ:** فرض عین فرض کفایہ سے قوی تر ہے۔	۴	۶۵۵
۱۴	**مسئلہ:** جو بات شرعًا واقع پر مبنی ہو اور یہ علم واقع حاصل کرسکتا ہو اس وقت گمان وظن پر عمل کرنا جائز نہیں۔		
۱۵	**فائدہ:** قرآن کریم کی سنت کریمہ ہے کہ بعض جگہ کلیہ کو اکثریہ سے تعبیر فرماتا ہے۔	۱	۷۳۷
۱۶	**فائدہ:** جیسے کبھی کل سے اکثر مراد ہوتا ہے یونہی اکثر سے کل۔	۲	۷۳۷
۱۷	**فائدہ:** کبھی قلّت بولتے ہیں اور مراد عدم۔	۳	۷۳۷
۱۸	**مسئلہ:** جب تک دلیل قطعی بآسانی ملے یا دلیل ظنی پر عمل جائز نہیں۔اقول اسی لیے غیر مجتہد پر ائمہ مجتہدین کی تقلید فرض اور اسے چھوڑ کر عمل بالحدیث حرام ہے کہ یہ حدیث کو نہ سمجھے گا نہ اس کے راجح مرجوح ناسخ منسوخ صحت اسناد صحت متن صحت فقہی پر مطلع ہوسکے گا تو اسے حکمِ الٰہی پر ظن بھی نہیں مل سکتا اپنے وہم کو ظن سمجھ لینا دوسری بات ہے اور امام کے قول پر عمل کیا تو قطعًا حکمِ الٰہی پر ظن بھی نہیں مل سکتا اپنے وہم کو ظن سمجھ لینا دوسری بات ہے اور امام کے قول پر عمل کیا تو قطعًا حکمِ الٰہی بجالایا کہ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو، تو قطع ویقین کو چھوڑ کر شک ووہم میں پھنسنا حرام ہے۔	۲	۷۸۶
۱۹	**فائدہ:** فقہائے کرام احکام میں نادر صورتوں کا اکثر لحاظ نہیں فرماتے۔	۳	۸۰۶
۲۰	**مسئلہ:** قسم کھائی کہ نکسیر پھوٹنے سے وضو نہ کرے گا پھر اس نے پیشاب کیا اس کے بعد ناک سے خون بہا اور وضو کیا قسم ٹوٹ گئی یہ وضو نکسیر سے بھی ٹھہرے گا اگرچہ وضو ابتداءً پیشاب سے ٹوٹ چکا تھا۔	۲	۸۱۴
	طبعیات		
۱	**فائدہ:** رنگتیں تاریکی میں بھی موجود رہتی ہیں نہ جیسے فلاسفہ وابن سینا کا زعم ہے کہ اندھیرے میں رنگ معدوم ہو جاتا ہے جب روشنی ہو پھر موجود ہوتا ہے۔	۲	۵۵۰
۲	**فائدہ:** ضعیف الترکیب جسم منطبع بالنار نہیں ہوسکتا۔	۳	۶۸۰

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
۳	**فائدہ:** لین وذوبان دو طرح ہیں ایک گرہ کھل کر دوسرے بے کھلے آثار اصلیہ نار میں یہی ہے	۱	۶۸۲
۴	**فائدہ:** اجزائے ارضیہ بلاواسطہ بھی آگے ہو جاتے ہیں۔	۴	۶۸۵
۵	**فائدہ:** کان کی ہر چیز گندھک پارے کے نکاح کی اولاد ہے گندھک نر ہے اور پارہ مادہ۔	۱	۶۹۰
	متفرقات		
۱	**فائدہ:** بچے کیلئے بھی اس کے قابل گناہ ہیں اسے جو تکلیف پہنچتی ہے انہیں گناہوں کا عوض ہے۔	۶	۶۱۲
۲	**فائدہ:** کوئی جانور ذبح نہیں کیا جاتا، کوئی پیڑ کاٹا نہیں جاتا، کوئی پتّا نہیں گرتا مگر جب کہ تسبیح الٰہی میں غفلت کرتا ہے۔	۷	۶۱۲
۳	**فائدہ:** ابرک کی نسبت تحقیق کہ وہ بھی پتھر ہے، چُونے کا پتھر بھی ایک قسم کی ابرک ہے۔	۴	۶۹۸
۴	**فائدہ:** تحقیق اطلاق رصاص اور یہ کہ وہ رانگ اور سیسے دونوں کو کہتے ہیں، ہاں ابیض کہیں تو خاص رانگ مراد ہے اور اسود تو خاص سیسا رانگ کا خاص نام قلعی وقصدیر ہے اور سیسے کا اُسرب۔	۱	۶۹۹
۵	**فائدہ:** اجساد سبعہ یا فلزات سعہ یا معادن سبعہ یا منطرقات سبعہ یعنی ساتوں دھاتیں یہ ہیں: ۱۔ سونا، ۲۔ چاندی، ۳۔ تانبا، ۴۔ لوہا، ۵۔ سیسا، ۶۔ رانگ، ۷۔ جست اس جست کو روئی توتیا، روح توتیا خار صینی کہتے ہیں پیتل ان میں نہیں کہ مصنوع چیز ہے تانبا اور جست ملا کر بناتے ہیں۔	۱	۷۰۰
۶	**فائدہ:** زاج پھٹکری نہیں۔	۲	۷۰۰
۷	**فائدہ:** اس کی تحقیق کہ مونگا پتھر ہے۔	۳	۷۱۱
۸	**فائدہ:** کھجور کا درخت ایک حصہ جانداری وحیوانیت کا رکھتا ہے جس طرح مونگا ایک حصہ شجریت کا۔	۵	۷۱۱

نمبر شمار	عنوانات	فائدہ نمبر	صفحہ نمبر
	فائدہ: بے تاسیس قافیہ دلیل وتاسیس والے قافیوں کے ساتھ لانا جیسے بسمل و قاتل فارسی میں معیوب نہیں اور اردو بھی بے تکلف رائج ہے لیکن نظم عربی میں اصلاً جائز نہیں طوسی معیار ہیں بیان مذہب عرب میں کہتا ہے اعتبار تاسیس درہمہ قصیدہ و درہر شعر بریک قافیہ بود واجب باشد قادیانی مرتد نے جوایک قصیدہ لکھایا نورالدین کالکھا ہوا اپنی طرف نسبت کیا بہر حال اسے اپنا معجزہ قرار دیا اور قرآن عظیم کے مثل بتایا کہ جیسے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قرآن معجزہ ملا تھا مجھے یہ قصیدہ معجزہ ملا ہے۔ قال اخذہ اللہ اخذ عزیز مقتدر ؎ وکان کلام معجزاٰیۃ لہ کذلک لی قول علی الکل یبھر اس کی بنا قوافی بے تاسیس پر ہے مطلع یہ ہے: ایاارض مد قد دفاک مدمر وارداک ضلیل واغراک موغر اس کے قوافی میں جابجا قوافی موسسہ لایا ہے مثلاً: ع　غبار عظامی قدسفتہا صراصر ع　لدینا معین لایحاکیہ اٰخر ع　والقی من سب الی الخناجر ع　فھل بعدہ نحو الظنون تبادر ع　فطوبی لقوم طاوعولی واٰثروا ع　وانکان عیسی اومن الرسل اٰخر اور اس کی کیا شکایت ابلیس [3] نے مرزا کو مسخرہ بنا کر اسی قصیدہ میں ۱۶۹ نمبر کا یہ شعر القاء کیا ؎ ولاتحسب الدنیا کناطف ناطفی اتدری بلیل مسرۃ کیف تصبح یہ بھی تمیز نہ ہوئی کہ روی رہے یاح اور اس کی بھی کیا شکایت قصیدے [4] بھر میں کم کوئی شعر یا مصرع وزن میں ٹھیک ہوگا اکثر اس بے بہرے کیلئے بے بحرے ہیں ہزاراں ہزار لعنت قہار ایسے اعجاز اور ملعون دعاوی دراز پر۔ تمّت بالخیر واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین	۱	۷۲۷

مآخذ و مراجع

نام		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الهدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱_۸
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجّاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل با بن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملاخسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱ـ	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲ـ	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳ـ	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴ـ	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵ـ	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶ـ	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷ـ	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸ـ	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۱۳۹ـ	الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰ـ	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱ـ	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲ـ	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن ببر علی المروف ببرکلی	۹۸۱
۱۴۳ـ	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴ـ	عمدۃ القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵ـ	العنایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶ـ	عنایۃ القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷ـ	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸ـ	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹ـ	عدّۃ	کمال الدین محمد بن احمد الشیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰ـ			

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصِّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الهدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطهور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقه	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنٰی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلٰی	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجٰی	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۲۴۵ـ	معرفة الصحابة	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶ـ	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷ـ	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸ـ	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹ـ	معراج الدرایة	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰ـ	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱ـ	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲ـ	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳ـ	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴ـ	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵ـ	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶ـ	المقدمة العشماویة	ابو العباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷ـ	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸ـ	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹ـ	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰ـ	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱ـ	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲ـ	منحة الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳ـ	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴ـ	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵ـ	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶ـ	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷ـ	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸ـ	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹ـ	مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطاامام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۵

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست ... 4

پیش لفظ ... 5

فہرست جلد پنجم ... 7

ابواب و مسائل ... 7

فہرست ضمنی مسائل ... 27

کتاب الصّلٰوۃ ... 43

جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ (تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں) ... 75

باب الاوقات نماز کے وقتوں کا بیان ... 122

رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو ۲ نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا ... 160

فصل اول طلوع فجر نوری بہ اثبات جمع صوری: ... 167

فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم: ... 204

فصل سوم تضعیف دلائل جمع تاخیر ... 228

فصل چہارم ۴ نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں ... 270

فصل فی اماکن الصّلٰوۃ ... 344

باب الاذان والاقامۃ ... 362

دیوبندی خیانتوں کے نمونے ... 392

رسالہ ... 430

منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ ... 430

(انگوٹھے چُومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا) ۱۳۰۱ھ ... 430

نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ ۱۳۳۳ھ ... 633

(اقامت کے دوران انگوٹھے چُومنے کے حکم میں عُمدہ تفصیل۔ت) ... 633

ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ ... 657

(دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کے جواز پر مبارک فتوٰی) ... 657

مآخذومراجع 683

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللہ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضَوِیَّۃِ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد پنجم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوھاری دروازہ، لاھور نمبر ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر ۷۶۵۷۳۱۴

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد پنجم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ________ (۱) حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم، ہری پور ہزارہ

(۲) حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ ۱_ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲_ مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیب فہرست ________ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ________ مولانا سردار احمد حسن سعیدی

پیسٹنگ ________ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری

صفحات ________ ۶۹۲

اشاعت ________ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ / ستمبر ۱۹۹۳ء

مطبع ________ یوسف عمر پرنٹرز B12 اندرون بھاٹی گیٹ لاہور

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________ ---روپے

ملنے کے پتا

*مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ـــــــ ۵
○ کتاب الصلوۃ ـــــــ ۴۳
○ باب الاوقات ـــــــ ۱۲۱
○ اماکن الصلوۃ ـــــــ ۳۴۳
○ باب الاذان و الاقامۃ ـــــــ ۳۶۱
○ مآخذ و مراجع ـــــــ ۶۹۷

فہرست رسائل

○ جمان التاج ـــــــ ۷۵
○ حاجز البحرین ـــــــ ۱۵۹
○ منیر العین ـــــــ ۴۲۹
○ ضمنی رسالہ الہاد الکاف فی حکم الضعاف ـــــــ ۴۷۷ تا ۵۳۷
○ نہج السّلامۃ ـــــــ ۶۲۹
○ ایذان الاجر ـــــــ ۶۵۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ ! اعلٰحضرت امام احمد رضاخان فاضل بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی کے خزائنِ علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصّہ شہود پرلانے کے لئے مخدومِ اہلسنّت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی زیر سرپرستی "رضافاؤنڈیشن" کے نام سے جوادارہ چند سال قبل قائم ہواتھاوہ انتہائی کامیابی سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو تدریجاً طے کرتے ہوئے سرعت رفتاری سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔کتاب الطہارۃ مکمل چار خوبصورت مجلدات میں آپ تک پہنچ چکی۔اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرعنایت وفیضان سے پانچویں جلد پیش خدمت ہے۔اس جلد میں باب الاذان والاقامۃ تک عربی و فارسی عبارات کا اردو ترجمہ معروف قلمکار،ادیبِ شہیر،پیر طریقت حضرت علامہ صاحبزادہ قاضی عبدالدائم دائم مدیر ماہنامہ جامِ عرفان و مہتمم دارالعلوم ربّانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ اور باقی تمام عبارات کاترجمہ فاضل جلیل حضرت علامہ مفتی محمدخان قادری دامت برکاتہم العالیہ ڈائریکٹر جامعہ اسلامیہ سمن آباد لاہور نے کیاہے۔مفتی صاحب متعددکتابوں کے مصنّف ومترجم ہیں۔

یہ جلد آغاز کتاب الصلٰوۃ سے لے کر فتاوٰی رضویہ جلد ثانی قدیم کے اخیر تک پر مشتمل ہے اور اس میں ۱۴۰ سوالوں کے علاوہ مندرجہ ذیل مستقل عنوانات کو مبحث بنایا گیاہے:

(۱) کتاب الصلٰوۃ

(۲) باب الاوقات

(۳) اماکن الصلٰوۃ(نماز کن جگہوں میں جائز ہے)

(۴) باب الاذان والاقامۃ

علاوہ ازیں پیش نظر جلد میں ابحاثِ نفیسہ ونکاتِ لطیفہ پر مشتمل پانچ گرانقدر رسائل بھی شامل ہیں جن کو دیکھنے سے امام احمد رضا بریلوی کی محدثانہ شان پورے جوبن اور کامل عروج پر دکھائی دیتی ہے۔اس جلد میں شامل رسائل کے نام یہ ہیں:

(۱) **جمان التاج فی بیان الصلٰوۃ قبل المعراج** ۱۳۱۶ھ

معراج سے پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نماز پڑھنے کا طریقہ

(۲) **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلٰوتین** ۱۳۱۳ھ

دو نمازیں اکٹھی پڑھنے کا شرعی حکم۔الہاد الکاف اور نوٹ متعلق معیار الحق

(۳) **منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین** ۱۳۰۱ھ

اذان میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی سن کو انگوٹھے چومنے کا مدلّل بیان

(۴) **نہج السلامۃ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامۃ** ۱۳۳۳ھ

اقامت میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سن کر انگوٹھے چومنے کا مدلّل بیان اور منکرین کا رَد

(۵) **ایذان الاجر فی اذان القبر** ۱۳۰۷ھ

دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق

۱۸ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

۶ ستمبر ۱۹۹۳ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

نوٹ: اس جلد میں شامل رسالہ حاجزالبحرین میں متعدد مقامات پر معیار الحق کی عبارات نقل کی گئی ہیں۔ان عبارات کی تلاش کیلئے معیار الحق مطبوعہ مکتبہ نذیریہ کا نسخہ پیش رہاہے۔مگر افسوس ہے کہ نسخہ مذکورہ میں اعلحضرت کی نقل کردہ عبارتوں میں تحریف کی گئی ہے۔ان کی صرف ایک مقام کی نشاندہی کی جاتی ہے۔اسی جلد کے ص ۲۲۶ پر عبارت "**صلی الظہر والعصر ثم رکب**" میں **والعصر** کا لفظ کاٹ لیاہے۔معیار الحق نسخہ مذکورہ کا صفحہ ۳۷۹ ملاحظہ ہو۔

فہرست جلد پنجم

ابواب و مسائل

کتاب الصلوٰۃ	۴۳	ایک حکایت جو لطیف کلام پر مشتمل ہے۔	۶۸
نماز پنجگانہ میں سے کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی، اور انبیائے سابقین اور اُن کی اُمتوں پر بھی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کی اُمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔	۴۳	قول چہارم کی ترجیح رضوی۔	۷۰
نماز پنجگانہ کے اُمت مرحومہ کے ساتھ مخصوص ہونے کے دلائل اور ان پر رضوی ایرادات۔	۴۶	حضرت یونس بنیامین بن یعقوب کی اولاد سے ہیں اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تھے۔	۷۲
تورات شریف میں پانچوں نمازوں کے عظیم فضائل۔	۵۲	اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام۔	۷۲
حدیث بخاری اعتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء الخ کے تین محمل۔	۵۸	رسالہ جمان التاج فی بیان الصلوٰۃ قبل المعراج کہ قبل معراج سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کس طرح نماز ادا فرماتے تھے۔	۷۵
امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی، نہ تبع سے اُن کا سنِ وفات۔	۶۲	نماز پنجگانہ سے پیشتر مسلمان چاشت اور عصر کی نماز پڑھتے تھے۔	۸۲
پانچوں نمازوں کا اجتماع ہمارے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ مخصوص ہونا باعتماد علماءِ کرام مانا جائے گا۔	۶۴	ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔	۸۳
کتاب اللہ کا حفظ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تھا۔	۶۷	قبل معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلی نماز دوشنبہ کے اول حصہ میں پڑھی، اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے آخر حصہ میں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے منگل کے دن۔	۸۵
کونسی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار قول ہیں۔	۶۷		

نماز قبلِ معراج میں طہارت ثوب، وضو۔	۸۵	خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۰۷
استقبال قبلہ، تکبیر تحریمہ، قیام۔	۸۵	ہم میں اور مشرکوں میں نماز فارق ہے۔	۱۰۹
قرأت، رکوع تھا مگر اس میں اختلاف ہے۔	۸۶	جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے اپنی ماں سے بیت اللہ میں ستّر بار زنا کیا۔ یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔	۱۱۰
اور سجود، جماعت، جہر بھی تھا۔	۸۷	ایک درم سود کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیمِ کعبہ میں ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔	۱۱۰
حدیث کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ	۹۲	ایک وقت کی نماز قصداً بلاعذرِ شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔	۱۱۰
سعید بن خثیم ہلالی منکر الحدیث ہیں۔	۹۳	مالی جرمانہ جائز نہیں کہ منسوخ ہوچکا ہے۔	۱۱۱
مولانا محمد رضا علی صاحب کا فتوٰی اس اشتہار کے متعلق جو سالانہ چھپا کرتا ہے کہ شیخ عبداللہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا۔الخ	۹۷	ترک نماز پر مالی جرمانہ جائز نہیں۔	۱۱۱
اس فتوٰی کی تصدیق رضوی۔	۹۹	طلبہ اگر نماز ترک کریں تو اُن کا وظیفہ وضع ہوسکتا ہے، نیز دوسری صورتوں کا بیان۔	۱۱۲
ضروریاتِ دین کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو۔	۱۰۱	جہاز، ریل، کشتی، بجرے پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۱۱۳
خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت قطعیات سے ثابت ہے۔	۱۰۱	اشیائے مسکرہ پی کر نماز کی ادائیگی کا حکم۔	۱۱۴
تکذیب صفت قلب ہے مگر قول کی طرح بعض فعل بھی اس پر علامت ہوتے ہیں۔ علامت ہونے ہی کی بنا پر حکم کفر دیا جاتا ہے۔	۱۰۱	دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔	۱۱۵
تارکِ نماز کی تکفیر قدمائے اہلسنت کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر نہیں، یہی مذہب ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ ہے۔	۱۰۲	نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگانے کا حکم۔	۱۱۵
محتمل کو محکم کی طرف رَد کرنا طریقہ معروفہ ہے۔	۱۰۶	غیر مشروع افعال کے ارتکاب پر برادری کی کون کون سی سزائیں جائز نہیں۔	۱۱۶
تارکِ نماز کے اسلام پر بعض دلائل۔	۱۰۶	اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہوجائے تو یہ روئے زمین کی بادشاہت سے بہتر ہے۔	۱۱۷
		امر بالمعروف نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرنا چاہیے۔	۱۱۷

بے نماز کی نمازِ جنازہ کاحکم۔	۱۲۰	طلوع سے بیس منٹ تک ہر نماز مکروہ ہے اور جب غروب میں بیس منٹ رہیں تو آج کی عصر کے سوا ہر نماز ممنوع ہے۔	۱۳۸
باب الاوقات	۱۲۱	جن نمازوں میں تاخیر مستحب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وقت مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔	۱۳۸
وقتِ زوال جس تک نیت روزہ نفل ہونا چاہئے کیا ہے۔	۱۲۱	ان بلاد میں سال بھر کے اندر پورے وقتِ عصر کی مقدار۔	۱۳۸
نہار شرعی اور نہار عُرفی کافرق۔	۱۲۲	فرض وسنّت پڑھنا اولیٰ کس وقت میں ہے۔	۱۳۹
نصف النہار شرعی معلوم کرنے کاطریقہ	۱۲۲	غروب شمس کی تحقیق رضوی۔	۱۴۰
نہار نجومی	۱۲۳	دربارہ نماز عصر ایک وہابی خیّاط کااعتراض اور اس کاجواب۔	۱۴۸
وقتِ زوال جس میں نماز ممنوع ہے کیاہے۔	۱۲۶	مجہول العین راوی کی روایت محققین کے نزدیک مقبول ہے۔	۱۵۰
یہ وقت زیادہ سے زیادہ ہمارے بلاد میں ۴۸ منٹ تک پہنچتاہے۔	۱۳۰	رضوی تحقیق کہ ان بلاد میں وقتِ عشاء غروب سے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے۔	۱۵۱
یہ ثابت نہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دربارہ وقتِ عصر قول مثلین سے رجوع فرمالیا بلکہ قولِ یک مثل ہی مرجوع عنہ ہے اور قولِ مثلین احوط، اصح اور از روئے دلیل راجح ہے۔	۱۳۲	وقتِ ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کب تک رہتا ہے۔	۱۵۳
اس قول پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر میں ہے۔	۱۳۳	جون وجولائی واگست میں ظہر کاوقت مستحب کے بجے سے شروع ہوتا ہے۔	۱۵۳
جو کچھ خلاف ظاہر الروایہ ہے مرجوع عنہ ہے۔	۱۳۴	تاخیر مستحب کے معنی	۱۵۳
قول یک مثل پر قول مثلین کی وجوہ ترجیح۔	۱۳۵	فلکیوں کی تقسیم فصول اور ہمارے یہاں کی تقسیم فصول۔	۱۵۴
نماز عصر کاوقت مستحب اور مکروہ کیاہے	۱۳۶	اوقات بعض تحویلات کانقشہ۔	۱۵۵
بابت نماز عصر مولائے مشکل کشا حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کاعمل۔	۱۳۶	بازار، سرائے، اسٹیشن کی مسجد اور جامع مسجد میں دربارہ اذان واقامت افضل کیاہے۔	۱۵۶
کرہ بخار جس کو عالمِ نسیم اور عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں وہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل اور قول اوائل پر ۵۲ میل اونچاہے۔	۱۳۷		

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان منع ہے، تکبیر میں حرج نہیں۔	۱۵۶	افادہ اولیٰ کہ غیر مقلدین کے پیشوائے مذکور کا محمد بن فضیل کو ضعیف کہنا باطل ہے وہ بخاری و مسلم کے رجال سے ہیں۔	۱۷۴
سفر میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں رسالہ **حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین**۔	۱۵۹	**لطیفہ اول**	۱۷۴
جمع بین الصلوٰتین دو قسم پر ہے، اول جمع فعلی جس کو جمع صوری بھی کہتے ہیں اس کے معنی مراد، اور یہ بعذر سفر و مرض جائز ہے۔	۱۶۰	محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیّع اور رفض کے درمیان فرق ہے۔ متاخرین شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔	۱۷۵
کتاب الحجج تالیف امام فقیہ محدّث عیسٰی ابن ابان ہے جو امام محمد کے شاگرد تھے رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۱۶۱	بخاری و مسلم کے تیس ۳۰ سے زیادہ وہ راوی ہیں جن کو اصطلاح قدماء پر بلفظِ تشیّع ذکر کیا جاتا ہے اور اُن کے اسماء۔	۱۷۶
جمع صوری بضرورتِ شدتِ بارش بھی جائز ہے۔	۱۶۲	لطیفہ دوم وسوم۔	۱۷۶
دوم جمع وقتی جس کو جمع حقیقی بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی مراد ۔	۱۶۲	بشر بن بکر ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے۔	۱۷۷
جمع حقیقی کی دو صورت: اول جمع تقدیم، دوم جمع تاخیر۔	۱۶۲	فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں فرق ہے۔	۱۷۷ (حاشیہ)
فصل اول جمع صوری کے اثبات میں غیر مقلدین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کا صحیح وصریح حدیثوں سے انکار جو جمع صوری میں وارد ہیں۔	۱۶۳	لطیفہ چہارم	۱۷۸
حدیث اول اثباتِ جمع صوری میں۔	۱۶۷	پیشوائے غیر مقلدین کی تحریف کہ ولید بن مسلم کو ولید بن قاسم بنالیا اول رجال صحیح مسلم سے امام ثقہ ہیں اور دوم قدرے متکلم فیہ۔	۱۷۸
نافع اور عبداللہ بن واقد دونوں شاگرد عبداللہ بن عمر ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	۱۶۷	صحیح بخاری و مسلم کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یخطی کہا گیا۔	۱۷۹ (حاشیہ)
صفیہ بنت ابی عبیدہ زوجہ ابن عمر، مختارِ کذّاب کی بہن تھیں، ان کے صحابیہ ہونے میں اختلاف ہے ان کے والد ماجد صحابی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم	۱۶۸ (حاشیہ)	لطیفہ پنجم، عطاف ثقہ ہیں۔	۱۸۰
حدیث دوم اور سوم۔	۱۷۲	وہمی اور صدوق یھم میں فرق ہے۔	۱۸۰
حدیث چہارم و پنجم۔	۱۷۳		

صحیحین کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یہم کہا گیا۔	۱۸۰	ابن حزم غیر مقلد خبیث اللسان نے سیّدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالٰی نہ کو مقدوح ومجروح بتایا۔	۲۰۶
لطیفہ ششم وہفتم وہشتم	۱۸۱	اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کیلئے صحیح بخاری شریف کی صحیح ومتصل حدیث کو بزعم تعلیق رَد کیا۔	۲۰۶
مقامِ مِلَل مدینہ طیبہ سے کتنے میل ہے۔	۱۸۲	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث دوم اور اس کے بیان کردہ مفہوم پر بارہ وجوہ سے رَد۔	۲۱۰
چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کرے نہ اس کی حدیث کو مردود۔	۱۸۴	(فا) کے لئے ترتیب ذکری کافی ہے۔	۲۱۱
امام سفین ابن عُیینہ نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی، پھر ان کے ثقہ حجت ہونے پر اجماع ہے۔	۱۸۴	اور عدمِ مہلت ہر جگہ اس کیلئے لائق ہوتی ہے۔	۲۱۱
لطیفہ نہم	۱۸۴	حدیث مروی بالمعنی کے (فا) اور (و) وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں	۲۱۱
افادہ ثانیہ کہ احادیث جمع میں جمع صوری کے ارادے پر پانچ قرائن ہیں	۱۸۶	افاضہ اولٰی کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔	۲۱۴
افادہ ثالثہ	۱۸۸	لطیفہ دل رُبا	۲۱۵
افادہ رابعہ کہ وہ احادیث جن میں مطلق جمع بین الصلاتین وارد ہے سب کی سب جمع صوری پر محمول ہیں۔ بطور تمثیل گیارہ حدیثوں کا بیان۔	۱۹۶	افاضہ ثانیہ کہ جمع بین الصلٰوتین کے بارے میں احمد وشافعی، عبدالرزاق وبیہقی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے۔	۲۱۵
پہلی حدیث	۱۹۶	اس کے راوی حسین بن عبداللہ ضعیف ہیں۔	۲۱۶
دوسری، تیسری، چوتھی حدیث	۱۹۷	اور امام شافعی علیہ الرحمۃ کی روایت میں ابراہیم ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی متروک واقع ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔	۲۱۸
پانچویں تا گیارہویں حدیث۔	۱۹۹	افاضہ ثالثہ کہ حدیث دارقطنی بھی ضعیف ہے۔	۲۲۰
فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم۔	۲۰۳	افاضہ رابعہ بابت حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ	۲۲۱
پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث اول بابت جمع بین الصلٰوتین	۲۰۴	امام اسحٰق بن راہویہ کا حافظہ وفات سے چند ماہ پیشتر متغیر ہوگیا تھا۔	۲۲۲
خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع ہے۔	۲۰۶	شبابہ بن سوار مبتدع تھا۔	۲۲۴
حدیث معلول کیلئے ضعفِ راوی ضروری نہیں۔	۲۰۶		

لطیفہ	۲۲۶	حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بابت جمع بین الصلوٰتین۔	۲۴۶
لفظ (جمیعاً) اجتماع فی الحکم پر دلالت کرتا ہے نہ اجتماع فی الوقت پر۔	۲۲۶	اس کا جواب۔	۲۴۸
فصل سوم تضعیفِ دلائل جمع تاخیر	۲۲۷	حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب اول۔	۲۵۲
جمع تاخیر میں پیش کردہ حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر کلام۔	۲۲۸	جواب ثانی	۲۵۲
اس کا جواب اول	۲۳۲	نماز کے اول وآخر وقت حقیقی اور سحری کے آخر وقت حقیقی کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا اور آپ کے طفیل میں اجلہ حذاق صحابہ کو جس پر احادیث دال ہیں۔	۲۵۳
قصہ صفیہ زوجہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک ہی بار واقع ہوا تھا۔	۲۳۳	حدیث اول تا سوم	۲۵۳
قرب وقت کو اس نام سے تعبیر کرتے ہیں۔	۲۳۴	حدیث چہارم تا ہفتم	۲۵۵
قرآن وحدیث سے اس کی مثالوں میں دو آیت اور بارہ ۱۲ حدیثیں۔	۲۳۴	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔	۲۵۶
قرب وقت کو نام وقت سے تعبیر درکنار صراحۃً ان لفظوں سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسرے نماز کے وقت میں نماز پڑھی۔	۲۴۰	حدیث ہشتم ونہم	۲۵۷
جواب دوم	۲۴۳	لطیفہ اوّل	۲۵۸
فحمہ عشاء سر شام کے دھندلکے کو کہتے ہیں۔	۲۴۳	ٹیلوں کا سایہ اکثر وقتِ ظہر گزرنے کے بعد ہوتا ہے۔	۲۵۸
عبداللہ بن ابی نجیح یسار مکی مدلس ہیں۔	۲۴۵	لطیفہ دوم	۲۵۹
جمہور محدثین کے مذہب مختار پر مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔	۲۴۵	لطیفہ سوم وچہارم	۲۶۰
جواب سوم	۲۴۵	لطیفہ پنجم وششم وہفتم وہشتم	۲۶۰
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب میں وقتِ مغرب شفقِ احمر تک ہے اور احناف کے نزدیک شفقِ ابیض تک، یہی روایۃً صحیح اور درایۃً راجح۔ اور اجلہ صحابہ اور اکابر تابعین اور اجلائے تبع تابعین اور ائمہ لغت اور بعض کبرائے شافعیہ سے بھی منقول ہے۔	۲۴۵		

لطیفہ نہم ودہم	۲۶۳	احادیث چند نوع ہیں۔ نوع اول احادیث، محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	۲۷۴
فائدہ عائدہ بابت حدیث سنن ابی داؤد جس سے آج تک اصلاً تعرض نہ ہوا، نہ استناداً نہ جواباً۔	۲۶۴	حدیث کہ جو تین چیزوں کی محافظت کرے وہ سچا ولی ہے۔	۲۷۸
اس حدیث کے رواۃ میں یحیٰی بن محمد جاری متکلم فیہ ہیں۔	۲۶۵	نوع اخیر حدیث امامت جبریل علیہ السلام	۲۷۸
طریق دوم میں مومل بن اہاب صدوق لہ اوہام۔	۲۶۵	نوع آخر حدیث سائل	۲۷۹
نعیم بن حماد قابلِ احتجاج نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا۔ جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت	۲۶۶	نوع آخر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی پیش گوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے۔	۲۸۰
ابوالزبیر مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ مقبول نہیں لیکن ان سے اگر لیث بن سعد روایت کریں تو مقبول۔ ذکروجہ فی المیزان۔	۲۶۶	نوآخر کہ جب ایک نماز کا وقت آیا دوسری کا جاتا رہا۔	۲۸۱
مکہ معظّمہ اور مقامِ سرف کے درمیان دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے۔	۲۶۷	تنبیہ	۲۸۳
مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۷	لطیفہ	۲۸۴
مدینہ منورہ سے مقام ذات الجیش کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۸	لطیفہ	۲۸۷
مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے دو کم دوسو میل ہے۔	۲۶۸	قسم دوم نصوص خاصہ جن میں بالخصوص جمع بین الصلٰوتین کی نفی ہے۔	۲۸۹
حوالی مکہ معظّمہ میں وقتِ مغرب کم وبیش ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔	۲۶۸	صیغہ مجہول غالباً مشیر بضعف ہوتا ہے۔	۲۹۱
فصل چہارم نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں۔	۲۶۹	مرسل حدیث ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔	۲۹۲
قسم اول نصوص عامہ جو سات آیات اور بتیس حدیثوں پر مشتمل۔	۲۷۰	لطیفہ	۲۹۳
آیات	۲۷۰	مفہوم مخالف حنفیّہ کے نزدیک عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں معتبر نہیں۔ کلام صحابہ ومن بعدہم میں معتبر ہے۔	۲۹۳

لطیفه	۲۹۴	جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو ابن المبارک مفہوم ہوتے ہیں اور جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر مراد ہوں گے۔	۳۰۶
فائدہ	۲۹۷	حدیث نسائی شریف کی سند میں واقع خالد امام اجل خالد بن حارث بصری ہیں خالد بن مخلد نہیں۔	۳۰۷
حضرت بحر العلوم کا ارشاد، ہمارے ائمہ حنفیّہ کی نظر کیسی دقیق ہے کہ ان سے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہوتا	۳۰۰	خلاصۃ الکلام	۳۰۹
احادیث مرویہ بالمعنی مختلف طور پر روایت کی جاتی ہیں، کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا، جمع طرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔	۳۰۱	عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور انس سے افقہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۱۱
اسی واسطے امام ابوحاتم رازی معاصرِ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے۔	۳۰۱	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض فضائل	۳۱۱
لطیفه	۳۰۳	بعد خلفائے اربعہ امام اعظم کے نزدیک ان کی روایت وقول کو سب صحابہ کے قول پر ترجیح ہوتی ہے اور ہمارے ائمہ کے نزدیک وہ بعد خلفائے اربعہ تمام صحابہ سے افقہ ہیں۔	۳۱۱
خالد بن مخلد صحاح سِتّہ کے رجال سے ہیں اور امام بخاری کے استاد۔	۳۰۳	ضحوہ کبرٰی نکالنے کا طریقہ کیا ہے؟	۳۱۴
ضعیف، متشیع، صاحب افراد، متروک الحدیث میں فرق ہے۔ متشیع اور صاحب افراد ہونا اصلًا موجب ضعف نہیں۔	۳۰۳	ایک شخص نماز فجر میں تھا کسی نے کہا آفتاب نکل آیا تو وہ کیا کرے۔	۳۱۹
ضعیف اور متروک میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول بخلاف متروک۔	۳۰۳	فجر وظہر کا آخر وقت مکروہ نہیں باقی تین کا مکروہ ہے۔	۳۲۰
بخاری ومسلم کے بعض ضعیف رجال کا شمار۔	۳۰۴ (حاشیہ)	میرٹھ میں پورے وقت مغرب کی مقدار۔	۳۲۱
امام اعمش کا اسم مبارک سلیمان ہے۔	۳۰۶	نصف النہار اور سایہ اصلی معلوم کے کرنے کے دو طریقے	۳۲۳
جب بصری عن عبداللہ کہیں تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوتے ہیں، دوسرا کہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۰۶	مسجد کی شرقی دیوار سے دوپہر اور دوپہر کا ڈھلنا معلوم ہوسکتا ہے۔	۳۲۳

مسلمان کا فعل حتی الامکان محمل حسن پر محمول کرنا واجب ہے۔	۳۲۴	جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے جس کی کم از کم اور زیادہ سے مقدار بریلی میں۔	۳۳۲
طلوع آفتاب کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے۔	۳۲۴	بریلی میں بموسمِ گرما اور سرما غروب کا وقت	۳۳۲
ظہر کی سنتیں پڑھے بغیر امامت کرسکتا ہے یا نہیں۔	۳۲۴	بحالت سفر بھی جمع بین الصلوٰتین جائز نہیں گناہ کبیرہ ہے۔	۳۳۲
نماز مغرب اور اذان عشاء میں کس قدر فاصلہ درکار ہے۔	۳۲۵	تبدیل طول بلد سے اوقات میں تقدم وتاخّر ہوجاتا ہے۔	۳۳۴
فرائض داخلِ نماز کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف نماز فرض میں ان کی فرضیت ہے۔	۳۲۶	مدراس کا عرض تیرہ درجے پانچ دقیقے ہے اور بنگلور کا بارہ درجے انسٹھ دقیقے یا بارہ درجے پچپن دقیقے اور بریلی کا اٹھائیس درجے اکیس دقیقے۔	۳۳۴
نہار عرفی وشرعی میں کیا فرق ہے۔	۳۲۷	وقت فجر کی ابتداء وانتہاء اور سوائے یوم النحر نماز فجر خوب روشنی میں پڑھنا سنت ہے۔	۳۳۴
نہار عرفی ہمیشہ نہار نجومی سے زیادہ ہوتی ہے	۳۲۷	اور اذان بھی صبح خوب روشن ہونے پر دی جائے۔	۳۳۵
زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے۔	۳۲۸	حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کیلئے استیذان معاف تھا۔	۳۳۶
ان بلاد میں فجر کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ انیس منٹ ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ پینتیس منٹ۔	۳۲۹	نماز فجر کے بعد اشراق تک ذکر الٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے۔	۳۳۶
اوقات جماعت مقرر کرنا چاہئے یا نہیں۔	۳۲۹	حد اسفار کیا ہے۔	۳۳۶
پانچ شخصوں کی وجہ سے جماعت میں تاخیر کرنا چاہئے۔	۳۲۹	عورت کیلئے مطلقاً تغلیس افضل ہے۔	۳۳۸
آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔	۳۳۰	گرمیوں میں نماز ظہر کا وقت مستحب کب ہوتا ہے۔	۳۳۹
بعد عصر وفجر سجدہ کرنا یا قضا پڑھنا کیسا ہے۔	۳۳۰	حدیث کان قدر صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظہر فی الصیف ثلثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام کا مطلب۔	۳۴۰
سجدہ شکر بعد نماز فجر وعصر مطلقاً مکروہ ہے۔	۳۳۰	**فصل فی اماکن الصلوٰۃ**	۳۴۳
فجر کے وقت مستحب کی مقدار۔	۳۳۱	اگر زمین تر اور ناپاک ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس کو بچھا کر نماز ادا کرے اور وقت جا رہا ہو تو کیسے نماز پڑھے۔	۳۴۳

بے ضرورت سوالات ممنوع ہیں۔	۳۴۳	**باب الاذان والاقامۃ**	۳۶۱
مرگھٹ کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم۔	۳۴۴	تثویب کے معنی اور اس کا حکم۔	۳۶۱
جس مکان میں شراب پی جائے وہاں نماز پڑھنا کیسا ہے اور کسی شخص کی چارپائی کے برابر جانماز بچھا کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۳۴۵	مسجد کے اندر اذان دینے کا حکم۔	۳۶۳
دوسرے کے کھیت یا بنجر اور ٹانڈ پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۳۴۶	صیغہ لایفعل سے متبادر کراہت تحریم ہوتی ہے جیسے یفعل مفید وجوب ہوتا ہے۔	۳۶۴
چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم۔ یہ بات کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے اگلی امتوں میں کچھ مسخ ہوگئے غلط ہے۔	۳۴۶	امام کے انتظار میں تاخیرِ نماز کا حکم۔	۳۶۴
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی متخالف عبارات کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب۔	۳۴۷	اگر فجر کے فرض پڑھ لئے اور سنتیں رہ گئیں تو ان کو کب پڑھ سکتا ہے۔	۳۶۵
قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف پڑھنے میں تفصیل ہے۔	۳۴۹	مؤذن کی اجازت کے بغیر دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں۔	۳۶۶
موضع سجود کی حد۔	۳۴۹	خطیب کے سامنے کی اذان کا جواب دینا چاہئے یا نہیں اور جب دو خطبوں کے درمیان خطیب بیٹھے تو مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں، جواب یا دعا دل سے کرسکتا ہے یا نہیں۔	۳۶۸
مزارات بزرگان دین کے دائیں یا بائیں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔	۳۵۱	خطیب جواب اذان اور دعا کرسکتا ہے۔	۳۶۹
اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر شریف میزاب کے نیچے ہے۔	۳۵۱	بارش کیلئے، دفعِ وبا کیلئے، بعد دفنِ میت اذان دینا درست ہے یا نہیں۔	۳۷۰
حجر اسود اور زمزم شریف کے درمیان ستّر انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔	۳۵۳	اذان مسجد کے دائیں طرف کہی جائے یا بائیں طرف۔	۳۷۰
تعلیق بخاری میں "عند قبر" بمعنی "الی قبر" ہے۔	۳۵۶	اقامت کس طرف کہی جائے	۳۷۱
مقبرہ میں نماز پڑھنے کے حکم کی تفصیل۔	۳۵۸	بارش طلب کرنے کیلئے مسجد میں اذان دینا کیسا ہے اور یہ طریقہ کہ امام یسین پڑھے اور ہر مبین پر اذان کہی جائے کیسا ہے۔	۳۷۲
علامہ طحطاوی کے کلام حاشیہ مراقی الفلاح کا محمل	۳۵۸	بے وضو اذان دینا کیسا ہے۔	۳۷۳

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مرتبہ سفر میں اذان دی تھی۔	۳۷۴	سنت ہے کہ سلطان اسلام اور عالم دین کی خدمت میں بعد اذان دوبارہ مؤذن اطلاع کیلئے حاضر ہو۔	۳۸۴
نماز جنازہ کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور ان کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی تھی۔	۳۷۵	صلوٰۃ پکارنا کیسا ہے اور کس نے یہ طریقہ جاری کیا۔	۳۸۴
حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ حضرت عمر نے اور حضرت عمر کی ابن عمر نے اور حضرت علی کی حضرت حسن نے اور حضرت حسن کی حضرت حسین رضی اللہ عنہم	۳۷۵	اقامت سے پیشتر مقیم کا بآواز بلند درود شریف پڑھنا کیسا ہے۔	۳۸۶
نمازہ جنازہ کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی۔	۳۷۶	ختم سحری کی اطلاع کیلئے صبح صادق سے دس پانچ منٹ پیشتر صبح کی اذان دینا کیسا ہے۔	۳۸۶
حضرت خدیجہ کُبرٰی کی وفات تک نمازِ جنازہ مشروع نہ ہوئی تھی۔	۳۷۶	الصلٰوۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلٰوۃ رحمکم اللہ پکارنے کا حکم	۳۸۷
حضرت اسعد بن زرارہ کی وفات ہجرت کے نویں مہینے شوال میں ہوئی، صحابہ میں سب سے پہلے بعد ہجرت انتقال فرمایا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے ان پر نماز جنازہ پڑھی۔	۳۷۶	یوم جمعہ اذان اول کے بعد صلاۃ پکارنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۸۷
فاسق کی اذان کا حکم۔	۳۷۶	مسئلہ تثویب میں دیوبندی خیانتیں۔	۳۹۱
خطیب کے سامنے کی اذان بھی بلند آواز سے کہی جائے ورنہ سنّت ادا نہ ہوگی۔	۳۷۸	پہلی، دوسری، تیسری خیانت۔	۳۹۲
نماز کیلئے جگانے کا حکم۔	۳۷۸	چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں خیانت۔	۳۹۳
اذان کے بعد انتظار مسنون کی حد۔	۳۷۹	آٹھویں، نویں، دسویں خیانت۔	۳۹۴
بروقت اقامت امام ومقتدی کو شروع سے کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اس کی تفصیل۔	۳۸۰	گیارہویں خیانت جو سب سے اخبث ہے کہ اعلیحضرت کے والد ماجد اور جدّامجد اور پیرومرشد اور حضور غوث پاک کے نام سے کتابیں تراش لیں، اُن کے مطبع گھڑلئے، صفحے دل سے بنالئے، عبارتیں خودساختہ لکھ دیں۔	۳۹۵
اذان واقامت میں دونوں حیّ علی الصلٰوۃ دائیں طرف منہ پھیر کر کہے اور دونوں حیّ علی الفلاح بائیں طرف۔ یہی صحیح ہے۔	۳۸۳	اذان ہوچکی کسی شخص نے لاعلمی سے دوبارہ شروع کردی، درمیان میں معلوم ہوا تو کیا کرے۔	۳۹۶

اقامت کہاں کہی جائے۔	۳۹۷	انگوٹھے چوم کر کیا پڑھے۔	۴۱۵
جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق چند سوالات۔	۳۹۷	قبل نماز عید الصلٰوۃ یرحمکم اللہ الصلاۃ پکارنے کا کیا حکم ہے۔	۴۱۵
مردہ سنت زندہ کرنے کے متعلق احادیث۔	۳۹۷	تنبیہ علٰی ماوقع فی اشعۃ اللمعات من الزیادۃ فی الروایۃ۔	۴۱۷
زمانہ اقدس میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے مشرق ومغرب وشمال میں۔	۴۰۵	بعد خطبہ امام کو اختیار ہے کہ بیٹھ جائے اور حیّ علی الفلاح پر کھڑا ہو یا کھڑے کھڑے تکبیر سنے۔	۴۱۸
اگر حکم شرع پر عمل کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہو تو اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۰۶	مسجد میں بلااذان جماعت کرنا کیسا ہے۔	۴۱۹
محراب مسجد کس کو کہتے ہیں اور بین الساریتین کس کو۔	۴۰۸	اذان سنّت ہے یا واجب، اسی طرح اقامت۔	۴۲۰
کون کون جگہ خارج مسجد ہے۔	۴۰۹	امام مصلے پر نہ ہو تو تکبیر کہنا جائز ہے یا ناجائز۔	۴۲۰
ہشام ابن عبدالملک مروانی نے اذانِ عثمانی کو منارہ مسجد پر دلوانا شروع کیا تھا، نہ اذان ثانی کو اندرون مسجد۔	۴۰۹	حیّ علی الفلاح پر کھڑے ہونے میں حکمت کیا ہے۔	۴۲۱
اسی ہشام نے حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سولی دلوائی اور برسوں سولی پر رکھا جس سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔	۴۱۰	وہابی کی اذان کا جواب دیا جائے گا یا نہیں	۴۲۱
صیغہ نفی صیغہ نہی سے زیادہ مؤکّد ہوتا ہے۔	۴۱۲	اور اس کی اذان کا اعادہ کیا جائے گا یا نہیں	۴۲۱
لفظ خبر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔	۴۱۳	فاسق مؤذن کی اذان کا حکم۔	۴۲۴
حی علی الصلٰوۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کیا کہنا چاہیے۔	۴۱۳	مسافر کو ترکِ اذان کی اجازت اور اقامت کا ترک مکروہ۔	۴۲۶
بروقت حیّ علی الصلٰوۃ اور حیّ علی الفلاح اقامت میں بھی دائیں بائیں منہ پھیرے یا نہیں۔	۴۱۳	رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین۔	۴۲۹
عبارات فقہائے کرام میں علامات (مت) اور (شم) اور (قع) اور (صح) سے کیا مراد ہوتی ہے۔	۴۱۴	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان میں اشھد انّ محمداً رسول اللہ سن کر انگشتِ شہادت کے پورے چوم کر آنکھوں سے لگائے۔ یہ پہلا طریقہ ہوا۔	۴۳۲
اذان واقامت میں انگوٹھے نہ چومنے والے کا حکم کیا ہے۔	۴۱۴		

حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا جو اذان میں یہ سن کر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔ یہ دوسرا طریقہ۔	۴۳۳	حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۴۴۰
امام مجد مصری نے فرمایا کہ جو اذان میں یہ سن کر کلمہ کی انگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی یہ تیسرا طریقہ ہے۔	۴۳۳	صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
خواجہ شمس الدین بخاری نے حدیث بیان کی اس میں انگوٹھوں کے ناخن چومنا مذکور ہے اور یہ بشارت کہ اندھا نہ ہوگا۔	۴۳۵	ابن جوزی نے جس جس حدیث کو غیر صحیح کہا اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
افادہ اول کہ حدیث صحیح ہونے کے یہ معنی نہیں کہ غلط ہے۔	۴۳۶	لفظ "لایثبت" سے یہ ثابت کہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اصطلاح میں "ثابت" صحیح حدیث کو کہتے ہیں۔	۴۴۲
حدیث حَسَن احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہوتی ہے۔	۴۳۷	حدیث کہ خربوزہ کھانے سے پیشتر پیٹ کو دھودیتا ہے اور بیماری کو دور کردیتا ہے۔	۴۴۲
کتب صحاح ستّہ میں مذکورہ تمام احادیث صحیح نہیں، تسمیہ بصحاح تغلیباً ہے۔	۴۳۹	تنبیہ	۴۴۳
حدیث کے آٹھ مراتب اور ان کے احکام۔	۴۴۰۴ ۴۰	افادہ دوم کہ جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔	۴۴۳
صحیح، صحیح لغیرہٖ، حسن لذاتہٖ، حسن لغیرہٖ سب محتج بہا ہیں۔	۴۴۰	مجہول کے اقسام اور ان کے احکام۔ اول قسم مستور اس قسم کے راوی مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔ قسم دوم مجہول العین اور قسم سوم مجہول الحال۔	۴۴۳
پنجم حدیث ضعیف بضعف قریب کی قسم صالح متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پاکر صحیح لغیرہٖ ہوجاتی ہے اور احکام میں قابل احتجاج۔	۴۴۰	افادہ سوم کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں۔	۴۴۸
ششم ضعیف بضعفِ قوی قابلِ احتجاج نہیں، صرف فضائل میں معتبر ہے۔	۴۴۰	حدیث منقطع کا حکم۔	۴۴۸
ہفتم حدیث مطروح حکماً موضوع ہوتی ہے۔	۴۴۰	افادہ چہارم کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مندرج بھی موضوع نہیں۔	۴۵۰
ہشتم موضوع یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار۔	۴۴۰	حدیث میں ہے کہ لباسِ صوف اختیار کرو تو قلوب میں ایمان کی مٹھاس محسوس ہوگی۔	۴۵۱

افادہ پنجم کہ جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہووہ بھی موضوع نہیں۔	۴۵۱	فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں روافض نے تقریباً تین لاکھ حدیثیں وضع کیں۔	۴۶۱
تعددِ طُرق سے مبہم کاجبر نقصان ہوجاتا ہے۔	۴۵۲	علی بن عروہ دمشقی حدیث وضع کرتا تھا۔	۴۶۲
حدیث مبہم دوسری حدیث کیلئے مقوی ہوسکتی ہے۔	۴۵۲	ابوعقال ہلال بن زید انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات روایت کرتا تھا۔	۴۶۲
افادہ ششم کہ ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے۔	۴۵۲	ابن تیمیہ کی بکواس	۴۶۵
افادہ ہفتم ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرے، اس کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۴	افادہ یازدہم کہ بارہا موضوع یاضعیف کہنا صرف ایک سند کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے۔	۴۶۸
اسباب طعن دس ہیں۔ بایں ترتیب۔	۴۵۴	ان امرتی لاتدفع ید لامس کے معنی راجح حاشیہ نمبر۱ میں،	۴۷۰ (حاشیہ)
افادہ ہشتم کہ منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۵	نتیجۃ الافادات	۴۷۲
افادہ نہم کہ متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۶	افادہ دوازدہم کہ تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے۔	۴۷۲
حدیث چلہ صوفیاء کرام۔	۴۵۹	افادہ سیزدہم کہ حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدّدِ طرق سے حُسن ہوجاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں۔	۴۷۴
حدیث کہ جو شام کو صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام پڑھ لے تواس شب بچھّو نہ کاٹے گا۔	۴۵۹ (حاشیہ)	حدیث کہ جس کے تین بچے پیداہوئے اور کسی کانام محمد نہ رکھا تو یہ اس کی جہالت ہے۔	۴۷۴
افادہ دہم کہ موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے۔	۴۵۹	افادہ چہاردہم کہ حصولِ قوت کو صرف دوسندوں سے آنا کافی ہے۔	۴۷۵
تذییل		"خط "علامت خطیب فی التاریخ ہے۔	۴۷۵
حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی جنون وجذام اور برص کواس سے پھیر دیتا ہے۔ الخ	۴۶۰	عمرو بن واقد متروک ہیں۔	۴۷۵
		ضحاک بن حجرۃ ضعیف ہیں۔	۴۷۵

افادہ پانزدہم کہ اہل علم کے عمل کرلینے سے حدیث ضعیف قوی ہوجاتی ہے۔	۴۷۵	افادہ نوزدہم عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے۔	۴۸۹
میّت کو کلمہ شریف کاثواب پہنچانے سے عذاب دور ہوجانے کاواقعہ۔	۴۷۶	احادیث اولیاءِ کرام کے متعلق نفیس فائدہ۔	۴۹۱
افادہ شانزدہم کہ حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں۔اول اعتقادات۔	۴۷۷	حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔	۴۹۱
عقائد میں حدیثِ احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں۔	۴۷۷	امام سیوطی بچھتّر بار بیداری میں نبوی زیارت سے مشرف ہوئے۔	۴۹۳
دوم احکام جن میں حدیث ضعیف کافی نہیں ہوتی۔	۴۷۸	افادہ بستم کہ حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محل احتیاط ہو۔	۴۹۴
تیسرے فضائل ومناقب جن میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے۔	۴۷۸	فائدہ نفیسہ بدھ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں۔	۴۹۸
بلکہ فضائل اعمال میں حدیث منکر بھی مقبول ہے۔	۴۷۸	فائدہ جلیلہ ہفتہ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں۔	۴۹۹
نبوی ارشاد "اگر کسی کو حدیث پہنچی کہ فلاں عمل پر ایسا ثواب ملے گا اور اس نے اس عمل کو کیا تو ثواب پائے گا اگرچہ واقعہ میں وہ میری حدیث نہ ہو"۔	۴۷۹	بدھ کے دن ناخن نہ تراشنے کے بارے میں حدیث۔	۴۹۹
کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں کہ حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں عمل جائز ہے۔	۴۸۱	افادہ بست ویکم کہ حدیث ضعیف پر عمل کے لئے خاص اس فعل میں حدیث صحیح کاآنا ضرور نہیں۔	۵۰۱
افادہ ہفدہم کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے۔	۴۸۱	تحقیق مقام وازاحۃ اوھام عمل بالحدیث اور قبول الحدیث میں فرق ہے یانہیں۔	۵۰۴
افادہ ہیجدہم کہ خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیاجائے۔	۴۸۶	المحاکمۃ بین الفاضل العلامۃ الخفاجی والمحقق الدوانی رحمھما اللہ تعالٰی۔	۵۰۵
حدیث انا عند ظن عبدی بی کس کس کتاب میں ہے۔	۴۸۸	معروضۃ علی کلام الدوانی۔	۵۰۷
اس حدیث کی بعض روایات میں کچھ الفاظ زائد ہیں۔	۴۸۹		

ابن عباس بن سہل رجال امام بخاری سے ضعیف ہیں ان کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔	۵۱۰	مرغ سفید کارکھنا اچھا ہے۔	۵۲۹
مسلم شریف میں بھی ضعفاء کی روایتیں ہیں۔	۵۱۱	حدیث شدید الضعف کی تعریف۔	۵۲۹
بخاری شریف میں ضعفاء کی روایات دربارہ متابعات وشواہد موجود ہیں	۵۱۲	علامہ لکھنوی قدس سرہ، سے ظفر الامانی میں تدریب اور القول البدیع سے نقل میں لغزش ہوئی۔	۵۳۰
عامہ مسانید، معاجم، سنن، جوامع، اجزاء ہر نوع احادیث پر مشتمل ہیں۔	۵۱۴	بحث قبول شدید الضعف۔	۵۳۱
امام ابوداؤد کے کلام "صالح" کے دو معنی ہیں۔		فائدہ جلیلہ فی احکام انواع الضعیف وانجبار ضعفا۔	۵۳۳
سنن ابوداؤد شریف کا موضوع صرف احکام ہیں۔	۵۱۶	افادہ بست وچہارم کہ حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائیکہ ضعف شدید۔	۵۳۸
مسند امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ضعیف احادیث ہیں۔	۵۱۶	قول شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، بابت احادیث کتب رابعہ کے معنی۔	۵۳۸
دار قطنی احادیث ضعیفہ شاذہ، معللہ سے پُر ہے۔	۵۱۸	طبقہ ثانیہ وثالثہ ورابعہ کی بعض کتابوں کے اسماء۔	۵۳۸
افادہ بست ودوم کہ ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا، دربارہ احکام اسے حجت بنانا نہیں۔	۵۲۱	رموزِ کتبِ احادیث۔	۵۴۰
دماء، فروج، مضار، خبائث کے سوا تمام اشیاء میں اباحت اصل ہے۔	۵۲۲	دردِ گردہ کا بہترین علاج جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔	۵۴۲
افادہ بست وسوم کہ ایسے مواقع میں ہر حدیث غیر موضوع کام دے سکتی ہے۔	۵۲۴	تفسیر ابن جریر کتب طبقہ رابعہ سے ہے۔	۵۴۳(حاشیہ)
کلبی شدید الضعف ہے۔	۵۲۵	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عجیب فضیلت۔	۵۴۴
امام واقدی کی توثیق راجح ہے۔	۵۲۶	امام بخاری علیہ رحمۃ الباری کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور بخاری میں کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔	۵۴۶
چاند گہوارہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا تھا۔	۵۲۸		

رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کردہ فوائد نفیسہ عظیمہ اربعہ کا حاشیہ میں شمار۔	۵۴۸ (حاشیہ)	خرقہ پوشی صوفیاءِ کرام وسماعِ حسن بصری امام علیہ الرحمۃ المنعام	۵۶۲
افادہ بست وپنجم کہ کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کا بھی مستلزم نہیں، کتب موضوعات کی قسم دوم۔	۵۴۸	تنبیہ	۵۶۳
ابن جوزی نے صحاح ستّہ اور مسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہا۔	۵۴۸	خوشبو سونگھ کر درود شریف پڑھنا نبوی آثار دیکھنے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔	۵۶۵
کتب موضوعات کی دوسری قسم۔	۵۴۸	وضو کی دعائیں حدیث سے ثابت نہیں رضوی تحقیق	۵۶۸
شوکانی کی کتاب (فوائد مجموعہ) قسم دوم سے ہے۔	۵۴۹	عمل بموضوع اور عمل بمافی الموضوع میں فرق عظیم ہے۔	۵۷۱
تنبیہ	۵۵۰	افادہ بست ونہم کہ اعمال مشائخ محتاج سند نہیں، اعمال میں تصرف وایجاد مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔	۵۷۱
لطیفہ	۵۵۰	چند کرامات کسی ولی سے منفک نہیں ہوئیں الا ماشاء اللہ۔	۵۷۲
مقاصد حسنہ امام سخاوی مختص بموضوعات نہیں، یہ شوکانی کی کم فہمی ہے۔	۵۵۰	افادہ سیم کہ ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں،	
نتیجہ الافادات	۵۵۱	طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنت ہے۔	۵۷۴
افادۂ بست وششم کہ ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی	۵۵۱	قبول ضعاف میں گنگوہی صاحب کی فاحشہ خطائیں۔	۵۷۴
افادہ بست وہفتم کہ بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علماء میں بلاسند مذکور ہونا کافی ہے۔	۵۵۵	گنگوہی صاحب نے انجانے میں آدھی وہابیت ذبح کر ڈالی۔	۵۷۷
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں کتنے شہر فتح ہوئے اور کتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور کتنے منبر بنائے گئے۔	۵۶۰	گنگوہی صاحب نے اباحت، استحباب، کراہت تنزیہ بین احکامِ شرعیہ بالکل مٹا دیئے۔	۵۷۸
افادہ بست وہشتم کہ حدیث اگر موضوع بھی ہو تاہم فعل کی ممانعت لازم نہیں۔	۵۶۱	کراہت تنزیہ ضلالت نہیں۔	۵۷۸ (حاشیہ)
		مولوی گنگوہی اور مولوی اسمٰعیل کی خانہ جنگی۔	۵۷۸

حکم اخیر وخلاصہ تحریر	۵۷۹	فائدہ پنجم متعلق افادہ (۲۱) کہ قبول ضعیف کیلئے ورود صحیح کی حاجت نہیں	۵۹۵
خاتمہ فوائد منثورہ میں	۵۷۹	حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف ضعف علماء نے احادیثِ صحاح کا ناسخ قرار دیا ہے اگرچہ ہم قائل نسخ نہیں۔	۵۹۵
فائدہ اول کہ فضیلت وافضلیت میں فرق ہے۔	۵۸۰	تنبیہ ضروری: وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا۔	۵۹۶
دربارہ تفضیل حدیث ضعیف مقبول نہیں۔	۵۸۰	فائدہ ششم کہ حدیث ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول۔	۵۹۷
مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے۔	۵۸۱	تنبیہ کہ فضائل اعمال سے مراد اعمال حسنہ ہیں نہ صرف ثواب اعمال۔	۶۰۰
فائدہ دوم کہ مشاجرت صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔	۵۸۲	فائدہ ہفتم کہ حدیث ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں۔	۶۰۰
کسی مسلمان کی جانب بدون تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت حرام ہے۔	۵۸۲	فائدہ ہشتم کہ وضع یا ضعف کا حکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث۔	۶۰۱
جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخلف کے بارے میں یہ جملہ "ولعن اللہ من تخلف عنہ" افترا ہے۔	۵۸۵	لطیفہ جلیلہ منیفہ کہ جان وہابیت پر لاکھ من کا پہاڑ	۶۰۳
فائدہ سوم اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۸۶	فائدہ نہم وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔	۶۰۶
ہمارے نزدیک ابن اسحاق صاحب مغازی کی تحقیق راجح ہے	۵۹۲ (حاشیہ)	ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگی۔	۶۱۲
تنبیہ متعلق افادہ (۲۵) کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک مستلزم موضوعیت نہیں	۵۹۴	تنبیہ اخذ میں قلّت مبالات زمانہ تابعین سے پیدا ہوئی۔	۶۱۲
کتاب تنزیہ الشریعۃ کی عبارت سے ایک نفیس فائدہ حاصل۔	۵۹۴	فائدہ دھم احادیث طبقہ رابعہ کے متعلق	۶۱۵
فائدہ چہارم کہ مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے۔	۵۹۵	فائدہ یازدہم تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں	۶۱۷
تنبیہ کہ غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔	۵۹۵		

خاتمہ۔ مجمع البحار سے بعض احادیث پر نقل احکام اور حاشیہ میں اس پر نفیس کلام۔	۶۱۷	دلیل دوم	۶۵۶
حدیث طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم حسن ہے، جس کو رسالہ النجوم الثواب فی تخریج احادیث الکواکب میں بیان فرمایا۔	۶۱۸ (حاشیہ)	دلیل سوم وچہارم	۶۵۷،۶ ۵۸
حدیث بابت آب زمزم حسن یا صحیح ہے	۶۱۹	دلیل پنجم	۶۵۹
حدیث یکون فی اٰخرالزمان خلیفۃ لایفضل علیه ابوبکر ولاعمر مؤول ہے	۶۲۰	دلیل ششم	۶۶۰
فائدہ دوازدہم حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زمانہ کا ابطال وازہاق۔	۶۲۱	دلیل ہفتم	۶۶۲
محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کو مرسل، منقطع، معلق اور معضل کہتے ہیں فقہا اور اصولیین کی اصطلاح میں ان سب کو مرسل کہا جاتا ہے۔	۶۲۱	دلیل ہشتم	۶۶۳
قول امام سفیان ثوری "الاسناد سلاح المؤمن الخ" دربارہ عقائد واحکام ہے۔	۶۲۴	دلیل نہم	۶۶۳
اسی طرح دیگر اقوال بابت سند۔	۶۲۴	آداب دعا سے ہے کہ پہلے کوئی عمل صالح کرے	۶۶۴
رسالہ **نهج السلامة فی حکم تقبیل الابهامین فی الاقامة۔**	۶۲۹	دلیل دہم	۶۶۵
تھانوی صاحب کا جواب۔	۶۳۰	دلیل یازدہم	۶۶۶
تھانوی صاحب کے جواب مذکور کی خامیوں کا شمار	۶۳۴	دلیل دوازدہم	۶۶۷
مفہوم کتب حجت ہے اگرچہ مفہوم لقب ہو۔	۶۳۴	دلیل سیزدہم	۶۶۸
نقل مجہول نامقبول ہے۔ عام صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے۔	۶۳۵	فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ اچھا عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔	۶۶۸
"لااصل لها" مقتضی کراہت نہیں۔	۶۴۱	دلیل چہاردہم	۶۶۹
مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے مگر جبکہ دلیل تقیید قائم ہو۔	۶۵۰	دلیل پانزدہم	۶۷۰
رسالہ ایذان الاجر فی اذان القبر۔	۶۵۳	تنبیہات جلیلہ	۶۷۲
دلیل اول	۶۵۴		

تنبیہ دوم کہ ایک فعل میں بہت سی نیات ہوسکتی ہیں اور سب پر ثواب۔	٦٧٣	تنبیہ چہارم شرع مطہر کی اصل کلی جو اُن مسائل کو حل کردیتی ہے جن میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں اور بوجہ جہل لوگوں کو بہکاتے ہیں۔	٦٧٦
تنبیہ سوم	٦٧٦		

فہرست ضمنی مسائل

وضو		**حظر واباحت**	
نماز قبل معراج میں طہارتِ ثوب، وضو۔	٨٥	ایک درم سود کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیم کعبہ میں ٣٦ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔	١١٠
جنائز		ترکِ نماز پر مالی جرمانہ جائز نہیں۔	١١١
خودکشی کرنے والے کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔	١٠٧	طلبہ اگر نماز ترک کریں تو ان کا وظیفہ وضع ہوسکتا ہے، نیز دوسری صورتوں کا بیان۔	١١٢
بے نماز کی نماز جنازہ کا حکم۔	١٢٠	اشیائے مسکرہ پی کر نماز کی ادائیگی کا حکم۔	١١٤
نماز جنازہ کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے اور ان کی نماز جنازہ ملائکہ نے پڑھی تھی۔	٣٧٥	نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگانے کا حکم۔	١١٥
حضرت ابوبکر کی نماز جنازہ حضرت عمر نے اور حضرت عمر کی ابن عمر نے اور حضرت علی کی حضرت حسن نے اور حضرت حسن کی حضرت حسین نے پڑھائی تھی رضی اللہ تعالٰی عنہم	٣٧٥	غیر مشروع افعال کے ارتکاب پر برادری کی کون کونسی سزائیں جائز نہیں۔	١١٦
نماز جنازہ کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی۔	٣٧٥	احادیث محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	٢٧٤
حضرت خدیجہ کُبرٰی کی وفات تک نمازِ جنازہ مشروع نہ ہوئی تھی۔ حضرت اسعد بن زرارہ کی وفات ہجرت کے نویں مہینے شوال میں ہوئی صحابہ میں سب سے پہلے بعد ہجرت انتقال فرمایا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے ان پر نمازِ جنازہ پڑھی۔	٣٧٦	حدیث کہ جو تین چیزوں کی محافظت کرے وہ سچا ولی ہے۔	٢٧٨

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

بے ضرورت سوالات ممنوع ہیں۔	۳۴۳	فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ اچھا عمل مسلمان کو خوش کرنا ہے۔	۶۶۸
مرگھٹ کی زمین میں مسجد بنانے کا حکم۔	۳۴۴	**طب**	
چارپائی پر نماز پڑھنے کا حکم۔ یہ بات کہ چارپائی پر نماز پڑھنے سے اگلی امتوں میں کچھ مسخ ہوگئے غلط ہے۔	۳۴۶	درد گردہ کا بہترین علاج جس میں کچھ خرچ نہ ہو۔	۵۴۲
قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف پڑھنے میں تفصیل ہے۔	۳۴۹	**توقیت**	
نماز کیلئے جگانے کا حکم۔	۳۷۸	تبدیل طول بلد سے اوقات میں تقدم وتاخّر ہوجاتا ہے۔	۳۳۴
صلٰوۃ پکارنا کیسا ہے اور کس نے یہ طریقہ جاری کیا۔	۳۸۴	مدراس کا عرض تیرہ درجے پانچ دقیقے ہے اور بنگلور کا بارہ درجے اُنسٹھ دقیقے یا بارہ درجے پچپن دقیقے اور بریلی کا اٹھائیس درجے اکیس دقیقے۔	۳۳۴
الصلٰوۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلٰوۃ رحمکم اللہ پکارنے کا حکم	۳۸۷	**فوائد فقہیہ**	
حدیث کہ خربوزہ کھانے سے پیشتر پیٹ کو دھودیتا ہے اور بیماری کو دور کردیتا ہے۔	۴۴۲	مالی جرمانہ نائز نہیں کہ منسوخ ہوچکا ہے۔	۱۱۱
حدیث میں ہے کہ لباسِ صوف اختیار کرو تو قلوب میں ایمان کی مٹھاس محسوس ہوگی۔	۴۵۱	نہار شرعی اور نہار عرفی کا فرق۔	۱۲۲
فائدہ نفیسہ بدھ کے دن بدن سے خون لینے کے بارے میں	۴۹۸	نصف النہار شرعی معلوم کرنے کا طریقہ۔	۱۲۲
فائدہ جلیلہ ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں	۴۹۹	نہار نجومی	۱۲۳
بدھ کے دن ناخن تراشنے کے بارے میں حدیث	۴۹۹	طلوع سے بیس منٹ تک ہر نماز مکروہ ہے اور جب غروب میں بیس منٹ رہیں تو آج کی عصر کے سوا ہر نماز ممنوع ہے۔	۱۳۸
مرغ سفید کا رکھنا اچھا ہے۔	۵۲۹	جن نمازوں میں تاخیر مستحب ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وقت مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں۔	۱۳۸
خرقہ پوشی صوفیاءِ کرام وسماعِ حسن بصری رحمہ اللہ	۵۶۲	ان بلاد میں سال بھر کے اندر پورے وقت عصر کی مقدار۔	۱۳۸
آدابِ دُعا سے ہے کہ پہلے کوئی عمل صالح کرے۔	۶۶۴	رضوی تحقیق کہ ان بلاد میں وقت عشاء غروب سے کتنی دیر بعد شروع ہوتا ہے۔	۱۵۱

مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ کیلئے اعادہ اذان منع ہے، تکبیر میں حرج نہیں۔	۱۵۶	زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے۔	۳۲۸
سفر میں جمع بین الصلوٰتین جائز ہے یا نہیں۔	۱۵۹	صیغہ لایفعل سے متبادر کراہت تحریم ہوتی ہے جیسے یفعل مفید وجوب ہوتا ہے۔	۳۶۴
جمع بین الصلوٰتین دو قسم پر ہے، اول جمع فعلی جس کو جمع صوری بھی کہتے ہیں اس کے معنی مراد، اور یہ بعذر سفر و مرض جائز ہے۔	۱۶۰	امام کے انتظار میں تاخیر نماز کا حکم۔	۳۶۴
جمع صوری بضرورت شدّتِ بارش بھی جائز ہے۔	۱۶۲	اگر فجر کے فرض پڑھ لئے اور سنتیں رہ گئیں تو اُن کو کب پڑھ سکتا ہے۔	۳۶۵
دوم جمع وقتی جس کو جمع حقیقی بھی کہتے ہیں اور اس کے معنی مراد	۱۶۲	عبارات فقہائے کرام میں علامات (مت) اور (شم) اور (قع) اور (ضح) سے کیا مراد ہوتی ہے۔	۴۱۴
جمع حقیقی کی دو صورت: اول جمع تقدیم، دوم جمع تاخیر۔	۱۶۲	تنبیہ کہ فضائل اعمال سے مراد اعمال حسنہ ہیں، نہ صرف ثواب اعمال۔	۶۰۰
قرب وقت کو اس وقت سے تعبیر کرتے ہیں۔	۲۳۴	**رسم المفتی**	
قرآن وحدیث سے اس کی مثالوں میں دو آیت اور بارہ حدیثیں	۲۳۴	دماء فروج، مضار، خبائث کے سوا تمام اشیاء میں اباحت ہے۔	۵۲۲
قرب وقت کو نام وقت سے تعبیر در کنار صراحۃً ان لفظوں سے بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسرے نماز کے وقت میں نماز پڑھی	۲۴۰	کراہت تنزیہ ضلالت نہیں۔	۵۷۸ (حاشیہ)
فحمہ عشاء سرشام کے دُھندلکے کو کہتے ہیں۔	۲۴۳	"لااصل لہا" مقتضی کراہت نہیں۔	۶۴۱
نصف النہار اور سایہ اصلی معلوم کرنے کے دو طریقے	۳۲۳	تنبیہ دوم کہ ایک فعل میں بہت سی نیات ہو سکتی ہیں اور سب پر ثواب۔	۶۷۳
مسجد کی شرقی دیوار سے دوپہر اور دوپہر کا ڈھلنا معلوم ہوسکتا ہے۔	۳۲۳	**عقائد وکلام**	
فرائض داخلِ نماز کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف نماز فرض میں ان کی فرضیت ہے۔	۳۲۶	کتاب اللہ کا حفظ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسلام تھا۔	۶۷
نہار عرفی وشرعی میں کیا فرق ہے۔	۳۲۷	ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔	۸۳
نہار عرفی وشرعی ہمیشہ نہار نجومی سے زیادہ ہوتی ہے۔	۳۲۷	مولانا محمد رضا علی صاحب کا فتوی اس اشتہار کے متعلق جو سالانہ چھپا کرتا ہے کہ شیخ عبداللہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا الخ	۹۷

اس فتوٰی کی تصدیق رضوی۔	۹۹	مسئلہ افضلیت باب عقائد سے ہے۔	۵۸۱
ضروریات دین کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو۔	۱۰۱	کسی مسلمان کی جانب بدون تحقیق کبیرہ گناہ کی نسبت حرام ہے۔	۵۸۲
خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت قطعیات سے ثابت ہے۔	۱۰۱	تنبیہ ضروری: وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا۔	۵۹۶
تکذیب صفت قلب ہے مگر قول کی طرح بعض فعل بھی اس پر علامت ہوتے ہیں۔علامت ہونے کی بنا پر حکمِ کفر دیا جاتا ہے۔	۱۰۱	لطیفہ جلیلہ منیفہ کہ جان وہابیت پر لاکھ من کا پہاڑ۔	۶۰۳
تارک نماز کی تکفیر قدمائے اہلسنّت کا مسلک ہے مگر جمہور کے نزدیک کافر نہیں، یہی مذہب ائمہ اربعہ کا مجمع علیہ ہے۔	۱۰۲	**تاریخ تذکرہ**	
تارک نماز کے اسلام پر بعض دلائل	۱۰۶	حضرت یونس بنیامین بن یعقوب کی اولاد ہیں اور سلیمان علیہم الصلٰوۃ والسلام کے بعد تھے۔	۷۲
ہم میں اور مشرکوں میں نماز فارق ہے۔	۱۰۹	اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام۔	۷۲
ایک وقت کی نماز قصداً بلاعذرِ شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔	۱۱۰	دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے۔	۱۱۵
اگر تمہارے ذریعہ ایک شخص کو ہدایت ہوجائے تو یہ روئے زمین کی بادشاہت سے بہتر ہے۔	۱۱۷	کتاب الحجج تالیف امام فقیہ محدث عیسٰی ابن ابان ہے جو امام محمد کے شاگرد تھے رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۱۶۱
امر بالمعروف نہی عن المنکر کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ اس میں رکھا ہی کیا ہے تو اس کو تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرنا چاہئے۔	۱۱۷	مقام ملل مدینہ طیبہ سے کتنے میل ہے۔	۱۸۲
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔	۲۵۶	مکہ معظّمہ اور مقام سرف کے درمیان دس میل فاصلہ بتانے والا کون ہے	۲۶۷
اگر حکم شرع پر عمل کرنے سے فساد پیدا ہوتا ہو تو اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۰۶	مدینہ طیبہ سے ذوالحلیفہ کے فاصلے میں اختلاف کثیر۔	۲۶۷
چند کرامات کسی ولی سے منفک نہیں ہوتیں الاماشاء اللہ۔	۵۷۲	مدینہ منورہ سے ذات الجیش کے فاصلے میں اختلاف کثیر	۲۶۸

مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے دوکم دوسو میل ہے۔	۲۶۸	مسئلہ تثویب میں دیوبندی خیانتیں۔	۳۹۱
حوالیِ مکہ معظّمہ میں وقتِ مغرب کم وبیش ڈیڑھ گھنٹہ ہوتا ہے۔	۲۶۸	پہلی، دوسری، تیسری خیانت۔	۳۹۲
اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر شریف میزاب کے نیچے ہے۔	۳۵۱	چوتھی، پانچویں، چھٹی، ساتویں خیانت۔	۳۹۳
حجراسود اور زمزم شریف کے درمیان ستر انبیاء علیہم السلام کی قبور ہیں۔	۳۵۳	آٹھویں، نویں، دسویں خیانت	۳۹۴
زمانہ اقدس میں مسجد نبوی کے صرف تین دروازے تھے مشرق، مغرب اور شمال میں۔	۴۰۵	گیارھویں خیانت جو سب سے اخبث ہے کہ اعلٰحضرت کے والدماجد اور جدّامجد اور پیرومرشد اور حضور غوث پاک کے نام سے کتابیں تراش لیں، ان کے مطبعے گھڑلئے، صفحے دل بنالئے، عبارتیں خودساختہ لکھ دیں۔	۳۹۵
ہشام ابن عبدالملک مروانی نے اذانِ عثمانی کو منارہ مسجد پر دلوانا شروع کیا تھا، نہ اذان ثانی کو اندرون مسجد۔	۴۰۹	افادہ سیم کہ ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں، طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنّت ہے۔	۵۷۴
اسی ہشام نے حضرت زید رضی اللہ تعالٰی کو سولی دلوائی اور برسوں سُولی پر رکھا جس سے عجیب کرامت کا ظہور ہوا۔	۴۱۰	قبول ضعاف میں گنگوہی صاحب کی فاحش خطائیں۔	۵۷۴
تفسیر ابن جریر طبقہ رابعہ سے ہے (درحاشیہ)	۵۴۳	گنگوہی صاحب نے انجانے میں آدھی وہابیت ذبح کرڈالی۔	۵۷۷
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں کتنے شہر فتح ہوئے اور کتنی مسجدیں تعمیر ہوئیں اور کتنے منبر بنائے گئے۔	۵۶۰	گنگوہی صاحب نے اباحتِ، استحباب، کراہت تنزیہ بین احکام شرعیہ بالکل مٹادیئے۔	۵۷۸
فائدہ دوم کہ مشاجرت صحابہ میں تواریخ وسِیَر کی موحش حکایتیں قطعاً مردود ہیں۔	۵۸۲	تھانوی صاحب کے جواب مذکور کی خامیوں کا شمار۔	۶۳۴
رَدِ بدّمذہباں		**حدیث واصول حدیث**	
دربارہ نماز عصر ایک وہابی خیّاط کا اعتراض اور اس کا جواب۔	۱۴۸	حدیث بخاری اعتم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاالخ کے تین محمل۔	۵۸

جس نے قصداً نماز ترک کی اس نے اپنی ماں سے بیت اللہ میں ستّر بار زنا کیا۔ یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری۔	۱۱۰	پہلی حدیث۔	۱۹۶
مجہول العین راوی کی روایت محققین کے نزدیک مقبول ہے۔	۱۵۰	دوسری، تیسری، چوتھی حدیث۔	۱۹۷
فصل اول جمع صوری کے اثبات میں غیر مقلدین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی کا صحیح وصریح حدیثوں سے انکار جو جمع صوری میں وارد ہیں۔	۱۶۳	پانچویں تا گیارہویں حدیث۔	۱۹۹
حدیث اول اثباتِ جمع صوری میں۔	۱۶۷	فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم۔	۲۰۳
حدیث دوم اور سوم۔	۱۷۲	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث اول بابت جمع بین الصلٰوتین	۲۰۴
احادیث چہارم و پنجم۔	۱۷۳	حدیث معلول کیلئے ضعفِ راوی ضروری نہیں۔	۲۰۶
محاورات سلف واصطلاح محدثین میں تشیّع اور رفض کے درمیان فرق ہے، متاخرین شیعہ روافض کو کہتے ہیں۔	۱۷۵	پیشوائے غیر مقلدین کی پیش کردہ حدیث دوم اور اس کے بیان کردہ مفہوم پر بارہ وجوہ سے رَد۔	۲۱۰
فلان یغرب اور فلان غریب الحدیث میں فرق ہے۔	۱۷۷(حاشیہ)	افاضہ اولٰی کہ جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔	۲۱۴
چند اوہام یا کچھ خطائیں محدث سے صادر ہونا نہ اسے ضعیف کرے نہ اس کی حدیث کو مردود۔	۱۸۴	افاضہ ثانیہ کہ جمع بین الصلٰوتین کے بارے میں احمد وشافعی، عبدالرزاق و بیہقی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہے۔	۲۱۵
امام سُفیان بن عُیینہ نے زہری سے روایت میں بیس سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی، پھر ان کے ثقہ حجت ہونے پر اجماع ہے۔	۱۸۴	اس کے راوی حسین بن عبداللہ ضعیف ہیں۔	۲۱۶
افادہ ثانیہ کہ احادیث جمع میں جمع صوری کے ارادے پر پانچ قرائن ہیں	۱۸۶	افاضہ ثالثہ کہ حدیثِ دارقطنی بھی ضعیف ہے۔	۲۲۰
افادہ رابعہ کہ وہ احادیث جن میں مطلق جمع بین الصلٰوتین وارد ہے سب کی سب جمع صوری پر محمول ہیں بطور تمثیل گیارہ حدیثوں کا بیان۔	۱۹۶	فاضہ رابعہ بابت حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۲۱
		جمع تاخیر میں پیش کردہ حدیثِ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر کلام	۲۲۸

اس کا جواب اول	۲۳۲	قسم اول نصوص عامہ جو سات آیات اور بتیس حدیثوں پر مشتمل ۔	۲۷۰
قصہ صفیہ زوجہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر ایک ہی بار واقع ہوا تھا۔	۲۳۳	احادیث چند نوع ہیں۔ نوع اول	
جمہور محدثین کے مذہب مختار پر مدلس کا عنعنہ مردود ہے۔	۲۴۵	احادیث محافظت وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب میں۔	۲۷۴
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب میں وقتِ مغرب شفقِ احمر تک ہے اور احناف کے نزدیک شفقِ ابیض تک، یہی روایۃً صحیح اور درایۃً راجح، اور اجلہ صحابہ اور اکابر تابعین اور اجلّائے تبع تابعین اور ائمہ لغت اور بعض کبرائے شافعیہ سے بھی منقول ہے۔	۲۴۵	نوعِ اٰخر حدیث امامتِ جبریل علیہ السلام	۲۷۸
حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بابت جمع بین الصلوٰتین	۲۴۶	نوع آخر حدیث سائل	۲۷۹
اس کا جواب۔	۲۴۸	نوعِ آخر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے۔	۲۸۰
حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جواب اول۔	۲۵۲	نوع آخر کہ جب ایک نماز کا وقت آیا تو دوسری کا جاتا رہا۔	۲۸۱
جواب ثانی	۲۵۲	قسم دوم نصوص خاصہ جن میں بالخصوص جمع بین الصلوٰتین کی نفی ہے۔	۲۸۹
نماز کے اول وآخر وقت حقیقی اور سحری کے آخر وقت حقیقی کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تھا اور آپ کے طفیل میں اجلہ حذاق صحابہ کو جس پر احادیث دال ہیں۔	۲۵۳	مرسل حدیث ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجّت ہے۔	۲۹۲
حدیث اول تا سوم	۲۵۳	احادیث مرویہ بالمعنی مختلف طور پر روایت کی جاتی ہیں، کوئی پوری، کوئی ایک ٹکڑا، کوئی دوسرا، جمع طُرق سے پوری بات کا پتا چلتا ہے۔	۳۰۱
حدیث چہارم تا ہفتم	۲۵۵	اسی واسطے امام ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہم جب تک حدیث کو ساٹھ وجہ سے نہ لکھتے اس کی حقیقت نہ پہچانتے	۳۰۱
حدیث ہشتم ونہم	۲۵۷	ضعیف، متشیع، صاحب افراد، متروک الحدیث میں فرق ہے، متشیع اور صاحب افراد ہونا اصلاً موجب ضعف نہیں۔	۳۰۳
فائدہ عائدہ بابت حدیث سنن ابی داؤد جس سے آج تک اصلاً تعرض نہ ہوا، نہ استناداً نہ جواباً۔	۲۶۴	ضعیف اور متروک میں زمین وآسمان کا فرق ہے کہ ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول بخلاف متروک۔	۳۰۳

حدیث کان قدر صلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر فی الصیف ثلثۃ اقدام الی خمسۃ اقدام کا مطلب۔	۴۴۰	ابن جوزی نے جس جس حدیث کو غیر صحیح کہا اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱
افادہ اول کہ حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ غلط ہے۔	۴۳۶	لفظ "لایثبت" سے یہ ثابت کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اصطلاح میں "ثابت" صحیح حدیث کو کہتے ہیں۔	۴۴۲
حدیث حسن احکامِ حلال وحرام میں حجت ہوتی ہے۔	۴۳۷	افادہ دوم کہ جہالت راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے۔	۴۴۳
کتب صحاح ستّہ میں مذکورہ تمام احادیث صحیح نہیں، تسمیہ بصحاح تغلیباً ہے۔	۴۳۹	مجہول کے اقسام اور ان کے احکام۔ اول قسم مستور اس قسم کے راوی مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔ قسم دوم مجہول العین۔ اور قسم سوم مجہول الحال۔	۴۴۳
حدیث کے آٹھ مراتب اور ان کے احکام۔	۴۴۰	افادہ سوم کہ سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں۔	۴۴۸
صحیح، صحیح لغیرہٖ، حَسن لذاتہٖ، حسن لغیرہٖ سب محتج بہا ہیں۔	۴۴۰	حدیث منقطع کا حکم۔	۴۴۸
پنجم حدیث ضعیف بضعف قریب کی قسم صالح متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر صحیح لغیرہٖ ہو جاتی ہے اور احکام میں قابل احتجاج۔	۴۴۰	افادہ چہارم کہ حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مندرج بھی موضوع نہیں۔	۴۵۰
ششم ضعیف بضعف قوی قابل احتجاج نہیں، صرف فضائل میں معتبر ہے	۴۴۰	افادہ پنجم کہ جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں۔	۴۵۱
ہفتم حدیث مطروح حکماً موضوع ہوتی ہے۔	۴۴۰	تعددِ طُرق سے مبہم کا جبر نقصان ہو جاتا ہے۔	۴۵۲
ہشتم موضوع یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار۔	۴۴۰	حدیث مبہم دوسری حدیث کیلئے مقوی ہو سکتی ہے۔	۴۵۲
حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے	۴۴۰	افادہ ششم کہ ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے۔	۴۵۳
صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔	۴۴۱	افادہ ہفتم ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرے، اس کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۴
		اسباب طعن دس ہیں بایں ترتیب۔	۴۵۴

افادہ ہشتم کہ منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۵	افادہ چہاردہم کہ حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے۔	۴۷۵
افادہ نہم کہ متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں۔	۴۵۶	"خط "علامت خطیب فی التاریخ ہے	۴۷۵
حدیث چلّہ صوفیاء کرام۔	۴۵۹	افادہ پانزدہم کہ اہل علم کے عمل کر لینے سے یہ حدیث ضعیف قوی ہو جاتی ہے۔	۴۷۵
حدیث کہ جو شام کو صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام پڑھ لے تو اس شب بچھو نہ کاٹے گا۔	۴۵۹ (حاشیہ)	افادہ شانزدہم کہ حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں، اول اعتقادات۔	۴۷۷
افادہ دہم کہ موضوعیت حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے۔	۴۵۹	عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں۔	۴۷۷
حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس برس کی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی جنون وجذام اور برص کو اس سے پھیر دیتا ہے الخ	۴۶۰	دوم احکام جن میں حدیثِ ضعیف کافی نہیں ہوتی۔	۴۷۸
فضائل امیر المؤمنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں روافض نے تقریباً تین لاکھ حدیثیں وضع کیں۔	۴۶۱	تیسرے فضائل ومناقب جن میں باتفاقِ علماء حدیث ضعیف مقبول وکافی ہے۔	۴۷۸
افادہ یازدہم کہ بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے اعتبار سے۔	۴۶۸	بلکہ فضائل اعمال میں حدیث منکر بھی مقبول ہے۔	۴۷۸
ان امرتی لاتدفع یدلامس کے معنی راجح حاشیہ نمبرا میں۔	۴۷۰ (حاشیہ)	نبوی ارشاد اگر کسی کو حدیث پہنچی کہ فلاں عمل پر ایسا ثواب ملے گا اور اس نے اس عمل کو کیا تو ثواب پائے گا اگرچہ واقع میں وہ میری حدیث نہ ہو۔	۴۷۹
نتیجۃ الافادات	۴۷۲	کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہل حق کے ساتھ ہیں کہ حدیث ضعیف پر فضائلِ اعمال میں عمل جائز ہے۔	۴۸۱
افادہ دوازدہم کہ تعددِ طُرق سے ضعیف حدیث قوت پاتی ہے بلکہ حسن ہو جاتی ہے۔	۴۷۲		
افادہ سیزدہم کہ حدیث مجہول وحدیث مبہم تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور وہ جابر ومنجبر ہونے کے صالح ہیں۔	۴۷۴	افادہ ہفدہم کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے۔	۴۸۱
حدیث کہ جس کے تین بچے پیدا ہوئے اور کسی کا نام محمد نہ رکھا تو یہ اس کی جہالت ہے۔	۴۷۴	افادہ ہیجدہم کہ خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیثِ ضعیف پر عمل کیا جائے۔	۴۸۶

حدیث انا عند ظن عبدی بی کس کس کتاب میں ہے۔	۴۸۸	مسند امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ضعیف احادیث ہیں۔	۵۱۶
اس حدیث کی بعض روایات میں کچھ الفاظ زائد ہیں۔	۴۸۹	دار قطنی احادیث ضعیفہ، شاذہ، معللہ سے پر ہے۔	۵۱۸
افادہ نوزدہم عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے۔	۴۸۹	افادہ بست ودوم کہ ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا، در بارہ احکام اسے حجّت بنانا نہیں۔	۵۲۱
احادیث اولیاءِ کرام کے متعلق نفیس فائدہ۔	۴۹۱	افادہ بست وسوم کہ ایسے مواقع میں ہر حدیث غیر موضوع کام دے سکتی ہے۔	۵۲۴
حدیث اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم میں اگرچہ محدثین کو کلام ہے مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔	۴۹۱	حدیث شدید الضعف کی تعریف۔	۵۲۹
افادہ بستم کہ حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محل احتیاط ہو۔	۴۹۴	علامہ لکھنوی قدس سرہ، سے ظفر الامانی میں تدریب اور القول البدیع سے نقل میں لغزش ہوئی۔	۵۳۰
افادہ بست ویکم کہ حدیث ضعیف پر عمل کیلئے خاص اس فعل میں حدیث صحیح کا آنا ضرور نہیں۔	۵۰۱	بحث قبول شدید الضعف۔	۵۳۱
تحقیق مقام وازاحۃ اوھام عمل بالحدیث اور قبول الحدیث میں فرق ہے یا نہیں۔	۵۰۴	فائدہ جلیلہ فی احکام انواع الضعیف وانجبار ضعفا۔	۵۳۳
مسلم شریف میں بھی ضعفاء کی روایتیں ہیں۔	۵۱۱	افادہ بست وچہارم کہ حدیث کا کتب رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائیکہ ضعفِ شدید۔	۵۳۸
بخاری شریف میں ضعفاء کی روایات در بارہ متابعات وشواہد موجود ہیں۔	۵۱۲	قول شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، بابت احادیث کتب رابعہ کے معنی۔	۵۳۸
عامہ مسانید، معاجیم، سنن، جوامع، اجزاء ہر نوع احادیث پر مشتمل ہیں۔	۵۱۴	طبقہ ثانیہ وثالثہ ورابعہ کی بعض کتابوں کے اسمائ۔	۵۳۸
امام ابوداؤد کے کلام " صالح "کے دو معنی ہیں۔	۵۱۴	رموز کتب احادیث۔	۵۴۰
سنن ابوداؤد شریف کا موضوع صرف احکام ہیں۔		امام بخاری علیہ الرحمۃ الباری کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور بخاری میں کل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں۔	۵۴۶

رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کردہ فوائد نفیسہ عظیمہ اربعہ کا حاشیہ میں شمار۔	۵۴۸ (حاشیہ)	افادہ بست ونہم کہ اعمال مشائخ محتاج سند نہیں، اعمال میں تصرف وایجاد مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے۔	۵۷۱
افادہ بست وپنجم کہ کتب موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کا بھی مستلزم نہیں، کتب موضوعات کی قسم دوم۔	۵۴۸	دربارہ تفضیل حدیث ضعیف مقبول نہیں۔	۵۸۰
ابن جوزی نے صحاح ستہ اور مسند امام احمد کی چوراسی حدیثوں کو موضوع کہا۔	۵۴۸	جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخلف کے بارے میں یہ جملہ "**ولعن اللہ من تخلف عنہ**" افتراء ہے۔	۵۸۵
کتب موضوعات کی دوسری قسم۔	۵۴۸	فائدہ سوم اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۸۶
شوکانی کی کتاب (فوائد مجموعہ) قسم دوم سے ہے۔	۵۴۹	ہمارے نزدیک ابن اسحٰق صاحبِ مغازی کی توثیق راجح ہے۔	۵۹۲(حاشیہ)
مقاصدِ حسنہ امام سخاوی مختص بموضوعات نہیں، یہ شوکانی کی کم فہمی ہے۔	۵۵۰	تنبیہ متعلق افادہ (۲۵) کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک مستلزم موضوعیت نہیں۔	۵۹۴
نتیجۃ الافادات۔	۵۵۱	کتاب تنزیہ الشریعۃ کی عبارت سے ایک نفیس فائدہ حاصل۔	۵۹۴
افادہ بست وششم کہ ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی	۵۵۱	فائدہ چہارم کہ مجہول العین کا قبول ہی مذہبِ محققین ہے۔	۵۹۵
افادہ بست وہفتم کہ بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلاً پتا نہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلماتِ علماء میں بلاسند مذکور ہونا کافی ہے۔	۵۵۵	تنبیہ کہ غالباً مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔	۵۹۵
افادہ بست وہشتم کہ حدیث اگر موضوع بھی ہو تاہم فعل کی ممانعت لازم نہیں۔	۵۶۱	فائدہ پنجم متعلق افادہ (۲۱) کہ قبول ضعیف کیلئے ورود صحیح کی حاجت نہیں	۵۹۵
وضو کی دعائیں حدیث سے ثابت نہیں۔	۵۶۸	حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف ضعف علماء نے احادیث صحاح کا ناسخ قرار دیا ہے اگرچہ ہم قائل نسخ نہیں۔	۵۹۵
عمل بموضوع اور عمل بمافی الموضوع میں فرق عظیم ہے۔	۵۷۱	فائدہ ششم کہ حدیثِ ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول۔	۵۹۷

فائدہ ہفتم کہ حدیث ضعیف سے سنّیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یانہیں۔	۶۰۰	حدیث یکون فی اٰخرالزمان خلیفة لایفضل علیه ابوبکر ولاعمر مؤوّل ہے۔	۶۲۰
فائدہ ہشتم کہ وضع یاضعف کاحکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث۔	۶۰۱	افادہ دوازدہم حدیث بے سندمذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زمانہ کاابطال وازہاق۔	۶۲۱
فائدہ نہم وہ محدثین جوغیر ثقہ سے روایت کرتے ہیں۔	۶۰۶	محدثین کی اصطلاح میں جس حدیث کو مرسل اور منقطع اور معلق اور معضل کہتے ہیں فقہاء اور اصولیین کی اصطلاح میں ان سب کو مرسل کہاجاتا ہے۔	۶۲۱
ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے روایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہوگی۔	۶۱۲	**اسماء الرجال**	
تنبیہ اخذ میں قلّت مبالات زمانہ تابعین سے پیدا ہوئی۔	۶۱۳	امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی، نہ تبع سے ان کا سنِ وفات۔	۶۲
فائدہ دہم احادیث طبقۂ رابعہ کے متعلق۔	۶۱۵	سعید بن خثیم ہلالی منکر الحدیث ہیں۔	۹۳
فائدہ یازدہم تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں	۶۱۷	نافع اور عبداللہ بن واقد دونوں شاگرد عبداللہ بن عمر ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم	۱۶۷
خاتمہ مجمع البحار سے بعض احادیث پر نقل احکام اور حاشیہ میں اس پر نفیس کلام۔	۶۱۷	صفیہ بنتِ ابی عبیدہ زوجہ ابن عمر، مختار کذّاب کی بہن تھیں، ان کے صحابیہ ہونے میں اختلاف ہے، ان کے والد ماجد صحابی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم	۱۶۸(حاشیہ)
حدیث طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم حسن ہے، جس کو رسالہ النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب میں بیان فرمایا۔	۶۱۸ (حاشیہ)	افادہ اولٰی کہ غیر مقلدین کے پیشوائے مذکور کامحمد بن فضیل کوضعیف کہنا باطل ہے وہ بخاری ومسلم کے رجال سے ہیں۔	۱۷۴
حدیث بابت آب زمزم حسن یا صحیح ہے۔	۶۱۹	بخاری ومسلم کے تیس ۳۰ سے زیادہ وہ راوی ہیں جن کو اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیّع ذکر کیاجاتا ہے اور اُن کے اسماء۔	۱۷۶

بشر بن بکر ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے۔	۱۷۷	طریق دوم میں مومل بن اہاب صدوق لہ اوہام۔	۲۶۵
پیشوائے غیر مقلدین کی تحریف کہ ولید بن مسلم کو ولید بن قاسم بنالیا اول رجال صحیح مسلم سے امام ثقہ ہیں اور دوم قدرے متکلم فیہ۔	۱۷۸	نعیم بن حماد قابل احتجاج نہیں۔ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا۔ جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت۔	۲۶۶
صحیح بخاری ومسلم کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یخطئ کہا گیا	۱۷۹ (حاشیہ)	ابوالزبیر مدلس ہیں اور مدلس کا عنعنہ قبول نہیں لیکن ان سے اگر لیث بن سعد روایت کریں تو مقبول، ذکر وجہہ فی المیزان۔	۲۶۶
لطیفہ پنجم، عطاف ثقہ ہیں۔	۱۸۰	خالد بن مخلد صحاح ستّہ کے رجال سے ہیں اور امام بخاری کے استاد۔	۳۰۳
وہمی اور صدوق یھم میں فرق ہے۔	۱۸۰	بخاری ومسلم کے بعض ضعیف رجال کا شمار۔	۳۰۴ (حاشیہ)
صحیحین کے وہ رجال جن کے متعلق صدوق یھم کہا گیا۔	۱۸۰	امام اعمش کا اسم مبارک سلیمان ہے۔	۳۰۶
خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع ہے۔	۲۰۶	جب بصری عبداللہ کہیں تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوتے ہیں، دوسرا کہیں تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۰۶
ابن حزم غیر مقلد خبیث اللسان نے سیدنا ابوالطفیل صحابی کو مقدوح ومجروح بتایا۔	۲۰۶	جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو ابن المبارک مفہوم ہوتے ہیں اور جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر مراد ہوں گے۔	۳۰۶
اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کیلئے صحیح بخاری شریف کی صحیح ومتصل حدیث کو بزعم تعلیق رَد کیا۔	۲۰۶	حدیث نسائی شریف کی سند میں واقع خالد امام اجل خالد بن حارث بصری ہیں خالد بن مخلد نہیں۔	۳۰۷
امام شافعی علیہ الرحمۃ کی روایت میں ابراہیم ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی متروک واقع ہے اور اس کے ضعف پر اجماع ہے۔	۲۱۸	علی بن عروہ دمشقی حدیث وضع کرتا تھا۔	۴۶۲
امام اسحٰق بن راہویہ کا حافظہ وفات سے چند ماہ پیشتر متغیر ہوگیا تھا۔	۲۲۲	ابو عقال ہلال بن زید انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات روایت کرتا تھا۔	۴۶۲
شبابہ بن سوار مبتدع تھا۔		ابن تیمیہ کی بکواس۔	۴۶۵
عبداللہ بن ابی نجیح یسار مکی مدلس ہیں۔	۲۴۵	"خط "علامت خطیب فی التاریخ ہے۔	۴۷۵
یحیٰی بن محمد جاری متکلم فیہ ہیں۔	۲۶۵		

عمرو بن واقد متروک ہیں۔	۴۷۵	**فوائد اصولیہ**	
ضحاک بن حجرۃ ضعیف ہیں۔	۴۷۵	محتمل کو محکم کی طرف رَد کرنا طریقہ معروفہ ہے۔	۱۰۶
ابن عباس بن سہل رجال امام بخاری سے ضعیف ہیں ان کی روایت بخاری شریف میں موجود ہے۔	۵۱۰	جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے۔	۱۳۴
کلبی شدید الضعف ہے۔	۵۲۵	قول یک مثل پر قول مثلین کی وجوہ ترجیح۔	۱۳۵
امام واقدی کی توثیق راجح ہے۔	۵۲۶	(فا) کیلئے ترتیب ذکری کافی ہے۔	۲۱۱
فضائل ومناقب		اور عدم مہلت ہر جگہ اس کیلئے لائق ہوتی ہے۔	۲۱۱
توریت شریف میں پانچوں نمازوں کے عظیم فضائل۔	۵۲	حدیث مروی بالمعنی کے (فا) اور (و) وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں۔	۲۱۱
حضرت بحر العلوم کا ارشاد، ہمارے ائمہ حنفیّہ کی نظر کیسی دقیق ہے کہ ان سے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں ہوتا۔	۳۰۰	لفظ (جمیعا) اجتماع فی الحکم پر دلالت کرتا ہے نہ اجتماع فی الوقت پر۔	۲۲۶
عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور انس سے افقہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۱۱	صیغہ مجہول غالباً مشیر بضعف ہوتا ہے۔	۲۹۱
حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے استیذان معاف تھا	۳۳۶	مفہوم مخالف حنفیّہ کے نزدیک عبارات شارع غیر متعلقہ بعقوبات میں معتبر نہیں۔ کلام صحابہ ومن بعدہم میں معتبر ہے۔	۲۹۳
مردہ سنت زندہ کرنے کے متعلق احادیث۔	۳۹۷	مسلمان کا فعل حتی الامکان محمل حسن پر محمول کرنا واجب ہے۔	۳۲۴
امام سیوطی پچھتّر بار بیداری میں نبوی زیارت سے مشرف ہوئے۔	۴۹۳	صیغہ نفی صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔	۴۱۲
چاند گہوارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا تھا۔	۵۲۸	لفظ خبر وجوب پر دلالت کرتا ہے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں کیا کہنا چاہئے۔	۴۱۳
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عجیب فضیلت۔	۵۴۴	المحاکمۃ بین الفاضل العلامۃ الخفاجی والمحقق الدوانی رحمہما اللہ تعالٰی۔	۵۰۵
خوشبو سونگھ کر درود شریف پڑھنا نبوی آثار دیکھنے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔	۵۶۵	معروضۃ علی کلام الدوانی۔	۵۰۷

مفہوم کتب حجت ہے اگرچہ مفہوم لقب ہو۔	۶۳۴	اوقات بعض تحویلات کا نقشہ۔	۱۵۵
نقل مجہول نامقبول ہے۔ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ کامذہب ہے۔	۶۳۵	**متفرقات**	
مطلق اپنے اطلاق پر رہتاہے مگر جبکہ دلیل تقیید قائم ہو۔	۶۵۰	ضحوہ کبرٰی نکالنے کاطریقہ کیا ہے؟	۳۱۴
تنبیہ چہارم شرع مطہر کی اصل کلی جو ان مسائل کو حل کردیتی ہے جن میں دیوبندی اختلاف کرتے ہیں اور بوجہ جہل لوگوں کو بہکاتے ہیں۔	۶۷۶	میرٹھ میں پورے وقت مغرب کی مقدار۔	۳۲۱
طبیعیات		بریلی میں بموسم گرمااور سرما غروب کاوقت۔	۳۳۲
کرہ بخار جس کو عالم نسیم اور عالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں وہ ہر طرف سطح زمین سے ۴۵ میل اور قول اوائل پر ۵۲ میل اونچاہے۔	۱۳۷	خاتمہ فوائد منثورہ میں۔	۵۷۹
ہندسہ وریاضی		فائدہ اول کہ فضیلت وافضلیت میں فرق ہے۔	۵۸۰
فلکیوں کی تقسیم فصول اور ہمارے یہاں کی تقسیم فصول۔	۱۵۴		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
دعوتِ اسلامی
I.T. Majlis of DawateIslami

بِسۡمِ اللّٰہِ الرحمٰنِ الرّحِیم ط

کتابُ الصَّلٰوۃ

مسئلہ (۲۴۹): از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ مُلّا یعقوب علی خان ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز پنجگانہ میں کون سی نماز سب سے پہلے کس نبی نے پڑھی ہے اور اگلے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اور اُن کی امتوں پر بھی یہی نماز پنجگانہ فرض تھی یا یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ہمارا خاصہ ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

الحمدللہ وحدہ* والصلٰوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ* وعلی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔	اللہ ہی کیلئے تعریف ہے جو اکیلا ہے اور صلاۃ وسلام اس ہستی پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ہاں بہت مکرم ہیں۔(ت)

نماز پنجگانہ اللہ عزّوجل کی وہ نعمتِ عظمٰی ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عظیم سے خاص ہم کو عطا فرمائی ہم سے پہلے کسی امت کو

نہ ملی، بنی اسرائیل پر دو ۲ ہی وقت کی فرض تھی وہ بھی صرف چار ۴ رکعتیں دو ۲ صبح دو ۲ شام، وہ بھی ان سے نہ نبھی سنن نسائی شریف میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیثِ معراج مبارک میں ارشاد فرماتے ہیں **ثم ردت الی خمس صلوات، قال: فارجع الی ربك فاسأله التخفیف فانه فرض علی بنی اسرائیل صلاتین فماقاموا بهما**[1] یعنی پھر پچاس ۵۰ نمازوں کی پانچ رہیں موسٰی علیہ الصلاۃ والسّلام نے عرض کی کہ حضور پھر جائیں اور اپنے رب سے تخفیف چاہیں کہ اس نے بنی اسرائیل پر دو ۲ نمازیں فرض فرمائی تھیں وہ انہیں بھی بجانہ لائے۔ علّامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

ورد ان بنی اسرائیل کلفوا برکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی۔ قیل، ورکعتین عند الزوال، فماقاموا بماکلفوا به[2]۔	روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو دو ۲ رکعتیں صبح اور دو رکعتیں رات کو پڑھنے کا مکلّف بنایا گیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ دو ۲ رکعتیں زوال کی بھی تھیں مگر وہ اس پر کاربند نہ رہ سکے۔ (ت)

اور امتوں کا حال خدا جانے مگر اتنا ضرور ہے کہ یہ پانچوں اُن میں کسی کو نہ ملیں علماء نے بے خلاف اس کی تصریح فرمائی، مواہب شریف بیان خصائص امت مرحومہ میں لکھا:

ومنها مجموع الصلوات الخمس، ولم تجمع لاحد غیرهم[3]۔	اور ان خصوصیات میں سے پانچ نمازوں کا مجموعہ بھی ہے کیونکہ اُمتِ مسلمہ کے علاوہ کسی اور اُمت کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ (ت)

شرح زرقانی مقصد معراج مقدس میں زیر حدیث مذکور نسائی لکھا:

هذا هوالصواب، وماوقع فی البیضاوی انه فرض علیهم خمسون صلاۃ فی الیوم واللیلة، فقال السیوطی: هذا غلط، ولم یفرض علی بنی اسرائیل خمسون صلاۃ قط بل ولاخمس صلاۃ، ولم تجمع الخمس	یہی درست ہے اور جو بیضاوی میں ہے کہ بنی اسرائیل پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں، تو سیوطی نے کہا کہ یہ غلط ہے، ان پر پچاس نمازیں کبھی بھی فرض نہیں کی گئی تھیں بلکہ ان پر تو پانچ نمازیں بھی فرض نہیں تھیں، پانچ صرف اس امت کیلئے

---

1 سنن النسائی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۷۸

2 شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۴۲

3 المواہب اللدنیۃ المقصد الرابع خصائص تعلق بالصلوٰۃ، المکتب الاسلامی، بیروت ۲/۶۷۷

الالهذه الامة،وانما فرض علی بنی اسرائیل صلاتان فقط،کما فی الحدیث [1]۔	جمع کی گئی ہیں۔بنی اسرائیل پر تو صرف دو۲ نمازیں فرض تھیں،جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔(ت)

لمعات شیخ محقق دہلوی وشرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی میں ہے: **مجموع هذه الخمس من خصوصیاتنا** [2] (ان پر پانچ نمازوں کا مجموعہ ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ت)اشعۃ اللمعات میں ہے: مجموع خمس اوقات مخصوص ایں اُمت ست [3] (پانچ اوقات کا مجموع اس امت کی خصوصیت ہے۔ت) تیسیر وسراج المنیر شروح جامع صغیر میں زیرِ حدیث **وصلوا خمسکم** (اور پڑھو اپنی پانچ نمازیں۔ت) لکھا: **اضافها الیهم لانها لم تجتمع لغیرهم** [4] (اپنی کہہ کر) پانچ نمازوں کو امت کی طرف اس لئے منسوب کیا ہے کہ کسی اور اُمت کیلئے یوں جمع نہیں کی گئیں۔ت) بلکہ یہ معنی عــہ خود ارشادِ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت۔ابن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد وبیہقی سنن میں بسند حسن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

عــہ: **فان قلت** الم تذکر بقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتقوا الله وصلوا خمسکم [5] فانه حدیث صحیح رواه الترمذی وحسنه وصححه وابن حبان والحاکم عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه ولقد احتجوا به علی الاختصاص قال العلامة الزرقانی حجة ذلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتقوا الله وصلوا خمسکم فاضافتها الیهم یعطی ذلك [6] اھ وقد نقلت کلام العزیزی والمناوی فما معنی هذا الترقی۔

فان قلت (اگر یہ اعتراض ہو کہ) کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد عالی یاد نہیں رہا اتقوااللہ وصلوا خمسکم (اللہ سے ڈرو اور اپنی پانچ نمازیں ادا کرو) کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے امام ترمذی نے اسے روایت کرکے حسن و صحیح قرار دیا۔ابن حبان اور حاکم نے ابوامامہ باہلی سے روایت کیا اور علماء نے اس سے اختصاص پر استدلال کیا ہے علامہ زرقانی کہتے ہیں اس کی دلیل یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: اللہ سے ڈرو اور اپنی نمازیں ادا کرو۔نماز کی اضافت اس امت کی طرف کرنا،اس خصوصیت کا فائدہ دیتی ہے۔میں نے عزیزی اور مناوی کا کلام نقل کردیا ہے تو اس ترقی کا کیا معنٰی۔

[1] شرح الزرقانی علی المواہب فی المقصد الخامس تخصیصہ علیہ السلام بخصائص المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر، ۶/۱۴۱
[2] لمعات التنقیح الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۲/۲۳۱
[3] اشعۃ اللمعات الفصل الثانی کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷
[4] السراج المنیر شرح جامع صغیر تحت حدیث "اتقوااللہ وصلوا خمسکم" مطبوعہ مطبعہ ازہریہ مصر ۱/۳۷
[5] شرح الزرقانی، مقصد رابع مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۴ و ۴۲۵
[6] شرح الزرقانی، مقصد رابع مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۴ و ۴۲۵

نے نمازِ عشا کی نسبت فرمایا:

اعتموا بھذہ الصلٰوۃ فانکم فضلتم بھا علی سائر الامم ولم تصلھا امۃ قبلکم[1]۔	اس نماز کو دیر کرکے پڑھو کہ تم اس سے تمام امتوں پر فضیلت دیئے گئے ہو تم سے پہلے کسی اُمت نے یہ نماز نہ پڑھی۔(ت)

پر ظاہر کہ جب نمازِ عشا ہمارے لئے خاص ہے تو پانچوں کا مجموعہ بھی ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا۔ رہا ہمارے نبی سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کے سوا کسی نبی کو یہ پانچوں نہ ملنا، علماء اس کی بھی تصریح فرماتے ہیں امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی میں ایک باب وضع فرمایا:

باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس ولم تجمع لاحد[2]۔	یعنی وہ باب جس میں بیان کیا گیا ہے کہ پانچ نمازوں کے مجموعے کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختص ہیں اور آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے پانچ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول: بلی ولکن لی فی کونہ حجۃ فی المقام مقال فان امر الاضافات اوسع من ھذا تقول ربکم ونبیکم بل فی آخر نفس الحدیث تدخلوا جنۃ ربکم وزاد فی روایۃ وعند الخلعی وحجوا بیت ربکم وایضا یجوز التخصیص باعتبار اھل الزمان وایضا قدثبت خصوصنا فیھا بوجوہ کما یاتی فلا یدل علی خصوص نفس الخمس ولو بالجمع واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

اقول: (میں کہتا ہوں) کیوں نہیں، لیکن اس حدیث کو اختصاص پر دلیل بنانے میں مجھے اعتراض ہے کیونکہ اضافتوں کا معاملہ اس سے زیادہ وسیع ہے۔ تم کہتے ہو رَبُّکُمْ وَنَبِیُّکُمْ (تمہارا رب اور تمہارا نبی) بلکہ اس حدیث کے آخر میں ہے تدخلوا جنۃ ربکم (اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے) اور خلعی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے وحجوا بیت ربکم (اور اپنے رب کے گھر کا حج کرو۔ ان مثالوں میں اضافت موجود ہے مگر اختصاص نہیں کیونکہ رب صرف مخاطبین کا نہیں سارے جہان کا ہے) نیز خصوصیت باعتبار اہلِ زمانہ کے بھی ہو سکتی ہے علاوہ ازیں ہماری خصوصیت دیگر وجوہ کی بناء پر ثابت ہے جیسا کہ آرہا ہے پس اس حدیث سے ان پانچوں نمازوں کی خصوصیت اجتماعی طور پر بھی ثابت نہیں ہوتی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابی داؤد باب وقت العشاء الاخرۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۶

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں بعض علماء سے ناقل **ھذہ الصلوات تفرقت فی الانبیاء وجمعت فی ھذہ الامۃ**[1] (یہ نمازیں باقی انبیاء کو متفرق طور پر عطا کی گئیں اس اُمت کے لئے جمع کردی گئیں۔ت) علّامہ زرقانی شرح مواہب میں لکھتے ہیں: **لم تجمع لاحد غیرھم من الانبیاء والامم**[2] (اس امت کے علاوہ باقی انبیاء اور اُمتوں میں سے کسی کیلئے یہ نمازیں جمع نہیں کی گئیں۔ت) اُسی میں ہے:

ولایعارضہ قول عــہ جبریل فی حدیث المواقیت حین صلی الخمس بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ھذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلک، لان المراد، کماقال الرافعی، انہ وقتھم اجمالا، وان اختص کل منھم بوقت[3]۔	اور اس کے معارض نہیں ہے جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور آپ سے پہلے انبیاء کا بھی۔ حدیث مواقیت کے مطابق جبریل نے یہ بات اُس وقت کہی تھی جب انہوں نے رسول اللہ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں عدمِ تعارض کی وجہ یہ ہے کہ یہ اوقات دیگر انبیاء کو اجمالی طور پر ملے تھے، انفرادی طور پر تو ہر نبی کو ان میں سے کچھ وقت دِیے گئے تھے۔(ت)

لمعات وشرح ابن حجر مکّی میں ہے:

واللفظ للاول، قولہ ھذا وقت الانبیاء من قبلك، یدل بظاھرہ علی ان الصلوات الخمس کانت واجبۃ علی الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام، والمراد التوزیع بالنسبۃ الی غیر العشاء، اذمجموع ھذہ الخمس من خصوصیاتنا، واما بالنسبۃ الیھم فکان	اور لفظ لمعات کے ہیں-- جبریل کا یہ کہنا کہ یہ آپ کا وقت ہے اور پہلے انبیاء کا بھی، بظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پانچ نمازیں پہلے انبیاء پر واجب تھیں لیکن یہاں مراد یہ ہے کہ عشاء کے علاوہ باقی نمازیں دیگر انبیاء پر تقسیم کی گئی تھیں کیونکہ پانچ نمازوں کا مجموع ہماری خصوصیات میں سے ہے۔ باقی انبیاء کو تو عشاء

عــہ: رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وستأتی تخریجاتہ ۱۲ منہ (م)	اسے ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے اس کی تخریجات آگے آرہی ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۴

[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۵

ماعدا العشاء متفرقا فیھم، کماجاء فی الاخبار[1]۔	کے علاوہ باقی نمازیں متفرق طور پر ملی تھیں، جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔(ت)

علّامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الصلوات الخمس لم تجتمع لغیرہ ولغیر امتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولا لنبی قبلہ، فانما الانبیاء قبلہ کانت لھم صلاۃ موافقۃ لبعض ھذہ، دون مجموعھا[2]۔	پانچ نمازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمّت کے علاوہ کسی اُمت کیلئے جمع نہیں کی گئیں، نہ آپ سے پہلے کسی نبی کیلئے۔ پہلے انبیاء کو جو نمازیں ملی تھیں تو ان میں سے ہر نبی کی نماز ان اوقات میں سے کسی ایک وقت کے ساتھ مطابقت رکھتی تھی، مجموع طور پر پانچ نمازیں اُن میں سے کسی کو بھی نہیں دی گئی تھیں۔(ت)

اقول: مگر فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ نے کوئی دلیل صحیح صریح اس پر نہ پائی

وکل ماذکروہ فلایفید المدعی، اومعارض بماھو اصح واقوی، کمافصلنا ذلك فی تحریر مستقل لنافی ھذا المقال، کتبناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بعد ورود ھذا السؤال، ملخصہ انھم احتجوا علی ذلك باحادیث وآثار، **منھا** حدیث صحیح مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی خبر الاسراء فاعطی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثا، اعطی الصلوات الخمس، واعطی خواتیم سورۃ البقرۃ، وغفرلمن لم یشرك باللہ من امتہ شیئا المقحمات فانہ ظاھر فی اختصاصھا بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	یہ سب باتیں جو علماء نے ذکر کی ہیں اِثبات مدعی کیلئے مفید نہیں ہیں، یا زیادہ صحیح اور قوی روایات سے معارض ہیں یہ بات ہم نے اس موضوع پر اپنی ایک مستقل تحریر میں مفصل طور پر بیان کی ہے جو اس سوال کے آنے پر لکھی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء نے پانچ نمازوں کے مجموعے کا اس امت کے ساتھ مختص ہونے پر چند احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث صحیح مسلم کی ہے جو واقعہ معراج کے بارے میں عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ کو تین چیزیں عطا کی گئیں، پانچ نمازیں، سورہ بقر کی آخری آیتیں اور آپ کی امت کے ہر اس شخص کی مغفرت جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اس حدیث سے ظاہر ہے کہ پانچ نمازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خاص ہیں۔(ت)

[1] لمعات التنقیح مواقیت الصلوٰۃ الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ معارف علمیہ لاہور ۲/ ۲۳۱

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہ صلی اللہ علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الاسراء مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان ۲/ ۲۵۷

[3] الصحیح لمسلم باب فی قول اللہ تعالٰی ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ لاہور ۱/ ۹۷

قلت: وذلك لانه كان محل الاكرام الخاص فينبغی اختصاص الخمس ایضاً به صلی الله تعالٰی علیه وسلم كالباقیین۔قال فی نسیم الریاض (فاعطی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثلثا) من الفضائل المخصوصة به صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1] اھ۔**اقول:** لك ان تقول بعد تسلیم لزوم الخصوص فی كل عطاء یعطی فی مقام الاختصاص،لایلزم الخصوص من كل وجه،فقدكانت الصلاة فریضة علی الانبیاء صلوات الله تعالٰی وسلامه علیهم وفی كل دین الٰهی،كماقال تعالٰی فی سیدنا اسمٰعیل علٰی ابنه الكریم وعلیه الصلاة والتسلیم،

وَ كَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ۪ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا۝۵۵ [2]۔وقال عزوجل عن عبده عیسی علیه الصلاة والسلام،

وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا۝۳۱ [3]۔

وفی الحدیث عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاخیر فی دین لاصلٰوة فیه [4] وقد كانت اوقات صلاتهم هی هذه الاوقات،لقول جبریل علیه الصلاة والسلام هذا وقتك ووقت الانبیاء من قبلك [5]۔

میں کہتا ہوں: ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ موقعہ اکرامِ خاص کا تھا اس لئے پانچ نمازیں بھی آپ کیلئے خاص ہونی چاہئیں جس طرح باقی دو ۲ چیزیں آپ کیلئے خاص ہیں۔نسیم الریاض میں ہے (پس دی گئیں رسول اللہ کو تین ۳ چیزیں) یعنی اُن فضائل میں سے جو آپ کے ساتھ مخصوص ہیں اھ (ت) **میں کہتا ہوں** تم اس کے جواب میں کہہ سکتے ہو کہ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اختصاص کے موقعہ پر جو چیزیں دی جائیں ان میں ہر ایک کا خاص ہونا ضروری ہے۔تاہم ہر لحاظ سے خاص ہونا تو کوئی ضروری نہیں ہے۔کیونکہ نمازیں تمام انبیاء پر اور ہر دینِ الٰہی میں فرض تھیں جس طرح اللہ تعالٰی سیدنا اسمٰعیل ان کے کریم بیٹے پر اور ان پر صلٰوۃ وسلام ہو۔کے بارے میں فرماتا ہے "وہ حکم دیا کرتا تھا اپنے اہلِ خانہ کو نماز اور زکٰوۃ کا،اور اپنے رب کے ہاں پسندیدہ تھا" اور اللہ عزوجل نے اپنے بندے عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول بیان کیا ہے "اور حکم دیا ہے مجھے اللہ تعالٰی نے نماز اور زکٰوۃ کا،جب تک میں زندہ رہوں" اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اس دین میں کوئی خیر نہیں ہے جس میں نماز نہ ہو،ور پہلے انبیاء کے اوقاتِ نماز وہی تھے جو ہمارے ہیں کیونکہ جبریل نے کہاہے کہ یہ وقت ہے

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما تضمنہ کرامۃ الاسراء مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۲/ ۲۵۶

[2] القرآن سورہ مریم ۱۹ آیت ۵۵

[3] القرآن، سورہ مریم ۱۹، آیت ۳۱

[4] سنن ابی داؤد باب ماجاء فی خبر الطائف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۲ **نوٹ:** جو حدیث مجھے ملی ہے اس میں لفظ لاصلٰوۃ فیہ کی جگہ ''لارکوع فیہ'' ہے واللہ تعالٰی اعلم نذیر احمد سعیدی

[5] مشکٰوۃ المصابیح باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۵۹

وصرف الفرض الی اجتماع الخمس قد یأباه ظاهر اللفظ، اذ لو ارید هذا لقال اعطی الصلوات خمسا، او اعطی خمس صلوات۔ ومع ذلك اذا صرف الی وصف فحینئذ نقول بموجبه، فالخمس علی هذه الصفة لم تکن لاحد قبلنا، فان الله تعالٰی خصنا بالاذان والاقامة والبسملة والتأمین [1] الذی ماحسدتنا[عــه] الیهود علی شیئ ما حسدتنا علیه وعلی السلام، وجعلنا نصف کما تصف الملئکة عند ربها، وجعل لنا الارض مسجدا وطهورا۔

ونقول: خصصنا بان امضی فریضته وخفف عن عباده، فهی خمس، وهی خمسون، تفضلا من ربنا تبارك وتعالٰی ببرکة نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔ **ومنها** حدیث ابن جریر والبزار وابی یعلی عن ابی هریرة والبیهقی عنه وعن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنهما، فیه قوله

آپ کا اور آپ سے پہلے انبیاء کا۔ اور عبداللہ ابن مسعود کے قول **اعطی الصلوٰۃ الخمس** کا یہ مطلب نکالنا کہ آپ کو اجتماعی طور پر پانچ نمازیں عطا کی گئیں، حدیث کے ظاہری الفاظ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر یہ مراد ہوتی تو عبداللہ ابن مسعود یوں کہتے **اعطی الصلوٰۃ خمسا** یا یہ کہتے **اعطی خمس صلوات**[2] (جبکہ انہوں نے اعطی الصلوات الخمس کہا ہے) بایں ہمہ اگر فرضیت کو کسی وصف کے ساتھ مقید کرنا ہی ہے تو اس کے مطابق ہم یہ کہیں گے کہ جس طرح کی پانچ نمازیں ہم پر فرض کی گئی ہیں اس طرح ہم سے پہلے کسی پر فرض نہیں کی گئیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اذان، اقامت، بسم اللہ اور آمین کہنے کے ساتھ مختص کیا ہے۔ جبکہ آمین اور سلام میں جتنا یہودی ہمارے ساتھ حسد کرتے تھے اتنا کسی اور چیز میں نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہم صفیں بناتے ہیں جس طرح ملائکہ اپنے رب کے رُوبرو صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے ہمارے لیے

عــه رواه البخاری فی الادب المفرد وابن ماجة بسند صحیح عن ام المومنین رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه غفرله

اسے امام بخاری نے الادب المفرد اور ابن ماجہ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام المومنین کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الادب المفرد باب فضل السلام حدیث ۹۸۸ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۲۵۶

[2] اعطی الصلوت خمسا، اعطی خمس صلوت، اعطی الصلوت الخمس، ان جملوں کے مفہوم میں جو فرق ہے اس کو اُردو ترجمے میں واضح کرنا ممکن نہیں ہے، مختصراً آپ یہ سمجھ لیں کہ پہلی دو ۲ عبارتیں پانچ کی تخصیص کا تقاضا کرتی ہیں یعنی پانچ نمازیں آپ کے ساتھ خاص ہیں جبکہ تیسری عبارت، جو کہ حدیث میں بھی وارد ہے، تخصیص کا تقاضا نہیں کرتی۔ (دائم)

عزوجل لنبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین ذکر ما اعطی الانبیاء السابقین علیهم الصلاة والتسلیم من الفضائل: اعطیتك ثمانیة اسهم. الاسلام (۱) والهجرة (۲) والجهاد (۳) والصلاة (۴) والصدقة (۵) وصوم رمضان (۶) والامر (۷) بالمعروف والنهی عن (۸) المنکر۔ قال الزرقانی (والصلاة) ای مجموع الصلوات الخمس (والصدقة) الزکاة (وصوم رمضان) وفیه حجة لاحد القولین فی اختصاصه بالامة المحمدیة [1] الخ۔ **قلت:** ای وقد ذکر صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکل نبی ماخص به من الکرامات، فالمحل قاض بان یجاب بماخص به من جلائل الفضائل۔ **اقول:** نعم، لابد للخصوص من وجه، اما مطلقا فلا، فقد کان الجهاد فی الامم السابقة قال تعالٰی وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوۡنَ كَثِيۡرٌ ۚ [2] الاتری	تمام رُوئے زمین کو مسجد اور پاکی کا ذریعہ بنایا ہے، یا یہ کہیں گے کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اس شرف کے ساتھ مختص کیا ہے کہ اپنے مقرر کردہ فرائض اپنی جگہ پر رکھے اور بندوں سے تخفیف بھی کر دی، اب پڑھی پانچ جاتی ہیں اور ثواب کے اعتبار سے پچاس ۵۰ ہو جاتی ہیں۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہم پر اللہ تعالٰی کا انعام ہے۔ اور ان ہی میں سے وہ حدیث ہے جو ابن جریر، بزار اور ابو یعلی نے ابو ھریرہ سے اور بیہقی نے ابو ھریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان فضائل کا ذکر کیا جو اللہ تعالٰی نے انبیائے سابقین کو عطا فرمائے تھے تو اللہ عزوجل نے اپنے خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے آپ کو آٹھ حصّے عطا کئے ہیں: (۱) اسلام (۲) ہجرت (۳) جہاد (۴) نماز (۵) صدقہ (۶) رمضان کے روزے (۷) امر بالمعروف (۸) نہی عن المنکر۔ زرقانی نے (اس کی شرح کرتے ہوئے) کہا (اور نماز) یعنی پانچ نمازوں کا مجموعہ۔ (اور صدقہ) یعنی زکوۃ اور (رمضان کے روزے) اس میں دلیل ہے دو ۲ میں سے ایک قول کے لئے یعنی اس قول کے لئے رمضان امتِ محمدیہ کے ساتھ خاص ہے الخ (ت) **میں نے کہا** (دلیل اس بنا پر ہے کہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نبی کی وہ عظمت ذکر کی تھی جو اس کے ساتھ مختص تھی۔ تو موقعہ کا تقاضا یہی تھا کہ جواباً ایسے عظیم فضائل کا بیان کیا جاتا جو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص تھے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں، خصوصیت کیلئے کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے ورنہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) مطلقاً اس اُمت کے ساتھ خاص نہیں ہیں

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۱۲۰۔۱۲۱

[2] القرآن ۳/۱۴۶

الی قولہ،والامر بالمعروف والنھی عن المنکر، ویستحیل نفیھما عن الانبیاء السابقین، علیھم الصلاۃ والسلام،فماکانوا یبعثون الالھذا۔وقدا نجی اللہ تعالٰی قوما کانوا ینھون اصحاب السبت معذرۃ الی ربھم ولعلھم یرجعون،ولم تزل الصدقۃ فی الامم،وتقدم قولہ تعالٰی

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ [1] فانما المراد لم یعطوا علی صفۃ اعطی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،احلت لہ الغنائم ولم تحل لاحد قبلہ،والصدقۃ تؤخذ من اغنیائنا وترد علی فقرائنا،وامرنا بالمعروف ونھینا عن المنکر باعلی وجوھہ وھوالجھاد،وامر الجھاد فی شرعنا اقوی منہ فی سائر الشرائع۔قالہ الرازی عن القفال۔فکذلك خصصنا فی الصلاۃ باشیاء لم یعطھن احد قبلنا،وللہ الحمد۔

ومنھا[۳] مانقل الامام الفقیہ ابواللیث السمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی فی تنبیہ الغافلین عن کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰی

کیونکہ جہاد پہلی اُمتوں میں بھی تھا،اللہ تعالٰی فرماتا ہے "کتنے ہی نبی تھے کہ ان کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے لڑائی کی"۔کیا تم نہیں دیکھتے ہو حدیث میں مذکور اس قول کی طرف "اور اچھائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا" حالانکہ ان کاموں کا انبیاء سابقین میں نہ پایا جانا محال ہے کیونکہ وہ تو بھیجے ہی انہی کاموں کیلئے جاتے تھے اور (اسی نہی عن المنکر کی وجہ سے) اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کو نجات دے دی تھی جو اصحابِ سبت کو شکار کرنے سے منع کرتے تھے تاکہ اپنے رب کے رُوبرو اپنا عذر پیش کرسکیں اور اس لئے کہ اس طرح شائد اصحابِ سبت غلط کام سے باز آجائیں۔صدقہ وزکوۃ کا حکم امتوں میں ہمیشہ رہا ہے۔اللہ تعالٰی کا یہ قول گزرچکا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوۃ کا حکم دیتے تھے۔تو درحقیقت مراد یہ ہے کہ (مذکورہ آٹھ چیزیں) اس طرح باقی انبیاء کو نہیں دیں جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئیں۔مثلاً جہاد میں حاصل ہونے والی غنیمت رسول اللہ کیلئے حلال کردی گئی،حالانکہ اس سے پہلے کسی کیلئے حلال نہیں کی گئی تھی۔اسی طرح صدقہ ہمارے اغنیاء سے لیا جاتا ہے اور فقراء کو دیا جاتا ہے (حالانکہ اس سے پہلے اس کو آگ جلادیا کرتی تھی یونہی ہمارا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اعلٰی درجے کا ہے یعنی جہاد کے ذریعے سے۔کیونکہ جہاد کا معاملہ ہماری شریعت میں بنسبت باقی شریعتوں کے زیادہ قوی ہے،یہ بات رازی نے قفال سے نقل کی ہے۔بعینہٖ اسی طرح ہمیں نماز میں بھی بعض اشیاء کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جو ہم سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں یعنی اذان اقامت وغیرہ (وللہ الحمد ت) امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا میں نے توریت مقدس کے کسی مقام میں پڑھا

[1] القرآن ۱۹/۵۵

عنہ قال: قرأت فی بعض ما انزل اللہ تعالٰی علٰی موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام یامُوسٰی! رکعتان یصلیھما احمد وامتہ، وھی صلاۃ الغداۃ، من یصلیھما غفرت لہ ما اصاب من الذنوب من لیلہ ویومہ ذلك ویکون فی ذمتی۔ یامُوسٰی! اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ، وھی صلاۃ الظھر، اعطیھم باول رکعۃ منھا المغفرۃ، وبالثانیۃ اثقل میزانھم، وبالثالثۃ اوکل علیھم الملئکۃ یسبحون ویستغفرون لھم، وبالرابعۃ افتح لھم ابواب السماء ویشرفن علیھم الحور العین۔ یاموسٰی! اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ، وھی صلاۃ العصر، فلا یبقی ملك فی السمٰوات والارض الا استغفرلھم، ومن استغفرلہ الملئکۃ لم اعذبہ۔ یامُوسٰی! ثلاث رکعات یصلیھا احمد وامتہ حین تغرب الشمس، افتح لھم ابواب السماء۔ لایسألون من حاجۃ الاقضیتھا لھم۔ یاموسٰی! اربع رکعات یصلیھا احمد وامتہ حین یغیب الشفق، ھی خیرلھم من الدنیا ومافیھا یخرجون من ذنوبھم کیوم ولدتھم امھم۔ یاموسٰی! یتوضؤ احمد وامتہ کما امرتھم، اعطیتھم بکل قطرۃ تقطر من الماء جنۃ عرضھا کعرض السماء والارض۔ یاموسٰی! یصوم احمد واُمتہ شھرا فی کل سنۃ، وھو شھر رمضان،

اے مُوسٰی! فجر کی دو[2] رکعتیں احمد اور اس کی اُمت ادا کرے گی جو انہیں پڑھے گا اُس دن رات کے سارے گناہ اُس کے بخش دُوں گا اور وہ میرے ذمّہ میں ہوگا۔ اے موسٰی! ظہر کی چار[4] رکعتیں احمد اور اس کی اُمّت پڑھے گی انہیں پہلی رکعت کے عوض بخش دُوں گا اور دوسری کے بدلے ان کا پلّہ بھاری کردوں گا اور تیسری کیلئے فرشتے موکل کروں گا کہ تسبیح کریں گے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہیں گے، اور چوتھی کے بدلے اُن کیلئے آسمان کے دروازے کشادہ کردُوں گا، بڑی بڑی آنکھوں والی حُوریں اُن پر مشتاقانہ نظر ڈالیں گی۔ اے مُوسٰی! عصر کی چار[4] رکعتیں احمد اور ان کی اُمت ادا کرے گی تو ہفت آسمان وزمین میں کوئی فرشتہ باقی نہ بچے گا سب ہی ان کی مغفرت چاہیں گے اور ملائکہ جس کی مغفرت چاہیں میں اسے ہرگز عذاب نہ دُوں گا۔ اے موسٰی! مغرب کی تین رکعت ہیں انہیں احمد اور اس کی اُمت پڑھے گی آسمان کے سارے دروازے ان کیلئے کھول دُوں گا، جس حاجت کا سوال کرینگے اسے پُورا ہی کردوں گا۔ اے موسٰی! شفق ڈوب جانے کے وقت یعنی عشاء کی چار رکعتیں ہیں پڑھیں گے انہیں احمد اور ان کی اُمت، وہ دنیا ومافیہا سے اُن کیلئے بہتر ہیں، وہ انہیں گناہوں سے ایسا نکال دیں گی جیسے اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ اے موسٰی! وضو کرے گا احمد اور اسکی اُمت جیسا کہ میرا حکم ہے میں انہیں عطا فرماؤں گا ہر قطرے کے عوض کہ آسمان سے ٹپکے ایک جنت جس کا عرض آسمان و

اعطیھم بصیام کل یوم مدینة فی الجنة، و اعطیھم بکل خیر یعملون فیه من التطوع اجر فریضة،واجعل فیه لیلة القدر،من استغفر منھم فیھا مرة واحدة نادما صادقا من قلبه،ان مات من لیله اوشھرہ اعطیته اجر ثلثین شھیدا۔یاموسٰی! ان فی امة محمد رجالا یقومون علی کل شرف یشھدون بشھادة ان لاالٰه الّا اللّٰه،فجزاؤھم بذلك جزاء الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام،ورحمتی علیھم واجبة،وغضبی بعید منھم،ولااحجب باب التوبة عن واحد منھم مادامو ایشھدون ان لاالٰه الا اللّٰه[1] اھ۔ سردناھاتماما،حبالما فیھا من النفائس رزقنا اللّٰه تعالٰی الحظ الاوفی منھا بمنه وکرمه*وجاہ حبیبه قاسم نعمه*صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم،اٰمین۔

اقول: ان تم الاحتجاج به علی الاختصاص،دل علی خصوص کل من الخمس،لاکل الخمس،فانه قال فی کل،یصلیھا احمد وامته صلی اللّٰه تعالٰی

زمین کی چوڑائی کے برابر ہوگا۔اے موسٰی! ایک مہینے کے ہر سال روزے رکھے گا احمد اور اس کی اُمت اور وہ ماہِ رمضان ہے عطافرماؤں گا اسکے ہر دن کے روزے کے عوض جنت میں ایک شہر اور عطا کروں گا اس میں نفل کے بدلے فرض کا ثواب اور اس میں لیلۃ القدر کروں گا جو اس مہینے میں شرمساری وصدق سے ایک بار استغفار کریگا اگر اسی شب یا اس مہینے بھر میں مرگیا اسے تیس ۳۰ شہیدوں کا ثواب عطافرماؤں گا۔اے موسٰی! امتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کچھ ایسے مرد ہیں کہ ہر شرف پر قائم ہیں لاالٰہ الااللہ کی شہادت دیتے ہیں تو ان کی جزا اس کے عوض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ثواب ہے اور میری رحمت ان پر واجب اور میرا غضب ان سے دور،اور ان میں سے کسی پر بابِ توبہ بند نہ کروں گا جب تک وہ لا الٰہ الّا اللہ کی گواہی دیتے رہیں گے اھ (فقیر محمد حامد رضا غفرلہ) اس روایت میں ذکر کیے گئے نفیس انعامات سے محبت کی بنا پر ہم نے اس کو بتمامہ بیان کردیا ہے،اللہ تعالٰی اپنے احسان وکرم سے اور نعمتیں تقسیم کرنے والے اپنے محبوب کی عزت کے صدقے ہمیں ان انعامات سے کامل حصّہ نصیب فرمائے۔آمین! (ت) **میں کہتا ہوں:** اگر اس روایت سے اختصاص پر استدلال مکمل مان لیا جائے تو یہ اس پر دلالت کرے گا کہ پانچ میں سے ہر ایک نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے،نہ کہ پانچ کا مجموعہ،کیونکہ اس روایت میں

[1] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۴۰۴

علیه وسلم، وقد ذکر فیها الوضوء، وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم، هذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبلی[1]، فلیکن المقصود بالذکر عطاؤهم مارتب علیها من الفضائل۔

ومنها اثر الامام العیشی، مروی الامام الطحاوی، وسیأتی الکلام علیه۔ ونحوه ماذکر فی الحلیة عن بعضهم، قال: هذه الصلوات تفرقت فی الانبیاء علیهم الصلاة والسلام وجمعت فی هذه الامة، فذکر الفجر لاٰدم والظهر لابرٰهیم والعصر لسلیمٰن والمغرب لعیسٰی علیهم الصلاة والسلام، ثم قال: واما العشاء فخصصت بها هذه الامة[2] اھ۔

اقول: توجیه الاستدلال انه وان ذکر اختصاص هذه الامة: لکن لم یقل من بین سائر الامم، ولم یذکران نبیا صلاها، کماذکر فی سائرها۔

ہر نماز کے ساتھ یہ آیا ہوا ہے کہ اس کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اُمت ادا کرے گی، نیز اس روایت میں وضو کا بھی ذکر ہے حالانکہ وضو کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ میرا وضو ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ان چیزوں کے ذکر کرنے کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ان کے مذکورہ فضائل صرف امتِ محمدیہ کو عطا کئے جائیں گے۔ (ت) اور ان میں سے امام عیشی کا وہ اثر ہے جسے امام طحاوی نے روایت کیا ہے اور اس پر کلام عنقریب آرہا ہے، اسی اثر کے مطابق ہے وہ جو حلیہ میں بعض علماء سے مذکور ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ یہ نمازیں باقی انبیاء علیہم السلام کو متفرق طور پر ملی تھیں اور اس امت کیلئے جمع کردی گئی ہیں۔ انہوں نے مزید ذکر کیا ہے کہ فجر آدم علیہ السلام کیلئے تھی، ظُہر ابراہیم علیہ السلام کے لئے، عصر سلیمان علیہ السلام کیلئے، اور مغرب عیسٰی علیہ السلام کیلئے۔ پھر انہوں نے کہا کہ جہاں تک عشاء کا تعلق ہے تو اس کے ساتھ یہ اُمت مخصوص کی گئی ہے اھ (ت) **میں کہتا ہوں:** (بعض علماء کی اس عبارت سے) استدلال کی توجیہ یہ ہے کہ انہوں نے اگرچہ ذکر تو اتنا ہی کیا ہے کہ نمازِ عشاء اس امت کے ساتھ مخصوص کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ نہیں کہا کہ "باقی اُمتوں میں سے"

1 مشکوٰۃ المصابیح باب سنن الوضوء فصل ثالث، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ص ۴۷

2 شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی ای الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲، شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع فیما فضل اللہ بہ مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۵/۴۲۴

فالظاھر التخصیص بھذہ الامة مطلقا،اعنی بالنظر الی الامم والانبیاء جمیعا،وقد بدا الکلام ایضا بذکر الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام وھذہ الامة فھو المتبادر ھھنا ایضاء لاقصر المقابلة علی الامم دون الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام۔

اقول: ویغنی عن الکلام علیه مایأتی فی کلام ابن عائشة رحمه اللہ تعالٰی۔

ومنھا[5] حدیث سیدنا معاذ،الصحیح المارفی العشاء،انکم فضلتکم بھا علی سائر الامم[1]،احتج به الامام الجلیل الجلال السیوطی رحمه اللہ تعالٰی فی الخصائص الکبری علی کون العشاء لم یصلھا احد قبله[2] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔

اقول: سبحٰن من لایزل المقابلة ھھنا بیننا وبین سائر الامم،فکیف دل علی انتفائھا عن سائر الانبیاء سوی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وعلیھم وسلم،واعجب منه ان ذکر العلامة الزرقانی

نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ یہ نماز کسی اور نبی نے بھی پڑھی تھی، جیسا کہ باقی نمازوں میں یہ بیان کیا ہے تواس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ یہ اُمت مطلقًا اس نماز کے ساتھ مخصوص ہے بنسبت باقی اُمتوں کے بھی اور انبیاء کے بھی (یعنی یہ نماز اس سے پہلے نہ کسی اُمت نے پڑھی نہ کسی نبی نے) نیز اس عبارت کی ابتداء میں اس امت کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا بھی ذکر ہے تو یہاں بھی ظاہر یہی ہے (کہ اس امت کا عشاء کے ساتھ اختصاص بنسبت باقی انبیاء کے بھی ہے) یہ نہیں کہ صرف اُمتوں کی بنسبت ہو اور انبیاء کی بنسبت نہ ہو۔(ت)

میں کہتا ہوں اس پر جرح کیلئے وہ بحث کافی ہے جو عنقریب ابنِ عائشہ رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام میں آرہی ہے۔اور ان میں سے حضرت معاذ کی صحیح حدیث ہے جو گزرچکی ہے،اس میں عشاء کے بارے میں ہے کہ تمہیں اس کے ذریعے تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔اس حدیث سے امامِ جلیل جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے نہیں پڑھی۔(ت)

میں کہتا ہوں: پاک ہے وہ ذات جس سے لغزش نہیں ہوتی۔اس حدیث میں تقابل،ہمارے اور باقی اُمتوں کے درمیان ہے۔اس سے یہ کس طرح ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی نے بھی نہیں پڑھی۔اور اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

تحت قول العیشی الاٰتی، اول من صلی العشاء الاٰخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مانصہ: وعورض بمافی شرح المسند (ای للامام الرافعی الشافعی) ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام اھ۔ثم استدرك بقولہ، لکن یؤید خبر الطحاوی (ای اثر العیشی) حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] اھ۔

کہ عنقریب علّامہ عیشی کا جو قول آرہا ہے کہ پچھلی عشاء سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے،اس کے ذیل میں علّامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ اس قول کا معارضہ کیا گیا ہے اس روایت سے جو مسند کی شرح میں ہے (یہ شرح امام رافعی شافعی کی ہے) کہ عشاء یونس علیہ السلام کے لئے تھی اھ۔ پھر علّامہ زرقانی نے اس پر استدراک کرتے ہوئے کہا ہے: "لیکن طحاوی کی خبر (یعنی عیشی کے اثر) کی تائید کرتی ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث۔(ت)

اقول: لیت شعری، من این جاء التأیید، و لاتعرض فیہ بذکر الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام؟ قال: فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فضلتم بہا، یعارض روایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلاۃ والسلام[2]۔

میں کہتا ہوں کاش میری سمجھ میں آسکے کہ تائید کس طرح کرتی ہے جبکہ حدیثِ معاذ میں انبیاء کا سِرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔زرقانی نے مزید کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اس کے ذریعے سے تم کو فضیلت دی گئی ہے، معارض ہے اس روایت سے کہ عشاء یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے تھی۔(ت)

اقول: انما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بہا علی سائر الامم، وای تعارض بین النفی عنہم والثبوت لبعض الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام۔

میں کہتا ہوں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ اس کے ذریعے تم کو باقی امتوں پر فضیلت دی گئی ہے اگر باقی اُمتوں کیلئے یہ نماز ثابت نہ ہو (جیسا کہ حدیثِ معاذ کا تقاضا ہے) اور بعض انبیاء کیلئے ثابت ہو (جیسا کہ شرح مسند میں ہے) تو اس میں کیا تعارض ہے؟ (ت)

ومنہا قال الامام السیوطی فی

اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی نے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۴۲۵/۵

[2] شرح الزرقانی علی المواہب خصائص امتہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۴۲۶/۵

الباب المزبور اخرج البخاری عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ،قال: اعتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلۃ بالعشاء حتی ابھار اللیل،ثم خرج فصلی،فلما قضی صلاتہ قال لمن حضرہ،ابشروا من نعمۃ اللہ علیکم انہ لیس احد من الناس یصلی ھذہ الساعۃ غیرکم۔اوقال ماصلی ھذہ الساعۃ احد غیرکم[1]۔اھ قلت: واخرجہ مسلم ایضا[2]۔

ومنہا قال رحمہ اللہ تعالٰی،واخرج احمد والنسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ،قال: اخّر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلاۃ العشاء،ثم خرج الی المسجد فاذا الناس ینتظرون الصلاۃ،فقال: اما انہ لیس من اھل ھذہ الادیان احد یذکر اللہ تعالٰی ھذہ الساعۃ غیرکم[3] اھ۔

اقول: وانت تعلم ان لیس فی شیئ منہا مایدل علی مدعاہ،من ان العشاء لم یصلہا نبی قبل نبینا صلی اللہ

اسی باب مذکور میں کہا ہے کہ بخاری نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کیلئے اتنا اندھیرا کیا کہ رات اچھی طرح تاریک ہوگئی پھر آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی،نماز سے فارغ ہوئے تو حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا: "تمہیں بشارت ہو کہ اللہ تعالٰی کی تم پر یہ نعمت ہے کہ تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جو اس وقت نماز پڑھ رہا ہو"۔یا آپ نے یوں فرمایا: "تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے جس نے اس وقت نماز پڑھی ہو"۔اھ میں نے کہا: یہ روایت مسلم نے بھی بیان کی ہے۔(ت) اور ان میں سے ہے کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ احمد اور نسائی نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عشاء میں تاخیر کی،پھر مسجد میں تشریف لائے تو لوگ نماز کا انتظار کر رہے تھے۔آپ نے فرمایا: "سُنو! موجودہ ادیان کے پیروکاروں میں سے تمہارے سوا کوئی بھی نہیں ہے جو اس وقت اللہ تعالٰی کو یاد کر رہا ہو" اھ (ت)

میں کہتا ہوں: تم جانتے ہی ہو کہ ان حدیثوں میں ایسی کوئی بات نہیں جو امام سیوطی کے اس مدعٰی کیلئے دلیل بن سکے کہ عشاء کی نماز نبی صلی اللہ

[1] الخصائص الکبرٰی، باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

[2] صحیح لمسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۹

[3] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۴

تعالٰی علیه وعلی الانبیاء وبارك وسلم، بل لاتصریح فیه بنفی ان صلاها احد ممن قبلنا من سائر الامم؛ بل ولانفی ان صلاها اللیلة احد سوانا؛ انما فیه نفی صلاة غیرنا تلك الساعة، فیجوز ان یکون الناس صلوا عاجلین، فانما نفی الانتظار لانفس الصلاة ومثله ما للبخاری ومسلم عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما، لیس احد من اهل الارض، زاد مسلم، اللیلة، ینتظر الصلاة غیرکم[1]۔ ولهما عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها، وفیه، ماینتظرها احد من اهل الارض غیرکم[2]۔

بل اخرجه احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجة عن انس رضی الله تعالٰی عنه، وفیه قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، قد صلی الناس وناموا، وانکم فی صلاة ما انتظرتموها[3]۔

ونحوه لاحمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجة من حدیث ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه۔ فهذا وجه **والثانی:** ان یکون المراد نفی ان یصلیها غیرنا من اهل الزمان مطلقا، ویؤیدہ ماللبخاری

علیہ وسلم سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی، بلکہ اس میں تو یہ بھی نہیں کہ ہمارے علاوہ سابقہ اُمتوں میں سے کسی نے نہیں پڑھی، بلکہ اس میں یہ بھی نہیں کہ آج رات ہمارے سوا کسی نے نہیں پڑھی، اس روایت میں تو صرف اتنا ہے کہ ہمارے سوا کسی نے اس وقت نہیں پڑھی۔ ہوسکتا ہے باقی لوگوں نے اس سے پہلے پڑھ لی ہو۔ اسی کے مطابق بخاری ومسلم کی وہ روایت ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے جو مسلم نے "آج رات" کا اضافہ کیا ہے نماز کا انتظار کررہا ہو۔ اور بخاری ومسلم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یوں روایت کی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں سے تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کررہا ہو۔ اور بخاری ومسلم نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے یوں روایت کی ہے کہ زمین پر بسنے والوں میں سے تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کررہا ہو، بلکہ احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے جو روایت بیان کی ہے اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ہے کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سوچکے ہیں اور تم جب تک نماز کا انتظار کرتے ہو نماز میں ہی ہوتے ہو۔ اسی طرح کی روایت احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی کی ہے۔ یہ تو ایک توجیہ ہوئی (کہ تخصیص "اس وقت" کے اعتبار سے ہے)۔ دُوسری توجیہ یہ ہے کہ تخصیص اس زمانے کے تمام لوگوں کے اعتبار سے ہے۔ اور حدیث کی

[1] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۹/۱
[2] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۹/۱
[3] صحیح مسلم باب وقت العشاء وتاخیرہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۹/۱

والنسائی عن المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ولاتصلی یومئذ الابالمدینة [1]،فان الیھود کانوا بخیبر والشام وغیرھما اکثر مماکانوا بالمدینة الکریمة،فلوکانت عندھم لصلیت بغیرھا ایضا۔	مراد یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں میں سے تمہارے سوا ایسے لوگ کہیں نہیں پائے جاتے جو عشاء کی نماز پڑھتے ہوں۔اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو بخاری ونسائی نے ام المومنین رضی اللہ عنہا سے بیان کی ہے کہ ان دنوں یہ نماز صرف مدینے میں پڑھی جاتی تھی۔اگر یہودی یہ نماز پڑھتے ہوتے تو مدینہ کی بنسبت خیبر اور شام وغیرہ میں یہودیوں کی تعداد زیادہ تھی تو چاہئے تھا کہ اِن مقامات میں بھی یہ نماز پڑھی جاتی (حالانکہ مدینہ کے سوا کہیں نہیں پڑھی جاتی تھی) (ت)
اقول: ولاتخالف بین الوجھین،فان الکافر لاصلاۃ لہ،فانما اثبت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لھم الصورة اذقال،صلی الناس وناموا،وام المؤمنین نفت المعنی۔	**میں کہتا ہوں:** دونوں توجیہوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ کافر (اگر صورۃً نماز پڑھے بھی توحقیقۃً اس) کی نماز نہیں ہوتی۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے اور سوچکے ہیں،صوری نماز کے لحاظ سے ہے جبکہ ام المومنین حقیقی نماز کی نفی کررہی ہیں۔(ت)
والثالث: ان المراد لم تفرض علی غیرنا فلاینتظرھا ولایصلیھا احد غیرنا،لامن اھل الزمان ولامن امم مضت،وھو الذی صرح بہ فی حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔فھذا قصوی مایستفاد منہ،ولیس لہ ملحظ اصلا الی نفیھا عن سائر الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام۔	**تیسری توجیہ** یہ ہے کہ (تخصیص باعتبار فرضیت کے ہے) چونکہ یہ نماز ہمارے علاوہ کسی پر فرض نہیں کی گئی،نہ موجودہ زمانے کے لوگوں پر،نہ سابقہ اُمتوں پر،اس لئے ہمارے سوا اس کا کوئی انتظار بھی نہیں کرتا۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسی کی تصریح کی گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ یہی کچھ اُس سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔رہا باقی انبیاء سے اس نماز کی نفی کرنا تو اس کی طرف اس حدیث میں کوئی اشارہ تک نہیں ہے۔(ت)

بعض احادیث میں صاف تصریح آئی کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلاۃ والتسلیم نے منٰی میں پانچوں نمازیں پڑھیں،

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۳

فقد اخرج ابن سعدان ابرٰھیم واسمٰعیل اتیا منی فصلیا بھا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والصبح [1]۔	ابن سعد نے تخریج کی ہے کہ ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام منٰی کو آئے تو وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں پڑھیں۔ (ت)

اگر اس حدیث کی سند صحیح یا حسن ہو جب تو قول تخصیص ضعیف ہو ہی جائے گا ورنہ قیام دلیل کی حاجت ضرور،

فان الخصائص لاتثبت الابنص صحیح کما نصوا علیہ قاطبۃ،منھم خاتم الحفاظ فی فتح الباری، والقسطلانی فی المواھب،والزرقانی فی شرحہ، وغیرھم فی غیرھا۔	کیونکہ خصوصیات، نص صحیح کے بغیر ثابت نہیں ہوتیں، جیسا کہ سب نے تصریح کی ہے۔ مثال کے طور پر خاتم الحفاظ نے فتح الباری میں، قسطلانی نے مواہب میں، زرقانی نے اس کی شرح میں اور دیگر علماء نے دوسری کتابوں میں۔ (ت)

ہاں اگر یہ کسی صحیح حدیث صریح بے معارض سے ثابت ہوجائے کہ عشاء جس طرح ہمارے سوا کسی امت نے نہ پڑھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے بھی نہ پڑھی تو بیشک اختصاص مجموعہ پنجگانہ بھی ثابت ہوجائیگا بعض علمانے اس کی بھی تصریح فرمائی، امام جلال الدین سیوطی نے باب مذکور خصائص میں بعد عبارت مسطورہ فرمایا:

وبانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلی العشاء ولم یصلھا نبی قبلہ [2]	اور اس وجہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اور آپ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھی۔ (ت)

امام ابن حجر مکّی و شیخ محقق کے اقوال گزرے کہ انبیائے سابقین میں نمازیں منقسم ہونے سے عشاء کو استثناء کرلیا **اقول**: مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس پر بھی کوئی دلیل نہ پائی سوا اُس اثر مقطوع کے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں امام عبیداللہ بن محمد ابن عائشہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا:

اول من صلی العشاء الاخرۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3]۔وکل ماتمسکوا بہ سوی ذلک، اعنی الاحادیث الثلثۃ الاخیرۃ فلامساس لہ بماھنالک	سب سے پہلے عشاء ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھی۔ اور آخری تین حدیثوں کے علاوہ علماء نے جن روایتوں سے استدلال کیا ہے تو ان کا زیرِ بحث مسئلے سے

[1] شرح الزرقانی المواہب بحوالہ ابن سعد المقصد الرابع خصائص انہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ المصر ۵/۲۲۶

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بمجموع الصلوات الخمس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲۰۴

[3] شرح معانی الآثار باب الصلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰

کماعلمت۔	کچھ تعلق نہیں ہے، جیسا کہ تم جان چکے ہو۔(ت)

یہ امام ابن عائشہ عیشی نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع سے بلکہ طبقہ عاشرہ میں اتباعِ تبع تابعین سے ہیں ۲۲۸ھ میں انتقال فرمایا کمافی الحلیة والتقریب[1] وغیرھما (جیسا کہ حلیہ اور تقریب وغیرہ میں ہے۔ت) اور خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وہ حدیثِ صحیح کہ جبریل امین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دو ۲ روز حضور کی امامت کی ایک دن پانچوں نمازیں اوّل وقت، دوسرے دن آخر وقت پڑھیں، پھر حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ سے عرض کی:

ھذا وقت الانبیاء من قبلک[2]۔رواہ ابوداؤد وسکت علیه،والترمذی وحسنه، واحمد وابن خزیمة والدارقطنی والحاکم، وصححه ابن عبدالبر وابوبکر بن العربی۔	یہی وقت حضور سے پہلے انبیاء کے تھے۔اس کو ابوداؤد نے بیان کرکے سکوت اختیار کیا ہے۔ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے۔احمد،ابن خزیمہ،دارقطنی اور حاکم نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ابنِ عبدالبر اور ابوبکر بن عربی نے اس کو صحیح کہا ہے۔(ت)

اس کے صاف معارض ہے کہ اُس سے روشن طور پر مستفاد کہ یہ پانچوں وقت اگلے انبیا کے تھے اگرچہ متفرق ہوں نہ مجموع۔کسی وقت کے استثناء کی اُس میں بُو بھی نہیں،نہ ایسا استثناء بے دلیل مساوی قابل احتمال۔

اقول: والعجب من ابن حجر،کیف یقول بالتوزیع ثم یستثنی العشاء،فانی یصح التوزیع للجمیع۔	اور ابن حجر پر حیرت ہے کہ وہ ایک طرف توسب نمازوں کی تقسیم کے قائل ہیں۔پھر ان سے عشاء کی استثناء بھی کرتے ہیں،توسب کی تقسیم کیسے ہُوئی؟(ت)

ظاہرًا اسی لئے شیخ محقق قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں اُس سے رجوع فرماکر ترک کیا حیث قال(چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ت):

ایں وقت نماز پیغمبران ست کہ پیش از تو بودہ اند کہ ہرکدام از ایشاں بعضے اوقات داشتند اگرچہ مجموع اوقات مخصوص ایں امت است[3] فافھم انتھی۔	یہ وقت ان پیغمبروں کی نماز کے ہیں جو آپ سے پہلے گزرے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو،ان میں سے بعض اوقات ملے تھے،اگرچہ پانچ کا مجموعہ اس امّت کے ساتھ خاص ہے۔اسکو سمجھو۔(ت)

---

[1] تقریب التہذیب مطبوعہ دار نشر کتب اسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۲۷

[2] سُنن ابی داؤد اول کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس،لاہور ۱/۵۶

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب المواقیت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۷

بلکہ بعض روایات واحادیث میں حضرت یونس وحضرت موسٰی کلیم اللہ علٰی نبینا وعلیہما الصلاۃ والسّلام کا نمازِ عشاء پڑھنا صراحۃً منقول کماسیأتی ذکرہ (جیسا کہ اس کا ذکر آرہا ہے۔ت) اور حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما الصلاۃ والسلام کا پڑھنا اوپر گزرا بلکہ امام ابواللیث سمرقندی تنبیہ الغافلین میں بروایت سید نا علی کرم اللہ وجہہ، ناقل کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

واما صلاۃ العتمۃ فانھا الصلاۃ التی صلاھا عـہ المرسلون قبلی [1]۔صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلیھم اجمعین۔	نمازِ عشاء وہ نماز ہے کہ مجھ سے پہلے پیغمبروں نے پڑھی۔(ت)

لاجرم امام قاضی ناصر الدین بیضاوی شرح مصابیح میں فرماتے ہیں:

ان العشاء کانت تصلیھا الرسل نافلۃ لھم ولم تکتب علی اممھم کالتھجد وجب علی نبینا دوننا [2]۔	پہلے رسول عشاء کی نماز اضافی طور پر پڑھتے تھے مگر ان کی اُمتوں پر فرض نہیں تھی، جس طرح تہجد کی نماز ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی مگر ہم پر واجب نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح علامہ زرقانی امام ہروی وغیرہ سے ناقل:

اذقال بعد ماقدمنا عنہ،من معارضۃ اثر العیشی بخبر الرافعی،ثم الاستدراك بحدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ،مانصہ"وجمع الھروی وغیرہ بان المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من صلاھا مؤخرالھا	زرقانی سے ہم پہلے نقل کرچکے ہیں کہ انہوں نے عیشی کے اثر کو رافعی کی خبر سے معارض قرار دیا ہے۔پھر اس پر حدیثِ معاذ رضی اللہ عنہ سے استدراک کیا ہے۔اس کے بعد انہوں نے کہا ہے کہ ہروی وغیرہ نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے عشاء کو

عـہ: ھکذا ھو مثبت فی نسختی التنبیہ فاللہ تعالٰی اعلم ولتراجع النسخ ۱۲ منہ (م)	میرے پاس موجود تنبیہ الغافلین کے نسخہ میں عبارت اسی طرح ہے اللہ تعالٰی زیادہ جاننے والا ہے دوسرے نسخوں کو دیکھ لینا چاہئے ۱۲منہ (ت)

[1] تنبیہ الغافلین باب فضل امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۰۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الرابع خصائص امۃ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۶/۵

الی ثلث اللیل أو نحوہ، اما الرسل فکانوا یصلونھا عند اول مغیب الشفق [1] اھ" وغرضنا فیما سلموا من ثبوت العشاء لغیر نبینا من الانبیاء علیہ وعلیھم الصّلاۃ والثناء اما ما حاول من الجمع، **فاقول اولا:** ان کان المراد الجمع بین حدیث فضلتم بھا وروایۃ ان العشاء لیونس علیہ الصلٰوۃ والسلام، کمایدل علیہ ذکرہ بعد ماقال ان قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضلتم بھا یعارض روایۃ ان العشاء لیونس، فقد علمت ان لاتعارض بینھما حتی یحتاج الی الجمع۔ اوبین الروایۃ واثر العیشی، کمایدل علیہ زیادۃ لفظ "نفسہ" بعد لفظ اثر الطحاوی فیما یأتی، فما ابعدہ جمعا، فان الاثر صریح فی نفی المطلق دون المقید بالتاخیر فانہ فی سیاق بیان من صلی الصلوات غیر معترض لاقسام الاوقات، فذکر لکل من الاربع من صلاھا، وقال فی العشاء: اول من صلاھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فاین ھذا مما تریدون!

تہائی رات یا اس کے لگ بھگ تک مؤخر کرکے پڑھا ہے۔ جبکہ پہلے گزر جانے والے رسول شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی عشاء پڑھ لیا کرتے تھے اور اس نقل سے ہماری غرض صرف یہ بتانا ہے کہ ہروی وغیرہ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء کے لئے بھی عشاء تسلیم کرلی ہے، وہی ان کی تطبیق، تو میں کہتا ہوں کہ اس پر پہلا اعتراض یہ ہے کہ یہ تطبیق اگر اُن روایتوں کے درمیان ہے جن میں سے ایک یہ ہے کہ عشاء کے ذریعے تمہیں فضیلت دی گئی ہے۔ اور دوسری میں ہے کہ عشاء یونس علیہ السلام کیلئے تھی، جیسا کہ سیاق سے معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ تطبیق زرقانی نے مذکورہ دو ۲ روایتوں کے بعد بیان کی ہے تو (یہ تطبیق فضول ہے کیونکہ) تمہیں معلوم ہوچکا ہے کہ ان دو ۲ روایتوں میں تعارض ہی نہیں ہے کہ تطبیق کی ضرورت پڑے۔ اگر یہ تطبیق روایت اور عیشی کے اثر کے درمیان ہے جیسا کہ طحاوی کے عنقریب آنے والے اثر میں طحاوی کے ساتھ "نفسہ" کا لفظ بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے تو یہ فہم سے بہت بعید تطبیق ہے کیونکہ اثر میں صراحتًا مطلق عشاء کی نفی ہے نہ کہ (تہائی رات تک) تاخیر سے مقید عشاء کی، کیونکہ اثر کے سیاق کا مقصد یہ بتانا ہے کہ یہ نمازیں کس کس نبی نے پڑھی تھیں، قطع نظر اس سے کہ پہلے وقت میں پڑھی تھیں یا مؤخر کرکے، چنانچہ اثر میں چار نمازوں کے بارے میں بیان کیا ہے کہ انہیں ہمارے نبی کے علاوہ باقی انبیاء نے بھی پڑھا ہے۔ کہاں یہ بات اور کہاں وہ جو تم لوگ چاہتے ہو (کہ مراد تہائی رات تک مؤخر کرکے پڑھنا ہے)۔ (ت)

[1] شرح المواہب اللدنیہ ومنھا مجموع الصلواۃ الخمس المطبعۃ العامرہ مصر ۴۲۶/۵

وثانیا: کیفما کان، ھذا حامل للوحی الامین علیه الصلٰوۃ والسلام صلی الخمس یومین، فعجل مرۃ واخر اخری، ثم قال: ھذا وقت الانبیاء من قبلك[1]، فمن این ان اول من اخرھا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم؟ قال: ویدل لذلك (ای لما ادعی من الجمع) بل یصرح به قوله اثر الطحاوی نفسه العشاء الاٰخرۃ[2] اھ۔

اقول: یاسبحٰن اللہ! بل لادلالة فیه اصلا، فضلا عن التصریح، فان العشاء الاٰخرۃ ھی العشاء مطلقا دون التی اخرت۔ تسمی الاٰخرۃ نظرا الی العشاء الاولی وھی المغرب، علیه تظافر محاورات الحدیث۔ وفصل القول مالاحمد ومسلم والنسائی عن جابر جبن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یؤخر العشاء الاٰخرۃ[3]۔ واعظم منه ماللترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو صورت بھی ہو، بہر حال حامل وحی جبریل امین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دو ۲ دن پانچ پانچ نمازیں پڑھائیں، پہلے دن ہر وقت کے بالکل ابتدائی حصّے میں اور دوسرے دن ہر وقت کے انتہائی حصّے میں، پھر کہا کہ یہ آپ سے پہلے انبیاء کا بھی وقت ہے (پھر یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ عشاء کو تہائی رات تک مؤخر کرنے سے مختص تھے) زرقانی نے کہا کہ اِس پر یعنی اس تطبیق پر کہ تہائی رات تک مؤخر کرنا مراد ہے دلالت کرتی ہے، بلکہ صراحت کرتی ہے، یہ چیز کہ طحاوی نے خود اپنے اثر میں العشاء الآخرۃ (آخری عشاء) ترکیب استعمال کی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کا آخری حصہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے مختص ہے)۔(ت)

میں کہتا ہوں: اے سبحان اللہ! صراحت تو کیا، یہ ترکیب اس پر دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ "عشاء آخرۃ" مطلق عشاء کو کہتے ہیں نہ کہ اس عشا کو جو مؤخر کی گئی ہو۔ اس کو آخرہ اس بناء پر کہتے ہیں کہ عشاءِ اولٰی مغرب کو کہتے ہیں۔ اس پر حدیث کے بہت سے محاورات شاہد ہیں۔ اور احمد، مسلم، نسائی کی یہ روایت تو اس میں قولِ فیصل کا درجہ رکھتی ہے کہ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں: "رسول اللہ آخری عشاء کو مؤخر کیا کرتے تھے"۔ اس سے بھی زیادہ اصح وہ روایت ہے جو ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

1 سنن ابی داؤد اول کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۵۶

2 شرح الزرقانی علی المواہب ومنہا مجموع الصلوات الخمس مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۵/۴۲۶

3 سنن نسائی کتاب المواقیت مایستحب من تاخیر العشاء مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۳

عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم. ان اول وقت العشاء الاٰخرة حین یغیب الافق[1]۔ فالمقطوع به ان لااثر لهذه الدلالة فی الکلام، ولواراده لقال"اول من اخر العشاء" و هذا ظاهر جدا۔	نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخری عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہوتا ہے"۔ بہرحال اس کلام میں "عشاء آخرہ" کا تاخیرِ عشاء پر دلالت کرنا قطعی طور پر بے نشان ہے اگر یہ مراد ہوتی تو اثر کے الفاظ یہ ہوتے "سب سے پہلے جس نے عشاء مؤخر کی" اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔(ت)

بالجملہ اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نمازِ عشاء ہم سے پہلے کسی اُمّت نے نہ پڑھی نہ کسی کو پانچوں نمازیں ملیں اور انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں ظاہرًا راجح یہی ہے کہ عشاء ان میں بھی بعض نے پڑھی تو اثر مذکور امام طحاوی سے اجتماع خمس کو تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہمارے حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ثابت کرنا جس کا مدار اسی نفی عشاء عن سائر الانبیاء علیہم الصّلوٰۃ والثناء پر تھا تام التقریب نہیں کہ جب ہر نماز کسی نہ کسی نبی سے ثابت تو ممکن کہ بعض انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام نے کبھی یا ہمیشہ پانچوں بھی پڑھی ہوں اگرچہ کسی اُمّت نے نہ پڑھیں یہاں تک کہ مغرب کی اولیت سیدنا عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام ہی کے لئے مانے جیسا کہ قول دوم وسوم میں آتا ہے جب بھی وہ احتمال مندفع نہیں ممکن کہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی نے پانچوں پڑھی ہوں اور اس میں حکمت یہ ہو کہ وہ دنیا کی نظر ظاہر میں بھی صاحب صلوات خمس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُمتی ہو کر زمین پر تشریف لانے والے ہیں اگرچہ حقیقۃً تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمارے حضور نبی الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اُمتی ہیں انہیں نبوت دی ہی اس وقت ہے جب انہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُمتی بنالیا ہے جس پر قرآن عظیم ناطق اور ہمارے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں اُس کی تفصیل فائق وللہ الحمد۔ غرض یہاں دو۲ مطلب تھے ایک یہ کہ اجتماع خمس ہمارے سوا کسی اُمت کو نہ ملا یہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ میں خود ارشاد اقدس حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت دوسرے یہ کہ پانچوں نمازوں کا اجتماع انبیاء میں بھی صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے یہ باعتماد علمائے کرام مانا جائے گا اگرچہ ہم اُس پر دلیل نہ پائیں کہ آخر کلمات علماء کا اطباق واتفاق بے چیزے نیست ہمارا دلیل نہ پانا دلیل نہ ہونے پر دلیل نہیں۔

اقول: شاید نظرِ علما اس طرف ہو کہ جب حدیث صحیح سے ثابت کہ اللہ عزوجل نے اس نعمتِ جلیلہ وفضیلتِ جلیلہ سے اس اُمتِ مرحومہ کو تمام اُمم پر تفضیل دی اور قطعًا ہمارے جس قدر فضل ہیں سب ہمارے آقا و مولٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور صدقہ میں ہیں تو مستبعد ہے کہ ہم تو اس خصوص نعمت سے سب اُمتوں پر فضیلت پائیں اور ہمارے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوات باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۲۲/۱

مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر یہ تخصیص واختصاص نہ ہو اس تقدیر پر یہی حدیث معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دلالۃً اس دعوے کی بھی مثبت ہوگی۔

اما حدیث السیدین ابرٰھیم واسمٰعیل، علی ابنھما الکریم ثم علیھم الصلاۃ و التسلیم، فلعلہ لم یثبت اذ لوثبت لمارأینا تظافر کلماتھم علی خلافہ، علی انی **اقول:** الاختصاص بجھۃ الافتراض، اماھما صلی اللہ تعالیٰ علی ابنھما ثم علیھما وبارك وسلّم، فصلیا بمنی ماکتب اللہ تعالیٰ علیھما وتنفلانی بقیۃ الاوقات، فمن قبل وقوعھا فی ھذہ الاوقات، عبر عنھا باسماء ھذہ الصلوات، واللہ تعالیٰ اعلم بالخفیات۔ ھذا غایۃ ما عندی فی توجیہ المرام۔	رہی دو سرداروں یعنی ابراہیم واسمٰعیل ان کے کریم بیٹے پر پھر ان دونوں پر صلوٰۃ وسلام ہو والی حدیث، توشاید وہ پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کیونکہ اگر ثابت ہوتی تو اتنی کثرت سے علماء کے اقوال اس کے خلاف نہ ہوتے علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ خصوصیت، فرضیت کے اعتبار سے ہے (یعنی پانچ نمازیں فرض صرف رسول اللہ پر ہوئیں) ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام پر اُن میں سے جو فرض ہوں گی وہ انہوں نے بطور فرض منٰی میں پڑھی ہوں گی اور باقی اوقات میں نفل ادا کیے ہوں گے، لیکن وہ نفل چونکہ واقع انہی پانچ اوقات میں ہوئے تھے، اس لئے ان کی تعبیر نمازوں کے ناموں سے کردی گئی۔ اور اللہ ہی پوشیدہ باتوں کو بہتر جاننے والا ہے اس مقصد کی زیادہ سے زیادہ توجیہ میرے خیال میں یہی ہوسکتی ہے۔ (ت)

اقول: مگر استبعاد مذکور کا جواب واضح ہے کہ کچھ عجب نہیں کہ مولیٰ عزوجل بعض نعمتیں بعض انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے اگلی اُمتوں میں نبی کے سوا کسی کو نہ ملتی ہوں مگر اس امت مرحومہ کیلئے اُنہیں عام فرمادے جیسے کتاب اللہ کا حافظ ہونا کہ اُمم سابقہ میں خاصہ انبیاء علیہم الصلاۃ والثناء تھا اس اُمت کے لئے رب عزوجل نے قرآن کریم حفظ کیلئے آسان فرمادیا کہ دس دس[۱۰] برس کے بچّے حافظ ہوتے ہیں اور ہمارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فضل ظاہر ہے کہ اُن کی اُمت کو وہ ملا جو صرف انبیاء کو ملا کرتا تھا علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ والثناء واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔ باقی رہا سوال کا دوسرا جُز کہ کون سی نماز کس نبی نے پہلے پڑھی، اس میں چار[۴] قول ہیں:

اوّل: قول امام عبیداللہ بن عائشہ ممدوح کہ جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی توبہ وقتِ فجر قبول ہُوئی انہوں نے دو[۲] رکعتیں پڑھیں وہ نماز صبح ہُوئی۔ اور اسحٰق علیہ الصلاۃ والسلام کا فدیہ وقت ظہر آیا ابرہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار پڑھیں وہ ظہر مقرر ہوئی۔ عزیر علیہ السّلام سو[۱۰۰] برس کے بعد عصر کے وقت زندہ کیئے گئے انہوں نے چار پڑھیں وہ عصر ہُوئی۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ وقتِ مغرب قبول ہُوئی چار رکعتیں پڑھنے کھڑے ہوئے تھک کر تیسری

پر بیٹھ گئے، مغرب کی تین ہی رہیں۔اور عشاء سب سے پہلے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی۔

رواہ کماذکرنا الامام الطحاوی قال: حدثنا القاسم بن جعفر قال سمعت بحر بن الحکم الکیسانی قال سمعت ابا عبدالرحمٰن بن محمد ابن عائشۃ یقول، فذکرہ[1]۔	جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے اسی کے مطابق اس کو طحاوی نے روایت کیا ہے کہ قاسم ابن جعفر نے بحر ابن حکم کیسانی سے، اس نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ ابن محمد ابن عائشہ سے سُنا اس کے بعد سابقہ روایت بیان کی ہے۔(ت)

دوم قول امام ابوالفضل کہ سب سے پہلے فجر کو دو۲ رکعتیں حضرت آدم، ظہر کو چار رکعتیں حضرت ابرہیم، عصر حضرت یونس، مغرب حضرت عیسٰی، عشاء حضرت موسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی۔ ذکرہ الامام الزندوستی فی روضتہ قال سائت ابا الفضل فذکرہ (اس کو امام زندوستی نے اپنی روضہ میں ابوالفضل کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ کہا میں نے ابوالفضل سے پُوچھا تو انہوں نے یہ ذکر کیا۔ت) یہ حکایت ایک لطیف کلام پر مشتمل ہے لہذا اُس کا خلاصہ لکھیں امام زندوستی فرماتے ہیں میں نے امام ابوالفضل سے پوچھا صبح کی دو۲ رکعتیں ظہر وعصر وعشاء کی چار مغرب کی تین کیوں ہوئیں۔فرمایا حکم۔ میں نے کہا مجھے اور ابھی افادہ کیجئے۔ کہا ہر نماز ایک نبی نے پڑھی ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام جب جنّت سے زمین پر تشریف لائے دنیا آنکھوں میں تاریک تھی اور ادھر رات کی اندھیری آئی، انہوں نے رات کہاں دیکھی تھی بہت خائف ہُوئے، جب صبح چمکی دو۲ رکعتیں شکرِ الٰہی کی پڑھیں، ایک اس کا شکر کہ تاریکی شب سے نجات ملی دوسرا اس کا کہ دن کی روشنی پائی انہوں نے نفل پڑھی تھیں ہم پر فرض کی گئیں کہ ہم سے گناہوں کی تاریکی دُور ہو اور طاعت کا نُور حاصل۔ زوال کے بعد سب سے پہلے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے چار رکعت پڑھیں جبکہ اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ اُترا ہے پہلی اس کے شکر میں کہ بیٹے کا غم دُور ہوا دوسری فدیہ آنے کے سبب، تیسری رضائے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کا شکر، چوتھی اس کے شکر میں کہ اللہ عزوجل کے حکم پر اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے گردن رکھ دی، یہ ان کے نفل تھے ہم پر فرض ہُوئیں کہ مولٰی عـــہ تعالٰی ہمیں قتلِ نفس پر قدرت

عـــہ لفظ الکتاب فامرنا بذلك لانہ تعالٰی وفقنا علی ابلیس کماوفقہ لذبح الولد وانجانامن الغم کماانجاہ وفدانامن النار کمافداہ ورضی عنا	کتاب (یعنی روضہ) کی عبارت یوں ہے: "تو ہمیں ظہر کی چار رکعتوں کا حکم دیا گیا کیونکہ ہمیں بھی اللہ تعالٰی نے شیطان کے مقابلے کی توفیق عطافرمائی جس طرح (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح معانی الآثار باب الصّلوٰۃ الوسطٰی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۰

دے جیسی اُنہیں ذبحِ ولد پر قدرت دی اور ہمیں بھی غم سے نجات دے اور یہود و نصارٰی کو ہمارا فدیہ کرکے نار سے ہمیں بچالے اور ہم سے بھی راضی ہو۔ نمازِ عصر سب سے پہلے یونس علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پڑھی کہ اس وقت مولٰی تعالٰی نے انہیں چار ۴ ظلمتوں سے نجات دی: ظلمتِ لغزش، ظلمتِ غم عـــہ۱، ظلمتِ دریا، ظلمتِ شکمِ ماہی۔ یہ اُن کے نفل تھے ہم پر فرض ہوئی کہ ہمیں مولٰی تعالٰی ظلمتِ گناہ وظلمتِ قبر وظلمتِ قیامت وظلمتِ دوزخ سے پناہ دے۔ مغرب سب سے پہلے عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پڑھی عـــہ۲، پہلی اپنے سے نفی الوہیت، دوسری اپنی ماں سے نفی الوہیت، تیسری اللہ عزوجل کے لئے اثباتِ الوہیت کیلئے۔ یہ ان کے نفل ہم پر فرض ہُوئے کہ روزِ قیامت ہم پر حساب آسان ہو، نار سے نجات ہو، اُس بڑی گھبراہٹ سے پناہ ہو۔ **اقول:** اور مقام سے مناسب تر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

كمارضی عنه[1] اھ **اقول:** وماذكرت احسن من ستة وجوه لاتخفی علی المتأمل ۱۲ منه غفرله (م)

عـــہ۱ الذی فی الكتاب وظلمة الليل[2] **اقول:** ان كانت تذهب بالنهار فقدذهبت قبل العصر والافلا اثرلها ولذا ابدلتها منه غفرله (م)

عـــہ۲: الذی فی الكتاب اول من صلی المغرب تطوعا شكرا عيسٰی عليه الصّلٰوة والسلام حين خاطبه الله تعالٰی بقوله أأنت قلت للناس اتخذونی وامی الٰهين من دُون الله وكان ذلك بعد غروب الشمس[3] الخ اقول المعروف ان هذا الخطاب يوم الحساب الاتری الی قوله عليه الصلٰوة والسلام فلما توفيتنی كنت انت الرقيب عليهم ۱۲ منه غفرله (م)

ابراہیم علیہ السلام کو بیٹا ذبح کرنے کی توفیق بخشی اور ہمیں بھی غم سے نجات دی جیسے ان کو دی تھی اور (یہود و نصارٰی کو جہنم میں) ہمارا فدیہ بنایا جس طرح ان کیلئے (جنتی دُنبے کو اسمٰعیل علیہ السلام کا) فدیہ بنایا اور ہم سے بھی اللہ تعالٰی راضی ہوا جیسے کہ ان سے ہوا اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان الفاظ کی بنسبت میری ذکر کردہ عبارت چھ ۶ وجوہ سے زیادہ عمدہ ہے اور یہ وجوہ سوچنے والے پر مخفی نہیں ہیں ۱۲ منہ غفرلہ (ت) کتاب میں (ظلمتِ غم کی بجائے) "ظلمتِ لیل" مذکور ہے۔ **میں کہتا ہوں** اگر ظلمتِ لیل مراد ہو تو نہار کی وجہ سے ظلمتِ لیل ختم ہو جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ رات کا اندھیرا وقت عصر سے پہلے ہی ختم ہو چکا ورنہ لازم آئیگا کہ نہار کا کوئی اثر ہی نہ ہو اسی لئے میں نے اس کو ظلمتِ غم سے بدلا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت) کتاب میں یوں ہے کہ سب سے پہلے مغرب کی نماز بطور شکرانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پڑھی جب ان کو اللہ تعالٰی نے یوں مخاطب کیا تھا کہ کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا معبود بنالو؟ اور یہ خطاب غروبِ شمس کے بعد ہوا تھا، میں کہتا ہوں مشہور تو یہ ہے کہ یہ خطاب بروزِ حساب ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس کے جواب میں عیسٰی علیہ السلام کا یہ قول مذکور ہے کہ جب تُو نے مجھے پُورے طور پر اٹھالیا تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] روضۃ العلماء للزندوستی

[2] روضۃ العلماء للزندوستی

[3] روضۃ العلماء للزندوستی

یہ تھا کہ یوں فرماتے کہ ہم اپنی خودی اور فخرِ آبا سے باہر آکر اللہ عزّوجل کے لئے خاص متواضع ہوں۔

سب سے پہلے عشاء مُوسٰی علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے پڑھی جب مدائن سے چل کر راستہ بھُول گئے۔بی بی کا غم،اولاد کی فکر،بھائی پر اندیشہ،فرعون سے خوف،جب وادیِ ایمن میں رات کے وقت مولٰی تعالٰی نے اِن سب فکروں سے انہیں نجات بخشی،چار نفل شکرانے کے پڑھے ہم پر فرض ہُوئی کہ اللہ تعالٰی ہمیں بھی راہ دکھائے ہمارے بھی کام بنائے ہمیں اپنے محبوبوں سے ملائے دشمنوں پر فتح دے آمین!

سوم قول بعض علماء کہ فجر آدم،ظہر ابراہیم،عصر سلیمان،مغرب عیسٰی علیہم الصلاۃ والسلام نے پڑھی اور عشا خاص اس اُمّت کو ملی کما تقدم عن الحلیۃ(جیسا کہ حلیہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ت)

چہارم وہ حدیث کہ امام اجل رافعی نے شرح مسند میں ذکر فرمائی کہ صبح آدم،ظہر داؤد،عصر سلیمٰن،مغرب یعقوب،عشاء یونس علیہم الصلاۃ والسلام سے ہے **ذکرہ عنہ الزرقانی فی شرح المواھب والحلبی تماما فی الحلیۃ قال واورد فی ذلك خبرا**[1](اس کو زرقانی نے شرح مواہب میں رافعی کے حوالے سے بیان کیا ہے اور حلبی نے حلیہ میں تفصیل سے ذکر کیا ہے،حلبی نے کہا کہ رافعی نے اس سلسلے میں ایک روایت پیش کی ہے۔ت) غرض نماز صبح میں چاروں متفق ہیں باقی چار میں اختلاف۔

اقول: فقیر کی نظر میں ظاہرًا قول اخیر کو سب پر ترجیح کہ اوّل تو وہ حدیث ہے لااقل اثر صحابی یا تابعی سہی اقوال علمائے مابعد پر ہر طرح مقدم رہے گی خصوصًا ایسے امر میں جس میں رائے وقیاس کو دخل نہیں۔

بل **اقول:** عسی ان یکون ماذکر الامام ابو الفضل بمعزل عما نحن فیہ،فانہ انما ذکر التطوعات،والکلام فی المکتوبات،لاایقاع نفل فی ھذہ الاوقات،فانہ ثابت فی جمیع الساعات فی المعالم عن جعفر بن سلیمٰن قال سمعت ثابتا یقول:کان داؤد نبی اللہ علیہ الصلاۃ والسلام قدجزأ ساعات اللیل والنھار علی اھلہ،فلم تکن تأتی ساعۃ من ساعات اللیل والنھار	لیکن **میں کہتا ہوں:** ایسے لگتا ہے کہ امام ابوالفضل نے جو کچھ کہا ہے وہ زیرِ بحث مسئلے سے غیر متعلق ہے کیونکہ انہوں نے نوافل کا ذکر کیا ہے جبکہ بحث فرائض سے ہو رہی ہے۔ان اوقات میں نوافل ادا کرنا بحث سے خارج ہے کیونکہ نوافل تو ان اوقات کے علاوہ بھی ہر وقت ادا کیے جاسکتے ہیں۔معالم میں جعفر ابن سلیمٰن سے منقول ہے کہ میں نے ثابت کو کہتے سنا ہے کہ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے رات اور دن کی گھڑیوں کو اپنے اہلِ خانہ پر نماز کے لئے تقسیم کر رکھا تھا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الا وانسان من اٰل داؤد قائم یصلی [1] اھ۔	تورات اور دن کی گھڑیوں میں کوئی ایسی گھڑی نہیں ہوتی تھی جس میں آلِ داؤد کا کوئی فرد نماز نہ پڑھ رہا ہو۔(ت)

معہذا اُن سب اقوال میں کہیں کہیں گرفت ضرور ہے اوّل نے صاف تصریح کی کہ عشاء انبیائے سابقین علیہم الصّلاۃ والتسلیم میں کسی نے نہ پڑھی اور سوم کا بھی یہی مفاد کہ صدر کلام میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کیا ہے اور اُمتوں سے موازنہ مقصود نہیں کما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔ت) تو یہ اطلاق تخصیص اپنے عموم پر ہے جس طرح اشعہ وغیرہا کی عبارتوں میں تھا نہ بلحاظ امم۔ اور ہم اوپر بیان کرچکے کہ یہ ظاہر دلائل کے خلاف وقول مرجوح ہے۔ اول ودوم نے عصر کو عزیر ویونس علیہا الصّلاۃ والسلام کی طرف نسبت کیا حالانکہ حضرت سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا عصر پڑھنا روشن ثبوت سے ثابت۔ قال تعالٰی:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ [2] اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ [3] فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ [4]	اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا وہ بہت اچھا بندہ ہے اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، جب اس کے سامنے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے تو اس نے کہا کہ مجھے اچھی چیز کی محبّت نے اپنے رب کی یاد سے غافل کردیا۔(ت)

علماء فرماتے ہیں یہ نماز نمازِ عصر تھی، جلالین میں ہے:

عن ذکر ربی ای صلاۃ العصر [5]۔	(اپنے رب کی یاد سے مراد نمازِ عصر ہے۔ت)

مدارک میں ہے:

غفل عن العصر وکانت فرضا فاغتم [6]۔	عصر سے غافل ہوگئے تھے اور وہ ان پر فرض تھی اس لئے غمزدہ ہوگئے۔(ت)

اور سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام کا زمانہ یونس وعزیر علیہم الصّلاۃ والسلام سے مقدم ہے تو اولیت صلاۃ عصران دونوں صاحبوں کیلئے کیونکر ہوسکتی ہے۔ نسیم الریاض میں زیرِ حدیث ماینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس بن متی

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن زیر آیۃ "وقلیل من عبادی الشکور" مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۸۵/۵

[2] القرآن ۳۰/۳۸

[3] القرآن ۳۱/۳۸

[4] القرآن ۳۲/۳۸

[5] تفسیر جلالین زیر ایت مذکور مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۸۰

[6] تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت مذکور مطبوعہ دار الکتاب العربی البیروت ۴۱/۴

کسی کیلئے یہ کہنا روانہیں کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں۔ت) ہے:

هو من ولد بنيامين بن يعقوب عليهم الصلاة و السلام ،وكان بعد سليمٰن عليه الصلاة والسلام [1]اھ وفيه فى فصل حكم عقد قلب النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ،يونس صلى الله تعالٰى عليه وسلم ،كمافى مرأة الزمان ،كان بعد سليمٰن نبى الله ،عليه الصلاة والسلام [2]۔	یونس، بنیامین ابن یعقوب علیہم السلام کی اولاد میں سے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے بعد تھے اھ نسیم الریاض ہی کی اس فصل میں، جس کا عنوان ہے حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مرأۃ الزمان کے حوالے سے مذکور ہے کہ یونس علیہ السلام اللہ کے نبی سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے بعد تھے۔ (ت)

یہ تو یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت تصریح تھی اور حضرت عزیر کا سیدنا سلیمان علیہما الصلاۃ والسلام کے بعد ہونا خود ظاہر کہ اُن کا واقعہ موت وحیات کہ قرآن عظیم میں مذکور بعد اس کے ہوا کہ بخت نصر بیت المقدس کو ویران کر گیا تھا اور احادیث سے ثابت کہ بیت المقدس کی بناء داؤد علیہ الصلاۃ والسلام نے شروع اور سلیمان علیہ الصّلاۃ نے ختم فرمائی تو سلیمان وعزیر علیہما الصلاۃ والسلام میں صدہا سال کا فاصلہ تھا، معالم التنزیل میں ہے:

قال الذى قال ان المار كان عزيرا: ان بختنصر لماخرب بيت المقدس واقدم سبى بنى اسرائيل ببابل ،كان فيهم عزير ودانيال وسبعة الاف من اهل بيت داؤد عليهم الصلاة والسلام ،فلما نجاعزير من بابل ارتحل على حمارله [3]۔الخ	جس نے کہا ہے کہ گزرنے والے عزیر تھے، اس نے بیان کیا ہے کہ بخت نصر نے جب بیت المقدس کو برباد کردیا اور بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے آیا تو ان میں عزیر اور دانیال کے علاوہ داؤد علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھنے والے سات ہزار افراد بھی تھے۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے عزیر کو نجات دی اور وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر سفر کے لئے نکلے۔الخ (ت)

1 نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۳
2 نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی حکم عقد قلب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۳
3 تفسیر معالم التنزیل زیر آیت اوکالذی مر علی قریۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۷

اُسی میں ہے:

یعملون له مایشاء من محاریب کان مما عملوا له بیت المقدس، ابتدأه داؤد علیه الصلوة والسلام، فلما توفاه الله تعالی استخلف سلیمٰن علیه الصلوٰة والسلام، فبنی المسجد بالرخام والجواهر واللاٰلیئ والیواقیت، فلم یزل بیت المقدس علی مابناه سلیمٰن علیه الصلوة والسلام، حتی غزاه بخت نصر، فخرب المدینة ونقض المسجد[1] اھ ملتقطاً۔	(بناتے تھے اس کے لئے جو وہ چاہتا تھا یعنی محراب وغیرہ) جنوں نے جو کُچھ ان کے لئے بنایا ان میں ایک بیت المقدس بھی تھی جس کی ابتداء داؤد علیہ السلام نے کی تھی، ان کی وفات کے بعد سلیمان علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے تو انہوں نے مسجد کو سنگ رخام، ہیروں موتیوں، اور یاقوتوں سے بنوایا، یہ مسجد مدتوں اسی طرح برقرار رہی جس طرح سلیمان علیہ السلام نے بنوائی تھی تا آنکہ بخت نصر اس پر حملہ آور ہوا، اس نے شہر برباد کردیا اور مسجد گرادی اھ ملتقطا (ت)

بخلاف قول چہارم کہ اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں تو ظاہراً وہی مرجح وقرین قیاس اور حقیقتِ حال کا علم مولیٰ سبحٰنہ کے پاس والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم۔

[1] معالم التنزیل مع الخازن آیت یعملون له مایشاء الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ص ۲۸۴۔۲۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

جمان التاج فی بیان الصلاۃ قبل المعراج ۱۳۱۶ھ

(تاج کے موتی، معراج سے پہلے نماز کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ [۲۵۰]: از ریاست رام پور بزریہ ملاظریف گھیر عبدالرحمٰن خان مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خان ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

بگرامی خدمت فیض درجت جناب مولٰنا بحر العلوم صاحب زاد کرمہ، حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نبوت قبل شبِ معراج جو دو [۲] وقتوں میں نماز پڑھتے تھے وہ کس طور پر ادا فرماتے تھے۔ بینوا توجروا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ وکفٰی* وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی* لاسیما علی صاحب المعراج	اللہ ہی کی حمد ہے اور وہ کافی ہے اور سلام ہو اس کے منتخب بندوں پر، مصطفٰی پر اور ان کے آل واصحاب

المصطفٰی واٰلہٖ وصحبہ المقیمین الصلاۃ والعدل والوفاء*	پر جنہوں نے نماز کو اور عدل ووفا کو قائم کیا۔(ت)

الجواب:

پیش از اسراء دووقت یعنی قبل طلوعِ شمس وقبلِ غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے اور اصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیامِ لیل کی فرضیت باقی پر کوئی دلیل صریح قائم نہیں۔

فی الدرالمختار اول کتاب الصلٰوۃ الصلاۃ فرضت فی الاسراء،وکانت قبلہ صلاتین،قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔شمنی [1] اھ۔ وفی المواھب،من المقصد الاول،قبیل ذکر اول من امن،قال مقاتل: کانت الصلاۃ اول فرضھا رکعتین بالغداوۃ و رکعتین بالعشی،لقولہ تعالٰی وسبح بحمد ربك بالعشی والابکار۔قال فی فتح الباری: کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء یصلی قطعًا،وکذلك اصحابہ ؛ ولکن اختلف ھل افترض قبل الخمس شیئ من الصلاۃ امر لا ؟ فقیل ان الفرض کان صلاۃ قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا۔والحجۃ فیہ قولہ تعالٰی وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا انتھی [2]۔ **وقال النووی:** اوّل ماوجب الانذار والدعاء الی التوحید،ثم فرض اللہ تعالٰی	در مختار کی کتاب الصلٰوۃ کے آغاز میں ہے کہ نماز (باقاعدہ طور پر) معراج میں فرض ہوئی تھی،اس سے پہلے صرف دو ۲ نمازیں تھیں،ایک طلوع سے پہلے دُوسری غروب سے پہلے۔شمنی اھ (ت) اور مواہب کی فصل اوّل میں جہاں اولین ایمان لانے والوں کا ذکر ہے،اس سے تھوڑا پہلے مذکور ہے کہ مقاتل نے کہا ہے کہ ابتداء میں نماز کی صرف دو ۲ رکعتیں صبح کو اور دو ۲ رکعتیں رات کو فرض تھیں کیونکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور سویرے۔فتح الباری میں کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے نماز تو یقینا پڑھتے تھے اور اسی طرح آپ کے صحابہ بھی پڑھتے تھے،لیکن اس میں اختلاف ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے کوئی نماز فرض بھی تھی یا نہیں! تو کہا گیا ہے کہ ایک نماز طلوع سے اور ایک غروب سے پہلے فرض تھی اور اس پر دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع شمس سے پہلے اور غروبِ شمس سے پہلے۔(ت) اور **نووی** نے کہا ہے کہ سب سے پہلے ڈر سنانا اور توحید کی طرف بلانا فرض کیا گیا،پھر اللہ تعالٰی

[1] در مختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۴

من قیام اللیل ماذکرہ فی اول سورۃ المزمل ثم نسخه بمافی آخرھا ثم نسخه بایجاب الخ بایجاب الصلوٰۃ والخمس لیلۃ الاسراء بمکه[1]۔اھ مافی المواھب وفی شرحھا للعلامۃ الزرقانی من المقصد التاسع،ذھب جماعۃ الی انه لم تکن قبل الاسراء صلاۃ مفروضۃ الاماوقع الامر به من صلاۃ اللیل بلا تحدید۔وذھب الحربی الی ان الصلاۃ کانت مفروضۃ،رکعتین بالغداۃ و رکعتین بالعشی۔و ردہ جماعۃ من اھل العلم[2]۔اھ

وفیھما من المقصد الخامس فی الاسراء،عند ذکر صلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالانبیاء بیت المقدس،(قداختلف فی ھذہ الصلاۃ) ھل ھی الشرعیۃ المعروفۃ اواللغویۃ؟ وصوّب الاول لان النص یحمل علٰی حقیقۃ الشرعیۃ،مالم یتعذر۔وعلی ھذا اختلف (ھل ھی فرض) ویدل علیه کماقال النعمانی حدیث انس عند ابی حاتم المتقدم قریباً للمصنّف۔(اونفل؟ واذا قلنا انھا فرض،فای صلاۃ ھی؟ قال بعضھم الاقرب انھا الصبح،

نے قیام لیل فرض کردیا جس کا سورہ مزمل کی ابتداء میں ذکر ہے پھراس کو منسوخ کردیااس حکم سے جو سورہ مزمل کے آخر میں ہے،پھراس کو بھی منسوخ کردیا اور اس کے بجائے مکہ مکرمہ میں معراج کی رات کو پانچ نمازیں فرض کردیں۔اھ مواہب کی عبارت ختم ہُوئی۔(ت)اور مواہب کی شرح میں علامہ زرقانی نے نویں مقصد میں لکھاہے کہ ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ معراج سے پہلے کوئی نماز فرض نہیں تھی،صرف رات کو نماز پڑھنے کا حکم تھامگراس کی کوئی مقدار مقرر نہیں تھی۔اور حربی کی رائے یہ ہے کہ نماز معراج سے پہلے بھی فرض تھی۔دو۲ رکعتیں صبح کواور دو۲ رکعتیں رات کو۔لیکن حربی کی رائے کو اہلِ علم کی ایک جماعت نے رَد کیا ہے۔(ت) اور مواہب وزرقانی کے پانچویں مقصد میں جوکہ معراج کے بیان میں ہے جہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باقی انبیاء کو نماز پڑھانا مذکور ہے،وہاں لکھاہے (اس نماز میں اختلاف پایا جاتا ہے) کہ آیا اس کی مشروعیت وہی معروف مشروعیت ہے یا لغوی مشروعیت مراد ہے؟ پہلا قول درست قرار دیا گیا ہے کیونکہ جہاں تک ممکن ہو نص کو اپنی شرعی حقیقت پر حمل کیا جاتا ہے۔مشروعیتّ معروفہ مراد لینے کے بعد اس میں اختلاف ہے (کہ کیا یہ فرض ہے) اور جیسا کہ نعمانی نے کہاہے اس پر انس کی وہ حدیث دلالت کرتی ہے جو ابن ابی حاتم کے ہاں پائی جاتی ہے اور

---

[1] المواہب اللدنیہ مقصد اول اول امر الصلوٰۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۲،۲۱۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہٖ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۳۲۳

ویحتمل ان تکون العشاء) والاحتمالان، کماقال الشامی، لیسابشیئ؛ سواء قلنا صلی بھم قبل العروج اوبعدہ لان اول صلاۃ صلاھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الخمس مطلقا، الظھر بمکۃ باتفاق۔ومن حمل الاولیۃ علی مکۃ فعلیہ الدلیل۔قال: والذی یظھر انہا کانت من النفل المطلق، اوکانت من الصلاۃ المفروضۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل لیلۃ الاسراء۔وفی فتاوی النووی مایؤید الثانی اھ[1] باختصار۔

اقول: وفی الاستدلال بقولہ عز اسمہ وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا[2] نظر۔فان تتمۃ الاٰیۃ

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی ﴿۱۳۰﴾[3]، فان حمل التسبیح علی الصلاۃ لقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کل تسبیح فی القراٰن صلاۃ[4] اخرجہ الفریابی عن

تھوڑا سا پہلے مصنف نے بھی ذکر کی ہے (یا نفل ہے؟ اگر ہم کہیں کہ فرض ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نماز ہے؟ بعض نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ وہ صبح کی نماز ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ عشاء کی نماز ہو) اور دونوں احتمال جیسا کہ شامی نے کہا ہے کوئی حیثیت نہیں رکھتے، خواہ ہم یہ کہیں کہ یہ نماز آسمانوں پر جانے سے پہلے پڑھائی تھی یا بعد میں، کیونکہ پانچ نمازوں میں مطلقًا پہلی نماز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی وہ بالاتفاق ظہر کی نماز تھی جو آپ نے مکہ مکرمہ میں ادا فرمائی تھی۔اور جو شخص اس روایت کو مکّہ کے ساتھ مختص کرے تو اس پر دلیل لازم ہے۔شامی نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی نفلی نماز تھی یا ان نمازوں میں سے تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر شبِ معراج سے پہلے فرض تھیں اور فتاوٰی نووی سے دوسری شق کی تائید ہوتی ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں: اللہ عزّاسمہ کے اس فرمان سے استدلال کرنا کہ تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب سے پہلے، محلِ نظر ہے۔کیونکہ آیت مکمل اس طرح ہوتی ہے "اور رات کے اوقات میں بھی تسبیح کہو اور دن کے اطراف میں بھی تاکہ تم راضی ہو جاؤ"۔اب اگر تسبیح سے مراد نماز لی جائے کیونکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ قرآن

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/ ۶۳

[2] القرآن سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۰

[3] القرآن سورۃ طٰہٰ آیت ۱۳۰

[4]

سعید بن جبیر وان کان ربما یفید الاستثناء من کلیته علی ما **اقول:** قوله جل ذکرہ، ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾[1]، وقوله تعالٰی ﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ۝ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝﴾[2]

فان الظاھر ان المراد به ماذکر عنه ربه عزوجل بقوله ﴿فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝﴾[3] به فسرہ سعید بن جبیر، ارشد تلامذہ ابن عباس، الراوی عنه تلك الکلیة وقد قال الحسن البصری، کمافی المعالم: ماکانت له صلاۃ فی بطن الحوت؛ ولکنه قدم عملا صالحا[4]۔اھ بیدان ابن عباس ھھنا ایضا مشی علی اصله فقال رضی الله تعالٰی عنه، من المسبحین، من المصلین[5]۔ویکون المعنی حینئذ ماقال الضحاک، انه شکر الله تعالٰی له طاعته القدیمة[6]، کمافی المعالم ایضاً۔فعلٰی ھذا الحمل واخذ الامر للوجوب، تدل الاٰیة باٰخرھا علی فرضیة اکثر من

میں تسبیح سے ہر جگہ نماز مراد ہے۔ابن عباس کا یہ قول فریابی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے۔اگرچہ ابن عباس کے اس کلیے سے استثناء کا فائدہ دیتی ہیں وہ آیات جو میں بیان کررہا ہوں، اللہ جل ذکرہ فرماتا ہے: "ہر (پرندہ) اپنی نماز اور تسبیح کو جانتا ہے"۔اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اگر وہ (یونس) تسبیح کہنے والوں میں سے نہ ہوتا تو یومِ بعث تک مچھلی کے پیٹ میں رہتا" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس تسبیح سے مراد وہی تسبیح ہے جو اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام سے یوں حکایت کی ہے: "پس پکارا اس نے اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں ہے تیرے سوا، تُو پاک ہے بیشک میں ظلم کرنیوالوں میں تھا"۔سعید ابن جبیر جو کہ ابن عباس کے بہترین شاگردوں میں سے ہیں اور ان سے مندرجہ بالا کلیہ کے راوی ہیں انہوں نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔حسن بصری نے کہا ہے کہ انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ اس سے پہلے ایک صالح عمل تھا اھ البتہ ابن عباس یہاں بھی اپنے اصول پر رواں رہے ہیں اور تسبیح کہنے والوں میں سے ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ نماز پڑھنے والوں میں سے ہونا۔اس صورت میں جیسا کہ ضحاک نے کہا ہے اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی نے یونس علیہ السلام کو اسی اطاعت

---

[1] القرآن سورہ النور ۲۴ آیت ۴۱

[2] القرآن سورہ الصّٰفّٰت ۳۷ آیت ۱۴۳

[3] القرآن سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۸۷

[4] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انه کان من المسبحّین (تفسیر سورہ صافات) مصطفٰی البابی مصر ۶/۳۷

[5] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انه کان من المسبحّین (تفسیر سورہ صافات) مصطفٰی البابی مصر ۶/۳۷

[6] معالم التنزیل مع الخازن زیرِ آیت فلولا ان کان من المسبحین الخ مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۳۷

صلاتین؟ الا ان یقال: لم یقصد الحصر، بدلیل ان قیام اللیل کان فریضة من قبل قطعا؛ ولکن یبقی قوله تعالٰی واطراف النھار؛ وحمله علی المذکورتین یستلزم التکرار۔

اما استدلال مقاتل بقوله تعالٰی

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝۵۵ [1]، فاقول: اضعف، واضعف؛ بل لیس بشیئ اصلا، فان الاٰیة من سورة حم المؤمن، وقد تأخر نزولھا عن سورة بنی اسرائیل النازلة بخبر الاسراء، بزمان طویل، فقد روی ابن الضریس فی فضائل القراٰن عن ابن عباس رضی اﷲ تعالٰی عنھما، فی حدیث ترتیب نزول السور، قال: کان اول ما نزل من القراٰن اقرأ باسم ربک، ثم ن، فذکر الحدیث الی ان قال: ثم بنی اسرائیل، ثم یونس، ثم ھود، ثم یوسف، ثم الحجر، ثم الانعام، ثم الصفت، ثم لقمان، ثم سبا، ثم الزمر، ثم حم المؤمن [2] ۔الحدیث۔ فکیف یستدل بھا علی ایجاب صلاة قبل الاسراء؟ لاجرم ان

(اور نماز وغیرہ) کے صلے میں نجات دی تھی جو وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے کرتے رہے تھے۔ معالم میں بھی اسی طرح ہے۔ بہر حال اگر فسبّح بحمد ربک" میں تسبیح سے مراد نماز لی جائے اور امر کو وجوب کے لئے قرار دیا جائے تو آیت کا آخری حصّہ دو [2] سے زیادہ نمازوں کے فرض ہونے پر دلالت کرے گا۔ اس کا یہ جواب تو دیا جاسکتا ہے کہ دو [2] میں حصر مقصود نہیں ہے کیونکہ رات کی نماز بھی بالیقین پہلے سے فرض تھی، لیکن اس صورت میں اللہ تعالٰی کا یہ فرمان "اور دن کے اطراف میں" بغیر کسی مفہوم کے رہ جاتا ہے کیونکہ اگر اس سے مراد طلوع سے پہلے اور غروب سے پہلے والی دو نمازیں لی جائیں تو تکرار لازم آئے گی (کیونکہ ان کا ذکر آیت کی ابتداء میں ہوچکا ہے)۔ (ت) رہا مقاتل کا استدلال اللہ تعالٰی کے اس فرمان سے "اور تسبیح کہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ رات کو اور صبح سویرے"۔ تو میں کہتا ہوں کہ بہت ضعیف ہے اور بہت ہی ضعیف ہے، بلکہ سرے سے بیکار ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ حم مومن کی ہے اور اس کا نزول سورہ بنی اسرائیل سے، جس میں معراج کا ذکر ہے، طویل زمانے کے بعد ہوا ہے۔ چنانچہ ابن ضریس نے فضائل قرآن میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سُورتیں نازل ہونے کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے کہ ابن عباس نے کہا ہے کہ "قرآن میں سب سے پہلے سورہ اقرا باسم ربک نازل ہوئی، پھر نٓ۔ ابن ضریس نے یہ روایت پوری بیان کی ہے یہاں تک کہ کہا ہے" پھر بنی اسرائیل، پھر یونس، پھر ہود، پھر یوسف، پھر حجر، پھر انعام، پھر صفّٰت، پھر لقمان، پھر سبا، پھر زمر، پھر حم مومن آخر تک۔ تو پھر حم مومن کی آیت سے۔

[1] القرآن سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۵۵

[2] فضائل القرآن لابن الضریس

فسرها ترجمان القرآن رضی الله تعالٰی عنه بالصلوات الخمس [1] کمافی المعالم۔ وقد یستدل بماروی ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن انس رضی الله تعالٰی عنه فی حدیث الاسراء واتیانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بیت المقدس "لم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر، ثم اذن مؤذن واقیمت الصلاۃ" قال: فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ جبریل علیه الصلاۃ والسلام بیدی فقدّمنی فصلیت بھم، فلما انصرفت، قال لی جبریل: اتدری من صلی خلفک؟ قلت: لا، قال: صلی خلفك کل نبی بعثه الله [2]۔ وھو الحدیث المشار الیه فی کلام الزرقانی عن الامام النعمانی۔

اقول: ولعل مطمح نظر المستدل وقوع الاذان والاقامة فانھما من خصائص الفرائض **اوّلا** فلان الاذان والاقامة المعروفین ماشرعا الابالمدینة، والاسراء قبل الھجرۃ ولذاقال الزرقانیؒ فی تفسیر الحدیث، اذن مؤذن، ای اعلم بطلب الصلاۃ، فاقیمت الصلوٰۃ، ای تھیئو لھا

کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی نماز فرض تھی (جبکہ اس وقت تک وہ سورۃ نازل ہی نہیں ہوئی تھی) اسی لئے ترجمان القرآن رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر پانچ نمازوں سے کی ہے۔ جیسا کہ معالم میں ہے۔اور کبھی استدلال کیا جاتا ہے اس حدیث سے جو ابن ابی حاتم نے انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ معراج اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت المقدس میں آنے کے بارے میں روایت کی ہے (اس میں ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا) ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ بہت سے لوگ جمع ہوگئے پھر ایک مؤذن نے اذان دی اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم سب صفیں باندھ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ ہمارا امام کون بنتا ہے، تو جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کردیا، چنانچہ میں نے سب کو نماز پڑھائی، جب میں نے سلام پھیرا تو جبریل نے مجھ سے کہا: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی ہے؟ میں نے کہا نہیں جبریل نے کہا آپ کے پیچھے ہر اس نبی نے نماز پڑھی ہے جسے اللہ تعالٰی نے مبعوث فرمایا ہے۔یہی وہ حدیث ہے جس کی طرف زرقانی کے کلام میں نعمانی کے حوالے سے اشارہ کیا گیا ہے۔(ت)

میں کہتا ہوں کہ شاید دلیل پیش کرنے والے کا مطمح نظر یہ ہو کہ اس نماز میں اذان واقامت ہوئی تھی اور یہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں، لیکن اس پر اعتراض ظاہر ہے۔ **اوّلاً** اس لئے کہ معروف اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہُوئی تھی، جبکہ معراج ہجرت سے پہلے ہُوا تھا۔اسی لئے زرقانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے "ایک مؤذن نے اذان کہی" کے یہ معنی

[1] معالم التنزیل مع تفسیر الخازن زیر آیت فلولا انه کان من المسبحین مطبوعه مصطفی البابی مصر ۶/۹۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعه المطبعة العامرہ مصر ۶/۶۲

وَشَرعوا فیھا.فلایردان الاذان والاقامة انماشرعا بالمدینة والاسراء کان بمکة [1] اھ ماثانیًا فلان تخصیصھما بالفرائض انما عرف بعد ماشرعا للامة.اماقبل ذلك فایُّ دلیل علیه؟ واما ثالثًا،وھو القاطع.فلان الاسراء انما کان باللیل،وقدعلمنا ان صلاة اللیل کانت فریضة قبل فرض الخمس.فمایدریك لعلھا ھی۔وبه یظھر الجواب عما عسی ان یتعلق به متعلق، ممارُوی مسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه فی حدیث الاسراء"وحانت الصلاۃ فامتھم [2]"۔	بیان کیے ہیں کہ اس نے نماز کے لئے طلب کیے جانے سے ان کو آگاہ کیا، "اور نماز کیلئے اقامت کہی گئی" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ اس کیلئے تیار ہوگئے اور اس میں شروع ہوگئے،اس لئے یہ اعتراض نہیں پیدا ہوگا کہ اذان واقامت تو مدینہ میں شروع ہوئی تھیں اور معراج مکّہ میں ہُوا تھا۔ثانیًا،اس لئے کہ اذان واقامت کا فرائض کے ساتھ مخصوص ہونا تو اُمّت کیلئے ان کے مشروع ہونے کے بعد معلوم ہوا ہے۔مشروعیت سے پہلے تخصیص پر کون سی دلیل ہے؟ ثالثًا،اس لئے اور یہ اعتراض استدلال کی جڑ کاٹنے والا ہے کہ معراج رات کو ہوئی تھی اور یہ ہم جان چکے ہیں کہ رات کی نماز،پانچ نمازوں کے فرض ہونے سے پہلے بھی فرض تھی،تو کیا پتا،ہوسکتا ہے یہ وہی رات کی نماز ہو! اسی سے اس کا جواب بھی ظاہر ہوجاتا ہے جس کو ہوسکتا ہے کوئی مستدل بطور دلیل پیش کرے یعنی مسلم کی وہ روایت جو ابوہریرہ سے حدیثِ معراج میں مروی ہے (کہ رسول اللہ نے فرمایا) اور نماز کا وقت ہوگیا تو میں نے انہیں نماز پڑھائی۔(ت)

تاہم اس قدر یقینا معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نمازیں پڑھتے۔نمازِ شب کی فرضیت تو خود سورہ مزمل شریف سے ثابت اور اُس کے سوا اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد عام ازینکہ فرض ہو یا نفل،حدیث میں ہے:

کان المسلمون قبل ان تفرض الصلوات الخمس یصلون الضحٰی والعصر.فکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واصحابه اذا صلوا اٰخر النھار.تفرقوا فی الشعاب فصلوھا فرادی [3]۔	فرضیت پنجگانہ سے پہلے مسلمان چاشت اور عصر پڑھا کرتے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام جب آخر روز کی نماز پڑھتے گھاٹیوں میں متفرق ہوکر تنہا پڑھتے۔

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۵۷

[2] الصحیح لمسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۶

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حدیث ۲۳-۷۷ ترجمہ عزیزہ بنت ابی تجراۃ مطبوعہ دار صادر بیروت لبنان ۴/۳۶۴

رواہ ابن سعد وغیرہ عن عزیزۃ بنت ابی تجراۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ذکرہ فی ترجمتہا من الاصابۃ۔	اس کو ابن سعد وغیرہ نے عزیزہ بنت تجراۃ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔یہ بات اصابہ میں عزیزہ رضی اللہ عنہا کے حالات میں مذکور ہے۔(ت)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں اور ان کی جمع و تلفیق کی حاجت نہیں بلکہ نماز شروع روز شریفہ سے مقرر ومشروع ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اوّل بار جس وقت وحی اُتری اور نبوتِ کریمہ ظاہر ہوئی اُسی وقت حضور نے بہ تعلیم جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم نماز پڑھی اور اُسی دن بہ تعلیمِ اقدس حضرت اُمّ المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے پڑھی،دُوسرے دن امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنی نے حضور کے ساتھ پڑھی کہ ابھی سورہ مزمل نازل بھی نہ ہوئی تھی تو ایمان کے بعد پہلی شریعت نماز ہے۔

فقد اخرج احمد وابن ماجۃ والحارث فی مسندہ وغیرہم عن اسامۃ بن زید عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،فی اول ماأوحی الیہ،فاراہ الوضوء والصلاۃ،فلما فرغ من الوضوء اخذ غرفۃ من ماء فنضح بہا فرجہ[1]۔وفی سیرۃ ابن اسحٰق،وسیرۃ ابن ھشام، و المواھب اللدنیۃ من المقصد الاول،وکتاب الخمیس،وافضل القری لقراء ام القری،للامام ابن حجر المکی،ثم حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید ابی السعود الازھری،ثم حاشیۃ الدر للعلامۃ السید احمد الطحطاوی،وھذا لفظ القسطلانی،مزیدا من الزرقانی،(قد روی) مرّضہ لان لہ طرقا لا تخلو من مقال؛لکنہا متعددۃ یحصل باجتماعہا	تخریج کی ہے احمد اور ابن ماجہ نے اور حارث نے اپنی مُسند میں اور دیگر محدثین نے اسامہ ابن زید سے،وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ وحی کے آغاز میں ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ بتایا،جب وضو سے فارغ ہُوئے تو چُلّو بھر پانی لیا اور اپنے فرج پر چھڑکا۔سیرت ابنِ اسحٰق میں،سیرت ابنِ ہشام میں،مواہب لدنیہ کے کتاب الخمس میں،ابن حجر مکی کی افضل القرٰی لقراء ام القرٰی میں،سید ابوالسعود ازہری کے حاشیہ کنز میں،سید احمد طحطاوی کے حاشیہ درمختار میں مذکور ہے اور الفاظ قسطلانی کے ہیں جن میں اس کی شرح زرقانی سے اضافہ کیا گیا ہے (روایت کی گئی ہے) بصیغہ مجہول اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس کے جتنے طریقے بھی ہیں وہ اعتراض سے خالی نہیں ہیں،لیکن چونکہ متعدد ہیں اس لئے ان کے اجتماع سے قوت

[1] مُسند امام احمد بن حنبل حدیث زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر،بیروت ۱۶۱/۴

القوة (ان جبریل بدا له صلی الله تعالٰی علیه وسلم) وهو باعلی مکة،کماعند ابن اسحٰق،ای بجبل الحراء،کمافی الخمیس (فی احسن صورة و اطیب رائحة فقال: یامحمد! ان الله یقرئك السلام ویقول لک: انت رسولی الی الجن والانس فادعهم الی قول لااله الاالله،ثم ضرب برجله الارض فنبعت عین ماء فتوضأ منها جبریل) زاد ابن اسحٰق،ورسول الله ینظر الیه،لیریه کیف الطهور الی الصلاة (ثم امره ان یتوضأ،وقام جبریل یصلی،وامره ان یصلی معه) زاد فی روایة ابی نعیم عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها،فصلی رکعتین نحوا الکعبة (فعلمه الوضوء والصلاة،ثم عرج الی السماء ورجع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم،لایمر بحجر ولامدر ولاشجر الا وهو یقول: السلام علیك یارسول الله! حتی اتی خدیجة،فاخبرها فغشی علیها من الفرح،ثم امرها فتوضأت،وصلی بها کماصلی به جبرئیل) زاد فی روایة،وکانت اول من صلی (فکان ذلك اول فرضها) ای تقدیرها (رکعتین)[1] اھ وله تمام سیأتی۔واخرج الطبرانی عن ابی رافع رضی الله تعالٰی عنه،قال: صلی النبی صلی الله تعالٰی علیه

حاصل ہوجاتی ہے (کہ جبریل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے) جبکہ آپ مکّہ کے بالائی حصّہ میں تھے جیساکہ سیرت ابن اسحٰق میں ہے،یعنی کوہِ حرا پر تھے جیساکہ خمیس میں ہے (اچھی صورۃ اور عمدہ خوشبو میں اور کہا: "اے محمد! اللہ تعالٰی آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ انسانوں اور جنّوں کی طرف میرے رسول ہیں اس لئے انہیں دعوت دیں کہ وہ لَااِلٰہ اِلَّااللہ کہیں۔پھر جبریل نے اپنا پاؤں زمین پر مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا اور جبریل نے اس سے وضو کیا) ابن اسحٰق نے اضافہ کیا ہے کہ "اور رسول اللہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے تاکہ رسول اللہ کو نماز کیلئے طہارت کا طریقہ بتائے (پھر آپ سے کہا کہ آپ بھی وضو کریں۔پھر جبریل نماز پڑھنے لگے اور رسول اللہ کو کہا کہ آپ بھی میرے ساتھ پڑھیں) ابونعیم نے حضرت عائشہ سے جو روایت کی ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جبریل نے قبلہ رُخ ہوکر دو۲ رکعتیں پڑھیں (چنانچہ وضو اور نماز سکھانے کے بعد جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور رسول اللہ گھر کی طرف واپس ہوئے تو راستے میں جس پتھر،ڈھیلے یا درخت کے پاس سے آپ گزرتے وہ کہتا "السلام علیك یارسول الله"۔یہاں تک کہ آپ خدیجہ کے پاس آئے اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا تو انہیں فرطِ مسرت سے غشی آگئی پھر رسول اللہ نے انہیں بھی وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اللہ نے اُن کو بھی اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے

[1] شرح الزرقانی المقصد الاوّل فی تشریف اللہ تعالٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۳

وسلم، اول یوم الاثنین، وصلت خدیجة اٰخرہ، وصلی علی یوم الثلثاء [1]۔	آپ کو پڑھائی تھی) ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ خدیجہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والی ہیں (تو یہ نماز کی پہلی فرضیت تھی) یعنی اس کا اندازہ تھا (دو رکعتیں) اھ اس روایت کا باقی حصہ عنقریب آئے گا۔ اور طبرانی نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوموار کے ابتدائی حصّے میں پہلی نماز پڑھی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سوموار کے آخری حصے میں اور علی رضی اللہ عنہ نے منگل کے دن۔ (ت)

بالجملہ یہ سوال ضرور متوجہ ہے کہ معراج سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، اقول ملاحظہ آیات واحادیث سے ظاہر کہ وہ نماز اسی انداز کی تھی اُس میں طہارتِ ثوب بھی تھی قال تعالٰی فی سورۃ المدثر، وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴ [2] (اللہ تعالٰی نے سورہ مدثر میں فرمایا ہے "اور اپنے کپڑوں کو پاک کرو"۔ت) وضو بھی تھا کماتقدم اٰنفا (جیسا کہ ابھی گزرا ہے۔ت) **استقبالِ قبلہ** بھی تھا،

کمامر من حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا، و روی ابن اسحٰق فی سیرتہ قال: حدثنی عبداللہ ابن نجیح المکی عن اصحابہ، عطاء ومجاھد وعمن روی ذلک، فساق حدیث اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وفیہ، فجعلت امشی رویدا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یصلی یقرؤ القراٰن، حتی قمت فی قبلتہ مستقبلہ، مابینی وبینہ الاثیاب الکعبة۔ قال: فلما سمعت القراٰن رق لہ قلبی [3]۔ الحدیث۔	جیسا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کی حدیث گزری ہے۔ اور ابنِ اسحٰق نے اپنی سیرت میں روایت کی ہے کہ حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ ابن نجیح مکی نے اپنے ساتھیوں عطا اور مجاہد سے اور کچھ لوگوں سے جنہوں نے یہ روایت بیان کی ہے۔ اس کے بعد ابنِ اسحٰق نے عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس میں ہے کہ (عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں) میں آہستہ آہستہ چلتا جارہا تھا اور رسول اللہ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن کی تلاوت کررہے تھے یہاں تک کہ میں آپ کے سامنے آپ کی طرف رُخ کرکے کھڑا ہوگیا، میرے اور آپ کے درمیان کعبے کے غلاف کے سوا کوئی حائل نہیں تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے قرآن سُنا تو میرا دل اس کے لئے نرم ہوگیا۔ الحدیث (ت)

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبیداللہ ابن ابی رافع حدیث ۹۵۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۳۲۰

[2] القرآن سورہ المدثر ۷۴/ آیت ۴

[3] سیرت ابن اسحٰق

تکبیر تحریمہ بھی تھی قال تعالٰی: وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ ۪ۙ[1] اور اپنے رب کی تکبیر کہہ۔ت) وقال عزاسمہ فی سورۃ الاعلٰی النازلۃ قدما، وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ۟ؕ[2] (اور اللہ تعالٰی نے سورہ اعلٰی میں، جو پہلے نازل ہونے والی سورتوں میں سے ہے، کہا ہے "اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو پھر نماز پڑھی"۔ت) **قیام** بھی تھا، قال تعالٰی:

یٰۤاَیُّہَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ[3] الاٰیات الٰی قولہ جل ذکرہ اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ[4]۔	اے اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کرو" اور اس سے بعد کی آیتیں، اس آیت تک "بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تو کبھی دو تہائی رات سے کم قیام کرتا ہے کبھی نصف رات اور کبھی ایک تہائی رات۔ اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو تیرے ساتھ ہے۔(ت)

قرأت بھی تھی۔

قال تعالٰی فی سورۃ المزمل فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ[5] وقال الزرقانی تحت ماتقدم من قول مقاتل رکعتین بالغداۃ ورکعتین بالعشی، یحتمل انہ کان یقرؤ فیہما بما اٰتاہ من سورۃ اقرء، حتی نزلت الفاتحۃ[6]۔	اللہ تعالٰی نے سورہ مزمل میں فرمایا ہے: "پس پڑھو جتنا قرآن میسر ہوسکے"۔ اور مقاتل کا جو قول پہلے گزرا ہے کہ دو ۲ رکعتیں صبح کی اور دو ۲ رکعتیں رات کی فرض تھیں، اس کے تحت زرقانی نے کہا ہے" ممکن ہے کہ نزولِ فاتحہ سے پہلے رسول اللہ ان رکعتوں میں سورۃ اقرا کی وہ آیات پڑھتے ہوں جو نازل ہوچکی تھیں۔(ت)

رکوع بھی تھا:

علی خلف فیہ، کماسیأتی، وقد تظافرت الاحادیث الحاکیۃ عماقبل الاسراء بصلاۃ	لیکن اس میں اختلاف ہے جو عنقریب آرہا ہے۔ اور جن احادیث میں معراج سے پہلے نماز پڑھنے کا

---

[1] القرآن سورہ مدثر ۷۴ آیت ۳

[2] القرآن سورۃ الاعلٰی ۸۷ آیت ۱۵

[3] القرآن، سورہ مزمل ۷۳

[4] القرآن ۷۳/۲۰

[5] القرآن ۷۳/۲۰

[6] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/ ۲۷۴

رکعات او رکعتین، منها ما تقدم آنفا من حدیث ابی نعیم فصلی رکعتین، ومن حدیث غیرہ فکان ذٰلك اول فرضها رکعتین، وانما سمیت رکعة للرکوع۔	بیان ہے، ان میں بکثرت رکعات یا دو۲ رکعتوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک تو وہی ہے جو ابھی ابونعیم کے حوالے سے گزری تھی کہ نماز پڑھی دو رکعتیں۔ اور ابونعیم کے علاوہ ایک دوسرے محدث کی روایت کہ ابتدا میں صرف دو۲ رکعتیں فرض تھیں۔ اور رکعت کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس میں رکوع پایا جاتا ہے۔ ت)

سجود بھی تھا:

کما فی حدیث ایذاء ابی جهل وغیرہ من الکفرة، لعنهم الله تعالٰی، حین صلی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند الکعبة، فرمقوا سجودہ، فالقوا علیه ماألقُوا به فی قلیب بدر ملعونین۔ والحمدلله رب العٰلمین۔ والحدیث معروف فی الصحیحین وغیرهما عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، وفیه من قول الکفار "یجیئ به ثم یمهله حتی اذاسجد وضع بین کتفیه؛ قال: فانبعث اشقاهم فلما سجد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وضعه بین کتفیه، وثبت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ساجدا [1]۔ الحدیث۔ وقد قال تعالٰی فی سورة اقرأ، وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾	جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس میں ابوجہل اور دیگر کفار لعنہم اللہ کی ایذارسانی کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے تو کفار نے اُن کے سجدے پر نگاہ رکھی اور آپ پر وہ کچھ ڈال دیا (یعنی اوجھڑیاں وغیرہ) جس کے بدلے میں بدر کے کنویں میں ملعون کرکے پھینک دیئے گئے۔ اور یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے معروف ہے اور اس میں ہے کہ کوئی جاکر اوجھڑیاں لائے پھر محمد کو اتنی مہلت دے کہ وہ سجدے میں چلا جائے، اس وقت اس کے شانوں کے درمیان اوجھڑیاں رکھ دے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں سے جو بہت بدبخت تھا وہ اس کام کیلئے تیار ہوگیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں گئے تو اس نے اوجھڑیاں آپ کے شانوں کے درمیان رکھ دیں اور آپ سجدے میں پڑے رہے۔ الحدیث۔ اور اللہ تعالٰی نے سورۃ اقرأ میں فرمایا ہے: "اور سجدہ کرو اور قُرب حاصل کرو"۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب المرأة تطرح علی المصلی شیئا من الاذٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۴

جماعت بھی تھی:

کماتقدم من حدیث المبعث، ولفظه عن ابن اسحٰق، ثم قام به جبرئیل فصلی به، وصلی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بصلاته، (الی ان قال فی خدیجة) صلی بها رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما صلی به جبرئیل، فصلت بصلاته [1] ۔اھ وقد قال تعالٰی وَطَآىِٕفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ [2] واخرج الشیخان عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فی حدیث مجیئ الجن الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اول البعث، انهم اتوه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو یصلی باصحابه صلاة الفجر [3]، قال الزرقانی المراد بالفجر الرکعتان اللتان کان یصلیها قبل طلوع الشمس [4] الخ۔	جیسا کہ بعث والی حدیث گزری ہے اور اس کے الفاظ ابنِ اسحٰق کے ہاں اس طرح ہیں "پھر جبریل آپ کے ساتھ کھڑے ہُوئے اور آپ کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ نے جبریل کی نماز کے مطابق نماز پڑھی (یہاں تک کہ خدیجہ کے بارے میں کہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز پڑھائی جس طرح جبریل نے رسول اللہ کو پڑھائی تھی چنانچہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مطابق نماز پڑھی۔اھ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور ایک جماعت ان لوگوں کی جو تمہارے ساتھ ہے" بخاری ومسلم نے ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے جس میں ابتداءِ وحی کے دوران رسول اللہ کے پاس جنّات کے آنے کا ذکر ہے۔اس میں ہے کہ جب جنّات آپ کے پاس آئے اس وقت آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ صبح کی نماز پڑھ رہے تھے۔زرقانی نے کہا ہے کہ فجر کی نماز سے مراد وہ دو ۲ رکعتیں ہیں جو طلوعِ آفتاب سے پہلے پڑھا کرتے تھے الخ۔(ت)

جہر بھی تھا:

قال تعالٰی قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّهْدِیْۤ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ [5]، وقد کانوا اسمعوه صلی الله تعالٰی	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "کہو وحی کی گئی ہے میری جانب کہ جنوں کی ایک جماعت نے کان لگا کر سُنا تو کہا ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے جو ہدایت کی طرف

[1] سیرت ابن اسحٰق

[2] القرآن ۷۳/۲۰

[3] صحیح البخاری زیر آیت قل اوحی الی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۳۲

[4] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول ذکر الجن مطبوعہ المطبعۃ العامرۃ مصر ۱/۳۴۹

[5] القرآن ۷۲/۱۔۲

علیه وسلم فی صلاة الفجر، کماتقدم، ومرّ حدیث ابن اسحٰق فی اسلام امیر المؤمنین عمر رضی الله تعالٰی عنه، وروی ابن سنجر فی مسنده عنه رضی الله تعالٰی عنه "خرجت اتعرض رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قبل ان اسلم، فوجدته قدسبقنی الی المسجد، فقمت خلفه، فاستفتح سورة الحاقة، فجعلتُ اتعجّب من تألیف القراٰن، **فقلت**: هوشاعر کماقالت قریش، فقرأ
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍۚ(۴۰) وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍؕ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَۙ(۴۱) **فقلت**: کاهن، علم مافی نفسی، فقرأ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَؕ(۴۲) الی اٰخر السورة، فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع[1]۔

اقول: لکن ذکر ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فی حدیثه المذکور نزول الحاقة بعد بنی اسرائیل بسبع وعشرین سورة، وجعلها من اواخر ما نزل بمکة، ولایظهر الجمع بان بعضها نزل قدیما فسمعه عمر قبل ان یسلم وتأخر نزول الباقی، واعتبر ابن عباس بالاکثر، فان امیر المؤمنین یقول فی هٰذا الحدیث، ان صح: فاستفتح سورة الحاقة، ویذکر الاٰیات من اواخرها، ثم یقول الی اٰخر السورة، فالله

رہنمائی کرتا ہے" اور جنّات نے رسول اللہ کی یہ قرأت نمازِ فجر میں سُنی تھی، جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے۔ اور ابن اسحٰق کی روایت بھی گزرچکی ہے جو امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بارے میں ہے۔ اور ابن اسحٰق نے اپنے مسند میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں "اسلام لانے سے پہلے ایک دن میں رسول اللہ کا سامنا کرنے کے لئے گھر سے نکلا تو آپ اُس وقت مسجد کو جاچکے تھے میں جاکر ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، انہوں نے سورۃ الحاقہ شروع کی تو میں قرآن کی تالیف وترتیب پر حیران رہ گیا اور میں نے دل میں کہا کہ یہ شخص شاعر ہے، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی "اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے تم بہت کم ایمان لاتے ہو"۔ میں نے سوچا کہ یہ کاہن ہے کہ اس کو میرے دل کی بات معلوم ہوگئی، اُسی وقت آپ نے یہ آیت پڑھی "نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو سورۃ کے آخر تک۔ چنانچہ اسلام میرے دل میں پُوری طرح گھر گیا۔

اقول: (میں کہتا ہوں: لیکن ابن عباس نے اپنی مذکورہ روایت میں بیان کیا ہے کہ سورۃ الحاقہ کا نزول اس وقت ہُوا جب سورہ بنی اسرائیل کے بعد ستائیس سورتیں نازل ہوچکی تھیں اور ابن عباس نے الحاقہ کو ان سورتوں میں شمار کیا ہے جو مکّہ کے آخری دور میں نازل ہوئی تھیں (پھر حضرت عمر نے الحاقہ کی آیات اسلام لانے سے پہلے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مقصد اول اسلامِ عمرِ فاروق مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۳۲۲

تعالٰی اعلم؛ بل قال مجاھد فی قوله تعالٰی فاصدع بماتؤمر ھو الجھر بالقراٰن[1]۔حکاہ فی المواھب من المقصد الاول،قال: قالوا وکان ذلك بعد ثلث سنین من النبوۃ،قال الزرقانی: تبرأ منه لجزم الحافظ فی سیرته بان نزول الاٰیة کان فی السنة الثالثة[2]۔	کس طرح سُن لی تھیں، جبکہ وہ نبوت کے چھٹے سال میں ایمان لائے تھے اور اس وقت یہ سورت نازل ہی نہیں ہُوئی تھی) اور یہ تطبیق کرنا غیر ظاہر ہے کہ ہو سکتا ہے اس کا کچھ حصّہ پہلے نازل ہوا ہو اور حضرت عمر نے اس کو سُن لیا ہو اور باقیماندہ زیادہ تر حصّہ بعد میں نازل ہوا ہو اور حضرت ابن عباس نے اکثر باقیماندہ حصے کے نزول کو ملحوظ رکھا ہو۔ غیر ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اگر (اسلامِ عمر والی) یہ حدیث صحیح ہے تو اس میں عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "پس شروع کی رسول اللہ نے سورۃ الحاقہ، پھر سورۃ کے آخری حصّے کی چند آیات ذکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں "سورت کے آخر تک" (یعنی اس روایت کا تقاضا تو یہ ہے کہ یہ سورت شروع سے آخر تک اس وقت نازل ہوچکی تھی پھر مندرجہ بالا تطبیق کیسے ظاہر ہو سکتی ہے؟) پس اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ بلکہ مجاہد نے کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمانا "(اے نبی!) جس چیز کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے اس کا اعلان کرو: "اس سے مراد قرآن کو جہراً پڑھنا ہے۔ یہ بات مواہب کے مقصدِ اول میں مذکور ہے۔ صاحبِ مواہب نے کہا: "کہتے ہیں کہ یہ آیت نبوت کے تین سال گزرنے کے بعد نازل ہوئی"۔ اس کی شرح میں زرقانی نے کہا ہے کہ ("کہتے ہیں" کہہ کر) ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ حافظ نے اپنی سیرت میں یقین ظاہر کیا ہے کہ یہ آیت نبوت کے تیسرے سال کے دوران نازل ہُوئی تھی۔ (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے نمازِ سابق اصول وارکان میں اسی نماز مستقر کے موافق نظر آتی ہے بلکہ حدیث مذکور بلفظ مواہب میں بعد فکان ذلك اول فرضھا رکعتین (ابتدا میں نماز کی دو۲ رکعتیں فرض ہُوئی تھیں۔ت) کے فرمایا:

ثم ان اللہ تعالٰی اقرھا فی السفر کذلك واتمھا فی الحضر[3]۔	پھر اللہ تعالٰی نے سفر میں دو۲ رکعتیں برقرار رکھیں اور حضر میں (چار) مکمل کردیں۔ (ت)

شرح زرقانی میں ہے:

اقرھا ای شرعھا علی ھیأة ماکان	"برقرار رکھیں" کا مطلب یہ ہے کہ ان دو۲ رکعتوں کو

[1] المواہب اللدنیہ الجہر بالدعوۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۲۲ و ۲۲۳
[2] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی از مقصد اول مطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۸۷
[3] المواہب اللدنیہ اول امر الصلوٰۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۱

یصلیھا[1] قبل۔	اسی طرح مشروع قرار دے دیا جس طرح آپ پہلے سے پڑھتے تھے۔(ت)

قبل اس سے ظاہر یہ کہ پیش از معراج دو۲ رکعتیں اسی طرح کی تھیں جیسی اب ہیں مگر بعض علماء فرماتے ہیں معراج سے پہلے رکوع اصلًا نہ تھا نہ اس شریعت میں نہ اگلے شرائع میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اُمتِ مرحومہ کے خصائص سے ہے کہ بعد اسراء عطا ہُوا بلکہ معراج مبارک کی صبح کو جو پہلی نمازِ ظہر پڑھی گئی اُس تک رکوع نہ تھا اُس کے بعد عصر میں اُس کا حکم آیا اور حضور وصحابہ نے ادا فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسند بزار ومعجم اوسط طبرانی میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث اس معنی کو مفید امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

باب اختصاصه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالرکوع فی الصلاۃ۔ذکر جماعة من المفسرین فی قوله تعالٰی وارکعوا مع الراکعین،ان مشروعیة الرکوع فی الصلاۃ خاص بهذه الملة،وانه لارکوع فی صلاۃ بنی اسرائیل،ولذا امرهم بالرکوع مع امة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم،قلت: وقد یستدل له بما اخرجه البزار والطبرانی فی الاوسط عن علی رضی الله تعالٰی عنه،قال: اول صلاۃ رکعنا فیها صلٰوۃ العصر،فقلت یارسول الله ماهذا؟ قال: بهذا امرت۔ووجه الاستدلال انه صلی قبل ذلك صلاۃ الظهر،وصلی قبل فرض الصلوات الخمس قیام اللیل وغیر ذلک،فکون الصلاۃ السابقة بلارکوع قرینة لخلّو صلاۃ الامم السابقة منه[2] اھ۔	باب،اس بیان میں کہ رسول اللہ نماز میں رکوع کے ساتھ مختص ہیں۔مفسرین کی ایک جماعت نے اللہ تعالٰی کے فرمان "اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نماز میں رکوع کا ہونا اس اُمت کے ساتھ خاص ہے،اور بنی اسرائیل کی نماز میں رکوع نہیں تھا،اسی لئے ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رکوع کریں۔اور اس پر دلیل پیش کی جاتی ہے کہ بزار نے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ پہلی نماز جس میں ہم نے رکوع کیا وہ عصر کی نماز تھی،تو ہم نے کہا: "یارسول اللہ! یہ کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا: "مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے"۔استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ رسول اللہ نے اس سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی تھی،اور پانچ نمازوں کی فرضیت سے پہلے قیام لیل بھی کرتے تھے،کچھ اور نوافل بھی پڑھتے تھے،توان تمام نمازوں میں رکوع کا نہ ہونا اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اھ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب مراتب الوحی مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۲۷۳۔۷۴

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرکوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۰۵

شرح زرقانی مقصد خامس میں ہے:

الرکوع من خصائص الامۃ، وماصلاہ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل الاسراء لارکوع فیہ؛ وکذاظھر عقب الاسراء، واول صلاۃ برکوع، العصر بعدھا[1]۔	رکوع اس اُمّت کی خصوصیات میں سے ہے اور مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے پہلے جو نمازیں پڑھا کرتے تھے ان میں رکوع نہ تھا، اسی طرح معراج کے بعد جو ظہر پڑھی (اس میں بھی رکوع نہ تھا) اس ظہر کے بعد آپ نے جو عصر پڑھی تو وہ پہلی نماز تھی جس میں رکوع کیا گیا۔ (ت)

اقول: یہ حدیثِ طبرانی اگر صحیح یا حسن ہے تو استناد صحیح وحسن ہے ورنہ اس کا صریح معارض حدیث عفیف کندی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موجود کہ وہ زمانہ جاہلیت میں مکہ معظّمہ میں آئے کعبہ کے سامنے بیٹھے تھے دن خوب چڑھ گیا تھا کہ ایک جوان تشریف لائے اور آسمان کو دیکھ کر رُوبکعبہ کھڑے ہوگئے ذرا دیر میں ایک لڑکے تشریف لائے وہ اُن کے دہنے ہاتھ پر قائم ہوئے تھوڑی دیر میں ایک بی بی تشریف لائیں وہ پیچھے کھڑی ہُوئیں پھر جوان نے رکوع فرمایا تو یہ دونوں رکوع میں گئے پھر جوان نے سر مبارک اُٹھایا تو ان دونوں نے اُٹھایا جوان سجدے میں گئے تو یہ دونوں بھی گئے انہوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے حال پُوچھا کہا یہ جوان میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ لڑکے میرے بھتیجے علی اور یہ بی بی خدیجۃ الکبرٰی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، میرے یہ بھتیجے کہتے ہیں کہ آسمان وزمین کے مالک نے انہیں اس دین کا حکم دیا ہے اور اُن کے ساتھ ابھی یہی دو مسلمان ہُوئے ہیں۔

اخرج ابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی التاریخ عن عفیف الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال: جئت فی الجاھلیۃ الی مکۃ، وانا ارید ان ابتاع لاھلی من ثیابھا وعطرھا، فاتیت العباس، وکان رجلا تاجرا، فانی عندہ جالس انظر الی الکعبۃ، وقدکلفت الشمس وارتفعت فی السماء فذھبت اذ اقبل شاب فنظر الی السماء ثم قام مستقبل الکعبۃ، فلم البث الا یسیرا حتی	ابنِ عدی نے کامل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں عفیف کندی رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں زمانہ جاہلیت میں مکہ مکرمہ آیا، میں مکہ کے کپڑے اور عطر خریدنا چاہتا تھا اس لئے عباس کے پاس آیا کیونکہ وہ تجارت کیا کرتے تھے ابھی میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور سُورج خوب روشن تھا اور آسمان پر بلند ہوچکا تھا کہ اچانک ایک نوجوان آئے اور آسمان کی طرف دیکھا پھر قبلہ رُو ہو کر کھڑے ہوگئے، تھوڑی دیر کے بعد ایک لڑکے آئے اور جوان کے دائیں طرف کھڑے ہوگئے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۶/۵۷

جاء غلام فقام عن یمینه.ثم لم یلبث الا یسیرا حتی جاء ت امرأة فقامت خلفهما،فرکع الشاب فرکع الغلام والمرأة.فرفع الشاب فرفع الغلام والمرأة.فسجد الشاب فسجد الغلام والمرأة.فقلت: یاعباس! امر عظیم.فقال: امرعظیم، تدری من هذا الشاب؟ هذا محمد بن عبدالله.ابن اخی.تدری من هذا الغلام؟ هذا علی ابن اخی.تدری من هذه المرأة؟ هذه خدیجة بنت خویلد.زوجته۔ان ابن اخی هذا حدثنی ان ربه.رب السمٰوٰت والارض.امره بهذا الدین۔ ولم یسلم معه غیره هؤلاء الثلثة [1]۔ فیه سعید بن خیثم الهلالی.قال الازدی منکر الحدیث عن اسد بن عبدالله العسری عــه۔قال البخاری:

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ ایک خاتون آئیں اور دونوں کے پیچھے کھڑی ہوگئیں،جوان نے رکوع کیا تولڑکے اور خاتون نے بھی رکوع کیا،وہ جوان رکوع سے کھڑے ہوئے تو وہ دونوں بھی کھڑے ہوگئے،جوان سجدے میں گئے تو وہ دونوں بھی سجدے میں چلے گئے۔میں نے کہا:"اے عباس! یہ تو کوئی بڑا معاملہ ہے"۔عباس نے کہا:"ہاں،بڑا معاملہ ہے،جانتے ہو یہ جوان کون ہے؟ یہ میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ہے۔جانتے ہو یہ لڑکا کون ہے؟ یہ علی ہے میرا بھتیجا۔جانتے ہو یہ خاتون کون ہے؟ یہ خدیجہ بنتِ خویلد ہے،جوان کی بیوی۔میرے اس بھتیجے نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے رب نے،جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے،اس کو اِس دین کا حکم دیا ہے،اور ابھی ان تین کے علاوہ کسی نے اس دین سے اتفاق نہیں کیا ہے۔

اس میں ابن خثیم ہلالی ہے۔ازدی نے کہا ہے کہ سعید،اسد ابن عبداللہ العسری سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے بخاری نے کہا:

عــه هکذا فی الاصل بخط الناسخ وکتب علیه بعض المصححین لعله العنبری اقول الصحیح القسری والعسری لیس بشیئ عثرنا علیه قط فی الانساب وهو اسد بن عبدالله بن یزید بن البجلی اخو خالد القسری بفتح القاف وسکون المهملة فی حدیثه لین

اصل کتاب میں کاتب کا لکھاہوا اسی طرح ہے،بعض تصحیح کرنے والوں نے لکھا ہے کہ شاید العنبری ہو **اقول:** (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک یہ لفظ القسری ہے العسری کوئی لفظ نہیں۔انساب میں ہم اس پر اصلاً مطلع نہ ہوسکے،یہ اسد بن عبداللہ بن یزید بن البجلی خالد القسری کے بھائی ہیں قاف پر زبر اور سین (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ایاس بن عفیف الکندی مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ شیخوپورہ ۱/۴۱۰

لایتابع علی حدیثه۔	اس کی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

اور دعوی اختصاص امت پر آیہ کریمہ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ[1] (اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے اسے آزمایا ہے تو اس نے اپنے رب سے مغفرت طلب کی اور رکوع میں گرگیا اور انابت اختیار کی۔ت) کے ورود میں اگر تامل بھی ہو فان کثیرا منهم فسروا ههنا الرکوع بالسجود وان قال الحسین بن الفضل ان معناه خر بعد ماکان راکعا ای سجد (کیونکہ بہت سے علماء نے یہاں رکوع سے سجود مراد لیا ہے، اگرچہ حسین ابن فضل نے کہا ہے کہ "گرگیا" کا معنٰی یہ ہے کہ رکوع کے بعد گرگیا یعنی سجدے میں چلاگیا۔ت) تو آیہ کریمہ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ[2] (اے مریم! عاجزی اختیار کرو اپنے رب کے رُوبرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ت) ظاہرۃ الورود ہے۔ معالم میں ہے:

انما قدم السجود علی الرکوع لانه کذلك کان فی شریعتهم، وقیل: بل کان الرکوع قبل السجود فی الشرائع کلها، ولیس الواو للترتیب	کہا گیا ہے کہ یہاں سجدے کا ذکر رکوع سے پہلے اس لئے ہے کہ ان کی شریعت میں اسی طرح تھا اور بعض نے کہا ہے کہ رکوع تمام شریعتوں میں سجدے سے پہلے تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من الخامسة مات سنة مائة وعشرین روی عن ابیه وعن یحیی بن عفیف وروی عنه سعید بن خیثم وسلم بن قیتبة وسلیمان بن صالح سلمویه وکان امیر اعلی خراسان جوادا ممدوحا قال البخاری یتابع فی حدیثه کذافی التقریب وتهذیب التهذیب ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرله	پر جزم ہے اس کی حدیث میں کمزوری ہے پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں ایک سو بیس ۱۲۰ ہجری میں ان کا وصال ہوا انہوں نے اپنے والد اور یحیٰی بن عفیف الکندی سے روایت کی ہے اور ان سے سعید بن خیثم وسلم بن قتیبہ اور سلیمان بن صالح سلمویہ نے روایت کی ہے یہ خراسان کے امیر تھے بڑے سخی اور لائقِ تعریف تھے۔ بخاری کہتے ہیں کہ ان کی حدیث میں متابعت کی گئی جیسا کہ التقریب والتہذیب میں ہے ۱۲ فقیر محمد حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

[1] القرآن ۳۸/ ۲۴

[2] القرآن سورۃ آل عمران ۳ آیت ۴۳

بل للجمع [1]۔	اور واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے بلکہ جمع کیلئے ہے۔(ت)

اقول یہاں اگرچہ تاویل رکوع بخشوع ممکن مگر حدیثِ شبِ معراج:

ثم دخلت المسجد فعرفت النبیین مابین قائم و راکع وساجد [2] رواہ الحسن بن عرفة وابونعیم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے نبیوں کو جانا کہ کچھ قیام میں ہیں کچھ رکوع میں اور کچھ سجود میں۔اس کو حسن ابن عرفہ اور ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

جس میں تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مسجدِ اقصٰی میں تشریف فرما ہُوئے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ملاحظہ فرمایا کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں ہے کوئی سجود میں نص مفسر غیر قابل التاویل ہے۔

فانہ یفید التقسیم،ولایجوز ان یکون الخشوع قسیما للقیام والسجود۔فاندفع ماذکر العلامة الزرقانی ھٰھنا حیث قال تحت قولہ مابین قائم وراکع،ای خاشع کخشوع الراکع،فلایرد ان الرکوع من خصائص الامة [3] الی اٰخر ماقدمنا نقلہ ورأیتنی،کتبت علی ھامشہ،ماحاصلہ ان فیہ مثل ماقدمنا عن الزرقانی نفسہ ان النص یحمل علی حقیقتہ الشرعیة مھما امکن،وقد امکن، و اختصاص ھذہ الامة من بین الامم،لاینفی صدور الرکوع من الانبیاء علیھم الصّلاۃ والسلام،لاسیما بعد الوفاۃ؛ لاسیما بعد ماظھرت شریعة نبی الانبیاء صلی اللہ	کیونکہ یہ تقسیم کا فائدہ دیتا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ خشوع،قیام اور سجود کے بالمقابل ایک قسم ہو۔اس سے مسترد ہوگئی وہ بات جو علّامہ زرقانی نے یہاں ذکر کی ہے۔انہوں نے"کچھ قیام میں""کچھ رکوع میں"کی شرح کرتے ہُوئے کہا ہے"یعنی اس طرح خشوع کرنے والے جس طرح رکوع کرنے والا کرتا ہے"اب یہ اعتراض پیدا نہیں ہوگا کہ رکوع اس امت کی خصوصیات سے ہے......آخر تک،جیسا کہ ہم پہلے زرقانی سے نقل کرچکے ہیں۔اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر جو لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اس میں بھی وہی خامی ہے جو ہم زرقانی ہی سے نقل کرچکے ہیں کہ نص جہاں تک ہوسکے اپنی شرعی حقیقت پر حمل کی جائے گی،اور(یہاں شرعی حقیقت

[1] تفسیر معالم التنزیل تفسیر سورہ آل عمران مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۶/۵۶

[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الخامس فی المعراج والاسراء مطبوعہ مطبعۃ العامرۃ مصر ۶/۵۷

تعالٰی علیه وعلیهم وسلم ونسخت شرائعهم عن اٰخرها۔ وقِرانه بقیام وسجود ادلُ دلیل علی ان المراد الرکوع الشرعی۔ وکیف یحمل علی اللغوی وھو الخشوع، مع انه قسم بینهم القیام والرکوع والسجود، اَفتَری قائمهم وساجدهم غیر خاشع؟ اھ ما کتبت علیه۔

ثمّ اقول: الحدیث ان دلّ علی خلوصلاۃ بنی اسرائیل عن الرکوع، کان ادل علی خلوصلاۃ الامة الابرھیمیة عنه، فان ملتنا ھذہ ھی الملة الابرھیمیة، مع ان الله تعالٰی یقول

وَعَہِدۡنَاۤ اِلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ اَنۡ طَہِّرَا بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡعٰکِفِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۱۲۵﴾ [1]

وقال تعالٰی

وَ اِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ مَکَانَ الۡبَیۡتِ اَنۡ لَّا تُشۡرِکۡ بِیۡ شَیۡئًا وَّ طَہِّرۡ بَیۡتِیَ لِلطَّآئِفِیۡنَ وَ الۡقَآئِمِیۡنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوۡدِ ﴿۲۶﴾ [2]

۔وادعاء ان المراد بالرکع الامة المحمدیة خاصة واضح البعد۔ صلی الله تعالٰی علی الجیب واٰله وامته و

مراد لینا) ممکن ہے۔اور باقی امتوں میں سے اس امت کا رکوع کے ساتھ خاص ہونا،اس بات کے منافی نہیں ہے کہ انبیاء سے رکوع کا صدور ہوتا رہا ہے، خصوصًا ان انبیاء کے وصال کے بعد، خصوصًا نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت ظاہر ہونے اور باقی انبیاء کی شریعتیں یکسر منسوخ ہونے کے بعد۔اور حدیث میں رکوع کا قیام اور سجود کے ساتھ مذکور ہونا،واضح دلیل ہے کہ یہاں شرعی رکوع مراد ہے۔لغوی رکوع یعنی خشوع مراد ہو بھی کیسے ہوسکتا ہے جبکہ انبیاء کیلئے تین ۳ قسم کی عبادات مذکور ہیں یعنی قیام، رکوع اور سجود۔کیا تمہارے خیال میں جو انبیاء قائم یا ساجد تھے وہ خشوع کرنے والے نہیں تھے؟ میں نے جو کچھ حاشیہ میں لکھا تھا وہ ختم ہوا۔(ت)

پھر میں کہتا ہوں کہ (حضرت علی والی) حدیث اگر اس پر دال ہے کہ بنی اسرائیل کی نمازیں رکوع سے خالی تھیں تو ملتِ ابراہیمیہ کی نمازوں کے رکوع سے خالی ہونے پر بطریقِ اولٰی دال ہوگی کیونکہ ہماری ملّت تو ملتِ ابراہیمی ہی ہے باوجودیکہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور عہد کیا ہم نے ابراہیم واسمٰعیل کی طرف کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے،اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھو"۔اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے "اور جب ٹھکانا بنادیا ہم نے ابراہیم کے لئے بیت اللہ کی جگہ کو کہ نہ شریک ٹھہراؤ میرے ساتھ کسی کو اور میرے گھر کو پاک رکھو طواف کرنے والوں کے لئے،

---
[1] القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۲۵
[2] القرآن سورہ الحج ۲۲ آیت ۲۶

بارك وسلّم۔	قیام کرنے والوں کیلئے اور رکوع و سجود کرنے والوں کیلئے۔اور یہ دعوٰی کرنا کہ رکوع کرنے والوں سے مراد صرف امتِ محمدیہ ہے واضح طور پر بعید ہے صلی اللہ علی الحبیب وآلہٖ وامتہٖ وبارک وسلم۔(ت)

بالجملہ مدار کار صحت حدیث مذکور طبرانی وبزار پر ہے اگر وہ صحیح ہے توثابت ہوگا کہ معراج شریف سے پہلے کی نمازیں بلکہ ایک نماز بعد کی بھی بے رکوع تھی ورنہ ظاہر احادیث یہی ہے کہ نماز سابق ولاحق باہم یکساں ومتوافق ہیں۔

هذا كله ماظهرلی،والعلم بالحق عندربی،والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم،وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	یہ سب کچھ میرے لیے ظاہر ہوا ہے اور حق کا علم میرے رب کو ہے،اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر علم رکھنے والا ہے اور اسی کا علم زیادہ تام اور محکم ہے۔(ت)

مسئلہ (۲۵۱) از بنارس محلّہ کنوا پورہ۔مرسلہ مولوی حاجی محمد رضا علی صاحب ماہِ رمضان ۱۳۰۸ھ

سوال:

خلاصہ فتوائے مولوی صاحب موصوف کہ بطلب تصدیق نزد فقیر فرستادند

بسم الله الرحمٰن الرحيم

ایک اشتہار جو چھاپا گیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ نامی بماہ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ شبِ جمعہ روضہ مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بیٹھے تھے اُن کو پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونگھ میں باتیں کیں جب آنکھ کھلی سب مضمون اشتہار کاغذ پر لکھا قبر شریف پر دھرا تھا اور بہت باتیں اُس میں مکتوب میں درباب اس اشتہار کے کیا ارشاد ہے۔بینوا ایها العلماء رحمکم الله۔

الجواب وهو العليم:

کہتا ہے فقیر محمد رضا علی البنارسی الحنفی اُس میں جو علامات قیامت لکھے ہیں بے شک علامات صغرٰی سب اس زمانہ میں موجود ہیں اور اسلام میں ضعف خصوصًا ہندوستان میں اللہ تعالٰی سب مسلمانوں کو اور فقیر کو توبہ نصیب کرے مگر اشتہار میں جو لکھا ہے کہ شیخ عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب یا اونگھ

میں فرمایا علماء کتب معتبرہ میں لکھتے ہیں اگر کوئی کہے ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں ایسا فرمایا اگر قائل فاسق ہے تو بلاشک کاذب ہے اور متقی ہے تو دیکھیں گے کہ یہ حکم جو یہ شخص پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتا ہے اگر برابر ہے قرآن وحدیث اور نصوص قطعیہ شرعیہ اور فقہ کے تو یہ قول بھی واجب الاذعان اور واجب الاتباع ہے اور اگر مخالف ہے ہرگز معتبر اور واجب الاتباع نہیں کیونکہ جو کلمہ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیداری میں صحابہ کرام سے فرمایا اور متواتر منقول ہے اُسی کا اعتبار کریں گے مخالف کو اَضغاث احلام شمار کریں گے ورنہ تعارض آپ کے کلام میں لازم آئے گا۔

کذا ذکرہ الملا علی قاری فی المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمۃ وفی الحرز الثمین والعارف بن ابی جمرۃ الاندلسی المالکی فی بھجۃ النفوس شرح مختصر صحیح البخاری والشھاب احمد الخفاجی الحنفی فی نسیم الریاض وغیرھم فی کتبھم۔	اسی طرح ذکر کیا ہے ملّا علی قاری نے "المقدمۃ السالمۃ فی خوف الخاتمہ "اور "الحرز الثمین "میں۔اور عارف ابن ابی جمرہ اندلسی نے "بھجۃ النفوس "میں جو کہ مختصر صحیح بخاری کی شرح ہے اور شہاب احمد خفاجی حنفی نے "نسیم الریاض "میں،اور دیگر علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں۔(ت)

اور بھی فرمایا اللہ تعالٰی نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ [1]۔(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا ہے)

کلامِ الٰہی اور کلام رسالت پناہی بعد اکمال کے اب منسوخ نہیں ہوسکتا الغرض کذب اس اشتہار کا کئی طور سے معلوم ہوتا ہے واللہ العلیم الخبیر (اور اللہ علم اور خبر والا ہے) اُس میں لکھا ہے تارک الصلاۃ پر نمازِ جنازہ نہ پڑھیں، غسل نہ دیں، قبرستانِ اہلِ اسلام میں نہ دفن کریں، اُس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، عیادت نہ کریں۔یہ سب مسائل خلافِ قرآن اور حدیث اور فقہ کے ہیں، خلاف اہلِ سنّت کے ہیں، خوارج سے ملتے ہوئے ہیں، ہمارے مذہب اہل سنّت میں ترک نماز گناہِ کبیرہ ہے اور ترک فرض اور ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوسکتا، ہاں کبیرہ کو کبیرہ نہ جانے تو بلاشک کافر ہے، منکر نصوصِ قطعیہ کا بلاشک کافر ہے۔اور کلمہ گو کو غسل نہ دینا، نمازِ جنازہ نہ پڑھنا، مقابرِ اہلِ اسلام میں دفن نہ کرنا نہایت مذموم اور بڑے فساد اور بڑی اہانت کی بات ہے۔اور تارک الصلاۃ کے کفر واسلام کا بحث درمیان ائمہ اربعہ کے معلوم ہے ہمارے امام اعظم تارک الصلاۃ کو کافر نہیں کہتے ہیں فاسق کہتے ہیں اور اس کو ادلہ شرعیہ سے ثابت کرتے ہیں اور مراد کُفر سے تعذیب مثل کفار کے ہے۔

کذا فی شرح الفقہ الاکبر [2] لملاّ علی قاری	ملّا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں،

[1] القرآن سورۃ المائدۃ ۵ آیت ۳

[2] شرح الفقہ الاکبر لملاّ علی قاری المعاصی تضر مرتکبہا الخ مصطفی البابی مصر ص ۷۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ومیزان الشعرانی ورحمة الامة فی اختلاف الائمة وشرح الشیخ عبدالحق للمشکٰوة وغیرھا من الکتب المعتبرات۔	امام شعرانی کی میزان میں، رحمۃ الامّہ فی اختلاف الائمہ میں، شیخ عبدالحق کی شرح مشکٰوۃ میں اور دوسری معتبر کتابوں میں اسی طرح مذکور ہے۔(ت)

اور نماز جنازہ تارک الصلاۃ پر چاہیے۔قال اللہ تعالٰی: وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا[1] (اور نہ نماز پڑھئے ان میں سے کسی ایک پر جو مرجائے، کبھی بھی۔) اس آیت میں منع صلاۃ اُوپر کافر کے ہے نہ مومن کے اور تارک الصلوٰہ کو قبرستان مسلمانوں میں دفن کرنا چاہئے کذافی شرح المشکٰوۃ لعبد الحق الدھلوی وتکمیل الایمان (عبدالحق دہلوی کی شرح مشکٰوۃ میں اور تکمیل الایمان میں اسی طرح ہے) اور تارک الصلاۃ نجس نہیں اُس کے ساتھ بیٹھ کر دوسرے برتن میں کھانے میں کیا قباحت ہے، اور عیادت تارک الصلاۃ کی کیسے ممنوع ہوگی جبکہ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیادت یہود کی کی ہے خصوصًا واسطے تالیف قلوب کے بلاشک جائز ہے کذافی الحدیث وتحقیق ھذہ المسئلة فی المشکٰوة[2] والصحاح الستة وشروحھا (حدیث میں اسی طرح ہے، اور اس مسئلے کی تحقیق صحاح ستّہ اور ان کی شروح میں ہے) بالجملہ نزدیک فقیر کے کل وصیت نامہ پر لوگ عمل کریں اور اللہ سے ڈریں مگر جو مسائل مخالف فقہ اور نصوص قطعیہ کے ہیں اُس پر ہرگز عمل نہ کریں ورنہ ثواب کے عوض میں عذاب ہاتھ آوے گا۔

ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اھدنا الصراط المستقیم الٰی اٰخر السورة۔۲۰ شعبان ۱۳۰۸ھ	اے ہمارے رب! ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے۔ تُو بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے، ہدایت دے ہمیں سیدھے راستے کی۔ آخر سورۃ تک۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال الفقیر عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفر اللہ تعالٰی لہ ولاسلافہ وبارك فیه	کہتا ہے فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی، سُنّی، حنفی، قادری، بریلوی، اللہ تعالٰی اس کو اور اس کے اسلاف کو بخشے اور اس کو اور اس کے

[1] القرآن سورہ التوبہ ۹ آیت ۸۴

[2] مشکٰوۃ المصابیح باب عیادۃ المریض الفصل الاول مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۳۴

وفی اخلافہ۔اٰمین!	اخلاف کو برکت عطافرمائے۔آمین!

حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مشرف ہونا اگرچہ بلاشبہہ حق ہوتا ہے یہ خواب کبھی اضغاث احلام سے نہیں ہوتی۔ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

من راٰنی فی المنام فقد راٰنی فان الشیطان لایتمثل بی [1]۔رواہ احمد والبخاری والترمذی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھی کو دیکھا کہ شیطان میری مثال بن کر نہیں آسکتا۔(م) اس کو احمد، بخاری اور ترمذی نے انس ابن مالک سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم:

من راٰنی فقد راٰی الحق فان الشیطان لایتریأبی [2]۔رواہ احمد والشیخان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والاحادیث فی ھذا المعنی متواترۃ۔	جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق دیکھا کہ شیطان میری وضع نہ بنائے گا۔(م) اس کو احمد اور بخاری ومسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس مفہوم کی احادیث متواتر ہیں۔(ت)

مگر ازانجا کہ حالتِ خواب میں ہوش وحواس عالم بیداری کی طرح ضبط وتیقظ پر نہیں ہوتے، لہٰذا خواب میں جو ارشاد سُنے مثل سماع بیداری مورث یقین نہیں ہوتا اس کا ضابطہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جو ارشادات بیداری میں ثابت ہوچکے اُن پر عرض کریں اگر اُن سے مخالف نہیں فبھا سواء وجد مطابقۃ الصریح اولا (خواہ صراحۃً مطابقت ہو یا نہ۔ت) ایسی حالت میں اس کا ارشاد ماننا چاہئے اور مخالف ہے تو یقین کریں گے کہ صاحبِ خواب کے سُننے میں فرق ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حق فرمایا اور بوجہ تکدر حواس کہ اثرِ خواب ہے اُس کے سُننے میں غلط آیا جیسے ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے میکشی کا حکم دیتے ہیں۔امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا حضور نے میکشی سے نہی فرمائی تیرے سُننے میں اُلٹی آئی، اس امر میں فاسق ومتقی برابر ہیں، نہ متقی کا سماع واجب الصحۃ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من راٰنی فی المنام الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۲/ ۵۲

[2] صحیح البخاری باب من رای النبی فی المنام، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۶

نہ فاسق کا بیان یقینی الکذب بلکہ ضابطہ مطلقاً یہی ہے جو مذکور ہوا پھر کافہ اہلسنت وجماعت کا اجماع قطعی ہے کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں۔

قال اللہ عزوجل وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا [1]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر [2]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شفاعتی لاھل الکبائر من امتی [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے "اور اگر مؤمنوں کی دو ۲ جماعتیں لڑ پڑیں"۔(ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگرچہ زنا کرے، اگرچہ چوری کرے، خواہ ابوذر کی ناک خاک آلود ہوجائے"۔(ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "میری شفاعت میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں"۔(ت)

بلکہ مذہبِ معتمد و محقق میں استحلال بھی علی الاطلاق کفر نہیں جب تک زنا یا شربِ خمر یا ترک صلاۃ کی طرح اس کی حرمت ضروریاتِ دین سے نہ ہو غرض ضروریات کے سوا کسی شے کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو کہ عندالتحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اُس کا جس کی تصدیق نے اُسے دائرہ اسلام میں داخل کیا تھا اور وہ نہیں مگر ضروریاتِ دین کماحققه العلماء المحققون من الائمة المتکلمین (جیسا کہ ائمہ متکلمین کے محقق علماء نے تحقیق کی ہے۔ت) ولہٰذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اُس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت وقد فصل القول فی ذلك سیدنا العلامة الوالد رضی اللہ تعالٰی عنه فی بعض فتاوٰہ (اس موضوع پر سیدنا علامہ والد ماجد رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض فتاوٰی میں مفصل گفتگو کی ہے۔ت) بالجملہ اس قدر پر تو اجماعِ اہلِ سنّت ہے کہ ارتکابِ کبیرہ کفر نہیں باایہنمہ تارک الصلاۃ کا کفر واسلام سے ہمارے ائمہ کرام میں مختلف فیہ **اقول:** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اگرچہ کفر تکذیب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بعض ماجاء بہ من عند ربہ جل وعلا کا نام ہے اور تکذیب صفت قلب مگر جس طرح

---

[1] القرآن سورۃ الحجرات ۴۹ آیت ۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الاول مطبوعہ مجطبائی دہلی ص ۱۴

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۱۳

اقوالِ کفرہ اس تکذیب پر علامت ہوتے اور اُن کی بناپر حکمِ کفر دیا جاتا ہے یوں ہی بعض افعال بھی اُس کی امارت اور حکمِ تکفیر کے باعث ہوتے ہیں۔

کالقاء المصحف فی القاذورات والسجود للصنم وقتل النبی والزنا بحضرته وکشف العورة عند الاذان وقراءة القراٰن علی جهة الاستخفاف وکل مادل علی الاستهزاء بالشرع اوالازدراء به۔	جیسا کہ قرآن کریم کو گندگی میں پھینکنا، بُت کے لئے سجدہ کرنا، نبی کو قتل کرنا، اس کے رُوبرو زنا کرنا، اذان سُن کر شرمگاہ کو ننگا کرنا، قرآن کو تحقیر کے انداز میں پڑھنا، اس کے علاوہ ہر وہ عمل جو شریعت کے ساتھ استہزاء واہانت پر دلالت کرے۔ (ت)

یہ حکم اُس اجماع کا منافی نہیں ہوسکتا کہ نفس فعل من حیث ہو مبنائے تکفیر نہیں بلکہ **من حیث کونه علما علی الجحود الباطنی والتکذیب القلبی، والعیاذ باللّٰه تعالٰی منه** (اس لحاظ سے کہ یہ باطنی انکار اور قلبی تکذیب کی علامت ہے **والعیاذ باللّٰه**۔ت) صدر اول میں ترک نماز بمعنے کف بھی کہ حقیقۃً فعل من الافعال ہے اسی قبیل سے گنا جاتا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان اصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لایرون شیئًا من الاعمال ترکه کفرًا غیر الصّلاة[1]۔ رواه الترمذی والحاکم وقال صحیح علی شرطهما وروی الترمذی عن عبداللّٰه بن شقیق العضلی مثله۔	اصحابِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہ جانتے۔ (م) اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے بھی، اور کہا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کی شروط کے مطابق ہے، اور ترمذی نے عبداللہ ابن شقیق عضلی سے بھی ایسی ہی روایت کی ہے۔ (ت)

ولہذا بہت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تارک الصلاۃ کو کافر کہتے سیدنا امیر المومنین علی مرتضٰی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں: **من لم یصل فھو کافر**[2] (جو نماز نہ پڑھے وہ کافر ہے۔م) رواہ ابن ابی شیبۃ والبخاری فی التاریخ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: **من ترك الصلاۃ فقد کفر**[3] (جس نے نماز چھوڑی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلاۃ الفصل الثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۹

[2] الترغیب والترہیب من ترک الصلاۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۳۸۵

[3] الترغیب والترہیب من ترک الصلاۃ لعمد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۳۸۶

وہ بیشک کافر ہوگیا۔م) رواہ محمد بن نصر المروزی و ابو عمر بن عبدالبر۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: من ترك الصلاۃ فلادین له [1] (جس نے نماز ترک کی وہ بے دین ہے۔م) رواہ المروزی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: من لم یصل فھو کافر [2] (بے نماز کافر ہے۔م) رواہ ابو عمر۔ ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: لا ایمان لمن لاصلاۃ له [3] (بے نماز کیلئے ایمان نہیں۔م) رواہ ابن عبدالبر۔ ایضًا امام اسحٰق فرماتے ہیں:

صح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تارك الصلاۃ کافر وکذلك کان رأی اھل العلم من لدن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تارك الصلاۃ عمدا من غیر عذر حتی یذھب وقتھا کافر [4]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بصحت ثابت ہُوا کہ حضور نے تارک الصلاۃ کو کافر فرمایا اور زمانہ اقدس سے علما کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصدًا بے عذر نماز ترک کرے یہاں تک کہ وقت نکل جائے وہ کافر ہے۔(م)

اسی طرح امام ابوایوب سختیانی سے مروی ہوا کہ ترك الصلاۃ کفر لایختلف فیه [5] (ترک نماز بے خلاف کفر ہے۔م)

ابن حزم کہتا ہے:

قدجاء عن عمرو عبدالرحمٰن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی ھریرۃ وغیرھم من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم ان من ترك صلاۃ فرض	امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرہ وحضرت معاذ بن جبل امام العلماء وحضرت ابوہریرہ حافظ الصحابہ وغیرہم اصحاب سید المرسلین

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵
[2] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵
[3] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۶
[4] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۶
[5] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۶

واحد متعمدا حتی یخرج وقتھا فھو کافر مرتد، ولایعلم لھؤلاء مخالف [1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین سے وارد ہوا کہ جو شخص ایک نمازِ فرض قصداً چھوڑ دے یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے وہ کافر مرتد ہے۔ابنِ حزم کہتا ہے اس حکم میں ان صحابہ کا خلاف کسی صحابی سے معلوم نہیں۔م) انتہی۔

اور یہی مذہب حکم بن عتیبہ وابوداؤد طیالسی وابوبکر بن ابی شیبہ وزہیر بن حرب اور ائمہ اربعہ سے حضرت سیف السنۃ امام احمد بن حنبل اور ہمارے ائمہ حنفیّہ سے امام عبداللہ بن مبارک تلمیذ حضرت امام اعظم اور ہمارے امام کے استاذ الاستاذ امام ابراہیم نخعی وغیرہم ائمہ دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

ذکر کل ذلك الامام الحافظ زکی الدین عبد العظیم المنذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔	یہ سب امام حافظ زکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے۔(ت)

اور اسی کو جمہور ائمہ حنبلیہ نے مختار ومرجح رکھا، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

عند احمد فی الروایۃ المکفرۃ انہ یقتل کفرا، وھی المختارۃ عند جمھور اصحابہ، علی ماذکرہ ابن ھبیرۃ [2]۔	امام احمد اپنی تکفیر والی روایت کے مطابق اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا۔یہی روایت ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک مختار ہے، جیسا کہ ابن ہبیرہ نے بیان کیا ہے۔(ت)

اور بیشک بہت ظواہر نصوص شرعیہ آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ علٰی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ اس مذہب کی مؤید،

کمافصل جملۃ منھا خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی الکتاب المستطاب، الکلام الاوضح فی تفسیرا لم نشرح، وفی سرور القلوب فی ذکر المحبوب، وفی جواھر البیان فی اسرار الارکان وغیرھا من تصانیفہ النقیۃ العلیۃ الرفیعۃ الشان، اعلی اللہ تعالٰی درجاتہ فی غرفات الجنان، اٰمین!	جیسا کہ ان میں سے کچھ کو تفصیل سے بیان کیا ہے، خاتم المحققین سیدنا والد ماجد نے اپنی عمدہ کتاب الکلام الاوضح فی تفسیر الم نشرح میں، اور اسرار القلوب فی ذکر المحبوب میں، اور جواھر البیان فی اسرار الارکان میں اور اپنی دیگر ستھری، بلند مرتبہ وعالی شان کتابوں میں۔اللہ تعالٰی جنت کے بالا خانوں میں ان کے درجے بلند فرمائے، آمین!

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلٰوۃ لعمد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۹۳
[2] حلیۃ المحلی

بالجملہ اس قول کو مذاہب اہلسنت سے کسی طرح خارج نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک جم غفیر قدمائے اہلسنت صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا مذہب ہے اور بلاشبہہ وہ اُس وقت وحالت کے لحاظ سے ایک بڑا قوی مذہب تھا صدر اول کے بعد جب اسلام میں ضعف آیا اور بعض عوام کے قلب میں سُستی وکسل نے جگہ پائی، نماز میں کامل چُستی ومستعدی کہ صدر اول میں مطلقاً ہر مسلمان کا شعار دائم تھی اب بعض لوگوں سے چھُوٹ چلی وہ امارت مطلقہ وعلامت فارقہ ہونے کی حالت نہ رہی لہٰذا جمہور ائمہ نے اُسی اصل اجماعی مؤید بدلائل قاہرہ آیات متکاثرہ واحادیث متواترہ پر عمل واجب جانا کہ مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں یہی مذہب ہمارے ائمہ حنفیّہ وائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ اور ایک جماعت ائمہ حنبلیہ وغیرہم جماہیر علمائے دین وائمہ معتمدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے کہ اگرچہ تارک نماز کو سخت فاجر جانتے ہیں مگر دائرہ اسلام سے خارج نہیں کہتے اور یہی ایک روایت حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے اس کی رُو سے یہ مذہب مہذب حضرات ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مجمع علیہ ہے، حلیہ میں فرمایا:

ذهب الجمهور، منهم اصحابنا ومالك والشافعي واحمد في رواية، الى انه لايكفر۔ ثم اختلفوا في انه هل يقتل بهذا الترک؟ فقال الائمة الثلاثة، نعم، ثم هل يكون حدًا اوكفرًا؟ فالمشهور من مذهب مالك، وبه قال الشافعي، انه حد۔ وكذا عند احمد في هٰذه الرواية الموافقة للجمهور في عدم الكفر[1]۔	جمہور، جن میں ہمارے علماء بھی شامل ہیں اور مالک وشافعی اور ایک روایت کے مطابق احمد بھی، کی رائے یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائیگا۔ پھر ان میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑنے کی وجہ سے اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو تین اماموں نے کہا ہے کہ ہاں (قتل کیا جائے گا) پھر یہ قتل بطور حد ہوگا یا کفر کی وجہ سے؟ تو مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ بطور حد ہوگا۔ شافعی بھی اسی کے قائل ہیں اور احمد بھی، اپنی اس روایت کے مطابق جو جمہور کے موافق ہے، یعنی عدمِ کفر والی روایت۔ (ت)

اور اس طرف بحمد اللہ نصوص شرعیہ سے وہ دلائل ہیں جن میں اصلاً تاویل کو گنجائش نہیں بخلاف دلائل مذہب اول کہ اپنے نظائر کثیرہ کی طرح استحلال واستخفاف وجحود وکفران وفعل مثل فعل کفار وغیرہا تاویلات کو اچھی طرح جگہ دے رہے ہیں یعنی فرضیتِ نماز کا انکار کرے یا اُسے ہلکا اور بے قدر جانے یا اُس کا ترک

[1] حلیۃ المحلی

حلال سمجھے توکافر ہے یا یہ کہ ترک نماز سخت کفرانِ نعمت وناشکری ہے۔

کماقال سیدنا سلیمٰن علیہ الصلاۃ والسلام لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ [1]۔	جیساکہ سیدنا سلیمٰن علیہ السلام نے فرمایا "تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزار بنتا ہوں یا ناشکرا"

یا یہ کہ اُس نے کافروں کاساکام کیا،

الی غیر ذلك مماعرف فی موضعه۔ومن الجادة المعروفة ردالمحتمل الی المحکم، لاعکسه، کمالایخفی، فیجب القول بالاسلام۔	اس کے علاوہ اور بھی توجیہات ہیں جن کی تفصیل ان کے مقام پر ملے گی،اور معروف راستہ یہی ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف لوٹایا جائے،نہ کہ اس کا اُلٹ، جیساکہ ظاہر ہے،اس لئے اسلام کاہی قول کرناپڑے گا۔(ت)

ادھر کے بعض دلائل حلیہ وغیرہا میں ذکر فرمائے ازانجملہ حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خمس صلوات کتبھن اللہ علی العباد (پانچ نمازیں خدانے بندوں پر فرض کیں) الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یأت بھن فلیس له عنداللہ عھد ان شاء عذبه وان شاء ادخله الجنة [2] (جو اُنہیں نہ پڑھے اس کے لئے خداکے پاس کوئی عہد نہیں اگر چاہے تو اُسے عذاب فرمائے اور چاہے تو جنت میں داخل کرے) رواہ الامام مالك وابوداؤد والنسائی وابن حبان فی صحیحه (اسے امام مالک، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ت) یہ حدیث اُس کے اسلام پر نص قاطع ہے کہ اگر معاذاللہ کافر ہوتا تواس کے کہنے کا کوئی موقع نہ تھا۔دوسری حدیث میں ہے حضور اکرم سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدواوین ثلثة،فدیوان لایغفراللہ منه شیأ، ودیوان لایعبؤ اللہ به شیأ،ودیوان لایترك اللہ منه شیأ،فاما الدیوان الذی لایغفراللہ منه شیئا فالاشراك باللہ،واما الدیوان الذی لایعبؤ اللہ به	دفتر تین ۳ ہیں،ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گااور ایک دفتر کی اللہ عزوجل کو کچھ پرواہ نہیں اور ایک دفتر میں سے اللہ تبارک وتعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا،وہ دفتر جس میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گادفتر کفر ہے اور وہ جس کی اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کو کچھ پرواہ نہیں

---

[1] القرآن، سورہ النمل ۲۷/ ۴۰، آیت ۴۰

[2] سنن النسائی باب المحافظۃ علی الصلوات الخمس نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/ ۸۰

شیئاًفظلم العبد نفسه فیما بینه وبین ربه،من صوم یوم ترکه اوصلاة ترکها،فان الله تعالٰی یغفر ذلك ان شاء متجاوز،واما الدیوان الذی لایترك الله منه شیئافمظالم العباد،بینهم القصاص لامحالة[1]۔رواہ الامام احمد والحاکم عن اُم المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں مثلاً کسی دن کا روزہ ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی کہ اللہ تعالٰی چاہے تو اُسے معاف کردے گا اور درگزر فرمائے گا،اور وہ دفتر جس میں سے کچھ نہ چھوڑے گا وہ حقوق العباد ہیں اُس کا حکم یہ ہے ضرور بدلہ ہونا ہے۔(م) اسے امام احمد اور حاکم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا(ت)

بالجملہ وہ فاسق ہے اور سخت فاسق مگر کافر نہیں وہ شرعاً سخت سزاؤں کا مستحق ہے ائمہ ثلٰثہ مالک وشافعی واحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں اُسے قتل کیا جائے۔ہمارے ائمہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک فاسق فاجر مرتکب کبیرہ ہے اُسے دائم الحبس کریں یہاں تک کہ توبہ کرے یا قید میں مرجائے امام محبوبی وغیرہ مشائخ حنفیّہ فرماتے ہیں کہ اتنا ماریں کہ خُون بہادیں پھر قید کریں یہ تعزیرات یہاں جاری نہیں لہٰذا اُس کے ساتھ کھانا پینا میل جول سلام کلام وغیرہ معاملات ہی ترک کریں کہ یونہی زجر ہو اسی طرح بنظر زجر ترک عیادت میں مضائقہ نہیں یہودی کی عیادت فرمانی بنظرِ تالیف وہدایت تھی یہاں اس کی عیادت نہ کرنی بنظر زجر ہے،دونوں مقاصد شرعیہ ہیں۔رہی نماز جنازہ وہ اگرچہ ہر مسلمان غیر ساعی فی الارض بالفساد کے لئے فرض ہے۔

وهذا منه،کقاتل نفسه،بل اولی فان قتل نفسه اشد من قتل مؤمن غیره،وقتل المؤمن اکبر عندالله من ترك الصلاة۔وقدقال فی الدر: من قتل نفسه،ولوعمدا،یغسل ویصلی علیه،به یفتی،وان کان اعظم وزرًا من قاتل غیره[2]،قال فی	اور یہ انہی میں سے ہے جس طرح خود کشی کرنے والا۔بلکہ بطریقِ اولٰی،کیونکہ خود کشی کرنا دوسرے مومن کو قتل کرنے سے زیادہ شدید جرم ہے اور مومن کو قتل کرنا نماز چھوڑنے سے بڑا گناہ ہے۔اور درمختار میں کہا ہے کہ جو اپنے آپ کو قتل کردے،خواہ جان بوجھ کر ہی،اس کو غسل دیا جائے گا اور نماز پڑھی جائے گی،

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۲

ردالمحتار: به یفتی: لانه فاسق غیر ساعٍ فی الارض بالفساد، وان کان باغیا علی نفسه، کسائر فساق المسلمین۔ زیلعی [1]۔	اسی پر فتوی ہے، اگرچہ اس کا گناہ دوسرے کو قتل کرنے والے سے بڑا ہے۔ شامی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے کیونکہ یہ فاسق تو ہے مگر زمین میں فساد پھیلانے والا نہیں، اگرچہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے، جس طرح باقی فاسق مسلمان۔ زیلعی۔ (ت)

مگر فرضِ عین نہیں فرض کفایہ ہے پس اگر علماوفضلا باقتدائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المدیون وفی قاتل نفسہ بغرض زجر وتنبیہ نماز جنازہ بے نماز سے خود جُدا رہیں کوئی حرج نہیں، ہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ اصلاً کوئی نہ پڑھے یوں سب آثم وگنہگار رہیں گے، مسلمان اگرچہ فاسق ہو اُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے الامن استثنی ولیس هذا منهم (مگر جو مستثنی ہیں، اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔ ت) نماز پڑھنا اس پر فرض تھا اور جنازہ کی نماز ہم پر فرض ہے اگر اُس نے اپنا فرض ترک کیا ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں

هی فرض علی کل مسلم مات، خلا اربعة، بغاة، وقطاع طریق اذاقتلوا فی الحرب، ومکابر فی مصر لیلا، وخناق خنق غیر مرة [2]۔	نماز جنازہ ہر مسلمان کی فرض ہے، جبکہ وہ مرجائے۔ سوائے چار آدمیوں کے، باغی، ڈاکو جبکہ لڑائی میں مارے جائیں، رات کو شہر میں غنڈہ گردی کرنیوالا اور گلا گھونٹنے والا جس نے کئی مرتبہ یہ کارروائی کی ہو۔ (ت)

اسی طرح غسل دینا، مقابرِ مسلمین میں دفن کرنا اماتنا اللہ تعالٰی علی الاسلام الصادق، انه رؤف رحیم، اٰمین۔ وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۲) : ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۲ہجریہ مقدسہ۔

جناب مولوی صاحب دام اقبالکم۔ بعد سلام علیک کے ملتمس ہُوں کہ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس نے نماز کو چھوڑا اُس میں اور مشرک میں کچھ فرق نہیں، تو عرض یہ ہے کہ اگر یہ بات سچ ہے تو اکثر لوگ بے نماز ہیں کیا وہ سب لوگ شرک میں داخل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ جو کچھ آیت وحدیث کا اس بارہ میں حکم ہو تحریر فرمایئے تاکہ معلوم ہو۔ بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مجتبائی مصر ۱/۶۴۳

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی دہلی ۱/۱۲۲

الجواب:

بلاشبہہ حدیث میں آیا ہے کہ ہم میں اور مشرکوں میں فرق نماز کا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو نماز کا تارک ہے وہ مشرکوں کے فعل میں اُن کا شریک ہے پھر اگر دل سے بھی نماز کو فرض نہ جانے یا ہلکا سمجھے جب تو سچّا مشرک پورا کافر ہے ورنہ اُس کا یہ کام کافروں مشرکوں کا سا ہے اگرچہ وہ حقیقۃً کافر مشرک نہ ٹھہرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۵۳): از جوناگڑھ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۲۰ رجب ۱۳۱۶ھ

ایک واعظ بر سرِ مجلس بیان کرتا ہے کہ جس شخص نے ایک وقت کی نماز قصداً ترک کی اس نے ستّر مرتبہ بیت اللہ میں اپنی ماں سے زنا کیا، مستفتی خوب جانتا ہے کہ بے نمازی سے بُرا اللہ کے نزدیک کوئی نہیں اور شرع شریف میں اس کیلئے وعید بھی سخت آئی ہے مگر دریافت طلب یہ امر ہے کہ الفاظ مذکورہ کتاب وسنّت واختلافِ ائمہ سے ثابت ہیں یا نہیں، بر تقدیر ثبوت نہ ہونے کے قائل کی نسبت شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

معاذاللہ کسی وقت کی نماز قصداً ترک کرنا سخت کبیرہ شدیدہ وجریمہ عظیمہ ہے جس پر سخت ہولناک جانگزا وعیدیں قرآنِ عظیم واحادیث صحیحہ میں وارد، مگر بدمذہب اگرچہ کیسا ہی نمازی ہو اللہ عزّوجل کے نزدیک سنی بے نماز سے بدرجہا بُرا ہے کہ فسقِ عقیدہ فسقِ عمل سے سخت تر ہے اور صرف گناہانِ جوارح میں کلام کیجئے تو مسلمان کو عمداً ناحق قتل کرنا ترک نماز سے سخت تر ہے اُس پر اگر احادیث میں حکم کفر ہے اس پر خود قرآن عظیم میں حکم خلود فی النار ہے[1] **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ واعظ نے جو مضمون بیان کیا اس کے قریب قریب در بارہ سُود خوار احادیث مرفوعہ حضرت ابوہریرہ وحضرت اسود زہری خال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت براء بن عازب وحضرت عبداللہ بن سلام وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس وآثار موقوفہ حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ابن ماجہ وابن ابی الدنیا وابن جریر وبیہقی وابن مندہ وابونعیم وطبرانی وحاکم وابنِ عساکر وبغوی وعبدالرزاق کے یہاں مروی **وقد ذکرناھا بتخاریجھا فی کتاب البیوع من فتاوٰنا** (اس کو ہم نے تمام تخریجوں کے ساتھ اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں بیان کیا ہے۔ ت) مگر ان میں سے کسی میں بیت اللہ کا ذکر نہیں، البتہ ایک حدیثِ صحیح میں حطیم کعبہ کا ذکر ہے کہ ظنّاً زمینِ کعبہ ہے نہ یقیناً، اُس میں ماں کا لفظ نہیں۔ امام احمد وطبرانی عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] القرآن ۴/ ۹۳

بسندِ صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

درهم ربا یاکله الرجل، وهو یعلم، اشد عندالله من ستة وثلثین زنیة فی الحطیم [1]۔	ایک درم سُود کا کہ آدمی دانستہ کھالے اللہ تعالٰی کے نزدیک حطیمِ کعبہ میں چھتیس ۳۶ بار زنا کرنے سے سخت تر ہے۔(م)

اور دربارہ ترک نماز اگرچہ اس سے سخت تر مذمت ارشاد ہوئی یہاں تک کہ احادیثِ مرفوعہ حضرت جابر بن عبداللہ وحضرت بریدہ اسلمی وحضرت عبادہ بن صامت وحضرت ثوبان وحضرت ابوہریرہ وحضرت عبداللہ بن عمرو حضرت انس بن مالک وحضرت عبداللہ بن عباس وآثار موقوفہ حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی وحضرت عبداللہ بن عباس وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت ابودرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم میں احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وابنِ حبان وحاکم وطبرانی ومحمد بن نصر مروزی وہروی وبزار وابویعلی وابوبکر بن ابی شیبہ وتاریخ بخاری وابن عبدالبر وغیرہم کے یہاں ترک نماز پر صراحۃً حکم کفروبے دینی مروی کمافصله الامام المنذری فی الترغیب (جیسا کہ امام منذری نے ترغیب میں پوری تفصیل بیان کی ہے۔ت) مگر اس بارہ میں وہ الفاظ کہ واعظ نے ذکر کیے اصلاً نظر سے نہ گزرے، واعظ سے سند مانگی جائے اگر سند معتبر پیش نہ کرسکے تو بے ثبوت ایسے ادعا جہل فاضح ہیں اور گناہ واضح والعیاذ بالله رب العٰلمین والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۴): از غازی پور محلہ میاں پُورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک وقت کی نماز قضا کرنے سے بھی آدمی فاسق کہا جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جو ایک وقت کی نماز بھی قصداً بلاعذر شرعی دیدہ ودانستہ قضا کرے فاسق ومرتکب کبیرہ ومستحق جہنم ہے والعیاذ باللہ تعالٰی والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۵۵): از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث ۸ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بکر نے ایک عالم کے فرمانے سے مسلمانوں کے رُوبرو یہ تجویز پیش کی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اُس کو حقّہ پانی نہ دیا جائے اور جتنے وقت کی نماز نہ پڑھے ایک پیسہ جرمانہ ہونا چاہئے۔ زید نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس طور کی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۲۵/۵

نماز پڑھوانی زینہ دوزخ کا ہے اس بارہ میں حکم شریعت کیا ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حقّہ پانی نہ دینے کی تجویز ٹھیک ہے اور مالی جرمانہ جائز نہیں۔ **لانہ شیئ کان ونسخ کمابینہ الامام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی** (کیونکہ یہ چیز پہلے تھی لیکن بعد میں منسوخ ہوگئی تھی جیسا کہ امام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا ہے۔ت) مگر زید کا وہ کلمہ بہت بُرا اور سخت بیجا ہے **فان المصادرۃ المالیۃ تجوز عند الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ** (کیونکہ مالی جرمانہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ت) نماز پڑھوانا زینہ دوزخ نہیں بلکہ نہ پڑھنا۔ زید توبہ کرے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶: از علی گڑھ کالج کمرہ نمبر ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خان یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ایک مسلمانوں کے مدرسہ میں جہاں انگریزی تعلیم ہوتی ہے پنجگانہ نماز کی سخت تاکید ہے مسجد میں بعد ہر نماز کے ہر طالب علم کی حاضری ایک رجسٹر میں درج ہوتی ہے اور جو غیر حاضر پائے جاتے ہیں اُن پر جُرمانہ ہوتا ہے اس تشریح کے ساتھ کہ فجر، ظہر، عصر اور عشا کی غیر حاضری میں فی نماز دو۲ پیسے فی کس جرمانہ اور مغرب کی غیر حاضری میں فی کس ۲/ جرمانہ ہوگا، آیا یہ طریقہ نماز کی حاضری لینے اور جرمانہ کرنے کا کہاں تک ازروئے شرع جائز ہے اس لحاظ سے کہ طالب علم خصوصا انگریزی کے نماز کی طرف شاید بوجہ اثر نئی روشنی کے رجوع نہ ہوں لہٰذا ضرورۃً اس قسم کی کارروائی مناسب ہے اور ایسا کیا جاسکنے میں چنداں حرج نہیں ہے آیا یوں صحیح ہے۔ فقط

الجواب:

تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاباخذ مال فی المذھب[1] بحر۔	مال لینے کا جرمانہ مذہب کی رُو سے جائز نہیں ہے۔ بحر(ت)

اُسی میں ہے:

وفی المجتبٰی انہ کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2]۔	اور مجتبٰی میں ہے کہ ابتدائے اسلام میں تھا، پھر منسوخ کردیا گیا۔(ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[2] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

وافاد فی البزازیة،ان معنی التعزیر باخذ المال،علی القول به،امساك شیئ من ماله عندہ مدة لینزجر،ثم یعیدہ الحاکم الیه،لا ان یاخذہ الحاکم لنفسه اولبیت المال،کمایتوھمه الظلمة،اذلایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]	اور بزازیہ میں افادہ کیا ہے کہ مالی تعزیر کا قول اگر اختیار کیا بھی جائے تو اس کا صرف اتنا ہی مطلب ہے کہ اس کا مال کچھ مدّت کے لئے روک لینا تاکہ وہ باز آجائے،اس کے بعد حاکم اس کا مال لوٹادے،نہ یہ کہ حاکم اپنے لیے لے لے یا بیت المال کیلئے،جیسا کہ ظالم لوگ سمجھتے ہیں،کیونکہ شرعی بسبب کے بغیر کسی کا مال لینا مسلمان کے لئے روا نہیں۔(ت)

ہاں وہ طلبہ جن کو وظیفہ دیا جاتا ہے اُن کے وظیفہ سے وضع کرلینا جائز ہے فانه لیس اخذ شیئ من ملکھم بل امتناع تملیك شیئ منھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت سے کوئی چیز لینا نہیں ہے بلکہ اس چیز کو ان کے ملک میں جانے سے روکنا ہے۔ت) یاجو طلبہ فیس نہیں دیتے جس روز جماعت میں حاضر نہ ہوں دوسرے روز ان سے کہا جائے کل تم نے جماعت قضا کی آج بغیر اتنی فیس دیے تم کو سبق نہ دیا جائیگا اور جو ماہوار فیس دیتے ہیں اُس مہینے تو اُن سے کچھ نہیں کہا جاسکتا،دوسرے مہینے کے شروع پر اُن سے کہا جائے کہ گزشتہ مہینے میں تم نے اتنی جماعتیں قضا کیں آئندہ مہینے تمہیں تعلیم نہ دی جائے گی جب تک اس قدر زائد فیس نہ داخل کرو وذلك لان الاجارۃ تنعقد شیئا فشیئا (اور یہ اس لئے کہ اجارہ بتدریج منعقد ہوتا ہے۔ت) یا یہ صورت ممکن ہے کہ ہر مہینے کے شروع میں طلبہ کو کوئی خفیف قیمت کی چیز مثلاً قلم یا تھوڑی سی روشنائی یا کاغذ تقسیم کیا جائے اور یہ تقسیم بطور بیع ہو اُس قیمت کو جو انتہائی جرمانہ قضائے جماعت کا اُن کے ذمّے ہوسکے مثلاً یہ قلم سات روپے کو ہم نے تمہارے ہاتھ بیع کیا اور اُن سے کہہ دیا جائے کہ یہ بیع قطعی ہے اس میں کوئی شرط نہیں ہم اس سے جدا ایک وعدہ احسانی تم سے کرتے ہیں کہ اگر تم نے اس مہینے میں بلاعذر صحیح شرعی کوئی جماعت قضا نہ کی تو سرماہ پر یہ زرِ ثمن تمام وکمال تمہیں معاف کردیں گے اس صورت میں بھی قضائے جماعت کی حالت میں وہ ثمن کل یا بعض اُن سے وصول کرلینا جائز ہوگا۔

ولایلزم فساد البیع بالشرط المعھود القائم مقام الملفوظ،لتقدم التصریح بنفیه،والصریح یفوق الدلالة[2]،کماافادہ الامام	اور شرط معہود سے،جو کہ ملفوظ کے قائم مقام ہو،بیع کا فاسد ہونا لازم نہیں آتا،کیونکہ پہلے اس کی صراحۃً نفی ہوچکی ہے اور صراحت کو دلالت پر ترجیح حاصل ہے

---

[1] ردالمحتار باب التعزیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۱۹۵

[2] درمختار باب المہر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

قاضیخان فی فتاواہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ امام قاضیخان نے اپنے فتاوٰی میں افادہ کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از بشارت گنج مرسلہ فتح محمد صاحب ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا جہاز پر یا چلتی ریل گاڑی میں نماز کی بابت کیا حکم ہے اگر سنّت وفرض ونفل ادا کیے جائیں تو ہوتے ہیں یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

چلتے جہاز خواہ لنگر کیے ہوئے اور کنارے سے میلوں دُور ہو اُس پر نماز جائز ہے اور ناؤ اگر کنارے پر ٹھہری ہے اور جہاز کی طرح زمین پر نہیں بلکہ پانی پر ہے اور یہ اُتر کر کنارے پر نماز پڑھ سکتا ہے تو ٹھہری ہُوئی ناؤ میں بھی فرض اور وتر اور صبح کی سُنتیں نہ ہو سکیں گے اور چلتی ہوئی میں بدرجہ اولٰی نہ ہوں گے جیسے سیر دریا کے بجرے کنارے کنارے جاتے ہیں اور انہیں روک کر زمین پر نماز پڑھ سکتے ہیں اور اگر اُتر کر کنارے پر نماز نہ پڑھ سکنا اپنی ذاتی معذوری سے ہے تو ہر نماز ہو جائے گی اور اگر کسی کی ممانعت کے سبب ہے تو پڑھ لے اور پھر پھیرے یہی حکم ریل کا ہے ٹھہری ہُوئی ریل میں سب نمازیں جائز ہیں اور چلتی ہوئی میں سنّتِ صبح کے سوا سب سنّت ونفل جائز ہیں مگر فرض ووتر یا صبح کی سنتیں نہیں ہو سکتیں اہتمام کرے کہ ٹھہری میں پڑھے اور دیکھے کہ وقت جاتا ہے پڑھ لے اور جب ٹھہرے پھر پھیرے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۷ تا ۲۵۹: از گوری ڈاج نہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

زید پیکر اشیاء مسکرہ حالت حواس خمسہ وطہارت جسم وجامہ وعدم موجودگی بدبو کے مسجد میں نماز ادا کرتا ہے پس ان صورتوں میں نماز مقبول ہُوئی یا نہیں وحکم سکر کہاں تک مذہب امام ابو حنیفہ میں ہے۔

(۲) ایک شخص نے چار پیالے تاڑی پی اُسے نشہ نہیں ہُوا اور بدبُو بھی باقی نہیں نماز ادا کی ہوئی یا نہیں۔

(۳) نمازِ ظالم ورلو خوار مقبول ہے یا نہیں؟ معاصیِ رلو خوار وشراب خور میں کسی قدر فرق ہے ونماز جنازہ رلو خوار، شراب خور وظالم مومنین کی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

طبرانی نے بسند حسن سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شرب مسکرا ماکان لم تقبل له صلاۃ اربعین یوما[1]۔	جو کوئی نشہ کی چیز پیئے چالیس دن اس کی نماز قبول نہ ہو۔(م)

مگر وعیدات سب مقید مشیت ہیں وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ[2] (اس سے (یعنی شرک سے) کم تر گناہ، جس کے چاہے بخش دے۔ت) صورت مذکورہ میں صحتِ نماز واداۓ فرض میں شبہہ نہیں رہا قبول محلِ عدل میں اُس کی شرط عظیم ہے اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ[3] (اللہ تعالٰی متقین ہی سے قبول کرتا ہے۔ت) اور مقامِ فضل حدث عن البحر بماشئت ولاحرج (سمندر کے جُود وسخا کے بارے میں جو چاہو بیان کرو، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ت) ہے، یہاں رب العزۃ نے حدیہ مقرر فرمائی ہے حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ[4] (یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ کہہ رہے ہو۔ت) جب حالت یہ ہو اور شرائط مجتمع، توزید سے عدمِ قبول پر جزم جہل وجرات علی اللہ ہے جیسے عمرو غیر شارب سے قبول پر اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ[5] (کیا تم اللہ پر افترا کرتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ت) ہاں اجمالاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ شارب کی نماز چالیس دن قبول نہیں، جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا، خالص زید پر حکم باطل ہی ہے جیسے اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ[6] (گواہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) یوں کہنا جائز کہ ظالم ملعون ہیں اور یہ کہنا حرام کہ زید پر لعنت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ دوم:

نماز بلاشبہہ ہوگئی استجماع شرائط وارتفاع موانع کے بعد جواز پر دلیل طلب کرنا جہالت ہے، جو کہے نہ ہُوئی وہ دلیل دے۔ یہ جہل ومکابرہ وہابیہ کا شیوہ ہے کہ قائلِ جواز سے دلیل طلب کریں اور حرام کہنے کے لئے دلیل کی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

جوابِ سوالِ سوم: قبولِ نماز کا جواب جواب اوّل اور فرضیت عـہ۱ نماز جواب عـہ۲ سوم سے واضح ربا وشراب دونوں حرام وگناہِ کبیرہ ہیں خمر اگرام الخبائث ہے کہ اسے پی کر جو بھی ہو تھوڑا ہے تو ربا میں حق العبد بھی ہے

عـہ۱: یعنی اس کے جنازہ کی نماز کی فرضیت ۱۲ (م) عـہ۲: یہ سائل کے سوال کے اعتبار سے سوم ہے جو ذبائح میں منقول ہوا ہے۔(م)ط

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۶۷۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/ ۱۵۴

[2] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۸

[3] القرآن، سورہ المائدہ ۵، آیت ۲۷

[4] القرآن، سورہ النساء ۴، آیت ۴۳

[5] القرآن، سورہ الاعراف ۷، آیت ۲۸

[6] القرآن، سورہ ہود ۱۱، آیت ۱۸

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ [1] (باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۰: مدرسہ اہل سنّت منظرِ اسلام بریلی مسؤلہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۱۲ صفر ۱۳۳۷ھ

شخص یک نماز راازوقت تاخیر کند یعنی سستی کند وادانیز کند قضائے ہفتاد ہزار سال در دوزخ میماند ایں مسئلہ صحیح است یانہ۔	کوئی شخص اگر ایک نماز میں وقت سے تاخیر کرے یعنی سُستی کرے، اگرچہ بعد میں ادا کرلے تو اس کو دوزخ میں اتنا رہنا پڑے گا کہ ستّر ہزار سالوں کی نماز اس دوران قضا کی جاسکے کیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟۔(ت)

الجواب:

تاخیر آنچناں کہ بلاعذر شرعی از وقت برآرد وقضا کند بلاشبہہ حرام وفسق وکبیرہ است عذاب ومغفرتش مفوض بمشیت است وہیچ مسلمان بیش از عمر دنیا کہ ہفت ہزار سال ست در دوزخ نماند، واللہ تعالٰی اعلم۔	عذر شرعی کے بغیر اتنی تاخیر کہ وقت چلا جائے اور قضا کرنی پڑے، بے شک حرام، فسق اور کبیرہ گناہ ہے۔اس کو عذاب دینا یا بخش دینا اللہ کی مشیت کے سپرد ہے اور کوئی مسلمان دوزخ میں دنیا کی عمر یعنی سات ہزار سال سے زیادہ نہیں رہے گا۔(ت)

مسئلہ ۲۶۱: حافظ نجم الدین صاحب گندہ نالہ شہر بانس بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز کے واسطے سوتے آدمی کو جگا دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب ضرور ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۲: از فتح گڈھ محلّہ سنگت ضلع فرخ آباد مسؤلہ شہاب الدین صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں چند پنچایتی قومیں بتعداد کثیر بلحاظ اپنے اپنے گروہ کے تعداد کے آباد ہیں اور ہر ایک جمعیت وہی مشہور نظام اپنی برادری کا رکھتی ہے جو قریب قریب ہر ایک مقام پر ایسی جمعیتوں میں رائج ہیں یعنی کسی سے کوئی امر خلاف پیش آنے پر جو متعلق برادری ہو اپنے چودھری کے نوٹس میں لاکر بصورت اجتماعی اس درجہ سزا کا استحقاق واقتدار رکھتی ہے کہ کلام وسلام اور طعام نیز ہر ایک تعلق دُنیوی اُس اختلاف کرنے والے شخص سے ترک کرکے اس کو ہی نہیں بلکہ جو اس کا ہم نوایا جو ہم خیال ہو تاوقتیکہ بعد ادائگی

[1] القرآن سورہ البقرہ ۲ آیت ۱۸۸

تاوان مقرر شدہ قومی آئندہ کے لئے قابلِ قبول ضمانت نہ پیش کردے یہی زندگی جو حیات کی بدترین نمونہ ہے گزارنے پر مجبور ہوگا، پس جو پنچائتیں ایسا احسن نظام امورات دنیوی میں رکھتی ہوں کیا ازروئے شرع شریف متعلق احکامات دینی بالخصوص صوم وصلوٰۃ بعض افراد اپنے اپنے گروہ کو محض موجودہ حالت اسلام سے جو نکبت وادبار کارُوح فرسا دور ہے متاثر ہو کر (یہ امر منجانب اللہ ہے کہ ایک وقت میں ہر جمعیت کی بعض خداترس ہستیوں کو ایسا خیال پیدا ہوا) اگر انہیں قدیمی قواعد وضوابط برادری سے کام لے کر اپنے وابستگان کو پابند صوم وصلوٰۃ ونیز اور کھلے ہوئے نازیبا طرز سے جو سراسر خلافِ اسلام ہی نہیں بلکہ تضحیک کا باعث ہیں۔ مثلاً شراب خواری وجُواوتاش اور داڑھی منڈوانا حسبِ تعلیم فرقان حمید وفرمودہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم درست کرنے کا مضطرب کُن رجحان ہو تو ان کو یہ اختیارات مرقومہ بالاقدیمہ کا استعمال جبکہ امورات دنیوی میں ہمیشہ سے ہر طرح حاصل ہوگیا حسب تعلیم اسلام اپنے افراد کو حقیقی وسچّا مسلمان بنانے میں جائز ہوگا ونیز بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھی جائے یا نہ؟ اور حکم تہدیدی اس میں کیا ہے؟

الجواب:

جو تنبیہ وتہدید وتادیب وتشدید اپنے امور دُنیویہ میں کرتے ہیں امور دینیہ میں بدرجہ اولیٰ ضروری ہے اگر دنیا کے طالب اور دین سے غافل ہیں اس وجہ سے اس کے تارک اور اُس کے عامل ہیں کیا اچھا ہو کہ اللہ تعالیٰ اُن میں بیداری پیدا کرے اور اپنی دنیا سے بڑھ کر دین کا انتظام کریں، جو امور تادیبی اوپر مذکور ہوئے سب جائز ہیں، مگر مالی جرمانہ لینا حرام۔ مسلمان کے جنازہ کی نماز فرض ہے اگرچہ وہ نماز نہ پڑھتا ہو، اس میں حکم تہدیدی صرف اتنا ہے کہ علماء وصلحا جن کے پڑھنے سے اُمیدِ برکت ہوتی ہے بے نماز کا جنازہ خود نہ پڑھیں عوام سے پڑھوادیں۔ لیکن یہ کہ کوئی نہ پڑھے اور اُسے بے نماز دفن کردیں یہ جائز نہیں، ایسا کریں گے تو جتنوں کو اطلاع ہوگی سب گنہگار ہوں گے عالم ہوں خواہ جاہل، اور اُس کی قبر پر نماز پڑھنی واجب ہوگی جب تک اُس کا بدن سلامت رہنا مظنون ہو، **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ (۲۶۳ و۲۶۴) محمد رضا خان محلّہ رہڑی ٹولہ از انجمن خادم الساجدین مورخہ ۱۶ محرم ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وہادیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ کچھ غریب مسلمان انجمن خادم الساجدین کے بغرضِ تبلیغ صلوٰۃ شہر سے باہر مواضعات میں ایسی جگہ پر پیدل اور دھوپ اور پیاس کی تکلیف اور بلا کسی نفع ذاتی کے فی سبیل اللہ آدھی رات سے اُٹھ کر گئے اور دوسرے دن واپس آئے، بعض لوگ ان میں بھُوکے پیاسے بھی شامل تھے تقریباً ایک سو مسلمان مستعد نماز ہوگئے، اُن کے واسطے کیا اجر ہے تاکہ آگے کو ہمت بڑھے۔

(۲) ایک شخص انجمن سے باہر کا سوال کرتا ہے یکّہ میں چلو اور اُن سے کرایہ لو، کُل خرچہ کھانے پینے کا لو، اور اس میں رکھا ہی کیا ہے کوئی اپنے لئے نماز پڑھے گا تم کیوں کوشش کررہے ہو، وہ شخص کیسا ہے اور جو لوگوں کو ہمت شکستہ

کرے وہ کیسا ہے۔

الجواب:

پہلے لوگوں کیلئے ان کی نیتِ نیک پر اجر عظیم ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بك رجلا خیرلك مماطلعت علیه الشمس[1] وغربت۔	اللہ تعالٰی ایک شخص کو تیرے ذریعہ سے ہدایت فرمادے تو یہ تیرے لیے تمام رُوئے زمین کی سلطنت ملنے سے بہتر ہے۔(م)

ہدایت کو جانے کیلئے آتے جاتے جتنے قدم ان کے پڑیں ہر قدم پر دس نیکیاں ہیں، **قال اللہ تعالٰی:**

وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ[2]۔ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشان پیچھے چھوڑ گئے (م) اور جو بغیر سواری نہ جاسکتا ہو اُس کا سواری مانگنا کچھ جُرم نہیں، یوں ہی خرچ راہ بھی لے سکتا ہے مگر یہ کہنا کہ تم کیوں کوشش کرتے ہو شیطانی قول ہے امر بالمعروف نہی عن المنکر فرض ہے، فرض سے روکنا شیطانی کام ہے۔ بنی اسرائیل میں جنہوں نے مچھلی کا شکار کیا تھا وہ بھی بندر کردئے گئے اور جنہوں نے انہیں نصیحت کرنے کو منع کیا تھا کہ **لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا**[3] (کیوں ایسوں کو نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرے گا یا سخت عذاب دے گا۔م) یہ بھی تباہ ہوئے اور نصیحت کرنے والوں نے نجات پائی، اور یہ کہنا کہ "اس میں رکھا ہی کیا ہے" سب سے سخت کلمہ ہے، اس کہنے والے کو تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۵) از بریلی محلّہ ملوک پور مسؤلہ شفیق احمد خان صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن کا یہ پاس کردہ قانون کہ جو مسجد میں ایک وقت کی نماز کو نہ آوے اور نہ آنے کا کوئی قابلِ اطمینان عذر بھی نہ ہو تو اس کو مسجد میں ایک لوٹا رکھنا پڑے گا۔ یہ حکم شرعی سے ناجائز تو نہیں ہے؟

الجواب: اگر وہ شخص اپنی خوشی سے ہر غیر حاضری کے جرمانہ میں سو۱۰۰ لوٹے یا سو۱۰۰ روپے دے تو بہت اچھا ہے اور اُن روپوں کو مسجد میں صرف کیا جائے لیکن جبراً ایک لوٹا یہ ایک کوڑی نہیں لے سکتا۔ **فان المصادرۃ بالمال منسوخ**

---

[1] جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲۵۹/۵

[2] القرآن سورۂ یٰس ۳۶ آیت ۱۲

[3] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۶۴

بالمنسوخ حرام (کیونکہ مالی جرمانہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۶) سید عرفان علی صاحب رُکن انجمن خادم الساجدین رہڑی ٹولہ بریلی ۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جبکہ عشرہ محرم میں نماز کاانتظام منجانب انجمن کیاگیاتھاتواب اس موقع پر کہ محمد علی وشوکت علی بریلی میں آرہے ہیں اور ۳ بجے سے ۶ بجے تک شہر میں گشت کریں گے اور پھر جوبلی باغ میں تقریر کریں گے پبلک عام کثیر التعداد اُن کے جلوس میں جوبلی باغ میں ہوگی اور اس اثنا میں نمازِ عصر ونمازِ مغرب ونمازِ عشا کاوقت ہوگا پس ایسی حالت میں منجانب انجمن مسلمانوں کوتنبیہ کرنااور ان کو نماز کے واسطے آمادہ کرنا کوئی نقص شرعی تونہیں پیدا کرتا ہے، اور نماز کی ترغیب ایسے مواقع پر دلانا موجبِ ثوابِ دارین ہے یانہیں؟

الجواب:

نماز کی ترغیب ہر وقت وہر حال میں ہونی چاہئے اگرچہ ناچ کی مجلس ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۷) از شہر (بریلی) محلّہ سوداگران مسؤلہ مولوی محمد رضاخان صاحب عرف ننّھے میاں صاحب ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے چند شخصوں کی طرح طرح خوشامدانہ انداز پیار محبت کے طریقے سے نماز باجماعت کی تاکید کی اُن لوگوں کو جب اُس پر کاربند نہ پایا بلکہ اُن میں سے ایک شخص نے دو ۲ مرتبہ ترک نماز کا اقرار زید کے سامنے کیاعشاء کی جبکہ صلاۃ ہوچکی زید اُنہیں لوگوں کے پاس بیٹھا تھاسب سے نماز کے واسطے کہاایک شخص نے جواب دیاہم ابھی آتے ہیں کوئی بیماری یا مجبوری نہ تھی جس نے کہاتھاہم ابھی آتے ہیں وہ نہ آیابعد فجر اس سے پُوچھاعشا کی نماز کہاں پڑھی؟ جواب دیاکہ میں نماز کے معاملہ میں جھُوٹ نہ بولوں گامَیں نے نہیں پڑھی۔ صبح کی نماز کیلئے اکثر زید اِن سب صاحبوں کو جگایا کرتا بعض آتے اور بعض ہوشیار ہوکر اطمینان دلاکر پھر سوجاتے ان میں سے ایک شخص ایک یادومرتبہ پاخانے گیافارغ ہوکر پھر سورہاایساچند بار کازید کاعینی مشاہدہ ہے ایک شہادت زید کو ملی کہ ہواخوری کووقتِ مغرب اُن صاحبوں کاپورا مجمع جنگل میں گیا، یہ شاہد بھی ساتھ تھا، شاہد کے سواسب نے ہنسی مذاق میں نماز کھودی ان کی متعدد مرتبہ ایسی حرکات دیکھ کر سمجھایاکہ تم لوگ اپنے وطنِ عزیز واقربا کو چھوڑ کر ہادی بننے کوآئے ہو ہر گز وہ شخص ہادی نہیں ہوسکتا جس کے دل میں عشقِ رسالت نہ ہو، اور نماز سب سے زیادہ حضور کو محبوب۔ نماز پڑھو یہ تمہارے ساتھ ہر جگہ بھلائی کرے گی۔ جب اس پر بھی کاربند نہ ہُوئے توزید نے اُن سے اُنہوں نے زید سے ترک کلام کردیاپھرایک مرتبہ زید نے کہاکہ **من ترك الصلاة متعمدا فقد کفر**[1] کے تم مرتکب ہواور یہ تین سو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کامذہب ہے تم نماز کی توہین کرتے ہو اللہ تماری نماز جنازہ نہ ہونے دے میرے عقیدہ میں بارادہ ترک کرنے والاکافرہے اس پر زید

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۸۰۸۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۰۲/۶

کی نسبت کیا حکم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب کریم تارک صلاۃ کی تکفیر میں سکوت ہے یا تارک صلاۃ اپنے دامنِ رحمت میں لے کر کفر سے بچاتے ہیں۔جب زید پر اعتراض ہو کہ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تارک صلاۃ کافر نہیں تم امامِ برحق پر فتوٰی لگاؤ۔اُس نے جواب دیا کہ میرے باپ کا یہ حکم نہیں،نہ اس سے میری مراد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سرکار سے علیحدہ چلنا تھا بلکہ زجراً کہا تو اس کہنے والے پر کیا حکم ہوگا؟اور اگر کوئی حنفی جبکہ امام برحق کا حکم تارک صلاۃ پر تکفیر کا نہ ہو یہ عقیدہ رکھے کہ تارک صلاۃ عمداً کافر ہے اور اس عقیدہ کو ظنی جانے تو اُس پر کیا حکم ہے۔جنہوں نے زید کے اس قول پر یوں تعریضاً ایک دوسرے صاحب سے کہا لیجئے اب تو کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں مسلمانوں کو کافر کہا جاتا ہے ایسوں کا کیا حکم ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ صدہا صحابہ کرام وتابعین عظام و مجتہدین اعلام وائمہ اسلام علیہم الرضوان کا یہی مذہب ہے کہ قصداً تارک صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد: **وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴿۳۱﴾**[1] نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔(م)زمانہ سلف صالح خصوصاً صدر اول کے مناسب یہی حکم تھا اُس زمانہ میں ترک نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زنار باندھنا یا قشقہ لگانا علامت کفر ہے۔جب وہ زمانہ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاون آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترک نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اُسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے منکر نہ ہو،یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے۔حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلافِ تحقیق ومنصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذاللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی نہیں اور اکابر صحابہ وائمہ کے موافق ہے۔اور معترضین کا کہنا کہ تم امام برحق پر فتوٰی لگاؤ، محض جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔کیا صدہا صحابہ وائمہ کا وہ فتوٰی معاذاللہ حضرات امام پر لگتا ہے۔عمداً تارک صلاۃ پر لگتا ہے نہ کہ اُسے کافر نہ جاننے پر۔معترضین اگر خوفِ خدا کرتے تو انہیں اس کی شکایت نہ ہوتی کہ کفر کے فتوے لگنے لگے بلکہ اس کا خوف ہوتا کہ صدہا صحابہ وائمہ اُن کے کفر پر فتوے دے رہے ہیں۔کیا محال ہے کہ عنداللہ اُنہی کا فتوٰی حق ہو،مسائل اختلافیہ ائمہ میں حق دائر ہوتا ہے کسی کو یقیناً خطا پر نہیں کہہ سکتے۔

[1] القرآن سورہ الروم ۳۰ آیت ۳۱

غرض معترضین پر فرض ہے کہ توبہ کریں نماز کے پابند ہوں فتوائے صدہا صحابہ وائمہ سے ڈریں اور آج اگر وہ نقد وقت نہ ہو تو سوء خاتمہ سے خوف کریں۔ زید نے اگر یہ الفاظ زجراً کہے حرج نہیں، محلِ زجر میں ایسا استعمال ہر قرن وطبقہ کے ائمہ وعلماء بلکہ خود سرکار رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ سے بکثرت ثابت ہے اور اگر اعتقادِ تکفیر رکھتا ہے تو اس سے باز آئے قولِ صحیح امام اعظم اختیار کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۶۸) از انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوو ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۴/ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۵ھ

یہاں ایک مولوی صاحب آئے اور یہ بیان کیا کہ بے نمازی کے ہمراہ کھانا کھانا اور اس کی نماز جنازہ پڑھنا نیز وہ بیمار ہو جائے تو اس کے گھر جانا بہت بڑا ثواب ہے، بعضے علماء اس سے اجتناب اور اُس پر کفر اور قید کا فتوٰی دیتے ہیں محض غلطی پر ہیں۔

الجواب:

بے نماز کو ہمارے امام نے کافر نہ کہا مگر بہت صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام نے اُس کی تکفیر کی، اور خود صحیح حدیث میں ارشاد: **من ترك الصلاة متعمدا فقد کفر جهارا**[1]۔ جس نے قصداً نماز ترک کی وہ علانیہ کافر ہوگیا۔ (م)

جو ائمہ اُس کی تکفیر کرتے ہیں اُن کے نزدیک اُس کی عیادت کو جانا بھی ناجائز ہوگا اُس کے جنازہ کی نماز بھی ناجائز ہوگی ہمارے امام کہ تکفیر نہیں فرماتے اُن کے نزدیک بھی اُسے ضرب شدید وقید مدید کا حکم ہے جس کا اختیار سلطانِ اسلام کو ہے اور کسی کی عیادت کو جانا واجب نہیں، بہ نظر زجر اگر بے نماز کی عیادت کو نہ جائیں تو کوئی الزام نہیں۔ ہاں جبکہ ہمارے نزدیک وہ کافر نہیں، فقط فاسق فاجر مرتکبِ کبائر ہے تو اُس کے جنازہ کی نماز ضرور ہے پھر بھی علما وپیشوایان قوم اگر اوروں کی عبرت کیلئے اُس کی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور بعض عوام سے پڑھوادیں تو یہ بھی مستحسن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۸۵۸۷ مطبوعہ دار المعرفت، البیروت ۱۰۲/۶، معجم اوسط، حدیث نمبر ۳۳۷۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۲۱۱/۴

باب الاوقات
نماز کے وقتوں کا بیان

مسئلہ (۲۶۹) مرسلہ حاجی اللہ یار خان صاحب ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ نفل میں جونیت کو قبل زوال کے کرنے کو لکھا ہے اور زوال کے وقت جو نماز مکروہ ہے تواس وقت سے کیا مراد ہے اور بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سوال مع جوابِ مولوی گنگوہی صاحب پیش ہوااس میں تین [3] مسئلے ہیں، دو [2] کا گنگوہی صاحب نے جواب ہی نہ دیا اور ایک کا کہ دیا محض غلط کہ نہ دینااُس سے ہزار جگہ بہتر تھاوہ مسائل یہ ہیں:

مسئلہ اولٰی: باب صیام میں وقت زوال جس تک نیتِ روزہ نفل ہو جانا چاہئے کیا ہے؟

اقول: فی الواقع روزہ ماہ مبارک ونذر معین وروزہ نفل جبکہ ادا ہو نہ قضا تومذہب صحیح یہی ہے کہ ان کی نیت نصف النہار شرعی سے پہلے ہو جانی چاہئے جسے ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اُس کے بعد بلکہ خاص ضحوہ کبرٰی کے وقت بھی نیت کافی نہیں، در مختار میں ہے:

یصح اداء صوم رمضان والنذر المعین	رمضان کے روزے، نذر معین کے روزے اور

والنفل بنیته من اللیل الی الضحوۃ الکبرٰی، لابعدھا ولاعندھا، اعتبارا لاکثر الیوم [1]۔	نفلی روزے کی ادا صحیح ہے اگر رات سے ضحوہ کبرٰی تک نیت کرلی جائے، ضحوہ کبرٰی کے بعد یا اس کے دوران نیت کرنے سے روزہ نہیں ہوگا کیونکہ دن کے بیشتر حصّے کا اعتبار ہے۔(ت)

اور نہار شرعی طلوعِ فجر صادق سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے، ردالمحتار میں ہے:

الیوم الشرعی من طلوع الفجر الی الغروب [2]۔	شرعی دن، طلوعِ فجر سے غروب تک ہے۔(ت)

یہ ہمیشہ نہار عرفی سے کہ طلوعِ مرئی کنارہ بالائی شمس سے غروب مرئی کل جرم شمس تک ہے بمقدار مدت فجر زیادہ ہوتا ہے یعنی جس جگہ، جس فصل جس مہینے بلکہ جس دن میں طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس بمعنی مذکور تک جتنی مدت ہوگی اُس دن کا نہار شرعی اس کے نہارِ عرفی سے اُسی قدر بڑا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب دو بڑی چھوٹی چیزوں میں صرف ابتدا مختلف اور انتہا متفق ہو تو اکبر کا نصف اصغر کے نصف سے بقدر نصف زیادت کے پہلے ہوگا لہٰذا ہمیشہ نصف النہار شرعی نصف النہار عرفی حقیقی یعنی نصف النہار دائرہ ہندیہ سے بقدر نصف مقدار فجر کے پیشتر ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے:

اعلم، ان کل قطر نصف نہارہ قبل زوالہ بنصف حصۃ فجرہ [3]۔	جان لو کہ ہر علاقے کا نصف النہار، بقدر نصفِ حصّہ فجر، زوال سے پہلے ہوتا ہے۔(ت)

پس یہی حساب ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے آج کی فجر دریافت کرلی کہ کس مقدار کی ہُوئی اُس کی تنصیف میں جتنے منٹ سکنڈ آئے ٹھیک دوپہر یعنی کیلی کا سایہ دھوپ گھڑی میں خط نصف النہار پر منطبق ہونے سے پیشتر اُتنے ہی منٹ سکنڈ لے لئے وہی وقت حقیقی نصف النہار شرعی کا ہوا اُس سے پہلے نیت روزے کی ہو جانی چاہئے اور پُر ظاہر کہ نہ نہار عرفی دائماً ایک حالت پر رہے نہ مقدار فجر دواماً یکساں ہو بلکہ دونوں ہر روز گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ افق مستوی میں بھی کہ بوجہ میل عـہ وتزاید وتناقص میل تفاوت طوالع ومطالع ضروری ہے نہ کہ

عـہ نصف میل باعثِ اختلاف طوالع یا مطالع ہے اور اس کا تزاید وتناقص باعثِ اختلاف طوالع فی المطالع کمالایخفی علٰی ذی درایۃ ۱۲ (جیساکہ ذی فہم پر مخفی نہیں۔ت) (م)

[1] درمختار کتاب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۴۶

[2] درمختار، کتاب الصوم، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۲/۸۰

[3] درمختار کتاب الصوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۸۵

آفاق مائلہ نہ کہ ہمارے بلاد جن میں سائل ومجیب کا کلام ہے جن کے مدارات کا دائرہ معدل النہار سے میل میل کلی پر بھی کئی درجے افزوں ہے کہ کمابیش عرض الخ رکھتے ہیں بریلی جس کا عرض الح الح ہے یہاں نہار نجومی کہ افق حقیقی پر جانب انطباق مرکز شمس سے جانب غرب انطباق تک ہے روز انقلاب صیفی پونے چودہ گھنٹے سے زائد ۱۳ گھنٹے ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے اور روز انقلاب شتوی سوا دس ساعت سے بھی کم ۱۰ گھنٹے ۱۲ منٹ کا ہوتا ہے اور مقدار فجر یعنی طلوعِ فجر سے طلوع نجومی شمس تک اواخر جوزا و اوائل سرطان میں پونے دو گھنٹے کے قریب یعنی تقریبًا ایک گھنٹہ ۳۹ منٹ اور نزدیکی اعتدالین میں سوا گھنٹے سے کچھ زائد یعنی تخمینًا ایک گھنٹا ۲۲ منٹ تو نہار شرعی ہمیشہ ایک مقدار پر کیونکر رہ سکتا ہے نہ زنہار اس کا تفاوت ایسا قلیل ہے جسے بے مقدار و ناقابلِ اعتبار سمجھ کر ہمیشہ کیلئے ایک اندازہ مقرر کر دیجئے بلکہ اس کی کمی بیشی سوا پہر کامل تک پہنچتی ہے انقلاب اول میں تخمینًا **یہ ل** یعنی ساڑھے پندرہ گھنٹے کا نہار شرعی ہوتا ہے کہ پانچ پہر سے بھی زائد ہوا کجا ساڑھے چار پہر اور انقلاب ثانی میں تقریبًا **مامہ** یعنی پونے بارہ گھنٹے کا کہ چار پہر سے بھی کم ہوا کہاں ساڑھے چار پہر پونے بارہ اور ساڑھے پندرہ کا تفاوت وہی سوا پہر کامل ہوا یا نہیں پھر ایسی شدید التفاوت چیز میں ایک مقدار کا تخمینہ کر دینا کس قدر غلط و باعثِ مغالطہ مسلمین ہوگا مثلًا جب عوام نے یہ اندازہ جان لیا کہ ساڑھے چار پہر کا نہار شرعی ہوتا ہے اس کے اکثر حصّے میں نیت ہو جانی چاہئے یعنی غروبِ آفتاب تک اس کے نصف سے زیادہ باقی ہو اور اس کا نصف سوا دو پہر یعنی پونے سات گھنٹے تو اس حکم کا حاصل یہ ہوا کہ اگر شام تک ۰۶ گھنٹے سے کچھ بھی زیادہ وقت باقی ہے جب تو روزے کی نیت صحیح ہو جائے گی اور ۰۶ یا اس سے کم ہیں تو ہرگز صحیح نہ ہوگی اب ملاحظہ کیجئے جب آفتاب تحویل سرطان پر آیا اور ۷ بجے ڈوبا یعنی وقت حقیقی سے تقریبًا ڈیڑھ منٹ سات پر تو حقیقی بارہ بجے کے چند منٹ بعد بھی یہ بات صادق ہے کہ شام تک ۶ گھنٹے ۴۵ منٹ سے زیادہ وقت ہے تو لازم کہ اُس دن دوپہر ڈھلے پر بھی نیت روزہ ہو جائے حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے بلکہ اُس دن حقیقی سوا گیارہ بجے سے چند منٹ پہلے بھی نیت جائز نہیں کہ ۱۱ بج کر ۱۱ منٹ پر نصف النہار شرعی ہو چکا اور جب آفتاب تحویل جدی پر آیا اور سوا پانچ سے کچھ کم یعنی وقت حقیقی سے تقریبًا ۵ بج کر ۱۰ منٹ پر ڈوبا تو لازم کہ اُس دن ساڑھے دس بجے بھی نیت جائز نہ ہو کہ اب شام تک ۰۶ گھنٹے باقی نہیں حالانکہ اُس دن ۱۱ کے بعد یعنی حقیقی وقت سے ۱۱ بج کر ۱۹ منٹ تک بھی نیت جائز ہے کہ نصف النہار شرعی اب ہوگا پس ثابت ہوا کہ ۰۴ پہر کا تخمینہ محض غلط و باعثِ تغلیط اور بنائے کار اُسی حساب پر واجب جو ہم بیان کر آئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رہا لفظ زوال کہ عبارت امام اجل ابوالحسن قدوری رحمہ اللہ تعالٰی میں واقع عند التحقیق اُس سے دوپہر ڈھلے ہی کا وقت مراد ہے اس روایت پر نصف النہار عرفی تک اِن روزوں کی نیت جائز ہے مگر مختار و معتمد وہی روایت سابقہ ہے کہ نصف النہار شرعی سے پہلے نیت ہو جانی ضرور ہے ہدایہ[1] وقایہ[2] وشرح وقایہ[3] وعنایہ[4] و

جواہر[5] الاخلاطی وشرح[6] نقایہ برجندی وشرح[7] علامہ اسمٰعیل ومتن[8] نورالایضاح میں اسی کو اصح کہا اور شرح[9] جامع صغیر للامام السرخسی وکافی[10] شرح وافی وشرح[11] کنز للزیلعی ومتن[12] اصلاح میں اسی کو صحیح بتایا اور نقایہ[13] وکنز[14] وملتقی[15] وتنویر[16] ودر[17] واشباہ[18] وغیرہا مرسلہ معتمدات میں اسی پر جزم کیا اور یہی من حیث الدلیل اقوی تو اسی پر عمل وفتوی اس سوال کا جواب اسی قدر ہے باقی اُس روایت کو غلط کہنا ائمہ کے ساتھ گنگوہی صاحب کا سوءِ ادب ہے کہ قدوری[1] ومجمع[2] وفتاوٰی[3] خانیہ وفتاوٰی[4] خلاصہ وشرح[5] طحاوی وخزانۃ[6] المفتین وغیرہا معتبرات میں کہ اجلہ متون وشروح وفتاوٰی مذہب سے ہیں اُسی پر جزم واعتماد کیا۔

اما المجمع فنقل عنه فی ردالمحتار واما شرح الطحاوی فرمزله فی خزانة المفتین،واما الاربعة البواقی فرأیت فیها بعینی۔	مجمع سے ردالمحتار نے نقل کیا ہے، شرح طحاوی کی طرف خزانۃ المفتین میں اشارہ کیا گیا ہے اور باقی چاروں میں، مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔(ت)

بلکہ خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الصوم میں وہی قول زوال ارشاد کیا،

کمانص علیه الامام شمس الائمة السرخسی فی شرح الجامع الصغیر،ورأیت النقل عنه فی الایضاح شرح الاصلاح للعلامة ابن کمال الوزیر۔	جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی نے جامع صغیر کی شرح میں کہا ہے اور علامہ ابن کمال وزیر کی ایضاح شرح اصلاح میں، میں نے اس کی نقل دیکھی ہے۔(ت)

تو ایسی جگہ ارسال زبان نازیبا وزیان اور زوال سے زوال نہار شرعی مراد لے کر قصد توفیق بھی خلاف تحقیق کی مرسلہ ائمہ یہاں ابقائے خلاف کرتے ہیں اور خود ایک جانب کو اصح و صحیح کہنے کا یہی مفاد عبارت ہدایہ یوں ہے:

قال فی المختصر (یعنی القدوری) مابینه وبین الزوال،وفی الجامع الصغیر قبل نصف النهار وهو الاصح[1] الخ۔	کہا مختصر میں (یعنی قدوری میں) "اس کے اور زوال کے درمیان"۔اور جامع صغیر میں ہے"نصف النہار سے پہلے"۔اور یہ اصح ہے الخ(ت)

شرح وقایہ میں ہے:

فی الجامع الصغیر بنیة قبل نصف النهار ای قبل نصف النهار الشرعی،وفی مختصر	جامع الصغیر میں ہے"اگر نصف نہار سے پہلے نیت کرے" یعنی نصف نہار شرعی سے پہلے،اور

[1] الہدایۃ کتاب الصوم مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۹۲

القدوری الی الزوال،والاول اصح[1]۔	مختصر قدوری میں ہے کہ زوال تک صحیح ہے،لیکن پہلا قول صحیح ہے۔(ت)

کافی للامام النسفی میں ہے:

ذکر فی المختصر،وبینہ وبین الزوال،وفی الجامع الصغیر،قبل نصف النہار،وھو الصحیح[2]۔	مختصر میں مذکور ہے"اس کے اور زوال کے درمیان"اور جامع صغیر میں ہے"نصف نہار سے پہلے"اور یہ صحیح ہے الخ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

قال فی المختصر (یعنی الکنز) الی ماقبل نصف النہار،وھو المذکور فی الجامع الصغیر،وذکر القدوری مابینہ وبین الزوال،والصحیح الاول[3]۔	کہا مختصر میں (یعنی کنز میں) "نصف نہار سے پہلے تک"۔یہی جامع صغیر میں بھی مذکور ہے۔اور قدوری نے کہا ہے"اس کے اور زوال کے درمیان"اور صحیح پہلا قول ہے۔(ت)

برجندی میں ہے:

اشار القدوری انہ تجوز النیۃ فیما بین الصبح والزوال،وفی الھدایۃ الاول[4]۔	قدوری نے اشارہ کیا ہے کہ نیت صبح اور زوال کے درمیان صحیح ہے۔اور ہدایہ میں ہے کہ پہلا قول اصح ہے۔(ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

اجزائہ النیۃ مابینہ وبین الزوال اوقبل انتصاف النہار،وھو الاصح[5]۔	اس کے لئے نیت کافی ہے،اگر صبح اور زوال کے درمیان کرے،یا نصف نہار سے پہلے،اور یہ اصح ہے(ت)

اور نص قاطع وہ ہے کہ تاتارخانیہ میں محیط سے نقل فرمایا:

یظھر ثمرۃ الاختلاف فیما اذا نوی عند	اختلاف کا نتیجہ تب ظاہر ہوگا جب زوال کے قریب

[1] شرح الوقایۃ کتاب الصوم مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰۶

[2] کافی شرح وافی

[3] تبین الحقائق کتاب الصوم المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱/۳۱۵۹

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الصوم نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۱

[5] جواہر الاخلاطی،کتاب الصوم قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۱/۴۸

قرب الزوال [1] اھ۔	نیت کرے اھ (ت)

اقول: بلکہ بعد اس عنایت کے بھی توفیق عـــہ۱ نہ ہُوئی (انتصاف پر بھی مابینہ وبین الزوال و قبل الزوال وقرب الزوال صادق حالانکہ مذہب صحیح پر خاص وقت ضحوہ کبرٰی بھی نیت کافی نہیں **کما قدمنا عن الدر** وغیرہ (جس طرح ہم نے در وغیرہ سے پہلے نقل کیا ہے) (ص-۱۲۲) پھر اس تکلیف بے حاصل سے کیا حاصل۔ غرض نہ تغلیط مقبول نہ توفیق معقول بلکہ جواب وہی ہے جو فقیر نے ذکر کیا **وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۰ ثانیہ: وقت زوال جس میں نماز ممنوع کیا وقت ہے۔

اقول: گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب نہ دیا پیشتر بھی فقیر سے یہ سوال ہوا تھا بقدر ضرورت جواب لکھا گیا یہاں اس کی نقل پر اقتصار ہوتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوال کا وقت جس میں نماز ناجائز ہے کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوال تو سُورج ڈھلنے کو کہتے ہیں یہ وقت وہ ہے کہ ممانعت کا وقت نکل گیا اور جواز کا آیا **کما صرح بہ فی البحر** [2] **عن الحلیۃ۔** (جیسا کہ بحر الرائق میں حلیہ سے اسکی تصریح کی گئی ہے) تو وقت ممانعت کو زوال کہنا صریح مسامحت ہے اور غایت تاویل مجاز مجاورت بلکہ اسے وقت استوا کہنا چاہئے یعنی نصف النہار کا وقت، اب علما کو اختلاف ہے کہ اس سے نہار عرفی کا نصف حقیقی عـــہ۲ مراد ہے یعنی دوپہر جس وقت مرکز آفتاب بالائے افق دائرہ نصف النہار پر

عـــہ۱ **نعم لواول بالمنتصف کان توفیقا وان لم یکن تحقیقا ۱۲ منہ (م)**	ہاں اگر (اس قول کی) تاویل نصف النہار کے ساتھ کردی جاتی تو ان میں تطبیق ہوجاتی اگرچہ اس میں بھی تسامح ہے۔ (ت)

عـــہ۲ احتراز ہے نصف النہار عرفی سے کہ ۱۲ بجے کے وقت کو کہتے ہیں، یہ سال میں چار٤ دن یعنی ۱۵/اپریل ۱۴ جون، ۳۱/اگست، ۲۴ دسمبر کے سوا ہمیشہ نصف النہار حقیقی سے آگے پیچھے ہوتا ہے جس کا تقدم تاخر تقریبًا پاؤ گھنٹے تک پہنچتا ہے یعنی زیادت میں تقریبًا ۱۴ منٹ اور کمی میں ۱۶، پھر یہ بھی اُس وقت ہے کہ گھڑیاں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الفتاوٰی التاتارخانیۃ الفصل الثالث فی النیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۳۵۷

[2] البحر الرائق کتاب الصوم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی دہلی ۱/۲۵۱

پہنچتا اور سایہ اپنی مقدار اصلی پر آکر اُس کے بعد جانبِ مشرق پلٹتا اور گھٹنے کی انتہا ہو کر پھر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے یہ قول ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب یا نہار شرعی کا نصف مراد ہے جسے ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں۔ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہار عرفی طلوع کنارہ شمس سے غروب کل قرص شمس تک ہے۔

والمراد بالطلوع،المبتنی علیه احکام الشرع،تجاوز اول حاجب الشمس فی جهة الشرق عن دائرة الافق الحسی بالمعنی الاعم، المسمّٰی فی کلام البعض بالافق الترسی،بحرکة الکل،وبالغروب تجاوز کل قرصها فی جهة الغرب عن الدائرة المذکورة بالحرکة المزبورة،فوضح امتیاز النهار العرفی عن النهار النجومی،فانه من انطباق مرکز الشمس علی دائرة الافق الحقیقی من قبل المشرق،الی انطباقه علیها فی جهة المغرب،فان اتحد الافقان یکون العرفی اکبر من النجومی،بقدر مایطلع نصف کرة الشمس ویغرب النصف،وان انحط الترسی من التحقیق،وهو الاکثر،	جس طلوع پر شرعی احکام مبنی ہیں،اس سے مراد یہ ہے کہ شرقی جانب جو دائرہ افقِ حسی ہے اُفقِ حِسی کا عام معنی مراد ہے جس کو بعض نے اُفقِ ترسی کا نام دیا ہے۔اس دائرے سے پُورے سورج کی حرکت کے ساتھ،سورج کا پہلا کنارہ گزر جائے۔اور غروب سے مراد یہ ہے کہ سورج کی پوری ٹکیہ،اسی دائرے سے،اسی حرکت کے ساتھ،غربی جانب سے گزر جائے۔اس سے نہار عرفی اور نہار نجومی کا امتیاز بھی واضح ہوگیا،کیونکہ نہار نجومی شروع اس وقت ہوتی ہے جب شرقی جانب سورج کا مرکز،افقِ حقیقی کے دائرے پر منطبق ہو جائے،اور ختم اس وقت ہوتی ہے جب غربی جانب سورج کا مرکز افقِ حقیقی کے دائرے پر منطبق ہو جائے۔اب اگر دونوں افق (حقیقی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اصل تعدیل الایام بلدی پر جاری کی جائیں اور اگر دوسرے مقام کے وقت پر اجرا ہو جیسے ہندوستان میں وقت مدراس کو اختلاف طول سے یہ دن متبدل ہو جائیں گے،مثلاً بریلی جس کا وقت مدراس سے ۳ منٹ ۱۹ سیکنڈ زائد ہے یہاں تقریبی مساوات یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے پر ٹھیک دوپہر ہونا ان چار تاریخوں پر ہوگا ۴ و ۲۵ مئی و ۱۱ ستمبر و ۱۸ دسمبر ۱۲ منہ۔یہ بھی اس وقت تک تھا اب کہ جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراس ٹائم منسوخ اور وسط ہند کے وقت پر گھڑیاں جاری کی گئی ہیں یعنی جہاں طول ۸۲ درجے ہے جس کے ۵۰ گھنٹے ہوئے،اس اختلاف نے بریلی میں صرف دو۲ ہی دن مساوات کے رکھے ۱۸ اکتوبر اور ۲۸ نومبر،اور کمی کی مقدار یعنی جیبی گھڑی کے ۱۲ بجے سے نصف النہار حقیقی کا پہلے ہونا صرف ۴ منٹ رہ گئی،اور زیادت یعنی جیبی کے ۱۲ بجے سے ٹھیک دوپہر بعد کو ہونا ۲۶ منٹ تک پہنچ گئی ۱۲ منہ (م)

لاسیما من جهة دقائق الانکسار الافقی، فزیادة العرفی ازید۔ نعم، ان وقع فوقه بقدر نصف قطر الشمس مع دقائق الانکسار یستوی النهاران، اوازید من ذلك فیفضل النجومی، کمالایخفی وهذه فائدة سنحت للقلم حین التحریر فاحببنا ایرادها۔	اور ترسی) متحد ہوں تو نہار عرفی، نہار نجومی سے اتنی بڑی ہوگی جتنی دیر میں سورج کا آدھا کُرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے۔ اور اگر ترسی، حقیقی سے نیچے ہو، جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے خصوصًا جب افقی انکسار کے دقیقوں کو ملحوظ رکھا جائے تو نہار عرفی اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہاں، اگر ترسی، حقیقی سے، سورج کے نصف قطر جتنا اوپر ہو اور انکسار کے دقیقے بھی ملحوظ ہوں تو نہار عرفی اور نہار نجومی برابر ہوجائیں گی۔ اور اگر سورج کے نصف قطر کی مقدار سے زیادہ اُوپر ہو تو نہار نجومی بڑھ جائے گی، جیسا کہ مخفی نہیں ہے یہ فائدہ لکھتے وقت قلم کیلئے ظاہر ہوا تو ہم نے اس کو ذکر کرنا مناسب سمجھا۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اُس کے نصف سے پہلے ہوگا، مثلاً فرض کیجئے آج تحویل حمل کا دن ہے آفتاب بریلی اور اُس کے قریب مواضع میں جیب گھڑی کے ۶ بج کر ۷ منٹ پر چمکا اور ۶ بج کر ۱۴ منٹ پر ڈوبا ۴ بج کر ۴۸ منٹ پر صبح ہوئی تو اس دن نہار شرعی ۱۳ گھنٹے ۲۶ منٹ کا ہے جس کا آدھا ۶ گھنٹے ۴۳ منٹ ہوا اسے ۴ گھنٹے ۴۸ منٹ پر بڑھایا تو ۱۱ گھنٹے ۳۱ منٹ کا وقت آیا اور نصف النہار شرعی وقت استوائے حقیقی سے ۴۰ منٹ پیشتر ہو الا التسع وعشرین کما یتوھم فافھم واعرف ان کنت تفھم (نہ کہ انیس منٹ، جیسا کہ وعدہ کیا جاتا ہے۔ اس کو سمجھو اور جانو، اگر سمجھ رکھتے ہو۔ ت) اسی کو ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اسی وقت کے آنے تک کچھ کھایا پیانہ ہو تو روزے کی نیت جائز ہے، اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار عرفی یعنی استوائے حقیقی تک کہ تحویل حمل کے دن ۱۲ بج کر ۱۱ منٹ پر ہوگا، سارا وقت کراہت کا ہے جس میں نماز ناجائز وممنوع اور پُرظاہر کہ یہ مقدار اختلافِ موسم سے گھٹتی بڑھتی رہے گی یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزافی القهستانی القول بان المراد انتصاف النهار العرفی ای ائمة ماوراء النهر وبان المراد انتصاف النهار الشرعی وهو الضحوة الکبرٰی الی الزوال الی ائمة خوارزم [1]۔	قہستانی میں اس قول کو ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد عُرفی نہار کا نصف ہونا ہے، اور اس قول کو ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے کہ مراد شرعی نہار کا نصف ہونا ہے یعنی ضحوہ کبرٰی زوال تک۔ (ت)

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مطبوعہ المصطفیٰ البابی مصر ۱/۲۷۳

اُسی میں ہے:

وفی القنیة،واختلف فی وقت الکراھة عند الزوال،فقیل من نصف النھار الی الزوال،لروایة ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه نھی عن الصلاۃ نصف النھار حتی تزول الشمس،قال رکن الدین الصباغی،وما احسن ھذا،لان النھی عن الصلاۃ فیه یعتمد تصورھا فیه [1] اھ ما فی الشامی، وھذا کماتری من الفاظ الافتاء۔	اور قنیہ میں ہے کہ زوال کے قریب مکروہ وقت کی مقدار میں اختلاف ہے۔بعض نے کہا کہ نصف النہار سے زوال تک ہے، کیونکہ ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ آپ نے نصف النہار سے زوال تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے،رکن الدین صباغی نے کہا ہے کہ یہ کتنا ہی اچھا استدلال ہے کیونکہ اس وقت میں نماز سے منع کرنے کی ضرورت تب ہی پڑسکتی ہے جب یہ وقت کم از کم اتنا ضرور ہو کہ اس میں نماز پڑھی جاسکے،شامی کی عبارت ختم ہُوئی۔اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو،یہ افتاء کے الفاظ ہیں۔(ت)
اقول: ویؤیدہ مافی الشامی عن الطحطاوی عن ابی السعود عن الحموی عن البرجندی عن الملتقط،فی باب الکسوف،انھا اذا انکسفت بعد العصر اونصف النھار دعواولم یصلوا [2]،ای لکراھة النفل فی الوقتین،ووجه التأیید ظاھر لیس بخاف۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں): اسی کا مؤید ہے وہ جو شامی میں ہے۔شامی نے طحطاوی سے،اس نے ابوالسعود سے،اس نے حموی سے،اس نے برجندی سے،اس نے ملتقط سے باب الکسوف میں نقل کیا ہے کہ اگر سورج گرہن عصر کے بعد یا نصف النہار کے وقت لگے تو لوگ دعا کریں گے اور نماز نہیں پڑھیں گے،یعنی اس وجہ سے کہ ان دو۲ وقتوں میں نفل پڑھنا مکروہ ہے،تائید کی وجہ ظاہر ہے، مخفی نہیں۔(ت)

غرض جب علماء میں اختلاف ہے اور ایک امام اجل نے اس قول کو ترجیح دی اور اُس کے خلاف ترجیح منقول نہ ہُوئی تو احتیاط اسی پر عمل کرنے میں ہے۔

[1] ردالمحتار مطلب یشترط العلم بدخول الوقت مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

[2] ردالمحتار باب الکسوف مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۲

حتی یتبین خلافه اقول والمسئلة بعد تحتاج الی زیادة تحقیق وتحریر، وللعبد الضعیف ههنا ابحاث سنوردها ان شاء الله تعالٰی فی غیر هذا التحریر، والله تعالٰی اعلم۔ انتهی ماکتبت فی الجواب۔ والله سبحٰنه اعلم بالصواب[1]۔	یہاں تک کہ اس کا خلاف ظاہر ہوجائے اقول (میں کہتا ہوں) ابھی مسئلہ مزید تحقیق و تحریر کا محتاج ہے اور عبد ضعیف کی، یہاں کچھ بحثیں ہیں جنہیں عنقریب ہم کسی اور تحریر میں پیش کریں گے، واللہ تعالٰی اعلم، جو کچھ میں نے جواب میں لکھا ہے وہ ختم ہوا۔ واللہ سبحٰنہ اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ (۱۷۲) ثالثہ: بڑھ سے بڑھ یہ وقت کس قدر ہے؟

اقول: گنگوہی صاحب نے اس سوال کا جواب بھی قلم انداز کردیا، اس کا جواب اجمالی یہ ہے کہ ہمارے بلاد میں انتہا درجہ یہ وقت ۴۸ منٹ تک پہنچتا ہے جبکہ آفتاب انقلاب صیفی میں ہوتا ہے یعنی ۲۲ جون کو ٹھیک دوپہر سے اتنے منٹ بیشتر نصف النہار شرعی ہوجاتا ہے اور تحویلِ حمل و میزان یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کو ۳۹ منٹ پہلے ہوتا ہے نہ اس سے گھٹے نہ اس سے بڑھے باقی ایام میں انہیں کے بیچ میں دورہ کرتا ہے **وتفصیل ذلك یطول جدا** (اور اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ ت) اور ٹھیک دوپہر سے یہ مراد کہ جب دائرہ ہندیہ میں ظل ثانی خط الزوال پر پورا منطبق ہو یہی نہار عرفی کا گویا[عـــہ] نصف حقیقی ہے اسی کو استوائے حقیقی کہئے اس وقت آفتاب بیچ آسمان میں ہونا سمجھئے احکام شرعیہ میں اسی وقت کا اعتبار ہے نصف النہار شرعی سے اسی وقت تک نماز مکروہ ہے اس کے بعد پھر وقتِ ممانعت نہیں رہتا اس وقت بارہ بجے فرض کیجئے اور اس سے گھنٹہ بھر پہلے گیارہ وعلٰی ہٰذا القیاس ان گھڑی گھنٹوں کے بارہ کا حکم زوال و نصف النہار و شروع وقت ظہر میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ نہایت صحیح ہوں کہ نظر عوام میں ان کا کمال صحت توپ سے مطابقت اور توپ قطع نظر اس سے کہ اکثر غلط چلتی ہے فقیر نے گیارہ منٹ تک کی غلطی اُس میں مشاہدہ کی ہے اگر پُوری صحیح بھی چلے تو خود اس حساب پر نہیں چلتی، فقیر نے بارہا بچشمِ خود مشاہدہ کیا ہے کہ دوپہر کی توپ صحیح چلی ہے اور اُس وقت آفتاب مرایٔ العین میں صاف پلٹ چکا ہے یا ابھی وسط آسمان پر بھی نہ آیا ولہٰذا تحویل حوت کا شمس کہ بحساب دائرہ ہندیہ مع حصہ انکسار افقی ہمارے شہر میں ۵بج کر ۳۹ منٹ پر ڈوبنا چاہئے توپ کے اعتبار سے قریب ۶ بجے کے ۵بج کر ۵۶ منٹ پر ڈوبتا ہے تحویلِ قوس کا مہر کہ بحساب مذکور دائرہ ۶بج کر ۴۲ منٹ پر چمکنا چاہئے توپ کے گھنٹوں پر ۶ سے ۳۱ منٹ

عـــہ اس گویا اور کہیے اور سمجھی کی وجہ عالمِ ہیأت پر مخفی نہیں اور یہ بھی وہ جان سکتا ہے کہ یہ وقت وقت استوائے حقیقی تحقیقی کس صورت میں ہوگا ۱۲ منہ (م)

1

بعد طلوع کر آتا ہے اسی طرح ہر جگہ فرق پائیے گا یہ امر ضرور قابلِ لحاظ ہے یہیں سے وہ عقدہ کھل گیا کہ ہم نے مسئلہ ثانیہ کے جواب میں نصف النہار شرعی ۱۱پر ۳۱ منٹ آکر لکھا اور پھر اس سے استوائے حقیقی تک ۴۰ منٹ کا فاصلہ رکھا حالانکہ ۱۱پر ۳۱ کے بعد ۱۲ بجنے تک صرف ۲۹ منٹ کا فصل ہے تو وجہ یہ کہ اُس مسئلہ میں انہیں رواجی مدراسی گھنٹوں کا حساب لیا تھا ولہذا طلوعِ شمس حمل ۶ پر ۷ منٹ آکر مانا۔ یہ ہے ان مسائل کا اجمالی تخمینی جواب اور تفصیل و تحقیق مفضی تطویل واطناب۔

وفیما ذکرنا کفایۃ لاولی الباب وصلی اللہ تعالٰی علی المولٰی الاواب سیدنا محمد والاٰل والاصحاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	اور جو ہم نے ذکر کیا ہے وہ عقلمندوں کے لئے کافی ہے، اور درود بھیجے اللہ تعالٰی بہت رجوع کرنے والے آقا سیدنا محمد پر اور ان کی آل واصحاب پر۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

مسئلہ (۲۷۲): از حیدر آباد دکن قریب دروازہ دبیر پورہ مدرسہ محمدیہ مرسلہ مولوی عبدالخالق صاحب اعظم گڑھی ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

حضرت مولٰنا العلام والحبر القمقام حامی السنۃ قامع البدعۃ بقیۃ السلف حجۃ الخلف مولانا الحاج المولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح رائے عالی متعالی ہو کہ ان دنوں یہاں کہ علما بلکہ چار پانچ علمائے ہند مثل حضرت مولانا مولوی لطف اللہ صاحب علی گڈھی وجناب مولوی محمد منصور علی خان صاحب مراد آبادی وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب اعظم گڈھی وغیرہم نے مثلین سوی الزوال کا فتوٰی دیا بعدہ، مولوی عبدالوہاب صاحب بہاری صدر مدرس مدرسہ نظامیہ نے سب علماء کے فتوے کو رَد کر دیا اور لکھا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی قول مثلین سے رجوع کرکے قول صاحبین کی طرف آگئے ہیں اب التماس ہے کہ آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ خادم الطلبہ محمد عبدالخالق

الجواب:

مولانا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، قول سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وہی مثلین بعد فیئ الزوال ہے اور وہی احوط وہی اصح وہی من حیث الدلیل ارجح اسی پر اجماع واطباق جملہ متون متین وہی مختار ومرضی جمہور محققین شارحین اُسی پر افتائے اکثر کبرائے ائمہ مفتین امام کا اس سے رجوع فرمانا ثابت نہیں اجماع متون مذہب موضوعہ لنقل المذہب کے حضور بعض حکایات شاذہ خاملہ غیر محفوظہ قابلِ لحاظ کب ہوئیں بلکہ قول یک مثل ہے مرجوع عنہ ہے۔

لماصرح بہ فی البحر والخیریۃ وردالمحتار	کیونکہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں تصریح ہے کہ

وغیرھا ان کل ماخرج عن ظاھر الروایۃ فھو مرجوع عنہ [1]۔ھذا ولکل وجھۃ ھو مولیھا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ [2]۔وفقنااللہ تعالٰی لھا وتقبلھا منا بالکرم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو اس سے رجوع کیا جاچکا ہوتا ہے۔اور ہر ایک کی ایک سمت ہے جس کی جانب وہ منہ کرتا ہے تو نیکیوں میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔اللہ تعالٰی ہمیں نیکیوں کی توفیق دے اور اپنے کرم سے انہیں قبول فرمائے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم،وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ (۲۷۳) از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں آج کل آفتاب 2/61 بجے طلوع ہوتا ہے اور پونے چھ بجے غروب اور نمازِ عصر پونے چار بجے ادا کی جاتی ہے کہ اُس وقت سایہ سوائے سایہ اصلی کے دو مثل کسی طرح نہیں ہوتا اس صورت میں نماز مذہب مفتی بہ کے موافق ہوئی یا نہیں اور ایسی حالت میں جماعت میں شریک ہونا چاہیئے یا جماعت کا ترک اختیار کیا جائے صرف حکم چاہتا ہوں مجھے دلائل کی ضرورت نہیں،بینوا توجروا۔

الجواب:

حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جب تک سایہ ظل اصلی کے علاوہ دو مثل نہ ہوجائے وقتِ عصر نہیں آتا اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی مثل کے بعد آجاتا ہے اگرچہ بعض کتب فتاوی وغیرہ تصانیف بعض متاخرین مثل برہان طرابلسی وفیض کرکی ودر مختار میں قول صاحبین کو مرجح بتایا مگر قولِ امام ہی احوط واصح اور از روئے دلیل ارجح ہے، عموماً متون مذہب قولِ امام پر جزم کیے ہیں اور عامہ اجلہ شارحین نے اُسے مرضی ومختار رکھا اور اکابر ائمہ ترجیح وافتا بلکہ جمہور پیشوایانِ مذہب نے اُسی کی تصحیح کی،امام ۱ ملک العلما ابوبکر مسعود نے بدائع اور امام ۲ سرخسی نے محیط میں فرمایا: **ھو الصحیح** [3] (یہی صحیح ہے)۔امام ۳ اجل قاضیخان نے اسی کو تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو اظہر من حیث الدرایۃ اور اشہر من حیث الروایۃ ہو [4]۔کما

---

1 ردالمحتار مطلب فی حدیث اختلاف امتی رحمۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰

2 القرآن سورہ البقرۃ ۲ آیت ۱۴۸

3 البحر الرائق بحوالہ بدائع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۲۴۵

4 فتاوٰی قاضی خان مقدمۃ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا ۱/۲

نص علیہ فی خطبۃ الخانیۃ (جیسا کہ خانیہ کے خطبہ میں یہ بات صراحۃً مذکور ہے۔ت) اور وہی قول معتمد ہوتا ہے کما فی الطحطاوی والشامی (جیسا کہ شامی اور طحطاوی میں ہے۔ت) یونہی [۴] امام طاہر بخاری نے خلاصہ میں اسے تقدیم دی۔امام اجل [۵] برہان الدین صاحبِ ہدایۃ نے ہدایہ اور امام [۶] اجل ابوالبرکات نسفی نے کافی اور امام [۷] زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کی دلیل مرجح رکھی،امام [۸] اجل محبوبی نے اسی کو اختیار فرمایا۔امام [۹] صدر الشریعۃ نے اسی پر اعتماد کیا وہ چند متاخرین اعنی مصنفین برہان وفیض ودر مختار ان اکابر میں ایک کی بھی جلالتِ شان کو نہیں پہنچتے۔فتاوٰی [۱۰] غیاثیہ وجواہر [۱۱] اخلاطی میں فرمایا: ھو المختار یہی مختار ہے) علامہ [۱۲] قاسم نے تصحیح قدوری میں اسی کی تحقیق کی،امام [۱۳] سمعانی نے خزانۃ المفتین میں اسی پر اقتصار فرمایا قول خلاف کا نام بھی نہ لیا،امام [۱۴] محمود عینی نے اسی کی تائید فرمائی،ملتقی [۱۵] الابحر میں اسی کو مقدم رکھا اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو ارجح ہو کماذکر فی خطبتہ جیسا کہ اس کے خطبے میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) اور وہی مختار للفتوی ہوتا ہے کمافی شرحہ [1] مجمع الانھر (جیسا کہ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے ت) مراقی [۱۶] الفلاح میں ہے ھو الصحیح وعلیہ جل المشایخ والمتون [2] (یہی صحیح ہے اور اسی پر بزرگ مشایخ ومتون مذہب ہیں) طحطاوی [۱۷] علی المراقی میں ہے صححہ جمھور اھل المذھب [3] (جمہور ائمہ مذہب نے اسی کی تصحیح فرمائی) نقایہ [۱۸] میں روایت خلاف کی تضعیف فرمائی شرح [۱۹] المجمع للمصنف میں ہے انہ المذھب واختارہ اصحاب المتون وارتضاہ الشارحون [4] (مذہب یہی ہے اور اسی کو اصحابِ متون نے اختیار فرمایا اور اسی کو شارحین نے مرضی وپسندیدہ رکھا) ینابیع [۲۰] وعلمگیری [۲۱] میں ہے ھو الصحیح [5] (یہی صحیح ہے) جامع [۲۲] الرموز میں اسی کو مفتٰی بہ بتایا،السراج [۲۳] المنیر میں ہے علی قولہ الفتوی [6] (امام ہی کے قول پر فتوی ہے) بحر [۲۴] الرائق پھر ردالمحتار [۲۵] میں ہے قول امام سے عدول کی اجازت نہیں اس مذہب مہذب پر دلیل جلیل صحیح بخاری شریف کی حدیث باب الاذان للمسافر [7] میں ہے کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم ایک سفر میں نبی صلی اللہ

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر خطبہ کتاب مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۹۴

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۹۴

[4] البحر الرائق بحوالہ شرح المجمع کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

[5] الفتاوٰی الہندیۃ الباب الاول فی المواقیت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۱

[6] السراج المنیر

[7] صحیح البخاری باب الاذان للمسافر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۷

تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس تھے مؤذن نے اذانِ ظہر دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) دیر کے بعد پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر)، دیر کے بعد مؤذن نے سہ بارہ اذان کا ارادہ کیا، فرمایا: ابرد (وقت ٹھنڈا کر) اور یونہی تاخیر کا حکم فرماتے رہے حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا) اُس وقت اذان کی اجازت فرمائی اور ارشاد فرمایا: "گرمی کی شدّت جہنم کی سانس سے ہے توجب گرمی سخت ہو ظہر ٹھنڈے وقت پڑھو"۔ مشاہدہ شاہد اور قواعد علم ہیأت گواہ اور خود ائمہ شافعیہ کی تصریحات ہیں کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ ہوتا ہی نہیں معدوم محض ہوتا ہے خصوصًا اقلیم ثانی میں جس میں حرمین طیبین اور اُن کے بلاد ہیں۔ امام نووی، شافعی وامام قسطلانی شافعی نے فرمایا: ٹیلے زمین پر نصب کی ہوئی اشیاء کی مانند نہیں بلکہ زمین پر پھیلے ہوتے ہیں تو زوال کے بہت زمانے کے بعد اُن کا سایہ شروع ہوتا ہے جب ظہر کا اکثر وقت گزر جاتا ہے ظاہر ہے کہ جب آغاز اُس وقت ہوگا تو ٹیلوں کے برابر ہرگز نہ پہنچے گا مگر مثل ثانی کے بھی اخیر حصہ میں اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذان نہ دینے دی تو نماز تو یقینا اور بھی بعد ہوئی تو بلاشبہہ مثل ثانی بھی وقت ظہر ہوا اور اس حدیث کو ارادہ جمع بین الصلاتین پر حمل کرنا خود اسی حدیث کے الفاظ سے باطل ہے حضور یہاں ابراد کا اظہار فرمارہے ہیں کہ نماز اپنے وقت کے ٹھنڈے حصّے میں پڑھی جائے نہ یہ کہ وقت نکال دینے کے بعد دوسری نماز کے وقت میں ادا کی جائے، حضور یہاں حکم عام ارشاد فرمارہے ہیں کہ جب گرمی سخت ہو یوں ہی وقت ٹھنڈا کرو یہ نہیں فرماتے کہ جب مسافر ہو تو ظہر کو عصر سے ملا کر پڑھو اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ حدیث امامت جبریل جس کے بھروسے پر برہان ودرمختار نے مثل اول اختیار کیا اصل حجت نہیں ہوسکتی کہ وہ دنیا میں سب سے پہلی حدیث اوقات ہے نماز شب اسرا میں فرض ہوئی اور اسی کے دن میں وقتِ ظہر کو آکر جبریل امین علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان اوقات کے لئے امامت کی تو جو حدیث اُس کے خلاف ہے اُس کے بعد اور اُس کی ناسخ ہے اور قول دو مثل سے امام کا رجوع فرمانا ہرگز صحیح نہیں بلکہ اُس کا خلاف ثابت ہے کہ تمام متونِ مذہب وہی نقل فرمارہے ہیں اور متون ہی نقل مذہب کیلئے موضوع ہیں، امام محمد نے کتاب الاصل یعنی مبسوط میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے وہی قول امام لکھا۔ نہایہ میں ہے امام سے وہی ظاہر الروایہ ہے، غایۃ البیان میں ہے یہی امام کا مذہب مشہور وماخوذ ہے۔ محیط میں ہے قول امام سے یہی صحیح ہے۔ ینابیع میں ہے امام سے یہی روایت صحیح ہے۔ شرح مجمع میں ہے مذہب امام یہی ہے کل ذلك فی البحر [1] (یہ سب بحر میں ہے۔ت) تو بعض نقول خاملہ مرجوحہ کی بناپر زعم رجوع محض ناموجہ ہے بلکہ قول ایک مثل ہی ہے رجوع ثابت ہے کہ وہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے اور جو کچھ خلاف ظاہر الروایۃ ہے مرجوع عنہ ہے کمافی البحر والخیریۃ

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۴۵/۱

وغیرھما (جیسا کہ بحر اور خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) تو یہ مذہب مہذب بوجوہ کثیرہ مذہب صاحبین پر مرجح ہوا۔

اولاً یہی مذہب امام ہے اور مذہب امام اعظم پر عمل واجب جب تک کوئی ضرورت اس کے خلاف پر باعث نہ ہو۔

ثانیاً اسی پر متون مذہب ہیں اور متون کے حضور اور کتابیں مقبول نہیں ہوتیں۔

ثالثاً اسی پر مرسلہ شروح ہیں اور شروح فتاوٰی پر مقدم۔

رابعاً اجلہ اکابر ائمہ تصحیح وفتوی مثل امام قاضی خان وایام برہان الدین صاحبِ ہدایہ وامام ملک العلماء مسعود کاشانی صاحبِ بدائع وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کی ترجیح و تصحیح فرمائی اور جلالت شان مصححین باعث ترجیح ہے۔

خامساً جمہور مشائخِ مذہب نے اس کی تصحیح وترجیح کی اور عمل اسی پر چاہئے جس طرف اکثر مشائخ ہوں۔

سادساً اسی میں احتیاط ہے کہ مثل ثانی میں عصر پڑھی تو ایک مذہب جلیل پر فرض ذمہ سے ساقط نہ ہوا پڑھی بے پڑھی برابر رہی اور بعد مثل ثانی پڑھی تو بالاتفاق صحیح وکامل ادا ہوئی۔

سابعاً رہیں حدیثیں بعض صاحبوں نے گمان یہ کیا کہ احادیث مذہب صاحبین میں نص ہیں بخلاف مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم، حالانکہ حق یہ ہے کہ صحاح احادیث دونوں جانب موجود ہر گز کوئی ثابت نہیں کرسکتا کہ مذہب صاحبین پر کوئی حدیث صحیح صریح سالم عن المعارض ناطق ہے جسے دعوی ہو پیش کرے اور بامداد روح پُرفتوح حضرت سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ اس فقیر سے جواب لے اِن شاء اللہ تعالٰی یا تو ثابت ہوجائے گا کہ وہ حدیث جس سے مخالف نے استناد کیا صحیح نہ تھی یا صحیح تھی تو مذہب صاحبین میں صریح نہ تھی یا یہ بھی سہی تو اس کا معارض صحیح موجود ہے اور فقیر ان شاء اللہ تعالٰی ثابت کردے گا کہ اس تعارض میں احادیث مذہب صاحبین کو منسوخ ماننا ہی مقتضائے اصول ہے اور اگر نہ مانیں تاہم تعارض قائم ہو کر تساقط ہوگا اور پھر وہی مذہب امام رنگ ثبوت پائے گا کہ جب بوجہ تعارض مثل ثانی میں شک واقع ہُوا کہ یہ وقت ظہر ہے یا وقت عصر اور اس سے پہلے وقت ظہر بالیقین ثابت تھا تو شک کے سبب خارج نہ ہوگا اور وقتِ عصر بالیقین نہ تھا تو شک کے سبب داخل نہ ہوگا والحمدﷲ رب العٰلمین۔ **بالجملہ** عندالتحقیق مثل ثانی میں عصر ادا ہی نہ ہوگی بلکہ فرض ذمہ پر باقی رہے گا ورنہ علی التنزل اُس وقت نماز مکروہ ہونے میں تو شک نہیں کہ جب بعض کتبِ فقہ میں اس وقت نماز ظہر میں کراہت گمان کی صرف اس خیال سے کہ صاحبین کے نزدیک وقت قضا ہوگیا حالانکہ فرض ظہر بالاجماع ساقط ہوجائیگا اگرچہ قضا ہی سہی تو اس وقت نمازِ عصر لاجرم سخت کراہت رکھے گی کہ امام کے نزدیک ہنوز وقت ہی نہ آیا تو فرض ہی سرے سے ساقط نہ ہوگا اُدھر خلاف صاحبین تھا یہاں خلاف امام وہاں قضاء ادا میں خلاف تھا اور صحت اجماعی ادھر

نفسِ صحت وبطلان ہی میں نزاع ہے جب وہاں کراہت زعم کی گئی تو یہ کس درجہ شدید مکروہ ہونا چاہئے اور یہ تو بے شمار کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ اس وقت عصر کا پڑھنا بے احتیاطی ہے پس محتاط فی الدین کو لازم کہ اگر جانے کہ مجھے مثل ثانی کے بعد جماعت مل سکتی ہے اگرچہ ایک ہی آدمی کے ساتھ تو اس جماعت باطلہ یا کم از کم مکروہہ بکراہت شدیدہ میں شریک نہ ہو بلکہ وقت اجماعی پر اپنی جماعت صحیحہ نظیفہ ادا کرے اور اگر جانے کہ پھر میرے ساتھ کوئی نہ ملے گا تو بتقلید صاحبین شریک جماعت ہو جائے اور تحصیل صحت متفق علیہا و رفع کراہت کیلئے مثل ثانی کے بعد پھر اپنی تنہا ادا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ (۲۷۴) شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصر کا وقت مستحب ووقت مکروہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نمازِ عصر میں ابر کے دن تو جلدی چاہیئے، نہ اتنی کہ وقت سے پیشتر ہو جائے۔ باقی ہمیشہ اس میں تاخیر مستحب ہے۔ اسی واسطے اس کا نام عصر رکھا گیا **لانہا تعصر** (یعنی وہ نچوڑ کے وقت پڑھی جاتی ہے) حاکم ودارقطنی نے زیاد بن عبداللہ نخعی سے روایت کی "ہم امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے ساتھ مسجد جامع میں بیٹھے تھے مؤذن نے آکر عرض کی: یا امیر المومنین نماز۔ امیر المومنین نے فرمایا بیٹھو۔ وہ بیٹھ گیا۔ دیر کے بعد پھر حاضر ہوا اور نماز کیلئے عرض کی۔ امیر المومنین نے فرمایا ھذا الکلب یعلمنا السنۃ (یہ کتّا ہمیں سنّت سکھاتا ہے) پھر اٹھ کر ہمیں نمازِ عصر پڑھائی۔ جب ہم نماز پڑھ کر وہاں آئے جہاں مسجد میں پہلے بیٹھے تھے **فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراھا**[1] (ہم زانوؤں پر کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے کہ وہ غروب کے لئے نیچے اتر گیا تھا)"۔ یعنی دیواریں اُس زمانے میں نیچی نیچی ہوتیں آفتاب ڈھلک گیا تھا بیٹھے سے نظر نہ آیا دیوار کے نیچے اُتر چکا تھا گھٹنوں پر کھڑے ہونے سے نظر آیا، مگر ہر گز ہر گز اتنی تاخیر جائز نہیں کہ آفتاب کا قرص متغیر ہو جائے اُس پر بے تکلف نگاہ ٹھہرنے لگے یعنی جبکہ غبارِ کثیر یا ابرِ رقیق وغیرہ حائل نہ ہو کہ ایسے حائل کے سبب تو ٹھیک دوپہر کے آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے اس کا اعتبار نہیں بلکہ صاف شفاف مطلع میں اس قدرتی دائمی حیلوات کرہئ بخار کے سبب کہ اُفق کے قُرب میں نگاہ کو اُس کا کثیر حصّہ طے کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے طلوع وغروب کے قرب آفتاب پر نگاہ بے تکلف جمتی ہے جب اُس سے اونچا ہوتا اور کرہئ بخار کا قلیل حصّہ حائل رہ جاتا ہے شعاعیں زیادہ ظاہر ہوتیں اور نگاہ جمنے سے مانع آتی ہیں اور یہ حالت مشرق ومغرب دونوں میں یکساں ہے جس کا حال اس شکل سے عیاں ہے اب کرہئ زمین ہے ا موضع

[1] سنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱

ناظر ہے یعنی سطح زمین کی وہ جگہ جہاں دیکھنے والا شخص کھڑا ہے ح ء زمین کے سب طرف کرہئ بخار ہے جسے عالم نسیم وعالم لیل ونہار بھی کہتے ہیں اور یہ ہر طرف سطحِ زمین سے ۴۵ میل یا قول اوائل پر ۵۲ میل اونچا ہے اس کی ہوا اوپر کی ہوا سے کثیف تر

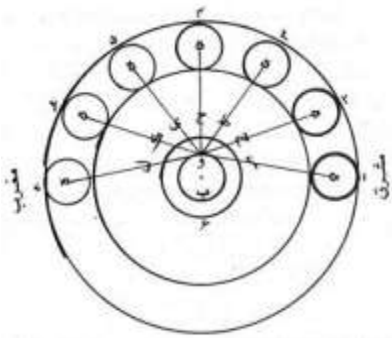

ہے تو آفتاب اور نگاہ میں اس کا جتنا زائد حصّہ حاصل ہوگا اتنا ہی نور کم نظر آئے گا اور نگاہ زیادہ ٹھہرے گی ہ مرکز شمس ہے اہ ہر طرف وہ خطّہ ہے جو نگاہ ناظر سے شمس پر گزرتا ہے پہلے نمبر پر آفتاب افقِ شرقی سے طلوع میں ہے اور دوسرے تیسرے نمبر پر چڑھتا ہوا ساتویں نمبر پر افق غربی پر غروب کے پاس پہنچا ظاہر ہے کہ جب آفتاب پہلے نمبر پر ہے تو خطہ ا ہ کا حصّہ ا ر کرہئ بخار میں گزرا اور دوسرے پر ا ح تیسرے پر ا ط چوتھے پر ا ح ,اور اقلیدس سے ثابت ہے کہ ان میں ا ر سب سے .بڑا ہے اور آفتاب جتنا اُونچا ہوتا جاتا ہے ا ح ا ط وغیرہ چھوٹے ہوتے جاتے ہیں کہ یہاں تک کہ نصف النہار پر خط ا ح سب سے چھوٹا رہ جاتا ہے ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ خط ا ح یعنی دوپہر کے وقت کا خط پانسو اٹھانوے ۵۹۸ میل سے بھی زائد ہے پھر جب آفتاب ڈھلکتا ہے وہ خطوط اسی نسبت پر .بڑے ہوتے جاتے ہیں ا ی .برابر ا ط کے پڑتا ہے اور ا ك .برابر ا ح کے اور ا ل .برابر ا ر کے ہے یہاں سے واضح ہوگیا کہ یہ قدرتی دائمی سبب ہے جس کے باعث آفتاب جب نصف النہار پر ہوتا ہے اپنی انتہائی تیزی پر ہوتا ہے اور اُس سے پہلے اور بعد دونوں پہلوؤں پر جتنا افق سے قریب تر ہوتا ہے اُس کی شعاع دھیمی ہوتی ہے یہاں تک کہ شرق وغرب میں ایک حد کے قرب پر اصلاً نگاہ کو خیرہ نہیں کرتی مشرق میں جب تک اس حد سے آفتاب نکل کر اونچا نہ ہوجائے اُس وقت تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے اور مغرب میں جب آفتاب اس حد کے اندر آجائے اُس وقت سے غروب تک نماز منع اور وقت کراہت کا ہے، تو اس بیان سے سبب بھی ظاہر ہوگیا اور

یہ بھی کُھل گیاکہ مشرق ومغرب دونوں جانب میں یہ وقت برابر ہے نہ یہ کہ مشرق کی طرف، تو یہ وقت پندرہ بیس منٹ رہے جو تقریبًا ایک نیزہ بلندی کی مقدار ہے اور مغرب میں ڈیڑھ دو گھنٹے ہوجائے جو اُس سے کئی نیزے زائد ہے تجربہ سے یہ وقت تقریبًا بیس منٹ ثابت ہُوا ہے توجب سے آفتاب کی کرن چمکے اُس وقت سے بیس منٹ گزرنے تک نماز ناجائز اور وقت کراہت ہوا اور ادھر جب غروب کو بیس منٹ رہیں وقتِ کراہت آجائے گا، اور آج کی عصر کے سوا ہر نماز منع ہوجائے گی۔ہاں یہ جو بعض کا خیال ہے کہ آفتاب متغیر ہونے سے مراد دھوپ کا مَیلا ہونا ہے یہ ہر گز صحیح نہیں، جاڑے کے موسم میں تو آفتاب ڈھلکنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کہ ابھی سایہ ایک مثل بھی نہیں پہنچتا اور بالاجماع وقتِ ظہر باقی ہوتا ہے یقینا آفتاب بہت متغیر ہوجاتا ہے اور بین طور پر دُھوپ میں زردی پیدا ہوجاتی ہے تو چاہیے کہ عصر کا وقت آنے سے پہلے ہی وقتِ کراہت آجائے اور نماز بے کراہت مل ہی نہ سکے اور یہ صریح باطل ومحال ہے، ابوالسعود علی الکنز اور طحطاوی علی الدر میں ہے:

المراد ان یذھب الضوء فلایحصل للبصر بہ حیرۃ ولاعبرۃ لتغیر الضوء لان تغیر الضوء یحصل بعد الزوال[1]۔	یعنی تغیر آفتاب سے مراد یہ ہے کہ اُس کی روشنی جاتی رہے تو نگاہ کو اس سے خیر گی حاصل نہ ہو اور دھوپ کا تغیر کچھ معتبر نہیں کہ یہ تو زوال کے بعد ہوجاتا ہے(ت)

بالجملہ سخن تحقیق وہ ہے جو ائمہ نے کتاب الاسرار وبحر الرائق وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ جس نماز میں تاخیر مستحب ہے جیسے فجر وعصر وغیرہما، وہاں تاخیر کے یہ معنی ہیں کہ وقت کے دو۲ حصّے کریں نصف اول چھوڑ کر نصف آخر میں پڑھیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وقت سے مراد وقتِ مستحب ہے کہ وقتِ مستحب کے نصف آخر میں پڑھیں، جب یہ قاعدہ معلوم ہوگیا اب تعیین وقت کے لئے مثل ثانی کے وقت کا تخمینہ لکھیں جس سے ظہر وعصر کا اندازہ ہوسکے وہ یہ کہ ۲۱ مارچ تحویلِ حمل اور ۲۳۔۲۴ ستمبر تحویل میزان میں ختم مثل ثانی یعنی شروع وقت عصر حنفی سے آفتاب کے غروب شرعی تک ان بلاد میں ایک گھنٹا ۴۱ منٹ باقی ہوتے ہیں اور ۲۰۔۲۱۔ اپریل تحویل ثور اور ۲۳۔۲۴۔ اگست تحویل سنبلہ کو ایک گھنٹا ۵۰ منٹ ہوتے ہیں اور ۲۱۔۲۲ مئی تحویل جوزا اور ۲۳ جولائی تحویل اسد کو دو۲ گھنٹہ ایک منٹ اور ۲۳ جون تحویل سرطان کو دو ۲ گھنٹے ۶ منٹ، اور یہ سال میں سب سے بڑا وقت عصر ہے کہ اس سے زیادہ ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا اور ۲۴۔ اکتوبر تحویل عقرب اور ۱۹ فروری تحویل حوت کو ایک گھنٹا ۳۶ منٹ اور ۲۲۔۲۳ نومبر تحویل قوس سے ۲۲ دسمبر تحویل جدی اور پھر ۲۰۔۲۱ جنوری تحویل دلو تک دو۲ مہینے برابر بلکہ اس سے

---
[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۱/۱۷۸

بھی کچھ زائد ایک گھنٹا ۳۵ منٹ باقی ہوتا ہے اور یہ سال میں سب سے چھوٹا وقتِ عصر ہے کہ اس سے کم ان بلاد میں کبھی نہیں ہوتا، اسی حساب سے جس دن جتنا وقت عصر ہو اس کے آخر سے ۲۰ منٹ وقت مکروہ کے نکال کر باقی کے دو۲ حصّے کریں حصّہ اول چھوڑ کر حصّۂ دوم سے وقت مستحب ہے اور حصّہ اول میں بھی اصلاً کراہت نہیں، ہاں اتنی تعجیل کہ دو۲ مثل پُورے ہونے میں شک ہو ضرور سخت خلاف احتیاط ہے اُس سے بچنا چاہئے کہ اگر وہم وخدشہ ہے تو کراہت ہے اور اگر واقعی شک ہے تو امام کے طور پر ہوگی ہی نہیں یونہی اتنی تاخیر نہ چاہئے کہ وقت کراہت آنے کا اندیشہ ہو جائے اور اس سے پہلے پہلے اصلاً کسی قسم کی کراہت کا نام ونشان نہیں، نہ وہ اللہ ورسول کے نزدیک کاہل ہے یہ محض غلط وباطل ہے جب شرع مطہر اُس وقت کو مستحب فرمارہی ہے تو کیا وقت مستحب میں ادا کرنا مکروہ اور فاعل کاہلی کے ساتھ منسوب ہوسکتا ہے یہ نری نادانی ہے پھر اگر اس نے احتیاط کی اور نماز میں تطویل کی کہ وقتِ کراہت وسط نماز میں آگیا جب بھی اس پر اعتراض نہیں، نہ کہ وقت کراہت آنے سے پہلے ختم کردے اور اعتراض ہو، ردمختار میں ہے:

لوشرع فیه قبل التغیر فمده الیه لایکره [1] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	سورج میں تغیر آنے سے پہلے نماز شروع کی پھر تغیر تک لمبی کردی تو مکروہ نہیں ہوگی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۵و۲۷۶ شوال ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) فرض وسنّت ہر دو کا اولٰی وقت کیا ہے؟

(۲) امسال وقت صلاۃ عیدالفطر انتہا درجہ کب تک تھا جس نے بعد ساڑھے گیارہ بجے نماز پڑھی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سنّت قبلیہ میں اولٰی اول وقت ہے بشرطیکہ فرض وسنّت کے درمیان کلام یا کوئی فعل منافی نماز نہ کرے اور سنّت بعدیہ میں مستحب فرضوں سے اتصال ہے مگر یہ کہ مکان پر آکر پڑھے تو فصل میں حرج نہیں لیکن اجنبی افعال سے فصل نہ چاہئے یہ فصل سنت قبلیہ وبعدیہ دونوں کے ثواب کو ساقط اور انہیں طریقہ مسنونہ سے خارج کرتا ہے اور فرضِ فجر وعصر وعشاء میں مطلقاً اور ظہر میں بموسم گرما۔ تاخیر مستحب ہے اور مغرب میں تعجیل۔ تاخیر کے یہ معنی کہ وقت غیر مکروہ کے دو۲ حصے کرکے پہلا نصف چھوڑ دیں دوسرے نصف میں نماز پڑھیں کمانص

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

علیہ فی البحرائق وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) مذہب اصح پر اس کی نماز نہ ہوئی وقت اس کے قریب قریب ختم ہو چکا تھا مگر ایسی جگہ علماآسانی پر نظر فرماتے ہیں ہمارے علما کا دوسرا قول یہ ہے کہ وقت عید زوال تک ہے اس تقدیر پر جس نے بارہ بج کر چھ منٹ تک بھی سلام پھیر دیا اس کی نماز ہو گئی کہ اس دن بارہ بج کر ساڑھے چھ منٹ پر زوال ہوا تھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۷۷) از سندیلہ مرسلئ بعض علما بتوسط مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی۔ دوم ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز مغرب کا وقت افق شرقی کی جڑ سے سیاہی نمودار ہوتے ہی معًا ہو جاتا ہے یا جب سیاہی بلند ہو جاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے۔ بر تقدیر ثانی وہ بلندی کتنے گز ہوتی ہے اور آبادیوں میں سیاہی شرق سے نظر آنے پر نماز کا وقت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: اقول: وباللہ التوفیق (اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) افق شرقی سے سیاہی کا طلوع قرص شمس کے شرعی غروب سے بہت پہلے ہوتا ہے سیاہی کئی گز بلند ہو جاتی ہے اُس وقت آفتاب ڈوبتا ہے جس طرح قرص شمسی کے شرعی طلوع سے سیاہی غربی کا غروب بہت بعد ہوتا ہے آفتاب مرتفع ہو جاتا ہے اُس وقت تک سواد مرئی رہتا ہے اس پر عیان وبیان وبرہان سب شاہد عدل ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس الخبر کالمعاینۃ**[1] (خبر مشاہدہ کی طرح نہیں۔ت) جسے شک ہو طلوع وغروب کے وقت جنگل میں جا کر جہاں سے دونوں جانب افق صاف نظر آئیں مشاہدہ کرے جو کچھ مذکور ہُوا آنکھوں سے مشاہدہ ہو جائے گا الحمد للہ عجائبِ قرآن منتہی نہیں۔

کما فی حدیث الترمذی عن امیر المؤمنین علی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتنقضی عجائبہ[2]۔	جیسا کہ ترمذی کی حدیث میں امیر المومنین علی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے۔(ت)

ایک ذرا غور سے نظر کیجئے تو آیہ کریمہ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ[3] (تُو، رات کو دِن

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۵۷۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۳۵۷/۵

[2] جامع الترمذی ماجاء فی فضل القرآن مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱۱۴/۲

[3] القرآن الحکیم ۲۷/۳

میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ت) کے مطالعہ رفیعہ سے اس مطلب کی شعاعیں صاف چمک رہی ہیں رات یعنی سایہ زمین کی سیاہی کو حکیم قدیر عزجلالہ، دن میں داخل فرماتا ہے ہنوز دن باقی ہے کہ سیاہی اٹھائی اور دن کو سواد مذکور میں لاتا ہے ابھی ظلمتِ شبینہ موجود ہے کہ عروس خاور نے نقاب اٹھائی،

فان ایلاج شیئ فی شیئ یقتضی وجودھما، لاان یعدم احدھما فیعقبه الاٰخر، واللیل والنھار بمعنی الملوین متضادان لایجتمعان، فلابد من التجوز۔ ومن اقرب وجوھه ماذکر العبد، من حمل اللیل علی السواد، فیبقی النھار علی حقیقته ویظھر الایلاج من دون کلفة، ولایتجاوز التجوز قدر الحاجة۔ ویمکن العکس ایضا، بان یحمل النھار علی الاشعة الشمسیة واللیل علی حقیقته، فیکون اشارة الی ظھور نور الشمس فی الافق الشرقی واللیل باق بعد، کمافی الصبح الاول۔ وان ارید اللیل العرفی فاظھرو اکمل۔ والی حصول اللیل مع بقاء الضوء الشمسی فی الافق الغربی من الشفقین الاحمر والابیض وان کان الامام الفخر الرازی رحمه اللہ تعالٰی لایرضی ان یجعل تلك الانوار من الشمس حتی الصبح الصادق ایضا، کمااطال الکلام فیه فی سورة الانعام، تحت قوله عزوجل فَالِقُ الْاِصْبَاحِ [1] ولیس الامر کماظن، واغتر بقوله العلامة الزرقانی فظن ان	کیونکہ ایک چیز دوسری میں تبھی داخل کی جاسکتی ہے جب دونوں موجود ہوں، نہ کہ ایک ختم ہوجائے اور اس کے بعد دوسری آئے۔ اور دلیل و نہار بمعنی رات دن، آپس میں متضاد ہیں، اکٹھے نہیں ہوسکتے، تو مجازی معنی مراد لینا ضروری ہے۔ اور اس کا اقرب طریقہ وہی ہے جو بندے نے بیان کیا ہے کہ لیل سے مراد تاریکی لی جائے اور نہار اپنے حقیقی معنی میں ہو۔ اس طرح داخل کرنے کا مفہوم بغیر کسی تکلف کے ظاہر ہوجائے گا اور مجاز کی طرف ضرورت سے زیادہ نہیں جانا پڑے گا۔ اور اس کا عکس بھی ممکن ہے، یعنی نہار سے مراد سورج کی شعاعیں لی جائیں اور لیل اپنی حقیقی معنی میں ہو۔ اس صورت میں آیت کے اندر اشارہ ہوگا کہ مشرقی افق میں سورج کی روشنی نمودار ہوجاتی ہے اور رات ابھی باقی ہوتی ہے جیسا کہ صبح کاذب کے وقت ہوتا ہے۔ اور اگر لیل سے مراد لیل عرفی لی جائے تو یہ مفہوم مزید واضح اور کامل ہوجاتا ہے۔ نیز اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہوگا کہ مغربی افق میں شفق احمر اور ابیض کے دوران سورج کی روشنی باقی ہوتی ہے، اس کے باوجود رات ہوجاتی ہے اگرچہ امام فخر الرازی ان روشنیوں کو، حتی کہ صبح صادق کی روشنی کو بھی

[1] التفسیر الکبیر زیر آیت فالق الاصباح مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریۃ ۱۳/۹۵

هذا مذهب منقول، فنسبه لاهل السنة، مع انه ليس الامن توسعات الامام فی البحث والکلام ولم يستدل له الاببحث عقلی، لاتام ولاجلی۔ ومن البديهی عندکل احدان الشفق والصبح اختان، ومامرهما الاواحدا۔ وقداخرج ابی شيبة عن العوام بن حوشب قال: قلت لمجاهد، ماالشفق؟ قال: ان الشفق من الشمس[1]۔ ذکره فی الدر المنثور، تحت قوله تعالٰی فلااقسم بالشفق، بل فی التفسير الکبير تحت الکريمة، اتفق العلماء علی انه اسم للاثر الباقی من الشمس فی الافق بعد غروبها[2]۔ اما دليله العقلی فقدرده العبد الضعيف بکلام لطيف ذکرته علی هامشه وبالله التوفيق۔	سورج کی روشنی ماننے پر بھی راضی نہیں ہیں، جیسا کہ سورہئ انعام کی تفسیر میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فَالِقُ الْاِصْبَاحِ" کے تحت انہوں نے اس موضوع پر لمبی گفتگو کی ہے، حالانکہ معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح انہوں نے سمجھا ہے۔ ان کی گفتگو سے علامہ زرقانی کو دھوکہ ہُوا اور انہوں نے رازی کی رائے کو مذہبِ منقول سمجھ کر اہل سنّت کی طرف منسوب کردیا حالانکہ یہ ان توسّعات میں سے ہے جو امام رازی بحث اور کلام میں اختیار کرتے رہتے ہیں۔ امام رازی نے اس پر کوئی دلیل بھی پیش نہیں کی صرف ایک عقلی بحث کی ہے، جو نہ تام ہے نہ واضح۔ اور یہ تو سب کے لئے بدیہی ہے کہ شفق اور صبح دونوں بہنیں ہیں اور ان کا معاملہ ایک جیسا ہے۔ اور ابن ابی شیبہ نے عوام ابن حوشب سے تخریج کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا: "شفق کیا ہے؟" انہوں نے جواب دیا: "شفق سورج سے ہے"۔ یہ روایت دُرِ منثور میں اللہ تعالٰی کے فرمان "فلااقسم بالشفق" کے تحت مذکور ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ علما کا اتفاق ہے کہ شفق سورج کے اس اثر کو کہتے ہیں جو غروب آفتاب کے بعد افق پر باقی رہتا ہے۔ رہی امام رازی کی عقلی دلیل، تو اس کو عبدِ ضعیف نے ایک لطیف کلام کے ساتھ رد کردیا ہے، جو تفسیر کبیر کے حاشیے پر مرقوم ہے، وباللہ التوفیق۔ (ت)

قرآن عظیم کا نائب کریم کلام صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و مسند امام احمد میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذااقبل الليل من ههنا وادبر النهار من	جب ادھر سے رات آئے اور اُدھر سے دن پیٹھ دکھائے

[1] الدر المنثور زیر آیۃ فلااقسم بالشفق مطبوعہ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم، ایران ۵/ ۳۳۰

[2] التفسیر الکبیر، زیر آیۃ فلااقسم بالشفق مطبوعہ مطبعۃ بہیۃ مصریہ مصر، ۳۱/ ۱۰۹

ھھنا وغربت الشمس فقد افطر الصائم [1]۔	اور سورج پُورا ڈوب جائے تو روزہ دار کا روزہ پُورا ہوچکا۔(ت)

لیل سے مراد سیاہی ہے اور نہار سے مقصود ضوء فان الاقبال من ھھنا والادبار من ھھنا انما یکون لھما (کیونکہ تاریکی اور روشنی ہی ادھر سے آتی ہیں اور اُدھر جاتی ہیں۔ت) تیسیر میں ہے: اذا اقبل اللیل، یعنی ظلمتہ، وادبر النھار، ای ضوؤہ [2]۔ جب کہ رات آئے، یعنی اس کی تاریکی، اور دن واپس جائے، یعنی اس کی روشنی۔ تعالٰم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں لفظ اُسی ترتیب سے ارشاد فرمائے جس ترتیب سے واقع ہوتے ہیں، پہلے سیاہی اُٹھتی ہے اُس وقت تک اگر اُفق صاف اور غبار وبخار سے پاک ہو آفتاب کی چمک باقی رہتی بلکہ قلل جبال واعالی اغصان شجر پر عکس ڈالتی ہے پھر جب قرص چھپنے پر آیا تکاثفِ ابخرہ افقیہ وکثرت بعد عن الابصار وطول مرور شعاع البصر فی ثخن کرۃ البخار کے باعث روشنی بالکل محتجب ہوجاتی ہے مگر ہنوز قدرے قرص بالائے افقِ مرئی شرعی باقی ہے اس کے بعد آفتاب ڈوبتا اور وقت افطار ونماز آتا ہے اس صاف ونفیس وبے تکلف معنی پر بحمد اللہ تعالٰی انتظام کلام اُسی اعلٰی جلالت پر جلوہ فرما ہے جو صاحبِ جوامع الکلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان رفیع بلاغت بے مثل کو شایاں وبجا ہے کلماتِ علمائے کرام بھی ان نفیس معنی کے ایما سے خالی نہ رہے امام ابنِ حجر مکّی شرح مشکٰوۃ المصابیح میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ای وقدیقبل اللیل ولاتکون غربت حقیقۃ، فلابدمن حقیقۃ الغروب [3]۔	یعنی کبھی رات آجاتی ہے اور ابھی حقیقۃً غروب نہیں ہوا ہوتا، اس لئے حقیقی غروب ضروری ہے(ت)

حفنی علی الجامع الصغیر میں ہے:

قولہ، وغربت الشمس، لم یکتف بماقبلہ عن ذلک، اشارۃ الی انہ قدیوجد اقبال الظلمۃ وادبار الضوء ولم یوجد غروب الشمس [4]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان "اور سورج ڈوب جائے" آپ نے سیاہی کے آنے اور روشنی کے جانے پر اکتفا نہیں کیا اور غروب کی تصریح فرمائی کیونکہ کبھی سیاہی آجاتی ہے اور روشنی چلی جاتی ہے مگر غروب آفتاب نہیں ہوتا۔(ت)

[1] جامع الترمذی باب ماجاء اذا اقبل اللیل مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۸۸
[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱/۷۶
[3] مرقاۃ المفاتیح بحوالۂ ابن حجر باب من کتاب الصوم فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۲
[4] الحفنی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر زیر حدیث اذا اقبل اللیل الخ مطبوعہ المطبعۃ الازہریۃ مصر ۱/۹۷

اور اگر حدیث میں لیل ونہار معنی حقیقی پر رکھئے تو اگرچہ اتنا ضرور ہے کہ مجاز مرسل کی جگہ مجاز عقلی ہوگا۔

لماعلمت ان اسناد الاقبال والادبار من ههنا وههنا ليس اليهما على الحقيقة۔	کیونکہ تم جان چکے ہو کہ اِدھر سے اُدھر آنے جانے کی نسبت لیل ونہار کی طرف حقیقۃً نہیں ہے۔(ت)

مگراب تین ۳ الفاظ کریمہ کے جمع ہونے سے سوال متوجہ ہوگا شک نہیں کہ اس معنی پر امور ثلثہ متلازم ہیں اور ایک کا ذکر باقی سے۔مغنی،

وهذا ماقاله الامام النووی فی المنهاج،قال العلماء،كل واحد من هذه الثلثة يتضمن الأخرين ويلازمهما [1]۔	یہ وہی بات ہے جو امام نووی نے منہاج میں کہی ہے۔علماء نے کہا ہے کہ ان تین میں سے ہر ایک،باقی دو ۲ کو یا تو متضمن ہوتا ہے یاان کے ساتھ لازم ہوتا ہے۔(ت)

اس کی اطیب توجیہ وہ ہے کہ علّامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں افادہ کی کہ:

انما قال وغربت الشمس،مع الاستغناء عنه لبيان كمال الغروب؛ كيلا يظن انه اذاغرب بعض الشمس جاز الافطار [2]۔	آپ نے فرمایا"اور سورج ڈوب جائے"حالانکہ بظاہر اس کی ضرورت نہیں تھی،تاکہ مکمل غروب کا بیان ہوجائے اور کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ سورج کا کچھ حصّہ غروب ہونے سے افطار جائز ہوجاتا ہے۔(ت)

علّامہ مناوی وغیرہ نے بھی اُن کی تبعیت کی۔تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وزاد (وغربت الشمس) مع ان ماقبله كاف اشارة الى اشتراط تحقق كمال الغروب [3]۔	آپ نے فرمایا"اور سورج ڈوب جائے"فرمایا حالانکہ پہلے الفاظ کافی تھے،اس میں اشارہ ہے کہ کامل غروب کا پایا جانا شرط ہے۔(ت)

اقول: یہ توجیہ وجیہ صراحۃً ہمارے مدعائے مذکور کی طرف ناظر ہے نظر غائر میں بروجہ جلی اور قلّت تدبر میں من طرف خفی یعنی اگرچہ لیل ونہار حقیقی مراد ہونے پر ذکرِ غروب کی حاجت نہ تھی کہ رات جبھی آئے گی کہ سُورج ڈوب چکے گا مگر سواد وضیا پر اُن کا حمل بعید نہیں خصوصًا جبکہ اقبال من ھھنا وادبار من ھھنا اُس پر قرینہ ظاہرہ ہیں تو اگر اس قدر پر قناعت فرمائی جاتی احتمال تھا کہ مجرد اقبال سواد وادبار ضیا پر وقت افطار سمجھ لیا جاتا حالانکہ اقبال لیل درکنار ہنوز

---

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم زیر حدیث اذا قبل اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱

[2] شرح الطیبی باب فی مسائل متفرقۃ الفصل اول ادارۃ القرآن کراچی ۱۵۱/۴

[3] التیسیر شرح جامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ امام شافعی سعودیہ ۷۶/۱

بعض قرص غروب کو باقی ہوتا ہے کہ ضیا بھی معدوم ہو جاتی ہے لہٰذا **وغربت الشمس** (اور سورج ڈوب جائے۔ت) زائد فرمایا کہ کوئی غروب بعض قرص کو کافی نہ سمجھ لے پُر ظاہر کہ اگر یہ اقبال وادبار اُسی وقت ہوتے جب پُورا قرص ڈوب لیتا تو اس احتمال وظن کا کیا محل تھا ذکر غروب سے استغنا بدستور باقی رہتا اور جواب محض مہمل جاتا تو صاف ثابت ہوا کہ سیاہی اٹھنا اور شعاع چھپنا دونوں غروب شمس سے پہلے ہو لیتے علامہ علی قاری نے بھی اس کلام طیب طیبی کو تحقیق بتایا اور حُسنِ قبول سے تلقی رمایا،

حیث قال بعد نقله،وقال بعض العلماء،انما ذکر هذین لیبین ان غروبها عن العیون لایکفی لانها قدتغیب ولاتکون غربت حقیقة، فلابدمن اقبال اللیل [1] ۔اھ ثم ردہ بقوله،فیه ان القید الثانی مستغن عنه حینئذ،وانما کان یتم کلامهم لوکان غربت مقدما [2] اھ ای انما کان یحتاج اذذاك الی دفع ذلك الوهم بذکر اقبال اللیل،اما اذاذکر اولا ما هو القاطع للوهم فای حاجة بعدہ الی ذکر الغروب الموهم؟ ثم قال: فیرجع الحکم الی ماحققه الطیبی [3] ۔اھ فقدرجع الی مایفید تحقیق کلام الامام ابن حجر کماعلمت،غیران المولی الفاضل رحمه الله تعالٰی شدید الایلاع بالرد علیه فی شرحیه للمشکٰوة والشمائل،حتی فی الواضحات الجلائل،مع انه من تلامذته،رحمة	چنانچہ علی قاری نے طیبّی کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے "بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ نے اقبال لیل اور ادبار نہار کا اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ واضح کردیں کہ سورج کا آنکھوں سے غروب ہو جانا کافی نہیں ہے، کیونکہ کبھی آنکھوں سے تو غائب ہو جاتا ہے مگر حقیقۃً ڈُوبا نہیں ہوتا"۔ پھر علی قاری نے اس کو یہ کہہ کر رَد کیا ہے کہ اس پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں دُوسری قید (یعنی وغربت الشّمس) کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ علماء کی یہ بات تو تب تام ہو سکتی تھی جب "غَربت" (اقبال وادبار سے) پہلے مذکور ہوتا۔ علی قاری کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ چونکہ آنکھوں سے غائب ہونا کافی نہیں ہے اس لئے اس توہّم کو دُور کرنے کیلئے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد میں اقبال لیل کا ذکر کیا ہے مگر جب توہّم کو قطع کرنے والی چیز (یعنی اقبال لیل) کا ذکر پہلے ہی ہو چکا تھا، تو پھر اس کے بعد توہّم پیدا کرنیوالی

[1] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۲

[2] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۲

[3] مرقاۃ المفاتیح باب من کتاب الصوم الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۲

اللہ تعالٰی علیہما وعلٰی سائر العلماء الکرام۔	چیز (یعنی غروب) کولانے کی کیا ضرورت تھی؟ پھر علی قاری نے کہا ہے کہ آخرکار بات ادھر ہی لوٹ جاتی ہے جس کی تحقیق طیبی نے کی ہے۔اس طرح علی قاری اسی فائدے کی طرف لوٹ آئے جو امام ابن حجر کے کلام کی تحقیق سے حاصل ہوتا ہے، جیساکہ تم جان چکے ہو۔لیکن علی قاری مشکٰوۃ اور شمائل کی دونوں شرحوں میں ابنِ حجر کی ہر بات کی تردید کرنے سے خصوصی شغف رکھتے ہیں، حتی کہ انتہائی واضح باتوں میں بھی (ابن حجر کی تردید کردیتے ہیں) حالانکہ وہ ابن حجر کے شاگردوں میں سے ہیں۔اللہ تعالٰی ان دونوں پر اور تمام علماء کرام پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

ہاں شہروں باغوں خصوصًا نخلستان وکوہستان کی آبادیوں جنگلوں میں جہاں اُفق نظروں سے دُور ہوتا ہے غالبًا یہ شرق سے اُٹھتی ہُوئی تاریکی خوب بلند ہو کر نظر آتی ہے اور یہ وقت خاص غروب کا ہوتا ہے بلکہ بہت جگہ اس سے بھی پہلے غروب ہوچکتا ہے کلمات علماء مثل قول امام ابوزکریا،

قال بعد مانقلنا سابقا، وانما جمیع بینہما لانہ قد یکون فی واد ونحوہ بحیث لایشاھد غروب الشمس فیعتمد اقبال الظلام وادبار الضیاء [1]۔	ابوزکریا نے، بعد اس کے جو ہم پہلے نقل کرآئے ہیں، کہا ہے کہ (اقبال لیل اور غروب کو) جمع اس لئے کیا ہے کہ کبھی روزہ دار کسی وادی وغیرہ میں ہوتا ہے جہاں غروب کا مشاہدہ نہیں ہوسکتا تو تاریکیوں کے آنے اور روشنی کے جانے پر اعتماد کرنا پڑتا ہے(ت)

وقول امام قاضی عیاض فی شرح صحیح مسلم:

قد لایتفق مشاھدۃ عین الغروب ویشاھد ھجوم الظلمۃ حتی یتیقن الغروب بذلک، فیحل الافطار [2]۔	کبھی غروب کا مشاہدہ کرنے کا اتفاق نہیں ہوتا لیکن تاریکی چھاجانے کا مشاہدہ ہوجاتا ہے جس سے غروب ہونے کا یقین ہوجاتا ہے، تو اس وقت افطار جائز ہے۔(ت)

وقول امام عینی فی عمدۃ:

ثم بین مایعتبرہ من لم یتمکن من رؤیۃ جرم الشمس، وھو اقبال الظلمۃ من المشرق، فانھا لاتقبل منہ	پھر اس چیز کو بیان کیا جس کو وہ آدمی بھی جان لیتا ہے جس کیلئے سورج کی ٹکیہ کو دیکھنا ممکن نہ ہو، یعنی مشرق کی جانب تاریکی کا آجانا، کیونکہ وہ تب ہی آتی ہی

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم حدیث اقبل اللیل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ ۳۵۱/۱

[2] شرح صحیح مسلم للامام قاضی عیاض

الاقدسقط القرص [1]۔	جب سورج کی ٹکیہ غائب ہوچکی ہوتی ہے۔(ت)

وقول جامع الرموز:

ای وقت غیبة جرم الشمس کله اذاظهر الغروب، والا فالی وقت اقبال الظلمة من المشرق، کمافی التحفة [2]	یعنی افطار اس وقت کرے جب سورج کی پُوری ٹکیہ غائب ہوجائے، اگر غروب اس کیلئے ظاہر ہو، ورنہ جب مشرق کی جانب تاریکی آجائے (تو افطار کرلے) جیسا کہ تحفہ میں ہے۔(ت)

وامثال ذلک کہ صراحۃً اُنہیں مواضع سے متعلق ہیں جہاں افق ظاہر اور رؤیت مقدمہ ورنہ ہوا یسے ہی عدم تمکن پر محمول ورنہ جب باجماعِ اُمّت اور خود اُنہیں علماء اور اُن کے امثال کی تصریحات قطعیہ سے مدار حکم غروب جمیع جرم شمس ہے اور اصل اُفق سے ارتفاع سواد بشہادت مشاہدہ قبل غروب حاصل تو مجرد اقبال پر ادارت حکم کیونکر معقول اور حدیث مؤطا:

مالك عن ابن شهاب عن حميد بن عبدالرحمٰن ان عمر بن الخطاب وعثمٰن بن عفان رضی الله تعالٰی عنهما کانا یصلیان المغرب حین ینظر الی اللیل الاسود قبل ان یفطرا، ثم یفطران بعد الصلاة، وذلك فی رمضان [3]۔	مالک، ابن شہاب سے، وہ حمید ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں کہ عمر ابن خطاب اور عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہما رمضان میں اس وقت مغرب کی نماز پڑھا کرتے تھے جب افطار سے پہلے سیاہ رات کو دیکھ لیتے تھے، پھر نماز کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔(ت)

تو اُن عبارات سے بھی قریب تر ہے۔ شہر اور شہر کا بھی وسط اور وہ بھی نخلستان اور ملک کوہستان، پھر امامین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا حُسنِ احتیاط خود عبارتِ حدیث سے ظاہر کہ حین ینظر ان الی اللیل الاسود مجرد ذکر لیل یعنی سواد پر قناعت نہ کی بلکہ تاکیداً صفتِ اسود بڑھائی یعنی جب سیاہ سیاہی گہری ظلمت دیکھ لیتے اُس وقت نماز پڑھتے، حدیث صحیحین اذا رأیتم اللیل قداقبل من ھھنا فقد افطر الصائم [4] میں اقبال لیل پر اقتصار بعض رواۃ کا اقتصار ہے کہ بکثرت معہود خود اسی حدیث کی دوسری روایت میں صرف اذاغابت الشمس من ھھنا فقد افطر الصائم [5]

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب الصّوم فی السفر والافطار مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۱/۴۳
[2] جامع الرموز للقہستانی کتاب الصّلوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۱۳
[3] موطا الامام مالک ماجاء فی تعجیل الفطر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۲۸
[4] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۱
[5] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۱

(جب تم رات کو دیکھو کہ ادھر سے آگئی ہے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) (جب اِدھر سے سورج غائب ہو جائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے، تیسری میں **اذاغابت الشمس من ھھنا وجاء اللیل من ھھنا فقد افطر الصائم**[1] (جب اِدھر سے سورج غائب ہوجائے اور اُدھر سے رات آجائے تو روزہ دار افطار کرلے۔ت) ہے **کلتاھما فی صحیح مسلم وغیرہ** (دونوں صحیح مسلم اور دیگر کتابوں میں ہیں۔ت) اور اگر نہ بھی ہوتا تو بعد ارادۂ لیل حقیقی اصلاً مفید متوہم نہ رہتی اور علی التنزیل یہ بھی نہ سہی تو اُنہیں مواضع سے متعلق سمجھی جاتی بالجملہ خلاف پر اصلاً کوئی لفظ ایسا بھی نہیں جسے صریح مفسر کہئے نہ کہ ایسا جس کے سبب مشاہدات وحسّیات کو باطل کردیجئے کہ اُن کے ابطال میں معاذاللہ ابطال شرائع ہے تلقی کتاب ورؤیت معجزات آخر بذریعہ حاسہ سمع وبصر ہی ہوں گے فقیر غفراللہ لہ نے اس مطلب پر برہان ہندسی قائم کی ہے اگرچہ بعد بیان سابق کسی دلیل عقلی کی حاجت نہیں مگر اُس سے زیادت تایید وتشیید کے علاوہ یہ مقدار معلوم ہوگی کہ غروبِ شمس سے کتنے پہلے سیاہی چمک آئیگی نیز اُس سے مقدار بلندی سیاہی وقت غروب کے حساب میں بھی مدد ملے گی جسے اُس پر اطلاع منظور ہو فقیہ کی کتاب "**زیج الاوقات للصوم والصلوات**" کی طرف رجوع کرے **وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۲۷۸) از شہر کُہنہ مسئولہ خیاط وہابی ۲۹ ربیع الآخر شریف

تنگ وقت نماز ادا کرنے والے کو اللہ تعالٰی ویل فرماتا ہے اور آپ خود تنگ وقت ادا فرماتے ہیں اس کی تفصیل بیان فرمادے گا۔

الجواب:

تنگ وقت نماز ادا کرنے پر قرآن عظیم میں ویل کہیں نہ فرمایا ساھون کے لئے وَیل آیا ہے جو وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں حدیث میں اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی ہے۔بزار وابویعلی وابن جریر وابن المنذر وابن حاتم اور طبرانی اور ابن مردویہ تفسیر اور بیہقی سنن ومحی السنہ بغوی معالم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قول اللہ تعالٰی الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا[2]۔	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزّوجل قرآنِ عظیم میں فرماتا ہے "خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں"۔فرمایا وہ لوگ جو نماز وقت گزار کر پڑھیں۔

[1] الصحیح لمسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۱

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الترغیب فی حفظ الصّلوٰۃ الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/۲۱۴

بغوی کی روایت یوں ہے:

عن مصعب بن سعد عن ابیه رضی الله تعالٰی عنهما انه قال سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الذین هم فی صلوتهم ساهون، قال: اضاعة الوقت[1]۔	مصعب بن سعد سے انکے والد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: اس سے مراد وقت کھونا ہے۔(ت)

کھونا ہے۔ بعینہٖ یہی معنی ابن جریر نے عبداللہ بن عباس اور ابن ابی حاتم نے مسروق اور عبدالرزاق وابن المنذر نے بطریق مالک بن دینار امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیے روایت اخیرہ یوں ہے کہ ابو العالیہ نے کہا ساھون وہ لوگ ہیں جنہیں یاد نہ رہے کہ رکعتیں دو۲ پڑھیں یا تین۳۔ اس پر امام حسن نے فرمایا: **هو الذی یسهو عن میقاتها حتی تفوت** (ہائیں وہ وہ ہیں جو اُس وقت سے غافل رہیں یہاں تک کہ وقت نکل جائے۔م) فقیر کے یہاں بحمداللہ نماز تنگ وقت نہیں ہوتی بلکہ مطابق مذہب حنفی ہوتی ہے، عوام بیچارے اپنی ناواقفی سے غلط سمجھتے ہیں، مذہب حنفی میں سوا مغرب اور جاڑوں کی ظہر کے سب نمازوں میں تاخیر افضل ہے اُس حد تک کہ وقتِ کراہت نہ آنے پائے اور وہ عصر میں اُس وقت آتا ہے جب قرصِ آفتاب پر بے تکلّف نگاہ جمنے لگے اور تجربے سے ثابت کہ یہ بیس منٹ دن رہے ہوتا ہے اس سے پہلے پہلے جو نمازِ عصر اُس کے وقت کا نصف اول گزار کر نصف آخر میں ہو وہ وقت مستحب ہے مثلاً آج کل تقریباً سات۷ بجے غروب ہے اور قریب پانچ کے عصر کا وقت ہو جاتا ہے تو وقت مستحب یہ ہے کہ پانچ بج کر پچاس منٹ سے چھ بج کر چالیس منٹ تک نمازِ عصر پڑھیں اور عشا میں وقتِ کراہت آدھی رات کے بعد ہے یہ حالتیں بحمداللہ تعالٰی میرے یہاں نہیں مجھے پابندی امام ابُو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احکام کی ہے نہ جاہلوں کے خیالات واوہام کی دارقطنی سنن اور حاکم صحیح مستدرک میں بطریق عباس بن ذریح، زیاد بن عبداللہ نخعی سے راوی:

قال کنا جلوسا مع علی رضی الله تعالٰی عنه فی المسجد الاعظم فجاء المؤذن فقال: یاامیر المؤمنین! فقال: اجلس، فجلس ثم عاد فقال له ذلک، فقال رضی الله تعالٰی	ہم کُوفہ کی جامع مسجد میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھے تھے، مؤذن آیا اور عرض کی: یاامیر المومنین (یعنی نمازِ عصر کو تشریف لے چلیے) امیر المومنین نے فرمایا: بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ پھر دوبارہ حاضر ہُوا اور

[1] تفسیر البغوی مع تفسیر الخازن، زیر آیۃ الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون، مطبوعہ مکتبہ المصطفٰی البابی مصر ۷/ ۲۹۹

عنه .ھذا الکلب یعلمنا السنة .فقام علی فصلی بنا العصر .ثمّ انصرفنا .فرجعنا الی المکان الذی کنافیه جلوسا .فجثونا للرکب لنزول الشمس للغروب نتراٰھا[1]۔	وہی عرض کی۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، نے فرمایا: یہ کُتّا ہمیں سُنّت سکھاتا ہے۔بعدہ مولا علی کھڑے ہوئے اور ہمیں عصر پڑھائی پھر ہم نماز کا سلام پھیر کر مسجد میں جہاں بیٹھے تھے وہیں آئے تو گھُٹنوں کے بل کھڑے ہو کر سورج کو دیکھنے لگے اس لئے کہ وہ ڈوبنے کو اُتر گیا تھا۔

حاکم نے کہااس حدیث کی سند صحیح ہے

اما ان زیاد الم یرو عنه غیر العباس[2]، قاله الدارقطنی .**فاقول:** عباس ثقة .وغایته جھالة عین .فلا تضر عندنا .لاسیما فی اکابر التابعین۔قال فی المسلّم .لاجرح بان له راویا فقط وھومجھول العین باصطلاح[3]۔قال فی الفواتح .وقیل لایقبل عند المحدثین .وھو تحکم[4]۔	رہی یہ بات کہ زیاد سے سوائے عباس کے کسی نے روایت نہیں کی، جیسا کہ دارقطنی نے کہاہے، **تو میں کہتاہوں:** عباس ثقہ ہے، زیادہ سے زیادہ اس میں "جہالت عین" پائی جاتی ہے اور یہ ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے، خصوصًا اکابر تابعین میں۔ مسلّم میں ہے کہ یہ کوئی جرح نہیں ہے کہ فلاں سے ایک ہی راوی ہے اور وہ اصطلاحی طور پر "مجہول العین" ہے، فواتح میں ہے کہ بعض نے کہا کہ ایسا راوی قابل قبول نہیں ہے، لیکن یہ بے دلیل بات ہے۔(ت)

اگر یہ مولیٰ علی کا صرف اپنا فعل ہوتا جب بھی حجت شرعی تھا نہ کہ وہ اسے صراحۃً سنّت بتارہے اور مؤذن پر جو جلدی کا تقاضا کرتا تھا ایسا شدید غضب فرمارہے ہیں، اسی کی مثل امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سے نمازِ صبح میں مروی امام طحاوی بطریق داود بن یزید الاودی عن ابیہ روایت فرماتے ہیں:

قال کان علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه یصلی بناالفجر ونحن	مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہمیں نماز صبح پڑھایا کرتے اور ہم سورج کی طرف دیکھا کرتے تھے اس

1 سُنن الدارقطنی، باب ذکر بیان المواقیت الخ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، ۱/۲۵۱

2 سُنن الدارقطنی باب ذکر بیان المواقیت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۵۱

3 مسلّم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم، ایران ۲/۱۴۹

4 فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت مسئلہ مجہول الحال الخ ۲/۱۴۹

نترا ای الشمس مخافۃ ان تکون قد طلعت [1]۔	خوف سے کہ کہیں طلوع نہ کر آیا ہو۔

مناقب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ للامام حافظ الدین الکردری میں ہے:

ذکر الامام الدیلمی عن زھیر ابن کیسان قال صلیت مع الرصافی العصر ثم انطلقت مسجد الامام فاخر العصر حتّٰی خفتُ فوات الوقت ثم انطلقت الی مسجد سفین فاذاھو لم یصل العصر فقلت رحم اللہ اباحنیفۃ ماأخرھا مثل اخر سفین [2]	یعنی امام دیلمی نے زہیر بن کیسان سے روایت کی کہ میں رصافی کے ساتھ نماز عصر پڑھ کر مسجد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گیا امام نے عصر میں اتنی تاخیر فرمائی کہ مجھے خوف ہُوا کہ وقت جاتا رہے گا پھر میں مسجد امام سفین ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف گیا تو کیا دیکھوں کہ اُنہوں نے ابھی نماز پڑھی بھی نہیں میں نے کہا اللہ ابوحنیفہ پر رحمت فرمائے انہوں نے تو اتنی تاخیر کی بھی نہیں جتنی سفین نے۔

فقیر کے یہاں سَوا گھنٹا دن رہے اذانِ عصر ہوتی ہے اور گھنٹا بھر دن رہے نماز ہوتی ہے اور پون گھنٹا دن رہے سے پہلے ہوچکی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۷۹) از ریاست رام پور متصل تالاب کنڈا محلّہ میاں نگاناں مکان جناب سیدغلام چشتی صاحب مرسلہٴ جناب مولٰنا مولوی محمد یحیٰی صاحب ۱۲ صفر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قطع نظر شفق سُرخ وسپید کے باتفاق علمائے حنفیہّ بعد غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹے بیس منٹ کے بعد ہمیشہ وقت عشاء کا آجاتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عشائے متفق علیہ کا وقت ہمیشہ ایک گھنٹہ بیس منٹ بعد ہوجانے کا جبروتی حکم کہ بعض بے علموں نے محض جزافاً لکھ دیا اور گنگوہ ودیوبند کے جاہل وناواقف مُلّاؤں نے اُس کی تصدیق وتوثیق کی۔ بریلی، بدایوں، رامپور، شاہجہان پور، مراد آباد، بجنور، بلند شہر، پیلی بھیت، دہلی، میرٹھ، سہارنپور، دیوبند، گنگوہ وغیرہا بلاد شمالیہ بلکہ عامہ مواضع واضلاع ممالک مغربی وشمالی واودھ وپنجاب وبنگال ووسط ہندوراجپوتانہ غرض معظم آبادی ہندوستان میں محض غلط وباطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاری وعاطل ہے ہمارے بلاد اور اُن کے قریب العرض شہروں میں عشا کا اجماعی وقت غروب شرعی شمس کے ایک گھنٹا اُنیس منٹ بعد سے ایک گھنٹا

[1] شرح معانی الآثار باب الوقت الذی یصلی فیہ الفجر ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۲۳

[2] مناقب امام اعظم ابوحنیفہ للکردری الفصل الثانی فی اصول بنی علیہ مذہب مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱/۱۵۲

پنتیس[۳۵] منٹ بعد تک ہوتا ہے پھر جس قدر شمال کو جائیے وقت بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ اقصائے شمالی ہند میں تحویل سرطان کے آس پاس بعد غروب شمس پونے دو[۲] گھنٹے سے بھی زائد ایک گھنٹا اڑتالیس[۴۸] منٹ تک پہنچتا ہے، دو[۲] منٹ کم آدھے گھنٹے کی غلطی ہے کہ شفق احمر وابیض میں اختلافِ ائمہ بھی اُس کی جھونک نہیں اٹھا سکتا ہم اپنے بلاد میں سب سے جلد آنے والے عشا کہ حوالی اعتدالین یعنی ۲۱ مارچ و ۲۴ ستمبر کے ارد گرد ہوتی ہے اور سب سے دیر میں ہونے والی عشا کہ تحویلِ سرطان ۲۲ جُون پر ہوتی ہے حساب ہندسی سے پیش کریں جس سے واضح ہوجائے گا کہ اُن بے علم مفتیوں نے شرعِ الٰہی پر جاہلانہ حکم لگادینے میں کس قدر جرات کی **تحویل حمل** غروب نجومی وہات انکسار افقی تقریبًا قہ تعدیل الایام زائد قہ ح فرق طول شرقی مدارح قہ ح مجموع وت یہ یعنی ۲۱ مارچ کو یہاں غروب شمس تقریبًا سواچھ بجے ہے العشاء (جیب غایۃ الانخفاض ساحہ لرمثل تمام العرض لعدم المیل = نت حہ مرح نخ) = (جیب انخفاض الوقت لح حہ = لح حہ لب الرم) = لد حہ مد موتح -(جیب اوسط = جیب تام العرض لعدم المیل = نت قہ مر مد منحطا) = لح حہ نہ لب سہم قوسہ سط حہ الولح فضل الدائر x ء = ءت لرمہ تمامہ الی رت نہ الب نہ + (تعدیل الایام وفرق طول زائدین = ماقہ) رت لح ہہ یعنی اُس تاریخ سات بج کر سوا تینتیس منٹ پر وقتِ عشا آیا اس میں سے سوا چھ گھنٹے تفریق کیے تو ایک گھنٹا سوا اٹھارہ منٹ رہے **تحویل سرطان** غروب نجومی وت مدح انکسار قہ ء تعدیل الایام وفرق طول زائدین قہ مجموع رت ح یعنی ۲۲ جون کو یہاں غروب شمس سات بج کر تین منٹ پر ہے **وبروجہ ادق** تمام العرض حہ سالر۔ میل اعظم الح حہ الر = لح ح ی غایۃ الانحطاط جیبہ لرء حہ لرالو نصف قطرہ مو + انکسار معدل لب قہ نا = مع قہ لرانحطاط الوقت جیبہ قہ مذنۃ تفاضل الجیبین لو صہ ح مب ناجیب تمام المیل سوحہ لح = نہ حہ م ء x جیب تمام العرض نب حہ مرح نخ منحط = مح حہ الہ لح لح جیب اوسط پس تفاضل جیبین ÷ جیب اوسط منحط = مدحہ نخ ط مہ سہم قوسہ عہ حہ الدلوہ فضل الدائر x قہ ء = ہت الح تمام وت نخ الب + تعدیل الایام انہ لب + فصل شرقی ح قہ ما = رت ح ہ یوں بھی وہی سات پر تین منٹ آئے۔

العشاء لرحہ ء لرالو۔ح حہ لب الرم = ح حہ لب ط مو ÷ مح قہ الہ لح لح = الب حہ نر سو سہم قوسہ ناحہ نخ وفضل الدائر x ء قہ = ح ت الرلب تمامہ ح ت لب الح + الب قہ + قح ما = ح ت لرما یعنی اُس تاریخ ۸ بج کر سوا سینتیس منٹ پر عشا ہوئی تفریق وقت غروب کرنے پر ایک گھنٹے چونتیس منٹ سے قدرے زائد وقت ہوا بعینہٖ یہی مقداریں وقت صبح کی ہیں ہاں ہمارے بلاد میں صرف بقدر ثلث سال بھر یعنی تقریبًا نصف دلو سے نصف حمل اور نصف سنبلہ سے نصف عقرب تک یہ اوقات ایک گھنٹا بیس منٹ کے قریب قریب رہتے ہیں باقی تمام سال میں اُس سے زائد تو دہلی، رامپور، میرٹھ، مظفر نگر، دیوبند، گنگوہ، سہارن پور میں کہ سب بریلی سے شمال کو ہیں اور باہم ہر پچھلا پہلے سے زیادہ شمالی ہے ہمیشہ ایک گھنٹا بیس منٹ کیونکر معقول ہے اگرچہ مفتیان جاہل ومخطیان غافل اپنی بیخبر دی سے تصدیقیں کریں شہادتیں دیں اُس کو اپنے بے بصر بے خبر عمائد کا معمول یہ بتائیں وہ بھی نہ فقط عشا بلکہ وقت صبح میں بھی جس کا حاصل

یہ کہ سال کے دو ۲ تہائی حصّے میں اُن کبراواذ باب سب کے روزے نذر جہل بے حساب اور اُن کی سحری کے ختم بلکہ کبھی شروع سے بھی پہلے جلوہ صبح صادق بے حجاب نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۲۸۰) از اترولی ضلع علی گڈھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت ظہر کا عصر کا مغرب وعشا وفجر کا کب تک رہتا ہے خصوص مغرب کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب:

وقت ظہر کا اُس وقت تک رہتا ہے کہ سایہ سوا سایہ اصلی کے جو اُس روز ٹھیک دوپہر کو پڑا ہو دو مثل ہوجائے اور عصر کا وقت غروب آفتاب تک یعنی جب سورج کی کوئی کرن بالائے اُفق نہ رہے اور اُس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ آفتاب کے قرص پر نظر اچھی طرح نہ جمے جب بغیر کسی عارض بخار یا غبار وغیرہ کے نگاہ قرص آفتاب پر جمنے لگی وقتِ کراہت آگیا اور یہ وقت فقیر کے تجربہ سے اُس وقت آتا ہے جب سورج ڈوبنے میں بیس ۲۰ منٹ رہ جاتے ہیں مغرب کا وقت سپیدی ڈوبنے تک ہے یعنی چوڑی سپیدی کہ جنوبًا شمالًا پھیلی ہوتی اور بعد سُرخی غائب ہونے کے تادیر باقی رہتی ہے جب وہ نہ رہی وقتِ مغرب گیا اور عشا آئی دراز سپیدی کہ صبح کاذب کی طرح شرقًا غربًا ہوتی ہے معتبر نہیں اور یہ وقت ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹا اٹھارہ منٹ بعد غروبِ آفتاب ہوتا ہے آخر مارچ وآخر ستمبر میں، اور زیادہ سے ایک گھنٹا ۳۵ منٹ ہوتا ہے آخر جون میں، اور موسم سرما میں بڑھ سے بڑھ ایک گھنٹا چوبیس منٹ ہوتا ہے آخر دسمبر میں، اور اس کا وقت مستحب جب تک ہے کہ ستارے خوب ظاہر نہ ہوجائیں، اتنی دیر کرنی کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی چمک آئیں مکروہ ہے۔ عشا کا وقت طلوعِ فجر صادق تک ہے اور وقتِ مستحب آدھی رات سے پہلے پہلے۔ یہ تمام اوقات درجات شمس ودرجات عرض البلاد کے اختلاف سے مختلف ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے ایک وقتِ معین بتانا ممکن نہیں۔ مغرب کو سائل نے بالخصوص دریافت کیا تھا اُس کیلئے وہ قریب تخمینہ کو ان شہروں میں ہے گزارش ہُوا یہی تخمینہ مقدار صبح صادق کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۲۸۱) از رانی کھیت:

ماہِ جون وجولائی واگست میں نمازِ ظہر کا وقتِ مستحب کے بجے سے شروع ہوتا ہے اور کَے بجے تک رہتا ہے؟

الجواب:

بحکمِ حدیث وفقہ ایامِ گرما میں تاخیرِ ظہر مستحب ومسنون ہے اور تاخیر کے یہ معنی کہ وقت کے دو ۲ حصّے

کیے جائیں نصف اوّل چھوڑ کر نصف ثانی میں پڑھیں کما افادہ فی البحر الرائق عن الاسرار وغیرہ[1] (جیسا کہ بحرالرائق میں اسرار وغیرہ سے اس کا افادہ کیا ہے) اور صیف یعنی ایامِ گرما سے مراد زمان اشتداد گرمی ہے۔ خلاصہ وبحر وغیرہما میں ہے:

الشتاء مااشتد فیه البرد علی الدوام، والصیف مایشتد فیه الحر علی الدوام[2]۔	شتاء اس موسم کو کہتے ہیں جس میں مستقل طور پر شدید سردی رہے اور صیف اس موسم کو کہتے ہیں جس میں ہر وقت سخت گرمی رہے (ت)

اور یہ باختلاف بلاد مختلف ہوتا ہے فلکیوں کی تقسیم کہ تحویلِ حمل سے آخر جوزا تک ربیع، آخرِ سنبلہ تک صیف، آخر قوس تک خریف، آخرِ حوت تک شتا ہے اُن کے بلاد کے موافق ہوگی، ہمارے بلاد میں ہر فصل ایک بُرج پہلے شروع ہوجاتی ہے مثلاً جاڑا تحویل جدی یعنی ۲۲ دسمبر سے شروع نہیں ہوتا بلکہ دسمبر کا سارا مہینہ اور اواخر نومبر یقیناً اشتداد سرما کا وقت ہے، یونہی درختوں مشاہدہ شہادت دیتا ہے کہ اواخر فروری تحویل حوت سے بہار شروع ہوجاتی ہے اور بیشک جون کا پورا مہینہ اور اواخرِ مئی شدّتِ گرما کا وقت ہے تو ہمارے یہاں تقسیم فصول یوں ہے حوت حمل ثور بہار، جوزا سرطان اسد گرمی، سنبلہ میزان عقرب خریف، قوس جدی دلو جاڑا، توزمانہ استحباب تاخیر ظہر ۲۲ مئی سے ۲۴ اگست تک ہے اوقات نماز کا آغاز وانجام ہر روز بدلتا ہے ایک وقت معین کی تعین ناممکن ہے لہذا ہم صرف ایام تحویلات ثور تا سنبلہ کا حساب بیان کریں کہ اُس سے ایام مابین کا تقریبی قیاس کرسکیں اور زیادت افادت کیلئے ان ایام کا طلوع وغروب بھی لکھ دیں کہ اگرچہ مئی جُون گزرگئے جولائی اگست باقی ہیں صحیح گھڑی سے مقابلہ کرسکتے ہیں اگر دھوپ گھڑی موجود ہو تو جس وقت اس میں کیلی کا سایہ خطِ نصف النہار پر منطبق ہو جیبی گھڑی میں وہ وقت کردیں جو خانہ شروع وقت ظہر میں ہم نے لکھا ہے یہ گھڑی نہایت کافی وجہ پر صحیح ہوگی ورنہ شام کے چار ۴ بجے جو مدراس سے تار آتا ہے جس وقت وہ سولہ ۱۶ کا گھنٹا بتائے گھڑی میں فوراً چار بجائیں ورنہ ریل تار کی گھڑیوں بلکہ توپ کا بھی کچھ اعتبار نہیں میں نے توپ میں گیارہ منٹ تک کی غلطی مشاہدہ کی ہے اور تین چار منٹ کی غلطی توصدہا بار پائی ہے ہم اس نقشہ میں ریلوے کا وقت دیں گے اور ازانجاکہ یہ تقریب سالہاسال تک کام دے سکنڈوں کی تدقیق نہ کریں گے رانی کھیت کے لئے جس کا عرض شمالی ۲۹ درجے ۳۸ دقیقے اور طول مشرقی ۷۹ درجے ۲۸ دقیقے ہے۔

---

[1] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

اوقات بعض تحویلات کا نقشہ

تاریخ شمسی	تحویل برج	طلوع شمس		شروع وقت ظہر		وقت مستحب ابتدائے فرض ظہر		شروع وقت عصر حنفی		غروب شمس	
		گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ	گھنٹا	منٹ
۲۱ر اپریل	ثور	۵	۴۱	۱۲	۱۱	۲	۳۱	۴	۵.۱	۶	۴۴
۲۲ر مئی	جوزا	۵	۱۶	۱۲	۰۸	۲	۳۴	۴	۵۹	۷	۱
۲۲ر جون	سرطان	۵	۱۲	۱۲	۰۱۳	۲	۴۰	۵	۷	۷	۱۵
۲۲ر جولائی	اسد	۵	۲۶	۱۲	۰۱۸	۲	۴۴	۵	۹	۷	۱۱
۲۴ر اگست	سنبلہ	۵	۴۴	۱۲	۰۱۴	۲	۳۴	۴	۵۴	۶	۴۵

بعض عوام کو اپنی ناواقفی سے وقت ظہر پانچ بجے تک رہنے کا بھی تعجب ہوتا ہے نہ کہ پانچ سے بھی کچھ منٹ زائد تک لہٰذا ایامِ خمسہ میں سب سے بڑا وقت کہ ۲۴ جولائی کا آیا ہم اس کی برہان ہندسی ذکر کردیں کہ آج کل بہت مدعیانِ علم بھی فنِ توقیت سے محض ناواقف ہیں اُنہیں اطمینان ہو کہ یہ بیانات جزافی نہیں تحقیقی ہیں جو نہ جانتا ہو جاننے والوں کا اتباع کرے، اور جو نہ خود جانے نہ جاننے والوں کی مانے اس کا مرض لاعلاج ہے **البرھان** تحویل مفروض بوقت مطلوب راس الاسد بہت ساعۃ درجہ سابقہ ب قہ الح ب x وقت تخمینی ء ت مط لو = ماقہ لاما تقویم نصف النہار حقیقی ج ح الط مح الط میلک حہ ہاا + تمام العرض سہ ح الب + نصف قطربہ قہ مو = ف حہ مط موتمامہ ط حہ ی مدبعد سمتی حقیقی حاجی وقت ظہیرہ تحویلش بمرئی ط حہ ی ہ ظلش ط حہ ما اما ظل وقت عصر حنفی ع ط ما اما قوسہ حہ سہ + نصف قطر = حہ سہ الرنط الب بعد سمتی حقیقی مرکزی وقت مطلوب عرض البلد الط حہ لح میل راس الاسد ک حہ ط لح نر = ط حہ الح الوح + بعد سمتی = عدحہ نوالہ الہ نصفہ لرحہ الح مح جیبہ ۹ء۷۸۴۱۵۲۶ وبعد سمتی۔ نصف مذکور = الرحہ نط موط جیبہ ۹ء۶۷۱۵۵۶۴ قاطع عرض ۰ی۰۶۰۸۷۶۶ قاطع میل ۰ء۰۲۷۴۵۶۰ جمیع الاربعہ ۹ء۵۴۴۰۲۲ تقویسش درجدول وقت ۶ء ۹ ۵۴َ ت + فصل طول وسط الہندی ۱۲+ تعدیل الایامً۶َ۱۶َ = ۶یً۳۳َ۸َ ۵ت یعنی پانچ بج کر آٹھ منٹ ۳۴ سکنڈ پر وقتِ ظہر ختم ہُوا واللہ **تعالٰی اعلم**۔

I.T. Majlis of Dawateislami

مسئلہ (۲۸۲ و ۲۸۳) از شہر۔ سنہری مسجد مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب یکے از طلبائے مدرسہ اہل سنّت وجماعت بریلی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد نالہ میں ظہر کی نماز وقت ۲ 1/2 پر باجماعت ہوتی ہے اور عصر کی نماز ۴ 1/2 پر باجماعت ہوتی ہے یہ وقت نماز کے ایامِ سرما میں تنگ سمجھے جائیں گے یا کچھ کمی بیشی ان اوقات میں کی جائے۔ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ ظہر ۲ بجے اور عصر ۴ بجے ہونی چاہئے ان دو ۲ وقتوں میں اوّل کی پابندی کی جائے یا ثانی کی دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں ہر جماعت یعنی ایک ہی وقت کی کئی جماعت کے واسطے تکبیر اور اذان ہر مرتبہ پڑھی جائے یا صرف جماعت اوّل ہی میں اور محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانی میں تکبیر اور اذان ہونی چاہئے یا نہیں اور بازاری مسجد میں ہر جماعت اولٰی کا ثواب ہے یا نہیں۔

الجواب:

اگر یہ صحیح وقت ہوں تو کسی موسم میں ظہر اور عصر کیلئے تنگ وقت نہیں سب میں جلد وقت مغرب نومبر کے آخر اور دسمبر کی ابتدائی تاریخوں میں ہوتا ہے جب ریلوے وقت سے آفتاب سواپانچ بجے ڈوبتا ہے اور کراہت کا وقت غروب سے صرف بیس منٹ پہلے ہے تو چاربج کر پچپن ۵۵ منٹ پر وقتِ کراہت آجائے گا نماز اگر ٹھیک ساڑھے چار بجے شروع ہُوئی تو غایت درجہ دس ۱۰ بارہ ۱۲ منٹ میں ختم ہوجائیگی جب بھی وقت کراہت سے تقریبًا پاؤ گھنٹے پہلے ہوچکے گی، ہاں اُن دنوں میں پونے پانچ بجے شروع جماعت میں خطرہ ہے کہ اگر جماعت ۸ منٹ میں اداکی اور شروع میں پونے پانچ بجے سے دو ۲ تین ۳ منٹ بھی دیر ہوگئی تو سلام سے پہلے وقت کراہت آجائے گا اتنی تاخیر وہ کرے جس وقت صحیح معلوم ہوں اور تصحیح ساعات جانتا ہو کہ عصر میں جتنی تاخیر ہو افضل ہے جبکہ وقتِ کراہت سے پہلے پہلے ختم ہوجائے، پھر جو وقت مقرر ہوتا ہے اکثر چند منٹ اس سے تاخیر بھی ہوجاتی ہے اور گھڑی کبھی چند منٹ سُست ہوجاتی ہے ومن رتع حول الحمی اوشک ان یقع فیہ (اور جو چراگاہ کے اردگرد چرے، تو ہوسکتا ہے کہ اس میں گھُس پڑے۔ت) لہٰذا اُن ایام میں عام کو عصر سواچار بجے مناسب تر ہے اور گھڑی کی تحقیق صحیح ہو تو ایام سرما میں ساڑھے چار بجے شروع نماز میں اصلًا حرج نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ بازار کی مسجد میں کہ اہلِ بازار کے لئے بنی اسی طرح سَرا اور اسٹیشن کی مسجد اور مسجد جامع ان سب میں افضل یہی ہے کہ جو گروہ آئے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے وہ سب جماعت اولٰی ہوں گی اور مسجدِ محلّہ میں جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان منع ہے تکبیر میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۴و۲۸۵): از موضع سرنیاں ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۱جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بعض اشخاص ذی علم اور مولوی سوال کرتے ہیں کہ آپ کے اعلیحضرت مولٰنا مولوی حاجی مفتی قاری صاحب کیوں نمازِ جمعہ وقت کھو کر پڑھتے ہیں وقت قطعی نہیں رہتا ہے اور دیگر نمازیں بھی اخیر وقت پر پڑھتے ہیں، سائل نے اس کے جواب میں یوں کہا کہ وقت کھونا نہیں ہے بلکہ درمیان وقت جمعہ ادا ہوتا ہے اور کُل نمازیں بھی درمیان وقت میں پڑھتے ہیں کیونکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درمیان وقت میں پڑھتے تھے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے پہلے روز اوّل وقت اور دوسرے روز اخیر وقت پڑھا اور کہا کہ وقت اِن دونوں نمازوں کے درمیان ہے اس پر وہ لوگ جواب دیتے ہیں کہ اکثر ہم لوگ دُور دُور تک سَیر کو گئے ہیں بمبئی، مکّہ شریف، مدینہ شریف اور ہندوستان کے کل شہروں میں مولوی اول وقت ادا کرتے ہیں کیا وہ حنفی مذہب نہیں ہیں دیگر دیہات میں مولوی جمعہ کی نماز جائز کرتے ہیں اور اعلٰحضرت منع کرتے ہیں حنفی مذہب سے خلاف ہے ہر قسم کے سوال کرتے ہیں خیر ان کا لکھنا مناسب نہ جانا حضور جو کچھ تحریر فرماویں جواب دیا جائے گا۔

الجواب:

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا [1]	یونہی ہم نے ہر نبی کے دشمن کردیے آدمیوں اور جن میں کے شیطان کہ اُن میں ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ڈالتا ہے دھوکے کی۔

جب انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے ساتھ یہ برتاؤ رہا تو اُن کے ادنٰی غلام کیوں اپنے آقایان کرام کے ترکہ سے محروم رہیں، جائے ہزاروں ہزار شکر ہے کہ ہم سے نالائقوں کو اُن کریموں کے ترکہ سے حصّہ ملے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ [2] (جاہلوں سے منہ پھیرلو) اور فرماتا ہے جاہلوں کے جواب میں یوں کہو: لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿۵۵﴾ [3] (جاہلوں کے مُنہ لگنا ہم نہیں چاہتے) نہ کہ وہ حضرات کہ جاہل بھی ہوں اور کذاب بھی اور مفتری بے حجاب بھی اور معاند تعصب مآب بھی، ایسوں کیلئے یہ مناسب ہے کہ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ

---

[1] القرآن سورہ الانعام ۶ آیت ۱۱۲

[2] القرآن سورہ الاعراف ۷ آیت ۱۹۹

[3] القرآن سورہ القصص ۲۸/۱ آیت ۵۵

یَعْمَهُوْنَ۠ [1] (ہم اُنہیں چھوڑتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں) ان تمام مسائل کے روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں موجود ہیں مگر متعصب معاند کو علم دینا بے سُود اور کذب وافترا کاعلاج مفقود، سائل ان کو ذی علم مولوی کہتا ہے اور جو باتیں اُن کی بیان کیں وہ تو ایسے جاہلوں کی ہیں جن کو کسی عالم کی صحبت بھی نصیب نہ ہوئی۔سائل کو ہدایت کی جاتی ہے کہ کسی کی ایسی بیہودہ باتیں پیش نہ کیا کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۶/۱۱۰

رسالہ
حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ

دو دریاؤں کو ملنے سے روکنے والا، دو۲ نمازوں کو جمع کرنے سے بچانے والا

مسئلہ (۲۸۶) از بریلی محلّہ قراولان یکم رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو۲ نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی جعل الصلاۃ علی المؤمنین کتابا موقوتا، وامرھم ان یحافظوا علیھا فیحفظوھا ارکانا وشروطا ووقوتا، مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝، وافضل الصلوات، واکمل التحیات، علی من عین الاوقات وبین العلامات، وحرم علی امتہ اضاعۃ الصلوات، وعلی اٰلہ الکرام، وصحبہ العظام، ومجتھدی شرعہ الغر الفخام، لاسیما

الامام الاقدم، والهمام الاعظم، امام الائمة، مالك الازمة، كاشف الغمة، سراج الامة، نائل علم الشرع الحنفى من اوج الثريا، ناشر علم الدين الحنيفى نشرا جليا، نصر الله اتباعه ورضى اتباعه متبوعا وتابعيا، وعلينا معهم، ياارحم الراحمين، الى يوم الدين۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے ارشادات سے نماز فرض کا ایک خاص وقت جداگانہ مقرر فرمایا ہے کہ نہ اُس سے پہلے نماز کی صحت نہ اس کے بعد تاخیر کی اجازت، ظہرین عرفہ وعشائین مزدلفہ کے سوا دو [۲] نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں۔ قرآن عظیم واحادیث صحاح سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس کی ممانعت پر شاہد عدل ہیں۔ یہی مذہب ہے حضرت ناطق بالحق والصواب موافق الرائے بالوحی والکتاب امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت سیدنا سعد بن ابی وقاص احد العشرۃ المبشرۃ وحضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود من اجل فقہاء الصحابۃ البررۃ وحضرت سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق وحضرت سیدتنا امّ المؤمنین صدیقہ بنت الصدیق **اعاظم صحابہ کرام** وخلیفہ راشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز وامام سالم بن عبداللہ بن عمر وامام علقمہ بن قیس وامام اسود بن یزید نخعی وامام حسن بصری وامام ابن سیرین وامام ابراہیم نخعی وامام مکحول شامی وامام جابر بن زید وامام عمرو بن دینار وامام حماد بن ابی سلیمان وامام اجل ابو حنیفہ اجلہ ائمہ تابعین وامام سفیٰن ثوری وامام لیث بن سعد وامام قاضی الشرق والغرب ابویوسف وامام ابو عبداللہ محمد الشیبانی وامام زفر بن الہذیل وامام حسن بن زیاد وامام دار الہجرۃ عالم المدینۃ مالک بن انس فی روایۃ ابن قاسم اکابر **تبع تابعین** وامام عبدالرحمٰن بن قاسم عتقی تلمیذ امام مالک وامام عیسٰی بن ابان وامام ابو جعفر احمد بن سلامہ مصری وغیرہم ائمہ دین کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

تحقیق مقام یہ ہے کہ جمع بین الصلاتین یعنی دو [۲] نمازیں ملا کر پڑھنا دو [۲] قسم ہے: **جمع فعلی** جسے جمع صوری بھی کہتے ہیں کہ واقع میں ہر نماز اپنے وقت میں واقع مگر ادا میں مل جائیں جیسے ظہر اپنے آخر وقت میں پڑھی کہ اس کے ختم پر وقتِ عصر آگیا اب فوراً عصر اوّل وقت پڑھ لی، ہوئیں تو دونوں اپنے اپنے وقت اور فعلاً وصورۃً مل گئیں۔ اسی طرح مغرب میں دیر کی یہاں تک کہ شفق ڈوبنے پر آئی اُس وقت پڑھی ادھر فارغ ہُوئے کہ شفق ڈوب گئی عشاء کا وقت ہوگیا وہ پڑھ لی، ایسا ملانا بعذر مرض وضرورت سفر بلاشبہہ جائز ہے۔ ہمارے علمائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی اس کی رخصت دیتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

للمسافر والمريض تاخير المغرب للجمع بينها وبين العشاء فعلا، كما فى الحلية وغيرها، اى ان تصلى فى اٰخر وقتها	مسافر اور مریض مغرب میں تاخیر کرسکتے ہیں تاکہ اس کو اور عشاء کو فعلاً اکٹھا کرلیں، جیسا کہ حلیہ وغیرہ میں ہے، یعنی مغرب آخری وقت میں پڑھی جائے

والعشاء فی اول وقتها[1]۔	اور عشاء اوّل وقت ہیں۔(ت)

اقول: تاخیر مغرب کا تو یہ خاص جزئیہ ہے اور اسی طرح تاخیر ظہر کہ عصر سے مل جائے بلکہ یہ بدرجہ اولٰی کہ ظہر میں تو کوئی وقت کراہت نہیں[2] کماصرح بہ فی البحر الرائق وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔ (جیسا کہ بحرالرائق میں تصریح ہے اور ردالمحتار کے حاشیے پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) بخلاف مغرب کہ اُس کی اتنی تاخیر بے عذر مکروہ شدید ہے[3] کمافی البحر والدر وغیرھما، ونطقت بکراھۃ ذلك احادیث۔ (جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، اور اس کی کراہت پر کوئی احادیث ناطق ہیں۔ت) پھر جزئیہ ظہرین بھی کتاب الحج میں نظر فقیر سے گزرا اس کتاب جلی الصواب حلی الخطاب رفیع النصاب میں کلام کلام امام ہمام محرر المذہب سیدنا محمد بن الحسن تلمیذ سید الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ اور تالیف رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ: الجمع بین الصلاتین فی السفر فی الظھر والعصر، والمغرب والعشاء سواءٌ یؤخر الظھر الی اٰخر وقتھا ثم یصلی ویعجل العصر فی اول وقتھا فیصلی فی اول وقتھا، وکذلك المغرب والعشاء یؤخر المغرب الی اٰخر وقتھا فیصلی قبل ان یغیب الشفق وذلك اٰخر وقتھا، ویصلی العشاء فی اول وقتھا حین یغیب الشفق، فھذا الجمع بینھما[4]۔	امام فقیہ محدث عیسٰی بن ابان تلمیذ امام محمد ہے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ سفر میں دو۲ نمازوں کا جمع کرنا، خواہ ظہر اور عصر ہوں یا مغرب اور عشاء ہوں، یکساں ہے۔ یعنی ظہر کو آخر وقت مؤخر کرکے پڑھے اور عصر میں تعجیل کرکے اس کو اول وقت میں پڑھ لے۔ اسی طرح مغرب اور عشاء میں مغرب کو اتنا مؤخر کرے کہ اس کے آخری وقت میں، یعنی شفق غائب ہونے سے تھوڑا پہلے پڑھے اور عشاء میں جلدی کرکے اس کو اول میں پڑھ لے، یعنی شفق غائب ہونے کے ساتھ ہی، یہ طریقہ ہے ان کو جمع کرنے کا۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی: من اراد	ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بارش،

---
[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ المصطفی البابی مصر ۱/۲۷۱

[2] البحرالرائق کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۹

[3] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[4] کتاب الحجۃ باب جمع الصلاۃ فی السفر مطبوعہ دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۷۴

ان یجمع بین الصلاتین بمطر اوسفر اوغیرہ، فلیؤخر الاولی منھما حتی تکون فی اٰخر وقتھا، ویعجل الثانیۃ حتی یصلیھا فی اول وقتھا فیجمع بینھما، فتکون کل واحدۃ منھما فی وقتھا[1] الخ۔	سفر یا کسی اور وجہ سے دو۲ نمازوں کو جمع کرنا چاہے تواس کو چاہیئے کہ پہلی کو آخر وقت تک مؤخر کردے اور دوسری میں جلدی کرکے اول وقت میں ادا کرے، اس طرح دونوں کو جمع کرلے، تاہم ہوگی ہر نماز اپنے وقت میں الخ (ت)

اس کلام برکت نظام امام کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم سے ظاہر ہوا کہ جواز جمع صوری صرف مرض وسفر پر متصور نہیں بضرورت شدت بارش بھی اجازت ہے مثلاً ظہر کے وقت مینہ برستا ہو تو انتظار کرکے آخر وقت حاضر مسجد ہوں جماعت ظہر ادا کریں اور وقت عصر پر تیقن ہوتے ہی جماعت عصر کرلیں کہ شاید شدتِ مطر بڑھ جائے اور حضور مسجد سے مانع آئے، مطر شدید میں تنہا گھر پڑھ لینے کی بھی اجازت ہے تو اُس صورت میں تو دونوں نمازوں کے لئے جماعت ومسجد کی محافظت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ دوسری قسم جمع وقتی ہے جسے جمع حقیقی بھی کہتے ہیں۔ **اقول:** یعنی بمعنی مصطلح قائلان جمع کہ جو معنی جمع اُن کا مذہب ہے وہ حقیقۃً اسی صورت میں ہے ورنہ جمع اپنے اصل معنی پر دونوں جگہ حقیقی ہے **کمالایخفی**، اور اسی لحاظ سے جمع فعلی کو صوری کہتے ہیں ورنہ حقیقۃً فرائض میں یہ جمع بھی جمع صوری ہی ہے اُن میں تداخل محال تو جب ملیں گے صورۃً ملیں گے اور معنیً جدا **فافھم فانہ نفیس جدا** (اس کو سمجھو کیونکہ یہ بہت نفیس ہے۔ت) اس جمع کے یہ معنی ہیں کہ ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھی جائے جس کی دو۲ صورتیں ہیں:

جمع تقدیم کہ وقت کی نماز مثلاً ظہر یا مغرب پڑھ کر اُس کے ساتھ ہی متصلا بلافصل پچھلے وقت کی نماز مثلاً عصر یا عشاء پیشگی پڑھ لیں، اور **جمع تاخیر** کہ پہلی نماز مثلاً ظہر یا مغرب کو باوصف قدرت واختیار قصداً اٹھا رکھیں کہ جب اس کا وقت نکل جائے گا پچھلی نماز مثلاً عصر یا عشاء کے وقت میں پڑھ کر اس کے بعد متصلاً خواہ منفصلاً اُس وقت کی نماز ادا کریں گے، یہ دونوں صورتیں بحالتِ اختیار صرف حجاج کو صرف حج میں صرف عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ میں جائز ہیں اول میں جمع تقدیم اور دوم میں جمع تاخیر عام ازیں کہ وہ مسافر ہوں یا خاص ساکنانِ مکّہ ومنٰی وغیرہما مواضع قریبہ کی وہ بوجہ نسک ہے نہ بوجہ سفر اور بحالت اضطرار وعدمِ قدرت سفر حضر یا ظہر عصر وغیرہا کسی شے کی تخصیص نہیں جتنی نمازوں تک مشغولی جہاد یا شدّتِ مرض یا غشی وغیرہا کے سبب قدرت نہ ملے ناچار سب موخر رہیں گی اور وقت قدرت بحالت عدم سقوط ادا کی جائیں گی جس طرح حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے غزوہ خندق میں ظہر وعصر ومغرب وعشا کے وقت پڑھیں ان کے سوا کبھی کسی شخص کو کسی حالت میں کسی صورت جمع وقتی کی اصلاً اجازت نہیں اگر جمع تقدیم کرے گا نماز اخیر

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۵۹

محض باطل وناکارہ جائے گی جب اُس کا وقت آئیگا فرض ہوگی نہ پڑھے گی ذمے پر رہے گی اور جمع تاخیر کرے گا تو گنہ گار ہوگا عمداً نماز قضا کردینے والا ٹھہرے گا اگرچہ دوسرے وقت میں پڑھنے سے فرض سر سے اُتر جائے گا۔ یہ **تفصیل** مذہب مہذب ہے اور اسی پر دلائل قرآن وحدیث ناطق بلکہ توقیت صلاۃ کا مسئلہ متفق علیہا ہے، ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز کو دانستہ قضا کردینا بلاشبہ حرام تو جس طرح صبح یا عشا قصداً نہ پڑھنی کہ ظہر یا فجر کے وقت پڑھ لیں گے حرام قطعی ہے یوں ہی ظہر یا مغرب عمداً نہ پڑھنی کہ عصر یا عشا کے وقت ادا کرلیں گے حرام ہونا لازم اور وقت سے پہلے تو حرمت درکنار نماز ہی بیکار جیسے کوئی آدھی رات سے صبح کی نماز یا پہر دن چڑھے سے ظہر پڑھ رکھے قطعاً نہ ہوگی، یونہی جو ظُہر کے وقت عصر یا مغرب کے وقت عشاء نبٹا لے اس کا بھی نہ ہونا واجب، احادیث میں کہ حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے جمع منقول اُس میں صراحۃً وہی جمع صوری مذکور یا مجمل ومحتمل اُسی صریح مفصل پر محمول، جمع حقیقی کے باب میں اصلاً کوئی حدیث صحیح صریح مفسر وارد نہیں جمع تقدیم تو اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر کسی حدیث صحیح کا نام لیا جائے جمع تاخیر میں احادیث کثیرہ کے خلاف دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے بادی النظر میں دھوکا ہو مگر عندالتحقیق جب احادیث متنوعہ کو جمع کرکے نظرِ انصاف کی جائے فوراً حق ظاہر ہوجاتا ہے کہ یہ بھی وجوباً یا امکاناً اُسی جمع صوری کی خبر دے رہی ہیں غرض جمع وقتی پر شرع مطہر سے کوئی دلیل واجب القبول اصلاً قائم نہیں بلکہ بکثرت صحیح حدیثیں اور قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اور اصول شرع کی واضح دلیلیں اُس کی نفی پر حجت مبین، یہ اجمال کلام ودلائل مذہب ہے۔ لہذا یہ مختصر کلم چار ۴ فصل پر منقسم:

فصل ۱ میں جمع صوری کا اثبات جمیل،

فصل ۲ میں شبہات جمع تقدیم کا ابطال جلیل،

فصل ۳ میں جمع تاخیر کی تضعیف واضح البینات،

فصل ۴ میں دلائل نفی جمع وہدایت التزام اوقات۔

اس مسئلے میں ہمارے زمانے کے امام لامذہباں مجتہد نامقلداں مخترع طرز نوی مبتدع آزادروی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہداہ اللہ الی الصراط السوی نے کتاب عجب العجاب معیار الحق کے آخر میں اپنی چلتی حد بھر کا کلام مشبع کیا مباحث مسئلہ میں اگلے پچھلے مالکیوں شافعیوں وغیرہم کا اُلٹا پلٹا اُلجھا سُلجھا جیسا کلام حنفیّہ کے خلاف جہاں کہیں ملا سب جمع کرلیا اور کھلے خزانے احادیثِ صحاح کو رَد فرمانے رواۃ صحیحین کو مردود بتانے بخاری ومسلم کی صدہا حدیثوں کو واہیات بتانے محدثی کا بھرم عمل بالحدیث کا دھرم دن دہاڑے دھڑی دھڑی کرکے لٹانے میں رنگ رنگ سے اپنی نئی ابکار افکار کو جلوہ دیا تو بعون قدیر اُس تحریر عدیم التحریر حائز ہر غث ویابس ونقیر وقطمیر کے رد میں تمام مساعی نو وکہن کا جواب اور مُلّا جی کے ادعاے باطل عمل بالحدیث ولیاقت اجتہاد وعلم حدیث کے روئے نہانی سے کشف حجاب

بعض علمائے عصر عہ۱ وعظمائے وقت غفراللہ تعالٰی لناولہ وشکر فی انتصار نا للحق سعینا وسعیہ نے ملاجی پر تعقبات کثیرہ بسیط کیے مگر اِن شاء اللہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ العلی العظیم، یہ افاضات تازہ چیزے دیگر ہوں گے جنہیں دیکھ کر ہر منصف حق پسند بے ساختہ پکار اُٹھے کہ: ع

کم ترك الاول للاٰخر

(بہت سی چیزیں پہلوں نے پچھلوں کیلئے چھوڑ دی ہیں۔ت)

فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تمام تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر اُن کے ماورا میں بھی جن کا عدد بعونہ تعالٰی اس عہ۲ وقت تک ایک سو چالیس سے متجاوز ہے ہمیشہ التزام رہا ہے کہ محل خاص نقل واستناد کے سوا محض جمع وتلفیق کلمات سابقین سے کم کام لیا جائے، حتی الوسع بحول وقوت ربانی اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے: ع

کہ حلوا چو یکبار خورند وبس

اگر اقامت دلائل یا ازاحت اقوال مخالف میں وہ امور مذکور بھی ہوتے ہیں کہ اور متکلمین فی المسئلہ ذکر کرگئے تو غالبًا وہ وہی واضحات متبادرہ الی الفہم ہیں کہ ذہن بے اعانت دیگرے اُن کی طرف سبقت کرے۔ انصافًا ان میں سابق ولاحق دونوں کا استحقاق یکساں مگر ازانجا کہ کلمات متقدمہ میں اُن کا ذکر نظر سے گزرا اپنی طرف نسبت نہیں کیا جاتا پھر ان میں بھی بعونہ تعالٰی تلخیص وتہذیب وترصیب وتقریب وحذف زوائد وزیادت فوائد سے جدّت جگہ پائے گی اور کُچھ نہ ہو تو اِن شاء اللہ تعالٰی طرزِ بیان ہی احلی واوقع فی القلب نظر آئے گی اس وقت تو یہ اپنا بیان ہے جس سے بحمداللہ تعالٰی تحدیث بنعمۃ اللہ عزّوجل مقصود والحمدللہ الغفور الودود، اہلِ حسد جس معنے پر چاہیں محمول کریں مگر اربابِ انصاف اگر تصانیف فقیر کو موازنہ فرمائیں گے بعونہ تعالٰی عیان موافق بیان پائیں گے باینہمہ اس اعتراف سے چارہ نہیں کہ الفضل للمتقدم (پہل کرنے والے کو فضیلت حاصل ہوتی ہے) خصوصًا علمائے سلف رضی اللہ تعالٰی عنا باکرامھم وحشرنا فی زمرۃ خدامھم کہ جو کچھ ہے اُنہیں کی خدمت کلمات برکت آیات کا نتیجہ اور اُنہیں کی بارگاہ دولت کا حصہ رسد بٹتا ہوا صدقہ: ع

اے بادِ صبا! اینہمہ آوردہ تست

ہاں ہاں یہ کفش برادری خدام درگاہ فضائل پناہ اعلٰحضرت عظیم البرکت اعلم العلماء الربانیین افضل

عہ۱: یعنی جناب مستطاب حامی السنن ماحی الفتن مولٰنا مولوی حافظ الحاج محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

عہ۲: یہ اُس وقت تھا اب کہ ۱۳۱۹ھ ہے بحمداللہ تعالٰی عدد تصانیف ایک سو نوے ۱۹۰ سے متجاوز ہے ۱۲ اور اب تو بحمدہ تعالٰی اگر احصا کیا جائے تو پانسو سے متجاوز ہوگا ۱۲ (م)

الفضلاء الحقانیین حامی السنن السنیه ماحی الفتن الدنیه بقیه السلف المصلحین حجة الخلف المفلحین آیة من آیات رب العٰلمین معجزة من معجزات سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وبارك وسلم اجمعین ذی التصنیفات الرائقه والتحقیقات الفائقه والتدقیقات الشائقه تاج المحققین سراج المدققین اکمل الفقهاء المحدثین حضرت سیدنا الواجد امجد الاماجد اطیب الاطائب **مولانا مولوی محمد نقی علی خان** صاحب محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس اللہ سرہ، وعم برّہ وثم نورہ واعظم اجرہ واکرم نزله وانعم منزله ولاحرمنا سعدہ ولم یفتنا بعدہ والحمدللہ دہر الداہرین ہاں ہاں یہ ادنٰی خاکبوسی آستان رفیع غلمان منیع بندگان بارگاہ عرفان پناہ اقدس حضرت آقائے نعمت دریائے رحمت اعرف العرفاء الکرام مرجع الاولیاء العظام السحاب الھامر بفیض القادر والعباب الزاخر بالفضل الباھر ذوالقرب الزاہر والعلو الظاہر والنسب الطاہر ملحق الاصاغر بالجلة الاکابر معدن **البرکات** مخزن الحسنات من **آل محمد** سید الکائنات علیه وعلیهم افضل الصلوات وارث النجدات من **حمزة** الحمزات القمر المستبین بالنور المبین من **شمس الدین ابی الفضل** العظیم والشرف الکریم سیدنا ومولٰنا وملجانا وماوانا شیخی ومرشدی کنزی وذخری لیومی وغدی اعلحضرت **سیدنا السید الشاہ آل رسول الاحمدی** فاطمی حسینی قادری برکاتی واسطی بلجرامی مارہری رضی اللہ تعالٰی عنہ واجزل واعظم قربه منه واشرق علینا من نورہ التام وافاض علینا من بحرہ الطام وجعلنا من خدمه فی دارالسلام بفضل رحمة علیه وعلٰی آبائه الکرام والحمدللہ ابدالآبدین۔

عہد ما بالب شیریں دہناں بست خدائے
ماہمہ بندہ وایں قوم خداوند انند

(خدانے شیریں دہنوں کے لبوں سے ہمارا عہد باندھ دیا ہے، ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ ہمارے آقا ہیں۔ت)

خیر کہنا یہ تھا کہ یہاں بھی اِن شاء اللہ تعالٰی یہی طریقہ رعایت[عہ] پائے گا ولہذا ایک آدھ بحث کہ بقدر کافی طے کردی گئی اس سے تعرض اطناب سمجھا جائے گا کہ مقصود اظہار احقاق ہے نہ اکثار اوراق۔ ان چار فصل میں ملّا جی کے ادعائی بول یکسر برعکس ہیں سایہ بخت سے سب قابل نکس ہیں جابجا ثابت کو ناثابت ناثابت کو ثابت ساکت کو ناطق ناطق کو ساکت ضعیف کو صحیح صحیح کو ضعیف تحریف کو توجیہ توجیہ کو تحریف مؤول کو مفسر مفسر کو مؤول محتمل کو صریح صریح کو محتمل کہا اول تا آخر کوئی دقیقہ تحکم ومکابرہ وتعصب مدابرہ کا نامرعی نہ رہا یہاں بعونہٖ تعالٰی عزمجدہ ہر فصل میں قول فصل وحق اصل بدلائل قاہرہ وبیانات باہرہ ظاہر کیجئے کہ اگر زبان انصاف سالم وصاف

عـہ: لاسیما اذاکان فیئی لاترتضیه لوھن اوضعف نعلم فیه ۱۲۔ (م) (حاشیہ کی اس عبارت سے غالبًا اعلحضرت کی اپنی عبارت گزشتہ صفحہ ۱۶۴ کی طرف اشارہ ہے: فقیر حقیر غفرلہ المولی القدیر کو اپنی تصانیف مناظرہ بلکہ اکثر ان کے ماورا میں بھی حتی الوسع اپنے ہی فائضات قلب کو جلوہ دیا جائے، ملخصًا (نذیر احمد سعیدی)

ہو تو مکالف منکر مدعی مُصر کو بھی معترف و مقر لیجئے۔

وماذلك علی اللہ بعزیز. ان ذلك علی اللہ یسیر، ان اللہ علٰی کل شیئ قدیر۔	اور یہ اللہ کیلئے مشکل نہیں ہے، یہ اللہ پر آسان ہے، اللہ ہر شیئ پر قادر ہے۔(ت)

یہ معارک جلیلہ تو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں رسالہ آپ کے پیشِ نظر ہے ملاحظہ کیجئے داد انصاف دیجئے ع فی طلعۃ الشّمس مایغنیک عن خبر (سُورج طلوع ہو جائے تو اس کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ت)

اس کے سوا نفس مسئلہ میں ملّا جی نے اپنے موافق کہیں چودہ ۱۴ کہیں پندرہ ۱۵ صحابیوں سے روایات آنا بیان کیا اور خود ہی اُسے بگاڑ کر کمی کی طرف پلٹے اور چار سے زیادہ ظاہر نہ کرسکے اُن میں بھی عندالانصاف اگر کُچھ لگتی ہوئی بات ہے تو صرف ایک سے۔ میں بعونہ تعالٰی اپنے موافق روایات تئیس ۲۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لاؤں گا، ملّا جی صرف چار حدیثیں پیش خویش اپنے مفید دکھاسکے جن میں حقیقۃً کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو اُن کی طرف نام بھی نہیں، میں بحول اللہ تعالٰی اُن سے دُونی آیتیں اور دس گنی حدیثیں اپنی طرف دکھاؤں گا، میں یہ بھی روشن کردوں گا کہ حنفیّہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنہ زنی ایسی پوچ ولچر بے بنیاد ہوتی ہے، میں یہ بھی بتادوں گا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت اتنی ہے، میں یہ بھی دکھادوں گا کہ ملّا جی صاحب جو آج کل مجتہد العصر اور تمام طائفہ کے استاد مانے گئے ہیں اُن کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے بھی گرے درجہ کی ہے کل ذلك بعون الملك العزیز القریب المجیب وماتوفیقی الاّ باللہ علیه توکّلت والیه انیب وھذا اوان الشروع فی المقصود متوکلا علی واھب الفیض والجود والحمدللہ العلی الودود والصّلاۃ والسلام علٰی احمد محمود محمد واٰله الکرام السعود امین۔

فصل اول طلوع فجر نوری به اثبات جمع صوری:

حضور پُر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جمع صوری کا ثبوت اصلاً محل کلام نہیں اور وہی مذہب مہذب ائمہ حنفیّہ ہے اس میں صاف صریح جلیل و صحیح احادیث مروی مگر ملّا جی تو انکارِ آفتاب کے عادی، بکمال شوخ چشمی بے نقط سُنادی کہ کوئی حدیث صحیح ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ آنحضرت عــہ جمع صوری سفر میں کیا کرتے تھے [1]، بہت اچھا ذرا نگاہ رُوبرُو۔

عــہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وصحبہ وبارک وکرم ۱۲ منہ (م)

[1] معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلوٰۃ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۴۰۱

حدیث ۱: جلیل و عظیم حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ اُس جناب سے مشہور و مستفیض ہے جسے امام بخاری وابوداؤد ونسائی نے اپنی صحاح اور امام عیسٰی بن ابان نے کتاب الحجج علٰی اہلِ مدینہ اور امام طحاوی نے شرح معانی الآثار اور ذہلی نے زہریات اور اسمٰعیل نے مستخرج صحیح بخاری میں بطرق عدیدہ کثیرہ روایت کیا:

فالبخاری والاسمعیلی والذھلی من طریق اللیث بن سعد عن یونس عن الزھری، والنسائی من طریقی یزید بن زریع والنضربن شمیل عن کثیر بن قاروندا کلاھما عن سالم۔ والنسائی عن قتیبة والطحاوی عن ابی عامر العقدی والفقیه فی الحجج ثلثتهم عن العطاف، وابوداؤد عن فضیل بن غزوان، وعن عبداللہ بن العلاء، وایضا ھوعیسٰی والنسائی عن الولید والطحاوی عن بشر بن بکر، ھؤلاء الثلثة عن ابن جابر، والطحاوی عن اسامة بن زید، خمستھم اعنی العطاف وفضیلا وابن العلاء وجابر واسامة عن **نافع**۔ وابوداؤد عن **عبداللہ** بن واقد۔ والطحاوی عن **اسمٰعیل** بن عبدالرحمٰن اربعتھم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما۔	بخاری، اسمٰعیل اور ذہلی نے لیث ابن سعد کے طریقے سے یونس سے، اس نے زہری سے روایت کی ہے۔ اور نسائی نے یزید ابن زریع اور نضر ابن شمیل کے دو ۲ طریقوں سے کثیر ابن قاروندا سے روایت کی ہے۔ دونوں (زہری اور کثیر) سالم سے راوی ہیں۔ نسائی نے قتیبہ سے، طحاوی نے ابوعامر عقدی سے اور فقیہ نے حجج میں یہ تینوں عطاف سے روایت کرتے ہیں۔ اور ابوداؤد نے فضیل ابن غزوان سے اور عبداللہ ابن علاء سے روایت کی ہے۔ اور ابوداؤد نے ہی عیسٰی سے، نسائی نے ولید سے، طحاوی نے بشر ابن بکر سے، یہ تینوں (عیسٰی، ولید، بشر) جابر سے روایت کرتے ہیں۔ اور طحاوی نے اسامہ ابن زید سے روایت کی ہے۔ یہ پانچوں یعنی عطاف، فضیل، عبداللہ، جابر اور اسامہ نافع سے راوی ہیں، نیز ابوداؤد عبداللہ ابن واقد سے راوی ہیں اور طحاوی اسمٰعیل ابن عبدالرحمٰن سے راوی ہیں۔ چاروں (سالم، نافع، عبداللہ ابن واقد، اسمٰعیل) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے (ناقل ہیں) (ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی نے جس طرح یہاں جمع وتلخیص طرق کی اکمال المحجہ وایضاح الحجہ کیلئے اُن کے اکثر نصوص والفاظ بھی وارد کرے وباللہ التوفیق، سنن **ابوداؤد** میں بسند صحیح ہے:

حدثنا محمد بن عبید المحاربی نامحمد بن فضیل عن ابیه عن نافع وعبداللہ بن واقد ان مؤذن ابن عمر	یعنی نافع وعبداللہ بن واقد دونوں تلامذہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مؤذن نے نماز کا تقاضا کیا، فرمایا چلو

قال: الصلاة،قال: سر،حتی اذاکان قبل غیوب الشفق نزل۔فصلی المغرب،ثم انتظر حتی غاب الشفق فصلی العشاء،ثم قال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اذا عجل به امر صنع مثل الذی صنعت فسار فی ذلك الیوم واللیلة مسیرة ثلث[1]۔	یہاں تک کہ شفق ڈوبنے سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر انتظار فرمایا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشا پڑھی پھر فرمایا: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی جلدی ہوتی تو ایسا ہی کرتے جیسا میں نے کیا۔ابن عمر نے اس دن رات میں تین رات دن کی راہ قطع کی (م)

ابوداود نے فرمایا:

رواہ ابن جابر عن نافع نحو ھذا باسنادہ حدثنا ابراھیم بن موسٰی الرازی انا عیسٰی ابن جابر بھذا المعنی ورواہ عبداللہ بن العلاء عن نافع،قال: حتی اذاکان عندذھاب الشفق نزل فجمع بینھما[2]۔	اس کو ابن جابر نے نافع سے اسی طرح روایت کیا ہے مع اسناد کے حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم ابن موسٰی رازی نے،اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں عیسٰی ابن جابر نے اس مفہوم کے ساتھ اور روایت کیا ہے اسکو عبداللہ بن علاء نے نافع سے کہ انہوں نے کہا: جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہُوئی اتر کر دونوں نمازیں جمع کیں۔(ت)

نسائی کی روایت بسند صحیح یوں ہے:

اخبرنا محمود بن خالدثنا الولید ثنا ابن جابر ثنی نافع قال: خرجت مع عبداللہ بن عمر فی سفر،یرید ارضاله،فاتاہ	یعنی نافع فرماتے ہیں عبداللہ بن عمر اپنی ایک زمین کو تشریف لیے جاتے تھے کسی نے آکر کہا آپ کی زوجہ صفیہ[عہ] بنت ابی عبید اپنے حال میں مشغول ہیں شاید ہی

عــہ: ھی اخت مختار الکذاب المشھور،وابوھا ابوعبید رضی اللہ تعالٰی عنه من الصحابة.استشھد فی خلافة امیرالمؤمنین،اما	صفیہ، مشہور مختار کذاب کی بہن تھیں۔ان کے والد ابوعبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابہ میں سے تھے،امیرالمومنین کی خلافت کے دوران شہید ہوگئے تھے۔(باقی برصفحہ آئندہ)

---
[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۱

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۱

آتٍ فقال: ان صفیة بنت ابی عبید لمابھا، فانظران تدرکھا۔فخرج مسرعا،ومعہ رجل من قریش یسایرہ،وغابت الشمس فلم یصل الصلاۃ،وکان عھدی بہ وھو یحافظ علی الصلاۃ،فلما ابطاء **قلت:** الصلاۃ،یرحمك الله، فالتفت ای ومضی،حتی اذاکان فی اٰخر الشفق نزل فصلی المغرب،ثم اقام العشاء وقد تواری الشفق فصلی بنا،ثم اقبل علینا،فقال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذاعجل بہ السیر صنع ھکذا [1]۔	آپ انہیں زندہ پائیں۔یہ سُن کر بہ سُرعت چلے اور اُن کے ساتھ ایک مرد قریشی تھا سُورج ڈوب گیا اور نماز نہ پڑھی اور میں نے ہمیشہ اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے تھے جب دیر لگائی میں نے کہا نماز خدا آپ پر رحم فرمائے میری طرف پھر کر دیکھا اور آگے روانہ ہُوئے جب شفق کا اخیر حصّہ رہا اُتر کر مغرب پڑھی پھر عشا کی تکبیر اس حال میں کہی کہ شفق ڈوب چکی اُس وقت عشا پڑھی پھر ہماری طرف منہ کرکے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے۔(م)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ھی،ففی عمدۃ القاری،ادرکت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسمعت منہ۔اھ وفی ارشاد الساری،الصحابیة الثقفیة اخت المختار،وکانت من العابدات۔اھ لکن قال الحافظ فی التقریب: قیل لھا ادراک،وانکرہ الدارقطنی،وقال العجلی: ثقه فھی من الثانیة۔اھ وحقق فی الاصابة نفی السماع واثبات الادراك ظنا،فراجعہ۔وقدحدث عن ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھن وسلم ۱۲ منہ (م)

صفیہ کے بارے میں عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا۔اور ارشاد الساری میں ہے کہ یہ بنی ثقیف سے تعلق رکھنے والی صحابیہ تھیں اور مختار کی بہن تھیں،عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔لیکن حافظ نے تقریب میں لکھا ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ پایا تھا لیکن دارقطنی نے اس کا انکار کیا ہے اور عجلی نے کہا ہے کہ ثقہ تھیں۔اس لحاظ سے یہ طبقہ ثانیہ میں ہوں گی (یعنی تابعیات سے) اصابہ میں ثابت کیا ہے کہ صفیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تو نہیں سنا البتہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا زمانہ پایا ہو۔اس سلسلے میں اصابہ کی طرف رجوع کرو۔صفیہ نے ازواج مطہرات سے احادیث بیان کی ہیں۔(ت)

1 سنن نسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافرالخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۹۹/۱

اسی طرح امام طحاوی نے روایت کی فقال حدثنا ربیع المؤذن ثنا بشر بن بکرثنی ابن جابر ثنی نافع فذکرہ۔[1] نیز نسائی نے بسند حسن بطریق اخبرنا قتیبة بن سعید حدثنا العطاف [2] اور ابو جعفر نے بطریق حدثنا یزید بن سنان ثنا ابوعامر العقدی ثنا العطاف بن خالد المخزومی [3] اور امام فقیہ نے حجج میں بلاواسطہ روایت کی کہ اخبرنا عطاف بن خالد المخزومی المدینی قال اخبرنا نافع قال اقبلنا مع ابن عمر من مکة، حتی اذاکان ببعض الطریق استصرخ علی زوجته، فقیل له انها فی الموت، فاسرع السیر، وکان اذا نودی بالمغرب نزل مکانه فصلی، فلما کان تلك اللیلة نودی بالمغرب فسار حتی امسینا فظننا انه نسی، فقلنا: الصلاۃ، فسار حتی اذاکان الشفق قرب ان یغیب نزل فصلی المغرب، وغاب الشفق فصلی العشاء ثم اقبل علینا فقال: ھکذا کنا نصنع مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجدبنا السیر۔ (یعنی امام نافع فرماتے ہیں راہِ مکّہ میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب شفق ڈوبنے کے قریب ہُوئی اُتر کر مغرب پڑھی اور شفق ڈوب گئی اب عشاء پڑھی پھر ہماری طرف مُنہ کرکے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے تھے جب چلنے میں کوشش ہوتی تھی) امام عیسٰی بن ابان نے اسے روایت کرکے فرمایا: وھکذا قال ابوحنیفة فی الجمع بین الصلاتین ان یصلی الاول منهما فی اٰخر وقتها، والاخری فی اول وقتها، کما فعل عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما، ورواہ عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم [4] (یعنی دو۲ نمازیں جمع کرنے میں یہی طریقہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب ہے کہ پہلی کو اس کے آخر وقت اور پچھلی کو اُس کے اوّل وقت میں پڑھے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خود کیا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا) نیز امام طحاوی نے اور طریق سے یوں روایت کی: حدثنا فحدثنا الحمانی ثنا عبدالله بن المبارك عن اسامه بن زید اخبرنی نافع، وفیه حتی اذاکان عند غیبوبة الشفق فجمع بینهما وقال رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصنع ھکذا اذاجدبه السیر [5] (یعنی جب شفق ڈوبنے کے نزدیک ہوئی اُتر کر دونوں نمازیں جمع کیں اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یوں ہی کرتے دیکھا جب حضور کو سفر میں

---

1 شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

2 سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافربین المغرب والعشائ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۷۰

3 شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

4 کتاب الحجۃ باب الجمع الصلوٰۃ فی السفر دار المعارف نعمانیہ لاہور ۱/۱۷۴، ۱۷۵

5 شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

جلدی ہوتی) یہ طرق حدیث نافع عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تھے، اور صحیح بخاری ابواب التقصیر باب ھل یؤذن اویقیم اذاجمع بین المغرب والعشاء میں یوں ہے: حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری قال اخبرنی سالم عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلاۃ المغرب حتی یجمع بینھا وبین العشاء۔قال سالم، وکان عبداللہ یفعلہ اذاعجلہ السیر، ویقیم المغرب فیصلیھا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیھا رکعتین[1]۔الحدیث۔ اُسی کے باب یصلی المغرب ثلثا فی السفر میں بطریق مذکور وکان عبداللہ یفعلہ اذاعجلہ السیر تک روایت کرکے فرمایا[2] وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شھاب قال سالم کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما یجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفۃ۔قال سالم: واخر ابن عمر المغرب، وکان استصرخ علٰی امرأتہ صفیۃ بنت ابی عبید، فقلت لہ: الصلاۃ، فقال: سر، فقلت لہ: الصلاۃ، فقال: سر، حتی سارمیلین اوثلثۃ، ثمّ نزل فصلی، ثم قال: ھکذا رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاعجلہ السیر یؤخر المغرب فیصلیھا ثلثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیھا رکعتین[3] الحدیث۔ (ان دونوں روایتوں کا حاصل یہ کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ایامِ حج میں ذی الحجہ کی دسویں رات مزدلفہ میں مغرب وعشاء جمع کرکے پڑھتے اور جب اپنی بی بی کی خبر گیری کو تشریف لے گئے تھے تو یوں کیا کہ مغرب کو آخر کیا، میں نے کہا نماز، فرمایا چلو، میں نے پھر کہا نماز۔فرمایا چلو، دو ۲ تین ۳ میل چل کر اُترے اور نماز پڑھی، پھر فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سفر میں جلدی ہوتی ایسا ہی کرتے، مغرب اخیر کرکے تین ۳ رکعت پڑھتے پھر سلام پھیر کر تھوڑی دیر انتظار فرماتے پھر عشا کی اقامت فرما کر دو ۲ رکعت پڑھتے) نسائی کے یہاں یوں ہے: اخبرنی محمد بن عبداللہ بن بزیع حدثنا یزید بن ذریع حدثنا کثیر بن قارَوَنْدا قال: سألت سالم بن عبداللہ عن صلاۃ ابیہ فی السفر وسألناہ ھل کان یجمع بین شیئ من صلاتہ فی سفرہ؟ فذکر ان صفیۃ بنت ابی عبید کانت تحتہ فکتبت الیہ، وھو فی زراعۃ لہ، انی فی اٰخر یوم من ایام الدنیا واول یوم من

---

[1] جامع صحیح البخاری باب ھل یؤذن اویقیم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

[2] جامع صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثانی السفر ۱/۱۴۸

[3] جامع صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثانی السفر ۱/۱۴۸

الاخرۃ، فرکب فاسرع السیر الیہا، حتی اذاحانت صلاۃ الظہر قال لہ المؤذن: الصلاۃ یااباعبدالرحمٰن! فلم یلتفت، حتی اذاکان بین الصلاتین نزل، فقال: اقم، فاذا سلمت فاقم، فصلی ثم رکب حتی اذاغابت الشمس، قال لہ المؤذن: الصلاۃ، فقال: کفعلك فی صلاۃ الظہر والعصر، ثم سار حتی اذا اشتبکت النجوم نزل، ثم قال المؤذن: اقم فاذاسلمت فاقم، فصلی ثم انصرف فالتفت الینا فقال، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاحضر احدکم الامر الذی یخاف فوتہ فلیصل ھذہ الصلاۃ[1]۔ (خلاصہ یہ کہ جب صفیہ کاخط پہنچا کہ اب میرادمِ واپسیں ہے ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شتاباں چلے، نماز کیلئے ایسے وقت اُترے کہ ظُہر کاوقت جانے کو تھا اور عصر کاوقت آنے کو، اُس وقت ظہر پڑھ کر عصر پڑھی اور مغرب کے لئے اُس وقت اُترے جب تارے خُوب کھِل آئے تھے (جس وقت تک بلاعذر مغرب میں دیر لگانی مکروہ ہے، اُسے پڑھ کر عشاء پڑھی اور کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کسی کوایسی ضرورت پیش آئے جس کے فوت کااندیشہ ہوتواس طرح نماز پڑھے) نیز اسی حدیث میں دوسرے طریق سے یوں زائد کیا: اخبرنا عبدۃ بن عبدالرحیم ثنا ابن شمیل ثنا کثیر بن قارَوَندا قال سألنا سالم بن عبداللہ عن الصلاۃ فی السفر، فقلنا اکان عبداللہ یجمع بین شیئ من الصلاۃ فی السفر؟ فقال لا الا یجمع[2] یعنی ہم نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سوال کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سفر میں کسی نماز کو دُوسری کے ساتھ جمع فرماتے تھے کہانہ سوامزدلفہ کے) (جہاں کاملانا سب کے نزدیک بالاتفاق ہے) پھر وہی حدیث بیان کی کہ اُس سفر میں اُس طریق سے نمازیں پڑھی تھیں۔ اس حدیث جلیل کے اتنے طُرق کثیرہ ہیں جن سے آفتاب کی طرح روشن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سفر میں بحال شتاب وضرورت جمع صوری فرمائی ہے اور یہی ہمارے ائمہ کرام کامذہب ہے۔

حدیث ۲: امام اجل احمد بن حنبل مسند اور ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم مصنف میں بسند حسن بطریق اپنے شیخ وکیل بن الجراح کے اور امام طحاوی معانی الآثار میں بطریق حدثنا فھد ثنا الحسن بن البشیر ثنا المعافی بن عمران کلاھما عن مغیرہ بن زیاد الموصلی عن عطاء بن

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافرالخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۸

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافرالخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

ابی رباح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر یؤخر الظھر ویقدم العصر ،ویؤخر المغرب ویقدم العشاء [1] (حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں ظہر کو دیر فرماتے عصر کو اول وقت پڑھتے مغرب کی تاخیر فرماتے عشاء کو اوّل وقت پڑھتے)

حدیث ۳: ابوداؤد اپنی سنن باب متی یتم المسافر اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں بسند حسن جید متصل حضرت عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب وہ اپنے والد ماجد محمد بن عمر بن علی وہ اپنے والد ماجد عمر بن علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کرتے ہیں: ان علیًا کان اذاسافر سار بعد ما تغرب الشمس حتی تکاد ان تظلم ،ثم ینزل فیصلی المغرب ،ثم یدعو بعشائہ فیتعشی ،ثم یصلی العشاء ،ثم یرتحل۔ ویقول: ھکذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصنع [2]۔ (یعنی امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی جب سفر فرماتے سورج ڈوبے پر چلتے رہتے یہاں تک کہ قریب ہوتا کہ تاریکی ہوجائے پھر اُتر کر مغرب پڑھتے پھر کھانا منگا کر تناول فرماتے پھر عشاپڑھ کر کُوچ کرتے اور کہتے اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے تھے)۔ امام عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کی سند کو فرمایا: لاباس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں)۔

حدیث ۴: طحاوی بطریق ابی خثیمہ عن عاصم الاحول عن ابی عثمٰن راوی قال وفدت انا وسعد بن مالك ونحن بنادر للحج ،فکنا نجمع بین الظھر والعصر ،نقدم من ھذہ ونؤخر من ھذہ ،ونجمع بین المغرب والعشاء ،نقدم من ھذہ ونؤخر من ھذہ ،حتی قدمنا مکۃ [3] (یعنی میں اور حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ حج کی جلدی میں مکہ معظّمہ تک ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو یوں جمع کرتے گئے کہ ظہر ومغرب دیر کرکے پڑھتے اور عصر وعشا جلد)

حدیث ۵: نیز امام ممدوح عبدالرحمٰن بن یزید سے راوی صحبت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حجہ فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر ،ویؤخر المغرب ویعجل العشاء ،ویسفر بصلاۃ الغداۃ [4]۔ (میں حج میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ رکاب تھا ظہر میں دیر فرماتے

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] سنن ابی داؤد باب متی یتم المسافر مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/ ۱۷۳

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۴

[4] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۴)

اور عصر میں تعجیل مغرب میں تاخیر کرتے عشاء میں جلدی اور صبح روشن کرکے پڑھتے) امام ممدوح ان احادیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں:

وجمیع ماذھبنا الیہ من کیفیۃ الجمع بین الصلاتین قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی [1]۔	نمازیں جمع کرنے کا یہ طریقہ جو ہم نے اس باب میں اختیار فرمایا یہ سب امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد کامذہب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (م)

الحمدللہ جمع صوری کا طریقہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت مولی علی وعبداللہ بن مسعود وسعد بن مالک وعبداللہ بن عمرو غیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روشن وجہ پر ثابت ہوااور امام لامذہبان کا وہ جبروتی ادعا کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں، اور اس سے بڑھ کر یہ بانگ بے معنی کہ یہ روایات جن سے جمع صوری کرنی ابن عمر کی واضح ہوتا ہے سب واہیات اور مردود اور شاذ اور مناکیر ہیں اور بشدت حیایہ خاص جحود وافترا کہ ابن عمر نے اس کیفیت سے ہرگز نمازیں جمع نہیں کیں جیسا کہ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے [2] اپنی سزائے کردار کو پہنچا اب ایضاح مرام وازاحت اوہام کو چند افادات کا استماع کیجئے۔

افادہ اولٰی: لامذہب ملّا کو جب کہ انکار جمع صوری میں چاند پر خاک اُڑانی تھی اور احادیث مذکورہ صحاح مشہورہ میں موجود و متداول تو بے رَد صحاح چارہ کار کیا تھا لہٰذا بایں پیرانہ سالی حضرت کے رقص جملی ملاحظہ ہوں:

لطیفہ ۱: ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث جلیل وعظیم کے پہلے طریق صحیح مروی سنن ابی داود کو محمد بن فضیل کے سبب ضعیف کیا۔

اقول اوّلاً: یہ بھی شرم نہ آئی کہ یہ محمد بن فضیل صحیح بخاری وصحیح مسلم کے رجال سے ہے۔

ثانیاً: امام ابن معین جیسے شخص نے ابن فضیل کو ثقہ امام احمد نے حسن الحدیث، امام نسائی نے لاباس بہ (اس میں کوئی نقص نہیں۔ت) کہا، امام احمد نے اُس سے روایت کی اور وہ جسے ثقہ نہیں جانتے اُس سے روایت نہیں فرماتے میزان میں اصلاً کوئی جرح مفسّر اُس کے حق میں ذکر نہ کی۔ **ثالثاً:** یہ بکف چراغی قابل تماشا کہ ابن فضیل کے منسوب برفض ہونے کا دعوی کیا اور ثبوت میں عبارت تقریب رمی بالتشیع ملّاجی کو بایں سالخوردی ودعوی محدثی آج تک اتنی خبر نہیں کہ محاوراتِ سلف و

---

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین صلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۴

[2] معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلوٰتین مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۹۶

اصطلاح محدثین میں تشیع و رفض میں کتنا عـہ فرق ہے۔

زبان متاخرین میں شیعہ روافض کو کہتے ہیں خذلھم اللہ تعالٰی جمیعا بلکہ آج کل کے بیہودہ مہذبین روافض کو رافضی کہنا خلافِ تہذیب جانتے اور انہیں شیعہ ہی کے لقب سے یاد کرنا ضروری مانتے ہیں خود مُلّاجی کے خیال میں اپنی مُلّائی کے باعث یہی تازہ محاورہ تھا یا عوام کو دھوکا دینے کیلئے متشیع کو رافضی بنایا حالانکہ سلف میں جو تمام خلفائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ حُسنِ عقیدت رکھتا اور حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو اُن میں افضل جانتا شیعی کہا جاتا بلکہ جو صرف امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تفضیل دیتا اُسے بھی شیعی کہتے ہیں حالانکہ یہ مسلک بعض علمائے اہلسنّت کا تھا اسی بناء پر متعدد ائمہ کوفہ کو شیعہ کہا گیا بلکہ کبھی محض غلبہ محبت اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو شیعیت سے تعبیر کرتے حالانکہ یہ محض سنیت ہے امام ذہبی نے تذکرۃ الحفّاظ میں خود انہیں محمد بن فضیل کی نسبت تصریح کی کہ ان کا تشیع صرف موالات تھا وبس۔

حیث قال: محمد بن فضیل بن غزوان، المحدث الحافظ، کان من علماء ھذا الشان، و ثقه یحیٰی بن مَعین، وقال احمد: حسن الحدیث، شیعی۔ **قلت:** کان متوالیا فقط[1]۔	چنانچہ ذہبی نے کہا ہے کہ محمد ابن غزوان، جو کہ محدّث اور حافظ ہے، حدیث کے علماء میں سے تھا یحیٰی ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے اور احمد نے کہا ہے کہ اچھی حدیثیں بیان کرتا ہے مگر شیعہ ہے۔ میں نے کہا" صرف اہلِ بیت سے محبت رکھتا تھا"۔ (ت)

رابعًا: ذرا رواۃ صحیحین دیکھ کر شیعی کو رافضی بنا کر تضعیف کی ہوتی، کیا بخاری و مسلم سے بھی

عـہ: کماصرحوا به وتدل علیه محاوراتھم، منھا مافی المیزان فی ترجمة الحاکم بعد ماحکی القول برفضه، الله یحب الانصاف، ماالرجل برافضی بل شیعی فقط اھ ۱۲ منه (م)

جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور ان کے محاورات سے بھی واضح ہے۔ مثلاً میزان میں حاکم کے حالات میں کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ رافضی تھا۔ اس کے بعد کہا ہے "اللہ انصاف کو پسند کرتا ہے، یہ آدمی رافضی نہیں ہے، صرف شیعہ ہے"۔ (ت)

[1] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ محمد بن فضیل مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱/۲۹۰

ہاتھ دھونا ہے ان کے رواۃ عـــہ میں تیس ۳۰ سے زیادہ ایسے لوگ ہیں جنہیں اصطلاح قدماء پر بلفظ تشیع ذکر کیا جاتا یہاں تک کہ تدریب میں حاکم سے نقل کیا کتاب مسلم ملاٰن من الشیعۃ [1] (مسلم کی کتاب شیعوں سے بھری ہوئی ہے۔ت) دُور کیوں جائیے خود یہی ابن فضیل کہ واقع کے شیعی صرف بمعنی محب اہل بیت کرام اور آپ کے زعم میں معاذاللہ رافضی صحیحین کے راوی ہیں۔

خامسًا: اُس کے ساتھ ہی حدیث کی متابعتین دو ۲ ثقات عدول ابن جابر وعبداللہ بن العلا سے ابوداود نے ذکر کردیں اور سنن نسائی وغیرہ میں بھی موجود تھیں پھر ابن فضیل پر مدار کب رہا ولکن الجھلۃ لایعلمون (لیکن جاہل جانتے نہیں ہیں۔ت) اور یہ تو ادنٰی نزاکت ہے کہ تقریب میں ابن فضیل کی نسبت صدوق عارف لکھا تھا ملّاجی نے نقل میں عارف اُڑادیا کہ جو کلمہ مدح کم ہو وہی سہی۔

لطیفہ ۲: طرفہ تماشا کہ متابعت ابن جابر جو امام داؤد نے ذکر کی آپ اسے یوں کہہ کر ٹال گئے کہ وہ تعلیق ہے اور تعلیق حجت نہیں اب کون کہے کہ کسی سے آنکھیں قرض ہی لے کر دیکھیے کہ ابوداؤد نے رواہ ابن جابر عن نافع کہہ کر اُسے یوں ہی معلق چھوڑدیا یا وہیں حدثنا ابرھیم بن موسٰی الرازی اناعیسی عن ابن جابر [2] فرماکر موصول کردیا ہے ولکن النجدیۃ لایبصرون

لطیفہ ۳: امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن کیا کہ وہ ف غریب الحدیث ہے

عـــہ: مثلًا ابان بن تغلب، اسمٰعیل بن ابان ورّاق، اسمٰعیل بن زکریا، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سُدی صدوق یھم، بکیر بن عبداللّٰہ، جریر بن عبدالحمید، جعفر بن سلیمٰن، حسن بن صالح، خالد بن مخلد قطوانی، ربیئع بن انس صدوق لہ اوھام، زاذان کندی، سعید بن فیروز، سعید بن عمرو ھمدانی، عباد بن یعقوب رواجنی، عبادبن عوام کلابی، عبداللّٰہ بن عمر مشکدانہ، عبداللّٰہ بن عیسٰی کوفی، عبدالرزاق، صاحبِ مصنّف، عبدالملک بن اعین، عبیداللّٰہ بن موسٰی، عدی بن ثابت، علی بن الجعد، علی بن ھاشم بن البرید، فضل بن دُکین ابونعیم، فضیل بن مرزوق، فطربن خلیفۃ، مالک بن اسمٰعیل نھدی، محمد بن اسحٰق صاحبِ مغازی، محمد بن جحادہ اور یھی محمد بن فضیل، ھشام بن سعد، یحیی بن الجزار وغیرھم ۱۲ منہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ المبتدع مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۳۲۵

[2] سنن ابوداؤد باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۱

ف۔ معیار الحق ص ۳۹۶

ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف قالہ الحافظ فی التقریب۔

اقول اولاً: ذرا شرم کی ہوتی کہ یہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں صحیح حدیثیں رَد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا[1] تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں **ثقة یغرب**[2] ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ فلاں یغرب اور فلاں غریب الحدیث میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

خامساً: باوصف ثقہ ہونے کے مجرد اغراب باعث رد ہو تو صحیحین سے ہاتھ دھولیجئے، یہ اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھی کہ بخاری ومسلم کے رجال میں کتنوں عــہ کی نسبت یہی لفظ کہا ہے اور وہاں یہ بشر خود ہی جو رجال بخاری سے ہیں۔

سادساً: ذرا میزان تو دیکھئے کہ **اما بشر بن بکر التنیسی فصدوق ثقة لاطعن فیه**[3] (یعنی بشر بن بکر تنیسی خُوب راست گو ثقہ ہیں جن میں اصلاً کسی وجہ سے طعن نہیں) کیوں شرمائے تو نہ ہوگے ایسی ہی اندھیری ڈال کر جاہلوں کو بہکادیا کرتے ہو کہ حنفیّہ کی حدیثیں ضعیف ہیں ع

شرم بادت از خدا واز رسول

عــہ: مثلاً ابرھیم بن طھمان، بشربن خالد، ابرھیم بن سوید بن حبان، بشیربن سلمان، حسن بن احمد بن ابی شبیب، محمد بن عبدالرحمٰن بن حکیم وغیرھم کہ سب ثقہ یغرب ہیں۔ احمد بن صباح حکام بن مسلم وغیرھما ثقۃ لہ غرائب خصوصا ازھر بن جمیل، خالد بن قیس، ابراھیم بن اسحٰق وغیر ھم کہ صدوق یغرب یہ تینوں بشر بن بکر سے بھی گئے درجے کے ہوئے کہ ثقہ سے اتر کر طرف صدوق ہیں ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۴۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ بشر بن بکر التنیسی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۴۴

[3] میزان الاعتدال فی ترجمۃ بشر بن بکر ۱۱۸۶ مطبوعہ دار المعرفت بیروت لبنان ۱/۳۱۴

لطیفہ ۴: طریق ابن جابر سے سنن نسائی کی حدیث کو ولید بن قاسم سے رَد کیا کہ روایت میں اُس سے خطا ہوتی تھی کہا تقریب میں صدوق یخطی۔

اقول اولا: مسلمانو! اس تحریفِ شدید کو دیکھنا اسنادِ نسائی میں یہاں نام ولید غیر منسوب واقع تھا کہ **اخبرنا محمود بن خالد ثنا الولید ثنا ابن جابر ثنا نافع الحدیث**[1]۔ مُلّاجی کو چالاکی کا موقع ملا کہ تقریب میں اسی طبقہ کا ایک شخص رواۃ نسائی سے کہ نام کا ولید اور قدرے متکلم فیہ ہے چھانٹ کر اپنے دل سے ولید بن قاسم تراش لیا حالانکہ یہ ولید بن قاسم نہیں ولید بن مسلم ہیں رجال صحیح مسلم وائمہ ثقات وحفاظ اعلام سے اسی تقریب میں ان کے ثقہ ہونے کی شہادت موجود، ہاں تدلیس کرتے ہیں مگر بحمداللہ اُس کا احتمال یہاں مفقود کہ وہ صراحۃً حدثنا ابن جابر قال حدثنی نافع فرمارہے ہیں۔ میزان میں ہے:

الولیدبن مسلم ابوالعباس الدمشقی، احد الاعلام وعالم اهل الشام۔له مصنفات حسنة، قال احمد: مارأیت فی الشامیین اعقل منه۔ وقال ابن المدینی : عنده علم کثیر۔قال ابو مسهر : الولید مدلس، قلت : اذاقال الولید : عن ابن جریج اوعن الاوزاعی، فلیس بمعتمد لانه یدلس عن کذابین، فاذاقال: حدثنا فهو حجة[2] اھ ملخصًا۔	ولید ابن مسلم ابوالعباس دمشقی۔ بلند مرتبہ لوگوں میں سے ایک، شام کا عالم، اس کی تصنیفات عمدہ ہیں احمد نے کہا ہے کہ میں نے شامیوں میں اس سے زیادہ عقل مند آدمی نہیں دیکھا۔ ابن مدینی نے کہا کہ اس کے پاس بہت علم ہے۔ ابو مسہر نے کہا ہے کہ ولید مدلّس ہے۔ میں نے کہا: جب ولید عن ابن جریج یا عن الاوزاعی کہے تو قابلِ اعتماد نہیں ہے لیکن جب حدثنا کہے تو مستند ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مُلّاجی ؎

در بساط نکتہ داناں خودفروشی شرط نیست
یا سخن دانستہ گو اے مرد غافل یا خموش

(نکتہ دانوں کی مجلس میں اپنے آپ کو بیچ دینا ضروری نہیں ہے اے مردِ غافل! یا توسوچ سمجھ کر بات کر یا خاموش رہ)

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

[2] میزان الاعتدال فی ترجمۃ ولید بن مسلم ۹۴۰۵ دارالمعرفت بیروت، ۴/۳۴۷۔۳۴۸

تم نے جانا کہ آپ کے کید پر کوئی آگاہ نہ ہوگا ذرا بتایئے تاکہ آپ نے ولید کا ولید بن قاسم کس دلیل سے متعین کرلیا، کیا اس طبقہ میں اس نام کا رواۃ نسائی میں کوئی اور نہ تھا اگر اب عاجز آکر ہم سے پوچھنا ہو کہ تم نے ولید بن مسلم کیسے جانا اوّل تو بقانون مناظرہ جب آپ غاصب منصب ہیں ہم سے سوال کا محل نہیں اور استفادۃً پُوچھو تو پہلے اپنی جزاف کا صاف صاف اعتراف کرو پھر شاگردی کیجئے تو ایک یہی کیا بعونہ تعالٰی بہت کچھ سکھادیں وہ قواعد بتادیں جس سے اسمائے مشترکہ میں اکثر جگہ تعین نکال سکو۔

ثانیا: بفرض غلط ابن قاسم ہی سہی پھر وہ بھی کب مستحقِ رَد ہیں امام احمد نے اُن کی توثیق فرمائی، اُن سے روایت کی، محدثین کو حکم دیا کہ اُن سے حدیث لکھو۔ ابنِ عدی نے کہا: **اذا روی عن ثقة فلا باس به**[1] (وہ جب کسی ثقہ سے روایت کریں تو اُن میں کوئی عیب نہیں) اور ابن جابر کا ثقہ ہونا خود ظاہر۔

ثالثا: ذرا رواۃ صحیح بخاری و مسلم پر نظر ڈالے ہُوئے کہ اُن میں کتنوں عـــہ کی نسبت تقریب میں یہی صدوق

عـــہ: مثلًا اسمٰعیل بن مجالد، اشھل بن حاتم، بشر بن عبیس، حارث بن عبید، حبیب بن ابی حبیب، حجاج بن ابی زینب، حسان بن ابرھیم، حسان بن حسان بصری، حسان بن عبداللہ کندی، حسن بن بشر بن سلم، حسن بن ذکوان ورمی بالقدر، خالد بن خداش، خالد بن عبدالرحمٰن السلمی، شریك بن عبداللہ بن ابی بر، عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار، عبدالمجید بن عبدالعزیز، مسکین بن بکیر، معقل بن عبیداللہ وغیرھم ان سب پر وہی حکم صدوق یخطئ لگایا ہے خلیفة بن خیاط، عبداللہ بن عمر نمیری، عبدالرحمن بن حرملہ اسلمی، عبدالرحمن بن عبداللہ بن عبید، یحیٰی بن ابی اسحٰق حضرمی وغیرھم صدوق ربما اخطأ ہیں، اب زیادہ کی بعض مثالیں لیجئے حجاج بن ارطاة صدوق کثیر الخطاء والتدلیس، شریك بن عبداللہ نخعی صدوق یخطئ کثیرا تغیر حفظه، صالح بن رستم المزنی صدوق کثیر الخطاء، عبداللہ بن صالح صدوق کثیر الغلط ثبت فی کتابه وکانت فیه غفلة، فلیح بن سلیمان صدوق کثیر الخطاء، مطر الوراق صدوق کثیر الخطاء وحدیثه عن عطاء ضعیف، نعیم بن حماد صدوق یخطئ کثیرا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] الکامل لابن عدی فی ترجمۃ ولید ابن قاسم مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۷/ ۲۵۴۵

یخطئ بلکہ اس سے زائد کہا ہے کیا قسم کھائے بیٹھے ہو کہ صحیحین کارَد ہی کرو گے !

رابعًا: صحیح بخاری میں حسان بن حسان بصری سے روایت کی تقریب میں انہیں **صدوق یخطئ**[1] پھر حسان بن حسان واسطی کی نسبت لکھا **خلطه ابن مندة بالذی قبل فوھم ، وھذا ضعیف**[2] (ابن مندہ نے اسے پہلے کے ساتھ ملادیا ہے یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ یہ ضعیف ہے۔ت) دیکھو صاف بتادیا کہ جسے صدوق یخطی کہا وہ ضعیف نہیں، مُلّاجی اپنی جہالت سے مردود واہیات گارہے ہیں۔

لطیفہ ۵: حدیث صحیح نسائی وطحاوی وعیسٰی بن ابان بطریق عطاف عن نافع کو عطاف سے معلول کیا کہ وہ وہمی ہے کہا تقریب میں **صدوق یھم**۔

اقول اوّلاً: عطاف کو امام احمد وامام ابن معین نے ثقہ کہا وکفی بھما قدوۃ میزان میں ان کی نسبت کوئی جرح مفسّر منقول نہیں۔

ثانیًا: کسی سے پڑھو کہ وہمی اور صدوق یھم میں کتنا فرق ہے۔

ثالثًا: صحیحین سے عداوت کہاں تک بڑھے گی تقریب ملاحظہ ہو کہ آپ کے وہم کے ایسے وہمی عـہ اُن میں کس قدر ہیں۔

رابعًا: بالفرض یہ سب رواۃ مطعون ہی سہی مگر جب بالیقین اُن میں کوئی بھی درجہ سقوط میں نہیں تو تعدّد طرق سے پھر حدیث حجت تامہ ہے **ولکن الوھابیة قوم یجھلون** (لیکن وہابی جاہل لوگ ہیں۔ت)

عـہ: مثل ابرھیم بن یوسف بن اسحاق، اسامه بن زید اللیثی، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن السدی، ایمن بن نابل، جابر بن عمرو، جبر بن نوف، حاتم بن اسمٰعیل، حرب بن ابی العالیه، حرمی بن عمارہ، حزم بن ابی حزم، حسن بن الصباح، حسن بن فرات، حمید بن زیاد، ربیعه بن کلثوم، عبدالله بن عبدالله بن اویس وغیرھم سب صدوق یھم ہیں احوص بن جواب، حمزہ بن جیب زیات امام قراءت، معاذ بن ھشام، عاصم بن علی بن عاصم وغیرھم سب صدوق ربما وھم بلکہ عطاء بن ابی مسلم صدوق یھم کثیرا ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

---

[1] تقریب التہذیب فی ترجمہ ابن حسان الواسطی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۶۸

[2] تقریب التہذیب فی ترجمہ ابن حسان الواسطی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۶۸ ف، معیار الحق ص ۳۹۶

لطیفہ ۶: آپ کے امتحان علم کو پُوچھا جاتا ہے کہ روایت طحاوی حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن المبارك عن اسامة بن زید اخبرنی نافع میں آپ نے کہاں سے معین کرلیا کہ یہ اُسامہ بن زید عدوی مدنی ضعیف الحافظ ہے، اسی طبقہ سے اسامہ بن زید لیثی مدنی بھی تو ہے کہ رجال صحیح مسلم وسُنن اربعہ وتعلیقات بخاری سے ہے جسے یحیٰی بن معین نے کہا: ثقہ ہے۔ ثقہ صالح ہے ثقہ حجت ہے[1] دونوں ایک طبقہ ایک شہر ایک نام کے ہیں اور دونوں نافع کے شاگرد، پھر منشاء تعیین کیا ہے اور آپ کی تو شاید اس سوال میں بھی وقت پڑے کہ کہاں سے مان لیا کہ یہ حمانی حافظ کبیر یحیٰی بن عبدالحمید صاحب مسند ہے جس کی جرح آپ نے نقل کی اور امام یحیٰی بن معین وغیرہ کا ثقہ اور ابن عدی کا ارجو انہ لاباس به[2] (مجھے امید ہے اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) اور ابن نمیر کا ھو اکبر من ھؤلاء کلھم، فاکتب عنه (وہ ان سب سے بڑا ہے، اس لئے میں اس سے حدیث لکھتا ہوں۔ت) کہنا چھوڑ دیا اسی طبقہ تاسعہ سے اُس کا والد عبدالحمید بن عبدالرحمٰن بھی تو ہے کہ رجال صحیحین سے ہے اور دونوں حمانی کہلائے جاتے ہیں کما فی التقریب۔

لطیفہ ۷: روایات نسائی بطریق کثیر بن قاروندا عن سالم عن ابیہ میں جھُوٹ کو بھی کچھ گنجائش نہ ملی تو اُسے یوں کہہ کر ٹالا کہ وہ شاذ ہے ف اس لئے کہ مخالف ہے روایات شیخین وغیرہما کے وہ ارجح ہیں سب سے بالاتفاق اور مقدم ہوتی ہیں سب پر جب کہ موافقت اور نسخ نہ بن سکے۔

اقول اوّلا: شیخین کا نام کس مُنہ سے لیتے اور اُن کی احادیث کو ارجح کہتے ہو یہ وہی شیخین تو ہیں جو محمد بن فضیل سے حدیثیں لاتے ہیں جسے تمہارے نزدیک رافضی کہا گیا اور حدیثوں کا پلٹ دینے والا اور موقوف کو مرفوع کردینے کا عادی تھا۔

ثانیا ثالثا رابعا: یہ وہی شیخین تو ہیں جن کے یہاں سب کے خلاف حدیثیں لانے والے حدیثوں میں خطا کرنے والے وہمی کئی درجن بھرے ہُوئے ہیں۔

خامسًا: مخالف شیخین کا دعوی محض باطل ہے جیسا کہ بعونہ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوتا ہے۔

لطیفہ ۸: اس حدیث جلیل صحیح کے رَد میں مُلّاجی نے جو جو چالاکیاں بیباکیاں برتیں اُن کا پردہ تو فاش ہوچکا، جابجا ثقات کو مجروح فرمایا، رواۃ بخاری ومسلم کو مردود ٹھہرایا، حدیث موصول کو معلق بنایا، متابعات سے آنکھیں بند کرلیں، نقلِ عبارت میں خیانتیں کیں، معانی میں تحریف کی راہیں لیں، راوی کو کچھ سے کچھ

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ اسامہ بن زید اللیثی ۷۰۵ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ یحیٰی بن عبدالحمید الحمانی ۹۵۶۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۹۲، ف معیار الحق ص ۳۹۷

بنالیا، مشترک کو جزافاً معین کردیا جہاں کچھ نہ بن پڑا مخالفتِ شیخین کا اعادہ کیا، اب خود حدیث صحیح بخاری شریف کو کیا کریں رجال بخاری کو رَد کردینا اور بات تھی کہ عوام کو ان کی کیا خبر، مگر خود حدیث بخاری کا نام لیکر رَد کرنے میں سخت مشکل پیش نظر، لہٰذا یہ چال چلے کہ لاؤ اسے بزورِ زبان وزورِ بہتان اپنے موافق بنالیجئے اس لئے حدیث مذکور باب ھل یوذن اویقیم کا ایک ٹکڑا جس میں وہ تین میل چل کر مغرب پڑھنے کا ذکر تھا اپنے ثبوت کی احادیث میں نقل کرکے فرمایا فیہ بات ادنٰی عاقل بھی جانتا ہے کہ بعد دخول وقت مغرب کے دو تین کوس مسافت چلیں تو اتنے میں شفق غائب ہوجاتی ہے اور وقت عشا کا داخل ہوجاتا ہے۔

اوّلاً: میل کا کوس بنایا کہ کچھ دیر بڑے دو ۲ میل کا تو سوا ہی کوس ہوا، اور تین ہی لیجئے جب بھی دو ۲ کوس پُورے نہیں پڑتے۔

ثانیاً اقول: فریبِ عوام کو چالاکی یہ کی کہ حدیث کا ترجمہ نہ کیا دو تین کوس مسافت چلیں لکھ دیا کہ جاہل سمجھیں غروب کے بعد پیادہ تین کوس چلے ہوں ترجمہ کرتے تو کھُلتا کہ سوار تھے اور کیسی سخت جلدی کی حالت میں تھے ہم نے حدیث ابوداؤد سے نقل کیا کہ اُنہوں نے اُس دن سہ ۳ منزلہ فرمایا تو صرف میل بھر یا اُس سے بھی کم چلنے کی دیر رہ گئی اگر پیادہ ہی چلئے تو اتنی دیر میں ہرگز وقتِ عشاء نہیں آتا تو حدیث سے مغرب کا وقت مغرب ہی میں پڑھنا پیدا تھا جسے صاف کایا پلٹ کردیا مکہ معظمہ اور اُس کے حوالی میں جن کا عرض مابین کا حہ ا-لت حہ ہے غروبِ شمس سے انحطاط حہ (کچھ لکھنا ہے) تک ہر موسم میں ایک ساعت فلکیہ سے زیادہ وقت رہتا ہے اور پھر مدینہ طیبہ کی طرف جتنے بڑھیے وقت بڑھتا جائے گا کما لایخفی علی العارف بالھیأۃ (جیسا کہ علمِ ہیئت جاننے والے پر ظاہر ہے۔ت) تو غروب سے گھنٹے بھر بعد بھی نمازِ مغرب وقت میں ممکن، آپ کے نزدیک جبکہ دو ۲ میل چلنے میں عشاء آجاتی ہے تو لازم کہ اتنی مسافت میں ایک گھنٹے سے زیادہ صرف ہونا واجب ہو، اور امام مالک مؤطا میں روایت فرماتے ہیں کہ حضرت امیر المؤمنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر سوار ہوئے اور موضع ملَل میں عصر کیلئے اُترے۔

مالك عن عمروبن یحیٰی المازنی عن ابن ابی سلیط ان عثمٰن بن عفان صلی الجمعۃ بالمدینۃ وصلی العصر بملل[1]۔	مالک، عمروبن یحیٰی المازنی سے، وہ ابن سلیط سے راوی کہ عثمان ابن عفان نے جمعہ مدینہ میں پڑھا اور عصر ملَل میں۔(ت)

ملَل مدینہ طیبہ سے سترہ ۱۷ میل ہے کما فی النھایۃ[2] (جیسا کہ نہایۃ میں ہے۔ت) بعض نے کہا اٹھارہ ۱۸ میل

---

[1] مؤطا امام مالک وقوت الصلوٰۃ، وقت الجمعۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ٦

[2] النہایۃ لابن اثیر المیم مع اللام لفظ ملَل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۳٦۲/۴، ف۔ معیار الحق ص ۳۷۵

کماحکاہ الزرقانی (جیسا کہ زرقانی نے بیان کیا ہے۔ت) ابن وضاح نے کہا بائیس ۲۲ میل کمانقلہ ابن رشیق عن ابن وضاح[1] (جیسا کہ ابن رشیق نے ابن وضاح سے نقل کیا ہے۔ت)

بلکہ بعض نسخِ مؤطا میں خود امام مالک سے اسی کی تصریح ہے قال مالک وبینھما اثنان وعشرون میلا (مالک نے کہا ہے کہ دونوں کے درمیان بائیس ۲۲ میل کا فاصلہ ہے۔ت) وہ سترہ ۱۷ ہی میل سہی آپ کے طور پر کوئی رات کے نو دس بجے تک عصر کا وقت رہا ہوگا کہ جمعہ پڑھنے سے آٹھ نو گھنٹے بعد امیر المومنین نے عصر ادا کی کہ مدینہ طیبہ اور اس کے حوالی میں جن کا عرض الہ حہ سے زائد نہیں مقدار نہار روز تحویل سرطان بھی صرف ح ت لح وّ ہے کمالایخفی علی من یعلم استخراج طول النھار من عرض البلاد (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں ہے جو عرض بلاد سے دن کی لمبائی کا استخراج کرسکتا ہو۔ت)

ثالثاً اقول: اسی لئے خود آخر حدیث بخاری میں مذکور تھا کہ مغرب کے بعد کچھ دیر انتظار کرکے عشاء پڑھی اگر خود عشاء ہی کے وقت میں مغرب پڑھتے تو ایسی جلدی واضطراب شدید کی حالت میں اب عشاء کیلئے انتظار کس بات کا تھا یہ ٹکڑا حدیث کا ہضم کرگیا کہ بھرم کھُلتا۔

رابعاً اقول: آپ تو اسی بحث میں فرما چکے کہ تعلیقات حجت نہیں صحیح بخاری میں یہ ٹکڑا جو آپ اپنی سند بناکر نقل کررہے ہیں تعلیقاً ہی مذکور تھا اصل حدیث بطریق حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب عن الزھری ذکر کی جس میں آپ کے اس مطلب کا کُچھ پتا نہ تھا اس کے بعد یہ ٹکڑا تعلیقاً بڑھایا کہ وزاد اللیث قال حدثنی یونس عن ابن شھاب، اب تعلیق کیوں حجت ہوگئی، وہاں تو آخر حدیث کو ہضم کیا تھا یہاں اول کلام تناول فرمایا کہ اپنا عیب نہ ظاہر ہو۔

خامساً اقول: آپ تو راوی کو اس کے وہم وخطا بلکہ صرف اغراب پر رَد فرماتے ہیں اگرچہ رجال بخاری ومسلم سے ہو، اب یہ تعلیق کیونکر مقبول ہوگئی اس میں زہری سے راوی یونس بن یزید ہیں جنہیں اسی تقریب میں فرمایا:

ثقۃ الا ان فی روایتہ عن الزھری وھما قلیلا وفی غیرالزھری خطأ[2]۔	ہیں تو ثقہ مگر زہری سے ان کی روایت میں کچھ وہم ہے اور غیر زہری سے روایت میں خطا۔

اثرم نے کہا: ضعف احمد امر یونس (امام احمد نے یونس کا کام ضعیف بتایا) امام ابن سعد

---

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا امام مالک زیرِ حدیث مذکور مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۶

[2] تقریب التہذیب حرف الیاء مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۲۸۷

نے کہا: لیس بحجة (یونس قابل احتجاج نہیں) امام وکیع بن الجراح نے کہا: سیئ الحفظ (یونس کا حافظہ بُرا ہے) یوں ہی امام احمد نے ان کی کئی حدیثوں کو منکر بتایا کل ذلك فی المیزان [1] (یہ سب میزان میں ہے۔ت)

تنبیہ: یہ ہم نے آپ کا ظلم وتعصب ثابت کرنے کو آپ کی طرح کلام کیا ورنہ ہمارے نزدیک نہ تعلیق مطلقاً مردود نہ یونس ساقط نہ وہم وخطا جب تک فاحش نہ ہوں موجب رد نہ یہ حدیث بخاری اصلاً تمہارے موافق بلکہ صراحۃً ہمارے مؤید وباللہ التوفیق چند اوہام یا کچھ خطائیں محدّث سے صادر ہونا نہ اُسے ضعیف کردیتا ہے نہ اُس کی حدیث کو مردود نہ وہ کہتے ہیں جو بالکل پاک صاف گزر گئے ہیں، یہ ہیں تمام محدثین کے امام الائمہ سفیٰن بن عیینہ جنھوں نے زہری سے روایت میں بیس ۲۰ سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھ میں اور علی بن مدینی میں مذاکرہ ہوا کہ زہری سے روایت میں ثابت تر کون ہے، علی نے کہا سفیٰن بن عیینہ، میں نے کہا امام مالک کہ ان کی خطا سفیٰن کی خطاؤں سے کم ہے قریب بیس ۲۰ حدیثوں کے ہیں جن میں سفیٰن نے خطا کی پھر میں نے اٹھارہ گِنادیں اور اُن سے کہا آپ مالک کی خطائیں بتائیں وہ دو تین حدیثیں لائے پھر جو میں نے خیال کیا تو سفیٰن نے بیس ۲۰ سے زیادہ حدیثوں میں خطا کی ہے [2] ذکرہ فی المیزان (اسے میزان میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) بااینہمہ امام سفیٰن کے ثقہ ثبت حجت ہونے پر علمائے اُمت کا اجماع ہے۔

لطیفہ ۹: مُلّاجی کی یہ ساری کارگزاریاں حیاداریاں حدیث صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے متعلق تھیں حدیث ام المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی امام طحاوی ونیز امام احمد وابن ابی شیبہ استاذان بخاری ومسلم کے رَد کو پھر وہی معمولی شگوفہ چھوڑا کہ ایک راوی اس کا مغیرہ بن زیادہ موصلی ہے اور یہ مجروح ہے کہ وہمی تھا قالہ الحافظ التقریب۔

اقول اوّلا: تقریب میں صدوق کہا تھا وہ صندوق میں رہا۔

ثانیا: وہی اپنی وہمی نزاکت کہ لہ اوھام کو وہمی کہنا سمجھ لیا۔

ثالثا: وہی صحیحین سے پُرانی عداوت تقریب دُور نہیں دیکھئے تو کتنے رجال [عہ] بخاری ومسلم کو یہی صدوق له

عہ: صدوق یھم وصدوق ربما وھم کی بکثرت مثالیں اوپر گزرچکیں مگر باتباع لفظ خاص امثلہ سُنئے احمد بن بشیر، حسن بن خلف، خالد بن یزید بن زیاد، (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] میزان الاعتدال حرف الیاء ۹۹۲۴ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۴۸۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ سفیان بن عیینہ ۳۳۲۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷۰

ف معیار الحق ص ۴۰۱

اوھام (سچّا ہے، اس کے اوہام ہیں ت) کہا ہے۔

رابعا: مغیرہ رجال سنن اربعہ سے ہے امام ابن معین وامام نسائی دونوں صاحبوں نے باآں تشدد شدید فرمایا: **لیس بہ باس** (اس میں کوئی بُرائی نہیں) زاد یحیٰی لہ حدیث واحد منکر (اُس کی صرف ایک حدیث منکر ہے) لاجرم وکیع نے ثقہ، ابوداؤد نے صالح، ابن عدی نے **عندی لاباس بہ** [1] (میرے نزدیک اس میں کوئی نقص نہیں ہے۔ت) کہا تو اس کی حدیث حسن ہونے میں کلام نہیں اگرچہ درجہ صحاح پر بالغ نہ ہو جس کے سبب نسائی نے لیس بالقوی (اُس درجے کا قوی نہیں ہے۔ت) ابو احمد حاکم نے **لیس بمتین عندھم** [2] (اس درجے کا متین نہیں ہے ان کے نزدیک۔ت) کہا لا **انہ لیس بقوی لیس بمتین وشتان مابین العبارتین** (نہ یہ کہ سرے سے قوی اور متین نہیں ہے، ان دو عبارتوں میں بہت فرق ہے۔ت) حافظ نے ثقہ سے درجہ صدوق میں رکھا اس قسم کے رجال اسانید صحیحین میں صدہا ہیں۔

لطیفہ ۱۰: حدیث مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم مروی سنن ابی داؤد کے رد کو طرفہ تماشا کیا مسند ابی داؤد میں یوں تھا:

قال اخبرنی عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب عن ابیہ عن جدہ ان علیا کان اذاسافر الحدیث [3]۔

جس کا صاف صریح حاصل یہ تھا کہ عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی اپنے والد محمد سے راوی ہیں اور وہ ان کے دادا یعنی اپنے والد عمر سے کہ ان کے والد ماجد مولٰی علی نے جمع صوری خود بھی کی اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رباح بن ابی معروف، ربیع بن انس ورمی بالتشیع، ربیع بن یحیٰی، ربیعہ بن عثمان، زکریا بن یحیٰی بن عمر، سعید بن زید بن درھم، سعید بن عبدالرحمٰن جمحی، شجاع بن الولید، مسلمہ بن علقمہ، مصعب بن المقدام، معاویہ بن صالح، معاویہ بن ہشام، ہشام بن حجیر، ہشام بن سعد ورمی بالتشیع اور ان کے سوا اور کہ سب صدوق لہ اوھام ہیں احمد بن ابی الطیب وغیرہ صدوق لہ اغلاط ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

1 میزان الاعتدال ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی ۸۷۰۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۶۰/۴

2 میزان الاعتدال ترجمہ مغیرہ بن زیاد موصلی ۸۷۰۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱۶۰/۴

3 سنن ابی داؤد باب یتیم المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس۔ لاہور ۱۷۳/۱

سے بھی روایت فرمائی۔ابیہ اور جدّہ دونوں ضمیریں عبداللہ کی طرف تھیں حضرت نے بزور زبان ایک ضمیر عبداللہ دوسری محمد کی طرف قرار دے کر یہ معنی ٹھہرائے[1] کہ عبداللہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد سے اور وہ محمد اپنے دادا علی سے۔اور اب اس پر اعتراض جڑ دیا کہ محمد کو اپنے دادا علی سے ملاقات نہیں تو مرسل ہُوئی اور مرسل حجت نہیں۔ قطع نظر اس سے کہ مرسل ہمارے اور جمہور ائمہ کے نزدیک حجت ہے ایمان سے کہنا کہ ان ڈھٹائیوں سے صحیح وثابت حدیثوں کو رَد کرنا کون سی دیانت ہے، میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حدیثوں کو رَد کرنا کون سی دیانت ہے، میں کہتا ہوں آپ نے ناحق اتنی محنت بھی کی اور حدیث متصل کو صرف مرسل بنایا حیاودیانت کی ایک ادنٰی جھلک میں بھی باطل وموضوع ہوئی جاتی تھی اور بات بھی مدلل ہوتی کہ ضمیر اقرب کی طرف پھرتی ہے اور ابیہ سے اقرب ابوطالب اور جدّہ سے اقرب ابیہ تو معنی یوں کہے ہوتے کہ عبداللہ نے روایت کی ابوطالب کے باپ حضرت عبدالمطلب سے اور عبدالمطلب نے اپنے دادا عبدمناف سے کہ مولا علی نے جمع صوری کی،اب ارسال بھی دیکھئے کتنا بڑھ گیا کہ مولا علی کے پرپوتے مولا علی کے دادا سے روایت کریں اور حدیث صراحۃً موضوع بھی ہو گئی کہ کہاں عبدالمطلب وعبدمناف اور کہاں مولٰی علی سے روایت حدیث مفید احناف ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا یہ عمل بالحدیث کا جھُوٹا دعوی کرنے والے جب صحیح حدیثوں کے رد کرنے پر آتے ہیں تو ایسی ایسی بددیانتیوں بے غیرتیوں بیباکیوں چالاکیوں سے صحیح بخاری کو بھی پس پشت ڈال کر ایک ہانک بولتے ہیں کہ سب واہیات اور مردود[2] ہیں انّاللہ وانّا الیہ راجعون۔

افادہ ثانیہ: احادیث وطرق پر نظرِ انصاف فرمائیے تو ارادہ جمع صوری پر متعدد قرائن پایئے مثلا:

(۱) یہ کہ احادیث جمع بین الصلاتین کے راویوں سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کماسیأتی فی الحدیث التاسع من الافادۃ الرابعۃ (جیسا کہ افادہ رابعہ کی نویں حدیث میں آرہا ہے۔ت) حالانکہ یہی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے عرفات ومزدلفہ کے سوا کبھی نہ دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو نمازیں جمع فرمائی ہوں کماسیأتی تحقیقہ فی الفصل الرابع ان شاء اللہ تعالٰی (اس کی تحقیق اِن شاء اللہ تعالٰی چوتھی فصل میں آئے گی۔ت) تو ضرور ہے کہ روایت جمع سے جمع صوری مراد ہو۔

(۲) اقول: خود حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی جمع کرنا مروی ہوا حالانکہ ان کا مذہب معلوم کہ جمع حقیقی کو منسک حج کے سوا ناجائز جانتے۔

(۳) اقول: مُلّاجی نے اُن پندرہ[۱۵] صحابیوں میں جن کی نسبت دعوی کیا کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین

---

[1] ف امعیار الحق ص ۴۰۰،۴۰۱

[2] ف ۲معیار الحق ص ۳۹۶

حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی سعد بن ابی وقاس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی گِنا حالانکہ اُن کا بھی مذہب وہی منع جمع ہے ان دونوں صحابی جلیل الشان کا یہ مذہب ہونا خود امام شافعی المذہب امام ابوالعزیز یوسف بن رافع اسدی حلبی شہیر بابن شداد متوفی ۶۳۱ھ نے کتاب دلائل الاحکام میں ذکر فرمایا:

کمافی عمدۃ القاری للامام البدر العینی عن التلویح شرح الجامع الصحیح للامام علاء الدین المغلطائی عن دلائل الاحکام لابن شداد۔	جیسے کہ امام بدرالدین عینی نے تلویح سے نقل کیا جوکہ امام علاء الدین المغلطائی کی کتاب الجامع الصحیح کی شرح ہے اور انہوں نے ابن شداد کی (کتاب) دلائل الاحکام سے نقل کیا ہے۔(ت)

تو مراد وہی جمع صوری ہوگی جیساکہ خود اُن کے فعل سے مروی ہوا کماتقدم فی الحدیث الرابع (جیساکہ حدیث ۴ میں گزرا۔ت)

(۴)اقول: بہت زور شور سے جمع کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما گنے جاتے ہیں وسیأتی بعض روایاتہ فی الحدیث الاول والباقی فی الفصل الثالث اِن شاء اللہ تعالٰی (عنقریب حدیث اول کے تحت ان سے بعض مرویات کا ذکر آئے گا اور بقیہ کا ذکر فصل ثالث میں آئے گا اِن شاء اللہ تعالٰی۔ت) حالانکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشا کو سفر میں ایک بار کے سوا کبھی جمع نہ فرمایا کماسیأتی فی اٰخر الفصل الرابع اِن شاء اللہ تعالٰی (جیساکہ چوتھی فصل کے آخر میں آرہا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ت) ظاہر ہے کہ وہ بار حجۃ الوداع کی شب مزدلفہ تھی تو ضرور وہی جمع صوری منظور جیساکہ اُن کی روایاتِ صحیحہ نے واضح کردیا جس کا بسط حدیث اوّل میں گزرا۔

(۵)اقول: لُطف یہ کہ ان عبداللہ بن عمر سے قصہ صفیہ بنت ابی عبید میں عشائین کا جمع جو مروی ہوا اُس کے جمع حقیقی ہونے پر بہت زور دیا جاتا ہے حالانکہ خود اُن کے صاحبزادے سالم کو اُس شب بھی اُن کے ہمراہ تھے صراحۃً فرماچکے کہ حضرت عبداللہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ کی جیساکہ حدیث نسائی سے گزرا اور سالم کا اُس رات ساتھ ہونا وہیں حدیث بخاری سے ظاہر ہوچکا قلت لہ: الصلاۃ،قال: سر [1]۔الحدیث (میں نے ان سے نماز کے متعلق عرض کیا تو انہوں نے فرمایا: سفر جاری رکھو۔الحدیث۔ت) تو قطعًا یقینا جمع صوری ہی مراد ہے لاجرم روایات مفسرہ نے تصریح فرمادی یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہٖ تعالٰی بہت سے خیالات مخالفین کا علاج کافی ہوگا۔

[1] صحیح البخاری باب یصلی المغرب ثلثافی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۸

(۶) رواۃ جمع میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں کمایأتی فی الحدیث الثانی (جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے۔ت) اور ان کی حدیث اِن شاء اللہ آخر رسالہ میں آئے گی کہ دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلی فوت ہو جاتی ہے۔

(۷) یوں ہی حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی جمع ہیں کمایجیئ فی الحدیث الخامس (جیسا کہ پانچویں حدیث میں آئے گا۔ت) اور ان کی حدیث بھی بمشیۃ اللہ تعالٰی آنے والی ہے کہ نماز میں تفریط یہ ہے کہ دوسری کا وقت آنے تک پہلی کی تاخیر کرے افاد ھذین الامام الطحاوی فی شرح معانی الاٰثار (یہ دونوں فائدے امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں بیان کئے۔ت)

افادہ ثالثہ: اب کہ ملّاجی نے پیٹ بھر کر رَدِ احادیث سے فراغت پائی عقل پر عنایت کی باری آئی فرماتے ہیں: ^ف^

جمع صوری سفر میں ازراہ عقل کے بھی واہی ہے کہ جمع رخصت ہے اور جمع صوری مصیبت کہ آخر جز اور اوّل جز نماز کا پہچاننا اکثر خواص کو نہیں ممکن چہ جائے عوام۔

اقول: ملّاجی بیچارے جو شامتِ ایام سے مقابلہ شیران حنفیّہ میں آپھنسے وہ چوکڑی بھُولے ہیں کہ اپنی اجتہادی آزادی بھی یاد نہیں یا تو وہ جوش تھے کہ ابوحنیفہ وشافعی کی تقلید حرام بدعت شرک یا اب جابجا ایک ایک مقلد مالکی شافعی کے ٹھیٹ مقلد بنے ہیں رطب یابس جہاں جو کچھ کلام کسی مقلد کا مل جاتا ہے اگرچہ کیسا ہی پوچ اور ضعیف ہو اللہ بسم اللہ کہہ کر اُسے آنکھوں سے لگاتے سرپر رکھتے بے سمجھے بُوجھے ایمان لے آتے ہیں یہ اعتراض بھی حضرت نے بعض مالکیہ وشافعیہ کی تقلید جامد کے صدقہ میں پایا ہے مگر شوخ چشمی یہ کہ علمائے حنفیّہ جو طرح طرح اس کی دھجیاں اُڑا چکے اُن سے ایک کان گونگا ایک بہرا کرلیا اور پھر اسی رَد شدہ بات باطل وبے ثبات کو پیش کردیا بہادری تو جب تھی کہ اُن قاہر جوابوں کے جواب دیتے پھر واہی تباہی جو چاہتے فرمالیتے خیر اب بعض جوابات مع تازہ افاضات لیجئے وباللہ التوفیق۔

اوّلا: اللہ عزوجل نے نماز خواص وعوام سب پر یکساں فرض کی اور اُس کے لئے اوقات مقرر فرمائے اور اُن کے لئے اول وآخر بتائے اور ان پر واضح وعام فہم نشان بنائے کہ اُن کا ادراک ہر خاص وعام کو آسان ہو جائے ہمارے دین میں کوئی تنگی نہ رکھی اور ہم پر کسی طرح دشواری نہ چاہی ماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ [1] (اس نے دین کے معاملہ میں تم پر تنگی نہیں فرمائی، اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن ۲/۱۸۵

ف معیار الحق ص۴۰۱،

تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا۔ت) تو ہر وقت کے اول وآخر شرعی کا پہچاننا خواص وعوام سب کو آسان خصوصًا سفر میں جہاں اُفق سامنے اور صاف میدان جو نہ سیکھے یا توجہ نہ کرے الزام اُس پر ہے نہ شرع مطہر پر، ہاں فصل مشترک حقیقی کہ آنِ واحد وجزء لایتجزی ہے اُس کا علم بے طرق مخصوصہ انبیاء واولیاء عامہ بشر کی طاقت سے وراء ہے مگر نہ اس کے ادراک کی تکلیف نہ اس پر جمع صوری کی توقیف۔

ثانیًا اقول: اول وآخر کا پہچاننا تو شاید تم بھی فرض جانتے ہو کہ تقدیم وتاخیر بے عذر بالاجماع مبطل وحرام ہے کیااللہ عزوجل نے امر محال کی تکلیف دی لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] (اللہ تعالٰی کسی کو اس بات کا حکم نہیں دیتا جو اس کی طاقت میں نہ ہو۔ت) **فافهم**۔

ثالثًا اقول: تحقیق تام یہ ہے کہ اوقات متصلہ میں عامہ کے لئے پانچ حالتیں ہیں: وقتِ اوّل پر یقین، اُس پر ظن، دونوں میں شک، آخر کا ظن، اُس کا یقین، فقہیات میں ظن ملتحق بیقین ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا تو بین الوقتین حکمًا بھی اصلًا فاصل نہیں مسئلہ تسحر ومسئلہ صلاۃ الفجر فی آخر الوقت وغیرہما میں تصریحاتِ علما دیکھیے۔

رابعًا اقول: کس نے کہا کہ جمع صوری میں وصل حقیقی بے فصل آنی لازم ہے حدیث مذکور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بروایت صحیح بخاری وحدیث امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بروایت ابی داؤد دیکھیے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رحمت پر نثار حضور نے عوام ہی کے ارشاد کو یہ طرز ملحوظ رکھی کہ مغرب آخر شفق میں پڑھ کر قدرے انتظار فرمایا پھر عشا پڑھی یا بین الصلاتین کھانا ملاحظہ فرمایا اور لطف الٰہی یہ کہ تمام احادیث جمع میں اگر منقول ہے تو حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل۔اُس کے ساتھ اُمت کو بھی ارشاد کہ جسے ضرورت ہو ایسا ہی کرلے اسی حدیث ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے جس میں بروایت صحیح بخاری ثابت کہ دو۲ نمازوں کے بیچ میں قدر انتظار فرمایا تو آپ کے جہل کا خود رخصت عطا فرمانے والے رؤف رحیم خبیر علیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لحاظ کرلیا تھا مگر افسوس کہ اب بھی آپ شکایت اور رحمت کا نام معاذاللہ مصیبت ہے ہر عاقل جانتا ہے کہ مسافر کو بار بار اُترنے چڑھنے وضو نماز کا جُدا جُدا سامان کرنے سے یہ بہت آسان ہے کہ ایک بار اُتر کر دفعۃً دونوں نمازوں سے فارغ ہولے اول قریب آخر پڑھے اور ایک لطیف انتظار کے بعد آکر اپنے اول میں اس کا انکار صریح مکابرہ ہے ہاں یہ کہیئے کہ وقت گزار کر پڑھنے کی اجازت ملے تو اور آسانی ہے۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

اقول: دن ٹال کر گھر پہنچ کر اکٹھی پڑھ لینے کی رخصت ہو تو اور آسانی ہے اور بالکل معاف ہو جائے تو پُوری چھٹی رخصت میں آسانی درکار ہے پُوری آسانی کس نے مانی!

خامسًا: احمد بخاری مسلم ابوداؤد ونسائی طحاوی وغیرہم بطریق عمرو بن دینار عن جابر بن زید حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وھذا لفظ مسلم، قال: صلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا، قلت: یااباالشعثاء! اظنه اخر الظھر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء، قال: وانا اظن ذلک[1]۔	اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں، کہا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور اکٹھی سات رکعتیں بھی۔ اس حدیث کا راوی کہتا ہے کہ میں نے کہا "اے ابوالشعثاء! میرا خیال ہے کہ انہوں نے ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھا ہوگا"۔ ابوالشعثاء نے کہا کہ میرا بھی یہی خیال ہے"۔ (ت)

مالک احمد، مسلم، ابوداؤد ترمذی نسائی طحاوی وغیرہم اُسی جناب سے بطرق شتی والفاظ عدیدہ راوی:

وھذا حدیث مسلم بطریق زھیرنا ابوالزبیر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر والعصر جمیعا بالمدینة فی غیر خوف ولاسفر، قال ابوالزبیر: فسألت سعیدا لم فعل ذلک؟ فقال: سألت ابن عباس کماسألتنی، فقال: اراد ان لایحرج احد من اُمته[2]۔	اور یہ حدیث مسلم کی بواسطہ ابوالزبیر ہے کہ ہم سے بیان کیا سعید ابن جبیر نے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور سفر کے مدینہ میں ظہر اور عصر اکٹھی پڑھیں، ابوالزبیر نے کہا کہ میں نے سعید سے پُوچھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا؟ توانہوں نے کہا کہ جس طرح تم نے مجھ سے پوچھا ہے اسی طرح میں نے ابن عباس سے پُوچھا تھا توانہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت پر کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت)

[1] الصحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] الصحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

وفی اخری له وللترمذی بطریق جیب ابن ابی ثابت عن سعید بن جبیر عن ابن عباس،قال: جمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بین الظهر والعصر،وبین المغرب والعشاء بالمدینة فی غیر خوف ولامطر [1]۔وللطحاوی عن صالح مولی التوأمه عن ابن عباس،فی غیر سفر ولامطر [2]۔وفی لفظ للنسائی اخبرنا قتیبة ثنا سفیٰن عن عمر وعن جابر بن زید عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال: صلیت مع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بالمدینة،ثمانیا جمیعا وسبعا جمیعا،اخر الظهر وعجل العصر،واخر المغرب وعجل العشاء [3]۔وفی لفظ له عن عمروبن هرم عن جابر بن زید عن ابن عباس انه صلی بالبصرة،الاولٰی والعصر،لیس بینهما شیئ، والمغرب والعشاء،لیس بینهما شیئ،فعل ذلك من شغل۔

مسلم نے ایک اور روایت میں اور ترمذی نے بواسطہ جیب ابن ابی ثابت، سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بغیر کسی خوف اور بارش کے مدینہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔(ت) اور طحاوی نے صالح مولی التوامہ کے واسطے سے ابن عباس کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں "بغیر سفر اور بارش کے"۔(ت) اور نسائی کے الفاظ یوں ہیں: خبر دی ہمیں قتیبہ نے کہ حدیث بیان کی ہم سے سفیٰن نے عمرو سے،اس نے جابر سے کہ ابن عباس نے فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ میں اکٹھی آٹھ رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور سات رکعتیں بھی،آپ نے ظہر کو مؤخر کیا تھا اور عصر میں جلدی کی تھی،اسی طرح مغرب کو مؤخر کیا تھا اور عشاء میں جلدی کی تھی۔(ت) نسائی کی اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ عمروابن ہرم، جابر ابن زید سے راوی ہیں کہ ابن عباس نے بصرہ میں ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا،ان کے درمیان کوئی شَے حائل نہ تھی،اور مغرب وعشاء کو اکٹھا پڑھا ان کے درمیان کوئی شیئ حائل نہ تھی۔اس طرح

[1] جامع الترمذی ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ امین کمپنی اردو بازار دہلی ۱/۲۶

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین کیف ہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

[3] سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

وزعم ابن عباس انه صلی مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالمدینة الاولی والعصر، ثمان سجدات لیس بینهما شیئ [1]۔ ولمسلم بطریق الزبیر بن الخرّیت عن عبداللہ بن شقیق ان التاخیر کان لاجل خطبة خطبها [2]۔ وله بطریق عمران بن حُدیر عن عبداللہ المذکور عن ابن عباس، فی القصة، قال: کنا نجمع بین الصلاتین علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [3]۔ وللطحاوی من هذا الوجه، قدکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ربما جمع بینهما بالمدینة [4]۔	انہوں نے ایک مصروفیت کی وجہ سے کیا تھا۔ ابن عباس نے کہاکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بھی ظہر وعصر اکٹھی پڑھی تھیں یہ آٹھ رکعتیں تھیں اور ان دو کے درمیان اور کوئی شے نہ تھی۔ مسلم نے زبیر ابن خرّیت کے واسطہ سے عبداللہ ابن شقیق سے روایت کی کہ یہ تاخیر ایک خطبہ دینے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اور مسلم نے بطریقہ عمران ابن حدیر، عبداللہ ابن شقیق سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے مذکورہ واقعے میں کہاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں ہم دو۲ نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔ اور طحاوی اسی سند سے ناقل ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا دو نمازوں کو مدینہ میں اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ان روایاتِ صحاح سے واضح کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی حالت میں کہ نہ خوف تھا نہ سفر نہ مرض نہ مطر محض بلاعذر خاص مدینہ طیبہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا بجماعت جمع فرمائیں سفر وخطر ومطر کی نفی تو خود احادیث میں مذکور اور مرض بلکہ ہر عذر ملجی کی نفی سوق بیان سے صاف مستفاد معہذا جب نمازیں جماعت سے تھیں تو سب کا مریض ومعذور ہونا مستبعد پھر راوی حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اسی بناء پر صرف طول خطبہ کے سبب تاخیر مغرب واستناد بجمع مذکور انتفائے اعذار پر صریح دلیل حالانکہ مقیم کیلئے

---

1 سنن النسائی کتاب المواقیت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

2 صحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلٰوتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

3 صحیح لمسلم جواز الجمع بین الصلٰوتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

4 شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلٰوتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

بے عذر جمع وقتی ملّاجی بھی حرام جانتے ہیں، حدیثِ مسلم انما التفریط علی من لم یصل الصلاۃ حتی یجیئ وقت الصلاۃ الاخری [1] گناہ اس پر ہے جو نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ دوسری نماز کا وقت ہوجائے۔ت) کے جواب میں کیا فرمائیں گے ف[1] یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلاعذر نماز میں تاخیر کرے۔حدیث امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر [2] (ایک وقت میں دو[2] نمازوں کو جمع کرنا کبائر میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے۔ت) کے جواب میں کہہ چکے ہیں ف[2] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جمع بین الصلاتین سے منع کرنا حالتِ اقامت میں بلاعذر تھا جیسا کہ شاہد ہے اس تاویل پر اتفاق جمہور صحابہ ومن بعدہم کا اوپر عدم جواز بلاعذر کے ، تو اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں جمع فعلی مراد لینے سے چارہ نہیں اور خود ملّاجی نے امام ابنِ حجر شافعی اور اُن کے توسط سے امام قرطبی وامام الحرمین وابن الماموں وابن سید الناس وغیرہم سے یہاں ارادہ جمع فعلی کی تقویت وترجیح نقل کی معہذا قطع نظر اس سے کہ روایت صحیحین میں حضرت ابن عباس کے تلامذہ وراویانِ حدیث جابر بن زید وعمرو بن دینار نے ظنًّا حدیث کا یہی محمل مانا قال ابن سیدالناس: وراوی الحدیث ادری بالمراد من غیرہ (ابن سیدالناس نے کہا ہے کہ حدیث کا راوی، دوسرے شخص کی نسبت حدیث کی مراد سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔ت) روایت نسائی میں خود ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس جمع کے جمع فعلی ہونے کی تصریح فرمادی کہ ظہر ومغرب میں دیر کی اور عصر وعشاء میں جلدی یہ خاص جمع صوری ہے اب کسی کو محل سخن نہ رہا تھا تمہارے امام شوکانی غیر مقلد نے نیل الاوطار میں کہا:

ممایدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری، مااخرجه النسائی عن ابن عباس (وذکر لفظه قال) فھذا ابن عباس، راوی حدیث الباب، قدصرح بان ماروا ہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری [3]۔	جو چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اس باب سے متعلق حدیث کا جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہے، ان میں سے ایک وہ روایت ہے جو نسائی نے ابن عباس سے نقل کی ہے (اس کے بعد شوکانی نے مذکورہ روایت بیان کی ہے اور کہا ہے) یہ ابن عباس، جو اس موضوع سے متعلق حدیث کے (اولین) راوی ہیں خود تصریح کررہے ہیں کہ انہوں نے جمع بین الصلاتین کی جو روایت بیان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۹

[2] موطا امام محمد باب الجمع بین الصلوٰتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۹

[3] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب جمع المقیم لمطر اوغیرہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۳۲

ف۱ معیار الحق ص ۴۱۷ ف۲ معیار الحق ص ۴۰۰

شوکانی نے اس ارادہ کے اور چند مؤیدات بھی بیان کیے اور انکار جمع صوری اور آپ کے زعم باطل مصیبت کی اپنی بساط بھر خوب خوب خبریں لی ہیں جی میں آئے تو ملاحظہ کرلیجئے بالجملہ شک نہیں کہ حدیث میں مراد صوری ہے اب اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تصریح موجود ہے کہ جمع حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنظرِ رحمت وآسانی اُمّت کی تھی، مُلّاجی! اب اپنی مصیبت کی خبریں کہئے۔ **سادسًا:** عجب تر یہ کہ یہی صاحب جنہوں نے جمع صوری کو باعثِ مشقت ومنافی رخصت مانا خود اسی حدیثِ ابن عباس کو جمع صوری سے تاویل کرگئے **کما افاد الامام الزیلعی وغیرہ** (جیسا کہ امام زیلعی وغیرہ نے اس کا افادہ کیا ہے۔ت) یہ صریح منافقت ہے۔ **اقول:** مُلّاجی تو تقلید جامد کا جامہ پہنے بیٹھے ہیں اس تناقض میں بھی تقلید کرگئے حدیث طبرانی مفید جمع صوری کہ عنقریب آتی ہے حضرت اس کے جواب میں ان کہی بولتے [ف۱] ہیں کہ اس میں کیفیت اُس جمع کی ہے جو حالتِ قیام میں بلاعذر آنحضرت [عہ۱] نے جمع کی تھی جیسا کہ روایت میں ابن عباس کی ہے کہ آنحضرت [عہ۲] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حالت قیام میں مدینہ میں جمع صوری کی تھی۔ ملّاجی! ذرا آنکھ ملاکر بات کیجئے اب وہ مصیبت رحمت ورافت کیونکر ہوگئی۔ **سابعًا:** حدیث حمنہ بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی احمد وابوداؤد وترمذی جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان مستحاضہ کے لئے جمع صوری پسند فرمائی ہے ملّاجی کو وہاں بھی یہی عذر معمولی پیش آیا [ف۲] کہ وہ مقیم تھی پس مقیم پر مسافر کی نماز کو قیاس مع الفارق ہے۔ **اقول:** مُلّاجی جمع صوری تو عوام کیا اکثر خواص کو بھی نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن تھی وہ بھی سفر کے کھُلے میدانوں میں، اب کیا دُنیا پلٹی کہ پردہ نشین زنان [عہ۳] ناقصات العقل کے لئے گھر کی چار دیواریوں میں ممکن ہوگئی۔ **ثامنًا:** عبدالرزاق مصنّف میں بطریق عمرو بن شعیب راوی:

قال، قال عبداللّٰه: جمع لنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، مقیماً غیر مسافر، بین الظهر والعصر، والمغرب، والعشاء، فقال رجل لابن عمر: لم تری النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعل ذلك؟	اس نے کہا عبداللہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمارے لئے دو۲ نمازوں کو جمع کیا جبکہ آپ مقیم تھے، مسافر نہ تھے۔ یعنی ظہر وعصر کو اور مغرب وعشاء کو۔ ایک آدمی نے ابن عمر سے پُوچھا کہ آپ کے خیال میں رسول اللہ صلی اللہ

عہ۱ و عہ۲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ (م)

عہ۳ یعنی یہ حکم اب بھی ہر مستحاضہ کیلئے ہے تو ثابت ہوا کہ پردہ نشین زنان ناقصات العقل کو جمع صوری میسر ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (م)

ف۱: معیار الحق ص ۴۰۰، ف۲: معیار الحق ص ۴۱۸

قال لان لاتحرج امته، ان جمع رجل [1]۔	علیہ وسلم نے اس طرح کیوں کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا تاکہ امت پر تنگی نہ ہو، اگر کوئی شخص جمع کرلے۔(ت)

ابن جریر اس جناب سے بایں لفظ راوی:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فکان یؤخر الظهر ویعجل العصر فیجمع بینهما، ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینهما [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر جلوہ فرما ہُوئے تو آپ ظہر میں تاخیر کرکے اور عصر میں تعجیل کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشاء میں تعجیل کرکے دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔(ت)

نیز ابن جریر کی دُوسری روایت میں اُسی جناب سے یوں ہے:

اذا بادر احدکم الحاجة فشاء ان یؤخر المغرب ویعجل العشاء ثم یصلیهما جمیعا فعل [3]۔	اگر تم میں سے کسی کو کسی ضرورت کی بناپر جلدی ہو اور وہ چاہے کہ مغرب کو مؤخر کرکے اور عشاء میں جلدی کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لے، تو ایسا کرلے۔(ت)

ان حدیثوں سے بھی ظاہر کہ جمع صوری میں بے شک آسانی ورحمت اور وقت حاجت عام لوگوں کو اس کی اجازت۔

تاسعا: عبدالرزاق صفوان بن سلیم سے راوی **قال جمع عمر بن الخطاب بین الظهر والعصر في یوم مطیر** [4]۔ یعنی امیر المؤمنین فاروق اعظم نے مینہ کے سبب ظہر وعصر جمع کی۔

اقول: ظاہر ہے کہ امیر المؤمنین کے نزدیک جمع وقتی حرام وگناہِ کبیرہ ہے جس کا بیان اِن شاء اللہ المنان فصل چہارم میں آتا ہے لاجرم جمع صوری فرمائی۔ **عاشرًا:** طبرانی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یجمع بین المغرب والعشاء یؤخر هذه فی اٰخر وقتها ویعجل هذه فی اوّل	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مغرب وعشاء کو جمع فرماتے، مغرب کو اس کے آخر وقت میں پڑھتے اور عشاء کو اس کے اوّل

[1] مصنّف ابی بکر عبدالرزاق حدیث ۴۴۳۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۵۵۶/۲

[2] کنز العمال الاکمال من صلٰوۃ المسافر حدیث ۲۲۷۸۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲۵۰/۸

[3] کنز العمال الاکمال من صلٰوۃ المسافر ۲۰۱۹۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۴۷/۷

[4] لمصنّف لعبدالرزاق، باب جمع بین الصلٰوتین فی الحضر حدیث ۴۴۴۰، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت، ۵۵۶/۲

وقتها[1]	وقت میں (م)۔

یہ وہی حدیث طبرانی ہے جس میں جمع صوری ملّاجی ابھی مان چکے ہیں اس کی نسبت باقی کلام کارَدان شاء اللہ العزیز آئندہ آتا ہے غرض شاباش ہے تمہارے جگرے کو کہ صحیح حدیثوں کے رَد وابطال میں کوئی دقیقہ مغالطہ جاہلین ومکابرہ عالمین وتقلید مقلدین کااُٹھانہ رکھواور پھر عمل بالحدیث کی شیشی کو ٹھیس تک نہ لگے ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

افادہ رابعہ: الحمدللہ جب کہ احادیث جمع صوری کی صحت مہرنیمروزماہ نیم ماہ کی طرح روشن ہوگئی تواب جس قدر حدیثوں میں مطلق جمع بین الصلاتین وارد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر وعصر یا مغرب وعشاء کو جمع فرمایا یا عصر وعشا سے ملانے کو ظہر ومغرب میں تاخیر فرمائی وامثال ذلک کسی میں مخالف کے لئے اصلاً حجت نہ رہی سب اسی جمع صوری پر محمول ہوں گی اور استدلال مخالف احتمالِ موافق سے مطرود ومخذول مثل

حدیث ۱: بخاری ومسلم ودارمی ونسائی وطحاوی وبیہقی بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم ومسلم ومالک ونسائی وطحاوی بطریق نافع۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجمع بین المغرب والعشاء اذاجدبہ السیر[2]۔وفی لفظ مسلم والنسائی من طریق سالم، رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذااعجلہ السیر فی السفر یؤخر صلاۃ المغرب حتی یجمع بینہا وبین صلاۃ العشاء[3]۔	ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب چلنے میں تیزی ہوتی تھی تو آپ مغرب وعشاء کو جمع کرتے تھے۔اور مسلم کی ایک اور روایت اور نسائی کی بطریقہ سالم روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر کے دوران چلنے میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز کو اتنا مؤخر کردیتے تھے کہ عشا کے ساتھ ملالیتے تھے۔(ت)

یہ معنی مجمل بروایات سالم ونافع مستفیض ہیں۔

فرواہ البخاری عن ابی الیمان[۱]،والنسائی	چنانچہ بخاری ابوالیمان سے، نسائی بقیہ اور

[1] المعجم الکبیر للطبرانی عن عبداللہ ابن مسعود حدیث ۹۸۸۰ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۱

[3] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۵

عن بقیة[2] وعثمٰن[3]، کلھم عن شعیب بن ابی حمزہ۔ومسلم عن ابن وھب عن یونس[4]۔ والبخاری عن[5] علی بن المدینی، ومسلم عن یحیٰی[6] بن یحیٰی وقتیبة[7] بن سعید وابی[8] بکر بن ابی شیبة وعمر[9] والناقد، والدارمی عن محمد[10] بن یوسف، والنسائی عن محمد[11] بن منصور، والطحاوی عن الحمانی[12]، ثمانیتھم عن سفیٰن بن عیینة، ثلثتھم اعنی شعیبا ویونس وسفیٰن عن الزھری عن سالم، ومسلم عن[13] یحیٰی بن یحیٰی، والنسائی عن قتیبة[14]، والطحاوی عن ابن[15] وھب، کلھم عن مالک، والنسائی بطریق عبدالرزاق ثنا معمر عن موسی[16] بن عقبة، والطحاوی[17] عن لیث، والبیھقی فی الخلافیات من طریق یزید بن ھارون عن یحیٰی[18] بن سعید، اربعتھم عن نافع، کلاھما عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	عثمان سے، یہ سب (ابوالیمان، بقیہ، عثمان) شعیب ابن ابی حمزہ سے روایت کرتے ہیں۔اور مسلم، ابن وہب سے، وہ یونس سے روایت کرتے ہیں۔اور بخاری، علی ابن مدینی سے۔اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی، قتیبہ ابن سعید، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عمرو الناقد سے۔اور دارمی، محمد ابن یوسف سے۔اور نسائی، محمد ابن منصور سے۔اور طحاوی، حمانی سے۔یہ آٹھوں (یعنی علی (۱)، یحیٰی (۲)، قتیبہ (۳)، ابوبکر (۴)، عمرو (۵)، ابن یوسف (۶)، ابن منصور (۷)، حمانی (۸) سفیان ابن عیینہ سے روایت کرتے ہیں۔پھر تینوں (سلسلوں کے تین آخری راوی) یعنی شعیب، یونس اور سفیان، زہری کے واسطے سے، سالم سے راوی ہیں۔اور مسلم، یحیٰی ابن یحیٰی سے۔اور نسائی، قتیبہ سے۔اور طحاوی، ابن وہب سے۔تینوں مالک سے روایت کرتے ہیں۔اور نسائی، بطریقہ عبدالرزاق، وہ معمر سے، وہ موسٰی ابن عقبہ سے روایت کرتے ہیں اور طحاوی لیث سے روایت کرتے ہیں۔اور بیہقی خلافیت میں بطریقہ یزید ابن ہارون، یحیٰی ابن سعید سے روایت کرتے ہیں۔چاروں (آخری راوی یعنی مالک[1]، موسٰی[2]، لیث[3]، یحیٰی[4] نافع سے راوی ہیں سالم اور نافع) دونوں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث بیان کرتے ہیں۔(ت)

حدیث ۲ معلّق بخاری:

ووصلہ البیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما، کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علی وسلم یجمع بین صلاۃ الظھر والعصر اذاکان علی ظھر سیر۔	بیہقی نے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موصولاً ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب چلنے والے ہوتے تھے تو ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کرلیتے تھے۔

ویجمع بین المغرب والعشاء[1]۔وھو عند مسلم واٰخرین بذکر غزوۃ تبوک،ولابن ماجۃ من طریق ابرٰھیم بن اسمٰعیل عن عبدالکریم عن مجاھد وسعید بن جبیر وعطاء بن ابی رباح وطاؤس،اخبروہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ اخبرھم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین المغرب والعشاء فی السفر من غیران یعجلہ شیئ ولایطلبہ عدو ولایخاف شیئا[2]۔ **قلت:** ابرٰھیم ھذا،ھو ابن اسمٰعیل ابن مجمع الانصاری،ضعیف۔وعبدالکریم،ان لم یکن ابن مالك الجزری،فابن ابی المخارق،وھو اضعف واضعف۔والمعروف حدیثہ فی الجمع بالمدینۃ۔رواہ الشیخان وجماعۃ،کماقدمناہ بطرقھا والفاظھا عماقریب۔	اسی طرح مغرب وعشاء بھی جمع کرلیتے تھے یہ روایت مسلم اور دیگر محدثین کے نزدیک غزوہ تبوک کے تذکرے سے متعلق ہے۔اور ابن ماجہ بطریقہ ابراہیم بن اسمٰعیل راوی ہیں۔کہ عبدالکریم کو مجاہد، سعید ابن جبیر، عطاء ابن ابی رباح اور طاؤس نے خبر دی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ان کو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں مغرب عشاء جمع کرلیتے تھے حالانکہ نہ آپ کو جلدی ہوتی تھی نہ دشمن تعاقب میں ہوتا تھا اور نہ کسی اور چیز کا خوف ہوتا تھا۔ **قلت** (میں نے کہا): یہ وہی ابن اسمٰعیل ابن مجمع انصاری ہے جو ضعیف ہے۔اور عبدالکریم اگر ابن مالک جزری نہیں ہے تو ابن ابی المخارق ہوگا اور وہ بہت ضعیف اور بہت ہی ضعیف ہے۔ابن عباس کی جو حدیث معروف ہے وہ مدینہ میں جمع کرنے کی ہے (نہ کہ سفر میں) اس کو بخاری، مسلم اور محدثین کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔جیسا کہ تھوڑا ہی پہلے ہم اس کے تمام طریقے اور الفاظ بیان کرآئے ہیں۔(ت)

وحدیث ۳ بخاری تعلیقًا ووصلًا وطحاوی وصلا:

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین ھاتین الصلاتین فی السفر،یعنی المغرب والعشاء[3]۔	انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اِن دو ۲ نمازوں کو سفر میں جمع کرتے تھے، یعنی مغرب اور عشاء کو۔(ت)

[1] صحیح البخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴۹

[2] سنن ابن ماجہ باب الجمع بین الصلوٰتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۷۶

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلوٰتین الخ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

وحدیث ۴ مالك وشافعی ودارمی ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجه وطحاوی مطولًا ومختصرًا عن عامر بن واثلة ابی الطفیل عن معاذ بن جبل رضی الله تعالٰی عنهم قال: جمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی غزوة تبوك بین الظهر والعصر وبین المغرب والعشاء، قال: فقلت، ماحمله علی ذلک؟ قال، فقال: ارادان لایحرج امته[1]۔ هذا لفظ مسلم فی الصلاة، ومثله للطحاوی، وعند الترمذی صدره فقط، وهو احد لفظی الطحاوی ولمالك ومن طریقه عند مسلم فی الفضائل، خرجنا مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عام غزوة تبوک، فکان یجمع الصلاة، فصلی الظهر والعصر جمیعا، والمغرب والعشاء جمیعا حتی اذاکان یوما اخر الصلاة، ثم خرج فصلی الظهر والعصر جمیعا، ثم دخل، ثم خرج بعد ذلک، فصلی المغرب والعشاء جمیعا[2]، الحدیث بطوله، وهو بهذا القدر من دون زیادة عبدالباقین۔	عامر ابن واثلہ ابوالطفیل، معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کیا تھا۔ واثلہ نے کہا کہ میں نے پُوچھا: "اس کی وجہ کیا تھی؟" تو معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیا کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ آپ کی اُمت کو کوئی تنگی نہ ہو۔ (ت) یہ مسلم کے الفاظ ہیں کتاب الصلوٰۃ میں، اور طحاوی نے بھی یونہی روایت کی ہے۔ ترمذی میں صرف اس کا ابتدائی حصّہ ہے اور طحاوی کی ایک روایت بھی صرف ابتدائی حصّے پر مشتمل ہے۔ مالک کے ہاں، اور انہی کے طریقے سے مسلم کے ہاں روایت ہے کہ غزوہ تبوک کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تو آپ نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے، چنانچہ آپ نے ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا اور مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا حتّٰی کہ ایک روز آپ نے نماز کو مؤخر کیا، پھر تشریف لائے تو ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا۔ پھر اندر تشریف لے گئے پھر باہر جلوہ افروز ہوئے اور مغرب وعشاء کو ملا کر پڑھا۔ مالک اور مسلم نے اس حدیث کو آخر تک پوری طوالت سے ذکر کیا ہے۔ مگر دیگر محدثین کے ہاں اسی قدر ہے۔ اس سے زائد نہیں ہے۔ (ت)

وحدیث ۵ مالک مرسلًا ومسندًا:

من طریق داؤد بن الحصین عن الاعرج	بطریقہ داؤد ابن حصین، اعرج سے، وہ ابوھریرہ

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] الصحیح لمسلم باب فی معجزات النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کتاب الفضائل مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۴۶

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین الظھر والعصر فی سفرہ الی تبوك[1]۔ ھکذا روی عن یحیٰی مسندا،وھو عند محمد وجمھور رواۃ المؤطا عن عبدالرحمٰن بن ھرمز مرسلا۔وعبد الرحمٰن، ھوالاعرج۔ و ھو عندا لبزار عن عطاء بن یسار عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔ **وحدیث**(۲) : احمد وابن شبۃ بطریق حجاج ابن ارطاۃ،مختلف فیہ،عن عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ وھو عبداللہ بن عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین الصلاتین فی غزوہ بنی المصطلق[3]۔**وحدیث**ے ترمذی فی کتاب العلل: حدثنا ابوالسائب عن الجریری عن ابی عثمٰن عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھما قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک کے دوران ظہر وعصر کو جمع کیا کرتے تھے۔(ت) یہ حدیث یحیٰی سے بھی اسی طرح مسنداً مروی ہے، مگر محمد اور مؤطا کے اکثر راوی اس کو عبدالرحمٰن ابن ہرمز سے مرسلاً روایت کرتے ہیں،اور عبدالرحمٰن، وہی اعرج ہے۔اور بزار کے ہاں عطاء ابن یسار ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو۲ نمازوں کو جمع کرتے تھے۔(ت)احمد اور ابن ابی شیبہ بطریقہ حجاج ابن ارطاۃ،جو مختلف فیہ ہے، عمرو ابن شعیب سے،وہ اپنے باپ سے،وہ اس کے دادا سے، یعنی عبداللہ ابن عمروابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بنی مصطلق میں دو۲ نمازوں کو جمع کیا۔(ت) حدیث بیان کی ہم سے ابوالسائب نے جریری سے،اس نے ابوعثمان سے،اس نے اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] مؤطاامام مالک الجمع بین الصلٰوتین الخ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص۲۵۔۱۲۴

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۳۳۰/۱

[3] المصنّف لابن ابی شیبہ باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۴۵۸/۲

وسلم اذاجدبه السیر جمع بین الظھر والعصر،والمغرب والعشاء،قال الترمذی: سألت محمدا،یعنی البخاری عن ھذا الحدیث،فقال: الصحیح،ھو موقوف عن اسامة بن زید[1]۔

وحدیث[۸] : احمد بطریق ابن لھیعة عن ابن الزبیر قال: سألت جابرا رضی اللہ تعالٰی عنه،ھل جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بین المغرب والعشاء ؟قال: نعم،عام غزونا بنی المصطلق[2]۔**وحدیث**[۹] ابن ابی شیبه وابوجعفر طحاوی:

اما الاول فبطریق ابن ابی لیلٰی عن ھذیل،واما الاٰخر فعن ابی قیس الاودی عن ھذیل بن شرجیل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جمع،ولفظ الاٰخر کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[3]۔وللطبرانی فی معجمیه الکبیر والاوسط عنه رضی اللہ تعالٰی عنه قال: جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم

وسلم کو جب چلنے میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر وعصر اور مغرب وعشا کو جمع کرتے تھے۔ترمذی نے کہا کہ میں نے محمد، یعنی بخاری سے اس حدیث کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ اسامہ ابن زید پر موقوف ہے۔(ت)

احمد بطریقہ ابن لہیعہ، ابوالزبیر سے راوی ہیں کہ میں نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا: "کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم نے کبھی مغرب وعشاء کو جمع کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، جس سال ہم غزوہ بنی مصطلق کے لئے گئے تھے"۔(ت) پہلے (یعنی ابن ابی شیبہ) بطریقہ ابن ابی لیلٰی، ہذیل سے، اور دوسرے (یعنی طحاوی) ابو قیس اودی ہے وہ ہذیل ابن شرجیل سے، وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر کے دوران جمع کیا طحاوی کے الفاظ یوں ہیں: "جمع کیا کرتے تھے دو نمازوں کو سفر کے دوران ۔"(ت)

اور طبرانی نے اپنی دونوں معجموں، یعنی کبیر اور اوسط میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر وعصر

---

1 عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۴۹/۷

نوٹ: یہ حوالہ مجھے ترمذی کی کتاب العلل میں نہیں مل سکا اور بڑی کوشش سے عمدۃ القاری سے ملا ہے۔نذیر احمد سعیدی

2 مسند احمد بن حنبل از مسند جابر بن عبداللہ مطبوعہ دار الفکر بیروت لبنان ۳۴۸/۳

3 مصنّف ابن ابی شیبہ من قال یجمع المسافر بین الصلوٰتین مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۴۵۸/۲

بین الظهر والعصر، والمغرب والعشاء، فقیل له فی ذلک، فقال: صنعت ذلک لئلا تحرج امتی[1]۔ وحدیث ۱۰ طبرانی فی المعجم الاوسط عن عطاعن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یجمع بین الصلاتین فی السفر[2]۔ وحدیث ۱۱ مرسل وبلاغ مالک: انه بلغه عن علی بن حسین، هو ابن علی رضی الله تعالٰی عنهم انه کان یقول: کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اراد ان یسیر یومه، جمع بین الظهر والعصر، واذا اراد ان یسیر لیله، جمع بین المغرب والعشاء[3]۔	اور مغرب وعشاء کو جمع کیا تو آپ سے اس بارے میں پُوچھا گیا، آپ نے جواب دیا کہ میں نے اس طرح اس لئے کیا ہے تاکہ میری اُمّت پر کوئی تنگی نہ ہو۔(ت) (قدیم میں یہ روایت ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور ترجمہ قدیم ہی کے مطابق کیا گیا ہے) طبرانی معجم اوسط میں ابونضرہ سے، وہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو[2] نمازوں کو جمع کیا کرتے تھے۔(ت) مالک کو علی ابن حسین ابن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہ بات پہنچی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دن کو سفر کرنا چاہتے تھے تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے اور جب رات کو سفر کرنا چاہتے تھے تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔(ت)

ولہٰذا سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مؤطا شریف میں حدیث پنجم روایت کرکے فرماتے ہیں:

بهذا ناخذ، والجمع بین الصلاتین ان تؤخر الاولٰی منهما فتصلی فی اٰخر وقتها، وتعجل الثانیة فتصلی فی اول وقتها، وتعجل الثانیة فتصلی فی اول وقتها[4]۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع بین الصلاتین کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی کو مؤخر کرکے آخر وقت میں پڑھا جائے اور دوسری کو جلدی کرکے اول وقت میں۔(ت)

یعنی جو اس حدیث میں آیا کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر جمع فرماتے ہم

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۲۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۶۹/۱۰

[2] معجم اوسط حدیث نمبر ۵۵۵۸ مکتب المعارف ریاض ۲۶۲/۶

[3] مؤطا امام مالک جمع بین الصلاتین میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۶

[4] مؤطا امام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۱

اسی کو اختیار کرتے ہیں اور جمع کے معنی جمع صوری ہیں۔ ملّا جی تو ایک ہوشیار ان احادیث اور ان کے امثال کو محتمل وبے سُود سمجھ کر خود بھی زبان پر نہ لائے اور اغوائے عوام کے لئے یوں گول اور پردہ کہہ گئے ف کہ جمع بین الصلاتین فی سفر صحیح اور ثابت ہے رسول اللہ سے بروایت جماعت عظیمہ کے صحابہ کبار سے۔

پھر پندرہ ۱۵ صحابہ کرام کے اسمائے طیبہ گنا کر خود ہی کہالاکن مجموعہ روایات میں بعض ایسی ہیں کہ اُن میں فقط جمع کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دو نمازوں کو بے ان کیا ہے کیفیت جمع کی بیان نہیں کی پس حنفی لوگ اُن حدیثوں میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ مراد اس سے جمع صوری ہے اسی لئے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں ذکر کرتے ہیں تو مصنفین بافہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انہیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں اھ ملخصًا۔

اقول: بالفرض اگر جمع صوری ثابت نہ ہوتی تاہم محتمل تھی اور احتمال قاطع استدلال نہ کہ جب آفتاب کی طرح روشن دلیلوں سے جمع صوری کا احادیثِ صحیحہ سے ثبوت ظاہر تو اب براہِ تلبیس پندرہ ۱۵ صحابہ کی روایت سے اپنے مطلب کا ثبوت صحیح بتانا اور جابجا عوام کو دہشت دلانے کے لئے کہیں چودہ کہیں پندرہ سُنانا کیا مقتضائے مُلّائیت ہے اب تو مُلّا جی کی تحریر خود اُن پر باز گشتی تیر ہوئی کہ جب احادیث صحیحہ صریحہ سے جمع صوری ثابت تو منصفین بافہم اُن حدیثوں مجمل الکیفیۃ کو بھی انہیں احادیث مبینۃ الکیفیۃ پر محمول سمجھیں، رہے وہ صحابہ جن کی روایات اپنے زعم میں صریح سمجھ کر لائے اور نص مفسر ناقابل تاویل کہتے ناظرین نقاد کا خوف نہ لائے وہ صرف چار ہیں دو جمع تقدیم دو جمع تاخیر میں، اُن روایات کا حال بھی عنقریب اِن شاء اللہ القریب المجیب کھلا جاتا ہے اُس وقت ظاہر ہوگا کہ دعوی کردینا آسان ہے مگر ثبوت دیتے تین ہاتھ پیراتا ہے **وللہ الحجۃ السامیہ۔**

فصل دوم ابطال دلائل جمع تقدیم:

واضح ہو کہ جمع تقدیم غایت درجہ ضعف وسقوط میں ہے حتی کہ بہت علمائے شافعیہ ومالکیہ تک معترف ہیں کہ اُس کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہ ہوئی مگر مُلّا جی اپنی مُلّائیت کے بھروسے بیڑا اٹھا کر چلے ہیں کہ اُسے احادیث صحیحہ صریحہ مفسرہ قاطعہ سے ثابت کر دکھائیں گے۔

چلا تو ہے وہ بت سیمتن شب وعدہ
اگر حجاب نہ روکے حیا نہ یاد آئے

جمع تقدیم وتاخیر دونوں کی نسبت حضرت کے یہی دعوے ہیں، ابھی سُن چکے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں

عــہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی الہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم ۱۲ منہ۔ ف معیار الحق ص ۳۶۶

پھر بعد ذکرِ احادیث [ف۱] فرمایا یہ ہیں دلائل ہمارے جواز جمع پر جن میں کسی طرح عذر اور تاویل اور جرح اور قدح کو دخل نہیں۔آخر کتاب میں فرمایا [ف۲]: نصوص قاطعہ تاویل۔اس سے اوپر لکھا: احادیث [ف۳] صحاح جو جمع بین الصلاتین پر قطعًا اور یقینا دلالت کرتی ہیں۔

بہت اچھا ہم بھی مشتاق ہیں مگر بے حاصل۔

بہت شور سُنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اِک قطرہ خُوں نہ نکلا

حضرت بکمال عرقریزی دو [۲] حدیثیں تلاش کرکے لائے وہ بھی ثمرہ نظر شریف نہیں بلکہ مقلدین شافعیہ کی تقلید جامد سے۔

حدیث اوّل: بعض طرقِ حدیث سیدنا معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس جناب سے روایت صحیحہ معروفہ مشہورہ مرویہ کبار ائمہ تو وہ تھی جو ان احادیث مجملہ سے حدیث چہارم میں گزری جس میں سوا جمع کے کوئی کیفیت مخصوصہ مذکور نہ تھی جماہیر ائمہ وحفّاظ نے اسے یوں ہی روایت کیا۔

رواہ عن ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ جماعۃ من الحفاظ،منھم سفیٰن الثوری وقرۃ بن خالد ومالك بن انس واُخرون،اماسفیٰن فعند ابن ماجۃ،وامافرۃ فعنه خالد بن الحارث عند مسلم،وعبدالرحمٰن بن مھدی عندالطحاوی، واما مالك فعنه الشافعی فی مسندہ، وابن وھب عندالطحاوی،وابوالقاسم عندالنسائی، وابوعلی الحنفی عندالدارمی، وعن الدارمی،مسلم فی صحیحه۔	اس حدیث کو ابوالزبیر سے،اس نے ابوالطفیل سے،اس نے معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،حفّاظ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے،جن میں سفیان ثوری،قرۃ ابن خالد،مالک بن انس اور دیگر محدثین شامل ہیں۔سفیان ثوری کی روایت ابن ماجہ کے ہاں ہے۔قرۃ ابن خالد سے خالد ابن حارث نے جو روایت لی ہے وہ مسلم میں ہے،اور جو عبدالرحمان ابن مہدی نے لی ہے وہ طحاوی میں ہے۔مالک سے جو روایت شافعی نے لی ہے وہ ان کے مسند میں ہے۔جو ابنِ وہب نے لی ہے وہ طحاوی کے ہاں ہے۔جو ابوالقاسم نے لی ہے وہ نسائی کے پاس ہے۔جو ابوعلی حنفی نے لی ہے وہ دارمی کے ہاں ہے اور دارمی سے مسلم نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے۔(ت)

یہی اہلِ علم کے نزدیک معروف ہے مگر ایک روایت غریبہ شاذہ بطریق لیث بن سعد عن یزید بن ابی جیب عن ابی الطفیل یوں آئی: ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان فی غزوۃ تبوک،اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس اخر الظھر حتی یجمعھا الی العصر فیصلیھما جمیعا،واذا ارتحل بعدزیغ الشمس صلی الظھر والعصر جمیعا ثم صار،وکان اذاارتحل بعد المغرب

ف۱ معیار الحق ص ۳۸۳،ف۲ معیار الحق ص ۴۱۸،ف۳ معیار الحق ص ۴۰۳

عجل العشاء فصلاھا مع المغرب [1]۔رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابن حبان والحاکم والدارقطنی والبیہقی۔زاد الترمذی بعد قولہ: اذا ارتحل بعدزیغ الشمس،عجل العصر الی الظھر وصلی الظھر والعصر جمیعا۔الحدیث [2] یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غزوہ تبوک میں جب سورج ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے تو ظہر میں دیر کرتے یہاں تک کہ اُسے عصر سے ملاتے تو دونوں کو ساتھ پڑھتے اور جب دوپہر کے بعد کُوچ فرماتے تو عصر میں تعجیل کرتے اور ظہر وعصر ساتھ پڑھتے پھر چلتے اور جب مغرب سے پہلے کُوچ کرتے مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشا کے ساتھ پڑھتے اور مغرب کے بعد کُوچ فرماتے تو عشا میں تعجیل کرتے اُسے مغرب کے ساتھ پڑھتے۔امام ترمذی فرماتے ہیں یہ غریب ہے معروف روایت ابی ھریرہ ہے:

حیث قال: حدیث اللیث عن یزید بن ابی حبیب عن ابی الطفیل عن معاذ،حدیث حدیث غریب والمعروف عند اھل العلم حدیث معاذ من حدیث ابی الزبیر عن ابی الطفیل عن معاذ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع فی غزوۃ تبوك بین الظھر والعصر، وبین المغرب والعشاء۔رواۃ قرۃ بن خالد وسفیٰن الثوری ومالك وغیر واحد عن ابی الزبیر المکی [3]۔	چنانچہ ترمذی نے کہا کہ وہ حدیث جو لیث نے یزید ابن ابی حبیب سے،اس نے ابوالطفیل سے،اس نے معاذ سے روایت کی ہے،وہ غریب ہے اور اہلِ علم کے نزدیک معروف معاذ کی وہ حدیث ہے جو ابوالزبیر نے بواسطہ ابوالطفیل معاذ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا۔اس کو قرۃ ابن خالد،سفیان ثوری،مالک اور دوسروں نے ابوالزبیر مکّی سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر ائمہ شان مثل ابوداؤد وترمذی وابوسعید بن یونس فرماتے ہیں اسے سوا قتیبہ بن سعید کے کسی نے روایت نہ کیا یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اُس پر غلط ہونے کا حکم فرمایا [4] کمانقلہ الامام البدر فی العمدۃ والشوکانی الظاھری فی شرح المنتقی عن الحافظ ابن سعید بن یونس (جیسا کہ امام بدر نے عمدۃ میں اور شوکانی الظاہری نے شرح منتقی میں حافظ ابن سعید بن یونس سے نقل کیا۔ت) امام ابوداؤد نے

---

1 سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۲

2 جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲

3 جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲

4 نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلٰوتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۳

منکر کہا[1] کمافی البدر المنیر وعنه فی النیل (جیسا کہ بدر منیر میں ہے اور اس سے نیل الاوطار نے نقل کیا ہے)

بلکہ رئیس الناقدین امام بخاری نے اشارہ فرمایا کہ یہ حدیث نہ لیث نے روایت کی نہ قتیبہ نے لیث سے سنی بلکہ خالد بن قاسم مدائنی متروک بالاجماع مطعون بالکذب نے قتیبہ کو دھوکا دے کر اُن سے روایت کرادی اُس کی عادت تھی کہ براہِ مکر وحیلہ شیوخ پر اُن کی ناشنیدہ روایتیں داخل کردیتا لاجرم حاکم نے علوم الحدیث میں اُس کے موضوع ہونے کی تصریح کی یہ سب باتیں علمائے حنفیہّ مثل امام زیلعی شارح کنز وامام بدر عینی شارح صحیح بخاری وعلّامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ کے سوا شافعیہ ومالکیہ وظاہریہ قائلان جمع بین الصلاتین مثلِ امام قسطلانی شافعی شارح بخاری وعلّامہ زرقانی مالکی شارح مؤطا ومواہب وشوکانی ظاہری شارح منتقی وغیرہم نے امام ابن یونس وامام ابوداؤد وابوعبداللہ حاکم وامام المحدثین بخاری سے نقل کیں بلکہ انہیں نے اور ان کے غیر مثل صاحب بدر منیر وغیرہ نے امام ابوداؤد سے حکم مطلق نقل کیا کہ جو مضمون اس روایت کا ہے اس باب میں اصلًا کوئی حدیث قابلِ استناد نہیں کماسیأتی اِن شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ اِن شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) تو باوصف تصریحات ائمہ شان خصوصًا بخاری کے پھر ملّاجی کا اس روایت کی تصحیح میں عرق ریزی بے حاصل اور توثیق لیث وقتیبہ وغیرہما رواۃ وقبول تفرد ثقہ کے اثبات میں تطویل لاطائل کرنا کیسی جہالتِ فاحشہ ہے کس نے کہا تھا کہ قتیبہ یا لیث یا یزید بن ابی حبیب یا معاذاللہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ ضعیف ہیں، ملّاجی بایں پیرانہ سالی ودعوے محدثی ابھی حدیث معلول ہی کو نہیں جانتے کہ اُس کے لئے کچھ ضعفِ راوی ضرور نہیں بلکہ باوصف وثاقت وعدالت رواۃ حدیث میں علت قارحہ ہوتی ہے کہ اُس کا رَد واجب کرتی ہے جسے بخاری وابوداؤد وغیرہما سے ناقدین پہچانتے ہیں بخاری وابوسعید وحاکم نے بھی تو قتیبہ پر جرح نہ کی تھی بلکہ یہ کہا تھا کہ اُنہیں دھوکا دیا گیا غلط میں پڑ گئے پھر اس سے عدالتِ قتیبہ کو کیا نقصان پہنچا، وثاقتِ قتیبہ سے حدیث کو کیا نفع ملا، ہاں یہ دفتر توثیق اپنے پے شوا ابن حزم غیر مقلد لامذہب کو سنایئے جس خبیث اللسان نے آپ کو اس روایت کے رَد میں سیدنا ابوالطفیل صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عیاذًا باللہ مقدوح ومجروح بتایا جسے دوسرے غیر مقلد شوکانی نے نقل کیا، غیر مقلدوں کی عادت ہے کہ جب حدیث کے رَد پر آتے ہیں خوفِ خدا وشرمِ دُنیا سب بالائے طاق رکھ جاتے ہیں۔ اسی ابن حزم نے باجے حلال کرنے کے لئے صحیح بخاری شریف کی صحیح ومتصل حدیث کو بزعمِ تعلیق رَد کیا جس کا بیان امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شرح صحیح مسلم شریف میں فرمایا وہی ڈھنگ موصول کو معلق مسند کو مرسل بناکر احادیث صحیحہ جیدہ کو رَد کرنے کے لئے آپ نے سیکھے ہیں،

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوٰتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۴۳

كماتقدم، ومن يشبه اباءه فماظلم ثمّ اقول: وتحسين الترمذی يرجع الى حديث معاذ، لقوله: حديث معاذ حديث حسن غريب۔ واذا اتى على هذه الرواية لم يحسنه، انما قال: و حديث الليث عن يزيد غريب۔ وافاد انه خلاف المعروف، فقال: والمعروف عند اهل العلم حديث معاذ [1]۔الخ واما ابن حبان فلانعلم له فضلا على ابی سعيد بن يونس، فانه ايضا ثقة، ثبت، حافظ، امام من ائمة الشان، كلاهما من الاقران، من تلامذة الامام النسائی ابی عبد الرحمٰن۔ وابن يونس، لنزاهته من نفس فلسفی، احب الى الناس من ابن حبان۔ وقد قال الامام ابوعمرو بن الصلاح فی طبقات الشافعية: ربما غلط الغلط الفاحش فی تصرفاته [2]، كمانقله الذهبی فی تذكرة الحفّاظ۔ فانی يدانی اباداؤد، فضلا ان يوازيه، فضلا ان يباريه، فضلا عن ذاك الجبل الجليل محمد بن اسمعيل يوقد عرف بالتساهل فی باب التصحيح؛ بل والتحسين، هو والترمذی: كمانص

جیسا کہ گزرا اور جو شخص اپنے آباؤ سے مشابہت رکھے اس کا کوئی قصور نہیں۔ ثم اقول پھر میں کہتا ہوں) کہ ترمذی کا حسن قرار دینا حدیث معاذ سے متعلق ہے کیونکہ ترمذی نے کہا ہے کہ معاذ کی حدیث حسن غریب ہے اور جب اس روایت کا ذکر کیا اسے حسن نہیں کہا صرف یہ کہا کہ لیث کی یزید سے مروی حدیث غریب ہے۔ ترمذی نے یہ افادہ بھی کیا کہ یہ معروف حدیث کے خلاف ہے۔ چنانچہ ترمذی نے کہا ہے کہ اہلِ علم کے نزدیک معروف، معاذ کی وہ حدیث ہے الخ۔ رہا ابن حبان تو اسکی سعید ابن یونس پر کوئی برتری ہمارے علم میں نہیں ہے کیونکہ سعید بھی ثقہ ہے ثبت ہے، حافظ ہے اور حدیث کے اماموں میں سے ایک امام ہے دونوں ہم زمان ہیں اور امام ابوعبدالرحمٰن نسائی کے شاگردوں میں سے ہیں۔ تاہم ابن یونس فلسفی روح سے پاک ہونے کی وجہ سے لوگوں کے ہاں ابن حبان سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ امام ابوعمر ابن صلاح نے طبقات الشافعیہ میں کہا ہے کہ ابن حبان کو تصرفات حدیث کے دوران بسا اوقات شدید غلطی لگ جاتی تھی، جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں بےان کیا ہے۔ تو پھر ابن حبان ابوداؤد کے قریب بھی کہاں پہنچ سکتا ہے، چہ جائے کہ اس کا ہمسر ہو، چہ جائے کہ اس کے مقابل ہو۔ اور علم کے عظیم پہاڑ محمد بن اسمٰعیل (بخاری) کا مقام تو پھر بہت ہی اونچا ہے، جبکہ ابن حبان احادیث کو صحیح قرار دینے میں متساہل ہے۔ بلکہ حسن قرار دینے میں بھی یہ اور ترمذی

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۷۲
[2] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ ابن حبان مطبوعہ حیدرآباد دکن ۳/۱۲۶

علیه الائمة وحققناہ فی رسالتنا مدارج طبقات ۱۳۱۳ھ الحدیث علی ان الجرح مقدم فی مثل المقام، فان من اثبت فانما نظر الی ثقة الرواة، ولم یطلع علی ما اطلع علیه غیرہ من العلة، ومن یعلم قاض علی من لایعلم۔ واللّٰه اعلم، من کل اعلم۔	متساہل ہیں، جیسا کہ ائمہ نے تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے رسالے "مدارج طبقات الحدیث" میں تحقیق کی ہے۔ علاوہ ازیں ایسے مقام پر جرح، تعدیل سے مقدم ہوتی ہے کیونکہ جو علماء، حدیث کو ثابت قرار دیتے ہیں وہ صرف راویوں کا ثقہ ہونا مدّ نظر رکھتے ہیں اور اس خامی سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں جس سے دوسرے واقف ہوتے ہیں اور آگاہی رکھنے والے، آگاہی نہ رکھنے والوں کی بنسبت فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم من کل اعلم۔ (ت)

ثمّ اقول: اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہوئی اور ہنوز کلام طویل ہے مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کہتا ہے نظر تحقیق کو رخصت تدقیق دیجئے تو اس روایت کا کون سا حرف جمع حقیقی میں نص ہے اُس کا حاصل تو صرف اس قدر کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر تبوک میں ظہر وعصر کو جمع فرماتے اگر دوپہر سے پہلے کُوچ ہوتا تو راہ میں اُتر کر ورنہ منزل ہی پر پہلی صورت میں جمع بعد سیر ہوتی ہے اور دوسری میں سیر بعد جمع پھر اس میں جمع صوری کا خلاف کیا ہوا حدیث کا کون سا لفظ حقیقی کا تعیین کر رہا ہے اذا ارتحل بعد زیغ الشمس میں خواہی نخواہی بعدیت متصلہ پر کیا دلیل ہے بلکہ اس کے عدم پر دلیل قائم کہ جزا صلی ثم سار ہے بلکہ الفاظ **اخر الظهر وعجل العصر** سے جمع صوری ظاہر ہے ظہر دیر کرکے پڑھی عصر جلد پڑھی اس سے یہی معنی مفہوم ومتبادر ہوتے ہیں کہ ظہر اپنے آخر وقت میں عصر اپنے شروع وقت میں نہ یہ کہ ظہر عصر میں پڑھی جائے یا عصر ظہر میں، ولہذا علمائے کرام مثل امام اجل طحاوی وابوالفتح ابن سید الناس وغیرہما بلکہ ان کے علاوہ آپ کے امام شوکانی نے بھی ان الفاظ تاخیر وتعجیل کو جمع صوری کی صریح دلیل مانا، شرح منتقی میں کہا:

ممایدل علی تعین حمل حدیث الباب علی الجمع الصوری، ما اخرجه النسائی عن ابن عباس، بلفظ: صلیت مع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الظهر والعصر جمیعا، والمغرب والعشاء جمیعا، اخر الظهر وعجل العصر، واخر المغرب وعجل العشاء۔ فهذا ابن عباس،	جن وجوہات کی بنا پر اس باب کی حدیث کو جمع صوری پر حمل کرنا متعین ہو جاتا ہے ان میں سے ایک وجہ وہ روایت ہے جس کی نسائی نے ابن عباس سے ان الفاظ میں تخریج کی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھا اور مغرب وعشا کو بھی اکٹھا پڑھا۔ آپ نے ظہر میں تاخیر اور عصر میں تعجیل فرمائی، اسی طرح مغرب میں تاخیر اور عشا میں تعجیل فرمائی تو یہ ابن عباس

راوی حدیث الباب،قدصرح بان ماوراہ من الجمع المذکور ھو الجمع الصوری [1]۔	جو حدیث کے راوی ہیں خود ہی واضح کر رہے ہیں کہ انہوں نے جمع کی جو روایت بےان کی ہے اس سے مراد جمع صوری ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

ومن المؤیدات للحمل علی الجمع الصوری ایضا،مااخرجہ ابن جریر عن ابن عمر،قال: خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم،فکان یؤخر الظھر ویعجل العصر فیجمع بینھما،ویؤخر المغرب ویعجل العشاء فیجمع بینھما۔وھذا ھو الجمع الصوری [2]۔	جمع صوری پر حمل کرنے کی مؤیدات میں سے وہ روایت بھی ہے جو ابن جریر نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بےان کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو ظہر کو مؤخر کرتے تھے اور عصر کو جلدی،اس طرح دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے۔اسی کو جمع صوری کہتے ہیں۔(ت)

معہذا ظہر ومغرب کا جب وقت کھودنا ٹھہرا تو عصر وعشاء میں جلدی کا ہے کی،اطمینان سے منزل پر پہنچ کر دونوں پڑھ لی جاتیں،ہاں جمع صوری اُن کی تعجیل ہی سے ممکن،تو حدیث اُسی طرف ناظر،بالجملہ شک نہیں کہ یہ روایت بھی اُنہیں احادیث مجملۃ الکیفیۃ سے ہے جسے مُلّاجی نے خواہی نخواہی جمع حقیقی میں نص مفسر ناقابل تاویل مان لیا،الحمدللہ اس تحریر کے بعد مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے مطالعہ نے ظاہر کیا کہ مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے حدیث کی یہی تفسیر کی جو فقیر نے تقریر کی،فرماتے ہیں:

(جمع بین الظھر والعصر) ای فی المنزل،بان اخر الظھر الٰی اٰخر وقتہ وعجل العصر فی اول وقتہ۔	(ظہر وعصر کو جمع کیا) یعنی قیام گاہ میں،ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کیااور عصر کو تعجیل کرکے اول وقت میں پڑھا۔(ت)

پھر فرمایا:

(جمع بین المغرب والعشاء) ای فی المنزل،کماسبق [3]۔	(مغرب وعشاء کو جمع کیا)یعنی جائے قیام میں،جیسا کہ پہلے گزرا۔(ت)

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب الجمع المقیم لمطراو غیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۶
[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب الجمع المقیم لمطراو غیرہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/۲۴۶
[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب صلٰوۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

حدیث دوم : اور تم نے کیا جانا کیا حدیث دوم وہ حدیث جسے جمع صلاتین سے اصلاً علاقہ نہیں جس میں اثبات جمع کا نام نہیں نشان نہیں، بو نہیں، گمان نہیں۔ خود قائلینِ جمع نے بھی اُسے مناظرہ میں پیش نہ کیا، ہاں بعض علمائے شافعیہ نے شرح حدیث میں استطراداً جس طرح شراح بعض فوائد زوائد حدیث سے استنباط کرجاتے ہیں لکھ دیا کہ اس میں جمع سفر پر دلیل ہے مُلّاجی چار طرف ٹٹول میں تھے ہی تقلید جامد شافعیہ کی لاٹھی پکڑے انہیں بند کیے پہنچے فیہ دلیل پر ہاتھ پڑا بحکم **لکل ساقطۃ لاقطۃ** (ہر گری ہوئی چیز کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت) جھٹ خوش خوش اٹھالائے اور معرکہ مناظرہ میں جمادی وہ کیا یعنی حدیث صحیحین

عن ابی جحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، خرج علینا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ الی البطحاء، فتوضأ فصلی لنا الظھر والعصر [1]۔ ولفظ البخاری، خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالھاجرۃ، فصلی بالبطحاء الظھر رکعتین والعصر رکعتین [2]۔	ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت مقامِ بطحاء میں ہمارے پاس باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور ہمیں ظہر وعصر کی نماز پڑھائی۔ اور بخاری کے الفاظ یوں ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت ہمارے پاس باہر تشریف لائے اور مقامِ بطحاء میں ظہر کی دو۲ رکعتیں اور عصر کی بھی دو۲ رکعتیں ادا فرمائیں۔ (ت)

سچ تو ہے مُلّاجی کی داد نہ فریاد، اب کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت اسے جمع حقیقی کی دلیل نہ صرف دلیل بلکہ صاف صریح نہ صالح تاویل بتانا کن کھلی آنکھوں کا کام ہے سبحان اللہ! حدیث کا مفاد صرف اتنا کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دوپہر کو یا ظہر کے اول وقت یا عصر سے پہلے خیمہ اقدس سے برآمد ہوکر وضو کیا اور ظہر وعصر دونوں اُسی موضع بطحاء میں ادا فرمائیں اس میں تو مطلق جمع بھی نہ نکلی نہ کہ جمع حقیقی میں نص ہو، مُلّاجی تو آپ جانیں ایک ہوشیار ہیں خود سمجھے کہ حدیث مطلب سے محض بے علاقہ ہے لہٰذا یہ نامندمل زخم بھرنے کو بشرم عوام کچھ عربی بولے اور یوں اپنی نحودانی کے پردے کھولے کہ فا ہاجرہ خروج و وضو وصلاۃ سب کی ظرف ہے اور فا ترتیب بے مہلت کے لئے تو بمقتضائے فا معنی یہ ہُوئے کہ یہ سب کام ہاجرہ میں ہولیے، ظاہر یہی ہے تو اس سے عدول بے مانع قطعی ناروا، علاوہ بریں عصر ظہر پر معطوف اور صلّی توضأ سے بے مہلت مربوط تو معطوفِ معمول کو جُدا کرلینا کیونکر جائز اھ ملخصا مھذبا مترجما اس پر بہت وجوہ سے رَد ہیں، مثلاً

---

1 صحیح مسلم: باب سترۃ المصلّی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۶

2 صحیح بخاری کتاب المناقب، باب صفت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۵۰۲

ف۱ معیار الحق ص ۳۶۷۔۳۶۹

اول: فا کو ترتیب ذکری کافی، مسلم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولو فی الذکر[1]۔	فاء ترتیب کے لئے بطور تعقیب ہے خواہ یہ ترتیب ذکر میں ہو۔(ت)

ثانی: عدم مہلت ہر جگہ اُس کے لائق ہوتی ہے **کمافی فواتح الرحموت**[2] (جیسا کہ فواتح الرحموت میں ہے۔ت) تزوج فولدلہ میں کون کہے گا کہ نکاح کرتے ہی اُسی آن میں بچّہ پیدا ہو تو جیسے وہاں تقریبًا ایک سال کا فاصلہ منافی مقتضائے فا نہیں، ظہر وعصر میں دو۲ ساعت کا فاصلہ کیوں منافی ہوگا۔

ثالث: ہاجرہ ظرف خروج ہے ممکن کہ خروج آخر ہاجرہ میں ہو کہ وضو و نماز ظہر تک تمام ہوجائے اور نمازِ عصر بلامہلت اُس کے بعد ہو، ہاجرہ کچھ دوپہر ہی کو نہیں کہتے زوال سے عصر تک سارے وقتِ ظہر کو بھی شامل ہے کمافی القاموس۔ تو مخالفت ظاہر کا ادعا بھی محض باطل۔

رابع: حدیث مروی بالمعنٰی ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تصریح کی کہ ایسی حدیث کے فا و واو وغیرہما سے استدلال صحیح نہیں کمافی الحجۃ البالغۃ۔ یہ تلخیص وتہذیب اجوبہ ہے **وقد ترکنا مثلھا فی العدد** (اور ہم نے اتنے ہی جوابات ترک کردئے ہیں۔ت) **وانا اقول**: وبحول اللہ اصول۔

خامس: ہاجرہ کو ظرف افعال ثلٰثہ کہنا محض ادعائے بے دلیل ہے"و" تعقیب چاہتی ہے۔ اتحاد زمانہ نہیں چاہتی بلکہ تعدد واجب کرتی ہے کہ تعقیب بے تعدد معقول نہیں۔

سادس: ظرفیت ثلٰثہ فا سے ثابت یا خارج سے اول بداہۃً باطل کما علمت بر تقدیر ثانی حدیث فالغو محض ہے کہ عصر فی الہاجرہ اُسی قدر سے ثابت، پھر باوصف لغویت اُسی کی طرف اسناد کہ بمقتضائے فا یہ معنی ہوئے اور عجیب تر۔

سابع: ذرا صفت حجۃ الوداع میں حدیث طویل سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صحیح مسلم وغیرہ میں ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

فلما کان یوم الترویۃ توجھوا الی منٰی فاھلوا بالحج ورکب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی بھا الظھر والعصر والمغرب والعشاء والفجر[3]۔	جب آٹھویں ذی الحجہ کی ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حج کا احرام باندھ کر منٰی کو چلے اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوئے تو منٰی میں ظہر وعصر ومغرب وعشاو فجر پانچوں نمازیں پڑھیں۔(م)

---

1 مسلم الثبوت مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۶۱

2 فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع المستصفی، بحث الفاء للتعقیب، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۳۴

3 الصحیح لمسلم باب حجۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۹۶

ملّاجی وہی فا ہے وہی ترتیب وہی عطف وہی ترکیب۔اَب یہاں کہہ دیناکہ سوار ہوتے ہی معًا بے مہلت پانچوں نمازیں ایک وقت میں پڑھ لیں جو معنی صلی الظھر والعصر الخ کے یہاں ہیں وہی وہاں اور یہ قطعًا محاورہ عامہ شائعہ سائغہ ہے کہ اصلاً مفید وصل صلوات نہیں ہوتاومن ادعی فعلیه البیان (جو شخص دعوی کرتا ہے اس کے ذمّے دلیل ہے۔ت)

ثامن: کلام متناقض ہے کہ اوّل کلام میں حکم وصل سے عصر کا فعل خلاف ظاہر مانا یہ دلیل صحت ہے آخر میں کیونکر جائز کہا یہ دلیل فساد۔

تاسع: تاویل کے لئے قطعیتِ مانع ضروری جاننا عجب جہل ہے کیا اگر کسی حدیث کے ظاہر سے ایک معنی متبادر ہوں اور دوسری حدیث صحیح اُس کے خلاف میں صریح تو حدیث اول کو اس کے خلاف ہی پر حمل واجب ہے کہ بے مانع قطعی ظاہر سے عدول کیونکر ہو نقل کرلانا سہل ہے محل ومقام ومقصد کلام کا سمجھنا نصیب اعدا۔

عاشر: آپ جو اپنی نصرت خیالات کو احادیث صحیحہ میں جابجا تاویلاتِ رکیکہ باردہ کرتے ہیں اُن کے جواز کا فتوی کہاں سے پایا، مجتہدات میں قاطع کہاں، مثلاً وقتِ ظہر یک مثل بنانے کو جو حدیث صحیح صریح بخاری حتی ساوی الظل التلول کے معنی بگاڑے جن کا ذکر اِن شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتا ہے اُس کا عذر کیا معقول ارشاد ہوتا ہے: منشاء تاویلات کا یہی ہے کہ احادیثِ صحیحہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقت ظہر کا نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعًا بین الاولہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں[1] اب خدا جانے بے قطعیت مانع یہ تاویلیں حقہ کیونکر ہوئیں مخالفتِ ظاہر کے باعث سلفہ کیوں نہ ہو گئیں۔

حادی عشر: طرفہ نزاکت صدر کلام میں یہ بیڑا اٹھا کر چلے کہ وہ حدیثیں جن میں تاویل مخالف کو دخل نہیں ذکر کرتے ہیں اور یہاں ایسے گرے کہ صرف ظاہر سے سند لائے تاویل خود ہی مان گئے۔

ثانی عشر: آپ کی فضولیات کی گنتی کہاں تک اصل مقصود کی دھجیاں لیجئے صحیحین میں حدیث مذکور کے یہ لفظ تو دیکھیے جن میں فاء سے یہ فی نکالی، مگر یہی حدیث انہیں صحیحین میں متعدد طرق سے بلفظ ثم آئی جو آپ کی تعقیب بے مہلت کو تعاقب سے دم لینے کی مہلت نہیں دیتی۔ صحیح بخاری شریف باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

بطریق شعبة عن الحکم، قال: سمعت اباجحیفة، قال: خرج رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالهاجرة الی البطحاء فتوضأ، ثم صلی الظهر	بطریقہ شعبہ، وہ حکم سے راوی ہے کہ میں نے ابوجحیفہ کو کہتے سُنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوپہر کے وقت بطحاء کی طرف نکلے تو وضو کیا، پھر ظہر کی دو ۲ رکعتیں پڑھیں اور

[1] معیار الحق، مسئلہ چہارم، بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۴

رکعتین والعصر رکعتین[1]۔	عصر کی دو۲ رکعتیں۔(ت)

نیز باب مذکور

بطریق مالك بن مغول عن عون عن ابیه، وفیه، خرج بلال فنادی بالصلاۃ، ثم دخل فاخرج فضل وضوء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فوقع الناس علیه یأخذون منه، ثم دخل فاخرج العنزۃ، وخرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، کانی انظر الی وبیض ساقیه، فرکز العنزۃ، ثم صلی الظهر رکعتین والعصر رکعتین[2]۔	بطریقہ مالک ابن مغول، وہ عون سے، وہ اپنے والد سے۔اس روایت میں ہے کہ بلال (خیمے سے) نکلے اور نماز کے لئے پکارا، پھر اندر گئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے آئے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے، بلال پھر اندر گئے اور عصا نکال لائے، اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی باہر تشریف لے آئے گویا کہ میں اب بھی آپ کی ساقین کی چمک دیکھ رہا ہوں بلال نے عصا (بطور سُترہ) زمین پر گاڑ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ظہر اور عصر کی دو۲ دو۲ رکعتیں پڑھیں۔(ت)

چلے کہاں کو، ان دو۲ نے تو آپ کی تعقیب ہی بگاڑی ہے، تیسرا اور نہ لیے جاؤ جو خود ظہر وعصر موٰیں فاصلہ کر دکھائے، صحیح مسلم شریف

بطریق سفیٰن ناعون بن ابی جحیفة عن ابیه، وفیه، فخرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم فتوضأ، واذن بلال، ثم رکزت العنزۃ، فتقدم فصلی الظهر رکعتین، ثم صلی العصر رکعتین، ثم لم یزل یصلی رکعتین حتی رجع الی المدینة[3]۔	بطریقہ سفیان، وہ عون سے، وہ اپنے والد ابوجحیفہ رضی اللہ عنہ سے۔اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو وضو کیا اور بلال نے اذان دی، پھر عصا گاڑا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوگئے، تو ظہر کی دو۲ رکعتیں پڑھیں، پھر عصر کی دو۲ رکعتیں پڑھیں، اس کے بعد مدینہ کو واپسی تک دو ہی رکعتیں پڑھتے رہے۔(ت)

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۵۰۲

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۵۰۳

[3] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب سترۃ المصلی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۶

ملّاجی ! اب مزاج کا حال بتائیے ع

حفظت شیئا وغابت عنك اشیاء

(تُو نے ایک چیز یاد رکھی اور بہت سی چیزیں تُجھ سے اوجھل رہ گئیں۔ت)

الحمدللہ اس فصل کے بھی اصل کلام نے وصل ختام بروجہ احسن پایا۔اب حسبِ فصل اول چند افاضات لیجئے:

افاضہ اولٰی: ہمارے اجلّہ ائمہ حنفیّہ مالکیہ شافعیہ اور ملّاجی کے امام ظاہر یہ سب بالاتفاق اپنی کتب میں نقل کررہے ہیں کہ امام اجل ابوداؤد صاحبِ سُنن نے فرمایا:

لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[1]۔	جمع تقدیم میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔(ت)

امام زیلعی فرماتے ہیں:

قال ابوداؤد: ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[2]۔	ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔(ت)

امام بدر محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قلت: حکی عن ابی داؤد انہ انکر ھذا الحدیث،وحکی عنہ ایضا،انہ قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[3]۔	میں نے کہا: ابوداؤد سے منقول ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ان سے یہ بھی منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح علامہ سید میرک شاہ حنفی نے نقل فرمایا مولانا علی قاری مکّی مرقاۃ شرح مشکٰوۃ میں فرماتے ہیں:

حکی عن ابی داؤد انہ قال: لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم۔نقلہ میرك۔فھذا شھادۃ بضعف الحدیث وعدم قیام الحجۃ للشافعیۃ[4]۔	ابوداؤد سے منقول ہے کہ تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے،یہ بات میرک نے نقل کی ہے۔یہ حدیث کے ضعیف ہونے اور شافعیوں کی دلیل قائم نہ ہونے پر شہادت ہے۔(ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں: قد قال ابوداؤد:

---

[1] شرح الزرقانی علی الموطا الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبعۃ الاستقامۃ قاہرہ مصر ۱/۲۹۲

[2] تبیین الحقائق اوقات الصلٰوۃ مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/۸۹

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب الجمع فی السفر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ دمشق ۷/۱۵۱

[4] مرقاۃ شرح مشکٰوۃ باب صلٰوۃ السفر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۲۲۵

ولیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم [1]۔ (ابوداؤد نے فرمایا: تقدیم وقت میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ت)

بعینہٖ اسی طرح علّامہ زرقانی مالکی نے شرح مؤطائے امام مالک و نیز شرح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرمایا شوکانی غیر مقلد کی نیل الاوطار میں ہے: **قال ابو داؤد: ھذا حدیث منکر ولیس فی جمع التقدیم حدیث قائم** [2]۔

بھلا ابوداؤد سا امام جلیل الشان یہ تصریح فرماگیا جسے علمائے مابعد حتی کہ قائلانِ جمع بھی بلا نکیر وانکار نقل فرماتے آئے، نہ آج تک کوئی اس کا پتا دے سکا، اب مُلّاجی چاہیں کہ میں حدیث صحیحین سے ثابت کردوں یہ کیونکر بنی مگر **قیامت لطیفہ** دلربا کھسیانی ادا یہ ہے کہ جھنجھلائی نظروں سے جل کر فرمایاف: کچھ غیرت آوے تو نشان دہی کریں کہ ابُوداؤد نے کون سی کتاب میں یہ قول کہا ہے، یعنی نقول ثقات عدول محض مردود و نامقبول جب تک قائل خود اپنی کتاب میں تصریح نہ کرے اُس سے کوئی نقل معتبر نہ ہوگی۔

اقول: مُلّاجی! ان جھنجھلاہٹوں میں حق بجانب تمہارے ہے تم دلی کی ٹھنڈی سڑک پر ہوا کھلانے کے قابل نہ تھے یہ حنفی لوگ عبث تمہیں چھوڑ کر بو کھلائے دیتے ہیں بھلا اوّلاً اتنا تو ارشاد ہو کہ بہت ائمہ جرح وتعدیل و تصحیح وتضعیف وغیرہم ایسے گزرے جن کی کوئی کتاب تصنیف نہیں بیان سے نقل معتبر ہونے کا کیا ذریعہ ہوگا۔

ثانیًا: آپ جو اپنی مبلغ علم تقریب کے بھروسے رواۃ میں کسی کو ثقہ کسی کو ضعیف کسی کو چنیں کسی کو چناں کہہ رہے ہیں ظاہر ہے کہ مصنف تقریب نے اُن میں کسی کا زمانہ تک نہ پایا صدہا سال بعد پیدا ہوئے انہیں دیکھنا اور اپنی نگاہ سے پرکھنا تو قطعًا نہیں اسی طرح ہر غیر ناظر میں یہی کلام ہوگا، اب رہی دیکھنے والوں سے نقل سوا مواضع عدیدہ کے ثبوت تو دیجئے کہ ناظرین مبصرین نے اپنی کس کتاب میں اُن کی نسبت یہ تصریحیں کی ہیں۔

ثالثًا: آپ کی اسی کتاب میں اور بیسیوں نقول سلف سے ایسی نکلیں گی کہ آپ حکایات متاخرین کے اعتقاد پر نقل کر لائے اور اُن سے احتجاج کیا کچھ غیرت رکھاتے ہو تو نشان دہی کرو کہ وہ باتیں منقول عنہم نے کس کتاب میں لکھی ہیں مگر یہ کہیے کہ **یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ** (وہابی کے لئے وہ کچھ جائز ہے جو دوسروں کے لئے جائز نہیں۔ت)

افاضہ ثانیہ: رہی اس باب میں حدیثِ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مروی احمد وشافعی وعبدالرزاق وبیہقی:

وھذا حدیث احمد اذیقول حدثنا عبدالرزاق اخبرنا ابن جریج اخبرنی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس عن عکرمۃ و	اور یہ احمد کی حدیث ہے، حدیث بیان کی ہم سے عبدالرزاق نے، اس کو خبر دی ابن جریج نے، اس کو خبر دی حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس نے کہ عکرمہ اور

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلوتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۴۳

ف معیار الحق ص ۳۷۴

کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال: الا اخبرکم عن صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر؟ قلنا: بلٰی۔قال: کان اذا زاغت الشمس فی منزلہ جمع بین الظہر والعصر ،قبل ان یرکب ،واذا لم تزغ لہ فی منزلۃ سار ،حتی اذاکانت العصر ،نزل فجمع بین الظہر والعصر۔واشار الیہ ابوداؤد تعلیقا[1] ،فقال: رواہ ہشام بن عروۃ عن حسین بن عبداللہ عن کریب عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ،ولم یذکر لفظہ[2]۔	کریب،ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے ہم سے پُوچھا: "کیا میں تمہیں سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہم نے کہا: "کیوں نہیں (ضرور بتائیں) انہوں نے کہا کہ اگر جائے قیام پر زوال ہو جاتا تھا تو سوار ہونے سے پہلے ظہر اور عصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر جائے قیام پر زوال نہیں ہوتا تھا تو چل پڑتے تھے اور جب عصر ہوتی تھی تو اتر کر ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔اس روایت کی طرف ابوداؤد نے تعلیقًا اشارہ کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو ہشام ابن عروہ نے حسین ابن عبداللہ سے،اس نے کریب سے،اس نے ابن عباس سے،انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔مگر ابوداؤد نے اس کے الفاظ ذکر نہیں کئے ہیں۔(ت)

خود قائلانِ جمع اس کا ضعف تسلیم کرگئے شاید اسی لئے کچھ سوچ سمجھ کر ملّاجی بھی اُس کا ذکر زبان پر نہ لائے لہٰذا اس میں زیادہ کلام کی ہمیں حاجت نہیں تاہم اتنا معلوم رہے کہ اُس کے راوی حسین مذکور ائمہ شان کے نزدیک ضعیف ہیں۔یحیٰی نے فرمایا: ضعیف۔ابوحاتم رازی نے فرمایا: ضعیف،یکتب حدیثہ ولایحتج بہ[3] (ضعیف ہے،اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس سے استدلال نہ کیا جائے۔ت) ابوزرعہ وغیرہ نے کہا: لیس بقوی (قوی نہیں ہے۔ت) جوزجانی نے کہا: لایشتغل بہ[4] (اس کے ساتھ مشغول نہیں ہونا چاہئے۔ت) ابنِ حبان نے کہا: یقلب الاسانید ویرفع المراسیل[5] (اسنادوں کو پلٹ دیتا تھا اور مراسیل کو مرفوع

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۲۷

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور ۱/ ۱۷۱، مصنف،ابی بکر عبدالرزاق بن ہمام جمع بین الصلاتین مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۴۸

[3] ارشاد الساری باب یؤخر الظہر الی العصر الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۵۴۸

[4] میزان الاعتدال ترجمہ حسین بن عبداللہ ۲۰۱۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۳۷

[5] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۴۴

بنادیتا تھا۔ت) محمد بن سعد نے کہا: کان کثیر الحدیث، ولم ارھم یحتجون بحدیثه (حدیثیں بہت بیان کرتا تھا، علماء اس کی احادیث سے استدلال نہیں کرتے تھے۔ت) یہاں تک کہ نسائی نے فرمایا: متروک الحدیث امام بخاری نے فرمایا علی بن مدینی نے کہا: ترکت حدیثه[1] (میں نے اسکی حدیث کو ترک کردیا ہے۔ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں کہا: ضعیف۔اس حدیث کی تضعیف شرح بخاری قسطلانی شافعی وشرح مؤطا زرقانی مالکی وشرح منتقی شوکانی ظاہری میں دیکھیے، ارشاد میں فتح الباری سے ہے:

لکن له شاهد من طریق حماد عن ایوب عن ابی قلابة عن ابن عباس، لااعلمه الا مرفوعا، انه کان اذا انزل منزلا فی السفر فاعجبه اقام فیه، حتی یجمع بین الظهر والعصر، ثم یرتحل، فاذا لم یتهیأله المنزل مدفی السیر فسار حتی ینزل، فیجمع بین الظهر والعصر۔ خرجه البیهقی، ورجاله ثقات، الا انه مشکوك فی رفعه، والمحفوظ انه موقوف۔ وقداخرجه من وجه اٰخر، مجزوما بوقفه علی ابن عباس، ولفظه: اذا کنتم سائرین، فذکر نحوه[2]۔	لیکن اس کا ایک شاہد ہے جو بطریقہ حماد مروی ہے حماد ایوب سے، وہ ابوقلابہ سے، وہ ابن عباس سے روایت کرتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) میرے خیال میں یہ روایت مرفوع ہی ہے کہ جب سفر کے دوران کسی منزل پر اُترتے تھے اور وہ جگہ پسند آجاتی تھی تو وہاں ٹھہر جاتے تھے یہاں تک ظہر وعصر کو یکجا پڑھتے تھے پھر سفر شروع کرتے تھے اور اگر کوئی ایسی منزل مہیا نہیں ہوتی تھی تو چلتے رہتے تھے یہاں تک کہ کسی جگہ اُتر کر ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے۔اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس کا مرفوع ہونا مشکوک ہے، محفوظ بات یہ ہے کہ یہ روایت موقوف ہے۔ بیہقی نے ایک اور سند سے بھی اس کو روایت کیا ہے جس کے مطابق اس کا ابن عباس پر موقوف ہونا یقینی ہے، اس کے الفاظ اس طرح ہیں جب تم چلنے والے ہو (تویوں کیا کرو کہ۔۔۔۔۔۔) اس کے بعد درج بالا طریقہ مذکور ہے۔(ت)

شرح مؤطا میں اسے ذکر کرکے فرمایا: وقدقال ابوداؤد لیس فی تقدیم الوقت حدیث قائم[3] (ابوداؤد نے فرمایا، تقدیم وقت پر کوئی حدیث ثابت نہیں۔ت)

اقول: وہ ضعیف اور اُس کا یہ شاہد موقوف اگر بالفرض ومرفوع بھی ہوتے تو کیاکام دیتے کہ اُن کا

---

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ابواب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۴۴

[2] ارشادالساری شرح بخاری باب یوخر الظھر الی العصر اذاارتحل الخ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۰۳)

[3] شرح الزرقانی علی المؤطاامام مالک، الجمع بین الصلاتین والحضر والسفر، مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۲

حاصل تو یہ کہ جو منزل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پسند آتی اور دوپہر وہیں ہوجاتا تو ظہر وعصر دونوں سے فارغ ہوکر سوار ہوتے اس میں عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں نکلا بعینہٖ اسی بیان سے شاہد کاسار حتی ینزل فیجمع جمع حقیقی پر اصلا شاہد نہیں اور کانت العصر کا جواب بعونہ تعالٰی بیانات آئندہ سے لیجئے وباللہ التوفیق اگر کہیے روایت شافعی یوں ہے:

اخبرنی ابن ابی یحیٰی عن حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس بن کریب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما،فذکر الحدیث،وفیہ جمع بین الظھر والعصر فی الزوال [1]۔	خبر دی مجھے ابن ابی یحیٰی نے حسین ابن عبداللہ سے کہ کریب نے ابن عباس سے روایت کی ہے،اس کے بعد مندرجہ بالا روایت مذکور ہے اور اس میں ہے کہ زوال کے وقت ظہر وعصر کو جمع کرتے تھے۔(ت)

اقول: اس کی سند میں ابن ابی یحیٰی رافضی قدری معتزلی جہمی بھی متروک واقع ہے امام اجل یحیٰی بن سعید بن قطعاًن وامام اجل یحیٰی بن معین وامام اجل علی بن مدینی وامام یزید بن ہارون وامام ابوداؤد وغیرہم اکابر نے فرمایا: کذاب تھا۔امام احمد نے فرمایا: ساری بلائیں اُس میں تھیں۔امام مالک نے فرمایا: نہ وہ حدیث میں ثقہ ہے نہ دین میں۔امام بخاری نے فرمایا: ائمہ محدثین کے نزدیک متروک ہے۔میزان الاعتدال میں ہے:

ابرھیم بن ابی یحیی،احد العلماء الضعفاء،قال یحیی بن سعید: سألت مالکاعنہ،اکان ثقۃ فی الحدیث؟ قال: لا،ولافی دینہ۔وقال یحیی بن معین: سمعت القطان یقول: ابرھیم بن ابی یحیی کذاب۔وروی ابوطالب عن احمد بن حنبل،قال: ترکوا حدیثہ، قدری،معتزلی، یروی احادیث لیس لھا اصل وقال البخاری: ترکہ ابن المبارك والناس۔وروی عبداللہ بن احمد عن ابیہ،قال: قدری،جھمی،	ابراہیم بن ابی یحیٰی ضعیف علماء میں سے ایک ہے۔یحیٰی ابن سعید نے کہا کہ میں نے اس کے بارے میں مالک سے پُوچھا کہ کیا وہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا؟ انہوں نے جواب دیا: نہ وہ حدیث میں قابلِ اعتماد تھا،نہ دین میں۔اور یحیٰی ابن معین نے کہا: میں نے قطان کو کہتے سُنا ہے کہ ابرہیم ابن یحیٰی کذاب ہے۔ابوطالب نے احمد ابن حنبل سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: علماء نے اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے،قدری ہے،معتزلی ہے،بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔بخاری نے کہا: ابن مبارک نے اور لوگوں نے

[1] مسند الشافعی

كل بلاء فيه، ترك النّاس حديثه، وروى عباس عن ابن معين، كذاب، رافضي۔ وقال محمد بن عثمان بن ابی شیبة: سمعت علیا یقول: ابرهیم بن ابی یحیٰی کذاب۔ وقال النسائی والدارقطنی وغیرهما، متروك[1]۔	اس کی حدیث کو ترک کردیا ہے۔ عبداللہ ابن احمد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: قدری ہے، جہمی ہے، ہر بلا اس میں پائی جاتی ہے، لوگوں نے اس کی حدیث چھوڑدی ہے۔ عباس، ابنِ معین سے ناقل ہے کہ وہ کذاب ہے، رافضی ہے۔ محمد ابن عثمان ابن ابی شیبہ نے کہا ہے: میں نے علی کو کہتے سُنا ہے کہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کذاب ہے۔ نسائی، دارقطنی اور دُوسروں نے کہا کہ متروک ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابن حبان: کان یکذب فی الحدیث[2]۔	ابن حبان نے کہا کہ حدیث میں جھُوٹ بولتا تھا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال ابومحمد الدارمی: سمعت یزید بن هارون، یکذب ابرٰهیم بن ابی یحیٰی[3]۔	ابو محمد دارمی نے کہا کہ میں نے یزید ابن ہارون سے سنا کہ وہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی کو جھُوٹا قرار دیتے تھے۔ (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے:

عن الزهری وصالح مولی التوأمة وعنه الشافعی و اٰخرون، قال عبدالله بن احمد عن ابیه: کان قدریا، معتزلیا، جهمیا، کل بلاء فیه۔ قال ابوطالب عن احمد بن حنبل: ترك الناس حدیثه، وکان یأخذ احادیث الناس فیضعفها فی کتبه۔ وقال یحیی القطان: کذاب۔ وقال احمد بن سعید بن ابی مریم: قلت لیحیی بن	زہری اور صالح مولی التوامہ سے اور اس سے شافعی اور دیگر علماء نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ (ابراہیم مذکور) قدری تھا، معتزلی تھا، جہمی تھا، ہر بلا اس میں موجود تھی۔ ابوطالب نے احمد بن حنبل سے نقل کیا کہ لوگوں نے اس کیح حدیث چھوڑدی تھی، وہ لوگوں کی حدیثیں لے کر اپنی کتابوں میں لکھ لیتا تھا۔ یحیٰی قطان نے کہا: جھُوٹا ہے۔ احمد ابن سعید ابن ابی مریم نے کہا: میں نے

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۵۷۔۵۸
[2] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۶۰
[3] میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۱۸۹ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۶۰

معین، فابن ابی یحیٰی؟ قال: کذاب [1]۔	یحیٰی ابن معین سے ابن ابی یحیٰی کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا: کذّاب ہے۔(ت)

تذکرۃ الحفاظ میں ہے: قال ابن معین و ابوداؤد: رافضی کذاب [2] (ابن معین اور ابوداؤد نے کہا: رافضی ہے، کذاب ہے۔ت) لاجرم تقریب میں ہے: متروك [3] اھ الکل باختصار۔ یہاں تک کہ ابوعمر بن عبدالبر نے کہا اُس کے ضعف پر اجماع ہے کما نقلہ فی المیزان [4] فی ترجمۃ عبدالکریم بن ابی المخارق واللہ تعالٰی اعلم۔

افاضہ ثالثہ: یوں ہی حدیث دارقطنی:

حدثنا احمد بن محمد بن سعید ثنا المنذر بن محمد ثنا ابی ثنا ابی ثنا محمد بن الحسین بن علی بن الحسین ثنی ابن عن ابیہ عن جدہ عن علی رضی اللہ تعالٰی قال کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا ارتحل حین تزول الشمس جمع بین الظھر وعجل العصر، ثم جمع بینھما [5]۔	حدیث بیان کی ہم سے احمد ابن محمد ابن سعید نے منذر ابن محمد سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے اپنے باپ سے، اس نے محمد سے، اس نے اپنے والد حسین سے، اس نے اپنے والد علی ابن امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، انہوں نے اپنے دادا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال کے وقت روانگی اختیار فرماتے تھے تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور اگر روانگی میں جلدی ہوتی تھی تو ظہر کو مؤخر کرکے اور عصر کو مقدم کرکے دونوں کو یکجا پڑھ لیتے تھے۔(ت)

اس میں سوا عترت طاہرہ کے کوئی راوی ثقہ معروف نہیں۔ عمدۃ القاری میں فرمایا:

لایصح اسنادہ، شیخ الدارقطنی ھو ابوالعباس بن عقدۃ، احد الحفاظ،	اس کا اسناد صحیح نہیں ہے کیونکہ دارقطنی کا استاد (احمد) ابوالعباس ابن عقدہ ہے، جو اگرچہ حفّاظِ حدیث

---

[1] خلاصہ تذھیب تہذیب الکمال الخ، ترجمہ ابراہیم ابن ابی یحیٰی ۲۷۴، مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل (شیخوپورہ) ۱/۵۵

[2] تذکرۃ الحفاظ ترجمۃ ابراہیم بن محمد المدنی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۲۲۷

[3] تقریب التہذیب، ترجمۃ ابراہیم بن محمد المدنی مطبوعہ الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ، پاکستان ص ۲۳

[4] میزان الاعتدال ترجمہ عبدالکریم ابن ابی المخارق ۵۱۷۲ مطبوعہ دار المعرفت بیروت لبنان ۲/۶۴۶

[5] سنن الدارقطنی، باب الجمع بین الصلٰوتین فی السفر مطبوعہ نشر السنّۃ ملتان ۱/۲۹۱

لکنه شیعی **قلت:** بل نص فی موضع اخر من المیزان،فیه وفی ابن خراش،ان فیهما رفضا وبدعة۔اھ) وقد تکلم فیه الدارقطنی وحمزة السھمی وغیرھما۔وشیخه المنذر بن محمد بن المنذر،لیس بالقوی ایضا قاله الدارقطنی ایضا۔وابوہ وجدہ یحتاج الٰی معرفتهما[1]۔	میں سے ہے لیکن شیعہ ہے۔میں نے کہا: بلکہ میزان کے ایک اور مقام میں اس کے اور ابن خراش کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں رفض اور بدعت پائی جاتی ہے۔خود دارقطنی اور حمزہ سہمی وغیرہ نے بھی اس پر جرح کی ہے،اور اس کا استاد منذر ابن محمد بن منذر بھی زیادہ قوی نہیں ہے۔یہ بات بھی دارقطنی نے کہی ہے۔اور منذر کا باپ اور دادا دونوں غیر معروف ہیں۔(ت)

اقول: وہ صحیح ہی سہی تو انصافاً صاف صاف ہمارے مفید و موافق ہے اُس کا صریح مفاد یہ کہ سُورج ڈھلتے ہی کُوچ ہوتا تو ظہرین جمع فرماتے پُر ظاہر کہ زوال ہوتے ہی کوچ اور جمع تقدیم کا جمع محال۔کیا پیش از زوال ظہر وعصر پڑھ لیتے لاجرم وہی جمع مراد جس کا صاف بیان خود آگے موجود کہ ظہر بدیر اور عصر جلد پڑھتے،یہی جمع صوری ہے **کما لایخفی**۔

افاضہ رابعہ: حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اِن شاء اللہ العزیز جمع تاخیر میں آتی ہے اُس میں معروف و محفوظ و مروی جماہیر ائمہ ثقات وعدول مذکور صحیح بخاری و صحیح مسلم وسُنن ابی داؤد وسنن نسائی ومصنّف طحاوی وغیرہا عامہ دواوین اسلام صرف اس قدر ہے کہ حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اگر دوپہر ڈھلنے سے پہلے کُوچ فرماتے ظہر میں عصر تک تاخیر کرکے ساتھ ساتھ پڑھتے اور اگر منزل ہی پر وقت ظہر آجاتا **صلی الظھر ثم رکب**[2] ظہر پڑھ کر سوار ہوجاتے جس سے بحکم مقابلہ وسکوت فی معرض البیان صاف ظاہر کہ تنہا ظہر پڑھتے عصر اس کے ساتھ نہ ملاتے۔ولہذا نافیان جمع تقدیم نے اُس سے تمسک کیا کمافی عمدۃ القاری وارشاد الساری وغیرھما مگر بعض روایات غریبہ میں آیا کہ ظہر وعصر دونوں پڑھ کر سوار ہوتے۔حاکم نے اربعین میں بطریق

ابی العباس محمد بن یعقوب عن محمد بن اسحٰق الصاغانی عن حسان بن عبداللہ عن المفضل بن فضالة عن عقیل عن	ابوالعباس محمد ابن یعقوب نے محمد بن اسحٰق صاغانی سے،اس نے حسان ابن عبداللہ سے،اس نے مفضل ابن فضالہ سے،اس نے

[1] عمدۃ القاری باب الجمع فی السفر بین المغرب والعشاء مطبوعہ الطباعۃ الخیریۃ دمشق ۷/۱۴۹

[2] صحیح بخاری باب اذاارتحل بعد مازاغت الشمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰

ابن شھاب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیفان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر والعصر ثم رکب[1]۔	عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ اگر روانگی سے پہلے زوال ہوجاتا تو ظہر وعصر پڑھ کر سوار ہُوا کرتے تھے۔(ت)

جعفر فریابی نے بتفرد خود اسحٰق بن راہویہ سے روایت کی:

عن شبابۃ بن سوار عن اللیث عن عقیل عن الزھری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ.قال: کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاکان فی سفر فزالت الشمس صلی الظھر والعصر جمیعاثم ارتحل[2]۔	شبابہ ابن سواد سے، اس نے لیث سے، اس نے عقیل سے، اس نے زہری سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے اور زوال ہوجاتا تھا، تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔(ت)

اوسط طبرانی میں ہے:

حدثنا محمد بن ابرھیم بن نصر بن شبیب الاصبھانی قال ثناھارون بن عبداللہ الحمال ثنا یعقوب بن محمد الزھری ثنا محمد بن سعد ان ثنا ابن عجلان عن عبداللہ بن الفضل عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ.ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذاکان فی سفر فزاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر والعصر جمیعا[3]۔	حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن ابراہیم ابن نصر بن سندر اصبہانی نے ہارون ابن عبداللہ حمال سے، اس نے یعقوب ابن محمد زہری سے، اس نے محمد ابن سوان سے، اس نے ابن عجلان سے، اس نے عبداللہ بن فضل سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے تھے تو اگر روانگی سے پہلے سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے۔(ت)

روایت اسحٰق پر امام ابوداؤد نے انکار کیا اسمٰعیل نے اُسے معلول بتایا کمافی العمدۃ وغیرھا۔

اقول: الامام اسحق رضی اللہ تعالٰی عنہ.لاکلام فی جلالۃ قدرہ وعظمۃ فخرہ.لکن نص الامام ابوداؤدانہ	**میں کہتا ہوں:** امام اسحٰق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قدر اور عظمت افتخار میں کوئی شک نہیں ہے لیکن امام ابوداؤد نے تصریح کی ہے کہ وفات سے

---

[1] اربعین للحاکم

[2] میزان الاعتدال بحوالہ جعفر فریابی ترجمہ ۱۵۹۳ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۴

[3] معجم الاوسط حدیث ۷۵۴۸ مکتب المعارف ریاض ۸/ ۲۷۱۔۲۷۲

کان تغیر قبل موتہ باشھر ,قال: وسمعت منہ فی تلك الایام فرمیت بہ[1] ۔کمافی التذھیب۔ وذکر الحافظ المزی حدیثہ الذی زاد فیہ علی اصحاب سفیٰن ,فقال: اسحٰق اختلط فی اٰخر عمرہ [2] ۔کمافی المیزان۔ولاشك انہ رحمہ اللہ تعالٰی کان کثیر التحدیث عن ظھر قلبہ ,املی المسند کلہ من حفظہ [3] ۔کمافی التذھیب ,قال: قال احمد بن اسحٰق الضبعی: سمعت ابرھیم بن ابی طالب ,یقول: فذکرہ۔فلاغروان یعتریہ خطؤ فی حدیث او حدیثین ,ومن المعصوم عن مثل ذلك فی سعۃ ماروی وکثرتہ؟	چند ماہ پہلے اس کے حافظے میں تغیر آگیا تھا۔ابوداؤد نے کہا کہ انہی دنوں میں مَیں نے اُس سے کچھ سنا تھا اور اس کی وجہ سے مجھے مطعون کیا گیا۔ جیسا کہ تذہیب میں ہے۔اور حافظ مزی نے اس کی وہ حدیث ذکر کرنے کے بعد، جس میں اس نے اصحاب سفیٰن کے الفاظ پر اضافہ کیا ہے، کہا ہے کہ اسحٰق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ آخر عمر میں اس کو اختلاط ہوگیا تھا، جیسا کہ میزان میں ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ اسحٰق (رحمہ اللہ تعالٰی) بےشتر حدیثیں محض یاد کے سہارے بیان کیا کرتے تھے۔ایک مرتبہ انہوں نے پُورا مسند اپنی یاد سے املا کرادیا تھا، جیسا کہ تذہیب میں ہے کہ احمد بن اسحٰق ضبعی نے کہا ہے کہ میں نے ابراہیم بن ابی طالب کو یہ بات کہتے سنا ہے۔اس کے بعد انہوں نے وہی (مسند کے املاء والی بات) ذکر کی ہے۔تو اس صورت میں اگر اسحٰق سے ایک یا دو حدیثوں میں خطا واقع ہوجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔اس قدر وسیع اور کثیر روایات میں اتنی تھوڑی سی خطا سے اور کون معصوم ہے؟ (ت)

لاجرم امام ذہبی شافعی نے اس حدیث کو منکر کہا، اور امام اسحٰق کی لغزش حفظ واشتباہ سے گنا۔

حیث قال: وکذا حدیث رواہ جعفر الفریابی ثنا اسحٰق بن راھویہ ثنا شبابۃ عن اللیث عن عقیل عن ابی شھاب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاکان فی سفر فزالت	چنانچہ اس نے کہا ہے کہ اسی طرح وہ حدیث جسے روایت کیا ہے فریابی نے اسحٰق ابن راہویہ سے،اس نے شبابہ سے،اس نے لیث سے،اس نے عقیل سے،اس نے ابن شہاب سے،اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب سفر میں

[1] میزان الاعتدال بحوالہ ابوداؤد (ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۸۳

[2] میزان الاعتدال بحوالہ ابوداؤد (ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۸۳

[3] خلاصہ تذہیب تذہیب الکمال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۱/۶۹

الشمس صلی الظهر والعصر ثم ارتحل۔ فهذا علی نبل رواته منکر، فقد رواه مسلم عن الناقد عن شبابة (وذکر لفظه) تابعه الزعفرانی عن شبابة، واخرجه خ م من حدیث عقیل عن ابن شهاب عن انس (وذکر لفظه، ای ولیس فی شیئ منها: والعصر۔ قال:) ولاریب ان اسحٰق کان یحدث الناس من حفظه، فلعله اشتبه علیه[1]۔	ہوتے تھے اور سورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر پڑھتے تھے پھر روانہ ہوتے تھے۔ تو یہ حدیث راویوں کی عمدگی کے باوجود منکر ہے کیونکہ اس کو مسلم نے ناقد سے، اس نے شبابہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے اس کے الفاظ ذکر کیے ہیں) اسی طرح زعفرانی نے بھی اس کو شبابہ سے روایت کیا ہے اور مسلم نے بھی اس کو عقیل سے، اس نے ابن شہاب سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (یہاں ذہبی نے مسلم کے الفاظ ذکر کیے ہیں، مقصد یہ ہے کہ بخاری ومسلم کی کسی روایت میں عصر کا ذکر نہیں ہے (صرف ظہر کا ذکر ہے۔ ذہبی نے کہا) اس میں کوئی شک نہیں کہ اسحٰق لوگوں کے سامنے اپنی یاد سے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا، ہوسکتا ہے کہ اس کو اشتباہ واقع ہُوا ہو۔ (ت)

اس کے بعد ہمیں شبابہ بن سوار میں کلام کی حاجت نہیں کہ وہ اگرچہ رجال جماعہ وموثقین ابنائے معین وسعد وابی شیبہ سے ہے مگر مبتدع مکلّب تھا امام احمد نے اُسے ترک کیا، امام ابوحاتم رازی نے درجہ حجیت سے ساقط بتایا۔ تہذیب التہذیب امام ابنِ حجر عسقلانی میں ہے:

شبابة بن سوار الفزاری، قال احمد بن حنبل: ترکته، لم اکتب عنه للارجا۔ قیل له: یا اباعبد الله! وابومعویة، قال: شبابة کان داعیة۔ وقال زکریا الساجی: صدوق، یدعو الی الارجا، کان احمد یحمل علیه[2]۔	شبابہ ابن سوار فزاری احمد بن حنبل نے کہا کہ میں نے اس کو چھوڑدیا اور اس سے حدیثیں نہیں لکھیں کیونکہ وہ ارجاء کا عقیدہ رکھتا تھا۔ کسی نے کہا کہ (ارجاء کا عقیدہ تو) ابومعاویہ بھی رکھتا ہے۔ احمد نے کہا (ہاں، مگر) شبابہ ارجاء کا داعی تھا۔ زکریا ساجی نے کہا کہ سچّا ہے، ارجاء کا داعی ہے۔ احمد اس پر تنقید کیا کرتے تھے۔ ت)

اُسی میں ہے: قال ابوحاتم: صدوق، یکتب حدیث ولایحتج به[3] (ابوحاتم نے کہا ہے

[1] میزان الاعتدال ترجمہ اسحٰق بن راہویہ ۷۳۳ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۱/۱۸۳

[2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ بن سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۴/۳۰۱

[3] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ بن سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۴/۳۰۱

کہ سچا ہے، اس کی حدیث لکھی جائے مگر اس کو حجت نہ بنایا جائے۔ت) اُسی میں ہے:

قال ابوبکر الاثرم عن احمد بن حنبل: کان یدعو الی الارجاء، وحکی عنه قول اخبث من هذه الاقاویل، قال: اذا قال فقد عمل بجارحته۔ وهذا قول خبیث، ماسمعت احدا یقوله [1]۔	ابوبکر اثرم نے احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ اسحٰق عقیدہ ارجاء کی دعوت دیتا تھا اور اس سے ایک ایسا قول بھی منقول ہے جو ان تمام باتوں سے زیادہ خبیث ہے۔ اس نے کہا کہ جب (اللہ تعالٰی) کوئی بات کہتا ہے تو یقینا اپنے ایک عضو (زبان) کو کام میں لاتا ہے۔ یہ ایک خبیث قول ہے، میں نے کسی کو یہ بات کہتے نہیں سُنا۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال ابوبکر محمد بن ابی الثلج، حدثنی ابوعلی بن سختی المدائنی، حدثنی رجل معروف من اهل المدائن، قال: رأیت فی المنام رجلا نظیف الثوب حسن الهیأة، فقال لی: من این انت؟ قلت: من اهل المدائن، قال: من اهل الجانب الذی فیه شبابة؟ قلت: نعم! قال فانی ادعو اللّٰه، فامن علی دعائی: اللهم! ان کان شبابة یبغض اهل نبیك فاضربه الساعة بفالج قال: فانتبهت، وجئت الی المدائن وقت الظهر، واذا الناس فی هرج، فقلت، ماللناس؟ قالوا: فلج شبابة فی السحر، ومات الساعة [2]۔	ابوبکر محمد بن ابی الثلج نے کہا کہ مجھے ابوعلی ابن سختی مدائنی نے بتایا کہ مجھ سے مدائن کے ایک مشہور آدمی نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک خوش لباس اور خوش شکل شخص کو دیکھا اس نے مجھ سے پُوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے کہا میں اہلِ مدائن میں سے ہوں۔ اس نے پوچھا مدائن کے اُس حصے میں رہتے ہو جس میں ابوشبابہ رہتا ہے؟ میں نے کہاہاں، اس نے کہا کہ پھر میں ایک دعا کرتا ہوں اور تم آمین کہو۔ (اس نے یوں دُعاکی:) اے اللہ! اگر شبابہ تیرے نبی کے اہل سے بغض رکھتا ہے تو اس کو اسی وقت فالج میں مبتلا کردے۔ اس آدمی نے کہا کہ یہ دیکھ کر میں جاگ گیا اور ظہر کے وقت مدائن (کے اس حصّے میں جہاں شبابہ رہتا تھا) گیا تو دیکھا کہ لوگوں میں اضطراب پایا جاتا ہے، میں نے پوچھا کہ لوگ کیوں پریشان ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ آج سحر کے وقت شبابہ پر فالج گرا اور ابھی ابھی مرگیا ہے۔(ت)

---

[1] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳۰۲/۴

[2] تہذیب التہذیب عسقلانی ترجمہ شبابہ سوار الفزاری مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳۰۲/۴

روایت حاکم وطبرانی کو خود مُلّاجی بھی ضعیف مان چکے، فرماتے ہیں ف[1]: مؤلف نے دلائل میں وہ حدیثیں بیان کی ہیں جن کی طرف ہم کو کچھ التفات نہیں یعنی ایک روایت ابوداؤد جس کے راوی میں ضعف تھاایک روایت معجم اوسط طبرانی ایک روایت اربعین حاکم نقل کرکے اُن پر طعن کردیااور جو روایتیں صحیحہ متداول تھیں نقل کرکے اُن کاجواب نہیں دیا یہ کیا دینداری ہے اور کیامردانگی کہ بخاری ومسلم کو چھوڑ کر اربعین حاکم اور اوسط طبرانی کو جاپکڑااور اُن سے دو[2] روایتیں ضعیف نقل کرکے اُن کا جواب دیا۔ لہذاہمیں ان کے باب میں تفصیل کلام کی حاجت نہ رہی ع:

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خیر یہ تو ملّاجی سے خداجانے کس مجبوری نے کہلوا چھوڑ مگر ستم۔

لطیفہ: اس مافات کی تلافی یہ ہے کہ جب یہ روایتیں ناقابل احتجاج نکل گئیں خود روایت صحیحین میں لفظ والعصر بڑھادیا، فرماتے ف[2] ہیں روایت کی بخاری اور مسلم نے انس سے (الی قولہ) **فان زاغت الشمس قبل ان یرتحل صلی الظھر والعصر ثم رکب۔**

اقول: ملّاجی حنفیہ کی مروی تو بحمد اللہ آپ نے دیکھ لی اب بعونہ تعالٰی اور دیکھئے گا یہاں تک کہ آپ کی سب ہوسوں کی تسکین ہوجائے مگر دینداری ومردانگی اس کا نام ہوگا کہ مشہور ومتداول کتب میں[1] تحریف کے لئے مردانہ پن کا دعوی ہے تو صحیحین میں اس عبارت کانشان دیجئے ایک زمانہ میں آپ کو خبط کفری جاگا تھا کہ زمین کے طبقاتِ زیریں میں حضور پُرنور منزہ عن المثل والنظیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاذاللہ چھ مثل موجود ہیں یہ بخاری مسلم شاید اُنہیں طبقات کی ہوں گی۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق یہ سب کلام بالائی تھی فرض کرلیجئے کہ یہ روایت صحیحہ بلکہ خود صحیحین موجود سہی پھر تمھیں کیا نفع اور ہمیں کیا ضرر اُس کا تو اتنا حاصل کہ سورج منزل ہی میں ڈھل جاتا تو ظہر وعصر دونوں سے فارغ ہو کر سوار ہوتے اس سے عصر کا پیش از وقت پڑھ لینا کہاں سے نکلا۔

اوّلا: واو مطلق جمع کے لئے ہے نہ معیت وتعقیب کے واسطے، جمیعا بھی اُسی مطلق جمع کی تاکید کرتا ہے جو مفاد واو ہے اُس کا منطوق صریح اجتماع فی الحکم ہے عـہ نہ خواہی نخواہی اجتماع فی الوقت آیہ کریمہ وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ

عـہ: بیضاوی شریف میں زیرآیہ کریمہ قُلْنَا اھْبِطُوْا مِنْھَا جَمِیْعًا ہے

حال فی اللفظ، تاکید فی المعنی، کانہ قیل: اھبطوا انتم اجمعون؛ ولذلك لایستدعی اجتماعھم علی الھبوط فی زمان واحد کقولك جاؤا جمیعا۔ اھ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)۔

"جمیعا" لفظاً حال ہے، معنیً تاکید ہے، گویا کہ کہا گیا، تم سب اترو۔ اسی لئے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ سب ایک ہی وقت میں اتریں، جیسا کہ تم کہتے ہو کہ سب آئے اھ ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ف ۱ معیار الحق ص ۳۶۵، ۳۶۶۔ ف ۲ معیار الحق ص ۳۷۹

جَمِیۡعًا اَیُّہَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ﴿۳۱﴾ [1] [2] (اور توبہ کرو اللہ تعالٰی کی طرف تم سب اے اہلِ ایمان! تاکہ تم فلاح پاؤ۔ت) نے یہ ارشاد فرمایا کہ سب مسلمان توبہ کریں حکمِ توبہ سب کو شامل ہو یا یہ فرض کیا کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک وقت ایک ساتھ مل کر معًا توبہ کریں۔

ثانیًا: اجتماع فی الوقت کہ بذریعہ فردیتِ اجتماع فی الحکم مفاد ہو یا خود اس کے لئے بھی وضع مانو اُس وقت سے وقتِ نماز مراد نہیں ہوسکتا کہ وضع الفاظ تعیین اوقات نماز سے مقدم ہے لفظ **جمیعا** اپنے معنی لغوی پر اہل جاہلیت بھی بولتے تھے جنہیں نماز سے خبر تھی نہ اُس کے وقت سے، تو لاجرم اس تقدیر پر اس کا مفاد اتحاد زمانہ وقوع و مقارنت فی الصدور ہوگا وہ دو۲ نماز فرض میں ناممکن اور اتصال بروجہ تعقیب اس معنی جمیعا کا فرد نہیں بلکہ صریح مباین، لاجرم پھر اُسی معنی واضح وروشن واقل متیقن یعنی اجتماع فی الحکم کی طرف رجوع لازم کہ تاصحت حقیقت مجاز کی طرف مصیر ناجائز خصوصًا متدل کو۔

ثالثًا: تعقیب ہی سہی پھر جمع صوری کی نفی کہاں سے ہوئی صلّی جمیعا یوں بھی صادق اور ادعائے تقدیم باطل وزاہق **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق بحمداللہ** آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ جمع تقدیم پر اصلًا کوئی دلیل نہیں کسی حدیث صحیح میں اس کی بُو بھی نہیں، ملّاجی کا قطعی و مفسر کہہ دینا خدا جانے کس نشہ کی ترنگ تھی، **سبحٰن اللہ**! کیا ایسی ہی ہوسوں پر توقیت منصوص قرآن ونصوص اور پیش از وقت نماز کے بطلان پر اجماعِ اُمت ترک کردئے جائیں گے اور خدا ورسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باندھے ہُوئے اوقات اُلٹ پُلٹ ہوسکیں گے، یہ اچھا عمل بالحدیث ہے کہ اپنی خیال بندیوں پر رگ دعوٰی بلند اور قرآن عظیم وحدیث واجماع سب سے آنکھیں بند **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد والٰہ وصحبہ اجمعین**۔

فصل سوم تضعیف دلائل جمع تاخیر

الحمدللہ جمع تقدیم کے جواب سے فراغِ تام ملا، اب جمع تاخیر کی طرف چلیے۔ملّاجی بہزار کاوش وکاہش یہاں بھی دو۲ ہی حدیثیں چھانٹ پائے جن کے الفاظ متعددہ کے ذکر سے شاید عوام کو یہ وہم دلانا ہو کہ اتنی حدیثیں ہیں، یہ دو۲ حدیثیں وہی احادیث ابن عمر وانس رضی اللہ تعالٰی عنہم مذکورہ صدر فصل اول وافاضہ ثالثہ ہیں جن کے بعض طرق والفاظ حدیث اول جمع صوری وحدیث اول ودوم حدیث مجملہ میں گزرے ان کے بعض الفاظِ بعض طرق کو

---

[1] القرآن ۲۴ /۳۱

[2] انوار التنزیل علی ہامش القرآن الکریم مصطفی البابی مصر ص ۱۸

ملّاجی جمع حقیقی میں نص صریح سمجھ کر لائے اور بزعمِ خود بہت چمک چمک کر دعوے فرمائے ادھر کے متکلمین نے اکثر افادات علمائے سابقین اور بعض اپنے سوانح جدیدہ سے اُن کے جوابوں میں کلام طویل کیے، فقیر غفرلہ المولی القدیر کا یہ مختصر جواب نقل اقاویل وجمع ماقال وقیل کے لئے نہیں لہٰذا بعونہ تعالٰی وہ افادات تازہ سُنیے کہ فیض مولائے اجل سے قلب عبدِ اذل پر فائض ہُوئے اہلِ نظر اگر مقابلہ کریں جلیل وعظیم فرق پر خود ہی مطلع ہوں گے **واللہ یختص برحمتہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم** (اللہ تعالٰی اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص فرمادے اور اللہ تعالٰی علم وفضل والا ہے۔ت)

اقول: وبحول اللہ اصول حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے چالیس سے زیادہ طرق اس وقت پیشِ نظر فقیر ہیں اُن میں نصف سے زائد تو محض مجمل جن میں اٹھارہ کی طرف ہم نے احادیث مجملہ میں اشارہ کیا رہے نصف سے کم اُن میں اکثر صاف صاف جمع صوری کی تصریح کر رہے ہیں جن میں سے چودہ[۱۴] روایات بخاری وابوداؤد ونسائی وغیرہم سے اُوپر مذکور ہُوئے، ہاں بعض میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا بعد غروب شفق جمع کرنا مذکور، ان میں بھی بعض محض موقوف مثل روایت[۱] موطائے امام محمد:

اخبرنا مالك عن نافع ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما حین جمع بین المغرب والعشاء، سارحتی غاب الشفق [1]۔	مالک، نافع سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب مغرب وعشاء کو جمع کیا تھا تو چلتے رہے تھے یہاں تک شفق غائب ہوگئی تھی۔(ت)

اور بعض میں رفع ہے تو بالفاظ اجمال یعنی حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تصریحًا اسی قدر منقول کہ جمع فرمائی قدر مرفوع میں غیبت شفق پر تنصیص نہیں مثل روایت[۲] بخاری:

حدثنا سعید بن ابی مریم اخبرنا محمد بن جعفر قال اخبرنی زید، هو ابن اسلم، عن ابیه، قال: کنت مع عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما بطریق مکّة، فبلغه عن صفیة بنت ابی عبید شدة وجع، فاسرع السیر، حتی اذاکان بعد غروب الشفق، ثم نزل فصلی المغرب	حدیث بیان کی ہم سے سعید ابن ابی مریم نے، اس کو خبر دی محمد ابن جعفر نے، اس کو زید بن اسلم نے اپنے والد سے کہ میں مکّہ کے راستے میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ساتھ تھا تو ان کو صفیہ بنت ابی عبید کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ سخت درد میں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رفتار تیز کردی یہاں تک کہ شفق غروب ہوگئی۔ اس کے بعد وہ اترے اور

---

1 مؤطاامام محمد باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ مجتبائی لاہور ص ۱۳۱

والعتمة، یجمع بینھما، فقال: انی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاجدبہ السیر اخر المغرب وجمع بینھما[1]۔	مغرب وعشاء کی نماز پڑھی، دونوں کو جمع کیا، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ جب انہیں سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب کو مؤخر کرکے دونوں کو جمع کرلیتے تھے۔(ت)

وروایت ۳ مسلم:

حدثنا محمد بن مثنی نایحیی عن عبیداللہ عن نافع ان ابن عمر کان اذاجدبہ السیر جمع بین المغرب والعشاء، بعد ان یغیب الشمس، ویقول: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذاجدبہ السیر جمع بین المغرب والعشاء[2]۔ورواہ الطحاوی فقال: حدثنا ابن ابی داؤد ثنا مسدد ثنا یحییی[3] بہ، سندًا ومتنا۔	حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن مثنٰی نے یحیٰی سے، اس نے عبیداللہ سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو شفق غائب ہونے کے بعد مغرب وعشا کو جمع کرلیتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو مغرب وعشاء کو جمع کرلیتے تھے۔ طحاوی نے بھی ابن ابی داؤد سے، اس نے مسدد سے، اس نے یحیٰی سے یہی روایت کی ہے، ایک ہی سند اور متن کے ساتھ۔(ت)

وروایت ۴ ابی داؤد:

حدثنا سلیمٰن بن داود العتکی نا عماد نا ایوب عن نافع ان ابن عمر، استصرخ علی صفیة، وھو بمکة، فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم، **فقال:** ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا عجل بہ امر فی سفر بین ھاتین الصلاتین،	حدیث بیان کی ہم سے سلیمان ابن داؤد عتکی نے عماد سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر جب مکّہ میں تھے تو ان کو صفیہ کی شدید بیماری کی اطلاع ملی اور وہ چل پڑے، یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے ظاہر ہوگئے، تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں

1 صحیح للبخاری باب المسافر اذاجدبہ السیر وتعجل الی اہلہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۳

2 صحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵

3 شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین کیف ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

فسار حتی غاب الشفق، فنزل فجمع بینهما[1]۔	کسی کام کی جلدی ہوتی تھی تو ان دو۲ نمازوں کو جمع کرلیتے تھے۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو اُترے اور دونوں کو اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ضمیر سار ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف ہے بدلیل روایت طحاوی:

حدثنا ابن مرزوق ثنا عازم بن الفضل ثنا حماد بن زید عن ایوب عن نافع ان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما استصرخ علی صفیة بنت عبید، وھو بمکة، فاقبل الی المدینة، فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم، وکان رجل یصحبه، یقول: الصلاة الصلاة، وقال له سالم: الصلاة، فقال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، کان اذا عجل به السیر فی سفر جمع بین ھاتین الصلاتین، وانی ارید ان اجمع بینھما، فسار حتی غاب الشفق، ثم نزل فجمع بینھما[2]۔	حدیث بیان کی ہم سے ابن مرزوق نے عازم ابن فضل سے، اس نے حماد ابن زید سے، اس نے ایوب سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکّہ میں تھے تو آپ کو صفیہ بنت ابی عبید کی شدید علالت کی خبر ملی۔ چنانچہ آپ مدینہ کی جانب روانہ ہوگئے اور مسلسل چلتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور ستارے چمکنے لگے۔ ابن عمر کے ساتھ ایک شخص تھا جو کہہ رہا تھا "نماز، نماز"۔ سالم نے بھی کہا "نماز" (یعنی نماز کا وقت جارہا ہے) تو ابن عمر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو ان دو۲ نمازوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے اور میں بھی چاہتا ہوں کہ اکٹھّا پڑھ لُوں۔ پھر چلتے رہے، یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی، اس وقت اتر کر دونوں کو اکٹھا پڑھا۔ (ت)

ولہذا امامِ اجل ابو جعفر اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں:

انما اخبر بذلك من فعل ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، وذکر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الجمع، ولم یذکر کیف جمع[3]۔	اس میں تو صرف ابنِ عمر کا عمل مذکور ہے اور انہوں نے اگرچہ یہ تو بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع کیا کرتے تھے مگر یہ ذکر نہیں کیا کہ کیسے جمع کیا کرتے تھے۔ (ت)

---

[1] سُنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

[2] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

البتہ غیر صحیحین کی بعض روایات میں فعل یکتف کی طرف اشارہ کرکے رفع ہے وہ یہ ہیں، روایت ۵ ابی داؤد:

حدثنا عبدالملك ابن شعیب نا ابن وھب عن اللیث، قال: قال ربیعة، یعنی کتب الیه، حدثنی عبدالله بن دینار، قال: غابت الشمس، وانا عند عبدالله بن عمر، فسرنا، فلما رأیناه قدامسی، قلنا: الصلاة، فسار حتی غاب الشفق وتصوبت النجوم، ثمّ انه نزل فصلی صلاتین جمیعا، ثم قال: رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذاجدبه السیر صلی صلاتی ھذه، یقول یجمع بینھما بعد لیل [1]۔	حدیث بیان کی ہم سے عبدالملک ابن شعیب نے، اس نے ابن وہب سے، اس نے لیث سے، اس نے کہا کہ ربیعہ، نے میری طرف لکھا کہ عبداللہ ابن دینار نے مجھے بتایا ہے کہ میں عبداللہ ابن عمر کے ساتھ تھا کہ سُورج ڈوب گیا تو ہم چلتے رہے یہاں تک کہ جب شام ہوگئی تو ہم نے کہا" نماز"۔ مگر وہ چلتے رہے یہاں تک کہ شفق غائب ہوئی اور تارے نمایاں ہوگئے، اس وقت آپ اُترے اور دونوں نمازیں اکٹھی پڑھیں، پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ کو سفر میں جلدی ہوتی تھی تو جس طرح میں نے نماز پڑھی ہے اسی طرح آپ بھی پڑھا کرتے تھے، یعنی رات ہونے کے بعد اکٹھا پڑھتے تھے۔(ت)

روایت ۶ ترمذی:

حدثنا ھناد نا عبدة عبیدالله بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنھما، انه استغیث علی بعض اھله فجدبه السیر، واٰخر المغرب حتی غاب الشفق، ثم نزل فجمع بینھما، ثم اخبرھم: ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یفعل ذلك اذاجدبه السیر۔ قال ابوعیسی: ھذا حدیث حسن صحیح [2]۔	حدیث بیان کی ہم سے ہناد نے عبدۃ سے، اس نے عبیداللہ بن عمر سے، اس نے نافع سے کہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اپنے اہل خانہ میں سے کسی کی سخت بیماری کی اطلاع ملی تو تیزی سے روانہ ہُوئے اور مغرب کو اتنا مؤخر کیا کہ شفق ڈوب گئی، پھر دونوں کو ملا کر پڑھا، بعد میں ساتھیوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جب سفر میں جلدی ہوتی تھی تو اسی طرح کرتے تھے۔ ابوعیسٰی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔(ت)

[1] سُنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۷۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۷

روایت (۷) نسائی:

اخبرنا اسحٰق بن ابرھیم ثنا سفیٰن عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن عن شیخ من قریش، قال: صحبت ابن عمر الی الحمی، فلما غربت الشمس، ھبت ان اقول له: الصلاۃ، فسار حتی ذھب بیاض الافق وفحمة العشاء، ثم نزل فصلی المغرب ثلث رکعات، ثم صلی رکعتین علی اثرھما، قال: ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل[1]۔	خبر دی ہمیں اسحٰق ابن ابراہیم نے سفیان سے، اس نے ابو نجیح سے، اس نے اسمٰعیل ابن عبدالرحمان سے جو کہ ایک قریشی شیخ ہے کہ میں ابن عمر کے ساتھ تھا جب وہ چراگاہ کو گئے اور سورج ڈوب گیا تو ان کی ہیبت کی وجہ سے میں ان کو نماز کے بارے میں نہ کہہ سکا چنانچہ وہ چلتے رہے یہاں تک کہ اُفق کی سفیدی ختم ہوگئی اور عشاء کی سیاہی مانند پڑ گئی، اس وقت اترے اور مغرب کی تین رکعتیں پڑھیں، پھر متصلاً (عشاء کی) دو رکعتیں پڑھیں کہ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے دیکھا ہے۔ (ت)

بظاہر زیادہ مستحقِ جواب یہی تین روایتیں تھیں مگر فقیر بعون الملک القدیر عزوجل وہ جوابات شافیہ وکافیہ وتقریرات صافیہ ووافیہ بیان کرے کہ یہ ساتوں طرق اور ان کے سوا اور بھی کچھ ہو تو سب کو بحول اللہ تعالٰی کفایت کریں۔

فاقول: وباللہ التوفیق وبه العروج علی اوج التحقیق۔

جواب اوّل: اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طرق کثیرہ جلیلہ صحیحہ کہ سابقاً ہم نے ذکر کیے صاف دواشگاف بآواز بلند تصریحات قاہرہ فرمارہے ہیں کہ ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نمازِ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور عشاء غروبِ شفق کے بعد، اور اسی کو حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اُن روایات صحاح وحسان وجلیلۃ الشان پر پھر نگاہِ تازہ کیجئے۔ امام سالم صاحبزادہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اپنی روایات مرویہ صحیح بخاری وسُنن نسائی وصحیح اسمٰعیلی وغیرہا میں فرمارہے ہیں کہ دو تین میل چل کر جب تارے کھل آئے اُتر کر مغرب پڑھی پھر ٹھہر کر عشاء۔ عبداللہ واقد شاگرد حضرت ابن عمر اپنی روایات مرویہ سنن ابی داؤد میں روشن تر فرماتے ہیں کہ غروبِ شفق سے پہلے اُتر کر مغرب پڑھی پھر منتظر رہے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اُس وقت عشاء پڑھی، طرفہ یہ کہ وہی امام نافع تلمیذ خاص ورفیق سفر وحضر ابن عمر کہ ان غروب شفق

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت، الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

والی سات روایتوں میں چار اُنہیں سے ہیں وہی وہاں اپنی روایات کثیرہ مرویہ سُنن ابی داؤد و سنن نسائی وغیرہا میں یوں ہی واضح وجلی تر فرما رہے ہیں کہ جب تک مغرب پڑھی ہے شفق ہر گز نہ ڈوبی تھی بلکہ بعد کو بھی انتظار فرمانا پڑا جب ڈوب گئی اُس وقت عشا کی تکبیر کہی اور اوّل تا آخر ان سب روایات میں تصریح صریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے بلکہ حدیث امام سالم میں یوں ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جسے جلدی ہو وہ اس طرح پڑھا کرے، للہ انصاف ! ان صاف الفاظ مفسر نصوص میں کہیں بھی گنجائشِ تاویل و تبدیل ہے اور شک نہیں کہ قصّہ صفیہ زوجہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم جو وہاں اور یہاں دونوں طرف کی روایات میں مذکور ایک ہی بار تھا بلکہ انہیں امام نافع سے مروی کہ ابن عمر سے عمر بھر میں صرف اسی بار جمع معلوم ہے اس کے سوا کسی سفر میں انہیں جمع کرتے نہیں دیکھا، سُنن ابی داؤد میں بطریق امام ایوب سختیانی مذکور:

انہ لم یرابن عمر جمع بینھما قط،الاتلك اللیلہ،یعنی لیلۃ استصرخ علی صفیۃ [1] اھ اماما قال: وروی من حدیث مکحول عن نافع: انہ رأی ابن عمر فعل ذلك مرۃ اومرتین [2] اھ فاقول: فیہ شك والشك لایعارض الجزم۔	کہ اس نے ابن عمر کو کبھی دو ۲ نمازیں جمع کرتے نہیں دیکھا مگر اس رات۔یعنی صفیہ کی بیماری کی اطلاع والی رات۔اور وہ جو اس نے کہا ہے کہ مکحول کی حدیث میں نافع سے مروی ہے کہ اس نے ابن عمر کو ایک بار جمع کرتے دیکھا تھا یا دو بار، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں شک ہے اور شک سے یقین کا معارضہ نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

حدیث نسائی وطحاوی میں انہیں امام نافع سے گزرا کہ میں نے اُن کی عادت یہی پائی تھی کہ نماز کی محافظت فرماتے۔

حدیث کتاب الحجج میں انہیں نافع سے تھا کہ ابن عمر اذان ہوتے ہی مغرب کے لئے اُترے اس بار دیر لگائی، روایت نسائی وطحاوی وحجج میں تھا ہمیں گمان ہوا کہ اس وقت نماز اُنہیں یاد نہ رہی یہ سب اُسی قول نافع کے مؤید ہیں معہذا شک نہیں کہ اصل عدم تعدد ہے تو جب تک صراحۃً تعدد ثابت نہ ہو تا اُس کے ادعا کی طرف راہ نہ تھی خصوصًا مستدل کو جسے احتمال کافی نہیں دفع تعارض کے لئے اس کا اختیار اس وقت کام دیتا کہ خود قصہ صفیہ میں دونوں روایات صحیحہ قبل غروب وبعد غروب موجود نہ ہوتیں۔

فسقط ماالتجأ الیہ بعض المتأخرین،من العلماء المخالفین فی المسألۃ،ظنا منہ انہ یدرؤ بہ التعارض، وماکان	وہ توجیہ ساقط ہوگئی جس کو اس مسئلے کے مخالف علماء متاخرین نے اس خیال سے اختیار کیا ہے کہ اس طرح تعارض رفع ہوجائیگا، حالانکہ اس

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

[2] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/ ۱۷۱

لینندری بہ۔	توجیہ سے تعارض رفع نہیں ہوتا۔(ت)

ناچار خود ملّاجی کو بھی ماننا پڑا کہ یہ سب طرق وروایات ایک ہی واقعے کی حکایات ہیں۔ قصہ صفیہ میں حدیث سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم بطریق کثیر بن قاروندا مروی سنن نسائی پر براہِ عیاری بھی جب کوئی طعن نہ گھڑ سکے تو اُسے مخالف حدیث شیخین ٹھہرا کر رَد کردیا کہ اس میں مغرب کا بین الوقتین پڑھنا ہے اور ان میں بعد غروب شفق، لہٰذا یہ شاذ ومردود ہے جس کی نقل لطیفہ ہفتم افادہ یکم میں گزری حالانکہ حدیث مسلم کے لفظ ابھی سُن چکے اُس میں قصہ صفیہ کا ذکر نہیں، تو جب تک روایت مطلقہ بھی اسی قصہ صفیہ پر محمول نہ ہو حدیث قصہ صفیہ کو مخالف روایت شیخین کہنا چہ معنی بالجملہ اس حدیث کی اتنی روایات کثیرہ میں یہ تصریح صریح ہے کہ مغرب غروبِ شفق سے پہلے پڑھی اور اسی کی اُن روایات میں یہ کہ شفق ڈوبے پر پڑھی اور دونوں جانب طرق صحاح وحسان ہیں جن کے رَد کی طرف کوئی سبیل نہیں، تو اب یہ دیکھنا واجب ہوا کہ ان میں کون سا نص مفسر نا قابلِ تاویل ہے جسے چارو ناچار معتمد رکھیں اور کون سا محتمل کہ اُسے مفسر کی طرف پھیر کر رفع تعارض کریں ہر عاقل جانتا ہے کہ ہماری طرف کے نصوص اصلاً احتمال معنی خلاف نہیں رکھتے شفق ڈوبنے سے پہلے پڑھی اتنے ہی لفظ کے یہ معنی کسی طرح نہ ہوسکتے کہ جب شفق ڈوب گئی اُس وقت پڑھی نہ یہ کہ جب اُس کے ساتھ یہ تصریحات جلیہ ہوں کہ پھر مغرب پڑھ کر انتظار کیا یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی اس کے بعد عشا پڑھی ان لفظوں کو کوئی نیم مجنون بھی مغرب بعدِ شفق پڑھنے پر عمل نہ کرسکے گا، ہاں پُورے پاگل میں کلام نہیں مگر اُدھر کے نصوص کہ چلے یہاں تک کہ شفق ڈوب گئی پھر مغرب پڑھی یا جمع کی یا بعد غروب شفق اُتر کر جمع کی یہ اچھے خاصے محتمل وصالح تاویل ہیں جن کا اُن نصوص صریح مفسرہ سے موافق ومطابق ہوجانا بہت آسان۔ عربی فارسی اردو سب کا محاورہ عامہ شائعہ مشہورہ واضحہ ہے کہ قربِ وقت کو اس وقت سے تعبیر کرتے ہیں۔ عصر کے اخیر وقت کہتے ہیں شام ہوگئی حالانکہ ہنوز سورج باقی ہے۔ کسی سے اوّل وقت آنے کا وعدہ تھا وہ اس وقت آئے تو کہتے ہیں اب سُورج چھپے آئے۔ قریب طلوع تک کوئی سوتا ہو تو اُسے اُٹھانے میں کہیں گے سُورج نکل آیا۔ شروع چاشت کے وقت کسی کام کو کہا تھا مامور نے قریب نصف النہار آغاز کیا تو کہیے گا اَب دوپہر ڈھلے لے کر بیٹھے۔ ان کی صدہا مثالیں ہیں کہ خود ملّاجی اور اُن کے موافقین بھی اپنے کلاموں میں رات دن اُن کا استعمال کرتے ہوں گے۔ بعینہٖ اسی طرح یہ محاورے زبان مبارک عرب خود قرآن عظیم واحادیث میں شائع وذائع ہیں، قال اللہ تعالٰی:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [1]	جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو اب انہیں اچھی طرح اپنے نکاح میں روک لو یعنی رجعت کرلو یا اچھی طرح چھوڑدو۔

[1] القرآن ۲/۲۳۱

کہ بے قصد مراجعت عدّت بڑھانے کے لئے رجعت نہ کرو، وقال تعالٰی:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ [1]	جب طلاق والیاں اپنی عدت کو پہنچیں توانہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی کے ساتھ جُدا کردو۔(ت)

ظاہر ہے کہ عورت جب عدّت کو پہنچ گئی نکاح سے نکل گئی اب رجعت کا کیا محل، اور اُسے روکنے چھوڑنے کا کیا اختیار، تو بالیقین قربِ وقت کو وقت سے تعبیر فرمایا ہے یعنی جب عدت کے قریب پہنچے اُس وقت تک تمہیں رجعت وترک دونوں کا اختیار ہے، یہ مثالیں توآیاتِ قرآنیہ سے ہوئیں جنہیں امام طحاوی وغیرہ علماء مسئلہ وقتِ ظہر اور نیز اس مسئلہ میں افادہ فرماچکے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث سے بھی مثالیں اور علمائے قائلین بالجمع سے بھی اس معنی ومحاورہ کی تصریحیں ذکر کرے۔ **فاقول وباللہ التوفیق:**

حدیث ۱: جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے صبح اسرا بعد فرضیت نماز اوقاتِ نماز معین کرنے اور اُن کا اوّل آخر بتانے کے لئے دو۲ روز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امامت کی، پہلے دن ظہر سے فجر تک پانچوں نمازیں اوّل وقت پڑھیں اور دوسری دن ہر نماز آخر وقت، اس کے بعد گزارش کی:

الوقت مابین ھذین الوقتین [2]۔	وقت ان دونوں وقتوں کے بیچ میں ہے۔(ت)

اس حدیث میں ابوداؤد وترمذی وشافعی وطحاوی وابن حبان وحاکم کے یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلی بی العصر حین کان ظلہ مثلہ فلما کان الغد صلی بی الظھر حین کان ظلہ مثلہ [3]۔	میرے ساتھ عصر کی نماز پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا، جب دُوسرا دن ہُوا تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر تھا۔(ت)

ترمذی کے الفاظ یوں ہیں:

صلی المرۃ الثانیۃ الظھر حین کان ظل کل شیئ مثلہ لوقت العصر بالامس [4]۔	دوسری مرتبہ ظہر کی نماز تب پڑھی جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔(ت)

---

[1] القرآن ۲/۶۵

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۵۶

[3] سُنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۵۶

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلٰوۃ امین کمپنی دہلی ۱/۲۱

شافعی کے لفظ یہ ہیں:

ثم صلی المرة الاخری، الظھر، حین کان کل شیئ قدر ظلہ، قدر العصر بالامس[1]۔	پھر دوسری مرتبہ نماز پڑھی ظہر کی، جب ہر چیز اپنے سائے کے ساتھ برابر تھی یعنی گزشتہ کل جس وقت عصر پڑھی تھی۔(ت)

حدیث ۲: نسائی وطحاوی وحاکم وبزار نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ھذا جبریل، جاء کم یعلمکم دینکم۔ وفیہ، ثم صلی العصر حین رأی الظل مثلہ، ثم جاءہ الغد، ثم صلی بہ الظھر حین کان الظل مثلہ[2]۔	یہ جبریل ہیں، تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے ہیں۔ اس روایت میں ہے کہ پھر عصر کی نماز پڑھی، جب دیکھا کہ سایہ ان کے برابر ہے۔ پھر دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور ظہر کی نماز پڑھی، جبکہ سایہ ان کے برابر تھا۔(ت)

بزار کے لفظ یوں ہیں:

جاء نی، فصلی بی العصر حین کان فیئی مثلی، ثم جاء نی من الغد، فصلی بی الظھر حین کان فیئی مثلی[3]۔	جبریل میرے پاس آئے اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا، پھر دوسرے دن آئے اور ظہر کی نماز پڑھائی جبکہ میرا سایہ میرے برابر تھا۔(ت)

حدیث ۳: نیز نسائی وامام احمد واسحٰق بن راہویہ وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حین کان ظل الرجل مثل شخصہ فصلی العصر، ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین	جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور عصر کی نماز نہ پڑھی، پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر شخص کا سایہ

1 الاُمّ للشافعی جماع مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۷۱
2 سنن النسائی آخر وقت الظہر مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، لاہور ۱/ ۵۹
3 کشف الاستار عن زوائد البزّار باب ای حین یصلی مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت لبنان ۱/ ۱۸۷

کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی الظهر [1]۔	اس کے قد جتنا ہوتا ہے اور ظہر کی نماز پڑھی۔ (ت)

حدیث ۴: امام اسحٰق بن راہویہ اپنی مسند میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بطریق حدثنا بشر بن عمرو النھرانی ثنی مسلمة بن بلال ثنا یحیٰی بن سعید ثنی ابو بکر بن عمرو بن حزم عن ابی مسعود الانصاری [2] اور بیہقی کتاب المعرفۃ میں بطریق ایوب بن عتبة ثنا ابو بکر بن عمرو بن حزم عن عروہ بن الزبیر عن ابن ابی مسعود عن ابیہ [3] راوی اور یہ لفظ حدیث اسحٰق ہیں:

قال: جاء جبریل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فقال: قم، فصل! وذلك لدلوك الشمس حین مالت، فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فصلی الظهر اربعا، ثم اتاہ حین کان ظله مثله، فقال: قم، فصل! فقام فصلی العصر اربعا، ثم اتاہ من الغد حین کان ظله مثله، فقال بیلہ: قم فصل! فقام فصلی الظهر اربعا [4]۔	کہا: جبریل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے! اور یہ سُورج ڈھلنے کا وقت تھا، جب وہ ایک طرف جھک گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوبارہ آئے جب اُن کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے! تو آپ نے اٹھ کر عصر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ پھر دوسرے دن آئے، جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا اور کہا کہ اُٹھئے اور نماز پڑھئے، تو آپ نے اُٹھ کر ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں۔ (ت)

حدیث ۵: ابن راہویہ مسند میں عبدالرزاق سے اور عبدالرزاق مصنف میں بطریق اخبرنا معمر عن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابیه عن جدّہ [5] عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: جاء جبریل، فصلی بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، وصلی النبی صلی اللہ	کہا: جبریل آئے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ظہر کی نماز پڑھائی اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز

---

1 سنن النسائی آخر وقت العصر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۰

2 مسند ابن اسحاق

3 کتاب المعرفۃ

4 مسند ابن اسحاق

5 المصنف لعبد الرزاق باب المواقیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۵۳۴

تعالٰی علیه وسلم بالناس، حین زالت الشمس، الظهر، ثم صلی العصر حین کان ظله مثله، قال: ثم جاء جبریل من الغد، فصلی الظهر بالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وصلی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالناس، الظهر، حین کان ظله مثله[1]۔	پڑھائی جب سورج کا زوال ہوگیا تھا، پھر عصر پڑھی جب ان کا سایہ ان کے برابر تھا۔ راوی نے کہا: پھر دوسرے دن جبریل آئے اور انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی جب ان کا سایہ ان کے برابر ہوگیا تھا۔ (ت)

حدیث ۶: دارقطنی سنن اور طبرانی معجم کبیر اور ابن عبدالبر تمہید میں بطریق ایوب بن عتبۃ عن ابی بکر بن حزن عن عروۃ بن الزبیر حضرت ابو مسعود انصاری وبشیر بن ابی مسعود دونوں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان جبریل جاء الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین دلکت الشمس، فقال: یامحمد! صل الظهر، فصلی؛ ثم جاء حین کان ظل کل شیئ مثله، فقال: یامحمد! صل العصر، فصلی، ثم جاءه الغد حین کان ظل کل شیئ مثله، فقال: صلی الظهر۔ الحدیث[2]۔	جبریل، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے جب سورج ڈھل چکا تھا اور کہا: یا محمد! ظہر کی نماز پڑھئے! توآپ نے ظہر پڑھی۔ پھر دوبارہ آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا: یا محمد! عصر کی نماز پڑھئے! توآپ نے عصر پڑھی۔ پھر دوسرے دن آئے جبکہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر تھا اور کہا: ظہر پڑھئے! الحدیث۔ (ت)

والکل مختصر ان سب حدیثوں میں کل کی عصر کی نسبت یہ ہے کہ جب سایہ ایک مثل ہوا نماز پڑھائی اور بعینہٖ یہی لفظ آج کی ظہر میں ہیں کہ جب سایہ ایک مثل ہُوا پڑھائی اور روایت ترمذی تو صاف صاف ہے کہ آج کی ظہر اُس وقت پڑھی جس وقت کل عصر پڑھی تھی حالانکہ مقصود اوقات کی تمیز اور ہر نماز کا اول وآخر وقت میں جداجدا بنانا ہے لاجرم امام ابوجعفر وغیرہ نے ظہر امروزہ میں ان لفظوں کے یہی معنی لیے کہ جب سایہ ایک مثل کے قریب آیا پڑھائی، معانی الآثار میں فرمایا:

احتمل ان یکون ذلك علی قرب ان یصیر ظل کل	احتمال ہے کہ ظہر کی نماز اس وقت پڑھی ہو جب ہر چیز

[1] المصنف لعبدالرزاق باب المویقیت مطبوعہ المکتب اسلامی بیروت ۵۳۵/۱

[2] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابو مسعود انصاری حدیث ۷۱۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۶۰/۱۸

شیئ مثله، وهذا جائز فی اللغة، قال عزوجل، فذکر الاية، وشرح المراد، وافاد واجاد [1]۔	کا سایہ اس کے برابر ہونے کے قریب ہو۔اور یہ لغت کے اعتبار سے جائز ہے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔یہاں طحاوی نے آیت ذکر کی (یعنی فاذا بلغن اجلھن) اور مراد کی تشریح کی اور مفید وعمدہ گفتگو کی۔(ت)

حدیث ۷: سائل نے جو خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اوقاتِ نماز پُوچھے اور حضورِ والا نے ارشاد فرمایا ہے کہ دو۲ دن حاضر رہ کر ہمارے پیچھے نماز پڑھ۔پہلے دن ہر نماز اپنے اول وقت میں اور دوسرے دن ہر نماز آخر وقت پڑھا کر ارشاد ہوا ہے: الوقت بین ھذین (وقت ان دونوں وقتوں کے درمیان ہے) اس حدیث میں نسائی وطحاوی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

سأل رجل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن مواقیت الصلاة، فقال: صل معی، فصلی الظهر حین زاغت الشمس، والعصر حین کان فی کل شیئ مثله، قال: ثم صلی الظهر حین کان فیئ الانسان مثله [2]۔	ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نماز کے اوقات کے بارے میں پُوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز پڑھ! تو آپ نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھی جب سُورج ڈھل گیا اور عصر کی اس وقت جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔راوی نے کہا کہ پھر (اگلے دن) ظہر اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا۔(ت)

اس حدیث میں بھی عصر دیروز و ظہر امروز کا وہی حال اور علماء کے وہی مقال۔

حدیث ۸: سُنن ابی داوٗد میں بسند صحیح عـہ ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث سائل

عـہ حیث قال: (حدثنا مسدد) ثقة، حافظ، من رجال البخاری۔(ناعبدالله بن داؤد) هو ابن عامر الهمدانی، ثقة، عابد من رجال البخاری والاربعة۔ دون الواسطی	چنانچہ (ابوداؤد نے) کہا (حدثنا مسدد) ثقہ ہے، حافظ ہے، بخاری کے راویوں میں سے ہے (ناعبداللہ ابن داؤد) اس سے مراد ابن عامر ہمدانی ہے، جو ثقہ ہے عابد ہے اور بخاری کے علاوہ صحاح (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱/۱۰۳

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ادب منزل کراچی ۱/۱۰۲

یوں ہے:

ان سائلا سأل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلم یرد علیہ شیأ، حتی امر بلالا، فاقام الفجر حین انشق الفجر، وفیہ فلما کان من الغد، اقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ، وصلی العصر وقد اصفرت الشمس، اوقال: امسی[1]۔	ایک پُوچھنے والے نے رسول اللہ سے (اوقات نماز) پُوچھے تو آپ نے کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے فجر کی اقامت اس وقت کہی جب ابھی پَو پُھٹی ہی تھی۔ اس روایت (کے آخر) میں ہے کہ اگلے دن ظہر کی اقامت کہی جس وقت پچھلے دن عصر کی کہی تھی، اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ سُورج زرد ہوچکا تھا، یا یوں کہا کہ شام ہوچکی تھی۔ (ت)

اس حدیث سے دو[۲] فائدہ زائدہ حاصل ہُوئے:

اوّلاً اس میں صاف تصریح ہے کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی حالانکہ یہی حدیث ابی موسٰی اسی طریق بدر بن عثمٰن نا ابوبکر بن ابی موسٰی بن ابیہ سے مسلم ونسائی وابن ابان وطحاوی کے یہاں ان لفظوں سے ہے:

ثم اخر الظہر حتی کان قریبا من وقت العصر بالامس[2] ولفظ النسائی الی قریب۔	پھر ظہر کی تاخیر فرمائی یہاں تک کہ وقت عصر دیروزہ سے قریب ہوگئی۔

ثابت ہُوا کہ وہاں بھی قُرب ہی مراد ہے اور قرب وقت کو نامِ وقت سے تعبیر درکنار صراحۃً ان لفظوں سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الذی لیس الامن رجال الترمذی (نا بدر بن عثمٰن) ثقۃ، من رجال مسلم۔ (نا ابوکر بن ابی موسٰی ف۱) ثقۃ، من رجال الستۃ۔ (عن ابی موسٰی) الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	کی چار کتابوں کے راویوں میں سے ہے۔ واسطی مراد نہیں ہے جو کہ صرف ترمذی کے راویوں میں سے ہے (نا، بدر ابن عثمٰن) ثقہ ہے، مسلم کے راویوں میں سے ہے۔ (نا، ابوبکر ابن موسٰی) ثقہ ہے، صحاح ستّہ کا راوی ہے (عن ابی موسٰی) شعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/۵۷

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

ف۱ سنن ابی داؤد ۱/۵۷

بھی تعبیر کرلیتے ہیں کہ دوسری نماز کے وقت میں نماز پڑھی، یہ فائدہ یاد رکھنے کا ہے۔

ثانیاً اس میں یہ بھی تصریح ہے کہ عصر اس حال میں پڑھی کہ سورج زرد ہوگیا تھا یا کہا شام ہوگئی، یہ بھی قطعاً قربِ شام پر محمول۔

حدیث ۹: صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

وقت الظهر اذازالت الشمس وكان ظل الرجل كطوله مالم يحضر العصر [1]۔	ظہر کا وقت اُس وقت ہے جب سورج ڈھلے اور سایہ آدمی کا اس کے قد کے برابر ہوجائے جب تک عصر کا وقت نہ آئے۔

حدیث ۱۰: امام طحاوی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث امامتِ جبریل میں راوی حضور والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ نے فرمایا:

صلی الظهر وفيئ كل شيئ مثله [2]۔	اس وقت (نماز) پڑھی کہ سایہ ہر چیز کا اس کے برابر ہوگیا۔

جن کے نزدیک ایک مثل کے بعد وقتِ ظہر نہیں رہتا ان حدیثوں میں ایک مثل ہونے کو ایک مثل کے قریب پہنچنے پر عمل کرتے ہیں۔

حدیث ۱۱: امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک روز نمازِ عصر کو بہت اخیر کرنا اور عروہ بن زبیر کا آکر حدیث امامتِ جبریل سنانا کہ صحیحین وغیرہما میں مروی اس میں طبرانی کی روایت یوں ہے:

دعا المؤذن لصلاة العصر فامسى عمر بن عبدالعزيز قبل ان يصليها [3]۔	مؤذن نے نمازِ عصر کے لئے بلایا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شام کردی اور ابھی نمازِ عصر نہ پڑھی۔ (ت)

یعنی عمر نے شام کردی اور ہنوز نمازِ عصر نہ پڑھی۔ امام قسطلانی شافعی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری اور علّامہ عبدالباقی زرقانی مالکی شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

محمول على انه قارب المساء	حدیث کی مراد یہ ہے کہ شام قریب آئی

[1] صحیح لمسلم باب الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۱

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصّلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی مسند ابو مسعود انصاری حدیث ۱۷۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۲۵۹

لانه دخل فیه [1]۔	نہ یہ کہ شام ہو ہی گئی۔

خود صحیح بخاری کتاب بدء الخلق میں ہے: اخر العصر شیأ [2] (عصر میں کچھ تاخیر کی) افادہ الحافظ فی فتح الباری۔

حدیث ۱۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا کہ "سحری کھاؤ پیو یہاں تک کہ ابنِ اُمِّ مکتوم اذان دے"۔ زاس پر صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کان رجلا لاینادی حتی یقال له اصبحت اصبحت [3]۔	وہ اذان نہ دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اُن سے کہا جاتا تمہیں صبح ہوگئی صبح گئی۔

اگر اُن کی اذان سے پہلے صبح ہوچکتی تھی تو اس ارشاد کے کیا معنی کہ "جب تک وہ اذان نہ دیں کھاتے پیتے رہو"۔ لہذا قسطلانی شافعی ارشاد اور امام عینی عمدہ میں فرماتی:

والللفظ للارشاد المعنی قاربت الصبح علی حد قوله تعالٰی فَاِذَابَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ [4] یعنی لوگوں کے اس قول کے کہ "صبح ہوگئی صبح ہوگئی" یہ معنی ہیں کہ صبح قریب آئی قریب آئی، جیسے آیت میں فرمایا کہ عورتیں میعاد کو پہنچیں یعنی قریب میعاد۔

نیز اسی حدیث میں ارشادِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے:

فانه لایؤذن حتی یطلع الفجر [5]۔	ابنِ اُمِّ مکتوم اذان نہیں دیتے یہاں تک کہ فجر طلوع کرے۔

ارشاد شافعی کتاب الصیام میں ہے: ای حتی یقارب طلوع الفجر [6] (یعنی یہاں تک کہ طلوعِ فجر قریب آئے)۔

بالجملہ اس محاورہ کے شیوع تمام سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا اگر بالفرض وہ روایات صحیحہ جلیلہ صریحہ صلاۃ مغرب پیش از غروب شفق میں نہ بھی آتیں تاہم جبکہ ہر نماز کے لئے جُدا وقت کی تعیین اور پیش از وقت یا وقت فوت کرکے نماز پڑھنے کی تحریم یقینی قطعی اجماعی تھی ان روایات میں یہ مطلب بنظر محاورہ عمدہ محتمل اور استدلال مستدل بتطرق احتمال باطل و مختل اور آیات واحادیث تعیین اوقات کا ان سے معارضہ غلط و مہمل ہوتا نہ کہ خود اسی حدیث

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/۴۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب بدئ الخلق باب ذکر الملائکۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۷

[3] صحیح البخاری باب اذان الاعمٰی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۶

[4] ارشاد الساری شرح بخاری باب اذان الاعمٰی الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/۱۱

[5] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۷

[6] ارشاد الساری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لایمنعکم من سحورکم اذان بلال مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۳/۳۶۳

میں بالخصوص وہ صاف صریح مفسر نصوص اور اُنہیں بزورِ زبان بخاری ومسلم سب بالائے طاق رکھ کر مردود واہیات بتائیے یاالٹا ان محتملات کے معارض بتاکر شاذ ومردود ٹھہرائیے یہ کیا مقتضائے انصاف ودیانت ہے یہ کیا محدثی کی شان نزاکت ہے۔اب تو بحمد اللہ سب جعل کھُل گیا، حق وباطل میزانِ نظر میں تُل گیا، اور واضح ہوا کہ یہ ساتوں روایتیں بھی اُنہیں محاورات سے ہیں جن میں دو [۲] آیتیں اور بارہ [۱۲] حدیثیں ہم نے نقل کیں ان سات سے مل کر اکیس [۲۱] مثالیں ہُوئیں **وباللہ التوفیق**۔

جواب دوم: جانے دو اُن میں قبل ان میں بعد یونہی سمجھو پھر ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید۔ شفقین دو [۲] ہیں: **احمر وابیض**۔اُن روایات قبل میں سپید مراد ہے اُن روایات بعد میں سُرخ۔یوں بھی تعارض مندفع اور سب طرق مجتمع ہو گئے۔

حاصل یہ نکلا کہ شفق احمر ڈوبنے کے بعد شفق ابیض میں نماز مغرب پڑھی اور انتظار فرمایا جب سپیدی ڈوبی عشا پڑھی۔یہ بعینہٖ ہمارا مذہب مہذب اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے طور پر جمع صوری ہے حقیقی تو جب ہوتی کہ مغرب بعد غروب سپیدی پڑھی جاتی اس کا ثبوت تم ہر گز نہ دے سکے۔یہ جواب بنگاہِ اوّلین ذہنِ فقیر میں آیا تھا پھر دیکھا کہ امام ابن الہمام قدس سرہ، نے یہی افادہ فرمایا۔رہی روایت ہفتم سار حتی **ذھب بیاض الافق وفحمة العشاء**[1] (چلتے رہے یہاں تک کہ افق کی سفیدی اور عشا کی سیاہی ختم ہو گئی۔ت) جس میں افق کی سپیدی جانے کے بعد نزول ہے۔

اقول وباللہ استعین اوّلاً یہ بھی کب رہی اس میں بھی وہی تقریر جاری جیسے غاب الشفق بمعنی کادان یغیب یوں ہی ذھب البیاض بمعنی کادان یذھب۔

ثانیاً حدیث میں بیاض افق ہے نہ بیاض شفق، کنارہ شرقی بھی افق ہے، بعد غروب شمس مشرق سے سیاہی اُٹھتی اور اُس کے اوپر سپیدی ہوتی ہے جس طرح طلوعِ فجر میں اس کا عکس، جیسے قرآن عظیم میں

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ[2] (یہاں تک کہ فجر کے سیاہ دھاگے سے سفید دھاگا تمہارے لیے واضح ہو جائے۔ت) فرمایا، جب فجر بلند ہوتی ہے وہ خیطِ اسود جاتا رہتا ہے، یونہی جب مشرق سے سیاہی بلند ہوتی ہے سپیدی شرقی جاتی رہتی ہے اور ہنوز وقت مغرب میں وسعت ہوتی ہے اور اس پر عمدہ قرینہ یہ کہ بیاض کے بعد فحمہ عشاء سرشام کا دھند لکا ہے کہ موسم گرما میں تیزی نور شمس کے سبب بعد غروب نظر کو ظاہر ہوتا ہے جب تارے کھل کر روشنی دیتے ہیں زائل ہو جاتا ہے جیسے چراغ کے سامنے سے تاریکی میں آکر کچھ دیر سخت ظلمت معلوم ہوتی ہے پھر نگاہ ٹھہر جاتی ہے، زہر الربٰی میں ہے: **فحمة**

---

[1] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[2] القرآن ۲/۱۸۷

العشاء، ھی اقبال اللیل واول سوادہ [1] (فحمۃ العشاء رات کے آنے کو اور اس کی ابتدائی سیاہی کو کہتے ہیں۔ت)

شرح جامع الاصول للمصنف میں ہے:

ھی شدّۃ سواد اللیل فی اولہ، حتی اذاسکن فورہ، قلت بظھور النجوم وبسط نورھا۔ ولان العین اذانظرت الی الظلمۃ ابتداء لاتکاد تری شیأ [2]۔	وہ رات کا ابتدائی حصّے میں بہت سیاہ ہونا ہے۔ پھر جب اس کا جوش ٹھر جاتا ہے تو تاروں کے نکلنے اور ان کی روشنیاں پھیلنے سے سیاہی کم ہوجاتی ہے، اور اس لئے بھی کہ آنکھ جب ابتداء میں تاریکی کی طرف نظر کرتی ہے تو کچھ نہیں دیکھ پاتی۔(ت)

ظاہر ہے کہ اس کا جانا بیاضِ شفق کے جانے سے بہت پہلے ہوتا ہے تو بیاضِ شفق جانا بیان کرکے پھر اس کے ذکر کی کیا حاجت ہوتی، ہاں بیاض شرقی اس سے پہلے جاتی ہے تواس معنی صحیح پر فحمہ عشاء کاذکر عبث ولغو نہ ہوگا۔

ثالثاً یہی حدیث اسی طریق مذکور سفیان سے امام طحاوی نے یوں روایت فرمائی:

حدثنا فھد ثنا الحمانی ثنا ابن عیینۃ عن ابن ابی نجیح عن اسمٰعیل بن ابی ذویب قال: کنت مع ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فلما غربت الشمس، ھبنا ان نقول: الصلاۃ، فسار حتی ذھب فحمۃ العشاء ورأینا بیاض الافق، فنزل فصلی ثلثا المغرب، واثنتین العشاء، وقال: ھکذا رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعل [3]	حدیث بیان کی ہم سے فہد نے حمانی سے، اس نے ابن عیینہ سے، اس نے ابن ابی نجیح سے، اس نے اسمٰعیل بن ابی ذویب سے کہ میں ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جب سورج ڈوب گیا توان کی ہیبت کی وجہ سے ہم انہیں نماز کانہ کہہ سکے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ عشاء کی سیاہی ختم ہوگئی اور ہم نے افق کی سفیدی دیکھ لی۔ اس وقت اُتر کر مغرب کی تین رکعتیں اور عشا کی دو۲ رکعتیں پڑھیں اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔(ت)

یہ بقائے شفق ابیض میں نص صریح ہے کہ سرشام کادھندلکا جاتارہااور ہمیں افق کی سپیدی نظر آئی

[1] زہر الربٰی مع سنن النسائی بین السطور زیر حدیث مذکور مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب نور محمد کراچی ۱/۹۹

[2] جامع الاصول للمصنف

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

اُس وقت نماز پڑھی اور کہا اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا۔

رابعًا: ملّاجی! آپ تو بہت محدثی میں دم بھرتے ہیں صحیح حدیثیں بے وجہ محض تو رَد کرتے آئے بخاری ومسلم کے رجال ناحق مردود الروایہ بنائے اب اپنے لیے یہ روایت حجّت بنالی جو آپ کے مقبولہ اصولِ محدثین پر ہرگز کسی طرح حجت نہیں ہوسکتی اس کامدار ابن ابی نجیح پر ہے وہ مدلس تھا اور یہاں روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنہ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار ومعتمد میں مردود ونامستند ہے اسی آپ کی مبلغ علم تقریب میں ہے:

عبداللہ بن ابن نجیح یسار المکی ابویسار الثقفی، مولاھم، ثقۃ، رمی بالقدر، وربما دلس [1]۔	عبداللہ ابن ابی نجیح یسار مکی ابویسار ثقفی، بنی ثقیف کا آزاد کردہ، ثقہ ہے، قدری ہونے سے متہم ہے، بسااوقات تدلیس کرتا ہے۔ (ت)

وہ قسم مرسل سے ہے تقریب وتدریب میں ہے:

الصحیح التفصیل، فمارواہ بلفظ محتمل لم یبین فیہ السماع، فمرسل لایقبل، ومابین فیہ، کسمعت، وحدثنا، واخبرنا، وشبھھا، فمقبول یحتج بہ [2]۔	صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے، یعنی مدلس کی وہ روایت جو ایسے لفظ سے ہو جو سماع کا احتمال تو رکھتا ہو مگر سماع کی تصریح نہ ہو، تو وہ مرسل ہے اور غیر مقبول ہے، اور جس میں سماع کی صراحت ہو، جیسے سمعت، حدثنا، اخبرنا اور ان جیسے الفاظ، تو وہ مقبول ہے اور قابل استدلال ہے۔ (ت)

اور مرسل کی نسبت آپ خود فرماچکے [ف۱] روایت مرسل حجت نہیں ہوتی نزدیک جماعت فقہا وجمہور محدثین کے۔ یہ آپ نے اُس حدیث صحیح متصل کو مردود ومرسل بناکر فرمایا تھا جس کاذکر لطیفہ دہم میں گزرا جھوٹے ادعائے ارسال پر تو یہ جوش وخروش اور سچّے ارسال میں یوں گنگ وخاموش، یہ کیا مقتضائے حیاودیانت ہے۔

جواب سوم: حدیث مذکور کے اصلًا کسی طریق میں نہیں کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد غروب شفق ابیض نماز مغرب پڑھی نہ ہرگز ہرگز کسی روایت میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد از سفر وقت حقیقۃً قضا کرکے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنے کو فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب یہ ہے کہ وقت مغرب شفق احمر تک ہے

الدارقطنی عن ابن عمر، رفعہ، والصحیح وقفہ، افادہ البیھقی والنووی، انہ قال:	دارقطنی نے ابن عمر سے مرفوعًا روایت کی ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے، جیسا کہ بیہقی اور نووی نے

[1] تقریب التہذیب ترجمہ عبداللہ ابن نجیح مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۴۴

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی القسم الثانی من النوع الثانی عشر دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۲۹

ف۱: معیار الحق ص ۴۰۱

الشفق الحمرۃ۔	افادہ کیا ہے کہ ابن عمر نے کہا ہے کہ شفق سُرخی کو کہتے ہیں۔(ت)

اور ہمارے نزدیک شفق ابیض تک ہے ھو الصحیح روایۃ والرجیح درایۃ وقضیۃ الدلیل فعلیہ التعویل (یہی روایۃً صحیح ہے،اسی کو درایۃً ترجیح ہے اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لئے اسی پر اعتماد ہے۔ت) ہمارا مذہب اجلّائے صحابہ مثل افضل الخلق بعدالرسل صدیق اکبر واُمّ المومنین صدّیقہ وامام العلماء معاذ بن جبل وسید القراء اُبی بن کعب وسید الحفاظ ابوہریرہ وعبداللہ بن زبیر وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم واکابر تابعین مثل امام اجل محمد باقر وامیر المومنین عمر بن عبدالعزیز واجلّائے تبع تابعین مثل امام الشام اوزاعی وامام الفقہاء والمحدثین والصالحین عبداللہ بن مبارک وزفر بن الہذیل وائمہ لغت مثل مبرد وثعلب وفراء وبعض کبرائے شافعیہ مثل ابوسلیمان خطابی وامام مزنی تلمیذ خاص امام شافعی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم سے منقول کمافی عمدۃ القاری وغنیۃ المستملی وغیرھما۔اب اگر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صراحۃً ثابت بھی ہو کہ انہوں نے بعد غروب ابیض مغرب پڑھی تو صاف محتمل کہ انہوں نے کسی سفر میں سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بعد شفقِ احمر شفق ابیض میں مغرب اور اُس کے بعد عشاء پڑھتے دیکھا اور اپنے اجتہاد کی بناپر یہی سمجھا ہو کہ حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے وقت قضا کرکے جمع فرمائی اب چاہے ابنِ عمر سے ثابت ہو جائے کہ انہوں نے پہر رات گئے بلکہ آدھی رات ڈھلے مغرب پڑھی یہ اُن کے اپنے مذہب پر مبنی ہوگا کہ جب وقت قضا ہوگیا تو گھڑی اور پہر سب یکساں مگر ہم پر حجت نہ ہوسکے گا کہ ہمارے مذہب پر وہ جمع صوری ہی تھی جسے جمع حقیقی سے اصلاً علاقہ نہ تھا یہ تقریر بحمداللہ تعالٰی وافی وکافی اور مخالف کے تمام دلائل وشبہات کی دافع ونافی ہے اگر ہمّت ہے تو کوئی حدیث صحیح صریح ایسی لاؤ جس سے صاف صاف ثابت ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حقیقۃً شفق ابیض گزار کر وقت اجتماعی عشاء میں مغرب پڑھی یا اس طور پڑھنے کا حکم فرمایا مگر بحول اللہ تعالٰی قیامت تک کوئی حدیث ایسی نہ دکھاسکوگے بلکہ احادیث صحیحہ صریحہ جن میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمع فرمانا اور اس کا حکم دینا آیا وہ صراحۃً ہمارے موافق اور جمع صوری میں ناطق ہیں جن کا بیان واضح ہوچکا پھر ہم پر کیا جبر ہے کہ ایسی احتمالی باتوں مذبذب خیالوں پر عمل کریں اور اُن کے سبب نمازوں کی تعیین وتخصیص اوقات کہ نصوص قاطعہ قرآن وحدیث واجماعِ امت سے ثابت ہے چھوڑ دیں۔ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی بطریق عُقیل بن خالد عن ابن شہاب عن انس جس کے ایک لفظ میں ہے کہ ظہر کو وقتِ عصر تک تاخیر فرماتے،

الشیخان وابوداود والنسائی،حدثنا قتیبۃ،	بخاری، مسلم،ابوداؤد اور نسائی کہتے ہیں کہ حدیث

زاد ابوداؤد وابن موھب المعنی،قالانا المفضل ح والبخاری وحدہ،حدثنا حسان الواسطی، وھذا لفظہ،ثنا المفضل بن فضالۃ عن عقیل عن ابن شھاب عن انس بن مالک،قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،اذا ارتحل قبل ان تزیغ الشمس،اخر الظھر الی وقت العصر،ثم یجمع بینھما،واذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل،صلی الظھر ثم رکب[1]۔	بیان کی ہم سے قتیبہ نے ابوداؤد نے اضافہ کیا ہے"اور ابن موہب المعنی نے"دونوں مفضل سے روایت کرتے ہیں۔یہی روایت بخاری نے بواسطہ حسان واسطی تنہا بھی کی ہے،اور آئندہ الفاظ اسی کے ہیں۔حدیث بیان کی ہم سے مفضل نے عقیل سے،اس نے ابن شہاب سے،اس نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر زوال سے پہلے روانہ ہوجاتے تھے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کردیتے تھے،پھر دونوں کو اکٹھا پڑھ لیتے تھے قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں:"پھر اُترتے تھے اور دونوں کو اکٹھا پڑھتے تھے"اور ر اگر زوال ہوجاتا تھا قتیبہ کے الفاظ یوں ہیں:"اور اگر روانگی سے پہلے زوال ہوجاتا تھا"تو ظہر پڑھ کے سوار ہوتے تھے۔(ت)

دُوسرے لفظ میں ہے ظہر کو مؤخر فرماتے یہاں تک کہ عصر کا اوّل وقت داخل ہوتا پھر جمع کرتے۔ صحیح مسلم میں ہے،

حدثنی عمروالناقد نا شبابۃ بن سوار المدائنی نالیث بن سعد عن عقیل،فذکرہ،وفیہ: اخر الظھر حتی یدخل اول وقت العصر،ثم یجمع بینھما[2]۔	حدیث بیان کی ہم سے عمروالناقد نے شبابہ سے،اس نے لیث سے،اس نے سعد سے،اس نے عقیل سے،اس کے بعد روایت ذکر کی،اس میں ہے کہ ظہر کو مؤخر کرتے یہاں تک کہ عصر کا ابتدائی وقت داخل ہوجاتا،پھر دونوں کو جمع کرلیتے۔(ت)

تیسرے لفظ میں یہ لفظ زائد ہے کہ مغرب کو تاخیر کرتے یہاں تک کہ شفق ڈوبنے کے وقت اُسے اور عشا کو ملاتے یا اُنہیں جمع فرماتے کہ شفق ڈوب جاتی۔ صحیح مسلم میں ہے،

حدثنی ابوالطاھر وعمروبن السواد قالانا ابن وھب ثنی جابر بن اسمٰعیل عن عقیل،وفیہ: یؤخر المغرب حتی یجمع	حدیث بیان کی مجھ سے ابوالطاہر اور عمروبن سواد نے ابن وہب سے،اس نے جابر سے،اس نے عقیل سے۔اس میں ہے کہ مغرب کو مؤخر کرتے تھے یہاں تک

[1] صحیح البخاری باب یؤخر الظہر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۰
[2] صحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵

بینھا وبین العشاء حین یغیب الشفق [1]۔ورواہ النسائی،قال: اخبرنی عمروبن سوّاد بن الاسود بن عمرو،وابوداود مختصرا،قال: حدثنا سلیمٰن بن داود المھری کلاھما عن ابن وھب، بہ،ورواہ الطحاوی حدثنا یونس،قال:انا ابن وھب،وفیہ،حتی یغیب الشفق [2]۔	کہ اس کو اور عشاء کو جمع کرلیتے جب شفق غائب ہوتی تھی۔اس روایت کو نسائی نے بھی بواسطہ عمرو ابن سواد ابن اسود ابن عمر،اور ابوداود نے بھی مختصراً بواسطہ سلیمان ابن داود المہری بیان کیا ہے (عمرو اور سلیمان) دونوں نے یہ روایت ابن وہب سے لی ہے۔اور طحاوی نے اس کو بواسطہ یونس،ابن وہب سے لیا ہے۔اس میں ہے"یہاں تک کہ شفق غائب ہوجاتی تھی"۔(ت)

غیبتِ شفق کے جوابات شافعیہ تو بحمداللہ اوپر گزرے ملّاجی کو بڑا ناز یہاں ان لفظوں پر ہے کہ ظہر کو وقت عصر تک مؤخر فرماکر جمع کرتے اُس پر حتی کے معنی میں لاطائل س نحویت بگھار کر فرماتے ہیں ف پس مطلب یہ ہوا کہ تاخیر ظہر کی اس حد تک کرتے کہ منتہ تاخیر کا اول وقت عصر کا ہوتا یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ عصر کا وقت آجاتا ان معنی سے کسی کو انکار نہیں مگر محرفین للنصوص کو اوّل وقت عصر کا منتہی تاخیر کا ہے نہ نماز ظہر کا اگر ظہر کا ہو تو ثم یجمع بینھما کے کچھ معنی نہیں بنتے کہ بعد ہوچکنے ظہر کے اول وقت عصر تک پھر جمع کرنا ساتھ عصر کے کس طرح ہوا ھ ملخصا مھذبا۔

اِن لن ترانیوں کا **جواب** تو بہت واضح ہے عصر یا وقت عصر یا اول وقت عصر یا دخول وقت عصر تک ظہر کو مؤخر کرنے کے جس طرح یہ معنے ممکن کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ وقت عصر داخل ہوا یونہی یہ بھی متصور کہ ظہر میں اس قدر تاخیر فرمائی کہ اس کے ختم ہوتے ہی وقتِ عصر آگیا خود علمائے شافعیہ ان معنی کو تسلیم کرتے ہیں صحیح بخاری شریف میں فرمایا: **باب تاخیر الظھر الی العصر** [3] امام عسقلانی شافعی نے فتح الباری پھر قسطلانی شافعی نے ارشاد الساری میں اس کی شرح فرمائی:

باب تاخیر الظھر الٰی اول وقت العصر ،بحیث انہ اذافرغ منھا یدخل وقت تالیھا،لاانہ یجمع بینھما فی وقت واحد [4]۔	باب،ظہر کی تاخیر عصر کے ابتدائی وقت تک کہ جب ظہر سے فارغ ہو،عصر کا وقت داخل ہوجائے،نہ یہ کہ ایک ہی وقت میں دونوں کو جمع کرے۔(ت)

---

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الجمع بین الصلاتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۵، سنن ابی داؤد ۱/۱۷۲، شرح معانی الآثار ۱/۱۱۳

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر بین المغرب والعشاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۹۹

[3] صحیح البخاری باب تاخیر الظھر الی العصر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷

[4] ارشاد الساری باب تاخیر الظھر الی العصر دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/۴۹۱

ف معیار الحق ص ۳۷۷،۳۷۸

حافظ الشان کے لفظ یہ ہیں:

المراد انه عند فراغه منها دخل وقت العصر، کماسیاتی عن ابی الشعثاء[1] الخ۔	مراد یہ ہے کہ ظہر سے فارغ ہوتے ہی عصر کا وقت داخل ہوگیا، جیسا کہ عنقریب ابوالشعثاء سے آرہا ہے۔(ت)

اور اُس سے فارغ ہوتے ہی جو عصر اپنے شروع وقت میں پڑھی جائے بداہۃً دونوں نمازیں مجتمع ہوجائیں گی تو اس معنے کو تحریف یا جمع بینہما کے مخالف کہنا صریح جہالت ہے۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق تحقیق مقام یہ ہے کہ **یؤخر الظھر** میں ظہر سے صلاۃِ ظہر مراد ہونا تو بدیہی نماز ہی قابل تاخیر وتعجیل ہے نہ وقت جس کی تاخیر وتعجیل مقدورات عباد میں نہیں اور صلاۃ ظہر حقیقۃً تکبیر تحریمہ سے سلام تک مجموع افعال کا نام ہے نہ ہر فعل یا آغاز نماز کا کہ جزء نماز ہے اور ایسے حقائق میں جز شے شے نہیں جو اسم کسی مرکب مجموع اجزائے متعاقبہ فی الوجود کے مقابل موضوع ہو بنظرِ حقیقت اُس کا صدق جزء آخر کے ساتھ ہوگا نہ اُس سے پہلے مثلاً مکان اس مجموع جدران وسقف وغیرہا کا نام ہے تو جب نیو بھری گئی یا پہلی اینٹ چنائی کی رکھی گئی مکان نہ کہیں گے پس قبل فراغ حقیقت صلاۃ جسی شرع مطہر نماز گنے اور معتبر رکھے متحقق نہیں تو بحکم حقیقت انتہائے تاخیر نماز عین وقت فراغ پر ہے نہ وقت تکبیر کہ ہنوز زمانہ عدم صدق اسم باقی ہے اب حدیث کے الفاظ دیکھیے تاخیر نماز کی انتہا ابتدائے وقتِ عصر پر بتائی گئی ہے اور اُس کی انتہا فراغ پر تھی تو ثابت ہوا کہ ظہر سے فراغ وقت ظہر کے جزءِ اخیر میں ہوا یہی بعینہٖ ہمارا مقصود ہے اگر معنے وہ لیے جائیں جو ملّاجی بتاتے ہیں کہ اول وقت عصر میں نماز ظہر شروع کی تو تاخیر ظہر اول وقت عصر پر منتہی نہ ہوئی بلکہ اوسط وقت عصر تک رہی یہ خلاف ارشاد حدیث ہے تو بلحاظ حقیقت شرعیہ معنی حدیث وہی ہیں جنہیں ملّاجی تحریہ نصوص بتارہے ہیں ہاں مجازاً آغاز نماز پر بھی اسم نماز اطلاق کرتے ہیں تو ہمارے اور ملّاجی کے معنی میں وہی فرق ہے جو حقیقت ومجاز میں۔ بحمداللہ اس بیان جلی البرہان سے واضح ہوگیا کہ ملّاجی کا منتہائے تاخیر ومنتہائے نماز ظہر میں تفرقہ پر حکم کرنا جہالت تھا ملّاجی نے اتنا سچ کہا کہ منتہے تاخیر کا اول وقت عصر کا ہوتا آگے جو یہ حاشیہ چڑھایا کہ یعنی ابھی تک ظہر نہ پڑھتے کہ وقت عصر آجاتا نرا ادعائے بے دلیل ہے طرفہ یہ کہ خود بھی حضرت نے اُنہیں لفظوں سے تعبیر کی جن میں دونوں معنی محتمل مگر عقل ووہابیت تو باہم اقصی طرفین نقیض پر ہیں **وللّٰہ الحمد**۔

ثم اقول: وبحول اللّٰہ اصول (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی کی طاقت سے جرح کرتا ہوں) ظہر کی وقتِ عصر تک تاخیر درکنار اگر صاف یہ لفظ آتے کہ ظہر اول وقت عصر میں پڑھی مدعائے مخالف میں نص نہ تھی ظہرین وعشائین میں

[1] فتح الباری شرح البخاری باب تاخیر الظھر الی العصر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۹

آخر وقتِ اول واول وقت آخر آن واحد فصل مشترک بین الزمانین ہے اور صلاۃ بمعنے ابتدائے صلاۃ اور فراغ عن الصلٰوۃ دونوں مستعمل تو بحکم مقدمہ اولٰی جس نماز کے فراغ پر اُس کا وقت ختم ہوجائے اُسے جس طرح یوں کہہ سکتے ہیں کہ اپنے وقت کے جزء اخیر میں تمام ہوئی یونہی یہ بھی کہ وقت آئندہ کے جزء اول میں اُس سے فراغ ہوا اور بحکم مقدمہ ثانیہ تعبیر ثانی کو ان لفظوں سے بھی ادا کرسکتے ہیں کہ نماز وقت آئندہ میں پڑھی کہ نماز پڑھنا **فراغ عن الصلاۃ** تھا اور **فراغ عن الصلاۃ** آخر وقت میں ہوا اور آخر وقت ماضی اولِ وقت آتی ہے ولہذا ساتوں احادیث مذکورہ امامت جبریل وسوال سائل میں جب کہ بظاہر عصر ماضی وظہر حال دونوں ایک وقت پڑھنا نکلتا تھا بلکہ حدیث امامت عندالترمذی وحدیث سائل عندابی داؤد میں صاف تصریح تھی کہ آج کی ظہر کل کی عصر کے وقت پڑھی خود امام شافعی وجمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے ان میں صلاۃ عصر دیروزہ کو ابتدائے نماز اور صلاۃ ظہر امروزہ کو فراغ نماز پر حمل کیا یعنی ایک مثل سایہ پر کل کی عصر شروع فرمائی تھی اور آج کی ظہر ختم، اسی کو یوں تعبیر فرمایا گیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی امام اجل ابوزکریا نووی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث **اذاصلیتم الظھر فانه وقت الی ان یحضر العصر** (جب تم ظہر کی نماز پڑھنا ہو تو عصر تک سارا وقت ظہر ہی کا ہے۔ت) فرماتے ہیں:

احتج الشافعی والاکثرون بظاھر الحدیث الذی نحن فیه، واجابوا عن حدیث جبریل علیه السلام، بان معناه فرغ من الظھر حین صار ظل کل شیئ مثله، وشرع فی العصر فی الیوم الاول حین صار ظل کل شیئ مثله فلا اشتراك بینھما[1]۔	امام شافعی اور اکثر علمانے اسی حدیث کے ظاہر سے استدلال کیا ہے جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اور جبریل علیہ السلام کی حدیث سے یہ جواب دیا ہے کہ پہلے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا تو اس وقت ظہر کی نماز سے فارغ ہوگئے تھے اور دوسرے دن جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہُوا تھا تو اس وقت عصر کی نماز شروع کی تھی۔ اس طرح دونوں کا (ایک ہی وقت میں) اشتراک نہیں پایا جاتا۔(ت)

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

فی روایة، حین کان ظل کل شیئ مثله، کوقت العصر بالامس۔ ای فرغ من الظھر ح، کماشرع فی العصر فی الیوم الاول ح حینئذٍ قال الشافعی: وبه نندفع اشترا کھا فی	ایک روایت میں ہے کہ جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہوگیا تھا، جیسا کہ گزشتہ کل اسی وقت عصر کے وقت تھا۔ یعنی آج اُسی وقت ظہر سے فارغ ہوئے تھے جیسا کہ گزشتہ کل اسی وقت عصر میں شروع ہوئے تھے

[1] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم باب اوقات صلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۲/۱

وقت واحد[1]۔	امام شافعی نے کہا کہ اسی سے ایک وقت میں ان کے اشتراک کا احتمال ختم ہوجاتا ہے۔(ت)۔

ثم اقول: ہاں میں علما سے کیوں نقل کروں خود ملّاجی اپنے ہی لکھے کو نہ روئیں اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ؕ[2] عــہ۔(پڑھو اپنی کتاب کو، آج تم خود ہی اپنے آپ پر شہید کافی ہو۔ت) مسئلہ وقتِ ظہر میں جو ایک مثل کا اثبات پیشِ نظر تھا پاؤں تلے کی سوجھی آگا پیچھا بے سوچے سمجھے صاف صاف انہیں معنی کا اقرار کرگئے یہ کیا خبر تھی کہ دو۲ قدم چل کر یہ اقرار جان کاآزار ہوجائے گا حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نقل کرکے فرماتے ہیں ف۱ : معنی اس کے یہ ہیں کہ پہلے دن عصر جب پڑھی کہ سایہ ایک مثل آگیا اور دوسرے دن ظہر سے ایک مثل پر فارغ ہوئے یہ معنی نہیں کہ ظہر پڑھنی شروع کی دُوسرے دن اُسی وقت میں جس میں پہلے دن عصر پڑھی تھی اھ ملخصا۔ کیوں مُلّاجی! جب صلاۃ بمعنی فراغ عن الصلاۃ آپ خود لے رہے ہیں تو آخر الظہر کے معنی آخر الفراغ عن الظهر لینا کیوں تحریف نصوص ہوگیا، ہاں اس کا علاج نہیں کہ شریعت تمہارے گھر کی ہے اپنے لئے تحریف تبدیل انکار تکذیب جو چاہو حلال کرلو۔ مزہ یہ ہے کہ فقط اسی پر قناعت نہ کی لاج کا بھلا ہو حدیث امامت جبریل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی نقل کی اور ابوداؤد کے لفظ چھوڑ کر خاص ترمذی ہی کی روایت لی جس میں صاف نقل کیا کہ ظہر امروزہ عصر دیروزہ کے وقت میں پڑھی اور بکمال خوش طالعی اسے بھی لکھ ف۲ دیا کہ معنے اس کے بھی وہی ہیں جو حدیث نسائی کے بیان کیے گئے یعنی پہلے دن عصر شروع کی ایک مثل پر اور دوسرے دن فارغ ہوئے ظہر سے ایک مثل پر۔

مُلّاجی! جب ایک نماز دوسری کے وقت میں پڑھنا ان صریح لفظوں کے بھی خود یہ معنی لے رہے ہو کہ نماز پڑھی تو اپنے وقت میں مگر اس سے فراغ دوسری کے ابتدائے وقت پر ہوا تو اَب کس مُنہ سے یہ حدیثیں اثبات جمع میں پیش کرتے اور انہیں نص صریح ناقابل تاویل بتاتے ہو ان میں تصریح دکھا بھی نہ سکے جو صاف صاف اس حدیث ترمذی میں تھی جب اس کے یہ معنی بنارہے ہو ان کے بدرجہ اولٰی بنیں گے اور اول تا آخر تمہارے سب دعوے

عــہ اقتباس ومناسب المقام ھھنا الشھادۃ لا الحساب ۱۲ منہ (م)	قرآن کریم سے اقتباس ہے اور مقام کے مناسب یہاں پر شہادت ہے نہ کہ حساب (اس لئے حسیبًا کی جگہ شہیدًا لایا گیا ہے) (ت)

[1] مرقات المفاتیح الفصل الثانی من باب المواقیت مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن ۱۷/ ۱۴

ف۱ معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۶، ف۲ معیار الحق ص ۳۲۱)

قل موتوا بغیظکم سُنیں گے انصاف ہو تو ایک یہی حرف تمہاری ساری محنت کو پہلی منزل پہنچانے کے لئے بس ہے **وللہ الحمد** یہ کلام تو مُلّاجی کی جہالتوں سے متعلق تھا اب مثل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس حدیث کے بھی جواب بعون الوہاب اُسی طرز صواب پر لیجئے **وباللہ التوفیق**۔

جواب اول: دخول عصر سے قرب عصر مراد ہے جس کی اکیس مثالیں آیات واحادیث سے گزریں خصوصا حدیث ہشتم میں ہم نے روایت صحیحہ صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی سے روشن ثبوت دیا کہ دوسرے وقت تک تاخیر درکنار ایک نماز اپنے آخر وقت میں دوسرے وقت کے قریب پڑھنے کو کہا یہاں تک کہا جاتا ہے کہ دوسری نماز کے وقت میں پڑھی

الی ھذا الجواب اشار الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال: قدیحتمل ان یکون قولہ: الی اول وقت العصر، الی قرب اول وقت العصر[1]۔	اسی جواب کی طرف امام طحاوی نے اشارہ کیا ہے انہوں نے کہا ہے کہ اول وقت عصر سے مراد اول وقت عصر کا قریب ہونا ہے۔(ت)

جواب ثانی، اقول: وقت ظہر دو مثل سمجھو خواہ ایک اُس کی حقیقت واقعیہ کا ادراک طاقت بشری سے خارج ہے آسمان بھی صاف ہو زمین بھی ہموار تاہم پیائش اقدام یا کوئی چیز زمین میں کھڑی کرکے ناپنا تو ہرگز غایت تخمین مقدور تک بھی بالغ نہیں نہایت تصحیح عمل امثال دائرہ ہندیہ ہے وہ بھی حقیقت امر ہرگز نہیں بتاسکتا۔

اولا دائرے کی صحتِ سطح کا اسطوا سطح دائرۃ الافق سے اُس کی پوری موازات مقیاس کا سطح دائرہ نصف النہار سے ذرہ بھر مائل نہ ہونا مدخل ومخرج کے نقاط نامتجزیہ کی صحیح تعیین قوس محصورہ کی ٹھیک تنصیف پھر ظل کا خط نامتجزی پر واقعی انطباق پھر اُس کی حقیقی مقدار پھر اس پر مثل یا مثلین کی بے کمی بیشی زیادت ان میں سے کسی پر جزم متیسر نہیں۔

ثانیا بفرض محال عادی یہ سب حق حقیقت پر صحیح بھی ہوجائیں تاہم خط نصف النہار کا سطح عظیمہ نصف النہار میں ہونا معلوم نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت و معلوم ہے کہ شمس بوجہ تقاطعِ معدّل ومنطقہ اپنی سیر خاص سے لحظہ بھر بھی ایک مدار پر نہیں رہتا تو منتصف مابین المدخل والمخرج ہمیشہ خط نصف النہار سے شرقی یا غربی ہے مگر جبکہ دائرۃ الزوال پر مرکز نیّر کا انطباق اور احد الانقلابین میں حلول آنِ واحد میں ہو اور وہ نہایت نادر ہے۔

ثالثا اس نادر کو بھی فرض کرلیجئے تاہم علم کی طرف اصلا سبیل نہیں کہ حلولِ انقلاب یا وصول دائرہ جاننے

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۳

کے طرق جوزیجات میں موضوع ہیں سب ظنی و تخمینی ہیں کسی کوکب کی تقویم حقیقی معلوم کرنا نہ حساب کا کام ہے نہ ارصاد کا، جداول جیوب وظلال ومیول واوساط وتعاویل مراکز ومواضع اوجات وتفاوت ایام حقیقیہ ووسطیہ وفصل مابین المرکزین وعروض واطوال بلاد درج واجزائے استوائیہ وطوالع ومطالع بلدیہ وغیرہا امور کہ اس ادراک کے ذرائع ہیں سب فی انفسہا محض تخمین ہیں اور اس پر اثباتِ زیجات برفع واسقاط حصصِ کسرات تخمین بالائے تخمین، پاکی ہے اسے جس نے بہر نقیر وقطمیر میں عجز وجہل بشر کو ظاہر کیا اور ذرہ ذرہ عالم سے اپنے کمال علم وقدرت کو جلوہ دیا،

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۳۲﴾ [1]	تُو پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنے کی تُو نے تعلیم دی ہے تو ہی علیم حکیم ہے۔(ت)

ولہٰذا ملتقی وقتین سے کچھ پہلے اور کچھ بعد تک عامہ خلق کے نزدیک وقت مشکوک ہے اسی کو وقت بین الوقتین کہتے ہیں اس میں نظرِ ناظر کبھی حالتِ شک میں رہتی ہے کبھی بقائے وقتِ اول کبھی دخولِ وقت آخر گمان کرتی ہے اور واقع وہ ہے جو رب العزۃ جل وعلا کے علم میں ہے صاحبِ وحی خصوصًا عالم علوم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب بحکم **نبأنی العلیم الخبیر** (آگاہ کیا ہے مجھے علم والے اور خبر والے نے۔ت) عین وقت حقیقی پر مطلع ہو کر نمازِ ظہر ایسے اخیر وقت میں ادا فرمائے اور سلام پھیرتے ہی معًا وقت عصر کی ابتدائے حقیقی جو خاص علمِ الٰہی میں تھی شروع ہوجائے اور دیگر ناظرین کو وحی سے بہرہ نہیں رکھتے براہِ اشتباہ اسے وقت آخر میں گمان کریں اصلا محل تعجب نہیں نہ معاذاللہ اس میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کسرِ شان کہ علومِ خاصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حضور کا شریک نہ ہونا کچھ منافی صحابیت نہیں بلکہ واجب ولازم ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر احادیث کثیرہ سے خاص اس جزئیہ کی نظیریں پیش کرسکتا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسے وقت نمازیں پڑھیں یا سحری تناول فرمائی کہ ناظرین کو بقائے وقت میں شک یا خروج وقت کا گمان گزرتا بلکہ اجلہ حذاقِ صحابہ کی تمیز ومعرفت میں دیگر ناظرین شریک نہ ہُوئے علم محمدی تو علم محمدی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مثلًا:

حدیث ۱: حدیث سائل کہ صحیح مسلم وسُنن ابی داؤد وسنن نسائی ومسند امام احمد وحجج امام ابن ابان ومصنّف طحاوی میں سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اُس میں ظہر روزِ اوّل کی نسبت مسلم ونسائی کی روایت یوں ہے:

اقام بالظهر حين زالت الشمس، والقائل يقول: قد انتصف النهار، وهو كان	سورج ڈھلتے ہی ظہر کی اقامت کہی اس حال میں کہ کہنے والا کہے ٹھیک دوپہر ہے اور حضور صلی اللہ

[1] القرآن ۲/ ۳۲

اعلم منهم [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم اُن سے زیادہ جانتے تھے۔

ابوداؤد کے یہ لفظ ہیں:

حتی قال القائل: انتصف النهار، وهو اعلم [2]۔	یہاں تک کہ کہنے والے نے کہا دوپہر ہوا اور حضور کو حقیقت امر کی خُوب خبر تھی۔

احمد وعے نسائی وطحاوی کے لفظ یوں ہیں:

والقائل یقول: انتصف النهار اولم، وکان اعلم منهم [3]۔	کہنے والا کہتا دوپہر ہے یا ابھی دوپہر بھی نہ ہوا اور حضور کے علم سے اُن کے علموں کو کیا نسبت تھی۔

حدیث ۲ صحیح بخاری و صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی وکتاب طحاوی میں پارہئ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارہئ انکار جمع بین الصلاتین کہ عنقریب اِن شاء اللہ القریب المجیب مذکور ہوگی یہ ہے:

صلی الفجر یومئذ قبل میقاتها [4]۔	صبح کی نماز اس کے وقت سے پہلے پڑھی (ت)

ابوداؤد کے لفظ یوں ہیں:

صلی صلاۃ الصبح من الغد قبل وقتها [5]۔	دسویں ذوالحجہ کو مزدلفہ میں فجر کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت سے پہلے پڑھی۔ (ت)

طحاوی کی روایت یوں ہے:

صلی الفجر یومئذ لغیر میقاتها [6]	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذی الحجہ کی دسویں تارےخ مزدلفہ میں صبح کی نماز اُس کے وقت سے پہلے پڑھی بے وقت پڑھی۔

امام بدر عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قوله قبل میقاتها، بان قدم علی وقت ظهور	یعنی قبل وقت پڑھنے کے یہ معنی ہیں کہ اور لوگوں پر صبح کا

[1] الصحیح لمسلم باب اوقات صلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳
[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت مطبوعہ مجتبائی لاہور، پاکستان ۱/۵۷
[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳
[4] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۸
[5] سنن ابی داؤد باب الصلوۃ بجمع مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۲۶۷
[6] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۳

طلوع الصبح للعامة، وقد ظھر له صلی الله تعالٰی علیه وسلم طلوعه، اِمّا بالوحی اوبغیرہ[1]۔	طلوع کرنا ظاہر نہ ہوا تھا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وحی وغیرہ سے معلوم ہوگیا۔

حدیث ۳ صحیح بخاری شریف میں عبدالرحمٰن بن زید نخعی سے خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت ہے:

ثم صلی الفجر حین طلع الفجر، قائل یقول: طلع الفجر، وقائل یقول: لم یطلع الفجر، واوله، قال: خرجنا مع عبدالله الی مکة، ثم قدمنا جمعا الحدیث[2]۔	یعنی ہم حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ حج کو چلے مزدلفہ پہنچے وہاں حضرت عبداللہ نے نمازِ فجر طلوع فجر ہوتے ہی پڑھی کوئی کہتا فجر ہوگئی ہے کوئی کہتا ابھی نہیں۔

حدیث ۴ امام ابوجعفر طحاوی انہیں عبدالرحمٰن نخعی سے راوی:

قال صلی عبدالله باصحابه صلاة المغرب، فقام اصحابه یتراء ون الشمس، فقال: ماتنظرون؟ قالوا: ننظر اغابت الشمس! فقال عبدالله: ھذا، والله الذی لااله الّا ھو، وقت ھذہ الصلاة الحدیث[3]۔	یعنی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے اصحاب کو نمازِ مغرب پڑھائی اُن کے اصحاب اُٹھ کر سورج دیکھنے لگے، فرمایا: کیا دیکھتے ہو؟ عرض کی: یہ دیکھتے ہیں کہ سُورج ڈوبا یا نہیں! فرمایا: قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچّا معبود نہیں کہ یہ عین وقت اس نماز کا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر بھی اُن کے اصحاب کو شبہہ تھا کہ سورج اب بھی غروب ہوا یا نہیں فان صلی حقیقةً فی الفعل دون الارادة والفاء للتعقیب (کیونکہ صلّی کا حقیقی معنی نماز پڑھنا ہے نہ کہ ارادہ کرنا اور فاء تعقیب کے لئے ہے۔ت)

حدیث ۵: بخاری مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی بطریق انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال: تسحرنا مع رسول لله صلی الله	ہم نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ

---

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب صلاۃ الفجر بالمزدلفۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰/۱۰

[2] صحیح البخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۸/۱

[3] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۷/۱

تعالٰی علیه وسلم، ثمّ قمنا الی الصلاۃ، قلت: کم کان قدر ما بینهما؟ قال: خمسین اٰیة[1]۔	سحری کھائی پھر نمازِ فجر کے لئے کھڑے ہوگئے میں نے پُوچھا بیچ میں کتنا فاصلہ دیا، کہا پچاس آیتیں پڑھنے کا۔

حدیث ۶: بخاری ونسائی بطریق قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان نبی اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، وزید بن ثابت تسحرا، فلما فرغا من سحورهما قام نبی اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الی الصلاۃ فصلی، قلت لانس: کم کان بین فراغهما من سحورهما ودخولهما فی الصلاۃ؟ قال: قدر مایقرء الرجل خمسین اٰیة[2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سحری تناول فرمائی جب کھانے سے فارغ ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح کے لئے کھڑے ہوگئے نماز پڑھ لی میں نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا سحری سے فارغ اور نماز میں داخل ہونے میں کتنا فصل ہوا، کہا اس قدر کہ آدمی پچاس آیتیں پڑھ لے۔

امام طور پشتی حنفی پھر علامہ طیبی شافعی پھر علامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

هذا تقدیر لایجوز لعموم المؤمنین الاخذ به، وانما اخذہ رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لاطلاع اللّٰه تعالٰی ایاہ، وکان صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم معصوما عن الخطأ فی الدین[3]۔	یہ اندازہ ہے کہ عام اُمّت کو اسے اختیار کرنا جائز نہیں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسے اس لئے اختیار فرمایا کہ رب العزۃ جل وعلا نے حضور کو وقت حقیقی پر اطلاع فرمائی تھی اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دین میں خطا سے معصوم تھے۔

حدیث ۷: نسائی وطحاوی زِرّ بن حبیش سے راوی:

قال: قلنا لحذیفة، ای ساعة تسحرت مع	ہم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پُوچھا آپ نے

[1] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۱
[2] صحیح البخاری باب وقت الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲
[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول من باب تعجیل الصلوات مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۳۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم؟ قال: هو النهار، الا ان الشمس لم تطلع [1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کس وقت سحری کھائی تھی؟ کہادن ہی تھامگر یہ کہ سورج نہ چمکا تھا۔

امام طحاوی کی روایت میں یوں صاف تر ہے:

قلت: بعد الصبح؟ قال: بعد الصبح، غیران الشمس لم تطلع [2]۔	میں نے کہا بعد صبح کے، کہا ہاں بعد صبح کے مگر آفتاب نہ نکلا تھا۔

رائے فقیر میں ان روایات کا عمدہ محل یہی ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے علم نبوت کے مطابق حقیقی منتہائے لیل پر سحری تناول فرمائی کہ فراغ کے ساتھ ہی صبح چمک آئی حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گمان ہُوا کہ سحری دن میں کھائی بعد صبح اور واقعی جو شخص سحری کا پچھلا نوالہ کھا کر آسمان پر نظر اُٹھائے تو صبح طالع پائے وہ سوا اس کے کیا گمان کرسکتا ہے۔

حدیث ۸: ابوداؤد نے اپنی سُنن میں باب وضع کیا: **باب المسافر وهو یشك فی الوقت** [3]۔ اور اس میں انہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جن کی حدیث میں ہم یہاں کلام کررہے ہیں روایت کی:

قال: کنا اذا کنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر، فقلنا: زالت الشمس اولم تزل، صلی الظهر ثم ارتحل [4]۔	جب ہم حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب سفر میں ہوتے تھے ہم کہتے سورج ڈھلا یا ابھی ڈھلا بھی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت نمازِ ظہر پڑھ کر کُوچ فرمادیتے۔

حدیث ۹: ابوداؤد اسی باب میں اور نیز نسائی وطحاوی انہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا نزل منزلا لم یرتحل حتی یصلی الظهر، فقال له رجل: وان کان نصف النهار؟ قال: وان کان نصف النهار [5]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کسی منزل میں اُترتے بے ظہر پڑھے کُوچ نہ فرماتے۔ کسی نے کہا اگرچہ دوپہر کو، فرمایا: اگرچہ دوپہر کو۔

---

[1] سنن النسائی الحث علی السحور ذکر الاختلاف الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۳
[2] شرح معانی الآثار کتاب الصیام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۸
[3] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰
[4] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰
[5] سنن ابی داؤد باب المسافر یصلی الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۰

نسائی کے لفظ یوں ہیں:

فقال رجل وان کانت بنصف النهار قال وان کانت بنصف النهار [1]۔	یعنی کسی نے پوچھا اگرچہ وہ نماز دوپہر میں ہوتی فرمایا اگرچہ دوپہر میں ہوتی۔

لطیفہ۱: اقول ملّاجی کو تو یہ منظور ہے کہ جہاں جے سے بنے اپنا مطلب بنائیں یہاں تو قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہ وقت عصر کا آغاز ہوجاتا ایسی تحقیق یقینی پر عمل کیا جس میں اصلاً گنجائش تاویل نہیں اور مسئلہ وقت ظہر میں جب علمائے حنفیّہ نے حدیث صحیح جلیل صحیح بخاری شریف سے استدلال کیا کہ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ایک سفر میں ہم حاضر رکاب سعادت سلطان رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ تھے مؤذن نے ظہر کی اذان دینی چاہی فرمایا وقت ٹھنڈا کر، دیر کے بعد انہوں نے پھر اذان کا قصد کیا، پھر فرمایا وقت ٹھنڈا کر، ایک دیر کے بعد انہوں نے پھر ارادہ کیا، فرمایا ٹھنڈا کر، حتی ساوی الظل التلول (یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آگیا) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان شدۃ الحرمن فیح جھنم [2] (گرمی کی شدت جہنم کے جوش سے ہے) تو اس میں نماز ظہر ٹھنڈے وقت میں پڑھو، ظاہر ہے کہ ٹھیک دوپہر خصوصًا موسم گرما میں کہ وہی زمانہ ابراد ہے ٹیلوں کا سایہ اصلانہیں ہوتا بہت دیر کے بعد ظاہر ہوتا ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

التلول منبطحۃ غیر منتصبۃ، ولایصیرلها فیئ فی العادۃ، الابعد زوال الشمس بکثیر [3]۔	ٹیلے زمین پر پھیلے ہوتے ہیں نہ بلند عادۃً ان کا سایہ نہیں پڑتا مگر سورج ڈھلنے سے بہت دیر کے بعد

امام ابن اثیر جزری شافعی نہایہ میں فرماتے ہیں:

ھی منبطحۃ لایظھر لها ظل، الا اذا ذھب اکثر وقت الظھر [4]۔	ٹیلے پست ہوتے ہیں ان کے لئے سایہ ظاہر ہی نہیں ہوتا مگر جب ظہر کا اکثر وقت جاتا رہے۔

جب خود ائمہ شافعیہ کی شہادت سے ثابت اور نیز مشاہدہ وعقل وقواعد علم ظل شاہد کہ ٹیلوں کے سائے کی ابتدا زوال سے بہت دیر کے بعد ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ سایہ ٹیلوں کے برابر اُس وقت پہنچے گا جب بلند چیزوں کا سایہ ایک مثل سے بہت گزر جائے گا اُس وقت تک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کرنے کا

---

[1] سنن النسائی اول وقت ظہر حدیث ۴۹۹ مطبوعہ المکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۸

[2] صحیح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر دار المعرفۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷

[3] شرح الصحیح لمسلم مع مسلم باب استحباب الابراد بالظہر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۴

[4] فتح الباری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر بیروت ۲/۱۷

نوٹ: یہ حوالہ سعیِ بسیار کے باوجود نہایہ سے نہیں مل سکا اس لئے فتح الباری سے نقل کیا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

حکم فرمایا اور اس کے بعد مؤذن کو اجازتِ اذان عطا ہوئی، تو بلاشبہہ دوسرے مثل میں وقتِ ظہر باقی رہنا ثابت ہوا جیسا کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے یہ دلیل ساطع بحمد اللہ لاجواب تھی یہاں ملّاجی حالتِ اضطراب میں فرما گئے کہ مساوی کہنا راوی یعنی سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سایہ ٹیلوں کو ظاہر ہے کہ تخمیناً اور تقریباً ہے نہ بایں طور کہ گز رکھ کر ناپ لیا تھا۔ کیوں حضرت سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو گز رکھ کر نہ ناپا تھا یونہی تخمیناً مساوات بتادی مگر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا گز رکھ کر ناپ لینا آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا آخر دخول وقت عصر یونہی تو معلوم ہوگا کہ سایہ اس مقدار کو پہنچ جائے اُس کا علم بے ناپے کیوں کر ہوا بلکہ یہاں تو غالباً دو ناپوں کی ضرورت ہے ایک وقت نصف النہار کہ سایہ اصلی کی مقدار ناپیں دوسری اس وقت کہ سایہ بعد ظل اصلی مقدار مطلوب کو پہنچا یا نہیں، جب انہوں نے ایک ناپ نہ کی یونہی تخمیناً فرمادیا انہوں نے دو۲ ناپیں کاہے کو کی ہوں گی، یونہی تخمیناً فرمادیا ہوگا کہ عصر اوّل وقت داخل ہوگیا جیسے آپ وہاں احتمال نکالا چاہتے ہیں کہ واقع میں مساوی نہ ہوا ہوگا اور ظہر ایک مثل کے اندر ہُوئی یہاں بھی وہی احتمال پیدا رہے گا کہ واقع میں وقت عصر نہ آیا تھا ظہر اپنے ہی وقت پر ہُوئی یہ کیا حیاداری ومکابرہ ہے کہ جابجا جو باتیں خود اختیار کرتے جاؤ دُوسرا کرے تو آنکھیں دکھاؤ تحریف نصوص بتاؤ اس تحکم کی کوئی حد ہے۔

لطیفہ ۲: اقول: خدا انصاف دے تو یہاں تخمینہ بھی اتنی ہی غلطی ہوگی جتنی دیر میں ظہر کی دو۲ رکعتیں پڑھی جائیں اور حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں سخت فاحش غلطی ماننی پڑے گی جسے ان کی طرف بے دلیل نسبت کردینا صراحۃً سُوءِ ادب ہے، خود امام شافعی کی تصریح سے واضح ہُوا کہ سایہ تلول کی ابتداء اس وقت ہوتی ہے جب بلند چیزوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے اکثر گزر جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ ٹیلوں کا سایہ ابھی نصف مثل تک بھی نہ پہنچے گا کہ اور چیزوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا ایک مثل سے گزر جائے گا کہ اول تو جس طرح ظہور ظل میں تفاوت شدید ہے کہ اتنی دیر کے بعد ان کا سایہ پیدا ہوتا ہے یونہی زیادت ظل میں فرق رہے گا بلند چیزوں کا سایہ اپنی نسبت پر جتنی دیر میں جتنا بڑھے گا ٹیلوں کا سایہ اپنی نسبت میں اُس سے کم بڑھے گا **کما لایخفی علی العارف بقواعد الفن** (جیسا کہ قواعدِ فن کے جاننے والے پر مخفی نہیں۔ت) تو لاجرم جس وقت ٹیلوں کا سایہ پیدا ہوا اور بلندیوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ سایہ اصلی کے سوا نصف مثل سے زائد تھا اب کچھ دیر کے بعد بلندیوں کا سایہ نصف مثل سے کم بڑھ کر ایک مثل ظل اصلی سے گزر گیا اُس وقت ٹیلوں کا سایہ اُس کم از نصف سے بھی کم ہوگا اور اس تحفّظ نسبت تفاوت کو نہ بھی مانئے تو خیر کم از نصف ہی جانئے پھر بہر حال اس سے اتنی دیر اور مجرا کیجئے جس میں اذان کا حکم ہوا اور اُس کے بعد جماعت فرمائی گئی تو حساب سے آپ کے طور پر اُس وقت ٹیلوں کا سایہ کوئی چہارم ہی کی قدر رہتا ہے اُسے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمادینا کہ سایہ برابر ہوگیا تھا کس قدر بعید وناقابل قبول ہے، کیا اچھا انصاف ہے کہ یا تو تخمین میں اُتنی غلطی ناممسوع کہ جس میں دو۲ رکعتیں پڑھ لیجائیں

ف معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر الخ مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۳

یا اپنے داؤں کو یہ بھاری غلطی مقبول کہ سیر میں پسیری کا دھوکا۔ بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ وہاں تخمین سے جواب دینا محض مہمل و باطل تھا۔

لطیفہ ۳: اقول وہاں ایک ستم خوش ادائی یہ کی ہے ف[1] کہ وہ تخمیناً برابر ہونا بھی مع سایہ اصلی کے ہے نہ سایہ اصلی الگ کرکے **وھذا لایخفی من لہ ادنی عقل** (اور یہ ادنٰی سی عقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں۔ت) تو دراصل سایہ ٹیلوں کا بعد نکالنے سایہ اصلی کے تخمیناً آدھی مثل ہوگا یا کچھ زیادہ اور مثل کے ختم ہونے میں اتنی دیر ہوگی کہ بخوبی فارغ ہُوئے ہوں گے۔

ملّاجی! ذرا کچھ دنوں جنگل کی ہوا کھاؤ ٹیلوں کی ہری ہری ڈوب ٹھنڈے وقت کی سنہری دھوپ دیکھو کہ آنکھوں کے تیور ٹھکانے آئیں علماء تو فرمارہے ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ پڑتا ہی نہیں جب تک آدھے سے زیادہ وقت ظہر نہ نکل جائے ملّاجی ان کے لئے ٹھیک دوپہر کا سایہ بتارہے ہیں اور وہ بھی تھوڑا نہ بہت آدھی مثل جبھی تو کہتے ہیں کہ وہابی ہوکر آدمی کی عقل ٹیلوں کا سایہ زوال ہوجاتی ہے۔

لطیفہ ۴: اقول: اور بڑھ کر نزاکت فرمائی ہے ف[2] کہ مساوات سایہ کے ٹیلوں سے مقدار میں مراد نہ ہو بلکہ ظہور میں یعنی پہلے سایہ جانب شرقی معدوم تھا اور مساوات نہ تھی ٹیلوں سے کیونکہ وہ موجود نہیں اور وقت اذان کے سایہ جانب شرقی بھی ظاہر ہوگیا پس برابر ہوگیا ٹیلوں کے ظاہر ہونے میں اور موجود ہونے میں نہ مقدار میں اس جواب کی قدر۔ ملّاجی اپنے ہی ایمان سے بتادیں وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آیا اس کے یہ معنی کہ ٹیلے بھی موجود تھے سایہ بھی موجود ہوگیا اگرچہ وہ دس ۱۰ گز ہوں یہ جو برابرا ے سبحٰن اللہ اسے کیوں تحریف نصوص کہے گا کہ یہ تو مطلب کی گھڑت ہے۔ ایسا لقب تو خاص بے چارے حنفیّہ کا خلعت ہے۔ ملّاجی! اگر کوئی کہے میں ٹلّاجی کے پاس رہا یہاں تک کہ اُن کی داڑھی بانس برابر ہوگئی تو اس کے معنی یہی ہوں گے نہ کہ ملّاجی کا سبزہ آغاز ہوا کہ پہلے بانس موجود تھا اور ملّاجی کی داڑھی معدوم، جب رُواں کچھ کچھ چمکا چمکتے ہی بانس برابر ہوگیا کہ اب بانس بھی موجود بال بھی موجود۔ع

مرغک از بیضہ برون آید ودانہ طلبد

(مرغ جب انڈے سے باہر آتا ہے تو دانہ طلب کرتا ہے)

لطیفہ ۵: اقول: یہ بکف چراغی و تحریف صریح قابل ملاحظہ کہ خود ہی حنفیّہ وشافعیہ کے مسئلہ مختلف فیہا میں شافعیہ سے حجت لانے کو فتح الباری امام قسطلانی سے یہ عبارت نقل کی کہ:

یحتمل ان یراد بھذہ المساواۃ ظھور الظل بجنب التل بعد ان لم یکن ظاھرا[1]۔	ہوسکتا ہے اس مساوات سے مراد یہ ہو کہ ٹیلے کے پہلو میں سایہ ظاہر ہوگیا جبکہ پہلے ظاہر نہیں تھا۔ (ت)

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷

ف۱ معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴، **ف۲** معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴)

جس میں ٹیلوں کے لئے سایہ اصلی ہونے کے صاف نفی تھی حضرت تو وہ دعوی کرچکے تھے کہ ان کا سایہ اصلی آدھے مثل کے قریب ہوتا ہے لاجرم معدوم ہونے میں جانب شرق کی قید بڑھائی کہ مشرق کی طرف معدوم تھا اور اسے فتح الباری کی طرف نسبت کردیا کہ جیسا کہ فتح الباری میں ویحتمل ان یراد الخ ملّاجی! دھرم سے کہنا یہ تحریف تو نہیں۔

لطیفہ ۶: اقول فتح الباری کے طور پر تو مشارکت فی الوجود غایت بن سکتی ہے کہ دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ اصلًا نہ تھا دیر فرمائی یہاں تک کہ موجود ہوا اگرچہ ٹیلوں سے سایہ متساوی ہونے کے ہرگز یہ معنی نہیں مگر آپ اپنی خبر لیجئے آپ کے نزدیک تو ٹھیک دوپہر کو ٹیلوں کا سایہ آدھا مثل تھا تو ظہور و وجود میں برابری صبح سے شام تک دن بھر رہی اس غایت مقرر کرنے کے کیا معنی کہ وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ سایہ وجود میں ٹیلوں کے برابر ہوگیا اور جانب شرقی کی قید حدیث میں کہاں، یہ آپ کی نری من گھڑت ہے، تاویل گھڑی مساوات فی الظہور، تفریع کی مساوات فی الوجود، اور مفرع علیہ وجود شرقی، کیا جب تک وجود غربی شمالی تھا مساوات فی الوجود نہ تھی، اب کہ وجود شرقی ملا مساوات ہُوئی کچھ بھی ٹھکانے کی کہتے ہو۔

لطیفہ ۷: اقول ملّاجی! جب آپ کے دھرم میں سایہ وقت نصف النہار بھی موجود تھا تو زوال ہوتے ہی قطعًا معًا شرقی ہوا تو یہ مساوات خاص آغاز وقت ظہر پر پیدا ہوئی اور حدیث میں یہ ارشاد ہے کہ مؤذن نے تین بار ارادہ اذان کیا ہر بار حکم ابراد و تاخیر ملا یہاں تک کہ سایہ مساوی ہوا کیا یہ ارادہ ہائے اذان و حکم ہائے ابراد سب پیش از زوال ہولیے تھے شاید پہر دن چڑھے ظہر کا وقت ہوجانا ہوگا، ملّاجی! تحریف نصوص اسے کہتے ہیں، ع

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

لطیفہ ۸: اقول جب کچھ نہ بنی تو ہارے درجے یہ تیسری نزاکت اس حدیث کے جواب میں ف فرمائی کہ یہ تاخیر آنحضرت عہ۱ سے سفر میں ہوئی شاید آنحضرت عہ۲ نے اس ارادہ سے کی ہو کہ ظہر کو عصر سے جمع کریں گے پس سفر پر حضر کو قیاس مع الفارق ہے۔ ملّاجی! ایمان سے کہنا یہ حدیث ابراد ظہر کی ہے یعنی وقت ٹھنڈا کرکے پڑھنا یا تفویت ظہر کی کہ وقت کھوکر پڑھنا، حدیث میں علّتِ حکم یہ ارشاد ہوئی ہے کہ شدتِ گرمی جوشِ جہنم سے ہے تو گرمی میں ظہر ٹھنڈا کردیا یہ کہ ابھی اذان نہ کہو ہم عصر سے ملاکر پڑھیں گے۔

ملّاجی! اس حدیث کی شرح میں خود علمائے شافعیہ کا کلام سُنو کہ معنی ابراد میں آپ کی یہ گھڑت بھی ٹوٹے اور سفر و حضر سے فرق کی بھی قسمت پھُوٹے ارشاد الساری امام قسطلانی شافعی شرح صحیح بخاری **باب الابراد بالظہر فی السفر** میں اسی حدیث ابوذر

عہ۱ و عہ۲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم ۱۲منہ

ف معیار الحق ص ۳۵۴

رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نیچے ہے:

(قال: کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی سفر) قیدہ ھنا بالسفر، واطلقه فی السابقة، مشیرا بذلك الی ان تلك الروایة المطلقة محمولة علی ھذہ المقیدة، لان المراد من الابراد التسھیل ودفع المشقة، فلاتفاوت بین السفر والحضر[1]۔	(کہا: ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھے سفر میں) یہاں سفر کے ساتھ مقید کیا ہے اور سابقہ روایت میں مطلق رکھا ہے یہ بتانے کے لئے کہ سابقہ مطلق روایت اسی مقید پر محمول ہے کیونکہ ٹھنڈا کرنے کا مقصد آسانی پیدا کرنا اور مشقت دُور کرنا ہے اور اس میں سفر حضر کا کوئی فرق نہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

(فقال له: ابرد، حتی رأینا فیئ التلول) وغایة الابراد حتی یصیر الظل ذراعا بعد ظل الزوال، اوربع قامة اوثلثھا اونصفھا، وقیل غیر ذلک۔ ویختلف باختلاف الاوقات: لکن یشترط ان لایمتد الی اٰخر الوقت[2]۔	(اس کو کہا ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا) ابراد کی انتہا یہ ہے کہ سایہ ایک گز ہوجائے زوال کے سائے کے بغیر، یا قد کا چوتھائی یا تہائی یا نصف ہوجائے، اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں۔ اور اختلاف اوقات کے ساتھ ابراد میں بھی اختلاف واقع ہوتا رہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ابراد اتنا زیادہ نہ ہو کہ وقت آکر ہوجائے۔(ت)

ہاں خوب یاد آیا علمائے شافعیہ کی کیوں سُنئے آپ اپنے ہی لکھے کو نہ دیکھئے مسئلہ وقت مستحب ظہر میں ف فرمائے گئے اگر ابراد اختیار کرے تو لازم ہے کہ ایسا ابراد نہ کرے کہ وقت ظہر کا خارج ہوجائے یا قریب آجائے حد میں ابراد کی علماء میں اختلاف ہے لیکن یہ سب کے نزدیک شرط ہے کہ ابراد اس مرتبہ کا نہ کرے کہ ظہر کے آخر وقت کو پہنچ جاوے کما فتح الباری **میں اختلف العلماء فی غایة الابراد؛ لکن یشترط ان لایمتد الی اخر الوقت ملخصًا** (ابراد کی انتہاء میں علماء کا اختلاف ہے لیکن یہ شرط ہے کہ آخر وقت تک نہ پہنچے۔ت) جب آخر وقت کے قریب تک نہ آنا لازم وشرطِ ابراد ہے تو حکم ابراد کو خارج وقت پر حمل کرنا کیسا

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱/۴۸۸

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب الابراد بالظہر فی السفر مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۱/۴۸۸

ف معیار الحق مسئلہ سوم وقت مستحب ظہر ص ۳۱۱، ۳۱۲

عذر بارد ہے، ملّاجی! ایمان سے کہنا یہ حدیث سے جواب ہے یا اپنی سخن پروری کے لئے صراحۃً نص شرع کی تحریف حدیث صحیح کارد۔ شافعیہ حنفیّہ کے مکالمات محض تفنن طبع کے لئے ہیں ورنہ مذاہب متقرر ہو چکے۔ علّامہ زرقانی مالکی شرح مواہب آخر جلد ہفتم میں فرماتے ہیں:

قد اجاب الحافظ ابن حجر، عن ذلك وعن غيره من ادلة المانعين، وهي عشرة، بمايطول ذكره، مع انه لاكبير فائدة فيه، اذالمذاهب تقررت، انما هو تشحيذ اذهان[1]۔	ابن حجر نے اس دلیل کا بھی اور مانعین کی دیگر دس ۱۰ دلیلوں کا بھی جواب دیا ہے مگر ان کے ذکر سے طوالت ہوتی ہے اور کوئی نمایاں فائدہ بھی نہیں ہے کیونکہ مذاہب تو مقرر ہو چکے ہیں (اور ایسے سوال جواب) محض ذہن کو تیز کرنے کا کام دیتے ہیں۔ (ت)

آپ اپنی خبر لیجئے آپ تو محقق مجتہد ہیں سب ارباب مذاہب کی ضد ہیں آپ کیوں صحیح بخاری کی حدیث جلیل میں یوں کھلی تحریفیں کررہے ہیں دعوے باطلہ عمل بالحدیث کے چھلکے اُتر رہے ہیں۔ ع

شرم بادت از خدا واز رسول

(تم خدا اور رسول سے شرم کھاؤ)

لطیفہ ۹: اقول ملّاجی خود جانتے تھے یہ تاویلیں نہیں محض مہمل پوچ تقریروں سے جیسے بنے حدیث کو رَد کرنا ہے لہٰذا عذر بدتر از گناہ کیلئے ارشاد ہوتا ہے[ف] منشا تاویلات کا یہی ہے کہ احادیث صحیحہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد ایک مثل کے وقتِ ظہر نہیں رہتا ثابت ہیں پس جمعاً بین الادلہ یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ ان تاویلوں کو حقہ کہنا تو دل میں خوب جانتے ہوگے کہ جھُوٹ کہہ رہے ہو خاک حقہ تھیں کہ ایک دم میں سُلفہ ہو گئیں مگر اس ڈھٹائی کا کہاں ٹھکانا کہ صحیح حدیث بخاری شریف کو بحیلہ جمع بین الادلہ یوں دانستہ بگاڑ لے حالانکہ نہ قصد واحد نہ لفظ مساعد اور حدیث ابن عمر دربارہ غیبت شفق میں باوصف اتحاد قصہ جمع بین الادلہ حرام اور رد احادیث صحاح واجب الالتزام۔

لطیفہ ۱۰: اقول جمع تقدیم کی نامندمل جراحت بھرنے کو حدیث ابوحجیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں وہ لَن ترانیاں تھیں کہ ظاہر پر حمل واجب ہے جب تک مانع قطعی نہ ہو اب اپنے داؤں کو ظاہر نص صریح کے یوں ہاتھ دھو کر پیچھے پڑے خیر بحمد اللہ آپ ہی کی گواہی سے ثابت ہو لیا کہ جمع بین الادلہ کے لئے ایسی رکیک وپوچ ولچر تاویلات تک روا ہیں تو یہ صاف ونظیف وشائع ولطیف معانی ومحامل کہ ہم نے جمعاً بین الادلہ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر تہجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/ ۴۵۰

ف معیار الحق مسئلہ چہارم ص ۳۵۴

احادیث ابن عمر وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختیار کیے ان میں اپنی چُون وچرا کی گلی آپ نے خود بند کرلی، وللہ الحمد، ع:

عدد شود سبب خیر گر خدا خواہد

طرفہ یہ کہ آپ مستدل ہیں اور ہم خصم جب آپ کو ایسے لچریات نفع دیں گے ہمیں یہ واضحات بدرجہ اولیٰ نافع اور آپ کے تمام ہواحس ووساوس کے قاطع ہوں گے۔

فائدہ عائدہ: سُنن میں ایک حدیث اور ہے جس سے ناواقف کو جمع تاخیر کا وہم ہوسکے فقیر نے کلامِ فریقین میں اُس سے استنادًا جوابًا اصلاً تعرض نہ دیکھا، ملّاجی بہت دُور دُور کے چکّر لگا آئے، جہاں کچھ بھی لگتی پائی بلکہ نری بے لگاؤ بھی جمع کرلائے سُنن کچھ دُور نہ تھیں اُس کے آس پاس گھُوما کئے مگر اُس سے دہنے بائیں کترائے اسی سے اس کا نہایت نامفیدی میں ہونا ظاہر مگر شاید اَب کسی نئے متوہم یا خود حضرت ہی کو تازہ وہم جاگے لہٰذا اس سے تعرض کردینا مناسب،

ففی سنن ابی داود، حدثنا احمد بن صالح نایحیی بن محمد الجاری [1]، وفی سنن النسائی، اخبرنا المؤمل بن اھاب، قال: حدثنی یحیی بن محمدن الجاری [2]، وفی مصنف الطحاوی، حدثنا علی بن عبدالرحمٰن ثنا نعیم بن حماد [3] قالا عــه نا عبدالعزیز بن محمد (زاد نعیم) الدراوردی، عن مالك عن ابن الزبیر عن جابر، ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	سنن ابی داؤد میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے احمد ابن صالح نے، اس نے کہا کہ خبر دی ہمیں یحیٰی ابن محمد جاری نے۔ اور سنن نسائی میں ہے کہ خبر دی ہمیں مؤمل ابن الوہاب نے، اس نے کہا حدیث بیان کی مُجھ سے یحیٰی ابن محمد جاری نے۔ اور مصنّف طحاوی میں ہے کہ حدیث بیان کی ہم سے علی ابن عبدالرحمٰن نے، اس نے کہا حدیث بیان کی ہم سے نعیم ابن حماد نے۔ دونوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو عبدالعزیز ابن محمد نے (نعیم نے "دراوردی" کا اضافہ کیا ہے) مالک بن ابی الزبیر سے، اس نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

عــه ای یحیی عندالاولین ونعیم عندالطحاوی ۱۲ منه (م)	یعنی یحیٰی سے پہلے دو (ابوداؤد اور نسائی) کے ہاں اور نعیم طحاوی کے ہاں ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع فیہ المسافر الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

[3] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

غربت له الشمس بمكة، فجمع بينهما بسرف [1] (زاد نعیم) یعنی الصلاۃ۔ ولفظ المؤمل: غابت الشمس ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمكة، فجمع بين الصلاتين بسرف [2]۔ قال ابوداود: حدثنا محمد بن ہشام جار احمد بن حنبل ناجعفر بن عون عن ہشام بن سعد، قال: بينهما عشرة اميال، یعنی بین مكة وسرف [3]۔	کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکّہ میں تھے تو سُورج غائب ہوگیا چنانچہ جمع کیا آپ نے دونوں کو سَرِف میں (نعیم نے اضافہ کیا) یعنی نماز کو۔ اور مؤمل کے الفاظ یوں ہیں سُورج غائب ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپ نے دونوں نمازوں کو سَرِف میں جمع کیا۔ ابوداؤد نے کہا کہ مجھ کو احمد ابن حنبل کے ہمسائے محمد بن ہشام نے بتایا کہ جعفر ابن عون نے ہشام ابن سعد سے روایت کی ہے کہ دونوں کے درمیان دس ۱۰ میل کا فاصلہ ہے یعنی مکّہ اور سَرِف کے درمیان۔ (ت)

یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مکّہ معظّمہ میں آفتاب ڈوبا پس مغرب وعشا موضع سَرِف میں جمع فرمائیں ابوداؤد نے ہشام بن سعد سے (کہ ملّاجی کے حسابوں رافضی مجروح مردود الروایہ متروک الحدیث ہے تقریب میں کہا صدوق، لہ اوھام، ورمی بالتشیع) نقل کی کہ مکّہ وسَرِف میں دس ۱۰ میل کا فاصلہ ہے۔

اقول وباللہ التوفیق اصول حدیث ونیز اصول محدثہ ملاجی پر یہ حدیث ہرگز قابل حجت نہیں اصولِ حدیث پر اُس کی سند ضعیف اور اصولِ مُلّائیہ پر ضعف در ضعف در ضعف کیا جانیے کتنے ضعفوں کی طومار اور نری مردود متروک ہے۔

اولاً دو طریق پیشین میں یحیٰی بن محمد جاری ہے تقریب میں کہا: صدوق ویخطیئ (سچّا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ ت) امام بخاری نے فرمایا: **یتکلمون فیہ** (ائمہ محدثین اُس پر طعن کرتے ہیں۔ ت) میزان میں یہی حدیث اس کے ترجمہ میں داخل کی اور کتب ضعفا میں زیر ترجمہ ضعفا اُن کی منکر حدیثیں ذکر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ طریق دوم میں مؤمل بن اہاب ہے تقریب میں کہا: صدوق لہ اوھام (سچّا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ ت) طریق ثالث میں نعیم بن حماد ہے یہ اگرچہ فقیہ وفرائض وان تھا مگر حدیثی حالت میں یحیٰی سے بھی بدتر ہے تقریب میں کہا صدوق یخطئ کثیرا (سچّا ہے مگر خطا بہت کرتا ہے۔ ت) یہاں تک کہ ابوالفتح ازدی نے کہا: حدیثیں اپنے جی سے گھڑتا اور امام ابوحنیفہ کے مطاعن میں جھوٹی حکایتیں وضع کرتا تھا یہ اگرچہ مجازفات ازدی سے ہو مگر ذہبی نے طبقات الحفاظ ومیزان الاعتدال دونوں میں اُس کے حق میں قول اخیر یہ قرار دیا کہ وہ باوصف امامت

[1] شرح معانی الآثار باب الجمع بین الصلاتین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۱

[2] سنن النسائی الوقت الذی یجمع المقیم الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۹

[3] سنن ابی داؤد باب الجمع بین الصلاتین الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ۱/۱۷۱

منکر الحدیث ہے قابلِ احتجاج نہیں جامع صحیح میں اس کی روایت مقرونہ ہے نہ بطور حجیت، امام جلال الدین سیوطی ذیل اللآلی میں اُس کی حدیث اذا اراداللہ ان ینزل الی السماء الدنیا نزل عن عرشه بذاته (جب اللہ تعالٰی آسمانِ دنیا پر اُترنا چاہتا ہے تو بذاتہٖ عرش سے اُتر آتا ہے۔ت) ذکر کرکے فرماتے ہیں: اتعبنا نعیم بن حماد، من کثرة مایاتی بھذہ الطامات، وکم ندرؤ عنه وعن الطرطوسی الراوی عنه؟ فلاادری، البلاء فی الحدیث منه، اومن شیخه نعیم[1] اھ ملخصا یعنی نعیم بن حماد اس کی کثرت سے یہ طامّات روایتیں لاتا ہے کہ ہم تھک گئے کہاں تک اُس کا اور اس کے شاگرد طرطوسی کا بچاؤ کریں مجھے نہیں معلوم کہ اس حدیث میں بَلا اُس کی طرف سے اُٹھی یا اُس کے اُستاد نعیم سے۔

ثانیا پھر ان سب طرق میں عبدالعزیز بن محمد دراوردی ہے تقریب میں کہا۔ صدوق، کان یحدث من کتب غیرہ فیخطیئ[2] (سچا ہے، مگر دوسروں کی کتابوں سے حدیثیں بیان کرتا ہے اس لئے خطا کرتا ہے۔ت) تو ہر طریق میں دو۲ راوی صدوق یخطیئ (سچا ہے مگر خطا کرتا ہے۔ت) ہوئے خصوصًا ثالث میں تو ایک کثیر الخطاء اور ثانی میں تیسرا صدوق له اوھام (سچا ہے، اس کو اوہام ہیں۔ت) اور ملّاجی کے اصول پر ایسے رواۃ کی حدیثیں مردود ومتروک وواہیات ہیں۔

ثالثا مدار حدیث ابوالزبیر عن جابر پر ہے ابوالزبیر کی نسبت خود ملّاجی کہہ گئے کہ وہ فقط صدوق ہے اور اس کے ساتھ مدلس قال فی التقریب صدوق الا انه یدلس[3] (تقریب میں کہا کہ سچا ہے مگر مدلس ہے۔ت)

اور یہاں اُن[عــہ] سے راوی لیث بن سعد نہیں اور روایت میں عنعنہ کیا اور عنعنہ مدلس اصولِ محدثین پر نامقبول۔

عــہ قید بھذا، لان الراوی عنه اذاکان اللیث، زال مایخشی من تدلیسه، کماافادہ فی فتح المغیث وغیرہ، فلیحفظ فانھا فائدۃ نفیسة۔ وقد بین السبب فی ذلك فی المیزان فراجعه ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

یہ قید اس لئے لگائی ہے کہ اگر اس سے روایت کرنے والا لیث ہو تو پھر اس کی تدلیس کا خطرہ باقی نہیں رہتا، جیسا کہ فتح المغیث اور دوسری کتابوں میں افادہ کیا گیا ہے۔ اس کو یاد رکھو، کیونکہ یہ ایک نفیس فائدہ ہے۔ تدلیس کا خطرہ نہ ہونے کا سبب میزان میں مذکور ہے اس کا مطالعہ کرو۔(ت)

[1] ذیل اللآلی کتاب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۲و۳

[2] تقریب التہذیب ترجمہ عبدالعزیز بن محمد مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۱۶

[3] تقریب التہذیب محمد بن مسلم مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۳۱۸

رابعا میلوں کی گنتی حدیث میں نہیں نہ زید وعمرو کی ایسی حکایات پر وہ اعتماد ضرور جس کے سبب توقیت صلاۃ کا حکم معروف و مشہور ثابت بالقرآن العظیم والاحادیث الصحاح چھوڑ دیا جائے خصوصًا ملّاجی کے نزدیک تو یہ دس میل بتانے والا رافی متروک ہے زمینوں کا ناپنا میلوں کا گننا ان حملہ ورواۃ کا کام نہ تھا بلکہ سرے سے ان اعصار وامصار میں اس طریقہ کا اصلًا نام نہ تھا یونہی ہر شخص اپنے تخمینہ سے یا کسی اور کی سُنی سنائی بتادیتا ولہذا شمار میں اس قدر شدت سے اختلاف پڑتا ہے کہ ان گنتیوں سے امان اٹھائے دیتا ہے۔ ذوالحلیفہ کہ مکہ معظّمہ کے راستے پر مدینہ طیبہ کے قریب ایک مشہور ومعروف مقام ہے اُس کے اختلاف دیکھئے امام اجل رافعی احد شیخین مذہب شافعی اور اُن سے پہلے امام ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسمٰعیل بن احمد شافعی معاصر امام غزالی اور اُن سے بھی پہلے امام ابونصر عبدالسید بن محمد شافعی نے فرمایا: مدینہ سے ایک میل ہے۔ امام قسطلانی شافعی نے فرمایا: یہ وہم ہے بشہادت مشاہدہ مردود۔ بعض نے کہا دو۲ ایک میل۔ امام عینی نے فرمایا: چار۴ میل۔ امام حجۃ الاسلام شافعی نے فرمایا: چھ۶ میل ہے۔ اسی طرح امام مجد شافعی نے قاموس میں کہا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے فرمایا: یہی صحیح ہے۔ بعض علما نے کہا: سات میل۔ امام جمال اسنوی شافعی نے فرمایا: حق یہ کہ تین میل ہے یا کچھ قدرے قلیل زیادہ ہو مشاہد اس پر گواہ ہے۔ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے: **بعدہ من المدینۃ میل، کما عند الرافعی، لکن فی البسیط انہا علی ستّۃ امیال، وصححہ فی المجموع، وھو الذی قالہ فی القاموس۔ وقیل: سبعۃ۔ وفی المھمات: الصواب، المعروف بالمشاھدۃ انہا علی ثلثۃ امیال اوتزید قلیلا** [1]۔ اُسی میں ہے: **وقول من قال، کابن الصباغ فی الشامل، والرویانی فی البحر، انہ علی میل من المدینۃ وھم، یردہ الحس** [2]۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے: **من المدینۃ علی اربعۃ امیال ومن مکۃ علی مائتی میل، غیر میلین وقیل: بینھما وبین المدینۃ میل اومیلان** [3] دیکھئے ایسے معروف مقام میں کہ شارع نے اُسے اہلِ مدینہ کے لئے میقات احرام مقرر فرمایا ایسے اجلہ ائمہ میں ایسے شدید اختلاف ہیں جنہیں ترازوئے تخمینہ کی جھونک کسی طرح نہیں سہار سکتی ایک۱ دو۲ تین۳ چار۴ چھ۶ سات۷ میل تک اقوال مختلف، پھر تصحیحوں میں بھی دونا دون کا تفاوت، ایک فرمائے چھ۶ میل صحیح ہے دوسری فرمائے تین میل حق ہے۔ موطائے امام مالک میں بسند صحیح علٰی شرط الشیخین ہے: **عن یحیی بن سعید انہ قال لسالم بن عبداللہ ما اشد مارأیت اباک اخر المغرب فی السفر فقال سالم**

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری کتاب المواقیت باب فرض مواقیت الحج والعمرۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۳/ ۹۸

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب مہل اہل مکہ للحج والعمرۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۳/ ۹۹

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب قول اللہ تعالٰی یاتوک رجالا الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۹/ ۱۳۰

غربت الشمس ونحن بذات الجیش فصلی المغرب بالعقیق [1] (یعنی یحیٰی بن سعید انصاری نے امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے پُوچھا آپ نے اپنے والد ماجد کو سفر میں مغرب کی تاخیر زیادہ سے زیادہ کس قدر کرتے دیکھا فرمایا ذات الجیش میں ہمیں سورج ڈوبا اور مغرب عقیق میں پڑھی) اب رواۃ مؤطا تلامذہ امام مالک میں ان دونوں مقاموں کے فاصلہ میں اختلاف پڑا۔ یحیٰی کی روایت میں ہے دو میل یا کچھ زائد، عبداللہ بن وہب نے کہا چھ ۶ میل، محمد بن وضاح اندلسی تلمیذ التلمیذ امام مالک نے کہا سات میل، عبدالرحمٰن بن قاسم نے کہا دس ۱۰ میل، علامہ زرقانی نے جزم کیا کہ بارہ ۱۲ میل شرح مؤطا میں فرمایا: بینهما اثنا عشر میلا، وقال ابن وضاح: سبعۃ امیال، وقال ابن وهب: ستة، وقال القعنبی: ذات الجیش علی بریدین من المدینة، وقال البونی فی روایة یحیٰی: وبینهما میلان او اکثر قلیلا، وفی روایة ابن القاسم: عشرة امیال [2]۔ ان اختلافات کو خیال کیجئے کہاں دو ۲ میل کہاں بارہ ۱۲ میل۔

خامسًا یہ واقعہ عین ہے اور وقائع عین مساغ ہر گونہ احتمالات سرعت سیر کے لئے کوئی حد محدود نہیں کہ اس سے زائد نامتصور ہو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سہ منزلہ کرنا اُوپر گزرا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

اصبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بملل ثم راح وتعشی بسرف۔	سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ملل میں صبح ہوئی پھر تشریف لے چلے اور شام کا کھانا سرف میں تناول فرمایا۔

فصل اول میں گزر چکا کہ ملل مدینہ طیبہ سے ستر ہ ۱۷ میل ہے اور یہیں کلام امام بدر محمود عینی سے منقول ہوا کہ مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے دو کم دو سو میل ہے اب سترہ وہ اور دس میل سرف کے نکال لیجئے تو ایک دن میں ایک سو اکہتر میل راہ طے ہوئی پھر غروب شمس سے اتنے قرب عشا تک کہ ہنوز بقدر تین رکعت پڑھ لینے کے مغرب کا وقت باقی ہو دس میل قطع ہو جانا کیا جائے عجب ہے خصوصًا اواخر جوزا و اوائل سرطان میں کہ ان دنوں حوالی مکّہ معظّمہ میں وقت مغرب عـــہ کم وبیش ڈیڑھ گھنٹا ہوتا ہے اعتبار نہ آئے تو آزما دیکھئے کہ عمدہ گھوڑے تیز ناقے ڈیڑھ چھوڑ ایک ہی

عـــہ **اقول:** لتکن الشمس عند دخول العشاء فی اول السرطان میله الح الرتمام (بقیہ بصفحہ آئندہ)

---

[1] مؤطا امام مالک قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۲۹

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۹۷

گھنٹے میں دس ۱۰ میل بلکہ زائد قطع کرلیں گے حدیث مؤطا میں کہ ابھی مذکور ہوئی جزم علّامہ زرقانی اور نیز روایت ابن القاسم تلمیذ امام مالک پر اس کی نظیر یہیں پیش نظر اوپر ثابت ہوچکا کہ سالم قائل جمع نہیں وہ تصریحاً فرماچکے کہ اُن کے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ کے سوا کبھی جمع نہ فرمائی تولاجرم غروب آفتاب کے بعد دس بارہ میل چلے اور مغرب وقت میں پڑھی ولہٰذا ابوالولید باجی مالکی نے اس حدیث کی شرح میں کہا: **ارادان یعرف اخر وقتھا المختار**[1] یحیٰی بن سعید انصاری کا اس سوال سے یہ ارادہ تھا کہ مغرب کاآخر وقت مختار معلوم کریں۔ تقی میں کہا: **وحمل ذلك علی المعروف من سیر من جد**[2] خروج وقت پر پڑھنا ہوتا تو کوشش سیر پر حمل کی کیاحاجت تھی بالجملہ حدیث بر تقدیر صحت بھی اصلاجمع حقیقی کی مفید نہ جمع صوری سے جدا وبعید والحمدللہ العلی المجید۔

الحمد للہ کلام اپنے ذروہ اقصے کو پہنچا اور جمع تقدیم وتاخیر دونوں میں ملّاجی کا ہاتھ بالکل خالی رہ گیا، ایک حدیث سے بھی جمع حقیقی اصلاً ثابت نہ ہوسکی وللہ الحجۃ السامیہ امید کرتا ہوں کہ اس فصل بلکہ تمام رسالہ میں ایسا کلام شافی ومتین وکافی ومبین برکات قدسیہ روح زکیہ طیبہ علیہ امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم واقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حصّہ خاصہ فقیر مہین ہو والحمدللہ رب العٰلمین۔

فصل چہارم ۴ نصوص نفی جمع وہدایت التزام اوقات میں

یہ نصوص دو ۲ قسم ہیں اوّل عامہ جن میں تعیین اوقات کا بیان یا اُن کی محافظت کی ترغیب یا اُن کی محافظت سے ترہیب ہے جس سے ثابت ہو کہ ہر نماز کے لئے شرع مطہر نے جُدا وقت مقرر فرمایا ہے کہ اُس سے پہلے ہوسکے نہ اُسے کھوکر دوسرے وقت پر اٹھار کھی جائے بلکہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہونی چاہے۔ دوم خاصہ جن میں

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

عرض المکۃ المکرمۃ سح ك غایۃ الانحطاط بالتفریق مدفح جیبہ ك الدظل عرض مکۃ الح ماح لح * ظل المیل الواله اله لامنحطا= ی حه ك الح جیب تعدیل النهار قوسه ط حه نه الح صه حه = ف حه ء لر نصف قوس اللیل سهمه مط حه لط لر* جیب انحطاط الوقت ح حه الح=ع ك مه الدح سو ÷ ك الد= كا حه مدمح مط لطالر= الرحه ندمط سهم فضل الدائر قوسه نرحه مر ف حه ء لر= حه الدك دائر* ع قه= ا ت الط لرهذا تقریب ووجوه التدقیق تعلم ان شاء اللہ تعالٰی من کتابنا زیج الاوقات للصوم والصلٰوۃ وفقنا اللہ تعالٰی لا کماله ونفعنا والمسلمین باعماله اٰمین ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)

---

[1] بحوالہ المنتقی شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۹۷

[2] بحوالہ المنتقی شرح الزرقانی علی المؤطا قصر الصلٰوۃ فی السفر مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۲۹۷

بالخصوص جمع بین الصلاتین کی نفی ہے۔

قسم اول نصوص عامه

(الاٰیات) رب العزۃ تبارک وتعالٰی نے محافظت والتزامِ اوقات کا حکم سات ۷ سورتوں میں نازل فرمایا:

(۱) بقرہ (۲) نساء (۳) انعام (۴) مریم (۵) مومنون (۶) معارج (۷) ماعون

آیت ۱ قال ربنا عزمن قائل: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ [1] بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا۔ کہ نہ وقت سے پہلے عـــہ صحیح نہ وقت کے بعد تاخیر روا، بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو۔ میں یہاں معنی آیت میں کلامِ علمائے کرام لاؤں اس سے بہتر یہی ہے کہ خود ملّاجی کی شہادت دلاؤں، مسئلہ وقتِ ظہر میں ایک مثل تک تمامی وقت بتانے کیلئے فرماتے ہیں کہا اللہ تعالٰی نے ان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتٰبا موقوتا یعنی ہر نماز کا وقت علیحدٰہ علیحدہ ہے تفسیر مظہری میں ہے **قولہ تعالٰی:** كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ **یقتضی کون الوقت لکل صلٰوۃ وقتا علیحدہ** تو مقتضا آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی [2]۔ ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

عـــہ: ھذا، لاخلاف فیہ بین العلماء، الاشیئ روی عن ابی موسٰی الاشعری وعن بعض التابعین اجمع العلماء علی خلافہ، ولاوجہ لذکرہ ھھنا لانہ لایصح عنھم، وصح عن ابی موسٰی خلافہ مماوافق الجماعۃ، فصار اتفاقا صحیحا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منہ (م)

اس میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ابوموسٰی اشعری اور بعض تابعین سے جو کچھ مروی ہے اس کے خلاف علماء کا اجماع ہے اور اس کو یہاں ذکر کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ وہ ابوموسٰی سے بصحت منقول نہیں ہے بلکہ ابوموسٰی سے، اس کے خلاف اور جمہور کے موافق قول صحیح طور پر ثابت ہے، اس لئے سب کا متفق ہوناہی درست قرار پایا اھ عمدۃ القاری ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

[2] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۷

آیت ۲ قال مولٰنا جل وعلا:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ۝ [1]	محافظت کرو سب نمازوں اور خاص بیچ والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے۔

محافظت کرو کہ کوئی نماز اپنے وقت سے اِدھر اُدھر نہ ہونے پائے، بیچ والی نماز نمازِ عصر ہے اُس وقت لوگ بازار وغیرہ کے کاموں میں زیادہ مصروف ہوتے ہیں اور وقت بھی تھوڑا ہے اس لئے اُس کی خاص تاکید فرمائی۔ بیضاوی شریف علّامہ ناصر الدین شافعی میں ہے:

حافظوا علی الصلوات، بالاداء لوقتها والمداومة علیها [2]۔	نمازوں کی محافظت کرو، یعنی وقت پر ادا کرو اور ہمیشہ کرو۔ (ت)

مدارک شریف میں ہے:

حافظوا علی الصلوات، داوموا علیها لمواقیتها [3]۔	نمازوں پر محافظت کرو، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

حافظوا علی الصلوات ای داوموا علی ادائها لاوقاتها من غیر اخلال بشیئ منها [4]۔	نمازوں پر محافظت کرو، یعنی ہمیشہ بروقت پڑھو اور ان میں کسی قسم کا خلل نہ واقع ہونے دو۔ (ت)

آیت ۳ قال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی:

وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ [5]	اور وہ لوگ جو اپنی نماز کی نگہداشت کرتے ہیں کہ اُسے وقت سے بے وقت نہیں ہونے دیتے وہی سچّے وارث ہیں کہ جنّت کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

معالم شریف امام بغوی شافعی میں ہے:

یحافظون، ای یداومون علی حفظها ویراعون	محافظت کرتے ہیں یعنی ہمیشہ نگہبانی کرتے ہیں اور ان کے

---

[1] القرآن الحکیم ۲/ ۲۳۸

[2] انوار التنزیل المعروف تفسیر البیضاوی تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱

[3] تفسیر النسفی المعروف تفسیر مدارک، تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۱

[4] ارشاد العقل السلیم تحت آیۃ حافظوا علی الصلوات الخ مطبوعہ احیاء التراث العربی ۱/ ۲۳۵

[5] القرآن ۲۳/ ۹ و ۲۳/ ۱۰ و ۲۳/ ۱۱

اوقاتھا، کرر ذکر الصلاۃ لیتبین المحافظۃ علیھا واجبۃ[1]۔	اوقات کا خیال رکھتے ہیں۔ نماز کا ذکر مکرر کیا ہے تاکہ واضح ہوجائے کہ اس کی محافظت واجب ہے۔(ت)

آیت ۴ قال المولی الاجل عزّوجل:

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿ؕ۳۴﴾ اُولٰٓئِکَ فِیۡ جَنّٰتٍ مُّکۡرَمُوۡنَ ﴿ؕ۳۵﴾ [2]۔	اور وہ لوگ کہ اپنی نماز کی محافظت کرتے ہیں ہر نماز اس کے وقت میں ادا کرتے ہیں وہ جنّتوں میں عزت کئے جائیں گے۔

جلالین شریف امام جلال الملّۃ والدّین شافعی میں ہے: **یحافظون، بادائھا فی اوقاتھا**[3] (محافظت کرتے ہیں یعنی وقت پر ادا کرتے ہیں۔ت) نسفی شریف میں ہے:

المحافظۃ علیھا ان لاتضیع عن مواقیتھا[4]۔	نماز کی محافظت یہ ہے کہ اپنے اوقات سے ضائع نہ ہو۔(ت)

آیت ۵ قال المولی تقدس وتعالٰی:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿۹۲﴾ [5]	اور جنہیں آخرت پر یقین ہے وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

کہ وقت سے باہر نہ ہوجائیں۔ تفسیر کبیر عــہ میں ہے:

المراد بالمحافظۃ التعھد لشروطھا من وقت وطھارۃ وغیرھما والقیام علی ارکانھا واتمامھا حتی یکون ذلك دابہ فی کل وقت[6]۔	محافظت سے مراد یہ ہے کہ وقت اور طہارت وغیرہ تمام شروط کو ملحوظ رکھا جائے، اس کے ارکان کو قائم کیا جائے اور اسے مکمل کیا جائے یہاں تک کہ جب نماز کا وقت آئے تو آدمی ان کاموں کو بطور عادت کرنے لگے۔(ت)

عــہ: ذکرہ تحت ایۃ المؤمنون ۱۲ منہ (م)	یہ انہوں نے سورۃ مومنون ۲۳ کی آیۃ ۹ کے تحت ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] تفسیر البغوی المعروف معالم التنزیل مع الخازن تحت آیۃ مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۳

[2] القرآن ۷۰/ ۳۴ و ۷۰/ ۳۵

[3] تفسیر جلالین آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷۲

[4] تفسیر النسفی آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۹۲

[5] القرآن ۶/ ۹۲

[6] التفسیر الکبیر والذین ہم علٰی صلٰوتہم یحافظون کے تحت مطبوعہ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۳/ ۸۱

محافظتِ وقت کے یہ معنی جو ہم نے علمائے حنفیّہ کے سواہر آیت میں علمائے شافعیہ سے نقل کئے کہ ہر نماز اپنے ہی وقت پر ہو خود احادیث میں ارشاد ہوئے جن کا ذکر عنقریب آتا ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔

آیت ۶ قال رب العلی عزّوعلا:

فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ [1]۔	پھر آئے ان کے بعد وہ برے پسماندہ جنہوں نے نمازیں ضائع کیں۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **اخروھا عن مواقیتھا وصلوھا لغیر وقتھا** [2]۔ (یہ لوگ جن کی مذمت اس آیہ کریمہ میں فرمائی گئی وہ ہیں جو نمازوں کو اُن کے وقت سے ہٹاتے اور غیر وقت پر پڑھتے ہیں) **ذکرہ الامام البدر فی عمدۃ القاری باب تضییع الصلوات عن وقتھا والامام البغوی فی المعالم**۔ افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: **ھو ان لایصلی الظھر حتی اتی العصر** [3] (نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ ظہر نہ پڑھی یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا) **اثرہ محی السنۃ**۔ تفسیر انوار التنزیل میں ہے: **اضاعوا الصلٰوۃ ترکوھا اواخروھا عن وقتھا** [4]۔

آیت ۷ قال سبحٰنہ امام اعظم شانہ:

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡنَ هُمۡ عَنۡ صَلَاتِهِمۡ سَاهُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ [5]	خرابی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں (کہ وقت نکال کر پڑھتے ہیں)

تفسیر جلالین میں ہے: **ساھون غافلون یؤخرونھا عن وقتھا** [6]۔ تفسیر مفاتیح الغیب میں ہے: **ساھون یفید امرین اخراجھا عن الوقت وکون الانسان غافلا فیھا** [7] اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر خود

---

[1] القرآن ۱۹/۵۹

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب تضییع الصلوٰۃ حدیث ۸ مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۷

[3] تفسیر البغوی المعروف بمعالم التنزیل مع الخازن تحت آیۃ مذکورہ مطبوعۃ مصطفی البابی مصر ۴/۲۵۲

[4] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی تحت آیۃ مذکورہ مطبوعۃ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۹

[5] القرآن ۱۰۷/۴

[6] تفسیر جلالین تحت آیت مذکورہ مطبوعہ مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۵۰۵

[7] مفاتیح الغیب تفسیر کبیر، میدان جامع ازہر۔ مصر ۳۲/۱۱۵

حدیث میں وارد ہوئی کماسیاتی ان شاء اللہ تعالٰی۔

(الاحادیث) اقول وباللہ التوفیق مُلّاجی نے تو جھُوٹ ہی کہہ دیا تھا کہ احادیث جمع چودہ ۱۴ صحابیوں سے مروی ہیں جنہیں خود بھی نہ گِنا سکے بلکہ صراحۃً تسلیم کرگئے کہ ان میں اکثر کی روایات اُن کیلئے مفید نہیں صرف چار مفید سمجھیں جن کا حال بتوفیقہ تعالٰی واضح ہوگیا کہ اصلًا انہیں مفید نہ تھیں اب فقیر اللہ تعالٰی کہتا ہے کہ اس مبحث میں ہمارے مفید حدیثیں جو اس وقت نظر میں جلوہ فرما ہیں چالیس ۴۰ سے زائد ہیں کہ تئیس ۲۳ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہوئیں، (۱) عمر فاروق (۲) علی مرتضٰی (۳) سعد ابن وقاص (۴) عبداللہ بن مسعود (۵) عبداللہ بن عباس (۶) عبداللہ بن عمر (۷) عبداللہ بن عمرو (۸) جابر بن عبداللہ (۹) ابوذر غفاری (۱۰) ابوقتادہ انصاری (۱۱) ابودردا (۱۲) ابوسعید خدری (۱۳) ابومسعود بدری (۱۴) بشیر بن عقبہ بن عمرو مدنی (۱۵) ابوموسٰی اشعری (۱۶) بریدہ اسلمی (۱۷) عبادہ بن صامت (۱۸) کعب بن عجرہ (۱۹) فضالہ زہرانی (۲۰) حنظلہ بن الربیع (۲۱) انس بن مالک (۲۲) ابوہریرہ (۲۳) ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علی بعلہا وابیہا وعلیہا وعلیہم اجمعین وبارک وسلم۔ان میں سات ۷ حدیثیں اور مولی المسلمین ومحبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روایتیں تو جمع صوری میں گزریں باقی اکیس ۲۱ صحابہ سے چھتیس ۳۶ حدیثیں بتوفیقہ تعالٰی یہاں سُنیے، مُلّاجی کی طرح اگر مجملات کو بھی شامل کرلیجئے اور واقعی ہمیں اس کا استحقاق بروجہ حق وصحیح حاصل تو معاذ (۲۴) بن جبل واسامہ (۲۵) بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم کو ملا کر عدد صحابہ پچیس ۲۵ اور احادیث مجملہ شامل کرکے شمارِ احادیث پچاس ۵۰ سے زائد ہوگا، خیر یہاں جو حدیثیں ہمیں لکھنی ہیں وہ چند نوع ہیں:

نوع اوّل: احادیث محافظتِ وقت اور اس کی ترغیب اور اس کے ترک سے ترہیب۔

حدیث ۱: امام احمد بسند صحیح حضرت حنظلہ کاتب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: **قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول: من حافظ علی الصلوات الخمس رکوعھن وسجودھن ومواقیتھن، وعلم انھن حق من عند اللہ، دخل الجنۃ، اوقال: وجبت لہ الجنۃ، اوقال: حرم علی النار**[1]۔ (یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ جو شخص ان پانچوں نمازوں کی ان کے رکوع وسجود واوقات پر محافظت کرے اور یقین جانے کہ وہ اللہ جل وعلا کی طرف سے ہیں جنت میں جائے یا فرمایا جنّت اس کے لئے واجب ہوجائے یا فرمایا دوزخ پر حرام ہوجائے)

حدیث ۲: ابوداؤد وسُنن اور طبرانی معجم میں بسند جید ابودردا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من جاء بھن مع ایمان دخل الجنۃ، من حافظ علی الصلوات الخمس،	پانچ چیزیں ہیں کہ جو اُنہیں ایمان کے ساتھ لائے گا جنّت میں جائے گا جو پنجگانہ نمازوں کی ان کے وضواُن کے

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حنظلہ کاتب الاسدی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۶۷/۴

علی وضوئهن ورکوعهن وسجودهن ومواقیتهن عـــہ۱ الحدیث۔[1]	رکوع اُن کے سجود اُن کے اوقات پر محافظت کرے (اور روزہ وحج وزکوۃ وغسلِ جنابت بجالائے)

حدیث ۳: امام مالک وابوداؤد ونسائی وابن حبان اپنی صحاح میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس صلوات افترضهن الله تعالٰی، من احسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن واتم رکوعهن وخشوعهن، کان له علی الله عهدان غفرله، ومن لم یفعل فلیس له علی الله عهد، ان شاء غفرله، وان شاء عذبه[2]۔ هذا لفظ ابی داود عـــہ۲	پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے فرض کی ہیں جو اُن کا وضو اچھی طرح کرے اور اُنہیں اُن کے وقت پر پڑھے اور اُن کا رکوع وخشوع پُورا کرے اُس کے لئے اللہ عزّوجل پر عہد ہے کہ اُسے بخش دے، اور جو ایسا نہ کرے تو اس کے لئے اللہ تعالٰی پر کچھ عہد نہیں چاہے بخشے چاہے عذاب کرے۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ (ت)

حدیث ۴: ابوداود طریق ابن الاعرابی میں حضرت قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

انی فرضت علی امتك خمس صلوات، وعهدت	میں نے تیری اُمت پر پانچ نمازیں فرض کیں اور اپنے

عـــہ۱ تمامه، وصام رمضان وحج البیت ان استطاع الیه سبیلا واعطی الزکٰوة، طیبة بها نفسه، وادی الامانة، قالوا: یا اباالدرداء ماداء الامانة؟ قال: الغسل من الجنابة ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م) (اس کا ترجمہ متن میں موجود ہے)

عـــہ۲ واورده المنذری عن فزاد: وسجودهن[3]، بعد قوله: رکوعهن، ولیس فی شیئ من نسخ السنن التی عندی، وقد قال العلامة ابرهیم الحلبی فی غنیة المستملی شرح منیة المصلی مانصه: اما لفظ "وسجودهن" "بعد" رکوعهن" فغیر ثابت[4] الخ ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	منذری نے بھی ابوداؤد سے اس روایت کو لیا ہے مگر اس نے رکوعھن کے بعد سجودھن کے لفظ بڑھادئے ہیں، حالانکہ ابوداود کے میرے پاس موجود نسخوں میں سجودھن نہیں ہے، اور ابراہیم حلبی نے غنیۃ المستملی میں تصریح کی ہے کہ رکوعھن کے بعد سجودھن کا لفظ ثابت نہیں ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۲۹ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۶ و ۱۱۷
[2] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۲۵ دار احیاء السنۃ مصر ۱/۱۱۵
[3] الترغیب والترہیب فی الصلوٰت الخمس الخ حدیث نمبر ۲۶ مصطفی البابی مصر ۱/۱۴۲
[4] غنیۃ المستملی مقدمہ کتاب سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۲

عندی عهد انه من جاء یحافظ علیهن لوقتهن ادخلته الجنة، ومن لم یحافظ علیهن فلاعهد له عندی [1]۔	پاس عہد مقرر کرلیا جو اُن کے وقتوں پر اُن کی محافظت کرتا آئے گا اُسے جنّت میں داخل کروں گا اور جو محافظت نہ کرے گا اس کے لئے میرے پاس کچھ عہد نہیں۔

حدیث ۵: دارمی حضرت کعب ابن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب جل وعلا سے روایت فرماتے ہیں وہ ارشاد کرتا ہے:

من صلی الصلاۃ لوقتها فاقام حدها کان له علی عهد ا دخله الجنة ومن لم یصل الصلاۃ لوقتها ولم یقم حدها لم یکن له عندی عهدان شئت ادخلته النار وان شئت ادخلته الجنّة [2]۔	جو نماز اُس کے وقت میں ٹھیک ٹھیک ادا کرے اُس کے لئے مجھ پر عہد ہے کہ اُسے جنّت میں داخل فرماؤں، اور جو وقت میں نہ پڑھے اور ٹھیک ادا نہ کرے اُس کے لئے میرے پاس کوئی عہد نہیں چاہوں اسے دوزخ میں لے جاؤں اور چاہوں توجنّت میں۔

حدیث ۶: طبرانی بسند صالح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ایک دن حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خُوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیافرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: جانتے ہو تمہارا رب کیا فرماتا ہے؟ عرض کی: خدا ورسول خوب دانا ہیں۔ فرمایا: تمہارا رب جل وعلا فرماتا ہے:

وعزتی وجلالی لایصلیها عبد لوقتها الاادخلته الجنّة ومن صلاها لغیر وقتها ان شئت رحمته وان شئت عذبته [3]۔	مجھے اپنے عزّت وجلال کی قسم جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اُسے جنّت میں داخل فرماؤں گا اور جو اس کے غیر وقت میں پڑھے گا چاہوں اس پر رحم کروں چاہوں عذاب۔

حدیث ۷: نیز طبرانی اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی الصلواۃ لوقتها واسبغ لها وضؤها واتم لها قیامها وخشوعها ورکوعها و	جو پانچوں نمازیں اپنے اپنے وقتوں پر پڑھے اُن کا وضو وقیام وخشوع ورکوع وسجود پُورا کرے وہ نماز

[1] سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۳۰ دار احیاء السنۃ النبویۃ مصر ۱/۱۱۷

[2] سنن الدارمی، باب استحباب الصلٰوۃ فی اول الوقت حدیث ۱۲۲۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۲۲۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۵۵۵ مطبوعۃ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/۲۸۱

سجودھا خرجت وھی بیضا مسفرۃ تقول حفظك الله کماحفظتنی، ومن صلا الصلٰوۃ لغیر وقتھا فلم یسبغ لھا وضؤھا ولم یتم لھا خشوعھا ولارکوعھا ولاسجودھا خرجت وھی سوداء مظلمۃ تقول ضیعك الله کما ضیعتنی حتّٰی اذاکانت حیث شاء الله لفت کمایلفّ الثوب الخلق ثم ضرب بھا وجھہ [1]	سفید روشن ہو کر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تیری نگہبانی فرمائے جس طرح تُونے میری حفاظت کی اور جو غیر وقت پر پڑھے اور وضو وخشوع ورکوع وسجود پُورانہ کرے وہ نماز سیاہ تاریک ہو کر یہ کہتی نکلے کہ اللہ تجھے ضائع کرے جس طرح تُونے مجھے ضائع کیا یہاں تک کہ جب اُس مقام پر پہنچے جہاں تک اللہ عزّوجل چاہے پُرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹ کر اُس کے مُنہ پر ماری جائے (والعیاذ باللہ رب العالمین)

حدیث ۸: ابُوداؤد حضرت فضالہ زہرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال علمنی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فکان فیما علمنی وحافظ علی الصلوات الخمس [2]۔	مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسائلِ دین تعلیم فرمائے اُن میں یہ بھی تعلیم فرمایا کہ نماز پنجگانہ کی محافظت کر۔

حدیث ۹: بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، دارمی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ای العمل احب الی الله قال الصلاۃ علی وقتھا [3]۔	میں نے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سےپُوچھا سب میں زیادہ کیا عمل اللہ عزّوجل کو پیارا ہے، فرمایا نماز اس کے وقت پر ادا کرنا۔

حدیث ۱۰: بیہقی شعب الایمان میں بطریق عکرمہ امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال جاء رجل فقال یارسول الله ای شیئ احب الی الله فی الاسلام قال الصلاۃ لوقتھا ومن ترك الصلاۃ فلادین له والصلاۃ عماد الدّین [4]۔	ایک شخص نے خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ! اسلام میں سب سے زیادہ کیا چیز اللہ تعالٰی کو پیاری ہے، فرمایا: نماز وقت پر پڑھنی، جس نے نماز چھوڑی اس کیلئے دین نہ رہا نماز دین کا ستون ہے۔

[1] معجم اوسط حدیث نمبر ۳۱۱۹ مکتبہ المعارف ریاض ۸۶/۴

[2] سنن ابی داؤد باب المحافظہ علی الصلوات مطبوعہ مجتبائی پاکستان ۶۱/۱

[3] بخاری شریف باب فضل الصلوٰۃ لوقتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۶/۱

[4] شعب الایمان باب فی الصلوات حدیث ۲۸۰۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ۳۹/۳

حدیث ۱۱: طبرانی معجم اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلث من حفظهن فهو ولی حقا، ومن ضیعهن فهو عدوی حقا، الصلاۃ والصیام والجنابة [1]۔	تین ۳ چیزیں ہیں کہ جو ان کی حفاظت کرے وہ سچّا ولی ہے اور جو انہیں ضائع کرے وہ پکّا دشمن، نماز اور روزے اور غسلِ جنابت۔

حدیث ۱۲: امام مالک مؤطا میں نافع سے راوی:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه کتب الی عُمّاله ان اهم امرکم عندی الصلاۃ فمن حفظها وحافظ علیها حفظ دینه ومن ضیعها فهو لماسواها اضیع الحدیث [2]۔	امیرالمومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عاملوں کو فرمان بھیجے کہ تمہارے کاموں میں مجھے زیادہ فکر نماز کی ہے جو اسے حفظ اور اس پر محافظت کرے اس نے اپنے دین کی حفاظت کرلی اور جس نے اسے ضائع کیا وہ اور کاموں کو زیادہ تر ضائع کرے گا۔

(نوعِ آخر) حدیث امامت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام جس میں انہوں نے ہر نماز کے لئے جُدا وقت معین کیا۔

حدیث ۱۳: بخاری ومسلم صحاح اور امام مالک وامام ابن ابی ذئب مؤطا اور ابو محمد عبداللہ دارمی مسند میں حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی جبریل نے بعد تعیین اوقات عرض کی: بھذا امرت [3] (اسی کا حضور کو حکم دیا گیا ہے)۔

ابن ابی ذئب کے لفظ یوں ہیں: عن ابن شهاب انه سمع عروۃ بن الزبیر یحدث عمر بن عبدالعزیز عن ابی مسعود الانصاری ان المغیرۃ بن شعبة اخر الصلاۃ فدخل علیه ابومسعود فقال ان جبریل نزل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فصلی وصلی وصلی وصلی وصلی ثمّ صلی ثم صلی ثم صلی ثم صلی ثم قال هکذا امرت [4] (یعنی جبریل امین نے دونوں روز امامت سے تعیین اوقات کرکے عرض کی: ایسا ہی حضور کو حکم ہے)۔ مسند امام ابن راہویہ میں مطول ومفصل ہے فی اخرہ ثم قال جبریل مابین هذین وقت صلاۃ [5] (پھر جبریل نے عرض کی ان دونوں کے درمیان وقت نماز ہے)۔

حدیث ۱۴: دارقطنی وطبرانی وابوعمر بن عبدالبر ابو مسعود وبشیر بن ابی مسعود دونوں صحابیوں رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

---

[1] معجم اوسط حدیث ۸۹۵۶ مکتب المعارف ریاض ۹/۴۴۵

[2] مؤطا امام مالک وقوت الصلوٰۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵

[3] بخاری شریف کتاب مواقیت الصلوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۵

[4] شرح الزرقانی علی المؤطا باب وقوت الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۵

[5] نصب الرایۃ بحوالہ سند ابن راہویۃ باب المواقیت مکتبۃ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳

راوی جبریل نے عرض کی: مابین ھذین وقت[1] یعنی امس والیوم۔ (کل اور آج کے وقتوں کے درمیان ہر نماز کا وقت ہے)۔

حدیث ۱۵: ابوداؤد، ترمذی، شافعی، طحاوی، ابن حبان، حاکم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی: **الوقت مابین ھذین الوقتین**[2] (وقت وہ ہے جو ان دو وقتوں کے درمیان ہے)۔

حدیث ۱۶: نسائی وطحاوی وحاکم وبزار ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے **عرض کی: الصلاۃ مابین صلاتك امس وصلاتك الیوم**[3] (نماز دیر وزہ و امروزہ کے بیچ میں نماز ہے) بزار کے یہاں ہے: **ثم قال مابین ھذین وقت**[4] (ان دو کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۷: نسائی واحمد واسحٰق وابن حبان وحاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی جبریل نے گزارش کی: **مابین ھاتین الصلاتین وقت**[5] (ان دو نمازوں کے اندر وقت ہے)

حدیث ۱۸: طحاوی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے گزارش کی: **الصلاۃ فیما بین ھذین الوقتین**[6] (نماز ان دو۲ وقتوں کے درمیان ہے)۔

(نوع آخر) حدیث سائل جسے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امامتیں فرما کر ہر نماز کا اول وآخر وقت بتایا۔

حدیث ۱۹: مسلم ترمذی نسائی ابن ماجہ طحاوی حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **وقت صلاتکم بین مارأیتم**[7] (تمہاری نماز کا وقت اس کے درمیان ہے جو تم نے دیکھا)۔ مسلم کے دوسرے طریق میں ہے: **مابین مارأیت وقت**[8] (اے سائل جو تُو نے دیکھا اس کے اندر وقت ہے)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی الکبیر باب بیان الوقت دار الکتاب بیروت ۱/۳۰۵

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۱

[3] سُنن النسائی کتاب المواقیت آخر وقت الظہر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۹

[4] کشف الاستار عن زوائد البزار باب ای حین یصلی مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۱۸۷

[5] سُنن النسائی کتاب المواقیت اخر وقت العصر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۱

[6] شرح معانی الاثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[7] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

[8] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

ترمذی کے یہاں یوں ہے: **مواقیت الصلاۃ کمابین ھذین**[1] (نمازوں کے وقت ایسے ہیں جیسے ان دو۲ کے درمیان)۔

حدیث ۲۰: مسلم ابی داود نسائی ابن ابان طحاوی حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **الوقت بین ھذین**[2] (وقت ان دو۲ کے درمیان ہے)

حدیث ۲۱: طحاوی بطریق عطاء بن ابی رباح بعض صحابہ یعنی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور امام عیسٰی بن ابان بلفظ **عن عطاء بن ابی رباح قال بلغنی ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **بین صلاتی فی ھذین الوقتین کلہ**[3] (جن دو۲ وقتوں پر میں نے نمازیں پڑھیں ان کے اندر اندر سب وقت ہے) **ولفظ الحجج ثم قال مابینھما وقت**[4] (اور کتاب الحجج کے الفاظ یہ ہیں: پھر فرمایا ان دونوں کے درمیان وقت ہے)۔

حدیث ۲۲: مالک ونسائی وبزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **مابین ھذین وقت**[5] (ان دو۲ کے درمیان وقت ہے)۔**وفیہ الاقتصار علی ذکر الفجر فکانہ مختصر قلت فقد رواہ الدار قطنی فی سننہ من حدیث قتادۃ عن انس مطولا واللہ تعالٰی اعلم** (اس روایت میں صرف فجر کا ذکر ہے، شاید اس میں اختصار ہے میں نے کہا دار قطنی نے اپنے سنن میں سے انس سے بروایت قتادہ مفصل ذکر کیا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

(نوعِ آخر) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشگوئی کہ کچھ لوگ وقت گزار کر نماز پڑھیں گے تم اُن کا اتباع نہ کرنا اسے مطلق فرمایا کچھ سفر وحضر کی تخصیص ارشاد نہ ہوئی۔

حدیث ۲۳: مسلم ابوداوٗد ترمذی نسائی احمد دارمی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضرب فخذی کیف انت اذابقیت فی قوم یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا قال قلت ماتامرنی	حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میری ران پر ہاتھ مار کر فرمایا تیرا کیا حال ہوگا جب تُو ایسے لوگوں میں رہ جائے گا جو نماز کو اس کے وقت سے تاخیر

---

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوات مطبوعہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۲

[2] صحیح مسلم باب اوقات الصلوات الخمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۲۳

[3] شرح معانی الاثار باب مواقیت الصلوات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۲

[4] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوٰۃ دار المعارف نعمانیہ لاہور ص ۱۲

[5] النسائی، کتاب المواقیت، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۶۲

قال صل الصلاۃ لوقتہا الحدیث[1]۔	کریں گے، میں نے عرض کی حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں، فرمایا تُو وقت پر پڑھ لینا۔

حدیث ۲۴: احمد ابوداود ابن ماجہ بسند صحیح عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ستکون علیکم بعدی امراء تشغلہم اشیاء عن الصلاۃ لوقتہا حتی یذہب وقتہا فصلوا الصلاۃ لوقتہا[2] الحدیث۔	میرے بعد تم پر کچھ حاکم ہوں گے کہ اُن کے کام وقت پر انہیں نماز سے روکیں گے یہاں تک کہ وقت نکل جائے گا تم وقت پر نماز پڑھنا۔

حدیث **۲۵:** ابوداؤد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف بکم اذااتت علیکم امراء یصلون الصلاۃ لغیر میقاتہا قلت فماتامرنی اذاادرکنی ذلك یارسول اللہ قال صلی الصلاۃ لمیقاتہا واجعل صلاتك معہم سبحۃ[3]۔	فرمایا مجھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگوں کا کیا حال ہوگا جب تم پر وہ حکام آئینگے کہ غیر وقت پر نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! جب میں ایسا وقت پاؤں تو حضور مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا نماز وقت پر پڑھ اور اُن کے ساتھ نفل کی نیت سے شریک ہوجا۔

(نوع آخر) ارشادِ صریح کہ جب ایک نماز کا وقت آیا دوسری کا وقت جاتا رہا قضا ہوگئی اور اس کی ممانعت ومذمّت۔

حدیث ۲۶: مسلم وابوداؤد ونسائی وعیسٰی بن ابان حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

وقت الظہر مالم یحضر العصر ووقت المغرب مالم یسقط ثور الشفق[4]۔ہذا مختصر	ظہر کا وقت جب تک ہے کہ عصر کا وقت نہ آئے اور مغرب کا وقت جب تک ہے کہ شفق نہ ڈوبے۔

[1] صحیح مسلم باب کراھۃ تاخیر الصلوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطالع کراچی ۱/۲۳۱

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی اذااخر والصلواۃ عن وقتہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۰

[3] سنن ابی داؤد، اذااخر الامام الصلواۃ عن الوقت، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۶۲

[4] صحیح المسلم باب اوقات الصلوات الخمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

حدیث ۲۷: ترمذی وطحاوی بسند صحیح بطریق محمد بن فضیل عن الاعمش عن ابی صالح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلاۃ اولا واٰخرا وان اول وقت صلاۃ الظھر حین تزول الشمس واٰخر وقتھا حین یدخل وقت العصر وفیہ ان اول وقت المغرب حین تغرب الشمس وان اٰخر وقتھا حین یغیب الشفق [1]۔	بیشک نماز کے لئے اوّل وآخر ہے اور بیشک آغاز وقت ظہر کا سورج ڈھلے سے اور ختم وقت ظہر کا وقتِ عصر آنے پر ہے اور بیشک ابتدا وقت مغرب کی سورج چھُپے ہے اور بیشک انتہا اُس کے وقت کی شفق ڈوبے۔

حدیث ۲۸: مسلم واحمد وابوداود وابن ماجہ وطحاوی وابنِ حبان حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ ان تؤخر صلاۃ حتی یدخل وقت صلاۃ اخری [2]۔	سوتے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگتے میں ہے کہ تُو ایک نماز کو اتنا پیچھے ہٹائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی حین فاتتھم صلاۃ الصبح لیلۃ التعریس وھو عند ابی داود وابن ماجۃ من دون قولہ ان توخر (جب "لیلۃ التعریس" کی صبح کو ان سے فجر کی نماز قضا ہوگئی تھی۔ یہ روایت ابوداؤد اور ابن ماجہ میں بھی ہے مگر اس میں "ان تؤخر" کا لفظ نہیں۔ت) یہ حدیث نص صریح ہے کہ ایک نماز کی یہاں تک تاخیر کرنی کہ دوسری کا وقت آجائے تقصیرہ گناہ ہے۔

حدیث ۲۹: بزار ومحی السنۃ بغوی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قول اللہ عزّوجل الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ﴿۵﴾ قال ھم الذین یؤخرون الصلاۃ عن وقتھا [3]۔	فرمایا میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پُوچھا وہ کون لوگ ہیں جنہیں اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے خرابی ہے اُن نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، ارشاد فرمایا وہ لوگ جو نماز کو اس کے وقت سے ہٹا کر پڑھیں۔

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۲۲/۱

[2] سنن ابی داؤد باب فی من نام الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۶۴/۱

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار، باب فی الذین یؤخرون الصلوٰۃ عن وقتہا، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸/۱

بغوی کی روایت یوں ہے:

اخبرنا احمد بن عبداللہ الصالحی (فساق بسندہ) عن مصعب بن سعد عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما انہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الذین ھم فی صلٰوتھم ساھون قال اضاعۃ الوقت[1]۔	ہمیں احمد بن عبداللہ الصالحہ نے خبر دی (پُوری سند کو ذکر کیا) مصعب بن سعد سے وہ اپنے باپ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال ہوا، فرمایا اس سے مراد وقت کھونا ہے۔

حدیث ۳۰: امام ابن ابان حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال وقت الظھر الی وقت العصر ووقت العصر الی المغرب وقت المغرب الی العشاء و العشاء الی الفجر[2]۔	فرمایا ظہر کا وقت عصر تک ہے اور عصر کا وقت مغرب تک اور مغرب کا عشاء اور عشاء کا فجر تک۔

حدیث ۳۱: امام طحاوی شرح معانی الاثار میں راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال ہُوا: **ما التفریط فی الصلاۃ** (نماز میں تفریط کیا ہے؟) فرمایا: **ان تؤخر حتی یجیئ وقت الاخری**[3] (یہ کہ تُو ایک نماز کی تاخیر کرے یہاں تک کہ دوسری کا وقت آجائے)

حدیث ۳۲: نیز اُسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: **قال تفوت صلاۃ حتی یجیئ وقت الاخری**[4] (فرمایا نماز فوت نہیں ہوتی جب تک دُوسری کا وقت نہ آجائے) یعنی جب دوسری کا وقت آیا پہلے قضا ہو گئی۔

تنبیہ: ان آیات واحادیث سے جواب میں قائلین جمع کی غایت سعی ادعائے تخصیص ہے جسے ملّاجی نے کئی ورق کی طولانی تقریر میں بہت ہی چمک کر بیان کیا جس کا مآل یہ کہ اگرچہ متکاثرہ واحادیث متواترہ ہر نماز کے لے جُدا وقت بتارہی ہیں محافظت وقت کی نہایت تاکید شدید فرمارہی ہیں وقت ضائع کرنے کو گناہِ عظیم وموجبِ عذابِ الیم ٹھہرارہی ہیں مگر ہمیں سفر وغیرہ حالات میں ظہر وعصر ومغرب وعشاء چار نمازوں کی پابندیِ وقت

---

[1] شرح السنۃ للامام البغوی باب مراعاۃ الوقت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲۳۶/۱

[2] کتاب الحجۃ اختلاف اہل الکوفۃ والمدینۃ فی الصلوات الخ دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۱/۱۱، ۱۰

[3] شرح معانی الاثار باب جمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۴/۱

[4] شرح معانی الاثار باب جمع بین الصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۴/۱

کچھ ضرور نہیں چاہے وقت سے پہلے پڑھ لیں چاہیں وقت کھو کر پڑھیں اصلاً محذور نہیں کہ دو چار روایتیں ہمارے خیال کے مطابق قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مخالف آگئیں وہ ہمیں بے قیدی بناگئی ہیں یہاں ملّاجی نے بہت کچھ ابحاثِ اصول کو خرچ کیا ہے جس کا جواب ایسا ہی عریض وطویل دیا گیا ہے **وانا اقول** (اور میں کہتا ہوں۔ت) ثبت العرش ثم انقش ارشاداتِ صریحہ قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل ایسا ہی سامان جمع کرلیا ہوتا تو ان کے مقابلہ کا نام لینا تھا سبحٰن اللہ چند محتمل روایات جن میں روایۃ درایۃ سو سو احتمالات، نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اُن کے ثبوت ہی پر یقین نہ بعد تسلیم ثبوت خواہی نخواہی معنی جمع حقیقی کی تعیین، احتمالی باتوں پر خدا اور رسول کے صریح احکام کیونکر اُٹھادیے جائیں ایسے حکموں کے مقابلہ کو اُنہیں کے پایہ کا جلی واضح ثبوت درکار تھا نہ یہ کہ بزورِ زبان ابتداء میں کہہ دیجئے وہ حدیثیں جن میں تاویل کو مخالف کی دخل نہیں انتہا میں لکھ دیجئے احادیث صحاح جو جمع پر قطعًا ویقینا دلالت کرتی ہیں اور بس آپ کے فرمائے سے وہ نصوص قاطعہ یقینیہ مفسرہ ہوگئیں ملّاجی بس اسی ایک نکتہ پر بحث کا فیصلہ ہے ان روایات کا اثبات جمع حقیقی تقدیم وتاخیر میں نص قطعی یقینی مفسر ناقابلِ تاویل ہونا ثابت کردیجئے یا قرآن عظیم واحادیث متواترہ کے مقابل نری زباں زوریوں سے کام نکالنے کا اقرار کیجئے میں صرف نصوص قرآن وحدیث کا نام لیتا ہوں اے حضرت نمازوں کی توقیت اُن کے لئے اوقات کی تعیین تو ضروریاتِ دین سے ہے اور ہمارا آپ کا تمام اُمتِ مرحومہ کا اجماع قائم کہ وقت سے پہلے نماز باطل اور عمدًا قضا کردینا وقت کھودینا حرام تو اب ظنیت وقطعیت عمومات کی بحث سے کچھ علاقہ نہ رہا۔ اس فعل جمع کا جو حاصل ہے یعنی نماز پیش از وقت یا تفویت وقت اُس کی حرمت پر تو ہم اور آپ سب متفق ہولئے اب آپ مدعی ہیں کہ اس حرام قطعی کی یہ صورت خاص حلال ہے جیسا وہ حرام قطعی ہے ویسا ہی قطعی ثبوت اس کی حلّت کا دیجئے ورنہ یقینی کے حضور ظنی محتمل کا نام نہ لیجئے خدا کی شان اور تو اور جمع تقدیم میں بھی یہی جرات کے ادعا کہ تاویل کو دخل نہیں احادیث صحاح قطعًا دلالت کرتی ہیں حالانکہ مفسر ویقینی ہونا درکنار ابوداؤد سا امام جلیل الشان تصریح فرماگیا کہ اس کے بارے میں اصلاً کوئی حدیث صحیح بھی نہ ہوئی مگر ہاں یہ کہے کہ اپنی زبان اپنا دعوی ہے ثبوت مانگنے والے کا کچھ دینا دھرا یا ہے **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

لطیفہ: مُلّاجی نے ایک مثل پر انتہائے ظہر کے اثبات میں حدیث سائل بروایت نسائی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ وحدیث امامت جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام سے استدلال کیا جن میں تھا کہ پہلے دن کی ظہر حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُورج ڈھلتے ہی پڑھی اور دُوسرے دن کی اُس وقت کہ سایہ ایک مثل کو پہنچ گیا اس تمسک پر اعتراض ہوتا تھا کہ ان حدیثوں میں کل کی عصر بھی تو اسی وقت پڑھنی آئی ہے تو ایک مثل پر وقتِ ظہر ختم ہوجانا نہ نکلا بلکہ بعد مثل ظہر وعصر دونوں نمازوں میں وقت مشترک ہونا مستفاد ہوا ملّاجی اُس کے دفع میں فرماتے ہیں روایت نسائی کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت عـہ نے پہلے دن عصر جب پڑھی کہ ایک مثل سایہ آگیا اور دوسرے دن ظہر سے

عـہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ

ف ا معیار الحق ص ۴۰۳

ایک مثل پر فارغ ہو لئے یہ معنے نہیں کہ کچھ وقت بطور چار رکعت دونوں نمازوں میں مشترک ہے دلیل مرجح باعث اختیار کرنے معنی اوّل کی یہ ہے کہ روایت کی ہے مسلم نے عبداللہ بن عمرو سے ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال وقت الظھر الی ان یحضر العصر اور کہااللہ تعالٰی نے اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا یعنی ہر نماز کا وقت علیحدٰہ علیحدہ ہے اسی واسطے فرمایا آنحضرت [عہ] نے انما التفریط علی من لم یصل حتی یجیئ وقت الصلاۃ الاخری رواہ مسلم وغیرہ تو مقتضا احادیث اور اس آیت کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری نماز ادا نہیں ہو سکتی پھر اگر حدیث جابر میں معنی وہ نہ کریں جو ہم نے کئے ہیں کہ پڑھ چکے ایک مثل میں بلکہ یہ کریں کہ پڑھنی شروع کی جب کہ ایک مثل ہوئی تو تعارض ہوگا درمیان ان احادیث کے جن سے امتیاز اوقات ہر نماز کی معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث جابر میں جس سے اشتراک نکالتے ہیں اور وقت تعارض موافقت کرنی چاہے اور صورت موافقت کی یہ ہے جو ہم نے بیان کی اور شاہد اس کی حدیث جبریل ہے معنی اس کے بھی وہی ہیں بعینہٖ اُسی دلیل سے جو گزری حدیث نسائی میں [1] اھ ملخصا۔

الحمدللہ یہ تو آیہ کریمہ اور ہماری حدیثوں سے حدیث ۲۶ و ۲۸ کی نسبت ملّاجی کی شہادت ہے کہ مقتضٰی احادیث و آیات کا یہی ہے کہ ایک نماز کے وقت میں دوسری ادا نہیں ہو سکتی مگر مجھے یہاں ملّاجی کا ظلم ظاہر کرنا ہے **فاقول وباللہ التوفیق**

اوّلاً [2] حدیث جبریل و حدیث سائل میں یہ معنے کہ ملّاجی نے شافعیہ کی تقلید جامد سے سیکھ کر جمائے ہرگز نہیں جمتے حدیث جبریل بروایت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں نسائی کے یہاں یوں ہے: ان جبریل اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین کان الظل مثل شخصه فصلی العصر ثم اتاہ فی الیوم الثانی حین کان ظل الرجل مثل شخصه فصلی الظھر [3]۔

دوسری روایت میں ہے: ثم مکث حتی اذاکان فیئ الرجل مثله جاء ہ للعصر فقال قم یامحمد فصلی العصر ثم جاء ہ من الغد حین کان فیئ الرجل مثله فقال قم یامحمد فصل فصلی الظھر [4]۔

عـہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] معیار الحق مسئلہ چہارم بحث آخر وقت ظہر مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۱۶ تا ۳۲۱

[2] واضح رہے کہ ''اوّلاً'' کے ذیل میں مذکور تمام روایات کا ترجمہ پہلے گزر چکا ہے۔ اگر ضرورت ہو تو صفحہ ۲۷۸ کی طرف رجوع کریں۔ دائم

[3] النسائی کتاب المواقیت آخر وقت العصر مطبوعہ سلفیہ لاہور ۱/۶۰

[4] النسائی کتاب المواقیت اوّل وقت العشاء، مطبوعہ سلفیہ لاہور ۱/۶۲

مسند اسحٰق میں ابی مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں ہے: **اتاہ حین کان ظلہ مثلہ فقال قم فصل فقام فصلی العصر اربعا ثم اتاہ من الغد حین کان ظلہ مثلہ فقال لہ قم فصل فقام فصلی الظہر اربعا**[1]۔ دارقطنی وطبرانی وابوعمر کے یہاں بروایت عقبہ بن عمرو وبشیر بن عقبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں ہے: **جاءہ حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال یا محمد صل العصر فصلی ثم جاءہ الغد حین کان ظل کل شیئ مثلہ فقال صل الظہر فصلی**[2] یہ سب حدیثیں تصریح صریح ہیں کہ روح امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم ظہر کے لئے حاضر اس وقت ہُوئے جب سایہ ایک مثل کو پہنچ چکا تھا اس وقت نماز پڑھنے کے لئے عرض کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھی اس کے یہ معنی کیونکر ممکن کہ ختمِ مثل تک نماز سے فارغ ہولے تھے۔ حدیث سائل بروایت عبداللہ بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابوداؤد کے یہاں یوں ہے: **امر بلالا فاقام الفجر حین انشق (الی قولہ) فاقام الظہر فی وقت العصر الذی کان قبلہ**[3]۔ اس میں تصریح ہے کہ ایک مثل ہونے پر بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ظہر کی تکبیر کہی تو مثل تک فراغ کیسا۔

ثانیاً آیہ کریمہ تو آپ کے نزدیک عام ہے اور احادیث جبریل وسائل خاص اور آپ کے اصول میں عام وخاص متعارض نہیں بلکہ عام اُس خاص سے مخصص ہوجائے گا ولہٰذا خود بھی یہاں معارضہ صرف احادیث میں مانا نہ آیت وحدیث میں پھر اُن حدیثوں کے مقابل آیت کا پیش کرنا کیا معنی، کیا آپ کے داؤں کو آیت عام نہیں رہتی تخصیص حرام ہوجاتی ہے۔

ثالثاً احادیث میں دفع معارضہ یوں بھی ممکن کہ حدیث تفریط میں **وقت الصلاۃ الاخرٰی**[4] سے اُس کا وقت خاص مراد لیجئے یعنی نماز قضا جب ہوتی ہے کہ دوسری نماز کا وقتِ خاص آجائے جب تک وقتِ مشترک باقی ہے قضا نہ ہُوئی اور حدیث عبداللہ بن عمرو میں ظہر خواہ عصر دونوں سے جس میں چاہے وقت خاص لے لیجئے اور دوسری میں وقت مطلق یعنی ظہر کا وقت خاص وقت عصر آنے تک ہے جب عصر کا وقت آیا ظہر کا خاص وقت نہ رہا اگرچہ مشترک باقی ہو یا ظہر کا وقت عصر کے وقت خاص آنے تک ہے کہ اس کے بعد ظہر کا وقت خاص خواہ

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ سند اسحٰق بن راہویہ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۲۳

[2] دارقطنی بحوالہ سند اسحٰق بن راہویہ باب المواقیت مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۲۵۶

[3] ترمذی باب المواقیت مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۵

[4] ترمذی باب المواقیت مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۵

مشترک اصلاً نہیں رہتا تو صورت موافقت اسی میں منحصر نہ تھی جس سے آپ احتمالِ اشتراک عہ کو دفع کرسکیں، ملّاجی مدعی بننا آسان ہے مگر اقامت دلیل کے گرانبار عہدوں سے سلامت نکل جانا مشکل۔

اب اس صریح ظلم وناانصافی کو دیکھیے کہ مسئلہ وقتِ ظہر میں آیت واحادیث توقیت کے عموم وظواہر پر وہ ایمان کہ نہ آیت صالح تخصیص نہ یہ حدیثیں لائق تاویل نہ ان کے مقابل صحاح حدیث قابل قبول بلکہ واجب کہ وہ حدیثیں تاویلوں کی گھڑت سے موافق کرلی جائیں اگرچہ وہ اُس تاویل سے صاف ابا کرتی ہوں اور ان میں ہر گز تاویل نہ کی جائے اگرچہ بے دقّت اُسے جگہ دیتی ہوں۔ اور جب مسئلہ جمع کی باری آئے فوراً نگاہ پلٹ جائے اب آیت واحادیث واجب التخصیص، اور اُن کے مقابل نری احتمالی چند روایات واجب الاعتماد وقطعی التنصیص، اور ان کے لئے آیات واحادیث کے مطابق صاف ونظیف محامل مردود وباطل، غرض شریعت اپنے گھر کی ہے، اجتہاد کی کوٹھری دوہرے در کی ہے۔ دیانت کا ٹٹو دونوں باگوں کستا ہے، پورب کی سڑک میں پچھم کا رستہ ہے ع:

گر میں گیا اِدھر سے اُدھر سے نکل گیا

لطیفہ: حدیث بست وہشتم مروی صحیح مسلم شریف کے جواب میں ملّاجی کی نزاکتیں قابلِ تماشا۔

اوّلاً: ف۱ یہ حدیث اُسی شخص کے حق میں ہے کہ بلاعذر تاخیر کرے نہ اُس کے حق میں جو مسافر ہو، یہ وہی دعوی باطلہ تخصیص بے مخصص ہے۔

ثانیاً: سبب حدیث خود نماز سفر کا سوتے میں قضا ہو جانا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس وقت سفر ہی میں تھے تو نماز سفر کو اس حکم سے خارج ماننا طرفہ جہالت ہے۔

ثالثاً: عذر بدتر از گناہ سُنئے فرماتے ف۲ ہیں اگر کہو کہ یہ حدیث سفر میں فرمائی تھی پس مسافر کو حکم اس کا شامل ہوگا تو کہا جائے گا کہ ظرف قول کی باعث اور قرینہ اُس کی تعمیم یا تخصیص پر نہیں ہوتی۔

اقول: ملّاجی! کسی پڑھے لکھے سے ظرف وسبب کا فرق سیکھو یہ نہیں کہا جاتا کہ حدیث سفر میں فرمائی تھی بلکہ مطلب یہ ہے کہ نمازِ سفر کا قضا ہونا سببِ ارشاد ہوا تو خود سببِ نص حکم نص سے کیونکر جُدا رہے گا کیا ظلم ہے کہ نص کا خاص جس مورد میں ورود وہی خارج ونامقصود، اور نص اس کے مباین پر مقصور ومحدود۔

عہ **اقول:** ظاہر ہے کہ احتمال اشتراک مسئلہ مجمع میں قائل جمع کو اصلاً نافع نہیں جمع تقدیم سے تو اُسے مس ہی نہیں اور جمع تاخیر بھی اس کے قائل کے نزدیک صرف آغاز وابتدائے وقت آخر بقدر چار رکعت سے مخصوص نہیں معہذا جب وقت مشترک ٹھہرا پہلی نماز بھی اپنے وقت پر ہُوئی اور اس کے بعد دُوسری بھی اپنے وقت میں، یہ جمع صوری ہے نہ حقیقی کہ ایک نماز اپنے وقت سے خارج ہو کر دُوسری کے وقت میں پڑھی جائے کما لایخفی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف۱ معیار الحق مسئلہ پنجم جمع بین الصلاتین ص ۴۱۷، ف۲ معیار الحق ص ۴۱۷، ف۲ معیار الحق ص ۴۱۷

رابعًا : قیامت دلربا نزاکت تو یہ کی کہ فرماتے [ف۱] ہیں اگر ظرف کو دخل ہو تو کہا جائے گا کہ یہ قول آنحضرت [عہ] نے وقت نماز فجر کے اور فوت ہوجانے نماز فجر کے نیند میں فرمایا تھا پس حکم سفر فجر ہی کا بیان کیا جس کا جمع کرنا کسی نماز سے ممکن نہ تھا نہ ظہر وعصر مغرب عشا سفر کی کا۔

اقول: بھئی یہ تو خوب ہی کیا، ہاں مُلّاجی ! حدیث میں کا ہے کا ارشاد ہورہا ہے فجر سفر کی کا نہ اور نمازوں سفر کی کا یعنی صبح کی نماز میں تقصیر اُس وقت ہوگی کہ تُو اُسے نہ پڑھے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آجائے بہت معقول سورج نکلے پہر دن چڑھے ٹھیک دوپہر ہو جب تک نمازِ فجر اُٹھا رکھئے کچھ تقصیر نہیں جب ظہر کا وقت آئے اس وقت تقصیر ہوگی **انّا اللہ وانّا الیہ راجعون** o مُلّاجی ! دِلّی میں تو اچھّے اچھے حکیم سُنے گئے ہیں، لکھنے چلے تھے تو پہلے دماغ کی نبض دکھالی ہوتی، نمازیں پانچ ہیں اُن میں چار متوالی الاوقات اور فجر جُدا سب کا حکم بیان کیجئے تو بطور تغلیب یہ کلمہ صحیح جیسا کہ حدیث ۳۱ و ۳۲ میں اقوالِ حضرت ابوہریرہ وابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے گزرا کہ خاص فجر کا حکم ان لفظوں سے ارشاد ہو کہ جب تک ظہر نہ آئے فجر نہ پڑھنے میں تقصیر نہیں۔

خامسا: اقول مُلّاجی ! اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا تو اخراج ظہر وعصر ومغرب وعشا کے کیا معنے، یہ کیا ستم جہالت ہے کہ آپ کا خصم اطلاق نص وشمول مورد سے تمسک کرے آپ جواب میں اقتصار علی المورد پیش کردیں یا وہ بے نمکی کہ دخول مورد سے راسًا انکار یا یہ شورا شوری کہ اُسی پر انقطاع اُسی میں انحصار غرض سیدھا چلنا ہر طرح ناگوار۔

سادسًا: اب اور آنکھیں کُھلیں تو علاوہ کی پوٹ باندھی [ف۲] کہ مسافر جمع کرنے والے کو ضرور ہے کہ ارادہ جمع کا پہلی نماز کے وقت کے اندر اندر کرر کھے جس نے ارادہ نہ کیا اُس کی جمع درست نہ ہوگی پس اگر مسافر کو بھی شامل کرو تو ایسا مسافر مورد و محمل حدیث کا ہوگا۔

اقول: یہ ایسا ویسا تم کہہ رہے ہو یا حدیث ارشاد فرمارہی ہے حدیث میں تو ایسے ویسے کی کہیں بُو بھی نہیں کہا اپنی ہوائے نفس پر احادیث کا ڈھال لانا ہی عمل بالحدیث ہے۔

سابعًا اقول: خود مسافر کو شامل کہہ رہے ہو نہ مسافر سے خاص تو لاجرم حدیث وہ حکم فرمارہی ہے جو مسافر ومقیم سب کو شامل کیا بھلا چنگا مقیم بھی اگر وقت کے اندر اندر نیت رکھے کہ یہ نماز وقت گزر جانے کے بعد پڑھ لوں گا تو تقصیر نہیں کھلا کھلا رافضیوں کا مذہب کیوں نہیں لکھ دیتے اور بعد خرابی بصرہ نہیں بلکہ تباہی کوفہ اگر حاصل ٹھہرے گا تو وہی کہ حدیث احادیث جمع سے مخصوص یہ شامت امام سے وہی آپ کا عذر معمولی جابجا ہے پھر اُسے

عـہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

ف۱ معیار الحق ص ۴۱۷، ف۲ معیار الحق ص ـ ۴۱۷

علاوہ کس منہ سے کہہ رہے ہو، مُلّاجی! کبھی کسی کرّے سے پالا نہ پڑا ہوگا کہ عمل بالحدیث کا دعوی بھُلا دیتا، سبحٰن اللہ تحریف احادیث اور اُس کا نام عمل بالحدیث اسمٌ طیب و عملٌ خبیث، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

قسم دوم نصوص عامه

حدیث ۳۳: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی ومصنّف طحاوی میں بطرق عدیدہ والفاظ مجملہ ومفصلہ مختصرہ ومطولہ مروی وھذا لفظ البخاری حدثنا عمر بن حفص بن غیاث ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا الاصلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا [1] ولمسلم حدثنا یحیی بن یحیی وابوبکر بن ابی شیبۃ وابوکریب جمیعا عن ابی معویۃ قال یحیٰی اخبرنا ابومعویۃ عن الاعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ الالمیقاتھا الاصلاتین صلاۃ المغرب والعشاء بجمع وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا [2] **وحدثناہ** عثمٰن بن ابی شیبۃ واسحٰق بن ابرھیم جمیعا عن جریر عن الاعمش بھذا الاسناد قال قبل وقتھا بغلس [3] (یعنی حضرتِ حاضر سفر وحضر ومصاحب وملازم جلوت وخلوتِ سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سابقین اوّلین فی الاسلام وملازمین خاص حضور سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے تھے بوجہ کمال قرب بارگاہ اہلبیت عــہ رسالت

عــہ بخاری مسلم ترمذی نسائی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

قال قدمت انا واخی من الیمن فمکثنا حینا مانری الا ان عبداللہ بن مسعود رجل من اھلبیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما نری من دخولہ ودخول امّہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [4]۔(م)

فرمایا: میں اور میرے بھائی یمن سے آئے تو مدت تک ہم سمجھا کئے کہ عبداللہ بن مسعود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت سے ہیں اُنہیں اور اُن کی ماں کو جو بکثرت کاشانہ رسالت میں آتے جاتے دیکھتے تھے۔ ۱۲منہ

---

[1] صحیح بخاری باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ ۱/۲۲۸

[2] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۴۱۷

[3] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس بصلوٰۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۴۱۷

[4] صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

سے سمجھے جاتے اور سفر وحضر میں خدمت عـــہ والا منزلت منزلت بستر گستری ومسواک ومطہرہ داری وکفش برداری محبوب باری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معزز وممتاز رہتے، ارشاد فرماتے ہیں میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کوئی نماز اُس کے غیر وقت میں پڑھی ہو مگر دو۲ نمازیں کہ ایک اُن میں سے نماز مغرب ہے جسے مزدلفہ میں عشاء کے وقت پڑھا تھا اور وہاں فجر بھی روز کے معمولی وقت سے پیشتر تاریکی میں پڑھی)

حدیث ۳۴: سنن ابی داؤد میں ہے: **حدثنا قتیبۃ ناعبداللہ بن نافع عن ابی مودود عن سلیمن بن ابی یحیٰیعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہا قال ما جمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین المغرب والعشاء قط فی السفر الا مرۃ**[1] (یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی سفر میں مغرب وعشاء ملا کر نہ پڑھی سوا ایک بار کے) ظاہر ہے کہ وہ بار وہی سفر حجۃ الوداع ہے کہ شب نہم ذی الحجہ مزدلفہ میں جمع فرمائی جس پر سب کا اتفاق ہے۔

اقول: اس حدیث کی سند حسن جید ہے، قتیبہ تو قتیبہ ہیں ثقہ ثبت رجال ستّہ سے، اور عبداللہ بن نافع ثقہ صحیح الکتاب رجال صحیح مسلم سے اور سلیمٰن بن ابی یحیٰی **لاباس بہ** (اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ت) ابن حبان نے اُنہیں ثقات تابعین میں ذکر کیا، رہے ابو مودود وہ عبدالعزیز بن ابی سلیمن مدنی ہذلی مقبول ہیں کما فی

عـــہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت علقمہ سے مروی مَیں ملک شام میں گیا دو۲ رکعت پڑھ کر دعا مانگی: الٰہی! مجھے کوئی نیک ہم نشین میسر فرما۔ پھر ایک قوم کی طرف گیا اُن کے پاس بیٹھا تو ایک شیخ تشریف لائے میرے برابر آکر بیٹھ گئے میں نے پُوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ میں نے کہا میں نے اللہ عزوجل سے دُعا کی تھی کہ کوئی نیک ہم نشین مجھے میسر کرے، اللہ تعالٰی نے آپ ملادیئے۔ فرمایا: تم کون ہو؟ میں نے کہا اہلِ کوفہ سے۔ فرمایا:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادۃ والمطہرۃ[2]۔	کیا تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود نہیں وہ نعلین ومسند خواب وظروف وضو وطہارت والے۔

یعنی جن کے متعلق یہ خدمتیں تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مجلس میں تشریف فرما ہوں نعلین اُٹھا کر رکھیں اُٹھتے وقت سامنے حاضر کریں سوتے وقت بچھونا بچھائیں اوقاتِ نماز پر پانی حاضر لائیں ظاہر ہے کہ انہیں خلوت وجلوت ہر حالت میں کیسی ملازمت دائمی کی دولت عطا فرمائی پھر ان کے علم کے بعد کسی کی کیا حاجت ہے **قالہ القاضی کما نقلہ فی المرقاۃ** ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب الجمع بین الصلاتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۷۱

[2] صحیح بخاری مناقب عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

التقریب۔ حافظ الشان نے تہذیب التنذیب میں فرمایا: سلیمٰن بن ابی یحیٰی حجازی روی عن ابی ھریرۃ وابن عمر، وعنہ ابن عجلان وداؤد بن قیس وابومودود عبدالعزیز بن ابی سلیمٰن، قال ابوحاتم، مابحدیثہ باس، وذکرہ ابن حبان فی الثقات، روی لہ ابوداود حدیثا واحدا فی الجمع بین المغرب والعشاء[1]۔

ثمّ اقول: بعد نظافت سند مثل حدیث کا بروایت ایوب عن نافع عن ابن عمر بلفظ لم یر ابن عمر جمع بینھما قط الاتلك اللیلۃ (ابن عمر کو نہیں دیکھا کہ دو ۲ نمازوں کو جمع کیا ہو سوائے اس رات کے۔ت) مروی ہونا کچھ مضر نہیں اگر یہاں نافع فعل ابن عمر اور وہاں ابن عمر فعل سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت کریں کیا منافات ہے خصوصًا یروی عن ایوب معضل ہے اور معضل ملّاجی کے نزدیک محض مردود و مہمل اور وہ بھی بصیغہ مجہول کو غالبًا مشیر ضعف ہے تو ایسی تعلیق حدیث سند متصل کے کب معارض ہو سکتی ہے۔

حدیث ۳۵: مؤطائے امام محمد میں ہے: قال محمد بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کتب فی الاٰفاق ینا ھھم ان یجمعوا بین الصلاۃ واخبرھم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر اخبرنا بذلك الثقات عن العلاء بن الحارث عن مکحول[2]۔ (یعنی امیر المؤمنین امام العادلین ناطق بالحق والصواب عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان واجب الاذعان نافذ فرمائے کہ کوئی شخص دو ۲ نمازیں جمع نہ کرنے پائے اور اُن میں ارشاد فرمادیا کہ ایک وقت میں دو ۲ نمازیں ملانا گناہِ کبیرہ ہے)

الحمد للہ امام عادل فاروق الحق والباطل نے حق واضح فرمادیا اور اُن کے فرمانوں پر کہیں سے انکار نہ آنے نے گویا مسئلے کو درجہ اجماع تک مترقی کیا۔

اقول: یہ حدیث بھی ہمارے اصول پر حسن جید حجّت ہے علاء بن الحارث تابعی صدوق فقیہ رجال صحیح مسلم و سنن اربعہ سے ہیں۔

واختلاطہ لایضر عندنا مالم یثبت الاخذ بعدہ فقد ذکر المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر کتاب الصلاۃ باب الشھید	علاء کا مختلط ہونا ہمارے نزدیک مضر نہیں ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ روایت اس سے اختلاط سے بعد لی گئی ہے۔ کیونکہ شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر کی

[1] تہذیب التنذیب راوی ۳۷۹ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ۲۲۸/۴)

[2] مؤطا امام احمد باب الجمع بین اصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۳۲

حدیث احمد ثنا عفان بن مسلم ثنا حماد بن سلمة ثنا عطاء بن السائب ومعلوم ان عطاء بن السائب ممن اختلط فقال ارجوان حماد بن سلمة ممن اخذ منه قبل التغیر ثم ذکر الدلیل علیه ثم قال وعلی الابهام لاینزل علی الحسن[1]۔(ملخصًا)	کتاب الصلٰوۃ باب الشہید میں احمد کی روایت ذکر کی ہے جس کا ایک راوی عطاء ابن سائب ہے۔اور عطاء ابن سائب کا مختلط ہونا سب کو معلوم ہے، مگر ابن ہمام نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ حماد بن سلمہ نے یہ روایت عطاء کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے اس سے اخذ کی ہوگی۔ پھر اس کی دلیل بیان کی اور کہا کہ اگر ابہام پایا بھی جائے تو حسن کے درجے سے کم نہیں ہے۔(ت)

اور امام مکحول ثقہ فقیہ حافظ جلیل القدر بھی رجال مسلم واربعہ سے ہیں۔

والمرسل حجة عندنا وعند الجمهور اما ابهام شیوخ محمد فتوثیق المبهم مقبول عندنا کمافی المسلم وغیرہ لاسیما من مثل الامام محمد ومع قطع النظر عنه فلقائل ان یقول قدانجبر بالتعدد فی فتح المغیث فی ذکر الملقوب رونیاها فی مشایخ البخاری لابی احمد بن عدی قال سمعت عدة مشایخ یحکون وذکرها ومن طریق ابن عدی رواها الخطیب فی تاریخه وغیرہ ولایضر جهالة شیوخ ابن عدی فیها فانهم عدد ینجبر به جهالتهم[2]۔	مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔رہا محمد کے اساتذہ کا مبہم ہونا، تو مبہم کی توثیق ہمارے نزدیک مقبول ہے، جیسا کہ مسلم وغیرہ میں ہے، خصوصًا جب توثیق کرنے والی امام محمد جیسی ہستی ہو، اور اس سے قطع نظریہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ متعدد اسنادوں سے مروی ہونے کی وجہ سے اس کی یہ خامی دور ہوگئی ہے۔فتح المغیث میں مقلوب کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "مشائخ البخاری" میں احمد ابن عدی سے مروی ہے کہ میں نے متعدد مشائخ کو یہ حدیث بیان کرتے سنا ہے۔ابن عدی ہی کے واسطے سے یہ بات خطیب نے بھی اپنی تاریخ میں ذکر کی ہے اور دیگر علماء نے بھی۔اور ابن عدی کے اساتذہ کا مبہم ہونا مضر نہیں ہے کیونکہ ان کی تعداد اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے وہ مجہول نہیں رہتے۔(ت)

حدیث ۳۶: امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ آثار ماثورہ کتاب الحجج عیسٰی بن ابان میں روایت فرماتے ہیں: **اخبرنا اسمٰعیل بن ابرھیم البصری عن خالد الحذاء عن حمید بن ھلال عن ابی قتادة**

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الشہید مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۰۴

[2] فتح المغیث المقلوب دارالامام الطبری مطبوعہ بیروت ۱/۳۲۱

العدوی قال سمعت قراءۃ کتاب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ثلث من الکبائر الجمع بین الصلاتین والفرار من الزحف والنھبۃ[1] (یعنی حضرت ابوقتادہ عدوی کہ اجلہ اکابر وثقات تابعین سے ہیں بلکہ بعض نے اُنہیں صحابہ میں گنا، فرماتے ہیں میں نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شقہ وفرمان سنا کہ تین ۳ باتیں کبیرہ گناہوں سے ہیں: دو۲ نمازیں جمع کرنا اور جہاد میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا اور کسی کا مال لُوٹ لینا)

اقول: یہ حدیث اعلٰی درجہ کی صحیح ہے اس کے سب رجال اسمٰعیل بن ابراہیم ابن علیہ سے آخر تک ائمہ ثقات عدول رجال صحیح مسلم سے ہیں وللہ الحمد۔

لطیفہ: حدیث مؤطا کے جواب میں تو ملّاجی کو وہی اُن کا عذر معمولی عارض ہوا کہ منع کرنا عمر کا حالت اقامت میں بلاعذر تھا۔

اقول: اگر ہر جگہ ایسی ہی تخصیص تراش لینے کا دروازہ کھُلے تو تمام احکام شرعیہ سے بے قیدوں کو سہل چھٹی ملے جہاں چاہیں کہہ دیں یہ حکم خاص فلاں لوگوں کے لئے ہے، حدیث صحیحین کو تین طرح رد کرنا چاہا:

اوّل: انکار جمع اس سے بطور مفہوم نکلتا ہے اور حنفیہ قائل مفہوم نہیں، اس جواب کی حکایت خود اُس کے رَد میں کفایت ہے اُس سے اگر بطور مفہوم نکلتی ہے تو مزدلفہ کی جمع کہ مابعد الا ہمارے نزدیک مسکوت عنہ ہے انکار جمع تو اس کا صریح منطوق ومدلول مطابقی ومنصوص عبارۃ النص ہے۔

اقول: اولا اُس کی نسبت اگر بعض اجلہ شافعیہ کے قلم سے براہ بشریت لفظ مفہوم نکل گیا مُلّاجی مدعی اجتہاد وحُرمت تقلید ابوحنیفہ وشافعی کو کیا لائق تھا کہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم رَد کرنے کیلئے ایسی بدیہی غلطی میں ایک متأخر مقلد کی تقلید جامد کرتے شاید ردِ احادیث صحیحہ میں یہ شرک صریح جائز وصحیح ہوگا اب نہ اُس میں شائبہ نصرانیت ہے نہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[2] (انھوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنالیا۔ت) کی آفت كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝[3] (اللہ کے نزدیک بڑا جُرم ہے کہ تم اس کام کا کہو جو خود نہیں کرتے۔ت)

ثانیا: بفرض غلط مفہوم ہی سہی اب یہ نامسلّم کہ حنفیہ اس کے قائل نہیں صرف عبارات شارع غیر متعلقہ

---

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۵

[2] القرآن ۹/۳۱

[3] القرآن ۶۱/۳

بعقوبات میں اس کی نفی کرتے ہیں کلام صحابہ و من بعدہم من العلماء میں مفہوم مخالف بے خلاف مرعی و معتبر کما نص علیہ فی تحریر الاصول والنہر الفائق والدرالمختار وغیرہا من الاسفار قد ذکرنا نصوصہا فی رسالتنا القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ ۱۳۔

دوم: ایک رام پوری ملّا سے نقل کیا کہ ابنِ مسعود سے مسند ابی یعلی میں یہ روایت بھی ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یجمع بین الصلاتین فی السفر [1] (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر میں دو نمازیں جمع کرتے تھے۔ت) تو موجہ ہے کہ حدیث صحیحین کو حالت نزول منزل اور روایت ابی یعلی کو حالت سیر پر حمل کریں یہ مذہب امام مالک کی طرف عود کر جائے گا۔

اوّلاً ملّاجی خود ہی اسی بحث میں کہہ چکے [ف۱] ہو کہ شاہ صاحب نے مسند ابی یعلی کو طبقہ ثالثہ میں جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح حسن غریب معروف شاذ منکر مقلوب موجود ہیں ٹھہرایا ہے، پھر خود ہی اس طبقے کی کتاب کو کہا [ف۲] اس کتاب کی حدیث بدون تصحیح کسی محدّث کے یا پیش کرنے سند کے کیونکر تسلیم کی جاوے یہ کتاب اُس طبقے کی ہے جس میں سب اقسام کی حدیثیں صحیح اور سقیم مختلط ہیں یہ کیا دھرم ہے کہ اوروں پر منہ آؤ اور اپنے لیے ایک رام پوری ملّا کی تقلید سے حلال بتاؤ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ [2]۔

ثانیاً اقول: مُلّاجی! کسی ذی علم سے التجا کرو تو وہ تمہیں صریح و مجمل و متعین و محتمل کا فرق سکھائے حدیث صحیحین انکار جمع حقیقی میں نص صریح ہے اور روایت ابویعلٰی حقیقی جمع کا اصلاً پتا نہیں دیتی بلکہ احادیث جمع صوری میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثیں صاف صاف جمع صوری بتارہی ہیں تمہاری ذی ہوشی کہ نص و محتمل کو لڑا کر اختلاف محامل سے راہِ توفیق ڈھونڈتے ہو۔

لطیفہ: اقول مُلّاجی کا اضطراب قابلِ تماشا ہے کہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہیں راوی جمع ٹھہرا کر عدد رواۃ پندرہ بتاتے ہیں کہیں نافی سمجھ کر چودہ صدر کلام میں جہاں راویان جمع گنائے صاف صاف کہا ابن مسعود فی احدی الروایتین اب رامپوری ملّا کی تقلید سے وہ احدی الروایتین بھی گئی ابنِ مسعود خاصے مبثتان جمع میں ٹھہر گئے۔

سوم: جسے مُلّاجی بہت ہی علق نفیس سمجھے ہُوئے ہیں اُن دو کو عربی میں بولے تھے یہاں چمک چمک کر اردو میں چہک رہے [ف۳] ہیں کہ اگر کہو جس جمع کو ابن مسعود نے نہیں دیکھا وہ درست نہیں تو تم پر یہ پہاڑ مصیبت کا ٹوٹے گا

---

[1] مسند ابویعلی مسند ابن مسعود حدیث ۵۳۹۱ مطبوعہ علوم القرآن بیروت ۵/۱۸۱

[2] القرآن ۹/۳۱

ف۱ معیار الحق ص ۳۹۷ ف۲ معیار الحق ص ۴۰۰ ف۳ معیار الحق ص

کہ جمع بین الظہر اور عصر کو عرفات میں کیوں درست کہتے ہو باوجودیکہ اس قول ابن مسعود کے سے تو نفی جمع فی العرفات کی بھی مفہوم ہوتی ہے پس جو تم جواب رکھتے ہو اُسی کو ہماری طرف سے سمجھو یعنی اگر کہو نہ ذکر کرنا ابنِ مسعود کا جمع فی العرفات کو بنا بر شہرت عرفات کے تھا تو ہم کہیں گے کہ جمع فی السفر بھی قرن صحابہ میں مشہور تھی کیونکہ چودہ صحابی سوا ابن مسعود کے اُس کے ناقل ہیں تو اسی واسطے ابنِ مسعود نے اس کا استثنا نہ کیا اور اب محمل نفی کا جمع بلاعذر ہوگی اور اگر کہو کہ جمع فی العرفات بالمقائسہ معلوم ہوتی ہے تو ہم کو کون مانع ہے مقائسہ سے وعلیٰ ہذا القیاس جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا ہے۔ اس جواب کو مُلّا جی نے گُلِ سر سَبد بنا کر سب سے اوّل ذکر کیا اُن دو کی تو امام نووی و سلام اللہ رامپوری کی طرف نسبت کی مگر اسے بہت پسند کرکے بلا نقل و نسبت اپنے نامہ اعمال میں ثبت رکھا حالانکہ یہ بھی کلام امام نووی میں مذکور اور فتح الباری وغیرہ میں ماثور تھا شہرت جمع عرفات سے جو جواب امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام وغیرہ علمائے اعلام حنفیّہ کرام نے افادہ فرمایا اُس کا نفیس و جلیل مطلب مُلّا جی کی فہم تنگ میں اصلًا نہ دھنسا اجتہاد کے نشہ میں ادعائے باطل شہرت جمع سفر کا آوازہ کسا، اب فقیر غفرلہ المولی القدیر سے تحقیق حق سُنئے **فاقول** وبحول ربی اصول **اوّلًا** مُلّا جی جواب علماء کا یہ مطلب سمجھے کہ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھیں تو تین نمازیں غیر وقت میں مگر دو ۲ ذکر کیں مغرب و صبح مزدلفہ اور تیسری یعنی عصر عرفہ کو بوجہ شہرت ذکر نہ فرمایا جس پر آپ نے یہ کہنے کی گنجائش سمجھی کہ یونہی جمع سفر بھی بوجہ شہرت ترک کی اس ادعائے باطل کا لفافہ تو بحمد اللہ تعالٰی اوپر کُھل چکا کہ شہرت درکنار نفس ثبوت کے لالے پڑے ہیں حضرت نے چودہ ۱۴ صحابہ کرام کا نام لیا پھر آپ ہی دس ۱۰ سے دست بردار ہوئے چار ۴ باقی ماندہ میں دو ۲ کی روایتیں نِری بے علاقہ اُتر گئیں، رہے دو ۲، وہاں بعونہ تعالٰی وہ قاہر باہر جواب پائے کہ جی ہی جانتا ہوگا، اگر بالفرض دو ۲ سے ثبوت ہو بھی جاتا تو کیا صرف دو کی روایت قرنِ صحابہ میں شہرت ہے، مگر یہاں تو کلامِ علماء کا وہ مطلب ہی نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صرف انہیں دو ۲ نمازوں عصر عرفہ و مغرب مزدلفہ کا غیر وقت میں پڑھنا ثابت، انہیں دو ۲ کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیکھا انہیں دونوں کو صلاتین کہہ کر یہاں شمار فرمایا اگرچہ تفصیل میں بوجہ شہرت عامہ تامہ ایک کا نام لیا صرف ذکر مغرب پر اقتصار فرمایا ایسا اکتفا کلام صحیح میں شائع، قال عزوجل: وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ [1] (اور تمہارے لیے لباس بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ت) خود انہیں نمازوں کے بارے میں امام سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارشاد دیکھئے کہ پوچھا گیا کیا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں کوئی نماز جمع کرتے تھے؟ فرمایا: **لا الا بجمع** (نہ مگر مزدلفہ میں) **کما قدمنا**

---

[1] القرآن ۱۶/۸۱

عن سنن النسائی۔ ملّاجی! یہاں بھی کہہ دیجیو کہ جمع سفر کو شہرۃً چھوڑ دیا ہے، اور سُنیے امام ترمذی اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

العمل علی ھذا عند اھل العلم ان لایجمع بین الصلاتین الا فی السفر او بعرفۃ[1]۔	اہل علم کے ہاں عمل اسی پر ہے کہ بغیر سفر کے اور یومِ عرفہ کے دو۲ نمازیں جمع نہ کرے۔(ت)

ترمذی نے صرف نماز عرفہ کا استثناء کیا نماز مزدلفہ کو چھوڑ دیا تو ہے یہ کہ دونوں جمعیں متلازم ہیں اور ایک کا ذکر دُوسری کا یقینا مذکّر خصوصًا نمازِ عرفہ کہ اظہر واشہر تو مزدلفہ کا ذکر دونوں کا ذکر ہے غرض ان صلاتین کی دوسری نمازِ ظہر عرفہ ہے نہ فجر نحر وہ مسئلہ جُداگانہ کا افادہ ہے کہ دو۲ نمازیں تو غیر وقت میں پڑھیں اور فجر وقت معمول سے پیشتر تاریکی میں اور بلاشُبہہ اجماعِ اُمّت ہے کہ فجر حقیقۃً وقت سے پہلے نہ تھی نہ ہرگز کہیں کبھی اس کا جواز، اور خود اسی حدیث ابو مسعود کے لفظ مسلم کے یہاں بروایت جریر عن الاعمش قال قبل وقتھا بغلس[2] اُس پر شاہد، اگر رات میں پڑھی جاتی ذکر غلس کے کیا معنی تھے صحیح بخاری میں تو تصریح صریح ہے کہ فجر بعد طلوع فجر پڑھی۔

اذقال حدثنا عبداللّٰہ بن رجاء ثنا اسرائیل عن ابی اسحٰق عن عبدالرحمٰن بن یزید قال خرجنا مع عبداللّٰہ الی مکۃ ثم قدمنا جمعا (وفیہ) ثم صلی الفجر حین طلع الفجر الحدیث[3] وقال حدثنا عمروبن خالد ثنا زھیر ثنا ابواسحٰق سمعت عبدالرحمٰن بن یزید یقول حج عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فاتینا المزدلفۃ (وفیہ) فلما طلع الفجر قال ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایصلی ھذہ الساعۃ الاھذہ الصلاۃ فی ھذا المکان من ھذا الیوم الحدیث[4]۔	کہا، حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ ابن رجاء نے اسرائیل سے، اس نے ابواسحٰق سے، اس نے عبدالرحمٰن سے کہ ہم عبداللہ کے ساتھ مکّہ آئے، پھر مزدلفہ آئے۔ اس روایت میں ہے کہ پھر فجر پڑھی جب فجر طلوع ہُوئی، الحدیث۔ اور کہا، حدیث بیان کی عمر بن خالد نے زہیر سے، اس نے ابواسحاق سے کہ میں نے عبدالرحمٰن ابن یزید سے سُنا ہے کہ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حج کیا تو ہم مزدلفہ کو آئے۔ اس میں ہے جب فجر طلوع ہُوئی تو کہا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت میں کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے مگر یہ نماز، اسی جگہ، اِسی دن، الحدیث۔(ت)

[1] جامع ترمذی ابواب الصلوٰہ باب ماجاء فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ رشیدیہ دہلی ۲۶/۱
[2] صحیح مسلم استحباب زیادۃ التغلیس الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۱۷/۱
[3] بخاری شریف کتاب المناسک باب متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ قدیمی اصح المطابع کراچی ۲۲۸/۱
[4] بخاری شریف باب من اذن واقام لکل واحدۃ منہما مطبوعہ قدیمی اصح المطابع کراچی ۲۲۷/۱

اور یہ بھی اجماع موافق ومخالف ہے کہ عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ حقیقۃً غیر وقت میں پڑھیں تو فجر نحر ومغرب مزدلفہ کا حکم یقینا مختلف ہے ہاں عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ متحد الحکم اور غیر وقت میں پڑھنے کے حقیقی معنی انہیں کے ساتھ خاص اور جب تک حقیقت بنتی ہو مجاز کی طرف عدول جائز نہیں نہ جمع بین الحقیقۃ والمجاز ممکن خصوصًا ملّاجی کے نزدیک توجب تک مانع قطعی موجود نہ ہو ظاہر پر حمل واجب اور شک نہیں کہ بے وقت پڑھنے سے ظاہر ومتبادر وہی معنی ہیں جو اُن عصر ومغرب میں حاصل نہ وہ کہ فجر میں واقع تو واجب ہوا کہ جملہ صلّی الفجر اُن صلاتین کا بیان نہ ہو بلکہ یہ جملہ مستقلہ ہے اور صلاتین سے وہی عصر ومغرب مراد تو اُن میں اصلًا کسی کا ذکر ہر گز متروک نہیں، ہاں تفصیل میں پتے کیلئے ایک ہی کا نام لیا بوجہ کمال اشتہار دوسری کا ذکر مطوی کیا بحمداللہ یہ معنی ہیں جواب علماء کے جس سے ملّاجی کی فہم بمیس اور ناحق آنچہ انسان میکند کی ہوس، مُلّاجی! اب اُس برابری کے بڑے بول کی خبریں کہئے کہ جو جواب تمہارا ہے وہی ہمارا سمجھئے خدا کی شان۔

او گمان بردہ کہ من کردم چو او

فرق راکے بیند آں استیزہ جو

فائدہ: یہ معنی نفیس فیض فتاح علیم جل مجدہ سے قلبِ فقیر پر القاء ہوئے پھر ارکانِ اربعہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرّہ مطالعہ میں آئی دیکھا تو بعینہٖ یہی معنی افادہ فرمائے ہیں والحمدللہ علی حسن التفہیم ارشاد فرماتے ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ:

وایضا، خبرالجمع انما نقلوا فی غزوۃ تبوک، وکان فی تلک الغزوۃ الاف من الرجال، و کان کل صلوا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ولم یخبر منھم الاواحد اواثنان، ولم یشتھر، ولم یروغیرہ، بل بعض الحاضرین انکروا ذلک، حتی قال ابن مسعود: مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا؛ الاصلی صلوٰتین جمع بین المغرب والعشاء بجمع، وصلی الفجر یومئذ قبل میقاتھا، رواہ الشیخان	نیز دو نمازوں کو جمع کرنے کی خبر صرف غزوہ تبوک میں منقول ہے اور اس غزوے میں ہزاروں لوگ شامل تھے اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے نمازیں پڑھیں تھیں، مگر ایک یا دو کے علاوہ کسی نے جمع کرنے کا ذکر نہیں کیا، نہ یہ بات مشہور ہُوئی، اس روایت کے علاوہ جمع کی کوئی روایت نہیں آئی ہے، بلکہ بعض حاضرین تبوک نے اس جمع سے صاف انکار کیا ہے، حتی کہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن ام عبد (یعنی ابن مسعود) کی باتوں سے تمسک کیا کرو

وابوداود والنسائی، فنفی ابن مسعود، الذی قال فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم: تمسکوا بعهد ابن اُمّ عبد، تقدیم صلاۃ عن الوقت وتاخیرها، واخبر بانه لم یقع الافی صلاتین، بین احدهما، وهو المغرب بجمع اخرها الٰی وقت العشاء، ولم یبین الاخر، وهو العصر یوم عرفة، بتقدیمه فی وقت الظهر، لشهرته، و لیعلم بالمقایسة، واخبر خبرا اٰخر، وهو تقدیم الفجر عن الوقت المسنون المعتاد عنده صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔ واذا کان حال خبر الجمع ماذکرنا وجب رده اوتاویله[1]۔	نے فرمایا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی نماز بغیر وقت کے پڑھی ہو مگر دو[2] نمازیں، مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو جمع کیا اور اس دن فجر کی نماز اپنے وقت سے پہلے پڑھی۔ بحوالہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اس طرح ابن مسعود نے نماز کی اپنے وقت سے تقدیم وتاخیر کی نفی کردی ہے اور بتادیا ہے کہ ایسا صرف دو[2] نمازوں میں ہُوا تھا، جن میں سے ایک نماز کا تو انہوں نے ذکر کردیا، یعنی مزدلفہ کی مغرب، کہ اس کو عشاء تک مؤخر کیا تھا، مگر دوسری نماز کا ذکر نہیں کیا، یعنی عرفہ کی عصر کا، کہ اس کے ظہر کے وقت میں مقدم کرکے پڑھا تھا، عدمِ ذکر کی وجہ، اس کا مشہور ہونا ہے، نیز یہ بات قیاس سے بھی معلوم ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس کی بجائے انہوں نے دوسرا واقعہ بیان کردیا کہ فجر کو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسنون اور اپنے معتاد وقت سے پہلے پڑھا، توجب جمع کی روایت کا حال یہ ہے جو ہم نے ذکر کیا، توضروری ہے کہ یا تو اس کو رَد کردیا جائے یا کوئی تاویل کی جائے۔ (ت)

اور اس کے مطالعہ سے بحمداللہ تعالٰی ایک اور توارد حسن معلوم ہوا فقیر غفرلہ نے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے پہلے جواب میں غروب شفق کو قرب غروب پر حمل اور اس محتمل کو اُن نصوص صریحہ مفسرہ کی طرف رد کیا اور قصہ مرویہ ابن عمر کو واحد بتایا تھا بعینہٖ یہی مسلک ملک العلماء نے اختیار فرمایا، فرماتے ہیں:

بل المراد بغروب الشفق، قرب غروبه، لان القصة واحدة، وماذکرنا من قبل مفسرلا یقبل التاویل، فیاوّل بقرب غروب الشفق، اویقال: هذا من وهم بعض الرواة، واماماذکرنا اولا، فهو مطابق	غروبِ شفق سے مراد غروب کے قریب ہونا ہے کیونکہ قصّہ ایک ہی ہے اور ہم نے پہلے جو روایت بیان کی ہے وہ مفسّر ہے، تاویل کا احتمال نہیں رکھتی، اس لئے یا تو غروب شفق کی، قربِ غروب سے تاویل کرنی پڑے گی، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اور پہلے

[1] ارکان اربعہ لبحر العلوم تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۶

للامر المتقرر فی الشرع من تعیین الاوقات [1]۔	جو ہم نے روایت ذکر کی ہے، وہ شرع میں جو کچھ مقرر ہوچکا ہے یعنی تعیین اوقات، اس کے مطابق ہے۔(ت)

بحمداللہ تعالٰی تیسرا اتوار داور واضح ہوا حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ میں کلامِ فقیر یاد کیجئے کہ اس روایت میں اسی طرح مقال واقع ہوئی مگر فقیر کہتا ہے اس کا کون سا حرف جمع حقیقی میں نص ہے الخ بعینہٖ یہی طریقہ مع شی زائد مولانا بحر قدس سرہ، چلے بعد عبارت مذکور فرماتے ہیں:

اما جمع التقدیم فلم یرو الا فی الروایات الشاذۃ لا اعتداد بھا عند سطوع شمس القاطع ثم لیس فی روایۃ ابی داود عن معاذ مایدل علی تقدیم العصر عن وقتھا، وانما فیہ، اذازاغت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین الظھر والعصر، ویجوز انیکون الجمع بان یؤخر الظھر الٰی اٰخر وقتھا ویعجل العصر اول وقتھا۔او ان المراد بالجمع، الجمع فی نزول واحد، وانکانتا ادیتا فی وقتیھا فافھم۔ھکذا ینبغی ان یفھم المقام [2]۔	رہی جمع تقدیم، تو اس کا ذکر صرف شاذ روایات میں ہے اور قطعی دلیل کا سورج طلوع ہونے کے بعد ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ پھر ابوداود کی روایت میں ایسا لفظ ہے بھی نہیں جو عصر کی اپنے وقت سے تقدیم پر دلالت کرتا ہو۔ اس میں تو صرف اتنا ہے کہ اگر روانگی سے پہلے سُورج ڈھل جاتا تھا تو ظہر وعصر کو جمع کرلیتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ جمع اسی طرح کرتے ہوں کہ ظہر کو آخر وقت تک مؤخر کردیتے ہوں اور عصر اوّل وقت میں پڑھ لیتے ہوں۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ جمع سے مراد یہ ہے کہ دونوں کو پڑھنے کیلئے ایک ہی مرتبہ اُترتے تھے، اگرچہ ادا اپنے اپنے وقت میں کرتے تھے۔ اس کو سمجھو۔ اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہیے۔(ت)

اور واقعی بحمداللہ تعالٰی یہ تینوں مطالب عالیہ وہ جواہر غالیہ ہیں جن کی قدر اہلِ انصاف ہی جانیں گے علامہ بحر قدس سرہ، سا فاضل جامع اجل واغر دقیق النظر اگر ایک بیان مسلسل مجمل مختصر میں اُنہیں افادہ فرماجائے ان کی شان تدقیق سے کیا مستبعد پھر بھی ایک رنگ افتخار اُن کے کلام سے مترشح کہ فرماتے ہیں ھکذا ینبغی ان یفھم المقام مگر فقیر حقیر قاصر فاتر پر ان جلائل قدسیہ زاہرہ اور اُن کے ساتھ اور دقائق وحقائق باہرہ مذکورہ کثیرہ وافرہ کا افادہ محض عطیہ علیہ حضرت وہاب جواد بے سبقت استحقاق وتقدم استعداد ہے ذٰلك فضل اللّٰہ علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون ۝ ربی لك الحمد کماینبغی لجلال وجھك

---

[1] رسائل الارکان تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی ص ۱۴۷ و ۱۴۸

[2] رسائل الارکان تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی ص ۱۴۸

وکمال الائک ودفور نعمائک صل وسلم وبارک علی اکرم انبیائک محمد والہ وسائر اصفیائک اٰمین۔ مولانا قدس سرہ،ان نفائس عزیزہ کو بیان کرکے فرماتے ہیں:

انظر ماادق نظر ائمتنا حیث لاتفوت عنھم دقیقۃ [1]۔	دیکھ توہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نظر کیسی دقیق ہے کہ کوئی دقیقہ ان سے فرو گزاشت نہیں ہوتا۔(ت)

فقیر کہتا ہے ہاں واللہ آپ کے ائمہ اور کیا جانا کیسے ائمہ مالکان ازمہ وکاشفانِ غُمہ ایسے ہی دقیق النظر وعالی مدارک وشاہان بزم وشیرانِ معارک ہیں کہ منازل دقیق اجتہاد میں اوروں کے مساعی جمیلہ اُن کے توسن برق رفتار کی گرد کونہ پہنچے اور کیوں نہ ہو کہ آخروہ وہی ہیں کہ اگر ایمان وعلم ثریاپر معلق ہوتا لے آتے آج کل کے کورانِ بے بصر اُن کے معارج علیہ سے بے خبر، اگر آئینہ عالمتاب میں اپنامنہ دیکھ کر طعن وتشنیع سے پیش آئیں کیا کیجئے

مہ فشاند نوروسگ عوعو کند

کرکسے بر خلقت خودمے تند

(چاند روشنی پھیلاتا ہےاور کتّا بھونکتا ہے ہر کوئی اپنی فطرت کے مطابق چلتا ہے)

ان حضرات کی طویل وعریض بدزبانیوں کا نمونہ یہیں دیکھ لیجئے مسئلہ جمع میں مُلّاجی کے دعوے تھے کہ وہ دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اور اُس کا خلاف کسی حدیث سے ثابت نہیں نہ جمع صوری پر اصلاً کوئی دلیل حنفیّہ کے پاس ہے اب بحول وقوت رب قدیر سب اہلِ انصاف نے دیکھ لیا کہ کس ہستی پر یہ لن ترانی کس بِرتے پرتتّا پانی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ثانیا اقول: وباللہ التوفیق اگر نظر تتبّع کورخصت جولاں دیجئے توبعونہ تعالٰی واضح ہو کہ یہ جواب علما محض تنزّلی تھا ورنہ اسی حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع عرفات بھی ذکر فرماچکے،یہی حدیث سُنن نسائی کتاب المناسک باب الجمع بین الظھر والعصر بعرفہ میں یوں ہے:

اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ عن سلیمٰن عن عمارۃ بن عمیر عن عبدالرحمٰن بن یزید عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلاۃ لوقتھا الا بجمع فی مزدلفۃ وعرفات [2]۔	ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعود نے خالد سے شعبہ سے عمارہ بن عمیر سے عبدالرحمٰن بن یزید سے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نماز اس کے وقت ہی میں پڑھتے تھے مگر مزدلفہ وعرفات میں۔

[1] ارکان اربعہ لبحر العلوم تتمہ فی الجمع بین اصلاتین مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۱۴۸

[2] النسائی کتاب الجمع بین الظھر والعصر بعرفۃ مکتبہ سلفیہ لاہور ۳۹/۲

مُلّاجی! اب کہے مصیبت کا پہاڑ کس پر ٹوٹا! مُلّاجی! ابھی آپ کی نازک چھاتی پر دلّی کی پہاڑی آئی ہے سخت جانی کے آسرے پر سانس باقی ہو تو سر بچائیے کہ عنقریب مکّہ کا پہاڑ ابوقبیس آتا ہے۔ملّاجی! دعوی اجتہاد پر ادھار کھائے پھرتے ہو اور علمِ حدیث کی ہوا نہ لگی احادیث مرویہ بالمعنی صحیحین وغیرہما صحاح وسنن مسانید ومعاجیم وجوامع واجزاوغیرہما میں دیکھیے صدہامثالیں اس کے پائیے گا کہ ایک ہی حدیث کو رواۃ بالمعنی کس کس متنوع طور سے روایت کرتے ہیں کوئی پُوری کوئی ایک ٹکڑا کوئی دُوسرا کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح جمع طرق سے پُوری بات کا پتا چلتا ہے ولہٰذا امام الشان ابوحاتم رازی معاصر امام بخاری فرماتے ہیں ہم جب تک حدیث کو ساٹھ ۶۰ وجہ سے نہ لکھتے اُس کی حقیقت نہ پہچانتے۔یہاں بھی مخرج حدیث اعمش بن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ ہے اعمش کے بعد حدیث منتشر ہُوئی اُن سے حفص بن غیاث وابومعٰویہ وابوعوانہ وعبدالواحد بن زیاد وجریر وسفیان وداؤد وشعبہ وغیرہم اجلّہ نے روایت کی یہ روایتیں الفاظ واطوار وبسط واختصار وذکر واقتصار میں طرق شتی پر آئیں کسی میں مغرب وفجر کا ذکر ہے ظہر عرفہ مذکور نہیں کروایۃ الصّحیحین کسی میں ظہر عرفہ ومغرب کا بیان ہے فجر مزدلفہ ماثور نہیں کروایۃ النسائی کسی میں صرف مغرب کا تذکرہ ہے ظہر وفجر وصے غہ مارایت وغیرہ کچھ مسطور نہیں

کحدیث النسائی ایضاً فی المناسک،باب جمع الصلاتین بالمزدلفۃ،اخبرنا القاسم بن زکریا ثنا مصعب بن المقدام عن داود عن الاعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن بن یزید عن ابن مسعود ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع بین المغرب والعشاء بجمع[1]۔	جیساکہ نسائی کی حدیث جو کتاب المناسک،باب جمع الصلاتین بمزدلفہ میں ہے حدیث بیان کی ہم سے قاسم ابن زکریا نے مصعب ابن مقدام سے،اس نے داؤد سے،اس نے اعمش سے،اس نے عمارہ سے،اس نے عبدالرحمٰن ابن یزید سے،اس نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مغرب وعشاء کو مزدلفہ میں جمع کیا۔(ت)

اکثر میں نمازِ فجر پیش از وقت مذکور ہے وھو بطریق کل ماذکرنا من رواۃ الاعمش ماخلا جریرا (سوائے جریر کے،اعمش کے جتنے راوی ہم نے ذکر کیے ہیں وہ اسی طریقے سے بیان کرتے ہیں۔ت) کسی میں لفظ بغلس مفید واقع ومصرح مرام کی تصریح ہے کمامر لمسلم من حدیث الضبی (جیساکہ مسلم کے حوالے سے ضبی کی حدیث گزری ہے۔ت) ان تنوعات سے نہ وہ حدیثیں متعدد ہو جائیں گی نہ ایک طریق دوسرے کا نافی ومنافی ہوگا بلکہ ان کے اجتماع سے جو حاصل ہو وہ حدیث تام قرار پائے گا۔اب خواہ یہ اختلاف رواۃ اعمش کی روایت بالمعنی سے ناشئ ہُوا خواہ خود اعمش نے

[1] سنن النسائی الجمع بین الصلوٰۃ بالمزدلفۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۲/ ۴۰

مختلف اوقات میں مختلف طور پر روایت بالمعنی کی اور ہر راوی نے اپنی مسموع پہنچائی چاہے یہ تنویع اعمش نے خود کی چاہے عمارہ یا عبدالرحمٰن سے ہوئی اور وہ سب اعمش نے سُنی یا اعمش کو پہنچی خواہ اصل منتہائے سند سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اوقات عدیدہ میں حسبِ حاجت مختلف طوروں پر ارشاد فرمائی مثلاً شبِ مزدلفہ راہِ مزدلفہ میں یا وہاں پہنچ کر آج کی مغرب وفجر کا مسئلہ ارشاد کرنے کیلئے صرف اُنہیں دو۲ کا ذکر فرمایا عصر تو سب کے سامنے ابھی جمع کرچکے تھے اُس کے بیان کی حاجت کیا تھی دوسرے وقت جمع بین الصلاتین کا مسئلہ پیش ہو وہاں ذکرِ فجر کی حاجت نہ تھی عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کے ذکر پر قناعت کی کہ سوا ان دو۲ نمازوں کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی جمع نہ فرمائی اور کسی وقت مغرب وعشائے مزدلفہ کا ذکر ہو کہ ان میں سنّت کیا ہے اس وقت یہ پچھلی حدیث مختصر افادہ کی۔

ثم اقول: لطف یہ کہ یہی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسرے مخرج مروی صحیح بخاری وسنن نسائی سے سیدنا امام محمد نے آثار مرویہ کتاب الحجج میں بسندِ جلیل وصحیح جس کے سب رواۃ اجلّہ ثقات وائمہ اثبات ورجال صحیحین بلکہ صحاح ستّہ سے ہیں یوں روایت فرمائی:

اخبرنا سلام بن سلیم الحنفی عن ابی اسحٰق السبیعی عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمة بن قیس والاسود بن یزید قالا کان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه یقول لاجمع بین الصلاتین الابعرفة الظھر والعصر[1]۔	سلام بن سلیمٰن الحنفی ابواسحاق سبیعی سے وہ عبدالرحمٰن بن اسود سے وہ علقمہ بن قیس اور اسود بن یزید سے راوی ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے جمع بین الصلاتین جائز نہیں مگر عرفہ میں ظہر وعصر۔

کیوں مُلّاجی! اب یہاں کہہ دینا کہ ابن مسعود نے فقط جمع عرفات دیکھی جمع مزدلفہ خارج رہی حالانکہ ہرگز نہ اس سے اعراض نہ اس پر اعتراض بلکہ ہر محل وموقع کلام میں وہاں کی قدر حاجت پر اقتصار ہے یہاں مسافر کے جمع بین الظہر والعصر کا ذکر ہوگا اُس پر فرمایا کہ ان میں جمع صرف روز عرفہ عرفات میں ہے اس کے سوا ناجائز، ولہذا الصلاتین معرف بلام فرمایا جس میں اصل عہد ہے۔ مُلّاجی! کُتبِ حدیث آنکھ کھول کر دیکھو روایات بالمعنٰی کے یہی انداز آتے ہیں خصوصًا امام بخاری تو بذاتِ خود اپنی جامع صحیح میں اس کے عادی ہیں حدیث کو ابواب مختلفہ میں بقدر حاجت پارہ پارہ کرکے لاتے ہیں اس سے ایک پارہ دوسرے کو رَد نہیں کرتا بلکہ وہ مجموع حدیث کامل ٹھہرتی ہے۔

[1] کتاب الحجۃ باب الجمع بین الصلاتین دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/۱۶۵

اس سے بحمد اللہ تعالٰی واضح وآشکار ہوا کہ یہ حدیث بھی تمام وکمال یوں ہے کہ میں نے کبھی نہ دیکھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو۲ نمازیں جمع فرمائی ہوں کبھی کوئی نماز اپنے وقت سے پہلے یا وقت کے بعد پڑھی ہو مگر صرف دو۲ عصر عرفہ وقت ظہر اور مغرب مزدلفہ وقت عشائ، اور اُس دن فجر کو بھی وقت مسنون ومعمول سے پہلے طلوعِ فجر کے بعد ہی تاریکی میں پڑھ لیا تھا اُس دن کے سوا کبھی ایسا بھی نہ کیا۔ **الحمد للہ** کہ آفتابِ حق وصواب بے پردہ وحجاب رابعۃ النہار پر پہنچا، اب اس حدیث نسائی جامع ذکر عرفہ ومزدلفہ پر مُلّا جی نے بکمال مکابرہ جو چوٹیں کی ہیں اُن کی خدمت گزاری کیجئے اور ماہ ضیا پناہ رسالہ کو باذنہ تعالٰی شب تمام کامثر دہ دیجئے **واللہ المعین وبہ نستعین۔**

لطیفہ: یارب جہل جاہلین سے تیری پناہ، مُلّا جی تورَدِ احادیث وجرح ثقات وقدح صحاح کے دھنی ہیں۔ عمل بالحدیث کے ادعائی راج میں انہیں مکابروں کی دیواریں چُنی ہیں۔ حدیث صحیح نسائی شریف کو دیکھا کہ انہیں مصیبت کا پہاڑ توڑے گی۔ حضرت نے گُلِ سرسبد کو گل تہ گلخن بنا چھوڑے گی لہذا نیامِ حیا سے تےغِ ادا نکالی اور احادیث صحاح میں تکمیل مضمون فریقا تکذبون وفریقا تقتلون کی یوں بناڈالی ف احدیث نسائی کی نامقبول اور مجروح اور متروک ہے دو۲ راوی اس کے مجروح ہیں ایک سلیمٰن بن ارقم کہ اُس کی توثیق کسی نے نہیں کی بلکہ ضعیف کہا اس کو تقریب میں سلیمٰن بن ارقم ضعیف اور ایک خالد بن مخلد کہ یہ شخص رافضی تھا اور صاحب احادیث افراد کا کہا تقریب میں خالد بن مخلد صدوق متشیع ولہ افراد۔

اقول: اوّلاً وہی مُلّا جی کی قدیمی سفاہت تشیع ورفض کے فرق سے جہالت۔

ثانیا: صحیحین سے وہی پُرانی عداوت خالد بن مخلد نہ صرف نسائی بلکہ بخاری ومسلم وغیرہما جملہ صحاح ستہ کے رجال سے ہے امام بخاری کا خاص اُستاذ اور مسلم وغیرہ کا اُستاذ الاستاذ۔

ثالثًا: مُلّا جی! تم نے تو علمِ حدیث کی الف بے بھی نہ پڑھی اور ادعائے اجتہاد کی یوں بے وقت چڑھی ذرا کسی پڑھے لکھے سے ضعیف ومتشیع وصاحبِ افراد اور متروک الحدیث میں فرق سیکھو، متشیع وصاحبِ افراد ہونا تو اصلاً موجبِ ضعف نہیں، صحیحین دیکھئے ان کے رواۃ میں کتنے متشیع عہ۱ موجود ہیں اور لہ عہ۲ افراد والوں کی کیا گنتی جبکہ ہم حواشی فصل اول میں بکثرت **لہ اوھام یھم، ربما وھم، یخطیئ، یخطیئ کثیرا، کثیر الخطائ، کثیر الغلط** وغیرہا والے ذکر کر آئے، رہا ضعیف اُس میں اور متروک میں بھی زمین وآسمان کا بل ہے ضعیف کی حدیث معتبر ومکتوب اور متابعات وشواہد میں مقبول ومطلوب ہے، بخلاف متروک اس معنی اور اس کے متعلقات کی

عہ۱ مثل ابان خ بن یزید العطار، یزید ع بن ابی انیسۃ، عبدالرحمٰن خ بن غزوان وغیرہم ۱۲ منہ (م)

عہ۲ جن میں تیس ۳۰ سے زیادہ حواشی فصل اول پر مذکور ہوئے ۱۲ منہ (م)

ف ا معیار الحق ص ۳۸۴

تحقیقاتِ جلیلہ فقیر غفرلہ القدیر کے رسالہ **الهاد الكاف فی حكم الضعاف** ۱۳۱۳ھ میں مطالعہ کیجئے اور سردست اپنی مبلغ علم تقریب ہی دیکھے کہ ضعیف درجہ ثامنہ اور متروک اُس کے دو۲ پایہ نیچے درجہ عاشرہ میں ہے خود عــه بعض ضعفا رجال شیخین میں اگرچہ متابعۃً یایوں بھی واقع جس سے اُن کا نامتروک ہونا واضح۔

عــه مثل اسيد بن زيد، اسباط ابواليسع، عبدالكريم بن ابی المخار، والاشعث بن سوار، زمعة بن صالح، محمد بن يزيد الرفاعی، محمد بن عبدالرحمٰن مولی بنی زهرة، احمد بن يزيد الحرانی، ابی بن عباس وغيرهم، قال فی التقريب فی الخمسة الاول: ضعيف، والسادس ليس بالقوی، والسابع مجهول، والثامن ضعفه ابو حاتم، والتاسع فيه ضعف۔ وعبدالكريم، علم له المزی فی التهذيب خت، وتبعه فی الميزان، فقال: اخرج له خ تعليقا، وم متابعة۔ وكذا تابعه الحافظ فی رموز التقريب، ثم نبه ان الصواب خ، حيث ذكر ماله فی الجامع الصحيح، ثم قال: هذا موصول وليس معلقا۔ وقال فی الرفاعی: ذكره ابن عدی فی شيوخ البخاری، وجزم الخطيب بان البخاری روٰی عنه؛ لكن قد قال البخاری: رأيتهم مجمعين علی ضعفه[1]۔ اھ قلت: المثبت اثبت، فلذا	مثلاً (۱) اسید (۲) اسباط (۳) عبدالکریم (۴) اشعث (۵) زمعہ (۶) محمد ابن یزید رفاعی (۷) محمد بن عبدالرحمٰن (۸) احمد (۹) اُبَیّ اور دوسرے۔ تقریب میں کہا کہ پہلے پانچ ضعیف ہیں، چھٹا بھی خاص قوی نہیں ہے، ساتواں مجہول ہے، آٹھویں کو ابوحاتم نے ضعیف کہا ہے، نویں میں بھی ضعف ہے۔ عبدالکریم کے لئے مزی نے تہذیب میں "خت" کی علامت لگائی ہے (واضح رہے کہ "خ" سے مراد بخاری ہے اور "ت" سے تعلیق، یعنی بخاری نے بھی اس کی روایت تعلیقاً لی ہے) میزان میں بھی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے بخاری نے تعلیقاً اور مسلم نے متابعۃً روایت کی ہے۔ اسی طرح حافظ نے بھی تقریب کی علامات میں اس کی پیروی کی ہے لیکن پھر متنبہ کیا ہے کہ صحیح "خ" ہے ("خت" نہیں) چنانچہ حافظ نے پہلے تو عبدالکریم کی وہ روایت ذکر کی ہے جو بخاری میں ہے، پھر کہا ہے کہ یہ روایت وصل کے ساتھ ہے نہ کہ تعلیق کے طور پر۔ (اس لئے "خ" کے ساتھ "ت" نہیں ہونی چاہیے کیونکہ "ت" تعلیق کی علامت ہے) (محمد ابن یزید) رفاعی کے بارے میں کہا ہے

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۶۴۲۱ محمد بن یزید دار الکتب العمیۃ بیروت ۲/ ۱۴۸/۷ ۱۴

رابعاً: یہ سب کلام ملّاجی کی غیبی بول عیبی احکام مان کر تھا حضرت کی اندرونی حالت دیکھئے تو پھر حسبِ عادت جو رواۃِ حدیث بے نسب ونسبت پائے ان میں جہاں تحریف وتصرف کا موقع ملا وہی تبدیل کا رنگ لائے سند میں تھا عن شعبۃ عن سلیمٰن۔اب ملّاجی اپنی مبلغ علم تقریب کھول کر بیٹھے رواۃ نسائی میں شعبہ نام کا کوئی نہ ملا جس پر تقریب میں کچھ بھی جرح کی ہو لہٰذا وہاں بس نہ چلا سلیمٰن کو دیکھیں تو پہلی بسم اللہ یہی سلیمٰن بن ارقم ضعیف نظر پڑا حکم جڑ دیا کہ سند میں وہی مراد اور حدیث مردود، ملّاجی! اپنے دھرم کی قسم سچ بتانا یہ جبروتی حکم آپ نے کس دلیل سے جمایا، کیا اسی کا نام محدّثی ہے، سچّے ہو تو برہان لاؤ ورنہ اپنے کذب وعیب رحم بالغیب پر ایمان **قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ** ﴿۱۱۱﴾ حق طلبان وحق نیوش کو اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ مخرج حدیث اعمش عن عمارۃ عن عبدالرحمٰن عن عبداللہ بخاری مسلم ابوداؤد نسائی وغیرہم سب کے یہاں حدیث عمارہ بطریق امام اعمش ہی مذکور، صحیحین کی تین سندیں بطرق **حفص بن غیاث وابی معٰویۃ وجریر کلھم عن الاعمش عن عمارۃ** صدر کلام میں، اور ایک سند نسائی بطریق داود عن الاعمش عن عمارۃ اس کے بعد سُن چکے۔ پنجم نسائی کتاب الصلاۃ میں ہے: **اخبرنا قتیبۃ ثنا سفیان نا الاعمش عن عمارۃ**[1] الخ۔ ششم: نسائی مناسک **باب الوقت**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علمنا علیه خ،واخرناھا عن لمکان تردد الحافظ۔والانصاف ان فلیحا وعبادا وامثالھا ایضا ضعفاء،والعذر ماافادہ الامام ابن الصلاح وتبعه النووی وغیرہ فارجع واعرف۔واللہ تعالٰی اعلم (م)

کہ اس کو ابن عدی نے بخاری کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے اور خطیب نے یقین ظاہر کیا ہے کہ بخاری نے اس سے روایت کی ہے، لیکن بخاری ہی نے کہا ہے کہ میں نے محدثین کو اس کے ضعف پر متفق پایا ہے اھ میں نے کہا ثابت کرنے والے کی بات زیادہ پختہ ہوتی ہے (اور ابن عدی نے اس کا شیخ بخاری ہونا ثابت کیا ہے) اس لئے ہم نے بھی اس کے نام پر "خ" کی علامت لگائی ہے۔ لیکن حافظ کو چونکہ اس کے شیخ بخاری ہونے میں تردّد ہے اس لئے "خ" کو ہم نے "م" کے بعد لگایا ہے ("م" سے مراد مسلم ہے) اور انصاف کی بات یہ ہے کہ فلیح، عباد اور ان جیسے اور کوئی راوی بھی ضعیف ہیں (اس کے باوجود ان کی روایات صحاح میں پائی جاتی ہیں) امام ابن الصلاح نے اس کی معذرت خواہانہ وجہ بیان کی ہے اور نووی وغیرہ نے بھی ان کا اتباع کیا ہے، اس لئے ان کی طرف مراجعت کرو اور سمجھو! واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] نسائی النسائی الجمع بین المغرب والعشاء الخ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

الذی یصلی فیہ الصبح بالمزدلفۃ اخبرنا محمد بن العلاء ثنا ابومعٰویۃ عن الاعمش عن عمارۃ الخ[1] **ہفتم**: سنن ابی داؤد حدثنا مسدد وان عبدالواحد بن زیاد وابا عوانۃ وابا معٰویۃ حدثوھم عن الاعمش عن عمارۃ[2]۔

ہشتم: امام طحاوی حدثنا حسین بن نصر ثنا قبیصۃ بن عقبۃ والفریابی قالا ثنا سفیٰن عن الاعمش عن عمارۃ بن عمیر[3] الخ۔ یہ امام اعمش اجل ثقہ ثبت حجت حافظ ضابط کبیر القدر جلیل الفخر اجلہ ائمہ تابعین ورجال صحاح ستّہ سے ہیں جن کی وثاقت عدالت جلالت آفتاب نیمروز سے روشن تر ان کا اسم مبارک سلیمٰن ہے وہی یہاں مراد، کاش تضعیف ابن ارقم دیکھ پانے کی خوشی ملّاجی کی آنکھیں بند نہ کردیتی تو آگے سُوجھتا کہ دنیا میں ایک یہی سلیمٰن نہیں دو۲ ورق لوٹتے تو اسی تقریب میں تھا: سلیمٰن بن مھران الاعمش ثقۃ حافظ عارف بالقراءات ورع[4] (سلیمٰن ابن مہران اعمش، ثقہ ہے، حافظ ہے، قرأۃ کو جاننے والا ہے، متقی ہے۔ت) جن حضرات کا جوشِ تمیز اس حد تک پہنچا ہو اُن سے کیا کہا جائے کہ ان سلیمٰن سے راوی بھی آپ نے دیکھے کون ہیں امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ بن الحجاج جنہیں التزام تھا کہ ضعیف لوگوں سے حدیث روایت نہ کریں گے جس کی تفصیل فقیر کے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں مذکور وہ اور ابن ارقم سے روایت مگر ناواقفوں سے ان باتوں کی کیا شکایت!

خامسًا: حضرت کو اپنی پرانی مشق صاف کرنے کو اُسی طرح کا ایک اور نام ہاتھ لگا یعنی خالد امام نسائی نے فرمایا تھا: اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد عن شعبۃ بیدھڑک حکم لگادیا کہ اس سے مراد خالد بن مخلد رافضی ہے ملّاجی! پانچ پیسے کی شیرینی تو ہم بھی چڑھائیں گے اگر ثبوت دو کہ یہاں خالد سے یہ شخص مراد ہے، مُلّاجی! تم کیا جانو کہ ائمہ محدثین کس حالت میں اپنے شیخ کے مجرد نام بے ذکر ممیّز پر اکتفا کرتے ہیں، ملّاجی صحابہ کرام میں عبداللہ کتنے بکثرت ہیں خصوصًا عبادلہ خمسہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر کیا وجہ ہے کہ جب بصری عن عبداللہ کہے تو عبداللہ بن عمرو بن عاص مفہوم ہوں گے، اور کوئی کہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر رواۃ مابعد میں تو عبداللہ صدہا ہیں مگر جب سوید کہیں حدثنا عبداللہ تو خواہ مخواہ ابن المبارک ہیں، محمدین کا شمار کون کرسکتا ہے مگر جب بندار کہیں عن محمد عن شعبۃ تو غندر کے سوا کسی طرف ذہن نہ جائے گا وعلٰی ہذا القیاس صدہا مثالیں ہیں جنہیں ادنٰی ادنٰی خدامِ حدیث جانتے سمجھتے پہچانتے ہیں۔ مُلّاجی! یہ

---

[1] سُنن النسائی الوقت الذی یصلی فیہ الصبح بالمزدلفہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ۴۶/۲

[2] سنن ابی داؤد باب الصلٰوۃ بجمع آفتاب عالم پریس لاہور ۲۶۷/۱

[3] شرح معانی الاثار الجمع بین اصلاتین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۳/۱

[4] تقریب التہذیب ترجمہ نمبر ۲۶۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۹۲/۱

خالد امام اجل ثقہ ثبت حافظ جلیل الشان خالد بن حارث بصری ہیں کہ امام شعبہ بن الحجاج بصری کے خُلّص تلامذۃ اور امام اسمٰعیل بن مسعود بصری کے اجل اساتذہ اور رجال صحاح ستّہ سے ہیں اسمٰعیل بن مسعود کو اُن سے اور اُنہیں شعبہ سے اکثار روایت بدرجہ غایت ہے، اسی سنن نسائی میں اسمٰعیل کی بیسیوں روایات اُن سے موجود، ان میں بہت خاص اسی طریق سے ہیں کہ اسمٰعیل خالد بن حارث سے اور خالد شعبہ بن الحجاج سے ان میں بہت جگہ خود اسمٰعیل نے نسبِ خالد مصرحًا بیان کیا ہے۔ بہت جگہ اُنھوں نے حسبِ عادت مطلق چھوڑا۔ امام نسائی نے واضح فرمادیا ہے بہت جگہ سابق ولاحق بیانوں کے اعتماد پر یوں ہی مطلق باقی رکھا ہے میں آپ کا حجاب ناواقفی توڑنے کو ہر قسم کی مصرح روایات سے بہ نشان کتاب وباب کچھ حاضر کروں۔

طریق شعبۃ: (۱) کتاب الافتتاح باب التطبیق اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ عن سلیمٰن[1] الخ۔

(۲) کتاب الطھارۃ باب النضح اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[2] الخ۔

(۳) کتاب المواقیت الرخصہ فی الصلاۃ بعد العصر اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود عن خالد بن الحارث عن شعبۃ[3] الخ۔

(۴) کتاب الامامۃ، الجماعۃ اذاکانوا اثنین اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[4] الخ۔

(۵) کتاب السہو باب التحری اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث عن شعبۃ[5] الخ۔

(تصریح اسمٰعیل سوی مامر)

(۶) کتاب الامامۃ الرخصۃ للامام فی التطویل اخبرنا اسمٰعیل بن مسعود ثنا خالد بن الحارث[6] الخ۔

---

[1] النسائی باب التطبیق مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۲۳

[2] النسائی باب النضح مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۹

[3] النسائی الرخصۃ فی الصلٰوۃ بعد العصر مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۶۷

[4] النسائی الجماعۃ اذاکانوا اثنین مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۹۷

[5] النسائی باب التحری مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۴۶

[6] النسائی الرخصۃ للامام فی التطویل مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۹۴

(۷) کتاب قیام اللیل، باب وقت رکعتی الفجر اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث الخ۔[1] (۸) کتاب الزکوٰۃ، عطیۃ المرأۃ بغیر اذن زوجھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد بن حارث[2] الخ۔ (۹) المزارعۃ احادیث النھی عن کری الارض بالثلث والربع اخبرنا اسمعیل بن مسعود قال ثنا خالد بن الحارث[3] الخ۔ (۱۰) القسامۃ والقود، باب عقل الاصابع اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد بن الحارث[4] الخ۔

(التصریح النسائی)

(۱۱) کتاب الحیض مضاجعۃ الحیض فی ثیاب حیضتھا اخبرنا اسمعیل بن مسعود حدثنا خالد ھو ابن الحارث[5] الخ۔ (۱۲) قبیل کتاب الجمعۃ باب اذاقیل للرجل ھل صلیت اخبرنا اسمعیل بن مسعود ومحمد بن عبدالاعلی قالا حدثنا خالد ھو ابن الحارث[6] الخ۔ (۱۳) کتاب الصیام التقدم قبل شھر رمضان اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد وھو ابن الحارث[7]۔ (۱۴) المزارعۃ من الاحادیث المذکورۃ اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد وھو ابن الحارث[8]۔ (۱۵) کتاب الاشربۃ الترخیص فی انتباذ البسر اخبرنا اسمعیل بن مسعود ثنا خالد یعنی ابن الحارث[9] الخ۔

کیوں مُلّاجی! یہ کیا دین ودیانت ہے کہ حدیثیں رَد کرنے کو ایسے جھُوٹے فقرے بناؤاور بے تکان جزم کرتے ہوئے پلک تک نہ جھپکاؤ، وہ توخدانے خیر کرلی کہ امام نسائی نے اسمٰعیل بن مسعود کہہ دیا تھا کہیں نرا اسمٰعیل ہوتا تومُلّاجی کو کہتے کیا لگتا کہ یہ حدیث تم اہل سنّت کے نزدیک سخت مردود کہ اس کی سند میں اسمٰعیل دہلوی موجود،

---

[1] سنن النسائی باب وقت رکعتی الفجر مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۰۶
[2] سنن النسائی عطیۃ المراۃ الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۸۹
[3] سنن النسائی الثالث من الشروط فیہ المزارعۃ والوثائق مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۱۴۴
[4] سنن النسائی باب عقل الاصابع مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۲۴۷
[5] سنن النسائی مضاجعۃ الحیض الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۴۳
[6] سنن النسائی باب اذا قیل للرجل الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۱۶۰
[7] سنن النسائی التقدم قبل شہر رمضان مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۱/۲۴۹
[8] سنن النسائی المزارعۃ من الاحادیث مذکورۃ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۱۴۶
[9] سنن النسائی الترخیص فی انتباذ البسر الخ مطبوعہ مطبع سلفیہ لاہور ۲/۳۲۱

مُلّاجی! صرف ایک مسئلے میں اول تا آخر اتنی خرافات، علمِ حدیث کی کھُلی کھُلی باتوں سے یہ جاہلانہ مخالفات، اگر دیدہ ودانستہ ہیں تو شکایت کیا ہے کہ اخفائے حق و تلمیع باطل وتلبیس عامی واغوائے جاہل، طوائف ضالہ کا ہمیشہ داب رہا ہے، اور اگر خود حضرت کی حدیث دانی اتنی ہے تو خدارا خدا اور سول سے حیا کیجئے، اپنے دین دھرم پر دیا کیجئے یہ مُنہ اور اجتہاد کی لپک، یہ لیاقت اور مجتہدین پر ھمک، عمر وفا کرے تو آٹھ دس ۱۰ برس کسی ذی علم مقلد کی کفش برداری کیجئے، حدیث کے متون وشروح واصول ورجال کی کتابیں سمجھ کر پڑھ لیجئے اور یہ نہ شرمائیے کہ بوڑھے طوطوں کے پڑھنے پر لوگ ہنستے ہیں، ہنسنے دو ہنستے ہی گھر بستے ہیں، اگر علم مل گیا تو عین سعادت یا طلب میں مرگئے جب بھی شہادت، بشرطِ صحت ایمان وحسن نیت واللہ الھادی لقلب اخبت۔

الحمدللہ مہرِ حق متجلی ہوا اور آفتابِ صواب منجلی، جن جن احادیث سے جمع بین الصلاتین کا ثبوت نہ سہل ثبوت بلکہ قطعی ثبوت زعم کیا گیا تھا واضح ہُوا کہ اُن میں ایک حرف مثبت مقال نہیں مذہب حنفی اثبات صوری ونفی حقیقی دونوں میں بے دلیل بتادیا تھا، روشن ہُوا کہ قرآن وحدیث اُسی کے موافق دلائل ساطعہ اُسی پر ناطق جن میں رَدوانکار کی اصلاً مجال نہیں، اور بعونہ تعالٰی بطفیل مسئلہ وہ تازہ مجملہ کہنہ مشغلہ ادعائے عمل بالحدیث کا اُشغلا اُس کا بھرم بھی من مانتا کھلا کہ ہوا سے غرض ہوس سے کام اور اتباعِ حدیث کا نام بدنام پُرانے پُرانے حد کے سیانے جب اپنی سخن پروری پر آئیں صحیح حدیثوں کو مردود بتائیں ثقہ ائمہ کو مطعون بتائیں، بخاری ومسلم پس پشت ڈالیں، اُن کے رواۃ واسانید میں شاخسانے نکالیں، ہزار چھل کریں سو ہزار پیچ جیسے بنے صحیح حدیثیں ہیچ، امام مالک وامام شافعی کی تقلید حرام نہ فقط حرام کہ شرک کا پے غام، مگر جب حنفیّہ کے مقابل دم پر بنے مجتہد چھوڑ مقلدوں کی تقلید سے گاڑھی چھنے، اب ایک ایک شافعی مالکی کو جھک جھک کر سلام اُس کے پاؤں پکڑ اُس کا دامن تھام، یہ بڑا پیشوا وہ بھاری امام، اُن میں جس کا کلام کہیں ہاتھ لگ گیا اگرچہ کیسا ہی ضعیف کتنا ہی خطا، بس خضر مل گئے غنچے کھُل گئے، اندر کے جی کے کواڑ کھُل گئے سب کوفت سوخت کے غبار دُھل گئے، وحی مل گئی ایمان لے آئے اُسی سے حنفیّہ پر حجت لائے، اب خبردار کوئی پیچھے نہ پڑو احبار ورہبان کی آیت نہ پڑھو، چھٹکارے کی گھڑی بچاؤ کا وقت ہے، شرک بلا سے ہو اب تو مکت ہے۔ مسلمانو! حضرات کے یہ انداز دیکھے بھالے اپنا ایمان بچائے سنبھالے، فریب میں نہ آنا یہ زہر در جام ہیں دھوکا نہ کھانا، سبزہ بردام ہیں بے سہاروں کی چال ہر حال بُری ہے تقلید سے بری ائمہ سے بری ہے، بے راہ روی کا دھیان نہ لانا چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلانا، اتباعِ ائمہ راہ ہُدی ہے راہِ ہُدی کا والی خدا ہے، للہ الحمد ولی الھدایۃ منہ البدایۃ والیہ النھایۃ۔

خلاصۃ الکلام وحسن الختام

الحمدللہ سخن اپنے ذروہ اقصٰی کو پہنچا اب ملخص کلام وحاصل مرام چند باتیں یاد رکھئے:

اوّلاً جمع صوری بدلائل صحیحہ روشن ثبوت سے بے پردہ وحجاب اور اُس کا انکار انکار آفتاب۔

ثانیاً کسی حدیث صحیح میں جمع تقدیم کا نام کو بھی اصلاً پتا نہیں اُس کی نسبت ادعای قطعی ثبوت محض نسج العنکبوت۔

ثالثاً جمع تاخیر میں بھی کوئی حدیث صحیح صریح جیسا کہ ادعا کیا جاتا ہے ہرگز موجود نہیں یا ضعاف ومناکیر ہیں یا محض بے علاقہ یا صاف محتمل اور محتملات سے ہوسِ اثبات مہمل ومختل۔

رابعاً جب جمع صوری پر ثبوت مفسر متعین ناقابل تاویل قائم تو محتملات خصوصاً حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اُسی کی طرف رجوع لازم کہ قاعدہ ارجاع محتمل بہ متعین ہے نہ عکس کہ سراسر نکس۔

خامساً نماز بعد شہادتین اہم فرائض واعظم ارکان اسلام ہے اور اُس میں رعایت وقت کی فرضیت اور اظہر ضروریاتِ دین سے جسے مسلمانوں کا ایک ایک بچّہ جانتا ہے یونہیں اوقاتِ خمسہ غایت شہرت واستفاضہ پر بالغ حد تواتر ہیں اگر حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حالتِ سفر میں جس کی ضرورت ہمیشہ ہر زمانہ میں ہر شخص کو رہی اور رہتی ہے چار نمازوں کے لئے اوقاتِ مشہورہ معلومہ معروفہ کے سوا قولاً یا فعلاً کوئی اور حکم عطا فرمایا ہوتا تو واجب تھا کہ جس شہرت جلیلہ کے ساتھ اوقاتِ خمسہ منقول ہوئے اُسی طرح یہ نیا وقت بھی نقل کیا جاتا آخر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فعل کسی خلوت میں نہ کیا غزوہ تبوک میں ہزارہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمراہِ رکاب سعادت مآب تھے اگر حضور جمع فرماتے بلاشبہہ وہ سب کے سب دیکھتے اور کثرت رواۃ سے اسے بھی مشہور کر چھوڑتے یہ کیا کہ ایسی عظیم بات ایسے جلیل فرض کے ایسے ضروری لازم میں ایسی صریح تبدیل ایسے مجمع کثیر کے سامنے واقع ہو اور اُسے یہی دو ایک راوی روایت فرمائیں تو بلاشبہہ یہی جمع صوری فرمائی جس میں نہ وقت بدلا نہ کسی حکم میں تغیر نے راہ پائی کہ اُس کے اشتہار پر دواعی متوفر ہوتے نظرِ انصاف صاف ہو تو صرف ایک یہی کلام تمام دلائل خلاف کے جواب کو بس ہے کہ جب باوصف توفر دواعی نقل آحاد ہے تو لاجرم جمع صوری پر محمول کہ توفر مہجور اور بالفرض کوئی روایت مفسرہ ناقابل تاویل ملے تو متروک العمل کہ ایسی جگہ آحاد رہنا عقل سے دُور۔

سادساً نمازوں کے لئے تعیین وتخصیص اوقات وآیات قرآن عظیم واحادیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قطعی الثبوت ہے اگر کہیں اُس کا خلاف مانیے تو وہ بھی ویسا ہی قطعی چاہیے جیسے عصر عرفہ ومغرب مزدلفہ کا اجماعی مسئلہ ورنہ یقینی کے مقابل ظنی مضمحل۔

سابعاً بالفرض اگر مثل منع دلائل جمع بھی قابل سمع تسلیم کیجئے تاہم ترجیح منع کو ہے کہ جب حاظر ومبیح مجتمع ہوں تو حاظر مقدم ہے۔

ثامنًا جانب جمع صرف نقل فعل ہے قول اگر ہے تو جمع صوری میں اور جانب منع دلائل قولیہ وفعلیہ دونوں موجود اور قول فعل پر مرجح تو مجموع قول وفعل محض نقل فعل پر بدرجہ اولٰی۔

تاسعًا افقہیت راوی اور مرجح منع ہے کہ ابن عمر وانس میں کسی کو فقاہت جلیلہ عبداللہ بن مسعود تک رسائی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کی نسبت حدیث میں ہے، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **تمسکوا بعھد ابن ام عبد**[1]۔ (ابن اُم عبد کی باتوں سے تمسک کیا کرو) رواہ الترمذی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(**نوٹ**: اصل متن ترمذی میں الفاظ یوں ہیں تمسکوا بعھد ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ نذیر احمد)

مرقاۃ میں ہے اسی لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُن کی روایت وقول کو خلفائے اربعہ کے بعد سب صحابہ کے قول پر ترجیح دیتے ہیں[2]۔ یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاحبِ سرّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے:

ان اشبہ الناس دلا وسمتا وھدیا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابن ام عبد[3]۔ رواہ البخاری ف والترمذی والنسائی۔	بیشک چال ڈھال روش میں سب سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشابہ عبداللہ بن مسعود ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یہ وہی ابنِ مسعود ہیں جنہیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے: **کیف ملئ علما**[4] (ایک گٹھری ہیں علم سے بھری ہُوئی) نہایت یہ کہ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **رضیت لامتی مارضی لھا**

[1] جامع الترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۱

[2] مرقات المفاتیح جامع المناقب، الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱/۴۰۹

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ بخاری باب جامع المناقب مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۷۴)

(جامع الترمذی، مناقب عبداللہ بن مسعود امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۲۲۲)

ف۔ مشکوٰۃ میں بعینہٖ یہی الفاظ ہیں جبکہ ترمذی میں الفاظ یوں ہیں۔ کان اقرب الناس ھدیا ودلا وسمتا برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابن مسعود اور بخاری میں الفاظ یوں ہیں ماعلم احدًا اقرب سمتا وھدیا ودلا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ابن ام عبد۔

[4] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ عبداللہ بن مسعود مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۳/۲۵۹

ابن ام[1] عبد۔ (میں نے اپنی اُمت کے لئے پسند فرمالیا جو کچھ عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے رواہ الحاکم بسند صحیح۔

لاجرم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے بعد وہ جناب تمام صحابہ کرام علیہم الرضوان سے علم وفقاہت میں زائد ہیں، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

ہو عند ائمتنا افقہ الصحابۃ بعد الخلفاء الاربعۃ[2]۔	ہمارے ائمہ کے نزدیک ابنِ مسعود خلفاءِ اربعہ کے بعد سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔ (ت)

عاشرًا عـہ اگر بالفرض براہین منع وادلّہ جمع کانٹے کی تول برابر ہی سہی تاہم منع ہی کو ترجیح رہے گی کہ اس میں احتیاط زائد ہے اگر عنداللہ جمع درست بھی ہوئی تو ایک جائز بات ہے جس کے ترک میں بالاجماع گناہ نہیں بلکہ اتفاق اُس کا ترک ہی افضل ہے اور اگر عنداللہ نادرست ہے تو جمع تاخیر میں نماز دانستہ قضا کرنی ہوگی اور جمع تقدیم میں سرے سے ادا ہی نہ ہوگی فرض گردن پر رہے گا تو ایسی بات جس کا ایک پہلو خلاف اولٰی اور دوسری جانب حرام وگناہ کبیرہ ہو عاقل کا کام یہی ہے کہ اُس سے احتراز کرے، یہاں جو ملّاجی ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر لکھ گئے ہیں کہ ف[1] تشکیک مذکور اُس صورت میں جاری ہوتی ہے جس میں طرفین کا مذہب مدلّل بدلائل ہو اور صورت اختلاف کی ہو حالانکہ مسئلہ جمع میں مانعین کا دعوی بے دلیل ہے اور ناجائز کہنا اُن کا خلاف ہے اختلاف نہیں پس اگر صحت میں عمل مدلل بدلائل کے قول بے دلیل شک ڈال دیا کرے تو سیکڑوں اعمالِ باطل ہوجائیں اور حق وباطل میں کچھ تمیز نہ رہے، ان جھُوٹی بالاخوانیوں سینہ زوری کی لَن ترانیوں کا کچّا چٹھّا بعونہ تعالٰی سب کھُل چُکا مگر حیا کا بھلا ہو جس کے آسرے جیتے ہیں یونہیں تو آفتاب پر خاک اُڑا کر اندھوں کو سُجھادیا کرتے ہیں کہ حنفیّہ کا مذہب بے دلیل وخلاف حدیث ہے، خدا کی شان قرآن عظیم واحادیث رسول کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی اُن قاہر دلیلوں کو جنہیں سُن کر جگر تک دھمک پہنچی ہوگی بے دلیل ٹھہراؤ اور اپنے ضعیف وبے ثبوت قول کو قطعی یقینی مدلل بتاؤ اور عمل بالحدیث ودین ودیانت کا نام لیتے نہ شرماؤ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ع

آدمیاں کم شدند ملک گرفت اجتہاد

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے یہ چند اوراق کہ بنظرِ احقاق حق لکھے۔ مولٰی تعالٰی عزّوجل اپنے کرم سے قبول فرمائے

عـہ یعنی نصوص منقول وقواعد اصول سے قطع نظر کرکے بہ مقتضائے عقول ہے۔ (م)

[1] المستدرک کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۱۷

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب جامع المناقب الفصل الاول عن عبداللہ بن عمر، مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱۱/ ۴۰۹

ف[1] معیار الحق ص ۴۱۵

شرِ حُسّاد وشامتِ ذنوب سے محفوظ رکھے۔ وجہ ثبات واستقامت مقلدین کرام بنائے، یہ امید تو ان شاء اللہ تعالٰی القریب المجیب نقد وقت ہے مگر دشمنانِ حنفیت کو ہدایت ملنے عناد حنفیّہ کی راہ نہ چلنے کی طرف سے یاس سخت ہے کہ کھلے مکابروں میں جن صاحبوں کی یہ ہمتیں بڑھی ہیں یہ مشقیں چڑھی ہیں اُنہیں آئندہ ایسی اور ان سے بڑھ کر اور ہزار ہٹ دھرمیاں کرتے کیا لگتا ہے، تحریف تعصب مکابری تحکم کا کیا علاج ہے سوا اس کے کہ شرِ شریران سے اپنے رب عزوجل کی پناہ لُوں اور بتوسل روح اکرم امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس سے عرض کروں رب انی اعوذبك من همزات الشیٰطین واعوذبك رب ان یحضرون o وصلی اللہ تعالٰی علی الھادی الامین الامان المامون محمد واٰلہ وصحبہ الکرام والذین ھم بھدیھم یھتدون، الحمد للہ کہ یہ مبارک رسالہ نفیس عجالہ پانزدہم ماہ رجب مرجب ۱۳۱۳ ہجریہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ کو تمام اور بلحاظ تاریخ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ نام ہوا ربّنا تقبل منّا انك انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لاالٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۲۸۷) ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نابینا نے صبح کی نماز پڑھاتے وقت ایسی بڑی سورت پڑھی کہ جب نماز شروع کی تھی اُس وقت سُورج نہیں نکلا تھا اور جب سلام پھیرا تو سُورج نکل آیا یہ نماز ہوئی نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:

نمازِ فجر میں اگر قعدہ سے پہلے آفتاب نکل آیا یعنی ہنوز اتنی دیر جس میں التحیات پڑھ لی جائے نہ بیٹھنے پایا کہ سُورج کی کرن چمکی تو بالاتفاق جاتی رہی اور اگر تحریمہ نماز سے باہر آنے کے بعد نکلا تو بالاتفاق ہو گئی مثلاً جب تک پہلی بار لفظ السلام کہا تھا سورج نہ نکلا تھا السلام کہتے ہی فوراً چمک آیا کہ علیکم ورحمۃ اللہ سورج نکلنے میں کہا تو نماز صحیح ہو گئی کہ فقط السلام کہنا تحریمہ نماز سے باہر کردیتا ہے الا من علیہ سھو بشرط ان یاتی بالسجود (مگر جس پر سجدہ سہو ہو، بشرطیکہ سجدہ کرے۔ت) اور اگر طلوعِ شمس دونوں امر کے بیچ میں ہوا یعنی قعدہ بقدر تشہد کر چکا اور ہنوز تحریمہ نماز میں تھا کہ آفتاب طالع ہُوا تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جاتی رہی یعنی یہ فرض نفل ہو کر رہ گئے فرضوں کی قضا ذمّہ پر رہی۔

فی الدر المختار: ولووجد المنافی بلاصنعہ	در مختار میں ہے: ایسا منافی نماز کہ جس میں نمازی کے

قبل القعود بطلت اتفاقا،ولوبعدہ بطلت عندہ،کطلوع الشمس فی الفجر۔ولاتنقلب الصلاۃ نفلا الافیھا اذاطلعت [1] اوالخ اھ ملتقطا وفی ش عن الرحمتی عن التجنیس: الامام اذافرغ من صلاتہ،فلما قال: السلام،جاء رجل واقتدی بہ قبل ان یقول: علیکم،لایصیر داخلا فی صلاتہ،لان ھذا سلام؛ الاتری انہ لواراد ان یسلم علی احد فی صلاتہ ساھیا فقال: السلام،ثم علم فسکت،تفسد صلاتہ [2]۔

عمل کو دخل نہ ہو،اگر قعدے سے پہلے پایا جائے تو نماز بالاتفاق باطل ہوجائے گی اور اگر قعدے سے بعد پایا جائے توامام ابوحنیفہ کے نزدیک باطل ہوجائے گی،مثلاً فجر کی نماز کے دوران سورج کا طلوع ہوجانا اور یہ نماز نفل نہیں بنتی،ہاں اگر طلوع ہو...الخ اور شامی میں رحمتی سے،اس نے تجنیس سے نقل کیا ہے کہ امام جب نماز سے فارغ ہُوا اور کہا "السلام" تو ایک شخص آیا اور "علیکم" کہنے سے پہلے اقتداء کرلی تو وہ اس نماز میں داخل شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ صرف "السلام" کہنا بھی سلام ہے،کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی بھُول کر نماز میں کسی کو سلام دینا چاہے اور کہے "السلام" پھر اسے یاد آجائے (کہ میں نماز میں ہوں) اور چُپ ہوجائے تو اس کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔(ت)

مقتدیوں کو چاہئے کہ اپنے اس نابینا امام کو پیش از شروع متنبہ کردیا کریں کہ آج وقت اس قدر ہے پھر بھی اگر تطویل سے باز نہ آئے اور یونہی نماز کھوئے تو آپ ہی امامت سے معزولی کا مستحق ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۸۸) از جبل پور عقب کوتوالی مرسلہ مولوی محمد برہان الحق صاحب سلمہ سلخ شعبان ۱۳۳۵ھ

حضور پُرنور بعد سلام نیاز گزارش ضحوہ کبرٰی نکالنے کا کیا قاعدہ ہے ایک بار پہلے ارشاد ہوا تھا مگر غلام بھُول گیا۔

الجواب:

نورِ دیدہ سعادت مولٰنا المکرم جعلہ المولی تعالٰی کاسمہ برہان الحق السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،خیریت مزاج جنابِ مولٰنا المکرم اکرمھم السلام وسلمہ سے اطلاع دیجئے اور میرے لئے بھی طلبِ دعا کیجئے ابھی ایک ہفتہ میں تین دورے بخار کے ہوچکے ہیں ضعف قوی ہے اور قوی ضعیف وحسبنا المولی الکریم اللطیف جس دن کا ضحوہ کبرٰی نکالنا منظور ہو اُس دن کے وقتِ صبح ووقتِ غروب کو جمع کرکے تنصیف کریں اور اس پر چھ ۶ گھنٹے بڑھالیں یہ وقت ضحوہ کبرٰی ہوگا اس سے لے کر نصف النہار حقیقی تک نماز مکروہ ہے یہ وقت ہمارے بلاد میں کم سے کم

---

[1] دُرمختار باب الاستخلاف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۷۔۸۸

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۴

۳۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ۴۷ منٹ ہوتا ہے مثلاً کل روز پنجشنبہ بحساب قواعد بشرط رویت یکم ماہ مبارک ہے اوقات یہ ہیں: نقشے میں تمام اوقات ثانیوں سے اعشاریہ تک تھے جن کے رفع اسقاط کے سبب ۲ء یعنی تفاوت آیا

مثال دوم ۳۰ ماہ مبارک کو انس علیہ السلام[1]، **واللہ تعالٰی اعلم**

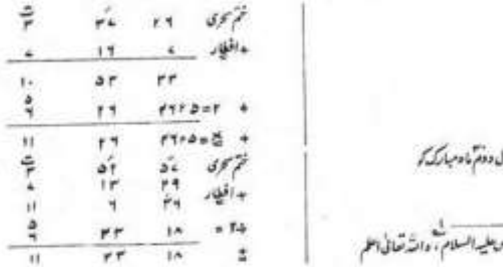

ختم سحری	۲۶	۳۷	۳
+ افطار	۷	۱۶	۷
	۳۳	۵۳	۱۰
+	۳۲۲۵=۲	۲۶	۵/۶
+	۳۶۰۵=ع	۲۶	۱۱
ختم سحری	۵۷	۵۲	۳
	۲۹	۱۳	۷
+ افطار	۳۹	۶	۱۱
=۲۵	۱۸	۳۳	۵/۶
ع	۱۸	۳۳	۱۱

مسئلہ (۲۸۹) از شہسرام مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب مدرس اوّل مدرسہ مذکور ۹ رمضان ۱۳۳۵ھ بحضور اعلٰیحضرت عظیم البرکت قبلہ وکعبہ دام ظلّہم الاقدس۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔۔خاکسار حضورِ والا کے قواعدِ فرمودہ کے مطابق برابر وقت نکالا کرتا تھامگر اس دفعہ جب میں مدراس گیاوہاں مولوی عبداللہ صاحب کی احقر سے ملاقات ہُوئی وہ برابر وقت مدراس شائع کیا کرتے ہیں چنانچہ ایک تختہ جس پر سال تمام شمسی کے اوقات اُنہوں نے استخراج کرکے شائع کیا ہے مجھے دیا اور یہ کہاکہ: پرچہ میں نے برہلی بھی روانہ کیا ہے تاکہ وہ حضرات میری غلطی پر مجھے متنبہ فرمائیں اس کی طرف توجہ فرمائیے،جناب کو میں بھی اسی غرض سے دیتا ہوں، چنانچہ وہ پرچہ لیتا ہوا میں یہاں آیا ۲۲ جون ۱۹۱۷ء سے میں نے جانچ شروع کیاوقت غروب میرے قاعدہ کے مطابق ۶بج کر ۳۷منٹ ۲۵ سیکنڈ اور طلوع ۵بج کر ۴۴ منٹ ۱۹ سکنڈ ہوااور اس نقشہ میں غروب ۶بج کر ۳۴،اور طلوع ۵بج کر ۴۸ منٹ لکھاہے، غرض ۳، ۴ منٹ کافرق ہے عشاء کاوقت نقشہ میں ۷بج کر ۵۶ منٹ لکھاہے میں پریشان ہواکہ آخر فن کاجاننے والااس قدر غلطی کیا کرے گالاجرم میں نے اپنے ہی مستخرج وقت کو غلط سمجھ کر اس غلطی کی جستجو میں ہُواتو سوااس کے اور کچھ سمجھ میں نہ آیا میں نے بوجہ موافق الجہۃ ہونے کے عرض بلد اور مَیل سے تفریق کرکے حاصل فرق کو جمع کرکے عمل کیاہے اور جگہ کیلئے مَیل کو عرض بلد سے کم

---

[1] **نوٹ:** انس علیہ السلام، واللہ تعالٰی اعلم۔یہ غیر مربوط عبارت اصل مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے۔

کرکے حاصل فرق الح الونح میل سے عمل کرنا ہوتا ہے اور یہاں عرض بلد بہت کم ہونے کی وجہ سے میل کو۔۔۔۔۔عرض بلد سے کم کیا گیا ہے اُس کے بعد یہ خیال ہوا کہ یہ وقت تو اخیر پنجاب قریب کشمیر کا ہونا چاہئے جہاں کا۔۔۔۔۔عرض لح مط مح ہو کہ الح الونح کو اُس کو تفریق کرکے ی ال۔۔جبچتا ہے اب پریشانی ہے کہ یہاں کا عمل کس طرح ہوگا اگرچہ قاعدہ کے یہ لفظ (اگر موافق الجہۃ ہو تفاضل لیں) اس کو بھی عام ہے اس لئے اس کا قاعدہ ارشاد ہو کہ جب عرض مَیل سے کم ہوگا تو کیا کیا جائے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

الجواب:

ولدی الاعز جلہ اللہ تعالٰی کاسمہ ظفر الدین المتین آمین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مولوی عبداللہ صاحب کا کوئی تختہ اوقاتِ مدراس یہاں نہ آیا صرف ایک چھوٹے رسالہ تحفۃ المصلی کے کہ سمت قبلہ میں ہے دو ۲ نسخے ایک پلندے میں آئے تھے وقت کا قاعدہ یقیناً وہی ہے کہ جب عرض و مَیل متفق الجہۃ ہوں تفاضل لیا جائیگا یعنی اُن میں جو اصغر ہو اکبر سے تفریق کیا جائیگا عرض ہو خواہ مَیل تو مدراس جس کا عرض حہ ء ہے اُس میں راس السرطان کا بعد اقل جس کا میل مَیل کلی الح الر ہے ی حہ الح ہوا، نیز وہ شہر جس کا عرض شمالی لح حہ ہو اُس میں بھی راس السرطان کا بعد اقل وہی ی حہ الح ہوگا غایت یہ کہ مدراس میں یہ بعد سمت الراس سے شمالی ہوگا اور اُس شہر میں جنوبی دونوں نصف اور ان کی جیبیں اور قاطع مَیل سب بدستور رہیں گے اور فرق وقت بوجہ قاطع عرض ہوگا مثلاً صبح و عشا ہے راس السرطان بہ مدراس کا حساب بھیجتا ہوں یہاں مجموعہ اربعہ ۹ء۸۵۹۲۷۸۶ ہوا اور وقت عشا ۴ ۷۴۶ ت آیا اور اس شہر میں مجموعہ ۹ء۹۲۸۴۶۱۹ ہوا اور وقتِ عشا ۸۵۶۳۱ ت ایک گھنٹہ دس ۱۰ منٹ سے زیادہ فرق ہوگیا طلوع و غروب کہ آپ نے نکالے یہی صحیح ہیں جن کی صحت اس پرچہ مؤامرہ سے ظاہر یہ حقیقی وقت ہیں اور اس السرطان کی تعدیل الایام مزید ۴ ۳ء ۳۴ اور وسط ہند سے فصل غربی مدراس ۹ تو مجموعہ ۴ ۳ء۱۰۳۴ بڑھانے سے مدراس کا وقت ریلوے حاصل ہوگا یہ وقت غروب وہی ہے غروب ۳۱ء۶۲۶۵۴ طلوع ۷۹ء۵۳۳۰۵ + ۳۴ء۱۰۳۴ + ۳۴ء۱۰۳۴ = ۲۸۷۶۳ء۵۵ = ۱۳ء۵۴۳۴۰ جو آپ نے نکالا تین سکنڈ کا تفاوت ان فرقوں سے ہوا کہ آپ نے میل لیا جو ۲۲ جون سنہ حال کو گرینچ کے نصف النہار کا تھا اور میں نے الح حہ الرجو باسقاطِ خفیف ثوانی مَیل کلی ہے پھر آپ نے بُعدِ سَمتی افق مطلق حسبِ دستور سابق کہ میرے یہاں معمول تھا صہ حہ نالیا ہوگا اور اب میں صہ حہ لدمہ رکھتا ہوں البتہ طلوع میں ۳۹ سکنڈ کا تفاوت آنا اس پر دال ہے کہ آپ نے تعدیل الایام ۵۲ اَلی جو ۲۳ جون کی تعدیل مرصدی ہے اور ۹ منٹ فصل طول مل کر ۱۰۵۲ دونوں وقت حقیقی غروب و طلوع پر زائد کیں۔ دلیل یہ کہ آپ کے یہاں

معتدل بتعدیلِ ریلوے وقت غروب ۲۵،۳۴ ۶ ت اور طلوع ۱۹ ۴۴ ۵ ت

اس کا تمام ۵ ۲۲۳۵ ـ تمام غروب ۵ ۲۲۳۵

= ۲۱۴۴

نصفہ ۱۰ ۵۲

یہی منٹ سکنڈ آگئے جو تعدیل مرصدی ۲۳ جون کے تھے۔

اس سے ثابت ہُوا کہ آپ کے یہاں وقت حقیقی غروب ۳۲ ۲۶ ۶ ت آیا اور طلوع ۲۷ ۳۳ ۵ ت تو آپ کے اور یہاں کے محسوب میں ۲۱ سکنڈ کا تفاوت ہے خیر ایسا کثیر نہیں۔ مدراسی صاحب کا حساب یقیناً وجہ صحت نہیں رکھتا کہ غروب ساڑھے تین منٹ کم ہے اور طلوع سوا چار منٹ زیادہ، اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہوں نے طلوع وغروب نکالنے کا قاعدہ ہی استعمال نہ کیا بلکہ معمولِ عوام بے علم کی طرح طلوع وغروبِ نجومی حقیقی مرکزی لے کر اُن میں تعدیل ریلوے ملادی ظلِ میلِ راس السرطان ۹،۶۳۷۲۶۴۱ اس جیب کی قوس تقریباً ۵ ھس ہے جس کا وقت + ظلِ عرضِ مدراس ۹،۳۶۵۶۶۴۱ الجرح ۵ غروب نجومی ۶ ت الجرح طلوع نجومی ۵ لونب | اور دقائق تعدیل بھی

اُنہوں نے لو ظاہر وہی قح نب لیے ہیں ؛ و الجرح ۵ لونب

+ کانب + ی نب
= ولدہا = مرمد

غروب	طلوع
۶ ت ۳۴	۵ ت ۴۸

یہ اُن کا ملنا غلط ہے۔ رہا وقتِ عشاء وہ انہوں نے صحیح دیا ہے پرچہ حساب ملاحظہ ہو۔

وقت حقیقی ۴ ۴۶ ۷ ت یہ وقت ہوا

+ تعدیل ریلوے ۱۰۳۴

۷ ت ۵۶ ۳۸

سکنڈوں میں فرق ہے وبس۔

مؤامرات

مدراس ث طول ہہ ـ عرض کح ر

حرف نصف اوّل

۹،۹۳۳۸۹۷۶

فاضلہ ۳۷۷

الجرح الر = ۲۷ ـــ ۲۳

ـ عرض = ۴ ـــ ۱۳

بعد اقل = ۲۳ ـــ ۱۰

۹،۹۳۳۹۳۵۳

I.T. Majlis of DawateIslami

۳۱۸

صرف نصف دوم
۹/۸۷۶۴۵۷۴
۵۵۳ فاذا
۹/۸۷۶۵۱۲۷

وقت لومربع
۰ — ۴۶ — ۷ ت
۱۰/۲۶۵۶
لوفصل

۱۰۸
۲|۱۱۸ — ۲۳
نصف اول = ۵۹ — ۱۱ — ۳۰
نصف دوم = ۴۸ ۴۸ ۳۰
صرف نصف اول = ۹/۹۳۳۹۳۵۳
〃 〃 دوم = ۹/۸۷۶۵۱۲۷
قاطع میل = ۰/۳۷۴۳۷۶
〃 عرض = ۰/۱۱۳۹۳۰
لومربع = ۹/۸۵۹۲۷۸۶
لومربع = ۱۹۷۸
۸۰۸
لا = ۹/۳۵۱۱
+ لوفصل = ۱۰/۲۶۵۶
۹/۶۱۶۷
تحویل = ۴/۱۳۶
+ وقت لومربع = ۷ — ۴۶ — ۰
عشا = ۷ — ۴۶ — ۴/۱۳۶
صبح = ۴ — ۱۳ — ۵۵/۸۶۴

صرف نصف اول
۹/۸۸۸۰۲۹۸
۷۸۶ فاذا
۹/۸۸۸۱۰۸۴
۴۵/۵۰
۱۰۳۷
۳۱۸۵۰
۱۳۶۵۰
۴۵۵۰۰
۴۷۱۸۳

۹۰ — ۳۴ — ۵۴/۱
۸/۷۸
بعد سمتی افقی مطلق = ۹۰ — ۳۴ — ۴۵/۳۲
+ نصف قطر راس السرطان = ۶۷/۴۵ — ۱۵
بعد سمتین کی افقی راس السرطان = ۹۰ — ۵۰ — ۳۰/۹۹
+ بعد اقل راس السرطان پہ راس = ۱۰ — ۲۳ —
مجموعہ = ۲)۱۰۱ — ۱۳ — ۳۰/۹۹
نصف اول = ۵۰ — ۳۶ — ۴۵/۵۰

Majlis of Dawatelsl

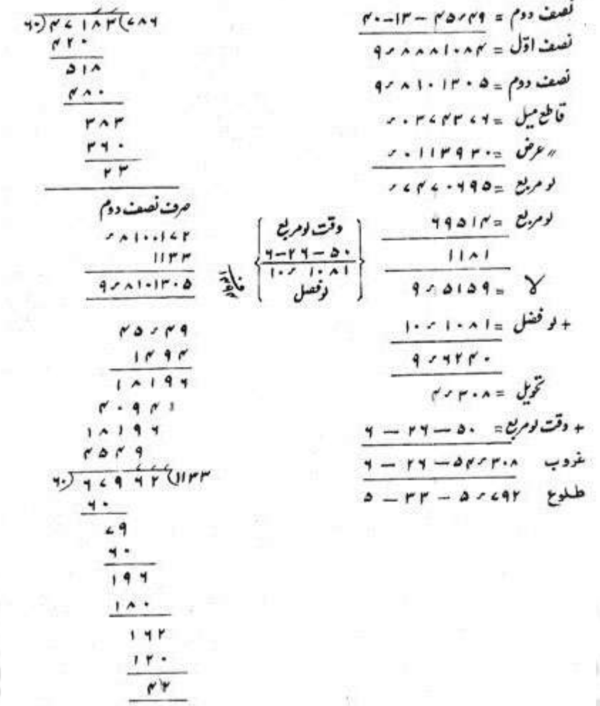

مسئلہ (۲۹۰ و ۲۹۱) از شہر جامع مسجد مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب بخاری طالب علم منظر اسلام

شخصے در نماز فجر بود کہ ناگاہ بشنید کہ گوئندہ میگفت کہ آفتاب برآمد الحال ایں کس در نماز است نماز را بگذارد باز واپس اعادہ کند یا سلام بدہد بعد از طلوع	کوئی آدمی فجر کی نماز پڑھ رہا تھا اچانک اس نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "سورج نکل آیا ہے" اب یہ آدمی جو فی الحال نماز میں ہے اپنی نماز پُوری کرکے اس کا اعادہ کرے یا

آفتاب بخواند، بینوا توجّروا۔	سلام پھیر دے اور طلوع کے بعد دوبارہ پڑھے؟ بینوا توجروا۔(ت)

الجواب:

نماز تمام کند و باز اگر صدق قائل دریابد اعادہ نماید ایں زمان بسیارے از مردم وقت نمی شناسند وبقرب طلوع بانگ برآرند کہ آفتاب برآمد واللہ تعالٰی اعلم۔	نماز پوری کرے، بعد میں اگر ثابت ہوجائے کہ سورج نکلنے والی بات درست تھی تو اعادہ کرے۔آج کل اکثر لوگ وقت کا صحیح علم نہیں رکھتے اور طلوع قریب ہونے پر شور مچادیتے ہیں کہ سُورج نکل آیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)
سوال دوم: چہ میفرمایند علمائے دین کہ امام نماز صبح راایں قدر تاخیر میکند کہ از برآمدنِ آفتاب پنج دقیقہ یا دہ دقیقہ مہماند کہ سلام میدہد ایں طور نماز بغیر کراہت ادا میشود یانہ، بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک امام صبح کی نماز اتنی تاخیر سے پڑھاتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد سورج طلوع ہونے میں صرف پانچ منٹ یا دس منٹ باقی رہتے ہیں کیا یہ نماز بغیر کراہت کے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔(ت)

الجواب:

در بحر الرائق وغیرہ تصریح فرمودہ اند کہ وقت فجر وقت ظہر اول تا آخر ہیچ کراہت ندارد یعنی بخلاف باقی اوقات کہ آخر آنہا مکروہ است پس ہر کہ در وقت شناسی دستگاہ کافی دارد بایں طور نماز او بلاشبہ بے کراہت است کہ بُوئے از کراہت ندارد، واللہ تعالٰی اعلم۔	البحرالرائق وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ فجر اور ظہر کے اوقات میں اوّل سے آخر تک کوئی کراہت نہیں ہے، بخلاف باقی اوقات کے کہ وہ آخر میں مکروہ ہوجاتے ہیں، اس لئے جو شخص وقت شناسی میں مہارت رکھتا ہو، اگر اس طرح نماز پڑھے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو اس کی نماز بغیر کراہت کے صحیح ہے۔اس میں کراہت کا کوئی شائبہ تک نہیں ہے۔(ت)

مسئلہ (۲۹۲تا۲۹۶) از جڑودہ ضلع میرٹھ مسئلہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

(۱) فجر کی نماز کا مستحب وقت کون سا ہے اور جس جگہ اُفق صاف نظر آتا ہو وہاں طلوع کی کیا پہچان ہے؟

(۲) ظہر کا اول وقت کَے بجے ہوتا ہے اور ضلع میرٹھ میں کَے بجے سے کَے بجے تک رہتا ہے اور جماعت کَے بجے ہونا چاہئے موسم گرما اور موسم سرما کب سے کب تک مانے جاتے ہیں اور ان میں ظہر کے مستحب اوقات

کیا ہیں؟

(۳) عصر کا مستحب وقت کون سا ہے، جماعت کے بجے ہونا چاہئے؟

(۴) جس جگہ اُفق نظر آتا ہو وہاں غروب کی کیا پہچان ہے اور غروب سے کتنی دیر بعد مغرب کی اذان اور جماعت ہونا چاہئے اور مغرب کا وقت کتنی دیر تک رہتا ہے؟

(۵) عشا کا وقت مغرب سے کتنی دیر بعد ہوتا ہے؟

الجواب [الملفوظ]

(او۵) فجر کا مستحب وقت اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مثلاً اگر آج ایک گھنٹہ بیس منٹ کی صبح ہو تو اس وقت کے طلوع شمس میں چالیس ۴۰ منٹ باقی رہیں اور افضل یہ ہے کہ ایسے وقت ۴۰ یا ۶۰ آیتوں سے پڑھی جائے کہ اگر فسادِ نماز ثابت ہو تو پھر طلوع سے پہلے یونہی اعادہ ہوسکے اس کا لحاظ رکھ کر جتنی بھی تاخیر کی جائے افضل ہے، جب اُفق صاف نظر آتا ہے اور بیچ میں درخت وغیرہ کچھ حائل نہیں تو طلوع یہ ہے کہ آفتاب کی پہلی کرن چمکے اور غروب یہ کہ پچھلی کرن نگاہ سے غائب ہو جائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ظہر کا اول وقت آفتاب نصف النہار سے ڈھلتے ہی شروع ہوتا ہے اور گھنٹوں کے اعتبار سے باختلاف بلاد مختلف ہوگا یہاں تک کہ بعض بلادِ ہندوستان میں بعض ایام میں ریلوے گھڑی سے ۱۲ بجے بھی وقت شروع ہوگا اور بعض یعنی بعض ایام میں ۱۱ بجے سے پہلے ظہر کا وقت ہو جائے گا یہ تعدیل ایام واختلافات طول معلوم ہونے پر موقوف ہے جماعت گرمی میں وقت ظہر کے نصف آخر میں ہو اور جاڑوں میں نصف اول میں، میرٹھ میں کبھی ۵ بجے سے بعد تک وقتِ ظہر باقی رہتا ہے اور کبھی پونے چار بجے سے پہلے ختم ہو جاتا ہے اس میں بیانات کا اختلاف ہے اصل تقسیم اہل ہیئت نے یہ کی ہے کہ راس الحمل سے ختم جوزا تک بہار اور راس السرطان سے ختم سنبلہ تک گرما اور راس المیزان سے ختم قوس تک خریف اور راس الجدی سے ختم حُوت تک سرما مگر یہ یہاں کہ فصلوں سے مطابق نہیں آتی، صاحبِ بحر نے ربیع کو گرما سے ملحق کیا ہے اور یہ بھی قرین قیاس کہ آخر ستمبر سے دو ثلث مارچ تک سرما سمجھنا چاہئے اور باقی گرما، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) عصر کا وقت مستحب ہمیشہ اس کے وقت کا نصف اخیر ہے مگر روزِ ابر تعجیل چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) غروب کا جس وقت یقین ہو جائے اصلاً دیر اذان وافطار میں نہ کی جائے اس کی اذان وجماعت میں فاصلہ نہیں، مغرب کا وقت میرٹھ میں کم از کم ایک گھنٹا ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۶ منٹ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۲۹۷) از موضع سراں ڈاک خانہ بشندور تحصیل ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

بخدمت جناب فیض مآب سرتاج حنفیان حضرت احمد رضا خان صاحب ادام اللہ فیوضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی کے بعد بہزار آداب التماس کہ ہم حنفیان کو بڑا فخر ہے کہ آپ جیسے مجتہد فقیہ خلیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی وامام اعظم اس زمانے کے آپ موجود ہیں ان مسئلوں مفصلہ ذیل کی سخت ضرورت ہے مہربانی فرماکر بتحقیق عمیق وتدقیق مایطیق ارشاد فرمادیں عنداللہ ماجور ہوں گے اما مسئلہ اولٰی فی الزوال کی اور شناخت وقت ظہر کی سخت ضرورت ہے میں اس سے بہت حیران ہوں بعض اوقات مجمع عام میں نماز ظہر جو بدخول وقت اوّل ہی پڑھی جاتی ہے مگر مجھے یقین دخولِ وقت کا بھی نہیں ہوتا آپ تحریر فرمائیں کہ بارہ ۱۲ بجے کے بعد ایک دو منٹ پر وقت ظہر داخل ہوتا ہے یا نہیں اور جن دیہات میں حساب گھڑی کا نہ ہو تو مسجد کے دروازہ سے اگر سایہ باہر ایک دو انگشت نکلے تو ظہر داخل ہے یا نہ، پھر جب سایہ بڑھنے میں ہو تو وقت ظہر داخل ہے یا نہ قبل قیام ظہیرہ نصف نہار کے سایہ گھٹتا رہتا ہے نصف نہار کو کھڑا ہوتا ہے پھر بڑھنے لگتا ہے جب سایہ بڑھانے میں ہو تو ظہر داخل ہے یا نہ، اور سایہ اصلی ظہر کے واسطے نکالا جاتا ہے یا نہ شناخت ظہر سفر حضر میں کس طرح ہوتی ہے اور سایہ اصل قبل زوال یا وقت زوال یا بعد زوال کیا ہوتا ہے اور سایہ اصلی بوقتِ دوپہر بطرف شمال ہوتا ہے پس عصر کے واسطے مقیاس کی بیخ سے سایہ اصلی خارج بطرف مشرق کیا جاتا ہے یا کہ بطرف شمال خارج کرکے پھر دوچند کیا جائے فرائد سنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بطرف شمال سایہ اصلی کو چھوڑ کر دوچند کیا جائے۔ عبارت فرائد سنیہ کی یہ ہے۔

معرفۃ فیئ الزوال یغرز خشبۃ مستویۃ فی ارض مستویۃ قبل الزوال فالظل ینقص فاذاوقف لم ینقص ولم یزد فھو قیام الظھیرۃ فاذا اخذ فی الزیادۃ فقد زالت الشمس فخط علی راس الزیادۃ خطاً فیکون من راس الخط الی العود فیئ الزوال فاذا صار ظل العود مثلہ اومثلیہ من راس الخط لامن موضع غرز العود خرج وقت الظھر ودخل وقت العصر وفیئ الزوال یکون الی الشمال[1]۔	فیئ الزوال کی پہچان۔ زوال سے پہلے ایک سیدھی لکڑی ہموار زمین میں نصب کی جائے تو اس کا سایہ کم ہوتا جائیگا، جب سایہ ٹھہر جائے اور گھٹے بڑھے نہ تو یہ قیام ظہیرہ کا وقت ہے۔ جب بڑھنے لگے تو سورج کا زوال شروع ہوجاتا ہے، اب جہاں سے بڑھنے کا آغاز ہوا ہے وہاں ایک لکیر بطور نشانی لگا دو، اس لکیر سے لکڑی تک جو سایہ ہے یہ فیئ الزوال ہے، جب لکڑی کا سایہ اس کی ایک مثل یا دو مثل ہوجائے یعنی لکیر سے، نہ کہ لکڑی کی جڑ سے، تو ظہر کا وقت ختم ہوجائے گا اور عصر کا وقت داخل ہوجائے گا اور زوال کا سایہ شمالی کی جانب ہوتا ہے۔ (ت)

[1] فرائد سنیہ

اس مسئلہ کی مجھے سخت ضرورت ہے مہربانی فرماکر اس میں اچھی غور فرماکر پھر ان میں جو جو میرے سوالات ہیں جن کے سبب میں غلطی میں پڑاہُوں ان کو بنور سواد منور فرماؤ۔

الجواب:

نصف النہار وفییٔ الزوال کی یہ کافی پہچان ہے جو آپ نے فرائد سنیہ سے نقل کی ہموار زمین میں سیدھی لکڑی عمودی حالت پر قائم کی جائے اور وقتاً فوقتاً سایہ کو دیکھتے رہیں جب تک سایہ گھٹنے میں ہے دوپہر نہیں ہوا اور جب ٹھہر گیا نصف النہار ہوگیا اس وقت کا سایہ ٹھیک نقطہ شمال کی جانب ہوگا اسے ناپ رکھا جائے کہ یہی فییٔ الزوال ہے اس سے پہلے سایہ مغرب کی طرف تھا جب سایہ بڑھنے لگا دوپہر ڈھل گیا اب سایہ مشرق کی طرف ہوجائے گا جب لکڑی کا سایہ مشرق وشمال کے گوشہ میں اُسے فیٔ الزوال کی مقدار اور لکڑی کے دو مثل کو پہنچ گیا مثلاً آج ٹھیک دوپہر کو لکڑی کا سایہ اُس کا نصف مثل تھا اور اُس وقت خاص نقطہ شمال کو تھا اب وقتاً فوقتاً بڑھے گا اور مشرق کی طرف جھکے گا جب سایہ لکڑی کا ڈھائی مثل ہوجائے عصر ہوگیا اور اس سے زیادہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ صحیح کمپاس سے نہایت ہموار زمین میں سیدھا خط جانبِ قطب کھینچ لیجئے اور اس خط کے جنوبی کنارے پر وہ لکڑی عموداً قائم کیجئے لکڑی کا سایہ جب تک اس خط سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہوا جب سایہ اس خط پر منطبق ہوجائے ٹھیک دوپہر ہے اور اُسی وقت کا سایہ فییٔ الزوال ہے جب سایہ اس خط سے مشرق کو ہٹے دوپہر ڈھل گیا مسجد کی مشرقی دیوار اگر سیدھی ہموار اور ٹھیک نقطتین جنوب وشمال کو ہے اور اُس کے دونوں پہلو پر زمین ہموار ہے تو اُس سے بھی شناخت ہوسکتی ہے دیوار کا سایہ جب تک اُس سے مغرب کو ہے دوپہر نہ ہُوا اور جب مشرق کو پڑے دوپہر ڈھل گیا اور جب دونوں پہلوؤں پر سایہ نہ ہو تو ٹھیک دوپہر ہے گھڑیوں کے بارہ ۱۲ سے اس کی شناخت تعدیل الایام وفصل طول جاننے پر منحصر ہے اصل بلدی وقت سے دوپہر کبھی سوا بارہ ۱۲ بجے بھی نہیں ہوتا اور کبھی پونے گیارہ بجے ظہر ہوجاتا ہے اور جبکہ گھڑیاں مقامی وقت پر نہ چلیں بلکہ دوسری جگہ کے وقت پر جیسے ہندوستان میں شرق سے غرب تک ساری گھڑیاں وسطِ ہند کے وقت پر جاری ہیں جس کا طول ۸۲ درجے ۳۰ دقیقے ہے جب تو بہت کثیر تفاوت ہوجائے گا مثلاً جہلم میں ۱۱ فروری کو ۱۲ بج کر انچاس ۴۹ منٹ تک بھی دوپہر نہ ہوگا اور کلکتہ میں نومبر کی چوتھی کو ۱۱ بج کر ۲۰ منٹ پر وقتِ ظہر ہوجائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۲۹۸) ازمزنگ لاہور مرسلہ ابوالرشید محمد عبدالعزیز خطیب وامام جامع مسجد ملک سردار خان مرحوم ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اوقاتِ نماز جو شارع علیہ السلام نے معین فرمائے ہیں ان کے بیچ میں کسی نماز کا فاصل وقت مقرر کرنا جائز ہے یا حرام؟

الجواب:

حدیث میں سنّتِ اقدس یوں مروی ہے کہ جب لوگ جلد حاضر ہو جاتے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جلد پڑھ لیتے اور حاضری میں دیر ملاحظہ فرماتے تو تاخیر فرماتے اور کبھی سب لوگ حاضر ہو جاتے اور تاخیر فرماتے یہاں تک کہ ایک بار نماز عشا میں تشریف آوری کا بہت انتظارِ طویل صحابہ کرام نے کیا بہت دیر کے بعد مجبور ہو کر امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درِ اقدس پر عرض کی کہ عورتیں اور بچّے سوگئے، اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا: "رُوئے زمین پر تمہارے سوا کوئی نہیں جو اس نماز کا انتظار کرتا ہو اور تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں رہو"۔ نمازوں کے لئے اگر گھنٹے گھڑی کے حساب سے اگر کوئی وقت معین کرلیا جائے جس سے لوگوں کو زیادہ انتظار نہ کرنا پڑے اور وقت معین پر جلد جمع ہو جائیں جیسا حرمین طیبین میں اب معمول ہے تو اس میں بھی حرج نہیں جبکہ ضعیفوں اور مریضوں پر تکلیف اور جماعت کی تفریق نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۲۹۹) از مراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی امام عادتًا مغرب کی اذان اُس وقت دَلاوے کہ اُس شہر کی سب مساجد میں یقینا نماز ہو چکی ہو مثلاً ۲۰ منٹ کے بعد اور اپنے پیر کے دکھانے کو یعنی اُس کی موجودگی میں بیس ۲۰ منٹ قبل قصدًا ایسا کرے اور ساتھ ہی اس کے جو سجود وقعود کہ وہ عادتًا کرتا تھا اپنے پیر کی موجودگی اُس سے سہ گنے وقت میں ادا کرے تو یہ اذان و نماز کہاں تک ریا و مکاری پر دال ہے۔

الجواب:

اذانِ مغرب میں بلاوجہ شرعی تاخیر خلاف سنّت ہے پیر کے سامنے جلد دلوانا ریا پر کیوں محمول کیا جائے بلکہ پیر کے خوف یا لحاظ سے اُس خلافِ سنّت کا ترک پیر کے سامنے رکوع وسجود میں دیر بھی خواہ نخواہ ریا اور مکاری پر دلیل نہیں بلکہ اس کے موجود ہونے سے تاثر بھی ممکن اور مسلمانوں کا فعل حتی الامکان محملِ حسن پر محمول کرنا واجب اور بدگمانی ریا سے کچھ کم حرام نہیں، ہاں اگر رکوع وسجود میں اتنی دیر لگاتا ہو کہ سنّت سے زائد اور مقتدیوں پر گراں ہو تو ضرور گنہگار ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

سوال دوم (۳۰۰) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ طلوع آفتاب ہونے کے کتنی دیر کے بعد نماز قضا پڑھنے کا حکم ہے اور وہ شخص جس نے کہ سنّتیں فجر کی نہ پڑھی ہوں اور دس بارہ منٹ طلوع میں باقی ہوں نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں، اسی طرح پر ظہر کی سنت بے پڑھے امامت کر سکتا ہے یا نہیں، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

طلوع کے بعد کم از کم بیس ۲۰ منٹ کا انتظار واجب ہے۔ دس بارہ منٹ میں سنّتیں اور فرض دونوں ہو سکتے ہیں سنّتیں پڑھ کر نماز پڑھائے، اگر وقت بقدر فرض ہی کے باقی ہے تو آپ ہی سُنتیں چھوڑے گا پھر اگر جماعت میں کسی نے ابھی سُنتیں نہ پڑھیں یا جس نے پڑھیں وہ قابلِ امامت نہیں تو جس نے نہ پڑھیں وہی امامت کرے گا اور اگر وقت میں وسعت ہے تو سنّتِ قبلیہ کا ترک گناہ ہے اور اُس کی امامت مکروہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۱) از موضع باکڑی ضلع گورگانوہ ڈاک خانہ ڈھنیہ مسئولہ محمد یسین خان ۱۰ رمضان ۱۳۳۱ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں ایک مولوی صاحب مولود شریف عشا سے لے کر ایک بجے رات تک پڑھتے اور نمازِ عشا بعد مولود شریف کے ایک بجے کے بعد پڑھتے ہیں بغیر عذر کے، فقط۔

الجواب [الملفوظ]**:**

نمازِ عشا کی نصف شب سے زائد تاخیر مکروہ ہے اُن کو چاہئے عشا پڑھ کر مجلس شریف پڑھا کریں، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۲) از جے پور بیرون اجمیری دروازہ، کوٹھی حاجی عبدالواجد علی خان مسئولہ حامد حسن قادری ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ مغرب اور افطار کا حکم ایسے وقت دینا کہ چند حضار مسلمانوں کو غروب میں کلام ہو گیا ہے اور ان دونوں کا صحیح وقت کیا اور اس کی شناخت کیا ہے؟

(۲) نمازِ مغرب اور اذانِ عشا میں کس قدر فاصلہ درکار ہے، کیا جس جگہ پر بحساب دھُوپ گھڑی قریب سوا سات بجے شام کو اذانِ مغرب ہوتی ہو وہاں آٹھ بجے فرضِ عشا پڑھ سکتے ہیں، اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کم از کم ایک گھنٹا پچیس منٹ کا فاصلہ اذانِ مغرب و اذانِ عشا میں ہونا چاہئے، اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب مشرق سے سیاہی بلند ہو اور مغرب میں دن چھپے اور آفتاب ڈوبنے پر یقین یعنی پورا ظنِّ غالب ہو جائے اُس وقت افطار کیا جائے اُس کے بعد دیر لگانا نہ چاہئے، یہی علامات حدیث میں ارشاد ہوئیں اور جو عالم مقتدا ہو اور علمِ توقیت جانتا ہو اور اُسے قرائن صحیحہ سے غروب کا یقین ہو گیا ہو وہ افطار کا فتوٰی دے سکتا ہے اگرچہ بعض ناواقفوں کو غروب میں ابھی تردّد ہو **کما دلّ علیہ حدیث انزل فاجدح لنا واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ فاصلے باختلافِ عرض بلد مختلف ہوتے ہیں، ان میں کم از کم ایک گھنٹا ۱۸ منٹ کا فاصلہ ہے سواسات پر آفتاب ڈوبے اور پون گھنٹے بعد عشا ہو جائے ایسا تمام جہان میں کہیں نہیں جس زمانے میں سواسات کے قریب غروب ہوتا ہے اذانِ مغرب وعشا کا فاصلہ اور بھی بہت زائد ہو جاتا ہے مثلاً ان بلاد میں ایک گھنٹا چھتیس منٹ اور پون گھنٹے کا فاصلہ تو ان بلاد میں کسی طرح مذہبِ صاحبین پر بھی صحیح نہیں تو وہ نمازِ عشا ازرُوئے مذہبِ حنفی بالکل باطل ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (۳۰۳) چہ میفر مایند علمائے دین اندرین مسئلہ کہ فرائض داخل نماز درہر صلاۃ فرضیت اویکسان ست یاصرف درنمازفرض، **بینوا توجّروا۔**	کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ جو فرائض نماز میں داخل ہیں، ان کی فرضیت ہر نماز میں یکساں ہے یا صرف فرضی نمازوں کے ساتھ مختص ہے؟ بینوا توجّروا۔ (ت)

الجواب:

تکبیر تحریمہ در ہر نماز مطلّقا حتی صلاۃ الجنازۃ ورکوع وسجود وقراءت وقعود درہر نمازِ مطلق اگرچہ نافلہ باشد وقیام درہر نماز فرض وواجب ونیز درسنّت فجر علی الاصح وخروج بصنع خود علی تخریج البر وعی بخلاف الکرخی اینہمہ فرض است وتعدیل ارکان واجب وقدرت ہمہ جاشرط است اخرس راتکبیر وقراءت ومریض مؤمی رابرر کوع وسجود تکلیف ندہند وفی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح للعلامۃ الشرنبلالی الاحدب **اذابلغت حدبتہ الرکوع یشیر براسہ للرکوع لانہ عاجز عماھو اعلی**[1] **اھ واللہ تعالٰی اعلم۔**	تکبیر تحریمہ، ہر نماز میں، حتی کہ نماز جنازہ میں بھی۔ رکوع، سجود، قراءت اور قعود (نماز جنازہ کے علاوہ) ہر نماز میں، خواہ نفلی نماز ہو۔ قیام، ہر اس نماز میں جو فرض اور واجب ہو اور اصح قول کے مطابق فجر کی سُنّتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے فجر کی سُنّتوں میں بھی۔ اپنے کسی عمل سے نماز سے خارج ہونا بروعی کی تخریج کے مطابق، کرخی کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ سب فرائض ہیں اور تعدیل ارکان واجب ہے۔ لیکن استطاعت سب میں شرط ہے۔ گونگا تکبیر وقراءت کا اور اشارہ کرنے والا مریض رکوع وسجود کا مکلّف نہیں ہے۔ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے کہ اگر کُبڑے کا کُبڑا پن رکوع کی حد تک پہنچا ہوا ہے تو وہ رکوع کے لئے سر سے اشارہ کرے گا کیوں کہ اس سے زیادہ اس کے بس میں نہیں ہے اھ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵

مسئلہ (۳۰۴) نہار عرفی و شرعی میں کیا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ نہار عرفی طلوع مرئی کنارہ شمس سے غروب مرئی کل قرص شمس تک ہے

واحترزت بذلك عن النهار النجومى فانه من انطباق مركز الشمس على دائرة الافق من قبل المشرق الى انطباقه عليها فى جهة المغرب، فيكون العرفى اكبر من النجومى ابدًا بقدر مايطلع نصف كرة الشمس ويغرب النصف كمالايخفٰى، ويقدر مايقتضيه الانكسار الافقى فى الجانبين، وهو قدر اربع وثلثين دقيقه من دقائق فلك البروج، فى كل جانب۔	اس سے میں نے احتراز کیا ہے نہار نجومی سے، کیونکہ وہ مشرق جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے سے شروع ہوتی ہے اور مغربی جانب کے افقی دائرہ پر سورج کے مرکز کے منطبق ہونے پر ختم ہوتی ہے تو نہار عرفی، نہار نجومی سے ہمیشہ اتنی بڑی ہوتی ہے جتنی دیر میں سورج کا آدھا کرہ طلوع ہوتا ہے اور آدھا غروب ہوتا ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دونوں طرف جو افقی انکسار واقع ہوتا ہے اس کے تقاضے کے اندازہ کیا جائے گا اور وہ ہر جانب، فلک بروج کے دقیقوں میں سے چونتیس ۳۴ دقیقوں کے برابر ہوتا ہے۔ (ت)

اور نہار شرعی طلوع فجر صادق سے غروب مرئی کل آفتاب تک ہے تو اس کا نصف ہمیشہ اس کے نسف سے پہلے ہوگا مثلاً فرض کیجئے کہ جو تحویل حمل کا دن ہے کہ آفتاب بریلی اور اس کے قریب کے مواضع میں چھ ۶ بجے نکلا اور چھ ۶ بج کر چودہ ۱۴ منٹ پر ڈوبا اور تقریبًا پونے پانچ بجے صادق چمکی تو اس دن نہار شرعی ساڑھے تیرہ (۱/۲ ۱۳) گھنٹے کا ہے جس کا آدھا چھ ۶ گھنٹے پینتالیس ۴۵ منٹ، اسی مقدار کو پونے پانچ (۳/۴ ۴) پر بڑھایا تو ساڑھے گیارہ بجے کا وقت آیا اسی کو ضحوہ کبرٰی کہتے ہیں اس وقت تک کچھ کھایا پیا نہ ہو تو روزہ کی نیت جائز ہے اس دوسرے قول پر اس وقت سے نصف النہار حقیقی تک کہ روزِ تحویل حمل یعنی بیس ۲۰ اکیس ۲۱ مارچ کو تقریبًا بارہ بجے سات منٹ پر ہوتا ہے سارا وقت سینتیس ۳۷ منٹ کا وقت استوا ہے جس میں نماز ناجائز وممنوع اور یہ ظاہر کہ یہ مقداریں اختلافِ موسم سے گھٹتی بڑھتی رہیں گی، یہ قول ائمہ خوارزم کی طرف نسبت کیا گیا اور امام رکن الدین صباغی نے اسی پر فتوٰی دیا، ردالمحتار میں ہے:

عزافی القهستانى، القول بان المراد انتصاف النهار العرفى، الى ائمة	قہستانی میں اس قول کو کہ مراد نہار عرفی کا انتصاف ہے، ائمہ ماوراء النہر کی طرف منسوب کیا ہے اور

ماوراء النهر، وبان المراد انتصاف النهار الشرعی، وهو الضحوة الكبرٰی الی الزوال، الی ائمة خوارزم [1] وههنا ابحاث سنوردها ان شاء الله تعالٰی فی غیر هذا التحریر ^{عـه}۔ والله تعالٰی اعلم	اس قول کو کہ نہار شرعی کا انتصاف مراد ہے، یعنی ضحوہ کبرٰی زوال تک، ائمہ خوارزم کی طرف منسوب کیا ہے اور یہاں کچھ اور بحثیں ہیں جنہیں ہم کسی اور تحریر میں بیان کریں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۵) مسئولہ حافظ علی بخش ساکن قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ گنج مسجد خلیفاں ۲۵ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں :

(۱) ۱۴/ اگست کو دھوپ گھڑی سے ۱۱بج کر ۱۷ منٹ پر اور مدراس ٹائم سے ۱۱ بج کر ۳۳ منٹ سے ضحوہ کبرٰی شروع ہوا اور دھوپ گھڑی سے ۱۲ بجے اور ریلوے ٹائم سے ۱۲بج کر ۱۶ منٹ پر تمام ہوا تو ضحوہ کبرٰی سے لے کر حقیقی نصف النہار تک کوئی نماز مثل عیدین وجنازہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) مدراسی ٹائم شرعی وقت سے جنوری فروری میں ۲۰ منٹ آگے ہوتا ہے جبکہ شرعی وقت میں ۱۲ بجتے ہیں تو مدراسی ٹائم میں ۱۲بج کر ۲۰ منٹ آتے ہیں اگر کسی مسجد میں مدراسی ٹائم سے گھڑی ہو اُسی حساب سے ۱۲ بج کر ۱۰ منٹ باقی ہیں اور زوال دھوپ گھڑی سے مانا جائے گا یا مدراسی ٹائم سے اور یومِ جمعہ کو زوال ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اصح واحسن یہی ہے کہ ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار حقیقی تک سارا وقت وہ ہے جس میں نماز نہیں، ہاں جنازہ اسی وقت میں آیا تو پڑھ سکتے ہیں لتادیها کما وجبت۔

(۲) ہمارے مذہب میں بروز جمعہ بھی وقتِ استوا پر وہی احکام ہیں جسے لوگ وقتِ زوال بولتے ہیں، زوال میں صحیح دھوپ گھڑی کا اعتبار ہے مدراس وغیرہ کے اوقات کا کچھ لحاظ نہیں، جو اذان زوال سے پہلے ہوئی ناجائز ہوئی زوال آنے پر پھر کہی جائے کماھو حکم کل اذان اذن قبل الوقت اب ریلوے گھڑیوں میں جولائی ۱۹۰۵ء سے مدراسی وقت بھی نہیں بلکہ وسطِ ہند کا وقت ہے جہاں فصل طول ساڑھے بیاسی درجے یعنی ساڑھے پانچ گھنٹے کا ہے لہٰذا ہندوستان بھر کی گھڑیاں جب سے نو منٹ زائد کردی گئی ہیں اس زیادت پر بھی جنوری کی ابتدائی تاریخوں

عـه بیاض فی الاصل بخط الناسخ ختمه علی لفظة التی فبدلناه بالتحریر ۱۲ مصحح الفقیر حامد رضا خان غفرلہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

میں ۱۲بج کر ۲۰ منٹ سے پہلے زوال ہے، ہاں بعد کی تاریخوں اور فروری میں اتنا اور اتنے سے زائد آنولہ میں ۱۲بج کر ۲۶ منٹ تک ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۶) مسئولہ عبداللہ دُکاندار مقام درو ضلع نینی تال روز سہ شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس میں کہ:

(۱) صبح کاذب اور صبح صادق کی مجھے قطعی پہچان نہیں ہے کہ صبح صادق کتنی دیر کی ہوتی ہے کل میعاد لگادی جائے کہ گھنٹہ بھر کا یا کم وبیش مجھے لفظوں میں شک رہتا ہے اور بارہ ۱۲ مہینے ایک ہی برابر ہوتا ہے یا کچھ فرق ہے ہر مہینہ کی علیحدہ علیحدہ میعاد لگادیجئے تاکہ تسکین ہو۔

(۲) تہجد کے وقت بیس ۲۰ رکعت قضاپڑھے تو ہر نیت کے ساتھ اقامت کرے یا کہ پہلی نیت کے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ان شہروں میں کم سے کم ایک گھنٹہ انیس منٹ کی ہوتی ہے یعنی صبح صادق ہونے سے طلوعِ آفتاب تک اتنا وقت رہتا ہے یہ مارچ کے مہینہ میں ہے پھر وقت بڑھتا جاتا ہے اخیر جون میں ایک گھنٹہ پینتیس منٹ ہو جاتا ہے اس سے زیادہ صبح کی مقدار ان شہروں میں نہیں ہوتی پھر گھٹتا جاتا ہے اخیر ستمبر میں وہی ایک گھنٹہ انیس منٹ رہ جاتا ہے چوبیس اکتوبر تک یہی رہتا ہے پھر بڑھتا ہے ۲۲ دسمبر کو ایک گھنٹہ ۲۸ منٹ ہو جاتا ہے۔ جاڑے کے موسم میں اس سے زیادہ نہیں۔ بڑھتا پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے مارچ میں وہی ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ رہ جاتا ہے انہیں ۱۶ منٹ کے اندر دورہ کرتا ہے یعنی کم سے کم ایک گھنٹہ ۱۹ منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹا ۳۵ منٹ۔

(۲) قضاکہ تنہاپڑھے اس میں ایک دفعہ بھی اقامت نہ چاہئے کہ قضا کرنا گناہ تھا اور گناہ کے چھپانے کا حکم تھا نہ کہ اعلان کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۰۷) مسئولہ محمد یوسف از فتح پور ڈاکخانہ سیور ضلع بھاگل پور بتاریخ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اوقاتِ نماز کو مقرر کرنا چاہئے یا جس وقت خاص لوگ آلیں اس وقت نماز شروع کرنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: عادت کریمہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ تھی جب لوگ جلد جمع ہو جاتے نماز پڑھ لیتے ورنہ دیر فرماتے مگر آج کل لوگوں کو شوقِ جماعت کم ہے وقت مستحب کی تعیین مناسب ہے پھر بھی اگر تاخیر دیکھیں تو اتنا انتظار کریں کہ حاضرین پر بار نہ ہو اور کسی خاص شخص کے انتظار کے لئے تاخیر نہ چاہئے مگر چند صورتوں میں، اول کہ وہ امام معین ہو، دوم عالمِ دین، سوم حاکمِ اسلام، چہارم پابندِ جماعت کہ بعض اوقات مرض وغیرہ عذر

کی وجہ سے اسے دیر ہو جائے، پنجم سر بر آوردہ شریر جس کا انتظار نہ کرنے سے ایذا کا خوف ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۸) از مقام آہور ملک مارواڑ متصل آیرپتورا پیر محمد امیر الدین بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

نمازِ عصر کے بعد قرآن شریف پڑھنا دیکھ کر یا زبانی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:

بعد نمازِ عصر تلاوت قرآن عظیم جائز ہے دیکھ کر ہو خواہ یا دپر، مگر جب آفتاب قریب غروب پہنچے اور وقتِ کراہت آئے اُس وقت تلاوت التوی کی جائے اور اذکارِ الٰہیہ کیے جائیں کہ آفتاب نکلتے اور ڈوبتے اور ٹھیک دوپہر کے وقت نماز ناجائز ہے اور تلاوت مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۰۹) بعد نماز عصر کے اور فجر کے سجدہ کرنا یا فقہ پڑھنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

جائز ہے مگر جب عصر میں وقتِ کراہت آجائے تو قضا بھی جائز نہیں اور سجدہ مکروہ اگرچہ سہو یا تلاوت کا ہو اور سجدہ شکر تو بعد نمازِ فجر وعصر مطلقاً مکروہ، دُرمختار میں ہے:

وکرہ تحریما، وکل مالایجوز مکروہ، صلاۃ مطلقا، ولوقضاء اوواجبۃ اونفلا اوعلی جنازۃ وسجدۃ تلاوۃ وسھو، مع شروق واستواء وغروب[1] ۔	مکروہ تحریمی ہے اور جو کام جائز نہ ہو وہ مکروہ ہی ہوتا ہے نماز مطلقاً خواہ قضا ہو، واجب ہو، نفل ہو یا نماز جنازہ ہو۔ اور سجدہ تلاوت اور سجدہ سہو۔ بوقتِ طلوع، استواء اور غروب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یکرہ ان یسجد شکرا بعد الصلاۃ فی الوقت الذی یکرہ فیہ النفل ولایکرہ فی غیرہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم	نماز کے بعد سجدہ شکر کرنا ان اوقات میں مکروہ ہے جن میں نماز مکروہ ہے، اس کے علاوہ مکروہ نہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ یستحب تاخیر العصر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۱/۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطلب طلوع الشمس من مغربہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۷۳/۱

مسئلہ (۳۱۰) از سہاور ضلع ایٹہ مسئولہ اولاد علی صاحب۔ بروز شنبہ بتاریخ ۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) زید نے نمازِ فجر طلوعِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور اُس کے نماز پڑھنے میں آفتاب نکل آیا تو وہ نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) نمازِ مغرب غروبِ آفتاب سے پہلے شروع کی اور نماز پڑھتے ہی میں آفتاب غروب ہوگیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجرّوا۔**

الجواب:

(۱) نماز فجر میں سلام سے پہلے اگر ایک ذرا سا کنارہ طلوع ہوا نماز نہ ہوگی۔

(۲) اگر ایک نقط بھر کنارہ شمس غروب کو باقی ہے اور اس نے مغرب کی تکبیر تحریمہ کہی نماز نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۱) مسئولہ منشی عبدالرحمٰن صاحب اعظمی از ریاست جے پور گھاٹ دروازہ ۲۴ محرم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز جو اصحاب حنفیّہ کے یہاں اسفار میں ہے کہ وہ کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور طلوعِ آفتاب سے کتنے پر نماز ختم ہونی چاہئے، اس کی کیا مقدار ہے اور بعد اختتام نمازِ فجر کتنے منٹ طلوعِ آفتاب کو باقی رہنا چاہئیں: مفصّل طور پر بیان فرمایا جائے، **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

آج صبح کا جتنا وقت ہے اس کا نصف اول چھوڑ کر نصف ثانی سے وقت مستحب شروع ہوتا ہے کمافی البحرالرائق وغیرہ اور اس میں بھی جس قدر تاخیر ہو افضل ہے **اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر**[1] (فجر کو خُوب روشن کرو کیونکہ اس میں زیادہ اجر ہے۔ت) مگر نہ اس قدر کہ طلوع میں شبہہ پڑ جائے اتنا وقت رہنا اولیٰ کہ اگر نماز میں کوئی فساد ہو تو وقت میں مسنون طور پر اعادہ ہوسکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۱۲) مرسلہ ولی احمد قلعی گر رانی کھیت صدر بازار ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

جناب پیر صاحب قبلہ السلام علیکم، بعد سلام علیک کے واضح ہو کہ جمعہ کا وقت جاڑے کے دنوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے اور گرمیوں میں کتنے بجے تک رہتا ہے خلاصہ حال سے براہِ مہربانی اطلاع دیجئے اور عصر کا وقت کتنے بجے تک رہتا ہے یہ بھی اطلاع دیجئے ایک شخص اعتراض کرتے ہیں جمعہ کے وقت کا اس وجہ سے آپ کو تکلیف دی فقط والسّلام۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝۱۰۳

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب تعجیل الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۱

الجواب:

جمعہ اور ظہر کا ایک ہی وقت ہے سایہ جب تک سایہ اصل کے سوا دو مثل کو پہنچے جمعہ وظہر دونوں کا وقت باقی رہتا ہے۔ بریلی میں ریلوے وقت سے جاڑوں میں کم از کم ۳ بج کر چالیس ۴۰ منٹ تک وقت رہتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ ۵ بج کے ۷ منٹ تک، عصر کا وقت غروب تک ہے اور اس سے تقریبًا بیس ۲۰ منٹ پہلے وقتِ کراہت شروع ہوجاتا ہے، غروب جاڑوں میں ۵ بج کر ساڑھے ۱۵ منٹ پر ہوتا ہے اور گرمیوں میں زیادہ سے زیادہ سات ۷ بج کے چودہ ۱۴ منٹ پر، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۳) ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سفر کے عذر سے جس میں قصر لازم آتا ہے دو ۲ نمازوں کا جمع کرنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ناجائز ہے، **قال اللہ تعالٰی:** اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ [1] (بیشک نماز مسلمانوں پر فرض ہے وقت باندھا ہوا) کہ نہ وقت سے پہلے صحیح نہ وقت کھو کر پڑھنا روا بلکہ فرض ہے کہ نماز اپنے وقت پر ادا ہو حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظة ان تؤخر صلاة حتی یدخل وقت صلاة اخری [2]۔	سونے میں کچھ تقصیر نہیں تقصیر تو جاگنے میں ہے کہ تو ایک نماز کو اتنا مؤخر کرے کہ دوسرے نماز کا وقت آجائے۔

یہ حدیث خود حالتِ سفر میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی تھی رواہ مسلم واحمد وابوداود والطحاوی وابن حبان عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ سفر وحضر میں حاضر بارگاہِ رسالت پناہ ہمرکاب نبوت مآب رہا کرتے صاف صریح انکار فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کو کبھی دو ۲ نمازیں جمع فرماتے نہ دیکھا مگر مزدلفہ عرفات میں جہاں کی جمع ہنگام حج حجاج کے لئے سب کے نزدیک متفق علیہ ہے نویں تاریخ عرفات میں ظہر وعصر پھر نویں شب مزدلفہ میں مغرب وعشا ملا کر پڑھتے ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی وشرح معانی الاثار امام طحاوی میں اُس جناب

---

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

[2] مسند احمد بن حنبل مسانید ابن ابی قتادۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۰۵

سے ہے: قال مارأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی صلاۃ لغیر میقاتھا الاصلاتین جمع بین المغرب والعشاء وصلی الفجر قبل میقاتھا [1]۔وفی لفظ للنسائی کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الصلاۃ لوقتھا الابجمع وعرفات [2]۔ سیدنا امام محمد مؤطا شریف میں بسند صحیح امیر المومنین عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: انہ کتب فی الافاق ینھاھم ان یجمعوا بین الصلاتین ویخبرھم ان الجمع بین الصلاتین فی وقت واحد کبیرۃ من الکبائر [3] (یعنی اُس جناب خلافت مآب ناطق بالحق والصواب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تمام آفاق میں فرمان تحریر فرما بھیجے کہ کوئی شخص دو ۲ نمازیں جمع نہ کرے اور اُن میں ارشاد فرمایا کہ ایک وقت میں دو ۲ نمازیں ملانا کبیرہ گناہوں سے ایک گناہ کبیرہ ہے) مخالفین کے پاس جمع حقیقی پر قرآن وحدیث سے اصلاً کوئی دلیل نہیں جو کچھ پیش کرتے ہیں یا تو جمع صوری صریح ہے یعنی ظہر یا مغرب کو اُس کے ایسے آخر وقت میں پڑھنا کہ فارغ ہوتے ہی فوراً یا ایک وقفہ قلیل کے بعد عصر یا عشا کا وقت آجائے پھر وقت ہوتے ہی معاً عصر یا عشا کا پڑھ لینا کہ حقیقت میں تو ہر نماز اپنے وقت پر ہُوئی مگر دیکھنے میں مل گئیں ایسی جمع مریض ومسافر کے لئے ہم بھی جائز مانتے ہیں اور حدیثوں سے یہی ثابت ہے یا محض مجمل ہے جس میں جمع حقیقی کی اصلاً بُو نہیں یا صاف محتمل کہ احادیث جمع صوری سے بہت اچھے طور پر متفق ہو سکتی ہے غرض کوئی حدیث صحیح وصریح مفسر اُن کے ہاتھ میں اصلا نہیں بعونہ تعالٰی اس کا نہایت شافی ووافی بیان فقیر نے رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ میں لکھا کہ اس سوال کے آنے پر تحریر کیا جسے تحقیق حق منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے وباللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۴) مرسلہ جناب مولانا مولوی شاہ عبدالغفار صاحب قادری قدوسی مدرس اول مدرسہ جامع العلوم معکسر بنگلور

مولٰنا المولوی جناب مولوی احمد رضا خان صاحب قادری الحنفی البرکاتی البریلوی ادام برکاتکم والطافکم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم حضرت قاضی مفتی ارتضا علی خاں صاحب جو وقت اخراج کے اس طور سے کہ پہلے ایک تختہ اصطرلاب اپنے سامنے رکھے تھے اور دو دائرہ ہندیہ پتھّر پر تیار کرکے اصطرلاب پر شاقول پھرائے اور دائرہ ہندیہ پر نظر کرکے ایسا ایک ہی کامل محنت کرکے یہ رسالہ لکھے ہیں آپ اس سے عرض کرتا ہوں کہ مدراس تیرہ ۱۳

[1] صحیح مسلم باب استحباب زیادۃ التغلیس لصلوۃ الصبح مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۷

[2] سنن النسائی الجمع بین الظہر والعصر بعرفۃ، مطبوعہ، سلفیہ لاہور، ۲/۳۹

[3] مؤطا امام محمد، باب الجمع بین الصلاتین فی السفر والمطر مطبوعہ آفتاب عالم پریس مجتبائی لاہور ص ۱۳۲

درجہ پر واقع ہے اور یہ معکسر بنگلور دو سو سترہ میل پر ساڑھے سترہ درجہ پر ہے ہم اس حساب سے ۵ لحظہ بڑھ کر لیتے ہیں اس رسالہ میں جو ۱۵ لحظہ دیری کرنا لکھے ہیں حاجت نہیں ریلوے حساب سے مدراس اور یہاں دو [۲] لحظہ ہی کا فرق ہے اگر ۵ لحظہ تاخیر کریں تو کافی رہا آپ کا بریلی شہر اس حساب کے موافق ہرگز نہ ہوگا کیونکہ اغلبًا شاید چودہ [۱۴] درجہ پر ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اختلاف اوقات بہ تقدم وتاخر تو ضرور تبدیل طول بلد سے ہوجاتا ہے مگر وہ وجہ تغیر حساب نہیں مثلًا جس بلد میں طلوع شمس کسی جز میں سات بجے پر ہو تو اس عرض کے جتنے بلاد وآفاق ہیں سب میں طلوع شمس جز مذکور میں سات [۷] ہی بجے ہوگا بلاتفاوت اگرچہ بلد شرقی میں سات پہلے بجیں گے اور غربی میں بعد ہاں اختلاف عرض موجب تزاید وتناقض وتغیر حساب ہوتا ہے کہ اس کے باعث تعدیل النہار ومطالع البروج وقوس النہار وقوس اللیل وغایت ارتفاع وغایت انحفاض وغیرہا امور جن پر ابتنائے حساب اوقات ہے متبدل ہوجاتے ہیں مدراس بنگلور کے عرض میں ایسا تفاوت نہیں کہ تغیر معتدبہ دے، مدراس تیرہ [۱۳] درجے ۵ دقیقہ ہے اور بنگلور جہاں تک مجھے مراجعت اطلس سے معلوم ہوا ہے علی قول بارہ [۱۲] درجے اُنسٹھ [۵۹] دقیقہ اور علی قول آخر ۱۲ درجے ۵۵ دقیقے پر ہے۔ یہ چھ [۶] یا دس [۱۰] دقیقے کا تفاوت چنداں مغیر اوقات نہ ہوگا، پانچ دقیقہ ساعت جو آپ نے مقرر فرمائے کثیر ہیں۔ بریلی کا عرض ۲۸ درجے ۲۱ دقیقے ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۱۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت فجر کا کس وقت سے شروع ہوتا ہے اور کب تک رہتا ہے اور جو شخص نہایت اندھیرے میں اول وقت نمازِ فجر پڑھے اور لوگوں کو اُسی وقت پڑھنے کی تاکید کرے اور کہے بعد روشنی کے نماز مکروہ ہوتی ہے وہ شخص سچّا ہے یا نہیں اور وہ نماز اُس کی مستحب وقت پر ہوئی یا نہیں، اور مستحب وقت اس نماز کا کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وقت نماز فجر کا طلوع یا انتشار صبح صادق سے ہے علی اختلاف المشائخ اور انتہا اس کی طلوع اول کنارہ شمس ہے اور ہمارے علماء کے نزدیک مردوں کو دوامًا ہر زمان وہر مکان میں اسفارِ فجر یعنی جب صبح خوب روشن ہوجائے نماز پڑھنا سنّت ہے سوا یوم النحر کے کہ حجاج کو اُس روز مزدلفہ میں تغلیس چاہئے **صرح بہ فی عامۃ کتبھم** (فقہا کی عامہ کتب میں اس بات کی تصریح ہے) اس میں احادیث صریحہ معتبرہ وارد، ترمذی ابوداود ونسائی دارمی ابن حبان طبرانی حضرت رافع بن خدیج سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر [1] (یعنی صبح کو خوب روشن کرو کہ اسفار میں اجر زیادہ ہے)

ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ولفظ الطبرانی: فکلما اسفرتم بالفجر فانه اعظم للاجر [2]۔ولفظ ابن حبان: کلما اصبحتم بالصبح فانه اعظم لاجورکم [3] ان الفاظ کا حاصل یہ ہے کہ جس قدر اسفار میں مبالغہ کروگے ثواب زیادہ پاؤگے اور طبرانی وابن عدی نے انہی صحابی سے روایت کیا:

قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال: یابلال! اناد بصلاة الصبح حتی یبصر القوم مواقع نبلهم من الاسفار [4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا: اے بلال! فجر کی اذان اس وقت دیا کرو جب لوگ اپنے تیر گرنے کی جگہیں دیکھ لیں بسبب روشنی کے۔

اور پُر ظاہر کہ یہ بات اُس وقت حاصل ہوگی جب صبح خوب روشن ہوجائے گی اور جب اذان ایسے وقت ہوگی تو نماز اس سے بھی زیادہ روشنی میں ہوگی،ابن خزیمہ اپنی صحیح اور امام طحاوی شرح معانی الاثار میں بسند صحیح حضرت ابرہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

مااجتمع اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی شیئ، کما اجتمعوا علی التنویر [5]۔	اصحابِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کسی بات پر اتفاق نہ کیا جیسا تنویر واسفار پر۔

حدیث صحیحین سے ثابت کہ نمازِ فجر اوّل وقت پڑھنا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت شریفہ کے خلاف تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزدلفہ میں حضور کے مغرب کو بوقتِ عشاء اور فجر کو اول وقت پڑھنے کی نسبت فرمایا:

ان هاتین الصلاتین حولتا عن وقتیهما فی هذا المکان [6] (یعنی یہ دونوں

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب تعجیل الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۱، جامع الترمذی ماجاء بالاسفار بالفجر مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲۲/۱

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث رافع بن خدیج مطبوعہ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۲۵۱/۴

[3] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الصلوٰۃ حدیث ۱۴۸۷، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲۳/۴

[4] مجمع الزوائد باب وقت صلاۃ الصبح مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۳۱۶/۱

[5] شرح معانی الاثار باب الوقت الذی یصلی ای وقت ھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۶/۱

[6] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ متی یصلی الفجر بجمع مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۸/۱

نمازیں اپنے وقت سے پھیر دی گئیں اس مکان میں) بخاری و مسلم کی دُوسری روایت میں ہے: صلی الفجر قبل وقتھا بغلس[1] صبح کی نماز پڑھی قبل اس کے وقت کے تاریکی میں اور قبل وقت سے قبل از طلوع فجر مراد نہیں کہ یہ خلاف اجماع ہے معہذا حدیث بخاری سے ثابت کہ فجر طالع ہوچکی تھی تو بالضرور قبل از وقت معہود مقصود ہے وہوالمطلوب، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ اس حدیث کے راوی ہیں حضر وسفر میں ملازمت والا سے مشرف رہتے یہاں تک کہ لوگ انہیں اہل بیت نبوت سے گمان کرتے اور ان کے لئے استیذان معاف تھا کل ذلك ثابت بالاحادیث (یہ سب احادیث سے ثابت ہے۔ت) تواُن کا یہ فرمانا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ کسی نماز کو غیر وقت پر پڑھا ہو سوااِن دو۲ نمازوں کے،اس مضمون کا مؤکد ومؤید ہے اور حکمت فقہی اس باب میں یہ ہے کہ اسفار میں تکثیر جماعت ہے جو شارع کو مطلوب ومحبوب اور تغلیس میں تقلیل اور لوگوں کو مشقت میں ڈالنا اور یہ دونوں ناپسند ومکروہ،اسی لئے امام کو تخفیف صلاۃ اور کبیر وضعیف ومریض حاجتمند کی مراعات کا حکم فرمایا سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت میں قرات طویل پڑھی لوگ شاکی ہُوئے،ارشاد ہوا:

یامعاذا افتان انت؟ یامعاذ! افتان انت؟ قالہ ثلثا[2] اھ۔	اے معاذ! کیا تم،لوگوں کو آزمائش میں ڈالنا چاہتے ہو؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی۔(ت)

اور اوّل وقت نماز کی افضیلت اگر مطلقاً تسلیم کر بھی لی جائے تاہم دفع مفاسد جلب مصالح سے اہم واقدم ہے آخر نہ دیکھا کہ تطویل قرات پر عتاب ہوا حالانکہ قرآن جس قدر بھی پڑھا جائے احسن وافضل ہی ہے معہذا نماز فجر کے بعد تا باشراق ذکرِالٰہی میں بیٹھا رہنا مستحب ہے اور یہ امر اسفار میں آسان اور تغلیس کے ساتھ دشوار،اب رہا یہ کہ حد اسفار کی کیا ہے،بدائع وسراج وہاج سے ثابت کہ وقت فجر کے دو۲ حصے کئے جائیں حصّہ اوّل تغلیس اور آخر میں اسفار ہے۔اور امام حلوائی وقاضی امام ابوعلی نسفی وغیرہما عامہ مشائخ فرماتے ہیں کہ ایسے وقت شروع کرے کہ نماز بقرات مسنونہ ترتیل واطمینان کے ساتھ پڑھ لے بعدہ نسیان حدث پر متنبہ ہوتو وضو کرکے پھر اُسی طرح پڑھ سکے اور ہنوز آفتاب طلوع نہ کرے،بعض کہتے ہیں کہ نہایت تاخیر چاہئے کہ فساد موہوم ہے اور اسفار مستحب،مستحب کو موہوم کیلئے نہ چھوڑیں گے مگر ایسے وقت تک تاخیر کہ طلوع کا اندیشہ ہوجائے بالاجماع مکروہ،

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب التغلیس بصلوۃ الصبح کتاب الصلوۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۷

[2] صحیح مسلم،باب قراۃ فی العشاء،بصلوۃ الصبح کتاب الصلوۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۷

ففی غنیة المستملی للعلامة الحلبی اثرا عن البدائع، وحدہ (یعنی التغلیس) مادام فی النصف الاول من الوقت۔ وفیہا عن الفتاوی الخانیة، وحد التنویر ماقال شمس الائمة الحلوائی والقاضی الامام ابوعلی النسفی: انہ یبدأ الصلوة بعد انتشار البیاض فی وقت لوصلی الفجر بقرأة مسنونة مابین اربعین اٰیة الی ستین اٰیة، ویرتل القرأة، فاذا فرغ من الصلاة، ثم ظھرلہ سھو فی طھارتہ، یمکنہ ان یتوضأ ویعید الصلاة قبل طلوع الشمس۔ کما فعل ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ وعلی ھذا، مافی محیط رضی الدین والخلاصة والکافی وغیرھا [1]؛ انتھٰی **قلت**: ومثلہ فی فتاوی قاضی خان، ونحوہ فی الفتاوی العالمگیریة عن التبیین۔ وقیل: یؤخرھا جدا، لان الفساد موھوم فلم یترك المستحب	غنیۃ المستملی میں علّامہ حلبی نے بدائع سے یہ اثر نقل کیا ہے کہ اس کی مقدار (یعنی تغلیس کی) یہ ہے کہ وقتِ فجر کے پہلے نصف تک۔ اسی میں فتاوٰی خانیہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ حلوائی اور قاضی امام ابوعلی نسفی کے بقول تنویر کی مقدار یہ ہے کہ نماز سفیدی پھیلنے کے بعد اس وقت شروع کرے کہ اگر فجر کی نماز قراۃِ مسنونہ سے پڑھے، اور جب نماز سے فارغ ہو تو یاد آئے کہ طہارت میں سہو ہوگیا تھا تو (اتنا وقت باقی ہو کہ) وضو کرکے طلوع سے پہلے دوبارہ نماز پڑھ سکے، جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کیا تھا۔ محیط رضی الدین، خلاصہ اور کافی وغیرہ میں بھی اسی کے مطابق ہے۔ انتہی۔ **میں نے کہا،** اسی کے مطابق فتاوٰی قاضی خان میں بھی ہے اور عالمگیری میں بھی تبیین سے منقول ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ (نماز فجر میں) بہت زیادہ تاخیر کرے کیونکہ (نماز کے بعد طہارت میں غلطی رہ جانے کا خیال آنا اور اس طرح) نماز کا فاسد ہونا، محض فرضی صورت ہے،

[1] التعلیق المجلیج لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی، شرط خامس الوقت، مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۶۰۶

نوٹ: اعلٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ففی غنیۃ المستملی فرما کر منیۃ المصلی کی شرح حلبی کبیر کی طرف اشارہ کیا ہے، فقیر نے حلبی کبیر کو کافی کوشش کے ساتھ دیکھا ہے۔ اس میں یہ عبارت نہیں مل سکی، ہوسکتا ہے کاتب کی غلطی سے غنیۃ المستملی لکھا گیا ہو اصل لفظ حلیۃ المجلی ہو، کیونکہ التعلیق المجلی جو منیۃ المصلی کی شرح پر ایک حاشیہ ہے۔ اس میں یہ عبارت حلیۃ المحلی کے حوالہ سے ملی ہے اور چونکہ حلیۃ المجلی بھی اس وقت دستیاب نہیں۔ اسی لئے التعلیق المجلی سے حوالہ نقل کیا ہے۔ (نذیر احمد سعیدی)

لاجله۔وقيل: حده ان يرى مواضع النبل۔ثم كمافى محيط رضى الدين وغيره،لايؤخرها تاخيرا يقع الشك فى طلوع الشمس [1]۔انتهٰى ملخصًا۔وفى البحرالرائق،قالوا: يسفربها بحيث لوظهر فساد صلاته يمكنه ان يعيدها فى الوقت،بقرأة مستحبة۔وقيل: يؤخرها جدا، لان الفساد موهوم فلايترك المستحب لاجله۔ وهوظاهر اطلاق الكتاب (يعنى الكنز،حيث قال: وندب تاخير الفجر،ولم يقيد بشيئ) لكن لايؤخرها بحيث يقع الشك فى طلوع الشمس۔ وفى السراج الوهاج: حدالاسفار ان يصلى فى النصف الثانى،ولايخفى ان الحاج بمزدلفة لايؤخرها۔وفى المبتغى،بالغين المعجمة، الافضل للمرأة فى الفجر الغلس،وفى غيرها الانتظار الى فراغ الرجال عن الجماعة [2]۔انتهى مافى البحر۔وفى الدرالمختار: والمستحب للرجل الابتداء فى الفجر باسفار والختم به،هوالمختار،بحيث يرتل اربعين اٰية ثم يعيده بطهارة لوفسد۔وقيل: يؤخرجدا،لان الفساد موهوم ،الالحاج بمزدلفة،

اس لئے اس کی وجہ سے مستحب (تنویر) کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔اور بعض نے کہا ہے کہ اتنی تنویر ہونی چاہئے کہ تیر گرنے کی جگہ نظر آسکے۔پھر جیسا کہ محیط وغیرہ میں ہے۔یہ خیال رکھے اتنی تاخیر نہ ہونے پائے کہ سورج طلوع ہونے کا شک ہونے لگے۔انتہی ملخصا۔اور بحرالرائق میں ہے علماء نے کہا ہے کہ اتنی تنویر کرے کہ اگر (نماز کے بعد) نماز کے فاسد ہونے کا پتہ چلے تو قراءتِ مستحبہ کے ساتھ اسی وقت میں لوٹا سکے۔اور بعض نے کہا کہ بہت تاخیر کرے کیونکہ (اس طرح نماز کا) فاسد ہونا ایک مفروضہ ہے،اس کی وجہ سے مستحب کو نہیں چھوڑنا چاہئے۔کتاب کے اطلاق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے (کتاب سے مراد کنز ہے، کیونکہ اس نے کہا ہے کہ فجر کی تاخیر مستحب ہے اور کوئی قید نہیں لگائی) لیکن اتنی تاخیر بہرحال نہ کرے کہ سورج چڑھ جانے کا شک ہونے لگے۔اور السراج الوہاج میں ہے کہ تنویر کی مقدار یہ ہے کہ وقت کے نصف ثانی میں پڑھے، لیکن واضح رہے کہ مزدلفہ میں حاجی تاخیر نہ کرے۔اور مبتغٰی میں ہے کہ عورت کے لئے صبح میں تغلیس بہتر ہے،اور دیگر نمازوں میں لوگوں کے جماعت سے فارغ ہونے تک انتظار بہتر ہے۔انتہی مافی البحر۔ اور درمختار میں ہے کہ مرد کے لئے مستحب یہ ہے کہ صبح

[1] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی، شرط خامس الوقت، مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۲۰۶

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

فالتغلیس افضل، کمرأۃ مطلقا [1]۔	کی نماز شروع بھی تنویر میں کرے اور ختم بھی تنویر میں کرے۔یہی مختار ہے،اس طرح کہ اس میں چالیس ۴۰ آیتیں ترتیل سے پڑھے اور بعد میں اگر فاسد ہونے کا پتہ چلے تو وضو کرکے لوٹا سکے،اور بعض نے کہا ہے کہ بہت مؤخر کرے کیونکہ ایسا فاسد ہونا موہوم ہے،البتہ مزدلفہ میں حاجی کیلئے تغلیس بہتر ہے جیسا کہ عورت کے لئے ہر جگہ تغلیس بہتر ہے۔(ت)

اُس شخص کا اول وقت اندھیرے میں نماز پڑھنا سنت کی مخالفت کرنا ہے اور اُن کو اس کی تاکید کرنی مخالف سنّت کی طرف بلانا ہے اور یہ کہنا کہ روشنی میں نماز مکروہ ہوتی ہے سنّت کو مکروہ کہنا اور شریعت مطہرہ پر بہتان اٹھانا ہے،اللہ تعالٰی ہدایت دے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۱۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت مستحب ظہر کا گرما میں کیا ہے اور جو شخص موسم مذکور میں بعد زوال اوّل وقت نمازِ ظہر پڑھے اور لوگوں کو بھی تاکید کرے کہ وقت اولٰی یہی ہے،آیا وہ شخص حق پر ہے یا ناحق پر، بینوا توجروا۔

الجواب:

موسم گرما میں ظہر کا ابراد کرکے پڑھنا مستحب ہے تمام کتب حنفیّہ میں یہ معنی مصرح ہے اور اوّل وقت میں پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکمِ اقدس سے عدول۔ حضور فرماتے ہیں:

اذا اشتد الحر فابردوا بالظھر،فان شدّۃ الحرّ من فیح جھنم [2]۔متفق علیہ۔	جب گرمی سخت ہو تو ظہر کو ٹھنڈا کرو کہ شدّتِ گرمی وسعت دم دوزخ سے ہے۔

اور بخاری ونسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للنسائی قال:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاکان الحرا برد الصلاۃ واذاکان البرد عجل [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب گرمی ہوتی تو نماز ٹھنڈی کرتے اور جب سردی ہوتی تعجیل فرماتے۔

اور بخاری مسلم ابوداود ابن ماجہ نے سیدنا ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی،قال:

اذن مؤذن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی مؤذنِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ ظہر

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۰
[2] صحیح لمسلم استحباب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۲۴
[3] سنن النسائی تعجیل الظہر فی البرد مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۸

الظھر، فقال: ابرد، ابرد، اوقال: انتظر، انتظر، وقال: شدۃ الحرّ من فیح جھنّم، فاذا اشتد الحر فابردوا عن الصلاۃ۔ حتی رأینا فیئ التلول[1]۔	دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا فرمایا: انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا، سخت گرما جہنم کی وسعت نفس سے ہے تو جب گرمی زائد ہو نماز ٹھنڈی کرو، یہاں تک کہ ہم نے دیکھا ٹیلوں کا سایہ۔

دوسرے طریق میں ہے:

کنامع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السفر فاراد المؤذن ان یؤذن الظھر فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابرد ثم اراد ان یؤذن فقال لہ ابرد حتی رأینا فیئ التلول[2] الحدیث۔	ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے مؤذن نے اذان کا ارادہ کیا کہ ظہر کی اذان دے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ٹھنڈا کر پھر چاہا کہ اذان دے پھر فرمایا: ٹھنڈا کر، یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھے۔

اور مسلم میں ابراہیم کے طریق میں شعبہ سے مؤذن کا تین بار ارادہ اور حضور کا یہی حکم فرمانا وارد ہوا **قلت ومسلم ثقۃ فزیادتہ مقبولۃ** (میں نے کہا مسلم ثقہ ہے اس لئے اس کا اضافہ مقبول ہے۔ت)

اقول: اب یہاں سے مبالغہ تاخیر کا اندازہ کرنا چاہئے کہ مؤذن نے تین بار اذان کا ارادہ کیا اور ہر دفعہ ابراد کا حکم ہوا اور یقینا معلوم ہے کہ ہر دو ارادوں میں اس قدر فاصلہ ضرور تھا جس کو ابراد کہہ سکیں اور وہ وقت بہ نسبت پہلے وقت کے ٹھنڈا ہو ورنہ لازم آئے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تعمیلِ حکم نہ کی اور جب اذان میں یہ تاخیر ہوئی تو نماز تو اور بھی دیر میں ہوئی ہوگی۔ علما فرماتے ہیں ٹیلے غالبًا بسیط اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اُن کا سایہ دوپہر کے بہت دیر بعد ظاہر ہوتا بخلاف اشیائے مستطیلہ مانند منار و دیوار وغیرہما، امام ہمام احمد بن محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: ٹیلوں کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا مگر جب اکثر وقت ظہر کا جاتا رہے ابوداؤد و نسائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں

قال: کان قدر صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الظھر فی الصیف، ثلثۃ اقدام	گرمی میں نماز حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مقدار تین قدم سے پانچ قدم

[1] سنن ابی داود وقت صلٰوۃ الظھر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۸
[2] سنن ابی داود وقت صلٰوۃ الظھر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۸

الی خمسۃ اقدام [1]۔	تک تھے۔

یعنی جب سایہ ہر چیز کا اس کے ساتویں حصّہ کے تین یا پانچ مثل ہو جاتا تو حضور پُر نور نماز ادا فرماتے اور معلوم ہے کہ حرمین شریفین زادہما اللہ تعالٰی شرفًا میں گرمی کے موسم میں اس قدر سایہ نہایت دیر میں واقع ہوگا کہ وہاں سایہ اصلی اس موسم میں نہایت قلّت پر ہوتا ہے بعض اوقات میں دو ۲ انگل سے زائد نہیں پڑتا اور مکہ معظّمہ میں تو بعض اوقات یعنی آفتاب سمت الراس پر گزرے مطلقًا نہیں ہوتا، یہ بات وہاں اُس وقت ہوتی ہے جب آفتاب ہشتم جوزا یا بست ودوم سرطان پر ہو یعنی ۳۰ مئی اور ۲۴ جولائی،

اخرج ابوداود والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: امنی جبریل عندالبیت مرتین، فصلی بی الظہر حین زالت الشمس وکانت قدر الشراك [2]، الحدیث۔ وفی البحرالرائق عن المبسوط، واعلم ان لکل شیئ ظلا وقت الزوال الابمکۃ والمدینۃ فی اطول ایام السنۃ، لان الشمس فیہا تاخذ الحیطان الاربعۃ [3] اھ اقول: وکانہ رحمہ اللّٰہ، اطلق العدم واراد القلۃ، والا فالمدینۃ الطیبۃ عرضہا "الہ حہ" زائد ا علی المیل کلی بدرجۃ وثلث وثلثین دقیقۃ، فکیف ینعدم فیہاالظل؟ ومکۃ عرضہا "کام حہ" اقل من المیل الاعظم بدرجۃ وسبع واربعین دقیقۃ، فلاینعدم فیہا الظل	ابوداود وترمذی نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل بیت اللہ کے پاس دو ۲ مرتبہ میرے امام بنے، تو ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے جتنا ہوگیا، الحدیث۔ اور بحر الرائق میں مبسوط سے منقول ہے کہ جن لو، زوال کے وقت ہر چیز کا سایہ ہوتا ہے، مگر سال کے سب سے طویل دن میں مکّہ اور مدینہ میں سایہ نہیں ہوتا کیونکہ ان دنوں سورج چاروں دیواروں پر پڑ رہا ہوتا ہے، اھ۔ **میں کہتا ہوں:** یوں لگتا ہے کہ صاحبِ مبسوط رحمہ اللہ تعالٰی نے سایہ نہ ہونے سے مراد سایہ تھوڑا ہونا لیا ہے، ورنہ مدینہ طیبہ کا عرض "الہ" ہے جو میلِ کلی سے ایک درجہ اور تینتیس دقیقہ زائد ہے، تو وہاں سایہ کیسے معدوم ہوسکتا ہے؟ اور مکہ کا عرض "کام حہ" ہے جو میلِ اعظم سے ایک درجہ اور سینتالیس دقیقہ کم ہے، اس لئے سب سے طویل دن میں

[1] سنن النسائی باب الابراد بالظہر مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۵۹
[2] سنن ابی داؤد باب المواقیت آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۵۶
[3] البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۵

فی اطول الایام؛ بل یکون جنوبیا، وانما ینعدم حیث ذکرنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہاں سایہ معدوم نہیں ہوتا بلکہ جنوبی طرف ہوتا ہے۔ معدوم ہونے کا وقت وہ ہے جو ہم ذکر کر آئے ہیں (یعنی جب آفتاب سمت الراس پر گزرے)۔(ت)

اور حد ابراد فصل شریف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باحادیث سیدنا ابی ذر وسیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما معلوم ہوچکی مگر سایہ کا حال اختلاف بلاد سے مختلف ہوتا ہے اور فقہ میں اس کی یہ حد ذکر کی گئی کہ سائے سائے میں مسجد تک چلاآئے فی الدرالمختار وتاخیر الصیف بحیث یمشی فی الظل [1] اور اسی طرح ایک حدیث میں وارد ہوا اور بحرالرائق میں ہے کہ قبل اس کے کہ سایہ ایک مثل کو پہنچے ادا کرے حیث قال وحدہ ان یصلی قبل المثل [2] شاید یہ اس پر مبنی ہے کہ انتہائے وقت ظہر میں علما مختلف ہیں امام کے نزدیک دو ۲ مثل اور صاحبین کے نزدیک ایک مثل معتبر ہے تو بہتر یہ ہے کہ ایک مثل تک ادا ہوجائے ورنہ ہدایہ میں تصریح کرتے ہیں کہ ظہر میں ابراد کا حکم ہے اور حرمین شریفین میں جب سایہ ایک مثل کو پہنچتا ہے عین اشتداد گرمی کا وقت ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] دُرمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۰

[2] البحرالرائق کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۴۷

فصل فی اماکن الصّلٰوۃ

مسئلہ (۳۱۷) از مقام چتور گڑھ علاقہ اُدیپور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب بتاریخ ۱۶ ربیع الاول شریف بروز سہ شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایسی جگہ نماز کا وقت آیا کہ دُور دُور تک زمین تر اور ناپاک ہے اگر سجدہ کرتا ہے تو کپڑے تر ہو کر ناپاک ہوتے ہیں اور کوئی ایسی چیز نہیں کہ نیچے بچھا کر اس پر کپڑا پاک ڈال کر نماز پڑھے تو ایسی صورت میں کس طرح نماز ادا کرے اشارہ سے یا سجدہ ورکوع سے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرع مطہر کسی وقت کسی سوال کے جواب سے عاجز نہیں مگر ایسی صورت میں قبل از وقوع بے اندیشہ صحیحہ وقوع فرض کرکے سوال کرنا وبال لانا ہے اور کبھی اُسے مشکل میں مبتلا کردیتا ہے، حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن نفل المسائل[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بے ضرورت مسائل پُوچھنے سے منع کیا ہے۔(ت)

رہا سوال کا جواب، وہ قرآن مجید میں موجود ہے کہ:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَاؕ[2]	(اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلّف نہیں بناتا۔ت)

1

[2] القرآن ۲/۲۸۶

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ[1] (جہاں تک ہوسکے اللہ سے ڈرو۔ت) وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[2] (اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔ت) نماز کھڑے کھڑے اشارے سے پڑھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۸) مسئولہ محمد خان نمبردار بڑودہ ڈاک خانہ پنڈراول ضلع بلند شہر یک شنبہ ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع بڑودہ ضلع بلند شہر میں کوئی عیدگاہ نہیں ہے عرصہ تخمیناً ۸ سال کا ہوا جب میں نے آبادی دیہہ جانب اُتر جنگل اوسر بملکیت خود میں نے ایک چونترہ خام واسطے عیدگاہ کے بنوایا تھا جس کی بنیاد جناب مولٰنا بہاء الدین شاہ صاحب ساکن مرشد آباد نے رکھی تھی اس جنگل اوسر میں جگہ عیدگاہ و متصل چونترہ عیدگاہ اہل ہنود کے مُردے جلا کرتے تھے جب چونترہ عیدگاہ قائم ہوگیا تو اہل ہنود نے دوسری جگہ مُردے جلانے شروع کردیے اب بعض اشخاص اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ مرگھٹ قبر کی تعریف میں نہیں آتا ہے کیونکہ ہوا و بارش سے ہڈیاں وخاک بہہ جاتی ہے اور قبر کے اندر مُردہ دفن ہوتا ہے امید کہ جواب سے معزز فرمایا جائے۔

الجواب:

اگر چوترہ ایسی مٹّی سے بنایا گیا جس میں مُردہ ہندووں کی نجاست نہ تھی یا اُس زمین کی مٹّی جہاں تک اُن کی نجاستیں تھیں کھود کر پھنکوادی پھر اُس زمین ہی کو نماز کے لئے کردیا تو اس میں کوئی حرج نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب مسجد مدینہ طیبہ بنا فرمائی وہ ایک نخلستان تھا جس میں مشرکین دفن ہوتے تھے **فامر بقبور المشرکین** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا مشرکوں کی قبریں کھود کر وہ نجس مٹی پھینک دی گئی پھر وہاں مسجد کریم تعمیر فرمائی[3] **کما فی صحیح البخاری وغیرہ**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۱۹) مسئولہ شمشیر خاں درگارہ جیلانی موضع بڑودہ ضلع بلند شہر معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب محمود آبادی سہ شنبہ ۲۳ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ کو جس میں ہڈیاں تک مشرکین کی نظر آتی ہیں اُسے چھوڑ کر جدید عیدگاہ میں نماز ادا کرنے سے خاطی وگنہگار تو نہ ہوں گے اختلاف اُس

---

[1] القرآن ۶۴/۱۶

[2] القرآن ۲۲/۷۸

[3] صحیح البخاری باب ہل ینبش قبور مشرکین الجاہلیۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۱

چبوترہ پر نماز ادا کرنے سے اکثر لوگوں کو ہے بلکہ کئی سال ہوئے جب سے چبوترہ بنایا گیا اکثر مسلمان دوسری جگہ نماز پڑھنے جاتے تھے اس سال سبھوں نے مل کر عیدگاہ پختہ بنوانا شروع کر دی، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

۱۶ شعبان کو یہ سوال آیا تھا جواب دیا گیا کہ اگر چبوترہ کی مٹّی میں نجاست کی آمیزش نہیں یا زمین ہی کھود کر اُن نجاستوں سے پاک کر دی گئی تو کوئی مضائقہ نہیں اب سوال میں اظہار ہے کہ اس میں مشرکوں کی ہڈیاں تک نظر آتی ہیں ایسی حالت میں اُس پر نماز پڑھنا ہی حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۲۰) از ندی پار بستی علاقہ ریاست گوالیار گونا باور ریلوے ڈاک خانہ ندی مذکور مرسلہ سید کرامت علی صاحب محرر منشی محمد امین صاحب ٹھیکیدار ریلوے مذکور ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

بخدمت فیض درجت جناب مولانا ومرشدنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام اقبالہ بعد السلام علیک واضح رائے شریف ہو کہ بوجہ چند ضروریات کے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ بنظر توجہ بزرگانہ جواب سے معزّز فرمایا جاؤں، **اوّل**[۱] یہ کہ جس مکان میں کوئی شخص شراب پیئے اس میں نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ **دوسرے**[۲] یہ کہ جائے نماز برابر کسی شخص کی چارپائی کے بچھا کر نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں اُس صورت میں کہ اُس چارپائی پر وہ شخص سوتا ہو یا بیٹھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

مکرمی السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اگر وہ شخص وہاں اُس وقت شراب پینے میں مشغول نہیں، نہ وہاں شراب کی نجاست ہے تو ایسے وقت وہاں نماز پڑھ لینے میں حرج نہیں اور اگر بالفعل وہ شخص شراب پی رہا ہے تو بلاضرورت وہاں نماز نہ پڑھے کہ شراب خور پر بحکم احادیث صحیحہ لعنتِ الٰہی اُترتی ہے اور محلِ نزولِ لعنت میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اس لئے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قومِ ثمود کی جائے ہلاک میں نماز نہ پڑھی کہ وہاں عذاب نازل ہُوا تھا نیز شراب پیتے وقت شیطان حاضر اور اس کا غلبہ واستیلا ظاہر ہے اور محل غلبہ شیطان میں نماز نہ پڑھنی چاہئے اسی لئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ تعریس جب نمازِ فجر سوتے میں قضا ہُوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم فرمایا کہ نماز آگے چل کر پڑھو کہ یہاں تمہارے پاس شیطان حاضر ہوا تھا حالانکہ وہ فوت قصدی نہ تھا سوتے سے آنکھ بحکمتِ الٰہی نہ کھلی تھی اور اگر وہ مکان ہی شراب خوری کا ہو کہ فسّاق فجّار اپنا یہ مجمع ناجائز وہاں کیا کرتے ہوں جب تو بدرجہ اولٰی وہاں نماز مکروہ ہے کہ اب وہ مکان حمام سے زیادہ مرجع وماوائے شیاطین ہے اور علماء نے حمام میں کراہت نماز کی یہ وجہ ارشاد فرمائی کہ وہ شیطان کا ماوٰی ہے

کمافی ردالمحتار وغیرہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) اگر کوئی شخص چارپائی پر بیٹھا خواہ لیٹا ہے اور اس طرف اس کی پیٹھ ہے تو اس کے پیچھے جانماز بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر اُس طرف پیٹھ کیے سورہا ہے جب بھی مضائقہ نہیں، مگر سوتے کے پیچھے پڑھنے سے احتراز مناسب ہے دو ۲ وجہ سے، ایک یہ کہ کیا معلوم اس کے نماز پڑھنے میں وہ اس طرف کروٹ لے اور ادھر اس کا مُنہ ہو جائے، دوسرے محتمل ہے کہ سوتے میں اس سے کوئی ایسی شے صادر ہو جس سے نماز میں اسے ہنسی آجانے کا اندیشہ ہو المسألۃ فی ردالمحتار عن الغنیۃ والوجہ الاول مما زدتہ (یہ مسئلہ درمختار میں غنیہ سے منقول ہے اور پہلی وجہ کا میں نے اضافہ کیا ہے) (ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۱) از موضع منڈنپور تھانہ ڈاکخانہ میرگنج ضلع بریلی مرسلہ غلام ربانی صاحب زمیندار یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جنگل میں ہے اور نماز کا وقت ہوگیا تو کھیت یا بنجر ملکیت غیر میں نماز پڑھ لے تو نماز ہوگی یا نہیں اور ٹانڈ پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

دوسرے کی کھیتی میں نماز پڑھنا ممنوع ہے بے اس کی اجازت صریح کے گنہگار ہوگا مگر نماز ادا ہو جائیگی اور بنجر میں پڑھنے میں کچھ مضائقہ نہیں، یونہی وہ کھیت جس میں کھیتی نہ ہو۔ ٹانڈ پر نماز نہیں ہوسکتی مگر اس حالت میں کہ وہ مثل تخت کے ہو مثلاً لکڑیاں باندھ کر اُن پر تخت رکھ لیے ہوں یا خود تخت ہی باندھ لیا ہو یا ایسا سخت بُنا ہوا ہو کہ سجدہ میں سر ٹھہر جائے زور کرنے سے زیادہ نیچا نہ جھکے، وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۲) از مین پوری مکان مولوی محمد حسن صاحب وکیل مرسلہ شیخ انوارالحسن صاحب ابن مولوی صاحب مذکور ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چارپائی پر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ جو مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے کے سبب بندر ہوگئے یہ بات ثابت ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ سجدہ میں سر اُس پر مستقر ہو جائے یعنی اُس کا دبنا ایک حد پر ٹھہر جائے کہ پھر کسی قدر مبالغہ کریں اس سے زائد نہ دبے ایسی چیز پر نماز جائز ہے خواہ وہ چارپائی ہو یا زمین پر رکھا ہوا گاڑی کا کھٹولا یا کوئی شے، اور یہ جو جاہلوں میں بلکہ عورتوں میں مشہور ہے کہ اگلی اُمتوں میں کچھ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے سے مسخ ہوگئے محض غلط وباطل ہے۔ علّامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

ضابطه ان لایتسفل بالتسفیل، فحینئذ جاز سجوده علیه [1]۔	اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر دبانے سے نیچے نہ دبے تو اس پر سجدہ جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

تفسیره، ان المساجد لو بالغ لایتسفل رأسه ابلغ من ذلک، فصح علی طنفسة وحصیر وحنطة وشعیر وسریر وعجلة انکانت علی الارض [2]۔	اس کی تشریح یہ ہے کہ سجدہ کرنے والا اگر سر کو مزید نیچے کرنا چاہے تو نہ کرسکے، اس لئے دبیز کپڑے پر، چٹائی پر، گندم پر، جَو پر، تخت پر اور گاڑی پر اگر وہ زمین پر کھڑی ہو تو سجدہ صحیح ہے۔(ت)

نظر کیجئے تو یہ خاص مسئلہ کا جزیہ ہے زبانِ عرب میں سریر تخت وچارپائی دونوں کو شامل ہے کما لایخفی علی من طالع الاحادیث الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۳) از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ جناب سید فخرالحسن صاحب نبیرہ مولوی نبی بخش صاحب مرحوم مفتی خیر آباد۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسائل:

(ا) حضرت شیخ محقق عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمۃ نے تحت حدیث شریف الارض کلها مسجد الا المقبرة اھ تحریر فرمایا ہے:

امّا مقبرہ ازجہت آنکہ غالب دروے قذرات واختلاط تربت اوست بانچہ جدامیگردد ازمردہا از نجاست واگر مکان طاہر ونظیف باشد پس ہیچ باکے نیست وکراہتے نہ وبعض برانند کہ نماز در مقبرہ مکروہ است مطلقًا ازجہت ظاہر ایں حدیث [3]۔	قبرستان میں نماز اس وجہ سے مکروہ ہے کہ عام طور پر وہاں گندگی ہوتی ہے اور اس کی مٹی مُردوں سے برآمد ہونے والی نجاستوں سے مخلوط ہوتی ہے اور اگر جگہ پاک اور سُتھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ اور بعض کی رائے یہ ہے کہ قبرستان میں بہر صورت نماز پڑھنی منع ہے اس حدیث کی بنا پر۔(ت)

اور کتاب حصہ دوم سرور عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی کی حسب ذیل عبارت ہے: "حدیث میں وارد ہے کہ قبرستان میں نماز نہ پڑھنا چاہئے اور اس کی شرح میں علماء نے جو کچھ لکھا ہے اُس

---

[1] غنیۃ المستملی الخامس من فرائض الصلوۃ السجدۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۹

[2] ردالمحتار فصل فی تالیف الصلوۃ الٰی انتہائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۷۰

[3] اشعۃ اللمعات باب المساجد الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۳۷

میں بہتر قول یہ ہے کہ اس وجہ سے منع ہے کہ اس میں ایک قسم کی مشابہت کفار کے ساتھ پائی جاتی ہے اور یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے اور اس سبب سے یہ حکم ضروری ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اور حنفیّہ کے کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر قبر نمازی کے سامنے ہو تو یہ زیادہ مکروہ ہے اور اگر قبر داہنے یا بائیں جانب ہو تو اُس سے کم مکروہ ہے اور اگر قبر نمازی کے پیچھے ہو تو یہ اس سے بھی کم مکروہ ہے اور یہی قول اصح ہے اور علما کا عمل اسی پر ہے، اور شافعیہ کے فقہا نے لکھا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا اس وجہ سے مکروہ ہے کہ وہ نجاست کی جگہ ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے[1]"۔ حضرت شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ نے اپنے قول کی تائید میں کسی کتاب یا قول کسی مجتہد وامام کا حوالہ نہیں دیا ہے بلکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنا مذہب تحریر فرمارہے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لفظ عمل علمائے حنفیّہ اور کتب فقہ سے اپنے قول کو مضبوط تو کیا ہے مگر کوئی صاف پتا کسی کتاب یا قول کا نہیں تحریر کیا ہے جس سے اطمینان حاصل کیا جائے مگر شاہ صاحب موصوف کے فتوے کے زوردار عبارت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت شیخ علیہ الرحمۃ نے اُس مذہب کو اختیار کیا ہے جو مذہب اصح اور مختار حضرات علمائے حنفیّہ کے خلاف اور ملّتِ شافعیہ کے مطابق ہے جو علمائے حنفیّہ کے نزدیک غیر صحیح ہے اور اپنے اس غیر صحیح مذہب کو اس قدر قوی کیا ہے کہ اُس کی تائید میں فرماتے ہیں:

اگر مکان طاہر ونظیف باشد پس ہیچ باکے نیست وکراہتے نہ۔	اگر جگہ پاک وستھری ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔ (ت)

اس سوال کا جواب ایسی تفصیل کے ساتھ بحوالہ کُتب فقہ حنفیّہ تحریر فرمایا جائے کہ جس سے تناقض اقوال حضرات شیخ علیہ الرحمۃ وشاہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا بخوبی فیصلہ ہو کر آئندہ کے واسطے کوئی جھگڑا باقی نہ رہے اور کسی مخالف کو ازرُوئے دلیل نفی انکار کا موقع نہ ہوسکے۔

(۲) لفظ مقبرہ جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے سے کونسا مقام مراد ہے آیا محض وہی مقامات ہیں جہاں معمولاً مردگان دفن کیے جاتے ہیں مگر وہاں متعدد قبور سابقہ موجود ہیں یا وہ مقام بھی مراد ہے کہ بوجہ وصیت وغیرہ کے اندر کسی مکان کے یا متصل کسی مسجد کے یا نیچے کسی درخت کے کوئی میت مدفون کی گئی اور اب وہاں قبر موجود ہے یا کسی میدان میں اتفاقیہ کسی وجہ سے ایک یا دو مردے دفن کردئے گئے اور قبر موجود ہے یا کسی جگہ کوئی قبر اتفاقیہ ہے اور اصطلاح عام میں وہ مقام لفظ قبرستان سے تعبیر نہیں کیا جاتا ہے ہر چہار مقامات متذکرہ بالا کی نسبت کیا کیا حکم ہے اور کون کون مقامات حکمِ مقبرہ میں جہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے داخل نہیں ہیں۔

(۳) بموجب فتوٰی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب اگر یمیناً وشمالاً وخلفاً قبر کے نماز پڑھنا مکروہ ہے تو ضرور ہوا

---

[1] فتاوٰی عزیزی الصلوٰۃ فی المقابر کتب خانہ رحیمیہ یوپی (بھارت) ۱۰/۲

کہ متصل قبراندر مقبرہ جوجگہ نماز کے واسطے حاصل کی گئی یا متصل قبر اتفاقیہ کے یا بیرون مقبرہ غیر محاط متصل اُس کے واسطے دفع کراہت نماز کے سترہ کی یا مقدار فاصلے کے معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بصورت سامنے قبر ہونے کے سترہ یا فاصلہ کی ضرورت کتبِ فقہ سے معلوم ہوتی ہے اس کی نسبت جو حکم موافقِ قولِ اصح اور موافقِ عملِ حضراتِ علمائے حنفیّہ ہو، تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ نماز قبر پر مطلقاً مکروہ وممنوع ہے بلکہ قبر پر پاؤں رکھنا ہی جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

یأثم بوطء القبورلان سقف القبر حق المیت[1] اھ وقد حققنا فی اھلاك الوھابین[2]۔	قبروں پر پاؤں رکھنے سے گناہ گار ہوتا ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے اھ اور اس کی تحقیق ہم نے اہلاک الوہابیین میں کی ہے۔(ت)

اور قبر کی طرف بھی نماز مکروہ وممنوع ہے جبکہ سترہ نہ ہو اور صحرا یا مسجد کبیر میں قبر موضع سجود میں ہو یعنی اتنے فاصلے پر جبکہ یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے اور اپنی نگاہ خاص موضع سجود پر جمی رکھے تو اس پر نظر پڑے کہ نگاہ کا قاعدہ ہے جس محل خاص پر اُسے جمایا جائے اُس سے کچھ دُور آگے بڑھتی ہے مذہب اصح میں بحالت مذکورہ جہاں تک نگاہ پہنچے سب موضع سجود ہے کمانص علیہ فی الحلیۃ وغیرھا۔ مجتبی۔ پھر بحر پھر فتح اللہ المعین میں ہے:

یکرہ ان یطائر القبر اویجلس اوینام علیہ اویصلی علیہ اوالیہ[3]۔	مکروہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھے یا سوئے یا اس پر نماز پڑھے یا اس کی طرف (منہ کرکے) نماز پڑھے۔(ت)

جنائز حلیہ پھر جنائز ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصّلاۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذلك[4]۔	قبر کے اوپر یا اس کی طرف نماز مکروہ ہے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۵۱/۵

[2] واضح رہے کہ ''اہلاک الوہابین علٰی توہین قبور المسلمین '' فتاوٰی رضویہ کے اِس مقام کے مترجم قاضی عبدالدائم دائم کے نانا جان قاضی محمد عمرالدین رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس پر اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے افادات کا اضافہ فرمایا ہے۔ (دائم)

[3] فتح المعین علٰی شرح الکنز فصل فے الصلوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۶۲/۱

[4] ردالمحتار مطلب فی القراۃ للمیت واہداء ثوابہالہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۶۶۷/۱

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

انکان بینه وبین القبر مقدار مالوکان فی الصّلاۃ ویمرّ انسان لایکرہ،فھنا ایضًا لایکرہ۔کذا فی التتارخانیة[1]۔	اگراس کے درمیان اور قبر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر یہ شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے سامنے سے کوئی گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے۔اسی طرح تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ولایفسدھامرورمارّ فی الصحراء او بمسجد کبیر بموضع سجودہ،فی الاصح،او مرورہ بین یدیه الی حائط القبلة فی بیت ومسجد صغیر،فانه کبقعة واحدة؛وان اثم المار[2]اھ۔	اصح یہ ہے کہ صحرا یا بڑی مسجد میں نمازی کی جائے سجدہ سے کسی کا گزرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔اسی طرح گھر میں یا چھوٹی مسجد میں کہ چھوٹی مسجد ایک ہی قطعے کے حکم میں ہے، کسی کا قبلے والی جانب سے نمازی کے آگے سے گزرنا،نماز کو فاسد نہیں گزرتا،اگرچہ گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر قبر دہنے بائیں یا پیچھے ہے تو اصلاً موجبِ کراہت نہیں، جامع المضمرات پھر جامع الرموز پھر طحطاوی علٰی مراقی الفلاح وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

لاتکرہ الصلاۃ الی جھة قبر الا اذاکان بین یدیه،بحیث لوصلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیه[3]۔	قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے ہاں اگر قبر بالکل اس کے سامنے ہو کہ اگر وہ خاشعین والی نماز پڑھے تو قبر پر اس کی نظر پڑے،اس صورت میں مکروہ ہے۔(ت)

علی قاری حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰہ میں زیر حدیث لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم زائرات القبور والمتخذین علیھاالمساجد (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔ت) تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن الملک: انما حرم اتخاذ المساجد علیھا لان فی الصلاۃ فیھا استنانا بسنة الیھود۔اھ	ابن الملک نے کہا ہے کہ قبروں پر مسجدیں بنانا اس لئے حرام قرار دیا ہے کیونکہ ان میں نماز پڑھنا یہودیوں کے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

[2] الدرالمختار مایفسدہ الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[3] ردالمحتار مایفسدہ الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴

وقید "علیھا" یفید ان اتخاذ المساجد بجنبھا لاباس بہ۔ ویدل علیه قوله علیه السلام: لعن الله الیھود والنصارٰی الّذین اتّخذوا قبور انبیاء ھم وصالحیھم مساجد [1]۔ اھ	طریقے کی پیروی ہے۔اھ اور "قبروں پر" کی قید سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ اگر "قبروں کے پاس" مسجد بنائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ اللہ یہود ونصارٰی پر لعنت کرے جنھوں نے اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو مسجدیں بنالیا، اسی پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

بلکہ اگر مزاراتِ اولیائے کرام ہوں اور اُن کی ارواح طیبہ سے استمداد کے لئے ان کی قبور کریمہ کے پاس دہنے یا بائیں نماز پڑھے تو اور زیادہ موجب برکت ہے، امام علّامہ قاضی عیاض مالکی شرح صحیح مسلم شریف پھر علامہ طیبّی شافعی شرح مشکوٰۃ شریف پھر علّامہ علی قاری حنفی مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں:

کانت الیھود والنصارٰی یسجدون بقبور انبیائھم ویجعلونھا قبلة ویتوجھون فی الصلاة نحوھا، فقداتخذوھا اوثانا، فلذلك لعنھم، ومنع المسلمین عن مثل ذلک، امامن اتخذ مسجدا فی جوار صالح، اوصلی فی مقبرة، وقصد الاستظھار بروحه، اووصول اثر ما من اثر عبادته الیه، لاللتعظیم له والتوجه نحوه، فلاحرج علیه؛ الاتری ان مرقد اسمعیل علیه الصلاة والسلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلك المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاته [2]۔	یہود ونصارٰی اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ کرتے تھے، انہیں اپنا قبلہ بنالیتے تھے اور نماز میں انہی کی طرف منہ کرتے تھے، اس طرح انہوں نے قبروں کو بُت بنالیا تھا اس لئے آپ نے ان پر لعنت بھیجی اور مسلمانوں کو ایسے کاموں سے منع کیا، رہا وہ آدمی جو کسی صالح کی قبر کے پاس مسجد بنائے یا مقبرے میں نماز پڑھے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اس صالح انسان کی روح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات میں سے کچھ اثر اِس تک بھی پہنچ جائے، اور قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے، اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام مقامات سے افضل ہے جنہیں کوئی نمازی، نماز پڑھنے کیلئے تلاش کرتا ہے۔(ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، الفصل الاول مطبع امدادیہ ملتان ۲۱۹/۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ، الفصل الاول مطبع امدادیہ ملتان ۲۰۲/۲

علّامہ طاہر حنفی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

لعن الله الیهود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائهم مساجد۔کانوا یجعلونها قبلة، یسجدون الیها فی الصلاة،کالوثن،واما من اتخذ مسجدا فی جوار صالح،اوصلی فی مقبرة،قاصدا به الاستظهار بروحه،اووصول اثر مامن اٰثار عبادته الیه،لاالتوجه نحوه والتعظیم له، فلا حرج فیه؛الایری ان مرقد اسمٰعیل فی الحجر فی المسجد الحرام والصّلٰوة فیه افضل[1]۔	لعنت بھیجے اللہ تعالٰی یہود و نصارٰی پر کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا یعنی ان کو قبلہ بنالیا اور نماز میں انہی کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسا کہ بُت کے رُوبرو۔ہاں اگر کسی نیک انسان کے پڑوس میں کوئی شخص مسجد بنائے یا ایسے ہی مقبرے میں نماز پڑھے اور مقصد یہ ہو کہ اس نیک انسان کی رُوح سے تقویت حاصل کرے یا اس کی عبادت کے اثرات سے کچھ اثر اس شخص تک پہنچ جائے، یہ مقصد نہ ہو کہ اس کی طرف منہ کرے اور اس کی تعظیم کرے، تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔کیا معلوم نہیں ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجدِ حرام میں ہے،اس کے باوجود اس میں نماز افضل ہے۔(ت)

قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی پھر امام علامہ بدرالدین محمودِ عینی حنفی عمدۃ القاری پھر علّامہ احمد محمد خطیب قسطلانی شافعی ارشاد الساری شروح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

من اتخذ مسجدا فی جوار صالح وقصد التبرك بقرب منه،لاالتعظیم ولاالتوجه الیه، فلا یدخل فی الوعید المذکور[2] اھ	جو شخص کسی نیک انسان کے پڑوس میں قبر بنائے اور مقصد یہ ہو کہ اس کے قُرب سے برکت حاصل کرے،اس کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا مقصود نہ ہو تو ایسا شخص حدیث میں مذکور وعید (یعنی لعنت) میں داخل نہیں ہوگا اھ (ت)

امام علّامہ تورپشتی حنفی شرح مصابیح میں زیرِ حدیث اتخذوا قبور انبیائھم مساجد فرماتے ہیں:

هو مخرج علی وجهین،احدهما،انهم کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیمالهم وقصدا للعبادة فی ذلک۔وثانیهما،انهم کانوا یتحرون الصلٰوة فی مدافن الانبیاء والتوجه	اس کی دو۲ وجہیں ہیں: ایک تو یہ کہ یہود و نصارٰی قبورِ انبیاء کو بطورِ تعظیم اور بقصدِ عبادت سجدہ کیا کرتے تھے،دُوسری یہ کہ وہ انبیاء کے مقبروں میں نماز پڑھنے کی خصوصی طور پر کوشش کرتے تھے اور نماز میں ان کی طرف

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ قبر مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/۱۰۴

[2] ارشاد الساری باب جواز الدفن بالدلیل مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/۴۳۸

الی قبورھم فی حالۃ الصلوٰۃ،وکلا الطریقین غیرمرضیۃ،فامااذاوجدبقربھا موضع بنی للصلوٰۃ،اومکانایسلم المصلی فیہ عن التوجہ الی القبور،فانہ فی فسخہ من الامر۔وکذلك اذاصلی فی موضع قداشتھربان فیہ مدفن نبی،ولم یرفیہ للقبر علما،ولم یکن قصدہ ماذکرناہ من الشرك الخفی؛اذ قدتواطأت اخبارالامم علی ان مدفن اسمعیل علیہ الصلوۃ والسلام فی المسجد الحرام عندالحطیم،وھذاالمسجد افضل مکان یتحری الصلاۃ فیہ[1] اھ مختصرًا	منہ کرتے تھے اور یہ دونوں طریقے ناپسندیدہ ہیں۔ہاں اگر قبرستان کے قریب کوئی ایسی جگہ ہو جو بنائی ہی نماز کے لئے گئی ہو یا ایسی جگہ ہو کہ وہاں نماز پڑھنے والے کا منہ قبروں کی طرف نہ ہوتا ہو تو ایسی جگہوں پر نماز پڑھی جاسکتی ہے،اسی طرح اگر کسی ایسی جگہ میں نماز پڑھے جہاں کے بارے میں مشہور ہے کہ یہاں کس نبی کا مدفن ہے لیکن قبر کی کوئی علامت نظر نہ آتی ہو اور نمازی کا مقصد بھی شرک خفی نہ ہو (تو نماز پڑھنی جائز ہے) کیونکہ روایات اس پر متفق ہیں کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر مسجد حرام میں حطیم کے پاس ہے اس کے باوجود یہ مسجد ان تمام جگہوں سے افضل ہے جہاں نماز پڑھنے کی جستجو کی جاتی ہے اھ مختصرًا (ت)

شیخ محقق حنفی لمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

وفی شرح الشیخ ایضا مثلہ،حیث قال: وخرج بذلك اتخاذ مسجد بجوار نبی اوصالح،وللصلاۃ عند قبرہ،لالتعظیمہ والتوجہ نحوہ؛ بل لحصول مددمنہ،حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ لتلك الروح الطاھرۃ،فلاحرج فی ذلك،لماوردان قبر اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام فی الحجر تحت المیزاب،وان فی الحطیم،بین الحجر الاسود وزمزم،قبر سبعین نبیا،ولم ینہ احد عن الصلاۃ فیہ اھ وکلام الشارحین متطابق فی ذلك[2]۔	اور شیخ کی شرح میں بھی اسی طرح ہے۔چنانچہ شیخ نے کہا ہے کہ اس سے وہ صورت خارج ہو گئی جس میں کسی نبی یا صالح کے پاس اس لئے مسجد بنائی جائے کہ اس کی قبر کے پاس نماز پڑھی جائے،لیکن مقصود قبر کی تعظیم اور اس کی طرف منہ کرنا نہ ہو بلکہ غرض یہ ہو کہ صاحبِ قبر سے مدد حاصل کی جائے تاکہ اس پاک روح کے قُرب کی وجہ سے عبادت مکمل ہو جائے،تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ روایات میں آیا ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کی قبر حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے ہے اور حطیم کے پاس حجر اسود اور زمزم کے درمیان سترّ انبیاء کی قبریں ہیں،اس کے باوجود وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہیں کیا اھ اس مسئلہ میں تمام شارحین نے ایسی ہی گفتگو کی ہے۔(ت)

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ حدیث ۷۱۲ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۵۲/۳

[2] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ حدیث ۷۱۲ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۵۲/۳

امام اجل برہان الدین فرغانی حنفی صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

قال ابویوسف: ان کان موازیًا للکعبة تکرہ صلاتہ، وانکان عن یمینه ویسارہ لاتکرہ[1]۔	ابویوسف نے کہا ہے کہ اگر قبر قبلے والی جانب ہو تو نماز مکروہ ہے اور اگر دائیں بائیں ہو تو مکروہ نہیں ہے۔حاوی۔(ت)

پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ان کانت القبور ماوراء المصلی لایکرہ،فانه ان کان بینه وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلاۃ ویمر انسان لایکرہ،فههنا ایضا لایکرہ[2]۔	قبریں نمازی کے پیچھے ہوں تو نماز مکروہ نہیں ہے کیونکہ اگر سامنے بھی ہوں لیکن اتنے فاصلے پر ہوں کہ اگر یہ شخص نماز میں ہو اور کوئی سامنے سے گزرے تو اس کا گزرنا مکروہ نہ ہو، تو یہاں بھی مکروہ نہیں ہے۔(ت)

اور یہ امر کہ سامنے ہونا زیادہ مکروہ ہے اور دہنے بائیں اس سے کم اور پیچھے ہونا اس سے بھی کم کتب حنفیّہ میں تصویر جاندار کی نسبت ہے نہ کہ قبر کی، ردالمحتار میں زیر قول درمختار واختلف فیما اذاکان التمثال خلفه، والاظھر الکراھة[3] (اگر تصویر اس کے پیچھے ہو تو اس میں اختلاف ہے، اظہر یہی ہے کہ مکروہ ہے۔ت) تحریر فرماتے ہیں:

وفی البحر، قالوا:واشدھا کراھة مایکون علی القبلة امام المصلی، ثم مایکون فوق راسه، ثم مایکون عن یمینه ویسارہ علی الحائط، ثم مایکون خلفه علی الحائط اوالستر[4] اھ	اور بحر میں ہے کہ علماء نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ کراہت اس صورت میں ہے جب تصویر قبلے والی طرف ہو اور نمازی کے سامنے ہو، پھر جو اس کے سر کے اوپر ہو، پھر جو اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہو، پھر جو اس کے پیچھے دیوار پر یا پردے پر ہو۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

انماخص الصورة لانه یکرہ فی جهة القبر الا اذاکان بین یدیه۔کما	تصویر کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ قبر کی طرف منہ کرنا مکروہ نہیں ہے، جب تک قبر بالکل رُوبرو نہ ہو،

---

[1] کتاب التجنیس والمزید

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۰۷

[3] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[4] ردالمحتار مطلب فی الغرس فی المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۹

فی جنائز المضمرات[1]۔	جیسا کہ مضمرات کی کتاب الجنائز میں ہے۔(ت)

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا قبر قبر، وہ نماز ہی میں آگے بڑھ گئے، اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ قبر کی طرف ہی نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ اور سمت۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

ورأی عمر رضی اللہ تعالٰی عنه انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه یصلی عند قبر، فقال: القبر، القبر، ولم یامرہ بالاعادۃ[2]۔	اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ وہ ایک قبر کے پاس نماز پڑھ رہے ہیں تو فرمایا: قبر، قبر (یعنی قبر سے بچو) مگر انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔(ت)

امام علامہ عینی اُس کی شرح عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

ھذا التعلیق رواہ وکیع بن الجراح فی مصنفه، فیما حکاہ ابن حزم عن سفیٰن بن سعید عن حمید عن انس، قال: رانی عمر رضی اللہ تعالٰی عنه اصلی الی قبر فنھانی، فقال: القبر امامک۔ قال: وعن معمر عن ثابت عن انس، قال: رانی عمر اصلی عندقبر، فقال لی: القبر، لاتصل الیه۔ قال ثابت: فکان انس یاخذ بیدی، اذاارادان یصلی فیتنحی عن القبور۔ ورواہ ابو نعیم شیخ البخاری عن حریث بن السائب، قال: سمعت الحسن یقول بینا انس رضی اللہ تعالٰی عنه یصلی الی قبر فناداہ عمر، القبر، القبر، وظن انه یعنی:	اِس تعلیق کو وکیع ابن جراح نے اپنے مصنَّف میں ذکر کیا ہے جیسا کہ اس کو ابن حزم نے سفیان ابن سعید سے، اس نے حمید سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے، انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ مجھے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے منع کیا اور کہا: "تمہارے سامنے قبر ہے"۔ ابن حزم نے کہا کہ معمر نے ثابت سے، اس نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر نے مجھے ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا: "قبر، اس کی طرف نماز مت پڑھو"۔ ثابت نے کہا کہ اس کے بعد انس جب نماز پڑھنا چاہتے تھے تو میرا ہاتھ تھام لیتے تھے اور قبروں سے ایک طرف ہٹ جاتے تھے۔ اور بخاری کے استاد ابو نعیم نے حریث ابن السائب

[1] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ، المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۶

[2] صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانہا مساجد مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۱

القمر، فلما رأى انه يعنى: القبر، تقدم وصلى وجاز القبر [1] اھ اقول: وبه ظهر ان معنى "عند قبر" فى تعليق البخارى "الى قبر" وبمثله صنع العينى، اذقال بعدمانقلناعنه قوله: القبر، القبر اى اتصلى عند القبر [2] اھ۔ بل فى نفس حديث انس برواية ثابت، رأنى عمر اصل عند قبر، فقال لاتصل اليه [3]۔ كماسمعت۔ وبه اتضح مافى الملتقى، يكره وطء القبر والجلوس والنوم عليه والصلوة عنده [4] اھ فافهم واستقم۔	سے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے حسن کو کہتے سنا ہے کہ ایک دن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قبر کی طرف نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک ان کو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آواز دی: "قبر، قبر"۔ انہوں نے سمجھا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ "قمر" کہہ رہے ہیں، جب انہیں یقین ہوگیا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قبر" کہا ہے تو آگے بڑھ کر نماز پڑھنے لگے اور قبر سے گزرگئے۔ مَیں کہتا ہوں اس سے واضح ہوگیا کہ بخاری کی تعلیق میں "قبر کے پاس" سے مراد "قبر کی طرف" ہے۔ عینی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے، چنانچہ انہوں نے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول "قبر، قبر" کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ کیا تم "قبر کی طرف" نماز پڑھ رہے ہو! بلکہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ ثابت جو روایت آتی ہے اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ مجھے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو کہا کہ "قبر کی طرف" نماز مت پڑھو، جیسا کہ یہ روایت تم پہلے سُن چکے ہو اسی سے واضح ہوگیا جو ملتقی میں ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا، اس پر بیٹھنا، اس پر سونا اور اس کے پاس نماز پڑھنا مکروہ ہے اھ (یعنی یہاں بھی "اس کے پاس" سے مراد "اس کی طرف" ہے۔ اس کو سمجھو اور استقامت اختیار کرو۔ (ت)

مسئلہ تو قبر کا تھا، رہا مقبرہ اُس میں بھی اصل منشائے کراہت قبر ہے اور اس کی تعلیلیں ہمارے علمائے حنفیّہ ہی نے تین طور پر کی ہیں ایک تشبہ اہلِ کتاب دوسرے یہ کہ عبادت اصنام اسی طرح پیدا ہوئی تیسرے محلِ نجاسات ہونا جیسے شیخ محقق نے اختیار فرمایا، حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

واختلف فى علته، فقيل: لان فيها عظام الموتى وصديدهم، وهو نجس۔ وفيه نظر، وقيل: لان اصل عبادة الاصنام اتخاذ قبور الصالحين مساجد۔ و قيل لانه تشبه باليهود۔ وعليه	اس میں اختلاف ہے کہ کراہت کی علّت کیا ہے، بعض نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس میں مُردوں کی ہڈیاں اور پیپ ہوتی ہے جو کہ نجس ہے لیکن اس پر اعتراض ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بتوں کی عبادت کا آغاز اسی طرح ہوا تھا کہ لوگوں نے

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۷۲/۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۷۲/۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۷۲/۴

[4] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۸۷/۱

مشی فی الخانیة [1]۔	نیک ہستیوں کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس میں یہودیوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے۔خانیہ میں اسی کو اختیار کیا ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ پہلی دو [۲] تعلیلیں صرف اُس صورت کی کراہت بتاتی ہیں کہ نماز قبر کی طرف ہو کہ دہنے بائیں یا قبر کو پیچھے لے کر نہ شبہہ عبادت ہے نہ تشبّہ یہود، خود شاہ صاحب سے سائل نے نقل کیا کہ یہ مشابہت جمادات کو سجدہ کرنے میں ہوتی ہے انتہی ولہٰذا شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے لمعات التنقیح میں زیرِ حدیث **اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولاتتخذوھا قبورا** (گھروں میں بھی کچھ نمازیں پڑھا کرو اور گھروں کو قبریں نہ بناؤ۔ت) فرمایا:

ای ولاتکونوا فی البیوت کالمیت،الذی لایعمل، اوتکونوا نائمین فتکونوا مشابھین للاموات،لان النوم اخر الموت،غیر مشتغلین بالعبادۃ،ثم اعلم، انھم اختلفوا فی الصلاۃ فی المقبرۃ، فکرھا جماعۃ،وان کان المکان طاھرا،فتارۃ احتجوا بھذا الحدیث،لانه یدل علی ان الصلوٰۃ لاتکون فی المقبرۃ،لانه جعل کونھا قبورا کنایۃ عن عدم الصلاۃ فیھا،فیفھم ان لاصلوٰۃ فیھا۔وھذا ضعیف لماذکرنا من معناہ،علی انه ان دل فانما یدل علی عدم الصلاۃ فی القبر،لافی المقبرۃ،فافھم۔وتارۃ بالحدیث السابق (ای قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبورا نبیائھم مساجد) وھو ایضا لایتم لما علم من المراد به (ای ماقدمناہ عنه عن التورپشتی وغیرہ من الشراح،فانه انما	یعنی تم گھروں میں اس طرح نہ رہا کرو جس طرح مُردہ ہوتا ہے کہ کوئی عمل نہیں کرتا، یا یہ مراد ہے کہ تم سوئے نہ رہا کرو، جس طرح مُردے سوئے پڑے ہیں، کیونکہ نیند موت کی بہن ہے۔یعنی یہ نہ ہو کہ مردوں کی طرح تم بھی کوئی عبادت نہ کرو۔پھر یہ بات جانو کہ مقبرے میں نماز کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، ایک جماعت اس کو مکروہ قرار دیتی ہے، اگرچہ جگہ پاک ہو، اور اس پر کبھی تو اسی حدیث کو دلیل پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "گھروں کو قبریں نہ بناؤ" سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرے میں نماز نہیں ہوتی۔لیکن یہ دلیل ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کا صحیح مفہوم ہم بیان کرآئے ہیں۔علاوہ ازیں اگر یہ حدیث نماز کے نہ ہونے پر دلالت کرے گی، تو قبر میں نماز نہ ہونے پر دلالت کرے گی نہ کہ مقبرے میں نہ ہونے پر۔(جبکہ گفتگو مقبرے کے بارے میں ہو رہی ہے) اس کو سمجھو، اور کبھی اس کی دلیل کو وہ حدیث پیش

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۹

یدل علی منع التوجه الی القبر۔لا الصلاۃ فی المقبرۃ مطلقا) ومنهم من ذهب الی ان الصلاۃ فیها جائزۃ،انکانت التربة طاهرۃ والمکان طیبا،ولم یکن من صدید الموتی ومایتفصل عنهم من النجاسات[1] اھ	کرتے ہیں جو گزر چکی ہے (یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان کہ اللہ تعالٰی نے ان یہود ونصارٰی پر لعنت کی جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا تھا) یہ دلیل بھی نامکمل ہے جیسا کہ اس حدیث کی مراد سے معلوم ہوچکا (یعنی ہم نے تورپشتی وغیرہ شراح سے جو نقل کیا ہے کہ اس حدیث سے قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے نہ کہ مقبرے میں مطلقًا نماز کی ممانعت۔اور بعض فقہا کی رائے یہ ہے کہ مقبرے میں نماز جائز ہے بشرطیکہ وہاں کی مٹی پاک ہو، جگہ عمدہ ہو اور مردوں سے پیپ اور دیگر جو نجاستیں خارج ہوتی ہیں، وہاں نہ ہوں اھ (ت)

وانااقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) تحقیق یہ ہے کہ عامہ مقابر میں ہر جگہ مظنہ قبر ہے مگر یہ کہ کوئی محل ابتدا سے دفن ہونے سے محفوظ رہاہو اور معلوم ہو کہ یہاں دفن واقع نہ ہوا، ولہذا ہمارے علمانے تصریح فرمائی کہ مقبرہ میں جو نیاراستہ نکالا گیا ہو اُس میں چلنا حرام ہے کہ قبورِ مسلمین کی بے ادبی ہوگی طحاوی وردالمحتار فصل استنجامیں زیر قول ماتن **یکرہ بول فی مقابر** (مقبروں میں پیشاب کرنامکروہ ہے۔ت) فرماتے ہیں:

لان المیت یتاذی بما یتاذی به الحی،والظاهر انها تحریمیة لانهم نصواعلی ان المرورفی سکة حادثة فیهاحرام ،فهذا اولٰی[2]۔	کیونکہ جس کام سے زندہ انسان کو ایذاء پہنچتی ہے اُس سے مُردے کو بھی ایذا پہنچتی ہے۔اور ظاہر یہی ہے کہ کراہت تحریمی مراد ہے، کیونکہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ مقبرے میں جو نیاراستہ نکالا گیاہو اس پر چلنا حرام ہے،تو پیشاب کرنا تو بطریقِ اَولٰی حرام ہوگا۔(ت)

پھر قبریں کھودنے میں بطن زمین کی مٹّی اُوپر آتی ہے اور وہ اکثر وہی ہوتی ہے جو پہلے گلے ہُوئے اجسام کی نجاسات سے متنجس ہوچکی اور بند کرنے میں سب مٹّی صرف نہیں ہوجاتی تو جابجا متنجس مٹی کا پھیلا ہونا مظنون ہوتا ہے اور مظنہ قبر ومظنہ نجاست دونوں کراہت تنزیہہ کیلئے کافی ہیں کہ ظن اگر غالب ہوتا جو فقہیات میں ملتحق بیقین ہے تو بوجہ علت اول حکم کراہتِ تحریم ہوتا اور بوجہ علت ثانی بغیر کچھ بچھائے بطلانِ نماز کا حکم دیا جاتا ازانجا کہ ظن اس حد کا نہیں صرف کراہت تنزیہہ رہی اور اب یہ حکم حکم صلاۃ علی القبر اور الی القبر سے جُدا پیدا ہوا کہ اس میں پیچھے یاآگے کسی قبر کا معلوم ہونا ضرور نہیں قبور معلومہ اگرچہ دہنے بائیں یا پیچھے ہوں جبکہ یہ زمین ایسی ہے جس میں قبر ونجاست کا مظنہ ہے حکمِ کراہت دیا جائے گا یہی محمل ہے اس کلام کا جو علّامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں زیر قول شرنبلالی **تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ** نقل فرمایا **سواء کانت فوقه اوخلفه اوتحت ماھو واقف علیه**[3] الخ (برابر ہے کہ مقبرہ

---

[1] لمعات التنقیح باب المساجد ومواضع الصلوۃ حدیث ۷۱۴ مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۳

[2] ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

اس کے اُوپر ہو یا پیچھے ہو یا جس چیز پر یہ کھڑا ہے اس کے نیچے ہو۔ت) اور یہی منشا ہے اطلاق متون کا ورنہ اگر مقبرہ میں کوئی جگہ صاف وپاک ہو کہ نہ اُس میں قبر ہو نہ مصلی کا قبر سے سامنا ہو تو وہاں نماز ہر گز مکروہ نہیں خانیہ[1] ومنیہ[2] وزاد[3] الفقیر امام ابن الہمام وحلیہ[4] وغنیہ[5] وبحر الرائق[6] وشر نبلالی[7] علی الدرر وحلبی[8] وطحطاوی[9] وردالمحتار[10] وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

لاباس بالصلاۃ فیھا اذاکان فیھا موضع اعد للصلاۃ ولیس فیہ قبر ولانجاسۃ[1]۔	مقبرے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر وہاں کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور اس میں قبر اور نجاست نہ ہو۔(ت)

زادالفقیر کی عبارت یہ ہے:

تکرہ الصلاۃ فی المقبرۃ الا ان یکون فیھا موضع اعد للصلاۃ لانجاسۃ فیہ ولاقذر[2] فیہ اھ۔	مقبرے میں نماز مکروہ ہے، لیکن اگر وہاں نماز کے لئے کوئی جگہ تیار کی گئی ہو جس میں نجاست اور گندگی نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے۔(ت)

اس تحقیق سے پہلے **تین سوالوں کا جواب** ظاہر ہو گیا کہ قبر پر نماز مطلقاً مکروہ ہے اور قبر کی طرف بھی جبکہ قبر موضع سجود میں مطلقاً یا گھر یا مسجد صغیر میں جانب قبلہ بلاحائل ہو اور اس کے لئے کچھ بہت سے قبور ہونا درکار نہیں، تنہا ایک ہی قبر ہو جب بھی یہی حکم ہے اور قبر دہنے یا بائیں یا پیچھے ہو اور زمین جہاں نماز پڑھتا ہے پاک وصاف ہو تو اصلاً کراہت نہیں، یہ حکم حضرت شیخ محقق نے نہ اپنی طرف سے لکھا نہ علمائے حنفیّہ کے قول کے خلاف بلکہ عامہ کتب حنفیّہ میں اس کی صاف تصریح ہے جیسا کہ گزرا اور جب اس میں کراہت ہی نہیں تو سُترہ کی کیا حاجت اور مقابر میں جہاں مُردے دفن ہوتے چلے آئے ہیں اور ان میں قبر یا نجاست کا مظنہ ہے نماز مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ قبور معلومہ پیچھے ہی ہوں مگر اُس صورت میں کہ کوئی زمین پاک صاف معلوم ہو اور اس کے قبلہ میں قبر بلاحائل بمعنی مذکور نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۹۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الاذان والاقامۃ

مسئلہ (۳۲۴): کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے بعد صلاۃ کہنا جس طرح یہاں رمضان مبارک میں معمول ہے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اسے فقہ میں تثویب کہتے ہیں یعنی مسلمانوں کو نماز کی اطلاع اذان سے دے کر پھر دوبارہ اطلاع دینا اور وہ شہروں کے عرف پر ہے جہاں جس طرح اطلاعِ مکرر رائج ہو وہی تثویب ہے خواہ عام طور پر ہو جیسے "صلاۃ" کہی جاتی ہے یا خاص طریقہ پر، مثلاً کسی سے کہنا اذان ہو گئی یا جماعت کھڑی ہوتی ہے یا امام آگئے یا کوئی قول یا فعل ایسا جس میں دوبارہ اطلاع دینا ہو وہ سب تثویب ہے اور اس کا اور صلاۃ کا ایک حکم ہے یعنی جائز، جس کی اجازت سے عامہ کتب مذہب **متون مثل** تنویر[1] الابصار وقایہ[2] ونقایہ[3] وغررالاحکام[4] وکنز[5] وغررالاذکار[6] ووافی[7] وملتقی[8] واصلاح[9] نورالایضاح[10] و**شروح** مانند درمختار[11] وردالمحتار[12] واصلاح[9] وطحطاوی[13] وعنایہ[14] ونہایہ[15] وغنیہ[16] شرح منیہ وصغیری[17] وبحرالرائق[18] ونہرالفائق[19] وتبیین الحقائق[20] وبرجندی[21] وقہستانی[22] ودرر[23] وابن ملک[24] وکافی[25] ومجتبٰی[26] وایضاح[27] وامدادالفتاح[28] ومراقی الفلاح[29] وحاشیہ مراقی للعلامۃ الطحطاوی[30] و**فتاوٰی مثل** ظہیریہ[31] وخانیہ[32] وخلاصہ[33] وخزانۃ المفتین[34] وجواہراخلاطی[35] وعلمگیری[36] وغیرہا مالامال ہیں، **وھو الذی علیہ عامۃ الائمۃ المتاخرین والخلاف خلاف زمان لابرھان** (عام ائمہ متاخرین اسی پر ہیں اور یہ اختلاف زمانی اختلاف ہے برہانی نہیں۔ت)

مختصر الوقایہ میں ہے: التثویب حسن فی کل صلاۃ[1] (تثویب ہر نماز کے لئے بہتر ہے۔ت) متن علامہ غزی تمرتاشی میں ہے: یثوب الافی المغرب[2] (مغرب کے علاوہ ہر نماز کے لئے تثویب کہی جائے۔ت) شرح محقق علائی میں ہے: یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ[3] الخ (اذان اور اقامت کے درمیان متعارف ومروجہ طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے تثویب کہی جائے۔الخ ت) حاشیہ آفندی محمد بن عابدین میں ہے:

قولہ یثوب،التثویب العودالی الاعلام بعدالاعلام درر قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظہور التوانی فی الامور الدینیۃ قولہ بماتعارفوہ کتنحنح اوقام قام اوالصلاۃ الصلاۃ ولواحدثوا اعلامًا مخالفًا لذلک جازنہرعن المجتبی[4] اھ ملتقطًا۔	قولہ یثوب،تثویب،اطلاع کے بعد اطلاع کو کہا جاتا ہے۔درر،قولہ فی الکل یعنی تمام نمازوں میں کہنی چاہئے کیونکہ امورِ دینیہ کے بجالانے میں بہت سُستی وکاہلی آچکی ہے،قولہ بماتعار فوامثلاً کھانسنا یا نماز کھڑی ہو گئی نماز کھڑی ہو گئی یا نماز نماز،اگر کوئی اور طریقہ اس کے علاوہ اپنالیں تب بھی جائز ہے۔نہر نے مجتبی سے نقل کیا ہے،اختصارًا۔(ت)

شرح الوافی للامام المصنّف العلام حافظ الدین ابی البرکات النسفی میں ہے:

تثویب کل بلدۃ علی ماتعارفوہ لانہ للمبالغۃ فی الاعلام وانمایحصل ذلک بماتعارفوہ اھ ملخصًا[5]۔	ہر شہر کی تثویب اسی طریقہ پر ہوگی جو وہاں متعارف ہے کیونکہ یہ اعلان میں مبالغہ کے لئے ہے اور وہ متعارف ومشہور طریقہ سے حاصل ہوگا۔(ت)

اور ماہ مبارک رمضان سے اُس کی تخصیص بے جا نہیں کہ لوگ افطار کے بعد کھانے پینے میں مشغول اور نفس آرام کی طرف مائل ہوتے ہیں لہذا تنبیہ بعد تنبیہ مناسب ہُوئی جس طرح نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذانِ فجر میں الصلاۃ خیر من النوم[6] مقرر کرنے کی اجازت عطافرمائی اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر

1 مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲
2 در مختار فصل الاذان مجتبائی دہلی ۱/۶۳
3 در مختار فصل الاذان مجتبائی دہلی ۱/۶۳
4 ردالمحتار، فصل الاذان، مصطفی البابی مصر، ۱/۲۸۶
5 شرح الوافی للنسفی
6 المعجم الکبیر للطبرانی مسند بلال بن رباح مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/۳۵۵

عن سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ (طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ نقل کیا ہے۔ت)

ہدایہ میں ہے: خص الفجر بہ لانہ وقت نوم وغفلۃ[1] (وقتِ فجر کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ وقت نینداور غفلت کا وقت ہوتا ہے۔ت)

بالجملہ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر مسلمانوں میں نزاع ڈالی جائے اور فتنہ انگیزی کرکے تفریق جماعت کی راہ نکالی جائے جوایسا کرتا ہے سخت جاہل اور مقاصد شرع سے بالکل غافل ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۲۵) از بلگرام ضلع ہردوئی محلہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب مارہروی ۲۰ صفر ۱۳۱۱ھ اذان دینا اندر مسجد کے آپ نے فرمایا تھا مکروہ ہے، میں نے یہاں کے لوگوں سے ذکر کیا اُن لوگوں نے کتاب کا ثبوت چاہا اُمید کہ نام کتاب مع بیان مقام کہ فلاں مقام پر لکھا ہے تکلیف فرماکر لکھا جائے اور یہ بھی لکھا جائے کہ کون سا مکروہ ہے؟

الجواب:

فتاوائے امام اجل قاضی خان وفتاوائے خلاصہ وبحرالرائق شرح کنزالدقائق وشرح نقایہ للعلامۃ عبدالعلی البرجندی وفتاوٰی علمگیریہ وحاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح وفتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہا میں اس کی منع وکراہت کی تصریح فرمائی امام فخر الملّۃ والدّین اوزجندی فرماتے ہیں: ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج السجد ولایؤذن فی المسجد[2]۔ اذان مینار پر یا مسجد کے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے۔ (ت) امام طاہر بن احمد بخاری فرماتے ہیں: لایؤذن فی المسجد[3] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ت) علامہ زین بن نجیم وعلامہ عبدالعلی برجندی نے ان سے اور فتاوائے ہندیہ میں امام قاضی خان سے عباراتِ مذکورہ نقل فرماکر مقرر رکھیں علّامہ سید احمد مصری نے فرمایا: یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی عن النظم[4] (مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے۔ت) امام اجل کمال الدین

---

[1] ہدایہ باب الاذان، مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۷۰

[2] فتاوٰی قاضی خان، مسائل الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۷

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۴۹

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

محمد بن الہمام فرماتے ہیں:

الاقامة فی المسجد ولابدمنه واماالاذان فعلی المئذنة فان لم تکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد [1]۔	تکبیر مسجد کے اندر کہی جائے اور اس کے بغیر کوئی اور صورت نہیں البتہ اذان منارہ پر دی جائے، اگر وہ نہ ہو تو فنائے مسجد میں دینی چاہئے اور فقہانے بیان کیا ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ت)

اور اس مسئلہ میں نوع کراہت کی تصریح کلمات علما سے اس وقت نظرِ فقیر میں نہیں ہاں صیغہ "**لایفعل**" سے متبادر کراہت تحریم ہے کہ فقہائے کرام کی یہ عبارت ظاہراً مشیر ممانعت وعدم اباحت ہوتی ہے علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج نے حلیہ میں فرمایا: **قول المص لایزید یشیر الی عدم اباحة الزیادة** [2] (مصنف کا قول "**لا یزید**" اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ زیادتی جائز نہیں۔ت) نظیر اس کی "**یفعل ویقول**" ہے کہ ظاہراً مفید وجوب ہے **کمانص علیه ایضًا فیها** (جیسا کہ اس پر بھی اس میں تصریح ہے۔ت) یونہی عبارت نظم میں لفظ "یکرہ" کہ غالباً کراہت مطلقہ سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے:

کمافی الدرالمختاروردالمحتار وغیرهما من الاسفار ویؤیده منع رفع الصوت فی المساجد کمافی حدیث ابن ماجة جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وسل سیوفکم ورفع اصواتکم [3] وقدنهوا عن رفع الصوت بحضرة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وحذروا علی ذلك من حبط الاعمال والحضرة الالٰهیة احق بالادب کماتری یوم القیمة "وخشعت الاصوات للرحمٰن فلاتسمع الاهمسا" وبهذا یضعف مایظن ان لیس	جیسا کہ دُرمختار، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں ہے اور مساجد میں بلند آواز سے منع کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ماجہ میں ہے، اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچّوں سے، دیوانوں سے، تلواروں کو سَوتنے سے اور آوازوں کو بلند کرنے والوں سے محفوظ رکھو، اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس پر تمام اعمال کے ضائع ہونے کی دھمکی دی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی اس ادب واحترام کے زیادہ لائق ہے جیسا کہ تم قیامت کے روز دیکھوگے رحمٰن

---

[1] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[2] حلیہ

[3] سُنن ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۵

فیه الاخلاف السنة فلایکره الاتنزیها علی ان التحقیق ان خلاف السنة المتوسطة متوسط بین کراهتی التنزیه والتحریم وهو المُعبّر بالاساءة کماسیظهر لمن له المام بخدمة العلمین الشرفین الفقه والحدیث فلیراجع ولیحرر والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کے لئے تمام آوازیں پست ہو جائیں گی تو تُو نہیں سنے گا مگر بہت آہستہ آواز۔ اس گفتگو سے یہ گمان وقول ضعیف ہو جاتا ہے کہ یہ عمل صرف خلاف سنت ہے تو اس میں صرف کراہت تنزیہی ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق یہ ہے سنتِ متوسطہ کا خلاف کراہت تنزیہی اور تحریمی کے درمیان ہوتا ہے اور اس کو "اساءۃ" سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ یہ اس شخص پر ظاہر ہو جائیگا جس نے دو۲ مقدس علوم حدیث وفقہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف رجوع کیا جائے اور اسے ذہن نشین کرنا چاہئے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ (۳۲۶) ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمیع وقت پنجگانہ نماز میں بعد اذان کے لازم پکڑنا مؤذن کا ہر نمازی کو بآواز بلانا اور نمازیوں کا اسی لحاظ سے اذان پر خیال نہ رکھنا بلکہ بعد اذان کے بُلانے سے آنا اس صورت میں بلانا مؤذن کا بعد اذان کے چاہئے یا نہیں، دوسرے یہ کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟ اور فجر کی سنتیں بعد جماعتِ فرض مسبوق ادا کرے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب نمازی اذان سے آجاتے ہوں تو بلاوجہ بعد اذان ہر شخص کو جُدا جدا بلانے کا التزام کرنا جس سے اُنہیں اذان پر آنے کی عادت جاتی رہے نہ چاہئے **فان فیه علی هذا التقدیر اخلاء للاذان عمایقصد به** (کیونکہ ایسی صورت میں اذان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ ت) اور وقت کراہت تک انتظارِ امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقتِ مستحب تک انتظار باعثِ زیادت اجر وتحصیلِ فضیلت ہے پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہو گی کہ سب اُس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اُتنا ہی ثواب ہے کہ یہ سارا وقت اُن کا نماز ہی میں لکھا جائیگا،

وقدصحّ عن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم انتظار النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی مضی نحومن شطر اللیل وقداقرهم علیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقال انکم لن تزالوا فی صلاة	یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم رات گئے تک نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انتظار کرتے حتی کہ رات کا ایک حصہ گزر جاتا اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکے اس عمل کی تصویب فرمائی اور ارشاد فرمایا: جتنا وقت تم نماز کا انتظار کرتے ہو

ما انتظرتم الصلاۃ[1]۔	یہ سارا وقت تم نماز میں ہی ہوتے ہو۔(ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک کہ حاضرین پر شاق نہ ہو۔

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃعن المنتقی للامام الحاکم الشھیدان تاخیرالمؤذن وتطویل القرأۃ لادراك بعض الناس حرام ھذا اذاکان لاھل الدنیا تطویلًا وتاخیرًا یشق علی الناس والحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃاھل الخیرغیرمکروہ ولاباس بان ینتظر الامام انتظارًا وسطا[2]۔	انقرویہ میں تاتارخانیہ سے اور اس میں امام حاکم الشہید کی منتقٰی سے ہے کہ مؤذن کا اقامت کو مؤخر کرنا اور امام کا قرأت کو لمبا کرنا تاکہ بعض خاص لوگ جماعت کو پالیں حرام ہے یہ حرمت اس وقت ہے جب یہ طوالت وتاخیر کسی دنیا دار کے لئے ہو اور لوگوں پر یہ شاق گزرے حاصل یہ ہے کہ تھوڑی تاخیر تاکہ اہلِ خیر شریک ہوجائیں مکروہ نہیں، امام کو اوسط درجہ کا انتظار کرنا جائز ہے۔(ت)

اور سنّتِ فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لیے سُنّتیں رہ گئیں اُن کی قضا کرے تو بعد بلندیٔ آفتاب پیش از نصف النہار شرعی کرے طلوعِ شمس سے پہلے اُن کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع وناجائز ہے،

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاصلاۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس[3]۔	کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صبح کے بعد کوئی نماز جائز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے۔(ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۳۲۷) از کلکتہ دھرم تلا۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مؤذن کی بغیر اجازت دوسرا شخص اقامت کہہ سکتا ہے یا نہیں؟ درصورت عدمِ جواز بدون اجازتِ مؤذن سائل حدیث شریف سے سند چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ناجائز نہیں، ہاں خلاف اولٰی ہے اگر مؤذن حاضر ہو اور اسے گراں گزرے ورنہ اتنا بھی نہیں۔ مسند امام احمد وسنن اربعہ وشرح معانی الآثار میں زیاد بن حارث صدائی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، میں نے اذان

---

[1] الصحیح لمسلم باب فضل الصلوٰۃ المکتوبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۵

[3] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۳

کہی تھی بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تکبیر کہنی چاہی فرمایا: **یقیم اخو صداء فان من اذن فھو یقیم**[1] قبیلہ صداء کا بھائی اقامت کہے گا کہ جواذان دے وہی تکبیر کہے۔ **فی الدرالمختار** (درمختار میں ہے):

اقام غیر من اذن بغیبتہ ای المؤذن لایکرہ مطلقا وان بحضورہ کرہ ان لحقہ وحشۃ[2]۔	مؤذن کی غیر موجودگی میں غیر کا تکبیر کہنا مطلقاً مکروہ نہیں البتہ جب مؤذن موجود ہو اور اس پر گراں گزرے تو مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذااختیارخواہر زادہ ومشی علیہ فی الدرر والخانیۃ لکن فی الخلاصۃ وان لم یرض بہ یکرہ وجواب الروایۃ انہ لاباس بہ مطلقا اھ قلت وبہ صرح الامام الطحاوی فی معانی الآثار معزیاالی ائمتناالثلثۃوقال فی البحر ویدل علیہ اطلاق قول المجمع ولانکرھھامن غیرہ فمافی شرحہ لابن ملك من انہ لوحضرولم یرض یکرہ اتفاقا فیہ نظر اھ وکذایدل علیہ اطلاق الکافی معللا بان کل واحد ذکر فلاباس بان یأتی بکل واحد رجل اٰخر ولکن الافضل ان یکون المؤذن ھو المقیم[3] اھ الخ	یہ خواہر زادہ کا مختار ہے اور یہی درر اور خانیہ میں ہے لیکن خلاصہ میں ہے اور اگر وہ راضی نہ ہو تو کراہت ہے اور روایت کا جواب یہ ہے کہ اس میں مطلقاً کوئی حرج نہیں اھ میں کہتا ہوں امام طحاوی سے معانی الآثار میں ہمارے تینوں ائمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے یہی تصریح کی ہے، اور بحر میں فرمایا قول مجمع کا اطلاق کہ ہم اسے غیر سے مکروہ نہیں سمجھتے اسی پر دال ہے اس کی شرح لابن ملک میں جو ہے کہ اگر مؤذن موجود ہو اور وہ راضی نہ ہو تو اتفاقاً مکروہ ہے اس میں نظر ہے اور کافی کا اطلاق بھی اسی پر دال ہے اور استدلال یہ ہے کہ ہر ایک ذکر ہے اگر ہر ایک ذکر کو دُوسرا بجالائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں افضل یہ ہے کہ مؤذن ہی تکبیر کہے۔ (ت)

[1] شرح معانی الآثار باب الرجلین یؤذن احدھما ویقیم الاٰخر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۹۸

[2] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[3] ردالمحتار مطلب فی المؤذن اذاکان غیر مستحب فی اذانہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

اقول: اذاحملنا الکراھۃ علی کراھۃ التنزیہ ونفیھا علی التحریم حصل الوفاق الاتری الی قول الکافی النافی کیف یقول لاباس ولکن الافضل وکذلک عبرالامام الطحاوی وغیرہ بلاباس وقدصرحوا ان مرجعہ الی کراھۃ التنزیہ۔	**اقول:** جب ہم کراہت کو کراہت تنزیہی اور اسکی نفی کو کراہت تحریم پر محمول کریں تومسئلہ میں اتفاق ہوجائے گا۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ کافی نے نفیِ کراہت کا قول کرتے ہوئے "لاباس" اور "لکن الافضل" کہا اور اسی طرح امام طحاوی وغیرہ نے بھی "لابأس" سے تعبیر کیا حالانکہ فقہاً نے تصریح کی ہے کہ اس سے کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔ (ت)

پھر یہ استمرار کا دعوی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کہتے اور اقامت دوسرے صاحب کہا کرتے تھے کسی حدیث سے ثابت نہیں، ہاں حدیث میں ایک بار کا یہ ذکر آیا ہے کہ جب عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خواب میں اذان دیکھی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، ارشاد ہوا: بلال کو سکھادو کہ اُن کی آواز بلند تر ہے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہنے اذان کہی جب تکبیر کہنی چاہی عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ نادم ہُوئے اور عرض کی: خواب تو میں نے دیکھا تھا میں تکبیر کہنا چاہتا ہوں۔ فرمایا: تو تمہیں کہو۔ انہوں نے تکبیر کہی رواہ الامام احمد وابوداود [1] والطحاوی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد، ابوداؤد اور طحاوی نے اُنہیں صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) یہ حدیث کچھ ہمارے مخالف نہیں کہ کلام اُس صورت میں ہے جب مؤذن کو ناگوار گزرے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذن کے بعد بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ناگواری کا کیا احتمال، مع ہذا یہ حدیث ابتدائے امر کی ہے کہ وہ پہلی اذان تھی کہ اسلام میں کہی گئی اور حدیث متقدم اُس سے متأخر ہے تاہم ثبوت صرف افضلیت کا ہے نہ کہ اقامتِ غیر کی ممانعت **کمالایخفی واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۲۸) ۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے مقتدیوں کو اُس کا جواب دینا اور جب وہ خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دُعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہر گز نہ چاہئے یہی احوط ہے ردالمحتار میں ہے: **اجابۃ الاذان ح مکروھۃ** [2] (اذان کا جواب

---

[1] سنن ابی داؤد الرجل یؤذن ویقیم آخر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۶

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۷

اُس وقت مکروہ ہے۔ت) نہر الفائق پھر دُرمختار میں ہے:

ینبغی ان لایجیب بلسانه اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب [1]۔	اس بات پر اتفاق ہے کہ خطیب کے سامنے کی اذان کا جواب زبانی نہیں دینا چاہئے۔(ت)

اُسی میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرة ان کان والا فقیامه للصعود فلاصلاۃ ولاکلام الی تمامها وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبة وبعدما اذاجلس عندالثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالاٰخرة اماغیره فیکره اجماعًا وعلی ھذا فالترقیة المتعارفة فی زماننا تکره عنده والعجب ان المرقی ینھی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثه ثم یقول انصتوا رحمکم الله [2] اھ ملخصا	اور جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو ورنہ امام کا منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہونا معتبر ہے۔ تو اس وقت سے تمام خطبہ تک نہ کوئی نماز جائز ہے نہ کوئی کلام۔ اور صاحبین نے کہا: خطبہ سے پہلے اور بعد کلام میں کوئی حرج نہیں۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں حرج نہیں۔ اور اختلاف امام صاحب اور صاحبین کا اس کلام میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو، کلامِ آخرت کے علاوہ دنیاوی کلام بالاتفاق مکروہ ہے۔ اسی بناپر (خطیب کے سامنے) آیہ کریمہ ان اللہ وملئکة الخ کا پڑھنا جیسا کہ ہمارے زمانے میں معروف ہے امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے، تعجب اس بات کا ہے کہ آیت مذکورہ کو پڑھنے والا حدیث شریف کے تقاضے کے مطابق دوسروں کو نیکی کا حکم دینے سے منع کرتا ہے پھر خود کہتا ہے چُپ رہو۔ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے اھ ملخصا (ت)

ہاں یہ جوابِ اذان یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفّظ اصلًا نہ ہو تو کوئی حرج نہیں کما افادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذھب (جیسا کہ ملّا علی قاری کے بیان سے مستفاد ہے اور دیگر فروع کتب مذہب میں ہیں۔ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذان دے یا دعا کرے بلاشبہہ جائز ہے وقد صح کلا الامرین عن سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی صحیح البخاری وغیرہ (صحیح بخاری وغیرہ میں ہے یہ دونوں امور سید کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ت) یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نھایة العنایة وازالة الاوھام فی فتاوٰنا بتافیق الملك العلام (اس مقام کی خوب تفصیل اور ازالہ اوہام اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کئے ہیں۔ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدرالمختار، باب الاذان، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

مسئلہ (۳۲۹) از موضع بکہ جبنی والہ علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خان مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

[1] کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں اذان دینی واسطے بارش کے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے **اذلا حظر من الشرع** (اس میں شرعًا کوئی ممانعت نہیں۔ت) اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکرِ الٰہی باعثِ نزول رحمتِ الٰہی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۰) [2] دفعِ وبا کے لئے اذان درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ **نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبا** لکھا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۱) [3] بعد دفن میت قبر پر اذان جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے، فقیر نے خاص اس مسئلہ میں رسالہ **ایذان الاجر فی اذان القبر** لکھا، **واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۲) ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں اذان دہنے ہاتھ کو ہونا چاہئے کہ دہنے ہاتھ کو فضیلت ہے اور بعض کہتے ہیں بلکہ بائیں ہاتھ کو، اس میں شرعًا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اذان منارہ پر کہی جائے جس طرف واقع ہو یا بیرونِ مسجد جدھر زیادہ نافع ہو، مثلًا ایک جانب کوئی موضع رفیع زائد ہے یا اُس طرف مسلمانوں کی آبادی دُور تک ہے تو اُسی سمت ہونی چاہئے کہ اصل مقصود اذان تبلیغ واعلام ہے جس طرف یہ مقصود زیادہ پایا جاوے وہی افضل ہے باقی دہنے بائیں کی کوئی تخصیص شرع مطہر سے ثابت نہیں، ہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد کذافی فتاوی قاضی خان السنۃ ان یؤذن فی موضع عالٍ یکون اسمع	اذان منارہ پر یا مسجد سے باہر دی جائے مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے کذافی فتاوٰی قاضی خان سنّت یہ ہے کہ اذان ایسے بلند مقام پر دی جائے کہ گردونواح کے

لجیرانه ویرفع صوته کذافی البحر الرائق[1] اھ۔	لوگوں کوآواز خوب سنائی دے اور اذان میں آواز بلند رکھے، کذافی البحرالرائق۔ (ت)

مع ہذا کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانبیں دہنی اور دونوں بائیں ہیں کہ جو قبلہ رُو کھڑا ہواس کی دہنی طرف کعبہ معظّمہ ومسجد کی بائیں ہے اور اُس کی بائیں کعبہ ومسجد کی دہنی تو جب دونوں طرف نفع برابر ہو دونوں یکساں ہیں، واللہ سبحٰنه تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۳) اذان واقامت کس جانب کو چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس مسجد میں اذان کے لئے منارہ بنا ہو جب تو اُس کی جہت خود معین ہے اُس منارہ پر اذان دینا چاہئے خواہ وہ کسی جانب ہو۔

فی البحرالرائق تحت قوله ویجلس بینهما السنة ان یکون الاذان فی المنارة[2] الخ۔	البحرالرائق میں ماتن کے قول "و یجلس بینهما" کے تحت ہے کہ سنّت یہ ہے کہ اذان منارہ پر دی جائے الخ (ت)

اور جہاں نہ ہو تو نظر فقہی میں انسب یہ کہ جس طرف حاجت زائد ہو اُسی جانب کو اختیار کرے مثلاً ایک جانب مسلمان زیادہ رہتے ہیں یا اُس طرف مکان اُن کے دُور ہیں تو وہی جانب اذان کے لئے انسب ہے۔

فانه انما شرع للاعلام فماکان ادخل فی المقصودکان احسن بل رایت ائمتنا ربما مالوا الی هذا المعنی والیه اشاروا من دون تعیین لجهة ففی البحرالرائق وردالمحتار عن السراج ینبغی للمؤذن ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران[3]۔	اذان کی مشروعیت نماز کی اطلاع کے لئے ہے تو یہ مقصود جس احسن طریقہ سے حاصل ہوگا اسے اپنایا جائے بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے ائمہ عموماً اسی معنی کی طرف مائل ہوئے ہیں اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کسی جہت کا تعین نہیں کیا۔ البحرالرائق اور ردالمحتار میں سراج کے حوالے سے ہے مؤذن ایسی جگہ اذان دے کہ وہاں سے گردونواح کے لوگوں کو زیادہ آواز پہنچے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ وکیفیتہا مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

[2] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۳

اور اقامت کی نسبت بھی تعیین جہت کہ دہنی جانب ہو یا بائیں فقیر کی نظر سے نہ گزری بلکہ ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ امام خود اذان واقامت کہے،

فی الدرالمختار الافضل کون الامام ھو المؤذن [1] انتھی وفی فتح القدیر الافضل کون الامام ھو المؤذن وھذامذھبنا وعلیه کان ابوحنیفة [2] انتھی وفی ردالمحتار السنة ان یقیم المؤذن [3] انتھی وفیه عن السراج ان اباحنیفة کان یباشر الاذان والاقامة بنفسه [4]۔	درمختار میں ہے کہ افضل یہی ہے کہ امام خود مؤذن ہو، انتہی۔ اور فتح القدیر میں ہے کہ امام کا ہی مؤذن ہونا افضل ہے، یہی ہمارا مذہب ہے اور یہی امام اعظم کی رائے ہے، انتہی۔ اور ردالمحتار میں ہے سنت یہ ہے کہ مؤذن تکبیر کہے، انتہی۔ اور اسی میں سراج سے ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اذان واقامت خود کہتے تھے۔ (ت)

اور علماء جائز رکھتے ہیں کہ جہاں اذان ہُوئی وہیں اقامت بھی کہی جائے، اور ظاہر ہے کہ اذان مسجد کے اندر نہیں ہوتی بلکہ مکروہ ہے پھر جب بیانِ افضلیت پر آتے ہیں تواسی قدر فرماتے ہیں کہ اقامت کا مسجد میں ہونا بہتر ہے اور یہاں لفظ کو مطلق چھوڑتے ہیں تخصیصِ جہت کچھ نہیں کرتے،

فی البحر الرائق یستحب التحول للاقامة الی غیر موضع الاذان [5] انتھی وفیه یسن الاذان فی موضع عال والاقامة علی الارض [6]۔	البحرالرائق میں ہے تکبیر کے لئے اذان کی جگہ بدل لینا مستحب ہے انتہی۔ اور اسی میں ہے اذان کا بلند جگہ اور تکبیر کا نیچے زمین پر ہونا مسنون ہے۔ (ت)

ہاں اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ محاذاتِ امام پھر جانبِ راست مناسب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۴)　　　　۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذانیں واسطے طلبِ باراں کے مسجدوں میں کہنا درست ہے

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۳

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۶

[4] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۵

[5] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[6] البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

یا نہیں؟ اور اس طرح سے بھی واسطے طلبِ باراں کے اذانیں کہنے کا ثبوت ہے کہ امام سورہ پڑھے اور ہر مبین پر اذان کہے اور سب مقتدی بھی اس کے ساتھ اذانیں کہیں، مطلق اذان میں کانوں میں انگلیاں رکھ کر ان کو ہلانا اور گھمانا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد کے اندر وقتی اذان کہنا مکروہ ہے کما فی فتح القدیر وغیرہ (جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے۔ت) مگر اذان بغرضِ طلب باراں یا دفعِ وبا بہ نیت اذان واعلان وطلب مردمان نہیں ہوتی بلکہ بہ نیت ذکر اور ذکر مسجد میں جائز ہے پھر اولیٰ یہ ہے کہ بیرون مسجد فیصل وغیرہ رہو اور اس میں اصلاً کوئی حرج نہیں کہ اذان ذکرِ الٰہی ہے اور بارش رحمتِ الٰہی، اور ذکرِ الٰہی باعث نزولِ رحمت ہے، یونہی طریقہ مذکورۂ یس واذان بھی از قبیل اعمال ہے جس کے لئے اس سے زیادہ کسی ثبوت کی حاجت نہیں کہ شرع سے اس کی ممانعت نہیں آئی یس شریف کیلئے حدیث میں آیا: یس لما قرء لہ سورۂ یس اُس کام کے لئے ہے جس لئے پڑھی جائے یعنی جس نیت سے پڑھی جائے اللہ تعالٰی عطا فرمائے۔ اذان میں انگلیاں کان میں رکھنا مسنون ومستحب ہے مگر ہلانا اور گھمانا حرکت فضول ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۵) ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بے وضو اذان کہنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جائز ہے بایں معنے کہ اذان ہوجائے گی مگر چاہئے نہیں، حدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے، ولہذا علّامہ شرنبلالی نے نظر بحدیث کراہت اختیار فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۶) از ریاست رام پور بزریہ ملا ظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۵ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

الاستفتاء ماقولکم رحمکم اللہ ربکم فی اذان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ھل ھواذن بنفسہ علیہ الصلاۃ والسلام ام لا ولو کان مرۃ فی عمرہ علیہ الصلاۃ والسلام، وفی ابتداء وجوب صلاۃ الجنازۃ علی المیت ایّ زمان کان	سوال: اے علماء (اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے) اس بارے میں تمہاری کیا رائے ہے، کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے یا نہیں، اگرچہ تمام عمر میں ایک دفعہ ہو۔ اور میت پر نماز جنازہ کے وجوب کی ابتداء کب ہُوئی؟ سب سے پہلے کس کی نمازِ جنازہ پڑھائی گئی؟ کیا یہ مدینہ منورہ

وعلی من صلی اوّلا . فی المدینۃ المنورۃ وجبت ام فی المکّۃ المعظمۃ واول الصلاۃ صلیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی ای صحابی کانت ، وما کان اسمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بیّنوا توجروا۔	میں لازم ہوئی یا مکہ مکرمہ میں؟ سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس صحابی کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی؟ اس صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام کیا ہے؟ **بینوا توجّروا۔**

الجواب:

قال فی الدرمختار وفی الضیاء انہ علیہ الصّلاۃ والسّلام اذن فی سفر بنفسہ واقام وصلی الظھر وقد حققناہ فی الخزائن [1] اھ قال فی ردالمحتار ، حیث قال بعد ماھنا ھذا وفی شرح البخاری لابن حجر ومما یکثر السؤال عنہ ، ھل باشر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاذان بنفسہ وقداخرج الترمذی ، انہ صلی اللہ تعالٰی علیئہ وسلم اذن فی سفر وصلی باصحابہ وجزم بہ النووی وقواہ ، ولکن وجد فی مسند احمد من ھذا الوجہ فامر بلالاً فاذن فعلم ان فی روایۃ الترمذی اختصارا وان معنی قولہ اذن امر بلالاً کمایقال اعطی الخلیفۃ العالم الفلانی کذاوانما باشر العطاء غیرہ [2] اھ ورأیتنی کتبت فیما علقت علی ردالمحتار مانصہ اقول لکن سیأتی صفۃ الصلاۃ عند	درمختار میں فرمایا اور الضیاء میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں بنفسِ نفیس اذان دی، تکبیر کہی اور ظہر کی نماز پڑھائی اور ہم نے خزائن میں اس بارے میں تحقیق کی ہے اھ ردالمحتار میں کہا وہاں اس گفتگو کے بعد یہ فرمایا کہ ابنِ حجر کی فتح الباری شرح البخاری میں ہے کہ اکثر طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اذان دی ہے؟ اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی، امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انہوں نے اذان کہی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ترمذی میں اختصار ہے اور ان کے قول اذّن کا معنٰی یہ ہے کہ آپ نے بلال کو اذان کا حکم دیا، جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے فلاں عالم کو یہ عطیہ دیا حالانکہ وہ خود عطا نہیں کرتا بلکہ عطا کرنے والا کوئی غیر ہوتا ہے اھ

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۵

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۵

ذکر التشھدعن تحفۃالامام ابن حجرالمکی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم اذن مرّۃ فی سفر فقال فی تشھدہ"اشھد انّی رسول اللّٰہ"وقد اشارابن حجرالی صحتہ،وھذانص مفسر لایقبل التأویل،وبہ یتقوّی تقویۃ الامام النووی رحمہ اللہ تعالٰی اھ ماکتبت،وبہ ظھر الجواب عن المسألۃ الاولی،واما بدء صلاۃ الجنازۃ فکان من لدن سیدنا اٰدم علیہ الصّلاۃ والسلام،اخرج الحاکم فی المستدرک والطبرانی والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھماقال اٰخرماکبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الجنائزاربع تکبیرات،وکبر عمر علی ابی بکرا ربعا،وکبر ابن عمر علی عمر اربعا وکبر الحسن بن علی علی اربعا،وکبر الحسین بن علی علی الحسن بن علی اربعا،وکبرت الملئکۃ علی اٰدم اربعا[1]،ولم تشرع فی الاسلام فی المدینۃ المنورۃاخرج الادم الواقدی من حدیث حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ فی ام المؤمنین خدیجۃرضی اللہ تعالٰی عنھا انھاتوفیت سنۃ عشر من البعثۃبعدخروج بنی ھاشم من الشعب ودفنت بالحجون ونزل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حفرتھا و

مجھے اس بارے میں مزید جو سمجھ آئی اسے میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کیاہے اور اسکے الفاظ یہ ہیں **اقول:** عنقریب صفاتِ نماز کے تحت ذکرِ تشہد میں تحفہ امام ابن حجر مکّی سے آرہاہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی تھی اور کلماتِ شہادت یوں کہے اشھد انّی رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابنِ حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی اور تقویت ملتی ہے اھ (میری تحریر ختم ہوئی) اس سے پہلے سوال کا جواب آگیا۔ باقی رہی جنازہ کی ابتداء، تو یہ سیدنا آدم علیہ السلام کے دور سے ہے۔ حاکم نے مستدرک، طبرانی اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پر جو آخری عمر میں تکبیرات کہیں وہ چار تھیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چار تکبیرات کہیں، اور ابنِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر، امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنازہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چار تکبیرات کہیں، ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں کہیں اور اسلام میں وجوبِ نماز جنازہ کا حکم

[1] المستدرک للحاکم التکبیر علی الجنائز اربع مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۳۸۶

لم تکن شرعة الصلاة علی الجنائز [1] اھ وقال الامام ابن حجر العسقلانی فی الاصابة فی ترجمة اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنه ذکر الواقدی انه مات علی راس تسعة اشھر من الھجرة رواہ الحاکم فی المستدرك وقال الواقدی کان ذلك فی شوال قال البغوی بلغنی انه اول من مات من الصحابة بعد الھجرة وانه اوّل میت صلی علیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [2] اھ وبه اتضح الجواب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مدینہ منورہ میں نازل ہوا،امام واقدی نے حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے بارے میں حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کا وصال بعثت کے دسویں سال شعبِ ابی طالب سے خروج کے بعد ہُوااور آپ کو حجون کے قبرستان میں دفن کیاگیااور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود ان کی لحد میں اترے اور اس وقت میت پر جنازہ کاحکم نہیں تھااھ اور امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احوال میں واقدی کے حوالے سے لکھاہے کہ ان کا وصال ہجرت کے بعد نویں مہینے کے آخر میں ہُوا،اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور بقول واقدی یہ شوال کا مہینہ تھا،بغوی نے کہاکہ ہجرت کے بعد سب سے پہلے اسی صحابی کاوصال ہوا،اور یہ پہلے صحابی کی میت تھی جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی اور اس سے جواب واضح ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۳۷) از شہر کہنہ ۲۳ شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے مسجد کے اندر زنا کیا نعوذ باللہ من ذلک اب زید مسجد میں مؤذن رہ سکتاہے یانہیں؟اور جو لوگ زید کو مسجد میں رکھنے کے واسطے کوشش اور حجت کرتے ہیں اُن کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نسأل اللہ العافیة (اللہ تعالٰی سے عافیت کا سوال ہے۔ت) اگر یہ امر ثابت ہے تو پر ظاہر کہ زید اخبثِ فسّاق وفجّار ہے اور فاسق کی اذان اگرچہ اقامتِ شعار کاکام دے مگر اعلام کہ اس کا بڑا کام ہے اُس سے حاصل نہیں ہوتا،نہ فاسق کی اذان پر وقتِ روزہ ونماز میں اعتماد جائز۔ لہٰذا مندوب ہے کہ اگر فاسق نے اذان دی ہو تو اس پر قناعت نہ کریں بلکہ دوبارہ مسلمان متقی پھر اذان دے،تو جب تک یہ شخص صدق دل سے تائب نہ ہو

---

[1] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ خدیجہ بنت خویلد نمبر ۳۳۵ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲۸۳/۴

[2] الاصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ اسعد بن زرارہ نمبر ۱۱۱ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳۴۹/۱

اُسے ہر گز مؤذن نہ رکھا جائے مسجد سے جُدا کردینا ضرور ہے۔ درمختار میں ہے:

جزم المصنّف بعدم صحة اذان مجنون ومعتوه وصبی لایعقل،قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قوله فی الدیانات [1]۔	مصنّف نے دیوانے، ناقص العقل اور ناسمجھ بچّے کی اذان کے بارے میں عدمِ صحت کا قول کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کافر وفاسق کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ امورِ دینیہ میں ان کا قول قابلِ قبول نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المقصود الاصلی من الاذان فی الشرع الاعلام بدخول اوقات الصلاة،ثم صار من شعار الاسلام فی کل بلدة اوناحیة من البلاد الواسعة فمن حیث الاعلام بدخول الوقت وقبول قوله لابد من الاسلام والعقل والبلوغ والعدالة فاذااتصف المؤذن بهذه الصفات یصح اذانه والا فلایصح من حیث الاعتماد علیه،واما من حیث اقامة الشعارالنّافیة للاثم عن اهل البلدة فیصح اذان الکل سوی الصبی الذی لایعقل،فیعاد اذان الکل ندبا علی الصح کماقدمناه عن القهستانی [2] اھ ملخصا۔	اذان کا مقصودِ اصلی شرع میں اوقاتِ نماز کے دخول کی اطلاع ہے پھر یہ تمام ممالک اور بڑے شہروں کے اطراف میں شعائر اسلام کا درجہ پاچکی ہے تو دخولِ وقت کی اطلاع اور اس کے قول کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا قائل مسلمان، عاقل، بالغ اور عادل ہو، اگر مؤذن ان صفات کے ساتھ متصف ہُوا تو اس کی اذان درست ہوگی اور اگر اس میں یہ صفات نہیں تو اس پر اعتماد ہونے کی حیثیت درست نہ ہوگی البتہ اس حیثیت سے کہ یہ ان شعائر میں سے ہے جو تمام شہر والوں کو گناہ سے بچاتی ہے تو یہ بچّے ناسمجھ کے علاوہ ہر کسی کی صحیح ہوگی لہذا اصح یہ ہے کہ ان تمام کی اذان کا لوٹانا مستحب ہے جیسا کہ ہم نے قہستانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اور جو اُس کی حمایت میں فضول حجت کرتے ہیں امر ناحق کے مددگار بنتے ہیں اُنہیں باز آنا چاہئے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَاتَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِیْنَ خَصِیْمًا ۱۰۵ خیانت کرنے والوں کا وکیل نہ بن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۳۸) از نقشبندی محلہ بریلی مسئولہ منشی احمد حسین صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین صلاۃ کے بارہ میں کہ بروز جمعہ بعض مسجدوں میں لوگوں نے بعد اذان کے صلاۃ کا

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۰

معمول رکھا ہے اکثر آدمی اذان سُن کر مسجد میں فوراً حاضر نہیں ہوتے صلاۃ کے منتظر رہتے ہیں جب اذان سے کچھ دیر کے بعد صلاۃ ہوتی ہے تو مسجد میں حاضر ہوتے ہیں یہ فعل جائز ہے یا ناجائز، اور بعد اذان کے مسجد کے اندر سے کسی باہر کے شخص کو نماز کے واسطے پکارنا درست ہے یا نادرست؟

الجواب:

صلاۃ جائز ہے مگر جمعہ کے دن اذانِ اوّل سُن کر نہ آنا حرام ہے **هو الصحیح المعتمد کمافی الدر المختار وغیرہ** (صحیح اور معتمد یہی ہے جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت) اگر صلاۃ کی وجہ سے یہ سُستی ہو جمعہ کے دن صلاۃ کا ترک کرنا ضرور ہے بعد اذان باہر والے کو آواز دینے ہیں حرج نہیں جب کوئی محذور شرعی نہ ہو مثلاً بعد شروع خطبہ آواز دینا حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۳۹) از بنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگا باڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ
ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے دن دونوں اذان بآوازِ بلند چاہئے یا اوّل بآوازِ بلند اور ثانی پست کرکے؟ **بینوا توجّروا۔**

الجواب: دونوں اذانیں پُوری آواز سے خوب بلند کہی جائیں جس طرح اذان میں سنّت ہے آج کل جو عوام دوسری اذان کو کہ خطبہ کے وقت ہوتی ہے پست آواز سے مثل تکبیر کے کہہ لیتے ہیں محض جہالت ہے اس سے سنّت ادا نہیں ہوتی، اصل اذان زمانہ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزمانہ صدیقِ اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما میں یہی تھی، پہلی اذان امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے زائد فرمائی ہے کماثبت فی الصحیحین وغیرھما (جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ میں ثابت ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۰) اگر نمازیوں کو نماز کے وقت سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ پہلے ان کی اجازت سے یا بغیر اجازت اُن کے مکانوں پر جاکر فجر کی نماز کے واسطے بتاکید جگادیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نماز کے لئے جگانا موجبِ ثواب ہے مگر وقت سے اتنا پہلے جگانے کی کیا حاجت ہے البتہ ایسے وقت جگائے کہ استنجاء ووضو وغیرہ سے فارغ ہو کر سُنّتیں پڑھے اور تکبیر اولٰی میں شامل ہوجائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۱) اذان مسجد میں صبح کاذب میں کہنا چاہئے یا صبح صادق میں؟

الجواب:

ہمارے مذہب میں اذان قبل وقت جائز نہیں اگرچہ فجر کی ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۲) ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں صلاۃ پکارنا عیدین وجمعہ میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عیدین[1] میں "**الصلٰوۃ جامعۃ**" کہا جائے، اور جمعہ میں تثویب حسبِ استحسان متاخرین جائز ہے اور تحقیق یہ ہے کہ وہاں کے نمازیوں کی حالت و مصلحت پر نظر کی جائے اگر وہ لوگ اذان سُن کر خود جمع ہو جاتے ہیں تو تثویب ہر گز نہ کہی جائے کہ اُن سے یہ عادتِ حسنہ چھُڑا کر انتظار تثویب کا خوگر کر دینا ہوگا اور جہاں ایسا نہیں بلکہ اُس کی حاجت اور اُس کے فعل میں مصلحت ہے وہاں کہی جائے **ھذا ھو التحقیق وبہ یحصل التوفیق** (تحقیق یہی ہے اور اس سے مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۴۳) [2]سوائے اذان کے آواز دینا کہ چلو جماعت تیار ہے یا کسی نمازیِ پنج وقتہ یا امام کو آواز دینا یا روز کے نمازی آنے والوں کا وقتِ آخر تک انتظار کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب[2]**:**

آخر وقت تک انتظار کرنا بایں معنے کہ وقتِ کراہت آجائے مطلقاً مکروہ ہے اور وقت استحباب تک اگر قوم حاضر ہے اور شخص منتظر مرد شریر نہیں جس سے خوفِ ایذا ہو اور انتظار حاضرین پر ثقیل ہوگا تو قدرِ سنّت سے زیادہ انتظار مکروہ ہے اور اگر ابھی لوگ حاضر ہی نہیں یا منتظَر سے ترک انتظار میں خوفِ ایذا ہے یا سب حاضرین انتظار پر بدل راضی ہیں تو حرج نہیں اور بقدرِ سنّت تو انتظار ہمیشہ ہی چاہئے جب تک وقتِ کراہت نہ آئے، انتظار مسنون، جو عوام میں بقدر چار رکعت کے مشہور ہے بے اصل ہے بلکہ اس کی حد غیر مغرب میں یہ ہے کہ اذان سُن کر جسے وضو نہ ہو وضو کرے کھاتا ہو تو اس سے فارغ ہو جائے حاجت کی ضرورت ہو تو اس سے انفراغ وطہارت کے بعد حاضر مسجد ہو جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۴) از مدرسہ اشاعۃ العلوم دوم جمادی الاولٰے ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید دعوٰی کرتا ہے کہ جب تک سب مقتدی کھڑے نہ ہولیں اور صف سیدھی نہ ہو اور امام اپنی جانماز پر کھڑا نہ ہو تب تک اقامت نہ کہی جائے اور عمرو دعوٰی کرتا ہے کہ مقتدی اور امام کو پہلے ہی سے کھڑا ہونا ضروری نہیں بلکہ اقامت شروع کی اور مؤذن "**حی علی الفلاح**"

تک پہنچ جائے اُس وقت امام ومقتدی کھڑے ہوجائیں اور جس وقت "قد قامت الصلاۃ" کہے تب امام تکبیر کہے اب ان دونوں میں کون حق پر ہے، دیگر صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ میں امام کو تشہد میں پائے یا سجدہ سہو میں اب جمعہ اُس کا ادا ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:

عمرو حق پر ہے کھڑے ہو کر تکبیر سُننا مکروہ ہے، یہاں تک کہ علماء حکم فرماتے ہیں کہ جو شخص مسجد میں آیا اور تکبیر ہورہی ہے وہ اس کے تمام تک کھڑا نہ رہے بلکہ بیٹھ جائے یہاں تک کہ مکبّر "حی علی الفلاح" تک پہنچے اُس وقت کھڑا ہو، وقایہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم عند "حی علی الصلاۃ" ویشرع عند "قد قامت الصلاۃ"[1]۔	امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ" پر کھڑے ہوں اور "قد قامت الصلاۃ" کے الفاظ پر امام نماز شروع کردے۔(ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلثة هو الصحیح[2]۔	ہمارے تینوں ائمہ کے نزدیک جب اقامت کہنے والا "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت امام اور تمام نمازی کھڑے ہوں اور یہی صحیح ہے۔(ت)

جامع المضمرات وعالمگیریہ وردالمحتار میں ہے:

اذا دخل الرجل عند الاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذا بلغ المؤذن قوله "حی علی الفلاح"[3]۔	جب کوئی نمازی تکبیر کے وقت آئے تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہو کر انتظار کرنا مکروہ ہے پھر جب مؤذّن "حی علی الفلاح" کہے تو اس وقت کھڑا ہو۔(ت)

اسی طرح بہت کتب میں ہے۔

اقول: ولاتعارض عندی بین قول الوقایة واتباعها یقومون عند "حی الصلاۃ" والمحیط والمضمرات ومن معهما عند "حی علی الفلاح" فانا اذا	**اقول:** صاحبِ وقایہ اور ان کے متبعین "حی علی الصلاۃ" کے موقعہ پر کھڑا ہونے کا قول کرتے ہیں اور صاحبِ محیط، مضمرات اور ان کی جماعت "حی علی الفلاح" کے وقت کھڑا ہونے کا قول

1 مختصر الوقایہ فصل الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۱۲
2 فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۷
3 فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامة الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۷

حملنا الاول علی الانتهاء والاٰخر علی الابتداء اتحد القولان، ای یقومون حین یتم المؤذن حی علی الصلاۃ ویأتی علی الفلاح وھذا مایعطیه قول المضمرات یقوم اذابلغ المؤذن حی علی الفلاح ولعل ھذا اولی ممافی مجمع الانھر من قوله وفی الوقایة ویقوم الامام والقوم عند حی علی الصلاۃ ای قبیله [1] اھ	کرتے ہیں میرے نزدیک ان میں کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ جب ہم پہلے قول کو انتہا اور دوسرے کو ابتدا پر محمول کریں تو دونوں قولوں میں اتحاد حاصل ہوجاتا ہے یعنی جب مؤذن حی علی الصلاۃ "پُورا کرکے حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اس کی تائید مضمرات کے ان الفاظ سے ہوتی ہے "اس وقت کھڑا ہو جب مؤذن" حی علی الفلاح" پر پہنچے اور یہ اس سے بہتر ہے جو مجمع الانہر میں اس کا قول ہے: وقایہ میں ہے کہ امام اور نمازی "حی علی الصلاۃ" کے وقت یعنی اس سے تھوڑا سا پہلے کھڑے ہوں اھ۔ (ت)

یہ اُس صورت میں ہے کہ امام بھی وقتِ تکبیر مسجد میں ہو، اور اگر وہ حاضر نہیں تو مؤذن جب تک اُسے آتا نہ دیکھتے تکبیر نہ کہے نہ اُس وقت تک کوئی کھڑا ہو لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتقوموا حتی ترونی (کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: تم نہ کھڑے ہوا کرو یہاں تک کہ مجھے دیکھ لو۔ت) پھر جب امام آئے اور تکبیر شروع ہو اس وقت دو[۲] صورتیں ہیں اگر امام صفوں کی طرف سے داخل مسجد ہو تو جس صفت سے گزرتا جائے وہی صف کھڑی ہوتی جائے اور اگر سامنے سے آئے تو اُسے دیکھتے ہی سب کھڑے ہوجائیں اور اگر خود امام ہی تکبیر کہے تو جب تک پُوری تکبیر سے فارغ نہ ہولے مقتدی اصلاً کھڑے نہ ہوں بلکہ اگر اس نے تکبیر مسجد سے باہر کہی تو فراغ پر بھی کھڑے نہ ہوں جب وہ مسجد میں قدم رکھے اُس وقت قیام کریں، ہندیہ میں بعد عبارت مذکور ہے:

فاما اذاکان الامام خارج المسجد فان دخل المسجد من قبل الصفوف فکلما جاوز صفا قام ذلك الصف والیه مال شمس الائمة الحلوانی والسرخسی وشیخ الاسلام خواھرزادہ وان کان الامام دخل المسجد من قدامھم یقومون کمارأوا الامام وان کان المؤذن والامام واحدا	اگر امام مسجد سے باہر ہو اگر وہ صفوں کی جانب سے مسجد میں داخل ہو تو جس صف سے وہ گزرے وہ صف کھڑی ہوجائے، شمس الائمہ حلوانی، سرخسی، شیخ الاسلام خواہرزادہ اسی طرف گئے ہیں، اور اگر امام اُن کے سامنے سے مسجد میں داخل ہو تو اُسے دیکھتے ہی تمام مقتدی کھڑے ہوجائیں، اگر مؤذن اور امام ایک ہی ہے پس اگر اس نے مسجد کے اندر

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاذان مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۷۸

فان اقام فی المسجد فالقوم لایقومون مالم یفرغ عن الاقامة وان اقام خارج المسجد فمشایخنا اتفقوا علی انهم لایقومون مالم یدخل الامام المسجد ویکبر الامام قبیل قوله قدقامت الصلاۃ قال الشیخ الامام شمس الائمة الحلوانی وھو الصحیح ھکذا فی المحیط [1]۔	ہی تکبیر کہی تو قوم اس وقت تک کھڑی نہ ہو جب تک وہ تکبیر سے فارغ نہ ہو جائے اور اگر اس نے خارج از مسجد تکبیر کہی تو ہمارے تمام مشائخ اس پر متفق ہیں کہ لوگ اس وقت تک کھڑے نہ ہوں جب تک امام مسجد میں داخل نہ ہو اور امام "قدقامت الصلاۃ" کے تھوڑا پہلے تکبیر تحریمہ کہے امام شمس الائمہ حلوانی کہتے ہیں کہ یہی صحیح ہے، محیط میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جمعہ بھی ہمارے امام کے نزدیک اس بارے میں مثل اور نمازوں کے ہے سلام سے پہلے جو شریک ہو لیا اس نے جمعہ پالیا دو ۲ ہی رکعت پڑھے، درمختار میں ہے:

من ادرکھا فی تشھد اوسجود سھو علی القول به فیھا یتمھا جمعة خلافا لمحمد [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے جمعہ کی نماز میں تشہد یا سجدہ سہو میں اس قول پر جو جمعہ میں سجدہ سہو کا قول کرتے ہیں امام کو پایا تو وہ نماز کو جمعہ کے طور پر پُورا کرے اس میں امام محمد کا اختلاف ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۴۵) ایک طالب علم اذان میں حی علی الصلاۃ ایک بار دہنی طرف منہ پھیر کر کہتے ہیں اور پھر بائیں طرف مُنہ پھیر کر ایک بار حی علی الفلاح کہتے ہیں اور پھر دہنی طرف منہ پھیر کر ایک بار حی علی الصلاۃ اور پھر بائیں طرف منہ پھیر کر حی علی الفلاح کہتے ہیں اور اس طرح اذان دینے کو افضل کہتے ہیں اور حاشیہ ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ اس میں اس طرح آیا ہے، یہ قول اُن کا درست ہے یا نہیں؟ اور اس طرح اذان دیا کریں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ محض غلط وخلافِ سنّت ہے، علمگیریہ ومحیط سرخسی میں ہے: **یرتب بین کلمات الاذان والاقامة کما شرع** [3] کلماتِ اذان وتکبیر میں اسی ترتیب کا قائم رہنا ضروری ہے جس پر مشروع ہوئے ہیں۔ ت) مسند احمد وسُنن ابی داؤد وغیرہما میں عبداللہ بن زید عبد ربّہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث تعلیمِ اذان میں ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان والاقامۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۶

فرشتے نے کہا یوں کہا کرو (کلماتِ اذان یہ ہیں):

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشھد ان لا اِلٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ، اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ، اشھد ان محمدًا رسول اللّٰہ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الصلٰوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لاالٰہ الّا اللّٰہ [1]۔

عبداللہ بن زید نے فرمایا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے میں نے عرض کی، حضور نے فرمایا:

ان ھذہ لرؤیا حق ان شاء اللّٰہ تعالٰی، ثم امر بالتاذین، فکان بلال مولی ابی بکر یؤذن بذلك [2]۔	اِن شاء اللہ تعالٰی یہ خواب بیشک حق ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال مولٰی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اذان کا حکم دیا وہ اس طور پر مذکور پر اذان دیا کرتے تھے۔

صحیح مسلم وسنن نسائی وغیرہما میں ابو محذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُنہیں اذان تعلیم فرمائی اس میں بھی شہادتیں کے بعد یوں ہی ہے: حی علی الصلاۃ، حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لاالٰہ الا اللّٰہ [3]۔ غرض دونوں حی علی الصلاۃ ایک ساتھ، پھر دونوں حی علی الفلاح ایک ساتھ پڑھنے میں کوئی شک نہیں، ہاں بعض علما نے مُنہ پھیرنے میں یہ طریقہ رکھا ہے کہ ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الصلاۃ پھر اسی کو بائیں طرف کہے، پھر ایک بار دہنی طرف کہے حی علی الفلاح پھر اسی کو بائیں طرف کہے، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی، مگر صحیح وہی ہے کہ دونوں بار حی علی الصلاۃ دہنی طرف کہہ کر دونوں بار حی علی الفلاح بائیں طرف کہے۔ ردالمحتار میں ہے: یلتفت فیھما یمینًا بالصلٰوۃ ویسارًا بالفلاح وھو الاصح (اصح یہ ہے دونوں میں حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں طرف حی علی الفلاح کے وقت بائیں طرف منہ پھیرے۔ ت) "قہستانی عن المنیۃ" وھو الصحیح کمافی البحر والتبیین (اور صحیح یہی ہے جیسا کہ بحر و تبیین میں ہے۔ ت) وقال مشایخ مرو یمنۃ ویسرۃ فی کل، قال فی الفتح

---

1 سنن ابی داؤد باب کیف الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۷۲/۱

2 سنن ابی داؤد باب کیف الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۷۲/۱

3 صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب بدء الاذان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶۵/۱

الثانی اوجہ وردہ الرملی بانہ خلاف الصحیح المنقول عن السلف [1] اھ باختصار مشائخ مرو نے کہا ہے کہ ہر ایک میں دائیں اور بائیں منہ پھیرے (جیسے کہ قہستانی میں ہے) فتح میں ہے کہ دوسرا قول اوجہ ہے، اور رملی نے اس کارد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسلاف سے منقول صحیح قول کے منافی ہے اھ اختصار۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۴۶)　　۲۱ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

بعد اذان کے پھر کسی خاص شخص کو پکارنا بالخصوص خودی والے کو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد اذان کے سلطانِ اسلام و قاضی شرع و عالم دین کی خدمتوں میں مؤذن دوبارہ اطلاع کے واسطے مؤدبانہ حاضر ہو یہی سنّت ہے باقی لوگوں میں اگر سامنے سے گزریں تو کہہ دینا کہ نماز کو آؤ جماعت تیار ہے، یا مسجد کو جاتے راہ میں جو ملیں اُنہیں تاکید کرتے آنا مضائقہ نہیں رکھتا مگر گھر پر آدمی بھیج کر بلانے کی حاجت نہیں خصوصًا خودی والے متکبر کو کہ متکبر شرعًا مستحقِ توہین ہے نہ لائقِ رعایت جبکہ مظنہ فتنہ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۴۷)　　منشی عبدالقادر صاحب میسوری

یہاں یہ دستور ہے کہ نماز پنجگانہ و عیدین و نمازِ جنازہ میں شہروں اور قریہ وغیرہ سب جا صلاۃ صلاۃ پکار کر کہتے ہیں یہ صلاۃ پکارنا کیسا ہے کس زمانہ و کن بزرگوں سے ابتدا جاری ہے اس کے پکارنے سے نماز میں خلل ہے یا نہیں، یہاں چند صاحبان صلاۃ پکارنا بدعت یعنی ناجائز سمجھتے ہیں از راہِ مہربانی جواب تحریر کریں۔

الجواب:

عیدین میں الصّلاۃ جامعۃ [2] (نماز کی جماعت تیار ہے۔ت) بآواز بلند دوبار پکارنا مستحب ہے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

یستحب ان ینادی لھا الصلٰوۃ جامعۃ بالاتفاق [3]۔	یہ آواز دینا کہ جماعت تیار ہے بالاتفاق مستحب ہے۔(ت)

سوائے مغرب ہر نماز میں صلاۃ پکارنا یعنی دوبارہ اعلان کرنا ائمہ متاخرین نے مستحب رکھا ہے بلکہ

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۵

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

درمختار میں سب نمازوں کی نسبت لکھا:

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ[1]۔	متعارف طریقہ پر تمام نمازوں میں ہر ایک کے لئے اذان واقامت کے درمیان تثویب کہنی چاہئے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الکل ای کل الصلوات لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ قال فی العنایۃ احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر ومارأہ المسلمون حسنًا فھو عنداللہ حسنٌ[2]۔ اھ	"فی الکل" سے مراد یہ ہے کہ تمام نمازوں میں تثویب کہے کیونکہ دینی امور میں سُستی غالب آچکی ہے۔ عنایہ میں ہے کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویب فجر کو باقی رکھتے ہوئے مغرب کی نماز کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے اھ (ت)

نمازِ جنازہ میں حرمین شریفین میں دستور ہے کہ مؤذن بآواز بلند کہتے ہیں: **الصلٰوۃ علی المیت یرحمکم اللہ** (میت پر نمازِ جنازہ ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ت) اور یہ سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں داخل ہے کہ **وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ**[3] (اس سے کس کی بات بہتر جو اللہ کی طرف بُلائے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی الھدٰی فلہ اجرہ واجر من تبعہ[4]۔	جو کسی نیک بات کی طرف بُلائے اُس کے لئے اُس کا خود اپنا اجر ہے اور جتنے اُس نیک فعل میں شریک ہوں ان سب کا ثواب ہے، اور انکے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔

اور زعمِ بدعت کارَد ہزار بار ہوچکا، ہر نَو پیدا بات ناجائز نہیں ورنہ خود مدرسے بنانا، کتابیں تصنیف کرنا، صرف ونحو وغیرہما علوم کہ زمانہ رسالت میں نہ پڑھے تھے، پڑھنا پڑھانا سب حرام ہوجائے اور اسے کوئی عاقل نہیں کہہ سکتا خود یہ اہلِ بدعت ہزارہا جدید باتیں کرتے ہیں کہ زمانہ رسالت میں اس ہیئت کذائی سے موجود نہ تھیں، بعد کو حادث ہوئیں مگر اپنے لئے جو چاہیں حلال کرلیتے ہیں واللہ سبحٰنہ وتعالٰی

---

[1] الدرالمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۳

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۶

[3] القرآن ۴۱/ ۳۳

[4] مسلم شریف باب من سن سنۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

نوٹ: مسلم شریف کے الفاظ یوں ہیں من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیئا الخ۔ نذیر احمد سعیدی

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ (۳۴۸) از دمن خرو عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اقامت کے قبل درود شریف بآواز بلند پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ ہی اقامت یعنی تکبیر شروع کردیتا ہے کہ جس سے عوام کو معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف اقامت کا جزئ ہے اور عمرو درود شریف نہیں پڑھتا صرف اقامت کہتا ہے تو زید کو یہ فعل اس کا ناپسند آتا ہے اور اصرار سے اس کو پڑھنے کو کہتا ہے اس صورت میں درود شریف جہر سے پڑھنا اور زید کا اصرار کرنا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

درود شریف قبلِ اقامت پڑھنے میں حرج نہیں مگر اقامت سے فصل چاہئے یا درود شریف کی آواز آواز اقامت سے ایسی جدا ہو کہ امتیاز رہے اور عوام کو درود شریف جزءِ اقامت نہ معلوم ہو، رہا زید کا عمرو پر اصرار کرنا وہ اصلاً کوئی وجہ شرعی نہیں رکھتا یہ زید کی زیادتی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۴۹) از کیمپ میرٹھ کوٹھی خان بہادر کمرہ شیخ علاءُالدین صاحب مرسلہ سید حسن صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ باعثِ استفسار یہ ہے کہ اگر صبح کی اذان لوگوں کو سحری کے وقت کے اختتام سے آگاہی کے واسطے صبح صادق نکلنے سے آٹھ یا دس منٹ پہلے دے دی جایا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اذان وقت سے پہلے دینی مطلقاً ناجائز وممنوع ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

لایؤذن قبل الوقت ویعادفیہ وانکار السلف علی من یؤذن بلیل دلیل علی انہ لم یجز قبل الوقت[1]۔	قبل از وقت اذان نہ دی جائے اور اگر دے دی جائے تو وقت کے اندر پھر لوٹائی جائے اور اسلاف کا رات کو اذان دینے والے پر انکار اس بات کی دلیل ہے کہ قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ (ت)

البحر الرائق میں ہے: **لایجوز قبلہ**[2] (قبل از وقت اذان جائز نہیں۔ ت)

ختم سحری کے لئے صلاۃ وغیرہ کوئی اور اصطلاح مقرر کرسکتے ہیں اور وہ بھی چار پانچ منٹ سے زیادہ وقت صحیح سے مقدم نہ ہو کہ تاخیرِ سحور سنّت اور اس میں برکت ہے اور زیادہ اول سے منع کردینا فتوائے باطل وبدعت وخلافِ شریعت ہے پھر یہ بھی اس کے لئے ہے

---

[1] تبیین الحقائق باب الاذان مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۹۳

[2] البحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۲

جو وقت صحیح جانتا ہو نہ وہ آج کل کی عام جنتریوں میں چھپا یا چھپتا ہے کہ اکثر باطل وضلالت ہے اُنہیں میں سے میرٹھ کی "دوامی جنتری" بھی سراپا غلط وبطالت ہے یونہیں ہمیشہ رات کا فلاں معین حصّہ چھوڑنا محض نادانی وجہالت ہے ان مجمل الفاظ کی تشریح اول طبع ہوچکی اور بعض فتوائے دیگر مفصلہ سے معلوم ہوگی **بعونہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۵۰) از ملک گجرات بھڑوچ محلّہ گھونسواڑہ آملہ مسجد مرسلہ محمد الدین مجددی ۷اجمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنّتِ جمعہ پڑھنے کے لئے ملک گجرات کے بعض مقام میں جو ایک صلاۃ سنت قبل جمعہ پڑھنے کے واسطے مؤذن بلند آواز سے روز جمعہ کے پکارتا ہے اور بغیر صلاۃ سنت قبل الجمعہ پکارنے کے سنت قبل الجمعہ کی لوگ نہیں پڑھتے اور اس صلاۃ سنت قبل جمعہ کا مسجد میں جمع ہوکر انتظار کرتے ہیں تاکہ مؤذن یہ صلاۃ سنت کی پکارے تو سنت قبل جمعہ پڑھیں الفاظ یہ ہیں: **الصلاۃ سنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ** (جمعہ سے پہلی سنتیں ادا کرو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ت) کیا ان الفاظ سے صلاۃ کہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت ہے یا مستحب ہے اور کس مجتہد نے اسلام میں اس کو جاری کیا ہے اور یہ صلاۃ سنت قبل الجمعہ اگر کوئی شخص نہ پکارے اور سُنتیں جمعہ کی پڑھ لے تو سنتیں ہوجاتی ہیں یا نہیں اور نہ پکارنے سے مرتکب گناہ کا ہوگا یا نہیں، نماز جمعہ اور سنتِ جمعہ میں بھی نہ پکارنے سے قصور لازم آتا ہے یا نہیں، اور نہ کہنے والا مذہب امام اعظم کا مقلّد رہتا ہے یا وہابی نجدی ہوکر اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، کیا وہ بے ایمان ہوجاتا ہے، کیا تثویب جس کو فقہائے حنفیّہ نے مستحسن فرمایا ہے وہ یہی صلاۃ سنت قبل الجمعہ ہے یا اُس کی کوئی اور صورت ہے؟ مستند کتب حنفیّہ سے ثبوت مع دلائل تحریر فرماکر اجرِ عظیم پائیں مہر مع دستخط علمائے کرام ثبت ہو۔

الجواب:

تثویب جسے ہمارے علمائے متاخرین نے نظر بحال زمانہ جائز رکھا اور مستحب ومستحسن سمجھا وہ اعلام بعد اعلام ہے اور اس کے لئے کوئی صیغہ معین نہیں بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انہیں لفظوں سے کہ **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ تعالٰی** (نماز جمعہ سے پہلے سنت نماز ادا کرلو اللہ تم پر رحم فرمائے۔ت) تو اس وجہ پر کہنا زیر مستحب داخل ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یثوب بین الاذان والاقامۃ فی الکل للکل بماتعارفوہ الافی المغرب [1]۔	مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت میں تمام لوگوں کے لئے اذان واقامت کے درمیان معروف طریقہ پر تثویب کہی جائے۔ (ت)

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

ردالمحتار میں ہے:

بما تعارفوه کتنحنح اوقامت قامت، اوالصلٰوۃ الصلٰوۃ، ولواحدثوا اعلامامخالفالذلك جاز، نهر عن المجتبٰی[1]۔	بماتعارفوہ سے مراد مثلًا کھانسنا، نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی، نماز، نماز، اور اگر اس کے علاوہ کوئی الفاظ اطلاع کے لئے مخصوص کرلیے جائیں تو جائز ہیں۔ نہر نے مجتبٰی سے نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی میں عنایہ سے ہے:

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامة، علی حسب ماتعارفوه فی جمع الصلوات سوی المغرب، مع ابقاء الاول، یعنی الاصل، وهو تثویب الفجر، ومارأه المسلمون حسنًا، فهو عندالله حسنٌ[2]۔	کہ متاخرین نے اصل یعنی تثویبِ فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

مگر اس پر اور باتیں جو اضافہ کیں بے اصل وباطل ہیں: (مثلًا)

(۱) جب تک یہ صلاۃ نہ پکاری جائے سنّتِ جمعہ نہ پڑھنا۔

(۲) مسجد میں جمع ہو کر اس پکارنے کا منتظر رہنا گویا سنتِ قبل الجمعہ کو اذان مؤذن کا محتاج کر رکھا ہے کہ وہ صلاۃ پکار کر اجازت دے تو پڑھیں یہ بدعت ہے۔

(۳) بغیر اس کے یہ سمجھا کہ سُنّتیں نہ ہوں گی۔

(۴) نہ پکارنے کو گناہ جاننا۔

(۵) نہ پکارنے سے نمازِ جمعہ میں قصور سمجھنا۔

(۶) نہ پکارنے والے کو تقلیدِ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے باہر خیال کرنا۔

(۷) معاذاللہ اسے وہابی و بے ایمان گمان کرنا یہ پانچوں اعتقاد باطل وضلال ہیں، ان کے معتقدین پر توبہ فرض قطعی ہے اور ان ساتوں رسوم وخیالاتِ باطلہ کا ہدم واعدام لازم ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۷

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۷

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں سے نہیں پس وہ مردود ہوگی۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۱) جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ

نمازِ جمعہ میں اذان کے بعد پھر صلاۃ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اذان کے بعد صلاۃ تثویب ہے اور تثویب کو علماء نے ہر نماز میں مستحب رکھا ہے۔ درمختار میں ہے۔

یثوب فی الکل للکل بما تعارفوہ الا فی المغرب [2]۔	مغرب کے علاوہ ہر نماز کے وقت تمام لوگوں کے لئے متعارف طریقے پر تثویب کہنی چاہئے۔ (ت)

عنایہ میں ہے: فی جمیع الصلوات سوی المغرب [3] (مغرب کے علاوہ تمام نمازوں میں تثویب جائز ہے۔ ت) درمختار میں ہے:

التسلیم بعد الاذان حدث فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ [4]۔	اذان کے بعد صلاۃ وسلام ہر سوموار کو عشاء کی نماز کے موقعہ پر پڑھا جاتا تھا پھر جمعہ کے دن شروع ہوا اس کے دس سال بعد مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان کے بعد شروع کردیا گیا پھر مغرب میں بھی دو دفعہ پڑھا جانا شروع ہوگیا اور بدعتِ حسنہ ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یؤذن ثانیا بین یدی الخطیب افاد بوحدۃ الفعل ان المؤذن اذا کان اکثر من واحد اذنوا واحدا بعد واحد ولایجتمعون کما فی الجلابی والتمرتاشی ذکرہ	اور مؤذن دُوسری بار خطیب کے سامنے اذان دے (جب خطبہ پڑھنے کے لئے وہ منبر پر بیٹھے) ماتن نے فعلِ مؤذن کو بصیغہ واحد لاکر افادہ کیا کہ جب مؤذن ایک سے زیادہ ہوں تو اذان یکے بعد دیگرے کہیں

---

[1] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳

[2] درمختار باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۳

[3] عنایۃ مع فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۱۴

[4] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

القهستاني[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	سب مل کر نہ کہیں۔ جیسا کہ جلابی اور تمرتاشی میں ہے۔ اس کو قہستانی نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۵۲) اوّلاً از شہر بھڑوچ لال بازار چنار واڑ مرسلہ عباس میاں صاحب و مولوی علی میاں صاحب ابن مولوی محمد نصراللہ صاحب صدیقی۔

ثانیاً از احمد آباد محلّہ خان پور متصل درگاہ حضرت شاہ وجیہ الدین صاحب علوی مرسلہ جناب شاہ سید احمد صاحب ابن سید غلام وجیہ الدین صاحب علوی ۱۹ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

مرشدنا جناب مولٰنا حاجی مولوی احمد رضا خان صاحب بعد سلام علیک کے بندہ، غلام خاکسار عباس میاں کی طرف سے عرض خدمت بابرکات میں یہ ہے کہ ایک سال سے یہ فتنہ ہمارے شہر میں پڑا ہے کہ جو شخص صلاۃِ جمعہ کہے وہ گناہ کرتا ہے اور بدعتی اُس کو کہتے ہیں اور گمراہ جانتے ہیں اور دلیلیں مولوی خُرم علی اور ترجمہ غایۃ الاوطار سے اور مائۃ مسائل کی پیش کرتے ہیں اور مولوی اشرف علی اور گنگوہی کی کتابوں کی سند لاتے ہیں اور آپ کا فتوی جو اس خط کے ہمراہ رکھا ہے جس کی مہر میں ۱۳۰۱ھ ہے وہ ہر ایک کو دکھاتے ہیں حضور جو آپ نے سات ۷ اعتقاد باطل وضلال لکھے ہیں وہ ہمارا کہنا نہیں فقط اتنا ہے کہ روزِ جمعہ کو ندا جو معمول مدتِ مدید سے چلا آتا ہے اور اس کے لئے اول ایک رسالہ نور الشمعہ چھپ گیا ہے اس میں لکھا ہے یہ ندا جائز بلکہ مستحسن ہے اور جناب مولوی نذیر احمد خان صاحب احمد آبادی نے ایک فتوی اس ندا کے جواز میں دیا ہے اور تمام کہتے ہیں مدت مدید سے اس کو اب یہ شخص منع کرتا اور بدعتی کہنا گناہ بتاتا ہے اور جھُوٹے سوال لکھتا اور جواب منگواتا ہے غلام گنہگار ہے خدا آپ بزرگوار کی دعا اور طفیل غوث الورٰی کے میرے گناہ بخشے آمین! عباس میاں ولد علی میاں۔

خط ثانی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجمع البرکات حامی شرع مبین مولانا واولٰنا جناب مولوی احمد رضا خان صاحب از جانب فقیر حقیر سید احمد علوی الوجیہی بعد تبلیغ مراسم نیاز عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ جناب عالی بندہ نے مستشار العلماء لاہور آپ کی خدمت میں روانہ کیا ہے کہ اس اشتہار کو ملاحظہ فرمائیں اس کا بانی کار محمد دین ایک پنجابی ہے پہلے ہندو تھا پھر مسلمان ہوا اور دیوبند وگنگوہ میں جاکر کچھ پڑھا فی الحال بھڑوچ میں رہتا ہے اور سلسلہ پیری مریدی کا ضلع بھڑوچ کے گاؤں میں جاری کیا ہے قبلہ عالم نفس تثویب کا یہ شخص منکر ہے کہ تثویب کا ثبوت کسی کتاب حنفیّہ سے نہیں یہ بدعتِ مذمومہ ہے آپ نے تثویب کو اسی مستشار العلما میں بہت اچھی طرح سے ثابت کردیا ہے بندہ جب یہ پیش کرتا ہے کہ دیکھو اسی اشتہار میں مولوی صاحب نے

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

تثویب کو بحمد اللہ کتاب حنفیہ سے ثابت کیا ہے اور تم لوگ نفسِ تثویب کے منکر ہو اور جو شخص پکارتا ہے اس کو بدعتی کہتے ہو، تو وہ اور اس کے لواحق جواب دیتے ہیں کہ ایک شخص کے فتوے پر عمل چاہئے یا دس کے ایسے جواب دیتے ہیں، یہ مستشار العلما اس نے چھپوا کر تمام گاؤں میں بانٹ دیے ہیں تحریرات سے بہت جلد مشرف فرمانا کہ جو کدورتیں ان کے دلوں میں جم گئی ہیں آپ کی تحریر کی برکت سے اللہ پاک دُور فرمائے، آمین۔ رقیمہ نیاز سید احمد علوی الوجیہی

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم لك الحمد صل علی المصطفی واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہم خادمان دارالافتاء جواب سے پہلے کچھ دیوبندی خیانتیں گزارش کریں جن سے واضح ہو کہ ان حضرات کی حیاودیانت کس درجہ تک پہنچتی ہے اور ایسوں سے مخاطبہ کا کیا موقع رہا ہے اُس کے بعد اصل سوال تثویب کا جواب جو بعون الوہاب اعلحضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ارشاد فرمایا مجموعہ مبارکہ فتاوائے رضویہ سے نقل کریں وباللہ التوفیق یہاں خیانت ہائے دیوبندیہ پر یہ امر یہاں داعی ہوا کہ دارالافتاء کا فتوی تثویب جمعہ جو جناب کے مرسلہ رسالہ میں محمد دین صاحب یا ان کے طرفداروں نے شائع کیا جس کا سوال دارالافتا میں ملک گجرات شہر بھرڑوچ محلّہ گھونسواڑہ مسجد آملہ سے محمد دین مجددی نے بھیجا، اور ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۲۹ھ کو اس کا جواب دارالافتا سے امضا ہوا جس کی نقل فتاوائے اعلحضرت کی جلد دوم کتاب الصلاۃ میں ہے۔ اس میں شائع کنندہ نے سخت تحریفیں کیں جو کسی حیادار مسلمان کو زیبا نہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ نومسلم دیوبند وگنگوہ کے تعلیم یافتہ ہیں تو اس کا تعجب جاتا رہا کہ حضرات دیوبند کا یہ قدیم شیوہ ہے لہذا اطلاع مسلمین کے لئے ان کی خیانتوں کا تذکرہ ضرور ہوا کہ مسلمان ان صاحبوں کی عادت پہچان لیں اور ان کے ضرر سے محفوظ رہیں کسی مسئلہ میں ان کے شور غل پر کبھی کان نہ رکھیں کہ کوئی عقلمند ایسی خصلت والوں کی بات پر کان نہیں دھرتا۔

دیوبندی خیانتوں کے نمونے

جو شخص کلمہ پڑھتا اور اللہ تعالٰی کو ایک رسول کو برحق جانتا ہو وہ ایک ساعت انصاف وایمان کی نگاہ سے ملاحظہ کرے آیا ایسی خیانتیں اہلِ حق کرتے ہیں یا وہ کھلے باطل والے جو ہر طرح اپنی باطل پروری سے عاجز آگئے اور ناچار ایسی شرمناک حرکات پر اُترے، کیا کوئی ذی عقل ایسوں کی کسی بات پر کان دھرنا گوارا کرے گا یا اُنہیں کسی انسان کا قابل خطاب جانے گا، جو ایمان سے کچھ بھی علاقہ رکھتا ہے وہ ایمان کی نگاہ سے دیکھے اور انصاف کرے

اور ہٹ دھرم بے حیا کا کہیں علاج نہیں، ہم پہلے فتوائے تثویب میں اُن کی خیانتوں کو ذکر کریں گے کہ یہ سوال اسی سے متعلق ہے پھر ان کے بڑوں کی بھاری خیانتیں زیرِ ذکر لائیں گے کہ معلوم ہو کہ یہ خُوبیاں چھوٹوں نے بڑوں ہی سے سیکھیں ع

ایں خانہ تمام آفتاب است

پہلی خیانت فتوائے مبارکہ میں اس عبارت کے بعد کہ اس کیلئے کوئی صیغہ معین نہیں یہ عبارت تھی بلکہ جو اصطلاح مقرر کرلیں اگرچہ انہیں لفظوں سے کہ **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ الصلاۃ رحمکم اللہ** تو اس وجہ پر یہ کہنا زیر مستحب داخل ہوسکتا ہے بھلا اس کا زیر مستحب داخل ہونا انہیں کب گوارا ہوتا لہٰذا اسے ایک دم ہضم فرمالیا۔

دوسری خیانت عبارت ردالمحتار او قامت تک نقل کرکے "الخ" بنادیا حالانکہ فتوائے مبارکہ میں وہ یوں تھی:

اوقامت قامت اوالصلاۃ الصلاۃ ولو احدثوا اعلاما مخالفا لذلک جاز نھر عن المجتبی [1]۔	نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی، نماز، نماز، اگر کوئی اور اصطلاح بھی اطلاع کے لئے بنائی جائے تو جائز ہے یہ نہر میں مجتبٰی سے نقل ہے۔ (ت)

یہ عبارت اعلٰحضرت مجدد مائۃ حاضرہ کے اس ارشاد کی صریح دلیل تھی کہ اس وجہ پر **الصلاۃ السنۃ قبل الجمعۃ** کہنا بھی مستحب ہوگا لہٰذا اسے بھی کترلیا۔

تیسری خیانت اس کے بعد فتوائے مبارکہ میں یہ عبارت تھی: اُسی میں عنایہ سے ہے:

احدث المتاخرون التثویب بین الاذان والاقامۃ علی حسب ماتعارفوہ فی جمیع الصلوات سوی المغرب مع ابقاء الاول یعنی الاصل وھو تثویب الفجر ومارأہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن [2]۔	متاخرین نے اصل یعنی تثویبِ فجر کو باقی رکھتے ہوئے معروف طریقہ پر مغرب کے علاوہ ہر نماز کی اذان واقامت کے درمیان متعارف طریقہ پر تثویب کو جاری کیا ہے، اور جسے مسلمان بہتر جانیں وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی بہتر ہوتا ہے۔ (ت)

یہ بھی اسی جرم پر اڑالی گئی کہ اُس میں بھی اس کی دلیل کو علی حسب ماتعارفوہ موجود تھا۔

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۸۷

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۸۶

چوتھی خیانت فتوائے مبارکہ میں تھا یہ پانچوں اعتقاد باطل وضلال ہیں اس میں ساتوں اعتقاد بنالیے کہ اگر پانچ اعتقاد اخیر جو مسلمانوں کی طرف نسبت کیے ثابت نہ ہوسکیں تو اگلی دو۲ باتوں کو بھی بزورِ خیانت اعتقاد میں داخل کرکے مسلمانان بھرڑوچ اہل سنّت کا فاسد العقیدہ ہونا بتاسکیں۔

پانچویں خیانت اس کے اخیر میں اعلٰحضرت کی مہر یہ چھاپی محمدی سنی حنفی قادری عبدالمصطفٰی احمد رضا خان ۱۳۰۱ یہ مہر بھی اپنی طرف سے بنالی یہ مہر ۱۳۲۷ھ میں گم ہوگئی تھی تو ۱۳۲۹ھ کے فتوے میں کہاں سے آئی بلکہ اس پر ۱۳۲۸ھ کی مہر تھی جو اصل مسئلہ کے جواب پر اخیر میں آپ ملاحظہ کریں گے اس میں شعر کندہ ہے:

یا مصطفٰی یا رحمۃ الرحمٰن

یا مرتضٰی یا غوثنا الجیلانی

غالبًا انہیں کلمات طیبہ کی ناگواری اشاعت کنندہ کو تبدیل مہر پر باعث ہُوئی۔

چھٹی خیانت ایک ان کی خیانتوں پر کیا تعجب عام دیوبندیوں خصوصًا ان کے بڑوں کا قدیم سے یہی مسلک ہے، ایک صاحب مذہبًا دیوبندی سکنا رام پوری سُنّی بن کر یہاں آئے بعض مسائل لکھوائے نقل کے لئے فتاوائے مبارکہ کی کتاب الحظر عطا ہُوئی ایک مسئلہ میں جس کا سوال محمد گنج سے عبدالقادر خان رام پوری نے بھیجا تھا اور اس میں پانچ سوال تھے، سوال چہارم یہ تھا تین برس کے بچّہ کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہئے یا سوم کی، اس کا جواب اعلٰحضرت نے یہ ارشاد فرمایا تھا شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو یا تیسرے دن، باقی یہ تعیّنیں عرفی ہیں جب چاہیں کریں انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ ان بزرگ نے بین السطور میں موٹے قلم سے کہ وہی اس وقت ایک بچّہ سے انہیں مل سکا جہالت ہے کہ بعد لفظ وبدعت اور بڑھادیا وہ اب تک فتاوائے مبارکہ میں غیر قلم کا سطر سے اوپر لکھا ہوا موجود ہے فتاوائے مبارکہ کی جلد ہشتم کتاب الحظر ص ۳۱۰ ملاحظہ ہو لطف یہ کہ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے جہالت سے یہ لفظ جہالت ہے کے بعد بڑھایا اور وبدعت عطف واو سے رکھا کہ جملہ اردو پر جملہ فارسی کا عطف ہوگیا جو ہر گز اعلٰحضرت بلکہ کسی زبان دان کا بھی محاورہ نہیں، افترا کرنا تھا تو لفظ جہالت کے بعد وبدعت بڑھایا ہوتا کہ لفظ مفرد عربی پر اس کے مثل کا عطف واؤ سے ہوتا، طرہ یہ کہ مجموعہ فتاوٰی گنگوہی صاحب حصہ اول میں ان کے حواریوں نے مجدد المائۃ الحاضرہ کا یہ فتوٰی مع زیادت مفتری چھاپ دیا اور اس میں ص ۱۵۰ پر یوں بنادیا جہالت وبدعت ہے ان کو سُوجھی کہ عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔

ساتویں خیانت ظلم پر ظلم یہ کہ فہرست میں یوں لکھا فتوائے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی تعینِ سوم کی جہالت اور بدعت ہونے میں، حالانکہ فتوائے اقدس میں تصریح تھی جب چاہیں کریں ہاں دوجے یا تیجے کی گنتی ضروری جاننے کو ضرور جہالت فرمایا تھا کہاں یہ

کہ خاص اس تعین کو ضروری جاننا جہالت ہے اور کہاں یہ کہ سرے سے تعین ہی جہالت وبدعت ہے اُن رام پوری دیوبندی نے خیانت لفظی کی تھی ان دیوبندی دیوبندیوں نے دیکھا کہ کام اب بھی نہ چلا اصل سوم تو جائز ہی رہا، لہٰذا یوں اس کے ساتھ خیانت معنوی کا گنٹھ جوڑ ملایا، غرض ؎

بیباک ہو عیار ہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

آٹھویں خیانت یونہی مجموعہ گنگوہی صاحب حصہ دوم صفحہ ۹۷ پر مجدد المائۃ الحاضرہ کا ایک فتوٰی چھاپا جس میں حاصل سوال یہ تھا کہ جو شخص بے نماز شراب خور داڑھی منڈا گستاخی سے جھوٹی روایتیں پڑھنے والا شریعت پر ہنسنے والا ہو ایسے شخص سے مولود شریف پڑھانا یا منبر پر تعظیماً بٹھانا جائز ہے یا نہیں، اور حاصل ارشاد جواب یہ تھا کہ افعال مذکورہ سخت کبائر اور مرتکب اشد فاسق اور مستحق نار وغضب الرحمٰن ہے اُسے منبر پر بٹھانا اُس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے اور ذکر شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب اور بے وضو بھی جائز اگر نیت استخفاف کی نہ ہو اور تحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے یونہی مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزا کفر ہے یونہی داڑھی رکھانے کی توہین کلمہ کفر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان دیکھیں کہ اس فتوائے مبارکہ میں ایسے فاسق فاجر بے نمازی شراب خور توہین کنندہ شریعت کو منبر پر بٹھانے کی ممانعت ہے یا معاذاللہ مطلقاً مجالس میلاد مبارک مروجہ عرب وعجم کا عدمِ جواز۔ مگر حیاداروں نے عوام کی آنکھوں پر اندھیری ڈالنے کے لئے اس کا سرنامہ یہ لکھ دیا فتوٰی درباب عدم جواز مجلس مولود مروجہ از مجموعہ فتاوی قلمی مولوی احمد رضا خان صاحب، سچ ہے "بے حیا باش وآنچہ خواہی کن" (بے حیا ہو جا پھر جو چاہے کرتارہ۔ت) انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

نویں خیانت حیاداروں کو اور تیز وتند چڑھی اسی صفحہ کے حاشیہ پر یوں لَے بڑھی تبعین مولوی احمد رضا خاں صاحب کو خوف کرنے کا مقام ہے کہ وہ مجالس مروجہ ممنوعہ مبتدعہ ولادت کہ جن کو خود ان کے مقتدا نے حرام کیا بلکہ کفر و مستحق نار وغضب رحمٰن تعالٰی شانہ لکھتے ہیں۔ مسلمانو! خدارا انصاف، حرام کا لفظ تو آپ دیکھ چکے کہ فاسق شرابی کو منبر پر تعظیماً بٹھانے کی نسبت تھا ظلم یہ کہ مستحق نار وغضب رحمٰن کو اُس تارک الصلاۃ شرابخور توہین کنندہ شرع کو کہا تھا بے حیاؤں نے اسے بھی مجالس میلاد مبارک پر ڈھال دیا، مسلمانو! کیا اسی کو دین ودیانت کہتے ہیں ع

آدمیاں گم شدند ملک خیانت گرفت

دسویں خیانت مجلس مبارک کو حرام و مستحق نار وغضب جبار ٹھہرانے پر بھی دشمنانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جلتے کلیجے ٹھنڈے نہ ہُوئے بلکہ اپنی گھٹیوں میں پڑے ہوئے کفر کی چاشنی یاد آئی اور بکمال بے ایمانی اپنی اس بکر فکر کی نسبت اعلحضرت مجددِ دین وملت سے کردی کہ وہ مجالسِ مروّجہ کو کفر لکھتے ہیں، سچ ہے جب "**لعنۃ اللہ علی الکاذبین**" سے حصہ لیں تو پُورا ہی نہ لیں بَن پڑے تو ابلیس کیلئے

بھی باقی نہ چھوڑیں۔ مسلمانو! اللہ انصاف، کفر کالفظ ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین اور شریعت وسنّت پر ہنسنے کی نسبت تھا یا مجالس مبارکہ کی نسبت، مسلمانو! اللہ انصاف، شیطان اس سے زیادہ اور کیا مکرر کرتا ہوگا، "ولاحول ولاقوۃ الا باللہ" خود اعلٰحضرت کے یہاں اُن کے پرداداصاحب حضرت مولٰنا حافظ محمد کاظم علی خاں صاحب بہادر رئیس اعظم قادری رزاقی قدس سرہ الشریف خلیفہ حضرت مولانا شاہ انوارالحق لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وقت سے بفضلہٖ تعالیٰ آج تک کہ سو ۱۰۰ برس کامل سے زائد ہوئے مجالسِ میلاد شریف کا انعقاد کمالِ اہتمام واعلانِ عام کے ساتھ ہوتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ ہزاروں مسلمان حاضر آئے اور ذکرِاقدس حضور پُرنور سیدِیوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فیض وشرف پائے ہیں شہر بھر میں معلوم ہے کہ ربیع الاول شریف کی بارھویں خاص اعلٰحضرت کے دولت خانہ فیض کاشانہ کے لئے اُسی زمانہ سے مخصوص ہے، اعلٰحضرت کے یہاں اور بھی مجالس میلاد مبارک ہوا کرتی ہیں مگر بارھویں شریف کا پڑھنا خصوصًا خاص ذکرِ ولادت اقدس روزِاول سے خود حضرت بانیِ مجلس صاحبِ خانہ کا حصّہ ہے جو بعونہٖ تعالیٰ سو ۱۰۰ برس سے آج تک ناغہ نہ ہُوا سوائے ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ کے کہ اس کی بارھویں مبارک کو اعلٰحضرت بحمداللہ تعالیٰ سرکارِاعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالیٰ علی مطیبہا وبارک وسلم میں شرف آستانہ بوسی سے مشرف تھے اُس سال اعلٰحضرت کے برادر اوسط مولوی حاجی محمد حسن رضاخان صاحب حسن قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نیابت کی پھر اعلٰحضرت اور اُن کے والد ماجد قدس سرہ، کے فتاوٰی ومستقل تصانیف اس مجلس مبارک کے استحباب واستحسان میں موجود ہیں، معتقدینِ اعلٰحضرت اس تمام آفتاب عالمتاب سے معاذاللہ آنکھیں بند کرکے کوّوں کی شہادت پر دیوبندیوں کی مان لیں گے کہ اعلٰحضرت کے نزدیک معاذاللہ مجلس مبارک حرام بلکہ کفر ہے تف تف ہزار تف مسلمانو! دیوبندی صاحبوں کی دیوبندگی دیکھی، پھر دعوائے دین ودیانت باقی ہے، سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعوی خیر اتنی اچھی کہی کہ معتقدینِ اعلٰحضرت کے لئے خوف کا مقام ہے الحمدللہ خوف کا مقام اولیاء وصلحاء کو ملتا ہے مگر دیوبندیوں کو نہ خوفِ خدا نہ شرمِ رسول دِن دہاڑے مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونکتے پھرتے ہیں کہ اُن کو دھوکے دیں اُن کے عقائد کو ضرور پہنچائیں ان کے اکابر کی نیک نامی کو دھبّا لگائیں مگر بحمداللہ ان کی خاک اُلٹ کر اُنہیں کے منہ اور اُن کے پیشوا حضرت گنگوہی صاحب کی آنکھوں میں پڑی اور پڑتی ہے حق بحقدار رسید۔

گیارھویں خیانت خیر یہ "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ" جیسی تھیں اب ان کی وہ لیجئے جس کے آگے یہ اور ان جیسی سَو خیانتیں اور ہوں توکان ٹیک دیں وہ کیا وہ رسالہ خبیثہ سیف النقی کے کوتک کہ اعلٰحضرت مجدد المائۃ الحاضرہ دام ظلہم العالی کے حضرات عالیہ والد ماجد وجدِامجد وپیرومرشد وحضور پُرنور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام سے کتابیں تراش لیں ان کے مطبع گھڑلئے صفحے دل سے بنالیئے عبارتیں خود ساختہ لکھ کر اُن کی طرف بے دھڑک نسبت کرکے چھاپ دیں اور سرِبازار اپنی حیاکی اوڑھنی اتار، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بک دیا کہ

آپ تو یوں کہتے ہیں اور آپ کے والد ماجد وجد امجد وپیر ومرشد وغوث اعظم فلاں فلاں کتابوں مطبوعات فلاں فلاں مطابع کے فلاں فلاں صفحہ پر یہ فرماتے ہیں حالانکہ دنیا میں نہ اُن کتابوں کا پتا نہ نشان سب بالکل افترا اور من گھڑت، جرات ہو تو اتنی تو ہو، اس کا حال العذاب البئیس وابحاثِ اخیرہ ورماح القہار وغیر ہا میں بارہا چھاپ دیا، اب پھر سُن لیجئے اسی رسالہ خبیثہ کے صفحہ تین پر ایک کتاب بنام تحفۃ المقلدین اعلحضرت کے والد ماجد اقدس حضرت مولٰنا مولوی محمد نقی علی خان صاحب قدس سرہ العزیز کے نام سے گھڑلی حالانکہ حضرت ممدوح کی کوئی تصنیف اس نام کی نہیں عــہ۔

مسئلہ (۳۵۳) از نجیب آباد ضلع بجنور محل مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھیکیدار ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

ایک بار اذان ہو چکی ہے کہ کسی دُوسرے شخص نے لاعلمی میں پھر اذان پڑھنا شروع کر دی درمیان میں کسی ہمسایہ نے اطلاع دی کہ پڑھی جاچکی ہے اب یہ شخص معًا رک جائے یا اذان کو پُورا پڑھے۔

الجواب:

اگر مسجد مسجدِ محلّہ ہے جہاں کے لئے امام وجماعت متعین ہے اور جماعت اولٰی ہو چکی اور اب کچھ لوگ جماعت کو آئے اور ان کو اذان کی خبر نہ تھی اور شروع کی اور اطلاع ہوئی تو معًا رک جائے اور اگر مسجد عام ہے، مثلًا مسجد بازار وسرا و اسٹیشن وجامع تو ہرگز نہ رُکے اذان پُوری کرے ممانعت جہالت ہے اور اگر مسجد محلّہ یا عام ہے اور جماعت اولٰی ابھی نہ ہُوئی تو اختیار ہے چاہے رک جائے یا پُوری کرے اور اتمام اولٰی ہے۔

وذلك لان فی الاولی اعادة اذان لجماعة ثانية فی مسجد محلة 'وهو لايجوز' وفی الثانية اعادة اذان لجماعة اخری فی مسجد شارع 'وهو مسنون' فلايترك' وفی الثالثة لانهی ولاطلب فخير واتمام ذكر شرع فيه افضل لاسيما وقد استحسنوا التثويب۔ واللّٰه سبحنه وتعالی اعلم۔	اور یہ اس لئے ہے کہ پہلی صورت میں محلے کی مسجد میں دوسری جماعت کے لئے دوبارہ اذان دی جارہی ہے جو کہ ممنوع ہے اور دوسری صورت میں شارع عام کی مسجد میں دوسری جماعت کے لئے اذان کا اعادہ ہے اور یہ مسنون ہے، تیسری صورت میں نہ منع ہے اور نہ حکم، پس اب اختیار ہے، اور جب شروع کرلی گئی تو اب اس سے مکمل کرنا افضل ہے خصوصًا اس حال میں جبکہ فقہائے نے "تثویب" کے عمل کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

عــہ یہ یہیں تک ناتمام تھا لیکن مفید تھا اس لئے چھاپ دیا ۱۲

مسئلہ (۴۵۴) از مقام کبیر کلاں ڈاک خانہ خاص علاقہ ڈہائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکیدار ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ
اقامت صف کے دہنی جانب کہی جائے یا بائیں، اس میں کوئی فضیلت دہنے بائیں کی ہے یا نہیں فقط۔

الجواب

اقامت امام کی محاذات میں کہی جائے یہی سنّت ہے وہاں جگہ نہ ملے تو دہنی طرف لفضل الیمین عن الشمال (کیونکہ دائیں جانب کو بائیں پر فضیلت ہے۔ت) ورنہ بائیں طرف لحصول المقصود بکل حال (کیونکہ مقصود ہر حال میں حاصل ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۴۵۵) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) جمعہ کی اذان ثانی جو منبر کے سامنے ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے اندر ہوتی تھی یا باہر؟

(۲) خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں کہاں ہوتی تھی؟

(۳) فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر دینے کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے زمانہ میں اذان مسجد کے باہر ہوتی تھی اور ہمارے اماموں نے مسجد کے اندر اذان کو مکروہ فرمایا ہے تو ہمیں اسی پر عمل لازم ہے یا رسم ورواج پر، اور جو رسم ورواج حدیث شریف واحکامِ فقہ سب کے خلاف پڑ جائے تو وہاں مسلمانوں کو پیروی حدیث وفقہ کا حکم ہے یا رسم ورواج پر اڑا رہنا؟

(۵) نئی بات وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام ائمہ کے مطابق ہو یا وہ بات نئی ہے جو اُن سب کے خلاف لوگوں میں رائج ہو گئی ہو؟

(۶) مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ میں یہ اذان مطابق حدیث وفقہ ہوتی ہے یا اس کے خلاف، اگر خلاف ہوتی ہے تو وہاں کے علمائے کرام کے ارشادات دربارہ عقائد حجت ہیں یا وہاں کے تنخواہ دار مؤذنوں کے فعل اگرچہ خلافِ شریعت وحدیث وفقہ ہوں؟

(۷) سنت کے زندہ کرنے کا حدیثوں میں حکم ہے اور اس پر سَو شہیدوں کے ثواب کا وعدہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو سنت زندہ کی جائے گی یا سنت مردہ۔ سنت اُس وقت مُردہ کہلائے گی جب اُس کے خلاف لوگوں میں رواج پڑ جائے یا جو سنت خود رائج ہو وہ مُردہ قرار پائے گی؟

(۸) علماء پر لازم ہے یا نہیں کہ سنتِ مردہ زندہ کریں، اگر ہے تو کیا اُس وقت اُن پر یہ اعتراض ہوسکے گا کہ کیا تم سے پہلے عالم تھے، اگر یہ اعتراض ہوسکے گا

تو سنت زندہ کرنے کی صورت کیا ہوگی؟

(۹) جن مسجدوں کے بیچ میں حوض ہے اُس کی فصیل پر کھڑے ہو کر منبر کے سامنے اذان ہو تو بیرون مسجد کا حکم ادا ہو جائیگا یا نہیں؟

(۱۰) جن مسجدوں میں منبر ایسے بنے ہیں کہ ان کے سامنے دیوار ہے اگر مؤذن باہر اذان دے تو خطیب کا سامنا نہ رہے گا وہاں کیا کرنا چاہئے؟ امید کہ دسوں مسئلوں کا جدا جدا جواب مفصل مدلل ارشاد ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصّواب

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہ اذان مسجد سے باہر دروازے پر ہوتی تھی۔ سنن ابی داؤد شریف جلد اول صفحہ ۱۵۵ میں ہے:

عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر وعمر[1]۔	سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے فرمایا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اور کبھی منقول نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خلفائے راشدین نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو، اگر اس کی اجازت ہوتی تو بیان جواز کے لئے کبھی ایسا ضرور فرماتے۔

(۲) جوابِ اول سے واضح ہوگیا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی (اذان کا) مسجد کے باہر ہی ہونا مروی ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض صاحب جو "بین یدیہ" سے مسجد کے اندر ہونا سمجھتے ہیں غلط ہے۔ دیکھو حدیث میں "بین یدی" ہے اور ساتھ ہی "علی باب المسجد" ہے۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے چہرہ انور کے مقابل مسجد کے دروازے پر ہوتی تھی بس اسی قدر "بین یدیہ" کے لئے درکار ہے۔

(۳) بیشک فقہ حنفی کی معتمد کتابوں میں مسجد کے اندر اذان کو منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے۔ فتاوٰی قاضی خان طبع مصر جلد اول صفحہ ۷۸ لایؤذن فی المسجد[2] (مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے) فتاوٰی خلاصہ قلمی صفحہ ۶۲ لایؤذن

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعہ مطبوعہ مجتبائی لاہور پاکستان ۱/۱۵۵

[2] فتاوٰی قاضی خان باب کتاب الصلوٰۃ مسائل الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنو ۱/۳۷

فی المسجد [1] (مسجد میں اذان نہ ہو) خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان لایؤذن فی المسجد [2] (مسجد کے اندر اذان نہ کہیں) خزانۃ المفتین فصل فی الاذان (قلمی نسخہ) ص ۱۹ فتاوٰی عالمگیری طبع مصر جلد اول صفحہ ۵۵ لایؤذن فی المسجد [3] (مسجد کے اندر اذان منع ہے) بحر الرائق طبع مصر جلد اول صفحہ ۲۶۸ لایؤذن فی المسجد [4] (مسجد کے اندر اذان کی ممانعت ہے) شرح نقایہ علامہ برجندی صفحہ ۸۴ (فیہ اشعار بانہ لایؤذن فی المسجد [5] (اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) امام صدر الشریعۃ کے کلام میں اس پر تنبیہ ہے کہ اذان مسجد میں نہ ہو) غنیہ شرح منیہ صفحہ ۳۵۷ الاذان انما یکون فی المئذنۃ اوخارج المسجد والاقامۃ فی داخلہ [6] (اذان نہیں ہوتی مگر منارہ یا مسجد سے باہر اور تکبیر مسجد کے اندر) فتح القدیر طبع مصر جلد اول صفحہ ۱۷۱ قالوا لایؤذن فی المسجد [7] (علماء نے مسجد میں اذان دینے کو منع فرمایا ہے) ایضا باب الجمعۃ صفحہ ۴۱۴ ھو ذکر اللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ [8] (جمعہ کا خطبہ مثل اذان ذکرِ الٰہی ہے مسجد میں یعنی حدودِ مسجد میں اس لئے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے) طحطاوی علی مراقی الفلاح طبع مصر صفحہ ۱۲۸ یکرہ ان یؤذن فی المسجد کمافی القھستانی عن النظم [9] (یعنی نظم امام زندویسی پھر قہستانی میں ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے۔) یہاں تک کہ اب زمانہ حال کے ایک عالم مولوی عبدالحٔی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ جلد اول صفحہ ۲۴۵ میں لکھتے ہیں: "قولہ بین یدیہ"ای مستقبل الامام فی المسجد کان اوخارجہ والمسنون ھو الثانی [10] (یعنی بین یدیہ کے معنی صرف اس قدر ہیں کہ امام کے رُوبرو ہو مسجد میں خواہ باہر اور سنّت یہی ہے کہ مسجد کے باہر ہو) جب وہ تصریح کرچکے کہ باہر ہی ہونا سنّت ہے تو اندر ہونا خلافِ سنّت ہُوا تواُس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ چاہے سنّت کے مطابق کرو چاہے سنت

1 خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل الاول فی الاذان مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۹
2 خزانۃ المفتین فصل فی الاذان (قلمی نسخہ) ص ۱۹
3 فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵
4 البحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵
5 شرح النقایۃ للبرجندی باب الاذان نولکشور لکھنؤ ۱/۸۴
6 غنیۃ المستملی فی شرح منیۃ المصلی سنن الصلوٰۃ اول السنن الاذان مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷
7 فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵
8 فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹
9 طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۰۷
10 عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ باب الصلوٰۃ مکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۲۴۵

کے خلاف دونوں باتوں کا اختیار ہے ایسا کون عاقل کہے گا بلکہ معنی وہی ہیں کہ "بین یدیہ" (امام کے سامنے۔ت) سے یہ سمجھ لینا کہ خواہی نخواہی مسجد کے اندر ہو غلط ہے اُس کے معنے صرف اتنے ہیں کہ امام کے روبرو اندر باہر کی تخصیص اس لفظ سے مفہوم نہیں ہوتی لفظ دونوں صورتوں پر صادق ہے اور سنّت یہی ہے کہ اذان مسجد کے باہر ہو تو ضرور ہے کہ وہی معنے لیے جائیں جو سنت کے مطابق، بہرکیف اتنا ان کے کلام میں صاف مصرح ہے کہ اذانِ ثانی جمعہ بھی مسجد کے باہر ہی ہونا مطابق سنّت ہے تو بلاشبہہ مسجد کے اندر ہونا خلافِ سنّت ہے وللہ الحمد۔

(۴) ظاہر ہے کہ حکم حدیث وفقہ کے خلاف رواج پر اَڑا رہنا مسلمانوں کو ہرگز نہ چاہئے۔

(۵) ظاہر ہے جو بات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین واحکام فقہ کے خلاف نکلی ہو وہی نئی بات ہے اُسی سے بچنا چاہئے نہ کہ سنت وحکم حدیث وفقہ سے۔

(۶) مکہ معظّمہ میں یہ اذان کنارہ مطاف پر ہوتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں مسجد حرام شریف مطاف ہی تک تھی مسلک متقسط علی قاری طبع مصر صفحہ ۲۸۰:

المطاف هو ماکان فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم مسجدا [1]	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں مسجد حرام مطاف تک ہی تھی)۔(ت)

تو حاشیہ مطاف بیرون مسجد ومحل اذان تھا اور مسجد جب بڑھالی جائے تو پہلے جو جگہ اذان یا وضو کے لئے مقرر تھی بدستور مستثنٰی رہے گی ولہذا مسجد اگر بڑھا کر کنواں اندر کرلیا وہ بند نہ کیا جائے گا جیسے زمزم شریف، حالانکہ مسجد کے اندر کنواں بنانا ہرگز جائز نہیں، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی علمگیریہ صفحہ ۴۰:

تکره المضمضة والوضوء فی المسجد الاان یکون ثمه موضع اعد لذلك ولایصلی فیه [2]	مسجد میں وضو اور کلی کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں ان کے لئے جگہ بنائی گئی ہو، اور وہاں نماز ادا نہ کی جاتی ہو۔(ت)

وہیں ہے: لایحفر فی المسجد بئر ماء ولو قدیمة تترك کبئر زمزم [3] (اور مسجد میں کنواں نہیں کھودا جائے گا اگر وہاں قدیم اور پرانا کنواں ہو تو چھوڑ دیا جائے جیسے زمزم کا کنواں۔ت)

تو مکہ معظّمہ میں اذان ٹھیک محل پر ہوتی ہے مدینہ طیبہ میں خطیب سے بیس بلکہ زائد ذراع کے فاصلہ پر ایک

---

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل فی اماکن الاجابۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب السابع فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ باب السابع فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۱/۱۱۰

بلند مکبّرہ پر کہتے ہیں طریق ہند کے تو یہ بھی خلاف ہوااور وہ جو "بین یدیہ "وغیرہ سے منبر کے متصل ہونا سمجھتے تھے اس سے بھی رَد ہو گیا تو ہندی فہم وطریقہ خود ہی دونوں حرم محترم سے جدا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ مکبّرہ قدیم سے ہے یا بعد کو حادث ہوا اگر قدیم ہے تو مثل منارہ ہوا کہ وہ اذان کے لئے مستثنٰی ہے جیسا کہ غنیہ سے گزرا، اور اسی طرح خلاصہ وفتح القدیر وبرجندی کے صفحات مذکورہ میں ہے کہ اذان منارہ پر ہو یا مسجد سے باہر مسجد کے اندر نہ ہو۔اس کی نظیر موضع وضو وچاہ ہیں کہ قدیم سے جُدا کردئے ہوں نہ اس میں حرج نہ اس میں کلام، اور اگر حادث ہے تو اس پر اذان کہنا بالائے طاق پہلے یہی ثبوت دیجئے کہ وسط مسجد میں ایک جدید مکان ایسا کھڑا کردینا جس سے صفیں قطع ہوں کس شریعت میں جائز ہے قطع صف بلاشبہہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من قطع صفا قطعه الله**[1]۔ (جو صف کو قطع کرے اللہ اُسے قطع کردے) رواہ النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ نیز علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں پیڑ بونا منع ہے کہ نماز کی جگہ گھیرے گا نہ یہ کہ مکبّرہ کہ چار جگہ سے جگہ گھیرتا ہے اور کتنی صفیں قطع کرتا ہے بالجملہ اگر وہ جائز طور پر بنا تو مثل منارہ ہے جس سے مسجد میں اذان ہونا نہ ہوا اور ناجائز طور پر ہے تو اسے ثبوت میں پیش کرنا کیا انصاف ہے۔ اب ہمیں افعال موذنین سے بحث کی حاجت نہیں مگر جوابِ سوال کو گزارش کہ ان کا فعل کیا حجت ہو حالانکہ خطیب خطبہ پڑھتا ہے اور یہ بولتے جاتے ہیں جب وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نام لیتا ہے یہ بآواز ہر نام پر رضی اللہ عنہ کہتے جاتے ہیں جب وہ سلطان کا نام لیتا ہے یہ بآواز دُعا کرتے ہیں اور یہ سب بالاتفاق ناجائز ہے صحیح حدیثیں اور تمام کتابیں ناطق ہیں کہ خطبہ کے وقت بولنا حرام ہے۔ درمختار وردالمحتار جلد اول صفحہ ۸۵۹:

اما ما يفعله المؤذنون حال الخطبة من الترضی ونحوه، فمكروه اتفاقا[2]۔	یعنی وہ جو یہ مؤذن خطبے کے وقت رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ کہتے جاتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

یہی مؤذن نماز میں امام کی تکبیر پہنچانے کو جس وضع سے تکبیر کہتے ہیں اسے کون عالم جائز کہہ سکتا ہے مگر سلطنت کے وظیفہ داروں پر علما کا کیا اختیار۔ علمائے کرام نے تو اس پر یہ حکم فرمایا کہ تکبیر درکنار اس طرح تو اُن کی نمازوں کی بھی خیر نہیں، دیکھو فتح القدیر جلد اول صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ ودرمختار وردالمحتار صفحہ ۲۱۵ خود مفتیِ مدینہ منورہ

[1] سنن النسائی کتاب الامامۃ فضل الصّف مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۴

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

علامہ سید اسعد حسینی مدنی تلمیذ علامہ صاحب مجمع الانہر رحمہما اللہ تعالٰی نے تکبیر میں اپنے یہاں کے مکبّروں کی سخت بے اعتدالیاں تحریر فرمائی ہیں دیکھو فتاوٰی اسعدیہ جلد اول صفحہ ۸ آخر میں فرمایا ہے:

اما حرکات المکبرین وصنعھم. فانا ابرأالی اللہ تعالٰی منہ[1]۔	یعنی ان مکبّروں کی جو حرکتیں جو کام ہیں میں ان سے اللہ تعالٰی کی طرف برات کا اظہار کرتا ہوں۔

اور اُوپر اس سے بڑھ کر لفظ لکھا، پھر کسی عاقل کے نزدیک اُن کا فعل کیا حجت ہو سکتا ہے نہ وہ علماء ہیں نہ علماء کے زیر حکم۔

(۷) بیشک احادیث میں سنّت زندہ کرنے کا حکم اور اُس پر بڑے ثوابوں کے وعدے ہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیاسنتی. فقداحبنی، ومن احبنی کان معی فی الجنۃ[2]۔ اللھم ارزقنا۔	جس نے میری سنت زندہ کی بیشک اُسے مجھ سے محبت ہے اور جسے مجھ سے محبت ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اے اللہ! ہمیں یہ رفاقت عطا فرما، رواہ السجزی فی الابانۃ والترمذی بلفظ من احب (اسے سجزی نے ابانۃ میں روایت کیا اور ترمذی نے "من احب" کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احیاسنۃ من سنتی قدامیتت بعدی فان لہ من الاجر مثل اجور من عمل بہامن غیران ینقص من اجورھم شیئا[3]۔ رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجۃ عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو میری کوئی سنت زندہ کرے کہ لوگوں نے میرے بعد چھوڑ دی ہو جتنے اس پر عمل کریں سب کے برابر اسے ثواب ملے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور اس کو ابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تمسك بسنتی عن فساد امتی فلہ	جو فسادِ اُمت کے وقت میری سنت مضبوط تھامے

[1] فتاوٰی اسعدیہ کتاب الصلاۃ مطبوعہ المطبعۃ الخیریۃ مصر ۸/۱

[2] جامع الترمذی باب اخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲، سنن ابن ماجہ باب من سنۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

اجر مائۃ شھید [1]۔ رواہ البیھقی فی الزھد۔	اسے سَو شہیدوں کا ثواب ملے۔ اسے بیہقی نے زہد میں روایت کیا۔

اور ظاہر ہے کہ زندہ وہی سنّت کی جائے گی جو مُردہ ہو گئی اور سنت مُردہ جبھی ہو گی کہ اُس کے خلاف رواج پڑ جائے۔

(۸) احیاء سنت علما کا تو خاص فرض منصبی ہے اور جس مسلمان سے ممکن ہو اس کے لئے حکم عام ہے ہر شہر کے مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے شہر یا کم از کم اپنی اپنی مساجد میں اس سنّت کو زندہ کریں اور سَو سَو شہیدوں کا ثواب لیں اور اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا تم سے پہلے عالم نہ تھے یوں ہو تو کوئی سنّت زندہ ہی نہ کر سکے، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتنی سُنتیں زندہ فرمائیں اس پر ان کی مدح ہُوئی نہ کہ الٹا اعتراض کہ تم سے پہلے تو صحابہ وتابعین تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

(۹) حوض کہ بانیِ مسجد نے قبل مسجدیت بنایا اگرچہ وسط مسجد میں ہو وہ اور اُس کی فصیل ان احکام میں خارج از مسجد ہے لانہ موضع اعد للوضوء کما تقدم (کیونکہ یہ جگہ وضو کیلئے بنائی گئی ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔ت)

(۱۰) لکڑی کا منبر بنائیں کہ یہی سنتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اسے گوشہ محراب میں رکھ کر محاذات ہو جائے گی اور اگر صحن کے بعد مسجد کی بلند دیوار ہے تو اُسے قیامِ مؤذن کے لائق تراش کر باہر کی جانب جالی یا کواڑ لگالیں۔

مسلمان بھائیو! یہ دین ہے کوئی دنیوی جھگڑا نہیں دیکھ لو کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کیا ہے، تمہاری مذہبی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔

حضرات علمائے اہلسنت سے معروض: حضرات! احیائے سنت آپ کا کام ہے اس کا خیال نہ فرمائیے کہ آپ کے ایک چھوٹے نے اسے شروع کیا وہ بھی آپ ہی کا کرنا ہے، آپ کے رب کا حکم ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ [2]۔	نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (ت)

اور اگر آپ کی نظر میں یہ مسئلہ صحیح نہیں تو غصہ کی حاجت نہیں بے تکلّف بیان حق فرمائیے اور اس وقت

[1] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار القلم الکویت ص ۱۵۱

[2] القرآن ۵/۲

لازم ہے کہ ان دسوں ۱۰ سوالوں کے جدا جدا جواب ارشاد ہوں اور ان کے ساتھ ان پانچ سوالوں کے بھی:

(۱۱) اشارت مرجوح ہے یا عبارت اور ان میں فرق کیا ہے؟

(۱۲) کیا محتمل صریح کا مقابل ہوسکتا ہے؟

(۱۳) تصریحات کتب فقہ کے سامنے کسی غیر کتاب فقہ سے ایک استنباط پیش کرنا کیسا ہے خصوصًا استنباط بعید یا جس کا منشا بھی غلط؟

(۱۴) حنفی کو تصریحات فقہ حنفی کے مقابل کسی غیر کتاب حنفی کا پیش کرنا کیسا ہے؟

(۱۵) قرآن مجید کی تجوید فرضِ عین ہے یا نہیں، اگر ہے تو کیا سب ہندی علما اسے بجالاتے ہیں یا سو ۱۰۰ میں کتنے؟ بینوا توجروا۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۵۶) از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالمقتدر صاحب ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

حضرت جناب مخدوم ومحترم ومکرم ومعظم ادام اللہ تعالٰی برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ بات کہ اس اذان کا کب سے داخل مسجد ہونا معمول ومروج ہُوا، یقینی طور سے محقق نہیں ہوا، علی الباب اذان کا مسنون ہونا اگر کسی کتاب فقہ میں نظر پڑا ہو تو لکھئے اکثر لوگ اس کے طالب ہیں فقط۔

الجواب:

علی الباب اذان مسنون ہونے کی سند فقہی کے اکثر لوگ کیوں طالب ہیں یہ دعوی کس کا ہے یہاں سے تو دو ۲ باتیں کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ "بین یدیہ" (خطیب کے سامنے۔ ت) دوسرے یہ کہ داخل مسجد مکروہ ہے، دونوں کی روشن سندیں کتب فقہ سے دے دی گئیں مسجد کریم میں زمانہ اقدس میں دروازہ شمالی خاص محاذات منبر اطہر میں تھا **کما فی الصحیح البخاری** (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ ت) لہٰذا درِ مسجد پر یہ اذان ہوتی نہ یہ کہ خصوصیت باب ملحوظ تھی یہاں کے فتوے میں جواب سوالِ دہم ملاحظہ ہو سنیت خصوص علی الباب کا کون قائل ہے اذان اول کی سنیت پر **زاد عثمان علی الزوراء** "(حضرت عثمان نے مقامِ زوراء پر اذان کا اضافہ کیا۔ ت) سے استناد کرنے والے علما کیا اس کے قائل ہیں کہ پہلی اذا بالخصوص بازار ہی میں ہونا سنت ہے یا ان سے یہ مطالبہ ہوسکتا ہے کہ فقہانے اس خصوصیتِ بازار کو کہاں مسنون لکھا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۵۷) مسئولہ قاضی محمد عمران صاحب از بریلی شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں بروز جمعہ بزمانہ حضرت تاج مدینہ ختم المرسلین کے اذانیں ہوا کرتی تھیں اور ان کے کون کون موقع تھے۔ آیا پہلی اذان جو ہوتی ہے وہ کہاں

ہوتی تھی اور دوسری جو اس زمانہ میں وقتِ خطبہ خطیب کے سامنے قریب منبر ہوتی ہے وہ کہاں ہوتی تھی اور اگر حضرت کے زمانہ میں ایک ہی "اذان علی باب المسجد" ہوتی تھی تو دوسری جو خطیب کے سامنے قریبِ منبر ہوتی ہے وہ کس کے حکم سے شروع ہوئی اور ائمہ کرام کے نزدیک اس کے جواز کی بابت کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب:

زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں صرف ایک اذان ہوتی تھی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوتے حضور کے سامنے مواجہہ اقدس میں مسجد کریم کے دروازے پر۔ زمانہ اقدس میں مسجد شریف کے صرف تین دروازے تھے ایک مشرق کو جو حجرہ شریفہ کے متصل تھا جس میں سے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے اس کی سمت پر اب بابِ جبریل ہے، دوسرا مغرب میں جس کی سمت پر اب باب الرحمۃ ہے، تیسرا شمال میں جو خاص محاذیِ منبر اطہر تھا صحیح بخاری شریف میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

دخل رجل یوم الجمعة من باب کان وجاہ المنبر، ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائم یخطب، فاستقبل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قائما، فقال یارسول اللہ الحدیث[1]۔	ایک شخص جمعہ کے دن اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے ہے اور رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو وہ شخص آپ کی طرف منہ کرکے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ الحدیث (ت)

اس دروازے پر اذانِ جمعہ ہوتی تھی کہ منبر کے سامنے بھی ہوئی اور مسجد سے باہر بھی۔ زمانہ صدیق اکبر وعمر فاروق وابتدائے خلافتِ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں یہی ایک اذان ہوتی رہی جب لوگوں کی کثرت ہُوئی اور شتابی حاضری ہیں قدرے کسل واقع ہوا امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اذان شروع خطبہ سے پہلے بازار میں دلوانی شروع کی، مسجد کے اندر اذان کا ہونا ائمہ نے منع فرمایا اور مکروہ لکھا ہے اور خلافِ سنّت ہے، یہ نہ زمانہ اقدس میں تھا نہ زمانہ خلفائے راشدین نہ کسی صحابی کی خلافت میں، نہ تحقیق معلوم کہ یہ بدعت کب سے ایجاد ہوئی نہ ہمارے ذمہ اس کا جاننا ضرور، بعض کہتے ہیں کہ ہشام بن عبدالملک مروانی بادشاہ ظالم کی ایجاد ہے واللہ تعالٰی اعلم بہرحال جبکہ زمانہ رسالت وخلافت ہائے راشدہ میں نہ تھی اور ہمارے ائمہ کی تصریح ہے کہ مسجد میں اذان نہ ہو مسجد میں اذان مکروہ ہے تو ہمیں سنّت اختیار کرنا چاہئے بدعت سے بچنا چاہئے اس تحقیقات سے پہلے کہ سنّت

---

[1] صحیح بخاری باب الاستسقاء فی المسجد الجامع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۷

پہلے کس نے بدلی، اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق دے کہ اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی سنّت اور اپنے فقہائے کرام کے احکام پر عامل ہوں اور ان کے سامنے رواج کی آڑ نہ لیں و باللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۸) از پیلی بھیت محلّہ غفار خاں مرسلہ حافظ محمد صدیق امام مسجد چھپیاں ۱۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان جو خارج مسجد کہ مسنون ثابت ہوا ہے اب بنظر رفع فساد پھر بدستورِ قدیم اذان منبر کے پاس دینا جائز ہے یا نہیں کیونکہ درصورت عدمِ جواز فساد اور فتنے کا احتمال قوی ہے بینوا بالصواب وتوجروا یوم الحساب۔

الجواب:

یہاں دو ۲ چیزیں ہیں ایک اتیان معروف واجتناب منکر، دوسرے امر بالمعروف و نہی عن المنکر، مسجد میں اذان دینا ممنوع ہے اور اس میں دربارِ الٰہی کی بے ادبی ہے تو جو مسجد اپنی ہے اس میں خود مخالفتِ سنتِ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارتکابِ بے ادبیِ دربار عزّت کا مؤاخذہ اس کی ذات پر ہے اور جو مسجد پرائی ہے اوروں کا اس میں اختیار ہے اُس کا مواخذہ اُن پر ہے اس کے ذمّے صرف انکار رکھا گیا ہے کہ ازالہ منکر پر قدرت نہ ہو تو زبان سے منع کردے اور اس میں بھی فتنہ وفساد ہو تو دل سے بُرا جانے، پھر اُن کے فعل کا اس سے مطالبہ نہیں، وقال اللہ تعالٰی: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ت)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ[2]	اے اہل ایمان! تم پر اپنی جان لازم ہے تمہیں کوئی گمراہ نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ، فان لم یستطع فبقلبہ، وذلك اضعف الایمان[3]۔	تم میں سے جب کوئی بُرائی دیکھے تو ہاتھ سے اُسے روکنے کی کوشش کرے اور اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے بُرا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے(ت)

اور جس طرح یہ دوسروں کو حکم شرع ماننے پر مجبور نہیں کرسکتا یوں ہی دوسرے حکم شرع کی مخالفت پر اسے مجبور نہیں کرسکتے یہ اپنے نزدیک جو طریقہ اپنے رب کی عبادت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اتباع سنت کا

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴

[2] القرآن ۵/۱۰۵

[3] سنن النسائی تفاضل اہل الایمان حدیث ۵۰۱۱ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/۲۶۵

اپنی کتب دینیہ سے جانتا ہے دوسرا اگر اس میں مزاحمت کرے گا اور فتنہ وفساد اُٹھائے گا تو اس کا ذمہ دار وہ دوسرا ہوگا حکومت ہر مفسد کا ہاتھ پکڑنے کو موجود ہے اُس کے ذریعہ سے بندوبست کراسکتا ہے، ہاں اگر یہ صورت بھی ناممکن ہوتی اور مفسدوں کا خوف حد مجبوری تک پہنچاتا تو حالت اکراہ تھی اس وقت اس پر مؤاخذہ نہ ہوتا، **قال تعالٰی**:

اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ [1]	مگر وہ شخص جس کو مجبور کردیا گیا اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے۔ (ت)

بالجملہ دوسروں کو حکم کرنا اُن کی سرکشی وفتنہ پردازی کے وقت مطلقاً ساقط ہوجاتا ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا اور خود عمل کرنا اس وقت ساقط ہوگا جب یہ بذریعہ حکومت بھی بندوبست نہ کرسکے اور حقیقی مجبوری ہو کر استطاعت اصلًا نہ رہے، قال تعالٰی:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسۡتَطَعۡتُمۡ وَ اسۡمَعُوۡا وَ اَطِیۡعُوۡا [2]	تو اللہ تعالٰی سے ڈرو جہاں تک ہوسکے اور اس کا فرمان سنو اور حکم مانو۔ (ت)

باوصف قدرت بندوبست واستعانت بحکومت مجرد خوف یا کاہلی یا خودداری یا رورعایت یا نئی تہذیب یا صلح کل کی پالیسی سے اتباع شرع چھوڑ بیٹھنا جائز نہیں ہوسکتا اسے یوں خیال کریں کہ مفسدین آج اس امر کے لئے کہتے ہیں کل کو اگر انہوں نے خود نماز پر فتنہ اٹھایا تو کیا نماز بھی چھوڑدیگا، نہیں نہیں بلکہ اس پر خیال کرے کہ مفسدوں نے کہا کہ اپنا مکان خالی کردو ورنہ ہم فساد کرتے ہیں یا اپنی جائداد کا ہبہ نامہ لکھ دو ورنہ ہم فتنہ اٹھاتے ہیں (تو) اس وقت اُن کا کچھ بندوبست کرے گا استغاثہ کرے گا یا چپکے سے جائداد ومکان چھوڑ بیٹھے گا، جو جب کرے گا وہ اب کرے اور اتباع احکام شرع کو مکان وجائداد سے ہلکا نہ جانے، ہاں دوسروں کے سرچڑھنے اور فتنہ فساد کے اُٹھانے کی اجازت نہیں ہوسکتی، **قال تعالٰی**:

وَ الۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ [3]	(فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ت)

وقال تعالٰی:

لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِہَا [4]	زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ (ت)

[1] القرآن ۱۶/۱۰۶

[2] القرآن ۶۴/۱۶

[3] القرآن ۲/۱۹۱

[4] القرآن ۷/۵۶

وقال تعالٰی:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾ [1]	اس امت کے لئے وہ ہے جو اس نے کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کیا، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

نسأل الله العفو والعافیة، وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وبارك وسلم والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۵۹) از سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ چودھری عبدالحمید خاں صاحب رئیس ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

اذان ثانی جمعہ خارج مسجد صحن کے نیچے جُوتے اتارنے کی جگہ اگر کہی جائے تو اس میں کچھ حرج ہے یا بابِ مسجد پر ہی ہونا ضروری ہے، ان دونوں میں کسی بات میں اولویت ہوگی یا مساوی حالت، دوم یہ کہ محرابِ مسجد بھی اس بارے میں بابِ مسجد کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں، دیوبندی صاحب کا مقولہ ہے کہ محرابِ مسجد خارج مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اسی لئے اُس میں امام کا کھڑا ہونا جائز نہیں (حالانکہ اپنے نزدیک یہ بات نہیں آئندہ جو مفتی صاحب فرمائیں) سوم یہ کہ اگر باب مسجد دالان وصحنِ مسجد کے بالمقابل نہ ہو بلکہ شمالاً وجنوباً واقع ہو اور صحن مسجد مشرقی جانب حد دیوار سے ملا ہوا ہو اور اس کے بعد کوئی جگہ خارج مسجد نہ ہو تو وہاں کیا کیا جائے اور اذانِ ثانی کہاں ہو اور خطیب کہاں بیٹھے تاکہ مؤذن کا مقابلہ فوت نہ ہو۔ چہارم یہ کہ اذان مذکور باب مسجد پر جو دی جائے تو وہ باب مسجد کے وسط میں کھڑے ہو کر یا اس سے پرے نیچے اتر کر، یہاں تو آج وسط باب پر کہی گئی ہے آئندہ جیسا ارشاد ہو والسلام فقط۔

الجواب:

صحن مسجد کے نیچے جو جگہ خلع نعال کی ہے خارج مسجد ہے اُس میں اذان بے تکلّف مطابقِ سنّت ہے علی الباب ہونا کچھ ضرور نہیں مسجد کریم میں باب شمالی محاذی منبر اطہر تھا کمافی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ت) لہٰذا علی الباب ہوتی تھی ورنہ خصوصیتِ باب ملحوظ نہ تھی بلکہ صرف دو ۲ باتیں محاذاتِ خطیب واذان خارج مسجد۔ محرابِ مسجد وہ طاق ہے کہ دیوارِ قبلہ کے وسط میں بنتا ہے اس میں اذان ہونے کے کوئی معنی نہیں نہ اس میں محاذاتِ خطیب ہو اور منتہائے درجہ جانب شرق پر جو دَر بنتے ہیں یہ محراب نہیں ان کو "بین الساریتین" کہتے ہیں ان میں امام کا کھڑا ہونا ناجائز نہیں ہاں خلافِ سنّت ہے نہ اس وجہ سے کہ یہ زمین مسجد نہیں بلکہ اس لئے کہ امام اور جملہ مقتدیوں کا درجہ بدلا ہوا ہونا خلافِ سنّت ہے کمافی شرح النقایۃ (جیسا کہ شرح نقایہ میں ہے۔ت) شرقی

[1] القرآن ۲/۱۴۱

جانب اگر دیوار مسجد ہے تو اُس کی نسبت فتوے میں معروض ہے کہ اُس میں طاق محراب نما محاذات منبر میں بنالیں اور اگر دیوار کسی غیر کی ہے اور وہ اجازت نہ دے تو اس کا سوال مراد آباد سے آیا تھا اُس کے جواب کی نقل حاضر کرتا ہے بابِ مسجد ہی میں موذّن کھڑا ہو دروازہ سے باہر ہونے کی حاجت نہیں کہ اس حکم میں مسجد کی دیواریں فصیلیں دروازہ کی زمین خارج مسجد ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۶۰) مسئولہ جناب مشتاق احمد صاحب از شہر بریلی محلّہ بہاری پور ۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد متصل دفتر چھوٹی ریل، کی میں ہم لوگ نمازِ جمعہ پڑھا کرتے ہیں وہاں جو شخص نماز پڑھاتے ہیں وہ خطبہ کے وقت اذان مسجد کے اندر دلوایا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسری اذان جمعہ کی خطبہ کے وقت خلیفہ ہشام نے مسجد کے اندر لوگوں سے دلوانا شروع کی ہے وہ بدعت حسن ہے یعنی وہ بدعت سیہ نہیں ہے اور بدعتِ حسن کے کرنے کو کسی نے بھی عالموں میں سے منع نہیں کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیشہ اذان کا مسجد کے دروازہ پر ہونا ثابت نہیں ہے اس وجہ سے جو لوگ مسجد کے اندر اذان دلواتے ہیں ان کو منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ بدعتِ حسن کرتے ہیں اور سنتِ مواظبہ کو نہیں چھوڑتے لہٰذا عرض یہ ہے کہ مسجد کے دروازے کے اوپر ہمیشہ ہونا اذان کا ثابت ہے یا نہیں اور سنت مواظبہ ہے یا نہیں اور اذان مسجد کے اندر دینے سے سنت چھُوٹ جائے گی یا نہیں اور بدعت ہوگی تو کون سی ہوگی بدعت حسن ہوگی یا بدعت سیئہ ہوگی، اگر بدعت حسن ہوگی تو اس کو منع کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر بدعت سیئہ ہوگی تو منع کرنا چاہئے یا نہیں اور منع کرنے والا کون ہوگا اور اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں اور اذان خطبہ والی کو اندر دلانا کس نے شروع کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مسجد کے اندر اذان دلوانا کبھی ایک بار کا بھی ثابت نہیں، جو لوگ اس کا دعوی کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم پر افترا کرتے ہیں ہشام سے بھی اس اذان کا مسجد کے اندر دلوانا ہر گز ثابت نہیں البتہ پہلی اذان کے نسبت بعض نے لکھا ہے کہ اُسے ہشام مسجد کی طرف منتقل کرایا اور اس کے بھی یہ معنی نہیں کہ مسجد کے اندر دلوائی بلکہ امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بازار میں پہلی اذان دلواتے تھے ہشام نے مسجد کے منارہ پر دلوائی، رہی یہ دوسری اذانِ خطبہ، اس کی نسبت تصریح ہے کہ ہشام نے اس میں کچھ تغیر نہ کیا اُسی حالت میں باقی رکھی جیسی زمانہ رسالت وزمانہ خلافت میں تھی۔ امام محمد بن عبد الباقی زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب شریف جلد ہفتم طبع مصر ص ۴۳۵ میں فرماتے ہیں:

فلما کان عثمٰن، امر بالاذان قبلہ علی	یعنی جب عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اذانِ خطبہ

الزوراءَ،ثم نقله هشام الی المسجد،ای امر بفعله فيه،وجعل الاٰخر الذی بعد جلوس الخطيب علی المنبر بين يديه بمعنی انه ابقاه بالمکان الذی يفعل فيه،فلم يغيره،بخلاف ماکان بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار انتهی[1]۔	سے پہلے ایک اذان بازار ہیں ایک مکان کی چھت پر دلوائی پھر اس پہلی اذان کو ہشام مسجد کی طرف منتقل کرلایا یعنی اس کے مسجد میں ہونے کا حکم دیا اور دوسری کہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے وہ خطیب کے مواجہ میں کی یعنی جہاں ہوا کرتی تھی وہیں باقی رکھی اس اذان ثانی ہیں ہشام نے کوئی تبدیل نہ کی بخلاف بازار والی اذان اوّل کے کہ اسے مسجد کی طرف منارہ پر لے آیا انتہی۔

ہاں وہ جمہور مالکیہ کہ اذان ثانی کو امام کی محاذات ہیں ہونا بدعت کہتے ہیں اور اس کا بھی منارہ پر ہی ہونا سنّت بتاتے ہیں،اُن میں بعض کے کلام میں واقع ہوا کہ سب میں سے پہلے اذانِ ثانی امام کے روبرو ہشام نے کہلوائی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں یہ اذان بھی محاذاتِ امام نہ ہوتی تھی منارہ ہی پر تھی،پھر اس سے کیا ہوا،غرض ہشام بیچارے سے بھی ہر گز اس کا ثبوت نہیں کہ اس نے اذانِ خطبہ مسجد کے اندر منبر کے برابر کہلوائی ہو جیسی اب کہی جانے لگی اس کا کچھ پتا نہیں کہ کس نے یہ ایجاد نکالی،اور اگر ہشام سے ثبوت ہوتا بھی تو اس کا قول وفعل کیا حجت تھا،وہ ایک مروانی ظالم بادشاہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیٹے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے امام زین العابدینکے صاحبزادے امام باقر کے بھائی سیدنا امام زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہید کرایا سُولی دلوائی اور اس پر یہ شدید ظلم کہ نعش مبارک کو دفن نہ ہونے دیا برسوں سُولی پر رہی جب ہشام مرگیا تو نعش مبارک دفن ہُوئی ان برسوں ہیں بدن مبارک کے کپڑے گل گئے تھے قریب تھا کہ بے ستری ہو اللہ عزوجل نے مکڑی کو حکم فرمایا کہ اس نے جسم مبارک پر ایسا جالا تان دیا کہ بجائے تہبند ہوگیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بعض صالحین نے دیکھا کہ امام مظلوم زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سولی سے پشتِ اقدس لگائے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں یہ کچھ کیا جاتا ہے میرے بیٹوں کے ساتھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنّت کے خلاف ایسے ظالم کی سنّت پیش کرنا اور پھر امام اعظم وغیرہ ائمہ پر اس کی تہمت دھرنا کہ ان اماموں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وخلفائے راشدین کی سنّت چھوڑ کر ظالم بادشاہ کی سنّت قبول کرلی،کیسا صریح ظلم اور ائمہ کرام کی شان میں کیسی بڑی گستاخی ہے اللہ عزوجل پناہ دے،اس کے بدعت حسنہ ہونے کا دعوی محض باطل و

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد التاسع فی عبادتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبوعہ عامرہ مصر ۷/ ۴۳۵

بے اصل ہے۔

(۱) بدعتِ حسنہ سنّت کو بدلا نہیں کرتی اور اس نے سنّت کو بدل دیا۔

(۲) مسجد میں اذان دینی مسجد و دربارِ الٰہی کی گستاخی و بے ادبی ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں ادب میں طریقہ معہدہ فی الشاہد کا اعتبار ہوتا ہے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منه تحت السرۃ[1]۔	یعنی قیام تعظیمی ہیں بادشاہوں وغیرہم کے سامنے ہاتھ زیر ناف باندھ کر کھڑے ہونے کا دستور ہے اسی دستور کا نماز میں لحاظ رکھ کر زیر ناف باندھیں گے۔

اب دیکھ لیجئے کہ درباروں میں درباریوں کی حاضری پکارنے کا کیا دستور ہے، کیا عین دربار میں کھڑے ہو کر چوبدار چلاتا ہے کہ درباریو چلو ہر گز نہیں۔ بے شک ایسا کرے تو بے ادب گستاخ ہے جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ یہی کچہریاں دیکھ لے کیا ان میں مدعی مدعاعلیہ گواہوں کی حاضریاں کمرہ کے اندر پکاری جاتی ہیں یا کمرہ سے باہر جا کر کیا اگرچپراسی خاص کمرہ کچہری میں کھڑا ہوا حاضریاں پکارے چلائے تو بے ادب گستاخ بنا کر نہ نکالا جائیگا، افسوس جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کر سکتے احکم الحاکمین جل جلالہ، کے دربار میں روا رکھو۔

(۳) مسجد میں چلّانے سے خود حدیث میں ممانعت ہے اور فقہانے یہ ممانعت ذکرِ الٰہی کو بھی عام رکھی جب تک شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہو، درمختار میں ہے:

یحرم فیه (ای المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر، الا للمتفقھة[2]۔	مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو دینا مکروہ ہے۔ مسائل فقہیہ سیکھنے سکھانے کے علاوہ وہاں ذکر سے آواز کا بلند کرنا بھی مکروہ ہے۔ (ت)

نہ کہ اذان کہ یہ تو خالص ذکر بھی نہیں کمافی البنایة شرح الھدایة للامام العینی (جیسا کہ امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے۔ ت)

(۴) بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا جس کے لئے مساجد کی بنا نہ ہو صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتح القدیر باب صفة الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[2] الدرالمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد، فلیقل لاردھا اللّٰہ علیک، فان المساجد لم تبن لھذا [1]۔	جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے، مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔(ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار میں ہے: کرہ انشاد ضالۃ [2] (مسجد میں گم شدہ چیز کی تلاش مکروہ ہے۔ت) تو اگر کسی کا مصحف شریف گم ہوگیا اور وہ تلاوت کے لئے ڈھونڈتا اور مسجد میں پُوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اگر اذان دینے کے لئے مسجد کی بنا ہوتی تو ضرور حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اُسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو، یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا۔

(۵) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ کبھی کبھی سنّت کو ترک فرماتے کہ اس کا وجوب نہ ثابت ہو ترک کا جواز معلوم ہوجائے ولہذا علما نے سنت کی تعریف میں "مع الترک احیانا" ماخوذ کیا کہ ہمیشہ کیا مگر کبھی کبھی ترک بھی فرمایا اور یہاں اصلاً ایک بار بھی ثابت نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد کے اندر اذان دلوائی ہو جو مدعی ہو ثبوت دے۔

(۶) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے کو مکروہ فرمایا عبارتیں اصل فتوے میں گزریں اور حنفیّہ کے یہاں مطلق کراہت سے غالبًا مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جب تک اس کے خلاف پر دلیل قائم نہ ہو اور بیان خلاف پر دلیل درکنار اس کے موافق دلیل موجود ہے کہ یہ گستاخیِ دربار معبود ہے۔

(۷) فقہائے کرام نے مسجد میں اذان دینے سے بصیغہ نفی منع فرمایا کہ صیغہ نہی سے زیادہ مؤکد ہے عبارات کثیرہ اصل فتوے میں گزریں اور فقہا کا یہ صیغہ غالبًا اُس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتا ہے، امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

ظاھر قول المصنف ولایزید علیھا شیئا، یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھا [3]۔	قول مصنف "لایزید علیھا شیئا" کا ظاہر اشارۃً واضح کررہا ہے کہ اس پر اضافہ جائز نہیں۔(ت)

[1] الصحیح لمسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۰

[2] الدرالمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ہدایہ میں قول امام محمد قرأ وجھر (وہ پڑھے اور جہر کرے۔ت) پر فرمایا: **یدل علی الوجوب**[1] (یہ وجوب پر دال ہے۔ت) عنایہ میں فرمایا: **لانہ بمنزلۃ الامر بل اٰکد**[2] (یہ بمنزلہ امر بلکہ اس میں اُس سے بھی زیادہ تاکید ہے۔ت) فتح القدیر میں فرمایا: **مایدل علی الوجوب وھو لفظ الخبر**[3] (جو وجوب پر دال ہے وہ لفظ خبر (قرأ) ہے۔ت) ان وجوہ پر نظر انصاف کے بعد مجموع سے کم از کم اتنا ضرور ثابت کہ مسجد کے اندر اذان بدعت سیئہ ہے ہر گز حسنہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۶۱) مرسلہ جناب منشی فقیر محمد صاحب تاجر چرم کانپوری از مقام شہر ہمیر پور صوتی گنج صدر بازار ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں جس وقت مؤذن حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح کہے تو سامع کو اس کے جواب میں کیا کہنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

حی علی الصلاۃ و حی علی الفلاح دونوں کے جواب میں **لاحول ولاقوۃ الا باللہ** کہنا چاہئے، اور بعض اوّل کے جواب میں یہی لاحول اور دوم کے جواب میں **ماشاء اللہ کان ومالم یشأ لم یکن** (اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ت) کہتے ہیں، اور افضل یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے جواب میں کہے **حی علی الصلاۃ لاحول ولاقوۃ الا باللہ** اور **حی علی الفلاح** کے جواب میں کہے **حی علی الفلاح لاحول ولاقوۃ الا باللہ ماشاء اللہ کان ومالم یشألم یکن۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۲۶۳) از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں **حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح** کے وقت مؤذن دائیں بائیں رُخ کرتا ہے آیا اقامت میں بھی دائیں بائیں رُخ کرنا سنّت ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

علماء نے اقامت میں بھی دہنے بائیں منہ پھیرنے کا حکم دیا ہے اور بعض نے اسے اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے کہ کچھ لوگ اِدھر اُدھر منتظر اقامت ہوں، درمختار میں ہے: **ویلتفت فیہ وکذا فیھا**

---

[1] ہدایۃ کتاب الصلاۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ دستگیر کالونی کراچی ۹۸/۱

[2] عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر کتاب الصلاۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۸۷/۱

[3] عنایۃ حاشیہ علی فتح القدیر کتاب الصلاۃ فصل فی القرأۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۸۷/۱

مطلقا[1] (اذان میں منہ پھیرے اور اسی طرح تکبیر میں بھی ہر حال میں۔ت) قنیہ میں ہے:

الاصح ان الصلاۃ عن یمینہ، والفلاح عن شمالہ، مت، شم، قع، ضح، والاقامۃ کذلك اھ ای مجدالائمۃ الترجمانی وشرف الائمۃ المکی والقاضی عبدالجبار والایضاح اوضیاء الائمۃ الحجبی[2]۔	اصح یہ ہے کہ حی علی الصلاۃ کے وقت دائیں اور حی علی الفلاح کے وقت بائیں جانب منہ پھیرے مت، شم، قع، ضح۔ اور اسی طرح اقامت میں بھی اھ یعنی "مت" سے مجدالائمہ ترجمانی، "شم" سے شرف الائمہ المکی، "قع" سے قاضی عبدالجبار اور "ضح" سے ایضاح یا ضیاء الائمہ الحجبی مراد ہیں۔ (ت)

اُسی میں ملتقط سے ہے:

لایحول راسہ فی الاقامۃ عند الصلاۃ والفلاح الا لاناس ینتظرون الاقامۃ[3]۔	تکبیر کے اندر حی علی الصلوٰۃ اور حی الفلاح پر دائیں بائیں سر نہ پھیرے مگر اس صورت میں کہ جب لوگ تکبیر کا انتظار کر رہے ہوں۔ (ت)

مسئلہ (۳۶۴) از دمن خرد عملداری پرتگال مسئولہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اشھد ان محمدا رسول اللہ جو اذان و اقامت میں واقع ہے اُس میں انگوٹھوں کا چُومنا جو مستحب ہے اگر کوئی شخص باوجود قائل ہونے استحباب کے احیانا عمدا ترک کرے تو وہ شخص قابلِ ملامت ہے یا نہیں۔

الجواب:

جبکہ مستحب جانتا ہے اور فاعلون پر اصلاً ملامت روا نہیں جانتا فاعلون پر ملامت کرنے والوں کو بُرا جانتا ہے تو خود اگر احیانا کرے احیانا نہ کرے ہر گز قابلِ ملامت نہیں **فان المستحب ھذا شانہ** (کہ مستحب کا درجہ و مقام یہی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۶) از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود قاری برکاتی رضوی طالبعلم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ:

حضور پُر نور کے نام مبارک سُن کر ہاتھ چُوم کر آنکھوں پر لگانا کیسا ہے؟

---

[1] در مختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۳

[2] قنیہ باب الاذان مطبعۃ مشتہرۃ بالمہانیۃ انڈیا ص ۱۹ و ۲۰

[3] قنیہ باب الاذان

الجواب:

جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ کوئی ممانعت شرعی نہ ہو مثلاً حالت خطبہ میں یا جس وقت قرآن مجید سُن رہاہے یا نماز پڑھ رہاہے ایسی حالتوں میں اجازت نہیں باقی سب اوقات میں جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ بہ نیتِ محبت و تعظیم ہو اور تفصیل ہمارے رسالہ منیر العین میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۶۷) ازاوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحہ صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان کے وقت انگوٹھے چُومنااس کاجو طریقہ ہو اور دعا وغیرہ اور جس جس موقع پر کیا جائے مفصل اطلاع بخشیے۔

الجواب:

جب مؤذن پہلی بار اشهد ان محمدا رسول الله کہے یہ کہے صلی اللہ علیک یارسول اللہ جب دوبارہ کہے یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اور ہر بار انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں سے لگالے آخر میں کہے اللھم متّعنی بالسمع والبصر [1] (اے اللہ ! میری آنکھوں اور سمع کو نفع عطافرما۔ت) ردالمحتار عن جامع الرموز عن کنز العباد (ردالمحتار میں جامع الرموز سے اور اس میں کنزالعباد سے منقول ہے۔ت) یہ اذان میں ہے اور تکبیر کے وقت بھی ایسا ہی کرے توکچھ حرج نہیں کمابیناہ فی رسالتنا (جیسے ہم نے اسے اپنے رسالہ میں بیان کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۶۸) از حبیب والہ ضلع بجنور تحصیل وہاپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں دستور ہے کہ قبل صلاۃ عیدین دو [۲] شخص کھڑے ہو کر کانوں میں انگلیاں دے کر الصلوٰۃ یرحمکم اللہ الصلوٰۃ کئی مرتبہ پڑھتے ہیں آیا یہ فعل جائز ہے یا بدعت، رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ فعل منقول ہے یانہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ منع نہیں اگرچہ منقول نہ ہو جیسے تثویب۔ نہیں نہیں بلکہ خود صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول کہ عیدین میں مؤذن کو حکم فرماتے کہ الصلاۃ جامعۃ پکارے

روی الامام الشافعی عن الزھری قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	امام شافعی نے زہری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدین کے لئے مؤذّن کو

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۳

یأمر المؤذن فی العیدین، فیقول الصلاۃ جامعۃ[1]۔	حکم دیا کرتے تھے (کہ یہ بلند آواز سے کہے) تو وہ کہتے تھے الصّلٰوۃ جامعۃ (جماعتِ نماز تیار ہے)۔ (ت)

لاجرم علمائے کرام نے بالاتفاق عیدین میں صلاۃ پکارنا مستحب فرمایا، شرح صحیح مسلم امام نووی میں ہے:

یقول اصحابنا وغیرھم انہ یستحب ان یقال الصلاۃ جامعۃ[2]۔	ہمارے علماءِ شوافع اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ "الصلاۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

مرقاۃ علی قاری میں ہے:

یستحب ان ینادی لھا الصلاۃ جامعۃ[3]۔	نماز کے لئے "الصلٰوۃ جامعۃ" کہنا مستحب ہے۔ (ت)

وہ الفاظ کہ سائل نے ذکر کئے الصلاۃ یرحمکم اللّٰہ (نماز پڑھو اللہ تم پر رحم کرے۔ ت) انہیں کے معنی میں ہیں پس بدعت نہیں مستحب ہیں۔

اقول: ومارو ی مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان لااذان للصلاۃ یوم الفطر، ولا اقامۃ ولانداء ولاشیئ فھی فتوی منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انما روایتہ ماذکر اولًا قال لم یکن یؤذن یوم الفطر ولایوم الاضحی[4]، ولیس فیہ الانفی الاذان، وزاد جابر بن سمرۃ وغیرہ نفی الاقامۃ، وقد انعقد علی نفیھما الاجماع، ولانظر لخلاف شاذ، فلاحاجۃ الی ماذکر الامام النووی فی قول جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ، یتاول علی ان المراد الاذان، ولااقامۃ ولانداء فی معناھما ولاشیئ من ذلک[5] اھ	**اقول:** وہ جو مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نمازِ عید الفطر کے لئے نہ اذان نہ اقامت اور نہ ہی اس کے علاوہ کوئی آواز دی جاتی تھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فتوی ہے ان سے مروی روایت کا ذکر جو پہلے ہوا اس میں صرف اِتنا ہے کہ عیدالفطر اور عیدالاضحٰی کے لئے اذان نہیں ہوتی تھی یعنی اس میں صرف نفیِ اذان ہے حضرت جابر بن سمرۃ وغیرہ نے اقامت کی نفی کا بھی اضافہ کیاحالانکہ ان دونوں کی نفی پر اجماع منعقد ہوگیا ہے اور خلاف شاذ قابل توجہ نہ ہوگا، تواب حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول میں امام نووی کی اس تاویل

[1] الامّ لامام الشافعی من قال لااذان للعیدین مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۳۵

[2] شرح صحیح مسلم لامام النووی مع مسلم کتاب صلاۃ العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب صلاۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۳۰۰

[4] صحیح لمسلم کتاب صلاۃ العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[5] شرح صحیح مسلم للامام النووی مع مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

ومن العجب ماوقع فی الاشعة تحت حدیث جابر بن سمرة رضی الله تعالٰی عنه صلیت مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم العیدین غیر مرة ولامرتین بغیر اذان ولااقامة.انه زاد فی روایة،ولاالصلٰوة جامعة [1] اھ فلااثر له فی صحیح مسلم،ولوکان لم یدل الاعلی عدم المواظبة،ولم یعارض ماثبت فی مرسل الزهری،ومرسل الثقة حجة عندنا۔والله تعالٰی اعلم۔	کی ضرورت نہیں کہ مراد یہ ہے کہ نہ اذان ہوتی نہ تکبیر اور نہ ہی ان دونوں کی مانند کوئی ندا ہوتی تھی،اور اشعۃ اللمعات کے اس مضمون پر تعجب ہے جو حضرت جابر بن سمرۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر کیاگیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معیت میں ایک یا دو دفعہ سے زائد مرتبہ بغیر اذان واقامت کے عیدین کی نماز پڑھی،کہاایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ "الصلاۃ جامعۃ"کے الفاظ بھی نہیں کہے جاتے تھے اھ،یہ کلمہ صحیح مسلم میں نہیں اگر ہوتو صرف عدمِ مواظبت پر دلیل ہے یعنی ہمیشگی نہیں فرمائی لہٰذا یہ مرسل زہری کے معارض نہیں اور مرسلِ ثقہ ہمارے ہاں حجت ہے۔(ت)

مسئلہ (۳۶۹)　ازبیکانیر مارواڑ مہادنان مرسلہ قاضی قمرالدین صاحب　۹ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر درود شریف ہم پڑھتے ہیں لیکن ہاتھوں کو چُومتے نہیں ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ جو ہاتھ نہ چُومے وہ مردود وملعون ہے،اب گزارش ہے کہ ہاتھ چُومنا کیساہے اور چُوما جائے تو کیا ذمّے گناہ ہوگا اگر چُومنا منع ہے تو وہ شخص کو جو نہ چُومنے والوں کو کلماتِ مندرجہ بالا کہتا ہے اُس کے لئے کیا حکم ہے آیا وہ کافر ہوا یا اسلام میں رہا؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نامِ اقدس اذان میں سُن کر انگوٹھے چُومنا مستحب ہے اچھا ہے ثواب ہے **کمافی کنزالعباد وجامع الرموز وردالمحتار وغیرها**(جیسا کہ کنزالعباد،جامع الرموز اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) مگر فرض واجب نہیں کہ نہ کرنے سے گناہ ہو اور صرف اس قدر پر مردود وملعون کہنا سخت باطل ومردود ہے ہاں جو بربنائے وہابیت اسے بُرا جان کر نہ چُومے تو وہابی ضرور مردود وملعون ہے **والله تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۳۷۰)　ازبریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۱ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

(۱) الاقامة حق للمؤذن ولایقیم بغیر اذنه،سمعت من اساتذه مرویة،وان قال الامام	(۱) تکبیر مؤذن کا حق ہے اس کی اجازت کے بغیر دوسرا نہ کہے،بعض اساتذہ کے حوالے سے میں نے

[1] اشعۃ اللمعات الفصل الاول من باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۹۷

بغیرہ اقم، فھو ایضاً جائز بغیر الکراھۃ، صحیح، ام لا۔ (۲) والمکبّر فی یوم العید والجمعۃ ان کبر بغیر اذن الامام، لایجوزالاخذ بقولہ ولابطلت صلوۃ من رکع اوسجد بتکبیرہ، صح ام لا۔	یہ سنا ہے کہ اگرامام غیر مؤذن کو کہدے "تکبیرپڑھ "تو بھی بلاکراہت یہ جائز ہے، کیایہ صحیح ہے یاغَلَط؟ (۲) عیداور جمعہ کے موقع پراگرمکبّر اجازتِ امام کے بغیر تکبیر کہہ دے اس کے قول پر عمل جائز نہیں اور اس کی تکبیر پر رکوع وسجدہ کرنے والے کی نماز باطل نہ ہُوئی، کیا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ان کان المؤذن حاضرا لایقیم غیرہ الاباذنہ ولاینبغی للامام ان یامر غیرہ بالاقامۃ الابوجہ شرعی مثل ان تکون اقامتہ مشتملۃ عن لحن وذلك لانہ یوحش المؤذن بہ۔ (۲) ھذا باطل لااصل لہ، ویجوز التبلیغ عن الحاجۃ وان لم یاذن الامام، بل وان نھی۔ وھو تعالٰی اعلم۔	(۱) اگر مؤذن موجود ہے تواس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا تکبیر نہ کہے اور امام کے لئے بھی مناسب نہیں کہ شرعی عذر کے بغیر کسی دوسرے کو تکبیر کے لئے کہے، شرعی عذر مثلاً اس کی اقامت لحن پر مشتمل ہو، اجازت مؤذن کے بغیر اقامت کہنا مناسب نہیں کہ شاید وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ (ت) (۲) یہ باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں، ضرورت کے موقع پر تبلیغ جائز ہے اگرچہ امام اجازت نہ دے بلکہ وہ منع بھی کردے تب بھی جائز ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۷۱) ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مقتدیوں کو جب تکبیر نماز کہی جائے تو تکبیر شروع ہوتے ہی کھڑا ہونا چاہئے یا جب حی علی الفلاح مکبّر کہے تب کھڑے ہوں اور مقتدی وامام اس میں یعنی قیام وقعود میں مساوی ہیں یا ہر ایک کے واسطے جداگانہ حکم ہے، مثلاً جو کہے کہ مقتدی بیٹھے رہیں اور حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں لیکن امام فوراً جب تکبیر شروع ہو کھڑا ہو جائے اس کا فعل صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں جس نے کہا امام فوراً کھڑا ہو جائے غلط کہا، حوالہ وہ دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ (۳۷۲) از چتوڑ گڈھ میواڑ مرسلہ فتح محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں امام ہو اور تکبیر مکبّر شروع کردے اب امام حجرہ سے روانہ ہو ختم تکبیر سے پہلے حی علی الفلاح کے وقت یا بعد ختم تکبیر مصلّے پر پہنچ جاوے اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے بصورت احیانا یا بصورت دواما، ہر دو صورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اس صورت میں کوئی حرج نہیں نہ امام مکبر کا پابند ہوسکتا ہے بلکہ مکبّر کو امام کی پابندی چاہئے حدیث میں ہے **المؤذن املك بالاذان، والامام املك بالاقامة**[1] (اذان کا اختیار مؤذن کو ہے اور اقامت کا اختیار امام کو۔ ت) اور اگر وہ تکبیر ہوتے میں چلا تو اُسے بیٹھنے کی بھی حاجت نہیں مصلّے پر جائے اور حی علی الفلاح یا ختم تکبیر پر تکبیر تحریمہ کہے، یوں ہی بعد خطبہ اُسے اختیار ہے کہیں منقول نہیں کہ خطبہ فرماکر تکبیر ہونے تک جلوس فرماتے یہ حکم قوم کے لئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۳) از جرودہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

تکبیر سے پہلے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہوں اور کچھ لوگ کھڑے ہوں تو کیا تکبیر شروع ہوتے ہی سب کو کھڑا ہوجانا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے، اگر بیٹھے رہیں تو کس لفظ پر کھڑا ہونا چاہئے، اگر تکبیر شروع ہوتے ہی فوراً کھڑے ہوجائیں تو کچھ حرج نہیں ہے۔

الجواب:

تکبیر کھڑے ہوکر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علمانے فرمایا ہے کہ اگر تکبیر ہورہی ہے اور مسجد میں آیا تو بیٹھ جائے اور جب مکبّر حی علی الفلاح پر پہنچے اس وقت سب کھڑے ہوجائیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ (۳۷۴) محمد عبدالرشید از حصار مدرسہ انجمن محاسن اسلام احاطہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۶ھ

مسجد میں بلااذان نماز جماعت درست ہے یا نہیں اور تنگ وقت کی وجہ سے صرف تکبیر جماعت کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بلااذان جماعتِ اولٰی مکروہ وخلافِ سنّت ہے، ہاں وقت ایسا تنگ ہوگیا ہو کہ اذان کی گنجائش

---

[1] کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال حدیث ۲۰۹۶۳ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۹۴

نہ ہو تو مجبورانہ خود ہی چھوڑی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۳۷۵) مسائل از شہر کہنہ محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ نتھے خاں ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) اذان سنّت ہے یا واجب؟

(۲) اذان نابالغ دے تو جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) تکبیر واجب ہے یا سنّت؟

(۴) مصلّی پر امام نہ ہو تو تکبیر جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب

(۱) جمعہ وجماعت پنجگانہ کے لئے اذان سنّتِ مؤکدہ وشعارِ اسلام وقریب بواجب ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) نابالغ اگر عاقل ہے اور اس کی اذان اذان سمجھی جائے تو جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۳) یوں ہی تکبیر بھی، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۴) جب امام مسجد میں بہ تہیہ نماز آئے تو تکبیر کہہ سکتے ہیں اگرچہ مصلّے تک نہ پہنچے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۳۷۶) از شہر مسئولہ وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بہت ہی پکّا سُنّی ہے اہلسنّت کے طریقہ پر قدم بقدم چلتا ہے ایک ذرّہ بھی وہابیت کا نقص نہیں پایا جاتا وہابیوں سے متنفر رہتا ہے الغرض عقائد میں کسی قسم کی خرابی نہیں ایسے شخص کو بکر وہابی وکافر کہتا ہے چونکہ بکر نے زید کو بوقت اذان کے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نامِ مبارک پر انگشت کو بوسہ لیتے ہوئے اور درود شریف بآوازِ بلند پڑھتے ہوئے نہ دیکھا زید کہتا ہے کہ اذان کا جواب دینا اور درود شریف حضور کے نام مبارک پر اس وقت پڑھنا دل میں چاہئے لہٰذا میں دل میں پڑھتا ہوں اور جوابِ اذان دیتا ہوں اور زید انگشت چُومنے سے انکار بھی نہیں کرتا ہے اس وجہ سے بکر نے زید کو اسلام سے خارج کرکے کفر میں داخل کردیا ہے اور زید کے عقائد کی حالت بھی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اس صورت میں بکر کا یہ کلام زبان سے نکالنا صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح نہیں تو بکر پر شارع علیہ السلام کا کیا حکم جاری ہوگا؟ **بیّنوا توجّروا**۔

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید کو وہابی کہنا جائز نہیں اور اسے خارج از اسلام ٹھہرانا سخت اشد کبیرہ ہے بکر پر توبہ فرض ہے اور اس وقت درود شریف دل میں پڑھنے سے اگر زید کی مراد یہ ہے کہ زبان سے نہ پڑھا جائے تو غلط ہے زبان سے پڑھنا لازم ہے اور بآواز ہونا مستحب ہے کہ اوروں کو بھی ترغیب وتذکیر ہو اور اس پر درود شریف نہ پڑھنے کی بدگمانی نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۳۷۷) از شہر محلّہ ملوک پور مسئولہ شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تکبیر کے شروع ہونے کے وقت امام ومقتدی کو کھڑا رہنا چاہئے یا بیٹھ جانا چاہئے اور بیٹھ جانے میں کیا فضیلت ہے اور کھڑا رہنے میں کیا نقصان ہے؟

الجواب:

امام کے لئے اس میں کوئی خاص حکم نہیں مقتدیوں کو حکم ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں حی علی الفلاح پر کھڑے ہوں، کھڑے کھڑے تکبیر سُننا مکروہ ہے یہاں تک کہ علمگیری میں فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے وقت میں مسجد میں آئے کہ تکبیر ہورہی ہو فورًا بیٹھ جائے اور حی علی الفلاح پر کھڑا ہو اور اس میں راز مکبّر کے اس قول کی مطابقت ہے کہ **قد قامت الصلاۃ** ادھر اس نے حی علی الفلاح کہا کہ آؤ مراد پانے کو، جماعت کھڑی ہوئی، اس نے کہا **قد قامت الصلاۃ** جماعت قائم ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۷۸) از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ مشیت خاں ۹ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد اذان کے اور جماعت سے ذرا قبل الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ الصلوٰۃ والسلام علیک یاحبیب اللہ پڑھنا باآوازِ بلند چاہئے یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ صلاۃ وسلام پڑھنے سے اذان کی حیثیت گھٹتی ہے کوئی ضرورت نہیں ہے جواب سے مشرف فرمایا جائے۔

الجواب:

پڑھنا چاہئے اور صلاۃ وسلام سے اذان کی حیثیت بڑھتی ہے کہ وہ اعلام کے لئے تھی اور یہ اسی کی ترقی ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ (۳۷۹) از شہر محلّہ صالح نگر مسئولہ کفایت دری ساز ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وہابی ہے یا ان کا ہمخیال ہے اگر وہ اذان دے سُنّی کی مسجد میں تو اس کا جواب سُنّی دے یا نہیں؟ اور جب سُنّی اس مسجد میں نماز کے کیلئے جائے تو اپنی اذان کہے یا اس کی اذان پر اکتفا کرے اور دوسری اذان نہ کہے؟ **بیّنوا توجروا**۔

الجواب:

اسم جلالت پر کلمہ تعظیم اور نامِ رسالت پر درود شریف پڑھیں گے اگرچہ یہ اسمائے طیبہ کسی کی زبان سے ادا ہوں مگر وہابی کی اذان اذان میں شمار نہیں جواب کی حاجت نہیں، اور اہلسنت کو اُس پر اکتفا کی اجازت نہیں بلکہ ضرور دوبارہ اذان کہیں، درمختار میں ہے: **ویعاد اذان کافر وفاسق**[1] (کافر اور فاسق کی اذان لوٹائی جائے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] دُرمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

مسئلہ (۳۸۰)　موضع بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خان صاحب رضوی　۲۷ صفر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلاۃ جو بعد اذان بلفظ الصلاۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پڑھی جاتی ہے مخالف کہتا ہے کہ یہ فعل قرآن شریف اور حدیث شریف کے باہر ہے اور شارع اسلام کے خلاف ہے یا کوئی مجھے بتائے کہ فرض ہے یا واجب یا سنّت ہے یا مستحب، اور یہ فعل نیم مولوی کا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں اس کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟

(۲) بروقت جماعت کے قبل جو تکبیر پڑھی جاتی ہے اس کو زید کہتا ہے کہ امام و مقتدی بیٹھ کر سُنیں، عمرو کہتا ہے کہ کھڑے ہو کر سُننا چاہئے اور یہ رواج قدیم ہے اور یہ نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کی بات ہے۔

الجواب:

مخالف جھوٹا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر افترا کرتا ہے ثبوت دے شرع مطہر نے اسے کہاں منع فرمایا ہے کہ خلافِ شرع کہتا ہے ہاں وہ فرداً مستحب ہے اور اصلا فرد فرض ہے **قال اللہ تعالٰی:**

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىٕكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّؕ-یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا(۵۶) [1]	بیشک اللہ اور اس کے سب فرشتے درود بھیجتے ہیں اس نبی پر، اے ایمان والو! درود بھیجو ان پر اور خوب سلام عرض کرو (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔

رب عزوجل کا حکم مطلق ہے اس میں کوئی استثناء فرما دیا ہے کہ مگر اذان کے بعد نہ بھیجو، جب پڑھا جائیگا اسی حکم الٰہی کا امتثال ہوگا فلہذا ہر بار درود پڑھنے میں ادائے فرض کا ثواب ملتا ہے کہ سب اُسی مطلق فرض کے تحت میں داخل ہے تو جتنا بھی پڑھیں گے فرض ہی میں شامل ہوگا نظیر اس کی تلاوتِ قرآن کریم ہے کہ ویسے تو فرض ایک ہی آیت ہے اور اگر ایک رکعت میں سارا قرآن عظیم تلاوت کرے تو سب فرض ہی میں داخل ہوگا اور فرض ہی کا ثواب ملے گا سب **فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِؕ** [2] (پس پڑھ قرآن سے جو تمہیں آسان ہے۔ ت) کے اطلاق میں ہے آج کل ایسا انکار کرنے والے کوئی نہیں مگر وہابیہ اور وہابیہ کے پیچھے نماز باطل محض ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مسئلہ شرعیہ کو نئے مولویوں کی فتنہ انگیزی کہنا اگر براہِ جہالت نہ ہو کلمہ کفر ہے کہ توہینِ شریعت ہے مقتدیوں کو حکم یہ ہے کہ تکبیر بیٹھ کر سُنیں جب مکبر **حی علی الفلاح** پر پہنچے اس وقت کھڑے ہوں کہ اس کے اس قول کی مطابقت ہو جو وہ اس کے بعد کہے گا کہ **قد قامت الصلاۃ** جماعت کھڑی ہوئی یہاں تک کہ اگر تکبیر ہو رہی ہے اور اس وقت کوئی شخص باہر سے آیا تو یہ خیانہ کرے کہ چند کلمات رہ گئے ہیں پھر کھڑا ہونا ہوگا بلکہ فوراً بیٹھ جائے اور **حی علی الفلاح** پر

[1] القرآن ۵۶/۳۳

[2] القرآن ۲۰/۷۳

کھڑا ہو۔ علمگیریہ میں ہے:

اذادخل الرجل عندالاقامة یکرہ له الانتظار قائما ولکن یقعد ثم یقوم اذابلغ المؤذن قوله حی علی الفلاح کذافی المضمرات [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی تکبیر کے وقت آیا تو وہ بیٹھ جائے کیونکہ کھڑے ہو کر تکبیر سُننا مکروہ ہے پھر جب مؤذن "حی علی الفلاح" کہے تو اُٹھے مضمرات میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

مسئلہ (۳۸۱) از ریاست رام پور محلّہ مردان خان گلی موچیاں مسئولہ محمد نور ۱۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں پنجگانہ اذان واسطے نماز کے کہاں کہی جائے اور بانیِ مسجد نے کوئی جگہ اذان کی مقرر نہیں کی اکثر لوگ صحنِ مسجد میں اذان کہہ دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجد کی داہنی طرف یعنی جنوب کو اذان ہو اور مسجد کی بائیں طرف یعنی شمال کو تکبیر کہی جائے اور جس مسجد کا کوٹھانہ ہو صاف میدان حد بستہ ہو اُس مسجد کی کون سی داہنی اور بائیں پر عمل کیا جائے اور یہ بھی سُنا ہے کہ جماعت پر حق سبحانہ، کی رحمت اول امام پر اور بعد اس کے صف اول کی داہنی جانب سے تمام پر شروع ہوتی ہے پھر دوسری تیسری صفوں پر آخر تک، جن لوگوں کا یہ قول ہے کہ مسجد کی داہنی جانب جنوب ہے اسی جانب سے مصلیان پر رحمتِ حق نازل ہوتی ہے یا اس کے بالعکس اور منبر مسجد کو بائیں جانب کہتے ہیں اور پُرانی مسجدوں میں داہنی جانب اور بائیں جانب بُرج بنے ہوتے ہیں اُس پر اذان ہُوا کرتی ہے اس وقت کے مؤذنان نے اُس کو چھوڑ دیا صحنِ مسجد میں جہاں چاہتے ہیں اذان کہہ دیتے ہیں آیا اذانِ پنجگانہ نماز سنّت خارج مسجد مثل منڈھیر وغیرہ ہے یا صحن مسجد۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد میں اذان کہنا مطلق منع ہے خلاصہ وہندیہ وبحر الرائق وغیرہا میں ہے: **لایؤذن فی المسجد** [2] (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ت) نظم زندویسی وجامع الرموز میں ہے: **یکرہ الاذان فی المسجد** [3] (مسجد میں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلٰوۃ باب فی الاذان فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۷/۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الاول فی الاذان مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴۹/۱، فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی کلمات الاذان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵۵/۱، البحرالرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۵/۱

[3] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱۲۳/۱

نوٹ: جامع الرموز میں یہ عبارت بالمعنی ہے بالالفاظ نہیں۔ جامع الرموز کے الفاظ یوں ہیں: بانہ لایؤذن فی المسجد فانہ مکروہ کما فی النظم''۔ نذیر احمد سعیدی

اذان مکروہ ہے۔ ت) اذان کے لئے کوئی دہنی بائیں جانب مقرر نہیں، منارہ پر ہو جس طرف ہو اور جہاں منارہ یا کوئی بلندی نہیں وہاں فصیلِ مسجد پر اُس طرف ہو جدھر مسلمانوں کی آبادی زائد ہے اور دونوں طرف آبادی برابر ہو تو اختیار ہے جدھر چاہیں دیں۔ تکبیر میں مناسب یہ ہے کہ امام کے محاذی ہو ورنہ امام کی دہنی جانب کہ مسجد کی بائیں جانب ہوگی ورنہ جہاں بھی جگہ ملے۔ رحمتِ الٰہی پہلے امام پر اُترتی ہے پھر صفِ اول میں جو امام کے محاذی ہو پھر صف اول کے دہنے پر پھر بائیں صف پر پھر دوم میں امام کے محاذی پھر دوم کے دہنے پھر بائیں پر اسی طرح آخر صفوں تک۔ امام کا دہنا مسجد کا بایاں ہوتا ہے مسجد میں عمارت ہو یا نہ ہو کہ مسجد تابع کعبہ معظّمہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۸۲) از ورنگر دابیہ مہ سانہ۔ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان چاندار سول مسئولہ عبدالرحیم احمد آبادی ۲۲رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجدوں کے دروازوں پر گھنٹا لگا کر پنجوقتہ نمازوں کے وقت پر بجانا مشابہت کفار ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سخت حرام اور ناپاک وملعون فعل کفار ملعونین سے پورا پورا تشبّہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۸۳) از اکلترا ضلع بلاسپور۔ سی پی مسئولہ عبدالغنی امام مسجد جامع ۲۴رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مؤذن روزہ نہیں رکھتا کتنی ہی بار امام سے لڑنے پر آمادہ ہُوا امام سے کہا زیادہ بات کرے گا تو پٹک کر نالی میں موڑ رگڑ دُوں گا ایک ہی نمبر کا لالچی گانے والا بھانڈ بھی مسخرا چور بھی مسجد کے چار قفل چوری کیے پتا لگنے پر کہا تم نے دو دیے تھے ابھی تک وہ مسروق قفل اس کے پاس ہیں امام پر بہتان لگاتا ہے کہ تم مسجد کی لالٹین کا تیل چوری کرتے ہو حالانکہ کبھی نہیں دیکھا امام کہتا ہے اگر ثبوت مل جائے تو میرا ہاتھ کاٹ لو بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پر بھی تو کبھی درود شریف پڑھتے نہیں سُنا اور ۱۵رمضان کو عین جماعتِ فجر کے وقت جھاڑو دیتا تھا میں نے کہا ابھی جھاڑو نہ دو تو جماعت کے سامنے کہنے لگا کہ مُوت مُوتو آگ نہ مُوتو، بے حیا لڑاکا فسادی ہے ایک روزہ دار مسافر کو بھی بہکاتا تھا لہٰذا اس مؤذن کے متعلق فتوے سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

اگر یہ باتیں واقعی ہیں تو وہ مؤذن سخت فاسق فاجر ہے اُسے مؤذن بنانے کی ہرگز اجازت نہیں اُسے معزول کرنا لازم، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الامام ضامن والمؤذن مؤتمن**[1] (امام ذمہ دار ہے اور مؤذن امین ہے) **رواہ ابوداود والترمذی**

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الامام ضامن الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹، سنن ابی داؤد باب مایجب علی المؤذن مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۷

وابن حبان والبھیقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند صحیح (اسے ترمذی، ابن حبان اور بہیقی نے سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

اور ظاہر ہے کہ فاسق امین نہیں ہوسکتا ولہذا مقصود اذان کہ اعلام باوقات نماز وسحری وافطار ہے فاسق کی اذان سے حاصل نہیں ہوسکتا، تنویر میں ہے:

یجوز اذان صبی مراھق وعبد واعمی[1]۔	قریب البلوغ بچّے، غلام اور نابینا کی اذان جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان قولھم مقبول فی الامور الدینیۃ، فیکون ملزمًا، فیحصل بہ الاعلام بخلاف الفاسق[2]۔	کیونکہ ان کا قول امور دینیہ میں معتبر ہے لہذا ان کا قول ملزم ہوگا اور اس کے ساتھ اعلام حاصل ہوجائیگا بخلاف فاسق کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ مماقدمناہ من انہ لایحصل الاعلام من غیرالعدل ولایقبل قولہ انہ لایجوز الاعتماد علی المبلغ الفاسق خلف الامام[3]۔	ہمارے سابقہ بیان سے واضح ہوچکا ہے کہ اعلام بغیر عدل کے حاصل نہیں ہوسکتا اور اس کا قول قبول نہیں کیا جائیگا یعنی امام کے پیچھے فاسق مکبّر پر اعتماد جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وجزم المصنّف بعدم صحۃ اذان مجنون ومعتوہ وصبی لایعقل قلت وکافر وفاسق لعدم قبول قولہ فی الدیانات[4]۔	مصنّف نے دیوانے، ناقص العقل، ناسمجھ بچّے کی اذان پر عدمِ صحت کے ساتھ جزم کیا ہے۔ میں کہتا ہوں اور کافر وفاسق بھی اس مثال میں شامل ہیں، کیونکہ ان کا قول امور دینیہ میں معتبر نہیں۔ (ت)

---

[1] دُرمختار شرح تنویر الابصار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

[2] تبیین الحقائق باب الاذان مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۹۴

[3] ردالمحتار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۰

[4] درمختار مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۴

غنیہ میں ہے:

یجب اعادۃ اذان السکران والمجنون والصبی غیر العاقل لعدم حصول المقصود لعدم الاعتماد علی قولهم [1] اھ وقد نقله فی ردالمحتار واقرہ بل ایدبه بحث البحر فلاوجه لبحثه فی الفاسق وقدسلم عدم حصول المقصود باذانه کماتقدم۔	نشہ کرنے والے، دیوانے، نابالغ بچہ کی اذان لوٹائی جائیگی کیونکہ ان کے قول پر عدمِ اعتماد کی وجہ سے مقصود حاصل نہیں ہوپاتا اھ ردالمحتار میں اسے نقل کرکے ثابت رکھا بلکہ بحر کی عبارت سے اس کی تائید کی پس فاسق کے بارے میں بحث کی حاجت ہی نہیں کیونکہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس کی اذان سے اعلام کا حصول مسلّمہ طور پر نہیں ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ (۳۰۴) از سینٹوریم ضلع نینی تال مسئولہ سراج علی خاں صاحب قادری رضوی بریلوی ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں نمازِ جماعت کے لئے اذانِ پنجوقتہ کیااہمیت رکھتی ہے مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ دوچار شخص جماعت سے نماز پڑھیں تواذان ضروری ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد میں پانچوں وقت جماعت سے پہلے اذان سنّتِ مؤکدہ قریب بواجب ہے اور اس کا ترک بہت شنیع، یہاں تک کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر کسی شہر کے لوگ اذان دینا چھوڑدیں تو میں ان پر جہاد کروں گا، شہر میں اگر کچھ لوگ مکان یا دُکان یا میدان میں اذان نہ کہیں تو حرج نہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: **اذان الحی یکفینا** [2] محلّہ کی اذان ہمیں کفایت کرتی ہے،

یوں ہی مسافر کوترک اذان کی اجازت ہے لیکن اگر اقامت بھی ترک کرے گاتومکروہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ (۳۸۵) از بریلی بازار مسئولہ عزیز الدین خاں دُکاندار ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ نماز سے قبل صلاۃ پکارنا اور اذان ثانی باہر مسجد کے کہنا وہابیہ کا کام ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نماز سے پہلے صلاۃ پکارنا مستحسن ہے حرمین شریفین وتمام بلاد دارالاسلام میں رائج ہے اسے وہابیہ کا کام

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۸۹

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

کہنا عجیب ہے وہابیہ ہی اسے بُرا کہتے ہیں، اذانِ ثانی امام کے سامنے منبر کے محاذی مسجد کے باہر ہونا ہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت ہے صدیق اکبر کی سنّت ہے، فاروق اعظم کی سنّت ہے، اُسے وہابیہ کا کام کہنا محض جہالت وحماقت ہے اگر یہ شخص جاہل ہے کسی احمق سے سُنی سنائی ایسی کہتا ہے اُس کے مذہب میں کوئی فتور نہیں اور فاسق معلن بھی نہیں اور اس کی طہارت وقراءت صحیح ہے توان شرائط کے ساتھ اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین ۱۳۰۱ھ

(انگوٹھے چُومنے کے سبب آنکھوں کا روشن ہونا) ۱۳۰۱ھ

مسئلہ (۳۸۶) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان میں کلمہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجرُوا۔

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللہ الذی نورعیون المسلمین بنورعین اعیان المرسلین، والصّلاۃ والسلام علی نور العیون سرورالقلب المحزون محمدنالرفیع ذکرہ فی الصلاۃ والاذان، والجیب اسمہ عند اھل الایمان، وعلٰی اٰلہ وصحبہ	تمام خُوبیاں اللہ کے لئے جس نے گروہِ انبیاء ومرسلین کے سربراہ کے نور سے تمام مسلمانوں کی آنکھوں کو روشنی بخشی، صلاۃ وسلام ہو اس پر جو آنکھوں کا نور، پریشان دلوں کا سرور یعنی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کا ذکر اذان ونماز میں بلند ہے۔ جس کا اسم گرامی اہلِ ایمان کے ہاں نہایت ہی محبوب ہے اور آپ کی آل واصحاب پر

والمشروحة صدورهم لجلال اسراره والمفتوحة عيونهم بجمال انواره.واشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له،وان محمّداعبده ورسوله بالهدى ودين الحق ارسله صلى الله تعالٰى عليه وعلى اٰله وصحبه اجمعين،وعلينا معهم وبهم ولهم ياارحم الراحمين اٰمين.قال العبدالذليل للمولى الجليل عبدالمصطفٰى احمدرضاالمحمدى السنى الحنفى القادرى البركاتى البريلوى.نورالله عيونه واصلح شيونه مستعيذا برب الفلق من شر ما خلق وحامدالله على ما الهم ووفق۔	جن کے مبارک سینے آپ کے اسرار ورموز کے جلال کیلئے کھول دئے،اور ان کی آنکھوں کوآپ کے انوار جمال سے منور فرمایا،میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ،لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں جن کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا،اور ہم پر بھی رحمت ہو ان کے ساتھ،ان کے سبب اور ان کے صدقہ میں یاارحم الراحمین،مولٰی جلیل کا عبدِ ذلیل عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی،سُنّی،حنفی،قادری،برکاتی،بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کی آنکھوں کو منور فرمائے اور اس کے تمام احوال کی اصلاح کرے درانحالیکہ وہ رب الفلق کی پناہ میں آتا ہے تمام مخلوق کے شر سے اور حمد کرتا ہے اللہ کی اس پر جو اس نے عطا کی اور اس کی توفیق دے۔(ت)

الجواب:

حضور پُر نور شفیع یوم النشور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعًا جائز،جس کے جواز پر مقام تبرع میں دلائل کثیرہ قائم،اور خود اگر کوئی دلیل خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لئے دلیل کافی تھا،جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمّہ ہے کہ قائل جواز متمسک باصل ہے اور متمسک باصل محتاج دلیل نہیں،پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشاد علما وعمل قدیم سلف صلحا سب کچھ موجود۔علمائے محدثین نے اس باب میں حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وحضرت ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا امام حسن وحسین وحضرت نقیب اولیائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا ابوالعباس خضر علی الحبیب الکریم وعلیہم جمیعا الصلاۃ والتسلیم وغیرہم اکابر دین سے حدیثیں روایت فرمائیں جس کی قدرے تفصیل امام علّامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب مستطاب مقاصد حسنہ میں ذکر فرمائی اور جامع الرموز شرح نقایۃ،مختصر الوقایۃ وفتاوٰی صوفیہ وکنز العباد وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب واستحسان کے صاف تصریح آئی،ان میں اکثر کتابیں خود مانعین اور ان کے اکابر وعمائد مثل متکلم قنوجی

وغیرہ کے مستندات سے ہیں اور اُن حدیثوں کے بارے میں اُن محدثین کرام و محققین اعلام نے جو تصحیح و تضعیف و تجریح و توثیق میں دائرہ اعتدال سے نہیں نکلتے اور راہِ تساہل و تشدّد نہیں چلتے حکمِ اخیر وخلاصہ بحث وتنقیح یہ قرار دیا کہ خود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جو حدیثیں یہاں روایت کی گئیں باصطلاح محدثین درجہ صحت کو فائز نہ ہوئیں، مقاصد میں فرمایا:

لایصحّ فی المرفوع مِنْ کُلّ ھٰذا شیئٌ [1]۔	بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔(ت)

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں:

کل مایروی فیئ ھٰذا فلایصح رفعه البتة [2]۔	اس بارے میں جو بھی روایات بیان کی گئی ہیں ان کا مرفوع ہونا حتمی صحیح نہیں۔(ت)

علامہ ابن عابدین شامی قدس سرّہ السامی ردالمحتار میں علّامہ اسمٰعیل جراحی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل فرماتے ہیں:

لَمْ یصِحَّ فِی الْمَرْفُوْعِ مِنْ کُلِّ ھٰذَا شَیئٌ [3]۔	بیان کردہ مرفوع احادیث میں کوئی بھی درجہ صحت پر فائز نہیں۔(ت)

پھر خادمِ حدیث پر روشن کہ اصطلاح محدثین میں نفیِ صحت نفیِ حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفی صلاح وتماسک وصلوح تمسک، نہ کہ دعوی وضع کذب، تو عندالتحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاح محدثین حکمِ صحت صحیح نہیں یونہی حکمِ وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بتصریح ائمہ فن کثرتِ طُرق سے جبر نقصان متصوّر اور عملِ علمأ وقبولِ قُدما حدیث کے لئے قوی، دیگر اور نہ سہی تو فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول، اور اس سے بھی گزرے تو بلاشُبہہ یہ فعل اکابرِ دین سے مروی ومنقول اور سلف صالح میں حفظ صحتِ بصر وروشنائی چشم کے لئے مجرب اور معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہو تو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلاً نقل بھی نہ ہو تو صرف تجربہ وافی کہ آخر اُس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنّتِ ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفی صحت کو احادیث مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیثِ موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے پھر یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے، ولہٰذا مولٰنا علی قاری نے عبارتِ مذکورہ کے بعد فرمایا:

قلت واذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی الله	یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی اس فعل کا ثبوت

---

[1] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۵

[2] الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ (موضوعات کبرٰی) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[3] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۳

تعالٰی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلاۃ والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین [1]۔	عمل کو بس ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میں تم پر لازم کرتا ہُوں اپنی سنّت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

توصدیق سے کسی شَے کا ثبوت بعینہٖ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت ہے اگرچہ بالخصوص حدیث مرفوع درجہ صحت تک مرفوع نہ ہو، امام سخاوی المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث الدائرۃ علی الالسنۃ میں فرماتے ہیں:

حدیث: مسح العینین بباطن انملتی السبابتین بعد تقبیلهما عندسماع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مع قوله اشهد ان محمدا عبده ورسوله رضیت بالله ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم نبیا ذکره الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انه لماسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله قال هذا وقبل باطن الانملتین السبابتین ومسح عینیه فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم مَنْ فَعَلَ مِثْلَ مَا فَعَلَ خَلِیْلِیْ فَقَدْ حَلَّتْ عَلَیْهِ شَفَاعَتِیْ وَلَایَصِحّ [2]۔	یعنی مؤذن سے اشھد انّ محمداً رسول اللہ سُن کر انگشتانِ شہادت کے پورے جانبِ باطن سے چُوم کر آنکھوں پر ملنااور یہ دُعاپڑھنا اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا ط اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں حدیث سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب اس جناب نے مؤذن کو اشھد انّ محمداً رسول اللہ کہتے سُنا یہ دُعاپڑھی اور دونوں کلمے کی انگلیوں کے پورے جانب زیریں سے چُوم کر آنکھوں سے لگائے، اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو ایسا کرے جیسا میرے پیارے نے کیا اس کے لئے میری شفاعت حلال ہوجائے، اور یہ حدیث اس درجہ کو نہ پہنچی جسے محدثین اپنی اصطلاح میں درجہ صحت نام رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا:

وکذا ما اوردہ ابو العباس احمد بن ابی بکرؒ	یعنی ایسے ہی وہ حدیث کہ حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ (موضوعات کبرٰی) حدیث ۸۲۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

[2] المقاصد الحسنۃ حروف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۴

الرداد الیمانی المتصوف فی کتابہ "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" بسند فیه مجاھیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام انه قال من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول الله ،مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبدالله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ،ثم یقبل ابھامیه ویجعلھما علی عینیه لم یرمد ابدا [1]	رداد یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرہ" میں ایسی سند سے جس میں مجاہیل ہیں اور منقطع بھی ہے حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کی کہ وہ ارشاد فرماتے ہیں جو شخص مؤذّن سے اشھد ان محمدا رسول اللہ سن کر مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے پھر دونوں انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

ثم روی بسند فیه من لم اعرفه عن اخی الفقیه محمد بن البابا فیما حکی عن نفسه انه ھبت ریح،فوقعت منه حصاۃ فی عینه فاعیاہ خروجھا والمته اشد الالم ،وانه لماسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدا رسول الله ،قال ذلك فخرجت الحصاۃ من فورہ،قال الرداد رحمه الله تعالٰی،وھذا یسیر فی جنب فضائل الرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2]۔	یعنی پھر ایسی سند کے ساتھ جس کے بعض رواۃ کو میں نہیں پہچانتا فقیہ بن البابا کے بھائی سے روایت کی کہ وہ اپنا حال بیان کرتے تھے ایک بار ہوا چلی ایک کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی نکالتے تھک گئے ہر گز نہ نکلی اور نہایت سخت درد پہنچایا انہوں نے مؤذن کو اشھد ان محمدا رسول اللہ کہتے ہوئے یہی کہا فورًا نکل گئی رداد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کے حضور اتنی بات کیا چیز ہے۔

پھر فرمایا:

وحکی الشمس محمد بن صالح نالمدنی امامھا وخطیبھا فی تاریخه عن المجد احد القدماء من المصریین ،انه سمعه یقول من صلی	یعنی شمس الدین محمد بن صالح مدنی مسجد مدینہ طیبہ کے امام وخطیب نے اپنی تاریخ میں مجد مصری سے کہ سلف صالح میں تھے نقل کیا کہ میں نے اُنہیں فرماتے سُنا

[1] المقاصد الحسنۃ حروف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنۃ حروف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاسمع ذکرہ فی الاذان، وجمع اصبعیہ المسبحۃ والابھام وقبلھا ومسح بھما عینیہ لم یرمد ابدا[1]۔	جو شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک اذان میں سُن کر کلمہ کی اُنگلی اور انگوٹھا ملائے اور انہیں بوسہ دے کر آنکھوں سے لگائے اُس کی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح، وسمعت ذلک ایضا من الفقیہ محمد بن الزرندی عن بعض شیوخ العراق اوالعجم انہ یقول عندمایمسح عینیہ، صلی اللہ علیک یاسیدی یارسول اللہ یاحبیبَ قلبی ویانورَ بصری ویاقرۃ عینی، وقال لی کل منھما منذفعلہ لم ترمد عینی[2]۔	یعنی ابن صالح فرماتے ہیں میں نے یہ امر فقیہ محمد بن زرندی سے بھی سنا کہ بَعض مشائخ عراق یا عجم سے راوی تھے اور اُن کی روایت میں یوں ہے کہ آنکھوں پر مَس کرتے وقت یہ درود عرض کرے صَلّی اللہُ عَلَیک یاسَیدیْ یا رَسُولَ اللہ یاحَبِیبَ قَلبِیْ وَیانُورَ بَصَرِیْ وَیاقُرَّۃَ عَینِیْ، اور دونوں صاحبوں یعنی شیخ مجد وفقیہ محمد نے مجھ سے بیان کیا کہ جب سے ہم یہ عمل کرتے ہیں ہماری آنکھیں نہ دُکھیں۔

پھر فرمایا:

قال ابن صالح واناوللہ الحمد والشکر منذسمعتہ منھما استعملتہ، فلم ترمد عینی وارجو ان عافیتھما تدوم وانی اسلم من العمی ان شاء اللہ تعالٰی[3]۔	یعنی امام ابن صالح ممدوح نے فرمایا اللہ کے لئے حمد وشکر ہے جب سے مَیں نے یہ عمل اُن دونوں صاحبوں سے سُنا اپنے عمل میں رکھا آج تک میری آنکھیں نہ دُکھیں اور اُمید کرتا ہوں کہ ہمیشہ اچھی رہیں گی اور میں کبھی اندھا نہ ہوں گا اِن شاء اللہ تعالٰی۔

پھر فرمایا:

قال وروی عن الفقیہ محمد بن سعید الخولانی قال اخبرنی الفقیہ العالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید الحسینی، اخبرنی الفقیہ الزاھد ابلالی	یعنی یہی امام مدنی فرماتے ہیں فقیہ محمد سعید خولانی سے مروی ہُوا کہ انہوں نے فرمایا مجھے فقیہ عالم ابوالحسن علی بن محمد بن حدید حسینی نے خبر دی کہ مجھے فقیہ زاہد بلالی نے

[1] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[3] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

عن الحسن علیہ السلام ، انہ قال، من قال حین یسمع المؤذن یقول اشھد ان محمدًا رسول اللہ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، ویقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد[1]۔	حضرت امام حسن علی جدہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے خبر دی کہ حضرت امام نے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کو اشھد ان محمدًا رسول اللہ کہتے سُن کر یہ دعا پڑھے مَرْحَبًا بِحَبِیْبِیْ وَقُرَّۃَ عَیْنِیْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ط اور اپنے انگوٹھے چُوم کر آنکھوں پر رکھے نہ کبھی اندھا ہو نہ آنکھیں دُکھیں۔

پھر فرمایا:

وقال الطاؤسی، انہ سمع من الشمس محمد بن ابی نصر البخاری خواجہ، حدیث من قبل عند سماعہ من المؤذن کلمۃ الشھادۃ ظفری ابھامیہ ومسھما علی عینیہ، وقال عند المس "اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونورھما لم یعم[2]۔	یعنی طاؤسی فرماتے ہیں اُنہوں نے خواجہ شمس الدین محمد بن ابی نصر بخاری سے یہ حدیث سُنی کہ جو شخص مؤذن سے کلماتِ شہادت سُن کر انگوٹھوں کے ناخن چُومے اور آنکھوں سے ملے اور یہ دُعا پڑھے اَللّٰھُمَّ احْفَظْ حَدَقَتَیَّ وَنُوْرَھُمَا بِبَرَکَۃِ حُدَقَتَیْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنُوْرَھُمَا، اندھا نہ ہو۔

شرح نقایہ میں ہے:

واعلم انہ یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیۃ "صلی اللہ تعالٰی علیك یارسول اللہ "وعند الثانیۃ منھا "قرۃ عینی بك یارسول اللہ "ثم یقال "اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین "فانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکون قاعدًا لہ	یعنی خبر دار ہو بیشک مستحب ہے کہ جب اذان میں پہلی بار اشھد ان محمدًا رسول اللہ سُنے صَلَّی اللہُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہِ ط کہے اور دوسری بار قُرَّۃَ عَیْنِیْ بِكَ یَارَسُوْلَ اللہِ ط پھر انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ ط کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اُسے جنّت میں لے جائیں گے، ایسا ہی کنز العباد

[1] المقاصد الحسنۃ باب المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۴

[2] المقاصد الحسنۃ باب المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۳۸۵

الی الجنۃ کذافی کنز العباد[1]۔	میں ہے۔

علّامہ شامی قدس سرّہ السّامی اسے نقل کرکے فرماتے ہیں: ونحوہ فی الفتاوی الصّوفیۃ[2] یعنی اسی طرح امام فقیہ عارف باللہ سیدی فضل اللہ بن محمد بن ایوب سہر وردی تلمیذ امام علّامہ یوسف بن عمر صاحب جامع المضمرات شرح قدوری قدس سرہما نے فتاوٰی صوفیہ میں فرمایا) شیخ مشایخنا خاتم المحققین سید العلماء الحنفیہ بمکّۃ المحمیہ مولٰنا جمال بن عبداللہ عمر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

سئلت عن تقبیل الابھامین ووضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان، ھل ھو جائز ام لا، اجبت بمانصہ نعم تقبیل الابھامین ووضعھما علی العینین عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاذان جائز، بل ھو مستحب صرح بہ مشایخنا فی غیر ما کتاب[3]۔	یعنی مجھ سے سوال ہوا کہ اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر شریف سُن کر انگوٹھے چُومنا اور آنکھوں پر رکھنا جائز ہے یا نہیں، میں نے ان لفظوں سے جواب دیا کہ ہاں اذان میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں پر رکھا جائز بلکہ مستحب ہے ہمارے مشایخ نے متعدد کتابوں میں اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔

علامہ محدث محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی "تکملہ مجمع بحار الانوار" میں حدیث کو صرف لایصح فرماکر لکھتے ہیں: وروی تجربۃ ذلک عن کثیرین[4] یعنی اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئیں۔

فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتا ہے، اب طالب تحقیق وصاحب تدقیق، افادات چند نافع وسودمند پر لحاظ کرے، تاکہ بحول اللہ تعالٰی چہرہ حق سے نقاب اُٹھے اور صدر کلام میں جن لطیف مباحث پر ہم نے نہایت اجمالی اشارے کیے اُن کی قدرے تفصیل زیور گوشِ سامعین بنے کہ یہاں بسط کامل وشرح کافل کے لئے تو دفتر وسیط، بلکہ مجلد بسیط درکار واللہ الموفق ونعم المعین فاقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق۔

افادہ اوّل: (حدیث صحیح نہ ہونے کے یہ معنٰی نہیں کہ غلط ہے) محدثین کرام کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے، بلکہ صحیح اُن کی اصطلاح میں ایک اعلٰی درجہ کی حدیث ہے

---

[1] جامع الرموز فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

[2] فتاوٰی جمال بن عبداللہ عمر مکی

[3] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیینی بعض الاجابت المشتہرۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/۵۱۱

[4]

جس کے شرائط سخت ودشوار اور موانع وعلائق کثیر وبسیار، حدیث میں اُن سب کا اجتماع اور اِن سب کا ارتفاع کم ہوتا ہے، پھر اس کمی کے ساتھ اس کے اثبات میں سخت دقتیں، اگر اس مبحث کی تفصیل کی جائے کلام طویل تحریر میں آئے ان کے نزدیک جہاں ان باتوں میں کہیں بھی کمی ہوئی فرمادیتے ہیں "یہ حدیث صحیح نہیں" یعنی اس درجہ علیا کو نہ پہنچی، اس سے دوسرے درجہ کی حدیث کو حَسَن کہتے ہیں یہ باآنکہ صحیح نہیں پھر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہوتی ورنہ حَسن ہی کیوں کہلاتی، فقط اتنا ہوتا ہے کہ اس کا پایہ بعض اوصاف میں اس بلند مرتبے سے جھکا ہوتا ہے، اس قسم کی بھی سیکڑوں حدیثیں صحیح مسلم وغیرہ کتب صحاح بلکہ عندالتحقیق بعض صحیح بخاری میں بھی ہیں، یہ قسم بھی استناد واحتجاج کی پُوری لیاقت رکھتی ہے۔ وہی علماء جو اُسے صحیح نہیں کہتے برابر اُس پر اعتماد فرماتے اور احکامِ حلال وحرام میں حجت بناتے ہیں، امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمہ اللہ تعالٰی حلیہ شرح منیہ عہ۱ میں فرماتے ہیں:

قول الترمذی "لایصح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی هذا الباب شیئ" انتھٰی لاینفی وجود الحسن ونحوہ والمطلوب لایتوقف ثبوته علی الصحیح، بل کمایثبت به یثبت بالحسن ایضا[1]۔	ترمذی کا یہ فرمانا کہ اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں ملی انتہی حسن اور اُس کے مثل کی نفی نہیں کرتا اور ثبوت مقصود کچھ صحیح ہی پر موقوف نہیں، بلکہ جس طرح اس سے ثابت ہوتا ہے یونہی حسن سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

اُسی عہ۲ میں ہے:

علی المشی علی مقتضی الاصطلاح الحدیثی لایلزم من نفی الصحة نفی الثبوت علی وجه الحسن[2]۔	یعنی اصطلاح علم حدیث کی رُو سے صحت کی نفی حسن ہو کر ثبوت کی نافی نہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعقِ محرقہ عہ۳ میں فرماتے ہیں:

قول احمد "انه حدیث لایصح ای	یعنی امام احمد کا فرمانا کہ یہ حدیث صحیح نہیں، اس کے

عہ۱: ذکرہ فی مسئلة المسح بالمندیل بعد الوضوء ۱۲ منه :عہ۲: آخر صفة الصلاۃ قبیل فصل فیماکرہ فعله فی الصلٰوۃ ۱۲ منه :عہ۳: ذکرہ فی حدیث التوسعة علی العیال یوم العاشوراء فی اٰخر الفصل الاول من الباب الحادی عشر قبیل الفصل الثانی ۱۲ منه	وضو کے بعد تولیہ استعمال کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ ۱۲منہ (ت) صفۃ الصلٰوۃ کے آخر میں فیما کرہ فعلہ فی الصلٰوۃ سے تھوڑا پہلے اسے ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت) گیارھویں باب کی فصل اول کے آخر اور فصل ثانی سے تھوڑا پہلے عاشورا کے دن اہل وعیال پر وسعت والی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] حلیۃ المحلی
[2] حلیۃ المحلی

لذاته فلاینفی کونه حسنا لغیره، والحسن لغیره یحتج به کما بین فی علم الحدیث [1]۔	یہ معنے ہیں کہ صحیح لذاتہ نہیں تو یہ حسن لغیرہ ہونے کی نفی نہ کریگااور حسن اگرچہ لغیرہ ہو حجت ہے جیسا کہ علمِ حدیث میں بیان ہوچکا۔

سند الحفاظ امام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اذکار امام نووی کی تخریج احادیث میں فرماتے ہیں:

من نفی الصحة لاینتفی الحسن [2] اھ لایصح ملخصا	ملخصا یعنی صحت کی نفی سے حدیث کا حسن ہونا منتفی نہیں ہوتا۔اھ ملخصا

یہی امام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں:

هذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج به وان کان دونه [3]۔	یعنی حدیث حسن لذاتہ اگرچہ صحیح سے کم درجہ میں ہے مگر حجت ہونے میں صحیح کی شریک ہے۔

مولٰنا علی قاری موضوعاتِ کبیر میں فرماتے ہیں:

لایصح لاینافی الحسن [4] اھ ملخصا	یعنی محدثین کا قول کہ یہ حدیث صحیح نہیں اُس کے حسن ہونے کی نفی نہیں کرتا۔اھ ملخصا

سیدی نورالدین علی سمہودی جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں فرماتے ہیں:

قدیکون غیر صحیح وهوصالح للاحتجاج به، اذالحسن رتبة بین الصحیح والضعیف [5]۔	یعنی کبھی حدیث صحیح نہیں ہوتی اور باوجود اس کے وہ قابلِ حجّت ہے،اس لئے کہ حسن کا رتبہ صحیح وضعیف کے درمیان ہے۔

حدیث کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ینهی ان ینتعل الرجل قائما [6] (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کھڑے ہو کر جوتا پہننے سے منع فرمایا۔ت) کو امام ترمذی نے جابر وانس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرکے فرمایا:

---

[1] الصواعق المحرقۃ الفصل الاول فی الآیات الواردۃ فیہم مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۵

[2] نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار

[3] نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر بحث حدیث حسن لذاتہ مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳۳

[4] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۹۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[5] جواہر العقدین فی فضل الشرفین

[6] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۰۹

کلا الحدیثین لایصح عند اھل الحدیث [1]۔	دونوں حدیثیں محدثین کے نزدیک صحیح نہیں۔

علامہ عبدالباقی زرقانی شرح مواہب میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں عـــہ:

نفیہ الصحۃ لاینافی انہ حسن کما علم [2]۔	صحت کی نفی حسن ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ معلوم ہوچکا ہے۔

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدّث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

حکم بعدم صحت کردن بحسب اصطلاح محدثین غرابت ندارد چہ صحت در حدیث چنانچہ در مقدمہ معلوم شد درجہ اعلٰی ست دائرہ آں تنگ ترجمیع احادیث کہ در کتب مذکور ست، حتی دریں شش کتاب کہ آنرا صحاح ستہ گویند ہم بہ اصطلاح ایشاں صحیح نیست، بلکہ تسمیہ آنہا صحاح باعتبار تغلیب ست [3]۔	اصطلاح محدثین میں عدمِ صحت کا ذکر غرابت کا حکم نہیں رکھتا کیونکہ حدیث کا صحیح ہونا اس کا اعلٰی ترین درجہ ہے جیسا کہ مقدمہ میں معلوم ہوچکا ہے اور اس کا دائرہ نہایت ہی تنگ ہے تمام احادیث جو کتابوں میں مذکور ہیں حتی کہ ان چھ ۶ کتب میں بھی جن کو صحاح ستّہ کہا جاتا ہے۔ محدثین کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں ہیں بلکہ ان کو تغلیبًا صحیح کہا جاتا ہے۔ (ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں امام محقق علی الاطلاق سیدی کمال الحق والدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول:

وقول من یقول فی حدیث انہ لم یصح ان سلم لم یقدح لانہ الحجیۃ لاتتوقف علی الصحۃ بل الحسن کاف [4]۔	یعنی کسی حدیث کی نسبت کہنے والے کا یہ کہنا کہ وہ صحیح نہیں اگر مان لیا جائے تو کچھ حرج نہیں ڈالتا کہ حجیت کچھ صحیح ہونے پر موقوف نہیں بلکہ حسن کافی ہے۔

عـــہ: المقصد الثالث النوع الثانی ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)	تیسرے مقصد دوسری نوع نعلِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر میں اس کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المشی فی النعل الواحدۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲۰۹/۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۵۵/۵

[3] شرح صراط المستقیم لعبدالحق المحدث الدہلوی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۵۰۲

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی الصلاۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۸/۳

تو یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ صحتِ حدیث سے انکار نفی حسن میں بھی نص نہیں جس سے قابلیت احتجاج منتفی ہو نہ کہ صالح ولائق اعتبار نہ ہونا نہ کہ محض باطل وموضوع ٹھہرنا جس کی طرف کسی جاہل کا بھی ذہن نہ جائیگا کہ صحیح وموضوع دونوں ابتداء وانتہاء کے کناروں پر واقع ہیں، سب سے اعلیٰ صحیح اور سب سے بدتر موضوع اور وسط میں بہت اقسامِ حدیث ہیں درجہ بدرجہ، (حدیث کے مراتب اور اُن کے احکام) مرتبہ صحیح کے بعد حسن لذاتہٖ بلکہ صحیح لغیرہ پھر حسن لذاتہ، پھر حسن لغیرہ، پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیتِ اعتبار باقی رکھے جیسے اختلاطِ راوی یا سُوءِ حفظ یا تدلیس وغیرہا، اوّل کے تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخر کی قسم صالح، یہ متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوّت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہوجاتی ہے، اُس وقت وہ صلاحیت احتجاج وقبول فی الاحکام کا زیور گرانبہا پہنتی ہے، ورنہ در بارہ فضائل توآپ ہی مقبول وتنہا کافی ہے، پھر درجہ ششم میں ضعف قوی ووہن شدید ہے جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جُدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقًا اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے، کماسَنُبَیِّنُه اِن شاء الله تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب ان کی تفصیلات آرہی ہیں۔ت) پھر درجہ ہفتم میں مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع کذاب یا متہم بالکذب پر ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کے رُو سے مطلقًا اور ایک اصطلاح پر اس کی نوعِ اشد یعنی جس کا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظرِ تدقیق میں یوں کہیے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے۔ ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابلِ انجبار، نہ فضائل وغیرہا کسی باب میں لائق اعتبار، بلکہ اُسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں محض مجعول وافترا ہے، والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی۔ وسیرد علیک تفاصیل جل ذلک ان شاء اللہ العلی الاعلٰی (اس کی روشن تفاصیل ان شاء اللہ تعالٰی آپ کے لئے بیان کی جائیں گی۔ت) طالبِ تحقیق ان چند حرفوں کو یاد رکھے کہ باوصف وجازت محصل وملخص علم کثیر ہیں اور شاید اس تحریر نفیس کے ساتھ ان سطور کے غیر میں کم ملیں۔ وللہ الحمد والمنۃ (سب خوبیاں اور احسان اللہ تعالٰی کیلئے ہے۔ت) خیر بات دُور پڑتی ہے کہنا اس قدر ہے کہ جب صحیح اور موضوع کے درمیان اتنی منزلیں ہیں توانکارِ صحت سے اثباتِ وضع ماننا زمین وآسمان کے قلابے ملانا ہے، بلکہ نفیِ صحت اگر بمعنی نفیِ ثبوت ہی لیجئے یعنی اُس فرقہ محدثین کی اصطلاح پر جس کے نزدیک ثبوت صحت وحسن دونوں کو شامل، تاہم اُس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ صحیح وحسن نہیں نہ کہ باطل وموضوع ہے کہ حسن موضوع کے بیچ میں بھی دُور دراز میدان پڑے ہیں۔

میں اس واضح بات پر سندیں کیا پیش کرتا مگر کیا کیجئے کہ کام اُن صاحبوں سے پڑا ہے جو اغوائے عوام کے لئے دیدہ ودانستہ محض اُمّی عامی بن جاتے اور مہر منیر کو زیر دامن مکر وتزویر چھپانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا کلماتِ علماء سے اس روشن

مقدمہ کی تصریحیں لیجئے:

[1]امام سند الحفّاظ و [2]امام محقق علی الاطلاق و [3]امام حلبی و [4]امام مکی و [5]علامہ زرقانی و [6]علامہ سمہودی و [7]علامہ ہروی کی عبارات کہ ابھی مذکور ہوئیں بحکم دلالۃ النص وفحوی الخطاب اس دعوی بینہ پر دلیل مبین کہ جب نفیِ صحت سے نفیِ حسن تک لازم نہیں تو اثباتِ وضع تو خیال محال سے ہمدوش وقرین۔

(حدیث کے صحیح نہ ہونے اور موضوع ہونے میں زمین آسمان کا فرق ہے) تاہم عبارات النص سُنئے:

امام بدرالدین زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح پھر امام جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ پھر علامہ علی بن محمد بن عراق کنانی تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعہ الموضوعہ پھر علامہ محمد طاہر فتنی خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، فان الوضع اثبات الکذب والاختلاق، وقولنا لم یصح لا یلزم منه اثبات العدم، وانما هو اخبار عن عدم الثبوت، وفرق بین الامرین [1]۔	یعنی ہم محدثین کا کسی حدیث کو کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور موضوع کہنا ان دونوں میں بڑا بل ہے، کہ موضوع کہنا تو اسے کذب وافتراء ٹھہرانا ہے اور غیر صحیح کہنے سے نفیِ حدیث لازم نہیں، بلکہ اُس کا حاصل تو سلب ثبوت ہے، اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہ لفظ لآلی کے ہیں اور اسی سے مجمع میں مختصراً نقل کیا، تنزیہ میں اس کے بعد اتنا اور زیادہ فرمایا:

وهذا یجیئ فی کل حدیث قال فیه ابن الجوزی "لایصح" او "نحوه" [2]۔	یعنی امام ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں جس جس حدیث کو غیر صحیح یا اس کے مانند کوئی لفظ کہا ہے ان سب میں یہی تقریر جاری ہے کہ ان اوصاف کے عدم سے ثبوت وضع سمجھنا حلیہ صحت سے عاطل وعاری ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں فرماتے ہیں:

لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعا [3]۔	یعنی حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

امام سیوطی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں:

اکثر ماحکم الذهبی علی هذا الحدیث،	یعنی بڑھ سے بڑھ اس حدیث پر امام ذہبی نے اتنا

[1] مجمع بحار الانوار فصل وعلومہ واصطلاحتہ نولکشور لکھنؤ ۵۰۶/۳

[2] تنزیہ الشریعۃ کتاب التوحید فصل ثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰/۱

[3] القول المسدد الحدیث السابع مطبوعہ دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۴۵

انه قال متن لیس بصحیح وھذا صادق بضعفه[1]۔	حکم کیا یہ متن صحیح نہیں، یہ بات ضعیف ہونے سے بھی صادق ہے۔

علی قاری موضوعات میں زیر بیان احادیث نقل فرماتے ہیں:

لایلزم عن عدم الصحة وجود الوضع کما لا یخفی[2]۔	یعنی کھلی ہُوئی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں آتا،

اسی میں روزِ عاشورا سُرمہ لگانے کی حدیث پر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی کا حکم "لایصح ھذا الحدیث" (یہ حدیث صحیح نہیں۔ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

قلت لایلزم من عدم صحته ثبوت وضعه وغایته انه ضعیف[3]۔	یعنی میں کہتا ہوں اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں، غایت یہ کہ ضعیف ہو۔

علامہ طاہر صاحبِ مجمع تذکرۃ الموضوعات میں امام سند الحفاظ عسقلانی سے ناقل:

ان لفظ "لایثبت" لایثبت الوضع فان الثابت یشمل الصحیح فقط، والضعیف دونه[4]۔	یعنی کسی حدیث کو بے ثبوت کہنے سے اس کی موضوعیت ثابت نہیں ہوتی کہ ثابت تو وہی حدیث ہے جو صحیح ہو اور ضعیف کا درجہ اس سے کم ہے۔

بلکہ مولٰنا علی قاری آخر موضوعات کبیر میں حدیث البطیخ قبل الطعام یغسل البطن غسلا ویذھب بالداء اصلا (کھانے سے پہلے تربوز کھانا پیٹ کو خُوب دھودیتا ہے اور بیماری کو جڑ سے ختم کردیتا ہے۔ت) کی نسبت قولِ امام ابن عساکر "شاذ لایصح" (یہ شاذ ہے صحیح نہیں۔ت) نقل کرکے فرماتے ہیں:

ھو یفید انه غیر موضوع کما لایخفی[5]۔	یعنی اُن کا یہ کہنا ہی بتارہا ہے کہ حدیث موضوع نہیں جیسا کہ خود ظاہر ہے۔

یعنی موضوع جانتے تو باطل یا کذب یا موضوع یا مفتری یا مختلق کہتے نفیِ صحت پر کیوں اقتصار کرتے، **فافھم**

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب بدء الخلق والانبیاء مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۹

[2] موضوعات ملا علی قاری بیان احادیث العقل حدیث ۱۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۱۸

[3] موضوعات ملا علی قاری بیان احادیث الاکتحال یوم عاشورا الخ حدیث ۱۲۹۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۴۱

[4] مجمع تذکرۃ الموضوعات الباب الثانی فی اقسام الواضعین کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۷

[5] موضوعات ملا علی قاری حدیث البطیخ قبل الطعام حدیث ۱۳۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۵۰

واللہ تعالٰی اعلم۔

تنبیہ: بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے ان متکلمین طائفۂ منکرین کا جہل شنیع وزور فظیع بوضوع تام طشت از بام ہوگیا جو کلمات علما مثل مقاصد حسنہ ومجمع البحار وتذکرۃ الموضوعات ومختصر المقاصد وغیرہا سے احادیث تقبیلِ ابہامین کی نفی صحت نقل کرکے بے دھڑک دعوٰی کردیتے ہیں کہ اُن کے کلام سے بخوبی ثابت ہوا کہ جو احادیث انگوٹھے چُومنے میں لائی جاتی ہیں سب موضوع ہیں اور یہ فعل ممنوع وغیر مشروع ہے، سبحان اللہ کہاں نفیِ صحت کہاں حکم وضع، کیا مزہ کی بات ہے کہ جہاں درجات متعددہ ہوں وہاں سب میں اعلٰی کی نفی سے سب میں ادنٰی کا ثبوت ہوجائیگا، مثلاً زید کو کہیے کہ بادشاہ نہیں تو اُس کے معنی یہ ٹھہریں کہ نانِ شبینہ کو محتاج ہے، یا متکلمینِ طائفہ کو کہئے کہ اولیا نہیں تو اس کا مطلب یہ قرار پائے کہ سب کافر ہیں **ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔**

افادہ دوم: (جہالتِ راوی سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے) کسی حدیث کی سند میں راوی کا مجہول ہونا اگر اثر کرتا ہے تو صرف اس قدر کہ اُسے ضعیف کہا جائے نہ کہ باطل وموضوع بلکہ علما کو اس میں اختلاف ہے کہ جہالت قادح صحت ومانع حجیت بھی ہے یا نہیں تفصیل مقام یہ کہ (مجہول کی اقسام اور ان کے احکام) مجہول کی تین قسمیں ہیں:

[1] اول مستور، جس کی عدالت ظاہری معلوم اور باطنی کی تحقیق نہیں، اس قسم کے راوی صحیح مسلم شریف میں بکثرت ہیں۔

[2] دوم مجہول العین، جس سے صرف ایک ہی شخص نے روایت کی ہو۔

وھذا علی نزاع فیہ، فان من العلماء من نفی الجھالۃ بروایۃ واحد معتمد مطلقا اواذاکان لایروی الاعن عدل عندہ، کیحیی بن سعید القطان وعبدالرحمن بن مھدی والامام احمد فی مسندہ، وھناك اقوال اُخر۔	اس قسم میں نزاع ہے بعض محدثین نے مطلقاً صرف ایک ثقہ راوی کی وجہ سے جہالت کی نفی کی ہے یا اس شرط کے ساتھ نفی کی ہے کہ وہ اس سے روایت کرتا ہے جو اس کے ہاں عادل ہے مثلاً یحیٰی بن سعید بن القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور امام احمد اپنی مسند میں اور یہاں دیگر اقوال بھی ہیں۔(ت)

[3] سوم مجہول الحال، جس کی عدالت ظاہری وباطنی کچھ ثابت نہیں **وقد یطلق علی مایشمل المستور** (کبھی اس کا اطلاق ایسے معنی پر ہوتا ہے جو مستور کو شامل ہوجائے۔ت)

قسم اوّل یعنی مستور تو جمہور محققین کے نزدیک مقبول ہے، یہی مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے، فتح المغیث میں ہے: **قبلہ ابوحنیفۃ خلافا للشافعی**[1] (امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے قبول

---

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث معرفۃ من تقبل روایتہ ومن ترد دار الامام الطبری بیروت ۲/ ۵۲

کرتے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں اختلاف رکھتے ہیں۔ت) امام نووی فرماتے ہیں یہی صحیح ہے۔

قاله فی شرح المهذب، ذکره فی التدریب، وکذلك مال الی اختیاره الامام ابوعمروبن الصلاح فی مقدمته، حیث قال فی المسئلة الثامنة من النوع الثالث والعشرین ویشبه ان یکون العمل علی هذا الرأی فی کثیر من کتب الحدیث المشهورة فی غیر واحد من الرواة الذین تقادم العهد بهم وتعذرت الخبرة الباطنة بهم [1]۔	یہ شرح المہذب میں ہے، تدریب میں بھی اسے ذکر کیا، امام ابوعمروبن الصلاح نے اپنے مقدمہ میں اسے ہی اختیار فرمایا، انہوں نے تیسویں ۳۰ نوع کے آٹھویں مسئلہ میں کہا ہے اس رائے پر متعدد مشہور کتب میں عمل ہے جن میں بہت سے ایسے راویوں سے روایات لی گئی ہیں جن کا عہد بہت پُرانا ہے اور ان کی باطن کے معاملات سے آگاہی دشوار ہے۔(ت)

اور دو ۲ قسم باقی کو بعض اکابر حجّت جانتے جمہور مورثِ ضعف مانتے ہیں۔ امام زین الدین عراقی الفیہ میں فرماتے ہیں:

واختلفوا هل یقبل المجهول — وهو علی ثلثة مجعول

مجهول عین من له راو فقط — وردّه الاکثر والقسم الوسط

مجهول حال باطن وظاهر — وحکمه الرد لدی الجماهر

الثالث المجهول للعدالة — فی باطن فقط فقد رأی له

حجیة بعض من منع — ماقبله منهم سلیم عـــہ فقطع [2]

(مجہول کے بارے میں علماءِ حدیث کا اختلاف ہے کہ آیا اسے قبول کیا جائیگا یا نہیں؟ اس کی تین ۳ اقسام ہیں، مجہول العین جس کو صرف ایک شخص نے روایت کیا ہو، اسے اکثر نے رَد کر دیا ہے۔ اور دوسری قسم وہ مجہول ہے جس کے راوی کی ظاہری اور باطنی عدالت دونوں ثابت نہ ہوں اسے جمہور نے رَد کر دیا ہے تیسری قسم وہ مجہول ہے جس میں راوی کی صرف باطنی عدالت ثابت نہ ہو، اسے بعض نے رَد کیا ہے اور بعض نے قبول کیا ہے اور قبول کرنے والوں میں امام سلیم ہیں تو انہوں نے قطعی قبول کیا ہے۔ت)

عـــہ: ای للامام سلیم بالتصغیر ابن ایوب الرازی الشافعی فانه قطع بقبوله ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔(م)	اس سے مراد امام سلیم (تصغیر) ابن ایوب رازی شافعی ہیں ان کے نزدیک ایسی روایت کو قطعًا قبول کیا جائیگا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ت)

[1] مقدمہ ابن الصلاح النوع الثالث والعشرون مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۵۳

[2] الفیہ فی اصول الحدیث مع فتح المغیث معرفۃ من تقبل روایتہ و من ترد دار الامام الطبری بیروت ۲/ ۴۳

اسی طرح تقریب النواوی وتدریب الراوی وغیرہما میں ہے بلکہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بھی بہت محققین کی طرف نسبت فرمایا مقدمہ منہاج میں فرماتے ہیں:

المجهول اقسام مجهول العدالة ظاهرًا وباطنا، ومجهولها باطنامع وجودها ظاهرا وهو المستور، ومجهول العين، فاما الاول فالجمهور على انه لا يحتج به، واما الاخران فاحتج بهما كثيرون من المحققين [1]۔	مجہول کی کئی اقسام ہیں، ایک یہ کہ راوی کی عدالت ظاہر و باطن میں غیر ثابت ہو، دُوسری قسم عدالت باطنًا مجہول مگر ظاہرًا معلوم ہو، اور یہ مستور ہے، اور تیسری قسم مجہول العین ہے، پہلی قسم کے بارے میں جمہور کا اتفاق ہے کہ یہ قابلِ قبول نہیں اور دوسری دونوں اقسام سے اکثر محققین استدلال کرتے ہیں۔(ت)

بلکہ امام اجل عارف باللہ سیدی ابوطالب مکّی قدس سرّہ الملکی اسی کو فقہائے کرام واولیائے عظام قدست اسرارہم کا مذہب قرار دیتے ہیں، کتاب مستطاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب کی فصل ۳۱ میں فرماتے ہیں:

بعض مايضعف به رواة الحديث وتعلل به احاديثهم، لايكون تعليلا ولاجرحا عند الفقهاء ولا عند العلماء بالله تعالٰى مثل ان يكون الراوى مجهولا، لايثاره الخمول وقدندب اليه، اولقلة الاتباع له اذلم يقم لهم الاثرة عنه [2]۔	یعنی بعض وہ باتیں جن کے سبب راویوں کو ضعیف اور ان کی حدیثوں کو غیر صحیح کہہ دیا جاتا ہے، فقہاء وعلماء کے نزدیک باعثِ ضعف وجرح نہیں ہوتیں، جیسے راوی کا مجہول ہونا اس لئے کہ اس نے گمنامی پسند کی کہ خود شرع مطہر نے اس کی ترغیب فرمائی یا اُس کے شاگرد کم ہُوئے کہ لوگوں کو اس سے روایت کا اتفاق نہ ہوا۔

بہر حال نزاع اس میں ہے کہ جہالت سرے سے وجوہِ طعن سے بھی ہے یا نہیں، یہ کوئی نہیں کہتا کہ جس حدیث کا راوی مجہول ہو خواہی نخواہی باطل ومجعول ہو، بعض متشددین نے اگر دعوے سے قاصر دلیل ذکر بھی کی علماء نے فورًا ردوابطال فرمادیا کہ جہالت کو وضع سے کیا علاقہ، مولانا علی قاری رسالہ فضائل نصف شعبان فرماتے ہیں:

1 مقدمہ للامام النووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

2 قوت القلوب فصل الحادی والثلاثون باب تفضیل الاخبار مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۱۷۷

جہالۃ بعض الرواۃ لاتقتضی کون الحدیث موضوعًا وکذا نکارۃ الالفاظ۔فینبغی ان یحکم علیہ بانہ ضعیف،ثم یعمل بالضعیف فی فضائل الاعمال [1]۔	یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو،ہاں ضعیف کہو،پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔

مرقاۃ شرح عــہ۱ مشکوٰۃ میں امام ابن حجر مکّی سے نقل فرمایا: فیہ راو مجہول، ولایضر لانہ من احادیث الفضائل [2](اس میں ایک راوی مجہول ہے اور کچھ نقصان نہیں کہ یہ حدیث تو فضائل کی ہے) موضوعات کبیر میں استاذ المحدثین امام زین الدین عراقی سے نقل فرمایا: انہ عــہ۲ لیس بموضوع وفی سندہ مجہول [3] (یہ موضوع نہیں اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے)امام بدرالدین زرکشی پھر امام محقق جلال الدین سیوطی لآلی مصنوعہ میں فرماتے ہیں:

لوثبتت عــہ۳ جہالتہ لم یلزم ان یکون الحدیث موضوعا مالم یکن فی اسنادہ من یتہم بالوضع [4]۔	یعنی روی کی جہالت ثابت بھی ہوتو حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں جب تک اس کی سند میں کوئی راوی وضع حدیث سے متہم نہ ہو۔

عــہ۱: ذکرہ فی باب فضل الاذان واجابۃ المؤذن آخر الفصل الثانی ۱۲ منہ (م)	فضیلتِ اذان اور جوابِ اذان کے باب کی فصل ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)
عــہ۲: یرید حدیث عالم قریش یملؤ الارض علما ۱۲ منہ (م)	حدیث "قریش کا ایک عالم زمین کو علم کی دولت سے بھر دیگا" کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)
عــہ۳: قالہ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فی صلاۃ التسبیح لکن اہملہ ابوالفرج بجہالۃ موسٰی بن عبدالعزیز ۱۲ منہ۔(م)	صلوٰۃ التسبیح کے بارے میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس کی حدیث میں اس کو ذکر کیا ہے لیکن ابوالفرج نے موسٰی بن عبدالعزیز کی جہالت کی بناپر اس کو چھوڑ دیا ہے۔(ت)

[1] رسالہ فضائل نصف شعبان

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب الاذان فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۷۱

[3] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث ۶۰۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۱۵۷

[4] لآلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/۴۴

یہی دونوں امام تخریج احادیث رافعی وآلی میں فرماتے ہیں:

لایلزم عـہ۱ من الجھل بحال الراوی ان یکون الحدیث موضوعا[1]۔	راوی کے مجہول الحال ہونے سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔

امام ابوالفرج ابن الجوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں حدیث من قرض بیت شعر بعد العشاء الاٰخرۃ لم تقبل لہ صلاۃ تلك اللیلۃ[2] (جس نے آخری عشاء کے بعد کوئی (لغو) شعر کہا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی۔ت) کی یہ علت بیان کی کہ اس میں ایک راوی مجہول اور دوسرا مضطرب کثیر الخطا ہے، اس پر شیخ الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد پھر امام سیوطی نے آلی و تعقبات میں فرمایا:

لیس فی شیئ مماذکرہ ابوالفرج مایقتضی الوضع[3]۔	یہ علتیں جو ابوالفرج نے ذکر کیں ان میں ایک بھی موضوعیت کی مقتضی نہیں۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فی تزویج فاطمۃ من علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت فرماتے ہیں:

کونہ کذبا فیہ نظر، وانما ھو غریب فی سندہ مجھول[4]۔	اس کا کذب ہونا مسلم نہیں، ہاں غریب ہے اور راوی مجہول۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں عـہ۲:

عـہ۱: قالاہ فی حدیث وعبدتارك الحج فلیمت ان شاء یھودیا اونصرانیا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	ایسا بندہ جو حج کو ترک کرنے والا ہو اگر وہ چاہے تو یہودی یا نصرانی مرجائے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)
عـہ۲: باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منہ	باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] آلی مصنوعہ صلوٰۃ التسبیح مطبوعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/۱۱۸

[2] کتاب الموضوعات فی حدیث انشاء الشعر بعد العشاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۶۱

[3] القول المسدد الحدیث الثانی مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۶

[4] الصواعق المحرقہ الباب الحادی عشر مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۴۳

قال السهیلی فی اسنادہ عـہ۱ مجاهیل وهو یفید ضعفه فقط، وقال ابن کثیر منکر جدا وسندہ مجهول وهو ایضا صریح فی انه ضعیف فقط، فالمنکر من قسم الضعیف، ولذا قال السیوطی بعدمااورد قول ابن عساکر "منکر" هذا حجة لماقلته من انه ضعیف، لا موضوع، لان المنکر من قسم الضعیف، وبینه وبین الموضوع فرق معروف فی الفن، فالمنکر ما انفرد به الراوی الضعیف مخالفالرواته الثقات فان انتفت کان ضعیفا وهی مرتبة فوق المنکر اصلح حالامنه[1] اهملخصا	امام سہیلی کہتے ہیں کہ اس کی سند میں مجہول راوی ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ بہت زیادہ منکر ہے اور اس کی سند مجہول ہے اور یہ بھی اس بات کی تصریح ہے کہ یہ فقط ضعیف ہے، کیونکہ منکر ضعف کی اقسام میں سے ہے، اسی لئے امام سیوطی نے ابن عساکر کے قول "یہ منکر ہے" وارد کرنے کے بعد فرمایا یہ میرے اس قول "یہ ضعیف ہے" کی دلیل ہے موضوع ہونے کی نہیں کیونکہ منکر ضعیف کی قسم ہے اس کے بعد اور حدیث موضوع کے درمیان فنِ اصول حدیث میں فرق واضح اور مشہور ہے منکر اس روایت کو کہتے ہیں جس کا راوی ضعیف ہو اور روایت کرنے میں منفرد اور ثقہ راویوں کے خلاف ہو یہ کمزوری اگر منتفی ہوجائے تو صرف ضعیف ہوگی اور اس کا مرتبہ منکر سے اعلٰی ہے اور اس سے حال کے لحاظ سے بہتر ہے اھ ملخصا (ت)

خلاصہ یہ کہ سند میں متعدد مجہولوں کا ہونا حدیث میں صرف ضعف کا مورث ہے اور صرف ضعیف کا مرتبہ حدیث منکر سے احسن واعلٰی ہے جسے ضعیف راوی نے ثقہ راویوں کے خلاف روایت کیا ہو، پھر وہ بھی موضوع نہیں، تو فقط ضعیف کو موضوعیت سے کیا علاقہ، امام جلیل جلال الدین سیوطی نے ان مطالب کی تصریح فرمائی واللہ تعالٰی اعلم۔

افادہ سوم: (حدیث منقطع کا حکم) اسی طرح سند کا منقطع ہونا مستلزم وضع نہیں، ہمارے ائمہ کرام اور جمہور علماء کے نزدیک تو انقطاع سے صحت وحجیت ہی میں کچھ خلل نہیں آتا۔ امام محقق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ضعف بالانقطاع وهو عندنا کالارسال عـہ۲ بعد	اسے انقطاع کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے جو کہ نقصان دہ نہیں

عـہ۱: یعنی حدیث احیاء الابوین الکریمین حتی اٰمنا به صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه (م) عـہ۲: قوله کالا رسال ای علی تفسیر وهو منه علی اٰخر وهو علی اطلاق ۱۲ منه (م)	یعنی وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور کے والدین کریمین زندہ ہو کر آپ کی ذات پر ایمان لائے یہ اس حدیث کے تحت مذکور ہے ۱۲منہ (ت) قولہ کالارسال یعنی ایک تفسیر پر اور وہ یہ ہے کہ سند کے آخر سے راوی ساقط ہو اور وہ ارسال انقطاع علی الاطلاق ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب باب وفات امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/۱۹۶

عدالۃ الرواۃ وثقتھم لایضر [1]۔	کیونکہ راویوں کے عادل و ثقہ ہونے کے بعد منقطع ہمارے نزدیک مرسل کی طرح ہی ہے۔(ت)

امام ابن امیر الحاج حلیہ عـــہ۱ میں فرماتے ہیں:

لایضر ذلك فان المنقطع کالمرسل فی قبولہ من الثقات [2]۔	یہ بات نقصان نہیں دیتی کیونکہ منقطع قبولیت میں مرسل کی طرح ہے جبکہ ثقہ سے مروی ہو۔(ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ عـــہ۲ میں فرماتے ہیں:

قال ابوداود ھذا مرسل ای نوع مرسل وھو المنقطع لکن المرسل حجۃ عندنا وعند الجمھور [3]۔	ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ مرسل یعنی مرسل کی قسم منقطع ہے لیکن مرسل ہمارے اور جمہور کے نزدیک حجت ہے۔(ت)

اور جو اُسے قادح جانتے ہیں وہ بھی صرف مورثِ ضعف مانتے ہیں نہ کہ مستلزم موضوعیت، مرقاۃ شریف میں امام ابن حجر مکی سے منقول:

لایضر عـــہ۳ ذلك فی الاستدلال بہ ھھنا لان المنقطع	یعنی یہ امر یہاں کچھ استدلال کو مضر نہیں کہ منقطع پر فضائل

عـــہ۱: اول صفۃ الصلاۃ فی الکلام علی زیادۃ وجل ثناؤك فی الثناء ۱۲ منہ (م)	صفۃ الصلوۃ کی ابتداء میں جہاں ثناء میں "وجل ثناء ک" کے الفاظ کے اضافہ میں کلام ہے وہاں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)
عـــہ۲: تحت حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقبل بعض ازواجہ ثم یصلی ولایتوضأ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)	اس کا ذکر ام المومنین کی اس حدیث کے تحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات سے تقبیل فرماتے تو وضو کے بغیر یونہی نماز پڑھ لیتے تھے۔۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)
عـــہ۳: تحت حدیث اذارکع احدکم فقال فی رکوعہ سبحان ربی العظیم ثلث مرات فقدتم رکوعہ قال الترمذی لیس اسنادہ بمتصل فقال ابن حجر ھو لایضر ذلك ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اس حدیث کے تحت اس کا ذکر ہے کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو وہ رکوع میں تین دفعہ "سبحان ربی العظیم پڑھے اس طرح اس کا رکوع مکمل ہو جائیگا۔ ترمذی نے کہا اس کی سند متصل نہیں تو حافظ ابن حجر نے کہا یہ نقصان دہ نہیں ۱۲منہ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۹
[2] حلیۃ المحلی
[3] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب یوجب الوضوء مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۴۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

یعمل بہ فی الفضائل اجماعا [1]۔	میں تو بالاجماع عمل کیا جاتا ہے۔

افادہ چہارم: (حدیث مضطرب بلکہ منکر بلکہ مدرج بھی موضوع نہیں) انقطاع تو ایک امر سہل ہے جسے صرف بعض نے طعن جانا، علماء فرماتے ہیں: حدیث کا مضطرب بلکہ منکر ہونا بھی موضوعیت سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا، یہاں تک کہ دربارہ فضائل مقبول رہے گی۔ بلکہ فرمایا کہ مدرج بھی موضوع سے جُدا قسم ہے، حالانکہ اُس میں تو کلام غیر کا خلط ہوتا ہے۔ تعقبات عـــہ۱ میں ہے:

المضطرب من قسم الضعیف لاالموضوع [2]۔	مضطرب، حدیث ضعیف کی قسم ہے موضوع نہیں۔ (ت)

اُسی عـــہ۲ میں ہے:

المنکر نوع اٰخر غیر الموضوع وھو من قسم الضعیف [3]۔	منکر، موضوع کے علاوہ ایک دوسری نوع ہے جو کہ ضعیف کی ایک قسم ہے۔ (ت)

اُسی عـــہ۳ میں ہے:

صرح ابن عدی بان الحدیث منکر فلیس بموضوع [4]۔	ابنِ عدی نے تصریح کی ہے کہ حدیث منکر، موضوع نہیں ہوتی۔ (ت)

اُسی عـــہ۴ میں ہے:

المنکر من قسم الضعیف وھو محتمل فی الفضائل [5]۔	منکر، ضعیف کی قسم ہے اور یہ فضائل میں قابلِ استدلال ہے۔ (ت)

عـــہ۱: ذکرہ فی اٰخر باب الجنائز ۱۲ منہ (م)	باب الجنائز کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: اول باب الاطعمۃ ۱۲ منہ (م)	باب الاطعمہ کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: اول باب البعث ۱۲ منہ (م)	باب البعث کے شروع میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۴: قالہ فی اواخر الکتاب تحت حدیث فضل قزوین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۳۱۵
[2] التعقبات علی الموضوعات باب الجنائز مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۶۲
[3] التعقبات علی الموضوعات باب الاطعمہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۰
[4] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۱
[5] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۶۰

اُسی عہ۱ میں ہے:

رأیت الذھبی قال فی تاریخه "ھذا حدیث منکر لایعرف الاببشر وھو ضعیف انتھی" فعلم انه ضعیف لاموضوع[1]۔	میں نے پڑھا ہے امام ذہبی نے اپنی تاریخ میں کہاکہ یہ حدیث منکر ہے، یہ بشر ضعیف کے علاوہ معروف نہیں انتہی، پس معلوم ہواکہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں۔(ت)

اُسی عہ۲ میں ہے:

حدیث ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه "علیکم بلباس الصوف تجدواحلاوۃ الایمان فی قلوبکم" علیکم الحدیث بطوله، فیه الکدیمی وضاع قلت، قالت البھیقی فی الشعب "ھذہ الجملة من الحدیث معروفة من غیر ھذا الطریق، وزاد الکدیمی فیه زیادۃ منکرۃ، ویشبه ان یکون من کلام بعض الرواۃ فالحق بالحدیث انتھٰی، والجملة معروفة اخرجھا الحکم فی المستدرك والحدیث المطول من قسم المدرج لاالموضوع[2]۔	حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے کہ تم صوف کا لباس پہنو اس سے تمہارے دلوں کو حلاوتِ ایمان نصیب ہوگی(طویل حدیث)اس میں کدیمی راوی حدیث گھڑنے والا ہے، میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی نے شعب الایمان میں کہا ہے حدیث کا یہ حصہ اس سند کے علاوہ سے معروف ہے اور کدیمی نے اس میں ایسی زیادتی کی ہے جو منکر ہے اور ممکن ہے کہ یہ کسی راوی کا کلام ہو اور انہوں نے اسے حدیث کا حصہ بنادیا ہو انتہی، اور اس جملہ معروفہ کی امام حاکم نے مستدرک میں تخریج کی ہے اور یہ طویل حدیث مدرج ہے موضوع نہیں۔(ت)

افادہ پنجم: (جس حدیث میں راوی بالکل مبہم ہو وہ بھی موضوع نہیں) خیر جہالت راوی کا تو یہ حاصل تھاکہ شاگرد ایک یا عدالت مشکوک شخص تو معین تھاکہ فلاں ہے، مبہم میں تو اتنا بھی نہیں، جیسے حدثنی رجل(مجھ سے ایک شخص نے حدیث بیان کی) یا بعض اصحابنا(ایک رفیق نے خبر دی) پھر یہ بھی

عہ۱: ذکرہ فی آخر باب التوحید ۱۲ منه (م)	باب التوحید کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے۔
عہ۲: اول باب اللباس ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	باب اللباس کے شروع میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)

[1] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴

[2] التعقبات علی الموضوعات باب اللباس مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۳

صرف مورثِ ضعف ہے نہ کہ موجبِ وضع۔امام الشان علامہ ابنِ حجر عسقلانی رسالہ **قوۃ الحجّاج فی عموم المغفرۃ للحجّاج** پھر خاتم الحفاظ لآلی میں فرماتے ہیں:

لایستحق الحدیث ان یوصف بالوضع بمجرد ان روایہ لم یسم [1]۔	صرف راوی کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے حدیث موضوع کہنے کی مستحق نہیں ہوجاتی۔(ت)

(تعددِ طرق سے مبہم کا جبر نقصان ہوتا ہے) ولہٰذا تصریح فرمائی کہ حدیث مبہم کا طرق دیگر سے جبر نقصان ہوجاتا ہے، تعقبات میں زیر حدیث **اطلبوا الخیر عندحسان الوجوہ** (حسین چہرے والوں سے بھلائی طلب کرو۔ت) کہ عقیلی نے بطریق یزید بن ھارون **قال انبأنا شیخ من قریش عن الزھری عن عائشۃ رضی اللہ عنہا** روایت کی،فرمایا:

اوردہ (یعنی اباالفرج) من حدیث عائشۃ من طرق، فی الاول رجل لم یسم ،وفی الثانی عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک،وفی الثالث الحکم بن عبداللہ الایلی احادیثہ موضوعۃ،قلت عبدالرحمٰن لم یتھم بکذب،ثمّ انہ ینفردبہ بل تابعہ اسمٰعیل بن عیاش وکلاھما یجبران ابھام الذی فی الطریق الاول [2] **اھ مختصرا**۔	اسے اس (یعنی ابوالفرج) نے حدیثِ عائشہ سے مختلف سندوں سے روایت کیاہے،پہلی سند میں مجہول شخص ہے (نامعلوم)اور دوسری میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی متروک راوی ہے، تیسری میں حکم بن عبداللہ الایلی ہے جس کی احادیث موضوع ہیں، میں کہتا ہوں کہ عبدالرحمٰن متہم بالکذب نہیں، پھر وہ اس میں منفرد بھی نہیں بلکہ اسمٰعیل بن عیاش نے اس کی متابعت کی ہے اور ان دونوں نے اس ابہام کی کمی کا ازالہ کردیا جو سند اول میں تھا اھ مختصراً۔(ت)

(حدیث مبہم دوسری حدیث کی مقوی ہوسکتی ہے) بلکہ وہ خود حدیثِ دیگر کو قوّت دینے کی لیاقت رکھتی ہے استاذ الحفّاظ قوۃ الحجاج پھر خاتم الحفاظ تعقبات عــہ میں فرماتے ہیں:

رجالہ ثقات الا ان فیہ مبھما لم یسم	اس کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں ایک راوی مبہم ہے

عــہ:باب الحج حدیث دعالامتہ عشیۃ عرفۃ بالمغفرۃ ۱۲ منہ (م)	یہ باب الحج کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ نبی اکرم نے عرفہ کی شام امت کے لئے بخشش کی دعامانگی ہے۔(ت)

[1] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب اللباس مطبعۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۲۶۴

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والرقایق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۵

فان کان ثقۃ فھو علی شرط الصحیح، وان کان ضعیفا فھو عاضد للمسند المذکور[1]۔	جس کا نام معلوم نہیں ہے پس اگر وہ ثقہ ہے تو یہ صحیح کے شرائط پر ہے اور اگر وہ ثقہ نہیں تو ضعیف ہے مگر سندِ مذکور کو تقویت دینے والی ہے۔(ت)

افادہ ششم: (ضعفِ راویان کے باعث حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے) بھلا جہالت وابہام تو عدمِ علم عدالت ہے اور بداہت عقل شاہد کہ علم عدم، عدم علم سے زائد، مجہول ومبہم کا کیا معلوم، شاید فی نفسہٖ ثقہ ہو کمامر اٰنفا عن الامامین الحافظین (جیسا کہ ابھی دو حافظ ائمہ کے حوالے سے گزرا ہے۔ت) اور جس پر جرح ثابت، احتمال ساقط۔ ولہٰذا محدثین در بارہ مجہول رَد وقبول میں مختلف اور ثابت الجرح کے رَد پر متفق ہُوئے۔ امام نووی مقدمہ منہاج میں ابو علی غسانی جیانی سے ناقل:

الناقلون سبع طبقات، ثلٰث مقبولۃ، وثلٰث متروکۃ والسابعۃ مختلف فیھا (الی قولہ) السابعۃ قوم مجھولون انفردوا بروایات، لم یتابعوا علیھا، فقبلھم قوم، ووقفھم اٰخرون[2]۔	ناقلین کے سات ۷ درجات ہیں، تین ۳ مقبول، تین ۳ متروک، اور ساتواں مختلف فیہ ہے (اس قول تک) ساتواں طبقہ وہ لوگ ہیں جو مجہول ہیں اور روایات کرلینے میں منفرد ہیں، ان کی متابعت کسی نے نہیں کی، بعض نے انہیں قبول کیا ہے اور بعض نے ان کے بارے میں توقف سے کام لیا ہے۔(ت)

پھر علماء کی تصریح ہے کہ مجرد ضعف رواۃ کے سبب حدیث کو موضوع کہہ دینا ظلم وجزاف ہے، حافظ سیف الدین احمد بن ابی المجد پھر قدوۃ الفن شمس ذہبی اپنی تاریخ پھر خاتم الحفاظ تعقبات[عہ] وآلی وتدریب میں فرماتے ہیں:

صنف ابن الجوزی کتاب الموضوعات فاصاب	ابن جوزی نے کتاب الموضوعات لکھی تو اس میں انہوں

عہ: قالہ تحت حدیث من قرأیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنعہ من دخول الجنۃ الا ان یموت ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	یہ انہوں نے اس حدیث کے تحت کہا ہے جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کے جنت میں داخل ہونے کو موت کے علاوہ کوئی رکاوٹ نہیں ۱۲منہ (ت)

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الحج مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۴

[2] مقدمہ منہاج للنووی من شرح صحیح مسلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۷

فی ذکر(ہ) احادیث(شنیعۃ) مخالفۃ للنقل والعقل،(وما)ومما لم یصب فیہ اطلاقہ الوضع علی احادیث بکلام بعض الناس فی رواتھا، کقولہ فلان ضعیف اولیس بالقوی اولین ولیس ذلك الحدیث ممایشھد القلب ببطلانہ ولافیہ مخالفۃ ولامعارضۃ لکتاب ولاسنۃ ولااجماع ولاحجۃ بانہ موضوع سوی کلام ذلك الرجل فی رواتہ(راویہ) وھذا عدوان ومجازفۃ[1] (انتھی)	نے ایسی روایات کی نشان دہی کرکے بہت ہی اچھا کیا جو عقل ونقل کے خلاف ہیں، لیکن بعض روایات پر وضع کا اطلاق اس لئے کردیا کہ ان کے بعض راویوں میں کلام تھا، یہ درست نہیں کیا، مثلاً راوی کے بارے میں یہ قول کہ فلاں ضعیف ہے یا وہ قوی نہیں یا وہ کمزور ہے یہ حدیث ایسی نہیں کہ اس کے بطلان پر دل گواہی دے نہ اس میں مخالف ہے نہ یہ کتاب وسنّت اور اجماع کے معارض ہے اور نہ ہی یہ اس بات پر حجت ہے کہ یہ روایت موضوع ہے ماسوائے راویوں میں اس آدمی کے کلام کے اور یہ زیادتی وتخمین ہے۔(ت)

افادہ ہفتم: (ایسا غافل کہ حدیث میں دوسرے کی تلقین قبول کرلے اس کی حدیث بھی موضوع نہیں) پھر کسی ہلکے سے ضعف کی خصوصیت نہیں، بلکہ سخت سخت اقسام جرح میں جن کا ہر ایک جہالتِ راوی سے بدرجہا بدتر ہے، یہی تصریح ہے کہ اُن سے بھی موضوعیت لازم نہیں، مثلاً راوی کی اپنی مرویات میں ایسی غفلت کہ دوسرے کی تلقین قبول کرلے یعنی دُوسرا جو بتادے کہ تُونے یہ سُنا تھا وہی مان لے، پر ظاہر کہ یہ شدّتِ غفلت سے ناشی اور غفلت کا طعن فسق سے بھی بدتر اور جہالت سے تو چار درجہ زیادہ سخت ہے، امام الشان نے نخبۃ الفکر میں اسبابِ طعن کی دس ۱۰ قسمیں فرمائیں:

(۱) کذب: کہ معاذاللہ قصداً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کرے۔

(۲) تہمت: کذب کہ جو حدیث اُس کے سوا دوسرے نے روایت نہ کی، مخالف قواعدِ دینیہ ہو یا اپنے کلام میں جھُوٹ کا عادی ہو۔ **(۳) کثرت غلط (۴) غفلت (۵) فسق (۶) وہم**

(۷) مخالفتِ ثقات (۸) جہالت (۹) بدعت (۱۰) سُوءِ حفظ

اور تصریح فرمائی کہ ہر پہلا دوسرے سے سخت تر ہے،

[1] تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۷۸، التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۸

حیث قال الطعن یکون بعشرۃ اشیاء بعضھا اشد فی القدح من بعض وترتیبھا علی الاشد فالاشد فی موجب الرد[1] اھ ملخصاً۔	الفاظ یہ ہیں کہ اسبابِ طعن دس ۱۰ اشیاء ہیں، بعض بعض سے جرح میں اشد ہیں اور ان میں موجب رد کے اعتبار سے "فالاشد" کی ترتیب ہے اھ ملخصا (ت)

پھر علماء فرماتے ہیں ایسے غافل شدید الطعن کی حدیث بھی موضوع نہیں، اواخر تعقبات میں ہے:

فیہ یزید بن ابی زیاد وکان یلقن فیتلقن، قلت ھذا لایقتضی الحکم بوضع حدیثہ[2]۔	اس میں یزید ابن ابوزیاد ہے اسے تلقین کی جاتی تو وہ تلقین کو قبول کرلیتا تھا، میں کہتا ہوں کہ یہ قول اس کی وضع حدیث کا تقاضا نہیں کرتا۔ (ت)

افادہ ہشتم: (منکر الحدیث کی حدیث بھی موضوع نہیں) یوں ہی منکر الحدیث، اگرچہ یہ جرح امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری نے فرمائی ہو حالانکہ وہ ارشاد فرماچکے کہ میں جسے منکر الحدیث عــہ۱ کہوں اُس سے روایت حلال نہیں، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

نقل ابن عــہ۲ القطان ان البخاری قال کل من قلت فیہ منکر الحدیث فلا تحل الروایۃ عنہ[3]۔	ابن القطان نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا ہر وہ شخص جس کے بارے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (ت)

عــہ۱: کانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان یتورع عن اطلاق الفاظ شدیدۃ مخافۃ ان یکون بعضہ من باب شتم الاعراض وقد وجب الذب عن الاحادیث فاصطلح علی ھذا جمعاً بین الامرین ۱۲ منہ (م) عــہ۲: ذکرہ فی ابان بن جبلۃ الکوفی ۱۲ منہ (م)	گویا امام بخاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سخت الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے تاکہ کسی کی عزت دری لازم نہ آئے حالانکہ احادیث کی حفاظت ودفاع لازم ہے لہذا دونوں امور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ اصطلاح استعمال کی ہے ۱۲ منہ (ت) ابان بن جبلہ الکوفی کے ترجمہ کے تحت اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح نخبۃ الفکر بحث المرسل الخفی مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۴
[2] تعقبات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۸
[3] میزان الاعتدال فی ترجمہ ابان بن جبلۃ الکوفی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۶

اُسی عہ۱ میں ہے:

قدمر لنا ان البخاری قال من قلت فیه منکر الحدیث فلایحل روایة حدیثه[1]۔	پیچھے امام بخاری کا یہ قول گزرچکا ہے کہ جس کے بارے میں مَیں منکر الحدیث کہہ دوں اس کی حدیث روایت کرنا جائز نہیں۔(ت)

بااینہمہ علمانے فرمایاایسے کی حدیث بھی موضوع نہیں، تعقبات عہ۲ میں ہے:

قال البخاری منکر الحدیث، ففایة امر حدیثه انیکون ضعیفا[2]۔	بخاری نے کہا یہ منکر الحدیث ہے تو زیادہ سے زیادہ اس کی حدیث ضعیف ہوگی۔(ت)

افادہ نہم: (متروک کی حدیث بھی موضوع نہیں) ضعیفوں میں سب سے بدتر درجہ متروک کا ہے جس کے بعد صرف عہ۳ مہتم بالوضع یاکذاب دجال کا مرتبہ ہے، میزان میں ہے:

عــہ۱: قاله فی سلیمن بن داود الیمانی ۱۲ منه (م) عــہ۲: باب فضائل القرآن ۱۲ منه رضی الله تعالی عنه۔ عــہ۳: بلکہ مولانا علی قاری نے حاشیہ نزہۃ النظر میں متروک ومہتم بالوضع کاایک مرتبہ میں ہونا نقل کیا: حیث قال فالمرتبة الثالثة فلان متهم بالکذب اوالوضع اوساقط اوهالك اوذاهب الحدیث وفلان متروك اومتروك الحدیث[3] اوترکوه ملخصًا **اقول:** وکان هذا القائل ایضا لایقول باستواء جمیع ماذکر فی المرتبة بل فیها ایضا تشکیك عنده وکانه الی ذلك اشار باعادة فلان قبل قوله متروك الا ان فیه ان ساقطا ومابعده لایفوق متروکا ومابعده فافهم ۱۲ منه (م)	سلیمان بن داؤد یمانی کے ترجمہ میں یہ تحریر کیا ہے ۱۲منہ (ت) باب فضائل القران میں یہ مذکور ہے۔ ۱۲منہ (ت) ان کے الفاظ یہ ہیں تیسرا مرتبہ یہ ہے فلان مہتم بالکذب یا بالوضع یاساقط یا ہالک یاذاہب الحدیث اور فلان متروک یامتروک الحدیث یالوگوں نے اسے ترک کردیا ہے **اقول:** گویااس قائل نے بھی تمام مذکور کوایک مرتبہ میں برابر قرار نہیں دیا بلکہ اس میں بھی اس کے نزدیک تشکیک ہے۔ گویاانہوں نے اپنے قول "متروک" سے پہلے "فلان" کااعادہ کرکے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے مگراس میں کلام ہے کہ ساقط اور اس کامابعد، متروک اس کے مابعد سے فوق وبلند مرتبہ نہیں ہوسکتے ۱۲منہ (ت)

[1] میزان الاعتدال فی ترجمہ سلیمان بن داود الیمانی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲
[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۹
[3] حاشیۃ نزہۃ النظر مع نخبۃ الفکر مراتب الجرح مطبع علیمی ص ۱۱۱

اردی عبارات الجرح، دجال کذاب، اووضاع یضع الحدیث ثم متهم بالکذب ومتفق علی ترکه، ثم متروك[1] الخ	جرح کے سب سے گھٹیا الفاظ یہ ہیں، دجال، کذاب، وضاع جو حدیثیں گھڑتا ہے اس کے بعد متہم بالکذب و متفق علٰی ترکہ ہے پھر متروک کا لفظ ہے الخ (ت)

امام الشان تقریب التہذیب میں ذکر مراتب دو روایتیں فرماتے ہیں:

العشرة، من لم یوثق البتة وضعف مع ذلك بقادح والیه الاشارة بمتروك اومتروك الحدیث اوواهی الحدیث اوساقط، الحادیة عشر، من اتهم بالکذب "الثانیة عشر" من اطلق علیه اسم الکذب والوضع[2]۔	دسواں مرتبہ یہ ہے کہ اس راوی کی کسی نے توثیق نہ کی ہو اور اسے جرح کے ساتھ ضعیف کہا گیا ہو، اس کی طرف اشارہ متروک یا متروک الحدیث یا واہی الحدیث اور ساقط کے ساتھ کیا جاتا ہے "گیارھواں درجہ یہ ہے" جو متہم بالکذب ہو، اور بارھواں درجہ یہ ہے کہ جس پر کذب و وضع کے اسم کا اطلاق ہو۔ (ت)

اس پر بھی علماء نے تصریح فرمائی کہ متروک کی حدیث بھی صرف ضعیف ہی ہے موضوع نہیں، امام حجر اطراف العشرۃ پھر خاتم الحفاظ لآلی عــہ میں فرماتے ہیں:

زعم ابن حبان وتبعه ابن الجوزی ان هذا المتن موضوع، ولیس کماقال، فان الراوی وان کان متروکا عندالاکثر ضعیفا عندالبعض، فلم ینسب للوضع[3] اھ مختصرا۔	ابن حبان نے یہ زعم کیا اور ابن جوزی نے ان کی اتباع میں کہا کہ یہ متن موضوع ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اگرچہ راوی اکثر کے نزدیک متروک اور بعض کے نزدیک ضعیف ہے، لیکن یہ وضع کی طرف منسوب نہیں ہے اھ مختصر (ت)

عــہ: فی التوحید تحت حدیث ابن عدی ان الله عزوجل قرأ طٰه ویٰسین قبل ان یخلق آدم الحدیث ۱۲ منه (م)	اس کا ذکر کتاب التوحید میں ابن عدی کی اس حدیث کے تحت ہے جس میں ہے کہ اللہ عزوجل نے طٰہٰ اور یٰس تخلیق آدم علیہ السلام سے پہلے پڑھا الحدیث ۱۲ منہ (ت)

[1] میزان الاعتدال مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴
[2] تقریب التہذیب مقدمۃ الکتاب مطبع فاروقی دہلی ص ۳
[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۰

امام بدر زرکشی کتاب النکت علی ابن الصلاح، پھر خاتم الحفاظ لآلی عــہ۱ میں فرماتے ہیں:

بین قولنا لم یصح وقولنا موضوع بون کبیر، وسلیمن بن ارقم وان کان متروکا فلم یتھم بکذب ولا وضع[1] اھ ملخصا۔	محدثین کے قول "لم یصح" اور "موضوع" کے درمیان بڑا فرق ہے سلیمان بن ارقم اگرچہ متروک ہے لیکن وہ متہم بالکذب اور متہم بالوضع نہیں اھ ملخصا (ت)

ابوالفرج نے ایک حدیث میں طعن کیا کہ "الفضل متروک" (فضل متروک ہے۔ت) لآلی عــہ۲ میں فرمایا:

فی الحکم بوضعہ نظر، فان الفضل لم یتھم بکذب[2]۔	اس کو موضوع قرار دینا محلِ نظر ہے، کیونکہ فضل متہم بالکذب نہیں۔ (ت)

تعقبات عــہ۳ میں ہے:

اصبغ شیعی متروک عندالنسائی فحاصل عــہ کلامہ "انہ ضعیف لاموضوع" وبذلك صرح البیھقی[3]۔	اصبغ شیعہ ہے، امام نسائی کے ہاں متروک ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہے موضوع نہیں، اور اسی بات کی تصریح بیہقی نے کی ہے۔ (ت)

عــہ۱: فیہ تحت حدیثہ ایضا والذی نفسی بیدہ ماانزل اللہ من وحی قط علی نبی بینہ وبینہ الابالعربیۃ الحدیث ۱۲ منہ (م)	اس میں اسی حدیث کے تحت یہ بھی ہے کہ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالٰی نے کسی نبی پر وحی نہیں فرمائی مگر اس کے اور اس کے نبی کے درمیان عربیت تھی الحدیث (ت)
عــہ۲: فیہ ایضا تحت حدیث ابن شاھین لماکلم اللہ تعالٰی موسٰی یوم الطور کلمہ بغیر الکلام الذی کلمہ یوم ناداہ الحدیث ۱۲ منہ (م)	اس میں حدیث ابن شاہین کے تحت یہ بھی ہی کہ جب اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے طور کے دن گفتگو فرمائی تو یہ کلام اس کلام کی طرح نہ تھا جو انکے ساتھ ندا کے وقت کیا تھا، الحدیث ۱۲ منہ (ت)
عــہ۳: ذکرہ فی اول باب صلاۃ۔	باب الصلوۃ کے شروع میں اسے ذکر کیا ہے (ت)
عــہ۴: الکنایۃ للذھبی ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اس سے امام ذہبی کی طرف کنایہ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۱

[2] اللآلی المصنوعۃ کتاب التوحید مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۲

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۱

حدیث چِلّہ صوفیہ کرام قدست اسرارہم کہ:

من اخلص للہ تعالٰی اربعین یوما ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علٰی لسانہ[1]۔	جس شخص نے چالیس ۴۰ دن اللہ تعالٰی کیلئے اخلاص کیا اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہوجائیں گے۔(ت)

ابنِ جوزی نے بطریق عدیدہ روایت کرکے اس کے رواۃ میں کسی کے مجہول، کسی کے کثیر الخطا، کسی کے مجروح، کسی کے متروک ہونے سے طعن کیا، تعقبات میں سب کا جواب یہی فرمایا کہ "مافیھم متھم بکذب[2]" یہ سب کچھ سہی پھر اُن میں کوئی متہم بکذب تو نہیں کہ حدیث کو موضوع کہہ سکیں۔یوں ہی ایک حدیث عـہ کی علت بیان کی: بشر بن نمیر عن القاسم متروکان[3] (بشر بن نمیر نے قاسم سے روایت کی اور یہ دونوں متروک ہیں۔ت) تعقبات میں فرمایا: بشر لم یتھم بکذب[4] (بشر متہم بالکذب نہیں۔ت) حدیث ابی ہریرہ"اتخذاللہ ابراھیم خلیلا"الحدیث (اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنا خلیل بنایا، پوری حدیث۔ت) میں کہا تفرد بہ مسلمۃ بن علی الخشنی وھو متروک[5] (اس میں مسلمہ بن علی الخشنی منفرد ہے اور وہ متروک ہے۔ت) تعقبات میں فرمایا: مسلمۃ وان ضعف فلم یجرح بکذب[6] (مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے مگر اس پر جرح بالکذب نہیں۔ت) حدیثِ ابی ہریرہ"ثلثۃ لایعادون"(تین چیزیں نہیں لوٹائی جائیں گی۔ت) پر بھی مسلمہ مذکور سے طعن کیا، تعقبات میں فرمایا: لم یتھم بکذب، والحدیث ضعیف لاموضوع[7] (یہ متہم بالکذب نہیں اور یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں۔ت) سبحان اللہ! جب انتہادرجہ کی شدید جرحوں سے موضوعیت ثابت نہیں ہوتی، تو صرف جہالت راوی یا انقطاع سند کے سبب موضوع کہہ دینا کیسی جہالت اور عدل وعقل سے انقطاع کی حالت ہے ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون۔

عـہ: یعنی حدیث ابی امامۃ من قال حین یمسی صلی اللہ تعالٰی علی نوح وعلیہ السلام لم تلدغہ عقرب تلک اللیلۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م	اس سے مراد حدیث ابی امامہ ہے جس میں ہے کہ جس شخص نے شام کے وقت یہ کہا: "صلی اللہ تعالٰی علٰی نوح وعلیہ السلام" تو اسے اس رات بچھّو نہیں ڈسے گا ۱۲منہ (ت)

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۷
[2] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۳۷
[3] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۶
[4] التعقبات علی الموضوعات باب الادب والد قائق مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۴۶
[5] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۳
[6] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۵۳
[7] التعقبات علی الموضوعات باب الجنائز مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۱۷

تذییل: یہ ارشادات تو ہمارے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کے تھے، ایک قول وہابیہ کے امام شوکانی کا بھی لیجئے، موضوعات ابوالفرج میں یہ حدیث کہ جب مسلمان کی عمر چالیس ۴۰ برس کی ہوتی ہے اللہ تعالٰی جنون وجذام وبرص کو اس سے پھیر دیتا ہے اور پچاس ۵۰ سال والے پر حساب میں نرمی اور ساٹھ ۶۰ برس والے کو توبہ وعبادت نصیب ہوتی ہے، ہفتاد ۷۰ سالہ کو اللہ عزوجل اور اُس کے فرشتے دوست رکھتے ہیں، اسی ۸۰ برس والے کی نیکیاں قبول اور برائیاں معاف، نوّے ۹۰ برس والے کے سب اگلے پچھلے گناہ مغفور ہوتے ہیں، وہ زمین میں اللہ عزوجل کا قیدی کہلاتا ہے اور اپنے گھر والوں کا شفیع کیا جاتا ہے، بطریق عدیدہ روایت کرکے اُس کے راویوں پر طعن کئے کہ یوسف بن ابی ذرہ راوی مناکیر لیس بشیئ ہے اور فرج ضعیف منکر الحدیث کہ واہی حدیثوں کو صحیح سندوں سے ملادیتا ہے اور محمد بن عامر حدیثوں کو پلٹ دیتا ہے ثقات سے وہ روایتیں کرتا ہے جو اُن کی حدیث سے نہیں اور عرزمی متروک اور عباد بن عباس مستحق ترک اور عزرہ کو یحیٰی بن معین نے ضعیف بتایا اور ابوالحسن کوفی مجہول اور عائذ ضعیف ہے۔ شوکانی نے ان سب مطاعن کو نقل کرکے کہا:

ھذا غایۃ ماابدی ابن الجوزی دلیلا علی ماحکم بہ من الوضع، وقد افرط وجازف فلیس مثل ھذہ المقالات توجب الحکم بالوضع بل اقل احوال الحدیث ان یکون حسنا لغیرہ [1]۔ انتھی واللہ الھادی الٰی سبیل الھدٰی۔	یعنی ابن جوزی نے جو اس حدیث پر حکمِ وضع کیا اُس کی دلیل میں انتہا درجہ یہ طعن پیدا کیے اور بے شک وہ حد سے بڑھے اور بیباکی کو کام میں لائے کہ ایسے طعن حکمِ وضع کے موجب نہیں، بلکہ کم درجہ حال اس حدیث کا یہ ہے کہ حسن لغیرہٖ ہو۔

افادہ دہم: (موضوعیتِ حدیث کیونکر ثابت ہوتی ہے) غرض ایسے وجوہ سے حکمِ وضع کی طرف راہ چاہنا محض ہوس ہے، ہاں موضوعیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ اس روایت کا مضمون (۱) قرآن عظیم (۲) سنتِ متواترہ (۳) یا اجماعِ قطعی قطعیات الدلالۃ (۴) یا عقلِ صریح (۵) یا حسن صحیح (۶) یا تاریخ یقینی کے ایسا مخالف ہو کہ احتمالِ تاویل وتطبیق نہ رہے۔ (۷) یا معنی شنیع وقبیح ہوں جن کا صدور حضور پُرنور صلوات اللہ علیہ سے منقول نہ ہو، جیسے معاذاللہ کسی فساد یا ظلم یا عبث یا سفہ یا مدح باطل یا ذم حق پر مشتمل ہونا۔ (۸) یا ایک جماعت جس کا عدد حدِ تواتر کو پہنچے اور ان میں احتمال کذب یا ایک دوسرے کی تقلید کا نہ رہے اُس کے

[1] زہر النسرین فی حدیث المعمرین للشوکانی

کذب وبطلان پر گواہی عــہ مستنداً الی الحس دے۔

(۹) یا خبر کسی ایسے امر کی ہو کہ اگر واقع ہوتا تو اُس کی نقل وخبر مشہور و مستفیض ہو جاتی، مگر اس روایت کے سوا اس کا کہیں پتا نہیں۔

(۱۰) یا کسی حقیر فعل کی مدحت اور اس پر وعدہ وبشارت یا صغیر امر کی مذمّت اور اس پر وعید وتہدید میں ایسے لمبے چوڑے مبالغے ہوں جنہیں کلام معجز نظام نبوت سے مشابہت نہ رہے۔ یہ دس ۱۰ صورتیں تو صریح ظہور ووضوح وضع کی ہیں۔

(۱۱) یا یوں حکم وضع کیا جاتا ہے کہ لفظ رکیک وسخیف ہوں جنہیں سمع دفع اور طبع منع کرے اور ناقل مدعی ہو کہ یہ بعینہا الفاظ کریمہ حضور افصح العرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا وہ محل ہی نقل بالمعنی کا نہ ہو۔

(۱۲) یا ناقل رافضی حضرات اہلبیت کرام علٰی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اُس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث: **لحمك لحمی ودمك دمی** (تیرا گوشت میرا گوشت، تیرا خُون میرا خُون۔ت)

اقول: انصافاً یوں ہی وہ مناقبِ امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں "**کما نص علیه الحافظ ابو یعلی والحافظ الخلیلی فی الارشاد**" (جیسا کہ اس پر حافظ ابو یعلی اور حافظ خلیلی نے ارشاد میں تصریح کی ہے۔ت) یونہی نواصب نے مناقب امیر معٰویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں **کما ارشد الیه الامام الذاب عن السنة احمد بن حنبل رحمه الله تعالٰی** (جیسا کہ اس کی طرف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی جو سنّت کا دفاع کرنے والے ہیں۔ت)

(۱۳) یا قرائن حالیہ گواہی دے رہے ہوں کہ یہ روایت اس شخص نے کسی طمع سے یا غضب وغیرہما کے باعث ابھی گھڑ کر پیش کر دی ہے جیسے حدیث سبق میں زیادت جناح اور حدیث ذم معلّمین اطفال۔

(۱۴) یا تمام کتب وتصانیف اسلامیہ میں استقرائے تام کیا جائے اور اس کا کہیں پتا نہ چلے یہ صرف اجلہ حفاظ ائمہِ شان کا کام تھا جس کی لیاقت صدہا سال سے معدوم۔

(۱۵) یا راوی خود اقرار وضع کر دے خواہ صراحۃً خواہ ایسی بات کہے جو بمنزلہ اقرار ہو، مثلاً ایک شیخ سے بلاواسطہ

عــہ: **زدته لان التواتر لایعتبر الافی الحسیات کما نصوا علیه فی الاصلین ۱۲ منه** (م)

میں نے اس کا اضافہ کیا کیونکہ تواتر کا اعتبار حسیات کے علاوہ میں نہیں ہوتا جیسے کہ انہوں نے اصول میں اس کی تصریح کی ہے ۱۲ منہ (ت)

بدعویٰ سماع روایت کرے، پھر اُس کی تاریخ وفات وہ بتائے کہ اُس کا اس سے سننا معقول نہ ہو۔

یہ پندرہ[۱۵] باتیں ہیں کہ شاید اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوانہ ملیں ولو بسطنا المقال علیٰ کل صورۃ لطال الکلام وتقاصی المرام، ولسنا ھنالك بصدد ذلک (اگر ہم ہر ایک صورت پر تفصیلی گفتگو کریں تو کلام طویل اور مقصد دُور ہوجائے گالہٰذا ہم یہاں اس کے درپے نہیں ہوتے۔ ت)

ثم اقول (پھر میں کہتا ہوں۔ ت) رہا یہ کہ جو حدیث ان سب سے خالی ہو اس پر حکمِ وضع کی رخصت کس حال میں ہے، اس باب میں کلمات علمائے کرام تین طرز پر ہیں:

(۱) انکار محقق یعنی بے امور مذکورہ کے اصلاً حکمِ وضع کی راہ نہیں اگرچہ راوی وضاع، کذاب ہی پر اُس کا مدار ہو، امام سخاوی نے فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث میں اسی پر جزم فرمایا، فرماتے ہیں:

مجرد تفرد الکذاب بل الوضاع ولوکان بعد الاستقصاء فی التفتیش من حافظ متبحرتام الاستقراء غیر مستلزم لذلك بل لابد معه من انضمام شیئ مماسیاتی[1]۔	یعنی اگر کوئی حافظ جلیل القدر کہ علمِ حدیث میں دریا اور اس کی تلاش کامل ومحیط ہو، تفتیش حدیث میں استقصائے تام کرے اور باینہمہ حدیث کا پتا ایک راوی کذاب بلکہ وضاع کی روایت سے جدا کہیں نہ ملے تاہم اس سے حدیث کی موضوعیت لازم نہیں آتی جب تک امورِ مذکورہ سے کوئی امر اس میں موجود نہ ہو۔ (ت)

مولانا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں حدیث ابن ماجہ دربارہ اتخاذ وجاج کی نسبت نقل کیا کہ اُس کی سند میں علی بن عروہ دمشقی ہے، ابن حبان نے کہا: وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ پھر فرمایا: **والظاھر ان الحدیث ضعیف لاموضوع**[2] (ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے موضوع نہیں) حدیث فضیلت عسقلان کا راوی ابو عقال ہلال بن زید ہے، ابنِ حبان نے کہا وہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موضوعات روایت کرتا ولہٰذا ابن الجوزی نے اُس پر حکمِ وضع کیا۔ امام الشان حافظ ابن حجر نے قولِ مسدد پھر خاتم الحفاظ نے لآلی میں فرمایا:

ھذا الحدیث فی فضائل الاعمال والتحریض علی الرباط، ولیس فیه مایحیله الشرع ولاالعقل، فالحکم علیه بالبطلان بمجرد کونه من روایة ابی عقال لایتجه، وطریقة الامام احمد معروفة فی التسامح	یہ حدیث فضائل اعمال کی ہے، اس میں سرحد دارالحرب پر گھوڑے باندھنے کی ترغیب ہے اور ایسا کوئی امر نہیں جسے شرع یا عقل محال مانے تو صرف اس بنا پر کہ اس کا راوی ابو عقال ہے باطل کہہ دینا نہیں بنتا، امام احمد کی روش معلوم ہے کہ احادیث فضائل

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الموضوع دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۲۹۷

[2] الاسرار المرفوعہ فی اخبار الموضوعہ حدیث ۱۲۸۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۳۸

فی احادیث الفضائل دون احادیث الاحکام[1]۔	میں نرمی فرماتے ہیں نہ احادیث احکام میں۔(ت)

یعنی تو اسے درج مسند فرمانا کچھ معیوب نہ ہوا۔

(۲) کذاب وضاع جس سے عمداً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذ اللہ بہتان وافتراء کرنا ثابت ہو، صرف ایسے کی حدیث کو موضوع کہیں گے وہ بھی بطریقِ ظن نہ بروجہ یقین کہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے اور اگر قصداً افترا اس سے ثابت نہیں تو اُس کی حدیث موضوع نہیں اگرچہ متہم بکذب ووضع ہو، یہ مسلک امام الشان[1] وغیرہ علماء کا ہے، نخبہ ونزھہ میں فرماتے ہیں:

الطعن امّا ان یکون لکذب الراوی بان یروی عنه مالم یقله صلی الله تعالٰی علیه وسلم متعمد الذلك اوتهمته بذلک، الاول هوالموضوع، والحکم علیه بالوضع انما هو بطریق الظن الغالب لابالقطع، اذقد یصدق الکذوب، والثانی هو المتروك[2] اھ ملتقطا	طعن یا تو کذب راوی کی وجہ سے ہوگا مثلاً اس نے عمداً اپنی بات روایت کی جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں فرمائی تھی یا اس پر ایسی تہمت ہو، پہلی صورت میں روایت کو موضوع کہیں گے اور اس پر وضع کا حکم یقینی نہیں بلکہ بطور ظن غالب ہے کیونکہ بعض اوقات بڑا جھوٹا بھی سچ بولتا ہے، اور دوسری صورت میں روایت کو متروک کہتے ہیں اھ ملتقطاً۔(ت)

یہی[2] امام کتاب الاصابہ[عہ] فی تمیز الصحابہ میں حدیث ان الشیطان یحب الحمرة فایاکم والحمرة وکل ثوب فیه شهرة (شیطان سُرخ رنگ پسند کرتا ہے تم سُرخ رنگت سے بچو اور ہر اس کپڑے سے جس میں شہرت ہو۔ت) کی نسبت فرماتے ہیں:

قال الجوزقانی فی کتاب الاباطیل هذا حدیث باطل واسنادہ منقطع کذاقال وقوله باطل مردود فان ابابکر الهذلی لم یوصف بالوضع وقد وافقه سعید بن بشیر، وان زادفی	جوزقانی نے کتاب الاباطیل میں کہا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی سند میں انقطاع ہے۔اسی طرح انہوں نے کہا اور ان کا باطل کہنا مردود ہے کیونکہ ابوبکر ہذلی وضاع نہیں اور اس کی سعید بن بشیر نے موافقت

عـــہ: ذکرہ فی ترجمة رافع بن یزید الثقفی ۱۲ منه (م)	رافع بن یزید ثقفی کے ترجمہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] القول المسدد الحدیث الثامن مطبوعہ مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ہند ص ۳۲

[2] شرح نخبۃ الفکر معہ نزھۃ النظر بحث الطعن مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۵۴ تا ۵۹

السند رجلا، فغایته ان المتن ضعیف اما حکمه بالوضع فمردود[1]۔	کی، اگرچہ سند میں انہوں نے ایک آدمی کا اضافہ کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ متن ضعیف ہے لیکن اس پر وضع کا حکم جاری کرنا مردود ہے۔(ت)

[3]علی قاری حاشیہ نزھہ میں فرماتے ہیں:

الموضوع ھو الحدیث الذی فیه الطعن بکذب الراوی[2]۔	موضوع اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کے راوی پر کذب کا طعن ہو۔(ت)

علامہ[4] عبدالباقی زرقانی شرح مواہب عہ۱ لدنیہ میں فرماتے ہیں:

احادیث الدیك حکم ابن الجوزی بوضعها ورد علیه الحافظ بما حاصله انه لم یتبین له الحکم بوضعها اذلیس فیها وضاع ولا کذاب نعم ھو ضعیف من جمیع طرقه[3]۔	روایات دیک (مرغ) کو ابن جوزی نے موضوع قرار دیا ہے اور حافظ نے ان کا رد کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مرفوع قرار دینا بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں نہ کوئی وضاع ہے اور نہ کذاب، ہاں وہ جمع طرق کے لحاظ سے ضعیف ہے۔(ت)

[5]اُسی میں حدیث عہ۲ کان لایعود الابعد ثلث[4] (سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین دن کے بعد عیادتِ مریض فرماتے تھے۔ت) پر اس طعن کے جواب میں کہ اس میں مسلمہ بن علی متروک واقع ہے، فرمایا:

اوردہ ابن الجوزی فی الموضوعات وتعقبوا "بانه ضعیف فقط، لاموضوع، فان مسلمة لم یجرح بکذب کما قاله الحافظ ولاالتفات لمن غر	ابنِ جوزی نے اسے موضوعات میں شامل کیا ہے محدثین نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ صرف ضعیف ہے موضوع نہیں کیونکہ مسلمہ پر جرح بالکذب نہیں جیسا کہ حافظ نے کہا

عہ۱: المقصد الثانی آخر الفصل التاسع ۱۲ منه (م) عہ۲: المقصد الثامن من الفصل الاول فی طبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه رضی الله تعالٰی	دوسرے مقصد کی ساتویں فصل کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت) آٹھویں مقصد کی پہلی فصل سے طب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ القسم الاول "حرف الراء" مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۵۰۰
[2] حاشیہ نزھۃ النظر مع نخبۃ الفکر بحث الموضوع مطبع علیمی لاہور ص ۵۶
[3] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثانی آخر الفصل التاسع مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۳/۴۵۰
[4] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۸

بزخرف القول فقال ھو موضوع کما قال الذھبی وغیرہ [1]۔	اور نہ توجہ کی جائے اس شخص کی طرف جس نے ملمع کاری سے دھوکا کھایا اور کہا کہ یہ موضوع ہے جیسا کہ ذہبی وغیرہ نے کہا۔(ت)

اُسی میں بعد کلام مذکور ہے:

المدار علی الاسناد فان تفرد بہ کذاب اووضاع فحدیثہ موضوع وان کان ضعیفا فالحدیث ضعیف فقط [2]۔	مدار سندِ حدیث پر ہے اگر اسے روایت کرنے والا کذاب یا وضاع متفرد ہے تو وہ روایت موضوع ہوگی اور اگر ضعیف ہے تو روایت صرف ضعیف ہوگی۔(ت)

^۶ انہیں ابن علی خشنی نے حدیث لیس عیادۃ الرمد والدمل والضرس (تین اشخاص کی عیادت لازم نہیں جس کی آنکھ میں تکلیف ہو جس کو پھوڑا نکل آئے اور داڑھ درد والے کی۔ت) کو مرفوعًا روایت کیا اور ہقل نے یحیٰی بن ابی کثیر پر موقوف رکھا، تو شدّت طعن کے ساتھ مخالفت اوثق نے حدیث کو منکر بھی کردیا ولہذا بیہقی نے موقوف کو "ھو الصحیح" (وہ صحیح ہے۔ت) بتایا، امام حافظ نے فرمایا:

تصحیحہ وقفہ لایوجب الحکم بوضعہ اذمسلمۃ وان کان ضعیفا لم یجرح بکذب، فجزم ابن الجوزی بوضعہ وھم [3] اھ نقلہ الزرقانی قبیل مامر۔	اس کی تصحیح کا موقوف ہونا ہے جو کہ اس کے موضوع ہونے کو ثابت نہیں کرتی کیونکہ مسلمہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کا طعن نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ ابن جوزی کا ان کو موضوع قرار دینا وہم ہے اھ اسے امام زرقانی نے پہلی حدیث سے کچھ پہلے نقل کیا ہے۔(ت)

^۷ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلیفہ منصور عباسی سے ارشاد کہ اپنا منہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیوں پھیرتا ہے وہ تیرا اور تیرے باپ آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں، اُن کی طرف منہ کر اور اُن سے شفاعت مانگ کر اللہ تعالٰی ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جسے اکابر ائمہ نے باسانید جیدہ مقبولہ روایت فرمایا، ابن تیمیہ منہور نے جزافًا بک دیا کہ ان ھذہ الحکایۃ کذب علی مالک"۔

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۹

[2] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۹

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الاول من المقصد الثامن فی طبہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۵۸

(اس واقعہ کاامام مالک سے نقل کرنا جھوٹ ہے۔ت) علامہ عـہ۱ زرقانی نے اُس کے رَد میں فرمایا:

هذا تهوّر عجيب، فان الحكاية رواها ابو الحسن علی بن فهر فی كتابه فضائل مالك باسناد لاباس به، واخرجها القاضی عياض فی الشفاء من طريقه عن شيوخ عدة من ثقات مشايخه فمن اين انها كذب وليس فی اسنادها وضاع ولا كذاب [1]۔	یہ بہت بڑی زیادتی ہے کیونکہ اس واقعہ کو شیخ ابوالحسن بن فہر نے اپنی کتاب "فضائلِ مالک" میں ایسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے جس میں کمزوری نہیں اوراسے قاضی عیاض نے شفاء میں متعدد ثقہ مشائخ کے حوالے سے اسی سند سے بیان کیا ہے لہٰذا اسے جھوٹا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ حالانکہ اسکی سند میں نہ کوئی رواوی وضاع ہے اور نہ ہی کذّاب۔(ت)

افادہ نہم میں ^۸ امام الشان وامام خاتم الحفاظ کاارشاد گزراکہ راوی متروک سہی کسی نے اُسے وضاع تو نہ کہا، امام^۹ آخر کا قول گزراکہ مسلمہ ضعیف سہی اس پر طعنِ کذب تو نہیں، نیز تعقبات عـہ۲ میں فرمایا:

لم يجرح بكذب فلايلزم ان يكون حديثه موضوعا [2]۔	اس پر کذب کا طعن نہیں لہٰذا اس کی روایت کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔(ت)

(۳) بہت علماء جہاں حدیث پر سے حکمِ وضع اٹھاتے ہیں وجہ رد میں کذب کے ساتھ تہمتِ کذب بھی شامل فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر موضوع ہوسکتی ہے حالانکہ اس کا کوئی راوی نہ کذاب ہے نہ متہم بالکذب۔ کبھی فرماتے ہیں موضوع تو جب ہوتی کہ اس کا راوی متہم بالکذب ہوتا یہاں ایسا نہیں تو موضوع نہیں۔^۱ افادہ دوم میں امام زرکشی وامام سیوطی کا ارشاد گزراکہ حدیث موضوع نہیں ہوتی جب تک راوی متہم بالوضع نہ ہو۔^۲ افادہ پنجم میں گزراکہ ابوالفرج نے کہا ملیکی متروک ہے، تعقبات میں فرمایا متہم بکذب تو نہیں۔^۳ افادہ نہم میں انہی دونوں ائمہ کا قول گزراکہ راوی متروک سہی متہم بالکذب تو نہیں۔ وہیں امام خاتم الحفاظ کے چار^۴ قول گزرے کہ راویوں کے ^۴ مجہول، ^۵ مجروح، ^۶ کثیر الخطاء، ^۷ متروک ہونے سب کے یہی جواب دیے۔ نیز تعقبات عـہ۳ میں ہے:

عـہ۱ المقصد العاشر الفصل الثانی فی زيارة قبر النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم منه عـہ۲ باب فضائل القراٰن منه عـہ۳ آخر البعث منه	دسویں مقصد کی فصل ثانی فی زیادۃ قبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کاذکر ہے ۱۲منہ (ت) باب فضائل القرآن میں اس کاذکر ہے ۱۲منہ (ت) باب البعث کے آخر میں اس کاذکر ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الفصل الثانی المقصد العاشر مطبوعہ مطبعہ عامرہ مصر ۸/۳۴۸

[2] التعقبات علی الموضوعات باب فضائل القرآن مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۸

حدیث فیه حسن بن فرقد لیس بشیئ، قلت، لم یتهم بکذب، واکثر مافیه ان الحدیث ضعیف [1] ۔	اس حدیث کی سند میں حسن بن فرقد کوئی شیئ نہیں، میں کہتا ہوں کہ یہ متہم بالکذب نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ (ت)

اُسی میں [عــہ۱] ہے:

حدیث فیه عطیة العوفی وبشربن عمارة ضعیفان "قلت" فی الحکم بوضعه نظرفلم یتهم واحد منهما بکذب [2] ۔	اس حدیث کی سند میں عطیہ اور بشر دونوں ضعیف ہیں، میرے نزدیک اس حدیث پر وضع کا حکم نافذ کرنا محلِ نظر ہے کیونکہ ان دونوں میں سے کسی پر بھی کذب کی تہمت نہیں۔ (ت)

۱۰اسی میں [عــہ۲] ہے:

حدیث اطلبواالعلم ولوبالصّین، فیه ابوعاتکة منکر الحدیث "قلت" لم یجرح بکذب ولاتهمة [3] ۔	حدیث "علم حاصل کرو اگرچہ چین جانا پڑے" اس کی سند میں ابوعاتکہ منکر الحدیث ہے میں کہتا ہوں اس پر کذب اور تہمت کا طعن نہیں ہے۔ (ت)

۱۱اُسی میں [عــہ۳] ہے:

حدیث فیه عمار لایحتج به قال الحافظ ابن حجر، تابعه اغلب واغلب شبیه بعمارة فی الضعف، لکن لم ارمن اتهمه بالکذب [4] ۔	اس حدیث کی سند میں عمارہ ہے، لہٰذا یہ قابلِ استدلال نہیں، حافظ ابنِ حجر کہتے ہیں کہ اس کی اغلب نے متابعت کی ہے اور اغلب ضعف میں عمارہ کے مثل ہے، لیکن میرے علم میں کوئی ایسا نہیں جس نے اس پر کذب کی تہمت لگائی ہو۔ (ت)

۱۲علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں حدیث عالم قریش یملؤ الارض علمًا (عالم قریشی زمین کو علم سے بھردے گا۔ت) کی نسبت فرمایا: یتصور وضعه ولاکذاب فیه ولامتهم [5] اس کا موضوع ہونا

عــہ۱ آخر التوحید ۱۲ منه ۔ عــہ۲ اول العلم ۱۲ منه ۔ عــہ۳ اول باب البعث	باب التوحید کے آخر میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت) باب العلم کی ابتداء میں اس کا ذکر ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۵۳

[2] التعقبات علی الموضوعات باب التوحید مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۴

[3] التعقبات علی الموضوعات باب العلم مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۴

[4] التعقبات علی الموضوعات باب البعث مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۵۱

[5] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثامن فی انبائہ بالاشیاء المغیبات مطبوعۃ المطبعۃ العامرہ مصر ۷/ ۲۵۹

کیونکر متصور ہو حالانکہ نہ اُس میں کوئی کذاب نہ کوئی متہم۔

بالجملہ اس قدر پر اجماعِ محققین ہے کہ حدیث جب اُن دلائل وقرائن قطعیہ وغالبہ سے خالی ہو اور اُس کا مدار کسی متہم بالکذب پر نہ ہو تو ہر گز کسی طرح اُسے موضوع کہنا ممکن نہیں جو بغیر اس کے حکم بالوضع کردے یا مشدد مفرط ہے یا مخطی غالط یا متعصب مغالط واللہ الھادی وعلیہ اعتمادی۔

افادہ یازدہم: (بارہا موضوع یا ضعیف کہنا صرف ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے) جو حدیث فی نفسہٖ ان پندرہ ۱۵ دلائل سے منزّہ ہو محدّث اگر اُس پر حکم وضع کرے تو اس سے نفس حدیث پر حکم لازم نہیں بلکہ صرف اُس سند پر جو اُس وقت اس کے پیشِ نظر ہے، بلکہ بارہا اسانید عدیدہ حاضرہ سے فقط ایک سند پر حکم مراد ہوتا ہے یعنی حدیث اگرچہ فی نفسہٖ ثابت ہے، مگر اس سند سے موضوع وباطل اور نہ صرف موضوع بلکہ انصافاً ضعیف کہنے میں بھی یہ حاصل حاصِل ائمہِ حدیث نے ان مطالب کی تصریحیں فرمائیں تو کسی عالم کو حکم وضع یا ضعف دیکھ کر خواہی نخواہی یہ سمجھ لینا کہ اصل حدیث باطل یا ضعیف ہے، ناواقفوں کی فہم سخیف ہے، میزان الاعتدال امام ذہبی میں ہے:

ابراھیم بن موسٰی المروزی عن مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما حدیث "طلب العلم فریضۃ" قال احمد بن حنبل "ھذا کذب" یعنی بھذا الاسناد والا فالمتن له طرق ضعیفۃ [1]	ابراہیم بن موسٰی المروزی مالک سے نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو حدیث طلب العلم فریضۃ کو کذب فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس سند سے کذب ہے، ورنہ اصل حدیث تو کئی سندوں ضعاف سے وارد ہے۔(ت)

امام شمس الدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری استاد امام الشان امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی نے حصن حصین شریف میں جس کی نسبت فرمایا: فلیعلم انی ارجو ان یکون جمیع مافیه صحیحا [2] (معلوم رہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ اس کتاب میں جتنی حدیثیں ہیں سب صحیح ہیں) حدیث حاکم وابن مردودیہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ تعزیت نامہ ارسال فرمایا ذکر کی، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری

---

1 میزان الاعتدال ترجمہ ابراہیم بن موسٰی المروزی مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۶۹/۱

2 حصن حصین مقدمہ کتاب نولکشور لکھنؤ ص ۵

اُس کی شرح حرز ثمین میں لکھتے ہیں:

صرح ابن الجوزی بان ھذا الحدیث موضوع "قلت"یمکن ان یکون بالنسبۃ الٰی اسنادہ المذکور عندہ موضوعًا[1]۔	ابنِ جوزی نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت موضوع ہے "میں کہتا ہوں" ممکن ہے اس مذکورہ سند کے اعتبار سے ان کے نزدیک موضوع ہو۔(ت)

اسی طرح حرز وصین میں ہے، نیز موضوعات کبیر میں فرماتے ہیں:

مااختلفوا فی انہ موضوع ترکت ذکرہ للحذر من الخطر لاحتمال ان یکون موضوعا من طریق وصحیحا من وجہ اٰخر[2] الخ	جس کے موضوع ہونے میں محدثین کا اختلاف ہے تو میں نے اس حدیث کا ذکر اس خطرہ کے پیشِ نظر ترک کیا کہ ممکن ہے یہ ایک سند کے اعتبار سے موضوع ہو اور دوسری سند کے اعتبار سے صحیح ہو الخ (ت)

علّامہ زرقانی حدیث احیائے ابوین کریمین کی نسبت فرماتے ہیں:

قال السھیلی ان فی اسنادہ مجاھیل وھو یفید ضعفہ فقط، وبہ صرح فی موضع اٰخر من الروض وایدہ بحدیث ولاینافی ھذا توجیہ صحتہ لان مرادہ من غیر ھذا الطریق، ان وجد، اوفی نفس الامر لان الحکم بالضعف وغیرہ انما ھو فی الظاھر[3]۔	سہیلی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں راوی مجہول ہیں جو اس کے فقط ضعف پر دال ہیں اور اسی بات کی تصریح الروض میں دوسرے مقام پر کی ہے اور اس کو حدیث کے ساتھ تقویت دی اور یہ صحتِ حدیث کی توجیہ کے منافی نہیں کیونکہ اس کی مراد اس سند کے علاوہ ہے اگر وہ موجود ہو ورنہ نفس الامر کے اعتبار سے کیونکہ ضعف وغیرہ کا حکم ظاہر میں ہوتا ہے۔(ت)

اور سُنئے حدیث "صلاۃ بسواک خیر من سبعین صلاۃ بغیر سواک[4]" (مسواک کے ساتھ نماز بے مسواک کی ستّر ۷۰ نمازوں سے بہتر ہے) ابونعیم نے کتاب السواک میں دو ۲ جید و صحیح سندوں سے روایت کی، امام ضیاء نے اسے صحیح مختارہ اور حاکم نے صحیح مستدرک میں داخل کیا اور کہا شرطِ مسلم پر صحیح ہے۔ امام احمد وابن خزیمہ وحارث بن ابی اسامہ وابویعلی وابن عدی وبزار وحاکم و بیہقی وابونعیم وغیرہم اجلّہ محدثین نے بطریق عدیدہ واسانید متنوعہ

---

[1] حرز ثمین مع حصن حصین تعزیۃ اہل رسول اللہ عند وفاۃ نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۰

[2] الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ الدافع للمؤلف لتالیف ہذا المختصر مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ص ۴۵-۴۶

[3] شرح زرقانی علی المواہب باب وفاۃ امّہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ المطبعۃ العامرہ مصر ۱/۱۹۶

[4] مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/۲۷۲

احادیث اُمّ المومنین صدیقہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمرو جابر بن عبداللہ وانس بن مالک وام الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تخریج کی، جس کے بعد حدیث پر حکمِ بطلان قطعًا محال، بااینہمہ ابو عمر ابن عبدالبر نے تمہید میں امام ابن معین سے اُس کا بطلان نقل کیا، علّامہ شمس الدین سخاوی مقاصد حسنہ میں اسے ذکر کرکے فرماتے ہیں:

قول ابن عبدالبر فی التمہید عن ابن معین، انہ حدیث باطل، ھو بالنسبۃ لماوقع لہ من طرقہ[1]۔	یعنی امام ابن معین کا یہ فرمانا (کہ یہ حدیث باطل ہے اُس سند کی نسبت ہے جو انہیں پہنچی۔)

ورنہ حدیث تو باطل کیا معنے ضعیف بھی نہیں، اقل درجہ حسن ثابت ہے۔

اور سُنیے حدیث حسن صحیح مروی سنن ابی داؤد ونسائی وصحیح مختارہ وغیرہا صحاح وسنن:

ان رجلا اتی النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ان امرأتی لاتدفع عـــہ یدلامس قال طلقھا قال انّی احبھا قال استمتع[2] بھا۔	ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: میری بیوی کسی بھی چھُونے والے کے ہاتھ کو منع نہیں کرتی۔ فرمایا: اُسے طلاق دے دے۔ عرض کیا: میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: اس سے نفع حاصل کر۔ (ت)

کہ باسانید ثقات وموثقین احادیث جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آئی، امام ذہبی نے مختصر سُنن میں کہا: "اسنادہ صالح" (اس کی سند صالح ہے۔ت) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر سنن میں فرمایا: "رجال اسنادہ محتج بھم فی الصحیحین علی الاتفاق والانفراد[3] (اس روایت کے تمام راوی

عـــہ ای کل من سألھا شیئا من طعام اومال اعطتہ ولم ترد ھذا ھوالراجح عندنا فی معنی الحدیث۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(م)	یعنی جو شخص بھی اس سے طعام یا مال مانگتا ہے وہ اسے دے دیتی ہے رَد نہیں کرتی، حدیث کے معنی میں ہمارے نزدیک یہی راجح ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] المقاصد الحسنۃ للسخاوی حدیث ۶۲۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۲۶۳

[2] سنن النسائی باب ماجاء فی الخلع مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۹۸/۲

[3] مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری باب النہی عن تزویج من لم یلد من النساء الخ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۶/۳

ایسے ہیں جن سے بخاری ومسلم میں اتفاقا اور انفراداً استدلال کیا ہے۔(ت) امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا: **حسن صحیح** (حسن صحیح ہے۔ت) اس حدیث کو جو حافظ ابوالفرج نے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کے ارشاد "**ولیس له اصل ولایثبت عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم**" (اس کی کوئی اصل نہیں اور نہ ہی یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ت) (کی تبعیت سے لا اصل له (اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) کہا امام الشان حدیث کا صحیح ہونا ثابت کرکے فرماتے ہیں:

لایلتفت الی ماوقع من ابی الفرج ابن الجوزی، حیث ذکر هذا الحدیث فی الموضوعات، ولم یذکر من طرقه الاالطریق التی اخرجها الخلال من طریق ابی الزبیر عن جابر، واعتمد فی بطلانه علی مانقله الخلال عن احمد، فابان ذلك عن قلّة اطلاع ابن الجوزی وغلبة التقلید علیه، حتی حکم بوضع الحدیث بمجرد ماجاء عن امامه، ولوعرضت هذه الطرق علی امامه لاعترف علی ان للحدیث اصلا، ولکنه لم تقع له فلذلك لم ارله فی مسنده، ولافیمایروی عنه ذکرا اصلا لامن طریق ابن عباس ولامن طریق جابرسوی ماسأله عند الخلال وهو معذور فی جوابه بالنسبة لتلك الطریق بخصوصها[1] **اھ ذکره فی اللالی** عـــہ۔	ابوالفرج ابن جوزی کی اس بات کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوعات میں شامل کیا ہے اور اس کی دیگر اسناد ذکر نہیں کیں ماسوائے اس سند کے جس کے حوالے سے خلال نے ابوالزبیر عن جابر روایت کیا اور اس کے بطلان میں اسی پر اعتماد کرلیا جو خلال نے احمد سے نقل کیا ہے، تو یہ بات ابن جوزی کے قلّتِ مطالعہ اور غلبہ تقلید کو واضح کررہی ہے حتی کہ انہوں نے اپنے امام سے منقول محض رائے کی بنیاد پر حدیث کو موضوع کہہ دیا حالانکہ یہ سندیں اگر ان کے امام کے سامنے پیش کی جاتیں تو وہ فی الفور اعتراف کرلیتے کہ حدیث کی اصل ہے لیکن ایسا نہ ہوسکا اس وجہ سے یہ حدیث اصلاً ان کی مسند میں نہیں آئی اور نہ ہی اُن روایات میں جو ان سے مروی ہیں نہ سند ابن عباس سے اور نہ ہی سند جابر سے ماسوائے اس سند کے جس کے بارے میں خلال نے سوال کیا تھا اور امام احمد اس کے جواب میں معذور ٹھہرے کیونکہ ان کا جواب اسی سند کے اعتبار سے ہے اور اسے لآلی میں ذکر کیا ہے۔(ت)

عـــہ فی اواخر النکاح | باب النکاح کے آخر میں اس کا ذکر کیا ہے (ت)

[1] اللآلی المصنوعۃ کتاب النکاح مطبوعہ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۱۷۳

(نتیجۃ الافادات) بحمداللہ تعالٰی فقیر آستان قادری غفراللہ تعالٰی لہ کے ان گیارہ[11] افادات نے مہر نیمروز وماہِ نیم ماہ کی طرح روشن کردیا کہ احادیثِ تقبیل ابہامین کو وضع وبطلان سے اصلاً کچھ علاقہ نہیں، اُن پندرہ[15] عیبوں سے اس کا پاک ہونا تو بدیہی اور یہ بھی صاف ظاہر کہ اس کا مدار کسی وضاع، کذاب یا متہم بالکذب پر نہیں۔ پھر حکمِ وضع محض بے اصل وواجب الدفع، ولہٰذا علمائے کرام نے صرف "لایصح" فرمایا یہاں تک کہ وہابیہ کے امام شوکانی نے بھی بآنکہ ایسے مواقع میں سخت تشدّد اور بہت مسائل میں بے معنی تفرد کی عادت ہے، فوائدِ مجموعہ میں اسی قدر پر اقتصار کیا اور موضوع کہنے کا راستہ نہ ملا، اگر بالفرض کسی امام معتمد کے کلام میں حکمِ وضع واقع ہُوا ہو تو وہ صرف کسی سند خاص کی نسبت ہوگا نہ اصل حدیث پر جس کے لئے کافی سندیں موجود ہیں جنہیں وضع واضعین سے کچھ تعلق نہیں کہ جہالت وانقطاع اگر ہیں تو مورثِ ضعف نہ کہ مثبت وضع۔ بعونہٖ تعالٰی یہاں تک کی تقریر سے موضوعیتِ حدیث کی نسبت منکرین کی بالاخوانیاں بالا بالا گئیں، آگے چلیے وباللہ التوفیق۔

افادہ دوازدہم[12]: (تعدّدِ طُرق سے ضعیف حدیث قوّت پاتی بلکہ حسن ہوجاتی ہے) حدیث اگر متعدد طریقوں سے روایت کی جائے اور وہ سب ضعف رکھتے ہوں تو ضعیف ضعیف مل کر بھی قوت حاصل کرلیتے ہیں، بلکہ اگر ضعف غایت شدّت وقوّت پر نہ ہو تو جبر نقصان ہو کر حدیث درجہ حسن تک پہنچتی اور مثل صحیح خود احکامِ حلال وحرام میں حجّت ہوجاتی ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

تعدد عـــہ۱ الطرق یبلغ الحدیث الضعیف الی حد الحسن[1]۔	متعدد روایتوں سے آنا حدیثِ ضعیف کو درجہ حسن تک پہنچادیتا ہے۔

آخر موضوعات کبیر میں فرمایا:

تعدد الطرق ولوضعفت یرقی الحدیث الی الحسن[2]۔	طرقِ متعددہ اگرچہ ضعیف ہوں حدیث کو درجہ حسن تک ترقی دیتے ہیں۔

محقق علی الاطلاق فتح القدیر عـــہ۲ میں فرماتے ہیں:

لوتم تضعیف کلھا کانت حسنۃ لتعدد الطرق	اگر سب کا ضعف ثابت ہو بھی جائے تاہم حدیث حسن

عـــہ۱ اٰخر الفصل الثانی، باب مالایجوز من العمل فی الصلاۃ۔ عـــہ۲ ذکر فی مسئلۃ السجود علی کور العمامۃ منہ (عمامہ پر سجدہ کرنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت)	منہ (باب مالایجوز من العمل فی الصلوٰۃ کی فصل ثانی کے آخر میں اسے ذکر کیا ہے۔ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ فصل الثانی من باب مالایجوز من العمل فی صلاۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۳

[2] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ احادیث الحیض مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۴۶

وکثرتہا [1]۔	ہوگی کہ طُرق متعدد وکثیر ہیں۔

اُسی عـہ۱ میں فرمایا:

جاز فی الحسن ان یرتفع الی الصحت اذا کثرت طرقه والضعیف یصیر حجة بذلك لان تعدده قرینة علی ثبوته فی نفس الامر [2]۔	جائز ہے کہ حسن کثرت طرق سے صحت تک ترقی پائے اور حدیثِ ضعیف اس کے سبب حجت ہوجاتی ہے کہ تعدد اسانید ثبوتِ واقعی پر قرینہ ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی میزان الشریعۃ الکبرٰی عـہ۲ میں فرماتے ہیں:-

قداحتج جمهور المحدثین بالحدیث الضعیف اذا کثرت طرقه والحقوه بالصحیح تارة، وبالحسن اخری، وهذا النوع من الضعیف یوجد کثیرا فی کتاب السنن الکبری للبیهقی التی الفها بقصد الاحتجاج لاقوال الائمة واقوال صحابهم [3]۔	بیشک جمہور محدثین نے حدیث ضعیف کو کثرتِ طرق سے حجت مانا اور اسے کبھی حسن سے ملحق کیا اس قسم کی ضعیف حدیثیں امام بیہقی کے سنن کُبرٰی میں بکثرت پائی جاتی ہیں جسے انہوں نے ائمہ مجتہدین واصحاب ائمہ کے مذاہب پر دلائل بیان کرنے کی غرض سے تالیف فرمایا۔

امام ابن حجر مکی صواعقِ محرقہ میں دربارہ حدیث توسعہ علی العیال یومِ عاشوراء امام ابوبکر بیہقی سے ناقل:

هذه الاسانید وان کانت ضعیفة لکنها اذاضم بعضها الی بعض احدثت قوة [4]۔	یہ سندیں اگرچہ سب ضعیف ہیں مگر آپس میں مل کر قوت پیدا کریں گی۔

بلکہ امام جلیل جلال سیوطی تعقبات عـہ۳ میں فرماتے ہیں:

المتروك اوالمنکر اذا تعددت طرقه ارتقی	یعنی متروک یا منکر کہ سخت قوی الضعف ہیں یہ بھی

عـہ۱ قاله فی مسئلة النفل قبل المغرب ۱۲ منه

عـہ۲ الفصل الثالث من فصول فی الاجوبة عن الامام ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه۔ عـہ۳ باب المناقب حدیث النظر علی عبادة ۱۲ منه

---

[1] فتح القدیر صفۃ الصلوٰۃ بحث سجود علی العمامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۶۶

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۸۹

[3] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل ثالث من فصول فی الاجوبۃ عن الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۸

[4] الصواعق المحرقہ الباب الحادی عشر فصل اول مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۴

الی درجۃ الضعیف الغریب، بل ربما ارتقی الی الحسن[1]۔	تعدد طرق سے ضعیف غریب، بلکہ کبھی حسن کے درجہ تک ترقی کرتی ہیں۔

افادہ سیز دہم ۱۳: (حدیث مجہول و حدیث مبہم تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور وہ جابر و منجبر ہونے کے صالح ہیں) جہالت راوی بلکہ ابہام بھی انہیں کم درجہ کے ضعفوں سے ہے جو تعدد طرق سے منجبر ہو جاتے ہیں اور حدیث کو رتبہ حسن تک ترقی سے مانع نہیں آتے، یہ حدیثیں جابر و منجبر دونوں ہونے کے صالح ہیں، افادہ پنجم میں امام خاتم الحفاظ کا ارشاد گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف سے منجبر ہو گئی، امام الشان کا فرمانا گزرا کہ حدیث مبہم حدیث ضعیف کا جبر نقصان کرے گی۔ ابوالفرج نے حدیث:

لیث عن مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولدلہ ثلثۃ اولاد فلم یسم احدھم محمدا فقد جھل[2]۔	حضرت مجاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے تین ۳ بیٹے ہوں اور ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے اس نے جہالت سے کام لیا۔ (ت)

پر طعن کیا کہ لیث کو امام احمد وغیرہ نے متروک کیا اور ابن حبان نے مختلط بتایا، امام سیوطی عـــہ۱ نے اس کا شاہد بروایت نضر بن شنقی مرسلاً مسند حارث سے ذکر کرکے ابن القطان سے نضر کا مجہول ہونا نقل کیا، پھر فرمایا:

ھذا المرسل یعضد حدیث ابن عباس ویدخلہ فی قسم المقبول[3]۔	یہ مرسل اُس حدیث ابن عباس کی مؤید ہو کر اسے قسم مقبول میں داخل کرے گی۔

علّامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں عـــہ۲ فرماتے ہیں:

فی اسنادہ جھالۃ لکنہ اعتضد فصار حسنا[4]۔	اس کی اسناد میں جہالت مگر تائید پا کر حسن ہو گئی۔

عـــہ۱ لآلی کتاب المبتداء

عـــہ۲ تحت حدیث ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۷۵

[2] کتاب الموضوعات باب التسمیۃ بمحمد مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۱۵۴

[3] اللآلی المصنوعۃ کتاب المبتداء دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰۲

[4] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث ابنوا المساجد کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/۱۷۰

افادہ چہاردہم ۱۴: (حصولِ قوت کو صرف دو سندوں سے آنا کافی ہے) حصولِ قوّت کیلئے کچھ بہت سے ہی طرق کی حاجت نہیں صرف دو ۲ بھی مل کر قوت پاجاتے ہیں، اس کی ایک مثال ابھی گزری، نیز تیسیر میں فرمایا: **ضعیف لضعف عمرو بن واقد لکنه یقوی بوروده من طریقین** [1]۔ یعنی حدیث تو اپنے راوی عمرو بن واقد متروک کے باعث ضعیف ہے مگر دو ۲ سندوں سے آکر قوّت پاگئی۔ اُسی میں حدیث "**اکرموا المعزی وامسحوا برغامها فانها من دواب الجنة**" [2] **اسناده ضعیف لکن یجبره ماقبله فیتعاضدان** [3]۔ (بکری کی عزت کرو اور اس سے مٹی جھاڑو کیونکہ وہ جنتی جانور ہے۔ت) بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید بن نوفلی کے سبب تضعیف کی پھر اس کے شاہد بروایت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: سند اس کی بھی ضعیف ہے لیکن پھر پہلی سند اس کی تلافی کرتی ہے تو دو ۲ مل کر قوی ہوجائیں گے۔ جامع صغیر میں حدیث "**اکرموا العلماء فانه ورثة الانبیاء**" [4] (علماء کا احترام کرو کیونکہ وہ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ت) دو ۲ طریقوں سے ایراد کی، اوّل: ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ **دوم**: خط **یعنی الخطیب فی التاریخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما**۔ علّامہ مناوی وعلّامہ عزیزی نے تیسیر وسراج المنیر میں زیر طریق اول لکھا: **ضعیف لکن یقویه مابعده** [5] (ضعیف ہے مگر پچھلی حدیث اسے قوّت دیتی ہے) زیرِ طریق دوم فرمایا: **ضعیف لضعف الضحاك بن حجرة لکن یعضده ماقبله** [6] (ضحاک بن حجرۃ کے ضعف سے یہ بھی ضعیف ہے مگر پہلی اسے طاقت بخشتی ہے۔ت) متتبعِ کلماتِ علماء اس کی بہت مثالیں پائے گا۔

افادہ پانزدہم ۱۵: (اہلِ علم کے عمل کرنے سے بھی حدیثِ ضعیف قوی ہوجاتی ہے) اہلِ علم کے عمل کرلینے سے بھی حدیث قوت پاتی ہے اگرچہ سند ضعیف ہو۔ مرقاۃ عــہ میں ہے:

عــہ: **باب ماعلی الماموم من المتابعة اول الفصل الثانی ۱۲ منه رضی اللہ تعالیٰ عنه**

---

[1] تیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث اکرموا المعزٰی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/۲۰۴

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۱ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۹۱

[3] تیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اکرموا المعزٰی کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۱/۲۰۴

[4] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۴۲۸ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۹۳

[5] السراج المنیر شرح جامع الصغیر زیرِ حدیث اکرموا العلماء مطبوعہ ازہریہ مصر ۱/۲۷۰

[6] السراج المنیر شرح جامع الصغیر زیرِ حدیث اکرموا العلماء مطبوعہ ازہریہ مصر ۱/۲۷۰

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم .قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک .فکأن الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم .والعلم عنداللہ تعالٰی کماقال الشیخ محی الدین ابن العربی انہ بلغنی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم .انہ من قال لاالٰہ الااللہ سبعین الفا.غفراللہ تعالٰی لہ .ومن قیل لہ غفرلہ ایضا.فکنت ذکرت التھلیلۃ بالعدد المروی من غیران انوی لاحد بالخصوص .فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب وفیھم شاب مشہور بالکشف .فاذاھو فی اثناء الاکل اظھر البکأ .فسألتہ عن السبب .فقال اری امی فی العذاب .فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلۃ المذکورۃ لھا فضحك وقال انی اراھاالاٰن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث [1]۔	یعنی امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور اہلِ علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عملِ اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستّر ہزار بار لاالٰہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو، میں نے لاالٰہ الا اللہ اتنے بار پڑھا تھااُس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ کی تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا اُن میں ایک جوان کے کشف کا شُہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا میں نے سبب پُوچھا، کہا اپنی ماں کو عذاب میں دیکھتا ہُوں، میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اُس کی ماں کو بخش دیا فورًا وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اُسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں، امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اُس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات عــہ میں امام بیہقی سے ناقل تداولھا الصالحون بعضھم عن بعض وفی ذلك تقویۃ للحدیث المرفوع [2] (اسے صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور اُن کے اخذ میں حدیث مرفوع

عــہ باب الصلاۃ حدیث صلاۃ التسبیح ۱۲ منہ

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی باب ماعلی الماموم من المتابعۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۹۸/۳

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۳

کی تقویت ہے) اُسی عـــہ میں فرمایا:

قدصرح غیرواحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله[1]۔	معتمد علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اہلِ علم کی موافقت صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اُس کے لئے کوئی سند قابلِ اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشاد علما احادیث احکام کے بارے میں ہے پھر احادیثِ فضائل تو احادیثِ فضائل ہیں۔

افادہ شانزدہم ۱۶: (حدیث سے ثبوت ہونے میں مطالب تین قسم ہیں) جن باتوں کا ثبوت حدیث سے پایا جائے وہ سب ایک پلّہ کی نہیں ہوتیں بعض تو اس اعلیٰ درجہ قوت پر ہوتی ہیں کہ جب تک حدیث مشہور، متواتر نہ ہو اُس کا ثبوت نہیں دے سکتے احاد اگرچہ کیسے ہی قوت سند ونہایت صحت پر ہوں اُن کے معاملہ میں کام نہیں دیتیں۔ (عقائد میں حدیث احاد اگرچہ صحیح ہو کافی نہیں) یہ اصول عقائد اسلامیہ ہیں جن میں خاص یقین درکار، علّامہ تفتازانی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

خبر الواحد علی تقدیر اشتماله علی جمیع الشرائط المذکورة فی اصول الفقه لایفید الا الظن ولاعبرة بالظن فی باب الاعتقادات[2]۔	حدیث احاد اگرچہ تمام شرائط صحت کی جامع ہو ظن ہی کا فائدہ دیتی ہے اور معاملہ اعتقاد میں ظنیات کا کچھ اعتبار نہیں۔

عـــہ باب الصلاة حدیث من جمع بین الصلاتین من غیر عذر فقداتی بابا من ابواب الکبائر اخرجه الترمذی وقال حسین ضعفه احمد وغیره والعمل علی هذا الحدیث عنداهل العلم فاشار بذلك الی ان الحدیث اعتضد بقول اهل العلم وقدصرح غیر واحد[3] الخ ۱۲ منه رضی الله تعالیٰ عنه (م)	باب الصلوٰۃ کی اس حدیث کے تحت ذکر ہے جس میں ہے کہ جس نے دو۲ نمازیں بغیر عذر کے جمع کیں اس نے کبائر میں سے ایک کبیرہ کا ارتکاب کیا، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسین نے کہا احمد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور اہلِ علم کا اس حدیث پر عمل ہے، اس سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث نے اہلِ علم کے قول کے ذریعے قوت حاصل کی ہے اور اس کی تصریح متعدد محدثین نے کی ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ت)

[1] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۲

[2] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۱۲

[3] شرح عقائد نسفی بحث تعداد الانبیاء مطبوعہ دارالاشاعت العربیۃ قندھار ص ۱۰۱

مولانا علی قاری منح الروض الازہر میں فرماتے ہیں: الاحاد لاتفید الاعتماد فی الاعتقاد[1] (احادیث احاد درباره اعتقاد ناقابلِ اعتماد)۔ (درباره احکام ضعیف کافی نہیں) دوسرا درجہ احکام کا ہے کہ اُن کے لئے اگرچہ اُتنی قوت درکار نہیں پھر بھی حدیث کا صحیح لذاتہ خواہ لغیرہ یا حسن لذاتہ یا کم سے کم لغیرہ ہونا چاہئے، جمہور علماء یہاں ضعیف حدیث نہیں سنتے۔

(فضائل ومناقب میں باتفاق علماء حدیثِ ضعیف مقبول وکافی ہے) تیسرا مرتبہ فضائل ومناقب کا ہے یہاں باتفاقِ عـــہ۱ علماء ضعیف عـــہ۲ حدیث بھی کافی ہے، مثلاً کسی حدیث میں ایک عمل کی ترغیب آئی کہ جو ایسا کرے گا اتنا ثواب پائے گا یا کسی نبی یا صحابی کی خُوبی بیان ہوئی کہ اُنہیں اللہ عزوجل نے یہ مرتبہ بخشا، یہ فضل عطا کیا، تو ان کے مان لینے کو ضعیف حدیث بھی بہت ہے، ایسی جگہ صحت حدیث میں کام کرکے اسے پایہ قبول سے ساقط کرنا فرق مراتب نہ جاننے سے ناشیئ، جیسے بعض جاہل بول اُٹھتے ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت میں کوئی حدیث صحیح نہیں، یہ اُن کی نادانی ہے علمائے محدثین اپنی اصطلاح پر کلام فرماتے ہیں، یہ بے سمجھے خدا جانے کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، عزیز ومسلم کہ صحت نہیں پھر حسن کیا کم ہے، حسن بھی نہ سہی یہاں ضعیف بھی مستحکم ہے، عـــہ۳ رسالہ [1] قاری و [2] مرقاۃ و [3] شرح ابن حجر مکی و [4] تعقبات و [5] لآلی امام سیوطی وقول مسدّد امام عسقلانی کی پانچ عبارتیں افادہ دوم وسوم وچہارم ودہم میں گزریں، عبارتِ تعقبات میں تصریح تھی کہ نہ صرف ضعیف محض بلکہ منکر بھی فضائلِ اعمال میں مقبول ہے، باآنکہ اُس میں ضعف راوی کے ساتھ اپنے سے اوثق کی مخالفت بھی ہوتی ہے کہ تنہا ضعف سے کہیں بدتر ہے، [6] امام اجل شیخ العلماء والعرفاء سیدی ابوطالب محمد بن علی مکی قدس اللہ سرہ الملکی کتاب جلیل القدر عظیم الفخر قوت القلوب عـــہ۴ فی معاملۃ المحبوب

عـــہ۱: ای ولاعبرۃ بمن شذ ۱۲ منہ (یعنی کسی شاذ شخص کا اعتبار نہیں۔ت)

عـــہ۲: الاجماع المذکور فی الضعیف المطلق کما نحن فیہ منہ

عـــہ۳: مسئلہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تحقیق وتنقیح فقیر کے رسالہ البشری العاجلہ من تحف اجلہ ورسالہ الاحادیث الراویہ لمدح الامیر المعاویہ ورسالہ عرش الاعزاز والاکرام لاول ملوك الاسلام ورسالہ ذب الاھواء الواہیہ فی باب الامیر معاویہ وغیرہا میں ہے وفقنا اللہ تعالٰی بمنہ وکرمہ لترصیفھا وتبیینھا ونفع بھا وبسائر تصانیفی امۃ الاسلام بفھمھا وبتفھیمھا امین باعظم القدرۃ واسع الرحمۃ امین صلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی سیدنا محمد والہ وصحبہ وسلم منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

عـــہ۴ فی فصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ

---

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر الانبیاء منزھون عن الکبار والصغائر مصطفٰی البابی مصر ص ۵۷

میں فرماتے ہیں:

الاحادیث فی فضائل الاعمال وتفضیل الاصحاب متقبلة محتملة علی کل حال مقاطیعها ومراسیلها لاتعارض ولاترد، کذلك کان السلف یفعلون [1]۔	فضائل اعمال وتفضیلِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حدیثیں کیسی ہی ہوں ہر حال میں مقبول وماخوذ ہیں مقطوع ہوں خواہ مرسل نہ اُن کی مخالفت کی جائے نہ اُنہیں رد کریں، ائمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

۷امام ابوزکریا نووی اربعین پھر امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مرقاۃ عہ۱ وحرز عہ۲ ثمین ۸شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

قداتفق الحفاظ ولفظ الاربعین قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال [2] ولفظ الحرز لجواز العمل به فی فضائل الاعمال بالاتفاق [3]۔	یعنی بیشک حفاظِ حدیث وعلمائے دین کا اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے۔ (ملخصًا)

۹فتح المبین بشرح عہ۳ الاربعین میں ہے:

لانه ان کان صحیحا فی نفس الامرفقد اعطی حقه من العمل به، والالم یترتب علی العمل به مفسدة تحلیل ولاتحریم ولاضیاع حق للغیر وفی حدیث ضعیف من بلغه عنی ثواب عمل فعمله حصل له اجره وان لم اکن قلته اوکما	یعنی حدیث ضعیف پر فضائل اعمال میں اس لئے ٹھیک ہے کہ اگر واقع میں صحیح ہُوئی جب تو جو اس کا حق تھا کہ اس پر عمل کیا جائے حق ادا ہوگیا اور اگر صحیح نہ بھی ہو تو اس پر عمل کرنے میں کسی تحلیل یا تحریم یا کسی کی حق تلفی کا مفسدہ تو نہیں اور ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس

عہ۱ تحت حدیث من حفظ علی امتی اربعین حدیثا قال النووی طرقه کلها ضعیفه ۱۲ منه (م)

عہ۲ فی شرح الخطبة تحت قول المصنّف رحمه الله تعالی اتی ارجوان یکون جمیع مافیه صحیحًا ۱۲ منه (م)

عہ۳ فی شرح الخطبة ۱۲منه رضی الله تعالی عنه (م)

---

1 قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب فصل الحادی والعشرون مطبوعہ دار صادر مصر ۱/۱۷۸

2 شرح اربعین للنووی خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴

3 حرز ثمین شرح مع حصن حصین شرح خطبہ کتاب نولکشور لکھنؤ ص ۲۳

قال واشار المصنّف رحمه الله تعالٰی بحکایة الاجماع علٰی ماذکره الی الرد علی من نازع فیه الخ[1]	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جسے مجھ سے کسی عمل پر ثواب کی خبر پہنچی وہ اس پر عمل کرلے اُس کا اجر اُسے حاصل ہو اگرچہ وہ بات واقع میں مَیں نے نہ فرمائی ہو۔لفظ حدیث کے یونہی ہیں یاجس طرح حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے فرمائے،امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر نقل اجماع علماسے اشارہ فرمایا جو اس میں نزاع کرے اُس کا قول مردود ہے۔الخ

۱۰مقاصد حسنہ عـــہ۱میں ہے:

قدقال ابن عبدالبر انھم یتساھلون فی الحدیث اذاکان من فضائل الاعمال[2]۔	بے شک ابوعمرابن عبدالبر نے کہاکہ علماء حدیث میں تساہل فرماتے ہیں جب فضائل اعمال کے بارہ میں ہو۔

۱۱امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الضعیف غیر الموضوع یعمل به فی فضائل الاعمال[3]۔	یعنی فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے گا بس اتنا چاہیے کہ موضوع نہ ہو۔

مقدمہ ۱۲امام ابوعمروابن الصلاح و ۱۳مقدمہ جرجانیہ و ۱۴شرح الالفیۃ للمصنّف و ۱۵تقریب النواوی اوراس کی شرح ۱۶تدریب الراوی میں ہے:

واللفظ لهما یجوز عنداهل الحدیث وغیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفةوروایة ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل به من غیربیان ضعفه فی فضائل الاعمال غیرهما ممالاتعلق له بالعقائد والاحکام وممن نقل عنه ذلك ابن حنبل وابن مهدی وابن المبارك قالوا اذاروینا	محدثین وغیرہم علماکے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سواہر قسم حدیث کی روایت اور اُس پر عمل فضائلِ اعمال وغیرہا امور میں جائز ہے جنہیں عقائد واحکام سے تعلق نہیں،امام احمد بن حنبل وامام عبدالرحمٰن بن مہدی وامام عبداللہ بن مبارک وغیرہم ائمہ سے اس کی تصریح منقول ہے وہ فرماتے جب

عـــہ: ذکره فی مسألة تقدیم الاورع ۱۲ منه (م)	صاحبِ ورع و تقوی کی تقدیم میں اس کا بیان ہے ۱۲منہ (ت)

[1] فتح المبین شرح الاربعین
[2] المقاصد الحسنۃ زیر حدیث من بلغہ عن اللہ الخ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۰۵
[3] فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوھا تساھلنا [1] اھ ملخصا۔	ہم حلال وحرام میں حدیث روایت کریں سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کریں تو نرمی اھ ملخصا۔

امام زین الدین عراقی نے الفیۃ الحدیث میں جہاں اس مسئلہ کی نسبت فرمایا عن ابن مھدی وغیر واحد (یعنی امام ابن مہدی وغیرہ ائمہ سے ایسا ہی منقول ہے) وہاں [۱۷]شارح نے فتح المغیث میں امام [۱۸]احمد وامام [۱۹]ابن معین وامام [۲۰]ابن المبارک و[۲۱]امام سفین ثوری و[۲۲]امام ابن عیینہ و[۲۳]امام ابوزکریا عنبری و[۲۴]حاکم و[۲۵]ابن عبدالبر کے اسماء واقوال نقل کیے اور فرمایا کہ [۲۶]ابن عدی نے کامل اور [۲۷]خطیب نے کفایہ میں اس کے لئے ایک مستقل باب وضع کیا۔ غرض مسئلہ مشہور ہے اور نصوص نامحصور اور بعض دیگر عبارات جلیلہ وافادات آئندہ میں مسطور ان شاء اللہ العزیز الغفور۔

تذییل: کبرائے وہابیہ بھی اس مسئلہ میں اہلِ حق سے موافق ہیں، مولوی [۲۸]خرم علی رسالہ عـــہ۱ دعائیہ میں لکھتے ہیں:

ضعاف درفضائلِ اعمال وفیما نحن فیہ باتفاق علما معمول بہااست [2] الخ	فضائل اعمال میں اور جس میں ہم گفتگو کررہے ہیں اس میں باتفاق علماء ضعیف حدیثوں پر عمل درست ہے الخ (ت)

[۲۹]مظاہر حق میں راوی حدیث صلاۃ اوابین کا منکر الحدیث ہونا امام بخاری سے نقل کرکے لکھا: "اس حدیث کو اگرچہ ترمذی وغیرہ نے ضعیف کہا ہے لیکن فضائل میں عمل کرنا حدیث ضعیف پر جائز ہے [3] الخ"

[۳۰]اُسی میں حدیث فضیلتِ شبِ برات کی تضعیف امام بخاری سے نقل کرکے کہا: "یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن عمل کرنا حدیثِ ضعیف پر فضائلِ اعمال میں باتفاق جائز ہے [4] الخ"

افادہ ہفدہم ۱۷: فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے حدیث ضعیف ثبوت استحباب کے لئے بس ہے۔ [۳۱]امام شیخ الاسلام ابوزکریا نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتہ کتاب عـــہ۲ الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار

عـــہ۱: نقل ھذہ العبارات الثلثۃ محقق اعصارنا وزینۃ امصارنا تاج الفحول محب الرسول مولانا المولوی عبدالقادر البدایونی ادام اللہ تعالٰی فیوضہ فی کتابہ سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام ۱۲ منہ (م)	یہ تینوں عبارات ہمارے دور کے عظیم محقق اور ہمارے ملک کی زینت تاج الفحول محب الرسول مولانا مولوی عبدالقادر بدیوانی ادام اللہ فیوضہ نے اپنی کتاب "سیف الاسلام المسلول علی المناع بعمل المولد والقیام" میں ذکر کی ہیں ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: اول الکتاب ثالث فصول المقدمۃ ۲۱ منہ (م)	یہ کتاب کے شروع میں مقدمہ کی تیسری فصل میں ہے ۱۲ منہ (ت)

1 تدریب الراوی قبیل نوع الثالث والعشرون مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱/۲۹۸

2 رسالہ دعائیہ مولوی خرم علی

3 مظاہر حق باب السنن وفضائلھا مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۷۶۶

4 مظاہر حق اردو ترجمہ مشکوٰۃ شریف باب قیام شہر رمضان مطبوعہ دارالاشاعت کراچی ۱/۸۴۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب العمل فی الفضائل والترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا[1]۔	محدثین وفقہا وغیرہم علما نے فرمایا کہ فضائل اور نیک بات کی ترغیب اور بُری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

بعینہا یہی الفاظ امام ابن الہمام نے العقد النضید فی تحقیق کلمۃ التوحید پھر عارف باللہ سیدی ۳۲عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ عـہ۱ ۳۳شرح طریقہ محمدیہ میں نقل فرمائے، ۳۴امام فقیہ النفس محقق علی الاطلاق فتح القدیر عـہ۲ میں فرماتے ہیں: الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2] (حدیث ضعیف سے کہ موضوع نہ ہو فعل کا مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے) علامہ ۳۵ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی عـہ۳ فی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

(یستحب ان یمسح بدنه بمندیل بعد الغسل) لما روت عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت کان للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خرقة یتنشف بها بعد الوضوء رواه الترمذی وهو ضعیف ولکن یجوز العمل بالضعیف فی الفضائل[3]۔	(نہا کر رومال سے بدن پُونچھنا مستحب ہے جیسا کہ ترمذی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضو کے بعد رومال سے اعضاءِ مبارک صاف فرماتے۔ ترمذی نے روایت کیا یہ حدیث ضعیف ہے مگر فضائل میں ضعیف پر عمل روا۔

مولانا ۳۶ علی قاری موضوعاتِ کبیر میں حدیث مسح گردن کا ضعف بیان کرکے فرماتے ہیں:

الضعیف یعمل به فی الفضائل الاعمال اتفاقا	فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر بالاتفاق عمل

عـہ۱: اواخر الفصل الثانی من باب الاول ۱۲ منه (م)	باب اول کی فصل ثانی کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـہ۲: قبیل فصل فی حمل الجنازۃ ۱۲ منه (م)	فصل فی حمل الجنازہ سے تھوڑا پہلے اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)
عـہ۳: فی سنن الغسل ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)	سنن غسل میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] کتاب الاذکار المنتخب من کلام سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم فصل قال العلماء من المحدثین مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۷
[2] فتح القدیر فصل فی الصلاۃ علی المیت مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الغسل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۲

ولذا قال ائمتنا ان مسح الرقبة مستحب اوسنة [1]۔	کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنّت ہے۔

امام جلیل ۳۷ سیوطی طلوع عــہ۱ الثریا باظہار ماکان خفیا میں فرماتے ہیں:

استحبه ابن الصلاح وتبعه النووی نظر الی ان الحدیث الضعیف یتسامح به فی فضائل الاعمال [2]۔	تلقین کو امام ابن الصلاح پھر امام نووی نے اس نظر سے مستحب مانا کہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کے ساتھ نرمی کی جاتی ہے۔

علامہ ۳۸ محقق جلال دوانی رحمہ اللہ تعالٰی انموذج العلوم عــہ۲ میں فرماتے ہیں:

الذی یصلح للتعویل علیه ان یقال اذاوجد حدیث فی فضیلة عمل من الاعمال لایحتمل الحرمة والکراهیة یجوز العمل به ویستحب لانه مامون الخطر ومرجو النفع [3]۔	اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت وکراہت کے قابل نہ ہو تو اُس حدیث پر عمل جائز ومستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی اُمید۔

اندیشہ سے امان یوں کہ حُرمت وکراہت کا محل نہیں اور نفع کی اُمید یوں کہ فضیلت میں حدیث مروی ہے اگرچہ ضعیف ہی سہی۔

اقول: وباللہ التوفیق بلکہ فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کے معنی ہی یہ ہیں کہ استحباب مانا جائے

عــہ۱: نقله بعض العصریین وهو فیما نری ثقة فی النقل ۱۲ منه (م)

عــہ۲: نقله العلّامة شهاب الخفاجی فی نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فی شرح الدیباجة حیث روی المصنّف رحمة اللہ تعالٰی بسنده الی ابی داؤد حدیث من سئل عن علم فکتمه الحدیث وللمحقق ههنا کلام طویل نقله الشارح ملخصا ونازعه بماهو منازع فیه والوجه مع المحقق فی عامة ماذکروا لولا خشیة الاطالة لأتینا بکلاهما مع ماله وعلیه ولکن سنشیر ان شاء اللہ تعالٰی الی احرم یسیر یظهر بها الصواب بعون الملك الوهاب ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

---

[1] موضوعات کبیر حدیث مسح الرقبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۳

[2] الحاوی للفتاوٰی خفیا دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۱

[3] نسیم الریاض شرح شفا دیباجہ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۱/ ۴۳

ورنہ نفسِ جواز تو اصالت اباحت وانعدام نہی شرعی سے آپ ہی ثابت، اُس میں حدیث ضعیف کا کیا دخل ہُوا، تو لاجرم ورود حدث کے سبب جانب فعل کو مترجح مانے کہ حدیث کی طرف اسناد محقق اور اُس پر عمل ہونا صادق ہو اور یہی معنی استحباب ہے، آخر نہ دیکھا کہ علّامہ حلبی وعلّامہ قاری نے اسے عمل وجواز عمل کو دلیل ومثبت استحباب قرار دیا اور امام محمد محمد ابن امیر الحاج نے مقامِ اباحت میں اُس سے تمسک کو درجہ ترقی واولویت میں رکھا کہ جب اُس پر عمل ہوتا ہے تو ثبوت اباحت تو بدرجہ اولیٰ اس کے کُھل گیا کہ اُس پر عمل کے معنی نفس اباحت سے ایک زائد وبالاتر چیز ہے اور وہ نہیں مگر استحباب وھذا ظاھر لیس دونہ حجاب (اور یہ ظاہر ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ت) حلیہ[۳۹] شرح[عـہ۱] منیہ میں فرماتے ہیں:

الجمھور علی العمل بالحدیث الضعیف الذی لیس بموضوع فی فضائل الاعمال فھو فی ابقاء الاباحۃ التی لم یتم دلیل علی انتفائھا کمافیما نحن فیہ اجدر[1]۔	جمہور علماء کا مسلک فضائل اعمال میں حدیث ضعیف غیر موضوع پر عمل کرنا ہے تو ایسی حدیث اُس اباحت فعل کے باقی رکھنے کی تو زیادہ سزاوار ہے جس کی نفی پر دلیل تمام نہ ہوئی جیسا کہ ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔

امام[۴۰] ابوطالب مکی قوت القلوب[عـہ۲] میں فرماتے ہیں:

الحدیث اذالم ینافہ کتاب اوسنۃ وان لم یشھد الہ ان لم یخرج تاویلہ عن اجماع الامۃ فانہ یوجب القبول والعمل لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل[2]۔	حدیث جبکہ قرآن عظیم یا کسی حدیث ثابت کے منافی نہ ہو اگرچہ کتاب وسنت میں اس کی کوئی شہادت بھی نہ نکلے، تو بشرطیکہ اُس کے معنی مخالفِ اجماع نہ پڑتے ہوں اپنے قبول اور اپنے اوپر عمل کو واجب کرتی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیونکر نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا۔

یعنی جب ایک راوی جس کا کذب یقینی نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بات کی خبر دیتا ہے اور اُس

عـہ۱: سنن الغسل مسئلۃ المندیل ۱۲ منہ (م)
سنن غسل میں رومال کے مسئلہ میں اسی کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عـہ۲: فی الفصل الحادی والثلثین ۱۲ منہ (م)
اکتیسویں فصل میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

2 قوت القلوب الفصل الحادی والثلاثون باب تفصیل الاخبار مطبوعہ المطبعۃ المبنیۃ مصر ۱/ ۱۷۷

امر میں کتاب وسنّت واجماعِ اُمت کی کچھ مخالف نہیں تو نہ ماننے کی وجہ کیا ہے،

اقول: اماقوله قدس سره "یوجب" فکانه یرید التاکد کماتقول لبعض اصحابك حقك واجب علی فقال فی الدرالمختار عـــه۱ لان المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم [1] اوان ملمحه الی ماعلیه السادات المجاهدون من الائمة و الصوفیة قدسنا الله تعالٰی باسرارهم الصفیة من شدة تعاهدهم للمستحبات کانها من الواجبات وتوقیهم عن المکروهات بل وکثیر من المباحات کانهن من المحرمات اوان هذا هو الذهب عنده فانه قدس سرہما فیما نری من المجتهدین وحق له ان یکون منهم کماهو شان جمیع الواصلین الی عین الشریعة الکبرٰی وان انتسوا ظاهرا الی احد من ائمة الفتوٰی [2] کمابینه عـــه۲ العارف بالله سیدی عبدالوھاب شعرانی فی المیزان والله تعالٰی اعلم بمراد اھل العرفان۔	**اقول:** امام ابوطالب مکی قدس سرہ کے قول "یوجب القبول" سے تاکید مراد ہے جیسا کہ تُو اپنے قرض خواہ سے کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں کا تعامل ہے پس ان کی اتباع واجب ہے (وجوب بمعنی ثبوت ہے) یا اس میں اس مسلک کی طرف اشارہ ہے جو مجاہدہ کرنے والے سادات ائمہ وصوفیہ (اللہ تعالٰی ان کے پاکیزہ اسرار کو ہمارے لیے مبارک کرے) کا ہے کہ وہ مستحبات کی بھی اس طرح پابندی کرتے ہیں جیسا کہ واجبات کی اور مکروہات سے بلکہ بہت سے مباحات سے اس طرح بچتے ہیں کہ گویا وہ محرمات ہیں یا یہ ان (ابوطالب مکی) کا مذہب ہے کیونکہ ہم آپ قدس سرہ، کو مجتہدین میں شمار کرتے ہیں ان میں ہونا آپ کا حق ہے جیسا کہ ان تمام بزرگوں کا مقام اور شان ہے جو شریعت عظیمہ کی حقیقت کو پانے والے ہیں اگرچہ وہ ظاہراً اپنا انتساب کسی امام فتوی کی طرف کرتے ہیں۔اس مسئلہ میں عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں تفصیلی گفتگو کی ہے اور اللہ تعالٰی اہلِ معرفت کی مراد کو زیادہ بہتر جانتا ہے۔(ت)

عـــه۱: آخر باب العیدین ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

عـــه ۲ : فی فصل فان قال قائل فهل یجب عندکم علی المقلد الخ وفی فصل ان قال قائل کیف الوصول الی الاطلاع علی عین الشریعة المطهرة الخ وفی غیرهما ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

باب العیدین کے آخر میں اس کا ذکر ہے(ت)

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

[2] المیزان الکبرٰی فصل ان قال قائل کیف الوصول الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲

افادہ ہیجدہم[۱۸]: (خود احادیث حکم فرماتی ہیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے) جان برادر اگر چشم بینا اور گوش شنوا ہے تو تصریحاتِ علما درکنار خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث کثیرہ ارشاد فرماتی آئیں کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف پر عمل کیا جائے اور تحقیق صحت وجودت سند میں تعمق وتدقیق راہ نہ پائے ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون۔ بگوشِ ہوش سُنیے اور الفاظِ احادیث پر غور کرتے جائیے، حسن بن عرفہ اپنے جزوحدیثی اور ابوالشیخ مکارم الاخلاق میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما اور دارقطنی اور موہبی کتاب فضل العلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور کامل جحدری اپنے نسخہ میں اور عبداللہ بن محمد بغوی اُن کے طریق سے اور ابن حبان اور ابوعمر بن عبدالبرکات کتاب العلم اور ابواحمد ابن عدی کامل میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله عزوجل شیئ فیه فضیلة فاخذ به ایمانا به ورجاء ثوابه اعطاه الله تعالٰی ذلك وان لم یکن کذلك[1]۔	جسے اللہ تبارک وتعالٰی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اُس کے ثواب کی اُمید سے اُس بات پر عمل کرے اللہ تعالٰی اُسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

یہ لفظ حسن کے ہیں، اور دارقطنی کی حدیث میں یوں ہے:

اعطاه الله ذلك الثواب وان لم یکن مابلغه حقا[2]۔	اللہ تعالٰی اسے وہ ثواب عطا کرے گا اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی حق نہ ہو۔

ابنِ حبان کی حدیث میں یہ لفظ ہیں: کان منی اولم یکن[3] (چاہے وہ حدیث مجھ سے ہو یا نہ ہو) ابنِ عبداللہ کے لفظ یوں ہیں: وان کان الذی حدثه کاذبا[4] (اگرچہ اس حدیث کا راوی جھوٹا ہو) امام احمد وابنِ ماجہ وعقیلی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] کنزالعمال بحوالہ حسن بن عرفہ فی جزء حدیثی حدیث ۴۳۱۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۹۱
[2] کتاب الموضوعات باب من بلغہ ثواب عمل فعمل بہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۳
[3] کتاب الموضوعات باب من بلغہ ثواب عمل فعمل بہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۳
[4] مکارم الاخلاق لابی الشیخ

فرماتے ہیں:

ماجاء کم عنی من خیر قلتہ اولم اقلہ فانی اقولہ وماجاء کم عنی من شر فانی لااقول الشر[1]۔	تمہیں جس بھلائی کی مجھ سے خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہُوں اور جس بُری بات کی خبر پہنچے تو میں بُری بات نہیں فرماتا۔

ابنِ ماجہ کے لفظ یہ ہیں:

ماقیل من قول حسن فانا قلتہ[2]۔	جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

عقیلی کی روایت یوں ہے:

خذوابہ حدثت بہ اولم احدث بہ[3]۔	اُس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہیں۔

وفی الباب عن ثوبان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت) خلعی اپنے فوائد میں حمزہ بن عبدالمجید رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی:

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فی البحر فقلت بابی انت وامّی یارسول اللہ انہ قدبلغنا عنك انك قلت من سمع حدیثا فیہ ثواب فعمل بذلك الحدیث رجاء ذلك الثواب اعطاہ اللہ ذلك الثواب وان کان الحدیث باطلا فقال ای ورب ھذہ البلدۃ انہ لمنی و	میں نے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خواب میں حطیم کعبہ معظّمہ میں دیکھا عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہمیں حضور سے حدیث پہنچی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کوئی حدیث ایسی سُنے جس میں کسی ثواب کا ذکر ہو وہ اُس حدیث پر بامید ثواب عمل کرے اللہ عزوجل اسے وہ ثواب عطا فرمائے گا اگرچہ حدیث باطل ہو۔ حضور اقدس

[1] مسند امام احمد بن حنبل مرویاتِ ابی ہریرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] سنن ابن ماجہ باب تعظیم حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مطبوعہ مجتبائی لاہور ص ۴

[3] کنزالعمال بحوالہ عق الاکمال من روایۃ الحدیث، حدیث ۲۹۲۱۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۲۹

انا قلته[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں قسم اس شہر کے سب کی بے شک یہ حدیث مجھ سے ہے اور میں نے فرمائی ہے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ابو یعلی اور طبرانی معجم اوسط میں سیدنا ابی حمزہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بلغه عن الله تعالٰی فضیلة فلم یصدق بها لم ینلها[2]۔	جسے اللہ تعالٰی سے کسی فضیلت کی خبر پہنچے وہ اسے نہ مانے اُس فضل سے محروم رہے۔

ابو عمر ابن عبدالبر نے حدیث مذکور روایت کرکے فرمایا:

اهل الحدیث بجماعتهم یتساهلون فی الفضائل فیرودنها عن کل وانما یتشددون فی احادیث الاحکام[3]۔	تمام علمائے محدثین احادیث فضائل میں نرمی فرماتے ہیں اُنہیں ہر شخص سے روایت کرلیتے ہیں، ہاں احادیث احکام میں سختی کرتے ہیں۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اُسے چاہئے نیک نیتی سے اس پر عمل کرلے اور تحقیق صحتِ حدیث ونظافتِ سند کے پیچھے نہ پڑے وہ ان شاء اللہ اپنے حسن نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائیگا اقول یعنی جب تک اُس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوت بطلان رجاء وامید کے کوئی معنے نہیں۔

فقول الحدیث وان لم یکن ما بلغه حقا ونحوه انما یعنی به فی نفس الامر لابعد العلم به وهذا واضح جدا فتثبت ولاتزل۔	تو حدیث کے یہ الفاظ "اگرچہ جو حدیث اسے پہنچی وہ حق نہ ہو" یا اس کی مثل دوسرے الفاظ "اس سے مراد نفس الامر ہے نہ کہ بعد از حصول علم"۔ اور یہ بہت ہی واضح ہے اسے یاد رکھو۔ (ت)

اور وجہ اس عطائے فضل کی نہایت ظاہر کہ حضرت حق عزوجل اپنے بندہ کے ساتھ اُس کے گمان پر معاملہ فرماتا ہے، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب عزوجل وعلا سے روایت فرماتے ہیں کہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے کہ انا عند ظن عبدی بی[4] (میں اپنے بندہ کے ساتھ وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے) (رواه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة عن ابی هریرة والحاکم بمعناه عن انس بن مالك (اسے بخاری، مسلم، ترمذی،

---

1 فوائد للخلعی

2 مسند ابو یعلی انس بن مالک حدیث ۳۴۳۰ مطبوعہ دار القبلہ للثقافۃ الاسلامیہ جدہ سعودی عرب ۳/ ۳۸۷

3 کتاب العلم لابن عبدالبر

4 الصحیح لمسلم کتاب التوبہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور حاکم نے حضرت انس بن مالک سے معنًا اسے روایت کیا۔ت) دوسری حدیث میں یہ ارشاد زائد ہے: "**فلیظن بی ماشاء**[1]" (اب جیسا چاہے مجھ پر گمان کرے) **اخرجه الطبرانی فی الکبیر والحاکم عن واثلة بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح** (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے حضرت واثلہ بن اسقع سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ت)

تیسری حدیث میں یوں زیادت ہے: "**ان ظن خیر افله وان ظن شرافله**[2]" (اگر بھلا گمان کرے گا تو اس کے لئے بھلائی ہے اور بُرا گمان کرے گا تو اس کے لئے بُرائی) **رواہ الامام احمد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن علی الصحیح ونحوہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی الحلیة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه** (اسے امام احمد نے سند حسن سے صحیح قول پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس کی مثل طبرانی نے اوسط اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) جب اُس نے اپنی صدق نیت سے اس پر عمل کیا اور رب عزجلالہ سے اُس نفع کی امید رکھی تو مولٰی تبارک وتعالٰی اکرم الاکرمین ہے اُس کی اُمید ضائع نہ کرے گا اگرچہ حدیث واقع میں کیسی ہی ہو۔ **وللہ الحمد فی الاولی والاٰخرۃ۔**

افادہ نوزدہم ۱۹: (عقل بھی گواہ ہے کہ ایسی جگہ حدیث ضعیف مقبول ہے) **وباللہ التوفیق**، عقل اگر سلیم ہو تو ان نصوص ونقول کے علاوہ وہ خود بھی گواہ کافی ہے کہ ایسی جگہ ضعیف حدیث معتبر اور اس کا ضعف مغتفر کہ سند میں کتنے ہی نقصان ہوں آخر بطلان پر یقین تو نہیں **فان الکذوب قدیصدق** (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے) تو کیا معلوم کہ اس نے یہ حدیث ٹھیک ہی روایت کی ہو۔ مقدمہ امام ابوعمر تقی الدین شہرزوری میں ہے:

اذاقالوا فی حدیث انه غیر صحیح فلیس ذلك قطعا بانه کذب فی نفس الامر اذ قد یکون صدقا فی نفس الامر وانما المراد به انه لم یصح اسنادہ علی الشرط المذکور[3]۔	محدثین جب کسی حدیث کو غیر صحیح بتاتے ہیں تو یہ اس کے فی الواقع کذب پر یقین نہیں ہوتا اس لئے کہ حدیث غیر صحیح کبھی واقع میں سچی ہوتی ہے اس سے تو اتنی مراد ہوتی ہے کہ اُس کی سند اس شرط پر نہیں جو محدثین نے صحت کے لئے مقرر کی۔

تقریب وتدریب میں ہے:

اذاقیل حدیث ضعیف، فمعناہ لم یصح	کسی حدیث کو ضعیف کہا جائے تو معنی یہ ہیں کہ اس کی

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت لبنان ۴/ ۲۴۰

[2] مسند الامام احمد بن حنبل مسند ابی ہریرۃ مطبوعہ بیروت ۲/ ۳۹۱

[3] مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول فی معرفۃ الصحیح مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸

اسنادہ علی الشرط المذکور لاانہ کذب فی نفس الامر لجواز صدق الکاذب[1] اھ ملخصاً۔	اسناد شرط مذکور پر نہیں نہ یہ کہ واقع میں جھُوٹ ہے ممکن ہے کہ جھُوٹے نے سچ بولا ہو اھ ملخصًا

(تصحیح وتضعیف صرف بنظرِ ظاہر ہیں واقع میں ممکن کہ ضعیف صحیح ہو وبالعکس) محقق حیث اطلق عـہ۱ فتح میں فرماتے ہیں:

ان وصف الحسن والصحیح والضعیف انما ھو باعتبار السند ظنا اما فی الواقع فیجوز غلط الصحیح وصحۃ الضعیف[2]۔	حدیث کو حسن یا صحیح یا ضعیف کہنا صرف سند کے لحاظ سے ظنی طور پر ہے واقع میں جائز ہے کہ صحیح غلط اور ضعیف صحیح ہو۔

اُسی عـہ۲ میں ہے:

لیس معنی الضعیف الباطل فی نفس الامر بل لالم یثبت بالشروط المعتبرۃ عند اھل الحدیث مع تجویز کونہ صحیحًا فی نفس الامر فیجوز ان یقترن قرینۃ تحقق ذلک، وان الراوی الضعیف اجاد فی ھذا المتن المعین فیحکم بہ[3]۔	ضعیف کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقع میں باطل ہے بلکہ یہ کہ جو شرطیں اہلِ حدیث نے اعتبار کیں اُن پر نہ آئی اس کے ساتھ جائز ہے کہ واقع میں صحیح ہو، تو ممکن کہ کوئی ایسا قرینہ ملے جو ثابت کردے کہ وہ صحیح ہے اور راوی ضعیف نے یہ حدیث خاص اچھے طور پر ادا کی ہے اُس وقت باوصف ضعف راوی اس کی صحت کا حکم کردیا جائے گا۔

موضوعاتِ کبیر میں ہے:

المحققون علی ان الصحۃ والحسن والضعف انما ھی من حیث الظاھر فقط مع احتمال	محققین فرماتے ہیں صحت وحسن وضعف سب بنظر ظاہر ہیں واقع میں ممکن ہے کہ صحیح موضوع ہو اور

عـہ۱: مسألۃ التنفل قبل المغرب ۱۲ منہ (م)

عـہ۲: مسألۃ السجود علی کور العمامۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الاول الصحیح مطبوعہ دارالکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۷۵ تا ۷۶

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

[3] فتح القدیر باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۶۶

کون الصحیح موضوعا وعکسہ کذا افادہ الشیخ ابن حجر المکی۔[1]	اور موضوع صحیح، جیسا کہ شیخ ابن حجر مکّی نے افادہ فرمایا ہے۔

اقول: (احادیث اولیائے کرام کے متعلق نفیس فائدہ) یہی وجہ ہے کہ بہت احادیث جنہیں محدثین کرام اپنے طور پر ضعیف ونامعتبر ٹھہرا چکے علمائے قلب، عرفائے رب، ائمہ عارفین، سادات مکاشفین قدسنااللہ تعالٰی باسرارہم الجلیلہ ونور قلوبنا بانوارہم الجمیلہ انہیں مقبول ومعتمد بناتے اور بصیغ جزم وقطع حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت فرماتے اور ان کے علاوہ بہت وہ احادیث تازہ لاتے جنہیں علما اپنے زبر ودفاتر میں کہیں نہ پاتے، اُن کے یہ علوم الٰہیہ بہت ظاہر بینوں کو نفع دینا درکنار اُلٹے باعث طعن ووقیعت وجرح واہانت ہوجاتے، حالانکہ العظمۃ للہ وعباداللہ ان طاعنین سے بدرجہا اتقی اللہ واعلم باللہ واشد توقیا فی القول عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (حالانکہ وہ ان طعن کرنے والوں سے زیادہ اللہ تعالٰی سے خوف رکھنے والے، اللہ تعالٰی کے بارے میں زیادہ علم رکھنے والے، سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط کرنے والے تھے۔ت) تھے۔

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳ [2] وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷ [3]	اور ہر ایک گروہ اپنے موجود پر خوش ہے اور تیرا رب ہدایت یافتہ کے بارے میں بہتر جانتا ہے۔(ت)

میزان[عہ] مبارک میں حدیث:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔[4]	میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے۔(ت)

کی نسبت فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث وان کان فیہ مقال عندالمحدثین	اس حدیث میں اگرچہ محدثین کو گفتگو ہے

عہ فی فصل فان ادعی احد من العلماء فوق ھذہ المیزان ۱۲ منہ (م)

---

[1] موضوعات کبیر لملّا علی قاری زیر حدیث من بلغہ عن اللہ شیئ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۶۸

[2] القرآن ۲۳/ ۵۳ و ۳۰/ ۳۲

[3] القرآن ۲۸/ ۷ و ۱۶/ ۱۲۵ و ۶/ ۱۱۷

[4] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعٰی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰

فهو صحيح عند اهل الكشف [1]۔	مگر وہ اہل کشف کے نزدیک صحیح ہے۔

کشف عـــہ۱ الغمہ عن جمیع الامہ میں ارشاد فرمایا:

كان صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول من صلى على طهر قلبه من النفاق، كما يطهر الثوب بالمائ، وكان صلى الله تعالٰى يقول من قال صلى الله على محمد فقد فتح على نفسه سبعين بابا من الرحمة، والقى الله مجلته فى قلوب الناس فلايبغضه الامن فى قلبه نفاق، قال شيخنا رضى الله تعالٰى عنه هذا الحديث والذى قبله رويناهما عن بعض العارفين عن الخضر عليه الصلاة والسلام عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وهما عندنا صحيحان فى اعلى درجات الصحة وان لم يثبتهما المحدثون على مقتضى اصطلاحهم [2]۔	حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو مجھ پر درود بھیجے اس کا دل نفاق سے ایسا پاک ہوجائے جیسے کپڑا پانی سے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جو کہے "صلی اللہ علٰی محمد" اس نے سترہ۷۱ دروازے رحمت کے اپنے اوپر کھول لیے، اللہ عزوجل اُس کی محبّت لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ اُس نے بغض نہ رکھے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق ہوگا۔ ہمارے شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ حدیث اور اس سے پہلی ہم نے بعض اولیاء سے روایت کی ہیں انہوں نے سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام، اُنہوں نے حضور پُرنور سید الانام علیہ افضل الصّلاۃ واکمل السلام سے یہ دونوں حدیثیں ہمارے نزدیک اعلٰی درجہ کی صحیح ہیں اگرچہ محدثین اپنی اصطلاح کی بناپر اُنہیں ثابت نہ کہیں۔

نیز میزان عـــہ۲ شریف میں اپنے شیخ سیدی علی خواص قدس سرہ العزیز سے نقل فرماتے ہیں:

كمايقال عن جميع مارواه المحدثون بالسند الصحيح المتصل ينتهى سنده الى حضرت الحق جل وعلا فكذٰلك يقال فيما	جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ محدثین نے سند صحیح متصل سے روایت کیا اس کی سند حضرت الٰہی عزوجل تک پہنچتی ہے یونہی جو کچھ علم حقیقت سے صحیح کشف والوں نے نقل فرمایا

عـــہ۱: آخر الجلد الاول باب جامع فضائل الذكر اُخر فصل الامر بالصلاة على النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ۱۲ منه رضى الله تعالٰى عنه۔

عـــہ۲: فصل فى بيان استحالة خروج شيئ من اقوال المجتهدين عن الشريعة ۱۲ منه

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان ادعٰی احد من العلماء الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰

[2] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ فصل فی الامر بالصلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۵

نقلہ اھل الکشف الصحیح من علم الحقیقۃ [1]۔	اُس کے حق میں یہی کہا جائے گا۔

بالجملہ اولیا کے لئے سوا اس سند ظاہری کے دوسرا طریقہ ارفع و اعلٰی ہے ولہٰذا حضرت سیدی ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ وقدس سرہ السامی اپنے زمانہ کے منکرین سے فرماتے:

قداخذتم علمکم میتا عن میت واخذنا علمنا عن الحی الذی لایموت [2]۔نقلہ سیدی الامام الشعرانی فی کتابہ المبارك الفاخر الیواقیت والجواھر اٰخر المبحث السابع والاربعین۔	تم نے اپنا علم سلسلہ اموات سے حاصل کیا ہے اور ہم نے اپنا علم حی لایموت سے لیا ہے۔اسے سیدی امام شعرانی نے اپنی مبارک اور عظیم کتاب الیواقیت والجواہر کی سینتالیس بحث کے آخر میں ذکر کیا ہے۔(ت)

حضرت سیدی امام المکاشفین محی الملۃ والدین شیخ اکبر ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کچھ احادیث کی تصحیح فرمائی کہ طور علم پر ضعیف مانی گئی تھیں،

کماذکرہ فی باب الثالث والسبعین من الفتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰھیۃ الملکیۃ ونقلہ فی الیواقیت ھنا [3]۔	جیسا کہ انہوں نے فتوحات المکیۃ الشریفۃ الالٰہیۃ الملکیۃ کے تیرھویں باب میں ذکر کیا اور الیواقیت میں اس مقام پر اسے نقل کیا ہے۔(ت)

اسی طرح خاتم حفاظ الحدیث امام جلیل جلال الملّۃ والدّین سیوطی قدس سرہ العزیز پچھتّر ۷۵ بار بیداری میں جمالِ جہاں آرائے حضور پُرنور سید الانبیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بہرہ ورہُوئے بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تحقیقاتِ حدیث کی دولت پائی بہت احادیث کی کہ طریقہ محدثین پر ضعیف ٹھہر چکی تھیں تصحیح فرمائی جس کا بیان [4] عارف ربانی امام العلامہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ النورانی کی میزان [عہ] الشریعۃ الکبرٰی میں ہے **من شاء فلیتشرف بمطالعۃ** (جواس کی تفصیل چاہتا ہے میزان کا مطالعہ کرے۔ت) یہ نفیس وجلیل فائدہ کہ

عــہ: فی الفصل المذکور قبل مامر بنحوہ صفحۃ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی استحالہ خروج شیئ من اقوال المجتہدین الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

[2] الیواقیت والجواہر باب الثالث والسابع والاربعین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۱

[3] الیواقیت والجواہر باب الثالث والسابع والاربعین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۸

[4] المیزان الکبرٰی فصل فی استحالۃ خروج شیئ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴

بمناسبت مقام بحمد اللہ تعالٰی نفع رسانی برادرانِ دین کے لئے حوالہ قلم ہوا لوح دل پر نقش کرلینا چاہیے کہ اس کے جاننے والے کم ہیں اور اس لغزش گاہ میں پھسلنے والے بہت قدم ؎

خلیلی قطاع الفیافی الی الحمی

کثیر و ارباب الوصول قلائل

(اے میرے دوست! چراگاہوں میں ڈاکہ ڈالنے والے کثیر اور منزل کو پانے والے کم ہیں۔ت)

بات دُور پہنچی، کہنا یہ تھا کہ سند پر کیسے ہی طعن وجرح ہوں اُن کے سبب بطلانِ حدیث پر جزم نہیں ہوسکتا ممکن کہ واقع میں حق ہو اور جب صدق کا احتمال باقی تو عاقل جہاں نفع بے ضرر کی اُمید پاتا ہے اُس فعل کو بجالاتا ہے دین و دنیا کے کام اُمید پر چلتے ہیں پھر سند میں نقصان دیکھ کر ایکدست اس سے دست کش ہونا کس عقل کا مقتضی ہے کیا معلوم اگر وہ بات سچی تھی تو خود فضیلت سے محروم رہے اور جھُوٹی ہو تو فعل میں اپنا کیا نقصان فافھم وتثبت ولاتکن من المتعصبین (اسے اچھی طرح سمجھ لے اس پر قائم راہ اور تعصب کرنے والوں سے نہ ہو۔ت) انصاف کیجئے مثلاً کسی کو نقصان حرارت عزیزی وضعف ارواح کی شکایت شدید ہو زید اس سے بیان کرے کہ فلاں حکیم حاذق نے اس مرض کے لئے سونے کے ورق سونے کے کھرل میں سونے کی موصلی سے عرق بید مشک یا ہتھیلی پر انگلی سے شہد میں سحق بلیغ کرکے پینا تجویز فرمایا ہے تو عقلِ سلیم کا اقتضا نہیں کہ جب تک اُس حکیم تک سند صحیح متصل کی خوب تحقیقات نہ کرلے اس کا استعمال طبّاً حرام جانے، بس اتنا دیکھنا کافی ہے کہ اصولِ طبیہ میں میرے لئے اس میں کچھ مضرت تو نہیں ورنہ وہ مریض کہ نسخہ ہائے قرابادین کی سندیں ڈھونڈتا اور حال رواۃ تحقیق کرتا پھرے گا قریب ہے کہ بے عقلی کے سبب اُن ادویہ کے فوائد و منافع سے محروم رہے گا نہ عراق تنقیح سے تریاق تصحیح ہاتھ آئے گا نہ یہ مار گزیدہ دوا پائیگا، بعینہٖ یہی حال ان فضائل اعمال کا ہے جب ہمارے کان تک یہ بات پہنچی کہ اُن میں ایسا نفع ذکر کیا گیا اور شرع مطہر نے ان افعال سے منع نہ کیا، تو اب ہمیں تحقیق محدثانہ کیا ضرور ہے اگر حدیث فی نفسہٖ صحیح ہے فبہا ورنہ ہم نے اپنی نیک نیت کا اچھا پھل پایا، هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحْدَى الْحُسْنَیَیْنِؕ [1] (تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو۲ خوبیوں میں سے ایک کا۔ت)

افادہ بستم ۲۰: (حدیث ضعیف احکام میں بھی مقبول ہے جبکہ محلِ احتیاط ہو) مقاصد شرع کا عارف اور کلماتِ علما کا واقف جب قبول ضعیف فی الفضائل کے دلائل مزکورہ عبارات سابقہ فتح المبین امام ابن حجر مکی وانموذج العلوم محقق دوانی و قوت القلوب امام مکی رحمہم اللہ تعالٰی و نیز تقریر فقیر مذکور افادہ سابقہ پر نظر صحیح کرے گا

---

[1] القرآن ۹/ ۵۲

ان انوار متجلیہ کے پر تو سے بطور حدس بے تکلّف اُس کے آئینہ دل میں مرتسم ہوگا کہ کچھ فضائل اعمال ہی میں انحصار نہیں بلکہ عموماً جہاں اُس پر عمل میں رنگ احتیاط و نفع بے ضرر کی ضرورت نظر آئے گی بلاشبہہ قبول کی جائے گی جانب فعل میں اگر اس کا ورود استحباب کی راہ بتائے گا جانب ترک میں تنزع وتورع کی طرف بلائے گا کہ آخر مصطفٰی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا: کیف وقد قیل [1]۔ (کیونکہ نہ مانے گا حالانکہ کہا تو گیا) رواہ البخاری عن عقبۃ بن الحارث النوفلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام بخاری نے عقبہ بن حارث نوفلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اقول: وقال صلی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دع مایریبك الی مالا یریبك [2]۔رواہ الامام احمد وابوداود الطیالسی والدارمی والترمذی وقال"حسن صحیح"والنسائی وابن حبان والحاکم"وصححاہ"وابن قانع فی معجمہ عن الامام ابن الامام سیدنا الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند قوی وابو نعیم فی الحلیۃ والخطیب فی التاریخ بطریق مالك عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	**اقول:** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جس میں شبہہ پڑتا ہو وہ کام چھوڑ دے اور ایسے کی طرف آ جس میں کوئی دغدغہ نہیں"۔اسے امام احمد،ابوداود طیالسی،دارمی،ترمذی،نے روایت کیا اور اسے حسن صحیح کہا۔نسائی،ابن حبان اور حاکم ان دونوں نے اسے صحیح کہا۔ابن قانع نے اپنی معجم میں امام ابن امام سیدنا حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سند قوی کے ساتھ روایت کیا۔ابونعیم نے حلیہ اور خطیب نے تاریخ میں بطریق مالک عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کیا۔(ت)

ظاہر ہے کہ حدیث ضعیف اگر مورثِ ظن نہ ہو مورث شبہہ سے تو کم نہیں تو محلِ احتیاط میں اس کا قبول عین مراد شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مطابق ہے،احادیث اس باب میں بکثرت ہیں،از انجملہ حدیث اجل واعظم کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اتقی الشبھات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ ومن وقع فی الشبھات وقع فی الحرام کالراعی	جو شبہات سے بچے اُس نے اپنے دین وآبرو کی حفاظت کرلی اور جو شبہات میں پڑے حرام میں پڑ جائے گا جیسے

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل مسند اہلبیت رضوان اللہ علیہم اجمعین مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۰۰

حول الحمی یوشك ان ترتع فیه الاوان لکل ملك حمی الاوان حمی الله محارمه [1]۔ رواہ الشیخان عن النعمان بن بشر رضی الله تعالٰی عنهما۔	رمنے کے گرد چرانے والا نزدیک ہے کہ رمنے کے اندر چرائے، سُن لو ہر پادشاہ کا ایک رمنا ہوتا ہے، سُن لو اللہ عزوجل کا رمنا وہ چیزیں ہیں جو اس نے حرام فرمائیں۔ اسے بخاری و مسلم دونوں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکّی نے فتح المبین میں ان دونوں حدیثوں کی نسبت فرمایا:

رجوعهما الی شیئ واحد وهو النهی التنزیهی عن الوقوع فی الشبهات [2]۔	یعنی حاصل مطلب ان دونوں حدیثوں کا یہ ہے کہ شبہہ کی بات میں پڑنا خلافِ اولٰی ہے جس کا مرجع کراہت تنزیہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنۡ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبۡكُمۡ بَعۡضُ الَّذِیۡ یَعِدُكُمۡ [3]	اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر ہے اور اگر سچّا ہوا تو تمہیں پہنچ جائے گی کچھ نہ کچھ وہ مصیبت جس کا وہ تمہیں وعدہ دیتا ہے۔

بحمد اللہ تعالٰی یہ معنی ہیں ارشاد امام ابوطالب مکی قدس سرہ، کے قوت القلوب عــہ شریف میں فرمایا:

ان الاخبار الضعاف غیر مخالفة الکتاب والسنة لایلزمنا ردها بل فیها مایدل علیها [4]۔	ضعیف حدیثیں جو مخالفِ کتاب وسنّت نہ ہوں اُن کا رَد کرنا ہمیں لازم نہیں بلکہ قرآن وحدیث اُن کے قبول پر دلالت فرماتے ہیں۔

لاجرم علمائے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ دربارہ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جبکہ جانب احتیاط

عــہ: فی فصل الحادی والثلثین ۱۲ منه (م)	اکتیسویں فصل میں اس کا بیان ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب فضل من استبرألدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۳، مسلم شریف باب اخذ الحلال وترک الشبہات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

[2] فتح المبین شرح اربعین

[3] القرآن ۴۰/ ۲۸

[4] قوت القلوب باب تفضیل الاخبار الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۱۷۷

میں ہو، امام نووی نے اذکار میں بعد عبادت مذکور پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض عـــہ۱ میں فرمایا:

اما الاحکام کالحلال والحرام والبیع والنکاح والاطلاق وغیر ذلك فلایعمل فیها الا بالحدیث الصحیح اوالحسن الاان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذلك کما اذا ورد حدیث ضعیف بکراهة بعض البیوع او الا نکحة فان المستحب ان یتنزه عنه ولکن لایجب[1]۔	یعنی محدثین وفقہا وغیر ہم علما فرماتے ہیں کہ حلال وحرام بیع نکاح طلاق وغیرہ احکام کے بارہ میں صرف حدیث صحیح یا حسن ہی پر عمل کیا جائیگا مگر یہ کہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں ہاں واجب نہیں۔

امام جلیل جلال سیوطی تدریب میں فرماتے ہیں:

ویعمل بالضعیف ایضا فی الاحکام اذاکان فیه احتیاط[2]۔	حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائیگا جبکہ اُس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی غنیہ عـــہ۲ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الوصل بین الاذان والاقامة یکرہ فی کل الصلوٰۃ لماروی الترمذی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لبلال اذا انت فترسل واذا اقمت فاحدر واجعل بین اذانك واقامتك قدر مایفرغ الاکل من اکله فی غیر عـــہ۳ المغرب والشارب من شربه	یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فورًا اقامت کہہ دینا مطلقًا سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لئے کہ ترمذی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کر اور تکبیر جلد جلد اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھ کر کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے اور ضرورت والا قضائے حاجت سے فارغ ہوجائے، یہ حدیث

عـــہ۱: فی شرح اخطبة حیث اسند الامام المصنّف حدیث من سئل عن علم فکتمه الحدیث ۱۲ منه

عـــہ۲: فی فصل سنن الصلاۃ ۱۲ منه

عـــہ۳: قوله فی غیر المغرب هکذا هو فی نسختی الغنیة ولیس عند الترمذی بل هو مدرج فیه نعم هو تاویل من العلماء کماقال فی الغنیة بعد مانقلنا قالوا قوله قدر مایفرغ الاکل من اکله فی غیر المغرب ومن شربه فی المغرب ۱۲ منه

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء تتمہ وفائدۃ مہمہ فی شرح الخطبۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۲

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الثانی والعشرون المقلوب مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ بیروت ۱/ ۲۹۹

والمعتصر اذادخل لقضاء حاجتہ وھو وان کان ضعیفا لکن یجوز العمل بہ فی مثل ھذا الحکم [1]۔	اگرچہ ضعیف [عہ۱] ہے مگر ایسے حکم میں اس پر عمل رواہے۔

نفیسہ (بُدھ کے دن بدن سے خون لینے کے باب میں) ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن پچھنے لگانے سے ممانعت آئی ہے کہ:

من احتجم یوم الاربعاء ویوم السبت فاصابہ برص فلایلومن الانفسہ [2]۔	جو بُدھ یا ہفتہ کے روز پچھنے لگائے پھر اُس کے بدن پر سپید داغ ہوجائے تو اپنے ہی آپ کو ملامت کرے۔

امام سیوطی لآلی [عہ۲] وتعقبات [عہ۳] میں مسند الفردوس دیلمی سے نقل فرماتے ہیں:

سمعت ابی یقول سمعت اباعمرو محمد بن جعفر بن مطر النیسابوری قال قلت یوما ان ھذا الحدیث لیس بصحیح فافتصدت یوم الاربعاء فاصابنی البرص فرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فشکوت الیہ حالی فقال ایاك والاستھانۃ بحدیثی فقلت تبت یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	ایک صاحب محمد بن جعفر بن مطر نیشاپوری کو فصد کی ضرورت تھی بُدھ کا دن تھا خیال کیا کہ حدیث مذکور تو صحیح نہیں فصد لے لی فوراً برص ہوگئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے حضور سے فریاد کی، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایاك والاستھانۃ بحدیثی [3] (خبردار میری حدیث کو ہلکانہ سمجھنا) انہوں نے توبہ کی،

عہ۱: امام ترمذی نے فرمایا: ھو اسناد مجھول (یہ سند مجہول ہے) ۱۲ منہ (م)

عہ۲: اواخر کتاب المرض والطب ۱۲ منہ (م) کتاب المرض والطب کے آخر میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۳: باب الجنائز ۱۲ منہ (م) باب الجنائز میں اس کو بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] غنیۃ المستملی فصل سنن الصلاۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۷۔۳۷۶

[2] الکامل لابن عدی من ابتدئ اسمہ عین عبداللہ ابن زیاد مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ شیخوپورہ ۴/ ۱۴۴۶

[3] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۲/ ۲۱۸

وسلم فانتہبت وقدعا فانی اللہ تعالٰی وذھب ذلك عنی [1]۔	آنکھ کھُلی تو اچھے تھے۔

جلیلہ (ہفتہ کے دن خون لینے کے بارے میں) امام ابن عساکر روایت فرماتے ہیں ابو معین حسین بن حسن طبری نے پچھنے لگانے چاہے، ہفتہ کا دن تھا غلام سے کہا حجام کو بُلالا، جب وہ چلا حدیث یاد آئی پھر کچھ سوچ کر کہا حدیث میں تو ضعف ہے، غرض لگائے، برص ہو گئی، خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کی، فرمایا: ایاك والاستہانۃ بحدیثی (دیکھ میری حدیث کا معاملہ آسان نہ جاننا) اُنہوں نے منّت مانی اللہ تعالٰی اس مرض سے نجات دے تو اب کبھی حدیث کے معاملہ میں سہل انگاری نہ کروں گا صحیح ہو یا ضعیف، اللہ عزوجل نے شفا بخشی [2]۔ لآلی عـــہ میں ہے: اخرج ابن عساکر فی تاریخہ من طریق ابی علی مہران بن ہارون الحافظ الھازی قال سمعت ابامعین الحسین بن الحسن الطبری یقول اردت الحجامۃ یوم السبت فقلت للغلام ادع لی الحجام فلما ولی الغلام ذکرت خبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احتجم یوم السبت ویوم الاربعاء فاصابہ وضح فلایلو من الا نفسہ قال فدعوت الغلام ثم تفکرت فقلت ھذا حدیث فی اسنادہ بعض الضعف فقلت للغلام ادع الحجام لی فدعاہ، فاحتجمت فاصا بنی البرص، فرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النوم فشکوت الیہ حالی فقال ایاك والاستہانۃ بحدیثی فنذرت للہ نذرا لئن اذھب اللہ مابی من البرص لم اتہاون فی خبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیحا کان اوسقیما فأذھب اللہ عنی ذلك البرص [3]۔ (**نوٹ**: اس عربی عبارت کا ترجمہ لفظ 'جلیلہ' سے شروع ہو کر عربی عبارت سے پہلے ختم ہو جاتا ہے)

مفیدہ (بُدھ کے دن ناخن تراشنے کے امر میں) یوں ہی ایک حدیث ضعیف میں بُدھ کے دن ناخن کتروانے کو آیا کہ مورثِ برص ہوتا ہے، بعض علمانے کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا حدیث

عـــہ: تلو مامر ۱۲ منہ (م)	لآلی میں اس عبارت کے قریب جو پہلے گزر چکی ہے۔ (ت)

[1] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۲/ ۲۱۹

[2] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۲/ ۲۱۹

[3] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المرض والطب مطبوعہ ادبیہ مصر ۲/ ۲۱۹

صحیح نہیں فوراً مبتلا ہوگئے، خواب میں زیارت جمال بے مثال حضور پُر نور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے، شافی کافی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے نہ سُنا تھا کہ ہم نے اس سے نفی فرمائی ہے؟ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرماکر حضور مبریٔ الاکمہ والابرص محی الموتٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس کو پناہِ دوجہان ودستگیر بیکساں ہے، ان کے بدن پر لگادیا، فوراً اچھے ہوگئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کرونگا۔ (اھ)

علّامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نسیم الریاض شرح شفا امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "قص الاظفار وتقلیمها سنة رورد النهی عنه فی یوم الاربعاء وانه یورث البرص، وحکی عن بعض العلماء انه فعله فنهی عنه فقال لم یثبت هذا فلحقه البرص من ساعته فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی منامه فشکی الیه فقال له الم تسمع نهیی عنه، فقال لم یصح عندی، فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکفیك انه سمع، ثم مسح بدنه بیده الشریفة، فذهب مابه فتاب عن مخالفة ماسمع اھ"[1]۔ (نوٹ: اس عربی عبارت کا ترجمہ 'مفیدہ' ص ۴۹۹ سے شروع ہوکر عربی عبارت سے ختم ہوجاتا ہے) یہ بعض علماء امام علّامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس اللہ سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

وردفی بعض الاٰثار النهی عن قص الاظفار یوم الاربعاء فانه یورث وعن ابن الحاج صاحب المدخل انه هم بقص اظفاره یوم الاربعاء، فتذکر ذلک، فترک، ثم رای ان قص الاظفار سنة حاضرة، و لم یصح عنده النهی فقصها، فلحقه ای اصابه البرص، فرأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی النوم فقال الم تسمع نهیی عن ذلک، فقال "یارسول اللہ لم یصح عندی ذلک" فقال	بعض آثار میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانے والے کو برص کی بیماری عارض ہوجاتی ہے اور صاحبِ مدخل ابن الحاج کے بارے میں ہے کہ انہوں نے بدھ کے روز ناخن کاٹنے کا ارادہ کیا، انہیں یہ نہیں والی بات یاد دلائی گئی تو انہوں نے اسے ترک کردیا پھر خیال میں آیا کہ ناخن کتروانا سنّتِ ثابتہ ہے اور اس سے نہی کی روایت میرے نزدیک صحیح نہیں۔ لہٰذا انہوں نے ناخن کاٹ لیے تو انہیں برص عارض ہوگیا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی

[1] نسیم الریاض شرح الشفا فصل واما نظافۃ جسمہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۴۴

يكفيك ان تسمع، ثم مسح صلى الله تعالٰى عليه وسلم على بدنه فزال البرص جميعا، قال ابن الحاج رحمه الله تعالٰى فجددت مع الله توبة انى لااخالف ماسمعت عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابدًا[1]۔	سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تُو نے نہیں سُنا کہ میں نے اس سے منع فرمایا ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! وہ حدیث میرے نزدیک صحیح نہ تھی، توآپ نے فرمایا کہ تیرا اُسن لینا ہی کافی ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے جسم پر اپنا دستِ اقدس پھیرا تو تمام برص زائل ہوگیا۔ابن الحاج کہتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے حضور اس بات سے توبہ کی کہ آئندہ جو حدیث بھی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنوں گا اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔(ت)

سُبحان اللہ! جب محلِ احتیاط میں احادیث ضعیفہ خود احکام میں مقبول ومعمول، تو فضائل تو فضائل ہیں، اور ان فوائد نفیسہ جلیلہ مفیدہ سے بحمد اللہ تعالٰی عقل سلیم کے نزدیک وہ مطلب بھی روشن ہوگیا کہ ضعیف حدیث اُس کی غلطی واقعی کو مستلزم نہیں۔ دیکھو یہ حدیثیں بلحاظِ سند کیسی ضعاف تھیں اور واقع میں اُن کی وہ شان کہ مخالفت کرتے ہیں فوراً تصدیقیں ظاہر ہُوئیں، کاش منکران فضائل کو بھی اللہ عزوجل تعظیم حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توفیق بخشے اور اُسے ہلکا سمجھنے سے نجات دے، آمین!

افادہ بست ۲۱ ویکم: (حدیث ضعیف پر عمل کے لئے خاص اُس باب میں کسی صحیح حدیث کا آنا ہر گز ضرور نہیں) بذریعہ حدیث ضعیف کسی فعل کے لئے محلِ فضائل میں استحباب یا موضع احتیاط میں حکم تنزہ ثابت کرنے کے لئے زنہار زنہار اصلًا اس کی حاجت نہیں کہ بالخصوص اس فعل معین کے باب میں کوئی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہو، بلکہ یقینا قطعًا صرف ضعیف ہی کا ورود ان احکام استحباب وتنزہ کے لئے ذریعہ کافیہ ہے، افادات سابقہ کو جس نے ذرا بھی بگوش ہوش استماع کیا ہے اُس پر یہ امر شمس وامس کی طرح واضح وروشن۔ مگر ازانجا کہ مقام مقام افادہ ہے ایضاح حق کے لئے چند تنبیہات کا ذکر مستحسن۔

اوّلًا کلمات علمائے کرام میں باآنکہ طبقہ فطبقہ اُس جوش وکثرت سے آئے، اس تقیید بعید کا کہیں نشان نہیں تو خواہی نخواہی مطلق کو از پیش خویش مقید کرلینا کیونکر قابل قبول۔

ثانیا بلکہ ارشاداتِ علما صراحۃً اس کے خلاف، مثلًا عبارت اذکار وغیرہا خصوصًا عبارت امام ابن الہمام جو نص تصریح ہے کہ ثبوتِ استحباب کو ضعیف حدیث کافی۔

اقول: بلکہ خصوصًا اذکار کا وہ فقرہ کہ اگر کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں کوئی حدیث ضعیف آئے تو اس سے بچنا مستحب ہے واجب نہیں۔ اس استحباب وانکار وجوب کا منشا وہی ہے کہ اُس سے نہی میں حدیث صحیح نہ آئی کہ وجوب ہوتا، تنہا ضعیف نے صرف استحباب ثابت کیا اور سب اعلٰی واجل کلام امام ابوطالب مکی ہے اس

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار فصل فی البیع مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۴/ ۲۰۲

میں تو بالقصد اس تقیید جدید کا رد صریح فرمایا ہے کہ "وان لم یشھد الہ" (اگرچہ کتاب وسنّت اس خاص امر کے شاہد نہ ہوں)

ثالثًا علمائے فقہ وحدیث کا عملدر آمد قدیم وحدیث اس قید کے بطلان پر شاہد عدل، جابجا انہوں نے احادیث ضعیفہ سے ایسے امور میں استدلال فرمایا ہے جن میں حدیث صحیح اصلًا مروی نہیں۔

اقول مثلًا: (۱) نماز نصف شعبان کی نسبت علی قاری۔

(۲) صلاۃ التسبیح کی نسبت بر تقدیر تسلیم ضعف وجہالت امام زرکشی وامام سیوطی کے اقوال افادہ دوم میں گزرے۔

(۳) نماز میں امامت اتقی کی نسبت امام محقق علی الاطلاق کا ارشاد افادہ شانزدہم میں گزرا وہاں اس تقیید کے برعکس حدیث ضعیف پر عمل کو فقدانِ صحت سے مشروط فرمایا ہے:

قال روی الحاکم عنہ علیہ الصلاۃ والسلام ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فان صح والا فالضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی فضائل الاعمال[1]۔	حاکم نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ذکر کیا ہے کہ اگر تم یہ پسند کرتے کہ تمہاری نمازیں قبول ہوجائیں تو تم اپنے میں سے بہتر شخص کو امام بناؤ۔ اگر یہ روایت صحیح ہے ورنہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں اور فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔(ت)

(۴) نیز امام ممدوح نے تجہیز وتکفین قریبی کافر کے بارہ میں احادیث ذکر کیں کہ جب ابوطالب مرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حکم فرمایا کہ اُنہیں نہلا کر دفن کرائیں پھر خود غسل کرلیں بعدہ غسل میت سے غسل کی حدیثیں نقل کیں، پھر فرمایا:

لیس فی ھذا ولافی شیئ من طرق علی حدیث صحیح، لکن طرق حدیث علی کثیرۃ و الاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع[2]۔	ان دونوں باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں مگر حدیث علی کے طرق کثیر میں اور استحباب حدیث ضعیف غیر موضوع سے ثابت ہوجاتا ہے۔

غسل کے بعد استحباب مندیل کی نسبت علّامہ ابراہیم حلبی۔

(٦) تائید اباحت کی نسبت امام ابن امیر الحاج۔

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۳

[2] فتح القدیر فصل فی الصلاۃ علی المیت مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۵

(۷) استحباب مسح گردن کی نسبت مولانا علی مّکی۔

(۸) استحباب تلقین کی نسبت امام ابن الصلاح وامام نووی وامام سیوطی کے ارشادات افادہ ہفدہم۔

(۹) کراہت وصل بین الاذان والاقامت کی نسبت علامہ حلبی کلام۔

(۱۰) بدھ کو ناخن تراشنے کی نسبت خود نسیم الریاض وطحاوی کے اقوال افادہ بستم میں زیور گوش سامعین ہوئے۔

یہ دس "تو یہیں موجود ہیں اور خوفِ اطالت نہ ہو تو سو "دوسو" ایک ادنٰی نظر میں جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایضاح واضح میں اطناب تاکے۔

رابعًا، اقول نصوص واحادیث مذکورہ افادات ہفدہم وبستم کو دیکھئے کہیں بھی اس قید بے معنی کی مساعدت فرماتے ہیں؟ حاشا بلکہ باعلی ندا اُس کی لغویات بتاتے ہیں **کما لایخفی علی اولی النھی** (جیسا کہ صاحبِ عقل لوگوں پر مخفی نہیں۔ت)

خامسًا، اقول: وباللّٰہ التوفیق اس شرط زائد کا اضافہ اسل مسائلہ اجماعیہ کو محض لغو ومہمل کردے گا کہ اب حاصل یہ ٹھہرے گا کہ احکام میں تو مقتضائے حدیث ضعیف پر کاربندی اصلًا جائز نہیں اگرچہ وہاں حدیث صحیح موجود ہو اور ان کے غیر میں بحالت موجود صحیح صحیح ورنہ قبیح۔

اوّلا اس تقدیر پر عمل بمقتضی الضعیف من حیث ہو مقتضی الضعیف ہوگا یا من حیث ہو مقتضی الصحیح، ثانی قطعًا احکام میں بھی حاصل اور تفرقہ زائل، کیا احکام میں ورود ضعیف صحاح ثابتہ کو بھی رَد کردیتا ہے؟ **ھذا لایقول بہ جاھل** (اس کا قول کوئی جاہل بھی نہیں کرسکتا۔ت) اور اول خود شرط سے رجوع یا قول بالمتنافیین ہو کر مدفوع کہ جب مصحح عمل ورود صحیح ہے تو اس سے قطع نظر ہو کر صحت کیونکر!

ثانیا اگر صحیح نہ آتی ضعیف بیکار تھی آتی تو وہی کفایت کرتی بہرحال اس کا وجود عدم یکساں پھر معلوم بہ ہونا کہاں!

ثالثًا بعبارۃ اخری اظہر واجلی (ایک دوسری عبارت کے ساتھ زیادہ ظاہر وواضح ہے۔ت) حدیث پر عمل کے یہ معنی کہ یہ حکم اس سے ماخوذ اور اُس کی طرف مضاف ہو کہ اگر نہ اُس سے لیجئے نہ اُس کی طرف اسناد کیجئے تو اس پر عمل کیا ہوا، اور شک نہیں کہ خود صحیح کے ہوتے ضعیف سے اخذ اور اس کی طرف اضافت چہ معنی، مثلًا کوئی کہے چراغ کی روشنی میں کام کی اجازت تو ہے مگر اس شرط پر کہ نورِ آفتاب بھی موجود ہو۔ سبحان اللہ جب مہر نیمروز خود جلوہ افروز تو چراغ کی کیا حاجت اور اس کی طرف کب اضافت! اسے چراغ کی روشنی میں کام کرتا کہیں گے یا نورِ شمس میں! ع

آفتاب اندر جہاں آنگہ کہ میجوید سہا

(جب جہاں میں آفتاب ہو تو سہا (ستارہ) ڈھونڈنے سے کیا فائدہ!)

لاجرم معنی مسئلہ یہی ہیں کہ حدیث ضعیف احکام میں کام نہیں دیتی اور دوبارہ فضائل کافی ووافی۔

(تحقیق المقام و ازاحۃ الاوھم)

ثمّ اقول: تحقیق المقام وتنقیح المرام بحیث یکشف الغمام ویصرّف الاوھام، ان المسألۃ تدوربین العلماء بعبارتین العمل والقبول اما العمل بحدیث، فلایعنی بہ الا امتثال مافیہ تعویلا علیہ والجری علی مقتضاہ نظر الیہ ولابد من ھذا القید الاتری ان لوتوافق حدیثان صحیح وموضوع علی فعل ففعل للامر بہ فی الصحیح، لایکون ھذا عملا علی الموضوع، واما القبول فھووان احتمل معنی الروایۃ من دون بیان الضعف، فیکون الحاصل ان الضعیف یجوز روایتہ فی الفضائل مع السکوت عمافیہ دون الاحکام لکن ھذا المعنی علی تقدیر صحۃ انما یرجع الی معنی العمل کیف ولامنشاء لایجاب اظھار الضعف فی الاحکام الا التحذیر عن العمل بہ حیث لایسوغ فلولم یسغ فی غیرھا ایضا لکان ساوٰھا فی الایجاب فدار الامر فی کلتا العبارتین الی تجویز المشی علی مقتضی الضعاف فی مادون الاحکام فاتضح ماستدللنا بہ خامسا وانکشف الظلام ھذا ھو التحقیق بیدان ھھنا رجلین من اھل العلم زلت اقدام اقلامھما فحملا العمل والقبول علی مالیس بمراد ولاحقیقا بقبول۔

(تحقیق مقام وازالہ اوھم)

ثمّ اقول: اب ہم تحقیق مقام اور وضاحتِ مقصد کیلئے ایسی گفتگو کرتے ہیں جس سے پردے ہٹ جائیں اور شکوک وشبہات ختم ہوجائیں گے اور وہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء دو ۲ طرح کے الفاظ استعمال کرتے ہیں عمل اور قبول، عمل بالحدیث سے مراد یہ ہے کہ اس حدیث پر اعتماد کرتے ہُوئے اور اس کے مقتضٰی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس میں مذکور حکم کو بجالایا جائے، اس قید کا اضافہ ضروری ہے اس لئے کہ آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ کسی فعل کے متعلق حدیث صحیح اور حدیث موضوع دونوں اگر موافق ہوں اور فعل کو بجالانے والا حدیث صحیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے عمل کرے تو اب موضوع پر عمل نہ ہوگا قبول بالحدیث پر ہے کہ اگرچہ ضعف بیان کئے بغیر روایت کے معنی کا احتمال ہو تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ضعیف میں جو کمزوری ہے اس پر سکوت کرتے ہوئے فضائل میں اس کی روایت کرنا جائز ہے لیکن احکام میں نہیں، اگر قبول بالحدیث کا یہی معنی صحیح ہو تو یہ معنی عمل بالحدیث ہی کی طرف لوٹ جاتا ہے، کیسے؟ وہ ایسے کہ احکام کے بارے میں مروی روایات کے ضعف کو بیان کرنا اس لئے واجب وضروری ہے کہ اس پر عمل سے روکا جائے کہ احکام میں ہر چیز جائز نہیں پھر اگر غیر احکام میں بھی یہ چیز جائز نہ ہوتو ایجاب میں فضائل واحکام دونوں برابر ہوجائیں گے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں عبارتوں میں اس امر پر دلیل کے غیر احکام میں ضعیف حدیثوں پر عمل کرنا جائز ہے

احدهما العلامة الفاضل الخفاجی رحمه الله تعالٰی حیث حاول الرد علی المحقق الدوانی واوهم بظاهر کلامه ان محله ماذاروی حدیث ضعیف فی ثواب بعض الامور الثابت استجابها والترغیب فیه اوفی فضائل بعض الصحابة اوالاذکار الماثورة قال ولاحاجة الی لتخصیص الاحکام والاعمال کماتوهم للفرق الظاهر بین الاعمال وفضائل الاعمال [1] اھ

اقول: لولا ان الفاضل المدقق خالف المحقق لکان لکلامه معنی صحیح، فان الثبوت اعم من الثبوت عینا اوباندراج تحت اصل عام ولواصالة الاباحة فان المباح یصیر بالنیة مستحبا ونحن لاننکران قبول الضعاف مشروط بذٰلك کیف ولولاه لکان فیه ترجیح الضعیف علی الصحیح وهوباطل وفاقا، فلواراد الفاضل هذا المعنی لاصاب ولسلم من التکرار فی قوله اوالاذکار الماثورة لکنه رحمه الله تعالٰی بصدد مخالفة المحقق المرحوم وقدکان المحقق انما عول علی هذا المعنی

اب ہمارا پانچواں استدلال واضح ہوگیا اور تاریکی کھُل گئی اور تحقیق یہی ہے۔علاوہ ازیں یہاں دو ۲ اہلِ علم ایسے ہیں جن کے قلم کے قدم پھسل گئے،انہوں نے عمل بالحدیث اور قبول بالحدیث کو ایسے معنی پر محمول کیا ہے جو مراد اور قابل قبول نہیں۔(ت) ان میں سے ایک علّامہ خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی ہیں انہوں نے محقق دوانی کے رَد کا ارادہ کیا اور انہیں ان کے کلام کے ظاہر سے وہم ہوگیا کہ اس کا محل وہ ہے جب حدیث ضعیف ان امور کے ثواب کے بارے میں وارد ہو جن کا استحباب ثابت ہو اور اس میں ثواب کی رغبت ہو یا بعض صحابہ کے فضائل یا اذکار منقولہ کے بارے میں ہو کہا: حکام واعمال کی تخصیص کی ضرورت ہی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا کیونکہ اعمال اور فضائل اعمال میں فرق ظاہر ہے اھ

اقول: کاش فاضل مدقق محقق دوانی کی مخالفت نہ کرتے تو ان کے کلام کا معنی درست ہوتا کیونکہ ثبوت بعض اوقات عینی ہوتا ہے اور بعض اوقات کسی عمومی اصل کے تحت ہوتا ہے اگرچہ اباحت کی اصل پر ہو کیونکہ مباح نیت سے مستحب ہوجاتا ہے اور ہم قبول ضعاف کو اس کے ساتھ مشروط ہونے کا انکار نہیں کرتے یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر یہ بات نہ ہو تو اس میں ضعیف کو صحیح پر ترجیح لازم آتی اور وہ بالاتفاق باطل ہے، اگر فاضل مدقق بھی یہی مراد لیتے تو درست تھا اور اپنے قول "اوالاذکار الماثورة" کے تکرار سے محفوظ ہوجاتے، لیکن فاضل رحمۃ اللہ علیہ محقق کی مخالفت کے درپے تھے

[1] نسیم الریاض تتمۃ وقاعدۃ مہمۃ فی الخطبۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۳

الصحیح حیث قال المباحات تصیر بالنیة عبادة فکیف مافیه شبهة الاستحباب لاجل الحدیث الضعیف والحاصل ان الجواز معلوم من خارج والاستحباب ایضا معلوم من القواعد الشرعیة الدالة علی استحباب الاحتیاط فی امر الدین فلم یثبت شیئ من الاحکام بالحدیث الضعیف بل اوقع الحدیث شبهة الاستحباب فصار الاحتیاط ان یعمل به فاستحباب الاحتیاط معلوم من قواعد الشرع [1] اھ ملخصا فالظاهر من عدم ارتضائه انه یرید الثبوت عینا بخصوصه و یؤیده تشبثه بالفرق بین الاعمال وفضائلها فان اراده فهذه جنود براهین لاقبل لاحدبها وقد اتاك بعضها۔

اور محقق نے اسی معنی صحیح پر اعتماد کیا تھا چنانچہ کہا کہ مباحات نیت سے عبادت قرار پاتے ہیں تو اس کا کیا حال ہوگا جس کے استحباب میں حدیث ضعیف کی وجہ سے شُبہہ ہو؟ حاصل یہ ہے کہ جواز خارج سے معلوم ہوتا ہے اور استحباب بھی ایسے قواعد شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے جو امر دین میں احتیاطًا استحباب پر دال ہیں، پس احکام میں سے کوئی بھی حکم حدیث ضعیف سے ثابت نہ ہوگا بلکہ حدیث استحباب کا شبہہ پیدا کردے گی لہٰذا احتیاطًا اسی پر عمل کرنا ہوگا اور احتیاطًا استحباب پر عمل قواعد شرع سے معلوم ہوا ہے اھ ملخصا ان کی عدم پسندیدگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ثبوت سے مراد صرف عینی لیا ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اس پر استدلال اعمال اور فضائل اعمال کے فرق سے کیا ہے اگر انہوں نے یہی مراد لیا ہے تو یہ دلائل کا انبار ہے جس کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا اور بعض کا ذکر آپ تک پہنچ گیا۔ (ت)

عـــه: ویکدره ایضا علی ماقیل مغایرة العلماء بین فضائل الاعمال والترغیب علی ماهو الظاهر من کلامهم فلفظ ابن الصلاح فضائل الاعمال وسائر فنون الترغیب والترهیب وسائر مالاتعلق له بالاحکام والعقائد هذا توضیح ماقیل.اقول بل المراد بفضائل الاعمال الاعمال التی هی فضائل تشهد بذلك کلمات العلماء المارة فی الافادة السابعة عشر کقول الغنیة والقاری والسیوطی وغیرهم کمالاینهی علی من له اولی مسکة ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

اسے یہ بات بھی رد کرتی ہے کہ علماء کی عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ فضائلِ اعمال اور ترغیب ایک شئے نہیں، ابن صلاح کے الفاظ یہ ہیں کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب کے معاملات اور وہ چیزیں جن کا تعلق احکام وعقائد سے نہیں ہے یہ ماقیل کی وضاحت ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ اس سے مراد وہ فضائلِ اعمال میں جن کی شہادت علماء کا کلام دیتا ہے جو کہ سترھویں ۱۷ افادہ میں گزرا مثلًا غنیہ، قاری اور سیوطی وغیرہ کے اقوال اور یہ بات ہر اس شخص پر مخفی نہیں جس میں ادنٰی سا شعور ہو ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] انموذج العلوم للدوانی

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

على انى **اقول** اذن يرجع معنى العمل بعد الاستقصاء التام الى ترجى اجر مخصوص على عمل منصوص اى يجوز العمل بشيئ مستحب معلوم الاستحباب مترجيا فيه بعض خصوص الثواب لورود حديث ضعيف فى الباب، فالآن نسألكم عن هذا الرجاء اهو كمثله بحديث صحيح ان ورد ام دونه، الاول باطل فان صحة الحديث بفعل لايجبر ضعف ماورد فى الثواب المخصوص عليه وعلى الثانى هذا القدر من الرجاء يكفى فيه الحديث الضعيف فاى حاجة الى ورود صحيح بخصوص الفعل نعم لابد ان يكون ممايجيز الشرع رجاء الثواب عليه وهذا حاصل بالاندراج تحت اصل مطلوب اومباح مع قصد مندوب فقد استبان ان الوجه مع المحقق الدوانى والله تعالٰى اعلم۔**ثانيهما**: بعض من تقدم الدوانى زعم ان مراد النووى اى بمامر من كلامه فى الاربعين والاذكار انه اذاثبت حديث صحيح اوحسن فى فضيلة عمل من الاعمال تجوز رواية الحديث الضعيف فى هذا الباب قال المحقق بعد نقله فى الانموذج لايخفى ان هذا لايرتبط بكلام النووى فضلا عن انيكون مراده ذلك، فكم بين جواز العمل واستحبابه وبين مجرد نقل الحديث فرق، على انه لولم يثبت الحديث الصحيح و

علاوہ ازیں **میں کہتا ہوں** انتہائی گفتگو کے بعد اب عمل کا معنی عمل منصوص پر اجر مخصوص کی امید دلانا ہے یعنی شیئ مستحب جس کا استحباب واضح ہے پر عمل کرنا اور اس میں خصوص ثواب کی امید کرنا جائز ہوگا اس لئے کہ اس بارے میں حدیث ضعیف موجود ہے اب ہم اس امید کے بارے میں تم سے پُوچھتے ہیں کیا یہ اسی رجاء کی مثل ہے جو حدیث صحیح کی وجہ سے ہوتی ہے اگر وہ وارد ہو یا اس سے کم درجہ کی ہے پہلی صورت باطل ہے کیونکہ صحتِ حدیث کسی ایسی روایت پر جابر نہیں ہوسکتی جو کسی مخصوص ثواب کے بیان کے لئے وارد ہو اور دوسری صورت میں اس قدر رجاء کے لئے حدیث ضعیف ہی کافی ہے تو اب کسی مخصوص فعل کے لئے حدیث صحیح کے وارد ہونے کی ضرورت نہ رہی، ہاں یہ بات ضروری ہے کہ وہ فعل ایسے اعمال میں سے ہو کہ شریعت نے اس پر ثواب کی امید دلائی ہو اور یہ حاصل ہے اصل مطلوب کے تحت اندراج کا یا مباح بقصد مندوب کا تواب واضح ہوگیا کہ دلیل محقق دوانی کے ساتھ ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ان میں سے دوسرے دوانی سے پہلے کے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے یہ گمان کیا کہ امام نووی نے اربعین اور اذکار میں جو گفتگو کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت کے بارے میں حدیث صحیح یا حسن ثابت ہو تو اس کے بارے میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، محقق دوانی نے انموذج العلوم میں اسے نقل کرنے کے بعد لکھا مخفی نہ رہے کہ اس زعم کا امام نووی کے کلام کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں چہ جائیکہ یہ انکی مراد ہو کیونکہ اکثر طور پر جواز عمل واستحباب عمل اور محض نقل حدیث

الحسن فی فضیلۃ عمل من الاعمال یجوز نقل الحدیث الضعیف فیھا، لاسیما مع التنبیہ علی ضعفہ ومثل ذلك فی کتب الحدیث وغیرہ شائع یشھد بہ من تتبع ادنی تتبع [1] اھ

اقول: لااری احدا ممن ینتھی الی العلم ینتھی فی الغباوۃ الی حد یحیل روایۃ الضعاف مطلقا حتی مع بیان الضعف فان فیہ خرقا لاجماع المسلمین وتاثیما بین لجمیع المحدثین وانما المراد الروایۃ مع السکوت عن بیان الوھن فقول المحقق لاسیما مع التنبیہ علی ضعفہ، لیس فی محلہ والاٰن نعود الی تزییف مقالتہ فنقول اوّلا ھذا الذی ابدیج ان سلم وسلم لم یتمش الا فی لفظ القبول کما اشرنا الیہ سابقا فمجرد روایۃ حدیث لوکان عملا بہ لزم ان یکون من روی حدیثا فی الصلاۃ فقد صلی اوفی الصوم فقد صام وھکذا مع ان الواقع فی کلام الامام فی کلا الکتابین انما ھو لفظ العمل وھذا ما اشار الیہ الدوانی بقولہ ان ھذا لایرتبط الخ

کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے، علاوہ ازیں اگر کسی عمل کی فضیلت میں حدیث صحیح یا حسن ثابت نہ بھی ہو تب بھی اس میں حدیث ضعیف کا روایت کرنا جائز ہے، خصوصًا اس تنبیہ کے ساتھ نقل کرنا کہ یہ ضعیف ہے اور اس کی مثالیں کتب حدیث اور دیگر کتب میں کثیر ہیں اور اس بات پر ہر وہ شخص گواہ ہے جس نے اس کا تھوڑا سا مطالعہ بھی کیا ہے اھ (ت)

اقول: میں ایسے کسی اہلِ علم کو نہیں جانتا جو غباوت کے اس درجہ پر پہنچ چکا ہو کہ حدیث ضعیف کا ضعف بیان کرنے کے باوجود اس کی روایت کو مطلقًا محال تصور کرتا ہو کیونکہ اس میں اجماع مسلمین کی مخالفت ہے اور واضح طور پر تمام محدثین کو گناہ کا مرتکب قرار دینا ہے، لہٰذا مراد یہ ہے کہ ضعف بیان کیے بغیر روایت حدیث ہو تو درست ہے لہٰذا محقق دوانی کا قول "لاسیما مع التنبیہ علی ضعفہ" بجا نہیں۔ اب ہم اس کے قول کی کمزوری کے بیان کی طرف لوٹتے ہیں: **اولًا** اگر یہ بیان کردہ قول اگر صحیح ہو اور اسے درست تسلیم کرلیا جائے تو پھر قبول حدیث ہی اس سے مراد ہوگا جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں کیونکہ اگر محض روایت کا نام ہی عمل ہو تو لازم آئے گا کہ وہ شخص جس نے نماز کے بارے میں حدیث روایت کی اس نے نماز بھی ادا کی، یا اس طرح روزے کے بارے میں روایت کرنیوالے روزہ بھی رکھا ہو، باوجود اس کے امام نووی کی دونوں کتب میں لفظ عمل ہے اور اسی کی طرف محقق دوانی نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ان ھذا لایرتبط الخ۔

[1] انموذج العلوم للدوانی

وثانیا: اقول قدبینا ان القبول انما مرجعه الی جواز العمل وحینئذ یکفی فی ابطاله دلیلنا المذکور خامسا مع ماتقدم۔

وثالثا: اذن یکون حاصل التفرقة ان الاحکام لایجوز فیها روایة الضعاف اصلا ولووجد فی خصوص الباب حدیث صحیح اللهم الامقرونة ببیان الضعف اماما دونها کالفضائل فتجوز اذاصح حدیث فیه بخصوصه والا لا الا ببیان وح ماذا یصنع بالوف مؤلفة من احادیث مضعفة رویت فی السیر والقصص والمواعظ والترغیب والفضائل والترهیب وسائر مالاتعلق له بالعقد والحکم مع فقدان الصحیح فی خصوص الباب وعدم الاقتران ببیان الوهن وهذا ماشار الیه الدوانی بالعلاوة۔

اقول: دع عنك توسع المسانید التی تسند کل ماجاء عن صحابی، والمعاجیم التی توعی کل ماوعی عن شیخ بل والجوامع التی تجمع امثل مافی الباب ورده ان لم یکن صحیح السند هذا الجبل الشامخ البخاری یقول فی صحیحه حدثنا علی بن عبدالله بن جعفر ثنا معن بن عیسٰی ثنا اُبی بن عباس بن سهل عن ابیه عن جده

ثانیا میں کہتا ہوں کہ ہم پیچھے بیان کرآئے ہیں کہ قبول کا مرجع جوازِ عمل ہے تواب اس کے اطبال کے لئے "خامسًا" سے ہماری مذکورہ دلیل مع مذکور گفتگو کے کافی ہے۔

ثالثًا اب حاصل فرق یہ ہوگا کہ احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کی روایت جائز نہیں اگرچہ اس خصوصی مسئلہ کے بارے میں حدیث صحیح موجود ہو مگر صرف اس صورت میں جائز ہے جب اس کا ضعف بیان کردیا جائے مگر احکام کے علاوہ فضائل میں اگر اس خصوصی مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح پائی جائے تو ضعیف کی روایت جائز ہے اگر حدیث صحیح نہ ہو تو جائز نہیں مگر بیان ضعف کے ساتھ جائز ہے اب ان ہزار ہا کتب کا کیا بنے گا جن میں ایسی احادیث ضعیفہ مروی ہیں جو سیر، واقعات، وعظ، ترغیب وترہیب، فضائل اور باقی حدیثیں جن کا تعلق عقیدہ اور احکام سے نہیں اس کے ساتھ ساتھ خاص اس مسئلہ میں کوئی حدیث صحیح بھی موجود نہ ہو اور ضعیف حدیث کا ضعف بھی بیان نہ کیا گیا ہو یہ وہ ہے جس کی طرف دوانی نے "علاوۃ" کے ساتھ اشارہ کیا ہے۔**اقول:** ان مسانید کی وسعت کو چھوڑیئے جو صحابی سے روایات بیان کرتی ہیں اور معاجیم جو شیخ سے محفوظ شدہ احادیث کی حفاظت کرتی ہیں بلکہ جوامع جو اس باب میں وارد شدہ احادیث میں اعلٰی قسم کی روایات جمع کرتی ہیں اگرچہ سند صحیح نہ ہو مثلًا حدیث کے عظیم پہاڑ امام بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں ہمیں علی بن عبداللہ بن جعفر نے حدیث بیان کی، ہمیں معن بن عیسٰی نے حدیث بیان کی، ہمیں ابن عباس بن سہل نے اپنے باپ سے اپنے دادا سے حدیث بیان کی، فرمایا

قال کان للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حائطنا فرس یقال لہ اللحیف [1] اھ فی تذھیب التھذیب للذھبی"خ،ت،ق"ابی بن عباس [2]بن سھل بن سعد الساعدی المدنی عن ابیہ وابی بکر بن حزم وعنہ معن القزاز وابن ابی فدیك وزید بن الحباب وجماعۃ [3]۔قال الدولا بی لیس بالقوی قلت وضعفہ ابن معین وقال احمد منکر الحدیث [4]اھ وکقول الدولابی قال النسائی کمافی المیزان ولم ینقل فی الکتابین توثیقہ عن احدوبہ ضعف الدارقطنی ھذا الحدیث لاجرم ان قال الحافظ فیہ ضعف عہ قال مالہ فی البخاری غیر حدیث واحد [5] اھ قلت فانما الظن بابی عبداللہ انہ انما تساھل لان الحدیث	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہمارے ہمارے باغ میں ایک گھوڑا تھا جس کا نام لحیف تھا اھ۔امام ذہبی نے تذہیب التہذیب میں لکھا کہ اُبی بن عباس بن سہل بن سعد الساعدی مدنی نے اپنے والد گرامی اور ابر بکر بن حزم سے روایت کیا اور ان سے معن القزار،ابن ابی فدیک،زید بن الحباب اور ایک جماعت نے روایت کیا،دولابی کہتے ہیں کہ یہ قوی نہیں۔میں کہتا ہوں اسے ابنِ معین نے ضعیف کہا اور امام احمد کے نزدیک یہ منکر الحدیث ہے اور میزان میں ہے نسائی کا قول دولابی کی طرح ہی ہے اور دونوں کتب میں اس کے بارے میں کسی کی توثیق منقول نہیں،دارقطنی نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔لاجرم حافظ نے کہا ہے کہ اس میں ضعف ہے اور کہا کہ

عــہ **قلت** واما اخوہ المھیمن فاضعف واضعف ضعفہ النسائی والدارقطنی وقال البخاری منکر الحدیث ای فلاتحل الروایۃ عنہ کمامر لاجرم ان قال الذھبی فی اخیہ ابی انہ واہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)	**میں کہتا ہوں** اس کا بھائی عبدالمہیمن ہے اور وہ اضعف الضعاف ہے اسے نسائی اور دارقطنی نے ضعیف کہا،بخاری نے اسے منکر الحدیث کہا یعنی اس سے روایت کرنا جائز نہیں جیساکہ گزرالاجرم ذہبی نے اسے اس کے بھائی ابی کے بارے میں کہا کہ وہ نہایت ہی کمزور ہے ۱۲منہ (ت)

[1] صحیح البخاری باب اسم الفرس والحمار مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۰

[2] ''خ'' سے بخاری، ''ت'' سے ترمذی اور ''ق'' سے قزوینی مراد ہے۔

[3] خلاصہ تذہیب التہذیب ترجمہ نمبر ۷ ۳۲ من اسمہ ابی مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ۱/ ۶۲

[4] میزان الاعتدال فی نقدالرجال ترجمہ نمبر ۳ ۷ ۲ من اسمہ ابی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۷۸

نوٹ: تذہیب التہذیب نہ ملنے کی وجہ سے اس کے خلاصے اور میزان الاعتدال دو۲ کتابوں سے یہ نقل کیا گیاہے۔

[5] تقریب التہذیب ذکر من اسمہ ابی مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۷

لیس من باب الاحکام واللہ تعالٰی اعلم۔

ورابعًا اقول: قدشاع وذاع ایراد الضعاف فی المتابعات والشواھد فالقول بمنعه فی الاحکام مطلقا وان وجد الصحیح باطل صریح وح یرتفع الفرق وینھدم اساس المسئلة المجمع علیھا بین علماء المغرب والشرق،لااقول عن ھذا وذاك بل عن ھذین الجبلین الشامخین صحیحی الشیخین فقد تنزلا کثیرا عن شرطھما فی غیرالاصول قال الامام النووی فی مقدمة شرحه لصحیح مسلم عاب عائبون مسلما رحمه اللہ تعالٰی بروایته فی صحیحه عن جماعة من الضعفاء والمتوسطین الواقعین فی الطبقة الثانیة الذین لیسوا من شرط الصحیح ولاعیب علیه فی ذلك بل جوابه من اوجه ذکرھا الشیخ الامام ابوعمر وبن الصلاح (الی ان قال) الثانی انیکون ذلك واقعا فی المتابعات والشواھد لافی الاصول وذلك بان یذکر الحدیث اولا باسناد نظیف رجاله ثقات ویجعله اصلا ثم اتبعه باسناد اُخرا واسانید فیھا بعض الضعفاء علی وجه التاکید بالمتابعة اولزیادة فیه تنبه علی فائدة فیما قدمه و قداعتذر الحاکم ابوعبداللہ بالمتابعة و الاستشھاد فی اخراجه من جماعة لیسو من شرط

بخاری میں اس ایک حدیث کے علاوہ اس کی کوئی حدیث نہیں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ابوعبداللہ کے بارے میں گمان ہے کہ انہوں نے تساہل سے کام لیا، کیونکہ اس حدیث کا تعلق احکام سے نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

رابعًا میں کہتا ہوں کہ متابع اور شواہد میں احادیث ضعیفہ کا ایراد شائع اور مشہور ہے لہٰذا حدیث صحیح کی موجودگی میں احکام کے بارے میں حدیث ضعیف کے مطلقًا روایت کرنے کو منع کرنا صریحًا باطل ہے، اور اس صورت میں فرق مرتفع ہوجاتا ہے اور اس مسئلہ کی اساس جس پر علماءِ مشرق ومغرب کا اتفاق ہے گر کر ختم ہوجاتی ہے یہ میں اس یا اُس (یعنی عام آدمی) کی بات نہیں کرتا بلکہ علم حدیث کے دو بلند اور مضبوط پہاڑ بخاری ومسلم کی صحیحین کہ وہ اصول کے علاوہ میں اپنے شرائط سے بہت زیادہ تنزل میں آگئیں، امام نووی نے مقدمہ شرح صحیح مسلم میں فرمایا کہ عیب لگانے والوں نے مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر یہ طعن کیا کہ انہوں نے اپنی کتاب میں بہت سے ضعیف اور متوسط راویوں سے روایت لی ہے جو دوسرے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور صحیح کی شرط پر نہیں، حالانکہ اس معاملہ میں ان پر کوئی طعن نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا کئی طریقوں سے جواب دیا گیا ہے جنہیں امام ابوعمرو بن صلاح نے ذکر کیا (یہاں تک کہ کہا) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ بات ان روایات میں ہے جنہیں بطور متابع اور شاہد ذکر کیا گیا ہے اصول میں ایسا نہیں کیا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ایک ایسی حدیث ذکر کی جس کی سند درست ہو اور تمام راوی ثقہ ہوں اور اس حدیث کو اصل قرار دے کر اسکے

الصحیح منھم مطر الوراق وبقیة بن الولید ومحمد بن اسحاق بن یساور وعبداللہ بن عمر العمری والنعمان بن راشد اخرج مسلم عنھم فی الشواھد فی اشباہ لھم کثیرین انتھی [1]۔وقال الامام البدر محمود العینی فی مقدمة عمدة القاری شرح صحیح البخاری یدخل فی المتابعة والاستشھاد روایة بعض الضعفاء وفی الصحیح جماعة منھم ذکروا فی المتابعات والشواھد [2]اھ

بعد بطور تابع ایک اور سند یا متعدد اسناد ایسی ذکر کی جائیں جن میں بعض راوی ضعیف ہوں تاکہ متابعت کے ساتھ تاکید ہو یا کسی اور مذکور فائدے پر تنبیہ کا اضافہ مقصود ہو،امام حاکم ابوعبداللہ نے عذر پیش کرتے ہوئے یہی کہا ہے کہ جن میں صحیح کی شرط نہیں ان کو بطور تابع اور شاہد روایت کیا گیا ہے،اور ان روایت کرنے والوں میں یہ محدثین ہیں مطرالوراق،بقیۃ بن الولید،محمد بن اسحٰق بن یسار،عبداللہ بن عمر العمری اور نعمان بن راشد،امام مسلم نے ان سے شواہد کے طور پر متعدد روایات تخریج کی ہیں انتہی۔امام بدرالدین عینی نے مقدمہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں تحریر کیا ہے کہ توابع اور شواہد میں بعض ضعفاء کی روایات بھی آئی ہیں اور صحیح میں ایک جماعت محدثین نے توابع اور شواہد کے طور پر ایسی روایات ذکر کی ہیں اھ (ت)

وخامسا اقول: مالی اخص الکلام بغیر الاصول ھذہ قناطیر مقنطرة من السقام مرویة فی الاصول والاحکام ان لم تروھا العلماء فمن جاء بھا وکم منھم التزموا بیان ماھنا،اما الرواة فلم یعھد منھم الروایة المقرونة بالبیان اللھم الانادر الداع خاص،وقد اکثروا قدیما وحدیثا من الروایة عن الضعفاء والمجاھیل ولم یعد ذلك قدحًا فیھم ولا ارتکاب مأثم وھذا سلیمٰن بن عبدالرحمٰن الدمشقی الحافظ شیخ البخاری ومن رجال صحیحہ قال فیہ الامام ابوحاتم صدوق الا انہ من

خامسا: ضعیف اور متوسط راوی کی روایت کی بات صرف غیر اصول وشواہد متابعات سے مختص کرنے کی مجھے کیا ضرورت،جبکہ کمزور اغیر صحیح روایات کا یہ ایک ذخیرہ ہے جو اصول واحکام میں مروی ہے اگر علماء ہی ان کو ذکر نہ کریں تو کون ذکر کریگا اور بہت کم ہیں جنہوں نے یہاں اس بات کا التزام کیا۔رہا معاملہ راویوں کا تو ان کے ہاں روایت کے ساتھ بیان کا طریقہ معروف نہیں،البتہ کسی خاص ضرورت کے تقاضے کے پیش نظر بیان بھی کردیا جاتا ہے اور ان میں سلفًا وخلفًا یہ معمول ہے کہ ضعیف اور مجہول راویوں سے روایت بیان کرتے ہیں اور اس بات کو ان میں طعن وگناہ شمار نہیں کیا جاتا دیکھئے سلیمان بن عبدالرحمٰن دمشقی جو کہ حافظ ہیں اور امام بخاری کے استاذ ہیں اور صحیح بخاری کے راویوں میں سے ہیں ان کے بارے میں

[1] المقدمۃ للامام النووی من شرح صحیح مسلم فصل عاب عائبون مسلمًا رحمہ اللہ تعالٰی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] المقدمۃ للعینی صحیح بخاری الثامنۃ فی الفرق بین الاعتبار والمتابعۃ الخ مطبوعہ بیروت ۱/ ۸

اروی الناس عن الضعفاء والمجھولین [1] اھ ولوسردت اسماء الثقات الرواۃ عن المجروحین لکثر وطال فلیس منھم من التزم ان لایحدث الا عن ثقۃ عندہ الانزر قلیل کشعبۃ ومالك واحمد فی المسند ومن شاء اللہ تعالٰی واحدا بعد واحد ثم ھذا ان کان ففی شیوخھم خاصۃ لامن فوقھم والا لما اتی من طریقھم ضعیف اصلا ولکان مجرد وقوعھم فی السند دلیل الصحۃ عندھم اذاصح السند الیھم ولم یثبت ھذا لاحد، وھذا الامام الھمام یقول لابنه عبداللہ لواردت ان اقتصرہ علی ماصح عندی لم اروِ من ھذا المسند الا الشیئ بعد الشیئ ولکنك یابنی تعرف طریقتی فی الحدیث انی لااخالف مایضعف الا اذاکان فی الباب شیئ یدفعه [2] ذکرہ فی فتح المغیثعــه واما المصنفون

امام ابوحاتم کہتے ہیں کہ یہ صدوق ہے اگرچہ ان لوگوں میں سے ہے جو ضعیف اور مجہول راویوں سے بہت زیادہ روایت کرنے والے ہیں اھ۔اگر میں ان ثقہ محدثین کے نام شمار کروں جنہوں نے مجروح راویوں سے روایت کی ہے تو یہ داستان طویل ہو اور ان میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جس نے یہ التزام کیا ہو کہ وہ اسی سے روایت کرے گا جو اس کے نزدیک ثقہ ہو مگر بہت کم محدثین مثلاً شعبہ، امام مالک اور احمد نے مسند میں اور کوئی اِکّا دُکّا جس کو اللہ تعالٰی نے توفیق دی، پھر ان کے ہاں بھی یہ معاملہ ان کے اپنے شیوخ تک ہی ہے اس سے اوپر نہیں ورنہ ان کی سند سے کوئی ضعیف حدیث مروی نہ ہوتی اور محدثین کے ہاں ان میں سے کسی کا سند میں آجانا صحتِ حدیث کے لئے کافی ہوتا ہے جبکہ صحت کے ساتھ سند ان تک پہنچی ہو حالانکہ یہ بات کسی ایک کے لئے بھی ثابت نہیں، یہ امام احمد اپنے بیٹے عبداللہ کو فرماتے ہیں: اگر میں اس بات کا ارادہ کرتا کہ میں ان ہی احادیث کی روایت پر اکتفا کروں گا جو میرے ہاں صحیح ہیں تو پھر اس مسند میں بہت کم احادیث روایت کرتا، مگر اے میرے بیٹے! تُو روایت حدیث میں میرے طریقے سے آگاہ ہے کہ میں حدیث ضعیف کی مخالفت نہیں کرتا مگر جب اس باب میں مجھے کوئی ایسی شیئ مل جائے جو اسے

عــه: اواخر القسم الثانی الحسن ۱۲ منه (م)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ سلیمان بن عبدالرحمان الدمشقی نمبر ۳۴۸۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۱۳

[2] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث القسم الثانی الحسن دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۹۶

فاذا عدوت امثال الثلثة للبخاری ومسلم والترمذی ممن التزم الصحة والبیان الفیت عامة المسانید والمعاجیم والسنن والجوامع والاجزاء تنطوری فی کل باب علی کل نوع من انواع الحدیث من دون بیان، وھذا مما لاینکرہ الاجاھل اومتجاھل فان ادعی مدع انھم لایستحلون ذلك فقد نسبھم الی افتخام مالایبیحون وان زعم زاعم انھم لایفعلون ذلك فھم بصنیعھم علی خلفه شاھدون وھذا ابوداؤد الذی الین له الحدیث کماالین لداود علیه الصلاۃ والسلام الحدید، قال فی رسالته الٰی اھل مکة شرفھا اللہ تعالٰی ان ماکان فی کتابی من حدیث فیه وھن شدید فقدبینته ومنه مالایصح سندہ ومالم اذکر فیه شیئا فھو صالح وبعضھا اصح من بعض[1] اھ۔

والصحیح ماافادہ الامام الحافظ ان لفظ صالح فی کلامه اعم من ان یکون للاحتجاج اوللاعتبار فما ارتقی الی الصحة ثم الی الحسن فھو بالمعنی الاول وماعداھما فھو بالمعنی الثانی وماقصر عن ذلك فھو الذی فیه وھن شدید[2] اھوھذا الذی یشھدبه

رَد کردے یہ فتح المغیث میں مذکور ہے، باقی رہیں محدثین کی تصنیفات تو اگر آپ امثال الکتب بخاری ومسلم اور ترمذی تینوں کتابوں کو سے تجاوز کریں جنہوں نے صحت وبیان کا التزام کرر رکھا ہے تو آپ اکثر مسانید، معاجیم، سنن، جوامع اور اجزاکے ہر باب میں ہر قسم کی احادیث بغیر بیان کے پائیں گے اس بات کا انکار جاہل یا متجاہل ہی کرسکتا ہے اور اگر کوئی دعوی کرے کہ محدثین کے ہاں یہ جائز نہیں تو یہ ان کی طرف ایسی بات کی نسبت کرنا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ ایسا عمل کرتے ہیں جسے وہ جائز نہ سمجھتے تھے اور اگر کوئی یہ زعم رکھتا ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے تو ان کا عمل اس کے برخلاف خود شاہد ہے، امام ابوداؤد کو ہی لیجئے ان کے لئے حدیث اسی طرح آسان کردی گئی جس طرح حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے لوہا نرم ہوجاتا تھا، اہل مکہ "شرفھا اللہ تعالٰی" کی طرف خط میں لکھا: میری کتاب (سنن ابی داؤد) میں جن بعض احادیث کے اندر نہایت سخت قسم کا ضعف ہے اس کو میں نے بیان کردیا ہے، اور بعض ایسی ہیں کہ ان کی سند صحیح نہیں اور جس کے بارے میں میں کچھ ذکر نہ کروں وہ استدلال کے لئے صالح ہیں اور بعض احادیث دوسری بعض کے اعتبار سے اصح ہیں اھ۔ اور صحیح وہ ہے جس کا امام حافظ نے افادہ فرمایا ہے کہ ابوداؤد کے کلام میں لفظ صالح استدلال اور اعتبار دونوں کو شامل ہے، پس جو حدیث صحت پھر حسن کے درجہ پر پہنچے وہ معنی اول کے لحاظ سے صالح ہے اور جو ان دونوں کے علاوہ ہے وہ معنی ثانی کے لحاظ سے صالح ہے

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد، فصل ثانی آفتاب عالم پریس لاہور ص ۴

[2] ارشاد الساری بحوالہ حافظ ابن حضر مقدمہ کتاب دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۸

الواقع فعلیك به وان قیل وقیل عــہ۔ وقدنقل عن اعلام سیرا النبلاء للذھبی ان ماضعف اسنادہ لنقص	اور جو اس سے بھی کم درجہ پر ہے وہ ایسی ہوگی جس میں ضعفِ شدید ہے اھ نفس الامر اس پر شاہد ہے اور تجھ پر یہی لازم ہے اگرچہ قیل کے طور پر کیا گیا ہے۔

عــہ: ای قیل حسن عندہ واختارہ الامام المنذری وبه جزم ابن الصلاح فی مقدمته وتبعه الامام النووی فی التقریب ای وقد لایکون حسنا عندغیرہ کمافی ابن الصلاح وقیل صحیح عندہ ومشی علیه الامام الزیلعی فی نصب الرایة عنه ذکر حدیث القلتین وتبعه العلامه حلبی فی الغنیة فی فصل فے التوافل وکذلك یقال ھھنا انه قدلایصح عند غیرہ بل ولایحسن واما الامام ابن الھمام فی الفتح اھل الکتاب وتلمیذہ فی الحلیة قبیل صفة الصلاۃ فاقتصرا علی الحجیة وھی تشملھما فیقرب من قول من قال حسن وھذا الذی ذکرہ الحافظ وتبعه فیه العلامة القسطلانی فی مقدمة الارشاد وختم الحفاظ فی التدریب فی فروع فی الحسن قال لکن ذکر ابن کثیر انه روی عنه ماسکت عنه فھو حسن فان صح ذلك فلااشکال[1] اھ اقول: لقائل ان یقول ان للحسن اطلاقات وان القدماء قل ماذکروہ وانما الترمذی ھو الذی شھرہ وامرہ فاید ربنا انه ان صح عنه ذلك لم یرد به الاھذا لا الذی استقر علیه الاصطلاح فافھم واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)

یعنی بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ حسن ہے، اسے امام منذری نے اختیار کیا، اسی پر ابن صلاح نے مقدمہ میں جزم کیا اور امام نووی نے تقریب میں اسی کی اتباع کی یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ حسن نہیں ہوتی جیسے کہ مقدمہ ابن صلاح میں ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کے نزدیک وہ صحیح ہے، امام زیلعی نصب الرایہ میں قلتین والی حدیث کے ذکر میں اسی پر چلے ہیں۔ اور علّامہ حلبی نے غنیۃ المستملی کی فصل فی النوافل میں اسی کی اتباع کی ہے اور اسی طرح یہاں کہا جائے گا یعنی کبھی اس کے غیر کے ہاں وہ صحیح نہیں بلکہ حسن بھی نہیں ہوتی۔ امام ابن ہمام نے فتح القدیر ابتدائے کتاب میں اور ان کے شاگرد نے حلیۃ المحلی میں صفۃ الصلوۃ سے تھوڑا پہلے اس کے صحیح ہونے پر اقتصار کیا ہے اور یہ بات ان دونوں اقوال کو شامل ہے پس یہ اس کے قول کے قریب ہے جس نے کہا وہ حسن ہے یہ وہ ہے جس کا ذکر حافظ نے کیا ہے اور مقدمہ ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی نے اسی کی اتباع کی ہے اور تدریب میں خاتم الحفاظ نے بیان فروع فی الحسن، لیکن ابن کثیر نے کہا کہ ان سے ہے کہ جس پر انہوں نے سکوت کیا، وہ حسن ہے۔ پس اگر یہ صحیح ہو تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ حسن کے تو مختلف اطلاقات ہیں بہت کم قدماء نے اس کا ذکر کیا ہے صرف امام ترمذی نے اس کو شہرت دی اور اس کا اجراء کیا، پس اللہ رب العزت نے ہماری تائید فرمائی کہ اگر ان سے یہ بات صحت کے ساتھ ثابت ہو جائے تو انہوں نے اس سے یہی مراد لی ہے نہ وہ جس پر اصطلاح قائم ہو چکی ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النووی فروع فی الحسن دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۸

حفظ اویں فمثل ھذا یسکت عنہ ابوداود غالبا[1] الخ۔ومعلوم ان کتاب ابی داؤد انما موضوعہ الاحکام وقدقال فی رسالتہ انمالم اصنف فی کتاب السنن الا الاحکام ولم اصنف فی الزھد وفضائل الاعمال وغیرھا[2] الخ۔وقال الشمس محمدن السخاوی فی فتح المغیث اما حمل ابن سید الناس فی شرحہ الترمذی قول السلفی علی مالم یقع التصریح فیہ من مخرجھا وغیرہ بالضعف،فیقتضی کما قال الشارح فی الکبیر ان ماکان فی الکتب الخمسۃ مسکوتا عنہ ولم یصرح بضعفہ ان یکون صحیحا،ولیس ھذا الاطلاق صحیحا بل فی کتب السنن احادیث لم یتکلم فیھا الترمذی او ابوداود ولم ینجد لغیرھم فیھا کلاما ومع ذلك فھی ضعیفۃ[3] اھ۔وقال فی المرقاۃ الحق ان فیہ"ای فی مسند الامام لمحمد رضی اللہ تعالٰی عنہ"احادیث کثیرۃ ضعیفۃ وبعضھا اشد فی الضعف من بعض[4] الخ۔ونقل بعیدہ عن شیخ الاسلام الحافظ انہ قال لیست الاحادیث الزائدۃ فیہ علی مافی الصحیحین باکثر ضعفا من الاحادیث الزائدۃ فی سنن ابی داؤد	اور امام ذہبی کی اعلام سیر النبلا سے منقول ہے کہ جس حدیث کی سند ضعیف اس کے راوی کا حفظ ناقص ہونے کی وجہ سے ہو تو ایسی حدیث کے بارے میں ابوداؤد سکوت اختیار کرتے ہیں الخ۔اور یہ بات معلوم ہے کہ ابوداؤد شریف کا موضوع احکام ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے رسالہ میں یہ بات کہی ہے میں نے یہ کتاب احکام ہی کے لئے لکھی ہے زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کے لئے نہیں الخ۔اور شمس محمد سخاوی نے فتح المغیث میں بیان کیا ہے کہ ابن سید الناس نے اپنی شرح ترمذی نے قول سلفی کو ایسی حدیث پر محمول کیا ہے جس کے بارے میں اس کے مخرج وغیرہ کی ضعف کے ساتھ تصریح واقع نہیں ہوئی۔پس اس کا تقاضا ہے جیساکہ شارح نے کبیر میں کہاکہ کتب خمسہ میں جس حدیث پر سکوت اختیار کیا گیا ہو اور اس کے ضعف کی تصریح نہ کی گئی ہو وہ صحیح ہوگی حالانکہ یہ اطلاق صحیح نہیں کیونکہ کُتبِ سنن میں ایسی احادیث موجود ہیں جن پر ترمذی یا ابوداؤد نے کلام نہیں کیا اور نہ ہی کسی غیر نے ہمارے علم کے مطابق ان میں گفتگو کی ہے اسکے باوجود وہ احادیث ضعیف ہیں اھ۔اور مرقات میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس یعنی مسند احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بہت سی احادیث ایسی ہیں جو ضعیف ہیں اور بعض دوسری بعض کے اعتبار سے زیادہ ضعیف ہیں الخ۔اور تھوڑا سا اس کے بعد شیخ الاسلام حافظ سے نقل کیا کہا کہ اس میں (یعنی مسند احمد بن حنبل میں صحیحین پر جو زائد احادیث

[1] سیر اعلام النبلاء ترجمہ نمبر ۱۱۷ ابوداؤد بن اشعث مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۲۱۴

[2] رسالہ مع سنن ابی داؤد الفصل الثانی فی الامور التی تعلق بالکتاب مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵

[3] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث للسخاوی القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۱۰۰و۱۰۱

[4] مرقات شرح مشکوٰۃ المصابیح شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ الخ مطبوع مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۳

والترمذی علیها وبالجملة فالسبیل واحد فمن اراد الاحتجاج بحدیث من السنن لاسیما سنن ابن ماجة ومصنف ابن ابی شیبة وعبدالرزاق مما الامر فیه اشد او بحدیث من المسانید لان هذه کلها لم یشترط جامعوها الصحة والحسن وتلك السبیل ان المحتج انکان اهلا للنقل والتصحیح فلیس بیله ان یحتج بشیئ من القسمین حتی یحیط به وان لم یکن اهلا لذلك فان وجد اهلا لتصحیح اوتحسین قلده والا فلایقدم علی الاحتجاج فیکون کحاطب لیل فلعه یحتج بالباطل وهو لایشعر[1] اھ۔

وقال الامام عثمٰن الشهرزوری فی علوم الحدیث حکی ابوعبدالله بن مندة الحافظ انه سمع محمد بن سعد الباوردی بمصر یقول کان من مذهب ابی عبدالرحمٰن النسائی ان یخرج عن کل من لم یجمع علی ترکه،وقال ابن مندة وکذلك ابوداؤد السجستانی یاخذ ماخذه ویخرج الاسناد الضعیف اذالم یجد فی الباب وغیره لانه اقوی عنده من رای الرجال[2] اھ وفیها بعیده ثم

ہیں وہ سنن ابی داؤد اور ترمذی میں صحیحین پر زائد احادیث سے زیادہ ضعیف نہیں ہیں۔الغرض راستہ ایک ہی ہے اس شخص کے لئے جو احادیث سنن سے استدلال کرنا چاہتا ہے خصوصاً سنن ابن ماجہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق۔ کیونکہ ان میں بعض کا معاملہ سخت ہے یا استدلال ان احادیث سے جو مسانید میں ہیں کیونکہ ان کے جامعین نے صحت وحسن کی کوئی شرط نہیں رکھی اور وہ راستہ یہ ہے کہ استدلال کرنے والا اگر نقل وتصحیح کا اہل ہے تو اس کے لئے ان سے استدلال کرنا اس وقت درست ہوگا جب ہر لحاظ سے دیکھ پرکھ لے اور اگر وہ اس بات کا اہل نہیں تو اگر ایسا شخص پائے جو تصحیح وتحسین کا اہل ہے تو اس کی تقلید کرے اور اگر ایسا شخص نہ پائے تو وہ استدلال کے لئے قدم نہ اٹھائے ورنہ وہ رات کو لکڑیاں اکٹھی کرنے والے کی طرح ہوگا، ہوسکتا ہے وہ باطل کے ساتھ استدلال کرلے اور اسے اس کا شعور نہ ہو اھ۔

اور امام عثمان شہرزوری نے علوم الحدیث میں فرمایا: ابوعبداللہ بن مندہ حافظ نے بیان کیا کہ انہوں نے مصر میں محمد بن سعد باوردی سے یہ کہتے ہُوئے سُنا"ابوعبدالرحمٰن نسائی کا مذہب یہ ہے کہ ہر اس شخص سے حدیث کی تخریج کرتے ہیں جس کے ترک پر اجماع نہ ہو،اور ابن مندہ نے کہا،اسی طرح ابوداؤد سجستانی اس کے ماخذ کو لیتے اور سند ضعیف کی تخریج کرتے ہیں جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ کوئی دوسری حدیث موجود نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک وہ لوگوں کی

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ المصابیح شرط البخاری ومسلم الذی التزماہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۳

[2] مقدمۃ ابن الصلاح النوع الثانی فی معرفۃ الحسن مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

فی التقریب والتدریب وھذا لفظھا ملخصاً۔اما مسند الامام احمد بن حنبل وابی داؤد الطیالسی وغیرھما من المسانید کمسند عبیداللہ بن موسٰی واسحٰق بن راھویہ والدارمی وعبدبن حمید وابویعلی الموصلی والحسن بن سفین وابی بکر ن البزار فھؤلاء عادتھم ان یخرجوا فی مسند کل صحابی ماورد من حدیثه غیر مقیدین بان یکون محتجاً به اولا [1] الخ وفیه اعنی التدریب قیل ومسند البزار یبین فیه الصحیح من غیرہ قال العراقی ولم یفعل ذلك الا قلیلا [2] وفی البنایة عــہ۱ شرح الھدایة للعلامة الامام البدر العینی الدارقطنی کتابه مملومن الاحادیث الضعیفة والشاذة والمعللة وکم فیه من حدیث لایوجد فی غیرہ [3] اھ وذکر اشد منه للخطیب ونحوہ للبیھقی۔ وفی فتح المغیث عــہ۲ یقع ایضاً فی صحیح ابی عوانة الذی عمله مستخرجا علی مسلم احادیث	رائے وقیاس سے قوی ہے اھ اور اس میں تھوڑا سا بعد میں ہے پھر تدریب و تقریب میں ہے اور یہ الفاظ ملخصًا ان دونوں کے ہیں، مسند امام احمد بن حنبل، ابوداؤد طیالسی اور ان کے علاوہ دیگر مسانید مثلاً مسند عبیداللہ بن موسٰی، مسند اسحٰق بن راہویہ، مسند دارمی، مسند عبد بن حمید، مسند ابویعلی موصلی، مسند حسن بن سفیان، مسند ابوبکر بزار ان تمام کا طریقہ یہی ہے کہ مسند میں ہر صحابی سے مروی حدیث بیان کردیتے ہیں اس قید سے بالاتر ہوکر کہ یہ قابلِ استدلال ہے یا نہیں الخ اور اس یعنی تدریب میں ہے کہ بیان کیا گیا ہے کہ مسند بزار وہ ہے جس میں احادیث صحیحہ کو غیر صحیحہ سے جُدا بیان کیا جاتا ہے۔ عراقی کہتے ہیں کہ ایسا انہوں نے بہت کم کیا ہے۔امام بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں تصریح کی ہے کہ دارقطنی کتاب احادیث ضعیفہ، شاذہ اور معللہ سے پُر ہے اور بہت سی احادیث اس میں ایسی ہیں جو اس کے غیر میں نہیں پائی جاتیں اھ اور خطیب کے لئے اس سے بڑھ کر شدت کا ذکر ہے اور اسی کی مثل بیہقی کے لئے ہے۔اور فتح المغیث میں ہے کہ صحیح ابوعوانہ جو مسلم پر احادیث کا

عــہ۱: فی مسئلة الجھر فی البسملة ۱۲ منه (م) عــہ۲: فی الصحیح الزائد علی الصحیحین۔(م)	بسم اللہ کو جہرًا پڑھنے کے مسئلہ میں اس کو ذکر کیا ہے (ت) صحیحین پر زائد صحیح کے بیان میں اسے ذکر کیا ہے (ت)

[1] تدریب الراوی شرح التقریب النواوی مرتبة المسانید من الصحة مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۷۱

[2] تدریب الراوی شرح التقریب النواوی اول من صنف مسندا مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۷۴

[3] البنایة شرح الہدایة باب صفة الصلٰوة مطبوعہ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد ۱/ ۶۲۸

كثيرة زائدة على اصله وفيها الصحيح والحسن بل والضعيف ايضا فينبغى التحرز فى الحكم عليها ايضا [1] اه نصوص العلماء فى هذا الباب كثيرة جدا وما اوردنا كاف فى ابانة ماقصدنا، وبالجملة فروايتهم الضعاف من دون بيان فى كل باب وان لم يوجد الصحيح معلوم مقرر لا يرد ولاينكر، وانما اطنبنا ههنا لماشممنا خلافه من كلمات بعض الجلة، والحمد لله على كشف الغمة وتبثيت القدم فى الزلة فاستبان ان لوكان المراد مازعم هذا الذى نقلنا قوله لكانت التفرقة بين الاحكام والضعاف قدانعدمت، والمسألة الاجماعية من اساسها قدانهدمت هذا وجه ولك ان تسلك مسلك ارخاء العنان وتقول على وجه التشقق ان الحكم الذى رويت فيه الضعاف مطلقة هل يوجد فيه صحيح ام لافان وجد فقد رووا الضعيف ساكتين فى الاحكام ايضا عند وجود الصحيح فاين الفرق وان لم يوجد فالامرا شد فان التجأ ملتج الى انهم يعدون سوق الاسانيد

استخراج کرتے ہُوئے اصل پر بہت کچھ زائدہ احادیث نقل کی ہیں ان میں صحیح، حسن بلکہ ضعیف بھی ہیں لہٰذا ان پر حکم لگانے سے خوب احتراز واحتیاط چاہیے اھ علماء کی تصریحات اس معاملہ میں بہت زیادہ ہیں اور جو ہم نے نقل کردی ہیں ہمارے مقصود کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں، الغرض محدثین نے ضعیف احادیث بغیر نشاندہی کے ہر مسئلہ میں ذکر کی ہیں اگرچہ اس مسئلہ میں کوئی صحیح حدیث نہ پائی گئی ہو اور یہ بات معلوم و مسلّم ہے، نہ اسے رَد کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کا انکار ممکن ہے۔ ہم نے یہ طویل گفتگو اس لئے کردی ہے کہ بعض بزرگوں کے کلام سے ہم نے اس کے خلاف محسوس کیا تھا۔ اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے جس نے تاریکی دُور کردی اور پھسلنے کے مقام پر ثابت قدم رکھا پس اب یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر ان کی مراد وہی ہے جو ہم نے ان کا قول نقل کیا تو پھر احکام اور ضعاف کے درمیان تفریق ختم ہوگی اور اجماعی مسئلہ کی بنیاد منہدم ہوگئی ایک تو یہ توجیہ ہے اور ایک دوسری آسان راہ اختیار کرتے ہوئے علٰی وجہ التشقق یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ حکم جس کے بارے میں مطلقاً ضعیف حدیثیں مروی ہوں دیکھا جائیگا اس میں کوئی صحیح حدیث پائی جاتی ہے انہیں اگر حدیث صحیح پائی جائے تو لازم آیا کہ انہوں نے حدیث ضعیف احکام میں بھی صحیح کے ہوتے ہوئے سکوتاً روایت کی ہے تو اب فرق کہاں ہے؟ اور اگر موجود نہ ہو تو معاملہ اس سے بھی زیادہ شدید ہے اگر معترض یہ کہہ دے کہ محدثین سوقِ سند کو ہی بیان

[1] فتح المغیث الصحیح الزائد علی الصحیحین دارالامام الطبری بیروت ۱/ ۴۳

من البیان ای فلم یوجد منھم روایۃ الضعاف فی الاحکام الامقرونۃ:

قلت اوّلًا : ھذا شیئ قد یبدیہ بعض العلمآء عذرا ممن روی الموضوعات ساکتا علیھا ثم ھم لایقبلون قال الذھبی عــہ۱ فی المیزان کلام ابن مندۃ فی ابی نعیم فظیع لا احب حکایتہ ولا اقبل قول کل منھما فی الآخر بل ھما عندی مقبولان لااعلم لھما ذنبا اکبر من روایتھما الموضوعات ساکتین عنھا [1] اھ۔وقدقال العراقی عــہ۲ فی شرح الفیتہ ان من ابرز اسنادہ منھم فھو ابسط لعذرہ اذ أحال ناظرہ علی الکشف عن سندہ وان کان لایجوزلہ السکوت علیہ [2] اھ۔

ثانیا: لایعھد منھم ایراد الاحادیث من ای باب کانت الامسندۃ فھذا البیان لم تنفك عنہ احادیث الفضائل ایضًا فبماذا تساھلوا فی ھذا دون ذلک۔

قرار دیتے ہیں، پس اس صورت میں احکام میں ضعیف حدیثوں کی روایت سکوتًا نہ ہوگی بلکہ بیان کے ساتھ ہوگی تو اس کے جواب میں:-

میں کہتا ہوں اولًا: یہ وہ چیز ہے جس کو بعض علماء نے ان لوگوں کی طرف سے عذر کے طور پر پیش کیا جو موضوعات کو سکوتًا روایت کرتے ہیں پھر انہیں قبول نہیں کرتے۔ ذہبی نے میزان میں کہا کہ ابونعیم کے بارے میں ابن مندہ کا کلام نہایت ہی رکیک ہے میں اسے بیان کرنا بھی پسند نہیں کرتا اور میں ان دونوں کا کوئی قول ایک دوسرے کے بارے میں نہیں سنتا بلکہ یہ دونوں میرے نزدیک مقبول ہیں اور میں ان کا سب سے بڑا گناہ یہی جانتا ہوں کہ انہوں نے روایاتِ موضوعہ کو سکوتًا روایت کیا ہے اور انکی نشان دہی نہیں کی اھ۔ عراقی نے شرح الفیہ میں کہا ہے کہ ان میں سے جس نے اپنی سند کو واضح کیا تو اس نے اپنا عذر طویل کیا کیونکہ اس طرح اس نے ناظر کو سند کے حال سے آگاہ کیا ہے اگرچہ اس کے لئے اس پر سکوت جائز نہ تھا اھ۔ **ثانیا:** ان کے ہاں ہر باب میں یہ معروف ہے کہ اس میں مسند احادیث لائی جائیں گی تو اس بیان سے احادیث فضائل بھی الگ نہیں، پھر ان میں تساہل کیوں اور دُوسری روایات میں نہ ہو۔

عــہ۱: فی احمد بن عبداللہ ۱۲ منہ (م)

عــہ۲ : نقلہ فی التدریب نوع الموضوع قبیل التنبیھات ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ (م)

احمد بن عبداللہ کے ترجمہ میں ہے۔ (ت)

اس کو نقل کیا ہے تدریب میں نوع موضوع کے تحت تنبیہات سے کچھ پہلے۔ (ت)

[1] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ نمبر ۴۳۸ احمد بن عبداللہ ابونعیم الخ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۱

[2] تدریب الراوی شرح التقریب المعروفون بوضع الحدیث مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۸۹

ثالثًا:لوکان الاسناد وھو البیان المراد لاستحال روایة شیئ من الاحادیث منفکا عن البیان فان الروایة لاتکون الا بالاسناد.قال فی التدریب حقیقة الروایة نقل السنة ونحوھا واسناد ذلك الی من عزی الیه بتحدیث واخبار وغیر ذلك [1] اھ وقال عـہ۱ الزرقانی تحت قول المواھب روی عبدالرزاق بسندہ الخ بسندہ ایضاح والافھو مدلول روی [2] اھ وقال ایضا عـہ۲ تحت قوله روی الخطیب بسندہ ایضاح فھو عندھم مدلول روی [3] اھ واذا انتھی الکلام بنا الی ھنا واستقر عرش التحقیق بتوفیق اللہ تعالٰی علی ماھو مرادنا فلنعد الی ماکنا فیه حامدین للہ تعالٰی علی مننه الجزیلة الی کل نبیه ومصلین علی نبیه الکریم واٰله وصحبه وسائر مجیه۔	**ثالثًا**: اگر سند بیان مراد ہی ہو تو بیان کے بغیر کوئی حدیث مروی ہی نہ ہوگی کیونکہ روایت میں سند تو ضروری ہے،تدریب میں ہے کہ حقیقت روایت سنّت وغیرہ کا نقل کرنا اور اس بات کی سند کا ذکر کرنا ہے کہ یہ فلاں نے بیان کی یا فلاں نے اس کی اطلاع دی ہے وغیرہ ذلک اھ زرقانی نے مواہب کی عبارت "روی عبدالرزاق بسندہ الخ" کے تحت کہا کہ بسند کا لفظ صرف وضاحت کے لئے ہے ورنہ وہ "روی" کا مدلول ہے اھ اور مواہب کی عبارت "روی الخطیب بسندہ" کے تحت یہی بات زرقانی نے کہی کہ "بسندہ" وضاحت ہے تو ان کے ہاں لفظ "روی" کا مدلول بھی یہی ہے اھ جب ہماری یہ گفتگو مکمل ہوچکی تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کا اعلٰی درجہ پختہ ہوگیا اس طور پر جو ہماری مراد تھی،اب ہم واپس اس مسئلہ کی طرف لوٹتے ہیں جو ہمارا موضوع تھا اللہ تعالٰی کی بے بہا نعمتوں پر حمد کرتے ہوئے جو اس نے اپنے ہر نبی کو عطا کی ہیں اور صلاۃ وسلام پڑھتے ہوئے نبی کریم اور آپ کی آل واصحاب اور باقی محبین پر۔(ت)

افادہ بست ودوم ۲۲: (ایسے اعمال کے جواز یا استحباب پر ضعیف سے سند لانا دربارہ احکام اسے

عـہ۱: اوائل الکتاب عند ذکر خلق نورہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه (م) عـہ۲ :فی ذکر ولادته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۱۲ منه (م)

[1] تدریب الراوی شرح التقریب خطبۃ المؤلف/وفیہا فوائد/حد علم حدیث مطبوعہ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۴۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول فی تشریف اللہ تعالٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۵۵

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۱۳۳

حجت بنانا نہیں) جس نے افادات سابقہ کو نظرِ غائر و قلب حاضر سے دیکھا سمجھا اُس پر بے حاجت بیان ظاہر وعیاں ہے کہ حدیث ضعیف سے فضائلِ اعمال میں استحباب یا محلِ احتیاط میں کراہت تنزیہ یا امر مباح کی تائید اباحت پر استناد کرنا اُسے احکام میں حجت بنانا اور حلال وحرام کا مثبت ٹھہرانا نہیں کہ اباحت تو خود بحکم اصالت ثابت اور استحباب تنزہ قواعد قطعیہ شرعیہ وارشاد اقدس "**کیف وقد قیل**" وغیرہ احادیث صحیحہ سے ثابت جس کی تقریر سابقًا زیور گوش سامعان ہُوئی حدیث ضعیف اس نظر سے کہ ضعف سند مستلزم غلطی نہیں ممکن کہ واقع میں صحیح ہو صرف امید واحتیاط پر باعث ہُوئی، آگے حکمِ استحباب وکراہت اُن قواعد وصحاح نے افادہ فرمایا اگر شرع مطہر نے جلب مصالح وسلب مفاسد میں احتیاط کو مستحب نہ مانا ہوتا ہر گز ان مواقع میں احکام مذکورہ کا پتا نہ ہوتا تو ہم نے اباحت، کراہت، مندوبیت جو کچھ ثابت کی دلائل صحیحہ شرعیہ ہی سے ثابت کی نہ حدیث ضعیف سے **اقول**: تاہم از انجاکہ ورود ضعیف وہ بھی نہ لذاتہ بلکہ بملاحظہ امکان صحت ترجی واحتیاط کا ذریعہ ہُوا ہے اگر اُس کی طرف تجوّزًا نسبت اثبات کردیں بجا ہے اور ثبوت بالضعیف میں بائے استعانت تو ادنٰی مداخلت سے صادق، ہاں اگر دلائل شرعیہ سے ایک امر کلی کی حرمت ثابت ہو اور کوئی حدیث ضعیف اُس کے کسی فرد کی طرف بُلائے مثلًا کسی حدیث مجروح میں خاص طلوع وغروب یا استواکے وقت بعض نماز نفل کی ترغیب آئی تو ہر گز قبول نہ کی جائے گی کہ اب اگر ہم اُس کا استحباب یا جواز ثابت کریں تو اسی حدیث ضعیف سے ثابت کریں گے اور وہ صالح اثبات نہیں یونہی اگر دلائل شرعیہ مثبت ندب یا اباحت ہوں اور ضعاف میں نہی آئی اسی وجہ سے مفید حرمت نہ ہوگی مثلًا مقرر اوقات کے سوا کسی وقت میں ادائے سنن یا معین رشتوں کے علاوہ کسی رشتہ کی عورت سے نکاح کو کوئی حدیث ضعیف منع کرے حرمت نہ مانی جائے گی ورنہ ضعاف کی صحاح پر ترجیح لازم آئے **بحمد الله** یہ معنی ہیں کلام علماء کے کہ حدیث ضعیف دربارہ احکام حلال وحرام معمول بہ نہیں۔

ثم اقول: اصل یہ ہے کہ مثبت وہ جو خلاف اصل کسی شَے کو ثابت کرے کہ جو بات مطابق اصل ہے خود اسی اصل سے ثابت، ثابت کیا محتاج اثبات ہوگا ولہذا شرع مطہر میں گواہ اس کے مانے جاتے ہیں جو خلاف اصل کا مدعی ہو اور ماورائے دماء وفروج ومضار وخبائث تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے تو ان میں کسی فعل کے جواز پر حدیث ضعیف سے استناد کرنا حلت غیر ثابتہ کا اثبات نہیں بلکہ ثابتہ کی تائید ہے،

ھذا تحقیق ماأسلفنا فی الافادۃ السابقۃ عن المحقق الدوانی، وھذا ھو معنی مانص علیہ الامام ابن دقیق العید وسلطن العلماء عزالدین بن عبدالسلام وتبعھما شیخ الاسلام الحافظ ونقلہ تلمیذہ السخاوی	یہ وہ تحقیق ہے جو ہم نے افادہ سابقہ میں محقق دوانی کے حوالے سے بیان کی اور یہ وہ حقیقت ومعنی ہے جس کی تصریح امام ابن دقیق العید اور سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام نے کی اور شیخ الاسلام حافظ نے ان دونوں کی اتباع کی اور ان کے شاگرد سخاوی نے

فی فتح المغیث وفی قول البدیع والسیوطی فی التدریب والشمس محمد الرملی فی شرح المنھاج النووی،ستھم من الشافعیۃ.ثم اثرہ عن الرملی العلامۃ الشرنبلالی فی غنیۃ ذوی الاحکام والمحقق المدقق العلائی فی الدرالمختار واقراہ ھما ومحشو الدر الحلبی والطحطاوی والشامی فیھا وفی منحۃ الخالق خمستھم من الحنفیۃ.من اشتراط العمل بالضعیف باندراجہ تحت اصل عام،وھو اذا حققت لیس بتقیید زائد بل تصریح بمضمون مانصوا علیہ ان العمل بہ فیما وراء العقائد والاحکام،کماأوضحناہ لك وبہ ازداد انزھاقا بعد انزھاق ماظن الظانان من ان الکلام فی الاعمال الثابتۃ بالصحاح.کیف ولوکان کذلک لما احیتج الی ھذا الاشتراط کمالایخفی واللہ الھادی الی سوی الصراط۔	فتح المغیث اور القول البدیع میں،سیوطی نے تدریب میں،شمس الدین محمد رملی نے شرح المنہاج النووی میں اسے نقل کیا ہے یہ چھ ۶ شوافع میں سے ہیں،پھر رملی سے علّامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں اور محقق ومدقق العلائی نے درمختار میں اسے نقل کیا اور اسے ان دونوں نے اور درمختار کے محشین حلبی،طحطاوی اور شامی نے اپنے اپنے حواشی اور منحۃ الخالق میں ثابت رکھا یہ پانچ حنفی ہیں (اور وہ یہ ہے) کہ حدیث ضعیف پر عمل کے لئے شرط یہ ہے کہ کسی عمومی ضابطہ کے تحت داخل ہو اور جب تو اس کی تحقیق کرے تو یہ کوئی زائد قید نہیں بلکہ اسی مضمون کی وضاحت ہے جس کی انہوں نے تصریح کی ہے کہ اس پر عمل عقائد واحکام کے علاوہ میں کیا جائیگا،جیسا کہ ہم نے پہلے اسے واضح کردیا ہے اور اس سے ان دو علماء کا خوب رَد ہوگیا جو یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ ان اعمال کے بارے میں کلام ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہوں اور یہ مطلب اس لئے نہیں ہوسکتا کہ اگر معاملہ یہ ہوتا تو یہ شرط لگانے کی محتاجی نہ تھی جیسا کہ واضح ہے،اور اللہ تعالٰی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔(ت)

بحمد اللہ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ بعض متکلمین طائفہ جدیدہ کا زعم باطل کہ ان احادیث سے جوازِ تقلیل ابہامین پر دلیل لانا احکامِ حلال وحرام میں انہیں حجت بنانا ہے اور وہ بتصریح علماء ناجائز، محض مغالطہ وفریب وہی عوام ہے ذی ہوش نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہی علماء جو حدیث ضعیف کو حلال وحرام میں حجت نہیں مانتے صدہا جگہ احادیث ضعیفہ سے افعال کے جواز واستحباب پر دلیل لاتے ہیں جس کی چند مثالیں افادہ سابقہ میں گزریں کیا معاذاللہ علمائے کرام اپنا لکھا خود نہیں سمجھتے یا اپنے مقررہ قاعدہ کا آپ خلاف کرتے ہیں کیا افادہ ہفدہم میں امام ابن امیر الحاج کا ارشاد نہ سنا کہ جمہور علماء کے نزدیک فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قابلِ عمل ہے تو کسی فعل کی اباحت قائم رکھنا بدرجہ اولٰی ولکن الوھابیۃ لایسمعون واذا سمعوا لایعقلون رب انی اسألك العفو و

العافیۃ اٰمین (وہابی تو سُنتے ہی نہیں، سُنتے ہیں تو سمجھتے نہیں، اے میرے رب! میں تجھ سے عفو ومعافی کا سوال کرتا ہُوں، آمین۔ت)

افادہ بست وسوم (ایسے مواقع میں ہر حدیث ضعیف غیر موضوع کام دے سکتی ہے) **اقول اوّلاً:** جمہور علماء کے عامہ کلمات مطالعہ کیجئے تو وہ مواقع مذکورہ میں قابلیت عمل کیلئے کسی قسم ضعف کی تخصیص نہیں کرتے، صرف اتنا فرماتے ہیں کہ موضوع نہ ہو فتح[۱] القدیر والفیہ[۲] عراقی وشرح[۳] الفیۃ للمصنف میں تھا غیر الموضوع[1] (موضوع کے علاوہ ہو۔ت) مقدمہ[۴] ابن الصلاح وتقریب[۵] میں ماسوی الموضوع[2] (موضوع کے سوا ہو۔ت) مقدمہ[۶] سید شریف میں دون الموضوع[3] (موضوع نہ ہو۔ت) حلیہ[۷] میں الذی لیس بموضوع[4] (ایسی روایت جو موضوع نہ ہو۔ت) اذکار[۸] میں ان الفاظ سے اجماع ائمہ نقل فرمایا کہ مالم یکن موضوعا[5] (وہ جو کہ موضوع نہ ہو۔ت) یونہی[۹] امام ابن عبدالبر نے اجماعِ محدثین ذکر کیا کہ یرونہا عن کل[6] (محدثین ان کو تمام سے روایت کرتے ہیں۔ت) یہ سب عبارات باللفظ یا بالمعنی افادات سابقہ میں گزریں، زرقانی[۱۰] شرح[عہ۱] مواہب میں ہے عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد مالم یکن موضوعا[7] (محدثین کی عادت ہے کہ غیر احکام وعقائد میں تساہل کرتے ہیں اس میں جو موضوع نہ ہو) یونہی[۱۱] علّامہ حلبی سیرۃ[عہ۲] الانسان العیون میں فرماتے ہیں:

عہ۱: ذکر رضاعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تحت حدیث مناغاۃ القمر لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ (م)

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر رضاعت میں اس حدیث کے تحت جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انگلی کے اشارے سے چاند کے ساتھ کھیلنے (جھک جانے) کا بیان ہے وہاں اس کا ذکر ہے دیکھو۔(ت)

عہ۲: نقل ھذا وماسیاتی عن عیون الاثر بعض الاثرین ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

عیون الاثر کی یہ عبارت اور وہ جو عنقریب ذکر کی جائیگی ان کو بعض معاصرین نے نقل کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

1 فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۳

2 مقدمہ ابن الصلاح النوع الثانی والعشرون معرفۃ المقلوب مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۴۹

3 مقدمہ سیہ شریف

4 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

5 الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار فصل قال العلماء الخ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۷

6 کتاب العلم لابن عبدالبر

7 شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۱۷۲

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل والمنقطع والمعضل دون الموضوع وقدقال الامام احمد وغیرہ من الائمۃ اذارویناَ فی الحلال والحرام شددناَ واذا رویناَ فی الفضائل ونحوھا تساھلناَ [1]۔	واضح رہے کہ اصحاب سیر ہر قسم کی روایات جمع کرتے ہیں صحیح، غیر صحیح، ضعیف، بلاغات، مرسل، منقطع اور معضل وغیرہ، لیکن موضوع روایت ذکر نہیں کرتے۔امام احمد اور دیگر محدثین کا قول ہے کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں احادیث روایت کرتے ہیں تو شدت کرتے ہیں اور جب ہم فضائل وغیرہ کے بارے میں روایات لاتے ہیں تو ان میں نرمی برتتے ہیں۔(ت)

شیخ محقق [۲] مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی شرح صراط المستقیم میں فرماتے ہیں:

گفتہ اند کہ اگر ضعف حدیث بجہت سوئے حفظ بعض رواۃ یا اختلاط یا تدلیس بود باوجود صدق ودیانت منجبر میگرود بتعدد طرق واگر ازجہت اتہام کذب راوی باشد یا شزوذ بمخالفت احفظ واضبط یابقوت ضعف مثل فحش خطا اگرچہ تعدد طرق داشتہ باشد منجبر نگرود وحدیث محکوم بضعف باشد ودر فضائل اعمال معمول [2] الخ	محدثین نے بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی حدیث میں ضعف بعض راویوں کے سُوئے حفظ یا تدلیس کی وجہ سے ہو جبکہ صدق ودیانت موجود ہو تو یہ کمی تعدد طرق سے پُوری ہوجاتی ہے اور اگر ضعف راوی پر اتہامِ کذب کی وجہ سے ہو یا احفظ واضبط راوی کی مخالفت کسی جگہ ہو یا ضعف نہایت قوی ہو مثلاً فحش غلطی ہو تو اب تعدد طرق سے بھی کمی کا ازالہ نہیں ہوگا اور حدیث ضعیف پر ضعیف کا ہی حکم ہوگا اور فضائل اعمال میں ہے الخ (ت)

ثانیا: کلبی کا نہایت شدید الضعف ہونا کسے نہیں معلوم اُس کے بعد صریح کذاب وضّاع ہی کا درجہ ہے ائمہ شان نے اُسے متروک بلکہ منسوب الی الکذب تک کیا کذبہ ابن حبان والجوزجانی وقال البخاری ترکہ یحیٰی وابن مھدی وقال الدارقطنی وجماعۃ متروك (ابن حبان اور جوزجانی نے اسے جھُوٹا قرار دیا ہے، بخاری کہتے ہیں کہ اسے یحیٰی اور ابن مہدی نے ترک کردیا، دارقطنی اور ایک جماعت نے کہا کہ یہ متروک ہے۔ت) لاجرم حافظ نے تقریب میں فرمایا متھم بالکذب ورمی بالرفض [3] (اس پر کذب کا اتہام ہے اور اسے روافض کی

---

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳

[2] شرح صراط مستقیم دیباچہ شرح سفر السعادت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۱۳

[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن السائب بن بشر الکلبی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ص ۲۹۸

طرف منسوب کیا گیاہے۔ت) بااینہمہ عامہ کتب سیر وتفاسیر اس کی اور اس کی امثال کی روایات سے مالامال ہیں علمائے دین ان امور میں اُنہیں بلانکیر نقل کرتے رہے ہیں، میزان میں ہے:

قال ابن عدی وقدحدث عن الکلبی سفٰین وشعبۃ وجماعۃ ورضوہ فی التفسیر واما فی الحدیث فعندہ مناکیر[1]۔	ابن عدی نے کہا کہ کلبی سے سفیان، شعبہ اور ایک جماعت نے حدیث بیان کی ہے اور ان روایات کو پسند کیا ہے جس کا تعلق تفسیر کے ساتھ ہے اور حدیث سے متعلقہ روایات انکے نزدیک مناکیر ہیں۔(ت)

امام ابن سید الناس سیرۃ عیون الاثر میں فرماتے ہیں:

غالب مایروی عن الکلبی انساب واخبار من احوال الناس وایام العرب وسیرھم ومایجری مجری ذلک مماسمح کثیر من الناس فی حملہ عمن لایحمل عنہ الاحکام وممن حکی عنہ الترخیص فی ذلک الامام احمد[2]۔	کلبی سے اکثر طور پر لوگوں کے انساب واحوال، عربوں کے شب وروز اور ان کی سیرت یا اسی طرح کے دیگر معاملات مروی ہیں جو کثرت کے ساتھ ایسے لوگوں سے لے لیے جاتے ہیں جن سے احکام نہیں لیے جاتے اور جن لوگوں سے اس معاملہ میں اجازت منقول ہے وہ امام احمد ہیں۔(ت)

ثالثاً: (امام واقدی ہمارے علماء کے نزدیک ثقہ ہیں) امام واقدی کو جمہور اہلِ اثر نے چنیں وچناں کہا جس کی تفصیل میزان وغیرہ کتبِ فن میں مسطور، لاجرم تقریب میں کہا: **متروک مع سعۃ علمہ**[3] (علمی وسعت کے باوجود متروک ہے۔ت) اگرچہ ہمارے علماء کے نزدیک اُن کی توثیق ہی راجح ہے۔ **کما افادہ الامام المحقق فی فتح القدیر** عــہ[4] (جیسا کہ امام محقق نے فتح القدیر میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) بااینہمہ یہ جرح شدید ماننے والے

عــہ: حیث قال فی باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء عن الواقدی قال کانت بئر بضاعۃ	جہاں انہوں نے "باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء" میں واقدی سے نقل کیا کہ بضاعۃ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۵۷۴ ترجمہ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۵۵۸

[2] عیون الاثر ذکر الاجوبہ عمار میہ مطبوعہ دار الحضارۃ بیروت ۱/ ۲۴

[3] تقریب التہذیب ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ص ۱۳۔ ۳۱۲

[4] فتح القدیر باب الماء الذی یجوزبہ الوضوء مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹

بھی انہیں سِیر ومغازی واخبار کا امام مانتے اور سلفًا وخلفًا ان کی روایات سِیر میں ذکر کرتے ہیں کمالایخفی علی من طالع کتب القوم (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس نے قوم کی کُتب کا مطالعہ کیا ہے۔ت) میزان میں ہے:

کان الی حفظه المنتهی فی الاخبار والسیر والمغازی الحوادث وایام الناس والفقه وغیر ذلك[1]۔	یہ اخبار واحوال، علم سِیر ومغازی، حواد ثاتِ زمانہ اور اس کی تاریخ اور علمِ فقہ وغیرہ کے انتہائی ماہر اور حافظ ہیں۔(ت)

رابعًا ہلال بن زید بن یسار بصری عسقلانی کو ابنِ حبان نے کہا روی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اشیاء موضوعۃ (انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے موضوع روایات نقل کی ہیں۔ت) حافظ الشان نے تقریب میں کہا متروک باوصف اس کے جب انہیں ہلال نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث فضیلت عسقلان روایت کی جسے حافظ ابوالفرج نے بعلّتِ مذکورہ درج موضوعات کیا اُس پر حافظ الشان ہی نے وہ جواب مذکور افادہ دہم دیا کہ حدیث فضائلِ اعمال کی ہے سوا اُسے طعن ہلال کے باعث موضوع کہنا ٹھیک نہیں امام احمد کا طریق معلوم ہے کہ احادیث فضائل میں تساہل فرماتے ہیں، اور یہ بھی افادہ نہم میں حافظ الشان ہی کی تصریح سے گزر چکا کہ متروک ایسا شدید الضعیف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طریقا للماء الی البساتین وهذا تقوم به الحجة عندنا اذا وثقنا الواقدی، اما عندالمخالف فلالتضعیفه ایاه[2] اھ وقال فی فصل فی الآسار قال فی الامام جمع شیخنا ابوالفتح الحافظ فی اول کتابه المغازی والسیر من ضعفه ومن وثقه ورجح توثیقه وذکر الاجوبة عماقیل فیه[3] اھ ۱۲ منه (م)	کے کنویں سے باغوں کو پانی دیا جاتا تھا ہمارے نزدیک حجت کے لئے یہی کافی ہے کیونکہ ہم نے واقدی کی توثیق کردی ہے باقی مخالف کے نزدیک حجت نہیں کیونکہ وہ اس کی تضعیف کا قائل ہے اھ اور "فصل فی الآسار" میں کہا کہ امام کے بارے میں ہمارے شیخ ابوالفتح حافظ نے اپنی پہلے کتاب المغازی والسیر میں ان روایات کو جمع کیا ہے جن کی توثیق کی گئی یا ان کو ضعیف کہا گیا اور ان کی توثیق کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جوابات بھی ذکر کیے اھ ۱۲منہ۔(ت)

---

[1] میزان الاعتدال نمبر ۷۹۹۳ ترجمہ محمد بن عمر بن واقد الاسلمی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۶۶۳

[2] فتح القدیر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹ و ص ۹۷

[3] فتح القدیر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹ و ص ۹۷

ہے جس کے بعد بس متہم بالوضع ووضاع ہی کا درج ہے اب یہ بات خوب محفوظ رہے کہ خود امام الشان ہی نے ہلال کو متروک کہا خود ہی متروک کو اتنا شدید الضعف بتایا خود ہی ایسے شدید الضعف کی روایت کو دربارہ فضائل مستحق تساہل رکھا اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوگی کہ ضعف کیسا ہی شدید ہو جب تک سرحدِ کذب ووضع تک نہ پہنچے حافظ الشان کے نزدیک بھی فضائل میں قابلِ نرمی وگوارائی ہے وللہ الحجۃ السامیہ۔

خامسًا: اور سُنیے وضو کے بعد انّا انزلنا پڑھنے کی حدیثوں کا ضعف نہایت قوّت پر ہے، سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اسے بے اصل محض کہا، امام جلیل ابواللیث سمرقندی نے اپنے مقاصد میں ان حدیثوں کو ذکر فرمایا، امام الشان سے اس بارہ میں سوال ہُوا وہی جواب فرمایا کہ فضائلِ اعمال میں ضعاف پر عمل روا ہے۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قد سئل شیخنا حافظ عصرہ قاضی القضاۃ شہاب الدین الشہیر بابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی من ھذہ الجملۃ فاجاب بمانصہ الاحادیث التی ذکرھا الشیخ ابواللیث نفع اللہ تعالٰی ببرکتہ ضعیفۃ والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل بہ فی فضائل الاعمال ولم یثبت منھا شیئ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامن قولہ ولامن فعلہ[1] اھ	ہمارے شیخ حافظ العصر قاضی القضاۃ شہاب الدین المعروف ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالٰی سے ان روایات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ وہ احادیث جن کو امام ابواللیث، "اللہ تعالٰی ان کی برکت سے نفع عطا فرمائے" نے ذکر کیا ہے وہ ضعیف ہیں، اور علماء حدیث ضعیف کے ذکر کرنے اور فضائل اعمال میں اس پر عمل کرنے میں نرمی برتتے ہیں اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کے متعلق کوئی قول وعمل ثابت نہ ہو اھ (ت)

سادسًا: یہ حدیث کہ چاند گھوارہ میں عرب کے چاند عجم کے سورج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے باتیں کرتا، حضور کو بہلاتا، انگشت مبارک سے جدھر اشارہ فرماتے اُسی طرف جھک جاتا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ، امام ابوعثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی نے کتاب المائتین، خطیب نے تاریخ بغداد، ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی اُس کا مدار احمد بن ابراہیم حلبی شدید الضعف پر ہے، میزان میں ہے امام ابوحاتم نے کہا: احادیثہ باطلۃ تدلہ علی کذبہ[2] (اس کی احادیث باطلہ اس کے کذب پر دال ہیں۔ت) باوجود اس کے امام صابونی نے فرمایا: ھذا حدیث غریب الاسناد

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۲۸۷ احمد بن ابراہیم حلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۸۱

والمتن وھو فی المعجزات حسن [1] (اس حدیث کی سند بھی غریب اور متن بھی غریب باایںہمہ معجزات میں حسن ہے)
اُن کے اس کلام کو امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبرٰی، امام احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں نقل کیا اور مقرر رکھا۔

سابعًا: حدیث الدیك الابیض صدیقی وصدیق صدیقی وعدو عدو اللہ وکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یبتیه معه فی البیت [2] (مرغ سپید میرا خیر خواہ اور میرے دوست کا خیر خواہ، اللہ تعالٰی کے دشمن کا دشمن ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسے شب کو مکان خوابگاہ اقدس میں اپنے ساتھ رکھتے تھے) کہ ابوبکر برقی نے ابوزید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا: باسناد فیه کذاب [3] (اس کی سند میں کذاب ہے) باوصف اس کے فرمایا: فیندب لنا فعل ذلك تأسیا به [4] جبکہ حدیث میں ایسا وارد ہوا تو ہمیں باقتدائے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرغ سپید کو اپنی خوابگاہ میں ساتھ رکھنا مستحب ہے۔ مثالیں اس کی اگر تتبع کیجئے بکثرت لیجئے وھذا الاخیر قد بلغ الغایة وفیما ذکرنا کفایة لاھل الدرایة (یہ آخری انتہاء پر ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا وہ اہل فہم کے لئے کافی ہے۔ت)

ثامنًا: احادیث ودلائل مذکورہ افادات سابقہ بھی اسی اطلاق کے شاہد عدل ہیں خصوصًا حدیث وان کان الذی حدثه به کاذبًا (اگرچہ جس نے اسے بیان کیا کاذب ہو۔ت) ظاہر ہے کہ احتمالِ صدق ونفع بے ضرر ہر ضعیف میں حاصل توفرق زائل بالجملہ یہی قضیہ دلیل ہے اور یہی کلام وعمل قوم سے مستفاد مگر حافظ الشان سے منقول ہوا کہ شرط عمل عدم شدت ضعف ہے نقله تلمیذہ السخاوی وقال سمعته مرارا یقول ذلك (اسے ان کے شاگرد امام سخاوی نے نقل کیا اور کہا کہ میں نے ان سے یہ کئی مرتبہ کہتے سُنا ہے۔ت)

اقول: (بحث قبول شدید الضعف) یہاں شدتِ ضعف سے مراد میں حافظ سے نقل مختلف آئی، شامی عـہ نے فرمایا طحطاوی نے فرمایا امام ابن حجر نے فرمایا:

عـہ: فی مستحبات الوضوء ۱۲ منه (م)	(شامی نے مستحبات الوضوء میں فرمایا ۱۲ منہ۔ت)

[1] المواہب اللدنیۃ بحوالہ کتاب الماتین حدیث غریب الاسناد المتن المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۵۴
[2] کتاب الموضوعات لابن الجوزی باب فی الدیک الابیض مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۴
[3] تیسیر شرح جامع صغیر للمناوی حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۱۵
[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبہ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۲/ ۱۵

شدید الضعف ھو الذی لایخلو طریق من طرقه عن کذاب اومتھم بالکذب[1]۔	شدید الضعف وہ حدیث ہے جس کی اسنادوں سے کوئی اسناد کذاب یا متہم بالکذب سے خالی نہ ہو۔

یہاں صرف انہیں دو ۲ کو شدّتِ ضعف عـــہ میں رکھا امام سیوطی نے تدریب میں فرمایا حافظ نے فرمایا:

ان یکون الضعف غیر شدید فیخرج من انفرد من الکذابین والتھمین بالکذب ومن فحش غلطه[2]۔	وہ ضعف شدید نہ ہو پس اس سے وہ نکل گیا جو کذاب اور متہم بالکذب میں منفرد ہو یا جو فحش الغلط ہو۔(ت)

یہاں ان دو ۲ کے ساتھ فحش غلط کو بھی بڑھایا نسیم الریاض میں قول البدیع سے کلام حافظ بایں لفظ نقل کیا:

ان یکون الضعف غیر شدید کحدیث من انفرد من الکذابین والمتھمین ومن فحش غلطه[3]۔	حدیث میں ضعف شدید نہ ہو مثلاً اس شخص کی حدیث جو کذابین اور متہمین سے ہو یا وہ فحش الغلط ہو۔(ت)

عـــہ: وھکذا عزا بعض العصریین وھو المولوی عبدالحی اللکنوی فی ظفر الامانی الی التدریب والقول البدیع حیث قال الشرط للعمل بالحدیث الضعیف ثلٰث شروط علی ماذکرہ السیوطی فی شرع تقریب النووی والسخاوی فی القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع وغیرھما الاول عدم شدۃ ضعفه بحیث لایخلوطریق من طرقه من کذاب اومتھم بالکذب الخ اقول لکن سنسمعك نص التدریب والقول البدیع فیظھرلك ان وقع ھھنا فی النقل عنھما تقصر شنیع فلیتنبه ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

معاصرین میں سے مولوی عبدالحی لکھنوی نے "ظفرالامانی" "التدریب" اور "القول البدیع" کی طرف ایسے ہی منسوب کیا، جہاں انہوں نے کہا کہ ضعیف حدیث پر عمل کی تین شرطیں ہیں جیسا کہ نووی نے "شرع تقریب النووی" اور سخاوی نے "القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع" میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی ذکر کیا، پہلی شرط یہ ہے کہ اس کا ضعف شدید نہ ہو بایں طور کہ اس کے تمام طرق کذاب اور متہم بالکذب سے خالی نہ ہوں الخ اقول ابھی بعد میں ہم آپ کو ان دونوں کتابوں کی عبارت سنائیں گے جس سے آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ اس نقل میں ان دونوں سے انتہائی کوتاہی سرزو ہوئی ہے، غور کرنا چاہئے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] ردالمحتار مستحبات الوضوء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۵

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النووی مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۸

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴

یہاں کاف نے زیادتِ توسیع کا پتا دیا، تحدید اول پر امر سہل وقریب ہے کہ ایک جماعت علما حدیث کذابین و متہمین پر اطلاق وضع کرتے ہیں تو غیر موضوع سے انہیں خارج کر سکتے ہیں مگر ثانی تصریحات و معاملات جمہور وعلما وخود امام الشان سے بعید اور ثالث بظاہرہ ابعد ہے ہم ابھی روشن بیان سے واضح کرچکے ہیں کہ خود حافظ نے متروک شدید الضعف راوی موضوعات کی حدیث کو بھی فضائل میں محتمل رکھا مگر بحمد اللہ تعالٰی ہمارا مطلب ہر قول پر حاصل ہم افادات سابقہ میں مبرہن کر آئے ہیں کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں ہرگونہ ضعف شدید سے پاک ومنزّہ ہیں اُن پر صرف انقطاع یا جہالتِ راوی سے طعن کیا گیا یہ ہیں بھی تو ضعفِ قریب نہ ضعف شدید والحمدللہ العلی المجید "ھذا" (اسے یاد رکھو۔ت)

ورأیتنی کتبت ھھنا علی ھامش فتح المغیث، کلامًا یتعلق بالمقام احببت ایرادہ اتمامًا للمرام، فذکرت اولاماعن الشامی عن الطحطاوی عن ابن حجر ثم ایدتہ باطلاق العلماء ثم اوردت ماعن النسیم عن السخاوی عن الحافظ ثم قلت مانصہ۔	اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس مقام پر فتح المغیث کے حاشیہ میں ایسی گفتگو کی ہے جو اس مقام پر مناسب ہے میں اتمامِ مقصد کی خاطر اس کا یہاں ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں، پہلے میں وہ ذکر کروں گا جو امام شامی نے طحطاوی سے اور انہوں نے ابنِ حجر سے نقل کیا ہے پھر اسے مزید قوی کروں گا علماء کے اطلاق سے پھر وہ نقل کروں گا جو نسیم نے سخاوی سے انہوں نے حافظ سے نقل کیا۔ پھر میرا قول یہ ہے:
اقول: وھذا کماتری مخالف لاطلاق مامر عن النووی عن العلماء قاطبۃ، ولتحدید مامر عن الطحطاوی عن شیخ الاسلام نفسہ لکن یظھر لی دفع التخالف عن کلامی شیخ الاسلام بانہ ھھنا ذکر المتفرد وفیما سبق قال "لایخلوطریق من طرقہ، فیکون الحاصل ان شدید الضعف بغیر الکذب والتھمۃ لایقبل عندہ فی الفضائل حین التفرد، اما اذا کثرت طرقہ فح یبلغ درجۃ یسیر الضعف فی خصوص قبولہ فی الفضائل، بخلاف شدید الضعف بالکذب والتھمۃ فانہ وان کثر طرقہ التی لاتفوقہ بان لایخلو	**اقول:** جیسا کہ تمہیں معلوم ہے یہ بات علّامہ نووی کے نقل کردہ تمام علماء کے اطلاق اور خود شیخ الاسلام سے امام طحطاوی کی گزشتہ نقل کردہ تعریف کے خلاف ہے۔ لیکن شیخ الاسلام کی دونوں کلاموں میں مخالف کو ختم کرنے کی وجہ مجھ پر ظاہر ہورہی ہے وہ یہ کہ یہاں انہوں نے راوی کی تفرد کی بات کی ہے اور پہلے انہوں نے کہا ہے کہ طُرق میں سے کوئی طریق بھی (کذاب ومتہم سے) خالی نہ ہو، پس حاصل یہ ہوا کہ کذب وتہمت کے بغیر شدید ضعف ہو تو ان کے ہاں تفرد کی صورت میں فضائل میں قابل قبول نہیں، لیکن جب وہ کثرتِ طُرق سے مروی ہو تو اس صورت میں وہ شدید ضعف سے خفیف ضعف کے درجہ میں

شیئ منہا عن کذاب اومتھم لایبلغ تلك الدرجه، ولایعمل به فی الفضائل، وھذا ھو الذی یعطیه کلام السخاوی فیما مرحیث جعل قبول مافیه ضعف شدید مطلقا ولو بغیر کذب فی باب الفضائل موقوفا علی کثرة الطرق، لکنه یخالفه فی خصلة واحدة، وھو حکمه بالقبول بکثرة الطرق فی الضعف بالکذب ایضا کماتقدم، وھو کماتری مخالف لصریح مانقل عن شیخ الاسلام وعلی کل فلم یرتفع مخالفة نقل شیخ الاسلام عن العلماء جمیعا لنقل الامام النووی عنھم کافة، فانھم لم یشرطوا للقبول فی الفضائل فی شدید الضعف کثرة الطرق ولاغیرھا سوی ان لایکون موضوعا، فصریح مایعطیه کلامھم قبول مااشتد ضعفه لفسق اوفحش غلط، مثلا وان تفرد ولم یکثر طرقه، فافھم، وتأمل، فان المقام مقام خفاء وزلل، والله المسؤل لکشف الحجاب، وابانة الصواب الیه المرجع والیه المآب اھ، مااردت نقله مما علقته علی الھامش۔

فان قلت ھذا قید زائد افادہ

آجائے گی پس اب وہ صرف فضائل میں مقبول ہوجائیگی، اس کے برخلاف جو کذب اور تہمت کی وجہ سے شدید ضعف والی ہو تو بیشمار کثرتِ کے باوجود وہ مقبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی اور نہ ہی فضائل میں قابلِ عمل ہوسکتی ہے کیونکہ اس کے ہر طریق میں کوئی نہ کوئی کذاب اور متہم ضرور ہوتا ہے۔ یہی بات علامہ سخاوی کے گزشتہ کلام سے حاصل ہوتی ہے جہاں انہوں نے شدید ضعف والی حدیث کے فضائل میں مقبول ہونے کو کثرتِ طرق پر موقوف کیا وہاں شدّتِ ضعف مطلق مراد ہے خواہ وہ کذب کے علاوہ ہی ہو، لیکن یہ بات ان کو ایک جگہ آڑے آئے گی۔ جہاں انہوں نے ضعف بالکذب پر بھی کثرتِ طرق کی بنا پر مقبول ہونے کا حکم کیا ہے جیسا کہ گزرا ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ بات شیخ الاسلام سے نقل کردہ کے صراحۃً خلاف ہے، بہرصورت شیخ الاسلام کا تمام علماء سے نقل کردہ مؤقف اور امام نووی کا نقل کردہ انہی تمام علماء کا مؤلف مختلف ہے یہ اختلاف مرتفع نہیں ہوسکتا، کیونکہ علماء نے فضائل میں شدید ضعف والی حدیث کو قبول کرنے کے لئے کثرت طُرق وغیرہا کی شرط نہیں لگائی صرف یہ کہا ہے کہ وہ موضوع نہ ہو، ان کے کلام کا صریح ما حصل یہ ہے کہ مثلاً فسق یا فحش غلطی کی بناپر جس حدیث کا ضعف شدید ہو خواہ اس کا راوی متفرد ہی کیوں نہ ہو اور اس حدیث کے طرق کثیر بھی نہ ہوں تب بھی یہ حدیث (فضائل میں) مقبول ہے، غور وتامل کرو، کیونکہ یہ مقامِ خفی ہے اور غلط فہمی پیدا کرسکتا ہے، پردوں کو کھولنے اور درستی کو ظاہر کرنے کا سوال صرف اللہ تعالٰی سے ہے اسی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی جائے پناہ ہے۔ فتح المغیث کے حاشیہ میں سے جو میں نقل کرنا چاہتا تھا وہ ختم ہوا۔ (ت)

اگر اعتراض کے طور پر تو یہ کہے کہ امام شیخ الاسلام

امام فلیحمل اطلاقاتھم علیه دفعًا للتخالف بین النقلین قلت نعم لولا ان ماذکروا من الدلیل علیه لایلائم سریان التخصیص الیه، وکیف نصنع بما نشاھدھم یفعلون یرون شدۃ الضعف ثم یقبلون، وبالجملة فالاطلاق ھو الاوفق بالدلیل والالصق بقواعد الشرع الجمیل فنودان یکون علیه التعویل والعلم بالحق عند الملك الجلیل۔

فائدۃ جلیلة (فائدۃ جلیلة فی احکام انواع الضعیف والجبار ضعفھا) ھذا الذی اشرت الیه من کلام السخاوی المار المتقدم ھو قوله مع متنه فی بیان الحسن، ان یکن ضعف الحدیث لکذب اوشذوذ بان خالف من ھو احفظ اواکثر اوقوۃ الضعف بغیرھما فلم یجبر ولوکثرت طرقه، لکن بکثرۃ طرقه یرتقی عن مرتبة المردود المنکر الی مرتبة الضعیف الذی یجوز العمل به فی الفضائل وربما تکون تلك الطرق الواھیة بمنزلة الطریق التی فیھا ضعف یسیر بحیث لوفرض مجیئ ذلك الحدیث باسناد فیه ضعف یسیر کان مرتقیا بھا الی مرتبة الحسن لغیرہ[1] اھ ملخصاً۔

کے بیان میں ایک زاید قید ہے جس پر علماء کے اطلاقات کو محمول کیا جاسکتا ہے اس سے دو نقل کردہ کلاموں میں اختلاف ختم ہوسکتا ہے قلتّ (تو میں جوابًا کہتا ہوں) ہاں اگر علماء کے ذکر کردہ پر کوئی دلیل نہ ہو تب بھی ان کے کلام کو اس قید سے خاص کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ ان کا کلام ہی نہیں ہے بلکہ وہ شدید ضعف پاکر بھی قبول کرنے پر عمل پیرا ہیں جس کا ہم مشاہدہ کررہے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ (شدید ضعیف حدیث کو قبول کرنے کے لئے کثرتِ طرق) کی قید نہ لگانا، دلیل کے زیادہ موافق اور قواعدِ شرح جمیل کے زیادہ مناسب ہے، ہماری خواہش ہے کہ یہی قابلِ اعتماد ہو اور حق کا علم اللہ جل جلالہ، کے ہاں ہے۔ (ت)

فائدہ جلیلہ: (ضعیف حدیثوں کے احکام، اقسام اور انکی کمی کو پُورا کرنے کے بیان میں) امام سخاوی کے جس گزشتہ کلام کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے وہ بمع متن، حدیث حسن کے بارے میں ہے کہ حدیث کا ضعف کذب یا شذوذ یعنی وہ حدیث احفظ راوی یا کثیر رواۃ کی روایت کے خلاف ہو، یا یہ ضعیف قوی ہو جوان دو مذکورہ (کذب اور شذوذ) کے علاوہ کسی اور وجہ سے پیدا ہوا ہو، یہ ضعف کثرتِ طُرق سے بھی ختم نہیں ہوسکتا، لیکن کثرتِ طرق کی بناپر یہ حدیث مردود منکر کے مرتبہ سے ترقی کرکے ایسے ضعف کے مرتبہ پر پہنچ جاتی ہے جس سے فضائل میں عمل کے لئے مقبول ہوجاتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث کے متعدد کمزور طُرق ایک

[1] فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۸۳

ورائتنی علقت علیه ههنا مانصه **اقول:** حاصل ماتقرر وتحررههنا مع زیادات نفیسة منا ان الموضوع لایصلح لشیئ اصلا ولایلتئم جرحه ابدا ولوکثرت طرقه ماکثرت،فان زیادة الشرلایزید الشیئ الا شرا،وایضا الموضوع کالموضوع کالمعدوم والمعدوم لایقوی و لایتقوی، ومنه عند جمع منهم شیخ الاسلام ماجاء بروایة الکذابین وعند آخرین منهم خاتم الحفاظ ماأتی من طریق المتهمین،وسوّٰهما السخاوی بشدید الضعف الاٰتی لذهابه الی ان الوضع لایثبت الابالقرائن المقررة ان تفرد به کذاب اووضاع کمانص علیه فی هذا الکتاب،وهو عندی مذهب قوی اقرب الی الصواب،اما الضعف بغیر الکذب والتهمة من ضعف شدید مخرج له عن حیز الاعتبار کفحش غلط الراوی فهذا یعمل به فی الفضائل علی مایعطیه کلام عامة العلماء وهو الاقعد بقضیة الدلیل والقواعد، لاعند شیخ الاسلام علی احدی الروایات عنه ومن تبعه کالسخاوی الا اذاکثرت طرقه الساقطة عن درجة الاعتبار فح یکون مجموعها کطریق واحد صالح له فیعمل بها فی الفضائل

معمولی کمزور طریقہ جیسے ہوتے ہیں کہ اگر وہ حدیث کسی معمولی ضعف والی سند کے ساتھ مروی فرض کرلی جائے تو یہ درجہ حسن لغیرہ پر فائز ہوجاتی ہے، ملخصًا۔(ت)

اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے اس مقام پر حاشیہ لکھا ہے جو یہ ہے **اقول:** ہماری زائد ابحاث کے ساتھ جو یہاں ثابت اور واضح ہوچکا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ موضوع حدیث کسی طرح کارآمد نہیں ہے اور کثرت طُرق کے باوجود اس کا عیب ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شر کی زیادتی سے شر مزید بڑھتا ہے، نیز موضوع، معدوم چیز کی طرح ہے اور معدوم چیز نہ قوی ہوسکتی ہے اور نہ قوی بنائی جاسکتی ہے، موضوع کی ایک قسم وہ ہے جس کو ایک جماعت نے، جس میں شیخ الاسلام بھی ہیں، نے بیان کیا ہے، وہ یہ کہ جس کو کذاب لوگ روایت کریں، اور ایک دوسری جماعت جس میں سے "خاتم الحفاظ" بھی ہیں، نے بیان کیا ہے کہ "موضوع" وہ ہے جس کو متہم بالکذب روایت کریں۔امام سخاوی نے ان دونوں بیان کردہ قسموں کو "شدید الضعف" کے مساوی قرار دیا ہے، جس کو عنقریب بیان کرینگے، امام سخاوی کا خیال ہے کہ موضوع کی پہچان مقررہ قرائن ہی سے ہوتی ہے جیسا کہ روایت کرنے والا کذّاب یا وضّاع اس روایت میں متفرد ہو، جیسا کہ امام سخاوی نے اس کتاب میں بیان کیا ہے میرے نزدیک یہی مؤقف قوی اور اقرب الی الصواب ہے، مگر کذب اور تہمتِ کذب کے بغیر کوئی بھی شدید ضعف جس کی بناپر حدیث درجہ اعتبار سے خارج ہوجاتی ہے مثلاً راوی کی انتہائی فحش غلطی ہو، ضعیف کی یہ قسم فضائل میں

ولکن لایحتج بھا فی الاحکام ولاتبلغ بذلك درجة الحسن لغیرہ الا اذا انجبرت مع ذلك بطریق اخری صالحة للاعتبار فان مجموع ذلك یکون کحدیثین ضعیفین صالحین متعاضدین فح ترتقی الی الحسن لغیر فتصیر حجة فی الاحکام ،اما مطلقا علی ماھو ظاھر کلام المصنف اعنی العراقی اوبشرط تعدد الجابرات الصالحات البالغة مع ھذہ الطرق القاصرة المتکثرة القائمة مقام صالح واحد حد الکثرة فی الصوالح علی مافھمه السخاوی من کلام النووی وغیرہ الواقع فیه لفظ الکثرة مع نزاع لنا فیه مؤید بکلام شیخ الاسلام فی النزھة والنخبة المکتفیتین عـــہ	کارآمد ہوسکتی ہے جیسا کہ عام علماء کے کلام سے حاصل ہے اور یہی موقف دلیل و قواعد سے مطابقت رکھتا ہے، مگر شیخ الاسلام سے ایک روایت میں اور امام سخاوی کی طرح ان کے پیروکار حضرات کے ہاں یہ قسم فضائل میں معتبر نہیں ہے تاوقتیکہ اس کے کمزور طرق کثیر نہ ہوں اور یہ طرق کثیر ہوں تو ان سب کے مجموعہ کو وہ ایک طریقہ صالحہ کے مساوی قرار دے کر فضائل میں قابلِ عمل قرار دیتے ہیں، تاہم اس قسم کی ضعیف حدیث کو احکام کے لئے حجت قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی یہ درجہ "حسن لغیرہ" کو پاسکتی ہے۔ہاں اگر ان متعدد طرق کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے صالح طریق سے اس کی کمزوری زائل ہوجائے تو اور بات ہے، کیونکہ کمزور متعدد طرق اور ایک صالح طریق کی بناپر وہ حدیث دو ایسی ضعیف

عـــہ: حیث قال متی توبع السیئ الحفظ بمعتبر کان یکون فوقه اومثله لادونه وکذا المختلط الذی لایتمیز والمستور والاسناد المرسل وکذا المدلس اذا لم یعرف المحذوف منه صار حدیثھم حسنًا لالذاته بل وصفه بذلك باعتبار المجموع لان کل واحد منھم (اے ممن ذکر من السیئ الحفظ والمختلط الخ) باحتمال کون روایته صوابًا اوغیر صواب علی حد سواء فاذا جاء ت من المعتبرین روایة موافقة لاحدھم رجح احد الجانبین من الاحتمالین المذکورین دول ذلك علی ان الحدیث محفوظ

ان کے الفاظ یہ ہیں: جب راوی سوءِ حفظ کا متابع معتبر راوی بن جائے جو اس سے اوپر ہو یا اس کی مثل اس سے کم نہ ہو اور اسی طرح وہ مختلط جو امتیاز نہیں کرتا، مستور، اسناد مرسل اور اسی طرح مدلس جبکہ محذوف منہ کو نہ پہچانتا ہو تو ان کی حدیث حسن ہوجائے گی ہاں لذاتہ نہیں بلکہ باعتبار المجموع ہوگی کیونکہ ہر ایک ان میں سے (یعنی سوءِ حفظ اور مختلط جن کا ذکر ہوا الخ) برابر احتمال رکھتا ہے کہ اس کی حدیث صحیح ہو یا غیر صحیح، پس جب معتبر راویوں میں سے کسی ایک کے موافق روایت آجائے تو مذکورہ دونوں احتمالوں میں سے ایک کو ترجیح حاصل ہوجائے گی اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

بوحدة الجابر مع جواز ان تکون الکثرة فی کلام النووی بمعنی مطلق التعدد،وھو الاوفق بما رأینا من صنیعھم فی غیر مقام والضعیف بالضعف الیسیر اعنی مالم ینزله عن محل الاعتبار یعمل به فی الفضائل وحده،وان لم ینجبر فان انجبر ولوبواحد صار حسنا لغیرہ، واحتج به فی الاحکام علی تفصیل وصفنالك فی الجابر،فھذه ھی انواع الضعیف،اما الذی لانقص فیه عن درجة الصحیح الا القصور فی ضبط الراوی غیر بالغ الی درجة الغفلة فھو الحسن لذاته المحتج به وحده حتی فی	حدیثوں کی طرح بن جاتی جو آپس میں مل کر تقویت کا باعث بن جاتی ہیں اور وہ ضعیف حدیث "حسن لغیرہ" کے مرتبہ کو پہنچ کر احکام میں حجّت بن جاتی ہے،اب یہ اختلاف اپنی جگہ پر ہے کہ صرف اسی قدر سے مقبول ہے جیسا کہ مصنف یعنی علّامہ عراقی کے کلام سے عیاں ہے یا بشرطیکہ بمع متعدد صالح طرق جن کی بناپر کمزوری زائل ہوسکے ان متعدد صالح وجوہ اور کمزور طرق،جو ایک صالح طریق کے مساوی ہیں،مل کر کثرت طرقِ صالحہ بن جاتے ہیں جیسا کہ امام سخاوی نے امام نووی وغیرہ کے کلام سے سمجھا جن میں لفظِ کثرت استعمال ہُوا ہے،باوجودیکہ ہمارا اس میں اختلاف ہے جوکہ شیخ الاسلام کے اس کلام سے مؤید ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فارتقی من درجة التوقف الی درجة القبول واللہ اعلم اھ[1] وانظر کیف اجتزئ فی المتن بتوحید معتبر وفی الشرح بافراد روایة وحکم بالارتقاء الی درجة القبول وما المرادبه ھھنا الاالقبول فی الاحکام فانه جعل الضعیف صالحا للاعتبار من الرد ومع انه مقبول فی الفضائل بالاجماع ویظھرلی ان الوجه معھما اعنی العراقی وشیخ الاسلام لمابین فی النزھة من الدلیل لھما منقولا مما علقته علی فتح المغیث ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)	یہ بات دلالت کرتی ہے کہ یہ حدیث محفوظ ہے اور درجہ توقف سے درجہ قبول پر فائز ہوگئی ہے اھ واللہ اعلم،ذرا غور کرو متن میں محض ایک معتبر کے ساتھ اور شرح میں کئی افراد کے ساتھ موافقت روایت پر اکتفاکیسے کیا اور اسے قبول کا درجہ دیا ہے اور یہاں قبول سے مراد احکام میں قبولیت مراد ہے کیونکہ انہوں نے حدیث ضعیف کو صالح للاعتبار والرد کہا ہے کیونکہ حدیث ضعیف فضائل میں تو بالاجماع مقبول ہے،خواہ اس کے ساتھ کوئی دوسری روایت نہ ہو اور میرے لئے یہ ظاہر ہوا کہ وجہ ان دونوں عراقی اور شیخ الاسلام کے ساتھ ہے،اس بناپر جو نزہۃ میں ان دونوں کی دلیل بیان کی گئی ہے یہ فتح المغیث پر میری تعلیق سے منقول ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] شرح نخبۃ الفکر بحث سوء الحفظ مطبوعہ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۴

الاحکام، وھذا اذاکان معه مثله ولوواحدا صار صحیحا لغیرہ اودونه ممایلید فلاالا بکثرۃ انتھی ما کتبت بتخلیص۔	جو انہوں نے "النزبة" اور "الننجة" میں کیا دونوں کتابوں میں ایک جابر (کمزوری کو زائل کرنے والا امر) کا بیان ہے (نیز اپنی تائید میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں) کہ امام نووی کے کلام میں لفظِ کثرت سے مطلق تعدّد ہے اور یہی احتمال ان کی عادت کے زیادہ قریب ہے جیسا کہ ہم نے متعدد جگہ یہ استعمال پایا ہے اور ضعیف کی ایسی قسم جس میں معمولی ضعف ہو یعنی جس سے حدِ اعتبار ساقط نہ ہو یہ فضائل میں تنہا معتبر ہے خواہ کوئی مؤید بھی نہ ہو، اور اگر کوئی ایک ایسا مؤید پایا جائے جو اس کے ضعف کو زائل کردے تو یہ "حسن لغیرہٖ" بن جاتی ہے اور اس کو احکام میں حجت قرار دیا جائیگا جس کی تفصیل ہم نے کمزوری کو زائل کرنے والے امور میں بیان کردی ہے۔ یہ تمام ضعیف کی انواع ہیں۔ اگر صحیح حدیث کے شرائط میں ماسوائے ضبط راوی کی کمزوری کے اور کوئی کمزوری نہ ہو تو یہ حدیث "حسن لذاتہ" ہوگی بشرطیکہ ضبط راوی کی یہ کمزوری غفلت کے درجہ تک نہ پہنچتی ہو، تو یہ "حسن لذاتہ" واحد حدیث بھی احکام کے لئے حجت ہوسکتی ہے اگر حسن لذاتہ کے ساتھ اس کی ہم مثل ایک اور بھی مل جائے تو یہ حدیث "صحیح لغیرہٖ" بن جاتی ہے اور اگر اس سے کم درجہ کی کوئی مؤید اس سے مل جائے تو "صحیح لغیرہ" نہ بنے گی تاوقتیکہ اس سے کم درجہ کی متعدد روایات جمع نہ ہوجائیں میری لکھی ہُوئی تعلیق ختم ہُوئی، ملخصًا۔ (ت)

یہ چند جملے لوحِ دل پر نقش کرلینے کے ہیں کہ بعونہٖ تعالٰی اس تحریر نفیس کے ساتھ شاید اور جگہ نہ ملیں، وباللّٰہ التوفیق وله الحمد. الحمدللّٰه القادر القوی علم ماعلم وصلی اللّٰه تعالٰی علی ناصر الضعیف واٰله وسلم، قبول ضعیف فی فضائل الاعمال کا مسئلہ جلیلہ ابتدائً مسودہ فقیر میں صرف دو۲ افادہ مختصر میں تین صفحہ کے مقدار تھا اب کو ماہِ مبارک ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں رسالہ بعونہٖ تعالٰی بمبئی میں چھپنا شروع ہوگیا اثنائے تبییض میں بارگاہِ مفیض علوم ونعم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم سے بحمد اللّٰہ تعالٰی نفائس جلیلہ کا اضافہ ہوا افادہ شانزدہم سے یہاں تک آٹھ افاداتِ نافعہ اسی مسئلہ کی تحقیق میں القاہُوئے قلم روکتے روکتے اتنے اوراق املا ہوئے، امید کی جاتی ہے کہ اس مسئلہ کی ایسی تسجیل جلیل وتفصیل جزیل اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملے، مناسب ہے کہ یہ افادے اس مسئلہ خاص میں جدا رسالہ قرار دئے جائیں اور بلحاظ تاریخ[عــہ] **الھاد الکاف فی حکم الضعاف** (۱۳۱۳ھ) (ضعیف حدیثوں کے حکم میں کافی ہدایت۔ت) لقب پائیں وباللّٰه التوفیق وله المنة علی مازرق من نعم تحقیق ماکنا لعشر معشاار عشرھا نلیق والصلاۃ والسلام علی الحبیب الکریم واٰله وصحبه ھداۃ

عــہ: منقوص محلّی باللام سے بھی حذف یا فصیح کلام میں شایع وذایع ہے یوم التلاق، یوم التناد الکبیر المتعال الی غیر ذلک امام ابن حجر عسقلانی کی کتاب ہے الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف ۱۲ منہ (م)

الطریق امین۔

افادہ بست وچہارم: (حدیث کا کتبِ طبقہ رابعہ سے ہونا خواہی نخواہی مستلزم مطلق ضعف ہی نہیں چہ جائے ضعفِ شدید) وباللہ استعین کسی حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق، ضعفِ شدید درکنار مطلق ضعف کو بھی مستلزم نہیں اُن میں حسن، صحیح، صالح، ضعیف، باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں، ہاں بوجہ اختلاط وعدم بیان کہ عادت جمہور محدثین ہے ہر حدیث میں احتمال ضعف قدیم لہذا غیر ناقد کو بے مطالعہ کلماتِ ناقدین اُن سے عقائد واحکام میں احتجاج نہیں پہنچتا، قولِ شاہ عبدالعزیز صاحب ایں احادیث قابلِ اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود[1] (یہ احادیث قابلِ اعتماد نہیں ہیں کہ ان سے عقیدہ وعمل میں استدلال کیا جاسکے۔ت) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ ان کتابوں میں جتنی حدیثیں ہیں سب واہی ساقط ہیں یا موضوع وباطل اور اصلاً در بارہ فضائل بھی ایراد واستناد کے ناقابل کوئی ادنٰی ذی فہم وتمیز بھی ایسا ادعا نہ کرے گا نہ کہ شاہ صاحب سا فاضل، ہاں متکلمانِ طائفہ وہابیہ اپنی جہالتیں جس کے سر چاہیں دھریں۔

اوّلاً خود شاہ صاحب اثباتِ عقیدہ وعمل کا انکار فرمارہے ہیں اور وہ فضائل اعمال میں تمسک کے منافی نہیں، ہم افادہ ۲۲ میں روشن کرآئے کہ در بارہ فضائل کسی حدیث ضعیف سے استناد کسی عقیدہ یا عمل کا اثبات نہیں، تو اس بات کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق!

ثانیاً تصانیف خطیب وابونعیم بھی طبقہ رابعہ میں ہیں اور شاہ صاحب بُستان المحدثین میں امام ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں:

از نوادر کُتب او کتاب حلیۃ الاولیاست کہ نظیر آں در اسلام تصنیف نشدہ[2]۔	ان کی تصانیف میں سے حلیۃ الاولیا ایسے نوادرات میں سے ہے جس کی مثل اسلام میں آج تک کوئی کتاب تصنیف نہ ہوئی (ت)

اُسی میں ہے:

کتاب اقتضاء العلم والعمل از تصانیف خطیب است بسیار خوب کتابے است در بار خود[3]۔	خطیب بغدادی کی کتب میں اقتضاء العلم والعمل اپنے فن میں بہت سی خُوبیوں کی حامل ہے۔ (ت)

---

[1] عجالہ نافعہ فصل اول بحث طبقہ رابعہ مطبع نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵

[2] بُستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵

[3] بُستان المحدثین مع اردو ترجمہ کتاب اقتضاء العلم والعمل للخطیب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۹

اُسی میں تصانیف امام خطیب کو لکھا:

التصانیف المفیدۃ التی ھی بضاعۃ المحدثین وعروتھم فی فھم [1]۔	فائدہ بخش تصنیفیں کہ فن حدیث میں محدثین کے بضاعت ومحل تمسک ہیں۔

پھر امام حافظ ابوطاہر سلفی سے اُن تصانیف کی مدح جلیل نقل کی، **سبحان اللہ** کہاں شاہ صاحب کا یہ حُسنِ اعتقاد اور کہاں اُن کے کلام کی وہ بیہودہ مراد کہ وہ کتب سراسر مہمل ونا قابلِ استناد۔

ثالثًا جناب شاہ صاحب مرحوم کے والد شاہ ولی اللہ صاحب کہ حجۃ اللہ البالغہ میں اس تقریر طبقات کے موجود اُسی حجۃ بالغہ میں اسی طبقہ رابعہ کی نسبت لکھتے ہیں:

اصلح ھذہ الطبعۃ ماکان ضعیفا محتملا [2]۔	یعنی اس طبقہ کی احادیث میں صالح تر وہ حدیثیں ہیں جن میں ضعیف قلیل قابل تحمل ہو۔

ظاہر ہے کہ ضعیف محتمل ادنٰی انجبار سے خود احکام میں حجت ہوجاتی ہے اور فضائل میں تو بالاجماع تنہا ہی مقبول وکافی ہے پھر یہ حکم بھی بلحاظ انفراد ہوگا ورنہ ان میں بہت احادیث منجبرہ حسان ملیں گی اور عندالتحقیق یہ بھی باعتبار غالب ہے، ورنہ فی الواقع ان میں صحاح، حسان سب کچھ ہیں **کماستسمع بعونہ تعالٰی** (جیسے کہ تُو عنقریب سُنے گا۔ت)

رابعًا یہی شاہ صاحب قرۃ العینین عـــہ فی تفضیل الشیخین میں لکھتے ہیں:

چوں نوبت علم حدیث بطبقہ دیلمی وخطیب وابن عساکر رسید ایں عزیزاں دیدند کہ احادیث صحاح وحسان رامتقدمین مضبوط کردہ اند پس مائل شدند بجمع احادیث ضعیفہ ومقلوبہ کہ سلف آنرا دیدہ ودانستہ گزاشتہ بودند وغرض ایشاں ازیں جمع آں بود کہ بعد جمع حفاظ محدثین دراں احادیث تامل کنند وموضوعات را	جب علمِ حدیث دیلمی، خطیب اور ابنِ عساکر کے طبقہ تک پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ متقدمین علماء نے ایسی احادیث جو صحیح اور حسن تھیں کو محفوظ کردیا ہے لہٰذا انہوں نے ایسی احادیث جمع کیں جو ضعیفہ ومقلوبہ تھیں جنہیں اسلاف نے عمدًا ترک کیا تھا ان کے جمع کرنے سے غرض یہ تھی کہ حفاظ محدثین ان میں غورتاَمل کرکے

عـــہ: قسم دوم از فصل دوم در شبہات وارقان ۱۲منہ

دوسری فصل کی قسم دوم کاتبین کے شبہات سے متعلق ہے اس کے تحت اس کا بیان ہے (ت)

[1] بستان المحدثین مع اُردو ترجمہ تاریخ بغداد للخطیب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۸

[2] حجۃ اللہ البالغۃ باب طبقہ کتب حدیث، الطبعۃ الرابعہ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۱/ ۱۳۵

ازحسان لغیرہا ممتاز نمایند چنانکہ اصحاب مسانید طرق احادیث جمع کروند کہ حفاظ صحاح وحسان وضعیف ازیکدگر ممتاز سازند ظن ہر دوفریق راخدا تعالٰی محقق ساخت بخاری ومسلم وترمذی وحاکم تمییز احادیث وحکم بصحت وحسن ومتاخران دراحادیث خطیب وطبقہ اوتصرف نمودند ابن جوزی موضوعات راجرد ساخت وسخاوی درمقاصد حسنہ حسان لغیرہا ازضعاف ومناکیر ممیّز نمود خطیب وطبقہ اودر مقدماتِ کتب خود بایں مقاصد تصریح نمودہ اند جزاھم اللہ تعالٰی عن امۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیرا[1] اھ ملتقطا۔	موضوعات کو حسن لغیرہ سے ممتاز کردیں گے جیسا کہ اصحابِ مسانید نے تمام طرقِ حدیث کو جمع کیا تاکہ حفاظِ حدیث صحیح، حسن اور ضعیف کو ایک دوسرے سے ممتاز کردیں دونوں فریقوں کو اللہ تعالٰی نے توفیق اور کامیابی عطافرمائی، بخاری، مسلم، ترمذی اور حاکم احادیث میں امتیاز کرتے ہوئے ان پر صحیح، حسن ہونے کا حکم لگایا اور متاخرین نے خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں کی احادیث میں تصرف کیا وحکم لگایا، ابن جوزی نے موضوعات کو الگ کیا، امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں حسن لغیرہ کو ضعیف اور منکر سے ممتاز کیا۔ خطیب اور ان کے طبقہ کے لوگوں نے اپنی کتب کے مقدمات میں ان مقاصد کی تصریح کی ہے اللہ تعالٰی ان تمام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت کی طرف سے جزائے خیر عطافرمائے اھ ملتقطا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریح ہے کہ کتب طبقہ رابعہ میں نہ صرف ضعیف محتمل بلکہ حسان بھی موجود ہیں اگرچہ لغیرہا کہ وہ بھی بلاشُبہہ خود احکام میں حجّت نہ کہ فضائل۔

خامسًا انہیں شاہ صاحب نے اسی حجۃ میں سنن ابی داؤد وترمذی ونسائی کو طبقہ ثانیہ اور مصنف عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ وتصانیف ابی داؤد طیالسی وبیہقی وطبرانی کو طبقہ ثالثہ اور کتب ابونعیم کو طبقہ رابعہ میں گنا، امام جلیل جلال سیوطی خطبہ جمع الجوامع میں فرماتے ہیں:

رمزت للبخاری **خ** ولمسلم **م** ولابن حبان **حب** وللحاکم فی المستدرک **ك** وللضیاء فی المختارۃ **ض** وجمیع مافی ھذہ الکتب الخمسۃ صحیح سوی مافی المستدرک من المتعقب فائبہ علیہ، ورمزت لابی داؤد **د** فماسکت عـــہ علیہ فھو صالح ومابین ضعفہ	میں نے حوالہ جات کے لئے یہ رموز وضع کیے ہیں، خ سے بخاری، م سے مسلم، حب سے ابنِ حبان، ک سے مستدرک حاکم، ض سے مختارہ للضیاء، ان پانچوں کتب میں صحیح احادیث ہیں ماسوائے حاکم کے جن پر اعتراض کیا گیا ہے اس پر توجہ رکھ، د سے ابوداؤد جس پر وہ خاموش رہیں وہ صالح ہے اور جس کا ضعف (باقی برصفحہ آئندہ)

عـــہ: فی الاصل الذی وقفت علیہ بین	وہ اصل کتاب جس پر میں نے واقفیت (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم از شبہات الخ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۲۸۲

لقلته عنه، وللترمذی ت وانقل کلامه علی الحدیث وللنسائی ن ولابن ماجة ہ ولابی داؤد الطیالسی ط ولاحمد حم ولعبدالرزاق عب ولابن ابی شیبة ش ولابی یعلی ع وللطبرانی فی الکبیر طب والاوسط طس وفی الصغیر طص ولابی نعیم فی الحلیة حل وللبیهقی ق وله فی شعب الایمان هب وهذه فیها الصحیح والحسن والضعیف فابینه غالبا[1] اهـ مختصرا۔	انہوں نے بیان کیا ہے میں نے اسے نقل کردیا ہے، ت سے ترمذی میں ان کا حدیث پر تبصرہ بھی نقل کروں گا، ن سے نسائی، ہ سے ابن ماجہ، ط سے ابوداؤد طیالسی، حم سے احمد، عب سے عبدالرزاق، ش سے ابن ابی شیبہ ع سے ابویعلی، طب سے طبرانی کی معجم کبیر، طس سے معجم اوسط، طص سے معجم صغیر، حل سے حلیہ ابونعیم، ق سے سنن بیہقی، ھب سے شعب الایمان للبیہقی مراد ہوگا، ان تمام کتب میں احادیث صحیح بھی ہیں حسن اور ضعیف بھی اور میں اکثر طور پر ان کے بارے میں نشان دہی بھی کروں گا اھ مختصراً۔ (ت)

دیکھو امام خاتم الحفّاظ نے ان طبقات ثانیہ وثالثہ ورابعہ سب کو ایک ہی مشق میں گنا اور سب پر یہی حکم فرمایا کہ ان میں صحیح، حسن، ضعیف سب کچھ ہے۔

سادساً خود جناب شاہ صاحب کی تصانیف تفسیر عزیزی وتحفہ اثنا عشریہ وغیرہما میں جابجا احادیث طبقہ رابعہ سے بلکہ اُن سے بھی اُتر کر استناد موجود، اب یا تو شاہ صاحب معاذاللہ خود کلام اپنا نہ سمجھتے یا یہ سفہا ناحق تحریف معنوی کرکے احادیث طبقہ رابعہ کو مہمل ومعطل ٹھہرانا اُن کے سر کیے دیتے ہیں، تمثیلاً چند نقول حاضر، عزیزی آخر تفسیر فاتحہ میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) لفظی فما وعلیه کلمة لم تبین فی الکتابة فکتبت مکانها لفظة سکت اذهو المراد واذ کان لابدمن التنبیه نبهت علیه ۱۲ منه (م)	حاصل کی ہے اس میں لفظ فما اور علیہ کے درمیان ایک کلمہ ہے جو کتابت میں واضح نہیں تو میں نے اس کی جگہ لفظ سکت لکھ دیا ہے اور چونکہ اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا تو میں نے آگاہ کردیا، ۱۲ منہ (ت)

[1] جامع الاحادیث بحوالہ جمع الجوامع خطبہ کتاب، دارالفکر بیروت ۱/ ۱۸، ۱۹

ابو نعیم ودیلمی از ابو الدرداء روایت کردہ اند کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ کہ فاتحہ الکتاب کفایت مے کند از انچہ ہیچ چیز از قرآن کفایت نمی کنند[1] الحدیث۔	ابو نعیم اور دیلمی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جہاں قرآن کی دوسری سورۃ کافی نہ ہو وہاں فاتحہ کافی ہے الحدیث (ت)

یہیں اور روایات بھی ابن عساکر وابو شیخ وابن مردودیہ ودیلمی وغیرہم سے مذکور ہیں یہیں عـــہ ہے:

ثعلبی از شعبی روایت کردہ است کہ شخصے نزد او آمد وشکایت درد گردہ کردہ شعبی باو گفت کہ ترا لازم است کہ اساس القرآن بخوانی وبر جائے درد دم کنی او گفت کہ اساس القرآن چیست شعبی گفت فاتحۃ الکتاب[2]۔	ثعلبی نے شعبی سے روایت کیا کہ ایک آدمی نے شعبی کے پاس آکر شکایت کی کہ مجھے درد گردہ ہے، انہوں نے فرمایا تو اساس القرآن پڑھ کر جائے درد پر دم کر، اس نے عرض کیا کہ اساس القرآن کیا ہے؟ فرمایا سورۃ الفاتحہ۔ (ت)

عزیزی سورہ بقرہ ذکر بعض خواص سور وآیات میں ہے:

ابن النجار در تاریخ خود از محمد بن سیرین روایت کردہ	ابن نجار نے اپنی تاریخ میں محمد بن سیرین سے روایت

عـــہ: ودریں بعض روایات اقتران دارقطنی یا طبرانی یا وکیع مخالف راسود ندہد زیرا کہ ازیں چنانکہ احتمال ایں معنی رو نمایند کہ اسناد بایںہا مقرون بطبقہ ثالثہ است ہمچناں ایں امر بر منصّہ ثبوت نشیند کہ ہمہ احادیث طبقہ رابعہ ساقط از درجہ اعتبار نیست باز احتمال مذکور بملاحظہ روایات دیگر کہ تنہا از طبقہ رابعہ ست ازل باشد زعم مخالف راہیچ کن باشد فافہم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	اور اس میں بعض روایات کے دارقطنی یا طبرانی یا وکیع کے ساتھ اقتران سے مخالف کو سودمند نہیں کیونکہ اس طرح سے یہ معنی پیدا ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ اسناد سے طبقہ ثالثہ سے مقرون ہیں اور اسی طرح یہ ثابت ہے کہ طبقہ رابعہ کی تمام احادیث درجہ اعتبار سے ساقط نہیں پھر احتمال مذکور دیگر روایات کے ملاحظہ سے کہ جو صرف طبقہ رابعہ سے ہیں یہ بھی زعمِ مخالف کو زیادہ زائل کرنے والا ہے، مخالف کا جو بھی زعم ہو، اسے اچھی طرح سمجھو ۱۲ منہ (ت)

1 تفسیر عزیزی سورۃ الفاتحۃ فضائل ایں سورۃ الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۵۹

2 تفسیر عزیزی آخر سورہ فاتحہ شیطان را چہار بار در عمر خود نوحہ الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۵۹

کہ حدیثی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما شنیدہ بودم کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند ہر کہ در شب سی وسہ آیت بخواند او را در آں شب درندہ و دُزدے ایذا نرساند الحدیث اھ مختصرًا [1]۔	کرتے ہیں کہ ایک حدیث میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سُنی جس میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو تینتیس ۳۳ آیات پڑھے گا اسے کوئی درندہ اور ڈاکو نقصان نہیں دے گا الحدیث اھ مختصرا۔ (ت)

اسی عــہ۱ میں ہے:

روی عــہ۲ ابن جریر عن مجاھد قال سأل سلیمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن اولئك النصارٰی الحدیث [2]۔	ابن جریر نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان نصارٰی کے بارے میں سوال کیا الحدیث (ت)

عزیزی آخر والّیل میں ہے:

حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت می کند کہ روزے بخدمت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے می آید کہ حق تعالٰی بعد از من کسے را بہتر ازو پیدا نکردہ است	حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا کہ میرے بعد اس سے بہتر

عــہ۱: زیر آیہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی ۱۲منہ (م)	اس آیت کے تحت ہے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالنَّصٰرٰی ۱۲منہ (ت)
عــہ۲: شاہ صاحب در عجالہ نافعہ جائیکہ ذکر طبقات اربعہ کردہ است تفسیر ابن جریر را از ہمیں طبقہ رابعہ شمردہ است کماذکرہ فی السیف المسلول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ (م)	شاہ صاحب نے عجالہ نافعہ میں جہاں چار طبقات کا ذکر کیا ہے وہاں تفسیر ابن جریر کو بھی چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے جیسا کہ السیف الملول علی من انکر اثر قدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کو ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ خواص وفضائل سورۃ فاتحہ وسی وسہ آیت الخ مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۹۴

[2] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ زیر آیت ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۲۷۱

وشفاعت اُو روزِ قیامت مثل شفاعتِ پیغمبران باشد جابر گوید کہ مہلے نہ گزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر تشریف آوردند [1]۔	شخص اللہ تعالٰی نے پیدا نہیں فرمایا اس کی شفاعت روزِ قیامت اللہ تعالٰی کے پیغمبروں کی شفاعت کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں کہ ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے۔ (ت)

تحفہ (اثناعشریہ) میں عـــہ ہے:

در روایات شیعہ وسُنّی صحیح وثابت است کہ ایں امر خیلے بر ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ شاق آمد وخود ابر در سرائے زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہما حاضر آورد وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ را شفیع خود ساخت تا آنکہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ازو خوشنود شد اما روایات اہلسنت پس در مدارج النبوۃ وکتاب الوفا وبیہقی وشروح مشکوٰہ موجود است بلکہ در شرح مشکوٰۃ شیخ عبدالحق نوشتہ است کہ ابوبکر صدیق بعد ازیں قصہ بخانہ فاطمہ رفت ودر گرمی آفتاب بقدر با باستاد عذر خواہی کرد وحضرت زہرا ازو راضی شدو در ریاض النضرۃ نیز ایں قصّہ بہ تفصیل مذکورست ودر صل الخطاب بروایت بیہقی از شعبی نیز ہمیں قصہ مروی ست وابن السمان در کتاب الموافقۃ از اوزاعی روایت کردہ کہ گفت بیرون آمد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ بر در فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا در روز گرم [2] الخ	شیعہ اور سُنّی دونوں کے ہاں روایاتِ صحیحہ میں ثابت ہے کہ یہ معاملہ حضرت ابوبکر پر نہایت شاق گزرا، لہٰذا آپ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر کے دروازے پر حاضر ہُوئے اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سفارشی بنایا تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان سے راضی ہوجائے، روایاتِ اہلسنّت مدارج النبوۃ، الوفاء، بیہقی اور شروح مشکوٰۃ میں موجود ہیں بلکہ شرح مشکوٰۃ میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر اس واقعہ کے بعد سیدہ فاطمۃ الزہرا کے گھر کے باہر دھوپ میں کھڑے ہوگئے اور معذرت کی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان سے راضی ہوگئیں۔ ریاض النضرۃ میں بھی یہ واقعہ تفصیلاً درج ہے اور فصل الخطاب میں بروایت بیہقی، شعبی بھی یہ ہی واقعہ منقول ہے اور ابن السمان نے الموافقۃ میں اوزاعی سے روایت کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ گرمی کے وقت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے گھر آئے الخ۔ (ت)

عـــہ: درطعن سیزدہم از مطاعن ملاعنہ بر حضرت افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)	ملعون لوگوں کے ان اعتراضات میں سے تیرھویں طعن میں ہے جو اُنہوں نے افضل الصدیقین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر کیے ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] تفسیر عزیزی آخر سورۃ الیل پارہ عم مطبوعہ لال کنواں دہلی ص ۳۰۶

[2] تحفہ اثنا عشریۃ طعن سیزدہم از مطاعن ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۷۸

سابعًا طرفہ تر یہ کہ شاہ صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقہ رابعہ میں گنا حالانکہ بلاشُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صحاح وحسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں برشرطِ بخاری ومسلم صحیح ہیں قطع نظر اس کہ تصانیف شاہ صاحب میں کتب حاکم سے کتنے اسناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی ازالۃ الخفاء وقرۃ العینین تو مستدرک سے تو وہ تودہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ خود احکام میں مذکور **کما لایخفی علی من طالعھما** (جیسے کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ت)

لطیف تریہ ہے کہ خود ہی بستان المحدثین میں امام الشان ابو عبداللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار شرط ایں ہر دو بزرگ یافتہ میشود یا بشرط یکے ازینہا بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصف کتاب ازیں قبیل باشد، وبقدر ربع کتاب ازآں جنس است کہ بظاہر عـہ اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہر دو نیست وبقدر ربع باقی واہیات ومناکیر بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست چنانچہ من در اختصار آں کتاب کہ مشہور بتلخیص ذہبی است خبردار کردہ ام[1] **انتہی**۔	انصاف یہ ہے کہ مستدرک میں اکثر احادیث ان دونوں بزرگوں (بخاری ومسلم) یا ان میں سے کسی ایک کے شرائط پر ہیں بلکہ ظنِ غالب یہ ہے کہ تقریبًا نصف کتاب اس قبیل سے ہے اور تقریبًا اس کا چوتھائی ایسا ہے کہ بظاہر ان کی اسناد صحیح ہیں لیکن ان دو (بخاری ومسلم) کی شرائط پر نہیں اور باقی چوتھائی واہیات اور مناکیر بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں اس لئے میں نے اس کے خلاصہ جو کہ تلخیص ذہبی سے مشہور ہے، میں اس بارے میں خبردار کیا ہے، انتہی (ت)

عـــہ: لفظ بظاہر درآنچہ امام خاتم الحفاظ درتدریب از ذہبی آورد نیست لفظش ہمین است کہ **فیہ جملۃ وافرۃ علی شرطھما وجملۃ کثیرۃ علی شرط احدھما، لعل مجموع ذلك نحونصف الکتاب وفیہ نحو الربع مماصح سندہ، وفیہ بعض الشیئ، اولہ علۃ ومابقی وھونحو الربع فھو مناکیر اوواھیات لایصح وفی بعض ذلك موضوعات**[2] ۱۲منہ (م)

لفظ "**بظاھر**" وہ جو امام خاتم الحفاظ نے تدریب میں امام ذہبی سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ اس میں بہت سی احادیث شیخین کی شرائط پر ہیں اور بہت سی ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں، شاید اس کا مجموعہ تقریبًا آدھی کتاب ہو اور اس میں چوتھائی ایسی احادیث ہیں جن کی سند صحیح ہے، بعض ایسی ہیں جن میں کوئی شیئ یا علت ہے اور جو بقیہ چوتھائی ہے وہ مناکیر یا واہیات ہیں جو صحیح نہیں، اور بعض اس میں موضوع بھی ہیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوع کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[2] تدریب الراوی عدد احادیث مسلم وتساہل الحاکم فی المستدرک دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۰۶

تنبیہ: بحمد اللہ ان بیانات سے واضح ہوگیا کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنی اسی قدر ہیں کہ جن احادیث کے ایراد سے اُنہوں نے احتراز کیا انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرد عدمِ ذکر کو اس معنے پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ورنہ افراد بخاری متروکات مسلم ہوں اور افراد مسلم متروکات بخاری اور ہر کتاب متاخر کی وہ حدیث کو تصانیف سابقہ میں نہ پائی گئی تمام سلف کی متروک مانی جائے، مصنفین میں کسی کو دعوائے استیعاب نہ تھا۔ امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم ہیں کما بینہ شیخ الاسلام فی فتح الباری شرح صحیح البخاری (جیسا کہ شیخ الاسلام نے فتح الباری شرح صحیح البخاری میں بیان کیا ہے۔ت)

ثامناً شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

ولہٰذا علمائے حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر از دیدن تلخیص ذہبی[1]۔	اسی لئے محدثین نے یہ ضابطہ مقرر کردیا ہے کہ مستدرک حاکم پر ذہبی کی تلخیص دیکھنے کے بعد اعتماد کیا جائے گا۔ (ت)

اور اس سے پہلے لکھا:

ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے راکہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتیکہ تعقبات و تلخیصات مرانہ بیند ونیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست بلکہ بعضے از احادیث موضوعہ نیز ست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشتہ[2]۔	امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام حاکم کی تصحیح پر کوئی کفایت نہ کرے تاوقتیکہ اس پر میری تعقبات و تلخیصات کا مطالعہ نہ کرلے، اور یہ بھی کہا ہے کہ بہت سی احادیث مستدرک میں شرطِ صحت پر موجود نہیں بلکہ بعض اس میں موضوعات بھی ہیں جس کی وجہ سے تمام مستدرک معیوب ہوگئی ہے۔ (ت)

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ بے اعتمادی اختلاط صحیح وضعیف ہے اگرچہ اکثرع صحیح ہی ہوں جیسے

ع: اسی طرح عدم اعتبار کثرت وقلّت کی دلیل واضح امام الشان کا یہ ارشاد منقول تدریب ہے:

قال الشیخ الاسلام غالب مافی کتاب ابن الجوزی موضوع والذی ینقد علیہ بالنسبۃ الی	شیخ الاسلام نے کہا کہ ابن جوزی کی کتاب میں اکثر روایات موضوع ہیں، جن روایات (باقی برصفحۂ آئندہ)

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوعہ کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[2] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ مستدرک میں احادیث موضوعہ کا اندراج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۹

مستدرک میں تین ربع کتاب کی قدر احادیث صحیحہ ہیں نہ کہ سب کا ضعیف ہونا چہ جائے ضعف شدید یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا اعادنہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنی اگر خود لیاقت نقد رکھتا ہو آپ پرکھے ورنہ کلام ناقدین کی طرف رجوع کرے بے اس کے حجت نہ سمجھ لے۔اب انصافًا یہ حکم نہ صرف کتب طبقہ رابعہ بلکہ ثانیا ثالثہ سب پر ہے کہ جب منشا اختلاط صحیح وضعیف ہے اور وہ سب میں قائم تو یہی حکم سب پر لازم آخر نہ دیکھا کہ ائمہ دین نے صاف صاف یہی تصریح سنن ابی داؤد وجامع ترمذی ومسند امام احمد وسنن ابن ماجہ ومصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ ومصنّف عبدالرزاق وغیرہا سنن ومسانید کتب طبقہ ثانیہ وثالثہ کی نسبت بھی فرمائے جس کی نقل امام الشان وعلّامہ قاری سے افادہ ۲۱ میں گزری، یونہی امام شیخ الاسلام عارف باللہ زکریا انصاری وامام سخاوی نے تنصیص عـــہ کی، امام خاتم الحفاظ کا قول ابھی سُن چکے کہ انہوں نے ان سب کتب کو ایک سلک میں منسلک فرمایا اب شاید منکر کج فہم ان نصوص ائمہ کو دیکھ کر سُنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ کی نسبت بھی یہی اعتقاد کرے گا کہ وہ بھی معاذاللہ مہمل وبیکار واصلًا نا قابل استناد واعتبار ہیں **ولا حول ولا قوۃ الّا باللّٰہ العلی العظیم**۔ بالجملہ حق یہ کہ مدار اسناد ونظر وانتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ فلاں کتاب میں ہونے فلاں میں نہ ہونے پر قلم ضراعت رقم جب اس محل پر آیا فیض کرم وکرم قدم نے خوش فرمایا اس مقام ومرام طبقات حدیث کی تحقیق جزیل وتدقیق جمیل فقیر ذلیل غفرلہ المولی الجلیل پر فائض ہوگی کہ اگر یہاں ایراد کرتا اطناب کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالاینتقد قلیل جداقال، وفیه من الضرران یظن مالیس بموضوع موضوعا عکس الضرر بمستدرك الحاکم فانه یظن مالیس بصحیح صحیحا قال ویتعین الاعتناء بانتقاد الکتابین فان الکلام فی تساهلهما اعدم الانتفاع بهما الا لعالم بالفن لانه مامن حدیث الا ویمکن ان یکون قد وقع فیه تساهل[1] اھ ۱۲ منه (م)

پر انہوں نے تنقید کی وہ ان سے بہت کم ہیں جن پر تنقید نہیں کی، اور کہا کہ اس میں تکلیف وہ امر یہ ہے کہ وہ غیر موضوع کو موضوع گمان کرتے ہیں یہ اس کا عکس ہے جو مستدرک حاکم کا ضرر ہے کیونکہ وہ غیر صحیح کو بھی صحیح گمان کرتے ہیں، کہا کہ ان دونوں کتابوں کی کاٹ چھانٹ ضروری ہے کیونکہ کلام ان دونوں میں تساہل کی وجہ سے ان سے نفع حاصل کرنے کو معدوم کردیتا ہے مگر اس شخص کے لئے جو اس فن کا ماہر ہو، کیونکہ ان کی کوئی ایسی روایت نہیں ہُوئی جس میں تساہل نہ ہو ۱۲ منہ (ت)

عـــه۱: ذکرنا نصهما فی رسالتنا مدارج طبقات الحدیث ۱۲ منه (م)

ہم نے ان دونوں کی عبارتوں کو اپنے رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (م)

[1] تدریب الراوی نقد کتاب موضوعات ابن الجوزی دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۷۹

و ابعاد مرام سامنے لہٰذا اسے بتوفیقہ تعالٰی رسالہ منفردہ [عہ] اور بلحاظ تاریخ **مدارج طبقات الحدیث** [۱۳۱۳ھ] لقب دیا وللّٰہ المنۃ فیما الھم ولہ الحمد علی ماعلّم وصلّی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وسلّم۔

افادہ بست[۲۵] وپنجم: (کتبِ موضوعات میں کسی حدیث کا ذکر مطلقاً ضعف کو ہی مستلزم نہیں) اقول کتابیں کہ بیان احادیث موضوعہ میں تالیف ہوئیں دو[۲] قسم ہیں، ایک وہ جن کے مصنفین نے خاص ایراد موضوعات ہی کاالتزام کیا جیسے موضوعاتِ ابن الجوزی واباطیل جوزقانی وموضوعات صغانی ان کتابوں میں کسی حدیث کا ذکر بلاشبہہ یہی بتائے گا کہ اس مصنّف کے نزدیک موضوع ہے جب تک صراحۃً نفی موضوعیت نہ کردی ہو ایسی ہی کتابوں کی نسبت یہ خیال بجاہے کہ موضوع نہ سمجھتے تو کتابِ موضوعات میں کیوں ذکر کرتے پھر اس سے بھی صرف اتنا ہی ثابت ہوگا کہ زعمِ مصنّف میں موضوع ہے بہ نظر واقع عدمِ صحت بھی ثابت نہ ہوگا نہ کہ ضعف نہ کہ سقوط نہ کہ بطلان ان سب کتب میں احادیث ضعیفہ درکنار بہت احادیث حسان وصحاح بھردی ہیں اور محض بے دلیل اُن پر حکمِ وضع لگادیا ہے جسے ائمہ محققین ونقاد منقحین نے بدلائل قاہرہ باطل کردیا جس کا بیان مقدمہ ابن الصلاح وتقریب امام نووی والفیہ امام عراقی وفتح المغیث امام سخاوی وغیرہا تصانیف علماسے اجمالاً اور تدریب امام خاتم الحفاظ سے قدرے مفصلاً اور انہی کی تعقبات ولآتی مصنوعہ والقول الحسن فی الذب عن السنن وامام الشان کے القول المسدد فی الذب عن مسند احمد وغیرہا سے بہنہایت تفصیل واضح درو شن مطالعہ تدریب سے ظاہر کہ ابن الجوزی نے اور تصانیف درکنار خود صحاح ستّہ ومسند امام احمد کی چوراسی [۸۴] حدیثوں کو موضوع کہہ دیا جن کی تفصیل یہ ہے: مسند امام[۱] احمد، صحیح بخاری[۲] شریف بروایت حماد بن شاکر، صحیح مسلم[۳] شریف، سنن[۴] ابی داؤد، جامع[۵] ترمذی، سنن[۶] نسائی، سنن ابن[۷] ماجہ دوم وہ جن کا

عـــہ: الحمدللہ یہ عربی رسالہ مختصر عجالہ باوصف وجازت فوائد نفسیہ پر مشتمل اس میں:

اوّلاً طبقات اربعہ حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ کا کلام نقل کیا۔

ثانیاً ایک مسلسل بیان میں اس کی وہ تقریر ادا کی جس سے کلام منتظم ہوکر بہت شبہات کاازالہ ہوگیا۔

ثالثاً پھر بہت ابحاث رائقہ مؤلفہ ذائقہ ایراد کیں جن سے روشن ہوگیا کہ طبقات اربعہ کی تحدید نہ جامع نہ مانع نہ ناقد کے کام کی نہ مقلد کو نافع۔

رابعاً اپنی طرف سے ایک عام وشامل تام وکامل ضابطہ وضع کیا جس سے ہر گونہ ناقد وغیر ناقد متوسط وعامی ہر قسم کے آدمی کو حد استناد وطریق احتجاج واضح ہوگیا آخر میں اُسے کلماتِ علماء سے مؤید کیا اُس کے ضمن میں صحاح ستہ وغیرہا کتب حدیث کا مرتبہ اور باہمی تفاوت اور بعض دیگر کتب صحاح کا شمار اور نیز یہ کہ ائمہ وعلما میں کن کن کو دربارہ تصحیح احادیث تساہلی اور کہیں درباب حکم وضع تشدد یا معاملہ جرح رجال میں تعنت تھا بیان کیا جو کچھ دعوٰی کیا ہے اُس کا روشن ثبوت دیا ہے وللہ الحمد ۱۲منہ (م)

قصد صرف ایراد موضوعات ۲۳ واقعیہ نہیں بلکہ دوسروں کے حکمِ وضع کی تحقیق و تنقیح جیسے لآلی امام سیوطی یا نظر و تنقید کے لئے اُن احادیث کا جمع کر دینا جن پر کسی نے حکمِ وضع کیا جیسے اُنہیں کا ذیل اللآلی امام ممدوح خطبہ مصنوعہ میں فرماتے ہیں:

ابن الجوزی اکثر من اخراج الضعیف بل الحسن بل والصحیح کما نبہ علی ذلك الائمۃ الحفاظ وطال مااختلج فی ضمیری انتقاؤہ وانتقادہ فاورد الحدیث ثم اعقب بکلامہ ثم انکان متعقبا بنہت علیہ اھ[1] ملخصا۔	ابن جوزی نے کتاب موضوعات میں بہت ضعیف بلکہ حسن بلکہ صحیح حدیثیں روایت کر دی ہیں کہ ائمہ حفاظ نے اس پر تنبیہ فرمائی مدت سے میرے دل میں تھا کہ اُس کا خلاصہ کروں اور اُس کا حکم پرکھوں تو اب میں حدیث ذکر کرکے ابن جوزی کا کلام نقل کروں گا پھر اس پر جو اعتراض ہوگا بتاؤں گا۔

اُسی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں:

واذ قد اتینا علی جمیع مافی کتابہ فنشرع الآن فی الزیادات علیہ. فمنہا مایقطع بوضعہ ومنہا مانص حافظ علی وضعہ ولی فیہ نظر فاذکرہ لینظر فیہ[2]۔	اب کہ ہم تمام موضوعاتِ ابن الجوزی بیان کر چکے تو اب اُس پر زیادتیں شروع کریں ان میں کچھ وہ ہیں جن کا موضوع ہونا یقینی ہے اور کچھ وہ جنہیں کسی حافظ نے موضوع کہا اور میرے نزدیک اس میں کلام ہے تو میں اُسے نظرِ غور کے لئے ذکر کروں گا۔

پُر ظاہر کہ ایسی تصانیف میں حدیث کا ہونا مصنف کے نزدیک بھی اس کی موضعیت نہ بتائے گا کہ اصل کتاب کا موضوع ہی تنہا ایراد موضوع نہیں بلکہ اگر کچھ حکم دیا یا سند متن پر کلام کیا ہے تو اسے دیکھا جائے گا کہ صحت یا حسن یا ثبوت یا صلوح یا ضعف یا سقط یا بطلان کیا نکلتا ہے مثلاً "لایصح" (یہ صحیح نہیں۔ت) یا "لم یثبت" (یہ ثابت نہیں۔ت) یا سند پر جہالت یا انقطاع سے طعن کیا تو غایت درجہ ضعف معلوم ہُوا، اور اگر "رفعہ" کی قید زائد کر دی تو صرف مرفوع کا ضعف اور بنظرِ مفہوم موقوف کا ثبوت مفہوم ہُوا، وعلٰی ہذا القیاس اور کچھ کلام نہ کیا تو امر محتاج نظر و تنقیح رہے گا کما لایخفی شوکانی کی کتاب موضوعات مسمّٰی بہ فوائدِ مجموعہ بھی اسی قسمِ ثانی کے ہے خود اُس نے خطبہ کتاب میں اس معنی کی تصریح کی کہ میں اس کتاب میں وہ حدیثیں بھی ذکر کروں گا جنہیں موضوع کہنا ہرگز صحیح نہیں بلکہ ضعیف ہیں بلکہ ضُعف بھی خفیف ہے بلکہ اصلاً ضعف نہیں حسن یا صحیح ہیں کہ اہلِ تشدّد کے کلام پر تنبیہ اور اُس کے رَد کی طرف اشارہ ہو جائے، عبارت اُس کی یہ ہے:

---

[1] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ خطبہ کتاب مطبع ادبیہ مصر ۱/ ۲

[2] اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ خاتمہ کتاب مطبع ادبیہ مصر ۲/ ۲۵۱

وقد اذکر مالایصح اطلاق اسم الموضوع علیه بل غایة مافیه انه ضعیف بمرة وقدیکون ضعیفا ضعفًا خفیفًا، وقدیکون اعلی من ذلك والحاصل علی ذکر ماکان ھٰکذا، التنبیه علی انه قدعد ذلك بعض المصنفین موضوعات کابن الجوزی فانه تساھل فی موضوعاته حتی ذکر فیھا ماھو صحیح فضلا عن الحسن فضلا عن الضعیف وقدتعقبه السیوطی بمافیه کفایة، وقد اشرت الی تعقبات الخ[1]	ب کبھی میں اس کتاب میں وہ احادیث ذکر کروں گا جن پر موضوع کا اطلاق درست نہیں ب لکہ وہ ضعیف ہوں گی اور بعض کے ضعف میں خفت ہوگی بلکہ بعض میں ضعف ہی نہیں ان کے ذکر کا سبب یہ ہے تاکہ اس بات پر تنبیہ کی جائے کہ بعض مصنفین نے انہیں موضوع قرار دیا ہے جیسے ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں تساہل سے کام لیا ہے۔ حتی کہ صحیح روایات کو موضوعات میں ذکر کردیا چہ جائیکہ حسن اور ضعیف، امام سیوطی نے ان کا تعاقب کیا ہے، میں نے بھی ان کے تعقبات کی طرف اشارہ کیا ہے الخ (ت)

تو متکلمین طائفہ کا یہ سفیہانہ زعم کہ حدیث تقبیل ابہامین شوکانی کے نزدیک موضوع نہ ہوتی تو کتابِ موضوعات میں کیوں کرتا، کیسی جہالتِ فاحشہ ہے۔

تنبیہ: ہر چند یہ افادہ اُن گیارہ افادات سابقہ سے زیادہ متعلق تھا جن میں حضرات طائفہ کے زعمِ موضوعیت کا ابطال ہوا مگر از انجا کہ ایسی لچر بے معنی بات سے توہمِ موضوعیت کسی ذی علم کا کام نہ تھا لہٰذا ان افادات کے ساتھ منسلک کیا کہ واضح ہو کہ ذکر فی الموضوعات ضعفِ شدید کو بھی مستلزم نہیں جو ایک مسلک پر قبول فی الفضائل میں مخل ہو بلکہ حقیقۃً نفس ذکر بے ملاحظہ حکم تو مفید مطلق ضعف بھی نہیں کہ دونوں قسم میں صحاح وحسان تک موجود ہیں کما تبین۔

لطیفہ: اقول حضرات وہابیہ کے پچھلے متکلم اگر موضوعات شوکانی کو موضوع نہ سمجھے تو کیا عجب کہ خود ان کے امام شوکانی کی سمجھ بھی ایسی ہی ناقص اور ناکافی تھی یہیں خطبہ موضوعات میں علمائے نافیان کذب کی دو قسمیں کیں ایک وہ جنہوں نے رواۃ ضعفاء وکذابین وغیرہم کے بیان میں تصنیفیں کیں جیسے کامل ومیزان وغیرہما وقسم: **جعلوا مصنفاتھم مختصة بالاحادیث الموضوعة**[2] دوسرے وہ جنہوں نے اپنی تصانیف احادیث موضوعہ سے خاص کیں جیسے ابن جوزی وصغانی وغیرہما۔ اور اسی قسم دوم میں مقاصد حسنہ امام سخاوی کو گن دیا حالانکہ وہ ہرگز تصانیف عہ

عہ: افادہ ۲۴ میں شاہ ولی اللہ کا قول گزرا کہ ابن جوزی موضوعات را مجرد ساخت وسخاوی ومقاصد حسنہ حسان لغیرہا از ضعاف ومناکیر ممیّز نمود، یہیں سے ظاہر کہ مقاصد حسنہ کتب موضوعات سے کتنے جُدا ہیں ۱۲ منہ (م)

[1] الفوائد المجموعہ خطبۃ الکتاب دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۴

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین قسم دوم شبہات الخ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۲۸۲

مختصہ بہ موضوعات سے نہیں بلکہ اُس کا مقصود ان احادیث کا حال بیان کرنا ہے جو زبانوں پر دائر ہیں عام ازیں کہ صحیح ہوں یا حسن یا ضعیف یا بے اصل یا باطل، ولہٰذا اُس میں بہت احادیث کو ذکر کرکے فرماتے ہیں: یہ صحیح بخاری میں ہے یہ صحیح مسلم کی ہے یہ صحیحین دونوں کے متفق علیہ ہے، بھلے مانس نے اُس کے نام کو بھی خیال نہ کیا **المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتھرة علی الالسنة**[1] (مقاصد حسنہ زبانوں پر دائر بہت سی مشہور حدیثوں کے بیان میں۔ت) نہ اُسی کو آنکھ کھول کر دیکھا اس کے پہلے ہی ورق کی چوتھی حدیث ہے حدیث **آیة المنافق ثلث متفق علیه**[2] (منافق کی تین علامات ہیں، بخاری ومسلم۔ت) وہیں ساتویں حدیث ہے حدیث **ابدأ بنفسك مسلم فی الزکٰوة من صحیحه**[3] (اپنے آپ سے ابتدا کرو، اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں زکٰوۃ کے باب میں ذکر کیا ہے۔ت)

طرفہ تریہ کہ انہیں میں تخریج الاحیاء للعراقی بھی گن دی **سبحان اللہ** کہاں تخریج احادیث کتاب کہاں تصنیف فی الموضوعات، اسی فہم پر ابو حنیفہ وشافعی سے دعوی مساوات **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

نتیجۃ الافادات: الحمدُللہ کلام اپنے ذروہ اعلیٰ کو پہنچا اور احقاقِ حق حدِ اقصٰی کو، ان چودہ ۱۴ افادوں نے ماہِ شب چہاردہ کی طرح روشن کردیا کہ تقبیل ابہامین کی حدیثیں اگر تعددِ طُرق وعملِ اہلِ علم سے متقوی نہ بھی ہوں تو انتہا درجہ ضعیف بضعفِ خفیف، اور فضائلِ اعمال میں باجماعِ علماء محدثین وفقہاء مقبول وکافی اور ثبوتِ استحبابِ عمل کے لئے مفید ووافی ہیں منکرین کی ساری چہ میگوئیاں کہ اُن کے ابطال واہمال کے لئے تھیں بعونہٖ تعالٰی اپنی سزائے کردار کو پہنچ گئیں **والحمدللہ رب العالمین**، اب پھر دستِ استعانت قائد توفیق کے ہاتھ میں دیجئے اور بعنایت الٰہی واعانتِ حضرت رسالت پناہی علیہ الصلٰوۃ والسلام غیر المتناہی تحقیق مرام میں اس سے بھی وسیع تر تنزلی کلام اور آخر میں ازالہ وازہاق بقیہ اوہام منکرین لیام کیجئے **وباللہ التوفیق۔**

افادہ بست ۲۶ وششم (ایسی جگہ اگر سند کسی قابل نہ ہو تو صرف تجربہ سند کافی ہے) **اقول:** بالفرض اگر ایسی جگہ ضعفِ سند ایسی ہی حد پر ہو کہ اصلاً قابلِ اعتماد نہ رہے مگر جو بات اس میں مذکور ہُوئی وہ علماو صلحا کے تجربہ میں آچکی تو علمائے کرام اس تجربہ ہی کو سند کافی سمجھتے ہیں کہ آخر سند کذب واقعی کو مستلزم نہ تھا، حاکم نے بطریق عمر بن ہارون بلخی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نماز قضائے حاجت کیلئے

---

[1] المقاصد الحسنہ مقدمۃ الکتاب مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۴

[2] المقاصد الحسنہ حرف الھمزۃ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۶

[3] المقاصد الحسنہ حرف الھمزۃ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ص ۶

ایک ترکیب عجیب مرفوعًا روایت کی جس کے آخر میں ہے:

ولاتعلموها السفهاء فانه يدعون بها فيستجابون [1]۔	بیوقوفوں کو یہ نماز سکھاؤ کہ وہ اس کے ذریعہ سے جو چاہیں گے مانگ بیٹھیں گے اور قبول ہوگی۔

ائمہ جرح وتعدیل نے عمر بن ہارون کو سخت شدید الطعن متروک بلکہ متہم بالکذب تک کہا۔ امام احمد وامام نسائی وامام ابو علی نیشاپوری نے فرمایا: متروک الحدیث ہے۔ امام علی بن مدینی وامام دارقطنی نے کہا: سخت ضعیف ہے۔ صالح جزرہ نے کہا: کذاب ہے۔ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: **محض لاشیئ کذاب خبیث** [2] ہے۔ (بالکل کوئی شے نہیں کذاب وخبیث ہے۔ت) **کل ذلك فی المیزان** (یہ سب میزان میں ہے۔ت) لاجرم حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **متروك وكان حافظًا** [3] (یہ متروک ہے اور حافظ تھا۔ت) ذہبی نے میزان میں کہا:

كان من اوعية العلم على ضعفه، وكثرة مناكيره وما اظنه ممن يتعمد الباطل [4]	اس ضعف وکثرت مناکیر کے باوجود وہ علم کا ذخیرہ تھا اور میں گمان نہیں کرتا کہ کوئی باطل کا ارادہ کرتا ہو۔ (ت)

تذکرۃ الحفاظ میں آخر کہا: **لاریب فی ضعفه** [5] (اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں۔ت) امام اجل ثقہ حافظ عبدالعظیم زکی منذری نے کتاب الترغیب عــہ میں یہ حدیث بروایت حاکم نقل کرکے عمر بن ہارون کے متروک ومتہم ہونے سے اُسے معلول کیا،

حيث قال قد تفرد به عمر بن هارون البلخی	جہاں کہا کہ اس کے بیان کرنے میں عمر بن ہارون بلخی متفرد ہے

عــہ: فی الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ ۱۲ منہ (م)	(ترغیب میں نماز حاجت کے تحت اس کو بیان کیا ہے۔ت)

---

[1] الترغیب والترہیب فی صلاۃ الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸ نصب الرایۃ الحدیث الثانی والاربعون من کتاب الکراہیۃ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۲۷۳

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۸

[3] تقریب التہذیب حرف العین مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۱۹۲

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ عمر بن ہارون مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۲۹

[5] تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السابعہ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۳۱۲

وھو متروك متھم اثنی علیه ابن مھدی وحدہ عــہ فیما اعلمه[1] اھ

قلت بل اختلف الروایة عن ابن مھدی ایضاً فقال فی المیزان قال

اور وہ متروک و متہم ہے میرے علم کے مطابق ابن مہدی نے فقط اسے بہتر قرار دیا ہے اھ۔

قلت (میں کہتا ہوں) کہ ابن مہدی سے بھی روایت مختلف ہے، میزان میں ہے

عــہ: **اقول:** ھذا عجیب من مثل الحافظ مع قول نفسه فی خاتمة الکتاب ضعفه الجمھور وثقه قتیبة وغیرہ اھ فی تذکرة الحفاظ عن الابار عن ابی غسان عن بھر بن اسد انه قال اری یحیٰی بن سعید حسدہ قال وساق الخطیب باسنادہ عن ابن عاصم انه ذکر عمر بن ھارون فقال عمر عندنا احسن اخذا للحدیث من ابن المبارك وقال المروزی سئل ابوعبدالله عن عمر بن ھارون فقال ماقدر ان اتعلق علیه بشیئ کتبت عنه کثیرا فقیل له قدکانت له قصّة مع ابن مھدی فقال بلغنی انه کان یحمل علیه وقال احمد بن سیار کان کثیر السماع کان قتیبة یطریه ویوثقه الخ ثم ذکر تکذیبه وترکه وجرحه عن ابن معین واٰخرین ثم قال قلت لاریب فی ضعفه وکان لما حافظاً فی حروف القرأت مات سنة اربعین وتسعین ثلٰث مائة اھ ۱۲ منه (م)

اقول: حافظ جیسے لوگوں پر تعجب ہے کہ خود انہوں نے خاتمہ کتاب میں کہا کہ اسے جمہور نے ضعیف کہا اور قتیبہ وغیرہ نے اسکی توثیق کی اھ اور تذکرۃ الحفاظ میں ازابار از ابن غسان از بہر بن اسد ہے وہ کہتے ہیں میں نے یحیٰی بن سعید کو دیکھا وہ ان پر حسد کرتے تھے کہا اور خطیب اپنی سند سے ابوعاصم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے عمر بن ہارون کا ذکر کیا تو کہا کہ عمر ہمارے نزدیک حدیث اخذ کرنے میں ابی المبارک سے احسن ہے، اور مروزی نے کہا ابوعبداللہ سے عمر بن ہارون کے متعلق پُوچھا گیا تو کہا میں ان کے بارے میں کوئی شیئ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا میں نے ان سے بہت روایات لکھی ہیں، ان سے کہا گیا کہ ان کا ابن مہدی کے ساتھ فلاں معاملہ ہے، تو انہوں نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ وہ اس پر حملہ کرتا تھا، اور احمد بن سیار نے کہا کہ وہ کثیر السماع تھا، قتیبہ اس کی تعریف وتوثیق کرتا تھا الخ) پھر اس کی تکذیب، ترک اور جرح ابن معین وغیرہم سے ذکر کرنے کے بعد کہا میں کہتا ہوں اس کے ضعف میں کوئی شک نہیں، اور وہ قراءاتِ حروف میں امام وحافظ تھے ان کا وصال ۳۹۴ھ میں ہوا اھ ۱۲ منہ (ت)

[1] الترغیب والترہیب فی صلاۃ الحاجۃ ودعائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

ابن مهدی واحمد والنسائی متروك الحديث ثم قال وقال ابن حبان كان ابن مهدی حسن الرای فی عمر بن هارون [1] اھ فاللہ تعالٰی اعلم۔	کہ ابنِ مہدی، احمد اور نسائی نے کہا کہ یہ متروک الحدیث ہے، پھر کہا کہ ابنِ حبان کہتے ہیں کہ ابن مہدی عمر بن ہارون کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے اھ فاللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

بایںہمہ ازانجاکہ مستدرک میں تھا:

قال احمد بن حرب قدجربته فوجدته حقا، وقال ابراهيم بن على الدّيبلى عــہ۱ قدجربته فوجدته حقا، وقال الحاكم قال لنا ابوزكريا قدجربته فوجدته حقا قال الحاكم قدجربته فوجدته [2] حقا۔	احمد بن حرب نے کہا میں نے اس نماز کو آزمایا حق پایا، ابراہیم بن علی دیبلی نے کہا میں نے آزمایا حق پایا ہم سے ابوزکریا نے کہا میں نے آزمایا حق پایا، حاکم کہتے ہیں خود میں نے آزمایا تو حق پایا عــہ۲۔

لہٰذا امام حافظ منذری نے فرمایا: الاعتماد فی مثل هذا علی التجربة لاعلی الاسناد [3] (ایسی جگہ اعتماد تجربہ پر ہوتا ہے نہ کہ اسناد پر)۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ عــہ۳ میں حدیث کا وہ ضعف شدید اور امام ابن جوزی کا اُسے

عــہ۱: نسبة الى ديبل بفتح الدال المهملة وسكون الياء المثناة من تحت وضم الباء الموحدة والاٰخر لام قصبة بلاد السند كمافی القاموس ۱۲ منه (م) عــہ۲: اٰخر الكتاب فی الفضائل الثالث عشر فی صلاة الحاجة من فصول تكميل الكتاب ۱۲ منه (م)	یہ دَیبُل کی طرف منسوب ہے۔ دیبل دال مہملہ کے فتح کے ساتھ، یاء مثنّٰی کے سکون باء موحدہ کے پیش کے ساتھ اور آخر میں لام ہے کہ بلادِ سندھ میں ایک قصبہ ہے قاموس میں ایسے ہی ہے ۱۲منہ (ت) عــہ۳: **اقول**: بحمد اللہ تعالٰی اس فقیر نے بھی کئی بار آزمایا حق پایا بعض قریب تر اعزّہ کو سخت ناسازی تھی طول ہوا یہاں تک کہ ایک روز حالت مثل نزع طاری ہوئی سب رونے لگے فقیر مشغولِ نماز مذکور ہُوا پڑھ کر آیا تو عزیز مذکور بیٹھا باتیں کرتا پایا وللہ الحمد بیس ۲۰ سال ہونے کو آئے جب سے بحمد اللہ فضلِ الٰہی ہے ماشاء اللہ لاقوۃ الّا باللہ ۱۲منہ (م) یہ کتاب کے آخر میں فضائل کے بیان میں جو تیرھویں فصل نمازِ حاجت کے بیان میں تمیل کتاب کی فصول میں سے ہے (ت)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۲۳۷ عمر بن ہارون مطبوعہ دار المعرفت بیروت ۳/ ۲۲۸ و ۲۲۹
[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الحاکم الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۸
[3] الترغیب والترہیب بحوالہ الحاکم الترغیب فی صلاۃ الحاجۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

بالیقین موضوع کہنا عہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ومشی علی ھذا فی الحاوی القدسی فانه ذکر ھذہ الصلٰوۃ للحاجة علٰی ھذا الوجه من الصلٰوۃ المستحبة [1]۔	حاوی قدسی میں اسی پر عمل کیا کہ انہوں نے حاجت کے لئے اس ترکیب کو مستحب نمازوں میں ذکر فرمایا۔

مرقاۃ شرح مشکٰوۃ سے امامِ اجل سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ الشریف کا ارشاد لطیف افادہ ۱۵ میں گزرا کہ میں نے صحتِ حدیث کو اس جوان کی صحتِ کشف سے پہچانا یعنی جب اس کے کشف سے معلوم ہوا کہ حدیث میں جو وعدہ آیا تھا ٹھیک اُترا معلوم ہُوا کہ حدیث صحیح ہے اب صدر رسالہ میں امام سخاوی کے نقول دیکھ لیجئے کہ اس تقبیل ابہامین کے کتنے تجربے علما وصلحا سے منقول ہوئے ہیں لاجرم علامہ طاہر فتنی نے فرمایا روی تجربة ذلك عن کثیرین [2] (اس کا تجربہ بہت سے لوگوں سے روایت کیا گیا) تو عزیزو! اگر بفرض غلط سند کسی قابل نہ سمجھو تاہم تجربہ علما کو سند کافی جانو۔

افادہ بست و ہفتم (بالفرض اگر کتب میں اصلاً پتانہ ہوتا تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلاسند مذکور ہوناہی بس ہے)

اقول: بھلایاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلاسند مذکور ہوناہی سند کافی سمجھتے ہیں اگرچہ طبقہ رابعہ وغیرہا

عــہ: ھو اٰخر حدیث من باب الصلاۃ فی الموضوعات قال المخرج موضوع،عمر بن ھارون کذاب قال خاتم الحفاظ عمر روی له الترمذی وابن ماجة وقال فی المیزان کان من اوعیة العلم الی اٰخر مانقلنا قال ووجدت للحدیث طریقا اٰخر فذکر مااسند ابن عساکر عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه نحوہ وسکت علیه خاتم الحفاظ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منه (م)	نماز کے باب میں موضوعات میں یہ آخری حدیث ہے تخریج کرنے والے نے کہا یہ موضوع ہے عمر بن ہارون کذاب ہے، خاتم الحفاظ نے کہا عمر سے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت لی ہے، میزان میں "کان من اوعیة العلم الٰی آخر مانقلنا" (وہ علم کا ذخیرہ تھا آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے) کہا اور کہا کہ اس حدیث کی ایک اور سند بھی میں نے دیکھی ہے پھر وہ سند ذکر کی جو ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی مثل روایت کی ہے اس پر خاتم الحفاظ نے سکوت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] خاتمہ مجمع بحار الانوار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۱

کسی طبقہ حدیث میں اُس کا نام نہ نشان نہ ہو، حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حضور والا کو ندا کرکے بابی انت وامی یارسول اللہ[1] میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ کہہ کر حضور کے فضائلِ جلیلہ وشمائل جمیلہ عرض کرنا، یہ حدیث امام ابومحمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علماء سے تھے ۴۶۶ھ میں انتقال کیا اپنی کتاب اقتباس الانوار والتماس الازہار اور ابوعبداللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی مالکی نے کہ آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی دونوں نے محض بلاسند ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے اس سے زائد اس کا پتا نہ پایا کُتبِ حدیث میں اصلا نشان نہ ملا مگر ازانجا کہ مقام مقامِ فضائل تھا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کُند حواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی اُنہیں اُس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا علامہ ابوالعباس قصار نے اسے شرح قصیدہ بردہ شریف میں ذکر کیا اور اِنہیں رشاطی کا حوالہ دیا، پھر امام علّامہ احمد قسطلانی عـــہ۱ نے مواہب للدنیہ میں بصیغہ جزم ذکر کی، اسی شرح قصار ومدخل کی سند دی، اسی مواہب شریف ونسیم الریاض علّامہ شہاب خفاجی مصری ومدارج النبوۃ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہا میں علمائے کرام نے اس حدیث کو زیر بیان آیہ کریمہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝۱ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝۲ [2] (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں اور اے محبوب! تُو اس میں جلوہ افروز ہے۔ت) جس میں رب العزّت جل وعلانے شہرِ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسم یاد فرمائی ہے محلِ استناد میں ذکر کیا کہ قرآنِ عظیم نے حضور پُرنور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان پاک بھی قسم کھائی کہ

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۝۷۲ [3] (تیری جان کی قسم یہ کافر اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور حضور کے شہر مکہ معظّمہ کی بھی قسم کھائی کہ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝۱ [4] مگر اس قسم میں اُس قسم سے زیادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے جس طرح امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس طرف اشارہ کیا کہ عرض کرتے ہیں میرے ماں باپ حضور پر قربان یارسول اللہ، اللہ عزوجل کے نزدیک حضور کا مرتبہ اس حد کو پہنچا کہ حضور کے خاک پا کی قسم یاد فرمائی لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝۱۔ نسیم عـــہ۲ کی دلکشا عبارت یہ ہے:

عـــہ۱ : الفصل الاول من المقصد العاشر ۱۲ منہ	دسویں مقصد کی پہلی فصل میں دیکھو۔(ت)
(م) عـــہ۲ : الفصل الرابع من الباب الاول ۱۲ منہ (م)	باب اول کی چوتھی فصل میں دیکھو۔(ت)

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمہ تعالٰی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] القرآن ۹۰/ ۲

[3] القرآن ۱۵/ ۷۲

[4] القرآن ۹۰/ ۱

قدقالوا ان ھذا القسم ادخل فی تعظیمه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من القسم بذاته وبحیاته کمااشار الیه عمررضی اللہ تعالٰی عنه بقوله بابی انت وامی یارسول اللہ قدبلغت من الفضیله عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ [1]۔	مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ آپ کے شہر کی قسم، آپ کی ذات اور عمر کی قسم سے زیادہ تعظیم پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ اس کی طرف حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا: یارسول اللہ! میرے والدین آپ پر فدا ہوں آپ اللہ تعالٰی کے ہاں اتنے عظیم المرتبت ہیں کہ اللہ تعالٰی نے آپ کے مبارک قدموں کی قسم اٹھاتے ہوئے فرمایا ہے: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ (میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں) (ت)

مواہب عــہ میں ہے:

علی کل حال فھذا متضمن للقسم ببلد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولایخفٰی مافیه من زیادۃ التعظیم وقدروی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بابی انت وامی یارسول اللہ لقد بلغ من فضیلتك عنداللہ ان اقسم بحیاتك دون سائر الانبیاء ولقد بلغ من فضیلتك عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ [2]۔	ہر حال میں یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر کی قسم کو متضمن ہے اور اس قسم میں جو عظمتِ مرتبہ ہے وہ مخفی نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول نہیں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ اُنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ کی فضیلت اللہ تعالٰی کے ہاں اتنی بلند ہے کہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کی ہی اس نے قسم اٹھائی ہے نہ کہ دوسرے انبیاء کی، اور آپ کی عظمت و مرتبت اس کے ہاں اتنی عظیم ہے کہ اس نے "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝" کے ذریعے آپ کے مبارک قدموں کی خاک کی قسم اٹھائی ہے۔ (ت)

عــہ: المقصد السادس النوع الخامس الفصل الخامس ۱۲منه (م)	چھٹے مقصد کی نوع خامس سے پانچویں فصل دیکھو ۱۲منہ (ت)

[1] نسیم الریاض شرح شفا باب اول الفصل الرابع فی قسمہ تعالٰی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[2] المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی الفصل الخامس من النوع الخامس الخ مطبعۃ عامرہ مصر ۶/ ۲۷۰

مدارج عہ میں اسے نقل کرکے فرمایا: یعنی سوگند خوردن بلد کہ عبارت است کہ از زمینے کہ پے سپر میکند، آنرا (پائے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سوگند بخاک پائے خوردن ست، وایں لفظ درظاہر نظر سخت مے درآید، نسبت بجناب عزّت چوں گویند کہ سوگند میخورد بخاک پائے حضرت رسالت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونظر بحقیقت معنی صاف وپاک ست کہ غبارے براں نمی نشیند، وتحقیق ایں سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرت رب العزّت جل جلالہ بچیزے غیر ذات وصفات بود برائے اظہار شرف وفضیلت وتمیزآں چیزست نزد مردم ونسبت بایشاں تابدانند کہ آں امرے عظیم وشریف است نہ آنکہ اعظم است نسبت بوئے تعالٰی [1] الخ	یعنی شہر کی قسم کھانے سے مراد یہی ہے کہ اس خاک پاکی قسم اٹھائی ہے کیونکہ شہر سے مراد وہ زمین اور جگہ ہے جہاں حضور پاؤں رکھ کر چلتے ہیں، بظاہر یہ الفاظ سخت معلوم ہوتے ہیں کہ باری تعالٰی حضور کے خاک پاکی قسم اٹھائے، لیکن اگر اس کی حقیقت کو دیکھا جائے تو اس میں کوئی پوشیدگی وغبار نہیں وہ اس طرح کہ اللہ تعالٰی جب اپنی ذات وصفات کے علاوہ کسی شَے کی قسم اٹھاتا ہے تو وہ اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ شیئ (معاذاللہ) اللہ تعالٰی سے عظیم ہے، بلکہ حکمت یہ ہوتی ہے کہ اس چیز کو وہ شرف وعظمت نصیب ہوجائے جس کی وجہ سے عام لوگوں پر اس کا امتیاز قائم ہو اور لوگ محسوس کریں کہ یہ شے بنسبت دوسری چیزوں کے نہایت عظیم ہے نہ کہ وہ معاذاللہ بنسبت اللہ تعالٰی کے عظیم ہے

میں ایک اسی حدیث بے سند کو کیا ذکر کرتا کہ اس کی تو صدہا نظیریں کتبِ علماء میں موجود ہیں زیادہ جانے دیجئے یہ پچھلے زمانے کے بڑے محدّث شاہ ولی اللہ صاحب بھی جابجا اپنی تصانیف میں ایسی کتب کی حدیثوں سے سند لاتے ہیں جو نہ کسی طبقہ حدیث میں داخل نہ اُن میں سند کا نام ونشان،

قرۃ العینین میں روایات مذکورہ تاریخ یافعی وروضۃ الاحباب وشواہد النبوۃ مولانا جامی قدس سرہ السامی سے استناد موجود، مثلاً لکھا:

امااتصاف شیخین بصفات کاملہ تلبیہ [2] پس بطریق	شیخین (صدیق وفاروق) صفات کاملہ مشہورہ

عــہ: قسم اول باب سوم فصل دوم ۱۲ منہ (م)

---

[1] مدارج النبوۃ وصل مناقب جلیلہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

نوٹ: مدارج النبوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھّر کے نسخہ میں خط کشیدہ عبارت نہیں ہے غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اتنی عبارت اس نسخے میں کسی وجہ سے رہ گئی اور اعلحضرت کی عبارت میں جو اضافہ ہے وہ درست ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ الخ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۹۲

اتم بود و ظہور خرق عوائد وتربیت الٰہی ایشاں رابرؤیا وماند آں ازیشاں بسیار مروی شدہ حدیثی چند ازیں جملہ نیز روایت کنیم[1]۔ در شواہد النبوہ از ابومسعود انصاری منقول است کہ گفتہ است اسلام ابوبکر شبیہ بوحی است زیراکہ وے گفتہ است کہ شبی پیش ازبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ شبی پیش ازبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درخواب دیدم کہ نورے عظیم ازآسماں فروآمد وبربامِ کعبہ[2] افتاد الخ۔ ونیز در شواہد مذکور است کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق گفتہ است کہ روزے درایامِ جاہلیت درسایہ درختے نشستہ بودم ناگاہ میل بمن کرد بجانب من کرد آوازے ازاں درخت بگوش من آمد کہ پیغمبرے درفلاں وقت بیرون خواہد آمدے باید کہ تو سعادت مند ترین مردمان باشی بوے الخ ونیز در شواہد از ابوبکر صدیق منقول است کہ در مرض آخر خود گفت کہ امشب در تفویض امر خلافت بتکرار استخارہ کردم[3] الخ ملتقطا۔	کے ساتھ بطریق اتم متصف تھے اور اُن سے خرقِ عادت اور تربیت الٰہیہ کے طور خواب وغیرہ جیسے معاملات کا اظہار بھی احادیث میں مروی ہے ان میں سے ایک حدیث کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں، شواہد النبوۃ میں ابومسعود انصاری سے مروی ہے کہا گیا ہے کہ سیدنا ابوبکر کا اسلام مشابہ بالوحی ہے کیونکہ وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک عظیم نور آسمان سے نیچے آیا اور کعبہ کی چھت پر اترا ہے الخ شواہد النبوۃ میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں دورِ جاہلیت میں ایک دن ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا اچانک وہ درخت میری طرف جھک گیا اور اس درخت سے میرے کانوں میں یہ آواز آئی کہ فلاں وقت اللہ کا پیغمبر آئے گا تو ان کے ساتھیوں میں نہایت ہی سعادت مند ہوگا الخ اور یہ بھی شواہد میں حضرت ابوبکر صدیق سے منقول ہے کہ آپ نے آخری مرضِ وصال میں فرمایا کہ آج میں نے خلافت کے معاملات کو سپرد کرنے کے لئے بار بار استخارہ کیا ہے الخ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے:

چونوبت خلافت بفاروق رسید سیاستی بردست اوواقع شدکہ غیر نبی برآں قادر نباشد واگر عقل سلیم راا عمال نمایم درا مورے کے خلافتِ انبیاء رامی شاید	جب خلافت حضرت فاروقِ اعظم کے سپرد ہوئی تو آپ نے سیاست کو اس طرح بہتر انداز میں نبھایا کہ کسی غیر نبی سے ایسا ممکن نہ تھا اگر عقلِ سلیم کو امورِ خلافت

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۳

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۴

[3] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین اتصاف شیخین بہ صفاتِ کاملہ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۹۵

بہتر از حال وے متصور نگردد زیراکہ حضرت پیغامبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدو چیز مشغول بودند یکے تعلیم علم فاروق اعظم [1] مسائل را تفحص کرد و ترتیبِ کتاب وسنت واجماع وقیاس آورد وسد مداخل تحریف نمود چنانچہ علمائے صحابہ ہمہ گواہی دادند کہ وے اعلم زمان خود است دیگر جہاد کفار و فاروق تحمل اعبائے جہاد بوجہے نمود کہ خوب ترازاں صورت نگیرد وقال الیافعی فی السنۃ الرابعۃ عشر فتحت دمشق [2] الخ در روضۃ الاحباب مذکورست کہ در زبان خلافت وے ہزار وسی وشش شہر باتوابع ولواحق آں فتح شد وچہار ہزار مسجد ساختہ گشت وچہار ہزار کنیسہ خراب گردید ویک ہزار ونہ صد منبر بنا کردند [3] اھ بالالتقاط۔	بروئے کار لایا جائے تو محسوس ہوگا کہ انبیاء کی خلافت کا کام ان سے بہتر نبھایا نہیں جاسکتا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جن دو معاملات کی طرف بہت ہی زیادہ توجہ دیتے تھے ان میں سے ایک تعلیم علم ہے اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسائل میں کھود کرید کرکے اور نہایت ہی محنت و کوشش کے ساتھ کتاب وسنت، اجماع و قیاس کی ترتیب کو قائم فرماکر تحریف کے تمام راستے بند کردئے، چنانچہ تمام صحابہ نے اس بات کی گواہی دی ہے کہ وہ اپنے دور میں سب سے زیادہ عالم تھے۔ اور دوسرا معاملہ جہاد کا تھا فاروق اعظم نے اس معاملہ کو اس طرح نبھایا کہ اس سے بہتر تصور نہیں کیا جاسکتا۔ یافعی کہتے ہیں کہ ۱۴ھ میں دمشق فتح ہوگیا الخ اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ فاروق اعظم کے دور میں ایک ہزار چھتیس (۱۰۳۶) شہر مع مضافات فتح ہوئے، چار ہزار (۴۰۰۰) مساجد کی تعمیر ہوئی، چار ہزار (۴۰۰۰) کنیسے تباہ کئے گئے، ایک ہزار نوسو (۱۹۰۰) منبر تیار ہوئے اھ بالالتقاط۔ (ت)

یوں ہی تفسیر عزیزی وغیرہ تصانیف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب میں ایسے بہت اسناد ملیں گے اس کا گننا ہی کہاتھا مجھے تو یہاں یہ نص قاہر و باہر سنانا ہے کہ حدیث مذکور فاروقی بابی انت وامی یارسول اللہ کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلاسند ذکر فرمایا اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل عـــہ الصفافی تخریج احادیث الشفا پھر اُن کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم میں

عـــہ احادیث الفصل السابع من الباب الاول ۱۲ منہ (م)

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مآثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۰

[2] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مآثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۱

[3] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین مآثر جمیلہ فاروق اعظم مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

ارشاد کیا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سند المثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام[1]۔	میں نے یہ حدیث کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی، مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں ایک حدیث طویل اسے ذکر کیا، ایسی حدیث کو اتنی ہی سند بہت ہے کہ وہ کچھ احکام سے تو متعلق نہیں۔ (ت)

فقیر بعون رب قدیر جل وعلا تنزل پر تنزل کرکے روشن تر سے روشن تر کلام کرے مگر حضرات منکرین کی آنکھیں خدا ہی کھولے۔

افادہ بست[۲۸] وہشتم: (حدیث اگر موضوع بھی ہو تو تاہم اس سے فعل کی ممانعت لازم نہیں) اقول اچھا سب جانے دیجئے اپنی خاطر پُورا تنزل لیجئے بالفرض حدیث موضوع وباطل ہی ہو تاہم موضوعیت حدیث عدمِ حدیث ہے نہ حدیث عدم، اُس کا اصل صرف اتنا ہوگا کہ اس بارہ میں کچھ وارد نہ ہوا نہ یہ کہ انکار ومنع وارد ہوا، اب اصل فعل کو دیکھا جائے گا اگر قواعد شرع ممانعت بتائیں ممنوع ہوگا ورنہ اباحت اصلیہ پر رہے گا اور بہ نیت حسن حسن ومستحسن ہوجائے گا۔

کماھو شان المباحات جمیعا کمانص علیہ[عہ] فی	جیسا کہ تمام مباحات کا معاملہ ہے جیسا کہ اس پر اشباہ

عہ: قال فی الاشباہ من القاعدۃ الاولٰی اما المباحات فانھا تختلف صفتھا باعتبار ماقصدت لاجلہ[2] الخ وعنھا نقل فی اوائل نکاح ردالمحتار وفیہ ایضا من کتاب الاضحیۃ فی مسئلۃ العقیقۃ وان قلنا انھا مباحۃ لکن یقصد الشکر تصیر قربۃ فان النّیۃ تصیر العادات عبادات، والمباحات طاعات[3] اھ وکلام الانموذج مرّفی الافادۃ الحادیۃ والعشرین ۱۲ منہ (م)	اشباہ میں قاعدہ اولٰی میں ہے کہ مباحات صفت کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں اس اعتبار کے ساتھ جس کا ارادہ کیا گیا ہو الخ اس عبارت کو ردالمحتار کی کتاب النکاح کے اوائل میں نقل کیا گیا ہے، ردالمحتار کی کتاب الاضحیۃ میں بھی عقیقہ کے مسئلہ کے متعلق ہے کہ ہم کہتے ہیں یہ اگرچہ مباح ہے لیکن شکر کے ارادہ سے عبادت بن جاتا ہے کیونکہ نیت عادت کو عبادت میں اور مباحات کو عبادت وفرمانبرداری میں بدل دیتی ہے اھ اور انموذج العلوم کا کلام اکیسویں[۲۱] افادہ میں گزر چکا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء باب اول الفصل السابع فیما اخبر اللہ تعالٰی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۸

[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول النیۃ فی العبادات الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

الاشباہ وردالمحتار وانموذج العلوم وغیرھا من معتمدات الاسفار۔	وردالمحتار اور انموذج العلوم اور ان جیسی دیگر معتمد کتب میں تصریح کی ہے۔(ت)

حدیث کے موضوع ہونے سے فعل کیوں ممنوع ہونے لگا موضوع خود باطل ومہمل وبے اثر ہے یا نہی وممانعت کا پروانہ لاجرم علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ درمختار میں زیر قول رملی واما الموضوع فلایجوز العمل بہ بحال[1] فرماتے ہیں:

ای حیث کان مخالفا لقواعد الشریعۃ واما لوکان داخلا فی اصل عام فلامانع منہ لالجعلہ حدیثا بل لدخولہ تحت الاصل العام[2]۔ **اقول:** فقدافاد رحمہ اللہ تعالٰی بتعلیلہ ان المراد جواز العمل بمافی موضوع لالکونہ فی موضوع وسنلقی علیك تحقیق المقام بتوفیق الملك العلام فانتظر۔	یعنی جس فعل کے بارے میں حدیث موضوع وارد ہو اُسے کرنا اُسی حالت میں ممنوع ہے کہ خود وہ فعل قواعدِ شرع کے خلاف ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ کسی اصل کلی کے نیچے داخل ہے تو اگرچہ حدیث موضوع ہو فعل سے ممانعت نہیں ہوسکتی نہ اس لئے کہ موضوع کو حدیث ٹھہرائیں بلکہ اس لئے کہ وہ قاعدہ کلیہ کے نیچے داخل ہے۔ **اقول:** سید احمد طحطاوی نے اس تعلیل کے ذریعے یہ ضابطہ بیان فرمادیا کہ مراد یہ ہے (کہ موضوع حدیث کے مفہوم میں جو شرعی قاعدہ کے موافق ہے اس پر عمل ہے نہ کہ موضوع حدیث پر عمل ہے) عنقریب ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے پس آپ انتظار کریں۔(ت)

یہ تو تصریح کُلی تھی اب جزئیات پر نظر کیجئے تو وہ بھی باعلی ندا شہادت جواز دے رہے ہیں جس نے کلمات علماءِ کرام حشرنا اللہ تعالٰی فی زمرتہم کی خدمت کی وہ جانتا ہے کہ درود موضوعات واباطیل اُن کے نزدیک موجب منع فعل نہ تھا بلکہ باوصف اظہار وضع وبطلان حدیث اجازت افعال کی تصریح فرماتے یہاں بنظرِ اختصار چند امثلہ پر اقتصار۔

(ا) امام سخاوی مقاصدِ حسنہ میں فرماتے ہیں:

حدیث لبس الخرقۃ الصوفیۃ وکون الحسن البصر لبسھا من علی قال ابن دحیۃ و	خرقہ پوشی صوفیہ کرام کی حدیث اور یہ کہ حضرت حسن بصری قدس سرالسری نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/ ۷۵

ابن الصلاح انه باطل وکذا قال شیخنا. انه لیس فی شیئ من طرقها مایثبت ولم یرد فی خبر صحیح ولاحسن ولاضعیف ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم البس الخرقة علی الصورة المتعارفة بین الصوفیة لاحد من اصحابه ولاامر احدا من اصحابه بفعل ذلك وکل مایروی فی ذلك صریحا فباطل. ثم ان ائمة الحدیث لم یثبتوا اللحسن من علی سماعا فضلا عن ان یلبسه الخرقة ولم یتفرد شیخنا بهذا بل سبقه الیه جماعة حتی من لبسها والبسها کالدمیاطی والذهبی والهکاری وابی حیان والعلائی ومغلطائی والعراق وابن الملقن والابناسی والبرهان الحلبی وابن ناصرالدین هذا مع الباسی ایاها لجماعة من اعیان المتصوفة امتثالا لالزامهم لی بذلك حتی تجاه الکعبة المشرقة تبرکا بذکر الصلحین واقتفاء لمن اثبته من الحفاظ المعتمدین[1] اھ بتلخیص۔	وجہہ الکریم سے خرقہ پہنا امام ابن وحیہ وامام ابن الصلاح نے فرمایا باطل ہے، ایسا ہی ہمارے استاد امام ابنِ حجر عسقلانی نے فرمایا کہ اس کی کوئی سند ثابت نہیں نہ کسی خبر صحیح نہ حسن نہ ضعیف میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت معمولہ صوفیہ کرام پر کسی کو خرقہ پہنایا یا اس کا حکم فرمایا جو کچھ اس بارہ میں صریح روایت کیا جاتا ہے سب موضوع ہے پھر ائمہ حدیث تو حضرت حسن کا حضرت مولٰی سے حدیث سُننا بھی ثابت نہیں کرتے خرقہ پہنانا تو بڑی بات ہے اور یہ بات کچھ ہمارے شیخ ہی نے نہ فرمائی بلکہ اُن سے پہلے ایک جماعت ائمہ محدثین ایسا ہی فرماچکی یہاں تک کہ وہ اکابر جنہوں نے خود پہنا پہنایا جیسے امام ۱ دمیاطی امام ۲ ذہبی امام ۳ شیخ الاسلام سید ناہکّاری امام ۴ ابوحیان امام ۵ علاء الدین علائی امام ۶ مغلطائی امام ۷ عراقی امام ۸ ابن ملقن ۹ امام ابناسی امام ۱۰ برہان حلبی امام ۱۱ ابن ناصرالدین دمشقی یہ باآنکہ میں نے خود ایک جماعت عمدہ متصوفین کو خرقہ پہنایا کہ مشائخ کرام نے مجھ پر لازم فرمایا تھا یہاں تک کہ خاص کعبہ معظّمہ کے سامنے پہنایا ذکر اولیائے کرام سے برکت لینے اور حفّاظ معتمدین کی پیروی کی جواُسے ثابت کرگئے۔(ت)

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین، دیکھو یہ جماعت کثیرہ ائمہ دین وحملہ شرع مبین باآنکہ احادیث خرقہ کو باطل محض جانتے پھر بھی خرقہ پہنتے پہناتے اور اسے باعثِ برکات مانتے۔

تنبیہ: یہ انکار محدثین اپنے مبلغ علم پر ہے اور وہ اس میں معذور مگر حق اثبات سماع ہے محققین نے اُسے بسند صحیح ثابت کیا امام خاتم الحفاظ جلال سیوطی نے خاص اس باب میں رسالہ اتحاف الغرقۃ تالیف فرمایا اُس میں

[1] المقاصد الحسنۃ حرف اللام مطبوعہ دارالکتاب العلمیہ بیروت ص ۳۳۱

مروی ہیں:

اثبته جماعة وهو الراجح عندی لوجوہ وقد رجحه ایضا الحافظ ضیاء الدین المقدسی فی المختارۃ وتبعه الحافظ ابن حجر فی اطراف المختارۃ[1]۔	حضرت حسن کا حضرت مولٰی سے سماع ایک جماعت محدثین نے ثابت فرمایا اور یہی متعدد دلیلوں سے میرے نزدیک راجح ہے اسی کو حافظ ضیاء الدین مقدسی نے ملخصًا صحیح مختارہ میں ترجیح دی اور امام الشان ابن حجر عسقلانی نے اطراف مختارہ میں ان کی تبعیت کی۔(ت)

پھر دلائل ترجیح لکھ کر فرماتے ہیں: امام ابن حجر نے فرمایا: مسند ابی یعلی میں ایک حدیث ہے کہ:

حدثنا جویریة بن اشرس قال اخبرنا عقبة بن ابی الصهباء الباهلی قال سمعت الحسن یقول سمعت علیا یقول قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مثل امتی مثل المطر الحدیث[2]	جویریہ بن اشرس نے ہمیں حدیث بیان کی کہ عقبہ بن ابی صہبا باہلی نے ہمیں خبر دی کہ میں نے حسن بصری سے سُنا وہ کہتے تھے میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے الحدیث۔(ت)

ہمارے شیخ المشائخ محمد بن حسن بن صیرفی نے فرمایا یہ حدیث نص صریح ہے کہ حسن کو مولٰی علی سے سماع حاصل ہے اس کے رجال سب ثقات ہیں جویریہ کو ابن حبان اور عقبہ کو امام احمد ویحیٰی بن معین نے ثقہ کہا انتہی۔

اقول: یہ تو بطور محدثین ثبوت صریح و صحیح ہے اور حضرات صوفیہ کرام کی نقل متواتر تو موجب علم قطعی و یقینی ہے جس کے بعد حصولِ سماع ولبس خرقہ میں اصلاً محلِ سخن نہیں وللہ الحمد۔

(۲) علامہ طاہر فتنی آخر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

من شم الورد ولم یصل علی فقد جفانی هو باطل وکذب وکذا من شم الورد الاحمر الخ^{عـــه} زقد کتبت فی شان الصلوٰۃ علی النبی صلی الله تعالٰی	یہ حدیث کہ جس نے پھُول سُونگھا اور مجھ پر درود نہ بھیجا اُس نے مجھ پر ظلم کیا باطل وکذب ہے ایسی ہی وہ حدیث جو گلاب کا پھُول سُونگھنے میں آئی الخ (ز) میں نے

عـــه: الفتنی یکتب زعلی مایزید من عند نفسه فلعلها رمز للزیادۃ ۱۲ منه (م)	علامہ فتنی جو اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں تو "ز" لکھ دیتے ہیں غالبًا اس "ز" سے اس اضافہ کی طرف اشارہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] الحادی للفتاوٰی رسالہ اتحاف الفرقۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۲

[2] الحادی للفتاوٰی رسالہ اتحاف الفرقۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۴

علیه وسلم عند الطیب لشیخنا الشیخ علی المتقی قدس سرہ هل له اصل فکتب الجواب عن شیخنا الشیخ ابن حجر قدس سرہ اوغیرہ بما نصه اما الصلاۃ علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عند ذلك ونحوہ فلااصل لها ومع فی ذلك فلاکراهة عندنا [1] اھ ملخصا۔	اس باب میں اپنے شیخ حضرت شیخ علی متقی مکّی قدس سرہ الملکی کو لکھا کہ خوشبو سُونگھتے وقت درود پاک کی کچھ اصل ہے؟ انہوں نے ہمارے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی یا کسی اور عالم کے حوالہ سے جواب تحریر فرمایا کہ ایسے وقت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی کچھ اصل نہیں تاہم ہمارے نزدیک اس میں کوئی کراہت بھی نہیں اھ ملخصًا۔

پھر امام مذکور بعد اس تحقیق کے کہ اُس وقت غافلانہ بے نیت ثواب درود نہ پڑھنا چاہئے ارشاد فرماتے ہیں:

امامن استیقظ عند اخذ الطیب اوشمه الی ماکان علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من محبته للطیب واکثارہ منه فتذکر ذلك الخلق العظیم فصلی علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حینئذ لماوقر فی قلبه من جلالته واستحقاقه علی کل امته ان یلحظوہ بعین نهایة الاجلال عندرؤیة شیئ من آثارہ اومایدل علیها فهذا لاکراهة فی حقه فضلا عن الحرمة بل هو اٰت بما فیه اکمل الثواب الجزیل والفضل الجمیل وقد استحبه العلماء لمن رأی شیئا من اٰثارہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولاشك ان من استحضر ماذکرته عندشمه الطیب یکون کالرأی لشیئ من اٰثارہ الشریفة فی المعنی فلیسن له الاکثار من الصلاۃ والسلام علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم [2] ح اھ مختصرا۔	ہاں خوشبو لیتے یا سُونگھتے وقت متنبہ ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے دوست رکھتے اور بکثرت استعمال فرماتے تھے اس خلق عظیم کو یاد کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجے کہ حضور کی عظمت اور تمام امت پر حضور کا یہ حق ہونا اُس کے دل میں جما کہ جب حضور کے آثار شریفہ یا اُن پر دلالت کرنے والی کوئی چیز دیکھیں تو نہایت تعظیم کی آنکھ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصوّر کریں تو ایسے کے حق میں حرمت چھوڑ کراہت کیسی، اس نے تو وہ کام کیا جس پر ثواب کثیر وفضل جمیل پائے گا کہ زیارتِ آثارِ شریفہ کے وقت درود پڑھنا علما نے مستحب رکھا ہے اور شک نہیں کہ جس نے خوشبو سُونگھتے وقت یہ تصور کیا وہ گویا معنیً بعض آثار شریفہ کی زیارت کررہا ہے تو اُسے اس وقت حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام کی کثرت سنت ہے اھ مختصرا۔

---

[1] خاتمہ مجمع بحارالانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتهرۃ علی الالسن نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۱۲ و ۵۱۳

[2] خاتمہ مجمع بحارالانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتهرۃ علی الالسن نولکشور لکھنؤ ۲/ ۵۱۲ و ۵۱۳

دیکھو باآنکہ احادیث موضوع تھیں اور خاص فعل کی اصلا سند نہیں پھر بھی علما نے جائز رکھا اور بہ نیت نیک باعث اجر عظیم وفضلِ کریم قرار دیا۔

(۳) فتح الملک المجید کے باب ثامن عشر میں بعد ذکر احادیث ادعیہ واذکار صبح وشام ہے:

یشبهما مایتداوله اولہ السادۃ الصوفیۃ من قول لاالہ الااللہ سبعین الف مرۃ یذکرون اللہ تعالٰی یعتق بھا رقبۃ من قالھا واشتری بھا نفسہ من النار ویحافظون علیھا لانفسھم ولم مات من اھالیھم واخوانھم وقدذکرھا الامام الیافعی والعارف الکبیر المحی الدین ابن العربی واوصی بالمحافظۃ علیھا وذکروا انہ قدورد فیھا خبر نبوی لکن قال بعض المشایخ لم تردبہ السنۃ فیما اعلم وقدوقفت علی صورۃ سؤال للحافظ ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن ھذا الحدیث وھو من قال لاالہ الا اللہ سبعین الفافقد اشتری نفسہ من اللہ وصورۃ جوابہ الحدیث المذکور لیس بصحیح ولاحسن ولاضعیف بل ھو باطل موضوع اھ ھکذا قال النجم الغیطی وعقبہ بقولہ لکن ینبغی للشخص ان یفعل ذلك اقتداء بالسادۃ وامتثالا لالقول من اوصی بھا وتبرکا بافعالھم[1] اھ ملخصا	انہیں دعاؤں کا مشابہ ہے وہ جو سادات صوفیہ کرام میں ستّر ہزار بار لاالٰہ الّاالله کا رواج ہے اور بیان کرتے ہیں کہ جو ایسا کہے گا الله عزّوجل اُسے آزاد فرمائے گا اُس نے اپنی جان دوزخ سے بچالی اور اُس پر اپنی اور پانے وموات اقارب واحباب کے لئے محافظت فرماتے ہیں اسے امام یافعی اور عارف کبیر سید محی الدین ابن عربی قدس سرہما نے ذکر کیا اور شیخ اکبر نے اس پر محافظت کی تاکید فرمائی صوفیہ کرام اس باب میں حدیث نبوی کا آنا بیان فرماتے ہیں، لیکن بعض مشائخ نے کہا میری دانست میں کوئی حدیث اس میں وارد نہ ہوئی اور میں نے ایک فتوٰی دیکھا کہ امام ابنِ حجر سے اس حدیث کی نسبت سوال ہوا تھا کہ جو کوئی ستّر ہزار بار لاالٰہ الّا الله کہے اُس نے اپنی جان الله عزّوجل سے خرید لی، امام نے جواب لکھا کہ یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ حسن نہ ضعیف بلکہ باطل وموضوع ہے، علامہ نجم الدین غیطی نے اس فتوے کو ذکر کرکے فرمایا کہ آدمی کو چاہئے کہ اس عمل کو بجالائے کہ اولیائے کرام کی پیروی اور اس کے وصیت فرمانے والوں کا حکم ماننا اور اُن کے افعال سے برکت لینا حاصل ہو اھ ملخصا۔

یہ علامہ نجم الدین محمد بن محمد غیطی امام شیخ الاسلام فقیہ محدث عارف بالله زکریا انصاری قدس سرہ الشریف کے تلمیذ اور حافظ الشان ابنِ حجر عسقلانی کے تلمیذ التلمیذ اور شاہ ولی الله وشاہ عبدالعزیز صاحب کے استاد

[1] فتح الملک المجید

سلسلہ حدیث ہیں دیکھو انہوں نے امام ابن حجر کا وہ فتوٰی نقل کرکے حدیث کے باطل و موضوع ہونے کو برقرار رکھا پھر بھی فعل کی وصیت فرمائی کہ اولیائے کرام کا اتباع اور اُن کے حکم کا امتثال اور اُن کے افعال سے تبرک نصیب ہو وباللہ التوفیق اسی طرح جناب شیخ مجدد صاحب نے بھی اس کی ہدایت فرمائی جلد ثانی مکتوبات میں لکھتے ہیں:

بیاران ودوستان فرمایند کہ ہفتاد ہفتاد ہزار بار کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ بروحانیت مرحومی خواجہ محمد صادق وبرحانیت مرحومہ ہمشیرہ اوام کلثوم نجوانند وثواب ہفتادہزار بار رابروحانیت یکے بخشمند وہفتاد ہزار دیگر رابروحانیت دیگرے ازدوستان دعا وفاتحہ مسئول است[1]۔	دوست واحباب سے فرمایا کہ ستّر ستّر ہزار بار کلمہ طیبہ لاالٰہ الااللہ خواجہ محمد صادق مرحوم کی روحانیت کے واسطے اور ان کی ہمشیرہ اُم کلثوم کی روح طیبہ کے واسطے پڑھیں اور ستّر ہزار ایک رُوح کو اور ستّر ہزار دوسرے کی رُوح کو ایصالِ ثواب کریں اور دوستوں سے دُعاوفاتحہ کا سوال ہے۔(ت)

باقی اس باب میں مرقاۃ عـــہ شرح مشکوٰۃ کی عبارت افادہ ۱۵ اور احادیث کریمہ حضراتِ اولیائے کرام کی تحقیق افادہ ۱۹ میں دیکھئے۔(۴) مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے موضوعاتِ کبیر میں فرمایا:

احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء کلھا باطلۃ[2]۔	جن حدیثوں میں یہ آیا ہے کہ وضو میں فلاں فلاں عضو دھوتے وقت یہ دُعا پڑھو سب موضوع ہیں۔

عـــہ شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر کی روایت کہ مرقاۃ سے گزری فتح الملک المجید میں بھی نقل کی طرفہ یہ کہ وہابیہ نانوتہ ودیوبند کے امام مولوی قاسم صاحب نے بھی اسے نقل کیا اور حضرت شیخ کی جگہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک لکھا اور ستّر ہزار کا لاکھ یا پچھتّر ہزار بنایا شاید یہ دھوکا اُنہیں سوم کے چنوں سے لگا ہو۔ تحذیر الناس میں لکھتے ہیں: "حضرت جنید کے کسی مرید کا رنگ یکایک متغیر ہوگیا سبب پُوچھا تو بروئے مکاشفہ کہا اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے لاکھ یا پچھتّر ہزار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے جی ہی جی میں اسکو بخش دیا بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان بشاش ہے کہ اب والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں آپ نے فرمایا اس جوان کے مکاشفہ کی صحت مجھ کو حدیث سے معلوم ہُوئی اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہو گئی[3] اھ تلخیص ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۱۴ بمولانا بدر کی الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹

[2] الاسرار المرفوعۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علٰی اعضاء الوضوء دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۵

[3] تحذیر الناس خلاصہ دلائل دار الاشاعت کراچی ص ۴۴، ۴۵

باینہمہ فرمایا:

ثم اعلم انه لایلزم من کون اذکار الوضوء غیر ثابتة عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان تکون مکروهة اوبدعة مذمومة بل انها مستحبة استحبها العلماء الاعلام والمشایخ الکرام لمناسبة کل عضو بدعاء یلیق فی المقام [1]۔	پھر یہ جان رکھ کر ادعیہ وضو کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ مکروہ یا بدعت شنیعہ ہوں بلکہ مستحب ہیں علمائے عظام واولیائے کرام نے ہر ہر عضو کے لائق دعا اس کی مناسبت سے مستحب مانی ہے۔

اس عبارت سے روشن طور پر ثابت ہوا کہ اباحت تو اباحت موضوعیت حدیث استحباب فعل کی بھی منافی نہیں اور واقعی ایسا ہی ہے کہ موضوعیت عدم حدیث ہے اور وہ ورود حدیث بخصوص فعل لازم استحباب نہیں کہ اس کے ارتفاع سے اس کا انتفا لازم آئے کما لایخفی۔

تنبیہ: اس بارہ میں سب احادیث کا موضوع ہونا ابن القیم کا خیال ہے اسی سے مولانا علی قاری نے نقل فرمایا اور ایسا ہی ذہبی نے ترجمہ عباد بن صہیب میں حسبِ عادت حکم کیا گیا مگر عند التحقیق اُس میں کلام ہے اس باب میں ایک مفصل حدیث ابو حاتم اور ابنِ حبان نے تاریخ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انصافاً غایت اسکی ضعف ہے اور مقام مقام فضائل،

راجع الحلیة شرح المنیة للامام ابن امیرالحاج تجد مایرشدك الی الحق بسراج وهاج فی لیل داج۔	امام ابن امیر الحاج کی کتاب حلیہ شرح منیہ کا مطالعہ کرو اس میں تُو اندھیری رات میں روشن چراغ کے ساتھ حق کو پالے گا۔(ت)

(۵) سب سے طرفہ تر یہ کہ حدیث مسلسل بالاضافۃ کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کی اجازت مع ضیافت آب وخرما اپنے شیخ علامہ ابوطاہر مدنی سے لی اور اسی طرح مع ضیافت اپنے صاحبزادہ مولانا شاہ عبدالعزیز اور انہوں نے اپنے نواسے میاں اسحاق صاحب کو دی اُس کا مدار عبداللہ بن میمون قداح متروک پر ہونے کے علاوہ خود الفاظِ متن ہی سخت منکر واقع ہوئے ہیں باینہمہ اکابر محدثین کرام آج تک اس سے برکت تسلسل چاہا کئے ہیں ان کے اسماءِ کرام سلسلہ سند سے ظاہر شیخ شیخانی الحدیث مولانا عابد سندی مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے ثبت حصر الشارد میں اُسے ذکر کرکے فرماتے ہیں:

[1] الاسرار المعرفۃ المعروف بالموضوعات الکبرٰی احادیث الذکر علی اعضاء الوضوء مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۴۳۴۵

هذا بما تفرد به عبدالله بن میمون القداح وصرح غیر واحد بانه متهم بالکذب والوضع قال السخاوی لایباح ذکره الامع ذکر وضعه لکن المحدثین مع کثرة کلامهم فیه ومبالغتهم فیه ورمیه بالوضع لایزالون یذکرونه یتبرکون بالتسلسل[1] اھ	یہ حدیث صرف بروایت قداح آئی اور متعدد ائمہ نے اُس کے متہم بکذب ووضع ہونے کی تصریح فرمائی، امام سخاوی فرماتے ہیں اُس کا ذکر بے بیان موضوعیت روا نہیں مگر محدثین کثرت سے کلام اور مبالغہ آرائی کرتے رہے اور اُس پر وضع حدیث کا طعن کرتے رہے پھر بھی ہمیشہ اس حدیث کو ذکر کرتے اس سے مسلسل برکت چاہتے رہے ہیں۔اھ (ت)

اقول: یہ حدیث ہمیں اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دو۲ طریق سے پہنچی، اول بطریق شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی:

بسنده الی الامام ابی الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری بسنده الی ابی الحسن الصقلی بطریقة الی القداح عن الامام جعفر الصادق عن آبائه الکرام عن امیرالمؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجوههم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اپنی سند سے امام ابوالخیر شمس الدین ابن جزری تک وہ اپنی سند سے ابوالحسن الصقلی تک وہ اپنی سند سے قداح تک امام جعفر صادق سے وہ اپنے آباءِ کرام سے وہ حضرت علی کرم اللہ وجوھھم سے وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔(ت)

دوسری بطریق شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی:

بسنده الی ابی الحسن الی القداح الی امیرالمؤمنین عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اپنی سند سے ابوالحسن تک وہ قداح تک وہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تک وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔(ت)

قداح رجال جامع ترمذی سے ہے متروک سہی حد وضع تک منتہی نہیں متن طریق دوم میں مبالغات عظیمہ ہیں اُس پر حکم بطلان نہیں شاہ ولی اللہ صاحب کی روایت وہی ہے اور اُسی میں ہمارا کلام مگر طریق اول میں صرف اتنا ہے کہ:

من اضاف مؤمنا فکانما اضاف آدم ومن اضاف اثنین فکانما اضاف آدم وحواء ومن اضاف ثلثة فکانما اضاف جبرائیل ومیکائیل واسرافیل[2]۔	وہ شخص جس نے کسی ایک مومن کی ضیافت کی گویا اس نے آدم کی ضیافت کی اور جس نے دو۲ کی ضیافت کی اس نے آدم وحوا کی ضیافت کی جس نے تین مومنوں کی ضیافت کی گویا اس نے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کی مہمان نوازی کی۔(ت)

[1] ثبت حصر الشارد

[2] کنز العمال کتاب الضیافت من قسم الافعال حدیث ۲۵۹۷۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۶۹

اس میں کوئی ایسا امر نہیں کہ قلب خواہی نخواہی وضع پر شہادت دے ولہذا امام الجزری نے اسی قدر فرمایا کہ حدیث غریب لم یقع لنا بھذا الاسناد [1] (یہ حدیث غریب ہے ہمیں اس طور پر صرف اسی سند کے ساتھ معلوم ہے۔ت) ظاہر ہے کہ تفرد متروک مستلزم وضع نہیں،

کما بیناہ فی الافادۃ التاسعۃ اماما اعلہ الشیخ ابومحمد محمد بن الامیر المالکی المصری المدرس بالجامع الازھر بعد ایرادہ فی ثبتہ بالمتن الثانی المذکور فیہ الاضافۃ الی تمام العشرۃ بذلک الملئکۃ فی الضیافۃ وھم لایاکلون ولایشربون قال فان صح فھو خارج مخرج الفرض والتقدیر [2] اھ کما انبأنا بہ فی جملۃ مرویاتنا شیخنا العلامۃ زین الحرم السید احمد بن زین بن دحلان المکی عن الشیخ عثمان بن حسن الدمیاطی عن مؤلفہ الشیخ الامیر المالکی،	جیسا کہ ہم نے اسے نویں افادہ میں بیان کردیا ہے لیکن شیخ ابومحمد محمد بن امیر مالکی مصری جو جامع ازہر کے مدرس بھی ہیں انہوں نے اس کو اپنے ثبت میں متن ثانی مذکور کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد جو علّت بیان کی ہے،اس متن میں ضیافۃ میں ذکرِ ملائکہ کے ساتھ دس مومنوں تک کا اضافہ ذکر ہے حالانکہ نہ وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ تمثیل بطور فرض وتقدیر ہے اھ جیسا کہ اس کی خبر ہمیں ان کی جملہ مرویات میں ہمارے شیخ علّامہ زین الحرم سید احمد بن زین بن دحلان مکی نے شیخ عثمان بن حسین دمیاطی سے اس کے مؤلف شیخ امیر مالکی سے دی ہے۔
فاقول: لیس باعجب مما انبأنا السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی عن الشیخ محمد عابد السندی المدنی بسندہ المشھور الی صحیح مسلم بسندہ المعلوم الی ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یقوم یوم القیٰمۃ یاابن اٰدم مرضت فلم تعدنی الحدیث"وفیہ یاابن اٰدم استطعمتك فلم تطعمنی قال یارب کیف	**فاقول:** یہ اس سے کوئی زیادہ عجیب نہیں جس کی خبر ہمیں سید حسین بن صالح جمل اللیل المکی نے شیخ محمد عابد سندھی مدنی سے اپنی مشہور سند کے ساتھ دی جو کہ صحیح مسلم تک ہے وہ اپنی سند معلوم سے حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل قیامت کے روز فرمائے گا اے ابنِ آدم! میں بیمار ہوا تھا تُونے میری عیادت نہ کی"الحدیث"اور اسی میں ہے کہ اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن الجزری حدیث ۲۵۹۷۵ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۶۹

[2] ثبت ابو محمد محمد بن امیر مالکی مصری

اطعمك وانت رب العٰلمین قال اما علمت انه استطعمك عبدی فلان فلم تطعمه اماعلمت انك لواطعمته لوجدت ذلك عندی یاابن آدم استسقیتك فلم تسقنی الحدیث المعروف [1]۔	تُونے مجھے نہیں کھلایا وہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا حالانکہ تُو تمام جہانوں کا رب ہے، فرمایا کیا تُو نہیں جانتا تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا اور تُونے نہیں دیا تھا کیا تو نہیں جانتا کہ اگر تُو اسے کِھلا دیتا تو اسے آج میرے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تُونے مجھے نہیں پلایا۔ حدیث معروف ہے۔ (ت)

ثمّ اقول: تحقیق مقام یہ ہے کہ عمل بموضوع وعمل بمافی موضوع میں زمین آسمان کا فرق ہے **کمایظھر مماقدمناہ فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین** (جیسا کہ ظاہر ہے اسے ہم اکیسویں فائدے میں بیان کر آئے ہیں۔ت) ثانی مطلقاً ممنوع نہیں ورنہ ایجاب وتحریم کی باگ مفتریان بیباک کے ہاتھ ہوجائے لاکھوں افعال مباحہ جن کے خصوص میں نصوص نہیں وضاعین ان میں سے جس کی ترغیب میں حدیث وضع کردیں حرام ہوجائے جس سے ترہیب میں گھڑلیں وہ واجب ہوجائے کہ تقدیر اول پر فعل ثانی پر ترک مستلزم موافقت موضوع ہوگا اور وہ ممنوع لطف یہ کہ اگر ترغیب وترہیب دونوں میں بنادیں تو فعل وترک دونوں کی جان پر بنادیں نہ کرتے بَن پڑے نہ چھوڑتے **فاعلم وافھم انکنت تفھم** (جان لے سمجھ لے اگر تُو سمجھ سکتا ہے۔ت) اور اول میں بھی حقیقۃً محذور نفس فعل میں نہیں بلکہ نظر امتثال واعتقاد ثبوت میں تو بفرض وضع اس نظر سے منع ہے نہ اصل فعل سے، سفہائے وہابیہ ہمیشہ ذات وعارض میں فرق نہیں کرتے ع

ماعلی مثلھم یعدّ الخطاء

افادہ بست ونہم[۲۹]: (اعمالِ مشائخ محتاج سند نہیں اعمال میں تصرف وایجادِ مشائخ کو ہمیشہ گنجایش) بالفرض کچھ نہ سہی تو اقل درجہ اس فعل کو اعمالِ مشائخ سے ایک عمل سمجھئے کہ بغرض روشنائی بصر معمول ایسی جگہ ثبوتِ حدیث کی کیا ضرورت، صیغہ اعمال میں تصرف واستخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے ہزاروں عمل اولیائے کرام بتاتے ہیں کہ باعثِ نفع بندگانِ خدا ہوتے ہیں کوئی ذی عقل حدیث سے ان کی سند خاص نہیں مانگتا کتبِ ائمہ وعلما ومشائخ واساتذہ شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز اور خود ان بزرگواروں کی تصانیف ایسی صدہا

[1] صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض مطبوعہ مطبع اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۸

باتوں سے مالامال ہیں اُنہیں کیوں نہیں بدعت وممنوع کہتے، خود شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے[عہ۱] ہیں:

اجتہاد رادر اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبانسخہا سے قرابا دین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ درو قت اول طلوع صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم رابآں نورد وختن "یانور" رامکرر گفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ راقوت میدہد واحادیث نفس می نشاند[1] اھ ملخصاً۔	اعمالِ تصریفیہ میں نئی نئی ایجاد کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھولنا ایسے ہی ہے جیسے اطباع قرابادین سے نسخوں کا استخراج کرلیتے ہیں اس فقیر کو معلوم ہے کہ اول صبح صادق سے سفیدی تک صبح کے مقابل بیٹھنا اور آنکھ کو اس کے نور واجالے کی طرف لگانا اور یانور کا لفظ بار بار ایک ہزار تک پڑھنا کیفیت ملکیہ کو قوّت دیتا ہے اور وسواس سے نجات دلاتا ہے۔اھ ملخصًا (ت)

اس[عہ۲] میں ہے:

چند نوع کرامت از ہیچ ولی الّا ماشاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ فراست صادقہ وکشف واشراف برخواطر واز انجملہ ظہور تاثیر درد عاورقے واعمال تصریفیہ اوتا عالم بفیض نفس او متنفع شود[2] اھ ملتقطاً۔	چند کرامات تو ایسی ہیں جو کسی ولی سے الّا ماشاء اللہ جُدا نہیں ہوتیں ان میں سے بعض یہ ہیں فراستِ صادقہ، کشفِ احوال، دلوں کے رازوں سے آگاہی اور ان میں سے دُعا وتعویذ، دَم اور اعمالِ تصرفیہ میں برکت ہے یہاں تک کہ سارا جہان ان کے اس فیض سے مستفید ہوتا ہے اھ ملتقطا (ت)

عزیزو! خدارا انصاف، ذرا شاہ ولی کے "**قول الجمیل**" کو دیکھو اور اُن کے والد ومشائخ وغیرہم کے اختراعی اعمال تماشا کرو، دردِ سر کے لئے تختہ پر ریتا بچھانا کیل سے ابجد ہوز لکھنا، چیچک کو نیلے سوت کا گنڈا بنانا، پھُونک پھُونک کر گرہیں لگانا، اسمائے اصحابِ کہف سے استعانت کرنا انہیں آگ، لُوٹ، چوری سے امان سمجھنا، دیواروں پر اُن کے لکھنے کو آمدِ جن کی بندش جاننا، دفع جِن کو چار کیلیں گوشہ ہائے مکان میں گاڑنا، عقیمہ کے لئے

عہ۱: ھامہ عاشرہ از ھوامع مقدمہ ۱۲ منہ (م)

عہ۲: ھامعہ خامسہ تحت قول شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھب لنامن لدنك ریحا طیبۃً الخ (م)

---

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

[2] ہوامع شاہ ولی اللہ

گلاب اور زعفران سے ہرن کی کھال لکھنا، یہ کھال اس کے گلے کا ہار کرنا، اسقاطِ حمل کو کسی کا رنگا گنڈا نکالنا، عورت کے قد سے ناپنا، گِن کر نو گرہیں لگانا، دردِ زہ کو آیاتِ قرآنی لکھ کر عورت کی بائیں ران میں باندھنا، فرزند نرینہ کیلئے ہرن کی کھال اور وہی گلاب وزعفران کا خیال، بچّہ کی زندگی کو اجوائن اور کالی مرچیں لینا اُن پر ٹھیک دوپہر کو قرآن پڑھنا، لڑکا نہ ہونے کو عورت کے پیٹ پر دائرے کھینچنا، ستّر سے کم شمار نہ ہونا، دفعِ نظر کو چھری سے دائرہ کھینچنا، کنڈل کے اندر چھُری رکھنا، عائن وساحر کا نام لے کر پکارنا، ناپ کر تین گز ڈورا لینا اُس پر شہت بہت کیا کیا الفاظ غیر معلوم المعنی پڑھنا، قطعاع النجا خدا جانے کون ہے اُسے ندا کرنا، چور کی پہچان کا عمل نکالنا یٰس پڑھ کر لوٹا گھمانا، بخار کو عیسٰی وموسٰی ومحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قسمیں دینا، مصروع کو تانبے کی تختی پر دو اسم کھدوانا، پھر تعیین یہ کہ دن بھی خاص اتوار ہو اُس کی بھی پہلی ہی ساعت میں کار ہو۔ اُس کے سوا صدہا باتیں ہیں ان میں کون سی حدیث صحیح یا حسن یا ضعیف ہے، ارے یہ قرونِ ثلاثہ میں کب تھیں، اور جب کچھ نہیں تو بدعت کیوں نہ ٹھہریں، شاہ صاحب اور ان کے والد ماجد وفرزند ارجمند واساتذہ ومشائخ معاذاللہ بدعتی کیوں نہ قرار پائے، یہ سب تو بے سند حلال ونفائس اعمال مگر اذان میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا اُس سے روشنی بصر کی اُمید رکھنا کہ اکابر سلف سے ماثور علماء وصلحاء کا دستور کُتبِ فقہ میں مسطور، یہ معاذاللہ حرام ووبال وموجبِ ضلال، تو کیا بات ہے یہاں نامِ پاک حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درمیان ہے لہٰذا وہ دلوں کی دبی آگ بحیلہ بدعت شعلہ فشاں ہے ؎

بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش
من اندازِ قدرت رامے شناسم

یہ سب درکنار شاہ صاحب اور ان کے اسلاف واخلاف یہاں تک کہ میاں اسمٰعیل دہلوی تک نے امر اعظم دین تقریب رب العٰلمین یعنی راہِ سلوک میں صدہا نئی باتیں نکالیں طرح طرح کے ایجاد واختراع کی طرحیں ڈالیں اور آپ ہی صاف صاف تصریحیں کیں کہ ان کا پتا سلف صالح میں نہیں خاص ایجاد بندہ ہیں مگر نیک وخوب وخوش آئندہ ہیں محدثات کو ذریعہ وصول الی اللہ جانا یا باعثِ ثواب تقرب رب الارباب مانا اس پر ان حضرات کو نہ **کل بدعۃ ضلالۃ** (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) کا کلیہ یاد آتا ہے نہ **من احدث فی امرنا مالیس منه** (وہ شخص جس نے ہمارے دین میں کچھ ایجاد کیا جو دین میں سے نہ ہو۔ت) یہاں **فھو رد** (پس وہ مردود ہے۔ت) کا خلعت پاتا ہے، مگر شریعت اپنے گھر کی ٹھہری کہ ع

من کنم آنچہ من خواستم تو مکن آنچہ خواستے
(میں جو چاہوں گا کروں گا تو جو چاہے نہ کر)

ان امور کی قدرے تفصیل اور ان صاحبوں کی تصریحات جلیل فقیر کے رسالہ انھار الانوار من یم صلاۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ میں مذکور اور عدم ورود کو ورود عدم جاننے کا قلع کافی و قمع وافی کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد وکتاب لاجواب اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیرہما تصنیفات شریفہ وتالیفات منیفہ اعلحضرت تاج المحققین الکرام سراج المدققین الاعلام حامی السنن السنیہ ماحی الفتن الدنیہ بقیہ السلف المصلحین سیدی ووالدی ومولای ومقصدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی رضی اللہ تعالٰی عنہ واجزل قربہ منہ اور بقدر حاجت باجمال ووجازت رسالہ اقامة القیامه علی طاعن القیام لنبی تھامه وغرہا رسائل ومسائل فقیر میں مسطور والحمدللہ العزیز الغفور والصلاۃ والسلام علے المنیر النور وعلٰی اٰله وصحبه الٰی یوم النشور اٰمین۔

افادہ سیم ۳۰: (ہم تو استحباب ہی کہتے ہیں طرفہ یہ کہ وہابیہ جدیدہ کے طور پر تقبیل ابہامین خاص سنّت ہے) اقول ہمیں تو اس عمل تقبیل ابہامین کا جواز واستحباب ہی ثابت کرنا تھا کہ بعونہ عزوجل باحسن وجوہ نقش مراد کرسی نشین اور عرش تحقیق مستقر ومکین ہوا وللہ الحمد علی ما اولی من نعم لاتحصی (اللہ ہی کیلئے تعریف جو غیر محدود نعمتوں کامالک ہے۔ت) مگر حضرات وہابیہ اپنے نئے اماموں کی خبرلیں ان کے طور پر یہ فعل جائز کہاں کا مستحب کیسا خاص سنّت سنیہ بلند وبالا ہے اور اُس کا منکر سنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کارد کرنے والا، بات بظاہر بہت چونکنے کی ہے کہ کہاں وہابی کہاں یہ انکی مذہب بھر کی خرابی مگر نہ جانا کہ توہب واضطراب وتقلب وانقلاب دونوں ایک پستان سے دودھ پئے ہیں رفاقت دائم کا عہد کیے ہیں۔

گر براند نرود ور برود باز آید
ناگزیر است تناقض سخن نجدی را

(اگر دُور کرنے تو دُور نہ ہوگا اور اگر چلا جائے تو واپس آجائے گا نجدی کے کلام سے تناقض جدا نہیں رہ سکتا) طائفہ جدیدکے استاد رشید نے اپنی کتاب عجاب براہین قاطعہ "ماامر اللہ به ان یوصل" میں مسئلہ قبول ضعاف فیما دون الاحکام کے اگرچہ بکمال سلیم القلبی وبصیر العینی وعجیب وغریب معنے تراشے کہ جدت کی لہریں، حدث کے تماشے ایک ایک ادا پر ہزار ہزار مکابرے، اپنی جانیں واریں عقل وہوش وچشم وگوش اپنے عدم ملکہ کو صدقے اتاریں خادمانِ شریعت جا کر اِن ملّت مالم تسمعوا انتم ولااٰباؤکم (جو تم نے اور تمہارے

آ باو اجداد نے کبھی نہیں سُنیں۔ت)

پکاریں حضرت کی تمام سعی باطل تطویل لاطائل کا یہ حاصل بے حاصل کہ ارشادات عــہ۱ علماء کی یہ مراد کہ صرف[1] وہ حدیث ضعیف قابل قبول جس میں کسی عمل صالح کی فضیلت اور اس پر ثواب مذکور اگرچہ خاص اس عمل میں حدیث صحیح نہ آئی ہو جیسے روزہ ماہِ رجب وغیرہ اس کے بغیر اگرچہ حدیث میں عمل کی طلب نکلے جب کوئی خاص ثواب وفضیلت مذکور نہ ہو مقبول نہیں کہ یہ تو حدیث[2] عمل کی ہوئی نہ فضائل عمل کی پھر بشرط عــہ۲ مذکور حدیث اگرچہ مقبول ہوگی مگر وہ عمل[3] باوصف قبول حدیث وتسلیم فضیلت مستحب ہرگز نہ ٹھہرے گا جب تک حدیث حسن لغیرہ نہ ہوجائے، حدیث[4] ضعیف سے ثبوتِ استحباب محض اختراع وخلافِ اجماع ہے علمانے جتنے[5] اعمال کو بہ نظرِ ورود احادیث مستحب مانا اُن سب میں حدیث حسن لغیرہ ہوگئی ہے دلیل[6] یہ کہ احادیث ادعیہ وضو کو علامہ طحطاوی نے کہہ دیا کہ حسن لغیرہ ہیں۔بس معلوم ہوگیا کہ سب جگہ ایسے ہی ہیں آخر دیگ میں ایک ہی چاول دیکھتے ہیں یہ تو ان کا حکم تھا جو حدیثیں افعال

عــہ۱: اقوال قبول ضعیف کو کہا سب کا یہی (ص ۹۶) مدعا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے بھلا لیلۃ الجمعہ شب برات، عیدین کے صدقہ میں کون سی فضیلت وثوابِ عظیم مذکور ہے جس پر عمل جائز ہو روایات میں کوئی ثواب مذکور نہیں فقط روح کا آنا اور حسرتناک بات کرنا اور طلب صدقہ کرنا ہے یہ فضائل اعمال کس طرح ہوئے، ہاں اعلام اُن کے آنے کا ہے یہ باب (ص ۹۹) علم کا ہے نہ فضل عمل کا کیونکہ ان روایات (ص ۹۷) میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے اور اگر کوئی بپاس خاطر مؤلف عمل تسلیم بھی کرلے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل ہاں حدیث صوم رجب وصلاۃ الاوابین میں فضل عمل ہے ص ۹۷ اھ ملتقطا ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: انوار ساطعہ میں تھا فقہاء اس عمل کو جو حدیث ضعیف سے ثابت ہو مستحسن لکھتے ہیں چنانچہ صلاۃ الاوابین، گردن کا مسح، رجب کا روزہ اس پر کہا یہ سرتاپا غلط ہے کسی نے یہ نہ کہا محض ایجاد ناصواب ہے مستحب کا ثبوت صحیح یا حسن سے ہوتا ہے ضعاف کہ ان امور میں ہیں تعدد طرق سے حسن لغیرہ ہوگئے ہیں۔

قال فی الدرالمختار رواہ ابن حبان وغیرہ من طرق، فی ردالمحتار فارتقی الی مرتبۃ الحسن ط اقول لکن ھذا اذاکان ضعفہ لسوء ضبط الراوی الصدوق الامین اولا رسالہ اوتدلیس اوجہالۃ الحال اما لوکان لفسق الراوی اوکذبہ فلاانتہٰی[1]۔ملتقطاً

درمختار میں کہا اس کو ابن حبان وغیرہ نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے، ردالمحتار میں ہے اس طرح حدیث مرتبہ حسن تک ترقی کرتی ہے طحطاوی۔اقول لیکن یہ اس وقت ہے جب حدیث کا ضعف صدوق میں راوی کے سوءِ ضبط یا ارسال یا تدلیس یا جہات حال کی وجہ سے ہو۔اگر وہ ضعف فسق راوی یا کذب راوی کی وجہ سے ہو تو وہ ترقی نہ کرے گی انتہی۔(ت)

پس جس قدر نظائر مؤلف نے لکھے اور جس قدر کتبِ فقہ میں ہیں سب حسن لغیرہ سے ثابت ہوئے ہیں ۱۲ منہ (م)

---

[1] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھور ص ۹۸

متعلقہ بجوارح میں آئیں اور ۷ جو کچھ متعلق بجوارح نہیں وہ اگرچہ سِیَر ۸ ہوں خواہ مواعظ ۹ معجزات خواہ فضائل صحابہ ۱۰ واہلبیت وسائر رجال جن میں قبول ضعاف کی علماء برابر تصریحیں فرماتے چلے آئے ہیں خواہ کسی اور خبر زائد کا بیان جس میں کسی طرح کا اعلام واخبار ہو اگرچہ وہ نفیا واثباتاً عقائد میں اصلاً داخل نہ ہو یہ سب کا سب باب عقاید سے ہے جس میں ضعاف درکنار بخاری ومسلم کی صحیح حدیثیں بھی مردود ہیں جب تک متواتر وقطعی الدلالۃ نہ ہوں مثلاً یہ حدیث کی رُوحیں شبِ جمعہ اپنے مکانوں پر آتی اور صدقات چاہتی ہیں باب عــہ عقائد سے ہے اور بنظر طلب صدقہ اگر ہو تو بابِ عمل سے کہ یہاں کوئی فضیلت صدقہ تو مذکور نہ ہُوئی خلاصہ یہ کہ جو متعلق بجوارح نہیں اُس میں صحاح احاد بھی بے اعتبار اور متعلق بجوارح بے ذکر ثواب مخصوص میں خاص صحاح درکار، ہاں ثواب بھی مذکور ہو تو ضعاف قبول اور یہی مراد علما مگر مستحب نہ ٹھہرے گا جب تک حسن لغیرہ نہ ہو شروع صفحہ ۸۱ سے وسط صفحہ ۸۹ تک ان محدث نے یہی قاعدہ حادثہ احداث کیا ہے ان خرافاتِ بے سروپا کے ابطال میں کیا وقت ضائع کیجئے جس نے افادات سابقہ میں ہمارے کلمات رائقہ دیکھے وہ اس تار وپود عنکبوت کو بعونہ تعالٰی نیم جنبش نظر میں تار تار کرسکتا ہے معہذا ہم نے یہاں بھی تلخیص تقریر میں اس کے اجمالی ابطال کی طرف اشارے کیے اور مواقع مواخذات پر ہندسے لگادیے خیر یہ تو اُن کا نہیں اُن کی سمجھ کا قصور ہے جب خدا فہم نہ دے بندہ مجبور ہے مگر ہمیں یہاں یہ کہنا ہے کہ تقبیل ابہامین کی سنیت ثابت ہو گئی کہ اگر بہ نظر تعدد طرق اس کی حدیث کو حسن لغیرہ کہئے فبہا ورنہ یہ تو آپ کی تفسیر پر بھی بابِ فضائل سے ہے کہ متعلق بعمل جوارح بھی اور اس میں ثواب خاص بھی مذکور تو احادیث مفید استحباب نہ سہی جواز تو ضرور ثابت کریں گے قبول ضعاف فی الفضائل کا اجماعی مسئلہ یہاں تو آپ کو بھی جاری ماننا ہوگا اب اس جواز کو خواہ اس حدیث سے مستفاد مانیے کہ جو حدیث جس باب میں مقبول لاجرم وہ اس میں دلیل شرعی ہے خواہ اجماعِ علماء سے کہ ایسی جگہ ایسی حدیث معمول بہ خواہ قرآنِ عظیم وحدیث صحیح "کیف وقد قیل" وحدیث صحیح ارتقائے شبہات واحادیث مذکورہ افادہ ۱۸ وغیرہا سے کہ قبول وعمل کی طرف ہدایت فرماتے ہیں خواہ قاعدہ مسلمہ شریعتِ محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ یعنی اخذ بالاحتیاط سے ہر طرح ایک دلیل شرعی اُس پر قائم اور آپ کے نزدیک جس فعل کے جواز پر کوئی دلیل شرعی صراحۃً دلالۃً کسی

عــہ: شبِ جمعہ وغیرہ ارواح کے آنے اور صدقہ چاہنے کی احادیث کو کہا ان روایات ص ۹۷ میں عمل ہی نہیں بلکہ علم ہے عقیدہ کے باب میں یہ حدیث ہے یہ مسئلہ ص ۹۶ عقائد کا ہے اس میں مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے، یہ اعتقادیات میں داخل ہے کہ ارواح کا شبِ جمعہ کو گھر آنا اعتقاد کرے اور اعتقاد میں قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنیاتِ صحاح کا[1] اھ بالالتقاط ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

[1] براہین قاطعہ مطبع نے بلاساڈھور ص ۸۹

طرح دال ہو اگرچہ وہ فعل خاص بلکہ اُس کے جنس کا بھی کوئی فعل قرونِ ثلاثہ میں نہ پایا گیا ہو سب سنّت ہے تو اب اس کی سنیت میں کیا کلام رہا۔ اسی براہین کے صفحہ ۲۸و۲۹پر ارشاد ہوتا ہے:

"مؤلف اپنی خوبی فہم سے معنی قرون ثلٰثہ میں نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر جزئی خاص نے اُن قرون میں وجود خارجی نہ پایا اگرچہ دلیل جواز کی موجود ہو تو وہ بدعت سیہ ہے مگر یہ بالکل غلط فاحش اور کور علمی اور کج فہمی ہے بلکہ معنے یہ ہیں کہ جو شے بوجود شرعی قرون ثلٰثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے اور جو بوجود شرعی موجود نہ ہو وہ بدعت ہے، وجودِ شرعی اس کو کہتے ہیں کہ بدون شارع کے بتلانے کے معلوم نہ ہوسکے پس اس شے کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً ودلالۃً پس جب کسی نوعِ ارشاد سے حکمِ جواز کا ہوگیا وہ شے وجود شرعی میں آگئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو پس جس کے جواز کا حکم کلیۃ ہوگیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہوگیا اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہوگیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہوگیا پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے اور وہ بوجود شرعی ان قرون میں موجود ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو کواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالہ ہے اس قاعدہ کو خُوب سمجھ لینا ضرور ہے مولف اور اس کے اشیاع نے اُس کی ہوا بھی نہ سُونگھی اس عاجز کو اپنے اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہوں کہ موافقین کو نفع اور مخالفین کو شاہد ہدایت ہو[1] الخ ملخصًا۔"

اقول: ماشاء اللّٰه کیا چمکتا جوہر کتاب میں رکھا ہے کہ آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی، نجدیت بیچاری کے دو[۲] رکن ہیں شرک وبدعت، رکن پسین پر قیامت گزر گئی، کبرائے طائفہ کی برسوں کی مالا جسے چپتی بیتی جس کا لقب بحمد اللّٰه اب آپ ہی کی زبان سے غلط وفاحش وکور علمی وکج فہمی کہ فلاں فعل صحابہ نے نہ کیا تابعین نے نہ کیا تابعین نے نہ کیا فلاں صدی میں شائع ہوا فلاں شخص بانی تھا تم کیا صحابہ وتابعین سے بھی محبت وتعظیم میں زیادہ کہ انہوں نے نہ کیا تم کرنے پر آمادہ بہتر ہوتا تو وہی کر گزرتے فعل میں اتباع ہے ترک میں کیوں نہیں کرتے نیم شوخی میں سارے بکھر گئے صحابہ وتابعین نے ہزار نہ کیا ہو بلکہ اُس جنس کا بھی کوئی کار نہ کیا ہو کچھ ضرر نہیں اشارۃً دلالۃً جزئیہ کسی طرح ارشاد شارع سے جواز نکلے پھر سنّت ماننے سے مضر نہیں۔

طائفہ بھر کے خلاف آپ سبق کہتے ہیں   للّٰه الحمد اسے ہیبت حق کہتے ہیں

طرفہ یہ کہ اب قرونِ ثلٰثہ کی وہ ہٹ نئے طائفہ کی پُرانی رٹ جسے یہاں بھی نباہ رہے ہو مہمل رہ گئی لفظ کا سوار پکڑا کیجئے، معنی کی نیا اُس پار بہہ گئی جب اُن میں وجود سے سود نہ عدم سے زیاں پھر اُن کا قدم

[1] براہین قاطعہ قرون ثلاثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص۲۹۔۲۸

کیا در میاں۔ خود کہتے ہو کہ وجود خارجی درکار نہیں اور وجود شرعی بے ارشاد شارع محال تو کیا صحابہ تابعین پر کوئی نئی شریعت اُترے گی کہ اُن کے قرون میں وجود نو کا خیال ارشاد شارع سے جس کا جواز مستفادہ وہ ہر قرن میں بوجود شرعی موجود اور جس کا منع مقتضائے ارشاد وہ ہر قرن میں شرع مطہر سے معدوم ومفقود، پھر قرن دون قرن سے کیا کام رہا، محض ارشاد اقدس میں کلام رہا یعنی فعل کبھی حادث ہوا ہو قواعد شرعیہ پر عرض کریں گے اباحت سے وجوب یا ترک اولٰی سے حرمت تک جس اصل میں داخل ہو وہی فرض کریں گے یہی خاص مذہب مہذب اربابِ حق ہے، صاف نہ کہہ دو شرم نباہنے کو اگلی رٹ کا ناحق سبق ہے تم سمجھنا کہ اب تو جو کہنی تھی کہہ گئے ہم جانیں گے تم جہنم کے ایسے ہی تھے چلو

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پُونچھیے اپنی جبیں سے

طرفہ تر یہ کہ جس کا جواز دلیل شرع میں موجود وہ سب سنّت، جس کا معدوم وہ سب بدعت ضلالت، اب تیسری شق کی کون سی صورت، تمام افعال انہیں دو[۲] حکموں میں محصور ہوگئے خصوصًا اباحت واستحباب وکراہت تنزیہ [عہ] تین حکم شرع کو کافور ہوگئے، اساتذہ جہابذہ نے سُجھائی تو اچھی کہ دونی اُلجھ گئی سلجھائی پچھی اسی ہستی پر یہ ناز وغرور کہ لوگ تو اس کی ہوا سے دُور، حضرت یہ اپنی ہوا خود آپ ہی سُونگھیں، اہل حق کو معاف ہی رکھیں، اچھی تعلیم بھلے تلامذہ رہے تلقین خہے اساتذہ ؎

گر ہمیں مکتب وھمیں مُلّا
کارطفلاں تمام خواہد شد

خیر یہ تو وہابیہ جدیدہ کا نامعتقد عقیدہ کہ تقبیل ابہامین سنّتِ مجیدہ، پُرانوں کی سُنیے تو وہ اور ہی ہوا پر کہ یہ فعل معاذاللہ زنا وربا وقذف محصنہ وقتل ناحق نفس مومنہ سب سے بدتر بلکہ عیاذًا باللہ شرک کے انداز اصل ایمان میں خلل انداز کہ آکر باجماعِ طائفہ بدعت حائضہ اور تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ فوائقہ شرک وبدعت سے بہت بچے کہ یہ دونوں چیزیں اصل ایمان میں خلل ڈالتی ہیں اور باقی گناہ ان سے نیچے ہیں کہ وہ اعمال میں خلل ڈالتے ہیں۔ اب خدا جانے اُنہوں نے سنت کو کفر سے ملایا انہوں نے قریب بہ کفر کو سنّت بنایا خیر طویلے کے لتیاؤ میں ہمیں کیا مقال،

کفی اللہ اھل الحق القتال والحمدللہ المھیمن المتعال والصلاۃ والسلام علی ذی الافضال	اہل حق کی طرف سے قتال میں اللہ کافی ہے اور تمام تعریف اس باری تعالٰی کے لئے جو محافظ وبلند ہے

عہ: ظاہر ہے کہ ضلالت کا ادنٰی درجہ کراہت تحریم ہے مکروہ تنزیہی ہر گز ضلالت نہیں، دلیل واضح یہ کہ ہر ضلالت میں باس ہے اور مکروہ تنزیہی لاباس بہ ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

واٰلہ وصحبہ خیر صحب وآل آمین۔	اور صلوۃ وسلام اس ذات پر جو صاحبِ فضل واکرام ہے اور آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو بہترین ہیں آمین۔(ت)

حکم اخیر وخلاصہ تحریر بالجملہ حق اس میں اس قدر کہ فعل مذکور بحکم احادیث وبہ تصریح کتب فقہیہ مستحب ومندوب وامید گاہ فضل مطلوب وثواب مرغوب جو کتب علما وعمل قدما وترغیب وارد پر نظر رکھ کراُسے عمل میں لائے اُس پر ہرگز کچھ مواخذہ نہیں بلکہ ثواب مروی کی اُمید وار حسن ظن وصدق نیت باعث فضل جاوید اور جو اُسکے مکروہ وممنوع وبدعت بتائے مبطل وخاطی علمائے کرام مقتدایان عام جب کسی منکر کو دیکھیں اُس کے سامنے ضرور ہی کریں کہ بدمذہب کارد اور اُس کے دل پر غیظ اشد ہو جس طرح ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو نہر سے افضل مگر معتزلی عــہ۱ منکر حوض کے سامنے حوض سے بہتر[1] کمابینہ المولی المحقق فی فتح القدیر وغیرہ فی غیرہ عــہ۲ جب ترک افضل اس نیت سے افضل تو مستحب ومندوب توآپ ہی افضل،

والحمدللہ ولی الانعام وافضل الصلاۃ واکمل السلام علٰی سیدالختام قمر التمام واٰلہ وصحبہ الغر الکرام اٰمین۔	تمام تعریف اللہ کے لئے جو انعام کا مالک ہے اور افضل صلاۃ اور اکمل سلام ہو انبیاء کے خاتم وسربراہ پر، جو چودھویں کا کامل چاند ہیں، اور آپ کی آل واصحاب پر، جو نہایت ہی روشن اور مکرم ہیں آمین!

خاتمہ فوائد منثورہ: میں ایھا المسلمون اس مسئلہ کا سوال فقیر کے پاس بلادِ نزدیک ودُور سے بار بار آیا ہر دفعہ بمقتضائے حال کبھی مختصر کبھی کچھ مطول کبھی دوایک صفحہ کبھی دوچار ہی سطر جواب لکھتا رہا بارآخر قدرے زیادہ تفصیل کی کہ ایک جز تک پہنچ کر صورت رسالہ میں جلوہ گر ہُوئی سائل نے علمائے اعلام بدایوں وبریلی ورامپور وقین عن الشروع وبقین بالسرور (جو شر سے دُور سرور سے معمور رہتے ہیں۔ت) سے مُہریں کرائیں تصدیقیں لکھائیں اصل رسالہ منیر العین اُسی قدر تھا کہ بفرمائش سید معظم مولانا مولوی غلام حسین صاحب جُوناگڈھی نزیل بمبئی حفظہ اللہ عن شر کل بشر و رئی (اللہ تعالٰی انہیں ہر بشر اور نظرِ بد کے شر سے محفوظ رکھے۔ت) واہتمام تمام نام مولانا المکرم مولوی محمد عمرالدین صاحب ہزاروی جعلہ اللہ کاسمہ عمرالدین

عــہ۱: یہ لفظ یہاں عجب لطیف واقع ہوا کہ معتزلہ حوض سے وضو ناجائز بتاتے ہیں یہاں یہی معنی مراد اور وہ اشقیا حوضِ کوثر کے بھی منکر ہیں ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: کلدرو حواشیہ وآخرین کلھم فی المیاہ ۱۲ منہ (م)

[1] فتح القدیر باب ماء الذی یجوزبہ الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۲

وعمر بہ عمران الدین المتین (اللہ تعالٰی انہیں ان کو نام کی طرح دین کی خدمت کرنے والا بنائے اور ان کے ذریعے اپنے دین متین کو آباد فرمائے۔ت) وعلو ہمت سیٹھ حاجی محمد بن حاجی محمد عبداللطیف لطف بھما المولی اللطیف (لطف فرمانے والا مولٰی ان دونوں پر لطف فرمائے۔ت) ماہ مبارک اشرف وافضل شہر ربیع الاول ۱۳۱۳ھ میں چھپنا آغاز ہُوا سرکار مفیض سے مضامین کثیرہ کاالقاوافادہ دلنواز ہُوااور اُدھر کاپی کی تیاری اِدھر تصنیف جاری، جو جز لکھا روانہ کیا یہاں تک کہ ایک جز کا رسالہ دس جز تک پہنچا الحمدللہ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا[1] (تمام تعریف اللہ کے لئے جو ایک نیکی پر دس اجر عطا فرماتا ہے۔ت) جس میں رسالہ عربیہ مدارج طبقات الحدیث جُدا کرلیا اُدھر یہ تعجیل اِدھر ورود فتاوٰی سے فرصت قلیل، نظر ثانی کی بھی فرصت نہ ملی، بعض فوائد حاضرہ کی تجرید رہ گئی، بعض نے نظریا خاطر میں وقعت غابر میں تجلی کی ہنوز کہ سیارہ طبع بذریعہ حرکت بمعنی القطع مبدء کا تارک منتہی کا طالب ہے نہ الحاق باقی مواقع ماضیہ سے متیسر نہ اُس کا ترک ہی مناسب ہے اور ائمہ تصنیف کا داب شریف کہ آخر کتاب میں کچھ مسائل تازہ کچھ متعلق بابواب سابقہ تحریر اور انہیں مسائل شتی یا مسائل منثورہ سے تعبیر فرماتے ہیں لہٰذا اقتضاءً بہم یہ فوائد منثورہ بعونہٖ تعالٰی سلک تحریر میں انتظام پاتے ہیں۔

فائدہ ۱: نفیسہ جلیلہ (فضیلت وافضیلت میں فرق ہے دربارہ تفضیل حدیث ضعیف ہرگز مقبول نہیں) فضیلت وافضیلت میں زمین آسمان کافرق ہے وہ اسی باب سے ہے جس میں ضعاف بالاتفاق قابلِ قبول اور یہاں بالاجماع مردود و نامقبول۔

اقول: جس نے قبول ضعاف فی الفضائل کا منشا کہ افاداتِ سابقہ میں روشن بیانوں سے گزرا ذہن نشین کرلیا ہے وہ اس فرق کو بنگاہِ اولین سمجھ سکتا ہے قبول ضعاف صرف محل نفع بے ضرر میں ہے جہاں اُن کے ماننے سے کسی تحلیل یا تحریم یا اضاعتِ حق غیر غرض مخالفت شرع کا بوجہ من الاجوہ اندیشہ نہ ہو فضائل رجال مثل فضائل اعمال ایسے ہی ہیں، جن بندگانِ خدا کا فضل تفصیلی خواہ صرف اجمالی دلائل صحیحہ سے ثابت ہے اُن کی کوئی منقبت خاصہ جسے صحاح وثوابت سے معارضت نہ ہو اگر حدیث ضعیف میں آئے اُس کا قبول تو آپ ہی ظاہر کہ اُن کا فضل تو خود صحاح سے ثابت، یہ ضعیف اُسے مانے ہی ہوئے مسئلہ میں تو فائدہ زائدہ عطا کرے گی اور اگر تنہا ضعیف ہی فضل میں آئے اور کسی صحیح کی مخالفت نہ ہو وہ بھی مقبول ہوگی کہ صحاح میں تائید نہ سہی خلاف بھی تو نہیں۔ بخلاف افضیلت کے کہ اس کے معنی ایک کو دوسرے سے عنداللہ بہتر وافضل ماننا ہے یہ جب ہی جائز ہوگا کہ ہمیں خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے خوب ثابت و محقق ہو جائے، ورنہ بے ثبوت حکم لگادینے میں محتمل کہ عنداللہ امر بالعکس ہو تو افضل کو مفضول بنایا، یہ تصریح تنقیص شان ہے اور وہ حرام تو مفسدہ تحلیل حرام وتضیع حق غیر دونوں درپیش کہ افضل کہنا حق اس کا تھا اور کہہ دیا اس کو۔ یہ اس صورت میں تھا کہ دلائل شرعیہ سے ایک کی افضیلت معلوم نہ ہو۔ پھر وہاں

[1] القرآن ۶/ ۱۶۰

کا تو کہنا ہی کیا ہے، جہاں عقائدِ حقّہ میں ایک جانب کی تفصیلی محقق ہو اور اس کے خلاف احادیث مقام وضعاف سے استناد کیا جائے، جس طرح آج کل کے جہال حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر تفضیل حضرت مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم میں کرتے ہیں۔ یہ تصریح مضادتِ شریعت و معاندتِ سنّت ہے۔ ولہذا ائمہ دین نے تفضیلیہ کو روافض سے شمار کیا کمابیناہ فی کتابنا المبارك **مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین** ۱۲۹۷ھ (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی مبارک کتاب "**مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین**" میں بیان کیا ہے۔ت) بلکہ انصافاً اگر تفضیل شیخین کے خلاف کوئی حدیث صحیح بھی آئے قطعًا واجب التاویل ہے اور اگر بفرضِ باطل صالح تاویل نہ ہو واجب الرد کہ تفضیل شیخین متواتر واجماعی ہے کمااثبتنا علیہ عرش التحقیق فی کتابنا المذکور (جیسا کہ ہم نے اپنی اس مذکورہ کتاب میں اس مسئلہ کی خوب تحقیق کی ہے۔ت) اور متواتر واجماع کے مقابل اعاد ہرگز نہ سُنے جائیں گے ولہذا امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث عرض علی عمر بن الخطاب وعلیہ قمیص یجرّہ قالوا فمااولت ذلک یارسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) **قال الدین** (مجھ پر عمر بن الخطاب کو پیش کیا گیا اور وہ اپنی قمیص گھسیٹ کر چل رہے ہیں، صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تعبیر فرمائی ہے؟ فرمایا دین۔ت) فرماتے ہیں:

لئن سلّمنا التخصیص به (ای بالفاروق رضی الله تعالیٰ عنه) فهو معارض بالاحادیث الکثیرة البالغة درجة التواتر المعنوی الدالة علی افضلیة الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه فلاتعارضها الاحاد. ولئن سلمنا التساوی بین الدلیلین لکن اجماع اهل السنة والجماعة علی افضلیته وهو قطعی فلایعارضه ظنی [1]۔	اگر ہم یہ تخصیص ان (یعنی فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ مان لیں تو یہ ان اکثر احادیث کے منافی ہے جو تواتر معنوی کے درجہ پر ہیں اور افضلیت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دال ہیں اور احاد کا ان کے ساتھ تعارض ممکن ہی نہیں اور اگر ہم ان دونوں دلیلوں کے درمیان مساوات مان لیں لیکن اجماعِ اہلسنت وجماعت افضلیت صدیق اکبر پر دال ہے اور وہ قطعی ہے، تو ظن اس کا معارض کیسے ہو سکتا ہے! (ت)

الجملہ مسئلہ افضلیت ہرگز باب فضائل سے نہیں جس میں ضعاف سن سکیں بلکہ موافقت وشرح مواقف میں تو تصریح کی کہ بابِ عقائد سے ہے اور اس میں احاد صحاح بھی نا مسموع،

حیث قال لیست هذه المسألة یتعلق بها	ان دونوں نے کہا کہ یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب تفاضل اہل ایمان فی الاعمال مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/ ۱۰۶

عمل فیلتفی فیھا بالظن الذی ھو کاف فی الاحکام العلمیة بل ھی مسألة علمیة یطلب فیھا الیقین[1]	میں دلیل ظنی کافی ہو جائے جو احکام میں کافی ہوتی ہے بلکہ یہ معاملہ تو عقائد میں سے ہے اس کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری ہے۔(ت)

فائدہ ۲: مہمہ عظیمہ (مشاجرات صحابہ میں تواریخ وسیر کی موحش حکایتیں قطعًا مردود ہیں) افادہ ۲۳ پر نظر تازہ کیجئے وہاں واضح ہوچکا ہے کہ کتبِ سیر میں کیسے کیسے مجروحوں میں مطعونوں شدید الضعفوں کی روایات بھری ہیں وہیں کلبی رافضی متہم بالکذب کی نسبت سیرت عیون الاثر کا قول گزرا کہ اُس کی غالب روایات سیر وتواریخ ہیں جنہیں علما ایسوں سے روایت کرلیتے ہیں وہیں سیرت انسان العیون کا ارشاد گزرا کہ سیر موضوع کے سوا ہر قسم ضعیف وسقیم وبے سند حکایات کو جمع کرتی ہے پھر انصافًا یہ بھی انہوں نے سیر کا منصب بتایا جو اُسے لائق ہے کہ موضوعات تو اصلًا کسی کام کے نہیں اُنہیں وہ بھی نہیں لے سکتے ورنہ بنظر واقع سیر میں بہت اکاذیب واباطیل بھرے ہیں کمالایخفی بہرحال فرق مراتب نہ کرنا اگر جنوں نہیں تو بدمذہبی ہے بد مذہبی نہیں تو جنون ہے، سیر جن بالائی باتوں کے لئے ہے اُس میں حد سے تجاوز نہیں کرسکتے اُس کی روایات مذکورہ کسی حیض ونفاس کے مسئلہ میں بھی سننے کی نہیں نہ کہ معاذاللہ اُن واہیات ومعضلات وبے سروپا حکایات سے صحابہ کرام حضور سید الانام علیہ وعلٰی آلہٖ وعلیہم افضل الصّلاۃ والسلام پر طعن پیدا کرنا اعتراض نکالنا اُن کی شانِ رفیع میں رخنے ڈالنا کہ اس کا ارتکاب نہ کرے گا مگر گمراہ بددین مخالف ومضاد حق تبیین آج کل کے بدمذہب مریض القلب منافق شعار ان جزافات سیر وخرافات تواریخ وامثالہا سے حضرات عالیہ خلفائے راشدین وام المومنین وطلحہ وزبیر ومعاویہ وعمرو بن العاص ومغیرہ بن شعبہ وغیرہم اہلبیت وصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مطاعن مردودہ اور ان کے باہمی مشاجرات میں موحش ومہمل حکایات بیہودہ جن میں اکثر تو سرے سے کذب وواحض اور بہت الحاقات ملعونہ روافض چھانٹ لاتے اور اُن سے قرآن عظیم وارشاداتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجماعِ اُمّت واساطین ملّت کا مقابلہ چاہتے ہیں بے علم لوگ اُنہیں سُن کر پریشان ہوتے یا فکر جواب میں پڑتے ہیں اُن کا پہلا جواب یہی ہے کہ ایسے مہملات کسی ادنٰی مسلمان کو گنہگار ٹھہرانے کیلئے مسموع نہیں ہوسکتے نہ کہ اُن محبوبانِ خدا پر طعن جن کے مدائح تفصیلی خواہ اجمالی سے کلام اللہ وکلام رسول اللہ مالامال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، امام حجۃ الاسلام مرشد الانام محمد محمد محمد غزالی قدسہ سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق	کسی مسلمان کو کسی کبیرہ کی طرف بے تحقیق نسبت کرنا حرام

[1] شرح مواقف المرصد الرابع از موقف سادس فی السمعیات مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۷۲

نعم یجوز ان یقال ان ابن ملجم قتل علیاً فان ذلك یثبت متواترا[1]۔	ہے، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم شقی خارجی اشقی الآخرین نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو شہید کیا کہ یہ بتواتر ثابت ہے۔(ت)

حاش للہ اگر مورخین وامثالہم کی ایسے حکایات ادنٰی قابلِ التفات ہوں تو اہل بیت وصحابہ درکنار خود حضرات عالیہ انبیاء ومرسلین وملٰئکہ مقربین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے کہ ان مہملات مخذولہ نے حضرات سعادتنا ومولٰنا آدم صفی اللہ وداؤد خلیفۃ اللہ وسلیمان نبی اللہ ویوسف رسول اللہ سے سید المرسلین محمد حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم تک سب کے بارہ میں وہ وہ ناپاک بیہودہ حکایات موحشہ نقل کی ہیں کہ اگر اپنے ظاہر پر تسلیم کی جائیں تو معاذاللہ اصل ایمان کو رد بیٹھنا ہے ان ہولناک اباطیل کے بعض تفصیل مع رد جلیل کتاب مستطاب شفا شریف امام قاضی عیاض اور اس کی شروح وغیرہا سے ظاہر لاجرم ائمہ ملّت وناصحانِ اُمت نے تصریحیں فرمادیں کہ ان جہال وضلال کے مہملات اور سیر وتواریخ کی حکایت پر ہرگز کان نہ رکھا جائے شفا وشروح شفا ومواہب وشرح مواہب ومدارج شیخ محقق وغیرہا میں بالاتفاق فرمایا، جسے میں صرف مدارج النبوۃ سے نقل کروں کہ عبارت فارسی ترجمہ سے غنی اور کلمات ائمہ مذکورین کا خود ترجمہ ہے فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی:

از جملہ توقیر وبرآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توقیر اصحاب وبرایشاں است وحسن ثنا ورعایت ادب بایشاں ودُعا واستغفار مرایشاں راوحق است مرکسے راکہ ثنا کردہ حق تعالٰی بروے وراضی ست ازوے کہ ثنا کردہ شود بروے وسب وطعن ایشاں اگر مخالف اولہ قطعیہ است، کفر والا بدعت وفسق، وہمچنیں امساک وکف نفس ازذکر اختلاف ومنازعات ووقائع کہ میان ایشاں شدہ وگزشتہ است واعراض واضراب ازاخبار مورخین وجملہ رواۃ وضلال شیعہ وغلاۃ ایشاں ومبتدعین کہ ذکر	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واحترام درحقیقت آپ کے صحابہ کا احترام اور ان کے ساتھ نیکی ہے ان کی اچھی تعریف اور رعایت کرنی چاہے اور ان کے لئے دعا وطلبِ مغفرت کرنی چاہئے بالخصوص جس جس کی اللہ تعالٰی نے تعریف فرمائی ہے اور اس سے راضی ہوا ہے اس سے وہ اس بات کی مستحق ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے پس اگر ان پر طعن وسب کرنے والا دلائل قطعہ کا منکر ہے تو کافر ورنہ مبتدع وفاسق، اسی طرح ان کے درمیان جو اختلافات یا جھگڑے یا واقعات ہُوئے ہیں ان پر خاموشی اختیار کرنا ضروری ہے

[1] احیاء علوم الدین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ: اللعن مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۳/ ۱۲۵

قوادح وزلالت ایشاں کنند کہ اکثرآں کذب وافترا است وطلب کردن درآنچہ نقل کردہ شدہ است ازایشاں از مشاجرات ومحاربات باحسن تاویلات واصوب خارج وعدم ذکر ہیچ یکے ازیشاں بہ بدی وعیب بلکہ ذکر حسنات وفضائل وعمائد صفات ایشاں ازجہت آنکہ صحبت ایشاں باآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقینی ست وماورائے آں ظنی است وکافیست دریں باب کہ حق تعالٰی برگزید ایشاں رابرائے صحبت حبیبہ خود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طریقہ اہل سنّت وجماعت دریں باب این است درعقائد نوشتہ اند لاتذکر احدا منھم الابخیر [ف۱] وآیات واحادیث کہ درفضائل صحابہ عموماً وخصوصاً واقع شدہ است دریں باب کافی است [1] اھ مختصرا۔	اور ان اخبار واقعات سے اعراض کیا جائے جو مورخین، جاہل راویوں اور گمراہ وغلو کرنے والے شیعوں نے بیان کیے ہیں اور بدعتی لوگوں کے ان عیوب اور برائیوں سے جو خود ایجاد کرکے ان کی طرف منسوب کردئے اور ان کے ڈگمگا جانے سے کیونکہ وہ کذب بیانی اور افترا ہے اور ان کے درمیان جو محاربات ومشاجرات منقول ہیں ان کی بہتر توجیہ وتاویل کی جائے، اور ان میں سے کسی پر عیب یا برائی کا طعن نہ کیا جائے بلکہ ان کے فضائل، کمالات اور عمدہ صفات کا ذکر کیا جائے کیونکہ حضور علیہ السلام کے ساتھ ان کی محبت یقینی ہے اور اس کے علاوہ باقی معاملات ظنی ہیں اور ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالٰی نے انہیں پانے حبیب علیہ السلام کی محبت کے لئے منتخب کرلیا ہے اہل سنت وجماعت کا صحابہ کے بارے میں یہی عقیدہ ہے اس لئے عقائد میں تحریر ہے کہ صحابہ میں سے ہر کسی کا ذکر خیر کے ساتھ ہی کیا جائے اور صحابہ کے فضائل میں جو آیات واحادیث عموماً یا خصوصاً وارد ہیں وہ اس سلسلہ میں کافی ہیں اھ مختصرا (ت)

امام محقق سنوسی وعلّامہ تلمسانی پھر علّامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں: **مانقلہ المؤرخون قلۃ حیاء وادب** [2] (مورخین کی نقلیں قلّت حیاوادب سے ہیں) امام اجل ثقہ مثبت حافظ متقن قدوہ یحیٰی بن سعید قطان نے کہ اجلّہ ائمہ تابعین سے ہیں عبداللہ قواریری سے پُوچھا کہاں جاتے ہو؟ کہا وہب بن جریر کے پاس سیر لکھنے کو، فرمایا: **تکتب کذبا کثیرا** [3] (بہت سا جھوٹ لکھوگے) **ذکرہ فی المیزان** [عہ] (اس کا ذکر میزان میں

عــہ: فی ترجمۃ محمد بن اسحٰق حیث قال	اس کا ذکر محمد بن اسحاق کے ترجمہ میں ہے جہاں (باقی اگلے صفحہ پر)

ف۱: مدارج النبوہ مطبوعہ سکھر میں "وآیات کا لفظ نہیں ہے

[1] مدارج النبوۃ وصل در توقیر حضور واصحاب وے صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۳
[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۱/ ۲۰۴
[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

ہے۔ت) تفصیل اس مبحث کی اُن رسائل فقیر سے لی جائے کہ مسئلہ حضرت امیر معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تصنیف کیے یہاں شاہ عبدالعزیز صاحب کی ایک عبارت تحفہ اثنا عشریہ سے یادرکھنے کی ہے مطاعن افضل الصدیقین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طعن سوم تخلف جیش اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے رَد میں فرماتے ہیں:

جملہ لعن اللہ من تخلف عنھا ہرگز درکتب اہل سنت موجود نیست قال الشھرستانی فی الملل والنحل ان ھذہ الجملۃ موضوعۃ ومفتراۃ وبعضے فارسی نویسان کہ خودرا محدثین اہل سنت شمردہ اند ودرسیر خود ایں جملہ راآوردہ برائے الزام اہل سنت کفایت نمی کند زیراکہ اعتبار حدیث نزد اہل سنت بیافتن حدیث درکتب مسندہ محدثین نزد اہل سنت بیافتن حدیث درکتب مسندہ محدثین است مع الحکم بالصحۃ وحدیث بے سند نزد ایشاں شتر بے مہار است کہ اصلاً عـــہ گوش بآں نمی نہند[1]۔	جملہ "لعن اللہ من تخلف عنھا" کتب اہلِ سنت میں ہرگز موجود نہیں، شہرستانی نے الملل والنحل میں کہا کہ یہ جملہ موضوع اور جھُوٹا ہے، اور بعض فارسی لکھنے والوں نے خود کو محدثین اہلسنت ظاہر کیا ہے اور اہل اسنت کو الزام دینے کے لئے اپنی کتب میں اس جملہ کو شامل کردیا لیکن یہ قابلِ اعتبار نہیں، اہلسنت کے ہاں حدیث وہی معتبر ہے جو محدثین کی کتب احادیث میں صحت کے ساتھ ثابت ہو، ان کے ہاں بے سند حدیث ایسے ہی ہے جیسے بے مہار اونٹ، جو کہ ہرگز ناقابلِ سماعت نہیں۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مالہ عندی ذنب الاماقد حشانی فی السیرۃ من الاشیاء المنکرۃ المنقطعۃ والاشعار المکذوبۃ. قال الفلاس سمعت یحیی القطان یقول لعبیداللہ القواریری الی این تذھب. قال الی وھب بن جریر اکتب السیرۃ قال تکتب کذبا کثیرا[2] ۱۲منہ (م)

انہوں نے کہا میرے نزدیک اس کا کوئی گناہ نہیں ماسوائے اس کے کہ انہوں نے سیرت میں منکر و منقطع روایات اور جھوٹے اشعار شامل کردئے ہیں، فلاس نے کہا میں نے یحیٰی قطان کو عبیداللہ قواریری سے یہ کہتے ہُوئے سُنا کہ کہاں جارہے ہو، انہوں نے کہا وہب بن جریر کی طرف سیرت لکھنے کیلئے، اس نے کہا تو وہاں بہت زیادہ جھُوٹ لکھے گا ۱۲منہ (ت)

عـــہ: **اقول:** یعنی درامثال باب تاباب احکام فاما دون اوکہ باب تساہل ست نقل معتمدی بسند است

اقول: یعنی یہ مثالِ مقام تاباب میں ہے اسکے علاوہ جو باب تساہل ہے کوئی ایک معتمد نقل سند کے ساتھ ہو

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم طعن سوم از مطاعن ابی بکر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

فائدہ ۳: (اظہر یہی ہے کہ تفرد کذاب بھی مستلزم موضوعیت نہیں) افادہ دہم دیکھیے جو حدیث اُن پندرہ قرائن وضع سے منزہ ہو ہم نے اُس کے بارے میں کلمات علماء تین طرز پر نقل کئے اصلاً موضوع نہ کہیں گے تفرد کذاب ہو تو موضوع تفرد متہم ہو تو موضوع، اور افادہ ۲۳ میں اشارہ کیا کہ ہمارے نزدیک مسلک اول قوی واقرب بصواب ہے افادہ ۱۰ میں امام سخاوی سے اُس کی تصریح اور کلام علی قاری سے نظیر صریح ذکر کی دوسری نظیر صاف وسفید حدیث مرغ سپید کہ کلام علامہ مناوی سے افادہ ۲۳ میں گزری وہیں دلیل ثامن میں بشہادت حدیث وحکم عقل اس کی تقویت کا ایما کیا۔

والاٰن اقول: یہی مذہب فقیر نے کلامِ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن طجاج سے استنباط کیا، فائدہ تاسعہ میں آتا ہے کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا ابان بن ابی عباس حدیث میں جھُوٹ بولتا ہے پھر خود ابان سے حدیث سنی، اس پر پُوچھا گیا، فرمایا اس حدیث سے کون صبر کرسکتا ہے، معلوم ہوا کہ مطعون بالکذب کی ہر حدیث موضوع نہیں ورنہ اس کی طرف ایسی رغبت اور وہ بھی ایسے امام اجل سے چہ معنی۔

ثم اقول: اور فی الواقع یہی اظہر ہے کہ آخر الکذوب قد یصدق (جھوٹ بولنے والا بھی کبھی سچ کہتا ہے۔ت) میں کلام نہیں اور یہ بھی مسلّم کہ ایک شخص واحد کا روایت حدیث سے تفرد ممکن یہاں تک کہ غریب فرد میں صحیح حسن ضعیف بہ ضعف قریب وضعف شدید سب قسم کی حدیثیں مانی جاتی ہیں تو یہ کیوں نہیں ممکن کہ کبھی موسم بتکذیب بھی تفرد کرے اور اس حدیث خاص میں سچّا ہو اس کے بطلان پر کیا دلیل قائم، لاجرم یہی مذہب مہذب مقتضائے ارشادات امام ابن الصلاح وامام نووی وامام عراقی وامام قسطلانی وغیرہم اکابر ہے ان سب ائمہ نے موضوع کی یہی تعریف فرمائی کہ وہ حدیث کہ جو نری گھڑت اور افترا اور نبی عــہ صلی اللہ تعالٰی

دگرچند بے سنداست چنانکہ در افادہ بست وہفتم تحقیق نمودیم خود شاہ صاحب درہیچو مقام بہ بسیارے از روایات بے سند استناد کردہ است کمالایخفی علی من طالع کتبہ وسرانجام است کہ کمال تحقیق ایں معنی در فائدہ اخیر کردیم ۱۲ منہ (م) عــہ: بناء علی ان ماوضع علی غیرہ صلی اللہ	دوسری چاہے بے سند ہوں، چنانچہ ستائیسویں ۲۷ افادہ میں ہم نے تحقیق کی ہے کہ خود شاہ صاحب نے اس جیسے مقام میں بہت روایات بے سند ذکر کی ہیں جیسا کہ اس پر مخفی نہیں جس نے ان کی کتب کا مطالعہ کیا ہے آخر کار اس معنی کی مکمل تحقیق میں نے آخری فائدہ میں کردی ہے ۱۲ منہ (ت) اس بنا پر کہ اگر اس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (باقی اگلے صفحہ پر)

علیہ وسلم پر جھُوٹ بنائی گئی ہو، علوم الحدیث امام ابو عمرو تقریب میں ہے: **الموضوع ھو المختلق المصنوع**[1] (موضوع وہ حدیث ہے جو من گھڑت اور بناوٹی ہو۔ت) الفیہ میں ہے:

شر الضعیف الخبر الموضوع

الکذب المختلق المصنوع[2]

(ضعیف کی بدترین قسم خبر موضوع ہے، جو جھوٹ ہو گھڑی گئی ہو اور بناوٹی ہو۔ت)

ارشاد الساری میں ہے:

الموضوع ھو الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسمی المختلق[3]۔	موضوع وہ حدیث ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑا گیا ہو اسے مختلق بھی کہتے ہیں۔(ت)

ہاں اس میں کلام نہیں کہ حکمِ وضع کبھی قطعی ہوتا ہے کبھی ظنی، جیساکہ ہم نے شمار قرائن میں تبدیل اسلوب عبارت سے اُس کی طرف اشارہ کیا اور حدیث مطعون بالکذب کو موضوع کہنے والے بھی اس کی موضوعیت بالیقین کا دعوٰی نہیں فرماتے بلکہ وضع ظنی میں رکھتے ہیں کماصرح بہ شیخ الاسلام فی النزھۃ (جیساکہ شیخ الاسلام نے نزہۃ النظر میں اس کی تصریح کی ہے۔ت) شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی مقدمہ لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

حدیث المطعون بالکذب یسمی موضوعا او	ایسے راوی کی حدیث جس پر کذب کا طعن ہو موضوع کہلاتی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علیہ وسلم فیقال لہ الموضوع علی فلان ومطلقہ لایراد بہ الاالکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہ یبتنی مافی الارشاد وان طلقت فانت فی سعتہ منہ کماھو ظاھر کلام اٰخرین ۱۲ منہ (م)	کے علاوہ کسی دوسرے پر جھوٹ گھڑا ہو تو اسے "موضوع علٰی فلاں" کہا جاتا ہے اور جب مطلقاً ذکر ہو تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ہی جھُوٹ مراد ہوگا جو ارشاد میں ہے اس کی بنا اسی پر ہے اگر آپ اس کو مطلق ذکر کریں تو آپ کو اس میں گنجائش ہے جیساکہ دوسروں کے کلام سے ظاہر ہے ۱۲منہ (ت)

[1] تقریب النواوی مع شرح تدریب الراوی النوع الحادی والعشرون مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۲۷۴

[2] الفیۃ الحدیث مع فتح المغیث بحث الموضوع دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۲۹۳

[3] ارشاد الساری شرح البخاری الفصل الثالث فی نبذۃ لطیفۃ الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ ۱/ ۱۳

من ثبت عنه تعمد الکذب فی الحدیث وان کان وقوعه مرة لم یقبل حدیثه ابدا، فالمراد بالموضوع فی اصطلاح المحدثین هذا لا انه ثبت کذبه وعلم ذلك فی هذا الحدیث بخصوصه، والمسألة ظنیة والحکم بالوضع والافتراء بحکم الظن الغالب [1] اھ ملخصا	ہے اور ایسا شخص جس سے حدیث میں عمدہ جھوٹ ثابت ہوجائے خواہ وہ ایک ہی دفعہ ہو اس کی حدیث ہمیشہ قبول نہیں کی جائے گی، تو اصطلاح محدثین میں موضوع سے مراد یہی ہے، یہ نہیں کہ اس خاص حدیث میں اس کا جھوٹ ثابت ومعلوم ہو، اور چونکہ مسئلہ ظنی ہے لہٰذا وضع وافترا کا حکم ظنِ غالب کی بناپر ہوگا اھ ملخصا (ت)

اقول: مگر محلِ تامل یہی ہے کہ مجرد کذب فی بعض الاحادیث سے کہ معاذاللہ کسی طمع دینا یا تائید مذہب فاسد یا غضب ورنجش وغیرہا کے باعث ہو ظن غالب ہوجائے کہ اب جتنی حدیثوں میں یہ متفرد ہو سب میں وضع وافترا ہی کرے گا اگرچہ وہاں کوئی طمع وغیرہ غرض فاسد نہ ہو شاہد زور اگر کسی طمع یا عداوت سے ایک جگہ غلط گواہی دی تو اس کی سب گواہیاں مردود ضرور ہوں گی کہ فاسق ہے مگر بے لاگ جگہ میں خواہی نخواہی یہ ظن غالب نہ ہوگا کہ یہاں بھی جھوٹ ہی کہہ رہا ہے وجدان صحیح اس پر شہادت کو بس ہے اور اگر سند ہی چاہئے تو امام ائمۃ الشان محمد بن اسمٰعیل بخاری علیہ رحمۃ الباری کا ارشاد سُنیے محمد بن اسحاق صاحبِ سیرت ومغازی کو ہشام بن عروہ پھر امام مالک پھر وہب پھر یحیٰی بن قطان نے کذاب کہا،

اخرجه [عہ] ابن عدی عن ابی بشر الدولابی و	ابن عدی نے ابوبشر دولابی سے اور

عہ: حال التفصی عن هذا فی المیزان بقوله قلت ومایدری هشام بن عروة، فلعله سمع منها فی المسجد اوسمع منها وهو صبی اودخل علیها فحدثته من وراء حجاب، فای شیئ فی هذا وقدکانت امرأة قدکبرت واسنت [2] اھ۔	اس سے خلاصی میزان میں ان کے اس قول سے ہوجاتی ہے: میں کہتا ہوں ہشام بن عروہ کیا جانے شاید انہوں نے اس سے مسجد میں سنا، یا اس وقت اس سے سنا جب وہ بچّہ تھے یا وہ اس کے پاس گئے ہوں تو اس خاتون نے پردے کے پیچھے سے بیان کیا ہو، کیا معلوم کہ ان میں سے کون سی صورت ہے حالانکہ وہ خاتون بُوڑھی اور سِن والی ہوچکی تھی (صاحب فتنہ نہ تھی) اھ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] لمعات التنقیح شرح المشکوٰۃ فصل فی العدالۃ الخ مطبوعہ المعارف العلمیۃ لاہور ۱/ ۲۷

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحاق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۰

محمد بن جعفر بن یزید عن ابی قلابۃ الرقاشی	محمد بن جعفر بن یزید نے ابوقلابہ رقاشی سے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم قال افبمثل ھذا یعتمد علی تکذیب رجل من اھل العلم ھذا مردود. ثم قد روی عنھا محمد بن سوقۃ[1] الخ

اقول: لقائل ان یقول ان الحفاظ الناقدین ربما یعرفون کذب الرجل بقرائن تلوح لھم، ولقد نری قوما من الائمۃ یکذبون رجلا ولایذکرون من السبب الاماھو قاصر عندنا لعدم علمنا بالقرائن فتبدولنا احتمالات شیئ لعل الامر کذا عسی ان کذا وھی جمیعا مندفعۃ عندھم نص علی ذلك الامام النووی فی مواضع من شرحہ صحیح مسلم فقال ھنا قاعدۃ ننبہ علیھا ثم نحیل علیھا فیما بعد ان شاء اللہ تعالٰی وھی ان عفان رحمہ اللہ تعالٰی قال انما ابتلیج ھشام (ھو ابن زیاد الاموی) یعنی انما ضعفوہ من قبل ھذا الحدیث کان یقول حدثنی یحیٰی عن محمد ثم ادعی بعد انہ سمعہ من محمدہ وھذا القدر وحدہ لایقتضی ضعفا لانہ لیس فیہ تصریح بکذب لاحتمال انہ سمعہ من محمد

پھر کہا: کیا اس طرح کی صورت میں اہلِ علم شخص کو جھُوٹا قرار دینا درست ہے یہ مردود ہے (درست نہیں) پھر اس سے محمد بن سوقہ نے بھی روایت لی ہے الخ

اقول: (میں کہتا ہوں) قائل کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ حفاظ ناقدین بعض اوقات کسی آدمی کا جھُوٹ قرائن کی وجہ سے جانتے ہوتے ہیں اور ہم ائمہ کی ایک ایسی جماعت کا علم رکھتے ہیں جس نے کسی شخص کو جھوٹا کہا مگر سبب ذکر نہ کیا صرف وہ ہے جو ہمارے نزدیک قاصر ہے کیونکہ ان قرائن کو نہیں جانتے، تو ہمارے لئے متعدد احتمالات ظاہر ہوں گے، شاید یہ ہو یا یہ ہو اور وہ تمام ان کے ہاں مدفوع ہوں، اس پر امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں کئی جگہ تصریح کی ہے اور کہا کہ یہاں ایک قاعدہ ہے جس پر ہم تنبیہ کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا اس پر حوالہ دیں گے اور وہ یہ ہے کہ عفان رحمہ اللہ تعالٰی نے بیان کیا کہ ہشام (ابن زیاد اموی) مبتلا ہُوئے، یعنی اس حدیث کی وجہ سے ان کو لوگوں نے ضعیف کہا جس کے متعلق وہ کہتے تھے مجھے یحیٰی نے محمد سے بیان کیا پھر دعوی کیا کہ اس نے یہ محمد سے روایت سنی ہے اور صرف یہ چیز ضعف کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ اس میں کذب صراحۃً نہیں ہے ممکن ہے اس نے محمد سے سُنا ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحٰق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۱

ثنی ابوداؤد سلیمٰن بن داؤد قال قال یحیی القطان	وہ کہتے ہیں مجھے ابوداؤد سلیمٰن داؤد نے بیان کیا کہ یحیٰی القطان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ثم نسیه فحدث عن یحیٰی عنه ثم ذکر سماعه من محمد فرواه عنه ولکن انضم الی هذا قرائن وامور اقتضت عندالعلماء بهذا الفن الحذاق فیه المبرزین من اهله العارفین بدقائق احوال رواته انه لم یسمعه من محمد فحکموا بذلك لماقامت لدلائل الظاهرة عندهم بذلك وسیاق بعد هذا اشیاء کثیرة من اقوال الائمة فی الجرح بنحو هذا وکلها یقال فیها ماقلنا هنا والله تعالٰی اعلم [1] اھ۔ وقال بعد ذلك معنی هذا الکلام ان الحسن بن عمارة کذب فروی هذا الحدیث عن الحکم عن یحیٰی عن علی وانما هو عن الحسن البصری من قوله وقد قدمنا ان مثل هذا وان کان یحتمل کونه جاء عن الحسن وعن علی لکن الحفاظ یعرفون کذب الکاذبین بقرائن وقدیعرفون ذلك بدلائل قطعیة یعرفها اهل هذا الفن فقولهم مقبول فی کل هذا [2] اھ۔

پھر بھول گیا ہو پھر ہشام نے یحیٰی سے حدیث بیان کی ہو پھر یحیٰی کو محمد سے سماع یاد آیا تو دونوں نے محمد کے حوالے سے روایت بیان کی ہو، لیکن اس فن کے ماہرین اور اس کے راویوں کے دقیق اصول پہچاننے والوں پر ایسے قرائن آشکار ہوئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے محمد سے نہیں سُنا، جب ان کے ہاں اس پر دلائل ظاہری قائم ہوگئے تو اب انہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ ہشام نے محمد سے نہیں سُنا، اور اس کے بعد عنقریب ائمہ کے اقوال میں اسی طرح سے کثرت کے ساتھ جرح کا ذکر آئے گا ان سب میں وہی بات کہی جائے گی جو ہم نے یہاں کہہ دی ہے واللہ تعالٰی اعلم اھ۔ اور اس کے بعد کہا کہ اس کلام کا معنٰی یہ ہے کہ حسن بن عمارہ نے جھوٹ بولتے ہوئے اس حدیث کو حکم از یحیٰی از علی روایت کیا حالانکہ وہ حسن بصری سے ان کے قول سے مروی ہے اور ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ اس کی مثل یہ ہے اگرچہ اس میں یہ احتمال ہے کہ وہ حسن سے اور علی سے ہو، لیکن اس فن کے حفاظ قرائن سے جھُوٹوں کے جھُوٹ سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس کو وہ ایسے دلائل قطعیہ سے جان لیتے ہیں جن کو صرف اہل فن ہی پہچانتے ہیں لہٰذا ان کا فیصلہ ان تمام میں مقبول ہوگا اھ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] شرح الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[2] شرح الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷

اشھد ان محمد بن اسحٰق کذاب، قلت ومایدریك قال قال لی وھیب فقلت لوھیب ومایدرک، قال قال لی مالك بن انس فقلت لمالك ومایدریک، قال قال لی ھشام بن عروۃ قلت لھشام بن عروۃ ومایدریک، قال حدث عن امرأتی فاطمۃ بنت المنذر، وادخلت علی وھی بنت تسع ومارأھا رجل حتی بقیت اللہ تعالٰی [1]۔	نے بیان کیا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے، میں نے عرض کیا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ کہا مجھے وہیب نے بتایا میں نے وہیب سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے مالک بن انس نے بتایا تھا، تو میں نے مالک سے پوچھا آپ کو کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا مجھے ہشام بن عروہ نے بتایا تھا۔ میں نے ہشام بن عروہ سے کہا کہ آپ کو اس بات کا کیسے علم ہے؟ انہوں نے کہا اس نے میری اہلیہ فاطمہ بنت منذر سے حدیث بیان کی ہے اور ان کی شادی میرے ساتھ نوسال کی عمر میں ہُوئی اور اس نے کسی آدمی کو نہیں دیکھا یہاں تک کہ اس کا وصال ہوگیا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اماقولك افبمثل ھذا یعتمد الخ **اقول:** افترا علی ھٰؤلاء الائمۃ الجلۃ الاعاظم یشھدون جزافا من دون ثبت ثم ھذا کلہ انما ذکرناہ لیعرف ان الذھبی کیف یحتال للذب عن قدری امرہ قدظھر واذاوقع بسنی اشعری اوولی اللہ صوفی صارلایبقی ولایذرکما بینہ تلمیذہ الامام تاج الدین السبکی رحمہ اللہ تعالٰی فی الطبقات والافا الراجح عند علمائنا ایضا ھو توثیق ابن اسحٰق کماسنذکرہ ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

رہا تیرا قول: افبمثلہ ھذا یعتمد الخ **اقول:** یہ ان عظیم ائمہ پر اسی بات کا افترا ہے کہ وہ اندازے سے کام لیتے ہیں تاکہ یہ واضح ہوجائے کہ ذہبی نے کس حیلہ سے قدری سے کذب کیا، جس کا معاملہ واضح تھا اور جس وقت یہ معاملہ کسی سنّی اشعری یا کسی ولی اللہ صوفی کو رد کیا ہو تو وہ نہ چھوڑے نہ باقی رہنے دے جیسے کہ ان کے شاگرد امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے طبقات میں اس کو بیان کیا ہے ورنہ ہمارے ہاں بھی راجح یہی ہے کہ ابن اسحٰق ثقہ ہیں جیسا کہ عنقریب ہم اسے بیان کریں گے۔ (ت)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۱۹۷ محمد بن اسحٰق مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۱، الکامل فی ضعفاالرجال ترجمہ محمد اسحاق دارالفکر بیروت ۶/ ۲۱۱۷

امام بخاری عـــہ۱ جزء القراۃ خلف الامام میں توثیق عـــہ۲ ابن اسحٰق ثابت فرمانے کو اُس سے جواب دیتے ہیں:

رأیت علی بن عبداللہ یحتج بحدیث ابن اسحاق وقال علی عن ابن عیینة مارأیت احدا یَتَّھِمُ محمد بن اسحاق (الی ان قال) ولوصح عن مالک	میں نے علی بن عبداللہ کو حدیث ابن اسحاق سے استدلال کرتے ہوئے پایا ہے اور علی ابن عینیہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو

عـــہ۱ : نقله زیلعی فی نصب الرایة قبیل کتاب الخنثی ۱۲ منه (م)

جیسے کہ زیلعی نے نصب الرایۃ میں کتاب الخنثی سے تھوڑا پہلے اس کو ذکر کیا ہے۔(ت)

عـــہ۲: ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کے نزدیک بھی راجح محمد بن اسحاق کی توثیق ہی ہے محقق علی الاطلاق فتح میں زیر مسئلہ یستحب تعجیل المغرب فرماتے ہیں:

توثیق ابن اسحاق ھو الحق الابلج ومانقل عن کلام المالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله ھل العلم کیف وقدقال شعبة فیه ھو امیرالمؤمنین فی الحدیث وروی عنه مثل الثوری وابن ادریس وحماد بن زید ویزید بن زریع وبن علیة وعبدالوارث وابن المبارك واحتمله احمد وابن معین وعامة اھل حدیث غفراللہ تعالٰی لھم وقداطال البخاری فی توثیقه فی کتاب القرأة خلف الامام له وذکرہ ابن حبان فی الثقات وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحاق واصطلح معه وبعث الیه ھدیة ذکرھا [1] اھ ۱۲ منه (م)

ابن اسحاق کی توثیق ہی واضح اور حق ہے اور امام مالک کا ان کے بارے میں جو قول منقول ہے وہ ثابت نہیں، اگر وہ ثابت بھی ہو تب بھی اہلِ علم کے ہاں قابلِ قبول نہیں، ایسا کیونکر ہو حالانکہ شعبہ نے ان کے بارے میں امیر المومنین فی الحدیث کہا اور ان سے ثوری، ابنِ ادریس، حماد بن زید، یزید بن زریع، ابن علیہ، عبدالوارث اور ابن مبارک جیسے محدثین نے روایت لی ہے، اور احمد، ابن معین اور اکثر محدثین (رحمہم اللہ تعالٰی) نے ان کے بارے میں (عدم توثیق کا) احتمال غیر یقینی طور پر بیان کیا۔ امام بخاری نے اپنی کتاب القراۃ خلف الامام میں ان کی توثیق کے بارے میں طویل گفتگو کی ہے۔ ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا اور یہ کہ امام مالک نے ابن اسحٰق کے بارے میں اپنے قول سے رجوع کرلیا، ان کے ساتھ متفق ہوگئے اور ان کے پاس ہدیہ ارسال کیا جس کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حاشیہ فتح القدیر فصل فی استحباب التعجیل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۰

تناولہ عن ابن اسحاق فلم بماتکلم الانسان فیرمی صاحبہ بشیئ واحد ولایتھمہ فی الامور کلھا[1] الخ	محمد بن اسحٰق پر اتہام کرتا ہو (آگے چل کر کہا) اور اگر امام مالک سے ابن اسحاق کے بارے میں جو کچھ منقول ہے وہ صحیح ہو تو اکثر ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے پر کسی ایک بات میں طعن کرتا ہے اور باقی تمام امور میں اس پر تہمت نہیں لگاتا الخ (ت)

دیکھو صاف تصریح ہے کہ ایک جگہ کاذب پانے سے ہر جگہ متہم سمجھنا لازم نہیں، لاجرم امام ابن عراق تنزیہ الشریعۃ میں فرماتے ہیں:

قال الزرکشی فی نکتہ علی ابن الصلاح بین قولنا موضوع وقولنا لایصح بون کبیر فان الاول اثبات الکذب والاختلاق والثانی اخبار عن عدم الثبوت ولایلزم منہ اثبات العدم وھذا یجیئ فی کل حدیث قال فیہ ابن الجوزی لایصح ونحوہ قلت وکان نکتۃ تعبیرہ بذلك حیث عبربہ انہ لم یلح لہ فی الحدیث قرینۃ تدل علی انہ موضوع،غایۃ الامر انہ احتمل عندہ ان یکون موضوعا لانہ من طریق متروك اوکذاب وھذا انما یتم عندتفرد الکذاب اوالمتھم علی ان الحافظ ابن حجر خص ھذا فی النخبۃ باسم المتروك ولم ینظمہ فی مسلك الموضوع[2]۔	زرکشی نے اپنی نکت علی ابن الصلاح میں لکھا کہ ہمارے قول موضوع اور لایصح میں بہت بڑا فرق ہے، پہلی صورت میں کذب اور گھڑنے کا اثبات ہے اور دوسری صورت میں عدم ثبوت کی اطلاع ہوتی ہے اور اس سے عدمِ وجود کا اثبات لازم نہیں آتا اور یہ ضابطہ ہر اس حدیث میں جاری ہوگا جس کے بارے میں ابن جوزی نے "لایصح" کہا یا اس کی مثل کوئی کلمہ کہا ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو ان الفاظ سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ ان کے لئے اس حدیث میں کوئی ایسا ظاہری قرینہ نہیں جس کی بنیاد پر وہ حدیث موضوع ہو، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک اس میں موضوع ہونے کا احتمال ہے کیونکہ یہ متروک یا کذاب سے مروی ہے اور یہ بات اس وقت تام ہوگی جبکہ وہ حدیث صرف اور صرف کذاب یا متہم سے مروی ہو، علاوہ ازیں حافظ ابن حجر نے نخبۃ الفکر میں اسے متروک کا نام دیا ہے، موضوع کی لڑی میں اس کو شامل نہیں کیا۔ (ت)

دیکھئے تفرد کذاب کو صرف احتمال وضع کا مورث بتایا اور ابن الجوزی نے موضوعات میں جہاں موضوع کہنے سے

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ آخر کتاب الوصایا مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۴۱۶

[2] تنزیہ الشریعۃ لابن عراق کتاب التوحید فصل ثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۴۰

لایسع وغیرہ کی طرف عدول کیا اس کا یہی نکتہ ٹھہرایا کہ بوجہ تفرد کذاب یا متہم احتمال وضع تھا اگر غلبہ ظن ہوتا حکم بالوضع سے کیا مانع تھا کہ آخر صحیح موضوع وغیرہما تمام احکام میں غلبہ ظن کافی اور بلاشبہہ حجت شرعی ہے۔

اقول: والاشارۃ فی قولہ خص ھذا انما تلمح الی لاقرب وھو المتھم فھو الذی خصہ الحافظ باسم المتروك اما ما تفرد بہ الکذاب فھو عین الموضوع عندہ فانما عرفہ بما فیہ الطعن بکذاب الراوی فلیتنبہ ھذا کلہ ماظھرلی والحمدللہ الواحد العلی۔	**اقول:** زرکشی کے الفاظ "خص ھذا" میں اشارہ اقرب کی طرف یعنی متہم کی طرف ہے تو یہ وہی ہے جس کے لئے حافظ ابن حجر نے متروک کا نام خاص کیا ہے لیکن جس روایت میں کذب متفرد ہو وہ حافظ کے نزدیک بھی عین موضوع ہے کیونکہ انہوں نے خود موضوع کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ جس میں کذاب راوی کا طعن ہو، اس پر توجہ کرو یہ وہ امور تھے جو میرے لئے ظاہر ہوئے اور تمام حمد اللہ کے لئے جو واحد و بلند ہے (ت)

فقیر نے اپنی بعض تحریرات میں اس مسئلہ پر قدرے کلام کرکے لکھا تھا:

ھذا مایظھرلنا والمحل محل تامل فلیتامل لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔	یہ وہ ہے جو ہم پر ظاہر ہُوا اور یہ مقام مقامِ غور و فکر ہے لہٰذا ہر کوئی غور کرے، شاید اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی دوسرا امر ظاہر فرمادے۔ (ت)

الحمدللہ اب بوجہ کثیر اسے تاکد و تائید حاصل ہوا کلام[1] امام سخاوی کی تصریح کلام[2] علّامہ قاری وعلامہ[3] مناوی ہیں اُس کے نظائر[4] صریح کلام امام اجل شعبہ بن الحجاج سے استنباط صحیح تعریف[5] امام ابن الصلاح وامام[6] نووی وامام[7] عراقی وامام[8] قسطلانی کا اقتضائے تجیع حدیث[9] سے تائید دلیلِ عقل[10] سے تشیید کلام امام[11] بخاری وعلامہ ابن عراق[12] سے تاکید الحمدللہ سرا وجھرا فقد حقق رجائی واحدث امرا تمام خوبیاں ظاہرًا و باطنًا اللہ کے لئے ہیں پس اس نے میری امید پوری کی اور نئی راہ پیدا فرمائی۔ (ت)

تنبیہ: تنبیہ متعلق افادہ ۲۵ کہ کتاب موضوعات میں ذکر حدیث مؤلف کے نزدیک یہ مستلزم موضوعیت نہیں) اس عبارت تنزیہ الشریعۃ سے ایک اور نفیس فائدہ حاصل ہوا کہ کتب موضوعات قسم اول میں بھی لفظ حکم پر لحاظ چاہئے اگر صراحۃً موضوع یا باطل کہہ دیا تو مؤلف کے نزدیک وضع ثابت ہوگی اور اگر لایصح وغیرہ ہلکے الفاظ کی طرف عدول کیا تو آخر یہ عدول بے چیزے نیست ظاہرًا خود مؤلف کو اُس پر حکمِ وضع کی جرأت نہ ہُوئی صرف احتمال درج کتاب کیا فافھم فلعلہ حسن وجیہ ولم ارہ لغیرہ فلیحفظ اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے شاید یہ بہتر توجیہ ہو اور میں نے اسے کسی غیر سے نہیں پڑھا پس اسے محفوظ کرلیجئے۔ ت)

فائدہ۵: (مجہول العین کا قبول ہی مذہب محققین ہے) افادہ دوم میں گزرا کہ امام نووی نے مجہول العین کا قبول بہت محققین کی طرف نسبت کیا اور امام اجل ابوطالب مکّی نے اُسی کو مذہب فقہائے کرام واولیائے عظام قرار دیا اور یہی مذہب ہمارے ائمہ اعلام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(لا) جرح (بان له راویا) واحدا (لفظ) دون غیره (وهو مجهول العین باصطلاح) کسمعان لیس له راوغیر الشعبی فان المناط العدالة والحفظ لاتعدد الرواة وقیل لایقبل عند المحدثین وهو تحکم [1] اھ مختصرا۔	اس میں جرح (نہیں کہ (اس کا راوی) (فقط) ایک ہے (اور وہ اصطلاح میں مجہول العین ہے) مثلاً سمعان، ان سے راوی شعبی کے علاوہ کوئی نہیں کیونکہ مدار عدالت راوی وحفظ ہے، راویوں کا متعدد ہونا نہیں، بعض نے کہا کہ محدثین کے نزدیک یہ مقبول نہیں یہ زیادتی ہے اھ مختصراً (ت)

پس دربارہ مجہول قول مقبول یہ ہے کہ مستور ومجہول العین دونوں حجت، ہاں مجہول الحال جس کی عدالت ظاہری بھی معلوم نہ ہو احکام میں حجت نہیں فضائل میں بالاتفاق وہ بھی مقبول۔

تنبیہ: (غالبًا مطلق مجہول سے مراد مجہول العین ہوتا ہے) مجہول جب مطلق بولا جاتا ہے تو کلام محدثین میں غالبًا اُس سے مراد مجہول العین ہے، امام سبکی شفاء السقام عـــہ میں فرماتے ہیں:

جهالة العین وهو غالب اصطلاح اهل هذا الشان فی هذا الاطلاق [2]۔	محدثین جب مطلقاً مجہول کا لفظ بولیں تو اکثر طور پر اس سے مراد مجہول العین ہوتا ہے۔ (ت)

فائدہ۵: (فائدہ ۵ متعلق افادہ۲۱ کہ قبول ضعیف کے لئے درود صحیح کی حاجت نہیں) ہم نے افادہ۲۱ میں روشن دلیلوں سے ثابت کیا کہ مادون الاحکام میں ضعیف محتاج ورود صحیح نہیں اور دلیل ثابت میں اس کی دس۱۰ نظائر کے پتے دئے سب سے اجل واعظم یہ کہ اکابر ائمہ کرام اعاظم محدثین اعلام مثل امام۱ ابن عساکر وامام۲ ابن شاہین وابوبکر۳ خطیب بغدادی وامام۴ سہیلی وامام۵ محب الدین طبری وعلامہ۶ ناصر الدین ابن المنیر وعلامہ۷ ابن سید الناس وحافظ۸ ابن ناصر وخاتم۹ الحفاظ وعلامہ۱۰ زرقانی وغیرہم نے حدیث احیاءِ ابوین کریمین کو باوصف تسلیم ضعف دربارہ فضائل

عـــہ: فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

---

1 فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

2 شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام الحدیث الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۹

ایسا معمول ومقبول مانا کہ اسے احادیث سے کہ بظاہر مخالف تھیں متاخر ٹھہرا کر اُن کا ناسخ جانا تو خود اس باب میں حدیث صحیح کی حاجت درکنار اُس کے مقابل کی صحاح اُس سے منسوخ نے ٹھہرائیں شرح مواہب لدنیہ میں ہے:

قال السیوطی فی سبیل النجاۃ مال الی ان اللہ تعالٰی احیاھما حتی اٰمنا بہ طائفۃ من الائمۃ وحفاظ الحدیث واستندوا الی حدیث ضعیف، لاموضوع کالخطیب وابن عساکر وابن شاھین والسھیلی والمحب الطبری والعلامۃ ناصرالدین ابن المنیر وابن سیدالناس ونقلہ عن بعض اھل العلم ومشی علیہ الصلاح الصفدی، والحافظ ابن ناصر، وقد جعل ھؤلاء الائمۃ ھذا الحدیث ناسخا للاحادیث الواردۃ بمایخالفہ ونصوا علی انہ متاخر عنھا فلاتعارض بینہ وبینھا اھ وقال فی الدرج المنیفۃ جعلوہ ناسخا ولم یبالوا بضعفہ لان الحدیث الضعیف یعمل بہ فی الفضائل والمناقب وھٰذہ منقبۃ ھذا کلام ھذا: الجھبذ وھو فی غایۃ التحریر[1] اھ ملخصا۔	امام سیوطی نے سبیل النجاۃ میں فرمایا کہ ائمہ اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ کی ذاتِ اقدس پر ایمان لائے، یہ قول انہوں نے ایک ایسی حدیث کی بناپر کیا ہے جو ضعیف ہے موضوع نہیں، وہ ائمہ یہ ہیں مثلاً خطیب بغدادی، ابن عساکر، ابن شاہین، سہیلی، محب طبری، علامہ ناصرالدین بن منیر اور ابن سیدالناس۔ اسے بعض اہلِ علم سے نقل کیا اور اسی پر صلاح الصفدی اور حافظ ابنِ ناصر چلے ہیں اور ان ائمہ نے اس مذکورہ حدیث کو اس سلسلہ میں وارد مخالف احادیث کے لئے ناسخ قرار دیا اور تصریح کی ہے کہ یہ حدیث ان سے موخر ہے لہٰذا اس کے اور ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں اھ اور درج المنیفہ میں فرمایا کہ اس حدیث کو محدثین نے ناسخ قرار دیتے ہوئے اس کے ضعف کی پرواہ نہیں کی کیونکہ فضائل ومناقب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاتا ہے اور یہ (والدین کا اسلام لانا) آپ کی منقبت ہے، یہ ان ماہرین حدیث کا کلام ہے اور یہ اس مسئلہ میں انتہائی بہتر رائے اور تحریر ہے اھ ملخصا (ت)

تنبیہ ضروری: (وہابیہ کے ایک کید پر آگاہ کرنا) **اقول:** جب کسی اصل کا کلمات علما سے اثبات منظور ہو تو اس کے لئے کافی ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں فروع میں اس پر مشی فرمائی ہُوا کہ یہ اصل اُن کے نزدیک متاصل ہے اُن کلمات کی نقل سے غرض مستدل اسی قدر امر سے متعلق اگرچہ وہ فرع خاص بنظر کسی اور وجہ کے اس کو مسلّم نہ ہو مثلاً ہم نے افادہ ۲۸ میں اس امر کے استحباب کو کہ موضوعیت مستلزم ممنوعیت نہیں کلام ائمہ سے چند نظائر

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ باب وفات امہ وماتعلق بابویہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ العامرہ مصر ۱/ ۱۹۷

نقل کیے کہ دیکھو حدیث کو موضوع اور فعل کو مشروع مانا اسی قدر سے استدلال تمام ہوگیا اگرچہ ہمیں ان بعض احادیث کی وضع تسلیم نہ ہو، یونہی یہاں اتنی بات سے کام ہے کہ علمائے نے ضعیف کو صحیح سے اتنا مستغنی مانا کہ ناسخ جانا دعوی غنا مؤید ومشید ہوگیا اگرچہ ہم قائل نسخ نہ ہوں اور دوسرے طور پر صحاح کا معارضہ دفع کرکے ان ضعاف کو قبول کریں، یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنے کا ہے کہ متکلمین وہابیہ دھوکے دیتے اور خارج از مبحث اُس فرع کے ترجیح وتزییف کی طرف کتراجاتے ہیں۔ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے قاعدہ یازدہم اصول الرشاد شریف میں اُن سُفہا کے اس کید ضعیف کی طرف ایمائے لطیف فرمایا یونہی فقیر نے آخر نکتہ جلیلہ فصل سیزدہم نوع اول مقصد سوم کتاب **حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات** ۱۳۰۵ھ میں سے اس کی نظیر پر متنبہ کیا فلیحفظ۔

فائدہ۶: (فائدہ ۶ کا متعلق افادہ ۲۰ کہ حدیث ضعیف بعض احکام میں بھی مقبول) افادہ ۲۰ میں گزرا کہ فضائل تو فضائل بعض احکام میں بھی حدیث ضعیف مقبول ہے جبکہ محل محل احتیاط ونفع بے ضرر ہو اُس کی ایک اور نظیر نیز علامہ حلبی کا فرمانا ہے کہ نماز میں سُترہ کو سیدھا اپنے سامنے نہ رکھے بلکہ دہنی یا بائیں ابرو پر ہو کہ حدیث میں ایسا وارد ہوا اور وہ اگرچہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں مقبول۔

حیث قال عـہ ینبغی ان یجعلھا حیال احد حاجبیہ لماروی ابوداؤد من حدیث ضباعۃ بنت المقداد بن الاسود عن ابیھا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الی عود ولاعمود ولاشجرۃ الاجعلہ علی حاجبہ الایمن اوالایسر ولایصمد لہ صمدا، وقداعل بالولید بن کامل وبجھالۃ ضباعۃ، لکن ھذا الحکم ممایجوز العمل فیہ بمثل ھذا، لانہ من الفضائل[1] اھ باختصار۔	الفاظ یہ ہیں مستحب یہ ہے کہ سُترہ دونوں ابروؤں میں سے کسی ایک کے سامنے کھڑا کیا جائے جیسا کہ ابوداؤد نے ضباعۃ بنت مقداد بن اسود اور انہوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف نماز ادا کرتے ہوئے نہیں دیکھا مگر آپ اس کو اپنی دائیں یا بائیں ابرو مبارک کے سامنے کردیتے بالکل سیدھا اس کی طرف رُخ نہ ہوتا۔ اس حدیث کو ولید بن کامل اور ضباعۃ کے مجہول ہونے کی وجہ سے معلول قرار دیا گیا، لیکن یہ حکم ان مسائل میں سے ہے جن پر عمل اس طرح کی روایت سے جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ فضائل اعمال سے ہے اھ باختصار۔ (ت)

عـــہ: اواخر کراھۃ الصلاۃ قبیل الفروع ۱۲ منہ (م)

---

[1] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

ایک اور اعلٰی واجل نظیر کلام امام[1] حافظ محدث ابوبکر بیہقی وامام[2] محقق علی الاطلاق وامام[3] ابن امیر الحاج وعلامہ[4] ابراہیم حلبی وعلامہ[5] حسن شرنبلالی وعلامہ[6] سید احمد طحطاوی وعلامہ[7] سید ابن عابدین شامی وغیرہم علمائے اعلام رحمہم اللہ تعالٰی سے یہ ہے کہ سُنن ابی داؤد وابن ماجہ میں بطریق ابو عمر یا ابو محمد بن محمد بن حریث عن جدہ حریث رجل من بنی عذرۃ، عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن الابی القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دربارہ سترہ نماز مروی ہوا:

فان لم یکن معہ عصا فلیخطط خطا[1]۔	اگر اس کے پاس لکڑی نہ ہو تو اپنے سامنے ایک خط کھینچ لے۔

امام ابوداؤد نے کہا امام سفٰین بن عینیہ نے فرمایا:

لم نجد شیئا نشدبہ ھذا الحدیث ولم یجیئ الامن ھذا الوجہ[2]۔	ہم نے کوئی چیز نہ پائی جس سے اس حدیث کو قوت دیں اور اس سند کے سوا دوسرے طریق سے نہ آئی۔

یونہی امام شافعی وامام بیہقی وامام نووی وغیرہم ائمہ نے اس کی تضعیف عــہ فرمائی بایں ہمہ ائمہ وعلمائے مذکورین

عــہ: قال فی الحلیۃ ثم فی ردالمحتار وقد یعارض تضعیفہ بتصحیح احمد وابن حبان وغیرھما لہ اھ وعقبہ فی الحلیۃ بمایاتی عنھا من قولہ ویظھر ان الاشبہ الخ وقال فی المرقاۃ قداشار الشافعی الی ضعفہ واضطرابہ قال ابن حجر صححہ احمد وابن المدینی وابن المنذر وابن حبان وغیرھم وجزم بضعفہ النووی اھ ملخصا قلت وھو وان فرض صحتہ لم یضرنا فیما نحن بصددہ لما قدمنا انفا فی التنبیہ ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے کہ اسکی تضعیف کبھی احمد اور ابن حبان وغیرہ کی تصحیح کے معارض ہوتی ہے اور حلیہ میں اس کا تعاقب ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے جو آگے آرہے ہیں یعنی "وان یظھر ان الاشبہ الخ" اور مرقات میں ہے کہ امام شافعی نے اس کے ضعف اور اضطراب کی طرف اشارہ کیا ہے، ابن حجر نے کہا کہ احمد، ابن مدینی، ابن منذر اور ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے اور امام نووی نے اس کے ضعف پر جزم کیا ہے اھ ملخصا۔ میں کہتا ہوں اگر اس کی صحت ہی فرض کرلی جائے تو ہمارے بیان کردہ مسئلہ میں یہ نقصان دہ نہیں جیسا کہ ابھی ہم نے تنبیہ میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن ابی داؤد باب الخط اذالم یجد عصاً مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۰

[2] سنن ابی داؤد باب الخط اذالم یجد عصاً مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۰

نے تصریح کی کہ حدیث ضعیف سہی ایسے حکم میں حجت ومقبول ہے کہ اُس میں نفع بے ضرر ہے،

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی سے منقول:

قال البیھقی لاباس بالعمل بہ وان اضطرب اسنادہ فی مثل ھذا الحکم ان شاء اللہ تعالٰی [1]۔	امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث کی سند میں اضطراب ہے مگر اس طرح کے مسائل میں اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

حلیہ میں فرمایا:

یظھر ان الاشبہ قول البیھقی ولاباس بالعمل بھذا الحدیث فی ھذا الحکم ان شاء اللہ تعالٰی، وجزم بہ شیخنا رحمہ اللہ تعالٰی فقال والسنۃ اولٰی بالاتباع [2]۔	اس سے واضح ہوتا ہے کہ بیہقی کا قول اس حکم میں اس حدیث پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اشبہ ومختار ہے، اور اسی پر ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے یہ کہتے ہوئے جزم فرمایا کہ سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

من جوزہ استدل بحدیث ابی داؤد وتقدم مافیہ لکن قدیقال انہ یجوز العمل بمثلہ فی الفضائل کمامر اٰنفا ولذا قال ابن الھمام والسنۃ اولٰی بالاتباع [3] اھ ملخصا۔	جس نے جائز قرار دیا اس کا حدیث ابی داؤد سے استدلال ہے اور اس حدیث میں جو ہے وہ پیچھے بیان ہوچکا، لیکن کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ فضائل میں ایسی حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے جیسا کہ ابھی گزرا اور اسی لئے امام ابن الہمام نے فرمایا سنّت زیادہ لائقِ اتباع ہے اھ ملخصا۔(ت)

نیز غنیہ پھر امداد الفتاح شرح نور الایضاح پھر حاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح میں ہے:

ان سلم انہ یعنی الخط غیر مفید فلاضرر فیہ مع مافیہ من العمل بالحدیث الذی یجوز العمل بہ فی مثلہ [4]۔	اگر تسلیم کرلیا جائے کہ خط مفید نہیں تو اس میں کوئی ضرر نہیں باجود اس کے محل نظر ہونے کے یہ حدیث ان میں سے ہے جس پر ایسے احکام میں عمل جائز ہوتا ہے۔(ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب السترۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۴۶

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۸

[4] غنیۃ المستملی فروع فی الخلاصہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۹

ردالمحتار میں ہے:

یسن الخط کماھو الروایۃ الثانیۃ عن محمد لحدیث ابی داؤد فان یکن معہ عصا فلیخط خطا وھو ضعیف لکنہ یجوز العمل بہ فی الفضائل ولذا قال ابن الھمام والسنۃ اولی بالاتباع [1] الخ۔	خط کھینچنا مسنون ہے جیسا کہ امام محمد کی روایت ثانیہ ہے انہوں نے ابوداؤد کی اس حدیث اس سے استدلال کیا: اگر نمازی کے پاس عصا (لکڑی) نہ ہو تو ایک خط کھینچ لے۔یہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اس بنا پر امام ابن ہمام نے فرمایا: سنت زیادہ لائقِ اتباع ہے الخ۔(ت)

تنبیہ: (فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ حسنہ ہیں، نہ صرف ثوابِ اعمال) ان دونوں نظیروں میں علامہ ابراہیم حلبی اور نظیر اخیر میں علّامہ شامی کا ان افعال میں سُترہ کو ابرو کے مقابل رکھنے یا خط کھینچنے کو فضائل سے بتانا اُس معنی کی صریح تصریح کررہا ہے جو فقیر نے حاشیہ افادہ ۲۱ میں ذکر کیا تھا کہ فضائلِ اعمال سے مراد اعمالِ فضائل ہیں یعنی وہ اعمال کہ بہتر و مستحسن ہیں نہ خاص ثواب اعمال، یہاں سے خیالات باطلہ گنگوہیہ کی تفضیح کامل ہوتی ہے وللہ الحمد۔

فائدہ۷: (حدیث ضعیف سے سنیت بھی ثابت ہوسکتی ہے یا نہیں) عبارت ردالمحتار کہ ابھی منقول ہوئی بتارہی ہے کہ امثال مقام میں نہ صرف استحباب بلکہ سنّیت بھی حدیث ضعیف سے ثابت ہوسکتی ہے یونہی افادہ ۱۷ میں علی قاری کا ارشاد گزرا کہ حدیث ضعیف کے سبب ہمارے علماء نے مسح گردن کو مستحب یا سنّت مانا۔

اقول: لکن قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ بعد ماذکر حدیث ابن ماجۃ عن الفاکہ وعن ابن عباس والبزار عن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنھم فی اغتسال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم العیدین وقال ان فی اسانید ھٰذہ ضعفاء مانصہ، واستنان غسل العیدین ان قلنا بان تعدد الطرق الواردۃ فیہ یبلغ درجۃ الحسن، والاالندب وفی ذلک تأمل [2] اھ فقداشار رحمہ اللہ تعالٰی الی	**اقول:** لیکن امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں عیدین کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں حدیث ابن ماجہ، فاکہ، ابن عباس سے اور حدیث بزار، ابورافع رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کرنے کے بعد کہا کہ ان اسانید میں راوی ضعیف ہیں، اور پھر کہا کہ عیدین کے موقعہ پر غسل سنّت ہے اگر ہم یہ کہیں کہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر حسن کا درجہ پاچکی ہے اور اگر یہ نہیں تو غسل مستحب ہے اور اس میں تامل ہے اھ۔امام رحمہ اللہ تعالٰی نے اس بات

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ان الضعیف لایفید الاستنان ولك ان تقول ان السنة ربما تطلق علی المستحب کعکسه کما صرحوا بھما فیتجه کلام الشامی والقاری وبه یحصل التوفیق بین الروایتین عن علمائنا فی المسألة اعنی مسألة الخط.فمن اثبت اراد الاستحسان ومن نفی نفی الاستنان وقدکان متأیدا بمافی الحلیة ھل ینوب الخط بین یدیه منابھا فعن ابی حنیفة وھو احدی الروایتین عن محمد انه لیس بشیئ ای لیس بشیئ مسنون اھ لولا انه زاد بعدہ بل فعله وترکه سواء [1] انتھی ففیه بعدبعد فافھم۔	کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حدیث ضعیف سنّت کا فائدہ نہیں دیتی،اور تیرے لئے یہ جائز ہے کہ تُو کہے کہ بعض سنّت کا اطلاق مستحب اور مستحب کا سنت پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ فقہا نے اس کی اور تصریح کی ہے،لہٰذا امام شامی اور قاری کے کلام کی توجیہ ہوجائے گی اور اسی سے مسئلہ خط میں ہمارے علماء سے مروی دو ۲ روایات میں تطبیق بھی ہوجائے گی،پس جس نے اسے ثابت کیا اس نے اس استحسان کا ارادہ کیا اور جس نے نفی کی اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ سنّت نہیں اور اس کی تائید حلیہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ کیا خط سترہ کے قائم مقام ہوگا یا نہیں؟ تو امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ کوئی شیئ نہیں یعنی سنّت نہیں اھ کاش اس کے بعد وہ یہ اضافہ نہ کرتے کہ اس کا کرنا اور چھوڑنا برابر ہے انتہی،اس میں نہایت ہی بعد ہے اسے اچھی طرح سمجھ لو۔(ت)

فائدہ۸: (فائدہ ۸ متعلق افادہ ۱۱ کہ وضع یا ضعف کا حکم کبھی بلحاظ سند خاص ہوتا ہے نہ بلحاظ اصل حدیث) ہم نے افادہ ۱۱ میں بہت نصوص نقل کیے کہ بارہا محدثین کا کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنا ایک سند خاص کے اعتبار سے ہوتا ہے نہ کہ اصل حدیث کے۔اور سُنیے حدیث صحیح زکوۃ حلی،مروی سنن ابی داؤد ونسائی:

امرأة اتت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومعھا ابنة لھا وفی یدابنتھا مسکتان غلیظتان من ذھب فقال أتعطین زکاة ھذا قالت لاقال ایسرك ان یسورك اللہ بھما یوم القیمة سوارین من نار قال فخلعتھما فالقتھما الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	یعنی ایک بی بی خدمتِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اُن کی بیٹی ان کے ساتھ تھیں دُختر کے ہاتھ میں سونے کے کڑے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ عرض کی نہیں۔فرمایا: کیا تجھے یہ پسند ہے کہ اللہ عزوجل قیامت میں ان کے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فقالت هما لله ورسوله [1]۔	بدلے آگ کے کنگن پہنچائے، اُن بی بی نے کڑے اتار کر ڈال دئے اور عرض کی یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جیسے امام ابوالحسن ابن القطان وامام ابن الملقن وعلّامہ سید میرک نے کہا: اسنادہ صحیح [2] (اس کی سند صحیح ہے) امام عبدالعظیم منذری نے مختصر میں فرمایا: اسنادہ لامقال فیه [3] (اس کی سند میں کچھ گفتگو نہیں) محقق علی الاطلاق نے فرمایا: لاشبهة فی صحته [4] (اس کی صحت میں کچھ شبہہ نہیں) امام ترمذی نے جامع میں روایت کرکے فرمایا: لایصح فی هذا الباب عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم [5] شیئ (اس باب میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ صحیح مروی نہ ہوا) امام منذری نے فرمایا: لعل الترمذی قصد الطریقین الذین ذکرهما والافطریق ابی داؤد لامقال فیه [6] (شاید ترمذی ان دو طریق کو کہتے ہیں جو انہوں نے ذکر کیے ورنہ سند ابی داوٗد میں اصلا جائے گفتگو نہیں) ابن القطان نے فرمایا:

انما ضعف هذا الحدیث لان عنده فیه ضعیفین ابن لهیعة والمثنی بن الصباح [7]۔ ذکره الامام المحقق فی الفتح ثم العلامة القاری فی المرقاة۔	انہوں نے اس وجہ سے تضعیف کی کہ ان کے پاس اس کی سند میں دو ۲ راوی ضعیف تھے ابن لہیعۃ اور مثنی بن الصباح۔ اسے امام محقق نے فتح القدیر اور ملّا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ (ت)

اور سُنیے حدیث ردّ شمس کہ حضور پُرنور سید الانوار، ماہِ عرب، مہرِ عجم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ڈوبا ہُوا آفتاب پلٹ آیا، مغرب ہو کر پھر عصر کا وقت ہوگیا یہاں تک کہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی

---

[1] سُنن ابی داوٗد باب الکنز ماھو وزکوۃ الحلی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۸
[2] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴
[3] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴
[4] فتح القدیر بحوالہ ابی الحسن ابن القطعان فصل فی الذھب، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۵
[5] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوۃ الحلّی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱
[6] فتح القدیر بحوالہ المنذر فصل فی الذھب مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴
[7] فتح القدیر بحوالہ ابن القطان فصل فی الذھب مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۶۴

وجہہ الکریم نے نمازِ عصر ادا کی جسے طحاوی وامام قاضی عیاض وامام مغلطای وامام قطب خیضری وامام حافظ الشان عسقلانی وامام خاتم الحفاظ سیوطی وغیرہم اجلہ کرام نے حسن وصحیح کہا **کماھو مفصل فی الشفاء وشروحہ والمواھب وشرحھا** (جیسے شفاء اس کی شروح اور مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں تفصیلاً مذکور ہے۔ت) علامہ شامی اپنی سیرت پھر علّامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

اماقول الامام احمد وجماعة من الحفاظ بوضعه فالظاھر انه وقع لھم من طریق بعض الکذابین والافطرقه السابقة یتعذر معھا الحکم علیه بالضعف فضلا عن الوضع[1]۔	امام احمد اور حفّاظ کی ایک جماعت کا اسے موضوع قرار دینا اس وجہ سے ہے کہ ان کو یہ روایت ایسے لوگوں کے ذریعے پہنچی ہوگی جو کذاب تھے ورنہ اس کی سابقہ تمام اسانید پر ضعف کا حکم لگانا متعذر ہے، چہ جائیکہ اسے موضوع کہا جائے۔(ت)

عام ترسُنیے امام شیخ الاسلام عمدۃ الکرام مرجع العلماء الاعلام تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی کتاب مستطاب مظہر الصواب مرغم الشیطان مدغم الایمان شفاء السقام عــہ فی زیادۃ خیر الانام علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلاۃ والسلام میں فرماتے ہیں:

ومما یجب ان یتنبه له ان حکم المحدثین بالانکار والاستغراب قدیکون بحسب تلك الطریق فلایلزم من ذلك ردمتن الحدیث بخلاف اطلاق الفقیه ان الحدیث موضوع فانه حکم علی المتن من حیث الجملة[2]۔	اس سے آگاہ رہنا واجب ہے کہ محدثین کا کسی حدیث کو منکر یا غریب کہنا کبھی خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے تو اس سے اصل حدیث کا رد لازم نہیں آتا بخلاف فقیہ کے موضوع کہنے کہ وہ بالاجمال اُس متن پر حکم ہے۔

لطیفہ جلیلہ منیفہ: (لطیفہ جلیلہ منیفہ جان پر لاکھ من کا پہاڑ) ابوداؤد ونسائی کی یہ حدیث صحیح عظیم جلیل جس میں اُن بی بی نے کڑوں کے صدقہ کرنے میں اللہ عزوجل کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــہ: فی الباب الاول تحت الحدیث الخامس من حج البیت فم یزرنی فقد جفانی ۱۲ منہ (م)	باب اول میں حدیث خامس کے تحت یہ مذکور ہے جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ردّ شمس لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۵/۱۳۲

[2] شفاء السقام الحدیث الخامس مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۹

کا نام پاک بھی ملایا اور حضور نے انکار نہ فرمایا بعینہٖ یہی مضمون صحیح بخاری و صحیح مسلم نے حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں روایت کیا کہ جب ان کی توبہ قبول ہُوئی عرض کی:

یارسول اللہ من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	یارسول اللہ! میری توبہ کی تمامی یہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے صدقہ کردوں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔ یہ حدیثیں حضراتِ وہابیہ کی جان پر آفت ہیں اِنہیں دو۲ پر کیا موقوف فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے بجواب استفتائے بعض علمائے دہلی ایک نفیس و جلیل و موجز رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الامن والعلی لناعتی المصطفٰی**[عہ۱] **بدافع البلا**[۱۳۱۰ھ] ملقب بلقب تاریخی اکمال الطامہ علی شرک سوی بالامور العامہ تالیف کیا اس میں ایسی بہت کثیر و عظیم باتوں کا آیات واحادیث سے صاف وصریح ثبوت دیا مثلاً قرآن وحدیث ناطق ہیں اللہ ورسول[عہ۲] نے دولتمند کردیا، اللہ ورسول[عہ۳] نگہبان ہیں، اللہ ورسول[عہ۴] بے والیوں کے والی ہیں، اللہ ورسول[عہ۵] مالوں کے مالک ہیں، اللہ ورسول[عہ۶] زمین کے مالک ہیں، اللہ ورسول[عہ۷] کی طرف توبہ، اللہ ورسول[عہ۸] کی دوہائی، اللہ ورسول[عہ۹] دینے والے ہیں، اللہ ورسول[عہ۱۰] سے دینے کی توقع، اللہ ورسول[عہ۱۱] نے نعمت دی، اللہ ورسول[عہ۱۲] نے عزّت بخشی۔ حضور[عہ۱۳] اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی اُمت کے حافظ ونگہبان ہیں، حضور[عہ۱۴] کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں، حضور[عہ۱۵] کے آگے سب گڑگڑا رہے ہیں، حضور[عہ۱۶] ساری زمین کے مالک ہیں، حضور[عہ۱۷] سب آدمیوں کے مالک ہیں، حضور[عہ۱۸] تمام امتوں کے مالک ہیں، ساری دنیا کی مخلوق حضور[عہ۱۹] کے قبضہ میں ہے، مدد کی کنجیاں حضور[عہ۲۰] کے ہاتھ میں ہیں، نفع کی کنجیاں حضور[عہ۲۱] کے ہاتھ میں، جنت کی کنجیاں[عہ۲۲] حضور کے ہاتھ میں، دوزخ کی کنجیاں حضور[عہ۲۳] کے ہاتھ میں، آخرت میں عزّت دینا حضور[عہ۲۴] کے ہاتھ میں، قیامت میں کل اختیار حضور[عہ۲۵] کے ہاتھ میں ہیں، حضور[عہ۲۶] مصیبتوں کو دُور فرمانے والے، حضور[عہ۲۷] سختیوں کے ٹالنے والے، ابوبکر صدیق وعمر فاروق حضور[عہ۲۸] کے بندے، حضور[عہ۲۹] کے خادم نے بیٹا دیا، حضور[عہ۳۰] کے خادم رزق آسان کرتے ہیں، حضور[عہ۳۱] کے خادم بلائیں دفع کرتے ہیں،

عہ۱: صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عہ۲ تا عہ۱۲ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

عہ۱۳ تا عہ۳۱ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

---

[1] صحیح البخاری باب قولہ تعالٰی لقد تاب اللہ علی النبی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۵

حضور [عـــہ۱] کے خادم بلندی مرتبہ دیتے ہیں، حضور [عـــہ۲] کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں، اولیا کے سبب بلا دُور ہوتی ہے، اولیا کے سبب رزق ملتا ہے، اولیا کے سبب مدد ملتی ہے، اولیا کے سبب مینہ اُترتا ہے، اولیا کے سبب زمین قائم ہے۔ یہ اور ان جیسی بیسیوں باتیں صرف قرآن وحدیث سے لکھی ہیں، وہابی صاحب شرک وغیرہ جو حکم لگانا چاہیں اللہ ورسول کی جناب میں بکیں یا خدا اور سول سے لڑیں اگر لڑ سکیں، اس میں یہ بھی روشن دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے کہ وہابی مذہب نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام، عیسٰی علیہ الصلاۃ والسلام، جبریل علیہ الصّلٰوۃ والسلام اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہاں تک کہ خود رب العزت جل جلالہ کسی کو سخت شنیع الزام لگانے سے نہیں چھوڑا۔ ضمناً یہ بھی واضح دلائل سے بتادیا گیا کہ وہابی صاحبوں کے نزدیک جناب شیخ مجدد صاحب ومرزا جانِ جاناں صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبدالعزیز صاحب اور اُن کے اساتذہ ومشائخ یہاں تک کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی سب کے سب پکّے مشرک تھے، غرض وہابی مذہب پر شرک امور عامہ سے ہے جس سے معاذاللہ ملائکہ سے لے کر رسولوں، بندوں سے لے کر ربِّ جلیل تک، شاہ ولی اللہ سے لے کر ان کے پیروں اُستادوں، شاہ عبدالعزیز صاحب سے خود میاں اسمٰعیل تک کوئی خالی نہیں، وہابیت کا پھاگ، نجدیت کی ہولی، شرک کا رنگ، تقویۃ الایمان کی پچکاری ہے، زور گھنگھور شراٹوں کا شور، سارا جہان شرابور، پولو کی قید نہ اماوس پہ چھور، یہ انوکھا پھاگن بارہ ماوس جاری ہے۔

اشراک بمذہبے کہ تا حق برسد

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

یہ مختصر رسالہ کہ چار ۴ جزسے بھی کم ہے ایک سوتیس ۱۳۰ سے زیادہ فائدوں اور تیس ۳۰ آیتوں اور ستر ۷۰ سے زیادہ حدیثوں پر مشتمل ہے جو اس کے سوا کہیں مجتمع نہ ملیں گے بحمد اللہ تعالٰی اُس کی نفاست، اُس کی جلالت، اُس کی صولت، اُس کی شوکت دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ [1] رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ	یہ اللہ کا ہم پر اور لوگوں پر فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے، اے میرے رب مجھے اس

عـــہ۱ و عـــہ۲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

[1] القرآن ۱۲/ ۳۸

نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾ [1] والحمدللّٰه رب العٰلمین O	بات کی توفیق دے کہ میں ان نعمتوں پر تیرا شکر کروں جو تُو نے مجھ اور میرے والدین پر فرمائی ہیں، اور مجھے اچھے اعمال کی توفیق دے جن سے تُو راضی ہو جائے اور میری اولاد کی اصلاح فرما، میں تیری ہی طرف رجوع کرتا اور مسلمانوں میں سے ہُوں، تمام تعریف اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے (ت)

فائدہ۹: (وہ محدثین جو غیر ثقہ سے روایت کرتے) ہم نے افادہ ۲۱ میں ذکر کیا محدثین میں بہت کم ایسے ہیں جن کا التزام تھا کہ ثقہ ہی سے روایت کریں جیسے شعبہ بن الحجاج[۱] وامام مالک[۲] وامام احمد[۳] اور افادہ دوم میں یحیٰی بن سعید قطان[۴] وعبدالرحمٰن بن مہدی[۵] کو گنا، اور انہیں سے ہیں امام شعبی[۶] وبقی بن مخلد[۷] وحریز بن عثمٰن[۸] وسلیمٰن بن حرب[۹] ومظفر بن مدرک خراسانی[۱۰] وامام بخاری[۱۱]۔ مقدمہ صحیح مسلم شریف میں ہے:

حدثنی ابوجعفر الدارمی ثنا بشر بن عمر قال سألت مالك بن انس (فذكر الحديث قال) و سألته عن رجل اٰخر نسيت اسمه فقال هل رأيته فی كتبی قلت لاقال لوكان ثقة لرأيته فی كتبی [2]۔	ابوجعفر دارمی نے مجھے حدیث بیان کی کہ ہمیں بشر بن عمر نے بتایا کہ میں نے مالک بن انس سے پُوچھا (پھر تمام حدیث بیان کی اور کہا) اور میں نے ایک دوسرے آدمی کے بارے میں ان سے پُوچھا جن کا نام میں اس وقت بھُول گیا تو انہوں نے فرمایا کہ تُو نے اسے میری کتب میں پایا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا اگر وہ ثقہ ہوتے تو میری کتب میں انہیں ضرور پاتا۔ (ت)

منہاج امام نووی میں ہے:

هذا تصريح من مالك رحمه الله تعالٰى بان من ادخله فی كتابه فهو ثقة فمن وجدناه فی كتابه حكمنا بانه ثقة عند مالك وقد لايكون ثقة عند غيره [3]۔	یہ امام مالک کی تصریح ہے کہ جسے وہ اپنی کتاب میں ذکر کریں گے وہ ثقہ ہوگا تو اب ہم ان کی کتاب میں جسے پائیں ہم اسے امام مالک کے نزدیک ثقہ سمجھیں گے اور کبھی ان کے غیر کے ہاں وہ شخص ثقہ نہیں ہوگا۔ (ت)

---

1 القرآن ۴۶/ ۱۵

2 صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

3 شرح صحیح مسلم النووی باب بیان ان الاسناد من الدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

میزان میں ہے:

ابراھیم بن العلاء ابوھارون الغنوی وثقه جماعة ووھاہ شعبة فیما قیل ولم یصح بل صح انه حدث عنه[1]۔	ابراہیم بن العلاء ابوہارون غنوی کو ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے اور کہا گیا ہے کہ شعبہ نے انہیں کمزور کہا، اور یہ صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ شعبہ نے ان سے حدیث بیان کی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عبدالاکرم بن ابی حنیفة عن ابیه وعنه شعبة لایعرف لکن شیوخ شعبة جیاد[2] اھ **اقول:** لکن قال یزید بن ھارون قال شعبة داری وحماری فی المساکین صدقة ان لم یکن ابان ابن ابی عیاش یکذب فی الحدیث قلت له فلم سمعت منه؟ قال ومن یصبر عن ذا الحدیث۔ یعنی حدیثه عن ابراھیم عن علقمة عن عبدالله عن امه انها قالت رأیت رسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم قنت فی الوتر قبل الرکوع کمافی المیزان[3] **ولك** التفصی عنه بان السماع شیئ والتحدیث شیئ، والکلام فی الاخیر وان کان اسم الشیخ یتناول الوجھین وسنذکر اٰخر ھذہ الفائدة	عبدالاکرم بن ابی حنیفہ اپنے والد سے اور ان سے شعبہ نے روایت کیا ہے اور وہ معروف نہیں لیکن شعبہ کے تمام اساتذہ جید ہیں اھ (ت) **اقول:** لیکن یزید بن ہارون نے بیان کیا کہ شعبہ نے کہا کہ میرا گھر اور میری سواری مساکین میں صدقہ ہے، اگر ابان ابن ابی عیاش حدیث میں جھُوٹا نہ ہو، میں نے انہیں کہا تو پھر آپ نے ان سے کیوں سماع کیا؟ تو اس نے فرمایا کون ہے جو صاحبِ حدیث سے حدیث لینے سے باز رہے، اس سے انہوں نے ان کی وہ حدیث مراد لی جو ابراہیم سے علقمہ سے عبداللہ سے اور انہوں نے اپنی والدہ سے بیان کی ہے، وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے وتر میں رکوع سے پہلے قنوت پڑھی ہے جیسا کہ میزان میں ہے، اور تیرے لئے اس سے خلاصی کی صورت

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۵۲ ابراہیم بن العلاء مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۴۹

[2] میزان الاعتدال ۴۷۳۴ عبدالاکرم مطوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۲/ ۵۳۲

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۵ ابان ابن ابی عیاش مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۱۱

ان الامام ربما حمل عمن شاء. فاذا حدث تثبت **نعم** لعل الصواب التقیید بمن حدث عنه فی الاحکام دون مایتساهل فیه لماتقدم فی الافادۃ الثالثة والعشرین من قول ابن عدی ان شعبة حدث عن الکلبی ورضیه بالتفسیر[1] کمانقله فی المیزان وفیه ایضاً فی محمد بن عبدالجبار قال العقیلی مجهول بالنقل **قلت** شیوخ شعبة نقاوۃ الا النادر منهم وهذا الرجل قال ابوحاتم شیخ[2] اھ قلت وهذا لایضر فقد یکون الرجل ثقة عنده وعند غیره مجروح اومجهول حتی ان من شیوخه الذین وثقهم وصرح بحسن الثناء علیهم. جابر بن یزید الجعفی ذاك الضعیف الرافضی المتهم قال الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه. مارأیت فیمن رأیت افضل من عطاء ولااکذب من جابر الجعفی[3] وکذلك کذبه ایوب و زائدۃ ویحیی والجوزجانی وترکه القطان وابن مهدی والنسائی واٰخرون۔	یہ ہے کہ سماع اور شیئ ہے اور حدیث بیان کرنا اور ہے، گفتگو دوسرے میں ہے اگرچہ شیخ کا نام دونوں کے لئے مستعمل ہے عنقریب ہم اس فائدہ کے آخر میں ذکر کرینگے کہ امام شعبہ کبھی جس سے چاہے روایت لیتا ہے جب وہ حدیث بیان کرے تو تُو اس پر ثابت قدم رہ۔ ہاں شاید درست یہ ہو کہ اسے مقید کردیا جائے اس شخص کے ساتھ جس سے احکام کی احادیث بیان کی گئی ہیں نہ کہ وہ احادیث جن میں نرمی کی جاتی ہے جیسا کہ تئیسویں افادہ میں ابن عدی کا یہ قول گزرا ہے کہ شعبہ نے کلبی سے روایت کی ہے اور باب تفسیر میں اسے پسند کیا ہے میزان میں اسی طرح منقول ہے اور اس میں محمد بن عبدالجبار کے بارے میں بھی ہے کہ عقیلی نے کہا کہ وہ مجہول بالنقل ہے میں کہتا ہوں کہ شعبہ کے تمام شیوخ جید ہیں مگر بہت کم ایسے ہیں جو جید نہ ہوں، اور یہ وہ آدمی ہیں جس کے بارے میں ابوحاتم نے کہا شیخ ہے اھ قلت یہ نقصان دہ نہیں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک آدمی ایک محدث کے ہاں ثقہ ہے دوسرے کے ہاں مجروح یا مجہول ہوتا ہے حتی کہ اس کے شیوخ وہ ہیں جن کو ثقہ کہا گیا اور ان کی تعریف کی تصریح کی گئی ان میں سے جابر بن یزید الجعفی ہے جو ضعیف رافضی اور متہم ہے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں نے جو لوگ دیکھے ان میں عطاء سے بڑھ کر سچا کسی کو نہیں پایا اور جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کوئی نہیں دیکھا، اسی طرح ایوب، زائدہ، یحیٰی اور جوزجانی نے اسے جھوٹا قرار دیا۔ قطان، ابن مہدی، نسائی اور دیگر محدثین نے اسے ترک کردیا۔ (ت)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۵۷۴ محمد بن السائب الکلبی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۵۵۸
[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۸۲۲ محمد بن عبدالجبار مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۳/ ۶۱۳
[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۴۲۵ جابر بن یزید الجعفی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت لبنان ۱/ ۳۸۰

شفاء السقام عــہ۱ شریف میں ہے:

احمد رحمه الله تعالٰی لم یکن یروی الا عن ثقة وقدصرح الخصم (یعنی ابن تیمیة) بذلك فی الکتاب الذی صنفه فی الرد علی البکری بعد عشر کراریس منه. قال ان القائلین بالجرح والتعدیل من علماء الحدیث نوعان منهم من لم یروالا عن ثقة عنده کمالك وشعبة ویحیی بن سعید وعبدالرحمٰن بن مهدی واحمد بن حنبل وکذٰلك البخاری وامثاله[1] اھ	امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے اور مخالف (یعنی ابن تیمیہ) نے اس بات کی اپنی اس کتاب میں تصریح کی ہے جو اس نے بکری کے رَد میں اس کے دس رسائل کے بعد لکھی، کہا کہ علماءِ جرح وتعدیل (حدیث میں) دو۲ اقسام ہیں ایک وہ ہیں جو صرف ثقہ سے روایت کرتے ہیں مثلاً مالک، شعبہ، یحیٰی بن سعید، عبدالرحمٰن بن مہدی، احمد بن حنبل اور اسی طرح بخاری اور ان کے ہم مثل اھ (ت)

تہذیب التہذیب امام ابن حجر عسقلانی میں ہے:

خارجة بن الصلت البرجمی الکوفی روی عنه الشعبی وقدقال ابن ابی خیثمة اذاروی الشعبی عن رجل وسماه فھو ثقة یحتج بحدیثه[2]۔	خارجہ بن الصلت برجمی کوفی جن سے شعبی نے روایت کیا ہے اور ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ جب شعبی کسی شخص سے حدیث بیان کریں اور اس کا نام لیں تو وہ ثقہ ہوگا اس کی حدیث سے استدلال کیا جائیگا۔ (ت)

تدریب عــہ۲ میں ہے:

من لایروی الاعن عدل کابن مھدی ویحیی بن سعید[3] اھ **اقول:** ولاینکر علیه بمافی المیزان عن عباس الدوری عن یحیٰی بن معین عن یحیٰی بن سعید لولم ارو الا عمن ارضی مارویت الاعن خمسة اھ	وہ لوگ جو صرف عادل راویوں سے روایت لیتے ہیں مثلاً ابن مہدی اور یحیٰی بن سعید اھ **اقول:** اور اس پر اس بات سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا جو میزان میں عباس دوری نے یحیٰی بن معین سے انہوں نے یحیٰی بن سعید کے حوالے سے روایت

عــہ ۱: فی الباب الاول تحت حدیث الاول ۱۲ منہ (م)

عــہ ۲: فی ترجمة اسرائیل بن یونس ۱۲ منہ (م)

---

[1] شفاء السقام الحدیث الاول مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰

[2] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۱۴۵ خارجہ بن الصلت مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳/ ۷۵

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی روایۃ مجہول العدالۃ والمستور دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۱۷

فان رضی یحیٰی غایۃ لاتدرك وکیف یظن بہ ان الخلق کلھم عندہ ضعفاء الاخمسۃ وانما المرضی لہ جبل ثبت شامخ راسخ لم یزل ولم یتزلزل ولافی حرف ولامرۃ۔	کی ہے کہ اگر میں اس شخص سے روایت کرتا ہوں جس سے میں راضی ہوتا ہوں تو میں صرف پانچ سے روایت کرتا ہوں اھ اور یحیٰی کے راضی ہونے کی غایت و مقصد معلوم نہیں اور یہ ان کے بارے میں کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ پانچ کے علاوہ تمام لوگ ان کے نزدیک ضعیف ہوں اور ان کے ہاں پسندیدہ و معتبر وہی شخص ہوگا جو اس فن میں پہاڑ کی مانند ٹھوس، مستحکم اور مضبوط ہو نہ زائل ہو اور نہ حرکت کرے نہ کسی حرف میں نہ ایک مرتبہ میں (ت)

تہذیب التہذیب میں ہے:

سلیمن بن حرب بن بجیل الازدی الواشجی قال ابوحاتم امام من الائمۃ کان لایدلس وقال ابوحاتم ایضا کان سلیمٰن بن حرب قل من یرضی من المشائخ فاذا رأیتہ قدروی عن شیخ فاعلم انہ ثقۃ[1] اھ ملتقطا۔	سلیمان بن حرب بن بجیل ازدی واشجی کے بارے میں ابوحاتم کہتے ہیں کہ ائمہ حدیث میں سے امام ہیں اور وہ تدلیس نہیں کرتے تھے اور ابوحاتم نے یہ بھی کہا کہ سلیمان بن حرب بہت کم مشائخ کا اعتبار کرتے تھے لہذا جب آپ دیکھیں کہ انہوں نے کسی شیخ سے روایت کی ہے تو یقینا وہ ثقہ ہی ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تقریب التہذیب ہے:

مظفر بن مدرك الخراسانی ابوکامل ثقۃ متقن کان لایحدث الاعن ثقۃ[2]۔	مظفر بن مدرک خراسانی ابوکامل ثقہ اور پختہ ہیں اور وہ ثقہ کے علاوہ کسی سے روایت نہیں کرتے تھے۔ (ت)

نافعہ جامعہ: امام سخاوی فتح عـــہ المغیث میں فرماتے ہیں:

تتمۃ من کان لایروی الاعن ثقۃ الافی النادر الامام احمد وبقی بن مخلد وحریز بن عثمٰن	تتمہ ان لوگوں کے بارے میں جو ثقہ کے علاوہ سے روایت نہیں کرتے مگر شاذ و نادر۔ وہ امام احمد،

عـــہ: فی معرفۃ من تقبل روایتہ ۱۲ منہ (م)	جس کی روایت مقبول ہو اسکی معرفت میں اس کا ذکر ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۳۱۱ سلیمٰن بن حرب مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۴/ ۱۷۸ و ۱۷۹

[2] تقریب التہذیب من اسمہ مظفر مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص ۲۴۸

وسلیمٰن بن حرب وشعبة والشعبی وعبد الرحمٰن بن مهدی ومالك ویحیٰی بن سعید القطان وذلك فی شعبة علی المشهور فانه کان یتعنت فی الرجال ولایروی الاعن ثبت،والا فقدقال عاصم بن علی سمعت شعبة یقول لولم احدثکم الاعن ثقة لم احدثکم عن ثلٰثة وفی نسخة ثلٰثین وذلك اعتراف منه بانه یروی عن الثقة وغیرہ فینظر وعلی کل حال فهو لایروی عن متروك ولاعمن اجمع علی ضعفه،واما سفین الثوری فکان یترخص مع سعة علمه وورعه ویروی عن الضعفاء حتی قال فیه صاحبه شعبة لاتحملوا عن الثوری الاعمن تعرفون فانه لایبالی عمن حمل وقال الفلاس قال لی یحیٰی بن سعید لاتکتب عن معتمر الاعمن تعرف فانه یحدث عن کل[1] اھ۔

اقول: ماذکر عن عاصم فیجوز بل یجب حمله علی مثل ماقدمنا فی کلام یحیی کیف وان للثقة اطلاقاً اٰخر اخص واضیق کماقال فی التدریب ان ابن مهدی قال حدثنا ابوخلدة فقیل له اکان ثقة فقال کان صدوقا

بقے بن مخلد، حریز بن عثمان، سلیمان بن حرب، شعبہ، شعبی، عبدالرحمٰن بن مہدی، مالک اور یحیٰی بن سعید القطان، اور شعبہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں سختی سے کام لیتے ہیں وہ صرف ثبت سے ہی روایت کرتے ہیں ورنہ عاصم بن علی کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ کو یہ کہتے ہُوئے سنا کہ اگر میں تمہیں ثقہ کے علاوہ کسی سے حدیث بیان نہ کرتا تو صرف تین راویوں (بعض نسخوں میں تیس کا ذکر ہے) سے حدیث بیان کرتا۔ یہ ان کا اعتراف ہے کہ میں ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے روایت کرتا ہُوں لہٰذا غور وفکر کرلیا جائے، ہر حال میں وہ متروک سے روایت نہیں کرتے اور نہ اس شخص سے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہو، رہا معاملہ سفیان ثوری کا تو وہ باوجود علمی وسعت اور ورع و تقوی کے نرمی کرتے ہوئے رخصت دیتے اور ضعفا سے روایت کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں ان کے شاگرد شعبہ نے کہا ہے کہ ثوری سے روایت نہ لو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم جانتے ہو کیونکہ وہ پروا نہیں کرتے کہ وہ کس سے حدیث اخذ کررہے ہیں، فلاس کہتے ہیں کہ مجھے یحیٰی بن سعید نے کہا کہ معتمر سے نہ لکھو مگر ان لوگوں کے حوالے سے جن کو تم خود جانتے ہو کیونکہ وہ ہر ایک سے حدیث اخذ کرتے ہیں اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) جو کچھ عاصم کے حوالے سے مذکور ہے اس کو اس گفتگو پر محمول کرنا جائز بلکہ واجب ہے جو ہم نے پہلے کلامِ یحیٰی پر کی تھی اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ثقہ کا ایک دوسرا اطلاق نہایت ہی محدود اخص ہے جیسا کہ تدریب میں ہے کہ ابن مہدی

[1] فتح المغیث شرح معرفة من تقبل روایته ومن ترد دارالامام الطبری بیروت ۲/ ۴۲ و ۴۳

وکان مأمونا وکان خیر الثقۃ شعبۃ وسفین قال وحکی المروزی قال سألت ابن حنبل عبد الوھاب بن عطاء ثقۃ؟ قال لاتدری ماالثقۃ انما الثقۃ یحیی بن سعید القطان [1] اھ فعلیك بالتثبت فان الامر جلی واضح۔	کہتے ہیں کہ ہمیں ابوخلدہ نے بیان کیا کہ ان سے کہا گیا کہ کیا وہ ثقہ ہے تو کہا کہ وہ صدوق اور مامون ہے اور بہتر ثقہ شعبہ اور سفیان ہیں اور کہا کہ مروزی نے بیان کیا کہ میں نے ابن حنبل سے عبدالوہاب بن عطا کے ثقہ ہونے کے بارے میں پُوچھا تو انہوں نے کہا تم ثقہ کو نہیں جانتے ثقہ صرف یحیٰی بن سعید القطان ہے اھ اس پر قائم رہنا کیونکہ معاملہ بڑا ہی واضح ہے۔(ت)

ثم اقول: (ہمارے امام اعظم جس سے رعایت فرمالیں اس کی ثقاہت ثابت ہو گئی) انہیں ائمہ محتاطین سے ہیں علم اعلم امام اعظم سیدنا ابوحنیفۃ النعمان انعم اللہ تعالٰی علیہ بانعام الرضوان ونعمہ بانعم نعم الجنان، یہاں تک کہ اگر بعض مختلطین سے روایت فرمائیں تو اخذ قبل التغیر پر محمول ہوگا جس طرح احادیث صحیحین میں کرتے ہیں محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

قال محمد بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الاٰثار اخبرنا ابوحنیفۃ ثنالیث بن ابی سلیم عن مجاھد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ ولیث کان احد العلماء العباد وقیل اختلط فی اٰخر عمرہ ومعلوم ان اباحنیفۃ لم یکن لیذھب فیاخذ عنہ فی حال اختلاطہ ویرویہ وھو الذی شدد فی امر الروایۃ مالم یشددہ غیرہ علٰی ماعرف [2] اھ۔	امام محمد بن حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں کہ ہمیں امام ابوحنیفہ نے از لیث بن ابی سلیم از مجاہد از ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ یتیم کے مال میں زکوٰۃ نہیں، لیث علمائے عابدین میں سے تھا اور انہیں آخر عمر میں اختلاط ہو گیا اور یہ بات مسلّم ہے کہ امام اعظم ان سے اختلاط کے بعد حدیث اخذ نہیں کرسکتے کیونکہ آپ حدیث اخذ کرنے اور بیان کرنے میں جتنے سخت ہیں دوسروں سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ معلوم ومعروف ہے اھ (ت)

تنبیہ: (قلۃ المبالاۃ فی الاخذ قدحدث من زمن التابعین اخذِ حدیث میں نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہوئی ہے۔ت)

قلت ھذا التوسع وقلۃ المبالاۃ فی	**قلت** (میں کہتا ہوں) اخذِ حدیث میں وسعت

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی علم جرح والتعدیل الخ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۳۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۱۵

الاخذ قدحدث فی العلماء من لدن التابعین الاعلام اخرج الدارقطنی عن ابن عون قال قال محمد بن سیرین اربعة یصدقون من حدثھم فلایبالون ممن یسمعون، الحسن وابوالعالیة وحمید بن ھلال ولم یذکر الرابع وذکرہ غیرہ فسماہ انس بن سیرین [1] ذکرہ الامام الزیلعی فی نصب الرایة عــہ وقال علی بن المدینی کان عطاء یاخذ عن کل ضرب، مرسلات مجاھد احب الیّ من مرسلاته بکثیر وقال احمد بن حنبل مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات، ومرسلات ابراھیم النخعی لاباس بھا، ولیس فی المرسلات اضعف من مرسلات الحسن وعطاء بن ابی رباح فانھما کانا یاخذان عن کل احد [2] وقال الشافعی فی مراسیل الزھری لیس بشیئ لانانجدہ یروی عن سلیمٰن بن الارقم [3] ذکرھا فی التدریب۔ **قلت** ومراسیل الائمة الثقات	اور نرمی اکابر تابعین کے زمانہ سے پیدا ہوئی ہے، دار قطنی نے ابنِ عون سے بیان کیا کہ محمد بن سیرین کہتے ہیں چار ایسے آدمی ہیں جو ان سے حدیث بیان کرے (اساتذہ) اس کو سچّا سمجھتے ہیں! اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کس سے سماع کررہے ہیں، وہ چار یہ ہیں حسن، ابوالعالیہ، حمید بن ہلال اور چوتھے کا نام نہیں لیا اور ان کے غیر نے چوتھے کا نام ذکر کیا اور اس کا نام انس بن سیرین بتایا ہے، اس کو امام زیلعی نے نصب الرایہ میں ذکر کیا ہے۔ علی بن مدینی نے کہا کہ عطاء ہر قسم کی روایات لیتا تھا، مجاہد کی مرسلات اس کی کثیر مرسلات سے مجھے بہت زیادہ پسند ہے۔ اور احمد بن حنبل کا قول ہے مرسلات میں سے سعید بن مسیب کی مرسلات اصح ہیں اور مرسلاتِ ابراہیم نخعی میں کوئی حرج نہیں، حسن اور عطاء بن رباح کی مراسیل سب سے ضعیف ہیں کیونکہ وہ دونوں ہر ایک سے حدیث اخذ کرلیتے تھے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ زہری کی مراسیل میں کوئی شیئ نہیں کیونکہ ہم نے اسے سلیمان بن ارقم سے روایت کرتے ہوئے پایا ہے اس کا ذکر تدریب میں ہے۔ (ت) **قلت** (میں کہتا ہوں) ثقہ ائمہ کی مراسیل

عــہ: فصل نواقض الوضو ۱۲ منہ

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الطھارۃ واما المراسیل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض ۱/ ۵۱

[2] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۳

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۵

مقبولة عندنا وعندالجماهير ولاشك ان عطاء والحسن والزهری منهم وقلة المبالاة عندالتحمل لايقتضيها عند الاداء فقديأخذ الامام عمن شاء ولايرسله الا اذااستوثق وقد وافقنا علی قبول مراسيل الحسن ذاك الورع الشديد عظيم التشديد قدوة الشان يحيی بن سعيد القطان وذاك الجبل العلی علی بن مدينی الذی كان البخاری يقول مااستصغرت نفسی الاعنده وذلك الامام الاجل نقاد العلل ابوزرعة الرازی وناهيك بهم قدوة اما القطان فقال ماقال الحسن فی حديثه قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم الا وجدنا له اصلا الاحديثا اوحديثين واما علی فقال مرسلات الحسن البصری التی رواها عنه الثقات صحاح ماقل مايسقط منها، واما ابوزرعة فقال كل شیئ قال الحسن قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم وجدت له اصلا ثابتا ماخلا اربعة احاديث[1] نقلها فی التدريب۔

قلت وعدم الوجدان لايقتضی عدم الوجود فلم يفت يحيی الاواحداو

ہمارے اور جمہور علما کے ہاں مقبول ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عطا، حسن اور زہری ان میں سے ہیں اور اخذ میں نرمی کے لئے لازم نہیں کہ بیان کرتے وقت بھی نرمی ہو، بعض اوقات امام کسی شخص سے حدیث اخذ کر لیتے ہیں مگر ارسال اسی وقت کرتے ہیں جب اسے وہ ثقہ محسوس کرتے ہوں، اور ہمارے ساتھ حسن کی مراسیل کو قبول کرنے میں یحیٰی بن سعید القطان شریک ہیں جو ورع و تقوٰی اور حدیث کے اخذ کرنے میں نہایت ہی سخت ہیں، اور اس فن کا عظیم شخص علی بن مدینی بھی جن کے بارے میں امام بخاری کا قول ہے میں نے اپنے آپ کو ان کے سوا کسی کے سامنے ہیچ نہیں سمجھا، اور امام اجل نقاد العلل ابوزرعہ رازی بھی شریک ہیں اور یہ لوگ اقتدا کے لئے کافی ہیں، لیکن قطان نے کہا ہے کہ جس حدیث کے بارے میں امام حسن یہ کہہ دیں "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" تو ہمیں ایک یا دو کے علاوہ ہر حدیث کی اصل ضرور ملی، علی بن مدینی کہتے ہیں کہ وہ مراسیل حسن بصری جو ان سے ثقہ لوگوں نے روایت کی ہیں وہ صحیح ہیں، میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اب سے ساقط ہونے والی کتنی ہیں اور ابوزرعہ کہتے ہیں جس شَے کے بارے میں بھی حسن نے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کہا ہے مجھے چار احادیث کے علاوہ ہر ایک کی اصل مل گئی ہے۔ اس عبارت کو تدریب میں نقل کیا ہے۔ (ت)

قلت (میں کہتا ہوں) عدمِ وجدان عدمِ وجود کو مستلزم نہیں تو یحیٰی کو ایک یا دو احادیث جو

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۴

اثنان ولعل غیر یحیی وجد مالم یجده وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ [1] ونقل فی مسلم الثبوت عنه رضی الله تعالٰی عنه انه قال متی قلت لکم حدثنی فلان فهو حدیثه ومتی قلت قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعن سبعین [2] اھ وفی التدریب قال یونس بن عبید سألت الحسن قلت یا ابا سعید انك تقول قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وانك لم تدرکه فقال یا ابن اخی لقد سألتنی عن شیئ ماسألنی عنه احد قبلك ولولا منزلتك منی مااخبرتك انی فی زمان کماتری وکان فی زمن الحجاج کل شیئ سمعتنی اقول قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فهو عن علی بن ابی طالب غیرانی فی زمان لااستطیع ان اذکر علیا [3] اھ والله تعالٰی اعلم۔	نہ ملیں ممکن ہے کسی اور محدّث کو وہ مل گئی ہوں اورشاد باری ہے وفوق کل ذی علم علیم (ہر علم والے پر ایک علم والا ہے) اور مسلّم الثبوت میں حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے جب تم کو یہ کہوں کہ مجھے فلاں نے حدیث بیان کی تو وہ اس کی حدیث ہوتی ہے اور جب میں یہ کہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تو وہ ستر ؂ سے مروی ہوتی ہے اھ تدریب میں ہے یونس بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن سے پُوچھا اے ابوسعید! آپ کہتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا حالانکہ آپ نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت نہیں کی؟ فرمایا اے بھتیجے! تُو نے مُجھ سے ایسا سوال کیا ہے جو تجھ سے پہلے آج تک مجھ سے کسی نے نہیں کیا، اگر تیرا یہ مقام میرے ہاں نہ ہوتا تو میں تجھے اس سوال کا جواب نہ دیتا میں جس زمانے میں ہوں (وہ جیسے تجھے معلوم ہے) اور یہ حجاج کا زمانہ تھا جو کچھ مجھ سے آپ لوگ سنتے ہیں کہ میں کہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے میں نے سُنا ہوتا ہے (یہ نہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات پائی ہے) چونکہ میں ایسے دَور میں ہُوں جس میں حضرت علی کا نام ذکر نہیں کرسکتا (اس لئے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام لیتا ہوں) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

فائدہ ۱۰: (فائدہ ۱۰ متعلق افادہ ۲۴ دربارہ احادیث طبقہ رابعہ) سُفہائے زمانہ نے احادیث طبقہ رابعہ کو مطلقًا باطل و بے اعتبار محض قرار دیا جو شان موضوع ہے جس کا ابطال بین بابین

---

[1] القرآن ۱۲/ ۷۶

[2] مسلم الثبوت تعریف المرسل مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۲

[3] تدریب الراوی شرح تقریب النوادی الکلام فی احتجاج الشافعی بالمرسل مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰۴

وجوہ افادہ ۲۴ میں گزرا، یہاں اتنا اور سُن لیجئے کہ بر عکس اس کے مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُن کی روایت کو دلیل عدم موضوعیت قرار دیا ہے، موضوعات کبیر میں زیر حدیث:

من طاف بالبیت اسبوعا ثم اتی مقام ابراھیم فرکع عندہ رکعتین ثم اتی زمزم فشرب من مائھا اخرجہ اللہ من ذنوبہ کیوم ولدتہ امہ[1]۔	جو سات پھیرے طواف کرکے مقامِ ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے پھر زمزم شریف پر جاکر اس کا پانی پئے اللہ عزوجل اُسے گناہوں سے ایسا پاک کردے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

فرماتے ہیں:

حیث اخرجہ الواحدی فی تفسیرہ والجندی فی فضائل مکّۃ والدیلمی فی مسندہ لایقال انہ موضوع غایتہ انہ ضعیف[2]۔	جبکہ اسے واحدی نے تفسیر اور جندی نے فضائل مکّہ اور دیلمی نے مسند میں روایت کیا تو اسے موضوع نہ کہا جائیگا نہایت یہ کہ ضعیف ہے۔

اقول: وجہ یہ ہے کہ اصل عدم وضع ہے اور بوجہ خلط صحاح وسقام وثابت وموضوع جس طرح وضع ممکن یونہی صحت محتمل تو جب تک خصوص متن وسند کے لحاظ سے دلیل قائم نہ ہو احد الاحتمالین خصوصًا خلاف اصل کو معین کرلینا محض ظلم وجزاف ہے تو اُن کی حدیث قبل تبین حال جس طرح بسبب احتمال ضعف وسقوط احکام میں مستند ومعتبر نہ ہوگی یوں ہی بوجہ احتمال صحت وحسن وضعف محض موضوع وباطل وساقط بھی نہ ٹھہر سکے گی لاجرم درجہ توقف میں رہے گی اور یہی مرتبہ ضعیف محض کا ہے جس طرح وہاں توقف مانع تمسک فی الفضائل نہیں یونہی یہاں بھی کمالایخفی علی اولی النھی (جیسا کہ اصحابِ فہم پر مخفی نہیں۔ت) فواتح الرحموت عـــہ میں ہمارے علماءِ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے:

الراوی انکان غیر معروف بالفقاھۃ ولا بالروایۃ بل انما عرف بحدیث اوحدیثین فان قبلہ الائمۃ اوسکتوا عنہ عند ظھور	راوی حدیث اگر فقاہت وروایت میں معروف نہ ہو بلکہ کسی ایک یا دو۲ احادیث سے معروف ہو اور محدثین نے اسے قبول کرلیا یا ظہور روایۃ کے وقت اس سے خاموشی

عـــہ: فی مسئلۃ معرف العدالۃ ۱۲ منہ (م)	معرف العدالۃ کے بحث میں ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

[2] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ص ۲۳۶

الروایة اواختلفوا کان کالمعروف وان لم یظهر منهم غیر الطعن کان مردودا وان لم یظهر شیئ منهم لم یجب العمل بل یجوز فیعمل به فی المندوبات والفضائل والتواریخ[1]۔	اختیار کی ہو یا اس میں اختلاف کیا ہو تو یہ بھی معروف کی طرح ہی ہوگا اگر اس پر محدثین نے طعن کا اظہار ہی کیا ہے تو وہ مردود ہوگا اور اگر محدثین نے کسی شیئ کا اظہار نہیں کیا تو اب عمل واجب نہیں بلکہ جائز ہوگا تو وہ مستحبات، فضائل اور تاریخ میں قابلِ عمل ہے۔(ت)

فائدہ ۱۱: (تذکرۃ الموضوعات محمد طاہر فتنی میں ذکر مستلزم گمان وضع نہیں) اُن ضروری فوائد سے کہ بوجہ تعجیل ہنگام تبییض تحریر سے رہ گئے تذکرۃ الموضوعات علامہ محمد طاہر فتنی رحمہ اللہ تعالٰی کا حال ہے کہ اس میں مجرد ذکر سے موضوعیت پر استدلال تو بڑے بھاری متکلمین منکرین نے کیا حالانکہ محض جہالت وبے رہی یا دیدہ ودانستہ مغالطہ دہی تذکرہ مذکورہ بھی کتب قسم ثانی سے ہے اُس میں ہر طرح کی احادیث لاتے اور کسی کو موضوع کسی کو لم یجد کسی کو منکر کسی کو لیس بثابت کسی کو لایصح کسی کو ضعیف کسی کو مؤول کسی کو رجالہ ثقات کسی کو لاباس بہ کسی کو صححہ فلان کسی کو صحیح فرماتے ہیں، حدیث تقبیل ابہامین اُنہیں میں ہے جنہیں ہرگز موضوع نہ کہا بلکہ صرف لایصح پر اقتصار اور تجربہ کثیرین سے استظہار کیا خاتمہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فصل فی تعیین [ف۱] بعض الاحادیث المشتهرة علی الالسن والصواب خلافها علی نمط ذکرته فی التذکرة فیه من عرف نفسه عرف ربه لیس بثابت، ح رأیت ربی فی صورة شاب له وفرة صحیح محمول علی رویة المنام اومؤول ح المؤمن غرّ کریم والمنافق خب لئیم موضوع [عہ] ح ماشهد رجل علی رجل بکفر	فصل، بعض احادیث کی تعیین کے بارے میں جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہیں حالانکہ صواب اس کے خلاف ہے اس طریقہ پر جس کا ذکر تذکرہ میں میں نے کیا ہے اس میں ہے وہ شخص جس نے اپنے نفس (آپ) کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا، یہ ثابت نہیں، حدیث میں نے اپنے رب کو ایسے خوبصورت جوان کی صورت میں دیکھا جس کے بال لمبے وخوب صورت ہوں، صحیح ہے یہ

عہ اقول: هذا عجیب فقد اخرجه ابوداؤد	اقول یہ عجیب ہے حالانکہ ابوداؤد (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ مجہول الحال الخ مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۴۹

ف۱ یہ عبارت مختصرًا اور متعدد صفحات سے نقل کی گئی ہے۔ حوالہ کے لئے ص ۵۱۰ تا ۵۱۹ ملاحظہ ہو۔

الاباء به احدهما ضعیف عـــہ۱ فیه طلب العلم فریضة علی کل مسلم طرقها واهیة عـــہ۲ ح من ادی الفریضة وعلم الناس الخیر کان فضله	خواب پر محمول ہے یا یہ مؤول ہے، اور حدیث مومن دھوکا کھانے والا اور شرم والا ہوتا ہے اور منافق دغاباز اور کمینہ ہوتا ہے موضوع ہے۔ حدیث نہیں گواہی دیتا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترمذی والحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه بلفظ الفاجر مکان المنافق واسناده کما قال المناوی جید ۱۲ منه (م)

ترمذی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منافق کی جگہ لفظ فاجر روایت کیا ہے اور اس کی سند بقول امام مناوی کے جید ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۱: **اقول**: بل صحیح من اعلی الصحاح فلمالك والصحیحین غیرهما عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما رفعه اذا قال الرجل لاخیه یا کافر فقد باء بها احدهما وللبخاری عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه رفعا من قال لاخیه یا کافر فقد باء بها احدهما ولابن حبان عن ابی سعید رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح مرفوعا ما اکفر رجل رجلا قط الاباء بها احدهما وفی الباب غیر ذلك فان اراد خصوص اللفظ فقلیل الجدوٰی ۱۲ منه (م)

اقول: بلکہ یہ اعلٰی درجہ کی صحاح میں سے صحیح ہے، امام مالک اور شیخین وغیرہما نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعًا روایت کیا کہ جب کوئی شخص اپنے بھائی کو "یاکافر" (اے کافر) کہا، تو وہ کفر اُن دونوں میں سے ایک پر لَوٹ آتا ہے۔ اور بخاری نے حضرت اُبوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا بیان کیا کہ جس نے اپنے بھائی کو "یاکافر" کہا تو وہ کفر اُن میں سے ایک پر لوٹ آئیگا۔ ابن حبان نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا سند صحیح کے ساتھ روایت کیا جب بھی کوئی کسی کو کافر کہتا ہے تو وہ کفر یقینا ان میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرتا ہے، اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث ہیں اگر اس سے مراد خاص الفاظ ہیں تو ایسی روایات تو بہت ہی کم ہیں ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: **اقول**: والصحیح انه لاینزل عن الحسن کما بینته فی النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب ۱۲ منه رضی الله تعالٰی عنه (م)

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) صحیح وہ ہے کہ جو حسن سے نیچے نہ ہو جیسے کہ میں نے "النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب" میں بیان کیا ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

على العابد الحديث ضعيف اسنادہ لكنهم يتساهلون فى الفضائل.ح الوضوء على الوضوء نورعلٰى نور لم يوجد [عـــه۱] فيه مسح العينين بباطن السبابتين بعد تقبيلهما لايصح وروى تجرية ذلك عن كثيرين فيه الصلاة عماد الدين ضعيف وصلاة التسبيح ضعيف [عـــه۲] الدارقطنى اصح شيئ فى فضل الصلٰوت صلاة التسبيح فيه طعام الجواد دواء وطعام البخيل داء فى المقاصد [عـــه۳] رجاله ثقات وفى المختصر منكر فى المقاصد ماء زمزم لماشرب له ضعيف [عـــه۴] لكن له شاهد فى مسلم ح ان الله يبعث لهذه الامة على رأس كل مائة من يجدد لها دينها صححة [عـــه۵] الحاكم ح مثل امتى كالمطر

کوئی آدمی دوسرے کے کفر کی مگر کفران میں سے کسی ایک پر لوٹ آتا ہے، ضعیف ہے۔اسی میں ہے علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے،اس کے تمام طرق کمزور ہیں۔ حدیث،وہ شخص جس نے فرض ادا کیا اور لوگوں کو خیر کی تعلیم دی اس کو عابد پر فضیلت حاصل ہے،اس حدیث کی سند ضعیف ہے لیکن محدثین فضائل عمل میں نرمی برتتے ہیں۔ حدیث وضوپر وضو نور علٰی نور ہے، موجود نہیں۔اس میں ہے سبابہ انگلیوں کا باطن چومنے کے بعد آنکھوں سے لگانا صحیح نہیں اور بطور تجربہ یہ عمل کثیر علماء سے مروی ہے۔اس میں ہے نماز دین کا ستون ہے، یہ حدیث ضعیف ہے۔صلاۃ التسبیح (والی حدیث) ضعیف ہے۔دارقطنی میں ہے فضائلِ نماز کے بارے میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں نماز تسبیح

عـــه۱: بل اخرجه زرين وان قال المنذرى ثم العراقى لم نقف عليه ۱۲ منه (م)

بلکہ اس کی تخریج زرین نے کی ہے اگرچہ منذری، پھر عراقی نے کہا کہ ہم اس سے آگاہ نہ ہوسکے ۱۲ منہ (ت)

عـــه۲: الحق انه حديث حسن صحيح لاشك حسن لذاته صحيح لغيره ان لم يكن لذاته والتفصيل فى اللاٰلى ۱۲ منه (م)

حق یہ ہے کہ حدیث حسن صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حسن لذاتہ ہے صحیح لغیرہ ہے البتہ صحیح لذاتہ نہیں اور اس کی تفصیل اللاآلی میں ہے (ت)

عـــه۳: اقول كذا قال المناوى وبالغ الذهبى كعادته فقال كذب ۱۲ منه (م)

اقول: اسی طرح مناوی نے کہا اور ذہبی نے اپنی عادت کے مطابق مبالغہ کیا اور کہا کہ وہ جھوٹے ہیں ۱۲ منہ (ت)

عـــه۴: اقول بل نص الحافظ انه حجة بطرقه وحسنه المناوى وصححه الامام سفين بن عينيه والدمياطى والمنذرى وابن الجزرى ۱۲ منه (م)

اقول: بلکہ حافظ نے تصریح کی ہے کہ یہ اپنی اسناد کی بنا پر حجت ہے، مناوی نے اسے حسن کہا،امام سفیان بن عینیہ، دمیاطی، منذری اور ابن جزری نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

عـــه۵: ورواه ابوداؤد وقال المناوى الاسناد صحيح ۱۲ منه (م)

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور مناوی کہتے ہیں اسکی سند صحیح ہے۔(ت)

لایدری اوله خیر ام اٰخره موضوع (عه) فی الوجیز انا وابوبکر وعمر خلقنا من تربة واحدة فیه مجاهیل قلت له طریق اٰخر وله شاهد فی اویس حدیث فی ورقتین قال ابن حبان باطل قلت الوقف اولی فان له طرقا عدیدة لاباس ببعضها ح من اخلص لله اربعین یوما سنده ضعیف وله شاهد ح یکون فی اٰخر الزمان خلیفة لایفضل علیه ابوبکر ولاعمر موضوع قلت بل مؤول الی هنا مافی التذکرة[1] اھ ملتقطا۔	والی حدیث اصح ہے۔اس میں ہے سخی کا کھانا دوا ہے بخیل کا کھانا بیماری ہے، مقاصد میں ہے کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں، اور مختصر میں ہے کہ یہ منکر ہے۔ مقاصد میں ہے زمزم کا پانی اسی کام کے لئے ہے جس کی خاطر اسے پیا گیا، ضعیف ہے لیکن اس کے لئے مسلم میں شاہد ہے۔ حدیث اللہ تعالٰی ہر سو ۱۰۰ سال کے بعد اس اُمت میں ایسے شخص کو مبعوث فرماتا ہے جو اس کے لئے دین کی تجدید کرتا ہے، حاکم نے اس کی تصحیح کی۔ حدیث میری اُمّت کی مثال بارش کی طرح ہے معلوم نہیں اس کا اول بہتر ہے یا آخر، موضوع ہے۔ وجیز میں ہے: مَیں، ابوبکر اور عمر تینوں ایک ہی مٹّی سے پیدا ہوئے، اس میں راوی مجہول ہیں، میں کہتا ہوں اس کی ایک اور سند ہے اور اس کے لئے شاہد ہے حدیث اویس جو دو ۲ ورقوں پر ہے ابن حبان نے کہا یہ باطل ہے، میں کہتا ہوں سکوت بہتر ہے کیونکہ اس کی متعدد اسناد ہیں اس کی بعض سندوں میں

عــہ: **اقول:** هذا عجیب بل اخرجه احمد والترمذی فی الجامع عن انس رضی الله تعالٰی عنه وحسنه وفی الباب عن عمران بن حصین رضی الله تعالٰی عنه اخرجه البزار قال السخاوی بسند حسن وفیه عن علی وعن عمار وعن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنه وقال ابن عبدالبر ان الحدیث حسن وقال ابن القطان لانعلم له علة قال المناوی اسناده جید ۱۲ منه (م)

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) یہ عجیب ہے، بلکہ اس کو احمد اور ترمذی نے جامع میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور حسن قرار دیا نیز اس بارے میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی مروی ہے اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔ سخاوی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے اور اس بارے میں حضرت علی، حضرت عمار اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے، ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، ابن القطان کی رائے ہے کہ ہمیں اس میں کسی علّت کا علم نہیں۔ مناوی نے کہا کہ اس کی سند جید ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] خاتمہ مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتہرۃ علی الحسن نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۰ تا ۵۱۹

کوئی حرج نہیں۔حدیث جس نے چالیس دن اللہ تعالٰی کے لئے خالص کیے،اس کی سند ضعیف ہے اور اس کے لئے شاہد ہے۔حدیث آخر زمانے میں ایک خلیفہ ہوگا جس سے ابوبکر وعمر افضل نہ ہوں گے،موضوع ہے۔میں کہتا ہوں بلکہ اس میں تاویل ہے،یہاں تک ان روایات کا ذکر ہے جو تذکرہ میں تھیں اھ ملتقطًا۔(ت)

فائدہ ۱۲: (حدیث بے سند مذکور علماء کے قبول میں نفیس وجلیل احقاق اور اوہام قاصرین زماں کا ابطال وازہاق) **اقول: وباللہ التوفیق** اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلامِ اثریین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہورہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلماتِ ائمہ معتمدین میں بصیغہ جزم مذکور ہوں مطلقًا باطل ومردود وعاطل کہ احکام،مغازی،سَیر،فضائل کسی باب میں اصلًا نہ سُننے کے لائق،نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین وجماہیر فقہا دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے،غیر صحابی جو قول یا فعل یا حال حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بے سند متصل نسبت کرے محدثین کے نزدیک باختلاف حالات واصطلاحات مرسل منقطع معلق معضل ہے اور فقہا واصولین کی اصطلاح میں سب کا نام مرسل اصطلاح حدیث پر تعلیق واعضال یا اصطلاح فقہ واصول پر ارسال میں کچھ بعض سند کا ذکر ہرگز لازم نہیں بلکہ تمام وسائط حذف کرکے علمائے مصنفین جو قال یا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذلک کہتے ہیں یہ بھی معضل ومرسل ہے،امام اجل ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:

المعضل عبارۃ عما سقط من اسنادہ اثنان فصاعدا ومثالہ مایرویہ تابعی التابعی قائلا فیہ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکذلک مایرویہ من دون تابعی التابعی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوعن ابوبکر وعمر وغیرھما: غیر ذاکر للوسائط بینہ وبینھم وذکر ابو نصر السنجری الحافظ قول الراوی "بلغنی" نحو قول مالک "بلغنی عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال للملوک طعامہ وکسوتہ الحدیث وقال اصحاب الحدیث یسمونہ المعضل.قلت وقول المصنفین من الفقہاء	معضل حدیث وہ ہوتی ہے جس کی سند سے دو یا دو سے زائد راوی ساقط ہوں مثلًا وہ جسے تبع تابعی یہ کہتے ہوئے روایت کرے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا،اور اسی طرح وہ روایت جسے تبع تابعی کے بعد کا کوئی شخص حضور علیہ السلام سے یا ابوبکر وعمر یا دیگر کسی صحابی سے حضور اور صحابہ کے درمیان واسطہ ذکر کیے بغیر روایت کرے،ابونصر السنجری حافظ بیان کرتے ہیں کہ راوی کا قول "بلغنی" (مجھے یہ روایت پہنچی ہے) مثلًا امام مالک کا قول کہ مجھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت پہنچی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مملوک کے لئے کھانا اور کپڑے ہیں،الحدیث۔اور فرمایا

وغیرھم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا وکذا"ونحو ذلك کله من قبیل المعضل لماتقدم،وسماہ الخطیب ابوبکر الحافظ فی بعض کلامه مرسلا وذلك علی مذھب من یسمی کل مالایتصل مرسلا کماسبق [1] اھ باختصار۔	کہ محدثین ایسی روایت کو معضل کہتے ہیں۔میں کہتا ہوں فقہاء اور دیگر مصنفین کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ یہ فرمایا یہ تمام از قبیل معضل ہی ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے گزر چکا،اور خطیب ابوبکر حافظ نے بعض مقامات پر اسے مرسل کا نام دیا ہے اور یہ ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ہے جنہوں نے ہر اس روایت کو مرسل کہا ہے جو متصل نہ ہو جیسا کہ گزرا اھ اختصار (ت)

توضیح میں ہے:

الارسال عدم الاسناد وھو ان یقول الراوی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من غیر ان یذکر الاسناد [2]۔	ارسال وہ ہے جس میں سند کا ذکر نہ ہو وہ یوں کہ کوئی راوی بغیر سند ذکر کیے کہہ دے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔(ت)

علّامہ تفتازانی تلویح پھر مدقق علائی صاحبِ دُرمختار افاضۃ الانوار علٰی اصول المنار میں فرماتے ہیں: ان لم یذکر الواسطة اصلا فمرسل [3] (اگر راوی اصلاً واسطہ ذکر نہ کرے تو وہ مرسل ہے۔ت) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(المرسل قول العدل قال علیه) وعلٰی اٰله واصحابه الصلاۃ (والسلام کذا) وعند اھل الحدیث فالمرسل قول التابعی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه واٰله واصحابه وسلم کذا،والمعلق مارواہ من دون التابعی من دون سند والکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول [4] اھ مختصرا۔	مرسل وہ ہے جس کے متعلق عادل کا قول ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا،اور محدثین کے ہاں مرسل سے مراد تابعی کا یہ قول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہ وسلم نے یوں فرمایا،اور حدیث معلق وہ روایت ہے جو بغیر سند کے تابعی کے بعد کوئی شخص روایت کرے،اور اہلِ اصول کے ہاں یہ تمام مرسل میں داخل ہیں اھ مختصرا۔ (ت)

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث النوع الحادی عشر بالمعضل مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۲۸

[2] توضیح التلویح فصل فی الانقطاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[3] حاشیۃ التوشیح مع التوضیح فصل فی الانقطاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[4] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

پھر باجماع علما محدثین وفقہا یہ سب انواع موضوع سے بیگانہ ہیں اور مادون الاحکام مثل فضائل اعمال ومناقب رجال وسِیر واحوال میں سلفًا وخلفًا ماخوذ ومقبول جملہ مصنفین علوم حدیث موضوع کو شرالانواع بتاتے اور اُنہیں اُس سے جُدا شمار فرماتے آئے اور تمام مؤلفین سِیر بلانکیر منکر ومراسیل ومعضلات کا ذکر واثبات کرتے رہے افادہ ۲۳ میں علّامہ حلبی کا ارشاد گزرا کہ سیر بلاغ ومرسل ومنقطع ومعضل غرض ماسوائے موضوع ہر قسم حدیث کو جمع کرتی ہے کہ ائمہ کرام نے ماورائے احکام میں مساہلت فرمائی ہے، یہ عبارت دونوں مطلب میں نص ہے معضل کا موضوع نہ ہونا اور اس کا مادون الاحکام میں مقبول ہونا خود صحیح بخاری ومسلم وصحیح مؤطا میں معضلات وبلاغات موجود ہیں وسط میں بقلت طرفین میں بکثرت خصوصًا بعض بلاغات مالک وہ ہیں کہ ان کی اسناد اصلًانہ ملی، تدریب عہ میں امام ابوالفضل زین الدین عراقی سے ہے:

ان مالکالم یفرد الصحیح بل ادخل فیه المرسل والمنقطع والبلاغات،ومن بلاغاته احادیث لاتعرف کماذکره ابن عبدالبر[1]۔	امام مالک نے احادیث صحیحہ کو الگ نہیں بلکہ اس میں مرسل، منقطع اور بلاغات کو شامل کردیا ہے حالانکہ ان کی بلاغات میں ایسی احادیث بھی ہیں جو معروف نہیں، جیسا کہ ابن عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔(ت)

وہیں امام مغلطائی سے ہے: مثل ذلك فی کتاب البخاری[2] (اسی کی مثل بخاری کی کتاب میں ہے۔ت) وہیں امام حافظ الشان سے ہے:

کتاب مالك صحیح عنده وعند من یقلده علی مااقتضاه نظره من الاحتجاج بالمرسل والمنقطع[3] وغیرهما۔	امام مالک کی کتاب اور ان کے اور ان لوگوں کے نزدیک صحیح ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں اس بنیاد پر کہ اس کی نظر کا تقاضا ہے کہ مرسل، منقطع وغیرہما سے استدلال درست ہے۔(ت)

اسناد کے سنّتِ مطلوبہ وفضیلتِ مرغوبہ وخاصہ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام ہے محققین قابلین مراسیل و

عــہ: فی الثانیه من مسائل الصحیح ۱۲ منه (م)	مسائل صحیح کی دوسری قسم میں ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰
[2] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰
[3] تدریب الراوی الثانیہ من مسائل الصحیح مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۹۰

معاضیل بھی مسانید کو اُن پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے ہیں کمانص علیه فی المسلم وغیرہ (جیسا کہ مسلم الثبوت وغیرہ میں اسکی تصریح کی ہے۔ت) تاکید اثریین بجائے خود ہے اور قول بقیہ بن الولید ذاکرت حماد بن زید باحادیث فقال ماجودھا لوکان لھا اجنحة یعنی الاسناد (میں نے حماد بن زید سے بعض احادیث کے متعلق مذاکرہ کیا تو فرمایا بڑی جید ہیں اگر ان کے لئے پَر یعنی اسناد ہو۔ت) قطع نظر اس سے کہ واقعۃ عین لاعموم لھا (یہ ایک معین واقعہ ہے اس کے لئے عموم نہیں۔ت) ممکن کہ وہ احادیث درباره احکام ہوں، یوں بھی صرف نفی جودت کرے گا وہ بطور محدثین مطلقًا مسلم کہ معضل ضعیف ہے اور ضعیف جید نہیں، قول امام سفیان ثوری الاسناد سلاح المؤمن فاذالم یکن معه سلاح فبای شیئ یقاتل (سند مومن کا اسلحہ ہے جب اس کے پاس اسلحہ نہ ہو تو وہ کس شَے سے لڑے گا۔ت) صراحةً دربارہ عقائد واحکام ہے۔

فان الحاجة الی القتال انما ھی فیما یجری فیه التشدید والتماکس دون ماجمعوا علی التساھل فیه۔	لڑائی کی نوبت وہاں آتی ہے جہاں سختی اور باہم جھگڑا ہو نہ کہ وہاں جس میں نرمی پر اجماع ہو۔(ت)

یوں ہی ارشاد امام مبارک عبداللہ مبارک لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء [1] (اگر سند کا اعتبار نہ ہوتا تو جو کسی کی مرضی ہوتی وہی کہتا۔ت) کہ جب قبولِ ضعاف فی الفضائل میں دخول تحت اصل خود مشروط اور امر عمل قواعد مقررہ شرعیہ مثل احتیاط واختیار نفع بے ضرر سے منوط تو ضعیف اثبات جدید نہ کرے گی اور من شاء ماشاء (جو کسی کی مرضی ہو کہے۔ت) صادق نہ آئے گا کماقدمنا بیانه فی الافادة الثانیة والعشرین (جیسا کہ ہم اس کا بیان بائیسویں افادہ میں پہلے کر آئے ہیں۔ت) پُر ظاہر کہ یہ اور اُن کی امثال جتنے کلمات محدثین کرام سے ضرورت اسناد میں ملیں گے سب کا مفاد ضرورت خاص اتصال ہے کہ نامتصل بجمیع اقسامہ اُن کے نزدیک ضعیف اور ضعیف خود مجروح ہے نہ کہ سلاح وصالح قتال، یونہی ایک راوی بھی ساقط ہو تو اُن کے طور پر وہی مَن شاء کا احتیاطی احتمال ولہٰذا وہ بالاتفاق منقطع ومعضل اور معضل دون معضل میں اصلاً فرق حکم نہیں کرتے، اسی لئے فواتح الرحموت میں اصطلاحات مرسل ومعضل ومنقطع ومعلق بیان کرکے فرمایا: لم یظھر لتکثیر الاصطلاح والاسامی فائدة [2] (کثیر اصطلاحوں اور ناموں کی وجہ سے کوئی فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ت) بالجملہ جب اتصال نہ ہو تو بعض سند کا مذکور ہونا نہ ہونا سب یکساں، آخر نہ دیکھا کہ انہیں امام ابن المبارک

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

[2] الصحیح لمسلم باب بیان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

رحمہ اللہ تعالٰی نے حدیث ابن خراش عن الحجاج بن دینار قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت کیافرمایا:

اخرج مسلم فی مقدمۃ صحیحہ قال قال محمد یعنی ابن عبداللہ بن قُھزاذ سمعت ابا اسحٰق ابراھیم بن عیسی الطالقانی قال قلت لعبداللہ بن مبارك یا اباعبدالرحمٰن الحدیث الذی جاء ان من البر بعد البران تصلی لابویك مع صلاتك وتصوم لھمامع صومك قال فقال عبداللہ یا ابا اسحٰق عن من ھذا قال قلت لہ ھذا من حدیث شھاب بن خراش فقال ثقۃ عمن قال قلت عن الحجاج بن دینار قال ثقہ عمن قال قلت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال یااباا سحٰق ان بین الحجاج بن دینار وبین النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مفاوز تنقطع فیھا اعناق المطیّ ولکن لیس فی الصدقۃ اختلاف[1]۔	امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ محمد یعنی ابن عبداللہ بن قہزاذ کہتے ہیں کہ میں نے ابواسحٰق ابراہیم بن عیسٰی طالقانی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے عبداللہ بن مبارک سے کہا کہ اے ابوعبدالرحمٰن! وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ نیکی کے بعد نیکی یہ ہے کہ تواپنی نماز کے بعد اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے بعد والدین کے لئے روزہ رکھے فرمایا تو عبداللہ نے کہااے ابواسحٰق! یہ حدیث کس سے مروی ہے، فرمایا تو میں نے اسے کہا یہ حدیث شہاب بن خراش سے ہے، فرمایا کیا وہ ثقہ ہیں جس سے انہوں نے روایت کی ہے، میں نے کہا یہ حجاج بن دینار سے ہے، فرمایا وہ ثقہ ہیں تو میں نے کہارسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا توانہوں نے فرمایا اے ابواسحٰق! حجاج بن دینار اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان اتنی عظیم مسافت ہے جسے طے کرتے ہُوئے سواریوں کی گردن منقطع ہوجائے، لیکن والدین کی طرف سے صدقہ کردینے میں کوئی اختلاف نہیں۔(ت)

امام نووی شرح میں فرماتے ہیں:

معنی ھذہ الحکایۃ انہ لایقبل الحدیث الاباسناد صحیح[2]۔	اس حکایت کا معنٰی ومفہوم یہ ہے کہ حدیث کو سند صحیح کے بغیر قبول نہیں کیاجائیگا۔(ت)

اب اگران کلمات کو عموم پر رکھئے مرسل، منقطع، معلق، معضل ہرنا متصل باطل وملتحق بالموضوع ہوجاتی ہے اور وہ بالاجماع باطل افادہ سوم میں ابن حجر مکی شافعی وعلی قاری حنفی سے گزرا **المنقطع یعمل بہ فی الفضائل اجماعًا**[3] (منقطع پر فضائل میں اتفاقًا عمل کیا جائے گا۔ت) لاجرم واجب کہ یہ سب

[1] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] صحیح لمسلم باب بیان ان الاسناد من الدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الرکوع مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۱۶

عبارات صرف باب اہم واعظم یعنی احکام میں ہیں اگرچہ ظاہر اطلاق وارسال ہو نہ کہ جب نفس کلام تخصیص پر دال ہو کماقررنا فی الکلمات المذکورۃ (جیسے کہ ہم نے کلماتِ مذکورہ میں گفتگو کی ہے۔ت) اور واقعی در بارہ رد وقبول غالب ومحاوراتِ علما صرف نظر بہ باب احکام ہوتے ہیں کہ وہی اکثر محو انظار نخبہ ونزہہ وغیر ہما میں دیکھئے کہ حدیث کی دو[۲] قسمیں کیں: مقبول ومردود۔ مقبول میں صحیح وحسن کو رکھا اور تمام ضعاف کو مردود میں داخل کیا حالانکہ ضعاف فضائل میں اجماعًا مقبول **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (تحقیق اسی طرح کرنی چاہئے اور توفیق دینے والا اللہ تعالٰی ہے۔ت)

(جماہیر فقہائے کرام ائمہ فقہاء کی بے سند حدیثیں در بارہ احکام بھی حجت ہیں) یہ سب کلام بطور محدثین تھا، اور جماہیر فقہائے کرام کے نزدیک تو معضلات مذکورہ فضائل در کنار خود باب احکام میں حجت ہیں جبکہ مرسل امام معتمد محتاط فی الدین عارف بالرجال بصیر بالعلل غیر معروف بالتساہل ہو اور مذہب مختار امام محقق علی الاطلاق وغیرہا اکابر میں کچھ تخصیص قرن غیر قرن نہیں ہر قرن کے ایسے عالم کا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا حجت فی الاحکام ہے **کمانص علیہ فی المسلم**[عــہ] **وشروحہ**[1] (جیسا کہ مسلم الثبوت اور اس کی شروح وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ت)

عــہ: المرسل ان کان من الصحابی یقبل مطلقًا اتفاقًا وان من غیرہ فالاکثر ومنھم الامام ابوحنیفہ والامام مالك والامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنھم قالوا یقبل مطلقا اذاکان الراوی ثقۃ وقال ابن ابان رحمہ اللہ تعالٰی من مشائخنا الکرام یقبل من القرون الثلثۃ مطلقا ومن ائمۃ النقل بعد تلك القرون وقال طائفۃ من المتاخرین منھم الشیخ ابن الحاجب المالکی والشیخ کمال الدین بن الھمام منایقبل من ائمۃ النقل مطلقا من ای قرن کان اعتضد بشیئ ام لاویتوقف فی المرسل من

مرسل اگر صحابی کی ہو تو مطلقًا اتفاقًا اسے قبول کیا جائے گا اور غیر صحابی کی مرسل کے بارے میں اکثر علماء جن میں امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ہیں، کی رائے یہ ہے کہ مطلقًا مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو، ابن ابان رحمہ اللہ تعالٰی جو ہمارے مشائخ کرام میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ قرون ثلثہ (تین زمانوں) کی مرسل مطلقًا مقبول ہے اور تین قرون کے بعد ائمہ نقل کی مرسل بھی مقبول ہے، متاخرین کی ایک جماعت جن میں ابن حاجب مالکی اور شیخ کمال الدین بن الہمام ہم سے (یعنی احناف سے) کی رائے یہ ہے کہ ائمہ نقل کی مرسل مطلقًا مقبول ہے

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قسم ۲/ ۱۷۴

اقول: (تحقیق مصنف کہ غیر ناقد کے لئے ان کا قبول محدثین پر بھی لازم) انصافاً غیر ناقد کے لئے مراسیل مذکورہ سے احتجاج فی الاحکام اثریین پر بھی لازم، آخر اُس کی سبیل یہی ناقد پر اعتماد ہے نہ نقد کہ تکلیف مالایطاق ہے، تو اُس کے لئے ذکر و عدمِ ذکرِ سند دونوں یکساں اور بلاشبہہ قول ناقد محتاط قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تصحیح صریح والتزامی سے اعلٰی نہیں تو کم بھی نہیں، اور جو احتمالات مساہلت و تحسین ظن وخطائی النظر یہاں ہیں، وہاں بھی حاصل بلکہ مجرب و مشاہد بایںہمہ امام ابن الصلاح وامام طبری وامام نووی وامام زرکشی وامام عراقی وامام عسقلانی وامام سخاوی وامام زکریا انصاری وامام سیوطی وغیرہم نے تصریحیں فرمائیں کہ اگرامام معتمد نے کسی حدیث کی صحت پر تنصیص کی یاکتاب ملتزم الصحۃ میں اُسے روایت کیا اسی قدر اعتماد کے لئے بس ہے اور احتجاج روا،

کماذکرنا نصوصھم فی مدارج طبقات الحدیث وقدتقدم نص القاری عن شیخ الاسلام فی الافادۃ الحادیۃ والعشرین۔	جیسے کہ ہم نے مدارج طبقات الحدیث میں ان کی تصریحات کاذکر کیا ہے اور پہلے اکیسویں افادہ میں ملاعلی قاری کے حوالے سے شیخ الاسلام کی تصریح گزرچکی ہے۔(ت)

توکیاوجہ کہ یہاں اس پر اعتماد نہ ہو لاجرم جس طرح امام احمد یایحیٰی کا **ھذا الحدیث صحیح** (یہ حدیث صحیح ہے۔ت) فرمانا یابخاری یامسلم یاابن خزیمہ یاضیا کاصحاح میں لانا، یونہی منذری کا مختصر میں ساکت رہنا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

غیرھم وھو المختار قیل وھو مراد الائمۃ الثلثۃ والجمھور ولایقول احد بتوثیق من لیس معرفۃ فی التوثیق والتجریح وعلی ھذا خلاف ابن ابان فی عدم اشتراط ھذا الشرط فی القرون الثلثۃ لزعمہ عدم الحاجۃ الی التوثیق فی تلك القرون لان الرواۃ فیھا کانوا اھل بصیرۃ فی التوثیق والتجریح[1] اھ من مسلم الثبوت وفواتح الرحموت ملخصا ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

خواہ اس کا تعلق کسی قرن سے ہو خواہ اس کی تائید ہو یانہ ہو، اور ان کے علاوہ کی مرسل میں توقف ہے اور یہی مختار ہے، اور کہا گیا ہے کہ تینوں ائمہ اور جمہور کی مراد بھی یہی ہے اور کوئی ایسے شخص کی توثیق کیسے کرسکتا ہے جو توثیق و تجریح کی معرفت نہ رکھتا ہو اسی بنا پر ابن ابان نے قرونِ ثلاثہ میں عدمِ اشتراط کا اختلاف کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان قرون میں توثیق کی حاجت نہیں اس لئے کہ ان ادوار میں تمام راوی توثیق اور تجریح کے ماہر تھے اھ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت سے ملخصًا بیان ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ منشورات الشریف الرضی قم ۲/ ۱۷۴

یوں ہی ابن السکن کا صحیح یا عبدالحق کا احکام میں وارد کرنا، یونہی امام معتمد ناقد محتاط کا کہنا:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی غیر ذلك من احکامہ واحوالہ ونعوت جمالہ وشیون جلالہ وصفات کمالہ صلوات اللّٰہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی اٰلہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلیھم وبارك وسلم وشرف ومجد وعظم وکرم اٰمین۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ کیا، اور اس طرح کے آپ کے دیگر احکام واحوال، آپ کے جمال وجلال کی صفات وشانیں اور آپ کے صفات کاملہ ہیں آپ پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام ہو اور آپ کی آل واصحاب پر، آپ پر اور صحابہ پر برکت وسلام شرافت، بزرگی، عظمت وکرم کی برسات ہو، آمین۔ (ت)

الحمدللہ کہ اس جواب کی ابتداء بھی حضورِ اقدس واکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک اور حضور پر درود سے ہُوئی اور انتہا بھی حضور ہی کے نامِ محمود ودرودِ مسعود پر ہُوئی اُمید ہے کہ مولٰی عزوجل اس نام کریم وصلوٰۃ وتسلیم کی برکت سے قبول فرمائے اور انارتِ عیون وتنویر قلوب وتکفیر ذنوب وسلامتِ ایمان وامن وامان وتنعیم قبر ونجات فی الحشر کا باعث بنائے فانہ تعالٰی بکرمہ یقبل الصلاتین وھو اکرم من ان یدع مابینھما وکان ذلك للیلۃ الثانیۃ یوم الاثنین لعلھا الثامنۃ عشر من الشھر الفاخر شھر ربیع اٰخرت من شھور السنۃ الثالثۃ عشر من المائۃ الرابعۃ عشر من ھجرۃ الحبیب سید البشر صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وصحبہ واولیائہٖ اجمعین واٰخر دعوٰنا ان الحمدللّٰہ ربّ العٰلمین، سبحٰنك اللھم وبحمدك .اشھد ان لاالٰہ الاانت استغفرك واتوب الیک .واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

نهج السلامة فی حکم تقبیل الابهامین فی الاقامة ۱۳۳۳ھ

(اقامت کے دوران انگوٹھے چُومنے کے حکم میں عُمدہ تفصیل۔ت)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ (۳۸۷): از اپر برہما شہر مانڈے سورتی مسجد مرسلہ مولوی احمد مختار صاحب قادری رضوی صدیقی میرٹھی ۲۶ جمادی الاخری ۱۳۳۳ ہجری

منقول از فتاوٰی امدادیہ معروف بہ فتاوٰی اشرفیہ جلد چہارم صفحہ ۵۷و۵۸

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس وقت مؤذن اقامت میں "اشھد ان محمدا رسول اللہ" بولے تو سُننے والا دونوں انگوٹھوں کو چُوم کر دونوں آنکھوں پر رکھے یا نہیں، اگر رکھتا ہے تو آیا جائز یا مستحب یا واجب یا فرض ہے، اور جو شخص اُس کا مانع ہووے اُس کا کیا حکم ہے اور اگر نہیں رکھتا ہے تو آیا مکروہ یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے اور جو مرتکب اس فعل کا ہووے اُس کا اور جو حکم کرے اُس کا کیا حکم ہے **بینوا توجروا**۔

جدید یہ کہ اذان پر قیاس کرکے تحریر نہ فرمائیں بلکہ درصورت جواز یا عدم جواز کسی کتاب معتبر سے عبارت نقل کرکے

تحریر فرمائیں۔

جواب: اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں، چنانچہ شامی بعد نقل اُس عبارت کے لکھتے ہیں:

وذکر ذلك الجراحی واطال ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ انتھی [1] (جلد اول صفحه ۲٦۷)	جراحی نے اس بحث کا طویل ذکر کیا ہے پھر کہا ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجہ صحت کو نہیں پہنچی انتہی۔(ت)

مگر اقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھُوٹی روایت بھی موجود نہیں پس اقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت وبے اصل ہے اسی واسطے فقہاء نے اس کا بالکل انکار کیا ہے یہ عبارت شامی کی ہے:

ونقل بعضھم ان القھستانی کتب علی ھامش نسختہ ان ھذا مختص بالاذان واما فی الاقامة فلم یوجد بعد الاستقصاء التام والتتبع [2]۔	بعض نے نقل کیا کہ قہستانی نے اپنے ایک نسخہ کے حاشیہ پر تحریر کیا ہے کہ یہ اذان کے ساتھ مختص ہے، اقامت میں جستجو اور تلاش بسیار کے باوجود ثبوت نہیں ملا۔(ت)

یہی مفتی صاحب لم یصح فی المرفوع پر حاشیہ منہیہ لکھتے ہیں:

قلت واما الموقوف فانه وان کان منقولا لکن مع ضعف اسنادہ لیس فیه کون ھذا العمل طاعة بل ھو رقیة للحفظ عن رمد والعوام یفعلونه باعتقاد کونه طاعة ۱۲ منه حاشیه صاحب فتاوٰی اشرفیه بر عبارت شامی۔	رہی موقوف حدیث تو وہ اس سلسلہ میں اگرچہ منقول ہے، لیکن اس کی سند ضعیف ہونے کے ساتھ اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ عمل عبادت وطاعت ہے بلکہ یہ صرف آنکھوں کے دُکھنے کا علاج ہے اور عوام اسے عبادت سمجھتے ہوئے بجالاتے ہیں ۱۲منہ (ت)

گزارش وموجب تکلیف دہی یہ ہے کہ ہفتہ گزشتہ میں ایک عریضہ دربارہ استفتائے تقبیل ابہامین عند قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابلاغ خدمت کیا ہے آج فتاوائے امدادیہ میں ایک صاحب نے عبارت مرقومہ بالا دکھائی جو بلفظہ ملاحظہ عالی میں پیش کرکے رفعِ شکوک کا خواستگار ہُوں وھی ھذہ:

---

[1] ردالمحتار علی ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲٦۷

[2] ردالمحتار علی ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲٦۷

(ا) علامہ شامی یا دوسرے محققین نے تقبیل کے بارہ میں ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نقل کرکے "**لم یصح فی المرفوع**" (کوئی مرفوع حدیث نہیں ملی۔ت) یا اس کے ہم معنی الفاظ تحریر کئے ہیں ان سے حدیث کے مرفوع ہونے کا انکار ہے یا کلیۃ تقبیل ہی کا ثبوت صحت کو نہیں پہنچتا، مفتی صاحب کی تحریر وحاشیہ خود غور طلب ہے۔ پھر اُن کے معتقدین تقبیل مطلق کو غیر صحیح فرماتے ہیں خواہ بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ یا بہ تعلیم سیدنا خضر علیہ السلام جامع[1] الرموز نے کنزالعباد سے جو عبارت نقل کی ہے اُس میں اثبات استحباب ہے۔ مجموعہ فتاوٰی جلد سوم صفحہ ۴۲، طحطاوی[2] نے شرح مراقی الفلاح مصری صفحہ ۱۱۸ میں اسی روایت کو نقل کیا ہے نیز فردوس دیلمی سے حدیث ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا لکھ کر حضرت خضر علیہ السلام سے عملًا روایت بطور تائید بیان کے علٰی ہذا سادات احناف کی اکثر کتب میں موجود ہے۔ اعانۃ[3] الطالبین علٰی حل الفاظ فتح المعین مصری ص ۲۴۷ (فقہ شافعی):

وفی الشنوانی مانصه من قالحین یسمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ مرحبًا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثم یقبل ابھامیه ویجعلھا علی عینیه لم یعم ولم یرمد ابدا انتھٰی[1]۔	شنوانی میں عبارت یہ ہے: جس نے مؤذن کا یہ جملہ "اشھد ان محمدا رسول اللہ" سن کر کہا "مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" پھر اپنے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگائے تو وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی انتہی (ت)

کفایۃ[4] الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی فی مذھب سیدنا الامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مصری جلد ا ص ۱۶۹

فائدۃ: نقل صاحب الفردوس ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه لماسمع قول المؤذن اشھد ان محمدا رسول اللہ قال ذلك وقبل باطن انملة السبابتین ومسح عینیه فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من فعل مثل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی، قال الحافظ السخاوی ولم یصح، ثم نقل عن	**فائدۃ:** صاحب الفردوس نے نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب مؤذن کا یہ جملہ سنا "اشھد ان محمدا رسول اللہ" تو آپ نے یہ دُہرایا اور دونوں شہادت کی انگلیوں کا باطنی حصہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے یہ عمل کیا جو میرے اس دوست نے کیا ہے تو اس کے لئے میری شفاعت

[1] اعانۃ الطالبین فصل فی الاذان والاقامۃ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۳۳

الخضر انه علیه الصلاۃ والسلام قال من قال حین یسمع قول المؤذن اشهد ان محمدا رسول الله مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبدالله (صلی الله تعالٰی علیه وسلم) ثم یقبل ابهامیه ویجعلهما علی عینیه لم یعم ولم یرمدا ابدا ونقل غیر ذلك ثم قال ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شیئ [1] والله تعالٰی اعلم۔	ثابت ہوگئی۔ حافظ سخاوی نے کہا کہ یہ صحیح نہیں، پھر حضرت خضر علیہ السلام سے یہ منقول ہے فرمایا کہ جو شخص مؤذن کا یہ جملہ اشهد ان محمدا رسول الله سن کر یہ کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبدالله (صلی الله تعالٰی علیہ وسلم) پھر اپنے دونوں انگوٹھے چُوم کر اپنی دونوں آنکھوں سے لگائے تو وہ نہ کبھی اندھا ہوگا اور نہ اس کی آنکھیں کبھی خراب ہوں گی اور ان کے علاوہ نے بھی ذکر کیا، پھر کہا کہ اس سلسلہ میں کوئی مرفوع صحیح روایت نہیں ملی والله تعالٰی اعلم۔ (ت)

علامہ ۵ الشیخ علی الصعیدی العدوی اسی شرح کے حاشیہ ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

(قوله ثم یقبل الخ) لم یبین موضع التقبیل من الابهامین الا انه نقل عن الشیخ العالم المفسر نورالدین الخراسانی قال بعضهم لقیته وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشهد ان محمدا رسول الله قبل ابهامی نفسه ومسح بالظفرین اجفان عینیه من المآق الی ناحیة الصدغ ثم فعل ذلك عند کل تشهد مرۃ مرۃ فسألته عن ذلك فقال کنت افعله ثم ترکته فمرضت عینای فرأیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم مناما فقال لم ترکت مسح عینیك عند الاذان ان اردت ان تبرأ عیناك فعد الی المسح	(قولہ ثم یقبل الخ) انگوٹھوں کی کون سی جگہ چُومے، اس میں اس کا ذکر نہیں کیا، مگر شیخ العالم المفسّر نورالدین خراسانی سے یہ منقول ہے بعض لوگوں نے کہا میں ان سے دورانِ اذان ملا جب انہوں نے مؤذن سے اشھد ان محمد رسول الله سنا تو انہوں نے اپنے دونوں انگوٹھے چُومے اور ان دونوں کے ناخن اپنی پلکوں پر ناک کی طرف ملے پھر انہوں نے ہر بار ایسا کیا تو میں نے ان سے اس کے بارے میں سوال کیا تو وہ کہنے لگے میں پہلے یہ عمل کیا کرتا تھا پھر میں نے اسے چھوڑ دیا تو میری آنکھیں خراب ہوگئیں اور مجھے خواب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی تو فرمایا: تُو نے اذان کے وقت

[1] کفایت الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی مطبوعہ مصر ۱/ ۱۶۹

فاستیقظت ومسحت فبرئت ولم یعاودنی مرضھما الی الاٰن انتھی فھذا یدل علی ان الاولی التکریر والظاھر انہ حیث کان المسح بالظفرین ان التقبیل لھما [1]	آنکھوں پر انگوٹھے لگانے کیوں ترک کردئے اگر تُو چاہتا ہے کہ تیری آنکھیں درست ہوجائیں تو انگوٹھے چُومنا دوبارہ شروع کردے پھر میں بیدار ہُوا اور میں نے انگوٹھے چُومنے کا عمل کیا تو میں صحیح ہوگیا، اس کے بعد آج تک میری آنکھیں کبھی خراب نہیں ہوئیں انتہی، پس یہ عبارت دلالت کر رہی ہے کہ باربار کرنا بہتر ہے اور ظاہر یہی ہے کہ جب کبھی آنکھوں پر انگوٹھے لگائے تو چُوما بھی انہیں کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ان تمام عبارات میں کہیں تقبیل ابہامین پر نکیر ثابت نہیں ہوتی بلکہ استحباب کا پتا الفاظ صریحہ میں ملتا ہے۔ برخلاف اس کے صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عبارت شامی پر حاشیہ لکھ کر مباح (ص ۲ ملاحظہ ہو) مان رہے ہیں پھر اُس مباح کو بھی بدعت ٹھہرا رہے ہیں اس تضاد واشکال کو رفع فرما کر قاطع فیصلہ فرمایا جائے۔ صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ عمل مانحن فیہ کو اپنے حاشیہ مذکورہ میں رقیہ مان کر دعوی کرتے ہیں **والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ** (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ت) یہاں صرف یہ اشکال ہے کہ اعتقاد قلب سے تعلق رکھتا ہے اُس پر مفتی صاحب مذکور کو کس طرح اطلاع ہُوئی درصورتیکہ ان کے نزدیک رسول علیہ الصلاۃ والسلام بھی باوصف اعلام علّام مافی الصدور علوم غیبیہ سے بے خبر ہیں (**معاذاللہ**) وہ بھی عامہ مومنین کے دلی خیال اور اعتقاد سے اطلاع ہوئی خواہ وہ ہند میں ہوں یا کابل میں، ایران میں ہوں یا عرب شریف میں، غرض شرق میں ہوں یا غرب میں **حیث یقول والعوام یفعلونہ باعتقاد الطاعۃ** (عوام اسے عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ت) یہاں بعض الناس نے سخت فتنہ برپا کر رکھا ہے مترصد کہ جلد تر جواب باصواب سے اعزاز بخشیں **اجرکم اللہ تعالٰی بجاہ طٰہٰ ویس صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین والحمدللہ رب العٰلمین۔ مختار صدیقی**

الجواب:

اس مسئلہ کی تحقیق بالغ وتنقیح بازغ میں بائیس سال ہوئے فقیر نے **منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین** ۱۳۰۱ھ لکھی کہ بیس ۲۰ سال ہوئے بمبئی میں چھپ کر ملک میں مفت تقسیم ہُوئی اب میرے پاس صرف ایک نسخہ باقی ہے کہ آپ جیسے علم دوست حق پرست کی اعانت کو بغرض ملاحظہ مرسل، ایک نسخہ بھی اور ہوتا تو

[1] حاشیہ علی کفایۃ الطالب الربانی الخ مطبوعہ مصر ۱/۱۷۰

ہدیۃً حاضر کردیتا بعد ملاحظہ بیرنگ واپس فرمائیں یہ رسالہ باذنہ تعالٰی دربارہ حدیث وفقہ منکرین کے خیالات باطلہ عاطلہ کی بیخ کنی وصفراشکنی کو بس ہے لہٰذا اُن سے زیادہ تعرض کی حاجت نہیں صرف بعض امورِ جہالت فتوائے مذکور کے متعلق اجمالاً گزارش وباللہ التوفیق۔

(۱) دعوی یہ کہ اذان میں کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں،اور اس پر دلیل شامی کی جراحی سے نقل کہ ان میں سے کوئی حدیث مرفوع درجہ صحت کو نہیں پہنچی جو خود مشیر ہے کہ اس کی احادیث موقوفہ پر یہ حکم نہیں ورنہ مرفوع کی تخصیص کیوں ہوتی عبارات کتب میں مفہوم مخالف بلاشبہہ معتبر ہے،اسی شامی طابع قسطنطینیہ جلد ۵ ص ۵۲ میں ہے:

فان مفاھیم الکتب حجۃ ولومفھوم لقب علی ماصرح بہ الاصولیون [1]۔	عبارات کتب میں مفہومِ مخالف حجت ہوتا ہے خواہ وہ مفہوم لقبی ہو،علمائے اصول نے یہی تصریح کی ہے۔(ت)

نیز جلد اول ص ۱۶۷:

یفتی بہ عندالسؤال اھ ای لان مفاھیم الکتب معتبرۃ کماتقدم [2]۔	سوال کے وقت اسی پر فتوٰی ہوگا کیونکہ عباراتِ کتب میں مفہومِ مخالف حجت ہوتا ہے،جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے۔(ت)

دُرِمختار بیان سُننِ وضومیں نہرالفائق میں سے ہے:

مفاھیم الکتب حجۃ بخلاف اکثر مفاھیم النصوص [3]۔	عبارات کتب میں مفہوم مخالف حجت ہوتا ہےاور نصوص کے اکثر مفاہیم معتبر نہیں ہوتے (ت)

احادیثِ موقوفہ کیاروایت نہیں لاجرم ملا علی قاری نے موضوعاتِ کبیر میں کل مایروی فی ھذا فلایصح رفعہ البتۃ (اس سلسلہ میں جوکچھ مروی ہےاس کامرفوع ہونا کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ت) لکھ کرفرمایا:

قلت واذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ	میں کہتا ہوں جب اس کامرفوع ہوناصدیقِ اکبر

[1] ردالمحتار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۹

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۱

تعالٰی عنه فیکفی العمل به لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "علیکم بسنّتی وسنّة الخلفاء الراشدین"[1]	رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے اتنا ہی کافی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنّت لازم ہے"۔(ت)

(۲) صحیح کی نفی سے معتبر کی نفی جاننا فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی۔کُتب رجال میں ہزار جگہ ملے گا یعتبر بہ ولایحتج بہ (یہ معتبر ہے لیکن اس سے استدلال نہیں کیا جائیگا۔ت) اور فضائل اعمال میں احادیث معتبرہ بالاجماع کافی اگرچہ صحیح بلکہ حسن بھی نہ ہوں۔

(۳) فقہ میں روایت، روایت فقہیہ بھی ہے بالفرض اگر حدیث معتبر مطلقًا منفی تو اُس سے روایت معتبرہ کی نفی یا جہل محض ہے یا نری غیر مقلدی کہ بے ثبوت حدیث روایت فقہیہ معتبر نہ مانی۔

(۴) یہیں یہیں اسی شامی میں قہستانی وفتاوٰی صوفیہ وکنز العباد سے صراحۃً اس کا استحباب منقول اور بصیغہ جزم بلاتعصب مذکور ومقبول، تو شامی سے صرف نسبت حدیث ایک کلام نقل کرلانا اور اُسی عبارت میں شامی کے حکم مقرر فقہی کو چھوڑ جانا صریح خیانت ہے۔

(۵) پھر روایت فقہیہ قصدًا بچاکر وہ سالبہ کلیہ کو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں صاف اغوائے عوام ہے کیا کتبِ فقہ میں ہزار سے کم اس کے نظائر ملیں گے کہ حکم فقہی پر جو حدیث نقل کی اُس میں کلام کردیا گیا مگر اس سے روایت فقہی نامعتبر نہ ہوئی، ہاں وہی غیر مقلدی کی علت پیچھے ہو تو کیا علاج!

(۶) اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہ ہونے پر شامی کا کلام نقل کیا کہ بعض نے قہستانی سے نقل کیا کہ اُنھوں نے اپنے نسخہ کے حاشیہ پر لکھا کہ دربارہ اقامت بعد تلاش کامل روایت نہ ملی اور انہیں شامی کا کلام نہ دیکھا کہ ایسی نقل نقلِ مجہول اور نقلِ مجہول محض نامقبول، جلد دوم ص ۵۱۲:

قول المعراج ورأیت فی موضع۔۔۔الخ (ای معزوا الی المبسوط) لایکفی فی النقل	معراج کا قول اور میں نے ایک جگہ دیکھا ہے الخ (یعنی مبسوط کی طرف منسوب ہے) جہالت کی وجہ سے

[1] الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعہ حرف المیم مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۲۱۰

لجہالتہ[1]۔	نقل میں وہ ناکافی ہے۔(ت)

وہاں بواسطہ مجہول ناقل امام قوام الدین کاکی شارح ہدایہ تھے یہاں شامی، وہاں منقول عنہ بالواسطہ امام شمس الائمہ سرخسی تھے یا خود محرر المذہب امام محمد اور یہاں قہستانی ع

ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

(اتنا بڑا فرق کہاں وہ کہاں یہ)

جب وہ بوجہ جہالت واسطہ مقبول نہ ہُوئی اس کی کیا ہستی، مگر کیا کیجئے کہ ع

عقل بازار میں نہیں بِکتی

(۷) لم یوجد (روایت نہیں پائی گئی۔ت) اور "موجود نہیں" میں جو فرق ہے عاقل پر مخفی نہیں، مگر عقل بھی ہو، یہ تو خالی نایافت کی نقل ہے کہ شہادت علی النفی سے زائد نہ ٹھہرے گی آکد الفاظ فتوے سے فتوٰی منقول ہوا اور بوجہ جہالت نامقبول ہُوا، انہیں علامہ شامی کا کلام سُنیے عقود الدریہ جلد ۲ ص ۱۰۹:

نقل الزیلعی ان الفتوی علی قولھما فی جوازھا قال الشیخ قاسم فی تصحیحہ مانقلہ الزیلعی شاذ مجھول القائل[2] اھ۔	زیلعی نے نقل کیا ہے کہ فتوٰی ان دونوں کے قول پر اسکے جواز میں ہے، شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں کہا کہ زیلعی سے جو منقول ہے وہ شاذ ہے کیونکہ قائل مجہول ہے اھ (ت)

دُرِ مختار میں ہے:

علیہ الفتاوٰی زیلعی وبحر معزیا للمغنی لکن ردہ العلّامۃ قاسم فی تصحیحہ بان مافی المغنی شاذ مجھول القائل فلایعول علیہ[3]۔	اس پر زیلعی اور بحر کا فتوٰی ہے انہوں نے مغنی کی طرف منسوب کیا، لیکن علامہ قاسم نے اسے اپنی تصحیح میں بایں طور رَد کیا کہ مغنی میں جو کچھ ہے وہ شاذ ہے کیونکہ اس کا قائل مجہول ہے لہٰذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

شامی نے اسے مقرر رکھا۔

(۸) اس پر یہ ادّعا کہ اسی واسطے فقہاء نے اُس کا بالکل انکار کیا ہے، صریح کذب ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الولی من کتاب النکاح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۳۹

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۳۰

[3] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

(۹) اس پر کہنا کہ یہ عبارت شامی کی ہے بکف چراغی ہے شامی میں قہستانی سے بنقل مجہول یہ منقول کہ اس کی روایت نہ ملی اگر بفرض غلط یہ نقل مجہول مقبول بھی ہو اور عدمِ وجدان روایت عدم وجود روایت بھی ہو تو نفی روایت روایتِ نفی نہیں، ہذا کا اشارہ جانب نقل ہے نہ جانب حکم فقہانے بالکل انکار کیا کس گھر سے لائے۔

(۱۰) اینہم بر علم تو غایت درجہ یہ قہستانی کا اپنا انکار ہوگا نہ کہ وہ فقہا سے کئی قول نقل کر رہے ہیں اور قہستانی کا بایں معنی فقہا میں شمار کہ اُن کا اپنا قول بلا نقل مسلّم ہو یقینا باطل ہے بلکہ نقل میں بھی اُن کی وہ حالت جو خود یہی علامہ شامی عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۹۷ میں بتاتے ہیں کہ:

القهستانی کجارف سیل وحاطب لیل خصوصا واستنادہ الی کتب الزاهدی المعتزلی[1]۔	قہستانی بہالے جانے والے سیلاب اور رات کو لکڑی اکٹھی کرنے والے کی طرح ہے خصوصًا جبکہ اس کا استناد زاہدی معتزلی کتب کی طرف۔ (ت)

اور کشف الظنون حرف النون میں علّامہ عصام اسفرائنی کا قول نہ دیکھنا کہ اس ادعائے باطل کی لگی نہ رکھے گا اور بالکل کشف ظنون بلکہ علاج جنون کردے گا ہم نے پتا بتادیا نہ ملے تو پیش بھی کردیں گے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱۱) یہ بھی سہی تو کیسا ظلم شدید وتعصب عنید ہے کہ مسئلہ اقامت میں قہستانی کا اپنا قول بلا نقل بلکہ صرف روایت نہ پانا سند میں پیش کیا جائے اور اُسے انہیں ایک فقیہ نہیں بلکہ فقہا کا انکار ٹھہرادیا جائے اور یہیں یہیں مسئلہ اذان میں جو یہی قہستانی خاص روایت فقہی نقل فرماکر حکمِ استحباب بتارہے ہیں وہ مردود ونامعتبر قرار پائے، غرض بڑی امام اپنی ہوائے نفس ہے وبس۔

(۱۲) اقامت میں اذان سے بھی زیادہ بدعت وبے اصل ہے یعنی بدعت وبے اصل اذان میں بھی ہے یہ وہی مرض غیر مقلدی ہے کہ فقہا اگرچہ صراحۃً مستحب فرمائیں مگر اُن کا قول مردود اور بدعت مذمومہ ہونا غیر مسدود۔

(۱۳) نہیں نہیں نری غیر مقلدی نہیں بلکہ اجماعِ اُمت کا رَد اور غیر سبیل المومنین کا اتباعِ بد ہے جس پر قرآن عظیم میں نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا[2] کی وعید مؤکد ہے، احادیث یہاں قطعًا مروی مرفوع بھی اور موقوف بھی اور غایت اُن کا ضعف جس کا بیان قطعی منیر العین میں ہے جس سے حق کی آنکھیں پُرنور اور باطل کی ظلمتیں دُور بلکہ خود اسی قدر عبارت کہ منکر نے نقل کی منصف کو کافی کہ اُس میں صرف لم یصح (صحیح نہیں۔ ت) کہا اور وہ بھی فقط احادیث مرفوعہ اگر سب کو کہتے جب بھی نفی صحت سے غایت درجہ اتنا معلوم ہوتا کہ ضعیف ہیں پھر

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ الخ مطبوعہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

ضعیف تعدد طرق سے حسن ہو جاتی ہے اور مسائل حلال میں بھی حجت قرار پاتی ہے اور نہ بھی سہی تو قطعاً باب فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور مخالف اجماع مردود مخذول، اربعینِ امام ابوزکریا نووی رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے:

قداتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الاعمال [1]۔	علماء محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل جائز ہے (ت)

(۱۴) اجماعِ اُمت کا خلاف وہاں دشوار نہ تھا مصیبت یہ ہے کہ جمہور وہابیہ کی بھی مخالفت ہوئی کہ تخصیص عدم صحت باحادیث مرفوعہ نے صحت بتائی، ملّا علی قاری کی عبارت گزری تو قرونِ ثلثہ میں اصل متحقق ہوئی پھر بدعت وبے اصل کہنا اصولِ وہابیت پر بھی چھُری پھیرنا ہے۔

(۱۵) وہابیت بجہنم سخت تر آفت یہ ہے کہ دیوبندیت کے امام اعظم جناب گنگوہی صاحب سے چل گئی اور وہ بھی بہت بُری طرح کہ ان کی سنّت، اُن کی بدعت، ان کی ہدایت، اُن کی ضلالت یہ فاعل کو بدعتی گمراہ ٹھہرائیں وہ ان کو منکر سنت ضال بدراہ بتائیں پھر یہ کیا کہ اُنہیں چھوڑ دیتے ہیں یہ کہیں گے کہ وہ بدعت ضلالت کو سنّت بتا کر سخت گمراہ بے دین ہُوئے کفی اللہ المؤمنین القتال (لڑائی میں مومنوں کے لئے اللہ تعالٰی کافی ہے۔ (ت) اس کا مفصل بیان منیر العین افادہ ۳۰ میں ملاحظہ ہو مجمل یہ کہ یہ احادیثِ تقبیل گنگوہی صاحب کے نزدیک بھی فضائل اعمال کی ہیں کہ اس پر ترغیب وثواب اُن میں مذکور ہے، مسند الفردوس کی حدیث میں بروایت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ انہوں نے اذان میں نام سُن کر انگلیوں کے پوروں کو بوسہ دے کر آنکھوں پر پھیرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فعل مثل مافعل خلیلی فقد حلت علیه شفاعتی [2]۔	جو ایسا کرے جیسا میرے اس پیارے نے کیا اُس پر میری شفاعت حلال ہو جائیگی۔

جامع الرموز وکنز العباد وغیرہما میں ہے:

فانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکون قاعدا له الی الجنة [3]۔	جو ایسا کرے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے پیچھے پیچھے اسے جنت میں لے جائیں گے۔

اور یہ تو روایات عدیدہ میں ہے جو ایسا کرے کبھی اندھا نہ ہوگا نہ اُس کی آنکھیں دُکھیں، یہ کیا فضیلت و

[1] شرح متن اربعین نوویہ قبیل حدیث اول مطبوعہ امیر دولت قطر ص ۶

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۸۴

[3] جامع الرموز باب الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵

ترغیب نہیں بہر حال یہ حدیثیں فضائلِ اعمال کی ہیں، اور گنگوہی صاحب براہینِ قاطعہ طبع دوم ص ۹۶ میں فرماتے ہیں: "سب کا یہ مدعا ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل درست ہے[1]"۔ ظاہر ہے کہ درست یہاں بمعنی جائز ہی ہے خصوصًا جبکہ امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثبوت لیں جیسا کہ عبارتِ علی قاری میں گزرا، جب تو اس مسئلہ قبول ضعاف کی بھی حاجت نہ ہوگی کہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تقلید کا خود احادیث صحیحہ میں حکم فرمایا، حدیثِ خلفا کلامِ قاری میں گزری، دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[2]۔ رواہ احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجۃ والرویانی والحاکم وصححہ وابن حبان فی صحیحہ عن حذیفۃ والترمذی والحاکم عن ابن مسعود وابن عدی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ان دو[2] کی پیروی کرو جو میرے بعد والی اُمت ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اسے احمد نے اور ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا، ابنِ ماجہ، رویانی اور حاکم نے روایت کرکے اسے صحیح قرار دیا، ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں روایت کیا حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن مسعود سے اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ان سب نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ (ت)

بلکہ تقلیدِ عام صحابہ ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ کا مذہب ہے بلکہ وہابیہ کے نزدیک تین قرن تک حکم تقلید بلکہ منصب تشریف جدید ہے کما بیناہ فی کتبنا فی الرد علیھم (جیسے کہ ہم نے اپنی کُتب میں ان کا رد کرتے ہوئے واضح کیا ہے۔ ت) بہر حال اس عمل کی دلیل جواز قرون ثلٰثہ میں متحقق ہوئی اور گنگوہی صاحب ص ۲۸ میں کہتے ہیں: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو وہ سب سنّت ہے اھ"[3] تو روشن ہُوا کہ جناب گنگوہی صاحب کے نزدیک اذان میں نام اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا سنّت ہے اور حدیث سے ثابت کہ منکرِ سنّت پر لعنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] براہین قاطعۃ علٰی ظلام الانوار الساطعۃ مسئلہ فاتحہ اعتقادیت ہے الخ مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۹۶

[2] جامع الترمذی مناقب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[3] براہین قاطعۃ علی ظلام الانوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود نہ ہونے کے معنی مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۸

ستة لعنتهم لعنهم الله وکل نبی مجاب (الی قوله) والتارك لسنتی [1] رواه الترمذی عن ام المؤمنین والحاکم عنها وعن علی والطبرانی بلفظ سبعة لعنتهم وکل نبی مجاب [2] عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن۔	چھ ۶ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ ان پر لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا مقبول ہے ازاں جملہ ایک وہ کہ میری سنّت کا منکر ہو، اس کو ترمذی نے ام المومنین سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت علی سے روایت کیا اور طبرانی کے الفاظ یہ ہیں "سات ۷ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت کی اور ہر نبی کی دُعا مقبول ہے"۔ یہ حضرت عمرو بن سعوی رضی اللہ تعالٰی سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے۔ (ت)

اب صاحبِ فتاوٰی اشرفیہ اپنا حکم گنگوہی صاحب سے دریافت کریں یا گنگوہی صاحب کے حق میں خود کوئی حکم فرمائیں۔

(۱۶) اب اقامت کی طرف چلیے شامی سے بحوالہ مجہول قہستانی کا روایت نہ پانا تو نقل کرلائے اور اس سے یہ نتیجہ کہ فقہانے اُس کا بالکل انکار کیا حالانکہ فقہائے کرام کا مسلک وہ ہے جو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر ص ۱۴ میں فرمایا: عدم النقل لاینفی الوجود [3] (عدمِ نقل، وجود کے منافی نہیں۔ت)

(۱۷) عدم نقل کو نقل عدم ٹھہرانے کا رَد خود اسی شامی میں جابجا موجود، ازانجملہ جلد اول ص ۶۰ میں بعد ذکر احادیث فرمایا:

قال العلماء هذه الاحادیث من قواعد الاسلام وهو ان کل من ابتدع شیأ من الخیر کان له مثل اجر کل من یعمل به الی یوم القیٰمة [4]۔	یعنی علمائے کرام نے فرمایا کہ یہ حدیثیں دین اسلام کے قواعد سے ہیں، ان سے یہ قاعدہ ثابت ہُوا کہ جو شخص کوئی اچھا کام نیا نکالے کہ پہلے نہ تھا قیامت تک جتنے مسلمان اس پر عمل کریں سب کے برابر ثواب اُس ایجاد کرنے والے کو ہو۔

(۱۸) بدعت وبے اصل کی بھی حقیقت سُن لیجئے، فتح اللہ المعین جلد ۳ ص ۴۰۲:

[1] المستدرک کتاب الایمان ستة لعنتهم اللہ دار الفکر بیروت ۱/۳۶
[2] المعجم الکبیر ترجمہ عمرو بن سعواء حدیث نمبر ۱۸۹ المکتبة الفیصلة بیروت ۱۷/۴۳
[3] فتح القدیر کتاب الطہارت نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰
[4] ردالمحتار مطلب یجوز تقلید المفضول الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۳

لااصل لها لایقتضی الکراهة ولذا قال فی الدر ماقیل انها بدع ای مباحة حسنة [1]۔	یعنی بے اصل ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا اسی لئے دُرمختار میں فرمایا کہ اسے جو بدعت کہا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ نوپیدا جائز اچھی بات ہے (ت)

(۱۹) فرض کردم کہ اس سے بوجہ عدم نقل انکار مطلق ہی مقصود ہو تو بحال عدم نقل احکام فقہا جن کا نمونہ ہم نے ذکر کیا اس کے معارض ہوں گے اور ترجیح و توفیق و توجیہ و تحقیق کہ ہمارے رسائل رَدِّ وہابیہ میں ہے اس کی مؤنت جناب گنگوہی صاحب نے کم دی اور منکرین کو کسی عبارت خلاف سے شبہہ ڈالنے کی گنجائش نہ رکھی کہ اس سے غایت درجہ مسئلہ عدم نقل میں اختلاف ثابت ہوگا اور گنگوہی صاحب براہین ص ۱۳۷ میں فرماتے ہیں: "اُس کی کراہت مختلف فیہ ہُوئی اور مختلف فیہ مسئلہ تو یوں بھی بلاضرورت جائز ہو جاتا ہے [2]"۔ یہ وہاں کہی اور پُوری غیر مقلدی بلکہ بہ ہوائے نفس اتباع رخص حلال کردینے کی داد دی ہے جہاں ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے تو جہاں خود علمائے حنفیّہ کے قول دونوں طرف ہوں وہ تو بدرجہ اولٰی بلاضرورت مطلقاً جائز رہے گا اور منکر کہ قولِ خلاف سے سند لائے احمق کج فہم ٹھہرے گا۔

(۲۰) نہیں نہیں فقط جائز نہیں بلکہ گنگوہی صاحب کے دھرم میں وقتِ اقامت بھی تقبیل مذکور سنّت اور تھانوی صاحب کا اُس پر انکار گمراہی وضلالت اور بحکمِ حدیث موجب لعنت ہے۔ علماء فرماتے ہیں اقامت احکام میں مثل اذان ہے سوا مستثنیات کے، بلکہ ہدایہ میں ہے:

یروی انه لاتکره الاقامة ایضا لانها احدی الاذانین [3]۔	اور یہ مروی ہے کہ اقامت بھی مکروہ نہیں کیونکہ یہ بھی ایک اذان ہے۔ (ت)

اور عند التحقیق تنقیح مناط انتفائے خصوص کرے گی تو اُس کی دلیل جواز بھی متحقق ہوئی اور سنّت ٹھہری، گنگوہی صاحب کے نزدیک تو سنّت ہونے کے لئے اثر فعلی کی جنس بھی قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے کی حاجت نہیں یہاں تو اُس کی جنس یعنی تقبیل اذان خود موجود ہے۔ براہین گنگوہی ص ۱۸ میں ہے: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہُوا یا نہ ہوا اور خواہ اُسکی

[1] فتح المعین فصل فی الاستبراء وغیرہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۰۲

[2] براہین قاطعۃ علٰی ظلام الانوار الساطعۃ تحقیق مسئلہ اجرۃ تعلیم القرآن الخ مطبوعہ بلاساواقع ڈھور ص ۱۳۷

[3] الہدایۃ باب الاذان مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۷۴

جنس کا وجود خارج میں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو وہ سب سنّت ہے[1]۔"

یہ اُس چار سطری تحریر پر تلك عشرون كاملة (یہ مکمل بیس ۲۰ دلائل ہیں۔ت) وہ بھی بنہایت اختصار، اب ڈیڑھ سطری منہیہ کی طرف چلئے وباللہ التوفیق۔

(۲۱) علمائے کرام نے کہ نفی صحت میں مرفوع کی تخصیص فرمائی بکمال حیا اُس کا مطلب یہ گھڑا کہ اس بارہ میں حدیث موقوف اگرچہ منقول ہے مگر ضعیف الاسناد ہے، کیا علما نے یہ فرمایا تھا کہ اس بارہ میں حدیث مرفوع کوئی منقول ہی نہیں یا یہ فرمایا تھا کہ جو منقول ہے ضعیف نہیں بلکہ صحیح ہے یا یہ فرمایا تھا کہ ضعیف بھی نہیں بلکہ موضوع ہے انہیں تین صُورتوں میں اُس اختراعی مطلب پر مرفوع وموقوف کا تفرقہ اور تخصیص کا فائدہ صحیح رہتا مگر ہر ذرا سے فہم والا بھی دیکھ رہا ہے کہ یہ بہر وجہ علماء پر افترا ہے علما نے یہی بتایا ہے کہ اس بارہ میں احادیث مرفوعہ اگرچہ منقول ہیں مگر درجہ صحت پر نہیں بلکہ ضعیف ہیں یہی اس بے معنی منہیہ نے حدیث موقوف میں کہا تو فرق کیا رہا صراحۃً تخصیص مرفوع باطل کرنے کو تخصیص مرفوع کا مطلب ٹھہرانا جنون نہیں تو شدید مکاری ڈھٹائی ہے مکاری نہیں تو سخت جنون وبے عقلی ہے۔

(۲۲) بفرض باطل یہی مطلب سہی مگر یوں بھی کال نہ کٹا امام الطائفہ گنگوہی صاحب ایمان لاچکے کہ یہاں مقبول ہے اگرچہ ضعیف حدیث اور طائفہ بھر کا دھرم قرون کی تثلیث پھر حدیث موقوف وضعیف موجود مان کر بدعت وبے اصل کہنا کیسا قول خبیث!

(۲۳) ایک بھاری دیانت یہ دکھائی کہ حدیث سے اس عمل کا طاعت ہونا نہیں نکلتا بلکہ رمد سے بچنے کا ایک منتر ہے الحق حیا وایمان متلازم ہیں یہ اعتراض اگر چل سکتا تو نہ موقوف وضعیف بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد صحیح اگر صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہوتا اُسے بھی اڑا دیتا، حدیثوں میں تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے اُسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائینگے اور منہیہ کہتا ہے کہ یہ کوئی طاعت ہی نہیں کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ جس پر یہ عظیم وجلیل ثواب موعود ہوں وہ سرے سے طاعت ہی نہیں ایک منتر ہے۔

(۲۴) حدیث ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے یوں پڑھیے:

رضیت باللہ ربًّا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبیا[2]۔	میں اللہ تعالٰی کے رب، اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی اور خوش ہوں۔(ت)

[1] براہین قاطعہ الخ قرون ثلثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کے معنی مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۸

[2] المقاصد الحسنۃ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دارالکتاب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴

حدیثِ خضر علیہ الصلاۃ والسلام میں ہے یوں کہے:

مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد بن عبداللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	اے میرے حبیب! مرحبا، آپ کا اسم گرامی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک۔(ت)

اسی طرح حدیثِ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے۔ چوتھی روایت میں ہے یوں کہے:

صلی اللہ تعالٰی علیك یارسول اللہ قرۃ عینی بك یارسول اللہ اللھم متعنی بالسمع والبصر[2]۔	اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلاۃ (رحمت ہو، یارسول اللہ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، اے اللہ! میری سماعت وبصارت کو اس کی برکت سے مالامال فرما۔(ت)

پانچویں میں ہے درود پڑھے۔ چھٹے میں ہے یوں کہے:

صلی اللہ علیك یاسیدی یارسول اللہ یا حبیب قلبی ویانور بصری ویاقرۃ عینی[3]۔	یاسیدی یارسول اللہ! اے میرے دل کے حبیب، اے میری آنکھوں کے نور وسرور، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ پر اللہ تعالٰی رحمت فرمائے۔(ت)

ساتویں میں ہے یوں کہے:

اللھم احفظ حدقتی ونورھما ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونورھما[4]۔	اے اللہ! میری آنکھوں کی حفاظت فرما اور انہیں منوّر فرما نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں اور ان کی نور کی برکت سے۔(ت)

منہیہ کے نزدیک یہ اللہ ورسول کے ذکر، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود، اللہ عزوجل سے دُعا

[1] المقاصد الحسنہ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴
[2] جامع الرموز باب الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۲۵
[3] المقاصد الحسنہ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۴
[4] المقاصد الحسنہ حرف المیم حدیث ۱۰۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ص ۳۸۵

کچھ طاعت ہی نہیں حالانکہ ذکر ہی روح طاعت ہے اور دُعا مغزِ عبادت، اور درود کو مسلمان ایمان کا چین چین کا ایمان جانتے ہیں اگرچہ منہیہ منتر مانے۔

(۲۵) اس عمل مبارک کے فوائد میں ایک فائدہ جو یہ فرمایا گیا کہ جو ایسا کرے گا اُس کی آنکھیں نہ دُکھیں گی نہ کبھی اندھا ہو، اس جرم پر وہ ذکرِ الٰہی ودرود ودُعا سب طاعت سے خارج ہو کر رمد کا منتر رہ گئے، نامِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس عداوت کی کوئی حد ہے، صدہا حدیثیں ہیں جن میں تلاوتِ قرآن عظیم وتسبیح وتہلیل وحمد وتکبیر ولاحول وغیرہا اذکارِ جلیلہ پر منافع جسمانیہ ودُنیاویہ ارشاد ہوئے ہیں جسے شوق ہو صحاح ستہ وترغیب وترہیب امام منذری وجوامع امامِ جلیل سیوطی وحصن حصین امام جزری وغیرہا کتبِ حدیث مطالعہ کرے منہیہ کے دھرم میں یہ اسلامی ایمانی کلمے اور خود قرآن عظیم سب منتر ہیں جنہیں طاعت سے کچھ علاقہ نہیں **اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

(۲۶) اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر حکیم سے بڑھ کر حکیم ہیں اُن کی رعایا میں ہر قسم کے لوگ ہیں ایک وہ عالی ہمّت کہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ ورسول کے لئے یاد کریں اپنی کوئی منفعت دینوی تو دنیوی اُخروی بھی مقصود نہ رکھیں یہ خالص مخلص بندے ہیں جن کی بندگی میں کسی ذاتی غرض کی آمیزش نہیں ان کے لئے وصلِ ذات ہے جن کو فرمایا:

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ[1]	جو ہماری یاد میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم یقینا ان کے لئے اپنے تمام راستے کھول دیتے ہیں۔(ت)

دوسرے وہ جن کو کسی طمع کی چاشنی اُبھارے مگر نفع فانی کے گرویدہ نہیں باقی کی تلاش ہے قرآن وحدیث میں نعیم جنت کے بیان ان کی نظیر سے ہیں جن کو فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ[2]	اللہ تعالٰی نے مومنوں سے ان کی جان ومال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے(ت)

تیسرے وہ جن کو نفع عاجل کی امید دلانا زیادہ مؤید ہے جن کو فرمایا:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۙ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾[3]	میں کہتا ہوں اپنے رب سے معافی مانگو وہ یقینا معافی دینے والا ہے وہ آسمان سے تم پر زور دار بارش بھیجے گا۔(ت)

---

[1] القرآن ۶۹/۲۹

[2] القرآن ۱۱۱/۹

[3] القرآن ۱۰/۷۱

اور فرمایا:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ[1]	فرمادیجئے یہ مومنوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔(ت)

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اغزوا تغنموا وصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا[2] وفی حدیث حُجّوا تستغنوا[3]۔روی الاول الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والاٰخر عبدالرزاق عن صفوان بن سلیم مرسلا ووصلہ فی مسند الفردوس۔	جہاد کرو غنیمت پاؤگے اور روزہ رکھو تندرست ہوجاؤگے اور حج کرو غنی ہوجاؤگے۔پہلی کو طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا اور دوسری کو عبدالرزاق نے صفوان بن سلیم سے مرسلاً روایت کیا،اور مسند الفردوس میں یہ متصلاً مروی ہے۔(ت)

چوتھے وہ پست فطرت دون ہمت کہ امیدِ نفع پر بھی نہ سرکیں جب تک تازیانہ کاڈر نہ دلائیں قرآن حدیث میں عذاب نار کے بیان ان کی نظیر سے ہیں جن کو فرمایا:

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۞ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۞ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۞ وَ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۞[4]۔	جسے رتوند آئے رحمان کے ذکر سے ہم اس پر ایک شیطان متعین کردیں گے کہ وہ اس کا ساتھی رہے اور بیشک وہ شیطان ان کو راہ سے روکتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہ پر ہیں یہاں تک کہ جب کافر ہمارے پاس آئیگا اپنے شیطان سے کہے گا ہائے کسی طرح مجھ میں تجھ میں پورب پچھم (مشرق ومغرب) کا فاصلہ ہوتا تُو کیا ہی بُرا ساتھی ہے،اور ہرگز تمہارا اس (حسرت) سے بھلانہ ہوگا آج جبکہ (دنیا میں) تم نے ظلم کیا توتم سب عذاب میں شریک ہو(ت) (۴)

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یدع اللہ غضب علیہ[5] رواہ ابن ابی شیبۃ	وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے دعا نہیں مانگتا اس پر اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن ۴۱/۴۴

[2] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۸۳۰۸ مکتبۃ المعارف ریاض سعودیہ ۹/۱۴۴

[3] المصنف لعبدالرزاق باب فضل الحج مکتبۃ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۱۱

[4] القرآن ۴۳/۳۶تا۴۰

[5] مصنف ابن ابی شیبہ (۱۵۷۷) فی فضل الدعاء حدیث ۹۲۱۶ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/۲۰۰

فی المصنف عن ابی ھریرۃ وبلفظ من لم یسأل اللہ یغضب علیہ [1] احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ وللعسکری عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المواعظ بسند حسن عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال قال اللہ تعالٰی من لایدعونی اغضب علیہ [2] اللھم صل وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ ابدا اٰمین۔	ناراض ہوتا ہے، اسے ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، حدیث کے دوسرے الفاظ یہ ہیں: وہ شخص جو اللہ تعالٰی سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالٰی اس پر ناراض ہوتا ہے اسے احمد اور بخاری نے "الادب المفرد" میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابنِ حبان اور حاکم سب نے روایت کیا ہے اور آخری دو۲ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور عسکری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی "المواعظ" میں سند حسن کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص مجھ سے دُعا نہیں کرتا میں اس پر ناراض ہوتا ہوں۔ اللہ تعالٰی ہمیشہ رحمتِ کاملہ اور سلامتی بھیجے آپ پر، آپ کی آل، اصحاب، بیٹے اور گروہ سب پر، آمین (ت)

صاحبِ منہیہ اللہ عزّوجل کی حکمتوں کو باطل کرتا اور طاعت کو صرف قسم اوّل میں منحصر کرنا چاہتا اور حدیث وقرآن کے تمام اذکار جنت ونار ترغیب وترہیب کو لغو وفضول بلکہ اغوا واضلال بناتا ہے کہ بندوں کو مقصود سے دُور کرکے منتر جنتر میں لاڈالا۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ [3] (عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

(۲۷) عوام پر غیظ ہے کہ وہ یہ ذکر خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باعتقاد طاعت کرتے ہیں الحمدللہ مسلمانوں کے عوام آپ جیسے خواص سے عقل وفہم وفضل وعلم میں بدرجہا زائد ہیں وہ اپنے رب عزوجل کے ذکر ودعا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر ومحبت وتعظیم وتوسل کو طاعت نہ جانیں تو کیا آپ کی طرح ذکر وتعظیمِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہر حیلہ ممکنہ باطل کرنے بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہینوں کو عبادت مانیں۔ وہ رمد چشم کا عمل ہی سہی، فرض کیجئے ایک دیوبندی اپنی آنکھوں کے علاج کو جالینوس کا شیاف یا ابن سینا کی سلائی لگاتا ہے اور ایک مسلمان سورہ فاتحہ وآیۃ الکرسی واسمِ الٰہی نور وصلاۃ نور سے علاج کرتا ہے آپ کے دھرم میں دونوں برابر

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الدعاء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۷۳

[2] کنز الاعمال بحوالہ العسکری الباب الثامن فی الدعاء الخ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۶۲

[3] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

ہیں کہ ایک فعل مباح کررہے ہیں، طاعت نہ یہ نہ وہ، مگر مسلمان جانتے ہیں کہ کہاں جالنیوس وابن سینا پر بھروسا اور کہاں کلام اللہ نورِ ہُدٰی وشفاء واسمائے الٰہیہ سے توسل والتجایہ، ضرور اطاعت اور اس کے حسن ایمان کی علامت ہے ولکن النجدیۃ لایعلمون (لیکن نجدی نہیں سمجھتے۔ت) بات یہ ہے کہ وعیدوں یا جسمانی دنیاوی بلکہ اُخروی منفعتوں ثوابوں کے وعدے سے بھی حاشا یہ مراد خدا اور سول نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اُن وعیدوں سے بچنا یا اُن منافع کاملنا ہی مقصود بالذات بناکر اسی غرض ونیت سے ذکرِ خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرو کہ یہ تو قلب موجوع وعکس مقصود ہے جو عبادت جنت کی نیت سے کرے کہ وہی اُس کی مقصود بالذات ہو ہرگز عابد خدا نہیں عابد جنّت ہے، توارت مقدس سے منقول اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو بہشت کی طمع یا دوزخ کے ڈر سے میری عبادت کرے، کیا اگر میں جنّت ونار نہ بناتا مستحقِ عبادت نہ ہوتا، بلکہ اس سے مراد صرف ابھارنا ہے کہ اس طمع وخوف کے لحاظ سے عمل لوجہ اللہ کریں مضرت سے بچنا یا منفعت جسمانی خواہ روحانی دنیوی خواہ اُخروی کاملنا مقصود بالغرض ہو، جیسے حج میں تجارت، جہاد میں غنیمت، روزے میں صحت، نماز میں کسرت، بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے عوام اپنے رب کی مراد سمجھے اور اس عمل میں بھی وہی اُن کا مقصود ہُوا کہ اپنے رب جل وعلا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہیں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نامِ اقدس پر براہِ محبت وتعظیم بوسہ دیتے ہیں اور یہ سب قطعًا طاعت ومرادِ شریعت ہے اس کی برکت اس کے طفیل اس کے صدقہ سے ہمیں جسمانی فائدہ بھی ملے گا کہ آنکھیں نہ دُکھیں گی اندھے نہ ہوں گے یہ عین وہی نیت ہے جو شارع کو ایسے وعدوں میں مقصود ہوتی ہے مگر خائب وخاسر، احمق وغادر وہ کہ ایسے وعدوں پر پھُول کر اصل مقصود خدا اور سول کو بھُول جائے اور ان کے ذکر وتعظیم ومحبت کو نرا منتر بتائے نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ[1] (جو بھُول گئے اللہ تعالٰی کو، تو اس نے انہیں بلا میں ڈالا کہ اپنی جانیں یاد نہ رہیں۔ت)

(۲۸) غنیمت ہے کہ رمد کا منتر مان کر منتر کے نام سے وہ محض عدم روایات یا ضعف مروی بدعت بدعت کا بھُوت تو اُترا اور یہ عمل مباح ٹھہرا اور نہ عدمِ ورود پر بدعت وبے اصل ہونے کے جو معنٰی آپ حضرات کے یہاں ہیں اُن کا مصداق کسی طرح مباح نہیں ہوسکتا اگرچہ اعتقادِ طاعت نہ ہو۔

(۲۹) یہ تو اوپر گزرا کہ اسی فعل کو اذان میں ہو خواہ اقامت میں محض مباح جاننا شریعتِ گنگوہیہ کے بالکل خلاف ہے کہ اُس میں یہ عمل سنت ہے تو عوام میں ٹھیک سمجھے اور طاعت کے طاعت اعتقاد کرنے کو بدعت بتاکر تمہیں بدعتی بدمذہب ہُوئے اگرچہ دیوبندیت کی معراج ترقی فی المراوق من الدین کے بعد بدعت کی کیا گنتی ع

---

[1] القرآن ۵۹/۱۹

ماعلی مثلہ بعد الخطاء

(بعد از خطا اس کی مثل پر کیا لازم آئے)

مگر یہاں یہ گزارش ہے کہ مباح بمعنی شامل فرض جس طرح امکان عام شامل وجوب ہے قطعًا وجوب ہے قطعًا یہاں مراد نہیں ورنہ فرض کو بھی طاعت سمجھنا گمراہی وبدعت ہو، لاجرم مباح بمعنی مساوی الطرفین نظیر امکان خاص مراد ہے یعنی وہ فعل نہ محمود نہ مذموم، آپ نے اُسے رمد چشم کا منتر بنا کر ایسا ہی مباح سمجھا اور یہ شریعت گنگوہیہ سے کفر ہے عالی جناب گنگوہی صاحب کے دھرم میں کوئی فعل ایسا مباح نہیں اُسی صفحہ ۲۸ پر بولتے ہیں: "جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجود خارجی اُن قرون میں ہوا یا نہ ہوا وہ سب سنّت ہے اور جس کے جواز کی دلیل نہیں خواہ وہ ان قرون میں بوجود خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعت ضلالت[1] ہے"۔ظاہر ہے کہ کوئی فعل ہو یا اُس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلٰثہ میں ہوگی یا نہیں، تیسری شق ناممکن ہے کہ یہ حصر عقلی دائر بین النفی والاثبات ہے اور گنگوہی صاحب دو کلیہ دے گئے کہ شق اول کے سب سنت ہیں اور شق دوم کے سب ضلالت۔اب وہ کون سا رہا کہ دونوں سے خارج ہو کر نرا مباح ہو بلکہ نہ ایک مباح کہ مکروہ تنزیہی وخلاف اولٰی ومستحب یہ سب احکامِ شرعیہ یکسر اُڑ گئے یہ ہے وہ گنگوہی شریعت کا تازہ جوہر جس پر صفحہ ۲۹ میں یہ ناز ہیں کہ اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے اس عاجز کو اساتذہ جہاندیدہ کی توجہ سے حاصل ہوا ہے اس جوہر کو اس کتاب میں ضرورۃً رکھتا ہُوں[2]"۔کیا نفیس جوہر ہے کہ ادھر تو شریعتِ محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آدھے احکام اُڑ گئے اُدھر آدھی وہابیت اپنا جوہر کر گئی جس کا بیان منیر العین افادہ مذکور میں ہے منیر العین نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر بھی تنبّہ نہ ہوا اور کیوں ہوتا کہ حضور اقدس عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث صحیح بخاری شریف میں فرماچکے ہیں **ثم لایعودون فیہ**[3] (پھر وہ لوٹ کر دین میں نہیں آئیں گے۔ت)

(۳۰) مباح کا اعتقاد طاعت سے بدعت ہو جانا اگر اس سے یہ مراد کہ جو شے مباح محض ہے جس کے فعل وترک شرعًا دونوں مساوی اُسے فی نفسہ ماموربہ ومطلوب شرع اعتقاد کرنا اُسے بدعت کر دیتا ہے تو منہیہ والے کے پاس کیا دلیل ہے کہ یہ فعل مساوی الطرفین ہے اور عام عوام فی نفسہ اس کو ماموربہ یا مطلوب من جہۃ الشرع اعتقاد کرتے ہیں اب یہاں وہ علم غیب کا مسئلہ جانگزائے اہلِ منہیہ ہوگا جو ہمارے سائل فاضل سلمہ نے ایراد کیا اور اگر یہ مراد کہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے بدعت کر دیتا ہے تو شریعت مطہرہ پر محض افتراء ہے بلکہ مباح کو بہ نیت قربت کرنا اسے قربت کر دیتا ہے

---

[1] براہین قاطعہ علٰی ظلام انوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کا معنی مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۸

[2] براہین قاطعہ علٰی ظلام انوار الساطعۃ قرونِ ثلٰثہ میں موجود ہونے نہ ہونے کا معنی مطبوعہ لے بلاساواقع ڈھور ص ۲۹

[3] صحیح البخاری آخر کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۱۲۸/۲

اور ہر قربت طاعت ہے تو اُس میں اعتقاد طاعت ضرور حق اور اُسے بدعت بتانا جہل مطلق، اشباہ والنظائر وردالمحتار میں ہے:

اما المباحات فتختلف صفتها باعتبار ماقصدت لاجله فاذا قصد به التقوی علی الطاعات او التوصل الیها کانت عبادة[1]۔	باقی مباحات کا معاملہ نیت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے اگر ان سے مقصود طاعات پر تقوی یا ان تک پہنچنا ہو تو پھر یہ عبادت ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے: کل قربة طاعة ولاتنعکس[2] (ہر قربت طاعت ہے اور ہر طاعت قربت نہیں ہوتی۔ت)

یہ اس ڈیڑھ سطری منہیہ پر تلک عشرة کاملة (دس مکمل دلائل ہیں۔ت) ہیں۔

بالجملہ منکرین کے پاس کوئی دلیل نہیں اور ادعائے بے دلیل سے بدتر کوئی شے ذلیل نہیں در بارہ اذان تو احادیث وارد اور اس کا استحباب کُتب فقہ میں مصرح تو انکار نہیں مگر جہل مبین اور در بارہ اقامت اگر ورود نہیں کہیں منع بھی نہیں اور بے منع شرعی منع کرنا ظلم مہین، ادنی درجہ منع کراہت ہے اور کراہت کے لئے دلیل خاص کی حاجت ہے اور بے دلیل شرعی ادعائے منع شریعت پر افتراء و تہمت ہے، ردالمحتار جلد ا ص ۶۸۳:

لایلزم منه ان یکون مکروها الابنهی خاص لان الکراهة حکم شرعی فلابدله من دلیل[3]۔	اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہوگا مگر کسی نہی خاص کے ساتھ کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔(ت)

البحرالرائق جلد ۲ ص ۱۷۶:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراهة اذلابدلها من دلیل خاص[4]۔	ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس کیلئے خاص دلیل کی ضرورت ہے(ت)

وہابیہ کی جہالت کہ جواز کے لئے ورود خاص مانگیں اور منع کے لئے دلیل خاص کی کچھ حاجت نہ جانیں اس اوندھی الٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا، مگر علت وہی شریعت مطہرہ پر افترا اٹھانا۔ ردالمحتار جلد ۵ ص ۴۵۵:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالٰی باثبات	احتیاط نہیں کرتے اللہ تعالٰی پر افتراء میں حرمت و

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدة الاولی من الفن لاول ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[2] شرح غمزالعیون البصائر مع الاشباہ من الفن لاول ادارة القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۲

[3] ردالمحتار مطلب بیان السنة والمستحب الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۳

[4] البحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۳

الحرمة اوالکراھة اللذین لابدلھا من دلیل بل فی القول بالاباحة التی ھی الاصل [1]۔	کراہت ثابت کرنے میں جن کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے البتہ اباحت کا قول کرنے میں احتیاط کرتے ہیں جو کہ اصل ہے (ت)

ظاہر ہے کہ نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا آنکھوں سے لگانا عرفاً دلیلِ تعظیم ومحبّت ہے اور امورِ ادب میں قطعًا عرف کا اعتبار۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

فیحال علی المعھود حال قصد التعظیم [2]۔	تعظیم مقصود ہونے کے وقت اسے عرف پر محمول کیا جائیگا۔ (ت)

اور تعظیم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقًا مامور بہ۔

قال اللہ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ [3]۔	اللہ تعالٰی کا ارشادِ مبارک ہے: تم اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور ہمیشہ ان کی تعظیم وتوقیر بجالاؤ۔ (ت)

اور مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر جاری رہے گا جب تک کسی خاص فرد سے منع شرعی نہ ثابت ہو جیسے سجدہ. زیادات امام عتابی پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ میں ہے:

ان المطلق یجری علی اطلاقه الا اذاقام دلیل التقیید نصا اودلالة فاحفظه فانه للفقیه ضروری [4]۔	مطلق اپنے اطلاق پر ہی رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ جب تقیید پر کوئی صراحۃً یا دلالۃً دلیل قائم ہو اسے اچھی طرح محفوظ کرلو کیونکہ یہ فقیہ کے لئے ضروری قاعدہ ہے۔ (ت)

مگر ہے یہ کہ اشقیا کے نزدیک تعظیمِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقًا شرک وظلم ہے شریعت نے برخلاف قیاس بعض مواضع میں خدا جانے کس ضرورت سے ناچاری کو مقرر کردی ہے لہٰذا مورد پر مقتصر رہے گی باقی اُسی اصل حکم پر شرک وبدعت وحرام ٹھہرے گی فلہذا جہاں وارد ہوئی خدا کا دھرا سر پر، قہر درویش

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۳۲۶

[2] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[3] القرآن ۴۸/۹

[4] ردالمحتار فصل فی البیع من کتاب الحظر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۷۲

ماننی پڑی وہ بھی فقط ظاہراً نہ دل سے جیسے التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غائبانہ ندا کرنے کا شریعت نے حکم دیا خدا جانے شریعت کو کیا ہوگیا تھا کہ عین نماز میں یہ غیر خدا کی تعظیم اور اس پر دُور ونزدیک سے پکار نارکھ دیا، خیر قہراً جبراً التحیات کے لفظ تو پڑھ لو مگر انشائے معنی کا ارادہ نہ کرنا وہ دیکھو امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صراطِ مستقیم میں حکم لگارہے ہیں کہ:

"صرف ہمت در نماز بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گوجناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدترست از استغراق درخیال گاؤ وخر خود[1]، الی آخر الکلمۃ الملعونۃ لعن اللہ قائلہا وقابلہا۔	"نماز میں اپنے شیخ یا بزرگوں میں سے کسی دوسرے بزرگ حتی کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ صَرف کرنا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہوجانے سے کئی درجے بدتر ہے" آخر کلام ملعون تک، اللہ تعالٰی اس کلام کے قائل اور قبول کرنے والے کو اپنی رحمت سے دُور رکھے۔ (ت)

ولہٰذا وہابیہ تصریح کرتے ہیں کہ تشہد میں السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے حکایتِ لفظ کا ارادہ کرے قصدِ معنی نہ کرے تصریح کرتے ہیں دُور سے یارسول اللہ کہنا شرک ہے مگر بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے ایمان میں تعظیمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین ایمان ایمان کی جان ہے اور علی الاطلاق مطلوب شرع، توجو کچھ بھی جس طرح بھی جس وقت بھی جس جگہ بھی تعظیمِ اقدس کے لئے بجالائے خواہ وہ بعینہٖ منقول ہو یا نہ ہو سب جائز ومندوب ومستحب ومرغوب ومطلوب وپسندیدہ وخوب ہے جب تک اُس خاص سے نہی نہ آئی ہو جب تک اُس خاص میں کوئی حرج شرعی نہ ہو، وہ سب اس اطلاق ارشادِ الٰہی وتعزروہ وتوقروہ میں داخل اور امتثال حکم الٰہی کا فضل جلیل اسے شامل ہے ولہٰذا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ جس قدر ادب وتعظیم حبیب رب العالمین جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں زیادہ مداخلت رکھے اُسی قدر زیادہ خوب ہے، فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق ومنسک متوسط وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا[2]۔	جس قدر بھی ادب وعزت میں کامل ہو اتنا ہی زیادہ اچھا ہے۔ (ت)

امام ابنِ حجر مکی "جوہر منظّم" میں فرماتے ہیں:

---

[1] صراط المستقیم ہدایت نامہ در ذکر مخلات مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ص ۸۶

[2] المسلک المقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیادۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نوراللہ ابصارھم[1]۔	وہ لوگ جنہیں اللہ تعالٰی نے آنکھوں کا نور عطا فرمایا ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کی تمام اقسام وصورتوں کو امر مستحسن تصوّر کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں ہرگز باری تعالٰی کے ساتھ شرکت کا کوئی پہلو نہیں۔(ت)

تو مسلمان اگر وقتِ اقامت بھی تقبیل کرے ہرگز کوئی وجہِ ممانعت نہیں، اور اسے شرعًا ناجائز نہ کہے گا مگر وہ کہ شرع پر افترا کرتا یا نام واکرام سید الانام علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے جلتا ہے۔ اسی طرح نماز واستماع قرآن مجید واستماع خطبہ جن میں حرکت منع ہے اور ان کے امثال مواضع لزوم محذور کے سوا جہاں کہیں بھی یہ فعل بنظرِ تعظیم ومحبت حضرت رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ ہو جیسا کہ بعض محبان سرکار سے مشہور ہے بہرحال محبوب ومحمود ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الجوہر المنظم الفصل الاول مطبوعہ ادارۃ المرکزیۃ واشاعۃ القرآن گلبرگ لاہور ص ۱۲

ایذان الاجر فی اذان القبر ۱۳۰۷ھ

(دفن کے بعد قبر پر اذان کہنے کے جواز پر مبارک فتوٰی)

مسئلہ ۳۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفن کے وقت جو قبر پر اذان کہی جاتی ہے شرعًا جائز ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا۔

فتوٰی

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدللہ الذی جعل الاذان علم الایمان وسبب الامان وسکینۃ الجنان ومنافۃ الاحزان و مرضاۃ الرحمٰن والصلاۃ والسلام الاتمان الاکملان علی من رفع اللہ ذکرہ واعظم قدرہ فبذکرہ زان کل	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے اذان کو ایمان کی علامت، سببِ امان، دلوں کا سکون، غموں کا ازالہ اور رحمان کی رضا کا ذریعہ بنایا، صلاۃ وسلام کاملہ تامہ ہو اس ذات پر جس کا ذکر اللہ تعالٰی نے بلند کردیا اور اس کے مرتبہ کو عظیم کیا چنانچہ ان کے ذکر سے ہر خطبہ اور اذان کو

خطبة واذان وعلی اٰله وصحبه الذاکرین ایاہ مع ذکر مولاہ فی الحیوۃ والموت والوجدان والفوت وکل حین واٰن واشھد ان لاالٰه الااللہ الحنان المنان وان محمدا عبدہ ورسوله سید الانس والجان صلی اللہ تعالٰی علیه وعلی اٰله وصحبه المرضین لدیه مااَذِنَ اُذُن لصوت اذان قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی سقاہ المجیب من کاس الجیب عذبا فراتا وجعله من الذین ھم اھل الایمان والصلاۃ والاذان احیاء وامواتا اٰمین اله الحق اٰمین۔	زینت بخشی اور آپ کی آل واصحاب پر جو موت وحیات، وجدان وفوت غرضیکہ ہر وقت اپنے رب کریم کے ذکر کے ساتھ اپنے آقا کا ذکر کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ حنّان ومنّان کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور انس وجن کے سردار نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں آپ پر اور آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر جو کہ پسندیدہ ہیں سب پر اس وقت تک اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں جب تک کان اذان کی آواز سنتے رہیں، خیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی دُعا کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی اسے اپنے حبیب کے حوضِ کوثر سے سیراب کرے اور اسے ان لوگوں میں سے کردے جو موت وحیات میں ایمان، نماز اور اذان والے ہیں آمین الٰہ الحق آمین۔(ت)

الجواب:

بعض علمائے دین نے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، امام ابن حجر مکّی وعلّامہ خیر الملۃ والدّین رملی استاذ صاحبِ دُرمختار علیہم رحمۃ الغفار نے اُن کا یہ قول نقل کیا:

اما المکی ففی فتاواہ وفی شرح العباب وعارض واما الرملی ففی حاشیة البحر الرائق ومرض۔	مکّی نے اپنے فتاوٰی اور شرح العباب میں نقل کیا اور اس نے معارضہ کیا، رملی نے حاشیہ البحرالرائق میں نقل کیا اور اسے کمزور کہا۔(ت)

حق یہ ہے کہ اذان مذکور فی السوال کا جواز یقینی ہے ہرگز شرع مطہر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا قائلانِ جواز کے لئے اسی قدر کافی، جو مدعی ممانعت ہو دلائل شرعیہ سے اپنا دعوٰی ثابت کرے، پھر بھی مقامِ تبرع میں آکر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بدلائل کثیرہ اس کی اصل شرع مطہر سے نکال سکتا ہے جنہیں بقانونِ مناظرہ اسانید تصور کیجئے **فاقول**: وباللہ التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق۔

دلیل اوّل: وارد ہے کہ جب بندہ قبر میں رکھا جاتا اور سوالِ نکیرین ہوتا ہے شیطان رجیم (کہ اللہ عزوجل

صدقہ اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کا ہر مسلمان مرد وزن کو حیات وممات میں اس کے شر سے محفوظ رکھے) وہاں بھی خلل انداز ہوتا ہے اور جواب میں بہکاتا ہے والعیاذ بوجہ العزیز الکریم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ امام ترمذی محمد بن علی نوادر الاصول میں امام اجل سفین ثوری رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کرتے ہیں:

اذا سئل المیت من ربك تراأی له الشیطان فی صورت فیشیر الی نفسه ای انا ربك[1] فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل۔	یعنی جب مُردے سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا اور اپنی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی میں تیرا رب ہُوں، اس لئے حکم آیا کہ میت کے لئے جواب میں ثابت قدم رہنے کی دعا کریں۔(ت)

امام ترمذی فرماتے ہیں:

ویؤیدہ من الاخبار قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عند دفن المیت اللھم اجرہ من الشیطان فلولم یکن للشیطان ھناك سبیل مادعا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بذلك[2]۔	یعنی وہ حدیثیں جو اسکی مؤید ہیں جن میں وارد کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میت کو دفن کرتے وقت دعا فرماتے الٰہی! اسے شیطان سے بچا۔ اگر وہاں شیطان کا کچھ دخل نہ ہوتا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ دُعا کیوں فرماتے۔(ت)

اور صحیح حدیثوں سے ثابت کہ اذان شیطان کو دفع کرتی ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اذن المؤذن ادبر الشیطان وله حصاص[3]۔	جب مؤذن اذان کہتا ہے شیطان پیٹھ پھیر کر گوز زناں بھاگتا ہے۔(ت)

صحیح مسلم کی حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے واضح کہ چھتیس میل تک بھاگ جاتا ہے[4]۔ اور خود حدیث میں حکم آیا جب شیطان کا کھٹکا ہو فوراً اذان کہو کہ وہ دفع ہوجائے گا[5] اخرجه الامام ابو القاسم سلیمٰن بن احمد

[1] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل التاسع والاربعون والمائتان الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

نوٹ: یہ دونوں عبارتیں اعلیحضرت نے بالمعنی نقل کی ہیں اس لئے الفاظ میں کافی تغیر وتبدل ہے، پہلی عبارت درست کردی ہے دوسری عبارت اس طرح ہے: فلولم یکن للشیطان ھناک سبیل ماکان لیدعولہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان یجیرہ من الشیطان۔

[3] الصحیح لمسلم باب فضل الاذان وہرب الشیطان عند سماعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۷

[4] الصحیح لمسلم باب فضل الاذان وہرب الشیطان عند سماعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۷

[5] معجم اوسط حدیث نمبر ۷۴۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۸/۲۱۰

الطبرانی فی اوسط معاجیمه عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه(اسے امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)، ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبافی ان الاذان یحول الوبا (صبح کی خوشگوار ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وبا دُور ہوجاتی ہے۔ت) میں اس مطلب پر بہت احادیث نقل کیں، اور جب ثابت ہولیا کہ وہ وقت عیاذًا باللہ مداخلت شیطان لعین کا ہے اور ارشاد ہُوا کہ شیطان اذان سے بھاگتا ہے اور اس میں حکم آیا کہ اُس کے دفع کو اذان کہو تو یہ اذان خاص حدیثوں سے مستنبط بلکہ عین ارشادِ شارع کے مطابق اور مسلمان بھائی کی عمدہ امداد واعانت ہُوئی جس کی خوبیوں سے قرآن وحدیث مالامال۔

دلیل دوم: امام احمد وطبرانی وبیہقی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال لمادفن سعد بن معاذ (زاد فی روایة) وسوی علیه سبح النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وسبح الناس معه طویلا ثم کبر وکبرالناس ثم قالوا یارسول الله لم سبحت (زاد فی روایة) ثم کبرت قال لقد تضایق علی هذا الرجل الصالح قبره حتی فرج الله تعالٰی عنه[1]۔	یعنی جب سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ دفن ہوچکے اور قبر درست کردی گئی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے اور صحابہ کرام بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے پھر حضور اللہ اکبر اللہ اکبر فرماتے رہے اور صحابہ بھی حضور کے ساتھ کہتے رہے، پھر صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ! حضور اول تسبیح پھر تکبیر کیوں فرماتے رہے؟ ارشاد فرمایا: اس نیک مرد پر اُس کی قبر تنگ ہُوئی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے وہ تکلیف اُس سے دُور کی اور قبر کشادہ فرمادی۔(ت)

علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ای مازلت اکبر وتکبرون واسبح وتسبحون حتی فرجه الله[2] اھ۔	یعنی حدیث کے معنی یہ ہیں کہ برابر مَیں اور تم اللہ اکبر اللہ اکبر سبحان اللہ کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اُس تنگی سے انہیں نجات بخشی۔اھ (ت)

اقول: اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میت پر آسانی کے لئے بعد دفن کے قبر پر اللہ اکبر اللہ اکبر بار بار فرمایا ہے اور یہی کلمہ مبارکہ اذان میں چھ بار ہے تو عین سنّت ہُوا، غایت یہ

---

1 مسند احمد بن حنبل عن مسندہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۷۷-۳۶۰

2 مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۱

کہ اذان میں اس کے ساتھ اور کلمات طیبات زائد ہیں سواُن کی زیادت نہ معاذاللہ کچھ مضر نہ اس امر مسنون کے منافی بلکہ زیادہ مفید ومؤید مقصود ہے کہ رحمتِ الٰہی اتارنے کے لئے ذکر خدا کرنا تھا، دیکھو یہ بعینہٖ وہ مسلک نفیس ہے جو دربارہ تلبیہ اجلہ صحابہ عظام مثل حضرت امیر المومنین عمر وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت امام حسن مجتبٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کو ملحوظ ہوا اور ہمارے ائمہ کرام نے اختیار فرمایا، ہدایہ میں ہے:

لاینبغی ان یخل بشیئ من ھذہ الکلمات لانہ ھو المنقول فلاینقص عنہ،ولوزاد فیھا جاز لان المقصود الثناء واظھار العبودیۃ فلایمنع من الزیادۃ علیہ[1] اھ ملخصا۔	یعنی ان کلمات میں کمی نہ چاہئے کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں تواُن سے گھٹائے نہیں اور اگر بڑھائے تو جائز ہے کہ مقصود اللہ تعالٰی کی تعریف اور اپنی بندگی کا ظاہر کرنا ہے تو اور کلمے زیادہ کرنے سے ممانعت نہیں اھ ملخصا(ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، نے اپنے رسالہ صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ وغیرہا رسائل میں اس مطلب کی قدرے تفصیل کی۔

دلیل سوم: بالاتفاق سنّت اور حدیثوں سے ثابت اور فقہ میں مثبت کہ میت کے پاس حالتِ نزع میں کلمہ طیبہ لاالٰہ الا اللہ کہتے رہیں کہ اُسے سُن کر یاد ہو حدیث متواتر میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لقنوا موتاکم لاالٰہ الا اللہ[2] (اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ)

رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی سعید الخدری وابن ماجۃ کمسلم عن ابی ھریرۃ وکالنسائی عن ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اسے احمد، مسلم،ابوداؤد،ترمذی،نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے مسلم کی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نسائی کی طرح حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اب جو نزع میں ہے وہ مجازًا مردہ ہے اور اُسے کلمہ اسلام سکھانے کی حاجت کہ بحول اللہ تعالٰی خاتمہ اسی پاک کلمے پر ہو اور شیطان لعین کے بھلانے میں نہ آئے اور جو دفن ہو چکا حقیقۃً مُردہ ہے اور اُسے بھی کلمہ پاک سکھانے کی حاجت کہ بعون اللہ تعالٰی جواب یاد ہو جائے اور شیطان رجیم کے بہکانے میں نہ آئے اور بیشک اذان میں

---

[1] الہدایۃ باب الاحرام مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲۱۷/۱

[2] سنن ابی داؤد باب فی التلقین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۸۸/۲

یہی کلمہ لاالٰہ الاّ اللہ تین جگہ موجود بلکہ اُس کے تمام کلمات جواب نکیرین بتاتے ہیں ان کے سوال تین ہیں[۱] من ربك تیرا رب کون ہے؟[۲] مادینك تیرا دین کیا ہے؟[۳] ماکنت تقول فی ھذا الرجل[1] تُو اس مرد یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ اب اذان کی ابتدا میں اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لاالٰہ الااللہ اشھد ان لاالٰہ الااللہ اورآخر میں اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ سوال من ربك کاجواب سکھائیں گے ان کے سننے سے یاد آئیگا کہ میرا رب اللہ ہے اور اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ سوال ماکنت تقول فی ھذا الرجل کاجواب تعلیم کریں گے کہ میں انہیں اللہ کا رسول جانتا تھا اور حیّ علی الصلاۃ حی علی الفلاح جواب مادینك کی طرف اشارہ کریں گے کہ میرا دین وہ تھا جس میں نماز رکن وستون ہے کہ الصلاۃ عماد الدین[2] تو بعد دفن اذان دینا عین ارشاد کی تعمیل ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث صحیح متواتر مذکور میں فرمایا، اب یہ کلام سماعِ موتٰی و تلقینِ اموات کی طرف منجر ہوگا فقیر غفراللہ تعالٰی خاص اس مسئلہ میں کتاب مبسوط مسمّٰی بہ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات تحریر کرچکا جس میں پچھتّر حدیثوں اور پونے چار سو[۳۷۵] اقوالِ ائمہ دین وعلمائے کاملین وخود بزرگانِ منکرین سے ثابت کیا کہ مُردوں کا سُننا دیکھنا سمجھنا قطعًا حق ہے اور اس پر اہل سنت وجماعت کا اجماع قائم اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر غبی جاہل یا معاند مبطل، اور اُسی کی چند فصول میں بحث تلقین بھی صاف کردی یہاں اُس کے اعادہ کی حاجت نہیں۔

دلیل چہارم: ابویعلی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:
اطفؤا الحریق بالتکبیر[3] (آگ کو تکبیر سے بجھاؤ) ابن عدی حضرت عبداللہ بن عباس اور وہ اور ابن السنی وابن عساکر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأیتم الحریق فکبروا فانہ یطفیئ النار[4]۔	جب آگ دیکھو اللہ اکبر اللہ اکبر کی بکثرت تکرار کرو وہ آگ کو بجھادیتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من اثبات عذاب القبر مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۵

[2] کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال کتاب الصلاۃ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲۸۴/۷

[3] معجم اوسط، حدیث نمبر ۸۵۶۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۲۵۹/۹

[4] الکامل فی الضعفاء الرجال از من اسمہ عبداللہ بن لہیعہ مطبوعہ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ۱۴۶۹/۴

علّامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فکبروا ای قولوا اللہ اکبر، اللہ اکبر وکرروہ کثیرا [1]۔	"فکبروا" سے مراد یہ ہے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر کثرت کے ساتھ بار بار کہو۔(ت)

مولٰنا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری اُس حدیث کی شرح میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر کے پاس دیر تک اللہ اکبر فرماتے رہے، لکھتے ہیں:

التکبیر علی ھذا لاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا اورد استحباب التکبیر عندرؤیۃ الحریق [2]۔	اب یہ اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا غضب الٰہی کے بُجھانے کو ہے ولہذا آگ لگی دیکھ کر دیر تک تکبیر مستحب ٹھہری۔

وسیلۃ النجاۃ میں حیرۃ الفقہ سے منقول:

حکمت در تکبیر آنست براہلِ گورستان کہ رسول علیہ السلام فرمودہ است اذارایتم الحریق فکبروا چوں آتش در جائے افتد و از دست شمابر نیاید کہ بنشانید تکبیر بگوئید کہ آتش بہ برکت آں تکبیر فرونشیند چوں عذابِ قبر بآتش ست ودست شماباآں نمیرسد تکبیر میباید گفت تامردگان از آتش دوزخ خلاص یابند [3]۔	اہلِ قبرستان پر تکبیر کہنے میں حکمت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے "اذا رأیتم الحریق فکبروا" یعنی جب تم کسی جگہ آگ بھڑکتی ہُوئی دیکھو اور تم اسے بجھانے کی طاقت نہ رکھتے ہو، تو تکبیر کہو کہ اس تکبیر کی برکت سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائیگی چونکہ عذابِ قبر بھی آگ کے ساتھ ہوتا ہے اور اسے تم اپنے ہاتھ سے بجھانے کی طاقت نہیں رکھتے لہذا اللہ کا نام لو (تکبیر کہو) تاکہ فوت ہونے والے لوگ دوزخ کی آگ سے خلاصی پائیں(ت)

یہاں سے بھی ثابت کہ قبر مسلم پر تکبیر کہنا فردسنت ہے، تو یہ اذان بھی قطعًا سنت پر مشتمل اور زیادات مفیدہ کامانع سنیت نہ ہونا تقریر دلیل دوم سے ظاہر۔

دلیل پنجم: ابن ماجہ وبیہقی سعید بن مسیب سے راوی:

قال حضرت ابن عمر فی جنازۃ فلما وضعھا فی	یعنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے

---

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر زیر حدیث مذکور مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۱/۱۰۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب اثبات عذاب القبر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۱

[3] وسیلۃ النجاۃ

اللحد قال بسم اللہ وفی سبیل اللہ فلما اخذ فی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطٰن ومن عذاب القبر ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا مختصر [1]۔	ساتھ ایک جنازہ میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اُسے لحد میں رکھا کہا بسم اللہ وفی سبیل اللہ جب لحد برابر کرنے لگے کہا الٰہی ! اسے شیطان سے بچا اور عذاب قبر سے امان دے، پھر فرمایا میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا۔

امام ترمذی حکیم قدس سرہ الکریم بسند جید عمرو بن مرہ تابعی سے روایت کرتے ہیں:

کانوا یستحبون اذا وضع المیت فی اللحد ان یقولوا اللھم اعذہ من الشیطان الرجیم [2]۔	یعنی صحابہ کرام یا تابعین عظام مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں "اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی ! اسے عذابِ قبر وعذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ابن ابی شیبہ اُستاذ امام بخاری و مسلم اپنے مصنف میں خثیمہ سے راوی:

کانوا یستحبون اذا وضعوا المیت ان یقولوا بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلٰی ملّۃ رسول اللہ اللھم اجرہ من عذاب القبر وعذاب النار ومن شر الشیطان الرجیم [3]۔	مستحب جانتے تھے کہ جب میت کو دفن کریں یوں کہیں "اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملّت پر، الٰہی ! اسے عذابِ قبر وعذابِ دوزخ اور شیطان ملعون کے شر سے پناہ بخش۔

ان حدیثوں سے جس طرح یہ ثابت ہوا کہ اس وقت عیاذًا باللہ شیطان رجیم کا دخل ہوتا ہے یونہی یہ بھی واضح ہوا کہ اُس کے دفع کی تدبیر سنّت ہے کہ دعا نہیں مگر ایک تدبیر اور احادیث سابقہ دلیل اوّل سے واضح کہ اذان رفعِ شیطان کی ایک عمدہ تدبیر ہے تو یہ بھی مقصود شارع کے مطابق اور اپنی نظیر شرعی سے موافق ہوئی۔

دلیل ششم: ابوداؤد وحاکم وبیہقی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ قال استغفروا	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دفنِ میت سے فارغ ہوتے قبر پر وقوف فرماتے اور ارشاد

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲
[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳
[3] المصنف ابن ابی شیبہ ما قالوا اذا وضع المیت فی قبرہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/۳۲۹

لاخیکم وسلوا له بالتثبت فانه الان یسأل [1]۔	کرتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے جوابِ نکیرین میں ثابت قدم رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا۔

سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقف علی القبر بعدماسوی علیه فیقول اللهم نزل بك صاحبنا وخلف الدنیا خلف ظهره اللهم ثبت عندالمسألة منطقة ولاتبتله فی قبره بمالاطاقة له به [2]۔	یعنی جب مُردہ دفن ہو کر قبر درست ہوجاتی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرتے الٰہی! ہمارا ساتھی تیرا مہمان ہُوا اور دنیا اپنے پسِ پشت چھوڑ آیا، الٰہی! سوال کے وقت اس کی زبان درست رکھ اور قبر میں اس پر وہ بلا نہ ڈال جس کی اسے طاقت نہ ہو۔

ان حدیثوں اور احادیث دلیل پنجم وغیرہ سے ثابت کہ دفن کے بعد دعا سنّت ہے امام محمد بن علی حکیم ترمذی قدس سرہ الشریف دعا بعد دفن کی حکمت میں فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ بجماعت مسلمین ایک لشکر تھا کہ آستانہ شاہی پر میت کی شفاعت وعذر خواہی کیلئے حاضر ہُوا اور اب قبر پر کھڑے ہو کر دُعا یہ اس لشکر کی مدد ہے کہ یہ وقت میت کی مشغول کا ہے کہ اُسے اُس نئی جگہ کا ہول اور نکیرین کا سوال پیش آنے والا ہے [3] نقله المولی جلال الملة والدین السیوطی رحمه الله تعالٰی فی شرح الصدور (امام جلال الدین سیوطی نے اسے شرح الصدور میں نقل کیا ہے۔ت) اور میں گمان نہیں کرتا کہ یہاں استحبابِ دعا کا عالم میں کوئی عالم منکر ہو۔ امام آجری فرماتے ہیں:

یستحب الوقوف بعد الدفن قلیلا والدعاء للمیت [4]۔	مستحب ہے کہ دفن کے بعد کچھ دیر کھڑے رہیں اور میت کے لئے دُعا کریں۔

اسی طرح اذکار امام نووی وجوہرہ نیرہ ودرمختار وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا اسفار میں ہے، طرفہ یہ کہ امام ثانی منکرین یعنی مولوی اسحاق صاحب دہلوی نے مائۃ مسائل میں اسی سوال کے جواب میں کہ بعد دفن قبر پر اذان کیسی ہے فتح القدیر و

[1] سنن ابوداؤد باب استغفار عند القبر للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۳

[2] الدر المنثور زیر آیت ویثبت اللہ الذین اٰمنوا الخ مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ، قم ایران ۴/ ۸۳

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون والماتئان مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

[4] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الفصل التاسع والاربعون والماتئان مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۳۲۳

بحر الرائق ونہر الفائق وفتاوٰی عالمگیریہ سے نقل کیا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا سنّت سے ثابت ہے اور براہِ بزرگی اتنا نہ جانا کہ اذان خود دُعا بلکہ بہترین دُعا سے ہے کہ وہ ذکرِ الٰہی ہے اور ہر ذکرِ الٰہی دعا، تو وہ بھی اسی سنتِ ثابتہ کی ایک فرد ہُوئی پھر سنّیت مطلق سے کراہت فرد پر استدلال عجب تماشا ہے، مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: **کل دعاذکر وکل ذکر دعا**[1] (ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دُعا ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **افضل الدعاء الحمدللہ**[2] (سب دعاؤں سے افضل دُعا الحمدللہ ہے)

اخرجه الترمذی وحسنه والنسائی وابن حبان والحاکم وصححه عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا، نسائی، ابنِ حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح قرار دیا ہے (ت)

صحیحین میں ہے ایک سفر میں لوگوں نے بآوازِ بلند اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو **انکم لاتدعون اصم ولاغائبا انکم تدعون سمیعًا بصیرا**[3] (تم کسی بہرے یا غائب سے دُعا نہیں کرتے سمیع بصیر سے دعا کرتے ہو) دیکھو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کی تعریف اور خاص کلمہ اللہ اکبر کو دعا فرمایا تو اذان کے بھی ایک دُعا اور فرد مسنون ہونے میں کیا شک رہا۔

دلیل ہفتم: یہ تو واضح ہولیا کہ بعد دفن میت کے لئے دُعا سنّت ہے اور علماء فرماتے ہیں آدابِ دعا سے ہے کہ اُس سے پہلے کوئی عملِ صالح کرے، امام شمس الدین محمد بن الجزری کی حصن حصین شریف میں ہے:

اٰداب الدعاء منها تقدیم عمل صالح وذکرہ عند الشدۃ[4] م ت د۔	آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اس سے پہلے عمل صالح ہو اور ذکرِ الٰہی مشکل وقت میں ضرور کرنا چاہئے مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ (ت)

---

1 مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب التسبیح الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱۲/۵

2 جامع الترمذی باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۷۴/۲

3 الصحیح لمسلم باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۶/۲

4 حصن حصین آداب الدعاء نولکشور لکھنؤ ص ۱۴

علّامہ علی قاری حرزِ ثمین میں فرماتے ہیں: یہ ادب حدیث ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، کہ ابوداؤد وترمذی، ونسائی وابن ماجہ وابن حبان نے روایت کی، ثابت ہے اور شک نہیں کہ اذان بھی عمل صالح ہے تو دُعا پر اُس کی تقدیم مطابق مقصود وسنّت ہُوئی۔

دلیل ہشتم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثنتان لاترد الدعاء عند النداء وعند البأس [1] ۔اخرجه ابوداؤد وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن سھل بن سعد الساعدی رضی الله تعالٰی عنه۔	دو۲ دعائیں رَد نہیں ہوتیں ایک اذان کے وقت اور ایک جہاد میں جب کفّار سے لڑائی شروع ہو۔ اسے ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نادی المنادی فتحت ابواب السماء واستجیب الدعا [2] ۔اخرجه ابویعلی والحاکم عن ابی امامة الباھلی وابوداؤد الطیالسی وابویعلی والضیاء فی المختارة بسند حسن عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنھما۔	جب اذان دینے والا اذان دیتا ہے آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے۔ یہ روایت ابویعلی اور حاکم نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور ابوداؤد طیالسی اور ابویعلی اور ضیاء الدین نے المختارہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند صحیح کے ساتھ بیان کی ہے (ت)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اذان اسباب اجابت دعا سے ہے اور یہاں دعا شارع جل وعلا کو مقصود تو اُس کے اسباب اجابت کی تحصیل قطعًا محمود۔

دلیل نہم: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یغفر الله للمؤذن منتھی اذانه ویستغفرله	اذان کی آواز جہاں تک جاتی ہے مؤذن کیلئے

[1] المستدرک علی الصحیحین لایرد الدعاء عندالاذان وعندالبأس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۱۹۸

[2] المستدرک علی الصحیحین اجابۃالاذان والدعاء بعدہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۴۶

کل رطب ویابس سمع صوتہ [1]۔ اخرجہ الامام احمد بسند صحیح واللفظ لہ والبزار والطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ونحوہ عند احمد وابی داؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وصدرہ عند احمد والنسائی بسند حسن جید عن البراء بن عازب والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ ولہ فی الاوسط عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	اُتنی ہی وسیع مغفرت آتی ہے اور جس تر وخشک چیز کو اس کی آواز پہنچتی ہے اذان دینے والے کے لئے استغفار کرتی ہے۔ اسے امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ تخریج کیا اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں اور بزار طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور اس کی مثل احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اس کا ابتدائی حصّہ احمد اور نسائی نے سند حسن اور جید کے ساتھ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

یہ پانچ حدیثیں ارشاد فرماتی ہیں کہ اذان باعثِ مغفرت ہے اور بیشک مغفور کی دُعا زیادہ قابل قبول واقرب باجابت ہے، اور خود حدیث میں وارد کہ مغفوروں سے دُعا منگوانی چاہئے، امام احمد مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا لقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفرلک قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفورلہ [2]۔	جب تُو حاجی سے ملے اُسے سلام کر اور مصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو اُس سے اپنے لئے استغفار کرا کہ وہ مغفور ہے۔

پس اگر اہلِ اسلام بعد دفنِ میت اپنے میں کسی بندہ صالح سے اذان کہلوائیں تاکہ بحکمِ احادیث صحیحہ ان شاء اللہ تعالٰی اُس کے گناہوں کی مغفرت ہو پھر میت کے لئے دعا کرے کہ مغفور کی دُعا میں زیادہ رجائے اجابت ہو تو کیا گناہ ہُوا بلکہ عین مقاصد شرع سے مطابق ہوا۔

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن مسند عبداللہ بن عمر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/۱۳۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل مرویات عن مسند عبداللہ بن عمر مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/۱۲۸

دلیل دہم: اذان ذکرِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی دافعِ عذاب، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن شیئ انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ[1] رواہ الامام احمد عن معاذبن جبل وابن ابی الدنیا والبیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	کوئی چیز ذکرِ خدا سے زیادہ عذابِ خدا سے نجات بخشنے والی نہیں۔اسے امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا (ت)

اور خود اذان کی نسبت وارد، جہاں کہی جاتی ہے وہ جگہ اُس دن عذاب سے مامون ہو جاتی ہے، طبرانی معاجیم ثلثہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اذن فی قریۃ امنھا اللہ من عذابہ فی ذلک الیوم[2] وشاھدہ عندہ فی الکبیر من حدیث معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کسی بستی میں اذان دی جائے تو اللہ تعالیٰ اس دن اسے اپنے عذاب سے امن دے دیتا ہے اور اس کی شاہد وہ روایت ہے جو معجم کبیر میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔(ت)

اور بیشک اپنے بھائی مسلمان کے لئے ایسا عمل کرنا جو عذاب سے منجی ہو شارع جل وعلا کو محبوب و مرغوب، مولٰنا علی قاری رحمہ الباری شرح عین العلم میں قبر کے پاس قرآن پڑھنے اور تسبیح ودعائے رحمت و مغفرت کرنے کی وصیت فرما کر لکھتے ہیں: **فان الاذکار کلھا نافعۃ لہ فی تلك الدار**[3] (کہ ذکر جس قدر ہیں سب میت کو قبر میں نفع بخشتے ہیں۔ت) امام بدرالدین محمود عینی شرح صحیح بخاری میں زیر باب موعظۃ المحدث عند القبر فرماتے ہیں:

واما مصلحۃ المیت فمثل ما اذا اجتمعوا	میت کے لئے اس میں مصلحت ہے کہ مسلمان اُس کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات معاذ ابنِ جبل مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲۳۹/۵

نوٹ: ابن ابی الدنیا اور بیہقی کے الفاظ عبداللہ ابن عمر سے یوں ہی مروی ہیں جبکہ احمد بن حنبل کے الفاظ معاذ بن جبل سے یوں مروی ہیں: ماعمل آدمی عملا قط انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ الخ

[2] المعجم الکبیر مرویات انس بن مالک حدیث ۷۴۶ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵۷/۱

[3] شرح عین العلم لملا علی قاری مع عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبوعہ امرت پریس لاہور ص ۳۳۲، شرح عین العلم لملا علی قاری مع عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۶۶

عندہ لقراءۃ القراٰن والذکر فان المیت ینتفع بہ[1]۔	قبر کے پاس جمع ہو کر قرآن پڑھیں ذکر کریں کہ میت کو اس سے نفع ہوتا ہے(ت)

یارب مگر اذان ذکرِ محبوب نہیں یا مسلمان بھائی کو نفع ملنا شرعاً مرغوب نہیں۔

دلیل یازدہم: اذان ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باعثِ نزول رحمت۔

اوّلاً حضور کا ذکر عین ذکرِ خدا ہے امام ابن عطا پھر امام قاضی عیاض وغیرہما ائمہ کرام تفسیر قولہ تعالٰی **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ**[2] میں فرماتے ہیں:

جعلتك ذکرًا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[3]۔	میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا جو تمہارا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔

اور ذکر الٰہی بلاشبہہ رحمت اُترنے کا باعث، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث میں ذکر کرنے والوں کی نسبت فرماتے ہیں:

حفتھم الملئکۃ وغشیتھم الرحمۃ ونزلت علیھم السکینۃ[4]۔ رواہ مسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ و ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	انہیں ملائکہ گھیر لیتے ہیں اور رحمتِ الٰہی ڈھانپ لیتی ہے اور اُن پر سکینہ اور چین اُترتا ہے۔ اسے مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

ثانیاً ہر محبوبِ خدا کا ذکر محلِ نزولِ رحمت ہے، امام سفیٰن بن عیینیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ[5] (نیکوں کے ذکر کے وقت رحمتِ الٰہی اترتی ہے)

ابو جعفر بن حمدان نے ابو عمرو بن نجید سے اسے بیان کرکے فرمایا: فرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأس الصلحین[6] (تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو سب صالحین کے سردار ہیں)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب موعظۃ المحدث عند القبر الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۸۶/۸

[2] القرآن ۴/۹۴

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء زیر آیت مذکور مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۲۵/۱

[4] صحیح لمسلم باب فضل الاجتماع علٰی تلاوت القرآن الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۵/۲

[5] اتحاف السادۃ المتقین الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۵۰/۶

[6] اتحاف السادۃ المتقین الفائدۃ الثانیۃ التخلص بالعزلۃ علی المعاصی الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۵۱/۶

پس بلاشبہہ جہاں اذان ہوگی رحمتِ الٰہی اُترے گی اور بھائی مسلمان کے لئے وہ فعل جو باعثِ نزولِ رحمت ہو شرع کو پسند ہے کہ نہ ممنوع۔

دلیل دوازدہم: خود ظاہر اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ مُردے کو اُس نئے مکان تنگ وتاریک میں سخت وحشت اور گھبراہٹ ہوتی ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ [1] (مگر جس پر میرا رب رحم فرمائے یقینا میرا رب بخشش فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ت) اور اذان دافعِ وحشت وباعث اطمینان خاطر ہے کہ وہ ذکرِ خدا ہے اور اللہ عزّوجل فرماتا ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ [2] (سُن لو خدا کے ذکر سے چین پاتے ہیں دل) ابونعیم وابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نزل ادم بالھند فاستوحش فنزل جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام فنادی بالاذان [3] الحدیث۔	جب آدم علیہ الصلاۃ والسلام جنّت سے ہندوستان میں اُترے اُنہیں گھبراہٹ ہُوئی تو جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اُتر کر اذان دی۔(الحدیث)

پھر ہم اس غریب کی تسکین خاطر ودفعِ توحش کو اذان دیں تو کیا بُرا کریں حاشا بلکہ مسلمان خصوصًا ایسے بے کس کی اعانت حضرت حق عزوجل کو نہایت پسند، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ [4]۔رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم عن ابن ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی بندے کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد میں ہے۔اسے مسلم،ابوداؤد،ترمذی،ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کان فی حاجۃ اخیہ کان اللہ فی حاجتہ و	جو اپنے بھائی مسلمان کے کام میں ہو اللہ تعالٰی اس کی

---

[1] القرآن ۱۲/۵۳

[2] القرآن ۱۳/۲۸

[3] حلیۃ الاولیاء مرویات عمرو بن قیس الملائی نمبر ۲۹۹ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۰۷/۲

[4] صحیح لمسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۵/۲

من فرج عن مسلم کربة فرج اللہ عنه بھا کربة من کرب یوم القیٰمة[1]۔رواہ الشیخان وابوداؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	حاجت روائی فرماتا ہے اور جو کسی مسلمان کی تکلیف دُور کرے اللہ تعالٰی اس کے عوض قیامت کی مصیبتوں سے ایک مصیبت اس پر سے دور فرمائیگا۔اسے بخاری و مسلم اور ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

دلیل سیزدہم: مسند الفردوس میں حضرت جناب امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی:

قال راٰنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حزینا فقال یاابن ابی طالب انی اراك حزینا فمر بعض اھلك یؤذن فی اذنك فانه درء الھم[2]۔	یعنی مجھے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غمگین دیکھا ارشاد فرمایا: اے علی! میں تجھے غمگین پاتا ہوں اپنے کسی گھر والے سے کہہ کہ تیرے کان میں اذان کہے،اذان غم وپریشانی کی دافع ہے۔

مولٰی علی اور مولٰی علی تک جس قدر اس حدیث کے راوی ہیں سب نے فرمایا: **فجربته فوجدته کذلك** (ہم نے اسے تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا) **ذکرہ ابن حجر کمافی المرقاة** (اس کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے کیا، جیسا کہ مرقات میں ہے۔ت) اور خود معلوم اور حدیثوں سے بھی ثابت کہ میت اُس وقت کیسے حزن و غم کی حالت میں ہوتا ہے مگر وہ خاص عباداللہ اکابر اولیاء اللہ جو مرگ کو دیکھ کر **مرحبا بحبیب جاء علی فاقة** (خوش آمدید اس محبوب کو جو بہت دیر سے آیا۔ت) فرماتے ہیں، تو اس کے دفعِ غم والم کے لئے اگر اذان سُنائی جائے کیا معذور شرعی لازم آئے حاشاللہ بلکہ مسلمان کا دل خوش کرنے کے برابر اللہ عزوجل کو فرائض کے بعد کوئی عمل محبوب نہیں۔طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الاعمال الی اللہ تعالٰی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[3]۔	بیشک اللہ تعالٰی کے نزدیک فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ محبوب مسلمان کو خوش کرنا ہے۔

[1] صحیح البخاری باب لایظلم المسلم المسلم الخ، من ابواب المظالم، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاذان مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۴۹

[3] المعجم الکبیر مرویات عبداللہ ابن عباس حدیث ۱۱۰۷۹ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/۷۱

اُنہی دونوں میں حضرت امام ابن الامام سیدنا حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان موجبات المغفرۃ ادخالك السرور علی اخیك المسلم[1]۔	بیشک موجباتِ مغفرت سے ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کو خوش کرنا۔

دلیل چہاردہم: قال اللہ تعالٰی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾[2]۔	اے ایمان والوں! اللہ کا ذکر کرو بکثرت ذکر کرنا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروا ذکراللہ حتی یقولوا مجنون[3]۔اخرجه احمد وابویعلی وابن حبان والحاکم والبیهقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه صححه الحاکم وحسنه الحافظ ابن حجر۔	اللہ کا ذکر اس درجہ ذکر بکثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔اسے احمد،ابویعلی،ابن حبان،حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح اور حافظ ابنِ حجر نے حسن قرار دیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذکراللہ عندکل حجر وشجر[4]۔اخرجه الامام احمد فی کتاب الزهد والطبرانی فی الکبیر عن معاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	ہر سنگ وشجر کے پاس اللہ کا ذکر کر۔اسے امام احمد نے کتاب الزہد اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔(ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

لم یفرض اللہ علی عبادہ فریضۃ الاجعل لها حدا معلوما ثم عذر اهلها فی حال	اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں پر کوئی فرض مقرر نہ فرمایا مگر یہ کہ اُس کے لئے ایک حد معین کردی پھر عذر کی

---

[1] المعجم الکبیر مرویات حسن بن علی حدیث ۲۷۳۱ و ۲۷۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۸۳، ۸۵

[2] القرآن ۳۳/ ۴۱

[3] مسند احمد بن حنبل من مسند ابی سعید الخدری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۶۸، ۷۱

[4] المعجم الکبیر مرویات معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

العذر غیر الذکر فانہ لم یجعل لہ حدا انتھی الیہ ولم یعذر احدا فی ترکہ الامغلوبا علی عقلہ وامرھم بہ فی الاحوال کلھا[1]۔	حالت میں لوگوں کو اُس سے معذور رکھا سوا ذکر کے کہ اللہ تعالٰی نے اس کے لئے کوئی حد نہ رکھی جس پر انتہا ہو اور نہ کسی کو اس کے ترک میں معذور رکھا مگر وہ جس کی عقل سلامت نہ رہے اور بندوں کو تمام احوال میں ذکر کا حکم دیا۔

اُن کے شاگرد امام مجاہد فرماتے ہیں: الذکر الکثیر ان لایتناھی ابدا[2] (ذکر کثیر یہ ہے کہ کبھی ختم نہ ہو) ذکرھما فی المعالم وغیرھا (معالم وغیرہ میں ان دونوں کا ذکر ہے۔ت) تو ذکرِ الٰہی ہمیشہ ہر جگہ محبوب ومرغوب ومطلوب ومندوب ہے جس سے ہرگز ممانعت نہیں ہوسکتی جب تک کسی خصوصیتِ خاصہ میں کوئی نہی شرعی نہ آئی ہو اور اذان بھی قطعًا ذکرِ خدا ہے پھر خدا جانے کہ ذکرِ خدا سے ممانعت کی وجہ کیا ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سنگ درخت کے پاس ذکرِ الٰہی کریں، قبرِ مومن کے پتھّر کیا اس کے حکم سے خارج ہیں خصوصًا بعد دفن ذکرِ خدا کرنا تو خود حدیثوں سے ثابت اور بتصریح ائمہ دین مستحب ولہذا امام اجل ابو سلیمان خطابی در بارہ تلقین فرماتے ہیں:

لانجدلہ حدیثا مشھورا ولاباس بہ اذ لیس فیہ الا ذکر اللہ تعالٰی قولہ وکل ذلك حسن[3]۔	ہم اس میں کوئی مشہور حدیث نہیں پاتے اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ اس میں نہیں ہے مگر خدا کا ذکر اور یہ سب کچھ محمود ہے۔

دلیل پانزدہم: امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم کتاب الاذکار میں فرماتے ہیں:

یستحب ان یقعد عندالقبر بعد الفراغ ساعۃ قدر ماینحر جزور ویقسم لحمھا، ویشتغل القاعدون بتلاوۃ القراٰن والدعاء للمیت والوعظ وحکایات اھل الخیر، واحوال الصالحین[4]۔	مستحب ہے کہ دفن سے فارغ ہو کر ایک ساعت قبر کے پاس بیٹھیں اتنی دیر کہ ایک اُونٹ ذبح کیا جائے اور اُس کا گوشت تقسیم ہو اور بیٹھنے والے قرآن مجید کی تلاوت اور میت کے لئے دُعا اور وعظ ونصیحت اور نیک بندوں کے ذکر وحکایت میں مشغول رہیں۔

[1] تفسیر البغوی المعروف بہ معالم التنزیل مع تفسیر خازن، زیر آیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۶۵

[2] تفسیر البغوی المعروف بہ معالم التنزیل مع تفسیر خازن، زیر آیت مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۶۶

نوٹ: تفسیر معالم التنزیل سے حوالہ دیا گیا ہے الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم یہی ہے جو اعلیحضرت نے بیان کیا ہے۔ نذیر احمد۔

[3] امام اجل سلیمان خطابی

[4] الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار باب مایقول بعد الدفن مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۱۴۷

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ فقیر نے دلیل ششم میں ذکر کی، فرماتے ہیں:

قدسمعت عن بعض العلماء انه يستحب ذكر مسئلة من المسائل الفقهية [1]۔	یعنی بتحقیق میں نے بعض علما سے سُنا کہ دفن کے بعد قبر کے پاس کسی مسئلہ فقہ کا ذکر مستحب ہے۔

اشعۃ اللمعات شرح فارسی مشکوٰۃ میں اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ باعثِ نزولِ رحمت ست (نزولِ رحمت کا سبب ہے۔ت) اور فرماتے ہیں: مناسب حال ذکر مسئلہ فرائض ست (ذکر مسئلہ فرائض مناسب حال ہے۔ت) اور فرماتے ہیں: اگر ختمِ قرآن کنند اولٰی وافضل باشد [2] (اگر قرآن پاک ختم کریں تو یہ اولٰی وبہتر ہے۔ت) جب علمائے کرام نے حکایاتِ اہل خیر وتذکرہ صالحین وختم قرآن وبیان مسئلہ فقہیہ وذکر فرائض کو مستحب ٹھہرایا حالانکہ ان میں بالخصوص کوئی حدیث وارد نہیں بلکہ وجہ صرف وہی کہ میت کو نزولِ رحمت کی حاجت اور ان امور میں امیدِ نزول رحمت تواذان کہ بشہادت احادیث موجب نزولِ رحمت ودفعِ عذاب ہے کیونکر جائز بلکہ مستحب عـــہ نہ ہوگی۔

بحمداللہ یہ پندرہ ۱۵ دلیلیں ہیں کہ چند ساعت میں فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوئیں ناظر منصف جانے گا کہ ان میں اکثر تو محض استخراج فقیر ہیں اور باقی کے بعض مقدمات اگرچہ بعض اجلّہ اہل سنّت وجماعت رحمہم اللہ تعالٰی کے کلام میں مذکور مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے تکمیل ترتیب وتسجیل تقریب سے ہر مقدمہ منفردہ کو دلیل کامل اور ہر مذکور ضمنی کو مقصود مستقل کردیا **والحمد للہ رب العالمین** (سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت) بااینہمہ ع

لاشك ان الفضل للمتقدم

(بیشک بزرگی پہلے کرنے والے کے لئے ہے۔ت)

عـــہ بالجملہ بحمداللہ تعالٰی ان دلائل جلائل نے کالشّمس فی وسط السماء واضح کردیا کہ اس اذان کا جواز بلکہ استحباب یقینی بلکہ بنظرِ عمومات شرع بوجوہ کثیرہ فرد سنّت ہے شاید وہ بعض علماء جنہوں نے اس کے سنّت ہونے کی تصریح فرمائی جن کا قول امام ابن حجر مکی وعلّامہ خیر رملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے نقل کیا یہی معنی مراد لیتے ہیں کہ فرد سنت ہے نہ کہ فرداً سنّت ولہذا مناسب ہے کہ کبھی کبھی ترک بھی کریں اگر اوہام عوام معنی ثانی کی طرف جاتے سمجھیں **واللہ تعالٰی اعلم** ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالٰی (م)

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۱/۲۰۰

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب اثبات عذاب القبر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۱

ہم پر اُن اکابر کا شکر واجب جنہوں نے اپنی تلاش و کوشش سے بہت کچھ متفرق کو یکجا کیا اور اس دشوار کام کو ہم پر آسان کردیا جزاھم اللّٰہ عنا وعن الاسلام والسنۃ خیر جزاء وشکر مساعیھم الجمیلۃ فی حمایۃ الملۃ الغراء ونکایۃ الفتنۃ العوراء وھنأھم بفضل رسول نفی علی حمید رضی یوم القضاء وصلی اللّٰہ تعالٰی علیہ سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ الاطائب الکرماء اٰمین۔

تنبیہاتِ جلیلہ تنبیہ اوّل: ہمارے کلام پر مطلع ہونے والا عظمت رحمت الٰہی پر نظر کرے کہ اذان میں ان شاء اللّٰہ الرحمٰن اُس میت اور ان احیاکے لئے کتنے منافع ہیں، سات ۷ فائدہ میت کیلئے:

(۱) بحولہ تعالٰی شیطان رجیم کے شر سے پناہ۔

(۲) بدولت تکبیر عذابِ نار سے امان۔

(۳) جوابِ سوالات کا یاد آجانا۔

(۴) ذکرِ اذان کے باعث عذابِ قبر سے نجات پانا۔

(۵) بہ برکتِ ذکرِ مصطفٰی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نزولِ رحمت۔

(۶) بدولتِ اذان دفعِ وحشت۔

(۷) زوالِ غم وسرور وفرحت۔

اور پندرہ احیاکے لئے، سات ۷ تو یہی، سات ۷ منافع اپنے بھائی مسلمان کو پہنچانا کہ ہر نفع رسانی جدا حسنہ ہے اور ہر حسنہ کم سے کم دس ۱۰ نیکیاں، پھر نفع رسانی مسلم کی منفعتیں خدا ہی جانتا ہے۔

(۸) میت کے لئے تدبیر دفع شیطان سے اتباعِ سنّت۔

(۹) تدبیر آسانی جواب سے اتباعِ سنّت۔

(۱۰) دعاء عندالقبر سے اتباعِ سنت۔

(۱۱) بقصدِ نفع میت قبر کے پاس تکبیریں کہہ کر اتباعِ سنّت۔

(۱۲) مطلق ذکر کے فوائد ملنا جن سے قرآن وحدیث مالامال۔

(۱۳) ذکرِ مصطفٰی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کے سبب رحمتیں پانا۔

(۱۴) مطلق دُعا کے فضائل ہاتھ آنا جسے حدیث میں مغزِ عبادت فرمایا۔

(۱۵) مطلق اذان کے برکات ملنا جنہیں منتہائے آواز تک مغفرت اور ہر تر وخشک کی استغفار وشہادت

اور دلوں کو صبر وسکون وراحت ہے اور لُطف یہ کہ اذان میں اصل کلمے سات ۷ ہی ہیں اللہ اکبر ۔اشھد ان لاالٰہ الااللہ ۔اشھد ان محمدا رسول اللہ ۔ حی علی الصلاۃ۔ حی علی الفلاح۔ اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ ۔اور مکررات کو گنیے تو پندرہ ۱۵ ہوتے ہیں، میت کے لئے وہ سات ۷ فائدے اور احیا کے لئے پندرہ ۱۵ ،انہیں سات ۷ اور پندرہ ۱۵ کے برکات ہیں، والحمدللہ ربّ العٰلمین تعجب کرتا ہوں کہ حضرات مانعین نے میت واحیا کو ان فوائدِ جلیلہ سے محروم رکھنے میں کیا نفع سمجھا ہے ہمیں تو مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1] ۔رواہ احمد ومسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو لازم ومناسب ہے کہ پہنچائے۔اسے احمد اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

پھر خدا جانے اس اجازت کلی کے بعد جب تک خاص جزئیہ کی شرع میں نہی نہ ہو ممانعت کہاں سے کی جاتی ہے واللہ الموفق۔

تنبیہ دوم: حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: نیۃ المومن خیر من عملہ [2] (مسلمان کی نیت اُس کے عمل سے بہتر ہے)

رواہ البیہقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اسے بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور بیشک جو علم نیت جانتا ہے ایک ایک فعل کو اپنے لئے کئی کئی نیکیاں کرسکتا ہے مثلاً جب نماز کے لئے مسجد کو چلا اور صرف یہی قصد ہے کہ نماز پڑھوں گا تو بیشک اُس کا یہ چلنا محمود، ہر قدم پر ایک نیکی لکھیں گے اور دُوسرے پر گناہ محو کریں گے مگر عالم نیت اس ایک ہی فعل میں اتنی نیتیں کرسکتا ہے۔

(۱) اصل مقصود یعنی نماز کو جاتا ہوں۔

(۲) خانہ خدا کی زیارت کروں گا۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] المعجم الکبیر مرویات سہل الساعدی، حدیث ۵۹۴۲ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۱۸۵

(۳) شعارِ اسلام ظاہر کرتا ہوں

(۴) داعی اللہ کی اجابت کرتا ہوں۔

(۵) تحیۃ المسجد پڑھنے جاتا ہوں۔

(۶) مسجد سے خس وخاشاک وغیرہ دُور کروں گا۔

(۷) اعتکاف کرنے جاتا ہوں کہ مذہب مفتی بہ پر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں اور ایک ساعت کا بھی ہو سکتا ہے جب سے داخل ہو باہر آنے تک اعتکاف کی نیت کرلے انتظار نماز وادائے نماز کے ساتھ اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا۔

(۸) امرِ الٰہی خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ [1] (اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ۔ت) امتثال کو جاتا ہوں۔

(۹) جو وہاں علم والا ملے گا اُس سے مسائل پُوچھوں گا دین کی باتیں سیکھوں گا۔

(۱۰) جاہلوں کو مسئلہ بتاؤں گا دین سکھاؤں گا۔

(۱۱) جو علم میں میرے برابر ہوگا اُس سے علم کی تکرار کروں گا۔

(۱۲) علماء کی زیارت۔

(۱۳) نیک مسلمانوں کا دیدار۔

(۱۴) دوستوں سے ملاقات۔

(۱۵) مسلمانوں سے میل۔

(۱۶) جو رشتہ دار ملیں گے اُن سے بکشادہ پیشانی مل کر صلہ رحم۔

(۱۷) اہلِ اسلام کو سلام۔

(۱۸) مسلمانوں سے مصافحہ کروں گا۔

(۱۹) اُن کے سلام کا جواب دُوں گا۔

(۲۰) نماز جماعت میں مسلمانوں کی برکتیں حاصل کروں گا۔

(۲۱و۲۲) مسجد میں جاتے نکلتے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کروں گا بسم اللہ الحمدللہ والسلام علٰی رسول اللہ۔

(۲۳و۲۴) دخول وخروج میں حضور وآلِ حضور وازواج حضور پر درود بھیجوں گا اللّٰھم صلّ علٰی سیدنا

---

[1] القرآن ۷/ ۳۱

محمّد وعلٰی اٰل سیدنا محمّد وعلٰی ازواج سیدنا محمّد۔

(۲۵) بیمار کی مزاج پُرسی کروں گا۔

(۲۶) اگر کوئی غمی والاملا تعزیت کروں گا۔

(۲۷) جس مسلمانوں کو چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا اُسے یرحمك الله کہوں گا۔

(۲۸و۲۹) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کروں گا۔

(۳۰) نمازیوں کے وضو کو پانی دُوں گا۔

(۳۱و۳۲) خود مؤذن ہے یا مسجد میں کوئی مؤذن مقرر نہیں تونیت کرے کہ اذان واقامت کہوں گا اب اگر یہ کہنے نہ پایا دُوسرے نے کہہ دی تاہم اپنی نیت پر اذان واقامت کا ثواب پاچکا فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللهِ[1] (اللہ تعالٰی اسے اجر عطافرمائے گا۔ت)

(۳۳) جو راہ بھُولا ہوگا راستہ بتاؤں گا۔

(۳۴) اندھے کی دستگیری کروں گا۔

(۳۵) جنازہ ملا تو نماز پڑھوں گا۔

(۳۶) موقع پایا تو ساتھ دفن تک جاؤں گا۔

(۳۷) دو مسلمانوں میں نزاع ہوئی تو حتّی الوسع صلح کراؤں گا۔

(۳۸و۳۹) مسجد میں جاتے وقت دہنے اور نکلتے وقت بائیں پاؤں کی تقدیم سے اتباعِ سنّت کروں گا۔

(۴۰عــہ) راہ میں جو لکھا ہوا کاغذ پاؤں گا اُٹھا کر ادب سے رکھ دوں گا الی غیر ذلک من نیات کثیرۃ تو دیکھئے کہ جو ان ارادوں کے ساتھ گھر سے مسجد کو چلا وہ صرف حسنہ نماز کے لئے نہیں جاتا بلکہ ان چالیس ۴۰ حسنات کے لئے جاتا ہے تو گویا اُس کا یہ چلنا چالیس طرف چلنا ہے اور ہر قدم چالیس قدم پہلے اگر ہر قدم ایک نیکی تھا اب چالیس ۴۰ نیکیاں ہوگا۔ اسی طرح قبر پر اذان دینے والے کو چاہئے کہ ان پندرہ نیتوں کا تفصیلی قصد کرے تاکہ ہر نیت پر جداگانہ ثواب پائے اور ان کے ساتھ یہ بھی ارادہ کہ مجھے میت کے لئے دُعا کا حکم ہے اس کی اجابت کا سبب حاصل کرتا ہوں اور نیز اُس سے پہلے عمل صالح کی تقدیم چاہئے یہ ادب دعا بجالاتا ہوں الی غیر ذلك ممایستخرجه العارف النبیل والله الهادی الٰی سواء السبیل (ان کے علاوہ دوسری نیتیں جن کو عارف اور عمدہ رائے استخراج کرسکتی ہے اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ت) بہت لوگ اذان تو دیتے ہیں مگر ان منافع ونیات سے غافل ہیں وہ جو کچھ نیت کرتے ہیں اُسی قدر پائیں گے۔

عــہ یہ چالیس نیتیں ہیں جن میں چھبیس ۲۶ علماء نے ارشاد فرمائیں اور چودہ ۱۴ فقیر نے بڑھائیں جن کے ہندسوں پر خطوط کھینچے ہیں ۱۲ منہ

---

[1] القرآن ۴/۱۰۰

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1] (اعمال کا ثواب نیتوں سے ہی ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

تنبیہ سوم: جہال منکرین یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ اذان تو اعلامِ نماز کے لئے ہے یہاں کون سی نماز ہوگی جس کے لئے اذان کہی جاتی ہے مگر یہ ان کی جہالت انہیں کو زیب دیتی ہے وہ نہیں جانتے کہ اذان میں کیا کیا اغراض و منافع ہیں اور شرع مطہر نے نماز کے سوا کن کن مواضع میں اذان مستحب فرمائی ہے از انجملہ گوش مغموم میں اور دفعِ وحشت کو کہنا تو یہیں گزرا اور بچّے کے کان عـــہ میں اذان دینا سنا ہی ہوگا ان کے سوا اور بہت مواقع ہیں جن کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ نسیم الصبا میں ذکر کی۔

تنبیہ چہارم: شرع مطہر کی اصل کُلّی ہے کہ جو امر مقاصدِ شرع سے مطابق ہو محمود ہے اور جو مخالف ہو مردود، اور حکم مطلق اس کے تمام افراد میں جاری وساری، جب تک کسی خاص خصوصیت سے نہی شرع وارد نہ ہو تو بعد ثبوت حسن مطلق حسن مقید پر کسی دلیل کی حاجت نہیں بلکہ حسن مطلق ہے اُس پر دلیل قاطع اور بقاعدہ مناظرہ اثباتِ ممانعت ذمہ مانع، معہذا اصل اشیا میں اباحت تو قائل جواز متمسک باصل ہے کہ اصلا دلیل کی حاجت نہیں رکھتا اجازت خصوصیت کو اجازت خاصہ وارد ہونے پر موقوف جاننا اور منع خصوصیت کے لئے منع خاص وارد ہونے کی ضرورت نہ ماننا صرف تحکم وزبردستی ہی نہیں بلکہ دائرہ عقل ونقل سے خروج اور مطمورہ [2] سفہ وجہل میں کامل دلوج ہے علمائے سنّت شکر اللہ تعالٰی مساعیم الجمیلہ ان سب مباحث کو اعلٰی درجہ پر طے فرماچکے۔ ان تمام اصول جلیلہ رفیعہ ودیگر قواعد نافعہ بدیعہ کی تنقیحِ بالغ و تحقیقِ بازغ حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ

عـــہ: بعض احمق جاہل گوشِ مولود کی اذان سے یہ جواب دیتے ہیں کہ اس اذان کی نماز تو بعد موتِ مولود ہوتی ہے یعنی نمازِ جنازہ، یہ اذان جو قبر پر کہوگے اس کی نماز کہاں ہے؟ اذانِ گوشِ مولود کو نمازِ جنازہ کی اذان بتانا جیسی جہالت فاحشہ ہے خود ظاہر ہے مگر ان کا جواب ترکی بہ ترکی یہ ہے کہ نمازِ جنازہ جس طرح صرف قیام سے ہوتی ہے جو ادنٰی افعال نماز ہے ایک نماز روزِ محشر صرف سجود سے ہوگی جو اعلٰی افعالِ نماز ہے جس دن کشفِ ساق ہوگا اور مسلمان سجدے میں گرینگے منافق سجدہ نہ کرسکیں گے جس کا بیان قرآن عظیم سورہ ق شریف میں ہے قبر کی اذان اس نماز کی اذان ہے ۱۲ منہ رحمہ اللہ تعالٰی۔ (م)

---

[1] مشکوۃ المصابیح خطبۃ الکتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۱

[2] بیوقوفی اور جہالت کے گڑھے میں مکمل طور پر داخل ہونا ہے۔

من معجزات سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ اجمعین سید العلما سند الکملا تاج الافاضل سراج الاماثل حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ ورزقنا برہ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد وکتاب لاجواب اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیرہا میں افادہ فرمائی اور فقیر نے بھی بقدر حاجت اپنے رسالہ اقامۃ القیامۃ علی طاعن ۱۲۹۹ھ عن القیام لنبی تہامہ ورسالہ منیر العین فی حکم ۱۳۰۲ھ تقبیل الابہامین ورسالہ نسیم الصبا فی ۱۳۰۲ھ ان الاذان یحول الوباء وغیرہا تصانیف میں ذکر کی یہاں ان مباحث کے ایراد سے تطویل کی ضرورت نہیں، حضرات مخالفین باآنکہ ہزار ہا بار گھر تک پہنچ چکے، اگر پھر ہمت فرمائیں گے ان شاء اللہ العزیز وہ جواب باصواب پائیں گے جس کے انوارِ باہرہ ولمعاتِ قاہرہ کے حضور باطل کی آنکھیں جھپکیں اور اُس کی سُہانی روشنیوں ودلکشا تجلّیوں سے حق وصواب کے نورانی چہرے دمکیں وباللہ التوفیق وھو المعین۔ والحمدللہ ربّ العٰلمین والصلاۃ والسلام علٰی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین اٰمین برحمتك یاارحم الراحمین الحمدللہ کہ یہ رسالہ آخر محرم ۱۳۰۷ھ سے دو۲ جلسوں میں تمام ہوا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

كتبه

عبدہ المذنب **احمد رضا البریلوی** عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تمّت بالخیر

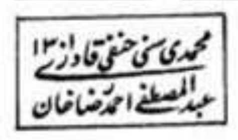

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مآخذ و مراجع

	نام	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ب

۲۰۔ بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔ البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔ البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔ البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔ بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔ البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔ البنایۃ شرح الھدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔ تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔ تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔ تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔ التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔ تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔ تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔ تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔ الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔ التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔ تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔ تفسیر البیضاوی	عبداللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔ تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱۔۸
۳۹۔ تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔ تفسیر القرطبی	ابوعبداللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔ التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشا بوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآ بادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجّاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابو نصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ح

۶۷۔	حاشیة علی الدرر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیة ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیة علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیة علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیة لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقة الندیة شرح طریقہ محمدیة	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیة الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیة المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانة الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانة المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصة الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ذ

۸۸۔ ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔ ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔ ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔ الرحمانیۃ		
۹۲۔ ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔ رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔ رغائب القرآن	ابومروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔ ردعلی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔ زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخرالقرن السادس	
۹۸۔ زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔ زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔ زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔ السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔ السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔ السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔ السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔ السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔ السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

www.dawateislami.net

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶
ص			
۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰
ط			
۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المعروف بیر کلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
ع			
۱۴۴۔	عمدة القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّة	کمال الدین محمد بن احمد الشیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃالبیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غررالاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد با بن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّه		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیه	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیه	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیه	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقه الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نور الدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبد القادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبد الواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبد اللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابو عبد اللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہر دار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبد اللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبد الرزاق	ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵۔	معرفة الصحابة	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایة	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰة المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابو الفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابو الحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمة العشماویة	ابو العباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحة الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابو الفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجوھر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

٦

رضا فاؤنڈیشنْ
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
فتاوٰی رضویہ جلد ششم 6
فتاوٰی رضویہ کی علمی قدر وقیمت 8
پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر چیئرمین شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی 8
فہرست مضامین 13
فہرست ضمنی مسائل 25
باب شروط الصّلوٰۃ (نماز کی شرطوں کا بیان) 29
بابُ القبلَۃِ (قبلہ کا بیان) 53
ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال ۱۳۲۴ھ (استقبالِ قبلہ کی تعیین میں اللہ تعالٰی جل شانہ کی رہنمائی) 61
باب اماکن الصلوۃ (مقامات نماز کا بیان) 131
بابِ صِفَۃِ الصّلوٰۃ (طریقہ نماز کا بیان) 143
باب القرأۃ (قرأت کا بیان) 239
رسالہ نِعم الزّاد لِرَوم الضاد (ضاد پڑھنے کا بہترین طریقہ) 283
الجام الصّاد عن سُنن الضّاد ۱۳۱۷ھ (ضاد کے طریقوں سے روکنے والے منہ میں لگام دینا) 303
باب الامامۃ (امامۃ کا بیان) 379
النّھی الاکید عن الصّلاۃ وراء عدی التقلید ۱۳۰۵ھ (دشمنِ تقلید کے پیچھے نماز ادا کرنا سخت منع ہے) 647
مآخذ ومراجع 723

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ششم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر ۷۶۵۷۳۱۴

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

کتاب ــــــــــــــــ فتاوی رضویہ جلد ششم

تصنیف ــــــــــــــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

ترجمہ عربی عبارات ــــــــــــ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ــــــــــــــــ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

تخریج و تصحیح ــــــــــــــ ۱__ مولانا نظیر احمد سعیدی ۲__ مولانا محمد عمر ہزاروی

باہتمام و سرپرستی ــــــــــــ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ناظم اعلی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیب فہرست ــــــــــــ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور

کتابت ــــــــــــــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ــــــــــــ (۱) مولانا سردار احمد حسن سعیدی (۲) مولانا نظیر احمد سعیدی

پیسٹنگ ــــــــــــــــ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری

صفحات ــــــــــــــــ ۷۳۶

اشاعت ــــــــــــــــ ربیع الاول ۱۴۱۵ھ / اگست ۱۹۹۴ء

مطبع ــــــــــــــــ یوسف عمر پرنٹر بی / 12- اندرون بھائی گیٹ لاہور

ناشر ــــــــــــــــ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ــــــــــــــــ ۲۵۰

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
باب شروط الصلوٰۃ ____ ۲۹
باب صفۃ الصلوٰۃ ____ ۱۴۳
باب القرأۃ ____ ۲۳۹
باب الامامۃ ____ ۳۷۹

فہرست رسائل

o ہدایۃ المتعال ____ ۶۱
o نعم الزاد ____ ۲۸۳
o الجام الصاد ____ ۳۰۳
o النہی الاکید ____ ۶۴۷

پیش لفظ

مارچ ۱۹۸۸ء میں رضافاؤنڈیشن کے زیراہتمام فتاوی رضویہ کی جدید اشاعت کے جس عظیم الشان منصوبے کاآغاز ہواتھااس میں تخریج حوالہ جات، عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ اور پیرابندی کاالتزام کیاگیاتھا یہ کوئی آسان کام نہ تھا کیونکہ اس میں مندرجہ ذیل کٹھن اور دشوار مراحل سے گزرنالازمی تھا؛

(۱) ایک ایسی لائبریری کاقیام جس میں مصنف کی ذکر کردہ تمام کتب موجود ہوں۔

(۲) تخریج حوالہ جات کے لئے بعض نایاب مخطوطات کی تلاش۔

(۳) ایسے اہل علم حضرات کی کمیٹی کاقیام جو نہایت محنت سے کتب کی چھان بین کرکے تخریج حوالہ جات کاکام سرانجام دے سکیں۔

(۴) ان حضرات کی کفالت کاانتظام وانصرام۔

(۵) ترجمہ کے لئے ایسے اہل علم حضرات سے رابطہ جونہ صرف عربی، فارسی اور اردو زبان میں کامل مہارت اور علوم نقلیہ وعقلیہ میں وسیع نظر رکھتے ہوں بلکہ مصنف کے مزاج شناس بھی ہوں۔

(۶) ایسے خوشنویس کی تلاش جو عربی، فارسی، اور اردو صرف لکھناہی نہ جانتاہو بلکہ اس فن کااستاذ ہو۔

(۷) ان ہزارہا صفحات کی کتابت کے بعداس کی پروف ریڈنگ کے لئے محنتی اور مخلص افراد کی تلاش۔

رضافاؤنڈیشن کے سربراہ اور ان کے معاونین لائق صد تبریک ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عنایت وشفقت سے انہوں نے ان مراحل کو عظیم استقامت کے ساتھ عبورکیااور انتہائی قلیل عرصے میں فتاوٰی رضویہ (جدید) کی چھ جلدیں پیش کرنے میں کامیاب ہوگئے جبکہ ساتویں جلد زیرکتابت ہے۔

فتاوٰی رضویہ جلد ششم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ جلد سوم قدیم کے آغاز سے لے کر باب الامامۃ کے آخر تک ۴۵۷ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے اور بے شمار ضمنی فوائد نافعہ کے علاوہ چار ۴ مستقل ابواب کو محیط ہے:

(۱) باب شروط الصلوٰۃ

(۲)صفۃ الصلوٰۃ

(۳) باب القرأۃ

(۴) باب الامامۃ

اس میں یہ چار انمول قیمتی رسائل ہیں:

(۱) **ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال** (۱۳۲۴ھ)

سمت قبلہ کے بیان میں

(۲) نعم الزاد لروم الضاد (۱۳۱۷ھ)

حرف ضاد کی تحقیق

(۳) الجام الصاد عن سنن الضاد (۱۳۱۷ھ)

حرف ضاد کے احکام اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ

(۴) النھی الاکید عن الصلوٰۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ)

غیر مقلدین کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کا بیان

ف: مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کتاب میں شامل نہ ہوسکے:

(۱) الطرۃ فی ستر العورۃ

(۲) ازین کافل بحکم القعدۃ فی المکتوبۃ والنوافل

(۳) جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلوٰۃ فی النعال

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب چیئرمین شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی کا معلوماتی مقالہ "فتاوٰی رضویہ کی علمی قدروقیمت" جو ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل لاہور میں فتاوٰی رضویہ کی ایک تعارفی تقریب کے موقع پر پڑھا گیا، مقالہ کی علمی اہمیت کے پیش نظر جلد ششم میں شامل کیا جارہا ہے۔

الحمد للہ اس حصہ کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ کرنے کی سعادت اس حقیر کو حاصل ہوئی ہے

جس پر اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں سجدہ شکر بجالاتا ہوں کہ اس نے تکمیل کی توفیق بخشی، ان دنوں جلد ہفتم کا ترجمہ جاری ہے۔
قارئین سے التماس ہے کہ وہ اپنی قیمتی آراء سے نوازیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالٰی اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے رضا فاؤنڈیشن کو اس منصوبہ میں کامیاب فرمائے۔

یکم محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

احقر الانام **محمد خاں** قادری عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رضویہ کی علمی قدروقیمت

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر چیئرمین شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی

اسلام میں فتوی نویسی ایک دینی فریضہ بھی ہے اور ایک مہتم بالشان فن بھی، لیکن یہ فریضہ جتنا نازک اور اہم ہے یہ فن اسی قدر مشکل اور پیچیدہ ہے۔ کتاب اللہ میں اِفتاء کے منصب کی نسبت اللہ رب العزت سے بیان ہوئی ہے (قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ) یہ بات بھی اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ فتوی، اِفتاء اور مفتی کے الفاظ زبان نبوت پر بھی جاری ہوئے، اسی طرح عہد نبوی کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے عہد مبارک میں عطائے فتوی یا افتاء کا منصب بہت اہم اور اونچا منصب تھا تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں فتوی نویسی یا افتاء اور مفتی کا منصب ہمیشہ نہایت اہم اور بلند متصور ہوتا رہا ہے لیکن یہ سب باتیں ایک اہم موضوع اور دلچسپ مطالعہ سہی مگر ان سب باتوں کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، تاہم اس بات کی طرف ایک مختصر اشارہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا کہ گزشتہ بارہ تیرہ صدیوں کے دوران میں بر عظیم پاک وہندوستان کے علمائے کرام نے فتوی نویسی کے میدان میں جو عظیم خدمات انجام دی ہیں اور منصب افتاء نے ملت اسلامیہ کو جو رہنمائی مہیا کی ہے وہ جہاں قابل قدر ہے وہاں باعث فخر بھی ہے۔

بر عظیم پاک وہندان اسلامی خطوں میں شامل رہا ہے جہاں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ تعالٰی کی فقہ کا دور دورہ رہا، یہاں کے علمائے حنفیّہ نے فقہ اسلامی کی عظیم الشان خدمت انجام دی ہے۔ سیرت نبوی کی طرح علوم شریعت بھی اس خطے کے اہل علم کے نزدیک ایک مہتم بالشان اور نہایت مرغوب موضوع رہا ہے۔ یہاں کے علماء نے علوم فقہیہ یعنی فقہ، اصول فقہ اور فتاوٰی نویسی کے علاوہ شرعی علوم کے دیگر بے شمار پہلوؤں کو اپنے مطالعہ و توجہ کا مرکز بنائے رکھا۔ عربی، فارسی، اردو اور دیگر علاقائی زبانوں میں شرعی علوم کا اتنا وسیع ذخیرہ تیار کیا ہے جو ملت کا نہایت قیمتی سرمایہ ہے اور اس کا احاطہ کرنا کسی مورخ کے لئے آسان نہیں ہوگا۔ بر عظیم پاک وہند کے اکابر احناف کے اس عظیم القدر علمی وفقہی سرمایہ فخر میں امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالٰی کے فتاوٰی العطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویة جو فتاوٰی رضویہ کے نام سے مشہور اور متداول ہیں بلاشبہ ایک منفرد اور قیمتی سرمایہ ہے۔

بر عظیم جنوبی ایشیا یا پاک وہند کے علمائے اسلام نے فقہ اسلامی کے فتاوٰی کا جو عظیم القدر ذخیرہ

عربی زبان میں مرتب کیا ہے اس کی فہرست بہت طویل ہے اور اس میں تعدد و تنوع بھی ہے اور اس میں حسن و خوبی کے عناصر بھی موجود ہیں۔ اسی طرح اسلامی ہند کی سرکاری زبان فارسی ہونے کے باعث اس زبان میں بھی لاتعداد چھوٹے بڑے فتاوی مرتب ہوئے جن میں بہت سے ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ بھی نہیں ہوسکے۔ یہی حال ان فتاوی کا بھی ہے جو اردو عربی یا اردو فارسی کا امتزاج پیش کرتے ہیں۔ یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہے اور افسوس ناک کوتاہی کہ ہم اپنے بزرگوں کی میراث کو بھی نہیں سنبھال سکے۔ سب سے زیادہ افسوس اہل دولت وثروت مسلمانوں پر ہے جو اپنی دولت کا حقیر سا حصہ بھی کار ثواب سمجھ کر ہی وقف کرنے سے قاصر ہیں مگر اس سے کہیں زیادہ افسوس ان اہل علم پر ہے جو ابتدائی قدم اٹھانے یا عملی تحریک کرنے سے بھی عاجز ہیں۔ علم کو سنبھالنے اور علمی میراث کو محفوظ کرنے کا اصل کام آخر مسلمان علماء کا ہے۔ یہ حضرات نہ صرف یہ کہ اس علمی ورثے کی نوک پلک درست کرکے مسلمان اہل دولت وثروت کو سرمایہ خرچ کرنے کی تحریک بھی پیدا کرسکتے ہیں بلکہ وہ ان علمی کاوشوں پر اضافے اور ترقی کا کام بھی انجام دے سکتے ہیں۔ اس کی روشن مثال ہمارے دوست و کرم فرما حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی کی ہے۔ آپ بعض احباب کے مشورے اور تعاون سے لاہور میں "رضا فاؤنڈیشن" جیسا عظیم ادارہ قائم کرنے کی سعادت حاصل کرچکے ہیں جو "فتاوی رضویہ" کی طباعت واشاعت کا فریضہ انجام دے رہا ہے، میں صمیم قلب سے حضرت مولانا کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے ان کی کامیابی کے لئے دعاگو ہوں مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اس نیک مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے اِن شاء اللہ!

"فتاوی رضویہ" کی مطبوعہ مجلدات پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے جو مجموعی تاثر ملتا ہے وہ یہ ہے کہ فاضل بریلوی دیگر مفتیان برعظیم پاک وہند میں ایک نہایت بلند اور منفرد مقام رکھتے ہیں اور ان کے یہ فتاوی اپنی عظیم ترافادیت کے ساتھ ساتھ ایک ایسی انفرادیت بھی رکھتے ہیں جو تنوع، ایجاد، جامعیت اور باریک بینی کے علاوہ ایک مصنف کے کمال فن، وسعت نظر، عمق بصیرت، ظرافت طبع اور جزئیات میں کلیات، اور کلیات میں جزئیات کو ایک خاص رنگ میں پیش کرنے کی فقیہانہ مہارت سے قاری کی قوت فیصلہ اور قلب وروح کو متاثر کرتی نظر آتی ہے۔ یہ وہ انفرادیت وامتیاز ہے جو برعظیم پاک وہند کے مفتیان عظام کے حصے میں بہت کم کم آیا ہے مگر فتاوی رضویہ کے مصنف کے ہاں کثرت ومقدارِ وافر کے ساتھ میسر ہے۔ حضرت مولانا احمد رضاخاں بریلوی رحمہ اللہ کے ہاں ایک انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے فتاوی کے مختلف ابواب فقہیہ میں سے بعض موضوعات منتخب فرمائے ہیں اور ان میں سے ہر موضوع پر ایک الگ اور مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے، یہ رسائل جہاں بلند درجہ تحقیق وتدقیق کے آئینہ دار ہیں وہاں تمام متداول؛ فقہی مصادر وماخذ کا نچوڑ بھی پیش کرتے ہیں۔ مصنف کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ وہ ان مختلف ومتنوع مصادر کی مختصر ترین عبارات بلکہ جملوں کو منتخب کرتے ہیں اور انہیں کمال مہارت سے یکجا کرکے یوں جوڑ دیتے ہیں کہ وہ ایک مسلسل عبارت بن جاتی ہے۔ یوں

لگتا ہے جیسے یہ عبارات کے ٹکڑے یا جملے مختلف مصنفین نے اسی غرض سے تخلیق کئے تھے کہ وہ ان فقہی موضوعات پر مشتمل رسائل کی عبارات کی زینت بنیں۔ یہ کام جہاں دقّت نظر اور کمال ادراک وانتخاب کا مقتضی ہے وہاں قوت حافظہ اور زبان پر کامل عبور کا بھی تقاضا کرتا ہے۔ان مختصر مگر جامع رسائل کا ایک انفرادی امتیاز یہ بھی ہے کہ فاضل بریلوی نے ان کے تسمیہ میں بڑے تفنّن طبع اور فقیہانہ بصیرت سے کام لیا ہے۔کتابوں کے تسمیہ میں نزاکت وظرافت کی یہ روش بر عظیم کے علمائے اسلام کا طرہ امتیاز رہا ہے اور مولانا احمد رضا خاں اس میدان میں امامت ومہارت کا شرف رکھتے ہیں۔

فتاوٰی رضویہ کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ ان کا فاضل مصنف کوئی عام عالم دین یا محض مفتی وفقیہ نہیں بلکہ ایک کثیر الجوانب عبقری یعنی ورسٹائل جینیئس (VERATILE GENIUS) ہے، اس لئے نہ توان کی نظر محض فقہی پہلو پر محدود ومرکوز رہتی ہے اور نہ ان کی بات میں کسی پہلو کی تشنگی یا اسے نظرانداز کرنے کا احساس ہوتا ہے بلکہ ان کے انداز بیان سے منقولات اور معقولات کے ہر علم وفن کے تقاضوں کی تسکین ہوتی ہے، فاضل بریلوی رحمہ اللہ ارشاد نبوی العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان کی حقیقت سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے، وہ علم ادیان یعنی شرعی علوم اور علم ابدان یعنی سائنسی علوم پر یکساں عبور کے قائل تھے، شریعت کے علوم قرآن وحدیث سے شروع ہوئے اور عربی زبان وادب کی جزئیات سے ہوتے ہوئے فقہ وکلام اور جدل ومناظرہ تک پہنچے ہیں اسی طرح سائنسی علوم کا دائرہ بھی وسعت پذیر اور لامحدود ہے اس لئے شریعت ان مفید ونافع علوم سے اعراض نہیں سکھاتی بلکہ ان میں کمال پیدا کرنے کی دعوت وتلقین اس شریعت کا امتیاز ہے۔

وقت کی رفتار تغیر بڑی تیز ہے جو اس رفتار تغیر کا ساتھ نہ دے سکے اسے وقت کی تلوار کاٹ کر رکھ دیتی ہے، جو شریعت یا قانون وقت کی اس رفتار تغیّر کا مقابلہ نہ کرسکے اس کا نابود ہونا یقینی ہے لیکن اسلامی شریعت توزمان ومکان کی قید سے آزاد وماوراء ہے اس لئے یہ شریعت ہر زمان وہر مکان کے لئے ہے، اسی حوالے سے اسلامی شریعت کے ماہر فقیہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی فکری صلاحیتوں سے وقت کی رفتار تغیر کا صرف ساتھ ہی نہیں بلکہ اس کا مقابلہ بھی کرسکے۔ یہ فکری صلاحیتیں دو۲ چیزوں کی محتاج ہوتی ہیں ان سے ایک خداداد عبقریت اور دوسرے علم ادیان کے ساتھ علم ابدان یعنی سائنسی علوم کا ماہر ہونا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی میں یہ دونوں صلاحیتیں بتمام وکمال موجود ہیں بلکہ ہر زمان ومکان کے فقیہ ہیں۔ جس طرح اسلامی شریعت زمان ومکان کی قید سے آزاد ہے اسی طرح اس کا ماہر فقیہ جو خداداد عبقریت اور سائنسی علوم خصوصاً طب وریاضت اور فلسفہ وہیئت کے بھی امام ہیں وہ بھی زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں۔ وہ جدید زندگی کے مسائل کو اسلامی فقہ کی روشنی میں اس طرح حل کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ "فتاوٰی رضویہ "اس دعوٰی پر شاہد عادل ہیں۔ تمام فصول اور ابواب میں وہ فقہی مسائل کو عصر حاضر کی زبان میں حل کرتے ہیں، ان کے تمام فتاوٰی عقلی ونقلی استدلال پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ

شریعت نہ صرف یہ کہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کے لئے نشو ونما کا سامان بھی کرتی ہے۔ اظہار وبیان کا وسیلہ زبان ہوتی ہے، فقہ اور مفتی کے لئے اظہار وبیان کی قدرت ایک لازمی اور ضروری صفت ہے ورنہ مسائل ومشاغل کی تفہیم آسان نہ ہوگی۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ اس میدان کے مرد میدان ہی نہیں شہسوار بھی ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو پر انہیں جو کامل عبور تھا اس کا ایک ثبوت تو ان تین زبانوں میں ان کے شاعرانہ کمالات ہیں جو نعت ومدح رسول کے لئے وقف ہیں مگر "فتاوٰی رضویہ" میں بھی وہ اظہار وبیان کے وسائل یعنی زبان کے ادبی اسلوب سے قاری کے ذہن کی چٹکیاں لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ الفاظ کو نئے معنی پہنانا اور مرکبات وکلام کو تضمین کے طور پر یوں استعمال کرنا کہ وہ انگشتری میں نگینہ جڑ دینے کا منظر پیش کرتے ہوئے آئیں، یہ صرف قادر الکلام شاعر اور باکمال ادیب ہی کرسکتا ہے۔

اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں صرف "فتاوٰی رضویہ" کی جلد اول کے دو تمہیدی عنوانات یعنی "خطبة الکتاب" اور "صفة الکتاب" کے علاوہ مستقل فقہی موضوع پر لکھے جانے والے پہلے رسالے "اَجلَی الاِعلام ان الفتوی مطلقا علی قول الامام" کے خطبے کی طرف اشارہ کافی ہوگا۔ خطبۃ الکتاب میں فقہ حنفی کی اُمّہات الکتب کے اسماء اور فنی مصطلحات کو بطور تلمیح وبراعت استہلال استعمال کرکے جو سماں باندھا ہے وہ کچھ انہی کا کمال ہے، الفاظ پرانے ہیں مگر بطور تلمیح استعمال ہوکر نئے معانی کا لباس بن گئے ہیں الحمدللہ ھو الفقه الاکبر والجامع الکبیر، لزیادات، فیضه المبسوط، الدرر الغرر، به الھدایة و منه البدایة والیه النھایة (یعنی سب حمد اللہ کے لئے ہے، یہی سب سے بڑی سمجھ اور اضافوں کو یکجا کرنے والی بات ہے، اس کا فیض ہے جو پھیلا ہوا ہے جیسے چمکتے ہوئے موتی ہوں، اسی ذات سے ہدایت وابستہ ہے، وہی اول اور وہی آخر ہے) یہ تو وہ نئے معنی ہیں جو ان پرانے الفاظ کے لباس میں یہاں وارد ہوئے ہیں مگر اُن کے معانی فقہ حنفی کی امہات الکتب کے نام ہیں۔ فقہ اکبر امام اعظم ابوحنیفہ کی تصنیف ہے، جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، دُرر، غُرر، ہدایہ اور بدایہ ونہایہ یہ سب کتب فقہ ہیں مگر زبان عربی پر عبور رکھنے والے نے ان پرانے الفاظ سے دوہرا کام لے کر اپنی مہارت وعبقریت کا ثبوت دے دیا ہے۔

اسی تمہید کتاب میں صفۃ الکتاب کے عنوان سے کتاب کا تعارف کراتے ہوئے قرآنی الفاظ وتراکیب سے برکت وسعادت کا جو سماں باندھا گیا ہے وہ کسی فنافی العربیہ اور ماہر کلام ربانی کا پتا دیتا ہے۔ رسالہ اجلی الاعلام میں یہی رنگ کمال نظر آتا ہے، یہاں پر مصنف عربی زبان کے اسالیب نگارش پر عبور رکھنے کے علاوہ جدّت تعبیر سے کام لینے میں بھی لاثانی نظر آتے ہیں، فقہ جیسے خشک مضمون میں اس جدّت تعبیر نے جو رنگ پیدا کیا ہے اس نے دلچسپی میں اضافہ کردیا ہے۔ فقہی نصوص کے صحیح ادراک، دقّت نظر وباریک بینی، بداہت قول وحاضر جوابی، منطقی ومؤثر طریقہ استدلال اور حسن استنباط واستنتاج میں فاضل بریلوی کا کوئی جواب نہیں۔ یہاں پر میں ایک خاص بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جو میں نے محسوس کی ہے یوں تو برعظیم پاک وہند کے نامور عربی دانوں اور علوم اسلامیہ کے

ماہرین کے علمی کارناموں سے اپنے اور بیگانے سبھی ناآشنا اور کم آگاہ ہیں مگر ان میں سے بعض اہل علم تو بے قدری اور احسان ناشناسی کی حد تک گمنام چلے آتے ہیں اور لوگ ان کے حقیقی مقام و مرتبے کے منکر دکھائی دیتے ہیں۔ برعظیم کی جن ہستیوں کو دانستہ یا نادانستہ طور پر فراموشی و بے قدری کا مستحق گردانا گیا اور ان میں سے ایک کا تعلق سرزمین پنجاب سے ہے اور دوسرے کا تعلق علم و ثقافت کے خطے یوپی سے ہے۔ پنجاب کی نادرِ روزگار ہستی اور بیمثال عبقری تو مولانا عبدالعزیز پرہاروی (رحمہ اللہ) تھے جو مشہور عرب شاعر ابوالقاسم الشابی اور ایک انگریز شاعر کیٹس کی طرح جوانی میں ہی دنیا سے کوچ کر گئے مگر علمی کارناموں کے لحاظ سے ان کی مختصر عمر بھی طویل مدت ثابت ہوئی۔ مولانا پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ جس شہرت اور عزت کے مستحق تھے وہ نہ تو انہیں زندگی میں مل سکی اور نہ موت کے بعد گمنامی کا پردہ چاک ہو سکا۔ پنجاب کے اس عظیم عبقری اور عالم دین کو کماحقہ، متعارف کرانے کا شرف اللہ تعالٰی نے مجھے بخشا ہے، ان کے متعلق خود بھی لکھا ہے اور دو ۲ مقالے پی ایچ ڈی کے بھی میری نگرانی میں ہو رہے ہیں۔

خطّہ علم و ثقافت یوپی سے اُٹھنے والی ہستی فاضل بریلوی مولانا احمد رضا (رحمۃ اللہ علیہ) ہیں جن کے علمی کارناموں سے شدید اغماض برتا گیا بلکہ ان کے فضل و کمال سے انکار کیا گیا، یہی نہیں بلکہ بدنامی کی جسارتیں بھی ہوتی رہیں، بظاہر اس کے تین اسباب نظر آتے ہیں:

پہلا سبب تو خود ان کے نام لیواؤں کی کمزوری ہے جو ان کے علمی کارناموں کو عام کرنے کی سنجیدہ کوشش نہ کر سکے، الاماشاء اللہ!

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ عالمی ادارے یا تنظیمیں جو برعظیم میں اہل علم کو متعارف کرانے کے ذمہ دار تھے وہ حضرت فاضل بریلوی کی قدر شناسی اور اعتراف فضل سے گریزاں رہے۔

میرے خیال میں اس کا تیسرا سبب حسد و رقابت کے جذبات ہو سکتے ہیں، معمولی آدمیوں کو ایسے حادثے کم پیش آتے ہیں مگر غیر معمولی ذہانت و قابلیت کے مالک انسانوں کے لئے مخالفت و عداوت اور حسد و رقابت بھی غیر معمولی نوعیت کی سامنے آتی ہے۔ امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالٰی کثیر الجوانب عبقریت کے مالک تھے غالباً اس وجہ سے ان کے علمی کارناموں کو پردہ خفا میں رکھنے اور ان پر خاک ڈالنے کی کوشش بھی ہو سکتی ہے۔

بہرحال یہ بات باعث اطمینان ہونی چاہئے کہ اب برعظیم پاک و ہند میں ایسے افراد و ادارے وجود میں آچکے ہیں جو حضرت فاضل بریلوی کے تعارف کے ضمن میں تلافی مافات کے لئے کوشاں ہیں۔

فہرست مضامین

پیش لفظ	۵	نیت دل سے ہونی چاہئے زبان سے ضروری نہیں، قلبی نیت کی حد کیا ہے۔	۴۷
فتاوٰی رضویہ کی علمی قدر و قیمت	۸	تمام بلاد کے لئے جہت قبلہ کا ایک خاص تخمینہ ممکن نہیں۔	۵۵
باب شروط الصلٰوۃ	۲۹	نقطہ مغرب سے ۴۵ درجے کے اندر انحراف مفسد صلٰوۃ نہیں۔	۵۷
ایسے باریک کپڑوں میں جن سے اعضا ظاہر ہوں نماز نہیں ہوتی۔	۲۹	رسالۃ ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال (سمت قبلہ کے بیان میں)	۶۱
مردوں کے نو اعضائے عورت کا شمار اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۲۹	جہت قبلہ سے انحراف مفسد صلاۃ ہے۔	۶۴
چہارم عضو کھلنے کی مختلف صورتیں۔	۳۰	آفاقی کا قبلہ جہت ہے۔	۶۴
عورتوں کے تیس اعضائے مستور کا شمار	۴۰	ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہیہ بھی نہیں۔	۶۴
"میں نماز خدائے تعالٰی کے لئے پڑھتا ہوں" اس طرح نیت کرنے سے نیت ہوگی یا نہیں۔	۴۶	بعد مسافت کے بعد ایک خاص حد کے اندر انحراف بھی جہت قبلہ سے انحراف نہ ہوگا۔	۶۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

غیر مکہ معظّمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے باہر نہ ہو مضر نہیں۔	٦٥	افادہ اولٰی: جہت قبلہ کی حد کیا ہے اس کے بارے میں مختلف اقوال اور مصنف کی تحقیق۔	٧٦
سمت قبلہ میں علم ہیأت واصطرلاب وغیرہ آلات وقیاسات کا اعتبار نہیں۔	٦٥	افادہ ثانیہ: علی گڑھ میں انقلابین کی سعۃ المغرب کتنی ہے۔	١٢٥
علی گڑھ کا خط قبلہ نقطہ مغرب سے ساڑھے دس درجے جانب جنوب جھکا ہوا ہے۔	٧١	افادہ ثالثہ: علی گڑھ کی عیدگاہ نقطہ مغرب سے کس قدر منحرف ہے۔	١٢٥
صحابہ کرام نے بلاد متقاربہ بلکہ ملک بھر کے لئے ایک ہی قبلہ قرار دیا۔	٧١	افادہ رابعہ: علی گڑھ کا قبلہ تقریبی۔	١٢٦
فرمان فاروقی میں عراق کا قبلہ مابین المشرق والمغرب قرار پایا۔	٧١	افادہ خامسہ: علی گڑھ کا قبلہ تحقیقی۔	١٢٧
بخارا، سمرقند، نسف، ترمذ، سرخس کا قبلہ راس العقرب کا مسقط ہے۔	٧١	**باب صفة الصلٰوة**	١٤٣
بیت المقدس، حلب، دمشق، رملہ، نابلس، اور تمام ملک شام کا قبلہ قطب تارے کو پس پشت لینا ہے۔	٧١	عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں یہی ان کے لئے انسب ہے۔	١٤٤
کوفہ، بغداد، ہمدان، قزوین، طبرستان، جرجان میں نہر شاش تک قطب کو دہنے کان کے پیچھے، ملک عراق میں سیدھے شانے، ملک مصر میں بائیں، ملک یمن میں منہ کے سامنے بائیں کو ہٹا ہوا قبلہ ہے۔ خراسان، ہندوستان وغیرہ بلادِ شرقیہ کا قبلہ بین المغربین ہے۔	٧١	التحیات میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کا ثبوت۔	١٤٩
قبلہ کے بارے میں مشائخ کرام کے چھ اقوال	٧١	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین نہیں فرمایا بلکہ فعل وترک دونوں حدیثوں میں وارد ہیں اور ترک راجح۔	١٥٣
ہندوستان میں قطب تارا دہنے شانے پر کیوں لیا جاتا ہے۔	٧٥	نماز میں قیام کی حالت میں دونوں پاؤں کے درمیان چار انگل کا فاصلہ رکھنا مسنون ہے۔	١٥٥
ہندوستان کا عرض شمالی ٨ درجے سے ٣٥ درجے اور طول مشرقی ٦٦ سے ٩٢ تک ہے۔	٧٥	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں رکوع میں پیشانی گھٹنوں کے مقابل رکھنی چاہئے اس سے زیادہ جھکانا عبث ہے۔	١٥٧

صرف تکبیر تحریمہ کی قدرت ہو تو اس پر فرض ہے کہ کھڑے ہو کر تکبیر کہے پھر بیٹھ جائے ورنہ نماز نہیں ہوگی، اس کے بارے میں مصنف کی تحقیق۔	۱۵۸	التحیات میں اشارہ کرنے کا طریقہ۔	۱۹۰
ابتدائے سورت میں بسم اللہ شریف پڑھنا مستحب ہے اختلاف صرف اس کی مسنونیت میں ہے۔	۱۶۲	جمعہ کی نیت کرنے کا طریقہ۔	۱۹۱
یہاں سورت سے کیا مراد ہے۔	۱۶۲	سورتوں کی ابتداء میں بسم اللہ شریف ملانا افضل ہے۔	۱۹۱
الصاق کعبین کی تحقیق۔	۱۶۷	بے نمازیوں کو سمجھانے کا طریقہ اور نہ مانیں تو ان سے قطع تعلق کرلیا جائے۔	۱۹۱
قومہ وجلسہ کے اذکار طویلہ نوافل پر محمول ہیں فرائض میں مسنون نہیں۔	۱۷۰	نماز میں قرآن شریف پڑھنا فرض ہے تصور کافی نہیں۔	۱۹۳
ثنا پڑھنا سنت ہے اور امام کے قرأت بالجہر سے پہلے پڑھی جاسکتی ہے۔	۱۸۲	مسبوق التحیات کو ترتیل سے پڑھے تاکہ امام کے سلام کے وقت ختم ہو ورنہ شہادتین کی تکرار کرے۔	۱۹۳
اللہم اغفرلی کہنا امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے مستحب ہے اور طویل دعا سب کے لئے مکروہ۔	۱۸۲	بیٹھ کر نماز پڑھنے میں سجدے کرنے میں پاؤں سے سرین کو جدا کرنا چاہئے یا نہیں۔	۱۹۳
درود شریف پڑھنے کی فضیلت افضل درود کا بیان۔	۱۸۳	رکوع میں قدموں پر نظر ہو۔	۲۰۲
مقتدی کو قرآن مجید پڑھنا جائز نہیں، آمین بالجہر مکروہ ہے۔	۱۸۳	ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اور ہاتھوں کو منہ پر پھیرنا مسنون ہے مگر ہاتھوں کو چومنا ثابت نہیں۔	۲۰۲
۲۰ رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ ایک رکعت نماز وتر خواہ نفل باطل محض ہے۔	۱۸۵	ولاالضالین کے بعد آمین کہنا مسنون ہے سری نمازوں میں بھی اگر مسموع ہو، آمین سے سجدہ سہو نہیں۔	۲۰۲
التحیات میں اشارہ بہ سبابہ مسنون ہے۔	۱۸۷	ٹھہری ہوئی ریل میں نماز پڑھنے کا طریقہ۔	۲۰۲
سلام کے بعد امام کی اطاعت مقتدی سے ختم ہوجاتی ہے، تکبیرات انتقالیہ کہنے کا طریقہ۔	۱۸۹	عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث کریمہ۔	۲۰۳
سلام کے بعد امام کو قبلہ رو بیٹھے رہنا مکروہ ہے۔	۱۹۰	سلام کے بعد قبلہ رو بیٹھے رہنا امام کے لئے مکروہ ہے۔	۲۰۴

صحت صلٰوۃ کے لئے فہم معنی ضروری نہیں۔	۲۰۵	کسی حرف کے نکالنے پر جو قادر نہ ہو اس کے لئے حکم۔	۲۵۳
نماز کے بعد مصلے کا الٹ دینا کیسا ہے۔	۲۰۶	ہر رکعت میں ایک سورت کی تکرار فرض میں مکروہ ہے۔	۲۶۶
شروانی، کرتے وغیرہ پر نماز پڑھے تو گریبان پر کھڑا ہو اور سجدہ دامن پر کرے۔	۲۰۷	ایک رکعت میں چند سورتیں یا ایک سورت یا ایک آیت چند بار پڑھنا یا ایک بڑی سورت کی چند آیتیں ایک رکعت میں اور چند آیتیں دوسری رکعت میں پڑھنا کیسا ہے۔	۲۶۷
سلام کے بعد صرف امام کو انصراف کا حکم ہے مقتدیوں کو نہیں یہ کیوں؟	۲۰۷	سورتوں کو معکوس پڑھنا ناجائز ہے۔	۲۷۰
عمامہ کی فضیلت میں بیس احادیث کریمہ۔	۲۰۸	دوسری رکعت میں پہلی سے طویل قرات مکروہ ہے۔	۲۷۱
استعمالی وغیر استعمالی جوتوں کا حکم۔	۲۰۸	ضاد کو ظاد یا دُواد پڑھنا غلط ہے، ضاد کے مخرج کا بیان۔	۲۷۲
حضور کے نام اقدس پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔	۲۲۱	نماز میں کھانسنے اور کھنکارنے کا حکم۔	۲۷۴
صلٰوۃ ترضی وغیرہ کو رمز میں لکھنا جائز نہیں۔	۲۲۱	حرف ضاد اور ظ مشتبہ الصوت ہیں۔	۲۷۵
جو وظیفہ پڑھے اور نماز نہ پڑھے وہ فاسق ہے۔	۲۲۳	ترتیل کی تین حدیں ہیں۔	۲۷۵
نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت۔	۲۲۴	**رسالہ نعم الزاد لروم الضاد** (ناقص) (حرف ضاد کی تحقیق)	۲۸۳
بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور اخفا افضل۔	۲۳۳	**رسالہ الجام الصاد عن سنن الضاد** (ضاد کے احکام اور اس کے ادا کرنے کا طریقہ)	۳۰۳
نماز کے بعد دعا میں تاخیر کیسی۔	۲۳۳	تجوید سے انکار کفر ہے۔	۳۲۲
باب القرأۃ	۲۳۹	غیر عربی میں قرآن شریف پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی۔	۳۲۳
قرآن مجید کو ترتیب سے پڑھنا واجب ہے۔	۲۳۹	حضر میں مقدار قرات کا بیان۔	۳۲۴
جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک قراۃ خلف الامام ممنوع ہے احادیث سے اس کا ثبوت اور مخالفین کے دلائل کا رد۔	۲۴۰	نماز میں کسی نے قال رسول اللہ کہہ دیا نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۲۶
قراۃ میں غلطی کرنے کا حکم۔	۲۵۱	لفظ "اللہ" کے الف کو حذف یا پُر کرنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں۔	۳۲۷
سری نمازوں میں جہر سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، مقدار جہر کا بیان۔	۲۵۱		

کسی نے چار رکعت والی نماز میں سورۂ یٰس پھر دخان پھر تنزیل پھر سورہ ملک پڑھی الخ	۳۲۸	چند آیتوں کی قرأت کے متعلق سوال وجواب۔	۳۴۴
قرآن مجید کی ایک آیت پڑھنا فرض ہے سورہ فاتحہ کی ہو خواہ کسی اور سورت کی۔	۳۲۹	آیت مایجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار کیا ہے۔	۳۴۴
طوال مفصل، اوساط مفصل، قصار مفصل کن نمازوں میں پڑھی جائیں۔	۳۳۱	ہر آیت پر وقف جائز ہے اگرچہ آیت ۵ لا ہو۔	۳۴۶
آمین آہستی کہنا چاہئے۔	۳۳۲	قرآن پاک ترتیب سے پڑھنا فرض ہے الٹا پڑھنا حرام۔	۳۴۷
منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہوگی۔	۳۳۲	نماز میں ایک آیت پڑھنا فرض ہے۔	۳۴۷
ایک آیت پڑھنے کے بعد دوسری آیتوں کی طرف منتقل ہونا یا بیچ سے چھوڑ دینا اگر مجبوری سے ہو نماز ہوجائے گی۔	۳۳۳	لقمہ دینا جائز ہے۔	۳۴۸
سورۃ کے اخیر کو تکبیر رکوع سے ملانا کہاں کہاں مستحب ہے۔	۳۳۵	قل ھو اللہ احدo میں مابعد سے وصل جائز ہے۔	۳۴۸
صبح کی نماز میں چالیس سے ساٹھ آیت تک پڑھنا چاہئے اور وقت کم ہو تو بقدر گنجائش۔	۳۳۶	تراویح میں سورہ رحمٰن پڑھنے کا طریقہ۔	۳۴۸
سورہ العصر میں کلمہ الّا پر وقف کرنے سے نماز ہوجاتی ہے۔	۳۳۶	نماز میں کتنی آیتیں فرض ہیں اور کتنی واجب اور کتنی سنت اور کتنی مستحب۔	۳۴۹
ض کو ظ کے مشابہ پڑھنے کا حکم۔	۳۳۶	نماز میں بسم اللہ شریف کہاں کہاں پڑھنا چاہئے۔	۳۴۹
چند آدمیوں کا ایک جگہ بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا ممنوع ہے۔	۳۳۸	نماز میں جس سورۃ کا ایک کلمہ منہ سے نکل آئے اسی کا پڑھنا فرض ہے۔	۳۵۰
صحت صلوٰۃ کے لئے فن مخارج جاننا ضروری نہیں حروف صحیح ادا ہونے چاہئیں۔	۳۳۹	فساد معنی اگرچہ ہزار آیت کے بعد ہو نماز جاتی رہے گی۔	۳۵۱
تبدیل حروف یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے سے نماز فاسد ہوتی ہے، تبدیل کی تین صورتیں۔	۳۳۹	مقتدی کو قرأت ناجائز ہے۔	۳۵۱
لقمہ دینے کی ایک صورت۔	۳۴۲	اللہ اکبر کی راء کو دال پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی۔	۳۵۲
قرآن پاک کو اتنی تجوید سے پڑھنا جس سے حروف کی تصحیح ہو فرض عین ہے۔	۳۴۳	خلاف ترتیب سے متعلق چند سوال۔	۳۵۲

بلاوجہ لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں۔	۳۵۳	مسبوق کی اقتدا صحیح نہیں۔	۳۹۰
درمیان سورت سے کچھ چھوٹ جائے تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۵۵	سودخور کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔	۳۹۰
بھولنے کی حالت میں ایک لفظ کو بار بار پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔	۳۵۵	امام کو در میں کھڑے ہونے کا حکم۔	۳۹۲
وقف ووصل میں اتباع بہتر ہے مگر اس کے ترک کرنے سے نماز میں خلل نہیں آتا۔	۳۷۰	ایک شخص مثلاً یہ کہے جو اپنی بی بی سے قربت کرے اور الخ	۳۹۲
بیچ میں چھوٹی سورۃ چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے۔	۳۷۱	بیر کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۹۷
امام سے جہاں غلطی ہو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے اگرچہ ہزار آیت کے بعد ہو۔	۳۷۱	احناف کو ذریۃ الشیطان وغیرہ کہنے والے کی امامت کا حکم۔	۳۹۸
چند آیتوں کی قرأت کے متعلق سوال۔	۳۷۳	حنفی مسئلہ مسح میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر عمل کرے تو کیا حکم ہے۔	۴۰۳
باب الامامۃ	۳۷۹	ناچ وغیرہ دیکھنے والے کی امامت کا حکم	۴۰۵
ان بلاد میں آمین بالجہر ورفع یدین کرنے والے عموماً غیر مقلد ہیں۔	۳۷۹	بے روزہ دار کی امامت مکروہ ہے۔	۴۰۶
آدھا کلمہ پڑھنے والے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۷۹	حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے کب جائز ہے۔	۴۰۷
پورا اللہ اکبر بلند آواز سے کہنا مسنون ہے۔	۳۸۰	اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔	۴۱۶
چار رکعت والی نماز میں اخیر کی ایک رکعت کسی کو ملی تو وہ امام کے سلام کے بعد دوسری رکعت میں قعدہ کرے۔	۳۸۰	ناچ دیکھنے والے، دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھانے والے، غیبت کرنے والے کی امامت کا حکم۔	۴۱۸
مسائل نماز وطہارت سے جو زیادہ واقف ہو وہ مستحق امامت ہے اگرچہ نابینا ہو۔	۳۸۱	تنخواہ دار امام کے پیچھے نماز جائز ہے۔	۴۲۲
امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، محراب اور در کا فرق۔	۳۸۳	تجوید سے متعلق چند احکام۔	۴۲۲
تجوید کو نہ جاننے والا امام نہیں ہو سکتا۔	۳۸۴	امام کے ہر فعل وترک کا اتباع مقتدی پر واجب نہیں۔	۴۳۷
امام قدیم کو حق امامت حاصل رہے گا اگرچہ مسجد میں کوئی عالم فاضل آجائے۔	۳۸۶	وہابیہ، روافض اور جو مسائل نماز سے واقف نہیں ان کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۴۳۹
عورتوں کو میلہ میں لے جانے والے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۸۷		

جس کا ہاتھ ٹوٹا ہو، جس کی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہو، ہکلا، توتلا، افیونی، خائن، رشوت لینے والے یا جسے برص ہو ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم۔	۴۵۲	کن کن لوگوں کے پیچھے نماز جائز ہے، اندھے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔	۴۹۵
سلام کے بعد دہنے بائیں پھرنے کا بیان۔	۴۵۵	امامت سے متعلق ایک سوال۔	۴۹۵
ولد الحرام، زانی، بہرے، کریہہ الصوت، افیونی کی امامت کا حکم۔	۴۶۰	ندویوں کی امامت کیسی ہے۔	۴۹۸
اولٰی امامت کس کی ہے، ولد الحرام اور جس امام سے لوگ ناراض ہوں، ان کی امامت کا حکم، امام الحہ سے سے افضل کون ہے۔	۴۶۵	غیر مقلدوں کی امامت ناجائز ہے۔	۴۹۹
جو اپنے کو بالغ ہونا ظاہر کرے اس کے قول کو قبول کرنا واجب ہے۔	۴۷۷	عرفی شریف وغیر شریف میں امام ہونے کا زیادہ حقدار کون ہے۔	۵۰۱
فاسق کو امامت سے معزول کرنا واجب ہے۔	۴۷۹	میلاد میں شریک نہ ہونے والے یا قیام کو برا کہنے والے کی امامت کا حکم۔	۵۰۲
فسق کی ایک صورت۔	۴۸۱	مقررہ امام کی اجازت کے بغیر دوسرا امامت نہیں کرسکتا۔	۵۰۳
جس کی عورت بے پردہ باہر نکلتی ہو یا سود کھاتا یا مردہ نہلانے کا پیشہ کرتا ہو ان کی امامت کیسی ہے۔	۴۸۳	امردوں سے ناجائز تعلق رکھنے والے کی امامت ناجائز ہے۔	۵۰۳
مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کو حق پر جاننے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔	۴۸۶	صحت صلاۃ کے لئے تجوید کی مقدار، حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے صحیح ہونے کی شرائط۔	۵۰۴
فوٹو گرافر، بواسیر والے کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم۔	۴۸۷	سنت مؤکدہ چھوڑنے والے کی امامت مکروہ ہے۔	۵۰۹
تجوید نہ جاننے والے کے پیچھے تجوید جاننے والے کی نماز ہوگی یا نہیں۔	۴۸۹	دیّوث کی امامت مکروہ ہے۔	۵۱۰
مقدمہ لڑنے والوں کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں۔	۴۹۰	کلوخ سے استنجا کرنے والے کی امامت کا حکم۔	۵۱۰
ایک مصلے پر میاں بی بی نماز پڑھیں اور شوہر امام ہو الخ۔	۴۹۲	حنفی اگر حنبلی ہوجائے تو اس کی امامت صحیح ہے یا نہیں۔	۵۱۰
سود خور یا جس کی عورت بے پردہ نکلتی ہو الخ	۴۹۴	شرعی فتووں کی توہین کرنے والے کی امامت ناجائز ہے۔	۵۱۱
		فعل حرام میں سعی کرنے والا فاسق ہے۔	۵۱۱

امامت میں وراثت نہیں چلتی، حق امامت کس کو حاصل ہے، عالم کے مقابلے میں جاہل کو امام بنانا ناجائز ہے۔ جمعہ، عیدین، کسوف وغیرہ میں امام کون ہوسکتا ہے۔ "صلوا خلف کل بر وفاجر" سے کیا مراد ہے۔	۵۱۳	بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو گالی دینا سخت حرام ہے۔	۵۳۸
اندھے کی امامت کا حکم۔	۵۲۰	اگر کہیں ولد الحرام امام کی وجہ سے جماعت میں کمی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے۔	۵۳۹
سود کے تمسکات لکھوانے والا فاسق ہے۔	۵۲۱	علم غیب، فاتحہ وغیرہ کے منکر کی امامت کا حکم۔	۵۴۱
آیت میں تقدیم وتاخیر سہواً ہونے پر حرج نہیں،	۵۲۲	غنی امام صدقہ فطر لے یا قرآن مجید غلط پڑھے یا فاسق معلن ہو اس کی امامت مکروہ ہے، مقتدیوں کے گناہ کے سبب ترک جماعت جائز نہیں، امام ہونے کی شرائط۔	۵۴۲
بے نمازی اور روافض سے میل جول رکھنے والا فاسق ہے۔	۵۲۳	ڈاڑھی ترشوانا، نماز قضا کرنا فسق ہے۔	۵۴۴
زانی فاسق ہوتا ہے اور اس کی امامت مکروہ۔	۵۲۳	خوبصورت امرد کی امامت خلاف اولٰی ہے۔	۵۴۵
بلاعذر جماعت چھوڑنے والا فاسق ہے۔	۵۲۴	شرعی امام کے پیچھے براہ نفسانیت نماز نہ پڑھنا گناہ ہے۔	۵۴۵
ذابح البقر کی امامت جائز ہے۔	۵۲۵	سودی دستاویز لکھانے والا فاسق ہے۔	۵۴۶
حیات النبی کے منکر کی امامت مکروہ ہے۔	۵۲۵	ملازمان گورمنٹ، مثلاً تھانیدار وغیرہ اور ملازمان چونگی کی امامت کا حکم۔	۵۴۶
دیوث کی امامت مکروہ ہے۔	۵۲۶	امام اور جماعت کے مابین فاصلہ کی مقدار۔	۵۴۷
مسلمانوں سے بلاوجہ شرعی بغض وکینہ رکھنے والا فاسق ہے۔	۵۲۶	عاق اور جس سے چار جمعہ چھوٹ گئے ہوں اس کی امامت کا حکم۔	۵۴۷
جو رافضیوں میں رافضی اور سنیوں میں سنی بنے وہ منافق ہے اس پر دلائل۔	۵۲۷	ولد الزنا کے لڑکے کی امامت کا حکم۔	۵۴۷
بالغین کا امام نابالغ نہیں ہوسکتا۔	۵۳۵	بلاضرورت شرعیہ سودی قرض لینے والا فاسق ہے۔	۵۴۸
سنی غیر فاسق کو امام بنانا چاہئے۔	۵۳۵	میلاد شریف یا ختم تراویح کی شیرینی تقسیم کرنے کو بدعت کہے اس کی امامت کیسی ہے۔	۵۴۸
جذامی کی امامت کا حکم۔	۵۳۶	رشوت لینے والے، جھوٹے مقدمے کرنے والے فاسق ہیں۔	۵۵۱
رافضیوں میں بیاہ شادی کرنے والے کی امامت کا حکم۔	۵۳۶	جو اپنے جرائم سے توبہ کرلے اس کی امامت جائز ہے۔ اب اس پر اعتراض کرنا گناہ ہے۔	۵۵۲

اتہام اور بدگمانی ناجائز ہے۔	۵۵۳	جس کے ہاتھ میں تشنج ہو وہ امام ہوسکتا ہے یانہیں۔	۵۷۵
لنگڑے کی امامت کیسی ہے۔	۵۵۴	ایک عالم شریف ہے سید نہیں ہے یا صرف عالم وہ جاہل یا کم نجیب الطرفین سیّد کی موجودگی میں امام ہوسکتا ہے یانہیں۔	۵۷۶
نماز اگر ایک جہت سے فاسد ہو تو وہ فاسد ہی ہوگی اگرچہ دوسری جہتوں سے صحیح ہو۔	۵۵۵	ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مقلد کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یانہیں۔	۵۷۷
فسق کی ایک صورت۔	۵۵۷	حنفی کی خاطر شافعی امام رفع یدین وغیرہ چھوڑے یانہیں۔	۵۷۷
حنفی شافعیوں کی جماعت میں شریک ہو یانہیں۔	۵۵۸	مردہ نہلانے والے کی امامت جائز ہے یانہیں۔	۵۷۸
جس لڑکے سے اس کے والدین نے کہہ دیا ہو کہ میرے جنازہ پر نہ آنا۔	۵۵۸	وہابیہ کی امامت ناجائز ہے۔	۵۷۹
امام کسی سے دنیوی کدورت رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز صحیح ہے۔	۵۵۹	جس کی آنکھ میں پھلی ہو وہ امام ہوسکتا ہے یانہیں۔	۵۸۱
لوطی فاسق ہے۔	۵۵۹	خدائے تعالٰی کو مجسم ماننے والے کی اقتدا حرام ہے۔	۵۸۲
معذور کی امامت کا حکم۔	۵۶۲	بلاوجہ شرعی امام کو معزول کرنا حرام ہے۔	۵۸۲
مسجد پر وقف شدہ جائے نمازوں پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۵۷۲	دیّوث کی امامت مکروہ ہے۔	۵۸۳
دیوبندیوں کے پیچھے نماز باطل ہے۔	۵۷۳	سود خور اور سود دینے والے دونوں کی امامت مکروہ ہے۔	۵۸۵
صدقہ، فطر، مال زکوٰۃ، قبرستان میں غلہ کوڑی وغیرہ لینا جس کا پیشہ ہو اس کی امامت کیسی ہے۔	۵۷۴	میلاد شریف کو بدعت کہنے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں۔	۵۸۶
عقائد دریافت کرنے پر جو نہ بتائے یا مقررہ وقت کا پابند نہ ہو یا جس کی امامت سے کچھ لوگ ناراض ہوں یا جس کا داہنا ہاتھ بیکار ہو ایسے کی امامت کیسی ہے۔	۵۷۴	نصارٰی کی تابعداری کرنے والے، مسلمانوں میں نفاق ڈالنے والے، چوری کرنے والے اور غیر مقلدین ان کی امامت کیسی ہے۔	۵۸۷

رنڈی زادہ کی امامت کیسی ہے۔	۵۸۸	فاسق وفاجر کی تعریف اور حکم۔	۶۰۱
کارندوں کی امامت کیسی ہے۔	۵۸۸	یتیموں کو ستانا، غیبت کرنا، جھوٹی قسم کھانا فسق ہیں۔	۶۰۲
دیوبندی مدرسوں میں پڑھنے والوں کی امامت کا حکم۔	۵۸۹	زانی اور شرابی کی امامت مکروہ ہے۔	۶۰۲
بدمذہبوں کی برات وغیرہ میں شریک ہونے کا حکم۔	۵۹۰	داڑھی ترشوانے والا فاسق ہے۔	۶۰۳
چوڑی پہنانے یا طبابت کا پیشہ کرتا ہو اس کی امامت کا حکم۔	۵۹۱	نماز فجر جس کی قضا ہوگئی ہو وہ ظہر وغیرہ کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں۔ بہرے کی امامت کیسی ہے۔	۶۰۳
حرمین طیبین کے علما کو بدعتی کہنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۵۹۳	گالی گلوچ کرنے والے کی امامت مکروہ ہے۔	۶۰۳
جو سورتیں پختہ یاد ہوں امام انہیں کو پڑھے، شطرنج کھیلنا فسق ہے۔	۵۹۴	قصاب کی امامت کا حکم۔	۶۰۴
بے ضرورت سوال حرام ہے۔ جنازہ کی نماز پڑھانا امام پر لازم نہیں۔	۵۹۵	زانی توبہ کرلے تو اس کی امامت میں حرج نہیں اور اگر لوگ اس کی توبہ پر اعتبار نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔	۶۰۴
نماز پڑھنے کے لئے امام کے متعلق تحقیق کرنا ضروری نہیں، وہابی کے پیچھے نماز باطل ہے۔	۵۹۶	شریر بدزبان عورت ہو تو شوہر پر اسے طلاق دینا واجب نہیں۔	۶۰۴
عاق کی تعریف اور حکم۔	۵۹۶	دیوث کی امامت مکروہ ہے، جو پیر فعل حرام کا مرتکب ہو اس سے بیعت کرنا میلاد پڑھوانا ناجائز ہے۔	۶۰۵
مزامیر حرام ہیں ان کا سننا فسق۔	۵۹۶	افیونی اور روزہ چھوڑنے والے فاسق ہیں۔	۶۰۶
وہابیہ کی برائی بیان کرنا فرض ہے یونہی فاجر وغیرہ کی۔	۵۹۷	مزامیر حرام ہیں۔	۶۰۸
بلاوجہ شرعی مسلمانوں سے عداوت رکھنا فسق ہے۔	۵۹۸	عورت کے افعال قبیحہ سے شوہر راضی نہ ہو اور باز رکھنے کی کوشش بھی کرتا ہو اور عورت باز نہ آتی ہو تو شوہر پر نہ کوئی الزام نہ اس کی امامت میں حرج۔	۶۰۹
جہاں کہیں فاسق کے علاوہ کوئی دوسرا نماز پڑھانے والا نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۶۰۰	سینہ تک بال رکھنا مرد کو حرام ہے۔	۶۱۰
ماہی گیر کی امامت کا حکم۔	۶۰۰	امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو امام آگے بڑھے یا مقتدی پیچھے ہٹے۔	۶۱۱

امرد کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں۔	٦١١	تفضیلیہ مبتدع وبدمذہب ہیں۔	٦٢٢
فسق کی ایک صورت۔	٦١٣	دکاندار امام ہوسکتا ہے یانہیں۔	٦٢٣
شبہ سے چوری ثابت نہیں ہوتی۔	٦١٣	جو تندرست ہوتے ہوئے بھیک مانگنے کا پیشہ کرے اس کی امامت مکروہ ہے۔	٦٢٣
طلاق دے کر بی بی رکھ لے اور اس سے لڑکا پیدا ہو اس لڑکے کی امامت جائز ہے یانہیں۔	٦١٣	چودہ برس کا لڑکا اپنے کو بالغ ظاہر کرے اسے بالغ مانا جائے گا۔	٦٢٥
امام معزول کرنے کی ایک صورت۔	٦١٤	بدمذہبوں کے ساتھ کھانا، میل جول رکھنا فسق ہے۔	٦٢٥
استاد کا قصور کرنے والے شاگرد کی امامت صحیح ہے یانہیں۔	٦١٤	کن کن لوگوں کی امامت جائز ہے اور کن کی ناجائز۔	٦٢٥
بلاوجہ امام کو معزول کرنا جائز نہیں	٦١٥	امام کا وسط مسجد میں کھڑا ہونا سنت ہے۔	٦٢٦
بہرے کی امامت جائز نہیں	٦١٦	غلط مسئلہ بتانے والے قابل امامت نہیں۔	٦٢٧
سفر میں امام کے عقائد دریافت کی ضرورت ہے یانہیں	٦١٧	داڑھی منڈانے والوں کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔	٦٢٧
غیر مقلدین کے پیچھے نماز باطل ہے۔جماعت میں غیر مقلد شریک ہو تو نماز ناقص ہوگی۔	٦١٧	امامت پر تنخواہ لینی جائز ہے، قرآن خوانی اجرت حرام ہے۔	٦٢٧
جو مدارس اہلسنت کے خلاف ہیں ان کے طلبہ کو امام بنانا جائز نہیں۔	٦١٩	تارک جماعت کی امامت مکروہ ہے۔	٦٢٧
جو شرائط امامت کا جامع ہو اسے امام بنایا جائے اگرچہ وہ اپنے کو نااہل کہے۔	٦١٩	معذور کی امامت کا حکم۔	٦٢٨
کہنیاں کھلی رہیں تو نماز مکروہ ہوتی ہے۔	٦١٩	امام کے لئے مصلے ہو اور مقتدی کے لئے نہ ہو تو نماز میں حرج نہیں۔	٦٢٩
وہابیہ کے پیچھے نماز جائز نہیں خواہ نفلی نماز ہو۔	٦٢٠	غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسے یہودی کے پیچھے۔	٦٣٠
نماز جنازہ میں عورت امام اور مرد مقتدی ہوں تو فرض ادا ہو جائے گا۔	٦٢٠	مقررہ امام کی اجازت کے بغیر دوسرا نماز نہیں پڑھا سکتا۔	٦٣٠
نجومی، رمّال اور فالناموں کے بیچنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	٦٢٢	مقتدی کے سر پر عمامہ ہو اور امام صرف ٹوپی پہنے ہو تو نماز میں حرج ہے یانہیں۔	٦٣١

وہابی کے پیچھے نماز ناجائز ہے اگرچہ استاد ہو بلکہ اسے استاد بنانا گناہ۔	۶۳۳	امامت کی اُجرت دلالۃً یا صراحۃً طے ہو گئی ہو تو اُجرت لینے اور امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔	۶۳۹
زانی فاسق ہیں انہیں امام بنانا مکروہ۔	۶۳۳	نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے۔	۶۴۰
تعظیم وتوہین کا مدار عرف ہے۔	۶۳۴	امامت کی تنخواہ لینی جائز ہے مگر بچنا بہتر۔	۶۴۰
جسے صرف جمعہ کا امام بنایا گیا ہو وہ صرف جمعہ پڑھانے کا پابند ہے دوسری نمازوں کا نہیں۔	۶۳۵	سلام کے بعد امام دعا میں تاخیر کرے تو مقتدی پر ضروری نہیں کہ بیٹھا رہے ضرورت ہو تو چلا جائے، سلام کے بعد امام کی ولایت ختم ہو جاتی ہے۔	۶۴۱
نماز کوئی خانگی معاملہ نہیں جسے چاہا امام بنالیا۔	۶۳۵	فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب، مباح کے احکام۔	۶۴۱
نابینا کی امامت جائز ہے۔	۶۳۷	سورت سوچنے میں اتنی دیر ہو جائے کہ تین بار سبحٰن اللہ کہہ لیا جائے تو سجدہ واجب ہے۔	۶۴۲
سنی وہابی علما کو یکساں جاننے والا کافر ہے۔	۶۳۸	صرف پائجامہ پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔	۶۴۲
کثرت احتلام یا کسی دوسرے امراض کے سبب بجائے غسل کے تیمّم کرے تو اس کی امامت جائز ہے یا نہیں۔	۶۳۸	رسالہ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (غیر مقلدین کے پیچھے نماز ناجائز ہونے کے بیان میں)	۶۴۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

اماکن الصلوٰۃ		امامت کی اُجرت دلالۃً یا صراحۃً ہو گئی ہو تو اجرت لینے اور امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔	۶۳۹
بلند جگہ پر امام کھڑا ہو تو نماز باطل ہو گی یا مکروہ۔	۱۳۱	امامت کی تنخواہ لینی جائز ہے مگر بچنا بہتر۔	۶۴۰
قطع صف حرام ہے۔	۱۳۱	**حظر واباحت**	
فرض، واجب اور فجر کی سنتیں چلتی ریل میں نہیں ہوسکتیں اور اگر وقت نکل رہا ہو تو پڑھ لے پھر اعادہ کرے۔	۱۳۶	صلوٰۃ ترضی وغیرہ کو رمز میں لکھنا جائز نہیں۔	۲۲۱
مجبوری کے سبب جو نمازیں بیٹھ کر پڑھی گئی ہوں ان کا اعادہ نہیں۔	۱۴۱	جو وظیفہ پڑھے اور نماز نہ پڑھے وہ فاسق ہے۔	۲۲۳
حدود		نماز کے بعد دعا مانگنے کا ثبوت۔	۲۲۴
شبہ سے چوری ثابت نہیں ہوتی۔	۶۱۳	بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز ہے اور اخفا افضل۔	۲۳۳
وقف		نماز کے بعد دعا میں تاخیر کیسی؟	۲۳۳
مسجد پر وقف شدہ جائے نمازوں پر نماز پڑھنے کا حکم۔	۵۷۲	سورتوں کو معکوس پڑھنا ناجائز ہے۔	۲۷۰
اجارہ		نماز میں کھانسنے اور کھنکارنے کا حکم۔	۲۷۴
امامت پر تنخواہ لینی جائز ہے۔ قرآنی خوانی کی اُجرت حرام ہے۔	۶۲۷	منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہو گی۔	۳۳۲

بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو گالی دینا سخت حرام ہے	۵۴۸	فاسق وفاجر کی تعریف اور حکم۔	۶۰۱
اتہام اور بدگمانی ناجائز ہے۔	۵۵۳	فرض، واجب، سنت مؤکدہ، مستحب، مباح کے احکام۔	۶۴۱
مزامیر حرام ہیں ان کا سننا فسق۔	۵۹۶	**رسم المفتی**	
دیّوث کی امامت مکروہ ہے، جو پیر فعل حرام کا مرتکب ہو اس سے بیعت کرنا میلاد پڑھوانا ناجائز ہے۔	۶۰۵	ایک شخص مثلاً یہ کہے جو اپنی بی بی سے قربت کرے الخ	۳۹۲
افیونی اور روزہ چھوڑنے والے فاسق ہیں۔	۶۰۶	غلط مسئلہ بتانے والے قابل امامت نہیں۔	۶۲۷
مزامیر حرام ہیں۔	۶۰۸	**عقائد وکلام**	
سینہ تک بال رکھنا مرد کو حرام ہے۔	۶۱۰	حضور کے نام اقدس پر درود شریف پڑھنا واجب ہے۔	۲۲۱
نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے۔	۶۴۰	تجوید سے انکار کفر ہے۔	۳۲۲
مداینات		ان بلاد میں آمین بالجہر ورفع یدین کرنے والے عموماً غیر مقلد ہیں۔	۳۷۹
بلاضرورت شرعیہ سودی قرض لینے والا فاسق ہے۔	۵۴۸	احناف کو ذریۃ الشیطان وغیرہ کہنے والے کی امامت کا حکم۔	۳۹۸
نفقات		جو رافضیوں میں رافضی اور سنیوں میں سنی بنے وہ منافق ہے اس پر دلائل۔	۵۲۸
عورت کا نان ونفقہ شوہر کے ذمہ ہے باپ پر نہیں۔	۵۸۴	دیوبندیوں کے پیچھے نماز باطل ہے۔	۵۷۳
فوائد فقہیہ		وہابیہ کی امامت ناجائز ہے۔	۵۷۹
تمام بلاد کے لئے جہت قبلہ کا ایک خاص تخمینہ ممکن نہیں۔	۵۵	خدا تعالٰی کو مجسم ماننے والے کی اقتدا حرام ہے۔	۵۸۲
قومہ وجلسہ کے اذکار طویلہ نوافل پر محمول ہیں فرائض میں مسنون نہیں۔	۱۷۰	بدمذہبوں کے ساتھ کھانا، میل جول رکھنا فسق ہے۔	۶۲۵
۲۰/رکعت تراویح سنت مؤکدہ ہے، ایک رکعت نماز وتر خواہ نفل باطل محض ہے۔	۱۸۵	سنی وہابی علما کو یکساں جاننے والا کافر ہے۔	۶۳۸
صحت صلوٰۃ کے لئے فہم معنی ضروری نہیں۔	۲۰۵	غیر مقلدین کے چند عقائد کا بیان۔	۶۵۶

خوارج بدترین مخلوق ہیں۔	۶۵۶	تقلید کو شرک وکفر کہنے سے غیر مقلدین کے نزدیک اکابر کا کافر ومشرک ہونا لازم آتا ہے۔	۷۰۷
اہل عرب ہرگز شیطانی پرستش میں مبتلا نہ ہوں گے۔	۶۶۴	منکرین تقلید نے امت مرحومہ کے دس حصوں میں سے نو کو علی الاعلان کافر ومشرک ٹھہرایا۔	۷۰۹
غیر مقلدین کے پیچھے نماز نہ ہونے کے دلائل۔	۶۷۰	**تجوید**	
غیر مقلدین بدترین اہل بدعت سے ہیں۔	۶۷۰	ضاد کو ظا یا دُواد پڑھنا غلط ہے، ضاد کے مخرج کا بیان۔	۲۷۲
غیر مقلدین فاسق معلن ہیں۔	۶۸۰	حرف ض اور ظ مشتبہ الصوت ہیں۔	۲۷۵
غیر مقلدین صریح متعصبین ہیں جن کا اصل مقصود تکفیر مسلمین ہے۔	۷۰۳	ترتیل کی تین حدیں ہیں۔	۲۷۵
جو شخص ایک مسلمان کو بھی کافر کہے وہ خود کافر ہے۔	۷۰۹	صفات لازمہ وغیر لازمہ میں فرق۔	۲۹۹
جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے تو ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گا۔	۷۰۹	ض، ظ، ذ، ز حروف متباینہ متغائرہ ہیں دوران تلاوت قصداً ایک کی جگہ دوسرا پڑھنا گناہ عظیم اور حرام قطعی ہے۔	۳۰۵
اہلسنت کو چاہئے کہ ان سے پرہیز رکھیں ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں اپنے معاملات میں ان کو شریک نہ کریں۔	۷۱۸	قاری سے بے قصد تبدیل اگر ض مشابہ د بلکہ عین د ہو تو اس پر مطلقاً فساد نماز کا حکم غلط وفاسد ہے۔	۳۰۶
اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان ہی اٹھاتا ہے۔	۷۱۹	ضالین کی جگہ دالین بہ دال مہملہ پڑھے تو نماز نہ جائے گی اور ذالین بہ ذال معجمہ پڑھے تو جاتی رہے گی۔	۳۰۷
بدمذہبوں سے محبت زہرِ قاتل ہے۔	۷۲۰	جو بالقصد مغضوب کی جگہ مغظوب ومغزوب پڑھے اس کی نماز فاسد ہوگی۔	۳۰۸
مسئلہ تقلید		مخرج ضاد کا بیان	۳۲۰
جو پایہ اجتہاد نہ رکھتا ہو نہ کشف وولایت کے رتبہ عظمٰی تک پہنچا اس پر تقلیدِ امام معین واجب ہے۔	۷۰۴	حروف مجہورہ ومہموسہ کا بیان	۳۲۰
فرقہ ناجیہ اہلسنت ان چار مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) میں منحصر ہوگیا۔	۷۰۵	ض کو ظ کے مشابہ پڑھنے کا حکم	۳۲۰
ترک تقلید شخصی گناہ کبیرہ ہے۔	۷۰۷	تبدیل حروف یعنی ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے سے نماز فاسد ہوتی ہے تبدیل کی تین صورتیں	۳۳۹

تجوید سے متعلق چند احکام	۴۲۲	**فوائد اصولیہ**	
رَدِ بدمذہباں		ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہ بھی نہیں۔	۶۴
غیر مقلدین کے پیچھے نماز باطل ہے جماعت میں غیر مقلد شریک ہو تو نماز ناقص ہوگی۔	۶۱۷	تعظیم وتوہین کامدار عرف ہے۔	۶۳۴
جومدارس اہلسنت کے خلاف ہیں ان کے طلبہ کوامام بنانا جائز نہیں۔	۶۱۹	**ریاضی**	
تفضیلیہ مبتدع بدمذہب ہیں۔	۶۲۲	سمت قبلہ میں علم ہیأت واصطرلاب وغیرہ آلات وقیاسات کااعتبار نہیں۔	۶۵
فضائل		ہندوستان کاعرض شمالی ۸درجے سے ۳۵درجے اور طول مشرقی ۶۶ سے ۹۲تک ہے۔	۷۵
درود شریف پڑھنے کی فضیلت اور افضل درود کا بیان۔	۱۸۳	**متفرقات**	
عمامہ باندھ کرنماز پڑھنے کی فضیلت میں احادیث کریمہ	۲۰۳	الصاق کعبین کی تحقیق	۱۶۷
عمامہ کی فضیلت میں ۲۰احادیث کریمہ	۲۰۸	استعمالی وغیر استعمالی جوتوں کاحکم۔	۲۰۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

باب شروط الصّلوٰۃ

(نماز کی شرطوں کا بیان)

مسئلہ ۳۸۹ : از کلکتہ دھرم تتلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ ۵/رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تہبند اگر ایسے باریک کپڑے کا ہے کہ اس میں سے بدن کی سرخی یا سیاہی نمایاں ہے تو اُس تہبند سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب:

فی الدرالمختار ساتر لا یصف ما تحتہ [1] فی ردالمحتار بان لایری منہ لون البشرۃ [2]۔	درمختار میں ہے چھپانے والی چیز وہ ہے جو اپنے اندر کی چیز کو ظاہر نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے بایں طور پر کہ اس سے جسم کا رنگ دکھائی نہ دے۔ (ت)

یہاں سے معلوم ہُوا کہ عورتوں کا وہ دُوپٹّہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے مفسدِ نماز ہے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

مسئلہ ۳۹۰ : مسئولہ مرزا باقی بیگ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کے بدن میں کَے عضوِ عورت ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔

یہ تو معلوم ہے کہ مرد کے لئے ناف سے زانو تک عورت ہے۔

---

[1] درمختار باب شروط الصّلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۲

[2] ردالمحتار باب شروط الصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۲

ناف خارج گھٹنے داخل مگر جدا جدا اعضاء بیان کرنے میں یہ نفع ہے کہ ان میں ہر عضو کی چوتھائی پر احکام جاری ہیں،

مثلاً: ۱۔ اگر ایک عضو کی چہارم کھل گئی اگرچہ اس کے بلا قصد ہی کھلی ہو اور اس نے ایسی حالت میں رکوع یا سجود یا کوئی رکن کامل ادا کیا تو نماز بالاتفاق جاتی رہی۔

۲۔ اگر صورت مذکورہ میں پورا رکن تو ادا نہ کیا مگر اتنی دیر گزر گئی جس میں تین بار سُبحان اللہ کہہ لیتا تو بھی مذہب مختار پر جاتی رہی۔

۳۔ اگر نمازی نے بالقصد ایک عضو کی چہارم بلا ضرورت کھولی تو فورًا نماز جاتی رہی اگرچہ معًا چھپالے، یہاں ادائے رکن یا اُس قدر دیر کی کچھ شرط نہیں۔

۴۔ اگر تکبیر تحریمہ اُسی حالت میں کہی کہ ایک عضو کی چہارم کھلی ہے تو نماز سرے سے منعقد ہی نہ ہوگی اگرچہ تین تسبیحوں کی دیر تک مکشوف نہ رہے۔

۵۔ ان سب صورتوں میں اگر ایک عضو کی چہارم سے کم ظاہر ہے تو نماز صحیح ہو جائے گی اگرچہ نیّت سے سلام تک انکشاف رہے اگرچہ بعض صورتوں میں گناہ و سوئے ادب بیشک ہے۔

۶۔ اگر ایک عضو دو۲ جگہ سے کھلا ہو مگر جمع کرنے سے اس عضو کی چوتھائی نہیں ہوتی تو نماز ہو جائے گی اور چوتھائی ہو جائے تو بتفاصیل مذکورہ نہ ہوگی۔

۷۔ متعدد عضووں مثلاً دو۲ میں سے اگر کچھ کچھ حصّہ کھلا ہے تو سب جسم مکشوف ملانے سے ان دونوں میں جو چھوٹا عضو ہے اگر اس کی چوتھائی تک نہ پہنچے تو نماز صحیح ہے ورنہ بتفصیلِ سابق باطل مثلاً ران و زیرِ ناف سے کچھ کچھ کپڑا الگ ہے تو دونوں کی قدر منکشف اگر زیرِ ناف کی چہارم کو پہنچے نماز نہ ہوگی اگرچہ مجموعہ ران کی چوتھائی کو بھی نہ پہنچے کہ ان دونوں میں زیرِ ناف چھوٹا عضو ہے اور سرین اور زیرِ ناف میں انکشاف ہے تو مجموعہ سرین کے ربع تک پہنچنا چاہیے اگرچہ زیرِ ناف کی چوتھائی نہ ہو کہ ان میں سرین عضو اصغر ہے اسی طرح تین یا چار یا زیادہ اعضا میں انکشاف ہو تو بھی اُن میں سب سے چھوٹے عضو کی چہارم تک پہنچنا کافی ہے اگرچہ اکبر یا اوسط یا خفیف حصّہ ہو۔

هذا الصحيح الذی نص عليه محمد فی الزيادات فلا عليك من بحث التبيين وان تبعه الفتح والبحر واختاره البرهان الحلبی فی الصغير و تمام الكلام بتوفيق الملك العلام فی	یہ وہ صحیح ہے جس پر امام محمد نے زیادات میں تصریح کی ہے، تجھے تبیین کی بحث کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہی نہیں اگرچہ فتح القدیر اور البحر الرائق نے اس کی اتباع کی، اور برہان حلبی نے اسے صغیر میں مختار قرار دیا، اللہ تعالیٰ مالک وعلام کی توفیق سے اس کی پوری

رسالتنا الطرۃ فی ستر العورۃ التی الفتھا بعد ورود ھذا السؤال لازاحۃ مافی المسائل من وجوہ الاشکال والحمدللہ المھیمن المتعال۔	تفصیل ہمارے رسالے الطرۃ فی ستر العورۃ میں مذکور ہے جسے میں نے اس سوال کے جواب میں اس کے متعلقہ مسائل میں وارد ہونے والے اشکالات کو زائل کرنے کے لئے لکھا ہے اور تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو محافظ و بلند ہے۔ (ت)

یہ سب مسائل درمختار وردالمحتار وغیرہما اسفار سے مستفاد۔

وھذا نصھما ملتقطا ومختلطا و یمنع کشف ربع عضو قدراداء رکن (بسنتہ منیۃ قال شارحھاو ذالك قدر ثلث تسبیحات واعتبر محمد اداء الرکن حقیقۃ والاول المختار للاحتیاط شرح المنیۃ واقل من قدر رکن فلایفسد اتفاقا لان الانکشاف الکثیرفی الزمان القلیل عفو کالانکشاف القلیل فی زمان الکثیر ، وھذا فی الانکشاف الحادث فی الصلاۃ اما المقارن لابتداء ھا فیمنع انعقاد ھا مطلقا اتفاقا بعد ان یکون المکشوف ربع العضو) بلا صنعہ (فلوبہ فسدت فی الحال عندھم قنیۃ قال ح ای وان کان اقل من اداء رکن الالحاجۃ کرفع نعلہ لخوف الضیاع مالم یؤد رکنا کما فی الخلاصۃ) او تجمع بالاجزاء	ان دونوں کتابوں کے چیدہ چیدہ مخلوط طور پر الفاظ یہ ہیں: اداء رکن کی مقدار چوتھائی عضو کا ننگا رہنا نماز سے مانع ہے (یعنی اداءِ رکن جو سنّت کے مطابق ہو، منیہ۔ اس کے شارح نے کہا کہ یہ تین تسبیحات کی مقدار ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے حقیقۃً رکن کی ادائیگی کا اعتبار کیا ہے احتیاط کے پیشِ نظر پہلا قول مختار ہے شرح المنیہ اور جب ربع عضو کا اداء رکن کی ادائیگی سے کم کھلا رہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ قلیل وقت میں انکشاف کثیر معاف ہے، یہ اس انکشاف کا معاملہ ہے جو دورانِ نماز عارض ہو، اگر وہ انکشاف ابتداء نماز سے عارض ہو اور کھلنے والی جگہ عضو کی چوتھائی ہو تو ایسا انکشاف بالاتفاق مطلقًا انعقادِ نماز سے مانع ہے یہ اس وقت ہے جبکہ یہ کشف عورت قصد مصلی کے بغیر ہو (پس اگر ایسا کشف عورت قصد مصلی کے باعث ہو تو فقہاء کے ہاں نماز فی الفور فاسد ہو جائے گی قنیہ، حلبی نے کہا یعنی اگرچہ وہ اداء رکن کی ادائیگی سے کم میں ہو، مگر یہ کہ وہ فعل مصلی کسی ضرورت کی بنا پر ہو جیسے مصلّی کا اپنے

(وھی النصف والربع والثلث) لو فی عضو واحد والا فبالقدر (ای المساحۃ) فان بلغ (المجموع بالمساحۃ) ربع ادناھا (ای ادنی الاعضاء المنکشف بعضھا) منع (کما لو انکشف نصف ثمن الفخذ و نصف ثمن الاذن من المرأۃ فان مجموعھما بالمساحۃ اکثر من ربع الاذن التی ھی ادنی العضوین المنکشفین[1])	جوتوں کو ضائع ہونے کے خوف سے اُٹھالینا جتنے وقت میں وہ رکن نماز ادانہ کرسکے۔ خلاصہ میں ایسے ہے۔) اور مکشوف اجزاء کو جمع کیا جائے گا (اور وہ اجزاء مثلاً نصف، چوتھائی اور تہائی ہیں) اگر ایک عضو میں کئی کشف ہوں ورنہ مقدار یعنی پیمائش کے ساتھ اندازہ کیا جائے گا پھر اگر (وہ پیمائش کے ساتھ مجموعہ) ادنی عضو کے ربع کو پہنچ جائے (یعنی وہ اعضاء جو جزوی طور پر مکشوف ہیں ان میں کہ ادنی عضو کے ربع کو پہنچ جائے) تو ایسا کشف نماز سے مانع ہے، (مثلاً عورت کی ران کے آٹھویں حصّے کا نصف اور کان کے آٹھویں حصے کا نصف اگر کھل جائے تو پیمائش کے اعتبار سے ان دونوں کا مجموعہ ان دونوں کھلنے والے اعضاء میں سے چھوٹے عضو کان کے چوتھائی سے زیادہ بنتا ہے) (ت)

میں نے ان مسائل میں ہر جگہ اقوی ارجح واحوط قول کو اختیار کیا کہ عمل کے لئے بس ہے **اما ذکر الخلاف و بسط التعلیل فداع الی تفصیل یفضی الی الطویل** (ذکر اختلاف اور ان کے دلائل کی تفصیل کے لئے طویل بحث درکار ہے۔ ت) بالجملہ ان احکام سے معلوم ہوگیا کہ صرف اجمالاً اس قدر سمجھ لینا کہ یہاں سے یہاں تک ستر عورت ہے ہر گز کافی نہیں بلکہ اعضاء کو جدا جدا پہچاننا ضروری ہے اور وہ علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی محشیانِ درمختار رحمۃ اللہ علیہم نے مرد میں آٹھ گنے: (۱) ذکر مع اپنے سب پرزوں یعنی حشفہ وقصبہ و قلفہ کے ایک عضو ہے یہاں تک کہ مثلاً صرف قصبہ کی

[1] درمختار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۶۶/۱، ردالمحتار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۰۰/۱

نوٹ: قوسین کے درمیان والی عبارت ردالمحتار کی ہے اور باہر والی درمختار کی۔ نذیر احمد سعیدی

چوتھائی یا فقط حشفہ کا نص کھلنا مفسد نماز نہیں، اگر باوجود علم و قدرت ہو تو گناہ و بے ادبی ہے اور ذکر کے گرد سے کوئی پارہ جسم اس میں شامل نہ کیا جائے گا، یہی صحیح ہے یہاں تک کہ صرف ذکر کی چوتھائی کھلنی مفسد نماز ہے، **وسری ذالك وتمام التحقیق فی رسالتنا المذکورۃ** (اس پر تفصیلی گفتگو اور تحقیقی راز ہمارے مذکورہ رسالے میں ہیں۔ت)

(۲) انثیین یعنی بیضے کہ دونوں مل کر ایک عضو ہے یہی حق ہے یہاں تک کہ ان میں ایک کی چہارم بلکہ تہائی کھلنی بھی مفسد نہیں، **وقد زلت ھنا قدم العلامۃ البرجندی فی شرح النقایۃ کما نبھنا علیہ فی الطرۃ فلیتنبہ۔**

اس مقام پر شرح نقایہ میں علامہ برجندی کے قدم پھسل گئے جیسا کہ ہم نے "**الطرۃ فی ستر العورۃ**" میں اس پر تنبیہ کی ہے اس کا مطالعہ کیجئے۔ (ت)

پھر یہاں بھی صحیح یہی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے حول سے کچھ ضم نہ کیا جائے گا، یہ دونوں تنہا عضو مستقل ہیں۔

(۳) دُبر یعنی پاخانہ کی جگہ، اُس سے بھی صرف اس کا حلقہ مراد یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد۔

(۴و۵) الیتین یعنی دونوں چُوتڑ، ہر چوتڑ مذہب صحیح میں جدا عورت ہے کہ ایک کی چوتھائی کھلنی باعث فساد ہے۔

(۶و۷) فخذین یعنی دونوں رانیں کہ ہر ران اپنی جڑ سے جسے عربی میں رکب ورفع و مغبن اور فارسی میں پیغولہ ران اور اردو میں چڈھا کہتے ہیں گھٹنے کے نیچے تک ایک عضو ہے، ہر گھٹنا اپنی ران کا تابع اور اس کے ساتھ مل کر ایک عورت ہے، یہاں تک کہ اگر صرف گھٹنے پورے کھلے ہوں تو صحیح مذہب پر نماز صحیح ہے کہ دونوں مل کر ایک ران کے ربع کو نہیں پہنچتے، ہاں خلافِ ادب و کراہت ہونا جدا بات ہے۔

(۸) کمر باندھنے کی جگہ ناف سے اور سیدھ میں آگے پیچھے دہنے بائیں چاروں طرف پیٹ کمر کولہوں کا جو ٹکڑا باقی رہتا ہے وہ سب مل کر ایک عورت ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعضاء عورۃ الرجل ثمانیۃ الاول الذکر وماحولہ الثانی الانثیان و ماحولھما الثالث الدبر وما حولہ الرابع والخامس الالیتان السادس والسابع الفخذان مع الرکبتین الثامن مابین السرۃ الی العانۃ مع مایحاذی ذلك من الجنبین والظھر والبطن [1]	مرد کا ستر آٹھ اعضاء ہیں: (۱) عضو مخصوص اور ارد گرد (۲) خصیتین اور ان کا ارد گرد (۳) دُبر اور ارد گرد (۴و۵) دونوں سرین کا حصے (۶و۷) دونوں رانیں گھٹنوں سمیت (۸) ناف تا زیرِ ناف سمیت پشت پیٹ اور دونوں پہلوؤں کے اس حصہ کے جو اس کے مقابل و محاذی ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۱

اقول: و باللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) یہاں دو[۲] مقام تحقیق طلب ہیں:

مقام اوّل: آیا عورت ہشتم میں پیٹ کا وہی نرم حصہ جو ناف کے نیچے واقع ہے جسے ہندی میں پیڑو کہتے ہیں تینوں طرف یعنی کروٹوں اور پیٹھ سے اپنے محاذی بدن کے ساتھ صرف اسی قدر داخل ہے ذکر کے متصل وہ سخت بدن جو بال اُگنے کا مقام ہے جسے عربی میں عانہ کہتے ہیں اس میں شامل نہیں یہاں تک کہ صرف مقدار اول کی چوتھائی کھلنی مفسدِ نماز نہ ہو اگرچہ عانہ کے ساتھ ملاکر دیکھیں تو چہارم سے کم رہے یا عانہ سمیت ناف سے نیچے جس قدر جسم رانوں اور ذکر اور چوتڑوں کے شروع تک باقی رہا سب مل کر ایک عورت ہے۔ یہاں تک کہ افسادِ نماز کے لئے اس مجموع کی چوتھائی درکار ہو اور مقدار اول کا ربع کفایت نہ کرے جتنی کتب فقہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں اُن میں کہیں اس تنقیح کی طرف توجہ خاص نہ پائی اور بنظرِ ظاہر کلماتِ علما مختلف سے نظر آتے ہیں مگر بعد غور و تعمق اظہر واشبہ امر ثانی ہے یعنی یہ سب بدن مل کر ایک ہی عورت ہے، تو یوں سمجھئے کہ چار اطراف بدن میں اس سے ملے ہوئے جو عضو ہیں مثلاً ران و سرین و ذکر، اُن کا آغاز تو معلوم ہی ہے ان سے اُوپر اُوپر ناف کے کنارہ زیریں اور سارے دور میں اس کنارے کی سیدھ تک جسم باقی رہا اس سب کا مجموعہ عضو واحد ہے اور اسی طرف علامہ حلبی و علامہ طحطاوی و علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی کا کلام مذکور ناظر کہ انہوں نے عانہ عضو جداگانہ نہ ٹھہرایا ورنہ تقدیر اوّل پر اس قدر ٹکڑا اس میں داخل نہ تھا اور اس کا ران و ذکر میں داخل نہ ہونا خود ظاہر، تو واجب تھا کہ اس پارہ جسم یعنی عانہ کو نواں[۹] عضو شمار فرماتے، اس مقام کی تحقیق کامل بقدر قدرت فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے رسالہ مذکورہ الطرۃ فی ستر العورۃ میں ذکر کی یہاں ان شاء اللہ تعالٰی اسی قدر کافی کہ عانہ اور عانہ سے اوپر ناف تک سارا جسم جسمِ واحد ہے حقیقۃً وہ حسًّا و حکمًا سب طرح متصل، تو اسے دو عضو مستقل ٹھہرانے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

عندنا ھما (یعنی اللحیین و ھما العظمان الذان علیھما منابۃ الاسنان) من الوجہ لا تصالھما بہ من غیر فاصلۃ۔[1]	ہمارے نزدیک یہ دونوں (یعنی دونوں جبڑے، یہ وہ دونوں ہڈیاں ہیں جن پر دانت قائم ہیں) چہرہ ہی کا حصہ ہیں کیونکہ ان دونوں کا چہرے کے ساتھ اتصال بغیر فاصلہ کے ہے۔(ت)

[1] الہدایہ کتاب الدیات فصل فی الشجاج مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۸۸

ف: قوسین سے باہر کی عبارت ہدایہ کی ہے۔ نذیر احمد سعیدی

یہ تو بحمداللہ دلیل فقہی ہے اور خاص جزئیہ کی تصریح وہ ہے کہ جواہر الاخلاطی میں فرمایا:

اذاانکشف مابین سرته و عورته ان کان ربعا فسدت صلوته لان ما بینهما عضوکامل ارید منه حول جمع البدن فاذا انکشف ربعه کان فاحشا[1] اھ	اگر نمازی کی ناف اور شرمگاہ کا درمیان کھل گیا (کشف ہوگیا) اگر وہ چوتھائی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ ان دونوں کا درمیانی حصہ عضو کامل ہے اس سے مراد تمام بدن کا ارد گرد لیا ہے، پس جب اس کا چوتھائی کھل جائے تو یہ کشف فحش ہوگا اھ (ت)

دیکھو ناف کے نیچے سے ذکر کے آغاز تک سارے بدن کو ایک عضو ٹھہرایا، یہ نص جلی ہے اور باقی عبارات علماء محتمل، تو اسی پر اعتماد، اسی پر عمل، **مالم یظهر الاقوی فی المحل والعلم بالحق عند الملك الاجل** (جب تک اس بارے میں اس سے قوی دلیل ظاہر نہیں ہوگی، باقی قطعی علم اس ذات کے پاس ہے جو مالک و بزرگ ہے۔ت)

مقام دوم: فقیر غفراللہ لہ نے اس مسئلہ کے تحقیق کے لئے جامع صغیر[1] امام محمد و قدوری[2] امام ابوالحسن و[3] وافی، امام حافظ الدین نسفی و[4] کنزالدقائق و[5] وقایۃ الروایہ امام تاج الشریعۃ و[6] نقایہ امام صدر الشریعۃ و[7] منیۃ المصلی و[8] اصلاح ابن کمال باشا و[9] ملتقی الابحر علامہ ابراہیم حلبی و[10] اشباہ علامہ زین العابدین مصری و[11] تنویر الابصار علامہ عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی و[12] نور الایضاح علامہ حسن شرنبلالی و[13] ہدایہ امام علی بن ابی بکر برہان الدین فرغانی و[14] کافی امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد سغدی و[15] شرح وقایہ امام عبیداللہ بن مسعود محبوبی و[16] تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی و[17] فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق محمد بن الہمام و[18] حلیہ امام محمد بن محمد بن امیر الحاج حلبی و[19] ایضاح علامہ احمد بن سلیمٰن وزیر رومی و[20] ذخیرۃ العقبٰی علامہ یوسف بن جنید چلپی و[21] غنیہ علامہ برہان الدین حلبی و[22] صغیری شرح منیۃ المصلی و[23] شرح نقایہ علامہ عبدالعلی برجندی ہروی و[24] جامع الرموز علامہ شمس الدین محمد قہستانی و[25] بحر الرائق علامہ زین بن ابراہیم مصری و[26] مراقی الفلاح علامہ ابوالاخلاص ابن عمار مصری و[27] درمختار محقق محمد بن علی دمشقی و[28] غمز العیون علامہ سیدی احمد حموی و[29] مجمع الانہر علامہ شیخی زادہ قاضی رومی و[30] حاشیہ مراقی للعلامۃ السید احمد المصری و[31] حاشیہ درمختار للعلامۃ السید الطحطاوی و[32] ردالمحتار علامہ محقق سیدی امین الدین محمد بن عابدین شامی و[33] فتاوٰی خانیہ امام اجل ابوالمحاسن فخر الدین اوزجندی و[34] خلاصہ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری و[35] جواہر الاخلاطی علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر محمد حسینی و[36] خزانۃ المفتین و[37] فتاوٰی خیریہ و[38] عقود الدریہ و[39] فتاوٰی رحمانیہ ہندیہ وغیرہا کتب فقہ متون

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی الفرائض الخارجیۃ عن الصلوٰۃ قلمی نسخہ ص ۲۰

وشروح وفتاوٰی جس قدر فقیر کے پاس ہیں سب کی مراجعت کی سواد وحاشیہ طحطاوی وشامی کے اس تعداد ہشت میں حصر کا نشان کہیں نہ پایا، علماء کرام رحمہم اللہ تعالٰی بدایت ونہایت عورت کی حدیں بتاگئے اور بعض بعض اعضاء کو جُدا جُدا بھی ذکر فرماگئے پھر کسی کتاب میں صرف دو تین عضو ذکر کیے، کسی میں چار پانچ، کسی میں کوئی، مگر استیعاب نہ فرمایا، نہ پورا شمار بتایا۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ متفرق کتابوں سے سب کو جمع کیجئے تو بیان میں یہی آٹھ آئے ہیں، غالبًا اسی پر نظر فرماکر علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ میں حصر فرمادیا اور سیدین فاضلین نے ان کا اتباع کیا خود عبارت علّامہ شامی قدس سرہ السامی دلیل ہے کہ یہ تعداد علّامہ حلبی کی استخراج کی ہوئی ہے یعنی اُن سے پہلے علماء نے ذکر نہ فرمائی، **حیث قال بعد تمام الکلام بتعداد اعضاء العورۃ فی الامۃ والحرۃ**[1] **کذا حررہ ح** اھ (کیونکہ انہوں نے لونڈی اور آزاد عورت کے اعضاء ستر کی تعداد پر گفتگو کی تکمیل کے بعد یہ کہا ہے اسی طرح اس تعداد کو علّامہ حلبی نے تحریر کیا ہے اھ۔ت) مگر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کو اس شمار میں کلام ہے کہ وہ بدن جو دُبر واُنثیین کے درمیان ہے اس گنتی میں نہ آیا اُسے عورت ہشتم کے توابع سے قرار دے سکتے ہیں کہ بیچ میں دو مستقل عورتیں یعنی ذکر واُنثیین فاصل ہیں، ہدایہ میں فرمایا:

لاوجہ الی ان یکون (یعنی الساعد) بتعاللاصابع لان بینھما عضوا کاملا۔[2]	اس کی کوئی وجہ (دلیل) نہیں کہ (بازو) انگلیوں کے تابع ہو کیونکہ ان دونوں کے درمیان ایک عضو کامل ہے (ت)

امام نسفی نے کافی شرح وافی میں فرمایا:

اماالساعد فلا یتبعھا (یعنی الاصابع) لانہ غیر متصل بھا۔[3]	بازوان (یعنی انگلیوں) کے تابع نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ ان کے ساتھ متصل نہیں ہے (ت)

نہ یہ صحیح کہ اسے دو۲ حصے کرکے دُبر واُنثیین میں شامل مانیے کہ مذہب صحیح پر تنہا اُنثیین عضو کامل ہیں یونہی صرف حلقہ دُبر عضوِ مستقل ہے کہ اُن کے گرد سے کوئی جسم ان کے ساتھ نہ ملایا جائے گا، ملتقی الابحر میں ہے:

کشف ربع عضوھو عورۃ یمنع کالذکر بمفردہ والانثیین وحدھما وحلقۃ الدبر بمفردھا[4]	ایسا عضو جو ستر گاہ میں داخل ہے اس کا چوتھائی کھل جانا نماز سے مانع ہے مثلاً عضو مخصوص تنہا، تنہا خصیتین اور تنہا حلقہ دُبر۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۱

[2] الہدایہ کتاب الدیات فصل فی دیۃ اصابع الید وغیرہا مطبوعہ یوسفی لکھنؤ ۴/۵۸۹

[3] کافی شرح وافی

[4] ملتقی الابحر باب شروط صحۃ الصلوٰۃ مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۶۶

خزانۃ المفتین میں ہے:

الذکر عضو بانفرادہ وکذاالانثیان و ھذا ھو الصحیح[1]	ذکر تنہا عضو ہے اور اسی طرح خصیتین بھی، اور یہی صحیح ہے۔(ت)

صغیری شرح منیہ میں ہے:

انکشاف ربع الذکر وحدہ او ربع الانثیین بمفردھما یمنع جوازھا[2]	تنہا ذکر (عضو مخصوص) کی چوتھائی یا تنہا خصیتین کی چوتھائی کا کھل جانا جوازِ نماز سے مانع ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

حلقۃ الدبر عضو بمفردھاوکلھا لاتزید علی قدرالدرھم[3]	حلقہ دُبر تنہا عضو ہے اور یہ تمام کا تمام قدر درہم سے زیادہ نہیں ہے۔(ت)

غنیہ شرح کبیر منیہ میں ہے:

القبل والدبر اذاانکشف من احدھما ربعہ وان کان اقل من قدرالدرھم یمنع جواز الصلٰوۃ[4] اھ ملخصاً۔	قبل اور دُبر میں سے کسی ایک کا جب چوتھائی حصہ کھل جائے اگرچہ وہ قدر درہم سے کم ہو جواز نماز سے مانع ہوگا اھ ملخصاً(ت)

کافی میں ہے:

کشف ربع ساقھا یمنع جواز الصلاۃ وکذاالدبر والذکر والانثیان حکمھا کحکم الساق والکرخی اعتبر فی الدبر قدر الدرھم والدبر لایکون اکثرمن قدرالدرھم فھذا یقتضی جوازالصلوۃ وان کان کل الدبر مکشوفا وھوتناقض[5] اھ ملتقطا	عورت کی پنڈلی کا چوتھائی حصہ کھل جانا جوازِ نماز سے مانع ہے اور اسی طرح دُبر و ذکر اور خصیتین ہیں ان میں سے ہر ایک کا حکم پنڈلی کی طرح ہے۔امام کرخی نے دبر میں قدر درہم (کے انکشاف) کا اعتبار کیا ہے حالانکہ دبر قدر درہم سے زائد نہیں ہوتا تو اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اگرچہ تمام دبر ننگی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی اور یہ تناقض ہے۔اھ ملتقطا(ت)

---

[1] خزانۃ المفتین فصل فی ستر العورۃ قلمی نسخہ ۱/۲۲

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی الشرط الثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۱۹

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی الشرط الثالث مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۱۹

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۳

[5] کافی شرح وافی

حلیہ میں ہے:

غلطوہ بأن ھذا تغلیظ یؤدی الی التخفیف اوالاقساط لان من الغلیظۃ مالیس باکثر من قدرالدرھم فیؤدی الی ان کشف جمیعہ لا یمنع و قد اجیب عنہ بانہ قد قیل بان الغلیظۃ القبل والدبر مع حولھما فیجوز کونہ اعتبر ذلك فلا یرد علیہ ما قالوا ویدفعہ ما تقدم من ان الصحیح ان کلامن الذکر والخصیتین عضو مستقل وکذالك الصحیح ان کلا من الالیتین والدبر عضو مستقل فلا یتم ذالك الاعتبار[1] اھ مختصرا۔	انہوں نے غلط کہا ہے کہ یہ تغلیظ تخفیف یا اسقاط کا سبب ہے کیونکہ بعض عورت غلیظہ ایسی ہیں جو قدر درہم سے زیادہ نہیں تواس سے لازم آتا ہے کہ ایسے عضو کا تمام کا تمام ننگا ہونا نماز سے مانع نہ ہوگا، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ایک قول یہ ہے کہ قُبل، دُبر اور ان دونوں کا ارد گرد (سب مل کر) غلیظہ ہے، پس امام کرخی کے قول قدر درھم کا اعتبار درست ہوگا اور فقہاء نے جو اعتراض کیا ہے وہ وارد نہ ہوگا۔ اس کا دفاع گزشتہ گفتگو سے ہو جاتا ہے کہ صحیح قول یہی ہے کہ ذکر (عضو مخصوص) اور خصیتین میں سے ہر ایک مستقل عضو ہے اور اسی طرح صحیح قول کے مطابق دبر اور سرین میں سے ہر ایک مستقل عضو ہے اب وہ (قدر درہم کا) اعتبار درست نہ ہوگا اھ مختصراً (ت)

اسی طرح تبیین وغیرہ میں تصریح فرمائی، فقیر غفرالله لہ نے اپنے رسالہ مذکورہ میں اس بحث کی بحمد الله تنقیح بالغ بمالامزید علیہ ذکر کی اور اُس میں ثابت کردیا کہ افاضل ثلثہ قدست اسرارہم کا ذکر دُبر اُنثیین کے ساتھ لفظ حول زائد کرنا بیکار بلکہ موہم واقع ہوا جب ثابت ہولیا کہ یہ جسم یعنی مابین الدبر والانثیین اُن آٹھوں عورتوں سے کسی میں شامل اور کسی کا تابع نہیں ہوسکتا اور وہ بھی قطعًا ستر عورت میں داخل تو واجب کہ اُسے عضو جداگانہ شمار کیا جائے۔ **مرد میں عدد اعضائے عورت نو**[۹] قرار دیا جائے اور کتب مذکورہ میں اُس کا عدم ذکر ذکرِ عدم نہیں کہ آخر اُن میں نہ استیعاب کی طرف ایماء نہ کسی تعداد کا ذکر، وہ ستر عورت کی دونوں حدیں ذکر فرماچکے اور اتنے اعضا کے استقلال وانفراد پر بھی تصریحیں کرگئے تو جو باقی رہا لاجرم عضو مستقل قرار پائے گا،

فلیفھم ولیتامل لعل الله یحدث بعد ذلك امرا ھذا ماعندی والعلم بالحق	عند ربّی۔ سمجھو اور غور کرو شاید الله تعالٰی اس کے بعد کسی آسان امر کو پیدا فرمادے، یہ میری تحقیق ہے اور

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

عند ربّی۔	حق کا علم میرے رب کے پاس ہے(ت)

فقیر غفراللہ لہ نے سہولت حفظ کے لئے اس مطلب کو چار شعر میں نظم کیا اور ذکر اعضاء میں ترتیب بھی وہی ملحوظ رہی۔ ان اشعار میں مرد کے لئے سترِ عورت کی حدیں بھی بتائی گئیں وہ بھی اس تصریح سے کہ ناف خارج اور زانو داخل اور وہ مقدار بھی بتادی گئی جس قدر کا کھلنا مذہب مختار پر مفسد ہے پھر یہ تفرقہ بھی کہ بالقصد کھولنے میں فورًا نماز فاسد ہوگی اور بلا قصد میں مقدار ادائے رکن تک کھلنا چاہئے اس میں یہ بھی بتادیا گیا کہ مذہب مختار پر حقیقۃً ادائے رکن شرط نہیں پھر اس مذہب صحیح کی طرف ایما ہے کہ ذکر واُنثیین ودُبر وہر سرین تنہا تنہا عضو کامل ہیں اور یہ مذہب صحیح بھی ظاہر کر دیا گیا کہ ہر گھٹنا اپنی ران کا تابع ہے، اور جو عضو فقیر نے زائد کیا اُس میں یہ اشارہ بھی کر دیا کہ اس جزئیہ کی تصریح نہ پائی اور عورت زیرِ ناف میں یہ بھی مصرح ہوگیا کہ سب جوانب بدن سے مراد ہے اور نیز یہ بھی کہ عانہ اس میں داخل ہے ولہذا اسے بھی لفظ ظاہرًا کے نیچے رکھا۔ بحمداللہ مختصر بحر کی چار بیتوں میں اس قدر فوائد کثیرہ کے ساتھ لطف یہ ہے کہ بعنایت الٰہی کوئی حرف حشو ومصرع پر کن نہیں نہ کہیں ادائے مطلب میں ایجاز مخل واقع ہوا والحمدللہ رب العٰلمین وہ اشعار آبدار یہ ہیں:؎

سترِ عورت بمرد نہ عضوست	از تہِ ناف تا تہِ زانو
ہرچہ ربعش بقدرِ رکن کشود	یا کشودے دمے نماز مجو
ذکر واُنثیین وحلقہ بس	دو سریں ہر فخذ بزانوئے او
ظاہرًا فصل اُنثیین ودُبر	باقی زیرِ ناف از ہر سُو

گویا یہ سارا فتوٰی ان چار شعر کی شرح ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۳۹۱: مسئولہ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۲۸ ذیقعد ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت آزاد کے بدن کے عضوِ عورت ہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زنِ آزاد کا سارا بدن سر سے پاؤں تک سب عورت ہے مگر منہ کی ٹکلی اور دونوں ہتھیلیاں کہ یہ بالاجماع اور عبارت خلاصہ سے مستفاد کہ ناخن پا سے ٹخنوں کے نیچے جوڑ تک پشتِ قدم بھی بالاتفاق عورت نہیں، تلووں اور پشت کف دست میں اختلاف تصحیح ہے اصل مذہب یہ کہ وہ دونوں بھی عورت ہیں تو اس تقدیر پر صرف پانچ ٹکڑے مستثنٰی ہوئے، منہ کی ٹکلی، دونوں ہتھیلیاں، دونوں پشتِ پا۔ ان کے سوا سارا بدن عورت ہے اور وہ تیس ۳۰ عضووں پر مشتمل کہ اُن میں جس عضو کی چوتھائی کھلے گی نماز کا وہی حکم ہوگا جو ہم نے پہلے فتوے میں

اعضاء عورت مرد کی نسبت لکھا وہ تیس عضو یہ ہیں:

(۱) سر یعنی طول میں پیشانی کے اُوپر سے گردن کے شروع تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک جتنی جگہ پر عادۃً بال جمتے ہیں۔

(۲) بال یعنی سر سے نیچے جو لٹکے ہوئے بال ہیں وہ جدا عورت ہیں۔

(۳و۴) دونوں کان

(۵) گردن جس میں گلا بھی شامل ہے۔

(۶و۷) دونوں شانے یعنی جانب پشت کے جوڑ سے شروع بازو کے جوڑ تک۔

(۸و۹) دونوں بازو یعنی اُس جوڑ سے کہنیوں سمیت کلائی کے جوڑ تک۔

(۱۰و۱۱) دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے اُس جوڑ سے گٹّوں کے نیچے تک۔

(۱۲و۱۳) دونوں ہاتھوں کی پشت۔

(۱۴) سینہ یعنی گلے کے جوڑ سے دونوں پستان کی زیریں تک۔

(۱۵و۱۶) دونوں پستانیں جبکہ اچھی طرح اُٹھ چکی ہوں یعنی اگر ہنوز بالکل نہ اُٹھیں یا خفیف نوخاستہ ہیں کہ ٹوٹ کر سینہ سے جُدا عضو کی صورت نہ بنی ہوں تو اس وقت تک سینہ ہی کے تابع رہیں گی الگ عورت نہ گنی جائیں گی اور جب اُبھار کی اُس حد پر آجائیں کہ سینہ سے جدا عضو قرار پائیں تو اس وقت ایک عورت سینہ ہوگا اور دو عورتیں یہ، اور وہ جگہ کہ دونوں پستان کے بیچ میں خالی ہے اب بھی سینہ میں شامل رہے گی۔

(۱۷) پیٹ یعنی سینہ کی حد مذکور سے ناف کے کنارہ زیریں تک، ناف پیٹ ہی میں شامل ہے۔

(۱۸) پیٹھ یعنی پیٹ کے مقابل پیچھے کی جانب محاذات سینہ کے نیچے سے شروع کمر تک جتنی جگہ ہے۔

(۱۹) اُس کے اُوپر جو جگہ پیچھے کی جانب دونوں شانوں کے جوڑوں اور پیٹھ کے بیچ سینہ کے مقابل واقع ہے ظاہراً جدا عورت ہے، ہاں بغل کے نیچے سینہ کی زیریں حد تک دونوں کروٹوں میں جو جگہ ہے اُس کا اگلا حصہ سینہ میں شامل ہے اور پچھلا اسی سترھویں عضو یا شانوں میں اور زیرِ سینہ سے شروع کمر تک جو دونوں پہلو ہیں ان کا اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں داخل ہوگا۔

(۲۰و۲۱) دونوں سرین یعنی اپنے بالائی جوڑ سے رانوں کے جوڑ تک۔

(۲۲) فرج۔

(۲۳) دُبر۔

(۲۴و۲۵) دونوں رانیں یعنی اپنے بالائی جوڑ سے زانوؤں کے نیچے تک دونوں زانو بھی رانوں میں شامل ہیں۔

(۲۶) زیرِ ناف کی نرم جگہ اور اس سے متصل و مقابل جو کچھ باقی ہے یعنی ناف کے کنارہ زیریں سے ایک سیدھا دائرہ کمر پر کھینچے اس دائرے کے اوپر اوپر تو سینہ تک اگلا حصہ پیٹ اور پچھلا پیٹھ میں شامل تھا اور اس کے نیچے نیچے دونوں سرین اور دونوں رانوں کے شروع جوڑ اور دُبر بالائی کنارے تک جو کچھ حصّہ باقی ہے سب ایک عضو ہے عانہ یعنی بال جمنے کی جگہ بھی اسی میں داخل ہے۔

(۲۷و۲۸) دونوں پنڈلیاں یعنی زیر زانو سے ٹخنوں تک۔

(۲۹و۳۰) دونوں تلوے۔ فی تنویر الابصار والدر المختار (تنویر الابصار اور دُر مختار)

عورة(للحرة) ولوخنثی (جمیع بدنھا) حتی شعرھا النازل فی الاصح (خلاالوجه و الکفین) فظھر الکف عورة علی المذھب(والقدمین)علی المعتمد[1] اھ وفی الخلاصة المرأة اذالم تستر ظھر قدمھا تجوز صلاتھا وبطن الکف والوجه علی ھذا لان ھذاالثلثة منھا لیست بعورة وبطن قدمھا ھل ھی عورة فیه روایتان والتقدیر فیه بربع بطن القدم فی روایة الاصل وفی روية الکرخی لیس بعورة[2] اھ ملخصا وبھذا التفصیل بین ظھر القدم وبطنھا جزم المحقق علی الاطلاق فی مقدمته زادالفقیر وقال العلامة الغزی صاحب التنویر فی شرحھا اعانة الحقیر اقول فاستفید من کلام الخلاصة ان الخلاف انما ھو فی	آزاد عورت اگرچہ خنثی ہو اس کا ستر تمام بدن ہے حتی کہ اسکے لٹکے ہوئے بال بھی اصح مذہب پر، مگر چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں قدم معتمد قول کے مطابق ستر نہیں۔ ہتھیلی کی پشت صحیح مذہب پر ستر میں شامل ہے اھ خلاصہ میں ہے کہ اگر عورت نے اپنی پشت قدم کو نہ ڈھانپا تو اس کی نماز جائز ہے اور ہتھیلی کے اندرونی حصے اور چہرے کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ عورت کی یہ تینوں چیزیں ستر میں شامل نہیں، عورت کے پاؤں کا اندرونی حصہ ستر ہے یا نہیں؟ اس میں دو روایتیں ہیں، روایت اصل میں تلووں کی چوتھائی کھلنے کو مانع نماز قرار دیا اور امام کرخی کی روایت میں ہے یہ شامل ستر نہیں ہے اھ ملخصا، ظاہر قدم اور باطن قدم کے درمیان اسی تفصیل پر محقق علی الاطلاق امام بن ہمام نے اپنے مقدمہ زادالفقیر میں جزم کیا ہے، اس کی شرح اعانۃالحقیر میں صاحب التنویر علامہ غزی نے کہا میں کہتا ہوں خلاصہ کی گفتگو سے پتا چلتا ہے کہ عورت کے

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۶

[2] خلاصۃالفتاوٰی الفصل السادس فی ستر العورۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۷

باطن القدم و اما ظاھرہ فلیس بعورۃ بلاخلاف[1] الخ وفی الھندیۃ عن الخلاصۃ ثدی المرأۃ ان کانت صغیرۃ ناھدۃ فھو تبع لصدرھا وان کانت کبیرۃ فھو عضو علیحدۃ[2] اھ

پاؤں کے تلوے میں اختلاف ہے، رہا معاملہ ظاہر قدم کا تو وہ بالاتفاق ستر میں شامل نہیں الخ اور فتاوٰی ہندیہ میں خلاصہ کے حوالے سے ہے کہ اگر لڑکی چھوٹی نوخاستہ پستانوں والی ہو تو اس کے پستان سینے کے تابع ہوں گے اور اگر بڑی ہو تو پستان الگ الگ مستقل عضو ہوں گے۔

اقول: اما ما بین الثدیین فقد کان ھو و موضع الثدیین جمیعا من الصدر قبل انکسارھما اما ھما فقد انحازتا بالانکسار فبقی ما بینھما داخلا فی الصدر کما کان وھو ظاھر، اما تبعیۃ السرۃ للبطن فلانا نرھا تتبعہ فی شمول حکم الستر وعدمہ، فبطن الرجل لما لم یکن عورۃ لم تکن عورۃ، من الامۃ مع ظھرھا وبطنھا ما نصہ (الشامی) البطن ما لان من المقدم والظھر مایقابلہ من الموخر کذا فی الخزائن وقال الرحمتی الظھر ما قابل البطن من تحت الصدر الی السرۃ" جوھرۃ" ای فما حاذی الصدر لیس من الظھر

اقول: (میں کہتا ہوں) وہ جو پستانوں کے درمیان جگہ ہے تو اس بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ پستانوں کے ڈھلکنے سے پہلے پستانوں کی جگہ اور پستان کے درمیان کی جگہ سینے ہی کا حصہ تھے پھر پستان ڈھلکنے سے جدا عضو بن گئے تو پستانوں کے درمیان کی جگہ جس طرح پہلے سینہ میں شامل تھی ویسے ہی سینہ میں داخل رہے گی یہ بات تو ظاہر ہے، باقی ناف بطن کے تابع اس لئے ہے کہ وہ ستر اور عدم ستر کے حکم میں شامل ہونے میں پیٹ کے تابع ہے، تو بطن مرد جب ستر میں شامل نہیں تو مرد کی ناف بھی ستر میں شامل نہ ہو گی لیکن لونڈی کی پشت اور بطن دونوں ستر میں شامل ہیں جیسا کہ اس بارے میں شامی نے تصریح کی ہے بطن (پیٹ) وہ ہے جو آگے کی طرف نرم حصہ ہے اور ظہر (پشت) اس کے مقابل پچھلا حصہ ہے کذا فی الخزائن۔ شیخ رحمتی نے کہا ظہر (پشت) سے مراد جسم کا وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ اعانۃ الحقیر باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث فی شروط الصلوٰۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۹

الذی ھو عورۃ[1] اھ وفی حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح اما الجنب فانۃ تبع للبطن کذافی القنیۃ والاوجہ ان مایلی البطن تبع لہ کما فی البحر یعنی ومایلی الظھر تبع لہ کما فی تحفۃ الاخیار[2] اھ وفی ط علی الدرالمختار ان کانت امۃ فاعضاء عورتھا ثمانیۃ ایضا، الفخذان و الالیتان والقبل والدبر وما حولھما والبطن و الظھر ومایلیھما زمن الجنبین و یزاد فی الحرۃ الساقان مع الکعبین والثدیان المنکسران والاذنان والعضدان مع المرفقین والذراعان مع الرسغین والکتفان وبطناقدمیھا فی روایۃ الاصل و الصدر والراس و الشعر والعنق و ظھر الکفین فھی ثمانیۃ و عشرون عضوا[3] اھ قال ش کذاحررہ ح[4] اھ

اقول: فاتھم رحمھم اللہ تعالٰی عضوان الاول ماتحت السرۃ الی العانۃ ومایحاذیہ من کل جانب فان

حصہ جو سینے سے نیچے ناف تک پیٹ کے مقابل ہے، جوہرۃ۔ یعنی جسم کا وہ حصہ جو سینے کے مقابل ہو وہ اس پشت کا ایسا حصہ نہیں جو ستر میں شامل ہے اھ۔ حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے جانب پہلو بطن کے تابع ہے قنیہ میں اسی طرح ہے، اور اوجہ (بہتر) یہ ہے کہ جو حصہ پہلو کا بطن کے ساتھ متصل ہے وہ بطن کے تابع ہے کمافی البحر۔ یعنی جو پشت کے ساتھ ملنے والا حصہ ہے وہ پشت کے تابع ہے کمافی تحفۃ الاخیار اھ۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے اگر خاتون لونڈی ہو تو اس کے بھی اعضاءِ ستر آٹھ ہیں دونوں رانیں، دونوں سرین، قُبل، دُبر اور ان کا ارد گرد، پیٹ، پشت، اور اُن دونوں سے متصل پہلو۔ اور آزاد عورت میں ان اعضاء کا اضافہ ہے دونوں پنڈلیاں ٹخنوں سمیت، ڈھلکے ہوئے دونوں پستان، دونوں کان، دونوں بازو کہنیوں سمیت (مونڈھے تک) دونوں کلائیاں یعنی کہنی کے جوڑ سے گٹوں کے نیچے تک، دونوں کاندھے، اور روایت اصل کے مطابق عورت کے دونوں قدموں کے تلوے، سینہ، سر، بال گردن دونوں ہاتھوں کی پشت یہ تمام اٹھائیس اعضاء ہیں اھ شامی نے کہا کہ امام حلبی نے اسی طرح تحریر کیا ہے اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) ان اسلاف رحمہم اللہ تعالٰی نے دو اعضاء کا ذکر نہیں کیا پہلا جسم کا وہ حصہ جو ناف سے زیرِ ناف تک اور ہر جانب سے اس کے

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۷
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی المتعلقات الشروح الخ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب گھر کراچی ص ۱۳۱
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/۱۹۱
[4] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۱

هذا غیرداخل فی البطن والظهر لانه عورة من الرجل دونهما، ولافی الفرجین والالیتین لکنه عورة بحیاله فی الرجل فکیف فیها فهذا فاتهم فی الامة والحرة جمیعا، والاٰخر مایحاذی الصدر من خلف الٰی مبدأ الظهر فان الظهر کما علمت لا یشمله ولا الکتفان ولا العنق کما لا یخفی ولا شك انه عورة من الحرة فوجب ان یکون عضوا مستقلا منها فتمت لها ثلثون وباللّٰه التوفیق۔

مدِمقابل ہے، اس لئے کہ یہ حصہ بطن اور پشت میں شامل نہیں اس لئے مرد کا یہ حصہ ستر میں شامل ہے، جبکہ بطن وپشت دونوں اس کے ستر میں شامل نہیں، اور یہ حصہ دونوں فرجوں (قبل ودبر) اور سرین کے دونوں حصوں میں بھی شامل نہیں لیکن ہر حال میں مرد کا ستر ہے تو عورت کا ستر کیوں نہ ہوگا ایک عضو یہ ہے جس کا ذکر لونڈی اور آزاد عورت دونوں کے بارے میں اسلاف سے رہ گیا۔ دوسرا عضو جسم کا وہ حصہ جو سینے کے مقابل پیچھے سے ابتدائے پشت تک ہے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ حصہ پشت میں شامل نہیں اور نہ ہی دونوں کاندھوں اور گردن میں شامل ہے، جیسا کہ مخفی نہیں، اس کے باوجود بلاشک آزاد عورت کے جسم کا یہ حصہ ستر میں شامل ہے لہذا اس کو بھی عورت کا مستقل عضو شمار کرنا ثابت ہوگیا تو اب ان اعضا کی تعداد تیس ۳۰ ہوگئی وباللہ التوفیق۔ (ت)

تنبیہ اوّل: ملاحظہ حلیہ وغنیہ وبحر وردالمحتار وغیرہا سے ظاہر کہ قدم حرہ میں ہمارے علمارضی اللہ تعالٰی عنہم کو اختلافِ شدید مع اختلاف تصحیح ہے، بعض کے نزدیک مطلقاً عورت ہے، امام اقطع نے شرح قدوری اور امام قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح اور حلیہ میں بدلیل احادیث اسی کی ترجیح کی امام اسبیجابی وامام مرغینانی نے اسی کو اختیار فرمایا۔ بعض کے نزدیک اصلاً عورت نہیں۔ امام برہان الدین نے ہدایہ اور امام قاضی خان نے شرح جامع صغیر اور امام نسفی نے کافی میں اسی کی تصحیح فرمائی، اسی کو محیط میں اختیار کیا اور دُرمختار میں معتمد اور مراقی الفلاح میں اصح الروایتین کہا، کنز وغیرہ اکثر متون کتاب الصلوٰۃ میں اسی طرف ناظر ہیں۔ بعض کے نزدیک بیرونِ نماز عورت ہیں نماز میں نہیں، یعنی اجنبی کو انکا دیکھنا حرام مگر نماز میں کھل جانا مفسد نہیں، اختیار شرح مختار میں اسی کی تصحیح فرمائی۔ پھر کلام خلاصہ وغیرہا سے مستفاد کہ یہ اختلافات صرف تلووں میں ہیں پشتِ قدم بالاتفاق عورت نہیں، مگر کلام علامہ قاسم و حلیہ وغنیہ وغیرہا سے ظاہر کہ وہ بھی مختلف فیہ ہے اور شک نہیں کہ بعض احادیث اس کے عورت ہونے کی طرف ناظر کما یظهر بمراجعة الحلیة وغیرها (جیسا کہ حلیہ وغیرہ کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہو جائے گا۔ت) تو اگر زیادت احتیاط کی طرف نظر جائے تو نہ صرف تلووں بلکہ ٹخنوں کے نیچے سے ناخنِ پا تک سارے پاؤں کو عورت سمجھا جائے، یوں بھی شمارِ اعضا

تیس ۳۰ ہی رہے گا اور اگر آسانی پر عمل کریں تو سارے پاؤں عورت سے خارج ہو کر اعضاء اٹھائیس ۲۸ ہی رہیں گے۔ آدمی ان معاملات میں مختار ہے جس قول پر چاہے عمل کرے۔

تنبیہ دوم: پشتِ دست اگرچہ اصل مذہب میں عورت ہے مگر من حیث الدلیل یہی روایت قوی ہے گٹوں سے نیچے ناخن تک دونوں ہاتھ اصلاً عورت نہیں۔

یظهر ذلك بمراجعة الحلية والغنية وغيرهما ونص فيه ما عند ابی داؤد مرسلا من قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الجارية اذا حاضت لم يصلح ان یری منها الاوجهها ویدیها الی المفصل[1] قال فی الغنية وكذلك الاٰية لان المراد من الزينة بالنظر الی اليد هو الخاتم وهو غير مختص بباطن الكف بل زينته فی الظاهر اظهر لانه موضع الفص والنقش[2] قال ولان الضرورة فی ابدائه اشد[3] قال فكان هذا هو الاصح وان كان غير ظاهر الرواية[4] الخ وكذلك قال فی مراقی وحاشيتها للطحطاوی (جميع بدن الحرة عورة الاوجهها وكفيها باطنهما و ظاهرهما فی الاصح و هو المختار) وان كان خلاف ظاهر الرواية[5] اھ قال الشامی	غنیہ اور دیگر کتب کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے اور اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وہ ارشاد بھی بطور نص ذکر کیا گیا ہے جو امام ابو داؤد کے نزدیک مرسلاً مروی ہے: جب لڑکی حائضہ ہو جائے تو اس کے چہرے اور کلائیوں تک ہاتھ کے علاوہ اس کے جسم کے کسی حصہ کو دیکھنا جائز نہیں۔ غنیہ میں کہا آیت قرآنی سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ زینت ہاتھ کے اعتبار سے ہے اور وہ انگوٹھی میں ہے اور وہ باطن کف کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ اس کی زینت ہتھیلی کے اوپر میں زیادہ ہوگی کیونکہ ظاہر ہی نگینہ ونقش کا محل ہے، اور یہ بھی کہا کہ اس کے اظہار میں شدید ضرورت ہے، پھر کہا یہ اگرچہ غیر ظاہر الرویۃ ہے مگر اصح یہی ہے الخ اسی طرح مراقی الفلاح اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے (اصح مذہب کے مطابق آزاد عورت کا تمام بدن ماسوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے خواہ ان کا باطن ہو یا ظاہر عورت کا ستر ہے یہی مختار ہے) اگرچہ یہ ظاہر الروایۃ

[1] کتاب المراسیل ماجاء فی اللباس حدیث ۳۹۷ مطبوعہ مطبعۃ المکتبۃ العلمیۃ لاہور ص ۱۷۵

[2] کتاب المراسیل ماجاء فی اللباس حدیث ۳۹۷ مطبوعہ مطبعۃ المکتبۃ العلمیۃ لاہور ص ۱۷۵

[3] کتاب المراسیل ماجاء فی اللباس حدیث ۳۹۷ مطبوعہ مطبعۃ المکتبۃ العلمیۃ لاہور ص ۱۷۵

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی الشرط الثالث مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۱

[5] طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی متعلقات الشروط الخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۱

وکذا ایدہ فی حلیۃ وقال مشی علیہ فی المحیط و شرح الجامع لقاضی خان [1] اھ	کے خلاف ہے اھ امام شامی نے فرمایا اس طرح حلیہ میں اس کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ محیط اور قاضی خان نے شرح الجامع میں اسی کی اتباع کی ہے اھ (ت)

تو روایت قوی پر دو پشتِ دست نکال کر اٹھائیس ہی عضو عورت رہے، اور اگر بنظر آسانی اُس قول مصحح پر عمل کرکے تلوے بھی خارج رہیں تو صرف چھبیس ہی ہیں اور اصل مذہب پر تیس ۳۰ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳۹۲ : از کلکتہ نل موتی گلی ۱۸ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۱ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہ کہنا کہ نماز خدائے تعالٰی کی پڑھتا ہوں جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب اس کہنے کو منع کرتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

بلا شبہ جائز ہے ان صاحب کے منع کرنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ نیت کرتے وقت زبان سے یہ الفاظ نہ کہے جائیں تو ایک قول ضعیف و نا معتمد ہے، عامہ کتب میں جواز تلفظ بہ نیت بلکہ اس کے استحباب کی تصریح فرمائی۔ دُر مختار میں ہے:

التلفظ بھا مستحب ھو المختار و قیل سنۃ یعنی احبہ السلف او سنۃ علمائنا [2]۔	نیت زبان کے ساتھ کرنا مستحب ہے مختار قول یہی ہے بعض نے سنّت کہا یعنی اسے اسلاف پسند کرتے تھے یا ہمارے علماء کا طریقہ ہے (ت)

اور اگر یہ مراد نماز کو اللہ عزّوجل کی طرف اضافت کرنا منع ہے تو سخت جہل اشنع ہے، یہ صاحب بھی ہر نماز میں التحیّات للہ والصلوات کہتے ہونگے (کہ سب مجرے اور سب نمازیں اللہ کی ہیں) پر ظاہر کہ یہاں اضافت بھی لامیہ ہے، بالجملہ اس منع کی کوئی وجہ اصلاً نہیں واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳۹۳ : از بدایوں قاضی محلّہ مکان مولوی بقاء اللہ رئیس مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

بجناب معلّی القاب مخدوم و معظم بندہ جناب مولٰینا صاحب دام فیوضہ خادم بے ریا عبدالحمید بعد بجا آوری آداب گزارش کرتا ہے کہ ایک فتوٰی اپنا لکھا ہوا حسبِ ہدایت اپنے استاذ جناب مولانا حافظ بخش کے

---

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۹۸/۱

[2] در مختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۶۷/۱

واسطے تصدیق جناب والا کو بھیجتا ہوں ملاحظہ فرما کر مُہر سے مزین فرمادیجئے، اور اگر کوئی غلطی ملاحظہ سے گزرے تو درست فرما کر ممنون فرمائیے، زیادہ ادب۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح اس مسئلہ میں کہ فرائض اور واجبات کی نیت میں لفظ "آج" یا "اس" کا اضافہ کرنا چاہیئے یا نہیں؟ مثلاً یوں کہنا کہ نیت کرتا ہوں فرض آج کے ظہر یا عصر یا اس ظہر یا عصر کی، اور اگر نہیں کرے گا تو نماز ادا ہوگی یا نہیں؟

خلاصہ جواب:

صورت مستفسرہ میں فقہا کا اختلاف ہے چنانچہ قاضی خان نے بلا لفظ "آج" یا "اس" کے نیت کو جائز ہی نہیں رکھا ہے **کما فی فتاواہ وھکذا فی العلمگیریۃ** (جیسا کہ ان کے فتاوٰی میں ہے اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے۔ت) اور درمختار میں ہے کہ تعین ضروری نہیں۔ پس بموجب قولین اولین کے بلا لفظ "آج" یا "اس" کے مطلق نیت سے نماز ادا نہ ہوگی اور بموجب قول صاحب درمختار کے ادا ہو جائیگی لیکن چونکہ خروج عن الخلاف بالاجماع مستحب ہے اور اسی دُرمختار میں نسبت تعین کی اولویت ظاہر فرمائی ہے اور بلفظ وھو المختار ارشاد کہا ہے پس اولٰی اور مختار یہ ہی ہے کہ تعین وقت کی لفظ "آج" یا "اس" سے ضرور کرلے ورنہ تارک اولیت ہوگا اور جب شناخت وقت کی نہیں رکھتا اور یہ بالعموم ہے کہ اس عہد میں اکثر لوگ وقت کھو کر نماز پڑھتے ہیں تو عنداللہ مواخذہ دار رہے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔ بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نیت قصدِ قلبی کا نام ہے تلفظ اصلاً ضروری نہیں نہایت کار مستحب ہے تو لفظ اس یا آج درکنار سرے سے کوئی حرفِ نیت زبان پر نہ لایا تو ہرگز کسی کا حرج بھی نہیں قصدِ قلبی کی علمائے کرام نے یہ تحدید فرمائی کہ نیت کرتے وقت پوچھا جائے کہ کون سی نماز پڑھنا چاہتا ہے تو فوراً بے تامل بتادے **کما ذکرہ الامام الزیلعی فی التبیین وغیرہ فی غیرہ** (جیسا کہ امام زیلعی نے اسے تبیین الحقائق میں اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں ذکر کیا۔ت) اور شک نہیں کہ جو شخص نماز وقتی میں یہ بتادے گا کہ مثلاً نمازِ ظہر کا ارادہ وہ یہ بھی بتادیگا کہ آج کی ظہر شاید یہ صورت کبھی واقع نہ ہو کہ نیت کرتے وقت دریافت کئے سے یہ تو بتادے کہ ظہر پڑھتا ہوں اور یہ سوچتا رہے کہ کب کی تو قصد قلب میں تعیین نوعی نماز کے ساتھ تعیین شخصی بھی ضروری ہوتی ہے اور اسی قدر کافی ہے، ہاں اگر کوئی شخص بالقصد ظہر غیر معین کے نیت کرے یعنی کسی خاص ظہر کا قصد نہیں کرتا بلکہ مطلق ظہر پڑھتا ہوں چاہے وہ کسی دن کی ہو تو بلاشبہ اُس کی نماز نہ ہوگی **فان التعیین فی الفرض فرض بالوفاق وانما الخلف فی عدم اللحاظ لا لحاظ العدم** (فرائض میں تعیینِ وقت بالاتفاق فرض ہے عدمِ لحاظ میں اختلاف ہے لحاظِ عدم میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ت) اس طور پر تو یہ مسائل اصلاً محلِ خلاف نہیں۔ ولہٰذا محقق اکمل الدین

بابرتی نے عنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا:

اقول: الشرط المتقدم وھوان یعلم بقلبه ای صلاۃ یصلی یحسم مادۃ ھذہ المقالات وغیرہا فان العمدۃ علیه لحصول التمیز به وھو المقصود[1] کما نقله فی ردالمحتار واقرہ ھھنا وفی منحۃ الخالق وایدہ العلامۃ اسمٰعیل مفتی دمشق کما فی المنحۃ۔	**میں کہتا ہوں** شرطِ مقدم یہ ہے کہ نمازی دل سے یہ جانتا ہو کہ وہ کون سی نماز ادا کر رہا ہے یہ شرط ان اعتراضات وغیرہ کی بنیاد کو ختم کر دیتی ہے کیونکہ حصولِ تمیز کے لئے نمازی پر قصد و نیت ضروری ہے اور یہی مقصود ہے اھ ردالمحتار نے یہاں اسے نقل کرکے مقرر رکھا ہے اور منحۃ الخالق میں اسے نقل کیا ہے، نیز اسکی تائید مفتی دمشق شیخ اسمٰعیل نے کی ،ملاحظہ ہو منحۃ الخالق (ت)

البتہ تعدد فوائت خصوصًا کثرت کی حالت میں یہ صورت ضرور ہوسکتی بلکہ بہت عوام سے واقع ہوتی ہے کہ ظہر کی نیت کرلی اور یہ تعیین کچھ نہیں کہ کس دن تاریخ کی ظہر یہاں باوصف اختلاف تصحیح مذہب اصح واحوط یہی ہے کہ دن کی تخصیص نہ کی تو نماز ادا ہی نہ ہوگی مگر طول مدت یا کثرت عدد میں تعیین روز کہاں یاد رہتی ہے لہٰذا علماء نے اس کا سہل طریقہ یہ رکھا ہے کہ سب سے پہلی یا سب سے پچھلی ظہر یا عصر کی نیت کرتا رہے جب ایک پڑھ لے گا تو باقی میں جو سب سے پہلی یا پچھلی ہے وہ ادا ہوگی وعلی ھذا القیاس آخر تک۔

فی التنویر لابد من التعیین لفرض ولوقضاء قال فی الدرلکنه یعین ظھر یوم کذا علی المعتمد والاسھل نیۃ اول ظھرعلیه واٰخر ظھر وفی القھستانی عن المنیۃ لایشترط ذلك فی الاصح وسیجیئ آخر الکتاب[2] قال الشامی، نقل الشارح ھناك عن الاشباہ انه مشکل و مخالف لماذکرہ اصحابنا کقاضی خان وغیرہ والاصح الاشتراط قلت وکذا	تنویر الابصار میں ہے کہ گر فرض نماز میں تعیین ضروری ہے خواہ وہ قضا ہی کیوں نہ ہوں در مختار میں کہا معتمد قول کے مطابق تعیین یہ ہے کہ فلاں دن کی ظہر ادا کر رہا ہوں اس مسئلہ میں آسان طریقہ یہ ہے کہ یوں نیت کرلے کہ پہلی ظہر جو اس پر لازم ہے وہ پڑھتا ہے۔ یا یہ کہ آخر ظہر جو اس پر لازم ہے وہ پڑھتا ہے۔ قہستانی میں منیہ کے حوالے سے ہے اصح یہ ہے کہ یہ کہنا شرط نہیں، اور عنقریب کتاب کے آخر میں اس کا ذکر آئے گا۔

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب شروط الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۳، ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۸

[2] در مختار باب شروط الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۷

صححه فی متن الملتقی هناك فقد اختلف التصحیح والاشتراط احوط و به جزم فی الفتح[1] هنا کمالا یخفی۔	امام شامی فرماتے ہیں کہ شارح نے یہاں اشباہ سے نقل کیا ہے کہ (تعیین شرط نہ ہونا) ناقابل فہم اور ہمارے علماء قاضی خان وغیرہ کی تصریحات کے خلاف ہے۔ بلکہ شرط ہونا اصح ہے، میں کہتا ہوں متنِ ملتقی میں اس مقام پر اسکی تصحیح کی ہے تو اس کی تصحیح میں اختلاف واقع ہوا ہے مگر شرط ہونا احوط ہے اور اسی پر فتح القدیر میں یہاں جزم کیا ہے۔ (ت)

اور اگر فائتہ ایک ہی ہے تو نیت فائتہ کرنے ہی میں تعیین یوم خود ہی آگئی۔

فی ردالمحتار عن الحلیه ۔ لوکان فی ذمته ظهر واحد فائت فانه یکفیه ان ینوی ما فی ذمته من الظهر الفائت وان لم یعلم انه من ای یوم[2] ۔	جیسا کہ ردالمحتار میں حلیہ سے ہے کہ اگر کسی شخص کے ذمے ایک ظہر کی نماز قضا لازم ہے تو اس کے لئے اتنی نیت کرلینا کافی ہے کہ وہ اپنی فوت شدہ ظہر ادا کر رہا ہے اگرچہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ کون سے دن کی فوت شدہ ہے (ت)

بالجملہ نماز وقتی میں صور واقعہ معلومۃ الوقوع موقع خلاف ونزاع نہیں، خلافیہ علماء اُس صورت مفروضہ میں ہے کہ کوئی شخص نماز امروزہ میں تعیینِ نوعی تو کرلے اور تعیین شخصی سے اصلاً ذاہل وغافل ہو کہ بحالت شعور، قصد صحیح تعیین شخصی کا ملزوم اور عدم لحاظ مفقود ومعدوم اور بقصد خلاف، عدمِ لحاظ نہیں، لحاظِ عدم ہے اور وہ بلاشبہ نافی نماز ومنافی جواز، تو غفلت وبے خبری ایسی چاہیئے کہ سوال پر یہ تو بتادے کہ مثلاً ظہر پڑھتا ہوں اور بے تامل وفکر نہ بتاسکے کہ آج کی ظہر ایسی حالت میں اس سوال کا محل نہیں کہ مجھے نیت میں کیا بڑھانا چاہیے کہ وہ تو حال ذہول وعدم شعور میں ہے بلکہ بحث یہ ہوگی کہ ایسی نماز ہوگئی یا نہیں، اس میں تین صورتیں ہیں اگر وقت باقی ہے تو روایات مختلف تصحیحات مختلف کما بینه فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ ردالمحتار اور دیگر معتمد کتب میں اس کا بیان ہے۔ت) غرض توسیع مسلم اور احتیاط اسلم، یونہی اگر وقت جاتا رہا اور اُسے معلوم نہیں اس صورت میں اختلاف تصحیح ہے۔

فی البحر الرائق شمل مااذا نوی العصر بلا قید وفیه خلاف ففی الظهیریة لونوی الظهرلایجوز و قیل یجوز وهو الصحیح هذا	البحر الرائق میں ہے کہ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب کوئی نمازِ عصر کی نیت بغیر کسی قید کے کرے تو اس میں اختلاف ہے، ظہیریہ میں ہے اگر کسی نے

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۸

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۸

اذا کان مودیافان کان قاضیافان صلی بعد خروج الوقت وھولایعلم لا یجوز و ذکر شمس الائمۃ ینوی صلاۃ علیہ فان کانت وقتیۃ فھی علیہ وان کانت قضاء فھی علیہ ایضا اھ وھکذا صححہ فی فتح القدیر معزیا الی فتاوی العتابی لکن جزم فی الخلاصۃ بعدم الجواز وصححہ السراج الھندی فی شرح المغنی فاختلف التصحیح کما تری [1] اھ ملخصاوفی ردالمحتار فی النھران ظاھر مافی الظھیریۃ انہ یجوز علی الارجح [2] اھ

اقول: بل لعل ظاھر مافیھا انہ لا یجوز علی الارجح حیث جزم بہ ولم یذبل ماذکر عن شمس الائمۃ بما یدل علی ترجیحہ وانت تعلم ان اماما من الائمۃ اذاقال لایجوز ذلك وقال فلان یجوز فان المتبادر منہ ان مختارنفسہ الاول بل الظاھر انہ الذی علیہ الاکثر خلا فالمن ذکر۔

ظہر کی نیت کی تو جائز نہیں، بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب وہ نماز ادا کر رہا ہو (یعنی قضاوالانہ ہو) اگر نمازِ قضاپڑھنے والا ہو تو اگر وقت کے نکلنے کے بعد اس حال میں پڑھی ہے کہ اسے خروج وقت کا علم نہیں ہوا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ اور شمس الائمہ کہتے ہیں اتنی نیت کافی ہے کہ میں وہ نماز پڑھتا ہوں جو مجھ پر واجب ہے اب ادا ہو یا قضا وہ یقینا اس پر لازم تھی اھ اسی طرح فتح القدیر میں فتاوٰی عتابی کے حوالے سے اس کی تصحیح کی ہے، لیکن خلاصہ میں عدم جواز پر جزم کا اظہار کیا گیا ہے اور سراج ہندی نے شرح المغنی میں اسی کو صحیح کہا جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں۔ تصحیح مسئلہ میں اختلاف ہے اھ تلخیصًا۔ ردالمحتار میں نہر کے حوالے سے ہے کہ ظہیریہ کی عبارت سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ارجح قول پر جواز ہی ہے۔اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) بلکہ ہو سکتا ہے ظاہر مافی الظہیریہ کے مطابق ارجح قول پر عدم جواز ہو کہ انہوں نے اس پر جزم کیا ہے اور شمس الائمہ سے اس کی جو ترجیح ذکر کی گئی ہے اس کو رد نہیں کیا کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ جب کوئی امام کہتا ہے کہ یہ بات جائز نہیں اور فلاں اس کے جواز کا قائل ہے تو اس عبارت سے متبادر یہی ہوتا ہے کہ ان کا اپنا مختار قولِ اوّل ہے بلکہ ظاہر وہی ہے جو مختار واکثر کی رائے کے مطابق ہے، بخلاف اس کے جو انہوں نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

[1] البحر الرائق شرح کنز الدقائق باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۷۹

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۸

اور اگر یہ بھی خروج وقت پر مطلع ہے تو ظاہر جواز ہے محشیانِ در مختار سادات ابرار حلبی وطحطاوی و شامی رحمہم العزیز الغفار نے اس مسئلہ میں روایت نہ پائی علامہ ح نے عدمِ جواز کا خیال اور علامہ ط نے ان کے خلاف اور علامہ ش نے انکا وفاق کیا،

قال ط الظاهر الصحة عند العلم بالخروج لان نيته حينئذ القضاء خلافا لما في الحلبي [1] اه وقال ش بحث ح انه لا يصح و خالفه ط قلت وهو الاظهر لما مر من العناية [2] اه اقول نعم هو الاظهر لما مر عن البحر عن الظهيرية من تقييد عدم الجواز بقوله وهو لا يعلم اما الاستناد بما مر عن العناية فعندی غير واقع فی محله لما علمت ان محل هذه المقالات ما اذا ذهل و غفل وكلام العناية فيما هو المعتاد و المعهود من ان من شعر بالتعيين النوعی شعر ايضا بالشخصی و رأيتنی كتبت ههنا علی هامش الشامی ما نصه **اقول:** ما مر عن العناية فيما اذا علم بقلبه التعيين ولا ينبغی لاحد ان يخالف فيه وهو جار فی كل صورة من الصور التسع بل لا تسع عليه ولا ثمان انما هی صورة واحدة لاغير، وانما الكلام فيما اذا نوی ذلك ذاهلا عن تعيين اليوم والوقت و	امام طحطاوی نے کہا اگر اسے خروج وقت کا علم ہو تو صحت نماز ظاہر ہے کیونکہ اس وقت نیت قضا کی ہوگی۔بخلاف اسکے جو حلبی نے کہا اھ شامی نے کہا حلبی نے بحث کرتے ہوئے اس کی عدم صحت کا قول کیا ہے اور طحطاوی نے ان کی مخالفت کی، میں کہتا ہوں یہی اظہر ہے جیسا کہ عنایہ کے حوالے سے گزرا ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں یہی اظہر ہے جیسا کہ البحرالرائق سے ظہیریہ کے حوالے سے عدمِ جواز کی تقیید اس کے قول "**وهو لا يعلم**" کے ساتھ گزری لیکن اس بات کی سند پکڑنا اس کے ساتھ جو عنایہ سے گزرا میرے نزدیک اس مقام کے مناسب نہیں، کیونکہ اس تمام گفتگو کا محل وہ ہے کہ جب انسان غافل ہوجائے اور بھول جائے اور عنایہ کی گفتگو معروف مشہور طریقہ (یعنی عدم غفلت) پر ہے کیونکہ جو شخص تعینِ نوعی کا ادراک رکھتا ہے اسے تعین شخصی کا ادراک بھی رہے گا، اور مجھے وہ یاد آیا جو حاشیہ شامی کے اس مقام پر میں نے لکھا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں **اقول:** (میں کہتا ہوں) عنایہ کی جو عبارت گزری ہے وہ اس صورت سے متعلق ہے جب دل سے اس کے تعین

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۴

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۸

ح لاستظھار بما مر عن العنایة[1]	کو جانتا ہو، اس میں مخالفت کسی کو مناسب نہیں اور یہ بات نو۹ صورتوں میں سے ہر صورت میں جاری ہوگی بلکہ یہ نو۹ ہیں نہ آٹھ یہ تو صرف ایک ہی صورت ہے اسکے علاوہ کچھ نہیں، یہاں گفتگو اس صورت سے متعلق ہے جب کسی انسان نے نماز کی نیت دن اور وقت کے تعین سے غافل ہو کر کی ہو، اب تو عنایہ کی گفتگو سے تائید نہیں لائی جاسکتی۔(ت)

غرض اس صورت مفروضہ کی تینوں شکلوں میں جواز کی طرف راہ ہے۔ولذاارسل فی الدر ارسالا وقال انه الاصح (اسی لئے درمختار میں اس کو مرسلاً ذکر کیا ہے اور کہا یہی اصح ہے۔ت) اور امر عبادات خصوصًا نماز میں حکم احتیاط معروف و معلوم ھکذا ینبغی المقام واللہ ولی الفضل والانعام واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (تحقیق مقام کے لئے یہی مناسب تھا، اللہ تعالٰی فضل وانعام کامالک اور وہی پاک اور بہتر جاننے والا ہے۔ت)

---

[1] جدالممتار باب شروط الصلٰوۃ المجمع الاسلامی مبارک پور (ہند) ۱/۲۱۸

باب القبلۃ

(قبلہ کا بیان)

مسئلہ نمبر ۳۹۴: از خیر آباد وضلع سیتاپور محلّہ مہمان سرائے درگاہ حضرت مخدوم صاحب خورد قدس سرہ مرسلہ مولوی سید عظیم الدین صاحب خادم آستانہ مقدسہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرح متین اندریں مسئلہ، نقشہ نظری بالا درگاہ حضرت مخدوم سید نظام الدین صاحب الہ دیا خیر آبادی عرف حضرت چھوٹے مخدوم صاحب قدس سرہ کا ہے اس احاطہ میں ایک مسجد سہ دری تعمیر شدہ ۱۰۵۶ھ ہے جس کے اندر دو صف کی گنجائش تھی ان صفوف کا جہت قبلہ موافق رخ مسجد قریب ثلث شمالی بین المغربین تھا اور تخمیناً آخر صدی دوازدہم تک اسی رُخ نماز ادا ہوتی رہی بعد ازاں فرشِ مسجد وصحنِ مسجد کو بوجہ شکستہ ہوجانے کے مرمّت ہوئی چونکہ رُخ روضہ شریف کا جو تعمیر کردہ صناعان دہلی تعمیر شدہ ۹۹۴ھ ہے ایسا تھا جس کا جہت قبلہ وسط مغربین ہوتا تھا فرش جدید میں نشان صفوف میں موافق رخ روضہ قائم ہو کر اب تک نماز اس رخ ادا ہوئی اس کارروائی سے اندر مسجد کے بجائے دو صفوف کامل کی گنجائش رہی اور وقت ضرورت اگر اندر مسجد صف دویم قائم کی گئی تو کامل نہ ہوسکی ناقص رہی اب پھر فرش مذکورہ خراب ہو کر مرمت ہو رہا ہے بصورت ضرورت نشانات صفوف جدید قائم کئے جائیں گے، چونکہ اکثر مساجد بلاد وامصار ہند قطب رُخ ہیں جن کا جہت قبلہ ثلث جنوبی مغرب میں ہے، نیز عبارت کتب فقہ سے اس کی تائید حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔

فی تجنیس الملتقط القبلة فی دیارنا بین مغرب الشتاء ومغرب الصیف، فان صلی الی جهة خرجت من المغربین فسدت صلاته قال الامام ابو منصور ینظر الی اقصر ایام الشتاء والی اطول ایام الصیف فیتعرف مغربهما ثم یترك الثلثین عن یمینه وثلثا عن یساره و یصلی مابین ذلك ۔ قال الامام السید ناصر الدین الاول للجواز والثانی للاحتساب كما فی جامع المضمرات۔[1]	تجنیس ملتقط میں ہے کہ ہمارے علاقے کا قبلہ موسم سرما کے مغرب اور موسم گرما کے مغرب کے درمیان ہے اگر کسی نے ایسی جہت میں نماز ادا کی جو دونوں مغرب سے خارج ہو تو نماز فاسد ہوگی، امام ابو منصور نے فرمایا موسم سرما کے سب سے چھوٹے دنوں اور موسم گرما کے سب سے بڑے دنوں کو دیکھا (غور کیا) تو ان دونوں کے مغرب کی پہچان ہو جائے گی۔ پھر اپنے دائیں طرف سے دو تہائی اور بائیں طرف سے ایک تہائی چھوڑ کر اسکے درمیان نماز ادا کرے۔ امام السید ناصر الدین نے فرمایا پہلا قول جواز اور دوسرا استحباب کے لئے ہے، اسی طرح جامع المضمرات میں ہے۔ (ت)

عبارتِ بالا کے متعلق تو یہ بات دریافت طلب ہے کہ صیغہ مضارع ینظر، فیتعرف، یترک، یصلی معروف یا مجہول اور فاعل یا مفعول مالم یسم فاعلہ کون ہے؟ اور لفظ عن یمینہ و عن یسارہ کی ضمائر کا مرجع مصلی ہے یا قبلہ؟ لہٰذا عبارت عربیہ پر اعراب قائم فرمائے جائیں اور فاعل وغیرہ مرجع ضمائر کی تشریح اور ہدایتاً امور ذیل کی ہدایت مطلوب ہے۔ مسجد موجودہ مذکورہ مخصوصہ کا جہت قبلہ مسجد ہی کے رُخ رہنے دینا اور ہر دو صفوف کامل کی بدستور گنجائش قائم رکھنا افضل و اولٰی ہے یا نشانات قائم کرکے جہتِ قبلہ بدل دینا افضل ہے تو قطب رخ میں صف واحد بھی کامل نہیں رہتی ہے افضل و اولٰی ہے یا روضہ کے مطابق جس سے ایک صف کامل قائم رہ سکتی ہے حد مکان اس مسجد خاص میں لحاظ تکمیل صفوف کی تصریح مستحب ہے یا تبدیلی جہت قبلہ کی مغربین شمس و مغربین قمر ایک ہی ہیں یا جُداگانہ؟ جواب استفتاء ہذا کی نہایت عجلت ہے مرمت قریب الاختتام ہے اور یہ پوشیدہ نہیں کہ بحالت تری فرش کے نشانات جیسے پائدار قائم ہو سکیں گے بعد خشکی ممکن نہ ہوگا لہٰذا توجہ خاص کا محتاج ہے اور کیونکہ استفتاء خاص متعدد علوم وفنون سے تعلق رکھتا ہے بدیں وجہ باوجود آگہی عدیم الفرصتی بندگان ذات بابرکات سے رجوع کی گئی کہ حسب مراد دوسرے کی، دوسری جگہ حصول جواب کی پوری امید نہ تھی لہٰذا اس تکلیف دہی خاص کی نسبت مترصد معافی ہو کر توجہ خاص سے مستفید ہونے کا بواپسی امیدوار ہوں، جزاك الله فی الدارین خیرا۔

[1] تجنیس الملتقط

الجواب:

علمائے کرام نے جو خاص تخمینے جہت قبلہ کے لئے ارشاد فرمائے وہ خاص اپنے بلاد کے لئے ہیں نہ کہ حکم عام، ولہذا وہ تخمینے بہت مختلف آئے ہیں جن کا بیان ہمارے رسالہ ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں ہے۔

علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں اسی عبارت تجنیس الملتقط کی نسبت فرمایا انما یصح فی بعض البقاع[1] (یہ قاعدہ بعض جگہوں میں صحیح و درست ہے۔ت) خیر آباد جس کا عرض شمالی ستائیس ۲۷ درجے اکتیس ۳۱ دقیقے اور گرینچ سے مشرقی اسی ۸۰ درجے اڑتالیس دقیقے ہے اس کا قبلہ تقریباً ٹھیک نقطہ مغرب الاعتدال ہے یعنی وسط مغربین صیف و شتا وسط حقیقی سے جنوب کی طرف ایک خفیف مقدار جھکا ہوا پاؤ درجہ تک بھی نہیں پہنچتی نہ وہ محسوس ہونے کے قابل ہے۔

وذلك لان عرض مكة المكرمة شرفها الله تعالی كاحه الہ وطولها محه ی فما بين الطولين م حه لح :. لوظل عرض مكة ۹٫۵۹۳۵۴۲۳-لوجم مابين الطولين ۹٫۸۸۰۱۸۰۲ = ۹٫۷۱۳۳۶۲۰قوسه فی جدول الظل حه لط نه لو جيها ۹٫۹۴۸۵۸۹۶-محفوظ اول .ثم فضل عرض البلد علی هذه القوس ماقه لوجيها بالتدفيق ۷٫۵۰۸۳۹۵۸-محوظ ثانی. فلوظل مابين الطولين ۹٫۹۳۳۵۴۴۶ + محفوظ محفوظ ثانيا = ۱۲٫۷۳۲۸۴ قوس هذاالظل فسط حه مه الو هوالانحراف الی نقطة المغرب من نقطة الجنوب لان عرض البلد الشمالی اكثر من القوس المذكورة فالانحراف من المغرب الاعتدال الی الجنوب مدقه لح وهو المقصود۔	یہ اس لئے ہے کہ مکہ مکرمہ (اللہ اسکی بزرگی میں اضافہ فرمائے) کا عرض مثلاً کاحہ الہٰ ہو اور اسکا طول م حہ ی ہو تو دونوں طولوں کے درمیان م حہ لح ہوگا کہ :. اگر ظل عرض مکہ ۹٫۵۹۳۴۵۲۳-لوجم جو دونوں طولوں کے درمیان ہے ۹٫۸۸۰۱۸۰۲ = ۹٫۷۱۳۳۶۲۰ ہے جس کا قوس جدول میں حہ لط نہ ہو اسکا لوجم ۹٫۹۴۸۵۸۹۶ ہے یہ محفوظ اول ہے۔ پھر اس قوس پر عرض بلد زائد ہوگا جو مانہ ہے جس کا لوجم بالتدقیق ۷٫۵۰۸۳۹۵۸ ہے یہ محفوظ ثانی ہے، پس اگر ظل "جو دونوں طولوں کے درمیان ہے" ۹٫۹۳۳۵۴۴۶ + محفوظ اول- محفوظ ثانی = ۱۲٫۷۳۲۸۴ ہے اس ظل کا قوس فسط مہ حہ لو ہے اور یہ نقطہ جنوب سے نقطہ مغرب کی طرف انحراف ہے کیونکہ بلد شمالی کا عرض قوسِ مذکورہ سے زائد ہے پس مغربِ اعتدال سے جنوب کی طرف انحراف مدقہ لح ہے اور یہی مقصود ہے۔ت

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ لکشور لکھنؤ ۸۹/۱

سوال میں وسط مغربین کو جہت قبلہ روضہ رخ لکھا اس سے معلوم ہوا کہ مزار مبارک کا منہ صحیح جانب قبلہ تحقیقی ہے تو لازم تھا کہ سرہانا تقریباً سیدھا جانب قطب ہو کہ وسط مغربین و وسط قطبین شیئ واحد ہے مگر نقشہ میں قطب شمالی کا خط دیوار روضہ مبارکہ کی جانب مغرب منحرف بنایا ہے اگر واقعی اتنا انحراف ہے تو وسط مغربین کاہر گز جہت قبلہ روضہ رخ ہونا متصور نہیں پھر یہاں امر اہم اس کی معرفت ہے کہ دیوار محراب مسجد کو قبلہ تحقیقی سے کتنا انحراف ہے اگر وہ انحراف ثمن دور یعنی ۴۵ درجے کے اندر ہے تو نماز محراب کی جانب بلا تکلف صحیح و درست ہے، اس انحراف قلیل کا ترک صرف مستحب ہے خود سوال میں تجنیس ملتقط سے گزرا۔

قال الامام السید ناصر الدین ،الاول للجواز والثانی للاحتساب۔[1]	امام ناصر الدین نے کہا: پہلی صورت میں جواز اور دوسری میں استحباب ہے۔(ت)

اسی طرح اُس سے اور نیز ملتقط سے حلیہ امام ابن امیر الحاج میں ہے: شرح زاد الفقیر للعلامۃ الغزی و شرح الخلاصہ للقھستانی۔ پھر ردالمحتار میں وہی دو ثلث جانب راست اور ایک ثلث جانب چپ رکھنا بیان کرکے فرمایا:

ولولم یفعل ھکذا وصلی فیما بین المغربین یجوز۔[2]	اگر کسی نے اس طرح نہ کیا اور مغربین کے درمیان نماز پڑھ لی تو جائز ہوگی۔(ت)

تو ایک امر مستحب کے لئے مسلمانوں کو تردد میں ڈالنا اور صفوف مسجد کو ناقص و ناتمام کر دینا ہر گز مناسب نہیں۔ شرع مطہر میں تکمیل نہایت امر مہتم بالشان ہے جس کا پتا اس حدیث سے چلتا ہے کہ رسول اللہ فرماتے ہیں:

من وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطعہ قطعہ اللہ[3]	جس نے صف کو ملایا اللہ تعالٰی اسے ملائے گا اور جس نے صف کو قطع اللہ تعالٰی اسے قطع فرمائے گا(ت)

یہاں اگر قطع صف موجود نہیں صف بروجہ قطع ہے کہ دیواریں حائل ہو کر تکمیل نہ کرنے دیں گی فکان کالصف بین السواری وقد نھی عنہ بنحو ذلك کما ذکر نافی فتاونا (یہ اس صف کی طرح ہے جو ستونوں کے درمیان ہو حالانکہ اس سے اور اس طرح کی دوسری صورتوں سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔(ت) بیانِ

---

[1] تجنیس الملتقط

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۱۶/۱

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۹۷/۱

سوال اگر صحیح ہے تو یہ انحراف ثابت کرچکے ہیں کہ جب تک ۴۵ درجے انحراف نہ ہو نماز بلاشبہ جائز ہے اور یہ کہ قبلہ تحقیقی کو منہ کرنا نہ فرض نہ واجب صرف سنتِ مستحبہ ہے لہٰذا مسجد میں نماز بلاشبہ جائز ہے اور اس میں اصلًا نقصان نہیں، نہ دیوار سیدھی کرنا فرض البتہ بہتر وافضل ہے، ردالمحتار میں ہے:

لو انحرف عن العین انحرافاً لا تزول منه المقابلة بالکلیة جاز ویؤیدہ ماقال فی الظھیریة اذا تیامن اوتیاسر تجوز[1]۔	اگر عین کعبہ سے اتنا منحرف ہوا کہ اس سے بالکلیہ مقابلہ ختم نہ ہو تو نماز جائز ہے اس کی تائید ظہیریہ کی اس عبارت سے ہوتی ہے کہ جب وہ تھوڑا دائیں یا بائیں ہو جائے تو نماز جائز ہوگی۔(ت)

حلیہ میں ملتقط سے:

ھذا استحباب والاول للجواز اھ یرید ان عدم الانحراف مع عدم الخروج عن الجھة بالکلیة جائز[2]۔	یہ استحباب کے لئے ہے اور پہلا جواز کے لئے ہے اھ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی قدر بھی انحراف نہ ہو یہ مستحب ہے اور اس طرح کا انحراف کہ جہت کعبہ سے بالکل خروج نہ ہو یہ بھی جائز ہے۔(ت)

پھر اگر اس افضل کو اختیار کرنا چاہیں تو دیوار سیدھی قطب سے مشرق کو ہٹی ہوئی بنائیں اور اس کا وہ طریقہ جس میں زاویہ ناپنے کی حاجت نہ پڑے یہ ہے کہ اس دیوار قبلہ کا جنوبی گوشہ جس پر حرف "ب" لکھا ہے قائم رکھیں اور صحیح قطب نما سے ایک خط ب سے سیدھا قطب کو اتنا بڑا کھینچیں جس کا طول اس دیوار کے برابر ہو ایک رسی لیں اور اسکا ایک سرا حرف ب پر خوب جمائے رہیں کہ سرکے نہیں اور دوسرا سرا حرف ح سے ملا کر مشرق کی طرف اس طرح کھینچیں کہ رسی میں جھول نہ پڑنے پائے، اس کی کشش سے کمان کی شکل میں زمین پر بن جائے اور پھر ایک سیدھی لکڑی سوا چھ قبضہ کی ناپ کر اس کا ایک سرا حرف ح پر رکھیں اور دوسرا اس کمان سے ملا دیں جہاں ملے اس ملنے کی جگہ کا نام حرف ء رکھیں۔ء سے ب تک سیدھا خط ملا دیں، یہ ٹھیک دیوارِ قبلہ ہوگی۔

وذلك لان فی مثلث ح ب ع، ساقا ح ب،ع ب کل ۱۰۶۔ وزاویة ب= مح الح فکل من زوایتی القاعدة مح ح ل فلوجیبھا	اور یہ اس لئے کہ مثلث ح ب ء میں ح ب ، ء ب کی دو ساقیں ہے کل ۱۰۶ ہوئے اور زاویہ ب=ح صہ الح ہے تو قاعدہ کے دونوں زاویوں کا مح ح ل

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۵

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

۷ ۹٫۹۹۹۸۱۰ ولو جیب ح صه الح ۸٫۷۷۰۹۶۹۷ ولو۱۰۶=۰٫۰۲۵۰۳۰۵۹ ۲مجموع هذین = ۵۶ ۲۷۹۶۲ ۱۰٫۷۔۹۹۹۸۱۰۷=۹۶۴۶۴۹ ۷٫۔ عددہ،=۲۵۸٫۶هذه قبضات خط ح ء وذلك ماأردناه۔	ہوگا اسکا اگر جیب ۹٫۹۹۹۸۱۰۷ ہوا اور اگر جیب ح صہ الح کا ۸٫۷۷۰۹۶۹۷ ہے اور لو ۱۰۶=۰٫۰۲۵۳۰۵۹ ۲، ان دونوں کا مجموعہ =۱۰٫۷۲۹۶۲۷۵۶۔۹٫۹۹۸۱۰۷=۹۶۴۶۴۹ ۷٫۰ جس کا عدد=۲۵۸٫۶ ہے یہ خط ح ء کے قبضے ہیں اور یہی ہماری مراد ہے (ت)

اور اگر پہلے صحیح جانچ کرلی ہو تو دوبارہ قطب نما لگانے اور بیچ کا خط یعنی ح ب بنانے کی حاجت نہیں بلکہ دیوار کے ناپ کی رسّی لیں اور اس کا ایک سرا حرف ب کی جگہ خوب جما کر رسی میں بے خم پڑے دوسرا سِرا دیوار کے حرف اوپر رکھ کر دوسرا سرا جہاں ملے کمان سے ملادیں، اس ملنے کی جگہ دیوار کے کنارہ ب تک سیدھا خط کھینچ دیں دیوار قبلہ اس خط پر اُٹھائیں کہ صحیح ہوگی۔

لان زاویة ا ب ء = وصه لر کماتقدم فکل زاویة القاعدة و صه مال جیبها ۹٫۹۹۹۳۷۵۷ وجیب ؤ صه لر ۰٫۰۶۱۵۵۰۹ فاذاجمع فیه ۱۰۶ صار ۰٫۰۹۶۸۵۶۸ ۱۱٫۷۔۹٫۹۹۹۳۰۵۷=۱٫۰۸۷۵۸۱۱ عددہ= ۱۲٫۲۳۴ وذالك ما اردناه۔	کیونکہ زاویہ اب ء = وصہ لر کے ہے جیسا کہ گزرا تو قاعدہ کے زاویہ کا کل وصہ مال ہوگا جس کا جیب ۹٫۹۹۹۳۷۵۷ اور جیب وصہ لر کا ۰٫۰۶۱۵۵۰۹ ہے تو جب اس میں اگر ۱۰۶ کو جمع کیا جائے تو یہ ۰٫۰۸۶۸۵۶۸ ۱۱٫۷۔۹٫۹۹۹۳۰۵۷=۱٫۰۸۵۸۱۱ ہوگا جس کا عدد = ۱۲٫۲۳۴ ہے اور یہی ہماری مراد ہے (ت)

مگر ان صورتوں میں ایک لحاظ لازم ہے جبکہ مسلمان اُسے مسجد کرچکے تو یہ گلی جو دیوار سیدھی کرنے میں چھوٹے گی اسے ضائع چھوڑ دینا جائز نہیں کہ وہ مسجد ہی کا ٹکڑا ہے اور اس کی بے حرمتی حرام۔ تو یا تو سیدھی دیوار ہی اور چن کر اس سے ملادیں کہ زمین چھوٹی نہ رہے یا ممکن ہو تو دیوار کا گوشہ الف بر قرار رکھیں اور گوشہ ب سے سوا بارہ قبضہ زمین مغرب کو حرف ر تک بڑھا کر اور ر میں خط ملا کر دیوار جدید اٹھائیں کہ اگلی دیوار کی زمین شامل مسجد رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳۹۵: از حیات نگر ڈاکخانہ سرائے ترین ضلع مراد آباد مرسلہ سید حبیب شاہ صاحب ۸ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ ہادی مراحل تحقیق جناب مولٰینا صاحب دامت برکاتکم، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ جناب عالی اس قصبہ حیات نگر کی مسجد سمت مغرب سے متجاوز ہے اسکا نقشہ علیحدہ ایک پرچہ کاغذ کی پشت پر اور تمام حال کاغذ کی پیشانی پر لکھ کر حضور کے ملاحظہ کے واسطے ارسال کرتا ہوں باعث اس کا یہ ہے کہ یہاں چند اشخاص ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد میں سیدھے مسجد کے رُخ نماز نہیں ہوتی کمترین نے ایک صاحب کے پاس مسجد کا

نقشہ بھیج کر اُن سے دریافت کیا تھا انہوں نے ردالمحتار سے یہ نشان دے کر (ج ۱ ص ۴۴۶) کچھ عربی کی عبارت لکھ کر اُس کا خلاصہ اردو میں کیا تھا کہ اس انحراف قلیل جانب کعبہ سے مصلی کو مضر نہیں ہے اور انحراف قلیل کی حد یہ ہے کہ چہرہ اور چہرے کے اطراف میں کوئی جزو کعبہ کے مقابل باقی رہے اس طرح کہ چہرہ یا اُس کے بعض اطراف سے کعبہ تک خطِ مستقیم کھینچا جاسکے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ خط مستقیم پیشانی سے ہی خارج ہو بلکہ عام ہے خواہ پیشانی سے خارج ہو یا اس کے دونوں طرف میں کسی طرف سے خارج ہوا ہو اس صورت میں بہت بڑی وسعت ہے، جو نقشہ مسجد کا آپ نے بھیجا ہے اس مسجد کے رُخ پر نماز پڑھنا بے شبہ جائز ہے لہٰذا مسجد کے رُخ پر نماز پڑھایئے، بعض صاحب اس جواب کو پذیرا نہیں کرتے اور وہ حضور ہی پر اسکا انحصار رکھتے ہیں لہٰذا گزارش یہ ہے کہ حضور اس کاغذ کو جس پر مسجد کا نقشہ ہے ہر دو جانب سے ملاحظہ فرما کر اگر ممکن ہو تو کاغذ مذکور کے ذیل ہی میں جو دریافت طلب گزارشیں کاغذ کی پیشانی پر عرض کی گئی ہیں ان کا جواب ارقام فرما کر کمترین کو معزز فرمایا جائے۔ واجباً گزارش ہے کہ اس مسجد کا رُخ نقشہ مذکور سے بخوبی نمایاں ہے، یہ قصبہ حیات نگر ۲۸ درجے ۳۰ دقیقے عرض شمالی پر واقع ہے اور مکہ معظّمہ ۲۱ درجے ۴۰ دقیقے عرض شمالی پر، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہی کہ اس مسجد میں جماعت سیدھی مسجد کے رُخ پر کی جائے یا مسجد کا خیال چھوڑ کر کعبہ شریف کا خیال کرکے ٹیڑھی اور اگر مسجد کے رُخ پر سیدھی جماعت کی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

ا ب ء مثلث قائم الزاویہ ہے ب موضع قیام مصلی ء سمت نقطہ مغرب کے اسمت قطب شمالی ہے نقطہ ب سے مسجد کی دیوار قبلہ اء پر عمود ب ح قائم کیا تو مثلث ا ب ء کا مشابہ ہوا اُس کا زاویہ ب اُس کے زاویہ ا کے مساوی ہے کہ ہر ایک زاویہ ء سے مل کر ا قائمہ کے برابر ہے تو زاویہ ا زاویہ انحراف یعنی اس کے مساوی ہوا، یہ وہ مقدار ہے کہ مسجد نقطہ مغرب سے جس قدر شمال کو جھکی ہوئی ہے یہ زاویہ پیمائش میں ۱۸ درجے ہے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ حیات پور میں قبلہ نقطہ مغرب سے کتنا جدا ہے اس کے لئے صرف عرض بلد کافی نہیں ہوتا طول بھی درکار ہے۔ وہ سوال میں نہ لکھا نہ یہاں اطلس میں حیات پور کا نام نکلا مگر ضلع مراد آباد کی عام آبادیاں ۷۹، ۷۸ درجے کے اندر ہیں ۲۸ درجے عرض پر اگر طول ۷۸ درجے ہو تو عمود قبلہ سمت الراس سے جنوب کو تین درجے جھکے گا، دوسری میں دو ۲ درجے، ستائیس ۲۷ درجے، بہر حال حیات پور میں قبلہ جنوب کو تقریباً ۲ درجے مائل ہے اور مسجد ۱۸ درجے شمال کو ہے تو مسجد قبلہ واقعہ حیات پور سے اکیس درجے کم شمال کو جھکی ہوئی ہے اور ہم نے اپنے رسالہ ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال میں ثابت کیا ہے کہ جب تک پینتالیس ۴۵ درجے انحراف نہ ہو سمت قبلہ باقی رہتی ہے۔ عبارت ردالمحتار وغیرہا عبارات کثیرہ مختلفہ اسی طرف راجح ہیں نہ وہ اطلاق کہ سوال میں کسی سے حکایت کیا تو یہ مسجد ضرور حدِ قبلہ کے اندر ہے بلکہ اس سے دوچند جھکی ہوتی تب بھی حد سے

نہ نکلتی، تو مسجد ہی کے رُخ پر نماز پڑھی جائے ضرور صحیح ہو جائے گی مگر بعد اطلاع قبلہ سے اتنا انحراف مکروہ وخلاف سنت ہے، لہذا سمتِ مسجد کا خیال نہ کریں بلکہ سمتِ قبلہ کا، یعنی خط ب ء ہی کی سیدھ پر پڑھیں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہدایۃ المتعال فی حد الاستقبال ۱۳۲۴ھ

(استقبالِ قبلہ کی تعیین میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رہنمائی)

مسئلہ نمبر ۳۹۶: از علی گڑھ معرفت مولوی بشیر احمد صاحب مدرس مدسہ اہلسنت ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

شہر علی گڑھ کی عیدگاہ کہ صدہا سال سے بنی ہوئی ہے اور حضرات علماء متقدمین میں بلاکراہت اس میں عیدین کی نمازیں پڑھتے پڑھاتے رہے، آج کل نئی روشنی والوں نے اپنے قیاسات اور نیز آلات انگریز سے یہ تحقیق کیا ہے کہ سمت قبلہ سے منحرف ہے اور قطب شمالی داہنے کونے کی پشت پر واقع ہے جس سے نوّے فٹ کے قریب مغرب سے پھری ہوئی ہے لہذا اس کو توڑ کر سمت ٹھیک کرنا مسلمانانِ شہر پر بر تقدیر استطاعت کے لازم اور فرض ہے ورنہ نماز اس میں مکروہ تحریمی ہے، اور ۱۰ دسمبر ۱۹۰۶ء کو اس میں ایک فتوی چھاپا جس کی عبارت جواب یہ ہے: "اگر وہاں کے مسلمانوں میں اس قدر مالی طاقت ہے کہ اس کو شہید کرکے ٹھیک سمتِ قبلہ پر بناسکتے ہیں تو ان کے ذمے فرض ہے کہ وہ ایسا ہی کرے اگر ان میں ٹھیک سمت قبلہ بنانے کی طاقت نہیں تو ان کے ذمہ فرض ہے کہ وہ اس مسجد یا عیدگاہ میں ٹھیک سمتِ قبلہ کی خطوط کھینچ لیں اور اُن خطوط پر کھڑے ہو کر نماز پڑھا کریں، چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے:

ومن کان غائبا ففرضه اصابته جهتها هو الصحیح لان التکلیف بحسب الوسع[1] انتهی	جو شخص کعبہ سے دور ہو اس پر نماز کے دوران سمتِ کعبہ کی طرف رُخ کرنا فرض ہے یہی صحیح ہے کیونکہ تکلیف حسبِ طاقت ہوتی ہے انتہی (ت)

[1] الہدایۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۰

کتبِ معتبرہ سے یہ ارشاد ہو کہ اب ہندوستان کا قبلہ مابین المغربین ہونا چاہیئے یا کیا؟ اور اسکا سمتِ قبلہ درست کرنا ضروری ہے یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی جعل لنا الکعبۃ قبلۃ وامانا والصلوٰۃ والسلام علی من الی افضل قبلۃ ولّانا، رسول الثقلین وامام القبلتین جعل اللہ تعالٰی بابہ الکریم فی الدارین قبلۃ امالنا وکعبۃ منانا وعلی اٰلہ وصحابتہ و سائر اھل قبلتہ الذین ولواالیہ وجوھھم تصدیقا و ایمانا اٰمین اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔	تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس نے کعبہ کو ہمارا قبلہ اور پناہ گاہ بنایا اور صلوٰۃ سلام ان پر کہ جس نے ہمیں اچھے قبلہ کی طرف پھیرا جن وانس کے رسول اور دونوں قبلوں کے امام جن کے باعزت دروازے کو اللہ تعالٰی نے جنہیں دنیا و آخرت میں ہماری تمام امیدوں کا قبلہ اور آرزؤں کا کعبہ بنایا ہے آپ کی آل، اصحاب اور اُن کے اہل قبلہ پر جنہوں نے حالتِ ایمان و تصدیق میں اس کعبہ کی طرف رُخ کیا آمین: اے اللہ! حق وصواب کی ہدایت فرما (ت)

فتوائے مذکورہ محض باطل اور حلیہ صدق وصحت سے عاطل اور منصب افتا پر نرا اجترابلکہ شریعت مطہرہ پر کُھلا افتراء ہے۔

اولا: اگر بفرض باطل یہ عیدگاہ جہت قبلہ سے بالکل خارج ہوتی بلکہ مشرق و مغرب بدل گئے ہوتے جب بھی یہ جبروتی حکم کہ بحالت استطاعت اسے توڑ کر ٹھیک سمت قبلہ بنانا فرض ہے، دل سے نئی شریعت ایجاد کرنا تھا، اس حالت پر غایت یہ کہ اگر بے انہدام کوئی چارہ کار ممکن نہ تھا منہدم کرنا مطلوب ہوتا ٹھیک، سمت پر بنانا کس نے فرض مانا، عیدگاہ میں کوئی عمارت ہونا ہی سرے سے خدا اور رسول جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرض کیا نہ واجب نہ سنّت، زمانہ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مصلائے عید کفِ دست میدان تھا جس میں اصلاً کسی عمارت کا نام نہ تھا، جب حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ عید کو تشریف لے جاتے مواجہ اقدس میں سُترہ کے لئے ایک نیزہ نصب کردیا جاتا، زمانہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین میں بھی یوں ہی رہا۔ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے سب مواضع میں تبرک کے لئے مسجدیں بنائیں ظاہرًا اُنہیں کے وقت میں مصلائے عید میں بھی عمارت بنی کما استظھرہ السید نورالدین السمھودی قدس سرہ فی تاریخ المدینۃ (جیسا کہ سیّد نورالدین سمہودی قدس سرہ نے اپنی کتاب تاریخ المدینہ المنورہ میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ت) صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ترکزلہ الحربۃ قدامہ یوم الفطر والنحر ثم یصلی[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مواجہہ اقدس کے سامنے عید الفطر کے موقع پر نیزہ نصب کیا جاتا پھر آپ نماز پڑھاتے۔(ت)

اُنھیں کی دوسری روایت میں ہے:

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغدو الی المصلّی والعنزۃ بین یدیہ تحمل و تنصب بالمصلّی بین یدیہ فیصلی الیھا[2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف تشریف لے جاتے تو آپ کے آگے نیزہ اُٹھا کر لایا جاتا اور عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا، پھر اس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھاتے تھے۔(ت)

سنن ابن ماجہ میں و صحیح ابن خزیمہ و مستخرج اسمٰعیلی میں زائد کیا:

وذلك ان المصلی کان فضاء لیس فیہ شیء یستتربہ[3]۔	یہ اس لئے کیا جاتا تھا کہ عیدگاہ فضاء میں تھی وہاں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے سُترا بنایا جاسکے۔(ت)

افسوس کہ نئی روشنی کا یہ فرض، زمانہ رسالت و زمانہ خلافت و زمانہ رسالت سب میں متروک رہا۔

ثانیًا اس عیدگاہ کی عمارت موجودہ سے دین الٰہی کو کوئی ایسا ضرر شدید پہنچتا ہے جس کے سبب اس کا ڈھانا فرض ہو، یا نہیں اگر نہیں تو بحال استطاعت مالی اُس کا ہدم کیوں فرض ہوا اور اگر ہاں تو بحال عدم استطاعت مالی کیوں فرض نہیں، استطاعت مالی بنانے کو چاہیئے،ڈھانے میں ایسا کیا درکار ہے جس سے مسلمانانِ شہر عاجز ہوں۔

ثالثًا خطوط سمت قبلہ ڈال لینے سے کاربراری ممکن اور وہ ضرر مندفع ہے یا نہیں، اگر نہیں تو بحال عدم استطاعت یہ لغو حرکت کیوں فرض ہوئی اور کس نے فرض کی، اور اگر ہاں تو بحال استطاعت یوں کاربراری کس نے حرام کی کہ بالتعیین ڈھا دینا ہی فرض ہوگیا، کیا یہاں متعدد ضرر مفترض الازالہ مختلف الحالہ ہیں کہ توزیع ممکن ہو۔

رابعًا یہ عیدگاہ سمت سے یکسر خارج ہے یا حدود جہت کے اندر ہے اگرچہ عین محاذات سے منحرف ہے۔ بر تقدیر اول اس میں نماز مکروہ تحریمی کیوں ہوئی باطل محض ہونی لازم تھی، بر تقدیر ثانی اس کا ڈھانا کیوں فرض ہوا جبکہ وہ حدود مشروع کے اندر ہے۔

---

[1] صحیح بخاری باب الصلوٰۃ الی الحربۃ یوم العید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۳۳

[2] صحیح بخاری باب حمل العنزۃ والحربۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۳۳

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۹۳

خامسًا علماء کرام کاحکم تو یہ ہے کہ جہت سے بالکل خروج ہو تو نماز فاسد اور حدود جہت میں بلا کراہت جائز کہ آفاقی کا قبلہ ہی جہت ہے نہ کہ اصابت عین۔ بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاسانی پھر حلیہ امام ابن امیر الحاج حلبی میں ہے۔

قبلته حالة البعد جهة الكعبة وهی المحاریب لاعین الكعبة[1]۔	کعبہ سے دوری کی صورت میں جہتِ کعبہ ہی قبلہ ہے اور وہ محرابِ مسجد ہے نہ کہ عین قبلہ۔(ت)

جامع الرموز میں امام زندویسی سے ہے: **الجهة قبلة كالعين**[2] (جہت کعبہ عین قبلہ کی طرح ہے۔ت) ہاں حتی الوسع اصابت عین سے قرب مستحب۔ اس بارے میں ملتقط وحلیہ وغیرہما کے نصوص بعونہ تعالیٰ آگے آتے ہیں، اور خیریہ میں فرمایا: **هو افضل بلاریب ولامین**[3] الخ (یہ بغیر کسی شبہ کے افضل ہے۔ت) درر مولانا خسرو وردالمحتار میں ہے:

لوانحرف عن العین انحرافا لاتزول منه المقابلة بالكلية جاز ویؤیده ماقال فی الظهیریة اذا تیامن اوتیاسر تجوز[4]۔	اگر عین کعبہ سے بالکلیہ انحراف نہ ہو (یعنی معمولی انحراف ہوا) تو نماز جائز ہے۔ اسکی تائید ظہیریہ کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: جب نمازی ذرا دائیں یا بائیں ہوگیا تو نماز جائز ہوگی۔(ت)

اور ترک مستحب مستلزم کراہت تنزیہ بھی نہیں کراہت تحریم تو بڑی چیز، بحر الرائق باب العیدین میں ہے:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذلا بدلها من دلیل خاص[5]۔	ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ اس کے ثبوت کے لئے مستقل دلیل کا ہونا ضروری ہے۔(ت)

تو اس میں نماز مکروہ تحریمی ٹھہرانا نئی روشنی کی محض ظلماتی ساخت ہے۔

سادسًا: عبارت ہدایہ کہ فتوٰی مذکورہ نے نقل کی اسکی مُدعا سے اصلًا مس نہیں رکھتی بلکہ حقیقۃً وہ اس کا رد ہے، عبارت کا مطلب یہ ہے کہ غیر مکی کو ہرگز ضرور نہیں کہ اس کی توجہ عین کعبہ معظّمہ کی طرف ہو بلکہ اس جہت کی طرف

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی شرائط الارکان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۸
نوٹ: بدائع میں یہ عبارت معنًا مذکور ہے الفاظ بعینہٖ موجود نہیں۔ نذیر احمد سعیدی
[2] جامع الرموز فصل شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۳۰
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/۹
[4] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۵
[5] البحر الرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۶۳

منہ ہونا بس ہے جس میں کعبہ واقع ہے تکلیف بقدر وسعت اور طاعت بحسبِ طاقت ہے اس سے خود ثابت ہوا کہ غیر مکہ مکرمہ میں اتنا انحراف کہ جہت سے خارج نہ کرے مضر نہیں اور اسکی تصریح نہ صرف ہدایہ بلکہ عامہ کتب مذہب میں ہے پھر مسافتِ بعیدہ میں ایک حد تک کثیر انحراف بھی جہت سے باہر نہ کرے گا اور در حق نماز قلیل ہی کہلائے گا اور جتنا بُعد بڑھتا جائے گا انحراف زیادہ گنجائش پائے گا۔ بحر الرائق وطحطاوی علی الدر وغیرہما میں ہے:

المسامتة التقريبية هوان يكون منحرفا عن القبلة انحرافالاتزول به المقابلة بالكلية، والمقابلة اذا وقعت فى مسافة بعيدة لاتزول بما تزول به من الانحراف لو كانت فى مسافة قريبة[1]۔	مسامتت تقریبی یہ ہے کہ انحراف عن القبلہ اس طرح ہو کہ جہت کعبہ سے مقابلہ بالکلیۃ ختم نہ ہو اور مقابلہ جب مسافتِ بعیدہ کی صورت میں ہو تو وہ اتنے انحراف سے ختم نہیں ہوتا جتنے سے مسامت قریبیہ میں مقابلہ ہو تو ختم ہو جاتا ہے۔(ت)

معراج الدرایہ وفتح القدیر وحلیہ شرح منیہ وبحر شرح کنز وفتاوٰی خیریہ وغیرہا میں ہے۔

ويتفاوت ذلك بحسب تفاوت البعد و تبقى المسامتة مع انتقال مناسب لذلك البعد[2]۔	انحراف بُعد کے اعتبار سے متفاوت ہوتا ہے اور اس بُعد کے مناسب انتقال کے ساتھ مسامتت (سمت) باقی رہتی ہے۔(ت)

فتوٰی میں عبارتِ ہدایہ سے استناد کے لئے یہ ثبوت دینا کہ مکہ معظّمہ سے علی گڑھ کو یہ ہزاروں میل کا بُعد، نقطہ مغرب سے تیس ۳۰ گز انحراف کی گنجائش نہیں رکھتا اتنا تفاوت جہت سے باہر لے جائے گا بے اس ثبوت کے، ذکر عبارت محض تغلیط عوام ہے اور حقیقت امر دیکھئے تو عبارت مستدل کے لئے صرف نامفید ہی نہیں بلکہ صاف مضر ہے، ہم عنقریب بعونہٖ تعالٰی ثابت کریں گے کہ عیدگاہ مذکورہ ضرور حدودِ جہت کے اندر ہے۔

سابعًا: ہمارے بعض علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس باب میں ہیأت قیاسات وآلات کا اعتبار ہی نہیں، جامع الرموز نے اسی بحث سمتِ قبلہ میں لکھا:

منهم من بناه على بعض العلوم الحكمية الاان العلامة البخارى قال فى بحث القياس من الكشف ان اصحابنا	فقہاء میں سے بعض نے اس مسئلہ کی بنیاد بعض علومِ حکمیہ پر رکھی ہے مگر علّامہ بخاری نے کشف الاسرار میں قیاس کی بحث کے تحت لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۷

[2] البحر الرائق شرح کنز الدقائق باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۴

لم یعتبروہ وبہ یشعر کلام قاضی خان[1] اھ وایدہ فی النہر بان علیہ اطلاق المتون[2] اھ وردہ فی ردالمحتار قائلا لم ارفی المتون مایدل علی عدم اعتبارھا ولنا تعلم مانہتدی بہ علی القبلۃ من النجوم وقال تعالٰی والنجوم لتہتدوا بہا الخ واستظہر ان الخلاف فی عدم اعتبارھا انما ھو عند وجود المحاریب القدیمۃ اذلایجوز التحری معہا کما قدمناہ لئلایلزم تخطئۃ السلف الصالح وجماہیر المسلمین بخلاف ما اذاکان فی المفازۃ فینبغی وجوب اعتبار النجوم ونحوھا فی المفازۃ لتصریح علمائنا وغیرھم بکونہا علامۃ معتبرۃ فینبغی الاعتماد فی اوقات الصلاۃ وفی القبلۃ علی ماذکرالعلماء الثقات فی کتب المواقیت وعلی ماوضعوہ لہا من الالات کالربع والاصطرلاب فانہا ان لم تفد الیقین تفید غلبۃ الظن للعالم بہا، وغلبۃ الظن کافیۃ فی ذلک[3] الخ۔

اس کا اعتبار نہیں کیا، قاضی خان کی گفتگو بھی اسی طرف رہنمائی کرتی ہے اھ نہر میں اس کی تائید یوں کی ہے کہ اسی پر متون کا اطلاق ہے اھ ردالمحتار میں یہ کہتے ہوئے اس کا رد کیا کہ میں نے متون میں ایسی کوئی دلیل نہیں دیکھی جو ان کے عدم اعتبار پر دال ہو، حالانکہ ہم پر اس چیز کا تعلم ہے جس کے ساتھ ستاروں کے ذریعے ہم قبلہ پر رہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد بھی دلیل ہے والنجوم لتہتدوا بہا الخ (اس نے ستارے اس لئے بنائے تاکہ تم ان سے رہنمائی حاصل کرو) اس سے ظاہر کیا کہ ان کے عدم اعتبار میں اختلاف اس صورت میں ہے جب وہاں قدیم محراب موجود ہوں کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے تحری جائز نہیں جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے، تاکہ سلف صالحین اور جمہور مسلمانوں کو غلط ثابت قرار دینا لازم نہ آئے بخلاف اس صورت کے جب مصلی جنگل اور ویران جگہ میں ہو تو وہاں ستاروں وغیرہ ہم نے ان چیزوں کے علاماتِ معتبرہ ہونے کی تصریح کی ہے، لہٰذا اوقاتِ نماز اور تعیینِ قبلہ کے متعلق ثقہ علماء کے کتب مواقیت میں بیان کردہ قواعد و ضوابط پر اعتماد کرنا مناسب ہے، اور آلات مثلاً ربع، اصطرلاب وغیرہ جو اوقات کی پہچان کے لئے انھوں نے بنائے ہیں ان پر بھی اعتماد کیا جائے۔ کیونکہ اگر ان آلات سے یقین کا درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم غلبہ ظن تو اسی شخص کو جو ان آلات سے متعلق معلومات رکھتا ہو حاصل ہو جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں ظنِ غالب ہی کافی ہے الخ (ت)

---

[1] جامع الرموز فصل شروط الصلوٰۃ مطبوعہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۳۰

[2] ردالمحتار بحوالہ النہر مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۷

[3] ردالمحتار بحوالہ النہر مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۷

اقول: وھوکلام نفیس واین تحری جزاف لایکاد یرجع الی اثارۃ علم من الظن الغالب الحاصل بتلك القواعد ولو لا مکان اطوال البلاد و عروضھا فی امر تعیین القبلۃ ومجال الظنون فی اکثرھا لکان مایحصل بھا قطعیا لامساغ لریبۃ فیہ بل لو حققت لالفیت جل المحاریب المنصوبۃ بعد الصحابۃ والتابعین رضی اللہ عنھم انما بنیت بناء علی تلك القواعد و علیھا اُسّست لھا القواعد فکیف یحل اعتماد تلك المحاریب دون الذی بنیت علیہ نعم عندالتعارض ترجح القدیم خلافاللشا فعیۃ لئلایلزم تخطئۃ السلف الصالح و جماھیر المسلمین[1] کما ذکرہ الشامی وغیرہ ولان علم الجمیع اقوی من علم الآحادو للسلف مزیۃ جلیۃ علی الخلف، ولر بما یخطی النظر فی استعمال القواعد والاٰلات کما ھو مرئی مشاھد فھو اولی بالخطاء منھم ولذاقال فی الفتاوٰی الخیریۃ واما الاجتھاد فیھا ای فی محاریب المسلمین بالنسبۃ الی الجھۃ فلا یجوز حیث سلمت من الطعن لانھا لم تنصب الابحضرۃ جمع من المسلمین اھل معرفۃ بسمت الکواکب والادلۃ فجری ذلك مجری الخبر فتقلد

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ نفیس گفتگو ہے علم کے کسی پہلو کو نہ چھونے والے بے اصل اندازے کو ان آلات سے حاصل شدہ ظنِ غالب سے کیا تعلق، اگر تعیین قبلہ کے معاملہ میں طول البلد اور عرض البلد اور ان کے اکثر معاملات میں ظن کا دخل نہ ہوتا تو ان آلات سے حاصل شدہ علم قطعی ہوتا جس میں شک کی گنجائش نہ ہوتی۔ بلکہ اگر تُو تحقیق کرے تجھے معلوم ہوگا کہ وہ بڑے بڑے محراب جو صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے بعد بنائے گئے ہیں اور انہی قواعد کی بناپر اور انہیں ضوابط پر ان مساجد کے ستون بنائے گئے، تو یہ کیسے درست ہوگا کہ ان محرابوں پر تو اعتماد کیا جائے مگر ان قواعد پر نہ کیا جائے جن کی بنا پر وہ محراب معرض وجود میں آئے ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ جہاں (قاعدہ و محراب) قدیم میں تعارض ہوگا وہاں محراب قدیم کو ترجیح ہوگی بخلاف شوافع کے تاکہ سلف صالحین اور جمہور مسلمانوں کو غلط ثابت قرار دینا لازم نہ آئے جیسا کہ امام شامی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بات بھی ہے کہ جماعت کا علم احاد کے علم سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اور سلف کو خلف پر واضح فضیلت حاصل ہے نیز بعض دفعہ استعمالِ قواعد وآلات میں نظر سے خطا بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ مشاہدہ و ملاحظہ میں آیا ہے لہٰذا واحد کا خاطی ہونا جماعت کے خاطی ہونے سے زیادہ قریب ہے، اسی لئے فتاوٰی خیریہ میں کہا کہ جہتِ قبلہ کی تعیین

[1] ردالمحتار مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۷

تلك المحاريب [1] اھ۔ **اقول:** وبه ظهران الحکم لایختص بالمفاوز فانهم انما نصبوا فی الامصار بناء علی تلك الادلة لاجرم ان قال العلامة البرجندی فی شرح النقایة ان امر القبلة انما یتحقق بقواعد الهندسة والحساب بان یعرف بعد مکة عن خط الاستواء وعن طرف المغرب ثم بعد البلد المفروض کذلك ثم یقاس بتلك القواعد لتحقیق سمت القبلة ونحن قدحققنابتلك القواعدسمت قبلة هراة [2] الٰی اٰخر ماسیأتی ونقله الفتال فی حاشیته مقرا علیه۔	کے معاملہ میں مسلمانوں کے قدیم محرابوں میں اجتہاد اور غور وفکر اس لئے جائز نہیں تاکہ طعن سے محفوظ رہا جاسکے کیونکہ یہ محراب مسلمانوں کی اُن جماعتوں نے قائم کئے ہیں جو کواکب کی سمت اور دلائل کی معرفت رکھتی تھیں، تو چونکہ خیر وبھلائی اسی میں ہے لہٰذا ان محرابوں کی تقلید کی جائے اھ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سے یہ بھی آشکارا ہوگیا کہ یہ حکم محض ویرانے اور جنگل کے ساتھ ہی مخصوص نہیں کیونکہ شہروں میں بھی مسلمانوں نے انہی قواعد وضوابط کی بنا پر محراب قائم کئے ہیں، چنانچہ علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں کہا کہ قبلہ کا معاملہ قواعدِ ہندسہ وحساب کی بناء پر حل ہوتا ہے بایں طور کہ پہلے خط استوا سے مغرب کی جانب سے مکّہ کا بُعد پہچانا جائے پھر مفروض شہر کے بعد کو اسی طرح پہچانا جائے پھر ان قواعد کے مطابق قیاس کیا جائے تاکہ سمتِ قبلہ معلوم ہوسکے اور ہم ان قواعد کے ذریعے قبلہ ہرات کی سمت یونہی ثابت کرچکے ہیں آخر تک جس کا بیان آئیگا، اور اس کو علّامہ فتال نے اپنے حاشیہ میں ثابت رکھتے ہوئے نقل کیا ہے۔ (ت)

اور اتنا تو اکابر نے بھی فرمایا کہ جو مسجد مدتوں سے بنی ہو اور اہلِ علم وعامہ مسلمین اس میں بلانکیر نمازیں پڑھتے رہے ہوں جیسا کہ عیدگاہ مذکورہ کی نسبت سوال میں مسطور ہے اگر کوئی فلسفی اپنے آلات وقیاسات کی رُو سے اس میں شک ڈالا چاہے اُس کی طرف التفات نہ کیا جائے گا کہ صدہا سال سے علماء وسائر مسلمین کو غلطی پر مان لینا نہایت سخت بات ہے، بلکہ تصریح فرماتے ہیں کہ ایسی قدیم محرابیں خود ہی دلیلِ قبلہ ہیں جن کے بعد تحری کرنے اور اپنا قیاس لگانے کی شرعاً اجازت نہیں، ایسی تشکیک بعض مدعیانِ ہیأت نے بعض محرابات نصب کردہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی پیش کی حالانکہ بالیقین صحابہ کرام کا علم زائد تھا اُس کے بعد فلسفی ادعا کا سننا بھی حلال نہیں، ہاں بتحقیق معلوم ہو

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷

[2] شرح النقایۃ للبرجندی باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۸۹

کہ فلاں محراب کسی جاہل ناواقف نے یُونہی جزافاً قائم کردی ہے تو البتہ اُس پر اعتماد نہ ہوگا۔ علّامہ خیر الدین رملی استادِ صاحبِ دُرمختار رحمہما اللہ تعالٰی فتاوٰی خیریہ میں فرماتے ہیں:

نحن علی علم بان الصحابة رضی اللہ عنهم اعلم من غیرهم فاذاعلمنا انهم وضعوا محرابا لایعارضهم من هودونهم واذاعلمنا ان محرابا وضع من غیرهم بغیر علم لانعتمده، واذالم نعرف شیئا وعلمنا کثرة المارین و توالی المصلین علی مرور السنین علمنا بالظاهر وهوالصحة[1]۔	ہمیں یقین ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیگر تمام افراد امّت سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہوا کہ یہ محراب صحابہ نے قائم کئے ہیں تو ان کے مقابل کسی دوسرے کی بات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا (لہٰذا اس محراب پر اعتماد کیا جائے گا) اور جب ہمیں یہ معلوم ہوجائے کہ صحابہ کے علاوہ کسی جاہل ناواقف نے یہ محراب بنائی تو اس پر ہم اعتماد نہیں کریں گے، اور اگر کسی محراب کے بارے میں ہمیں کچھ معلومات نہ ہوں صرف اتنا جانتے ہوں کہ یہاں کئی سالوں سے کثیر راہگیر اور نمازی مسلسل نماز پڑھتے رہے ہیں تو ہم اسی ظاہر صورت پر عمل کریں گے اور یہی درست ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

مذهب الحنفیة یعمل بالمحاریب المذکورة ولا یلتفت للطعن المذکورة[2]۔	احناف کا مسلک یہی ہے کہ ان محاریب مذکورہ پر عمل پیرا ہوں اور مخالف کے طعن و اعتراض مذکورہ کی طرف توجہ نہ کی جائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

نهایة الفلکی المذکوران یطعن بالانحراف الیسیر الذی لا یجاوز الحد المذکور وهوعلی تقدیر صدقه لایمنع الجواز ولهذا قال الشارح	قول فلکی (ماہر فلکیات) مذکور کی نہایۃ یہ ہے کہ وہ اس تھوڑے انحراف کے ساتھ جو حد مذکور سے تجاوز نہ کرتا ہو طعن (اعتراض) کریگا حالانکہ اگر اسکا قول سچّا بھی ہو تاہم جوازِ نماز کے منافی نہیں اس لئے شارح

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۹

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۸

الزیلعی لا یجوز التحری مع المحاریب[1]۔	امام زیلعی نے فرمایا محاریب کے ہوتے ہوئے اجتہاد اور غور وفکر کی ضرورت نہیں۔(ت)

اُسی میں ہے:

الکلام فی تحقق ذلك (یعنی الانحراف الکثیر) ولایقع علی وجه الیقین مع البعد باخبار المیقاتی کما لا یخفی عند الفقهاء[2]۔	لیکن کلام انحراف کثیر کی تحقیق کے بارے میں ہے اور یہ بات بُعد کی صورت میں ماہر فلکیات کی رائے سے یقینی طور پر حاصل نہیں ہو سکتی جیسا کہ فقہاء پر مخفی نہیں۔(ت)

حلیہ میں ہے:

المحراب فی حق المصلی قد صار کعین الکعبة ولهذا لا یجوز للشخص ان یجتهد فی المحاریب فایاك ان تنظر الی ما یقال ان قبلة اموی دمشق واکثر مساجدها المبنیة علی سمت قبلة فیها بعض انحراف اذلا شك ان قبلة الاموی من حین فتح الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم ومن صلی منهم الیها وکذا من بعدهم اعلم و اوثق من فلکی لاندری هل اصاب ام اخطأبل ذلك یرجع خطأه وکل خیر من اتباع من سلف[3]۔	نمازی کے لئے محراب عین کعبہ کی طرح ہے اسی لئے کسی شخص کو روا نہیں کہ وہ محاریب میں اجتہاد یا غور وفکر کرے اس بات سے تو دُور رہ (جو کہا جاتا ہے) کہ جامع اموی دمشق اور اسکی اکثر دیگر مساجد جو اسکی سمت پر بنائی گئی ہیں ان کی سمت قبلہ کچھ منحرف ہے کیونکہ جامع اموی کے قبلہ کا تعیّن اس وقت ہوا جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم نے اس علاقہ کو فتح کیا تھا صحابہ کرام خود بھی اسی رُخ نماز ادا کرتے رہے اور اُن سے بعد کے لوگ بھی اور وہ حضرات اس فلکی سے زیادہ عالم اور ثقہ تھے اس فلکی کے بارے میں ہمیں کیا معلوم کہ اسکی رائے درست ہے یا غلط بلکہ اس کا خاطی ہونا ہی راجح ہے اور تمام خیر اسلاف کی اتباع میں ہے۔(ت)

پھر علماء کے یہ ارشادات اس بارے میں تھے جو فنِ ہیأت کا ماہر کامل عامل فاضل ثقہ عادل ہو یہ نئی روشنی والے نہ فقہ سے مس نہ ہیئات سے خبر، اور دین ودیانت کا حال روشن تر، ان کی بات کیا قابلِ التفات،

[1] فتاوٰی خیریۃ، کتاب الصلٰوۃ، مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت، ۱/۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۹

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ان کی ہیأت دانی اس اعتراض ہی سے پیدا ہے کہ قطب شمالی شانہ راست سے جانب پشت مائل ہونے کو دلیل انحراف بتایا اور دیوار توڑ کر ٹھیک محاذاتِ قطب میں بنانا چاہتے ہیں، علم ہیأت مین ادراک سمت قبلہ کے لئے دو طریقے ہیں: ایک تقریبی کہ عامہ کتب متداولہ میں مذکور، دوسرا تحقیقی کہ زیجات میں مسطور۔ یہاں سے واضح کہ یہ حضرات اُن دونوں سے مجور، اگر وُہ طریقہ تقریبی جانتے اُن پر معترض نہ ہوتے کہ اُس کی رو سے سمت قبلہ علی گڑھ نکالیں تو ضرور قطبِ شمالی شانہ راست سے جانبِ پشت ہی پھرا رہے گا کہ اس طریقہ پر علی گڑھ کا خط قبلہ نقطہ مغرب سے ساڑھے دس درجے جانبِ جنوب جھکا ہُوا ہے۔ ظاہر ہے کہ نقطہ مغرب کی طرف منہ کرتے تو قطب محاذات شانہ پر رہتا اب کہ مغرب سے دس درجے جنوب کو پھرے، قطب ضرور جانبِ پشت میلان کرے گا، اور اگر طریقہ تحقیقی سے آگاہ ہوتے ہر گز دیوار جدید محاذی قطب بنانی نہ چاہتے کہ طریق تحقیق میں بھی خط قبلہ علی گڑھ نقطہ مغرب سے جنوب ہی کو مائل ہے اگرچہ نہ اُتنا کہ ہم دونوں طریق تقریب و تحقیق ان شاء اللہ آخر کلام میں ذکر کریں گے۔

ثامنا: محاذات قطب چاہنا بھی ان صاحبوں کے خیال میں علمائے اسلام رحمھم اللہ تعالٰی کا صدقہ ہے جن کا منشا اگران کے خیال میں ہوتا، مسجد کا ڈھانا فرض نہ کرتے، زمانہ اقدس صحابہ کرام بلکہ حضورپُر نور سید الانام صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم سے غیر مکّی کیلئے جہتِ کعبہ قبلہ قرار پائی ہے اصابت عین کی ہر گز تکلیف نہیں ولہذا اصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنھم نے بلادِ متقاربہ بلکہ ملک بھر کیلئے ایک ہی قبلہ قرار دیا، ملک عراق کے واسطے باتباع ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم وفرمانِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ صحابہ نے بین المشرق والمغرب قبلہ مقرر فرمایا، ائمہ کرام نے بخارا، سمرقند، نسف، ترمذ، بلخ، مرو، سرخس وغیرہا کا قبلہ مسقط راس العقرب بنایا، بیت المقدس، حلب، دمشق، رملّہ، نابلس وغیرہا تمام ملک شام کا قبلہ ستارہ قطب کو پس پشت لینا ٹھرایا۔ کوفہ، بغداد، ہمدان، قزوین، طبرستان، جرجان وغیرہا میں نہر شاش تک قطب کو داہنے کان کے پیچھے بلکہ عراق میں سیدھے (دائیں) شانے، ملک مصر میں بائیں کندھے، ملک یمن میں منہ کے سامنے بائیں کو ہٹا ہُوا فرمایا۔ امام فقیہ ابو جعفر ہندوانی نے بغداد مقدس و بخارا شریف کا قبلہ ایک بتایا۔ علماء نے خراسان و سمرقند وغیرہا بلادِ مشرقیہ کے لئے جن میں ہندوستان بھی داخل بین المغربین قبلہ ٹھیرایا۔ امام اجل فقیہ النفس قاضی خان رحمہ اللہ تعالٰی نے مشائخ کرام رحم اللہ تعالٰی سے دربارہ قبلہ چھ [۶] قول نقل فرمائے: بنات النعش صغری کو جس کی نعش کا سب سے روشن ستارہ قطب ہے دہنے کان پر لے کر قدرے بائیں کو پھرنا۔ [۲] ستارہ قطب کو سیدھے (دائیں) کان کے پیچھے لینا، [۳] مسقط راس العقرب کی طرف مُنہ کرنا [۴] آفتاب جب برج جوزا میں ہو آخر وقت ظہر میں اسکی سمت دیکھ کر ملحوظ رکھنا، مسقط دو [۵] نسر طائر وواقع کے درمیان بین [۶] المغربین کے فاصلے سے دو ثلث دہنے ایک بائیں کو رکھنا۔ اور فرمایا کہ یہ سب اقوال باہم قریب ہیں ان تمام احکام کا مبنٰی وہی ہے کہ اعتبارِ جہت میں بڑی وسعت ہے فلسفی بیچارا، آلات کا پٹارا، خیالات کا پشتارا کھول کر بیٹھے تو ہر گز

نہ اُن شہروں کا قبلہ ایک پاسکتا ہے نہ ملک بھر کی ایک سمت ٹھہرا سکتا ہے مگر وُہ نہیں جانتا کہ یہ دین تدقیقی آلات پر مبنی نہیں یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا دین سمح سہل ہے۔ الحمدللہ رب العٰلمین قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اِنَّآاُمّۃ اُمیۃ لا نکتب ولا نحسب[1]۔ (تمام خوبیاں اللہ کیلئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب رکھتے ہیں۔ت) فتاوٰی خانیہ میں ہے:

جھۃ الکعبۃ تعرف بالدلیل والدلیل فی الامصار والقری المحاریب التی نصبتھا الصحابۃ والتابعون رضی اللہ عنھم فحین فتحوا العراق جعلوا قبلۃ اھلھا بین المشرق والمغرب لذلك قال ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ ان کان بالعراق جعل المغرب عن یمینہ والمشرق عن یسارہ وھکذا قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی وانما قال ذلك لقول عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا جعلت المغرب عن یمینك والمشرق عن یسارك فما بینھما قبلۃ لاھل العراق وحین فتح خراسان جعلوا قبلۃ اھلھا مابین مغرب الصیف ومغرب الشتاء فعلینا اتباعھم وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال فی قبلۃ اھل الری اجعل الجُدَیَّ عـــہ علی منکبك	جہت کعبہ دلیل کے ذریعہ پہچانی جاسکتی ہے اور دلیل شہروں اور دیہاتوں میں وہ محراب ہیں جو صحابہ کرام و تابعین رضی اللہ عنھم اجمعین نے قائم کئے، صحابہ نے جب عراق کا علاقہ فتح کیا تو اُنہوں نے وہاں کے لوگوں کے لئے مشرق و مغرب کے درمیان جہت کعبہ مقرر کی اس لئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا عراقی مغرب کو اپنی دائیں طرف اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کرلے۔ اسی طرح امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا، یہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی اتباع میں کہا ہے جس میں ہے کہ جب تم مغرب کو اپنی دائیں اور مشرق کو اپنی بائیں طرف کرلے تو ان کے درمیان اہل عراق کا قبلہ ہے۔ اور جب صحابہ نے خراسان فتح کیا تو وہاں کے رہنے والوں کے لئے موسم گرما کے مغرب اور موسم سرما کے مغرب کے درمیان کو قرار دیا۔ پس ہم پر ان کی اتباع لازم ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے کہ اُنہوں نے اہل رے کے لئے قبلہ کا تعین کرتے ہوئے

عـــہ بضم الجیم وفتح الدال وتشدید الیاء ای جُدَیَّ الفرقد اسم النجم الثاقب السابع فی اٰخر النعش الصغرٰی ۱۲ العلامۃ حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ۔	جیم پر پیش، دال پر زبر، یا مشدّد کے ساتھ جُدَیَّ الفرقد یہ اس ساتویں ثاقب ستارے کا نام ہے جو نعش صغرٰی کے آخر میں ہے۔ ۱۲ علامہ حامد رضا رحمۃ اللہ علیہ۔ (ت)

الایمن واختلف المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی فیما	فرمایا: جدّی (ستارہ) کا اپنے بائیں کاندھے پر کرو۔ ان کے علاوہ

[1] صحیح مسلم باب وجوب صوم رمضان الرؤیۃ الہلال الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۷

سوی ذلك من الامصار ، قال بعضهم اذا جعلت بنات نعش الصغرٰی علی اذنك الیمنی یمینك وانحرفت قلیلا الی شمالك فتلك القبلة ،وقال بعضهم اذاجعلت الجُدَیّ خلف اذنك الیمنی فتلك القبلة وعن عبدالله المبارك و ابی مطیع و ابی معاذ وسلم بن سالم و علی ابن یونس رحمهم الله تعالٰی انهم قالوا قبلتنا العقرب وعن بعضهم اذاکانت الشمس فی برج الجوزاء ففی اٰخر وقت الظهراذا استقبلت الشمس بوجهك فتلك القبلة وعن الفقیه ابی جعفر رحمه الله تعالٰی انه قال اذا قمت مستقبل المغارب فالنسر الواقع بسقوطه یکون بحذاء منکبك الایمن والنسر الطائر سقوطه فی وجهك بحذاء عینك الیمنی فالقبلة مابینهما ،قال قبلة بخارا هی علی قبلتنا ، وعن القاضی الامام صدرالاسلام قال القبلة مابین النسرین ، وعن الشیخ الامام ابی منصور الماتریدی رحمة الله علیه انظر الی مغرب الشمس فی اطول ایام السنة ثم فی اقصر ایام السنة دع الثلثین عن یمینك والثلث عن یسارك فالقبلة عند ذلك وهذه الاقاویل بعضها قریب من بعض[1] اھ مختصرا۔

دیگر شہروں کے بارے میں مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ جب بنات نعش صغرٰی کو اپنے دائیں کان پر کرتے ہوئے تھوڑا سا اپنی بائیں طرف پھر جاؤ یہی تمہارا قبلہ ہے۔ اور بعض کا قول یہ ہے کہ جدّی (ستارہ) کو جب اپنے بائیں کان کے پیچھے کرلے تو یہ تیرا قبلہ ہے اور حضرت عبداللہ ابن مبارک ،ابو مطیع ،ابو معاذ، سلم بن سالم اور علی بن یونس رحمہم اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہمارا قبلہ عقرب (ستارہ) ہے۔اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ سورج بُرج جوزا میں ہو تو ظہر کے آخری وقت میں جب تو سورج کی طرف اپنے چہرے کو پھیر لے تو یہی تمھارا قبلہ ہے۔ اور فقیہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب تم چہرہ مغارب کے سامنے کی طرف کرو تو نسر واقع تمھارے دائیں کاندھے کے برابر اور نسر طائر چہرے میں تمھاری دائیں آنکھ کے مقابل ہوگا جو ان کے درمیان ہو وہ قبلہ ہے۔فرمایا اور بخارا کا قبلہ ہمارے ہی قبلہ پر ہے اور امام قاضی صدرالاسلام کا قول ہے کہ قبلہ دونوں نسروں کے درمیان ہے۔ شیخ الاسلام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ تم سال کے بڑے دنوں میں سورج کے مغرب کی طرف دیکھو اس طرح سال کے چھوٹے دنوں میں دیکھو پھر اپنی دائیں جانب سے دو تہائی اور بائیں جانب سے ایک تہائی چھوڑ دو تو یہ سمت قبلہ ہے۔ یہ تمام اقوال ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں اھ مختصرًا (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

معراج الدرایہ و فتح القدیر و حلیہ میں ہے:

ولذا وضع العلماء قبلة بلدين و بلاد علی سمت واحد فجعلوا قبلة بخاری وسمرقند ونسف وترمذ وبلخ و مرو و سرخس موضع الغروب اذاکانت الشمس فی اٰخر المیزان وأول العقرب کما اقتضته الدلائل الموضوعة لمعرفة القبلة ولم یخرجوا لکل بلد سمتا لبقاء المقابلة والتوجه فی ذلك القدر و نحوہ من المسافة [1]۔	اسی لئے علماء نے ایک شہر، دو شہر بلکہ متعدد شہروں کا قبلہ ایک ہی سمت مقرر کیا ہے مثلاً بخارا، سمرقند، نسف، ترمذ، بلخ، مرو، سرخس کا قبلہ موضع غروب (مسقط راس العقرب) قرار دیا جبکہ شمس آخر میزان اور اوّل عقرب میں ہو جیسا کہ معرفت قبلہ کے لئے وضع کردہ دلائل اسی کا تقاضا کرتے ہیں اور ہر شہر کے لئے الگ الگ سمت مقرر نہ کی کیونکہ اس قدر اور اسی جیسی مسافت میں مقابلہ اور توجہ الی الکعبہ باقی رہتی ہے۔(ت)

مبتغی اور حلیہ و بحر و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لجُدَیٍّ اذا اجعله الواقف خلف اذنه الیمنی کان مستقبل القبلة ان کان بناحیة الکوفة و بغداد و همدان و قزوین و طبرستان و جرجان وما والاهاالی نهر الشاش و یجعله من بمصر علی عاتقه الیسر ومن بالعراق علی عاتقه الایمن وبالیمن قبالة المستقبل ممایلی جانبه الایسر وبالشام وراءہ [2]۔	جب کھڑا ہونے والا جدّی (قطب ستارہ) کو اپنے دائیں کان کے پیچھے کرلے تو اب اس کے سامنے جہت قبلہ ہے اگر وہ کوفہ، بغداد، ہمدان، قزوین، طبرستان، جرجان اور اس کے قرب و جوار نہر شاش تک کے علاقے میں رہنے والا ہو (تمام علاقوں کا قبلہ یہی ہے) مصر میں رہنے والا جدّی (ستارہ قطب) اپنے بائیں کاندھے پر کرلے، عراقی دائیں کاندھے پر کرلے، یمنی اپنے سامنے کی اس جانب کرے جو بائیں جانب سے متصل ہے اور شامی اپنے پیچھے کی طرف کرلے۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وذکر بعضهم ان اقوی الادلة القطب فیجعله من بالشام ورائه والرملة ونابلس	بعض علماء نے فرمایا کہ سب سے قوی دلیل قطب (ستارہ) ہے تو اہلِ شام اسے پشت کی طرف کریں۔ رملہ، نابلس،

[1] فتح القدیر باب شروط الصلوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۳۵

[2] البحرالرائق باب شروط الصلوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۵

و بیت المقدس من جملة الشام کدمشق وحلب و جوز للکل الاعتماد علی القطب و جعله خلفه ولا بد فی ذلك من نوع انحراف لاھل ناحیة منها لکنه لا یضر کما قررناه [1]۔	بیت المقدس سب ملک شام کے حصے ہیں جیسا کہ دمشق اور حلب اور ان کے بعض حضرات نے ان تمام کے لئے قطب ستارے پر اعتماد کو جائز قرار دیا ہے جبکہ وہاں کے رہنے والا اسے اپنے پیچھے کرے حالانکہ اس صورت میں یہاں سے ایک جانب رہنے والوں کیلئے کچھ نہ کچھ انحراف ضرور لازم آتا ہے، لیکن یہ انحراف نقصان دہ نہیں جیسے کہ ہم اس کو بیان کر آئے۔(ت)

اسی حکم کی بناپر ہندوستان میں ستارہ قطب داہنے شانے پر لیا گیا ہے اور قدیم سے عام مساجد اسی سمت پر بنیں کہ بین المغربین کا اوسط مغرب اعتدال تھا اور اس کی طرف توجہ میں قطب سیدھے ہی شانے پر ہوتا ہے اس کی پہچان آسان اور اُس میں انحراف بقدر عـہ (قدرے انحراف) مضر نہیں ولہذا اسی پر تعامل ہوا۔

یہ مدعیان ہیأت سمجھے کہ عام بلادِ ہندیہ شاید خاص علی گڑھ کا یہی قبلہ تحقیقی ہے حالانکہ وہ محض ناواقفی ہے۔ ہندوستان آٹھ درجے عرض شمال سے پینتیس ۳۵ درجے تک آباد ہے طولِ شرقی چھیاسٹھ ۶۶ درجے سے بانوے ۹۲ تک۔ یہ بھی ہندوستان کی خوش نصیبی ہے ۶۶ عدد ہیں اسمِ جلالت اللہ کے اور ۹۲ نامِ پاک محمد کے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔ ہم نے اپنے رسالے کشف العلة عن سمت القبلة (۱۳۰۴ھ) میں براہینِ ہندسیہ سے ثابت کیا ہے کہ شروع جنوبی ہند جزیرہ سرندیپ وغیرہا سے تئیس ۲۳ درجے چونتیس ۳۴ دقیقے عرض تک جتنے بلاد ہیں جن میں مدراس، حاطہ بمبئی، حیدرآباد کا علاقہ وغیرہا داخل ہیں، سب کا قبلہ نقطہ مغرب سے شمال کو جھکا ہوا ہے ستارہ قطب داہنے شانے سے سامنے کی جانب مائل ہوگا اور انتیسویں ۲۹ درجہ عرض سے اخیر شمالی ہند تک جس میں دہلی، بریلی، مراد آباد، میرٹھ، پنجاب، بلوچستان، شکارپور، قلات، پشاور، کشمیر وغیرہا داخل ہیں سب کا قبلہ جنوب کو جھکا ہوا ہے، قطب سیدھے کندھے سے پشت کی طرف میلان کرے گا۔ دلیل کی رو سے یہ عام حکم ساڑھے بتیس درجے سے ہوتا تھا مگر ۲۸ کے بعد ۳۲ تک عدم انحراف کے لئے جتنا طول درکار ہے ہندوستان میں اُس طول وعرض پر آبادی نہیں۔ ۲۳-۳۴ سے ۲۸ تک جتنے بلاد کثیرہ ہیں اُن میں کسی کا قبلہ مغربی جنوبی، کسی خاص نقطہ مغرب کی طرف، علی گڑھ اسی قسمِ دوم میں ہے جس کا قبلہ جنوب کو مائل ہے۔ ہم نے اس رسالے میں عرض الح ل سے

عـہ ھھنا سقط العلامة حامد رضا رحمه الله تعالٰی	یہاں کچھ عبارت ساقط ہو گئی ۱۲علامہ حامد رضا رحمہ اللہ تعالٰی (ت)

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الصلوٰة مطبوعہ دارالمعرفة بیروت ۷/۱

عرض الح ہاتک ایک ایک دقیقے کے فاصلے سے ایک جدول دی ہے کہ اتنے عرض پر جب اتنا طول ہو تو قبلہ ٹھیک مغرب اعتدال کی طرف ہو گا اس کے ملاحظہ سے واضح ہوسکتا ہے کہ ہندوستان میں کتنے شہروں کا تحقیقی قبلہ اس حکم مشہور کے مطابق ہے یا اینہمہ عام عملدرآمد اُسی حکم واحد پر ہے اور کچھ مضر نہیں کہ حدود شرع سے باہر نہیں، بالجملہ یہ ناواقف لوگ اگر سمت حقیقی چاہتے ہیں تو محاذات قطب چاہنا باطل اور جہت پر قانع ہیں تو جہت اب بھی حاصل، بہر حال مسجد شہید کرنے کی فرضیت باطل، اُس میں نماز کی تحریمی کراہت باطل۔ غرض اُس بے معنی فتوے کی جہالت کہاں تک گنئے ہم اصل حکمِ شرع بتوفیق اللہ تعالٰی واضح کریں کہ عیدگاہ مذکور ضرور حدودِ شرعیہ کے اندر ہے اس کا بیان چند افادوں پر موقوف، فاقول وماتوفیقی الّا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں اسی پر بھروسہ اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ت)

افادہ اولٰی: جہت قبلہ کی حد کیا ہے کہ جب اس سے باہر ہو جہت سے باہر ہو، اس بارے میں عباراتِ علماء متعدد وجوہ پر پائی گئیں:

اوّل جب مشارق مغارب نہ بدلیں جہت نہ بدلے گی۔ فتح القدیر وبحر الرائق وخیریہ وطحطاوی وردالمحتار وغیرہا کُتب کثیرہ میں یہاں اور نیز مسئلہ اقتداء بالشافعی میں ہے:

الانحراف المفسدان یجاوز المشارق الی المغارب [1] وفی الخیریة بعد ما قدمنا عنه فی الایرادالسابع وعند تحققنا بالخطاء زال الغطاء وهو فی اختلاف الجهة بحیث یکون متجاوز المشارق الی المغارب [2]۔	مفسد نماز وُہ انحراف جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو اور فتاوٰی خیریہ میں اس کی گفتگو کے بعد جو پہلے ایراد سابع میں بیان کرچکے) ہے۔ جب ہمیں خطاء کا تحقیقی ثبوت مل گیا تو پردہ اُٹھ گیا یعنی کوئی اشکال نہ رہا، وہ یہ ہے کہ جہت قبلہ مختلف ہوجاتی ہے جب مشارق و مغارب سے متجاوز ہوں (یعنی مشارق مغارب بدل جائیں)۔(ت)

اور اسکی تائید اُس حدیث سے کی گئی کہ ترمذی وابن ماجہ وحاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ترمذی نے کہا حسن صحیح ہے حاکم نے کہا بر شرط بخاری ومسلم صحیح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **مابین المشرق والمغرب قبلة** [3] مشرق ومغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ امام ملک موطا اور ابوبکر ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق مصنفات

---

[1] البحر الرائق باب شروط الصلوٰة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰة مطبوعہ دارالمعرفة بیروت ۱/۹

[3] جامع الترمذی باب ماجاء ان بین المشرق والمغرب قبلة مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۴۶

اور بیہقی سنن اور ابو لعباس اصم اپنے جُزءِ حدیثی میں راوی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **مابین المشرق والمغرب قبلة**[1] (مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ت) جامع ترمذی میں یہ قول متعدد صحابہ کرام مثل امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ، وحضرت عبداللہ بن عباس وغیرہما رضی اللہ عنہما سے مروی ہونا بیان کیا اور کہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

اذاجعلت المغرب عن يمينك والمشرق عن يسارك فما بينهما اذا استقبلت القبلة[2]	جب تو مغرب کو داہنے ہاتھ پر لے اور مشرق کو بائیں ہاتھ پر، توان دونوں کے اندر قبلہ ہے۔اس وقت روبقبلہ ہولیا۔

اقول: عبارت مذکورہ علماء سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک منہ کرنے کے عوض پیٹھ کرنا نہ ہو کہ قبلہ مغرب کو ہے یہ مشرق کو منہ کرے یا بالعکس، اُس وقت تک استقبال فوت نہ ہوگا، یہاں تک کہ اگر مغربی قبلہ والا جنوب یا شمال کو منہ کرکے کھڑا ہو یعنی کعبہ معظّمہ کو ٹھیک دہنی یا بائیں کروٹ پڑے تو جہت ہنوز باقی رہی اور یہ ظاہر الفساد ہے پہلو کرنے کو کوئی منہ کرنا نہ کہے گا۔یہ **فَوَلِّ وَجهَکَ** (پس اپنا چہرہ اقدس پھیریے۔ت) کے عوض **وَلِّ جَنبَکَ** (اپنا پہلو مبارک پھیریے۔ت) رہے گا اور وہ بالاجماع باطل ہے لہٰذا قولِ ظہیر یہ **اذا تيامن او تياسر تجوز**[3] (اگر دائیں یا بائیں ہوگیا تو جائز ہے۔ت) کی تاویل کی طرف دُرمختار میں اشارہ فرمایا ردالمحتار میں اسکی شرح کی:

اى ليس المراد منه ان يجعل الكعبة عن يمينه اويساره اذلا شك حينئذ فى خروجه عن الجهة بالكلية بل المرادالانتقال عن عين الكعبة الى اليمين اواليسار[4] **اھ ملخصًا۔**	یعنی اس سے مراد یہ نہیں کہ وہ کعبہ کو دائیں یا بائیں کرے کیونکہ اس صورت میں وہ بلاشک جہتِ کعبہ سے نکل جائے گا بلکہ اس مراد یہ ہے کہ وہ عین کعبہ سے دائیں یا بائیں طرف منتقل ہوجائے اھ ملخصًا (ت)

اگرچہ یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ اپنے یہاں کے نقاطِ اربعہ جہاتِ اربعہ کے اعتبار سے افق بلد کے دو نصف کئے جائیں، قبلہ اگر وہاں سے جنوب یا شمال کو ہے (جیسے مدینہ طیبہ کہ اس کا قبلہ میزاب رحمت ہے) تو جنوبی شمالی، اور اگر شرق یا غرب کو ہے (جیسے ہندوستان میں اس کا قبلہ بابِ کعبہ و مقامِ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہے) تو شرقی غربی،

---

[1] سنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/۹

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان بین المشرق والمغرب قبلۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۴۶

[3] ردالمحتار مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۵

[4] ردالمحتار مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۱۶

پھر جس نصف میں کعبہ ہے مصلّی اس میں کسی طرف منہ کرلے استقبال ہوجائے گا اور دوسرے نصف کی طرف منہ کیا تو جہت سے نکل جائے گا یہ پہلے سے بھی زیادہ ظاہر البطلان ہے کہ اس پر استقبال قبلہ میں نماز فاسد اور استدبار قبلہ میں صحیح ٹھہرتی ہے۔فرض کرو اب ح ء شہری کا دائرہ افق ہے

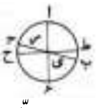

جس میں ا نقطہ مغرب ء نقطہ مشرق تو ب اح قوسِ غربی ہوئی ر کعبہ معظّمہ اسی نصف میں واقع تو مصلی نقطہ ط کی طرف منہ کرے تو اسکی توجہ اسی نصف کی طرف واقع ہوئی مگر قطعًا اُس کی پشت کعبہ کو ہے اور ح کی طرف استقبال کرے تو نماز نہ ہو کہ نصف بدل گیا حالانکہ وہ قطعًا استقبال میں ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ایک خطِ مستقیم موضع مصلی و محلِ کعبہ میں وصل کیا جائے اور دوسرا خط کہ اس پر عمود ہو جانبین میں دائرہ افق تک ملادیا جائے

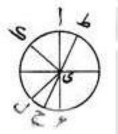

اس عمود سے جو افق کے دو نصف ہوئے اُن میں قبلہ اُس حصہ میں ہے جس کے ٹھیک وسط میں کعبہ ہے پس صورت مفروضہ میں تصویر سمت یہ ہے خط ی ک خط قبلہ تحقیقی اور ح ط اُس پر عمود قوس ح ک ط میں قبلہ ہے ح ط سے وہ استحالے تو اُٹھ گئے مگر ایراد اوّل ہنوز باقی ہے کہ ظاہر یہ کہ نقطتین ح ط کے اندر اندر ساری قوس جہت ہے اور شک نہیں کہ ح ط در کنار ال کی طرف منہ کرنا بھی یقینا تیامن تیاسر ہے نہ استقبال و لہٰذا علماء نے اسے مشکل جانا اور تاویل و تقلید کی طرف متوجہ ہوئے کہ اس سے مراد صرف وہ حصہ قوس ہے جس کی طرف توجہ میں ہوائے کعبہ سے کچھ بھی محاذات و مسامتت باقی ہے اگرچہ تقریبًا نہ یہ کہ جس نقطے کو چاہو منہ کرلو۔منحۃ الخالق میں ہے:

قولہ وفی الفتاوی الانحراف المفسد ان یتجاوز المشارق الی المغارب ،کذانقلہ فی فتح القدیر وھومشکل فان مقتضاہ ان الانحراف اذالم یوصلہ الی ھذاالقدر لایفسد[1] الخ۔	اس کا قول فتاوٰی میں ہے کہ مفسد نماز وہ انحراف ہے جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو، فتح القدیر میں اسی طرح منقول ہے حالانکہ یہ صورت مشکل ہے کیونکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انحراف اس کو جب تک اس مقدار تک نہ پہنچائے وہ مفسدِ نماز نہ ہو گاالخ۔(ت)

حلیہ میں فرمایا:

قبلۃ اھل المشرق المغرب عندنا ، ش ھذافی الذخیرۃ (الی ان قال) ثم	م (متن) اہل مشرق کا قبلہ ہمارے نزدیک مغرب ہے ش (شرح) یہ ذخیرہ میں ہے (آگے چل کر کہا) پھر

الظاھر ان ھذا انما یستقیم فیما اذا کان التوجہ من	ظاہر یہ ہے یہ اس صورت درست ہوگا جب توجہ مشرق سے جانب

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۸۵/۱

المشرق الی المغرب وبالعکس مسامتا لهواء الکعبة اما تحقیقا او تقریبا علی ماذکرنا لاعلی ای وجه کان ذلك التوجه من احدی الجهتین الی الاخری فتنبیه له وکان للعلم به لم یفصحوا به[1]۔	مغرب یا بالعکس ہوائے کعبہ کی سمت حقیقتًا یا تقریبًا باقی رہے جیسے کہ ہم نے ذکر کیا یہ نہیں کہ ہر صورت میں درست ہوگا یعنی جب دونوں جہتوں میں سے ایک کی توجہ دوسری کی طرف ہو۔ یہ اس کے لئے تنبیہ ہے اور گویا اس بات کا علم تھا اس لئے اُنھوں نے وضاحت نہیں کی۔(ت)

یوں ہی ردالمحتار میں اسے موؤل کیا کما سیأتی وللعبد الضعیف فیه کلام ستعرفه ان شاء الله تعالٰی (جیسے کہ عنقریب آئیگا اور عبد ضعیف کو اس میں کلام ہے جس سے ان شاء اللہ تعالٰی آگاہی ہوگی۔ت)

دوم کہ عامہ کُتب میں شہرت وافیہ رکھتا ہے کہ اتنا پھر سکتا ہے جس میں منہ یعنی وجہ کا کوئی حصہ مقابل کعبہ معظّمہ رہے دو مسطح چیزوں میں مقابلا تھوڑے انحراف سے زائل ہوجاتا ہے مگر قوس کا مقابلہ بے انحراف کثیر زائل نہ ہوگا اور حق جل وعلا نے انسان کا چہرہ مقوس بنایا ہے جب تک کوئی حصہ رُخ مقابل رہے گا استقبال بالوجہ حاصل رہے گا اور فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ[2] (پس اپنا چہرہ اقدس مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ت) کا امتثال ہوجائے گا۔

اقول: اُس کی وجہ یہ ہے کہ سطح مستوی پر جتنے خط عمود ہوں گے سب کی سمت ایک ہی ہوگی جب ان میں ایک مقابلہ سے منحرف ہوا سب منحرف ہوگئے بخلاف قوس کہ اُس کے ہر نقطہ کے خطِ مماس پر نقطہ تماس سے جو عمود قائم ہوگا جُدا جہت رکھے گا تو اُس کا مقابلہ زائل ہوا دوسرے کا ہوگا اُس کا نہ رہا اور کا ہوگا یہاں تک کہ قوس ختم ہوجائے۔

معراج الدرایہ وفتح القدیر وزادالفقیر وحلیہ وغنیہ وبحرالرائق وفتاوٰی خیریہ ودرمختار وردالمحتار وغیرہا میں ہے۔

وھذا لفظ الاخیر ثم اعلم انه ذکر فی المعراج عن شیخه ان جهة الکعبة هی الجانب الذی اذا توجه الیه الانسان یکون مسامتا للکعبة او هوا ئها تحقیقا او تقریبا ومعنی	آخری کتاب کے الفاظ یہ ہیں: پھر جان لے کہ معراج الدرایہ میں اپنے شیخ سے ذکر کیا ہے کہ جہتِ کعبہ سے مراد وہ جانب ہے کہ انسان جب اس کی طرف توجہ کرے تو انسان کا چہرہ کعبہ یا ہوائے کعبہ کی جانب تحقیقًا یا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

التقریب ان یکون منحرفا عنها اوعن هوائها بما لاتزول به المقابلة بالکلیة بان یبقی شئی من سطح الوجه مسامتا لها ولھوائها ملخصا[1]۔	تقریبًا باقی رہے تقریب کا معنی یہ ہے کہ کعبہ یا ہوائے کعبہ سے تھوڑا منحرف ہو جس سے بالکلیہ مقابلہ زائل نہ ہو بایں طور کہ چہرہ کی سطح کعبہ یا ہوائے کعبہ کی سمت باقی رہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

لاباْس بالانحراف انحرافا لاتزول به المقابلة بالکلیة بان یبقی شئی من سطح الوجه مسامتا للکعبة[2]۔	ایسے انحراف میں کوئی حرج نہیں جس سے تقابل بالکلیہ ختم نہ ہو بایں طور کہ سطحِ چہرہ کا کچھ حصہ کعبہ کی جانب باقی رہے۔(ت)

درر میں ہے:

فیعلم منه انه لو انحرف عن العین انحرافا لا یزول به المقابلة بالکلیة جاز یؤیده ماقال فی الظھیریة اذاتیا من اوتیاسر یجوز لان وجه الانسان مقوس فعندالتیا من او التیا سریکون احد جوانبه الی القبلة[3]۔	تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عین کعبہ سے اتنا تھوڑا منحرف ہو جس سے باکلیہ مقابلہ ختم نہ ہوتا ہو تو نماز جائز ہو، ظہیریہ کا یہ قول بھی اس کی تائید کرتا ہے: جب انسان متیامن متیاسر ہوگیا تو نماز جائز ہے کیونکہ انسان کا چہرہ کمان کی طرح گول ہے تھوڑا سا دائیں بائیں ہونے سے اس کی کوئی ایک جانب قبلہ رُخ باقی رہے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فعلم ان الانحراف الیسیر لایضر وھوالذی یبقی معه الوجه او شیء من جوانبه مسامتا لعین الکعبة اولھوائها بان یخرج الخط من الوجه اومن بعض جوانبه ویمر علی الکعبة اوھواء ھا مستقیما ولا یلزم ان یکون الخط الخارج علی استقامة خارجا من	تواس سے معلوم ہُوا کہ تھوڑا انحراف نقصان دہ نہیں وہ تھوڑا انحراف یہ ہے کہ چہرہ یا چہرہ کی کوئی ایک جانب عین کعبہ ہوائے کعبہ کے مقابل باقی رہے بایں طور کہ چہرے اس کی کسی ایک جانب سے نکلنے والا خط کعبہ یا ہوائے کعبہ کی طرف مستقیم (سیدھا) ہو کر گزرے یہ ضروری نہیں کہ نکلنے والا خط سیدھا

[1] ردالمحتار، مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۲۸۷

[2] جامع الرموز باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۳۰

[3] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادت بیروت ۱/۶۰

جبهة المصلی بل منها اومن جوانبها کما دل علیه قول الدرر من جبین المصلی فان الجبین طرف الجبهة وهما جبینان وعلی ما قررناه یحمل مافی الفتح والبحر عن الفتاوٰی من ان الانحراف المفسدان یجاوز المشارق الی المغارب [1]	نمازی کی پیشانی سے خارج ہو بلکہ پیشانی یا پیشانی کے کسی ایک حصہ سے خارج ہو جیسے کہ اس پر درر کے یہ الفاظ دال ہیں، وہ خط نمازی کے جبین سے خارج ہو، کیونکہ جبین پیشانی کی ایک طرف کو کہتے ہیں اور اس کے دونوں طرف دو جبینیں ہوئے۔ یہ جو ہم نے گفتگو کی ہے اسی پر اس کو محمول کیا جائے جو فتح القدیر اور بحر الرائق میں فتاوٰی سے منقول ہے: یعنی مفسدِ نماز وہ انحراف ہے جس سے مشارق مغارب بدل جائیں (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تمام کتب مذکورہ میں **شئی من سطح الوجه** (سطح چہرہ کا کچھ حصہ۔ت) کا لفظ ہے اور ہمارے مذہب میں ایک کان سے دوسرے تک سب سطحِ وجہ ہے و لہٰذا مابین العذار والاذن (رخسار اور کان کا درمیانی حصہ۔ت) کا دھونا بھی وضو میں فرض ہُوا اور قطعًا معلوم ہے کہ جب کوئی کسی نقطہ افق کی محاذات پر کھڑا ہو تو اس کی سطحِ وجہ کی محاذات نصف دائرہ افق کو گھیر لے گی تو ربع دور تک پھرنا روا ہوگا اور ٹھیک جنوب یا شمال کو منہ کئے سے مستقبلِ کعبہ قرار پائے گا کہ کان کے متصل جو سطحِ وجہ یعنی کنپٹی کا حصہ ہے ضرور محاذی کعبہ ہے حالانکہ وہ بداہۃً متیامن یا متیاسر نہ کہ مستقبل، تو اس قول کے ظاہر پر بھی وہی استبعادِ شدید لازم جو عبارت اولٰی پر تھا اور حلیہ وردالمحتار کے اول کو دوم کے ساتھ تاویل کرنا۔

حیث قال فی الحلیة او تقریبا علی ما ذکرناه وماذکر هو هذا القول الثانی من بقاء شیئ من سطح الوجه مسامتا، وسمعت انفاقول الشامی۔	جہاں حلیہ میں کہا: یا وہ تقریبًا محاذی ہو جیسے کہ ہم ذکر کر آئے، اور جو انھوں نے ذکر کیا وہ قولِ ثانی یہی ہے کہ سطحِ وجہ کا کوئی حصہ سمتِ کعبہ میں باقی رہے۔ اور شامی کا قول ابھی آپ نے سُنا۔ (ت)

اصلًا نافع نہ ہوا کہ کلام بھی اپنے ظاہر پر اُتنا ہی وسیع ہے جتنا قولِ اوّل تھا اور یہ زنہار نہ قابلِ اعتبار نہ مرادِ علماء ہونے کا سزاوار، مثلًا جہاں کعبہ خاص سمت قبلہ مغرب ہو اگر کوئی شخص ٹھیک نقطہ جنوب و شمال کو منہ کرے یا نہ سہی بلکہ دو تین درجے مغرب کو پھرا ہی مانیے کہ مسافات بعیدہ میں اتنا انحراف فرق محسوس نہیں دیتا تو یقینا یہی کہا جائے گا کہ اُس کا منہ جنوب یا شمال کو ہے نہ کہ کعبہ معظّمہ کو، حالانکہ اُس کی سطح کی وجہ سے بعض جُز بلاشُبہ مسامت کعبہ ہے۔

نعم رأیت الفاضل عبدالحلیم الرومی من	ہاں میں نے دور عثمانی کے علماء میں سے عبدالحلیم رومی

[1] ردالمحتار، مبحث فی استقبال القبلۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲۸۸/۱

علماء الدولة العثمانية ذكر فى حاشيته على الدرر تقييد عبارتها حيث قال (قوله يكون احد جوانبه الى القبلة) لا يريد به زوال الطرف الاخر عن المقابلة بالكلية كما ظن بل المراد مقابلة طرف بكله مقابلة شئى من سطح الاخر مسامتا كما هو المفهوم من المنبع [1] اھ اقول لم يذكر عبارة المنبع حتى ينظر فيها وهو مع مخالفته لظاهر الدرر لايلائمه نص عامة الكتب المذكورة من الاجتزاء ببقاء شئى من سطح الوجه مسامتا فانه صريح فى عدم الحاجة الى مسامتة ما فى الباقى اصلا بل **اقول:** لعلك ان امنعت النظر لم تره يرجع الى صحة فان المسامتة لا بدلها من مقابلة حقيقية فى حقيقية لوسط الجبهة وفى التقريبية شئى من الاطراف اما اذا فاتت مقابلة الحقيقية اصلا فلا مسامتة فلا استقبال فلا صلوٰة والمقابلة انما تكون باتصال الخط قوائم ، الا ترى اِ ح ءِ ان سطح ايقابل ب و ح يواجه ء اماه فلا يسامت رلعدم الاتصال على قوائم

کو دیکھا جنہوں نے درر پر اپنے حاشیہ میں ان کی عبارت کو مقید ذکر کیا ان کی عبارت یہ ہے قولہ یکون احد جوانبہ الی القبلۃ (کوئی ایک قبلہ کی طرف ہو) اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ دوسری جانب بالکل مسامتت قبلہ سے ختم ہو جائے جیسا کہ گمان کیا گیا ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک طرف کلیۃً محاذی ہو اور دوسری کی سطح کا کچھ مسامت رہے جیسا کہ منبع سے یہی مفہوم ہوا ہے اھ

اقول: (میں کہتا ہوں) انہوں نے منبع کی عبارت ذکر نہیں کی تاکہ اس پر غور کیا جاسکے اور انکا یہ قول ظاہر درر کے مخالف ہے اور اس سے مناسبت بھی نہیں رکھتا نیز عامہ کتبِ مذکورہ کے نصوص کے بھی خلاف ہے کیونکہ کتب مذکورہ نے سطحِ وجہ کے کسی حصّہ کے سمت قبلہ میں ہونے کو کافی قرار دیا ہے یہ اس بات کی صراحت ہے کہ باقی حصہ کا مسامت و محاذی ہونا قطعًا ضروری نہیں۔ بل اقول (بلکہ میں کہتا ہوں) اگر تو غور وفکر کرے تو تُو اس قول کو صحیح نہیں پائے گا کیونکہ مسامتت حقیقی کے لئے حقیقۃً وسط پیشانی کا مقابل ہونا ضروری ہے اور مسامتت تقریبی کے لئے چہرے کی کسی ایک طرف کا مقابل ہونا کافی ہے۔ پس جب، مقابلہ حقیقی اصلًا ختم ہو گیا تو اب نہ مسامتت رہی نہ استقبالِ قبلہ رہا نہ نماز درست ہوگی۔ اور مقابلہ قائموں پر خط کے اتصال سے بنتا ہے۔ آپ نہیں دیکھتے اِ ح ءِ میں کہ سطح ا مقابل ہے ب کے اور ح ء کے موجہ ہے لیکن ءِ ب ء رَ کے قائموں پر عدمِ اتصال کی وجہ سے ر کے

[1] حاشیۃ الدرر علی غرر لعبد الحلیم الرومی باب شروط صلوٰۃ مطبوعہ مطبع عثمانیہ دار سعادت بیروت ۱/۵۲

ب ءَ رَ وھو لایکون لمقوس قط مع مسطح الامن نقطۃ واحدۃ تحقیقا و بعض نقاط مجاورۃ اخری تقریبا۔	مسامت نہیں ہے اور یہ بات مسطح کے ہوتے ہوئے مقوس میں قطعًا نہیں ہوگی مگر نقطہ واحدہ سے تحقیقًا اور بعض دوسرے نقاطِ متصلہ سے تقریبًا۔
فاولًا : لا امکان لمقابلۃ طرف بکلہ ا لا مجازا۔ **و ثانیًا** : اذتقابل طرف من قوس مسطحا استحال ان یقابلہ شیئ من طرفھا الآخر لما قدمنا ان الاعمدۃ الخارجۃ من مماسات القوس لا یکون اثنان۔ منھا الی جھۃ واحدۃ قط الم تعلم ان تلك الا عمدۃ کلھا ھی الخطوط الخارجۃ من المرکز الی نقاط القوس اوعلی سموتھا وکلھا تلتقی علی المرکز فان اتصل اثنان منھا بمقابل کالکعبۃ او الخط المار بھا عرضا الی الافق واحدث کل علیہ قائمتین ووصلنا بینھما اجتمع فی مثلث قائمتان وھو محال فتبصر۔	پس **اوّلًا** تو یہ ہے کہ ایک طرف کا مقابلہ کُلی طور ممکن ہی نہیں البتہ مجازًا ہو سکتا ہے۔ **وثانیًا** جب ایک طرف قوس مسطح کے مقابل ہو تو اس کی دوسری طرف کے کسی حصے کا اس کے مقابل ہونا محال ہے جیسا کہ ہم پیچھے بیان کر آئے کہ مماساتِ قوس سے جو نکلنے والے خارجی عمود ہیں ان میں سے فقط دو جہت واحدہ کی طرف متصل نہ ہوں گے، آپ کو یہ معلوم نہیں کہ وہ تمام کے تمام عمود مرکز سے نقاطِ قوس کی طرف یا ان کی سمتوں پر نکلنے والے خطوط ہی ہیں اور تمام کے تمام مرکز پر مل رہے ہیں، ان میں سے اگر دو مقابل کے ساتھ متصل ہو جائیں جیسے کعبہ یا وُہ خط جو کعبہ کے ساتھ عرضًا افق کی طرف گزر رہا ہے اور ہر ایک اس پر دو قائمے پیدا کردے اور ہم ان کے درمیان اتصال کردیں تو ایک مثلث میں دو قائموں کا اجتماع لازم آئیگا جو محال ہے پس تدبّر کرو (ت)

³سوم: وسط راس مقابل ہر دو چشم سے ایک زاویہ بناتے آنکھوں پر گزرتے دو خط نکلیں یہ جہاں تک پھیلیں کعبہ جب تک ان کے اندر رہے جہت باقی ہے اور دونوں سے باہر واقع ہو تو نہیں۔ یہ امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی پھر علّامہ تفتازانی نے شرح کشاف پھر علّامہ مولٰی خسرو نے درر میں افادہ فرمایا ان دونوں نے اُس زاویہ کی مقدار نہ بتائی جو وسطِ سر میں التقائے خطین سے بنے گا اور امام حجۃ الاسلام نے تصریح فرمائی کہ قائمہ ہو، درر میں اصابت جہت کی ایک وجہ بیان کرکے فرمایا:

اونقول ھوان تقع الکعبۃ فیما بین خطین یلتقیان فی الدماغ	یا ہم کہتے ہیں جہت قبلہ یہ ہے کہ کعبہ واقع ہو درمیان ان دو خطوں کے جو وسط راس (دماغ) میں ملتے ہوئے۔

فیخرجان الی العینین کساق مثلث کذا قال النحریر التفتازانی فی شرح الکشاف[1]۔	دونوں آنکھوں پر گزریں جیسے مثلث کی دو ۲ ساقیں ہوتی ہیں اسی طرح علّامہ تفتازانی نے شرح کشاف میں بیان کیا ہے۔(ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

معنی التوجه الی جهة الکعبة هوان تقع الکعبة بین خطین یخرجان من العینین و یلتقی طرفاهما داخل الرأس بین العینین ویلتقی طرفاهما داخل الرأس بین العینین علی زاویة قائمة کذاذکره الامام الغزالی فی الاحیاء ثم قال البرجندی فعلی هذا لو وصل الخط الخارج من العینین الی جدار الکعبة یقع علی حادة او منفرجة لم یکن مقابلا للکعبة وهو لا یخلو عن بعد[2]اھ۔**اقول:** هذا عجیب من مثل ذلك الجهبذ المبرز فی الفنون الهندسیه۔**فاوّلا:** انما قال الامام ان تقع الکعبة بین الخطین لا ان یصل شیئ منهما الی جدار الکعبة۔**وثانیًا** انما قال یلتقیان بین العینین علی قائمة لا علی ان یتصل احدهما بالکعبة فیحدث هنالك قائمتین ولذلك افرد	جہت کعبہ کی طرف توجہ (منہ) کرنے کا معنٰی یہ ہے کہ کعبہ ایسے دو خطوں کے درمیان واقع ہو جو دونوں آنکھوں سے نکلیں اور جہاں ان کی دونوں طرفیں وسط راس میں دونوں آنکھوں کے درمیان زاویۂ قائمہ پر ملاقی ہوں۔امام غزالی نے احیاء العلوم میں اسے اسی طرح ذکر کیا پھر علامہ برجندی نے کہااس بناپر اگر آنکھوں سے نکلنے والا خط کعبہ کی دیوار کی جانب ملے گا تو زاویہ حادہ یا زاویہ منفرجہ پر واقع ہوگا تو یہ کعبہ کے مقابل نہ ہوگا اور وہ بعد سے خالی نہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) فنون ہندسہ کے ایسے عظیم اور ماہر شخص سے ایسا قول بڑا تعجب خیز ہے۔**فاوّلًا:** اس لئے کہ امام غزالی نے صرف یہ کہا کہ کعبہ دوخطوں کے درمیان واقع ہو، یہ نہیں کہا کہ آنکھوں سے نکلنے والا خط دیوارِ کعبہ سے متصل ہو۔**ثانیًا** اس لئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ دونوں خطوں کا اتصال دونوں آنکھوں کے درمیان زاویہ قائمہ پر ہو، یہ نہیں کہا کہ ان میں سے ایک کا اتصال کعبہ کے ساتھ ہو پھر وہاں سے دوزاویے قائمے

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام باب شروط صلوٰۃ مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۶۰

[2] شرح النقایۃ للبرجندی باب شروط صلوٰۃ مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۸۹

القائمة۔ **اقول:** وبما قررنا ظهرقلق ما قال الفاضل الحلیمی افندی فی حاشیته الدرر ان حاصله ان تقع الکعبة بین خطین یخرجان من العینین وان کان احد الخطین طویلاکماهوالمشاهد عندانحراف التوجه[1] اھ فان الخطین یمتدان الی الافق فلامساغ ثمه لطول و قصر ولاداعی الی قطعهما علی حد و انما النظر الی الفضاء الحاصل بینهما ان تقع الکعبة فیه۔	پیدا ہوں، اسی وجہ سے "قائمہ "بطور مفرد ذکر کیا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہماری اس تقریر سے وہ اضطراب اور پیچیدگی بھی ظاہر ہو گئی جو کہ فاضل حلیمی آفندی نے اپنے حاشیہ درر میں پیدا کی ہے انہوں نے کیا: اس کا حاصل یہ ہے کہ کعبہ ایسے دو خطوں کے درمیان واقع ہو جو دونوں آنکھوں سے نکلتے ہوں اگرچہ ان دو خطوں میں ایک طویل ہو جیسا کہ انحراف توجہ کے وقت مشاہدہ میں آتا ہے۔اھ کیونکہ دونوں خط جب افق کی طرف ممتد ہوتے ہیں تو وہاں نہ طول وقصر رہتا ہے اور نہ ہی کسی حد پر دونوں کے قطع کا کوئی داعی ملتا ہے اس صورت میں ان دونوں کے درمیان حاصل ہونے والی فضا میں نظراس طرح ہوتی ہے گویا کعبہ اسی فضاء میں واقع ہے۔(ت)

اقول: اس قول پر یہ خط جو وسطِ دماغ محاذی عینین سے زاویہ قائمہ بناتے نکلے ان کے اندر کعبہ کسی طرح واقع ہونا مطلقًا حصولِ جہت کو کافی ہے اگرچہ ایک خط کعبہ سے ملا ہوا گزرے، اب اگر یہ معنی لئے جائیں کہ یہ دونوں خط جہاں تک پھیلیں ان کے اندر اندر جو کچھ ہے جہتِ کعبہ ہے اس کی طرف توجہ بجہت کعبہ ہے جیسا کہ احیاء امام حجۃ الاسلام سے نقل کیا گیا **ولم ارہ فیه ولا فی شرحه اتحاف السادۃ فی کتاب اسرار الصلاۃ** (حالانکہ یہ بات مجھے احیاء العلوم اور اس کی شرح اتحاف السادہ کی کتاب اسرار الصلاۃ میں نہیں ملتی۔ت) کہ ان دونوں خطوں کا بیان کرکے فرمایا۔ **فما یقع بین الخطین الخارجین من العینین فهود اخل فی الجهة** (پس جو دونوں آنکھوں سے نکلنے والے خطوط کے درمیان واقع ہوگا وہ جہت قبلہ میں داخل ہے۔ت) تواس تقدیر پر یہ قول بھی مثل دو قول پیشیں اُتنی ہی وُسعتِ بعیدہ رکھے گا جب زاویۂ قائمہ ہے اور اُس کے

[1] حاشیۃ الدُرر الی الغرر للفاضل الحلیمی باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع عثمانیہ دار سعادت بیروت ، ۵۲/۱

ایک خط سے کعبہ متصل ہو سکتا ہے تو دونوں طرف تقریبًا نوے درجے انحراف جائز ہُوا اور وہی ایک خفیف ناقابل احساس مقدار کم ایک سو اسّی ۱۸۰ درجے تک جہت پھیل گئی اور وہی مخالفت نص و اجماع لازم آئی یہ لاجرم مراد ہے کہ وقت نماز جب تک کعبہ معظّمہ ان دونوں خطوں کے اندر رہے وہاں تک انحراف میں جہت باقی ہے تو یہ نہ ہوگا مگر عین کعبہ سے دونوں طرف ۴۵-۴۵ درجے انحراف تک ٹھیک جہت توجہ کا خط اس زاویہ قائمہ کی تنصیف کرتا ہے تو اگر نصف قائمہ سے زیادہ انحراف ہوا کعبہ دونوں خطوں سے باہر ہو جائے گا کمالا یخفی۔ (جیساکہ ظاہر ہے۔ت) بالجملہ حاصل یہ کہ آدمی ٹھیک محاذی کعبہ کھڑا ہو اُس وقت جو یہ خطوط نکل کر پھیلیں اُن کے اندر اندر دونوں طرف کو انحراف روا ہے اب یہ عبارت آئندہ پنجم کی طرف راجع ہو جائے گا اور طرفین میں پینتالیس ۴۵ پینتالیس ۴۵ درجے تک انحراف جائز ہوگا اور یہ صاف و صحیح بے غبار ہے۔

۴ **چہارم** کہ نہایت تحقیق طلب ہے:

قال فی الدرر جهتها ان یصل الخط الخارج من جبین المصلی الی الخط المار بالکعبة علی استقامة بحیث یحصل قائمتان [1] اھ وھذا ھوالوجه الاول واختلف الانظار فی محله فحمله العلامة الشامی فی ردالمحتار علی بیان المسامتة الحقیقیة حیث ذکر اولا عن المعراج عن شیخه ان معنی التحقیق انه لو فرض خط من تلقاء وجهه علی زاویة قائمة الی الافق یکون مارا علی الکعبة اھوائها [2] اھ ثم نقل کلام الدرر ثم قال قوله فی الدرر علی استقامة متعلق بقوله یصل لانه لو وصل الیه معوجا لم تحصل قائمتان بل تکون احدهما حادة والاخری منفرجة کما بینا ثم ان الطریقة	دُرر میں کہا ہے کہ کعبہ کی جہت یہ ہے کہ نمازی کی جبین سے نکلنے والا خط کعبہ پر سے گزرنے والے خط سے سیدھا اس طرح ملے کہ اس سے ۲ زاویے قائمے حاصل ہو جائیں اھ، اور یہ پہلی وجہ ہے۔ اور اس محمل میں اختلاف ہے علّامہ شامی نے ردالمحتار میں اس کو حقیقی سمت پر محمول کیا ہے، جہاں اس نے اوّلًا معراج کے حوالے سے ان کے شیخ کا ذکر کیا ہے کہ تحقیق کا معنٰی یہ ہے کہ نمازی کے چہرے کی طرف زاویہ قائمہ پر سیدھا خط اُفق کی طرف فرض کیا جائے تو وہ کعبہ یا ہوائے کعبہ پر سے گزرے اھ۔ پھر علّامہ شامی نے درر کا کلام نقل کرتے ہوئے کہا کہ درر کا قول "علی استقامۃ" کا تعلق اس کے قول "یصل" سے متعلق ہے، اس لئے کہ اگر وہ خط ٹیڑھا ہو کر کعبے کو ملے تو پھر "قائمین" (دو قائمے) حاصل نہ ہوں گے بلکہ ان میں سے ایک حادہ اور دوسرا منفرجہ ہوگا۔

[1] الدرر الحکام شرح غرر الحکام باب شروط الصلوٰۃ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۶۰

[2] ردالمحتار مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۸۷

التی فی المعراج ھی الطریقة الاولی التی فی الدرر الا انه فی المعراج جعل الخط الثانی مارا علی المصلی علی ماھو المتبادر من عبارته وفی الدرر جعله ماراعلی الکعبة[1] اھ ثم صور الذی فی المعراج ھکذا:

جیسے ہم بیان کر آئے پھر معراج والا طریقہ یہ درر میں ذکر کردہ پہلا طریقہ ہے، مگر اتنا فرق ہے کہ معراج میں دوسرے خط کو نمازی پر سے گزرنے والا قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اسکی عبارت سے سمجھا جارہا ہے۔ اور درر میں اس کو کعبہ پر سے گزرنے والا قرار دیا ہے اھ اس کے بعد علّامہ شامی نے (دونوں کے فرق کو واضح کرتے ہوئے) ایک معراج والی اور دوسری دُرر والی تصویر بنائی: (ت)

ثم صوّر الذی فی المعراج ھکذا

(معراج والی صورت)

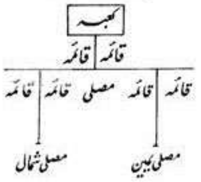

و الذی فی الدرر من الوجه الاول ھکذا

(دُرر کی پہلی وجہ والی صورت)

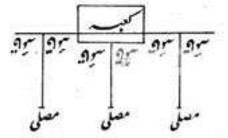

قلت وقد یؤیّد ھذاالمحمل ان اصل الکلام للامام حجة الاسلام وھو کمافی شرح النقایة ھکذا، معنی التوجه الی عین الکعبة ھو ان یقف المصلی بحیث لو خرج خط مستقیم من عینیه بحیث یتساوی بعدہ عن العینین الی جدار الکعبة تحصل من جانبیه زاویتان متساویتان[2] اھ۔

میں کہتا ہوں علّامہ شامی کے اس حقیقی سمت پر حمل کی تائید یوں ہوتی ہے کہ امام حجۃ الاسلام کی اصل کلام جو کہ شرح النقایہ میں ہے کہ عین کعبہ کی طرف توجہ کا معنٰی یہ ہے کہ نمازی یوں کھڑا ہو کہ اگر اسکی دونوں آنکھوں سے ایک سیدھا خط اس طرح نکلے کہ جس کا بعد دونوں آنکھوں سے دیوارِ کعبہ تک اس طرح متساوی ہو کہ نمازی کی دونوں جانب دو متساوی زاویے بن جائیں اھ۔ اسکے بعد انھوں نے جہت کعبہ کی

---

[1] ردالمحتار مبحث استقبال القبلة مطبوعی مجتبائی دھلی ۱/۲۸۷

[2] شرح النقایة للبرجندی باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشو لکھنؤ ۱/۸۸

ثم ذکر معنی التوجه الی الجهة بما قدمنا فی القول الثالث۔

اقول:اوّلًا لکن یلزم العلامة المحشی بهذا الحمل حمل الجبین فی عبارة الدرر علی الجبهة ولا غرو ففی تاج العروس عن شیخه قدورد الجبین بمعنی الجبهة لعلا قة المجاورة فی قول زهیرکما صرحوابه فی شرح دیوانه[1]ثم ذکر شعرا مثله للمتنبی لکن العلامة المحشی رحمة الله تعالٰی علیه قد استدل بوقوع لفظ الجبین فی عبارة الدرر علی انه لا یلزم خروج الخط من وسط الجبهة فان الجبین طرفها و هما جبینان کماتقدم فیکون هذا مناقضالذاک۔

واقول: ثانیا زاد فی التصویرین مصلیین عن یمین و شمال غیر محاذیین للجدار الذی بازائه المصلی الوسطانی واقام اعمدتها فی التصویر الاول علی المار بذاك المصلی عرضا

طرف توجّہ کا معنی وہی ذکر کیا ہے جو ہم قول ثالث میں ذکر کر آئے ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اوّلًا لیکن علّامہ محشّٰی کے اس حمل میں درر کی عبارت میں جبین کو الجبھۃ (پیشانی) کے معنی میں لینا لازم ہوگا اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ تاج العروس والے نے اپنے شیخ کے حوالے سے کہاکہ جبین پیشانی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں میں قریب کا تعلق ہے زہیر کے قول میں یہ استعمال پایا گیا ہے جیسا کہ زہیر کے دیوان کے شارحین نے تصریح کی ہے پھر ایساہی ایک شعر متنبّی کا اُنھوں نے ذکر کیا۔ لیکن علّامہ محشّٰی نے دُرر کی عبارت میں جبین کا حقیقی معنٰی مراد لیتے ہوئے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ لفظ جبین سے ثابت ہوتا ہے یہ ضروری نہیں کہ خط نمازی کی پیشانی کے وسط سے نکلے کیونکہ جبین، پیشانی کی ایک طرف کو کہتے ہیں، اور اس کے دونوں اطراف دو۲ جبین ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، لہٰذا علامہ کی یہ استدلال والی عبارت جبین کو پیشانی کے معنی میں لینے والی عبارت کے مناقض ہے۔

اقول: ثانیا مذکورہ دونوں تصویروں میں کعبہ کی دیوار کے متوازی درمیانے نمازی کے دائیں اور بائیں مزید دو نمازی رکھیں گئے ہیں جو اس دیوار کے متوازی نہیں ہے اور پہلی تصویر میں ان دونوں نمازیوں کے خطوط کو درمیانے نمازی پر سے عرض میں گذرنے والے خط

[1] تاج العروس من جواهر القاموس فصل الجیم من باب النون مطبوعه دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۱۵۹

ولاشك انهما لاینتهیان الی الکعبة بل یتزوران عنها ذات الیمین و ذات الشمال کما صور وانما کان شرط فی المعراج ان یمر الخط بالکعبة، وفی التصویر الثانی اقامهما علی الخط المار فی امتداده بالکعبة غیر واقعین علی نفس البیت بل متزاورین عنها کما مرولم یرم الدرر خطا یمر علی الکعبة ممتدا عن جنبیها الی الافق انما اراد خطا مقتصرا علیها لیقع مرور خط الجبین علی نفس الکعبة کما فی المعراج والا کیف تکون مسامتة حقیقیة مع کون المصلی بمعزل عن محاذاتها فهذان المصلیان لا مدخل لهما فی تصویر الحقیقة وکانه رحمة الله علیه اراد ان یزید مع تصویر الحقیقیة تصویرالتقریبیة وقد کان سهلاعلینا ان نفرض المصلین المزیدین منتقلین بعدة فراسخ بحیث لاتزول المقابلة لکنه رحمه الله تعالٰی سبق الی خاطره ان الشرط فی التقریب ان یقف المصلی علی ذلك الخط المار عرضا بالمصلی الوسطانی او نقول یقوم بحذاء ذلك الخط العرضی المارفی امتداده بالکعبة بحیث یکون خط جبهة عمودا علی

پر ملایا جبکہ یقینا یہ دونوں خطوط کعبہ کے متوازی نہیں ہوتے بلکہ کعبہ سے دائیں اور بائیں گرتے ہیں جیسا کہ تصویر سے واضح ہے (حالانکہ یہ تصویر معراج والی ہے) جبکہ معراج میں خط کا کعبہ پر واقع ہونا شرط قرار دیا گیا ہے، اور دوسری تصویر میں ان دونوں نمازیوں کے خطوط کو کعبہ پر سے گزرنے والے خط سے ملایا جو عین کعبہ پر نہیں بلکہ کعبہ سے دائیں اور بائیں گزر جاتے ہیں جیسا کہ گزرا حالانکہ دُرر نے کعبہ سے گزر کر اس کے دونوں جانب سے اُفق کی طرف نکل جانے والے خط کو ذکر نہیں کیااس نے صرف وہ خط مراد لیا ہے جو کعبہ پر ختم ہوتا کہ نمازی کی جبین سے نکلنے والے خط کا گزر نفس کعبہ پر واقع ہو جیسا کہ معراج میں ہے، ورنہ نمازی کے متوازی نہ ہونے کے باوجود حقیقی سمت کیسے ہو سکتی ہے، پس معلوم ہوا کہ دائیں اور بائیں جانب والے دونوں نمازیوں کا حقیقی سمت کی تصویر میں کوئی دخل نہیں، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ گویا محشیٰ رحمۃاللہ تعالٰی علیہ نے سمت حقیقی کے ساتھ ساتھ قریبی سمت کی تصویر بھی زائد بنائی ہے، (قریبی سمت بنانے کے لئے) ہمیں یہ کہہ دینا آسان تھا کہ (حقیقی سمت والے نمازی) کے علاوہ ہم دو نمازی اس سے چند فرسخ کے فاصلے پر اس طرح فرض کرلیں کہ کعبہ سے ان کا تقابل زائل نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی ان پر رحم کرے محشیٰ رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے دل میں یہ بات آئی کہ قریبی سمت کے لئے یہ شرط ہے کہ درمیانے حقیقی سمت والے نمازی پر عرض میں گزرنے والے خط پر کوئی نمازی کھڑا ہو یا یوں کہیں کہ کعبہ پر سے گزرنے والے عرضی خط کے متوازی یُوں کھڑا ہو کہ اس کی

احدھما ای فی التصویر وعلیھما جمیعا فی التقدیر وبعد تحقیق ھذا الشرط لا تقدیر بمسافة فلیحفظا جھتھما وینتقلا ما بدالھما فاذن یکون الخط القائم علیه اوالیه المصلیان غیرمحدود علی ما زعم کمایاتی تنصیصه وھاتان زلتان عظیمتان یجب التنبه لھما فان الامردین وحاش ﷲ لایزری بالعلماء وقوع بعض زلات من اقلامھم لا سیما مثل ھذا المحقق الذی استنار مشارق الارض ومغاربھا بنورتحقیقاته السنیة و تطفل الوف مثلی علی موائد عوائد فوائدہ الھنیئة جزاہ ﷲ تعالٰی جزاء العزوالاکرام جمع بیننا و بینه فی دارالسلام بفضل رحمته به و بسائر العلماء الکرام علی سیدھم و مولاھم و علیھم و علیه وعلینا الصلوٰة والاسلام اٰمین اٰمین یا بدیع السمٰوٰت والارض یا ذا الجلال و الاکرام فانا اذکر فی سیاق ذلك ما عرض للمحشین من الوھم والایھام فی فھم کلام المدقق العلائی العلام لیتضح

پیشانی سے نکلنے والا خط عمود بنے خواہ وہ نمازی یا کعبہ پر سے گزرنے والے ایک خط پر یعنی تصویر میں بنے، یا ان دونوں پر عمود بنے فرضی طور پر، اس شرط کے پائے جانے کے بعد مسافت فرض کرنے کی ضرورت نہیں، وہ دونوں نمازی اپنی جہت کو محفوظ رکھیں اور بس، دائیں یا بائیں جتنا چاہیں وہ منتقل ہو جائیں، اور جس پر خط قائم ہے یا جس خط کی طرف دونوں نمازی متوجّہ ہیں اسکی محشّی رحمۃ اللہ تعالٰی کے خیال میں کوئی حد نہیں (بشرطیکہ وہ ان خطوط پر قائم رہیں) جیسا کہ خود ان کی نص اس پر آئے گی حالانکہ (قریبی سمت کی بیان کردہ شرط اور اسکے بعد مذکورہ خطوط کی مسافت کو غیر محدود رکھ کر دونوں نمازیوں کا ان خطوط پر حسب خواہش منتقل ہونا) یہ دونوں عظیم غلطیاں ہیں ان پر تنبیہ ضروری ہے، کیونکہ یہ دینی معاملہ ہے، حاش ﷲ! علماء کو ان قلموں کی غلطیاں زیب نہیں دیتیں، خصوصًا یہ محقق جس کی قیمتی تحقیقات کے نُور سے زمین کے مشرق و مغرب منور ہو رہے ہیں اور مجھ جیسے ہزاروں لوگ اس کے بے مثل اور اہم فوائد کے دستر خواں کے خوشہ چیں ہیں، اللہ تعالٰی اس کو عزت واکرام کی جزا عطا فرمائے، ہمیں اور اُسے جنّت میں جمع فرمائے اپنی رحمت کے فضل سے جو اُن پر اور تمام علماء کرام پر ہو، اور ان سب کے مولٰی و آقا پر اور ان پر اور ہم پر رحمت و سلام ہو، آمین آمین! اے آسمانوں اور زمینوں کو ابتداء پیدا کرنے والے! یا ذالجلال والاکرام! میں تو اس بیان کے سیاق میں علّامہ علائی کے کلام کو سمجھنے میں حاشیہ لکھنے والوں کو جو وہم اور ایہام واقع ہوا ہے کو ذکر کروں گا تاکہ مقصود واضح

المرام وینجلی بدر السداد من تحت الغمام فاعلم ان الجھبذ المدقق الذی قلما اکتحل عین الزمان بمثلہ فی الاخرین اعنی العلامۃ علاء الدین محمد الحصکفی عاملہ اللہ تعالٰی بلطفہ الوفی اثر ھھنا عن المنح کلاما قصر مبناہ واستتر معناہ فقال اصابۃ جھتھا بان یبقی شیئ من سطح الوجہ مسامتا للکعبۃ اولھواءھا بان یفرض من تلقاء وجہ مستقبلھا حقیقۃ فی بعض البلاد خط علی الکعبۃ وخط اٰخر یقطعہ علی زاویتین قائمتین یمنۃ و یسرۃ منح قلت فھذا معنی التیامن والتیاسر فی عبارۃ الدرر فتبصر اھ[1]	ہوسکے اور بادل کے نیچے سے درستگی کا روشن چاند نمودار ہوسکے۔ واضح ہو کہ وہ ماہر، مدقق جن کی مثل متاخرین میں زمانے نے نہ پائی، میری مراد علامہ علاء الدین محمد حصکفی ہیں، اُن سے اللہ تعالٰی اپنے کامل لطف و کرم کا معاملہ فرمائے، نے یہاں پر منح سے ایک ایسی کلام نقل کی جو مختصر ہے اور اسکا معنی مخفی ہے۔ پس کہا کہ جہتِ کعبہ کو پانے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کے چہرے کی سطح کا کوئی حصہ کعبہ یا اسکی فضاء کی سمت میں اس طرح ہو جائے کہ کعبہ کا حقیقی استقبال کرنے والے کے چہرہ سے ایک سیدھا خط زاویہ قائمہ پر افق کی طرف اس طرح نکلے کہ بعض بلاد میں وہ کعبہ پر سے گزرے اور ایک دوسرا خط اس طرح فرض کیا جائے جو پہلے خط کو قطع کرتے ہوئے دو زاویے قائمے دائیں اور بائیں طرف بنائے ، منح۔ میں کہتا ہوں کہ دُرر میں مذکور التیامن والتیاسر کا یہی معنی ہے غور کر، اھ
اقول: اراد العلامۃ الغزی من تلقاء وجہ مستقبلھا حقیقۃ فی ای بلدکان فعبر ھذا التنکیر بتنکیر بعض ولوقال کقول المعراج فی ھذا البلد ای البلد والمطلوب الجھۃ لکان اولی ، قال العلامۃ السید احمد المصری الطحطاوی فی حاشیتہ **قولہ**	**اقول:** (میں کہتا ہوں) علّامہ غزی (اپنی عبارت) "من تلقاء وجہ مستقبلھا حقیقۃ فی بعض البلاد" میں "بعض البلاد" سے کوئی بھی بلد ہو، مراد لیا ہے اور اس تنکیر کو لفظ "بعض کی تنکیر" سے تعبیر کیا ہے، اور اگر معراج کے قول کی طرح یہ بھی "ھذا البلاد" کہہ کر وہ علاقہ مراد لیتے جس کی جہت مطلوب ہوتی تو بہتر ہوتا۔ علّامہ سید احمد مصری الطحطاوی نے (علّامہ الحصکفی کی عبارت کی) تشریح کرتے ہوئے کہا کہ اس کا

[1] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۸

منح اختصر عبارتھا، وھی فلو فرض خط من تلقاء وجه المستقبل للکعبة علی التحقیق فی بعض البلاد وخط اٰخر یقطعه علی زاویتین قائمتین من جانب یمین المستقبل و شماله لاتزول تلك المقابلة بالانتقال الی الیمین والشمال علی ذلك الخط بفراسخ کثیرة ولھذا وضع العلماء قبلة بلد وبلدین و بلاد علی سمت واحد۔اھ (**قوله قلت فھذا معنی الخ**)لیس کما فھمه فان المتیامن و المتیاسرفی عبارته ھو الخط وفی عبارة الدرر الشخص[1] الخ وعزاه للعلامة السید ابراھیم الحلبی محشی الدرر، وقال السید العلامة محمد الشامی، فیه ان عبارة المنح ھی حاصل ماقدمناه عن المعراج ولیس فیھا قوله ماراعلی الکعبة بل ھو المذکور فی صورة الدرر ویمکن ان یراد انه مار علیھا طولا لاعرضا، فیکون ھوالخط الخارج من جبین المصلی والخط الاخر الذی یقطعه ھو المار عرضا علی المصلی او علی الکعبة

قول "منح" علّامہ نے منح کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ عبارت مفصل ہے جس کو علّامہ حصکفی نے مختصر کرکے لکھا ہے اسکی عبارت یوں ہے بعض بلاد میں کعبہ کی طرف تحقیقی طور پر چہرہ کرنے والے کی پیشانی سے ایک خط فرض کیا جائے، اور کعبہ کا استقبال کرنے والے کے دائیں و بائیں ایک اور خط فرض کیا جائے جو پہلے خط کو دو قائمہ زاویوں پر قطع کرتے ہوئے کئی فرسخ تک اس طرح دراز ہو کہ اس خط پر سے کئی فرسخ تک دائیں بائیں انتقال کرنیوالے کا کعبہ سے تقابل زائل نہ ہو۔اس بناء پر علماء نے ایک ہی سمت پر کئی بلاد کے قبلے وضع کئے۔علّامہ حصکفی کا قول "قلت فھذا معنی الخ"علامہ کا یہ فہم درست نہیں ہے کیونکہ ان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ دائیں اور بائیں ہونے والی چیز خط ہے، حالانکہ دُرر کی عبارت میں وہ شخص ہے الخ۔علّامہ طحطاوی نے اس بیان کو محشیٔ دُرر علّامہ سیّد ابراہیم حلبی کی طرف منسوب کیا ہے۔علّامہ حصکفی کی عبارت پر علّامہ شامی نے کہا کہ منح کی عبارت یہ معراج کی عبارت (جو ہم ذکر کر آئے) کا خلاصہ ہے حالانکہ معراج میں "مارًّاعلی الکعبة" (کعبہ پر سے گزرنے والے خط) کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ دُرر کی تصویر میں مذکور ہے۔ ممکن ہے اس سے عرض کی بجائے طول میں گزرنے والا خط مراد ہو تو یہ ایک نمازی کی جبین سے نکلنے والا خط اور دوسرا خط جو پہلے کو قطع کرکے وہ نمازی پر سے عرض (چوڑائی) میں گزرنے والا ہوگا یا کعبہ پر گزرنے والا ہوگا۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۷

فیصدق بما صورناہ اولاوثانیا . ثم ان اقتصارہ علی بعض عبارۃ المنح ادی الی قصر بیانہ علی المسامتۃ تحقیقا و ھی استقبال العین دون المسامتۃ تقدیرا وھی استقبال الجھۃ مع ان المقصود الثانیۃ فکان علیہ ان یحذف قولہ من تلقاء وجہ مستقبلھا حقیقۃ فی بعض البلاد[1] اھ فھذاکل ما اوردہ وتمام ما ارادوہ۔

تو اس سے ہماری پہلی اور دوسری دونوں تصویریں (ان کی تصدیق ہوگی) درست ہوں گی، پھر علامہ کا منح کی کچھ عبارت پر انحصار کرنا، حقیقی سمت پر انحصار کو ظاہر کرتا ہے اور وُہ عین کعبہ کی طرف استقبال ہے نہ کہ فرضی سمت پر انحصار کیونکہ وہ جہت قبلہ کی طرف استقبال ہے حالانکہ سمت فرضی یعنی کعبہ کی جہت کی سمت استقبال کرنا ہی مقصود ہے اس لئے ان کو عبارت سے "بعض بلاد میں حقیقی طور پر کعبہ کو پیشانی کرنے" کو حذف کرنا ضروری تھا اھ، یہ علّامہ شامی کی مکمل عبارت ہے اور یہی ان کی مراد ہے۔

اقول: و باللہ التوفیق شرح نظم الدرھکذا (یفرض من تلقاء وجہ) ای وسط جبھتہ (مستقبلھا حقیقۃ) بحیث لورفعت الحجب لرئیت الکعبۃ بین عینیہ (فی بعض البلاد) ای ای بلد یراد (خط) مستقیم قائم (علی) الخط المار بجبھۃ معترضا من وسطہ الی یمینہ او شمالہ بحیث یحدث معہ (زاویۃ قائمۃ) عند الجبھۃ ولم یقل قائمتین لا نہ لا یجب فرض المعترض مارا الی الجھتین بل یکفی ادنی خط الی ایۃ جھۃ منھما۔

اقول: اللہ کی توفیق سے، دُر مختار کی عبارت کی شرح یوں ہے (وجہ کی طرف سے) وجہ سے مراد وسطِ پیشانی ہے (حقیقۃً کعبہ کا استقبال کرنے والے) مراد یہ ہے کہ اس طرح سیدھا استقبال ہو کہ اگر درمیان سے پردے اُٹھادئے جائیں تو کعبہ دونوں آنکھوں کے درمیان نظر آئے، (بعض بلاد میں) سے مراد کوئی بھی علاقہ ہو (خط فرض کیا جائے) سے مراد سیدھا خط قائم کیا جائے، ایک دوسرے خط پر جو استقبال کرنے والے کی پیشانی پر عرضی (چوڑائی) طور پر اس کے درمیان سے دائیں اور بائیں پھیلا ہوا ہو، ایک خط دوسرے سے اس طرح ملے کہ اس سے وسطِ پیشانی پر زاویہ قائمہ پیدا ہو، یہاں ایک زاویہ قائمہ کو ذکر کیا ہے کیونکہ پیشانی پر خط کا دونوں طرف پھیلنا ضروری نہیں بلکہ خط ان سے کسی

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۸۸

فلا يحدث بالفعل الا قائمة واحدة وذلك من ايجازات هذاالفاضل المدقق فان زاوية قائمة اخصر من زاويتين قائمتين وفيها الكفاية فاختار ماقل وكفى (الى الافق) مقابل من فى قوله من تلقاء وجه اى يبتدئ من وسط الجبهة وينتهى الى الافق ويكون فى امتداده هذا (مارا على) نفس (الكعبة) الى ههنا تم بيان المسامتة الحقيقة ثم شرع فى بيان التقريبية فقال (و) يفرض (خط اٰخر) مستقيم (يقطعه) عند جبهة المستقبل (على زاويتين قائمتين) مارا بالعرض (يمنة ويسرة) اى يمين المستقبل ويساره ولم يكتف بالخط الاخر المشار اليه فى قوله على زاوية قائمة لان ثمه كان يكفى ادنى ماينطق عليه اسم الخط فى احد الجانبين وان لم يستوعب نصف جبين ذلك الجانب ولاربعه والآن يحتاج الى خط ممتد يميناوشمالا الى فراسخ كثيرة ليكون محل الانتقال يمنة ويسرة ولذا اتى ههنا بتثنية القائمة

ایک طرف بھی ظاہر ہو تو کافی ہوگا، لہذا بالفعل دونوں خطوں سے ایک ہی زاویہ قائمہ پیدا ہوگا اسی لئے یہاں دو زاویوں کو ذکر نہیں کیا۔ اس فاضل مدقق کا یہ ایک اختصار ہے کیونکہ ایک زاویہ قائمہ دو قائم زاویوں کے مقابلہ میں مختصر ہے اور اس ایک زاویے سے مطلوب میں کفایت بھی پائی جاتی ہے اس لئے انھوں نے مختصرًا اور کافی کو پسند کیا ہے۔ (افق کی طرف) یہ لفظ "من تلقاء وجہ" میں مِن کا مقابل ہے، یعنی پیشانی کے وسط سے نکل کر افق کی طرف پہنچا ہو جس میں لمبائی ہو (وہ گزر رہا ہو) نفس (کعبہ پر سے) یہاں تک مسامتت حقیقی کا بیان تام ہوگیا، اس کے بعد سمتِ تقریبی کا بیان شروع ہوا، تو کہا اور دوسرا سیدھا خط فرض کیا جائے جو استقبال کرنے والے کی پیشانی پر پہلے خط کو اس طرح قطع کرے کہ اس سے دو زاویئے قائمے پیدا ہوں اور یہ دوسرا خط پیشانی پر عرض میں دائیں اور بائیں پھیلا ہوا ہو مراد یہ ہے کہ کعبہ کا استقبال کرنے والے کے دائیں اور بائیں دراز ہوا ہو، اور یہاں پہلے کی طرح ایک زاویہ قائمہ پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دو زاویوں کو ذکر کیا، کیونکہ وہاں پر پیشانی پر ظاہر والے خط کا پیشانی کے دائیں اور بائیں دونوں طرف پھیلنا ضروری نہیں تھا بلکہ وہاں برائے نام ہونا کافی تھا جس پر لمبا خط آ گرے، اگرچہ اس جانب پیشانی کے نصف بلکہ چوتھائی کو بھی نہ گھیرا ہو لیکن یہاں پیشانی پر ظاہر ہونے والے خط کا دائیں اور بائیں کئی فرسخ تک بڑھا ہونا ضروری ہے تاکہ سمتِ کعبہ سے دائیں اور بائیں انتقال کا محل بن سکے، اسی لئے یہاں دو قائموں

فاذا انتقل المصلی علی هذا الخط فی ای جهة الی فراسخ کثیرة حسب مایقتضیه بعد البلد من الکعبة لا یخرج عن الجهة واشار الی ذلك **بقوله**(قلت فهذا معنی التیامن والتیاسر) المسوغین للمصلی(فی عبارة الدرر) فان الدرر انماذکر تیامن المصلی و تیاسرہ وکان یحتمل ان معناہ یجعل الکعبة علی یمینه اویسارہ ولیس مراداقطعاً فرسم الخط یمنة ویسرة واشار بطرف خفی کعادته رحمة الله تعالٰی فی غایة الایجاز الی ان ذٰلك التیامن للمصلی انما ھو علی ھذا الخط المخرج یمنة و یسرة لاما یتوھم (فتبصر[1]) کیلا تزل وقد ظھرلك من ھذاالشرح بتوفیق الله تعالٰی: **اوّلاً** سقوط مازعمواان بیانه قاصر علی الحقیقة کیف ولو کان کذلك لما احتاج الی قوله وخط اٰخر الخ	کو ذکر کیا، پس جب نمازی دائیں بائیں بڑھنے والے خط پر منتقل ہو خواہ کئی فرسخ دائیں یا بائیں جس قدر بھی کعبہ سے شہر کا بُعد ہو اس کے مطابق منتقل ہونے سے جہتِ کعبہ سے خارج نہ ہوگا، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صاحب الدر نے کہا میں کہتا ہوں (دائیں اور بائیں طرف ہونے کا یہی معنٰی ہے کہ) دونوں خط نمازی کی دونوں جانب بنیں گے (جو مذکور ہے دُرر میں) کیونکہ دُرر نے نمازی کے دائیں اور بائیں ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ نمازی کعبہ کو اپنے دائیں اور بائیں کرے، لیکن یہ احتمال قطعًا مراد نہیں ہوسکتا۔اس لئے انہوں نے دائیں اور بائیں خط بنا کر ایک مخفی اشارہ دیا جیسا کہ ان رحمۃ اللہ علیہ کی اختصار کی عادت ہے نمازی کے تیامن و تیاسر میں بھی اختصار سے کام لیا ہے وہ یوں کہ نمازی کا دائیں بائیں پھیلنے والے خط پر قائم رہتے ہوئے سے دائیں یا بائیں ہونا مراد ہے، نہ وُہ کہ جو بعض کو وہم ہوا، (پس غور کر) تاکہ تُو پھسلے نہیں۔اللہ تعالٰی کی توفیق سے تجھ پر اس شرح سے چند امور ظاہر ہوئے: **اوّلاً**: یہ کہ بعض محشّی حضرات کا یہ خیال کہ علّامہ حصکفی نے صرف سمت حقیقی کو ہی بیان کیا ہے، یہ خیال ساقط ہوا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو پھر علّامہ کو "وخط آخر" الخ

[1] ف: یہاں تک دو قوسوں کے درمیان جو عبارت ہے وہ دُرمختار کی ہے باقی عبارت شرح صورت میں اعلٰی حضرت کی اپنی ہے۔

لان بیان الحقیقة قدتم الی قوله مارا علی الکعبة۔	کہنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ حقیقی سمت کا بیان "مارا علی الکعبة" پر تام ہو جاتا ہے۔
ثانیًا: سقوط ما اعترض به العلامتان الحلبی والطحطاوی من التخالف بین کلامی الدر والدرر فی معنی التیامن والتیاسر کما علمت۔	**ثانیًا** یہ کہ علّامہ حلبی اور علّامہ طحطاوی کا یہ اعتراض بھی ساقط ہو گیا کہ الدُّر یعنی حصکفی کا کلام تیامن اور تیاسر کے معنٰی کے تعیّن میں دُرر کے کلام کے مخالف ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے۔
وثالثا: سقوط مازعم العلامة الشامی من التغایر فی تصویرہ وتصویر المنح و من العجب انه رحمه اللہ تعالٰی معترف بان عبارة المنح حاصل ماقدمناہ عن المعراج وقد تقدم فی المعراج مرورہ علی الکعبة فمن این نشأ التغایر وانما عبارته عین عبارة المعراج لا تفاوت بینهما الابان المعراج ذکر المرور عن الکعبة فی الجزاء والدرر اوردہ حالا لانه کان بصدد بیان التقریبیة فاخذ الحقیقة فی الفرض والتصویر۔	**ثالثًا** : یہ کہ علامہ شامی کا یہ خیال کہ علامہ حصکفی اور منح کی تصویر میں تغایر ہے۔ یہ خیال ساقط ہوا۔ اور تعجب ہے کہ علامہ شامی خود معترف ہیں کہ منح کی عبارت معراج کی بیان شدہ عبارت کا ماحاصل ہے، جبکہ معراج کی گزشتہ عبارت میں خط کا کعبہ پر سے گزرنا مذکور ہے پھر تغایر کہاں پیدا ہوا حالانکہ اُن کی اور معراج کی عبارت ایک ہے، دونوں کے درمیان صرف اتنا فرق ہے کہ معراج نے کعبہ پر سے خط گزرنے کو بطور جزاء ذکر کیا ہے اور دُرر نے اس کو بطور حال ذکر کیا ہے کیونکہ وہ صرف سمت تقریبی کو بیان کر رہے ہیں اور حقیقی سمت کا اظہار انہوں نے صرف فرضی طور پر اور تصویر میں کیا ہے۔
ورابعًا : اعجب منه قوله کان علیه ان یحذف قوله من تلقاء وجه الٰی اٰخر الخ ولاادری کیف یتم بیان التقریب باسقاط هذه الکلمات مع عدم ذکرہ عندکم الانتقال علی ذلك الخط یمینا وشمالا وان استنبط هذا	**رابعًا** اس سے بھی عجیب ان کا یہ قول ہے کہ علّامہ حصکفی کے لئے ضروری تھا کہ وہ کعبہ کے حقیقی استقبال کرنے والے کی پیشانی سے الخ والی عبارت کو حذف کرتے (تاکہ سمتِ تقریبی کا بیان درست ہوتا) مجھے معلوم نہیں کہ ان کلمات کے حذف سے سمتِ تقریبی کا بیان کیسے تام ہو سکتا تھا، جبکہ آپ کے خیال میں دائیں اور بائیں نکلنے والے خط پر انتقال کو

من قولہ فھذا معنی التیا من کما فعلت شعری ماذا یضرہ ذکر الاخراج من تلقاء وجہ المستقبل حقیقۃ فلیس الابفرض التحقیق اولاثم تقدیر الانتقال عنہ۔

وخامسًا لئن اسقط ھذا کلہ لبقی مخرج الخط مھملا لم یتبین ولم یتعین فلا تقریب ولا تحقیق واللہ الھادی الی سواء الطریق۔

قال الشامی قولہ قلت الخ قد علمت انہ لو فرض شخص مستقبلا من بلدہ لعین الکعبۃ حقیقۃ بان یفرض الخط الخارج من جبینہ واقعا علی عین الکعبۃ فھذا مسامت لھا تحقیقا، ولو انہ انتقل الی جھۃ یمینہ او شمالہ بفراسخ کثیرۃ وفرضنا خطامارا علی الکعبۃ من المشرق الی المغرب [1] (**قلت قالہ** بالنظر الی بلدہ الشامی الجنوب ویقال من الشمال الی الجنوب وبالجملۃ المراد الخط المعترض

انہوں نے ذکر نہیں کیا اگرچہ یہ معنی ان کے قول "فھذا معنی" الخ" تیا من وتیاسر کا یہ معنٰی ہے" سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ تاہم مجھے معلوم نہیں" حقیقی مستقبل کعبہ کی پیشانی سے خط نکلا" کے ذکر سے ان کو کیا نقصان ہو رہا ہے صرف یہی کہ اس سے سمتِ حقیقی کے تعیّن کے بعد سمت تقریبی کا بیان ہو رہا ہے۔

خامسًا: اگر بقول علّامہ شامی اس کلام کو حذف کردیا جائے تو پھر خط کا مخرج کیا ہوگا۔ جب مخرج مذکور نہ ہوا تو نہ بیان صحیح ہوگا نہ ہی کعبہ کا تعیّن ہوسکے گا۔ اس طرح نہ سمت تقریبی ثابت ہوگی اور نہ ہی تحقیقی ثابت ہوگی۔ اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راستے کا ہادی ہے۔ علامہ شامی نے کہا قولہ، **قلت الخ** آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے علاقہ سے عینِ کعبہ کی طرف استقبال حقیقی کرتے ہوئے یُوں فرض کیا جائے کہ اس کی پیشانی سے نکلنے والا خط عینِ کعبہ پر واقع ہو رہا ہے، تو یہ تحقیقی سمت ہوگی اور اگر وہ شخص دائیں یا بائیں کئی فرسخ منتقل ہوجائے اور ہم ایک خط فرض کریں جو کعبہ پر سے مشرق سے مغرب کی طرف گزرے۔ (**قلت** علامہ شامی کا یہ قول ان کے اپنے علاقہ شام سے متعلق ہے کیونکہ وہاں سمتِ قبلہ جنوبا ہے (اس لئے کعبہ پر عرض میں فرض کردہ خط، مشرق سے مغرب میں گزرے گا) ہمارے علاقہ میں یوں کہا جائے کہ شمال سے جنوب کی طرف بڑھنے والا خط (کعبہ پر عرض میں گزرنے والا ہوگا) غرضیکہ عرض میں پھیلنے والا خط

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱/۲۸۸

قال وکان الخط الخارج من جبین المصلی یصل علی استقامة الی ھذاالخط المار علی الکعبة فانه بھذا الانتقال لاتزول المقابلة بالکلیة لان وجه الانسان مقوس فمھما تاخر یمینا اویسارا عن عین الکعبة یبقی شیئ من جوانب وجهه مقابلا لھا اھ[1]۔

اقول: فھم رحمه الله تعالٰی ان وصول خط الجبھة عمود اعلی الخط المعترض المار بالکعبة عندالانتقال للیمین والشمال شرط بقاء الجھة عندھم وقد افصح عنه بُعَیدھذاحیث قال، بل المفھوم مماقدمناہ عن المعراج والدررمن التقیید بحصول زاویتین قائمتین عند انتقال المستقبل لعین الکعبة یمینا اویسارا انه لایصح لوکانت احداھما حادة والاخری منفرجة بھذہ الصورة اھ وفیه[2]:

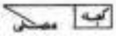

اوّلا لیس فی عبارة الدرر ذکر الانتقال ھھنا اصلا فضلا عن حصول قائمتین بعد الانتقال وماذکر بعد فی التفریع

مراد لیا ہے علّامہ شامی نے کہا) کہ نمازی کی جبین سے نکلنے والا خط سیدھا کعبہ پر سے گزرنے والے خط کو ملے گا تو اس صورت میں دائیں اور بائیں انتقال کرنے پر نمازی کا کعبہ سے تقابل کلیۃً زائل نہ ہوگا کیونکہ انسان کا چہرہ کمان کی طرح گول ہے لہٰذا وہ جتنا بھی عین کعبہ سے دائیں یا بائیں پھرے گا اس کے چہرے کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور کعبہ کے مقابل رہے گا اھ۔

اقول: علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سمجھا کہ دائیں یا بائیں منتقل ہوتے وقت نمازی کی پیشانی سے نکلنے والے خط کا عمودی شکل میں کعبہ پر سے گزرنے والے خط سے ملنا کعبہ کی جہت کے بقاء کے لئے ان کے ہاں شرط ہے، اس کے کچھ بعد انھوں نے اس بات کو واضح کرتے ہوئے کہا، بلکہ دُرر اور معراج سے عین کعبہ کا استقبال کرنے والے کا دائیں یا بائیں انتقال کرتے ہوئے دو زاویے قائمے حاصل ہونے کی جو ہم نے قید ذکر کی ہے اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر انتقال کرتے ہوئے دو قائموں کی بجائے ایک زاویہ حادّہ اور دوسرا منفرجہ اس صورت پر حاصل ہوا تو جہت کعبہ کا استقبال صحیح نہ ہوگا اھ۔ اس بیان میں چند اشکال ہیں:

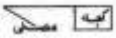

اوّلاً: یہ کہ دُرر کی عبارت میں سرے سے انتقال کا ذکر ہی نہیں ہے چہ جائیکہ انتقال کے بعد وہاں دو ۲ قائموں کے حصول کا ذکر ہو، اور اس نے بعد میں تفریع

[1] ردالمحتار مبحث استقبال القبلۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۸۸

[2] ردالمحتار مبحث استقبال القبلۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۸۸

من التیامن والتیاسر فلیس فیه ایض اثر من ذلك ولا هو یستلزم الانتقال بل و لا یحصلان لك بالانحراف عن المحاذات وانت قائم مقامك وبه عبر فی الدرر حیث قال فیعلم منه انه لو انحرف عن العین انحرافا[1] الخ۔

و **ثانیًا**: المعراج وكل من ذكرنا من متابعیه انما فرضوا خطاً من جبین مستقبل العین مارا الی الكعبة واٰخر قاطعاله علی قائمتین ثم فرضوا الانتقال یمیناً ویسارا بفراسخ كثیرة علی هذا القاطع ولم یشرط هو ولا احد منهم حدوث القائمتین بعد الانتقال۔

و**ثالثًا**: لو شرط ذلك لم یصح لان الانتقال لا یمكن علی خط مستقیم فان القاطع انما یمر فی جانبی المستقبل بعد موضع قدمه فی الهواء لكون الارض كرة وانما ینتقل المنتقل علی دائرة فهوان حفظ توجهه حین استقباله عین الكعبة وانتقل علی تلك الدائرة یمینًا وشمالًا فلا شك ان الخط الخارج من جبهته

کے طور دائیں اور بائیں ہونے کا جو ذکر کیا ہے اس میں بھی اس کا کوئی نشان نہیں اور نہ ہی وہ انتقال کو مستلزم ہے بلکہ جب تو اپنی جگہ کھڑا رہ کر محاذات سے انحراف بھی کرے تب بھی دو قائمے حاصل نہیں ہوسکتے۔ اسی بات کو دُرر نے تعبیر کرتے ہوئے کہا۔"پس اس سے معلوم ہوا کہ عین کعبہ سے کچھ انحراف کرے۔الخ

ثانیًا یہ کہ معراج اور اس کے مذکورہ متبعین حضرات نے عین کعبہ کا استقبال کرنے والے کی جبین سے خط نکل کر کعبہ کی طرف جائے اور دوسرا خط جو اس کو دو قائموں زاویوں پر قطع کرنے کو ذکر کیا ہے اور پھر ان لوگوں نے اس قاطع خط پر دائیں بائیں کئی فرسخ تک انتقال کو فرض کیا ہے، اس کے باوجود معراج اور اس کے متبعین نے انتقال کے بعد ۲دو قائمہ زاویوں کی شرط نہیں لگائی۔

ثالثًا یہ کہ اگر یہ شرط لگائی جائے تو درست نہیں ہوگی کیونکہ انتقال خط مستقیم پر ممکن نہیں ہے اس لئے کہ قطع کرنے والا خط کعبہ کا استقبال کرنے والے کے دائیں اور بائیں دونوں طرف فضا میں ایک قدم کے فاصلہ سے گزرے گا کیونکہ زمین کروی یعنی گول ہے اور انتقال کرنے والا صرف ایک دائرہ پر انتقال کرے گا،اب اگر وہ عین کعبہ کا استقبال کرتے ہوئے اپنی جہت کو محفوظ رکھتے ہوئے اس دائرہ پر دائیں یا بائیں انتقال کرے تو یقینا اس کی پیشانی سے نکلنے والا

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار السعادت مصر ۱/ ۶۰

لایقطع الخط المار بالکعبة عرضا علی قائمتین کما لا یخفی۔

ورابعًا: یصح ذلك اولا یصح فلن یصح قوله مهما تاخر یمینا او یسارا وانما ذکر المعراج ومن معه بقاء الجهة بالانتقال علیه بفراسخ کثیرة وهذا صحیح ولم یدعوا انه مهما انتقل لم یتبدل کیف والواغل فی الانتقال علیه لا یبقی مواجها للکعبة لاشك وسیستبین لک۔

وخامسًا لما ارتکز فی ذهنه رحه الله تعالٰی ان شرط بقاء المواجهة وصول خط الجهة الی ذلك الخط المعترض بالکعبة عمودا توهم ان لو ترك المنتقل تلك الو جهة وانحراف قلیلا یمینا او شمالا لم یصح لکون الزاویتین اذ ذاك حادة و منفرجة کما قدم فزعم ان کلام المعراج والدرر هذا مخالف لاجازة الانحراف القلیل المصرح بها فی غیر ما کتاب وصرح به اذقال، والحاصل ان المراد بالتیامن و التیاسر الا نتقال عن عین الکعبة لی جهة الیمین اوالیسار لا الانحراف،

خط کعبہ پر سے عرض میں گزرنے والے خط کو دو[۲] قائموں پر قطع نہیں کرے گا، کما لا یخفی۔

رابعًا یہ شرط صحیح ہو یا نہ ہو مگر شامی کا یہ کہنا ہر گز درست نہ ہوگا کہ "جتنا بھی دائیں بائیں ہٹ جائے" معراج اور اس کے متبعین نے صرف یہ ذکر کیا ہے کہ دائیں بائیں کئی فرسخ تک منتقل ہونے والے کی جہت باقی ہوگی اور یہ بات صحیح ہے، کیونکہ انہوں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ جتنا بھی منتقل ہوجائے تب بھی جہت نہ بدلے گی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے جب انتہائی طور پر انتقال ہوگا تو یقینًا وُہ کعبہ کی جہت پر نہ رہے گا، اور عنقریب یہ تجھ پر واضح ہوجائے گا۔

خامسًا یہ کہ جب محشیٰ رحمۃ علیہ کے ذہن میں یہ بات مرکوز ہوچکی ہے کہ کعبہ کی جہت کی بقاء کے لئے یہ شرط ہے کہ نمازی کی پیشانی سے نکلنے والا خط، کعبہ پر سے عرض میں گزرنے والے خط کو عمودی شکل میں قطع کرے تو ان کو وہم ہوا کہ اگر منتقل ہونے والے نے مذکورہ معیار والی جہت کو چھوڑ دیا اور تھوڑا سا بھی دائیں بائیں اس نے انحراف کیا تو استقبال صحیح نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں (مذکورہ دونوں خطوں کے ملنے سے) دو قائمہ زاویے نہیں بلکہ ایک حادہ اور ایک منفرجہ حاصل ہوں گے، جیسا کہ قبل ازیں وہ ذکر ہوچکے ہیں۔ اور انہوں نے یہ گمان کرلیا کہ معراج اور دُرر کا یہ کلام اس قلیل انحراف کی اجازت کے خلاف ہے جس کا صراحۃً متعدد کتب میں ذکر ہے۔ اور اُنھوں نے اس کی یہ کہہ کر تصریح کردی کہ دائیں بائیں ہونے سے مراد کا حاصل یہ ہے کہ عین کعبہ سے دائیں یا بائیں جہت انتقال کرنا ہے نہ کہ

لکن وقع فی کلامھم ما یدل علی ان الانحراف لایضر[1] ثم نقل کلام القھستانی و شرح العلامۃ الغزی لزاد الفقیرومنیۃ المصلی عن امالی الفتاوٰی والعجب ان نسی مانقل بنفسہ من الدرر فان الذی نقل ھھنا عن القھستانی عین ما قدم عن الدررمن ان الانحراف الیسیرالذی لاتزول بہ المقابلۃ بالکلیۃ لا یضر فکیف یکون کلام الدرر مخالفالہ۔

سادسًا: لیس الامرکما فھم بل انحراف وسط جبھۃ المستقبل عن مسامتۃ الکعبۃ لازم الانتقال والخروج عن سطح الجدار الشریف ولوحفظ فی انتقالہ تلک الوجھۃ لاتی علی ما یخرجہ عن الجھۃ بالکلیۃ ولو انحرفا ان تلک وجھۃ انحرافا مناسبا لحفظ التوجہ الی الکعبۃ فکلامہ منقوض طرداوعکسا، ولیکن لبیان ذلک موضع شرقی مکۃ المکرمۃ بین طولیھما نحو من ثلاثمائۃ

انحراف کرنا مراد ہے لیکن اس کے باوجود فقہاء کی کتب میں ایسا کلام ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انحراف قلیل مضر نہیں ہے، اس پر پھر انہوں نے قہستانی زادالفقیر کی شرح علّامہ غزی اور امالی الفتاوٰی کے حوالہ سے منیۃ المصلی کی عبارات نقل کیں۔ تعجّب ہے کہ علامہ شامی (محشّٰی) رحمۃ اللہ تعالٰی دُرر سے خود اپنی نقل کردہ بات کو بھول گئے، کیونکہ اُنھوں نے یہاں قہستانی سے جو یہ نقل کیا ہے کہ ایسا قلیل انحراف جس سے کعبہ کا مقابلہ کلیۃً زائل نہ ہو مضر نہیں ہے۔ یہ بعینہٖ وہی چیز ہے جس کو وُہ خود پہلے دُرر سے بیان کرچکے ہیں، تو دُرر کا کلام قہستانی کے خلاف کیسے ہوگا۔

سادسًا یہ کہ معاملہ وُہ نہیں جیسا کہ انہوں نے سمجھا بلکہ کعبہ کا استقبال کرنے والے کی وسط پیشانی کا سمتِ کعبہ سے انحراف دائیں بائیں انتقال اور کعبہ کی دیوار کی سطح سے خروج کو لازم ہے، اب اگر محشّٰی رحمۃ علیہ نمازی کے دائیں بائیں انتقال میں اس زاویۂ قائمہ والی توجہ پر قائم رہتے ہیں تو اس صورت میں ان سے نمازی کو جہتِ کعبہ سے بالکلیہ خارج کردینے والی بات صادر ہو رہی ہے، اور اگر وہ منتقل ہونے والے کے لئے (اس قائمہ والی بات) سے انحراف کرکے کعبہ کی طرف توجہ کی حفاظت کے لئے (منتقل ہونے والے کعبہ کی طرف) انحراف مراد لیں تو

[1] ردالمحتار مبحث استقبال القبلہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۸۸

وخمسين ميلا اعنى خمس درج و عرضها كاحه الط نحو امن عرض مكة المكرمة على ماثبت بالقياسات الجديدة كاحه اله فاذن تكون قبلته نقطة المغرب سواء بسواء كما لا يخفى على المهندس وذلك لان فى اللوغار ثميات ظل عرض مكة٩٫٥٩٣٥۴٢٣جيب تمام ما بين الطولين ٩٫٩٩٨٣۴۴٢ = ٩٫٥٩٥١٥٨١ وظل عرض موقع العمود الواقع من نقطة المغرب على نصف نهار البلد مارا بسمت راس مكة المكرمة قوسه كاحه الط مساوية لعرض البلد فيكون العمود نفسه دا سمتية مرت سمتى راس البلد ومكة ثم نقول ظل ما بين الطولين٨٫٩۴١٩٥١٨+جيب تمام عرض موقع العمود ٢٧٦+٩٫٩٦ = ١٨٫٩٦٠٦٧٩۴ نجعله محفوظا وننتقل على نصف النهار هذا يمينا و شمالا مع حفظ الوجه اعنى بقاء القطب الشمالى على منكب الايمن فليكن:

اوّلًا موضع على خط الاستواء فعرض الموقع هوالفضل بينه و بين عرض البلد لانتفائه جيبه ٩٫٥٦٣٧٥۴٦ و يبقى بتفريقه من

اس صورت میں ان کا کلام جامع اور مانع نہ رہے گا، اس کا بیان یہ ہے کہ مکہ مکرمہ سے مشرق میں واقع ایسا مقام کہ اس کے اور مکہ مکرمہ کے دونوں طولوں میں ساڑھے تین سو میل یعنی پانچ درجے ہو، اور اس مقام کا عرض کاحہ الط مکہ مکرمہ کے عرض جتنا ہوگا جیسا کہ جدید قوانین میں ثابت ہے کہ وہ کاحہ الط ہے، تو اس صورت میں اس مقام کا قبلہ ٹھیک نقطہ مغرب ہوگا جو کہ ریاضی دان حضرات پر مخفی نہیں، یہ اس لئے کہ لوگارثم میں عرض مکہ مکرمہ کا ظل ٩٫٥٩٣٥۴٢٣ دونوں طولوں میں مکمل جیب ٩٫٩٩٨٣۴۴٢ = ٩٫٥٩٥١٥٨١ ہے نقطہ مغرب سے گرنے والے عمود کے مقام کا ظل، نصف النہار کے وقت عین مکۃ المکرمہ کی سمت پر سے گزرے، تو اس کا قوس کاحہ الط ہو گا جو عرض بلد کے مساوی ہوگا اس طرح خود عمود ایک دائرہ سمتی ہو گا جو راس البلد اور مکہ مکرمہ کی دونوں سمتوں سے گزرے گا۔ پھر ہم کہیں گے کہ دونوں طولوں کا ظل ٨٫٩۴١٩٥١٨ + عمود کے موقع کے تمام عرض کا جیب ٢٧٦+٩٫٩٦ = ١٨٫٩٦٠٦٧٩۴ ہے جس کو ہم محفوظ کرلیں گے اور ہم دائیں کندھے پر قطب شمالی کو باقی رکھ کر اپنے جہت کو محفوظ بنا کر اس نصف النہار پر دائیں اور بائیں منتقل ہوں تو:

اوّلًا خط استواء پر ایک موضع ہو تو عمود کے وقوع کی جگہ کا عرض منفی ہونے کی وجہ سے اس کے اور عرض البلد کے درمیان زائد ہوگا، جس کا جیب ٩٫٨٦٣٧٥۴٦ ہوگا اس کو محفوظ سے تفریق

المحفوظ ظل الانحراف الشمالی ۹٫۳۴۶۹۲۴۸ قوس یحه ل تمامها عهحه الح فمن حفظ الوجهة فقد انحراف عن القبلة اکثر من سبع وسبعین درجة وھو بان یسمی مجانباً احق من ان یسمی مواجھاً اذلم یبق جنبه الحقیقی و بین الکعبة الا اقل من ثلث عشرة درجة و بینھا و بین وجھه اکثر من درجة وان انحرف عن تلك الوجهة الی یمینه اعنی الشمال اکثرمن درجة فقد اصاب القبلة بھذا الانحراف العظیم فانتقض ذلك طردا و عکسا فی انتقال اقل من اثنتین و عشرین درجة۔

ولیکن **ثانیًا** موضع عرضه م حه نح شمالیا لیکون انتقال الشمالی مثل ذلك جنوبی فتفاضله مع عرض الموقع مثل ذلك جنوبی فتفاضله مع عرضاالموقع مثله فجیبه جیبه والعمل العمل یکون انحراف القبلة ھنا من نقطة المغرب الی الجنوب عرض الح و لزم ما لزم۔

ولیکن **ثالثًا** عرضه الجنوبی م حه نح فمجموعه مع عرض الموقع سلصه الرجیبه ۹٫۹۵۵۳۰۷۳ نفروقا من المحفوظ = ۸٫۹۵۵۳۷۲۱ قوس فانظل لاحه ط تمامها قدصه نا فقد انحرف

کرنے پر شمالی انحراف کا ظل ۹٫۳۴۶۹۲۴۸ باقی رہے گا جس کا قوس حہل مکمل عرحہ الح ہوگا، پس اب جس نے اپنی جہت کو محفوظ رکھا اس کا قبلہ سے ۷۷ درجے سے زائد انحراف ہوگا تو اسکو قبلہ رُو قرار دینے کی بجائے قبلہ سمت سے پہلو پھیرنے والا قرار دینا بہتر ہے کیونکہ اس کے حقیقی پہلو اور کعبہ کے درمیان صرف ۱۳ درجے سے بھی کم باقی رہے گا، اور کعبہ اور اس کے چہرے کے درمیان ۷۷ درجے سے زائد ہوگا، اب اگر وہ اس جہت سے اپنے دائیں یعنی شمال کی طرف ۷۷ درجے سے زیادہ انحراف کرے تو تب بھی اس عظیم انحراف سے کعبہ کی جہت کو پائے گا، تو یوں ۲۲ درجے سے کم انتقال ہے اسکی جامعیت اور مانعیت ختم ہو جائیگی۔

ثانیًا ایک ایسا موضع جس کا عرض مح حہ نخ شمالی ہوتا کہ شمالی اور جنوبی انتقال ایک جیسا ہو جائے تو اس کا تفاضل عمود کے موقع کے عرض سمیت اسی کے برابر ہوگا تو دونوں کا جیب اور عمل ایک ہی ہوگا تو یہاں سے قبلہ کا انحراف مغرب کے نقطہ سے جنوب کی جانب عرصہ الح ہوگا اور وہی خرابی لازم آئیگی جو آئی۔

ثالثًا ایک ایسا موضع ہو جس کا جنوبی عرض مہ حہ نخ ہو تو اس کا مجموعہ عمود کے موقع کے عرض سمیت سل حہ الر ہوگا جس کا جیب ۹٫۹۵۵۳۰۷۳ محفوظ سے تفریق شدہ = ۸٫۹۵۵۳۷۲۱ قوس ہوگا یہ ظل لا حہ ط جس کا کل قدناحہ ہوگا اس صورت میں

القبلة من نقطة المغرب خمس و ثمانين درجة ولم يبق الى نقطة الشمال الاخمس درج فان حفظ الوجهة بطلت صلاته قطعا وان توجه الى القطب الشمالى صحت يقينا وان اخذنا مابين الطولين اصغر من ذلك يظهر التفاوت اكبر من ذلك وبالجملة فتلزم استحالات لاتحصى فالحق ان ليس فى عبارة الدرر ولا المعراج شيئ مما ذكر ولا مافهم من جواز الانتقال على ذلك الخط مهما شاء، ولا مافهم من مخالفتهما لتجويز الانحراف اليسير ولامافهم من اشتراط حفظ الوجهة لبقاء الجهة ،ولا ما فهم من افادتهما فسادالصّلوٰة ان احدث الخطان زاويتين مختلفتين بل الامر فيه كما اقول انهم انما فرضوا الانتقال على القاطع له على قائمتين اى على نصف نهار الموضع المفروض المسامت حقيقة ليحصل بالانتقال الانحراف على عكس مافهم العلامة المحشى رحمة الله تعالٰى وذلك لانه لو جعلت الكعبة مركزا ورسمت ببعد مستقبلها دائرة وانتقل هو عليها حتى طاف الدنيا

نقطہ مغرب سے قبلہ کا انحراف ۸۵ درجے ہوگا، اور نقطہ شمالی کی طرف صرف پانچ درجے باقی رہے گا، پس اگر وُہ اپنی اسی توجہ کو محفوظ رکھے تو اس کی نماز لازمی طور پر باطل ہوگی، اور اگر وہ قطبِ شمالی کی طرف پھر گیا تو اس کی نماز یقینا درست ہوگی اور اگر ہم دونوں طولوں میں اس سے بھی کم فاصلہ فرض کریں تو تفاوت اس سے بھی بڑھ جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ اس سے بے شمار خرابیاں لازم آئیں گی۔ تو حق یہ ہے کہ دُرر اور معراج کی عبارت میں محشی رحمۃ اللہ تعالٰی کے ذکر کردہ امور میں سے کچھ بھی نہیں، نہ اس خط پر حسبِ خواہش انتقال کا جواز، اور نہ ہی معمولی انحراف کے جواز کی ان دونوں سے مخالفت اور نہ ہی بقاء جہت کے لئے توجہ کہ محفوظ رہنے کی شرط اور نہ ہی مختلف زاویے والے دو خطوں کے پیدا ہونے سے ان دونوں حضرات کی طرف سے نماز کے فساد کا افادہ، غرضیکہ محشی رحمۃ اللہ تعالٰی کی فہم کردہ ان مذکورہ چیزوں میں کوئی بھی ان دونوں حضرات کی عبارت میں موجود نہیں، بلکہ معاملہ یوں ہے جیسے میں کہتا ہوں (اقول) انہوں نے دو قائموں کی شکل میں اس کو قطع کرنے والے خط پر سے انتقال فرض کیا جس کا مطلب یہ ہے کعبہ سے حقیقی سمت والے مقام مفروض پر خاص نصفِ نہار ہو جس سے سمت میں کچھ انحراف حاصل ہوسکے بالعکس اس کے جو علّامہ محشی الرحمۃ نے سمجھا، یہ اس لئے کہ اگر کعبہ کو مرکز قرار دے کر اس کی طرف استقبال کرنے والے

وعاد الی مقامه الاول ای علی الفرض لم یزل الاستقبال الحقیقی ولم یحصل انحراف ما اصلا و مقصودهم ان ینبهوا علی جواز الانحراف الیسیر ففرضوا الخط کما مروذکروا انه لایجاوز الجهة بالانتقال علیه الی فراسخ کثیرة وقدصدقوا فی ذلك ولم یقدروالفراسخ لانها تتبدل بتبدل البعد کما تقدم ولو راموا تسویغ الانتقال مطلقا لما قیدو بفراسخ وقالو لایزول بالانتقال کم ما کان قلتم فهذا ماکان یجب التنبه له و باللّٰه التوفیق ولیرجع الی ما کنافیه۔

فاقول ثالثا: بقی فی شرحه عبارة الدرر شیئ وهو جعل"علی استقامة"متعلقا"بیصل"وانت تعلم انه کما یجب الاستقامة بهذاالمعنی فی الخط الخارج من الجبهة کذلك فی الخط المار بالکعبة عرضا وعلی جعله متعلقا

کے فاصلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے دائرۃ بنایا جائے، اور نمازی اس دائرہ پر انتقال کرتا چلا جائے حتّٰی کہ ساری دنیا کا چکّر بھی لگائے اور پہلے مقام پر لوٹ آئے تب بھی اس کا استقبال حقیقی باقی رہے گا اور ذرا بھی انحراف نہ ہوگا اور مذکورہ انحراف ذکر سے ان کا مقصد معمولی انحراف کے جواز پر تنبیہ کرنا ہے تو اس لئے انھوں نے مذکورہ خط پر کئی فرسخ تک انتقال کرنے والے کی جہت تبدیل نہ ہوگی اور یہ بات انھوں نے درست فرمائی، ساتھ ہی اُنھوں نے فرسخ کی تعداد معین نہ فرما کر یہ واضح کیا کہ یہ تعداد کعبہ کے دائرہ والے خط کے بُعد پر موقوف ہے یعنی بُعد کی تبدیلی سے فرسخ کی تعداد بدل جائے گی جیسے کہ گزر چکا، اور اگر وہ عام ہر طرح کا انتقال مراد لیتے تو پھر بیان میں فراسخ کی قید ذکر نہ کرتے بلکہ یوں کہتے "جتنا تم چاہو انتقال کرو اس سے جہت میں تبدیلی نہ ہوگی" یہ وُہ ہے جس پر تنبیہ ضروری تھی، جبکہ توفیق صرف اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اب ہمیں اپنی بحث میں واپس لوٹنا چاہیئے۔

فاقول، ثالثًا (نوٹ: یہ ثالثًا اس اولاً سے متعلق ہے جو صفحہ ۸۸ پر گزرا) دُرر کی عبارت کی شرح کرتے ہوئے محشّی علیہ رحمۃ نے جو فرمایا اس میں ابھی کچھ امر باقی ہے وہ یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ دُرر کی عبارت میں "**علی استقامة**" کا تعلق "**یصل**" کے لفظ سے ہے حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ کعبہ کا استقبال کرنے والے نمازی کی پیشانی سے نکلنے والے خط میں جس معنی میں استقامت ضروری ہے

بیصل لا یبقی ایماء الی استقامۃ المار و یبصر قولہ بحیث تحصل قائمتان مجرد بیان لقولہ علی استقامۃ فالاصوب عندی جعلہ متعلقا بالمار لیتم البیانان ولیصیر تاسیسا و لیتعلق بالقریب ھذا ماکان یتعلق بالحد الاول وحملہ الفاضل الحلیبی فی حواشی الدرر علی بیان التقریبیۃ حیث قال (قولہ بحیث یحصل قائمتان) اطلقہ فشمل ان تینك القائمتین یتساوی بعد ھما عن العینین الی جدار الکعبۃ اولا فالاول ھوالمراد فی التوجہ الی العین، والثانی فی التوجہ الی الجھۃ وھوالمراد ھنا فقط"ثم قال"حاصلہ ان تقع الکعبۃ بین خطین[1] الی اٰخر ماقدمنا عنہ فصرح بالمراد و جعل حاصل الوجھین واحدا۔

اسی معنی میں کعبہ پر سے عرضی طور پر گزرنے والے خط میں بھی استقامت ضروری ہے اور"علی استقامۃ"کا تعلق "یصل"سے کرنے میں کعبہ پر سے سیدھے گزرنے والے خط کی طرف اشارہ باقی نہ رہے گا اور اسی طرح دُرر کی عبارت میں"بحیث تحصل قائمتان"کو دیکھا جائے تو وہ صرف "علی استقامۃ"کا بیان بن کر رہ جائیگا لہذا میرے نزدیک بہتر یہ ہوگا کہ"علی استقامۃ"کا تعلق"یصل"کی بجائے لفظ"المار"سے کیا جائے تاکہ دونوں بیان تام ہو جائیں اور تاسیس یعنی فائدہ بھی حاصل ہو جائے نیز اس کا تعلق قریب سے بھی ہو جائے گا، یہ مذکورہ ساری گفتگو سے پہلے محمل سے متعلق ہے۔ جبکہ فاضل حلیبی نے دُرر کی شرح کرتے ہوئے اس کی عبارت کا محمل سمتِ حقیقی کی بجائے سمتِ تقریبی قرار دیا (یعنی عین سمتِ کعبہ کی بجائے انھوں نے اس کو جہت کعبہ پر محمول کیا جہاں انہوں نے کہا"قولہ بحیث تحصل قائمتان"اس کو عام رکھا ہے لہٰذا وہ دونوں قائمے جن کا فاصلہ دونوں آنکھوں سے جدا کعبہ تک مساوی ہوگا یا نہ ہوگا، مساوی ہو تو اس سے عین کعبہ کی طرف توجہ مراد ہے، اور یہاں یہی آخری یعنی فقط جہت کی طرف توجہ مراد ہے، پھر انہوں نے فرمایا کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ کعبہ دونوں خطوں کے درمیان واقع ہو الخ جہاں تک ہم نے پہلے ان سے ذکر

[1] حاشیۃ الدرر للمولیٰ عبدالحلیم باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع عثمانیہ دار سعادت بیروت ۱/ ۵۲

اقول: وهذا اولى بوجوه لقوله فی صدره استقبال عين الكعبة للمكی وجهتها لغيره ان يصل[1] الخ فافاد انه الآن بصدد بيان التقريبية لا الحقيقة الواقعة على العين ولانه قال بعده اونقول هوان تقع الكعبة الى اُخر ما تقدم فی القول الثالث ولا شك انه للتقريب وظاہر قوله اونقول ان محصلهما واحد ولان الجبين يكون على هذا بمعناه الحقيقی وكذلك فهم العلامة الطحطاوی فصور بيان الدد هكذ۔

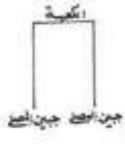

اقول: وليس المراد حدوث الخطين فی حالة واحدة حتى يرد عليه انه مع حمل الجبين على طرفی الجبهة عدل الى جعله لبيان التحقيق حيث اوصل الخطين الى الكعبة عمودين وانه قد علمت مما قد منا ان

کر دیا ہے غرضیکہ انہوں نے مراد کی تصریح کر دی ہے اور دونوں وجہوں کا ماحاصل انہوں نے ایک ہی قرار دیا۔

اقول: ان کا یہ بیان کئی طرح سے بہتر ہے ایک وجہ تو ماتن کا یہ قول ہے کہ مکّی کے لئے عین کعبہ کا استقبال اور غیر مکّی کے لئے جہت کعبہ کا استقبال ہے الخ۔ لہٰذا وُہ بتارہے ہیں کہ اب سمت تقریبی کو بیان کر رہے ہیں (یعنی **وجهتها لغيره** الخ) نہ کہ سمتِ حقیقی جس کا وقوع عین کعبہ پر ہے، اور اسلیئے بھی کہ انھوں نے بعد میں یہ کہا" یا ہم یوں کہیں کہ ان تقع الکعبۃ الخ" جیسا کہ تیسرے قول میں گزرا ہے، اس بیان کے بارے میں شک نہیں کہ یہ سمتِ تقریبی سے متعلق ہے، نیز ماتن کا قول "**اونقول**" ظاہرًا بتاتا ہے کہ دونوں کا ماحاصل ایک ہے اور نیز اس مراد پر جبین کا حقیقی معنی مراد ہوگا۔ علامہ طحطاوی نے اسکواسی طرح سمجھا اور انہوں نے دُرر کے بیان کے مطابق تصویر یُوں بنائی۔

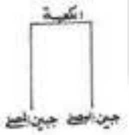

اقول: علّامہ طحطاوی کے بیان میں، دونوں خطوں کا ایک شکل پر ہونا ضروری نہیں، ورنہ یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ انہوں نے جبین کا حقیقی معنی یعنی پیشانی کی دونوں طرفیں (پہلو) مراد لینے کے باوجود جبین سے نکلنے والے خطوں کو عین کعبہ پر بصورت عمود (سیدھا) گرا کر سمتِ حقیقی کو بیان کیا ہے حالانکہ ہمارے پہلے

[1] حاشیۃ الدرر للمولیٰ عبدالحلیم باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع عثمانیہ دار سعادت بیروت ۵۲/۱

الخط الخارج من الجبین لا یخرج علی استقامة الجبهة بل منحرفا من الجبین الایمن یمینا ومن الایسر یسارا وانه لایمکن ان یکون کلا الخطین الخارجین من الجبینین عمود اعلی خط مستقیم بل المراد عندی تصویر التیامن والتیاسرفالاول مثلاً جبین المصلی الایمن عندانحرافه عن الکعبة یسارا والثانی جبینه الایسرحین انحراف یمینا، وایضاح تصویره ھکذا

یہاں امیج بنانی ہے جلد٦ ص ١٠٨

ینبغی ان یفھم ھذا المقام، اماقوله رحمة الله علیه فی بیان تصویره نقلا عن بعض الافاضل، فقد حصل من الخط المار بالکعبة قائمة ومن الخط الخارج من جبین المصلی قائمة اخری وحدث منھما زاریتان متساویتان[1] اھ۔

فاقول: ھذا وان کان

بیان سے آپ معلوم کرچکے ہیں کہ جبین (پیشانی کے پہلو) سے نکلنے والا خط پیشانی کے وسط سے سیدھا نہیں نکلتا بلکہ دائیں جبین سے نکلنے والا خط دائیں طرف اور بائیں جبین سے نکلنے والا خط بائیں طرف نکلے گا۔اور یہ ہر گز ممکن نہیں کہ دونوں جبینوں سے نکلنے والے خطوط عمودی طور پر خط مستقیم پر نکلیں بلکہ میری رائے میں ان کا یہ بیان التیامن اورالتیاسر کی صورت کا بیان ہے۔کہ مثلاً التیامن یہ ہے کہ نمازی دائیں جبین کا کعبہ سے بائیں طرف انحراف ہوجائے اور التیاسر یہ ہیکہ اس کی بائیں جبین کا کعبہ سے دائیں طرف انحراف ہو جائے تو اس صورت میں دونوں جبینوں کے خط مستقیم شکل میں کعبہ کی طرف ہوں گے۔ان کی تصویر کو یوں سمجھنا مناسب ہے

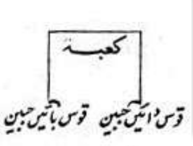

ایسے مشکل مقام کو یُوں سمجھا جاسکتا ہے۔لیکن علّامی طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ کاوُہ قول جوانھوں نے اپنی بنائی ہوئی تصویر کے بارے میں ایک فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ کعبہ پر سے گزرنے والے خط سے زاویہ قائمہ حاصل ہوااور اسی طرح نمازی کی جبین سے نکلنے والے خط سے دوسرا قائمہ حاصل ہُوااور ان دونوں خطوں سے دو مساوی زاویے پیدا ہوئے۔اھ۔

فاقول: (تومیں کہتا ہوں) اگرچہ ان کے اس تکلف

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب شروط صلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۷

فی حکایته غنی عن نکایته لکن لاازراء فیه بهم فانهم رحمهم الله تعالٰی لم یکن لهم اشتغال بتلك الفنون وقد کانوا معتنین بمایهم و یعنی فرحهم الله تعالٰی ورحمنا بهم رحمته تکفی وتغنی اٰمین!	کی ضرورت نہ تھی، لیکن اس سے ان پر طعن نہیں آتا کیونکہ ان حضرات کا اس فن سے خاص شغل نہیں ہے وُہ صرف اپنے مقصد اور ضروری مراد کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ تعالٰی ان پر اور ہم پر اپنی کفایت کرنے والی رحمت فرمائے، آمین!
ثم اعلم ان الجبینین منتهیان فی الجانبین الی محاذاة الحاجبین، قال فی القاموس الجبیان حرفان مکتنفا الجبهة من جانبیها فیما بین الحاجبین مصعدا الی قصاص الشعره[1]۔	پھر واضح ہو کہ دونوں جبینیں دونوں ابروؤں کے برابر جانبین پر ختم ہوتی ہیں۔ قاموس میں ہے: "جبینیں" پیشانی کو دونوں طرف سے گھیراؤ کرنے والی دو طرفیں ہیں جو دونوں ابروؤں سے بلند ہو کر پیشانی کے بالوں تک پہنچتی ہیں اھ۔(ت)

بالجملہ ہماری تحقیق پر قول پر چہارم کا حاصل یہ ہوا کہ محاذات حقیقیہ سے دونوں طرف جھک سکتا ہے کہ جبین یعنی کنارہ پیشانی محاذی کنارہ بیرونی ابرو سے جو خط اُس کی استقامت پر اُفق کی طرف جائے سطح کعبہ معظّمہ پر زاویہ قائمہ بناتا گزرے اقول (میں کہتا ہوں) ظاہر ہے کہ اس معنی پر جبین سے دوسری تک یعنی مابین دوابروا گر سر کو مدوّر فرض کیا جائے تقریبًا ربع دور ہوگا تو وسط جبہہ سے ہر طرف ثمن دَور ہے صفتِ مذکورہ پر خط اگر وسط پیشانی پر جاتا تو محاذات حقیقیہ ہوتی، اب اُس سے ثمن دَور پھرنا صحیح ہُوا تو وہی جانبین کعبہ میں ۴۵-۴۵ درجے آئے قول سوم کا بھی یہی محصل تھا، اور کیوں نہ ہو کہ عبارتِ دُرر سے اُن کا ایک محصل ہونا ظاہر **کما قدمنا وبالله التوفیق**۔

پنجم ۵۔ اہل مشرق کا قبلہ مغرب ہے، اہل مغرب کا مشرق، اہل جنوب کا شمال، اہل شمال کا جنوب۔ تو جب تک ایک جہت دوسری سے نہ بدلے مثلًا ربع مغرب میں قبلہ ہے، یہ ربع شمال یا ربع جنوب کی طرف منہ کرے جہت قبلہ باقی رہے گی۔ **اقول**: اس قول کا حاصل یہ ہے کہ موضع مصلی سے محاذات حقیقیہ کا خط کعبہ معظّمہ پر گزرتا ہوا دونوں طرف کے افق تک ملادیں اور وہیں سے دوسرا خط اُس پر عمود پر گرادیں کہ افق کے چار حصے مساوی ہو جائیں، پھر ہر حصے کی تنصیف کرکے ہر دو نصف متجاوز میں خط وصل کردیں ان اخیر خطوط سے جو چار ربع افق حاصل ہوں گے وہی ارباع جہات اربعہ ہیں ان میں وُہ ربع جس کے منتصف پر کعبہ معظّمہ ہے جہتِ

[1] القاموس المحیط فصل الجیم باب النون مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۴ / ۲۱۰

استقبال ہے اور اُس کے مقابل جہتِ استدبار اور باقی دو ربع جہات یمین و شمال بایں صورت ہ مصلی ہے اور د م کعبہ معظمّہ، اب خط محاذات حقیقیہ ح ء اس پر عمود، ان نقاط اربعہ نے تربیع افق کی، پھر ربع ا ح کو ح اور ربع ا ء کو ط پر تنصیف، کرکے خط ح ط ملادیا، یونہی ط ک = ک ی۔ ی ح تو قوس ح ا جہت قبلہ ہے اور ی ب ک جہتِ استدبار، ی ح ح جہتِ یمین، ک ء ط جہتِ شمال۔ ہ اگر اکی طرف منہ کرے عین کعبہ کی طرف متوجہ ہے اور روا ہے کہ دہنی جانب ح یا بائیں طرف ط کے قریب تک پھرے جہتِ قبلہ باقی رہے گی۔

جب قوس ح ا ط سے باہر گیا جہت نہ رہی تو وہی دونوں جانب ۴۵-۴۵ درجے تک انحراف روا ہوا۔ یہ قولِ نفیس خود امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

عن ابی حنیفة رحمة اللہ تعالٰی المشرق قبلة اھل المغرب والمغرب قبلة اھل المشرق والجنوب قبلة اھل الشمال و الشمال قبلة اھل جنوب[1]۔	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ مغرب والوں کا قبلہ مشرق ہے اور مشرق والوں کا مغرب، شمال والوں کا جنوب اور جنوب والوں کا شمال ہے۔(ت)

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

قال الزندویسی ان المغرب قبلة لاھل المشرق و بالعکس والجنوب لا ھل الشمال وبالعکس فالجھة قبلة کالعین[2]۔	زندویسی نے کہا کہ مشرق والوں کا مغرب قبلہ ہے اور اسکے برعکس، اور شمال والوں کا جنوب قبلہ ہے اور اسکے برعکس۔ پس جہت بھی عین کعبہ کی طرح قبلہ ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے۔

قد قطع الزندویسی فی روضته بالتفریع المذکور[3] الخ قاله بعد ماذکر انه بناہ علی کون الکعبة وسط الارض وتردّد	زندویسی نے اپنی کتاب "روضہ" میں مذکورہ تفریع پر یقین کا اظہار کیا ہے الخ، انھوں نے یہ بات کعبہ کو وسطِ زمین پر قرار دینے کے بعد کہی اور اس کے اثبات

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷
[2] جامع الرموز فصل شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۳۰
[3] التعلیق المجلی لما فی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی الشرط الرابع مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۸۶

فی ثبوتہ ثم ایدہ بکلام الامام الرازی فی التفسیر وانہ من القضایا المتلقاۃ بینھم بالقبول **اقول**: لا محل لتردد فان الارض کرۃ فلك ان تقدر ایۃ نقطۃ منھا شئت وسطاوالکعبۃ احق بذلك فان اللہ تعالٰی جعلھا مثابۃ للناس ثم الفرع لایتوقف علیہ الاتری انا صورناہ بفرض موضع المصلی وسطا۔	میں انھوں نے تردّد کیا ہے، پھر انھوں نے اس کی تائید امام رازی کے کلام جوان کی تفسیر میں ہے سے فرمائی یہ بات مسلّمہ قضایا میں سے ہے۔ **میں کہتا ہوں** اس میں تردّد کی گنجائش نہیں کیونکہ آپ زمین کے جس نقطہ کو وسط قرار دیں وہ کعبہ ہے اس لئے کہ زمین گول ہے اسی لئے اللہ تعالٰی نے کعبہ کو "مثابۃ للناس"فرمایاہے، پھر یہ تفریع کعبہ کے وسط ہونے پر موقوف نہیں ہے۔آپ نے خیال نہیں کیاکہ ہم نے نماز کی جگہ کو وسط فرض کرتے ہوئے اس کی تصویر بنائی ہے۔(ت)

نظم زندویسی پھر ذخیرہ پھر حلیہ میں:

قبلۃ اھل المشرق الی المغرب عندنا و قبلۃ اھل المغرب الی المشرق وقبلۃ اھل المدینۃ الٰی یمین من توجہ الی المغرب و قبلۃ اھل الحجاز الی یسار من توجہ الی المغرب [1] اھ **اقول**: کانہ اراد بالحجاز نحو الیمین والا فالمدینۃ السکینۃ سیدۃ الحجاز و سیدۃ البلاد العالم ثم من المعلوم قطعا ان قبلتھا الی یسار من توجہ الی المغرب اعنی الجنوب فکانہ انقلب فی البیان الیمین والیسار او تبدل المشرق بالمغرب ولعل من ھذاالقبیل واللہ تعالٰی اعلم ما وقع من الخانیۃ من ان القبلۃ لاھل الھندما بین الرکن	ہمارے ہاں مشرق والوں کا قبلہ مغرب اور مغرب والوں کا مشرق ہے ، اور مدینہ والوں کا قبلہ مغرب کی طرف متوجہ ہونے والے کی دائیں طرف ہے،اور حجاز والوں کا قبلہ مغرب کی طرف متوجہ ہونے والے کی بائیں جانب ہے اھ،(ت) **اقول**: انھوں نے حجاز سے گویا دایاں حصہ مراد لیا ہے ورنہ مدینہ منوّرہ حجازکا مرکز اور سردار ہے بلکہ پورے عالم کا سردار ہے۔ پھر قطعًا یہ معلوم ہے کہ مدینہ منورہ کا قبلہ مغرب کی طرف متوجّہ ہونے والے کی بائیں جانب یعنی جنوب ہے، گویاانھوں نے بیان میں (غلطی سے) یمین کی جگہ یسار کوایک دوسرے سے بدل دیا، یاپھر مشرق اور مغرب کوایک دوسرے سے بدل دیا واللہ تعالٰی اعلم ، ہوسکتا ہے کہ جو خانیہ میں مذکور ہے وہ بھی اسی طرح کی تبدیلی پر مبنی ہو کہ ہندوالوں کا

[1] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی بحوالہ الشرط الرابع مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۸۶

الیمانی الی الحجر [1] وکتبت علیہ اقول ھذا جھۃ الجنوب ولایصح الالبعض بلاد الھند الی عرض الح ص تقریبا الا ان یقرأ الحجر بالکسر وھو الحطیم ویراد بالرکن الیمانی الجدار الیمانی تماما و یخرج الغایتان فیبقی الجدار الشرقی الذی فیہ الباب الکریم او یقرأ الرکن علی معناہ ویدخل الغایتان ویراد التوزیع ای قبلۃ الھند متوزعۃ بین الجنوب والشرق والشمال وھذا لبعید بعد قولہ ثم تعین لکل قوم منھا ای "من الکعبۃ" مقام فلاھل الشام الرکن الشامی ولاھل المدینۃ موضع الحطیم والمیزاب و لاھل الیمین الرکن الیمانی ولا ھل الھند[2] الخ فلیتامل واللہ تعالی اعلم	قبلہ رکن یمانی اور حجر کے مابین ہے۔ اور میں نے اس پر حاشیہ لکھا کہ یہ جنوبی جہت ہے، اور یہ صرف بعض ہند جو کہ عرض الح صہ تقریبًا ہے کا قبلہ ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر حجر کی بجائے حِجر کسرہ (زیر) کے ساتھ پڑھا جائے یعنی حطیم کعبہ مراد لیا جائے۔ اور "رکن یمانی" سے مراد ساری یمانی دیوار مراد لی جائے اور پھر (خانیہ کی بیان کردہ لمبائی میں سے) دونوں انتہاؤں یعنی یمانی دیوار، اور حطیم کو خارج کردیا جائے اور صرف ان دونوں حدوں کا درمیانی یعنی کعبہ کی شرقی دیوار جس میں کعبہ کا دروازہ ہے مراد لیا جائے، یا پھر یوں کہا جائے کہ رُکن یمانی اپنے اصلی معنٰی پر باقی رہے اور دونوں حدیں یعنی رکن یمانی اور حطیم کو شمار میں داخل مان کر ہند کے قبلہ کو پھیلا دیا جائے اور یوں کہا جائے کہ ہند کا قبلہ جنوب مشرق اور شمال میں پھیلا ہوا ہے لیکن یہ احتمال ان کے اس بیان کے بعد بعید ہے کہ پھر کعبہ کا ہر حصہ ایک قوم کے لئے متعین ہے، شام والوں کے لئے رکن شامی اور مدینہ والوں کے لئے حطیم اور میزاب کا حصہ، یمن والوں کے لئے رکن یمانی اور ہند والوں کے لئے الخ مذکورہ یعنی رکنِ یمانی اور حجر کا درمیان ہے، غور سے کام لو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اقول: یہی قول نقل و عقل و شرع و عرف سب سے مؤید اور یہی اضبط الاقول واعدال واصح واظہر واسد۔

اوّلًا یہ خود امام مذہب سے منقول وکلام الامام امام الکلام (امام کا کلام، کلام کا امام)۔

اذقال الامام فصدقوہ

فان القول ماقال الامام

(جب امام فرمائے تو اس کی تصدیق کرو کیونکہ صحیح قول وہی ہے جو امام نے فرمایا ہے)

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلوۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۳

[2] حواشی الفتاوٰی الخانیہ

ثانیًا امام احمد و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ وغیرہم حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذااتی احدکم الغائط فلا یستقبل القبلۃ ولا یولھا ظھرہ ولکن شرقوا وغربوا [1]۔	جب تم میں سے کوئی شخص پاخانے کو جائے تو نہ قبلہ کو منہ کرے نہ پیٹھ ہاں پُورب پچھم منہ کرو۔

مدینہ طیبہ کا قبلہ جانبِ جنوب ہے لہٰذا شرقًا غربًا منہ کرنا فرمایا، ہمارے بلاد میں جنوبًا شمالًا ہوگا۔ حدیث میں جنوب شمال کے کسی حصے کو رُو یا پُشت کرنے کی اجازت ارشاد نہ ہوئی اور مشرق و مغرب کے کسی حصّے کا استثناء نہ فرمایا تو دائرہ ئ اُفق کے صاف چار ۴ حصے ظاہر ہُوئے جن میں ایک جہت استقبال ہے۔

ثالثًا عرف عام میں بھی یہ دائرہ چار ہی ربع پر منقسم شرق غرب جنوب شمال، اور بدنِ انسان بھی چار ہی رُخ و پہلو رکھتا ہے قدام، خلف، یمین، شمال۔ انہی میں فوق و تحت ملا کر تمام جہان میں جہات ستّہ مشہور ہیں، ان چاروں میں ایک دوسری پر کوئی ترجیح نہیں، کوئی وجہ نہیں کہ مثلًا ایک کا اتساع ۱۴۰ درجے تک لیا جاوے اور دوسری کا صرف ۴۰ تک، تو دائرہ افق چار ربع متساوی ہی پر تقسیم ہونا چاہیئے۔

رابعًا: دائرہ افق میں چار نقطے مفروض ہوئے اُن میں ایک نقطہ ئ استقبال حقیقی ہے، دوسرا استدبار حقیقی، دو باقی یمین و شمال حقیقی، تو جوان میں کسی نقطہ کا ٹھیک محاذی نہ ہو اُس کی تقریب لاجرم راجع بقریب ہوگی بعید کی طرف نسبت تبعید ہے نہ کہ تقریب، لاجرم ہر ایک پہلو پر وہی ثمن ثمن دور اُس کا حصہ پڑے گا۔

خامسًا: تمام اقوالِ مذکورہ میں یہ ایسا نص ہے کہ دوسری طرف راجع نہ ہوگا اور بقیہ اقوال سب اس کی طرف رجوع کر سکتے ہیں اور فائدہ مستمرہ ہے کہ توفیق ابقائے خلاف سے اولٰی ہے اور محتمل جانب مفسر رد کیا جاتا ہے، قول سوم و چہارم کا یہی محصل ہونا تو ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اور قولِ اوّل میں عبارتِ منیہ **قبلۃ اھل المشرق والمغرب عندنا** [2] ہمارے نزدیک اہل مشرق واہل مغرب کا قبلہ ت) کی شرح امام ابن امیر الحاج نے اسی عبارت ذخیرہ عن نظم الزندویسی سے فرمائی جس میں تقسیم رباعی مذکور قول دوم میں وجہ سے جہہ مراد لینا چاہیئے کہ موضع سجود ہونے کے سبب اشرف اجزائے وجہ ہے اُوپر گزرا کہ وجہ کو مطلق چھوڑیں۔

---

[1] صحیح البخاری باب لاتستقبل القبلۃ بغائط الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶/۱، سنن ابو داؤد باب کراھیۃ استقبال القبلۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۳/۱

[2] منیۃ المصلی شرط الرابع استقبال القبلۃ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامع نظامیہ لاہور ص ۱۸۵

توجہتیں یمین وشمال بھی داخلِ استقبال ہو جاتی ہیں کہ کان کے نزدیک کنپٹیوں کی جہت یقیناً جہتِ چپ وراست ہے، دو شخص کہ برابرایک سمت کو جارہے ہوں کوئی نہ کہے گا کہ اُن میں ایک کا منہ دوسرے کی طرف ہے۔ غرض کعبے کو اپنی داہنی یا بائیں کنپٹی پر لینا لغۃً عرفاً شرعاً کسی طرح استقبال ہیں۔

سادساً: یہ توقطعاً معلوم کہ قولِ اوّل دوم اور ایک توہم پر سوم کا جو ارسال واطلاق ہے ہرگز مراد نہیں ہو سکتا، اب اگر تقیید میں اسی تربیع جہات کی طرف رجوع کیجئے تو عین مطلوب ہے ورنہ بیچ بیں کوئی حدِ فاصل معیّن و مرجح للاعتبار نہیں اور ترجیح بلا مرجح باطل تو حد نہ بندھ سکے گی کہ یہاں تک انحراف رواء اور اُس کے بعد فساد تو یہی قول اضبط القوال ہے تو اسی طرف رجوع بلکہ ان سب کا بھی ارجاع مناسب۔

سابعًا: اس میں وسعت جہت ان سب سے تنگ تر، تو یہی احوط ہے کہ جہاں تک اُس کا مفاد ہے وہ تمام اقوالِ مذکورہ پر یقینا جہتِ قبلہ ہے اور جو اس کے مفاد سے باہر وہ مختلف فیہ و مشکوک و نا منضبط ہے تو احد متفق وترک شُبہ واختلاف ہی مناسب، لاجرم اسلامی علمائے ہیئیات نے بھی شرع سے اخذ کرکے جہت قبلہ کے لئے یہی ضابطہ باندھا، فتاوٰی خیریہ کے ایک سوال میں ہے:

من القواعد الفلکیة اذکان الانحراف عن مقتضی الادلة اکثرمن خمس و اربعین درجة یمنة اویسرة یکون ذلك الانحراف خارجاعن الربع الذی فیه مکة المشرفة من غیراشکال علی ان لاجهات بالنسبة الی المصلی اربعة[1]۔	فلکی قواعد میں ہے کہ جب دلائل کے مقتضٰی سے انحراف ۴۵ درجہ سے زیادہ دائیں یا بائیں ہو جائے تو نمازی کے لئے مسلّمہ چار جہت میں سے، وہ ایک چوتھائی جہت جس میں مکہ مکرمہ واقع ہے بغیر کسی اشکال کے یہ انحراف اس سے خارج قرار پائے گا۔(ت)

اقول: اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ یہ قول امام زندویسی ہرگز ایسی وسعت نہیں رکھتا کہ اسے قول دوم سے مقید کیجئے بلکہ وہی اتنا وسیع ہے کہ اسے اس سے مقید کرنا چاہیئے۔

فما وقع من الامام الحلبی فی حلیة مماقدمنا نقله لیس فی موضعه وهذاتمام انجاز ما وعدناك فی القوالاوّل۔	پس امام حلبی کا وہ کلام جو حلیہ میں واقع ہے جس کو ہم پہلے نقل کرچکے ہیں وُہ مناسب محل نہیں ہے، قولِ اوّل میں جو ہم نے وعدہ کیا تھا یہ اسکی تکمیل ہے(ت)

رہی حدیث مرفوع مابین المشرق والمغرب قبلہ[2] (مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۹/۱

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان بین المشرق والمغرب قبلۃ مطبوعہ امین کمپنی دھلی ۱/۴۶

اور اُس کے مثل ارشاداتِ امیر المؤمنین فاروقِ اعظم و عبداللہ بن عمرو غیرہما صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم

اقول: اُس کا یہ مفاد ہونا ہر گز مسلّم نہیں نہ ممکن التسلیم کہ شرق سے غرب تک نصف دَور میں قبلہ پھیلا ہوا ہے ورنہ لازم کہ نصف دیگر ہیں استدبار پھیلے کہ استقبال و استدبار دو جہت مقابل ہیں سارا دائرہ انہی دو جہتوں نے گھیر لیا، اب ارشاد اقدس **ولکن شرقوا او غربوا** (لیکن پورب اور پچھم کی طرف منہ کرو۔ت) کا کیا محل رہے گا، مگر یہ کہیں کہ خاص نقطتین مشرق و مغرب مستثنٰی ہیں تو لازم ہوگا کہ ہر شخص جو پیشاب کو بیٹھے یا پاخانے کو جائے صحیح آلات معرفت نقاط ساتھ لیتا جائے حالانکہ آلات بھی حقیقی تعیین نقاط سے قاصر ہیں، اگر کہیے عرفاً جہاں تک جہت مشرق و مغرب پھیلے گی وہ سب مستثنٰی ہے **فان بین اذا اضیف الی غیر الاعداد لم یدخل فیه الغایتان کما فی الفتح** (لفظ "بین" جب غیر عدد کی طرف مضاف ہو تو ابتداء اور انتہا دونوں غایتیں اس میں داخل نہ ہوں گی جیسا کہ فتح میں ہے۔ت)

اقول: اب ٹھکانے سے آگئے عرف میں جہتیں چار ہی سمجھی جاتی ہیں اور جو ایک سے قریب ہے وُہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اس نصف دور کے ۸۰ اد رجے سے ۴۵-۴۵ درجے کہ مشرق و مغرب سے قریب ہیں ان کے حصے میں رہ کر مستثنٰی ہوں گے بیچ کے ۹۰ درجے جن کی وسط میں کعبہ واقع ہے جہتِ قبلہ رہیں گے وھوالمطلوب (اور یہی مطلوب ہے۔ت) معہذا ایک جماعتِ علماء نے یہاں بین بمعنٰی وسط لیا یعنی مشرق و مغرب کے اندر جو قوس جنوبی ہے اُس کے وسط و منتصف کی طرف قبلہ مدینہ سکینہ ہے۔

اقول: اور اُس کے مؤید قول مذکور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ جب تو مغرب کو اپنے دہنے بازو اور مشرق کو بائیں بازو پرلے تو اُس وقت تیرا منہ قبلے کو ہے،

وکانه رضی الله عنه لذا زاد قوله اذًا استقبلت بعد قوله فما بینهما قبلة لکون هذا محتملا لخلاف المراد هذا و حمله الامام الاجل عبدالله بن المبارك علی ان هذا لاهل المشرق وکذا قال الشیخ البغوی فی المعالم انه صلی الله علیه وسلم اراد بقوله بابین المشرق والمغرب قبلة فی حق اهل المشرق [1] اھ ولا ادری ما الحامل	ہو سکتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنے قول "فما بینهما قبلة" کے بعد "اذًا استقبلت" کا لفظ اسی لئے بڑھایا ہو کہ فما بینھما قبلۃ میں اس سے مراد کے خلاف کا احتمال تھا۔ امام عبداللہ بن مبارک نے مابین المشر والمغرب والی حدیث کو اہل مشرق کے لئے قرار دیا ہے۔ امام بغوی نے اس کو یوں بیان کیا اور معالم میں فرمایا کہ حضور نے اپنا قول "مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔" اہل مشرق کے حق میں فرمایا اھ مجھے معلوم نہیں کہ ان حضرات

[1] تفسیر البغوی المعروف معالم التنزیل مع الخازن زیر آیۃ و ما انت بتابع مطبعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۲

ذلك بل الاظهر کما افادالامام الحلبی فی الحلیة وعلی القاری فی المرقاة ان المراد لاهل المدینة وماوافق قبلتها۔

اقول: ومعلوم ان المدینة السکینة علی شمالیتها من مکة المکرمة مائلة قلیلا الی المغرب دون المشرق ثم ان البغوی فی التفسیر والرازی فی الکبیروالمناوی فی التیسیر حملوا المشرق علی اقصر یوم فی الشتاء قال فی المناوی وھو مطلع قلب العقرب[1]۔

اقول: ولا یستقیم الابفرق عدة درج ولا فی زمانه اذکان اذذاك بعد القلب ؏ الهصه لو جنوبیا والمغرب علی مغرب اطول یوم فی الصیف قال

نے یہ کیوں فرمایا ______ جبکہ زیادہ ظاہر وہ معنٰی ہے جس کا افادہ امام حلبی نے حلیہ میں اور ملّا علی قاری نے مرقات میں فرمایا کہ اس سے مدینہ منورہ اور اسکے ارد گرد والوں کا قبلہ مراد ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) مدینہ منورہ کا مکہ مکرمہ سے شمال میں تھوڑا سا مغرب کی طرف مائل ہونا واضح طور معلوم ہے نہ کہ مشرق کی طرف، پھر امام بغوی نے اپنی تفسیر، امام رازی نے تفسیر کبیر میں اور امام مناوی نے التیسیر میں مشرق سے مراد سردیوں میں سب سے چھوٹے دن کا مطلع مراد کیا ہے، امام مناوی نے یوں فرمایا کہ وُہ عقرب کے قلب کا مطلع ہے۔ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بیان چند درجوں کے فرق بغیر درست نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی ان کے زمانے میں یہ درست تھا کیونکہ اُس وقت قلب کا بُعد الہ صہ لو جنوبی تھا، اور ان حضرات نے مغرب کو گرمیوں

؏ طول القلب فی زمان المناوی ح صه ه تقریبا فالبعد عن الاعتدال الاقرب سهصه جیبه فی اللوغارثمیات ۹٫۹۵۷۲۷۵۷x ظل المیل الکلی ذاك الح الط تقریبًا ۹٫۶۳۷۹۵۶۳=۹٫ ۵۹۵۲۳۲۰ قوسه کا الط ل هوالمیل الثانی للقلب ثم بُعد درجة القلب عن الانقلاب الاقرب اله جیبه ۹٫۶۲۵۹۴۸۳+جیب المیل الکلی الح الط ۹٫۶۰۰۴۰۹۰ =۹٫۲۶۳۵۷۳ قوسه ط صه مامح المیل الکلی

علّامہ منادی کے زمانہ میں طول القلب تقریبًا ح صہ تھا تو اعتدالِ اقرب سے اس کا بُعد سہصہ جس کا جیب لوگارثم ۹ٔ۹۵۷۲۷۵۷x اس کے میل کلی کا ظل الح الط تقریبًا ۹ٔ۶۳۷۹۵۶۳ = ۹ٔ۵۹۵۲۳۲۰ ہوگا اس کے قوس کا الط ل ہوگا جو کہ قلب کے لئے میل ثانی ہے پھر انقلاب اقرب سے قلب کے درجہ بُعد الہ ہوگا جس کا جیب ۹ٔ۶۲۵۹۴۸۳ + میل کلی کا جیب

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ما بین المشرق الخ کے تحت مکتبہ امام شافعی الریاض ۲/ ۳۴۵

وھو مغرب السماا الرامح

اقول: ھذا ابعد وابعد فان عــہ بعد السماك اذاذاك لوصہ ك شماليا

کے طویل ترین دن کا مغرب قرار دیا اور امام منادی نے فرمایا کہ وہ "**سماك رامح**" کا مغرب ہے (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بات بہت بعید ہے کیونکہ اس وقت "**سماک**" کا بُعد لو صہ ک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الح الط ۹۰ ۹٫۶۰۰۴۰=۹٫۲۶۳۵۷۳ طـ صـ مامح ھو المكيل المنكوس له وعرضه ء صـ ل كميله الثانى جنوبى فمجموعهما الہ صـ نط ل حصة البعد جيبه ۹٫۶۴۱۷۱۲۴ +جيب تمام الميل المنكوس ۹٫۹۹۳۷۵۲۴= ۹٫۶۳۵۴۶۴۸ قوسه الہ صہ لو بعد القلب اى ميله الاول و معلوم ان الميل الاعظم كان اصغرمنه باكثر من درجتين فكيف يتساوى سعتامشرقهما ۱۲منه(م)

عــہ طول السماك اذذاك ونط تقريبا بعده عن الاعتدال الاقرب نط جيبه ۹٫۵۱۲۶۴۱۹+ظل الميل الاعظم= ۹٫۱۵۰۵۹۸۲قوسه ح صہ ح هوميله الثانى وبعد درجته عن راس الجدى عا صه جيبه ۹٫۹۷۵۶۷۰۱ جيب الميل الاعظم+ ۹٫۵۷۶۰۷۹۱ قوسه ال ح ميله المنكوس وعرضه لا صه لح شماليا+ح صهح= لط مو حصة البعد جيبه ۹٫۸۰۵۹۵۱۰+جيب سرنب صـ ۹٫۹۶۶۷۵۶۲= ۹٫۷۷۲۰۷۲ قوسه لو صـ ك بعد السماک ۱۲منه (م)

الح الط ۹۰ ۹٫۶۰۰۴۰ = ۹٫۲۶۳۵۷۳ ہوگا اور اس کا قوس ط صـ مامح ہوگا، یہی اس کا منکوس میل کلی ہوگا جس کا عرض ء صہ ل ہوگا جو اسکے جنوبی میل ثانی جیسا ہوگا پس ان کا مجموعہ الہ صہ الط ل جو بُعد کا حصہ ہوگا اس کا جیب ۹٫۶۴۱۷۱۲۴ + میل منکوس کے کل کا جیب ۹٫۹۹۳۷۵۲۴ = ۹٫۶۳۵۴۶۴۸ ہوگا جس کا قوس الہ صہ لو بُعدِ قلب یعنی اسکا میل اول ہوگا اور یہ بات معلوم ہے کہ میل اعظم اس سے دو درجے کم ہوگا، تو اس سے دونوں مشرقوں کی وسعت کیسے مساوی ہوگی ۱۲منہ (ت)

سماک کا طول اس وقت ونط تقریبًا ہو تو اس کا اعتدال اقرب سے بُعد نط ہوگا جس کا جیب ۹٫۵۱۲۶۴۱۹ + ظلِ میل اعظم = ۹٫۱۵۰۵۹۸۲ ہوگا جس کا قوس ح صہ جو اس کا میل ثانی ہوگا اور راس جدی سے اسکے درجے کا بُعد عاصہ جس کا جیب = ۹٫۹۷۵۶۷۰۱ + میل اعظم کا جیب ۹٫۵۷۶۰۷۹۱ ہوگا جس کا قوس ال ح اسکا میل منکوس ہوگا اور اسکا شمالی عرض لا صہ لح + ح صہ ح = لط مو بُعد کا حصہ ہوگا جس کا جیب سرنب صہ ۹٫۹۶۶۷۵۶۲ = ۹٫۷۷۲۰۷۲ ہوگا جس کا قوس لو صہ ک سماک کا بُعد ہوگا ۱۲منہ (ت)

زائدا علی المیل الکلی بنحو درجة قال البغوی فمن جعل مغرب الصیف فی هذاالوقت علی یمینه و مشرق الشتاء علی یسارہ کان وجهه الی القبلة [1] اھ قال الرازی وذلك لان المشرق الشتوی جنوبی متباعد عن خط الاستواء بقدرالمیل والمغرب الصیفی شمالی متباعد عن خط الاستواء بمقدار المیل والذی بینهما ھو سمت مکّة [2] اھ

اقول: ولا ادری کیف یحمل المطلقان علی ھذین المقیدین وای قرینة علیه بل وای حاجة الیه فان الظاہر من الاطلاق ارادة مغرب الاعتدال ومشرقه ولاشك ان بینهما قبلة المدینة السکینة ومایلیها بل ان ارید زیادة التقریب کان العکس اولی وھواخذ مغرب الجدی و مشرق السرطان لان قبلة المدینة الکریمة علی جنوبیتها میلا ما عن نقطة الجنوب الی الشرق بعدۃ درج۔

ثم اقول: فی قول الامام الرازی متباعد عن خط الاستواء

شمالی تھا، اور یہ بُعد "میل کلی" سے تقریبًا ۱۳درجے زائد تھا۔ امام بغوی نے فرمایا: جس نے اس وقت گرمیوں کے مغرب کو اپنی دائیں طرف اور سردیوں کے مشرق کو اپنی بائیں طرف کیا تو اس شخص کا منہ قبلہ کی طرف ہوگا اھ اور امام رازی نے فرمایا یہ اس لئے ہے کہ سردیوں کا مشرق جنوبی ہوتا ہے اور خطِ استواء سے میل کی مقدار دُور ہوتا ہے، اور اگر گرمیوں کا مغرب شمالی ہوتا ہے اور خطِ استواء سے میل کی مقدار دور ہوتا ہے اور جوان دونوں کے درمیان ہے وہ سمتِ مکّہ ہے اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) معلوم نہیں مطلق مشرق و مغرب کو کیونکر مقید کر دیا گیا ہے اور اس پر قرینہ کیا ہے، بلکہ اس کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ مشرق و مغرب سے اعتدال کا مشرق و مغرب علی الاطلاق مراد ہے۔ اور یقینا ان دونوں کے درمیان مدینہ منورہ اور اسکے ارد گرد کا قبلہ ہے بلکہ (عین قبلہ کی بجائے) صرف تقریبی سمت مراد ہو تو پھر اس بیان کا عکس بہتر ہے وُہ یہ کہ "الجدّی" کا مغرب اور ر"السرطان" کا مشرق لیا جائے کیونکہ مدینہ منورہ کا قبلہ اس سے جنوب میں تھوڑا سا نقطہ جنوب سے مشرق کی طرف چند درجے ہٹ کر ہے۔ (ت) **ثم اقول:** کہ امام رازی کے قول "کہ گرمیوں کا مغرب اور سردیوں کا مشرق، خط استواء سے

[1] تفسیر البغوی المعروف بمعالم التنزیل مع الخازن زیر آیت و ماانت بتابع مطبوعہ مصطفے البابی مصر ۱/۱۲۲

[2] التفسیر الکبیر زیر آیت فولّ وجهك الخ مطبوعہ المطبعة البیهة المصریة مصر ۴/۲۲۲

بمقدار المیل تسامحا ظاہرا فان ذلك انما ھو فی الافق المستوی اما فی غیرہ فسعة المشرق والمغرب لراسی الجدی والسرطان اکبر دائما من المیل الکلی کیف وھی وتر القائمة من مثلث کروی یحدث من قوس المعدل بین الافق والمیلیة وقوس من المیلیة واخری من الافق کلتاھما بین المعدل والجزئ وزاویتاہ الباقیتان حاتان اما کون ھذہ قائمة فلا نہا من میلیة وقعت علی المعدل واما حدة البواقی فلان وتر القائمة وھی السعة والمیل کلاھما اقل من الربع واحدی الزاویا غیرحادة فتمت شرائط امن اولی اکرّو جب اعظیمة وتر العظمٰی بالسابع منہا وھی السعة فھی اعظم من المیل الاعظم ومن قوس المعدل الباقیة ایضاامافی افق المستوی فتنطبق المیلیة علی الافق فلامثلث ولم یکن بین الجزء ونقطة الاعتدال حینئذ الامیله وذلك ماارد ناہ واللہ تعالٰی اعلم۔	میل کی مقدار دُور ہوتا ہے میں کُھلا تسامح ہے کیونکہ یہ مستوی افق میں ہے لیکن اسکے غیر ہیں مشرق و مغرب کی وسعت راس جدی اور راس سرطان پر ہمیشہ میل کلی سے بڑی ہوتی ہے، ان کا قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ یہ وسعت، مثلث کروی کے قائمہ کا وتر ہے اور یہ مثلث کروی افق اور میلیۃ کے درمیان معدل کے قوس اور میلیۃ کے قوس اور ایک دوسرے، جو کہ اُفق کا قوس ہے، سے پیدا ہوئی۔ یہ دونوں معدل اور جزء کے درمیان ہیں اس کے باقی دونوں زاویے حادّہ ہیں، اس کا قائمہ ہونا تو اس لئے ہے کہ یہ میلیۃ سے معدل پر گری ہے، اور دوسرے زاویوں کا حادہ ہونا اس لئے ہے کہ قائمہ کا وتر جو کہ وسعت اور میل ہے یہ دونوں چوتھائی سے کم ہیں اور ایک زاویہ جو کہ غیر حادّہ ہے تو اس طرح کروں میں سے پہلے کی "ا" کے شرائط مکمل ہوگئے تو اب ان کے ساتویں کی وجہ سے وتر عظمٰی کی بڑھائی ضروری ہوگئی اور یہ وہی وسعت ہے تو یہ میل اعظم سے اور باقی معدل کے قوس سے بھی بڑی ہے مستوی کے افق میں میلیۃ افق پر منطبق ہوجاتی ہے اس لئے وہاں مثلث نہیں ہے اور جزء اور نقطہ اعتدال کے درمیان اب صرف اس کا میل ہے اور یہی ہماری مراد ہے، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

تذییل کتب مذہب میں یہ پانچ عبارتیں ہیں کہ افادہ حکم عام کرتی ہیں اور یہاں ایک عبارت اور ہے جسے بعض کتب میں صورةً بطور عموم ظاہر کیا اور حقیقةً اصلاً صالح عموم نہیں بلکہ انھیں علاماتِ خاصہ سے ہے جو بلادِ مخصوصہ کے لئے اقوال فقیہ ابو جعفر وغیرہ مشائخ سے گزریں وہ یہ کہ بین المغربین قبلہ ہے یعنی گرمیوں میں سب سے بڑے دن مثلاً ۲۲ جون اور جاڑوں میں سب سے چھوٹے دن مثلاً ۲۱ دسمبر میں آفتاب جہاں ڈوبے اُن

دونوں موضع غروب کے اندر سمتِ قبلہ ہے۔ ردالمحتار میں بحوالہ شرح زادالفقیر للعلامۃ الغزی بعض کتبِ معتمدہ سے شرح الخلاصہ للعلامۃ القہستانی میں ہے:

ینظر مغرب الصیف فی اطول ایامه ومغرب الشتاء فی اقصر ایامه فلیدع الثلثین فی الجانب الایمن والثلث فی الایسرو القبلة عند ذلك ولولم یفعل ھکذا وصلی فیما بین المغربین یجوز[1]۔	گرمیوں کے طویل ترین دن کے مغرب اور سردیوں کے چھوٹے دن کے مغرب کو ملحوظ رکھ کر دائیں جانب ۳۰ اور بائیں جانب ۳ درجے چھوڑے تو یہ نمازی کا قبلہ ہوگا، اور اگر وہ یہ احتیاط نہ کرے اور دونوں مغرب کے درمیان سیدھا نماز پڑھ لے تو نماز جائز ہوگی۔ (ت)

حلیہ میں ملتقط و تجنیس ملتقط سے ہے:

وقال ابومنصورینظر الی اقصر یوم اطول یوم فیعرف مغربیھما ثم یترك الثلثین عن یمینه قال صاحب الملتقط ھذا استحباب والاول للجواز[2] اھ وھذاماوعدناك صدرالکلام فی الایراد الخامس۔	اور ابو منصور نے کہا سب سے چھوٹے اور سب سے بڑے دن کے مغرب کو معلوم کرکے پھر ۳۰ درجے دائیں طرف چھوڑے۔ صاحبِ ملتقط نے کہا کہ پہلا بیان جواز کے لئے اور یہ دوسرا استحباب ہے اھ اور یہی صدر کلام میں پانچویں اعتراض میں ہمارا وعدہ تھا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جو بلادِ مکہ معظّمہ سے خاص جنوب یا شمال کو ہیں یہ بیان ان سے تو اصلاً متعلق نہیں ہوسکتا آخر نہ دیکھا کہ قبلہ مدینہ سکینہ قبلہ قطعیہ یقینیہ ہے بین المغربین درکنار خد جمیع جہت مغرب سے بہت بعید ہے اور بلادِ شرقیہ و غربیہ کو بھی عام نہیں ہوسکتی، آخر نہ دیکھا کہ ابھی بحث چہارم مکالمہ علّامہ شامی میں جو شہر مکہ معظّمہ سے پانچ درجے طول مشرقی زائد خاص خطِ استواء پر لیا اُس کا قبلہ بین المغربین سے چوّن درجے شمال کو ہٹا ہوا ہے،

لان السعة العظمی فی الافق المستوی الح صه الر و قدکان انحراف قبلة عن نقطة المغرب عرصه الح۔	کیونکہ مستوی افق میں بڑی وسعت الح الر صہ ہے جبکہ نقطہ مغرب سے قبلہ کا انحراف عُرصہ الح تھا۔ (ت)

تو قبلہ تقریبی ۹۹ نناوے درجے مغربین سے باہر ہوگا جو ربع دور سے بھی زیادہ ہے۔ لاجرم امالی الفتاوی میں اس قول کو اپنے بلادِ سمرقند وغیرہ سے خاص کیا، منیہ میں ہے۔

[1] ردالمحتار مبحث فی استقبال القبلۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۸۸

[2] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی بحوالہ حلیہ الشرط الرابع مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۸۶

ذکر فی امالی الفتاوی، حدالقبلة فی بلادنا یعنی فی سمرقند ما بین المغربین المغربین مغرب الشتاء ومغرب الصیف[1]	امالی الفتاوٰی میں ذکر کیا گیا ہے کہ ہمارے سمرقند کے علاقہ میں قبلہ کی حد گرمیوں اور سردیوں کے دونوں مغربوں کے درمیان ہے۔(ت)

انھیں بلاد شرقیہ سے ہرات ہے، علّامہ برجندی فرماتے ہیں: ہم نے اسکا قبلہ تحقیق کیا، بین المغربین سے باہر جنوب کو ہٹاہوا پایا۔اور اسی کے مطابق امام عبداللہ بن مبارک مروزی وامام ابو مطیع بلخی کاارشاد آیا، شرح نقایہ میں ہے:

نحن قد حققنا بتلك القواعد قبلة هراة فظهر لنا انه یقع عن یسار مغرب اقصر ایام السنة حیث یغرب کواکب العقرب وھوالموافق لماذکرہ عبداللہ بن المبارك وابومطیع فما وقع فی تجنیس الملتقط انه لوصلی الی جھة خرجت ممابین مغرب الصیف ومغرب الشتاء فسدت صلاته انما یصح فی بعض البقاع[2] (ملخصا)۔	ہم نے ان قواعد سے ہرات کے قبلہ کی سمت تحقیق کی ہے تو ہمیں معلوم ہوا کہ سال کے چھوٹے دن کے مغرب سے بائیں جانب جہاں عقرب کے ستارے غروب ہوتے ہیں یہاں کا قبلہ ہے، عبداللہ بن مبارک اور ابو مطیع کے بیان کے یہی مطابق ہے اور جو تجنیس الملتقط میں ہے کہ اگر نمازی نے گرمیوں کے مغرب اور سردیوں کے مغرب سے خارج کسی جہت میں نماز پڑھی تو اسکی نماز فاسد ہوگی، تو یہ بات بعض علاقوں میں درست ہوسکتی ہے ملخصًا(ت)

اقول: حقیقت امر یہ ہے کہ معظم معمورہ میں اکثر بلادِ شرقیہ کا قبلہ تحقیقی مغرب سرطان سے مغرب جدی تک ہےاور بہ نسبت درجات ادراک مغربین ہر شخص پر آسان اور اُن بلاد کثیرہ میں اگرچہ جہت قبلہ مغربین سے باہر تک ممتد مگر امر محدود سہل الادراک کی تعیین جو حدود قبلہ کے اندر داخل ہے مضائقہ نہیں رکھتی بلکہ بارہا اُس میں زیادہ تقریب ہے جس سے سہولت و قرب بحقیقت، دونوں منافع حاصل، لہٰذا علماء نے ان بلاد میں عامہ کو مابین المغربین کی تحدید بتائی اُس کے معنی یہ نہ تھے کہ اس سے باہر جہت اصلاً نہیں، اور مغربین سے تجاوز ہوتے ہی نماز فاسد ہو، مگر شرح خلاصہ قہستانی اور شرح زادالفقیر میں بحوالہ بعض کتب معتمدہ کہ شاید وہی شرح خلاصہ ہو کہ وہ تمام عبارت بعینہا فقیر نے اس میں پائی، بعد عبارت مذکور ہے:
واذاوقع توجهه خارجا منها لایجوز بالاتفاق[3] (اگر اس کی

[1] منیة المصلی الشرط الرابع استقبال القبله مطبوعه مکتبه قادریه جامعه نظامیه رضویه لاهور ص ۱۸۵
[2] شرح النقایة للبرجندی باب شروط الصلوٰۃ مطبوعه منشی نولکشور بالسرور لکھنؤ ۸۹/۱
[3] ردالمحتار، باب شروط الصلوٰۃ مبحث فی استقبال القبلة مطبوعه مطبع مجتبائی دھلی، ۲۸۸/۱

توجہ اسی جگہ سے خارج ہو جائے تو اسکی نماز بالاتفاق جائز نہ ہوگی۔ت) دونوں کتابوں میں یہ عبارت بلفظ منہا بضمیر مونث ہے نہ منہما بضمیر تثنیہ کہ جانب مغربین راجع ہو اور شک نہیں کہ جہت سے خروج مفسد صلوٰۃ ہے اور لفظ بالاتفاق اس معنی پر صریح دال کہ خروج عن الجہتہ ہی کا مفسد ہونا متفق علیہ ہے نہ کہ یہ تحدید خاص جو اقوالِ خمسہ مذکورہ ائمہ مشہورہ دوراہ فی کتب المذہب سب کے خلاف ہے لیکن منیہ میں امالی سے یُوں ہے:

فان صلی الی جھۃ خرجت من المغربین فسدت صلاتہ[1]۔	اگر نمازی نے کسی ایسی جہت میں نماز پڑھی جو مغربین سے خارج ہو تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔(ت)

اور تجنیس الملتقط کی نقل گزری، علّامہ برجندی کا ارشاد سن چکے کہ انھوں نے ہراۃ کے لیے یہ حکم نہ مانا بلکہ اس کا تحقیقی مغربین سے باہر ہے اور اس حکم کو صرف بعض مقامات سے مخصوص کہا **اقول:** بلکہ اصلاً کہیں صادق نہ آئے گا سوا گنتی کے دو چار نادر مقاموں کے جو شاید آباد بھی نہ ہوں بلکہ غالباً سمندر میں پڑیں جن کا قبلہ نقطہ اعتدال ہو اور عرض تقریباً چھپن ۵۶ درجے کہ ان کی سعۃ المغرب ۴۵ درجے ہوگی ورنہ اگر عرض اس سے کم ہوا تو سعۃ المغرب ۴۵ درجے سے کم ہوگی اور باجماع اقوال خمسہ بین المغربین سے کم و بیش خروج روا ہوگا اور اگر قبلہ اعتدال سے ہٹا ہوا ہے تو ضرور احدالسعتین کی طرف جھکے گا تو جس سے جتنا قریب ہے اُس سے اُسی قدر باہر جانا بھی روا ہوگا اور جس سے بعید ہے اُس کے اندر بھی بعض انحراف مفسد نماز ہوگا کمالایخفی (جیسا کہ ظاہر ہے۔ت) پھر یہ بھی زیادہ بین الفساد پھر تمام دنیا چھوڑ کر گنتی کے چند مواضع کا حکم لینا اور اُسے صورتِ عام میں بیان کرنا کیونکر روبصحت ہوگا خصوصاً وہ مواضع بھی اتنے دُور دراز عرض کے جو اگر آباد بھی ثابت ہوں تو شک نہیں کہ اُس زمانے میں معمورہ سے باہر سمجھے جاتے اور خارج الاقالیم کہلاتے تھے کہ اُن کی تقسیم میں ساتوں اقلیم ۵۰۲۰َ تک ختم ہو گئیں۔ ہماری اس تقریر سے متفطن نکال سکتا ہے کہ اس قول پر کتنے نقض وارد ہیں۔

اوّلاً عرب و عجم و ہند و سندھ غرض ایشیا افریقہ کے عام شہر بلکہ تمام ہفت اقلیم میں کہیں سعتہ المغرب ۴۵ درجے نہیں اور اوپر واضح ہو چکا کہ یہاں تک انحراف باجماع جمیع اقوال مذکورہ روا ہے کہ یہی سب سے تنگ تر قول ہے تو عامہ معمورہ کے جملہ بلاد جن کا قبلہ نقطہ مشرق یا مغرب ہو باتفاق اقوال مزبورہ ان میں مابین المغربین سے بھی انحراف روا ہوگا اور تمام نماز فاسد نہیں ہو سکتی جب تک ۴۵ درجے سے زائد نہ ہو۔

ثانیاً وہ بلاد کم ہیں جن کا قبلہ خاص نقطہ اعتدال ہو، اکثر میں کم یا زیادہ انحراف ہے اب تین حال سے خالی نہیں یا تو انحراف اعنی تمامہ ای من نقطہ الاعتدال الی الجنوب او شمال (میری مراد

[1] منیۃ المصلی الشرط الرابع استقبال القبلۃ مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۸۵

اس کا تمام ہے یعنی نقطہ اعتدال سے جنوب وشمال کی طرف۔ت) سعۃ المغرب سے کم ہوگا یا برابر یا زائد۔بر تقدیر اول جس سمت انحراف ہے اُدھر کی سعۃ المغرب سے اور بھی باہر جانا روا ہوگا مثلاً ۳۴ درجے سعت ہے اگر انحراف نہ ہوتا تو اُس سے ۲۱ درجے خروج جائز ہوتا، اب فرض کیجئے ۳۰ درجے انحراف ہے یہ تو بین المشرقین ۱۴ درجے عدول صحیح ہوگا۔

ثالثاً جس سمت سے انحراف ہوا گر انحراف وسعت کا مجموعہ ۴۵ درجے سے زائد ہے تو بین المغربین ہی وہ جگہ پائی جائے گی جب تک انحراف مفسد نماز ہے حالانکہ اس قول پر جواز ہوگا۔

رابعاً فرض کیجئے ۲۰ درجے جانب جنوب انحراف ہے اور وسعت ۲۴ تو اس قول پر قبلہ تحقیقی سے جنوب کو صرف چار درجے انحراف جائز ہوگا کہ بین المغربین سے خروج نہ ہو اور شمال کو ۴۴ درجے تک انحراف روا ہوگا یہ بدیہی البطلان اور بالاجماع غلط ہے قبلہ حقیقی سے جس قدر ایک طرف پھرنے میں مواجہہ نہیں جاتا واجب کہ دوسری طرف بھی اُس قدر میں زوال نہ ہو کہ چہرہ انسان کے دونوں رُخ یکساں ہیں یہ چار چوالیس کا تفرقہ کدھر سے آیا۔

خامساً و سادساً بر تقدیر ثانی استحالے ظاہر تر ہیں فرض کیجئے سعت وانحراف جنوب دونوں رُخ یکساں ہیں (اور یہ کوئی فرض ناواقعی نہیں ہیأت داں کو عمل تعکیس کا اجرا بتادیگا کہ فلاں فلاں مقام ایسے ہیں) اب اس صورت میں حکم شرعی تو یہ ہے کہ بین المغربین سے جانب جنوب ۴۵ درجے تک باہر جانا روا ہے اور جانب شمال سعت کے صرف تک جھک سکتا ہے نصف شمال کی طرف جُھکنا مفسد نماز ہوگا اور اس قول پر اسکے برعکس حکم یہ نکلے گا کہ ایک پہلو پر تو ساٹھ ۶۰ درجے تک انحراف روا اور دوسرے پہلو پر قدم بھر ہٹا اور نماز گئی کیا یہ حکم شریعت مطہرہ کا ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

سابعاً تقدیرِ ثالث تو خود استحالہ حاضرہ ہے کہ جب انحراف سعت سے زائد ہے تو جو قبلہ حقیقی چاہے واجب ہے کہ بین المغربین سے باہر جائے اس قول پر خود استقبال حقیقی مفسد نماز ہوا۔

ثامناً دنیا میں کوئی سعت سے زائد ہے طرفین کا مجموعہ ۴۶ ۵۴ ہوا تو بین المغربین یقیناً وہ انحراف ہے جسے قبلہ حقیقی سے ۴۵ درجے زائد اختلاف ہے تو جو فسادِ نماز کی صورت تھی وہ اس پر جواز کی ہوئی اور جو جواز بلکہ اعلی استحباب کی تھی وہ فساد ٹھری اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ ہوگا۔

تاسعاً فرض کیجئے ایک شہر مکہ معظّمہ سے قریب اور کثیر العرض ہے اور دُوسرا بہت بعید اور قلیل العرض یا بے عرض، تو قطعاً اوّل کی سعۃ المغرب دوم سے زائد ہوگی جس کی زیادت چھیاسٹھ ۶۶ درجے تک پہنچ سکتی ہے تو اس قول پر لازم کہ قریب شہر کی سمتِ قبلہ بہت دور والے شہر کی سمت سے ہزارہا میل زیادہ دُور تک پھیلی ہو، یہ عکس قضیہ معقول و منقول ہے۔

عاشراً ناواقف گمان کرے گا کہ اس قول میں بہ نسبت دیگر اقوال کے تضییق ہے معظم معمورہ میں سعت ۴۵ درجے سے بھی کم ہے مگر یہ خیال باطل ہے ہم ابھی ثابت کر آئے کہ اس میں قبلہ حقیقی سے ساٹھ درجے انحراف روا ٹھرتا ہے اور تنقیح کیجئے تو اس کی وسعت ظاہر قولین اولین سے کچھ کم نہیں بلکہ زائد ہے ۶۶ صہ - ۳۳ کے عرض پر مجموع سعتین کے پُورے ایک سو اسی ۱۸۰ درجے ہیں۔

اقول: والبرهان عليه تساوی الميل الكلی وتمام عرض البلد فتساوی جيوبهما وفی المثلث الكروی نسب جيوب الزاويا الی جيوب اوتارها متساية فيتساوی جيوب السعة والقائمة وبه يظهر فی كلام المدقق الرومی فی شرح الچغمينی حيث قال سعة المشرق والمغرب تزيد بزيادة العرض الی ان تبلغ قريبا من الربع مالم يبلغ العرض ربعا[1] اھ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر دلیل میل کلی اور تمام عرض بلد کا متساوی ہونا ہے تو اس طرح ان دونوں کی جیبیں بھی متساوی ہوں گی اور مثلثِ کروی میں جنوب زوایا کو اس کے جیوب اوتار کی طرف متساوی منسوب کیا گیا ہے تو اس طرح جیوب سعتہ و قائمہ دونوں متساوی ہوں گے اور اسی سے شرح چغمینی میں فاضل رومی کے دقیق کلام میں جو ابہام ہے واضح ہو جاتا ہے جیسا کہ اُنھوں نے فرمایا: سعتہ مشرق و مغرب عرض کے بڑھنے سے بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ سعتہ قریب ربع کو پہنچ جائے جبکہ عرض بلد ربع کو نہ پہنچی ہو اھ (ت)

بلکہ حسم مناقشہ کے لئے ساٹھ ۶۰ ہی درجے کا عرض لیجئے کہ وہاں سعت ۵۲ ۴۴ ہوا، فرض کیجئے کہ انحراف جنوبی ۷۷ ۱۷ ہو کہ اس سے زیادہ کا انحراف ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں، اب اگر مصلی نقطہ مغرب سے ۵۲ ۴۳ شمال کو پھر کر کھڑا ہو اس قول پر نماز صحیح ہوگی کہ قبلہ بین المغربین کے اندر ہے حالانکہ قبلہ حقیقی سے پُورا ایک سو تیس درجے پھرا ہوا ہے قولین اولین کے ظاہر پر تو قبلے کو کروٹ ہی ہوتی تھی یہاں اس سے بھی گزر کر پیٹھ کا حصہ ہے اور استقبال موجود، بالجملہ اس پر وہ استحالات ہائلہ وارد ہیں جن کا شمار دشوار تو یہ قول اس قول پر نقلا عقلا اصلا قابل قبول نہیں اور خدا اسی قدر اُس کی غرابت و نامسموعی کو بس تھا کہ تمام کتب معتمدہ کے پانچوں اقوال سے صریح مناقص ہے، ہاں اُس وجہ پر کہ فقیر نے تقریر کی، ضرور صحیح و نجیح ہے **وباللّٰه التوفيق**، **الحمدللّٰه** کہ جہتِ قبلہ کا ہی کافی وافی شافی صافی بیان اُس جلالتِ شان و ایضاح صواب و احاطہ و تحقیق و کشف و حجاب کے ساتھ واقع ہُوا کہ اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا **ذلك من فضل اللّٰه علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لا يشكرون رب اوزعنی ان اشكر نعمتك**

[1] شرح چغمینی الباب الثالث من المقالۃ الاولی فی الدوائر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۶۹

التی انعمت علی وعلی والدی وان اعمل صٰلحا ترضٰہُ واجعلنی من التائبین وادخلنی برحمتك فی الصّٰلحین اٰمین و صلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا محمد واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین اٰمین۔

افادہ ثانیہ: علی گڑھ میں انقلابین کی سعت المغرب کیا ہے۔ الحمدللہ کہ جہت قبلہ کے معنی آفتاب کی طرح واضح ہوگئے اور معلوم ہولیا کہ جب تک حدود جہت کے اندر ہے جواز واباحت ہے حتی الوسع اصابت عین صرف مستحب ہے اب یہ دیکھنا رہا کہ مقام ادعا متنازعہ فیہ کا انحراف ہے حدود جہت کے اندر ہے یا نہیں، اس کے لئے اُس ظاہری وسعت اقوال سابقہ کی تکلیف دینی درکنار قول پنجم جسے ہم محقق و منقح کرآئے اُس سے بھی تنزل کریں اور اس میں بین المغربین ہی کی تحدید کو لیں کہ ہمارے بلاد میں واقعی یہی سب سے تنگ تر ہے تاکہ ناواقف فتوٰی دہندوں کو کوئی شکایت نہ رہ جائے اس لئے اوّلاً علی گڑھ میں راس الجدی وراس السرطان کی سعۃ المغرب معلوم کرنی ضروری ہے

فنقول: ا ب ح ء افق علی گڑھ ہے اء قوس معدل، ہ قطب شمالی ح راس الجدی، وقت غروب ہ ح، دائرہ میلیہ ر ح میل کلی ۲۳ ۲۷ ا ح سعۃ المغرب مثلث ا ر ح قائم الزاویہ میں زاویہ ا تمام عرض البلد یعنی ۶۲ ۴ ہے کہ زاویہ تقاطع معدل وافق ہمیشہ تمام عرض بلد ہوتا ہے الاتری ان قیاسہا قوس ط ح و ی سمت راس البلد فکان ی ط عرضہ و ط ح تمامہ بحکم شکل مغنی جیب میل : جیب تمام عرض : جیب ا ح مجہول : ع:. بلوگارثم جیب اول ۹٫۵۹۹۸۱۷۰ - جیب دوم ۹٫۹۴۶۲۰۳۲ = جیب سوم ۹٫۶۵۳۶۲۳۸ قوسہ الوموصہ۔ معلوم ہوا کہ علی گڑھ میں راس السرطان نقطہ مغرب سے ۲۶ درجے ۴۶ دقیقے شمال کو اور راس الجدی اسی قدر جنوب کو ہٹا ہوا ڈوبتا ہے۔

افادہ ثالثہ: یہ عیدگاہ نقطہ مغرب سے کس قدر منحرف ہے۔ اب وضوح مقصد میں صرف اتنی ہی بات کا دریافت کرنا رہا، اگر ثابت ہو کہ اس کا انحراف پونے ستائیس درجے سے کم ہے تو یقیناً وہ اس سب سے تنگ تر قول پر بھی جہت قبلہ کی طرف ہے اور اُس میں نماز مکروہ تحریمی بتانا اور اسے ڈھانا فرض ٹھہرانا سب جہل وافتراء، اس کے ادراک کو عیدگاہ مذکور کی دیوارِ قبلہ کا جنوباً شمالاً طول درکار تھا، دریافت کئے پر تحریر آئی کہ ساڑھے بیاسی گز ہے، اگر یہ پیمائش اور معترضوں کا وُہ دعوٰی کہ دیوار محاذات قطب شمالی سے نوّے فٹ جانب مغرب ہٹی ہوئی ہے صحیح ہے تو زاویہ انحراف کرنا مشکل نہیں **فاقول:** ء نقطہ قطب اور ا ب دیوارِ قبلہ، بحالت موجودہ ب سے ٹھیک سمت ء پر خط ب ح غیر محدود کھینچا اور ب کو مرکز فرض کرکے ا کے بعد پر قوس ا ر ح رسم کی جس نے خط کو نقطہ ح پر قطع کیا تو ب ح اُس حالت پر دیوار ہوگی جس پر معترضین اُسے لانا چاہتے ہیں،

وتراح وصل کیاکہ حسبِ بیان معترضین ۹۰ فٹ یعنی ساٹھ ۶۰ ذراع شرعی ہے اور اب ،ح ب دونوں ضلعے یعنی نصف قطر کہ ایک مرفوع ہے حسبِ بیان سائلان ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ ذراع شرعی .: ۱۶۵: :: ۶۰ : درجات وتراح .: ۶۰x ۶۰ = ۳۶۰۰ ÷۱۶۵ = ۸۱۸۱۸۱۸ ء ۲۱ یعنی کا صہ مطہ الر مقدار وتر کوئی اس کا نصف یصہ ندلہ مدجدول جیب میں اس قوس یصہ الط تو قوس اح یعنی زاویہ اب ح = ک صہ نح یعنی اس کی سمت قبلہ قطب شمالی سے دو دقیقے کم اکیس ۲۱ درجے جانب غروب ہے وَبوَجہٍ اٰخَرکہ بیان میں رسم قوس کی حاجت نہ ہو ب سے سمت ء پر خط غیر محدود کھینچااور ب ح مساوی اب قطع کرکے اور بحکم شکل ہشتم بلکہ پنجمؔ اور چہارم مقالہ اولٰی، زاویہ ب کا منصف ہوااور بحکم حدود اح پر عمود اہ حسب بیان معترضان ۳۰ ذراع شرعی ہے تو بحکم شکل نافع لو ۳۰xع= ۳۱۲۱۳ ۷ ۷ ۴ ۹ ئ ۱۱-لو ۱۶۵ یعنی ۹ ۳۸۴ ۴۷ ۲۱ ء ۲ = ۴ ۷ ۴ ۷ ۳ ۶ ۹ ۵ ۲ ء ۹ لوجیب زاویہ اب ہ یعنی ی صہ ندلہ [1] مد۔ قوس ی صہ الط تو کل زاویہ وہی ۵۸َ ۲۰ْ ہوااور ظاہر ہے کہ جتنا انحراف اس دیوار کو قطب شمالی جانب غرب سے ہے اتنا ہی اس کی سمت قبلہ کو نقطہ مغرب سے جانب جنوب ہوگا کہ دیوار مثلاً

یہاں امیج بنانی ہے جلد ۶ ص ۱۲۶

اب پر اس کے سمت ح ب اور ح ب خط جنوب وشمال پر ر ب خط اعتدال عمود ہے تواب ح ح ب ر قائمتین سے اب ر مشترک ساقط کیاح ب ر برابرا ب ح کے رہا، پس دلائل قطعیہ سے ثابت ہوا کہ سب سے تنگ تر قول پر بھی عیدگاہ مذکورہ پونے چھ درجے سے زیادہ حدود قبلہ میں داخل ہے اور قولِ محقق و منقح پر ۲۶ درجے سے زائد اندرونِ حد ہے کما سیظھر ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی ظاہر ہو جائے گا۔ت) یعنی شرعًا جہاں تک انحراف کی اجازت ہے اُس کا نصف بھی اس میں نہیں اتنا ہی انحراف اور ہوتا جب بھی سات درجے زائد میں ہی رہتی تو روشن ہُوا کہ نئی روشنی والوں کے بیان وفتوے سب ظلمات جہل واہوا ہیں والعیا باللہ تعالٰی۔

افادہ رابعہ: علی گڑھ کا قبلہ تقریبی۔ کتب متداولہ ہیأت میں جو طریقہ معرفت سمت کا لکھا جسے سید المحققین علّامہ سید شریف قدس سرہ الشریف نے تحقیقی گمان فرمایااور عندالتحقیق تحقیق نہیں تقریب ہے اُس طریقہ پر یہاں معرفتِ سمت یُوں ہے

ہ مرکز دائرہ ہندیہ ہے افق علی گڑھ میں اح خط اعتدال ل ب خط جنوب وشمال ا ر آنجا کہ علیگڑھ مکہ معظّمہ سے شرق شمالی ہے اور طول مکہ معظّمہ صری ؎ طول علیگڑھ ع ح صہ ومابین الطولین لرنو صہ عرض مکّہ کا صہ الہ عرض علیگڑھ الرصہ نو مابین العرضین و ؎ لا لہٰذا نقطتین جنوب وشمال سے نقطہ مغرب کی طرف ل ء ب ح ابقدر لرنو وصل کیااور نقطین مشرق ومغرب سے

[1] زیراکہ تحویل لوگارثم مذکور بجیب اصلی عشری ۱۸۱۸۱۸۸۲ ء ۰ وتحویل بہ ستینی ی ؎ ندل مد ۱۲ منہ (م)

نقطہ جنوب کی طرف ام ح بقدر و لا رح ملایا جس نے ء ح کو ط پر قطع کیا ہ سے ط پر گزرتا خط ہ سہ کھینچا کہ سمتِ قبلہ ہے یعنی نقطہ مغرب سے بقدر قوس اسہ جانبِ جنوب پھرے تو مواجہ کعبہ معظّمہ ہو مکتب ہیأت کا عمل یہاں تک تمام ہوا کہ اُن کا مقصود دائرہ ہندیہ میں خط قبلہ نکالنا تھا وہ اس قدر سے حاصل۔ ظاہر ہے کہ جب ہ سہ سمتِ قبلہ ہُوئی ہ ف اس پر عمود گرایا یہ شانہ راست کی جہت ہوگی تو عہ کی قطب شمالی ہے دہنے شانے سے جانبِ پشت ہی مائل ہوگا یایوں س سمجھیئے ہ قہ دیوار قبلہ بحالتِ موجودہ ہے اور قہ ص محاذاتِ قطب سے تفاوت کے فیٹ۔ خیر یہ تو استخراج خط تھا مگر ہم کو یہ معلوم کرنا ہے کہ درجوں دقیقوں میں اس انحراف کی مقدار کیا ہوئی۔ اقول رک یعنی بحکم توازی صرط جب تفاضل عرض ہے اس کی مقدار و صہ مح لدط مربع موال—— ما ب الح ل - ح ی مرہ جیب تفاضل طور مقدار لو صہ نخ ء مد مربع ال—— ع مرالح لح ی والذنو مجموع مربعین الح ع الوبہ مط مح ب راس کا جذر لر صہ ل لط کہ بحکم عروسی مثلث قائم الزاویہ ہ صہ ط میں مقدار وترہ ط ہے اب بحکم شکل نافع ہ ط : ع : : مرط جیب مرہ ط مجہول : . و صہ صح لدولط ÷ لہ ل الح لط منحط = ی صہ نخ لدلہ قوسہ ی الح یعنی دس ۱۰ درجے اٹھائیس دقیقے جانب جنوب پھرنا چاہیے و باللوغارثمیات خط مرہ یعنی فرق طول ۵۶ُ ۷ ۳ کی جیب لوگاثمی ۸۸۶۹۴۴ ۷ء۹ : . لو مربع ۳۸۸۸ ۵۷۷ء۹ یعنی ۳۸۸۸ ۵۷۷ء۹ T : . مربع ۳۹۱۳۳ ۷۷ ۳ء خط د ط یعنی فرق عرض ۱۶ ۳ کی جیب لوگارثمی ۰۵۴۹۶۶۱ء۹ : . لو مربع ۱۰۹۹۳۳۲۲ء ۸ یعنی ۱۰۹۹۳۲۲ء ۲ : . مربع ۱۲۸۸۰۵ء ۰ مجموع مربعین ۳۹۰۷۹۳۸ء ، لوگارثم ۷۶ ۵۹۱۹۴ء T لوجذر ۷۹۵۹۷۳۸ء T : . لومط ۰۵۴۹۶۶۱ء۹ - ۷۹۵۹۷۳۸ء۹ = ۲۵۸۹۹۲۳ء۹ قوس وہی ۱۰َ۲ ۸۔

افادہ خامسہ: علی گڑھ کا قبلہ تحقیق

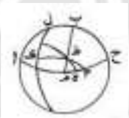

اقول: اب ح ء افق شمالی علی گڑھ ب نقطہ مغرب ء معدل النہار ح قطب شمالی ط سمت راس مکہ مکرمہ ح ط ك نص نہار ہاح ر نصف نہار علی گڑھ ہ سمت راس علیگڑھ ہ طل خط سمت قبلہ علی گڑھ ل ب تمام انحراف یعنی انحراف از نقطہ مغرب بجنوب اس کی معرفت مقدار کے لئے **اولا** نقطہ مغرب سے سمت راس مکہ معظّمہ پر گزرتا ہوا نصف النہار علی گڑھ پر عمود ب ط م ڈالا کہ سمت راس سے علی گڑھ ہ سے جنوب گذرا **لما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی** م ر عرض موقع العمود ہوا مثلث ط ك ب قائم الزاویہ ہے لحدوث ک **بین میلیۃ والمعدل** اور سب ضلعیں ربع سے کم ہیں **لان کلا قطعۃ من** ب ر ب م ح ك **الارباع** اور زاویہ ب کا قیاس قوس م ر ہے **فان کل زاویۃ علی کرۃ من عظیمتین قسا سہا قوس غایۃ الفصل بینہما** اور ط ك عرض مکّہ ب ك تمام فرق طول ہے تو بحکم ظلی ظل ب مجہول : ظل ط ك : : ع : جیب ب ك : . لو ظل عرض مکہ ۵۹۳۵۴۲۳ء۹ لو حم مابین الکطولین۔

لر صہ نو ۸۹۶۹۲۶۵ء۹ = ۶۹۶۶۱۵۸ء۹ قوس ایں ظل الوصہ الوالح عرض موقع العمود ظاہر ہے کہ علیگڑھ الرنو سے بقدر اصہ الطل کم ہے لہٰذا سمت راس سے جنوب کو واقع ہوا لاجرم قبلہ مغرب سے جنوب کو ہٹے گا اور از انجاکہ علی گڑھ بھی شمالی العرض ہے لو جیب تفاضل لیں اور از انجاکہ اتنی چھوٹی قوسوں میں تفاضل لوگارثم بشدت ہے محض تعدیل مابین السطرین مساہلت کثیرۃ لاتی ہے اُسے بطریق دقیق نکالیں ۴۱۵۶۶۱۸ء۱۸ یا اسے محفوظ رکھیں۔

ثانیًا مثلث ح م ط قائم الزاویہ میں زاویہ ح کا قیاس قوس ک ر مابین الطولین ہے اور ح م تمام عرض عمود سح لح لب :. ظل ح: ظل ط م مجہول :: ع: جیب ح م :. لو ظل تفاضل طول ۸۹۱۷۶۷۹ء۹ + لوحم عرض عمود ۹۵۲۰۱۳۴ء۹ = ۸۴۷۸۱۳ء۹ = ظل ط م۔

ثالثًا مثلث ط م ہ قائم الزاویہ میں زاویہ ہ کا قیاس قول ال ہے کہ مقدار انحراف ہے نقطہ جنوب سے غروب کو اور ظل زاویہ ہ مجہولہ : ظل ط م :: ع : جیب ہ م محفوظ :. ۸۴۳۷۸۱۳ء۹ - ۴۱۵۶۶۱۸ء۸ = ۴۲۸۱۱۹۵ء۱۱ جدول ذیل میں اس کی کوس نر حہ صہ اس کا تمام ب حہ ح کہ مقدار قوس ب ل مطلوب ہوئی یعنی دو درجے آٹھ دقیقے نقطہ مغرب سے جانب جنوب جھکیں تو عین کعبہ معظّمہ کے مواجہ ہوں۔

وبوجہ اخر فرق طول لر صہ نو کی جیب ۷۸۸۶۹۴۴ء۹ + لوحم عرض حرم محترم سح صہ لہ ۹۶۸۹۲۶۲ء۹ = ۷۵۷۶۲۰۶ء۹ قوسہ لرند لح تمام مھا نہصہ ال___ محفوظ اول جیبش ۹۱۳۸۳۸۴ء۹ :. لوج عرض مکہ مکرمہ ۵۶۲۴۶۸۵ء۹-لوج محفوظ اول = ۶۴۸۶۳۰۱ء۹ قوسہ الو الوالح محفوظ دوم + تمام عرض علی گڑھ سہ صہ ء = مح ل لح محفوظ سوم جیببہ ۹۹۹۸۵۲۶ء۹ + لوج محفوظ اول = ۹۱۳۶۹۱ء۹ قوسہ نہ صہ ح ہہ محفوظ چہارم تمامہ لو حہ نو لح بعد علیگڑھ از مکہ معظّمہ یعنی تقریبًا دو ہزار چار سو میل کا فاصلہ ہے اس مسافت کی جیب ۹۲۲۹‌۷۵۷ء۹ :. لوحم محفوظ اول ۶۲۰۶‌۷۵۷ء۹ - لوج بعد = ۹۹۹۶۹۷۷ء۹ قوسہ فر صہ نہ تمامہا ب ح وہی دو ۲ درجے آٹھ ۸ دقیقے جنوب کو آئے وذلک ما اردناہ انکو انحراف دیوار ک صہ نخ سے تفریق کیا تو قبلہ حقیقی سے صرف لح صہ ؟ انصراف رہا اسے ۴۵ُ سے کم کیا باقی الوی یعنی ابھی چھبیس درجے سے بھی کچھ زیادہ اور انحراف ہوتا ہے جب بھی حدود قبلہ کے اندر تھی یا یوں سمجھئے کہ قبلہ حقیقی قطب شمالی سے ۲ درجے ۸ دقیقے غرب کو ہے اور قبلہ حقیقی سے ۴۵ درجے تک انحراف روا تو قطب سے ۴۷ُ ۸َ ہوگا ۸ دقیقے چھوڑ کر ۴۷ درجے ہی انحراف رکھئے

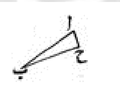

میں وتر اح کی مقدار ۸۴۹۸۸۸۳ء۴۷ُ کہ ۲۳ُ۳۰َ کی جیب نہ الط مر نو ہاعشاریہ میں کسور درجہ کی تحویل سے ۹۲۴۹۴۱۴ء۲۳ُ ہوئی جس کا دو چند یہ وتر ہے اور ضلع اب کی ۱۶۵ ذراع شرعی ہے = ۶۰ُ پس تناسب یہ ہوا ۱۶۵ : ۶۰ُ :: ۸۴۹۸۸۸۳ء۴۷ : مجہول :. سطح وسطین ۲۳۱۵۶۹۵ء۷۸۹۵ ÷ ۶۰ = ۱۳۱ء۵۸۷ یہ اح کے ذراع شرعی ہوئے ۲۱/۱ میں ضرب

دئے سے ۴ء ۱۹۷ فٹ آئے یعنی نوّے فٹ یہ اور ۱۰۷ فٹ اور یہ جملہ ۱۹۷ فٹ بھی اگر یہ دیوار قطب شمالی سے پھری ہوتی حدود سے باہر نہ تھی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔

تنبیہ: قول محقق و منقح کہ کعبہ معظّمہ کے دونوں جانب ۴۵ درجے تک انحراف روا ہے اس پر عمل قبلہ تحقیقی برہانی نکال کر کرنا چاہیئے کہ طریق تقریبی میں خود کئی کئی درجے کا تفاوت آتا ہے۔ اب یہیں دیکھئے کہ ۸ درجے ۲۰ دقیقے کا تفاضل ہے واللہ الھادی الی الصواب، الحمد للہ کہ اس تحریر میں افادہ اولٰی غایت نفع وافاضت پر واقع ہوا مناسب اُس کے لحاظ سے اس کا تاریخی نام ھدایۃ المتعال فی حد الاستقبال ہو کہ اس کی تصنیف اواخر ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں ہوئی، اور اگر یہ لحاظ کریں کہ تبییض میں اوائل محرم ۱۳۲۵ھ کی تاریخیں آئیں گی تو حد الاستقبال کے عوض جھۃ الاستقبال کہنا مناسب، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجعین اٰمین واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب اماکن الصلوۃ

(مقامات نماز کا بیان)

مسئلہ نمبر ۳۹۷:　　　　　　　از شہر کہنہ　　　　　　　۲۷ ربیع الآخری شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا کہ نماز مسجد کے در میں جائز نہیں ہے چاہے اکیلا ہو چاہے امام ہو۔ عمرو کہتا ہے کہ دَر میں بلا کراہت جائز ہے اکیلا ہو یا امام، البتہ صفوں کا دروں میں قائم کرنا مکروہ ہے چاہے مسجد کے محراب میں اکیلا ہو یا امام۔ اس مسئلہ میں زید کا قول سچّا ہے یا عمر کا؟ **بیّنوا توجروا حکم اللہ** اور نقشہ مسجد کا واسطے ملاحظہ کے لکھ دیا ہے۔

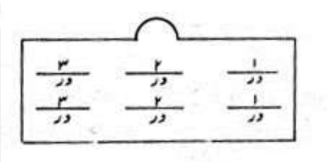

الجواب:

فی الواقع امام کا بے ضرورت محراب میں کھڑا ہونا کہ پاؤں محراب کے اندر ہوں یہ بھی مکروہ (ہاں پاؤں باہر اور سجدہ محراب کے اندر ہو تو کراہت نہیں) اور امام کا دَر میں کھڑا ہونا بھی مکروہ مگر اُسی طرح پاؤں باہر اور سجدہ در میں ہو تو کراہت نہیں بشرطیکہ در کی کرسی بلند نہ ہو ورنہ اگر سجدہ کی جگہ پاؤں کے موضع سے چارہ گرہ سے زیادہ اونچی ہوئی تو سِرے سے نماز ہی نہیں ہوگی اور چارہ گرہ یا کم بلندی ممتاز ہوئی تو کراہت سے خالی نہیں، اور بے ضرورت مقتدیوں کا دَر میں صف قائم کرنا یہ سخت مکروہ کہ باعث قطعِ صف ہے اور قطع صف ناجائز، ہاں اگر کثرتِ جماعت کے باعث جگہ میں تنگی ہو اس لئے مقتدی دَر میں اور امام محراب میں کھڑے ہوں تو کراہت نہیں۔ یونہی اگر مینہ کے

باعث پچھلی صف کے لوگ دروں میں کھڑے ہوں تو یہ ضرورت ہے والضرورات تبیح المحظورات (سخت ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے۔ت) رہا اکیلا، اسکے لئے ضرورت، بے ضرورت محراب میں، دَر میں مسجد کے کسی حصہ میں کھڑا ہونا اصلاً کراہت نہیں رکھتا۔ دُرمختار میں ہے:

کرہ قیام الامام فی المحراب لاسجودہ فیه وقدماہ خارجه لان العبرۃ للقدم [1]۔	امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، اگر قدم باہر ہوں اور سجدہ محراب میں ہو تو یہ مکروہ نہیں کیونکہ اعتبار قدموں کا ہے۔

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

فی الولوالجیة وغیرھا اذالم یضق المسجد بمن خلف الامام لاینبغی له ذلك لانه یشبه تباین المکانین انتھی یعنی وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز فشبھة الاختلاف توجب الکراھة والمحراب وان کان من المسجد فصورته و ھیأته اقتضت شبھة الاختلاف اھ ملخصا [2]۔	ولوالجیہ وغیرہا میں ہے جب امام کے پیچھے والے نمازیوں کے لئے مسجد تنگ نہ ہو تو امام کو محراب میں قیام نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ دو جگہوں کے الگ الگ ہونے کا شبہ پیدا کرے گا انتہی یعنی مکان کا حقیقۃً اختلاف جوازِ نماز سے مانع ہے اور جہاں اختلافِ مکان کا شبہ ہو وہاں کرہت ہوگی اور محراب اگرچہ مسجد ہی سے ہے مگر محراب کی صورت اور ہیئت اختلافِ مکان کا شُبہ پیدا کرتی ہے۔اھ ملخصا (ت)

اسی میں معراج الدرایہ سے ہے:

حکی الحلوانی عن ابی اللیث لا یکرہ قیام الامام فی الطاق عند الضرورۃ بان ضاق المسجد علی القوم [3]۔	حلوانی نے ابو اللیث سے نقل کیا کہ ضرورت کے وقت امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں جبکہ نمازیوں پر مسجد تنگ ہو۔ (ت)

اُسی میں کتاب مذکور سے ہے:

الاصح ماروی عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال أکرہ للامام ان یقوم	اصح روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی مروی ہے کہ امام کا دوستون کے درمیان

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۲
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۷
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

بین الساریتین [1]۔	کھڑا ہونا مکروہ ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لو کان موضع سجودہ ارفع عن موضع القدمین بمقدار البنتین منصوبتین جاز وان اکثر لا [2]۔	اگر نمازی کے سجدہ کی جگہ قدموں کی جگہ سے دو کھڑی اینٹوں کے برابر بلند ہو تو نماز جائز، اور اگر اس سے زیادہ بلند ہو تو نماز جائز نہ ہوگی۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

مقدار ارتفاعھما نصف ذراع ثنتاعشرۃ اصبعا ذکرہ الحلبی [3]۔	ان دونوں کا بلند ہونا نصف ذراع ہے جو کہ بارہ ۱۲ انگلیوں کی مقدار ہے حلبی نے اسے ذکر کیا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ جاز سجودہ الظاھر انہ مع الکرھۃ لمخالفتہ للماثور من فعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [4]۔	قولہ جاز سجودہ یعنی سجدہ تو جائز ہوگا مگر بظاہر کراہت ہوگی کیونکہ حضور کے فعلِ منقول کے خلاف ہے۔(ت)

سنن ابنِ ماجہ میں ہے:

عن معویۃ بن قرۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنا ننھی ان نصف بین السواری علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونطرد عنھا طردا [5]۔	یعنی قرہ بن ایاس مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمیں دو ستونوں کے بیچ صف باندھنے سے منع فرمایا جاتا اور وہاں سے دھکے دے کر ہٹائے جاتے تھے(ت)

مسند امام احمد و سنن ابی داؤد و جامع ترمذی و سنن نسائی و صحیح حاکم میں ہے:

عن عبدالمجید بن محمود قال صلینا خلف امیر من الامراء فاضطرنا الناس صلینا	یعنی ایک تابعی کہتے ہیں ہم نے ایک امیر کے پیچھے نماز پڑھی لوگوں نے ہمیں مجبور کیا کہ ہمیں دو ستونوں میں نماز

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار، فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار، فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۶

[4] ردالمحتار، فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۷۲

[5] سنن ابن ماجہ باب الصلوٰۃ بین السواری فی الصف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۱

بین الساریتین فلما صلینا قال انس بن مالك رضی الله عنه کنا نتقی هذا علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم [1]۔	پڑھنی ہوئی (جب ہم نماز پڑھ چکے تو) انس بن مالک نے فرمایا ہم زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس سے بچتے تھے۔

حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں قبیل باب الصلوۃ الی الراحلۃ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: لاتصفوا بین الاساطین واتموا الصفوف [2]۔ ستونوں کے بیچ میں صف نہ باندھو اور صفیں پوری کرو۔

اور اس کی وجہ قطع صف ہے اگر تینوں دروں میں لوگ کھڑے ہوئے تو ایک صف کے تین ٹکڑے ہوئے اور یہ ناجائز ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من قطع صفا قطعه الله [3]۔ جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اور بعض دروں میں کھڑے ہوئے بعض خالی چھوڑ دے جب بھی قطع صف ہے صف ناقص چھوڑ دی، کاٹ دی پُوری نہ کی، اور اس کا پُورا کرنا لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اتموا الصفوف [4]۔ (صفوں کو مکمل کرو۔ت) اور اگر اس وقت زائد لوگ نہ ہوں تو آنے سے کون مانع ہے تو یہ ممنوع کا سامان مہیا کرنا ہے اور وُہ بھی ممنوع ہے۔ قال اللہ تعالٰی تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا [5]۔ (اللہ تعالٰی فرماتا ہے یہ اللہ تعالٰی کی حدود ہیں پس ان کو توڑنے کے قریب مت جاؤ۔ت) اور دروں میں مقتدیوں کے کھڑے ہونے کو قطع صف نہ سمجھنا محض خطا ہے۔ علمائے کرام نے صاف تصریح فرمائی کہ اس میں قطع صف ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة [6]۔ (باب جماعت کے علاوہ ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے کا۔ت) امام علامہ محمود عینی کہ اجلہ ائمہ حنفیّہ سے ہیں اُس شرح میں فرماتے ہیں:

قید بغیر جماعة لان ذٰلك یقطع الصفوف و تسویة الصفوف فی الجماعة مطلوبة	بغیر جماعت کی قید اس لئے ہے کہ یہ (نمازی کا دوستونوں کے درمیان ٹھرنا) صفوں کو توڑنا ہے حالانکہ صفوں کا

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ الصّف بین السواری مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۳۱/۱
[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۸۶/۴
[3] سنن ابی داؤد باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۹۷/۱
[4] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۸۲/۱
[5] القرآن ۱۸۷/۲
[6] صحیح البخاری باب الصلوۃ بین السواری فی غیر جماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۲/۱

بعینه [1]۔	مکمل وبرابر ہونا جماعت میں مطلوب ہے۔(ت)

اسی طرح فتح الباری امام ابن حجر عسقلانی، پھر ارشاد الساری امام احمد قسطلانی وغیرہما میں ہے نیز فتح الباری میں محبِ طبری سے ہے:

محل الکرھة عند عدم الضیق [2]۔	جب تنگی نہ ہو تو پھر مکروہ ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ابن حبیب سے ہے:

لیس النھی عن تقطیع الصفوف اذاضاق المسجد و انما نھی عنه اذکان المسجد واسعا [3]۔	جب مسجد تنگ ہو تو اس وقت صفوں کو توڑنا منع نہیں، یہ اسوقت منع ہے جب مسجد کشادہ ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال مالك فی المدونة لاباس بالصلاۃ بینھما لضیق المسجد [4] اھ ثم ذکر قول ابن حبیب **اقول:** ولا یخفی انه مستقیم علی قواعد مذھبنا۔	امام مالک مدوّنہ میں فرماتے ہیں جب مسجد تنگ ہو تو دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنے میں حرج نہیں اھ۔ پھر انھوں نے ابن حبیب کا قول نقل کیا ہے۔ **اقول:** مخفی نہ رہے یہ ہمارے مذہب کے قواعد پر درست ہے۔(ت)

دُرمختار میں ہے:

ھذا کله عند عدم العذر کجمعة وعید فلوقاموا علی الرفوف والامام علی الارض اوفی المحراب لضیق المکان لم یکرہ [5]۔	یہ تمام (یعنی کراہت) اس وقت ہے جب عذر نہ ہو عذر کی صورت میں مثلاً جمعہ اور عید کے بھیڑ کے موقع پر بھی اگر مسجد تنگ ہو اور بعض نمازی رفوف [ف] (دروازے کے تختے) پر کھڑے ہوں اور امام زمین پر یا محراب میں ہو تو کراہت نہیں۔(ت)

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة مطبوعہ ادارۃ الطباعة المنیریہ بیروت ۲۸۴/۴

[2] فتح الباری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۲۴/۲

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة ادارۃ الطباعة المنیریہ بیروت ۲۸۶/۴

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلاۃ بین السواری فی غیر جماعة ادارۃ الطباعة المنیریہ بیروت ۲۸۶/۴

[5] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۲/۱

ف: رفوف جمع رف کی ہے اس کے کئی معانی ہیں، ایک معنی یہ ہے "وہ لکڑی جس کے دونوں کنارے دیوار میں لگا کر اس پر گھر کا سامان رکھتے ہیں" یہاں مراد دروازے کے درمیان بلند جگہ بھی ہو سکتی ہے اور زمین سے بلند مقام بھی ہو سکتا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

عمدۃ القاری میں ہے:

اذکان منفردا لاباس فی الصلاۃ بین الساریتین اذا لم یکن فی جماعۃ[1]۔	جب تنہا نماز ادا کر رہا ہو تو دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کرنے میں حرج نہیں جبکہ وہ جماعت میں نہ ہو۔(ت)

اس بیان سے واضح ہو کہ زید و عمر دونوں کے کلام میں دو دو غلطیاں ہیں زید نے در میں نماز ناجائز بتائی یہ زیادت ہے، ناجائز نہیں، ہاں امام کو مکروہ ہے۔ یونہی منفرد کو اس حکم میں شریک کرنا ٹھیک نہیں، خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کعبہ معظّمہ تشریف لے گئے، دوستونوں کے درمیان نماز پڑھی

کما فی ثبت فی الصحاح عن ابن عمر عن بلال رضی اللہ تعالیٰ عنھم۔	جیسا کہ صحاح میں حضرت ابن عمر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے روایت کیا ہے۔(ت)

عمرو کا امام کو در میں کھڑا ہونا بلا کراہت جائز ماننا صحیح نہیں، یونہی منفرد کا محراب میں قیام مکروہ جاننا کہ یہاں جو وجوہِ کراہت علما نے لکھے ہیں یعنی شبہ اختلاف مکان امام و جماعت یا اشتباہ حال یا تشبہ اہل کتاب ان میں سے کوئی وجہ منفرد کے لئے متحقق نہیں واللہ سبحٰنہ و تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و حکمہ عزشانہ احکم۔

مسئلہ نمبر ۳۹۸: از دہلی فراش خانہ مدرسہ نعمانیہ اسلامیہ مسئولہ محمد ابراہیم الاحمد آبادی غفرلہ الہادی ۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریل پر نماز کس طرح ادا کی جائے گی ایک شخص نے سوال کیا کہ چلتی ریل اور جہاز پر نماز جائز ہے یا نہیں، مولوی کفایت اللہ صاحب نے تعلیم اسلام نمبر ۴ کے صفحہ ۵ پر جو جواب منقولہ ذیل لکھا ہے صحیح ہے یا نہیں؟ اور جہاز یا کشتی اور ریل کا ایک ہی حکم ہے یا غیر غیر؟ میں اس میں تفصیلی بحث چاہتا ہوں آجکل اس کے جملہ مسائل کی اہل اسلام کو سخت ضرورت ہے، جواب مولوی صاحب موصوف کا یہ ہے۔

ج۔ چلتی ریل اور جہاز پر نماز جائز ہے اگر کھڑے ہو کر پڑھ سکے چکّر کھانے یا گرنے کا ڈر نہ ہو تو کھڑے ہو کر پڑھنا ضروری ہے اور کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے اور اگر درمیان نماز میں ریل یا جہاز گھوم جانے سے نمازی کا منہ قبلہ کی طرف نہ رہے تو فوراً قبلہ کی طرف پھر جانا چاہئے ورنہ نماز نہ ہوگی بلفظہٖ، اور یہ بھی فرمایا جاوے کہ فرض نفل سب کا حکم ایک ہی ہے یا فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

فرض اور واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنّتِ فجر چلتی ریل میں نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الصلوٰۃ بین لسواری الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۴/ ۲۸۴

وقت نکلتا دیکھے، پڑھ لے پھر بعد میں استقرار اعادہ کرے، تحقیق یہ ہے کہ استقرار بالکلیہ ولو بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متصل باتصال قرار ہو، ان نمازوں میں شرط صحت ہے مگر بہ تعذر، ولہذا دابہ پر بلا عذر جائز نہیں اگرچہ کھڑا ہو کہ دابہ تابع زمین نہیں، ولہذا گاڑی پر جس کا جُوا بیلوں پر رکھا ہے اور گاڑی ٹھہری ہوئی ہے جائز نہیں کہ بالکلیہ زمین پر استقرار نہ ہُوا ایک حصہ غیر تابع زمین پر ہے ولہذا چلتی کشتی سے اگر زمین پر اتر نا میسّر ہو کشتی میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ عندالتحقیق اگرچہ کشتی کنارے پر ٹھہری ہو مگر پانی پر ہو زمین تک نہ پہنچی ہو اور کنارے پر اُتر سکتا ہے کشتی میں نماز نہ ہوگی اس کا استقرار پانی پر ہے اور پانی زمین سے متصل باتصال قرار نہیں جب استقرار کی حالتوں میں نمازیں جائز نہیں ہوتیں جب تک استقرار زمین پر اور وہ بھی بالکلیہ نہ ہو تو چلنے کی حالت میں کیسے جائز ہو سکتی ہیں کہ نفس استقرار ہی نہیں بخلاف کشتیِ رواں جس سے نزول متیسر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی تو استقرار پانی پر ہوگا نہ کہ زمین پر، لہذا سیر ووقوف برابر، لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثل تخت ہو جائے گی، انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لئے روکی جاتی ہے اور نماز کے لئے نہیں تو منع من جہتہ العباد ہُوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوال مانع اعادہ کرے۔

دُرمختار میں ہے:

لوصلی علی دابۃ فی شق محمل وھو یقدر علی النزول بنفسہ لا تجوز الصلاۃ علیھا اذاکانت واقفہ الا ان تکون عیدان المحمل علی الارض بان رکز تحتہ خشبۃ واما الصلوٰۃ علی العجلۃ ان کان طرف العجلۃ علی الدابۃ وھی تسیرا ولا تسیر فھی صلاۃ علی الدابۃ فتجوز فی حالۃ العذر المذکور فی التیمم لا فی غیرھا وان لم یکن طرف العجلۃ علی الدابۃ جاز لو واقفۃ لتعلیلھم بانھا کالسریرھذا اکلہ فی الفرض والواجب بانواعہ وسنۃ الفجر بشرط ایقافھاللقبلۃ ان امکنہ والا فبقدرالامکان لئلا یختلف بسیرھا لامکان و اما فی	اگر کسی نے کھڑے چارپائے پر کجاوے میں نماز ادا کی حالانکہ وہ اُترنے پر قادر تھا تو نماز نہ ہوگی، البتہ اس صورت میں نماز ہوجائے گی جب کجاوے کی لکڑیاں زمین پر ہوں بایں طور کہ اس کے نیچے لکڑی کی گاڑی ہو۔ رہا معاملہ گاڑی (مثلاً بیل گاڑی جس کو جانور کھینچتے ہیں) پر نماز کا تو اگر گاڑی کا ایک حصہ چوپائے کے اوپر ہے خواہ وہ چلتی ہے یا نہیں تو یہ چوپائے پر نماز سمجھی جائے گی تو تیمّم میں بیان کردہ عذر کی وجہ سے نماز ادا ہوجائے گی، اسکے علاوہ میں نہیں۔ اور اگر گاڑی کا کوئی حصہ چارپائے پر نہیں تو نماز ہوجائے گی اگر بیل گاڑی کھڑی ہو کیونکہ فقہا نے اسے تخت کی مثل قرار دیا ہے۔ یہ تمام گفتگو فرائض، واجبات کی تمام انواع اور فجر کی سنتوں میں ہے بشرطیکہ

النفل فتجور علی المحمل والعجلة مطلقا[1]۔	قبلہ رُخ کھڑی کی ہو، اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بقدر الامکان قبلہ رُخ کھڑا کرنا شرط ہے تاکہ اسکے چلنے سے مکان میں تبدیلی نہ ہو جائے باقی نوافل کجاوے اور بیل گاڑی میں پڑھنا مطلقاً جائز ہیں۔(ت)

خود ردالمحتار میں ہے:

الحاصل ان کلامن اتحاد المکان واستقبال القبلة شرط فی صلاة غیر النافلة عند الامکان لا یقسط الا بعذر فلو امکنه ایقافها مستقبلا فعل بقی لو امکنه الایقاف دون الاستقبال فلا کلام فی لزمه لماذکره الشارح من العلة[2] (ملخصًا)	حاصل یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نوافل کے علاوہ نماز میں اتحادِ مکان اور استقبالِ قبلہ دونوں شرط ہیں تو شرطِ عذر کے بغیر ساقط نہ ہوگی، پس اگر سواری کو قبلہ رُخ کھڑا کرسکے تو کرے باقی رہا یہ کہ اگر کھڑا کرسکتا ہے مگر قبلہ رخ کھڑا نہیں کرسکتا تو کھڑا کرنا لازم ہے جیسا کہ شارح نے اسکی علت ذکر کی ہے (یعنی تاکہ اتحاد مکان سب نماز میں حاصل رہے) (ملخصًا)۔(ت)

اُسی میں ہے:

الفرض والواجب بانواعه لایصح علی الدابة الا لضرورة، فیومی علیها بشرط ایقافها جهة القبلة ان امکنه، واذاکانت تسیر لاتجوز الصلاة علیها اذاقدر علی ایقافها والاباَن کان خوفه من عدو یصلی کیف قدرکمافی الامدادوغیره اھ[3] اقول فثبت ان المانع شیأان الاول کون الصلاة علی دابة ولو بواسطة عجلة طرفها علی دابة الثانی السیر واختلاف المکان الا تری انهم اوجبوا الایقاف وابطلو	فرض اور واجبات کی تمام انواع کو بغیر ضرورت کے چارپائے پر ادا نہیں کیا جاسکتا ہاں اگر ضرورت و عذر کے وقت اس پر اشارے سے نماز ادا کرے بشرطیکہ امکانی حد تک دابہ کو قبلہ رُخ کھڑا کرے جب دابہ کھڑا کرنے پر قادر ہو تو ایسی صورت میں چلتے ہوئے دابہ (جانور) پر نماز جائز نہیں، البتہ کھڑا کرنا ممکن نہ ہو مثلاً اگر اسے دشمن کا خوف ہے تو جس طرح ممکن ہو نماز ادا کرے۔ امداد وغیرہ میں اسی طرح ہے اھ میں کہتا ہوں یہ ثابت ہوا کہ مانع ۲ دو چیزیں ہیں، پہلی چیز نماز کا جانور کے اوپر پڑھنا اگرچہ بوسطہ بیل گاڑی کے جس

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۹۸

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۴۷۲

[3] باب الوتر والنوافل، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۴۷۰

بالسیر الالمن یخاف ، فلولم یکن المانع الا الاول فقد وجد عذر یبیح الصلوٰۃ علی الدابۃ لکان واجبا ان تجوز من دون فرق بین سیرو وقوف لکنهم فرقو افتبین ان السیر بنفسه مفسدالا بعذریمنع الایقاف ولا یکفی مجرد عذر یمنع النزول لا الایقاف ، فان کانت العجلة کلها علی الارض وجرتها دابة بحبل فههنا انما فقد المانع الاول دون الثانی فوجب الفساد الابعذر فلا نظر الی ماارادش استنباطه من مفهوم لیس علی عادة ذلك الزمان بمفهوم فافهم وتثبت۔	جس کی ایک طرف چوپائے پر ہو، دوسری چیز چوپائے کا چلنا مکان کا مختلف ہونا، کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ فقہانے چوپائے کے کھڑا کرنے کو لازم قرار دیا ہے اور چلنے کی حالت میں اس پر نماز کو باطل قرار دیا ہے سوائے اس کے جسے دشمن وغیرہ کا خوف ہو، پس پہلی چیز کے علاوہ کوئی مانع نہیں تو پھر ایسا عذر موجود ہے جو چارپائے پر نماز کو مباح بنادے تو اب چلنے اور کھڑے ہونے کے فرق سے بالاتر ہو کر نماز کے جواز کو ماننا لازم ہوگا لیکن فقہانے ان کے درمیان فرق کیا تو واضح گیا کہ چلنا بذاتِ خود مفسد نماز ہے مگر اس صورت میں جب کھڑا کرنا ممکن نہ ہو، محض اتنا عذر کافی نہیں جو نزول سے مانع ہو بلکہ وُہ عذر جو کھڑا کرنے سے مانع ہو، معتبر ہے، اب اگر بیل گاڑی کلی طور پر زمین پر ہو اور جانور اسے رسّی کے ذریعے لے جارہا ہے تو اب یہاں پہلا مانع (نماز کا چارپائے پر ہونا) موجود نہیں البتہ دوسرا مانع (جگہ کی تبدیلی) موجود ہے لہٰذا اس صورت میں عذر کے بغیر نماز فاسد ہوگی پس اسے نہیں دیکھا جائے گا کہ جو شارح نے مفہومًا استنباط کرلیا ہے کیونکہ اس دور کی عادت مفہوم کو قبول نہیں کرتا، اسے سمجھ لے اور اس پر قائم رہ۔ (ت)

نیز اسی میں غنیہ سے ہے۔

هذا بناء علی ان اختلاف المکان مبطل مالم یکن لا صالا حها [1]۔	یہ اس بنا پر ہے کہ جگہ کا مختلف ہونا (نماز کو) باطل کرنے والا ہے جبکہ یہ اس کی اصلاح کے لئے نہ ہو (ت)

اُسی ۴۹۷ میں بحوالہ بحر الرائق فتاوٰی ظہیر یہ سے ہے:

ان جذبته الدابة حتی ازالته عن موضع سجوده تفسد [2]۔	اگر جانور نے اسے اتنا کھینچا کہ اس کے سجدہ کی جگہ بدل گئی تو نماز فاسد ہوگی۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۲۱

[2] باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۲۲

اُسی میں ہے:

ظاہرمافی الهداية وغیرها الجواز قائما مطلقا ای استقرت علی الارض اولاو صرح فی الایضاح بمنعه فی الثانی حیث امکنه الخروج الحاقالها بالدابة نهرو اختاره فی المحیط والبدائع بحر وعزاه فی الامدادایضا الی مجمع الروایات عن المصفی وجزم به فی نورالایضاح وعلی ینبغی ان لاتجوز الصلاة فیها سائرة مع امکان الخروج الے البر وهذه المسألة الناس عنها غافلون[1]۔ شرح المنیة۔	ہدایہ وغیرہا سے ظاہر یہی ہے کہ کشتی میں کھڑے ہو کر مطلقاً نماز جائز ہے یعنی خواہ وہ زمین پر مستقر ہو یا نہ ہو۔ ایضاح میں تصریح ہے کہ جب زمین پر مستقر نہ ہو تو نماز نہیں ہوگی جبکہ اس سے اترنا ممکن ہو کہ اس کا حکم دابہ (چارپایہ) کی طرح ہوگا، نہر۔ بحر میں ہے کہ محیط اور بدائع نے اسے مختار قرار دیا ہے۔ اور امداد میں بھی ہے کہ اسے مجمع الرویات میں مصفی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے۔ اور نورالایضاح میں اسی پر جزم ہے۔ اسی بنا پر چلتی کشتی پر نماز جائز نہیں ہونی چاہئے جبکہ خشکی پر اترنا ممکن ہے۔ اس مسئلہ سے لوگ غافل ہیں شرح المنیۃ۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

فی الایضاح فان کانت موقوفة فی الشط وهی علی قرار الارض فصلی قائما جاز لانها اذا استقرت علی الارض فحکمها حکم الارض فان کانت مربوطة ویمکنه الخروج لم تجز الصلوٰة فیها لا نها اذالم تستقرفهی کالدابة انتهی بخلاف مااذا استقرت فانها حینئذ کالسریر[2]۔	ایضاح میں ہے اگر کشتی دریا کے کنارے کھڑی ہو اور زمین پر مستقر ہو اور نمازی نے نماز کھڑے ہو کر ادا کی تو جائز ہے کیونکہ استقرار کی صورت میں اسکا حکم زمین والا ہی ہے اگر کشتی باندھی ہوئی ہو، اور اس سے نکلنا ممکن ہو تو اس میں نماز جائز نہیں ہوگی کیونکہ جب مستقل نہیں تو وہ چارپائے کی طرح ہے انتہی بخلاف اس کے جب مستقر ہو کیونکہ اس صورت میں وہ تختہ کی طرح ہے (ت)

محیط امام سرخسی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے۔

لوصلی فیها فان کانت مشدودة علی الجد مستقرة علی الارض فصلی قائما اجزاه وان لم	اگر کشتی مضبوط باندھی ہوئی ہو اور زمین پر مستقر ہے تو ایسی صورت میں اگر کسی نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تو جائز

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۱۲

[2] فتح القدیر، باب صلوٰۃ المریض، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۴۶۲

تکن مستقرۃ ویمکنه الخروج عنها لم تجز الصلاۃ فیها [1] اھ اقول واطلاق الهدایۃ واجب الحمل علی هذہ النصوص الصریحة المقیدۃ وکم له من نظیر کما صرح به الجم الغفیر۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہوگی اور اگر مستقر نہ ہو اور اس سے نکلنا بھی ممکن ہو تو اب اس میں نماز صحیح نہ ہوگی اھ اقول ہدایہ کے اطلاق کو ان صریح مقید نصوص پر محمول کرنا واجب ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جیسا کہ جم غفیر نے اس کی تصریح کی ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۳۹۹: ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو نمازیں حالتِ مجبوری و معذوری میں بیٹھ کر پڑھی گئیں جیسے سفرِ حج میں جہاز کے اندر کہ سخت حالت طغیانی میں تھا اور تین دن تک برابر طغیانی عظیم میں رہا ایسی حالت میں قیام نہایت دشوار اور غیر ممکن تھا اور نیز خوفِ جان تھا پس ایسی حالت میں جتنی نمازیں پڑھی گئی ہیں اُن کا اعادہ حالتِ قرار و اقامت میں واجب ولازم وضروری ہے یا نہیں؟ نیز وہ نمازیں کہ اونٹ پر شغدف وغیرہ میں قافلہ کے چلنے کی حالت میں بیٹھ کر پڑھی گئی ہیں کیونکہ بُڈھے آدمی کو اُتارنے چڑھانے والا نہ تھا اور اُترنے کی صورت میں قافلے سے پیچھے رہ جانے کا اندیشہ تھا جس سے خوفِ جان ومال ہوتا ہے پس ان صورتوں میں جو نمازیں اونٹ کی سواری پر اور حالت طغیانی میں جہاز پر بیٹھ کر مجبوراً پڑھی گئیں اُن سب کا اعادہ بصورتِ اقامت واطمینان کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

ان کا اعادہ نہیں، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ وممایتصل بذلک الصلوٰۃ علی الدابۃ والسفینۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بابِ صِفَۃِ الصّلوٰۃ

(طریقۂ نماز کا بیان)

مسئلہ ۴۰۰: از خیر آباد مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی قادری ۲۹رجب ۱۳۰۵ھ

چہ فرمایند عالمان شرع شریف وحاکمان صدر نشین دار لطیف دریں امر کہ بمذہب حنفیّہ لطیفہ مردمان بحکم حدیث مے بندوزناں بالائے ناف می بندند آیا ایں عمل دست بندی زناں حین نماز موافق شرع نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم است یانہ اتفاق علمائے کرام و	علماء شریعت اور دار روحانیت کے سربراہ اس مسئلا میں کیا فرماتے جو علماء احناف نے بتایا ہے کہ مرد ناف کے نیچے اور خواتین ناف کے اوپر ہاتھ باندھے، خواتین کا اس طرح ہاتھ باندھنا موافق شرع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے یا نہیں؟ یا علماء کرام یا مفتیان عظام کا

مفتیان عظام است اگر از احادیث رسول انام علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت است یا باتفاق امامان حنفیان راجع است برایں استفتامُہر ودستخط بحوالہ کتاب الجواب الصواب (ت)	اتفاق ہے یہ مسئلااسی طرح ہے؟ اگراحادیث رسول انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے یا ائمہ احناف کے اتفاق کی بناپر مسئلااس طرح ہے جو بھی ہواس استفتاء پر کتاب وسنت کے حوالے سے اپنی مہر ودستخط ثبت کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی سے اجر و ثواب پائیں کتاب کے حوالے سے درست جواب دیں۔ (ت)

الجواب:

زنان رانزد حنفیّہ کرام عمہم اللہ باللطف والاکرام حکم آنست کہ دست در نماز بر سینہ بندندوایں مسئلہ باتفاق ائمہ ماثابت است جم غفیر از علماء در تصانیف خودہابروبے حکایت خلاف تنصیص کردہ اند علامہ محمد ابن محمد ابن محمد الشہیر بابن امیر الحاج الحلبی رحمۃ اللہ تعالٰی در شرح منیہ فرمود: **الموضع الثالث فی محل الوضع فقال اصحابنا محلہ تحت السرۃ فی حق الرجل والصدر فی حق المرأۃ اھ مخلصا**[1] و نیز فرمود: **المرأۃ تضعھما علی صدرھا کما قال الجم اغفیر**[2]۔ لاجرم علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی رحمہ اللہ تعالٰی درغنیہ ایں مسئلہ رامتفق علیھا گفت و حدیث اگر بمواقف معلوم نیست	علماء احناف (اللہ تعالٰی ان پر لطف و کرم عام فرمائے) کے نزدیک حکم یہ ہے کہ خواتین نماز مین سینے پر ہاتھ باندھیں، اس مسئلہ پر ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔ علماء کا جم غفیر نے یہ بات اپنی اپنی کتب میں بغیر اختلاف نقل کی ہے، چنانچہ علّامہ محمد بن محمد بن محمد المعروف ابن امیر الحاج حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی نے منیہ کی شرح میں فرمایا: تیسرا[3] مقام ہاتھ رکھنے کے بارے میں ہمارے علما نے فرمایا کہ مرد ناف کے نیچے اور عورت سینہ پر ہاتھ باندھے اھ ملخصًا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عورت اپنے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے جیسا کہ جم غفیر نے تصریح کی ہے اور علّامہ ابراہیم بن محمد بن ابرہیم حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی نے غنیہ میں اس مسئلہ پر اتفاق علما کی تصریح کی ہے اوراگر کوئی حدیث اس کے موافق نہیں ملتی تواس کی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بمخالف ہم وارد نیست ومن ادعی فعلیہ البیان ولہذا محقق حلبی در حلیہ فرمود: **ثم انما قلنا ان المرأۃ تضع یمنا ھا علی یسر ھا علی صدرھا لانہ استر لھا فیکون ذلك فی حقھا اولی لما عرف من ان الاولی اختیار ماھو استرلھا من الامور الجائزۃ کل منھا لھا من غیر منع شرعی عنہ وخصوصا فی الصلٰوۃ**[1] ایں است آنچہ درباری النظر رونما یدوانما۔ **اقول: وباللّٰہ التوفیق** میرسد کہ ایں مسئلہ را بحدیثے جید الاسناد رنگِ اثبات وہیم تقریرش آنچناں کہ در محل وضع از سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو صورت مروی است یکے زیرِ ناف بستن ودروے احادیث عدیدہ وارداست اجلھا ماروی **ابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ قال حدثنا وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضع یمینہ علی شمالہ فی صلاۃ تحت السرہ**۔[2] امام علّامہ قاسم بن قطلوبغا رحمہ اللہ تعالٰی در تخریج احادیث اختیار شرح مختار فرماید **سندہ جید ورواتہ کلھم ثقات**[3] دوم بر سینہ نہادن ودریں باب ابن خزیمہ را

مخالفت میں بھی وارد نہیں م اگر کوئی دعوی کرتا ہے ت دلیل پیش کرے، اسی لیے محقق حلبی نے حلیہ میں فرمایا: ہم نے جو یہ کہا کہ عورت اپنا دایاں ہاتھ بایاں ہاتھ پر اپنے سینے پر باندھے یہ اس لیے کہ عورت کے لئے اس میں زیادہ ستر ہے لہذا یہ اس کے حق میں اولٰی ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ عورت کے حق میں جتنے بھی امور جائز ہیں ان میں سے اسی کو اختیار کرنا بہتر ہے جو سب سے زیادہ ستر کا سبب ہو خصوصًا حالتِ نماز میں زیادہ خیال رکھنا چاہئے، یہ تو وُہ ہے جو ظاہر نظر میں آیا ہے

اقول: (میں کہتا ہوں) اللہ کی توفیق سے کہ اس مسئلہ پر ایک حدیث جید الاسناد پیش کروں اس کی تقریر یُوں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہاتھ باندھنے کی دو صورتیں مروی ہیں ایک صورت زیرِ ناف کی ہے اور اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں سب سے اہم روایت وہ ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں ذکر کیا کہ ہمیں وکیع نے موسی بن عمیر سے علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی ہے کہ میں نے دورانِ نماز نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھے دیکھا ہے۔ امام علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی رحمہ اللہ تعالٰی اختیار شرح مختار کی احادیث کی تخریج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کی سند جیّد اور تمام راوی ثقہ ہیں۔ دوسری۲ صورت سینے پر ہاتھ باندھنے کی ہے اس بارے میں

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] مصنف ابن ابی شیبہ وضع الیمین علی الشمال من کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادرۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۹۰

[3] تخریج احادیث شرح مختار للقاسم بن قطلوبنا

حدیثے است در صحیح خودش ہم از وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ: قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوضع یدہ الیمینی علی یدہ الیسرٰے علی صدرہ [1] وازانجاکہ تاریخ مجہول است وہر دو روایت ثابت و مقبول ناچار کار بترجیح افتاد چوں نیک نگریم مبنائے ایں امر بلکہ تمام افعال صلاۃ بر تعظیم است و معہود و معلوم عند التعظیم دست زیرِ ناف بستن است، ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق در فتح فرماید: فیحال علی المعہود من وضعہا حال قصد التعظیم فی القیام والمعہود فی الشاہد منہ تحت السرہ [2] پس دربارہ مرداں روایت ابن ابی شیبہ راجح تر آمد و درامر زنان شرع مطہر راکمال نظر بر ستر وحجاب است و لہٰذا فرمودند: خیر صفوف الرجال اولہا وشرہا اٰخرہا و خیرصفوف النساء اٰخرہا وشرہا اولہا [3] اخرجہ الستہ الاالبخاری عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم وفرمودند صلاۃ المرأۃ فی بیتہا افضل من صلاتہا فی حجرتہا وصلاتہا فی مخدعہا افضل من صلاتہا فی بیتہا [4] ۔اخرجہ ابو داؤد عن ابن مسعود والحاکم عن

ابن خزیمہ اپنے صحیح میں حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی روایت لائیں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معیت میں نماز پڑھنے کا شرف پایا تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھیں چونکہ اس کی تعریف کا علم نہیں کہ کون سی روایت پہلے کی ہے اور کون سی بعد کی، اور دونوں روایات ثابت و مقبول ہیں تو لاجرم دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح ہوگی جب ہم نماز کے اس فعل بلکہ نماز کے تمام افعال پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ تمام کے تمام تعظیم پر مبنی نظر آتے ہیں اور مسلم ومعروف تعظیم کا طریقہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے لہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا ہے: قیام میں بقصد تعظیم ہاتھ باندھنے کا معاملہ معروف طریقے پر چھوڑا جائے اور قیام میں تعظیما ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہی معروف ہے۔ لہٰذا مردوں کے بارے ابن ابی شیبہ کی روایت راجح ہے اور چونکہ خواتین کے معاملہ میں شرع مطہر کا مطالبہ کمال ستر حجاب ہے، اس لئے فقہاء نے فرمایا مردوں کی پہلی صف افضل اور آخری غیر افضل اور خواتین کی آخری صف افضل اور پہلی غیر افضل یہ حدیث صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں ہے سوائے بخاری کے۔

---

[1] صحیح ابن خزیمہ باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱ / ۲۴۳

[2] فتح القدیر باب صفت الصلوۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱ / ۲۴۹

[3] سنن ابن داوٗد باب صف النساء والتاخر عن الصّف الاول مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۹

[4] ایضاً کتاب الصلوۃ باب التشدید فی ذالک ۱ / ۸۴

ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صالح وعبد اللہ بن مسعود فرمودہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اخروھن من حیث اخرھن اللہ[1] اخرجہ عبدالرزاق فی المصنف و من طریقہ الطبرانی فع المعجم وزنان را حکم شد کہ در سجد ہم برزمین چسپد باند آنکہ سنت در مردان خلاف آنست ابوداؤد فی المراسیل عن یزید بن حبیب ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر علی امرأتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی بعض الارض فان المرأۃ لیست فی ذالک کرجل[2] ویروی موصولا بوجھین قال البھقی ھو احسن منھما وسنت مرایشاں راتورک شد رواہ الامام ابو حنیفۃ عن نافع عن ابی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما و فی الباب علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ قال اذا صلت المرأۃ فلتحتفر قال الجوھری تتضام اذا جلست واذا سجدت[3] واگر جماعت خواھند امام آنہا میاں آنہا ایستد، قال الامام محمد فی الاثار اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد بن ابی سلیمن عن ابراھیم النخعی ان عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کانت تؤم النساء فی الشھر رمضان

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے، یہ بھی فرمایا عورت کی نماز کمرے میں گھر کے صحن میں نماز پڑھنے سے افضل اور خاص چھوٹے کمرے میں اس سے بھی افضل ہے۔اسے ابو داؤد نے حضرت ابن مسعود سے حاکم نے حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہ سے سند صالح سے روایت کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے انھیں اسی طرح پیچھے رکھو جیسے انھیں اللہ نے پیچھے رکھا ہے، اسے امام عبدالرزاق نے مصنف میں اور اسی سند سے طبرانی نے معجم میں ذکر کیا ہے نیز خواتین کے لئے حکم ہے کہ بوقتِ سجدہ زمین کے ساتھ چمٹ جائیں حالانکہ مردوں کے لئے اس کے خلاف کرنا سنّت ہے ابو داؤد نے المراسیل میں یزید بن حبیب سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو خواتین کے پاس سے گزرے جو نماز ادا کر رہی تھیں فرمایا جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین کے ساتھ ملاؤ کیونکہ سجدہ کی حالت میں عورت مرد کی طرح نہیں، اور یہ روایت دو سندوں سے متصل مروی ہے۔ بیہقی فرماتے ہیں یہ سند دونوں سے احسن ہے، خاص کر عورتوں کے لئے تورک (حالتِ قعدہ میں زمین کے ساتھ چمٹ کر بیٹھنا)

---

[1] المنصف لعبدالرزاق باب شھود النساء الجماعۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۹/۳

[2] کتاب المراسیل لابی داؤد باب ماجاء فی من نام علی الصلوٰۃ مطبوعہ المطبعۃ العلمیۃ لاہور ص ۵۵

[3] الصحاح باب الزاء فصل الحائ مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت ۸۷۴/۳

فتوم وسطاً [1] عبدالرزاق فی المصنف و الدار قطنی ثم البیهقی فی سننهما واللفظ بعد الرزاق عن ریطة الحنفیة ان عائشة رضی الله عنها امتهن وقامت بینهن فی صلاۃ مکتوبة [2] وفی الباب عن ام سلمة و ابن عباس رضی الله عنهم و یروی فیه حدیث مرفوع لیس بذلك بالجملہ زنان روعوتے مستورہ داشتہ اندومبنائے کار آنہا برستر نہادہ الترمذی بسند حسن عن ابن مسعود رضی الله تعالی عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم المرأۃ عورۃ [3] وشک نیست کہ درحق آنہادست برسینہ بستین استرو اقرب بحیاست از دست زیرِ ناف نہادن و تعظیم نیز درایناں ہم بتستر واحتجاب باشد اذ لا تعظیم الا بالادب ولادب بالحیاء ولاحیاء الابالتستر پس درباب زناں حدیث ابن خزیمہ ارجح برآمد و ثابت شد کہ ہر دو مسئلہ بحدیثے جیّد استناد دارواصحاب ماہر دوجا بحدیث وترجیحے عمل فرمودہ اندر رحمۃ الله تعالٰی علیہم اجمعین نظیرش مسئلہ قعود است کہ بہر دووجہ از نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منقول است وعلمائے مدرمرداں نصب یمنی وجلوس علی یسری

سنّت ہے، اس کو امام ابو حنیفہ نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن صعمر رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے اس مسئلہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ مروی ہے کہ جب عورت نماز پڑھے تو وہ رانوں پر سرین کے بل بیٹھے۔ جوہری نے اسکا معنی یہ کیا ہے کہ سجدہ کی حالت میں زمین سے چمٹ کر بیٹھے، اگر خواتین جماعت کروانا چاہیں تو ان کی امام خاتون ان کے درمیان کھڑی ہو جائے۔امام محمد نے کتاب الاثار میں کہا امام ابو حنیفہ نے حماد بن ابی سفیان سے انھوں نے ابراہیم نخعی سے ہمیں حدیث بیان کی کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا رمضان کے مہینے میں عورتوں کی جماعت کرواتیں تو وسط میں کھڑی ہوتیں، امام عبدالرزاق نے مصنف میں اور دار قطنی و بھقی نے سنن میں یہ روایت کی، الفاظ عبدالرزاق کے ہیں کہ ریطہ حنفیہّ بیان کرتی ہیں کہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنھما خواتین کی امامت کرواتیں تو فرائض کی نماز میں ان کے درمیان کھڑی ہوتیں ،اس بارے میں حضرت ام سلمہ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے جو اس کی طرح نہیں ہے بالجملہ خواتین عورتِ مستورہ کی مالک ہوتی ہیں اور ان کے تمام افعال کی بناء پر وہ حجاب پر

[1] کتاب الاثار للشیبانی باب المرأۃ تومئ النساء الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۴

[2] المصنف لعبد الرازاق باب المرأۃ تومئ النساء الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۱/۳

[3] جامع الترمذی ابواب الرضاع مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱۴۰/۱

اختیار کردند لانه اشق و افضل الاعمال اشقها ودرناں بتورک رفتند لانه استروالیسرومبنی امرهن علی الستر والیسر بخلاف مسلك شافیعة ومن وافقهمکه دست برشکم بستن است نه برسینه کما فی المنهاج والمیزان وغیرهما که ہرگز دریں باب حدیثے یافتہ نمی شود خود ائمہ ایشاں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم در خلاصہ و منہاج امام وبلوغ المرام حدیثے موید مذہب خودشاں نیا وردند جز حیث ابن خزیمہ ومن فقیر عجم از استدلال ایشاں بانچہ مساسے ندارد وبمذہب ایشاں کہ در تحت الصدور علی الصدر فرقے ہست کہ پیداست وقد فصلنا الکلام فی محل اخروفی ماذکرنا کفایة لمن امعن النظر واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

رکھی گئی ہے۔ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: عورت تمام کی تمام قابلِ ستر وحجاب ہے۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عورتوں کے حق میں سینے پر ہاتھ باندھنا، زیرناف باندھنے سے زیادہ حجاب اور حیا کی صورت میں ہے۔اور خواتین کا تعظیم کرنا ستر وحجاب کی صورت میں ہے کیونکہ تعظیم ادب کے بغیر اور ادب حیاکے بغیر حاصل نہیں ہوتا لہٰذا خواتین کے حق میں حدیث ابن خزیمہ زیادہ راجح ثابت ہوئی اور ثابت ہوگیاکہ دونوں مسائل میں ایسی حدیث موجود ہے جس کی سند جیّد ہے اور ماہر علماءِ حدیث نے دونوں مقامات پر حدیث وترجیح پر ہی عمل فرمایا ہے رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ اس کی ایک نظیر مسئلہ قعود ہے کہ اس کے دونوں طریقے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہیں ہمارے علماء نے مردوں کے لئے دایاں پاؤں کھڑا کرنا اور بائیں پر بیٹھنے کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ شاق ہے اور بہتر عمل وہی ہوتا ہے جس میں مشقت ہو اور خواتین کے لئے تورک کا قول کیا کیونکہ اس میں زیادہ ستر اور آسانی ہے اور خواتین کا معاملہ ستر اور آسانی پر مبنی ہے.بخلاف شوافع اور ان کے موافقین کے کہ ان کے ہاں عورت شکم پر ہاتھ باندھے نہ کہ سینہ پر جیساکہ منہاج، میزان وغیرہما میں ہے کہ اس بارے میں کوئی حدیث نہیں ملی، خود ان کے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی نے خلاصہ ،امام نوی کی منہاج اور بلوغ المرام میں اپنے مذہب کی تائید میں سوائے حدیث ابن خزیمہ کے کوئی حدیث ذکر نہیں کی مجھ فقیر کو ان کے استدلال پر تعجب ہے کہ یہ حدیث ان کے ،مذہب کی دلیل کیسے بن سکتی ہے ! کیونکہ تحت الصدر (سینے کے نیچے) اور علی الصدر (سینے کے اوپر) میں نمایاں فرق ہے ہم نے دوسرے مقام پر اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، ہماری یہ مذکورہ گفتگو ہر اس شخص کے لئے کافی ہے جو دقّتِ نظر رکھتا ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ نمبر ۴۰۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگشتِ شہادت سے التحیات میں اشارہ کیسا ہے اور ہمارے فقہا سے ثابت ہے یا نہیں؟ **بینوا تجروا**

الجواب:

اخرج مسلم فی صحیحہ عن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال فیہ کان اذاجلس فی الصلوٰۃ وضع (یرید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کفہ الیمنی علی فخذہ الیمنی وقبض اصابعہ کلہا واشار باصبعہ التی تلی الابہام[1]۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تشہد میں اپنا دہنا ہاتھ دہنی ران پر رکھا اور سب انگلیاں بند کرکے انگوٹھے کے پاس انگلی سے اشارہ فرمایا۔ واخرج ابن السکن فی صحیحہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاشارۃ بالاصبع اشد علی الشیطان من الحدید[2]۔ یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلی سے اشارہ کرنا شیطان پر دھار دار ہتھیار سے زیادہ سخت ہے۔ وعنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضاعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ھی مذعرۃ للشطان[3]۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ شیطان کے دل میں خوف ڈالنے والا ہے۔ واخرج اباداؤد والبیہقی وغیرھما عن سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عقد فی جلوس التشہد الخنصر والبنصر ثم حلق الوسطی بالابہام و اشار بالسبابۃ[4]۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے جلسہ تشہد میں چھوٹی انگلی اور اُس کی برابر والی کو بند کیا پھر بیچ کی انگلی کو انگوٹھے کے ساتھ حلقہ بنایا اور انگشتِ شہادت سے اشارہ فرمایا۔ وبمعناہ اخرج ابن حیان فی صحیحہ (ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسی طرح کی حدیث ذکر کی ہے۔ت) اور اس باب میں احادیث وآثار بکثرت وارد، ہمارے محققین کا بھی مذہب صحیح ومعتمد علیہ ہے صغیری میں ملتقط وشرح ہدایہ سے اس کی تصحیح نقل کی اور اسی پر علّامہ فہامہ محقق علی الاطلاق مولانا کمال الدین محمد بن الہمام وعلامہ ابن امیر الحاج حلبی وفاضل بہنسیو باقی وملاخسرو وعلامہ شرنبلالی وفاضل ابراہیم طرابلسی وغیرہم اکابر نے اعتماد فرمایا اور انھیں کا صاحب درمختار، فاضل مدقق علاء الدین حصکفی وفاضل اجل سیّد احمد طحطاوی وفاضل ابن عابدین شامی وغیرہم اجلّہ نے اتباع کیا، علّامہ بدرالدین عینی نے تحفہ سے اس کا استحباب نقل فرمایا اور صاحبِ محیط و

---

[1] صحیح مسلم باب صفۃ الجلوس فی صلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۱۶/۱

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عمر مطبوعہ دارلفکر بیروت ۱۱۹/۲

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی باب من روی انہ اشار بہاالخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۲/۲

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی باب ماروی فی تحلیق الوسطی بالابہام مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۳۱/۲

ملّا قہستانی نے سنّت کہا ففی الدر المختار (درمختار میں ہے۔ت):

لکن المعتمد ماصححه الشراح ولاسیما المتاخرون کالکمال والحلبی والبهنسی والباقی وشیخ الاسلام الجد وغیرهم انه یشیر لفعله علیه الصلوٰۃ والسلام ونسبوہ لمحمد ولامام بل فی متن درر البحار وشرحه غرر الاذکار المفتی به عندنا انه یشیر الخ افی الشرنبلالیة عن البرهان الصحیح انه یشیر الخ واحترز بالصحیح عماقیل لایشیر لانه خلاف الدرایة والروایة الخ وفی العینی عن التحفة الاصح انها مستحبة وفی المحیط سنة انتهی ملتقطا[1]۔	لیکن معتمد وہی ہے جسے شارحین نے صحیح کیا خصوصًا متاخرین علماء کمال، حلبی، بہنسی، باقانی اور شیخ الاسلام الجد وغیرہم نے اشارہ کرنے کو صحیح قرار دیا کیونکہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل ہے اور انھوں نے اس قول کی نسبت امام محمد اور امام صاحب کی طرف کی ہے، بلکہ متن درر البحار اور اسکی شرح غرر الاذکار میں ہے کہ اشارہ کرنا ہمارے نزدیک مفتی بہ قول ہے الخ اور شرنبلالیہ میں برہان سے منقول ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی اشارہ کرے الخ لفظِ صحیح کہہ کر متوجہ کیا ہے کہ وہ قول کہ اشارہ نہ کیا جائے کیونکہ وہ درایت و روایت دونوں کے خلاف ہے اور عینی میں تحفہ کے حوالے سے ہے کہ اشارہ کرنا مستحب ہے، اور محیط میں ہے کہ سنّت ہے انتہی ملتقطا۔(ت)

اور اس مسئلہ میں ہمارے تینوں ائمہ کرام سے روایتیں وارد جس نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اُس میں عدم روایت یا روایت عدم کا زعم کیا محض ناواقفی یا خطائے بشری پر مبنی تھا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کتاب المشیخۃ میں در بارہ اشارہ ایک حدیث رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرکے فرماتے ہیں: فنفعل مافعل النبی صلی اللہ علیه وسلم ونصنع ماصنعه وهو قول ابی حنیفة وقولنا[2]۔ ذکرہ العلامة الحلبی فی الحلیة عن البدائع یعنی پس ہم کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا اور عمل کرتے ہیں اس پر جو حضور کا فعل تھا اور وہ مذہب ہے امام ابو حنیفہ کا اور ہمارا۔ اس کو علّامہ حلبی نے حلیہ میں بدائع سے نقل فرمایا ہے۔

ویروی عنه رحمة اللہ تعالٰی ثم قال هذا قولی وقول ابی حنیفة[3]۔ اثرہ العلامة عن الذخیرة

---

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۷

[2] بدائع الصنائع فصل فی سنن الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی ۱/۲۱۴

نوٹ: کتاب المشیخۃ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے بدائع الصنائع سے حوالہ نقل کیا ہے۔

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

وشرح الزاھدی صاحب القنیۃ اورانہی سے مروی ہے پھر امام محمد نے فرمایا اشارہ کرنا میرا قول ہے اور قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ کا ۔علامہ حلبی نے ذخیرہ اور شرح الزاہدی صاحبِ قنیہ سے اسے نقل کیا۔ وہ مذکورہ اور کبیری اور ردالمحتار میں اسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت کیا یہاں تک کہ شامی نے اس حاشیہ میں تصریح کی:

ھو منقول عن ائمتنا الثلثۃ۔[1]	(یہ ہمارے تینوں ائمہ سے منقول ہے۔ت)

اور اسی میں ہے:

ھذا ما اعتمدہ المتأخرون لثبوتہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالاحادیث اصحیحۃ والصحۃ نقلہ عن ائمتنا الثلثۃ فلذا قال فی الفتح ان الاول(یعنی عدم الاشارہ) خلاف الدرایۃ والروایۃ ، وفیہ عن القھستانی وعن اصحابنا جمیعا انہ سنۃ فیحلق ابھام الیمنی و وسطاھا ملصقا راسھا براسھا ویشیر بالسبابۃ[2]۔	اسی پر متاخرین نے اعتماد کیا کیونکہ نبیا کرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ کے ساتھ ثابت ہے اور ہمارے تینوں ائمہ سے اس کا منقول ہونا صحیح ہے اسی لئے فتح میں کہا پہلا (یعنی اشارہ نہ کرنا) درروایت سے ہے کہ ہمارے تمام احناف کے نزدیک یہ سنّت ہے لہٰذا دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور درمیان انگلی کے سروں کو ملاکے حلقہ بناکر سبابہ سے اشارہ کرے (ت)

کبیری میں ہے:

قبض الاصابع عند الاشارۃ المروی عن محمد فی کیفیۃ الاشارۃ وعن کثیر من المشائخ (انہ) لایشیر اصلا وھوخلاف الدریۃ والروایۃ فعن محمد ان ما ذکرہ فی کیفیۃ الاشارۃ ھو قولہ وقولہ ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی ملخصًا[3]۔	اشارہ کے وقت انگلیا بند کرلے، طریقہ اشارہ میں امام محمد سے یہی مروی ہے اور متعدد مشائخ کا قول ہے کہ اشارۃً اصلًا نہ کیا جائے یہ درایہ و روایت کے خلاف ہے۔امام محمد سے منقول ہے کہ کیفیتِ اشارہ میں کچھ ذکر کیا ہے یہ ان کا اور امام ابو حیفمر حمہااللہ تعالٰی کا قول ہے ملحصًا(ت)

[1] ردالمحتار، باب صفۃ الصلوٰۃ ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴۲

[2] ردالمحتار، باب صفۃ الصلوٰۃ ، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۳۴۲

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی ، صفۃ الصلوٰۃ ، مطبوعہ سہیل اکیڈیمی لاہور ص ۳۲۸

اور اسی طرح محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا۔ بالجملہ اشارہ مذکورہ کی خوبی میں کچھ شک نہیں، احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اقوال ہمارے مجتہدین کرام کے اسی کو مفید، بعد اس کے اگر کتبِ متاخرین مثل تنویر الابصار و ولوالجیہو تجنیسوخلاصہوبزازیہ و واقعات و عمدۃالمفتی ومنیتی المفتی و تبیین کبریو مضمرات و ہندیہ وغیرہا عامہ فتاوٰی میں عدم اشارہ کی ترجیح تصحیح منقول ہو تو قابلِ اعتماد نہیں ہوسکتی علماء نے ان اقوال پر التفات نہ فرمایا اور خلافِ عقل و نقل ٹھہرایا کما سمعت مرارا، والحمد للہ لیلا و نہارا وجہرا واسرارا وﷲ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۰۲: محرام الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ رفع یدین حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا یا نہیں اور کب تک کیا؟ یہ بات ثابت ہے کہ ہمیشہ آپ نے کیا؟ مسلمانوں کو کرنا چاہئے یا نہیں؟ مکمل ارشاد فرما کر مشکور و ممنون فرمائیے، فقط۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہرگز کسی حدیث میں ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ رفع یدین فرمایا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کاخلاف ثابت ہے۔ نہ احادیث میں اسکی مدّت مذکور۔ ہاں حدیثیں اس کے فعل وترک دونوں میں وارد ہیں، سنن ابی داؤد و سنن نسائی و جامع ترمذی وغیرہا میں ایسی سند سے جس کے رجال صحیح و مسلم ہیں بطریق عاصم بن کلیب عن عبدالرحمٰن بن الاسود عن علقمہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قل الا اخبر کم بصلاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فقام فرفع یدیہ اول مرۃ ثم لم یعد[1]۔	یعنی انہوں نے فرمایا کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، یہ کہہ کر نماز کو کھڑے ہوئے تو صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اُٹھائے پھر نہ اُٹھائے (ت)

ترمذی نے کہا:

حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث حسن وبہ یقول غیر واحد من	یعنی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث حسن ہے اور یہی مذہب تھا متعدد علماء منجملہ

[1] سنن النسائی باب رفع الیدین للرکوع الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۱۲۳، جامع الترمذی باب رفع الیدین عندالرکوع مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/ ۳۵

اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والتابعین وھو قول سفیان واھل الکوفہ[1]۔	اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تابعینِ کرام و امام سفیان وعلمائے کوفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا(ت)

مسند امام الائمہ مالک الازمہ امام اعظم رضی اللہ عنہ میں ہے:

حدثنا حماد عن ابراہیم عن علقمہ والاسود عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایرفع یدیہ الاعندافتتاح الصلوٰۃ ولایعود لشیئ من ذلک[2]۔	ہمیں حماد نے ابراہیم سے علقمہ واسود سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین فرماتے پھر کسی جگہ ہاتھ نہ اُٹھاتے۔

امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح معانی الاثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا ابی بکرۃ قال ثنا قال سفیان عن المغیرۃ قال قلت لابراہیم حدیث وائل انہ رأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یرفع یدیہ اذاافتتح الصلاۃ واذارکع واذارفع رأسہ من الرکوع فقال ان کان وائل رأہ مرۃ یفعل ذلک فقد رأہ عبداللہ خمسین مرۃ لا یفعل ذلک[3]۔	ابوبکرہ نے ہمیں حدیث بیان کی کہا ہمیں مومل نے حدیث بیان کی کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی ہے مغیرہ سے اور مغیرہ کہتے ہیں کہ میں نے امام ابراہیم نخعی سے حدیث وائل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت دریافت کیا کہ انھوں نے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے نماز شروع کرتے اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت رفع یدین فرمایا ابراہیم نے فرمایا وائل نے اگر ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا تو عبداللہ رضی اللہ تعالٰی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پچاس بار دیکھا کہ حضور نے رفع یدین نہ کیا۔

صحیح مسلم شریف میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] جامع الترمذی باب رفع الیدین عندالرکوع مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/۳۵

[2] مسند الامام اعظم اجتماع الاوزاعی وابی حنیفہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۰

[3] شرح معانی الاثار باب التکبیر عندالرکوع مطبوعہ ایچ ایم سعید ۱/۱۵۴

مالی اراکم رافعی ایدیکم کانھا اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاۃ[1]۔	کیا ہوا کہ میں تمہیں رفع یدین کرتے دیکھتا ہوں گویا تمہارے ہاتھ چنچل گھوڑوں کی دُمیں ہیں قرار سے رہو نماز میں۔

اصول کا قاعدہ متفق علیہا ہے کہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا۔ اور حاظر بلیح پر مقدم ہے۔ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے احادیث ترک پر عمل فرمایا حنفیّہ کو ان کی تقلید چاہئے، شافعیہ وغیرہم اپنے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی کی پیروی کریں کوئی محلِ نزاع نہیں، ہاں وہ حضرات تقلیدِ ائمہ دین کو شرک وحرام جانتے اور باآنکہ علمائے مقلدین کا کلام سمجھنے کی لیاقت نصیب اعداء اپنے لئے منصبِ اجتہاد مانتے اور خواہی نخواہی تفریق کلمہ مسلمین واثارت فتنہ بین المومنین کرنا چاہتے بلکہ اسی کو اپنا ذریعہ شہرت ونا موری سمجھتے ہیں اُن کے راستے سے مسلمانوں کو بہت دور رہنا چاہئے۔ مانا کہ احادیث رفع ہی مرجع ہوں تاہم آخر رفع یدین کسی کے نزدیک واجب نہیں، غایت درجہ اگر ٹھہرے گا تو ایک امرِ مستحب ٹھہرے گا کہ کیا تو اچھا، نہ کیا تو کچھ برائی نہیں، مگر مسلمانوں میں فتنہ اُٹھانا دو۲ گروہ کردینا، نماز کے مقدمے انگریزی گورنمنٹ تک پہنچانا شاید اہم واجبات سے ہوگا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج[2]	فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

خود ان صاحبان میں بہت لوگ صدہا گناہ کبیرہ کرتے ہوں گے انھیں نہ چھوڑنا، اور رفع یدین نہ کرنے پر ایسی شورشیں کرنا کچھ بھلا معلوم ہوتا ہوگا (ہرگز نہیں) اللہ سبحٰنہ وتعالٰی ہدایت فرمائے آمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۰۳: از اُجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خان صاحب ۲۹ جمادی الاُخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شافعیہ ایک ہاتھ کے فرق سے نماز میں پاؤں کشادہ رکھتے ہیں، یہ میں نے کعبۃ اللہ میں دیکھا، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور مذہب حنفیّہ میں چار انگشت کے فاصلے پر ایک پاؤں سے دوسرا پاؤں رکھتے ہیں کس طرح کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چار ہی انگل کا فاصلہ رکھنا چاہئے یہی ادب اور یہی سنت ہے اور یہی ہمارے امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

---

[1] صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱

[2] القرآن ۲/۱۹۱

منقول ہے۔

قال فی ردالمحتار ینبغی ان یکون بینھما مقدار اربع اصابع الید لا نه اقرب الی الخشوع ھکذا روی عن ابی نصر الدبوسی انه کان یفعله کذا فی الکبرٰی[1]۔اھ **اقول:** بل فی نورالایضاح و شرحه مراقی الفلاح للعلامة الشرنبلالی یسن تفریج القدمین فی القیام قدر اربع اصابع لانه اقرب الی الخشوع[2]۔اھ قال السید الطحطاوی فی حاشیة نص علیه ف کتاب الاثر عن الامام ولم یحك فیه خلافا اھ[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ دونوں قدموں کے درمیان ہاتھ کی چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے۔ابو نصر دبوسی سے اسی طرح منقول ہے کہ وہ یہی کرتے تھے کذا فی الکبرٰی اھ **قول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ نورالایضاح اور اسکی شرح مراقی الفلاح للعلامۃ الشرنبلالی میں ہے کہ حالتِ قیام میں دونوں قدموں کو چار انگلیوں کے فاصلہ پر کھلا رکھنا سنّت ہے کیونکہ یہ خشوع کے زیادہ قریب ہے اھ سید طحطاوی نے اسکے حاشیہ میں فرمایا کہ کتاب الاثر میں امام صاحب نے اس پر نص کی ہے،اور اس میں اختلاف بیان نہیں کیا اھ (ت)

امام علامہ جمال الدین یوسف اردبیلی شافعی نے بھی کتاب الانوار میں کہ اجل معتمدات مذہب شافعی سے ہے اسی چار انگل فصل کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی:

حیث قال یکرہ الصاق القدمین ویستحب التفریق بینھما بقدر اربع اصابع[4]۔	قدموں کو ملا کر رکھنا مکروہ ہے ان کے درمیان چار انگلیوں کی مقدار فاصلہ رکھنا مستحب ہے۔(ت)

ہاں سید علّامہ شیخ زکریا انصاری شافعی قدس سرہ،نے شرح روض الطالب میں بالشت بھر کا فاصلہ تحریر فرمایا۔حاشیہ الکمثری علی الانوار میں ہے:

قوله بقدر اربع اصابع لعلھا متفرقة لان فی شرح الروض بقدر شبر[5]۔	اس کا قول "چار انگلیوں کی مقدار" شاید متفرق طور پر مراد ہوں کیونکہ شرح روض میں ہے کہ فاصلہ ایک بالشت ہونا چاہیئے۔(ت)

---

1 ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۹۹

2 مراقی الفلاح وحاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرم باغ کراچی ص ۱۴۳

3 مراقی الفلاح وحاشیۃ مراقی فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت آرم باغ کراچی ص ۱۴۳

4 الانوار العمل الابرار لیوسف الکتاب الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ۱/۶۱

5 حاشیہ الکمثری علی الانوار الصلوٰۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر

مگر ایک ہاتھ کا فرق نہ کسی مذہب کی کتاب میں نظر سے گزرا نہ کسی طرح قابلِ قبول ہوسکتا ہے کہ بداہۃً طرز و روش ادب وخشوع سے جُدا ہے، جن شافعیہ نے ایسا کیا غالبًا کوئی عذر ہوگا یا شاید ناواقفی کی بناپر کہ مکہ معظّمہ کا ہر متنفس تو عالم نہیں اعتبار اقوال وافعالِ علماء کا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۰۴: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نفل نماز بیٹھ کر ادا کرے تو رکوع کس طرح ادا کریں یعنی سرین اُٹھیں یا نہیں؟ درصورت مخالف نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا فاسد؟ **بینو توجروا۔**

الجواب:

رکوع میں قدر واجب تو اسی قدر ہے کہ سر جھکائے اور پیٹھ کو قدرے خم دے مگر بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسکا درجہ کمال وطریقہ اعتدال یہ ہے کہ پیشانی جھک کر گھٹنوں کے مقابل آجائے اس قدر کے لئے سرین اٹھانے کی حاجت نہیں تو قدر اعتدال سے جس قدر زائد ہوگا وُہ عبث وبیجا میں داخل ہوجائے گا۔

فی الحاشیۃ الشامیۃ فی حاشیۃ الفتال عن البرجندی ولوکان یصلی قاعدا ینبغی ان یحاذی جبھتہ قدا م رکبتیہ لیحصل الرکوع اھ قلت ولعلہ محمول علی تمام الرکوع والا فقد علمت حصولہ باصل طأطأۃ الراس ای مع انحناء الظھر تامل انتھی۔[1]	حاشیہ شامیہ میں ہے. برجندی کے حوالے سے حاشیہ فتال میں ہے اگر کوئی بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہو تو اپنی پیشانی کو گھٹنوں کے برابر جُھکائے تاکہ رکوع حاصل ہوجائے اھ قلت شاید یہ تمام رکوع پر محمول ہو کیونکہ آپ جان چکے ہیں کہ رکوع سر کو صرف جُھکا دینے سے یعنی ساتھ کچھ پیٹھ کو جُھکانے سے ادا ہوجاتا ہے، غور کروانتہی۔

اور نماز میں جو ایسا فعل کیا جائے گا لااقل ناپسند مکروہ تنزیہی ہوگا۔

وفی الدرالمختار ویکرہ ترک کل سنۃ[2] انتھی ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ ہر سنت کا ترک مکروہ ہے انتہی ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۴۰۵:　　　　مرسلہ محمود حسین　　　　۵ محرم ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص نماز کھڑے ہو کر بوجہ عذر بیماری کے نہیں پڑھ سکتا

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۷۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

لیکن اس قدر طاقت اس کو ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہی ہو کر باندھ لے اور باقی بیٹھ کر رکوع و سجود کے ساتھ ادا کر سکتا ہے تو اس صورت میں آیا اس کو ضروری ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہی ہو کر کہے اور پھر بیٹھ جائے یا سرے سے بیٹھ کر نماز شروع کرے اور ادا کرلے، دوسری شق میں نماز اس کی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں بیشک اُس پر لازم کہ تحریمہ کھڑے ہو کر باندھے جب قدرت نہ رہے بیٹھ جائے۔ یہی صحیح ہے، بلکہ ائمہ رضوان اللہ تعالٰی اجمعین سے اس کا خلاف اصلاً منقول نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

ان قدر علی بعض القیام ولومتکأا علی عصا او حائط قام لزومابقدر مایقدر ولوقدراٰیة او تکبیرة علی المذهب لان البعض معتبر بالکل[1]۔	اگر نمازی قیام پر قادر ہو اگرچہ وہ عصا یا دیوار کے ذریعے ہو تو اس پر حسبِ طاقت قیام کرنا لازم ہے خواہ وہ ایک آیت یا تکبیر کی مقدار ہو۔ مختار مذہب یہی ہے کیونکہ بعض کا کل کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق للعلامۃ الزیلعی میں ہے:

ولو قدر علی بعض القیام دون تمامه بان کان قدر علی التکبیر قائما اوعلی التکبیر وبعض القراءة فانه یؤمر بالقیام و یأتی بماقدر علیه ثم یقعد اذاعجز[2]۔	اگر کچھ قیام پر قادر ہو تمام پر نہ ہو، مثلاً کھڑے ہو کر تکبیر یا تکبیر اور کچھ قرات پر قادر ہو تو اسے قیام کا حکم دیا جائے اور وہ حسبِ طاقت قیام کے ساتھ بجالائے، پھر جب عاجز آئے تو بیٹھ جائے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

ولو قدر علی ان یکبر قائماولایقدر علی اکثر من ذلك یکبر قائما ثم یقعد[3]۔	اگر کھڑے ہو کر صرف تکبیر کہنے پر قادر ہے اس سے زیادہ پر قادر نہیں تو کھڑے ہو کر تکبیر کہے پھر بیٹھ جائے۔(ت)

[1] دُرمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

[2] تبیین الحقائق باب صلوٰۃ المریض مطبعۃ امیریۃ کبرٰی مصر ۱/۲۰۰

[3] فتاوٰی قاضی خان باب صلوٰۃ المریض مطبعۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۸۲

غنیہ شرح المنیہ للعلامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

لو قدر علی بعض القیام لا کله لزمه ذلك القدر حتی لوکان لایقدر الاعلی قدر التحریمة لزمه ان یتحرم قائماثم یقعد[1]۔	اگر کچھ قیام پر قادر ہے تمام پر نہیں تواس پر اس کی مقدار قیام لازم ہے حتی کہ اگر کوئی صرف تکبیر تحریمہ کے مقدار پر قادر ہو تو کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہے پھر بیٹھ جائے۔(ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے:

قال سراج الائمة الحلوائی ھوالمذھب الصحیح[2]۔	سراج الائمہ حلوائی نے فرمایا کہ یہی صحیح مذہب ہے۔(ت)

بحرالرائق پھر حاشیہ طحطاویہ علی الدر میں ہے:

لایروی عن اصحابنا خلافه[3]۔	ہمارے اصحاب سے اس کے خلاف مروی نہیں۔(ت)

پھر اگر اس کاخلاف کیایعنی باوجود قدرت تحریمہ بھی بیٹھ کر باندھی نماز نہ ہوئی۔

لقول الغنیة لزمه وقول الدر لزوما مع قول العلامة الشرنبلالی عبرت باللزوم لکونه اقوی لان ھذا یفوت الجواز بفوته الخ لقول المحقق العلائی وغیرہ ان البعض معتبر بالکل۔	کیونکہ غنیہ میں اس پر لازم ہے۔ در میں ہے: لازم ہے اور علّامہ شرنبلالی کی تصریح "باللزوم" کے ساتھ ہے، وُہ کہتے ہیں میں نے "باللزوم" سے تعبیر اس لئے کیا ہے کہ یہ اقوی ہے کیونکہ اس کے فوت ہونے سے جواز ہی فوت ہاجاتا ہے الخ اور محقق علائی نے کہا کہ بعض کا کل کے ساتھ اعتبار کیا جاتا ہے۔(ت)

فقیر غفراللہ لہ کو اللہ تعالٰی تحقیقِ حق القا کرے علما تصریح فرماتے ہیں کہ تحریمہ کے لیے قیام شرط ہے اگر بیٹھ کر بلکہ اتنا جُھکا ہے کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچیں تحریمہ باندھے ہر گز صحیح نہ ہوگی اور تحریمہ شرطِ نماز ہے کہ بے اس کے نماز باطل، توجبکہ تحریمہ کے لئے قیام کرسکتا اور نہ کیا شرطِ تحریمہ فوت ہوئی تو تحریمہ صحیح نہ ہوئی تو نماز ادا نہ ہوئی اذافات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوگئی تومشروط از خود فوت ہوجائے گا۔ت) دُرمختار میں شرح الوہانیہ للعلامۃ حسن بن عمار سے ہے:

[1] غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی الثانی القیام، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۲۶۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الحادی والعشرون فی صلوٰۃ المریض مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۹۴

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱۸

شروط لتحریم حظیت بجمعها :: مهذبة حسنامدی الدهرتزهر :: دخول لوقت واعتقاد دخوله :: وسترطهرو القیام المحرر [1] ::	تکبیر تحریمہ کے لئے کچھ شرطیں ہیں میں ان کو اکٹھا کرنے سے بہرہ ور ہوا، حالانکہ وہ شرطیں خوب آراستہ و زمانہ بھر چمکتی ہیں (وہ یہ ہیں) وقتِ فرض کا داخل ہونااور بدن مکان اور کپڑے کے طہارت اور قیام محرر۔(ت)

ردالمختار میں ہے:

المحرر بان لا تنال یداہ رکبیة کما مر فلو ادرك الامام راکعافکبر منحنیالم تصح تحریمته [2] اھ	قیام محرر یہ ہے کہ اس کے ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں جیسا کہ گزر چکا، اگر نمازی نے امام کو رکوع میں پایااور جھک کر تکبیر تحریمہ کہہ کر شامل ہواتواس کی تحریمہ صحیح نہیں ہے اھ (ت)

شرح التنویر للعلائی میں ہے:

من فرائضها التی لا تصح بدونها التحریمة قائما [3]۔	ان فرائض میں سے جن کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی ایک کھڑے ہو کر تکبیر تحریمہ کہنا بھی ہے (ت)

حاشیہ علامہ ابن عابدین میں ہے

قوله قائما احد اشروطها العشرین الآتیه [4]	اس کا قول "قائمًا" یہ ان بیس ۲۰ شروط میں سے ایک ہے جن کا ذکر آرہا ہے۔(ت)

آج کل بہت جہّال ذراسی باطاقتی مرض یاکبر سن میں سرے سے بیٹھ کر فرض پڑھتے ہیں حالانکہ اوّلاً ان میں بہت ایسے ہیں کہ ہمّت کریں توپُورے فرض کھڑے ہو کر ادا کر سکتے ہیں اور اس ادا سے نہ ان کا مرض بڑھے نہ کوئی نیا مرض لاحق ہو نہ گر پڑنے کی حالت ہو نہ دوران سر وغیرہ کوئی سخت الم شدید ہو صرف ایک گونہ مشقت وتکلیف ہے جس سے بچنے کو صراحةً نمازیں کھوتے ہیں ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہی لوگ جنھوں نے بحلیہ ضعف و مرض فرض بیٹھ کر پڑھتے اور وہی باتوں میں اتنی دیر کھڑے رہے کہ اُتنی دیر میں دس بارہ رکعت ادا کرلیتے ایسی حالت میں ہر گز قعود کی

---

[1] دُرمختار باب صفۃ الصّلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطفی البابی مصر ۱/۳۳۴

[3] درمختار ، باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۰

[4] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطفی البابی مصر ۱/۳۲۶

اجازت نہیں بلکہ فرض ہے کہ پُورے فرض قیام سے ادا کریں۔ کافی شرح وافی میں ہے:

ان لحقه نوع مشقة لم یجز ترك القیام[1]۔	اگر ادنیٰ مشقت لاحق ہو تو ترک قیام جائز نہ ہوگا۔(ت)

ثانیًا مانا کہ انھیں اپنے تجربہ سابقہ خواہ کسی طبیب مسلمان حاذق عادل مستور الحال غیر ظاہر الفسق کے اخبار خواہ اپنے ظاہر حال کے نظر صحیح سے جو کم ہمتی وآرام طلبی پر مبنی نہ ہو بظن غالب معلوم ہے کہ قیام سے کوئی مرض جدید یا مرض موجود شدید و مدید ہوگا مگر یہ بات طول قیام میں ہوگی تھوڑی دیر کھڑے ہونے کی یقینًا طاقت رکھتے ہیں تو ان پر فرض تھا کہ جتنے قیام کی طاقت تھی اُتنا ادا کرتے یہاں تک کہ اگر صرف اللہ اکبر کھڑے ہو کر کہہ سکتے تھے تو اتنا ہی قیام میں ادا کرتے جب وہ غلبہ ظن کی حالت پیش آتی تو بیٹھ جاتے یہ ابتدا سے بیٹھ کر پڑھنا بھی ان کی نماز کا مفسد ہُوا۔

ثالثًا ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ بقدر تکبیر بھی کھڑے ہونے کی قوت نہیں رکھتا مگر عصا کے سہارے سے یا کسی آدمی خواہ دیوار یا تکیہ لگا کر کُل یا بعض قیام پر قادر ہے تو اس پر فرض ہے کہ جتنا قیام اس سہارے یا تکیہ کے ذریعے سے کرسکے بجالائے، کُل تو کُل یا بعض تو بعض ورنہ صحیح مذہب میں اس کی نماز نہ ہوگی۔ فقد مرمن الدر ولو متکأ علی عصا او حائط[2]۔ (در کے حوالے سے گزرا اگرچہ عصا یا دیوار کے سہارے سے کھڑا ہوسکے۔ت) تبیین الحقائق میں ہے:

لوقدر علی القیام متکأ (قال الحلوانی) الصحیح انه یصلی قائما متکأ ولا یجزیه غیر ذلك وکذلك لوقدران یعتمد علی عصا اوعلی خادم له فانه یقوم ویتکیئ[3]۔	اگر سہارے سے قیام کرسکتا ہو (حلوانی نے کہا) تو صحیح یہی ہے کہ سہارے سے کھڑے ہو کر نماز ادا کرے اس کے علاوہ کفایت نہ کریگی اور اسی طرح اگر عصا یا خادم کے سہارے سے کھڑا ہوسکتا ہے تو قیام کرے اور سہارے سے نماز ادا کرے۔(ت)

یہ سب مسائل خوب سمجھ لئے جائیں باقی اس مسئلہ کی تفصیل تام و تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے جس پر اطلاع نہایت ضرور و اہم کہ آجکل ناواقفی سے جاہل تو جاہل بعض مدعیانِ علم بھی ان احکام کا خلاف کرکے ناحق اپنی نمازیں کھوتے اور صراحۃً مرتکب گناہ و تارک صلوٰۃ ہوتے ہیں۔ وباللہ العصمة ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم و علمه جل مجده اتم واحکم۔

---

[1] کافی شرح وافی

[2] دُرمختار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

[3] تبیین الحقائق باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مطبعۃ امیریہ کبرٰی مصر ۱/۲۰۰

مسئلہ نمبر ۴۰۶ : ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ الحمدللہ کے بعد جو سورۃ پڑھی جائے اُس پر بھی بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیئے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ ناجائز ہے اس لئے کہ ضمِ سورت واجب ہے اور بسم اللہ شریف پڑھنے سے ضم نہ ہوا فصل ہوگیا، یہ قول ان کا کیسا ہے؟

الجواب:

ہمارے علمائے محققین رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کتب معتمدہ میں روشن تصریحیں فرمارہے ہیں کہ ابتدائے سورت پر بھی بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیئے مطلقاً مستحب و مستحسن ہے، خواہ نماز سِریہ ہو یا جہریہ۔ اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کا ناجائز ہونا درکنار ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم میں کوئی اس کی کراہت کا بھی قائل نہیں بلکہ سب ائمہ کرام بالاتفاق اسے خوب بہتر جانتے ہیں اختلاف صرف سنّیت میں ہے کہ جس طرح سرِ فاتحہ پر بسم اللہ شریف بلاشبہہ سنت ہے یونہی سرِ سورت پر بھی سنّت ہے یا مستحب۔ امام محمد کے نزدیک سِرّیہ میں سنّت ہے، محیط و مضمرات وعتابیہ و مستصفی وغیرہا میں اسی کی تصحیح فرمائی اور مذہب امام، نفی استنان ہے اور اس پر فتوٰی اور یہی کلمات متون "لایاتی" و "لایسمی" (نہ لائے اور نہ بسم اللہ پڑھے۔ت) سے مراد بہرحال اس کی خُوبی وحُسن پر ہمارے سب ائمہ کا اتفاق ہے پھر اس کے بعد زید وعمرو کو اپنی رائے لگانے اور اتفاقِ ائمہ کرام کے خلاف اجتہاد کرنے کی گنجائش، اور وہ بات بھی کچھ ٹھکانے کی ہو جس نے چند حروف فقہ کے پڑھے یا کسی عالم کی صحبت پائی وہ خوب جانتا ہے کہ ضمِ سورت جو واجب ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ خاص سورت ہی ملانی واجب ہے یہاں تک کہ بعد فاتحہ وسط سورت سے کسی رکوع کا پڑھنا ناجائز و موجب ترک واجب ٹھہرے کہ سورت بمعنی معروف کا ملانا اُس پر بھی صادق نہیں بلکہ اس سے مراد قرآنِ عظیم کی بعض آیات ملانا ہے کہ خواہ سورت ہو یا نہ ہو بسم اللہ شریف خود ایک آیتِ قرآن عظیم ہے تو اس کا ملانا قرآن عظیم ہی کا ملانا ہُوا نہ کسی غیر کا، جو صاحب اتنا بھی خیال نہ فرمائیں اُنھیں احکام شریعت میں رائے زنی کیا مناسب ہے، اب تصریحاتِ علمائے کرام سنئے، دُرمختار میں ہے:

(لا) تسن (بین الفاتحة والسورة مطلقا) ولو سرّیة ولا تکرہ اتفاقا[1]۔	(نہیں ہے) بسم اللہ پڑھنا سنت (فاتحہ اور سورت کے درمیان مطلقاً) اگرچہ نماز سری ہو، اور نہ مکروہ ہے اتفاقاً۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

صرح فی الذخیرۃ والمجتبی بانہ ان سمی	ذخیرہ اور مجتبٰی میں اس بات کی تصریح ہے کہ فاتحہ اور

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۵

بین الفاتحه والسورۃ المقروئة سرا اوجهرا کان حسناً عند ابی حنیفة ورجحه المحقق ابن الهمام وتلمیذه الحلبی الشبهة الاختلاف فی کونها اٰیة من کل سورۃ بحر[1]۔	اس سے ملائی جانے والی سورت کے درمیان بسم اللہ آہستہ یا بلند پڑھنا امام ابو حنیفہ کے نزدیک حسن ہے۔امام ابن الھمام اور ان کے شاگرد حلبی نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ بسم اللہ کے ہر سورت کا جزء ہونے میں اختلاف کا شبہ ہے۔بحر (اس لئے پڑھ لیناہی بہتر ہے۔ت)

طحطاوی میں ہے:

قوله ولا تکره اتفاقابل لا خلاف فی انه لو سمی لکان حسنانهر[2]۔	اس کا قول کہ " بالاتفاق مکروہ نہیں" بلکہ اگر بسم اللہ پڑھی تو اس کے حسن ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں، نہر۔(ت)

امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں عن الذخیرۃ عن المعلی عن ابی یوسف عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه (ذخیرہ سے معلّی سے ابویوسف سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے) روایت فرمایا:

انه اذاقرأھا مع کل سورۃ فحسن[3]۔	اگر نمازی ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھتا ہے تو یہ حسن ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لاتسن التسمیة بین الفاتحه والسورۃ مطلقا عندھما وقال محمد تسن اذا خافت لا ان جهر وصحح فی البدائع قولھما والخلاف فی الاستنان اماعدم الکرھة فمتفق علیه لھذا صرح فی الذخیرۃ و	شیخین کے ہاں فاتحہ اور سورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنا مطلقاً سنّت نہیں۔امام محمد کہتے ہیں کہ سرّی نماز میں سنّت ہے مگر جہری میں سنّت نہیں، بدائع میں شیخین کے قول کو صحیح کہا گیا لیکن یہ اختلاف سنّت ہونے میں ہے، پڑھ لینا مکروہ نہیں اس پر اتفاق ہے،اسی لیے ذخیرہ

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطفی البابی مصر ۱/۳۶۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۱۹

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

والمجتبی [1] الٰی اٰخر مامر۔	اور مجتبٰی اس کی تصریح کی ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے (ت)

علّامہ حسن شرنبلالی غنیۃ ذوی الاحکام میں فرماتے ہیں:

المراد نفی سنیۃ الاکاتیان بھا بعد الفاتحہ و ھذاعندھما وقال محمد یسن الاتیان بھافی السریۃ بعد الفاتحہ ایضا للسررۃ واتفقواعلی عدم کرھۃ الاتیان بھا بل ان سمی بین الفاتحہ والسورۃ کان حسنا سواء کانت الصلاۃ جھرۃ جھریۃ اوسریۃ [2]۔	اس سے مراد فاتحہ کے بعد بسم اللہ پڑھنے کی سنیت کی نفی ہے اور یہ شیخین کے نزدیک ہے۔امام محمد کا قول یہ ہے کہ نماز سرّی میں فاتحہ کے بعد سورت کے لئے بسم اللہ پڑھنا بھی سنت ہے لیکن اگر کوئی پڑھ لیتا ہے تو اس کے مکروہ نہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے، بلکہ فاتحہ اور سورت کے درمیان اگر پڑھ لیتا ہے تو یہ حسن ہے خواہ نماز جہری ہو یا سرّی۔(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

لاکراھۃ فیھا ان فعلھا اتفاقا للسورۃ سواء جھرا وخافت بالسورۃ [3]۔	سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا بالاتفاق مکروہ نہیں خواہ سورت جہرًا پڑھے یا سرًا(ت)

رحمانیہ وبرجندی وغیرہما میں محیط سے ہے:

ذکر الفقیہ ابو جعفر عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ اذا قرأھا مع کل سورۃ فحسن [4] وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔	فقیہ ابو جعفر امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ہر سورت کے ساتھ بسم اللہ پڑھتا ہے تو یہ حسن ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ نمبر ۴۰۷: از اٹاوہ متصل کچہری منصفی مرسلہ مولوی محمد حبیب علی صاحب علوی ۹رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

حامدًا ومصلیًا مخلص نوز زاد کم اللہ مجد کم۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس طرف جو رسائل شریفہ آنجناب مثلحیات الموات وشاح الجید، النہی الحاجز، ازالۃ العار وغیرہا کے مطالعہ سے شرف اندوزی حاصل ہوئی۔ شکریہ

---

[1] البحر الرائق فصل واذا اراد الدخول الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۲

[2] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع احمد کامل الکائنہ در سعادت بیروت ۱/۶۹

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی کیفیۃ ترکیب افعال الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۵۴

[4] شرح النقایۃ للبرجندی، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نولکشور بالسرور لکھنؤ، ۱/۱۰۴

اس کا حوالہ قلم نہیں ہو سکتا ہے واقعی آپ کا طرز ایسے مسائل میں تحقیق کا اوروں سے نرالا ہے اور بہمہ وجوہ سب سے اعلٰی ہے آپ نے پایہ تحقیق مسائلِ نزاعیہ میں مراتبِ عالیہ کو پہنچا دیا ہے **جزاکم اللہ خیرا الجزا**۔ اس عریضہ کی تسطیر کی بالفعل یہ ضرورت درپیش ہے کہ وقتِ رکوع دُرمختار میں الصاق کعبین کو مسنون دو[۲] مقام پر تحریر کیا ہے شامی نے ثبوتِ مسنونیت میں کوئی حدیث تحریر نہیں کی بلکہ کچھ زیادہ تعرض اور لحاظ نہیں فرمایا، صاحبِ مفتاح الصلوٰۃ نے احادیث اور ظاہر الروایۃ میں وارد ہونا تحریر کرکے الصاق کو بمعنی قرب واتصال تصریح کرکے زیادہ تحقیق کا حوالہ اپنے حواشی پر لکھ دیا، دریافت طلب امر صرف امورِ ذیل ہیں: (۱) مسنونیت الصاق کعبین فی الرکوع کہاں ثابت ہے، کون حدیث دلیل قول صاحب درمختار ہے اور وہ کہاں تک قابلِ عمل اور اعتماد ہے، صاحبِ مفتاح الصلوٰۃ کا بیان بنسبت اس مسئلہ کے بجمیعہ صحیح ہے یا کیا۔ دیگر متونِ معتمدہ فقہ مذہب حنفی میں اس سنّت رکوع کا بیان کیوں نہیں درج ہوا ہے تساہل بعض فقہانے کیوں گوارا فرمایا۔ عبارت فتاوٰی درمختار ہر دو مقام سے اور عبارت مفتاح الصلوٰۃ بقیہ صفحہ ذیل میں درج ہے، غایۃ الاوطار ترجمہ دُرمختار صفحہ ۲۳۰، ۲۱۹ سنن نماز و طریق ادائے نماز و **تکبیر الرکوع وکذا الرفع منه بحیث یستوی قائما والتسبیح فیه ثلاثا والصاق کعبیه و ینصب ساقیه** (تکبیر رکوع اور اسی طرح رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا، اس میں تین دفعہ تسبیح پڑھنا، ٹخنوں کا متصل ہونا اور پنڈلیوں کو کھڑا کرنا۔(ت) مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۹۴:

مجتبٰی کہ تصنیف امام زاہدی است از مسنونات رکوع الصاق کعبین باستقلال انگشتاں بسوئے قبلہ مسنون گفتہ است لیکن در حدیثِ صحیح ودر کتب ظاہر الروایۃ ظاہر نمی شود ظاہر مراد امالہ کعب بسوئے کعب دیگر باشد چنانکہ صاحبِ قاموس معنی لصوق گفتہ است زیراکہ اگر الصاق در وقتِ رکوع کند حرکت کثیر لازم مے آید باآنکہ استقبال انگشتاں نمی ماند وسنت قیام مے رود کہ فرجہ چہار انگشت مسنون است ومؤید امالہ قول نحویین است الباء للالصاق یعنی القرب ودر حدیث نیز الصاق الکعب بمعنی القرب والمقابلہ واقع است پس	مقابلہ کعب بکعب نیز ارادہ می تواں نمود چنانکہ تحقیق ایں مسئلہ در حواشی بحر الرائق کاتب بتفصیل مذکورہ نمودہ۔ واللہ اعلم۔ امام زاہدی کی کتاب مجتبٰی میں سنن رکوع کی بحث میں ٹخنوں کو متصل کرنا اور پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رُخ کرنا سنّت بیان کیا گیا ہے لیکن حدیث صحیح اور کتب ظاہر الروایۃ میں یہ وارد نہیں ہے زیادہ سے زیادہ اتنا ملتا کہ ایک ٹخنے کا دوسرے ٹخنے کی طرف میلان ہو، جیسا کہ صاحب قاموس نے اس کا معنٰی لصوق بیان کیا ہے ورنہ رکوع میں اتصال کی صورت میں حرکت کثیرہ لازم آئے گی باآنکہ اس کے ساتھ انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف نہیں رہے گا، اور سنت قائم نہ ہوگی کہ حالتِ قیام میں دونوں قدموں کے درمیان چار انگلیوں کی مقدار کا فاصلہ سنّت ہے، یہاں

مقابلہ کعب بکعب نیز ارادہ می تواں نمود چنانکہ تحقیق ایں مسئلہ در حواشی بحرالرائق کاتب بتفصیل مذکورہ نمودہ۔ واللہ اعلم۔	الصاق کے معنی امالہ پر نحویوں کا قول بھی تائید کرتا ہے کہ وہ کہتے ہیں باالصاق یعنی قُرب کے لئے ہے، اور حدیث میں بھی الصاق الکعب کا معنی قُرب اور مقابلہ واقع ہوا ہے، لہٰذا یہاں کعب کا کعب کے مقابل ہونا مراد لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کی تفصیل و تحقیق راقم نے البحرالرائق کی حواشی میں ذکر ہے۔ واللہ اعلم (ت)

الجواب:

مکرمی کرم فرمایا اکرام اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔ خاتم المدققین علامہ علائی دمشقی، صاحبِ درمختار اعلی اللہ تعالٰی مقامہ اس مسئلہ میں متفرد نہیں اُن سے بھی پہلے علما نے اس کی تصریح اور ان کے بعد ناقلین و ناظرین نے تقریر وتوضیح فرمائی۔علامہ ابراہیم حلبی غنیۃ شرح منیہ میں فرماتے ہیں: السنة ایضافی الرکوع الصاق الکعبین و استقبال الصابع القبلة [1]۔ رکوع میں ٹخنوں کا اتصال اور انگلیوں کا قبلہ رُخ ہونا بھی سنّت ہے۔(ت) شرح نقایہ للعلامۃ الشّمس القہستانی میں ہے:

ینبغی ان یزاد مجافیا عضدیه ملصقا کعبیه مستقبلا اصابعه فانها سنة کما فی الزاہدی [2]۔	یہاں اس بات کا اضافی کرنا مناسب ہے کہ بازو پیٹ سے جدا اور ٹخنے متصل اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رُخ ہونا سنت ہے جیساکہ زاہدی میں ہے(ت)

بعینہٖ اسی طرح علامہ سید ابوالمسعود ازہری نے فتح اللہ المعین میں علامہ سید حموی سے نقل کیا علامہ بحرالفقہ زین الفقہا بحرالرائق میں شرح قدوری سے نقل فرماتے ہیں:

والسنة فی الرکوع الصاق الکعبین واستقبال الاصابع للقبلة [3]۔	رکوع میں ٹخنوں کا متصل ہونا اور انگلیوں کا قبلہ رُخ ہونا سنّت ہے۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۱۵

[2] جامع الرموز، فصل صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۵۲

[3] البحرالرائق فصل واذاارادالدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۵

وسن ابعاد مرفقیه عن جنبیه والصاق کعبیة فیه واستقبال اصابعه القبلة ای اصابع رجلیه کذافی القهستانی عن الزاهدی[1]۔	رکوع میں کہنیوں کا پہلوؤں سے دُور ہونا اور ٹخنوں کا متصل ہونا اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ رُخ ہونا سنّت ہے۔قہستانی میں زاہدی کے حوالے سے اسی طرح ہے۔(ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

والصاق کعبیه حالة الرکوع هذا ان تیسر له ولا کیف تیسر له علی الظاهر[2]۔	حالت رکوع میں اگر آسانی ہو تو ٹخنوں کو ملالیا جائے ورنہ جس طرح آسانی ہو ویسے کرلیا جائے ظاہر الروایۃ پر۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

والصاق کعبیه ای حیث لاعذر[3]۔	ٹخنوں کو ملانا اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو۔(ت)

مسائل ظاہر الروایۃ میں محصور نہیں نہ ظاہر الروایۃ خواہ متونوں میں عدم ذکر ذکر عدم متون مختصرات ہیں اور غالبًا نقل ظواہر پر مقتصر زیادت۔شرح معتمدین اگر مسلم نہ ہوں تو مذہب کا ایک حصّہ قلیلہ ہاتھ میں رہ جائے تتبع بتائے گا کہ ٰن در کنار بعض واجبات وفرائض ومفسدات ونواقص تک عامہ متون میں نہیں، رہی دلیل وہ مجتہد کے پاس ہے، نہ ہمارا عدم وجدان وجدان عدم ، ہمارے لئے نصوص فقہیہ بس ہیں اور نصوص حتی الامکان ظاہر پر محمول، اور جب تک حیقت بنے ہے، نہ مجرد محاذات یا امالہ (محض مقابل یا مائل ہونا نہیں) قاموس میں فقیر نے اس معنٰی کا نشان نہ پایا

ان کان فهو من المجاز وقد عدوا من عیوب القاموس کماذکرہ العلامة الزرقانیفی عدة مواضع من شرح المواهب وغیرہ فی غیرہ انه یذکر المعانی المجازیة ای فیوهم الوضع لهالان کان موضوع کتب اللغة بیان المنی الموضوع له اللفظ۔	اور اگر یہ معنٰی قاموس میں ہے تو یہ معنٰی مجازی ہوگا۔اہل علم نے قاموس کے عیوب تحریر کئے ہیں مثلازرقانی نے شرح المواہب میں متعدد جگہ پراور دیگر علمائے کرام نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے کہ صاحب قاموس الفاظ کے مجازی، معنے ذکر کرتے ہیں جس سے انکا حقیقی ہونے کا وہم ہوتا ہے کیونکہ ان لغت کی کتب کا موضوع الفاظ کے ان معانی کا بیان کرنا جس کے لیے ان کی وضع ہے۔(ت).

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۴۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۱۳

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطفی البابی مصر ۱/۳۵۲

زبان عرب میں استعمال "ب" مواضع الصاق حقیقی سے مختص نہیں وہ جس طرح وامسحوا برؤسکم میں اپنی حقیقت پر ہے یونہی "مررت بزید" میں تو الباء للالصاق کا بطریق عموم مجاز معنی قرب پر حمل واجب، یوں ہی حدیث صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما:

رأیت الرجل منا یلزق کعبہ بکعب صاحبہ[1]۔	میں نے دیکھا کہ ہم سے کوئی شخص اپنے ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے کے ساتھ ملا کر صف میں کھڑا ہوتا ہے۔(ت)

وحدیث اصح انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما:

کان احد نا یلزق منکبہ بمنکب صاحبہ وقدمہ بقدمہ[2]۔	ہم میں سے ہر ایک اپنے کاندھے کو دوسرے کے کاندھے سے اور اپنے قدم کو دوسرے کے قدم سے ملاتا تھا۔(ت)

میں درباہ کعاب واقدام ارادہ معنی حقیقی پر اقدام نہیں ہوسکتا کہ قیام میں سنّت تقریب قدمین ہے، خود صاحب مفتاح رحمہ الفتاح کو مسلّم کہ فرجہ چہار انگشت مسنون است (چار انگل کا فاصلہ مسنون ہے۔ت)
اگرچہ اس تجدید کی بھی سند پُوچھئے تو کتاب الاثر میں امام سے روایت ملے گی یا امام اقطع کا قول، نہ بالخصوص حدیث صحیح یا ظاہر الروایۃ و متون کی تصریح بہرحال ایسی تفریج کہ زید کا کعب اِدھر عمرو اُدھر بکر کے کعب سے ملصق ہو صراحۃً شانِ ادب کے بھی خلاف و شنیع ہے تو قیام کی دلیل کے باعث مجاز پر حمل ہر گز تجوز بے دلیل کے دستاویز نہیں ہو سکتا یہاں مجرد محاذات مراد لینے کا تو کوئی محل نہیں یہ علما سے خاص سنّت رکوع بتاتے ہیں اور محاذات ہر گز اس سے خاص نہیں، قیام خواہ سجود میں کب چاہئے کہ ایک آگے یا پیچھے ہو اور امالہ مراد ہونے پر بھی اصلاً کوئی دلیل نہیں، الصاق کو مستلزم حرکت کثیرہ ماننا سخت عجب ہے بالفرض اگر قیام میں تفریج تام مسنون ہوتی جب بھی الصاق میں کثیرہ نہ تھی۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک صف کی قدر چلنا بھی حرکتِ قلیلہ ہے نہ کہ صرف قدمین کا ملالینا کثیرہ ہو ھذا عجیب جدا (یہ نہایت ہی عجیب ہے۔ت) درمختار میں ہے:

مشی مستقبل القبلۃ ھل تفسد، ان قدر صف ثم وقف قدر رکن ثم مشی و وقف کذلك و ھکذا لاتفسد وان کثر مالم یختلف المکان الخ[3]۔	نمازی اگر قبلہ رُخ چلا تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں، اگر وہ صف کی مقدار چلا پھر رکن کی مقدار کھڑا رہا اور پھر چلا اور رکن کی مقدار کھڑا رہا نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ یہ عمل۔

---

[1] صحیح البخاری باب الزاق المنکب بالمنکب الخ مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰
[2] صحیح البخاری باب الزاق المنکب بالمنکب الخ مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰
[3] درمختار باب یفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دھلی ۱/۹۰

وتمام تفصیلہ و تحقیقہ فی ردالمحتار۔	کثیر مرتبہ کرے جب تک جگہ تبدیل نہ ہو الخ اور اس مسئلہ کی تمام تفصیل و تحقیق ردالمحتار میں ہے (ت)

اور اگر کثیرہ سے کثیرہ فقہیہ مراد نہ لیجئے تو وہاں ہر گز کثیرہ لغویہ بھی نہیں اور ہوتی بھی تو نفیِ سنیت پر اس سے استدلال از قبیلِ مصادر ہوگا کہ تحصیلِ سنّت کے لئے حرکت قلیلہ قطعًا مطلوب، اگرچہ بالاضافت لغۃً کثیرہ ہو، تو اس فعل پر بوجوہ لزوم حرکت اعتراض اس پر موقوف کہ سنّیت مصرحہ فقہًا باطل ہو کر فعل عبث و خارج عن افعال الصلٰوۃ قرار پائے اور حقیقتِ امر پر نظر کیجئے تو نہ یہاں اقدام کو ان کے مواضع سے تحریک کی ضرورت ہوتی ہے نہ انگلیوں کے استقبال میں فرق آتا ہے نہ فرجہ چار انگشت ہاتھ سے جاتا ہے یہ تو ہر گز نہ مسنون نہ مطلوب کہ پاؤں اپنی وضع خلق کے خلاف رکھے جائیں اور ان کی سطح طولًا ہر گز ہموار نہیں تو پنجوں سے ایڑیوں تک ہر جگہ چار انگشت کا فرجہ ہونا غیر متصور بلکہ قطعًا مقصود یہ ہے کہ صدور اقدام میں اتنا فرجہ رکھے اور پاؤں کو اپنے حال فطری پر چھوڑے نہ یہ کہ ایڑیوں میں بھی اس قدر فرجہ حاصل کرنے کے لئے انہیں دہنے بائیں ہٹائے، پاؤں کی تخلیق اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صدور یعنی پنجوں میں فصل زائد اور اعقاب یعنی ایڑیوں میں کم ہے، جتنا فصل پنجوں میں رکھئے اور پاؤں وضع فطری پر رہنے دیجئے تو ایڑیوں میں یقینا اس سے فصل کم ہوگا اور کعبین میں بلند و برآمدہ میں اور بھی کم ہوگا تو دونوں تلوے بجائے خود جمے رہنے کے ساتھ ایک خفیف امالہ کعبین میں ٹخنے بلا تکلف مل جائیں گے جس پر کم از کم ہر روز بتیس ۳۲ بار کا تجربہ شاہد ہے کہ آخر تصریحات مذکورہ علما دیکھئے کہ الصاق کعبین اور ان کے ساتھ ہی استقبال اصابع کی سنیت لکھ رہے ہیں ان میں تنافی ہوتی تو کیا متنافیین کو معًا مسنون بتاتے، ہاں جسے فربہی مفرط وغیرہ کوئی عذر ایسا ہو کہ سرے سے پنجوں ہی میں چار انگل فصل نہ رکھ سکے بلکہ معتدبہ زیادت پر مجبور ہُوا مثلًا بالشت بھر کا فاصلہ تو وہ بیشک کعبین نہ ملاسکے گا جب تک پنجوں کو دہنے بائیں اور ایڑیوں کو اندر کی جانب حرکت نہ دے اور اب بے شک تحریک بھی پائی جائے گی اور استقبالِ اصابع بھی نہ رہے گا غالبًا یہی صورۃ خاصہ اس وقت صاحب مفتاح کے خیال مبارک میں ہوگی، ایسا شخص نہ اس سنت قیام یعنی فرجہ چار انگشت پر قادر نہ ہم اس کے لئے الصاق کعبین مسنون کہیں۔ علّامہ طحطاوی کا ارشاد سن چکے کہ ھذا ان تیسر (یہ آسانی کے وقت ہے۔ت) علامہ شامی کا افادہ گزرا کہ ای حیث لاعذر (یعنی جہاں عذر نہ ہو۔ت) اس قدر کلام کا جواب تو یہ بتوفیقہ تعالی بنگاہ اوّلیں معًا حاضر خاطر ہُوا باقی ان کا حاشیہ بحر اگر ملے دیکھنا ہے مگر بعونہ تعالٰی امید یہ ہے کہ اس بیان کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش نہیں وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۰۸: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ۔ ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ۔

بعض مقلدین وغیر مقلدین عمومًا قومہ وجلسہ میں دیر تک ٹھہرتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب:

قومہ وجلسہ کے اذکارِ طویلہ نوافل پر محمول ہیں ولہذا ہمارے ائمہ فرائض میں انھیں مسنون نہیں جانتے اور شک نہیں کہ فرائض میں تطویل فاحش خلاف سنّت ہے اور امام کے لئے توقطعًا ممنوع جبکہ مقتدیوں میں کسی پر بھی گراں ہو، ہاں منفرد بعض کلماتِ ماثورہ بڑھائے توحرج بھی نہیں، یونہی امام بھی جبکہ مقتدی محصور اور سب راضی ہوں، رہا مقتدی وہ آپ ہی اتباعِ امام کرے گا، اگر امام کہے، کہے ورنہ نہیں۔

وفی الدرالمختار یجلس بین السجدتین مطمئنا ولیس بینھما ذکر مسنون وکذالیس بعد رفعه من الرکوع دعاء وکذا لایاتی فی رکوعه وسجود بغیر التسبیح علی المذھب وماورد محمول علی النفل [1]۔	درمختار میں ہے نمازی دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں اطمینان سے بیٹھے، دو سجدوں کے درمیان کوئی ذکر سنت نہیں۔اسی طرح رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد قومہ میں کوئی دعا مسنون نہیں۔اسی طرح رکوع وسجود میں تسبیح کے علاوہ کوئی دعا نہ کرے، صحیح مذہب یہی ہے اور جو روایات میں آیا ہے وہ نوافل پر محمول ہے(ت)

محررمذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

قال ابویوسف سالت اباحنیفة عن الرجل یرفع راسه من الرکوع فی الفریضة ویقول اللھم اغفرلی قال یقول ربنا لك الحمد و یسکت (کذلک) بین السجدتین یسکت [2]۔	امام ابویوسف بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے اس شخص کے بارے میں پُوچھا جو فرائض میں رکوع کے بعد سر اُٹھانے کے بعد یہ کہتا ہے اللھم اغفرلی (اے اللہ مجھے معاف فرما)۔آپ نے فرمایا: وہ صرف ربنا لک الحمد (اے رب ہمارے! تیرے لئے حمد ہے) کہے پھر خاموش ہوجائے اور اسی طرح دونوں سجدوں کے درمیان جلسہ میں بھی خاموش رہے(ت)

حلیہ میں زیر قول متن ولا یزید علی ھذا (اس پر اضافہ نہ کرے۔ت) فرمایا۔

ان ارادالزیادة ماورد فی السنة فینبغی ان یکون ھذا فی حق الامامة اذاخاف التثقیل	اگر زیادتی سے مراد اذکار ہیں جو سنت میں وارد ہیں تو یہ حقِ امامت کے بارے میں ہوگا جبکہ مقتدی بوجھ

[1] دُرمختار باب صفة الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷۶

[2] الجامع الصغیر امام محمد بن الحسن الشیبانی باب فی رکبیر الرکوع والسجود مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۲۔۱۱

علی القوم وفی حق المقتدی اذالم یفعل الامام ذلك اماالمنفرد او الامام اذاکان لایثقل علی القوم اتیانه بذلك اوالمقتدی اذاکان امامه قد اتی به فلیسوا بممنوعین من زیادتھم به علی ذلك ولا سیماالمنفرد فی النوافل ومن ادعی ذلك فعلیه البیان [1]۔	محسوس کریں اور مقتدی کے حق میں اس وقت ہے جب امام یہ نہ پڑھ رہا ہو، رہا معاملہ منفرد یا وہ امام جس کے مقتدی اس کے پڑھنے کو بوجھ محسوس نہ کریں یا وہ مقتدی جس کا امام پڑھ رہا ہو تو ایسی صورت میں ان کے لئے ان اذکار کا اضافہ ممنوع نہیں، خصوصًا وہ منفرد جو نوافل پڑھ رہا ہو اور جو اسکا مدعی ہو وہ اس پر دلیل لائے۔(ت)

اسی میں دوورق بعد ہے:

صرح مشائخنا یحمل مافی حدیث علی رضی الله تعالٰی عنه علی النوافل علی انه ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد وفی حالة کونه اماما والماموون محصورون لا یثقلون بذلك کما نصت علیه الشافعیة ولا ضیر فی التزامه [2] الخ والله سبحٰنه تعالٰی اعلم۔	ہمارے مشائخ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث کو نوافل پر محمول کیا جائے گا علاوہ ازیں فرائض میں یہ ثابت ہے تو اس وقت جب نمازی تنہا فرائض ادا کررہا ہو یا امامت کی حالت میں اس وقت جب مقتدی محصور ہوں جو بوجھ محسوس نہ کریں جیسا کہ شوافع نے تصریح کی ہے اور اس کے التزام میں کوئی نقصان نہیں الخ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۰۹: ازمدرسہ مصباح التہذیب مسئولہ مولوی محمد سلطان صاحب بنگالی ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ نماز میں دونوں سجدے فرض ہیں یا ایک فرض اور دوسرا واجب؟ اگر یہ مسئلہ اختلافیہ ہے تو قول قوی اور راجح کون ہے اور اسکی دلیل کیا ہے اور دوسرے کے مرجوح وضعیف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ مع دلائل معتبرہ بحوالہ کتب بیان فرمایا جائے **بینوا توجروا عندالجلیل**

الجواب:

باجماعِ امت دونوں سجدے فرض ہیں، اصلاً اس میں کسی عالم کا خلاف نہیں کہ قوی وراجح بتایا جائے، اس کا منکر اجماعِ امت کا منکر ہے، دو۲ روز ہوئے ایک طالب علم نے فقیر سے یہ مسئلہ پوچھا تھا فقیر نے عرض کی

---
[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دونوں فرض ہیں، رات مسموع ہُوا کہ مدرسین مدرستین مصباح التہذیب واشاعت العلوم سے مولوی محمد عثمان صاحب ولایتی تو ایسا ہی بتاتے ہیں باقی سب خلاف پر ہیں سجدہ اولیٰ کو فرض اور ثانیہ کو واجب کہتے ہیں اس کی سند شرح وقایہ وہدایہ کی عبارت بتاتے ہیں بلکہ ایک نئے مولوی صاحب محمود نام کہ دیوبندی تعلیم کے فاضل ہیں فقیر کے قول کو محض بے دلیل، فقیر غفرلہ اللہ بلامبالغہ دوسو ۲۰۰ کلماتِ علماء کرام سے اس کی سندیں پیش کرسکتا ہے جن سے ثابت ہو کہ مخالفینِ مسئلہ کو فقہ سے کس قدر غفلت ہے مگر مسئلہ نہایت وضوح سے واضح ہے اور اطالت موجب ملامت لہٰذا صرف دس نصوص صریحہ پر قناعت:

نص اوّل: بحرالرائق میں کنز الدقائق کے قول **فرضها التحریمة والقیام والقراءة والرکوع والسجود** [1]۔ (نماز کے فرائض تکبیر تحریمہ، قیام، قرات، رکوع اور سجود ہیں۔ت) کی شرح میں فرمایا:

(لقوله تعالٰی) ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وللاجماع علی فریضتهما ورکنیتهما والمراد من السجود السجدتان فاصله ثابت بالکتاب والسنة و الاجماع [2]۔	اس کی دلیل اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: ارکعوا واسجدوا (رکوع کرو اور سجدہ کرو۔ت) نیز ان دونوں کے فرض اور رکن ہونے پر اجماع ہے اور سجود سے دونوں سجدے مراد ہیں اور سجدہ کی اصل کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور سجدہ کا ہر رکعت میں دو ۲ دفعہ ہونا سنّت اور اجماع سے ثابت ہے۔(ت)

نص ثانی: امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ شرح میں فرماتے ہیں:

م والخامسة السجدة ش ای والفریضة الخامسة من الفرائض الست المشتمل علی فریضتها الصلاة ، السجدة والاولی السجدتان فی کل رکعة ثم اصل السجدة ثابت بالکتاب و السنة و الاجماع وکونه مثنی فی کل رکعة بالسنة والاجماع ولا خلاف فی کونهما من ارکان صلاة [3]۔	متن، پانچواں فرض سجدہ ہے، شرح، یعنی وہ چھ فرائض جن پر نماز مشتمل ہے ان میں پانچواں فرض سجدہ ہے اور (السجدتان فی کل رکعۃ) کہنا بہتر تھا یعنی ہر رکعت میں دو سجدے فرض ہیں پھر سجدہ کی اصل کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کا ہر رکعت میں دو ۲ دفعہ ہونا سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور ان دونوں کے رکنِ نماز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔(ت)

[1] کنز الدقائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰

[2] البحر الرائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ایضًا یہاں تصریح ہے کہ فرضیت درکنار دونوں سجدے بالاجماع رکنِ نماز ہیں۔

نص ثالث: مبسوط امام شیخ الاسلام پھر حلیہ میں دونوں سجدے فرض ہونے کی حکمت بیان فرمائی:

هذا ماروی فی الاخبار ان الله تعالٰی لما اخذ المیثاق من ذریة اٰدم علیه الصلاة والسلام حیث قال عزوجل واذ اخذ ربك من بنی اٰدم من ظهورهم ذریتهم الاٰیة امرهم بالسجود تصدیقا لما قال فسجد المسلمون کلهم وبقی الکفار فلما رفع المسلمون رؤسهم ورأو الکفار لم یسجدوا فسجدوا ثانیا شکرا لما وفقهم الله تعالٰی علی السجود الاول فصار المفروض سجدتین لهذا والرکوع مرة[1]۔	یہ اس بنا پر ہے جو روایات میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے جب اولادِ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عہد لیا جس کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے: اور یاد کرو اس وقت کو جب اے حبیب! آپ کے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں میں ان کی اولاد سے عہد لیاالآیۃ، تو انھیں بطور تصدیق سجدے کا حکم دیا تواللہ کے حکم پر تمام مسلمان سجدہ ریز ہوگئے لیکن کافر کھڑے محروم رہ گئے جب مسلمانوں نے سجدے سے سر اُٹھایا اور دیکھا کہ کفار نے سجدہ نہیں کیا تو وہ دوبارہ اللہ تعالٰی کا شکرادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہوگئے کہ اللہ تعالٰی نے انھیں سجدہ اوّل کی توفیق دی، لہٰذا نماز میں دو۲ سجدے فرض ولازم ہوگئے اور رکوع ایک ہی رہا۔(ت)

نص رابع: مراقی الفلاح میں تھا: یفترض السجود[2] (سجدہ فرض کیا گیا ہے۔ت) علامہ طحطاوی نے حاشیہ میں فرمایا: المراد منه الجنس ای السجدتان[3]۔ (مراد اس سے جنسِ سجدہ یعنی دو سجدے ہیں۔ت)

نص خامس: دررالحکام شرح غررالاحکام للعلامہ مولی خسرو میں ہے:

فان قیل فرضیة الرکوع والسجود ثبتت بقوله تعالٰی ارکعوا واسجدوا والامر لایوجب التکرار	اگر یہ سوال ہو کہ رکوع و سجود کی فرضیت اللہ تعالٰی کے اس فرمان سے ثابت ہے ارکعوا واسجدوا (رکوع کرو اور سجدہ کرو)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۲۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۲۵

ولذالم یجب تکرار الرکوع فبماذا ثبت فرضیة تکرار السجود (ولما اذا تکرر) قلنا قد تقرران آیة الصلاة مجملة وبیان المجمل قد یکون بفعل الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقد یکون بقوله وفرضیة تکراره تثبت بفعله المنقول عنه تواترا اذکل من نقل صلاة الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نقل تکرار سجوده[1]۔	یہ امر ہے اور امر تکرار کا تقاضا نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ رکوع میں تکرار ثابت نہیں تو تکرار سجود کس سے ثابت ہے، جب تکرار ثابت ہوگیا تو ہم جوابًا کہیں گے کہ یہ بھی ثابت ہے کہ نماز والی آیت مجمل ہے اور مجمل کا بیان کبھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عمل سے ہوتا ہے کبھی قول سے، تکرار سجود کی فرضیت متواترًا آپ کے عمل سے ثابت ہے کیونکہ جس نے بھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز کو نقل کیا ہے اس نے یہ ضرور بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر رکعت میں دو سجدے فرماتے تھے۔(ت)

نص سادس: نقایہ میں تھا:

فرضها التحریمة (الی قوله) والسجود[2]۔	نماز کا فرض تکبیر تحریمہ ہے (آگے چل کر کہا) اور سجدہ بھی۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

ای سجدتان فان اسم الجنس یدل علی العدد الخ[3]	یعنی دو سجدے کیونکہ اسم جنس عدد پر دلالت کرتا ہے الخ(ت)

نص سابع: اسی کے واجبات میں ہے:

(ورعایة الترتیب) بین ارکان کل رکعة فوجب ان یکون السجود بعد الرکوع والسجدة الثانیة بعد الاولٰی[4]۔	(اور رعایت ترتیب) ہر رکعت کے ارکان کے درمیان پس اس سے ثابت ہوا کہ سجدہ رکوع کے بعد ہوگا اور دوسرا سجدہ پہلے کے بعد ہوگا۔(ت)

یہاں سے بھی ظاہر کہ دونوں سجدے رکن ہیں۔

---

[1] دررالحکام شرح غررالاحکام باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ احمد کامل الکائنہ درسعادت مصر ۱/ ۷۳

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ نور محمد کارخانہ بازار کراچی ص ۱۴، ۱۳

[3] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ نور محمد کارخانہ بازار کراچی ۱/ ۱۴۰

[4] جامع الرموز کتاب الصلوٰۃ نور محمد کارخانہ بازار کراچی ۱/ ۱۴۲

نص ثامن: فتح اللہ المعین للعلامۃ السیّد ابی المسعود الازہری میں ہے:

السجدتان (لانهما) فرضان فی کل رکعة [1]۔	کیونکہ دو سجدے ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں۔ (ت)

نص تاسع: علامہ شرنبلالی اپنے متن نور الایضاح اور اسکی شرح میں فرماتے ہیں:

(و) یفترض (العود الی السجود) الثانی لان السجود الثانی کالاول فرض باجماع الامة [2]۔	(اور) فرض ہے (لوٹنا سجدہ کی طرف) یعنی دوسرے سجدے کی طرف کیونکہ دوسرا سجدہ پہلے کی طرح ہی فرض ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے۔

نص عاشر: مجتبیٰ شرح قدوری پھر ہندیہ میں ہے:

السجود الثانی (فرض) کالاول باجماع الامة [3]۔	اس پر اجماع امت ہے کہ دوسرا سجدہ پہلے کی طرح فرض ہے۔ (ت)

ہدایہ کی طرف اس زعم باطل ووہم عاطل کی نسبت تو محض غلط و بے منشا ہے شرح وقایہ سے یہ مطلب سمجھنا عدم تدبّر و سوءِ فہم سے پیدا ہوا امام صدر الشریعۃ کی عبارت یہ ہے:

فی الهدایة و مراعاة الترتیب فیما شرع مکررا من الافعال ، وذکر حواشی الهدایة نقلا عن المبسوط کالسجدة فانه لوقام الی الثانیة بعد ما سجد سجدة واحدة قبل ان یسجد الاخری یقضیها ویکون القیام معتبرا لانه لم یترك الا الواجب [4]۔	ہدایہ میں ہے ان افعال میں رعایت ترتیب واجب ہے جن میں تکرار مشروع ہُوا ہے، اور حواشی ہدایہ میں مبسوط کے حوالے سے مذکور ہے مثلاً سجدہ پس اگر نمازی دوسری رکعت کی طرف صرف ایک سجدہ کے بعد کھڑا ہوا اور دوسرا سجدہ نہیں کیا تو اس سجدہ کی قضا کرے اور اس کا قیام معتبر ہوگا کیونکہ نمازی نے صرف واجب (یعنی ترتیب) کو چھوڑا ہے (ت)

قلت فہم نے یہ سمجھا کہ لم یترك الا الواجب (اس نے واجب ہی ترک کیا ہے۔ت) میں واجب سے

[1] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶۹

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۲۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی فرائض مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷۰

[4] شرح الوقایۃ باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ الرشید دھلی ۱/ ۱۶۱

سجدہ ثانیہ مراد ہے حالانکہ یہ واضح الفساد ہے سجدہ ثانیہ کو تو فرمادیا **یقضیھا** (اس سجدہ ثانیہ کی قضا کرے۔ت) آگے فرمایا **ویکون القیام معتبرا** (اس کا قیام معتبر ہے۔ت) جب سجدہ ثانیہ مراد ہو حالانکہ اس کی تو قضا کر چکا پھر سجدہ متروک کب ہوا موخر ہوا، ترک وتاخیر میں جو فرق ہے ہر عامی پر روشن ہے ترک فرض مبطل صلاۃ ہے اور تاخیر موجب سجود سہو، بلکہ واجب سے مراد ترتیب ہے کہ بوجہ تاخیر سجدہ ثانیہ وتقدیم قیام ترتیب متروک ہوئی یہ خود نفس کلام سے واضح ہے کہ یہاں گفتگو واجب ترتیب میں ہے ابتداء میں بشمار واجبات فرمایا تھا" **ورعایۃ الترتیب فیما تکرر** "کلام مذکور کے بعد فرمایا:

اقول قولہ"فیما تکرر"لیس قیدا یوجب نفی الحکم عماعداہ فان مراعاۃ الترتیب فی الارکان التی لایتکرر فی رکعۃ واحدۃ کالرکوع و نحوہ واجبۃ ایضا[1]۔	میں کہتا ہوں اس کا قول فیما تکرر (وہ افعال جن میں تکرار ہے) یہ ایسی قید نہیں جو دوسروں کی نفی کرے کیونکہ رعایت ترتیب ان افعال میں بھی واجب ہے جو ایک رکعت میں متعدد نہیں ہوتے مثلاً رکوع وغیرہ (ت)

اخیر میں اس تمام کلام پر تفریع فرمائی **فعلم ان رعایۃ الترتیب واجبۃ مطلقا**[2] (پس واضح ہوگیا کہ رعایت ترتیب مطلقاً واجب ہے۔ت) دیگر علمائے کرام نے مراد کو خوب واضح کردیا کہ ترتیب ہی کو واجب کہا گیا نہ کہ سجدہ ثانیہ کو علامہ اکمل الدین بابرتی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

(مراعاۃ الترتیب فیما شرع مکررا) یعنی فی الرکعۃ الواحدۃ کالسجدۃ الثانیۃ من الرکعۃ الاولٰی فان ترکھا ساھیا وقام واتم صلاتہ ثم تذکر فان علیہ ان یسجد السجدۃ المتروکۃ ویسجد للسھو لترک الترتیب[3]۔	(متکرر افعال میں رعایت ترتیب مطلقاً واجب ہے) یعنی رکعت واحدہ میں مثلاً پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ، جس نے اسے بھول کر چھوڑ دیا اور دوسری رکعت کی طرف کھڑا ہوگیا اور نماز پوری کرنے کے بعد متروکہ سجدہ یاد آیا تو اس پر لازم ہے کہ پہلے متروکہ سجدہ کرے پھر سجدہ سہو کرے کیونکہ ترتیب باقی نہ رہی۔(ت)

حلیہ میں ہے:

لو ترک السجدۃ الثانیۃ من الرکعۃ الاولٰی	اگر بھول کر پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ چھوڑ کر دوسری

[1] شرح الوقایۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ الرشید دہلی ۱/ ۱۶۱

[2] شرح الوقایۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ الرشید دہلی ۱/ ۱۶۲

[3] العنایۃ مع فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۱

سھو اوقام الی الرکعۃ الثانیۃ ثم تذکرھا فی اٰخر صلاتہ لم تسد صلاتہ بل یسجد المتروکۃ ثم یسجد للسھو لترک الترتیب لان ترک الواجب الاصلی ساھیا یوجب سجود السھو با لاتفاق[1]۔	رکعت کا قیام کیا پھر آخر نماز میں (متروکہ سجدہ) یاد آگیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ پہلے چھوڑا ہوا سجدہ کرے پھر ترک ترتیب کی وجہ سے سجدہ سہو کرے کیونکہ واجب اصل کو بھول کر چھوڑنے سے بالاتفاق سجدہ سہو لازم آتا ہے۔(ت)

جوہرہ نیّرہ میں ہے:

لو ترک السجدۃ الثانیۃ من الرکعۃ الاولی ساھیا وقام وصلی تمام صلاتہ ثم تذکرھا فعلیہ ان یسجد المتروکۃ ویسجد للسھو لترک الترتیب فیما شرع مکررا[2]۔	اگر پہلی رکعت کا دوسرا سجدہ بھول کر چھوڑ دیا اور دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا آخر میں نماز پوری کرنے پر متروکہ سجدہ یاد آیا تو اس پر لازم ہے پہلے متروکہ سجدہ ادا کرے پھر سجدہ سہو کرے کیونکہ ان افعال میں ترتیب متروک ہوگئی جو متکرر مشروع ہوئے تھے(ت)

فتح القدیر وغنیہ شرح منیہ وبحر الرائق وحاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

وھذا لفظ الغنیۃ مختصرا، اعلم ان المشروع فرضا فی الصلاۃ اربعۃ انواع مایتحد فی کل الصلاۃ کالقعدۃ او فی کل رکعۃ کالقیام و الرکوع وما یتعدد فی کلھا کالرکعات اوفی کل رکعۃ کالسجود فالترتیب شرط بین مایتحد فی کل الصلاۃ وبین جمیع ما سواہ من الثلثۃ الاخری حتی لوتذکر بعد القعدۃ قبل السلام او بعدہ قبل ان یاتی بمناف رکعۃ او سجدۃ صلبیۃ او سجدۃ تلاوۃ فعلھا واعادالقعدۃ وسجد للسھو[3] والترتیب بین	یہ اختصاراً غنیہ کے الفاظ ہیں نماز میں مشروع فرائض چار انواع کے ہیں ایک وہ جو پوری نماز میں ایک ہو مثلاً قعدہ، یا پوری رکعت میں ایک جیسے قیام ورکوع۔اور کچھ وہ ہیں جو پوری نماز میں متعدد ہوں جیسے سجود، بہرحال وُہ فرض جو پُوری نماز میں ایک ہو اور اسکے ماسوامذکورہ تینوں انواع کے درمیان ترتیب شرط ہے حتی کہ قعدہ کے بعد سلام سے پہلے یا بعد بشرطیکہ ابھی اس نے نماز کے منافی کوئی عمل نہ کیا ہو کسی کو متروکہ رکعت یا چھوڑا ہوا سجدہ نماز یا سجدہ تلاوت یاد آگیا تو پہلے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] الجوھرۃ النیرۃ باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۵۹

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی واجبات الصلٰوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۷

ما یتکرر فی کل رکعة کالسجود وبین مابعدہ واجب حتی لوترك سجدة من رکعة ثم تذکرھا فیما بعدھا من قیام او رکوع اوسجود فانه یقضیھا ولایقضی ما فعله قبل قضائھا مما ھو بعد رکعتھا من قیام او رکوع اوسجود بل یلزمه سجود السھو فحسب لکن اختلف فی لزوم قضاء ماتذکر فقضاھا فیه کمالو تذکروھو راکع او ساجد انه لم یسجد فی الرکعة التی قبلھا فانه یسجدھاو ھل یعید الرکوع اوالسجود المتذکر فیه ففی الھدایة انه لا یجب اعادته بل تستحسب معللا بان الترتیب لیس بفرض بین ما یتکرر من الافعال وفی فتاوٰی قاضی خان انه یعیدہ ولو لم یعدہ فسدت صلاته معللا بانه ارتفض بالعود الی ماقبله من الارکان لانه قبل الرفع منه یقبل الرفض بخلاف مالو تذکر السجدة بعد ما رفع من الرکوع لانه بعد ماتم بالرفع لا یقبل الرفض [1]۔	اسے بجالائے پھر قعدہ لوٹائے اور سجدہ سہو کرے (اس طرح نماز ہو جائے گی) اور پوری رکعت میں جو متکرر افعال ہیں مثلاً سجود میں، اور ان کے بعد والے افعال میں ترتیب لازم ہے حتی کہ اگر کسی نے ایک رکعت کا سجدہ ترک کر دیا اور بعد میں قیام، رکوع یا سجدہ میں یاد آیا تو سجدہ کو قضا کرے اسکی قضا سے پہلے اس سجدہ والی رکعت کے بعد جو کچھ قیام، رکوع یا سجدہ کرلیا ہے اس کا اعادہ نہ کرے بلکہ آخر میں صرف سجدہ سہو کرے کافی ہے لیکن چھوٹا ہوا سجدہ یاد آیا تو وہاں اس نے وہ سجدہ قضا کرلیا تو کیا یہ رکوع یا سجدہ قضا کرنا پڑے گا یا نہیں اس میں اختلاف ہے، تو ہدایہ میں ہے کہ اس رکن کا اعادہ واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے انہوں نے وجہ یہ بیان کی کہ تکرار والے افعال میں ترتیب فرض نہیں ہے۔اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ اس رکن کا اعادہ ضروری ہے، اگر اعادہ نہ کیا نماز فاسد ہوجائے گی۔ انھوں نے وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس رکن کو چھوڑ کر ماقبل کی طرف لوٹنے سے وہ رکن (درمیان میں چھوٹ گیا اور مکمل نہ ہوا) کیونکہ رکن مکمل کرکے اُٹھنے سے پہلے وہ مکمل نہیں ہوتا بخلاف جبکہ رکن کو مکمل کرکے اُٹھنے کے بعد چھُوٹا ہوا سجدہ یاد آئے اور قضا کرے تو رکوع کا اعادہ ضروری نہیں کیونکہ رکوع سے اُٹھنے پر رکوع مکمل ہوگیا تو اب رکوع کے چھوٹنے کا احتمال نہ رہا۔ (ت)

اب ان عبارات میں اُس فائدے کے علاوہ دو فائدہ زائدہ ہیں ایک سجدہ کو فرض مکرر کہنا، معلوم ہوا کہ دونوں سجدے فرض ہیں، دوم تعلیل کہ جب پہلی رکعت میں ایک سجدہ بھول گیا اور مثلاً دوسری کے رکوع میں یاد آیا کہ معًا اس کی

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی واجبات الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۷

قضا کرلی تو اس رکوع کا پھر اعادہ کرے کہ رکن سابق کی طرف عود کرنے سے یہ رکوع کان لم یکن یعنی کالعدم ہوگیا۔ معلوم ہوا کہ سجدہ ثانیہ صرف فرض ہی نہیں بلکہ رکن ہے اور ہدایہ میں جو اس رکوع کا اعادہ صرف مستحب جانا اور یہی راجح ہے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ جو فرض ایک رکعت میں مکرر ہے یعنی سجدہ اُس میں اور اسکے بعد فرائض مثلاً قیام و رکوع و سجود رکعت آئندہ میں ترتیب فرض نہیں صرف واجب ہے کہ اس کے ترک کی تلافی بسجدہ سہو حاصل، غرض مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہے مقدس مدرسین سے بنظرِ خیر خواہی گزارش کہ فرض قطعی واجماعِ امت کا انکار سہل نہیں لہذا اگر مناسب جانیں کلمہ واسلام و نکاح کی تجدید فرمالیں آئندہ احتیاط **وماالتوفیق الا باللہ العزیز الغفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۱۰: مرسلہ مظہر حسین امام مسجد گول بازار ضلع بلاسپور۔ سی۔ پی۔ دکان شیخ سلیمان عمر صاحب جنرل مرچنٹ ۲۷ محرم ۱۳۳۰ھ

زید نماز میں صرف بحالت رکوع و سجود الصاق کعبین کرتا ہے عمرو کہتا ہے کہ فعل وہابیوں کا ہے حرام ہے اور واجب الترک ہے حنفی لوگ اس فعل کو جائز سمجھیں یا مکروہ تحریمی؟

الجواب:

حاشاللہ نہ یہ فعل وہابیہ کا ہے نہ حرام نہ واجب الترک بلکہ رکوع میں الصاقِ کعبین غنیۃ شرح منیہ و جامع الرموز و مجتبی شرح قدوری و درمختار و حاشیہ حموی و فتح اللہ المعین و طحطاوی علی مراقی الفلاح و علی درمختار وغیرہا میں سنّت لکھا۔ **وقد ذکرنا نصوصھا جمیعًا فی فتاوٰنا** (ہم نے ان سب کی عبارات و نصوص کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ ت) دُرمختار میں ہے۔

سننھا تکبیر الرکوع والتسبیح فیہ ثلاثا والصاق کعبیہ۔[1]	نماز کی سنتیں تکبیر رکوع اس میں تین مرتبہ تسبیح اور ٹخنوں کا متصل کرنا ہے۔ (ت)

اسی کی صفۃ الصلاۃ میں ہے:

یفرج اصابعہ ویسن ان یلصق کعبیہ[2]۔	انگلیاں کُشادہ رکھے، اور ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ (ت)

اور سجدہ میں الصاق کعبین کو علامہ سیّد ابو مسعود الازہری نے حواشی کنز میں سنّت بتایا۔ سنن میں فرمایا: **الصاق کعبیہ فی السجود سنۃ**[3]۔ (سجود میں ٹخنوں کو ملانا سنت ہے۔ ت)

---

[1] دُرمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷۳

[2] دُرمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷۵

[3] فتح اللہ المعین مبحث سنن الصلاۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۷

صفۃ الصلاۃ میں فرمایا:

کما یسن الصاق الکعبین فی الرکوع فکذا فی السجود ایضا[1]۔	جیسا کہ رکوع میں ٹخنوں کا ملانا سنت ہے اسی طرح سجدہ میں بھی سنت ہے۔(ت)

ہاں در بارہ سجود یہ صرف انھیں کا بیان ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اُن کا اتباع کیا اور شرح علائی کا حوالہ سہواً واقع ہوا اس میں صرف در بارہ رکوع مذکور ہے اور علامہ شامی نے جو اس کی توجیہ فرمائی محلِ کلام ہے۔ طحطاوی علی الدر میں ہے:

قولہ یسن ان یلصق الخ ای فی الرکوع والسجود ابوالسعود[2]۔	اس کا قول "یسن ان یلصق "الخ (الصاق سنّت ہے یعنی رکوع اور سجدہ میں، ابوالسعود۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال السیّد ابوالسعود وکذا فی السجود (ایضا) وسبق فی السنن ایضا اھ والذی سبق ھوقولہ الصاق کعبیہ فی السجود سنۃ، در اھ ولا یخفی ان ھذا سبق نظرفان شارحنا لم یذکرذلك لا فی الدرالمختار ولا فی الدرالمنتقی ولم ارہ لغیرہ ایضا فافھم ، نعم ربمایفھم ذلك من انہ اذکان السنۃ فی الرکوع الصاق الکعبین ولم یذکروا تفریجھما بعدہ فالاصل بقاء وھما ملصقین فی حالۃ السجود ایضا تأمل[3] اھ مافی الشامی ورأیتنی کتبت علیہ مانصہ (**اقول**) تاملنا فلم نجدہ وافیًا فان الحرکۃ الانتقالیۃ	سیّد ابوالسعود کہتے ہیں اسی طرح سجود میں بھی، اور بیانِ سنن میں بھی گزر چکا ہے اور گزرے ہوئے قول کے الفاظ یہ ہیں کہ سجدہ میں الصاق کعبین سنّت ہے دراھ واضح رہے کہ ان کے اس قول (جو پیچھے گزر چکا ہے) میں نظر کی خطا ہے کیونکہ ہمارے شارح نے اسے نہ درمختار میں ذکر کیا اور نہ ہی درمنتقی میں، اور میں نے کسی غیر کی عبارت میں بھی یہ نہیں دیکھا اسے سمجھو، ہاں اکثر اوقات اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جب رکوع میں ٹخنوں کا ملانا سنّت ہے اور اس کے بعد ان کا کشادہ رکھنا انہوں نے بیان نہیں کیا تو اصل یہی ہے کہ حالت سجود میں بھی ٹخنے متصل ہی رہیں، غور سے سمجھ لو اھ شامی کا حاشیہ ختم۔ اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بھی شامی

[1] فتح المعین فصل واذا اراد الدخول فی الصّلٰوۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار فصل واذا اراد الدخول فی الصّلٰوۃ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۰

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۶۴

الی السجود ان خلی فیھا الطبع بالتفریج الا ان یحافظ علی الالصاق بالقصد الخاص ومثل ھذالایحتاج الی البیان بل الاختصار علی ذکرہ فی الرکوع دلیل علی انه لایطلب الا فیه والاذکروہ فی السجود ایضافاعرفه فان الامر واضح[1]۔	پر کچھ لکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں (اقول) ہم نے تامل کیا مگر ہم کاملًا اس مسئلہ کو نہ پاسکے کیونکہ حرکت انتقال سجدہ کی طرف اگر طبعًا و فطرتًا ہو تو اس صورت میں کشادگی ہوگی مگر اس صورت میں جب اتصال کا خصوصی اہتمام کیا جائے اور اس طرح کے مسائل کے بیان کی احتیاج نہیں بلکہ صرف رکوع میں اس کا تذکرہ ہونا دلیل ہے کہ صرف اسی میں اس کا مطالبہ ہے ورنہ اس کا تذکرہ سجدہ میں بھی کیا جاتا، اسے جان لے کیونکہ معاملہ واضح ہے (ت)

اور بعض متاخرین علمانے دربارہ رکوع بھی سنیت میں کلام کیا:

وله فی ذٰلك رسالة عندی واقصی مایقال ھنا ان عامة کتب المذھب خالیة عنه وانما انه بینه الزاھدی والباقون انما تبعوہ وقد بینت فی کتابی "کفل الفقیه الفاھم" ان الغرابة لاتندفع بکثرة الناقلین اذالم یکن مرجعھم الا واحدا لاسیما مثل الزاھدی۔	اس مسئلہ سے متعلق میرے پاس ایک رسالہ ہے، زیادہ سے زیادہ جو کہا جاسکتا ہے وُہ یہ ہے کہ عامہ کتب مذہب اس سے خالی ہیں صرف زاہدی نے اسے بیان کیا اور باقی فقہاء نے ان کی اتباع کی ہے اور میں نے اپنی کتاب "کفل الفقیه الفاھم"- میں یہ بیان کیا ہے کہ کثرت ناقلین کی وجہ سے غرابت ختم نہیں ہوجاتی جبکہ ان سب کا مرجع ایک ہو خصوصًا زاہدی جیسا آدمی (ت)

بہرحال اسے حرام و فعلِ وہابیہ کہنا نادانی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۱۱: مسئولہ از نجیب آباد و ضلع بجنور ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

نماز میں سبحانك اللھم پڑھنا فرض یا واجب، مقتدی سبحان ختم نہ کرنے پایا تھا کہ امام نے قرات شروع کردی اس کو ناتمام چھوڑ کر خاموش ہوجانا پڑے یا فورًا ختم کرکے خاموش ہوجانا چاہئے، ایک وہابی واعظ نے سبحانك اللھم کے بارہ میں ایک شخص سے یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر امام نے قرات شروع کردی ہو اور اب کوئی شخص اگر جماعت میں شامل ہو تو اس کو چاہئے کہ سبحانك اللھم اس طرح پڑھے کہ جہاں جہاں امام سانس لینے کی غرض سے ذرا بھی رکے اس وقت ایک ایک کلمہ بول کرکے سبحانك اللھم پڑھ لیا جائے مثلًا جب اوّل مرتبہ رکا تو فورًا کہے سبحنك اللھم پھر جب دوسری مرتبہ ٹھہرا تو کہے وبحمدك پھر جب تیسری بار سانس لے تو کہنا چاہئے وتبارك اسمك غرض اسی طرح ختم کرلیا جائے ایسا ہر نماز میں کرسکتے ہیں مگر مغرب میں خواہ پہلی رکعت میں شامل ہو یا دوسری میں سبحانك اللھم تیسری رکعت میں اور عشاء

---
[1] جدالممتار کتاب الصلوٰۃ المجمع الاسلامی مبارک پور ہند ۱/ ۲۴۳

میں تیسری یا چوتھی رکعت میں بھی پڑھ سکتے ہیں خواہ دوسری ہی رکعت میں شامل ہوں، کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟ بغیر سبحانک اللّٰھم کے نماز ہو جاتی یا نہیں؟

الجواب:

سبحانك اللھم اسی وقت پڑھ سکتے ہیں کہ امام قرأت باآواز شروع نہ کرلے جب قرأت جہری شروع کردی اب خاموش رہنا اور سننا فرض ہے، وہ جو وہابی نے بتایا کہ امام کی ٹھہرنے کی جگہ ایک ایک دو دو لفظ کہہ کر پورا کرے ضعیف وغیر مختار، اور جیسے استثناء کیا کہ ایسا ہر نماز میں کرسکتے ہیں مگر مغرب میں نہیں یہ محض باطل اور اسکی اپنی ایجاد ہے جس روایت ضعیفہ میں یہ طریقہ ہے اس میں مغرب میں بھی ایسا ہی ہے اور مذہب صحیح میں کہ اس کی اجازت نہیں فجر و مغرب و عشا کسی میں ایسا نہیں اور اس کا یہ کہنا بھی محض غلط ہے کہ جو دوسری رکعت میں شامل ہوا وہ تیسری یا چوتھی رکعت میں سبحانک پڑھ سکتا ہے ، سبحانک اللّٰھم کی جگہ ابتدائے نماز ہے جب دُوسری میں ملا تو تیسری یا چوتھی ابتدائے نماز کب ہے کہ اس میں پڑھے کہ اس میں سبحانک پڑھے، ہاں وہ جو ایک رکعت رہ گئی، بعد سلامِ امام جب اسے پڑھنے کے کھڑا ہو اس کی ابتداء میں پڑھے کہ یہ اس کی پہلی رکعت ہے سبحانك پڑھنا سنت ہے بغیر اس کے نماز ہو جاتی ہے مگر بلاضرورت ترک سنت کی اجازت نہیں اور عادت ڈالنے سے گناہگار ہوگا اور جو مثلاً پہلی رکعتِ جہریہ میں ملا اور قرأت شروع ہو جانے کے باعث سبحانك نہ پڑھ سکا اس پر کوئی الزام نہیں کہ اس نے یہ ترک ادائے فرض خاموشی کے لئے بحکم شرع کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۱۲: از موضوع منصور پور متصل ڈاکخانہ قصبہ شیش گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خان ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ دونوں سجدوں کے درمیان میں اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡلِیۡ وَارۡحَمۡنِیۡ وَاھۡدِنِیۡ (اے اللہ! مجھے بخش دے مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت فرما۔ت) پڑھنا چاہیئے امام کو یا مقتدی کو یا دونوں کو یا امام و مقتدی بلا اس کے پڑھے دونوں سجدے ادا کریں۔

الجواب:

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لی کہنا امام و مقتدی و منفرد سب کو مستحب ہے اور زیادہ طویل دعا سب کو مکروہ ہاں منفرد کو نوافل میں مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۱۳: از امرتسر دفتر پولیس مرسلہ عبدالعزیز ہیڈ کانسٹیبل ۲۷ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

بعد سلام علیک حضور کی خدمت میں میری عرض یہ ہے کہ مجھے درود شریف جو نماز میں پڑھا جاتا ہے

اس کی یا کسی دوسرے درود شریف کی جو سب درودوں سے افضل ہو اجازت فرمائیں مجھے درود شریف یا کلمہ شریف یا استغفار پڑھنے کا نہایت شوق ہے خدا حضور کو اجر دے گا عام طور پر راستہ چلتا ہوں و دیگر بازار وغیرہ جگہ میں بھی پڑھتا ہوں مجھے عام طور پر درود شریف ہر جگہ پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں، حضور برائے مہربانی تحریر فرمائیں میں ہر وقت وظیفہ رکھنا چاہتا ہوں یا آیت کریمہ کا یا کوئی دوسرا، یہ اس لئے کہ محبت خدا اور رسول کی پُورے طور پر حاصل ہوجائے، جناب مہربانی کرکے ضرور بالضرور جلد مجھے آگاہ کردیں، درود شریف یا کلمہ شریف اور استغفار کی نسبت ضرور بالضرور تحریر فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ تحریرِ حضور پر عملدرآمد ہوگا۔

الجواب:

سب درودوں سے افضل درود وہ ہے جو سب اعمال سے افضل یعنی نماز میں مقرر کیا گیا ہے درود شریف راہ چلتے بھی پڑھنے کی اجازت ہے جہاں نجاست پڑی ہو وہاں رُک جائے بہتر یہ ہے ایک وقت معین کرکے ایک عدد مقرر کرلے اُس قدر باوضو دوزانو ادب کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف منہ کرکے روزانہ عرض کیا کرے جس کی مقدار سَو بار سے کم نہ ہو زیادہ جس قدر نبھا سکے بہتر ہے، علاوہ اس اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے باوضو بے وضو ہر حال میں درود جاری رکھے، اور اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ ایک صیغہ خاص کا پابند نہ ہو بلکہ وقتاً فوقتاً مختلف صیغوں سے عرض کرتا رہے تاکہ حضورِ قلب میں فرق نہ ہو، درود شریف اور کلمہ طیبہ اور استغفار ان سب کی کثرت نہایت محبوب و مطلوب ہے، کلمہ طیبہ کو افضل الذکر فرمایا اور یہ کہ اللہ عزّوجل تک اُس کے پہنچنے میں روک نہیں اور استغفار کے لئے فرمایا شادمانی ہے اُسے جو اپنے نامہ اعمال میں استغفار بکثرت پائے اور اپنے تمام اوقات کو درود شریف میں صرف کردینے کو فرمایا کہ ایسا کرے گا تو اللہ تیرے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۱۴ تا ۴۱۷: ازکاہنور ضلع روہتک محلّہ سیمان مرسلہ بھورے خان ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) امام کے پیچھے مقتدی سورہ فاتحہ پڑھے یا نہ پڑھے؟

(۲) آمین باآوازِ بلند کہنا درست ہے یا نہیں

(۳) بجائے بیس رکعت تراویح کے آٹھ رکعت پڑھے تو درست ہے؟

(۴) بجائے تین وتر کے ایک وتر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مقتدی کو قرآن مجید پڑھنا مطلقاً جائز نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا	اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور

لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ [1]	خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبرفکبروا اذا قرأفانصتوا [2]۔	امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے جب تکبیر تحریمہ کہے تم تکبیر کہو جب قرات کرے خاموش رہو۔(ت)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

"مجھے تمنا ہے کہ جوامام کے پیچھے پڑھے اس کے منہ میں آگ ہو"۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

"قدرت پاتا تو اسکی (امام کے پیچھے پڑھنے والے کی) زبان کاٹ دیتا" **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) آمین بآواز بلند کہنا نماز میں مکروہ وخلافِ سنت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً [3]۔	تم اپنے رب کو عاجزی اور تواضع سے آہستہ آہستہ پکارو۔(ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واذقال ولا الضالین فقولوا اٰمین فان الامام یقولھا [4]۔	جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو کیونکہ امام اسے کہہ رہا ہے۔(ت)

---

[1] القرآن ۷/ ۲۰۴

[2] مصنّف ابن ابی شیبہ فی الامام یصلی جالسا مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۲۶

[3] القرآن ۷/ ۵۵

[4] سنن النسائی جہر الامام بآمین مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۱/ ۱۱۳

نوٹ: حدیث شریف کے الفاظ سنن نسائی میں ابوہریرہ کے حوالہ سے یوں منقول ہیں:

اذاقال الامام غیر المغضوب علیہم ولاالضالین فقولوا اٰمین فان الملئکۃ تقول اٰمین وان الامام یقول اٰمین۔

اور فتح الباری جلد دوم مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۱۹ میں یوں منقول ہیں:

اذقال الامام ولاالضالین فقولو اٰمین فان الملئکۃ تقول اٰمین و ان الامام یقول اٰمین ۔الحدیث۔ نذیر احمد سعیدی۔

(۳) تراویح بیس رکعت سنت مؤکدہ ہیں سنّت مؤکدہ کاترک بد ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ[1]۔	تم پر میری اور میرے خلفاءِ راشدین کی سنت لازم ہے اسے اپنی داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے تھام لو: (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

انه سیحدث بعدی اشیاء وان من احبھا الی لما احدث عمر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میرے بعد بہت سی اشیاء ایجاد ہوں گی ان میں سے مجھے وہ سب سے زیادہ پسند ہیں جو عمر ایجاد کریں گے۔ (ت)

(۴) ایک رکعت وتر خواہ نفل باطل محض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا آخری فعل تین رکعت وتر ہے:

وانما یؤخذ بالاٰخر فھو الاخر من فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	آپ کے آخری عمر کے اعمال پر عمل کیا جاتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل یہی ہے (ت)

اتنا یاد رہے کہ یہاں ان مسائل میں مخالفت کرنے والے غیر مقلدین وہابیہ ہیں جن پر بوجوہ کثیرہ ان کے ضالہ کے سبب کفر لازم، جس کی قدرے تفصیل ہمارے رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ میں ہے وہ کہ مسلمان ہی نہیں اُنھیں ایسے فروعی مسائل اسلامی میں نیا دخل دینے کا کیا حق، اُن سے تو اصول پر گرفت کی جائے گی کہ مقتدی فاتحہ پڑھے نہ پڑھے آمین جہر سے کہے یا آہستہ، تراویح آٹھ رکعت ہوں یا بیس، وتر ایک ہو یا تین یہ تو سب اس پر موقوف ہیں کہ نماز بھی صحیح ہو جس کا اسلام صحیح نہیں اس کی نماز کیسے صحیح ہو سکتی ہے وہ ان مسائل میں اِس طرف عمل کرے تو اُس کی نماز باطل، اُس طرف عمل کرے تو باطل، پھر لایعنی فضول زق زق سے کیا فائدہ! اور مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ نہ ان سے ملنا جائز، نہ اُن کی بات سننی جائز، نہ اس کے پاس بیٹھنا جائز۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد باب فی لزوم السنة مطبوعہ آفتاب پریس لاہور ۲/ ۲۷۹

[2] کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، فضائل فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی، مکتبہ التراث الاسلامی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲/ ۵۸۷

نوٹ: حدیث کے الفاظ کنزالعمال میں یوں منقول ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال سیحدث بعدی اشیاء فاحبھا الی ان تلزموا ما احدث عمر رضی اللہ عنه۔ نذیر احمد سعیدی

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ [1]	اور جب کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔(ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم [2]۔	تم ان سے سخت بچو کہ نہ وہ تمھیں گمراہ کریں نہ ہی فتنہ میں ڈالیں۔

مسئلہ نمبر ۴۱۸: از نرسنگڈھ سنٹرل انڈیا براہ سیہور مراسلہ میرزا محمد بیگ عرف میاں محمد صاحب وکیل ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، حامدًا و مصلیًا و مسلما۔ ہدیہ تسلیم بالوف التعظیم قبول ہو!

مزاج عالی! الحمد للہ علٰی احسانہ راقم بخیریت دعا گوئے عافیت مزاج سامی نرسنگڈھ میں انگریزی تعلیم کے ملحدانہ اثر کو بڑھتا ہوا دیکھ کر نیاز مند نے اور یہاں کے مسلمانوں نے ایک مدرسہ اسلامی جاری کیا ہے فی الحال بیس روپے ۲۰ ماہوار کا ایک مدرس نوکر رکھا ہے جس وقت بہت سے لوگوں کی درخواست آئی تھی میں نے دیوبند کے متعلق درخواست بالکل نامنظور کی، ایک صاحب مولوی شفاعت رسول خلف مولوی عنایت رسول جو خود کو جناب کا شاگرد اور مرید کہتے ہیں صرف جناب سے نسبت رکھنے کے سبب یہاں مقرر کئے گئے ہیں مگر حیرت ہے ان کی بعض باتوں پر قرآن شریف بالکل صحیح نہیں پڑھ سکتے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ میں نے سُنا آپ اشارہ بہ سبابہ التحیات میں نہیں کرتے، میں نے کہا ہاں اشارہ نہیں کرتا ہوں، فرمانے لگے کہ مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی تو اشارہ کرتے ہیں، میں نے کہا مجھ کو یقین نہیں آسکتا کیونکہ الکوکبۃ الشھابیۃ میں اس کی مفصل بحث بحوالہ کتب امام ربّانی موجود ہے چنانچہ جناب والا مجھ کو جب میں ۱۸۹۹ء میں حاضرِ خدمت ہوا تھا ۲ رسالے عطا فرمائے تھے اور میں نے وہ رسالہ مولوی شفاعت رسول کو دکھایا قاضی ریاض الدین جو مارہرہ شریف کے رہنے والے ہیں کہنے لگے بڑی حیرت کی بات ہے اگر مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی انگلی سے اشارہ کرتے ہوں چنانچہ جناب والا کی خدمت اقدس میں مکلّف ہوں کہ اس باب میں جناب والا کا کیا معمول ہے بواپسی مستفید فرمائیں میں نے اس باب میں مولوی عبدالحہ مرحوم کا رسالہ نفع المفتی والمسائل اور دیگر کتب مشکوٰۃ شریف و ہدایہ سب کو دیکھا ہے لیکن میں تو مقلد ہوں اور جمہور امّت کا جس پر اجماع و اتفاق ہے وہی میرا مسئلہ مختار ہے

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۰

جناب والا کے ارشاد سے اور مضبوطی ہوجائے گی اور یہ تعجب جو اجتماع نقیضین کے قبیل سے ہے رفع ہو جائیگا کہ جناب والا کتابوں میں ایسا لکھیں اور عمل اسکے خلاف ہو۔

الجواب:

وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اشارہ ضرور سنّت ہے۔ محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

صنعه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فنصنع کما صنعه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهوقول ابی حنیفة و اصحابنا[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تو ہم بھی اشارہ کرتے ہیں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا اور یہی مذہب امام اعظم ابو حنیفہ اور ہمارے اصحاب کا ہے۔

امام ملک العلماء نے بدائع اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر اور دیگر ائمہ کبار نے اس کی تحقیق فرمائی۔ فقیر اور فقیر کے آباء واساتذہ ومشائخ کرام قدست اسرارہم سب اس پر عامل رہے، مارہروی صاحب نے زیادہ نہیں تو حضرت شاہ ابوالحسن نوری میاں صاحب قدس سرہ کو ضرور دیکھا ہوگا۔ کوکبہ شہابیہ میں مسئلہ اشارہ کی بحث نہیں بلکہ اس بات کی اسمٰعیل دہلوی نے معاذ اللہ حضرت شیخ مجدّد کو بھی مشرک ٹھہرادیا ہے جو وجوہ انھوں نے یہاں لکھے اسماعیل کہتا ہے کہ ان کا قائل مشرک ہے اس کو تناقض سے کیا علاقہ، مولوی شفاعت رسول میرے ایک خالص دوست مرحوم ومغفور کے صاحبزادے ہیں اُن کو یہاں بیعت بھی ہے میرے مدرسہ میں پڑھا ہے اگرچہ مجھ سے نہ پڑھا نہ میں نے ان کا قرآن مجید سُنا، ممکن کہ جس طرح آجکل اکثر علماء و حفاظ غلط پڑھتے ہیں اُن پر بھی اسی عالمگیر بلا کا اثر ہو وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۱۹: از شہر دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ سید محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک پیش امام صاحب نماز کی حالت میں جب رکوع سے فارغ ہو کر سمع اللہ لمن حمدہ کو سجدہ کے قریب جاکر ختم کرکے بوصل اللہ اکبر کہتا ہے اور جگہ جو اماموں کو دیکھا ہے وہ سمع اللہ لمن حمدہ کو قیام میں ختم کرتے ہیں اور وہاں سے اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں۔ اب جو امام مسجد کے قریب سمع اللہ لمن حمدہ کو ختم کرتا ہے تو مقتدی ربنا لك الحمد کہاں پر کہیں، کھڑے رہیں یا امام کے ساتھ سجدے میں جاکر کہیں، اگر اسی طرح کریں گے تو ان

[1] بدائع الصنائع فصل فی سنن الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۱۴

جاہلوں کو عادت پڑ جائے گی، اور اب سوال یہ ہے کہ نماز میں کوئی نقصان نہیں ہوگا؟

الجواب:

سنّت یہ ہے کہ سمع اللّٰہ کا سین رکوع سے سر اُٹھانے کے ساتھ کہیں اور حمدہ کی "ہ" سیدھا ہونے کے ساتھ ختم، اسی طرح ہر تکبیرِ انتقال میں حکم ہے کہ ایک فعل سے دوسرے فعل کو جانے کی ابتداء کے ساتھ **اللّٰہ اکبر** کا الف شروع ہو اور ختم کے ساتھ ختم ہو، امام مذکور جو اس طرح کرتا ہے دو باتیں خلافِ سنت کرتا ہے۔ **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** کا سجدہ کو جاتے ہوئے ختم کرنا اور سجدہ کو جانے کی تکبیر سجدہ کو جھکنے کی ابتداء سے شروع نہ کرنا، ان وجوہ سے نماز دو کراہتوں سے مکروہ ہوتی ہے، اسے سمجھایا جائے کہ خلافِ سنّت نہ کر۔ اگر نہ مانے اور اس سے بہتر امام سُنّی صحیح العقیدہ صحیح القرأۃ صحیح الطہارۃ مل سکے تو اس کو بدل دیا جائے مقتدی خلافِ سنّت میں اسکی پیروی نہ کریں بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے ساتھ **اللّٰھم ربنا لك الحمد** کا الف اور جو صرف **ربنا لك الحمد** پڑھتا ہو وہ ربنا کی ر شروع کریں اور سیدھے ہوجانے کے ساتھ حمدہ کی دال ختم ہوجائے تو پھر سجدہ کو جانے کے ساتھ **اللّٰہ اکبر** کا الف شروع کریں اور اللّٰہ کے لام کو بڑھائیں جب سر رکھنے کے قریب پہنچیں تو اللّٰہ کی ہ اور عین سر زمین پر پہنچتے وقت **اکبر** کی ر ختم کریں۔ لام کو بڑھانا اس لئے کہ یہ راستہ طے کرنے میں اگر لام کو نہ بڑھایا تو اکبر سجدے میں پہنچنے سے ختم ہوجائے گا اور یہ خلافِ سنت ہے یا راستہ پورا کرنے کو اکبر کا الف یا ب بڑھائیں گے اور اس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ یا ر بڑھائیں گے اور یہ غلط و خلافِ سنت **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۲۰: از موضع میمونڈی بزرگ مسئولہ سیّد امیر عالم حسن صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ نماز فریضہ بجماعت جو شخص ادا کرلے تو اس پر لازم ہے کہ جب تک امام بعد سلام دُعا نہ مانگے تب تک مقتدی بھی دُعا نہ مانگے اگرچہ کیسا ہی ضروری کام خواہ نمازِ فجر ہو یا ظہر ہو یا عصر ہو یا مغرب یا عشاء، اگر امام سے پہلے دُعا مانگ کر مقتدی اُٹھ جائے گا تو وہ گناہگار ہوجائے گا اور امام کی اطاعت سے نکل جائیگا۔ عمرو کہتا ہے کہ اگر امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی امام کی اطاعت سے نکل گیا اب مقتدی کو اختیار ہے کہ انتظار دُعائے امام کرے یا نہ کرے اگر انتظار کیا تو فبہا ورنہ چلے آنے سے گناہگار نہ ہوگا اور نہ اطاعت امام سے دُور۔ اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ اسکا پُورا پُورا ثبوت کیوں نہ دیا جائے کہ زید کا قول ثابت ہے یا عمرو کا، اور اس کا بھی ثبوت دیا جائے کہ کھانے پر فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہیں اور غیر مقلد وہابڑا و تعلیم یافتہ مدرسہ دیوبند کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عمرو کا قول صحیح ہے ہاں جماعت کے ساتھ دعا میں برکت ہے اس کیلئے انتظار بہتر ہے اور اگر کوئی ضرورت جلدی کی ہو تو جاسکتا ہے کوئی حرج نہیں ورنہ مسلمانوں کی جماعت کے خلاف بات پسندیدہ نہیں، کھانے پر فاتحہ پڑھنا درست ہے اس میں کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں، جو نادرست کہے وہ بتائے کہ اللہ ورسول نے اسے منع فرمایا یا تم منع کرتے ہو اگر اللہ ورسول نے منع فرمایا تو بتاؤ اور اگر تم منع کرتے ہو تو تم شارع نہیں اپنا سر کھاؤ۔ غیر مقلد وہابی دیوبندی سب اسلام سے خارج ہیں اور ان کے پیچھے نماز باطل محض **والتفصیل فی حسام الحرمین والنھی الاکید وغیرھما** (اور اس مسئلہ کی تفصیل حسام الحرمین اور النھی الاکید وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ عورتوں کو نیت نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھنا چاہئے اور بوقت قعدہ التحیات میں دونوں پاؤں بچھا کر بیٹھنا چاہئے اور پاؤں کی گرہ بھی ڈھکی رکھنا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ گرہ نہ ڈھکی جائے۔ اب علماء دین فرمائیں کہ عورتوں کو نیت نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا اور قعدہ التحیات میں پاؤں بچھا کر بیٹھنا جائز ہے یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ مردوں کی طرح عورتوں کو بھی نماز پڑھنا چاہئے جس طرح مرد ایک پاؤں بچھا کر قعدہ میں بیٹھتے ہیں اور زیرِ ناف ہاتھ باندھتے ہیں اور پاؤں کی گرہیں کھلی رکھتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی چاہئے یعنی جو قاعدہ مردوں کی نماز کا ہے وہی عورتوں کا ہے۔ اب حضور سے امیدوار ہیں کہ اس کا پُورا پورا ثبوت حوالہ کتب وآیت وحدیث کے کیوں نہ دیا جائے کہ عورتوں کو کس طرح اور کس قاعدے سے نماز پڑھنا چاہئے۔

الجواب:

زید کا قول صحیح ہے سب کتابوں میں اس طرح ہے اُن بعض کا قول محض باطل ہے اور عورت کے گٹّے ستر عورت ہیں ان کا کھلنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۲۲: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مکان حضرت پیر صاحب مرسلہ حمیداللہ صاحب، پیر المعروف بہ نعمان ملا ۱۲صفر ۱۳۳۸ھ

رفع سبابہ کے بارے میں جناب کا کیا عمل ہے؟

الجواب:

فقیر اور فقیر کے آبائے کرام ومشائخ عظام واساتذہ اعلام قدست اسرارہم کا ہمیشہ معمول باتباع احادیث متواترہ وارشادات کتب متکاثرہ رفع سبابہ رہا اور اسے سنّت جانتا ہے تفصیل کلام بدائع امام ملک العلماء وفتح القدیر امام محقق علی الاطلاق وغیرہما کلمات شراح محققین وفتاوٰی فقیر میں ہے واللہ

تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۲۳: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبداللہ صاحب بنگالی ۱۴صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز کے بعد چاروں جہات میں کسی ایک جہت کو متوجہ ہو کر دُعا کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ہندوستان کے لئے ان چار جہتوں میں سے کوئی جہت مخصوص ہے یا نہیں؟

الجواب:

جہت قبلہ ہر جگہ افضل ہے مگر امام کے لئے کہ بعد سلام اسے قبلہ رو رہنا مکروہ ہے دہنے یا بائیں پھر جائے یا مقتدیوں کی طرف منہ کرلے اگر سامنے کوئی نماز نہ پڑھتا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۲۴: از قلعہ لنڈی کوتل ڈاکخانہ خاص ضلع پشاور بمعرفت شیر جان صوبیدار میجر خیبر رائفل مرسلہ ادخان شنواری ۲۴صفر ۱۳۳۸ھ

بخدمت جناب مولوی صاحب دام اقبالہ، اسلام علیکم ورحمۃ اللہ التحیات میں انگلی کا اشارہ کرنا منع ہے یا جائز، آپ مہربانی فرماکر بندے کو تحریر کریں کہ نماز میں انگلی کا اشارہ کرنا جائز ہے یا نہیں اور کس کس طریقہ پر جائز ہے؟

الجواب:

التحیات میں انگلی کا اشارہ سنّت ہے جب اشھد پر پہنچے چھنگلیا اور اس کے برابر کی انگلی کی گرہ باندھے اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی کا حلقہ بنائے اور "لا" پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور "الا" پر گرا کر ہاتھ کھول دے محرر مذہب سیّدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

صنعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فنصنع کما صنع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھوقول ابی حنیفۃ واصحابنا[1]۔	یہ اشارہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا تو ہم کریں گے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ اور ہمارے اصحاب کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۲۵، ۴۲۶: مرسلہ سید احمد حسین صاحب از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج بدایوں بتاریخ ۹ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

آپ ان مسئلوں میں کیافرماتے ہیں:

[1] بدائع الصنائع فصل فی سنن الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۱

(۱) جمعہ کے فرض کی نیّت کس طرح کرنا چاہئے اور بعد نماز جمعہ دو۲ رکعت کے کیا کیا پڑھنا چاہئے کل مفصل نماز لکھنا۔

(۲) اور درمیان نماز میں ہر **الحمد** شریف سے پہلے اور **قل ھو اللہ** شریف سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھنا چاہئے؟ **الحمد** شریف سے پہلے بسم اللہ کافی ہوگی یا **قل ھو اللہ** سے پہلے بھی پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

اتنی نیت کافی ہے کہ آج کے فرضِ جمعہ اور چاہے دو۲ رکعت بھی کہے اور بعضے یہ بھی بڑھاتے ہیں کہ واسطے ساقط کرنے ظہر کے، اس میں بھی کوئی حرج نہ حاجت، فرضِ جمعہ کے بعد چھ۶ رکعت نماز سنّت پڑھیں، چا۴ پھر دو۲، اور ان میں سنّت بعد جمعہ کی نیّت کریں اور پہلی چار میں قبل جمعہ کی۔ بعد کی سُنتیں پڑھ کر ۲ یا جتنے چاہیں نفل پڑھیں، ان سے زائد عام لوگوں کی حاجت نہیں۔

(۲) سورہ فاتحہ کی ابتداء میں تو تسمیہ پڑھنا سنّت ہے اور بعد کو اگر سورت یا شروع سورت کی آیتیں ملائے تو ان سے پہلے تسمیہ پڑھنا مستحب ہے پڑھے تو اچھا نہ پڑھے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر۷ ۴۲: از شہر گلی ملاناں محلّہ ذخیرہ مسئولہ سید مشتاق علی صاحب ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم جملہ اہل اسلام محلّہ ذخیرہ ساکنان بریلی گلی ملاناں نے تارکانِ صلاۃ کی تہدید وتاکید کے لئے اصحاب ذیل کو منتخب کیا اور ممبر بنایا ہے اس حضرات کو تارکانِ صلاۃ کے ساتھ ان کے عذرات توپُورا کرنے کے بعد کسی قسم کی کارروائی ازرُوئے شرع مطہر عمل میں لانا چاہئے۔ اسمائے گرامی ممبران ہادی حسین، شیخ مختار احمد، قرب محمد، محبوب حسن، مشتاق علی، سید حسین، عنایت حسین، سید اظہر علی ہر شخص کے نام کے نیچے انگوٹھے کا نشان ہے۔

الجواب:

بہ نرمی سمجھائیں ترک نماز وترک جماعت وترک مسجد پر قرآن عظیم واحادیث میں جو سخت وعیدیں ہیں بار بار سُنائیں جن کے دلوں میں ایمان ہے انھیں ضرور نفع پہنچے گا اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۵ [1]۔	اور سمجھاؤ کہ سمجھانا مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے (ت)

اللہ کے کلام واحکام یاد دلاؤ کہ بیشک ان کا یاد دلانا ایمان والوں کو نفع دے گا۔ اور جو کسی طرح نہ مانیں اُس پر اگر کسی کا دباؤ ہے اس کے ذریعے سے دباؤ ڈالیں اور یوں بھی باز نہ آئے تو اسے سلام وکلام، میل جول یک لخت ترک کردیں۔

---

[1] القرآن ۵۱/ ۵۵

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [1]	اور جب کبھی تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۲۸: از فیض آباد محلّہ کوکی علی بیگ مسئولہ سیّد عبداللہ صاحب سب انسپکٹر ۱۳ محرم ۱۳۳۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی پنج وقتی نماز و دیگر نوافل مثل تہجد وغیرہ میں زبان سے قرات نہیں کرتا بلکہ اپنی کل نمازوں میں زبان تالو سے لگا کر دلی خیال کے ساتھ ادا کرتا ہے۔قرآن شریف وکتاب ودرود شریف وغیرہ سب دھیان سے ادا کرتا ہے کہتا ہے کہ قرآن شریف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قلب پر القا ہوا تھا بایں وجہ بمقابلہ زبانی پڑھنے کے دل میں خیال کرنا زیادہ افضل وموجب مزید ثواب ہے زید اپنی زبان کو تالو سے لگا کر بالکل معطل اور بیکار کر دیتا ہے، زید کہتا ہے کہ یہ مسائل اہل ذوق اور اصفیاء کرام کے ہیں۔ظاہرین ان مسائل کو نہیں سمجھ سکتے۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس طریقہ مذکورہ بالا پر زید کی نماز صحیح اور اعلی درجے کی ہوئی یا نہیں، اگر اعلٰی درجے کی ہوئی ہے تو ہم لوگ بھی اسی طریقہ سے کیوں نہ پڑھیں کہ مستحق ثواب عظیم کے ہوں۔اور اگر زید کی نماز اس طریقہ مذکورہ پر صحیح نہیں ہوئی ہے تو زید کو اپنی ان نمازوں کی بابت جن کو وہ ادا کر چکا ہے کیا کرنا چاہئے، زید اگر امامت بھی کرتا ہے بس ایسی حالت میں زید کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں اور آئندہ زید کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں، اور جو مقتدی زید کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں ان کو اپنی نمازوں کی بابت کیا کرنا چاہئے؟ کیا لوٹانا واجب ہے؟

الجواب:

زید نے شریعت پر افترا کیا، صوفیہ کرام پر افترا کیا، اپنی نمازیں سب برباد کیں، اُس کی ایک نماز بھی نہیں ہوئی نہ اسکے پیچھے دوسروں کی ہوئی، اس پر فرض ہے کہ جتنی نمازیں ایسی پڑھی ہوں سب کی قضا کرے اور جتنی نمازیں اوروں نے اس کے پیچھے پڑھی ہیں اُن پر بھی فرض ہے کہ اُن کی قضا کریں۔قرآن عظیم، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ضرور قلب مبارک پر نازل ہوا مگر پڑھنے کیلئے۔قال اللہ تعالٰی

وَقُرۡاٰنًا فَرَقۡنٰهُ لِتَقۡرَاَهٗ عَلَی النَّاسِ عَلٰی مُکۡثٍ [2]۔	اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا کہ تم لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] القرآن ۱۷/ ۱۰۶

نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے قال اللہ تعالیٰ:

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ[1]۔	نماز میں قرآن پڑھو جتنا آسان ہو۔

اس کا نام پاک ہی قرآن ہے قرآن قراءت سے اور قراءت پڑھنا اور پڑھنا نہ ہوگا مگر زبان سے، دل میں تصوّر کرنے کو پڑھنا نہیں کہتے حالتِ جنابت میں قرآن پڑھنا حرام ہے اور تصوّر منع نہیں۔ نماز میں قراءتِ کلام مجید پر اجماع مسلمین کا خلاف جہنم کا خیال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵ ۔[2]	جو شخص ہدایت کے واضح ہوجانے کے بعد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے اور مومنین کی راہ کے علاوہ راہ پر چلتا ہے ہم پھیر دیں گے اسے اس راہ پر جس پر وُہ چلا اور اسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۴۲۹: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ شفیق احمد خان صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو آخری رکعت کے قعدہ میں کیا پڑھنا چاہیے۔

الجواب:

التحیات، درود، دُعا اگر اسے اوّل سے نماز ملی ہو اور اگر کسی رکعت کے پڑھنے کے بعد شامل ہوا تو امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں التحیات ٹھہر ٹھہر کر اس قدر ترتیل کے ساتھ پڑھے کہ اس کی التحیات امام کے سلام وقت ختم ہو، اور اگر یہ التحیات پڑھ چکا اور امام نے ابھی سلام نہ پھیرا تو پچھلے دونوں کلمہ شہادت بار بار پڑھتا رہے یہاں تک کہ امام سلام پھیرے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۳۰: از دھوراجی کاٹھیاواڑ مدرسہ سرمایہ فخر عالم مرسلہ مولینا مولوی غلام گیلانی صاحب ۷ صفر ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر نمازِ فرض یا نفل بیٹھ کر پڑھے جائیں تو سجدے میں پاؤں سے سُرین کو نہ اُٹھائے ورنہ نماز ٹوٹ جائے گی، چنانچہ طحاوی و عینی و ہدایہ و جواہر نفیسہ و کنز العباد و عنایہ و کفایہ نے اس کو ذکر کیا ہے **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن ۷۳/ ۲۰

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

الجواب: وھو الموفق للصدق والصواب والیہ المرجع والمأب

طحاوی وعینی، ہدایہ وکفایہ وعنایہ میں تو یہ مسئلہ بالکل نہیں غلط مشہور ہے ناقل پر تصحیح نقل ضروری ہے۔ جواہر نفیسہ، وکنز العباد دونوں ضعیف کتابیں ہیں اور اوّل غیر مشہور بھی ہے اور اس کا مصنف بہت ہی کم علم ہوا ہے چنانچہ اس کے دیکھنے سے پُورا حال اس کا معلوم ہوتا ہے اس میں بڑے ضعیف وخلافِ تحقیق وغلط مسائل ہیں ایک ہی جگہ میں بلاوجہ ترجیح "یجوز" و "لایجوز" کو جمع کیا ہوا ہے یہ چھوٹا سا رسالہ ہے عربی زبان میں جنازہ کے غسل وکفن دفن قبر وغیرہ کے متعلق مسائل بیان کئے ہیں، اور دوسری کا مصنف علی بن لقمہ غوری ہے اس کو ضعیف کہا ہے۔ علامہ مُلّا علی قاری نے وجمال الدین مرشدی نے مفید المفتی صفحہ ۱۹۴ اور علامہ شامی نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے۔ بعض کتابوں کے بیاض یا وقایہ پر یہ عبارت اس طور پر ہے:

من صلی قاعد افسجد لایرفع الیتیہ وان رفع الیتیہ فسدت صلاتہ فکذا رجلیہ کذافی المحیط الچلپی والاصل ان المریض او غیرہ اذاصلی قاعد الا یرفع الیتیہ کما لا یرفع رجلیہ فی السجود واذارفع رجلہ واحداوالیتیہ واحدۃ لاتفسد کذافی چلپی ابن الملك والمختار ان یقعد کما یقعد فی حالۃ التشھد وھوالذی اختارہ فقیہ ابواللیث و شمس الائمۃ السرخسی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ اذاحان وقت الرکوع والسجود ویقعد کما یقعد فی التشھد کذا فی العینی شرح الھدایۃ ص ۱۶ اھ	جو شخص بیٹھ کر نماز ادا کرے وہ سجدہ کے وقت سرین نہ اُٹھائے اگر اس نے سرین کو اُٹھایا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی، اسی طرح دونوں پاؤں کا حکم ہے محیط چلپی میں اسی طرح ہے اصل یہ ہے کہ مریض وغیرہ جب بیٹھ کر نماز پڑھے تو وہ سرین نہ اُٹھائے جیسا کہ سجدہ میں پاؤں نہیں اٹھاتا اور جب کسی نے ایک پاؤں اور ایک سرین اٹھایا تو نماز فاسد نہ ہوگی، چلپی ابن املک میں اسی طرح ہے، اور مختار یہ ہے کہ اسی طرح بیٹھ جائے جس طرح تشہد میں بیٹھتا ہے۔ اسے فقیہ ابواللیث وشمس الائمہ سرخسی نے اختیار کیا ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا جب رکوع و سجود کے وقت جھکے تو اس طرح بیٹھے جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔ عینی شرح ہدایہ صفحہ ۱۶ میں اسی طرح ہے اھ۔ (ت)

حالانکہ عینی وچلپی میں اس عبارت کا پتا بھی نہیں اور محیط متعدد ہیں معلوم نہیں کون سی محیط ہے وہ خود موجود نہیں جو دیکھی جائے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبارتیں مصنوعی ہیں جن کتابوں کا ذکر کرتے ہیں اُن میں اُن کا نشان تک نہیں۔

ایضًا یہ عبارت اگر کسی معتبر کتاب میں مل بھی جائے تو اس مطلب سے اُس کو مساس بھی نہیں کیونکہ عبارت اولیٰ میں جو دلیل بیان کی ہے لان الیتیہ فی صلٰوۃ القاعدہ الخ (قاعد کی نماز میں اسکے سرین الخ۔ت)

وہ دعوی مذکور پر منطبق نہیں ہوتی اگر یہ حالت سجدہ کا بیان ہوتا تو دلیل میں بجائے **واذارفع قدمیہ فی صلاۃ القائم** (جب قائم نے نماز میں دونوں قدم اُٹھالئے۔ت) کے **رفع قدمیہ فی السجود** (دونوں قدم حالتِ سجدہ میں اُٹھالئے۔ت) ہوتا ورنہ قید **فی صلاۃ القائم** سے لازم آتا ہے کہ صلاۃ قاعد میں **رفع قدمین فی السجود** مفسدِ صلاۃ نہ ہو اور صلاۃ قائم میں ہو حالانکہ اطلاق دلائل مبطل تفاوت ہے اس سے غالب ظن یہ ہوتا ہے کہ اس عبارت میں لفظ فسجد ناقل یا کاتب کی غلطی ہے، پس جبکہ اس لفظ کو غلط مانا جائے تو اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حالتِ قیام حکمی میں رفع الیتین نہ کرے ورنہ وہ ایسا ہوگا جیسے قیام حقیقی میں کوئی شخص رفع قدمین کرے کہ وہ مفسد صلاۃ ہے۔ پس اس تقریر پر یہ عبارت سائل کے مطلب سے ہے اور عبارت ثانیہ میں **لا یرفع الیتیہ** (سرین کو نہ اُٹھائے۔ت) کے ساتھ قید **فی السجدہ** کی بھی مذکور نہیں لہٰذا اس سے بھی وہی مراد ہوگی کہ **لا یرفع الیتیہ فی القیام الحکمی** (قیام حکمی میں سرین نہ اُٹھائے۔ت) اور آگے جو مشبہ بہ کے ساتھ **فی السجدۃ** مذکور ہے سو وہ محتمل ہے کہ صرف **لا یرفع رجلیہ** (پاؤں نہ اُٹھائے۔ت) کے ساتھ متعلق ہوا اور تشبیہ محض فساد میں ہوا اگر یہ احتمال متعین بھی نہ ہوتا ہم مستدل کو مضر ہے **لانہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال** (کیونکہ جب احتمال آگیا تو استدلال باطل ہوگیا۔ت)

ایضًا متون وشروح وفتاوی مشہور متداولہ بین ایدی العلماء میں جو مطلقًا سجدہ رجال کی ہیئت لکھی وہ اس کے خلاف ہے اور بقاعدہ رسم المفتی وہ مقدم ہیں۔ اس قدر کتب کا خالی ہونا اسی پر مشعر ہے کہ یہ مسئلہ عدم الوجود ہے یا غیر معتبر ہے۔ شامی جلد اول ص ۱۵۲ میں ہے:

عدم الذکر یشعر باختیار عدمہ ۱ھ	عدم ذکر واضح کررہا ہے کہ وہ مختار نہیں اھ (ت)

اُسی جلد ص ۱۷ میں ہے:

عدم الذکر کذکر العدم۔	عدمِ ذکر، ذکرِ عدم کی مانند ہے۔ (ت)

ایضًا سلف کا عمل اس پر نہیں پایا گیا لہٰذا اگرچہ صحیح بھی ہو اس پر عمل نہ ہوگا۔ شامی جلد اوّل ص ۳۰۸ طبع خورد میں ہے:

ھذا یعلم ولا یعمل علیہ لما فیہ من مخالفۃ السلف۔	یہ معلوم کرلیا جائے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں سلف کی مخالفت ہے۔ (ت)

ایضًا جواہر نفیسہ اور دوسری بعض کتابوں میں جو یہ مسئلہ بتایا جاتا ہے کتب غیر معتبرہ مجہولہ ہیں اور جو معتبرہ ہیں ان کا حوالہ غلط ہے اور ظاہر ہے کہ علم فقہ کا ایسے غیر مشہور و مجہول حواشی و فتاوٰی سے نہیں لیا جاتا اُسی شامی اُسی جلد میں ہے:

الفقه لاینقل من الهوامش المجهولة و ان قال معتمدا نه بخط ثقة [1]۔اھ	مسائل فقہ حواشی مجہولہ سے نقل نہیں کئے جاتے اگرچہ کوئی معتمد یہ کہے کہ یہ ثقہ کی تحریر ہے۔اھ (ت)

برخلاف استصحاب کے وُہ نقل کرنا حواشی مجہولہ سے بھی درست ہے،

لانه لتائید ابقاء ماکان علی ماکان فیکفی المدفع وان لم یکف المرفع فان الرفع اسهل من الدفع فافهم وتثبت ولاتهبت۔	کیونکہ یہ کسی شے کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھنے کی تائید کے لئے ہوتا ہے تو دافع کو کفایت کرے گا اگرچہ رافع کو کفایت نہ کرے کیونکہ رفع دفع سے اسہل ہے تو غور کر ثابت قدم رہ اور بزدل نہ بن۔(ت)

ایضًا یہ قول مخصص کا ہے اور یہ معتبر نہیں شامی جلد اول ص ۵۱۵ میں ہے۔ تخصیص القول یفید انه خلاف المعتمد [2] اھ (تخصیص قول مفید ہے اس بات کے کہ یہ معتمد کے خلاف ہے اھ۔ت)

ایضًا اس طرح سجدہ کرنے سے متعدد سُنتوں کا ترک لازم ہوتا ہے پس من حیث الدلیل بھی ضعیف ہے اگرچہ اس پر عمل و فتوٰی بھی ہو نہ ایک فقیہ و امام بلکہ بہت اماموں کا اُسی شامی جلد اول ص ۱۱۴ میں المرجح بقوۃ الدلیل ھو الارجح وان صرح بان الفتوٰی علی غیرہ اھ (جو قول قوت دلیل کی بنا پر ترجیح پائے وہ ہی ارجح ہوتا ہے اگرچہ اس بات پر تصریح ہو کہ فتوٰی اس کے غیر پر ہے اھ۔ت) ص ۸۱۶ میں ہے:

لیس للمفتی الافتاء بالضعیف ولاینتفی الضعف بافتاء کثیر من ائمة خوارزم [3]۔	مفتی کے لئے ضعیف پر فتوٰی جاری کرنا درست نہیں اور اکثر ائمہ خوارزم کے افتاء سے ضعف ختم نہیں ہو سکتا۔(ت)

ایضًا اس میں احتمال ہے کہ یہ امر بدعت ہو اذا تردد الحکم بین سنة وبدعة

---

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۴

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۴

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۴

کان ترکہ اولٰی[1]۔(جب کسی حکم کے سنّت اور بدعت ہونے میں تردّد ہو تو اس کا ترک اولٰی ہوتا ہے۔ت)

شامی جلد اوّل ص ۴۷۵، بحرالرائق جلد دوم ص ۱۷۸ میں ہے:

ماتردد بین بدعۃ وواجب یؤتی بہ اوبین سنۃ و بدعۃ فلایؤتی بہ[2]۔	جب کسی چیز کے بدعت اور واجب ہونے میں تردد ہو تو اس چیز پر عمل کیا جائے گا اور جب سنّت یا جس چیز کے سنّت و واجب ہونے میں تردد ہو تو پھر عمل نہیں کیا جائے گا اھ (ت)

اور ظاہر کہ اس طور پر سجدہ کرنا غیر معتبر ہے پس اگر یہ مسئلہ درست ہونے کی تقدیر پر جبکہ لوگوں سے نہ ہوسکے گا لوگ گناہگار ہوں گے اور اس میں حرج عظیم ہے۔شامی جلد ثالث ص ۲۳۹ میں ہے:

فیہ حرج عظیم لانہ یلزم منہ تاثیم الامۃ[3] اھ۔	اس میں حرج عظیم ہے کیونکہ اس سے امت کا گناہگار ہونا لازم آتا ہے اھ (ت)

لوگوں کے ساتھ یہی ارفق واوفق ہے کہ سجدہ میں سرین کو بلند کریں تاکہ سجدہ آسانی سے ادا ہوجائے۔شامی جلد پنجم ص ۳۴۶ میں ہے:

وھو ارفق باھل ھذا الزمان لئلایقع فی الفسق والعصیان[4] اھ	یہی اہل زمانہ کے لئے آسان ہے تاکہ وہ فسق اور عصیان (نافرمانی) میں واقع نہ ہوں اھ (ت)

اسی جگہ میں ہے:

لکن اطلاق المتون موافق لاطلاق الادلۃ ولکونہ ارفق باھل ھذاالزمان[5] اھ۔	متون کے اطلاق کو دلائل کے اطلاق کے ساتھ موافقت کی وجہ سے تقدیم حاصل ہوگی اور اس لئے بھی لوگوں کے لئے یہ نہایت ہی آسان ہے اھ (ت)

فقہ کی معتبر کتابوں میں یہ مسئلہ بالکل نہیں ہے اور تصوف واوراد کی کتابوں میں سے ناقل نے نقل کیا ہے کیونکہ کنزالعباد اوراد و وظائف کی کتاب ہے اور تکلیفیہ کا محل و باب کتب فقہ ہیں اور یہ قاعدہ فقہیہ ہے۔

---

[1] ردالمحتار مطلب اذترددالحکم بین سنۃ وبدعۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۵

[2] بحرالرائق آخر باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۵

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطئی من زفت الیہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷۰

[4] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی اللبس مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۹

[5] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی اللبس مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/۲۴۹

کہ جو مسئلہ مذکور ہو فی بابہ وہ اولٰی بالعمل ہوتا ہے اس سے جو کہ مذکور فی غیر بابہ ہو۔ شامی جلد ثالث میں ہے:

المسئلہ المذکورۃ فی بابہ اولی من المذکورۃ فی غیر بابہ [1] اھ۔	اپنے باب و فصل میں مذکورہ مسئلہ اس سے اولٰی بالعمل ہوتا ہے جو متعلقہ باب کے غیر میں مذکور ہوا اھ (ت)

مسائلِ فقہ کے لئے کنزالعباد کی تین کتابیں غیر مظنہ ہیں:

قال الحموی ما فی غیر المظنہ والکتب الغریبۃ یتوھم ان یکون ضعیفا [2] ص ۳۱	امام حموی کہتے ہیں جو غیر مظنہ اور کتب غریبہ میں ہو اس کے متعلق وہم ہوتا ہے کہ وہ ضعیف ہو اھ (ت)

کلام ائمہ بھی اسی کا مقتضی ہے کہ سجدہ میں رفع الیتین نہ کیا جائے ابوالسعود حاشیہ ملا مسکین علی الکنز میں ہے:

مایقضیہ کلام الائمۃ یوخذ بلا توقف [3] اھ ص ۳۲۴	کلام ائمہ جس کا تقاضا کرے اس پر بلا توقف عمل کیا جائے گا اھ (ت)

یہ مسئلہ فقیہ کا قول نہیں اگر ہو بھی تو بمقتضائے کلام ائمہ متروک ہو جائے گا۔ المسلک المتقسط میں ہے:

مقتضی کلام ائمۃ المذھب اولی بالاعتبار من کلام نعض المشائخ [4]۔	ائمہ مذہب کے کلام کا مقتضٰی باعتبار بعض مشائخ کے کلام سے اولٰی ہوتا ہے (ت)

یہ مسئلہ کسی صورت سے ثابت نہیں ہوتا اور جب تک ثابت نہ ہوسکے عمل اصل ہی پر ہوگا اور وہ نفی ہے یعنی نفی عمل، اسی مسلک المتقسط میں ہے:

الاصل ھو النفی حتی یتحقق الثبوت [5] اھ۔	جو چیز ثابت نہ ہو اس کی اصل نفی ہے۔ اھ (ت)

غرض یہ مسئلہ غلط ہے آدابِ نماز سے بھی نہیں ہوسکتا ہے اور ذکر بھی نہیں ہوسکتا ہے اس کا ایک آدھ رسالہ بے سروپا میں ہے اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ بہت سی جگہوں میں مذکور ہے تو بھی کثرت نقول مستلزم صحت کو نہیں پہلے ایک

[1] ردالمحتار باب الوطء الذی یوجب الحد والذی یوجبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۲

[2] حاشیہ حموی مع الاشباہ والنظائر مقدمۃ الکتاب مطبوعہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/ ۱۶

[3] فتح المعین باب الصلٰوۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۴

[4] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری فصل فی تمتع المکی مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۱۹۰

[5] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری فصل فی رکعتی الطواف مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۱۱۰

شخص کو غلطی ہوجاتی ہے اور بعد کے لوگ اس کی غلطی بظنِ صحت نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔شامی جلد ۴ ص ۳۵۱ میں ہے:

قد یقع کثیرا ان مؤلفایذکر شیئاخطأ فینقلونه بلا تنبیه فلیکثر الناقلون واصله لواحدمخطیٔ[1]	اکثر ایسا واقع ہوا ہے کہ مؤلف سے کوئی غلطی ہوگئی تو لوگ اسے بلاتنبیہ نقل کرتے رہتے ہیں حتی کہ اس کے ناقلین کثیر ہوجاتے ہیں حالانکہ اصل کے اعتبار سے ایک مخطی ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر مدعی اس امر کا بعد عرق ریزی کے ثابت بھی کردے کہ یہ ہی مطلب ہے اور فلاں فلاں کتاب میں اس کو لکھا ہے تو بنا بر تسلیم یہ جواب ہے کہ یہ قول مخطی کا ہے جبکہ شرح وقایہ کے متفرق الحواشی میں ہے:

قال الشیخ الامام الفاضل المحقق ابو عبیدالله فی صلاۃ النافلة قاعدا ثلثة اقوال، قول الروافض، وقول اھل السنة والجماعة ، وقول المخطی اما قول الروافض فھم یقولون ان المصلی اذاصلی النافلة قاعدا فصلاته کصلاۃ القائم الا اذا رکع وسجد یرفع الالیتین فی الرکوع والسجود ولانھم قالواصلاته علی صلاۃ القائم واما قول المخطی فھو یقول لا یرفع الالیتین لا فی الرکوع ولافی السجود لان نبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعل کذٰلك واماقول اھل السنة والجماعة فھو یقولون بعدم الرفع فی حال الرکوع و بالرفع فی حال السجود والمخطی رأی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من بعید ولم یقف بحاله علیه الصلٰوۃ والسلام او لعله صلی فی حالة المرض بالایماء کما ھوشان الرکوع والسجود للمومی فی الصلاۃ وسجد	شیخ فاضل محقق ابوعبیدالله نے کہا کہ بیٹھ کر نوافل ادا کرنے کے بارے میں تین اقوال ہیں ، روافض کا قول ، اہلسنت وجماعت کا قول اور خطا کرنے والے کا قول۔(تفصیل) روافض کا قول یہ ہے وہ کہتے ہیں نمازی جب نوافل بیٹھ کر ادا کرے تو اس کی نماز قائم کی طرح ہی ہے البتہ وہ رکوع وسجدہ کے وقت سرین بلند کرے۔ اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کی نماز (کا درجہ) قائم کی نماز کی طرح ہے۔خطا کرنے والے کا قول یہ ہے کہ وہ کہتا ہے رکوع اور سجود دونوں وقت سرین نہ اُٹھائے کیونکہ نبی اکرم صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا ہے۔ اہلسنت وجماعت کہتے ہیں حالت رکوع میں سرین نہ اُٹھائے لیکن حالت سجود میں اُٹھائے،اور خطا کرنے والے نے حضور صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کو دور سے دیکھا لہٰذا وہ کامل طور پر آپ علیہ الصلٰوۃ والسّلام کے حال سے آگاہ نہ ہوسکا یا یہ بھی امکان ہے کہ نبی اکرم صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے

[1] ردالمحتار باب المتفرقات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۵۲

اخفض قریبا من الرکوع قریبا من الارض ولم یرفع الیتیه لان فی هذه الصلاۃ لا یحتاج المصلی الی رفعهما فظن الرائی انه علیه الصلاۃ والسلام صلی فی حالة الصحة قاعدا وسجد بوضع الجبهة علی الارض ولم یرفع الیتیه فحکم علی الاطلاق کما فی مسح العمامة اخطأ الرائی حیث مسح النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی رأسه ثم وضع العمامة علی الرأس وظن ان مسح العمامة تجوز بدلا عن مسح الراس والحال انه علیه الصلاۃ والسلام لم یمسح علی العمامة هذا کتبه العبد المذنب الجانی القاضی غلام گیلانی السنی الحنفی النقشبندی الرضوی کان اللّٰه له ولمشائخه اٰمین بحرمة النبی الامن الامین۔	حالتِ مرض میں اس طرح اشارہ کے ساتھ نماز ادا فرمائی ہو جس طرح اشارہ سے نماز ادا کرنے والا نمازی رکوع و سجود ادا کرتا ہے آپ نے سجدہ زمین کے قریب رکوع سے زیادہ جھک کر کیا ہو اور پچھلے حصے کو نہ اُٹھایا ہو کیونکہ اس حالت میں نمازی سرینوں کو اُٹھانے کا محتاج ہی نہیں ہوتا تو دیکھنے والے نے گمان کرلیا کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حالتِ صحت میں بیٹھ کر نماز ادا فرمائی ہے اور سجدہ کے وقت پیشانی زمین پر رکھی اور جسم کے پچھلے حصے کو نہ اُٹھایا تو اس نے مطلقًا حکم جاری کردیا جیسا کہ عمامہ پر مسح کے معاملے میں دیکھنے والے سے خطا ہوئی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سرِ اقدس پر مسح فرمایا پھر عمامہ پر مسح سر کے مسح کے بدلہ میں جائز ہے حالانکہ آقائے دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمامہ پر مسح نہیں فرمایا تھا یہ الفاظ ایک گناہگار بندے قاضی غلام جیلانی سنّی حنفی نقشبندی رضوی نے لکھے ہیں اللہ تعالٰی نبی امین کے صدقے اسکا اور اسکے مشائخ کا ہوجائے۔(ت)

الجواب:

الحمد للّٰه وحده (تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو وحدہ لا شریك ہے۔ت) فاضل سلمہ القریب المجیب نے جو حکم تحقیق فرمایا وہی صحیح و حق صریح ہے اور سجدہ قاعدہ میں رفع الیتین مفسد صلاۃ ہونا زعم باطل و مردود و قبیح ہے اور جن معتبر معتمد کتابوں کا مدعی نے نام لیا ان سب پر محض افترا ہے اور جو وہم دلیل بنام دلیل ذکر کیا یکسر پادر ہوا ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد و نسائی و ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعة اعظم	میرے رب نے مجھے حکم فرمایا کہ سات استخوانوں پر سجدہ

علی الجبھة والیدین والرکبتین واطراف القدمین[1]۔	کروں پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں زانو اور دونوں پاؤں کے نیچے۔

ان میں دونوں سرین ملانا زیادت فی الشرع ہے اور زیادت فی الشرع حرام،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھورد[2] اخرجه البخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ عنہا۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہمارے اس امر (شرع) میں بدعت ایجاد کی جو شریعت سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔بخاری و مسلم و ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور زیادت بھی اس ادعا سے کہ فرض ہے اور اسکا ترک مفسد نماز اس کے ثبوت کو تو احادیث احادہ بھی ناکافی ہوتیں کما تقرر فی مقرہ وعلم من صنیع صحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فی سورۃ الفاتحه و غیرھا (جیسا کہ اپنے مقام پر اسکی تقریر ہوچکی ہے اور سورۃ فاتحہ وغیرہا سے متعلق ہمارے اصحاب احناف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے طریقہ سے معلوم ہوچکا ہے۔ت) نہ کہ وہ کہ جس کا پتانہ حدیث میں نہ فقہ میں جس پر دلیل درکنار شبہہ تک نہیں ایسی جگہ غیر فرض کو فرض بتانا بہت سخت حکم رکھتا ہے فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾[3] (کیاتم باز نہیں آوگے۔ت) اول تو الیتین کی بجائے قدمین ہونے پر کیا دلیل اور بفرض غلط ہو بھی تو قعود میں کہ صلاۃ القاعد میں بجائے قیام ہے اور مفہوم قعود میں الصاق الیتین داخل کمافی بدائع ملک العلماء (جیسا کہ بدائع ملک العلماء میں ہے۔ت) سجود کہ نہ قیام ہے نہ قعود نہ الصاق مذکور اس سے مفہوم نہ اُس میں مقصود بلکہ سجدہ رجال میں احادیث متوترہ قولیہ وفعلیہ و نصوص متظافرہ متون وشروح و فتاوٰی فقہیہ میں صراحۃً اس کی نفی موجود اس میں الصاق مذکور سے نفی کراہت و مخالفت سنّت بھی قطعًا مردود نہ کہ ادعائے فرضیت کہ اشنع باطل واخنع مطرود ونسأل اللہ العفو والعافیة ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ الغفور الودود واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۳۱: از مولوی عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

رکوع کرتے وقت نظر کس جگہ رکھنا چاہئے؟

---

[1] صحیح البخاری باب السجود علی الانف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲

[2] صحیح البخاری باب اذا اصطلحوا علی صلح جورٍ فھو مردود مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۱

[3] القرآن ۵/ ۹۱

الجواب:

رکوع میں قدموں پر نظر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**

مسئلہ نمبر ۴۳۲: از کلکتہ بلگچھیا مدرسہ عظیمیہ مسئولہ تصدق حسین صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ فریضہ نمازوں کے بعد دُعا مانگ کر ہاتھوں کو منہ پر ملتے ہوئے زور کی آواز کے ساتھ چومنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نماز کے بعد دُعا مانگنا سنّت ہے اور ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا اور بعد دُعا منہ پر ہاتھ پھیر لینا یہ بھی سنّت سے ثابت ہے مگر چومنا کہیں ثابت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۳۳: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ **الحمد** شریف کے بعد آمین آہستہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ امام سورہ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے یا نہیں؟ اور جماعت کے ساتھ مقتدی بھی کہے یا نہیں؟ منفرد کو تیسری چوتھی رکعت میں آمین کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں اور زبان سے نکل جائے تو سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نماز کی ہر رکعت میں امام و منفرد کو **ولا الضالین** کے بعد **آمین** کہنا سنّت ہے۔ جہری نماز میں مقتدی بھی ہر رکعت میں کہیں اور غیر جہری رکعت یا سری نماز میں **ولا الضالین** ایسی خفی آواز میں کہا کہ اس کے کان تک پہنچی تو اس وقت بھی یہ آمین کہے ورنہ نہیں اور آمین سے سجدہ سہو کسی وقت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۳۴: از شہر محلّہ گڑھیا مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب بریلوی ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

عالی جاہ دام ظلکم۔ اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر کوئی شخص ٹھہری ہوئی ریل میں قبلہ رُخ ہو کر اس طرح نماز پڑھے کہ ریل کی دونوں پٹڑیوں کے درمیان جو جگہ خالی ہے اس میں کھڑا ہو کر رکوع کرے اور کوتاہی جگہ سے ایک پٹڑی پر سرین رکھ کر دوسری پٹڑی پر سجدہ کرے اور پاؤں اسی خالی جگہ میں قائم رہیں یونہی پیچھے کی پٹڑی پر بیٹھ کر اور آگے پاؤں ٹکا کر جلسہ قعدہ کرے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مولٰنا اکرمکم اللہ وعلیکم السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس طرح سجدہ ہرگز ادا نہ ہوگا۔ نماز نہ ہوگی اور ایسا قعدہ بھی محض خلافِ سنّت اور اسکی ضرورت بھی نہیں۔ قعدہ میں پاؤں سمیٹ کر اسی خالی جگہ میں

بیٹھ سکتا ہے اور سجدہ کیلئے سر ذرا خم کرکے سامنے کی پٹڑی کے نیچے داخل کرکے بخوبی ادا کرسکتا ہے میں نے بارہا اس طرح ادا کی ہے۔جب مولانا عبدالقادر رحمہ اللہ تعالٰی کی ہمراہی میں تیسرے درجے میں سفر کرنا ہوتا تھا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۳۵: مرسلہ مولوی سید غلام امام صاحب سیہسوانی ۳جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

بخدمت مولوی صاحب سر جمیع اہل فضل وکمال مسلم الشرف والعلا ابقاھم اللہ دائم البقا علی الطریق المسنون۔السلام علیکم و بطریقے ومرادے ہزاروں دُعا و ثنائے خلق عالم نوازہ وسلام مخلصانہ کے بعد کچھ تصدیق ہے آپ کے روبرو ایک جمعہ کی نماز کے بعد میں ذکر فضیلتِ عمامہ کا جو آپ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے اور کچھ عربی فقرہ بھی پڑھا تھا لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اگر میری یاد صحیح ہے تو اُس کو لکھ کر عنایت فرمائیں میں نہایت ممنونی موروثی کے ساتھ شکر عنایت عالی کو اچھا ضمیمہ کروں گا۔فقط

الجواب:

جنابِ من ادام اللہ تعالٰی کرامتکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فضل صلاۃ بالعمامۃ میں احادیث مروی وہ اگرچہ ضعاف ہیں مگر در بارہ فضائل ضعاف مقبول اور عندالتحقیق ان پر حکم بالوضع محل کلام۔

حدیث اوّل: اخرج الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ عزوجل وملٰئکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ[1] یعنی بیشک اللہ عزوجل اور اسکے فرشتے جمعہ میں عمامہ باندھے ہوؤں پر درود بھیجتے ہیں۔

اقتصر الحافظان العراقی والعسقلانی فی تخریجی احادیث الاحیاء والرافعی علی تضعیفہ قالہ السیوطی فی اللاٰلی واورد الحدیث فی جامعہ الصغیر ملتزما ان لایورد فیہ موضوعا۔	دو حفاظ محدثین عراقی اور عسقلانی نے تخریج احادیث احیاء علوم الدین اور تخریج احادیث الرافعی الکبیر میں اس کی تضعیف پر اقتصار کیا ہے یہ بات سیوطی نے اللآلی میں بیان کی ہے اور اپنی کتاب جامع صغیر میں اسے نقل کیا ہے حالانکہ انہوں نے اس کتاب جامع صغیر میں اس بات کا التزام کر رکھا ہے کہ کوئی موضوع روایت اس میں ذکر نہ کی جائے گی۔(ت)

[1] مجمع الزوائد باب اللباس للجمعۃ مطبوعہ دارالکتاب ۲/ ۱۷۶، الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۸۱۷ مطبوعہ دارالعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۰

حدیث دوم: ابن عساکر والدیلمی وابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول صلاۃ تطوع او فریضۃ بعمامۃ تعدل خمساو عشرین صلاۃ بلا عمامۃ و جمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ[1]۔ یعنی ایک نماز نفل ہو یا فرض عمامہ کے ساتھ پچیس نماز بے عمامہ کے برابر ہے اور ایک جمعہ عمامہ کے ساتھ ستّر جمعہ بے عمامہ کے ہمسر۔

فیہ مجاھیل **قلت** ولیس فیھم کذاب ولا وضاع ولامتھم بہ ولا فیہ ما یردہ الشرع اور یحیلہ العقل وقد اوردہ السیوطی فی الجامع الصغیر۔	اس میں مجہول راوی ہیں **قلت** (میں کہتا ہوں) ان میں سے کوئی بھی کذاب اور وضّاع (حدیث گھڑنے والا) نہیں اور نہ ہی کوئی متہم بالوضع ہے اور نہ اس میں کوئی ایسی چیز ہے جس کو شریعت رد کرتی ہو یا اسے عقل محال تصور کرتی ہو، اسے امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا ہے۔(ت)

حدیث سوم: الدیلمی عن انس رضی اللہ تعالٰی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلاۃ فی العمامۃ تعدل بعشرۃ الاف حسنۃ[2]۔ یعنی عمامہ میں نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے۔

ھذا ضعیف جدافیہ ابان متروک واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ نہایت ہی ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابان متروک ہے۔ ت

مسئلہ نمبر ۴۳۶: از پٹنہ مرسلہ ابوالمساکین مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد سلام امام کو پنجوقتہ نماز میں داہنے بائیں پھر کے دُعا مانگنا چاہئے یا صرف فجر وعصر میں۔

الجواب:

کسی نماز میں امام کو ہر گز نہ چاہئے کہ وہ روبقبلہ بیٹھا رہے انصراف مطلقًا ضرور ہے صرح بہ فی الذخیرۃ

---

[1] مرقات بحوالہ ابن عساکر الفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰ کنز العمال بحوالہ ابن عساکر فرع فی العمائم مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۳۰۶

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۸۰۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۴۰۶

نوٹ: جس کتاب سے حوالہ دیا گیا ہے اس کتاب کے الفاظِ حدیث میں "تعدل" کا لفظ نہیں ہے اور بجائے "الاف" کے "الف" ہے، الفاظِ حدیث یوں ہیں: "الصلٰوۃ فی العمامۃ عشرۃ الف حسنۃ"۔ نذیر احمد سعیدی

والحلیۃ وغیرھما (اس پر ذخیرہ اور حلیہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) البتہ ظہر و مغرب وعشاء کے بعد دعا میں زیادہ اطالت نہ ہو اور جبکہ معمول مقتدیان ہے کہ تافراغِ دعا پابندِ امام رہتے ہیں ایسی تطویل کہ کسی مقتدی پر ثقیل ہو مطلقاً منع ہے **وتحقیق المسألۃ فی فتاوی الفقیر غفر اللہ تعالٰی لہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۳۷: از بریلی محلّہ ذخیرہ مرسلہ شیخ محمد حسین ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید کہتا ہے کہ ہر ایک مسلمان مرد وعورت عاقل و بالغ پر جیسے کہ نماز پڑھنا فرض ہے ویسے ہی نماز کے معنی اپنی زبان میں یاد کرلینا بھی فرض ہے پھر وقت نماز کے جو لفظ زبان عربی میں پڑھا جائے اُس کے معنی بغور دل میں سمجھ لینا بھی فرض ہے پس باوجود طاقت ہونے کے سیکھنے سکھانے میں سُستی کرے یا معنی جانتا ہے اور وقت پر بے غوری کرے ایسے شخص کی نماز کا پھل کیا ہوگا دنیاو آخرت میں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان دونوں باتوں میں کچھ فرض نہیں بغیر ان کے بھی سر سے فرض اُتر جانے کا پھل حاصل ہے۔

فی الاشباہ لاتحسب اعادتھا لترك الخشوع[1] و فی الغمز عن الملتقط قول بعض الزھاد من لم یکن قلبہ فی الصلاۃ (مع الصلٰوۃ) لا قیمۃ لصلاتہ لیس بشیئ[2] الخ	اشباہ میں ہے ترک خشوع کی بناپر نماز کا اعادہ مستحب نہیں، اور غمز میں ملتقط کے حوالے سے ہے کہ بعض زاہدوں کے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں کہ جس کا دل نماز میں حاضر نہ ہو اس کی نماز کی کوئی قیمت نہیں الخ (ت)

ہاں نماز کا کمال نماز کا نور نماز کی خُوبی فہم وتدبّر و حضور قلب پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۳۸: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۷ ذیقعد ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تمام فرائض پنجگانہ کے بعد امام کو شمال یا جنوب کی طرف پھر جانا دُعا کے واسطے واجب یا مستحب ہے یا نہیں اور سوائے عصر وفجر کے فرائض سہ گانہ کے بعد اگر نہ پھرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بعد سلام قبلہ رُو بیٹھا رہنا ہر نماز میں مکروہ ہے وہ شمال و جنوب و مشرق میں مختار ہے مگر جب کوئی

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الصّلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۱۲

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الصّلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۱۲

مسبوق اس کے محاذات میں اگرچہ اخیر صف میں نماز پڑھ رہا ہو تو مشرق یعنی جانبِ مقتدیان منہ نہ کرے، بہر حال پھر نامطلوب ہے اگر نہ پھرا اور قبلہ رُو بیٹھا رہا تو مبتلائے کراہت و تارک سنّت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۳۹: قازاروہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ جناب محمد صادق علی صاحب رمضان شریف ۱۳۳۰ھ

اکثر دیہات میں نماز پڑھ کر جب اُٹھتے ہیں کونا مصلّی کا اُلٹ دیتے ہیں اس کا شرعًا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:

ابن عساکر نے تاریخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیاطین یستمتعون بثیابکم فاذانزع احدکم ثوبہ فلیطوہ حتی ترجع الیھا انفاسھا فان الشیطان لایلبس ثوبا مطویا[1]۔	شیطان تمہارے کپڑے اپنے استعمال میں لاتے ہیں تو کپڑا اتار کر تہہ کر دیا کرو کہ اس کا دام راست ہو جائے کہ شیطان تہہ کئے کپڑے نہیں پہنتا۔

معجم اوسط طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

أطووا ثیابکم ترجع الیھا ارواحھا.فان الشیطان اذا وجد الثوب مطویا لم یلبسہ ، وان وجدہ منشورا لبسہ[2]۔	کپڑے لپیٹ دیا کرو کہ ان کی جان میں جان آجائے اس لئے کہ شیطان جس کپڑے کو لپٹا ہوا دیکھتا ہے اسے نہیں پہنتا اور جسے پھیلا ہوا پاتا ہے اسے پہنتا ہے۔(ت)

ابن ابی الدنیا نے قیس ابن ابی حازم سے روایت کی:

قال ما من فراش یکون مفروشا لاینام علیہ احد الا نام علیہ الشیطان[3]۔	فرمایا جہاں کوئی بچھونا بچھا ہو جس پر کوئی سوتا نہ ہو اس پر شیطان سوتا ہے۔(ت)

ان احادیث سے اُس کی اصل نکل سکتی ہے اور پورا لپیٹ دینا بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر الباب الثالث فی اللباس منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۲۹۹

[2] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۵۶۹۸ مکتبۃ المعارف، الریاض ۶/ ۳۲۸

[3] ابن ابی الدنیا

مسئلہ نمبر ۴۴۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سیّد صابر جیلانی صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر پیروں کے نیچے کپڑانہ ہو اور صرف زانو اور سجدہ کی جگہ ہو تو نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

نماز ہوجائے گی اور بہتر اس کا عکس ہے پاؤں کی احتیاط پیشانی سے زیادہ ہے ولہٰذا اگر انگرکھا یا کُرتا بچھا کر نماز پڑھے تو چاہئے کہ گریبان کی جانب پاؤں رکھے اور دامنوں پر سجدہ کرے کہ گریبان بہ نسبت دامن احتمال نجاست سے دور ہے۔

مسئلہ نمبر ۴۴۱: ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وہادیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کو قبلہ کی طرف دعامانگنا مطلقاً مکروہ ہے تو اس کی کراہت کا کیا اثر پڑنا چاہئے اور درحالتے کہ ۱۰ دس آدمی سے زیادہ ہوں مقتدی میں سے اگر اخیر صفوں تک کوئی نماز میں نہ ہو بشرط محاذات، تو امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو پیٹھ نہ کرے لیکن اس صورت میں اگر مقتدیوں کی مقتدیوں کو پیٹھ ہو تو اس کا کیا جواب ہے اور ایضا مطلقاً مکروہ کے کیا معنی ہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کراہت کا اثر ناپسندی اور اُس کا اوسط درجہ اساءت ہے یعنی بُرا کیا اور اعلیٰ درجہ کراہت تحریم اُس کا اثر گنہگار و مستحق عذاب ہونا، مطلق مکروہ غالباً تحریم کا افادہ کرتا ہے اور بلکہ خاص معنی کراہت تنزیہ بھی مستعمل ہوتا ہے مقتدیوں کے لئے شرعاً اتنا مستحب ہے کہ نقض صفوف کریں اور نماز کے بعد اُس انتظام پر نہ بیٹھے رہیں جیسے نماز میں تھے پھر بھی سب کو پھر کر بیٹھنے کا حکم نہیں کہ اُس میں حرج ہے اور مقتدی سب ایک حالت پر شریک نماز ہوئے تھے اُن میں سے کسی کا آگے پیچھے ہونا کوئی بالخصوص مقصود و مطلوب و لازم نہ تھا بلکہ اتفاقی طور پر واقع ہوا جو پہلے پہنچ گیا اس نے پہلی صف میں جگہ پائی اور جو بعد میں پہنچے انھوں نے بعد کی صف میں، اگر یہ بعد والے پہلے پہنچتے تو یہی پہلی میں ہوتے اور وہ کہ اگلی صف میں ہیں بعد کو آتے تو بعد کی صف میں ہوتے، ان کا بیٹھنا ایسا ہے جیسا مجلس کثیر میں لوگوں کا بیٹھنا کہ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ ہوتی ہے مگر وہ سب ایک حالت میں ہیں قصداً و التزاماً اُن میں ایک دوسرے پر تقدم نہیں، بخلاف امام کہ وہ بالقصد آگے ہوتا اور انھیں پیٹھ کرتا ہے اور یہی واجب و لازم اور متعین ہے تو اسے اس قصدی پشت کرنے سے انحراف کا حکم ہوا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۴۲: از پیلی بھیت مرسلہ جناب مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

حدیث **صلاۃ تطوع اوفر یضۃ بعمامۃ تعدل خمسا وعشرین صلاۃ بلا عمامۃ وجمعۃ بعمامۃ تعدل سبعین جمعۃ بلا عمامۃ**[1] (عمامہ کے ساتھ نفل یا فرض نمازوں کا پڑھنا بغیر عمامہ کی نماز سے پچیس گنا افضل ہے اور عمامہ کے ساتھ جمعہ پڑھنا بغیر عمامہ کے جمعہ سے ستر گنا افضل ہے۔ت) محدثین کے نزدیک موضوع یا ضعیف ہے؟ اور اگر کوئی شخص بسبب نفس پروری کے اس حدیث کو موضوع سمجھے اور کتب معتبرہ فقہیہ کی عبارت جو عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کے ثواب پر دال ہیں مثلاً عٰلمگیریہ وکنز وفتاوٰی حجہ وآداب اللباس مؤلفہ شیخ محدث دہلوی وقنیہ وغیرہا تسلیم نہ کرے اور اس حدیث کے بیان کرنے والے پر لعن طعن کرے اور مفتری علی الاحادیث تصوّر کرے اور لوگوں کو تاکید اس امر کی کرے کہ عمامہ باندھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور قصداً عمامہ اتروا ڈالے اور عمامہ باندھنے کو باوجود تاکید احادیث ثواب نہ جانے تو وہ شخص قابل الزام شرعی ہوگا یا نہیں؟ جامع الرموز میں الفاظ کی حدیث ملی:

ونص عبارتہ تنبغی ان یصلی مع العمامۃ فی الحدیث الصلاۃ مع العمامۃ خیر من سبعین صلاۃ بغیر عمامۃ کما فی المنیۃ[2]۔	اس کی عبارت یہ ہے عمامہ کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہئے کیونکہ حدیث میں ہے عمامہ والی نماز بغیر عمامہ والی نماز سے سترّ گنا افضل ہے۔اسی طرح منیہ میں ہے۔

اس حدیث کے حال سے آگاہ فرمایئے اور یہ منیہ کا حوالہ جامع الرموز نے دیا ہے یہی منیۃ المصلی مروج ہے یا اور کوئی منیہ ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عمامہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنّت متواترہ ہے جس کا تواتر یقیناً سرحد ضروریات دین تک پہنچا ہے ولہٰذا علمائے کرام نے عمامہ تو عمامہ ارسالِ عذبہ یعنی شملہ چھوڑنا کہ اُس کی فرع اور سنت غیر موکدہ ہے یہاں تک کہ مرقاۃ میں فرمایا:

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثانی من الکتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰

[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۳

قد ثبت فی السیر بروایات صحیحۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یرخی علامتہ احیانا بین کتفیہ و احیانا یلبس العمامۃ من غیر علامۃ فعلم ان الاتیان بکل واحد من تلك الامور سنۃ[1]۔	کتب سیر میں روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی عمامہ کا شملہ دونوں کاندھوں کے درمیان چھوڑتے کبھی بغیر شملہ کے باندھتے۔اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان امور میں سے ہر ایک کو بجالانا سنت ہے(ت)

اس کے ساتھ استہزا کو کفر ٹھہرایا کمانص علیہ الفقہاء الکرام وامروا بترکہ حیث یستھزئ بہ العوام کیلا یقعوا فی الھلاك بسوء الکلام (جیساکہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے اور وہاں اسکے ترک کا حکم دیا جہاں عوام اس پر مذاق کرتے ہوں تاکہ وہ اس کلام بد سے ہلاکت میں نہ پڑیں۔ت) تو عمامہ کہ سنت لازمہ دائمہ یہاں تک کہ علماء نے خالی ٹوپی پہننے کو مشرکین کی وضع قرار دیااور حدیث آتی رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کواس پر حمل کیا۔علّامہ علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا؛

لم یرو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبس القلنسوۃ بغیر العمامۃ فیتعین ان یکون ھذا زی المشرکین[2]۔	یعنی اصلًا مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے(ت)

اسی میں بعد ذکر بعض احادیث فضیلت عمامہ ہے:

ھذا کلہ یدل علی فضلیۃ العمامۃ مطلقا نعم مع القلنسوۃ افضل فلبسھا وحدھا مخالف للسنۃ کیف وھی زی الکفرۃ وکذا المبتدعۃ فی بعض البلدان[3]۔	یعنی ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقًا ثابت ہُوئی اگرچہ بے ٹوپی ہو،ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور خالی ٹوپی خلاف سنّت ہے،اور کیونکر نہ ہو کہ کافروں اور بعض بلاد کے بد مذہبوں کی وضع ہے(ت)

اس کا انکار کس درجہ اشد واکبر ہوگا اس کا سنّت ہونا متواتر ہے اور سنّتِ متواتر کا استخفاف کفر ہے۔وجیز کردری پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

لولم یر السنۃ حقا کفر لانہ	اگر کوئی شخص سنت کو حق وسچ نہیں جانتا تو اس

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰

استخفاف[1]۔	نے کفر کیا کیونکہ یہ اسکا استخفاف ہے۔(ت)

عمامہ کی فضیلت میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں بعض اُن سے کہ اس وقت پیشِ نظر ہیں مذکور ہوتی ہیں:

حدیث اوّل: سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلانس[2]۔	ہم میں اور مشرکوں میں فرق ٹوپیوں پر عمامے ہیں۔(ت)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فالمسلمون یلبسون القلنسوۃ وفوقھا العمامۃ امالبس القلنسوۃ وحدھا فزی المشرکین فلبس العمامۃ سنۃ[3]۔	مسلمان ٹوپیاں پہن کر اوپر سے عمامہ باندھتے ہیں تنہا ٹوپی کافروں کی وضع ہے تو عمامہ باندھنا سنّت ہے۔

یہی حدیث باوردی نے ان لفظوں میں روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

العمامۃ علی القلنسوۃ فصل ما بیننا وبین المشرکین یعطی یوم القیمۃ بکل کورۃ یدروھا علی راسہ نورا[4]۔	ٹوپی پر عمامہ ہمارا اور مشرکین کا فرق ہے ہر پیچ کہ مسلمان اپنے سر پر دے گا اس پر روزِ قیامت ایک نور عطا کیا جائے گا۔

حدیث ۲و۳: قضاعی مسند شہاب میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اور دیلمی مسند الفردوس میں مولٰی علی و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **العمائم تیجان العرب**[5]۔ (عمامے عرب کے تاج ہیں)۔

حدیث ۴: مسند الفردوس میں انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الفتاوی البزازیۃ مع الفتاوی الہندیۃ نوع فی السنن من کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸

[2] سنن ابی داؤد باب العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث فرق ما بیننا الخ مکتبۃ الامام شافعی الریاض ۲/ ۱۶۹

[4] کنز العمال بحوالہ باوردی عن رکانۃ فرع فی العمائم مطبوعہ منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱۵/ ۳۰۵

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۲۴۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۸۷

العمائم تیجان العرب فاذا وضعواالعمائم وضعواعزھم [1] وفی لفظ وضع اللہ عزھم۔	عمامے عرب کے تاج ہیں جب عمامہ چھوڑ دیں تو اپنی عزت اُتار دیں گے۔اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی ان کی عزت اتار دے گا۔

حدیث ۵: ابن عدی امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایتواالمساجد حُسّرًاومقنعین ،فان العمائم تیجان المسلمین [2]۔	مسجدوں میں حاضر ہو سر برہنہ اور عمامے باندھے اس لئے کہ عمامہ مسلمانوں کے تاج ہیں۔

حدیث ۶: طبرانی معجم کبیر اور حاکم مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتموا تزدادوا حلما [3]۔ صححہ الحاکم۔	عمامہ باندھو تمہارا حلم بڑھے گا۔(حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ت)

حدیث ۷: ابن عدی کامل و بیہقی شعب الایمان میں اسامہ بن عمیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتموا تزدادوا حلما والعمائم تیجان العرب [4]۔	عمامہ باندھو وقار زیادہ ہوگااور عمامے عرب کے تاج ہیں؛

وروی عنہ الطبرانی صدرہ واشار المناوی الی تقویتہ۔طبرانی نے اس کا ابتدائی حصہ روایت کیا،امام مناوی نے اس کا قوی ہونا بیان کیا ہے(ت)

حدیث ۸: دیلمی عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وان اسلم حصین فعنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العمائم وقار المؤمن وعز العرب فاذاوضعت	عمامے مسلمان کے وقار اور عرب کی عزت ہیں توجب

---

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ مسند فردوس عن ابن عباس مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۹۲
[2] الکامل فی ضعفاء الرجال اسامی شتّٰی ممن ابتداء اسامیم میم المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۶/ ۲۴۱۳
[3] المعجم الکبیر باب ماجاء فی لبس العمائم الخ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۱۹۴
[4] شعب الایمان حدیث ۶۲۶۰ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ بیروت ۵/ ۱۷۶

العرب عمائمها وضعت عزها[1]۔	عرب عمامے اتار دیں اپنی عزّت اتار دیں گے۔

حدیث ۹: وہی رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتزال امتی علی الفطرة مالبسوا العمائم علی القلانس[2]۔	میری امّت ہمیشہ دینِ حق پر رہے گی جب تک وہ ٹوپیوں پر عمامے باندھیں۔

حدیث ۱۰: ابوبکر ابن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد طیالسی وابن منیع مسانید اور بیہقی سنن میں امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ امدنی یوم بدر وحنین بملئکة یعتمون هذہ العمة وقال ان العمامة حاجزة بین الکفر والایمان[3]۔	بیشک اللہ عزوجل نے بدروحنین کے دن ایسے ملائکہ سے میری مدد فرمائی جو اس طرز کا عمامہ باندھتے ہیں بیشک عمامہ کفر وایمان میں فارق ہے۔

حدیث ۱۱: دیلمی مسند الفردوس میں عبدالاعلی بن عدی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

هکذا فاعتموا فان العمامة سیماء الاسلام وهی حاجزة بین المسلمین والمشرکین[4]۔	اسی طرح عمامے باندھو کہ عمامہ اسلام کی نشانی ہے اور وہ مسلمانوں اور مشرکوں میں فارق ہے۔

حدیث ۱۲: ابن شاذان اپنی مشیخت میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمامہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

هکذا تکون تیجان الملئکة[5]۔	فرشتوں کے تاج ایسے ہوتے ہیں۔

حدیث ۱۳و۱۴: طبرانی کبیر میں عبداللہ بن عمر اور بیہقی شعب میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بالعمائم فانها سیماء الملئکة وارخوا لها خلف ظهورکم[6]۔	عمامے اختیار کرو کہ وہ فرشتوں کے شعار ہیں اور ان کے شملے اپنے پسِ پُشت چھوڑو۔

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب بحوالہ عن ابن عباس حدیث ۴۲۴۷ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۳/ ۸۸

[2] الفردوس بماثور الخطاب بحوالہ عن ابن عباس حدیث ۷۵۶۹ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۵/ ۹۳

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی باب التحریض علی الرمی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۴

[4] کنزالعمال بحوالہ الدیلمی حدیث ۴۱۹۱۱ مطبوعہ منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۴۸۳

[5] کنزالعمال بحوالہ ابن شاذان فی مشیختہ حدیث ۴۱۹۱۳ مطبوعہ منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۴۸۴

[6] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۱۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۸۳

حدیث ۱۵: ابوعبداللہ محمد بن وضاح فضل لباس العمائم میں خالد بن معدان سے مرسلاً راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی اکرم ھذہ الامۃ بالعصائب الحدیث[1]۔	بیشک اللہ عزوجل نے اس امّت کو عماموں سے مکرم فرمایا، الحدیث

حدیث ۱۶: بیہقی شعب الایمان میں انہی سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتموا خالفوا علی الامم قبلکم[2]۔	عمامے باندھو اگلی امتوں یعنی یہود ونصارٰی کی مخالفت کرو کہ وہ عمامہ نہیں باندھتے۔

حدیث ۱۷: معجم کبیر طبرانی میں ہے:

حدثنا محمد بن عبداللہ الحضرمی حدثنا العلاء بن عمرو الحنفی حدثنا ایوب بن مدرك عن مکحول عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ عزوجل وملٰئکتہ یصلون علی اصحاب العمائم یوم الجمعۃ[3]۔	بیان کیا محمد بن عبداللہ حضرمی نے، بیان کیا العلاء بن عمرو الحنفی نے، بیان کیا ایوب بن مدرک سے مکحول سے ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ بیشک اللہ تعالٰی اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں جمعہ کے روز عمامہ والوں پر۔

حدیث ۱۸: دیلمی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلاۃ فی العمامۃ تعدل بعشر اٰلاف حسنۃ[4]۔ فیہ ابان۔	عمامہ کے ساتھ نماز دس ہزار نیکی کے برابر ہے۔(اس کی سند میں ابان راوی ہے۔ت)

حدیث ۱۹: رامھرمزی کتاب الامثال میں معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

---

[1] کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال حدیث ۴۱۱۴۵ مطبوعہ منشورات مکتبۃ التراث الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۳۰۷

[2] شعب الایمان حدیث ۶۲۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۱۷۶

[3] مجمع الزوائد بحوالہ معجم کبیر باب اللباس للجمعۃ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۲/ ۱۷۶

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۸۰۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۴۰۶

نوٹ: جس کتاب سے حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں "تعدل" کا لفظ نہیں ہے۔ نذیر احمد سعیدی

علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العمائم تیجان العرب فاعتموا تزدادوا حلما ومن اعتم فله بکل کور حسنة فاذا حط فله بکل حطة حط خطیئة[1]۔	عمامے عرب کے تاج ہیں تو عمامہ باندھو تمہارا وقار بڑھے گا اور جو عمامہ باندھے اس کے لئے ہر پیچ پر ایک نیکی اور جب (بلا ضرورت یا ترک کے قصد پر) اتارے تو ہر اتارنے پر ایک خطا ہے یا جب (بضرورت بلا قصد ترک بلکہ با ارادہ معاودت) اتارے تو ہر پیچ اتارنے پر ایک گناہ اترے۔

دونوں محتمل ہیں واللہ تعالٰی اعلم والحدیث اشد ضعفا فیہ ثلثة متروکون متهمون عمرو بن الحصین عن ابی علاثة عن ثویر (اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے۔ اس حدیث میں شدید قسم کا ضعف ہے کیونکہ اس کے تین راوی متروک ومتہم ہیں انھوں نے ابوعلاثہ سے اور انہوں نے ثویر سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۲۰: مسند الفردوس میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رکعتان بعمامة خیر من سبعین رکعة بلا عمامة[2]۔	عمامہ کے ساتھ دو ۲ رکعتیں بے عمامے کی ستّر رکعتوں سے افضل ہیں۔

رہی حدیث مذکورِ سوال: اسے ابن عساکر نے تاریخ دمشق اور ابن النجار نے تاریخ بغداد اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بطریق عدیدہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا:

ابن عساکر بطریق احمد بن محمد الرقی ثنا عیسی بن یونس حدثنا العباس بن کثیر ح والدیلمی بطریق الحسین بن اسحق بن یعقوب القطان حدثنا سفین بن زیاد المخرمی حدثنا العباس بن کثیر القرشی حدثنا یزید بن	ابن عساکر نے بطریق احمد بن محمد از عیسٰی بن یونس از عباس بن کثیر حدیث بیان کی ح اور دیلمی نے بطریق حسین بن اسحق العجلی از اسحق بن یعقوب قطان از سفین بن زیاد المخرمی از عباس بن کثیر القرشی از یزید بن ابی حبیب از میمون بن مہران حدیث بیان کی کہا میں سالم بن عبداللہ بن عمر کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے حدیث املاء کرائی پھر میری طرف متوجہ

[1] کنز العمال بحوالہ الرامہرمزی فی الامثال حدیث ۴۱۱۴۶ مطبوعہ منشورات مکتبۃ الاسلامی حلب بیروت ۱۵/ ۳۰۸

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۵

نوٹ: جس کتاب سے حوالہ نقل کیا گیا ہے اس میں لفظ "خیر" کی بجائے "افضل" ہے۔ نذیر احمد سعیدی

ابی حبیب عن میمون بن مهر ان قال دخلت علی سالم بن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم فحدثنی ملیا ثم التفت الی فقال یا ابا ایوب الا اخیرك بحدیث تحبه وتحمله عنی وتحدث به فقلت بلی قال دخلت علی عبدالله بن عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنهما وهویتعمم فلما فرغ التفت فقال اتحب العمامة قلت بلی قال احبها تکرم ولا یراك الشیطان الاولی (هاربا انی) سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول صلاۃ تطوع او فریضة بعمامة تعدل خمسا وعشرین صلاۃ بلا عمامة وجمعة بعمامة تعدل بسبعین جمعة بلا عمامة ای بنّی اعتم فان الملئکة یشهدون یوم الجمعة معتمین فیسلمون علی اهل العمائم حتی تغیب الشمس[1]۔	ہو کر فرمایا اے ابو ایوب ! کیا تجھے ایسی حدیث کہ خبر نہ دوں جو تجھے پسند ہو، میری طرف سے روایت کرے اور اسے بیان کرے۔ میں نے عرض کیا کیوں نہیں ___ تو سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں میں اپنے والد ماجد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حضور حاضر ہوا اور وُہ عمامہ باندھ رہے تھے جب باندھ چکے میری طرف التفات کرکے فرمایا تم عمامہ کو دوست رکھتے ہو؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں ! فرمایا اسے دوست رکھو عزّت پاؤگے اور جب شیطان تمہیں دیکھے گا تم سے پیٹھ پھیر لے گا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عمامہ کے ساتھ ایک نفل نماز خواہ فرض بے عمامہ کی پچیس نمازوں کے برابر ہے اور عمامہ کے ساتھ ایک جمعہ بے عمامہ کے ستّر جمعوں کے برابر ہے۔ پھر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا : اے فرزند! عمامہ باندھ کہ فرشتے جمعہ کے دن عمامہ باندھے آتے ہیں اور سورج ڈوبنے تک عمامہ والوں پر سلام بھیجتے رہتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ یہ حدیث موضوع نہیں اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متہم بالوضع نہ کوئی کذاب نہ متہم بالکذب نہ اُس میں عقل یا نقل کی اصلا مخالفت لاجرم اُسے امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے جامع صغیر میں ذکر فرمایا جس کے خطبہ میں ارشاد کیا:

ترکت القشر، واخذت اللباب، وصنته عما تفرد به وضاع اوکذاب[2]۔	میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور اسے ہر ایسی حدیث سے بچایا جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے۔

[1] لسان المیزان حرف العین ترجمہ العباس بن کثیر مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۲۴۴

نوٹ : جن کتابوں کا اعلیحضرت نے ذکر کیا ہے وہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ نذیر احمد سعیدی۔

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر در خطبہ کتاب مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/ ۲۰

اما ابن النجار فاخرجه من طریق محمد بن مھدی المروزی انبانا ابوبشر بن سیار الرقی حدثنا العباس بن کثیر الرقی عن یزید بن ابی حبیب قال قال لی مھدی بن میمون دخلت علی سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم وھو یعتم فقال لی یا اباایوب الا احدثك بحدیث تحبه وتحمله وترویه فذکر مثله وقال لا یزالون یصلون علی اصحاب العمائم حتی تغیب الشمس [1] قال الحافظ فی اللسان ھذا حدیث منکر بل موضوع ولم ار للعباس بن کثیر ذکرا فی الغرباء لابن یونس ولا فی ذیله لابن الطحان واما ابو بشر بن سیار فلم یذکرہ ابواحمد الحاکم فی الکنی وماعرفت محمد بن مھدی المروزی ولا مھدی بن میمون الراوی لھذاالحدیث من سالم ولیس ھوالبصری المخرج فی الصحیحین وذاك یکنی ابایحیی ولا ادری من الافة [2] اھ

اقول: رحم اللہ الحافظ من این یاتیه الوضع ولیس فیه مایحیله عقل ولا

ابن نجار نے اسکی تخریج اس سند سے کی ہے کہ محمد بن مہدی مروزی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ابوبشر بن سیار رقی نے خبر دی وہ کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن کثیر رقی نے یزید بن ابی حبیب کے حوالے سے حدیث بیان کی کہا مجھے مہدی بن میمون نے بتایا کہ ایک دفعہ میں سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس گیا تو وہ عمامہ باندھ رہے تھے انھوں نے مجھے فرمایا کہ اے ابوایوب! میں تجھے ایک حدیث نہ بیان کروں جسے تو محبوب رکھے حاصل کرنے کے بعد اسے بیان کرے، پھر انہوں نے اسی طرح کی حدیث بیان کی اور فرمایا کہ فرشتے عمامہ باندھنے والوں پر غروبِ آفتاب تک صلٰوۃ بھیجتے ہیں حافظ نے لسان میں فرمایا یہ حدیث منکر بلکہ موضوع ہے اور میں نے عباس بن کثیر کا ذکر ابن یونس کی غرباء میں اور اس کے حاشیہ لابن طحان میں نہیں پایا اور ابوبشر بن سیار کا تذکرہ ابواحمد حاکم نے الکنی میں نہیں کیا اور نہ ہی میں محمد بن مہدی مروزی اور اس حدیث کے راوی مہدی بن میمون کو جانتا ہوں اور یہ وہ بصری بھی نہیں جو مسلم وبخاری کے راوی ہیں ان کی کنیت ابویحیٰی ہے اور نہ میں اس کی آفت سے آگاہ ہوں۔(ت)

اقول: حافظ پر اللہ تعالٰی رحم کرے اس روایت میں وضع کو کہاں سے لائے ہیں؟

---

[1] لسان المیزان حرف العین ترجمہ العباس بن کثیرہ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۳/ ۲۴۴

نوٹ: یہ حوالہ بھی اصل کتاب نہ ملنے کی وجہ سے لسان المیزان سے ذکر کیا گیا۔ نذیر احمد

[2] لسان المیزان حرف العین ترجمہ عباس بن کثیر مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۳/ ۲۴۴

شرع ولا فی سندہ وضاع ولا کذاب ولا متھم ومجرد جھل الراوی لایقضی بالسقوط حتی لایصلح للتمسك بہ فی الفضائل فضلا عن الوضع، ولما اورد الحافظ ابو الفرج ابن الجوزی حدیث قزعۃ بن سوید عن عاصم بن مخلد عن ابی الاشعث الصنعانی عن شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قرض بیت شعر بعد العشاء الاخرۃ لم تقبل لہ صلاۃ تلك اللیلۃ[1] فی الموضوعات واعلہ بان عاصما فی عداد المجھولین و قزعۃ قال احمد مضطرب الحدیث و قال ابن حبان کان کثیر الخطا فاحش الوھم، فلما کثر ذلك فی روایتہ سقط الاحتجاج بخبرہ[2] اھ قال الحافظ نفسہ فی القول المسدد لیس فی شیئ من ھذا ما یقضی علی ھذا الحدیث بالوضع[3] الخ، ولما حکم ابن الجوزی علی حدیث ابی عقال عن انس ابن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العسقلان احد العروسین یبعث منھا یوم القیامۃ

حالانکہ اس روایت میں ایسی کسی چیز کا بیان نہیں جسے عقل و شرع محال گردانے اور نہ ہی اس کی سند میں وضاع، کذاب اور متہم ہے محض راوی کے مجہول ہونے سے اس حدیث کو چھوڑنے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا حتی کہ فضائل میں قابلِ استدلال ہی نہ رہے چہ جائیکہ وہ موضوع ہو۔ حافظ ابن الفرج ابن الجوزی نے حدیثِ قزعہ بن سوید، عاصم بن مخلد سے انھوں نے ابواشعث صنعانی سے انھوں نے حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موضوعات میں بیان کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے آخری عشاء کے بعد شعر کا ایک بیت پڑھا اس کی اس رات کی نماز قبول نہ ہوگی، اور علت یہ بیان کی کہ عاصم کا شمار مجہولین میں ہوتا ہے۔ قزعہ کے بارے میں امام احمد کا قول ہے کہ یہ مضطرب الحدیث ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ یہ کثیر الخطا اور فاحش الوہم ہے، آخر میں فرمایا جب اس کی روایت میں علتیں اس قدر کثیر ہوگئیں تو اس کی روایت سے استدلال ساقط ہوگیا اھ اور خود حافظ نے القول المسدد کہا یہاں پر کوئی ایسی چیز نہیں جو اس حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ

---

[1] کتاب الموضوعات لابی الفرج حدیث فی انشاد الشعر بعد العشاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۶۱

[2] کتاب الموضوعات لابی الفرج حدیث فی انشاد الشعر بعد العشاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۶۱

[3] القول المسدد الحدیث الثانی ممالم یذکرہ حدیث شداد بن اوس الخ مطبوعہ دائرہ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ص ۳۶

سبعون الفا لاحساب علیهم ، ویبعث منها خمسون الفا شهداء وفودا الی الله عزوجل ، وبها صفوف الشهداء ر ء وسهم مقطعة فی ایدیهم تثج او داجهم دمًا یقولون ربنا اٰتنا ماوعدتنا علی رسلك ولا تخزنا یوم القیٰمة انك لاتخلف المیعاد فیقول صدق عبیدی اغسلوهم بنهر البیضة. فیخرجون منها نقیا بیضا فیسرحون فی الجنة حیث شاء وا[1]. بالوضع محتجابان جمیع طرقه تدور علی ابی عقال واسمه هلال بن زید بن یسار قال ابن حبان یروی عن انس اشیاء موضوعة ماحدث بها انس قط لایجوز الاحتجاج به بحال[2] اھ وقال الذهبی فی المیزان باطل[3] قال الحافظ نفسه فیه وهو فی فضائل الاعمال والتحریض علی الرباط فی سبیل الله ولیس فیه مایحیله الشرع ولا العقل فالحکم علیه بالبطلان بمجرد کونه من روایة ابی عقال لایتجه و طریقة الامام احمد معروفة فی التسامح فی روایة احادیث الفضائل دون احادیث الاحکام[4] اھ فلیت شعری لم لایقال مثل هذا فی حدیث العمامة مع انه ایضا فی فضائل

کرتی ہو الخ جب ابن جوزی نے موضوعات میں اس حدیث ابی عقال کو موضوعہ قرار دیا جو کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: عسقلان ان خوش نصیب شہروں میں سے ایک ہے جن سے روزِ قیامت ستّر ہزار ایسے افراد اُٹھائے جائیں گے جن کا حساب نہیں ہوگا اور اس میں پچاس ہزار شہداء اُٹھائے جائیں گے جو وفد کی صورت میں صف بستہ اپنے رب کے ہاں حاضر ہونگے حالانکہ ان کے سر کٹے ہوئے ہاتھوں میں ان کی ودج (وہ رگ جسے بوقتِ ذبح کاٹا جاتا ہے) سے خون بہہ رہا ہوگا اور وہ اللہ کے حضور یہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہمیں عطا فرما جس کا تُو نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں روزِ قیامت ذلت سے محفوظ فرما بلاشُبہ تُو وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرمائے گا میرے بندوں نے سچ کہا ان کو سفید نہر میں غسل دو تو وہ اس نہر سے صاف شفاف اور چمکدار ہو کر نکلیں گے اور وُہ جنت میں حسبِ خواہش چلے جائیں گے اور کھائیں گے پئیں گے۔ اس روایت کے موضوع ہونے پر یہ دلیل دی کہ اس کی تمام اسناد کا مرکز ابو عقال ہے جس کا نام ہلال بن زید بن یسار ہے، ابن حبان نے کہا کہ یہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایسی روایات

[1] کتاب الموضوعات لابن جوزی باب فی فضل عسقلان مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۳

[2] کتاب الموضوعات لابن جوزی باب فی فضل عسقلان مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۴

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۹۲۶۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۱۴

[4] القول المسدد جواب الکلام علی الحدیث الثامن مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ہند ص ۳۲

الاعمال والتحریض علی التأدب فی حضرة الله ولیس فیه ما یحله الشرع ولا العقل بل ولافیه احد رمی بروایة الموضوعات کابی عقال فکیف یتجه الحکم علیه بالبطلان بل الوضع بمجرد کون بعض روایة ممن لم یعرفهم الحافظ اولم یذکرهم فلان وفلان ،علا ان مهدی بن میمون عندی وهم من بعض رواة ابن النجار لان عیسی بن یونس عند ابی نعیم و سفین بن زیاد عندالدیلمی انما یرویانه عن العباس عن یزید عن میمون بن مهران کما تقدم و میمون هو ابوایوب الجزری الرقی ثقة فقیه من رجال مسلم والاربعة کما قاله الحافظ فی التقریب لاجرم لم یمنع کلام الحافظ هذا خاتم الحافظ السیوطی عن ایراده فیما وعد بتنزیهه عن الموضوع اماقول تلمیذه الحافظ السخاوی حدیث صلٰوة بخاتم تعدل سبعین صلٰوة بغیر خاتم هو موضوع کما قال شیخناوکذامارواه الدیلمی عن حدیث ابن عمر مرفوعا بلفظ صلٰوة بعمامة الحدیث المذکور ومن حدیث انس مرفوعا الصلٰوة فی العمامة تعدل بعشرة الاف حسنة[1] اه فلم یذکر وجهه

موضوعہ نقل کرتا ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بالکل بیان نہیں کیں لہٰذا کسی صورت میں بھی اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اھ اور امام ذہبی نے میزان میں کہا یہ باطل ہے اور خود حافظ ابن حجر نے اس روایت کے بارے میں کہا یہ روایت فضائل اعمال سے متعلق ہے اس میں اللہ کی راہ میں جہاد کی ترغیب اور شوق دلایا گیا ہے۔اس میں ایسی کوئی بات نہیں جسے عقل و شرع محال قرار دیتی ہو لہٰذا محض اس لئے اس باطل قرار دینا کہ اس کا راوی ابوعقال ہے قابل حجّت نہیں۔ اور امام احمد احادیثِ احکام میں تو نہیں لیکن احادیثِ فضائل میں تسامح سے کام لیتے ہیں ان کا یہ طریقہ معروفہ ہے اھ میری سمجھ سے باہر ہے یہی قول عمامہ والی حدیث میں کیوں نہیں کیا گیا حالانکہ یہ حدیث بھی فضائلِ اعمال سے متعلق ہے اور اس سے بارگاہ الٰہی کے ادب پر شوق دلایا گیا ہے اور اس میں کوئی بھی ایسی بات نہیں جسے شرح و عقل محال قرار دیتی ہو بلکہ اس میں کوئی راوی بھی ایسا نہیں جسے ابوعقال کی طرح موضوعات کا راوی قرار دیا گیا ہو، تو اس روایت پر بطلان بلکہ موضوع ہونے کا حکم (محض اس بناپر کہ بعض روایات کا ایسے راویوں سے ہونا جن کو حافظ ابن حجر نہیں جانتے یا فلاں فلاں نے ان کا ذکر نہیں کیا) کیسے درست ہوسکتا ہے، علاوہ ازیں میرے نزدیک ابن نجار کے بعض رواۃ میں سے

[1] المقاصد الحسنہ تحت حرف الصاد المہملۃ مطبوعہ دار الکتب بیروت ص ۲۶۳

وانما تبع شیخه وقد علمت مافیه وکذا حدیث انس انما فیه ابان متروك وترك الراوی لایقضی بوضع الحدیث کما بینته فی الهاد الکاف فی حکم الضعاف واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مہدی بن مہمون کے بارے میں وہم ہوا ہے، کیونکہ ابو نعیم کے نزدیک عیسٰی بن یونس اور دیلمی کے نزدیک سفیان بن زیاد دونوں نے عباس سے انھوں نے یزید سے انھوں نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے جیسا کہ گزر چکا اور میمون سے مراد ابوایوب جزری الرقی ہے جو نہایت ثقہ اور فقیہ ہے اور مسلم اور چاروں سنن کے رواۃ میں سے ہے جیسا کہ حافظ نے یہ بات تقریب میں کہی ہے، بلا شبہ حافظ ابن حجر کی یہ گفتگو خاتم الحافظ سیوطی کی اس روایت کو الجامع الصغیر (جس کے بارے میں انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ اس میں موضوع روایت ذکر نہیں کروں گا) میں نقل کرنے سے مانع نہیں رہا ان کے شاگرد رشید حافظ سخاوی کا قول کہ حدیث "انگوٹھی کے ساتھ نماز ستّر دوسری بغیر انگوٹھی والی نمازوں کے برابر ہے"۔ یہ موضوع ہے جیسا کہ ہمارے استادِ محترم نے فرمایا، اور اسی طرح وہ حدیث جس کو دیلمی نے حضرت ابن عمر کی حدیث سے مرفوعًا صلٰوۃ بعمامہ حدیث مذکور کے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور حضرت انس سے مرفوعًا حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "عمامہ میں نماز دس ہزار نیکیوں کے برابر ہے" اھ تو انہوں نے اسکے موضوع ہونے کی وجہ بیان نہیں کی صرف اپنے شیخ کے اتباع میں ایسا کہہ دیا ہے حالانکہ آپ اس کے محلِ نظر ہونے پر آگاہ ہوچکے۔ اسی طرح حدیثِ انس میں صرف ابان راوی متروک ہے اور ایک راوی کا متروک ہونا حدیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ نہیں دے سکتا۔ یہ تفصیلی گفتگو میں نے "الہاد الکاف فی حکم الضعاف" میں کی ہے واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جاہل اگر حدیث کو محض بہوائے نفس موضوع کہے واجب التعزیر ہے اور کتب معتمدہ فقہیہ کو نہ ماننا جہالت وضلالت اور اس حدیث کے بیان کرنے والے پر لعنت کا اطلاق خود اس کے لئے سخت آفت کہ بحکم احادیث صحیح جو لعنت غیر مستحق پر کی جاتی ہے کرنے والے پر پلٹ آتی ہے والعیاذ باللّٰہ تعالٰی اور مسلمانوں کے عمامے قصدًا اتروا دینا اور اسے ثواب نہ جاننا قریب ہے کہ ضروریاتِ دین کے انکار اور سنّتِ قطعیہ متواترہ کے استخفاف کی حد تک پہنچے ایسے شخص پر فرض ہے کہ اپنی ان حرکات سے توبہ کرے اور از سرنو کلمہ اسلام پڑھے اور اپنی عورت کے ساتھ تجدید نکاح کرے، حدیث کہ جامع الرموز میں ہے، وہ حدیث بستم مذکور کے قریب قریب ہے اور تعدیہ بقصد تحدید نہ ہو تو اسی کی نقل بامعنی۔ یہ منیہ منیۃ المصلی نہیں بلکہ فخر الدین بدیع ابن ابی منصور عراقی استاد زاہدی کی منیۃ الفقہا جس کی تلخیص قنیہ ہے واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۴۳: ازکاسگنج محلّہ ناتھورام گلی چورامن مرسلہ محمد مصطفٰی ۲۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

عامل نبیل فاضل جلیل بمتابعۃ سیّد الانبیاء صاحب الکوثر والسلسبیل، السّلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ۔ معروض خدمت ہے کہ قبل اسکے ایک عریضہ دربارہ حصول فتوی مسئلہ ذیل روانہ کیا تھا جواب سے

مشرف نہیں ہوا مغموم ہوں امید کرتا ہوں کہ امر حق ظاہر کرنے میں توقف نہ فرمایئے گا اور بندہ کے استقامت وحسنِ خاتمہ کی واسطے بدرگاہِ خدا ہو جیے گا۔ مسئلہ: پاک (جس کی طہارت میں قطع یقین حاصل ہو جائے جیسے نیا) جُوتا پہن کر کوئی سی نماز نوافل یا فرائض ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فقہ وحدیث کے مطولات کا حوالہ دیں تو بہت خوب ہے۔

الجواب:

جنابِ من! وعلیک السّلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس سے پہلے کہ کاسگنج سے یہ سوال بصورتِ دیگر مرسل عباداللہ خان کا آیا اور جواب دیا گیا اب اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر جوتا بالکل غیر استعمالی ہو کہ صرف مسجد کے اندر پہنا جائے اور پنجہ اتنا سخت نہ ہو کہ سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر نہ بچھنے دے تو اس سے نماز میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے، اور یہی امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی سنّت ہے کہ دو[۲] جوتے رکھتے ایک راہ میں پہنتے اور جب کنارہ مسجد پر آتے اُسے اتار کر غیر استعمالی کو پہن لیتے اور اگر استعمالی ہو تو اُسے پہن کر مسجد میں جانا بے ادبی ہے اور غیر مسجد میں بھی نماز میں اتار دیا جائے اور اور اگر پنجہ اتنا سخت ہے کہ کسی انگلی کا پیٹ زمین پر نہ بچھنے دے گا تو نماز نہ ہوگی کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوی میں کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۴۴: از رام نگر ضلع نینی تال عنایت اللہ خان ڈپٹی پوسٹ ماسٹر ۲۶ ذیقعد ۱۳۱۲ھ

قبلہ وکعبہ دارین ودام ظلکم! کلمہ طیبہ شریف جب ورد کرکے پڑھا جائے تو اس میں کلمہ پر جب نام نامی حضور اقدس (صلعم) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا آوے درود پڑھنا چاہئے یا ایک مرتبہ جبکہ جلسہ ختم کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جوابِ مسئلہ سے پہلے ایک بہت ضروری مسئلہ معلوم کیجئے سوال میں نامِ پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بجائے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (صلعم) لکھا ہے۔ یہ جہالت آج کل بہت جلد بازوں میں رائج ہے۔ کوئی صلعم لکھتا ہے کوئی عم کوئی ص، اور یہ سب بیہودہ ومکروہ وسخت ناپسند وموجب محرومی شدید ہے اس سے بہت سخت احتراز چاہیئے اگر تحریر میں ہزار جگہ نامِ پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آئے ہر جگہ پورا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھا جائے ہرگز ہرگز کہیں صلعم وغیرہ نہ ہو علماء نے اس سے سخت ممانعت فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض کتابوں میں تو بہت اشد حکم لکھ دیا ہے۔ علامہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں فرماتے ہیں:

ویکرہ الرمز بالصلٰوۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب ذلك کلہ بکمالہ وفی بعض المواضع	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جگہ (ص) وغیرہ اور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جگہ (رض) لکھنا مکروہ ہے بلکہ اسے کامل طور پر

من التتارخانية من كتب عليه السلام بالهمزة والميم يكفر لانه تخفيف و تخفيف الانبياء كفر بلاشك ولعله ان صح النقل فهو مقيد بقصد والافالظاهر انه ليس بكفر وكون لازم الكفر كفرابعد تسليم كونه مذهبًا مختارا محله اذاكان اللزوم بَيّنًا نعم الاحتياط فی الاحتزار عن الايهام و الشبهة[1]۔	لکھاپڑھا جائے تاتار خانیہ میں بعض جگہ پر ہے جس نے درود و سلام ہمزہ (ء) اور میم (م) کے ساتھ لکھااس نے کفر کیا کیونکہ یہ عمل تخفیف ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بارگاہ میں یہ عمل بلاشبہ کفرہے۔اگر یہ قول صحت کے ساتھ منقول ہو تو یہ مقید ہوگا اس بات کے ساتھ کہ ایسا کرنے والا قصدًا ایسا کرے، ورنہ ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر نہیں باقی لزومِ کفر سے کفراس وقت ثابت ہوگا جب اسے مذہب مختار تسلیم کیاجائے اور اس کا محل وُہ ہوتا ہے جہاں لزوم بیان شدہ اور ظاہر ہو البتہ احتیاط اس میں ہے کہ ایہام اور شبہ سے احتزار کیاجائے۔(ت)

اب جوابِ مسئلہ لیجئے نامِ پاک حضورپُر نور سیّد ودعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مختلف جلسوں میں جتنے بار لے یا سنے ہر بار درود شریف پڑھنا واجب ہے اگر نہ پڑھے گا گنہگار ہوگا اور سخت وعیدوں میں گرفتار، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ اگرایک ہی جلسہ میں چند بار نامِ پاک لیا یا سُنا تو ہر بار واجب ہے یا ایک بار کافی اور ہر بار مستحب ہے، بہت علما قولِ اول کی طرف گئے ہیں ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ہزار بار کلمہ شریف پڑھے تو ہر بار درود شریف بھی پڑھتا جائے اگر ایک بار بھی چھوڑا گنہگار ہُوا مجتبٰی ودُرمختار وغیرہما میں اس قول کو مختار واصح کہا۔

فی الدرالمختار اختلف فی وجوبها علی السامع والذاکر کلما ذکر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و المختار تکرار الوجوب کلماذکر ولو اتحد المجلس فی الاصح[2] اھ بتلخیص۔	دُرمختار میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب بھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم گرامی ذکر کیا جائے تو سامع اور ذاکر دونوں پر ہر بار درود وسلام عرض کرناواجب ہے یا نہیں اصح مذہب پر مختار قول یہی ہے کہ ہر بار درودوسلام واجب ہے اگرچہ مجلس ایک ہی ہو اھ خلاصۃً(ت)

دیگر علمانے بنظر آسانیِ امت قولِ دوم اختیار کیا ان کے نزدیک ایک جلسہ میں ایک بار درود ادائے واجب کے لئے کفایت کرے گا زیادہ کے ترک سے گنہگار نہ ہوگا مگر ثوابِ عظیم وفضلِ جسیم سے بیشک محروم رہا، کافی وقنیہ وغیرہما میں اسی قول کی تصحیح کی۔

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃالکتاب مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶

[2] درمختار فصل واذاارادالشروع الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷۸

فی ردالمحتار صححه الزاهدی فی المجتبٰی لکن صحح فی الکافی وجوب الصلٰوۃ مرۃ فی کل مجلس کسجود التلاوۃ للحرج الا انه یندب تکرار الصلٰوۃ فی المجلس الواحد بخلاف السجود وفی القنیة قیل یکفی المجلس مرۃ کسجدۃ التلاوۃ و به یفتی وقد جزم بهذا القول المحقق ابن الهمام فی زادالفقیر[1] اھ ملتقطاً۔	ردالمحتار میں ہے کہ اسے زاہدی نے المجتبٰی میں صحیح قرار دیا ہے لیکن کافی میں ہر مجلس میں ایک ہی دفعہ درود کے وجوب کو صحیح کہا ہے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے تاکہ مشکل اور تنگی لازم نہ آئے، البتہ مجلس واحد میں تکرارِ درود مستحب ومندوب ہے بخلاف سجدہ تلاوت کے ۔قنیہ میں ہے ایک مجلس میں ایک ہی دفعہ درود پڑھنا کافی ہے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا حکم ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ابن ہمام نے زادالفقیر میں اسی قول پر جزم کیا ہے اھ ملتقطا (ت)

بہر حال مناسب یہی ہے کہ ہر بار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہتا جائے کہ ایسی چیز جس کے کرنے میں بالاتفاق بڑی بڑی رحمتیں برکتیں اور نہ کرنے میں بلا شبہ بڑے فضل سے محرومی اور ایک مذہب قوی پر گناہ ومعصیت عاقل کا کام نہیں کہ اُسے ترک کرے وباللہ التوفیق۔

مسئلہ نمبر ۴۴۵: ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وظیفہ پڑھتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

جو وظیفہ پڑھے اور نماز نہ پڑھے فاسق وفاجر مرتکب کبائر ہے اُس کا وظیفہ اس کے منہ پر مارا جائے گا۔ایسوں ہی کو حدیث میں فرمایا:

کم من قارئ یقرأن والقراٰن یلعنه[2]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔	بہتیرے قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن انھیں لعنت کرتا ہے۔

[1] ردالمحتار فصل واذا اراد الشروع الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۱

[2] المدخل للعبدری الکلام علی جمع القرآن الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/ ۸۵

مسئلہ نمبر ۴۴۶: از ملک بنگالہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیانِ شرح متین اندریں مسئلہ کہ درملک بنگالہ یک گروہِ نوپیدا شدہ کہ آں راجہاں دومی گویند وایشاں یک شاخ غیر مقلدین اند لیکن ازاں طائفہ درچندامور زائد اندیکے اینکہ می گویند کہ بعد نماز مناجات خواستین درست نیست بلکہ نسبت بدعتش می کنند علم فقہ و اصول وغیرہ ایں قوم تسلیم نمی کنند بلکہ دشنام می دہند وفحش ناسزامی گویندومی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گاہے دعانہ کردہ پس اگر ایشاں ازقرآن شریف وصحاح ستّہ استخراج مسائل کردہ فرستند نہایت خوب خواہد شد والسلام۔	علمائے دین ومفتیان شرع متین کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ بنگالہ کے علاقے میں ایک نیا گروہ پیدا ہوا ہے جنھیں جہادو کہا جاتا ہے یہ غیر مقلدین کی ایک شاخ ہی ہے لیکن چند امور میں ان سے آگے بڑھ گئے ایک یہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد دُعا کرنا درست نہیں بلکہ بدعت ہے، یہ علم فقہ اور اصولِ فقہ وغیرہ کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے برا بھلا کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی دعا نہیں کی اگر قرآن شریف وصحاح ستہ کے حوالے سے اس مسئلہ کے استخراج پر دلائل فراہم فرمائیں تو بہت خوب ہوگا۔ والسلام

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمدالك اللهم یاعظیم صل علی نبیك الكريم واٰله وصحبه اولی التكريم و مجتهدی دينه القويم اٰمين الحمد للہ سلسلہ سخن دراست ودر فیض الٰہی باز خامہ اگر بتفصیل گراید ہماناں نامہ گرد آوردن باید لاجرم ایک آیت وہفت حدیث بسندومی نماید آیہ قال اللہ عزّوجل فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿٧﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿٨﴾ [1]۔ قول اصح در تفسیر آیۃ کریمہ قول سلطان المفسرین بن عم صلی اللہ علیہ	اے اللہ! حمد تیری ہے، اے عظیم! اپنے کریم نبی پر رحمتیں نازل فرما ان کی صاحبِ شرف آل واصحاب اور دینِ قویم کے مجتہدین پر بھی، آمین۔ الحمد للہ اگر اس پر تفصیلی گفتگو کی جائے تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے بات بڑی طویل ہوگی، بہرحال اس سلسلہ میں یہاں ایک آیت اور سات احادیث مع سند ذکر کی جائیں گی آیۃ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: پس جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اپنے ہی

[1] القرآن ۹۴/ ۸

وسلم عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ست کہ فراغ فراغ از نماز و نصب نصب در دُعاست یعنی چوں از نماز فارغ شوی در دعا جہد و مشقت نما و بسوئے پروردگار خود بزاری و تضرع گرا فی تفسیر الجلالین **فاذا فرغت من الصلٰوۃ فانصب اتعب فی الدعاء** وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۟[1] ہمدرد خطبہ ادست **ھذا فی تکملۃ الامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من الاعتماد علی ارجع الاقوال و ترک التطویل بذکر الاقوال غیر مرضیۃ**[2]۔ اھ ملخصًا۔ علامہ زرقانی درشرح مواہب لدنیہ فرماید **ھو الصحیح فقد اقتصرعلیہ الجلال وقد التزم الاقتصار علی ارجح الاقوال**[3]۔

حدیث اوّل: مسلم ،ابوداؤد وترمذی ونسائی و ابن ماجہ و احمد ودارمی وبزار و طبرانی وابن السنی ہر ہمہ از ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ مولائے اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روایت کنند **قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثا وقال اللھم انت السلام تبارکت**

رب کی طرف رغبت کرو۔ اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں راجح قول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچازاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہے کہ فراغ فراغ نماز و نصب نصب در دعاست یعنی جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں خوب محنت کرو اور بارگاہِ خداوندی میں آہ و زاری کے ساتھ رغبت کرو۔ جلالین کے خطبہ میں یہ بھی ہے کہ جلال الدین محلّی کی تفسیر کا تکملہ انہی کے طریقہ پر ہے اور ان کا طریقہ یہ ہے کہ وُہ مختار و راجح پر اعتماد کرتے ہیں اور ایسے اقوال کا ذکر جو مختار نہ ہوں، ترک کرتے ہیں اھ تلخیصًا۔ علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا یہی صحیح ہے کیونکہ اس پر جلال الدین نے اقتصار کیا اور انہوں نے مختار و راجح قول کے ذکر کا التزام کر رکھا ہے۔(ت)

پہلی حدیث: ۱مسلم، ۲ابوداؤد، ۳ترمذی، ۴نسائی، ۵ابن ماجہ، ۶احمد، ۷دارمی، ۸بزار، ۹طبرانی اور ۱۰ابن السنی ان تمام نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ خادم رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب حضور سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین نماز سے رُخ انور پھیرتے (سلام کہتے) تو تین دفعہ اللہ تعالٰی سے استغفار کرتے اور یہ

---

1 تفسیر جلالین زیر آیۃ المذکور سورہ الم نشرح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی حصہ دوم ص ۵۰۰
2 تفسیر جلالین خطبہ کتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی حصہ اول ص ۲
3 شرح المواہب اللدنیہ للزرقانی المقصد الثانی کنیۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۷۱

یا ذاالجلال ولاکرام[1] یعنی چوں سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین از نماز برگشتے وسلام دادے سہ بار از حق سبحانہ، وتعالٰی مغفرت خواستے وایں دُعا گفتے خدایا توئی سلام (کہ ہیچ عیب و نقصے راگرد سراپردہ عزوجلال تو بازنیست) وازتست سلام (کہ سلامت ما بندگان ازہمہ آفات و بلیات ہمیں بقدرت و ارادت و لطف رحمت تست) برکت و عظمت مراتست اے صاحبِ بزرگی و بزرگی دہے یارب مگرایں حدیث در صحاح مشہور و متداول نیست یا از خداطلب مغفرت و سوال سلامت دعا نباشد آرے جہل بلائیست نہ سہل وچوں مرکب شود دوائے ندارد **والعیاذ باللہ تبارك وتعالٰی۔**

حدیث دوم و سوم و چہارم: بخاری، [2]مسلم، [3]ابو داؤد، [4]نسائی، [5]ابوبکر ابن السنی، اور [6]ابوالقاسم طبرانی از مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وبزار و طبرانی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما و نیز بزار از جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کنند **وھذا حدیث المغیرۃ واللفظ للنسائی قال کتب معویۃ الی مغیرۃ بن شعبۃ اخبرنی بشیئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاقضی الصلاۃ قال لا الہ**

دعا کرتے **اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذاالجلال والاکرام** اے اللہ! تُو سلام ہے (یعنی تیری ذات جل مجدہ کی طرف کوئی عیب یا نقص راہ نہیں پاسکتا) اور تیری طرف سے سلام (کہ ہم بندوں کی تمام مصیبتوں اور بلیات سے سلامتی تیری قدرت، ارادے، مہربانی اور کرم سے ہے) برکت وعظمت تیرے ہی لئے ہے اے صاحبِ بزرگی اور بزرگی عطافرمانے والے یارب۔ کیا یہ حدیث صحاح میں مشہور و متداول نہیں یا مغفرت کی طلب اور سلامتی کا سوال دعا نہیں ہوتا۔ جہالت ایسی مرض ہے کہ اس کا علاج آسان نہیں اور جب یہ مرکب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج ہی نہیں **والعیاذ باللہ تبرك و تعالٰی۔**(ت)

حدیث دوسری، تیسری اور چوتھی: [1]بخاری، [2]مسلم، [3]ابو داؤد، [4]نسائی، [5]ابوبکر ابن السنی، اور [6]ابوالقاسم طبرانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور بزار و طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نیز بزار نے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت کیا ہے یہ حدیث مغیرہ کی اور الفاظ نسائی کے ہیں کہ جب حضرت امیر معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو لکھا کہ مجھے اس بات سے آگاہ کرو جو تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی ہو، انھوں نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی

---

[1] جامع الترمذی باب مایقول اذاسلم مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۴۰ صحیح مسلم باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۸

الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك و لہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد[1]۔ یعنی امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مر مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ را نوشت کہ مہرا آگہی دہ بچیزے باشی مغیرہ گفت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چوں نماز ختم نمودے چناں فرمودے ہیچکس سزائے پرستش نیست جز خدائے یکتائے بے ہمتا، مراد راست پادشاہی و مراد راست ستائش واوبر ہر چہ کہ خواہد توانا ست خدایا ہیچ بازدارندہ نیست چیزے راکہ تودہی وہیچ دہندہ نیست چیزے راکہ تو بازداری وسود ندہد خداوند بخت ودولت رااز قہر و عذاب توآں بخت و دولتش، اللھم لامانع لما اعطیت الخ اگر دعا نیست آخر چیست بلکہ لہ الحمد خود بہترین دعاست ترمذی و نسائی و ابن حبان و حاکم اول بتحسین وآخر بتصحیح از جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما آوردند کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ افضل ذکر **لا الٰہ الا اللہ و افضل الدعاء الحمد للہ**[2]۔ بہترین ذکر لا الٰہ الا اللہ و بہترین دعا الحمدللہ گفتن ست۔ **حدیث پنجم:** در سنن نسائی از عطاء ابن ابی مروان از پدرش مروی ست ان کعبا **حلف باللہ الذی فلق البحر لموسی انا لنجد فی التوراۃ ان**

علیہ وسلم کا یہ معمول مبارک تھا کہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ پڑھتے لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولاینفع ذاالجد منک الجد (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تنہا و یکتا ہے اسکا کوئی شریک نہیں ملک و بادشاہی اور حمد اسی کے لئے ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے اے اللہ! جو تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا، جسے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا کسی کا بخت ودولت تیرے قہر وغضب سے اسے نفع نہیں دے سکتا اللھم لا مانع لما اعطیت الخ یہ کلماتِ دُعا نہیں تو کیا ہیں؟ بلکہ لہ الحمد خود بہترین دعا ہے۔ ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اول بطور تحسین اور آخری بطور تصحیح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الہ الااللہ ہے اور سب سے افضل دُعا الحمدللہ کہنا ہے۔ (ت)

پانچویں حدیث: سنن نسائی میں عطاء بن مروان سے ان کے والد گرامی کے حوالے سے مروی ہے کہ حضرت کعب احبار نے ابومروان کے سامنے قسم اُٹھائی

[1] سنن نسائی نوع آخر من القول عند انقضاء الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۱۵۷
[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان دعوۃ المسلم مستجابۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۴

داؤد نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذا انصرف من صلاته قال اللهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك واعوذیعنی بعفوك من نقمتك واعوذبك منك لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد قال وحدثنی کعب ان صھیبا حدثه ان محمدا صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یقولھن عند انصرافه من صلٰوته [1] یعنی کعب! احبار پیش ابی مروان بحلف گفت کہ سوگند بخدائیکہ دریارا بہر موسی علیہ الصلوٰۃ والسلام شگافت ہر آئینہ ما بتورایت مقدس می یابیم کہ داؤد نبی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام چوں از نماز برگشتے ایں دعا کردے الٰہی بیارا بہر من دین مرا اوراہ پناہ من کردہ و بیارا بہر من دنیائے مراکہ در وسامان زندگی من نہادہ خدایا پناہ می برم بخوشنودی تواز خشم تو و پناہ مے برم (وانیجا کلمہ گفت کہ معنیش چنین باشد) بہ در گزر شتن تواز سخت گرفتن تو و پناہ می برم بتواز تو ہیچ باز دراندہ نیست دادہ تراونہ دہندہ باز داشتہ وسود نکند بختور راازتو بخت اوابومروان گوید کعب بمن حدیث گفت کہ صہیب رضی اللہ تعالٰی عنہ اورا تحدیث کردو خبر داد کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیزایں دعابر گشتن از نماز مے کرد۔

اس اللہ کی قسم جس نے حضرت موسٰی علیہ السلام کے لئے سمندر کو پھاڑ دیا کہ یقینا ہم نے تورات مقدس میں یہ تحریر پائی ہے کہ اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللهم اصلح لی دینی الذی جعلته لی عصمة واصلح لی دنیای التی جعلت فیھا معاشی اللهم انی اعوذ برضاك من سخطك و اعوذ یعنی بعفوك من نقمتك و اعوذبك منك لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد (اے اللہ! میرے دین کو میرے لئے بہتر بنا جسے تونے میرے لئے محافظ بنایا ہے اور میرے لئے اس دنیا کو بہتر فرما جس کو تُو نے میری معاش کا ذریعہ بنایا ہے، اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اور میں (اس جگہ جو کلمہ کہا ہے اس کا معنی یہ بنتا ہے) اے اللہ! تیری معافی کے ساتھ تیری سخت گرفت سے پناہ مانگتا ہوں، اور میں تیری ذات کے ساتھ تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، تیری عطا کو کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو روکے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا اور کسی بختاور کو اسکا بخت تجھ سے نفع نہیں دے سکتا اور پھر حضرت ابو مروان نے کہا کعب نے مجھے حدیث بیان کہ صہیب نے ان کو خبر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ (ت)

---

[1] سنن النسائی نوع آخر من الدعاء عندالانصراف من الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ ۱/ ۱۵۸

حدیث ششم : در صحیح مسلم از براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت است گفت کنا اذا صلینا خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ، احببنا ان نکون عن یمینه یقبل علینا بوجهه قال فسمعته یقول رب قنی عذابك یوم تبعث او تجمع عبادك[1]۔ بودیم کہ چوں پس نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز می گزاردیم دوست می داشتیم کہ از دست راست او باشیم تاپس از سلام دادن روئے مبارک بسوئے ماکند پس شنیدم اور اکہ مے گفت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اے پروردگارِ من نگاہدار مراازعذاب خودت روزیکہ برانگیزی یافرمود گردآری بندگان خودرا۔

چھٹی حدیث : صحیح مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو ہمیں آپ کے دائیں طرف کھڑا ہونا زیادہ محبوب ہوتا تھا تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام کے بعد چہرہ انور ہماری طرف پھیریں، کہا پھر میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کلمات کہتے ہوئے سنا رب قنی عذابک یوم تبعث او تجمع عبادک (اے میرے رب! مجھے اپنے اس دن کے عذاب سے محفوظ فرما جس دن تو اپنے تمام بندوں کو اُٹھائے گا یا جمع کرے گا)۔(ت)

حدیث ہفتم : ۱بزار نے مسند، ۲طبرانی نے معجم اوسط، ۳ابن السنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ و ۴خطیب بغدادی در تاریخ از انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت دارند کان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا صلی وفرغ من صلٰوته مسح بیمینه علی رأسه وقال بسم اللہ الذی لا الٰه الا هو الرحمٰن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن[2]۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں از نماز فارغ شدے دست راست بر سر مبارک خودش سودے وایں دعا نمودے

ساتویں حدیث : ۱بزار نے مسند، ۲طبرانی نے معجم اوسط، ۳ابن السنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ و ۴خطیب بغدادی نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا دایاں ہاتھ اپنے سر پر پھیرتے اور پڑھتے بسم اللہ الذی لا الٰه الا هو الرحمٰن الرحیم اللھم اذھب عنی الھم والحزن (اللہ کے نام سے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ رحمٰن ورحیم ہے اے اللہ مجھ سے غم وحزن دُور فرمادے)۔

---

[1] الصحیح لمسلم باب جواز الانصراف من الصلوٰۃ عن الیمین والشمال مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] تاریخ بغداد للخطیب باب الکاف عن اسمہ کثیر حدیث ۶۹۵۳ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱۲/ ۴۸۰

بنام خدائیکہ جزاو ہیچکس سزائے پرستیدن نیست بخشائندہ مہربان خدایا پریشانی وغم از من دور کن،

طرفہ تر آنکہ ایں ہوشمندان راز قول امام وقت و مجتہد العصر و صاحب الزمان خودشاں خبرے نیست تا بدرک احادیث وادراک دلائل چہ رسد مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی نہ ہمیں در ثبوت دعا بلکہ در اثبات رفع یدین از برائے دعا بعد از نماز فتوائے نوشت امام ایناں میاں نذیر حسین دہلوی کہ بر قولش ایمان آوردہ ائمہ دین خدا را بجوئے نشمرند وفقہ وفقہارا دشنام دہند تصدیق وتائید او کرد حدیثے مجیب لکھنوی اوردہ بود حدیثے دگرایں کس افزود، فتوی اینست۔ چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دُعا بعد نماز چنانکہ معمول ائمہ دیاراست ہرچند فقہا مستحسن می نوسند واحادیث در مطلق رفع یدین در دعا نیز وارد، دریں خصوص ہم حدیثے واردست یا نہ بینوا توجروا۔ ھو المصوب دریں خصوص نیز حدیثے واردست حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق ابن السنی در کتاب عمل الیوم واللیلہ مے نویسند، حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابو یعقوب اسحاق بن خالد بن یزید البالسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراہیم و اسحٰق و یعقوب والہ جبرئیل ومیکائیل و اسرافیل علیہم السلام اسئلك ان تستجیب

اور طرفہ تر یہ کہ ان عقلمندوں کو اپنے امام وقت اپنے دور اور زمانے کے مجتہد کی خبر تک نہیں چہ جائیکہ یہ احادیث اور دلائل سے آگاہ ہوسکیں مولوی عبدالحہ لکھنوی نے صرف ثبوتِ دعا ہی نہیں بلکہ نماز کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا کرنے پر فتوٰی جاری کیا ان کے امام میاں نذیر حسین دہلوی (جن کے قول پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ دینِ الٰہی کے ائمہ کو کسی شمار میں نہیں لاتا، فقہ اور فقہا کو گالیاں دیتا ہے) انھوں نے فتوٰی میں مجیب لکھنوی کی حدیث لاکر لکھنوی کی تائید و تصدیق کی ہے دوسری حدیث کا اس نے خود اضافہ کیا ہے، وہ فتوٰی یہ ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اُٹھانا جس کا اس علاقے کے ائمہ میں معمول ہے کیسا ہے؟ اگرچہ فقہا نے اسے مستحسن لکھا اور مطلق ہاتھ اُٹھانے اور دعا میں روایات موجود ہیں کیا اس عمل خاص (رفع یدین) پر بھی کوئی حدیث ہے؟ جواب عنایت کرو اجر پاؤگے، وہی صواب کی توفیق دینے والا ہے ۔خاص اس بارے میں بھی حدیث موجود ہے۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق ابن السنی نے اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھا ہے مجھے احمد بن حسن نے انھیں ابو یعقوب اسحاق بن خالد بن یزید البالسی نے انھیں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی نے خصیف سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد دعا کیلئے ہاتھ پھیلائے اور عرض کیا اے اللہ میرے معبود! اے ابراہیم، اسحٰق،

دعوتی فانی مضطر ، وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی، و تنالی برحمتك فانی مذنب ، وتنفی عنی الفقر، فانی متمسکن ،الاکان حقا علی اللہ عزّوجل ان لا یرد یدیہ خائبتین [1] واللہ تعالٰی اعلم

ابو الحسنات محمد عبدالحی

حاصل ایں حدیث کہ **حدیث ہشتم** : باشد آنست کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امت را دعائے می آموزد کہ ہر کہ بعد ہر نماز ہر دو دست خود برداشتہ ایں دُعا کند بر حضرت جل وعلا حق باشد دستہائے او را نومید باز نہ گرداند باز تصدیق امام الطائفہ خود ینیدمی سراید الجواب صحیح و یؤیدہ مارواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ ودعا الحدیث [2] فثبت بعد الصلٰوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن السیدالانبیا و اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما لا یخفی عن العلماء الاذکیا

سید محمد نذیر حسین

لیکن ایں **حدیث نہم**: کہ ابو بکر بن ابی شیبہ در

اور یعقوب کے معبود! اے جبرائیل ، میکائیل اور اسرافیل (علیہم السلام) کے معبود! میری عرض ہے کہ میری دُعا قبول فرما کہ پریشان ہوں میری دین میں حفاظت فرما میں ابتلاء میں ہوں مجھے اپنی رحمت سے نواز میں گنہگار ہوں مجھ سے میرے فقر کو دور فرما میں مسکین ہوں ۔تو اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم لیا ہے کہ اسکے ہاتھ خالی نہیں لوٹائیگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

ابو الحسنات محمد عبدالحی

آٹھویں حدیث: آٹھویں حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امّت کو عملاً دعا کی تعلیم دی ہے اور فرمایا "جو شخص اس طرح ہاتھ باندھ کر بعدِ نماز دُعا کرے گا اللہ تعالٰی جل وعلا نے اپنے ذمہ کرم میں لیا ہے کہ اُسے نا امید نہیں لوٹا ئے گا"۔ پھر اپنے امام کی تصدیق ہی دیکھ لیتے تو بات واضح ہو جاتی، وہ کہتے ہیں یہ جواب صحیح ہے اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے۔_____ جسے ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے اور انہوں نے اپنے والد گرامی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی جب آپ نے سلام

---

[1] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول فی دبر الصلوٰۃ مطبوعہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد دکن ۱/ ۳۸

[2] مصنف ابن ابی شیبہ من کان یستحب اذا سلم ان یقوم اوینحرف الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۲

نوٹ: اس حوالے کے لئے بڑی کوشش کی ہے لیکن جو حوالہ ملا ہے اس کے الفاظ اتنے ہیں کہ صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انحرف۔ یہاں پر "ورفع یدیہ ودعا" کے الفاظ نہیں۔ نذیر احمد سعیدی۔

مصنف از اسود عامری از پدر او رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کردہ است کہ من ما حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ فجر گزاردم چوں سلام داد برگشت وہر دو دست پاک برداشتہ دعا فرمود امام ایناں گوید کہ پس خود از سیّد الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نماز فریضہ دست بہر دعا برداشتن بثبوت پیوست چنانکہ بر علمائے اذکیا پوشیدہ نیست، من میگویم مگر مجتہدین اغبیا شمار ادرماں چیست الحمدللہ کفی اللہ اھل السنۃ القتال ہفت حدیث را وعدہ کردم و بجا آوردیم کہ ہفت از افضل اعداد بود حالا بتقریب ذکر ایں فتوی درحدیث دیگر مذکور شدمی خواہم کہ حدیث دگر خوانیم وعدد بہ تلک عشر کاملۃ رسانیم وباللہ التوفیق۔

حدیث دہم: امام احمد در مسند و نسائی در مجتبٰی وابن حبان در صحیح از حارث بن مسلم وابوداؤد در سنن از پدرش مسلم بن حارث رضی اللہ عنہ وھوالصواب کما افاد الحافظ المنذری فی الترغیب روایت کنند سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مراو رافرمود اذا صلیت الصبح فقل قبل ان تتکلم احدا من الناس، اللھم اجرنی من النار سبع مرات، فانك ان مت من یومك ذلك کتب اللہ لك جوارا من النار واذا صلیت المغرب فقل قبل ان تکلم احدا من الناس اللھم اجرنی من النار

کہا، رُخ انور پھیرا، ہاتھ اٹھائے اور دعا کی (الحدیث) اس حدیث کے متعلق ان کا امام کہتا ہے کہ اس سے فرض نماز کے بعد دُعا میں ہاتھ اُٹھانا خود سید الانبیاء اسوہ الاتقیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے جیسا کہ علماءِ اذکیا پر مخفی نہیں سید محمد نذیر حسین۔ **میں کہتا ہوں** مگر تمھارے مجتہدوں کی بیماری کا علاج کیا ہو سکتا ہے! تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو اہل سنت کو لڑائی کے لئے کافی ہے میں نے سات احادیث کا وعدہ کیا تھا جو میں نے پورا کردیا، اس لئے کہ سات کا عدد افضل اعداد میں سے ہے اور مذکورہ فتوی کے حوالے سے دو احادیث کا مزید ذکر آگیا اب میں چاہوں گا کہ ایک اور حدیث کا ذکر کردوں تاکہ اس ساتھ "تلك عشرۃ کاملۃ" کا عدد مکمل ہوجائے وباللہ التوفیق۔ (ت)

دسویں حدیث: امام احمد نے مسند، نسائی نے مجتبٰی، ابن حبان، صحیح میں حارث بن مسلم سے ابوداؤد نے سنن میں اس کے والد حارث بن مسلم رضی اللہ عنہ سے (اور یہی صواب ہے جیسا کہ حافظ منذری نے ترغیب میں ذکر کیا ہے) روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا "جب تم فجر کی نماز ادا کرلو تو لوگوں سے ہمکلام ہونے سے پہلے سات ۷ مرتبہ یہ دُعا پڑھو اللھم اجرنی من النار (اے اللہ! مجھے دوزخ کی آگ سے آزاد فرما) اب اگر تو اس دن فوت ہوگیا تو اللہ تعالٰی تجھے جہنّم سے آزادی عطا فرمائے گا اور جب مغرب کی

سبع مرات فانك ان مت ليلتك كتب الله لك جوارا من النار [1] چوں نماز بامداد ادا کنی پیش ازآنکہ با کسے سخن گوئی ہفت بارایں دعا کن خدایا مرا از دوزخ پناہ دہ کہ اگرآں روز میری حق جل وعلا برائے تو پناہ از دوزخ نویسد وچوں نماز شام گزاری ہمچناں کن اگرآں شب میری ہمچناں شود اللهم اجرنا من النار برحمتك یا عزیز یاغفار وصلی الله تعالٰی علی نبیه المختار واٰله الاطهار وبارك وسلم ۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	نماز پڑھ لو تو لوگوں سے گفتگو سے پہلے سات دفعہ یہ دعا پڑھ لو اللهم اجرنی من النار (اے الله! مجھے جہنم کی آگ سے بچالے) اگراس رات تجھے موت آگئی تو الله تعالٰی تجھے جہنم سے آزادی عطافرمائے گا-"اے الله! ہمیں بھی اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے آزاد فرمایا عزیز یا غفار وصلی الله تعالٰی علی نبیه المختار واٰله الاطهار وبارك وسلم ۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۴۷: از ندی پار بتی علاقہ ریاست گوالیار گوتا باور ریلوے ڈاک خانہ ندی مذکور مرسلہ سید کرامت علی صاحب، محرر منشی محمد امین صاحب ٹھیکیدار ریلوے مذکور ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

بخدمت فیض درجت مولٰنا و مرشدنا مولوی احمد رضاخان صاحب دام اقبالہ، السلام علیک واضح رائے شریف ہو کہ بوجہ چند ضروریات کے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ بنظر توجہ بزرگانہ جواب سے معزز فرمایا جاؤں۔ وظیفہ یا درود شریف بلند پڑھنا درست ہے یا نہیں ان معاملات میں کچھ شبہ ہے اور کچھ دلیل بھی ہوئی ہے لہٰذا دریافت کی ضرورت ہوئی۔

الجواب:

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ الله وبرکاتہ۔ درود شریف خواہ کوئی وظیفہ باآواز نہ پڑھا جائے جبکہ اُس کے باعث کسی نمازی یا سوتے مریض کی ایذا ہو یا ریا آنے کا اندیشہ اور اگر کوئی محذور نہ موجود ہو نہ مظنون تو عندالتحقیق کوئی حرج نہیں تاہم اخفا افضل ہے لما فی الحدیث خیر الذکر الخفی [2] (جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ ذکر خفی بہتر ہے۔ت) والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۴۸: از میرٹھ دفتر طلسمی پریس مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب تاجر طلسمی پریس ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادھر کے لوگ صبح اور عصر میں بعد سلام، اول تسبیحات پڑھ کر دعا مانگتے اور وہاں بعد سلام فوراً دعا، ان میں کون ساطریقہ سنّت ہے اور کیا ثبوت ہے؟

الجواب:

نماز کے بعد دُعا ثابت ہے اور تسبیح حضرت بتول زہرا رضی الله تعالٰی عنہا بھی صحیح حدیثوں میں آئی ہے۔

---

[1] سنن ابوداؤد باب مایقول اذا صبح مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳۷، الترغیب والترہیب فی اذکار الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۴

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند سعد بن ابی وقاص مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۷۲-۱۸۰-۱۸۷

صبح اور عصر کے بعد سنّتیں نہیں ان کے بعد ذکر طویل کا موقع ہے مگر مسلمانوں میں رسم یہ پڑ گئی ہے اور ضرور محمود ہے کہ بعد سلام امام کے ساتھ دُعا مانگتے ہیں اور اگر وُہ دعا میں دیر کرے منتظر رہتے ہیں، ان کے ساتھ دعا مانگنے کے بعد متفرق ہوتے ہیں اس حالت میں تسبیحات کی تقدیم اگر خوب تحقیق ثابت ہو کہ اُن میں کسی ایک فرد پر بھی ثقیل نہ ہوگی تو کچھ حرج نہیں ورنہ یہی بہتر ہے کہ خفیف دعا مانگ کر فارغ کردے پھر جس کے جی میں آئے تسبیحات میں شامل رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۴۹: از راموچکما کوں ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ سید مفیض الرحمان ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۲۶ھ

درود شریف بالجہر پڑھنا جائز ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی مطلقاً ناجائز ہے یا جواز مع الکراہت اور کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

الجواب:

درود شریف ذکر ہے ذکر بالجہر جائز ہے جبکہ نہ ریاء ہو نہ کسی نمازی یا مریض یا سوتے کی ایذا نہ کسی اور مصلحت شرعیہ کا خلاف، یونہی درود شریف جہراً جائز و مستحب ہے جس کے جواز پر دلیل اجماع کہ قرات حدیث وذکر نامِ اقدس میں سلفاً خلفاً تمام ائمہ و علماء و مسلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُسی آوز سے کہتے ہیں جتنی آواز سے قرات حدیث وکلام کر رہے ہیں اور یہ جہر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۵۰: از بریلی محلّہ بہاری پور جناب نواب مولوی سلطان احمد خان صاحب ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

جس فرض کے بعد سنّت ہے اس فرض کے بعد مناجات کرنا درست ہے یا نہیں؟ یا بغیر مناجات کے سنّت ادا کرکے یا مختصر مناجات کے بعد سنّت شروع کرے؟ دلیل حدیث یا فقہ کی کتاب سے مع عبارت ہونی چاہئے مع نشان باب و نام کتاب۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز و درست تو مطلقاً ہے مگر فصل طویل مکروہ تنزیہی وخلافِ اولٰی ہے اور فصل قلیل میں اصلاً حرج نہیں، دُرمختار فصل صفۃ الصلوٰۃ میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الابقدر اللھم انت السلام الخ وقال الحلوانی لاباس بالفصل	سنّتوں کا مؤخر کرنا مکروہ ہے مگر اللھم انت اسلام الخ کی مقدار۔ حلوانی نے کہا اور اداور

بالا وراد واختارہ الکمال قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت وفی حفظی حملہ علی القلیلۃ [1]۔	دعاؤں کی وجہ سے فصل (وقفہ) میں کوئی حرج نہیں کمال نے اسے مختار قرار دیا ہے۔ حلبی نے کہا کہ اگر کراہت سے مراد تنزیہی ہو تواختلاف ہی ختم ہوجاتا ہے۔ میں کہتا ہوں مجھے یاد آتا ہے کہ حلوانی نے اسے اورادِ قلیلہ پر محمول کیا ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قول الحلوانی لاباس الخ والمشھور فی ھذہ العبارۃ کون خلافہ اولی فکان معناھا ان الاولی ان لا یقرأ ای الاوراد قبل السنۃ ولو فعل لا باس [2] اھ مختصرا نقلہ الشامی ثم قال وتبعہ علی ذلك تلمیذہ فی الحلیۃ وقال فتحمل الکراھۃ فی قول البقالی علی التنزیھیۃ لعدم دلیل التحریمیۃ حتی لوصلاھا بعد الاوراد تقع سنۃ مؤادۃ لکن لافی وقتھا المسنون [3]۔	حلوانی کا قول لا باس الخ (دعاؤں کی وجہ سے فصل (وقفہ) میں کوئی حرج نہیں) اس عبارت میں مشہور ہے کہ اس کا خلاف اولٰی ہے اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ سنّت سے پہلے (اوراد کا) نہ پڑھنا اولٰی ہے، اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اس میں حرج نہیں اھ اختصارًا۔ شامی نے اس کو نقل کرکے اس کے بعد فرمایا حلیہ میں ان کے شاگرد نے ان کی اتباع کی اور کہا مکروہ تحریمی پر دلیل نہ ہونے کی وجہ سے بقالی کے قول میں کراہت کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا۔ حتی کہ اگر کسی شخص نے اوراد کے بعد سنّتیں ادا کیں تو وہ ادا ہی ہونگی البتہ وقت مسنون میں ادا نہیں ہوئیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقعد الابمقدار ما یقول اللھم انت السلام الخ قال وقول عائشۃ بمقدار لا یفیدانہ کان یقول	مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (نماز فرض کے بعد) اللھم انت السلام کی مقدار ہی بیٹھتے تھے۔ شامی نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے قول کی بمقدار سے

[1] دُرمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷۹

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۴

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۹۲

ذلك بعينه بل كان يقعد بقدر مايسعه و نحوه من القول تقريبا فلا ينافی فی الصحيحين من انه صلی الله تعالٰی عليه وسلم كان يقول دبر كل مكتوبة لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شيئ قدير اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطی لما منعت ولا ينفع ذاالجد منك الجد وتمامه فی شرح المنية وكذافی الفتح من الوتر والنوافل [1] اھ مختصرا۔	یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت میں بعینہٖ یہی کلمات جس میں تقریبًا یہی دُعا یا اسی طرح کی کوئی دوسری دعا پڑھی جاسکتی تھی ۔لہٰذا ان کا یہ قول بخاری ومسلم کی اس روایت کے منافی نہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعا پڑھتے : لا الٰہ الّا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر اللھم لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذاالجد منك الجد(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک ہے، ملک اس کا، حمد اس کی، اور وہ ہر شے پر قادر ہے، اے اللہ! تیری عطا میں کوئی رکاوٹ نہیں بن سکتا، جو تُو نہ دے وہ کوئی اور دے نہیں سکتا اور کسی کو اسکا بخت ودولت تیرے قہر وعذاب سے بچا نہیں سکتا) اس کی تفصیل شرح المنیہ اور اسی طرح فتح القدیر کے باب الوتر والنوافل میں ہے اھ اختصارًا(ت)

غنیہ میں ہے:

وكذا ماروی مسلم و غيره عن عبدالله بن الزبير رضی الله تعالٰی عنهما كان رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم اذا سلم من صلٰوته قال بصوته الاعلی لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو علی كل شيئ قدير ولا حول ولاقوة الا بالله ولا نعبد الا اياه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الّا الله	اسی طرح وُہ حدیث (یعنی حضرت عائشہ کا قول اس حدیث کے بھی منافی نہیں) ہے جس کو مسلم وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اسکا کوئی شریک نہیں سلطنت اسی کی، حمد اسی کے لئے ،اور وہ ہر شے پر قادر ہے ،برائی سے پھیرنا نیکی کی

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۹۱

مخلصین لہ الدین ولوکرہ الکافرون لان المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید قد یسع کل واحد من نحو ھذہ الازکار لعدم التفاوت الکثیرۃ بینھا[1] الخ	طاقت دینا یہ اللہ کی طاقت و قدرت میں ہے ہم اسکے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے نعمت و فضل اسی کے لئے ، ثناء جمیل اسی کی ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، خالص کرنے والے ہیں (اس کے لئے دین کو اگرچہ کافراسے ناپسند کریں کیونکہ مقدار مذکور تقریبی اعتبار سے ہے نہ کہ تحدیدی اعتبار سے،اس مقدار میں ان اذکار میں سے ہر ایک پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ ان کے درمیان زیادہ تفاوت نہیں الخ(ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے:

باید دانست آنست کہ تقدیم روایت منافی نیست بعدیتے راکہ درباب بعض ادعیہ و اذکار دراحادیث واقع شدہ است ، کہ بخواند بعد از نمازِ فجر و مغرب دہ بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر[2] (مختصرًا)	یہاں اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ تقدیم روایت بعدیت روایت کے منافی نہیں کیونکہ بعض دعاؤں اور اذکار کے بارے میں احادیث موجود ہیں ایک روایت میں ہے کہ نماز فجر اور مغرب کے بعد دس مرتبہ یہ کلمات پڑھے جائیں: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے ذات و صفات میں اسکا کوئی شریک نہیں، سلطنت اسی کی ہے، حمد اسی کی ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے۔(مختصرًا)۔(ت)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ آیۃ الکرسی یا فرض مغرب کے بعد دس۱۰ بار کلمہ توحید پڑھنا فصل قلیل ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۵۱: از شہر کہنہ محلّہ روہیلہ ٹولہ مسئولہ مولوی رحیم اللہ ۱۹رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید بعد ہر نماز جماعت فریضہ قبل از مانگنے دُعا روز ایک مرتبہ کلمہ توحید روز بعد مانگنے دعا کلمہ طیبہ تین مرتبہ اور ایک مرتبہ کلمہ شہادت باآواز بلند بہ نیت مع حاضرین جماعت پڑھا کرتا ہے۔یہ فعل اسکا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے مگر حاضرین کو ان کی خوشی پر رکھا جائے مجبور نہ کیا جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۲

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الاول من باب الذکر بعد الصلوٰۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۱۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب القرأۃ

(قرأت کا بیان)

مسئلہ نمبر ۴۵۲: از بریلی مسئولہ سید احمد علی ساکن نوادہ شیخان ۳ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تلاوت کلام مجید مُصلّی یا غیر مُصلّی پر باترتیب پڑھنا فرض ہے یا واجب یا سنّت یا مستحب؟ اور امام نماز میں بے ترتیب سورہ پڑھے تو اس پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

نماز ہو یا تلاوت بطریق معہود ہو دونوں میں لحاظ ترتیب واجب ہے اگر عکس کرے گا گنہگار ہوگا۔ سیّدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ عزوجل اس کا دل اُلٹ دے۔

ہاں اگر خارج نماز ہیکہ ایک سورت پڑھ لی پھر خیال آیا کہ دوسری سورت پڑھوں وہ پڑھ لی اور اس سے اُوپر کی تھی تو اس میں حرج نہیں۔ یا مثلاً حدیث میں شب کے وقت چار[۴] سورتیں پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے۔ یسین شریف کہ جو رات میں پڑھے گا صبح کو بخشا ہوا اُٹھے گا۔ سورہ دخان شریف پڑھنے کا ارشاد ہوا ہے کہ جو اسے رات میں پڑھے گا صبح اس حالت میں اُٹھے گا کہ ستّر ہزار فرشتے اس کے لئے استغفار کرتے ہوں گے۔ سورہ واقعہ شریف کہ جو اسے رات پڑھے گا محتاجی اس کے پاس نہ آئے گی۔ سورہ تبارك الذی شریف کہ جو اسے ہر رات پڑھے گا عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔

ان سورتوں کی ترتیب یہی ہے مگر اس غرض کے لئے پڑھنے والا چار سورتیں متفرق پڑھنا چاہتا ہے کہ ہر ایک مستقل جُدا عمل ہے اسے اختیار ہے کہ جس کو چاہے پہلے پڑھے جسے چاہے پیچھے پڑھے۔

امام نے سورتیں بے ترتیبی سے سہواً پڑھیں تو کچھ حرج نہیں، قصداً پڑھیں تو گنہگار ہوا، نماز میں کچھ خلل نہیں **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ نمبر ۴۵۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت سورہ فاتحہ یااور کسی سورت کی جائز ہے یانہیں۔بینوا توجروا۔

الجواب:

مذہب حنفیّہ دربارہ قرأت مقتدی عدم اباحت وکراہت تحریمیہ ہے۔ نماز سرّی میں روایت استحباب کہ حضرت امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی طرف نسبت کی گئی محض ضعیف

کما بسط المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس مولٰنا کمال الملۃ والدین محمد رحمہ اللہ تعالٰی کما قالہ فی الدرالمختار۔	جیسا کہ محقق علی الاطلاق فقیہ النفس مولٰنا کمال الملۃ والدین محمد (ابن ہمام) رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ جیسا کہ دُرِمختار میں بیان کیا گیاہے۔(ت)

خود تصانیفِ امام محمد میں جابجا عدم جواز مصرح آثار میں فرماتے ہیں یہی مذہب ہمارا مختار اور اسی پر عامہ حدیث واخبار وارد،اور فرمایا ایک جماعتِ صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین قرأتِ مقتدی کو مفسدِ نماز کہتی ہےاور قوی الدلیلین پر عمل کرنے میں احتیاط ہے۔

مؤطا میں بہت آثار روایت فرمائے جن سے عدمِ جواز ثابت قالہ الشیخ مولٰنا عبدالحق المحدث الدہلوی قدس اللہ سرہ العزیز فی اللمعات (یہ بات شیخ محقق حضرت مولانا عبدالحق دہلوی قدس اللہ تعالٰی سرہ نے اشعۃ اللمعات میں کہی ہے۔ت)

باایں ہمہ خلاف تصریحات امام ایک روایت مرجوحہ مجروحہ سے نماز سری میں جواز خواہ استحباب قرأت اُن کامذہب ٹھہرانا اور فقہ حنفی میں اس کاوجود سمجھنا محض باطل ووہم عاطل۔ہمارے علمائے مجتہدین بالاتفاق عدم جواز کے قائل ہیں اور یہی مذہب جمہور صحابہ وتابعین کا ہے حتّٰی کہ صاحب ہدایہ امام علامہ برہان الملۃ والدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالٰی نے دعوٰیِ اجماعِ صحابہ کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔احادیث وآثار کہ اس باب میں وارد بیحد وشمار،یہاں خوفِ طوالتِ بیان بعض پر اقتصار:

حدیث۱: صحیح مسلم شریف میں سیّدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اذا صلّیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذاقرأ فانصتوا[1]۔ یعنی جب تم نماز

---

[1] الصحیح المسلم باب التشہد فی الصلوٰۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۴

نوٹ: مسلم میں حدیث کے آخری الفاظ ''واذاقراء فانصتوا'' اسی جگہ پر قتادہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہیں۔ نذیر احمد سعیدی

پڑھو اپنی صفیں سیدھی کرو پھر تم میں کوئی امامت کرے وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرأت کرے تم چپ رہو۔

حدیث ۲: ابوداؤد و نسائی اپنی اپنی سُنن میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انما الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذاقرأ فانصتوا**[1] **ھذا لفظ النسائی**۔ یعنی امام تو اس لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے پس جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی کہو اور جب قرأت کرے خاموش رہو۔ یہ نسائی کے الفاظ ہیں۔ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہ اللہ تعالٰی اپنی صحیح میں اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

حدیث ۳: ترمذی اپنی جامع میں سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: **من صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بامّ القراٰن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام**[2]۔ یعنی جو کوئی رکعت بے سورہ فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب امام کے پیچھے ہو۔ ھکذا رواہ مالک فی مؤطاہ موقوفا (اسی طرح اس حدیث کو امام مالک نے مؤطا میں موقوفاً روایت کیا ہے۔ ت) اور امام ابوجعفر احمد بن سلامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں اسے روایت کیا اور ارشادات سید مرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قرار دیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ حافظ ابوعیسٰی ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ سیدنا امام الائمہ مالک الازمہ سراج الاُمہ کاشف الغُمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن مقلدیہ باحسان روایت فرماتے ہیں:

حدیث ۴: **حدثنا ابوالحسن موسٰی بن ابی عائشۃ عن عبداللہ بن شداد بن الھاد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال من صلی خلف الامام فان قرأۃ الامام لہ قرأۃ**[3]۔ یعنی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کا پڑھنا اس کا پڑھنا ہے۔ فقیر کہتا ہے یہ حدیث صحیح ہے رجال اس کے سب رجال صحاح ستّہ ہیں۔ **ورواہ محمد ھکذا**

---

[1] سنن النسائی تاویل قولہ عزوجل واذاقرئ القرآن الخ حدیث ۹۲۳ مطبوعہ مکتبۃ السّلفیہ لاہور ۱/ ۱۱۲

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک القراۃ خلف الامام اذاجھر بالقراۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۴۲

[3] مسند الامام الاعظم کفایۃ قراۃ الامام للماموم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۶۱

مرفوعا من طریق اُخر (اس کو امام محمد نے مرفوعادوسری سند سے روایت کیا ہے۔ت) حاصل حدیث کا یہ ہے کہ مقتدی کوپڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں امام کاپڑھنا کفایت کرتا ہے۔ھکذا روی عند محمد رحمہ اللہ تعالٰی مختصرا ورواہ الامام تارۃ اخری مستوعبا۔

حدیث ۵: قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالناس فقرأرجل خلفہ فلما قضی الصلٰوۃ قال ایکم قرأخلفی ثلث مرات فقال رجل انا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی خلف الامام فان قرأۃ الامام لہ قرأۃ [1]۔خلاصہ مضمون یہ ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو نمازپڑھائی ایک شخص نے حضور کے پیچھے قرات کی سیّد اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر ارشاد فرمایا کس نے میرے پیچھے پڑھا، لوگ بسبب خوف حضور کے خاموش ہو رہے، یہاں تک کہ تین بار بتکرار یہی استفسار فرمایا، آخر ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میں نے۔ارشاد ہوا کہ جو امام کے پیچھے ہو اس کے لئے امام کاپڑھنا کافی ہے۔

حدیث ٦: ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضاعن حماد بن ابراہیم ان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یقرأ خلف الامام لا فی الرکعتین الاولین ولا فی غیرھما [2] یعنی سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امام کے پیچھے قرات نہ کی نہ پہلی دو رکعتوں میں نہ ان کے غیر میں۔

فقیر کہتا ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جو افاضل صحابہ و مومنین سابقین سے ہیں حضر و سفر میں ہمراہِ رکاب سعادت انتساب حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رہتے اور بارگاہِ نبوت میں بے اذن لئے جانا اُن کے لئے جائز تھا بعض صحابہ فرماتے ہیں ہم نے راہ وروش سرورانبیاء علیہ التحیۃ والثنا سے جو چال ڈھال ابن مسعود کو ملتی پائی کسی کی نہ پائی، خود حضور اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] مسند الامام الاعظم کفایۃ قراۃ الامام للماموم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص٦١

[2] الموطاللامام محمد باب القراۃ فی الصلوۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص١٠٠

نوٹ: مجھے عبداللہ بن مسعود کی حدیث مسند امام اعظم سے نہیں ملی اس لئے موطا امام محمد سے نقل کی ہے جو متن میں آرہی ہے الفاظ یہ ہیں:۔ان عبداللہ بن مسعود کان لایقرا خلف الامام فیما یجھر فیہ وفیما یخافت فیہ الاولیین ولا فی الاخریین واذا صلی وحدہ قرا فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ولم یقرا فی الاخریین شیئا۔ **نذیر احمد سعیدی۔**

رضیت لا متی ما رضی لھا ابن ام عبد و کرھت لامتی ما کرہ لھا ابن ام عبد [1]۔	میں نے اپنی امت کے لئے وہ پسند کیا جو عبداللہ بن مسعود اس کے لئے پسند کرے اور میں نے اپنی امت کے لئے ناپسند کیا جو اُس کے لئے عبداللہ بن مسعود ناپسند کرے۔

گویا ان کی رائے حضورِ والا کی رائے اقدس ہے اور معلوم ہے کہ جناب ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جب مقتدی ہوتے فاتحہ وغیرہ کچھ نہیں پڑھتے تھے اور ان کے سب شاگردوں کا یہی وتیرہ تھا۔

حدیث ۷: محمد فی مؤطاہ من طریق سفیانین عن منصور بن المعتمر وقال الثوری نا منصور وھذا لفظ ابن عینیۃ عن منصور بن المعتمر عن ابی وائل قال سئل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن القرأۃ خلف الامام قال انصت فان فی الصلٰوۃ لشغلا سیکفیك ذلك لامام [2]۔ خلاصہ یہ کہ سیّدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے درباہ قرات مقتدی سوال ہوا، فرمایا خاموش رہ کہ نماز میں مشغولی ہے یعنی بیکار باتوں سے باز رہنا عنقریب تجھے امام اس کام کی کفایت کردے گا یعنی نماز میں تجھے لاطائل باتیں روا نہیں، اور جب امام کی قرات بعینہٖ اُس کی قرات ٹھہرتی ہے تو پھر مقتدی کا خود قرات کرنا محض لغو ناشائستہ ہے۔ فقیر کہتا ہے یہ حدیث اعلٰی درجہ صحاح میں ہے اس کے سب رواۃ ائمہ کبار و رجال صحاح ستہ ہیں۔

حدیث ۸: واما حدیث الامام عن ابن مسعود فوصلہ محمد نا محمد بن ابان بن صالح القرشی عن حماد عن ابراھیم النخعی عن علقمۃ بن قیس ان عبداللہ بن مسعود کان لایقرأ خلف الامام فیما یجھر و فیما یخافت فیہ فی الاولیین ولا فی الاخریین و اذا صلی وحدہ قرأ فی الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ولم یقرأ فی الاخریین شیئا [3]۔ حاصل یہ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ جب مقتدی ہوتے تو نماز میں جہریہ ہو یا سریہ کچھ نہ پڑھتے تھے نہ پہلی رکعتوں میں نہ پچھلی میں۔ ہاں جب تنہا ہوتے تو صرف پہلیوں میں الحمد و سورت پڑھتے۔

اثر ۱: ابو حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم انہ قال لم یقرأ علقمۃ خلف الامام حرفا لا فیما یجھر فیہ القرأۃ ولا فیما لایجھر فیہ ولا قرأ فی الاخریین بام الکتاب ولا غیرھا خلف الامام

---

[1] مجمع الزوائد باب ماجاء فی عبداللہ بن مسعود مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۹ /۲۹۰

[2] مؤطا امام محمد باب القراۃ فی الصلوۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۰

[3] مؤطا امام محمد باب القراۃ فی الصلوۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۰

ولا اصحاب عبداللہ جمیعا [1]۔ یعنی علقمہ بن قیس کہ کبار تابعین واعاظم مجتہدین اور افقہ تلامذہ سیّدنا ابن مسعود ہیں امام کے پیچھے ایک حرف نہ پڑھتے چاہے جہر کی قرأت ہو چاہے آہستہ کی اور نہ پچھلی رکعتوں میں فاتحہ پڑھتے اور نہ اور کچھ جب امام کے پیچھے ہوتے اور نہ کسی نے حضرت کے اصحاب عبداللہ بن مسعود سے قرأت کی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اثر ۲: محمد فی الموطا اخبرنا بکیر بن عامر مرثنا ابرہیم النخعی عن علقمۃ بن قیس قال لان اعض علی جمرۃ احب الی من ان اقرأخلف الامام [2]۔ یعنی حضرت علقمہ بن قیس فرماتے ہیں البتہ آگ کی چنگاری منہ میں لینا مجھے اس سے زیادہ پیاری ہے کہ میں امام کے پیچھے قرأت کروں۔

اثر ۳: محمد ایضا اخبرنا اسرائیل من یونس ثنا منصور عن ابراہیم قال ان اول من قرأ خلف الامام رجل اتھم [3]۔ یعنی ابراہیم بن سوید النخعی نے کہ رؤسائے تابعین وائمہ دین متین سے ہیں تحدیث وفقاہت ان کی آفتاب نیمروز ہے فرمایا پہلے جس شخص نے امام کے پیچھے پڑھا وہ ایک مرد متہم تھا۔ حاصل یہ کہ امام کے پیچھے قرأت ایک بدعت ہے جو ایک بے اعتبار آدمی نے احداث کی۔ فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے رجال صحیح مسلم ہیں۔

حدیث ۹: امام مالک اپنی مؤطا میں اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالٰی اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں: وھذا سیاق مالک عن نافع ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان اذا سئل ھل یقرأ احد خلف الامام قال اذا صلی احدکم خلف امام فحسبہ قرأۃ الامام واذا صلی وحدہ فلیقرأ قال وکان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لایقرأخلف الامام [4]۔ یعنی سیدنا وابن سیدنا عبداللہ بن امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جب دربارہ قرأتِ مقتدی سوال ہوتا فرماتے جب کوئی تم میں امام کے پیچھے نماز پڑھے تو اسے قرأت امام کافی ہے اور جب اکیلا پڑھے تو قرأت کرے۔ نافع کہتے ہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما خود امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے فقیر کہتا ہے۔

---

[1] کتاب الآثار امام محمد باب القرأۃ خلف الامام وتلقینہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۱۶

[2] موطا امام محمد باب القرأۃ فی الصلوۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۰

[3] موطا امام محمد باب القرأۃ فی الصلوۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۰

[4] مؤطا امام مالک ترک القرأۃ خلف الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۶

کہ یہ حدیث غایت درجہ کی صحیح الاسناد ہے حتی کہ مالک بن نافع عن ابن عمر کو بہت محدثین نے صحیح ترین اسانید کہا۔

حدیث ۱۰: محمد اخبرنا عبیدالله بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه عن نافع عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنه قال من صلی خلف الامام کفته قرأته [1]۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں مقتدی کو امام کا پڑھنا کافی ہے۔ فقیر کہتا ہے یہ سند بھی مثل سابق کے ہے اور اس کے رجال بھی رجال صحاح ستہ ہیں، بلکہ بعض علماء حدیث نے روایات نافع عن عبیداللہ بن عمر کو امام مالک پر ترجیح دی۔

حدیث ۱۱: محمد اخبرنا عبدالرحمن بن عبدالله المسعودی اخبرنی انس بن سیرین عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما انه سئل عن القرأة خلف الامام قال تکفیك قرأة الامام۔ [2] یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دربارہ قرات استفسار ہوا فرمایا تجھے امام کا پڑھنا بس کرتا ہے۔

حدیث ۱۲: امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی رحمۃ اللہ علیہ معانی الآثار میں روایت کرتے ہیں: حدثنا ابن وهب فساق باسناده عن زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنه سمعه یقول لایقرأ المؤتم خلف الامام فی شیئ من صلاة [3] یعنی سیدنا زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مقتدی امام کے پیچھے کسی نماز میں قرات نہ کرے یعنی نماز جہر ہو یا سریہ:

حدیث ۱۳: محمد اخبرنا داؤد بن قیس ثنا عمر بن محمد بن زید عن موسٰی بن سعید بن زید بن ثابت الانصاری یحدثه عن جده قال من قرأ خلف الامام فلا صلٰوة له [4]۔ یعنی حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جو شخص امام کے پیچھے پڑھے اس کی نماز جاتی رہی۔ **فقیر کہتا ہے** یہ حدیث حسن ہے اور دارقطنی نے بطریق طاؤس اسے مرفوعاً روایت کیا۔

حدیث ۱۴: الحافظ بن علی بن عمر الدارقطنی عن ابی حاتم بن حبان ثنی ابراهیم بن سعد عن احمد بن علی بن سلیمان الدوری عن عبدالرحمٰن المخزومی

---

[1] مؤطاالامام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۹۷

[2] مؤطاالامام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۹۸

[3] شرح معانی الاثار باب القراۃ خلف الامام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۱)

[4] مؤطاالامام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۲

عن سفیان بن عیینہ عن ابن طاؤس عن ابیہ عن زید عن ثابت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من قرأخلف الامام فلا صلوٰۃ لہ [1]۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وعلیہ وسلم فرماتے ہیں: امام کے پیچھے پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔

حدیث ۱۵: محمد ایضا اخبرنا داؤد بن قیس الفراء المدنی اخبرنی بعض ولد سعد بن ابی وقاص انہ ذکر لہ ان سعدا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال وددت ان الذی یقرأ خلف الامام فی فیہ جمرۃ [2]۔ یعنی سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ افاضل صحابہ وعشرہ مبشرہ ومقربانِ بارگاہ سے ہیں منقول ہے انھوں نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں انگارہ ہو۔

حدیث ۱۶: محمد ایضا اخبرنا داؤد بن قیس الفراء ثنا محمد بن عجلان ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لیت فی فم الذی یقرأ خلف الامام حجرا [3]۔ یعنی حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کاش جو شخص امام کے پیچھے قرأت کرے اُسکے منہ میں پتھر ہو۔

فقیر کہتا ہے رجال اس حدیث کے بر شرط صحیح مسلم ہیں۔ **الحاصل** ان احادیث صحیحہ ومعتبرہ سے مذہب حنفیّہ بحمد اللہ ثابت ہوگیا اب باقی رہے تمسکات شافعیہ اُن میں عمدہ ترین دلائل جسے اُن کا مدار مذہب کہنا چاہئے حدیث صحیحین ہے یعنی لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب [4] کوئی نماز نہیں ہوتی بے فاتحہ کے۔ جواب اس حدیث سے چند طور پر ہے یہاں اسی قدر کافی کہ یہ حدیث تمھارے مفید نہ ہمارے مضر، ہم خود مانتے ہیں کہ کوئی نماز ذات رکوع سجود بے فاتحہ کے تمام نہیں امام کی ہو خواہ ماموم کی مگر مقتدی کے حق میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُس کے لئے امام کی قرأت کافی اور امام کا پڑھنا بعینہٖ اس کا پڑھنا ہے۔ کما مر سابقًا (جیسا کہ پیچھے گزر چکا۔ت) پس خلافِ ارشاد حضور والاتم نے کہاں سے نکال لیا کہ مقتدی جب تک خود نہ پڑھے گا نماز اس کی بے فاتحہ رہے گی اور فاسد ہوجائے گی۔

دوسری دلیل: حدیث مسلم من صلی صلاۃ لم یقرأفیہا بام القراٰن فھی خداج

---

[1] نصب الرایۃ بحوالہ علل متناہیۃ من طریق دار قطنی کتاب الصلوٰۃ مکتبہ اسلامیہ ریاض ۲/ ۱۹، کنز العمال الباب الخامس قراۃ المامو مطبوعہ مکتبۃ التراث اسلامی بیروت ۸/ ۲۸۶

[2] مؤطاالامام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۱

[3] مؤطاالامام محمد باب القراۃ فی الصلوٰۃ خلف الامام مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰۲

[4] اتحاف السادۃ المتقین القراء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۴۸-۴۷

ف: بخاری جلد ۱ ص ۱۰۴ اور مسلم ج ۱ ص ۱۶۹ پر لاصلوٰۃ لمن لم یقرابفاتحۃ الکتاب کے الفاظ ہیں۔

ھی خداج ھی خداج [1]۔حاصل یہ کہ جس نے کوئی نماز بے فاتحہ پڑھی وہ ناقص ہے ناقص ہے ناقص ہے۔اس کا جواب بھی بعینہٖ مثل اول کے ہے نماز بے فاتحہ کا نقصان مسلّم اور قرأت امام قرأتِ ماموم سے مغنی خلاصہ یہ کہ اس قسم کی احادیث اگر چہ لاکھوں ہوں تمھیں اس وقت بکار آمد ہوں گی جب ہمارے طور پر نماز مقتدی بے امّ الکتاب رہتی ہو وھو ممنوع (اور یہ ممنوع ہے۔ت) اور آخر حدیث میں قول حضرت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقرأ بھا فی نفسك یا فارسی [2](اپنے دل میں پڑھ اے فارسی۔ت) کہ شافعیہ اس سے بھی استناد کرتے ہیں فقیر بتوفیق الٰہی اُس سے ایک جواب حسن طویل الذیل رکھتاہے جس کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔

تیسری دلیل: حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ لا تفعلوا الابام القراٰن [3] امام کے پیچھے اور کچھ نہ پڑھو سوائے فاتحہ کے۔

اولاً یہ حدیث ضعیف ہے اُن صحیح حدیثوں کی جو ہم نے مسلم اور ترمذی ونسائی وموطائے امام مالک وموطائے امام محمد وغیرہا صحاح ومعتبرات سے نقل کیں کب مقاومت کر سکتی ہے،امام احمد بن حنبل وغیرہ حفّاظ نے اس کی تضعیف کی، یحیٰی بن معین جیسے ناقدین جس کی نسبت امام مدوح نے فرمایا جس حدیث کو یحیٰی نہ پہچانے حدیث ہی نہیں فرماتے ہیں استثنائے فاتحہ غیر محفوظ ہے۔

ثانیًا خود شافعیہ اس حدیث پر دو۲ وجہ سے عمل نہیں کرتے: ایک یہ کہ اس میں ماورائے فاتحہ سے نہی ہے اور ان کے نزدیک مقتدی کو ضمِ سورت بھی جائز ہے۔صرح بہ الامام النووی فی شرح صحیح مسلم (امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں اس کی تصریح کی ہے) دوسرے یہ کہ حدیث مذکور جس طریق سے ابوداؤد نے روایت کی بآواز بلند منادی کہ مقتدی کو جہرًا فاتحہ پڑھنا روا اور یہ امر بالاجماع ممنوع صرح بہ الامام النووی فی شرح صحیح مسلم (شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لمعات میں اس بات کی تصریح کی ہے اور امام نووی کا کلام

---

[1] الصحیح المسلم باب وجوب قرأۃ الفاتحہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰-۱۶۹

[2] الصحیح المسلم باب وجوب قرأۃ الفاتحہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۹

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث عبادہ بن الصامت مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۲۲، سنن الدار قطنی باب وجوب قرأۃ ام الکتاب الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۳۱۸

شرح میں بھی اسکا فائدہ دیتا ہے۔ت) پس جو خود اُن کے نزدیک متروک ہم پر اُس سے کس طرح احتجاج کرتے ہیں۔
بالجملہ ہمارا مذہب مہذب بحمد اللہ حجج کافیہ و دلائل وافیہ سے ثابت، اور مخالفین کے پاس کوئی دلیل قاطع ایسی نہیں کہ اُسے معاذاللہ باطل یا مضمحل کرسکے مگر اس زمانہ پُرفتن کے بعض جہال بے لگام جنھوں نے ہوائے نفس کو اپنا امام بنایا اور انتظام اسلام کو درہم برہم کرنے کے لئے تقلید ائمہ کرام میں خدشات واوہام پیدا کرتے ہیں جس ساز وسامان پر ائمہ مجتہدین خصوصًا امام الائمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن مقلدیہ کی مخالفت اور جس بضاعت مزجات پر ادعائے اجتہاد وفقاہت ہے عقلائے منصفین کا معلوم اصل مقصود ان کا اغوائے عوام ہے کہ وہ بیچارے قرآن وحدیث سے ناواقف ہیں جو ان مدعیانِ خام کار نے کہہ دیا اُنھوں نے مان لیا اگرچہ خواص کی نظر میں یہ باتیں موجب ذلّت و باعث فضیحت ہوں، اللہ سبحٰنہ وتعالٰی وساوس شیطان سے امان بخشے اٰمین **ھذا والعلم عند واھب العلوم العالم بکل سر مکتوم** (اسے قبول فرما اور حقیقی علم اس ذات کے پاس جو تمام علوم عطافرمانے والا اور تمام مخفی رازوں سے واقف ہے۔ت)

مسئلہ نمبر ۴۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جو حافظ نماز میں اس طرح قرآن مجید پڑھتا ہو کہ نہ تو صحیح اعراب کا دھیان رکھتا ہے اور نہ وقاف لازمہ پر وقف کرتا ہے اور ماضی جمع متکلم کے صیغے ایسے ادا کرتا ہے کہ سامعین کو جمع مونث غائب کا شبہ ہوتا ہے اور اکثر جگہ حروف وکلمات بھی فروگذاشت ہوجاتے ہیں تو اس کے سُننے میں کچھ ثواب کی امید یا بالکل نہیں اور نماز اس کے پیچھے درست ہے یا نہیں اور یہ عذر ترک جماعت کے لئے مقبول ہوگا یا نہیں یا دوسری مسجد میں جماعت کے لئے جانا ضروری ہے یا صرف فرض جماعت سے ادا کرے باقی نماز مکان پر پڑھے۔ (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

خطافی الاعراب یعنی حرکت، سکون، تشدید، تخفیف، قصر، مد کی غلطی میں علمائے متاخرین رحمہ اللہ علیہم اجمعین کا فتوٰی تو یہ ہے کہ علی الاطلاق اس سے نماز نہیں جاتی۔

فی الدرالمختار وزلۃ القاری لو فی اعراب لاتفسد وان غیر المعنی بہ یفتی۔بزازیہ[1]	دُرمختار میں ہے کہ قرات کرنے والے کی غلطی اگر اعراب میں ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی اگرچہ اس سے معنی بدل جائے اسی پر فتوٰی ہے۔بزازیہ۔(ت)

[1] دُرمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۹۰

ردالمحتار میں ہے:

لا تفسد فی الکل وبه یفتی۔بزازیه وخلاصه[1]	ان تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اور اسی پر فتوٰی ہے ۔بزازیہ وخلاصہ (ت)

اگرچہ علمائے متقدین وخود ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم درصورت فساد معنی فساد نماز مانتے ہیں اور یہی من حیث الدلیل اقوی، اور اسی پر عمل احوط واحری۔

فی شرح منیة الکبیر هو الذی صححه المحققون وفرعوا علیه الفروع فاعمل بما تختار والاحتیاط اولی سیما فی امر الصلٰوة التی هی اول مایحاسب العبد علیها۔[2] (ملخصا)	شرح منیہ کبیر میں ہے کہ اسی کو محققین نے صحیح قرار دیا اور اسی فروع کو ذکر کیا پس تو اپنے مختار پر عمل کر اور احتیاط بہر صورت ہر مقام پر بہتر ہے خصوصًا نماز میں، کیونکہ یہی وہ عمل ہے جس کے بارے میں بندے سے سب سے پہلے پوچھ ہوگی (ملخصا۔ت)

اور وقف ووصل کی غلطی کوئی چیز نہیں یہاں تک کہ اگر وقف لازم پر نہ ٹھہرا بُرا کیا مگر نماز نہ گئی۔

فی العلمگیریة ان وصل فی غیر موضع الوصل کما لولم یقف عند قوله اصحب النار بل وصل بقوله الذین یحملون العرش لاتفسد لکنه قبیح هکذا فی الخلاصة[3]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے اگر قاری نے وہاں وصل کیا جہاں وصل کا مقام نہ تھا جیسا کہ قاری نے وقف نہ کیا اللہ تعالٰی کے ارشاد "اصحب النار" پر بلکہ "الذین یحملون العرش" کے ساتھ ملا دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ یہ عمل بُرا ہے۔خلاصہ میں اسی طرح ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

صرح غیر واحد منهم صاحب الذخیرة علی ان الفتوی علی عدم الفساد بکل حال لان فی مراعاة الوقف والوصل والابتداء	متعدد علماء جس میں صاحبِ ذخیرہ بھی ہے نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ ہر حال میں عدمِ فساد پر فتوٰی ہے کیونکہ وقف، وصل اور ابتداء کی

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی ۱/ ۴۶۷

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فوائد من زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۹۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی زلۃ القاری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۱

ایقاع الناس فی الحرج خصوصًا فی حق العوام و الحرج مدفوع شرعًا[1]۔	رعایت لازم کرنے سے لوگوں پر خصوصًا عوام پر تنگی لازم آئے گی اور شرعًا تنگی مرفوع ہے۔(ت)

یوں ہی ضمیر "نا" میں الف مسموع نہ ہونا مفسد نہیں۔

لما صرح به القنیة ان من العرب یکتفی عن الالف بالفتحة و الیاء بالکسرة والواو بالضمة تقول اعذُبالله مکان اعوذ بالله ، قلت وعلیه یخرج ماصرح به فی الغنیة ان حذف الیاء من تعالی فی تعالی جد ربنا لاتفسدا تفاقا۔[2]	کیونکہ قنیہ میں تصریح ہے کہ بعض عرب الف کے عوض فتحہ ، یاء کے عوض کسرہ اور واؤ کے عوض ضمہ پر اکتفاء کرتے ہیں مستفاد ہے کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد تعالٰی جد ربنا میں تعالٰی کی یا حذف کرنے سے بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی۔

اسی طرح حروف و کلمات کا فروگذاشت ہوجانا بھی دوانا موجبِ فساد نہیں ہوتا بلکہ اسی وقت کہ تغییر کا معنی کرلے کما ھو ضابطة الائمة المتقدمین رحمهم الله تعالٰی (جیسا کہ ائمہ متقدمین رحمہم اللہ تعالٰی کا مسلّمہ ضابطہ ہے۔ت)

بالجملہ اگر حافظ مذکور سے وُہ خطائیں جو مفسد نماز ہیں واقع نہیں ہوتیں تو نماز اسکے پیچھے درست، اور ترک جماعت کے لئے یہ عذر نا مسموع، اور اگر خطایائے مفسدہ صادر ہوتے ہیں تو بے شک وہ نماز نماز ہی نہیں۔ نہ وہاں ثواب کی گنجائش بلکہ عیاذا باللہ عکس کا خوف ہے، نہ اہلِ محلّہ کو دوسری مسجد میں جانے کی حاجت کہ یہی مسجد جوان پر حق رکھتی ہے ہنوز محتاج نماز و جماعت ہے۔ نماز فاسد کا تو عدم وجود شرعًا یکساں، پس اگر ممکن ہو تو دوبارہ جماعت وہیں قائم کرے ورنہ آپ ہی مسجد میں تنہا پڑھ لے کہ حقِ مسجد ادا ہو،

کما افادہ فی الفتاوی الخانیة وفیها ایضامؤذن بمسجد لایحضر مسجده احد قالوا یوذن ھو یقیم ویصلی وحده وذاك احب من ان یصلی	جیسا کہ فتاوٰی خانیہ میں اس کا افادہ کیا اور اس میں یہ بھی ہے کہ کسی ایسی مسجد کا موذن جہاں کوئی اور نمازی نہیں آتا تو موذن اذان دے، تکبیر کہے اور تنہا نماز ادا کرے۔ اور یہ اس کے لئے دوسری

[1] حلیة

[2] قنیہ باب فی حذف الحرف والزیادۃ مطبعہ مشتہرہ بالمہانندیۃ ص ۶۳

فی مسجد اٰخر۔[1]	مسجد میں نماز ادا کرنے سے بہتر ہے۔(ت)

اور اگر یہ صورت ہو کہ حافظ مذکور فرضوں میں قرآن مجید صحیح پڑھتا ہے اور خطا یائے مفسدہ صرف تراویح میں بوجہ عجلت وبے احتیاطی واقع ہوتی ہیں تو فرض میں اس کی اقتدا کرے تراویح میں بھی یہی حکم ہے ورنہ درصورت فسادفرضوں میں بھی اقتداء درست نہیں کما لا یخفی (جیسا کہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۵۵: ۷ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام یا منفرد تیسری یا چوتھی رکعت میں کچھ قرات جہر سے پڑھ جائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگرامام اُن رکعتوں میں جن میں آہستہ پڑھنا واجب ہے جیسے ظہر و عصر کی سب رکعات اور عشاء کی پچھلی دو اور مغرب کی تیسری اتنا قرآن عظیم جس سے فرض قرات ادا ہوسکے (اور وُہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایک آیت ہے) بھول کر بآواز پڑھ جائیگا تو بلاشبہ سجدہ سہو واجب ہوگا، اگر بلا عذرِ شرعی سجدہ نہ کیا یا اس قدر قصداً بآواز پڑھا تو نماز کا پھیرنا واجب ہے، اور اگر اس مقدار سے کم مثلاً ایک آدھ کلمہ بآوازِ بلند نکل جائے تو مذاہب راجح میں کچھ حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے۔

الاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسر فیہ وھو صلٰوۃ الظھر والعصر و الثالثۃ من المغرب و الاخریان من العشاء و صلاۃ الکسوف و الاستسقاء کما فی البحر[2]۔الخ	سری نمازوں میں امام منفرد دونوں پر اسرار (سرّاً قرات) واجب ہے اور نماز ظہر، عصر، مغرب کی تیسری رکعت، عشاء کی آخری دو رکعت، نماز کسوف اور نماز استسقاء ہیں۔ جیسا کہ بحر میں ہے الخ (ت)

دُر مختار میں ہے:

تجب سجدتان بترک واجب سھوا کالجھر فیما یخافت فیہ وعکسہ والاصح تقدیرہ بقدرما تجوز بہ الصلٰوۃ	سہواً ترک واجب سے دو سجدے لازم آتے ہیں مثلاً سری نماز میں جہراً قرات کرلے یا اسکا عکس، اور اصح یہی ہے کہ دونوں صورتوں میں اتنی قرات

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی المسجد مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۲

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۶

فی الفصلین [1] اھ ملخصًا	سے سجدہ لازم ہوجائے گا جس سے نماز ادا ہوجاتی ہو۔اھ ۔ملخصا۔(ت)

غنّیہ میں ہے:

الصحیح ظاہر الروایة وھوالتقدیر بما تجوز به الصلٰوۃ من غیر تفرقة لان القلیل من الجھر موضع المخافة عفوا [2] الخ	صحیح ظاہر الروایۃ میں ہے وہ اتنی مقدار ہے کہ اس کے ساتھ نماز بغیر کسی تفرقہ کے جائز ہوجائے کیونکہ سر کی جگہ جہر قلیل معاف ہے الخ(ت)

حاشیۂ شامی میں ہے:

صححه فی الهدایة والفتح والتبیین والمنیة [3] الخ وتمامه فیه۔	اس کو ہدایہ، فتح، تبیین اور منیہ میں صحیح کہا ہے الخ اور اس میں تفصیلی گفتگو ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فرض القرأۃ اٰیة علی المذھب [4]۔	(مذہب مختار کے مطابق ایک آیت کی قرات فرض ہے۔ت)

بحر الرائق و عالمگیری میں ہے:

لا یحب السجود فی االعمد و انما یجب الاعادۃ جبرا لنقصانه [5]۔	عمدًا (ترک واجب سے) سجدہ سہو واجب نہیں کیونکہ اس کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے نماز کا اعادہ ضروری ہے(ت)

یہ حکم امام کا ہے اور منفرد کے لئے بھی زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس فعل سے عمدًا بچے اور سہوًا واقع ہو تو سجدہ کرلے۔

وذلك لان العلماء اختلفوا فیه اختلافا شدید افمنھم من لم یوجب علیه الاسرار فیما یسر کما لا یحب علیه	اور یہ اس لئے ہے کیونکہ اس میں علماء کا شدید اختلاف ہے بعض منفرد پر سری نماز میں سرًا قرات کو واجب قرار نہیں دیتے جیساکہ جہری نماز میں بالاتفاق جہرًا

---

[1] دُرمختار باب سجود السھو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل باب فی سجود السھو مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵۸

[3] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۸

[4] درمختار فصل یجھر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۰

[5] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی سجود السھو مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۶

الجهر فیما یجهر بالاتفاق و علیه مشی فی الهدایة والمحیط والتتار خانیة و غیرها ونص فی النهایة والکفایة والعنایة ومعراج الدرایة وغیرها من شروح الهدایة والذخیرة وجامع الرموز شرح النقایةوفی کتب اخر یطول عدها انه هو ظاهر الروایة وان خلافه روایة النوادر منهم من جعله فیما یسر کالامام والمنح والملتقی الا بحر والیه اشارفی کنزالدقائق ونورالایضاح وصححه فی البدائع والتبیین والفتح والدرر والهندیة وقال فی البحر والدر انه المذهب یظهر کل ذلك بالمراجعة للبعض الی ردلمحتارو لبعض اخرالی ماسمینا من الاسفار فکان الاحوط ماقلنا والله تعالٰی اعلم۔	قرات لازم نہیں، اور یہی ہدایہ، محیط اور تاتار خانیہ وغیرہا میں ہے۔ہدایہ کی شروح نہایہ، کفایہ ،عنایہ اور معراج الدرایہ وغیرہااور ذخیرہ اور جامع الرموز شرح النقایہ اور دیگر کتب جن کا شمار طویل ہے میں اسے ظاہر الروایۃ کہا ہے اور بعض نے سری نماز میں منفرد کو امام کی طرح قرار دیا ہے حلیہ، منیہ، بحر، نھر، منح اور ملتقی الابحر میں اسی پر جزم ہے، کنزالدقائق اور نورالایضاح میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔بدائع، تبیین، فتح،درر،اور ہندیہ میں اسی کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔بحر اور در میں ہے کہ مذہب یہی ہے۔اس مذکورہ گفتگو کا بعض حصہ ردالمحتار سے واضح ہے اور دوسرا حصّہ دیگر معتبر کتب سے جن کا نام ہم نے ذکر کیا ہے پس احوط وہی ہے جو ہم نے بیان کیا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۵۶: مسئولہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب دوم جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جسے لوگوں نے مسجد جامع کا امام معین کیا جمعہ وجماعات میں گروہ مسلمین کی امامت کرتا ہے اور سورہ فاتحہ شریف میں بجائے الحمد والرحمن والرحیم کے الھمد والرھمن والرھیم بہ ہائے ہوز پڑھتا ہے، ایسے شخص کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

اُسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور نماز اس کے پیچھے نادرست ہے کہ اگر وہ شخص ح کے ادا پر بالفعل قادر ہے اور باوجود اس کے اپنی بے خیالی یا بے پروائی سے کلمات مذکورہ میں ھ پڑھتا ہے۔

توخوداس کی نماز فاسد و باطل، اوروں کی اسکے پیچھے کیا ہوسکے، اور اگر بالفعل ح پر قادر نہیں اور سیکھنے پر جان لڑاکر کوشش نہ کی تو بھی خوداس کی نماز محض اکارت، اور اس کے پیچھے ہر شخص کی باطل، اور اگر ایک ناکافی زمانہ تک کوشش کرچکا پھر چھوڑ دی جب بھی خوداس کی نماز پڑھی بے پڑھی سب ایک سی، اور اُس کے صدقے میں سب کی گئی اور برابر حد درجہ کی کوشش کئے جاتا ہے مگر کسی طرح ح نہیں نکلتی تو اُس کا حکم مثل اُمّی کے ہے کہ اگر کسی صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز مل سکے اور اقتداء نہ کرے بلکہ تنہا پڑھے تو بھی اسکی نماز باطل، پھر امام ہونا تو دوسرا درجہ ہے اور پر ظاہر ہے کہ اگر بالفرض عام جماعتوں میں کوئی درست خواں نہ ملے تو جمعہ میں تو قطعاً ہر طرح کے بندگان خدا موجود ہوتے ہیں پھر اس کا اُن کی اقتدانہ کرنا اور آپ امام ہونا خوداس کی نماز کا مبطل ہوا، اور جب اس کی گئی سب کی گئی۔

بہر حال ثابت ہوا کہ نہ اس شخص کی اپنی نماز ہوتی ہے نہ اسکے پیچھے کسی اور کی تو ایسے کو امام بنانا حرام ہے، اور ان سب مسلمانوں کی نماز کا وبال اپنے سر لیتا ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** البتہ اگر ایسا ہو کہ تاحدادنٰی امید کہ یہ شخص ہمیشہ برابر رات دن تصحیح حرف میں کوششِ بلیغ کئے جائے اور باوصف بقائے امید واقعی محض طول مدّت سے گھبرا کر نہ چھوڑے اور واجب الحمد شریف کے سوا اوّل نماز سے آخر تک کوئی آیت یا سورۃ یاذکر وغیرہ اصلاً ایسی چیز نام کو نہ پڑھے جس میں ح آتی اور اسے ھ پڑھنے سے نماز جاتی ہو بلکہ قرآن مجید کی دو سورتیں اختیار کرے جن میں ح نہیں جیسے سورہ کافرون وسورہ ناس اور ثناء اور تسبیحات رکوع و سجود و تشہد و درود وغیرہ کے کلمات میں جن میں ایسی ح آئی اُن کے مرادفاتِ مقاربات سے بدل لے مثلاً بجائے **سبحٰنك اللھم وبحمدك اقدسك اللھم مثنیا علیك و علی ھذا القیاس** اور اسے کوئی شخص صحیح خواں ایسا نہ ملے جس کی اقتدا کرے اور جماعت بھر کے سب لوگ اسی طرح ح کو ھ پڑھنے والے ہوں تو البتہ جب کوشش کرتا رہے گا اس کی بھی صحیح ہوگی اور اُن سب اس کے مانندوں کی بھی اسکے پیچھے صحیح ہوگی اور جس دن باوصف تنگ آکر کوشش چھوڑی یا صحیح القراءۃ کی اقتداء ملتے ہوئے تنہا پڑھی یا امامت کی اُسی دن اس کی بھی باطل، اور اسکے پیچھے سب کی باطل، اور جبکہ معلوم ہے کہ یہ شرائط متحقق نہیں تو حکم وہی ہے کہ جمعہ وغیر جمعہ کسی میں نہ اس کی نماز درست نہ اسکے پیچھے کسی کی درست۔ یہ جو کچھ مذکور ہوا یہی صحیح ہے یہی راجح ہے یہی مختار ہے یہی مفتی بہ ہے اسی پر عمل اسی پر اعتماد۔ **واللہ الھادی الی سبیل الرشاد**۔ دُرمختار میں ہے:

لایصح اقتداء غیر الالثغ بہ و حرر	غیر توتلے کی اقتداء توتلے کے پیچھے درست نہیں (الثغ اس

الحلبی و ابن الشحنة انه بعد بذل جهده دائما حتما کالامی فلو یؤم الامثله ولا تصح صلوته اذاامکنه الاقتداء بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدرالفرض مما لالثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف [1] اھ ملتقطا	شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا نکلے) حلبی اور ابن شحنہ نے لکھا ہے کہ ہمیشہ کی حتمی کوشش کے بعد توتلے کا حکم اُمّی کی طرح ہے پس وُہ اپنے ہم مثل کا امام بن سکتا ہے (یعنی اپنے جیسے توتلے کے سوا دوسرے کی امامت نہ کرے) جب اچھی درست ادائیگی والے کی اقتداء ممکن ہو یا اس نے محنت ترک کردی یا فرض کی مقدار بغیر توتلے پن کے پڑھ سکتا ہے ان صورتوں میں اسکی نماز درست نہ ہوگی توتلے کے متعلق یہی مختار اور صحیح حکم ہے اور اسی طرح اس شخص کا بھی یہی حکم ہے جو حروفِ تہجی میں سے کوئی حرف نہ بول سکے یعنی صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو اھ ملخصًا۔

فتاوٰی محقق علّامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

الراجح المفتی به عدم صحة امامة الالثغ لغیره [2]۔	راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ توتلے کی امامت غیر کے لئے جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

من لا یقدر علی التلفظ بحرف من الحروف کالرھمٰن الرھیم والشیتان الرجیم والاٰلمین وایاك نابد وایاك نستئین السرات. انأمت فکل ذلك حکمه مامر من بذل الجهد دائما والا فلاتصح الصلٰوة به [3] ملخصا۔	جو شخص حروف تہجی میں سے کسی حرف کے صحیح تلفّظ پر قادر نہ ہو مثلًا الرحمن الرحیم کی جگہ الرھمٰن الرھیم، الشیطان کی جگہ الشیتان، العالمین کی جگہ الآلمین، ایاك نعبد کی جگہ ایاك نابد، نستعین کی جگہ نستئین، الصراط کی جگہ السرات، انعمت کی جگہ انأمت پڑھتا ہے، ان تمام صورتوں میں اگر کوئی ہمیشہ درست ادائیگی کی کوشش کے باوجود ایسا کرتا ہے تو نماز درست ہوگی ورنہ نماز درست نہ ہوگی۔ ملخصا (ت)

---

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۵

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی امام غزی مطلب فی الالثغ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۰

[3] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی امام غزی مطلب فی الالثغ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۱

حاشیہ طحطاویہ میں زیر قولہ بذل جھدہ دائماً ہے۔

قولہ دائما ای اناء اللیل واطراف النھار کما مرعن القھستانی[1]۔	ان کے قول دائمًا کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات کے حصّوں اور دن کے اطراف میں بھرپور کوشش کرے جیساکہ قہستانی کے حوالے سے گزرا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ دائما ای فی اٰناء اللیل واطراف النھار فمادام فی التصحیح والتعلم ولم یقدر علیہ فصلاتہ جائزۃ و ان ترک جھدہ فصلاتہ فاسدۃ کما فی المحیط وغیرہ قال فی الذخیرۃ وانہ مشکل عندی لان ما کان خلقۃ فالعبد لا یقدر علی تغییرہ اھ وتمامہ فی شرح المنیۃ[2]	ان کے قول دائمًا سے مراد یہ ہے کہ رات اور دن کے اطراف میں تصحیح کی بھرپور کوشش کرے، پس اگر وہ ہمیشہ تصحیح و تعلم میں بھرپور کوشش کے باوجود اس پر قدرت نہ رکھے تو اس کی نماز درست، اور اگر وہ کوشش ہی ترک کردے تو اس کی نماز فاسد ہوگی جیساکہ محیط وغیرہ میں ہے، ذخیرہ میں کہا یہ میرے نزدیک مشکل ہے کیونکہ جو چیز فطری اور خلقی ہو بندہ اس کی تبدیلی پر قادر نہیں ہوسکتا اور اس پر تفصیلی گفتگو شرح منیہ میں ہے(ت)

غنیہ میں ہے:

قال صاحب المحیط المختار للفتوٰی انہ ان ترک جھدہ فی بعض عمرہ لایسعہ ان یترک فی باقی عمرہ ولو ترک تفسد صلٰوتہ قال صاحب الذخیرۃ انہ مشکل عندی الخ وذکر فی فتاوٰی الحجۃ مایوافق المحیط فانہ قال علی جواب الفتاوٰی الحسامیۃ مادامو افی التصحیح والتعلم باللیل	صاحب المحیط نے کہا ہے یہ مختار للفتوٰی ہے اور اگر اس نے عمر کے بعض حصّے میں یہ کوشش ترک کردی ہو تو باقی عمر میں ترک کی گنجائش نہیں اگر ترک کرے گا تو نماز فاسد ہوگی، صاحب الذخیرہ نے کہا میرے نزدیک یہ بہت مشکل ہے الخ فتاوٰی حجہ میں جو کچھ ہے وہ محیط کے موافق ہے کیونکہ انہوں نے فتاوٰی حسامیہ کے جواب پر کہا ہے کہ

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵۱

[2] ردالمحتار مطلب فی الالثغ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۱

والنهار جازت صلوتهم واذا ترکوا الجهد فسدت [1] اھ. وبمعناه فی فتاوٰی قاضی خان فالحاصل ان اللثغ یجب علیهم الجهد دائما هذا هوالذی علیه الاعتماد [2] اھ ملخصا	جب وہ دن رات اس کی تصحیح اور سیکھنے میں کوشاں رہیں تو ان کی نماز درست ہوگی، اور جب کوشش ترک کردیں گے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔اھ، فتاوٰی قاضی خان میں بھی اسی معنی میں ہے الغرض توتلے پر دائمی کوشش لازم ہے اور اسی پر اعتماد ہے اھ ملخصا۔(ت)

خلاصہ میں ہے:

ان کان یجتهد اٰناء اللیل والنهار فی تصحیحه ولا یقدر علی ذلك فصلاته جائزة وان ترك جهده فصلاته فاسدة الا ان یجعل العمر فی تصحیحه ولا یسعه ان یترك جهده فی باقی عمره [3]۔	تصحیح میں ہے جب دن رات کوشش کرتا رہا مگر وہ قدرت حاصل نہ کرپایا تو اس کی نماز درست ہے اگر اس نے کوشش ترک کردی تو نماز فاسد ہوگی۔ہاں اگر عمر کا کچھ حصّہ تصحیح میں صرف کرے اور درست کی قدرت حاصل نہ ہو تو باقی عمر میں تصحیح کی کوشش ترک کرنے کی گنجائش نہیں(ت)

اسی طرح فتح القدیر فصل القراءت اور اسی کے قریب مراقی الفلاح میں ہے: حلیہ میں ہے:

الا ان هذاالشق الثانی کما قال صاحب الذخیرة مشکل لان ماکان خلقة فالعبد لایقدر علی تغییره **قلت** وکذا اذاکان لعارض لیس ممایزول عادة واذاکان کذلك لا یعول فی الفتوی علی مقتضی هذاالشرط ومن ثمه ذکر	البتہ یہ دوسری صورت جیسا کہ صاحبِ ذخیرہ نے کہا مشکل ہے کیونکہ فطری اور خلقی شے کے تبدیل کرنے پر بندہ قادر نہیں ہوسکتا۔ **میں کہتا ہوں** ایسا ہی حکم ہے اس وقت جب کسی ایسے عارضہ کی وجہ سے ہو جس کا ازالہ عادۃً نہ ہوپائے اور جب اس طرح کی صورت ہو تو فتوٰی میں اس

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۳

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی عشر فی زلۃ القاری مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

فی خزانۃ الاکمل فی سیاق النقل عن فتاوی ابی اللیث لو قال الھمدللہ اوکل ھواللہ احد جاز اذالم یقدر علی غیر ذلك او بلسانہ عقلۃ قال الفقیہ فان لم تکن بلسانہ عقلۃ ولکن جری علی لسانہ ذلك لا تفسد انتھی فلم یذکر ھذا الشرط وان کان بعد ذلك ذکرہ عن ابراھیم بن یوسف والحسین بن مطیع۔[1]	شرط کے مقتضٰی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ خزانۃ الاکمل میں فتاوٰی ابو للیث سے نقل کرتے ہوئے کہا اگر نمازی نے الھمد للہ یا کل ھواللہ احد پڑھ لیاتو جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے غیر پر قادر نہ ہو یا اس کی زبان میں رکاوٹ (لکنت) ہو فقیہ (ابوللیث) نے کہا اگر زبان میں رکاوٹ (لکنت) نہ تھی لیکن اس کی زبان پر یہ چیز ازخود جاری ہوگئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی انتہی پس انھوں نے یہ شرط ذکر نہیں کی اگرچہ اس کے بعد والوں نے ابراہیم بن یوسف اور حسین بن مطیع کے حوالے سے ذکر کی ہے (ت)

اُسی میں ہے:

قد عرفت اٰنفاانہ لاینبغی اشتراط الاجتھاد فی ذلك لمن ھو فیہ خلقۃ او لعارض لیس ممایزول عادۃ۔[2]	ابھی آپ نے پڑھا کہ اس شخص کے لئے کوشش کرنے کی شرط لگانا مناسب نہیں جس میں وہ چیز خلقۃً (فطرۃً) ہو یا ایسے عارضہ کی وجہ سے جو عادۃً زائل نہیں ہوتا۔ (ت)

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

کلام ابن امیر الحاج یفید ان ھذاالشرط فیہ خلاف والاکثرلم یذکروہ لان فیہ حرجا عظیما[3] اھ اقول ورأیتنی کتبت علی ھامش حاشیتہ علی المراقی مانصہ اقول رب ماکان خلقۃ یتبدل بالتکلف ورب مالا یتوقع یاتی الجھد فیہ بالفرج، ولعل القول الفصل	ابن امیر الحاج کے کلام سے پتا چلتا ہے کہ اس شرط میں اختلاف ہے اور اکثر علماء نے اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس میں حرج عظیم ہے اھ میں کہتا ہوں مجھے یاد آرہا ہے کہ مراقی الفلاح پر طحطاوی کے حاشیہ پر میں نے حاشیہ لکھا ہے عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز خلقۃً وفطرۃً ہوا سے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیہ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیہ المصلی

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۵۸

ایجاب الجهد ماکان یرجی التعلم ولو رجاء ضعیفا، فاذاأیس تحقیقا لاتبر ماوسعه الترك لا یکلف الله نفسا الا وسعها و فیه رعایة الجانبین ویؤید عدم خزانة الاکمل اذا قرأمکان الظاء ضاداومکان الضاد ظاء فقال القاضی المحسن الاحسن یقال ان تعمد ذلك تبطل صلوته عالما کان او جاهلا وان جری علی لسانه اولم یکن یمیز بین الحرفین فظن انه ادی الکلمة کما هی جازت صلاته وهو قول محمد بن مقاتل وبه کان یفتی الشیخ اسمعیل الزاهد لان السنة الاکراد و اهل السوادوالاتراك غیر طائعة فی مخارج هذه الحروف وفی ذلك حرج عظیم والظاهر ان هذامجمل مافی جمیع الفتاوٰی [1] اھ باختصار فقد عذرهم بعجزهم ولم یلزمهم ادامة جهد. لئن تبتعت فعساك تجد شواهده بوفر وکثر والله یحب الیسر ویقبل العذر وهو سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

تکلفاً بدلا جاسکتا ہے اور بعض غیر متوقع چیزوں کو آسانی سے بجالایا جا سکتا ہے شاید قول فیصل یہ ہو کہ اس وقت تک کوشش واجب ہے جب تعلّم کے ذریعے تبدیلی کی امید ہو اگر چہ ضعیف سی امید ہی سہی، اور جب یقینا نا امیدی ہوجائے تو اب ترک کی گنجائش کا نہ ہونا زیادتی ہے، اللہ تعالٰی کسی ذات کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، اور اس میں جانبین کی رعایت ہے اور دائمی طور پر کوشش کا واجب نہ ہونا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ حلیہ میں خزانۃ الاکمل کے حوالے سے ہے کہ ظاء کی جگہ ضاد یا ضاد کی ظاء پڑھا تو قاضی محسن نے کہا کہ احسن یہ ہے کہ اگر ایسا عمداً کیا تو کہا جائے نماز باطل ہوگئی خواہ وہ شخص عالم ہو یا جاہل، اور اگر زبان پر از خود جاری ہوگیا یا وہ ان دونوں حروف کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا کہ وہ سمجھ رہا ہے کہ کلمہ اسی طرح ادا ہوگیا جس طرح ہونا چاہئے تھا تو اسکی نماز درست ہوگی، اور یہی محمد بن مقاتل کا قول ہے، اور اسی پر شیخ اسماعیل الزاہد نے فتوی جاری کیا، کیونکہ کرد، اہل سواد (عراق) اور ترک کے لوگوں کی زبانیں ان حروف کے مخارج کی صحیح ادائیگی نہیں کر سکتیں، اور اس میں حرج عظیم ہے اور ظاہر یہ ہے یہ تمام فتاوٰی کے بیان کا اجمال ہے اھ مختصراً پس ان کو عجز کے پیش نظر معذور گردانا اور ان پر دائمی کوشش لازم نہیں کی، اگر آپ محنت سے تلاش کریں گے تو بہت سے اسکے شواہد آپ کو مل جائیں گے۔ اللہ تعالٰی آسانی کو پسند کرتا ہے اور عذر قبول فرماتا ہے، اور وُہ پاک ذات ہی سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

صغیری میں ہے:

لو قرأ الحمد للّٰہ بالھاء مکان الحاء الحکم فیہ کالحکم فی الالثغ علی ما یاتی قریبا[1] اھ ملخصا	اگر کوئی حاء کی جگہ ھاء کہتے ہوئے الھمد للّٰہ پڑھے تو اس کا حکم توتلے کے حکم کی طرح ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا اھ ملخصًا (ت)

پھر فرمایا:

المختار فی حکمہ یجب علیہ بذل الجھد دائما فی تصحیح لسانہ ولا یعذر فی ترکہ وان کان لاینطق لسانہ فان لم یجد اٰیۃ لیس فیھا ذلک الحرف الذی لایحسنہ تجوز صلاتہ بہ ولا یؤم غیرہ فھو بمنزلۃ الامی فی حق من یحسن ما عجز ھو عنہ واذا امکنہ اقتداأہ بمن یحسنہ لاتجوز صلاتہ منفردا وان وجد قدرما تجو زبہ الصلاۃ ممالیس فیہ ذلک الحرف الذی عجز عنہ لاتجوز صلاتہ مع قرأۃ ذلک الحرف لان جواز صلاتہ مع التلفظ بذلک الحرف ضروری فینعدم بانعدام الضرورۃ ھذا ھو الصحیح فی حکم الالثغ و من بمعناہ ممن تقدم اٰنفا[2]۔	مختار یہی ہے کہ اس پر تصحیح زبان کے لئے ہمیشہ کوشش کرنا ضروری ہے اور اس کے ترک پر معذور نہیں سمجھا جائے گا اگرچہ اس کی زبان کا اجراء درست نہ ہو جس کو وُہ اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا تو اب اس کی نماز اس آیت سے درست ہوگی البتہ وُہ غیر کی امامت نہ کروائے، پس وہ صحیح ادائیگی کرنے والے کے حق میں امّی کی طرح ہوگا اس آیۃ میں جس سے عاجز ہے، اور جب مذکورہ شخص کو ایسے آدمی کی اقتدا ممکن ہو جو صحیح ادا کرسکتا ہے، تو اس کی تنہا نماز نہ ہوگی، اور اگر وہ ایسی آیۃ پر قادر ہے جس میں مذکورہ حرف نہیں تو اس حرف والی آیۃ پڑھنے کی وجہ سے نماز نہ ہوگی کیونکہ اس حرف کا درست پڑھنا نماز کے لئے ضروری تھا جب وہ تقاضا معدوم ہے تو نماز کا وجود بھی نہ ہوگا۔ توتلے اور اس جیسے شخص کے لئے یہی حکم ہے اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

ولوالجیہ میں ہے:

ان کان یمکنہ ان یتخذ من القراٰن	اگر توتلے کے لئے قرآن مجید کے دیگر مقامات سے

[1] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۴۹

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۵۰

اٰیات لیس فیھا تلك الحروف یتخذ الا فاتحة الکتاب فانه لا یدع قرأتھا فی الصلٰوة[1] انتھی اقول ولا منشأ لاستثناء الفاتحه الا الاختلاف فی رکنیتھا فیترأای لی تقیید ذلك فی المکتوبات بالاولیین حتی لو قرأفی الاخریین فسدت واللہ تعالٰی اعلم۔	آیات کا پڑھنا ممکن ہو جن میں ایسے حروف نہیں تو وہ انھیں پڑھ لے ماسوا فاتحہ کے، کیونکہ اس کی قرأت نماز میں ترک نہیں کی جاسکتی انتھی۔ میں کہتا ہوں یہاں فاتحہ کا استثناء اس لئے ہے کہ اس کی رکنیت میں اختلاف ہے پس مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ اسے فرض کی ابتدائی دو ۲ رکعتوں کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے حتٰی کہ اگر آخری دو ۲ رکعتوں میں پڑھے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۵۷: از سہسرام مرسلہ مولوی محمد نور صاحب ولایتی ۱۳۰۹ھ

خلاصہ فتوٰی مرسلہ مولوی صاحب مذکور کہ بہر تصدیق نزد فقیر آمدہ

ماہرین شریعت پر پوشیدہ نہ رہے کہ ضاد کا مشتبہ الصوت ہونا ساتھ ظائے معجمہ کے جملہ کتب تفسیر وفقہ وصرف وتجوید سے ثابت ہے کہ بخلاف دال کے ضاد اور دال میں سات صفتوں کا فرق ہے اور قاعدہ کلیہ جملہ کتبِ فقہیہ کا یہ ہے کہ جن دونوں حرفوں میں فرق بآسانی ممکن ہے اُس کے بدل جانے سے نماز فاسد ہوتی ہے اور اگر فرق دو حروف میں مشکل ہے تو اکثر کا مذہب یہ ہے نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہی مذہب متاخرین کا معتدل وپسندیدہ ہے اور مذہب متقدمین کا یہ ہے کہ ضاد کے ظاء پڑھنے سے بھی نماز فاسد ہوتی ہے پس لفظ ولاالضالین کی جگہ دالین پڑھنے سے سب کے نزدیک نماز فاسد ہوتی ہے اور ظاء پڑھنے سے اکثر کے نزدیک فاسد نہیں ہوتی، اور اسی پر فتوٰی ہے، حاصل یہ کہ جس شخص سے مخرج ضاد کا نہ آوے وہ ظاء پڑھے ھذاھوالحق والصواب تو مسلمانوں کو چاہئے کہ بہت جلد اس کے عامل ہوجائیں واللہ اعلم بالصواب فی الواقع بمذہب مختار جمہور ضاد کی ظاء پڑھے یا ذال نماز فاسد نہ ہوگی واللہ اعلم۔

ابوالحسنات محمد عبدالحیّٰ لکھنوی

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس قدر تجوید جس کے باعث حروف کو حرف سے امتیاز اور تلبیس وتبدیل سے احتراز حاصل ہو واجبات عینیہ واہم مہمات دینیہ سے ہے آدمی پر تصحیح مخارج میں سعی تام اور ہر حرف میں اُس کے مخرج سے ٹھیک ادا کرنے کا۔

[1] ولوالجیہ

قصد واہتمام لازم کہ قرآن مطابق ماانزل اللہ تعالٰی پڑھے ،نہ معاذاللہ مداہنت و بے پروائی کہ آجکل کے عوام بلکہ یہاں کے کثیر بلکہ اکثر خواص نے اپنا شعار کرلیا، فقیر نے بگوشِ خود بعض مولوی صاحبوں کو پڑھتے سنا **قل ھو اللہ اھد** حالانکہ نہ ہرگز اللہ الاحد نے اھد فرمایا نہ امین وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اھد پہنچایا نہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اھد پڑھایا، پھر اسے قرآن کیونکر کہا جائے فانا للہ وانا الیہ راجعون حاشا فتوی متاخرین پروانہ بے پروائی نہیں ، باوصف قدرتِ تعلیم تعلم نہ کرنا اور براہ سہل انگاری غلط خوانی قرآن پر مصرو متمادی رہنا کون جائز رکھے گا، اتقان شریف میں ہے۔

من المھمات تجوید القراٰن وھواعطاء الحروف حقوقھا و ردالحرف الی مخرجہ واصلہ ولاشك ان الامۃ کما ھم متعبدون بفھم معانی القراٰن واقامۃ حدودہ ھم متعبدون بتصحیح الفاظہ واقامۃ حروفہ علی الصفۃ المتلقاۃ عن ائمۃ القرأۃ المتصلۃ بالحضرۃ النبویۃ وقد عد العلماء القرأۃ بغیر تجوید لحنا[1]۔	اہم چیزوں میں سے تجوید قرآن سیکھنا بھی ہے اور تجوید حروف کو ان کے حقوق دینا اور ان کو ان کے اصل اور مخرج کی طرف لوٹانا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں جس طرح امّت مسلمہ معانیِ قرآن کے فہم اور اسکی حدود کے قیام کو عبادت جانتے ہیں اسی طرح اس کے الفاظ کی تصحیح اور اسکے حروف کی اس صفت جو ائمہ قراء سے منقول ہے پر ادائیگی کو بھی عبادت جانتے ہیں اور ان قراء کی قرأت کا سلسلہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، اور علماء نے تجوید کے بغیر قرآن پڑھنے کو غلط پڑھنا قرار دیا ہے (ت)

اس احسن الفتاوٰی فتاوٰی بزاریہ وغیرہا میں ہے: **ان اللحن حرام بلاخلاف**[2] غلط پڑھنا بالاجماع حرام ہے۔

ولہٰذا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ آدمی سے اگر کوئی حرف غلط ہوتا ہو تو اس کی تصحیح و تعلم میں اس پر کوشش واجب بلکہ بہت علماء نے اس سعی کی کوئی حد مقرر نہ کی اور حکم دیا کہ عمر بھر روز وشب ہمیشہ جہد کئے جائے کبھی اس کے ترک میں معذور نہ ہوگا۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

یجب علیہ بذل الجھد دائما فی تصحیح لسانہ ولایعذر	غلط لفظ کی تصحیح کے لئے ہمیشہ کوشاں رہنا ضروری ہے ترک کی صورت میں معذور نہیں

[1] الاتقان فی علوم القرآن الفصل الثانی من المہمات تجوید القرآن مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الہندیہ الثانی فی العبادات من کتاب الکراہیۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۵۳

فی ترکہ[1]۔	سمجھا جائے گا (یعنی اس میں جھد کو ترک کرنا قابل قبول نہیں (ت)

قہستانی وطحطاوی وغیرہما میں ہے:

قولہ دائما ای اٰناء اللیل واطراف النھار[2]۔	دائمًا سے رات کا کچھ حصّہ اور دن کے اطراف مراد ہیں۔(ت)

اسی طرح اور کتب کثیرہ میں ہے، تو کیونکر جائز کہ جہد وسعی بالائے طاق سرے سے حرف منزل فی القرآن کا قصد ہی نہ کریں بلکہ عملًا اسے متروک و مہجور، اور اپنی طرف سے دوسرا حرف اس کی جگہ قائم کردیں۔ **فقیر کہتا ہے** غفراللہ تعالٰی بعد اسکے کہ عرش تحقیق مستقر ہوچکا کہ قرآن اسم نظم و معنی جمیعا بلکہ اسم نظم من حیث الارشاد الی المعنی ہے اور نظم نام حروف علٰی ہٰذاالترتیب المعروف اور حروف باہم متباین اور تبدیل جز قطعًا مستلزم تبدیل کل کہ مؤلف من مبائن یقینا غیر مؤلف من مبائن آخر ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس تبدیل عمدی اور تحریف کلام اللہ میں کتنا تفاوت مانا جائے گا۔لاجرم امام اجل ابوبکر محمد بن الفضل فضلی وامام برہان الدین محمود بن الصدر السعید وغیرہما اجلہ کرام نے تو یہاں تک حکم دیا کہ جو قرآن عظیم میں عمدًا ض کی جگہ ظ پڑھے کافر ہے۔

اقول: ولا حاجۃ الی استثناء (وماھو علی الغیب بضنین) فان ھھنا لیس مقام الضاد خاصۃ بل مقامھما جمیعا لان اللفظ قریٔ بھما فی القراٰن .فکان مثل صراط وسراط وبسطۃ وبصطۃ ویبسط ویبصط ومصیطر ومسیطر الی اشباہ ذلك بخلاف ضالین وظالین وسجیل وصجیل فانہ تبدیل۔	**میں کہتا ہوں** "وماھو علی الغیب بضنین" کے استثناء کی حاجت نہیں ہے کیونکہ اس مقام پر ضاد کی جگہ ظاء کو رکھنا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مقام ضاد کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ دونوں کا مقام ہے کیونکہ قرآن میں یہ لفظ دونوں قراتوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ یہ ان الفاظ کی طرح ہے۔صراط اور سراط، بسطۃ اور بصطۃ، یبسط اور یبصط، مصیطر ار مسیطر، اور ان کی طرح کے دوسرے الفاظ بخلاف ضالین کی جگہ ظالین اور سجیل کی جگہ صجیل کے کیونکہ یہاں تبدیلی ہے۔(ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۳

نوٹ: غنیۃ کی عبارت جو مجھے ملی ہے وہ اس طرح ہے: یجب علیھم الجھد دائما وصلٰوتھم جائزۃ مادامواعلی الجھد۔ اور اس سے کچھ قبل یہ الفاظ ہیں: ینبغی ان یجتھد ولایعذر فی ذلك الخ۔ البتہ صغیری شرح منیۃ المصلی مطبوعہ دہلی بعینہٖ یہی الفاظ متن ص ۲۵۰ پر موجود ہیں۔ نذیر احمد سعیدی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵۱

محیط میں ہے:

سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة اوعلی العکس فقال لا تجوز امامته ولو تعمد یکفر[1]۔	امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے ضاد کی جگہ ظاء یا اس کے بالعکس پڑھا تو انہوں نے (جواب میں) فرمایا ایسے شخص کی امامت جائز نہیں، اور اگر ایسا عمداً کرے تو کافر ہوگا۔(ت)

منح الروض میں ہے: کون تعمدہ کفر الاکلام فیہ[2] (ایسا عمداً کرنا کفر ہے اس میں کسی کو کلام نہیں الخ۔ت)

پس جزمًا لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف منزل من عنداللہ ہی کی ادا کا قصد کریں اُسی کے مخرج سے اسے نکالنا چاہیں پھر بوجہ عسر حرف وقصور لسان اگر غلط ادا ہو تو مثل ض میں کہ اعسر الحروف ہے۔ تیسیر اعلی الامۃ فتوٰی بعض متاخرین پر عمل کرکے صحتِ نماز کا حکم دینا معیوب نہیں بلکہ محبوب ہے کہ شارع علیہ السلام کو یسر وآسانی مطلوب ومرغوب ہے۔

قال المولی سبحنہ وتعالٰی یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫[3] وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسراو لاتعسروا وبشروا ولاتنفروا[4] اخرجہ الائمۃ احمد و الشیخان عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ سبحانہ وتعالٰی کا ارشاد ہے اللہ تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تمھارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ آسانی پیدا کرو، مشکل وتنگی پیدا نہ کرو، خوشخبری دو، نفرت نہ پھیلاؤ۔ اس حدیث کو امام احمد، امام بخاری اور مسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر ایسی حالت میں عندالانصاف اشتراک صفات خواہ اشتباہ اصوات کسی کی تخصیص نہیں ہوسکتی

---

[1] منح الروض شرح فقہ اکبر لملّا علی قاری فصل فی القراءۃ والصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص۱۶۷

[2] منح الروض شرح فقہ اکبر لملّا علی قاری فصل فی القراءۃ والصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص۱۶۷

[3] القرآن ۲/ ۱۸۵

[4] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسروا ولاتعسروا الخ مطبوعہ اصح المطابع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۴

کہ جو خلاف قصد ہے اختیاری نہیں اور جو اختیاری نہیں اس پر حکم جاری نہیں اور اگر اپنی طرف سے خاص ارادہ احد الاغلاط کا حکم دیجئے تو یہ وہی تعمد غلط ہے کہ یقیناً ممنوع ولہٰذا علامہ شامی قدس سرہ السامی نے عبارت تاتارخانیہ:

اذالم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولا قربہ الا ان فیہ بلوی العامۃ کالذال مکان الضاد والزاء المحض مکان الذال والظاء مکان الضاد ولا تفسد عند بعض المشائخ اھ	جب دو ۲ حرفوں کے درمیان اتحاد مخرج اور قرب مخرج نہ ہو مگر اس صورت میں جب عمومِ بلوی ہو مثلاً ذال ضاد کی جگہ اور زا ذال کی جگہ اور ظاء ضاد کی جگہ پڑھا تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔اھ (ت)

نقل کرکے فرمایا

قلت فینبغی علی ھذاعدم الفساد فی ابدال الثاء سینا والقاف ھمزۃ کما ھو لغۃ عوام زماننا فانھم لایمیزون بینھما و یصعب علیھم جدا کالذال مع الزاء ولا سیما علی قول القاضی ابی عاصم وقول الصفار وھذا کلہ قول المتأخرین و قد علمت انہ اوسع وان قول المتقدمین احوط قال فی شرح المنیۃ وھوالذی صححہ المحققون وفرعواعلیہ فاعمل بماتختار والاحتیاط اولی سیما فی امر الصلوۃ التی ھی اول مایحاسب العبد علیھا[1]۔	میں کہتا ہوں اس کے مطابق ان صورتوں میں فساد نہیں ہونا چاہئے جبکہ کوئی شخص ثاء کی سین، قاف کی جگہ ہمزہ پڑھے جیسا کہ ہمارے دور کے عوام کی زبان ہے وہ ان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں کرتے اور یہ ان پر نہایت دشوار ہے جیسا کہ ذال اور زا میں فرق کرنا خصوصًا قاضی ابو عاصم اور صفار کے قول پر، اور یہ تمام متاخرین کا قول ہے اور آپ جان چکے کہ اس میں کافی وسعت ہے اور متقدین کا قول احوط ہے، شرح منیہ میں فرمایا اسی کو محققین نے صحیح کہا اور اسی پر انہوں نے تفریع بٹھائی پس مختار پر عمل کرو، اور احتیاط اولٰی ہے خصوصًا نماز کے معاملات میں کیونکہ بندے سے اسی کے بارے میں سب سے پہلے سوال ہوگا (ت)

اس تحقیق انیق سے ظاہر ہوا کہ تعمد نہ ظاد کا جائز نہ دُواد کا کہ نہ وہ ظا ہے نہ دال مفخم اور بعد قصد ض وارادہ حرف صحیح واستعمال مخرج معین براہ غلط جو کچھ ادا ہو تیسیرًا صحت نماز پر فتوٰی لتعسر

[1] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶۸

المرمی وتکثر البلوی ھذا ما عندی فلتنظر نفس ماذا تری (کیونکہ ادائیگی مشکل اور استعمال زیادہ ہے یہ میری رائے ہے پس تمہاری رائے اس میں کیا ہے اس پر خود غور وخوض کرو۔ت) ہندیہ وحلیہ وخزانۃ الاکمل میں ہے:

ان جری علی لسانه او لا یعرف التمیز لاتفسد ھو المختار [1]۔	اگر زبان پر از خود جاری ہوگیا یا امتیاز کی معرفت نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی یہی مختار ہے۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

ھو اعدل الاقاویل وھو المختار [2]۔والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم عز شانه احکم۔	یہ سب سے معتدل قول ہے اور یہی مختار ہے۔(ت) اور اللہ سبحانہ تعالٰی سب سے بہتر جاننے والا ہے اس کا علم سب سے کامل اور اسکی شانِ حاکمیت سب سے اعلٰی ومستحکم ہے(ت)

مسئلہ نمبر ۴۵۸: مرسلہ جناب نواب مولوی سیّد سلطان احمد خان صاحب سلمہ اللہ تعالٰی از بریلی ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ درصور ذیل حکم نماز چیست عام ازانکہ فرض بود یا نفل کہ در ہر رکعت ہماں سورت تکرار کردن۔	درج مسائل نماز میں علماء کرام کی کیارائے ہے خواہ نماز فرض ہو یا نفل کہ ہر رکعت میں ایک سورت کا تکرار کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

بے ضرورت در فرائض مکروہ تنزیہی است پس نشاید در اولی قرأت ناس راتعمد کردن تاحاجت بتکرار نیفتند اما اگر خواند بسہو یا عمد ناچار در ثانیہ تیز ہموں باید خواند کہ قرأتِ معکوسہ سخت تراز تکرار است بخلاف ختم کنندہ قرآن عظیم کہ اورا باید در رکعت اولی تاناس خواندن ودر ثانیہ از	بغیر ضرورت فرائض میں مکروہ تنزیہی ہے، پس پہلی رکعت میں سورۃ الناس عمدًا نہیں پڑھنی چاہئے تاکہ تکرار کی ضرورت نہ پڑ جائے اگر سہوًا یا عمدًا پڑھ چکا تو اب دوسری رکعت میں وہی سورت یعنی سورۃ الناس دوبارہ پڑھے، کیونکہ ترتیب بدل کر پڑھنا تکرار سے بھی سخت ہے، بخلاف

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی زلۃ القاری نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۷۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ الثانی عشر فی زلۃ القاری نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲

الم تا مفلحون لحدیث الحال المرتحل[1] کذا فی النهر وردالمحتار **اقول:** وانچہ مراد اینست کہ بحالت ختم قرآن مجید ایں خود نکس و عکس نیست بلکہ از سر گفتن باشد چنانکہ لفظ حال و مرتحل نیز برآں دلیل است **فافهم واللہ تعالٰی اعلم۔**	ختم قرآن کی صورت کے کہ اس میں پہلی رکعت میں سورۃ الناس تک پڑھنا اور دوسری رکعت میں الم تا مفلحون پڑھنا جائز اور درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اللہ تعالٰی کے ہاں پسندیدہ عمل کیا ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: منزل میں اُترنے والا اور کوچ کرنیوالا (یعنی جو شخص قرآن شریف ختم کرے فوراً شروع کرے اور یوں ہی کرتا رہے) جیسا کہ نہر اور ردالمحتار میں ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے مراد یہ ہے کہ ختم قرآن کی صورت میں یہ عکس اور ترتیب کا بدلنا نہیں بلکہ قران کو نئے سرے سے شروع کرنا ہے جیسا کہ لفظ حال و مرتحل بھی اسی پر دلیل ہے **فافهم واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ نمبر ۴۵۹ : دریک رکعت چند سورت خواند (ایک رکعت میں متعدد سورتیں پڑھنا کیسا ہے؟۔ (ت)

الجواب:

دو رکعتے زیادہ بریک سورت خواندن در فرائض نباید اما اگر کند مکروہ نباشد بشرط اتصال سور واگر سور متفرقہ در رکعتے جمع کند مکروہ باشد کما فی الغنیۃ ثم ردالمحتار اقول و بحالت امامت شرطے دیگر نیز است وآں عدم تثقیل بر مقتدی ورنہ کراہت تحریمی است۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	فرائض کی ایک رکعت میں ایک سے زائد سورتیں نہیں پڑھنی چاہئیں اگر کوئی پڑھ لیتا ہے تو کراہت نہیں بشرطیکہ وہ سورتیں متصل ہوں، اگر کوئی متفرق سُورتیں کسی ایک رکعت میں جمع کرتا ہے تو اس میں کراہت ہے۔ جیسا کہ غنیۃ میں اور پھر ردالمحتار میں ہے میں کہتا ہوں امام ہونے کی صورت میں ایک اور شرط بھی ہے وہ یہ کہ مقتدی اسے بوجھ محسوس نہ کرے ورنہ کراہت تحریمی ہوگی **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ نمبر ۴۶۰: یک سورت فرو گزاشتہ خواندن (ایک سُورت چھوڑ کر پڑھنا کیسا ہے؟ ت)

الجواب:

سورت متروکہ اگر مدید است کہ بر تقدیر قراءتش در ثانیہ اطالت ثانیہ براولی لازم آید پس ازاں گزشتہ	اگر متروکہ سورت اتنی لمبی ہے کہ اس کی قرات سے دوسری رکعت پہلی رکعت سے طویل ہو جائے گی تو

[1] الجامع الترمذی ابواب القراءۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۸

سورت ثالثہ خواندن باکے ندارد چنانکہ دراولی والتین ودر ثانیہ قدر ورنہ در فرائض مکروہ چنانچہ نصر واخلاص واگردو سورت درمیان باشد مضائقہ نے ہمچو نصر وفلق - واللہ تعالٰی اعلم	ایسی سورت کو ترک کرکے تیسری سورت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً پہلی رکعت میں سورہ والتین اور دوسری رکعت میں سورہ قدر پڑھے اور اگر ایسی صورت نہیں تو فرائض میں ایسا کرنا مکروہ ہے جیسا کہ سورہ نصر اور سورہ اخلاص کا پڑھنا اور اگر درمیان میں دو۲ سورتیں ہوں تو پھر کوئی مضائقہ نہیں مثلاً سورہ نصر اور سورہ فلق - واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۶۱: دریک رکعت یک سورت یا یک رکعت یک آیت چند بار خواندن (ایک رکعت میں کسی سورت یا آیت کا تکرار کے ساتھ پڑھنا کیسا ہے؟ -ت)

الجواب:

چوں تکرار یک سورت در دو۲ رکعت ودو۲ سورت دریک رکعت ہر دو در فرائض ناباَئستہ بود تکرار یک سورت دریک رکعت اولی ناباَئستگی باشد وہمچناں تکرار آیت خلاصہ موجب اطالت ثانیہ براولی باشد وکل ذلک خلاف الماثور المتوارث فی الفرائض فاما کراہت تحریم راوجہے نیست جز در فاتحہ کہ دررکعتین اولین پیش از قرأت سورۃ اعادہ کل یا اکثر او کند **اقول:** لتفویت واجب الضم پس اگر عامد است اعادہ کند واگر ساہی است سجدہ سہو بخلاف تکرار فاتحہ دراخریین اقول لعدم الضم فیہما یا بعد سورت در اولیین اقول لحصول الضم من قبل ولایجب الرکوع اثر السورۃ بل کلما تلا من القراٰن کان لہ ان یتلوہ **اقول:** واز صورت تثقیل بر مقتدی غافل نباید بود کہ ہمچو سور زائد بر قدر مسنون است پس اگر گرانی آرد مطلقاً ناجائز ومکروہ تحریمی باشد وایں حکم عام است مر فریضہ ونافلہ ہمہ را پس ہر جا از	جب فرائض کی دو رکعتوں میں ایک سورت کا تکرار یا ایک رکعت میں دو سورتوں کا مناسب نہیں تو ایک رکعت میں ایک سورت کا تکرار بطریق اولٰی مناسب نہ ہوگا، اسی طرح کسی مخصوص آیت کا تکرار دوسری رکعت کے پہلی رکعت کے طویل ہونے کی وجہ بن سکتا ہے، اور یہ تمام باتیں فرائض کے بارے میں منقول ماثور کے خلاف ہیں لیکن اس کو مکروہ تحریمی قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ماسوائے پہلی ۲دو رکعات میں قرأتِ سورت سے پہلے کل سورہ فاتحہ یا اکثر کا اعادہ کرنا کیونکہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورت ملانا واجب تھا، اعادہ کی صورت میں وُہ فوت ہوجاتا ہے، پس اگر کسی شخص نے عمداً ایسا کیا تو اعادہ نماز کرے اور اگر سہواً کیا تو سجدہ سہو ہوگا بخلاف آخری دو رکعت میں سورہ فاتحہ کے تکرار کے۔ میں کہتا ہوں کیونکہ ان میں ضم سورت واجب نہیں یا ضمِ سورت کے بعد پہلی دو رکعات میں، کیونکہ

صورت جواز مستثنیٰ باید ش فہمید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ضمِ سورت (واجب) پہلے حاصل ہو چکا اور سورت کے بعد رکوع فوراً واجب نہیں ہوتا بلکہ جب تک نمازی تلاوت کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں مقتدی پر بوجھ ہونے کی صورت سے غافل نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ مثلاً قدر مسنون قرأت سے زائد پر اگر نمازی بوجھ محسوس کرتا ہے تو ایسی صورت مطلقاً ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے اور یہ حکم ہر مقام پر ہوگا خواہ نماز فرض ہو یا نفل، البتہ ہر جا صورت جواز کو مستثنیٰ سمجھ لینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۶۲:

از یک سورۃ طویلہ آیات متفرقہ در رکعات خواندن مثلاً در اولٰی آیت الکرسی ودر ثانیہ اٰمن الرسول	طویل سورت سے مختلف رکعات میں متفرق آیات پڑھنا کیسا ہے؟ مثلاً پہلی رکعت میں آیت الکرسی اور دوسری میں اٰمن الرسول۔

الجواب:

ایں چنیں قرأت در دو رکعت جائز است وکراہت ندارد بشرط آنکہ میان ہر دو موضع فصل کم ز دو آیت نباشد فاما بہتر آنست کہ بے ضرورت ایں ہم نکند لانہ یوھم الاعراض عن البعض والعیاذ باللہ تعالٰی واگر ہمیں فصل یک آیت است یا در رکعت واحدہ بے ضرورت ارتکاب ایں معنی کرد مکروہ است اگرچہ فصل چندیں آیات باشد **اقول:** وگمان دارم کہ نفل دریں باب مخالف فرض نباشد لما ذکر فی فتح القدیر من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا ابتدأت بسورۃ فاتمھا علی نحوھا قالہ حین سمعہ ینتقل فی التہجد من سورۃ الی سورۃ[1] کما رواہ ابوداؤد وغیرہ فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا کما کان نھیا عن	یہ قرأت دو رکعت میں بلا کراہت جائز ہے بشرطیکہ دونوں قرأت کے درمیان دو آیات سے کم مقدار نہ ہو اور بہتر یہ ہے کہ بغیر ضرورت ایسا بھی نہ کرے کیونکہ بعض آیات سے اعراض کا وہم ہوگا العیاذ باللہ تعالٰی، اگر یہ فاصلہ ایک آیت کی مقدار ہو یا ایک رکعت کی مقدار ہو یا ایک ہی رکعت میں بغیر ضرورت کے ایسا کرے تو مکروہ ہے اگرچہ فاصلہ متعدد آیات کا ہو۔ اقول (میں کہتا ہوں) میں یہ سمجھتا ہوں اس معاملہ میں نوافل، فرائض کے مخالف نہیں کیونکہ فتح القدیر میں ہے: نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد فرمایا جب تُو کوئی سورۃ شروع کرے تو اسے مکمل کر، آپ نے یہ اس وقت فرمایا جب انھیں تہجد میں ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف منتقل ہوتے ہوئے سنا، جیسا کہ

[1] فتح القدیر باب الامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ ۱/ ۹۹۲

الانتقال من سورة الی سورة کذلك افاد النھی عن الانتقال من اٰیة الی اخری ایضا بالاولی ولکن لی فیه کلام سیاتی واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ابوداؤد وغیرہ نے اسکو روایت کیا ہے، توآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی جس طرح ایک سورت سے دوسری سورت کی طرف منتقل ہونے سے منع پر دال ہے اسی طرح ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف انتقال کے منع ہونے پر بھی بطریقِ اولیٰ دال ہے، لیکن اس میں مجھے کلام ہے جو عنقریب آرہا ہے واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۶۳:　　سورۃ معکوس خواندن (الٹی سورت پڑھنا کیسا ہے؟۔ت)

الجواب:

بالقصد ناجائز وممنوع است در حدیث براں تہدید شدید فرمودہ اندواگر سہوا باشد چنانکہ در اولی نصر خواندہ در ثانیہ قصد فلق داشت کہ بجائے قل اعوذ کلمہ قل یا بر زبان رفت انگاہ ہمیں سورت کافرون باتمام رساند ونکند ایں را گزاشتہ بسورت دیگر گزشتن بے ضرورت مکروہ اس پس ایں رجوع باشد از عدمِ کراہت بکراہت وھو کما تری سخن گفتگی ماند از آنکہ ایں معنی در نفل ہم مکروہ باشد یا خیر در مختار بتبیعت خلاصہ ایں را وچیزے چند از جنس ایں راکہ در فرائض کراہت داشت ذکر کردہ مبگوید ولا یکرہ فی النفل شیئ من ذلك اما امام محقق حیث اطلق فرمود عندی فی ھذہ الکلیة نظر علّامہ حلبی محشیٰ درہم در مسئلہ دائرہ بریں کلیہ معترض آمد کہ قرأت منکوس بیروں نماز مکروہ وممنوع است در نفل چناں مکروہ نباشد **اقول:** وھو حسن ظاھر وما اجاب عنه العلامة الطحطاوی واقرہ للعلامة الشامی وبالجملة فالاحوط الاحتراز واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ارادۃً ایسا کرنا ممنوع وناجائز ہے حدیث میں اس پر سخت وعید ہے اگر یہ سہواً ہوا جیسا کہ پہلی رکعت میں سورہ نصر پڑھی دوسری میں سورہ فلق پڑھنے کا قصد تھا مگر قل اعوذ کی جگہ زبان پر قل یا ایھا الکٰفرون) جاری ہوگیا، ایسی صورت میں سورہ کافرون مکمل کرلے ،اسے چھوڑ کر دوسری طرف نہ جائے ، کیونکہ بغیر ضرورت کے ترک مکروہ ہے، پس یہ عدم کراہت سے کراہت کی طرف رجوع ہوگا اور وہ اسی طرح ہے جس طرح تم جانتے ہو اب اس معاملہ میں یہ گفتگو رہ گئی کہ کیا نفل میں بھی کرنا مکروہ ہے یا مکروہ نہیں بلکہ درست ہے اور دُرمختار میں خلاصہ کی اتباع کرتے ہوئے اسے اس کے علاوہ اسی طرح کی چیزیں جو فرائض میں مکروہ ہیں ذکر کرکے فرمایا البتہ ان میں سے کوئی شے بھی نوافل میں مکروہ نہیں، لیکن امام محقق علی الاطلاق نے اظہار کرتے ہوئے کہا مجھے اس کلیہ میں اعتراض ہے۔ علامہ حلبی محشیٰ نے بھی مذکورہ مسئلہ میں اسی کلیہ پر اعتراض کیا، اور کہا کہ الٹی قرأت نماز سے باہر جب مکروہ وممنوع ہے تو نوافل میں کیوں نہ مکروہ ہوگی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں)

یہ ہی بہتر ہے۔اور علامہ طحطاوی نے ان کی طرف سے اسکا جواب نہیں دیا۔اور علامہ شامی نے اسے ثابت رکھا الغرض اس طرح قرات سے احتراز ہی بہتر ہے۔و اللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم ۔ت)

مسئلہ نمبر ۴۶۴: کمی و بیشی در قرات رکعات کردن (رکعتوں میں قرات کی کمی بیشی کیسی ہے؟۔ت)

الجواب:

اطالت ثانیہ براولے در فرائض مکروہ است بالاتفاق و در نوافل علی الاصح وعکس آں رادر نوافل کراہتے نیستو در صبح نیز نائز است بالاتفاق والاطلاق یعنی ہرچہ تطویل کند پاک نباشد و بقدر ثلث خود مستحب است و بعضے تا نصف گویند و زیادہ برآں باوصف جواز خلاف اولی است و در غیر فجر از فرائض اختلاف است نزد امام محمد ہمہ جا اطالت اولٰی باید و شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما بہ تسوید رفتہ اند و فتوی مختلف است باید کہ ارجح واوجہ قول شیخین باشد فان کلام الامام امام الکلام ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	فرائض کی دوسری رکعت کو پہلی پر لمبا کرنا بالاتفاق مکروہ ہے اور اصح قول کے مطابق نوافل میں بھی مکروہ ہے اس کے برعکس قرات کرنا نوافل میں کراہت نہیں رکھتا ،اور نمازِ فجر (کی رکعت اولی) میں بھی بالاتفاق اور بالاطلاق جائز ہے یعنی جس طرح بھی طویل کرے کوئی حرج نہیں ، تہائی کی مقدار مستحب ہے اور بعض نصف مقدار تک کا قول بھی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ لمبا کرنا جائز ہونے کے باوجود خلافِ اولٰی ہے۔فرائض فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں اختلاف ہے۔ امام محمد کے نزدیک ہر مقام پر پہلی رکعت کا لمبا کرنا اولٰی ہے شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما برابری کی طرف گئے ہیں اور فتوی بھی مختلف ہے لیکن شیخین کا قول راجح ہونا مناسب لگتا ہے کیونکہ کلامِ امام ،امامِ کلام ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۶۵: پس سورت اسمائے الٰہی ضم کرد (سورت کے ساتھ اسمائے الٰہی کا ملانا کیسا ہے؟۔ت)

الجواب:

در فرائض مکروہ ست ہمچو سوال و استعاذہ نزد آیات ترغیب و ترہیب و در نوافل نیز لتغییر نظم الصلٰوۃ وانچہ وارد و ثابت باشد کما فی صلٰوۃ و قال فی ردالمحتار والطعن فی ندبھا بان فیھا تغییرالنظم الصلٰوۃ انما یتأتی علی ضعف حدیثھا فاذا ارتقی الی درجۃ	فرائض میں مکروہ ہے اسی طرح آیاتِ ترغیب و ترہیب میں رحمت کا سوال اور عذاب سے پناہ مانگنا بھی مکروہ ہے اور یہ نوافل میں بھی مکروہ ہے کیونکہ ایسے عمل سے نظمِ نماز میں تبدیلی آجاتی ہے اور جو معمولات کے بارے میں احادیث میں وارد ہے جیساکہ نمازِ تسبیح میں ہے ردالمحتار میں کہا اس کے

الحسن أثبتها وان کان فیها ذلك [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	مستحب ہونے پر یہ اعتراض کہ نظمِ نماز میں تبدیلی کا باعث بنیں گے تب ہوسکتا ہے جب اس کی حدیث ضعیف ہو، پس جب اس کی حدیث درجہ حسن پر فائز ہوچکی تو اس کا اثبات ہوگیا اگرچہ اس میں وہ معمولات ہوں (جو اس نماز میں مذکور ہیں) اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۶۶:　　۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کو متولی صاحب اور اہلِ محلّہ نے جو نماز پڑھنے مسجد میں آتے ہیں امام کیا اور زید حرفوں کو مخارج سے ادا کرتا ہے اب اس میں چند آدمی یہ کہتے ہیں کہ تم ضاد نہیں پڑھتے بلکہ ضاد کو مشابہ ظاء کے پڑھتے ہو، اور زید کہتا ہے کہ میں مخارج سے ادا کرتا ہوں اور تم لوگ زبان کو دانتوں سے لگا کر نکالتے ہوئے "د" ہے اور میں داڑھ سے زبان کی نوک لگا کر نکالتا ہوں وہ "ضاد" ہے اور ایک شخص کبھی نماز پڑھا دیتا ہے وہ ضاد کو مخارج "د" سے ادا کرتا ہے آیا ان میں کس کے پیچھے نماز جائز ہوگی صاف صاف فرمایئے کلام اللہ و حدیث رسول اللہ سے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ظاد اور دُواد محض غلط ہیں اسکا مخرج بھی نہ زبان کو دانتوں سے لگا کر ہے نہ زبان کی نوک داڑھ سے لگا کر بلکہ اس کا مخرج زبان کی ایک طرف کی کروٹ اُسی طرف کی بالائی داڑھوں سے مل کر درازی کے ساتھ ادا ہونا اور زبان اوپر کو اُٹھ کر تالو سے ملنا اور ادا میں سختی و قوت ہونا ہے اس کا مخرج سیکھنا مثل تمام حرفوں کے ضروری ہے، جو شخص مخرج سیکھ لے اور اپنی قدرت تک اس کا استعمال کرے اور ظ یا د کا قصد نہ کرے بلکہ اسی حرف کا حق جو عزوجل کی طرف سے اُترا ہے پھر جو کچھ نکلے بوجہ آسانی صحتِ نماز پر فتوی دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں ضاد کو مشتبہ بظاء پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب

یہ حرف دشوار ترین حرف ہے اور اس کی ادا خصوصًا عجم پر کہ اُن کی زبان کا حرف نہیں، سخت مشکل،

---
[1] ردالمحتار مطلب فی صلوٰۃ التسبیح مطبوعہ مصطفی البابی ۱/ ۵۰۸

مسلمانوں پر لازم کہ اُس کا مخرج صحیح سے ادا کرنا سیکھیں اور کوشش کریں کہ ٹھیک ادا ہو اپنی طرف سے نہ ظاد کا قصد کریں نہ دواد کا دونوں محض غلط ہیں اور جب اس نے حسبِ وسع وطاقت جہد کیا اور حرف صحیح ادا کرنے کا قصد کیا پھر کچھ نکلے اس پر مواخذہ نہیں لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[1] ۔ (اللہ تعالٰی کسی ذی نفس کو اسکی طاقت سے بڑھ کر مکلّف نہیں ٹھہراتا۔ت) خصوصًا ظاء سے اس حرف کا جُدا کرنا تو سخت مشکل ہے پھر ایسی جگہ ان سخت حکموں کی گنجائش نہیں تکفیر ایک امرِ عظیم ہے۔ لا یخرج الانسان من الاسلام الا جحود ما ادخلہ فیہ (انسان کو اسلام سے خارج نہیں کرتی مگر جب اس چیز کا انکار کرے جو اسے دین میں داخل کرتی ہے (ت)۔ اور جمہور متاخرین کے نزدیک فساد نماز کا بھی حکم نہیں۔

فی ردالمحتار ان کان الخطأ بابدال حرف بحرف فان امکن الفصل بینھما بلا کلفۃ کالصاد مع الطاء فاتفقوا علی انہ مفسد و ان لم یکن الا بمشقۃ کالظاء مع الضاد فاکثرھم علی عدم الفساد لعموم البلوی[2] اھ ملخصاً۔ وفی الدر المختار الامایشق تمیزہ کالضاد والظاء فاکثرھم لم یفسدھا[3]۔	ردالمحتار میں ہے اگر ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل کر خطا کرے تو ان دو کے درمیان بغیر مشقت کے امتیاز ممکن ہو جیسا صاد اور طاء کے درمیان تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر امتیاز کرنے میں مشقت ہو مثلاً ظاء اور ضاد، تو اکثر علماء کی رائے یہی ہے عموم بلوی کے پیشِ نظر نماز فاسد نہ ہوگی اھ ملخصا۔ اور در مختار میں ہے مگر جن حروف میں امتیاز مشکل ہو جیسے ضاد اور ظاء تو اکثر کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ت)

اور ائمہ متقدمین بھی علی الاطلاق حکم فساد نہیں دیتے عجب کی بات ہے کہ ابنائے زمانہ ان باتوں میں بے طور جھگڑتے اور ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں حالانکہ اصول ایمان وامہات عقائد میں جو فتنے طوائف جدید ملار ہیں ہے ان سے کام نہیں رکھتے اور لطف یہ ہے کہ وہ جہال جن سے سہل حرف بھی ٹھیک ادا نہیں ہوتے ضاد اور دواد پر کٹے مرتے ہیں۔ اللہ تعالٰی ہم اہل اسلام کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ ہاں اگر کوئی معاند بد باطن بقصد تغییر کلام اللہ و تبدیل وحی منزل من اللہ اس حرف خواہ کسی حرف کو بدلے گا تو وہ بے شک اپنے اس قصد خبیث کے سبب حکم کفر کا مستحق ہوگا۔ اس میں ظاد و دواد

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۶

[3] دُر مختار ، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ، مجتبائی دہلی، ۱/۹۱

وسین ساد سب برابر ہیں وھذا ھو محمل التعمد المذکور فی کلام الامام الفضلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (امام فضلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام میں مذکور تعمد کا محمل یہی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۶۸: ۱۶ جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مغرب میں رکوع لقد صدق اللہ رسولہ پڑھ رہا تھا جب فی الانجیل تک پڑھ لیا آیت پارہ ۲۲ تشابہ لگا اُس کے بعد یہ آیت انما یرید اللہ لیذھب تک پڑھی پھر جب یاد آیا اُسے چھوڑ کر مقام اصل سے شروع کیا اور نماز ختم کی اور سجدہ سہو نہ کیا اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: نماز ہوگئی اور سجدہ سہو کی بھی حاجت نہ تھی اگر بقدر ادائے رکن سوچتا نہ رہا ہو، ہاں اگر بھولا اور سوچنے میں اتنی دیر خاموش رہا جس میں کوئی رکن نماز کا ادا ہوسکتا ہے تو سجدہ سہو لازم آیا **کما فی الدر المختار وغیرہا**[1] (جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت) اگر نہ کیا تو نماز جب بھی ہوگئی مگر ناقص ہوئی پھیرنا واجب ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۶۹: ۶ شعبان المعظم ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امام جب نماز میں کھڑا ہو کر قرات شروع کرے اگر اس وقت بعذر یعنی قرات بند ہونے کی وجہ گلا صاف کرنے کے لئے کھانسا تو نماز جائز ہوجائے گی۔ عمرو کہتا ہے نہیں کہ نہیں خواہ کسی حالت میں ہو یا عذر یا بلاعذر اگر پے در پے تین مرتبہ کھانسا تو نماز باطل ہوجائے گی، اس مسئلہ میں کون حق پر ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں نماز میں اصلاً کوئی خلل نہ آیا کھانسنا کھنکارنا جبکہ بعذر یا کسی غرض صحیح کے لئے ہو جیسے گلا صاف کرنا یا امام کو سہو پر متنبہ کرنا تو مذہب صحیح میں ہرگز مفسدِ نماز نہیں۔

فی الدرالمختار فی المفسدات (والتنحنح بلاعذر) اما بہ بان نشأمن طبعہ فلا (او بلا (غرض صحیح) فلو لتحسین	درمختار وغیرہ کے باب نماز کے مفسدات میں ہے (اور بغیر عذر کے کھانسنا) ہاں اگر عذر کی بنا پر ہو مثلاً طبعًا ایسا ہُوا تو فاسد نہیں (یا) بغیر (غرض صحیح کے ہو)

[1] دُرمختار باب سجود السہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

صوتہ او لیھتدی امامہ اوالاعلامہ انہ فی الصلاۃ فلا فساد علی الصحیح[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	پس اگر تحسین آواز یا امام کی رہنمائی یا اس اطلاع کے لئے کھانسا کہ وہ نماز میں ہے تو صحیح یہی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۷۰: مرسلہ جناب حافظ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

بیضاوی مین قرأت بضنین کو بتایا اور ضاد کا مخرج اور ظاء کا اس سے محشّٰی اشارہ بتاتا ہے قرأتین واحد نہ کی جائیں اس کے متعلق جو جو حاشیے یا شرح ہوں ان میں سے یہ بات بتائی جائے کہ کوئی باوجود مخرجین جدا ہونے کے اور استعلا واطباق میں ایک ہونے کو مشتبہ الصوت کون کون بتاتا ہے اور اس قضیہ کا کیا حال ہے صرف مشتبہ الصوت مان لینے سے ظواد یا دواد صحیح ہوسکتا ہے فقہانے دواد مفخم اور ظواد ودواد مستہجن کا صریح حکم کیا بتایا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: ض وظ قدر مشتبہ الصوت ہونا یقینی ہے یہاں تک کہ تمیز دشوار مگر نہ یہ ظ جو عامہ عوام نکالتے ہیں یہ ذ مفخم جب اپنے مخرج سے صحیح طور پر برعایت استعلا واطباق لسان ادا کی جائے گی ضرور مشابہ الصوت بض ہوگی یہاں تک کہ اگر استطالہ واقع ہو ض ہوجائے ذواد نہ مستحسن نہ مستہ جن بلکہ محض غلط اسی طرح دواد اور صحیح ظواد بھی نہیں فقہائے کرام سب کا ایک حکم دیتے ہیں کہ بحالت فساد معنی نماز فاسد جیسے مظطوب اور معذوب اور بحالت صحت معنی صحیح جیسے ظالین دوالین[2] کما فی الغنیۃ وغیرھا (جیسا کہ غنیہ وغیرہ میں ہے) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۷۱: از شہر کٹک ضلع اڑیسہ بخشی بازار مرسلہ شیخ طاہر محمد عثمان ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرح متین اس مسئلہ میں کہ آنریری مجسٹریٹ کی امامت جائز ہے یا نہیں، اور جو ترتیل سے نہ پڑھے اس کی امامت جائز یا ناجائز اور نیز ترتیل کی حد معلوم ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ترتیل کی تین حدیں ہیں ہر حد اعلٰی میں اسکے بعد کی حد ماخوذ وملحوظ ہے۔

حد اوّل: یہ کہ قرآن عظیم ٹھہر ٹھہر کر بآہستگی تلاوت کرے کہ سامع چاہے تو ہر کلمے کو جدا جدا گن سکے

[1] دُرمختار، باب مایفسد الصلوٰۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۸۹/۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۷۶

کما قال اللہ تعالٰی وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾[1] ای انزلناہ نجما نجما علی حسب ما تجددت الیہ حاجات العباد و مثلہ قولہ تعالٰی وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾[2]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے ورتلناہ ترتیلا یعنی ہم نے اسے بندوں کی ضرورت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا ہے، اسی طرح اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں پر پڑھیں ٹھہر ٹھہر کر اور ہم نے اسے تدریجًا نازل فرمایا۔ (ت)

الفاظ بہ تفخیم ادا ہوں حروف کو اُن کی صفات شدّت وجہر وامثالہا کے حقوق پورے دئے جائیں اظہار واخفاو تفخیم وترقیق وغیرہا محسنات کالحاظ رکھا جائے یہ مسنون ہے اور اسکا ترک مکروہ وناپسند اور اسکا اہتمام فرائض وواجبات میں تراویح اور تراویح میں نفل مطلق سے زیادہ جلالین میں ہے: رتل القراٰن تثبت فی تلاوتہ[3] (رتل القراٰن کا معنی قرآن کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنا ہے۔ت) کمالین میں ہے:

ای تاٰن واقرأ علی تؤدۃ من غیر تعجل بحیث یتمکن السامع من عداٰیاتہ وکلماتہ[4]۔	یعنی قرآن مجید کو اس طرح آہستہ اور ٹھہر کر پڑھو کہ سننے والا اس کی آیات والفاظ گن سکے۔ (ت)

اتقان امام سیوطی میں برہان امام زرکشی سے ہے:

کمال الترتیل تفخیم الفاظ والابانۃ عن حروفہ وان لایدغم حرف فی حرف وقیل ھذا اقلہ[5]۔	کمال ترتیل یہ ہے الفاظ میں تفخیم (حرف کو پُر کرکے پڑھنا) اور حروف کو جدا جدا کرکے پڑھا جائے، ایک حرف کو دوسرے حرف سے نہ ملایا جائے۔ بعض نے کہا یہ ترتیل کا کم درجہ ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یسن الترتیل فی قرأۃ القراٰن قال اللہ تعالٰی	قرات قرآن میں ترتیل سنّت ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا

[1] القرآن ۳۲/۲۵

[2] القرآن ۱۷/۱۰۶

[3] تفسیر جلالین زیر آیۃ ورتل القرآن الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۴۷۶

[4] کمالین علی حاشیہ جلالین زیر آیۃ مذکورہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/۴۷۶

[5] الاتقان فی علوم القرآن، النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوتہ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۶

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ وروی ابو داؤد وغیرہ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا نعتت قرأۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأۃ مفسرۃ حرفا حرفا[1]۔	ارشاد ہے قرآن کو خوب ترتیل کے ساتھ پڑھو، اور ابو داؤد نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قرأۃ کی صفت کے بارے میں یوں بیان کیا ہے کہ آپ اس طرح تلاوت فرماتے کہ قرأت مفسر ہوتی اور ایک ایک حرف جدا جدا معلوم ہوتا تھا الخ (ت)

حدیث میں ہے:

لاتنثروہ نثر الدقل ولا تھذوہ ھذا الشعر قفوا عند عجائبہ وحرکوہ بہ القلوب ولا یکون ھم احدکم اٰخر السورۃ[2]۔	یعنی قرآن کو سُوکھے چھوہاروں کی طرح نہ جھاڑو (جس طرح ڈالیاں ہلانے سے خشک کھجوریں جلد جلد جھڑ جھڑ پڑتی ہیں اور شعر کی طرح گھاس نہ کاٹو،

عجائب کے پاس ٹھہرتے جاؤ اور اپنے دلوں کو اُس سے تدبر سے جنبش دو اور یہ نہ ہو کہ سورت شروع کی تو اب دھیان اسی میں لگا ہے کہیں جلد اسے ختم کریں۔

رواہ ابوبکر الآجری فی کتاب حملۃ القراٰن وعن طریقہ البغوی فی المعالم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ والدیلمی مثلہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ والعسکری فی المواعظ من حدیث امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ انہ سئل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن قولہ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ قال فذکرہ۔	اسے امام ابوبکر آجری نے "کتاب حملۃ القرآن" میں نقل کیا ہے، اور امام بغوی نے معالم میں اسے حضرت عبداللہ بن مسعود کا قول اور دیلمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا عسکری نے المواعظ میں حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے حوالے سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی ورتل القراٰن ترتیلا کے بارے میں پُوچھا گیا تو آپ نے مذکورہ الفاظ میں تشرح فرمائی (ت)

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ الاخبری فی حملۃ القرآن فی آداب تلاوۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۶

دُرمختار میں ہے:

یقرأ فی الفرض بالترتیل حرفا حرفا وفی التراویح بین بین وفی النفل لیلاله ان یسرع بعدان یقرأ کما یفهم[1]۔	فرض نماز میں اس طرح تلاوت کرے کہ جدا جدا ہر حرف سمجھ آئے، تراویح میں متوسط طریقے پر اور رات کے نوافل میں اتنی تیز پڑھ سکتا ہے جسے وہ سمجھ سکے۔(ت)

اُس کے بیان تراویح میں ہے: ویجتنب هذرمة القرأة[2]۔ (اور جلدی جلدی قرات سے اجتناب کرے۔ت)

دوم: مدوقف ووصل کے ضروریات اپنے اپنے مواقع پر ادا ہوں کھڑے کھڑے کالحاظ ہے حروف مذکورہ جن کے قبل نون یا میم ہوان کے بعد غنّہ نہ نکلے انّا کُنّا کوان کن یا انّاں کنّاں نہ پڑھا جائے باوجیم ساکنین جن کے بعد "ت" ہو بشدت ادا کئے جائیں کہ پ اور چ کی آواز نہ دیں جہال جلدی میں ابتر اور تجتنبوا کو اپتر اور تچتنبوا پڑھتے ہیں حروف مطبقہ کا کسرہ ضمہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ جہاں جب صراط و قاطعہ میں ص و ط کے اجتماع میں مثلاً "یستطیعون" "لاتطع" بے خیالی کرنے والوں سے حرف تا بھی مشابہ طا ادا ہوتا ہے بلکہ بعض سے "عتو" میں بھی بوجہ تفخیم عین وضمہ تا آواز مشابہ طا پیدا ہوتی ہے بالجملہ کوئی حرف وحرکت بے محل دوسرے کی شان اخذنہ کرے نہ کوئی حرف چھُوٹ جائے نہ کوئی اجنبی پیدا ہو نہ محدود ومقصود ہو نہ ممدود اسی زیادت اجنبی کے قبیل سے ہے وہ الف جو بعض جہال "واستبقات" "دعوا الله" "وقال الحمدلله" "ذاقا الشجرة" کے قیاس پر "کلتاالجنتین" "قیل ادخلو النار" میں نکالتے ہیں حالانکہ یہ محض فاسد اور زیادت باطل وکاسد و واجب واجماعی مد متصل ہے منفصل کا ترک جائز و لہٰذا اس کا نام ہی مد جائز رکھا گیا اور جس حرف مدہ کے بعد سکون لازم ہو جیسے ضالین، الٓمّٓ وہاں بھی مد بالاجماع واجب اور جس کے بعد سکون عارض ہو جیسے العالمین، الرحیم، العباد، یوقنون بحالت وقف یاقَالَ اَللّٰھُمَّ بحالت ادغام وہاں مدوقصر دونوں جائز، اس قدر ترتیل فرض و واجب ہے اور اس کا ترک گنہگار، مگر فرائضِ نماز سے نہیں ترک مفسد صلاۃ ہو۔ مدارک التنزیل میں ہے:

وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؂ ای قرأعلی تؤدة	قرآن کو آہستہ آہستہ ٹھہر کر پڑھو، اس کا معنی یہ ہے۔

[1] درمختار باب الامۃ فصل ویجھر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۸۰/۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۹/۱

بتبیین الحرف و حفظ الوقوف واشباع الحرکات ترتیلا ھو تاکید فی ایجاب الامر بہ وانہ لا بد منہ للقاری [1]۔	کہ اطمینان کے ساتھ حروف جدا جدا، وقف کی حفاظت اور تمام حرکات کی ادائیگی کا خاص خیال رکھنا "ترتیلا" اس مسئلہ میں تاکید پیدا کررہا ہے کہ یہ بات تلاوت کرنے والے کے لئے نہایت ہی ضروری ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یمد اقل مدقال بہ القراء والاحرم لترک الترتیل المامور بہ شرعاط [2]۔	اسے تھوڑا لمبا کرکے پڑھا جائے قراء کا یہی قول ہے ورنہ مامور بہ ترتیل کی خلاف ورزی ہوگی اور یہ شرعاً حرام ہے ط (ت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کو قرآن عظیم پڑھا رہے تھے اس نے انما الصدقٰت للفقراء کو بغیر مد کے پڑھا، فرمایا: ماھٰکذا اقرأنیھا رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم (مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یوں نہ پڑھایا) عرض کی: آپ کو کیا پڑھایا؟ فرمایا: اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ [3]۔ مد کے ساتھ ادا کرکے بتایا رواہ سعید بن منصور فی سننتہ و الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح (اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت) اتقان میں ہے:

قد اجمع القراء علی مد نوعی المتصل و ذی الساکن اللازم وان اختلفو ف مقدارہ واختلفو فی النوعین الاخریین و ھما المتفصل وذو الساکن العارض وفی قصرھما [4]۔	تمام قراء مد تصل کی دونوں انواع مد متصل اور ساکن لازم پر متفق ہیں اگرچہ ان کی مقدار میں انھوں نے اختلاف کیا ہے مد کی آخری دو انواع میں اور وہ مد منفصل اور ساکن عارض میں اور ان دونوں کی قصر میں بھی اختلاف ہے۔(ت)

[1] تفسیر مدارک التنزیل المعروف بتفسیر سورۃ مزمل زیر آیت ورتل القرآن الخ دارالکتاب العربیہ بیروت، ۳۰۳/۴

[2] ردالمحتار فصل فی القراءۃ مطبوعہ مصطفی البابی، ۴۰۰/۱

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثانی والثلاثون الخ ۹۶/۱

[4] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ سنن سعید بنن سعید ابن منصور ۷۹/۱

ہندیہ میں ہے:

اذاوقف فی غیر موضع الو قف اوابتدأ فی غیر موضع الابتداء ان لم یتغیر به المعنی تغیرا فاحشانحو ان یقرأ ان الذین اٰمنو اوعلموا الصٰلحٰت ووقف ثم ابتدأ بقوله اولئك هم خیر البریةلاتفسدبالاجماع بین العلمائنا هکذافی المحیط ،وکذا ان وصل فی غیر موضع الوصل کما لو لم یقف عند قوله اصحٰب النار بل وصل بقوله الذین یحملون العرش لا تفسد لکنه قبیح هکذا فی الخلاصة وان تغیربه المعنی تغیرافاحشانحوان یقرأ اشهد الله انه لا اله ووقف ثم قال الاهولا تفسد صلاته عندعامة علمائنا وعندالبعض تفسد صلاته والفتوی علی عدم الفساد بکل حال هکذا فی المحیط[1]	جب کسی نے غیر وقف کی جگہ وقف کیا یا مقام ابتدا کے غیر سے ابتدا کی تو اگر معنی میں فحش تبدیلی نہیں، مثلاً پڑھنے والے نے اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ پڑھ کر وقف کیا پھر اُولٰٓئِکَ ھُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ سے ابتدا کی تو ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، محیط میں اسی طرح ہے، اسی طرح اگر وصل کی جگہ کے علاوہ میں وصل کرلیا جیسا کہ اللہ تعالٰی کے قول اصحٰب النار پر وقف نہ کیا بلکہ اسے الزین یحملون العرش کے ساتھ ملا لیا نماز فاسد نہ ہوئی لیکن ایسا کرنا سخت ناپسند ہے۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے، اور اگر معنی میں فحش تبدیلی ہو مثلاً کسی نے اشھد اللہ انہ لا الٰہ پر کرکے پڑھا "الّا ھو" تو ہمارے اکثر علماء کے نزیک نماز فاسد نہ ہوگی بعض کے ہاں فاسد ہوجائے گی اور فتوٰی اسی پر ہے کہ ہر صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی محیط میں اسی طرح ہے۔(ت)

جو شخص اس قسم ترتیل کی مخالفت کرے اس کی امامت نہ چاہئے مگر نماز ہوجائے گی اگرچہ بکراہت عالمگیریہ میں ہے:

من یقف فی غیر مواضعه ولا یقف فی مواضعه لا ینبغی له ان یؤم وکذا من یتنحنح عندالقرأة کثیرا[2]۔	جو شخص مقاماتِ وقف میں وقف نہیں کرتا بلکہ مقاماتِ وقف کے غیر میں وقف کرتا ہے تو اسے امام نہ بنایا جائے اسی طرح اس کو امام نہ بنایا جائے جو اکثر کھانستا رہتا ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ ، الفصل الخامس فی زلۃ القاری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۱/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۶/۱

سوم: جو حروف وحرکات کی تصحیح اع، ت ط، ث س ص، ح ہ، ذ ز ظ وغیرہا میں تمیز کرے غرض ہر نقص وزیادت و تبدیل سے کہ مفسد معنی ہو احتراز یہ بھی فرض ہے اور علی التفصیل فرائض نماز سے بھی ہے کہ اسکا ترک مفسد نماز ہے جو شخص قادر ہے اور بے خیالی یا بے پروائی یا جلدی کے باعث اسے چھوڑتا ہے یا سیکھے تو آجائے مگر نہیں سیکھتا ہمارے ائمہ کرام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک اس کی نماز باطل اور اس کی امامت کے بطلان اور اسکے پیچھے اوروں کی نماز فاسد ہونے میں تو کلام ہی نہیں علمائے متاخرین نے بنظرِ تیسیر جو توسیعیں کیں وُہ عندالتحقیق صورت لغزش وخطا سے متعلق ہیں کہ صحیح جانتا ہے اور صحیح پڑھ سکتا ہے مگر زبان سے بہک کر غلط ادا ہوگیا نہ کہ معاذاللہ فتوی بے پروائی واجازت غلط خوانی وترک تعلم وکوشش، جیسا کہ عوام زمانہ بلکہ اکثر خواص میں بھی وبائے عالمگیر کی طرح پھیلا ہوا ہے اور نہ بھی سہی تو وہ عوام کی نمازیں ہیں نہ کہ غلط خوانوں کو امام بنانے کے لئے وہی علماء جو وہ توسیعات لکھتے ہیں بطلان امامت کی تصریح فرماتے ہیں اور جو قادر ہی نہیں کوشش کرتا ہے محنت کرتا ہے مگر نہیں نکلتا جیسے کچی زبان والے گنوار کہ قاف کو کاف، ذال کو جیم پڑھیں۔ صحیح مذہب میں صحیح خواں کی نماز ان کے پیچھے بھی نہیں ہوسکتی تفصیل اس مسئلہ جلیلہ کی جس سے آج کل نہ صرف عوام بلکہ بہت علماء و مشائخ تک غافل ہیں۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، کے فتاوٰی میں ہے درمختار میں ہے:

لا یصح اقتداء غیرالالثغ بہ ای بالالثغ علی الاصح کما فی البحرعن المجتبٰی وحررالحلبی وابن الشحنة انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلا یؤم الامثلہ ولاتصح صلاتہ اذا امکنہ الاقتداء بمن یحسنہ اوترك جھدہ اووجد قدر الفرض مما لالثغ بہ فیہ ھذا ھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذامن لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف من[1] ۔	اور غیر توتلے کی اقتداء توتلے کے پیچھے اصح قول کے مطابق درست نہیں ہے جیسا کہ البحر الرائق میں مجتبٰی سے منقول ہے (الثغ بروزن افعل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا نکلے مثلاً "ر" کی جگہ "ل" بولے) حلبی اور ابن شحنہ نے تنقیح کی ہے کہ توتلا پن رکھنے والا شخص ہمیشہ صحتِ حروف کے لئے کوشاں رہے، اس کے بعد وُہ اُمّی کی طرح ہے یعنی وہ اپنے ہم مثل کا امام بن سکتا ہے اور اس کی نماز صحیح نہ ہوگی جب اسے صحیح پڑھنے والے اقتدا ممکن ہو یا اس نے کوشش ترک کردی ہو یا بقدر فرض قرأت کی وہ

[1] دُرمختار، باب الامة، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۸۵/۱

آیتیں حاصل کرلے جن میں توتلا پن نہ ہو، توتلا پن رکھنے والے شخص کے بارے میں یہی صحیح و مختار قول ہے، اسی طرح حکم ہے اس شخص کا جو حروف تہجی میں سے کسی حرف پر صحیح تلفظ کی قدرت نہ رکھتا ہو۔(ت) اور جو شخص خلاف شریعتِ مطہرہ کے فیصلہ کرے اُسے امام بنانا جائز نہیں قال اللہ تعالٰی وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۝۴۷ [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا جو لوگوں کے درمیان اللہ تعالٰی کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ لوگ فاسق ہیں۔ت) غنیۃ میں ہے: لو قدموا فاسقا یاثمون [2] (اگر فاسق کو لوگوں نے امام بنایا تو وہ تمام گنہگار ہوں گے۔ت) اور اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ

کما حققه المحقق الحلبی فی الغنیة والعلامة الشرنبلالی فی المراقی وفی غیرهما فقد بینا فی غیر موضع من فتاوٰنا وهو فضیة الذیل فعلیه فلیکن التعویل واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وحکمه جل مجده اتم واحکم	جیسا کہ محقق حلبی نے غنیہ اور علامہ شرنبلالی نے مراقی میں اس کی تحقیق کی اور ان دونوں کے غیر نے اپنی اپنی کتابوں میں تحقیق کی ہے ہم نے اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ پر اسے بیان کیا ہے اور یہی اس کا خلاصہ ہے اور اسی پر اعتماد ہونا چاہئے واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وحکمه جل مجده اتم واحکم (ت)

---

[1] القرآن ۵/ ۴۷

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

رسالہ
نِعم الزّاد لِرَوم الضاد
(ضاد پڑھنے کا بہترین طریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ نمبر ۲۷۴تا۲۷۶: از ریاست رام پور محلّہ کنڈہ متصل مسجد میاں گاماں مرسلہ مولوی محمد یحیٰی صاحب ۲۴ شوال ۱۳۱۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ در قراءت غیر المغضوب علیھم ولاالضاّلین درچند اشخاص نزاع مے مانند واکثر رسائل وفتاوٰی دریں باب مختلف ہستند بعضے خواندن ضاد را بدال توراث بین الناس دلیل مے آرند و بعضے برائے تبدیل ظا و زا تشابہ صورت را دلیل مے گردانند و قاری عبدالرحمان مرحوم پانی پتی در رسائل و فتاوٰی خلاصہ تحقیق بدیں نہج رقم کردہ اندکہ بجائے ضاد دال یاحرف خواندن محض غلط است ہر حرف خصوصًا ضاد را از مخرج خود مع صفاتش ادا کردن برہمہ شخص واجب است دریں ہنگام شور و شغب	علمائے شرع متین اس بارے میں کیافرماتے ہیں کہ غیر المغضوب علیھم ولا الضاّلین کے پڑھنے میں کچھ لوگوں کا اختلاف ہے اکثر رسائل و فتاوے اس بارے میں مختلف ہیں بعض لوگ توارث بین الناس (معمول) کو دلیل بناتے ہوئے ضاد کو دال کے ساتھ پڑھنے کا کہتے ہیں اور بعض اسے ظا اور زا کے ساتھ تبدیلی کے قائل ہیں اور آواز میں مشابہ ہونے کی دلیل پیش کرتے ہیں قاری عبدارحمان مرحوم پانی پتی نے کہا کہ رسائل اور فتاوٰی میں اس بارے میں خلاصہ تحقیق یوں بیان کیا گیا ہے کہ ضاد کی جگہ دال یا کوئی

بعضے خواص و عوام سند خواندن دال از شرح کبیر بیان کردہ اند از استماعش درچند امور خلجان واقع گردید ترصد از علمائے ماہرین و معتبرین کہ ازجواب رافع خلجان احقاق حق و ابطال باطل فرمایند اجرکم اللہ تعالٰی فی الدارین امرے چند موجب اشتباہ و خلجان مخصوص ادائے ضاد شبیہ بدال مہملہ یا ظامعجمہ دریافت طلب از علمائے دین۔

اوّل: فصل زلّۃ قاری کہ درکتبِ فقہ علیحدہ ذیل حکم قراءت فی الصلٰوۃ موضوع شدہ آیاحکم مسائل آں مخصوص بداں صورت است کہ از قاری بلاقصد وارادہ حرفے بجائے حرفے فجائۃً برزبان جاری شدہ باشد یاعلی العموم است قاری وتالی بالقصد وارادہ حرفے بجائے حرف خواندہ باشد برتقدیر تسلیم شق عموم ہرگاہ حکم قراءت بالارادہ نوشتہ شدہ باعث معنون کردن فصل بہ زلۃ القاری چیست حالانکہ درزلۃ کہ معرب لغزش است ارادہ مفقوداست۔

دوم: درصورت عموم صرف بر اتحاد مخرج و تشابہ صورت عموم وسہولت اداکتفاکردہ خواہد شد یالحاظ معنی ہم داشتہ خواہد شد و بصورتِ تبدیل معنی آں حکم فساد نماز دادہ خواہد شد ودریں صورت کسے کہ درابدال ضاد

اور حرف پڑھنا محض غلط ہے، ہر حرف خصوصًا ضاد کو اپنے مخرج سے اس کی صفات کے ساتھ ادا کرنا ہر شخص پر لازم ہے، اس معاملہ میں بڑااختلاف اور شور ہے بعض خواص اور عوام اسے دال پڑھنے پر شرح کبیر سے سند ذکر کرتے ہیں، اس معاملہ میں چندامور سے خلجان واقع ہو رہا ہے ماہرینِ شریعت اپنے جواب سے انہیں رفع کریں تاکہ حق ثابت ہو اور باطل کا بطلان ہو جائے، اللہ تعالٰی دارین میں تجھے اجر سے نوازے، ضاد کو دال یاظاپڑھنے کی صورت میں جن امور میں اشتباہ و خلجان واقع ہو رہا ہے وُہ علماء سے دریافت طلب ہیں۔(وہ یہ ہیں)

اوّل: کتبِ فقہ میں نماز کی قراءت کے ضمن میں "زلۃ القاری" (قاری کا پھسلنا) کی جو فصل قائم کی گئی ہے اس کے مسائل کا حکم صرف اسی صورت کے ساتھ مخصوص ہے جب قاری سے بلاقصد وارادہ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف اچانک زبان پر جاری ہو جائے، یا حکم عام ہے خواہ قاری اور تلاوت کرنے والا عمدًا اور قصدًا کسی حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھ لے اگر عموم حکم والی (شق) تسلیم کرلی جائے تو جب اس میں قصدًا قراءت کا حکم بھی تحریر ہوا ہے تو پھر اس فصل کا عنوان زلۃ القاری کیوں رکھا گیا؟ حالانکہ لفظ زلۃ لغزش سے معرب ہے جس میں قصد اوارادہ مفقود ہوتا ہے۔ بذال توارث بین الناس رامطلقًا دلیل گردانیدہ توجیہ صحت قولش چہ خواہد شد۔

دوم: عموم کی صورت میں صرف اتحادِ مخرج یاقربِ مخرج اور تشابہ کی صورت میں عام وآسان ادائیگی پر اکتفا کرلیا جائے گا یا معنی کا بھی خیال رکھنا ضروری ہے اور بصورتِ تبدیل معنی وفساد حکم فساد نماز کا ہوگا اس صورت میں جو شخص ضاد کو ذال سے

بدل کر پڑھنے پر مطلقاً لوگوں کے معمول کو دلیل بناتا ہے اس کے قول کی صحت کی توجیہ کیسے ہوگی؟

سوم: چنانکہ صاحب غنیۃ المستملی شرح منیہ در فصل زلۃ قاری بمقام حکم ابدال حرفے بحرفے مدار بر صحت وفساد معنی داشتہ بصورتیکہ معنی صحیح از بدل می شود حکم صحت نماز نگاشتہ وجائیکہ از بدل فساد معنی شدہ حکم فساد نماز دادہ ہمیں حکم در ابدال ضاد بدال مہملہ ہم جاری خواہد ماند وبہر جاکہ ضاد بدال مہملہ فساد معنی لازم است حکم فساد نماز دادہ خواہد شد یا نہ اگر شق اول مسلم است پس ابدال ضاد بدال مہملہ وبصورت دال خواندن عموماً ومطلقاً چگونہ صحیح خواہد شد واگر شق ثانی است مخصص آں و موجب تخصیص کدام دلیل است۔

چہارم: کسیکہ از عبارت شرح کبیر **ولاالضالین بالظاء المعجمۃ اوالدال المھملہ لا تفسد الخ** خواندن دال بجائے ضاد بدون لحاظ تخالف وتباعد معنی علی العموم قیاس کردہ قیاس فاسد خواہد شد یا نہ زیرا کہ دریں آیہ کریمہ **ھل ندلکم علی رجل۔۔۔الخ** صاحب شرح کبیر از بدل قرب معنی ثابت کردہ وحکم صحت نماز دادہ وممکن است کہ بدے گر مقام از ابدال ضاد بدال فساد معنی شود معنی آں خواہد شد تباہ شوند یا در "اکواب موضوعہ" کہ بمعنی بی ترتیب چیدہ شدہ است ہرگاہ، مودوعہ خواند شود معنی آں پدور کردہ شدہ خواہد شد کہ مشعر پر انقطاع آن ست علی ہذا بسیارے

سوم: جس طرح صاحب غنیۃ المستملی نے شرح منیہ کی فصل زلۃ القاری میں ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنے کی صورت میں مدارِ معنی کی صحت وفساد پر رکھا ہے تو جس صورت میں تبدیلیِ حرف کے باوجود معنی درست ہوگا نماز کی صحت کا حکم دیا جائے گا اور جہاں تبدیلیِ حرف کی وجہ سے معنی فاسد ہوگا وہاں نماز کے فاسد ہونے کا حکم جاری ہوگا اور جب ضاد کو دال پڑھا جائے تو پھر بھی یہی حکم جاری ہوگا جہاں ضاد کو دال پڑھنے سے فسا معنی لازم آئے وہاں نماز کے فساد کا حکم جاری ہوگا یا نہیں؟ اگر شق اوّل مسلم ہے تو ضاد کو دال سے بدل کر دال کی آواز میں پڑھنا عموماً و مطلقاً کیسے ہوگا اور اگر دوسری شق ہے تو اس کا مخصص اور موجبِ تخصیص کون ہے۔

چہارم: جس شخص نے شرح کبیر کی عبارت **ولاالضالین بالظاء المعجمہ اوالدال المھملہ لا تفسد الخ۔** سے ضاد کی جگہ دال پڑھنا بغیر لحاظ مخالفت تباعد معنی علی العموم قیاس کیا ہے وہ قیاس فاسد ہے یا نہیں؟ کیونکہ آیۃ کریمہ **ھل ندلکم علی رجل۔۔۔الخ** میں صاحب شرح کبیر نے تبدیلی سے قربِ معنٰی ثابت کیا ہے اور صحتِ نماز کا حکم دیا ہے اور ممکن ہے کہ دوسرے مقام ضاد کو دال سے بدلنے سے فسادِ معنی لازم آئے اور اسکا معنی یہ ہوگا کہ وہ تباہ ہوگئے، یا "**اکوابِ موضوعہ**" میں کہ اس کا معنی ہے وہ برتن جو ترتیب سے رکھے گئے ہوں، اگر اسے "**مودوعۃ**" پڑھا جائے جس کا

آیات ہستند کہ حالش بر متفقش خبیر پوشیدہ نخواہد ماند پس دراں صورت لامحالہ حکم فساد نماز دادہ خواہد شد وہرگاہ مدار حکم صحت و فسادِ نماز بصورت ابدال ضاد وبظاء ودال خود حسبِ تحریر صاحب شرح کبیر بر صحت وفساد معنی بدل شدہ چگونہ قیاس مذکور بسبیل عموم بلوی بخصوص عدم فساد صلاۃ چنانکہ درحق عوام است کہ ہیچ امتیاز درصحت لفظ وفرق معنی نمے دارند ہمنیاں درحق خواص کہ امتیاز ہرگونہ دارند جاری خواہد شد یانہ۔	معنٰی یہ بنے گا رخصت کیا ہوا، یہ معنٰی وہ ہے جو اس کے انقطاع کی طرف مشعر ہے علٰی ہذاالقیاس بہت سی آیاتِ قرآنی ہیں جن کا حال ہر صاحب مطالعہ اور باخبر شخص سے مخفی نہیں ہیں، پس اس صورت میں یقیناً نماز کے فساد کا حکم ہی دیا جائے گا، جب ضاد کو ظا اور دال سے بدل کر پڑھنے میں نماز کی صحت و فساد کے حکم کا مدار خود صاحبِ شرح کبیر کی تحریر کے مطابق صحتِ معنی و فساد معنی کی تبدیلی پر ہے، تو پھر عموم بلوی کی بنیاد پر عوام کے حق میں عدمِ فسادِ نماز کا قول جس کی وجہ یہ ہے کہ صحت لفظ اور تبدیلیِ معنی کا فرق عوام نہیں کرسکتے اسی طرح خواص جو ہر قسم کا فرق کرسکتے ہیں تو کیا ان پر بھی یہ حکم جاری ہوگا یانہ؟
پنجم: ہرگاہ ازعبادت تمہید جزری و شرح شیخ الاسلام زکریا انصاری برمقدمہ جزری وہم از شرح ملّا علی قاری برآں ثابت است کہ السنہ ناس دراداۓ ضاد مختلف است بعضے ظاۓ معجمہ مے خوانند وایں ہمہ حضرات از قراءِ عرب معدودند دریں صورت دعوی توارث اداۓ ضاد بصوت دال چگونہ قابل تسلیم خواہد شد۔ بینواتوجروا۔	**پنجم**: جب امام جزری کی تمہید عبارت، شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح مقدمہ جزری اور شرح ملّا علی قاری میں ہے کہ لوگوں کی زبانیں ضاد کی ادائیگی میں مختلف ہیں بعض ظا، بعض دال، بعض ذال اور بعض اسے زا کی بودے کر پڑھتے ہیں اور یہ تمام حضرات قراءِ عرب میں شمار ہوتے ہیں اس صورت میں ضاد کو دال مہملہ پڑھنے پر توارث کا دعوی کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ بینواتوجرواؒ

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی انزل علی نبیہ صٓ والصلٰوۃ والسلام علی افصح من نطق بضٓ وعلی اٰلہٖ وصحبہ الذین اقتدوہ وھم لسفر الاٰخرۃ زاد صلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علیہ و.	تمام حمد اللہ کے لئے جس نے اپنے نبی پر صٓ (قرآن عظیم روشن عربی زبان میں) نازل کیا اور صلٰوۃ والسلام اس ذات پر جس نے ضٓ کو فصیح زبان سے ادا کیا (قرآن کی تلاوت سب سے اعلٰی فرمائی) اور آپ کی آل و

علیھم وزاد حق جل وعلا وتبارک قرآن عظیم بلسان عربی مبین بر نبی عربی قرشی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرستاد برائے تلاوت و استماع و استفاضہ وانتفاع عباد آں صفت کریمہ قدیمہ خود را بکسوت حروف واصوات تجلی داد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما انزل الیہ بصحابہ کرام رسانید وصحابہ بتابعین و تابعین بہ تبع وہمچناں قرناً بقرن وطبقۃً بطبقۃ ہر ہر حرف وحرکت و صفت وہیئت براقصی غایات تواتر کہ موفوق آں متصور نیست بمارسید والحمدللہ العلی المجید وذلک قولہ تعالٰی

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۠ [1]۔

بس بحمداللہ چنانکہ درہیچ کلمہ از کلمات کریمہ اش اصلا محل توہمے نیست کہ شاید بجائے الحمد الشکر نازل شدہ باشد ہمچناں بمنّت مولٰی عزوجل درہیچ حرفے از حروف طیبہ اش زنہار جائے تردد نیست کہ شاید بجمل لام تعریف میم تعریف بودہ باشد پس بنحیکہ بیقین قاطع میدانیم کہ ا و ع و ق درزبان عربی جداگانہ است درقرآن عظیم الاوعلا وفلا برمعانی مختلف برہماں وجہ بتیقن جازم می شناسم کہ ض وظ ود نیز لسانِ عرب سہ حرف متباین است و درفرقان کریم وضل وظل ودل بمبدلولات متخالفہ پس ض راظ یاد خواندن بعینہٖ بہماں ماند کہ کسے "ا" را ع یا ف خواندا دعائے دعائے توارث درادائے بجائے

اصحاب پر جنہوں نے آپ کی اقتداء کی جبکہ وہ سفر آخرت کے لئے سامان ہیں۔ اللہ جل جلالہ، رحمتیں، برکتیں اور سلامتی آپ پر اور ان سب پر نازل فرمائے اور زیادہ کرے، قرآن عظیم روشن عربی زبان میں اللہ عزوجل نے اپنے عربی قریشی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور اسکی تلات و سماعت اور اس سے استفاضہ و نفع کے لئے اللہ تعالٰی نے اپنی صفت کریمہ قدیمہ کو حروف و تجلی اصوات کا لباس پہنا کر اپنے بندوں کو عنایت فرمایا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ تک قرآن پاک کو اسی طرح پہنچا دیا جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔ صحابہ نے تابعین تک تابعین تبع تابعین تک، اور اسی طرح ہر دور اور ہر طبقہ میں اس کا حرف ہر حرکت صفت اور ہیئت تواتر کے اعلٰی درجہ کے ساتھ ہم تک منقول ہے اس سے بڑھ کر تواتر کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، حمد ہے اللہ کے لئے جو بلند بزرگی والا ہے اسی سے متعلق اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: " بلاشبہ ہم نے اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے محافظ ہیں"۔ الحمدللہ قرآن مجید کے کلمات میں سے کسی ایک کلمہ کے بارے میں بھی ہر گز کسی قسم کا وہم نہیں کیا جاسکتا کہ شاید الحمد کی جگہ الشکر نازل ہوا تھا، اسی طرح اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ قرآن کے کسی حرف کے بارے میں کوئی شک وتردد نہیں کہ شاید الف لام کی جگہ تعریف کے لئے میم نازل ہوا تھا، جس طرح ہمیں قطعی یقین ہے کہ ا، ع، ق

[1] القرآن ۹/۱۵

ض سخنے است بس غلط وپر بیمزہ۔ توارث اگر در علمائے معتمدین قراءت مقصود، خود باطل ومردود واگر در عوام ہند مراد، ازیں چہ کشاد سکتات سورۃ فاتحہ از صدہا سال در عامیاں رائج است وجہلہ برائے توجیہ آنہا ہفت نام شیطان درویے تراشیدہ اند دلل ھرب کیوکنع کنس تعلی بعلی بعض دیگر فرمودند مماومصرا، وکذلك کان ینبغی علی مزعومھم شدت تحفظ ایشاں بریں سکتات بیشتر و فزود تراز تحفظ بر واجبات اجماعیہ تجوید مے بینم، وہرکہ مراعات آنہاں نکند ایں ناداں اورا از تجوید قرآن جاہل و غافل دانند فانظر کیف صارفیھم المعروف منکرا والمنکر معروفا۔ ایں اختراعاتِ باطلہ راحقیقت بیش ازاں نیست کہ ان ھی الا اسماء سمیتموھا۔ علماء ایں سکتاتِ باطلہ را تقبیح کردہ اند وبطلان آنہا تصریح، علامہ ابراہیم حلبی در غنیۃ المستملی فرماید قال فی فتاوی الحجۃ، المصلی اذا بلغ فی الفاتحۃ ایاك نعبد و ایاك نستعین لا ینبغی ان یقف علی قولہ ایاك ثم یقول نعبد

عربی زبان میں جداجداحروف ہیں اور قرآن میں الا، علا اور فلا کے الگ الگ مختلف معانی ہیں، اسی طرح ہم اس پر بھی حتمی یقین رکھتے ہیں کہ ض، ظ اور دزبان عرب میں آپس میں متبائن حروف ہیں اور فرقان عظیم میں ضل، ظل اور دل کے معانی مختلف اور متبائن ہیں پس ض کو بعینہٖ ظ یا دپڑھنا اسی طرح ہے جیسے کوئی الف کو عین یا فاپڑھا کرے باقی اس توارث کا دعوی کہ ض کی جگہ دال ہے سخت غلط ہے کیونکہ اس توارث سے مراد قابلِ اعتماد قراء کا مقصود ہوتو یہ از خود باطل ومردود عوامِ ہند کا توارث ہے تواس سے مقصد کیسے حاصل ہوسکتا ہے! عوام کا حال تو یہ ہے کہ صدہا سال سے سورۃ فاتحہ میں سات سکتے رائج ہیں اور جاہل ان کی توجیہ میں سات یاطین کا نام لیتے ہیں دلل، حرب، کیو، کنع کنس، تعلی، بعلی، اور بعض ان دو ناموں مما اور مصرا کا اضافہ کرتے ہیں انکے زعم پر انہیں یونہی مناسب نظر آیا اپنے غلط زعم کے مطابق ان سات سکتات کا تحفظ تجوید کے اجماعی واجبات سے بڑھ کر کرتے ہیں، اور جوان کی پابندی نہیں کرتا یہ بے وقوف اسے تجوید قرآن سے جاہل اور غافل قرار دیتے ہیں آپ غور سے دیکھیں کیسے عوام کے ہاں معروف منکر اور منکر معروف بن چکا ہے۔ ان خرافاتِ باطلہ کی کوئی حقیقت اس سے زیادہ نہیں کہ یہ ان کے خود ساختہ نام اور تصورات ہیں، اہلِ علم نے ان باطل سکتوں کی سخت تقبیح کی ہے اور ان کے باطل ہونے کی تصریح کی ہے علّامہ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی میں فرماتے ہیں فتاوی الحجہ میں ہے۔

وانما الاولی والاصح ان یصل ایاك نعبد وایاك نستعین انتھٰی فلا اعتبار بمن یفعل ذلك السکت من الجھال المتفقھین بغیر علم اھ[1]

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری درمنحۃ الفکریہ بعد ایراد عبارت فتاوی الحجۃ مے فرمایند **اقول:** وماأشتھر علی لسان بعض الجھلۃ من القراٰن فی سورۃ الفاتحۃ للشیطان کذا من الاسماء فی مثل ھذہ التراکیب من البناء فخطاء فاحش و اطلاق قبیح ثم سکتھم عن نحو دال الحمد وکاف ایاك وامثالھا غلط صریح[2] علامہ محمد بن عمر بن خالد قرشی حنفی درردایں مزعوم رسالہ مستقلہ نوشت کما ذکرہ کشف الظنون فی ذکر الرسائل ۔ من فقیر در عنفوان امر خودم پیش از وقوف بریں کلمات ایں سکتات باطلہ را ابطال می کردم و منشاء اختراع آنہامی دانم کہ اگر غرابت سخن مانع نبودے بقلم می سپردم ،علماء کہ اختلاف السنہ ناس در ادائے ض بیان فرمودہ اند

کہ جب نمازی فاتحہ میں ایاک نعبد وایاک نستعین پر پہنچے تو یہ نہ کرے کہ ایاک پر رک جائے پھر نعبد کہے بلکہ اولیٰ اور اصح یہی ہے کہ ایاک نعبد وایاک نستعین کو متصل پڑھے انتہی اگر بعض جاہل ان پڑھ لوگ بغیر کسی دلیل کے سکتہ کرتے ہیں تو ان کا ہر گز اعتبار نہیں کیا جائے گا اھ۔ علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری منحۃ الفکریہ میں فتاوی الحجہ کی عبارت ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں میں کہتا ہوں بعض جاہل لوگوں کی زبان پر یہ جو مشہور ہے کہ قرآن کی سورۃ فاتحہ میں اس ترکیب سے شیطان کے نام ہیں ، یہ بات صراحۃً غلط ہے اور اسکا قبیح پر اطلاق ہے، اور پھر ان کے سکتوں سے مراد الحمد کی "د" اور ایاك کی "کاف" ہے اور ان کی مثل وسرے مقامات ہیں جو نہایت ہی غلط اور باطل ہیں علامہ محمد بن عمر بن خالد قرشی حنفی اس باطل خیال کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس کا ذکر صاحبِ کشف الظنون نے رسائل میں کیا ہے۔ فقیر نے اپنے ابتدائی دور میں علماء کے مذکورہ ارشادات پر اطلاع نہ ہونے کے باوجود ان سکتوں کا رَد کیا اور ان خرافات کے منشاء سے بھی آگاہی حاصل ہے اگر غرابتِ سخن مانع نہ ہوتی تو میں اسے احاطہ تحریر میں ضرور لاتا۔ علماء نے ضاد کی ادائیگی میں لوگوں کی مختلف

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۱

[2] منح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریہ بیان الوقف علی رؤس الایۃ سنۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۶۳

حاشا مرادنہ آنست کہ ایں طریق ادا قرآءِ عرب است بلکہ مقصود بیان غلط وخطائے عوام در ادائے ایں حرف وتبنیہ بر بطلان وتحذیر ازآن ست، عبارت مولانا قاری در شرح مقدمہ جزریہ زیر قول ماتن، والضاد باستطالۃ و مخرج میز من الظاء وکلہاتجی::فی الظعن ظل ظھرعظم الحفظ ::ایقظ وأنظر عظم ظھر اللفظ چنان ست قدانفرد الضاد بالا ستطالة حتی تتصل بمخرج اللام لما فيه من قوة الجهر والاطباق والاستعلاء وليس فی الحروف مايعسر علی اللسان مثله وألسنة الناس فيه مختلفة فمنهم من يخرجه ظاء ومنهم من يخرجه دالا مهملة او معجمة ومنهم من يخرجه طاء مهملة كالمصريين ومنهم من يشمه ذالا ومنهم من يشير بها بالظاء المعجمة لكن لماكان تمييزه عن الظاء مشكلا بالنسبة الى غيره امرالناظم بتمييزه عنه نطقا ثم بين ماجاء فی القرآن بالظاء لفظا[1] الخ

ایں شدّت تحفّظ علما است بر تمایز حروف وآنچنانکہ امام ناظم رحمہ اللہ تعالٰی کلمات قرآنیہ واردہ بظائے معجمہ راضبط

زبانوں کا جو تذکرہ کیا ہے اس سے مراد یہ ہر گز نہیں ہے کہ قراءِ عرب کی ادائیگی کا یہ طریقہ ہے بلکہ اس سے مقصود صرف اسی حرف کی ادائیگی کے بارے میں عوام کی خطا اور غلطی کی نشان دہی کرنا ہے اور اس کے بطلان پر تنبیہ اور اس سے پرہیز پر متوجہ کرنا ہے عبارت ملا علی قاری شرح مقدمہ جزریہ میں ماتن کے اس قول" ضاد میں استطالہ ہے اور اسکا مخرج ظا سے الگ ہے اور ظا ان تمام میں ہے: ظعن، ظل، ظہر، عظم الحفظ:: ایقظ، انظر، عظم، ظہر اللفظ:: کے تحت یوں ہے کہ ضاد استطالہ میں منفرد ہے حتی کہ وہ لام کے مخرج کے ساتھ متصل ہے کیونکہ اس میں قوتِ جہر، اطباق اور استعلاء پایا جاتا ہے اور حروف میں کوئی حرف ایسا نہیں جس کی ادائیگی ضاد کی طرح مشکل ہو اس کی ادائیگی میں لوگوں کی زبان مختلف ہے بعض اسے ظا اور بعض دال یا ذال کے مخرج سے اور بعض طا کے مخرج سے پڑھتے ہیں جیسے مصری لوگ، اور بعض اسے ذال کی بو دیتے ہیں بعض ظا سے ملا کر پڑھ دیتے ہیں لیکن چونکہ اس کا امتیاز دیگر حروف کی بنسبت ظا سے مشکل ہے اس لئے ناظم (ماتن) نے صراحۃً اس سے ممتاز کرنے کی بات کی ، پھر وہ مقامات بیان کئے جہاں قرآن مجید میں ظاء لفظًا استعمال ہوا ہے الخ یہ شدّت حروف کے امتیاز کے تحفظ پر علماء کے کاربند ہونے کے لئے ہے اور وہ جو امام ناظم رحمہ اللہ تعالٰی نے کلماتِ قرآنی ذکر کردئے

[1] منح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریۃ مطلب ادغام المتجانسین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۸

فرمودہ تابدانند کہ ایں حرف بقرآن عظیم درہمیں مواد است وآنچہ غیر اینہاست ہمہ بضاد است ،ہمچنان فاضل ادیب حریری درمقامہ حلبیہ عامہ لغات عرب وارادہ بظار امظبوط نمود جائیکہ فرمود۔ایّھا السّائلی عن الضّاد والظّاء:: لکیلا تضلّه الالفاظ:: اِنَّ حفظ الظّاء آت یغنیك فاسمعها استماع امرئٍ له استیقاظ [1] غیرطائفة فی مخارج ھذہ الحروف وفی ذلك حرج عظیم والظاہر ان ھذا مجمل مافی جمیع الفتاوی باز فرمود۔ثم فی الخزانة ایضالو قرء ولاالضآلین بالظاء فسدت صلٰوته وعلیه اکثر الائمة منھم ابو مطیع ومحمد بن مقاتل ومحمد بن سلام وعبداللّٰه بن الازھری وعلی ھذاالقیاس فی جمیع القراٰن ولو قرأ بالظاء مکان الضاد تفسد صلاته الا فی قوله تعالٰی وماھو علی الغیب بضنین بالظاء والضاد فھما قرأ تان [2]۔ ببیں چہ قدر نصوص روشن است کہ ایں تبدیلہا از کج مج زبانی ہائے کُردیاں و ترکیاں و دہقانیان کوفہ وغیرہم عوام واعجام است ولہٰذا

ہیں جن میں ظاہے تاکہ ہر کوئی جان لے کے قرآن کریم میں ظاکے ساتھ یہی کلمات ہیں اور ان کے علاوہ میں ضاد ہے اسی طرح فاضل ادیب حریری نے مقامہ حلبیہ میں ظاکے الفاظ عربی ذکر کرتے ہوئے کہا جس جگہ کہا اے ضاد اور ظاکے بارے میں پوچھنے والے تاکہ الفاظ میں خلط ملط نہ ہو، اگر توظاء کے تمام مقامات محفوظ کرے تو بے نیاز ہوجائیگا پس اب تو انھیں غور سے سن جس طرح ایک بیدار آدمی سنتا ہے۔ایک گروہ نے ان حروف کے مخارج میں تغیر و تبدل کیا ہے اور اس میں حرج عظیم ہے اور ظاہر یہ ہے کہ تمام فتاوٰی کا اجمال یہی ہے، پھر فرمایا کہ خزانہ میں بھی ہے اگر ولاالضالین میں ظاء پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی اکثر ائمہ اسی پر ہیں ان میں ابو مطیع، محمد بن مقائل، محمد بن سلام، عبداللہ بن الازھری بھی ہیں اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ تمام قرآن میں ضاد کہ جگہ اگر ظاء پڑھی تو نماز فاسد ہوجائے گی البتہ اللہ تعالٰی کا قول وماھو علی الغیب بضنین مستثنٰی ہے کیونکہ اس میں ظااور ضاد دونوں کے ساتھ دو قرائتیں آئی ہیں آپ نے دیکھا کس قدر واضح تصریحات ہیں کہ یہ تبدیلی کُرد، ترک اور کوفہ کے بادیہ نشین وغیرہ عام اور عجمی لوگوں کی زبانیں گڈمڈ ہونے کی وجہ سے ہے، یہی وجہ ہے کہ

---

[1] مقامات حریری مقامہ سادسہ ولاربعون الموامہ الحلبیہ مطبوعہ مصطفی البابی ص ۳۹۳

[2] خزانۃ

اکثر علماء متاخرین کہ در محفل مشقت روبہ تیسیر کردہ اند ایں ترخیص راہم بحق عامیاں مقصود داشتند باز حکم جمہور ائمہ نظر کن کہ بریں ابدال ہنگام فساد معنی حکم بفساد نماز فرمودند وہمیں است مذہب ائمہ ثلاثہ سیدنا الامام الاعظم و امام ابی یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین **علی خلاف بینھم فی ما اذاکان مثلہ فی القراٰن اولا کما فصلہ فی الغنیۃ باحسن تفصیل فاللہ یجزیہ الجزاء الجلیل**۔ درخانیہ وخلاصہ و بزازیہ وغنیہ وحلیۃ وخزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ مذہب بکثرت فروع ایں تبدیلہا است کہ دروے حکم بفساد نماز دادہ اند **من شاء فلیراجعھا فان فی نقلھا طولا کبیرا**۔ وخود علامہ قاری در شرح جزریہ فرمود **(وان تلاقیا) ای الضاد الظاء (البیان) ای فبیان کل منھما لازم ولا یجوز الادغام لبعد مخرجھما قال الیمنی فلو قرأ بالادغام تفسد الصلاۃ وقال ابن المصنف وتبعہ الرومی ولیتحرز من عدم بیانھما فانہ لوأبدل ضادا بظاء او بالعکس بطلت صلاتہ لفساد المعنی و قال المصری فلو بدل ضادا بظاء فی الفاتحۃ لم تصح قراءتہ بتلک الکلمۃ** [1] **(ملخصًا)** باز کلام ابن الہمام وکلام مذکور منیہ

اکثر علمائے متاخرین جو مشقت کے مقام پر آسانی کی طرف گئے ہیں انھوں نے بھی اس رخصت کو عوام کے حق میں جائز رکھا ہے پھر جمہور ائمہ کا حکم دیکھو انھوں نے اس تبدیلی پر فساد معنی کے وقت فساد نماز کا حکم دیا ہے اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ سیّدنا امام اعظم، امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے اس اختلاف کے ساتھ کہ اس کی مثل قرآن مجید میں ہے یا نہیں اس کی پُوری اور عمدہ تفصیل غنیہ میں ہے پس اللہ تعالٰی انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، غنیۃ، حلیہ، خزانۃ المفتین اور دیگر کتب معتمدہ مذہب میں ایسی تبدیلی کہ متعدد جزئیات کا ذکر کرکے نماز کے فساد کا حکم بیان کیا گیا جو شخص تفصیل چاہتا ہے ان کی طرف رجوع کرے کیونکہ ان تمام کے نقل کرنے میں طوالت کا خدشہ ہے خود علامہ علی قاری شرح جزریہ میں فرماتے ہیں (اور اگر یہ دونوں اکٹھے ہوں) یعنی ضاد اور ظاء تو ہر ایک کا امتیاز ضروری ہے، ان کے بعد مخرج کی وجہ سے ادغام جائز نہیں، یمنی نے کہا کہ اگر کسی نے مدغم کرکے پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ ابن مصنف اور ان کی اتباع میں رومی نے کہا ان دونوں کے عدمِ امتیاز سے احتراز چاہئے، کیونکہ اگر ضاد کو ظاء سے بدلا یا اس کا عکس کہا تو فساد معنی کی وجہ سے نماز باطل ہوجائے گی، اور مصری نے کہا اگر کسی نے فاتحہ میں ضاد کو ظا سے بدل کر پڑھا تو اس کلمہ کی قراءت درست نہ ہوگی، پھر ابن الہام اور منیہ کی مذکورہ

[1] المنح الفکریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ، باب التحذیرات، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۳

آوردہ گفت قال الشارح وھذا معنی ماذکر فی فتاوی الحجۃ انہ یفتی فی حق الفقھاء باعادۃ الصلاۃ وفی حق العوام بالجواز اقول وھذا تفصیل حسن فی ھذا الباب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

وفی فتاوی قاضیخان ان قرأغیر المغضوب بالظاء او بالدال تفسد صلاتہ ولا الضالین بالظاء المعجمۃ اوالدال المھملۃ لاتفسد ولو بالذال المعجمۃ تفسد (ملخصا)[1] ۔ در شرح امام شیخ الاسلام زکریا انصاری است (وان تلاقیا) ای الضاد والظاء فقل (البیان) لاحدھما من الاخر لازم للقاری لئلا یختلط احدھما بالاخر فتبطل صلاتہ[2] سبحٰن اللہ اگرایں نہج اداقرائے عرب را بودے حکم فساد دراچہ گنجائش بود بلکہ قطعًا ادغام روا بود و نماز مطلقًا اجماعًا صحیح ماندے چنانکہ در ماھو علی الغیب بضنین وہمچنیں در قول او تعالٰی

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

حصب وحضب وحطب وحظب لصاد وضاء طاء وظاء ہر چہ خواند نماز قطعًا صحیح است کہ ایں کلمہ بہر چار حروف منطبقہ در قراءت آمدہ است کما فی المنح الفکریۃ وغیرھا۔

گفتگو کے بعد کہا شارح نے کہا فتاوٰی حجہ میں جو کچھ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ علماء وفقہاء کے حق میں نماز کے لوٹانے کا فتوٰی دیا جائے گا اور عوام کے حق میں جواز کا، میں کہتا ہوں اس معاملہ میں یہی تفصیل احسن ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے اگر کسی نے غیر المغضوب میں ظاء یا دال سے بدل کر پڑھا تو نماز فاسد ہوگی اور ولاالضالین میں ظاء یا دال سے بدل کر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ذال سے بدل کر پڑھا تو نماز فاسد ہوجائیگی۔امام شیخ الاسلام زکریا انصاری کی شرح میں ہے (اور اگر یہ دونوں متصل ہوں) یعنی ضاد اور ظاء تو قاری کے لئے دونوں کو الگ الگ کرکے پڑھنا ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ مختلط ہوجائے ورنہ اس کی نماز باطل ہوجائے گی سبحان اللہ اگر اس کی ادائیگی کا یہ طریقہ قراء عرب کا ہوتا تو فساد کے حکم کی یہاں کیا گنجائش تھی بلکہ ادغام یقینًا جائز اور نماز مطلقًا بالاتفاق درست ہوتی جیساکہ ماھو علی الغیب بضنین میں ہے یہی حکم اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی میں ہے۔

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ ۔ یہاں حصب ،حضب ، حطب، حظب صاد ، ضاد،طاء اور ظاء کے ساتھ جس طرح بھی پڑھ لیا جائے نماز درست ہوگی کیونکہ اس کلمہ کی ان چاروں حرفوں کے ساتھ قراءت ثابت ہے جیساکہ منح الفکریہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

---

[1] المنح الفکریۃ شرح المقدمۃ الجزریۃ باب التحذیرات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۳

[2] شرح المقدمۃ الجزریۃ ابوزکریا انصاری مع المنح الفکریہ باب التحذیرات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۳

اقول: وباللّٰہ التوفیق بتحقیقنا ھذا ظھرلك انخساف مازعم بعض النحاۃ وھو ابن الاعرابی الکوفی حیث کان یقول جائز فی کلام العرب ان یعاقبوا بین الضاد والظاء ،فلایخطیئ من یجعل ھذہ فی موضع ھٰذہ، وینشد

"الی اللّٰہ اشکو من خلیل اودّہ

ثلث خلال کلھا لی غائض بالضاد"۔

ویقول :ھکذا سمعتہ من فصحاء العرب[1]۔

نقلہ ابن خلکان فی وفیات الاعیان و ذلك لانہ لوکان مازعمہ صحیحا لما حکم ائمۃ الفقۃ وھم ماھم فی جمیع فنون العربیۃ وغیرھا من العلوم الدینیۃ بفساد الصلٰوۃ فی غیر المغضوب وامثالہ مما یفسد بہ المعنی، ولما فرقوا بینہ وبین ضنین وظنین فاین ھذا مما مر عن الحلیۃ عن الخزانۃ عن الائمۃ ان فی جمیع القرآن تفسد بہ الصلٰوۃ ما خلا ضنین ، ومن سوغ فانما نظر الی التیسیر علی العوام لانہ صحیح فی فصیح الکلام ،اما البیت فلا حجۃ لہ فیہ فقد یکون

اقول: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی کی توفیق وعنایت سے جو ہم نے تحقیق کی ہے اس سے ایک نحوی ابن الاعرابی کوفی کے اس قول کی کمزوری بھی واضح ہو جاتی ہے جو اس نے کہا تھا کہ ضاد اور ظاء کو ایک دوسرے کی جگہ کلامِ عرب میں پڑھا جا سکتا ہے تو جو ایک کی جگہ دوسرے کو پڑھ دے اسے خطاوار نہیں کہا جائیگا اور اس نے یہ شعر پڑھا: اللہ کے ہاں یہی میری شکایت ہے اپنے محبوب دوست کی تین عادتوں کی، جو مجھے ناپسند ہیں۔

(اس شعر میں غائض ضاد کے ساتھ ہے)

اور یونہی میں نے فصحاء عرب سے سُنا ہے،

اسے ابن خلکان نے وفیات الاعیان میں نقل کیا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ اگر ان کا قول درست ہوتا تو یہ تمام ائمہ فقہ جو علومِ دینیہ اور فنون عربیہ کے ماہر ہیں **غیر المغضوب** اور اس جیسے دیگر الفاظ جن میں فسادِ معنی لازم آتا ہے سے نماز فاسد ہونے کا حکم جاری نہ کرتے اور ضنین وظنین اور مذکورہ لفظ کے درمیان فرق نہ کرتے، یہ اس میں سے کہا ہے حلیہ سے خزانہ سے ائمہ کے حوالے سے گزرا کہ ضنین کے علاوہ تمام قرآن میں (جب فسادِ معنی ہو) تو نماز فاسد ہو جائیگی ،اور جن لوگوں نے اسے جائز قرار دیا تھا انہوں نے عوام پر آسانی کی خاطر ایسا کیا یہ نہیں کہ ایسا کرنا فی الواقع فصیح کلام میں صحیح ہے، رہا معاملہ شعر کا وہ اس سلسلہ

[1] وفیات الاعیان ترجمہ محمد بن زیاد ابن الاعرابی ۶۳۳ مطبوعہ دار الثقافۃ بیروت ۴/ ۳۰۷

من غاضه اذا نقصه قال الاسود بن یعفر۔

اما ترینی قد فنیت وغاضنی

ما نیل من بصری ومن اجلادی

قال فی تاج العروس معناه نقصنی بعد تمامی

وھذا ابن الاعرابی قد انشد بنفسه۔

ولو قد عض معطسه جریری

لقد لانت عریکته وغاضا

وفسره فقال اثرنی انفه حتی یذل وقد قال ابن سیده فی ذلك البیت یجوز عندی ان یکون غائض غیر بدل ولکنه من غاضه ای نقصه ویکون معناه حینئذ انه ینقصنی ویتھضمنی[1] نقلھافی التاج ایضا وعن ھذاحکم علماؤنابعدم الفساد فیما لو قرأ لیغیض بھم الکفار بالضاد مکان الظاء[2] کما فی الخانیة.قال فی الغنیة لان معناه مناسب ای لینقص بھم الکفار[3]اھ وکذاقال فی قوله تعالٰی قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ[4] و

میں ان کی حجت نہیں بن سکتا تو کبھی یہ غاضہ سے آتا ہے اس وقت اس کا معنی نقص ہوتا ہے چنانچہ اسود بن یعفر نے کہا کیا تو دیکھتی نہیں کہ میں فنا ہو چکا ہوں اور میری آنکھوں اور اعضاء کے عوارض نے مجھے ناقص کر دیا ہے۔ تاج العروس میں ہے :اس کا معنی یہ ہے اس نے مجھے کمال تک پہنچنے کے بعد ناقص کر دیا، اور اس ابن اعرابی نے خود یہ شعر کہا: اگر جریری نے اس کی ناک کو کاٹا ہے تو ضرور اس کی ناک ہڈی نرم اور ناقص ہو گی۔ اور اسکی شرح کرتے ہوئے کہا کہ اس نے اس کی ناک کو داغدار کر دیا حتٰی کہ وہ ذلیل ہو گیا۔ اور ابن سیدہ نے اس (پہلے) شعر کے متعلق کہا کہ اس میں "غائض" غاظ، ط سے نہیں بدلا بلکہ وہ غاض سے ہے جس کا معنی نقص ہے، لہٰذا اب معنی یوں ہوگا اس نے مجھے ناقص کر دیا، اس کو تاج العروس نے بھی نقل کیا ہے، اور اسی بناء پر ہمارے علماء نے فرمایا کہ اگر کسی نے لیغیظ بھم الکفار میں ظاء کی جگہ ضاد پڑھا تو نماز فاسد نہ ہو گی، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔
غنیۃ میں ہے کہ اس کا معنی مناسب ہی رہتا ہے یعنی ان سے کافروں میں نقص و اضطراب ہو اھ اور اسی طرح اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی۔ قُلْ مُوْتُوْا

[1] تاج العروس فصل العین من باب الضاد مطبوعہ احیاء التراث العربی ۶۵/۵ - ۶۴
[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قراءۃ القرآن خطائً مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۶۸/۱
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۷۸
[4] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قراءۃ القرآن خطاء مطبوعہ لکشور لکھنؤ ۶۹/۱

بالجملة فالفقه لایوخذ من قول نحوی خالف نصوص الائمة بل الانصاف عند من نوراللہ بصیرته تقدیم قولهم علی اقوال النحاة فی العربیة ایضا فان الاجتهادلا یتاتی الا لمتصلح منها مقذوف فی قلبه نور الالهی فاعرف ذلك فانه نفیس مهم آرے مارا انکار نیست کہ در کلام عرب معاقبہ میان ض وظ اصلاً نیامدہ کلمات عدیدہ بہر دو حرف وارد شدہ چوں عض الحرب والزمان وعظ الزمان جنگ گزید و گزد رسانید وتماضوا و تماظوا باہم بجنگ افتادند وبریک دگر زبان گفتن کشادند وفاض فلاں وفاظ مرد و بظ الضارب اوتارہ وبض چنگ زن اوتار را برائے زدن جنبانید و مہیا نمود و تقریظ و تقریض مدح کردن و بیض وبیظ خایہ مور وبظر وبضر خروسہ الٰی غیر ذلک مماعداہ ابن مالک فی کتاب الاعتضاد فی معرفۃ الظاء والضاد اما ایں معنی مستلزم آں نباشد کہ ہرجا ابدال روا بود چنانکہ میان لام وراجابجا معاقبہ است، در مجمع بحار الانوار آورد فیه کان یکرہ تعطر النساء تشبھن بالرجال ارادعطرا یظهر ریحه کما یظهر عطر الرجل وقیل اراد تعطل

بِغَیْظِکُمْ میں کہا، بالجملہ دین وفقہ کا مسئلہ نحوی کے ایسے قول سے نہیں لیا جاسکتا جو ائمہ کی تصریحات کے خلاف ہو، بلکہ ہر شخص جسے اللہ نے نورِ بصیرت سے نوازا ہے وُہ ائمہ کے اقوال کو فنون عربیہ میں بھی نحاۃ کے اقوال پر مقدم رکھے گا کیونکہ اجتہاد وہ کرسکتا ہے جس میں اسکی کامل صلاحیت ہو اور اسکا دل نورِ الٰہی سے پُر ہو اسے اچھی طرح محفوظ کرلو کیونکہ یہ نہایت ہی اہم اور قیمتی تحقیق ہے، البتہ ہمیں اس بات سے ہرگز انکار نہیں کہ کلامِ عرب میں ضاد اور ظا ایک دوسرے کی جگہ آہی نہیں سکتے بہت سے کلمات ان دونوں حروف کے ساتھ وارد ہیں مثلاً عض الحرب والزمان وعظّ زمان (دونوں کا معنی یہ ہے کہ جنگ نے کاٹا اور تکلیف پہنچائی) تماضوا اور تماظوا آپس میں جنگ وغیرہ کرنا اور ایک دوسرے پر زبان کھولنا "فاض فلاں" اور "فاظ "فلاں فوت ہوا، بظ الضارب اوتارہ اور بض صاحبِ موسیقی کا تار کو بجانے کے لئے حرکت دینا۔ تقریظ اور تقریض تعریف کرنا۔ بیض اور بیظ مور کا انڈا۔ بظر وبضر عورت اور شرمگاہ الی غیر ذلک یہ وہ ہیں جنھیں ابن مالک نے "کتاب الاعتضاد فی معرفۃ الظاوالضاد" میں شمار کیا ہے۔ لیکن یہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ ابدال ہر جگہ جائز ہوگا مثلاً لام اور را کئی مقام پر ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں۔ مجمع بحار الانور میں ہے کہ اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواتین کو خوشبو لگانے اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے کو

النساء باللام وھی من لاحلی علیھا ولاخضاب واللام والراء یتعاقبان [1] وزنہار جائز نبود کہ ہر جا خواہند یکے بجائے دیگرے خوانند، علماء تصریح فرمودہ اند کہ یوم تبلی السرائر سرائل یا در یوم ترجف الارض والجبال بجائے جبال جبار خواند نماز فاسد شو [2] **کما فی الخانیۃ والمنیۃ وغیرھما** باز ایں جملہ کہ گفتہ آمدیم در خصوص ظائے معجمہ است وحاشا کہ جاہلے وکنیزے ودہقانے از عرب بجائے ض، د یا طا مہملتین یا ذ یا ز معجمتین بر زباں راند سخن من در عرب خالص است نہ در قومے کہ باعجم مخالطہ شدہ ودر زبان نیز خالط ومالط شدند رجعت قہقری را کہگری گویند وثلثہ عشر را تلتعشر وخذ کذا را خد کِداخد کدا بکسر کاف ودال مملۃ الٰی غیر ذلک من التغیرات المھملۃ و بابعضے ازا عراب واطرافِ یمن ملاقی شدم کہ ہکذا را ہچامی گفتند ومنک خطاب بانثی را منچ بجیم فارسی و بعضے دیگر ویدم کہ جیم را کاف فارسی مسجد را مسگدا وجمال راگمال مے گفتند

قال الرضی الباء التی کالفاء قال السیرفی ھی کثیرۃ فی لغۃ العجم واظن

ناپسند فرماتے تھے۔ یہاں عطر سے وہ خوشبو مراد ہے جو اس طرح مکدار ہو جو مرد لگاتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ لام کے ساتھ را کی جگہ لام ہے یعنی تعطل النساء لام کے ساتھ یعنی عورت کا بغیر زیور اور مہندی کے ہونا مراد ہے کہ لام اور را ایک دوسرے کی جگہ مستعمل ہوتے ہیں (یہ اگرچہ جائز ہے) مگر یہ بعض مقام پر جائز نہیں ہوتا کہ جہاں چاہیں ایک کو دوسرے کی جگہ پڑھ لیں۔ علمانے تصریح کی ہے کہ **یوم تبلی السرائر** کی جگہ سرائل یا **یوم ترجف الارض والجبال** کی جگہ **جبال** کی جگہ **جبار** پڑھنے سے نماز فاسد ہو جائے گی، جیسا کہ خانیہ اور منیہ وغیرہا میں ہے پھر یہ تمام گفتگو جو میں نے کی ہے یہ صرف ظاء معجمہ کے لئے خاص ہے ہوسکتا ہے کوئی جاہل، لونڈی یا دیہاتی از عرب ضاد کی جگہ دال، طا، ذال یا زا اپنی زبان پر جاری کردے کیونکہ ہماری گفتگو عرب خالص میں ہے نہ کہ اس قوم میں جو عجم کے ساتھ ملی ہو اور اس کی زبان خلط ملط ہو گئی ہو مثلاً رجعتِ قہقری کی جگہ رجعتِ کہگری اور ثلثہ عشر کی جگہ تلتعشر، خذ کذا کو خد کِداخد کدا کاف کے کسرہ اور دال کے ساتھ پڑھتے ہیں ان کے علاوہ دیگر بے مقصد و لایعنی تغیرات یا ایسے بدوی اور یمنی لوگوں سے ملا ہوں جو ہکذا کو ہچامی

[1] مجمع بحار الانوار لفظ عطر کے تحت مذکور ہے مطبوعہ مطبع عالی منشی نولکشو لکھنؤ ۳۹۷/۲

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قراءۃ القرآن خطائً مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۶۸/۱

ان العرب انما اخذوا ذلك من العجم لمخالطتهم ایاهم [1] باز اخراج ز معجمہ بجائے ض خالصًا یا اشمامًا در کلام علماء نقلش از عوام جہالی نیز بیاد نیست البتہ بعض عامیاں زماں کہ تشابہ صورت شنیدہ اند بجائے ض ظ بر آوردن مے خواہند وبعض دیگر کہ تحفظ کنند و نتواں چیزے بین الضاد والظاء برمی آرند واولئك امثلهم طریقا نسأل الله ان یرزقنا الحق فی کل باب تحقیقا۔

بالجملہ حق واضح ہمیں است کہ ایں ہمہ حروف باہم متبائن است وبرہمہ مخرج جدا وابدال ضا باہر حرفیکہ باشد مردود و ناروا ایں حرفے است کہ حق جل وعلا اورا تنہا آفرید وہیچ حرفے را قرینش نگرداند و لہٰذا سیبوگفت ودر صفت لو لا الاطباق فی الصاد لکان سینا وفی الظاء

پڑھتے تھے مونّث کو خطاب کرتے ہیں منک کہ جگہ منچ پڑھتے ہیں، بعض دیگر ایسے لوگ بھی میں نے دیکھے کہ جیم کو گاف کے ساتھ مثلاً مسگد، جمال کو گمال بولتے ہیں۔ رضی نے کہا وہ باء جو فاء کی طرح ہے سیرفی کہتا ہے یہ لغت عجم میں کثرت کے ساتھ مستعمل ہے اور میرا گمان ہے کہ عرب نے عجم سے اختلاط کی وجہ سے یہ اخذ کیا ہے پھر ضاد کی جگہ خالصًا یا اشمامًا زا پڑھنے کے بارے میں جاہل لوگوں نے علماء کے کلام سے جو کچھ نقل کیا ہے وہ بھی محفوظ نہیں البتہ جن بعض عوام زمان سے متشابہ صوت سُنا گیا ہے کہ وہ ض کی جگہ ظاء پڑھنا چاہتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے ہوئے بھی کوشاں رہتے ہیں ضاد اور ظا کے درمیان پڑھتے ہیں یہ لوگ بہتر اور اوسط راہ پر ہیں، ہم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہر معاملہ تحقیقی حق پر چلنا نصیب کرے (آمین)

بالجملہ: حق واضح یہی ہے کہ تمام حروف آپس میں متبائن اور ان کے مخارج الگ الگ ہیں لہٰذا ضاد کسی بھی حرف کے ساتھ بدل کر پڑھنا مردود اور ناجائز ہے۔ اس حرف (ضاد) کو اللہ تعالٰی نے اتنا جدا پیدا کیا ہے کہ کوئی حرف بھی اسکا قریبی نہیں گردانا جاسکتا اسی لئے سیبویہ نے کہا اور خوب کہا اگر صاد میں اطباق نہ ہو تو سین بن جائے، اگر ظاء میں نہ ہو تو

---

[1] شرح شافیہ للرضی صفات الحروف مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۵۶/۳

کان ذالا وفی الطاء کان دالاو لخرجت الضاد من الکلام لانه لیس شیئ من الحروف من موضعها غیرها [1] نقله الرضی وآنکه ازقاری پانی پتی نقل کردند۔

اقول: تحقیق آنست کہ در صفات حروف بعضے صفات لازمہ است کہ فقدانش مستلزم فقدان ذات باشد چنانچہ اطباق در ط وانفتاح در ت او قطعًا واجب المراعاۃ ست وبعضے نہ چنان ست اگر بجانیارند ذات حرف درہم نخورد چوں تہوّع در ہمزہ وتفشّے در ش وھو کما فی المنح انتشار الصوت عند خروجھا حتی تتصل بحروف طرف اللسان منھا مخرج الظاء المشالۃ والحال ان مخرجھا حافۃ اللسان من محاذات وسطہ [2]۔ پس مراعات صفات مطلقًا واجب نیست بلکہ از صفات حروف آنست کہ ترکش واجب است وآں صفت تکریر درراۓ مخفف مطلقًا ودر مثقلہ بیش ازیکبار معنی ایں صفات درر آنست کہ قابلِ تکرار است نہ آنکہ تکرارش باید بایں معنی بتوفیق اللہ تعالٰی بخاطرم خطور کردہ بود کہ تصریحش در کلام مولٰنا

وُہ ذال بن جائے اگر طاء میں نہ ہو تو وہ دال بن جائے اور ضاد کلام سے ہی خارج ہوجائے کیونکہ اس کے متبادل کوئی حرف ہی نہیں اھ اسے رضی نے نقل کیا اور جو انہوں نے قاری پانی پتی سے نقل کیا ہے۔اس کے بارے **میں کہتا ہوں** تحقیقی بات یہ ہے کہ حروف کی صفات میں بعض ایسی صفات لازمہ ہیں جن کے فقدان سے حروف کی ذات کا فقدان لازم آتا ہے مثلًا "طاء" میں اطباق اور "تاء" میں انفتاح اس کی رعایت نہایت ضروری ہے اور بعض حروف ایسے نہیں یعنی اگر انھیں ان صفات سے ادا نہ کیا جائے تو ان کی ذات ختم نہیں، مثلًا ہمزہ میں تہوّع اور شین میں تفشّی، یہ وہی ہے جو المنح میں ہے کی اس کے خروج کے وقت آواز کا اس طرح انتشار یہاں تک ہو کہ حروف کے ساتھ طرف لسان متصل ہوجائے، ایسے حروف میں ظاء کا مخرج بھی ہے حالانکہ اس کا اصل مخرج اس کے محاذاتِ وسط سے اور حافہ زبان ہے۔پس صفاتِ حروف کی رعایت ہر جگہ لازم نہیں بلکہ بعض حروف کی صفات ایسی ہیں جن کا ترک ضروری ہے اور وُہ رائے مخففہ میں مطلقًا اور راءِ مثقلہ میں ایک بار سے زائد تکرار ہے یعنی را میں اس صفت کی موجودگی کا معنی یہ ہے کہ را قابل تکرار ہے یہ نہیں کہ اس میں تکرار ضروری ہے، یہ معنی اللہ تعالٰی کی توفیق سے میرے ذہن میں آیا اور اس کی تصریح

[1] شرح شافیہ للرضی صفات الحروف مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/۲۶۲

[2] المنح الفکریۃ مطلب بیان الحروف المھموستہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۹

على قارى چهره كشود حيث قال تحت قول الماتن والرا بتكرير جعل، معنى قولهم ان الرا مكرر هو ان الراء له قبول التكرار لارتعاد طرف اللسان به عند التلفظ كقولهم لغير الضاحك انسان ضاحك يعنى انه قابل للضحك وفى جعل اشارة الى ذلك، وتكريره الحسن فيجب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به كمعرفة السحر ليتجنب عن تضرره وليعرف وجه رفعه قال الجعبرى وطريقة السلامة انه يلصق اللافظ ظهر لسانه باعلى حنكه لصقا محكما مرة واحدة ومتى ارتعد حدث من كل مرة راء وقال مكى لابد فى القرأة من اخفاء التكرير وقال واجب على القارى ان يخفى تكريره ومتى اظهر فقد جعل من الحرف المشدد حروفا ومن الحرف المشدد حروفا ومن المخفف حرفين[1] اھ ببعض اختصار
ودروجوب ادا از مخرج بر معنى كه مسلم است جمله حروف متساویہ الاقدام است ہیچ خصوصیت ض رانیست بلکہ تواں گفت کہ چوں ادائے صادق درو اعسر

مولانا علی قاری کے اس کلام میں ظاہر ہوئی جو انہوں نے ماتن کے قول "والراء بتکریر جعل" کے تحت کی ہے کہ قراء کے قول "را میں تکرار ہے" کا معنی یہ ہے کہ را تکرار کو قبول کرتا ہے کیونکہ اس کے تلفظ کے وقت طرفِ زبان حرکت کرتی ہے جیسا کہ غیر ضاحک کو انسان ضاحک کہا جائے کہ وہ ضحک کے قابل ہے، اس جعل میں اسی طرف اشارہ ہے اور اس کا تکرار غلط ہے، پس اس کے ساتھ تلفظ کے لئے اس سے بچنے کی معرفت ضروری ہے تاکہ غلطی سے بچا جاسکے، جیسا کہ جادُو کا علم اس لئے حاصل کیا جائے تاکہ اس کے نقصان سے بچا جائے اور اس سے دفاع کی معرفت ہو جائے اور اس کو اٹھایا جاسکے جعبری نے کہا سلامتی کا طریقہ یہ ہے کہ تلفظ کرنے والا اپنی زبان کے اوپر والے حصے کو تالو کے بلند حصے کے ساتھ ایک دفعہ مضبوط طریقہ سے ملائے اب جب وہ حرکت کرے گی تو ہر دفعہ، را پیدا ہوگا مکی نے کہا ہے قرات میں اخفاءِ تکریر ضروری ہے اور فرمایا قاری پر لازم ہے کہ اس کے تکرار میں اخفاء کرے اور جب اظہار کرے گا تو حرفِ مشددہ میں کئی حروف پیدا کرے گا اور مخففہ میں دو حروف سے کرے اھ اھ یہ عبارت کچھ اختصار کے ساتھ ہے ہر حرف کو اس کے مخرج سے اس طرح ادا کرنے کا وجوب اس معنی پر ہے کہ تمام حروف کا متساوی الاقدام ہونا مسلم ہے اس میں ضاد ہی کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یہ

[1] المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریۃ مطلب بیان الحروف المہموسۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

از جملہ حروف است حکم وجوب بعارض مشقت درو ے بنسبت سائر حروف درد بتخفیف است فان المشقۃ تجلب التیسیر وماضاق امر الاتسع و لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[2] یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[3] والحمد للہ رب العٰلمین آرے خصوصیت ض بوجہ عسر مراودرشدت احتیاج باہتمام درآں تحفظ وتیقظ دراداۓ آنست۔	کہا جاسکتا ہے کہ جب اس کی صحیح ادائیگی دیگر حروف کی نسبت زیادہ مشکل ہے تو اس مشقت کے پیشِ نظر دیگر حروف کے اعتبار سے اس کے حکم وجوبی میں تخفیف ہوگی کیونکہ مشقت آسانی لاتی ہے ۔ہر مشکل معاملہ میں گنجائش ہے،اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم تکلیف نہیں دیتا،اللہ تعالٰی نے تم پر دین کے معاملے میں تنگی نہیں رکھی ،اللہ تعالٰی تم پر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا ،اور تمام خوبی اللہ تعالٰی کے لئے جو تمام جہانوں کا رب ہے، ہاں ضاد میں تنگی کی وجہ سے اس کی ادائیگی کے لئے خوب اہتمام اور تحفظ ہونا چاہئے اور ادائیگی میں ہوش سے کام لیا جائے۔(ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

[2] القرآن ۲۲/ ۸۷

[3] القرآن ۲/ ۱۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

الجام الصّاد عن سُنن الضّاد ۱۳۱۷ھ

(ضاد کے طریقوں سے روکنے والے منہ میں لگام دینا)

مسئلہ نمبر ۴۷۷: از دربھنگہ محلّہ اسمٰعیل گنج ڈاک خانہ لہریا سرائے مرسلہ مولوی محمد یسین صاحب ۱۰ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ
کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ان اطراف بنگالہ وغیرہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ ض معجمہ کو قصداً ظ یاذ بلکہ ز معجمات پڑھتے ہیں اور اسی کا دوسروں کو امر کرتے ہیں اور عام عوام ہندوستان میں جس طرح یہ حرف ادا کیا جاتا ہے جس سے بوئے دال مہملہ پیدا ہوتی ہے اُس سے نماز مطلقاً فاسد وباطل بتاتے ہیں اور اپنے دعووں کی سند میں اہل ندوہ وغیرہ ہندیان زمانہ کے چھ ۶ فتوے دکھاتے ہیں جن کا خلاصہ کلام ومحصل مرام نماز میں ض کو مشابہ د مہملہ پڑھنے پر حکمِ فساد اور اس پر ان دو وجہ سے استناد ہے:

اوّلاً: فی فتاوٰی قاضی خان:

ولو قرأ الظآلین بالظاء وبالذال لاتفسد صلاته ولو قرأ الدالین بالدال تفسد[1]۔	اگر الضآلین کو الظآلین یا الذآلین پڑھا جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اگر دآلین میں دال کے ساتھ پڑھا تو فاسد ہو جائے گی۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قرأۃ القرآن خطاء الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۶۹

ثانیا: ضاد مشابہ ظاکے، نہ دال کے، میان ضاد ودال کے صفتوں کافرق ہے جب ضاد ودال میں صوتًا تغایر ہے تو فصل اُن میں بلا مشقت ممکن۔

فتوٰی ندوہ کی عبارت یوں ہے: ایسی صورت میں نماز فاسد ہوجائے گی کہ ضاد ودال دو حرف متغایر المعنٰی ہیں جن میں امتیاز بلا مشقت ممکن اور ایسی صورت میں فقہاء فسادِ نماز کو لکھتے ہیں شامی کہتے ہیں:

اذا ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی ان امکن الفصل بینهما بلا مشقة تفسد والایمکن الا بمشقة کالظاء مع الضاد قال اکثرهم لا تفسد[1]۔ (ملخصًا)	جب کسی حرف کی جگہ دوسرا بولا جائے اور معنی بدل جائے اگر ان کے درمیان امتیاز بغیر مشقت ممکن نہ ہو جیسا کہ ظا اور ضاد کا معاملہ ہے، تو اکثر علماء نے کہا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی۔ (ت)

پانچ فتووں کا حاصل تو صرف اسقدر ہے اور ایک یعنی پانچویں میں اتنا بیان اور ہے کہ ظآلین پڑھنا بھی غلط ہے لیکن چونکہ ان میں تشابہ صوتی ہے اور امتیاز متعسر اکثر فقہاء کے نزدیک نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن تعمد یہاں بھی مفسد ہے، یہی مذہب مختار ہے کمافی البزازیۃ (جیساکہ بزازیہ میں ہے۔ ت) ان فتووں کا کیا حال ہے اور یہ ان لوگوں کے موافق وموید ہیں یا نہیں، اور جولوگ ض ہی کا قصد کریں اور ض سمجھ کر پڑھیں مگر بوجہ عدم قدرت صاف ادانہ ہو اور سننے میں دال سے مشابہ ہو تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور جو قصدًا ض کو ز پڑھے اُس کی نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ہنگام تغیر حرف وتفاوت معنی میں جو حکم فساد ہے وہ صرف ض ود وظ ہی خاص ہے یا باقی حروف مثل (ا، ع، ت، ط، س، ث، ص، ح، ہ) کو بھی عام ہے اگر عام ہے تو آج کل یہ جھگڑا اسی حرف میں کیوں ہے جواب مختصر ہو کہ عوام مطول کو نہیں پڑھتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللهم هدایة الحق والصواب

بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی نزه سبیل الرشاد عن تحریف کل صاد، وعد بالعذاب من حاد وضاد والصلٰوۃ والسلام علی الکریم الجواد علی مولی العباد مولی المراد واٰله الاسیاد وصحبه الامجاد ما اهملت الصاد واعجمت الضاد، کشف صواب وایضاح جواب کو چند مجمل جملے

[1] ردالمحتار، مطلب مسائل زلۃ القاری، مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۶۸

ملحوظ ہیں:

اوّل: ض ظ ذ ز معجمات سب حروف متباینہ متغائرہ ہیں ان میں کسی دوسرے سے تلاوت قرآن میں قصداً بدلنا اس کی جگہ اسے پڑھنا نماز میں خواہ بیرونِ نماز حرام قطعی وگناہِ عظیم، افتراء علی اللہ و تحریفِ کتاب کریم ہے۔ فقیر نے اپنے رسالہ نعم الزاد لروم الضاد اس پر دلائل قاہرہ باہرہ قائم کئے ہیں یہاں تک کہ امام اجل ابوبکر محمد بن الفضل فضلی وامام برہان الدین محمود صاحبِ ذخیرہ وغیرہ وعلامہ علی قاری مکی رحمہم اللہ تعالٰی تصریح فرماتے ہیں کہ جو قصداً ض کی جگہ ظ پڑھے کافر ہے، محیط برہانی میں ہے:

سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمہ مکان الضاد المعجمۃ اوعلی العکس فقال لایجوز امامۃ ولو تعمد یکفر [1]۔ (ملخصاً)	امام فضلی سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے ضاد کی جگہ ظا یا ظا کی جگہ ضاد پڑھا تو فرمایا اس کی امامت جائز نہیں اور اگر اس نے قصداً ایسا کیا تو یہ کفر ہے۔ (ت)

منح الروض الازہر میں ہے: امّا کون تعمدہ کفر فلاکلام فیہ [2] (عمداً ایسا کرنا کفر ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ت)

عالمگیری میں ض کی جگہ ز عمداً پڑھنے کو کفر لکھا:

حیث قال سئل عمن یقرأ الزاء مقام الضاد وقرأ اصحاب الجنۃ مقام اصحٰب النار قال لایجوز امامتہ ولو تعمد یکفر [3] اھ فی النسخۃ الھندیۃ الضاد المعجمۃ وفی المصریۃ الصاد وکلا ھما محتمل والحکم واحد لایتبدل۔	عبارت یہ ہے سوال یہ کیا گیا کہ کوئی ضاد کی جگہ زا اور اصحٰب النار کی جگہ اصحٰب الجنتہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کی امامت جائز نہیں اور اگر اس نے ایسا عمداً کیا تو اسے کافر قرار دیا جائے گا اھ اس فتاوٰی کے ہندوستانی نسخہ میں ضاد اور مصری میں صاد ہے اور ان دونوں کا احتمال ہے حکم ایک ہی ہوگا اس میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ (ت)

اس طائفہ حادثہ کا حکم تو یہیں سے ظاہر ہوگیا۔

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر بحوالہ محیط فصل فی القرأۃ والصلوٰۃ مطبوعہ مطبع قیومی کانپور ص ۲۰۵

[2] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر فصل فی القرأۃ والصلوٰۃ مطبوعہ مطبع قیومی کانپور ص ۲۰۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۸۱

دوم: قاری سے بے قصد تبدیل اگر ض مشابہ د بلکہ عین دہُوا تواس پر مطلقاً فسادِ نماز کا حکم غلط و فاسد ہے، عبارت امام قاضی میں اگر ذکر ہے تو صرف ایک لفظ کا نہ کہ بر بنائے تباین صوت و سہولت تمیز، حکم مطلق، حنفیّہ کرام کا اصل مذہب یعنی مذہب مہذب امام محمد رضی اللہ عنہ کہ جماہیر محققین نے اُسی کی تصحیح کی اُس پر اعتماد فرمایا، خود واضح وآشکار کہ اس میں صرف اصلاح و فساد معنی پر بنائے کار تو جہاں ض کی جگہ د پڑھ جانے سے معنی نہ بگڑیں فساد ہر گز نہ ہوگا

مثل افید وابتضمین معنی المن والانعام فی قوله تعالٰی افیضوا علینا من الماء ومثل اکواب مود وعة موضع موضوعة ورادیة مردیة مکان راضیة مرضیة کما بیناه فی نعم الزاد۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی افیضواعلینا من الماء میں افیضوا کی جگہ افید واجو احسان وانعام کے معنی پر مشتمل ہے اور اکواب موضوعۃ کی جگہ اکواب مودعۃ اور راضیۃ مرضیۃ کی جگہ رادیۃ مردیۃ پڑھنا جس پر تفصیلی گفتگو ہم نعم الزاد میں کرچکے ہیں۔(ت)

یہ علمائے متاخرین کہ عوام کی ہر آسانی کے لئے عسر و یسر تمیز کا لحاظ رکھتے ہیں کیا آسانی تمیز کی حالت میں مطلقاً حکم فساد دیں گے اگرچہ معنی معتبر نہ ہوں یہ اصل مذہب سے آسانی ہوئی یا اور شدت و گرانی نہیں، ان کا حکم قطعاً اس صورت میں مقصود جہاں معنی بگڑیں اور ان حرفوں میں تمیز آسان ہو، دیکھنے والے اگر کلمات علما پر نظر رکھتے اس امر کے نصوص واضح ملتے، یہی امام اجل قاضی خان اپنے اس فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

اذا اخطأ بذکر حرف مکان حرف کلمة ولم یتغیر المعنی بان قرأ ان المسلمون ان الظالمون وما اشبه ذلك لم تفسد صلٰوته لانه لا یغیر المعنی، وان ذکر حرفا مکان حرف وغیر المعنی فان امکن الفصل بین الحرفین من غیر مشقة کالطاء مع الصاد فقرأ الطالحات مکان الصلحت تفسد صلٰوته عند الکل، وان کان لایمکن	جب خطاءً ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ایک کلمہ میں پڑھ دیا لیکن معنی میں تبدیلی واقع نہ ہوئی مثلاً ان المسلمون اور ان الظالمون اسی کی طرح دیگر مقامات، تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس سے معنی متغیر نہیں ہوتا اور اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف پڑھنے سے معنی میں تبدیلی آجائے تو اگر دونوں حروف کے درمیان بغیر مشقت کے امتیاز ممکن تھا جیسے طا اور صاد یعنی صالحات کی جگہ طالحات پڑھا تو تمام کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوجائیگی اور اگر

الفصل بین الحرفین الا بمشقة قال اکثرهم لاتفسد صلوته[1] اهمختصرا	دونوں حرفوں کے درمیان مشقت کے بغیر امتیاز ممکن نہ تھا تو اکثر علماء کا قول یہی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی اھ اختصاراً۔(ت)

اسی طرح فتاوی ہندیہ میں فتاوی خانیہ سے منقول، ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

فی الخانیة والخلاصة انه ان لم یتغیر المعنی جاز مطلقاوان تغیر المعنی فان لم یشق التمییز بین الحرفین فسدت عند الکل وان شق فاکثرهم لاتفسد[2]۔	خانیہ اور خلاصہ میں ہے اگر معنی میں تبدیلی نہیں آئی تو نماز (مطلقًا) ہر حال میں جائز، اور اگر معنی میں تبدیلی آجائے تو اب ان دونوں حروف کے درمیان امتیاز مشکل نہیں تو تمام کے نزدیک نماز فاسد، اور اگر امتیاز میں مشقت ہے تو اکثر کے نزدیک فاسد نہ ہوگی۔(ت)

سوم: قطع نظر اس سے کہ دال و مشابہ دال میں فرق بدیہی دعوی میں یہ تھا اور سند میں وہ۔اور قطع نظر اس سے عبارتِ خلاصہ میں اگر دال مہملہ ہے تو مستدل کے صریح خلاف، اور معجمہ ہے تو مہملہ کا ذکر اصلاً نہیں، تو سند دعوی سے بے علاقہ صاف، ہمیں عبارت قاضی خان سے بحث کرنی ہے جس سے فتوی ندوہ نے بھی استناد کیا اس عبارت میں دال و ذال کے صرف اسماء لکھے ہیں انھیں صفت مہملہ و معجمہ سے مقید نہ فرمایا اور نقول خصوصًا مطابع میں نقاط کا تغیر کوئی نئی بات نہیں مگر علامہ محقق ابرہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ اور علامہ محقق مولانا علی قاری مکی نے منح فکریہ مقدمہ جزریہ میں یہی عبارت قاضی خان بتصریح اہمال واعجام نقل فرمائی جس میں صراحۃً مذکور کہ ضالین کی جگہ دالین بہ دال مہملہ پڑھے تو نماز نہ جائیگی اور ذالین بہ ذال معجمہ پڑھے تو جاتی رہے گی، اول نے فرمایا ہے:

هذا فصل وهو ابدال احد هذه الاحرف الثلثة اعنی الضاد والظاء والذال من غیره فلنور دماذکر ہ فی فتاوی قاضی خان من هذه القبیل قرأ ولا الضالین بالظاء المعجمة والدال المهملة لا تفسد لوجود لفظهما	اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان تین حروف یعنی ضاد، ظاء اور ذال کو کسی دوسرے حرف سے تبدیل کرکے پڑھنا اس سلسلہ میں فتاوی قاضی خان میں جو کچھ بیان ہوا اس کا عنقریب ہم تذکرہ کرتے ہیں اگر ضالین کی جگہ ظالین اعجاما یا دالین اہمالا پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ ان

[1] فتاوی قاضی خان فصل فی قراءۃ القرآن خطاء الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۶۸

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فی القراٰن وقرب المعنی ولو قرأ بالذال المعجمۃ تفسد لبعد معناہ[1] ملتقطا۔	دونوں کا وجود قرآن میں ہے اور معنی بھی قریب ہی ہے اور اگر ذالین ذال کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی کیونکہ اس کے معنی میں بُعد ہے ملخصًا (ت)

ثانی نے فرمایا:

فی فتاوی قاضی خان ان قرأ غیر المغضوب بالظاء اوبالدال المھملۃ لا تفسد ولو بالذال المعجمۃ تفسد[2]۔	فتاوٰی قاضی خان میں ہے اگر کسی نے غیر المغضوب کو ظاء یا دال کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور ولا الضالین کو ظاء یا دال کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوجائے گی۔ (ت)

اب اس سے استناد کرنے والے دیکھیں کہ عبارت قاضی خان ان دونوں اکابر کی نقل پر اُن کے صریح مخالف و عکس مراد ہے، ندوے کا دارالافتاء اپنا مبلغ علم دکھائے ورنہ تحقیق بالغ و تنقیح بازغ کے لئے بحمداللہ تعالٰی فقیر کا رسالہ نعم الزاد ہے۔

چہارم: ض و ظ میں دشواری تمیز اس طائفہ حادثہ کا اصلاً مفید نہیں وہ ایک گروہِ متاخرین کے نزدیک ہنگام لغزش، وخطا سبیل آسانی ہے نہ کہ معاذاللہ قصداً بتبدیل کلام اللہ کی دستاویز جو بالقصد **مغضوب** کی جگہ **مغظوب**، **مغذوب**، **مغزوب** پڑھے اُس کی نماز بلاشبہہ فاسد اور وہ پڑھنے والے **مغضوب** ومفسد، تو یہ سب فتوی اس کے حق میں بیکار و نامؤید۔ علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں۔

محل الاختلاف فی الخطأ والنسیان اما فی العمد فتفسد بہ مطلقا بالاتفاق اذا کان مما یفسد الصلاۃ اما اذکان ثناء فلا یفسد ولو تعمد ذلک افادہ ابن امیر الحاج[3]۔	محلِ اختلاف خطاء ونسیان کی صورت میں ہے، رہا عمداً کا معاملہ تو اس صورت میں مطلقًا بالاتفاق نماز فاسد ہوگی بشرطیکہ وہ ایسی قرات میں ہو جس سے نماز فاسد ہوسکتی ہو اور اگر ایسا معاملہ ثناء میں ہوا تو نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ عمداً ہو ابن امیر الحاج نے اس طرح بیان کیا ہے۔ (ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۷۸

[2] المنح الفکریۃ شرح مقدمہ جزریۃ باب التحذیرات مطبوعہ تجارت الکتب بمبئی ص ۴۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ ص ۱۸۶

حلیہ میں ہے:

ثم ما سنذكر من الخلاف من المتقدمين والمتاخرين فی هذا علی ما فی الخانية ينبغی ان يكون محله ما اذا لم يتعمد فتنبه له[1]۔	پھر اس مسئلہ میں متقدمین و متاخرین کا جو اختلاف خانیہ کے حوالے سے بیان کریں گے اس کا محل و مقام اسی صورت میں ہے جو عمداً نہ ہو، تو اس پر توجّہ کرو(ت)

پانچویں فتوی کی عبارت سوال میں مذکور، اس میں تو صراحۃً تعمد ظ پر حکم فساد مسطور، پھر اُسے مفید سمجھنا کس قدر عقل و فہم سے دور، اس خاص جزئیہ کی عبارتیں بکثرت ہیں، حلیہ میں خزانۃ الفتاوی وغیرہا سے منقول:

غير المغضوب بالظاء والظلمين بالذال او بالضاد قال بعضهم لا تفسد، هم ابوالقاسم الصفار ومحمد بن سلمة وكثير من المشائخ افتوا به لعموم البلوی فان العوام لا يعرفون مخارج الحروف وقال الامام ابوالمحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد ذلك تفسد وان جری علی لسانه او لم يكن ممن يميز بين الحرفين لا تفسد وهو المختار[2]۔	اگر غیر المغضوب کوظاء کے ساتھ ،الظالمین کوذال یا ضاد کے ساتھ پڑھا تو علماء کی رائے یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی ان کے اسماء یہ ہیں ابوالقاسم الصفار، محمد بن سمله اور متعدد مشائخ نے عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی دیا ہے کیونکہ عوام مخارج حروف سے آگاہ نہیں ہوتے اور امام ابوالمحسن اور قاضی امام ابوالعاصم نے کہا اگر ایسا عمداً کیا تو نماز فاسد ہوگی اور اگر زبان پر از خود جاری ہوگیا تو دونوں حروف میں امتیاز کرنے والا نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی اور یہی مختار ہے(ت)

اسی میں خزانۃ الاکمل سے ہے:

اذا قرأ مكان الظاء ضادا او مكان الضاد ظاء فقال القاضی المحسن الاحسن ان يقال ان تعمد ذلك تبطل صلاته عالما كان او جاهلا اما لو كان مخطئا اراد الصواب	جب کسی نے ظاء کی ضاد یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا تو قاضی محسن نے کہا احسن یہ ہے کہ اگر اس نے عمداً ایسا کیا تو کہا جائے کہ نماز باطل ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، لیکن اگر خطاءً ایسا ہوا یعنی درست پڑھنے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فجری هذا علی لسانه او لم یکن ممن یمیز بین الحرفین فظن انه ادی الکلمة کما هی فغلط جازت صلٰوته وهو قول محمد بن مقاتل وبه کان یفتی الشیخ اسمٰعیل الزاهد وهو احسن لان السنة الاکراد واهل السواد والاتراك غیرطائعة فی مخارج والظاهر ان هذامجمل ما فی جمیع الفتاوٰی [1]۔	کا ارادہ تھا مگر زبان پر از خود جاری ہوگیا یا وہ دونوں حرفوں میں امتیاز نہ کرنے والا ہو اور اس کا گمان یہی ہو کہ اس نے کلمہ صحیح ادا کیا ہے لیکن در حقیقت غلط تھا تو اس کی نماز ہو جائیگی۔ یہی محمد بن مقاتل کا قول ہے اور شیخ اسمٰعیل الزاہد نے اسی پر فتوی دیا ہے اور یہی احسن ہے کیونکہ کرد، عراقی اور ترکی لوگوں کی زبانیں ان حروف کی صحیح ادائیگی پر قادر نہیں اور اس میں بہت تنگی ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ تمام فتاوٰی جات کی گفتگو کا اجمال بھی یہی ہے۔ (ت)
اقول: انما یشیر الی اطلاق الفساد فی العمد انه مطمح انظارهم جمیعا والا فاطلاق عدمه فی الخطاء لایمکن ان یحمل علیه ما فی جمیع الفتاوی فان منهم من یفصل بعسر الفصل ومنهم من یفرق بقرب مخرج۔	**میں کہتا ہوں** یہ جو مطلقاً فساد کی طرف اشارہ ہے یہ قصد کی صورت میں ہے کیونکہ ان تمام کی آراء کی مطمح یہی ہے ورنہ خطا کی صورت میں عدمِ فساد کا اطلاق ہوگا اور اس پر ان کے کلام کو محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بعض ان میں سے عسرِ امتیاز کے ساتھ اور بعض قربِ مخرج کی بناء پر فرق کرتے ہیں۔ (ت)

منیہ میں ہے:

اما اذاقرأمکان الذال ظاء اومکان الضاد ظاء اوعلی القلب فتفسد صلٰوته وعیله اکثر الائمة وروی عن محمد بن سلمة رحمة الله تعالٰی انها لاتفسد لان العجم لایمیزون بین هذه الحروف و کان القاضی الامام الشهید المحسن یقول الاحسن فیه ان یقول ان جری	جب کسی نے ذال کی جگہ ظاء یا ضاد کی ظاء یا اس کا عکس کیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائیگی، اور اکثر ائمہ اسی پر ہیں محمد بن سلمہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ عجمی لوگ ان حروف میں امتیاز نہیں کرسکتے، اور قاضی امام الشہید المحسن فرمایا کرتے تھے کہ احسن یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ اگر زبان پر اس طرح از خود جاری ہوگیا۔

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

علی لسانہ ولم یکن ممیزاوفی زعمہ انہ ادی الکلمۃ علی وجھا لا تفسد و کذا روی عن محمد بن مقاتل والشیخ الامام اسماعیل الزاہد[1]۔	اور وہ امتیاز کرنے والا نہ تھا اور اس کا گمان یہی تھا اس کلمہ کو صحیح طور پر ادا کیا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، محمد بن مقاتل اور شیخ اسمٰعیل الزاہد سے بھی اسی طرح مروی ہے۔(ت)

بزازیہ میں در بارہ مغضوب ذالین وظالین ہے:

قال القاضی ابوالمحسن والقاضی ابو عاصم ان تعمد فسد وان جری علی لسانہ اوکان لا یعرف التمیز لایفسد وھواعدل الاقاویل وھو المختار[2]۔	قاضی ابوالحسن اور قاضی ابو عاصم نے کہا کہ اگر ایسا عمداً کیا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر زبان پر از خود اس طرح ہوگیا یا وہ امتیاز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور یہ تمام اقوال میں معتدل ہے اور یہی مختار ہے۔(ت)

اسی طرح ہندیہ میں اس سے منقول۔

اقول: والظاھر ان ھذہ الاختیارات ترجع الی شق الجواز عند الخطأ اما الفساد عند العمد فینبغی الاتفاق علیہ کما تقدم ما یفیدہ عن الحلیۃ والتصریح بہ عن الطحطاوی وھومعنی استظھار الاکمل انہ مجمل ما فی جمیع الفتاوی کیف واذا جعلوا التعمد من الردۃ فما بقاء الصلٰوۃ ھذا واضح جدا۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ تمام اختلافات میں مختار اقوال جواز کی طرف اسی صورت میں راجع ہوتے ہیں جب ایسا معاملہ خطاءً واقع ہو۔ رہا معاملہ عمداً کا تو اس صورت میں فساد نماز پر اتفاق ہے جیسا کہ حلیہ کے حوالے سے افادہ کے طور پر گزرا۔ اور طحطاوی کی تصریح گزری، اور اکمل کا بطور استظہار کہنا کہ فتاوی جات کا اجمال یہی ہے۔" کا معنی بھی یہی اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ انہوں نے عمداً ایسا کرنے سے ارتداد کا حکم لگایا تو نماز کے باقی رہنے کا کیا معنی! اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔(ت)

[1] منیۃ المصلی فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامع نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۴۱

[2] فتاوی بزازیہ علی حاشیۃ فتاوی ہندیۃ فصل فی زلۃ القاری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲

پنجم: ضاد و دال میں فرق صفات کا ذکر لغو و فضول اور محل بحث سے یکسر معزول، متقدمین کا مسلک معلوم ہے کہ اُن کے یہاں تشابہ و عدم تشابہ پر اصلاً نظر نہیں اور متاخرین قرب مخرج یا عسر تمیز پر لحاظ کرتے ہیں صفات سے انہیں بھی بحث نہیں، نہ صفات خواہی نہ خواہی آسانی تمیز کو مستلزم، نہ اُن کا تشارک دشواری پر حاکم ط مہملہ دال مہملہ سے سوائے اطباق کے کچھ فرق نہیں اور فرق تمیز کی آسانی مبین اور تائے مثناۃ سے متعدد صفات میں تباین تام اور دشواری فصل منصوص اعلام، ط مجہورہ و مستعلیہ مطبقہ قلقلہ ہے اور ت مہموسہ مستفلہ منفتحہ بے قلقلہ خانیہ وخلاصہ و حلیہ وہندیہ وردالمختار وغیرہا میں ہے:

ان کان لا یمکن الفصل بین الحرفین الا بمشقة کالطاء مع التاء [1]۔الخ	اگر دو حرفوں کے درمیان مشقت کے بغیر امتیاز ممکن نہ ہو جیسے طاء اور تاء الخ (ت)

شرح جزریہ میں ہے:

قال الرمانی وغیرہ لولا الاطباق لصارت الطاء دالالانہ لیس بینھما فرق الا الاطباق۔ [2]	رمانی وغیرہ نے کہا کہ اگر اطباق نہ ہو تو طاء دال ہو جائے گی اس لئے کہ اطباق کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں۔(ت)

ششم: فتوی ندوی کا قول کہ ضاد و دال دو حروف متغایر المعنی عجیب، الفاظ متغایر المعنی ہیں اگر مسمّٰی مراد تو ان ک لئے معنی کہاں، بھلا بتائیے تو کہ مجرد حرف ض کے کیا معنی ہوئے، اور اگر اسماء مقصود یعنی حدود دال تو نہ دو حرف نہ اُن میں مقال، شاید یہ کہنا چاہا اور کہنا نہ آیا کہ ض و د دو حرف جداگانہ ہیں، کسی کلمے میں اُن کا تغیر معنی کے لئے مستلزم تغایر، یہ معنی فی البطن اگر مقصود بھی ہوں تو اوّلاً اطلاق ممنوع، ثانیاً ہر تغیر میں تغییر بحدِ فساد مدفوع، دیکھو ضالین و دالین میں کس قدر تغایر معنی ہے مگر محقق حلبی نے تغیر نہ مانا وھذا ببداھته غنی عن ابانة (یہ بات بدیہی ہونے کی وجہ سے محتاج بیان نہیں۔ت)

ہفتم: دونوں حرفوں میں تغایر صوت ہر گز سب کے لئے سہولت تمیز کو مستلزم نہیں ح، خ کی آوازیں کتنی جدا ہیں مگر ترک کو ان میں تمیز سخت دشوار۔غنیہ میں ہے:

ذکر محمد بن الفضل فی فتاواہ ان الترك لایمکنہ اقامة الحاء الا بمشقة [3]الخ۔	محمد بن فضل نے اپنے فتاوٰی میں تحریر کیا کہ ترک لوگوں کے لئے حاء کی ادائیگی مشقت کے بغیر ممکن نہیں الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مطبوعہ مصطفی البابی ۱/۴۶۶

[2] المنح الفکریہ شرح المقدمۃ الجزریۃ مطلب بیان ان الاسنان علی اربعۃ اقسام مطبوعہ تجارت الکتب حاملی محلّہ بمبئی ص ۱۵

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۲-۴۸۱

ان سے زیادہ ہمزہ وق کی آوازوں کا تباین ہے مگر علامہ شامی فرماتے ہیں ہمارے زمانے کے عوام پر اُن میں تمیز کمال مشکل ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة اذالم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولاقربه الا انه فیه بلوی العامة کالذال مکان الصاد والظاء مکان الضاد لاتفسد عند بعض المشائخ اھ قلت فینبغی علی هذا عدم الفساد فی ابدال القاف همزة کما هو لغة عوام زماننا فانهم لا یمیزون بینهما ویصعب علیهم جدا کالذال مع الزاء وهذا کله قول المتاخرین [1] اھ باختصار	تتارخانیہ میں ہے جب دو حرفوں کے درمیان اتحادِ مخرج نہ ہو اور نہ ہی قربِ مخرج ہو مگر اس صورت میں ضرورت عامہ ہو مثلاً صاد کی جگہ ذال یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی اھ میں کہتا ہوں اس بناء پر قاف کو ہمزہ کے ساتھ بدلنے میں جیسا کہ ہمارے زمانے کے عوام کی زبان ہے بھی فساد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان دونوں کے درمیان امتیاز نہیں کرسکتے جیسے ذال اور زاء کے درمیان فرق کرنا ان پر نہایت ہی دشوار و مشکل ہے، یہ تمام متاخرین کے قول پر ہے اھ باختصار (ت)

ان عبارات سے واضح ہُوا کہ دشواری تمیز میں ہر قوم کے لئے اُس کا حال معتبر ہے۔ قربِ مخرج یا تشابہ وغیرہ کچھ ضرور نہیں، تو عوام ہند اگر ض و د میں تمیز پر قادر نہیں تو وہ اُن کے لئے اسی مشقت فصل کی فصل میں ہیں جس میں ض و ظ و ت ، ط کا شمار ہوا اب عبارت شامی منقولہ، فتوی ندوہ اور اس کے مثل تمام عبارات بحث سے محض بیگانہ بلکہ استناد کرنے والوں کے صریح خلاف مراد ہوں گی اور دالین پر بطور متاخرین حکمِ جواز دیا جائے گا اور قصداً معطوب پڑھنے والے پر باتفاق متقدمین و متاخرین حکم بطلانِ نماز۔

ہشتم: یہاں تک مدارک ابنائے عصر پر کلام تھا مگر جانِ برادر عربی عبارت میں "مِنْ، عَلٰی، فِیْ" کا ترجمہ سمجھ لینا اور بات ہے اور مقاصد و مراد و مرام علمائے اعلام تک رسائی اور ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مشقت جس سے فتوی ندوہ نے استناد کیا اس بحث سوال سے اصلاً متعلق ہی نہیں علماء کا وہ قول صورت

---

[1] ردالمحتار ، مطلب مسائل زلۃ القاری، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۴۶۸

خطاوزلّت میں ہے کہ لغزش زبان سے باوصف قدرت ایک حرف کی جگہ دوسرا نکل جائے اور یہاں صاف صورت عجز ہے کہ یہ ظالین یااس کے مشابہ دالین پڑھنے والے ہر گزادائے "ض" پر قادر نہیں جس طرح خزانۃ الاکمل وحلیہ کی عبارت گزری کہ

ان السنة الاکراد واهل السواد والاتراك غير طائعة فی مخارج هذه الحروف[1]۔	کرد، عراقی ،ترک لوگوں کی زبانیں ان حروف کی ادائیگی پر قادر نہیں۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وغیرہ کی عبارت اوپر گزری کہ اس قول کو اذا اخطأ بذکر حرف مکان حرف[2]۔(یعنی اگر ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف خطاءً زبان سے نکل گیا۔ت) میں ذکر فرمایا اب محقق علی الاطلاق کاارشاد اجل واجلی سنیے، فتح میں فرماتے ہیں:

اما الحروف فاذاوضع حرفا مکان غیره فاماخطأ واماعجزا فالاول ان لم یغیر المعنی لاتفسد و ان غیرفسدت فالعبرة فی عدم الفساد عدم تغیر المعنی، وحاصل هذا ان کان الفصل بلا مشقة تفسد وان کان بمشقة قیل تفسد واکثرهم لا تفسد هذاعلی رأی هو لاء المشائخ ، ثم لم تنضبط فروعهم فاورد فی الخلاصة ماظاهره التنافی للمتامل فالاولی قول المتقدمین والثانی وهو الاقامة عجزا کالحمدلله الرحمٰن الرحیم بالهاء فیها اعوذ بالمهملة الصمد بالسین ان کان یجهدالليل و النهار فی تصحیحه ولا یقدر فصلوته جائزة ولو ترك جهده ففاسدة ولا	رہامعاملہ حروف کا، توجب ایک حرف کو کسی دوسرے حرف کی جگہ رکھ دیا جائے تو یہ خطاءً ہوگا یا عجزاً، پہلی صورت میں اگر معنی نہیں بدلا تو نماز فاسد نہیں ہوگی اور اگر معنی بدل گیا ہو تو نماز فاسد ہوجائے گی، پس نماز کے عدم فساد میں معنی کے تبدیل نہ ہونے کا اعتبار ہے اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ اگر حروف میں امتیاز بغیر مشقت کے ممکن ہو تو نماز فاسد ہوگی، اور اگراس میں مشقت ہو تو بعض نے کہا نماز فاسد ہوگی لیکن اکثر کے نزدیک فاسد نہ ہوگی یہ ان مشائخ کی رائے کے مطابق ہے، پھر ان کی تمام فروعات وجزئیات کو منضبط نہیں۔ پس خلاصہ میں ایسی چیز کو وارد کیا گیاہے جو بظاہر صاحب غور وفکر کے ہاں منافی ہے، پس متقدمین کا قول اولٰی ہے اور دوسری صورت

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قرأۃ القرآن خطاءً الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ٦٨

یسعه ان یترك فی باقی عمرہ اھ مختصرا[1]۔	کہ یہ عمل عجزاً ہو مثلاً الحمدﷲ ، الرحمٰن الرحیم میں "ھا" کے ساتھ ،اعوذ میں دال کے ساتھ اور الصمد میں سین کے ساتھ پڑھتا ہے،اس صورت میں اگر اس نے تصحیح کے لئے شب وروز محنت کی اور قادر نہ ہو سکا تو اسکی نماز درست ہوگی اور جدوجہد ترک کردی تو نماز فاسد ہوگی اور اس کے لئے باقی عمر میں جدوجہد ترک کرنے کی گنجائش نہیں۔اھ اختصاراً(ت)

دیکھو خطاو عجز کو صاف دو صورتیں متقابل قرار دیا اور وہ فرق مشقت کا قول صرف صورت خطامیں ذکر کیا صورتِ عجز میں اس تفرقے کا اصلاً نام نہ لیا بلکہ س وص ود وذ کی مثالوں سے صرف متشابہ الصوت وغیر متشابہ دونوں کا یکساں حکم ہونا صراحۃً ظاہر فرما دیا تو بحالت عجز مغضوب مغذوب بلکہ بالفرض مغلوب مغموب سب کو قطعاً ایک حکم شامل اور حرف ودوحرف کا فرق باطل۔

نہم: مانا کہ نہ ظاء طائفہ جدیدہ کی قصدیت پر نظر ہوئی نہ دال عوام پر نہ اقوالِ علماء میں فرق عجز وخطا وغیرہ پر اور باتباع بعض علمائے متاخرین ارشاد اقدس اصل ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم مصحح ومختار جمہور محققین بھی پسند نہ آیا ،یہ سب مسلّم مگر متاخرین کا صرف ایک ہی قول تفرقہ مشقت نہ تھا متعدد اقوال تھے ازانجملہ امام قاضی ابوعاصم وامام محمد ابن مقاتل و امام اسمٰعیل زاہد وغیرہم اکابر اماجد کا قول بہت قوّت تھا جس پر امام زاہد نے فتوٰی دیا،امام محسن وصاحبِ خزانۃ الاکمل نے احسن کہا،خزانۃ الفتاوٰی وحلیہ وغیرہما میں مختار بتایا،وجیز کردری وہندیہ وغیرہما میں اعتدال الاقاویل فرمایا کہ یہ سب عبارات زیرِامر چہارم گزریں یعنی اگر خطاءً ایک حرف کی جگہ دوسرا زبان سے نکل گیا یا تمیز نہیں جانتا تو نماز فاسد نہیں،اس قول میں مشقت وغیرہ کا کچھ تفرقہ نہ تھا صرف خطاءً یا عدم تمیز پر حکم ہے اس تقدیر پر واجب تھا کہ ظ ود کا ایک حال ہو اور بحال عدم تعمد صحت نماز پر فتوٰی دیا جائے کون سی فقہی نظر موجب ہوئی کہ قولِ متاخرین ہی لینا تھا تو یہ قول جلیل نہ لیا جائے حالانکہ اس کی قوت جلیلہ ،شانے دارد، پھر جس مصلحت کے لئے قول ائمہ متقدمین سے عدول ہوا یعنی عوام پر آسانی، وہ بھی اسی میں اتم وازید، ہاں اگر منظور ہی یہ ہو کہ وہابیہ غیر مقلدین ندوی کے برادران معظمین کی نماز میں درستی پائیں اور عوام اہلسنت کی نمازیں برباد ہوجائیں،اس لئے وہ قول تفرقہ اختیار کیا تو اختیار ہے۔

دہم: بلکہ یہاں ایک اور قول باقوّت تھا جسے امام ابوالقاسم صفار وامام محمد سلمہ وغیرہما اجلّہ ائمہ نے اختیار فرمایا اور بہت مشائخ نے اُس پر فتوٰی دیا کہ نظر عموم بلوی پر ہے جہاں ابتلائے عام ہو صحت پر فتوٰی دیں گے اسی شامی میں یہیں تھا:

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ فصل فی القرأۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۸۱

وفی التاتار خانیة عن الحاوی حکی عن الصفار انہ کان یقول الخطاء اذا دخل فی الحروف لایفسد لان فیہ بلوی عامة الناس لانھم لایقیمون الحروف الابمشقة اھ وفیھا اذالم یکن بین الحرفین اتحاد المخرج ولاقربہ الاان فیہ بلوی العامة لا تفسد عند بعض المشائخ[1] اھ مختصرا وقد مر تمامہ۔	تاتار خانیہ میں حاوی سے منقول ہے کہ امام صفار کہا کرتے تھے کہ حروف میں خطا ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ اس میں عوام الناس کو شدید ضرورت ہے کیونکہ وہ مشقت کے بغیر ان حروف کو ادا نہیں کر سکتے اھ، اسی میں ہے جب دو حرفوں کے درمیان اتحاد مخرج اور قرب مخرج نہ ہو البتہ اس میں عموم بلوی ہو تو بعض مشائخ کے ہاں نماز فاسد نہ ہوگی اھ اختصاراً اور تمام عبارت پیچھے گزر چکی ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

قال بعضھم لاتفسد منھم ابوالقاسم الصفار ومحمد بن وسلمة وکثیر من المشائخ افتوابہ لعموم البلوی فان العوام لا یعرفون مخارج الحروف[2]۔	بعض علماء نے کہا کہ نماز فاسد نہیں ہوگی ،انہی میں شیخ ابوالقاسم الصفار اور محمد بن سلمہ ہیں،اور کثیر مشائخ نے ضروریاتِ عامہ کی بنا پر اسی پر فتوی دیا ہے کیونکہ عوام مخارج حروف سے واقفیت نہیں رکھتے۔(ت)

اس قول پر تو صراحۃً عکس مراد ہوتا تھا۔ یہاں ظ خاص طائفہ قلیلہ ذلیلہ وہابیہ پڑھتے ہیں اور دیا مشابہ د میں عام ابتلا خود انہیں فتووں سے سائل نے نقل کیا کہ ایک بلاعام اس زمانے میں یہ ہوگئی ہے کہ ض کو بصورت دپڑھتے ہیں اب تو لازم تھا کہ ان ظائیوں ندویوں کے بھائیوں کی نماز فاسد کرتے اور عامہ عوام کی نماز صحیح الحمد للہ تلك عشرۃ کاملة وقد بقی خبایا فی زوایا لو لا ان السائل اوصی بالاجمال لاتینا بھا (تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے یہ دس ۱۰ کامل دلائل مکمل ہیں، ابھی کچھ دلائل خفاکے گوشے میں رہ گئے ہیں اگر سائل نے اجمالاً لکھنے کا نہ کہا ہوتا تو ہم ان کا بھی تذکرہ کردیتے۔ت) یہاں تک ان فتووں کی حالتیں ظاہر ہوگئیں اور یہ بھی کہ وہ اس طائفہ حادثہ کو مفید اصلاً نہیں، امور مسئولہ میں صرف اس کا جواب رہا کہ یہ نزاع خاص اس حرف میں کیوں ہے جہل اور عوام اہلسنت کے جہلا کا علم ض کا دشوار ترین

---

[1] ردالمحتار، مطلب مسائل زلۃ القاری ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ،۱/۴٦۸

[2] حلیۃ المحلی منیۃ المصلی

حروف ہونا تو ظاہر ادانہ ہوسکنے میں وُہ علما اور یہ جہلا برابر مگر فرق یہ ہے کہ ہمارے عوام نے معاذاللہ کلام اللہ و تحریف حرف منزل من اللہ کا قصد نہ کیا، وہ یہی چاہتے ہیں کہ جو حرف یہاں اللہ عزّوجل نے اتارا ہے اسی کو پڑھیں اُسی کاارادہ کرتے اُسی کی نیّت رکھتے اور اپنے زعم میں یہی سمجھتے کہ یہ حرف جہاں تک ہم سے ادا ہوسکتا ہے اس کی یہی آواز ہے۔ مگر علمائے وہابیہ کو کہاں تاب کہ عجز و جہل کے طعنے سمجھیں، دقّتوں دشواریوں کی کشاکش میں رہیں وہاں تو مذہب کی بنا ہی آرام پروری ہے۔ تراویح کی آٹھ، وتر کی ایک رکعت میں قسمت سے انھیں اوروں کے قول مل گئے ورنہ اصل مقصود ہی آرامِ نفس ہے۔ جاڑا لگتا ہے تیمم کرلو، جماع میں انزال نہ ہو غسل نہ کرو، سال دو سال عورت کی خبر نہ آئے عورت کا نکاح کردو، تین طلاقیں ایک جلسہ میں کہیں بے حلالہ سمجھو، چھ چیز کے سواسب میں سود روا، خون و مردار وغیرہ دو ایک چیزیں ناپاک، باقی تمام اشیاء حتی کہ شراب بھی طاہر۔ بے باک رفع ضرورت کو زنا سے خود اپنی بیٹی رضاعی، بھتیجی، سوتیلی خالہ سب حلال بلکہ سگی پھوپھی کے لئے بھی یہی خیال۔ انتہائے آرام طلبی یہ کہ وضو میں سر سے عمامہ دشوار اوپر ہی سے مسح کرلو، مولیٰ سبحنہ تعالیٰ نے **وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ** فرمایا تم **بعماتكم** سمجھو، وہ تو وہ مشکل یہ ہے کہ ہاتھوں کے لئے حکمِ غسل آیا اور ان کے دھونے سے آستین دھونا دشوار تر کہ پہنچے بھی بھیگے اور کپڑا بھی تر، ورنہ انہیں **ایدیکم** کی جگہ **آستینکم** بنالینا کیا دُشوار تھا، یہاں ایک غیر مقلد صاحب کا قول تھا صاحبو تم نے تہجد میں آپ دشواریاں لگالی ہیں ہماری تو جاڑے میں جب آنکھ کھلی تکیے پر ہاتھ مار کر منہ پر پھیر لئے اور چارپائی پر بیٹھے بیٹھے دو۲ رکعتیں پڑھیں اور لحاف میں دُبک رہے۔ مسلمانو کریمہ "**لم تجدوا ماء**" کے معنی سمجھے یعنی جب چارپائی پر رکھا ہوا گھڑا نہ ملے تو تکیہ پر ہاتھ مارلو اگرچہ نام کو مٹی نہ غبار، نہ تکیہ دار کو مرض نہ آزار، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ الواحد القہار**۔ یوں بھی جبکہ وہ قصدی تحریف ہے اور یہ عجز یا جہل یا خطا کی تصحیف، تو وہی احق بالانکار ہے اور عوام کا ان کے علماء سے اعلم ہونا واضح آشکار، اصل اس قدر ہے، آگے افراط و تفریط واجب الحذر۔ یہ جواب امور مسئولہ ہے اور اس مسئلہ خاص میں حق تحقیق حقیق بالقبول و عطر تنقیح اکابر فحول یہ ہے کہ مولیٰ عزوجل و تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ عظیم اتارا اور ہمیں بحمداللہ اس کے نظم و معنی دونوں سے متعبد کیا ہر مسلمان پر حق ہے کہ اُسے جیسا اترا ویسا ہی ادا کرے، حرف کی آواز بدلنے میں بیشمار جگہ الفاظ مہمل رہتے یا معنی کچھ سے کچھ ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ معاذاللہ کفر واسلام کا فرق ہوجاتا، آواز صحیح سے جو معنی تھے ایمان تھے اور بدلنے پر جو پیدا ہوئے ان کا اعتقاد صریح کفر تو معاذاللہ وہ کلام اللہ کیونکر ہوا، آجکل یہاں عوام بلکہ کثیر بلکہ اکثر خواص نے اس امر خطیر میں مداہنت و بے پروائی اپنا شعار کرلی فقیر نے بگوشِ خود مولوی صاحبوں، اصحابِ وعظ ودرس وفتوی کو خاص پنچایت میں برملا پڑھتے سنا **قل ھو اللہ اھد** حالانکہ ہرگز نہ اللہ نے **اھد** فرمایا نہ امینِ وحی علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اھد پہنچایا نہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے **اھد** پڑھایا پھر یہ قرآن کیونکر ہوا، **احد** کے معنی ایک اکیلا

شریک و نظیر سے پاک نرالا اور اھد کے معنی معاذاللہ بزدل کمزور فی القاموس الاھد الجبان زاد فی تاج العروس الضعیف[1] (قاموس میں ہے الاھد بزدل، تاج العروس میں کمزور کا اضافہ کیا ہے۔ت)

ببین تفاوت رہ از کجاست بکجا

(ان میں بڑا فرق ہے یہ کہاں اور وہ کہاں)

لاجرم اس قدر تجوید کہ ہر حرف سے ممتاز اور تبدیل و تلبیس سے احتراز ہو ہر مسلمان پر لازم ہے تصحیح مخارج و اقامۃ حروف کا اہتمام فرض متحتم، علمائے متاخرین کا فتوی معاذاللہ پروانہ بے پروائی نہیں کہ قرآن کو کھیل بنائے اور خلاف ما انزل اللہ جو جی میں آئے پڑھ لینا مناسب، باوصف قدرتِ تعلم، تعلّم نہ کرنا اور اس امر اہم کو ہلکا سمجھنا غلط خوانی قرآن پر جمے رہنا کون جائز کہے گا، اس سہل انگاری کی ایک نظیر سُن چکے، اللہ کو احد ماننا عین اسلام اور معاذاللہ اھد کہنا صریح دشنام، مانا کہ تمھیں قصدِ دشنام نہیں پھر اس سے کیا ہُوا کفر سے بچ گئے بات کی شناعت کیا جاتی رہے گی، تعریف کیجئے اور اسی کا قصد ہو مگر لفظ وُہ نکلیں جو صریح ذم ہوں کیا علمائے متاخرین اسے حلال بتا گئے ہیں؟ کلّا، واللہ، حاشاللہ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد حتی یذھب عنه النوم فان احدکم اذا صلی وھو ناعس لا یدری لعله یذھب لیستغفر فیسب نفسه[2]۔ رواہ مالك و البخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	جب تم میں کسی کو نماز میں اونگھ آئے تو سو جائے یہاں تک کہ نیند چلی جائے کہ اونگھتے میں پڑھے گا تو کیا معلوم شاید اپنے لئے دعائے مغفرت کرنے چلے اور بجائے دعا بددعا نکلے اسے امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

جب اونگھتے میں نماز سے منع کیا کہ احتمال ہے شاید اپنے لئے دعائے بد نکل جائے اگرچہ قصدِ دعا ہے تو خود جاگتے میں خود اللہ عزوجل کی شان میں سخت گستاخی کا کلمہ نہ فقط احتمالاً بلکہ تجربۃً بارہا منہ سے نکالنا کیونکر گوارا ہوسکے اگرچہ قصد ثنا ہے۔ اتقان شریف میں ہے:

من المھمات تجوید القراٰن وھو اعطاء	تجوید قرآن اہم امور میں سے ہے وہ حروف کو

[1] تاج العروس شرح قاموس فصل الھاء من باب الدال مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۴۴

[2] مؤطا الامام مالک ماجاء فی صلوٰۃ اللّیل مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص۱۰۰، صحیح البخاری باب الوضو من النوم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴

الحروف حقوقها ورد الحرف الی مخرجه واصله ولا شك ان الامة كما هم متعبدون بفهم معانی القراٰن واقامة حدوده هم متعبدون بتصحیح الفاظه واقامة حروفه علی الصفة المتلقاة من ائمة القرأة المتصلة بالحضرة النبویة وقد عد العلماء القرأة بغیر تجوید لحنا[1] ملخصا۔	انکے حقوق دینا اور ہر حرف کو اسکے مخرج اور اصل کی طرف لوٹانا ہے، بلاشبہ امت مسلمہ جس طرح معانی قرآن کے فہم اور حدود قرآنی کے نفاذ میں پابند ہے اسی طرح وہ قرآن کے الفاظ کی تصحیح اور انہیں اسی طریقہ وصف پر ادا کرنے کی بھی پابند ہے جس طرح ان کو قرات کے ائمہ نے ادا کیا جس کا سلسلہ سند نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے اور علما نے بغیر تجوید کے قرآن پڑھنے کو لحن قرار دیا ہے ملخصاً (ت)

دیکھو کیسی تصریح ہے کہ علمائے کرام قرات بے تجوید کو لحن بتاتے ہیں اور احسن الفتاوٰی فتاوٰی بزازیہ میں فرمایا: ان اللحن حرام بلا خلاف[2] لحن سب کے نزدیک حرام ہے۔ ولہذا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ آدمی سے کوئی حرف غلط ادا ہوتا ہے تو اس کی تصحیح و تعلم میں اُس پر کوشش واجب، اگر کوشش نہ کرے گا معذور نہ رکھیں گے اور نماز نہ ہوگی، بلکہ جمہور علما نے اس سعی کی کوئی حد مقرر نہ کی اور حکم دیا کہ تاعمر شبانہ روز ہمیشہ جہد کئے جائے کبھی اس کے ترک میں معذور نہ ہوگا، یہی قول امام ابراہیم ابن یوسف وامام حسین بن مطیع کا ہے محیط میں اسی کو مختار الفتوی فرمایا، خانیہ وخلاصہ وفتح القدیر ومراقی الفلاح وفتاوی الحجۃ وجامع الرموز ودر مختار وردالمحتار وغیرہا میں اسی پر جزم کیا، علامہ ابن الشحنہ نے اسی کو محرر بتایا، علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں اسی کو معتمد فرمایا، اگرچہ امام برہان محمود نے ذخیرہ میں اس کو مشکل بتایا، امام بن الحاج نے اسی پر تعویل کی، علّامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں اسی طرف میل کیا کما بیناکل ذلك فی فتاوٰنا (جیسا کہ یہ سارے کا سارا ہمارے فتاوٰی میں بیان کیا گیا ہے۔ت) تو کیونکر جائز کہ جہد وسعی بالائے طاق سرے سے حرف منزل من القرآن کا قصد ہی نہ کریں بلکہ عمداً اسے متروک ومہجور اور اپنی طرف سے دوسرا حرف اس کی جگہ قائم کردیں ھذا مما لایبیحه شرع ولا دین والعیاذ باللّٰه رب العالمین (شریعت اور دین اس کی ہر گز اجازت نہیں دیتے اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت) فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ بعد اس کے عرش تحقیق مستقر ہوچکا کہ قرآن نظم و معنی جمیعا بلکہ نظم دال

[1] الاتقان فی علوم القرآن الفصل الثانی من المہمات تجوید القرآن مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ بزازیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرأۃ القرآن الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۷

علی المعنی کا نام ہے اور نظم یہ حروف بہ ترتیب معروف اور باہم متبائن اور تبدیل جز مستلزم تبدیل کل فان المولف من مبائن مبائن للمولف من مبائن اٰخر (ایک مبائن حروف کا مجموعہ دوسرے مبائن حروف کے مجموعے کے مبائن ہوتا ہے۔ت) میں نہیں جانتا کہ اس تبدیل قصدی و تحریف کلام اللہ میں کیا تفاوت مانا جائے گا۔یہی منشا ہے امام فضلی و امام محمود و علامہ قاری وغیرہم کے اُس حکم کا جو قرآن مجید میں ض عمداً ظ سے بدلے کافر ہے۔

اقول: ولا حاجة الی استثناء وما هو علی الغیب بضنین ،فان ههنا لیس اقامة الظاء مقام الضاد لان المکان لیس مکانها خاصة بل مکانهما جمیعا علی التوارد حیث قرئ بهما فی القرآن فکان مثل صراط و سراط وبسطة و بصطة ویبسط ویبصط ومصیطر ومسیطر الی اشباه ذلك بخلاف مغضوب مغظوب وبخلاف سجیل وصجیل فانه تبدیل۔	**اقول:** میری رائے یہ ہے کہ وماھو علی الغیب بضنین کو مستثنٰی کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ یہاں ظاء کو ضاد کی جگہ رکھنا لازم نہیں آتا کیونکہ یہ صرف ضاد ہی کا مقام نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے دونوں کی جگہ ہے کیونکہ ان دونوں حروف کے ساتھ قراءتِ قرآنی ثابت ہے جیسے صراط اور سراط،بسطة اور بصطة،یبسط اور یبصط، مصیطر اور مسیطر اور ان کے ہم مثل دیگر الفاظ ، بخلاف مغضوب اور مغظوب کے اور بخلاف سجیل اور صجیل کے کیونکہ یہاں تبدیلی ہے۔ (ت)

پس جزماً لازم کہ ہر حرف میں خاص حرف منزل من اللہ ہی کا قصد کریں اور اسی کے مخرج سے اسے نکالنا چاہئے۔

مخرج ضاد زبان کی دہنی یا بائیں کروٹ ہے یوں کہ اکثر پہلوئے زبان حلق سے نوک کے قریب تک اسی جانب کی اُن بالائی داڑھوں کے طرف جو وسط زبان کے محاذی ہیں قریب ملاصق ہوتا ہوا کچلیوں کی طرف دراز ہو یہاں تک کہ شروع مخرج لام تک بڑھے زبان کی کروٹ داڑھوں سے متصل ہوتی باقی زبان اس حرکت میں اوپر کو میل کرکے تالو سے نزدیکی پائے دانتوں یا زبان کی نوک کا اُس میں کچھ حصہ نہیں وہ ان قوی حرفوں میں ہے جو ادا ہوتے وقت اپنے مخرج پر اعتماد قوی مانگتے ہیں جس قدر سانس ان کی آواز میں سینے سے باہر آتی ہے سب کو اپنی کیفیت میں رنگ لیتے ہیں کہ کوئی پارہ سانس کا اُن کے ساتھ جُدا چلتا معلوم نہیں ہوتا جب تک ان کی آواز ختم نہ ہولے سانس بند رہے گی ایسے حرفوں کو مجہورہ کہتے ہیں اور ان کے خلاف کو مہموسہ جن کا جامع **فَحثَّه شَخْصٌ سَلَتَ** ہے یا **سَتَشْحَثُك خَصْفَهُ** مثلاً ثائے مثلثہ کو مکرر کرکے بولے ثث تو آواز ثا کے ساتھ ایک حصہ ساکن کا جُدا معلوم ہوگا نفس بند نہ ہوا مجہورہ میں ایسا نہیں بلکہ تمام سانس جو

شروع تلفّظ کے وقت موجود ہوا اُنھیں کی آواز سے بھر جاتی ہے اور جب تک اُس کا تلفّظ ختم ہو دوسری نہیں آتی جیسے ز ز ز ظ ظ ظ یونہی ضضض یہ امر قوت اعتماد کولازم ہے کہ دہن یا حلق کے کسی حصے پر اعتماد قوی بے آواز بھی حابس دم ہے کما لایخفی جب اس جگہ سے اس طور پر حرف نکلے گا تو وہ ض ہی ہوگا نہ اس کا غیر۔فرق جو پڑتا ہے اُس کا منشا انھیں سے کسی بات کا رہ جانا ہے مثلاً زبان اگلے دانتوں کو لگی یا زبان کی نوک سے کام لیا کہ وہ آغاز مخرج لام کی طرف جھکی۔پہلوئے زبان کا وسط داڑھوں کی جانب خلاف کو چلا حالانکہ اُن کی طرف میل درکار تھا یا زبان تالو کی طرف نہ اُٹھائی یا اُٹھانا چاہی مگر حرف کی دشواری و غرابت آڑے آئی کہ زبان دب گئی کما ینبغی اطباق نہ ہُوا جس طرح لڑائی میں نا تجربہ کار کا ہاتھ باوصف قصد جھجک کر او چھا پڑتا ہے یا اعتماد میں ضعف رہا یا مخرج لام تک استطالہ نہ ہُوا یہ بیان دکہ آدمی صرف منزل من اللہ ہی کا کا خیال کرکے پر لکھنے اور عمل میں رکھنے کا ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی صحت ادامیں بہت مددگار ہے وباللہ التوفیق۔اب بعد اس کے اسکا مخرج وطریقہ استعمال جان بھی لے ادا کرنے والے مشابہت دسے تو اس تقریر آخری کا خیال کرکے بچ سکتے ہیں اور اگر آدمی تا آخر جو کچھ ہم نے محررہ صفات مین بیان کیا اُس سب کے مراعات ٹھیک طور پر ہوجائے تو یقیناً اب جو حروف نکلے گا وہ خالص صحیح وفصیح ض ہوگا اگرچہ ناواقف سننے والا اپنی ناشنائی کے باعث اسے کچھ سمجھے یا کچھ نہ سمجھے اور بقدر قدرت اُس کے برتنے میں کمی بھی نہ کرے تو اب جو کچھ بھی ادا ہوگا صحتِ نماز کا فتوٰی دیں گے کہ عسر متحقق ہولیا اور عذر واضح ہوچکا اور عسر جانب یسر ہے۔

قال اللہ تعالٰی لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] وقال اللہ تعالٰی یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ[2] وقال اللہ تعالٰی مَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ[3] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا[4] رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اللہ تعالٰی کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔دوسرا فرمان ہے اللہ تعالٰی تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔تیسرے مقام پر فرمایا اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ ڈالو، محبتیں پیدا کرو، نفرت نہ دلاؤ۔اسے بخاری ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے(ت)

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] القرآن ۲/۱۸۵

[3] القرآن ۲۲/۷۸

[4] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۰۴

پھر ایسی حالت میں عندالانصاف اشتراک صفات خواہ اشتباہ اصوات کسی کی تخصیص نہیں ہو سکتی کہ براہِ عجز ہے اختیاری نہیں اور غیر اختیاری پر حکم جاری نہیں کما قد منا فی جعل الاتراك الحاء خاءً وعوام عصر العلامة الشامی القاف همزة (جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کیا کہ ترک لوگ حاء کو خاء اور علامہ شامی کے زمانہ کے لوگ ق کو ہمزہ بنادیتے ہیں۔ت) واضح ہوا کہ یہ طائفہ جدیدہ جس نے قصداً ضاد پڑھنا ٹھہرالیا ان کی نماز تو باجماع ائمہ متقدمین واتفاق اقوال مذکورہ متاخرین کبھی ولاالضالین تک نہیں پہنچنے پاتی، پہلی ہی رکعت میں مغضوب کی مغظوب پڑھا اور نماز رخصت ہوئی اب افعال بے معنی کئے جاؤ۔ اسی طرح اگر کوئی جاہل حرف منزل ض کا قصد نہ کرے بلکہ عمداً اس کو دال خواہ کوئی حرف پڑھنا ٹھہرالے اس کی نماز بھی مغدوب سے آگے نہ چلے گی تعلم مخروج طریق اداو قصد صحیح بقدر قدرت ہر شخص پر لازم پھر جو کچھ ادا ہوا فتوی تیسیر صحت پر حاکم۔

نسأل الله تیسیر کل عسیر انه ولیه وعلیه قدیر وصلی الله تعالٰی علی البشیر والنذیر واٰله وصحبه۔	ہم اللہ تعالٰی سے سوال کرتے ہیں وہ ہر مشکل کوآسان فرمادے کیونکہ وہی مالک ہے اور اس پر وہ قادر ہے، اللہ کی رحمتیں نازل ہوں اس ذاتِ اقدس پر جو بشیر و نذیر ہے آپ کی آل اور اصحاب پر بھی۔ (ت)

بالجملہ عمداً ظا یا داد دونوں حرام، جو قصد کرے کہ بجائے ض ظ یا دپڑھوں گا ان کی نماز کبھی تام فاتحہ تک بھی نہ پہنچے گی مغدوب و مغظوب کہتے ہی بلاشبہہ فاسد و باطل ہوجائے گی اور جو حروف منزل ہی کا قصد رکھتا اور اسی کو ادا کرنا چاہتا ہے پھر اگر ایسی جگہ غلطی پڑے جس سے معنٰی نہ بدلے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل گئے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ شخص ادائے حرف پر قادر تھا براہ لغزش زبان یا جہلاً یا سہواً زبان سے نکل گیا تو ہمارے مذہب سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی و محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک نماز مطلقاً فاسد، اور اگر یہ بدلا ہوا کلمہ قرآن مجید میں نہیں تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا بھی اتفاق ہو کر اجماع ائمہ متقدمین کہ نماز باطل ہے اور متاخرین کے اقوال کثیرہ و مضطرب ہیں۔

مسئلہ نمبر ۴۷۸: از دلیر گنج پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر جہلا کو قواعدِ تجوید سے انکار ہے اور ناحق جانتے ہیں۔

الجواب:

تجوید بنص قطعی قرآن و اخبار متواترہ سید الانس والجان علیہ و علی آلہ افضل الصلوۃ والسلام واجماع تام صحابہ و تابعین وسائر ائمہ کرام علیہم الرضوان المستدام حق و واجب اور علم دین شرع الٰہی ہے قال اللہ

تعالیٰ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ[1] (اللہ تعالیٰ کافرمان ہے اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کرپڑھو۔ت) اسے مطلقًا ناحق بتانا کلمہ کفر ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ہاں جو اپنی ناواقفی سے کسی قاعدے پر انکار کرے وہ اسکا جہل ہے اسے آگاہ ومتنبّہ کرنا چاہئے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۷۹: ازبریلی محلّہ ذخیرہ مرسلہ محبت حسین یکم ربیع الاوّل ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر نمازی معنٰی نماز کے نہیں جانتے ہیں اور نہ کلمہ شریف کے معنٰی جانتے ہیں پس جاننا معنی کلمہ شریف اور نماز کے اوپر عمل کرنا بہت ضروری ہے پس اگر اہلِ عرب اور عربی جاننے والے عربی میں پڑھیں اور باقی اہل زبان اپنی اپنی زبان میں عربی کاترجمہ کرکے پڑھیں تو نماز درست اور صحیح ہے یانہیں یعنی انگریزی خواں انگریزی میں اور ناگری والے ناگری میں اور اردو والے اردو میں پنجگانہ نماز پڑھیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

مراہی کہہ کر نہیں آتی، گمراہی کا پہلا پھاٹک یہی ہے کہ آدمی کے دل سے اتباع سبیل مومنین کی قدر نکل جائے تمام امّت مرحومہ کو بیوقوف جانے اور اپنی رائے الگ جانے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں یہی عجمی لوگ مشرف باسلام ہوئے حضرت بلال حبشی تھے۔حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی وابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعًا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں جوہزاروں بلادِ عجم فتح ہوئے لاکھوں عجمی مشرف باسلام ہُوئے کبھی بھی حکم فرمایا؟ کہ تم لوگ اپنی زبان میں نماز پڑھا کرو،اب تیرہ سو برس کے بعد یہ مصلحت بعض ہندی بے علموں کو سوجھی اس قدر کاملاحظہ اتنا سمجھنے کو کافی ہے کہ الہامِ رحمٰن نہیں بلکہ وسوسہ شیطان ہے،قراءتِ قرآن فرض ہے اور وہ خاص عربی ہے غیر عربی میں ادانہ ہوگی اور نماز نادرست ہوگی اوراس کے ماورا میں گنہگاری ہے،ہاں جو عاجز محض ہو تو مجبوری کی بات جُدا ہے **واللہ سبحٰنہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۸۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عادت ہمیشہ نمازِ مغرب میں باقراءت ایک یانصف رکوع یا سورہ **والضحٰی** یا **الھٰکم** یا **والشمس** حالتِ امامت میں پڑھنے کی ہے بعض مقتدی اس کو ناپسند کرتے ہیں اور بعض اس طریقہ کو ناپسند بوجہ طوالت،ایسی صورت میں امام اپنی عادت کے موافق کرے یا مقتدیوں کی تابعداری اختیار کرے اور یہ سورتیں ایسے وقت میں کچھ زیادہ تونہیں،ایک روز نمازِ مغرب میں زید نے ۱۶ پارہ کا ۳ رکوع

[1] القرآن ۷۳/ ۵

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اور دوسری رکعت میں ۲۹ پارہ کا آخری رکوع "ان المتقین فی ظلٰل "پڑھا اس سے زیادہ پڑھنے پر مقتدی نہایت شاکی ہوئے ،اور ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ یہ امام گنہگار ہوتے ہیں اتنا بڑا رکوع پڑھنے سے ایسی صورت اور ایسے وقت میں نہیں چاہئے منع آیا ہے، پست ہمّت مقتدیوں کی شکایت شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور امام صاحب پر شرعًا کیا الزام اور گناہ ہے؟ سو آدمی کی جماعت میں دو مقتدی علیل پیرانہ سالی کی وجہ سے زیادہ شکایت اور امام کو بُرا جانیں وہ بھی الزام دینے سے گناہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب:

نمازِ حضر یعنی غیر سفر میں ہمارے ائمہ سے تین روایتیں ہیں:

اوّل: فجر و ظہر میں طوال مفصل سے دو سورتیں پوری پڑھے ہر رکعت میں ایک سورت اور عصر و عشاء میں اوساطِ مفصل سے دو سورتیں اور مغرب میں قصار مفصل سے۔ مفصل قرآن کریم کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو سورہ حجرات سے اخیر تک ہے اس کے تین حصے ہیں حجرات سے۔بروج تک طوال ،بروج سے لم یکن تک اوساط ،لم یکن سے ناس تک قصار

دوم: فجر و ظہر میں سورہ فاتحہ کے علاوہ دونوں رکعت کی مجموع قراءت چالیس پچاس آیت ہے اور ایک روایت میں ساٹھ آیت سے سو تک۔اور عصر و عشاء کی دونوں رکعت کا مجموعہ پندرہ بیس آیت،اور مغرب میں مجموعہ دس آیتیں۔

سوم: کچھ مقرر نہ رکھے جہاں وقت و مقتدیان و امام کی حالت کا مقتضی ہو ویسا پڑھے، مثلًا نمازِ فجر میں اگر وقت تنگ ہو یا مقتدیوں میں کوئی شخص بیمار ہے کہ بقدر سنّت پڑھنا اس پر گراں گزرے گا یا بوڑھا ضعیف ناتواں یا کسی ضرورت والا ہے کہ دیر لگانے میں اُس کا کام حرج ہوتا ہے اُسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوگا تو جہاں تک تخفیف کی حاجت سمجھے تخفیف کرے، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نمازِ فجر میں ایک بچے کے رونے کی آواز سن کر اس خیال رحمت سے کہ اُس کی ماں جماعت میں حاضر ہے طولِ قراءت سے اُدھر بچہ پھڑکے گا اِدھر ماں کا دل بیچین ہوگا صرف قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ بربّ الناس سے نماز پڑھادی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وبارک وسلم اجمعین، اور اگر دیکھے کہ وقت میں وسعت ہے اور نہ کوئی مقتدیوں میں بیمار نہ ویسا کامی تو بقدر سنّت قراءت ان روایات میں پہلی اور تیسری روایت مختار و معمول بہ ہے وانا اقول لاخلاف بینھما وانما الثالثۃ تقیید الاولی کما لا یخفی (میری رائے میں ان دونوں روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں تیسری پہلی کو مقید کررہی ہے جیسا کہ واضح ہے۔ت) تو حاصل مذہب معتمدیہ قرار پایا کہ جب گنجائش بوجہ وقت خواہ بیماری وضعف وحاجت مقتدیان کم دیکھے تو قدرِ گنجائش

پر عمل کرے ورنہ وہی طول واوساط وقصار کا حساب ملحوظ رکھے اور قلّت گنجائش کے لئے زیادہ مقتدیوں کا ناتواں یا کام کا ضرورت مند ہونا درکار نہیں بلکہ صرف ایک کا ایسا ہونا کافی ہے یہاں تک کہ اگر ہزار آدمی کی جماعت ہے اور صبح کی نماز ہے اور خوب وسیع وقت ہے اور جماعت میں ۹۹۹ آدمی دل سے چاہتے ہیں کہ امام بڑی بڑی سورتیں پڑھے مگر ایک شخص بیمار یا ضعیف بوڑھا یا کسی کام کا ضرورت مند ہے کہ اس پر تطویل بار ہوگی اسے تکلیف پہنچے گی توامام کو حرام ہے کہ تطویل کرے بلکہ ہزار میں سے اس ایک کے لحاظ سے نماز پڑھائے جس طرح مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صرف اس عورت اور اسکے بچے کے خیال سے نمازِ فجر معوذتین سے پڑھادی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تطویل میں سخت ناراضی فرمائی یہاں تک کہ رخسارہ مبارک شدّتِ جلال سے سرخ ہوگئے اور فرمایا:

افتان انت یا معاذ افتان انت یا معاذ افتان انت یا معاذ[1] کما فی الصحاح وغیرھا وفی الھدایۃ مرفوعالقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام من ام قوما فلیصل بھم صلٰوۃ اضعفھم فان فیھم المریض والکبیر و ذالحاجۃ[2]۔	کیا تولوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے، کیا تولوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے کیا تولوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے اے معاذ! جیسا کہ صحاح وغیرہا میں ہے ہدایہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جو شخص کسی قوم کا امام بنے وہ انھیں ان کے ضعیف کے اعتبار سے نماز پڑھائے کیونکہ ان میں مریض، بوڑھے اور صاحب حاجت بھی ہوں گے (ت)

اس بیان سے واضح ہوا کہ امام کا مغرب میں سورہ والشمس یا والضحٰی یا اول میں افحسب الذین کفروا دوسری میں ان للمتقین یہ دونوں رکوع پڑھنا خلاف سنّت اور تینوں سے الگ ہوا کہ نہ یہ قصار مفصل سے ہے نہ دونوں رکعت میں صرف دس ۱۰ آیت نہ یہی کہ مقتدیوں پر گراں نہ گزرا ایسی حالت میں مقتدیوں کی شکایت بر محل ہے اور امام پر ضرور لازم ہے ہاں الھٰکم التکاثر ایک رکعت میں اور اس سے پہلی میں القارعۃ یا دوسری میں والعصر پڑھنا مطابق سنّت ہے یہاں مقتدیوں کی شکایت حماقت ہے مگر اُس حال میں کہ کوئی بیمار یا بوڑھا ناتواں اس قدر کا تحمل نہ رکھتا ہو تو وہاں اس سے بھی تخفیف کا حکم ہے

فی فتح القدیر قد بحثنا ان التطویل ھو	فتح القدیر میں ہے ہم نے اس پر بحث کی ہے کہ قرأۃ

[1] صحیح بخاری باب اذاطول الامام الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۸-۹۷، ۲/۹۰۲

[2] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰۱

الزیادۃ علی القرأۃ المسنونۃ فانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عنہ وکانت قرأتہ ھی المسنونۃ فلا بد من کون مانھی عنہ غیر ماکان دابہ الالضرورۃ[1] اھ وباقی ماذکرنا من المسائل معرفۃ فی الدر المختار وردالمحتار وغیرھما من الکتب المتداولۃ فلا حاجۃ بایراد العبارات۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	میں طوالت وہ زیادتی ہے جو قراءت مسنونہ پر ہو، کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی ہی زیادتی سے منع فرمایا ہے اور آپ کی قراءت قراۃِ مسنونہ ہی تھی لہٰذا جس سے آپ نے روکا وہ اس مسنونہ کے علاوہ ہوئی مگر ضرورت کے وقت اھ اور دیگر مسائل جو ہم نے ذکر کئے وہ درمختار، ردالمحتار اور دیگر متداول کتب میں معروف ہیں اس لئے تمام عبارات کے تذکرے کی ضرورت نہیں (ت)

مسئلہ نمبر ۴۸۱: ۲۷ شوال ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے نماز میں بعد الحمدللہ اور تین یا زائد آیتوں کے کہا قال رسول اللہ پھر رکوع کردیا یا قرآن مجید اور تلاوت کی تو اس صورت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ اور سجدہ سہو حاجت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر اس لفظ سے اُس نے کسی شخص کی بات کا جواب دینے کا قصد کیا مثلاً کسی نے پوچھا فلاں حدیث کس طرح ہے اُس نے کہا قال رسول اللہ اور معاً نماز کا خیال آگیا خاموش ہو رہا یا ابتداءً کسی سے خطاب کا ارادہ کیا مثلاً کسی کو کوئی فعلِ ممنوع کرتے دیکھا اسے حدیثِ ممانعت سنانی چاہی اس کے خطاب کی نیت سے کہا قال رسول اللہ پھر یاد آگیا آگے نہ کہا تو ان دو۲ صورتوں میں ضرور نماز فاسد ہوجائیگی۔

کما نصوا علیہ فیما ھو ذکر و ثنا محض کلا الٰہ الا اللہ ولا حول ولاقوۃ الّا باللہ وانا الیہ راجعون و غیرذلك اذا قصد بہ الجواب اوالخطاب فکیف مالیس کذلک۔	جیسے کہ فقہاء نے ان الفاظ کے بارے میں تصریح کی ہے جو کہ فقط ذکر و ثناء ہی ہیں مثلاً لا الٰہ الا اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ اور انّا للہ وانا الیہ راجعون اور دیگر کلمات جب ان سے مقصد کسی کا جواب یا کسی کو خطاب ہو تو ان کلمات کا کیا حال ہوگا جو محض ذکر و ثنا نہیں (ت)

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۵

اور اگر یہ صورتیں نہ تھیں تواس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں اور ظاہر کلامِ علمائے کرام سے یہ ہے کہ اگر یہ شخص حدیث خوانی کا عادی تھا اُس عادت کے مطابق زبان سے قال رسول اللّٰہ نکلاتو نماز فاسد ہوگئی لا نہ من کلامہ و لیس ثناء اودعاء بل اخبار (کیونکہ یہ اس کا اپنا کلام ہے ثنااور دعا نہیں بلکہ خبر دینا ہے۔ت) اور اگر ایسانہ تھاتو نماز فاسد نہ ہوگی کہ یہ جملہ آیت کریمہ کا ٹکڑا ہے قال اللّٰہ تعالٰی فق فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْیٰهَا ﴿۱۳﴾ [1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے تو ان سے اللہ کے رسول نے فرمایا اللہ تعالٰی کے ناقہ اور اس کی پینے کی باری سے بچو۔ت) بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں ہے:

لو جری علی لسانہ نعم ان کان ھذاالرجل یعتاد فی کلامہ نعم تفسد صلٰوتہ و ان لم یکن عادۃ لہ لا تفسد لان ھذہ الکلمۃ فی القراٰن فتجعل منہ [2]۔	اگر کسی زبان پر لفظ نعم جاری ہوگیا تو اگر وہ آدمی ایسا ہے جو اپنے کلام میں لفظ نعم کو اکثر لاتا رہتا ہے تو نماز فاسد ہوگی، اور اگر اس کلمہ کو ذکر کرنا اس کی عادت نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیونکہ یہ کلمہ قرآن پاک میں موجود ہے لہٰذا اسے کلام کی بجائے قرآن پاک کا حصہ ہی سمجھا جائے گا (ت)

اور سجدہ سہو کی کسی حالت میں حاجت نہیں مگر یہ کہ صورت اخیرہ پائی گئی ہو جس میں جوازِ نماز ہے اور بوجہ سہو اتنی دیر تک چپکا کچھ سوچتا رہا ہو جس قدر دیر میں ایک رکن ادا ہوسکے تواس سقوط کے باعث سجدہ سہو لازم آئے گا کما فی التنویر (تنویر میں اسی طرح ہی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۸۲تا۴۸۷: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

۱۔ اللہ کے الف کو حذف کرکے پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ الف کے لام کو پُر کرنا سنّت ہے یا نہیں؟

۳۔ الف اللہ کو تکبیرات میں کچھ دراز کرکے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

۴۔ قعدہ اولٰی میں شک ہُوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کا کیا تو نماز جائز یا نہیں؟

۵۔ جس نماز میں سہو نہ ہوا اور سجدہ سہو کا کیا تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

۶۔ ہاتھ ملا کر دُعا چاہئے یا علیحدہ علیحدہ کرے۔ بینوا توجروا۔

---

[1] القرآن ۹۱/۱۳

[2] البحرالرائق باب یفسد الصلوۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/۲

الجواب:

(۱) نماز جائز مگر قصداً کرے تو حرام وگناہ۔

(۲) ہاں سنّت متوارثہ ہے جبکہ اس سے پہلے فتحہ یا ضمہ ہو۔

(۳) تھوڑا دراز کرنا تو مستحب ہے اسے مدِ تعظیم کہتے ہیں اور زیادہ دراز کرنا کہ حدِ اعتدال سے خروج فاحش ہو مکروہ اور اگر معاذ اللہ تان کے طور پر ہو کہ کچھ حروف زوائد پیدا ہوں مثل اا تو مفسد نماز ہے۔

(۴) جائز ہے

(۵) بے حاجت سجدہ سہو نماز میں زیادت اور ممنوع ہے مگر نماز ہو جائے گی۔ ہاں اگر یہ امام ہے تو جو مقتدی مسبوق تھا یعنی بعض رکعات اس نے نہیں پائی تھیں وُہ اگر اس سجدہ بے حاجت میں اسکا شریک ہوا تو اس کی نماز جاتی رہے گی لانہ اقتدی فی محل الانفراد (کیونکہ اس نے محل انفراد میں اس کی اقتدا کی۔ت)

(٦) دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو،

فی الدرالمختار یبسط یدیہ حذاء صدرہ نحوالسماء لانھا قبلۃ الدعاء ویکون بینھما فرجۃ[1] فی ردالمحتار ای وان قلت قنیۃ [2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	دُرمختار میں ہے وہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینہ کے برابر آسمان کی طرف پھیلائے کیونکہ آسمان دُعا کا قبلہ ہے اور ان کے درمیان فاصلہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے اگرچہ تھوڑا فاصلہ ہی ہو ،قنیہ (ت)

مسئلہ نمبر ۴۸۸: از شہر کہنہ بانس بریلی کانکر ٹولہ ۱۷ شوال ۱۳۱۹ھ

نماز چار رکعت میں زید اس طرح پڑھتا ہے اول رکعت میں بعد سورہ فاتحہ سورہ یٰس شریف، دوسری میں سورہ دخان شریف، تیسری میں سورہ تنزیل، چوتھی میں سورہ ملک، اس طرح سے یہ نماز پڑھنا خلافِ ترتیب ہوگا یا نہیں اور تنزیل سے کون سی سورۃ مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ نماز اسی ترتیب سے حدیث میں حفظِ قرآن کے لئے ارشاد ہوئی ہے، جامع ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے سورہ تنزیل سورہ الم تنزیل السجدۃ ہے۔

---

[1] درمختار فصل واذاراد الشروع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۷

[2] ردالمحتار فصل فی بیان تالیف الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۷۵

روایت ترمذی میں یہی پُورا نام آیا ہے اس میں خلافِ ترتیب اصلاً نہیں کہ نفل کا ہر شفع نماز جداگانہ ہے اور شک نہیں کہ ترتیبِ قرآن عظیم سورہ یسین شریف حم الدخان سے مقدم ہے اور تنزیل السجدہ سورہ ملک سے، تو رعایت ترتیب ہر شفع میں ہو گئی اگر چاروں کے لحاظ سے سب سے پہلے تنزیل السجدہ ہے پھر یس پھر دخان پھر ملک یہ مخالف ترتیب نہیں کہ ہر شفع صلاۃ علیحدہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۸۹: ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز میں سورہ فاتحہ میں لفظ **نستعین** اور **مستقیم** کی جگہ **نسعین** اور **مسقیم** بدون تاء کے پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو گی یا مکروہ یا نہیں؟ جواب دیجئے مَوجبِ ثواب ہے۔

الجواب:

نماز ہو جائے گی **لاجل الادغام** (ادغام کی وجہ سے۔ت) مگر کراہت ہے۔ **لاجل الاحداث فلا ادغام صغیرا فی الفاتحۃ کما نص علیہ فی غیث النفع** (کیونکہ اس نے یہ خود ایجاد کیا ہے فاتحہ میں ادغام نہیں ہے جیسا کہ غیث النفع میں اس پر تصریح موجود ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۹۰: ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین ان مسائل میں کہ سورہ فاتحہ سے ایک آیت کا تلاوت کرنا نماز میں فرض ہے یا اس کے ماسوا دوسری سورت میں سے ایک آیت پڑھنا فرض ہے مثلاً زید نے نماز پڑھی اور فقط **الحمدللہ رب العٰلمین** پڑھ کر بھول گیا اور رکوع و سجود کیا اور سجدہ سہو کیا سلام پھیرا اس حالت میں نماز زید کی ہوئی یا نہیں؟ اور نیز دوسری صورت یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز پڑھائی اور وہ تشہد کرنا اول کا بھول گئے اور مقتدی نے دو مرتبہ کھڑے ہونے امام سے پیشتر کہا **التحیات للہ** مگر امام صاحب کھڑے ہو گئے اور قرات بالجہر پڑھی اور فقط سورہ فاتحہ پڑھ کر رکوع کیا اور سجدہ سہو کیا اس صورت میں مقتدی کی نماز میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟ اور نیز اس صورت میں کہ امام صاحب قرات بھول گئے اور مقتدی نے لقمہ دیا اور امام صاحب نے نہیں لیا تو نماز مقتدی میں کوئی نقصان آیا یا نہیں؟ اور وقتِ ظہر میں اگر جماعت ہو رہی ہو تو شریک ہو جاوے اور چار رکعت سنّت جو رہیں ان کا پڑھنا کس وقت اولٰی ہے آیا دو پہلے پڑھے یا چار؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرآن مجید کی ایک آیت سورہ فاتحہ سے ہو خواہ کسی سورت سے پڑھنا فرض ہے نہ خاص فاتحہ کی تخصیص ہے نہ کسی سورت کی، جو فقط **الحمد للہ رب العٰلمین** پڑھ کر بھول گیا اور رکوع کر دیا نماز کا فرض ساقط ہو جائیگا

مگر ناقص ہوئی کہ واجب ترک ہوا الحمد شریف تمام وکمال پڑھنا ایک واجب ہے اور اس کے سوا کسی دوسری سورت سے ایک آیت بڑی یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا واجب ہے، اگر الحمد ﷲ بھولا تھا اور واجب اول کے ادا کرنے سے باز رکھا گیا تو واجب دوم کے ادا سے عاجز نہ تھا فقط ایک ہی آیت پر قناعت کرکے رکوع کردینے میں قصداً ترک واجب ہوا،

علی ماھوالظاھر وترتیب السورۃ علی الفاتحۃ واجب ثالث کماان ترك الفصل بینھما باجنبی واجب رابع فاسقاط وجوب السورۃ للعجز عن الفاتحۃ لایظھر فیمایظھر واﷲ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ واضح ہے فاتحہ اور سورت میں ترتیب تیسرا واجب جس طرح ان کے درمیان اجنبی کے ساتھ ترک فصل چوتھا واجب ہے پس بظاہر فاتحہ سے عاجز آنا وجوبِ سورت کے اسقاط کا سبب نہیں بن سکتا، واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

اور جو واجب قصداً چھوڑا جائے سجدہ سہو اس کی اصلاح نہیں کرسکتا تو واجب ہے کہ نماز دوبارہ پڑھے، ہاں اگر ایسا بھُولا کہ نہ بقیہ فاتحہ یاد آتا ہے نہ قرآن عظیم سے کہیں کی آیتیں اور ناچار رکوع کردیا اور سجدے میں جانے تک فاتحہ وآیات یاد نہ آئیں تو اب سجدہ سہو کافی ہے اور اگر سجدہ کو جانے سے پہلے رکوع میں خواہ قومہ بعد الرکوع میں یاد آجائیں تو واجب ہے کہ قرأت پوری کرے اور رکوع کا پھر اعادہ کرے اگر قرأت پُوری نہ کی تو اب پھر قصداً ترک واجب ہوگا اور نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا اور اگر قرأت بعد الرکوع پُوری کرلی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو نماز ہی جاتی رہی کہ فرض ترک ہوا۔

وذلك لان الرکوع یرتفض بالعود الی القرأۃ لانھا فریضۃ وکل مایقرأ ولوالقراٰن العظیم کلہ فانما یقع فرضا کما نصوا علیہ۔	اس لئے کہ قرأت کی طرف لوٹنے کی وجہ سے رکوع ختم ہوگیا کیونکہ قرأت فرض ہے اور قرأت جتنی بھی کی جائے خواہ تمام قرآن پاک کی قرأت ہو اس سے ایک ہی فرض ادا ہوگا جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے۔ (ت)

(۳) جبکہ امام پہلا قعدہ بھُول کر اُٹھنے کو ہوا اور ابھی سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا تو مقتدی کے بتانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بتانا ہی چاہئے، ہاں اگر پہلا قعدہ چھوڑ کر امام پُورا کھڑا ہوجائے تو اس کے بعد بتانا جائز نہیں اگر مقتدی بتائے گا تو اس کی نماز جاتی رہے گی اور اگر امام اس کے بتانے پر عمل کرے گا تو سب کی جائیگی کہ پُورا کھڑا ہوجانے کے بعد قعدہ اولٰی کے لئے لوٹنا حرام ہے تو اب مقتدی کا بتانا محض بیجا بلکہ حرام کی طرف بلانا اور بلاضرورت کلام ہُوا وہ مفسد نماز

ہے قرات میں صحیح لقمہ دینا مطلقاً جائز ہے نماز فرض ہو خواہ نفل امام تین آیات سے زائد پڑھ چکا ہو خواہ کم تو اس صورت میں لقمہ دینے سے مقتدی کی نماز میں کچھ نقصان نہیں، ہاں اگر وہ غلطی کہ امام نے کی مغیر معنی مفسد نماز تھی اور مقتدی نے بتایا اور اس نے نہ لیا اُسی طرح غلط پڑھ کر آگے چل دیا تو امام کی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سے سب مقتدیوں کی بھی گئی اور اگر غلطی مفسدِ نماز نہ تھی تو سب کی نماز ہو گئی اگرچہ امام غلطی پر قائم رہا اور لقمہ نہ لیا اور امام نے صحیح پڑھا مقتدی کو دھوکا ہُوا کہ اس نے غلط بتایا تو اس مقتدی کی نماز ہر طرح جاتی رہی پھر اگر امام نے نہ لیا تو امام اور دیگر مقتدیوں کی نماز صحیح رہی اور اگر لے لیا تو سب کی گئی۔ ظہر کی پہلی سنتیں نہ پڑھی ہوں تو علماء کے دونوں قول ہیں اور دونوں باقوّت ہیں ایک یہ کہ فرض کے دو سنتیں پہلے پڑھے پھر وہ چار سنتیں پڑھے دوسرے اس کا عکس کہ فرض کے بعد پہلے چار پہلی پڑھے پھر دو، اور پہلا قول زیادہ قوی ہے **لمطابقۃ لنص الحدیث الصریح** (کیونکہ وہ حدیث صریح کے الفاظ کے مطابق ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۴۹۱: ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ فجر وعشاء میں سورہ طوال پڑھنا مسنون ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسے وقت کہ ابتدائی وقت ہو اور طولی بآسانی پڑھی جائے گی اور الم ترو غیرہ سے پڑھادے اور مقتدی جماعت سے محروم رہیں تو جماعت خلاف سنت اور مخالفت سے جماعت مکروہ ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرآن عظیم سورہ حجرات سے آخر تک مفصل کہلاتا ہے اس کے تین حصے ہیں حجرات سے بروج تک طوال مفصل، بروج سے **لم یکن** تک اوساط مفصل، **لم یکن** سے **ناس** تک قصار مفصل۔ سنّت یہ ہے کہ فجر وظہر میں ہر رکعت میں ایک پوری سورت طوال مفصل سے پڑھی جائے اور عصر وعشاء میں ہر رکعت میں ایک کامل سورت اوساط مفصل سے اور مغرب کے ہر رکعت میں ایک سورت کاملہ قصار مفصل سے۔ اگر وقت تنگ ہو یا جماعت میں کوئی مریض یا بوڑھا یا کسی شدید ضرورت والا شریک جس پر اتنی دیر میں ایذا وتکلیف وحرج ہوگا تو اس کا لحاظ کرنا لازم ہے جس قدر میں وقت مکروہ نہ ہونے پائے اور اس مقتدی کو تکلیف نہ ہو اسی قدر پڑھیں اگرچہ صبح میں **انا اعطینا** و **قل ھو اللہ احد** ہوں یہی سنت ہے اور جب یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو اس طریقہ مذکورہ کا ترک کرنا صبح یا عشاء میں قصار مفصل پڑھنا ضرور خلاف سنت و مکروہ ہے مگر نماز ہو جائے گی **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۹۲: ۲۱ ربیع الاخر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام کے پیچھے لفظِ آمین کو کس قدر آواز سے کہے اگر برابر والے نمازی جو اس سے دوسرے یا تیسرے درجے پر ہیں سنیں تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟

(۲) سوائے لفظ اٰمین کے اور کچھ پڑھے تو کس قدر آواز سے پڑھنا چاہئے؟

(۳) حقّہ، تمباکو کو پینے والے کے منہ کی بُو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تو نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱-۲) اٰمین سب کو آہستہ کہنا چاہئے امام ہو خواہ مقتدی خواہ اکیلا یہی سنّت ہے، اور مقتدی کو سب کچھ آہستہ ہی پڑھنا چاہئے آمین ہو خواہ تکبیر، خواہ تسبیح ہو خواہ التحیات و درود، خواہ **سبحنك اللھم** وغیرہ۔ اور آہستہ پڑھنے کے یہ معنٰی ہیں کہ اپنے کان تک آواز آنے کے قابل ہو اگرچہ بوجہ اس کے یہ خود بہرا ہے یا اس وقت کوئی غُل و شور ہو رہا ہے کان تک نہ آئے اور اگر آواز اصلاً پیدا نہ ہوئی تو صرف زبان ہلی تو وہ پڑھنا پڑھنا نہ ہوگا اور فرض و واجب و سنّت و مستحب جو کچھ تھا وہ ادا نہ ہوگا فرض ادا نہ ہوا تو نماز ہی نہ ہوئی اور واجب کے ترک میں گنہگار ہوا اور نماز پھیرنا واجب رہا اور سنت کے ترک میں عتاب ہے اور نماز مکروہ اور مستحب کے ترک میں ثواب سے محرومی پھر جو آواز اپنے کان تک آنے کے قابل ہوگی وہ غالب یہی ہے کہ برابر والے کو بھی پہنچے گی اس میں حرج نہیں ایسی آواز آنی چاہئے جیسے راز کی بات کسی کے کان میں منہ رکھ کر کہتے ہیں ضرور ہے کہ اس سے ملا ہُوا جو بیٹھا ہو وہ بھی سُنے مگر اسے آہستہ ہی کہیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرلے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچی حرام ہے اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملئکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے:

ان الملئکة تتاذی بمایتاذی به بنو اٰدم[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	کیونکہ ملائکہ ہر اس شے سے اذیّت پاتے ہیں جس سے بنی آدم اذیت پاتے ہیں۔(ت)

مسئلہ نمبر ۴۹۵: **الحمد** شریف قرآن شریف سے ہے نماز میں کیوں واجب کی گئی؟ اور سورت کا ملانا کیوں فرض رکھا گیا؟ اور اگر مصلّی **الحمد** بھُول جائے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور آیتیں پڑھنا بھُول جائے تو نماز جاتی رہتی ہے اُس کے بدلے سجدہ سہو نہیں رکھا گیا اس کی کیا وجہ ہے اور **الحمد** واجب ٹھہری اور مقتدی پیچھے امام کے **الحمد** نہیں پڑھتا ہے اور **الحمد** کے نہ پڑھنے سے سجدہ سہو لازم آتا ہے تو اُس مقتدی کی نماز بغیر سجدہ سہو کئے ہوئے کیونکر صحیح ہو جاتی ہے؟ **بینوا توجروا**

[1] صحیح مسلم باب نہی من اکل ثوماً اوبصلاً الخ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۰۹

الجواب:

سورۃ ملانا بھی فرض نہیں، نہ اس کے ترک سے نماز جائے وہ بھی مثل فاتحہ واجب ہی ہے اور اس کے ترک کی بھی سجدہ سہو سے اصلاح ہو جاتی ہے جبکہ بھُول کر ہو، یہی حال فاتحہ کا ہے، تو یہ مسئلہ ہی سائل کو غلط معلوم ہے جس کی بنا پر طالب فرق ہے، فرض صرف ایک آیت کی تلاوت ہے سورہ فاتحہ سے ہو یا کسی سورت سے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جو آسان ہو وہ پڑھو۔ (ت)

سورہ فاتحہ اور فرضوں کی پہلے دو ۲ رکعتوں میں ضم سورت کا وجوب سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مواظبت اور بعض احادیث احاد قولیہ سے ثابت ہُوا یہ وجوب ہمارے ائمہ کے نزدیک صرف امام و منفرد پر ہے مقتدی پر نہیں تو لزوم سجدہ کی کوئی وجہ نہیں نہ ترک قصدی میں نہ سہو مقتدی سے اُس پر سجدہ لازم آئے گا اگرچہ دس واجب ترک ہوں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۹۶: ۲۶ صفر ۱۳۱۷ھ

امام نے جمعہ میں ایک آیت پڑھی بسبب بھول جانے کے اُس کو دوسری بار پڑھ کر دوسری آیتوں کی طرف منتقل کیا ایسی صورت میں نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی یا جائز بلا کراہت یا سجدہ لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بمجبوری سہو تھا کچھ کراہت نہیں اور اگر آیت کے یاد کرنے میں بقدر رکن ساکت نہ رہا تو سجدہ سہو بھی نہیں ورنہ سجدہ لازم ہے۔ کما فی الدرالمختار [2] (جیسا کہ دُرمختار میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۴۹۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز میں مثل سورہ والّیل کے درمیان چھوڑ کر پڑھنا اگرچہ سہواً ہو کیسا ہے مثلاً رکعت اولٰی میں والشمس اور رکعت ثانیہ والضحٰی پڑھے۔

الجواب:

فرضوں میں قصداً چھوٹی سورت بیچ میں چھوڑ دینا مکروہ ہے اور سہواً اصلاً کراہت نہیں والّیل والشمس سے پانچ آیت زائد ہے ایسی صورت میں کراہت نہیں،

فی الدرالمختار یکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ [3] اھ۔	درمختار میں ہے کہ چھوٹی سورت کے ساتھ فاصلہ (چھوڑ دینا) مکروہ ہے اھ۔

---

[1] القرآن ۷۳/۲۰

[2] درمختار باب السجود سہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[3] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۱

فی ردالمحتار اما بسورۃ طویلۃ بحیث یلزم منہ اطالۃ الرکعۃ الثانیۃ فلا یکرہ شرح المنیۃ[1] الخ ۔فی الدر اطالۃ الثانیۃ علی الاولٰی یکرہ تنزیھا اجماعا ان بثلث اٰیات ان تقاربت طولا وقصرا والا اعتبر الحروف الکلمات واعتبر الحلبی فحش الطول لاعدد الایات ،واستثنی فی البحر ماوردت بہ سنۃ واستظھر فی النفل عدم الکراھۃ مطلقا وان باقل لایکرہ لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصلی بالمعوذتین[2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ اگر وہ چھوڑی جانے والی سورت اتنی بڑی ہے کہ اس سے دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے نہایت ہی طویل ہونا لازم آتا ہو تو پھر مکروہ نہیں شرح المنیۃ الخ۔ درمختار میں دوسری رکعت کو پہلی پر تین آیتوں کی مقدار لمبا کرنا بالاجماع مکروہ تنزیہی ہے اگر دونوں رکعتوں کی آیتیں بڑی اور چھوٹی ہونے میں قریب قریب ہوں اگر آیتیں ایک سی نہ ہوں تو حروف اور کلمات کا اعتبار ہوگا۔اور حلبی نے فحشِ طول کا اعتبار کیا ہے نہ کہ آیتوں کے شمار کا ۔اور بحرالرائق میں ان سورتوں کو مستثنٰی کہا ہے جن کے متعلق حدیث وارد ہے (یعنی ان کے پڑھنے میں کراہت نہیں ہے)اور نفلوں میں مطلقًا (یعنی اس کے متعلق حدیث وارد ہو یا نہ ہو) عدمِ کراہت کو ترجیح ہے اگر دوسری رکعت کی زیادتی تین آیات سے کم ہو تو مکروہ نہیں، کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معوذتین سے فجر کی نماز پڑھائی ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۹۸: اس میں کیا حکمت ہے کہ فرضوں کی دو رکعت خالی اور دو رکعت بھری پڑھی جاتی ہیں اور سنّت اور نفلوں میں قرات لازم ہو کر چاروں بھری ہو گئیں۔واللہ تعالٰی اعلم

الجواب:

نماز میں صرف دو ہی رکعت میں تلاوتِ قرآن مجید ضرور ہے سنّت و نفل کی ہر دو رکعت نماز جداگانہ ہے لہٰذا ہر دو رکعت میں قرات لازم ہو کر چاروں بھری ہو گئیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۹۹: زید نے اوّل وقت نماز پڑھی اور بعد فراغ سنن مغرب سے دو رکعت نفل جماعت سے بالجہر سوا پارے سے پڑھے پھر اُس کے متصل نمازِ عشاء کا وقت آیا یہ دونوں نفل جو مابین عشاء و مغرب باجماعت جہر سے پڑھے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس جماعت نفل میں صرف دو یا زیادہ سے زیادہ تین مقتدی تھے اور ان میں کسی پر اتنی قرات

---

[1] ردالمحتار ، فصل ویجہر الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۴

[2] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۰

طویل گراں تکلیف دہ نہ تھی تو یہ جماعت و قرأت جائز بلامنع و کراہت ہوئی ورنہ مکروہ و ممنوع، بحر الرائق میں ہے:

قال شمس الائمة الحلوائی ان کان سوی الامام ثلثة لایکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ اھ ھکذا فی شرح المنیة[1]۔	امام شمس الائمہ حلوائی فرماتے ہیں جماعت نفل میں اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں، چار میں مشائخ کا اختلاف ہے، اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے اھ شرح المنیہ میں اسی طرح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

والظاھر انھا فی تطویل الصلٰوۃ کراھة تحریم للامر بالتخفیف وھو للجواب الا لصارف ولادخال الضرر علی الغیر[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر یہی ہے کہ نماز میں طوالت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ تخفیف کے لئے امر وارد ہے جو سوائے صارف کے اور اس لئے کہ یہاں غیر کو نقصان ہوتا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۰۰: از بنارس تھانہ بھلو پورہ محلّہ احاطہ روہیلہ مرسلہ عبدالرحمٰن رفوگر ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

حضرت کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ اذا جاء کے آخر میں جو پڑھا کرتے ہیں انہ کان توابا کے پاس پڑھا کرتے تھے مولٰینا امجد علی صاحب تو وہ ذرا سا لکھ دیجئے گا، فقط۔

الجواب:

مستحب طریقہ یہ ہے کہ آخر سورہ میں اگر نامِ الٰہی جیسے سورہ اذا جاء میں انہ کان توابا تو اس پر وقف نہ کرے بلکہ رکوع کی تکبیر اللہ اکبر کا ہمزہ وصل گرا کر اس سورہ کا آخری حرف لام اللہ سے ملادے جیسے اذا جاء میں توابانِ اللہ اکبر، ب قیام کی حالت میں اور دونوں لام سے ملتا ہوا رکوع کے لئے جھکنے کی حالت میں اس طرح کہ رکوع پورا نہ ہونے تک اکبر کی ر ختم ہوجائے یونہی سورہ والتین میں احکم الحاکمین کے ن کو زبر دے کر اللہ اکبر کے ل میں ملادے، اور جس سورہ کے آخر میں نامِ الٰہی نہ ہو اور کوئی لفظ نامِ الٰہی کے مناسب بھی نہ ہو وہاں یکساں ہے چاہے وصل کرے یا وقف، جیسے الم نشرح میں فارغب اللہ اکبر اور جہاں کوئی لفظ اسمِ الٰہی کے نامناسب ہو جیسے سورہ کوثر کے آخر میں ھو الابتر وہاں فصل ہی چاہئے وصل نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] البحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۵

[2] البحرالرائق ، باب الامامۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

مسئلہ نمبر ۵۰۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صبح کی نماز طلوع آفتاب سے کس قدر پہلے ہونا چاہئے اور کتنی آیتیں پڑھنا چاہئے اور اگر کوئی خرابی نماز میں ہوجائے تو کیا اسی آیت کو جو کہ پہلے پڑھی گئی اُس کی مقدار پڑھنا چاہئے یا کم، بینواتوجروا۔

الجواب: نماز صبح میں بحال گنجائش وقت وعدمِ عذر چالیس سے ساٹھ تک آیت پڑھنا چاہئے اور طلوع آفتاب سے اتنے پہلے ختم ہوجانا چاہئے کہ اگر نماز میں کوئی خرابی ظاہر ہو تو چالیس آیتوں سے قبل طلوع اعادہ ہوسکے اور اس کے لئے دس منٹ کافی ہیں اور اگر وقت کم رہ گیا اور خرابی ظاہر ہوئی تو بقدر گنجائش وقت آیات پڑھے اگرچہ سورہ کوثر واخلاص ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۰۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے نماز پڑھائی والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین میں الاّ پڑھ کر وقف کیا پھر الا الذین اٰمنو سے آخر تک ختم کیا نماز درست ہے یا نہیں وقیل من (سکتہ) راق وظن انہ الفراق میں سکتہ کیسا ہے اور لفظ من کے نون کو راق کی را میں ادغام نہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

نماز ہوگئی ہر آیت پر وقف جائز ہے اگرچہ آیت لاہو ہماری یعنی امام حفص کی قرات میں نون پر سکتہ ہے کہ ادغام سے کلمہ واحدہ نہ مفہوم ہو۔ مراق بروزن براق اور تمام باقی قراِادغام کرتے ہیں، تو دونوں ہیں مگر یہاں عوام کے سامنے ادغام نہ کرے کہ وہ معترض نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۰۳: از موضع گھورنی ڈاکخانہ کرشن گڑھ ضلع انڈیا ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ض رامشابہ صوت ظ معجمہ باید خواند یا مماثل صوت دال مہملہ، وہر کہ دال محض خواند نمازش روابود یانہ ودریں ملک را تقریبًا ہمہ خواص وعوام مشابہ دال می خوانند وخوانندہ ض مشابہ ظ ازبس قلیل بینواتوجروا۔	ض کو ظاء معجمہ کی آواز یا دال مہملہ کی آواز کے مشابہ پڑھنا چاہئے اور جو اسے محض دال پڑھے اس کی نماز درست ہوگی یا نہ؟ ہمارے ملک میں تقریبًا تمام خواص وعوام اسے دال سے مشابہ پڑھتے ہیں ظاء کے مشابہ بہت قلیل لوگ پڑھتے ہیں جواب دے کر اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

صوت ایں حرف راخالق عزوجل از ہمہ حروف جدا	اللہ تعالٰی نے اس حرف کی ادائیگی اور آواز کو دوسرے

آفریدہ است حقیقۃً ہیچ حرف مشابہ با ونیست فرض قطعی آنست کہ مخرجش آموز وطرز ادایش یادگیرد و قصد حرف منزل من اللہ کند واز پیش خویش نہ ظا خواند نہ دال کہ ہر دو مباین اوست وشبانہ روز سعی موفور بجائے آورد تا آنکہ می کوشد چہ برآید روا باشد لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط[1] فاما اگر بر صحیح قادر نہ شود امامت صحیح نتواں کرد در فتاوٰی خیریہ است امامۃ الثغ بالفصیح فاسدہ فی الراجح الصحیح[2] وبر او فرض باشد کہ تا پس صحیح خواند نماز تواں یافت تنہا نہ گزارد کہ در اقتدا از قرأت بے نیاز باشد وآنکہ مخرج نیا موخت یا در صحیح او سعی نہ کرد اگر از زبانش ظا یا دال ادا شود ہرچہ بافساد معنی شود نماز فاسد شود ورنہ نے واگر بہر دو فساد نعنی رونماید چنانکہ مغظوب و مغذوب بہر دو فاسد شود ایں ہم آنگاہ ہست کہ قصد حرف منزل من اللہ کند وزبان یادری نہ دہد ظا یا دال ادا شود چنانکہ صورت اخیرہ در عوام ہند و بنگالہ است واگر بالقصد بجائے او حرفے دیگر نشاندن خواہد حکم او سخت تر شود زیرا کہ تبدیل کلام اللہ میکند چنانکہ بعض نامقلدان تصریح کردہ اند کہ ضاد نتواں ظا خواند امام اجل ابوبکر محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دریں صورت حکم کفر فرمودہ است کمافی منح الروض الازہر ومارا دریں مسئلہ رسالہ ایست مختصرہ جامعہ الجام الصاد عن سنن الضاد آنجا ایں را رنگ تفصیل

تمام حروف سے جُدا پیدا فرمایا ہے حقیقی طور پر کوئی بھی اس کے مشابہ نہیں اس لئے فرض قطعی یہ ہے کہ اس کا مخرج سیکھا (جانا) جائے، اس کی ادائیگی کا طریقہ یاد کیا جائے اور اس حرف کا ارادہ کیا جائے جو اللہ کی طرف سے نازل ہے، اپنی طرف سے نہ اسے ظا پڑھا جائے اور نہ ہی دال، کیونکہ یہ دونوں اس کے مخالف ہیں شبانہ روز کی محنت و کوشش کے بعد جو پڑھا جاسکے وہ درست ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ اگر حرف کی صحیح ادائیگی پر قادر نہ ہوا تو اس کو امامت کرانا درست نہیں، فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ توتلے کا فصیح کی امامت کرنا راجح اور صحیح مذہب میں فاسد ہے اور ایسے شخص پر فرض ہے کہ وہ کسی صحیح کی اقتداء میں نماز ادا کرے اگر اقتداء ممکن ہو تنہا نہ پڑھے کیونکہ اقتداء کی صورت میں وہ قرأت سے بے نیاز ہو جائے گا، اور وہ شخص جس نے ض کا مخرج نہ سیکھا یا اس کی صحت کے لئے کوشش نہ کی ہو اگر اس کی زبان سے ضاد کی جگہ ظا یا دال ادا ہو جس کے ساتھ فسادِ معنی ہوگا اس سے نماز بھی فاسد گی اور جس کے ساتھ فساد معنٰی نہ ہوگا تو اس سے نماز ہو جائیگی اور اگر دونوں صورتوں میں فساد معنی ہو مثلاً مغظوب اور مغذوب تو دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہوگی۔ یہ تمام اس وقت ہے جب اس سے

[1] القرآن ۲/۲۸۶

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰

دادہ ایم وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔	قصد اسی حرف کا ہو جو اللہ تعالٰی کی طرف سے نازل کردہ ہے مگر زبان معاون نہ بنی اور ظا یا دال ادا ہوگیا جیسے کہ عوام اہل ہند و بنگالہ کا معاملہ آخری صورت میں اسی طرح ہے اور اگر قصداً اس کی جگہ کوئی دوسرا حرف پڑھا تو اسکا حکم شدید ترین ہوگا کیونکہ یہ تو اللہ تعالٰی کے کلام میں تبدیلی کرنا ہے جیسا کہ بعض غیر مقلدین نے تصریح کی کہ ضاد کو نہ پڑھا جاسکے تو ظاء پڑھے۔ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مذکورہ صورت میں کفر کا حکم جاری فرمایا ہے جیسا کہ منح الراض الازہر میں موجود ہے، ہم نے اس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھا ہے جس کا نام الجامع الصاد عن سنن الضاد رکھا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل وہاں خوب کی ہے وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۰۴: از رادھن پور گجرات قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جمعہ کی اذان کے بعد بہت آدمی مسجد میں جمع ہو کر سورہ کہف پڑھتے ہیں بلند آواز سے اور بغیر پڑھے جو لوگ ہیں یعنی اَن پڑھ نمازی بھی ہوتے ہیں جن کو کلام مجید پڑھنا ہی نہیں آتا وہ نمازی سورہ کہف شوق سے سنتے ہیں اور بعض نمازی جو دیر سے آتے وہ نفل پڑھ کر سنتے ہیں نفل پڑھنے والے کہتے ہیں سورہ کہف بلند آواز سے مت پڑھو ہمارے نفل میں خرابی آتی ہے نفل کا ثواب زیادہ ہے یا سورہ کہف پڑھنے کا، بعد ختم سورہ کہف کے تمام نمازی سنتیں پڑھتے ہیں مولوی مذکور فرماتے ہیں زور سے ہرگز مت پڑھو نفل نماز میں خرابی آتی ہے آیا سورہ کہف کو بلند آواز پڑھیں یا نہیں یا نفل نماز چھوڑ دیں؟

الجواب:

حدیث صحیح میں قرآن مجید باآواز ایسی جگہ پڑھنے سے جہاں لوگ نماز پڑھ رہے ہوں ممانعت فرمائی ہے اور قرآن عظیم نے حکم فرمایا ہے کہ قرآن پڑھا جائے کان لگا کر سنو اور چُپ رہو[1]، تو ایسی جگہ جہر سے پڑھنا ممنوع اور دو یا زیادہ آدمیوں کا باآواز پڑھنا اور شدید ممنوع کہ مخالف حکم قرآن اور قرآن عظیم کی بے حرمتی ہے ان لوگوں کو چاہئے کہ آہستہ پڑھیں اور نفل پڑھنے والے نفل سے نہیں روکے جاسکتے نفل نماز مستحب تلاوت سے افضل ہے کہ اُس میں تلاوت بھی ہے رکوع سجود بھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۰۵: از کھنوڑہ ڈاکخانہ خاص ضلع ہوشیار پور مرسلہ امجد علی خان صاحب معرفت مولوی شفیع احمد صاحب متعلّم مدرسہ اہلسنّت ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

زید کہتا ہے کہ مخارج حروف معلوم کرنا اور ان سے حروف نکالنا فرض ہے ہاں باوجود کوشش کے اگر

---

[1] القرآن ۷/ ۲۰۴

ماینبغی ادانہ ہوئے تو اس قدر میں معذور رہے گا اور اگر مخارج ہی نہیں معلوم یا معلوم ہیں نکالتا نہیں تو نماز ہر گز نہ ہوگی اگر صحیح ہے تو اکثر مسلمان فرض کو چھوڑدیں یا کسی حرام کے مرتکب ہوں تو اس فعل سے ساقط یا حلال نہ ہوجائے گا یوں تو اکثر مسلمان نماز ہی نہیں پڑھتے اور جو پڑھتے ہیں اُن میں اکثر مواضبت نہیں کرتے سَو میں ننانوے ۹۹ یا اس کے قریب غیبت سے پرہیز نہیں کرتے تو قول زید صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: زید کے اقوال مذکورہ سب صحیح ہیں سوائے اتنے لفظ کے کہ اگر مخارج معلوم نہیں تو نماز صحیح نہ ہوگی مخارج معلوم ہونا ضرور نہیں حروف صحیح ادا ہونا ضرور ہے بہتیرے ہیں کہ سُن سُن کر صحیح پڑھتے ہیں اگر اُن سے پوچھا جائے تو مخارج بتا نہیں سکتے اردو زبان والا ہر جاہل اپنی زبان کے حروف ٹھیک ادا کرتا ہے اور مخارج نہیں بتا سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۰۶: ازبریلی مرسلہ حضرت محمد میاں صاحب مدظلہ العالی

یہ ارشاد فرمائیں کہ قرآن کریم کی اس قدر تجوید کہ حرف اپنے غیر سے ممتاز رہے فرض عین ہے کتب فقہ میں مذکور ہے اگر ہے تو کس کتاب میں کس جگہ؟ جناب کی نظر میں اس بارہ میں صرع تصریح کس کتاب کی ہے؟ اور اگر کوئی حدیث اس بارہ میں اس وقت پیشِ نظر ہو تو اُس کا ارشاد ہو۔

الجواب:

تمام کتابوں مین تصریح ہے کہ ایک حرف کی جگہ دوسرے سے تبدیل اگر عجزاً ہو تو مذہب صحیح و معتمد میں اور خطئاً ہو تو ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک مفسد نماز ہے جبکہ مفسد معنی ہو یا امام ابی یوسف کے نزدیک جبکہ وُہ کلمہ قرآن کریم میں نہ ہو اور اس سے بچنا بے تعلم تمایز حروف ناممکن اور فساد نماز سے بچنا فرض عین ہے۔ قال اللہ تعالٰی وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ۝۳۳ [1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تم اپنے اعمال باطل نہ کرو۔ت) مقدمہ امام جزری میں ہے:

اذواجب علیھم محتم قبل الشروع اوّلا ان یعلموا مخارج الحروف والصفات، لینطقوا بافصح اللغات [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قرآن پاک میں شروع ہونے سے پہلے اوّلا قاریان قرآن پر حروف کے مخارج وصفات (ذاتیہ وعرضیہ) کا جاننا قطعًا ضروری ہے تاکہ قاریان قرآن صحیح ترین لغات کے ساتھ قرآن پاک کا نطق کرسکیں (یعنی پڑھ سکیں)۔(ت)

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] مقدمہ جزریہ خطبۃ الکتاب مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور ص ۴

مسئلہ نمبر۵۰۷: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ درگاہ شریف مرسلہ صاحبزادہ حضرت سیّد شاہ محمد میاں صاحب دامت برکاتہم

والا نامہ میں متعلق تجوید ارشاد جناب ہے دو ایک حرف کہ دوسرے سے تبدیل اگر عجزاً ہو تو مذہب صحیح و معتمد میں مفسد نماز ہے جبکہ مفسد معنی ہو یا امام ابی یوسف کے الخ مجھے اس میں تامل ہے کہ الثغ کی نماز صحیح ہے جبکہ وہ اپنی سعی و کوشش اور صحیح حروف نکالنے میں کوتاہی نہ کرتا ہو اس کوشش کے بعد کوئی تقیید مفسد معنی یا غیر مفسد معنی کی خود جناب نے بھی اپنے اصلاح رسالہ مباحث امامت میں نہیں زائد فرمائی۔

الجواب:

الثغ کی نماز جبھی تو صحیح ہے کہ وہ تصحیح حرف میں کوشش کئے جائے یہ بھی بے تعلیم صحیح ناممکن، یہی تعلیم تجوید ہے تو اس کی فرضیت قطعًا ثابت، اگر صحیح کو نہ سیکھے یا سیکھے اور اس کے ادا کرنے کی کوشش نہ کرے تو نماز ضرور باطل ہوگی تو علم و عمل دونوں فرض ہوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر۵۰۸: از اردہ نگلہ ڈاکخانہ اچھیزہ ضلع آگرہ

حرف ضاد کو بصورتِ دواد یعنی دال پر پڑھتے ہیں یہ صحیح ہے یا غلط؟ اگر غلط ہے تو نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اکثر لوگ ض اور ظ میں بسبب ہونے مشابہت کے فرق نہیں کرسکتے ان کی نماز درست ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حرف نہ د ہے نہ ظ صورتیں تین ہیں:

(۱) قصداً حرف منزّل من اللہ کی تبدیل کرے یہ دواد والوں میں نہیں وُہ اپنے نزدیک ضاد ہی پڑھتے ہیں نہ یہ کہ اس سے ہٹ کر دال مفخم اُس کی جگہ بالقصد قائم کرتے ہیں البتہ ظا والوں میں ایسا ہے ان کے بعض نے تصریحًا لکھ دیا کہ ض کی جگہ ظ پڑھو اور سب مسلمانوں اس پر عمل پیرا ہوجاؤ یہ حرام قطعی ہے اور اشد اخبث کبیرہ بلکہ امام اجل ابوبکر فضلی وغیرہ اکابر ائمہ کی تصریح سے کفر ہے کما فی منح الروض الازھر والفتاوی عالمگیریۃ وغیرھما (جیسا کہ منح الروض الازہر، فتاوٰی عالمگیری اور دیگر کتب میں ہے۔ت) ان کی نماز پہلی ہی بار مغظوب پڑھتے ہی ہمیشہ باطل ہے۔

(۲) خطئًا تبدیل ہو یعنی ادائے ض پر قادر ہے اُسی کا قصد کیا اور زبان بہک کر دال یا ظ ادا ہوئی اس میں متاخرین کے اقوال کثیرہ و مضطرب ہیں اور ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ مذہب ہے اگر فساد معنی ہو تو نماز فاسد ورنہ صحیح۔

(۳) یہ کہ عجزاً تبدیل یعنی قصد توض کا کرتا ہے مگر ادا نہیں کرسکا دیا ظ ادا ہوتی ہے اور ہندوستان

میں اکثر دُواد والے ایسے ہی ہیں ان پر فرض عین ہے کہ ض کا مخرج اور اسکا طریقہ ادا سیکھیں اور شبانہ روز حد درجے کی کوشش اُس کی تصحیح میں کریں جب تک کوشاں رہیں گے اُن کی نماز صحیح کہی جائے گی، جبکہ صحیح خواں کے پیچھے اقتداء پر قادر نہ ہوں اُن کی اپنی بھی باطل اور ان کے پیچھے اوروں کی بھی باطل، یہی حکم ظائیوں کا ہے جبکہ قصداً تبدیل نہ کرتے ہوں یہ خلاصہ حکم ہے اور تفصیل ہمارے رسالہ **الجام الصاد عن سنن الضاد** میں ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۰۹: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سیّد صابر جیلانی صاحب

کیا سورہ تبّت کا نماز میں پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب:

سورہ تبّت کے پڑھنے میں استغفر اللہ اصلاً کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۵۱۰: از شہر بریلی محلّہ سود گران مدرسہ منظر الاسلام مولوی محمد افضل صاحب ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ در **لَمَّا یتفجر منه الانھٰر** خواندہ شد لمّا نماز شد بغیر کراہت یا نہ؟	اس مسئلہ میں علمائے دین کی کیا رائے ہے کہ ایک شخص نے **لما یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰر** میں **لَمَّا** شد کے ساتھ پڑھا نماز بغیر کراہت کے درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

نماز درست باشد وبحال سہو وزلت کراہت نیست وحذف جزا برائے دلالت بر عظمت شانش شائع است **قال اللہ تعالٰی فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾**[1] جزا ذکر نفرمود ہمچناں ایں جا تاویل شود کہ **وان منها ما یکون منه شیئ عجیب لمّا یتفجّر منه الانھٰر** بالجملہ	نماز درست ہوگی، بھُول اور پھسل جانے کی صورت میں کراہت نہیں، اس کی عظمتِ شان کے پیشِ نظر جزا کا حذف مشہور ومعروف ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے **فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾** یہاں جزا کو ذکر نہیں فرمایا اسی طرح مذکورہ مقام میں تاویل ہوسکتی ہے کہ

---

[1] القرآن ۳۷/ ۱۰۳

دریں صورت فساد معنی نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم	ان میں بعض وہ ہیں جس سے شیئ عجیب صادر ہوتی ہے کہ جب وہ پھٹتے ہیں تو اس سے نہریں جاری ہوتی ہیں، الغرض اس صورت میں فساد معنی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۱۱: از الہ آباد محلّہ نخاس کہنہ بر مکان دھوم شاہ صاحب مرسلہ محمد ناظم آزاد حقانی مظفر پوری مقیم حال الہ آباد ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ مین کہ نمازِ جمعہ میں امام الحمد کی تین آیتوں سے زیادہ پڑھ چکا ہو اور قرات سے رک گیا ہو پیچھے سے کسی مقتدی نے لقمہ دیا اس نے بجائے لقمہ لینے کے خود سورت کو اعادہ کیا، جس آیت پر رُکا تھا اس آیت کو نکال کر سورت کو پُورا کیا بعد ازاں رکوع وسجود وغیرہ کیا بعد میں لقمہ دینے والے مقتدی سے امام نے کہا کہ تمہاری نماز باطل ہوگئی اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مقتدی کو لقمہ دینا چاہیئے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں لقمہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور صورت مسئولہ یہں مقتدی کی نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:

مقتدی وامام سب کی نماز ہوگئی مقتدی لقمہ دے سکتا ہے اگرچہ امام سَو آیتیں پڑھ چکا ہو یہی صحیح ہے، امام نے جس خیال پر نمازِ مقتدی باطل مانی امام کی خود کب ہوئی، اگر وہ خیال صحیح ہو تو امام کی بھی باطل ہوئی کہ لقمہ دینا کلام ہے اور وہ باجازتِ شرع رکھا گیا، اگر تین آیتوں کے بعد اجازتِ شرع نہ تھی تو مقتدی کی نماز گئی اور اس کے لقمہ دینے سے امام کو یاد آگیا تو اس نے خارج از نماز سے تعلیم پاکر آیت پڑھی اور شروع سورت سے اعادہ کرنا اس یاد دہانی کو باطل نہیں کرسکتا تو امام کی اپنی بھی گئی اور اس کے سبب سے سب کی گئی۔ رہا یہ کہ صرف اس مقتدی کی نماز باطل ہوئی امام وجماعت کی ہوگئی یہ محض باطل ہے اور صحیح وہ ہے کہ سب کی ہوگئی۔ دُرمختار میں ہے:

فتحه علی امامه فانه لا یفسد مطلقا لفاتح واٰخذ بکل حال الا اذا سمعه الموتم من غیر مصل ففتح به تفسد صلاۃ الکل[1]۔	مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینا نماز کے لئے مطلقاً ہر حال میں فاسد نماز نہیں ہوتا، مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ نہ لقمہ دینے والے کی نماز ٹوٹتی ہے اور نہ لینے والے کی اور ہر حال میں اسکا مطلب یہ ہے کہ برابر ہے امام اس قدر بڑھ چکا ہو جس سے نماز درست ہوتی ہے یا نہ پڑھ چکا ہو

[1] دُرمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۰

البتہ اس صورت میں تمام کی نماز فاسد ہوجائے گی جب مقتدی نے کسی غیر نمازی سے سنا اور اپنے امام کو لقمہ دے دیا اور امام نے لے لیا۔(ت) ردالمحتار میں ہے:

قولہ بکل حال ای سواء قرأ الامام ماتجوز بہ الصلاۃ ام لا انتقل الی اٰیۃ اخری ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الاصح نھر، قولہ الا اذا سمعہ المؤتم الخ فی البحرعن القنیۃ یجب ان تبطل صلاۃ الکل لان التلقین من خارج اھ واقرہ فی النھر [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	مصنف کے قول "بکل حال" سے مراد یہ ہے کہ خواہ امام نے اتنی قرات کرلی ہو جس سے نماز ہوجاتی ہے یا نہ کی ہو، وہ کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا یا نہ، خواہ لقمہ بار بار دیا گیا ہو یا نہ، اصح یہی ہے نھر۔ اس کا قول الا اذا سمعہ المؤتم الخبحر میں قنیہ سے ہے کہ تمام کی نماز باطل ہوجانا ضروری ہے کیونکہ اس صورت میں خارج نماز شخص سے تلقین پائی گئی، اور اسے نھر میں چابت رکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۱۲: از ضلع سیونی چھپرہ محلہ قاضی قریب مسجد حنفیہ مرسلہ ظہور الحسن طالب علم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تجوید سے پڑھنا فرض ہے کیونکہ قرآن کا صحیح طور سے پڑھنا فرض ہے، تو صحیح پڑھنا بغیر تجوید کے آہی نہیں سکتا تو اس وجہ سے تجوید بھی فرض ہے بتائیے کہ کون حق پر ہے؟ فقط محمد ظہور الحسن طالب علم

الجواب:

بلاشبہ اتنی تجوید جس سے تصحیح حرف ہو اور غلط خوانی سے بچے فرض عین ہے۔ بزازیہ وغیرہ مین ہے **اللحن حرام بلا خلاف** [2] (لحن بلاخلاف حرام ہے۔ت) جو اسے بدعت کہتا ہے اگر جاہل ہے اسے سمجھا دیا جائے، اور دانستہ کہتا ہے تو کفر ہے فرض کو بدعت کہتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۱۳: جو شخص حافظ ہو قاری نہ ہو اعراب میں غلطی کرتا ہو یعنی زیر کا زبر جے سے **غیر المغضوب** کے غ پر زیر پڑھتا ہو اور ایّاک کے کاف پر زیر پڑھتا ہو نماز مکروہ تحریمی ہوسکتی ہے یا نہیں اور معنی بدلتے ہیں یا نہیں اور داڑھی بھی کترواتا ہے۔ اور مغرور و متکبّر جو جس ہو اپر کھڑا زیر جیسے ربہٖ اس کو آیت پر وقف آجانے پر وقف کے وقت ربہٖ پڑھے یا ربّہ۔

الجواب:

ایّاک نعبد و ایّاک نستعین میں اگر کاف کو زیر پڑھے گا معنی فاسد ہوں گے اور نماز

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ بزازیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح وقراءۃ القرآن الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۷

باطل، غیر المغضوب کے غ کو لوگ زیر پڑھتے بلکہ صحیح ادا پر قادر نہ ہونے کے سبب بُوئے کسرہ پیدا ہوتی ہے اور یہ مفسدِ نماز نہیں، داڑھی کتروانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور مغرور متکبر اس سے بھی بدتر جبکہ وہ علی الاعلان تکبّر سے معروف ومشہور ہو۔ وقف کی حالت میں ربّہ پڑھا جائے گا اور ربّہٖ کوئی چیز نہیں، اور ربّہ میں سنّت یہ ہے کہ محض کسرہ نہ ہو بلکہ خفیف بوئے یا پیدا ہو نہ یہ کہ بالکل ہی اس کا فرق ادا زبان سے سُن کر معلوم ہو سکتا ہے تحریر میں آنے کا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۱۴-۵۱۵: از شہر مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پارہ دوم ۲ نواں رکوع تیسری آیت یعنی كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کو باظہار تنوین پڑھنا چاہئے یا وقف کے ساتھ یعنی واحدۃً یا واحدہ

(۲) اوّل رکعت میں ایک بڑی آیت اور دوسری رکعت میں دو تین چار چھوٹی آیتیں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں جیسے آیت مذکور کو پُوری اوّل رکعت میں پڑھا اور دوسرے میں اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ سے دو ۲ آیتیں وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ تک، تو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

دونوں صورتیں جائز ہیں یہاں علامت قف ہے اوت وصل اولٰی ہے۔

(۲) بے شک جائز بلا کراہت ہے اور یہ صورت خاصہ ان خاص آیتوں سے کہ سورۃ میں لکھی عین عدل ہے کہ یہ دو ۲ آیتیں اُس آیت کے تقریبًا بلکل مساوی ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۱۶: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مولوی احسان علی صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتی ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیت مایجوز بہ صلٰوۃ کتنی مقدار ہے؟

الجواب:

وُہ آیت کہ چھ حرف سے کم نہ ہو اور بہت نے اُس کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی کہ صرف ایک کلمہ کی نہ ہو توان کے نزدیک مُدْهَآمَّتٰنِ اگرچہ پُوری آیت اور چھ ۶ حرف سے زائد ہے جوازِ نماز کو کافی نہیں، اسی کو منیہ وظہیریہ وسراج وہاج وفتح القدیر وبحر الرائق ودرمختار وغیرہا میں اصح کہا اور امام اجل اسبیجابی وامام مالک العلماء ابو بکر مسعود کاشانی نے فرمایا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صرف مدھآمّتٰن سے بھی نماز جائز ہے اور اس میں اصلًا ذکر خلاف نہ فرمایا دُرمختار میں ہے:

اقلها ستة احرف ولو تقديرا كلم يلد	اس آیت کے کم از کم چھ حروف ہوں اگرچہ وُہ

الا اذاکانت کلمۃ فالاصح عدم الصحۃ[1]۔	لفظاً نہ ہوں بلکہ تقدیراً ہوں مثلاً لم یلد (کہ اصل میں لم یولد تھا) مگراس صورت میں کہ جب وُہ آیت صرف ایک کلمہ پر مشتمل ہو تواصح عدمِ صحتِ نماز ہے(ت)

ہندیہ میں ہے:

الاصح انہ لا یجوز کذافی شرح المجمع لابن ملك ،وھکذا فی الظھیریۃ والسراج الوھاج وفتح القدیر[2]۔	اصح یہی ہے کہ اس سے نماز جائز نہیں شرح مجمع لابن مالک میں اسی طرح ہے۔ظہیریہ،السراج،الوہاج اور فتح القدیر میں بھی یوں ہی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو کانت کلمۃ اسمًا او حرفًا نحو مدھامتٰن ص ق ن فان ھذہٖ اٰیات عند بعض القراء اختلف فیہ علی قولہ والاصح انہ لا یجوز لانہ یسمی عادا لا قارئا[3]۔	اگروُہ آیت ایک کلمہ پر مشتمل ہے خواہ اسم ہو یا حرف مثلاً مدھامتٰن ،ص،ق،ن کیونکہ یہ بعض قراء کے نزدیک آیات ہیں ان کے قول پر اس میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ یہ جوازِ نماز کے لئے کافی نہیں کیونکہ ایسے شخص کو قاری نہیں کہا جاتا بلکہ شمار کرنے والا کہا جاتا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں اسے ذکر کرکے فرمایا:

کذا ذکرہ الشارحون وھومسلم فی ص و نحو امافی مدھا متٰن فذکر الاسبیجابی وصاحب البدائع انہ یجوز علی قول ابی حنیفۃ من غیر ذکر خلاف بین المشائخ[4]۔	شارحین نے اسے یوں ہی بیان کیا ہےاور یہ بات ص وغیرہ میں تو مسلم مگرمدھامتٰن کے بارے میں اسبیجابی اور صاحبِ بدائع نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق یہ جوازِ نماز کے لئے کافی ہےاور انہوں نے مشائخ کے درمیان کسی اختلاف کاذکر نہیں کیا۔(ت)

بدائع میں ہے:

فی ظاھر الروایۃ قدر ادنی المفروض	ظاہر الروایہ کے مطابق فرض قرأۃ کی مقدار کم از کم

[1] درمختار فصل ویجھر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۶۹

[3] فتح القدیر شرح الہدایۃ، فصل فی القرأۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۲۸۹

[4] البحرالرائق شرح کنزالدقائق فصل واذااراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۳۸

بالاٰیة التامة طویلة کانت اوقصیرة کقوله تعالٰی مدھامّٰتن وماقاله ابوحنیفة اقیس [1]۔	ایک مکمل آیت ہے وہ آیت لمبی ہو یا چھوٹی۔ جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے مدھامّٰتن اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے جو کچھ فرمایا ہے وہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔(ت)

اقول: اظہر یہی ہے مگر جبکہ ایک جماعت اُسے ترجیح دے رہی ہے تو احتراز ہی میں احتیاط ہے خصوصًا اس حالت میں کہ اس کی ضرورت نہ ہوگی مگر مثل فجر میں جبکہ وقت قدر واجب سے کم رہا ہو ایسے وقت ثم نظر کہ بالاجماع ہمارے امام کے نزدیک ادائے فرض کو کافی ہے **مدھامّٰتن** سے جلد ادا ہوجائے گا کہ اس میں حرف بھی زائد ہیں اور ایک مد متصل ہے جس کا ترک حرام ہے، ہاں جسے یہی یاد ہو اُس کے بارے میں وُہ کلام ہوگا اور احوط اعادہ۔ **واللہ تعالٰی۔**

مسئلہ نمبر ۵۱۷: مسئولہ احسان علی مظفرپوری طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی بتاریخ ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیت (ۃلا) پر ٹھہرنا یا رکوع یا وقف کرنا کیسا ہے کیا قباحت ہے اگر جس آیت پر (لا) ہے اُس پر رکوع کردیا تو جائز ہے یا نہیں، مثلًا اُوپر سے پڑھتا آیا اور **صم بکم عمی فھم لا یرجعون** پر رکوع کردیا تو جائز ہے یا کچھ حرج بھی ہے؟

الجواب:

ہر آیت پر وقف مطلقًا بلاکراہت جائز بلکہ سنت سے مروی ہے، رہا رکوع اگر معنی تام ہوگئے جیسے آیت مذکورہ میں اس کے بعد دوسری مستقل تمثیل ارشاد ہے جب تو اصلًا حرج نہیں، اگر معنی بے آیت آئندہ کے ناتمام ہیں تو نہ چاہئے خصوصًا امثال فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴﴾ میں نہایت قبیح ہے اور ثُمَّ رَدَدۡنٰہُ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ ۙ﴿۵﴾ میں قبیح اس سے کم ہے نماز بہرحال ہوجائے گی۔

مسئلہ نمبر ۵۱۸: ازمانیاوالا ڈاکخانہ قاسم پور گڈھی ضلع بجنور مرسلہ سیّد کفایت علی صاحب ۵ ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے پہلی رکعت میں **قل اعوذ برب الناس** پڑھی دوسری میں **قل اعوذ برب الفلق** پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کیا اس مسئلہ کا حکم بیان فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

[1] بدائع الصنائع فصل فی ارکان الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۱۲

الجواب:

اگر بھول کر ایسا کیا نماز میں حرج نہیں اور سجدہ سہو نہ چاہئے تھا اور قصداً ایسا کیا تو گنا ہگار ہوگا نماز ہو گئی سجدہ سہو اب بھی نہ چاہئے تھا توبہ کرے، پہلی میں اگر سورہ ناس پڑھی تھی تو اُسے لازم تھا کہ دوسری میں بھی سورہ ناس ہی پڑھتا کہ فرض کی دونوں رکعتوں میں ایک ہی سُورت پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے اور ترتیب اُلٹا کر پڑھنا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۱۹: از بیکانیر مارواڑ محلّہ مہاوتان مرسلہ قاضی تمیز الدین صاحب ۹ ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۸ھ

میں نے ایک معلم صاحب کی زبانی سنا ہے کہ نماز میں تین آیت شریف سے کم مضمون پڑھا جائے گا یعنی دو ۲ آیت شریف پڑھی جائے گی تو نماز نہیں ہوگی اگر غلطی سے پڑھی گئی تو نماز دہرانا چاہئے۔ ایک امام نے پہلی رکعت میں ایک رکوع پڑھا دوسری رکعت میں **وَاِنۡ يَّكَادُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَيُزۡلِقُوۡنَكَ بِاَبۡصَارِهِمۡ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكۡرَ وَيَقُوۡلُوۡنَ اِنَّهٗ لَمَجۡنُوۡنٌ ۝۵۱** تو قبلہ وکعبہ یہ دوسری رکعت میں جو پڑھا گیا وُہ میں نے لکھا ہے یہ صرف دو آیت شریف ہیں آیا نماز صحیح ہو گئی یا نہیں یا دُہرانا پڑے گی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز مین ایک آیت پڑھنا فرض ہے مثلاً **الحمد للہ رب العٰلمین** اس کے ترک سے نماز نہ ہوگی اور پُوری سورہ فاتحہ اور اس کے بعد تین آیتیں چھوٹی یا ایک آیت تین چھوٹی آیتوں کے برابر ہو پڑھنا واجب ہے، اگر اس میں کمی کرے گا نماز تو ہو جائے گی یعنی فرض ادا ہو جائے گا مکروہ تحریمی ہوگی، بھول کر ہے تو سجدہ سہو واجب ہوگا اور قصداً ہے تو نماز پھیرنی واجب ہوگی، اور بلا عذر ہے تو گناہگار بھی ہوگا مثلاً تین آیتیں ہیں **ثُمَّ نَظَرَ ۝۲۱ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝۲۲ ثُمَّ اَدۡبَرَ وَاسۡتَكۡبَرَ ۝۲۳** [1] یا یہ **اَلرَّحۡمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۝۲ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۝۳** [2] ظاہر ہے کہ وہ دو۲ آیتیں وان یکاد الذین کفروا بلکہ اس میں کی پہلی ہی آیت ان تین چھوٹی آیتوں سے بڑی ہے تو نماز مع واجب ادا ہو گئی دُہرانے کی حاجت نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۲۰: ۲۴ ربیع الاوّل شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

---

[1] القرآن ۷۴/ ۲۱، ۲۲، ۲۳

[2] القرآن ۵۵/۱

(۱) امام کو قرأت میں مغالطہ لگا اور امام ایک آیت کلاں یا ایک چھوٹی تین آیت سے زیادہ پڑھ چکا ہے باوجود اس کے کوئی مقتدی امام کو لقمہ دے اور بتادے تو امام کو لقمہ لینے یا مقتدی کو لقمہ دینے میں کوئی نماز میں فساد یا نقصان نہ آوے گا؟

(۲) امام کو تشابہ لگا اور اوپر کی دو ایک آیت کو لوٹایا اور دُہرایا تو اس صورت میں دُہرانے سے نماز میں کچھ خلل تو نہ آئے گا؟ اور آئے گا تو کیا سجدہ سہو کرنے سے جبر نقصان ہو جائیگا یا نہیں؟

الجواب:

کسی کے نماز میں صحیح بتانے سے کچھ فساد نہ آئے گا اگرچہ ہزار آیتیں پڑھ چکا ہو دہرانے سے کچھ نقصان نہیں، ہاں اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر چُپکا کھڑا رہا تو سجدہ سہو آتا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۲۲: از ریاست رام پور دُکان ملّا حمید محلّہ کنڈہ مرسلہ محمد اسد الحق صاحب ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ **قل ھو اللہ احد** میں دال پر تنوین ہے اس کو کسرہ دے کر مابعد سے وصل کرکے نماز میں پڑھے، ہو گئی یا نہیں؟ اور گناہ تو نہیں؟ ضروری ہے یا جائز یا منع؟

الجواب: نون تنوین کو کسرہ دے کر لام میں ملا کر پڑھنا جائز ہے کوئی حرج نہیں، نہ اس سے نماز میں کوئی خلل، اور یہاں وقف بھی ج کا ہے جو وصل کی اجزت دیتا ہے۔ **و ھو اللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۲۳: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ امام مسجد جامع ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام قرأت میں **مما قالوا و کان عند اللہ وجیھا** کی جگہ **وکان** الخ پڑھ جائے تو نماز درست ہو گی یا نہیں مگر اوّل **مما قالو** پڑھا پھر خیال ہو کہ **کانوا** ہے۔

الجواب:

کہ نماز ہر طرح ہو گئی کہ فساد نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں راجکوٹ میں الرحمٰن پڑھتے ہیں اور ۲۰ رکعت تراویح سورۃ الرحمٰن میں ختم کرتے ہیں پہلی رکعت میں چار آیت اور دوسری میں دو آیت تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

یو سولھویں رکعت میں یہ دونوں آیتیں واقع ہوں گی **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾ ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿۴۸﴾** بہتر یہ ہے کہ ان کے ساتھ ایک آیت اور ملائے جائے کہ ان میں صرف ستائیس حروف ہیں اور ردالمحتار میں

کم از کم تیس حرف درکار بتائے وان کان فیه کلام بیناہ علی ھامشه مع ان المروات فیهما ثلثون (اگرچہ اس میں کلام ہے جیسے ہم نے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کیا گیا ہے علاوہ ازیں ان آیات میں مفردات تیس ۳۰ ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۲۵: ازنوشہرہ تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازنوں مرسلہ عبدالغفور صاحب ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی نمازِ ظہر و عصر میں جو قرات باجہر نہیں پڑھی جاتی باقی شام اور عشاء و فجر کی نماز میں بالجہر پڑھی جاتی ہے اس کی وجہ اور رموزات سے مطلع فرمایئے؟

الجواب:

یہ احکام ہیں بندے کو حکم ماننا چاہیئے حکمت کی تلاش ضرور نہیں۔اس کے دو ۲ سبب بتائے جاتے ہیں ایک ظاہری کہ کفار قرآن عظیم سُن کر بیہودہ بکا کرتے تھے ظہر و عصر دونوں ان کی بیداری کے تھے اس لئے ان میں قرات خفی کوئی کہ وہ سُن کر کچھ بکیں نہیں، فجر و عشاکے وقت وہ سوئے ہوتے تھے اور مغرب کے وقت کھانے میں مشغول، لہٰذا ان میں قرات بالجہر ہوئی، مگر یہ سبب چنداں قوی نہیں۔دوسرا سبب صحیح و قوی باطنی وہ ہے جو ہم نے اپنے رسالہ انہار الانوار میں ذکر کیا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۲۶: ازشہر کہنہ محلّہ کانکرٹولہ مسئولہ ننھے خان صاحب ۱۵محرم ۱۳۳۹ھ

قرات کتنی فرض ہے اور واجب اور سنّت اور مستحب کہاں تک؟

الجواب:

قرات ایک آیت فرض ہے اور الحمد اور اس کے بعد اُس کے متصل ایک بڑی آیت یا تین آیتیں چھوٹی پڑھنا واجب، اور فجر و ظہر میں حجرات سے بروج تک دونوں رکعتوں میں دو ۲ سورتیں، اور عصر و عشاء میں بروج سے لم یکن تک، اور مغرب میں لم یکن سے ناس تک سنّت، یا ان کی مقدار دوسرے مقام سے، اور جماعت میں کوئی مریض یا ضعیف وغیرہ ایسا ہو کہ طویل سے مشقّت ہوگی تو اسکے حالت کی رعایت واجب اور نوافل میں جس قدر تطویل اپنے اوپر شاق نہ ہو مستحب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۲۷: ازشہر محلّہ ملوکپور مسئولہ شفیق احمد خان صاحب ۲۶محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہر نماز میں کتنی مرتبہ اور کس کس مقام پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

سورہ فاتحہ لے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سنّت ہے اور اس کے بعد اگر کوئی

سورت اوّل سے پڑھے تو اس پر بسم اللہ کہنا مستحب ہے اور کچھ آیتیں کہیں اور سے پڑھے تو اس پر کہنا مستحب نہیں، اور قیام کے سوا رکوع و سجود و قعود کسی جگہ بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں کہ وہ آیہ قرآنی ہے اور نماز میں قیام کے سوا کسی جگہ کوئی آیت پڑھنی ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۲۸: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ مولوی احسان علی مرحوم کا طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اوّل رکعت میں ایک رکوع یا سورہ پڑھی دوسری رکعت میں اگر اس سے مقدم کی سورہ یا رکوع زبان پر سہواً جاری ہو جائے تو اس کو پڑھے یا مؤخر کی سورہ یا رکوع پڑھے اس کو چھوڑ کر، اگر پڑھ کر نماز تمام کرلی تو ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زبان سے سہواً جس سورہ کا ایک کلمہ نکل گیا اسی کا پڑھنا لازم ہو گیا مقدم ہو خواہ مکرر، ہاں قصداً تبدیلِ ترتیب گناہ ہے اگرچہ نماز جب بھی ہو جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۲۹: از تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ مسئولہ محمد حسین محرر جوڈیشل ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ایک مسئلہ پر بحث درپیش ہے اور آپس میں مباحثہ لفظی ہو رہا ہے وہ یہ کہ امام نے بوقتِ نمازِ مغرب رکعت اوّل میں سورہ دھر قرأت کی اور اس قدر پڑھا اور سہو ہو گیا پھر رکوع کر دیا

وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِیْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ نشانی آیت پر حرف لا موجود ہے امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس قدر قرأت پڑھنے سے نماز ہو گی یا نہیں؟

الجواب:

نماز بے تکلف بلا کراہت ہو گئی، تین آیات کی قدر واجب ادا ہو جاتا ہے اور یہ تو پندرہ آیتیں ہو گئیں بلکہ مغرب میں اتنی تطویل مناسب بھی نہ تھی کہ اس میں قصار مفصل یعنی لم یکن سے آخر تک ہر رکعت میں ایک سورت پڑھنے کا حکم ہے یہ اُس سے زائد ہو گیا، تنویر و درمختار میں ہے:

یسن فی الحضر الامام ومنفرد طوال المفصل فی الفجر والظهر واوساطه فی العصر والعشاء و قصاره فی المغرب ای فی کل	(مقیم ہونے کی صورت میں امام و منفرد دونوں کی) نمازِ فجر اور ظہر کی نماز میں طوال مفصل اور عصر و عشاء میں اوساط مفصل اور نمازِ مغرب میں قصار مفصل پڑھنا مسنون ہے یعنی ہر رکعت میں

رکعة سورة [1]۔	ایک سورة ان سورتوں میں سے جو مذکور ہوئےں پڑھے(ت)

دُرمختار میں ہے:

من الحجرات الی اٰخری البروج ومنھا الٰی اٰخر لم یکن اوساطه وباقیه قصاره [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	حجراتا(سے آخر بروج تک طوال مفصّل اور سورتوں کا بقیہ حصہ قصار مفصل کہلاتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۳۰: از محلّہ سوداگران مدرسہ منظر الاسلام ۱۷جمادی الثانی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو تین آیتوں کے بعد غلطی ہوئی معنٰی بگڑ گیا جبکہ سورہ یوسف شریف میں چار آیت بعد رَأَیْتُهُمْ کی جگہ رَأَیْتَهُمْ پڑھا اس حالت میں نماز ہو گئی یا نہیں؟

الجواب فسادِ معنی اگر ہزار آیت کے بعد ہو نماز جاتی رہے گی، مگر یہاں رایئتھم میں ت کا زبر پڑھنا مفسدِ نماز۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۳۱: از ہ.بروگ مسئولہ محمد علی ۶رجب المرجب پنجشنبہ ۱۳۳۶ھ

قبلہ وکعبہ جناب مولوی صاحب دام اظلالکم، السلام علیکم بعد اوائے آداب دست بستہ تسلیمات گزارش خدمت میں یہ ہے کہ نمازِ ظہر وعصر کے وقت امام کے پیچھے مقتدی کو حسبِ معمول پڑھنا چاہئے یا سکوت واجب ہے؟

(۲) نمازِ مغرب وعشاء کے فرضوں کی ادائیگی میں مقتدی کو چاروں رکعتوں میں سکوت لازم ہے یا اوّل کی دو۲ میں اور آخری دو میں نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

مطلقًا کسی نماز کی کسی رکعت میں مقتدی کو قرأت اصلاً جائز نہیں نہیں قطعًا خاموش کھڑا رہے، صرف سبحٰنك اللھم شامل ہوتے وقت پڑھے جبکہ امام نے قرأت بجہر شروع نہ کی ہو۔دُرمختار میں ہے:

المؤتم لایقرأ مطلقا ولا الفاتحة فی	مقتدی مطلقًا قراءت نہ کرے نہ جہری نماز میں نہ

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبر مجتبائی دہلی ۸۹/۱

[2] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبر مجتبائی دہلی ۸۹/۱

السریۃ اتفاقا بل یستمع اذاجھر وینصت اذا اسر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	سری نماز میں، اور نہ ہی سری نماز میں فاتحہ بالاتفاق (یعنی اس پر ائمہ ثلثہ کا اتفاق ہے) بلکہ جب امام جہرًا پڑھے تو سُنے اور جب امام سِرًّا پڑھے تو مقتدی چُپ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۳۳، ۵۳۴: از ہزار ضلع بلذانہ اسٹیشن بسوہ متعلق ملکہ پور مسئولہ سراج الدین ۱۳رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) آیت قرآن شریف کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نماز میں پڑھنے کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

(۲) سورۂ یٰسٓ شریف میں سلم قول کی جگہ سلام قولا پڑھنا یا سلام پر آیت کرنا صحیح کس طرح پر ہے؟

الجواب:

(۱) سائل نے صاف بات نہ لکھی کہ ٹکڑے کرنے سے کیا مراد ہے، اگر آیت بڑی ہے اور ایک سانس میں نہیں پڑھ سکتا تو جہاں سانس ٹوٹ جائے مجبورًا وقف کرے گا موقع موقع پر ٹھہرتا ہوا چلا جائے گا، ہاں بلاضرورت بے موقع ٹھہرنا خلافِ سنت ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دونوں صحیح اور دونوں جائز ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۳۵: از جے پور بیرون اجمیری دروازہ مکان عبدالواحد خان مسئولہ حامد حسین قادری ۱۴رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کا خیال ہے کہ عام لوگ تکبیر انتقال نماز میں اللہ اکبر کی را کو اس قدر کھینچتے ہیں کہ اُس کی وجہ سے نماز میں نقصان واقع ہوتا ہے اللہ اکبر کی را کو اس طرح خارج کرنا کہ عام لوگ بجائے رکے دال محسوس کریں کیسا ہے؟

الجواب:

اکبر میں رکو ڈپڑھنا مفسد نماز ہے کہ فسادِ معنی ہے، اور یہ بات کہ وہ رپڑھتا اور سب سننے والے دسنتے ہیں بہت بعید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۳۶: از شہر ممباسہ ضلع مشرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اول رکعت میں سورہ کٰفرون پڑھی دوسری میں

---

[1] درمختار، فصل ویجہر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۱

کوثر کی ایک آیت پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر اخلاص پڑھی، ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور نماز میں کچھ خلل واقع ہوگا یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز تو ہوگئی مگر ایسا کرنا ناجائز تھا، جس سورت کا ایک لفظ زبان سے نکل جائے اُسی کا پڑھنا لازم ہوجاتا ہے خواہ وہ قبل ہو یا بعد کی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۳۷: از مانا دوارہ کاٹھیاواڑ مرسلہ ماسٹر اسمٰعیل صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

نماز مین قرآن شریف اس طرح پڑھنا کہ اول میں **الم ترا**، دوسری میں **قل ھو اللہ**، تیسری میں **لا یلف**، چوتھی میں پھر **قل ھو اللہ** مکرہ تنزیہی ہے یا نہیں حالانکہ **لایلف** اور پھر ترتیب وار بھی پڑھ سکتا ہے۔

الجواب:

نوافل میں مکروہ نہیں کہ اس کی ہر دو رکعت نماز علیحدہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۳۸: از دھمی پور ضلع بیہڑی مرسلہ مستقیم خان ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی حافظ مسجد میں تراویح میں کلام مجید صحیح پڑھتا ہو اور اچانک اس کے پیچھے دُوسرا کوئی حافظ اس کو بہکانے آجائے تو ایسا کرنا اور نماز میں آکر فساد ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر فی الواقع اس نے دھوکا دینے اور نماز خراب کرنے کے لئے قصداً غلط بتایا تو سخت گناہِ عظیم میں مبتلا ہوا اور شرعاً سخت سزا کا مستحق ہے، ایسے لوگ مسجد میں آکر فساد ڈالیں اور ناجائز غل مچائیں اور بلاوجہ فوجداری پر آمادہ ہوں جیسا کہ سائل نے بیان کیا موذی ہیں اور موذی کی نسبت حکم ہے کہ اُسے مسجد میں نہ آنے دیا جائے **کما نص علیہ العلامۃ البدر العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری وعنہ فی الدر المختار** وغیرہ (جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں تصریح کی ہے اور اس کے حوالے سے درمختار وغیرہ میں بھی مذکور ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۳۹: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چہ می فرمایند جوہر شناسان نکات فرقانی و دقیقہ رسان علم حبیب رحمانی اندریں باب کہ امام در قرأت نمازِ	قرآنی نکات اور حبیبِ خدا کے ارشادات عالیہ سے آگاہ وواقف اہلِ علم ودانش اس بارے میں

مغرب و خفتن و فجر و جمعہ و عیدین درمیان قرأت سہ آیۃ یا زائد از سہ آیۃ سہو کرد و مقتدی او رامیان نماز مذکورہ بالا لقمہ داد و مقتدی خود گرفت نماز امام و مقتدی درست شد یا نہ۔ بینوا توجروا	کیا فرماتے ہیں کہ امام نماز مغرب، عشاء، فجر، جمعہ اور عیدین میں قرأت کرتے ہوئے تین آیات سے زائد پڑھ کر بھول گیا ایسی صورت میں مقتدی نے لقمہ دیا اور امام نے اس کا لقمہ قبول کرلیا تو امام اور مقتدی کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صحیح است مطلقاً در ہر نماز و بہر حال اگرچہ بعد سہ آیت باسد ہمیں است قول صحیح الدر المختار فتحه علی امامه لایفسد مطلقا بفاتح واٰخذ بکل حال[1] الخ فی ردالمحتار ای سواء قرأ الامام قدر مایجوز به الصلٰوۃ ام لا انتقل الی اٰیة اخری ام لا تکرر ام لاهو الاصح نهر[2] والله سبحٰنه تعالٰی اعلم۔	نماز مطلقاً درست ہے ہر نماز میں ہر حال میں رضی اللہ عنہ لقمہ اگرچہ وُہ تین آیات کے بعد ہو درست اور صحیح قول یہی ہے۔ دُرمختار میں ہے امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوتی نہ لقمہ دینے والے کی اور نہ لینے والے کی ہر حال میں الخ ردالمحتار میں ہے خواہ امام نے اتنی قرأت کرلی ہو جس سے نماز ہوجاتی ہے یا نہ کی ہو امام کسی اور آیت کی طرف منتقل ہوچکا ہو یا نہ ہوا ہو، لقمہ بار بار ہو یا نہ ہو، اصح یہی ہے نہر۔ والله سبحٰنه تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۴۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا اناشانئك یابله، کولاہ یالهم کولاهم مغفرة باشباع فتحہ یا الحمد لله الحمد لیله باشباع کسرہ یاقل کوقول باشباع ضمہ پڑھنا عمداً یا سہواً مفسد صلٰوۃ ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عمداً گناہِ عظیم ہے اور سہواً معاف اور فسادِ نماز کسی حالت میں نہیں لان الاشباع لغة مرقوم من العرب کالاکتفاء عن المدة بالحرکة کما نص علیه فی الغنیة و غیرها (کیونکہ اشباع عرب کی معروف لغت ہے جیسا کہ مدہ کی جگہ حرکت پر اکتفا کیا جاتا ہے غنیہ اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) والله تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۰

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶۰

مسئلہ نمبر ۵۴۱: مسئولہ احمد شاہ صاحب از موضع نگریا سادات ضلع بریلی یکم ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اگر امام نماز پڑھاتا ہو اور وُہ کسی صورت میں درمیان کے دو ایک لفظ چھوڑ گیا ہو تو وہ نماز صحیح ہو گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ان کے ترک سے معنی نہ بگڑے تو صحیح ہو گی ورنہ نہیں، پھر اگر یہ سورۃ فاتحہ ہے تو اس میں مطلقًا کسی لفظ کے ترک سے سجدہ سہو واجب ہوگا جبکہ سہوًا ہو ورنہ اعادہ۔ اور اور کسی صورت سے اگر لفظ یا الفاظ متروک ہوئے اور معنی فاسد نہ ہوئے اور تین آیت کی قدر پڑھ لیا گیا تو اس چھوٹ جانے میں کچھ حرج نہیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۴۲: مسئولہ مولوی عبدالجلیل صاحب متوطن بنگال ۱۵ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو ۲ رکعت فجر کی فرض پڑھائی بعد الحمد شریف کے ضم سورت میں کسی لفظ کو تین مرتبہ تکرار کیا بوجہ مشتبہ ہونے کے، اب اس کی نماز شرعًا درست ہے یا نہیں؟ اگر اُس کا بقول شخصے اعادہ کیا جائے اگر لوگ آکر اقتدا کریں بعد والوں کی نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

لفظ کے تکرار سے نماز میں فساد نہیں آتا اعادہ میں جو نئے لوگ ملیں گے ان کی نماز نہ ہو گی **لانھم مفترضون خلف متنفل** (کیونکہ وہ نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض ادا کر رہا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۴۳، ۵۵۴: از جنوبی افریقہ ٹرنسوال مقام کروگرس ڈروپ بکس نمبر ۳۳ مرسلہ ایم ایم داؤد احمد موسٰی جی سالوجی ۱۴ رمضان ۱۳۳۶ھ

اوّلًا تحریر حال ملک ٹرنسوال کرتاہوں کہ اسئلہ ذیل کے جواب میں سہولت ہو یہاں پر حکومتِ کفار ہے اور یہاں کے باشندے بھی کفّار ہیں، ہاں کچھ لوگ مسلمان شافعی المذہب بھی ہیں باقی مسلمان انڈیا کے تاجر وغیرہ ہیں مگر مجموعہ مسلمان کفار کی نسبت بہت کم ہیں، گاؤں کا تو میں ذکر نہیں کرتا مگر اس ملک کے شہرں میں تخمینًا مفصلہ ذیل تعداد ہو گی کسی جگہ دس ۱۰ بیس ۲۰ کسی جگہ تیس ۳۰ چالیس ۴۰ کسی جگہ اسی ۸۰ سو ۱۰۰ سوائے ایک شہر کے میرے خیال کے موافق کہیں چار سو ۴۰۰ پانچ سو ۵۰۰ کا مجمع نہ ہوگا، مساجد کا یہ حال ہے کہ کہیں تو کرایہ میں مکان لیا ہوا ہے اور اُس میں نمازِ جمعہ و عید ادا کی جاتی ہے اور کسی جگہ مسجد ہے مگر بوجہ قلّت وہ بھی نہیں بھرتی البتہ ایک جگہ تین مسجدیں ہیں اور مسلمانوں کی جماعت بڑی ہے تخمینًا پانچ سو ۵۰۰ سے کم نہ ہو گی نماز جمعہ و عید سب جگہ ادا کی جاتی ہے عید کے موقع پر گاؤں کے مسلمانان وُہ شریک نماز ہو کر تعداد بڑھا دیتے ہیں میرے علم میں یہاں کبھی اسلامی حکومت نہیں ہوئی اور حکام کی طرف سے کوئی حکم شرعی یہاں جاری نہیں مگر نمازِ جمعہ و عید کو منع نہیں کرتے جس جگہ کے لئے یہ تحریر کی جاتی ہے وہ بھی شہر ہے اور ایک مسجد بھی ہے تعداد مسلمانان

ساٹھ ستّر سے زیادہ نہیں مسجد نہیں بھر سکتی مگر عید کے موقع پر گاؤں والے شریک ہوتے ہیں اور مسجد بھر جاتی ہے۔

(۱) جمعہ کی ادا کے لئے شہر شرط ہے یا نہیں؟

(۲) شہر کس کو کہتے ہیں اکبر مساجد کی تعریف روایت مذہب ہے یا نہیں؟

(۳) جب قدرت اجرائے حدود شرط ہے اور بالفعل ضرور نہیں تو توانی کی وجہ سے تعریف مذکور کو اختیار کرنا اور ظاہر مذہب کو ترک کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

(۴) علمائے حنفیہ کے اختلاف کی وجہ سے احتیاطی ظہر تجویز ہوئی مگر جہاں حنفی مذہب کے موافق تحقیق شروط نہ ہو اور دیگر مذاہب کے موافق ہو وہاں کیونکر جائز نہیں۔ خروج اختلاف کی علت دونوں جگہ موجود ہے اعنی وہاں بھی جمعہ اور احتیاطی ظہر پڑھ لینا چاہئے؟

(۵) کل موضع لہ امیر و قاض الخ (ہر وہ مقام جہاں کوئی ایسا امیر اور قاضی ہو الخ۔ت) سے استدلال عدم جواز جمعہ دار حرب پر ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۶) کیفیتِ مذکور کی رو سے کہاں جمعہ جائز ہے اور کہاں نہیں؟

(۷) جہاں ناجائز ہے انھیں منع کیا جائے یا نہیں، اور ان کی ظہر کا کیا حکم ہے؟

(۸) جہاں بادشاہ مسلمان نہ ہو وہاں جمعہ کا کیا حکم ہے اور حکومت کفار میں جمعہ کیوں جائز ہے؟

(۹) یہ ملک دارِ حرب ہے یا نہیں؟

(۱۰) دارِ حرب کی کیا تعریف اور کس طور سے دارِ حرب دارِ اسلام بنتا ہے اور دارِ اسلام دارِ حرب بنتا ہے؟

(۱۱) جہاں شروطِ جمعہ نہ پائے جائیں وہاں عید کی نماز کا کیا حکم، اگر جائز نہیں تو پڑھ لینے سے کیا خرابی ہے اگر اپنے مذہب کے طور پر واجب نہیں تو دوسرے مذہب مثل شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے تو واجب ہے اور خروج عن الاختلاف ہو جائے گا؟

(۱۲) ہماری جگہ شہر گنا جاتا ہے اور ایک مسجد ہے مصلی باشندے اسے بھر نہیں سکتے، یہاں جمعہ کا کیا حکم ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

جمعہ کے لئے ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اتفاق واجماع سے شہر شرط ہے شہر کی صحیح تعریف مذہب حنفی میں یہ ہے جو خود امامِ مذہب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمائی، وہ آبادی جس میں متعدد محلّے اور دوامی بازار ہوں اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو اُس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم بااختیار ایسا ہو کہ اپنی شوکت اور اپنے یا دوسرے کے علم کے ذریعہ سے مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔

امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء اور امام مالک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع میں اسی کی تصریح فرمائی۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے:

صرح فی تحفة الفقهاء عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها والٍ یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمة وعلمه او علم غیره یرجع الناس الیه فیما یقع من الحوادث و هذا هو الاصح[1]۔	تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے تصریح ہے کہ بڑے شہر سے مراد وہ آبادی ہے جس میں محلے اور بازار ہوں، اس کے متعلق کچھ دیہات ہوں، وہاں کوئی ایسا بااختیار شخص ہو جو اپنی حشمت اور علم یا دوسرے کے علم کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاسکے اور لوگ حوادثات کی صورت میں اس کی طرف رجوع کریں اور یہی اصح ہے۔ (ت)

کتبہ جلیلہ معتمدہ میں ظاہر الروایہ یعنی مذہب مہذب حنفی سے بالالفاظِ مختلفہ جتنی نقول ہیں سب کا مآل یہی ہے مثلاً ہدایہ و متنِ کنز میں فرمایا:

هو کل موضع له امیر وقاض ینفذا الاحکام ویقیم الحدود[2]۔	ہر وہ مقام جہاں کوئی ایسا امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ کرسکے اور حدود کا اجرا کرسکے۔ (ت)

اس میں سکک واسواق و رساتیق کا ذکر نہیں اور عبارت آتیہ غیاثیہ میں بجائے سکک جماعات ہیں اور رساتیق مذکور نہیں، اُسی کی دوسری عبارت میں فتاوٰی سے رساتیق کا ذکر فرمایا سکک واسواق کو ترک کیا کہ

فی الفتاوی الوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع والقریة کبیرة لها قری وفیها وال وحاکم جازت الجمعة بنوا المسجد اولم یبنوه وان کان بخلاف ذلك لایجوز وهذا قول ابی القاسم	فتاوٰی میں ہے اگر کسی نے قریہ میں بغیر جامع مسجد کے جمعہ پڑھا اور قریہ اتنا بڑا ہو جس کے کچھ دیہات ہوں اور اس میں کوئی حاکم و والی بھی موجود ہو تو نمازِ جمعہ درست ہوگی خواہ وہ مسجد بنائیں یا نہ بنائیں، اور اگر اس کے خلاف ہو تو جمعہ درست نہ ہوگا یہ شیخ ابوالقاسم الصفار

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰
[2] کنزالدقائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۴۷

الصفار و هذا اقرب الاقاویل الی الصواب [1]۔	کے قول کے مطابق ہے اور تمام اقوال میں سے یہ رائے صواب کے زیادہ قریب ہے۔(ت)

اور محصل ایک ہے کہ عادۃً والی و قاضی ایسی جگہ ہوتے ہیں جس میں آبادی کثیر ہو اور اسے تعدد محلّہ ووجود اسواق لازم اور ہر گاؤں میں نیا حاکم مقرر کرنا نہ معہود ہے نہ متیسر بلکہ گرد وپیش کے دیہات آبادی کبیر کے حاکم کے متعلق کردئے جاتے ہیں اسے ضلع یا کم از کم پرگنہ ہونا لازم، غنیہ میں ہے:

صاحب الهداية ترك ذكر السكك والرساتيق بناء علی الغالب اذالغاب ان الامیر والقاضی شانه القدرة علی تنفیذ الاحکام واقامة الحدود لایکون الا فی بلد کذلك فالحاصل ان اصح الحدود ما ذکره فی التحفة لصدقة علی مکة والمدینة وانهما الاصل فی اعتبار المصرية [2]۔	صاحبِ ہدایہ نے محلوں اور بازاروں کا ذکر اس لئے ترک کیا کہ غالب یہی ہے کہ ایسے حاکم اور قاضی جو احکام کا نفاذ اور حدود کا قیام کرسکتے ہیں وہ ایسے شہر میں ہی ہوتے ہیں جو بڑا ہو، حاصل یہ ہے کہ تحفہ میں بیان کردہ شہر کی تعریف اصح ہے کیونکہ وہ مکّہ اور مدینہ پر صادق آتی ہے اور شہر ہونے میں یہ دونوں اصل ہیں۔(ت)

پھر ظاہر ہے کہ ان کتب میں تنفیذ واقامت سے قدرت مراد ہے کہ حاکم کا خلافِ حکم حکم کرنا شہر کو شہر ہونے سے خارج نہیں کرتا ولہذا علامہ محقق ابراہیم حلبی نے اسی سے پہلے غنیہ میں فرمایا:

الحد الصحیح ما اختاره صاحب الهداية انه الذی له امیر وقاض ینفذالاحکام ویقیم الحدود والمراد القدرة علی اقامة الحدود ماصرح به فی تحفة الفقهاء عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه [3]۔	صحیح تعریف وُہ ہے جسے صاحب ہدایہ نے اختیار کیا ہے وُہ یہ ہے کہ ایسا شہر ہو جس میں حاکم و قاضی ہو جو احکام کا نفاذ اور حدود کا قیام کرے اور اس سے مراد قیامِ حدود پر قدرت ہے جیسا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے منقول ہے(ت)

امام اکمل نے عنایہ میں فرمایا: المراد بالامیر وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم [4]۔ (امیر سے

[1] فتاوٰی غیاثیہ، باب الجمعۃ وشرائطہا، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۹
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰
[4] العنایۃ مع فتح القدیر، باب صلٰوۃ الجمعۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر، ۲/۲۴

ایسا والی مراد ہے جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو۔ت) اسی طرح در مختار میں بلفظ یقدر تعبیر کیا اور خود نص امام مذہب سے اُس کی تصریح گزری۔ لہٰذا امام شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں یوں تعبیر فرمایا:

ظاہر المذہب (عندنا) ان یکون فیه سلطان وقاضی لاقامة الحدود وتنفیذ الاحکام[1]۔	(مصر جامع کی تعریف میں) ہمارے ہاں ظاہر مذہب کے مطابق وہاں اقامت حدود اوراحکام کے نفاذ کے لئے کسی حاکم یا قاضی کا ہونا ضروری ہے(ت)

پھر ہدایہ وغیرہا میں امیر و قاض اور مبسوط میں سلطان و قاضدو لفظ ہیں کہ عادۃً والی شہر اور ہوتا ہے اور وہ قاضی مقرر کرتا ہے اور مقصود فیصلہ مقدمات ہے و لہٰذا امام مذہب نے ذکر والی پر اقتصاد فرمایا اور وہی سلطان سے مراد اس پر اس حدیث سے استناد اربع الی الولاۃ منها الجمعة[2] (چار چیزیں حکمرانوں کی ذمی داری ہے ان میں سے ایک جمعہ ہے۔ت) جواہر خلاطی وغیرہ میں نائب والی بھی اضافہ فرمایا کہ وفیها وال اونائبه یقدر علی انصاف المظلوم الی قوله وھو الاصح[3] (وہاں والی یا اس کا ایسا نائب ہو جو مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو، آگے چل کر فرمایا اور یہی اصح ہے۔ت) اور علّامہ قاسم نے تصحیح القدوری پھر علامہ حصکفی میں در منتقی پھر علامہ شامی نے ردالمحتار میں کہا: یکتفی بالقاضی عنالامیر[4] (امیر کی جگہ قاضی ہی کافی ہے۔ت) یہاں قاضی کے ساتھ مفتی کی شرط نہ کی کہ اُن زمانوں میں قاضی نہ ہوتے مگر علماء۔ ردالمحتار میں ہے:

لم یذکر المفتی اکتفاء بذکر القاضی لان اقضاء فی الصدر الاول کان وظیفة المجتهدین[5]۔	ذکر قاضی پر اکتفا کرتے ہوئے مفتی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ صدر اول میں قضاء (فیصلہ کرنا) ائمہ مجتہدین کی ہی ذمہ داری ہوتی تھی۔ت)

اور بعض نے شرطِ مفتی اضافہ کی۔ جامع الرموز میں ہے۔

ظاہر المذہب ان مافیه جماعت الناس	ظاہر مذہب یہ ہے کہ شہر وہ جہاں کچھ محلے

[1] مبسوط سرخسی باب صلاۃ الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۳

[2] مبسوط سرخسی باب صلاۃ الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

[3] جواہر الاخلاطی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ غیر مطبوعہ نسخہ ص ۲۴

[4] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰ ردالمحتار،

[5] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

وجامع واسواق ومفت وسلطان اوقاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام و قریب منه ما فی المضمرات وفیه انه الاصح[1]۔	جامع مسجد، بازار، مفتی، حاکم یا ایسا قاضی ہو جو حدود کا قیام اور احکام کا نفاذ کرسکے۔ مضمرات کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور اسی میں ہے کہ یہی اصح ہے۔(ت)

اکابر نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ حاکم عالم نہ ہو تو عالم کا ہونا بھی لازم۔ غیاثیہ میں ہے۔

قال الشمس الائمة السرخسی ظاہر المذہب ان المصر الجامع مافیه جماعت الناس واسوق التجارات وسلطان اوقاض یقیم الحدود وینفذ الاحکام ای یقدر علی ذلك و یکون فیه مفت ان لم یکن القاضی او السلطان بنفسه مفتیا[2]۔	شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں کہ ظاہر مذہب یہ ہے کہ جامع شہر وُہ ہوگا جس میں کچھ محلے ہوں اور بازارِ تجارت، سلطان یا قاضی جو حدود کو قائم اور احکام کو نافذ کرے یعنی اس میں ان کے قیام اور نفاذ کی قدرت ہو اور اگر قاضی یا سلطان خود مفتی نہ ہوں تو وہاں کسی نہ کسی مفتی کا ہونا بھی ضروری ہے(ت)

امام طاہر بخاری نے فرمایا:

قال امام السرخسی فی ظاہر المذہب عندنا ان یکون فیه سلطان وقاض لاقامة الحدود وتنفیذ الاحکام ویشترط المفتی اذالم یکن القاضی اوالو لی مفتیا[3]۔	امام سرخسی نے فرمایاء کہ ظاہر مذہب میں ہمارے ہاں یہی ہے کہ وہاں اقامتِ حدود اور تنفیذِ احکام کے لئے قاضی یا سلطان کا ہونا ضروری ہے اور جب قاضی یا والی خود مفتی نہ ہو تو وہاں امام سرخسی نے مفتی کا ہونا شرط قرار دیا ہے(ت)

امام مذہب نے اس طرف خود ہی اشارہ فرمایا تھا کہ **لعلمه علم غیرہ** (وہ قاضی خود عالم ہو یا عالم اس کا معاون ہو۔ت) فتح میں فرمایا:

اذ کان القاضی یفتی ویقیم الحدود اغنی عن التعدد[4]۔	جب قاضی خود فتوٰی دیتا ہو اور حدود نافذ کرتا ہو تو وہاں الگ مفتی کا ہونا ضروری نہیں۔(ت)

---

[1] جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۲

[2] فتاوٰی غیاثیہ باب الجمعۃ وشرائطھا مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۸

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث والعشرون فی صلاۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۰۷

[4] فتح القدیر، باب الصلوٰۃ الجمعۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۲۵

بالجملہ عبارات مختلف ہیں اور مقصود واحد۔ان تمام عبارات اوران کے امثال صدہا اور خود نص صریح امام مذہب سے جس طرح جمعہ کے لئے اشتراط مصر ظاہر یونہی احکام وو حدود مفتی کے الفاظ اور ان کی تفاریع مذکورہ کتب مذہب سے روشن کہ شہر سے یقینا اسلامی شہر مراد ہے نہ یہ کہ مثلاً بت پرستوں کا کوئی شہر ہو بادشاہ بت پرست اور دس لاکھ کی ابادی سب بت پرست، چار پانچ مسلمان وہاں تاجرانہ جائیں اور پندرہ بیس دن ٹھہرنے کی نیت کریں اُن پر وہاں جمعہ قائم کرنا فرض ہوجائے گا جبکہ وہ بادشاہ مانع نہ آتا ہو ہرگز شرح مطہر سے اُس کا کوئی ثبوت نہیں عمومات قطعًا اجماعًا مخصوص ہیں اور ظاہر الروایہ واصل مذہب کی تعریفات یقینا اسلامی شہر سے خاص بلکہ وُہ ضعیف روایت نادرہ مرجوحہ مہورہ **مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ** (اس مقام کی سب سے بڑی مسجد وہاں مقیم لوگوں کے لئے ناکافی ہو۔ت) کہ محققین کے نزدیک اصلًا وجہ صحت نہی رکھتی اور بعذر توانی فی الحدود اس کے اختیار کی راہ اُسی ارادہ قدرت سے مسدود اور ظاہر الرایۃ ونص صریح امام اعظم مصح و مرجح کے ہوتے ہوئے روایت نوادر کی طرف رجوع بوجوہ ممنوع ومدفوع **کما حققنا کل ذلك فی فتاوٰئنا** (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) اس سے زیادہ اُس کی غلطی کیا ہوگی کہ اس پر مکّہ معظّمہ ومدینہ طیبہ ہی گاؤں ہوجاتے ہیں اور اُن میں زمانہ اقدس سے آج تک جمعہ ناجائز و باطل قرار پاتا ہے، مجمع الانہر میں ہے:

قالو ان ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین[1]۔	بلا شبہ یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

الفضل فی ذلك ان مکۃ والمدینۃ مصران تقام بھما الجمعۃ من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیرلا یصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی الذی اختارہ جماعۃ من المتأخرین حتی الذی اختارہ جماعۃ من المتاخرین وھو مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجد لایستعھم فانہ منقوض بھما اذ مسجد کل منھمایسع	اس میں تفصیل یوُں ہے کہ مکّہ اورمدینہ دونوں شہر ایسے ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا رہاہے توجس جگہ اس طرح کے انتظامات ہوں گے وہ شہر ہے اور جو تعریف ان میں سے کسی ایک پر صادق نہیں آئے گی وہ معتبر نہیں ہوسکتی حتی کہ متاخرین کی ایک جماعت نے جو اختیار کیا ہے شہر کی تعریف یہ ہے کہ وہاں کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں اگر جمع ہوں تو وہ مسجد لوگوں کے لئے کافی

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۶

اھلہ وزیادۃ[1]۔	نہ ہو، یہ درست نہیں کیونکہ مکہ اور مدینہ دونوں کی مساجد وہاں کے لوگوں اور مزید دوسرے لوگوں کے لئے کافی ہیں (ت)

اسے ابن شجاع ثلجی نے امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی سے روایت کیا، ہدایہ میں تعریف ظاہر الراویۃ بیان کرکے فرمایا:

ھذا عند ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی وعنہ انھم اذا اجتمعوا فی اکبر مساجد ھم لم یسعھم والاول اختیار الکرخی وھو الظاہر والثانی اختیار الثلجی[2]۔	یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور انہی سے مروی ہے کہ جب وہاں کے وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو وہ مسجد ناکافی ہو، پہلے قول کو امام کرخی نے پسند فرمایا اور یہی ظاہر ہے اور دوسرے امام ثلجی نے پسند فرمایا۔(ت)

خود امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے الفاظ کہ امام ملک العلماء نے بدائع پھر امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ذکر کئے یہ ہیں کہ فرمایا:

اذااجتمع فی قریۃ منلایسعھم مسجد واحد بنیلھم جامعاونصب لھم من یصلی بھم الجمعۃ[3]۔	جب کسی قریہ کے لوگ ایک مسجد میں جمع ہوں اور وہ مسجد انکے لئے ناکافی ہو تو ان کے لئے جامع مسجد بنائی جائے اور وہاں کوئی ایسا شخص مقرر کیا جائے جو انھیں جمعہ پڑھائے۔(ت)

بدیہی ہے کہ بنی او نصبکی ضمیریں سلطانِ اسلام کی طرف ہیں اور اسی پر وُہ حدیث ناطق جس سے طبقۃً فطبقۃً ہمارے ائمہ وعلماء اسی باب شرائط جمعہ میں استدلال فرماتے رہے کہ لہ امام عادل او جائر (اس کے لئے امام عادل یا ظالم ہو۔ت) مبسوط امام سرخسی میں ہے:

لنا ماروینا من حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ ولہ امام جائر اوعادل فقد شرط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	ہماری دلیل وہ روایت ہے جو حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اس کے لئے امام ظالم یا عادل کا ہونا ضروری ہے تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] الہدایۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۴۸

[3] بدائع الصنائع فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۹

الامام لا لالحاقه الوعید بتارك الجمعة [1]۔	علیہ وسلم نے تارک جمعہ پر وعید لاحق ہونے کو امام کے ساتھ مشروط فرمایا ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الحدیث رواہ ابن ماجة وغیرہ حیث شرط فی لزومها الامام کما یفیدہ قید الجملة الواقعة حالا [2]۔	اس حدیث کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے اس میں جمعہ کے لزوم کے لئے امام کا ہونا شرط قرار دیا ہے جیسے کہ اس کا فائدہ بطور حال واقع ہونے والے جملہ کی قید سے حاصل ہو رہا ہے۔ (ت)

غرض بوجوہ ظاہر ہُوا کہ محلیت جمعہ کو اسلامی شہر ہونا لازم **ومن ادعی خلافه فعلیه البیان** (اور جو شخص اس کے خلاف کا مدعی ہے اس پر دلیل کالانا ضروری ہے۔ت) شہر کی نسبت عرفاً بھی باعتبار آبادی ہوتی ہے یا بلحاظ سلطنت، مثلاً جس شہر کا میں نہ سیّد آباد ہیں نہ اُن میں سیّدوں کی عملداری ہے، یہ تھی اُسے سیدوں کا شہر نہیں کہہ سکتے، یونہی جبکہ وہاں عام آبادی کفار ہیں اور اسلامی سلطنت نہ اب ہے نہ کبھی تھی تو اگرچہ اس بنا پر حکام کی طرف سے مسلمانوں کو پناہ اور نماز وغیرہ کی اجازت ہے انھیں امان کے شہر کہیں مگر مسلمانوں کے شہر نہ کہلائیں گے تو اعم منتفی ہے چہ جائے اخص، لہٰذا محلِ جمعہ وعیدین نہیں ہو سکتے، عیدین کے لئے بھی سوائے خطبہ وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے واسطے تنویر الابصار و در مختار باب العیدین میں ہے:

تجب صلاتهما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المقدمة سوی الخطبة [3]۔	عیدین کی نماز جمعہ کی سابقہ شرائط کے ساتھ سوائے خطبہ کے انہی لوگوں پر واجب ہے جن پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔(ت)

ہاں جہاں ثابت نہ ہو کہ پہلے کبھی اسلامی سلطنت تھی مسلمانوں کا آزاد خود مختار شہر تھا اور دونوں صورتوں میں غیر مسلم نے مسلط ہو کر شعائر اسلام بند نہ کئے وہ بدستور اسلامی شہر و ملک رہے گا جیسے تمام بلادِ ہندوستان، اور وہاں حسبِ سابق جمعہ فرض اور عیدین واجب رہیں گے لیکن جمعہ وعیدین کی اقامت کو یہ ضرور ہے کہ بادشاہ یا والی خود امامت فرمائے یا دوسرے کو ان نمازوں میں اپنا نائب ٹھہرا کر امام بنائے، جہاں یہ صورت میسر نہ رہے۔

---

[1] مبسوط سرخسی باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۵

[2] فتح القدیر، باب صلوٰۃ الجمعۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکّھر، ۲/۲۷

[3] در مختار، باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۱۴

وہاں بضرورت مسلمان جمع ہو کر جسے ان تین نمازوں کا امام مقرر کرلیں گے پڑھائے گا اور یہ فرض وواجب ادا ہوجائے گا، متنِ کنز میں ہے: شرط ادائها السلطان ونائبه[1] (جمعہ کی ادائیگی کے لئے حاکم یا اس کے نائب کا ہونا شرط اور ضروری ہے۔ت) غنیہ میں ہے:

الشرط الثانی کون الامام فیها السلطان اومن اذن له السلطان[2]۔	دوسری شرط یہ ہے کہ جمعہ کا امام خود سلطان یا ایسا شخص ہو جسے سلطان نے اجازت دی ہو۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

اقامة الجمعة حق الخليفة الا انه لم يقدر علی ذلك فی کل الامصار فیقیم غیرہ نیابة[3]۔	جمعہ کا قیام خلیفہ وقت کی ذمہ داری ہے چونکہ وہ تمام شہروں میں امامت پر قادر نہیں ہوسکتا لہٰذا اسکے حکم پر اسکا کوئی نہ کوئی نائب ہونا چاہئے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر .اما مع عدمهم فیجوز للضرورة[4]۔	اشخاص مذکورہ کے ہوتے ہوئے عوام کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں، ہاں اگر اشخاص مذکورہ (خلیفہ وقاضی یعنی سلطان یا قاضی) نہ ہوں تو ضرورتاً عوام کا خطیب مقرر کرلینا جائز ہوگا (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصر فیه وال من مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واما فی بلاد علیها ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد[5]۔ (ملخصا)	ہر وہ شہر جہاں کافروں کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہو وہاں جمعہ اور عیدین قائم کرنا جائز، رہا معاملہ ان شہروں کا جہاں کافر حاکم ہوں تو وہاں عامۃ المسلمین جمعہ اور عیدین کی نمازیں قائم کر سکتے ہیں۔ (ت)

ایسی ہی جگہ جہاں تحقیق بعض شرائط میں شبہہ ہو احتیاطی رکعتیں رکھی ہیں نہ بربنائے مراعات خلاف

---

[1] کنزالدقائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۸

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[3] جامع الرموز، فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۳

[4] درمختار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۱۰

[5] جامع الصفولین الفصل الاول فی القضاء الخ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۱۴

فی المذہب کافی ومحیط وعالمگیریہ میں ہے:

فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر وغیرہ واقام اھله الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات الخ[1]۔	ہر ومقام جہاں شہر وغیرہ کسی شرط کے ہونے میں شک کی بناء پر جوازِ جمعہ میں شک ہوا اور وہاں کے لوگ نمازِ جمعہ پڑھتے ہوں تو وہاں کے لوگوں کو چاہئے کہ وُہ جمعہ کے بعد چار رکعت (بنیّتِ ظہر) ادا کریں الخ (ت)

فتح القدیر وبحر الرائق میں ہے:

قد وقع شك فی بعض قری مصر ممالیس فیھا وال وقاض نازلان بھابل لھا قاضی یسمی قاضی الناحیة وھو قاض یولی الکورۃ باصلھا فیاتی القریة احیانا فیفصل ما اجتمع فیھا من التعلقات وینصرف ووال کذلك ھل ھومصر نظراالی ان لھا والیا وقاضیا اولا نظرا الی عدمھما بھاواذااشتبه علی الانسان ذلك ینبغی ان یصلی اربعا بعد الجمعة[2] الخ۔	شک واقع ہوا ہے مصر کے بعض علاقوں میں جہاں والی اور قاضی مستقل نہیں بلکہ ان کے لئے ایک عارضی قاضی ہو جسے "قاضی ناحیہ" کہا جاتا ہے یعنی وہ بالاصل ضلع کا قاضی ہے جو اس قریہ میں کبھی کبھی آتا ہے اور جمع شدہ معاملات کے فیصلے کرکے واپس چلا جاتا ہے اسی طرح کا والی ہے کیا انھیں شہر کہا جائے گا؟ اس بنا پر کہ انکا والی اور قاضی ہے یا شہر نہیں کہا جائیگا؟ اس بنا پر کہ وہ دونوں یہاں رہتے نہیں لہٰذا جب اس طرح کا کسی انسان پر اشتباہ پیدا ہو جائے تو اسے وہاں جمعہ کے روز چار رکعت (بنیت ظہر) ادا کرنی چاہئیں الخ (ت)

شہر میں متعدد جمعے ہوں اور سابق نامعلوم تو اس میں احتیاطی رکعات کا حکم جنہوں نے دیا وہ بھی مجرد رعایت خلاف کے لئے نہیں کہ ایک امر مستحب ہے بلکہ شدّت قوت خلاف کے باعث جس کے سبب براءۃ عہدہ بالیقین نہیں ان کے نزدیک یہاں احتیاط اسی معنی پر ہے۔ حلیہ میں ہے:

قد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد شروطھا ومن ذلک	بعض اوقات شرائطِ جمعہ نہ پائے جانے کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں شک واقع ہو جاتا ہے ان میں یہ صورت

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۲۵

ما اذا تعددت فی المصر الواحد وجهل اسبق او علمت المعية علی القول بعدم جواز التعدد وهی واقعة اهل مَرَوْ فيفعل ما فعلوه قال المحسن امرتهم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتياطا[1]۔	بھی ہے کہ ایک شہر میں متعدد مقامات پر جمعہ ہوتا ہے اور سب سے پہلے ہونے والے سے آگاہی نہیں یا معیت کا علم ہے لیکن اس قول پر ہے جس میں متعدد مقامات پر جمعہ جائز نہیں اور اہل مرو کا معاملہ اسی طرح کا ہے پس آدمی انہی کی طرح کرے۔ محسن نے فرمایا کہ ایسی صورت میں جمعہ کے بعد چار رکعت کی ادائیگی انکے لئے احتیاطًا ضروری ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

امامن حيث جواز التعدد وعدمه فالاول هو الاحتياط لان فيه قوی اذا الجمعة جامعة للجماعات ولم تكن فی زمن السلف تصلی الافی موضع واحد من المصر وكون الصحيح جوازالتعدد للضرورة للفتوی لايمنع شرعية الاحتياط للتقوی[2]۔	رہا مسئلہ جواز تعداد اور عدم جواز تعدد کا تو پہلے قول میں احتیاط ہے کہ اس میں قوّت ہے کیونکہ جمعہ نام ہے تمام جماعتوں کے جمع کرنے کا، اور زمانہ اسلاف میں شہر میں فقط ایک ہی جگہ جمعہ ادا کیا جاتا رہا ہے ضرورت کے لئے متعدد جگہ جمعہ کے جواز پر فتوی کا صحیح ہونا اس بات سے مانع نہیں کہ تقوی کے پیش نظر شرعًا احتیاطًا چار رکعت کا ادا کرنا جائز نہ ہو۔ (ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

هو مبنی علی ان ذلك الاحتياط ای الخروج عن العهدة بيقين لتصريحه بان العلة اختلاف العلماء فی جوازها اذا تعددت وفيه شبهة قوية[3]۔	وہ اسی احتیاط پر مبنی ہے یعنی آدمی کے ذمے سے فریضہ بالیقین ساقط ہوجائے کیونکہ ان کی تصریح ہے کہ اس کی علت متعدد مقامات پر جوازِ جمعہ میں علماء کا اختلاف ہے اور اس میں اشتباہ قوی ہے۔ (ت)

ظاہرًا عیدین کی نماز مذہبِ امام شافعی میں سرے سے واجب ہی نہیں نہ شہر نہ گاؤں میں اگرچہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

[3] منحۃ الخالق مع البحر الرائق باب صلاۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۳/۲

اسلامی ہو، ہاں سنّت ہے، اور غیر اسلامی آبادی اُن کے نزدیک بھی محلِ جمعہ وعیدین نہیں، اور سب سے قطع نظر ہو تو رعایت خلاف وہاں تک ہے کہ اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے نہ کہ فاسد و ناجائز محض۔ ایک گناہ تو یہ ہوا، پھر جمعہ کہ صحیح نہیں نفل بتداعی ہوئے اور یہ بدعت ہے، پھر جہاں ظُہر فرض ہے اور جماعت واجب اگر جمعہ کے سبب ظہر اصلًا نہ پڑھیں تارک فرض ہوں، اور تنہا تنہا بلکہ بذریعہ رکعات احتیاطی پڑھیں تو ترک جماعت کے سبب تارک واجب کہ اول ہر بار اور ثانی بعد تکرار کبیرہ ہے۔ دُرمختار میں ہے:

یندب للمخرج عن الخلاف لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروہ مذہبہ[1]۔	اس طرح عمل کرنا خلاف نہ رہے مستحب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں ایسی چیز کا ارتکاب لازم نہ آئے جواسکے مذہب میں مکروہ ہو۔ (ت)

بااین ہمہ اپنا یہ مسلک ہے کہ ایسی جگہ عوام جس طرح بھی اللہ اور رسول کا نام لیں روکا نہ جائے نہ خود شرکت کی جائے اگر عدمِ شرکت میں فتنہ نہ ہو ورنہ بہ بنیتِ نفل مشارکت ممکن کہ اختار اھونہما (دونوں میں سے آسان کا اختیار رکھا گیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ تحریما وکل مالایجوز مکروہ صلاۃ مع شروق الا العوام فلا یمنعون من فعلہا لانہم یترکونہا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرہا[2]۔	یہ مکروہ تحریمہ طلوع آفتاب کے وقت مطلق نماز اور ہر وہ عمل جو جائز نہیں وہ مکروہ ہے، مگر عوام لوگوں کو اس وقت نماز کی ادائیگی سے روکا نہ جائے کیونکہ وہ بکل ہی ترک کردیں گے، اور اداء جائز بعض علماء کے نزدیک بالکل چھوڑ دینے سے بہتر ہے۔ جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وعزاہ صاحب المصفی الی الامام حمیدالدین عن شیخہ الامام المحبوبی والی شمس الائمۃ الحلوانی وعزاہ فی القنیۃ الی الحلوانی والنسفی[3]۔	صاحب مصفی نے اس قول کی نسبت امام حمید الدین کی طرف کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے اسے اپنے استاد امام محبوبی کے حوالے سے بیان کیا اور شمس الائمہ حلوانی کی طرف بھی اسے منسوب کیا ہے اور قنیہ میں اسے حلوانی اور نسفی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۲۷

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۳

نیز در مختار باب العیدین میں ہے:

لا یکبر فی طریقها ولا یتنفل قبلها مطلقا وکذا بعدها فی مصلاها فانه مکروه عندالعامة وهذا للخواص اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلالقلة رغبتهم فی الخیرات بحروفی هامشه بخط ثقة ان علیا رضی الله تعالٰی عنه رأی رجلا یصلی بعد العید فقیل اما تمنعه یا امیرالمومنین فقال اخاف ان ادخل تحت الوعید قال الله تعالٰی ارأیت الذی ینهی عبدا اذاصلی[1]۔	نماز عید کے لئے عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستے میں تکبیرات نہ کہے اور اس سے پہلے نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ اکثر علماء کے نزدیک مکروہ ہیں اور یہ معاملہ خواص کا ہے، رہا عوام کا معاملہ تو انھیں نہ تکبیر سے روکا جائے اور نہ ہی نفل پڑھنے سے کیونکہ بھلائی میں ان کی رغبت بہت کم ہوتی ہے بحر اور اسکے حاشیہ میں ثقہ تحریر میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو عید کے بعد نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا آپ سے عرض کیا گیا اے امیر المومنین! اسے آپ منع کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: مجھے خوف آتا ہے کہ کہیں میں اللہ تعالٰی کی بیان کردہ اس وعید کے تحت داخل نہ ہو جاؤں ارشاد باری تعالٰیہے:۔کیا آپ نے اس کو نہیں دیکھا جو بندے کو نماز سے منع کرتا ہے۔(ت)

دارِ حرب حکومت اسلام سے دارالاسلام ہو جاتی ہے اور عیاذًا باللہ عکس کے لئے فقط حکومت کفر کافی نہیں بلکہ شرط ہے کہ وہ جگہ کسی طرف دارالحرب سے متصل ہو اور کوئی مسلم ذمی پہلے امان پر نہ رہے اور شعائر اسلام اُس سے بالکل بند کر دیئے جائیں والعیاذ باللہ تعالٰیجب شعائر اسلام سے کچھ بھی باقی ہے بدستور دارالاسلام رہے گی۔ تنویر میں ہے:

لا تصیر دارالاسلام دارحرب الا باجراء احکام الشرك وباتصالها بدارالحرب وبان لایبقی فیها مسلم او ذمی بالامان الاول ودارالحرب تصیر دارالاسلام باجراء احکام اهل الاسلام فیها وان بقی فیها کافر اصلی وان لم تتصل بدارالاسلام[2]۔	دارالاسلام اس وقت دارالحرب بنتا ہے جب وہاں احکامِ شرک جاری ہوں (یعنی معاذاللہ وہاں شعائر اسلام بالکل ختم کر دیئے جائیں) اور وُہ جگہ کسی طرف سے دارالحرب سے متصل ہو اور وہاں کوئی مسلمان اور ذمی پہلے امان پر نہ رہے اور دارالحرب اس وقت دارالاسلام بنتا ہے جب وہاں احکامِ اسلام جاری ہوں اگرچہ وہاں کافر اصلی موجود ہوں اور اگرچہ وہ کسی طرف سے دارالاسلام کے ساتھ متصل بھی نہ ہو۔(ت)

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[2] در مختار شرح تنویر الابصار فصل فی استیمان الکافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۷

جامع الرموز میں ہے:

لا خلاف ان دارالحرب یصیر دارالاسلام باجراء بعض احکام الاسلام فیھا واما صیر ورتھا دارالحرب نعوذ باللہ منہ فعندہ بشروط احدھا اجراء احکام الکفر اشتھارا بان یحکم الحاکم بحکمھم ولا یرجعون الی قضاۃ المسلمین کمافی الخیرۃ والثانی الاتصال بدار الحرب والثالث زوال الامان الاول وقال شیخ الاسلام والامام الاسبیجابی ان الدار محکومۃ بدارالاسلام ببقاء حکم واحد فیھا کما فی العمادی وغیرہ[1]۔	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بعض احکامِ اسلامی کے اجراء سے دارالحرب دارالاسلام بن جاتا ہے لیکن دارالاسلام کا نعوذ باللہ دارالحرب بننے کے لئے امام صاحب کے ہاں کچھ شرائط ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ احکامِ کفر اعلانیہ جاری ہوں مثلاً حاکم کفر کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگ مسلمان قاضیوں سے رجوع نہ کرسکیں جیسا کہ خیرۃ میں ہے، دوسری یہ کہ وہ جگہ دارالحرب کے ساتھ متصل ہو، تیسری یہ کہ پہلی امان ختم ہوجائے، شیخ الاسلام اورامام اسبیجابی کہتے ہیں اگر وہاں ایک حکم بھی اسلام کا باقی ہے تو اسے دارالاسلام ہی کہا جائے گا جیسا کہ عمادی وغیرہ میں ہے۔(ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

ذکرالاستروشنی فی فصولہ عن ابی الیسر ان دارالاسلام لا تصیردارالحرب مالم یبطل جمیع مابہ صارت دارالاسلام ،ذکرہ فی احکام المرتدین وذکر الاسبیجابی فی مبسوطہ ان دارالاسلام محکوم بکونھا دارالاسلام فیبقی ھذاالحکم ببقاء حکم واحد فیھا ولا تصیر دارحرب الا بعد زوال القرائن ودارالحرب تصیر دارالاسلام بزوال بعض القرائن وھو ان	شیخ استروشنی نے اپنی فصول میں شیخ ابوالیسر سے بیان کیا ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالحرب نہیں بن سکتا جب تک وہ تمام احکام باطل نہ ہوجائیں جن کی وجہ سے وُہ دارالاسلام بنا تھا اس کو احکامِ مرتدین میں ذکر کیا ہے۔اوراسبیجابی نے اپنی مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ دارالاسلام اس وقت تک دارالاسلام ہی رہے گا جب تک اس میں کوئی ایک حکمِ اسلام موجود ہو اور تمام قرائن اور شعائر کے زوال کے بعد ہی دارالحرب بنے گا لیکن دارالحرب بعض قرائن کے زوال سے دارالاسلام بن جاتا ہے وہ اس طرح کہ

[1] جامع الرموز کتاب الجہاد مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۵۵۶

تجری فیھا احکام اھل الاسلام وذکر اللامشی فی واقعاتہ انھا صارت دارالسلام بھذہ الاعلام الثلثۃ فلا تصیردارحرب مابقی شیئ منھا وذکرالامام ناصرالدین فی المنشور ان دارالحرب صارت دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فما بقیت علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام [1] انتھی وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں بعض احکامِ اسلامی کا اجرا ہو جائے، اور لامشی نے واقعات میں ذکر کیا ہے کہ ان تین علامات کے پائے جانے پر وُہ دارالاسلام بن جاتا ہے لیکن وہ دارالحرب اس وقت تک نہیں بن سکتاجب تک ان میں سے ایک کا وجود وہاں باقی رہے اور امام ناصر الدین نے منشور میں کہا ہے کہ احکامِ اسلامی کے اجرا سے وہ دارالاسلام بن جاتا ہے اور جب تک قرائنِ اسلام میں سے کوئی ایک پایا جائے تو جانب اسلام کو ہی ترجیح ہوگی انتہی اور تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۵۵۵: از قلعہ چھرہ ضلع علی گڑھ مسئولہ مقبول احمد صاحب ۴رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک حافظ صاحب نے نماز میں پڑھا ور حمۃ للمؤمنین ولایزید نون کو ساکن پڑھااور سانس توڑ دی پُورا وقف کیا یہ خیال تھا کہ یہاں آیت ہے پھر اپنے کئے پر اصرار کیا، دوسرے صاحب نے کہا یہاں لاہے وصل ضرور تھا حافظ صاحب نے خیال نہ کیا انھوں نے نماز کا اعادہ کیا حافظ صاحب نے کہا اعادہ درست نہیں گو عمداً غلط پڑھا لیکن معنی میں کچھ فساد نہیں ہوا نماز صحیح ہے انھوں نے کہا عمداً کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن کو جان کر غلط پڑھو یہ تو سخت گناہ ہوگا، حافظ نے کہا گناہ ہوگا لیکن نماز صحیح ہے ارشاد فرمائیے کہ اعادہ درست ہوا یا وہی نماز صحیح ہے جس کتاب سے سند ہو اُس کا پورا پتہ تحریر ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

وقف ووصل میں اتباع بہتر ہے مگراس کے نہ کرنے سے نماز میں اصلاً کچھ خلل نہیں آتا خصوصاً ایسی جگہ کہ کلام تام ہے قصداً وقف میں بھی حرج نہیں اعادہ محض بے معنی تھا ہاں قصد مخالفت البتہ گناہ بلکہ بعض صورتوں میں سب سے سخت تر حکم کا مستوجب ہوگا مگر وہ مسلمان سے متوقع نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

اذوقف فی غیر موضع الوقف اوابتداء فی غیر موضع الابتداء ان لم	جب ایسی جگہ وقف کی جگہ تھی یا وہاں سے شروع کیاجو شروع کا مقام نہ تھا، اگر معنی میں

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار فصل فی استیمان الکافر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۴۶۱

یتغیر به المعنی تغیرا فاحشا نحوان یقرأ ان الذین اٰمنو وعملوا الصلحت ووقف ثمّ ابتدأ بقوله اولئك هم خیر البریة لاتفسد بالاجماع بین علمائنا هکذا فی المحیط [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فحش تبدیلی نہیں آئی مثلًا ان الذین اٰمنو وعملوا الصّٰلحٰت پڑھ کر وقف کیا پھر اولئك الخ (سے ابتداء کی تو ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، محیط میں اسی طرح ہے۔(ت)

مسئلہ نمبر ۵۵۶، ۵۵۷: از ککرالہ ضلع بدایوں مرسلہ یٰسین خان ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) درمیان میں ایک سُورت ترک کرنے سے نماز میں کچھ حرج ہے یا نہیں؟

(۲) امام نے آٹھ دس آیتیں پڑھ کر ایک یا دو آیتیں ترک کرکے پھر قرأت شروع کی اور دس [۱] بارہ [۲] آیتیں پڑھ کر رکوع کیا نماز میں کچھ حرج ہوا؟

الجواب:

(۱) چھوٹی سورت بیچ میں چھوڑنا مکروہ ہے جیسے اذا جاء کے بعد قل ھو اللہ اور بڑی سورت ہو تو حرج نہیں جیسے والتین کے بعد انّا انزلنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اس سے نماز میں حرج نہیں جبکہ سہوًا ہو اور قصدًا دو ایک آیت بیچ میں چھوڑ دینا مکروہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز فرض میں تین آیت کے بعد لقمہ دینا چاہئے یا نہیں؟ اور تراویح نماز ایک مسجد میں دو [۲] مصلّے جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

امام جہاں غلطی کرے مقتدی کو جائز ہے کہ اُسے لقمہ دے اگرچہ ہزار آیتیں پڑھ چکا ہو، یہی صحیح ہے، ردالمحتار میں ہے: الفتح علی امامه غیر منھی عنه بحر [2] (اپنے امام کو لقمہ دینا منع نہیں، بحر۔ت) اُسی میں ہے:

سواء قرأالامام قدر مایجوزبه الصلٰوۃ ام لا انتقل الی اٰیة اخری ام لا تکرر الفتح ام لا ھو الاصح نھر [3]۔	خواہ امام نے اتنی قرأت کرلی ہو جو نماز کے لئے کافی تھی یا نہ کی ہو، خواہ وُہ دوسری آیۃ کی طرف منتقل ہوگیا یا نہ ہوا ہو، لقمہ بار بار دیا ہو یا ایک ہی بار دیا ہو اصح یہی ہے نہر۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی زلۃ القاری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۱

[2] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۰

[3] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۰

تراویح کی دو یا زائد جماعتیں ایک وقت میں ایک مسجد میں جبکہ ایک کی آواز سے دوسرے کو اشتباہ نہ ہو، دُور دُور فاصلے پر ہوں جیسی مکّہ معظمہ مسجد الحرام شریف میں ہوتی ہیں جائز ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نماز میں آخر سورہ بقرہ پڑھا اور بجائے ربنا لا تواخذنا، ربنا ولا تواخذنا یعنی باز دیا د حرف واؤ سہواً پڑھ گیا تو نماز اس کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

ہوئی لانہا لم توثر خللا فی المعنی (کیونکہ اس سے معنی میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۶۰: امام نے غیر المغضوب پڑھا اور علیہم از راہِ سہو چھوٹ گیا نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟

الجواب:

نماز صحیح ہو گئی فرض اُتر گیا لصحۃ المعنی فان حذف امثال الصلات شائع کثیرا ومنہ المغفور بمعنی المغفور لہ کما فی ط بل رأیتہ فی حدیث عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ (معنی درست ہونے کی وجہ سے، کیونکہ صلہ کا حذف مشہور و کثیر ہے، اسی طرح لفظ مغفور ہے اصلاً مغفور لہ ہے جیسا کہ ط میں ہے بلکہ میں نے اس حدیث میں بھی دیکھا ہے جو سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت) مگر واجب کہ قرأت سورہ فاتحہ بتمامہا تھی اس کی ادا میں قصور ہوا سجدہ سہو چاہئے تھا اگر نہ کیا اعادہ نماز چاہئے۔ ردالمحتار میں علّامہ رحمتی سے ہے:

بترك شیئ منها اية او اقل ولو حرفا لا یکون اٰتیا بکُلّها الذی هو الواجب[1]۔	فاتحہ سے کوئی آیت چھوٹ گئی یا اس سے کم اگرچہ ایک حرف ہو تو ایسے شخص کو تمام فاتحہ (جو واجب تھی) کا پڑھنے والا قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۵۶۱، ۵۶۲: ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس[1] لفظ کے بارے میں اگر یرزقکم کو یرزکم پڑھا جائے تو کیا خرابی اور کس قسم کا گناہگار ہوگا م خطبہ اولٰی میں لکھا ہے یرزقکم اور قاری صاحب پڑھتے ہیں یرزکم اسلئے میں غلطی پکڑا ہوں اس میں اگر میرا قصور ہو تو میں تسلیم کروں اور قاری صاحب کی غلطی ہو تو ان پر کیا؟[2] لفظ فاطمۃ الزھراء مد چار الف ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی ۱/ ۳۳۸

قاری صاحب نے بے مد کے ادا کیا، کیا یہ لفظ خطا ہے؟ اس کے اول لفظ شدائد میں چار الف اس نے دراز نہیں کیا اس میں کیا ہے؟

الجواب:

اگر خطبہ میں اس نے یرزقکم کی جگہ یرزکم بلا تشدید کاف پڑھا تو ضرور غلط پڑھا اور گرفت صحیح ہے مگر خطبہ میں ایسی غلطی کا اثر نماز پر نہیں پڑتا نماز ہوجائے گی اور یرزکم بہ تشدید کاف پڑھا تو غلطی بھی نہیں کقولہ تعالٰی اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ مد متصل ہے اور متصل واجب ہے تلاوت میں اس کا ترک حرام ہے کما نص علیہ فی ردالمحتار جیسے کہ ردالمحتار میں اس پر تصریح ہے۔ت) مگر خطبہ کا حکم تلاوت کا سا نہیں ہوسکتا وہ ایک بات چیت ہے کہ امام مقتدیوں سے کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۶۳ : از جوناگڑھ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۲۰ رجب ۱۳۱۶ھ

ایک مسجد کا امام آیہ اذا نودی للصّلٰوۃ من یوم الجمعۃ کو جوعۃ مع الواؤ صاف پڑھتا ہے اور فی لیلۃ القدر کو پی لیلۃ الکھدر صاف پڑھتا ہے اب نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو امام بنانا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ سوال دو مسئلوں پر مشتمل ہے:

مسئلہ اولٰی: اشباع حرکات کہ اُن سے حروف پیدا ہوجائیں مثلاً فتحہ سے الف، ضمہ سے واو، کسرہ سے یاء۔ اس میں متاخرین سے روایات مختلف ہیں۔ عین الائمہ کرابیسی وجاراللہ زمخشری نے کہا اگر والصلوات کی جگہ واصلاوات پڑھا نماز فاسد نہ ہوگی۔ عین الائمہ نے کہا نؤمن کو نؤمین پڑھنے میں فساد نہیں۔ زمخشری نے کہا ھدیت کو ھادیت پڑھنا مفسد نہیں، اور انھیں عین الائمہ نے کہا لم یلد کو لم یالد پڑھا تو اعادہ نماز احوط ہے، انہیں نے کہا اگر نشکرك یا نکفرك یا نترك میں اشباع کرکے نشکروک، نکفروک، نتروك پڑھا نماز کا اعادہ کرے۔ قنیہ میں ہے:

عك وجاراللہ والصلاوات لاتفسدعك ولو قرأنستعینك اونؤمین بك لا تفسدجاراللہ لوقرأ فی من ھادیت لاتفسدلانہ اشباع للفتحۃ عك فی الاخلاص لم یالد فالا عادۃ احوط وفی	عین الائمہ کرابیسی اور جاراللہ زمخشری نے کہا کہ اگر کسی نے والصلوت کی جگہ والصلاوات پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، عین الائمہ نے کہا اگر کسی نے نستعینك اور نؤمین بك پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جاراللہ نے کہا اگر ھدیت کو ھادیت پڑھا تو اس میں نماز فاسد

قوله نشکروك ونکفروك ونتروك یعید[1] انتھی مختصرا	نہ ہو گی کیونکہ اس میں حرکت فتحہ کا اشباع ہے۔ عین الائمہ نے کہا اگر کسی نے سورہ اخلاص میں لم یالدپڑھا تو اعادہ نماز احوط ہے اور اگر کوئی نشکروک، نکفروک اور نتروک پڑھے تو وہ اعادہ کرے انتہی مختصرا(ت)

اور ہمارے ائمہ متقدمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے قضیہ مذہب پر تفصیل ہے اگر وُہ محل محل اشباع ہے جیسے مقاماتِ وقف مثلاً نعبدُ کی جگہ نعبدو، (اگرچہ وہاں وقف نہ ہو جیسے اللہ اکبر میں اللہ، باشباعِ ھاکہ وقف ووصل کی تبدیلی اصلاً مفسد نہیں کما فی الھندیۃ والدرالمختار وغیرھما (جیسا کہ ہندیہ، دُرمختار اور دیگر کتب میں ہے۔ت) یافیہ، عنہ، منہ، یدخلہ، تشکروہ وانُہمیں اشباع ھا تو قطعًا مفسد نہیں ورنہ اگر اشباع سے معنی بتغیر فاحش متغیر ہو جائیں جیسے ربّنا کی جگہ رابّنا یا اللہ اکبر میں کلمہ جلالت کے عوض اللہ اکبر کی جگہ آکبر یا قول اصح میں اکبار یا کلمہ مہمل ہو جائے جیسے بجائے نعبد ناعبود یا الحمد کی جگہ الحامد بسکون میم تو فساد ہے ورنہ نہیں، خانیہ میں ہے:

لوقرأ ایاك نعبد واشبع ضم الدال حتی یصیر واوًا لم تفسد صلاته[2]۔	اگر کسی نے ایاک نعبد کو اس طرح پڑھا کہ ضمہ دال میں اشباع کیا حتی کہ وہ واؤ ہو گیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہو گی۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

لوزادحرفا لایغیرالمعنی لاتفسد عندھما وعن الثانی روایتان کما لوقرأ وانھی عن المنکر بزیادۃ الیاء أو انارادوہ والیك بزیادۃ واو أو رودوھا علیّ بزیادۃ الواو أویتعد حدودہ یدخلہ نارًا وان غیرافسد الخ[3]۔	اگر کسی حرف کا اضافہ کر دیا مگر معنی نہ بدلا تو صاحبین کے نزدیک نماز فاسد نہ ہو گی اور دوسرے (یعنی امام ابویوسف) سے دو روایتیں ہیں جیسا کہ کسی نے وانہ عن المنکر کو وانھی عن المنکر الف کی زیادتی کے ساتھ یا انا را دوہ الیك میں واؤ کی زیادتی کے ساتھ یا رودھا علیّ میں واؤ کی زیادتی کے ساتھ یا یتعد حدودہ یدخلہ ونارًا میں یدخلہ کی ہ کے بعد واؤ یتعدی کو یأ پڑھا اور اگر معنی بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی الخ(ت)

[1] قنیۃ، فتاوٰی قنیۃ باب فی الحذف والزیادۃ المطبعۃ المشتہرہ بالمہانیدۃ ص ٦٣

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قراءۃ القرآن خطاء الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ١/٦٨

[3] فتاوٰی بزازیۃ مع الفتاوی الھندیۃ الثانی عشر فی زلۃ القاری مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ٤/٤٥

دُرمختار میں ہے:

کبر بالحذف اذمد احدالھمزتین مفسدو تعمدہ کفر وکذا الباء فی الاصح[1]۔	شروع میں اللہ اکبر کہے ہمزوں کو حذف کرنے کے ساتھ (یعنی بڑھا کر لمبا کرکے نہ پڑھے) کیونکہ دونوں ہمزوں میں سے کسی ایک کو لمبا کرنا نماز کو فاسد کردیتا ہے اور اگر عمداً لمبا کرتا ہے تو کفر ہے، اور اصح قول کے مطابق اکبر میں باء کو کرنا بھی مفسد نماز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المد فی اللہ فان کان فی اولہ لم یصربہ شارعاوافسد الصلٰوۃ لوفی اثنائھا وان فی وسطہ کرہ وفی اخرہ فھوخطأ ولا یفسد ایضا والمد فی اکبر فی اولہ مفسد فی وسطہ افسد وقال الصدر الشھید یصح وفی اٰخر قد قیل یفسد کذا فی الحلیہ ملخصا اقول وینبغی الفساد بمدالھاء لانہ یصیر جمع لاہ کما صرح بہ بعض الشافیعۃ تامل[2] اھ مافی ردالمحتار ملخصا۔ ورأیتنی کتبت علی قولہ قد قیل یفسد مانصہ: **اقول:** لایظھر الفراق بین	لفظ اللہ میں مد کا معاملہ یُوں ہے کہ اگر اول میں ہو تو اس سے نماز شروع کرنے والانہ ہوگا اور وہ نماز کو فاسد کردے گا اگر ایسا دورانِ نماز ہو، اور اگر مد لفظ اللہ کے درمیان میں ہو تو مکروہ ہے اور لفظ اللہ کے آخر میں ہو تو وہ خطا ہے اور نماز کو بھی فاسد نہیں کرتا، اگر مد لفظِ اکبر میں ہو اگر مد ابتداء میں ہو تو نماز فاسد، اور اگر وسط میں ہو تو وہ نماز کو فاسد کردے گا۔ اور صدر الشہید کہتے ہیں کہ نماز صحیح ہوگی اگر مد آخر میں ہو تو کہا گیا ہے کہ نماز فاسد کردے گا کذافی الحلیۃ تلخیصًا، میں کہتا ہوں ہاء کی مد سے بھی فسادِ نماز ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں وہ لاہ کی جمع ہوجاتا ہے جیسے کہ اس پر بعض شوافع نے تصریح کی ہے اچھی طرح غور کرو اھ یہ ردالمحتار کی عبارت کا خلاصہ ہے مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کی عبارت قد قیل یفسد پر یہ حاشیہ لکھا ہے الفاظ یہ ہیں: **اقول:** (میں کہتا ہوں) اکبر کی راء کی

[1] درمختار فصل واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۷۴/۱

[2] ردالمحتار فصل واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۵۴/۱

مدالراء من اکبر والهاء من الجلالة وقد قال فی البحر عن المبسوط لومدهاء الله فهوخطأ لغة وکذالومد راء ه[1] اھ۔	مد اور اسم جلالت کی ہا میں مد کے درمیان کوئی فرق ظاہر نہیں ہورہا۔ بحر میں مبسوط کے حوالے سے ہے اگر لفظ اللہ کی ھا میں مد کی تو یہ لغۃً غلط ہے، اگر اکبر کی را میں مد کی تو اس کا معاملہ بھی یوں ہی ہے اھ۔
اقول: ویؤیدہ مایاتی فی الدرمن المفسدات عن البزازیة شرعا ان القراءة بالالحان تفسد ان غیر المعنی والا لا اھ وکتبت علی قوله تأمل مانصه فانه خلاف المنقول عندنا کما علمت وغایته ان یکون مترددا بین الاشباع وہو غیر مفسد للمعنی کما قدمنا عن الخانیة وبین جمع اللاهی و هو مغیر وبالاحتمال لم یثبت التغیر کما تدل علیه فروع جمة لاتکاد تحصی وسیصرح به المحشی فی المفسدات[2] حیث یقول عند الاحتمال ینتفی الفساد لعدم تیقن الخطا[3] اھ فالوجه ماهو المنقول۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) شرعی طور پر اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو بزازیہ کے حوالے سے دُرمختار میں نماز کے مفسدات میں آرہا ہے کہ الحان کے ساتھ قرات نماز کو فاسد کردیتی ہے اگر معنی میں تبدیلی آجائے ورنہ نہیں اھ اور میں نے ان کے لفظ "تامل" پر یہ حاشیہ لکھا جس کے الفاظ یہ ہیں یہ ہمارے نزدیک خلاف منقول ہے جیسا کہ آپ جان چکے زیادہ سے زیادہ اس میں تردّد پیدا ہوتا ہے درمیان اشباع کے، اور اشباع کی صورت میں معنی میں فساد پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ ہم خانیہ کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں اور درمیان لاھی کی جمع کے، اور وہ مغیر المعنی ہے، مگر محض احتمال کے ساتھ تبدیلی ثابت نہیں ہوجاتی جیسا کہ اس پر بے شمار جزئیات دال ہیں اور عنقریب محشی آگے مفسداتِ نماز میں اس بات کی تصریح کررہے ہیں، عبارت یہ ہے احتمال کے وقت فسادِ نماز نہ ہوگا کیونکہ غلطی کا یقین نہیں اھ پس بہتر وہی ہے جو منقول ہے۔

اُس میں ہے:

[1] جدالممتار فصل اذاارادالشروع المجمع الاسلامی مبارک پور ۱/۳۳۸

[2] جدالممتار فصل اذاارادالشروع المجمع الاسلامی مبارک پور ۱/۳۳۸

[3] ردالمحتار فصل واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۸

قوله بالالحان ای بالنغمات وحاصلها کما فی الفتح اشباع الحرکات لمراعات النغم (قوله ان غیر المعنی) کما لو قرأ الحمد لله رب العلمین واشبع الحرکات حتی اتی بواوبعد الدال وبیاء بعد اللام والهاء وبالف بعد الراء ومثله قول المبلغ رابنالك الحامد بالالف بعد الراء لان الراب هو زوج الام کمافی الصحاح والقاموس[1] اھ۔ **اقول:** ذکر اتیان الواو بعد الدال والیاء بعد الهاء وقع فی غیرموقعه لما علمت انهما محل الاشباع ،ولا یتغیر فیه المعنی وانما مشی المحشی رحمة الله تعالی علی ماظن سابقا فی اشباع هاء الجلالة وقد علمت انه خلاف المقصود۔	اس کی عبارت بالحان سے مراد نغمات ہیں اور فتح کے مطابق اس کا حاصل یہ ہے" نغمہ کی رعایت کرتے ہوئے حرکات میں اشباع پیدا کرنا"اور اس کی عبارت"ان غیر المعنی" سے مراد یہ ہے جیسا کہ کسی نے الحمد للہ رب العلمین پڑھتے ہوئے حرکات میں اتنا اشباع کیا کہ دال کے بعد واو، لام اور ہا کے بعد یا اور راء کے بعد الف بڑھا دیا اسی طرح کسی مبلغ (آواز پہنچانے والے) نے رابنالک الحامد پڑھا یعنی را کے آگے الف بڑھا دیا کیوں کہ راب کا معنی ماں کے شوہر کے ہیں، جیسا کہ صحاح اور قاموس میں ہے اھ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں دال کے بعد واؤ اور ھا کے بعد یا کا تذکرہ اس محل ومقام کے مناسب نہیں کیونکہ ان دونوں حرفوں میں اشباع ہے مگر معنی تبدیل نہیں ہوتا۔ محشّی رحمہ اللہ تعالٰی اپنے سابقہ گمان پر چلے ہیں جو انھیں اسم جلالت کی ہاء کے بارے میں ہوا تھا اور آپ نے جان لیا کہ یہ خلاف مقصود ہے (ت)

مختار محققین قول ائمہ متقدمین ہے کما بینه فی الغنیه (جیسا کہ غنیہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور ظاہر الفظ جموعۃ شق ثانی سے ہے کہ اس کے معنی معلوم نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ثانیہ: حروف کو کجّی زبان سے ادا کرنا یہ اگر ایسی جگہ ہو کہ فسادِ معنی لازم نہ آئے جیسے لاتقھر کی جگہ لاتکھر تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک مطلقاً مفسد نہیں ورنہ معتمد ائمہ مذہب، مطلقاً فساد ہے اور پ یا چ یا گ بولنے میں فساد اظہر کہ یہ حروف کلام اللہ تو کلام اللہ، کلام عرب ہی میں نہیں۔ قنیہ میں:

سألت استاذنا برهان الائمة المطرزی عمن قرأفی صلاته کلمة فیها جیم بالچیم	میں نے اپنے استاذ برہان الائمہ المطرزی سے اس شخص کے بارے میں پُوچھا جو نماز میں جیم کی جگہ چ یا

[1] ردالمحتار باب یفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی ۱/۴۶۸

اوالباء پاء هل تفسد فتأمل فیه کثیرا ثم تقرر رأیه علی انه لحن مفسد قلت ینبغی ان لاتفسد علی ما اختاره المتأخرون انه اذا تقارب المخرج لایکون لحنامفسدا [1] الخ ملخصا۔	باء کی جگہ پاء پڑھتا ہے کیا اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں ؟ انھوں نے بڑے غور وفکر کے بعد اپنی اس پختہ رائے کا اظہار کیا کہ یہ لحن ہے جو مفسد نماز ہے، میں کہتا ہوں اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ متاخرین نے اس بنا پر سے اختیار کیا ہے کہ جب مخارج قریب ہوں تو لحن مفسد نہیں ہوتا الخ تلخیصات (ت)

یہ مسئلہ مسئلہ الثغ ہے اور اس کی تفصیل و تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے اور عامہ ائمہ کا مفتی بہ یہی ہے اس کی امامت صحیح نہیں اور نماز اُس کے پیچھے فاسد ہے۔

فی الخیریة امامة الالثغ بالفصیح فاسدة فی الراجح الصحیح [2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ الثغ (توتلا) کا صحیح پڑھنے والے کا امام ہونا راجح اور صحیح قول کے مطابق فاسد ہے، (یعنی درست نہیں)۔(ت)

توپی لیلة الکھدر پڑھنے والے کے پیچھے صحیح خواں کی نماز باطل ہے اور اسے امام کرنا حرام، ھذا جملة الکلام وللتفصیل غیرذلك من المقام (یہ خلاصہ کلام ہے اور تفصیل کے لئے اس کے علاوہ مقام ہے۔ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

---

[1] قنیہ فتاوٰی قنیۃ باب زلۃ القاری المطبعۃ المشتہرہ بالمہانندیۃ ص ۶۲
[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ بیروت ۱/۱۰

باب الامامۃ

(امامت کا بیان)

مسئلہ نمبر ۵۶۴: اگر امام رفع یدین کرتا ہے اور آمین پکارتا ہے اور سب مقتدی حنفی المذہب ہیں کہ آمین بالجہر اور رفع یدین نہیں کرتے اور مقتدی اس کی امامت سے پناہ مانگتے ہیں مگر وہ نماز جبراً پڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اس فعل کو ہر گز نہیں چھوڑوں گا خواہ میرے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھے اور وہ علم بھی رکھتا ہے پس ایسے امام کے واسطے کیا حکم ہے اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ کیا حکم شرع شریف دیتی ہے؟

الجواب:

ان بلاد میں آمین بالجہر و رفع یدین والے غیر مقلدین ہیں اور غیر مقلدین گمراہ بددین اور ان کے پیچھے نماز ناجائز، **کما حققنا فی النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید** (اس کی پُوری تحقیق ہم نے اپنے رسالے **النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید** میں کی ہے۔ت) (جو آگے آرہا ہے) اور اگر بالفرض کوئی سُنّی صحیح العقیدہ شافعی مذہب بھی آگیا ہو تو اسے ہرگز حلال نہیں کہ کراہت جمیع جماعت و نفرت جملہ مقتدیان کے ساتھ بالجبر اُن کی امامت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے بالشت بھر اُوپر نہیں اُٹھتی یعنی مردود ہے قبول بارگاہ کی طرف بلند نہیں کی جاتی **واحد منھم من ام قوما وھم له کارھون**[1] اُن میں ایک وہ ہے جو لوگوں کی امامت کرے اور وہ ناراض ہوں ___ (دوسرا غلام ہے جو اپنے آقا سے بھاگ جائے، تیسری وہ عورت ہے جو رات اس طرح گزارے کہ اس کا شوہر اس پر غضبناک رہے۔

مسئلہ نمبر ۵۶۵: ایک شخص حافظ قرآن ہے مگر آدھا کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے اور خود ولی بن کر عورتوں مردوں کو نصف

[1] المصنّف لعبد الرزاق باب الآبق من سیّدہ مطبوعہ المجلس العلمی بیروت ۱۱/ ۲۴۷

کلمہ پڑھاتا ہے اور محمد رسول اللہ بظاہر اس کی زبان سے نہیں سُنا جاتا اور وُہ امامت بھی کرتا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز امّت محمدیہ حنفیّہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام کی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صوفیہ کرام نے تصفیہ قلب کے لئے ذکر شریف لا الٰہ الا اللہ رکھا ہے کہ تصفیہ حرارت پہنچانے سے ہوتا ہے اور کلمہ طیّبہ کا یہ جز گرم وجلالی ہے اور دوسرا جز کریم سرد خنک جمالی ہے، اگر ایسے ہی موقع پر صرف لاالٰہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر خود کلمہ طیبہ پڑھنے میں صرف لاالٰہ الا اللہ کافی سمجھتا ہے اور محمد رسول اللہ سے احتراز کرتا ہے تو اس کی امامت ناجائز ہے کہ یہ ذکر پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معاذاللہ بے پرواہی پر دلیل ہے اور اگر واقعی اسے محمد رسول اللہ کہنے سے انکار ہے یا یہ ذکر کریم اُسے مکروہ و ناگوار ہے تو صریح کافر و مستوجب تخلید فی النار، **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۶۶: ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اگر امام نماز پڑھائے جماعت کی اور اللہ آواز سے کہے اور اکبر نہ کہے کہ کسی مقتدی کو نہ سنائی دے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اللہ اکبر پورا باآواز کہنا مسنون ہے سنّت ترک ہوئی نماز میں کراہت تنزیہی آئی مگر نماز ہوگئی، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۶۷: از ورڈ ضلع نینی تال ڈاک خانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے رباعی نماز سے ایک رکعت آخری پائی اور وُہ شخص قعدہ اولٰی کے واسطے دُوسری رکعت میں قعدہ کرے گا، یا اس کو چاہئے کہ دوسری میں قعدہ کرے یا تیسری میں اور اگر تیسری میں قعدہ اولٰی کیا تو اُس پر سجدہ سہو آئے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قول ارجح میں اسے یہی چاہئے کہ سلامِ امام کے بعد ایک ہی رکعت پڑھ کر قعدہ اولٰی کرے پھر دوسری بلا قعدہ پڑھ کر تیسری پر قعدہ اخیرہ کرے، دُرمختار میں ہے:

یقضی اول صلاتہ فی حق قرأۃ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر فجر یاتی	مسبوق قرات کے باب میں اپنی نماز کا اوّل اور تشہد کے باب میں اپنی نماز کا آخر پڑھے (یعنی فوت شدہ نماز کو قرات کے حق میں شروع نماز سمجھے اور تشہد کے

برکعتین بفاتحۃ وسورۃ وتشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولایقعد قبلھا[1]۔	حق میں امام کے ساتھ پڑھی ہوئی کو بھی ملائے) پس نمازِ فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعت میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے اور انکے درمیان تشہد بیٹھے اور چار رکعتوں والی نماز کی چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ پڑھے اور چوتھی رکعت سے پہلے تشہد نہ بیٹھے۔(ت)

مگر اس کا عکس بھی کیا کہ دو۲ پڑھ کر بیٹھا پہلی پر قعدہ نہ کیا پھر تیسری پر قعدہ اخیرہ کیا تو یوں بھی نماز جائز ہوگی سجدہ سہو لازم نہ آئے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی شرح المنیۃ ولو لم یقعد جاز استحسانا لاقیاسا ولم یلزمہ سجود السھو لکون الرکعۃ اولی من وجہ[2]۔	شرح المنیہ میں ہے کہ اگر وہ پہلی رکعت پر قعدہ نہ بیٹھا تو استحسانًا جائز ہے قیاسًا نہیں اور چونکہ یہ من وجہ پہلی رکعت ہے لہٰذا اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ فیصلہ بعینہا فتوٰی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے **کما ذکرہ محرر المذہب محمد رحمہ اللہ تعالٰی** (جیسا کہ محرر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۶۸: ۱۷جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اندھا ہے لیکن حافظ قرآن اور قاری ہے اور مسائل روزہ و نماز سے بھی اچھی طرح واقف ہے اور نیز آیاتِ قرآن مجید کا ترجمہ کرسکتا ہے اور بہت سی حدیثیں بھی جانتا ہے اور اس لیاقت کا کوئی شخص اس محلّہ میں نہیں ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہر جماعت میں سب سے زیادہ مستحق امامت وہی ہے جو اُن سب سے زیادہ مسائل نماز وطہارت جانتا ہے اگرچہ اور مسائل میں بہ نسبت دوسروں کے علم کم ہو مگر شرط یہ ہے کہ حروف اتنے صحیح ادا کرے کہ نماز میں فساد نہ آنے پائے اور فاسق وبدمذہب نہ ہو، جو شخص ان صفات کا جامع ہو اس کی امامت افضل، اگرچہ

---

[1] دُرمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۸۶/۱

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۴۱/۱

اندھا ہو کہ زیادتِ علم کے باعث کراہت نابینائی زائل ہو جاتی ہے، ہاں فاسق وبدمذہب کی امامت بہر حال مکروہ اگرچہ سب حاضرین سے زیادہ علم رکھتے ہوں۔یوں ہی حرف ایسے غلط ادا کئے کہ نماز گئی توامامت جائز ہی نہیں اگرچہ عالم ہی ہو۔درمختار میں ہے:

الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلٰوۃ فقط صحۃ وفسادا بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ[1] اھ ملخصا	امامتِ نماز کے زیادہ لائق وہ شخص ہے جو فقط احکامِ نماز مثلاً صحت وفساد نماز سے متعلق مسائل سے زیادہ آگاہ ہو بشرطیکہ وُہ ظاہری گناہوں سے بچنے والا ہو اھ تلخیصًا (ت)

کافی میں ہے:

الاعلم بالسنۃ اولی الا ان یطعن علیہ فی دینہ[2]۔	جو شخص سنّت سے زیادہ واقف ہو وہ امامت کے لئے سب سے بہتر ہوتا ہے، مگر اس صورت میں نہیں جب اس کے دین پر اعتراض ہو۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

قید کراھۃ امامۃ الاعمی فی المحیط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی[3]۔	محیط وغیرہ میں تصحیح امامت اعمٰی کی کراہت اس بات سے مقید کی ہے کہ جب وہ قوم سے افضل نہ ہو، اگر وہ افضل ہو تو اس کا امام بننا بہتر ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اما الفاسق فقد عللوا کراھۃ تقدیمہ بانہ لایھتم لامر دینہ ،وبان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا ولا یخفی انہ اذاکان اعلم من غیرہ لاتزول العلۃ فانہ لایؤمن ان یصلی بھم	فاسق کی امامت کے مکروہ ہونے کی فقہاء نے یہ علّت بیان کی ہے کہ وہ اپنے دین کی تعظیم واہتمام نہیں کرتا اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ امامت کے لئے اس کی تقدیم میں تعظیم ہوگی حالانکہ شرعًا لوگوں پر اسکی اہانت کا حکم ہے۔واضح رہے کہ جب فاسق دوسروں سے زیادہ

[1] دُرمختار ، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۲

[2] کافی

[3] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۸

بغیر طھارۃ فھو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال [1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	صاحبِ علم ہو تو یہ علت زائل نہیں ہو جاتی کیونکہ ممکن ہے وہ بغیر طہارت کے ہی نماز پڑھادے بہر حال وہ بدعتی کی طرح ہے۔ جس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۶۹: از چھاؤنی کامٹی ضلع ناگپور مرسلہ حافظ محمد یقین الدین صاحب رضوی ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جن مسجدوں میں کئی درجے ہوں اور ہر درجہ سہ درجہ پنج درجہ امام کو اُن کی ہر محراب و در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے یا صرف اندرونی محرابوں یا وسطانی دروں میں۔ بینوا توجروا

الجواب:

محرابیں وہی ہیں جو وسط میں قیامِ امام کی علامت کے لئے بنائی جاتی ہیں باقی جو فرجے دو ۲ ستونوں کے درمیان ہوتے ہیں در ہیں اور امام کو بلاضرورت تنگی مسجد، ہر محراب و در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے، پھر اطراف کے دروں میں قیام نافیِ کراہت نہیں بلکہ بسا اوقات اور کراہتوں کا باعث ہوگا کہ امام راتب کو محراب چھوڑ کر ادھر اُدھر کھڑا ہونا مکروہ ہے اور اگر مسجد کی صف پوری ہوئی تو اس صورت میں امام وسط صف کے محاذی نہ ہوگا یہ ہر امام کے لئے مکروہ ہے اگرچہ غیر راتب ہو، تنویر الابصار میں ہے: کرہ قیام الامام فی المحراب مطلقا [2] اھ مخلصا (امام کا محراب میں کھڑا ہونا مطلقاً مکروہ ہے اھ تلخیصًا۔ ت) بحر الرائق میں ہے: مقتضی ظاھر الروایۃ الکراھۃ مطلقا [3] (ظاہر الروایہ کا تقاضا یہی ہے کہ یہ مطلقاً مکروہ ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی ان یقوم بین الساریتین او زاویۃ اوناحیۃ المسجد او الی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ اھ وفیہ ایضا السنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب	معراج الدرایہ کے باب الامامت میں ہے کہ امام صاحب سے جو کچھ مروی ہے اس میں اصح یہ ہے کہ امام کا دو ۲ ستونوں کے درمیان یا مسجد کے کسی گوشے میں یا مسجد کی کسی ایک جانب یا کسی ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ یہ امّت کے عمل کے خلاف ہے۔ اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ امام کا وسطِ صف میں کھڑا ہونا سنّت ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ محراب مساجد کے درمیان میں

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[2] در مختار شرح تنویر الابصار باب مایفسد الصلوۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۲

[3] بحر الرائق، باب مایفسد الصلوۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۶

مانصبت الا وسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام اھ وفی التاتارخانیۃ ویکرہ ان یقوم فی غیر المحراب الالضرورۃ اھ ومقتضاہ ان الامام لو ترك المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامہ وسط الصف لانہ خلاف عمل الامۃ وھوظاہر فی الامام الراتب دون غیرہ والمنفرد فاغتنم ھذہ الفائدۃ [1] اھ	ہوتے ہیں اور یہ امام کے کھڑے ہونے کے لئے متعین ہوتے ہیں اھ اور تاتارخانیہ میں ہے امام کا ضرورت کے بغیر محراب کے علاوہ کسی جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام محراب چھوڑ کر کسی دوسری جگہ کھڑا ہوگیا اگرچہ اس کا قیام وسطِ صف میں ہو تب بھی وہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہ عمل امّت کے خلاف ہے، اور یہ بات مقرر امام کے بارے میں ہے، اگر امام مقرر نہیں یا تنہا نمازی ہے (توپھر یہ پابندی نہیں) پس اس فائدہ کو قیمتی جان اھ (ت)

اُسی میں ہے:

عن المعراج عن حلوانی عن ابی اللیث لایکرہ قیام الامام فی الطاق عند الضرورۃ بان ضاق المسجد علی القوم [2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	معراج سے وہ حلوانی سے امام ابواللیث کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ امام کا ضرورت کے وقت طاق میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں مثلاً اگر مسجد نمازیوں کے لئے تنگ ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۷۰: از پیلی بھیت مسجد جامع مرسلہ مولوی احسان صاحب ۳۰ رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو کہ نہ حافظ قرآن ہے نہ مسائل دان نہ علمِ قرات سے واقف ایک معمولی اردوخواں بلکہ بازار میں کتب فروشی و نعلین فروشی کی دکان کرنے والا ہے ایک مسجد کا امام بننا چاہتا ہے حالانکہ دو عالم متقی ومحتاط اسی مسجد میں اور بھی موجود ہیں اور مہتمم مسجد واکثر نمازی اس شخص کی امامت سے راضی نہیں اس صورت میں ایسے امام کے حق میں کیا حکم ہے اور ان علماء کی اقتداء کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں اُس شخص کو امام بننا جائز نہیں اگر امامت کرے گا گنہگار ہوگا جب لوگ اسکی امامت اس وجہ سے ناپسند رکھتے ہیں کہ اُس سے زیادہ علم والے موجود ہیں تو اُسے امامت کرنا شرعاً منع ہے۔

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

در مختار میں ہے:

لو ام قوماوھم له کارھون ان الکراھة لفساد فیه اولانھم احق بالامامة منه کرہ له ذٰلك تحریما[1] الخ	اگر کوئی کسی قوم کا امام بنا حالانکہ وہ لوگ اس کو برا جانتے ہیں تو اگران کی نفرت امام کے اندر کسی خرابی کی وجہ سے ہے یااس وجہ سے کہ وہ لوگ بنسبت امام مذکور کے امامت کے زیادہ مستحق ہیں تواس شخص کوامام ہونامکروہِ تحریمی ہے الخ۔(ت)

پس شخص مذکور ہر گزامامت نہ کرے بلکہ جو سنّی صحیح العقیدہ غیر فاسق کہ حروف بقدر صحت نماز ٹھیک ادا کرتا اور وہاں کے نمازیوں میں سب سے زیادہ مسائلِ نماز کا علم رکھتا ہواسی کوامام کیا جائے کہ حق صاحبِ حق کو پہنچے اور مقتدیوں کی نماز بھی خوبی وخوش اسلوبی پائے۔حدیث شریف میں ہے:

ان سرکم ان تقبل صلٰوتکم فلیؤمکم علماؤکم[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن مرثد الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنه وفی الباب عن ابی عمر وعن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اگر تمھیں اپنی نماز مقبول ہونا منظور ہے تو چاہئے کہ تمھارے علماء تمھاری امامت کریں۔اس کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت مرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور اس مسئلہ کے بارے میں حضرت ابو عمرو اور حضرت ابو امامہ الباہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث بیان کی گئی ہے۔

کیا یہ شخص جس کے جہل کے باعث اکثر نمازی اس کی امامت سے ناراض ہیں اُن سخت وعیدوں سے خوف نہیں کرتا جو ایسے امام کے حق میں آئیں۔حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایقبل اللہ منھم صلٰوة من تقدم قوماوھم له کارھون۔[3] اخرجه ابوداؤد	تین اشخاص ہیں جن کی نماز اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا ایک وہ جو لوگوں کی امامت کرے اور وہ اسے ناپسند رکھتے

[1] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] مجمع الزوائد باب الامامۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۶۴،المعجم الکبیر مااسند مرثد لغنوی مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/۳۲۸

نوٹ: المعجم الکبیر میں فلیؤمکم علماءکم کی جگہ فلیومکم خیارکم ہے اور مجمع الزوائد فلیومکم علماء کم ہے اس لئے مجمع الزوائد سے حوالہ نقل کیا ہے (نزیر احمد سعید)

[3] سنن ابی داؤد باب الرجل یوم القوم ھم لہ کارھون مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۸

وابن ماجة عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وفی الباب عن ابن عباس وعن عمرو ابن حارث وعن جنادة ابن امية وعن ابی امامة الباهلی رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	ہوں۔اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور اس بارے میں حضرت ابن عباس، حضرت عمرو بن حارث، حضرت جنادہ بن امیہ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی حدیث مروی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

من ام قوما وفیهم اقرأ لکتاب اللہ منه و اعلم لم یزل فی سفال الی یوم القیامة [1]۔اخرجه العقیلی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کسی قوم کی امامت کرے اور اُن میں وہ شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ قاریٔ قرآن و ذی علم ہے وہ قیامت تک پستی و خواری میں رہے گا۔اس کو عقیلی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے۔

مسئلہ ۵۷۱: ۱۲ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد میں ہمیشہ سے امامت کے واسطے معین ہے اور ایک شخص اس سے افضل کسی شہر سے آیا چند آدمیوں نے چاہاکہ یہ شخص فاضل ہے اس وقت کی نماز یہی پڑھائے، امام قدیم سے پُوچھاکہ آپ کی اجازت ہے یا نہیں؟ اس نے انکار کیا، مگر چند آدمیوں نے اس مسافر کو کھڑا کردیا یہ لوگ اور مسافر امام قدیم کے مؤاخذہ دار ہوئے یا نہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:

اگر امام قدیم مثل غلط خوانی قرآن بحد افساد نماز بدمذہبی مثل وہابیت وغیر مقلدی یا فسق ظاہر مانند شراب نوشی وزناکاری کوئی خلل ایسا نہ ہو جس کے باعث اُسے امام بنانا شرعًا ممنوع ہو تو اس مسجد کی امامت اُسی کا حق ہوتی ہے اس کے ہوتے دوسرے کو اگرچہ اُس سے زیادہ علم و فضل رکھتا ہو بے اس کی اجازت کے امام بننا بنانا شرعًا ناپسندیدہ وخلاف حکم حدیث وفقہ ہے، حضوت پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یؤمن الرجل فی سلطانه [2] رواہ احمد ومسلم عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	امام مسجد کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص امامت نہ کرائے۔اس حدیث کو امام احمد اور امام مسلم نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ نمبر ۱۹۶۳ء الہیثم بن عقاب کوفی مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳۵۵/۴

[2] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۳۶/۱

دوسری حدیث میں ہے:

من زارقوما فلا یؤمھم ولیؤ مھم رجل منھم رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی عن مالك ابن الحویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	جو شخص کسی قوم کا مہمان ہے وہ ان کی امامت نہ کروائے بلکہ اُس قوم میں سے کوئی شخص ان کا امام بنے۔ اس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

صاحب البیت ومثلہ امام المسجد الراتب اولی بالامامۃ من غیرہ مطلقا[2] الخ	صاحب خانہ اور مقرر امام مسجد کاامامت کروانا دوسرے لوگوں سے مطلقًا بہتر ہے الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان کان غیرہ من الحاضرین من ھو اعلم واقرأ منہ[3]۔	یعنی اگرچہ حاضرین میں سے کوئی شخص اس گھر والے یا مقرر کردہ امام مسجد سے زیادہ عالم اور قاری ہو۔(ت)

پس صورت متفسرہ میں اگراس امام قدیم میں اس قسم کا کوئی خلل نہ تھا تو بلاشبہ باوصف اُس کی ممانعت کے اس مسافر کاامام بننا ناحق اسکے حق میں دست اندازی کرنا ہوااور یہ خود اور وہ چند آدمی جنھوں نے ایسی حالت میں اسے امام بنایا مبتلائے کراہت و مخالف حکم شریعت ہُوئے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۷۲: از سیتاپور محلّہ تامس گنج مرسلہ حضور نورالعارفین صاحب دام ظلہم المعین ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ہجری

بخدمت علمائے متبحرین ملتمس ہُوں مثلاً کوئی لڑکا عمراس کی تیرہ ۱۳ یا چودہ ۱۴ برس کی ہے اور وہ قرآن شریف پڑھا ہے لیکن کبھی نماز نہیں پڑھتااور باوجود ہونے متصل مسجد مکان کے بیٹھا رہتا ہے اور نماز جمعہ کی قصداً نہیں پڑھتااور نابالغ ہے اور اپنے گھر کی عورت کو لے کر میلہ ہنود میں جیسے کہ میلہ کُنبھ اور میلہ ردنا وغیرہ میں جاتا ہے

---

[1] سنن ابوداؤد باب امامۃ الزائر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۸

[2] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۳

[3] ردالمحتار، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۳

اور عورتیں اُس گھر کی دھوبلا پوش ہیں اور پرستش رسمِ ہنود کی کرتی ہیں، اُس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا لڑکا نمازِ جنازہ پڑھائے تو درست ہے یا نادرست؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر فی الواقع اس کے یہاں کی عورات غیر خدا کو پوجتی ہیں یعنی حقیقۃً دوسرے کی عبادت کہ شرک حقیقی ہے (نہ صرف وہ بعض رسومِ جاہلیت یا افعالِ جہالت کہ حدِ فسق وگناہ سے متجاوز نہیں گو اہلِ تشدد انھیں بنام شرک وپرستش غیر تعبیر کریں) اور وہ اس شرک حقیقی پر مطلع اور اس پر راضی ہے تو خود کافر ومرتد ہے **فان الرضا بالکفر کفر** (کیونکہ کفر کے ساتھ رضامندی بھی کفر ہے۔ت) اس تقدیر پر وُہ بالغ ہو نابالغ کسی بچے کی بھی کوئی نماز اس کے پیچھے صحیح نہیں ہوسکتی نہ اسکے پڑھنے سے نمازِ جنازہ کا فرض ساقط ہو **فان الکافر لیس من اھل العبادۃ اصلا** (کیونکہ کافر عبادت کا ہر گز اہل نہیں۔ت) اور اگر ان عوارت کے افعال حدِ کفر تک نہیں یا ہیں مگر یہ ان پر راضی نہیں تو مسلمان ہے پس اگر فی الواقع نابالغ ہے تو بالغین کی نماز اُس کے پیچھے صحیح نہیں اگرچہ نمازِ جنازہ ہی ہو، ہاں جنازہ میں امامت کرے گا تو ظاہرًا نماز فرض کفایہ تھی ادا ہوجائے گی کہ گو اوروں کی نماز اس کے پیچھے نہ ہو اس کی اپنی تو ہوگئی سقوطِ فرض کے لئے اسی قدر بس ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں، ولہٰذا اس میں عورت کی امامت سے بھی فرض ساقط ہوجاتا ہے۔

فی الدرالمختار لایصح اقتداء رجل بامرأۃ وخنثی وصبی مطلقا ولو جنازۃ[1]۔	درمختار میں ہے کہ کسی مرد کا کسی عورت، خنثی یا بچّے کی اقتداء کرنا صحیح نہیں، اگرچہ وہ نمازِ جنازہ ہی کیوں نہ ہو۔ (ت)

اُسی کے صلاۃ الجنائز میں ہے:

لوام بلا طہارۃ والقوم بہا اعیدت و بعکسہ لاکما لوامت امرأۃ ولوامۃ لسقوط فرضہا بواحد[2]۔	اگر امام نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی اور قوم باطہارت تھی تو نماز لوٹائی جائے گی اگر اس کے برعکس ہو تو نہیں جیسا کہ کسی عورت نے امامت کرائی خواہ وہ لونڈی ہی ہو کیونکہ شخص واحد سے فرض ساقط ہوگیا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار، باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱/۸۴

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی ۱/۱۲۱

قال الامام الاستروشنی فی کتاب احکام الصغار الصبی اذاغسل المیت جاز[1] اھ ای یسقط بہ الوجوب فسقوط الوجوب بصلاتہ علی المیت اولی لانہا دعاء وھو اقرب للاجابۃ من المکلفین۔	امام استروشنی نے کتاب الاحکام الصغار میں تصریح کی ہے کہ بچّہ اگر کسی میت کو غسل دے تو جائز اھ یعنی اس سے وجوب ساقط ہوجائے گا لہٰذا میّت پر بچّے کی نماز سے وجوب نماز بطریقِ اولٰی ساقط ہوجائے گا کیونکہ نمازِ جنازہ دُعا ہے اور بالغ لوگوں کی بنسبت بچّے کی دُعا جلدی قبول ہوتی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

نقل الاحکام عن جامع الفتاوٰی ،سقوطہا بفعلہ کردالسلام[2] اھ وتمام تحقیقہ فیہ من الامامۃ ومن الجنائز۔	لیکن احکام میں جامع الفتاوٰی سے منقول ہے کہ بچّے کے نماز جنازہ پڑھانے سے اس کا سقوط ہوجاتا ہے جیسا کہ بچّہ اگر اسلام کا جواب دے تو اس کے سلام کا جواب دینا درست ہے اھ اور اس بارے میں تمام تحقیق باب الامامۃ اور باب الجنائز میں ہے۔ (ت)

اور اگر بالغ ہے تو ہر نماز یہاں تک کہ فرائض پنجگانہ بھی اس کے پیچھے ہو تو جائیں گے کہ داڑھی مونچھ شرط صحتِ امامت نہیں بلوغ درکار ہے اور وہ ظہور آثار مثل احتلام وغیرہ سے لڑکوں میں بارہ ۱۲ برس کی عمر سے ممکن لیکن جبکہ وُہ تارک الصلٰوۃ اور بلا تاویل تارک جمعہ ہے اور بے عذر صحیح ترک مسجد اور ہنود کے میلوں میں جانے اور اپنی عورات کو لے جانے کا عادی ہے تو بوجوہ کثیر فاسق ہے کہ ان میں ہر امر فسق کے لئے کافی، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ پڑھی جائے تو شرعًا اس کا اعادہ مطلوب۔

لما صرحوا بہ من کراھۃ الصلٰوۃ خلف الفاسق وان کل صلٰوۃ ادیت مع کراھۃ فانہا تعاد وجوبا لو تحریمۃ وندبا لوتنزیہۃ وقداختار المحقق الحلبی کراھۃ التحریم فی الفاسق وھو قضیۃ الدلیل لاسیما اذکان	جیسا کہ فقہانے اس بات کی تصریح کی ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اور ہر وُہ نماز جو کراہت کے ساتھ ادا کی جائے تو مکروہ تحریمی کی صورت میں اس کا لوٹانا واجب اور تنزیہی کی صورت میں لوٹانا مستحب ہے اور محقق حلبی نے اقتداءِ فاسق کے مکروہ تحریمی ہونے کو مختار قرار دیا ہے اور یہی دلیل کا تقاضا ہے خصوصًا جبکہ

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۱

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۱

معلناً۔	وہ فاسق ملعن ہو۔(ت)

اور نمازِ جنازہ میں اسے امام کرنا اور بھی زیادہ معیوب کہ یہ نماز بغرض دُعا و شفاعت ہے اور فاسق کو شفاعت کے لئے مقدم کرنا حماقت، تاہم اگر پڑھائے گا تو جوازِ نماز وسقوط فرض میں کلام نہیں **کما لا یخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ نمبر ۵۷۳: ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس نے امام کے ساتھ کچھ رکعتیں نہ پائیں بعد سلام امام وُہ اپنی رکعات باقیہ ادا کرتا ہے اس صورت میں کسی نے اس کی اقتدا کی تو اس اقتدا کرنے والے کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ۔ **فی تنویر الابصار المسبوق منفرد فیما یقضیہ الافی اربع لایجوز الاقتداء بہ**[1] (تنویر الابصار میں ہے مسبوق منفرد ہے اس نماز میں کہ قضا کرتا ہے یعنی وہ نماز جو امام کے ساتھ نہیں ملی اس کے پڑھنے میں منفرد ہے مگر چار مسئلوں میں کہ وہ مثل مقتدی کے اوّل مسئلہ یہ ہے کہ اس کی اقتداء جائز نہیں (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۷۴: یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُود خور کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ اور اسے امام مقرر کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سود خور فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز ناقص و مکروہ اگر پڑھ لی تو پھیری جائے اگرچہ مدت گزر چکی ہو، ولہذا اسے ہرگز امام نہ کیا جائے جہاں امامت کرتا ہو بشرط قدرت معزول کرکے امام متقی صحیح العقیدہ صحیح القراۃ مقرر کریں، اگر قدرت نہ پائیں تو جمعہ کے لئے دوسری مسجد میں جائیں یونہی پنجگانہ میں خواہ اپنی دوسری جماعت یہیں کرلیں۔ صغیری میں: **یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم**[2] (فاسق کی تقدیم (یعنی امامت) مکروہ تحریمی ہے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی مباحث الامامت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶۲

کرہ امامة الفاسق العالم لعدم اهتما مه بالدین فتجب اهانته شرعا فلایعظم بتقدیمه للامامة واذا تعذر منعه ینتقل عنه الی غیر مسجد للجمعة وغیرها[1]۔	فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کی اتباع کا اہتمام نہیں کرتا لہٰذا شرعًا اس کی تذلیل واجب ہے پس امامت کے لئے تقدیم کی صورت میں اس کی تعظیم درست نہیں جب اس کا روکنا دشوار ہو تو ایسے حضرات کو جمعہ وغیرہ کے لئے دوسری مسجد میں چلے جانا چاہئے۔(ت)

طحطاویہ میں ہے:

تبع فیه الزیلعی ومفادہ کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة[2]۔	زیلعی نے اس میں اسی کا اتباع کیا اس کا مفادیہ ہے کہ فاسق کے امام ہونے میں کراہت تحریمی ہے۔(ت)

حاشیہ درمختار میں فرمایا:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا ومفادهذا کراهة التحریم فی تقدیمه[3] اھ ابو مسعود۔	فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا اس کی اہانت ان پر لازم ہے، یہ بات اس پر دال ہے کہ فاسق کی تقدیم مکروہِ تحریمہ ہے اھ ابو مسعود (ت)

کبیری میں ہے:

لو استویافی العلم والصلاح واحد هما اقرأ فقدموا الاخر اساؤا ولا یاثمون فالاساءۃ لترك السنة وعدم الاثم لعدم ترك الواجب لانهم قدموا رجلا صالحا کذافی فتاوی الحجة و فیه اشارۃ الی انهم لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کرهة تقدیمه کراهة	اگر دو[۲] شخص علم وصلاح میں برابر ہوں مگر ایک صاحبِ تجوید ہو تو اگر دوسرے کو امام بنالیا تو وہ اساءت کے مرتکب ہوئے البتہ گناہگار نہ ہوں گے۔اساءت ترک سنّت کے سبب ہے اور عدمِ گناہ عدم ترک واجب کی وجہ سے ہے کیونکہ انہوں نے ایک صالح شخص کو امام بنایا، فتاوٰی حجہ میں اسی طرح ہے، اسی میں اس طرف اشارہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ص ۱۶۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ص ۱۶۵

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ مطبوعہ درالمعرفۃ بیروت ، ۱/۲۴۳

تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساهله فی الایتان بلوازمه فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلٰوة وفعل ماینافیها بل هو الغالب بالنظر الی فسقه ولذا لم تجز الصلوة خلفه اصلا عند مالك وروایة عن احمد [1] الخ واللّٰه تعالٰی اعلم	فاسق کو مقدم کر دیا تو گناہگار ہوں گے اس بنا پر کہ فاسق کا مقدم کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ امورِ دین کی پرواہ نہیں کرتا اور دین کے لوازمات پر عمل کرنے سے تساہل برتتا ہے لہٰذا اس سے بعید نہیں کہ وہ نماز کے بعض شرائط فوت کردے اور نماز کے منافی عمل کرے بلکہ اس کے فسق کے پیشِ نظر غالب گمان یہی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز قطعاً جائز نہیں۔الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۷۵: مسئولہ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۴ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو دَر میں یعنی دو ۲ ستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: مکروہ ہے۔

فی مکروهات الصلوة من ردالمختار عن معراج الدرایة باب الامامة الاصح ماروی عن ابی حنیفه انه قال اکره للامام ان یقوم بین الساریتین (الی قوله) لانه بخلاف عمل الامة انتهی [2]۔	ردالمحتار کے مکروہات صلٰوۃ میں معراج الداریہ کے باب الامامت کے حوالے سے ہے کہ امام ابو حنیفہ سے اصح طور پر یہی مروی ہے کہ امام کے دوستونوں کے درمیان کھڑے ہونے کو مکروہ جانتا ہوں (آگے چل کر فرمایا) کیونکہ یہ عملِ امت کے خلاف ہے انتھی (ت) واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۷۶: از اُجین گوالیار مرسلہ مولوی یعقوب علی خان ۱۵ جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ سنّت وجماعت اس مسئلہ میں کہ زید مسائل فقہ سے محض ناواقف اور نہ عبورِ حدیث وتفسیر، باوجود ان اوصاف کے بلادلائل شرعیہ بیان کرے کہ جو مرد اپنی بی بی سے قربت کرے

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] ردالمحتار، مطلب مکروہات الصلٰوۃ فصل فی الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۴۷۸

اور جب تک نہ نہاوے موردِ لعنت ہےاور کہے کہ جو شخص دروازہ مسجد کو بحفاظتِ مسجد بعد نمازِ عشاء مقفل کرے اُس مسجد میں نماز قطعی حرام ہے وُہ آدمی سنگسار کیا جائے اور بغیر علم احادیث و تفسیر ترجمہ قرآن مجید کرے اور فرض کو سنّت اور واجب کو مستحب بیان کرکے جُھوٹے حوالے کتاب کے دے اور بعد ہونے نماز جنازہ بارہ دوم تکبیر پانچ منسوخہ سے نماز جنازہ پڑھاوے اور بلاوقفیت مسائل وارکان نماز پیش امامی کرے نماز اسکے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز کو ناجائز کے کہے اُس کے حق میں اور اُس کے ممدو معاون کے حق میں شرعًا کیا حکم ہے؟ **احکموا اللہ بحوالۃ الکتاب** (اللہ تعالٰی کا حکم بیان کرو حوالہ کتاب کے ساتھ۔ت)

الجواب:

زید جاہل، سخت جری، بیباک ہے۔

اوّلاً: اس کا علی الاطلاق کہنا کہ جو اپنی بی بی سے قربت کرے جب تک نہ نہائے معاذاللہ موردِ لعنت ہے شریعتِ مطہرہ پر سخت افترائے ناپاک ہے حکم صرف اس قدر ہے کہ **مھما امکن** (جتنا جلدی ممکن ہو۔ت) نہانے میں تعجیل مندوب و محبوب ہے اگر نہ نہائے تو وضو کرر کھے کہ جہاں جنب ہوتا ہے وہاں فرشتے آنے سے احتراز کرتے ہیں مگر غسل میں تعجیل نہ کرنے والا معاذاللہ موردِ لعنت ہونا درکنار سرے سے گناہگار بھی نہیں جب تک تاخیر باعثِ فوتِ نماز یا دخول وقت کراہت تحریمی نہ ہو، خود صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیمِ جواز کے لئے بعض اوقات بلکہ خاص شبہائے ماہِ مبارک رمضان میں صبح تک تاخیرِ غسل فرمائی ہے کہ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فعل سے امّت کو دو۲ مسئلہ تخفیف ورحمت معلوم ہوں ایک یہی غسل میں تعجیل گو بہتر ہے پر واجب نہیں، نماز تک تاخیر کا اختیار رکھتا ہے دُوسرے یہ کہ بحالتِ جنابت صبح کرنے سے روزے میں کوئی خلل یا نقص نہیں آتا۔ احمد وبخاری ومسلم وام المومنین صدیقہ وام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصبح جنبا من جماع ثم یغتسل ویصوم زادفی زاویۃ فی رمضان[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بعض اوقات) جماع کی وجہ سے جنبی حالت میں صبح کرتے پھر غسل کرتے اور روزہ رکھتے تھے، ایک روایت میں رمضان کا بھی اضافہ ہے۔(ت)

[1] صحیح بخاری باب الصائم یصبح جنبا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۸، صحیح مسلم باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۴، مسند احمد بن حنبل مروی عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۳۱۳

ثانیًا و ثالثًا: مسئلہ مسجد میں خدا ورسول پر دو ۲ افترااور کئے، ایک یہ کہ اس مسجد میں نماز حرام، دوسرا یہ کہ وہ آدمی سنگسار کیا جائے۔ پہلے افترا سے وہ اُن لوگوں میں داخل ہوا جنہیں قرآن عظیم نے فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ[1]۔	اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں کو ان میں یادالٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔(ت)

اور دوسرے سے وہ بے گناہ مسلم کے ناحق قتل کا فتوی دینے والا ہوا، علماء صاف اجازت دیتے ہیں کہ حاجت کے وقت غیر اوقات نماز میں حفاظت کے لئے دروازہ مسجد بند کرنا جائز ہے۔

کرہ غلق الباب المسجد الالخوف علی متاعہ بہ یفتی[2] درمختار۔ ھذا ھوالصحیح[3] تبیین الحقائق والمسألۃ فی الفتح والبحر والنھر و غیرھا عامۃ کتب المذہب۔	مسجد کے سامان کو چوری سے محفوظ کرنے کے لئے مسجد کو بند رکھنا جائز ہے ورنہ بلا ضرورت مسجد کو بند رکھنا مکروہ ہے۔ اسی پر فتوی ہے۔ درمختار (ت) یہی صحیح ہے، تبیین الحقائق۔ اور یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر اور دیگر مشہور کتب میں یونہی مذکور ہے۔(ت)

ہاں بے حاجت یا غیر وقت حاجت خصوصًا اوقاتِ نماز میں بند کرنا ممنوع اور بند کرنے والا گنا ہگار مگر نہ ایسا کہ سنگسار کرنے کے قابل، اور یہ سخت جہالتِ فاحشہ دیکھئے کہ اُس مسجد میں نماز حرام۔ سبحٰن اللہ! اُس نے تو ایک آدھ وقت دروازہ بند کیا یہ ہمیشہ کو تیغا کٹے دیتا ہے وہ سنگسار کرنے کے قابل ہوا یہ کس سزا کے لائق ہوگا۔

رابعًا: بے علم ترجمہ قرآن مجید میں دخل دینا گناہ کبیرہ ہے، خود قرآن مجید فرماتا ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝۸۰[4]۔	یا تم اللہ کے بارے میں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔(ت)

حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من	جو بغیر علم کے قرآن میں زبان کھولے وہ اپنا گھر

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] تبیین الحقائق فصل کرہ استقبال القبلۃ بالفرج الخ مطبوعہ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۱۶۸

[4] القرآن ۲/ ۸۰

النار[1]۔ رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جہنّم میں بنالے۔اسے ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔

خامسًا، سادسًا، سابعًا: بے سمجھے بُوجھے مسائل شرعیہ میں مداخلت کرنا غلط سلط جو منہ پر آیا فرض کو سنّت، واجب کو مستحب، ناجائز کو جائز بتادینا بھی گناہ عظیم ہے۔ حدیث شریف میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]۔اخرجہ الدارمی عن عبیداللہ بن ابی جعفر مرسلا۔	جو تم میں فتوی پر زیادہ بیباک ہے آتش دوزخ پر زیادہ جری ہے اس کو دارمی نے عبیداللہ بن ابی جعفر سے مرسلاً ذکر کیا ہے۔

ثامنًا تا سعًا عاشرًا کتابوں کے جُھوٹے حوالے دینا کذب وافتراء اور وہ بھی علماء پر اور وہ بھی امورِ دین میں، یہ سب سخت گناہ ہیں، مسائل میں علماء پر افتراء، شرع پر افتراء اور شرع پر افتراء خدا پر افتراء۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾[3]۔	ارشاد ربّانی ہے اور نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو، بے شک جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔(ت)

اور جنازہ کی جب ایک بار ہوچکی تو ہمارے علمائے کرام کے نزدیک اس کا اعادہ جائز نہیں مگر یہ کہ صاحبِ حق یعنی ولی میّت کے بے اذن دیئے عام لوگوں سے کسی نے پڑھادی اور ولی شریک نہ ہُوا تو اُسے اعادہ کا اختیار ہے پھر بھی جو پہلے پڑھ چکے اب نہ ملیں کہ اس کی تکرار مشروع نہیں۔

فی الدرالمختار فان صلی غیرالولی ممن لیس لہ حق التقدم علی الولی ولم یتابعہ الولی اعاد ولو علی قبرہ ان شاء لاجل حقہ لا لاسقاط الفرض	درمختار میں ہے اگر نمازِ جنازہ ولی کے علاوہ کسی ایسے شخص نے پڑھادی جس کو ولی پر مقدم ہونے کا حق نہ تھا اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو قبر پر بھی اعادہ کرسکتا ہے یہ اعادہ اس کے

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱۱۹/۲

[2] سنن الدارمی باب الفتیا ومافیہ من الشدۃ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

ولذا قلنالیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع وان صلی من لہ حق التقدم او من لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لایعیدوان صلی الولی بحق بأن لم یحضر من یقدم علیہ لایصلی غیرہ بعدہ[1] اھ ملخصاً۔	اپنے حق کی وجہ سے ہے نہ کہ اسقاطِ فرض کے لئے۔ اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جس نے پہلے جنازہ پڑھ لیا ہو وہ ولی کے ساتھ اعادہ نہ کرے کیونکہ جنازہ کا تکرار مشروع نہیں۔ اگر جنازہ کسی ایسے شخص نے پڑھایا جس کو ولی پر حق تقدم تھا (مثلاً قاضی یا نائب یا امام مسجد) یا اس شخص نے پڑھادیا جس کو ولی پر حق تقدم نہ تھا مگر ولی نے شرکت کرلی تو پھر جنازہ کا اعادہ نہیں کیا جاسکتا اور اگر ولی نے اپنے استحقاق کے بموجب جنازہ پڑھایا بایں طور پر وہاں اور کوئی صاحب حق تقدم نہیں تھا تو اس کے بعد کوئی دوبارہ جنازہ نہیں پڑھ سکتا اھ ملخصاً (ت)

اور پانچ تکبیریں تو ہمارے ائمہ بلکہ ائمہ اربعہ بلکہ جمہور ائمہ کے نزدیک منسوخ ہیں بلکہ امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر مالکی نے فرمایا چار پر اجماع منعقد ہوگیا و لہذا ہمارے علماء کرام حکم فرماتے ہیں کہ امام پانچویں تکبیر کہے تو مقتدی ہر گز ساتھ نہ دیں خاموش کھڑے رہیں، یہی صحیح ہے، اور بعض روایات میں تو یہاں تک ہے کہ وہ تکبیر پنجم کہے تو یہ سلام پھیر دیں کہ اتباع منسوخ کارد خوب واضح ہوجائے۔

فی الدرالمختار لو کبرامام خمسالم یتبع لانہ منسوخ فیمکث المؤتم حتی یسلم معہ اذاسلم بہ یفتی۔[2]	درمختار میں ہے اگر مقتدی کے امام نے پانچویں تکبیر کہی تو وُہ امام کی اتباع نہ کرے کیونکہ یہ منسوخ ہے پس مقتدی ٹھہرا رہے اور امام کے ساتھ سلام پھیرے، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وروی عن الامام انہ یسلم للحال ولا ینتظر تحقیقاللمخالفہ[3] ط۔	امام اعظم سے یہ بھی مروی ہے کہ مقتدی فی الفور سلام کہہ دے امام کا انتظار نہ کرے تاکہ کھلی مخالفت ہوجائے ط (ت)

زید کہ یہ حرکت بھی وہی جہل وجرأت ہے یا غیر مقلدی کی آفت وعلت۔ بہرحال اس کے اقوال مذکورہ سوال

---

[1] دُرمختار، باب صلوٰۃ الجنازۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۲۳

[2] دُرمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۵

شاہد عدل کہ وہ فاسق وبیباک ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ناقص وخراب ہوتی ہے۔

صرح بہ فی الغنیۃ شرح المنیۃ والیہ اشار فی فتاوی الحجۃ وربما جنح الیہ فی ردالمحتار واوضحناہ فی رسالتنا النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید۔	غنیہ شرح منیہ میں اس پر تصریح ہے اور اسی کی طرف فتاوی الحجہ میں اشارہ ہے اور ردالمحتار میں اسی کی طرف میلان ہے، اور ہم نے اس کی وضاحت اپنے رسالے النہی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید میں کی ہے۔(ت)

پس حتی الامکان ہرگز اس کی اقتدا نہ کریں اور جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھ چکے ہوں سب پھیریں اور ان باتوں پر جو اس کے ممد ومعاون ہیں وہ بھی گناہ میں اُس کے شریک ہیں۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا گناہ اور حد سے بڑھنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ نمبر ۵۷۷: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید حافظ قرآن ہے مگر نوکری خانساماں (بیرا) گیری کرتا ہے اب اس نوکری سے اس نے توبہ کی اور اب اس کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے میں کراہت کرتے ہیں آیا کراہت کرنا اُن لوگوں کا جا ہے یا بیجا ہے؟ صاف صاف کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایئے: **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر صرف اس وجہ سے کراہت کرتے ہیں کہ اس نے وہ نوکری کی تھی اگرچہ اب توبہ کرلی تو اُن کی کراہت بیجا ہے کوئی گناہ بعد توبہ باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ [2]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔(ت)

واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] القرآن ۵/۲

[2] سنن ابن ماجہ باب ذکر التوبہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۳۲۳

مسئلہ نمبر ۵۷۸،۵۷۹: از علی گڑھ کارخانہ مہر مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب ٹھیکیدار ۶ جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی مولوی مقلدین حنفیّہ کو ذریۃ الشیطان اور کتاب و سنّت کا منکر لکھے اور غیر مقلدی کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو اور مسائل خلافیہ مقلدین کا سخت مخالف اور غیر مقلدین کا حامی اور معاون ہو اور مسائل حنفیّہ کو مثلاً آمین بالخفا کو اپنی تحریرات میں خرافات لکھے اور بعض اوقات کسی مصلحت دنیوی سے اپنے آپ کو حنفی المذہب ظاہر کرے ایسے شخص کی اقتداء اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کو حنفی کہا جائے گا یا نہیں؟ دوم جس امام شہر سے شہر کے مسلمان بوجہ شرعی ناراض ہوں اور اسکے پیچھے نماز نہ پڑھیں تو اس حالت میں اُس کا امام ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللھم انا نعوذ بك من الشیطن الرجیم

جو ذریۃ الشیطان کتاب و سنّت کا منکر حنفیّہ کرام خصمہم اللہ تعالٰی باللطف والاکرام کا نام رکھتا ہے پر ظاہر کہ وُہ گمراہ خود کاہے کو حنفی ہونے لگا اگرچہ کسی مصلحت دنیوی سے براہ تقیہ شنیعہ اپنے آپ کو حنفی المذہب کہے کہ اُس کے افعال واقوال مذکورہ سوال اُس کی صریح تکذیب پر دال، منافقین بھی توزبان سے کہتے تھے: نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ[1]۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور اللہ کے رسول ہیں۔ مگر ان ملاعنہ کے گفتار و کردار اس جھوٹے اقرار کے بالکل خلاف تھے، قرآن عظیم نے اُن کے اقرار کو ان کے منہ پر مارا:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝[2]۔	اللہ خوب جانتا ہے کہ تم بیشک اس کے رسول اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

ایسے شخص کی اقتداء اور اُسے امام بنانا ہرگز روا نہیں کہ وہ مبتدع گمراہ بدمذہب ہے اور بدمذہب کی شرعًا توہین واجب اور امام کرنے میں عظیم تعظیم تو اُس سے احتراز لازم۔ علامہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں نقل فرماتے ہیں:

من شذعن جمھود اھل الفقه والعلم والسواد الاعظم فقد شذفیما ید خله فی	یعنی جو شخص جمہور اہل علم وفقہ سوادِ اعظم سے جُدا ہوجائے وُہ ایسی چیز میں تنہا ہُوا جو اُسے دوزخ میں لے جائے گی۔

[1] القرآن ۶۳/۱

[2] القرآن ۶۳/۱

النار فعلیکم معاشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باھل السنة والجماعة فان نصرة الله تعالٰی و حفظه وتوفیقه فی مواقتھم وخذلانه وسخطه ومقته فی مخالفتھم وھذہ الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی مذاھب اربعة وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمھم الله تعالٰی ومن کان خارجا عن ھذہ الاربعة فی ھذا الزمان فھو من اھل البدعة والنار[1]۔	تو اے گروہ مسلمین! تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اس کا حافظ و کارساز رہنا موافقت اہلسنت میں ہے اور اس کا چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سُنیوں کی مخالفت میں ہے اور یہ نجات دلانے والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت فرمائے۔ اس زمانہ میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔

اور ان لوگوں کے بدعتی ہونے کا روشن بیان ہم نے اپنے رسالہ **النھی الاکید** میں لکھا **من شاء فلیرجع الیھا** (جو شخص تفصیل چاہتا ہے وہ ہمارے اس رسالہ کا مطالعہ کرے۔ت) اور حدیث میں ہے حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[2] ۔رواہ ابن عساکر وابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقه و ابو نعیم فی الحلیة والحسن بن سفیان فی مسندہ عن معاذ بن جبل والسنجری فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس والطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة عن عبدالله بن بسر رضی الله تعالٰی عنھم موصولا والبیھقی فی الشعب عن ابراھیم بن مسیرة المکی التابعی الثقة مرسلا۔	جو کسی بدعتی کی توقیر کرے اس نے دینِ اسلام کے ڈھانے میں مدد کی۔ اس کو ابن عساکر اور ابن عدی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور ابو نعیم نے حلیہ میں، حسین بن سفیان نے اپنی سند میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، سنجری نے ابانہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور مثل ابن عدی کے حضرت ابن عباس سے، اور طبرانی نے کبیر میں، ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے متصلاً روایت کیا ہے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرہ مکی تابعی ثقہ سے اسے مرسلاً روایت کیا ہے (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳

[2] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۶۱

تو ایسے شخصوں کو امام کرنا گویا دینِ اسلام ڈھانے میں سعی کرنا ہے العیاذ باللہ تعالٰی سنن ابن ماجہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یؤمّن فاجر مؤمنا الا ان یقھرہ بسلطانہ یخاف سیفہ اوسوطہ[1]۔	ہر گز کوئی فاجر کسی مومن کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ وُہ اُسے اپنی سلطنت کے زور سے مجبور کردے کہ اس کی تلوار یا تازیانہ کا ڈر ہو۔(ت)

صغیری شرح منیہ میں ہے:

یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم وعند مالك لایجوز تقدیمہ وھوروایۃ عن احمد وکذاالمبتدع[2]۔	فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک فاسق کی تقدیم جائز ہی نہیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے، بدعتی شخص کا حکم بھی یہی ہے۔(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

فتجب اھانتہ شرعا فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعۃ وغیرہا[3]۔	شرعًا فاسق کی اہانت لازم ہے پس امامت کے لئے مقدم کرکے اس کی تعظیم نہ کی جائے، اگر اس کی تقدیم سے روکنا دشوار ہو تو جمعہ اور دیگر نمازوں کے لئے کسی دوسری مسجد کی طرف چلا جانا چاہئے۔(ت)

حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

الکرھۃ فی الفاسق تحریمۃ علی ماسبق[4]	(امامتِ فاسق میں کراہت تحریمی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

روی محمد ابن ابی حنیفہ و ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی ان الصّلوٰۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز[5]۔	امام محمد نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا ہے کہ اہلِ بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں۔(ت)

[1] سنن ابن ماجہ باب فرض الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۷۷

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی مباحث الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶۴

[3] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[5] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

غیاث المفتی پھر مفتاح السعادۃ پھر شرح فقہ اکبر میں سیّدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: **لا تجوز خلف المبتدع**[1] (بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی نے ان حضرات غیر مقلدین کے پیچھے نماز جائز وممنوع ہونے کے باب میں ایک مفصل رسالہ مسمّٰی بہ **النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید** لکھا اور اس میں مقدمات مذکورہ کو اس وجہ پر تحقیق اور متعدد دلائل قاہرہ سے ان کے پیچھے نماز ممنوع ہونے کا ثبوت دیا۔

از انجملہ یہ کہ اُنھوں نے نماز وطہارت وغیرہا کے مسائل میں آرام نفس کی خاطر وہ باتیں ایجاد کی ہیں جو مذاہب اربعہ عموماً مذہب مہذّب حنفی خصوصاً کے بالکل خلاف ہیں مسح سر کے عوض پگڑی کا مسح کافی مانتے ہیں، لوٹے بھر پانی میں تولہ بھر پیشاب پڑ جائے اُس سے وضو جائز ٹھہراتے ہیں کہ یہ مسائل اور ان کے امثال ان کی کتب میں منصوص ہیں، پھر دین میں ان کی بیباکی وسہل انگاری وبے احتیاطی وآرام جوئی مشہور ومشہود وعام گروہ اہل حق بالخصوص حضرات حنفیّہ کے ساتھ ان کا تعصّب معروف ومعہود تو ہر گز مظنون نہیں کہ یہ برعایت مذہب حنفیّہ اپنے ان مسائل پر عمل سے بچیں بلکہ بحالتِ امامت بنظرِ توصب وعداوت اس کا خلاف ہی مظنون۔ پھر جمہور ائمہ کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ شافعی المذہب کی اقتداء بھی اُسی حالت میں صحیح ہوسکتی ہے کہ مواضع خلاف میں مذہب حنفیّہ کی رعایت کرتا ہو حنفیّہ سے بغض نہ رکھتا ہو ورنہ اصلاً جائز نہیں تو یہ بدمذہب کہ چاروں مذہب سے خارج ومہجور اور رعایت مذہب حنفیّہ سے سخت نفور اور بغض وتعصّب میں معروف ومشہور، ان کے پیچھے نماز کیونکر روا ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الاقتداء بشافعی المذھب انما یصح اذا کان الامام یتحامی مواضع الخلاف بان یتوضأ من الخارج النجس من غیرالسبیلین کالفصد ولایکون متعصباولا یتوضأ فی الماء الراکد القلیل وان یغسل ثوبہ من المنی ویفرك الیابس منہ ویمسح ربع راسہ ھکذا فی النھایۃ والکفایۃ ولا یتوضأ بالماء القلیل الذی وقعت فیہ النجاسۃ کذا فی فتاوٰی قاضی خان[2] اھ ملخصاً۔	شافعی المذہب (امام) کی اقتداء اس وقت جائز ہے جب وہ مواضع خلاف سے بچتا ہو مثلاً غیر سبیلین سے خارج نجاست مثلاً رگ کاٹنے کی وجہ سے وضو کرتا ہو، مسلک میں متعصب نہ ہو، کھڑے تھوڑے پانی سے وضو نہ کرنے والا ہو، منی لگنے کی صورت میں کپڑا دھوتا ہو یا خشک ہوجانے کی صورت میں اسے کھرچ دیتا ہو، سر کے چوتھائی حصے کا مسح کرتا ہو، نہایہ اور کفایہ میں اسی طرح ہے اور اس تھوڑے پانی سے وضو جائز نہ سمجھتا ہو جس میں نجاست واقع ہوئی ہو فتاوی قاضی خان میں اسی طرح ہے اھ تلخیصاً (ت)

[1] شرح الفقہ الاکبر، خطبۃ الکتاب، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ص ۵

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماالغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

اسی طرح جامع الرموز و مجمع الانہر وحاشیہ طحطاویہ علی مراقی الفلاح وغیرہ میں ہے **والتفصیل فی رسالتنا المذکورۃ** (اس کی تفصیل ہمارے مذکورہ رسالے میں ہے۔ت) **واللہ الموافق سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

جواب سوال دوم: صورت مسؤلہ میں اسے امام ہونا حلال نہیں، جو اسے امام بنائے گا گنا ہگار ہوگا۔ حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صلوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون [1]۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجۃ عن ابن عمر وابن خزیمۃ عن انس والترمذی وحسنہ عن ابی امامۃ وابن ماجۃ وابن حبان ابن عباس وفی الباب عن طلحۃ التیمی رضی اللہ تعالٰی عنھم عندالطبرانی فی الکبیر۔	تین شخصوں کی نماز اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا ایک وہ جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اسے ناپسند رکھتے ہوں۔ اس کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، ابن خزیمہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ترمذی نے اسے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے حسن کہا ہے۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور اس مسئلہ میں طبرانی نے کبیر میں حضرت طلحہ التیمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لو ام قوما وھم لہ کارھون ان الکرھۃ لفساد فیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما [2]۔	اگر کسی نے کسی قوم کی امامت کی حالانکہ وہ قوم اسے ناپسند کرتی ہو خود اس میں فساد کی وجہ سے کراہت ہو یا اس لئے کہ دیگر لوگ فاسق سے زیادہ امامت کے اہل تھے اس صورت میں فاسق کا امام بنا مکروہِ تحریمی ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] سنن ابی داؤد باب الرجل یؤم القوم وھم لہ کارھون مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۸

[2] دُر مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

مسئلہ نمبر ۵۸۰ : از بدایوں مروہی محلّہ مرسلہ شیخ محمد حسین صاحب ۹ جمادی الاخری ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص حنفی ہو کر مسح میں امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا طریقہ عمل میں لائے یعنی چند بال چُھولے نے پر اکتفا کرے اُس وقت میں کہ پگڑی باندھے ہو تواُس کی نمازاوراس کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

الجواب:

صورت متفسرہ میں اگر یہ شخص واقعی شافعی ہوتا تاہم حنفیّہ کی نماز اُس کے پیچھے محض باطل تھی نہ کہ ایسے آزاد لوگ کہ کن ہی میں نہیں،

فی الھندیة الاقتداء بشافعی المذھب انما یصح اذاکان الامام یتحامی مواضع الخلاف بیان یمسح ربع راسه ھکذا فی النھایة والکفایة ولا یتوضا بالماء القلیل الذی وقعت فیه الجناسة کذا فی فتاوٰی قاضی خان ولا بالماء المستعمل ھکذا فی السراجیة اھ ملخصا[1]۔	ہندیہ میں ہے شافعی المذہب امام کی اقتداتب جائز ہے کہ وہ مواضع خلاف سے بچنے والا ہو مثلاً چوتھائی سر کا مسح کرے ،اسی طرح نہایہ اور کفایہ میں ہے،اوراس قلیل پانی سے وضو بھی نہ کرتا ہو جس میں نجاست واقع ہوئی ہے، فتاوٰی قاضی خان میں اسی طرح ہے، اور نہ ماءِ مستعمل سے وضو کرتا ہو سراجیہ میں یہی ہے اھ تلخیصًا(ت)

اوراس کی اپنی نماز بھی ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے طور پر توظاہر کہ محض باطل ہے اور ہم بلاشبہ یہی حکم دیں گے ،

فانا انما نفتی بمذھبنا وان کان مذھب غیرنا ماکان کمانص علیه فی اخلاصة والاشباہ وفی الدر المختار وردالمحتار وغیرھا من الاسفار۔	ہم تو اپنے مذہب کے مطابق ہی فتوی دیں گے اگرچہ غیر کا مذہب جیسا بھی ہو ،یہی تصریحخلاصہ ،اشباہ ، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔(ت)

مگر یہاں اور مذاہب پر بھی خیر نہیں سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ تو ہماری ہی طرح باطل ہی فرمائیں گے کہ ان کے یہاں پُورے سر کا مسح فرض ہے، یونہی سیّدنا امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کوان سے بھی اظہر الروایات فرضیت استعیاب ہے۔ کمانقله الامام المولی الاجل القطب سیدی عبدالوھاب

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۴/۱

الشعرانی قدس سرہ الربانی فی المیزان (جیسا اسے ہمارے سردار امام اجل والقطب عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے میزان میں نقل کیا ہے۔ت) رہامذہب سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس پر صحت نماز سمجھ لینانری ہوس ہی ہوس ہے ایک اس مسئلہ میں ان سے توافق سہی، پھر کیاان کے یہاں ایک ہی مسئلہ ہے، صدہامسائل طہارت وصلوٰۃ خلافیہ ہیں جن پر اطلاع تام اُسی مذہب کے عالم متبحر کاکام خصوصًا ان بلاد میں نہ اس مذہب کے علماء نہ کتب، بھلایوں نہ مانے تو بتائے تو کہ مذہب شافعی میں نواقض وفرائض وضو وغسل وفرائض داخلی وخارجی ومفسدات نماز بتفصیل صور وشقوق وتنقیح اقوال قدیم وجدید ونصوص ووجوہ وتصحیح وترجیح شیخین وغیرہما کبرائے مذہب کس قدر ہیں اور جب نہیں بتاسکتا اور بے شک نہ بتاسکے گا تو مجہول شیئ کی مراعات کیونکر ممکن، پھر کہاں سے اطمینان پایا کہ ان کے مذہب پر نماز صحیح ہی ہوگی، نہیں نہیں بلکہ بوجہ کثرت خلاف وتکثر حوادث موقعہ فی الاختلاف، عادۃً کہیں نہ کہیں وقوع مخالفت ہی مظنون کمالایخفی علی المتدرب ومن لم یقنع فلیجرب (جیساکہ ہر صاحبِ فہم پر واضح ہے اور اگر کوئی اس پر قناعت نہیں کرتا تو وہ کود تجربہ کرے۔ت) اور جب ایسا ہوا اور کیوں نہ ہوگا تو بیٹھے بٹھائے ازیں سوراندہ ازاں سوماندہ، نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے، ایک مذہب پر بھی نماز صحیح نہ ہوئی، درمختار میں ہے:

لا باس بالتقلید عندالضرورۃ لکن بشرط ان یلتزم جمیع مایوجبہ ذلك الامام لما قدمنا ان الحکم الملفق باطل بالاجماع [1]۔	ضرورت کے وقت دوسرے امام کی تقلید میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ شرط ہے کہ ان تمام امور کا التزام جن کو اس امام نے اس عمل کے واسطے واجب قرار دیا ہے، کیونکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ وہ حکم جو دومذہب سے مخلوط ہو وہ بالاجماع باطل ہے۔(ت)

غرض لااقل اس بیباکی کا اتنا حاصل کہ تین مذہب پر تو دانستہ نماز باطل کرلی چوتھے پر صحت کی خبر نہیں فانّاللہ وانّا الیہ راجعون۔ مولٰی تعالٰی جنھیں توفیق خیر رفیق فرماتا ہے وہ ہر امر میں جہاں تک اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے بقیہ مذاہب کا بھی لحاظ رکھتے ہیں مثلاً محتاط حنفی وشافعی ہرگز مسح کل راس وولاودلک ترک نہ کریں گے کہ آخر مسنون تو ہم بھی جانتے ہیں اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ان کے بغیر طہارت ونماز ہی باطل، تو کیامقتضائے عقل ہے کہ سنت چھوڑے اور ایک امام دین کے نزدیک نماز ہی سے منہ موڑے ولا حول والا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم ولہٰذا علمائے مذاہبِ اربعہ رحمہم اللہ تعالٰی تصریح فرماتے ہیں کہ خروج عن الخلاف بالاجماع مستحب مگر بیباک لوگوں کے نزدیک سنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاترک، اپنے امام مذہب کی مخالفت تین مذاہب حقہ پر نمازوں کا بطلان، چوتھے پر صحت شک وجہالت، یہ سب بلائیں آسان ہیں اور بندھی

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۲

ہوئی پگڑی کے پیچ ذرا سُست ہوجانا دشوار۔اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

مسئلہ نمبر ۵۸۱: از شہر کہنہ بریلی ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو شوق قرآن وحدیث کا نہایت درجہ کا ہے مگر بسبب فکر معاش کے نہیں ہوسکتاہے اور اقرار کرتا ہے کہ اگر خداوند کریم میری اس فکر کو دُور کردے تو میں اس شوق کو عمر بھر نہیں چھوڑوں گااور کبھی بچپن سے شوق راگ وغیرہ کااس کو زید نہیں تھااور اب جس وقت سے ایک بزرگ کامل یعنی مولوی فضل الرحمٰن صاحب کا مرید ہُوا ہے اس درجہ کا شوق راگ وغیرہ کااُس کو ہوگیاکہ بیان سے باہر یعنی رنڈی اگر ناچتی ہو تو وہاں کھڑا ہو جاتا ہے اور ستار کا اس قدر شوق ہے کہ رات کے ۹ بجے فرصت ہوتی ہے فکر معاش سے تو اُس وقت سے لے کر ۲ بجے تک بلکہ بعض روز تمام رات ستار بجاتا ہے، اور اگر منع کرو تو کہتا ہے میرے واسطے دعا کرو تاکہ خداوند کریم مجھے اپنی محبت عنایت کرے، اور اگر دریافت کرو کہ جناب مولوی صاحب نے ان چیزوں کا حکم تم کو دیا ہے؟ تو کہتا ہے کہ نہیں۔

مبادا ہیچ دل بے عشق بازی

اگر باشد حقیقی یا مجازی

(خدا کرے کہ کوئی دل بغیر عشق کے نہ رہے خواہ عشق حقیقی ہو یا مجازی)

اور قرآن مجید اچھا جانتا ہے عمدہ جاننے میں شک نہیں بلکہ اس کے مقابلے میں اس جگہ پر لوگ غلط پڑھتے ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نماز اس شخص کے پیچھے بلاشبہ صحیح ہے۔

لما تقرر فقھا وحدیثا وکلاما من جواز الصلٰوۃ خلف کل بروفاجر [1]۔	کیونکہ فقہی، حدیثی اور کلامی طور پر ثابت ہوچکا ہے کہ ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز جائز ہے(ت)

مگر کراہت رکھتی ہے لہٰذا دوسرے شخص کو جو ایسے امور سے خالی اور باوجود اس کے سُنّی صحیح العقیدہ وقاری صحیح القراءت ہو امام مقرر کرلیں، ہاں اگر یہ بیان سچ ہے کہ وہاں اس شخص کے علاوہ سب غلط خواں ہیں یعنی حروف میں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ وفیہا مباحث مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

تمیز نہیں رکھتے اور قرأت میں وہ غلطیاں کرتے ہیں جن سے نماز فاسد ہوتی ہے جب تک کوئی سنّی صحیح القرأت نہ ملے اسی شخص کی اقتداء کریں فان تصحیح الصلٰوۃ اھم من دفع الکراھۃ (کیونکہ نماز کی تصحیح دفع کراہت سے اہم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال مکرر:

مکرر یہ کہ چونکہ سائل نے یہ سوال اپنے ہاتھ سے لکھا ہے لہٰذا بعض امر پوشیدہ کیا وہ یہ کہ اس شخص کے عقائد بھی کچھ ٹھیک نہیں یعنی عقیدہ غیر مقلدی وغیرہ کا رکھتا ہے سنّی صحیح العقیدہ نہیں ہے اس میں جو حکم ہو تحریر فرمایئے کہ نماز اس کے پیچھے پڑھیں یا نہیں اور جو اس نے لکھا ہے وہاں لوگ قرآن غلط پڑھتے ہیں تو ایسے سب نہیں ہیں کہ اتنی غلطی کریں کہ نماز نہ ہو، ہاں قاری پُورے طور سے نہیں جیسا کہ حق قاری ہونے کا ہے۔

الجواب:

فاسق العقیدہ کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے خصوصًا غیر مقلد کہ اُن کی طہارت وغیرہ کسی بات کا کچھ اعتبار نہیں تو ان کے پیچھے نماز محض ناجائز ہے کما حققناہ فی رسالتنا النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید عن الصلٰوۃ واء عدی التقلید" میں کی ہے۔ت)

پس اگر حال یوں ہے تو صورت متفسرہ میں مسلمانوں پر واجب قطعی کہ اس شخص کو امامت سے معزول کریں اور اسکے پیچھے ہر گز پر گز اپنی نمازیں برباد نہ کریں واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۸۶: از موضع بکہ جببی والاعلاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ نجیب اللہ خان مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب۔ ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مولوی حافظ ہو کر روزہ نہ رکھے اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔؟

الجواب:

جو بے عذر شرعی روزہ نہ رکھے فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تو اگر دوسرے شخص متقی کے پیچھے نماز مل سکے تو اس کے پیچھے نہ پڑھے یہاں تک کہ جمعہ بھی۔ فانہ بسبیل من التحول[1] کما افادہ المولی المحقق حیث اطلق فی الفتح (کیونکہ ایسی صورت میں دوسری مسجد کی طرف منتقل ہونا جائز ہے جیسا کہ فاضل محقق نے فتح میں بیان کیا ہے۔ت) ورنہ پڑھ لے، فانہ اولی من الانفراد[2] کما فی

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۳

ردالمحتار عملابقول من یقول ان الکرھۃ تنزیہۃ (کیونکہ اقتداء تنہا نماز ادا کرنے سے اولٰی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے تاکہ اس کے قول پر عمل ہوجائے جو اسے مکروہ تنزیہی کہتا ہے۔ت)

اور پڑھ کر پھر پھیرلے لما ذھب الیہ کثیر من العلماء ان الکرھۃ تحریمیۃ [1] وھوالذی حققہ فی الغنیۃ وغیرھا وھوالاظھر کما بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اس میں کراہت تحریمی سے جیسا کہ غنیہ وغیرہا میں ثابت ہے اور یہی مختار ہے اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۸۳: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزاغلام قادر بیگ صاحب ۲۶صفر ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام شافعی المذہب ہو اور مقتدی حنفی تو اُن امور میں جو حنفی کو جائز نہیں جیسے آمین بالجہر کہنا اور رفع یدین اور قومہ میں ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا امام کی متابعت کرے یا نہ کرے؟ اور ایسے ہی مقتدی شافعی المذہب کو اپنے مذہب کے خلاف امور میں امام حنفی المذہب کی متابعت چاہئے یا نہیں؟ اور اگر متابعت کرے تو اس کی نماز کا کیاحال؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

حنفی جب دوسرے مذہب والے کی اقتداء کرے جہاں اس کی اقتداء جائز ہو کہ اگر امام کسی ایسے امر کا مرتکب ہو جو ہمارے مذہب میں ناقض طہارت یا مفسد نماز ہے جیسے آب قلیل متنجس یا مستعمل سے طہارت یا چوتھائی سر سے کم کا مسح یا خونِ فصد وریم زخم وقَے وغیرہا نجاسات غیر سبیلین پر وضو نہ کرنا یا قدر درم سے زائد منی آلودہ کپڑے سے نماز پڑھنا یا صاحب ترتیب ہوکر باوصف یا وفائتہ ووسعت بے قضائے فائتہ نماز وقتی شروع کردینا یا کوئی فرض ایک بار پڑھ کر پھر اُسی نماز میں امام ہوجانا تو ایسی حالت میں تو حنفی کو سرے سے اُس کی اقتداء جائز ہی نہیں اور اسکے پیچھے نماز محض باطل،

کما نص علیہ فی عامۃ کتب المذھب بل فی الغنیۃ اما الاقتداء بالمخالف فی الفروع کالشافعی فیجوز مالم یعلم منہ مایفسد الصلاۃ علی اعتقاد المقتدی علیہ الاجماع انما اختلف فی الکرھۃ [2] اھ	جیسا کہ اس پر عامہ کتب مذہب میں تصریح ہے بلکہ غنیۃ میں ہے فروعات میں مخالف مثلاً شافعی المسلک کی اقتداء اس وقت جائز ہوگی جب اس سے ایسے عمل کا علم نہ ہو جو اعتقادِ مقتدی میں مفسدِ نماز ہو جواز پر اجماع ہے البتہ کراہت میں اختلاف ہے اھ (ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المستملی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المستملی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۶

غرض جب وہ ایسے امور سے بری اور اُس کی اقتدا صحیح ہو اس وقت بھی ان باتوں میں اس کی متابعت نہ کرے جو اپنے مذہب میں یقیناً ناجائز و نامشروع قرار پاچکی ہیں اگر متابعت کرے گا تو اُس کی نماز اس نامشروع کی مقدار کراہت پر مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوگی کہ پیروی مشروع میں ہے نہ غیر مشروع میں۔ ردالمحتار میں ہے:

تکون المتابعة غیر جائزة اذاکانت فی فعل بدعة او منسوخ او مالاتعلق له بالصلٰوة[1]۔	امام کی متابعت بدعت، عمل منسوخ اور ہر اس عمل میں جائز نہیں جس کا تعلق نماز سے نہ ہو۔(ت)

پھر خزائن الاسرار پھر حاشیہ شامی میں ہے: انما یتبعه فی مشروع دون غیرہ[2] (امام کی متابعت مشروع میں جائز لیکن غیر مشروع میں جائز نہیں۔ت) مجمع الانہر وحاشیہ طحطاویہ میں ہے: ماکان مشروعا یتابعه فیه وماکان غیر مشروع لا[3] (ہر مشروع عمل میں امام کی متابعت ہوگی مگر غیر مشروع میں نہیں۔ت) اسی طرح ترک سنّت میں امام کی پیروی نہیں بلکہ موجبِ اساءت وکراہت ہے اگر وہ چھوڑے مقتدی بجالائے جبکہ اس کی بجاآوری سے کسی واجب فعل میں امام کی متابعت نہ چھوٹے ولہذا علماء فرماتے ہیں اگر امام وقتِ تحریمہ رفع یدین یا تسبیح رکوع و سجود یا تکبیر انتقال یا ذکر قومہ ترک کرے تو مقتدی نہ چھوڑے

کمانص علیه فی نظم الزندویسی والخانیة والخلاصة والبزازیة والهندیة وخزانة المفتین وفتح القدیر والغنیة والدرالمحتار وحاشیة الدرر للعلامة شرنبلالی وغیرها وهذا نص البزازیة ملخصا، تسعة اشیاء اذا ترك الامام اتی بها المأموم رفع الیدین فی التحریمة وتکبیرة الرکوع اوالسجود او التسبیح فیهما اوالتسمیع[4] الخ۔	نظمِ زندویسی، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، ہندیہ، خزانۃ المفتین، فتح القدیر، غنیہ، درمختار اور حاشیہ درر للعلامہ شرنبلالی اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ عبارت بزازیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ نو ۹ ایسی اشیاء جن کو امام ترک کردے تو مقتدی ان کو بجالائے، تکبیر تحریمہ کے موقعہ پر ہاتھوں کا اٹھانا، رکوع یا سجدہ کے لئے تکبیر یا ان دونوں مین تسبیح یا تسمیع (سمع اللہ لمن حمدہ کہنا) الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

[2] ردالمحتار مطلب مہم فی تحقیق متابعۃ الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۹

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۸۱

[4] فتاوٰی بزازیۃ مع الفتاوٰی الهندیۃ نوع من الثانی صلی المغرب مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۵۸

یوں ہی تکبیراتِ عیدین میں رفع یدین فی الدر یرفع فی الزوائد ان لم یر امامه ذلك [1] الخ (درمختار میں ہے تکبیرات زوائد میں اپنے ہاتھ بلند کرے خواہ امام اس عمل کو جائز نہ سمجھتا ہو الخ۔ت) اور اگر رکوع و سجود میں ایک ہی تسبیح کہہ کر سر اُٹھائے تو مقتدی بھی ناچار سنت تثلیث ترک کرے ورنہ قومہ وجلسہ کی متابعت میں خلل آئے گا۔

هوالصحیح کما فی الخانیة والخلاصة والخزانة والوجیزوالفتح والبحر وغیرهامن الاسفار الغر وهذا نظم الدرانه مما یبتنی علی لزوم المتابعة فی الارکان انه لو رفع الامام راسه من الرکوع اوالسجود قبل ان یتم الماموم التسبیحات الثلث وجب متابعته [2]۔	یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ، خلاصہ، خزانہ، وجیز، فتح، بحر وغیرہ معتبر کتابوں میں ہے، درمختار کے الفاظ یہ ہیں ارکانِ نماز میں امام کی پیروی لازم ہونے پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اگر امام نے اپنا سر رکوع وسجود سے مقتدی کی تین تسبیحات مکمل ہونے سے پہلے اُٹھا لیا تو مقتدی پر متابعتِ امام لازم ہے۔(ت)

شرح منیہ علامہ ابرہیم حلبی وحاشیہ سیّد ابن عابدین میں ہے:

الاصل عدم وجوب المتابعة فی السنن فعلا فکذا ترکا وکذا الواجب القولی الذی لایلزم من فعله المخالفة فی واجب فعلی کالتشهد وتکبیر التشریق بخلاف القنوت و تکبیرات العیدین اذیلزم من فعلها المخالفة فی الفعل وهو القیام مع رکوع الامام الخ [3] اهملخصا۔	اصل یہ ہے کہ سنن میں امام کی متابعت جس طرح فعلاً لازم نہیں اسی طرح ترکاً بھی لازم نہیں، یہی حکم اس واجب قولی کا ہے جس کے بجالانے سے کسی واجب فعلی کی مخالفت لازم نہ آئے مثلاً تشہد اور تکبیراتِ تشریق بخلاف دعا قنوت اور تکبیراتِ عیدین کے کیونکہ ان کے بجالانے سے فعل میں مخالفت لازم آتی ہے، یعنی ایسی صورت میں امام رکوع میں ہوگا اور مقتدی حالتِ قیام میں ہوگا الخ اھ تلخیصًا۔(ت)

جب یہ اصول معلوم ہولئے تو اُن تینوں فروع کا حکم بھی انھیں سے نکل سکتا ہے رکوع وغیرہ میں رفع یدین ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک منسوخ ہوچکا ہے اور منسوخ پر عمل نامشروع، تو اس میں متابعت نہیں۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں:

لو اقتدی بمن یرفع یدیه عند الرکوع او بمن یقنت فی الفجر او بمن یری خمس	اگر کسی نے ایسے امام کی اقتداء کی جو رکوع کے وقت رفع یدین کرتا ہے یا نمازِ فجر میں قنوت پڑھتا ہے

[1] درمختار، باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۱۶

[2] درمختار، فصل واذاارادالشروع الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۵

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۸

تکبیرات فی صلٰوۃ الجنازۃ لایتابعہ لظھور خطیئہ بیقین لان ذلك کلہ منسوخ [1] اھ نقلہ فی عیدردالمحتار۔	یا تکبیراتِ جنازہ پانچ کہتا ہے تو مقتدی اس کی اتباع نہ کرے کیونکہ اس کا غلطی پر ہونا یقینی ہے کیونکہ یہ تمام منسوخ ہیں اھ ردالمحتار کے باب العید میں اس کو نقل کیا ہے۔(ت)

جلالی پھر شرح المقدمۃ الکیدانیۃ للقہستانی پھر جنائز حاشیہ شامی میں ہے:

لا تجوز المتابعۃ فی رفع الیدین فی تکبیرات الرکوع [2]۔	تکبیراتِ رکوع کے موقعہ پر امام کے رفع یدین کرنے کی اتباع جائز نہیں۔(ت)

قومہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شافعیہ کے نزدیک نمازِ فجر کی رکعت اخیرہ میں ہمیشہ وتر کی تیسری میں صرف نصف اخیر شہرِ رمضان المبارک میں ہے کہ وہ ان میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔ قنوتِ فجر تو ہمارے ائمہ کے نزدیک منسوخ یابدعت، بہر حال یقینا نامشروع ہے۔ لہٰذا اس میں پیروی ممنوع، اور جب اصل قنوت میں متابعت نہیں تو ہاتھ اٹھانے میں کہ اس کی فرع ہے اتباع کے کوئی معنی نہیں مگر اصل قومہ رکوع فی نفسہ مشروع ہے لہٰذا وُہ جب تک نمازِ فجر میں قنوت پڑھے مقتدی ہاتھ چھوڑے چُپکا کھڑا رہے۔ درمختار میں ہے:

یأتی المأموم بقنوت الوتر و لو بشافعی یقنت بعد الرکوع لانہ مجتھد فیہ لا الفجر لا نہ منسوخ بل یقف ساکتا علی الاظھر مرسلا یدیہ [3]۔	مقتدی وتروں میں دعائے قنوت پڑھے اگرچہ اس نے ایسے شافعی المذہب امام کی اقتدا میں نماز شروع کی جو رکوع کے بعد قنوت پڑھنے والا ہو کیونکہ یہ معاملہ اجتہادی ہے البتہ فجر میں قنوت نہ پڑھے کیونکہ وہ منسوخ ہے، بلکہ وہ مقتدی مختار قول کے مطابق ہاتھ چھوڑے خاموش کھڑا رہے۔(ت)

علامہ شرنبلالی نورالایضاح میں فرماتے ہیں:

اذا اقتدی بمن یقنت فی الفجر قام معہ فی قنوتہ ساکتا علی الاظھر	اگر کسی نے ایسے امام کی اقتدا کی جو فجر میں قنوت پڑھتا ہے تو مختار قول کے مطابق اس کے ساتھ خاموش

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان قدر صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۷۸

[2] ردالمحتار، مطلب المراد بالمجتھد فیہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

[3] درمختار، باب الوتر والنوافل، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۴

ویر سل یدیہ فی جنبیہ [1]	کھڑا رہے اور اپنے ہاتھ پہلوؤں کی طرف چھوڑ دے۔(ت)

اور نمازِ وتر میں اگر شافعی امام کے پیچھے اقتدا باقی رہے (کہ وہ وتر کے دو ٹکڑے کرتے ہیں پہلے تشہد پر سلام پھیرا اخیر رکعت اکیلی پڑھتے ہیں اگر امام نے ایسا کیا جب تو رکعت قنوت آنے سے پہلے ہی اس کی اقتدا قطع ہو گئی اب نہ وہ امام نہ یہ مقتدی، نہ اس کے وتر صحیح کہ اس کی وسط نماز میں عمداً سلام واقع ہوا فی الدر المختار صح الاقتداء فیہ بشافعی لم یفصلہ بسلام لا ان فصلہ علی الاصح [2] اھ ملخصا درمختار میں ہے وتر میں حنفی کو اس شافعی کی اقتداء درست ہے جو وتر کو سلام کے ساتھ جُدا نہ کرے (یعنی دو رکعت پر سلام نہ پھیرے) اگر امام نے وتر کو دوگانہ کے بعد سلام پھیر کر جُدا کیا تو اصح قول کے مطابق اس کی اقتدا درست نہیں ہے اھ ملخصًا) جب ایسا نہ ہو اور اقتدا قائم رہے) تو اگرچہ شافعیہ قنوت قومہ میں پڑھتے ہیں اور ہمارے مذہب میں اس کا محل قبل رکوع، مگر ہمارے علماء نے تمام متون وشروح وفتاوٰی میں مقتدی کو حکم دیا کہ یہاں قنوت میں متابعت کرے ،اور اس کا منشاء وہی کہ اسے بالکل نامشروع نہیں ٹھہراتے والمسئلۃ منصوص علیھا بدلیلھا فی الھدایۃ والکافی وسائر الشروح (اس مسئلہ سے متعلق عبارات بمع دلائل ہدایہ، کافی اور دیگر شروح میں موجود ہیں۔ت)

رہا یہ کہ مقتدی اس حالت میں اتباع امام کرے یا اتباعِ مذہب امام یعنی ہاتھ باندھے یا چھوڑے یا دعا کی طرح اُٹھائے، کیا کرنا چاہئے ،اس کی تصریح نظرِ فقیر سے نہ گزری، نہ اپنے پاس کی کتب موجود میں اس سے تعرض پایا، ظاہر یہ ہے کہ مثل قیام ہاتھ باندھے گا کہ جب اسے قنوت پڑھنے کا حکم ہے تو یہ قیام ذی قرار وصاحبِ ذکر، مشروع ہوا اور ہر ایسے قیام میں ہاتھ باندھنا نقلاً وشرعاً سنّت اور عقلاً وعرفاً ادبِ حضرت اور ترک سنت میں امام کی پیروی نہیں،

وقد یؤید ذلك اطلاقھم قاطبۃ سنیۃ الوضع فی حالۃ القنوت کما فی عامۃ الکتب المذھبۃ فیکون متناولا لھذا القنوت المخصوص ایضًا۔	اس کی تائید فقہا کی ان عبارات سے ہوتی ہے جن میں ہے کہ قنوت کے موقع پر ہاتھ باندھنا سنّت ہے جیسا کہ عام کتبِ مذہب مین ہے تو وہ حکم اس مخصوص قنوت کو بھی شامل ہوگا۔(ت)

[1] نور الایصاح باب الوتر، مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۳۸

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۴

بلکہ درمختار میں ہے:

هو ای الوضع سنة قیام له قرار فیه ذکر مسنون فیضع حالة الثناء وفی القنوت لا فی قیام بین رکوع وسجود وتکبیرات العید مالم یطل القیام فیضع ،سراجیة [1] اھ ملخصاً۔	وہ یعنی ہاتھ باندھنا اس قیام کی سنت ہے جس میں طول اور کوئی ذکر مشروع ہو (یعنی جس کے پڑھنے کا حکم ہو خواہ وُہ ذکر فرض ،واجب یا سنت ہو) پس ثنا اور قنوت کے موقع پر ہاتھ باندھے جائیں، رکوع اور سجود کے درمیان (یعنی قومہ میں) اور تکبیراتِ عید کے قیام میں ہاتھ باندھے جب تک قیام کو طویل نہ کرے، اگر طویل کرے تو باندھ لے، سراجیہ اھ ملخصاً (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

ظاہرہ یعم ای قیام طال وعلیه فیضع فی قیام صلٰوۃ التسبیح الذی بین الرکوع والسجود [2]۔	بظاہر اس میں عموم ہے یعنی ہر وہ قیام جو طویل ہو، تو اسی عموم کی بناء پر نماز تسبیح کے رکوع اور سجدوں کے درمیان ہاتھ باندھ لینے چاہیں کیونکہ یہاں قیام طویل ہے۔ (ت)

یوں ہی ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ آمین میں سنّت اخفا ہے اور اس کی بجا آوری میں امام سے کسی واجب فعلی میں مخالفت نہیں تو کیوں ترک کی جائے۔

اقول: وتحقیق المقام علی ما علمنی الملك العلام ان السنن لاحظ لها فی المتابعة الا بالتبع ذلك لان معنی متابعك غیرك جعلك نفسك تابعاله والتبعیة انما تتصور بشیئین احدهما فی نفس اتیان شیئ بمعنی انه ان فعله فعلت وان ترکه ترکت والاخرفی وقته فلا تتقدم علیه ولا تسبقه	**اقول:** (میں کہتا ہوں) مالک علام کی عطا سے تحقیق مقام یہ ہے کہ سُنن میں تبعاً اتباع ہوتی ہے یہ اس لئے کہ تیرا غیر کی متابعت کرنے کا معنی یہ ہے کہ تُو نے اپنی ذات کو اس کے تابع بنادیا ہے، اور یہ تابعیت دو چیزوں کی وجہ سے متصور ہوگی، ایک یہ کہ شَے کو بجالانا اس طریقہ سے کہ اگر اس نے کیا تو تُو بھی کرے اگر اس نے ترک کیا تو تُو بھی ترک کردے دوسری وقت میں کہ تو اسی وقت کرے نہ اس آگے ہو اور نہ اس سے پہلے

---

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور ۱/۷۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار فصل واذا اراد الشروع الخ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۱۸

الیه وان لم یکن فعلك متوقفا علی فعله ولا متقیدا بتقدمه بل تفعله وان لم یفعل وتبادر الیه وان لم یاخذفیه بعد فماانت تابع له بل انت مستقل بنفسك غیرتابع ولامتابع وهذا ظاهر جدا واذ قد علمت ان اتیان المأموم بالسنن غیر متقید باتیان الامام بل یاتی بها ان ترکها کما اسمعناك علیه نصوص الائمة، ومن لازم ذلك جواز التقدم علیه مع الندب الیه لجواز ان یرجع الامام بعد الترك الی الفعل کما اذا رکع فصوب راسه وطبق اکفه اوضم اصابعه او بقی صامتا غیر مسبح والمأموم قد فعل کل ذلك بطلب الشرع ثم عادالامام فسوی واخذ وخرج وسبح فقد تقدم فعل المأموم وهو فیه غیر ملوم بل الیه مندوب وهومنه معتمد محسوب فقد ثبت ان لا مدخل للمتابعة فی السنن والمستحبات بل المأموم مستبد فیها غیر داخل تحت حکم الامام ولم یتناوله تحکیمه ایاه علی ذاته، والتزامه ان

اور تیرا ایسا فعل جو اس کے فعل پر موقوف نہ ہو اور نہ ہی اس کے تقدم کے ساتھ مقید ہو بلکہ آپ اسے کر سکتے ہیں اگرچہ امام اسے نہ کرے، اسی طرح آپ اسکی طرف بڑھ سکتے ہیں اگرچہ امام ابھی تک اس میں شروع نہیں ہوا۔ تو آپ اس میں کسی معنی میں بھی تابع نہیں بلکہ آپ کی اس میں مستقل حیثیت ہے نہ کہ تابع اور متابع کی، اور یہ بات نہایت ہی ظاہر ہے اور جب آپ یہ جان چکے کہ مقتدی کا سنن پر عمل امام کے بجالانے کے ساتھ مقید نہیں بلکہ امام کے ترک کی صورت میں مقتدی انھیں بجالاسکتا ہے جیسا کہ ہم نے بہت سے ائمہ کے اقوال سے آپ پر واضح کیا ہے اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مقتدی کے لئے امام پر تقدم جائز جب مقتدی اس عمل کو مستحب بھی جانے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ امام ترک کے بعد اسے بجالائے مثلاً امام نے رکوع میں سر پست کردیا، اپنی دونوں ہتھیلیاں بند کرلیں، یا انگلیاں متصل رکھیں یا تسبیح کہے بغیر خاموش رہا حالانکہ مقتدی ان تمام کو بجالایا، کیونکہ شرعاً یہ تمام مطلوب تھیں پھر امام لوٹا اور اس نے سر برابر کیا، ہتھیلوں سے گھٹنے پکڑے، انگلیوں میں انفصال کیا اور تسبیح کہی تو یہاں اگرچہ مقتدی نے پہلے عمل کیا لیکن یہ غیر مناسب نہیں لہٰذا اسے ملامت نہ جائے بلکہ یہ اس کے لئے مستحب ہے اور اس پر اسے ثواب ملے گا، پس اس سے ثابت ہوگیا کہ سنن اور مستحبات میں متابعت کا کوئی دخل نہیں، بلکہ مقتدی ان میں مستقل ہے اور وہ امام کے حکم کے تحت داخل نہیں اور نہ ہی اس کی تحکیم اس کی ذات،

يصلى بصلاته فيما هو محجور فيه عن التقدم عليه والاستبداد دونه وماهوحقيقة الا الواجبات الفعلية اذ هى موضوع الاقتداء اصالة كما نص عليه فى الغنية واشار اليه فى المرقاة تحت قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به [1] ففيها القدوة حقيقة ومنها يسرى الٰى غيرها وان سرى كوجوب ترك سنة يلزم من فعلها مخالفة الامام فى واجب فعلى فليس ذلك للمتابعة فى ترك السنة بل فى الواجب المذكور كعدم جوازان ياتى بسنن الركوع قبل ركوع الامام فانه لايفعلها الا فى الركوع ولاركوع له قبل ركوعه فعن هذا امتنع تقديمها على ركوعه لا على فعلية السنن كما علمت وهذا معنى قولنا لا خط لها من المتابعة الابالتبع واذقد تبين هذا ولله الحمد ظهر ان المقتدى ياتى بالسنن على مذهب نفسه دون مذهب الامام فان المستبدا نما يعمل

پر جاری ہوگی، رہا یہ معاملہ کہ مقتدی نے امام کی نماز میں اقتدا کاالتزام کیاتھا تو یہ ان امور میں ہوگا جن میں امام پر تقدم منع ہے اور جن میں مقتدی امام کے بغیر مستقل حیثیت نہیں رکھتا اور وہ امور حقیقۃً واجباتِ فعلیہ ہی ہیں کیونکہ اصالۃً یہی موضوعِ اقتدا ہیں جیسا کہ اس پر غنیہ میں تصریح ہے۔ مرقات میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی "امام اس لئے بنایاجاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے" کے تحت اسی طرف اشارہ کیا ہے تو ان واجبات میں اقتدا حقیقۃً ہے اوران کے علاوہ میں ان کی وجہ سے ہے مثلاًاس سنّت کاترک واجب ہوگا جس کو بجالانے سے واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم آئے تو یہ ترک سنّت میں متابعت کی بناپر نہیں ہے بلکہ واجب مذکور میں مطابقت کی بناپر نہیں ہے بلکہ واجب مذکور میں مطابقت کی بناپر ہے جیسا کہ مقتدی سننِ رکوع کو امام کے رکوع سے پہلے بجا نہیں لا سکتا کیونکہ وہ انھیں رکوع کے علاوہ ادا نہیں کرسکتا، اور امام کے رکوع سے پہلے مقتدی کو رکوع کی اجازت نہیں ہے تو اس وجہ سے ان سنن کاامام کے رکوع سے پہلے بجالانا منع ہوگیا، نہ یہ کہ سنن کو بجالانا منع ہے جیسا کہ تُو جان چکاہے ہمارے قول کہ "سنن میں اتباعِ امام تبعًا ہی ہے" کا معنی یہی ہے۔ الحمدللہ جب یہ چیز واضح ہوگئی تو یہ بھی واضح ہوگیا کہ مقتدی سنن کی بجاآوری اپنے مذہب کے مطابق کرے گانہ کہ

[1] مراقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب ماعلی الماموم الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۹۴

برائی نفسہ ھذا اینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق اتقن ھذا فانك لاتجدہ فی غیرھذا التحریر وھوعلم عزیز فی کلم یسیر۔	امام کے مذہب کے مطابق، کیونکہ مستقل حیثیت رکھنے والا اپنی رائے کے مطابق عمل کرتا ہے تحقیق کا حق یہی تھا، اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے اسے اچھی طرح پختہ کرلو کیونکہ ایسی تحقیق اس تحریر کے علاوہ تمھیں کہیں نہیں ملے گی، اور یہ آسان ترین کلمات میں نہایت ہی اعلٰی علم ہے۔(ت)

ولہٰذا حرمین طیبین زادہمااللہ تعالٰی شرفاً وتکریماً میں مرئی ومشاہد ہے کہ ایک امام کے پیچھے چاروں مذہب والے نماز پڑھتے ہیں اوران امور میں سب اپنے مذہب پر عمل کرتے ہیں حنفی امام حنفی کے پیچھے زیر ناف ہاتھ باندھے ہے، اُس کے دہنے بازو پر شافعی سینے پر ہاتھ رکھے، بائیں بازو پر مالکی ہاتھ کھولے ہوئے ہے کوئی کسی پر انکار نہیں کرتا، اور کیوں ہو کہ بحمد اللہ ہم چاروں حقیقی بھائی ایک ماں باپ کی اولاد ہیں باپ ہمارا اسلام ماں ہماری سنّت سنیہ سیّد الانام علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والسّلام، انکار توان گمراہوں پر ہے جو تقلید ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو معاذاللہ شرک وحرام بتاتے اور مذاہب حقّہ راشدہ اہل حق کا نام چوراہہ رکھتے ہیں۔ وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾[1] (عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وعلماء حزبہ اجمعین۔ رہا یہ کہ ایسی صورت میں شافعی کو کیا چاہئے، یہ علماء شافعیہ سے پُوچھا جائے۔ خلاصہ ودرمختار میں ہے:

ولو قیل للحنفی مامذھب الامام الشافعی فی کذاوجب ان یقول قال ابوحنیفۃ کذا[2] اھ۔ **اقول:** ولا شك ان الرجل بمذھبہ ادری وامر الفتیا امر واَدھٰی فترك اجتراء	اگر کسی حنفی سے سوال کیا جائے کہ امام شافعی کا مسلک فلاں مسئلہ کے بارے میں کیا ہے تو جواباً یہ کہنا واجب ہے کہ امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر آدمی اپنے مذہب کو خوب جانتا ہے اور فتوی جاری کرنے کا معاملہ نہایت ہی سخت اور دشوار

[1] القرآن ۲۲/ ۲۲۷

[2] درمختار باب العدۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

علی مذھب غیرہ احق واحری واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	ہے، پس دیگر مذہب پر جرأت کا ترک ہی زیادہ مناسب ولائق ہے ،اللہ تعالٰی سب سے بہتر جانتا ہے اس کا علم اتم اور سب سے کامل ہے(ت)

مسئلہ نمبر ۵۸۴: از ملک آسام ضلعجوہاٹ ڈاکخانہ گٹنگا مقام سرائے بہی مرسلہ سیّد محمد صفاء الدین صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عدیم البصر کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہ جائز ہے مگر اولٰی نہیں مکروہ تنزیہی ہے جبکہ حاضرین میں کوئی شخص صحیح العقیدہ غیر فاسق قرآن مجید صحیح پڑھنے والا اس سے زائد یا اس کے برابر مسائلِ نماز وطہارت کا علم رکھتا ہو ورنہ وہ عدیم البصر ہی اولٰی وافضل ہے جو باوصف صفات مذکورہ باقی حاضرین سے اُسے علم میں زائد ہو۔ ہندیہ میں ہے:

الاولی بالامامۃ اعلمھم باحکام الصلٰوۃ ھکذا فی المضمرات،وھوالظاہر ھکذا فی البحرالرائق ،ھذا اذاعلم من القرأۃ قدرماتقوم بہ سنۃ القرأۃ ھکذا فی التبیین، ولم یطعن فی دینہ کذا فی الکفایۃ ، وھکذا فی النھایۃ ،ویجتنب الفواحش الظاہرۃ وان کان غیرہ اورع منہ کذا فی المحیط ،وھکذا فی الزاھدی ،وان کان متبھرا فی علم الصلٰوۃ لکن لم یکن لہ حظ فی غیرہ من العلوم فھو اولی کذا فی الخلاصۃ[1]۔	امامت کے لئے سب سے بہتر وہ ہے جو احکامِ نماز سے زیادہ آگاہ ہو۔ مضمرات میں یہی ہے،اور مختار بھی یہی ہے، بحرالرائق میں اسی طرح ہے۔یہ اس وقت ہے جب اتنی قرأت سے واقف ہو جس سے قرأت مسنونہ ادا ہوجاتی ہو، تبیین میں اسی طرح ہے۔ کفایہ اور نہایہ میں ہے کہ اس کے دین پر طعن نہ ہو۔ محیط اور زاہدی میں ہے کہ وہ فواحشِ ظاہری سے بچنے والا ہو اگرچہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ صاحبِ ورع ہو۔خلاصہ میں ہے اگر وہ مسائلِ نماز کے بارے میں نہایت ہی ماہر ہو لیکن وہ دیگر علوم میں واقفیت نہ رکھتا ہو تو پھر وہی اولٰی ہے(ت)

اسی میں ہے:

تجوز امامۃ الاعرابی والاعمی والعبد	اعرابی، نابینا اور غلام کی امامت جائز ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی بیان من ھو احق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

الا انها تکره[1] اھ ملخصاً۔	البتہ مکروہ ہے اھ ملخصاً (ت)

بحر میں ہے: کراہت تنزیہہ۔ خانیہ میں ہے: غیرھم اولی (ان کے علاوہ اولٰی ہے۔ت)

حضرت عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ باجاز تحضور پُر نور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی قوم کی امامت فرماتے،

فی الصحیحین واللفظ لمسلم عن ابن شھاب ان محمود بن الربیع الانصاری حدثه ان عتبان بن مالك وھومن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ممن شھد بدرامن الانصار انه اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال یارسول اللہ انی قد انکرت بصری وانا اصلی لقومی[2] الحدیث فی اتیانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی بیته وصلاته فیه لیتخذه مصلی۔	بخاری و مسلم میں ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ محمود بن الربیع انصاری سے مروی ہے کہ حضرت عتبان بن مالک جو انصاری اور بدری صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کیا یارسول اللہ! میری آنکھیں جواب دے گئی ہیں حالانکہ میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں الی آخر الحدیث تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے نماز ادا فرمائی تاکہ وہ اس جگہ کو اپنی نماز کی جگہ بنالیں۔ (ت)

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سفر کو تشریف لیجاتے وقت دوبار مدینہ طیبہ پر نیابت عطا فرمائی کہ باقی ماندہ لوگوں کی امامت کرتے،

عزاہ فی البحر الی صحیح ابن حبان[3] **قلت** اخرج احمد وابوداؤد عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینة مرتین یصلی بھم	بحر میں اس کی نسبت صحیح ابن حبان کی طرف ہے، **میں کہتا ہوں** امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دومرتبہ مدینہ طیبہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا

[1] فتاوٰی ہندیہ، الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور، ۸۵/۱

[2] صحیح مسلم، باب الرخصۃ فی التخلف الخ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۳۳/۱

[3] بحر الرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۸/۱

وھو اعمی[1]۔	حالانکہ وہ نابینا تھے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں انھیں امام مقرر کرنے کی یہی وجہ ہے کہ حاضرین میں سب سے افضل یہی تھے۔بحر الرائق میں ہے:

قید کراھة امامة الاعمٰی فی المحیط وغیرہ بان لایکون افضل القوم فان کان افضلھم فھو اولی وعلی ھذا یحمل تقدیم ابن ام مکتوم لانہ لم یبق من الرجال الصالحین للامامة فی المدینة احد افضل منہ حینئذ ولعل عتبان بن مالك کان افضل من کان یؤمہ ایضًا اھ[2]	محیط وغیرہ میں امامتِ اعمٰی کے مکروہ ہونے کے لئے یہ قید لگائی گئی ہے کہ وہ اعمٰی اس قوم سے افضل نہ ہو، اگر وہ دوسروں سے افضل ہے تو وہی بہتر ہوگا،اور حضرت ابنِ مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تقدیم کو بھی اسی بات پر محمول کیا جاتا ہے کہ اس وقت مدینہ منورہ میں ان سے بڑھ کر امامت کا اہل کوئی نہیں تھا، ممکن ہے حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی دوسرے لوگوں سے افضل ہوں۔
قلت وقد سمعت انہ کان من الاصحاب البدریین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین فان لم یکن فی من کان یؤمھم من شھد بدرا کان افضلھم بالیقین۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) آپ نے سن لیا ہے کہ وہ اصحاب بد ر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں سے تھے اگر ان کے مقتدیوں میں کوئی بھی اصحاب بدر میں سے نہ تھا تو وہ بالیقین ان سے افضل ہوئے (ت)

مسئلہ نمبر ۵۸۵،۵۸۸: از شاہجہانپور محلّہ بابوزئی مرسلہ شاہ فخر عالم صاحب قادری ۲۲ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ مسجد میں بحکم والی ملک (زید) جو حافظ قرآن و متشرع ہے قدیم سے خدمتِ امامت بجالاتا ہے اور اس کی تنخواہ پاتا ہے لیکن بکر جو دوسرے سرشتہ کا ملازم ہے اور اس کے پاس باوجودیکہ کوئی حکم فسخ امامت کا زید کا نہیں ہے اور نہ بکر کو حکم امامت کا والی ملک کے یہاں سے ملا اور عموماً مقتدیان بکر کی امامت سے بوجوہاتِ ذیل نارضامند ہیں:

(۱) یہ کہ بکر بعض اوقات رقصِ طوائف دیکھ لیتا ہے۔

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۹۲/۳، سنن ابوداؤد باب امامة الاعمٰی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۸۸/۱

[2] بحر الرائق، باب الامامة، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۳۴۸/۱

(۲) کفار و مشرکین کے میلوں ٹھیلوں اور دیوالی کی شب جو ہنود میں صورت لچھمن کی ہوتی ہے اور خبائث دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے شریک ہو کر بھی سب کے ساتھ مہورت کا روپیہ چڑھاتا ہے اور علاوہ تنخواہ اپنی مقررہ کے خلاف حکم لوگوں سے نذرانہ بھی لیتا ہے۔

(۳) محفل میلادِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اور قیام کو بدعت سیئہ بتلاتا ہے اور محفل یازدہم حضرت غوث الثقلین محبوب سبحانی کرنے اور پڑھنے والے بدعتی اور گنہگار کہتا ہے اور شیرنیِ محفل میلاد کو برا جانتا ہے۔

(۴) شرفا و نجبا کی توہین اور غیبت کو فخر سمجھتا ہے اور مولوی ابوالمنصور صاحب دہلوی کی نسبت جو امامِ وقت کہے جاتے ہیں ان کی تصنیف پر جو سب علماء دیکھ چکے ہیں اور کوئی حرف زن نہیں ہوا مگر بکر نے فتوی کفر دے دیا ہے پس مقتدیان وغیرہ کے دلوں میں جو بکر کی طرف سے بوجوہات بالا کراہت آگئی ہے اس واسطے بکر نماز نہ پڑھنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے اور بکر اپنی امامت کے باعث مقتدیان وغیرہ کو تارک جماعت دیکھتا مگر پھر بھی اپنی امامت نہیں چھوڑتا اور اس کے امام حکمی کو جس کا ذکر اوپر آچکا امامت کرنے کا موقع نہیں آنے دیتا پہلے خود امام بن جاتا ہے تو بکر کس گناہ کا مرتکب کہا جائے گا، فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورۃ مستفسرہ میں بکر کا فاسق فاجر مرتکب کبائر بدعتی گمراہ خائب و خاسر ہونا تو بداہۃً ظاہر اور اگر لچھمن کو روپیہ معاذ اللہ بطور عبادت بھینٹ چڑھایا ہے تو قطعاً یقیناً مرتد کافر اور اس فعل ملعون کے بدترین فسق و فجور قریب بکفر ہونے میں تو کلام ہی نہیں بہرحال اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں کیا حرج ہوتا بلکہ اقتدا میں حرج اور سخت حرج ہے جو اسے امام کرے گا گنہگار ہوگا مسلمان اس فاسق بددین کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھیں جہاں تک قدرت ہو اُسے امامت سے دفع کریں قدرت نہ پائیں تو اپنی جماعت جُدا کریں اور جبکہ امام معین یعنی زید اور عامہ اہل مسجد انھیں کے ساتھ ہیں تو جماعت اولیٰ اِنھیں کی جماعت ہوگی اگرچہ وہ پہلے پڑھ جائے بلکہ جبکہ اس کے اسلام میں شک ہے تو انھیں درجہ اولیٰ جائز ہے وہ جس وقت امامت کررہا ہو اُسی وقت مسجد میں یہ اپنی جماعت قائم کریں اور اگر یہ ایسا کریں تو اس جماعت کے مقتدیوں کو چاہئے فوراً نیت توڑ کر اس میں میں آملیں اگر ایسا نہ کریں گے تو انھیں اپنی نماز پھیرنی ہوگی یُوں ہی آج تک جتنی نمازیں لوگوں نے دانستہ خواہ نادانستہ اس کے پیچھے پڑھی ہیں سب پھیریں، اور اگر مسلمان نہ اُسے امامت سے دفع کرسکتے ہیں نہ اُس مسجد میں اپنی جماعت اس سے پہلے یا ساتھ یا بعد کرسکتے ہیں تو انھیں روا ہے کہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں دوسری مسجد میں جاکر شریک جماعت ہوں۔ مراقی الفلاح میں ہے:

کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعا فلا یعظم	فاسق کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ اہتمامِ دین نہیں کرتا پس شرعاً اس کی اہانت ضروری ہے تو امامت میں

بتقدیمه للامامة واذا تعذر منه ینتقل عنه الی غیر مسجده للجمعة وغیرها[1]۔	مقدم کرکے اس کی تعظیم نہ کی جائے اور جب اسے امامت سے روکنا متعذر ہو تو جمعہ وغیرہ کے لئے آدمی کسی دوسری مسجد میں چلا جائے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

فی فتاوی الحجة اشارة الی انھم لوقدموا فاسقایاثمون[2] اھ ملخصاً۔	فتاوی الحجہ میں ہے اس سے اشارہ ہے کہ لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو تمام گنہ گار ہوں گے اھ ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بقی لوکان مقتدیابمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھة فیه ھل یقطع ویقتدی به استظھرط ان الاول لوفاسقالایقطع ولو مخالفا وشك فی مراعاته یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی کراھته تنزیھیة کالاعمی والاعرابی بخلاف الفاسق فانه استظھر فی شرح المنیة انھا تحریمیة لقولھم ان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علینا اھانته بل عند مالك و روایة عن احمد لاتصح الصلوٰۃ خلفه[3] اھ قلت والحکم فیما نحن فیه ابین واظھر علی کلا الاستظھارین کما لایخفی من حال ذلك الافسق الاطغی۔	باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کسی نے اقتداء کی اس شخص کی جس کی اقتداء مکروہ تھی پھر ایسے شخص نے نماز شروع کی جس میں کراہت نہ تھی تو کیا نماز قطع کردے اور دوسرے کی اقتداء کرے؟ ط نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اگر اول فاسق ہو (یعنی مخالف نہ ہو) تو نماز قطع نہ کرے اور اگر وہ مُخالف ہو اور رعایتِ نماز میں شک ہو تو قطع کردے، میں کہتا ہوں مختار اس کا عکس ہے کیونکہ دوسری (یعنی مخالف کی) صورت میں کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ نابینا اور اعرابی کی امامت میں ہے۔ بخلاف فاسق کے کہ اس کے بارے میں شرح منیہ میں ہے کہ مختار یہی ہے کہ اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو امام بنانے کی بناپر اس کی تعظیم ہوگی حالانکہ ہم پر اس کی اہانت لازم ہے بلکہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز جائز ہی نہیں اھ قلت (میں کہتا ہوں) جس کے بارے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵
[2] غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳
[3] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵

میں ہم گفتگو کر رہے ہیں دونوں مختار اقوال کے مطابق اس کا حکم نہایت ہی واضح ہے جیسا کہ اس بدتر فاسق اور بدتر باغی کے حال سے آشکارا ہے۔(ت) در مختار میں ہے:

کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا[1]۔	ہر وُہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے۔(ت)

بکر جیسا کہ اپنے دیگر اقوال وافعال مذکورہ سوال کے باعث خاطی وبزہ کار اور اس بھینٹ کے سبب بدترین وناپاک ترین اشرار، یوں ہی اس امامت میں بھی کہ بناراضی مقتدیان ہے مخالف شرع وگنہگار ہے۔ حدیث پاک میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لعنھم اللہ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط ورجل سمع حی علی الصلاۃ حی علی الفلاح فلم یجب[2]۔ رواہ الحاکم فی المستدرک۔	تین شخص ہیں جن پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے ایک وہ کہ لوگوں کی امامت کو کھڑا ہو جائے اور وُہ اس سے ناخوش ہوں، دوسری وہ عورت کہ رات گزارے اس حالت میں کہ اس کا شوہر اُس سے ناراض ہے، تیسرا وہ شخص کہ حی علی الصلوٰۃ وحی علی الفلاح سنے اور نماز کو حاضر نہ ہو۔ اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔(ت)

خصوصًا ایسی امامت تو اور بھی سخت ہے کہ بلاوجہ شرعی امامِ متعین کا منصب چھین کر جبرًا لوگوں کی امامت کرے ائمہ دین نے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا، ابن حجر مکی زواجر عن اقتراف الکبائر میں فرماتے ہیں:

الکبیرۃ السادسۃ والثمانون امامۃ الانسان لقوم وھم لہ کارھون، عدھذا من الکبائر مع الجزم بہ وقع لبعض ائمتنا وکانہ نظر الی مافی ھذہ الاحادیث وھو عجیب منہ ، فان ذلك مکروہ نعم ان حملت تلك الاحادیث	چھیاسیواں ۸۶ کبیرہ گناہ یہ ہے کہ آدمی کا ان لوگوں کی امامت کروانا جو اسے پسند نہ کرتے ہوں اس عمل کو ہمارے بعض ائمہ نے بالجزم کبائر میں شمار کیا ہے، شاید انہوں نے یہ اُن احادیث کی روشنی میں کیا ہو لیکن یہ عجیب ہے کیونکہ یہ عمل مکروہ ہے البتہ ایک صورت ایسی ہے جب ان احادیث کو اس شخص پر محمول کیا جائے جس نے

---

[1] در مختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[2] الزواجر عن اقتراف الکبائر بحوالہ مستدرک الکبیرۃ السادسۃ والثمانون دار الفکر بیروت ۱/۲۳۹

علی من تعدی علی وظیفة امام راتب فصلی فیها قهرا علی صاحبها وعلی المامومین امکن ان یقال حینئذ ان ذلك کبیرة لان غصب المناصب اولی بالکبیرة من غصب الاموال المصرح فیه بانه کبیرة اھ [1] ملخصا۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	مقرر امام پر زیادتی کی اور اس پر مقتدیوں پر جبراً اپنی امامت کو مسلط کیا تو اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ یہ عمل کبیرہ گناہ ہے کیونکہ مناصب کا غصب کرنا بطریق اولٰی کبیرہ ہے اس غصب سے جو مال کھو جس کے کبیرہ ہونے پر تصریح موجود ہے اھ ملخصًا (ت)

مسئلہ نمبر ۵۸۹: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۵ جمادی الآخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو امام نماز پڑھانے پر نوکر ہے اس کی اقتداء کی جائے یا جماعت ترک کی جائے؟ بینوا توجروا

الجواب:

قطعًا اقتداء کی جائے اس عذر پر ترک جماعت ہرگز جائز نہیں، متقدمین کے نزدیک جو اُجرت لے کر امامت کرنے والے کے پیچھے نماز میں کراہت تھی اس بنا پر کہ اُن کے نزدیک امامت پر اُجرت لینا ناجائز تھا وہ بھی ایسی نہ تھی جس کے باعث ترک جماعت کا حکم دیا جائے، اب کہ فتوٰی جواز اجرت پر ہے تو وہ کراہت بھی نہ رہی طحطاوی میں زیرِ قول درمختار تکرہ خلف من ام باجرۃ قھستانی (اس شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے جو اُجرت لے قہستانی۔ت) فرمایا:

ھذا مبنی علی بطلان الاستئجار علی الطاعات وھی طریقة المتقدمین والمفتی به جوازہ خوف تعطیل الشعائر حلبی وابومسعود [2]۔	یہ حکم اس پر مبنی ہے کہ عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں (باطل ہے) اور یہ متقدمین کا طریقہ تھا اب مفتٰی بہ قول یہ رہے کہ اُجرت لینا جائز ہے ورنہ شعائر اسلامی کے معطل ہونے کا خوف ہے حلبی ومسعود (ت)

اسی طرح ردالمحتار وغیرہا میں ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۹۰: از مارہرہ مطہر ضلع ایٹہ مرسلہ سیّد ظہور حیدر میاں صاحب ۱۱ جمادی الآخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو بہت رکوع اور سورتیں یاد ہیں جن سے وہ نماز پڑھاتا

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر الکبیرۃ السادسہ والثمانون مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۰

[2] حاشیہ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۴

ہے مگر اسے کھڑے پڑے مدوشد وقف رہاؤ پر چنداں خیال عبور نہیں اپنے نسیان کی وجہ سے مجبور ہے حافظ یا قاری کو سنا کر صاف بھی کرتا ہے تاہم بڑے رکوع یا سُورت نقصان حافظہ یا کمی علم عربی قواعد قرأت کے سبب امور مذکورہ کا خیال نہیں رہتا ہاں چھوٹے رکوعوں سورتوں پر اکتفا کرے تو کسی قدر عبور رہ سکتا ہے مگر صبح وعشاء وغیرہ میں جو طوال اوساط کا حکم ہے اُس کی رعایت نہ ہوگی زید سین وصاد میں بھی غلطی کرتا ہے اس صورت میں زید کی امامت درست ہے یا مکروہ؟ اور کھڑا پڑا ادا نہ ہونے سے نماز تو مکروہ نہ ہوگی اور اگر ہر نماز میں قصار پر قناعت کرے تو کیا حکم ہے؟ دوسرا شخص بکر ہے جو تمام امورِ قرأت حسبِ قواعد ملحوظ رکھتا ہے مگر بوجہ اپنے کسی فعل ناجائز مثل نشہ ممنوع شرعی میں معلن ہونے کے امامت سے انکار کرکے زید کو جو بوجہ غلطی سین وصاد وعدم رعایت امور مذکورہ معذور ہے امام کرنا چاہتا ہے اور خود انکار کرتا ہے ایسی صورت میں اس کا اپنی امامت سے انکار اور زید کو امام کرنا درست ہے یا نہیں اور ان دونوں میں لائق امامت کون ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: اس مسئلہ میں جواب سے پہلے چند مسائل کا معلوم کرنا ضرور:

(۱) وقف کی غلطی کہ وصل کی وقف، وقف کی جگہ وصل کرے۔ یہ اصلاً مفسدِ نماز نہیں اگرچہ وقف لازم پر نہ ٹھہرے

کما نص علیہ فی الھندیۃ وفی المنیۃ وشرحھا للعلامۃ الحلبی الوقف فی غیر موضعہ و الابتداء من غیر موضعہ لایوجب فساد الصلٰوۃ عند عامۃ علمائنا (الی ان قال بعد ذکر الامثلۃ) فالصحیح عدم الفساد فی ذلك کلہ لما تقدم ولانہ نظم القراٰن [1] اھ ملخصا	جیسا کہ ہندیہ، منیہ اور اس کی شرح للعلامہ حلبی میں تصریح ہے کہ ہمارے اکثر علماء کے نزدیک غیر وقف کی جگہ وقف اور غیر شروع کی جگہ شروع کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی (آگے چل کر مثالیں ذکر کرنے کے بعد کہا) صحیح یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں فساد نہیں، اس دلیل کے پیشِ نظر جو گزر چکی اور اس لئے کہ یہ نظمِ قرآن ہیں اھ ملخصًا (ت)

(۲) جن حروف پر مد ہے جیسے جآء، تنوٓء، جآء، یآ یھا، قالوٓا انا، فیٓ ایّام، دآبۃ، آمین (وہاں مد نہ کرنا بھی اصلاً مفسد نہیں،

فان ذلك من محسنات التجوید ولادخل لہ فی المعنی بل فی اللفظ ایضا بحیث یتغیر	کیونکہ یہ حسنِ تجوید میں سے ہے اس کا معنی میں بلکہ الفاظ میں بھی کوئی دخل نہیں کیونکہ اس کے ترک سے

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۰

بترکه اللفاظ فضلا عن المعنی۔	الفاظ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی چہ جائیکہ معنی میں تبدیلی آئے(ت)

(۳) جن حروف مد یا لین پر مد نہیں مثلاً قال یقول قیل قول خیر۔ان پر بھی موجب فساد نہیں جبکہ حد سے زیادہ نہ ہوں، ہاں حد سے متجاوز ہو جیسے گانے میں زمزمہ کھینچا جاتا ہے توآپ ہی مطلقاً مفسد ہے اگرچہ مد ہی کی جگہ ہو،

فی الخانیة لو قرألقراٰن فی صلاة بالحان ان غیر الکلمة تفسد صلٰوته لما عرف فان کان ذلك فی حروف المد واللین وهی الیاء والالف والواو لایغیر المعنی الا اذا فحش[1] اھ فی ردالمحتار قوله بالالحان ای بالنغمات وحاصلها کما فی الفتح اشباع الحرکات لمراعات النغم[2]۔	خانیہ میں ہے اگر نماز میں الحان کے ساتھ قرآن پڑھا اگر کلمہ میں تبدیلی آگئی تو نماز فاسد ہو جائے گی جیسا کہ معروف ہے پس اگر وہ الحان حروف مد اور لین میں ہو جو کہ یاء،الف اور واؤ ہیں تو معنی میں تبدیلی نہیں ہوگی البتہ اس صورت میں آئے گی جب وہ حد سے متجاوز ہو اھ۔ردالمحتار میں ہے قوله بالالحانیعنی نغمہ کے ساتھ پڑھنا اور اس کا حاصل فتح کے مطابق نغمہ کی رعایت کی خاطر حرکات میں اشباع کرنا ہے۔(ت)

(۴) کھڑے کو پڑا پڑھنا بھی مفسد نہیں:

فی القنیة قع حم قرأوتعال جدك بغیریاء لاتفسد وعن جار الله مثله لان العرب یکتفی بالفتحة عن الالف اکتفاء هم بالکسرة عن الیاء ولوقرأ اعذبالله لاتفسدصلاته ایضا لاکتفائهم بالضمة عن الواو[3]۔ عك وجار الله والصلاوات لاتفسد وکذا لو قرأ وطور سنین بحذف الیاء	قنیہ میں ہے قع حم کے ہاں اگر کسی نے تعالٰی جدک یائے بغیر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور جاراللہ سے بھی یہی منقول ہے کیونکہ اہلِ عرب الف کی جگہ فتحہ پر اکتفا کرلیتے ہیں جیسا کہ یاء کی جگہ کسرہ پر اکتفاء کرتے ہیں اور اگر اعوذ باللہ کی جگہ اَعُذُ باللہ پڑھا تو بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اہلِ عرب واو کی جگہ ضمہ پر اکتفاء کرلیتے ہیں۔(ت) عین الائمہ کرابیسی اور جار اللہ زمخشری کے نزدیک اگر کسی نے والصلاوات پڑھا

[1] فتاوٰی قاضی خان، فصل فی قرأة القرآن خطاء، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ، ۱/۷۵

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوة الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۶

[3] قنیہ فتاوٰی قنیة باب فی حذف الحرف والزیادہ المطبعة المشتہرہ بالمہانندیة ص ۶۳

لا تفسد عنده ولو قرء نَسْتَعِنُكَ اوْونُؤمِينُ بكَ لاتفسد [1] اھ وفی الغنیة اذاکان الحذف علی وجه الترخیم الجائز فی العربیة نحوان یقرأ یا مالك بحذف الکاف فلا تفسد اجماعا وکذا اذالم یکن من اصول الکلمة کما اذا اقرأ الواقعة بغیرھا وکذا ان کان من الاصول و لم یتغیر المعنی کان یقرأ تعالٰی جد ربنا باللام مع حذف الیاء فی تعالٰی لا تفسد بالاتفاق [2] اھ

اور اسی طرح اگر کسی نے وطورسنین یاء کوحذف کرکے پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ عین الائمہ کرابیسی کے نزدیک اوراگر " نستعینك '' یا "ونؤمین بک"پڑھاتو نماز فاسد نہ ہوگی اھ اور غنیہ میں ہے اگر حذف بطور ترخیم ہو جو اہل عرب کے ہاں جائز ہے مثلا یامالک کے کاف کو حذف کرکے پڑھاتو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگی اسی طرح جب وہ حرف کلمہ کے اصلی حروف میں سے نہ ہو مثلاً لفظ الواقعہ کو ہاء کے بغیر پڑھا اسی طرح اگروہ حرف کلمہ کے حروف اصلی میں سے ہو مگر معنٰی میں تبدیلی نہ آئے مثلاً تعالٰی جدّ ربّنا میں تعالٰی کے یاء کوحذف کرکے صرف لام کے ساتھ پڑھا تو بالاتفاق نماز فاسد نہ ہوگیاھ (ت)

ان چاروں باتوں سے اگرچہ فساد نماز نہیں مگر کراہت ضرور ہے کہ آخر قرآنِ عظیم کا غلط پڑھنا ہے یہاں تک کہ علمائے کرام نے فرمایا: مد کاترک حرام ہے۔ تو کھڑے کوپڑا پڑھنا بدرجہ اولی حرام ہوگا اس میں توجوہر لفظ میں کمی ہو گئی بخلاف مد کہ امر زائد تھا،

فی الدرعن الحجة فی النفل لیلا.له ان یسرع بعد ان یقرأ کما یفهم [3] اھ قال السید ان العلامتان الطحطاوی والشامی قوله کما یفهم ای بعد ان یمد اقل مد قال به القراء والاحرم لترك الترتیل المامور به شرعا [4]۔

درمختار میں الحجہ کے حوالے سے ہے کہ رات کے وقت نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکا ہے کہ پڑھا ہوا سمجھا جاسکے اھ ہمارے دونوں سید طحطاوی اور شامی فرماتے ہیں اس کا قول کما یفھم سے مراد یہ ہے کہ وہ مد کی کم از کم مقدار ضروری ہے ۔یہ بات قراء نے بتائی ہے ورنہ یہ عمل حرام ہوگا کیونکہ اس میں اس کاترتیل کاترک لازم آتا ہے جس کا شرعاً حکم ہے۔(ت)

---

[1] قنیہ، فتاوٰی قنیة باب فی حذف الحرف والزیادۃ مطبعة مشتہرۃ بالمہانندیة ص ٦٣

[2] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی بیان احکام زلة القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ٤٨٥

[3] درمختار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ١/٨٠

[4] ردالمحتار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ١/٤٠٠

یوں ہی تصریح فرماتے ہیں کہ جو شخص وقف و وصل کی رعایت نہ رکھتا ہو اُسے امام نہ ہونا چاہئے۔

فی الھندیۃ عن المحیط من یقف فی غیر مواضعہ ولایقف فی مواضعہ لاینبغی لہ ان یؤم [1]۔	ہندیہ میں محیط کے حوالے سے ہے کہ وُہ شخص جو غیر وقف کی جگہ وقف کرے اور وقف کی جگہ وقف نہ کرے اسے امام نہیں ہونا چاہئے۔(ت)

(۶) پڑے کو کھڑا پڑھنے سے اگر معنی فاسد نہ ہوں جیسے اتلُ ادعُ یرضَہ لم یخشَ وانہ لاتائس علیہ لاتمسّ یعباد کو اتل، ادع، یرضٰہ لم یخشٰ وانہ لاتاس علیہ، لاتمشِ یعبادِ پڑھنا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

فی الغنیۃ ان زادحرفا ان لم یغیر المعنی بان قرأ وَاْمُر بالمعروف وانھی عن المنکر بزیادۃ الالف فی اللفظ بعد الھاء لاتفسد [2] اھ ملخصا۔	غنیہ میں ہے اگر کسی نے ایسے حرف کا اضافہ کیا جس سے معنی میں تبدیلی نہ آئے مثلاً وامر بالمعروف وانھی عن المنکر میں ہا کے بعد الف پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اھ ملخصًا۔(ت)

ورنہ فاسد،

کما قدمنا عن الخانیۃ وفی الدرومنھا ای من المفسدات القراءۃ بالالحان ان غیر المعنی [3] الخ فی ردالمحتار قولہ ان غیرالمعنی کمالو قرأ الحمدللہ رب العٰلمین واشبع الحرکات حتی اتی بواو بعد الدال وبیاء بعد اللام والھاء وبالف بعد الراء ومثلہ قول المبلغ رابنا لک الحامد بالف بعد الراء لان الراب ھوزوج الام کمافی الصحاح والقاموس وابن الزوجۃ یسمّٰی ربیبا اھ [4]۔	جیسا کہ ہم پہلے خانیہ حوالے سے بیان کرچکے ہیں اور درمختار میں ہے مفسداتِ نماز میں قراءۃ بالالحان بھی ہے بشرطیکہ معنی تبدیل ہوجائے الخ ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کے قول ان غیر المعنیکی مثالیں یوں ہیں کہ الحمد للہ رب العٰلمین میں اگر کسی نے حرکات میں اشباع کیا وہ یوں کہ دال کے بعد واو، لام اور ہاء کے بعد یا اور راء کے بعد الف پیدا ہوگیا اسی طرح ہے مکبّر کا قول "رابنا لک الحامد" یعنی راء کے بعد الف پڑھ دیا کیونکہ راب ماں کے شوہر کو کہا جاتا ہے جیسا کہ صحاح اور قاموس میں ہے، اور زوجہ کے بیٹے کو ربیب کہا جاتا ہے اھ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح امامًا لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۶/۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۴

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۰/۱

[4] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۶۶/۱

اقول: ھذاھو الموافق لکلام اصحابنا المتقدمین وقاعدتھم الغیر المنخرمۃ المختارۃ للمحققین فلا علیك مایوجد من خلاف ذلك فی بعض الفروع المنقولۃ عن المتاخرین نعم ماذکر فی الراب فعندی فیہ وقفۃ فانہ القیاس فی اسم فاعل الربوبیۃ وان کان فی الاستعمال بمعنی اخرواھل اللغۃ لایذکرون المشتقات القیاسیۃ ولاھی موقوفۃ علی السماع والا لم تکن قیاسیۃ والقیاس لایردالابالنص علی ھجر انہ لاجرم قال فی تاج العروس ھواسم فاعل من ربہ یربہ ای تکفل بامرہ[1] اھ وصحۃ الصلوٰۃ تعتمد علی احتمال معنی صحیح ولوکان ثم احتمالات فاسدۃ کما نص علیہ ھوغیرہ ففی ردالمحتار عند الاحتمال ینتفی الفساد لعدم تیقن الخطأ[2] اھ وفی الغنیۃ التحقیق فیہ العمل بصحۃ المعنی بوجہ محتمل وعدمھا کماقررنا انہ قاعدتھم الغیر المنخرمۃ[3] اھ فافھم۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ گفتگو ہمارے متقدمین علماء کے کلام اور محققین کے اختیار کردہ ان کے پختہ ضابطہ کے مطابق ہے لہٰذا متاخرین سے اس کے خلاف جو جزئیات منقول ہیں آپ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں البتہ لفظ رابے بارے میں جو کچھ ذکر ہُوااس میں مجھے توقف ہے کیونکہ قیاسًا یہ ربوبیت سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اگرچہ کسی دوسرے معنی کے لئے بھی مستعمل ہے اور اہلِ لغت مشتقات قیاسیہ کا ذکر کرتے ہی نہیں اور نہ ہی وہ سماع پر موقوف ہوتے ہیں ورنہ وہ قیاسی ہی نہ رہیں اور قیاس کو اس وقت رَد کیا جاسکتا ہے جب اس کے ترک پر نص ہو۔ لاجرم تاج العروس میں ہے کہ راب ربہ یربہ سے اسم فاعل ہے جس کے معنی دوسرے کے معاملے کا کفیل ہونے کے ہیں اھ اور صحتِ نماز کا اعتبار صحتِ معنی کے احتمال پر ہوتا ہے اگرچہ وہاں احتمالاتِ فاسدہ بھی ہوں، جیساکہ اس پر شامی وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ ردالمحتار میں ہے احتمال کے وقت فساد منتفی ہوجاتا ہے کیونکہ خطا کا یقین نہیں رہتا اھ غنیہ میں ہے تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ کسی طور صحتِ معنی کے احتمال اور عدمِ احتمال پر ہوگا جیساکہ نے فقہا کا وہ ضابطہ بیان کیا ہے جو ٹوٹنے والا نہیں اھ **فافھم** ت)

(۷) یونہی مشدّد کو مخفف، مخفف کو مشدد پڑھنا فساد معنی میں فساد نماز ہے جیسے **ظللنا** بتخفیف لام

---

[1] تاج العروس من جواہر القاموس فصل الراء من باب البائ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۶۲

[2] ردالمحتار مطلب مسائل زلۃ القاری مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۹

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۴

ایا کبتشدد کاف نہیں ورنہ نہیں جیسے ماودعک بتخفیف دال اکبر بتشدید راء،

فی الغنیۃ تخفیف المشدد الاصل فیہ انہ ان کان لا یغیر المعنی کأن قرأ وقتلوا تقتیلا لاتفسدوان غیربان ترك التشدید فی رب الفلق ونحوہ فاختیار عامۃ المشائخ انہا تفسد کذا فی الخلاصۃ وذلك التفصیل علی قول المتقدمین وتقدم انہ الاحوط وحکم تشدید المخفف کحکم عکسہ وکذلك اظہار المدغم وعکسہ فالجمیع فصل واحد[1] اھ ملخصا۔

اقول: ھکذا فی کتب اخری حکم الفساد بتخفیف الرب وعندی فیہ وقفہ فقد قال فی القاموس قد یخفف[2] اھ ونقلہ الصاغانی عن ابن الانباری وانشد المفضل۔

وقد علم الاقوام ان لیس فوقہ
رب غیر من یعطی الحظوظ ویرزق[3]

نقلہ فی لسان العرب وغیرہا کما فی التاج۔

غنیہ میں ہے کہ جو لفظ مشدّد کو مخفف پڑھنے میں قاعدہ یہ ہے کہ اسکو مخفف پڑھنے سے اگر معنی یں تبدیلی نہیں آتی، مثلاً قتلو تقتیلا (شد کے بغیر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی بدل جاتا ہے مثلاً رب الفلق وغیرہ میں شد کو ترک کردیا تو عام مشائخ کے ہاں مختار یہی ہے کہ نماز فاسد ہوگی کذافی خلاصہ، اور یہ تفصیل متقدمین کے قول کے مطابق ہے اور پہلے گزر چکا کہ اسی میں زیادہ احتیاط ہے، مخفف کو شد کے ساتھ پڑھنا یامشدد کو مخفف پڑھنا دونوں کا حکم ایک جیسا ہے۔اسی طرح مدغم کا اظہار یا اسکا عکس ہو وان تمام صورتوں کا ایک ہی حکم ہے اھ ملخصًا (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں اسی طرح دیگر کتب میں رب کے مخفف پڑھنے پر فسادِ نماز کا حکم دیا گیا ہے اور میرے نزدیک اس میں توقف ہے، کیونکہ قاموس میں ہے کہ اس میں کبھی کبھی تخفیف کی جاتی ہے اھ اسے صاغانی نے ابن الانباری سے نقل کیا ہے اور مفضل نے یہ شعر کہا ہے:

ان اقوام نے یہ جان رکھا ہے کہ ان سے اوپر رب کے سوا کوئی نہیں جو رزق اور نعمتیں عطا کرے۔تاج العروس کے مطابق یہ شعر لسان العرب میں وغیرہا میں منقول ہے۔(ت)

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۸

[2] القاموس المحیط فصل الراء من باب الراء مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۷۲

[3] تاج العروس من جواہر القاموس فصل الراء من باب الباء مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۰

(۸) س ص وغیرہما حروف کی باہم تبدیل میں بھی فساد معنی ہی پر لحاظ ہے بحالت عدم فساد نماز فاسد نہیں خصوصًا جب خاص لفظ زبان عرب میں دونوں طرح ہو جیسے صراط وسراطوہ تبدیل کسی قاعدہ عرب کے موافق ہو جیسے وہ ہر کلمہ جس میں سین کے بعد ط مہملہ یا غین معجمہ یا ق یا خ معجمہ واقع ہو اس سین کو ص پڑھنا صحیح ہے بعض نے قبل و بعد کی قید نہیں لگائی اور ت کی معیت میں بھی سین اور صاد کی باہم تبدیل دونوں جانب سے جائز بتائی، بعض نے کہا جس کلمہ میں کے ص بعد ط مہملہ یا غ معجمہ یا سین کے بعد ق یا خ معجمہ ہو وہاں ان میں ہر ایک کے عوض دوسرا اور ز معجمہ بھی جائز، اور جس ص کے بعد د مہملہ ہو اگر ص ساکن ہے تو اس کی جگہ س یا ز روا اور متحرک ہے تو ناجائز و مفسد نماز، قنیہ میں ہے:

متی سألت جار الله عمن قرأ وصطًا او اصبغ او صقر او مصخرات بالصاد مکان السین فقال لا تفسد لان کل کلمة وقع فیها بعد السین طاء اوغین اوقاف اوخاء جازان یبدل السین صادا[1] اھ۔	جار اللہ سے جب میں نے پوچھا کہ کوئی شخص وسطًا کو وصطًا ،اسبغ کو اصبغ، سقر کو صقر اور مسخرات کو مصخرات س کی جگہ ص پڑھتا ہے تو اسکا کیا حکم ہے؟ فرمایا نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ ہر وُہ کلمہ جس میں سین کے بعد طاء، غین، قاف یا خا آجائے تو اس سین کو صاد کے ساتھ بدلنا جائز ہے (ت)

اسی طرح حلیہ میں اُس سے نقل فرمایا:

وضبط الحروف فقال کل کلمة وقع فیها بعد السین طاء مهملة او غین معجمة اوقاف اوخاء معجمة جازان یبدل فیها السین صادا۔[2]	اور حروف کا ضابطہ اس کے متعلق فرمایا ہر وہ کلمہ جس میں سین کے بعد ط مہملہ یا غین معجمہ یا ق یا خ معجمہ واقع ہو وہاں سین کو صاد کے ساتھ بدلنا جائز ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

وفی المبتغی ومن قرأمکان الصاد سینا ینظر ان کان صاد بعدها طاء کالصراط وبعدها غین کقوله واصبغ اوسین بعدها قاف کقوله	المبتغی میں ہے وہ شخص جس نے صاد کی جگہ سین پڑھا وہاں غور کیا جائے اگر صاد کی بعد طاء مہملہ ہے مثلًا صراط، یا اس کے بعد غین معجمہ ہو مثلًا واصبغ

[1] قنیہ، فتاوٰی قنیۃ باب زلۃ القاری الخ مطبعۃ مشتہرۃ بالمہانندیۃ ص ۶۱

[2] حلیہ المحلی شرح منیہ المصلی

سلقوکم او بعدھا خاکقولہ یسخرون یجوز مکان السین صادا او زاء واماالتی بعدھا دال ان کانت الصاد ساکنۃ کقولہ یصدر یجوز بالسین والزاء واما التی تکون متحرکۃ کقولہ الصمد لایجوز قرأتہ بالسین ولو قرأ بالسین تفسد صلاتہ وعلی ھذا یخرج کثیر من المسائل انتھی[1]۔	یا کسی کلمہ میں س کے بعد ق ہو جیسے سلقوکم، یا اس کے بعد خاء معجمہ ہو جیسے یسخرون، تو ایسی صورت میں س کی جگہ ص یا ز پڑھنا جائز ہوگا، لیکن اگر ص کے بعد د مہملہ ہو تو اگر صاد ساکن ہو مثلاً یصدر تو اسے سین یا زاء پڑھنا جائز، اور اگر صاد متحرک ہے جیسے الصمد تو اب اسے سین پڑھنا جائز نہیں، اگر کسی نے سین پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی، اسی ضابطہ پر بہت سے مسائل کی تخریج ہوتی ہے انتھی (ت)

خانیہ میں ہے:

عن ابی منصور العراقی کل کلمۃ فیھا عین اوحاء اوقاف اوطاء اوتاء وفیھا سین اوصاد فقرأ السین مکان الصاد او الصاد مکان السین جاز اھ[2]۔ **اقول:** ھکذا ھو فی الخانیۃ طابع کلکتۃ ۱۸۳۵ء المیلادیۃ باھمال العین والحاء جمیعا وکذا ھو فی الغنیۃ طابع استامبول ۱۲۹۵ھ الھجریۃ ومثلہ فی البزازیۃ طابع مصر ۱۳۱۰ھ وفی الخانیۃ طابع مصر من تلک السنۃ باعجام الخاء واھمال العین وھوالموافق لما فی عنایۃ القاضی حاشیۃ العلامۃ الخفاجی علی البیضاوی طبع مصر ۱۲۸۳ھ تحت قولہ	ابو منصور عراقی کہتے ہیں ہر وہ کلمہ جس میں عین، حاء، قاف، طاء یا تاء ہو اس کلمہ میں سین یا صاد ہو تو ایسی صورت میں اگر کسی نے صاد کی جگہ سین یا سین کی جگہ صاد پڑھا تو جائز ہوگا اھ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) خانیہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۵ میلادیہ میں یوں ہی عین مہملہ اور حاء مہملہ دونوں کا ذکر ہے، اسی طرح غنیہ مطبوعہ استنبول ۱۲۹۵ھ میں ہے، اور بزازیہ مطبوعہ مصر ۱۳۱۰ھ میں بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں، مگر خانیہ مطبوعہ مصر سنِ مذکورہ میں خاء معجمہ اور عین مہملہ کا ذکر ہے، اور یہ اس کے مطابق ہے جو علّامہ خفاجی نے عنایۃ القاضی حاشیہ بیضاوی مطبوعہ مصر ۱۲۸۳ھ میں اللہ تعالٰی کے ارشاد گرامی الصراط المستقیم کے تحت لکھا ہے وہ فرماتے ہیں

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی قرأۃ القرآن خطاء مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۶۸

تعالٰی الصراط المستقیم حیث قال لغة قریش ابدال السین صادا ھنا وفی کل موضع بعدھا عین اوخاء اوقاف باطراد [1] اھ والظاہر ممّا عن القنیة والحلیة مفسرا اعجامھا جمیعا فلیحرر۔	کہ اس مقام پر بلکہ ہر وہ مقام جہاں اس کے عین، خاء معمہ یا قاف ہو وہاں سین کو صاد کے ساتھ بدل کر پڑھنا لغتِ قریش ہے اور یہ مستعمل ہے اھ قنیہ اور حلیہ کے حوالے سے جو کچھ تفصیلاً گزرا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب معجمہ ہوں، پس اسے اچھی طرح محفوظ کرو (ت)۔

پچھلے تین مسائل میں کہ بحالتِ فسادِ معنی فسادِ نماز کا حکمِ مذکور ہمارے امام صاحب مذہب اور ان کے اتباع ائمہ متقدمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب تھا اور وہی احوط و مختار ہے اجلّہ محققین نے اُسی کی تصریح فرمائی

ومعلوم ان الفتوی متی اختلف وجب الرجوع الی قول الامام کما نص علیه فی البحر والدر وحواشیه وغیرھا من اسفار الکرم۔	اور یہ بات معلوم ہے کہ جب اختلاف ہو تو فتوٰی میں قولِ امام کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ اس پر بحر، در اور دیگر مبارک کتب میں تصریح موجود ہے (ت)

غنیہ میں ہے:

الاولی الاخذ فیه بقول المتقدمین لانضباط قواعدھم وکون قولھم احوط واکثر الفروع المذکورة فی کتب الفتاوی منزلة علیه [2]۔	بہتر یہ ہے کہ اختلافی صورت میں متقدمین کے قول کو لیا جائے کیونکہ ان کے قواعد نہایت مضبوط ہیں اور انکے اقوال بہت ہی محتاط ہوتے ہیں اور کتب فتاوٰی کی اکثر فروعات اسی پر مبنی ہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ھذا بناء علی مختار المتقدمین وھو المختار [3]۔	یہ متقدمین کے قولِ مختار کی بناء پر ہے اور در حقیقت یہی مختار ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ھذا ملخص قاعدة المتقدمین وھو الذی صححه المحققون من اھل الفتاوی	یہ قاعدہ متقدمین کا خلاصہ ہے اور اسی کو اہل فتوی محققین مثلاً قاضی خان وغیرہ نے صحیح قرار دیا

---

[1] عنایة القاضی حاشیة الشہاب علی البیضاوی تحت الصراط المستقیم مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۱۳۱

[2] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی بیان احکام زلة القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۷۷

[3] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی بیان احکام زلة القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۳

کقاضی خان وغیرہ وفرعوا علیہ الفروع فافھم ترشد[1]۔	اور اس پر کئی فروعات کی تخریج کی پس اچھی طرح سمجھ لو تو رہنمائی پاؤ گے۔(ت)

اگرچہ علمائے متاخرین ان تین میں بھی کہیں کہیں بعض کہیں اکثر بغرض آسانی جانب جوازِ نماز گئے اور بکثرت فروع یوں ان کے اقوال خود مختلف و مضطرب رہے،

کما یظھر بالرجوع الی الغنیۃ والنظر الی اقوالھم المنقولۃ فی الفتاوی مع سیر الفروع وردھا الی الاصول۔	جیسا کہ غنیہ کے مطالعہ سے اور ان کے فتاوٰی میں منقول اقوال میں غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے باوجود اصول پر فروعات کے جاری اور رَد ہونے کے۔(ت)

(۹) س، ص وغیرہما حروف کی تبدیل جس میں آج کل اکثر عوام مبتلا ہیں جب بطور عجز ہو یعنی سکھنا چاہیں تو سہی ادا ہو صنہ نکال سکیں جیسا کہ یہاں آجکل عوام کا جنہوں نے قواعدِ اعدا دنہ سیکھے اور اس فرض عین کے تارک رہے یہی حال ہے تو اس صورت میں اگرچہ ان کی اپنی نماز ہوجانے پر فتوی ہے جبکہ سیکھنے پر کوشش کئے جائیں اور جو حرف نہیں نکال سکتے اس سے خالی کوئی صورت یا آیت پاتے ہوئے سوائے فاتحہ ایسا کلام جس میں وُہ حروف آئے ہیں نہ پڑھیں اور صحیح خوان کی اقتدا ملتے ہوئے جُدا نماز ادا نہ کریں مگر یہ حکم صرف اُن کی اپنی نماز ان شرطوں کے ساتھ جائز ہونے کے لئے صحیح خواں کی امامت نہیں کرسکتے نہ اُس کی نماز ان کے پیچھے ہوگی یہی مذہب صحیح ہے اور یہی قول جمہور ائمہ ہے جن یوں متاخرین بھی شامل ہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے۔

الراجح المفتی بہ عدم صحۃ امامۃ الالثغ لغیرہ ممن لیس بہ لثغۃ[2]۔	راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ الثغ (توتلے) کی امامت اس شخص کے لئے جائز نہیں جس میں توتلا پن نہ ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

امامۃ الالثغ للفصیح فاسدۃ فی الراجح الصحیح[3]۔	الثغ (توتلے) کی امامت فصیح کے لئے راجح اور صحیح قول کے مطابق فاسد ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قدا باہ اکثر الاصحاب لما لغیرۃ من الصواب[4]۔	اس کا اکثر علماء نے انکار کیا ہے جبکہ اس کا غیر اس سے بہتر و درست پڑنے والا موجود ہو۔(ت)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۹۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۰

بزازیہ میں ہے:

ان امکنه ان یتخذ اٰیات خالیة عن تلك الحروف فعل والا سکت وان وجداٰیات خالیة عن لثغته ومع ذلك قرأ ما فیها لثغته لایجوز وعلی قیاس ما ذکرنا فی المسئلة الاولی ان بدل حرفا بحرف ولم یقدر لایفسد وبه نأخذ وکذا المستقین مکان المستقیم الاان غیرہ لایقتدی به۔[1]	اگراس کے لئے ممکن ہے تو ایسی آیات پڑھے جو ان حروف سے خالی ہوں ورنہ ساکت رہے اور اگر وہ ایسی آیات (جن میں اس کو توتلاپن نہیں ہوتا) پر قادر ہونے کے باوجود وُہ آیات پڑھتا ہے جن میں توتلا پن ہوتا ہے تو یہ جائز نہیں، اور پہلے مسئلہ میں ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر اس نے ایک حرف کو کسی حرف کے ساتھ بدل دیا اور درست پڑھنے پر قادر نہ ہو تو فسادِ نماز نہیں آئے گا، اسی پر ہمارا عمل ہے، اسی طرح وہ جس نے مستقیمکی جگہ مستقین پڑھا، مگر کوئی دوسرا اس کی اقتدا نہ کرے۔(ت)

غنیہ میں محیط، فتاوٰی حجہ، فتاوٰی خانیہ وغیرہا کی عبارات لکھ کر فرمایا:

الحاصل ان اللثغ یجب علیهم الجهددائما وصلٰوتهم جائزة ماداموا علی الجهد ، ولکنهم بمنزلة الامین فی حق من یصح الحرف الذی عجزوا عنه لایجوزاقتدائه بهم لاتجوز صلٰوتهم اذا ترکوا الاقتداء به مع قدرتهم وانما تجوز صلاتهم مع قرأة تلك الحروف اذا لم یقدروا علی قرأة تلك الحروف اذا لم یقدروا علی قرأة ماتجوز به صلاة ممالیس فیه تلك الحروف واما لوقدروامع هذا قرأوا تلك الحروف فصلٰوتهم فاسدة ایضًا هذاهوالذی علیه الاعتماد[2]۔	الحاصل توتلاپن رکھنے والے پر ہمیشہ تصحیح حروف کی جدوجہد کرنا ضروری ہے اور جب تک ایسے لوگ جدوجہد کرتے رہیں گے ان کی نمازیں درست ہونگی اور حروف کو صحیح ادا کرنے والے کے حق میں امّی کی طرح ہیں لہذا صحیح ادا کرنے والے کو ان کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے اور یہ لوگ صحیح پڑھنے والے کی اقتداء پر قادر ہونے کے باوجود اگراقتداترک کریں تو ان کی نماز نہ ہوگی اور ان کی اپنی نماز ان حروف کی قراءت کے ساتھ تبھی ہوگی جب یہ قرآن کے کسی اتنے حصے پر قادر نہ ہوں جتنے میں نماز جائز ہوجائے اور اس حصے میں وہ حروف بھی نہ ہوں اور اگر اتنی قراءت کی قدرت کے باوجود انہی حروف کو پڑھتے ہیں تو بھی ان کی نماز فاسد ہوگی یہ وہ ہے جس پر اعتماد ہے(ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ مع الفتاوٰی الہندیہ، الثانی عشر زلۃ القاری، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۴۴

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی بیان احکام زلۃ القاری مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۸۳

(۱۰) فجر وظہر میں طوال مفصل، عصر وعشاء میں اوساط کا پڑھنا اگرچہ سنّت ہے کما نص علیہ فی المتون (جیسا کہ اس پر متون میں تصریح ہے۔ت) مگر نہ ایسا ضروری عذر سے بھی ترک نہ کیا جائے۔ صحیح حدیث سے ثابت کہ ایک بچّہ جس کی ماں شریک جماعت تھیں اس کے رونے کی آواز سن کر حضور پُر نور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فجر کی نماز صرف معوذتین سے پڑھائی۔ علماء یہاں منجملہ اعذار ملال قوم وبدآوازی امام تک شمار کرتے ہیں کہ کریہہ الصوت ہو تو چھوٹی سورتوں پر قناعت کرے تاکہ مقتدیوں کو ناگوار نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

اختار فی البدائع عدم التقدیر وانہ یختلف بالوقت والقوم والامام[1]	بدائع میں مقدار مقرر نہ کرنے کو پسند کیا ہے اور یہ وقت ،امام اور قوم کے باعث قرات کا حال مختلف ہو جاتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ والامام ای من حیث حسن صوتہ وقبحہ[2]۔	قولہ والامام یعنی اس سے امام کی آواز کا اچھا یا برا ہونا مراد ہے۔(ت)

تو قرآن عظیم کو اپنے اغلاط اور اپنی مقتدیوں کی نماز کو فساد سے محفوظ رکھنا تو اعظم اعذار اور اہم کار ہے۔

(۱۱) فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے بحر الرائق ودُر مختار ومعراج الدرایہ ومجتبٰی وغیرہا میں اس کراہت کو تنزیہی اور غنیہ وفتاوی حجہ ومراقی الفلاح وفتح اللہ المعین وغیرہا میں تحریمی ٹھہرایا اور یہی کلام امام زیلعی کا مفاد،

کما بیناہ فی رسالتنا النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید وغیرھا من تحریراتنا۔	جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید اور دیگر تحریرات میں کی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال بل مشی فی شرح المنیۃ علی ان	فاسق بدعتی کی طرح ہے اس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے ،بلکہ شرح المنیہ میں ہے کہ اس

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۰

[2] ردالمحتار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۰

کراھة تقدیمه کراھة تحریم لما ذکرنا[1]۔	کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے اس دلیل کی بنا پر جو ہم نے ذکر کردی۔(ت)

(۱۲) جماعت اہم واجبات و اعظم شعائرِ اسلام سے ہے، تو فسق امام کے سبب ترک جماعت نہ چاہئے ادائے جماعت کے لئے اس کے پیچھے پڑھ لیں اور دفع کراہت کے لئے اعادہ کرلیں۔

فی الفتح عن المحیط وفی البحر عن الفتاوٰی وفی الدرعن النھرعن المحیط ،صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة[2] اھ فی ردالمحتار افاد ان الصلٰوۃ خلفھا اولی من الانفراد[3] الخ ومثله فی البحرعن السراج فی الفاسق وفی الفتح ،الحق التفصیل بین کون تلك الکراھة کراھة تحریم فتجب الاعادۃ اوتنزیه فتستحب۔	فتح میں محیط سے، بحر میں فتاوٰی سے اور درمختار میں نہر سے محیط کے حوالے سے ہے فاسق یا بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جاتا ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اُن کی اقتدا میں تنہا نماز پڑھنے سے اولٰی ہے الخ اور بحر میں معراج کے حوالے سے فاسق کے بارے یہی رائے ہے اور فتح القدیر میں بھی اسی طرح ہے حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر مکروہِ تحریمی ہے تو اعادہ واجب، اور اگر تنزیہ ہے تو اعادہ مستحب ہے۔(ت)

بلکہ جب اس کے سوا نہ کوئی امامت کے قابل ہو نہ دوسری جگہ جماعت ملے تو اس کے پیچھے کراہت بھی نہ رہے گی

فی الدرھذاان وجد غیرھم والا فلاکراھة ،بحر بحثًا[4] اھ قال الشامی قد علمت انه موافق للمنقول عن الاختیاروغیرہ[5]۔	درمختار میں ہے کہ یہ کراہت اس وقت ہے جب ان کے علاوہ کوئی دوسرا امام ان سے میسر ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں، بحر میں اسی طرح بحث ہے اھ۔امام شامی نے فرمایا کہ آپ نے جان لیا کہ یہ اختیار وغیرہ سے منقول کے موافق ہے۔(ت)

جب یہ مسائل معلوم ہوگئے تو حکمِ مسئلہ منکشف ہوگیا۔زید وبکر دونوں کے پیچھے نماز کم سے کم مکروہ تو ضرور ہے، پس اگر کوئی تیسرا قابلِ امامت خالی از کراہت ملے تو اس کی اقتدا کریں، اور اگر کوئی نہ ہو تو اگر

---

[1] ردالمحتار، باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[2] درمختار باب الامامة مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[3] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۵

[4] درمختار باب الامامة مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[5] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۵

چھوٹی چھوٹی بعض سُورتیں جو زید کو خوب صاف و صحیح یاد ہوں۔انہیں پر اکتفا کرنے میں زید سے وہ خرابیاں واقع نہ ہوتی ہوں،ان سین وصاد وغیرہا حروف بھی ٹھیک ادا کرلیتا ہو،تو واجب بلکہ لازم ہے کہ ہمیشہ انھیں سورتوں پر قناعت کرے ان کے سوااور ہرگز ہرگز نہ پڑھے جن میں کراہت درکنار نوبت تابہ فساد پہنچے اور جب اس تدبیر سے وہ خرابیاں زائل ہوں تواس تقدیر پر زید ہی کی امامت رکھیں کہ ہر نماز میں چھوٹی سورتوں پر اقتصار ترک سنّت سہی مگر بعذر قوی ہے،اور عذر دافع کراہت،بخلاف بکر کہ اس کے پیچھے بسبب فسق کراہت بلکہ سخت کراہت ہے،تو زید ہی اولیٰ بامامت ہے۔اگر کوئی سورت زید کو صاف نہیں یاد قصار پر اقتصار میں بھی وہی خرابیاں پیش آتی ہیں اگرچہ کم ہوں تو اسے ہرگز امام نہ کیا جائے،کہ جب پڑے پر کھڑا،مخفف کو مشدّد،مشدّد کو مخفف،س کو ص،ص کو س پڑھنے کی عادت ہے تو یہ امور ایسی جگہ بھی ضرور واقع ہوں گے جن سے ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نماز بالکل باطل ہوجائے گی۔اس کے کوئی معنی نہیں کہ اغلاط کا عادی وہیں غلطی کرے جہاں معنٰی نہ بدلیں اور جہاں فساد معنی ہوتا وہاں نہ کرتا ہو،غلطی اپنے قصد واختیار کی نہیں جہاں چاہی کی جہاں چاہی نہ کی نہ بے علم آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ کہاں معنٰی بگڑیں گے کہاں نہیں،خصوصًا جبکہ س وص کی تبدیلی بربنائے عجز ہو کہ عاجز لاجرم کہیں ٹھیک نہ پڑھے گا،اس تقدیر پر اس کے پیچھے نماز اصل مذہب اور تصحیح ائمہ محققین پر فاسد وباطل ہے،اور بحالتِ عجز تو جمہور ائمہ کے نزدیک امامت صحیح خواں کی اس میں اصلاً لیاقت نہیں بلکہ فاسق کے ہوتے ہوئے اس کی خود اپنی نماز نہ ہوگی کہ باوصف قدرت اس نے اس کی اقتدا چھوڑ دی،بخلاف بکر کہ اگرچہ فاسق سہی مگر جبکہ صحیح خواں ہے تو اس کے پیچھے نماز باتفاق اصحاب صحیح ہے۔رہی کراہت اُس کا علاج اعادہ سے ممکن بلکہ جب دوسرا کوئی قابلِ امامت نہیں تو کراہت بھی نہیں کہ عذر و ضرورت نافی کراہت ہیں۔اور اسی سبب سے احسن واہم یہ کہ بکر اپنے رب جل وعلا سے ڈرے اپنے حال پر رحم کرے فسق و نافرمانی بادشاہ قہار سے تائب ہو کہ اس کے پیچھے نماز بروقت محبوب ومناسب ہو اگر روزِ قیامت کا اندیشہ نہیں تو اس مجلس اسلامی میں صدارت نہ ملنے کی غیرت چاہئے۔آدمی اگر دنیاوالوں کے کسی جلسہ میں جائے تو کوشش کرے گا کہ کوئی حرکت ایسی نہ ہو جو لوگ اچھی جگہ بٹھانے کے قابل نہ سمجھیں اور اگر کسی مجلس میں صدر کی جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اُٹھادیا جائے کس قدر غیرت آئے گی ندامت ہوگی تو یہ اللہ عزوجل کے دربار میں صدر مقام ہے۔یہاں کیوں نہ غیرت کو کام میں لائیے کہ کارکنانِ بارگاہِ سلطانی صدر جگہ سے ہاتھ پکڑ کر اٹھانہ دیں،اللہ تعالٰی توفیق خیر افیق عطافرمائے۔آمین **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۹۱: از ریاست رامپور مولوی امداد حسین برادر مولانا ارشاد حسین صاحب ۱۲۹۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کوئی مستحب ترک کرے تو کیا مقتدیوں پر اس کا ترک بحکم متابعت واجب ہوتا ہے اور دلیل یہ کہ متابعت فرض ہے اور وہ فعل مستحب،اور قاعدہ کلیہ ہے کہ

مستحب مزاحم فرض نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

متابعتِ امام ہر فعل وترک میں علی الاطلاق فرض وواجب کیا معنی مسنون اور مستحب بھی نہیں بلکہ بعض صورتیں خلافِ اولیٰ اور بعض میں محض ناجائز ہوتی ہے،

فی ردالمحتار والمتابعة لیست فرضا بل تکون واجبة فی الفرائض والواجبات الفعلیة وتکون سنة فی السنن وکذافی غیرھا عند معارضة سنة وتکون خلاف الاولی اذاعارضھاواجب اٰخر اوکانت فی ترك لایلزم من فعله مخالفة الامام فی واجب فعلی کرفع الیدین للتحریمة ونظائرہ وتکون غیرجائزة اذا کانت فی فعل بدعة اومنسوخ اومالا تعلق له بالصلاة اصلا[1] الخ	ردالمحتار میں ہے متابعتِ امام فرض نہیں بلکہ فرائض اور واجباتِ فعلیہ میں واجب، سُنن میں سنت، اور اسی طرح ان کے علاوہ میں سنت کے معارضہ کی صورت میں اور متابعت خلاف اولیٰ ہے جب اس کے ساتھ واجب آخر کا معارضہ ہوجائے، یاایسی چیز کے ترک میں جس کے فعل سے واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم نہ آئے مثلاً تحریمہ کے لئے رفع یدین کرنا اور اس کی دیگر نظائر اور متابعت فعل بدعت، منسوخہ یاایسے عمل ہیں جس کانماز سے کوئی تعلق نہ ہو ناجائز ہے الخ (ت)

پھر اگراس مستحب متروک الامام کے فعل سے کسی واجب فعلی میں مخالفت امام لازم نہ آئے تواس کا فعل ہی اولیٰ اور انسب ہوگا۔ اور وہ مستحب درجہ استحباب سے بھی نہ گرے گا، چہ جائیکہ بسبب ترک متابعت، حرام یا ہلکے درجے کا مکروہ ہی ہوجائے۔ کیا اگرامام ادب نظر کی مراعات نہ کرے تو مقتدی بھی آنکھیں پھاڑے دیوارِ قبلہ کو دیکھتے رہیں، کیا اگر امام بحالتِ قیام پاؤں میں فصل زیادہ رکھے تو مقتدی بھی ٹانگیں چیرے کھڑے رہیں۔ کیا اگر ایسا نہ کریں تو بحکم متابعت تارک واجب وآثم وگنہگار ہوں گے **لایقول بہ عاقل فضلا عن فاضل** (اس کا قول کوئی عاقل نہیں کرسکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل کرے۔ت) اسی قبیل سے ہے عمامہ باندھنا مسواک وغیرہ کرنا **وغیر ذلك من الاٰداب والحسنات التی لایستلزم فعلھا مخالفة الامام فی واجب فعلی** (اس کے علاوہ آداب وحسنات جن کے بجالانے سے واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم نہیں آتی۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوگئی اس دلیل کی شناعت، اور یہ قاعدہ مسلمہ تعارض واجب وفرض و

---

[1] ردالمحتار مطلب مہم فی تحقیق متابعۃالامام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

مستحب مانحن فیہ سے محض بیگانہ اور اس کلیہ دلیل کے صریح ناقص، نظم زندویسی کی وُہ روایت ہے جسے علامہ ابن امیر الحاج حلبی نے شرح منیہ میں نقل فرمایا:

حیث قال تسعة اشیاء اذا لم یفعلها الامام لا یترکها القوم رفع یدین فی التحریمة و الثناء مادام الامام فی الفاتحة وتکبیرالرکوع والسجود والتسبیح فیهما والتسمیع وقرأة التشهد والسلام وتکبیرات التشریق[1] اھ (ملخصا)	ان کی عبارت یہ ہے کہ نواشیاء ایسی ہیں اگر امام انھیں نہ کرے تو قوم ترک نہ کرے تحریمہ کے لئے رفع یدین، ثناء کا پڑھنا بشرطیکہ امام فاتحہ میں ہو، رکوع کی تکبیر، سجود کی تکبیر ،ان دونوں میں تسبیح ،سمع اللہ لمن حمدہ کہنا، قرأۃ تشہد، سلام اور تکبیرات تشریق اھ ملخصًا (ت)

کہ اگر ہر فعل میں متابعت امام فرض ہو، تو جس طرح مستحب مزاحم فرض نہیں ہو سکتا، سنن بھی بلکہ واجبات بھی صلاحیتِ مزاحمت نہیں رکھتے توان چیزوں میں ائمہ کا یہ حکم کہ اگر امام نہ کرے جب بھی مقتدی نہ چھوڑیں کیونکر صحیح ہوتا قلت والاستقراء یمنع الحصر والعدولاینبغی الزائد ولعبارۃاخرٰی (میں کہتا ہوں تتبع وتلاش نویں حصہ کے منافی ہے لیکن عدد اقل، کثر کے منافی نہیں اور دوسری طرح گفتگویُوں ہے۔ت) متابعت امام صرف افعال نماز میں منظور ہے یا جو بات نماز سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی اس میں بھی ضرور ہے۔ برتقدیر ثانی اگر امام کھجلائے تو مقتدیوں میں بھی خارش مچ جائے ،اگر امام احیانًا ٹھنڈی سانسیں لے تو مقتدیوں کو بھی دھونکنی لگ جائے۔اور برتقدیر اول کیا ترک مستحب بھی افعالِ نماز میں معدود ہے جس میں متابعت حتمًا مقصود ہے۔

ثمّ اقول: بلکہ اگر نظر دقیق کو رخصتِ تدقیق دی جائے تو اس لزوم متابعت کے سلب کلیت درکنار کلیت سلب واضح اور آشکار ہے۔

لما ذکرنا انه لا متابعة فی مالا تعلق له بالصلٰوة وترك المستحب کذلك ومایترا أی من النقص بما اذااستلزم فعله مخالفة الامام فی واجب فعلی فانه ح یجب متابعة	اس بنا پر جو ہم نے ذکر کیا کہ ان چیزوں میں متابعت نہیں ہے جن کا نماز سے تعلق نہیں اور ترک مستحب بھی اسی طرح ہے مجھے یہ ظاہر ہوا ہے کہ اس صورت کے ساتھ اعتراض درست نہیں کہ جس کے فعل سے

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامام الاۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۲۸

ف: ابن امیر الحاج کیشرح منیہ مجھے نہیں مل سکی۔ نذیر احمد سعیدی

الامام فی ترکه کما صرح به العلماء فلیس ینقص فی الحقیقة لانها انما هی فی فعل ذالك الواجب ولزم من اتیانه ترك هذا المستحب فالامام ترکه قصدًا اوسهوًا والمقتدی لایترکه لمحض ان الامام ترکه بل لانه لو فعله فاته ما هو اهم والزم فصح قولنا لا یلزم المتابعة فی ترك المستحب مطلقا ای من حیث هو هو فافهم فانه احری به والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	واجب فعلی میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہو کیونکہ اس صورت میں امام کی متابعت اس کے ترک میں واجب ہوگی جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے پس یہ حقیقۃً اعتراض ہی نہیں کیونکہ یہ تو فعل واجب کی متابعت کا معاملہ تھا اور اس کے بجا لانے سے اس مستحب کا ترک ہُوا پس امام اگر مستحب کو قصداً یا سہواً ترک کردے تو مقتدی محض اس لئے ترک نہیں کرسکتا کہ امام نے ترک کیا ہے بلکہ وہ اس لئے ترک کرے گا کہ اگر وہ مستحب کو بجالاتا ہے تو اس سے جو اہم اور زیادہ لازم ہے وہ فوت ہوجائے گا، پس ہمارا قول "مستحب بحیثیت مستحب کے ترک میں امام کی متابعت لازم نہیں" صحیح ٹھہرا پس اسے اچھی طرح سمجھ لو کیونکہ یہی اس مقام کے لائق ہے۔ واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۵۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی مسجد کا امام وہابی المذہب ہو تو اس کی اقتدا کرنا بہتر ہے یا اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں نماز پڑھنا **بینوا توجروا**

الجواب:

ان دیار میں وہابی اُن لوگوں کو کہتے ہیں جو اسمٰعیل دہلوی کے پیرو اور اس کی کتاب "**تقویة الایمان**" کے معتقد ہیں یہ لوگ مثل شیعہ خارجی معتزلہ وغیرہم اہلسنت وجماعت کے مخالف مذہب ہیں ان میں سے جس شخص کی بدعت حدِ کفر تک نہ ہو یہ اُس وقت تھا اب کبرائے وہابیہ نے کھلے کھلے ضروریاتِ دین کا انکار کیا اور تمام وہابیہ اُس میں اُن کے موافق یا کم از کم اُن کے حامی یا اُنھیں مسلمان جاننے والے ہیں اور یہ سب صریح کفر ہیں، تو اب وہابیہ میں کوئی ایسا نہ رہا جس کی بدعت کفر سے گری ہوئی ہو خواہ غیر مقلد ہو یا بظاہر مقلّد **نسأل الله العفو والعافیة** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کو سوال کرتے ہیں۔ت) نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے اور جو اس حد تک پہنچ گئی تو اقتدا اس کی اصلاً صحیح نہیں۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

ما نقل عن بعض السلف من المنع عن الصلٰوة خلف المبتدع فمحمول	بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق

علی الکرھة اذلاکلام فی کراھة الصلٰوۃ خلف الفاسق وامبتدع ھذااذالم یؤد الفسق والبدعة الی حد الکفر اما اذا ادی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلاۃ خلفه[1]۔	بعض اسلاف سے یہ جو منقول ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز منع ہے یہ کراہت پر محمول ہے کیونکہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ اس کا فسق اور بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچے ہوں، اگر حدِ کفر تک پہنچ جائیں تو ان کے پیچھے نماز کا عدمِ جواز میں کوئی کلام نہیں۔(ت)

اور اسی طرح بحرالرائق میں محیط اور خلاصہ اور مجتبٰی سے منقول ہے:

حیث قال وقیدہ فی المحیط والخلاصة والمجتبی وغیرھا بان لا تکون بدعته تکفرہ فان کانت تکفرہ فالصلاۃ خلفه لاتجوز[2]۔	اس کے الفاظ ہیں کہ محیط، خلاصہ اور مجتبٰی وغیرہ میں اسے اس قید کے ساتھ مقید کیا ہے کہ وہ بدعت حدِ کفر تک نہ پہنچانے والی ہو اگر اس سے وہ کافر ہوگیا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں(ت)

اور جب امامِ مسجد وہابی المذہب ہو اسے منع کرنے اور امامت سے باز رکھنے پر قدرت حاصل نہ تو اُس مسجد کو چھوڑ چلا جائے اور دوسری مسجد کا امام ایسے خبائث سے پاک ہو نماز پڑھے۔ بحرالرائق میں ہے:

وذکر الشارح وغیرہ ان الفاسق اذا تعذر منه یصلی الجمعة خلفه وفی غیرہا ینتقل الی المسجد اخر وعلل له فی المعراج بان فی غیر الجمعة یجد اماما غیرہ فقال فی فتح القدیر یکرہ الاقتداء به فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قول محمد ھو المفتی به[3] **قلت** فاذاکان ھذاحکم الفاسقین فی الاعمال فما ظنك بالفاسقین فی العقائد واللہ	شارح وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ جب فاسق کو امامت سے روکنا دشوار ہو تو جمعہ کی نماز اس کی اقتداء میں پڑھ لی جائے اور دیگر نمازوں کے لئے کسی دوسری مسجد میں چلا جائے، معراج میں اس کی دلیل یہ بیان کی ہے کہ جمعہ کے علاوہ میں دوسرا امام میسر آسکتا ہے، اور فتح القدیر میں ہے اس بناء پر اگر جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو تو جمعہ میں بھی اقتداء مکروہ ہوگی، اور امام محمد کے قول کے مطابق ایسا کرنا جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے قلت (میں

[1] شرح عقائد النسفیہ مسئلہ ان الفاسق لیس من اہل الولایۃ مطبوعہ مطبع شرکۃ الاسلام دارالاشاعت قندھار ص ۱۱۵
[2] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۹/۱
[3] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۹/۱

تعالٰی اعلم	کہتا ہوں) جب اعمال میں فسق رکھنے والوں کا یہ حکم ہے تو عقائد میں فسق رکھنے والوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہوگا! واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۹۳: ازا شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی غلام محمد صاحب پنجابی ۸ شعبان المعظم ۱۳۱۲ھ

ایک جنازہ وقت غروب شمس کے پاس مسجد کے موجود ہو اور وہ جنازہ اہل سنّت والجماعت کا تھا حال یہ ہے کہ وارث میّت من کل الوجوہ جاہل تھے حتّی کہ نماز سے اور امام اس مسجد کا پانچوں وقت نماز تاکید پڑھاتا ہے اور کتب درسیہ متداولہ میں بھی تعلیم و تعلم رکھتا ہے اور خالص سنت وجماعت ہے خالص حنفی ہے اور اس امام کا یہ عقیدہ منعقد ہوا ہے خدا ایک ہے مثل اس کے متصوّر نہیں ہوسکتا ہے اور سب انبیاء علیہم السلام صادق ہیں خصوصًا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بزرگی میں سب سے زیادہ اور بعد سب انبیاء علیہم السلام کے بزرگی میں سب سے زیادہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر ہیں پھر حضرت عثمان ہیں پھر حضرت علی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور کرامت اولیاء اللہ کی بھی برحق ہے خلاصہ جو طریقہ اہلسنت وجماعت کا ہے وہ اُس امام میں موجود ہے اور ایک شخص اور ہے کتب درسیہ پڑھے ہے یا نہیں واللہ تعالٰی اعلم بالصواب مگر دعوی ہے اور تعلیم و تعلم بھی کسی کتاب کا نہیں ہے اُس شخص کا عقیدہ یہ ہے کہ بزرگی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سب آدمی سے زیادہ ہے مگر حضرت علی اور بی بی فاطمہ اور حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے زیادہ نہیں ہے بلکہ یہ سب پانچ تن بزرگی میں برابر ہیں اور بزرگی حضرت علی کی سب اصحاب سے زیادہ ہے اور وہ شخص نماز پانچ وقت جماعت سے نہیں پڑھتا ہے بلکہ محض جمعہ کے دن جماعت سے پڑھتا ہے اور تعزیہ بنانے کو بھی اچھا کہتا ہے وقت جنازہ کے یہ دونوں مولوی مذکور موجود تھے اور دونوں ورثائے میّت نے بلایا تھا اور دونوں حکم جنازہ پڑھانے کا کیا اور سوا امام کے دوسرا مولوی امام بن گیا اس وقت امام نے کہا لائق امامتِ جنازہ کے میں ہوں چونکہ سلطان اور قاضی اس وقت میں نہیں ہیں اور یہی بات شرح وقایہ اور ہدایہ اور سب کتابوں میں موجود ہے عبارت مسئلہ مذکورہ کی یہ ہے:

والاحق بالامامۃ السلطان ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی کما فی العصبات۔	امامت کا زیادہ حقدار سلطان ہے پھر قاضی پھر محلّہ کا امام پھر ولی، اس ترتیب سے جو عصبات میں ہے۔ (ت)

اور وہ مولوی اس مسئلہ کو نہ مانا اور امام بنا اور امام الحہ نے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی اس وجہ سے کہ اس نے اس مسئلہ محررہ کو نہ مانا اور بلحاظ عقائد مذکورہ محررہ کے امام الحہ نے اس کے پیچھے

نماز ترک کی۔آیا امام ہونا نماز جنازہ کا امام الحہ مولوی کو لائق تھا یا دوسرے مولوی کو،اور نماز کا ترک کرنا امام الحہ کا ایسے شخص کے پیچھے مناسب تھا یانہ اور سب نماز یعنی پانچ وقتی اور جمعہ کی اور جنازہ کی ان سب نمازوں میں امام ہونا ان دونوں میں سے کون لائق ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع جبکہ ان بلاد میں حکام اسلام سلطان والی و قاضی مفقود ہیں اور جب وہ نہیں تو ان کے نائب کہاں، اور اولیائے میّت حسبِ تصریح سائل محض جاہل تھے تو صورتِ مستفسرہ میں امام مسجد کو سب پر تقدم اور اسی کو امام کرنا مستحب و بہتر تھا۔

تنویر الابصار وردالمحتار یقدم فی الصلاۃ علیہ السلطان (ثم نائبہ کما فی الفتح) ثم القاضی (فی الفتح ثم خلیفۃ الوالی ثم خلیفۃ القاضی ومثلہ فی الامداد عن الزیلعی) ثم امام الحی[1] اھ ملتقطا وفی الدرتقدیم الولاۃ واجب وتقدیم اماالحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والافالولی اولی الخ۔[2]	تنویر الابصار اور ردالمحتار میں ہے نمازِ جنازہ مین سلطان مقدم ہے (پھر اس کا نائب جیساکہ فتح میں ہے) پھر قاضی (فتح میں ہے پھر والی کا نائب پھر قاضی کا نائب اور امداد میں زیلعی کے حوالے سے اسی طرح ہے) پھر محلّہ کا امام اھ تلخیصًا۔ اور در میں ہے حکام کی تقدیم واجب اور محلّہ کے امام کی تقدیم فقط مندوب ہے بشرطیکہ وہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی اولٰی ہوگا الخ (ت)

شخص دیگر کا ترک جماعت تو صرف گناہ تھا کہ بعد اعادہ گناہ کبیرہ موجب فسق ہوا اور تعزیہ رائجہ بنانے کو اچھا جاننا بدعت شیعہ کی تحسین اور حضرت امیر المومنین سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضرت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتانا رفض و بد مذہبی، یہی وجوہ اس شخص کے پیچھے نماز کے سخت مکروہ ہونے کو کافی تھا۔ خلاصہ و فتح القدیر وہندیہ وغیرہا میں ہے: **ان فضل علیا علیہما فمبتدع**[3]۔اگر کوئی شخص سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دونوں خلفاء پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ت) ارکان اربعہ میں ہے:

اما الشیعۃ الذین یفضلون علیا	وہ شیعہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۹

نوٹ: ہلالین کے اندر والی عبارت ردالمحتار کی ہے اور باہر والی تنویر الابصار کی ہے جو حاشیہ ردالمحتار پر موجود ہے۔

[2] در مختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ الخ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۹

علی الشیخین ولایطعنون فیھما اصلا کالزیدیة تجور خلفھم الصلوٰۃ لکن تکرہ کراھۃ شدیدۃ[1] ۔	شیخین (حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما) پر فضیلت دیتے ہیں اور ان پر ہر گز طعن و تشنیع بھی نہیں کرتے مثلاً فرقہ زیدیہ کے لوگ، تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن سخت مکروہ۔ (ت)

مگر بیان سائل اگر سچّا ہے تو حضرات آلِ عبا رضوان اللہ تعالٰی علیہم کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معاذ اللہ ہمسر وہم مرتبہ بنانا تو خود کفرِ صریح اور دوسرا کفر صریح یعنی آلِ عبا کو انبیاء سابقین علیہم الصلاۃ والسلام پر تفصیل کو مستلزم اس تقدیر پر تو امامت کیسی، وہ شخص اصلاً وقطعاً کسی نماز میں یا عبادت یا نیک کام کی خود لیاقت نہیں رکھتا کہ کفار کا کوئی حسنہ مقبول نہیں بلکہ حقیقۃً اُن سے صدور عبادت معقول نہیں اس صورت میں اس کے پیچھے ترک نماز نہ صرف مناسب بلکہ فرض قطعی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسائلِ نماز سے جاہل اور مخارج وصفات وقواعدِ قرات سے محض ناواقف اور اس پر غیر عامل، ایک بڑی مسجد کی امامت کرتا ہے عقیدہ کا بھی سنّی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی ترویجِ مذہب میں مصروف رہتا ہے جن میں تقیہ ہے اور اُن کے مذہب کی ترویج میں ہر قسم کی چالاکی وبیباکی اور عوام کو مغالطہ دہی گو ارتکاب حرام ہو، بے تکلف کرتا ہے اور اُس مذہب کے علماء وعمائد کی مدح وستائش اور عوام کو ہر طرح اُن کی طرف متوجہ اور مائل کرتا ہے اور ان کے مذہبی مشوروں میں شریک ہوتا ہے اُس مذہب والے کیسی ہی بات کہہ دیں گو حدِ کفر تک پہنچی ہو اُس کو مقبول ومسلم اور اس کی ترویج بجان ودل ساعی اور اس مذہب کے اہلِ علم کے پاس مسافت دُور دراز قطع کرکے جاتا ہے اور اگر کوئی سنّی عالم مسجد میں وعظ کہے تو ناخوش ہوتا ہے اور اکثر اوقات شریک نہیں ہوتا اور علمائے اہلسنّت کی اہانت اور ان پر افتراء وبہتان اور خلق کو ان کی عقیدت سے باز رکھنا اس کا شیوہ ہے کہ ان حالات سے رفتہ رفتہ صدہا وہزارہا اہلسنّت واقف ہوگئے ہیں بایں ہمہ اس غرض سے کہ امامت اور جو منافع دنیویہ اُس سے حاصل ہوتے ہیں قائم رہیں اور نیز اس خیال سے کہ سنّیوں میں ملارہ کر عوام کو بتدریج دام میں لائے اور اپنے مذہب کو خفیہ طور پر پھیلائے اس درجہ تقیہ کرتا ہے کہ سُنیوں کے مجامع ومجالس میں بظاہر شریک رہتا ہے اور سُنّیوں کے سامنے دوسرے مذہب پر تبرّا اور اُن کے علماء وعمائد کو خاص مسجد میں فحش گالیاں برملا دیتا ہے اور جب کہا جاتا ہے کہ اگر تو فی الواقع اس مذہب میں نہیں تو اس کے مسائل تجھے کیوں معلوم ہیں اور ان کے بیان کی عوام کے سامنے کیوں تعریف اور

[1] رسائل الارکان فصل فی الجماعت مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۹۹

ان کی طرف راغب اور متوجّہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے مجھے تو قال اللہ وقال الرسول سے غرض ہے نہ اُن کے مسائل سے ، گویا اُس کے نزدیک سنّی علماء جو مسجد میں وعظ کہتے ہیں وعظ اُن کا قال اللہ وقال الرسول کے خلاف ہے جو اسے نہیں سنتا اور جب اُن کے مجامع میں شریک ہونے اور مذہب کی تائید و تقویت سے تعرض کیا جاتا ہے تو کبھی انکار کرتا ہے اور جب انکار سے چارہ نہیں پاتا تو توبہ کرتا مگر افعال مذکورہ بدستور رکھتا ہے چنانچہ ایک سال میں تین بار توبہ کی اور ہر بار انھیں افعال کا مرتکب رہا، تیسری بات توبہ کے بعد ایک سنّی واعظ کو بعد نماز جمعہ کے وعظ کے لئے منبر پر بیٹھ لئے تھے وعظ سے روکا اور مذہب کے ایک عیار کو ایک مثنوی پڑھنے کو بٹھادیا جس کی تصنیف کا باعث عوام کو مغالطہ دہی اور انھیں دامِ فریب میں لینا اور اپنے مذہب کی طرف گرویدہ کرنا ہے اور اس ہیں وہ عیاری وچالاکی کی ہے جس کی حقیقت عوام اور ناواقفوں کی سمجھ میں نہ آسکتی مگر مصنف مثنوی کو سب اہلسنّت پہلے سے اپنا مخالف مذہب جانتے تھے لہذا واعظ سنّی کو اُٹھا کر اُس شخص کو بٹھانا اور وعظ سے روک کے اسی کی مثنوی پڑھوانا باعثِ برہمی اہلسنت کا ہوا اور جو لوگ اس کی ظاہری باتوں اور بار بار کی توبہ کے فریب میں تھے اُن پر حال اس کا منکشف ہوگیا اور نماز اُس کے پیچھے چھوڑ دی اور جو واقف ہوتا جاتا ہے اس مسجد میں نماز کو نہیں آتا روز بروز جماعت میں کمی اور مسجد کی ویرانی اور خرابی ہوتی جاتی ہے ہر وہ لوگ کہ احوال واقعی سے آگاہ اور اس کی چالاکیوں اور عیاریوں سے واقف نہیں اُس کی پیچھے نماز پڑھنے آتے ہیں اور بعض اشخاص جنہیں نماز سے کام نہ دین سے غرض بعض وجوہ نفسانی سے مسلمانوں کی نماز اور مسجد کی خرابی گوارا کرکے اس کی حمایت بیجا اور امامت قائم رہنے پر اصرار کرتے ہیں آیا اس شخص کو سنّی کہا جائے گا یا دوسرے مذہب میں شمار کیا جائے گا یا کسی میں نہیں، اور باوجود ان سب امورات کے اس کی توبہ کا اعتبار ہوگا یا نہیں ، اور ایسے شخص کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو اُسے امامت سے موقوف کرکے کسی شخص سنّی صحیح العقیدہ واقف مسائل و قواعد قرات کو جس کی امامت پر کوئی فتنہ اور اختلاف اور جماعت کی کمی اور مسجد کی ویرانی نہ ہو اس کی جگہ مقرر کرنا اور اس کی حمایت کرنے والوں کو حمایت سے باز آنا ضرور ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص مسائل نماز سے جاہل ہو اس کی امامت میں احتمال قوی نماز کے فساد وخرابی کا ہے کہ اس سے اکثر باتیں ایسی واقع ہوں گی جن سے نماز فاسد ہوجائے گی یا اس میں نقصان آئے گا۔ اور بسبب جہالت کے اُن پر مطلع نہ ہوگا اور اُن کی اصلاح نہ کرسکے گا اسی طرح جو شخص مخارج وصفات وحروف و قواعد تجوید سے آگاہ نہ ہو عجب نہیں کہ اُس کے پڑھنے میں قرآن میں ایسا تغیّر واقع ہوجائے جو بالاتفاق یا ایک مذہب پر موجب فساد نماز کا ہو کیا بلاضرورت ایسے شخص کو امام کرنا نماز میں کہ عماد اسلام وافضل اعمال ہے بے احتیاطی

اور امر شرع میں مداہنت و سہل انگاری نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سرکم ان یقبل اللہ صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم [1] رواہ الحاکم فی المستدرک۔	اگر تمہیں خوش آئے کہ خدا تمہاری نماز قبول کرے تو چاہئے کہ تمہارے بہتر امامت کریں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان۔ اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔(ت)

زید کے اکثر افعالِ مذکورہ فی السوال فسق وگناہ کبیرہ ہیں اور خدااور رسول کی نافرمانی و ناراضی کے باعث خلقِ خدا کو گمراہ کرنا راہِ حق سے پھیرنا علمائے اہلسنت کی اہانت و تحقیر، اُن کی افتراء و بہتان، خداورسول جن کی تعظیم کا حکم دیں خلق خدا کو ان کی عقیدت سے باز رکھنا فحش گالیاں خود کبیرہ ہیں موجب فسق مسقط شہادت خصوصًا جبکہ مسجد میں ہوں جہاں دنیا کا مباح کلام بھی نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے [2] آگ لکڑی کو کما ورد فی الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہے۔ت) وعظ علماء سے ناخوش ہونا اور انھیں وعظ سے منع کرنا ظلم عظیم ہے، حق سبحٰنہ، تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا [3]۔	کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو روکے خدا کی مسجدوں کو اس بات سے کہ ان میں ذکر کیا جائے اُس کا نام اور کوشش کرے اُن کے ویران ہونے میں۔

اسی طرح وعظِ علماء کو مکروہ سمجھ کر کہ نہ سُننا اور وہاں چلا جانا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا	اور کون زیادہ ستم گار ہے اس سے جو نصیحت کیا گیا اپنے رب کی آیتوں سے تو ان سے منہ پھیر لیا اور بھول گیا

---

[1] مستدرک للحاکم کتاب المغازی والسرایا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۲۲

نوٹ: مستدرک میں "ان یقبل اللہ صلوتکم" کی جگہ "ان تقبل صلوتکم" ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] احیاء علوم الدین فضیلۃ المسجد الخ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسن قاہرہ ۱/ ۱۵۲

نوٹ: احیاء علوم الدین سے کافی جدوجہد کے بعد یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ملی ہے "الحدیث فی المسجد یاکل لحسنات کما تأکل لبھائم الحشیش" مسجد میں دنیاوی گفتگو نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جس طرح جانور گھاس پھوس کھاجاتے ہیں)۔ اس حدیث میں آگ، لکڑی کا ذکر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم نذیر احمد سعیدی۔

[3] القرآن ۲/ ۱۱۴

عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط [1]	جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے، بیشک ہم نے کردے اُن کے دلوں پر پردے اُس کے سمجھنے سے اور ان کے کانوں میں ٹینٹ۔

مسلمانوں کے ساتھ عیاری و چالاکی اور انہیں دھوکے دینا فریب میں ڈالنا ایسے افعال کرکے جن کے سبب لوگوں کی نماز ان کے پیچھے خراب ہو ان کی تسکین کے لئے بظاہر توبہ کرنا اور اُنہیں باتوں کا مرتکب رہنا فتنہ ہے کہ اللہ کے نزدیک قتلِ ناحق سے زیادہ سخت ہے اور عذاب جہنم کا موجب۔

قال اللہ تعالٰی وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط [2] وقال اللہ تعالٰی اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝ [3]	اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے اور فتنہ قتل سے بدتر ہے اور اللہ تعالٰی کا یہ بھی فرمان ہے بلاشبہ وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن خواتین کو فتنہ میں ڈالتے ہیں پھر توبہ نہیں کرتے ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلانے والا عذاب ہے۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے عرشِ خدا کانپ جاتا ہے اور حق سبحنہ، تعالٰی اس کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے [4]"۔

رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلٰی فی مسندہ والبیہقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ میں، ابویعلی نے مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے کامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

جب فاسق کی مدح خدا کو اس قدر ناپسند ہے تو رؤسائے اہل بدعت کی تعریف کس قدر موجب اس کی ناراضگی کی ہوگی بدل اہلِ بدعت سے محبت و عقیدت سے دُور دُور سے انکے پاس جانا اُن کی ترویج

---

[1] القرآن ۱۸/۵۷

[2] القرآن ۲/۲۱۷

[3] القرآن ۸۵/۱۰

[4] شعب ایمان باب فی حفظ اللسان، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۳۰

مذہب میں ساعی رہنا اور سنّیوں کی تعزیر کو انھیں گالیاں دینا اُس مذہب پر تبرّا کرنا ذوالوجہین ہونا جس پر وعید شدید وارد ،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "ذوالوجہتین کو قیامت میں دوزبانیں آگ کی دی جائیں گی"[1] رآن مجید اس حرکتِ شنیعہ کی مذمت سے مشحون ہے۔

قال اللہ عزّوجل یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۚ وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا دھوکا دینا چاہتے ہیں خدااور مسلمانوں کو اور حقیقت میں نہیں فریب میں ڈالتے مگر اپنی جانوں کواور انہیں خبر نہیں۔

اور فرماتا ہے:

اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ[3]	جب مسلمانوں سے ملیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں تو کہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یونہی ٹھٹھا کرتے ہیں۔

الغرض زید کے فاسق ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے۔علماء حکم دیتے ہیں کہ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھے بلکہ دوسری مسجد میں چلا جائے ،اور جن لوگوں کے نزدیک جمعہ چند مسجدوں میں جائز نہیں ہوتا وہ بضرورت جمعہ اُس کی اقتدار وارکھتے ہیں اگر اس طرح اُس کا امامت سے روکنانہ بن پڑے ،امام علّامہ محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں جبکہ قولِ مفتی بہ یہ ٹھہرا کہ جمعہ بھی چند مسجدوں میں ہوجاتا ہے تو نمازِ جمعہ میں بھی اُس کی اقتدا مکروہ ہے کہ دوسری مسجد چلا جانا میسر ہے،

فی البحر الرائق وذکر الشارح وغیرہ ان الفاسق اذا تعذر منعہ یصلی الجمعۃ خلفہ وفی غیرھا ینتقل الی مسجد اٰخر وعلل لہ فی المعراج بان فی غیر الجمعۃ یجد اماما غیرہ فقال فی	بحر الرائق میں ہے شارح وغیرہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ جب فاسق کو امامت میں پڑھ لیا جائے البتہ دوسری نمازوں کے لئے کسی دوسری مسجد میں چلا جانا چاہئے،اور معراج میں اس کی علت یہ بیان کی کہ جمعہ کے علاوہ

[1] مجمع الزوائد باب فی الوجہین واللسانین مطبوعہ دار الکتاب العرابیہ بیروت ۹۵/۸

[2] القرآن ۹/۲

[3] القرآن ۱۴/۲

فتح القدیر وعلٰی ھذا فیکرہ الاقتداء بہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد وھوالمفتی بہ لانہ سبیل من التحول ح (حینئذ)[1]	بقیہ نمازوں میں دوسرا امام میسر آسکتا ہے، تو فتح القدیر میں کہا کہ اس بناپر نماز جمعہ مین بھی فاسق کی اقتدا مکروہ ہوگی کیونکہ امام محمد کے قول کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے۔اور اسی قول پر فتوٰی ہے لہٰذا جمعہ میں بھی دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن ہے(ت)

معہذا تکثیر جماعت شرع کو مطلوب ہے اسی واسطے جن کی امامت میں احتمال لوگوں کی قلّت رغبت وکمی جماعت کا تھا اُنکی اقتداء مکروہ ٹھہری مثل اعرابی وغلام ولدالزنا پس جس شخص سے لوگ اپنے دین کو وجہ سے تنفر تام رکھیں اور جواُس کے حال سے آگاہ ہوتا جائے نماز چھوڑتا جائے اس کی امامت شرع کو کیونکر پسند آئے گی۔

فی البحر الرائق واماالکرھۃ فمبنیۃ علی قلۃ رغبۃ الناس فی الاقتداء بھؤلآء فیؤدی الی تقلیل الجماعۃ المطلوب تکثیر اللاجر[2]۔	البحرالرائق میں ہے کراہت کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اقتداکی رغبت لوگوں میں کم پائی جاتی ہے اس وجہ سے جماعت میں حاضری کم لوگوں کی ہوگی اور حالانکہ کثرتِ اجر کے پیشنظر جماعت میں کثیر افراد کی حاضری مطلوب ہے(ت)

علاوہ بریں افعال مذکورہ زید مجرد فسق ہی نہیں بلکہ دلیل واضح ہیں اس پر کہ وہ سخت بدعتی غالی مکلب اور مذہب حق کا دشمن اور خلقِ خدا کو گمراہ کرنے والا ہے تواب کراہت بہ نسبت پہلے کے بہت زائد ہوگئی کہ فسق فی الاعمال وفسق فی العقائد میں زمین وآسمان کافرق ہے،کبیری شرح منیہ میں ہے:

ویکرہ تقدیم المبتداع ایضالانہ فاسق من حیث الاعتقاد وھواشد من الفسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیًا علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ[3]۔	بدعتی کو امام بنانا بھی مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقاد کے لحاظ سے فاسق ہے اور ایسا آدمی عملی فاسق سے بدتر ہے کیونکہ عملی فاسق اپنے فسق کا اعتراف کرتا ہے اور ڈرتا ہے اور اللہ سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔بخلاف بدعتی کے اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت وجماعت کے عقائد کے خلاف کوئی دوسرا عقیدہ رکھتا ہوں۔(ت)

[1] البحرالرائق ، باب الامامۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۹

[2] البحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۸

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

یہاں تک تو مجرد کراہت تھی اب جبکہ اُس کے حالات سے معلوم ہوا کہ اپناوہ کوئی عقیدہ نہیں رکھتا بلکہ بعض اہلِ بدعت جو بات کہہ دیں وہ اس کے نزدیک مسلّم ہوتی ہے حتّی کہ ان کے کفریات کو مسلّم رکھتا ہے اور اس کی ترویج میں بجان ودل ساعی ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ بدعت اس کی حدِ کفر تک پہنچی ہے اور انتہا اس کے عقیدہ زائغہ کی نہیں معلوم ہو سکتی بلکہ جب اپنے اُن پیشواؤں کو بھی گالیاں دیتا اور ان کے مذہب سے تبرّا کرتا ہے تو ظاہر اس کے حال سے یہ ہے کہ وہ محض زندیق ملحد بے دین ہے جسے کسی خاص مذہب سے غرض نہیں بلکہ مجرد مخالفت دینِ اسلام ومذہب اہل سنّت منظور ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز قطعًا باطل وحرام ہے۔

فی البحرالرائق قیدہ فی المحیط والخلاصة والمجتبٰی وغیرھا بان لایکون بدعته تکفرہ فان کانت تکفرہ فالصلاۃ خلفه لاتجوز [1]۔	بحرالرائق میں ہے محیط، خلاصہ، مجتبٰی وغیرہ مین ہے اس کی بدعت حدِ کفر تک پہنچی ہو، اگر اس کی بدعت حد کفر تک پہنچتی تو اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ (ت)

کبیری میں ہے:

انما یجوزالاقتداء به مع الکراھة اذا لم یکن مایعتقدہ یؤدی الی الکفراما لوکان مؤدیا الی الکفر فلایجوز اصلا [2]۔	کراہت کے ساتھ اس کی اقتداء اسی صورت میں جائز ہے جب اس کا اعتقاد حدِ کفر تک نہ پہنچادے اگر وُہ حدِ کفر تک پہنچاتا ہے تو بالکل اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہوگی۔ (ت)

اور بعد امتحان و تجربہ کے ظاہر کہ فریبِ مسلمانان کے لئے توبہ کرتا ہے اور ان عقائد ومکائد سے باز نہیں آتا ہرگز اس کی توبہ پر اعتبار نہ ہوگا خصوصًا امرِ نماز میں تمام اعمال سے افضل واتم ہے جو لوگ ایسی توبہ پر اعتماد کرتے ہیں ان سے پوچھا جائے اگر کسی شخص کے چور ہونے کا تمہیں یقین ہوگیا اور وہ بار بار توبہ کرکے پھر چوریاں کرتا ہو، آیا اس کی توبہ پر مطمئن ہو کہ پھر بھی اپنا مال اسے سپرد کردوگے افسوس مالِ دنیوی کہ اللہ کے نزدیک محض حقیر وذلیل ہے تمہاری نگاہ میں ایسا عزیز ٹھہرا کہ جس امر میں اس کے نقصان کا وہم بھی ہو اُس سے پرہیز کرو اور نماز کہ اللہ کو نہایت محبوب اور اس کے نزدیک بس عظیم ہے اس میں یہ مداہنت اگر بالفرض اس کی توبہ سچّی اور صدق باطن سے ہوتا ہم جب حال اس کا مشتبہ ہوچکا تو خواہ مخواہ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کس نے فرض وواجب کیا، کیا ایسا کوئی شخص نہیں ملتا جو ان معائب سے بری اور اس کے پیچھے نماز بلااشتباہ درست ہو، اور

---

[1] بحرالرائق، باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۹

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

جو لوگ ایسے شخص کی حمایت کرتے ہیں نماز کے دشمن اور مسجد کی ویرانی اور اہل اسلام کے عمدہ شعار یعنی نماز کی بربادی چاہنے والے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۵۹۵: از رنگون مرسلہ انتظام علی صاحب ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مرجہ ذیل مسئلہ میں: ایک شخص کا دہنا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اس وجہ سے نیت باندھتے وقت ہاتھ اسکا گوش تک نہیں پہنچتا کہ اس کو مس کرے، اس سبب سے بعض لوگ اس کے پیچھے اقتداء کرنے سے انکار کرتے ہیں کیا موافق ان لوگوں کے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی؟

الجواب: خیال مذکور غلط ہے اُس کے پیچھے جوازِ نماز میں کلام نہیں، ہاں غایت یہ ہے کہ اسکا غیر اولیٰ ہونا ہے وہ بھی اس حالت میں کہ یہ شخص تمام حاضرین سے علم مسائل نماز و طہارت میں زیادت نہ رکھتا ہو ورنہ یہی احق و اولیٰ ہے۔

فی ردالمحتار تحت قولہ تکرہ خلف امرد وسفیہ ومفلوج وابرص الخ وکذلك اعرج یقوم ببعض قدمہ فالاقتداء بغیرہ اولی تاتارخانیۃ وکذااجذم برجندی ومجبوب وحاقن ومن لہ ید واحد فتاوی الصوفیۃ عن التحفۃ[1] اھ وفی الدر یکرہ امامۃ الاعمی الا ان یکون اعلم القوم فھو اولیٰ اھ[2] ملخصاواللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔	ردالمحتار میں ماتن کے قول "امرد، بیوقوف، مفلوج اور ابرص کے پیچھے نماز مکروہ ہے "الخ کے تحت ہے یہی حکم اس لنگڑے کا ہے جو اپنے قدم کے بعض حصے پر قیام کرتا ہو، پس اس صورت میں غیر لنگڑے کی اقتداء بہتر ہوگی، تاتار خانیہ صاحبِ جزام کا بھی یہی حکم ہے۔ برجندی، مقطوع الذکر، پیشاب روک رکھنے والا اور وہ شخص جس کا ایک ہی ہاتھ ہو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ فتاوٰی صوفیہ میں تحفہ کے حوالے سے یہی ہے اھ اور درمختار میں ہے نابینا شخص کی امامت مکروہ ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ قوم میں سب سے زیادہ عالم ہو تو اس صورت میں وہی امامت کے زیادہ لائق وافضل ہے اھ ملخصًا واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹۶: ایک شخص کی جوان بی بی بے پردہ باہر نکلی ہے بلکہ بازار میں بیٹھ کر کچھ سودا بیچا کرتی ہے پس اُس

[1] ردالمحتار مطلب فی امامۃ الامرد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۶

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

شخص کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر باہر نکلنے میں اس کے کپڑے خلافِ شرع ہوتے ہیں مثلاً باریک کہ بدن چمکے یا اوچھے کہ سترِ عورت نہ کریں جیسے اونچی کُرتی پیٹ کُھلا ہوا یا بے طوری سے اوڑھے پہنے جیسے دوپٹہ سر سے ڈھلکا، یا کچھ حصہ بالوں کا کُھلا، یا زرق برق پوشاک جس پر نگاہ پڑے اور احتمالِ فتنہ ہو یا اسکی چال ڈھال بول چال میں آثار بدوضعی پائے جائیں اور شوہر ان باتوں پر مطلع ہو کر باوصفِ قدرت بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیّوث ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ،

فان الدیوث من لایغار علی امرأته اومحرمه کما فی الدرالمختار[1] وهوفاسق واجب التعزیر فی الدر لواقرعلی نفسه بالدیاثة او عرف بها لایقتل مالم یستحل ویبالغ فی تعزیره[2] الخ والفاسق تکره الصلاة خلفه۔	دیّوث ہر وہ شخص ہے جس کو اپنی بیوی اور محرم پر غیرت نہ آئی ہو (اس کے پاس غیر مرد کے آنے سے) جیساکہ دُرمختار میں ہے ایسا شخص فاسق ہے اور اس پر تعزیہ واجب ہے۔ دُرمختار میں ہے اگر کوئی اپنی ذات کے بارے میں دیّوث ہونے کا اقرار کرتا ہے یا اس فعل قبیح میں معروف ہوا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا جب تک وہ دیوثت کو حلال نہ جانے لیکن تعزیر میں مبالغہ کیا جائے گا الخ اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (ت)

اور اگر ان شناعتوں سے پاک ہے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں،

فان المرأة نفسهالا تفسق بمجرد کونها برزة تخالط الرجال حتی انها تصلح مزکیة معدلة للشهود فلا شنعته بذلك علی زوجها فی الهندیة یقبل تعدیل المرأة لزوجهاوغیره اذاکانت امرأة برزة تخالط الناس وتعاملهم کذافی المحیط السرخسی[3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ عورت بذاتہا بے پردہ رہنے اور مردوں سے اختلاط کی وجہ سے فاسق نہیں ہوتی حتی کہ وہ گواہوں کی تعدیل اور تزکیہ کی صلاحیت رکھتی ہے تو اس بناپر اس کے خاوند پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ ہندیہ میں ہے کہ اس عورت کی خاوند وغیرہ کے بارے میں تعدیل قبول کی خاوند وغیرہ کے بارے میں تعدیل قبول کی جائے گی جب وہ ایسی ہو کہ باپردہ باہر آئے اور مردوں سے اختلاط اور معاملات کرے، محیط سرخی میں اسی طرح ہے واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

[1] در مختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۸

[2] در مختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۸

[3] فتاوی ہندیہ الباب الثانی فی الجرح والتعدیل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۲۸

مسئلہ نمبر ۵۹۷ تا ۵۹۹: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ سیّد شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں مدظلہ الاقدس ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) توتلے کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

(۲) ہکلے کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

(۳) ایک شخص تھوڑی سی افیون بغرضِ دوا کھاتا ہے اور اسکے سبب اسے نشہ نہیں ہوتا ایسے کی امامت مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مذہب صحیح میں غیر توتلے کی نماز اُس کے پیچھے باطل ہے، خیریہ میں ہے: امامة الالثغ بالفصیح فاسدة فی الراجح الصحیح[1] (توتلے کی امامت فصیح (غیر توتلے) کے لئے راجح اور صحیح قول کے مطابق فاسد ہے۔ت)

(۲) اگر ہکلا نماز میں نہ ہکلائے جیسے بعض لوگوں کا ہکلانا وقت غضب سے مخصوص ہوتا ہے صرف غصہ میں ہکلانے لگتے ہیں ویسے صاف بولتے ہیں یا بعض کا ہکلانا بے پروائی کے ساتھ ہوتا ہے اگر تحفظ واحتیاط کریں تو کلام صاف ادا ہو ایسے لوگوں کو دیکھا گیا کہ باتوں میں ہکلاتے ہیں اور اذان و نماز وتلاوت میں اس کا کچھ اثر نہیں پایا جاتا ایسی صورت میں تو کلام نہیں کہ وہ حق نماز میں خود فصیح ہے اور جو ہو جگہ ہکلائے اس کی تین قسمیں ہیں:

ا۔ایک وہ کہ ان کی تکرار میں بعض حروف معین ہیں مثلاً کاف یا چ یا پ کہ جہاں رُکیں گے ان ہی حروف کی تکرار کریں گے یا گھبرا کر ایں ایں کرنے لگتے ہیں ان کے پیچھے فسادِ نماز بدیہی ہے۔

۲۔دوسرے وہ کہ جس کلمہ پر رُکتے ہیں اُسی کے اوّل حرف کی تکرار کرتے ہیں، اس صورت میں اگرچہ حرف خارج نہیں بڑھتا بلکہ اُسی کلمہ کا ایک جزو مکرر ادا ہوتا ہے مگر ازانجا کہ حرف بوجہ تکرار لغو و مہمل وخارج عن القرآن رہ گیا ان کے پیچھے بھی نماز فاسد ہے، درمختار میں توتلے کے پیچھے فسادِ نماز کا حکم لکھ کر فرماتے ہیں:

ھذاھو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذامن لایقدر علی التلفظ	توتلے کے بارے میں مختار اور صحیح حکم یہی ہے اور اسی طرح وہ شخص ہوگا جو حروف تہجی میں سے کسی حرف کی ادا پر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۰

بحرف من الحروف اولایقدر علی اخراج الفاء الابتکرار[1]۔	قادر نہ ہو یا ف کو بدون مکرر کرنے کے ادانہ کرسکے۔(ت)

نور الایضاح و مراقی الفلاح میں ہے:

لایصح اقتداء من به الفأفأة بتکرار الفاء والتمتمة بتکرار التاء فلایتکلم الابه[2]اھ ملخصا	اس شخص کی اقتدا درست نہیں جس کو فافأۃ کا عارضہ ہو یعنی ف کو تکرار سے پڑھتا ہو یا تمتمۃ کا عارضہ ہو یعنی ت کو تکرار سے پڑھتا ہو یعنی جب بھی ایسے حروف کو بولتا ہے تو وہ حرف تکرار سے ادا ہوتا ہے اھ ملخصًا (ت)

۳ تیسرے وہ کہ ہکلاتے وقت نہ کوئی حرف غیر نکالتے ہیں نہ اسی حرف کی تکرار کرتے ہیں بلکہ صرف رک جاتے ہیں اور جب ادا کرتے تو ٹھیک ادا کرتے ہیں ایسوں کے پیچھے نماز صحیح ہے۔ ہندیہ میں ہے:

الذی لایقدر علی اخراج الحروف الابالجھد ولم یکن له تمتمة او فأفاة فاذا اخرج الحروف اخرجها علی الصحة لایکرہ ان یکون اماما ھکذا فی المحیط۔[3]	وہ شخص جو کوشش کے بغیر ادائے حروف پر قادر نہ ہو نہ تو وہ تکرارِ ت کرتا ہو اور نہ ہی تکرارِ ف تو جب حروف ادا کرتا صحیح ادا کرتا ہے، تو ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ نہیں۔ محیط میں یونہی ہے۔(ت)

رہا یہ کہ کوئی کراہت بھی ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر اُن کا رُکنا اتنی دیر نہ ہوتا جس میں ایک رکن ادا کرلیا جائے جب تو کراہت کی کوئی وجہ نہیں اور اگر اتنی دیر ہو تو اگرچہ بوجہ سہو اس قدر سکوت موجب سجدہ سہو ہے اور بلا عذر کراہت تحریم کما یظھر من التنویر والدر والغنیة وردالمحتار (جیسا کہ تنویر، در، غنیہ اور ردالمحتار میں اس کا بیان واضح ہے۔ت) اور اگر ان کا رکنا بعذر ہے جس طرح جمائی یا چھینک یا کھانسی وغیرہا اعذار کے باعث بعض اوقات سکوت بقدر ادائے رُکن ہوجاتا ہے تو ظاہرًا یہاں وہ حکم نہیں، ہاں اس میں شک نہیں کہ ان کا غیر ان سے اولٰی ہے جبکہ بہ سبب حاضرین سے اعلم باحکام طہارت و نماز نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) نشہ جو ہمارے محاورہ میں سکر و تفتیر دونوں کو عام ہے اور بنص حدیث دونوں حرام اُس کے یہی معنی نہیں کہ زمین و آسمان یا مرد و عورت میں امتیاز نہ رہے یہ تو اس کی انتہا اور نشہ کی ابتدا انتہا دونوں حرمت میں یکساں پس اگر افیون کے سبب کچھ بھی اس کی عقل میں فتور یا حواس میں اختلال پیدا ہو تو کسی وقت پینک آتی ہو

---

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۵

[2] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۶

بیٹھے بیٹھے اونگھ جاتا ہو کسی وقت گردن ڈھلتے یا آنکھیں چڑھ جاتیں اُن میں لال ڈورے پڑتے ہوں جیسے یہ لوگ اپنی اصطلاح میں کیف و سرور کہتے ہیں تو یہ سب صورتیں حرام ہیں اور اُن کا مرتکب فاسق اور اس کے پیچھے نماز مکروہ بلکہ اگر صاف اتنا ہی ہو تا کہ جس دن نہ کھائے جمائیاں آئیں، اعضاشکنی ہو، دورانِ سر ہو، تاہم حرمت میں شک نہیں کہ ترک پر خمار پیدا ہونا صاف بتارہا ہے کہ استعمال بطور دوا نہیں، نفس اس کا خوگر ہوگیا ہے اور بلا غرض مرض اپنی طلب و شوق سے اُسے مانگتا ہے اور یہ صورت خود ناجائز ہے اگرچہ نشہ نہ ہو بلکہ حقیقۃً یہ حالت اُسی کو پیدا ہوگی جس دماغ میں افیون اپنا عمل ناجائز کرتی ہو ورنہ مجرب دوا کا ترک خمار نہیں لاتا، ہاں اگر ان سب حالتوں سے پاک ہے اور واقعی صرف حالتِ مرض میں بقصد دوا اتنی قلیل مقدار پر استعمال کرتا ہے کہ نہ اُس کے کھانے سے سرور آتا ہے اور نہ چھوڑنے سے خمار، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

البنج والافیون استعمال الکثیر المسکر منه حرام مطلقا واما قلیل فان کان لهو حرم وان للتداوی فلا [1] انتهی ملتقطا۔ والله تعالٰی اعلم۔	بھنگ اور افیون کا استعمالِ کثیر کہ اس سے نشہ پیدا ہو تو ہر حال میں حرام ہے، اگر قلیل ہو تو لہو کے لئے حرام ہے اور بطور دوائی حرام نہیں انتہی تلخیصًا (ت)

مسئلہ نمبر ۶۰۰: ۲۴ صفر المظفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین اپنی بنام مسجد وقف کی ایک زمانے تک مہتمم مسجد کے قبضہ میں رہی اور کرایہ مسجد میں خرچ ہوتا رہا پھر باغوائے بعض ہنود زید نے ایک کچہری میں کرایہ دار پر خود کرایہ پانے کا دعوٰی کیا مہتمم مسجد جس کے متعلق اس زمین کا اہتمام تھا اور وہی مسجد کا امام ہے مسجد کے نام کے کرایہ نامہ وغیرہ کاغذات اُس کے پاس تھے اس کچہری میں موافق مسجد رہا کہ دعوٰی خارج ہوا زید نے پھر دوسری کچہری میں دعوٰی مالکیت کیا اب وہ مہتمم زید سے مل گیا مقدمہ کی پیروی نہ کی نہ مسجد کی طرف سے کاغذات ثبوت پیش کئے عدمِ پیروی کی وجہ سے مقدمہ خلاف مسجد تجویز ہوا مسلمانوں نے مسجد کی طرف سے اپیل کیا اس کچہری میں کاغذات سے مہتمم نے صاف انکار کردیا کہ زمین قبضہ مسجد سے نکل گئی اس صورت میں مہتمم مذکور مسجد کا مہتمم یا امام رکھے جانے کے قابل ہے یا نہیں؟ اسے امام مقرر کرنا کیسا ہے؟ اور اب کہ مسلمان اس کی حرکت کے باعث ناراض ہیں اُسے امام بنانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں مہتمم خائن مجرم فاسق ہے اسے مہتمم رکھنا حرام، امام بنانا گناہ، اسے امام

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۵

بننا ناجائز، اگر امامت کرے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔ درمختار میں :

ینزع وجوبا بزازیة لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]۔	وقف شدہ مال چھیننا واجب ہے کذافی البزازیہ اگر واقف پر اطمینان نہ ہو یعنی خائن ہو کہ کذا فی الدرر تو خیانت کی صورت میں غیر واقف سے مال چھیننا بطریق اولیٰ جائزہ ہو گا۔ (ت)

غنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یا ثمون[2] (اگر لوگوں نے فاسق کو امامت کے لئے مقدم کردیا تو گنہ گار ہوں گے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی من ام قوما وھم لہ کارھون[3] ایک وُہ جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کی امامت سے راضی نہ ہوں یعنی جبکہ یہ ناراضی اُس میں کسی نقص شرعی کی وجہ سے ہو جیساکہ یہاں ہے کما فی الدر وغیرہ[4] (جیساکہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۶۰۱: از مونڈیا ضلع بریلی غرہ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ جو شخص رشوت لیتاہے اسکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور جو شخص اپنی زوجہ کو باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا اور پردہ نہیں کراتا اس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

رشوت لینا حرام رشوت لینے والے کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے، اور اگر عورت بے ستر نکلتی ہے جیسے بلاد ہندیہ کے ننگے کپڑے اور شوہر اس کا باوصف اطلاع وقدرت باز نہیں رکھتا تو فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ورنہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۶۰۲: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ

میں بعد فرضِ ظہر مغرب و عشاء کے سلام پھیرتے ہی یمین ویسار کی جانب رُخ کرکے اللھم انت السلام ومنك السلام پڑھ کر سنّتیں پڑھا کرتا ہوں مولوی حبیب الرحمٰن سہارن پوری نے مجھ سے کہا

---

[1] درمختار، کتاب الوقف، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۳۸۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[3] المعجم الکبیر جنادۃ بن ابی امیۃ ترجمۃ ۲۱۵ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/۲۸۲

[4] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

کہ فقہا بعد ان فرضوں کے جن کے بعد تطوع ہے ترک استقبال قبلہ کو منع لکھتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ان فرضوں کے بعد اُسی ہیأت پر رہے اور فورًا تطوع میں مصروف رہے اس پر خلیل الرحمان نے یہ کہاکہ تعامل حرمین میں بھی یوں ہی ہے۔ میں نے کتابوں میں دیکھاتو کہیں ممانعت نہ ملی صرف اتناملاکہ جن فرضوں کے بعد تطوع ہے مقدار اللھم انت السلام سے زیادہ توقف نہ کرے اس مسئلہ میں جو حضور کے نزدیک صواب ہو افادہ فرمائے تاکہ میں اس کے مطابق عمل کروں بلکہ مناسب تو یہ ہوگا کہ عربی عبارت میں بطور اختصار اس کو قلمبند فرمائیے۔

الجواب:

الحمد لله وحده السنة المتوارثة للامام من لدن امام الانام سید الرسل الکرام علیه وعلیهم افضل الصلٰوة والسلام هوالانصراف من القبلة لمن اراد مکثا مابعد السلام ،کل الصلٰوة فی ذلك متساویة الاقدام وصرح بذلك وبکراهة بقائه مستقبل القبلة بعد التمام غیرواحد من العلماء العظام فالحق معکم ومازعم مخالفکم فقد افتری فیه علی الفقهاء الفخام قال المولی المحقق محمد بن محمد بن محمد الشهیر بابن امیرالحاج فی الحلیة شرح المنیة ناقلا عن الذخیرة،اذاکان فرغ الامام من صلاته اجمعوالی انه لایمکث فی مکانه مستقبل القبلة ،سائرالصلوات فی ذلك علی السواء قال وقد صرح غیرواحدبانه یکره ذلك اھ[1] ،وقد اخرج الامام ابوداؤد	سب تعریف اللہ کے لئے جو وحدہ، لاشریک ہے امام الانام سید الانبیاء نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والسلام کی ظاہری حیات سے لے کر اب تک امام کے لئے بطور سنّت منقول ہے کہ جو شخص سلام کے بعد کچھ ٹھہرنے کاارادہ رکھتا ہو تو قبلہ سے رُخ پھیرے۔قدیم زمانہ سے یہ حکم تمام نمازوں میں برابر چلا آرہاہے اور تکمیلِ نماز کے بعد اس کے لئے قبلہ رُخ رہنا مکروہ ہے۔ ان دونوں باتوں کی تصریح بڑے بڑے علمائے اسلام نے فرمائی، پس حق تمہارا ساتھ ہے ، اور تمہارے مخالف نے جو کچھ کہا وہ فقہاءِ کرام پر تہمت ہے،ہمارے نہایت ہی فاضل محقق محمد بن محمد بن محمد المعروف ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے لکھتے ہیں جب امام نماز سے فارغ ہوجائے تو سب علماء کا اتفاق ہے کہ وہ اپنی جگہ قبلہ رُخ نہ ٹھہرا رہے اور اس حکم میں تمام نمازیں برابر ہیں اور فرمایا کہ قبلہ رُخ رہنے کی کراہت پر متعدد علماء نے تصریح کی ہے اھ،اور امام ابوداؤد نے سنن میں، حاکم نے مستدرک میں ابورمثہ رضی اللہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فی سننه والحاکم فی المستدرك عن ابی رمثة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال صلیت هذه الصلٰوة اومثل هذه الصلٰوة مع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وکان ابوبکر وعمر یقومان فی الصف المقدم عن یمینه ۔ و کان رجل قد شهد التکبیرة الاولی من الصلاة یشفع فوثب الیه عمر فاخذ بمنکبه فهزه ثم قال اجلس فانه لم یهلك اهل الکتاب الاانهم لم یکن بین صلٰوتهم فصل فرفع النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بصره فقال اصاب اللّٰه بك یابن الخطاب (ملخصًا)[1] **قلت** فهذا نص عن صاحب الشریعة صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی انفتاله عن القبلة بعد صلٰوة یتبعها تطوع فلاوجه للنهی عنه وان خص بعض کراهة المکث مستقبلا بمالاتهوی بعده کما فی الغنیة عن الخلاصة واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

تعالٰی عنہ سے روایت کیا، فرمایا کہ میں نے یہ یا اسکی مثل نماز نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی اور فرمایا کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما امام کے پاس صفِ اوّل میں کھڑے ہوتے تھے اور ایک آدمی جو تکبیرِ اولٰی سے نماز میں شامل ہوا تھا اُٹھ کر دو۲ رکعت نماز ادا کرنی شروع کردی حضرت عمر اس کی طرف فی الفور بڑھے اور کاندھے سے پکڑ کر حرکت دی اور کہا بیٹھ جاؤ اہل کتاب نہیں ہلاک ہوئے مگر اس لئے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نظرِ مبارک اٹھا کر دیکھا اور فرمایا اے ابن خطاب اللہ تعالٰی نے تیری رہنمائی فرمائی ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے اس بات پر نص ہے کہ جس نماز کے بعد نوافل ہوں اس میں بھی امام قبلہ سے رُخ موڑے اور قبلہ رخ سے موڑنے پر کوئی نہی وارد نہیں (یعنی انصراف سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں) اگرچہ بعض حضرات نے قبلہ رُخ بیٹھنے کی کراہت کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا جبکہ امام بیٹھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھنا چاہتا ہو جیسا کہ غنیہ میں خلاصہ کے حوالے سے ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] سنن ابوداؤد باب فی الرجل یتطوع فی مکانہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۴۴، المستدرک للحاکم کتاب الصلٰوۃ لم یہلک اہل الکتاب الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۷۰

مسئلہ نمبر ۶۰۳: از تحصیل جل گاؤں جامود ضلع آتولہ ملک برار مرسلہ حاجی شیخ عبدالرحیم ولد تاج محمد صاحب ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مبروص کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں یعنی جس کا تمام جسم عارضہ برص سے سفید ہوگیا ہو اس کی امامت کے لئے کیا حکم ہے اور اس ملک دکن میں اکثر لوگ ماہ محرم الحرام میں سواری اپنے مکان پر بٹھا لیتے ہیں اور اس کو فعل صاحب کی سواری کہتے ہیں اکثر لوگ اس سے منتیں مانگتے ہیں اور چڑھاوا وغیرہ بہت کچھ چڑھاتے ہیں کیا ایسے شخص کے پیچھے جو اپنے مکان پر سواری بٹھائے نماز جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسے برص والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے **فی الدر المختار تکرہ خلف ابرص شاع برصہ**[1] (درمختار میں ہے ایسے برص والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے جس کا برص پھیل گیا ہو۔ت) سواری مذکور بٹھانا اور اس سے منتیں مانگنا بدعت جہال ہے کہ فسق عقیدہ یا فسق عمل سے خالی نہیں اور اہلِ بدعت وفساق کے پیچھے نماز سخت مکروہ **فی الدر المحتار الفاسق کالمبتدع تکرہ امامتہ بکل حال**[2] الخ (ردالمحتار میں ہے کہ فاسق بدعتی کی طرح ہے اس کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۶۰۴: از بدایوں مدرسہ قادریہ ۶ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیافرمایا ہے شرع مطہر نے اس مسئلہ میں کہ بخشش ولد الحرام المومن کی ہوگی یانہیں اور بشرط قابلیت امامت کے نماز میں امام بنایا جائے گا یانہیں؟ اور طریقہ ازروئے قواعد طریقت کے بانسبت اور مرتبہ عرفان پاسکتا ہے یانہیں؟ اور استخلاف اس طریقہ کا جائز ہے یانہیں؟ یعنی شیخ اپنے کا درصورت حصول قابلیت جانشین ہوسکتا ہے یانہیں؟ اور شیخ کو سندِ خلافت اُس کو دینا جائز ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر مومن جس کا خاتمہ ایمان پر ہو اور مومن عنداللہ وہی قابلِ مغفرت ہے اور اس کا انجام یقیناً جنّت **کما نطقت بہ النصوص واجمعت علیہ علماء السنۃ والجماعۃ** (جیسا کہ اس پر نصوص کی تصریح اور علماء اہلسنّت وجماعت کا اجماع ہے۔ت) ولد الزنا کی امامت مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولٰی ہے جبکہ وُہ سب حاضرین میں مسائلِ طہارت ونماز کا علم زائد نہ رکھتا ہو،

---

[1] درمختار، باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۸۳/۱

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۴/۱

فی الدرالمختار کرہ امامۃ عبد واعرابی وولدالزنا الی قولہ الا ان یکون اعلم القوم [1]۔	درمختار میں ہے غلام ،اعرابی، ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے ،البتّہ اس صورت میں مکروہ نہیں جبکہ وہ دوسری قوم سے زیادہ صاحبِ علم ہو۔(ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ دُوسرا قابل امامت موجود ہو اور اگر حاضرین میں صرف وہی لائق امامت ہے تو اُسے امام بنانا واجب ہوگا مرتبہ عرفان اہلِ حق کے نزدیک وہی ہے وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ [2]،(اور اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مختص فرمالیتا ہے۔ت) ولد الزنا پر خود اس گناہ کاالزام نہیں الزام زانی اور زانیہ پر ہے،

وقد سئل سید الطائفۃ جنید البغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھل یزنی العارف فاطرق ملبیا ثم قال وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔	سیّد الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا گیا کیا عارف زنا کرسکتا ہے؟آپ تلبیہ کہتے ہوئے چل پڑے اور کہا اللہ کا امر مقدر و مقرر ہوچکا ہے۔(ت)

اس کا استخلاف جبکہ وہ اس کا اہل ہو نظر شیخ عارف بصیر پر ہے اگر مصلحت دیکھے تو ممنوع نہیں اگر حال اس کا مشہور اور عامہ خلائق اس سے نفور ہوں اور سمجھے کہ کار دعوت الی اللہ اور ہدایت خلق اللہ بسبب تنفر ناس منتظم نہ ہوگا تو احتراز فرمائے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۶۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک بی بی زینب غیر منکوحہ اور دو ۲ بیبیاں صغرٰی اور کبرٰی منکوحہ ہیں زید عرصہ آٹھ سال سے بی بی زینب غیر منکوحہ سے بلالحاظ و پاس اس کی عدم منکوحیت اور بلا شرم و حجاب اپنے ہمسروں اور ہمچشموں کے مباشر اور ہم صحبت رہتا ہے اس صورت میں زید کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس کا زانی ہونا ثابت و متحقق ہو جب تو اُسے امام بنانے کی ہرگز اجازت نہیں کہ زانی فاسق ہے اور فاسق کو امام کرنا منع ہے غنیہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان الکراھۃ	اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو لوگ گنہگار ہوں گے

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] القرآن ۲/۱۰۵

تقدیمه کراهة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساهله فی الاتیان بلوازمه فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاة وفعل ماینافیها بل هو الغالب بالنظر الی فسقه[1]۔	اس لئے کہ اس کی تقدیم برائے امامت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وُہ امورِ دینیہ میں لاپروائی برتتاہے اور نماز کے لوازمات کی ادائیگی میں تساہل سے کام لیتاہے ممکن ہے وہ نماز کی بعض شرائط ادا نہ کرے(یعنی چھوڑ دے) یا ایسا عمل کردے جو نماز کے منافی ہو، بلکہ ایسا کرنا اس کے فسق کے پیشِ نظر اغلب ہے(ت)

اور اگر وُہ لوگوں میں عام طور پر زانی مشہور ہو جب بھی اس کے امام بنانے سے احتراز چاہئے کہ اس صورت میں لوگ اس کی امامت سے نفرت کریں گے یہ امر باعث تقلیل جماعت ہوگا کہ مقاصد شرع کے خلاف ہے،

کما کرهوا امامة ولدالزنا لاجل ذلك وان لم یکن الاثم منه۔	جیسا کہ فقہاء نے اسی حکمت کے پیشِ نظر ولد زنا کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے اگرچہ گناہ اس کی (اپنی ذات کی) طرف سے نہیں ہوا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر۶۰۶: ازگھور کھپور محلّہ شاہ معروف مکان مولوی محمد مسعود العاقبۃ محمد عبدالقیوم صاحب مرحوم ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ : بہرے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عدمِ جواز کی کوئی وجہ نہیں حیث لامانع، ہاں غیر بہرا کہ مرجحات راجیحات امامت میں بہرے سے کم نہ ہو افضل واولٰی ہے کہ نماز میں جس طرح حفظ طہارت بدن وثوب ومصلی وتصحیح جہت قبلہ کے لئے حاسہ بصر کی حاجت ہوتی ہے جس کے سبب بینا کو اندھے بلکہ ضعیف البصر پر ترجیح دی گئی،

فی الدر یکرہ امامة الاعمٰی ونحوه الاعشی نهر[2]۔ فی ردالمحتار هوسیئ البصر لیلا ونهارا	درمختار میں ہے نابینے کی امامت مکروہ ہے، اسی طرح اعشٰی (ضعیف البصر) کی بھی، نہر۔ ردالمحتار میں اعشٰی کا معنٰی رات اور دن کو کم دیکھنے والا لکھے ہیں۔

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی امامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

قاموس فهذا ذکرہ فی النھر بحثا اخذا من تعلیل الاعمٰی بانہ لایتوقی النجاسة [1]	قاموس، اس کا ذکر نہر میں اعمٰی کی علت کی بناء پر کیا گیا ہے کہ یہ بھی نجاست سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ (ت)

یوں ہی حاسہ سمع کی بھی ضرورت پڑتی ہے اگرچہ نہ دوامًا مگر نادر، بھی نہیں کہ انسان سے نسیان نادر نہیں اور وقت سہو امام ،اصلاح مقتدیوں کے بتانے سے ہوتی ہے اور وہ سمع پر موقوف، جب اُس کا حس سامعہ موقوف ہے تو ان صورتوں کا وقوع متوقع جن میں اس کے نہ سننے کے سبب نماز فاسد یا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو جائے مثلًا قعدہ اخیرہ چھوڑ کر اُٹھا مقتدیوں کا بتانا نہ سُنا، زائد کا سجدہ کرلیا، فرض باطل ہوگئے یا اولٰی چھوڑا اور بتانے پر مطلع نہ ہو کر سلام پھیر دیا سجدہ سہو کے لئے بتایا گیا تو سمجھا کہ کوئی کچھ بات کرتا ہے تکلم کر بیٹھا، نماز بوجہ ترک واجب واجب الاعادہ رہی یا قرات میں وہ غلطی کی جس سے معنی میں تغیر اور نماز میں فساد ہو فتح مقتدمین سُن کر صحیح ارادہ کرلیتا تو اصلاح ہو جاتی

علی ماذکر فی الحلیة من احد القولین وھو الایسر الارفق کما لایخفی۔	اس قول کی بنا پر جو حلیہ میں دو قولوں میں سے ایک ذکر ہے اور یہی آسان اور نرم ہے جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

اس نے نہ سنا اور نماز فاسد کرلی الی غیر ذلک من وجوہ کثیرۃ (اس کے علاوہ متعدد وجوہ ہیں۔ت) تو امامت کے لئے اصلح واولٰی وہی ہے جو وجوہ نقص سے خالی ہو لاجرم امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا کل من کان اکمل فھو افضل [2]۔ (جو بھی ہر لحاظ سے اکمل ہوگا وہی افضل ہوگا، ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۰۶: ایک شخص کریہہ الصوت اور بہرا ہے، دوسرا شخص کلام شریف اس سے اچھا پڑھتا ہے اور کریہہ الصوت نہیں ہے اور بہرا بھی نہیں ہے یعنی حواسِ خمسہ اس کے صحیح ہیں تو حالت مساوی العلم ہونے کے ان دونوں میں شرعًا مرجح لائق امامت کون ہو سکتا ہے بینوا بالبراھین والکتاب توجروا یوم الحساب (دلائل وبراہین اور کتاب اللہ سے بیان کرو اور روزِ حساب اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر اس شخص کے اس سے قرآن مجید اچھا پڑھنے سے مراد یہ حروف مخارج سے صحیح ادا کرتا ہے اور وہ نہیں جیسے آج کل عالمگیر وبا پھیلی ہے ا، ع، ہ، ح، ت، ط، ث، س، ص، ذ، ز، ظ میں تمیز نہیں کرتے جب تو اس بہرے کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی اگر باوصف قدرت کے سیکھے تو ادا کرسکے مگر نہ سیکھا غلط پڑھتا ہے جب تو نہ اس کی اپنی نماز ہوئی نہ اس کے پیچھے کسی دوسرے کی، اور اگر عاجز ہے جیسے توتلا وغیرہ

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[2] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدیث فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۱۳۴

تو اس کی اپنی ہوجائے گی جبکہ کسی صحیح خواں کے پیچھے اقتدا نہ پاسکے نہ ایسی کوئی آیت ملے جسے وُہ صحیح پڑھ سکے اور یہ دونوں بہت نادر نہیں تاہم صحیح مذہب پر صحیح خواں کی نماز اس کے پیچھے کسی طرح صحیح نہیں۔ کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) درمختار:

لاتصح صلاته اذا امکنه الاقتدا بمن یحسنه او ترك جهده او وجد قدر الفرض ممالالثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف[1]۔	اس کی نماز اس صورت میں صحیح نہ ہوگی جب اسے ایسے شخص کی اقتداء ممکن ہو جو احسن انداز میں قرآن پڑھ سکتا ہے یا اس نے محنت و کوشش برائے صحتِ حروف ترک کردی یا وہ بقدر فرض قرأت وہ آیتیں حاصل کرلے جس میں تتلانا نہیں پایا جاتا، توتلے کے بارے میں یہی صحیح تنقیح و مختار ہے اور اس شخص کا بھی یہی حکم ہے جو حروف تہجی میں کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو۔(ت)

خیریہ وغیرہا میں ہے:

الراجح المفتی عدم صحة امامة الالثغ لغیره ممن لیس به لثغة[2]۔	راجح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ توتلے کی امامت غیر توتلے کے لئے صحیح نہیں ہے۔(ت)

اور اگر یہ معنی کہ صحیح وُہ بھی پڑھتا ہے مگر اس کی قرأت و تجوید اس سے بہتر ہے تو اس صورت میں اگر اس کی کراہت اس حد تک ہے کہ لوگوں میں نفرت پیدا کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔

فان من مسائل کراهة الامام مفرعة علی هذا الاصل وهوان من کان فیه تنفیر الناس وقلة رغبتهم فامامته مکروهة کولد بغی و ابرص شاع برصه وغیرهما۔	کیونکہ کراہتِ امامت کے بعض مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں وہ ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے ساتھ لوگوں کو نفرت اور قلّتِ رغبت ہو اس کی امامت مکروہ ہے مثلاً ولد الزنا اور برص والا ایسا شخص کہ جس کا مرضِ برص پھیل گیا ہو وغیرہما(ت)

ولہٰذا تبیین میں فرمایا:

کل من کان اکمل فهو افضل لان	ہر وہ شخص جو ہر لحاظ سے اکمل ہو وہی افضل ہوگا کیونکہ

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵

[2] فتاوٰی خیریہ، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ،۱/۱۰

المقصود کثرۃ الجماعۃ ورغبۃ الناس فیہ اکثر [1]۔	مقصود کثرت جماعت اور اس میں اکثر لوگوں کو رغبت ہے۔ (ت)

اور اگر یہ بھی نہیں تاہم تساوی علم یہ غیر بہرا اس سے احق واولٰی ہے۔ اوّلاً تجوید قرأت میں اس سے زائد ہے دُر مختار میں ہے:

الاحق بالامامۃ تقدیما بل نصبا الاعلم باحکام الصلٰوۃ ثم الاحسن تلاوۃ وتجویدا للقرأۃ [2]۔	امامت میں آگے بڑھنے کے بلکہ ہمیشہ کے لئے امام مقرر کرنے میں زیادہ مستحق ولائق وہ شخص ہے جو صحت وفسادِ نماز کے مسائل سے زیادہ آگاہ ہو (علم میں اگر برابر ہوں تو) پھر زیادہ لائقِ امامت وہ شخص ہے جو تلاوت اور تجوید قرأت کے لحاظ سے اچھا ہو۔ (ت)

ثانیا اُسکا بہرا ہونا بھی اُس کی ترجیح کی ایک وجہ ہے **کما بیّناہ فی المسئلۃ الاولی** (جیسا کہ مسئلہ اولٰی میں ہم اسے بیان کر آئے۔ت)

ثالثًا یہ نسبت اس کے خوش آوازی اور زیادہ مؤید ہے ولہٰذا وہ بھی مرجحاتِ امامت سے شمار کی گئی۔ نور الایضاح مراقی الفلاح میں ہے: **ثم الاحسن صوتا للرغبۃ فی سماعہ للخضوع** [3] (پھر وہ شخص جس کی آواز حسین ہو کیونکہ اس کے سننے میں رغبت اور خضوع پیدا ہوتا ہے۔ت) لوگ اگر اس کے ہوتے ہوئے بہرے کو امام کریں گے شرعًا برا کریں گے، در مختار میں ہے: **لوقدموغیرالاولی ساء وابلااثم** [4] (اگر لوگوں نے غیر اولٰی کو مقدم (پیش امام) کردیا تو بغیر گناہ کے ان لوگوں نے برا کیا (یعنی ترک سنت کی وجہ سے بُرا کیا اور گنہگار نہ ہوئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۰۸: از براہم پور ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیونی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، اور اگر اس نماز کے پھیرنے کا حکم ہو تو فقط ظہر وعشاء کی پھیری جائے یا فجر وعصر ومغرب کی بھی، اور افیون کھانی کیسی ہے افیونی فاسق مستحق عذاب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدیث فی الصلٰوۃ مطبوعہ المبطعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱/۱۳۴
[2] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲
[3] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۴
[4] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

الجواب:

ضرور فاسق و مستحقِ عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر[1]۔ رواہ امام احمد و ابوداؤد عن ام المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی۔ اسے امام احمد، اور امام ابوداؤد نے بسند صحیح ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اگر افیونی پینک کی زور میں ہو جب تو اس کی خود نماز باطل اور اُس کے پیچھے اوروں کی بھی محض باطل۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ[2]۔	نماز کے قریب نہ جاؤ اس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ (ت)

اور اگر ہوش میں ہو جب بھی اس کے پیچھے نماز ممنوع ہے:

لان الصلٰوۃ خلف الفاسق تکرہ کراھۃ تحریم[3] کما حققہ فی الغنیۃ وغیرھا	کیونکہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ اس مسئلہ کی تحقیقغنیہ وغیرہ میں کی ہے۔ (ت)

اگر پڑھ لی ہو تو نماز پھیرنی ضروری ہے اگرچہ فجر خواہ عصر خواہ مغرب کا وقت ہو،

فان کل صلاۃ ادیت مع کراہۃ تحریم تعاد وجوبا[4] کما فی الدر وغیرہ بل وکذا علی قول من قال بالتنزیہ فان الاعادۃ اکمال لاتنفل کما لایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کہ ہر وہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے بلکہ اس کے قول پر بھی یہی حکم ہے جو اسے مکرہ تنزیہی قرار دیتا ہے کیونکہ اعادہ کمال ہے فالتو اور بے فائدہ نہیں جیسا کہ واضح ہے واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳

[2] القرآن ۴/ ۴۳

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[4] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

مسئلہ نمبر ۶۰۹تا ۶۱۲: از کلکتہ مسجد دھرم تلہ مرسلہ حافظ محمد عظیم صاحب ۱۲جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ

تسلیم بصد تکریم کے بعد خدمت عالی میں عرض رساں ہوں اپ کے اصافِ حمیدہ کی تحریر سے بندہ قاصر ہے جناب کی خدمت میں نہ عرض کے لائق نہ طاقت چونکہ اس وقت ایک فتوٰی پر آپ کے دستخط اور مہر کی اشد ضرورت ہوئی خدمت عالی میں عرض رساں ہوں کہ عنداللہ وعندالرسول اپنے خاص دستخط اور مہر سے زینت بخشیں اس عاجز کو آپ کی قدم بوسی کی از حد تمنّا ہے دُعافرمائیں، فتوٰی یہ ہے:

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ بامامت [۱] کدام شخص اولٰی است وامامت [۲] حرام زادہ مکروہ تحریمی است یانہ [۳] وامامت شخص بد پنداشتہ قوم مکروہ تحریمی است یاچہ واگرکسے [۴] درمسجد از امام حی افضل باشد بامامت کدام اولی است **بینوا توجروا**	تم پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو اس مسئلہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ امامت کے لئے افضل شخص کون ہوتا ہے؟ حرام زادہ کی امامت مکروہ تحریمی ہے یانہیں؟ جس شخص کو قوم بُراجانے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے یاکیا ہے؟ اگر مسجد میں محلّہ کے امام سے کوئی افضل شخص موجود ہو توامام کس کو بنانا اولٰی ہے (ت)

الجواب:

(۱) ہر کہ عالم تر درسنّت نماز بود درامامت آں اولٰی است پست ازآں اقرأ ثم اورع ثم معمراست کما فی **الھدایۃ والعلمگیریۃ وملتقی الابحر وجامع الرموز** (۲) امامۃ حرام زادہ مکروہ تحریمی است لما فی **الھدایۃ** یکرہ تقدیم العبد والاعرابی والفاسق والاعمی وولدالزنا لانہ لیس لہ اب یشفقہ فیغلب علیہ الجھل ولان فی تقدیم ھؤلاء تنفیر الجماعۃ فیکرہ [1] وفی **العلمگیریۃ** وتجوز امامۃ الاعرابی	(۱) ہر وہ شخص جو طریقہ نماز میں زیادہ عالم وآگاہ ہے وہ امامت کے زیادہ لائق ہے اس کے بعد سب سے اچھا قاری، پھر سب سے صاحب تقوٰی، پھر زیادہ عمر والا لائق امامت ہے ہدایہ، عالمگیری، ملتقی الابحر اور جامع الرموز میں اسی طرح ہے۔ (۲) حرام زادہ کی امامت مکروہ تحریمی ہے ہدایہ میں ہے غلام ،اعرابی، فاسق، نابینا اور ولدزنا کی امامت مکروہ ہے کیونکہ اس کا شفیق باپ نہیں جو اسے تعلیم دیتا لہٰذا اس پر جہالت غالب ہوگی اور (دوسری بات یہ ہے) کہ ایسے افراد کی تقدیم سے لوگ جماعت سے نفرت کریں گے لہٰذا ان میں سے ہر ایک کا امام بننا مکروہ ہے،

[1] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰۱

والاعمی والعبد و ولد الزنا والفاسق کذا فی الخلاصۃ الا انھا تکرہ[1] وفی شرح فالوقایۃ امامۃ بندہ واعرابی وفاسق واعمی ومبتدع وولد الزنا جائز بودے مکروہ باشد[2] وفی جامع الرموز فان ام عبد او اعرابی اوفاسق او اعمی او مبتدع او ولد الزنا[3] (ای ولد یحصل من وطئ حرام لعینہ) کرہ وفی ملتقی الابحر تکرہ امامۃ العبد والاعرابی والاعمٰی والفاسق والمبتدع و ولدالزنا[4] الخ

(۳) اگر بد پنداشتن بباعث امر شرعی باشد امامت شخص بد پند اشتہ قوم مکروہ تحریمی ست لما فی العلمگیریۃ وقاضی خان رجل ام قوما وھم لہ کارھون فان کانت الکرھۃ لفساد فیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک۔[5]

عالمگیری میں ہے اعرابی، نابینا، غلام، ولدزنا اور فاسق کی امامت جائز ہے، اسی طرح خلاصہ میں ہے مگر مکروہ ہے۔ شرح الوقایہ میں ہے غلام، اعرابی، نابینا، بدعتی اور ولدالزنا کی امامت جائز ہے مگر مکروہ ہے جمع الرموز میں ہے اگر غلام، اعرابی، نابینا، فاسق، بدعتی او رولد الزنا (یعنی وہ بیٹا جو وطی حرام لعینہ سے حاصل ہو) نے امامت کرائی تو اس کی امامت مکروہ ہے۔ ملتقی الابحر میں ہے غلام، اعرابی، نابینا، فاسق، بدعتی اور ولدزنا سب کی امامت مکروہ ہے الخ۔

(۳) اسے برا جاننے کی وجہ اگر کسی امر شرعی کے باعث ہو تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی، کیونکہ عالمگیری اور قاضی خان میں ہے وہ شخص جس نے کسی قوم کی امامت کرائی حالانکہ وُہ قوم اسے پسند نہیں کرتی پس اگر کراہت خود اس شخص میں کسی فساد کی وجہ سے ہو یا اس وجہ سے کہ اس سے دوسرے افراد امامت کے زیادہ لائق ہوں تو ان دونوں صورتوں میں شخص مذکور کو امامت کرانا مکروہ ہے۔

---

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح امامالغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۵

[2] شرح الوقایہ فصل فی الجماعۃ مطبوعہ المکتبۃ الرشیدیہ دہلی ۱/۱۷۵

[3] جامع الرموز فصل یجھر الامام مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۷۲

[4] ملتقی الابحر فصل حکم الجماعۃ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۹۴

[5] فتاوی ہندیۃ الفصل فی بیان من یصلح امامالغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۷-۸۶

ف: مجیب رحمۃ اللہ علیہ نے شرح وقایہ کی عبارت نقل نہیں کی صرف مفہوم بزبان فارسی ذکر کیا ہے نیز بعد والی عبارت میں قوسین کے درمیان جامع الرموز عبارت نقل کی ہے جسے قوسین سے باہر والی عبارت نقایہ یعنی جامع الرموز کے متن کی ہے اور شرح وقایہ کی عبارت بھی نقایہ کی عبارت جیسی ہے۔ (**نذیر احمد سعیدی**)

(۴) امامت امام حی اولٰی بود اگرچہ غیرش در مسجد افضل است لما فی العلمگیریۃ دخل مسجدامن ھواولی بالامامۃ من امام المسجد فامام المحلۃ اولٰی [1] وفی المنیۃ :لو دخل فی المسجد من ھواولی بالامامۃ فامام المحلۃ [2] اولی ھکذا حکم الکتاب والیہ المرجع والمآب واللہ اعلم بالصواب۔المستخرج المذنب ابونعیم محمد نقی عفی عنہ اسلام آبادی المجیب المصیب فقیر محمد امانت اللہ غازی پوری ۔ الجواب صحیح بندہ رشید احمد عفی عنہ اصاب من اجاب محمد قادر بخش سہسرامی عفی عنہ صح من اجاب حرر الفقیرابوالبرکات غازیپوری ۔مافیہ حق، اماالدین عفی عنہ۔	محلّہ کے مقرر امام کو امام بنانا اولٰی ہے اگرچہ کوئی دوسرا شخص افضل موجود ہو جیساکہ عالمگیری میں ہے ایک ایسا شخص مسجد میں داخل ہُواجو محلّہ کے امام سے افضل ہے تو محلّہ کے امام ہی کو امام بنانا اولٰی ہے،۔ اور منیہ میں ہے اگر مسجد میں ایسا شخص آیا جو امام مقرر سے افضل ہو تو محلے کا امام ہی بہتر ہوگا،کتاب کا حکم بھی یہی ہے اور یہی مرجع اور جائے پناہ ہے واللہ اعلم بالصواب المستخرج المذنب ابونعیم محمد نقی عفی عنہ اسلام آبادی المجیب المصیب فقیر محمد امانت اللہ غازی پوری۔ الجواب صحیح بندہ رشید احمد عفی عنہ اصاب من اجاب محمد قادر بخش سہسرامی عفی عنہ ۔صح من اجاب حررالفقیر ابو البرکات غازیپوری۔اس میں جو کچھ ہے وہ حق ہے۔امام الدین عفی عنہ۔

الجواب:

اولٰی بامامت کسے است کہ مسائل نماز وطہارت داناتر است در تنویر است الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ [3] در دُرمختار است بشرط اجتنابہ للفواحش الظاھرۃ [4]۔در ردالمحتار ازکافی وغیرہ است الاعلم بالسنۃ اولی ان یطعن علیہ فی دینہ [5]۔	امامت کے لئے وہ شخص اورلائق اور بہتر ہے جو مسائلِ نماز وطہارت میں زیادہ آگاہی رکھتا ہو، تنویر میں ہے امامت کا زیادہ حقدار وُہ ہے جو احکام نماز سے زیادہ آگاہ ہو۔ درمختار میں بشرطیکہ وہ ظاہری گناہوں سے بچنے والا ہو۔ردالمحتار میں کافی کے حوالے سے ہے سنت (یعنی طریقہ نماز) سے زیادہ آگاہی رکھنے والا شخص امامت کے لئے بہتر ہے بشرطیکہ اس کے دین پر کوئی طعن نہ کرتا ہو (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی بیان من ھواحق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[2] منیہ: یہ عبارت سعیِ بسیارکے باوجود مشہور منیۃ المصلی سے نہ مل سکی، معلوم ہوتا ہے اس سے کوئی اور منیہ مراد ہے جو مجھے دستیاب نہیں۔ نذیر احمد سعیدی

[3] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[4] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[5] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۲

جواب و سوال دوم: وہم چنیں غلام ودہقانی وکور اگر درحاضرین غیر انیاں کسے صالح امامت نیست خود واجب بود قدیم اینان زیرا کہ اگر نکند جماعت است رود واجب فوت شود وایں ناروا بود اگر دیگرے نیز حاضر است اما اینان درعلم مسائل نماز وطہارت برورجان وزیادت دارند ہم اینان احق و اولی بامامت باشد چہ جائے کراہت باشد بلکہ کراہت در تقدیم دیگرے باشد کہ کمتراز ایشان است آرے اگر آں دیگر از ایشاں داناتر یا ہر دو در علم مذکور ہمسر وبرابر اند آں گاہ امامت ایشاں مکروہ باشد واز مکروھے تنزیہی بیش نیست یعنی خلاف اولٰی است واگرامام نمایند رواہ باشد وباک ندارد در تنویر الابصار ودرمختار است یکرہ تنزیھا امامۃ عبدواعرابی واعمی الا ان یکون ای غیرالفاسق اعلم القوم فھواولی (وولدالزنا) ھذا ان وجد غیرھم والا فلا کرھۃ بحربحثا[1] ملخصا۔ دربحرالرائق از مجتبٰی شرح قدوری ومعراج الدرایہ شرح ہدایہ ست ھذہ الکراھۃ تنزیھیۃ لقولہ فی الاصل امامۃ غیرھم احب الی[2]۔ ہمدراں باز در فتاوٰی اسعدیہ وغیرہ است فالحاصل انہ یکرہ لھؤلاء التقدم ویکرہ الاقتداء بھم کراھۃ تنزیہ ان وجد

جواب و سوال دوم: غلام، دیہاتی اور نابینا کا حکم بھی یہی ہے اگر حاضرین میں سے کوئی دوسرا امامت کے لائق نہ ہو تو خود بخود ان کو مقدم کرنا واجب ہوگا اور جماعت فوت ہو جائے گی جو واجب ہے اور جماعت کو فوت کرنا جائز نہیں اور اگر کوئی دوسرا بھی لائقِ امامت حاضر ہو لیکن یہ لوگ مسائلِ نماز و طہارت میں اس پر فوقیت رکھتے ہوں تو پھر بھی انہی کو امام بنانا اولٰی ہے چہ جائیکہ ان میں کراہت ہو بلکہ ایسی صورت میں دوسرے کو مقدم کرنا مکروہ ہوگا، کیونکہ وُہ دوسرا ان سے ادنٰی ہے البتہ اگر دوسرا ان سے زیادہ دانا اور صاحب علم ہو یا دونوں مذکورہ علم میں ہمسر اور برابر ہوں تو اس وقت ان کی امامت مکروہ ہوگی اور وہ بھی مکروہ تنزیہی، اس سے زیادہ نہیں، یعنی خلاف اولٰی ہوگی، اگر ان کو امام بنالیا جائے تو جائز ہے، کوئی حرج نہیں، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے امامتِ غلام، اعرابی، نابینا، مکروہ تنزیہی ہے مگر جب وہ مذکورہ افراد فاسق کے علاوہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہوں تو یہی لوگ امامت کے لائق ہیں (اور ولدِ زنا) یعنی ولدزنا کی امامت بھی مکروہ ہے، مذکورہ افراد کی امامت اس وقت مکروہ ہے جب ان کے سوا کوئی شخص لائقِ امامت موجود ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں اس مسئلہ کی بحث بحرالرائق میں

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۳/۱

[2] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۹/۱

غیرهم والافلاکراهة[1]۔ در ردالمحتار از اختیار شرح مختار شرح الملتقی للبهنسی وشرح دررالبحاراست لو عدمت ای علة الکراهة بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولدالزنا من ولدالرشدة والاعمی من البصیر فالحکم بالضد[2] ملخصًا در جامع الرموز است فان ام عبد او اعرابی اوولدالزنا کره ذلك کراهة تنزیهة وفی الاختیار لوکانو افضل من ضدهم فالحکم بالضد[3]۔ در خانیه است تجوز امامة لاعرابی والاعمی والعبد و ولد الزنا وغیرهم [4]اولٰی درشرح نقایه علّامه برجندی است المرادبه الکراهة التنزیهیة علی ماصرح به فی الزاهدی [5] در حاشیه درر وغرر للعلامة الشرنبلالی است وکره امامة ولد الزنا اقول الکراهة

ہے اھ ملخصًا بحرالرائق میں مجتبٰی شرح قدوری اور معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے یہ کراہت کراہت تنزیہیہ ہے کیونکہ اصل (کتاب) میں ان کا قول ہے ان کے علاوہ کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے، پھر اس کے بعد فتاوی اسعدیہ وغیرہ کی عبارت یُوں ہے حاصل یہ ہے کہ ان کی تقدیم مکروہ ہے اور اُن کا غیر موجود ہو تواقتداء مکروہ تنزیہی ہے ورنہ کوئی کراہت نہیں۔ ردالمحتار میں اختیار شرح مختار، شرح الملتقی، للبہنسی اور شرح دررالبحار سے ہے اگر علّتِ کراہت معدوم ہو مثلًا اعرابی شہری سے، غلام آزاد سے، ولدِ زناولد رشد سے اور نابینا بینا سے افضل ہو تو حکم اس کے برعکس ہوگا۔ جامع الرموز میں ہے اگر غلام یا اعرابی یا ولد زنا امام بنا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اختیار میں ہے اگر یہ افراد مذکورہ اپنے مخالف سے افضل ہوں تو حکم اس کے برعکس ہوگا خانیہ میں ہے اعرابی، نابینا، غلام اور ولدِزنا کی امامت جائز ہے اور ان کے علاوہ کی اولٰی ہے۔ علّامہ برجندی کی شرح نقایہ میں ہے کراہت سے مراد کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ اس بات کی تصریح زاہدی

[1] بحرالرائق باب الامامة مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۹، فتاوی اسعدیہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر ۱/۱۰

نوٹ: اس عبارت کے آخری حصہ یعنی ان وجد الخ میں تلخیص اور تبدیلی ہے تفصیل کے لئے دونوں کتابیں ملاحظہ ہوں۔ نذیر احمد

[2] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۱۴

[3] جامع الرموز فصل یجہر الامام مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۷۲-۱۷۳

[4] فتاوٰی قاضی خان فصل فیمن نصیح الاقتداء الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۴

[5] شرح النقایہ للعلامۃ البرجندی فصل یجہر الامام فی الجمعۃ الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۷

تنزیھیۃ کما فی البحر[1] در حاشیہ علّامہ سید احمد طحطاوی بر مراقی الفلاح از شرح علامہ سید محمد ازہری از علامہ سید احمد حموی است کراھۃ الاقتداء بالعبد وماعطف علیہ تنزیھیۃ ان وجد غیرھم والافلا[2] اھ باوصف ایں تصریحات جلیلہ بکراہت تحریم جائے زدن چنانکہ از دوملایان گنگوہی و غازی پوری برخلاف رشد امامت سرزدہ باطل محض است واصلے ندارد و کانھما اغترا باطلاق الکراھۃ فی الھدایۃ وغیرھا جاھلین بما صرح بہ الشراح فی خصوص المسألۃ وغیرھا من ان حمل المطلق علی المنع غیرکلیی بل کثیرا مایطلقون والمراد خصوص التنزیہ وربما یطلقون والمقصود الاعم اعنی مایشتمل النوعین الا تری انھم یسردون مکروھات الصلاۃ سردا ویدخلون الکل تحت قولھم کرہ وفیھا من کلا النوعین ولذاقال فی الدر المختار ھذہ تعم التنزیھیۃ التی مرجعھا خلاف الاولی فالفارق

نے کی، حاشیہ درر وغرر للعلامہ شرنبلالی میں ہے کہ ولد زنا کی امامت مکروہ ہے۔ میں کہتا ہوں اس سے کرہت تنزیہی مراد ہے جیسا کہ بحر میں ہے، مراقی الفلاح کے حاشیہ میں علامہ سید احمد طحطاوی نے شرح علامہ سید محمد ازہری سے اور انہوں نے علامہ سید احمد حموی کے حوالے سے لکھا کہ غلام اور اسکے دیگر معطوفات کی اقتداء کرنا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ ان کے علاوہ کوئی دوسرا لائقِ امت موجود ہو ورنہ مکروہ تنزیہی بھی نہیں اھ۔ان واضح تصریحات کے باوجود کراہت تحریم کے ساتھ فتوی جڑ دینا مناسب نہیں ہے جیسا کہ دو ۲ مُلّا حضرات گنگوہی اور غازی پوری سے درست امامت کے خلاف جو بیان سرزدہُواوُہ باطل محض ہے اس کی کوئی اصل نہیں، گویا انہوں نے ہدایہ وغیرہ میں کراہت کے اطلاق سے دھوکا کھایا اور خصوصًا اس مسئلہ اور اس جیسے دیگر مسائل کے تحت شارحین کی ان تصریحات سے جاہل رہے کہ مطلق کا منع پر محمول کرنا کُلی نہیں بلکہ اکثر اوقات مطلقًا کراہت ذکر کرتے اور مراد کراہت تنزیہی ہوتی ہے بہت دفعہ کراہت کو مطلقًا ذکر کرتے ہیں اور اس سے مقصود تحریمی اور تنزیہی دونوں کا عموم ہوتا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فقہاء جب مکروہاتِ نماز بیان کرتے ہیں تو تمام کو وہ لفظ "کرہ" کے عنوان کے تحت لاتے ہیں

[1] حاشیہ دُرر وغرر للعلامۃ الشرنبلالی فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادۃ مصر ۱/۸۶-۸۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ تجارت کتاب گھر کراچی ص ۱۶۴

الدلیل فان نہیا ظنی الثبوت ولاصارف فتحریمیة والا فتنزیھة [1] قال الشامی نقلا عن البحر المکروہ تنزیہا مرجعه الی ما ترکه اولی وکثیرا ما یطلقونه کما ذکرہ فی الحلیة فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلابد من النظر فی دلیله [2] الخ	حالانکہ ان میں دنوں نوعیت کے مکروہات ہوتے ہیں، اسی لئے دُرمختار میں کہا کہ یہ مکروہ تنزیہی کو شامل ہے جس کا انجام و مآل ترک اولیٰ ہوتا ہے، پس ان دونوں میں فرق دلیل کی بنیاد پر ہوگا، یعنی اگر دلیل کراہت وممانعت شرعی ہو جس کا ثبوت ظنی اور نہ ہی تحریم سے استحباب کی طرف پھیرنے والا کوئی امر ہو تو مکروہ تحریمی ورنہ تنزیہی اھ

امام شامی نے بحر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے مکروہِ تنزیہی کا مآل ترک اولیٰ ہوتا ہے اور اکثر اوقات اس کو مطلقاً ذکر کرتے ہیں، حلیہ میں اسی طرح مذکور ہے، لٰہذا جب فقہاء کسی مقام پر مکروہ کا تذکرہ کریں تو اس کی دلیل میں نظر غائر کرنا ہوتا ہے الخ (ت)

جواب سوال سوم: کراہت قوم اگر بلاوجہ شرعی ست چنانکہ امامت عالمی صالح رابسبب بعض منازعات دنیویہ خودشاں مکروہ دارند یا امامت عبد واعمی وامثالہمارا بانکہ افضل واعلم قوم باشند بد پندارند نگاہ کراہت ایشاں باشد ودرحق امامت اثرے ندارد، واگر بوجہ شرعی است چنانکہ امام فاسق یا مبتدع ست یا بحالِ عدم اعلمیت یکے ازاربعہ مذکورین اعنی عبدواعرابی وولدالزناواعمی است یا آنکہ درقوم کسے ست بوجہ مرجحات شرعیہ مثل زیادت علم وجودت قرأت وغیرہما احق واولیٰ ازوست دریں حالت ہیچوکس رابا وصف مکروہ داشتن قوم بامامت پیشش رفتن	**جواب سوال سوم:** اگر قوم کی کراہت شرعی عذر کے بغیر ہو جیسا صالح اور عالم کی امامت کو اپنے بعض دنیوی تنازعے کی وجہ سے مکروہ سمجھتے ہوں یا غلام، نابینا وغیرہ کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں حالانکہ وہ قوم سے افضل ہوں، تو ایسی صورت میں قوم کی اپنی ناپسندیدگی کوئی معنی نہیں رکھتی لٰہذا ان افراد کی امامت میں وہ اثر نہ ہوگی، اگر کراہت کسی شرعی عذر سے ہو مثلاً امام فاسق یا بدعتی ہو یا چار مذکور افراد غلام، اعرابی، ولدزنا اور نابینا دوسروں سے افضل واعلم نہ ہوں یا قوم میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس میں شرعی ترجیحات ہوں، مثلاً علم زیادہ رکھتا ہے، تجوید وقرأت کا ماہر ہے تو یہ خود امامت کے

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۲

ممنوع ومکروہ تحریمی ست، درمتن محقق غزی وشرح مدقق علائی ست ولوام قوما وھم لہ کارھون ان الکرھۃ لفساد فیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلک تحریما لحدیث ابوداؤد ولایقبل اللہ صلٰوۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون وان ھواحق لا والکرھۃ علیھم [1] درمراقی الفلاح علامہ شرنبلالی ازکتاب التجنیس والمزید للامام صاحب الہدایہ ست لو ام قوماوھم لہ کارھون فھو علی ثلثہ اوجہ ان کانت الکراھۃ لفساد فیہ اوکانوااحق بالامامۃ منہ یکرہ وان کان ھو احق بھا منھم ولافساد فیہ ومع ھذا یکرھونہ لایکرہ لہ التقدم لان الجاھل والفاسق یکرہ العالم والصالح [2]

اقول: تحقیق مقام آنست کہ اینجادوچیزست یکے فعل آنکس کہ بخودی خود بناگواری قوم پیش رفت وایشاں رامکروہانہ براقتدائے خودداشت دوم نماز راپس اوعلماء کہ درصورت مذکورہ حکم بکراہت تحریم فرمودہ اند براطلاق خودش ناظر بہ اول ست یعنی آنکس راایں چنیں کردن روانیست اگرمیکند

زیادہ لائق اور حقدار ہے ایسی صورت میں جس شخص کو امام بنانا قوم مکروہ جانے اس شخص کو امام بننا ممنوع اور مکروہ تحریمی ہے۔ محقق غزی کے متن اور شرح مدقق علائی میں ہے اگر کسی شخص نے قوم کی امامت کی حالانکہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اگر لوگوں کی نفرت امام کے اندر کسی خرابی کی بناپر ہو یا وہ لوگ بہ نسبت امام کے امامت کے زیادہ حقدار ہوں تو ایسی صورت میں اس شخص کا امام ہونا مکروہ تحریمی ہے اس کی دلیل حدیثِ ابوداؤد ہے جس میں فرمایا ہے: "اللہ تعالٰی اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جو لوگوں کا امام بنا حالانکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے"۔ اور اگر وہ امام ہی امامت کا زیادہ حق رکھتا ہو تو اس پر کراہت نہیں بلکہ لوگوں کا نفرت کرنا مکروہ ہوگا۔ علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید کے حوالے سے ذکر کیا ہے اگر کسی شخص نے قوم کی امامت کی حالانکہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اس کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر کراہت خود امام ہیں فساد کی وجہ سے ہو (۲) یا دوسرے لوگ اس سے امامت کے زیادہ حقدار اور لائق ہوں تو اس کا امام بننا مکروہ ہے (۳) اور اگر وہ امام ہی دوسروں سے زیادہ لائقِ امامت ہو اور بذاتِ خود اس میں کوئی فساد بھی نہ ہو اس کے باوجود لوگ اسے ناپسند کرتے

---

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۴

گناہگار می شود و نماز خود او خالی از ثواب رود وہذا معنی قولہم کرہ لہ ذلک ویکرہ لہ التقدم واماثانی پس تابع آں وجہ شرعی است کہ درآنکس حاصل وایناں رابروجہ حق بر کراہت حامل است کماعددناہ بعضہا آں وجہ حق اگر نماز موجب کراہت تحریم است کالفسق والبدعۃ وغیرھما نماز نیز مکروہ تحریمی باشد ورنہ مجرد تنزیہی کما فی العبد و نظرائہ الاتری انہم یصرحون بکراھۃ امامۃ ھؤلاء تنزیھا ویرسلون ذلک ارسالا ولایقیدونہ بتقدمھم برضی القوم بل یعللونہ بان فیہ تنفیر الجماعۃ وانما النفرۃ تنشؤعن کراھتھم ذلک فدل ان الصلاۃ لاتکرہ الا تنزیھا وان کان التقدم مکروھا لہ تحریما لانہم کارھون ولوان التنزیہ کان مقیدا برضاھم حتی لوکرھوا کرھت الصلاۃ ایضا تحریما لکانت کراھتھم التی نشأت عن وجہ شرعی ایضا عائدۃ علیہم بالوبال حیث وقعتھم فی ارتکاب ماثم لم یکن لولم تکن وھوکما تری و انماالعود علیہم فی کراھۃ لاعن مستند صحیح کماعلمت۔ بالجملہ موجب کراہت دوگونہ است یکے ذاتی کہ خود درآنکس وجہے باشد کہ شرعًا امامت او مطلقًا یادر جماعت حاضرہ ممنوع یاخلاف

ہوں تو اس کا امام ہونا مکروہ نہیں کیونکہ جاہل اور فاسق عالم اور صالح افراد کو ناپسند کرتے ہیں الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ یہاں دو۲ چیزیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی شخص خود بخود لوگوں کی نفرت کے باوجود آگے بڑھے اور لوگوں کو اپنی اقتدا میں نماز ادا کرنے پر مجبور کرے دوسری چیز ایسے امام کے پیچھے نماز کا معاملہ ہے، علماء نے صورتِ مذکور میں جو مکروہ تحریمی کا حکم لگایا ہے اس کا اطلاق پہلے کی طرف لوٹ رہا ہے یعنی اس شخص کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں، اگر اس نے ایسا کیا تو گناہگار ہوگا اور اسکی نماز ثواب سے خالی رہے گی فقہا کے ذکر کردہ الفاظ "کرہ لہ ذلک ویکرہ لہ التقدم" کا یہی معنی ہے دوسری چیز کہ اس شرعی وجہ کے تابع ہے جو اس آدمی میں حاصل ہے اور لوگوں کو کراہت پر بطریق حق راغب کرتی ہے جیسا کہ ہم نے اس میں بعض کا بیان کیا ہے اگر یہ وجہ نماز میں کراہتِ تحریمی کا موجب ہو مثلاً فسق اور بدعت وغیرہ تو نماز بھی مکروہِ تحریمی ہوگی ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔ جیسا غلام اور اس کے ہم مثل میں تنزیہی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ فقہا نے ان لوگوں کی امامت کے مکروہ تنزیہی ہونے پر تصریح کی ہے اور فقہا نے اس میں ارسال واطلاق سے کام لیا اور ان کے تقدم کو قوم کی رضا کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ اس کی علّت یہ بیان کی اس میں جماعت کو متنفر کرنا لازم آتا ہے اور نفرت ان کے ناپسند کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اب اس بات کو واضح کردیا کہ نماز صرف مکروہ تنزیہی ہوگی اگرچہ اس کا امام بننا مکروہ تحریمی تھا کیونکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے، اگر مکروہ تنزیہی

اولی بود چنانکہ امثلہ اش گزشتہ دوم خارجی وآں مکروہ پنداشتن قوم است مر تقدم اورا، باز ذاتی بر دو صنف است یکے لحق الشرع چوں فسق وابتداع وجہل، دوم لحق الغیر چوں حضور صاحب البیت یا امام الحہ یا قاضی یا سلطان کہ خلوہ بنکس از مزیتے کہ دیگرے دارد حامل بر کراہت شد ازیں کراہت ذاتی است ووجہ او مرعات حق غیر است پس گویاں ایں صنف برزخ است میان ذاتی وخارجی، ونسبت میان اینہا اعنی ہر دو قسم تقسیم اول عموم وخصوص من وجہ است، جائے ذاتی یافت شود نہ خارجی چوں رضائے قوم بتقدم غلامے عامی وجائے بالعکس چوں کراہت قوم تقدم عالمے تقی را بعداوت نفسانی وجاہا باہم آیند وتاثیر ذاتی در نفس نماز است واثر خارجی برذات امام یا قوم نہ بر نماز، ووقوع اثرش بر امام مشروط بوجہ اول ست ورنہ خود بر قوم باز گردد بخلاف اول کہ تاثیرش در نماز موقوف بر وجہ ثانی نیست، اگر قوم بتقدیم فاسق وولد الزنا وجاہل راضی شوند نماز از کراہت بری نشود ہمچناں اگر میہماناں برضائے خودشاں یکے از ایشاں را بامامت برگیرند بے رضائے صاحبِ خانہ کراہت نہ رود، وحکم اول متنوع بتحریم وتنزیہ است وحکم دوم در حق امام دائما تحریم دارد ومندفع میشود برضائے قوم لارتفاع العلۃ بخلاف اول کہ در صنف اول اور ضائے وعدم رضائے کسے را دخلے نیست لکونہ حقا للشرع المطہر آرے در صنف ثانی رضائے صاحبِ حق نافی کراہت شود گو رضائے دیگراں نباشد لقولہ صلی اللہ تعالٰی

ان کی رضا کے ساتھ مقید ہو حتّی کہ اگر وہ ناپسند کریں تو نماز بھی مکروہ تحریمی ہوگی، تو قوم کی وُہ کراہت جو کسی وجہ شرعی کی بنا پر پیدا ہوئی اس کا وبال بھی انھی پر ہوگا کیونکہ ایسا نہ ہوتا تو یہ گناہ بھی نہ ہوتا اور جیسا معاملہ آپ نے دیکھ لیا اور ان پر گناہ کا لوٹنا اس کراہت میں ہے جو مستند دلیل سے ثابت ہے۔ جیسا کہ آپ نے جان لیا۔ الغرض کراہت کا سبب دو طرح پر ہے، ایک ذاتی کہ اس شخص کے اندر ایسی بات پائی جاتی ہو کہ اس کی امامت مطلقًا یا جماعت حاضرہ میں ممنوع یا خلافِ اولٰی ہو، جیسا کہ اس کی مثالیں گزریں۔ دوم سبب خارجی ہے وہ یہ کہ قوم خاص اس کے امام بننے کو ناپسند جانتی ہو پھر ذاتی کی دو صورتیں ہیں ایک حق شرع کی بنا پر مثلاً فاسق ہونا، بدعتی ہونا اور جاہل ہونا۔ دوم غیر کے حق کی وجہ سے مثلاً صاحب خانہ، امام محلّہ، قاضی یا سلطان کا موجود ہونا، کیونکہ اس صورت میں یہ شخص اس اضافی چیز سے خالی ہے جو دوسرے میں ہے لہٰذا اس وجہ سے کراہت آئے گی اس وجہ سے یہ ذاتی ہے اور اس کی وجہ حق غیر کی رعایت ہے گویا یہ قسم ذاتی اور خارجی کے درمیان برزخ کی طرح ہے، اور تقسیم اول کی دو ۲ اقسام کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے، ایک جگہ ذاتی ہو خارجی نہ ہو مثلاً قوم کا عام غلام کے تقدم پر راضی ہونا، اور دوسری جگہ اس کا عکس ہے مثلاً قوم کا عداوتِ نفسانی کی وجہ سے متقی عالم کے تقدم کو ناپسند کرنا، اور بعض مقامات پر ان دونوں کا

علیہ وسلم الا باذنہ[1] وفی ردالمحتار عن التتارخانیہ اضیاف فی دار یرید ان یتقدم احدہم ینبغی ان یتقدم المالك فان قدم واحدا منهم لعلمه وکبره فهوافضل[2] الخ اغتنم هذا التحریر فلعلك لاتجده هذه التحبیر غیر هذا التحریر پس اعمی مثلاً اعلم قوم نباشد و قوم هم بتقدیم او راضی نے انگاه تقدم مراورامکروه تحریمی بود و نماز پس او مکروه تنزیهی واگر قوم بتقدیم او راضی شود کراهت اولی مرتفع شود وثانیه باقی واگر اعلم قوم است پس بحال رضا رضائے قوم ہیچ کراہتے نیست وحال کراہت خود برکاہین است وامام وامامت بری مثله فی ذلك نظرائه الثلثة علی مابحثه فی البحر واختاره فی الدر وقد ثبت منصوصاً فی الاختیار وغیره کما مر وان خالفه فی النهر فلیس مع النص لا حد مقال والله تعالٰی اعلم بحقیقة الحال۔

اجتماع ہوتا ہے، ذاتی کا اثر نماز پر پڑتا ہے، خارجی کا اثر ذاتِ امام یا قوم پر ہوگا نماز پر نہیں خارجی کا وقوعِ اثر امام پر وجودِ اول سے مشروط ہے ورنہ خود قوم پر اثر لوٹ جائے گا۔ بخلاف پہلی (یعنی ذاتی) کے کہ اس کی تاثیر نماز پر وجہ ثانی پر موقوف نہیں، اگر کوئی قوم فاسق یا جاہل ولدالزنا کے تقدم پر راضی ہوجاتی ہے تو نماز کراہت سے بری (خالی) نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر مہمان صاحبِ خانہ کی رضا کے بغیر اپنے میں سے کسی ایک کو امام بنائیں تو کراہت ختم نہ ہوگی ۔پہلی صنف کا حکم تحریم وتنزیہی پر منقسم ہے اور دوسری صنف امام کے حق میں دائما تحریم کا حکم ہے اور قوم کی رضامندی پر یہ حکم مرفوع ہوگا کیونکہ اس صورت میں قوم کی رضامندی سے علت ختم ہوجائے گی۔ بخلاف پہلی صنف کے کہ اس میں کسی کی رضا یا عدم رضا کے دخل نہیں کیونکہ وہ شریعت مطہرہ کا حق ہے، ہاں دوسری صنف میں صاحبِ حق کی رضا کراہت کے منافی ہوجائیگی اگرچہ دیگر لوگ راضی نہ ہوں، کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اس کے اذن سے امام ہوسکتا ہے۔

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے کہ کسی گھر میں اگر مہمان کسی کو امام بنانا چاہیں تو مناسب یہی ہے کہ صاحب خانہ کو امام بنایا جائے، اگر صاحب خانہ ان میں سے کسی کو علم یا بزرگی کی بنا پر امام بنائے تو افضل ہے الخ۔ پس اسی تفصیلی گفتگو کو غنیمت جان، کیونکہ اس تحریر کے علاوہ اس مسئلہ سے متعلق تفصیلی گفتگو کہیں نہیں ملے گی، پھر نابینا مثلاً جو قوم سے زیادہ عالم نہ ہو اور قوم اس کے تقدم پر راضی نہ ہو تو اس کا امام بننا مکروہ تحریمی ہوگا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہوگی، اگر قوم اس کے تقدم پر راضی ہو تو پہلی کراہت ساقط دوسری باقی رہے گی۔ اور اگر قوم سے زیادہ عالم ہو تو قوم کی رضا کی صورت میں کوئی کراہت نہ ہوگی، اگر قوم ناپسند

[1] جامع الترمذی باب من احق بالامامة مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۲

[2] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۱۳

کرتی ہو تو کراہت ان لوگوں پر ہوئی جو ناپسند کر رہے ہیں اور امام اور امامت دونوں اس (کراہت) سے بری ہوں گے، باقی تینوں کا بھی یہی حکم ہے جیساکہ بحر میں بیان کیا، اور درمختار میں اسے پسند کیا ہے، اور اختیار وغیرہ میں اس پر نص موجود ہے جیسا گزرا، اگرچہ نہر میں اس کی مخالفت ہے مگر نص کے مقابل کسی کا قول نہیں چل سکتا ور اللہ تعالٰی حقیقتِ حال سے زیادہ آگاہ ہے (ت)

جواب سوال چہارم: اگر امام الحہ از وجوہ خلل خالی است ہموں اولی است مگر درحضرت سلطان مسلمین و قاضی شرع ووالی اسلام کہ اینان رابرو تقدیم ست فی الدرالمختار. اعلم ان صاحب البیت ومثله امام المسجد الراتب اولی بالامامة من غیرہ مطلقاالاان یکون معه سلطان اوقاض فیقدم علیه لعموم ولایتهماوصرح الحدادی بتقدیم الوالی علی الراتب[1] اھ قال العلامة الطحطاوی فی حاشیة المراقی قال فی البنایة هذا فی الزمن الماضی لان الولاة کانو علماء وغالبهم کانواصلحاء واما فی زماننا فاکثرالولاة ظلمة جهلة[2] اھ ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه **اقول:** نعم ولکن الفتنة اکبرمن القتل فبلی ان رضوا بتقدیم غیرهم فلا کلام وان کانو علماء صلحاء کما اذا اذن صاحب البیت لغیرہ واللہ تعالٰی اعلم اھ ماکتبت علیه	جواب سوال چہارم اگر محلّہ کا امام اسباب و وجوہِ خلل سے خالی ہو تو اسی کا امام بننا بہتر ہے مگر اس صورت میں جب مسلمانوں کا حاکم، قاضی شرع اور والیِ اسلام موجود ہوں کیونکہ ان حضرات کو امامِ محلّہ پر تقدیم کا حق حاصل ہے۔ دُرمختار میں ہے، واضح رہے کہ صاحبِ خانہ اور اسی طرح مسجد کا مقررہ امام امامت کے لئے ہر حال میں دوسرے لوگوں سے اولٰی مگر اس صورت میں کہ جب صاحب خانہ یا امامِ معیّن کے ساتھ سلطان یا قاضی ہو تو بادشاہ اور قاضی کے تصرف وولایت کے عام ہونے کی وجہ سے ان کو مقدم کیا جائیگا اور حدادی نے والی کو امام معیّن پر مقدم کرنے کی تصریح کی ہے اھ۔ اور علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی میں فرمایا بنایہ میں ہے یہ حکم زمانہ ماضی میں تھا کیونکہ حکمران (اصحابِ اختیار) علماء اور صلحاء ہوتے تھے، ہمارے دور میں والی اکثر ظالم اور جاہل ہیں اھ مجھے یاد آرہا ہے اس پر میں نے حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ ٹھیک ہے لیکن فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے، ہاں اگر

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۳

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ خود کسی کو امام بنانے پر رضامند ہوں تو کوئی کلام ہی نہیں، اگرچہ یہ حضرات خود علماء و صلحاء ہی ہوں جیسا کہ صاحبِ خانہ اگر اپنے غیر کو اجازت دے دے تو کوئی اعتراض نہیں واللہ تعالٰی اعلم اھ میرا حاشیہ ختم ہوا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔

مسئلہ ۶۱۳: مرسلہ حافظ مولوی امیر اللہ صاحب ۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حفظ قرآن شریف کیا اور عمر اس کی تقریبًا ۱۵ برس کی ہے یعنی ۳ ماہ کم ہیں اور احتلام نہ ہونا ظاہر کرتا ہے وللاکثر حکم الکل (اور اکثر کے لئے کُل کا حکم ہوتا ہے۔ت) حدِ بلوغ میں داخل ہو کر امامتِ تراویح بغرض ختم قرآن رجال کی کرا سکتا ہے، اور بالغین کی در صورت عدم بلوغ امامت تراویح کرا سکتا ہے مثلاً زید مذکور کے ولی نے کسی حافظ بالغ کو نوکر رکھا اور بعد کہا کہ اس نابالغ کا قرآن شریف تراویح میں سن اس اجیر نے بوجہ اقتدا اس نابالغ کے قصد کیا کہ میں تراویح کا اعادہ کروں گا اس حیلہ سے اس فاعل پر کوئی کراہت ہے یا نہیں، اکثر نابالغین امامتِ تراویح حسبِ تجویزِ مشائخِ بلخ کرتے ہیں در صورت عدم جواز کیا ان کا حکم یعنی اُن رجال کا جو تراویح باقتدائے نابالغ ادا کریں اعادہ ہے یا نہیں؟ در صورت اعادہ ان پر کوئی اساءت ہے یا نہیں؟ خصوصًا یہ مقتدی حافظ ہو کر جماعت نابالغ کرے بوجہ استاد ہونے کے اور اعادہ کرے تو اسپر کیا ہجنت وقباحت؟

الجواب:

جبکہ ہنوز پندرہ سال کامل نہیں اور وُہ احتلام نہ ہونا ظاہر کرتا ہے تو اس کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں قول اس کا واجب القبول ہے اور تحدیدات میں وللاکثر حکم الکل نہیں کہہ سکتے ورنہ تحدید باطل ہو جائے اور آٹھ برس میں بھی حکم بلوغ ہو کہ پندرہ کا اکثر وہ بھی ہے غرض پورے تمام پندرہ درکار ہیں ایک دن بھی کم ہو تو بے اقرار یا ظہور آثار حکم بلوغ نہیں ہو سکتا۔

فی الدرالمختار فان لم یوجد فیھما شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی[1]۔	درمختار میں ہے اگر دونوں (یعنی لڑکا اور لڑکی) میں کوئی علامت نہ پائی جائے تو ہر ایک کے لئے پندرہ سال عمر کا کامل ہونا ضروری ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

نابالغوں کی امامتِ تراویح تو درکنار، فرائض بھی کر سکتا ہے،

فی ردالمحتار غیر البالغ فان کان	ردالمحتار میں ہے غیر بالغ اگر مذکر ہو تو اس کی امامت

[1] درمختار فصل ب لوغ الغلام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

ذکرا تصح امامته لمثله من ذکر وانثی وخنثی[1]۔	درست ہے یعنی اس کا اپنے ہم مثل مذکر، مونث اور خسرہ کا امام بننا درست ہے(ت)۔

مگر بالغوں کی امامت مذہب اصح میں مطلقاً نہیں کرسکتا حتی کہ تراویح ونافلہ میں بھی۔

فی ردالمحتار لایصح اقتداء الرجل بصبی مطلقا ولو فی نفل علی الاصح[2]۔	ردالمحتار میں ہے اصح قول کے مطابق بالغ مرد کا بچّے کی اقتداء کرنا ہر حال میں درست نہیں اگرچہ نفل ہوں (ت)

ہدایہ میں ہے:

المختار انه لایجوز فی الصلوات کلها[3]۔	مختار قول یہ ہے کہ سب نمازوں میں اس کی امامت درست نہیں۔(ت)

اس حافظ بالغ پر اس حیلہ میں بربنائے مذہب اصح ضرور کراہت ہے لاشتغاله بما لایصح (بسبب ایسے عمل میں مشغول ہونے کے جو صحیح نہیں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

صلاة العید فی القری تکره تحریما ای لانه اشتغال بما لایصح[4]۔	دیہاتوں میں عید ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل میں مصروف ہونا ہے جو نادرست ہے(ت)

مذہب اصح میں ان بالغین پر اعادہ میں اساءت کیا ہوتی بلکہ ترک اعادہ میں اساءت ہے استاذ غیر استاذ سب اس حکم میں برابر ہیں، ہاں اگر حافظ صحیح خواں سوا نابالغ کے نہ ملتا ہو تو باتباعِ مشائخ بلخ سنّت ختم حاصل کرلیں فان الاداء علی قول خیرمن الترک مطلقا (کیونکہ ایک قول کے مطابق ادا کرنا مطلقاً ترک کرنے سے بہتر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

الاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیة وغیرها[5]۔	بعض کے نزدیک جائز ادا، ترک سے اولیٰ ہے، جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے۔(ت)

پھر مناسب یہ ہے کہ بلحاظِ مذہب اصح اعادہ تراویح کرلیں لیحصل الاحتیاط بالمقدر المیسور (تاکہ بقدر

---
[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۷
[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۴
[3] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۰۳
[4] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴
[5] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

آسانی احتیاط حاصل ہوجائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۱۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ' ہندہ زید کی بیوی کچھ روز علیحدہ رہی اب اس نے زید کو چھوڑ کر بکر سے نکاح کرناچاہااور اب ہندہ زید کے پاس جاکر دوچار روز رہی اس سے طلاق نامہ لکھوالائی اس جگہ کے جو صاحب پیش امام ہیں اور وہی قاضی بھی ہیں ان کو طلاق نامہ دکھایا پیش امام صاحب نے خود بھی پڑھااور لوگوں نے بھی پڑھ کر پیش امام صاحب کو سنایااور سب نے مع مادر ہندہ پیش امام صاحب سے کہاجب تک عدت کے دن پورے نہ ہوں نکاح نہیں ہوسکتا پیش امام صاحب نے فرمایا کہ تم لوگ نہیں جانتے ہو ضرور نکاح ہوجائے گا۔ چنانچہ رات کو مولوی صاحب پیش امام نے بکر کے خود گھر جاکر نکاح پڑھادیا بلکہ ہندہ کی والدہ اس نکاح میں بلانے سے بھی نہیں آئی نکاح بطمع نفسانی پڑھایاگیااور پہلے بھی اس قسم کے دوچار نکاح امام صاحب اور پڑھ چکے ہیں۔امام صاحب مولوی ہیں اور اکثر اس قسم کے فتوے بھی دیتے رہتے ہیں۔ ۲مسجد کے اندر بوجہ پمپ ہونے کے پانی کی کثرت ہے بازار اور محلّہ کے آدمی اپنے گھروں کے کپڑے دھوتے ہیں پاک ناپاک چھینٹیں مسجد کے گھڑے لوٹے فرشِ مسجد پر پڑتی ہیں دوسرا آدمی کپڑے دھونے والوں کو منع کرتا ہے تو مولوی صاحب منع کرنے والے کو برا کہتے ہیں اور مارنے کو اُس آدمی کے آمادہ ہوتے ہیں مسجد میں روزمرّہ دھوبی گھاٹ رہتا ہے اکثر لوگ مسجد کے اندر خط یعنی حجامت بھی بنواتے ہیں مگر مولوی صاحب کسی کے مانع نہیں آتے، ۳ دو برس سے مولوی صاحب اس مسجد میں مقرر ہیں چار مہینے اس جگہ رہتے ہیں باقی آٹھ ماہ باہر اور شہروں میں وعظ کہتے ہیں اور اپنی اوگھائی کرتے ہیں غرض یہاں سے بھی اپنی تنخواہ سال تمام کی لیتے ہیں۔ جو کوئی ان سے کہتا ہے کہ مولوی صاحب پیچھے آپ کے یہاں پر نماز پڑھانے والا میسر نہیں آتا ہم لوگوں کو بہت تکلیف ہوتی تو فرماتے ہیں ہم تو ایسے ہی رہیں گے اس مسجد کی تنخواہ میں پشم پر مارتا ہوں۔ ۴اور جن لوگوں کی عورتیں باہر کی پھرنے والی ہیں اُن کو مولوی صاحب نماز پڑھانے کی اجازت فرماتے ہیں۔ فقط، جواب سے مشرف فرمائیے۔

الجواب:

جس شخص کے وہ حالات وعادات واقوال وافعال ہوں وہ نرا فاسق ہی نہیں بلکہ کھلا گمراہ بددین ہے۔ عدّت کے اندر نکاح ناجائز وحرام قطعی ہے جس کی حرمت پر خود عظیم ناطق:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے وہ عورتیں جو مطلقہ ہوجائیں وُہ اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔(ت)

مسلمانوں پر فرض ہے کہ اُس کو مسجد سے معزول کریں، اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز کم از کم سخت

[1] القرآن ۲/ ۲۲۸

مکروہ، جب اس کے فسق وبیباکی کی یہ حالت ہے توکیا اعتبار کے بے وضو نماز پڑھادیتاہو یا جاڑے کے دنوں میں خواہ ویسے ہی نہانے کی کاہلی سے بے نہائے امامت کرلیتاہو ،آخر بے غسل کے نماز پڑھنا عدت میں نکاح جائز کردینے سے زیادہ نہیں ہے۔غنیہ شرح منیہ میں ہے:

انھم لوقدموا فاسقایاثمون بناء علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساھله فی الاتیان بلوازمه فلایبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل بماینا فیھا بل ھو غالب بالنظر الی فسقه ولذا لم تجز الصلٰوۃ خلفه اصلا عند مالك وھوروایة عن احمد[1] ۔	کیونکہ اگر لوگوں نے کسی فاسق کو مقدم (امام) کردیا تواس بناپر گنہ گار ہوں گے کہ اس تقدیم کی کراہت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ امورِ دینیہ میں لاپرواہی برتتا ہے اور امورِ دینیہ کے تقاضوں اور لوازمات کو پُورا کرنے میں تساہل سے کام لیتا ہے، بعید نہیں کہ وہ نماز کے بعض شرائط کو خالی چھوڑنے کاارتکاب کرتاہو اور نماز کے منافی بعض اعمال بجالاتاہو ،بلکہ اس کے فسق کے پیش نظر ایسا کرنا غالب گمان ہے اسی لئے امام مالک کے نزدیک اس کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں۔امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یوں ہی ہے(ت)

اور خود معاملہ نماز میں اس کی بیباکی اور طہارت نجاست سے بے پروائی اُسی بیان سے ظاہر جو سائل نے لکھے کہ ناپاک کپڑے مسجد میں دھونے والوں کو منع نہیں کرتا بلکہ منع کرنے کو بُرا کہتاہے اور لڑنے پر آمادہ ہوتا ہے تو جس کی یہ حالت ہے اس کے پیچھے نماز کی اصلاً اجازت نہیں ہوسکتی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱۵: از بنارس محلّہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی متصل شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۰ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر بنارس میں ایک مسجد متصل کچہری دیوانی جس میں نماز وقتیہ وجمعہ ہوتا ہے، عرصہ دراز سے ایک جلسہ بایمائے حاکم ضلع بغرض انہدام مسجد مذکور اہل اسلام نے کیا منجملہ اور باتوں کے بیان کیاگیاکہ مسجد کا کھودنا بمعاوضہ مکان دیگر ازروئے کتب فقہ جائز ہے تو یہ مسجد کھود ڈالی جائے بعوض اس کے دوسری مسجد سرکار کی جانب سے تیار کردی جائے حالانکہ مسجد کا کھودنا ازروئے فقہ جائز نہیں ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

لوکان مسجد فی محلة ضاق علی اھله ولایسعھم ان یزید وافیه فسألھم بعض	اگر محلّہ کی مسجد اہل محلّہ پر تنگ ہوگئی ہو اور وہ لوگ اس میں کشادگی نہ کرسکتے ہوں تواس مسئلہ کے متعلق بعض

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

الجیران ان یجعلوا ذٰلك المسجد له لید خله فی دارہ ویعطیهم مکانه عوضا ماهو خیرله فیسع فیه اهل المحلة قال محمد رحمه الله تعالٰی لایسعهم ذٰلك [1]۔	پڑوسی یہ کہتے ہوں کہ مسجد کو ان میں سے کوئی ایک حاصل کرے اور اپنے گھر میں شامل کرے اور اس کے عوض متبادل بہتر جگہ مسجد کے لئے خریدے تاکہ اہل محلّہ مسجد میں کشادگی حاصل کرسکیں۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا کرنا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔(ت)

اُس جلسہ میں بعض وہ شریک تھے جو بنارس کے مولوی صاحب کہلاتے ہیں انھوں نے معلوم نہیں کس غرض سے مسجد مذکور کے کھودنے کے واسطے رائے دی اور دستخط بھی کئے بلکہ مولوی صاحب موصوف سے لوگوں نے دریافت کیا تو مولوی صاحب نے جواب دیا کھودنے کے واسطے رائے نہ دیتا تو کیا بیڑیاں پیروں میں ڈالتا، حالت اکراہ میں تو دو خدا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینا جائز ہیں۔حالانکہ کسی قسم کا اکراہ حاکمِ ضلع کی جانب سے نہ تھا صرف اہلِ اسلام سے امر مذکور الصدر میں رائے طلب کی گئی تھی، مولوی صاحب نے اکراہ کو قُطِعَ اَوْقُتِلَ کے ساتھ مقید نہیں کیا اور نہ توریہ کو کہا جس کی قید کتبِ فقہ میں ہے۔الغرض ایسی ایسی باتیں مولوی صاحب نے بیان کیں جس سے عوام کے گمراہ ہوجانے کا خیال ہے۔حنفیوں پر اکثر طعنے بھی مخالفین کے ہونے لگے کہ تمھارے یہاں ایسے ایسے گندے مسائل ہیں۔مولوی صاحب کو امام نماز کا ازروئے شرع و مصلحت بنانا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

یہ شخص بنص قطعی قرآن شریف فاسق وفاجر ہے۔قال اللہ تعالٰی :

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ [2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو باز رکھے خدا کی مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا لئے جانے سے اور کوشش کرے ان کی ویرانی میں۔

عذر اکراہ محض جھوٹا ہے، جو کمیٹیاں رائے زنی کے لئے مقرر کی جاتی ہیں ہرگز حکّام کی طرف سے گلے میں چھری نہیں رکھی جاتی کہ اگر تم نے یوں رائے نہ دی تو قتل کردیئے جاؤگے یا زبان کاٹ لی جائے گی یا ہاتھ قلم کردیئے جائیں گے، بلکہ رائے زنی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہر شخص آزادانہ اپنی رائے ظاہر کرے۔ہاں دنیا پرست جیفہ خور خوشامد میں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] القرآن ۲/ ۱۱۴

آکر دین وایمان گنوا کر حکّام پر جبر واکراہ کا طوفان اٹھا کر بحیلہ کاذبہ اکراہ چاہیں مسجد ڈھائیں چاہے خدا اور رسول کو گالیاں سنائیں چاہے دو کے آتے تین گائیں وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ [1] (عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) ایسے لوگ نہ عنداللہ معذور ہوسکتے ہیں نہ عندالحکام مجبور۔

مبادا دل آں فرومایہ شاد

کہ از بہر دنیا دہد دیں بباد

(اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو جو دنیا کی خاطر دین کو ہوا کے حوالے کردیتا ہے۔ت)

خردمند انصاف پسند حاکموں کی نگاہ میں بھی دین فروش نہایت ذلیل وخوار ہوتا ہے کہ جس نے ذرا سی خوشامد کے لئے دین جیسی عزیز چیز کو خیر باد کہا اس سے جو پا جائے تھوڑا ہے، جس نے ادنٰی طمع کے واسطے حاکم حقیقی جل جلالہ، سے روگردانی کی اس حاکم دنیوی کے ساتھ خیر خواہی کی توقع کیا ہے خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۝ [2] (دنیا وآخرت کا گھاٹا یہی صریح نقصان ہے۔ت) اور مسئلہ اکراہ یوں بے قید الفاظ جو خدا اور رسول کی جانب منہ بھر کر اس شخص نے کہے وہ بھی اسکے سوئے ادب وقلّتِ دین پر دال ہیں شرع مطہر میں خوفِ جان کے وقت بھی حکم عزیمت یہی ہے کہ کسی طرح اصلًا کلمہ کفر زبان سے نہ نکالے اور رخصت یہ کہ حتی الامکان توریہ کر کے پہلودار بات سے جان بچائیں، اگر توریہ پر قادر تھا اور اسے چھوڑ کر صریح کلمہ کفر بولا قطعًا یقینا کافر ہوجائے گا، دُرمختار میں ہے:

ان اکرہ علی الکفر باللہ تعالٰی اوبسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقطع اوقتل رخص لہ ان یظہر ما امر بہ علی لسانہ ویوری وقلبہ مطمئن بالایمان ،وان خطر ببالہ التوریۃ ولم یورکفرو بانت دیانۃ وقضاء نوازل وجلالیۃ ویوجر لوصبر لترکہ الاجراء المحرم [3] الخ باختصار۔	اگر کسی کو مجبور کردیا گیا کہ وہ اللہ تعالٰی کے ساتھ معاذاللہ کفر کرے یا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذ اللہ گالی دے ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے گا تو اسے اجازت ہے کہ زبان پر ایسے کلمات کو جاری کردے جن کا مطالبہ کیا گیا ہو لیکن توریہ (یعنی حتی الامکان پہلودار بات کے ذریعے جان بچائے) سے کام لے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن اور قائم رہے اور اگر اس کے دل میں توریہ کا خیال آیا مگر اس نے توریہ نہ کیا تو وہ کافر ہوجائے گا اور اس کی عورت قضاءً و

[1] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن ۲۲/ ۱۱

[3] درمختار کتاب الاکراہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

دیانةً بائنہ ہوجائیگی نوازل اور جلالیہ۔اور اگر صبر وہمت سے کام لے تواجر پائے گا کیونکہ اس نے حرام کام کے ارتکاب کاترک کیا ہے الخ اختصارًا(ت)ایسے شدید فاسق کو افضل الاعمال نماز و مناجات بارگاہِ بے نیاز میں اپناامام بنانا سخت حماقت اور دین میں بے احتیاطی وجرأت ہے،جب وہ ادنٰی طمع یا خوشامد کے لئے مسجد ڈھانے کے لئے موجود ہے تو ادنٰی تکلیف یا کاہلی کے باعث بے نہائے یا بے وضو نماز پڑھاتے اسے کیا لگتا ہے،ایسے کوامام بنانے والے گناہگار ہوں گے،مسلمانوں کو چاہئے ہر گزہر گزاس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔اگر ناواقفی میں پڑھ لی تواعادہ کریں۔غنیہ شرح منیہ میں ہے:

لو قدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراہة تقدیمه کراہة تحریم لعدم اعتنائه بامور دینه وتساھله فی الاتیان بلوازمه فلا یبعد منه الاخلال ببعض شروط الصلوٰة وفعل ما ینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقه۔[1]	اگرلوگوں نے فاسق کوامام بنادیا تواس بناپر گناہگار ہوں گے کہ ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ فاسق امور دینیہ میں لاپروائی برتتا ہے اور دین کے لوازمات کو بجالانے میں سستی کرتاہے۔پس ایسے شخص سے یہ بعید نہیں کہ وہ نماز کے بعض شرائط چھوڑ دے اور نماز کے منافی عمل کو بجالائے،بلکہ ایسا کرنا اس کے فسق کے پیشِ نظر اغلب ہے۔(ت)

امام بنانا درکنار،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:"ایسے کی صحبت سے دور بھاگو،اُسے اپنے سے دُور رکھو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دے،فتنہ میں نہ ڈال دے"۔صحیح مسلم شریف میں ہے:ایاکم ایاھم لایضلّونکم ولا یفتنونکم[2] (تم اپنے آپ کوان فساق سے بچاؤتاکہ وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں اور فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ت)اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت و توفیق بخشے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۱۶: از ملک اپر برہما چھاؤنی مٹکینہ مرسلہ حاجی ہادی یار خان ۶صفر ۱۳۶۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیانِ دین اس مسئلہ میں کہ اس ملک میں رسم ہے کہ عورتیں بازار میں دُکان کرتی ہیں اور باہر نکلتی ہیں سر کھول کر،اور بجائے پاجامہ کے تہبند باندھتی ہیں،چلنے میں ان کا جسم ران تک معلوم ہوتا ہے مردوں کو،اور مرداُن کو منع نہیں کرتے،اور جب ان کے شوہروں سے کہا گیاکہ شرع کے

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۰

خلاف ہے ایسی عورتوں سے پرہیز کرو۔ تو وہ کہتے ہیں ہم جوان ہیں جب ہم کو شہوت ہوتی ہے تو ہم کیا کریں نکاح پڑھا لیتے ہیں۔ اور وہاں اکثر آدمی اسی کے موافق پڑے ہوئے ہیں جن عورتوں کا ذکر ہو چکا اس کے پیچھے نماز اور امامت اس آدمی کی کیسی ہے؟

الجواب: ران کھولنا حرام ہے، اور اس آزاد عورت کو سر کھولنا بھی حرام ہے۔ وہ عورتیں ان حرکات کی وجہ سے فاسقہ ہیں اور شوہر پر فرض ہے کہ اپنی عورت کو فسق سے روکے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا [1]۔	اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ [2]۔	تم سب اپنے متعلقین کے سردار وحاکم ہو اور ہر حاکم سے روزِ قیامت اس کی رعیت کے باب میں سوال ہوگا۔

تو یہ مرد کہ انھیں منع نہیں کرتے خود فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے۔ غنیہ میں ہے:

لوقدمو فاسقا یاثمون [3]۔	اگر لوگوں نے فاسق کو امام بنایا تو وہ گنہ گار ہوں گے (ت)

بلکہ جب اس کی عورت بازار میں ران کھولے پھرتی ہے اور وہ منع نہیں کرتا تو دیوّث ہے۔

فی الدرالمختار دیوث من لا یغار علی امرأتہ او محرمہ [4]۔	دُرمختار میں ہے کہ وہ شخص دیوّث ہوتا ہے جو اپنی بیوی اور کسی محرم پر غیرت نہ کھائے۔ (ت)

ہاں اگر یہ منع کرے روکے جس قدر اپنی قدرت اس رسم شنیع کے مٹانے سے ہے صرف کرے اور پھر عورت نہ مانے تو مرد پر الزام نہ رہے گا، قال اللہ تعالٰی: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى [5] (کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۶۶/۶

[2] صحیح بخاری باب الجمعۃ فی القری والمدن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۲۲

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[4] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۸

[5] القرآن ۶/۱۶۴

مسئلہ ۶۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہے اور وہ کارہائے مندرجہ ذیل سے روزی پیدا کرتا ہے: مُردہ نہلانا اس کی اجرت لینا، سوم میں قرآن مجید پڑھنا اور ناخواندہ لوگوں سے قرآن مجید پڑھوانا اور اس کی اجرت لینا، مُردے کے کپڑے وغیرہ لینا اور فروخت کرنا، اور سود کھانا خفیہ طور سے۔ اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا ناجائز؟ اور دوسرا شخص جس کو عام لوگ جانتے ہیں کہ اس کی روزی ناجائز ہے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سُود لینا گناہ کبیرہ ہے، یوں ہی جس ناجائز طریقہ سے روزی حاصل کی جائے وہ یا تو سرے سے خود ہی کبیرہ ہوگا یا بعد عادت کے کبیرہ ہو جائے گا۔ ناخواندہ لوگوں سے پڑھوا کر اُجرت لیتا ہے کے معنی سائل نے یہ بیان کیا کہ بے پڑھوں کو بلالاتا ہے اور براہِ فریب اُن کی قرآن خوانی ظاہر کرکے اُجرت لیتا ہے یہ صورت خود کبیرہ کی ہے اور تلاوتِ قرآن کریم پر اُجرت لینا ہی ناجائز ہے کما حققه السید المحقق الشامی فی ردالمحتار وشفاء العلیل (جیسا کہ سیّد محقق شامی نے ردالمحتار اور شفاء العلیل میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ت) اور مردے کو نہلانے یا اٹھانے یا قبر کھودنے کی اُجرت لینے میں دو صورتیں ہیں اگر یہ فعل اسی شخص پر موقوف نہ ہو اور لوگ بھی ہیں کہ یہ نہ کرے تو وہ کرسکتے ہیں جب تو اُن پر اجرت لینی جائز ہے اور اگر خاص یہی شخص یا جنازہ اُٹھانے کو یہی دو چار اشخاص ہیں کہ یہ نہ کریں تو کام نہ ہوگا اُجرت لینی حرام ہے،

فی الھندیة عن الخلاصة رجل استاجر قوما یحملون جنازة اویغسلون میتا ان کان فی موضع لایجد من یغسله غیرھؤلاء فلا اجرلھم وان کان ثمة اناس فلھم الاجروحفرالحفار علی ھذا وفی موضع لااجرھم لواخذوا الاجرلایطیب لھم[1]۔	ہندیہ میں خلاصہ سے ہے کہ ایک آدمی نے کچھ لوگوں کو جنازہ اُٹھانے یا میّت کو غسل دینے کے لئے کرایہ پر حاصل کیا اگر تو وُہ ایسی جگہ ہے جہاں ان کے علاوہ اور کوئی دوسرا غسل دینے والا نہیں اور نہ ہی جنازہ اٹھانے والا کوئی ہے تو ان کے لئے کوئی کرایہ لینا روا نہیں ہے، اور اگر وہاں دوسرے لوگ ہیں تو پھر ان کے لئے کرایہ لینا جائز ہے۔ قبر کھودنے والے کا معاملہ بھی یہی ہے اگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں کرایہ لینا ان کے لئے جائز نہ تھا اور انہوں نے کرایہ لے لیا تو یہ ان کے لئے اچھا کام نہیں ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی مسائل الشیوع الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۲

اور مردے کے کپڑے وغیرہ بہ نیت تصدّق دے دیئے جاتے ہیں اگر یہ لینے والا محتاج ہے یا غنی ہے اور دینے والے کو اس کا غنی ہونا معلوم ہے یا وہاں بطورِ رسم امامِ نماز یا ملّائے مسجد کو یہ چیزیں دی جاتی ہیں خواہ محتاج ہو یا نہیں تو لینا جائز ہے اگرچہ غنی کے لئے کراہت سے خالی نہیں، اور اگر یہ شخص غنی ہے اور دینے والا محتاج کو دینا چاہتا ہے اور اس نے اپنے آپ کو محتاج جتا کر اُس سے لے لئے تو حرام ہے۔

کمالایخفی وقد نبه فی الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة علی ادق من هذا۔ جیسا	کہ مخفی نہیں کہ اور حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اس سے بھی بڑھ کر سخت تنبیہ ہے۔(ت)

اور گناہ کبیرہ خواہ ابتداءً کبیرہ ہو یا بعد عادت کبیرہ ہو جائے موجب فسق ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اسے امام بنانا گناہ ہے کما حققه المحقق الحلبی فی الغنیة (جیسا کہ محقق حلبی نے غنیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) ہاں گناہ کبیرہ خفیہ ہو یا اعلانیہ فاسق کر دینے میں برابر ہے مگر ایسا خفیہ جس پر بندے مطلع نہ ہوں بندے اس پر حکم نہیں کر سکتے کہ بے جانے حکم کیونکر ممکن کما اوضحه فی الدرالمختار من الشهادة فی بیان تقییدهم شرب الخمر بالادمان (جیسا کہ دُرِ مختار میں شہادت سے متعلق گفتگو میں جہاں انھوں نے فقہاء کا شرب خمر کو دوام شرب کے ساتھ مقید کرنے کو بیان کیا ہے۔ت) اور مسلمان پر بدگمانی خود حرام ہے جب تک ثبوتِ شرعی نہ ہو، والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان کو حق جانتا ہو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر اس کے ضلالت وکفریات پر آگاہی ہو کر اُسے اہلِ حق جانتا ہو تو خود اُس کی مثل گمراہ بددین ہے اور اُس کے پیچھے نماز کی اجازت نہیں، اگر نادانستہ پڑھ لی ہو تو بعد اطلاع ہو اعادہ واجب ہے،

کما هوالحکم سائر اعداء الدین من المبتدعین الفسقة المرتدة المفسدین۔	جیسا کہ یہی حکم تمام ان اعداء دین کا ہے جو بدعتی، فاسق، مرتد اور فساد پھیلانے والے ہیں۔(ت)

اور اگر آگاہ نہیں تو اُسے اس کے اقوال ضالہ دکھائے جائیں، اس کی گمراہی بتائی جائے، رسالہ الکوکبة الشهابیة بطور نمونہ مطالعہ کرایا جائے۔ اگر اب بعد اطلاع بھی اُسے اہلِ حق کہے وہی حکم ہے، اور اگر توفیق پائے حق کی طرف فاخوانکم فی الدین (تو وہ تمھارے دینی بھائی ہیں۔ت) والله سبحٰنه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ ۶۱۹: ۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ بغرض پیشہ کے جو شخص تصاویر دیوتائے اہلِ ہنود کی مثل ٹیسو ورادن ورام چندر وسیتا وغیرہ کی بناتا ہے اور فوٹو گرافر اور مغلم اور حرامی اور علی العموم جن اشخاص کی عورات بے پردہ سرِ بازار پھرتی ہیں تو اس حالت میں اشخاص مذکورین کے پیچھے پڑھنا نماز کا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ لی تو اعادہ اس کا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جاندار کی تصویر بنانی دستی ہو یا خواہ عکسی حرام ہے، اور معبودانِ کفار کی تصویریں بنانا اور سخت تر حرام واشد کبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیمة المصورون [1] رواہ الائمة والشیخان عن عبداللہ بن مسعود عن ام المؤمنین عائشة الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	بیشک سب سے زیادہ سخت عذاب روزِ قیامت مصوّروں پر ہوگا۔ اس کو ائمہ اور بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے حوالے سے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔

یوں ہی مغلم، فاسق، فاجر مرتکب کبائر ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من یعمل عمل قوم لوط [2]۔ رواہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ملعون ہے جو قومِ لوط کا کام کرے۔ اس کو امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

جس کی عورت بے ستر باہر پھرتی ہے کہ بازو یا گلا یا پیٹ یا سر کے بال یا پنڈلی کا حصّہ غرض جس جسم کا چھپانا فرض ہے کُھلا ہوا ہے یا اس پر ایک باریک کپڑا ہو کہ بدن چمکتا ہو اور وہ اس حالت پر مطلع ہو کر عورت کو اپنی حدِ مقدور تک نہ روکتا ہو بندوبست نہ کرتا ہو وہ بھی فاسق و دیّوث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنّة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء [3]۔ رواہ الحاکم والبیهقی بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کو ایذا دینے والا اور دیّوث اور مردوں کی صورت بنانے والی عورت۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری باب عذاب المصورین یوم القیٰمۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰

[2] مسند احمد بن حنبل مروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۱۷

[3] السنن الکبریٰ للبیہقی باب الرجل یتخذ الفلاح والجاریۃ المغنیین الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۲۶

درمختار میں ہے:

دیوث من لایغار علی امرأته او محرمه[1]۔	جو اپنی عورت یا اپنی کسی محرم پر غیرت نہ رکھے وہ دیوّث ہے۔

اسی طرح اگر عورت جوان اور محل فتنہ ہے اور اس کے باہر پھرنے سے فتنہ اٹھتا ہے اور یہ مطلع ہو کر باز نہیں رکھتا جب بھی کھلا دیوّث ہے اگرچہ پورے ستر کے ساتھ باہر نکلتی ہو، ان سب لوگوں کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی قریب بحرام ہے نہ پڑھی جائے اور پڑھ لی تو اعادہ ضرور ہے۔ کماحققه فی الغنیة وفصلناه فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس تحقیق غنیہ میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیلی گفتگو کی ہے۔ت) اور حرامی کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولٰی ہے جبکہ وہ سب حاضرین سے زیادہ مسائلِ نماز وطہارت نہ جانتا ہو، اگر امام نہ ملے تو ضرور اس کے پیچھے پڑھی جائے۔ اس عذر سے ترک جماعت جائز نہیں فان الواجب لایترک لاجل (واجب کو کسی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ت) خلافِ اولٰی اور دفع کراہت کے لئے اعادہ مستحب[2] کما بینه فی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۲۰: از نجیب آباد مرسلہ حافظ محمد ایاز صاحب ۲۰ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو مرض بواسیر کا ہے اور مسّے کثرت سے ہوگئے ان میں سے آلائش رنگ زردی مائل خارج ہوتی ہے ونیز کثرت مسّوں سے اخراج ریح فضلہ براز کا دھبّا بھی کپڑے پر آجاتا ہے کہ جو ہجوم مسّوں کی وجہ سے وقت اجابت کسی جگہ اندر الجھا ہوا رہ جاتا ہے ان دونوں حالتوں میں کپڑا ہر وقت نجس رہتا ہے، زید مذکور ہر طرح انتظام مثل لنگوٹ باندھنا، دو یا تین پاجامے رکھنا اور ان کا وقتاً فوقتاً دھو کر پاک رکھنا یہ سب کچھ کر چھوڑا مگر کچھ نہ ہوسکا خاص کر سفر میں اس سے زیادہ دقتیں پیش آتی ہیں اور خصوصاً امامت کرنا اگرچہ وہ امامت سے درگزر کرتا ہے مگر اس صورت میں وہ کیا کرسکتا ہے کہ ادائے نماز فرض کے واسطے کھڑا ہوا اور بعد کو اور نمازی آکر مقتدی بن گئے بجز اس کے کیا چارہ کہ نماز ادا کرے، ان دقتوں کی حالت میں زید مذکور کو کیا کرنا چاہئے کہ جس سے بے کراہت نماز ادا کرے اور وہ کپڑا حکم پاکی کا رکھے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر حالت ایسی ہے کہ کپڑا پاک کرے یا بدلے تو فرض نہ پڑھنے پائے گا کہ پھر نجس ہوجائے گا یعنی براز ساڑھے چار ماشہ سے زائد یا وہ زرد پانی روپیہ بھر کی مساحت سے زیادہ آجائے گا تو دھونے کی کوئی ضرورت

[1] درمختار باب التعزیرات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۸

[2] درمختار، باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷

نہیں ورنہ بے دھوئے خود اس کی اپنی نماز نہ ہوگی اور جبکہ وہ حالتِ معذوری میں ہے یعنی کوئی وقت کامل نماز کا ایسا گزر گیا شروع سے ختم تک کہ اُسے وضو کرکے فرض پڑھ لینے کی فرصت نہیں ملی اور جب سے برابر ہر وقت نماز میں یہ نجاست آتی رہتی ہے اگرچہ وقت میں ایک ہی بار تو وہ ایسی حالت میں امامت نہیں کرسکتا، لوگ اگر آکر شامل ہوں جہر نہ کرے تکبیر آواز سے نہ کہے وہ لوگ خود الگ ہوجائیں گے۔ اور اس پر بھی جُدا نہ ہوں تو بعد سلام اطلاع کردے کہ میں معذور ہُوں میرے پیچھے نماز جائز نہیں تم اپنی پھر پڑھ لو۔

فی الدرالمختار ان سال علی ثوبه فوق الدرهم جازله ان لا یغسله ان کان لوغسله تنجس قبل الفراغ منها ای الصلاة والایتنجس قبل فراغه فلا یجوز ترك غسله هوالمختار للفتوی[1] والله تعالٰی اعلم۔	دُرمختار میں ہے اگر معذور کے کپڑے پر درہم سے زیادہ نجاست بہہ گئی تو اس کے لئے اس کا نہ دھونا اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس کو دھوئے تو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کپڑے اس کے نجس ہوجاتے ہیں اگر اس کے فارغ ہونے سے پہلے نجس نہ ہو تو اس کے لیے دھونے کو ترک کرنا جائز نہیں۔ فتوی کے لئے یہی قول مختار ہے (ت)

مسئلہ نمبر ۶۲۱: از دلیر گنج پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جو شخص قواعدِ تجوید سے ناواقف ہو اُس کو امام کیا جائے یا نہیں؟ اور اگر کیا جائے تو اس کے پیچھے قواعد داں کی نماز ہوگی یا نہیں؟ اور عام لوگوں یعنی غیر قواعد داں کی نماز بھی اس کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ایسی غلطیاں کرتا ہے کہ معنی میں فساد آتا ہے مثلاً حرف کی تبدیل جیسے ع ط ص ح ظ کی جگہ ء ت س ہ ز پڑھنا کہ لفظ مہمل رہ جائے یا معنی میں تغیر فاحش راہ پائے یا کھڑا پڑا کی بدتمیزی کہ حرکات بڑھ کر حروف مدہ ہوجائیں اور وہی قباحتیں لازم آئیں، جس طرح بعض جہال نستعین کو نستاعین پڑھتے ہیں کہ بے معنی یا لا اِلی اللّٰه تحشرون بلام تاکید کو لا الی اللّٰه تحشرون بلائے نافیہ کہ تغیر معنی ہے تو ہمارے ائمہ متقدمین کے مذہب صحیح و معتمد محققین پر مطلقاً خود اس کی نماز باطل ہے کما حققه ورجحه المحقق فی الفتح والحلبی فی الغنیة وغیرهما (محقق نے فتح میں اور حلبی نے غنیہ میں اور دیگر لوگوں نے اپنی کتب میں اس کی تحقیق

[1] در مختار باب الحیض مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۵۳

کی ہے۔ت) اور جب اُس کی اپنی نہ ہوگی تو قوادداں وغیرہ کسی کی اس کے پیچھے نہ ہوسکے گی فان صلٰوۃ المأموم مبتنیۃ علی صلٰوۃ الامام (کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز پر مبنی ہے۔ت) اور اگر غلطی یوں ہے کہ حرف بروجہ صحیح ادا نہیں کرسکتا جس طرح آج کل عام دہقانوں اور بہت شہریوں کا حال ہے تو اب جمہور متاخرین کا بھی فتوٰی اسی پر ہے کہ اس کے پیچھے صحیح خواں کی نماز باطل کما افادہ العلامۃ الغزی والعلامۃ الخیر الرملی وغیرھما (جیسے علامہ غزی اور علامہ خیر رملی اور دیگر علماء نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔ت) اور جب اس کی اپنی نہ ہوگی اور اگر عجز یوں ہے کہ سیکھنے کی کوشش نہ کی یا کچھ دنوں کرکے چھوڑ دی اگر لپٹا رہتا تو امید تھی کہ آجاتا جب تو ایسی غلطی ان کے نزدیک بھی خود اس کی اپنی نماز بھی باطل کرے گی کما فی الخلاصۃ والفتح وغیرھما عامۃ الکتب (جیسے خلاصہ، فتح اور ان کے علاوہ عام کتب میں ہے۔ت) غرض ایسا شخص امام بنانے کے لائق نہیں وقد فصلنا القول فی تلك المسائل فی عدۃ مواضع من فتاوٰنا (ہم نے ان مسائل پر اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ پر تفصیل سے لکھا ہے۔ت) اور اگر ایسی غلطی نہیں کرتا جس سے فسادِ معنی ہو تو نماز خود اس کی بھی صحیح اور اس کے پیچھے اور سب کی صحیح، پھر اگر حالت ایسی ہے کہ تجوید کے امور ضروریہ واجبات شرعیہ ادا نہیں ہوتے جن کا ترک موجب گناہ ہے جیسے مد متصل بقدر ایک الف وغیرہ فما فصلنا فی فتاوٰی لنا فی خصوص الترتیل (جس کا ہم نے اپنے فتاوٰی میں ترتیل کے تحت تفصیلاً ذکر کیا ہے۔ت) جب بھی اُسے امام بنایا جائے گا نماز اس کے پیچھے بشدت مکروہ ہوگی لاشتمالھا علی امر مؤثم وکونہ فاسقا بتمادیہ علی ترك واجب متحتم (کیونکہ وُہ ایسے امر پر مشتمل ہے جو گناہ ہے اور اسکا فاسق ہونا اس شک میں ڈالتا ہے کہیں وہ حتمی واجب کا ترک نہ کر بیٹھے۔ت) اور اگر ضروریات سب ادا ہولیتے ہیں صرف محسنات زائدہ مثل اظہار اخفا وروم واشمام و تفخیم و ترقیق وغیرہا میں فرق پڑتا ہے تو حرج نہیں، ہاں قواعدان کی امامت اولٰی ہے لان الامام کلما کان اکمل کان افضل (وہ شخص جو ہر لحاظ سے اکمل ہو وہی افضل امام ہوگا۔ت) واﷲ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۲۲: از بنگالہ سہلٹ موضع پیام مرسلہ جناب سورج میاں صاحب معرفت مولوی سلطان الدین ۱۳ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو سے زید در بارہ جائداد مشترک فیہ بینھما نزاع مقدمہ کچہری کیا عمرو فتح یاب ہُوا زید اس گاؤں کا امام ہے ابعمرو نے بوجہ تعصب و مخاصمت کے تمام اس کے مقتدیوں کو کہا کہ زید نے کچہری میں واسطے فتحیابی اپنے مقدمہ کرکے جھوٹ بولا تم لوگ اب اسکے پیچھے نماز مت پڑھو وہ اب امامت کے قابل نہیں رہا، تب مقتدیوں نے عمرو سے کہا کہ تم اس کے جھوٹ بولنے کا کوئی ثبوت پیش کرو ہنوز کوئی شاہد پیش نہیں کیا گیا، دعوٰی بلا دلیل ہے اور آج تک کبھی زید نے جھوٹ کلمہ اپنی زبان سے

نہ نکلا اور نہ کسی نے اس پر دروغ گوئی کا کبھی شک کیا، اگر بالفرض اس کی کذب گوئی پر کوئی گواہ ثابت ہو جائے تو زید قابلِ امامت رہے گا یا نہیں؟ اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز اس کے پیچھے ہو جانے میں تو اصلاً شبہ نہیں بحدیث **صلوا کل بر وفاجر**[ف] اور کچہری میں مقدمہ ہار جانے سے جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا،

کچہریوں میں ہزاروں بار جھوٹے سچّے اور سچّے جھوٹے ٹھہرتے ہیں، انگریزی کچہریاں تو شرع مطہر سے علاقہ رکھتی ہی نہیں بلاکلہ یہاں کے اسلامی محکمے ہی پوری پابندی شرع سے صراحۃً کنارہ گزیں، جہاں کامل شرعی عدالتیں تھیں وہاں بھی باآنکہ قاضی شرع جس کے خلاف حکم فرمادے اُسے فقہاء دفع تناقض کے لئے صار مکذبا شرعاً لکھتے ہیں مگر کسی مدعی یامدعا علیہ کو صرف اس بناپر کاذب وفاسق ومرتکب کبیرہ نہیں کہہ سکتے کہ حکمِ حاکم بنظرِ ظاہر ہوتا ہے اُس سے واقع میں کذب لازم نہیں آتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی مانحوما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشیئ من حق اخیہ فلا یاخذنہ فانما اقطع قطعۃ من النار[1]۔ رواہ الشیخان عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لے کر آتے ہو ممکن ہے تم میں سے کوئی آدمی دلیل پیش کرنے میں ہوشیار ہو اور دلیل کی وجہ سے دوسرے پر غالب آجائے اور میں دلائل سننے کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کردوں، تو جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہو وہ اس کو نہ لے کیونکہ وہ ایک آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ (ت)

علاوہ بریں بعض وقت آدمی کسی شبہ یاسہو یاجہل کے باعث اپنے آپ کو حق پر جان کر دعوی یاجواب دہی کرتا ہے تو بات واقع میں اگرچہ خلاف ہے مگر اس نے قصدِ کذب نہ کیا حکمِ فسق اس پر نہ ہوا،

ومثل ذلك کثیر فی خصومات الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم بل ھو المتعین فیھم۔	اس کی مثالیں مقدماتِ صحابہ میں بہت ہیں بلاکلہ یہی ان میں متعین ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب من اقام البینۃ بعد الیمین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰/۲

ف: حدیث کے الفاظ تفصیلاً یوں ہیں: صلوا خلف کل بر وفاجر صلوا علی کل بر وفاجر وجاھدوا مع کل بر وفاجر۔ نذیر احمد سعیدی

علاوہ بریں جب آدمی کا حق مارا جاتا ہو اور وُہ بغیر کسی ایسے اظہار کے جو بظاہر خلاف واقع ہے حاصل نہ ہو سکتا ہو تو اپنے احیائے حق کے لئے ایسی بات کا بیان شرعًا جائز ہے اگرچہ سامع اُسے کذب پر محمول کرے۔ درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه الخ [1] وتمام تحقیقه فی ردالمحتار عن تبیین المحارم عن الامام حجة الاسلام۔	اپنے حق کے حصول اور اپنے آپ سے ظلم کو دُور کرنے کے لئے کذب مباح ہے الخ اور اس کی پُوری تفصیل امام حجۃ الاسلام کی تبیین المحارم کے حوالے سے ردالمحتار میں ہے۔(ت)

بالجملہ صورت مذکورہ میں صرف بیان مدعا علیہ کوئی چیز نہیں اگر کسی گواہ سے بھی ثابت ہو کہ زید نے اپنے دعوی یا تائید دعوی میں کئی بات خلاف کہی تو اس سے واقعی کاذب وفاسق ہونا ثابت نہیں ہوتا، ہاں اگر شہادتِ شرعیہ سے زید کا کذاب فاسق بے حرمت ہونا پایہ ثبوت کو پہنچے تو بے شک اُسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہوگا **کما ھو حکم الفاسق** (جیسا کہ فاسق کا حکم ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۲۳: از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ ایک ہی مصلّے پر فرض نماز پڑھنا بایں صورت کہ خاوند امام ہو اور عورت مقتدی، کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

اگر عورت اس قدر پیچھے کھڑی ہے کہ اس کی ساق مرد کی ساق یا کسی عضو کے محاذی نہیں تو اقتدا صحیح ہے اور دونوں کی نماز ہوجائے گی اور اگر برابر ہے کہ بیچ میں کوئی حائل ہے نہ کوئی اتنا فاصلہ جس میں ایک آدمی کھڑا ہو سکے اور عورت کی ساق مرد کی ساق یا کسی عضو کے محاذی ہے تو اس صورت میں اگر مرد نے اُس کی امامت کی نیت نہ کی تو مرد کی نماز صحیح ہے اور عورت کی فاسد، اور اگر مرد نے تحریمہ نیتِ امامتِ زن کی تھی تو دونوں کی گئی۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

المرأة اذا صلت مع زوجها فی البیت ان کان قدماها بحذاء قدم الزوج لاتجوز صلاتهما بالجماعة وان کان قدماها	کسی خاتون نے جب اپنے خاوند کے ساتھ گھر میں نماز ادا کی ہو اگر اس کے قدم خاوند کے قدم کے مقابل ہوں تو دونوں کی نماز باجماعت جائز نہ ہو گی اور اگر اس کے قدم

[1] درمختار فصل فی البیع من کتاب الحظر والاباحت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

خلف قدم الزوج الا انها طویلة تقع رأس المرأة فی السجود قبل رأس الزوج جازت صلاتهما لان العبرة للقدم [1]۔	خاوند کے قدم سے پیچھے اگر خاتون کا قد لمبا ہونے کے وجہ اس کا سر حالتِ سجدہ میں خاوند کے سر سے آگے ہوتا تو پھر بھی دونوں کی نماز درست ہوگی کیونکہ اعتبار قدموں کا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الزیلعی قال المعتبر فی المحاذاة الساق والکعب فی الاصح وبعضهم اعتبر القدم اھ فعلی قول البعض لو تأخرت عن الرجل ببعض القدم تفسد وان کان ساقها وکعبها متاخرًا عن ساقه وکعبه وعلی الاصح لاتفسد وان کان بعض مها محاذیا لبعض قدمه [2] الخ	زیلعی کہتے ہیں کہ اصح قول کے مطابق محاذات میں پنڈلی اور ٹخنے کا اعتبار ہے اور بعض نے قدم کا اعتبار کیا ہے اھ تو بعض کے قول پر اگر قدم کا کچھ حصہ مرد سے پیچھے ہوا نماز فاسد ہوگی اگرچہ اس کی پنڈلی اور ٹخنے مرد کی پنڈلی اور ٹخنے سے پیچھے ہوں، اور اصح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اگرچہ بعض قدم عورت کا مرد کے بعض قدم کا محاذی ہوالخ (ت)

درمختار میں ہے:

حاذته مشتهاة ولاحائل بینهما اقله قدر ذراع فی غلظ اصبع اوفرجة تسع رجلا فی صلاة مطلقة مشترکة تحریمة واداء واتحدت الجهة فسدت صلاته لومکلفا ان نوی الامام وقت شروعه لابعده امامتها والا ینوها فسدت صلاتها [3] اھ مختصرا	مرد کے محاذی ایسی خاتون ہو گئی جو صاحبِ شہوت ہو اور ان کے درمیان کوئی مرد اور آڑ حائل نہ ہو، آڑ کم از کم بلاندی میں ایک ہاتھ کے برابر موٹائی میں ایک انگلی کے برابر کا اعتبار ہے یا یہ کہ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا چھوٹا ہو جو ایک آدمی کی گنجائش رکھتا ہو (کہ آڑ اور فاصلہ کی صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی) اور یہ کہ نماز مطلق (یعنی رکوع سجدہ والی) ہو۔ تکبیر تحریمہ وادا میں دونوں مشترک ہوں اور جہت بھی ایک ہو تو مرد کی فاسد ہوجائے گی اگر وہ مکلّف ہو (یعنی عاقل بالغ ہو) اور امام نے شروع نماز کے وقت اس خاتون کی امامت کی نیت کی ہو نہ کہ نماز شروع کرنے کے بعد ،اور اگر امام نے عورت کی امامت

[1] فتاوی قاضی خان فصل فیمن یصح الاقتداء الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۵

[2] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۳

[3] درمختار باب الامامة مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

کی نیت نہیں کی تو اس خاتون کی نماز فاسد ہوگی اھ اختصاراً (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۲۴: ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سُود خور اور رشوت خور اور جس شخص کی بی بی بے حجاب رہتی ہے اور جو شخص جھوٹی گواہی دیتا ہے اور جو شخص بعض اوقات نماز پڑھتا ہے ان سب کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ جواز وعدم جواز کی کیا دلیل ہے؟

الجواب:

سود خور اور رشوت خور اور جھوٹی گواہی دینے والا اور قصداً بعض اوقات نماز چھوڑ دینے والا یہ سب فاسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

کما فی الغنیة عن الحجة واقرہ فی ردالمحتار وتفصیله فی رسالتنا النهی الاکید عن الصلاة وراء عدی التقلید۔	جیسا کہ غنیہ میں فتاوی حجہ سے مروی ہے ردالمحتار میں اسے ثابت رکھا، اور اس کی تفصیل ہمارے اپنے رسالے "النہی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید" میں ہے۔ (ت)

اور جس کی عورت بے پردہ نکلتی ہے اسی طرح کہ جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے ان میں سے کچھ ظاہر ہوتا ہے مثلاً سر کے بال یا بازو یا کلائی یا گلا یا پیٹ یا پنڈلی کا حصہ خواہ یُوں کہ ان مواقع پر کپڑا ہی نہ یا ہو تو باریک کہ ستر نہ کرسکے یا باہر نہیں نکلتی مگر گھر میں غیر محرم بکثرت آتے جاتے ہیں اور وُہ ایسی ہی حالت میں رہتی ہے اور شوہر ان امور پر مطلع نہیں کرتا تو وہ خود دیوث ہے فاسق ہے۔

فان الدیوث کما فی الحدیث وکتب الفقه کالدر وغیرہ من لایغار علی اهله[1]۔	حدیث اور کتب فقہ مثل در مختار وغیرہ کے مطابق دیّوث وہ شخص ہوتا ہے جو اپنی بیوی پر غیرت نہیں کھاتا۔ (ت)

اور اگر ت ایسا نہیں بلاکہ تمام بدن کے پورے ستر عورت کے ساتھ گھر میں کسی نامحرم مثلاً جیٹھ، دیور، بہنوئی یا اپنے چچا خالہ ماموں پھوپھی کے بیٹوں کے سامنے ہوتی ہے یا کم قوم لوگوں کی عورات جو خوب موٹے اور ڈھیلے کپڑے پہنے سارا بدن ڈھانکے اپنی ضرورتوں کے لئے باہر آتی جاتی ہیں یا عورت تو بے حجابی اسی طرح کرتی ہے مگر مرد اسے اپنی حدِ قدرت تک روکتا ہے منع کرتا ہے اور وہ یونہی نہیں مانتی، تو ان صورتوں میں شوہر پر کچھ الزام نہیں اور اس وجہ سے

[1] در مختار، باب التعزیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۳۲۸

اسکے پیچھے نماز میں کراہت نہیں ہوسکتی۔ قال اللہ تعالٰی لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]۔ (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۲۵، ۶۲۶: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب ۹ شعبان المعظم ۱۳۱۹ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) وہ کون کون شخص ہیں مسلمانوں میں جن کے پیچھے نماز درست نہیں؟

(۲) کون سی صورت میں نابینا کے پیچھے نماز درست ہے یا بالکل ناجائز؟

الجواب:

(۱) بہت لوگ ہیں از انجملہ غیر مقلدین اور رافضی اور وُہ وہابی جن کی بدعت حدِ کفر تک پہنچی ہے، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: الصلٰوۃ خلف اھل الھواء لاتجوز (اہل ہواء کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ت) جو قرآن مجید غلط پڑھتا ہو جس سے فسادِ معنٰی ہو، جس کی طہارت صحیح نہ ہو اگرچہ معذوری کی وجہ سے، مثلاً جسے معاذاللہ سلس البول یا ہر وقت ریح خارج ہونے کا عارضہ ہے یا زخم یا پھوڑے سے خون یا زرد آب بہتا ہے۔ اسی طرح وہ شافعی المذہب مثلاً جس نے اپنے طور پر طہارتِ صحیحہ کی مگر مذہب حنفی میں صحیح نہ ہوئی، مثلاً سر کے صرف ایک بال کا مسح کرلیا یا فصد لگوا کر وضو کا اعادہ نہ کیا کہ حنفی کی نماز اس کے پیچھے نہ ہوگی۔ ان کے سوا اور بکثرت صوتیں ہیں کہ کتبِ مذہب میں اس کی تفصیل ہے۔

(۲) نابینا کے کپڑے پر اگر نجاست بقدر منعِ نماز لگی ہے اور اسے خبر نہیں یا اس کے زخم یا پھوڑے سے خون بہا اور اس نے نہ دیکھا تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے ورنہ صرف مکروہ تنزیہی اور خلافِ اولٰی ہے جبکہ سب حاضرین سے زیادہ علم نہ رکھتا ہے ورنہ وہی امام کیا جائے گا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۶۲۷: از گورا بازار ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حافظ کریم بخش امام مسجد گورا بازار یتیموں کا مال پوشیدہ لے جانے میں شریک ہوئے اور اقرار بھی کیا اور ماسوا اس کے اور کچھ بھی نہیں اس سبب سے مقتدیوں نے اقتدا کرنا چھوڑ دیا اور امام دوسرے کی اقتدا کی تب امام اوّل ایک مولوی کو بلا کر لایا اور کچھ دے کر اور یہ بھی سنا گیا کہ آٹھ آنہ ماہواری بھی دینے کا اقرار کیا، مولوی صاحب سے کچھ بیان کرایا اور اس نے کچھ حق بھی بیان کیا

[1] القرآن ۶/۱۶۴

اور کچھ طرف داری بھی کی، آیا مولوی صاحب اس آیت کے حکم میں داخل ہوئے یا نہیں ولا تشترو بایتی ثمنا قلیلا، اور مولوی صاحب نے مقتدیوں کو سمجھایا اور ان کی امامت قائم کرادی اور امام نے مقتدیوں سے معافی چاہی مقتدیوں نے دونوں اماموں کو قائم رکھا اور امام اول کی خطا مقتدیوں کے معاف کرنے سے یتیموں کی حق تلفی جو کی وہ بھی معاف ہوئی یا نہیں یا امام اوّل کو یتیموں کا حق دینا پڑے گا اور دلوانا پڑے گا یا نہیں، اور ایک آدمی خوش الحانی کو ضروریات سے جاننے والا ہے امام کی آیا یہ شرط ہے ازروئے شرع شریف کے یا نہیں؟ اور ایک شخص پابندی نماز نہیں کرتا ہے فارسی میں دخل بہت ہے وہ امام اوّل کو چاہتے ہیں کہ یہ رہے اور دوسرے کو نہیں چاہتے، اور امام دوسرے کی حقیقت یہ ہے کہ علم حدیث و تفسیر وفقہ واصولِ عربی میں دخل ہے اب اقتداواسطے مقتدیوں کے کس کی امامت افضل اور بہتر ہے اور عالم کے پیچھے نماز پڑھنا ایسی ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے پڑھی، آیا اس کا ثبوت شرع شریف میں ہے یا نہیں؟ اور امام اول کی اقتداء ابھی تک بعض لوگ مکروہ جانتے ہیں۔ بینواتوجروا مع حوالہ کتاب۔

الجواب:

پرایا مال بے اذن شرعی لینا چوری اور گناہِ کبیرہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں **لایسرق السارق حین یسرق وھومومن**[1] چور چوری کرتے وقت ایمان سے الگ ہوجاتا ہے، اور یتیموں کا مال ناحق لینا سخت ترکبیرہ ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ ﴿۱۰﴾[2]	جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں نری آگ کھاتے ہیں اور عنقریب دوزخ میں جائیں گے۔

یتیموں کا حق کسی کے معاف کئے معاف نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ خود یتیم کا دادا یا ماں کسی نابالغ کے ماں باپ اس کا حق کسی کو معاف کردیں ہرگز معاف نہ ہوگا **فان الولایۃ للنظر لاللضرر** (کیونکہ ولایت نگرانی کے لئے حاصل ہوتی ہے نقصان دینے کے لئے نہیں۔ت) بلکہ خود یتیم ونابالغ بھی معاف نہیں کرسکتے نہ ان کی معافی کا کچھ اعتبار ہے **للحجر التام عماھو ضرر** (کیونکہ نقصان دہ معاملہ میں تصرف کرنے سے انہیں مکمل روک دیا گیا ہے۔ت) محض یتیموں کا حق ضرور دینا پڑے گا اور جو نکلوا سکتا ہے اسے چاہیے کہ ضرور دلادے، ہاں یتیم بالغ ہونے کے بعد معاف کرے تو اس وقت معاف ہوسکے گا۔ مقتدیوں نے کہ ایسی حرکات نشائستہ کے باعث

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۳۶/۲

[2] القرآن ۱۰/۴

امام اول کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑدی بہت اچھا کیا انھیں اسی کا حکم تھا کما حققه فی الغنية عن فتاوی الحجة واقره فی ردالمحتار وقد تکر ربیانه فی فتاوٰنا (جیسا کہ فتاوٰی حجہ کے حوالے سے غنیہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں اسے برقرار رکھا۔اس مسئلہ کا بیان ہمارے فتاوٰی میں متعدد جگہ پر موجود ہے۔ت) جس شخص نے کچھ لے کر بعض ناحق باتیں امامِ اوّل کی طرفداری کے حق میں ملادیں وہ ضرور آیہ کریمہ وَلَاتَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا[1] اور آیہ کریمہ لَاتَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ[2] کا مورد ہوا،امام کے لئے خوش الحانی کچھ ضرور نہیں جو اسے ضروری و شرط بتائے،شرع مطہر پر افتراء کرتا ہے، بلالکہ خوش الحانی بعض وقت مضر ہوتی ہے کہ اس کے سبب آدمی اتراتا ہے یا کم سے کم اتنا ہوتا ہے کہ نماز میں خشوع وخضوع کے بدلے اپنے الحان بنانے کا خیال رہتا ہے۔فتاوٰی قاضی خان وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لا ینبغی للقوم ان یقدموا فی التراویح الخوشخوان ولکن یقدموا الدرستخوان فان الامام اذاقرأ بصوت حسن یشغله عن الخشوع والتدبر والتفکر[3]۔	قوم کے لئے ایسے شخص کو تراویح میں امام بنانا جو خوش الحان ہو مناسب نہیں البتہ درست پڑھنے والے کو امام بناسکتے ہیں کیونکہ امام جب قرأت کرے گا تو اس کو اچھی آواز خشوع ،تدبر اور تفکر سے غافل کردے گی۔(ت)

امامت عالم کا خاص حق ہے اس کے ہوتے ہوئے دوسرے کو ترجیح نہیں جبکہ وہ عالم صحیح خواں و صحیح العقیدہ ہو، فاسق نہ ہو۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم علماؤکم فانهم وفدکم فیمابینکم وبین ربکم[4]۔رواه الطبرانی فی الکبیر عن مرثد بن ابی مرثدالغنوی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اگر تمہیں اپنی نمازوں کا قبول ہونا پسند ہو تو چاہئے کہ تمہارے علماء تمہاری امامت کریں وہ تمہارے واسطہ سفیر ہیں تمہارے اور تمہارے رب عزوجل کے درمیان۔اس کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت مرثد بن ابی الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

[1] القرآن ۴۱/۲

[2] القرآن ۴۲/۲

[3] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۱۶/۱

[4] المعجم الکبیر مروی عن مرثد الغنوی مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳۲۸/۲

نوٹ: اصل کتاب میں فلیؤمکم علماؤکم کی جگہ فلیؤمکم خیارکم ہے۔ **نذیر احمد سعیدی**

خاص یہ لفظ کہ عالم کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے کسی حدیث میں نظر سے نہیں گزری ،ہاں یہ صحاح کی حدیث ہے کہ: العلماء ورثۃ الانبیاء[1] (علماء انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے وارث ہیں) اور ہدایہ میں ہے:

من صلی خلف عالم تقی فکانما صلی خلف نبی[2] لکن لم یعرفہ المخرجون وقال الزیعلی ھو غریب	جس نے کسی عالم متقی کے پیچھے نماز پڑھی گویا نبی کے پیچھے پڑھی۔ (لیکن اصحابِ تخریج کے ہاں یہ حدیث معروف نہیں امام زیلعی نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ت)

امام اول اپنی اُس حرکت سے ضرور فاسق ہوا اور فاسق کے پیچھے نماز ضرور مکروہ ہے جبکہ سچی توبہ نہ کرے اور مال لینے والے کی توبہ بغیر مال واپس دئے ہرگز صحیح نہیں تو جب تک وہ یتیموں کا حق نہ پھیرے نماز اس کے پیچھے بیشک مکروہ۔

مسئلہ نمبر ۶۲۸: ۳ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ:

ندویوں کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ندویوں میں کچھ نیچری ہیں کچھ منکران ضروریاتِ دین رافضی یہ بالاجماع کافر مرتد ہیں اور ان کے پیچھے نماز محض باطل، کچھ غیر کافر رافضی وہابی تفضیلی غیر مقلد وغیرہم بدمذہب ہیں کچھ وہ نئے بگڑے گمراہ ہیں جنہوں نے اب ندوہ جماکے اپنے دین کی بیخ کنی کی، ندوے کی رُودادوں لکچروں میں جن کے کلمات ضلالت چھاپے گئے یہ سب ضال مفضل گمراہ بددین ہیں اور ان کے پیچھے نماز ناجائز جیسے عامہ غیر مقلدین،

کما حققناہ فی النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید۔	جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق "النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید" میں کی ہے(ت)

یا گناہ ومکروہ تحریمی، کما بیناہ فی غیر موضع من فتاونا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوی میں متعدد جگہ بیان کیا ہے۔ت) یوں ہی وہ خود نہ پہلے بدمذہب تھے اور نہ اب کلمات بدمذہبی کہے مگران لیکچراروں کے

---

[1] صحیح البخاری باب العلم قبل العلم والعمل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱

[2] الہدایہ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱۰۱/۱

اقوال ضلالت سُنے، پسند کئے اور ان پر راضی ہوئے، ان کی اشاعت کی حمایت کی، یہ سب کل بوجہ رضا ونصرت باطل اہلِ باطل وار بابِ ضلال اور اسی حکم میں ان کے شریک حال ہوگئے، کچھ وہ ہیں جن بیچاروں کو اطلاع نہیں کہ ان ظلمہ نے کیا کہا ہے صرف مولویوں کا جلسہ سُن کر شریک ہوگئے جب تک مطلع نہ ہوئے معذور ہیں بعد اطلاع پھر شریک رہے تو اقل درجہ فاسق ضرور ہیں اور فاسق کے پیچھے بھی نماز مکروہ۔ فتاوٰی حجہ وغنیہ شرح منیہ وغیرہما میں تصریح فرمائی کہ یہ کراہت تحریم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۶۲۹: از بریلی محلّہ سرخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ گروہ وہابیین یعنی فرقہ غیر مقلدین داخل ہے اہل سنت وجماعت میں خارج ان سے اور فرقوں ضالہ سے اور ہم مقلدوں کو ان کے ساتھ مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنی مساجد میں باوجود خوفِ فساد کے آنے دینا درست ہے یا نہیں، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ **بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل۔**

الجواب:

فی الواقع فرقہ غیر مقلدین گمراہ بددین ضالین مفسدین ہیں انھیں امام بنانا حرام ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا منع ہے، ان کی مخالطت آگ ہے۔ صورت مذکورہ سوال میں انھیں مساجد میں ہر گز نہ آنے دیا جائے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ [1]	ہم نے ابراہیم واسمٰعیل سے یہ وعدہ لیا کہ وہ میرے گھر کو صاف رکھیں گے۔ (ت)

حدیث میں ہے:

امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تنظف وتطیب [2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محلوں میں مساجد بنانے اور انھیں ستھرا ونظیف اور خوشبودار رکھنے کا حکم دیا۔ (ت)

نجاستیں درکنار قاذورات مثل آب دہن وآب بینی باآنکہ پاک ہیں مسجد سے ان کو دور کرنا واجب تو بدمذہب گمراہ لوگ کہ ہر نجس سے بدتر نجس ہیں۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۲/ ۱۲۵

[2] سنن ابوداؤد باب اتخاذ المساجد فی الدور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۶

اهل البدع شر الخلق والخلیفة [1]۔	بدمذہب تمام مخلوق سے بد تمام جہان سے بدتر ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

اصحاب البدع کلاب اهل النار [2]۔	بدمذہب لوگ جہنمیوں کے کُتّے ہیں۔

توایسے لوگوں کو خصوصًا بحال فتنہ وفساد وہابیہ کی عادت قدیم ہے باوصف قدرت مساجد میں کیونکہ آنے دیا جاسکتا ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ [3]۔	فتنہ قتل سے بھی سخت تر ہے۔

عینی شرح بخاری و درمختار وغیرہما میں تصریح ہے کہ مسجد سے موذی نکال دیا جائے ولو بلسانہا گرچہ صرف زبانی ایذ دیتا ہو۔ نجاستیں دھونے سے پاک ہوجاتی ہیں اور بدمذہب ع

ہرچہ شوئی پلید تر باشد

(جتنی بار دھویا جائے پلید ہی رہتا ہے)

اعاذنا اللّٰہ منهم ومن حالهم وعقائدهم و اعمالهم بجاہ نبیه الکریم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والتسلیم۔	اللہ تعالٰی اپنے پیارے نبی علیہ وآلہ افضل الصلٰوۃ والسلام کے صدقے میں ان سے ان کے حال اور عقائد اعمال محفوظ رکھے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۶۳۰: از جائس ضلع بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی محمد ابراہیم مرسلہ حاجی ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کی عورت بے پردہ عام عورتوں کی طرح پھرتی ہو اور اس کا شوہر اسے منع نہ کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اس کو دیوّث کہنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت اگر باہر بے پردہ باریک کپڑوں میں پھرتی ہو کہ ان سے بدن چمکے یا گلے یا بازو یا پیٹ یا پنڈلیوں

---

[1] کنزالعمال البدع والرفض من الاکمال مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳ وجامع الصغیر مع فیض القدیر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۶۴

[2] کنزالعمال فصل فی البدع مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸ وجامع الصغیر مع فیض القدیر مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸

[3] القرآن ۲/۱۹۲

یا سر کے بالوں کا کوئی حصہ کھولے پھرتی ہے اور شوہر مطلع ہے اور شوہر باوصف قدرت منع نہیں کرتا تو دیوّث ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۳۱: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص ہیں اور دونوں عالم اور پابند صوم وصلوٰۃ کے ہیں مگر ایک رذیل ایک شریف، دونوں میں سے کس کو ترجیح ہوگی مرتبہ اور امارت وغیرہ میں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امامت میں بعد اس کے دو۲ شخص جامع شرائطِ امامت سُنّی العقیدہ غیر فاسق مجاہر ہوں، قرآن عظیم صحیح پڑھتے حروف مخارج سے بقدر تمیز ادا کرتے ہوں، سب سے مقدم وہ ہے کہ نماز وطہارت کے مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو پھر اگر اس علم میں دونوں برابر ہوں تو جس کی قرأت اچھی ہو، پھر جو زیادہ پرہیزگار ہو شبہات سے زیادہ بچتا ہو، پھر جو عمر میں بڑا ہو، پھر جو خوش خلق ہو، پھر جو تہجد کا زیادہ پابند ہو، یہاں تک شرف نسب کا لحاظ نہیں۔ جب ان باتوں میں برابر ہوں تو اب شرافت نسب سے ترجیح ہے۔

فی التنویر والدر الاحقُّ بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوٰۃ بشرط اجتنابہ للفواحش الظاہرۃ ثم الاحسن تجویدا ثم الاورع ثم الاسن ثم الاحسن خلقا بالضم الفۃ بالناس ثم اکثرھم تہجدا ثم الاشرف نسبا[1] اھ مختصرا۔	تنویر اور درمختار میں ہے امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو احکامِ نماز سے زیادہ آگاہ ہو بشرطیکہ وہ فحش گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو، اس کے بعد جو قرأت وتلاوت کی تجوید میں زیادہ اچھا ہو، پھر صاحبِ تقوٰی، پھر عمر میں بڑا، پھر جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو، شارح نے کہا خُلق ضمہ خاء کے ساتھ لوگوں سے ملنساری کو کہتے ہیں۔ پھر زیادہ تہجد گزار، پھر خاندانی شرف والا اھ اختصارًا (ت)

ہاں اگر رذیل اس درجہ کا ہے کہ اس کی امامت سے عام لوگ نفرت کرتے ہیں، جماعت میں خلل پڑتا ہے تو اس کی امامت نہ چاہئے،

لان التنفیر من اشد ما یحترز عنہ	کیونکہ یہاں سب سے زیادہ جس بات سے بچنا ضروری ہے

[1] ردمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۴۲

ھھنا وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطلقا بشروا تنفروا[1]۔	وہ لوگوں میں نفرت سے بچنا ہے۔ سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا (ہر حال میں) خوشخبری دینے والے بنو نفرت پھیلانے والے نہ بنو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۵۳۲: ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ میلاد شریف کی مجلس کے حاضر نہ ہونے والے کے پیچھے اور قیام سے کراہت کرنے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجلس مبارک کی عدم حاضری اور قیام سے کراہت اگر بر بنائے وہابیّت نہ ہو مثلًا اس وقت حاضری کی فرصت نہیں کسی امرِ اہم میں مصروف ہے یا وہاں پڑھنے والا روایات بے اصل یا نظم و نثر خلافِ شرع پڑھے گا یا صاحب مکان سے دینی یا دنیوی مخالفت ہے جس کا الزام شرعًا اسی صاحب مکان پر ہے وغیر ذلک من الموانعان کے علاوہ دیگر موانع سے۔ ت) اور قیام سے کراہت صرف اس مسئلے میں خطاکے باعث ہے نہ اصولِ وہابیت مان کر، تو ان صورتوں میں اُس کے پیچھے درست بلا کراہت ہے، مگر ان بلاد میں صورت انکار و کراہت بے ضلال اصول وہابیت نہیں پائی جاتی مجلس مبارک و مقدس سے یہاں وہی منکر ہیں جو وہابی گمراہ خاسر ہیں اور وہابیہ کے پیچھے نماز ناجائز وگناہ۔ کما حققناہ فی عدۃ مواضع من فتاوٰنا ورسالتنا النھی الاکید وغیرھما (ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر اپنے رسالے النھی الاکید وغیرہ میں خوب کی ہے ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۵۳۳: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک حافظ نور باف نماز کے چند مسائل جانتا ہے چند مدّت سے ایک مسجد کا امام ہے لوگوں نے اسے تعزیوں میں مرثیے پڑھتے دیکھا ہے دوسرا حافظ شیخ صدیقی پنجابی کُل مسائلِ نماز سے واقف ہے مگر مسجد میں آتا ہے اور اس کی موجودگی میں اسی معیّن امام کے پیچھے نماز میں کچھ قصور تو نہ ہوگا اور دونوں ہوں تو کون امامت کرے؟

الجواب:

تعزیوں اور آج کل مرثیوں کا پڑھنا بدعت یا فسق سے خالی نہیں اور دونوں صورتوں میں

[1] صحیح البخاری باب ماکان محمد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱

ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔اور وہ دوسرا حافظ اگر بلاعذر شرعی جماعتِ مسجد میں کبھی آتا ہے کبھی نہیں تو ترک جماعت بھی فسق ہے اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ۔ایسی صورت میں تیسرے شخص کو امام کیا جائے جو عقیدۃً پورا سنّی ہو، قرآن مجید صحیح پڑھتا ہو، فاسق نہ ہو مسائل نماز وطہارت سے خوب واقف ہو۔اور اگر دوسرا حافظ سنّی صحیح العقیدہ صحیح خواں غیر فاسق ہے جماعت کو جس وقت اس مسجد میں نہیں آتا دوسری مسجد میں جاتا ہے یا کسی عذر صحیح شرعی کے سبب ترک کرتا ہے تو اس کی اقتداء میں حرج نہیں، اس کے ہوتے ہوئے وہ امامِ مقرر نماز نہ پڑھائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۳۴: ۲۲ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں امام مقرر موجود ہو اس کی بغیر اجازت دوسرا شخص نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بے اس کی اجازت کے دوسرے کو امامت نہ چاہئے جبکہ وہ امام معیّن صالح امامت ہو یعنی سنّی صحیح العقیدہ کہ قرآن عظیم صحیح پڑھے اور اس کا فسق ظاہر نہ ہو۔دُرمختار میں ہے:

امام المسجد الراتب الاولی بالامامۃ من غیرہ مطلقا[1] الخ وفی ردالمحتار من التتارخانیۃ مایفید المنع ان ام بلااذن[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کا مقررہ امام ہر حال میں دوسروں سے افضل ہوتا ہے الخ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے جو کچھ مذکور ہے وہ مفید منع ہے اگر دوسرا بلااجازت امامت کرائے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۶۳۵: ۲۸ رجب ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسجد میں رہتا ہے اور امامت پر مقرر ہے اور اس کی حالت یہ ہے کہ امرد لڑکوں سے محبت رکھتا ہے اور ایک لڑکا ضرور رکھتا ہے جب اس کو چھوڑ دیتا ہے دوسرا تجویز کرلیتا ہے، خلوت میں بھی لڑکے اس کے پاس بیٹھتے ہیں، بعض وقت انھیں پیار کرتے دیکھا گیا اس کی شکایت میں شخص مذکور کو پولیس تک بھی پہنچنا ہُوا مگر پولیس کی دھمکی پر بھی باز نہ آیا، آخر مسلمانوں نے اپنی مسجد سے نکال دیا کہ ہم مسجد میں ایسی ناشائستگی پسند نہیں کرتے۔اب دوسری مسجد میں آیا، یہاں بھی وہی حال ہے ایسی صورت میں اسے امام بنانا اُس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار بحوالہ تاتارخانیہ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۳

الجواب:

ایسے شخص کو کہ متہم ہے امام بنانا نہ چاہئے لان التھمۃ توجب تقلیل الجماعۃ وھو عکس مقصود الشریعۃ (کیونکہ تہمت جماعت کی قلّت کا سبب ہے اور وہ مقصود شریعت کے خلاف ہے۔ت) مسلمانوں کو چاہئے کہ دوسرے شخص سنّی صحیح العقیدہ غیر فاسق وغیر متہم کو کہ قرآن عظیم صحیح پڑھاتا ہو اور نماز وطہارت کے مسائل سے آگاہی رکھتا ہو امام مقرر کریں، اور یہ شخص کہ کسی طرح اُس عادت سے باز نہیں آتا امامت سے جُدا کردیا جائے، نہ مسجد میں سکونت کرے لان الخلوۃ القبیحۃ بالامرد اخبث من الخلوۃ بالاجنبیۃ فینزہ المسجد عنہ (کیونکہ بے ریش لڑکے کے ساتھ خلوت قبیحہ، اجنبیہ خاتون سے بھی بدتر ہے، لہٰذا اس سے مسجد کو پاک کرنا ضروری ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۳۶: از حیدرآباد دکن یاقوت پورہ مسجد کمیلہ مکان ۲۸۹۰ مرسلہ سید عبداللطیف صاحب بتوسط مولوی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب مہتمم تحفہ حنفیّہ ۲ربیع الآخر شریف ۱۳۲۲ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ محمدی ومستفیدانِ شریعتِ مصطفوی وتابعینِ مذہب حنفی اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نوجون، خوبصورت، لائقِ امامت، قرات سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور مسائل ماتجوزبہ الصلوۃ سے واقف مذہب حنفی کے تابع ہیں، دوسرے صاحب حال میں مذہب حنفی ترک کرکے مذہب حنبلی اختیار فرمائے ہیں، فنِ قرات سے بمقابلہ صاحب اوّل کے ناواقف ہیں مگر مسائل ماتجوزبہ الصلوۃ اور قدرے ریش بھی رکھتے ہیں پس حالت مندرجہ بالا میں حسبِ قواعدِ حنفیّہ بغرضِ امامت بلاکسی علّت وکراہت کے ہر دو صاحب میں سے کس کو ترجیح دی جاسکتی ہے جس مقام پر کثرت سے مقتدی تابعین مذہب حنفی کے بوقتِ جماعت موجود ہوں۔ السائل حسین خاں حنفی

الجواب:

عبارت سوال ابہام واجمال وتعدادِ احتمال رکھتی ہے دوسرے صاحب فنِ قرات سے بمقابلہ صاحب اوّل کے ناواقف ہیں ممکن یہ ناواقفی صرف امور زائدہ میں ہو جن پر صحت وفسادِ نماز مبنی نہیں اگرچہ واجباتِ تجوید بلکہ واجباتِ شرع سے بھی ہوں یا شرعاً خواہ تجویداً بھی صرف محسّنات ومستحسنات ہوں جیسے وقف ووصل ومدوقصر واظہار واخفاء وتفخیم وترقیق وروم واشمام وغیرہا کہ اکثر ان میں واجباتِ تجوید سے ہیں اور امثال ومد متصل کی رعایت شرعاً بھی واجب اور ترک حرام مگران میں کسی کا ترک اصلاً مفسدِ نماز نہیں اور ممکن کہ امور لازمہ میں ہو جیسے تمایزِ حروف جہاں تغیر موجبِ فسادِ معنی ہو، صورتِ ثانیہ میں صاحب دوم کے پیچھے نماز باطل وفاسد ہوگی بخلاف صورت اولیٰ، اور دوسرے صاحب قدرے ریش بھی رکھتے ہیں اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ان کے تھوڑی داڑھی نکلی ہے، پہلے صاحب محض امرد ہیں اس تقدیر پر پہلے صاحب کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہوگی،

فی الدر المختار تکرہ خلف امرد[1] فی ردالمحتار الظاہر انہا تنزیہیة والظاہر ایضا کما قال الرحمتی ان المراد بہ الصبیح الوجہ لانہ محل الفتنة[2]۔	درالمختار میں ہے بے ریش لڑکے کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے ظاہر یہی ہے کہ یہ مکروہِ تنزیہی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے جیسے کہ شیخ رحمتی نے کہا کہ وہ لڑکا مراد ہے جو خوبصورت چہرے والا ہو کیونکہ وہ فتنے کا محل ہے۔ (ت)

دوسرے یہ کہ دوسرے صاحب قدرے ریش باقی رکھتے ہیں اگرچہ زیادہ کترواد یتے ہیں بخلاف صاحب اول کہ اصلاً نہیں رکھتے اس تقدیر پر دونوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی اور انھیں امام بنانا گناہ کہ داڑھی منڈانا اور کتروا کر حدِ شرع سے کم کرانا دونوں حرام و فسق ہیں اور اس کا فسق بالاعلان ہونا ظاہر کہ ایسوں کے منہ پر جلی قلم سے فاسق لکھا ہوتا ہے اور فاسق معلن کی امامت ممنوع وگناہ ہے کما نص علیہ فی الغنیة عن الحجة وحققناہ فی فتاوٰنا (غنیہ میں حجہ کے حوالے سے اس پر تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور مذاہب اربعہ حقّہ سے کسی دوسرے مذہب والے کے پیچھے حنفی کی اقتداء میں بھی چند صورتیں ہیں:

(۱) اس خاص نماز میں معلوم ہو کہ امام نے کسی فرض یا شرطِ وضو یا نماز یا امامت مطابق مذہب حنفی کی رعایت نہ کی وقد المسنابیبان بعضہ مع مالہ وعلیہ فی فتاوٰنا (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر کچھ تفصیل سے اعتاضات مع جوابات ذکر کئے ہیں۔ت) اس صورت میں اُس کے پیچھے حنفی کی نماز محض باطل۔

(۲) خاص نماز کا حال معلوم نہ ہو مگر اس کی عادت معلوم ہے کہ غالباً امور مذکورہ میں مذہب حنفی کی مراعات نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

(۳) عادت بھی معلوم نہیں تو اس کی امامت مکروہ ہے اور ارجح یہ کہ اب یہ کراہت تحریمی نہیں۔

(۴) عادت یہ معلوم ہے کہ ہمیشہ مراعات کاالتزام کرتا ہے تو صورت سوم سے حکم اخف ہے مگر ایک گُونہ کراہت سے ہنوز خالی نہیں۔

(۵) خاص اس نماز کا حال معلوم ہے کہ اس بیں اس نے جمیع امور مذکورہ کی رعایت کی ہے تو اب عندالجمہور کراہت اصلاً نہیں اگرچہ پہلے عادت عدم مراعات رکھتا ہو پھر بھی افضل یہی ہے کہ مل سکے تو موافق المذہب کی اقتداء کرے،

---

[1] درمختار باب الامامة مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۳/۱

[2] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۵/۱

فی الدرالمختار تکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی وترالبحر ان تیقن المراعاۃ لم یکرہ او عدمھا لم یصح وان شك کرہ[1] اھ وقد فصلنا القول فیہ فیما علی ردالمحتار۔	دُرمختار میں ہے مخالف مذہب کے پیچھے نماز مکروہ ہے مثلاً شافعی المسلک -------بحرالرائق کی وتر کی بحث میں یوں تفصیل ہے اگر مقتدی کو اس بات کا یقین ہو کہ شافعی المذہب دوسرے مسلک کی شرائط وارکان کی رعایت کرتا ہے تو اقتداء میں کراہت نہیں، اور عدم رعایت کا یقین ہو تو اقتداء صحیح نہیں ہے اور اگر رعایت اور عدمِ رعایت میں شک ہو تو مکروہ اھ اس بارے میں ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی وتر البحر الخ ھذا ھو المعتمد لان المحققین جنحوا الیہ وقواعد المذھب شاھدۃ علیہ وقال کثیر من المشائخ ان عادتہ مراعاۃ مواضع الخلاف جاز والا فلا. قولہ ان تیقن المراعاۃ ای فی الفرائض من شروط وارکان فی تلك الصلاۃ وان لم یراع فی الواجبات والسنن کما ھو ظاھر سیاق کلا م البحر وظاھر کلام شرح المنیۃ ایضا وفی رسالۃ الملّا علی قاری ذھب عامۃ مشائخنا الی الجواز اذا کان یحتاط فی موضع الخلاف والا فلا والمعنی انہ یجوز فی المراعی بلاکراھۃ وفی غیر معھا[2] اھ مختصرا	ماتن کا قول فی وترالبحرالخ یہی قول معتمد ہے کیونکہ محققین کا اس کی طرف میلان ہے اور قواعد مذہب بھی اسی پر شاہد ہیں اور کثیر مشائخ کا قول ہے اگر اس امام کی عادت موضع اختلاف میں رعایت کرنا ہو تو اقتداء جائز ورنہ جائز نہیں،ماتن کا قول ان تیقن المراعاۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ فرائضِ نماز یعنی شروط و ارکان کی رعایت کرتا ہوا اگرچہ واجبات وسنن کی رعایت نہ کرتا ہو جیسا کہ بحرالرائق کے سیاقِ کلام سے ظاہر ہے شرح المنیہ کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ملّا علی قاری کے رسالے میں ہے کہ جو امام مواضع اختلاف میں احتیاط اور رعایت کرتا ہو تو ہمارے اکثر مشائخ جوازِ اقتداء کے قائل ہیں ورنہ اقتداء جائز نہیں اور معنی یہ ہے کہ رعایت کرنے والے کی اقتداء بلا کراہت جائز اور نہ رعایت کرنے والے کی اقتداء کراہت کے ساتھ جائز ہے اھ مختصراً(ت)

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی ۱/۴۱۶

امام بحر الرائق (نے) مجتبٰی سے (نقل کیا) ہے:

وذاکان مراعیاًفالاقتداء بہ صحیح علی الاصح ویکرہ والا فلا یصح اصلا[1] اھ (ملخصاً) **اقول:** والتوفیق بنفی کراھة التحریم فی المراعی واثبات کراھة التنزیہ۔	اگر وہ شافعی المذہب رعایت کرنے والاہو تو اصح قول کے مطابق اسکی نماز صحیح اور مکروہ ہے ورنہ بالکل صحیح نہیں اھ ملخصًا(ت) **اقول**: (میں کہتا ہوں) ان میں موافقت یوُں ہے کہ رعایت کرنے والے کی اقتداء میں کراہت تحریمی کی نفی اور کراہت تنزیہی کااثبات ہو۔(ت)

نیز بحر میں ہے:

الاقتداء بالشافعی علی ثلثة اقسام الاول ان یعلم منہ الاحتیاط فی مذھب الحنفی فلا کراھة .الثانی ان یعلم منہ عدمہ فلاصحة ، لکن اختلفوا ھل یشرط ان یعلم منہ عدمہ فی خصوص مایقتدی بہ او فی الجملة صحح فی النھایة الاول وغیرہ اختار الثانی ،وفی فتاوی الزاھدی (اذا راہ احتجم) ثم غاب فالاصح انہ یصح (الاقتداء بہ لانہ یجوزان یتوضأ احتیاطًا) وحسن الظن بہ اولی، الثالث ان لایعلم شیئا فالکراہة[2]۔	شافعی امام کی اقتداء کی تین صورتیں ہیں،پہلی صورت یہ ہے کہ شافعی سے مذہب حنفی کی رعایت کرنا معلوم ہو تواس کی اقتداء میں کراہت نہیں۔دوسری صورت یہ ہے کہ اس سے عدمِ رعایت معلوم ہو تو اسکی اقتداء درست نہیں، لیکن فقہاء کااس میں اختلاف ہے کہ آیا یہ شرط ہے کہ اس سے عدمِ رعایت کاعلم خاص اس نماز کے اعتبار سے ہے جس میں اقتداء مطلوب ہے یافی الجملة کااعتبار ہے۔نہایہ میں پہلے قول کو صحیح قرار دیا ہے اور دیگر کتب نے دوسرے قول کو اختیار کیا ہے اور فتاوٰی زاہدی میں ہے کہ جب کوئی حنفی شافعی کو دیکھے کہ اس نے پچھنے لگوائے پھر وہ غائب ہوگیا تواصح مذہب یہ ہے کہ اس کی اقتداء درست ہے کیونکہ ممکن ہے اس نے احتیاطًا وضو کرلیا ہو اور اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا بہتر اوراولٰی ہے۔ تیسری

[1] بحر الرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۱/۱

[2] بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۶/۲

ف: اس عبارت میں قوسین کے درمیان والی عبارت کااضافہ ضرورت کے تحت کیاہے اصل میں عبارت ملخصًامذکور ہے جو قوسین سے باہر ہے۔
نذیر احمد

صورت یہ ہے کہ امام کے بارے میں کسی قسم کا علم نہ ہو (یعنی رعایت کا نہ عدمِ رعایت کا) تو اس صورت میں اس کی اقتداء مکروہ ہوگی۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر صاحب دوم میں کوئی امر مفسد نماز ہے مثلاً قرآن عظیم کی غلط خوانی بحد افساد معنی یا اس خاص نماز کے وقتِ طہارت وغیرہا کسی شرطِ نماز یا شرطِ امامت کا فوت، جب تو ظاہر ہے کہ اس کی امامت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ اب اگر صاحب اول میں کوئی وجہ کراہت تحریم نہ ہو تو اس کی امامت میں حرج نہیں، مگر بوجہ اجتماع امردیت وحسنِ صورت اولٰی یہ ہے کہ کسی اور صحیح العقیدہ صحیح خواں کو امام کریں جس میں اصلاً کوئی وجہ کراہت نہ ہو اور اگر صاحب اول میں کراہت تحریم ہے تو واجب کہ دونوں کو چھوڑیں اور کسی اور صالح امامت کی اقتداء کریں، اسی طرح اگر صاحب دوم میں کوئی امر موجب کراہت تحریم ہے مثلاً داڑھی حدِ شرع سے کم کرنا یا فرائض وشرائطِ نماز میں مذہب حنفی کی پروانہ کرنا اگرچہ یہ دو[٢] یا ایک بار اس کے افعال سے مشاہدہ ہوا ہو اور صاحب اول میں کوئی تحریم نہیں جب بھی یہی حکم ہے کہ صاحبِ اول سے بہتر امام نہ ملے تو اسی کو امام کرنا لازم اور دونوں میں کوئی وجہ کراہت تحریم ہے تو دونوں کے سوا تیسرا امام پیدا کریں، اور اگر صاحب دوم میں کوئی وجہ کراہت تحریم نہیں اور صاحب اول میں ہے تو حکم بالعکس ہوگا کہ اگر کوئی حنفی صالح امام نظیفہ ملے تو اُسی کی اقتداء کی جائے ورنہ صاحب دوم ہی کے پیچھے پڑھیں جبکہ اُس کی عادت سے معلوم ہے کہ مذہب حنفی کی رعایت کا التزام رکھتا ہے یا معلوم ہو کہ اس خاص وقت میں جامع جملہ شرائط امامت مطابق مذہبِ حنفی ہے اور اگر دونوں میں کوئی کراہت تحریم نہیں تو اگر معلوم ہو کہ صاحب دوم خاص اس وقت شرائط حنفیّہ ہے تو اور کوئی حنفی صالح نہ ملنے کی حالت میں اُسی کی امامت اولٰی کہ اس تقدیر پر اس کی امامت بلا کراہت ہے اور اگر حنفی ہوتا تو افضل ہوتا اور صاحب اول میں بوجہ امردیت وحسن کراہت ہے اور اگر خاص اس وقت شرائط جامعیت معلوم نہیں اور عادت مراعاۃ معلوم نہیں تو اور کوئی امام نظیف نہ ہونے کی حالت میں صاحب اول ہی کو ترجیح چاہئے کہ اب مذہب جمہور ومشرب منصور پر کراہت تنزیہ میں دونوں شریک ہوئے اور مخالف المذہب میں اس قدر زیادت ہے کہ اس کے پیچھے ایک قول پر مطلقاً نماز مکروہ تحریمی ہے اگرچہ مراعاۃ شرائط بھی کرے یہاں تک کہ اُس کی اقتداپر تنہا نماز پڑھنے اور جماعت چھوڑنے کو بعض نے ترجیح دی۔ دالمحتار میں ہے:

خالفهم العلامة الشيخ ابراهيم البيرى بناء على كراهة الاقتداء بهم لعدم مراعاتهم فى الواجبات والسنن وان الانفراد افضل لولم يدرك امام مذهبه وخالفهم ايضا العلامة الشيخ رحمه الله السندى تلميذ ابن الهمام فقال الاحتياط فى	علامہ شیخ ابراہیم البیری نے ان حضرات کی اس بناء پر مخالفت کی ہے کہ ان کی اقتداء مکروہ ہے کیونکہ یہ واجبات وسنن میں رعایت نہیں کرتے اور اگر اپنے مذہب کا امام نہ ملے تو تنہا نماز پڑھنا افضل ہے۔ امام ابن ہمام کے شاگرد شیخ سندی رحمہ اللہ تعالٰی نے بھی ان حضرات کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ

عدم الاقتداء به ولو مراعیا[1]۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔	اگرچہ مخالف رعایت کرنے والا ہو پھر بھی اقتدانہ کرنے میں احتیاط ہے (ت)

مسئلہ ۶۳۷: از مانوگاچہ ملک پیراگ مرسلہ نیاز محمد خان بدایونی ۳ ربیع الآخر یوم سہ شنبہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمیع اہل اسلام شافعی مذہب میں عام جن میں ایک مرتبہ اور چند مرتبہ حج بھی کرآئے ہیں مگر تارک نماز سنّت ہیں کوئی بھی کسی وقت کی نمازِ سنت ادا نہیں کرتا صرف فرض ادا کرلیتے ہیں، ان کی امامت واسطے پیر و امام حنفی کے کیسی ہے؟

الجواب:

شبانہ روز میں بارہ رکعتیں سنّت موکدہ ہیں، دو[۲] صبح سے پہلے، اور چار[۴] ظہر سے پہلے اور دو بعد، اور دو مغرب و عشاء کے بعد، جو ان میں سے کسی کو ایک آدھ بار ترک کرے مستحقِ ملامت و عتاب ہے اور ان میں سے کسی کے ترک کا عادی گناہگار و فاسق و مستوجبِ عذاب ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، اور اس کو امام بنانا گناہ ہے۔ **صرح به الغنية عن الحجة** (اس کے بارے میں حجہ کے حوالے سے غنیہ میں تصریح ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۳۸: از مانوگاچہ ملک پیراگ مرسلہ نیاز محمد خاں بدایونی ۳ ربیع الآخر یوم سہ شنبہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عام دستور اور رواج اس ملک کا ہے کہ مستورات باہر نکلتی ہیں ڈولی یا پالکی کا نہ دستور ہے نہ جانتی ہیں غرضکہ پردہ قطعی نہیں ہے کسی تقریب یا عیادت یا کسی ضرورت کو پاپیادہ جانا، پوشش ان کی بجائے پاجامہ ایک تہبند مثل غلاف تکیہ کمر سے گھٹنوں تک بدن پر مثل ہندوستانی چھوٹے کپڑے یا دوپٹہ کے استعمال میں نہیں، ایک چغہ کے مثل پہنتی ہیں جو نیچا پیر کے تلے تک ہوتا ہے۔ رہا سر کا پردہ، جب گھر سے نکلنا ہُوا تو ایک تہبند مثل بالا تحریر کے اندر جسم میں پہن لیا، سر اور کمر تک کا پردہ ہو جاتا ہے۔ مگر چہرہ کُھلے رکھنے کی عادت ہے، ہاتھ البتہ بحفاظت پردہ میں رہتے ہیں، ان کا نکلنا عام وارثوں کی اجازت سے ہے بلکہ خاوند یا وارث ہمراہ ہوتے ہیں، یہ طریقہ عام ہے خواہ نواب ہو خواہ غریب، ان لوگوں کی امامت کیسی ہے؟

الجواب:

عورت اگر نامحرم کے سامنے اس طرح آئے کہ اُس کے بال گلے اور گردن یا پیٹھ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر ہو یا لباس ایسا باریک ہو کہ ان چیزوں سے کوئی حصہ اُس میں سے چمکے تو یہ بالاجماع حرام اور ایسی وضع ولباس کی عادی عورتیں فاسقات ہیں، اور ان کے شوہر اگر اس پر راضی ہوں یا حسبِ مقدور

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

بندوبست نہ کریں تو دیوّث ہیں، اور ایسوں کو امام بنانا گناہ۔ اور اگر تمام بدن سر سے پاؤں تک موٹے کپڑے میں خوب چُھپا ہُوا ہے صرف منہ کی ٹکلی کھلی ہوئی جس میں کوئی حصہ کان کا یا ٹھوڑی کے نیچے کا یا پیشانی کے بال کا ظاہر نہیں تو اب فتوٰی اس سے بھی ممانعت پر ہے اور یہ امر شوہروں کی رضا سے ہو تو اُن کی امامت سے بھی احتراز انسب کہ سد فتنہ اہم واجبات شرعیہ سے ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۶۳۹: از مانوگاجہ ملک پیراگ مرسلہ نیاز محمد خاں بدایونی ۳ ربیع الاخری یوم سہ شنبہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ استنجاء کلوخ سے نہیں اسی وقت پیشاب کیا اور فورًا پانی سے استنجاء لے لیا ان کی امامت کیسی ہے؟

الجواب:

اس صورت میں ترک سنّت ضرور ہے مگر صرف پانی اگر انقطاع قطرہ ہو جاتا اور ان لوگوں کو اطمینان مل جاتا ہے تو یہ امر اس حد کا نہیں جس کے ترک پر ان کی امامت کو ناجائز کہا جائے جبکہ ان کا منشاء کوئی امر قبیح مثل استخفاف سنت حضرت امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۴۰: از حیدرآباد دکن مرسلہ حسین خان بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرعِ متینِ مصطفٰی اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی صاحب نے مذہب حنفی ترک کرکے مذہب حنبلی اختیار کیا ہے اور وجہ تبدیل مذہب یہ بتاتے ہیں کہ قریب زمانہ وقت حضرت جناب سیّد عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز نے مذہب حنبلی اختیار فرمایا اس لئے میں نے بھی تبدیل مذہب کیا، بس بصورت صحت بیان مولوی صاحب نسبت تبدیل مذہب اقتدائے مولوی صاحب حسب اصول حنفیہّ درست ہے یا نہیں جبکہ وہاں کثرت سے حنفی لوگ لائقِ اقتدا موجود ہوں۔

الجواب: ان بلاد میں کہ جہاں نہ حنبلی مذہب کے عالم ہیں نہ کتابیں، حنفیت چھوڑ کر حنبلیت اختیار کرنا ہر گز جائز نہیں، انتقال کرنے والا مذہب حنفی کا عالم تھا تو یہ انتقال صراحۃً مراد شرع کے مضاد ہوگا کہ شرع نے طلب علم کا حکم فرمایا اور یہ ترک علم وطلب جہل کرتا ہے حاشاللہ حنبلیت جہل نہیں چاروں مذہب حق وہدی ورشاد ہیں مگر جہاں نہ جس مذہب کے عالم نہ کتابیں وہاں اس کا اختیار صراحۃً اپنے جہل کا اختیار ہے اور اگر اول سے جاہل تھا تو اپنے لئے علم وعمل کا دروازہ بند کرتا ہے احکامِ حنفیت سے آگاہ نہ تھا تو فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ[1] (اہل ذکر سے پوچھو۔ت) کے امتثال پر تو قادر تھا اب کہ وُہ مذہب اختیار کرتا ہے جس کے ہلِ ذکر بھی یہاں نہیں تو صراحۃً جہل کے ساتھ عجز ملتا اور اپنے منہ پر شریعت مطہرہ کا بند کرتا ہے **واللہ الہادی**

---

[1] القرآن ۱۶/۴۳

مسئلہ نمبر ۶۴۱: از کلی ناگر پرگنہ پورن ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی ۵ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منکوحہ زید کو لفظ طلاق کہنے کا ثبوت نہ پاکر پندرہ بیس مردمانِ اہلِ اسلام نے مشورہ کرکے اپنا پیش امام مقرر کیااور مسئلہ دیکھا کہ جس پر مواہیر علمائے دین چسپاں تھیں اور علمائے دین نے نماز پڑھانے کی اجازت زید کو دی اور پیش امام مدّت دراز سے امامت کرتے ہیں اور نمازِ جمعہ بھی پڑھاتے ہیں اور پیش امام حرام کاروں کو بھی نصیحت کرتے ہیں اور حرام کاروں نے نصیحت کرنے کے سبب سے دو جماعتیں کرلی ہیں۔اب ایک مولوی صاحب ان کے یہاں وارد حال مقیم ہیں کہ جو غیر اللہ کا جانور ذبح کرتے ہیں مولوی صاحب بھی انکے یہاں کھاتے ہیں جمعہ کے روز وہ لوگ جو امام سے برگشتہ تھے مولوی صاحب کو مسجد میں لائے اور بروقت آنے مولوی صاحب کے پیش امام اُٹھے اور منبر پر بیٹھ گئے اور اذان کا حکم دیا کہ اذان پڑھو،اور جو لوگ پیش امام سے برگشتہ تھے اور مولوی صاحب کو لائے تھے پیش امام سے کہا منبر سے تم اترو یہ مولوی صاحب نماز پڑھائیں گے، جن مردمانِ اہل اسلام نے کہ پیش امام اپنا مقرر کیا تھا اور جو پیش امام منبر پر بیٹھے تھے اُن کے روبرو اذان کہی گئی اس پر مولوی صاحب بولے کہ یہ پیش امام طلاقی ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، پیش امام نے اسی وقت مسئلہ باجازت نماز بمواہیر علمائے دین پیش کیا مولوی صاحب نے مسئلہ دیکھ کر پھینک دیا اور کہا کہ یہ مسئلہ درست نہیں، یہ کلام مولوی صاحب کا سن کر جن اہلِ اسلام نے اپنا پیش امام مقرر کیا تھا پیش امام سے کہا کہ نماز پڑھاؤ اور مولوی صاحب سے کہا کہ ہم کو اعتبار اس مسئلہ کا ہے کہ جس پر مواہیر علمائے دین موجود اور چسپاں ہیں اگر یہ مسئلہ غلط ہوتا تو مواہیر علمائے دین کیونکر اس پر چسپاں کرتے،اگر تمہاری نماز ان کے پیچھے نہیں ہوسکتی ہے تو نہ ہو ہماری نماز ہوسکتی ہے، یہ کلام اہلِ اسلام کا سُن کر مولوی صاحب مسجد سے باہر چلے گئے اور بعد ہوجانے نمازِ جمعہ کے پھر مسجد میں آئے اور دوسری مرتبہ مولوی صاحب نے خطبہ پڑھا اور جمعہ کی نماز پڑھائی، تو حاصل کلام یہ کہ اول جمعہ کی نماز ہوجانے کے بعد دوسری نماز جمعہ کی ہوسکتی ہے اور مولوی صاحب جدید وارد حال امامت کے لائق ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ کے لئے امام وہی ہوسکتا ہے جس کا تقرر بادشاہِ اسلام سے چلاآتا ہے یا وہ کہ جسے بضرورت عام مسلمان مقرر کرلیں نمازِ جمعہ قصداً چھوڑ کر چلاجانا اور پھر بعد ختمِ جماعت اپنے چند آدمیوں کو لاکر اُسی مسجد میں دوبارہ خطبہ ونماز قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، یہ پچھلی نماز نہ ہوئی، اور یہ دوسرا شخص گناہگار ہُوا،اور فتوی شرعی کو زمین پر پھینک دینے سے اُس کا حکم بہت سخت ہوگیا۔عالمگیری وغیرہ میں اسے کفر تک لکھا ہے۔یہ جدید شخص امام بنانے کے لائق نہیں،**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۶۴۲: از کلی ناگر پرگنہ پُورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۵ جمادی الاآخرہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص مدّتِ دراز سے امامت کرتا ہے اور بہ مشورہ اہلِ اسلام پیش امام ہے اور بعد اس امامت کرنے کے پیش امام نے اپنے گھر میں حرام کرایا اور ایک عورت کا حرام پیٹ اپنے گھر میں گروایا تواب اس کو امامت کرنی چاہئے یانہیں؟

الجواب:

اگر ثابت ہو کہ اس نے حرام کروایا یا حرام کا سامان جمع کیا یا حرام میں کسی طرح ساعی ہوا یا اس پر راضی ہوا تو وہ فاسق ہے اُسے ہرگز امامت نہ کرنی چاہئے اور اگر ان میں سے کچھ نہ تھا بلاکہ عورت کسی طرح معاذاللہ حرام میں مبتلا ہوئی اور اُسے حمل رہا اُس نے اس کی پردہ پوشی کے لئے اسقاط حمل کروایا جبکہ بچہ میں جان نہ پڑی تھی تو اس پر الزام نہیں بلاکہ پردہ پوشی امر حسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ نمبر ۶۴۳: از کلی ناگر پرگنہ پُورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی خان ۵ جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیش امام نے اپنے نفس کے واسطے جھوٹ بولا اور یہ کہا میرے گھر آگ لگ گئی ہے تو اس سے پیش امام کی امامت میں فرق تو نہیں آیا اور یہ پیش امام امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس نے جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکہ دیا اُن سے کچھ مال وصول کیا تو وہ فاسق ہے امامت سے معزول کیا جائے اور اگر مراد یہ نہیں تو مراد واضح کی جائے کہ اُس کا جواب دیا جائے، ایسے گول الفاظ سوال میں لکھنا نادانی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۴۴: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدّث سُورتی رحمہ اللہ تعالیٰ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کیاامامت میں شرعًا وراثت جاری ہے کہ امام مرجائے تو اُس کے بعد اُسی کی اولاد یا خاندان سے امام ہونا ضرور ہے، غیر شخص امام ہو تو اُن کے حق میں دست اندازی ہو۔

(۲) کیااہلسنّت کے مذہب میں امامت حق خاندانی ہے کہ امام کے بعد اُس کے خاندان سے باہر جانا اُن کی حق تلفی ہے۔

(۳) امامت اصل حق علمائے دین کا ہے یا جاہلوں کا۔

(۴) اگر امامت کے شرعًا احق والیق علماء ہیں تو جو لوگ عالم دین، صالح، متدیّن، جامع جملہ شرائط امامت کے ہوتے ہوئے جاہلوں کو امام بنائیں یا بنانا چاہیں یا اس میں کوشش کریں اُن پر شرعًا الزام ہے یا نہیں۔

(۵) امامت پنجگانہ وامامت جمعہ وعیدین کا ایک ہی حکم ہے یا کیا فرق ہے۔

(٦) اگر کسی گھرانے میں سابق سے امامت رہی پھر ان کے ایک شخص سے مسلمانوں نے ناراض ہو کر اسے امامت سے معزول کیاہو اور باآنکہ اس خاندان میں دو تین شخص اور اسی کے مثل موجود ہوں اُن کے ہوتے ہوئے ایک عالم دین کو امامت کے لئے منتخب کیا اور برسوں اس عالم یا اُس کے نائب نے جمعہ پڑھایا اور اس گھرانے والوں نے بھی بلانزاع اُس کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھی ہو پھر کئی سال کے بعد دفعۃً وہ لوگ مدعی ہوں کہ امامت ہمارا حق خاندانی ہے اور اس بناپر عالم کی امامت چھیننا چاہیں تو اُن کا یہ فعل محمود یا مذموم وممنوع، اور یہ دعوٰی مسموع ہے یا ممنوع ومدفوع، اور اگر اب یہ لوگ زمانہ ریاست اسلام کی کوئی سند مہری ظاہر کریں کہ امامت ہمارے ہی خاندان کی ہے تو وہ سند شرعًا مستند ہے یا نہیں۔

(٧) اگر یہ لوگ اپنے اوپر علم دین کی ترجیح دفع کرنے کو حدیث **صلوا خلف کل بر و فاجر** (ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز ادا کرلو۔ت) پیش کریں تو ان کا استدلال صحیح ہے یا باطل۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(١) امامت میں وراثت جاری نہیں ورنہ سہام فرائض پر تقسیم ہو اور بحکم آیہ کریمہ **یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ**[1] (اللہ تعالٰی تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ دو بیٹیوں کے برابر بیٹے کا حصہ ہوگا۔ت) دوہرا حصہ بیٹوں کو ملے اور اکہرا بیٹیوں کو اور بحکم آیہ کریمہ **فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ**[2] (ان بیویوں کے لئے آٹھواں حصہ ہے اگر خاوند اولاد چھوڑ گئے ہوں۔ت) آٹھویں دن کی امامت بی بی کو ملے بلالکہ پیٹ کے بچّے بھی امامت کا حصہ پائیں کہ شرعًا وارث تو وہ بھی ہیں، عورات واطفال کا اصلاً اہلِ امامت نہ ہونا ہی دلیل واضح کہ امامت میں وراثت نہیں کہ وراثت خاندانی اُسی شیئ میں جاری ہوسکتی ہے جو ہر وارث کو پہنچ سکے بلالکہ سب کو معًا پہنچنا لازم، اور امامت میں تعدد محال، تو کس بناپر کہا جاسکتا ہے کہ امام کے بعد اُس کے وارثوں ہی میں امامت ضرور ہے، یہ صریح جہل مبین ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعتقادھم ان خُبزالاب لابنه لایفید لمافیه من تغیر حکم الشرع ومخالفة شرط الواقف واعطاء الوظائف من تدریس وامامة وغیرھا الی غیر مستحقھا[3] وکذلك اعتقادھم ان الارشد اذا	ان کا یہ اعتقاد کہ باپ کی روزی بیٹے کے لئے ہے مفید نہیں، کیونکہ اس میں حکم شرع کی تبدیلی ہے اور واقف کی شرط کی مخالفت ہے اور تدریس، امامت وغیرہ پر غیر مستحق کے لئے وظائف کا عطا کرنا ہے۔ اسی طرح ان کا یہ اعتقاد کہ زیادہ صاحب عقل اپنی مرضِ موت میں جب اپنی

[1] القرآن ۴/ ۱۱

[2] القرآن ۴/ ۱۲

[3] ردالمحتار مطلب فیما شاع فی زماننا من تفویض نظر الاوقاف للصغیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۲۲

فوض واسند فی مرض موته لمن اراد صح لان مختار الارشد ارشد فهو باطل لان الرشد صفة قائمة بالرشید لاتحصل له بمجرد اختیار غیرہ له کما لا یصیر الشخص الجاھل عالما بمجرد اختیار الغیرله فی وظیفة التدریس وکل ھذہ امورنا شئة عن الجھل واتباع العادۃ المخالفة لصریح الحق بمجرد تحکیم العقل المختل ولاحول ولا قوۃ الّا باللّٰه العلی العظیم [1] (ملخصا) واللّٰه تعالٰی اعلم	مرضی کے مطابق کسی کو کہ حقوق تفویض کردیتا ہے تو صحیح ہے کیونکہ عقلمند کا اختیار درست ہی ہوتا ہے، پس یہ باطل کیونکہ وقف کے معاملات میں رشد ایسی صفت ہے جو رشید کے ساتھ قائم ہوتی ہے، یہ محض غیر کی پسندیدگی کی وجہ سے کسی کو حاصل نہیں ہوجاتی، جیساکہ جاہل شخص کے لئے غیر کے محض وظیفہ تدریس پسند کرنے سے جاہل عالم نہیں بن سکتا، یہ تمام امور جہالت اور ایسی عادت پر مبنی ہیں جو عقل میں خلل کی بنا پر صریح حق خلاف حکم جاری کرتی ہے لاحول لاقوۃ الّا باللّٰه العلی العظیم (ملخصًا) واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

(۲) اہلسنت کے مذہب میں امامت حق خاندانی نہیں کہ یہ رافضیوں میں جاہل رافضیوں کا خیال ہے۔ اسی بنا پر ان کے نزدیک امامت بعد حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ تھی۔ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو معاذ اللہ ناحق پہنچی کہ مولٰی علی حضور کے خاندان اقدس میں سے تھے نہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، آج تک اُن کے جہال عوام کو یہی بہکاتے ہیں کہ خاندان کی چیز خاندان سے باہر نہیں جاسکتی صدیق وفاروق کیونکر مستحق ہوگئے، اور اہلسنت یہی جواب دیتے ہیں کہ یہ دنیوی وراثت نہیں دینی منصب ہے اور میں وہی مستحق ومقدم رہے گا جو افضل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) امامت اصل حق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے کہ نبی اپنی امّت کا امام ہوتا ہے **قال اللّٰه تعالٰی** اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاؕ [2] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بلاشبہ میں آپکو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ت) (۲)

اب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو نبی الانبیاء وامام الائمہ ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور ہر عاقل جانتا ہے جہاں اصل تشریف فرمانہ ہو وہاں اُس کا نائب ہی قائم ہوگا نہ کہ غیر اور تمام مسلمان آگاہ ہیں کہ علمائے دین ہی نائبانِ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں نہ جہال، تو امامت خاص حقِ علماء ہے اس میں جہال کو اُن سے منازعت کا اصلاً حق نہیں، ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے احق بالامامۃ اعلم قوم ہے:

[1] ردالمحتار مطلب فیماشاع فی زماننا من تفویض نظر الاوقاف للصغیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۲۲/۳

[2] القرآن ۱۲۴/۲

تنویر الابصار و دُرمختار وغیرہما میں ہے:

الاحق بالامامة تقدیما بل نصبا مجمع الانهر الاعلم باحکام الصلٰوۃ[1]۔	امامت کے لئے مقدم ہونے بلکہ مقرر کرنے میں زیادہ حقدار وہ ہے مجمع الانہر جو شخص احکامِ نماز سے زیادہ آگاہ ہو۔(ت)

(۴) بیشک جو عالمِ دین کے مقابل جاہلوں کو امام بنانے میں کوشش کرے وہ شریعتِ مطہرہ کا مخالف اور اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کا خائن ہے۔ حاکم، وعقیلی، طبرانی وابن عدی وخطیب بغدادی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من استعمل رجلا من عصابة وفیهم من هوارضی الله منه فقد خان الله ورسوله و المؤمنین[2]۔	جو کسی جماعت سے ایک شخص کو کام مقرر کرے اور اُن میں وُہ موجود ہو جو اللہ عزوجل کو اس سے زیادہ پسندیدہ ہے بیشک اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کے ساتھ خیانت کی۔(ت)

(۵) امامت جمعہ وعیدین وکسوف، امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے۔ پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان، صحیح القراءۃ، صحیح الطہارۃ، مرد عاقل، بالغ، غیر معذور امامت کر سکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو **تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر** (نماز ہر نیک وفاجر کے پیچھے جائز ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں مگر جمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کرسکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وُہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم اُن پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو، یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے۔

اوّل: وہ سلطان اسلام ہو۔

ثانی: جہاں سلطنت اسلام نہیں وہاں امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے کو ہے۔

ثالث: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود

---

[1] دُرمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۸۲/۱

[2] المستدرک علی الصحیحین الامارۃ امانۃ مطبوعہ دار لفکر بیروت ۹۲/۴

ف: مستدرک میں فیہم کی جگہ فی تلک العصابۃ کا لفظ ہے۔ نذیر احمد سعیدی

ایسا امام ہے نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ، اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے ،اعلم علمائے بلد کہ اس شہر کے سنّی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو، نماز کے مثل مسلمانوں کے دینی کاموں ہیں ان کا امام عام ہو اور بحکم قرآن عظیم اُن پر اُس کی طرف رجوع اور اسکے ارشاد پر عمل فرض ہے، جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے اُس کے خلاف پر عوام بطور خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو ،اُس کے ہوتے ہوئے اُن کی قرارداد کوئی چیز نہیں۔ تنویر الابصار ودرمختار باب الجمعہ میں ہے:

یشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر وفناءه والثانی السلطان اوماموره باقامتها [1]۔	جمعہ کی صحت کے لئے سات ۷ اشیاء کا ہونا شرط ہے پہلی شہر اور فناءِ شہر، دوسری خود بادشاہ یا وُہ شخص جس کو بادشاہِ وقت نے جمعہ قائم کرنے کی اجازت دی ہو۔ (ت)

فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح محمدیہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۰ میں ہے:

اذاخلی الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم یصیرون ولاة فاذاعسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم [2]۔	جب زمانہ ذی کفایت سلطان سے خالی ہوجائے تو معاملات علماء کے سپرد کئے جائیں اور امت پر ان علماء کی طرف رجوع لازم ہوگا اور وہی حکمران کہلوائیں گے اگر کسی معاملہ پر سب کا اتفاق مشکل ہوجائے تو ہر علاقہ والے اپنے علماء کی اتباع کریں، اگر زیادہ علماء ہوں تو جوان میں سب سے زیادہ صاحب علم ہو اس کی اتباع کریں، اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی کرلی جائے (ت)

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی	اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

[2] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیۃ النوع الثالث فی بیان العلوم المندوب الیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1]	اور اپنوں میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔(ت)

آئمہ دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں نص علیہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب وغیرہ فی وغیرہ (اس پر علامہ زرقانی نے شرح المواہب اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں تصریح کی ہے۔ت) دُرمختار میں ہے:

نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ [2]۔	عوام کا خطیب مقرر کرنا اس وقت معتبر نہیں ہے جبکہ مذکورہ افراد موجود ہوں، اگر مذکورہ افراد نہ ہوں تو عوام کا خطیب مقرر کرنا ضرورت کے تحت جائز ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خان ودُرمختار وغیرہما میں ہے:

خطیب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز [3] الا ان یکون الامام امرہ بذلك [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے امام کی اجازت کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام حاضر تھا تو یہ جائز نہیں البتہ اس صورت میں جائز ہوگا جب امام نے اسے اس بات کا حکم دیا ہو۔(ت)

(۶) عالم سے اُن کی منازعت مذموم وممنوع اور ان کا دعوٰی مردود ونامسموع، جوابات سابقہ میں واضح ہولیا کہ امامت میں وراثت نہیں، نہ وہ کسی کا حقِ خاندانی ہے بلاکہ حقِ علمائے دین ہے اور انھیں کو تقدیم وترجیح ہے خصوصًا امامت جمعہ وعیدین کہ یہاں بے اُن کے اذن کے محض باطل ہے اور سالہاسال تک عالم کا امامت کرنا اور ان کا معترض نہ ہونا دلیل واضح ہے کہ وہ عامیانہ خیالات کے طور پر بھی کوئی استحقاق محکم اس کا نہ رکھتے تھے کہ ان کے خاندانی سے باہر کوئی امام نہ ہو، نہ اس وقت ان کے پاس کوئی سند تھی ورنہ ضرور ظاہر کرتے، امامت اگر ان کا خاندانی حق ہوتی ہرگز سالہاسال دوسرے کو اُس میں تصرّف کرتے دیکھ کر ساکت نہ رہتے، اب کہ منازعت تازی بات (نیا معاملہ) ہے جس طرح ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک شخص کسی شے ئ میں برسوں تصرف کرے اور دوسرا دیکھے اور مانع نہ ہو پھر دعوٰی کرے کہ میرا حق ہے تو اس کا دعوٰی ہرگز مسموع نہ ہوگا۔ عقود الدریہ میں فتاوٰی علّامہ غزی سے ہے:

سئل عن رجل لہ بیت فی داریسکنہ	ایک ایسے آدمی کے بارے میں پُوچھا گیا جس کا ایک

[1] القرآن ۵۹/۴

[2] درمختار باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[3] ردالمحتار باب الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۴

[4] فتاوٰی قاضی خان باب صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۸۶

مدة تزید علی ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفه فی المدة المذکورۃ تسمع دعواہ امر لا اجاب لا تسمع دعواہ علی ما علیه الفتوی[1]۔	گھر ہے وہ اس میں تین سال سے زائد عرصہ سے قیام پذیر ہے اور اس کی ایک جانب پڑوسی بھی ہے مذکورہ شخص اس گھر میں گرانے اور بنانے ہر طرح کا تصرف کرتا ہے اور مدّت مذکورہ میں اس کا پڑوسی اس کے تصرف سے آگاہ بھی ہے تو کیا اس کا دعوی قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مفتی بہ قول کے اس کا دعوی قابل سماعت نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی[2]۔	تصرف پر محض اطلاع ہی دعوی سے مانع ہوتی ہے۔ (ت)

اور مجرد سند اگرچہ مہری ہو کوئی حجّت شرعی نہیں، نہ ہر گز ثبوت میں پیش ہونے کے قابل۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

احضر صکًا فیه خطوط العدول والقضاۃ الماضیین وطلب من القاضی القضاء بذلك الصك قالوا لیس للقاضی ان یقضی بذلك الصك لان القاضی انما یقضی بالحجة والحجة ھی البینة اوالاقرار واما الصك فلا یصلح حجة لان الخط یشبه الخط[3]۔	کسی شخص نے ایسا اشٹام پیش کردیا جس میں ماضی کے حکمران اور قاضیوں کے دستخط تھے اور قاضی سے اس اشٹام کے مطابق فیصلہ چاہا تو فقہاء کہتے ہیں کہ قاضی اس اشٹام کے مطابق فیصلہ نہیں کرسکتا کیونکہ قاضی دلیل وحجّت کا پابند ہوتا ہے اور حجت گواہ یا اقرار کا نام ہے، رہا معاملہ اشٹام کا وہ قابل حجت نہیں کیونکہ تحریر ایک دوسرے سے مشابہ ہوسکتی ہے۔ (ت)

اشباہ والنظائر میں ہے: لایعتمد علی الخط ولایعمل به[4] (تحریر پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس کے

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الدعوی حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار (افغانستان) ۲/ ۴

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الدعوی حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار (افغانستان) ۲/ ۴

[3] فتاوٰی قاضی خان فصل فی دعوی الوقوف والشهادۃ علیه مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] الاشباہ والنظائر، کتاب القضاء، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱/ ۳۳۸

طابق عمل کیا جائے گا۔ت) فتاوٰی عالمگیری میں ہے۔

الکتاب قد یفتعل ویزور والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	تحریر کبھی جعلی اور جھوٹی ہوتی ہے اسی طرح کبھی تحریر تحریر کے اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۷) زمانہائے خلافت میں سلاطین خود امامت کرتے اور حضور عالمِ مکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان میں فسّاق و فجّار بھی ہونگے فرمایا کہ ستکون علیکم امراء یؤخرون الصلٰوۃ عن وقتھا [2] (تم پر ایسے امراء وارد ہوں گے جو نمازوں کو وقت سے مؤخر کرینگے۔ت) اور معلوم تھا کہ اہلِ صلاح کے قلوب ان کی اقتداء سے تنفر کریں گے اور معلوم تھا کہ اُن سے اختلاف آتشِ فتنہ کو مشتعل کرنے والا ہوگا اور دفع فتنہ دفع اقتداء فاسق سے اہم واعظم تھا۔قال اللہ تعالٰی وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ [3]۔(فتنہ قتل سے بڑا وبدتر ہوتا ہے۔ت) لہٰذا دروازہ فتنہ بند کرنے کے لئے ارشاد ہوا: صلوا خلف کل بر وفاجر [4] (ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرو۔ت) یہ اس باب سے ہے: من ابتلی بلیتین اختار اھونھما (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہوجائے توان میں آسان کو اختیار کرے۔ت) اور فقہا کا قول تجوز الصلاۃ خلف کل بر وفاجر (ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز ہے۔ت) اُسی معنی پر ہے جو اوپر گزرے کہ نماز فاسق کے پیچھے بھی ہوجاتی ہے اگرچہ غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے مکروہِ تحریمی ہوگی مگر ان مدعیوں کے لئے اس حدیث ومسئلہ فقہ میں کوئی حجت وسند نہیں نفسِ جواز وصحت سے مساوات کیونکر نکلی کہ منافی ترجیح ہو، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ [5] (کیا ہم صاحب تقوٰی کو فاجر لوگوں کے برابر کردیں گے۔ت) یہی فقہاء برابر تصریح فرماتے ہیں کہ امامت کا احق اعلم قوم کو ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ، پھر جواز بھی غیر نماز جمعہ وعیدین وکسوف میں ہے ان نمازوں کی شرط وہ تنگ ہے کہ بے امامت عامہ بمعنی مذکور کسی صالح متقی کے پیچھے بھی نہیں ہوسکتی "کما تقدم بیانہ" پھر عجب تناقص ہے کہ اپنا استحقاق جتانے کے لئے تو امامت خاص اپنے خاندان کے لئے محصور کردیں کہ خاندان سے باہر کسی عالمِ دین کو بھی اُس کا استحقاق نہ مانیں اور عالمِ دین کی ترجیح رفع کرنے کو کل بر وفاجر کا دامن تھامیں اور اسی امامت کو

---

[1] فتاوی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۸۱

[2] مسند الامام احمد بن حنبل مروی عن عبادہ بن الصامت، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۵/۳۱۴

[3] القرآن ۲/۲۱۷

[4] سنن الدار قطنی باب صفۃ من تجوز الصلٰوۃ الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/۵۷

[5] القرآن ۳۸/۲۸

ہر نیک وبد کا مساوی حق قرار دیں۔ جب صالح وطالح اُس میں یکساں ہیں تو تمھارے خاندان کی خصوصیت کہاں ہے اور جب ہر فاسق وبدکار کے پیچھے روابتاتے ہو تو عالم دین صالح ثقہ متقی سے کیوں اُلجھتے ہو، معلوم ہُوا کہ اپنے ہوائے نفس کے پیرو ہیں باقی بس، اللہ تعالٰی اتباع شرع واطاعت علمائے دین کی توفیق بخشے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۶۵۱: ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ: اندھے کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی یا تحریمی ہے یا نہیں اور یہ امامت کے واسطے سزاوار ہے یا نہیں اور مولانا روم کے اس شعر کا کیا مطلب ہے:

در شریعت ہست مکروہ اے کیا در امامت پیش کردن کور را

گرچہ حافظ باشد وچست وفقیہ چشم روشن بہ دگر باسد سفیہ

الجواب:

اندھا اگر تمام موجودین میں سب سے زیادہ مسائل کا جاننے والا نہ ہو اور اس کے سوا دوسرا صحیح القرات صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن حاضر جماعت ہے تو اندھے کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور اگر وہی سب سے زیادہ علم نماز رکھتا ہے تو اسی کی امامت افضل ہے، اگر حاضرین میں دوسرا صحیح خواں بدمذہب یا فاسق ملعن ہے اور اندھا ان سب عیبوں سے پاک ہے تو اسی کی امامت ضرور ہے، اور اگر صحیح خواں صرف وہی ہے جب تو اصلاً دوسرا قابلِ امامت ہی نہیں۔ دُرمختار میں ہے:

یکرہ تنزیھا امامۃ اعمی الا ان یکون اعلم القوم فھو اولٰی اھ[1]	نابینے شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے البتہ اس صورت میں اس کی امامت اولٰی ہوگی جب وہ دوسروں سے زیادہ صاحب علم ہو اھ مختصرا (ت)

حضرت مولوی قدس اللہ تعالٰی اسرار نا بسرہ النوری اُن آنکھوں میں کلام فرتے ہیں جن سے انھیں کام ہے جس کی چشم باطن روشن ہے اگرچہ علم بطور رسمی حاصل نہ کیا ہو علم رسمی کے عالم غیر عارف سے افضل واحق بالتقدیم ہے علم لدنّی علم رسمی سے بدرجہا اجل واکمل ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَاتَّقُوااللّٰہَ ؕ وَیُعَلِّمُکُمُ اللّٰہُ ؕ[2] وقال اللہ تعالٰی قُلۡ ھَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اور اللہ سے تقوٰی اختیار اور اللہ تعالٰی ہی تمھیں علم کی دولت سے نوازتا ہے، اللہ

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] القرآن ۲/۲۸۲

وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	تعالٰی کا یہ فرمان ہے کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں ۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۶۵۲: از گندہ نالہ مرسلہ وزیر احمد ۹ جمادی الاخری یوم شنبہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید تمسکات میں سُود لکھوادیتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ میں صرف لکھوالیتا ہوں اور چار پانچ برس ہوئے کہ اُس نے مع سود نالش کرکے ڈگری کرائی تھی اس صورت میں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر گز نہیں، جس طرح سُود لینا حرام ہے یونہی سُود لکھوانا حرام ہے بلالکہ حدیث میں دوسرے کے لئے سُود کا کاغذ لکھنے پر لعنت فرمائی[2]، اور ارشاد فرمایا کہ وہ اور سود لینے والا دونوں برابر ہیں[3]، تو خود اپنے لئے سود لکھوانا کیونکر موجبِ لعنت نہ ہوگا اور یہ زعم کہ میں لیتا نہیں محض اس کا اپنا ادعا ہے کہ قبول نہ ہوگا اور اگلی نالش مع سود اس کے کذب پر گواہ ہے غرض وہ فاسق ہے اور اسکے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ ہے یعنی نادانستہ پڑھ لی جب معلوم ہو جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہوں سب کا دُہرانا واجب ہے اور دانستہ پڑھی تو نماز دُہرانا جدا واجب، اور اسکے پیچھے پڑھنے کا گناہ علاوہ۔ لہٰذا توبہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۶۵۳: ۹ رجب المرجب یوم یکشنبہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس میں اوصاف حسب ذیل ہوں وُہ شخص لائقِ امامت ہے یا نہیں؟

(۱) نماز میں قرآن شریف جو پڑھتے ہیں اس میں کبھی نیچے کی آیت اوپر پڑھ جاتے ہیں کبھی آیت چھوٹ جاتی ہے۔

(۲) فجر کی نماز اکثر قضا پڑھا کرتے ہیں۔

(۳) ظہر کا وقت کبھی سونے میں گزر جاتا ہے ایسے تنگ وقت میں نماز پڑھتے ہیں کہ فرض پڑھتے ہی عصر کا وقت آجاتا ہے۔

(۴) مغرب کا وقت سیرِ بازار میں گزرتا ہے تنگ وقت میں واپس آتی ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے

---

[1] القرآن ۹/۳۹

[2] صحیح مسلم باب الربا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۷

[3] صحیح مسلم باب الربا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۷

کہ آپ مسجد کے امام ہیں اور نماز اور لوگوں کو پڑھانا پڑتی ہے تو اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ نماز کا میں کچھ پابند نہیں ہوں۔

(۵) اپنے وضو کا لوٹا اور گھڑا نہانے کا علیحدہ رکھتے ہیں۔

(۶) ایک رافضی سے بے تکلفی ہے کہ اس کے ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور مسجد باہم دونوں کے مذاق بے تکلفانہ اور معشوقانہ ہُوا کرتا ہے۔

(۷) نماز کے مسائل معلوم نہیں ہیں۔

الجواب:

سہواً کسی آیت میں تقدیم وتاخیر یا کسی آیت کا چھوٹ جانا اگر نادرًا ہو تو مضائقہ نہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے تو ایسے شخص کی امامت سے احتراز اولیٰ ہے جبکہ دوسرا صحیح خواں صحیح الطہارت صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن قابلِ امامت موجود ہو، نماز فجر اتفاقاً قضا ہو جانے پر مواخذہ نہیں جبکہ اپنی طرف سے تقصیر نہ ہو، مگر اکثر قضا ہونا بے تقصیر نہیں ہوتا، اگر کوئی علّت صحیح شرعی قابلِ قبول نہ رکھتا ہو تو بے پروائی ضرور اسے حدِ فسق تک پہنچائے گی، اور فاسق کو امام بنانا منع ہے۔ جو شخص آفتاب ڈھلنے ظہر کا وقت شروع ہونے سے پہلے سوئے اور کسی مرض یا ماندگی کے سبب اتفاقاً ایسا سو جائے کہ ظہر کا وقت گزر جائے تو اس پر الزام نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتفریط فی النوم انما التفریط فی الیقظة۔[1]	سونے میں قصور نہیں، قصور جاگنے میں ہے۔

اور اگر ظہر کا وقت آگیا یعنی آفتاب دائرہ نصف النہار سے ڈھل گیا اس کے بعد سویا اور وقت بلکل گزار دیا تو اس پر الزام ہے کما نص علیہ فی ردالمحتار (جیسا کہ اس پر ردالمحتار میں تصریح کی ہے۔ت) اور جبکہ اس کا عادی ہو، بارہا ایسا واقع ہو تو ضرور فاسق ہے اُسے امام بنانا گناہ، یونہی اگر اتنے سونے کا عادی ہو کہ فرض ظہر پڑھتے ہی وقت عصر واقعی آجاتا ہے سنّت کا وقت نہیں ملتا تو اس صورت میں بھی ترک سنّت مؤکدہ کی عادت کے سبب آثم وگنہ گار اور امام بنانے کا ناسزاوار ہے، مغرب کا وقت سیرِ بازار میں تنگ کر دینا اگر اتنا ہو کہ چھوٹے چھوٹے ستارے بھی ظاہر ہو جائیں کہ حقیقۃً تنگ وقت یہی ہے جب تو اُس کا مکروہ وممنوع ہونا ظاہر اور اگر اتنا بھی نہ ہو تو اس قدر میں شک نہیں کہ جماعت یا اقل درجہ جماعت اولیٰ ضرور متروک ہوئی وقد حققناہ فی فتاونا ان الواجب ھو ادراک الجماعۃ الاولی (ہم نے فتاوٰی میں اس کی تحقیق یہ کی ہے کہ

[1] سنن ابوداؤد باب فی من نام عن صلوٰۃ اونسیہا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۳

جماعت اولیٰ کا پانا واجب ہے۔ت) تواُس کے ترک کی عادت بھی فسق ہے اور ایسے کی امامت ممنوع ، اور وُہ لفظ کہ میں نماز کا کچھ پابند نہیں ہوں اپنے ظاہر پر بدتر و شنیع تر فسق ہے ، اپنے وضو اور نہانے کے لئے برتن علیحدہ رکھنا اگر براہِ تکبّر ہو تو سخت کبیرہ اور براہِ وہم ووسوسہ ہو جب بھی ممنوع ، اس کا مرتکب فاسق افسق ہے یا وہمی احمق ، دین اسلام میں نہ چھوت ہے نہ وساوس پروری ۔روافض زمانہ علی العموم کفار و مرتد ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ** (جیسا کہ ہم نے ردالرفضہ میں اس کی تحقیق کی ہے ۔ت) اور مرتدین سے میل جول حرام ۔اور مسجد میں ایسا مذاق سُنّی صحیح العقیدہ سے بھی حرام ۔لاجرم شخص مذکور سخت فاسق وفاجر مرتکب کبائر ہے اور اُس کی امامت ممنوع ۔اُسے امام بنانا حرام ، اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ، اور نماز کے مسائلِ ضروریہ کا نہ جاننا بھی فسق ہے ، بہرحال شخص مذکور کی امامت کی ہرگز اجازت نہیں ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۶۵۴: از فیض آباد ڈاکخانہ شہزاد پور مرسلہ عبداللہ طالب علم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں ومفتیان شرع متین آیا زانی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں ، کیونکہ اس مسئلہ میں بہت جھگڑا پیدا ہوگیا ہے یہاں تک کہ حالت گزر گئی کہ نمازِ جماعت میں تفرق ہوگیا ہے ، حدیث اور کتاب کی سند ہونا چاہئے ۔**بینوا توجروا**

الجواب:

زانی فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز منع ہے ، اُسے امام بنانا گناہ ہے اُس کے پیچھے جو نمازیں پڑھی ہوں ان کا پھیرنا واجب ہے ۔ردالمحتار میں ہے :

مشی فی شرح المنیۃ علی ان کراھۃ تقدیمہ (یعنی الفاسق) کراھۃ تحریمہ [1]۔	شرح المنیہ میں ہے کہ اس (فاسق) کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے (ت)

درمختار میں ہے :

کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتھا [2]۔	ہر وُہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اُس کا اعادہ واجب ہے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۶۵۵: از گونڈہ ملک اودھ مرسلہ مسلمانانِ گونڈہ عموماً وحافظ عبدالحفیظ صاحب مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ گونڈہ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

زید صاحب علم متین ہے یعنی عالم ہے اور سیّد و معمر و پابندِ صلٰوۃ ہے مگر اکثر جماعت سے نماز

[1] ردالمحتار ، باب الامامۃ ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ، ۱/ ۴۱۴

[2] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

ادا نہیں کرتا اپنے گھر پر پڑھ لیتا ہے لیکن جمعہ کے روز مسجد میں امامت کرتا ہے اور کثرت سے لوگ اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں مگر بعض اشخاص اس کے پیچھے نماز سے اعتراض کرتے ہیں مگر اعتراض کنندہ زید سے ہر بات میں کم رتبہ ہیں اور محتاط و متقی بھی نہیں ہیں اور نفسانیت و ضد بھی ہے اور پیشتر یہ معترض بھی اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے تو پس زید کے پیچھے نماز پڑھنی ایسے اشخاص مذکورہ بالا کی درست ہے یا نہیں **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کا ترک جماعت کرنا اگر کسی عذر صحیح شرعی کے سبب ہے تو زید پر مواخذہ نہیں اور اس کے پیچھے ہر نماز بلا کراہت درست ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو اشخاص مذکورین کا اس کی اقتداء سے احتراز اس صورت میں محض جہالت و بیجا ہے، اور اگر وہ بلا عذر شرعی ترک جماعت کا عادی ہے تو یہ ضرور فسق ہے اور اس تقدیر پر اس کی اقتدا سے بچنا بجا ہے جبکہ جمعہ دوسری جگہ صالح امامت متقی کے پیچھے مل جاتا ہو ورنہ صرف اس عذر سے کہ امام تارک جماعت ہے ترک جمعہ کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ ردالمحتار میں ہے:

فی المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی جمعۃ لانہ فی غیرھا یجد امام غیرہ اھ۔ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول[1]۔	معراج میں ہے ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ جمعہ کے علاوہ فاسق کی اقتداء نہ کی جائے کیونکہ جمعہ کے علاوہ باقی نمازوں میں دوسرا امام میسر آسکتا ہے اھ۔ فتح میں ہے اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جمعہ بھی اس وقت مکروہ نہ ہوگا جب امام محمد کے قول جو مفتی بہ ہے کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوتا ہو، کیونکہ ایسی صورت میں دوسرے امام کی اقتداء میسر ہو سکتی ہے (ت)

درمختار میں ہے:

الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال وقیل واجبۃ وعلیہ عامۃ مشائخنا وھو الراجح عند اھل المذھب فتسن او تجب ثمرتہ تظھر فی الاثم بترکھا مرۃ[2] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	مردوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ ہے بعض نے واجب کہا ہے اور اکثر مشائخ اسی پر ہیں اور اہل مذہب کے ہاں بھی یہی راجح ہے پس جماعت سنت ہو یا واجب اس کا ثمر کسی ایک دفعہ ترک کی صورت میں ظاہر ہوگا اھ ملتقطا۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

مسئلہ ۶۵۶: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خان صاحب سررشتہ دار ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذابح البقر کی امامت کیسی ہے؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ غلط خوانی یابدمذہبی یافسق وغیرہا موانع شرعیہ نہ ہوں ذبح بقر کوئی مانع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۵۷: حیات النبی ہونے سے خالد کوانکار ہے اور مدینہ طیبہ کی زیارت سے بھی، حافظ قرآن مذکور کوانکار ہے یہاں تک کہ بہت سے مسلمانوں کو خانہ کعبہ سے لوٹالایا اور نہ جانے دیا ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں، کیاحکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خالد گمراہ بددین ہے اسے امام بنانا جائز نہیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلاکہ جمیع انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی حیات قرآن وحدیث واجماع سے ثابت ہے اور زیارت مدینہ طیبہ سے انکار رکھنا مسلمانوں کو لوٹالانا کار شیطان وخلاف رائے مسلمانان ہے،

قال اللہ تعالٰی وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی کافرمان ہے جو مومنین کے علاوہ کسی کے راستے کی پیروی کرتا ہے ہم اسے اس طرف پھیردیتے ہیں جس طرف وہ پھرتا ہے اور اسے ہم جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ براٹھکانہ ہے(ت)

مسئلہ ۶۵۸: مسئولہ عبدالرحیم صاحب ٹھلیاموہن پور ضلع بریلی ۵ محرم الحرام یوم یکشنبہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دونوں کانوں سے بہت بہرا ہے تکبیر اولی کانوں سے نہیں سنتا ہے اور قرآن شریف بھی اس کو صحیح یاد نہیں ہے، بیوی اس کی بے پردہ دکان پر چونے فروخت کرتی ہے، دوپٹہ موسم سرما میں گاڑھے کااوڑھتی ہے اور موسم گرمی میں خاصہ وتن زیب کااوڑھتی ہے اور کرتی دس گیارہ گرہ لانبی پہنتی ہے مگر کلائیاں ہر دو کھلی چوڑی آستینوں کے باہر رکھتی ہے اور اس کے شوہر کاکلیاحال معلوم ہے بچشم خود دیکھتاہے مگر کچھ ہدایت نہیں کرتا ہے اگروہ ہدایت اپنی بیوی کوپردے کی کرے تو اس کی حالت بہرے ہونے سے اور صحیح نہ پڑھنے سے قابل پیش امام ہونے کے ہے یانہیں؟ علاوہ گزارش مندرجہ بالاکے نہایت بدآواز بھی ہے اور جو شخص اُس کو ہدایت کرتا ہے تو اس حجت وتقریر

---

[1] القرآن ۴/ ۱۱۵

جہالت کے ساتھ کرتا ہے۔ بینواتوجروا

الجواب:

جبکہ اس کی عورت کی کلائیں کھولے باہر پھرتی دکان کرتی ہے یا گرمیوں میں باریک کپڑے پہنے نکلتی ہے جن سے بدن چمکتا ہے اور اس کا شوہر ان احوال سے واقف ہو کر حسب مقدور کامل بندوبست نہیں کرتا تو وہ دیوّث ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور اگر وہ عورت کو ہدایت بھی کرے اور اس الزام سے توبہ کرکے پاک ہوجائے تو اس حالت میں بھی جبکہ وہ قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا ہو جس سے نماز فاسد ہوتی ہے تو اس کی امامت بلکل باطل ہے اور اس کے پیچھے نماز اصلًا نہ ہوگی مگر یہ الزام وہی لگا سکتے ہیں جو خود صحیح پڑھتے ہوں ورنہ ان کی خود بھی نماز نہیں ہوسکتی وہ سب ایک سے ہوئے، ان سب پر فرض ہے کہ حرفوں کی اتنی صحت کرلیں جس سے نماز صحیح ہوجائے، جب تک ایسا نہ کریں گے ان سب کی نماز باطل ہوگی اور اگر غلطی وہ ایسی نہیں کرتا جس سے نماز فاسد ہو اور اس کے سوا اور کوئی صحیح پڑھنے والا وہاں نہیں تو لازم ہے کہ وہی امام کیا جائے اور بہرا ہونے کی پروانہ کی جائے جبکہ وہ عورت کا بندوبست کرلے اور اگر اور بھی صحیح العقیدہ وغیرہ فاسق صحیح پڑھنے والا وہاں موجود ہے تو یہ اگرچہ صحیح بھی پڑھے اور عورت کا بندوبست بھی کرلے اس دوسرے صحیح خواں کی امامت اولٰی ہوگی کہ جب یہ ایسا بہرا ہے کہ تکبیر کی آواز نہیں سنتا تو نماز میں اگر اس سے کہیں بھول یا غلطی واقع ہوئی مقتدیوں کا بتانا نہ سنے گا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۶۵۹: از بھیکن پور ضلع علی گڑھ مرسلہ جعفر علی صاحب ۲۴ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین بیچ امامت اس شخص کے کہ جو صرف حفظ قرآن وفارسی خواں ہو اور ایک مسجد کا امام تنخواہ دار لیکن بازار میں مسلمان سے لڑتا شور مغلظات الفاظ زبان پر لاتا ہو اور کبھی مسجد میں مؤذن سے سخت کلامی اور اس کی حسب ونسب پر مجمع مقتدیان میں الزام لگاتا ہو اموذن و بعض مقتدیوں سے عرصہ سے کدورت وکینہ رکھتا ہو تنبیہ کرنے پر مقتدیوں پر الزام لگاتا ہو کہ تم میری غیبت کرتے اور میری روزی چھیننے کی کوشش کرتے ہو اور اپنے قصور کا ہنوز اعتراف نہ کرتا ہو اور مؤذن سے سلام علیک ترک کردی ہو ایسے امام کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے یا کچھ کراہت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

مسلمان سے بلاوجہ شرعی کینہ وبغض رکھنا حرام ہے اور بلا مصلحت شرعیہ تین دن سے زیادہ ترک سلام وکلام بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمائے ہیں:

لا تباغضوا ولاتحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا[1]۔	بغض نہ رکھو، حسد اور غیبت نہ کرو اور اللہ کے بندے بن کر بھائی بھائی ہوجاؤ۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب الہجرۃ حدثنا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۹۷

اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم:

لایحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق الثلث [1]۔	کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ دوسرے بھائی سے تین دن سے زائد سلام وکلام قطع کرے۔(ت)

اور فحش بکنا خصوصًا برسرِ بازار معصیت وفسق ہے حدیث میں ہے رسول للہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس المومن بالطعان ولا الفحاش ف [2]۔	مومن طعن کرنے والانہیں ہوتااور نہ ہی فحش بکتا ہے(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحیاء من الایمان والبذاء من النفاق [3]۔	حیاء ایمان کا حصہ ہےاور بے حیائی نفاق کا حصہ ہے۔(ت)

خصوصًا اگراس فحش میں کسی مسلمان مرد یا عورت کو زنا کی طرف نسبت کرتا ہو جیسے آج کل فحش لوگوں کی گالیوں میں عام طور پر رائج ہے جب تو اشد کبیرہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ [4]۔	اللہ تعالٰی کافرمان ہے: اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے تم آئندہ کبھی ایسی بات نہ کرو اگر تم اہل ایمان ہو (ت)

بالجملہ شخص مذکور فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکرہ تحریمی یعنی پڑھنی منع ہے اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ فتاوٰحجہ پھر غنیہ پھر ردالمختار میں ہے: **لوقدموا فاسقا یاثمون** [5]۔(اگر لوگ نے فاسق کو مقدم کردیا تو وہ گنہ گار ہونگے۔ت)

مسئلہ ۶۶۰: از سیتاپور ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پر رفض کا شبہ ہے اس کی نشست ان لوگوں کے

---

[1] صحیح البخاری، الہجرۃ حدیث ثالث مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۷

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی اللعنۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹اور مسند احمد بن حنبل باب سند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۰۵

[3] جامع الترمذی، باب ماجاء فی العیّ، مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۳

[4] القرآن ۲۴/ ۱۷

[5] غنیۃ المتملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

ف: اعلحضرت کی ذکر کردہ عبارت میں ''الفحاش'' کا لفظ ہے جبکہ کتب احادیث جن سے حوالہ منقول ہے ان میں ''الفاحش'' کالفظ ہے۔ نذیر احمد سعیدی

پاس ہے اور ان کی خاص مجلسوں میں جاتے بھی اسے دیکھا اور اس سے توبہ کو کہا جائے تو توبہ بھی نہیں کرتا اور حالت اس کی یہ ہے کہ رافضیوں میں رافضی، سنّیوں میں سُنی اور اسے بعض لوگوں نے اپنے لڑکوں کا معلم اور مسجد کا امام مقرر کیا ہے اس صورت میں اس کا اور اس کے مقرر کرنے والوں کا کیا حکم ہے اور اس کا معزول کرنا بوجہ شبہ کے واجب ہے یا نہیں اگر ہے تو کس دلیل سے، حالانکہ وہ اہلسنت کے سامنے کوئی بات عقیدہ روافض کی زبان سے نہیں نکالتا اور اگر وہ توبہ کرلے تو اس کے بعد بھی رکھا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ ثابت و محقق ہو کہ رافضیوں رافضی اور سنیوں میں، سُنی بنتا ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ رافضی بھی ہے اور منافق بھی اور اس کے پیچھے نماز باطل محض، جیسے کسی یہودی نصرانی ہندو مجوسی کے پیچھے کمابیناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ ہم نے اسے النہی الاکید میں بیان کیا ہے۔ت) بلالکہ تبرائی روافض زمانہ ان سے بھی بدتر ہیں کہ وہ کافران اصلی ہیں اور یہ مرتد، اور مرتد کا حکم سخت تر و اشد کما حققناہ فی المقالۃ المسفرۃ (اس کی تحقیق ہم نے اپنے مقالے مسفرہ میں کی ہے۔ت) اور اگر صرف اسی قدر ہو کہ اس کی حالت مشکوک و مشتبہ ہے جب بھی اسے امامت سے معزول کرنا بدلائل کثیرہ واجب ہے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں)

دلیل اول: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب کسی امر کے بدعت و سنت ہونے میں تردد ہو تو وہاں سنت ترک کی جائے۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار مکروہات الصلاۃ میں ہے:

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحا علی فعل البدعۃ[1]۔ مختصرًا	جب حکم سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو بدعت پر عمل کی بجائے ترک سنت راجح ہے (ت)

المحیط پھر فتح القدیر اواخر سجود السہو میں ہے:

ما تردد بین البدعۃ والسنۃ ترکہ لان ترک البدعۃ لازم واداء السنۃ غیر لازم[2]۔	جب بدعت اور سنت کے درمیان تردد ہو تو سنت کو ترک کردیا جائے کیونکہ ترک بدعت لازم اور اداء سنت غیر لازم ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ اگر یہ شخص واقع میں سُنی ہو تو خاص اسی کو امام کرنا کچھ سنت بھی نہیں اور رافضی ہو تو اسے امام کرنا حرام قطعی

[1] ردالمحتار مطلب اذاتردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۵

[2] فتح القدیر باب سجود السہو مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۵۵

جب سنت ومکروہ کے تردد میں ترک سنت کی علم ہوا تو جائز وحرام قطعی کے تردد میں وہ جائز کیوں نہ واجب الترک ہوگا۔
دلیل دوم علماء فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کے واجب وبدعت ہونے میں تردد ہو تو ترک نہ کی جائے۔ فتح وحلیہ وبحر وردالمحتار وغیرہ میں ہے:

واللفظ لهذا فی النوافل قد تقرر ان مادار بین وقوعه بدعة اوواجبا لا یترك[1]۔	بیان نوافل میں اس (ردالمحتار) کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ بات مسلمہ ہے جس کام کا وقوع بدعت اور واجب کے درمیان متردد ہو تو اسے (یعنی واجب کو) ترک نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ شخص سنی ہو تو اس کی جگہ دوسرا امام مقرر کرنا کچھ بدعت بھی نہیں اور رافضی ہو تو اسے معزول کرنا فرض قطعی جب بدعت وواجب کے تردد میں فعل ضروری ہوتا ہے تو جائز وفرض قطعی کے تردد میں اسے معزول کرنا کیوں نہ اشد ضروری ہوگا۔
دلیل سوم: شرع مطہر کا قاعدہ مقرر ہے کہا **اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام**[2]۔ جب ایک چیز میں حلت وحرمت دونوں وجہیں جمع ہوں تو غلبہ حرمت کو رہے گا اور وہ شے حرام سمجھی جائے گی۔ کمافی الاشباہ والنظائر (جیسا کہ اشباہ والنظائر میں ہے۔ت) یہ سنی ہو تو امامت حلال اور رافضی ہو تو حرام، تو غلبہ حرمت ہی کو دیا جائے گا۔
دلیل چہارم: عبادات میں احتیاط مطلقاً واجب ہے نہ کہ نماز کہ اہم واعظم عبادات ہے جس کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ اگر اس کی صحت وفساد میں اشتباہ پڑے ایک وجہ سے فاسد ہوتی ہو اور متعدد وجوہ سے صحیح تو اس ایک ہی وجہ کا اعتبار کرکے اس کے فساد ہی کا حکم دیں گے، فتح القدیر صلاۃ المسافر میں ہے:

هذه مسائل الزیادات . مسافر ومقیم ام احدهما الاخر فلما شرعا شكافی الامام استقبلا لان الصلوة متی فسدت من وجه وجازت من وجوه حكم بفسادها وامامة المقتدی مفسدة. واحتمال كون كل منهما	یہ مسائل زیادات کے ہیں مسافر اور مقیم میں سے ایک نے دوسرے کی امامت کی جب دونوں نے نماز شروع کی تو انھیں امام کے بارے میں شک ہوگیا کہ میں امام ہوں یا دوسرا تو نماز نئے سرے سے ادا کریں کیونکہ نماز جب ایک جہت سے فاسد اور کئی وجوہ کی

[1] ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۱۶
[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثانیۃ اذا اجتمع الحلال الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۴

مقتدیا قائم فتفسد علیھما[1]۔	بناء پر صحیح ہو تو نماز کے فاسد ہونے کا حکم دیا جائیگا، اور مقتدی کا امام ہونا مفسد نماز ہے اور ایسی صورت میں یہاں ہر ایک کے مقتدی ہونے کا احتمال باقی ہے لہذا دونوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

ظاہر ہے کہ بر تقدیر سنیّت اس کے پیچھے نماز صحیح اور بر تقدیر رفض فاسد، تو اس کی امامت کیونکر جائز ہوسکتی ہے،

دلیل پنجم: علماء فرماتے ہیں قاضی محض تہمت وحصول ظن پر تعزیر دے سکتا ہے، بحر ونہر ودرمختار وغیرہا میں ہے: **للقاضی تعزیر المتھم وان لم یثبت علیہ**[2]۔ (قاضی محض تہمت کی بناء پر تعزیر جاری کرسکتا ہے اگرچہ ثبوت نہ ہو۔ت)

جب تہمت ایسی چیز ہے جس کے سبب بے ثبوت صریح ایک مسلمان کو سزا دینے کی اجازت ہوجاتی ہے جس میں اصل حرمت ہے تو نماز کے لئے احتیاط کرنی کیوں نہ واجب ہوجائیگی جس کی اصل فرضیت ہے جس شخص نے اس کے حال سے مطلع ہوکر اسے مسلمانوں کا امام یا اپنے لڑکوں کا معلم مقرر کیا حالانکہ اہلسنت میں صاف وپاک امام ومعلم بکثرت مل سکتے ہیں اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی وہ مسلمانوں کا بدخواہ ہے اس پر اپنے فعل سے توبہ اور اپنے مقرر کئے ہوئے کو معزول کرنا لازم حاکم صحیح مستدرک میں ہے اور ابن عدی وعقیلی وطبرانی وخطیب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا من عصابۃ وفیھم من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمومنین[3]۔	جس نے کسی جماعت سے ایک شخص کو کام پر مقرر کیا اور ان میں وہ شخص موجود تھا جو اس سے زیادہ اللہ کو پسند ہے تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی۔(ت)

تیسیر شرح جامع صغیر میں اسی حدیث کی شرح میں ہے:

ای نصبہ علیھم امیرا اوقیما اوعریفا اواماما للصلٰوۃ[4]۔	یعنی اس نے لوگوں پر امیر، نگہبان، محاسب یا نماز کے لئے امام بنایا۔(ت)

پھر اگر یہ شخص توبہ بھی کرلے تو بمجرد توبہ اسے امام نہیں بناسکتے بلاکہ لازم ہے کہ ایک زمانہ ممتد تک اسے معزول رکھیں اور اور اس کے احوال پر نظر رہے، اگر خوف وطمع وغضب ورضا وغیرہا حالات کے متعدد تجربے ثابت کردیں کہ واقعی یہ

---

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ نوریہ رجویہ سکھر ۲/ ۱۴

[2] درمختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۹

[3] المستدرک علی الصحیحین الامارۃ امانۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۹۲

ف: مستدرک میں فیھم کی جگہ فی تلک العصابۃ کا لفظ ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشاجعی الریاض ۲/ ۳۹۶

سنی صحیح العقیدہ ثابت قدم ہے اور روافض سے اصلاً میل جول نہیں رکھتا بلکہ ان سے اور سب گمراہوں بدینوں سے متنفر ہے اس وقت اسے امام کرسکتے ہیں فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الفاسق اذا تاب لایقبل شھادته مالم یمض علیه زمان یظھر علیه اثرالتوبة والصحیح ان ذلك مفوض الی راء القاضی [1]۔	فاسق جب تاب ہوجائے تو اس وقت تک اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک اتنا زمانہ نہ گزر جائے جس میں توبہ کا اثر ظاہر ہوجائے اور صحیح یہی ہے کہ یہ قاضی کی رائے کے سپرد کیا جائے۔(ت)

امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب صبیغ سے جس پر بوجہ بحث متشابہات بدمذہبی کا اندیشہ تھا بعد ضرب شدید توبہ لی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھیں اس کے ساتھ خرید وفروخت نہ کریں بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو نہ جائیں مرجائے تو اس کے جنازے پر حاضر نہ ہوں، تعمیل حکم احکم ایک مدت تک یہ حال رہا کہ اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے اور وہ آتا سب متفرق ہوجاتے جب موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض بھیجی کہ اب اس کا حال اچھا ہوگیا اس وقت اجازت فرمائی۔

اخرج ابوالفتح نصر بن ابراھیم المقدسی فی کتاب الحجة وابن عساکر عن ابی عثمان النھدی عن صبیغ انه سال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه عن المرسلات والذاریت و النازعات فقال له عمر الق ما علی راسك فاذاله ضفیرتان فقال لو وجدتك محلوقا لضربت الذی فیه عیناك ثم کتب الی اھل البصرة ان لاتجالسوا صبیغا قال ابو عثمان فلوجاء ونحن مائة تفرقنا عنه [2]۔**واخرج ابوبکر بن الانباری فی کتاب المصاحف**	ابوالفتح نصر بن ابراہیم مقدسی نے کتاب الحجہ میں اور ابن عساکر نے ابو عثمان نہدی سے انھوں نے صبیغ سے بیان کیا کہ انھوں نے حضرت عمر سے سورہ المرسلات، الذاریات، والنازعات کے بارے میں پوچھا تو حضرت عمر نے انھیں فرمایا اپنا سر کا کپڑا اٹھاؤ، جب اس نے کپڑا اٹھایا تو اس کے دو چوٹیوں کی صورت بال تھے، حضرت عمر نے فرمایا اگر میں تجھے حلق کیا ہوا پاتا تو میں وہ (سر) اڑادیتا جس میں تیری آنکھیں ہیں۔ پھر اہل بصرہ کی طرف آپ نے خط لکھا کہ صبیغ کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ابو عثمان کا بیان ہے اگر صبیغ آجاتا اور ہم سو کی تعداد میں ہوتے فوراً ہم سب اس سے جدا ہوجاتے۔اور ابو بکر بن انباری نے کتاب المصاحف

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادتہ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

[2] کتاب الحجۃ

وابن عساکرعن محمد بن سیرین قال کتب عمر بن الخطاب الی ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لاتجالسوا صبیغاوان یحرم عطاءہ لا ورزقہ [1] واخرج المقدسی فی الحجۃ عن اسحٰق بن بشیر القریشی قال اخبرنا ابن اسحٰق او ابو اسحٰق قال کتب ای امیرالمؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ الی ابی موسیٰ امابعد فان الاصبغ بن علیم التیمی تکلف ماکفی وضیع ماولی فاذاجاءك کتابی ھذا فلاتبایعوہ وان مرض فلا تعودوہ وان مات فلا تشھدوہ ۔قال فکان الاصبغ یقول قدمت البصرۃ فاقمت بھا خمسۃ وعشرین یوما وما من غائب احب الی ان القیہ من الموت ثم ان اللہ الھمہ التوبۃ وقذ فھا فی قلبہ فاتیت اباموسیٰ وھو علی المنبر فسلمت علیہ فاعرض عنی فقلت ایھا المعرض انہ قد قبل التوبۃ من ھو خیرمنك ومن عمر وانی اتوب الی اللہ عزوجل مما اسخط امیر المومنین وعامۃ المسلمین فکتب بذلك الی عمر فقال صدق اقبلوا من اخیکم [2]	میں ، اور ابن عساکر نے امام محمد سیرین سے نقل کیا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف خط لکھا کہ صبیغ کو پاس نہ بٹھاؤ،اس کو عطااور رزق سے محروم رکھاجائے اور المقدسی نے اسحاق بن بشر قرشی سے کتاب الحجہ میں نقل کیا ہے کہ ہم سے ابن اسحٰق یا ابو اسحٰق نے بیان کیا امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابو موسیٰ کو خط لکھا حمد وصلوٰۃ کے بعد اصبغ بن علیم تمیمی نے جو کچھ اسے کافی تھا اس میں تکلف کیااور اس نے اپنی ولایت کو ضائع کیاجب اپ کے پاس میرا پیغام آجائے تواسکے ساتھ خرید وفروخت نہ کرو، اگروہ بیمار ہوجائے تو عیادت نہ کروا گروہ مرجائے تو جنازہ میں شریک نہ ہونا۔ راوی کہتا ہے اصبغ کہتا تھامیں بصرہ گیاوہاں پچیس دن ٹھہرا، مجھے موت سے بڑھ کر کوئی غائب شیئ محبوب نہ تھی، پھر اللہ تعالٰی نے توبہ کی توفیق دی اور دل میں توبہ کا خیال پیدا کیا تو پھر میں ابو موسیٰ کے پاس آیا آپ منبر پر تشریف فرماتھے میں نے سلام کیاانھوں نے اعراض کیا، میں نے کہا اے اعراض کرنے والے ! اس ذات نے توبہ قبول کرلی جو تجھ سے اور عمر سے بہتر ہے اور میں ہراس معاملہ سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں جس پر امیر المومنین اور عام مسلمان ناراض تھے ، پھر ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف یہ معاملہ لکھاتوآپ نے فرمایاوہ سچ کہتا ہے اپنے بھائی

[1] کتاب المصاحف لابی بکر ابن الانباری

[2] کتاب الحجۃ

واخرج الدارمی ونصرو الاصبهانی کلاهما فی الحجة وابن الانباری فی المصاحف واللالکائی فی السنة وابن عساکر فی التاریخ عن سیلمٰن ابن یسار ان رجلا من بنی تمیم یقال له صبیغ بن عسل قدم المدینة وکان عندہ کتب فکان یسئل عن متشابه القران فبلغ ذلك عمر رضی الله تعالٰی عنه فبعث الیه وقد اعد له اعراجین النخل فلمادخل علیه قال من انت قال انا عبد الله صبیغ قال عمر رضی الله تعالٰی عنه وانا عبدالله عمر واومأ الیه فجعل یضربه بتلك العراجین فمازال یضربه حتی شجه وجعل الدم یسیل علی وجه. فقال حسبك یا امیرالمؤمنین والله فقد ذهب الذی اجد فی راسی [1] **واخرج** الدارمی و ابن عبدالحکیم وابن عساکر من مولی ابن عمر ان صبیغ العراقی جعل یسئل عن اشیاء من القران فی اجناد المسلمین (وساق الحدیث الی ان قال) فارسل عمر الیّ یطلب الجرید فضربه بها حتی ترك ظهرہ دبرۃ ثم ترك حتی بری، ثم عادله ثم ترکه حتی بری، ثم دعابه لیعود به فقال صبیغ یا امیر

کو قبول کرو۔ دارمی، نصر اصبہانی دونوں نے حجہ میں اور ابن انباری نے مصاحف میں، لالکائی نے سنت میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں سیلمان بن یسار سے روایت کیا کہ بنو تمیم کا ایک شخص تھا جس کا نام صبیغ بن عسل تھا وہ مدینہ آیا اس کے پاس کچھ کتب تھیں وہ قرآن کے متشابہات کے بارے میں پوچھتا تھا اس بات کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پہنچی تو آپ نے اسے بلایا اور اس کے لئے کھجور کی دو چھڑیاں تیار کیں، آیا تو آپ نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ عمر ہوں، اس کے بعد اپ نے اس کی طرف اشارہ کیا اور ان دو چھڑیوں کے ساتھ اسے مارا حتی کہ وہ زخمی ہوگیا اور چہرے سے خون بہنے لگا۔ وہ کہنے لگا اے امیر المؤمنین! مجھے چھوڑ دو یہی کافی ہے اللہ کی قسم جو کچھ میرے دماغ میں (خمار) تھا وہ جاتا رہا۔ اور دارمی، ابن عبدالحکیم اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام سے بیان کیا کہ صبیغ عراقی مسلمانوں کے مختلف گروہوں سے قرآن کی بعض اشیاء کے بارے میں سوال کرتا تھا (آگے چل کر کہا) حضرت عمر نے مجھ سے چھڑی منگوائی اور اسے پیٹا حتی کہ اس کی پشت کو زخمی چھوڑ دیا پھر مارا پھر چھوڑ دیا حتی کہ وہ صحیح ہوگیا، پھر آپ نے دوبارہ اس کو مارا حتی کہ وہ صحیح ہوگیا] پھر آپ نے اسے بلایا تاکہ پھر اس کی پٹائی کی جائے، تو اس نے کہا

[1] سنن الدارمی باب من ھاب الفتیا کرہ التنطع والتبدع مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/۵۱

المؤمنین ان کنت ترید قتلی فاقتلنی قتلا جمیلا وان کنت ترید تداوینی فقد واللہ برئت فاذن لہ الی ارضہ وکتب الی ابی موسیٰ الشعری ان لایجالسہ احد من المسلمین فاشتد ذلک علی الرجل فکتب ابو موسیٰ الشعری الی عمر ان قد حسنت توبتہ ، فکتب ان یاذن للناس فی مجالستہ[1]۔	اے امیر المؤمنین ! اگر آپ مجھے قتل کرنا ہی چاہتے ہیں تو بہتر انداز میں قتل کیجئے اور اگر میرا علاج فرمارہے ہیں تو اللہ کی قسم اب میں درست ہوں، آپ نے اسے اپنے علاقے میں جانے کی اجازت دے دی اور ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ اسے مسلمانوں کی کسی مجلس میں نہ بیٹھنے دو۔ اس شخص پر یہ معاملہ گراں گزرا حتیٰ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عمر کی طرف خط لکھا کہ آپ نے اس کی توبہ درست کردی ہے، تو حضرت عمر نے لکھا کہ اب لوگ اسے اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دیں۔ (ت)

بلالکہ اگر اس کا مکر وزور وکذب وفریب ظاہر ومشہور ہو تو بعد توبہ بھی کبھی امام نہ کریں کہ اسے امام کرنا کچھ ضرور نہیں اور معروف کذاب کی توبہ پر ہمیں اعتبار کا کیا ذریعہ ہے خصوصًا روافض خذلھم اللہ تعالٰی کہ تقیہ ان کا اصل مذہب اور اس کی بنیاد کا سب سے پہلا پتھر ہے خصوصًا جہاں نوکری وغیرہ کی طمع یا کسی خوف کا قدم درمیان ہو۔ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ کی کتاب بدائع پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

المعرف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شھادتہ ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سھوا اوابتلی بہ مرۃ ثم تاب[2] اھ ونسال اللہ حسن التوبۃ والعفو والعافیۃ۔	جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہو اس کی عدالت ثابت نہیں لہٰذا اس کی شہادت کبھی قبول نہ کی جائے اگرچہ اس نے توبہ کرلی ہو بخلاف اس شخص کے جس نے سہوًا یا وقت مجبوری کبھی ایک دفعہ جھوٹ بولا ہو اور پھر توبہ کرلی ہو اھ ہم اللہ تعالٰی کی بارگاہ سے حسن توبہ، معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں (ت)

بعینہٖ یہی حکم وہابیت دیوبندیہ کا ہے کہ وہ بھی مثل رفض زمانہ ارتداد مبین اور اس کے اصاغر مثل روافض تقیہ گزیں تو جسے دیکھیں کہ ان لوگوں سے میل جول رکھتا، ان کی مجالس وعظ میں جاتا ہے، اس کا حال مشتبہ ہے ہر گز اسے امام نہ کریں اگرچہ اپنے کو سنی کہتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] سنن الدارمی باب من ھاب القتیاو کرہ التنطع والتبدع مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہاتہ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

مسئلہ ۶۶۱: زید وہابیہ عقیدہ رکھتا ہے اور اس کا لڑکا نابالغ بعمر تخمیناً ۱۲ سال امسال قرآن حافظ ہوا ہے اور وہ ہم لوگ مذہب حنیفہ اہلسنت وجماعت کو مجبور کرتا ہے اور زور ڈالتا ہے کہ میرے لڑکے مذکورہ بالا کے پیچھے قرآن شریف سن لیا جائے، اس کے پیچھے تراویح وغیرہ درست ہے یا نہیں؟ **بنیوا توجروا**

الجواب:

اس لڑکے کے پیچھے تراویح وغیرہ کوئی نماز جائز نہیں کہ صحیح مذہب میں نابالغ بالغوں کی امامت کسی نماز میں نہیں کرسکتا اور اگر وہ عقیدہ بھی وہابیہ رکھتا ہو جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو وہابی کے پیچھے ویسے بھی نماز ناجائز محض ہے اگرچہ بالغ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۶۶۲: از شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ جناب ہدایت اللہ خان صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقت نماز چند اشخاص جمع ہیں لیکن کامل پابند شریعت نہیں ہیں ایک حافظ ہے اور مسائل سے بھی واقف ہے مگر داڑھی اس کی کسی قدر کتری ہوئی ہے موافق شرع نہیں دوسرے کا لباس ووضع تو موافق شریعت ہے اور کچھ مسائل سے کسی قدر واقفیت رکھتا ہے مگر قران مجید بمقابلہ حافظ کے صحیح نہیں پڑھ سکتا نہ خطبہ جمعہ کا یہ کوئی شخص حافظ تو نہیں مگر مسائل نماز سے واقف ہے قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہے ملازمت پولیس کرچکا ہے پنشن پاتا ہے غرض ایسی ہی حالت ہر شخص کی ہے اس حالت میں کون شخص امامت کے لائق سمجھا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان میں جو شخص وضو وغسل وغیرہ طہارت ٹھیک کرتا ہو نماز صحیح پڑھتا ہو قرآن مجید ایسا غلط نہ پڑھتا ہو جس سے معنی بدلیں فاسق ہوں اس کے پیچھے نماز ہوجائے گی مگر امام بنانا جائز ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مذہب کا سنی خالص ہو فاسق علی الاعلان نہ ہو یعنی کوئی گناہ کبھی اعلان کے ساتھ نہ کرتا ہو صغیرہ بھی عادت واصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے، جو شخص ان سب باتوں کا جامع ہو اگرچہ قرآن عظیم حافظ کی مثل نہ پڑھ سکے یا پولیس کی پنشن پائے اسے امام بنانے میں حرج نہیں، اور داڑھی حد شرع سے کم کراتا ہو وہ فاسق معلن ہے اسے امام بنانا گناہ ہے، سنی ہونا جو ہم نے جواز امامت کی شرطوں میں رکھا ہے نہ صحت نماز کی، اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا بدمذہب بھی جس کی بدمذہبی حد کفر تک نہ پہنچے کہ ایسے کو امام بنانا گناہ، اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا اور جس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہو جیسے آج کل کے عام رافضی، وہابی، نیچری، قادیانی، غیر مقلد کے پیچھے تو نماز محض باطل ہے جیسے کسی ہندو یا پادری کے پیچھے **والعیاذ باللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۶۳: از موربھنج ضلع بریسال مرسلہ عبدالرحیم صاحب ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

جس شخص کو جذام کا گھاؤ ہوگیا ہو لیکن لنگڑا یا انگلیاں گرانہ ہوا اچھی طرح اُٹھ بیٹھ سکتا ہے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں ؟اور جس کو سوزاک ہو یا منہ بانکا ہوگیا ہو یا ضعیف اس قدر ہو کہ اٹھنے بیٹھنے میں دیر لگتی ہو ان اشخاص کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

جذام میں جب تک ٹپکنا نہ شروع ہوا ہو یہ حکم ہے کہ اگر لوگوں کی نفرت کی حد تک ہے جس کے سبب اس کی امامت میں جماعت کی کمی ہو تو اس کی امامت مکروہ ہے ورنہ نہیں، اور اگر ٹپکنے لگا تو اگر معذور کی حد تک پہنچ گیا کہ ایک وقت کامل کسی نماز کا اس پر ایسا گزرا کہ وضو کرکے فرض پڑھ لینے کی مہلت نہ تھی تو جب تک ہر نماز کے وقت اگرچہ ایک ایک ہی بار ٹپکنا پایا جائے وہ معذور ہے اسے پانچ وقت تازہ وضو کرنا کافی ہے اور اس کے پیچھے صرف ایسے ہی عارضہ والے کی جو اسی کی سی حالت رکھتا ہو نماز ہوجائے گی باقی لوگوں کی نماز نہیں ہوسکتی یہی حکم سوزاک کا ہے اگر پیپ بہتا ہو اور اگر پیپ نہ نکلے تو اس کے پیچھے نماز میں کچھ حرج نہیں، جس کا منہ معاذاللہ ٹیڑھا ہوگیا ہو اگر اس کے سبب قرات صحیح نہ پڑھ سکتا ہو حروف غلط ادا ہوتے ہوں تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اگر حروف صحیح نکلتے ہوں مگر پڑھنے میں بہت بدنمائی پیدا ہوگئی ہو تو اس کی امامت اولٰی نہیں ورنہ کچھ حرج نہیں جو ضعف کے سبب دیر میں اٹھتا بیٹھتا ہو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں جبکہ ایسی حالت نہ ہو کہ مثلاً جب تک سجدہ سے اٹھ کر بقدر تین بار سبحٰن اللہ کہنے کے بیٹھا نہ رہے کھڑا نہیں ہوتا اور جب ایسی حالت ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے ۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶۴: ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص مسجد اہلسنت وجماعت کا امام اور وہ بھی مدعی ہے کہ میں سنی ہوں مگر اس کی رشتہ داری وقرابت روافض سے ہوئی ہے، اس کی پھُپھاں بھی روافض کو منسوب ہوئیں اور اس کی ہمشیرگان کے روافض سے نکاح ہوئے اور اس نے اپنا نکاح بھی روافض میں کیا ایسی حالت میں اس کا دعوٰی قبول ہوگا یا نہیں، تقیہ جو روافض کا شعار ہے اور اس کے ذریعہ سے اہلسنت کے عبادات کو ضائع کرنا باعث نجات خیال کرتے ہیں محمول ہو کہ ایسے شخص کے پیچھے اہلسنت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بفرض محال اس کے دعوی کو سچ سمجھا جائے اور اس کو سنی خیال کیا جائے تو نکاح اس کا اور اس کی ہمشیرگان کا صحیح ہوا یا نہیں، اور جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھیں اس کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگرچہ رافضیوں کے یہاں بیاہت کرنے سے خود اس شخص کا خواہی نہ خواہی رافضی ہونا واضح نہیں ہوتا کہ

بعض احمق نادان جاہل سنی بھی اس بلائے عظیم میں محض اپنی جہالت سے مبتلا ہیں اور بعض وہ بھی ہیں کہ اسے برا سمجھتے ہیں اور پھر اپنی اگلی رشتہ داریوں وغیرہا بیہودہ وجوہ کے سبب اس میں مبتلا ہوتے ہیں اور پھپھیوں بہنوں کے نکاح میں وہ بھی عذر کرسکتا ہے کہ یہ فعل اس کے باپ دادا کا ہے بلاکہ شاید اپنے نکاح میں بھی یہی کہے کہ باپ نے کردیا اور ایسی وجو سے کسی کے قلب وعقیدہ پر حکم نہیں لگا سکتے، اور جب وہ اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور اس کی کوئی بات عقیدہ اہلسنت کے خلاف نہیں تو بدگمانی کرکے رافضی ٹھہرا دینے کی اجازت نہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[1]۔	اور جو تمھیں سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: افلا شققت عن قلبه[2] (کیا تونے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا۔ت) مگر امام بنانے کے لئے فقط سنی تصور کرنا ہی کافی نہیں بلاکہ فاسق معلن نہ ہونا ضرور ہے اس کی حالت دیکھی جائے اگر رافضیوں سے میل جول خلاملا دوستی اتحاد کے برتاؤ کرتا ہے تو اگر رافضی نہیں تو کم از کم سخت فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ، اور جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا واجب کما فی فتاوی الحجة والغنیة وغیرھما من الاسفار الکثیرة وقد حققناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ فتاوی الحجہ، غنیہ اور دیگر متعدد کتب میں ہے، اور ہم نے اس کی تحقیق النہی الاکید میں کی ہے۔ت) اور اگر باوصف ان بیاہتوں کے ان لوگوں سے بالکل جدا ہے تو اسے بتایا جائے کہ آج کل کے تبرائی رافضی علی العموم کافر ومرتد ہیں اور ان سے نکاح مرد کا ہو یا عورت کا محض باطل ہے اور اس میں قربت زنائے خالص اور اولاد اولاد الزنا ہے، یوں نہ سمجھے تو اسے رسالہ ردالرفضہ دکھایا جائے جس میں بکثرت کتب معتمدہ کی صاف تصریحوں سے کفر ثابت کیا گیا ہے اگر پھر بھی نہ مانے تو متمرد وسرکش فاسق ہوگا اور رافضیہ عورت کے رکھنے سے زناکار ہوگا اور اسے امامت سے معزول کرنا واجب ہوگا اور اگر جاہل نہیں بلاکہ جانتا ہے کہ وہ مرتد ہے اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا پھر اس عورت کو جدا نہیں کرتا آپ ہی فاسق وزانی اور امامت سے واجب العزل ہے اور اگر رافضیوں کے عقائد کفریہ خالص پر مطلع ہے اور پھر ان کو مسلمان جانتا ہے جب تو فسق درکنار خود کفر ہے۔ بزازیہ و مجمع الانہر ودرمختار وغیرہا میں ہے: من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر[3] (جس نے

---

[1] القرآن ۴/۹۴

[2] مسند احمد بن حنبل مروہ عن اسامہ بن زید مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۲۰۷

[3] درمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہوگیا ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶۵: از ڈاکخانہ چوپکہ تحصیل وضلع مٹر پور موہرہ کنھیالالمسؤلہ غلام محمد صاحب ۲۸ صفر ۱۳۲۱ھ

مسند نشین شریعت غرا جناب مولینا صاحب دام ظلکم بعد حصول سعادت قدمبوسی عرض یہ ہے کہ جو کہ کمترین کے آباؤ اجداد تھے وہ سب گاؤں کے امام تھے اور قدیم ایّام سے امامت کرتے چلے آئے ہیں اور کمترین کے جناب دادا صاحب بھی خود گاؤں کے استاد تھے اور کمترین کے جناب والد بزرگوار بھی استاد ہی اور امامت کرتے تھے اور ان کے بعد میں بھی استادی طریقہ رکھتا ہوں کہ گاؤں کے بہت سے لڑکوں کو قرآن مجید کی تعلیم اور کتابوں وغیرہ کی بھی دی ہے اور پانچ نماز بھی ہم امام ہو کر پڑھواتے رہے ہیں اور اب گاؤں کے ایک شخص زمیندار نے کہا اگر مرضی ہو تو امام رکھیں ورنہ نہ رکھیں کہ امام نوکر کی جگہ ہوتا ہے خواہ نوکر کے پیچھے نماز ادا کریں یا نہ کریں اور غرضیکہ اس نے بہت بیہودہ گالی بھی نکالی ہیں اور بے ادب لفظ بولے ہیں اور اب کمترین جناب کی جانب دراز دست ہے اس شخص کی نسبت فتوٰی حدیث اور شریعت کے تحریر کرکے ارسال فرمائیں کہ اس کو تعزیر لگائی جائے از حد مہربانی ہوگی اور کمترین کا حق گاؤں پر ہے یا نہیں اور شریعت میں اس کے واسطے کیا حکم ہے وہ اب امامت سے برخاست کرنا چاہتے ہیں فتوٰی مع آیات واحادیث کے ارسال فرمائیں۔

الجواب:

کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دینا حرام ہے اور گالی دینا سخت حرام ہے اور بعض گالیاں تو کسی وقت حلال نہیں ہوسکتی اور ان کا دینے والا سخت فاسق اور سلطنت اسلامیہ میں اس (۸۰) کوڑوں کا مستحق ہوتا ہے ان سے ہلکی گالی بھی بلاوجہ شرعی حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذٰی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[1]۔	جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔

اور علم دین کے استاد کا حق باپ سے بھی زائد ہے ستانے والا عاق ہوتا ہے اور بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کے رزق میں خلل اندازی بہت سخت بے جا اور بلاوجہ ایذا ہے اور ایسوں کو خوف نہیں آتا کہ وہ کسی مسلمان کے رزق میں بلاوجہ خلل ڈالیں، اللہ قادر مطلق ان کی روزی میں خلل ڈالے ان کا رزق تنگ کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کما تدین تدان[2] (جیسا تو اوروں کے ساتھ کرگا ویسا ہی اللہ تیرے ساتھ

[1] کنز العمال الباب الثانی فی الترہیبات، مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۰

[2] کنز العمال الباب الاول فی مواعظ الترغیبات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

کریگا) ان لوگوں پر لازم ہے کہ امام سے معافی مانگیں، استاد سے خطا بخشوائیں اور اگر کوئی حرج شرعی نہ ہو تو بے سبب اسے موقوف نہ کریں، ہاں اگر سبب شرعی ہو تو بہ نرمی، اس سے کہیں اگر وہ اس کا علاج نہ کرے یا نہ کرسکے تو نرمی کی ساتھ الگ کردیں اس وقت اس امام کو بھی بے جاہٹ مناسب نہیں، امامت کسی کا حق و میراث نہیں، اور وجہ شرعی کے سبب اہل جماعت جس کی امامت سے ناراض ہوں اسے امام بننا گناہ ہوتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶۶: ۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنا نکاح ایک عورت سے کیا کچھ عرصہ بعد اپنی عورت کی ہمشیرہ سے دوسرا نکاح کیا دونوں عورتیں اس کے پاس رہیں کچھ مدت کے بعد اس دوسری سے ایک لڑکا پیدا ہوا جب وہ بالغ ہوا اس نے کلام مجید پڑھا اب اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ لڑکا ولد الحرام ہے ولد الزنا نہیں اسے حرامی نہیں کہہ سکتے کہ عرف میں حرامی والد الزنا کو کہتے ہیں اور یہ شرعًا اپنے اسی باپ کا بیٹا ہے اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں، ہاں اگر جماعت کو اس کے ولد حرام ہونے کے باعث اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے نفرت ہو تو اس کی امامت مکروہ ہوگی کہ وجہ تقلیل جماعت ہوگی مگر اس صورت میں کہ یہ لڑکا سب حاضرین سے زیادہ مسائل نماز وطہارت کا علم رکھتا ہو تو اسی کی امامت اولٰی ہے اور اب اگر عوام کو نفرت ہو تو انہیں سمجھایا جائے کہ ان کی یہ نفرت خلاف حکم و بے محل و بے جا ہے یہ تو یہ اگر کوئی ولد الزنا بھی ہو تو جب حاضرین سے علم میں زائد ہو وہی مستحق امامت ہے۔ علمگیریہ میں ہے:

ان تزوجھما فی عقد تین فنکاح الاخیرۃ فاسدۃ ویجب علیه ان یفارقھما وان فارقھا بعد الدخول فعلیھا العدۃ ویثبت النسب[1] (ملخصًا)	اگر دو بہنوں کا کسی نے دو عقدوں میں نکاح کیا تو دوسرا نکاح فاسد ہوگا اس پر اس آخری کی تفریق واجب ہوگی اگر اس نے دخول کے بعد تفریق کی تو اس خاتون پر عدت لازم ہوگی اور نسب ثابت ہوجائے گا۔ ملخصًا (ت)

ہدایہ میں ہے:

یکرہ تقدیم العبد لانه لا یتفرغ للتعلم و الاعرابی لان الغالب فیھم الجھل وولد الزنا	غلام کی تقدیم مکروہ ہے کیونکہ اسے حصول علم کے لئے وقت نہیں ملتا، اور اعرابی کی تقدیم بھی مکروہ ہے کیونکہ اکثر

[1] فتاوٰی ہندیۃ القسم الثالث المحرمات بالرضاع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۷

لانه لیس له اب یشفقه فیغلبه علیه الجهل ولان فی تقدیم هؤلاء تنفیرالجماعة فیکره (ملخصاً)[1]	طور پر یہ لوگ جاہل ہوتے ہیں، ولدزنا کی امامت اس لئے مکروہ ہے کہ اس کا والد شفیق نہیں جو تعلیم کا انتظام کرے، ایسے افراد اکثر طور پر جاہل رہتے ہیں اور ان کی تقدیم سے لوگوں کو جماعت میں شمولیت سے نفرت پیدا ہوگی لہذا انکو امام بنانا مکروہ ہے (ت)

اختیار شرح مختار میں ہے:

ان کان الاعرابی افضل من الحضری ، و العبد من الحر، وولد الزنا من ولد الرشدة والاعمی من البصیر فالحکم بالضد[2]۔	اگر عرابی شہری سے غلام آزاد سے ، والدزنا ولد نکاح سے اور نابینا بینا افضل ہو تو حکم اس کے برعکس ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

نحوه فی الشرح الملتقی للبهنسی وشرح درر البحار ولعل وجه ان تنفیر الجماعة بتقدیمه یزول اذاکان افضل من غیره بل التنفیر یکون فی تقدیم غیره[3]۔	شرح الملتقی للبہنسی اور شرح درر البحار میں ہے بھی اسی طرح ہے، ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ جب وہ دوسرے سے افضل ہے تو اس کے امام بننے کی صورت میں جماعت سے لوگوں کی نفرت کا ازالہ ہوجائے گا بلالکہ اس صورت میں دوسرے کو مقدم کرنا نفرت کا سبب بنے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الاان یکون غیرالفاسق اعلم فهو اولٰی[4]۔	مگر یہ فاسق کے علاوہ قوم سے زیادہ عالم ہو تو وہی امامت کے زیادہ لائق ہے (ت)

اسی میں ہے:

لوام قوماً وهم له کارهون ان الکراهة لفسادفیه اولانهم احق بالامة منه	اگر کسی نے امامت کرائی حالانکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے اگر کراہت خود اس میں کسی خرابی کی بناپر ہو یا

---

[1] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبہ العربیہ کراچی ۱/۱۰۱

[2] الاختیار لتعلیل المختار باب الجماعۃ مطبوعہ دار فراس للنشر والتوزیع ۱/۵۸

[3] ردالمحتار ، باب الجماعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[4] درمختار باب الجماعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

کرہ ذلك تحریما وان ھو احق لا والکراھۃ علیھم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اس بنا پر کہ دوسرے لوگ اس سے امامت کے زیادہ حقدار تھے دونوں صورتوں میں اس پر کراہت تحریمی ہوگی اگر وہ خود امامت کا زیادہ حقدار تھا تو اس پر کوئی کراہت نہ ہوگی اور لوگوں پر کراہت ہوگی۔(ت)

مسئلہ ٦٦٧: ١٣٣١ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امام مسجد ہے اور وہ فاتحہ وعلم غیب وغیرہ سے منکر ہے بلالکہ سجدہ میں اور رکوع میں تسبیح اس قدزور سے کہتا ہے کہ اگلی صف والے بخوبی سن لیتے ہیں اور پیچھے والے بھی سن لیتے ہیں اور ایسے مقام پر کوئی دوسرا امام میسر نہیں آتا تو اس حالت میں کس طرح باجماعت نماز پڑھی جائے کہ ثواب جماعت کا ہو اور نماز میں بھی کوئی نقص نہ ہونے پائے۔

الجواب:

اگر علم غیب بعطائے الٰہی کثیر ووافر اشیاء وصفات واحکام وبرزخ ومعاد واشراط ساعت وگزشتہ وآئندہ کا منکر ہے تو صریح گمراہ بددین ومنکر قرآن عظیم واحادیث متواترہ ہے اور ان میں ہزاروں غیب وہ ہیں جن کا علم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ملنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین کا منکر یقینا کافر، یوں ہی تلبیسی طور پر بعض کا اقرار کرتا اور وہابیہ کا اعتقاد رکھتا ہے تو گمراہ بددین ہے اور جو خاص دیوبندی عقائد پر ہو وہ کافر ومرتد ہے، یوں ہی جو ان عقائد پر اپنا ہونا نہ بتائے مگر ان لوگوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہو کر ان کو اچھا جانے یا مسلمان ہی سمجھے جب بھی خود مسلمان نہیں، درمختار ومجمع الانہر وبزازیہ وغیرہا میں ہے: من شك فی کفرہ فقد کفر [2] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ خود کافر ہوگیا۔ت) ہاں اگر تمام خباثتوں سے پاک ہو اور علم غیب کثیر ووافر بقدر مذکور پر ایمان رکھے اور عظمت کے ساتھ اس کا اقرار کرے صرف احاطہ جمیع ماکان ومایکون میں کلام کرے اور ان میں ادب وحرمت ملحوظ رکھے تو گمراہ نہیں صرف خطا پر ہے مگر آج کل یہاں فاتحہ کا انکار خاص وہابیہ ہی کا شعار ہے اور وہابیہ اہل ہوا سے ہیں اور اہل ہوا کے پیچھے نماز ناجائز ہے، فتح القدیر میں ہے:

لاتجوز الصلاۃ خلف اھل الاھواء [3]۔	اہل ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔(ت)

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ١/٨٣

[2] درمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ١/٣٥٦

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ١/٣٠٤

تو اگر امام میسر ہو بہتر ہے ورنہ تنہا نماز پڑھی جائے۔ہاں اگر وہاں وہابیت نہ ہوتی تو فقط اتنی بات پر کہ تسبیحات رکوع و سجود بآواز کہتا اور اس پر اصرار رکھتا ہو نماز اس کے پیچھے مکروہ ہوتی کہ اگر اور امام نہ ملتا تو اسی کے پیچھے پڑھنے کا حکم دیا جاتا مگر بحال وہابیت ہرگز اقتداء جائز نہ ہوگی۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۶۶۸: از نجیب آباد ضلع بجنور متصل تحصیل مرسلہ محمد ظفر اللہ صاحب حنفی ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) ایک شخص اس مسجد کا جو امام ہے جس کی بابت یہ قصہ ہے کہ صدقہ فطر لیتا ہے حتی کہ وہ خود صاحب زکوۃ ہے اگر اس کو صدقات سے کچھ نہ دیا جائے یا دینے میں دیر ہوجائے تو ناراض ہو جاتا ہے ایسی جگہ سے نماز ترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دائم المریض اور جس کے وضو کا بھی کافی طور سے احتمال ہو اور قرآن شریف کو صحت الفاظی کے ساتھ نہ پڑھتا ہو بلالکہ غلط پڑھتا ہو باوجود اس کے کہ وہاں قاری اور حافظ موجود ہوں تو ایسے شخص کی شمولیت جماعت سے اجتناب چاہئے یا نہیں؟

(۳) جو اشخاص ناحق رعایت و پاسداری کرتے ہوں اور مدرس تدریس قرآنی سے حاسد ہوں اور وہ اس جماعت میں شامل ہوں اور عوام کی غیبت کرتے ہوں تو ایسے موقع پر ترک جماعت جائز ہے یا نہیں؟

(۴) وہ شخص اس بنائے فساد سے مخوف ہو کر اس حجرے میں جو شارع عام سے کچھ فاصلہ مسجد سے واقع ہے نماز پڑھ لے تو جائز ہے یا نہیں۔اگر حجرہ میں جماعت علیحدہ کرتا ہے تو ناحق مفسدہ پیدا ہوتا ہے اب کیا کرنا چاہئے؟ آیا نماز اب کس طریق پر اور کس جگہ پر ادا کرے؟

(۵) وہ امام جو اس مسجد میں امامت کے واسطے بلائے جاتے ہوں اس کے مقتدی ہمیشہ فحش کلامی سے یاد کرتے ہوں اور اس سے پھر مقتدی ناراض ہوں تو اس کے پیچھے ان کی نماز ہوتی ہے یا نہیں اور اس کو وہاں امامت کرنا روا ہے یا نہیں؟

(۶) اندر مسجد جمع ہو کر دنیاداری کی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں اور جو کرتے ہیں وہ خطاوار ہیں یا نہیں؟

(۷) مسجد کی امامت کے واسطے امام بے علم یا مشتبہ کافی ہے یا نہیں کہ نماز مع کل فرائض، واجبات، سنن کے پوری ہوجائے فقط۔

الجواب:

(۱) غنی کو صدقہ فطر لینا حرام ہے اگر امام غنی ہے اور صدقات فطر لیا کرتا ہے یہاں تک کہ ملنے میں دیر سے ناراض ہوتا ہے تو وہ فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اگر اسے معزول نہ کر سکیں تو وہاں ترک جماعت کا یہ عذر صحیح ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) اگر قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا ہے جس سے نماز فاسد ہوتی ہے مثلاً ا، ع یا ت، ط ث، س، ص یا ح، ہ یا ذ، ز، ظ، ض میں فرق نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور اس صورت میں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا ترک جماعت نہیں کہ وہ جماعت کیا نماز ہی نہیں، یونہی اگر اس کا وضو مشکوک رہتا ہے جب بھی اس کے پیچھے نہ پڑھنے میں مواخذہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم

(۳) مقتدیوں کے گناہ کے باعث ترک جماعت جائز نہیں ان کے گناہ ان کے گناہ ہیں اور ترک جماعت اس کا گناہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اگر امام مسجد فاسق، معلن یا بدمذہب یا بے طہارت یا غلط خواں ہے اسے آگے پیچھے یا اس سے الگ حجرہ میں جماعت پر بھی قدرت نہیں بلاکہ فتنہ اٹھتا ہے تو اس صورت میں تنہا پڑھنے کی اسے اجازت ہوگی مگر یہ بات بہت دشوار ہے کہ حجرہ میں دو ایک شخص کے ساتھ جماعت کرنے میں بھی فتنہ ہو **واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) اس صورت میں مقتدی گنہگار ہیں امام پر کچھ الزام نہیں وہ امامت کرسکتا ہے اور ان کی نماز اس کے پیچھے روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) مسجد میں دنیا کی بات کے لئے بیٹھنا حرام ہے اور اس میں جمع ہو کر دنیا کی بات کرنا ضرور خطا ہے واللہ تعالٰی اعلم

(۷) امام میں چند شرطیں ضروری ہیں اولاً قرآن عظیم ایسا غلط نہ پڑھتا ہو جس سے نماز فاسد ہو جیسے وہ لوگ کہ مثلاً ا، ع یا ت، ط یا ث، س، ص یا ح، ہ ذ، ز، ظ، ض میں فرق نہیں کرتے، دوسرے وضو، غسل، طہارت صحیح رکھتا ہو، سوم سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین ہو تفضیلی وغیرہ بدمذہب نہ ہو نہ کہ وہابی خصوصاً دیوبندی کہ سرے سے مسلمان ہی نہیں، یا ان کو اچھا جاننے والا کہ وہ بھی انھیں کے مثل ہے شفا شریف وبزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا میں ہے:

ومن شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہوجائے گا۔ (ت)

چہارم فاسق معلن نہ ہو، اسی طرح اور امور منافی امامت سے پاک ہو، ان کے بعد ذی علم ہونا شرط صحت وحلت نہیں شرط اولیت ہے اگر جاہل ہے اور شرط مذکورہ رکھتا ہے اس کے پیچھے نماز ہوجائیگی۔ اگرچہ اولٰی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۵۶/۱

مسئلہ ۶۷۵: جو شخص داڑھی اپنی مقدار شرع سے کم رکھتا ہے اور ہمیشہ ترشواتا ہے، اس کا امام کرنا نماز میں شرعًا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

وہ فاسق معلن ہے اور اسے امام کرنا گناہ، اور اسے کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی۔ غنیہ میں ہے: **لو قدموا فاسقا یاثمون**[1] (اگر لوگوں نے فاسق کو مقدم کیا تو وہ لوگ گناہ گار ہونگے۔ت) اور دلائل مسئلہ لحیہ کی تفصیل ہمارے رسالہ **لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی** میں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۶۷۶: از سیتاپور ضلع بریلی مسئولہا میر علی صاحب رضوی ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

ایک وقت کی نماز جس شخص کی قضاء ہو گئی ہو اس کے پیچھے نماز امامت درست ہو گی یا نہیں؟ اتفاق سے قضا ہو گئی ہو۔

الجواب:

بلا قصد جس کی نماز قضا ہو جائے اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں۔

مسئلہ ۶۷۷: ہر ایک آدمی کی نماز کسی کی کسی وقت کی اور کسی کی کسی وقت کی قضا ہو اور سب اپنی اپنی قضا پڑھ لیں ایسی حالت میں امامت ہو گی یا نہیں؟ کیونکہ بعض بعض جگہ بوجہ کاشتکاری کے کام کے اکثر لوگوں کی نماز قضا ہو جاتی ہے اور سب ایسی ہی حالت میں ہیں یہ لوگ امام کریں یا اپنی اپنی نماز علیحدہ ادا کریں یا کوئی ان میں امام ہو کر نماز ادا کریں۔

الجواب:

کاشتکاری خواہ کسی کام کے لئے نماز قضا کر دینا سخت حرام وگناہ کبیرہ ہے جو ایسا کرتے ہین سب فاسق ہیں، سب پر فورًا توبہ فرض ہے، کیا نہیں جانتے کہ کھیتی بھی اسی کے اختیار میں ہے جس نے نماز سب سے بڑھ کر فرض کی ہے اگر نماز کھونے میں تمہاری کھیتی برباد کر دے تو تم کیا کر سکتے ہو، نماز گھنٹوں میں نہیں ہوتی تھوڑی دیر کے لئے نماز کے واسطے کھیتی کے کام کو روک دو تو نماز اور کھیتی کا مالک تمہاری کھیتیوں میں بہت برکت دے، جہاں سب اسی طرح کے ہوں وہاں ان سب پر توبہ تو فرض ہے ہی، جب توبہ کر لیں ان میں سے جو قابل امامت ہے امامت کرے اور رافضیوں کی طرح الگ الگ نہ پڑھیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ امام اور مقتدی سب کی قضا متحد ہو مثلاً سب کی آج کی ظہر یا سب کی کل کی عصر، تو جماعت ہو سکتی ہے اور اگر نماز مختلف ہو مثلاً امام کی ظہر اور مقتدی کی عصر یا امام کی آج

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

کی ظہر تو جماعت نہیں ہوسکتی اپنی اپنی الگ پڑھیں **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۶۷۸: امام کی اتفاق سے ایک وقت کی نماز قضاء ہوگئی ہے تو وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا دوسرا شخص کھڑا ہو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہی امامت کرے جبکہ قصداً قضا نہ کی ہو۔ اور اگر قصداً قضا کی اگرچہ اتفاق سے تو فاسق ہوگیا۔ اگر توبہ نہ کرے تو دوسرا شخص امامت کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۶۷۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر اٹھارہ سال کی ہے اور حافظ ہے داڑھی نہیں ہے آیا اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر حسین وجمیل خوب صورت ہو کہ فساق کے لئے محل شہوت ہو تو اس کی امامت خلاف اولی ہے ورنہ نہیں۔ درمختار میں ہے: **تکرہ خلف امرد**[1] (امرد کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی المرادبه الصبیح الوجه لانه محل الفتنة[2]۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**	شیخ رحمتی نے کہا امرد سے مراد خوبصورت چہرے والا لڑکا ہے کیونکہ وہ فتنے کا محل ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۸۰: از قصبہ دھام پور ضلع بجنور محلّہ بندوقچیاں مرسلہ محمد سعید صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک جامع مسجد کا امام جو ابدی نماز پڑھاتا ہے وہ جماعت کثیرہ اس کے پیچھے نماز پڑھے اور جملہ قصبہ والے اور دیہات والے خوش ہوں اور دس پانچ آدمی بسبب خصومت نفسی کے اس پیش امام کے پیچھے نہ پڑھیں اور جماعت ہوتی رہے اور وہ مسجد کے صحن میں یا دیوار کے پاس کھڑے رہیں اس انتظار میں کہ جماعت ہوجائے تو ہم دوسری جماعت اپنی کرکے نماز پڑھیں اور اگر وہ لوگ قبل آجائیں تو امام کے مصلے پر کھڑے ہو کر نماز پڑھ کر چلے جائیں یہ فعل ناجائز ہے یا نہیں۔ فقط

الجواب:

اگر امام سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین ومخالف عقائد غیر مقلدین ووہابیہ دیوبندیہ وغیرہم گمراہان ہے اور قرآن مجید صحیح قابل جواز نماز پڑھتا ہے اور فاسق معلن نہیں۔ غرض اگر کوئی بات

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۵

اس میں ایسی نہیں جس کے سبب اس کی امامت باطل یا گناہ ہو پھر جو لوگ براہ نفسانیت اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اور جماعت ہوتی رہے اور شامل نہ ہوں وہ سخت گناہ گار ہیں ان پر توبہ فرض ہے اور اس کی عادت ڈالنے سے فاسق ہوگئے لیکن اگر امام میں ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو اور اس کے سبب یہ لوگ اس کے پیچھے نماز سے احتراز کرتے ہوں تو درست و بجا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۸۱: از بیسلپور ضلع پیلی بھیت محلّہ درگا پرشاد مکان فخر الدین صاحب مرسلہ حافظ شمس الدین صاحب ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) جو شخص کہ سودی دستاویز لکھاتا ہو لیکن لیتا نہ ہو اور جو ملازمان گورنمنٹ مثلاً تھانیدار یا سب رجسٹرار اور نیز ملازمان چونگی اگر پنجوقتہ نماز کے پابند نہیں وہ امامت کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) امام جماعت سے کس قدر فاصلہ سے کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ کھڑا ہو اس صورت میں کہ مقتدیوں کی صف پوری ہو۔ فقط

الجواب:

(۱) سودی دستاویز لکھانا سود کا معاہدہ کرنا ہے اور وہ بھی حرام ہے، صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود لینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

جب اس کا تمسک لکھنا موجب لعنت اور سود کھانے کے برابر ہے تو خود اس کا معاہدہ کرنا کس درجہ خبیث و بدتر ہے ایسے شخص کو امام نہ کیا جائے، ہر نوکری جس میں خلاف شریعت حکم دینا پڑتا ہو حرام ہے اور رجسٹراری کا حال ابھی گزر چکا کہ اس میں سودی تمسکوں کا لکھنا اور ان کو تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ تھانے دار اگر رشوت لے یا جھوٹ مقدمے بنائے، جھوٹی گواہیاں دلوائے، لوگوں سے دبا دھمکا کر مال حاصل کرے جب تو ظاہر ہے کہ یہ سب افعال سخت حرام ہیں ورنہ چالان میں خلاف شریعت احکام کی اعانت ضرور ہوتی ہے تو ایسی حالت پر شرعاً امامت کے لائق نہیں۔ ہاں چونگی کا ملازم اگر چونگی تحصیل کرنے پر نوکر ہے اور اس میں یہ نیت رکھتا ہے کہ لوگوں پر آسانی کرے اور لوگ جو دباؤ ڈال کر زیادہ روپیہ وصول کرتے ہیں اس سے بچائے تو اس

[1] صحیح مسلم باب الربا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۷

میں حرج نہیں کما فی الدرالمختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) وہ اگر قابل امامت ہو تو اس کی امامت میں مضائقہ نہیں۔

(۲) امام صف سے اتنا آگے کھڑا ہو کہ جو مقتدی اس کے پیچھے ہے اس کا سجدہ بطور مسنون بآسانی ہو جائے بلاضرورت اس سے کم فاصلہ رکھنا جس کے سبب مقتدیوں کو سجدہ میں تنگی ہو منع ہے یوں ہی فاصلہ کثیر، عبث چھوڑنا خلاف سنت مؤکدہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۸۲: سرکڑہ ضلع مرادآباد مسئولہ عبدالعزیز صاحب ۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

(ا) باپ نے بیٹے کو عاق کر دیا اور پھر اس کی خطا معاف بھی کر دی تو اس کی خطا معاف ہوئی یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی؟

(۲) اگر کسی شخص سے چار جمعہ حالت مرض میں پے درپے ساقط ہوگئے تو پانچویں جمعہ میں نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں اگر وہ باپ کی نافرمانی اور باپ کو ناراض کرنے سے باز آیا اور سچے دل سے توبہ کی تو خطا معاف ہو گئی اور اب اس کے پیچھے نماز جائز ہو جائے گی۔ اور اگر وہ نافرمانی وایذائے پدر سے باز نہ آیا تو ضرور سخت اشد فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، جس کا پھیرنا واجب ہے اور اسے امام بنانا گناہ اگرچہ باپ اپنی مہربانی سے ہزار بار خطا معاف کر دے کہ یہ صرف باپ کی خطا نہیں اللہ عزوجل کا بھی گناہ اور سخت گناہ شدید کبیرہ ہے، تو فقط باپ کے معاف کئے کیونکر معاف ہو سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اگر مرض ایسا تھا کہ قابل حاضری جمعہ نہ تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں، اور اگر حاضر ہو سکتا تھا اور کاہلی اور بے ہمتی سے نہ آیا تو فاسق ہے اسے امام کرنا گناہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۸۴: از بیتھو ضلع وڈاکخانہ بیتھو مرسلہ حکیم رضا حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ولد الزنا کا نکاح صحیح ہوا اور اس سے اولاد ہوئی تو اس اولاد کے پیچھے اقتدا درست ہے یا نہیں۔ فقط

الجواب:

ولد الزنا کا بیٹا کہ نکاح صحیح سے پیدا ہوا ولد الزنا نہیں اس کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت نہیں۔ ہاں اگر اہل جماعت اس سے نفرت کریں اور اس کے باعث جماعت کی تقلیل ہو تو اسے امام نہ کیا جائے اگرچہ وہ خود بے قصور ہے جیسے معاذاللہ برص وجذام والے کی امامت مکروہ ہے جبکہ باعث تنفیر جماعت ہو اگرچہ مرض

میں اس کا کیا قصور ہے، درمختار میں ہے، تکرہ خلف ابرص شاع برصہ [1] (ایسا برص والا شخص جس کا برص پھیل گیا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

کذا اجزم برجندی والظاھر ان لعلۃ النفرۃ ولذا قید الا برص بالشیوع لیکون ظاھرا [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اسی طرح جذام والے کا حکم ہے، برجندی، اور ظاہرًا علت نفرت ہی ہے اسی لئے ابرص کے ساتھ پھیل جانے کی قید کا اضافہ ہے تاکہ واضح ہو جائے۔(ت)

مسئلہ ۶۷۵: از قصبہ نیٹھور ضلع بجنور مرسلہ محمد عبدالحیٔ سوداگر جفت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عنایت اللہ خاں صاحب جائداد ہے اور دوسری جائداد خریدنے کے لئے یا کسی وارث کی جائداد اپنے نام کرانے کے لئے روپیہ سودی تمسک لکھ کر بقال سے قرض لیا ایسے شخص کو امام بنانا مذہب حنفیہ میں کیسا ہے خصوصًا جمعہ وعیدین کا امام بنانا۔ عنایت اللہ صاحب نصاب ہے۔ فقط

الجواب:

شخص مذکور کو جائداد خریدنا کوئی ضرورت شرعی نہ رکھتا تھا اور بے حالت اضطرار ومجبوری محض سود دینا اور لینا دونوں یکساں ہیں دینے لینے والے دونوں ملعون۔ صحیح مسلم شریف میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول للہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور راس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہیاں کرنے والوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔(ت)

ایسا شخص جمعہ، عید، پنجگانہ، کسی نماز میں امام بنانے کے قابل نہیں اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۸۶: مسئولہ علاؤالدین صاحب عرضی نویس کچہری دیوانی پرتاب گڑھ ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ قیام کرنا محفل مولد خیر الانام اور نماز تراویح کے بعد

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۱۶

[3] صحیح مسلم باب الربا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۷

ف: صحیح مسلم، باب الربا میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے حدیث مذکور ہے۔ نذیر احمد

ختم قرآن مجید کے اپنے پاس سے خواہ چندہ سے بخوشی اپنے شیرنی تقسیم کرنا جائز ہے یا بدعت؟ اور ایسے شخص جو قیام کا منکر اور جو تراویح کے بعد ختم قرآن مجید کی شیرنی کا تقسیم کرنا بدعت سمجھتا ہو اور ناجائز کہتا ہو اس کے پیچھے نماز کی اقتداء کرنا بروئے مذہب حنفی کیا ہے؟ ایسے امام کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں یا کیا ہے؟ فقط

الجواب:

قیام وقت ذکر ولادت حضور سید الانام علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم جس طرح حرمین طیبین ومصر وشام وسائر بلاد اسلام مین رائج ومعمول ہے ضرور مستحسن ومقبول ہے۔ علامہ سید جعفر برزنجی رحمۃ اللہ تعالٰی جن کا رسالہ میلاد مبارک حرمین طیبین ودیگر بلاد عرب وعجم میں پڑھا جاتا ہے اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القیام عند ذکر مولد الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ائمۃ ذوروایۃ ودرایۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ[1]۔	بے شک ذکر ولادت اقدس کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن جانا جو اصحاب روایت وارباب درایت تھے تو خوشی اور شادمانی ہو اس کے لئے جس کی نہایت مراد وغایت مقصود محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہو۔ (ت)

یہاں آج کل اس قیام مبارک کو بدعت وناجائز کہنے والے حضرات وہابیہ ہیں خذلھم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی انھیں خوار کرے۔ ت) اور وہابیہ زمانہ اب بدعت وضلالت سے ترقی کرکے معراج کفر تک پہنچ چکے ہیں بہر حال ان کے پیچھے نماز ناجائز اور انھیں امام بنانا حرام، یوں ہی ختم قرآن عظیم کے وقت مسلمانوں میں شیرینی کی تقسیم بھی ایک امر حسن ومحمود ہے اسے بدعت بتانا انھیں اصول ضالہ وہابیت پر مبنی ہے اللہ عزوجل نے تو وجوب وممانعت کی یہ معیار بتائی تھی:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ[2]۔	رسول جس بات کا تمھیں علم دیں وہ اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمائیں باز رہو۔ (ت)

مگر وہابی صاحبوں نے معیار ممانعت یہ رکھی ہے کہ جسے ہم منع کردیں اسے بچو اگرچہ اللہ ورسول نے کہیں منع نہ فرمایا ہو، غرض یہ اس کا شرک فی الرسالت ہے اس کے پیچھے ہر گز نماز پڑھی نہ جائے، والعیاذ باللہ تعالٰی رب العالمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] رسالہ میلاد مبارک العلامہ سید برزنجی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قیام بوقت ذکر تولد خیر الانام، جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵ و ۱۶

[2] القرآن ۵۹/ ۷

مسئلہ ۶۸۷: از ضلع بھنڈارہ محلّہ کم تالاب مرسلہ حکیم ہدایت اللہ خاں صاحب متولی مسجد ۷ ۶ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص حافظ قرآن ہے اور جبراً پیش امام بننا چاہتا ہے حالانکہ جماعت مسلمین اسکی مندرجہ ذیل باتوں سے ناخوش ہے اور اپنا پیش امام نہیں بنانا چاہتے، حافظ صاحب پہلے گورنمنٹی ملازم تھے رشوت کھا کر سزا پائی مگر قسمت کے زور سے اپیل میں رہائی پائی۔

(۲) اس حافظ صاحب نے ایک سے آٹھ آنہ لے کر رسید لکھ دی تھی بعد میں دھوکا دے کر رسید جلادی کچہری میں انکار کیا کہ آٹھ آنہ نہیں لیا جس سے اس شخص کو بڑا بھاری نقصان ہوا حالانکہ یہ بات سچ تھی کہ پیسے حافظ صاحب لے چکے تھے اور صاف انکار کردیا اور اسی معاملہ میں پہلے بھی قسم قرآن شریف کی کھا چکے تھے۔

(۳) حافظ صاحب نے اپنے پیر ومرشد پر طعن وتشنیع کرتا ہے کہ محلّہ میں یا مدرسہ اسلامیہ میں جو خاص ان کے پیر ومرشد کا ایجاد کردہ ہے کہتے ہیں کہ ان کے باپ دادا کا میراث ہے کیا اور اپنے پیر کی بات پر فتوی بلالواتا ہے حالانکہ پیر مرحوم نے ان کو اپنا خلیفہ زبانی مقرر کیا ہے نہ کہ تحریری، بعد اس طعنہ تشنیع کے پیر مرحوم پر حافظ صاحب کی خلافت باقی ہے یا باطل ہوئی یا خلافت سے نکل گئے۔

(۴) حافظ صاحب نے چمڑا قربانی کا جو کہ صاحب نصاب ہیں مدرسہ اسلامیہ میں دینے کو کہا تھا دھوکا دے کر اپنے صرف میں لے آئے

(۵) اور سید کو زکوۃ کا پیسہ لینا درست ہے یا نہیں؟ اتنی باتیں حافظ بنو علی صاحب میں موجود ہیں جس کو ہر فرد بشر اس محلّہ کا بخوبی جانتا ہے تو اس پر بھی وہ پیش امام بننا چاہتے ہیں جبراً اور فساد برپا کرتے ہیں کہ میں حافظ ہوں خلیفہ ہوں میرا حق زیادہ ہے پیش امام میں بنوں گا اور جماعت کثیرہ کی رائے نہیں ہے کہ اس کو اپنا پیش امام بنائے اس لئے جناب والا کی خدمت میں ناقابل یہ تحریر ارسال کرتا ہوں کہ تکلیف گوارا فرما کر اس کا جواب تفصیل وار ہر ایک سوال کا تحریر فرمائیں گے کہ ایسی زبردستی پیش امام جس سے مقتدی ناراض ہوں درست ہے یا نہیں؟ زیادہ کیا عرض کروں زیادہ حد ادب۔

الجواب:

جس سے مقتدی اس کے کسی عیب کی وجہ سے ناراض ہوں اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ حدیث میں ارشاد فرمایا:

ثلثۃ لا ترفع صلاتھم فوق اذانھم شبر	تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے بالشت بھر بھی

اوعبد منهم من اما قوما وهم له کارهون [1]۔	اونچی نہیں ہوتی یعنی بارگاہ عزت تک رسائی تو بڑی چیز ہے ایک وہ جو کچھ لوگوں کی امامت کرے اور وہ لوگ اس ناراض ہوں یعنی اس میں کسی قصور شرعی کے سبب۔

والا فالوبال علیهم کما فی الدر المختار [2] وغیرہ (ورنہ وبال ان لوگوں پر ہوگا جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت)

اور ظاہر ہے کہ صورت مستفسرہ میں اس شخص میں متعدد قصور ہیں رشوت لینا اگر ثابت ہو تو وہ گناہ کبیرہ ہے، حدیث میں فرمایا: الراشی والمرتشی کلاھما فی النار [3]۔ رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔ پیسے لے کر مکر جانا اور اس پر قرآن عظیم کی جھوٹی قسم کھانہ اور رسید جلا کر مسلمان پر جھوٹا دعوی کرنا اور اسے نقصان پہنچانا یہ سب گناہ کبیرہ ہیں، ان وجوہ سے حافظ مذکور کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ، اور جبرًا امام بننے میں خود اس کی نماز بھی تباہ جب تک وہ ان تمام افعال شنیعہ سے علانیہ توبہ نہ کرے، قربانی کی کھال اگر دوسرے نے اسے مدرسہ میں دینے کو دی تھی اور اس نے دھوکا دے کر اپنے صرف میں کرلی تو یہ بھی دغا اور خیانت اور گناہ کبیرہ ہے، اور اگر اپنی قربانی کی کھال مدرسہ میں دینے کو کہی تھی پھر نہ دی تو بیجا ہے مگر چنداں الزام نہیں جبکہ کسی عذر شرعی سے ایسا کیا ہو ورنہ اللہ عزوجل سے وعدہ خلافی ہے، چنانچہ نتیجہ بہت شدید ہے

قال اللہ تعالٰی فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ [4]	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: تو اس کے پیچھے اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انھوں نے اللہ تعالٰی سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے (ت)

پیر پر طعنہ و تشنیع ارتداد طریقت ہے اس سے خلافت درکنار بیعت سے بھی خارج ہو جاتا ہے۔ سید حاجت مند کو

[1] سنن ابن ماجہ باب من امّ قوما وھم لہ کارھون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

ف: جس کتب سے حدیث کا حوالہ دیا ہے اس میں ''فوق اذانھم'' کی جگہ ''فوق روسھم'' ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۳/۱

[3] کنز العمال الفصل الثالث فی الھدیۃ والرشوۃ مبطوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱۳/۶

ف: جس کتاب سے حوالہ دیا ہے اس میں ''کلاھما'' کا لفظ نہیں ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[4] القرآن ۷۷/۹

زکوۃ دینے میں بعض نے اجازت لکھی ہے اور صحیح ومعتمد ظاہر الروایہ عدم جواز کما بیناہ فی الزھر الباسم (جیسا کہ ہم نے اس کو الزہر الباسم میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹۲ تا ۶۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص گناہ کبیرہ میں مبتلا رہتا ہو اور وہ حسب ہدایت گناہ سے باز آکر اکمل الفضلاء دین واسلام کے روبرو توبہ کرے اور اس گناہ سے بفضلہٖ تعالٰی نجات پائے تو کیا اس کا ایمان کامل ہوا؟

(۲) اس کی امامت جائز ہے؟

(۳) جو لوگ بعد توبہ اس پر اعتراض کریں ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ فقط

الجواب:

اللہ عزوجل توبہ قبول فرماتا ہے ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ[1] (وہ اللہ تعالٰی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ت)

اور سچّی توبہ کے بعد گناہ بالکل باقی نہیں رہتے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ[2]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کے مثل ہے۔

توبہ کے بعد اس کی امامت میں اصلاً حرج نہیں، بعد توبہ اس پر گناہ کا اعتراض جائز نہیں۔ حدیث میں ہے بنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ و فی روایۃ من ذنب قد تاب منہ[3]۔ بہ فسر ابن منیع، رواہ الترمذی وحسنہ عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	جو کسی اپنے بھائی کو ایسے گناہ سے عیب لگائے جس سے توبہ کرچکا ہے تو یہ عیب لگانے والا نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوجائے اس کو ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے حسن قرار دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹۵: از میرٹھ چھاؤنی ویلر کلب مرسلہ عمر بخش خانساماں ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص عرصہ چند سال سے امام مسجد رہ کر بباعث

---

1 القرآن ۴۲/ ۲۵

2 سنن ابن ماجہ باب ذکر التوبہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

3 جامع الترمذی باب از ابواب صفۃ القیٰمۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۷۳

وجوہات ذیل کے معزول کردیا گیا ہے:

(۱) اتہام زنا

(۲) اتہام سرقہ دریہائے مسجد وغیرہ اسباب مسجد جو متعلق مسجد اس کے ماتحت تھا۔

(۳) یعمل عمل قوم لوط، جس کے مشاہدہ و معائنہ کے چند اشخاص معتبران شاید ہیں وغیرہ وغیرہ، اب وہ شخص بغیر اجازت بانی مبانی مسجد و متولی مسجد چند اشخاص کے کہنے پر جو ساکنان غیر محلّہ اس مسجد کے ہیں امام ہونا چاہتا ہے علاوہ اس کے جو بالفعل امام مسجد بانی و متولی مسجد نے مقرر کیا ہوا ہے اعلم بالسنّۃ والحدیث ہونے پر سوا جامع عالم جید ہے اور معزول شدہ کا مبلغ علم صرف کنز الدقائق۔ ایسے شخص کا امام ہونا باوجود جمیع وجوہات بالا کے جائز ہے یا نہ فقط

الجواب:

اتہام اور بدگمانی تو شرعاً جائز نہیں:

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب [2] الحدیث۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کوئی گمان گناہ ہوجاتا ہے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہوتی ہے الحدیث (ت)

مگر جس بات کے معاینہ کے گواہان ثقہ بتائے جاتے ہیں وہی ممانعت امامت کو بس ہیں بلکہ ایسے افعالہ شنیعہ سے متہم ہو چکا اور طبائع اس سے نفرت کرنے لگیں اگرا گر ثبوت نہ بھی ہو تاہم اس کی امامت میں تقلیل جماعت ضرور ہے اور اسی قدر کراہت امامت کو بس ہے اگرچہ وہ واقع میں بے قصور ہو کما نصوا علیہ فی من شاع برصہ والعیاذ باللہ تعالٰی کما فی الدر وغیرہ (جیسے کہ فقہاء نے اس مسئلہ کی تصریح کی ہے اس شخص کے بارے میں جس کا برص پھیل گیا ہو والعیاذ باللہ تعالٰی۔ جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) بہر حال وہ علم متقی صحیح خوں کے مقابل کسی طرح مستحق امامت نہیں ہوسکتا خصوصًا جبکہ بانی مسجد و اہل محلّہ کو اس سے کراہت ہے فان امر الامامۃ مفرض الی البانی ثم الی الجماعۃ ولا دخل فیہ للاجانب (کیونکہ امام کا مقرر کرنا بانی کا حق ہے پھر مقتدی حضرت کا امام مقرر کرنے میں اجنبی لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ت) تو غیر اہل محلّہ کا

[1] القرآن ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

اسے مقرر کرنا اصلا معتبر نہیں ہو سکتا نہ حالت مذکور میں کہ قوم بروجہ شرعی اس سے کراہت رکھتی ہے خود اسے امام بننا ناجائز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لا ترفع صلاتھم فوق اذانھم شبرا وعدمنھم من ام قوما وھم لہ کارھون [1]۔	تین آدمیوں کی نماز ان کے کانوں سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی (یعنی بارگاہ عزت میں رسائی تو بڑی چیز ہے) ان میں ایک شخص ہے جو کچھ لوگوں کی امامت کرے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹۶: ازکانپور توپ خانہ بازار قدیم مسجد سہ منارہ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عالم ہے یعنی علم فقہ وحدیث بخوبی جانتے ہیں مگر عالم موصوف بائیں پیر سے مجبور ہیں جس کو لنگڑا کہتے ہیں زمین میں پَیر مذکور کا فقط انگشت لگا سکتے ہیں اور دہنا پیر درست ہے قیام، رکوع، سجود بخوبی کرسکتے ہیں، یہ عالم مذکور پانچ وقتی نماز کی امامت کرسکتے ہیں اگرچہ عالم دیگر موجود ہو یا نہیں؟ باعبارت ودلائل کے تحریر فرمائیں کہ سامعین کو کسی قسم کا شبہ نہ رہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ایسے شخص کی امامت بلاشبہ جائز ہے پھر اگر وہی عالم ہے تو وہی زیادہ مستحق ہے اس کے ہوتے جاہل کی تقدیم ہرگز نہ چاہئے اور اگر دوسرا عالم بھی موجود ہے جب بھی اس کی امامت میں حرج نہیں مگر بہتر وہ دوسرا ہے، یہ سب اس صورت میں کہ دونوں شخص شرائط صحت وجواز امامت کے جامع ہوں صحیح خواں صحیح الطہارۃ سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن ورنہ جامع شرائط ہوگا وہی امام ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صح اقتداء قائم باحدب وان بلغ حدبہ الرکوع علی المعتمد وکذا باعرج وغیرہ اولی [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مختار قول پر سیدھا کھڑے ہونے والے کی نماز کبڑے شخص کے پیچھے درست ہے اگرچہ اس کا کُبڑا پن رکوع کی حد تک ہو، اسی طرح لنگڑے کا حکم ہے، البتہ دوسرے آدمی کی امامت افضل واولٰی ہے۔(ت)

[1] سنن ابن ماجہ باب من ام قوما وہم لہ کارھون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

ف: جس کتاب سے حوالہ دیا ہے اس میں ''فوقھم اذنھم'' کی جگہ ''فوقھم رؤسھم'' ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵

مسئلہ ۶۹۷: از تحصیل چونیاں ضلع لاہور مسئولہ انوار الحق صاحب ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

اس ملک پنجاب میں دین کی بہت سستی ہے خاصکر دیہات میں تو دین مذہب کا کچھ پتا ہی نہیں، چنانچہ ہر ایک دیہات میں امام مسجد سوائے چند سورتوں کے یاد رکھنے کے اور کوئی علم نہیں رکھتا اور مقتدیوں کی غرض بھی یہی ہوتی ہے کہ امام مسجد ایسا ہو جو کہ ہماری میت کو غسل دے سکے یا نکاح پڑھ سکے یا دو تین سورتیں نماز پڑھانے کے واسطے یاد ہوں اور کوئی شوق نہیں، چنانچہ ایک گاؤں بنام تیرتھ میں ایک امام مسجد ایسی ہی صفتوں والا صبح کو گیا اور وہیں وفات پائی، اسی مذکورہ گاؤں میں ایک دہر کہارہ جو کہ اپنے آپ کو حنفی کہتا تھا اور پھر بعد میں چند سال وہابی مذہب رہا بعد ازیں چند سال سے چکڑالوی مذہب ہے، اب مذکور امام مسجد فوتیدگی پر اس نے اس خیال سے کہ میں امام مسجد بن جاؤں مسجد کے متعلقہ گھروں کی آمدنی میرے کام آئے یہ ظاہر کیا کہ میں نے چکڑالوی مذہب سے توبہ کی مجھے امام مسجد مقرر کرو، چنانچہ اس کے ہم خیال چند دوستوں نے اس کو پگڑی پہنائی اور اس کو امام مسجد مقرر کردیا۔ اب چند مسلمان اس کے مخالف اٹھے جن کو اس کے چند مذہب بدلنے کا رنج تھا انھوں نے اس کو معزول کرنا چاہا، اب چونکہ وہ کچھ علم رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں نے توبہ خالص کردی ہے اور اب میں حنفی مذہب پر آگیا ہوں اگر تم اب بھی معزول کرتے ہو تو مجھے شریعت کا حکم دکھاؤ میں کنارے ہو جاؤں گا۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ کافر کی توبہ منظور ہے میری کیونکر نہ منظور ہوگی، پکے مسلمانوں کا خیال ہے کہ اگر یہ امام مسجد مقرر رہا تو یہ دین میں رخنہ انداز ہوگا پھر کئی آدمی اس کے موافق ہو جائیں گے پھر ہم میں اتنی طاقت نہ ہوگی کہ ان کو سیدھا کریں اس خیال سے وہ چاہتے ہیں کہ اگر کوئی حکم ایسے مشکوک آدمی کے بارے میں ہو تو ہمیں فتوی دیا جائے کہ اس کو نکالا جائے اور اس کے فتنہ سے بے فکر ہو جائیں۔ فقط

الجواب:

نماز اہم عبادت ہے اور اس کے لئے غایت احتیاط درکار ہے یہاں تک کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اگر نماز چند وجہ سے صحیح ٹھہرتی ہو اور ایک سے فاسد، تو اسے فاسد ہی قرار دیں گے۔ امام ابن الہمام کی فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لان الصلٰوۃ متی فسدت من وجہ وجازت من وجوہ حکم بفسادھا[1]۔	کیونکہ جب ایک جہت سے نماز فاسد ہو اور کئی وجوہ کی بنا پر صحیح ہو تو نماز کے فاسد ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ (ت)

جو شخص ایسا مضطرب الحال ہو کہ اتنے دنوں میں تین مذہب بدل چکا اس کی توبہ بایں معنی قبول کرنے میں

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ المسافر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۴۱

کوئی غدر نہیں کو اگر تو نے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ قبول فرمانے والا ہے نیز اسی سنیت حنفیت کا اظہار کرتے ہوئے اگر وہ مر جائے گا ہم اس کے جنازہ کے ساتھ وہ طریقہ برتیں گے جو ایک سنی حنفی کے ساتھ کیا جاتا ہے لان انما نحکم بالظاھر واللہ تعالٰی اعلم بالسرائر (کیونکہ ہم ظاہر پر حکم لگانے کے پابند ہیں، دلوں کا حال اللہ ہی جانتا ہے۔ت) مگر اس قبول توبہ سے یہ لازم نہیں کہ ہم ایسے مضطرب شخص ایسے مشکوک حالت والے کو اپنے ایسے ہم فرض دینی کا امام بھی بنالیں اگر واقع میں وہ سچے دل سے تائب ہوا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی اور اگر امامت لینے کے لئے توبہ ظاہر کرتا ہے تو وہ نماز باطل وفاسد ہوگی اور اس کی حالت شک ڈالنے والی اور نفع کی طمع اس کی تائید کرنے والی کسی طرح عقل سلیم واحتیاط کا مقتضا ہرگز نہیں کہ اسے امام کیا جائے وہ پیسہ کے معاملے میں گواہی کے لئے تو علمائے کرام یہ احتیاط فرماتے ہیں کہ فاسق اگرچہ توبہ کرلے اس کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب تک ایک زمانہ اس پر نہ گزرے جس سے صدق توبہ وصلاح وتقوٰی کے آثار اس پر ظاہر ہوں کہ جب وہ فاسق ہے تو ممکن کہ اس وقت اپنی گوہی قبول کرادینے کے لئے توبہ کا اظہار کرتا ہو فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

الفاسق اذا تاب لا تقبل شھادتہ مالم یمض علیہ زمان یظھر علیہ اثر التوبۃ والصحیح ان ذلك مفوض الی راء القاضی [1]۔	فاسق اگر توبہ کرلے تو جب تک اتنا وقت نہ گزر جائے جس میں اس پر توبہ صدق کا اثر ظاہر ہو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ معاملہ قاضی کی رائے کے سپرد کیا جائے۔(ت)

بلکہ جو جھوٹ کے ساتھ مشہور ہے اس کی نسبت تصریح فرماتے ہیں کہ اس کی گواہی کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ سو بار توبہ کرے۔ بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاسانی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

والمعروف بالکذب لا عدالۃ لہ فلا تقبل شھادتہ ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سھوا اوابتلی بہ مرۃ ثم تاب [2]۔	جو جھوٹ میں مشہور ہو وہ عادل نہیں ہوسکتا اس کی ہمیشہ گواہی قبول نہ ہوگی اگرچہ وہ تائب ہو جائے بخلاف اس شخص کے جس سے جھوٹ سہواً سرزد ہوا ہو یا وہ جھوٹ میں کسی ایک دفعہ مبتلا ہوا ہو پھر اس نے توبہ کرلی ہو۔(ت)

جب دو پیسے کے مال میں یہ احتیاطیں ہیں تو نماز کہ بعد ایمان اعظم ارکان دین ہے اس کے لئے کس درجہ احتیاط واجب

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادۃ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادۃ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

شریعت مطہرہ ہر گز ایسے مشکوک شخص کو امام بنانا پسند نہیں فرماتی جو لوگ اس کی امامت میں کوشاں ہیں وہ اللہ ورسول ومسلمانوں سب کے خائن ہوں گے۔ حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا من عصابة وفیھم من ھو ارضی اللہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین[1]۔ رواہ الحاکم وصححه وابن عدی والعقیلی والطبرانی والخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما	جو کسی جماعت پر ایک شخص کو مقرر کرے اوران میں وہ ہو جو اس شخص سے زیادہ اللہ کو پسندیدہ ہے تو بے شک اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کے ساتھ خیانت کی، اس کو حاکم نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔ ابن عدی، عقیلی، طبرانی اور خطیب نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ رتعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے

مسئلہ ۷۹۸: از صدر بازار اسٹیشن وڈاکخانہ رانی گنج ضلع بردوان مرسلہ مظفر حسین ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) کی فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد میں مؤذن وامام یعنی دونوں کام پر امور ہے اور زید مذکور اپنی والدہ کو زدوکوب کرتا ہے اس کو چند آدمیوں نے بطور پند کے کہا کہ تم اپنی والدہ کو کس طرح مارتے ہو تو تمھاری نماز وظیفہ کرنا تمھارا اللہ تعالٰی کے روبرو کیا کام دیں گے؟ درجواب اس کے زید مذکور نے کہا کہ جس طرح ہے اور لوگ غیر عورت سے زنا کرتے ہیں و شراب پیتے ہیں اسی طور سے ہمارا مسجد میں بیٹھ کے وظیفہ ونماز کرنا ہے، تو زید مذکور نے نماز وظیفہ کو تشبیہ دیا ساتھ افعال قبیحہ کے، تو اس صورت میں زید کا مسجد اذان کہنا ونماز اس کے عقب پڑھنا عندالشرع جائز ہے یا نہیں بغیر توبہ کئے ہوئے۔ اور یہ کس درجہ میں شمار ہوگا، آیا گناکبیرہ میں یاکہ درجہ کفر میں، درصورت اگرچہ یہ گناہ داخل ہو درجہ کفر میں، تو یہ زید کی زوجہ اس کے عقد سے خارج ہوجائے گی یا نہیں؟ اور زید مذکور کو بعد تائب ہونے کے زوجہ سے ازسر نو ضرورت درستگی عقد کی پڑے گی یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبر ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ شخص سخت فاسق وفاجر مرتکب کبائر مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے۔ ماں کو ایذا دینا سخت کبیرہ ہے نہ کہ مارنہ جس سے مسلمان تو مسلمان کافر بھی پرہیز کرے گا اور گھن کھائے گا۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

---

[1] المستدرک علی الصحیحین الامارۃ امانۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۹۲

ف: مستدرک میں ''فیھم'' کی جگہ ''فی تلك العصابة'' کا لفظ ہے۔ نذیر احمد سعیدی

ثلثہ لایدخلون الجنۃ وعد منھم العاق لوالدیہ[1]۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ان میں سے ایک وہ جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔(ت)

ایسا شخص قابل امامت نہیں ہوسکتا۔ فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: **لوقدموا فاسقا یا ثمون**[2] (اگر فاسق کو لوگوں نے امام بنایا تو وہ گنہگار ہوں گے ت) تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[3]۔	کیونکہ امامت کے لئے اس کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا اس کی اہانت لازم ہے(ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب، جب وہ ایسا بیباک ہے کہ ماں کو مارتا ہے تو اس سے کیا تعجب کہ بے وضو نماز پڑھائے یا نہانے کی ضرورت ہو جاڑے کے سبب بے غسل پڑھادے اور وہ جو اس نے پند کے جواب میں کہا سخت بیہودہ بے معنی مگر اس سے تکفیر نہیں ہوسکتی اس میں تاویل ممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۹۹: مسئولہ سید اشرف علی صاحب ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حنفی شافعی کے پیچھے نماز پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر شافعی نماز پڑھا رہا ہے اور حنفی آیا تو اس جماعت میں شریک ہو یا نہیں؟ فقط

الجواب: اگر شافعی طہارت ونماز میں فرائض وارکان مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز بلاکراہت جائز ہے اگرچہ حنفی کے پیچھے افضل اور اگر حال رعایت معلوم نہ ہو تو قدرے کراہت کے ساتھ جائز، اور اگر عادت عدم رعایت معلوم ہو تو کراہت شدید ہے اور اگر معلوم ہو کہ خاص اس نماز میں رعایت نہ کی تو حنفی کو اس کی اقتدا جائز نہیں اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی، صورت اول ودوم میں شریک ہوجائے اور صورت سوم میں شریک نہ ہو اور چہارم میں تو نماز ہی باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۰۰: مرسلہ مفخر حسین صاحب از بدایوں محلہ سرائے چودھری ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

جناب مخدوم مکرم بندہ مولوی صاحب دام ظلکم بعد سلام سنت الاسلام کے عرض خدمت بابرکت میں ہے

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۰ امااسند سالم عن ابن عمیر مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۲
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳
[3] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوٰۃ مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

کہ ایک مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت پڑی وہ یہ ہے کہ جس شخص کے والدین اس شخص سے کہیں کہ میرے جنازہ پر بھی ہر گز ہر گز نہ آئے اس شخص کو امام کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور مقتدی اس شخص کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہیں؟ زیادہ حدِ اداب۔ فقط

الجواب:

والدین اگر بلاوجہ شرعی ناراض ہوں اور یہ ان کی استرضا میں حدِ مقدور تک کمی نہیں کرتا تو اس پر الزام نہیں اور اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں اور اگر یہ ان کو ایذا دیتا ہے اس وجہ سے ناراض ہیں تو عاق ہے اور عاق سخت مرتکب کبیرہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور امام بنانا گناہ اور اگر ناراضی توان کی بلاوجہ شرعی تھی مگر اس نے اس کی پروانہ کی وہ کھنچے تو یہ بھی کھنچ گیا جب بھی مخالف حکم خدا و رسول ہے اسے حکم یہ نہیں دیا گیا کہ ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کرے بلکہ یہ حکم فرمایا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ[1] (بچھادے ماں اور باپ کے لئے ذلت وفروتنی کا بازو رحمت سے) اس کے خلاف واصرار سے بھی فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۰۱: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ جناب استاذی مولوی رحم اللہ صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے خالد ظاہرًا و باطنًا کدورت رکھتا ہے حتّی کہ زید جس وقت مسجد میں داخل ہو کر سلام علیک کہتا ہے خالد جواب سلام بھی نہیں دیتا اور خالد ہی امامت کرتا ہے، ایسی حالت میں زید کی نماز خالد کے پیچھے ہو گی یا نہیں اور زید جماعت ترک کرکے قبل یا بعد جماعت علیحدہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ خالد دل میں کدورت رکھتا ہے، اس کے واسطے کیا حکم ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محض دنیوی کدورت کے سبب اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اس کے واسطے جماعت ترک کرنا حرام، خالد کی زید سے کدورت اور ترک سلام اگر کسی دنیوی سبب سے ہے تو تین دن سے زائد حرام، اور کسی دینی سبب سے ہے اور قصور خالد کا ہے تو سخت تر حرام، اور قصور زید کا ہے تو خالد کے ذمے الزام نہیں زید خود مجرم ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۰۲: از قصبہ لبی یرہ اسٹیشن سربند گورنمنٹ پٹیالہ مسئولہ شیخ شیر محمد صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر کی نسبت یہ مشتہر کیا گیا ہے کہ

---

[1] القرآن ۱۷/ ۲۴

ہر دو باہم فاعل ومفعول تھے یعنی اغلام کرتے تھے زید مفعول کے دیگر رشتہ داران مثل پدر وبرادر قصبہ ہذا میں امامت کرتے میں زید کے افعال قبیحہ کی خبر اس کے پدر وبرادر اور دیگر رشتہ داران کو بھی تھی جس کی اطلاع ان کو بذریعہ تحریرات کے دی گئی مگر بانیمہ انھوں نے کبھی زید کو اس فعل ناجائز سے نہیں روکا اور نہ کسی قسم کی زجر وتوبیخ کی بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ زید کی ناجائز آمدنی سے وہ خود بھی فائدہ اٹھاتے تھے فاعل ومفعول کو ہنگام اختلاط کسی شخص نے بچشم خود نہیں دیکھا مگر واقعات اس امر کو پایہ ثبوت پر پہنچا رہے ہیں مثلاً برادر بکر کا تمام شب دونوں کو ایک جا دیکھنا اور بکر کی گوشمالی کرنا اور تحریرات کا عام لوگوں میں بذریعہ ڈاک روانہ کیا جانا اور زید کا عام لوگوں میں اپنی مفعولیت کا اقرار کرنا اور رہا یہاں پولیس کے روبروزید کا اقبال بیان تحریر کرانا اور اس کے برادر کا تائید کرنا زید کا معمولی حیثیت کا آدمی ہونا مگر زیب وزینت اس درجہ رکھنا اور اس کے پدر وبرادر کا اس طرف توجہ نہ کرنا، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ جو شخص خلاف وضع وحرام فعل کریں یا کرائیں ان کی امامت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر مفعول کے پدر وبرادر وغیرہ کو اس امر کی خبر ہو اور وہ چشم پوشی کرکے ان کو منع نہ کریں تو ان کی امامت کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ امید کہ قول مفتی بہ بحوالہ کتب تحریر فرماکر مشکور فرمائیں۔

الجواب:

یہ سخت شدید گناہ کبیرہ ہے اور فاعل ومفعول بھی اگر بالغ وغیر مجبور ہوں فاسق ہیں ان کی یہ حالت اگر صحیح طور پر معروف مشہور ہو یا وہ خود اقرار کرتے ہوں جس طرح یہاں زید کا اقرار مذکور ہے نہ صرف قیاسات وسوسے ظن جن کا شرع میں اعتبار نہیں بلکہ ان وجوہ پر کبیرہ کی نسبت کرنے والے خود ہی مرتکب کبیرہ ہوتے ہیں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ[1]	کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا کہ مومن مردوں اور خواتین نے اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔	بدگمانی سے بچا کرو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے الحدیث (ت)

اس پر لحاظ وکارروائی جائز نہیں بلکہ وجہ صحیح شرعی سے ثابت ومعروف ہو تو فاسق معلن ہیں ان کو امام بنانا گناہ، ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا گناہ اور پھیرنا واجب، اور اگر ثبوت شرعی واقرار معروف نہ ہو مگر لوگوں میں افواہ اڑ گئی ہو جن کے سبب

---

[1] القرآن ۲۴/ ۱۲

[2] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

ان سے نفرت اور ان کی امامت میں جماعت کی قلّت ہو تو اس حالت میں ان کی امامت مکروہ تنزیہی ہے،

وان لم یثبت الذنب بل لو لم یکن لان المناط النفرۃ کمن شاع برصه و العیاذ باللہ تعالٰی۔	اگرچہ گناہ ثابت نہ ہو بلکہ ہو ہی نہ کیونکہ بنیاد تو نفرت ہے اس شخص کی طرح جس کا برص پھیل گیا ہو، والعیاذ باللہ تعالٰی۔(ت)

پدر و برادر اگر اس کے روکنے پر قادر ہیں اور نہیں روکتے یا اس فعل پر راضی ہیں وہ بھی فاسق ہیں:

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ [1] وقال تعالٰی كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ [2]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اے اہل ایمان اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہوں گے۔ اور اللہ تعالٰی کا یہ فرمان بھی ہے: وہ اس برے کام سے منع نہیں کرتے تھے جو برا کام لوگ کرتے تھے (ت)

ان کی یہ حالت اگر معروف ہو تو ان کا بھی وہی حکم ہے کہ نہیں امام بنانا گناہ اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: لو قدموا فاسقا یاثمون [3] (اگر انھوں نے فاسق کو مقدم کر دیا تو وہ گنہگار ہوں گے۔ت) اور اگر اس حرام کمائی سے ان کا فائدہ لینا اسی طرح بہ ثبوت شرعی ثابت ہو نہ فقط اتنا کہ کہا جاتا ہے یہ کوئی چیز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بئس مطیة الرجل زعموا [4]۔ رواہ احمد و ابوداؤ عن حذیفه رضی اللہ تعالٰی عنه	شک اور تخمینہ کی بنیاد پر خبر دینا قبیح ہے۔ اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

---

[1] القرآن ۶۶/۶

[2] القرآن ۵/۷۹

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[4] مسند احمد بن حنبل ماروی عن حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۴۰۱، سنن ابوداؤد باب فی الرجل یقول زعموا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۲۳

اس ملعون کمائی سے فائدہ نہیں لیتے تو ان پر الزام نہیں:

قال اللہ تعالٰی لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کہ کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی (ت)

لیکن افواہ عام کی بنا پر نفرت و تقلیل جماعت ہو تو ان کی امامت مکروہ تنزیہی ہے اور نامناسب ہوگی اگرچہ پہلی صورت کی طرح مکروہ تحریمی اور گناہ نہیں، یہاں بحمد اللہ تعالٰی فتوٰی پر کوئی فیس نہیں لی جاتی بفضلہ تعالٰی بفضلہ تعالٰی تمام ہندستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ وامریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتا آتے ہیں اور ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں بحمد اللہ تعالٰی حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکانوے ۹۱ برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے اکاون ۵۱ برس ہونے آئے یعنی اس صفر کی ۱۴ تاریخ کو پچاس ۵۰ برس چھ ۶ مہینے گزرے، اس نو ۹ کم سو ۱۰۰ برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاوے کے ہیں بحمد اللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا بعونہٖ تعالٰی ولہ الحمد معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۲۷[2] میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۰۳: از بمبئی محلا قصابان پوسٹ ۳۰ مرسلہ عبدالرزاق ۱۷ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید چند ماہ تک پہلے ایک مسجد میں امامت کرتا رہا اور وہاں پر زید کی کئی حرکتیں معلوم ہوئیں کہ پیشاب کرکے ڈھیلا نہ لینا بلکہ پیشاب و پاخانہ کرکے اسی وقت اسی جگہ پانی سے استنجاء کرکے اور لنگوٹ باندھ کر نماز پڑھنا اور بازاری عورتوں کے ساتھ خلاملا مزاح و تمسخر کرنا، ان باتوں کا چرچا اہل جماعت میں ہونے کو تھا کہ زید دوسری مسجد میں منتقل ہوگیا وہاں بھی اس کی وہی حرکتیں بدستور قائم رہیں، جب لوگوں نے اس کو لنگوٹ باندھنے اور ڈھیلا نہ لینے کی نسبت پوچھا تو کہا میں معذور ہوں ڈھیلا نہیں لے سکتا اور لنگوٹ میں بوجہ عذر کے باندھتا ہوں مگر نماز کے وقت صرف کپڑے بدل لیتا ہوں۔ اور خلاملا عورتوں سے بدستور ہے، لوگ اس کی ایسی حرکتوں سے سخت بیزار ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے بھی سخت ناراض ہیں، بلکہ لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردیا چند لوگ اپنی نفسانیت سے اس مکار کی حمایت پر اڑے ہیں باوجود اس کے معذور ہونے اور یہ حرکتیں معلوم ہونے کے

[1] القرآن ۶/۱۶۴

[2] القرآن ۲۶/۱۲۷

بھی اس کو علیحدہ اس منصب سے نہیں کرنا چاہتے اب زید نے اپنی سفاکی اور بے دینی کی وجہ ان کو یہ سبق پڑھا رکھا ہے کہ حدیث میں ہے: **دع مایریبك الی مالا یریبك وان افتاك المفتون**[1]۔ کہ تجھے کسی چیز میں شک یا شبہ آجائے تو اس کو چھوڑ دے اگرچہ مفتی لوگ فتوٰی دیں تو تو اس کو نہ مان غرض اس کی اس بیان سے یہ ہے کہ میری نسبت اگر کوئی شخص فتوٰی طلب کرے تو اس فتوے کو قبول مت کرو اور چھوڑ دو اور اثنائے بیان میں یہ افتراء اہل اسلام پر مجلس وعظ میں کیا کہ بمبئی میں کوئی مکان یا کوئی گلی کوچہ ایسا نہ ہوگا کہ جس میں شبانہ روز زنا نہ ہوتا ہو۔ اب بتلائے کہ جس شخص کی ایسی حالت ہو کہ ڈھیلا نہ لیتا ہو معذور ہو نجس کپڑوں سے نماز پڑھاتا ہو، دروغ گو ہو، مفتری ہو اور مسلمانوں کو ٹھگنے والا فریبی ہو ذکر خیر سے مانع ہو، ایسے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور جو اس کی حمایت کرے اس کا کیا حکم ہے اور ایسے کو اس منصب سے خارج کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور اس حدیث دع مایریبک الخ کا کیا مطب ہے؟ جو ایسے مسئلے سے اپنی گھڑت لگا کر لوگوں کو گمراہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاں چند امور قابل لحاظ:

(۱) مرد کو پیشاب کے بعد استبراء کہ اثر بول منقطع ہوجانے پر اطمینان قلب حاصل ہوجائے فرض ہے یعنی عملی کہ واجب کی قسم اعلٰی ہے جس کے بغیر عمل صحیح نہیں ہوتا ولہٰذا بعض نے فرض بعض نے واجب بعض نے لازم فرمایا کہ فرض و واجب دونوں کو شامل ہے، پھر اس میں طبائع مختلف ہیں، بعض کو وہ نم کہ سوراخ ذکر پر بعد بول زائل ہوتے ہی اطمینان ہوجاتا ہے کہ اب کچھ نہ آئے گا، بعض کو صرف دو تین بار کھنکھار ناکافی ہوتا ہے بعض کو ذکر کا دو یا ایک بار اوپر سے نیچے کو مل دینا اور بعض کو ٹہلنے کی حاجت ہوتی ہے دس ۱۰ قدم سے چار سو قدم تک بعض کو بائیں کروٹ پر لیٹنا، بعض کو ران پر ران رکھ کر ذکر کو دبانہ، غرض مختلف طریقے ہیں اور ہر شخص اور اس کی طبیعت (مختلف ہوتی ہے) درمختار میں ہے:

یجب الاستبراء بمشی او تنحنح او نوم علی شقه الایسر ویختلف بطبائع الناس[2]۔	بول کا اثر ختم کرنا لازم ہے خواہ پیدل چلنے، خواہ کھنکھار نے یا بائیں جانب لیٹنے سے ہو اور لوگوں کی مختلف طبائع کی وجہ سے حکم مختلف ہوتا ہے (یعنی کسی کو جلد پاکیزگی حاصل ہوتی ہے کسی کو دیر سے)۔(ت)

[1] المعجم الکبیر مااسند واثلۃ بن اسقع مطبوعہ المکتبہ الفصلیہ بیروت ۲۲/ ۷۸، مجمع الزوائد باب التورع عن الشبہات مطبوعہ دالاتاب بیروت ۱۰/ ۲۹۴

[2] درمختار، فصل فی الاستنجاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۵۷

ردالمحتار میں ہے:

فی الغزنویۃ المرأۃ کالرجل الا فی الاستبراء فانہ لا استبراء علیھا بل کما فرغت تصبر ساعۃ لطیفۃ ثم تستنجی ومثلہ فی الامداد وعبر بالوجوب تبعا للدرر وغیرھا وبعضھم عبر بانہ فرض وبعضھم بلفظ ینبغی وعلیہ فھو مندوب کما صرح بہ بعض الشافعیۃ ومحلہ اذا امن خروج شیئ بعدہ فیندب ذلک مبالغۃ فی الاستبراء اوالمراد الاستبراء بخصوص ھذہ الاشیاء من نحوالمشی والتنحنح اما نفس الاستبراء حتی یطمئن قلبہ بزوال الرشح فھوفرض ، وھو المراد بالوجوب ولذا قال الشرنبلالی یلزم الرجل الاستبراء حتی یزول اثر البول ویطمئن قلبہ وقال عبرت باللزوم لکونہ اقوی من الواجب لان ھذا یفوت الجواز لفوتہ فلا یصح لہ الشروع فی الوضو ، حتی یطمئن بزوال الرشح[1] اھ	غزنویہ میں ہے عورت مرد کی طرح ہے البتہ عورت پر استبراء لازم نہیں بلکہ جیسے ہی فارغ ہو تھوڑی دیر کے بعد استنجاء کرسکتی ہے۔ اس کی مثل امداد میں بھی ہے اس نے درر وغیرہ کی اتباع کرتے ہوئے لفظ وجوب سے تعبیر کیا ہے اور بعض لوگوں نے لفظ فرض بعض نے لفظ " ینبغی" اور "علیہ" سے تعبیر کیا ہے پس یہ مندوب ہے جیسا کہ بعض شوافع نے تصریح کی ہے اس کا محل یہ ہے کہ جب اس کے بعد کسی شئی کے خروج کا خوف نہ ہو تو یہ استبراء میں مبالغہ کے لئے مندوب ہے ، یا استبراء سے مراد یہ مخصوص اشیاء ہیں مثلاً چلنا اور کھنکارنا ، رہا نفس استبراء یہاں تک کہ قطروں کے زائل ہونے کے ساتھ دل مطمئن ہوجائے تو وہ فرض ہے اور وجوب سے بھی یہی مراد ہے اس لئے شرنبلالی نے کہا آدمی پر استبراء لازم ہے یہاں تک کہ بول کا اثر زائل ہو جائے اور دل مطمئن ہوجائے اور کہا کہ میں نے اسے لفظ "لزوم" کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا کہ یہ واجب سے اقوی ہے کیونکہ اس کے فوت ہونے سے جواز فوت ہوجاتا ہے پس نمازی کے لئے وضو میں شروع ہونا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ پیشاب کی چھینٹوں کے زائل ہونے سے دل مطمئن نہ ہو جائے (ت)

زید اگر ایسا ہو کہ وہیں بیٹھے بیٹھے کھنکھارنے یا ملنے سے اسے اطمینان صحیح ہوجاتا ہو اور بعد استبراء صرف پانی سے استنجاء کرے جب تو یہ فرض ادا اور وضو صحیح ہوجاتا ہے اور اگر مثلاً ٹہلنا وغیرہ اسے درکار ہے بے اسے ادا کئے پانی سے دھولیتا ہے تو فرض کا تارک ہے اور اسی حالت میں وضو کرے تو وضو ناجائز اور اس کی نماز باطل

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۵۳

امامت تو دوسری چیز ہے تو حالت زید مشکوک ہوئی بلکہ دریافت کرنے پر اس کا یہ نہ بتانا کہ مجھے جتنے خفیف استبراء کی حاجت ہے کرلیتاہوں زیادہ کی ضرورت نہیں بلکہ اپنی معذوری کا عذر پیش کرنا اس کی حالت کو مشتبہ تر کرتا ہے اور وہ خود حدیث پڑھ چکا ہے کہ شبہ کی بات چھوڑو اگرچہ لوگ کچھ فتوی دیں تو اس نے خود مان لیا کہ مسلمانوں کو اس امامت سے احتراز کا حکم ہے اور اگر کوئی مفتی اس کی امامت پر فتوی بھی دے تو نہ مانا جائے

(۲) یہاں تک تو اس کی امامت صرف مشتبہ ٹھہری اور خود اس کی پڑھی ہوئی حدیث سے اس کے چھوڑنے کا حکم ہوا مگر اگلا بیان صراحۃً اس کی امامت کو باطل محض کررہا ہے اور وہ اپنے آپ کو ڈھیلا لینے سے معذور بتاتا ہے اور عادت کوئی عذر ڈھیلا لینے سے مانع نہیں مگر یہ کہ محل استنجاء پر زخم ہو یا دانے پکے یا پکنے پر ہیں جن میں ریم ہے ان کے سبب ڈھیلے کی رگڑ کی تاب نہیں زخم کی حالت تو ظاہر تھی کہ اس سے نہ وضو رہتا نہ کپڑے پاک، دانوں میں احتمال تھا کہ شاید ابھی آب وریم نہ دیتے ہوں مگر اس کا کہنا کہ لنگوٹ بھی بوجہ عذر کے باندھتا ہوں مگر نماز کے وقت صرف کپڑے بدل لیتا ہوں صاف دلیل روشن ہے کہ وہ دانے آب وریم دیتے ہیں اور اتنا جس سے ہر وقت کپڑا نجس ہوتا ہے جب تو نماز کے وقت اسے کپڑے بدلنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اب کھل گیا کہ وہ معذور شرعی ہے اور معذور کی امامت غیر معزوروں کے لئے یقینا باطل محض ہے **کما نص علیه فی الکتب کلها** (جیساکہ تمام کتب میں اس پر تصریح موجود ہے۔ت)

(۳) اس شناعت کبرٰی کے بعد باقی امور کی طرف توجہ کی زیادہ حاجت نہیں ورنہ اس میں اور بھی وجوہ ہیں جن پر شرع مطہر اسے امام بنانے سے منع فرماتی ہے مثلاً فاحشہ عورتوں سے خلاملا مزاح تمسخر۔ اشباہ وغیرہا میں ہے: **الخلوة بالاجنبیة حرام**[1] (اجنبی عورت کے ساتھ خلوت (یعنی تنہائی میں ملنا) حرام ہے۔ت) تو یہ حرم کا مرتکب پھر اس پر مصر پھر اس میں مشتہر ہے تو فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کا امام بنانا گناہ۔ فتاوی حجہ وغنیہ میں ہے **لوقدموا فاسقا یأثمون**[2] (اگر لوگوں نے فاسق کو مقدم کیا تو وہ گنہ گار ہوں گے۔ت) تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[3]۔	کیونکہ امامت کے لئے اس کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا اس کی اہانت لازم ہے (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحظرہ والاباحۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۱۱/۲/ ۵۱۲
[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳
[3] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱۳۴/۱

اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کما فی الغنیۃ وغیرھا واقرہ فی ردالمحتار (غنیۃ وغیرہ میں اسی طرح ہے اور ردالمحتار میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ت) تو جتنی نماز اس کے پیچھے اس حالت میں پڑھیں ہوں سب مقتدیوں پر ان سب کا پھیرنا واجب اگر نہ پھیریں گے گنہگار رہیں گے اگرچہ دس برس کی نمازیں ہوں کما حکم کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم[1]۔ کما فی الدرمختار وغیرہ (جیسا کہ کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہر نماز کا حکم ہے، درمختار میں ہے)

(۴) مقتدیوں کا اس کے عیوب کے باعث اس کی امامت سے ناراض ہونا ایسے کی نماز اس کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی یعنی آسمانوں پر جانا اور بارگاہ عزت میں حاضر ہونا تو بڑی بات ہے وہیں کی وہیں پرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے منہ پر ماردی جاتی ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاترفع صلاتھم فوق رؤسھم شبرا رجل ام قوما وھم لہ کارھون وامراۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط واخوان متصارمان[2] رواہ ابن ماجۃ وابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ عنھما بسند حسن۔	تین آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے ایک بالشت برابر اوپر نہیں اٹھائی جاتی، ایک ۱ وہ شخص جو قوم کا امام بنے مگر لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں۔ ایک ۲ وہ عورت جو اس حال میں رات بسر کرے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو۔ اور ۳ دو بھائی جو آپس میں جھگڑا کرنے والے ہوں اس کو ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صلاۃ من تقدم قوما وھم لہ کارھون، ورجل اتی الصلوٰۃ دبارا والدبار ان یاتیھا بعد ان تفوتہ و	تین اشخاص کی نماز اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا ایک وہ شخص جو قوم کا امام بنا حالانکہ لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں۔ دوسرا وہ شخص جو نماز کی طرف (جماعت کے) فوت ہونے کے بعد یا نماز کا وقت فوت ہونے کے

[1] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

[2] سنن ابن ماجہ باب من ام قوما وہم لہ کارھون مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۹

رجل اعتبد محررا۔[1] رواہ ابوداؤ وابن ماجۃ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بعد آئے تیسرا وہ شخص جو آزاد کو غلام بنائے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ رتعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما رجلا ام قوما وھم کرھون لم تجز صلاتہ اذنہ[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن طلحۃ ابن عبیداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شخص بھی قوم کا امام بنے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتے ہوں تو اس کی نماز کانوں سے اوپر نہیں جاتی اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

چوتی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صلاۃ ، والاتصعد الی السماء ولاتجاوز رؤسھم رجل امّ قوما وھم لہ کارھون ورجل صلی علی جنازۃ ولم یؤمر وامرأۃ دعاھا زوجھا من اللیل فابت علیہ[3] ۔ رواہ ابن خزیمۃ عن عطاء ابن دینار وبسند اخر عن انس بن مالك متصلا رضی اللہ تتعالٰی عنہ۔	تین افراد کی نماز اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا نہ وہ آسمان کی طرف چڑھتی ہے اور نہ ان کے سروں سے بلند ہوتی ہے ایک وہ شخص جو قوم کا امام بنے حالانکہ وہ اسے پسند نہ کرتے ہوں، دوسرا وہ شخص جو جنازہ پڑھائے حالانکہ اسے اجازت نہ دی گئی ہو۔ تیسری وہ خاتون جسے رات کو خاوند طلب کرے تو وہ انکار کردے اسے ابن خزیمہ نے عطاء بن دینار سے اور ایک دوسری سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متصلاً روایت کیا ہے۔ (ت)

پانچویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاتجاوز صلاتھم اذانھم	تین اشخاص کی نماز ان کے کانوں بلند نہیں ہوتی

---

[1] سنن ابوداؤد باب الرجل یوم وھم لہ کارھون مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۸، سنن ابن ماجہ باب من ام قوما وھم لہ کارھون مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۹

[2] المعجم الکبیر، ما اسند طلحۃ بن عبید اللہ حدیث ۲۱۰، مطبوعہ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، ۱/۱۱۵

[3] صحیح ابن خزیمۃ باب الزجر عن امامۃ المرء الخ حدیث ۱۵۱۸ مطبوعہ المکتب الاسلامیہ بیروت ۳/۱۱

العبد الابق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجہا علیہا ساخط وامام قوم وھم لہ کارھون [1] رواہ الترمذی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال حسن غریب۔	ایک بھگوڑے غلام کی حتٰی کہ وہ لوٹ آئے، دوسری وہ خاتون جورات اس حال میں بسر کرے کہ اس کا خاوند اس پر ناراض ہو تیسرا وہ شخص جو قوم کا امام بنا حالانکہ لوگ اسے ناپسند کرتے تھے۔ اسے ترمذی نے حضرت ابو امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے کہا یہ حسن غریب ہے۔(ت)

تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ولوام قوما وھم لہ کارھون ان الکراھۃ لفساد فیہ اولانھم احق بالامامۃ منہ کرہ لہ ذلك تحریما [2]۔	اگر کسی نے قوم کی امامت کرائی حالانکہ وہ قوم اسے ناپسند نہ کرتی تھی اگر خود اس میں خرابی کی وجہ سے کراہت ہو یا اس لئے کہ دوسرے لوگ اس سے امامت کے زیادہ اہل تھے تو اس صورت میں اس کا امام بننا مکروہ تحریمی ہوگا(ت)

(۵) اس کے سبب تفریق جماعت کہ سوال میں ہے لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردیا جس کے سبب تفریق جماعت ہوا اسے امام بنانا منع ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اگرچہ وہ خود بے قصور ہو جیسے برص والا نہ کہ وہ خود فساد رکھتا ہے، درمختار میں ہے:

کذا تکرہ خلف ابرص شاع برصہ [3] اھ واستظھر فی ردالمحتار ان العلۃ النفرۃ ولذاقید الابرص بالشیوع ولیکون ظاھرا [4] اھ **اقول:** لیس محل الاستظھار بل العلۃ ھی ھی لا شك ثم الذی یظھر لی ان کراھۃ الصلاۃ خلفہ تنزیھیۃ کما ھو قضیۃ کلام الشامی اذیقول تحت قول الدر ھذا وکذلك	اسی طرح اس صاحب برص کے پیچھے نماز مکروہ ہے جس کا برص پھیل گیا ہو اھ ردالمحتار میں ہے اس کی علت نفرت قرار دیا۔ل اس لئے ابرص کے ساتھ الشیوع (یعنی پھیلنے) کی قید لگائی تاکہ معاملہ واضح ہوجائے اھ **میں کہتا ہوں** یہ مقام ظاہر کرنے کا نہیں بلکہ علت یہی نفرت ہے اس میں کوئی شک نہیں، پھر مجھ پر یہ بات واضح ہوئی کہ ابرص کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے

[1] جامع الترمذی باب ماجاء من ام قوما وھم لہ کارھون مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۷

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۸۳

[4] ردالمحتار، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۴۱۶

اعرج یقوم ببعض قدمه فالا قتداء بغیره اولی تاتارخانیة وکذا اجذم برجندی [1] اھ وان لم اره فی امامة البرجندی من شرحه للنقایة لکن کراھة تقدیمه اذا بلغ التنفیر الی ترك الناس الجماعة کما فی السوال ینبغی ان تکون کراھة تتحریم لما فیه من النقض الصریح لمقصود الشارع صلی الله تعالٰی علیه وسلم من شرعیة الجماعة وایجا بها وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم بشروا ولا تنفروا والتنفیر المعلل به فی الھدایة کراھة تقدیم العبد والاعمی والاعرابی لا یبلغ عشر ھذا بل ھونادر محتمل وھذا غالب متحقق فافترقا فھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی عزوجل۔	جسے علامہ شامی کے کلام کا تقاضا ہے کیونکہ وہ درمختار کے اسی قول کے تحت لکھتے ہیں اسی طرح وہ لنگڑا ہے جو اپنے پاؤں کے کچھ حصہ پر کھڑا ہوتا ہو اس کے غیر کی اقتداء بہتر واولٰی ہے تاتارخانیہ اور اسی طرح ہاتھ کٹے کا معاملہ ہے۔ برجندی اگرچہ میں نے برجندی مع شرح نقایہ۔ برجندی کے باب الامامۃ میں یہ مسئلہ نہیں پایا لیکن جب اس کی تقدیم کی ناپسندیدگی اتنی بڑھ جائے کہ لوگ جماعت کو چھوڑنا شروع کردیں جیسا کہ سوال میں ہے تو ایسی صورت میں اسے کراہت تحریمی قرار دینا چاہئے کیونکہ اس میں تو شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقصود کی صریح مخالفت ہے اور وہ مقصود جماعت کا مشروع اور واجب ہوتا ہے حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لوگوں میں محبت و بشارت پیدا کرو نفرت نہ پھیلاؤ۔ اور وہ نفرت جس کی بناء پر صاحب ہدایہ نے غلام، نابینا اور اعرابی کی امامت کو مکروہ قرار دیا ہے وہ تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچتی بلکہ وہ نادر اور ایک احتمال ہے اور یہ غالب وثابت ہے پس ان دونوں میں فرق ثابت ہوگیا یہ میرے نزدیک ہے اور حق علم میرے رب کے ہاں ہے۔ (ت)

(۶) اس کا کہنا کہ بمبئی میں کوئی مکان یا گلی کوچہ ایسا نہ ہوگا جس میں شبانہ روز زنانہ ہوتا ہو، اگر وہ تعمیم و تصمیم کرتا تو بمبئی کے لاکھوں مسلمانوں مردوں، مسلمان پارسا بیبیوں پر صریح تہمت ملعونہ زنا تھی جس کے سبب وہ لاکھوں قذف کا مرتکب ہوتا اور ایک ہی قذف گناہ کبیرہ ہے اور قذف کرنے والے پر لعنت آئی ہے تو وہ ایک سانس میں لاکھوں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا اور لاکھوں لعنتوں کا استحقاق پاتا ہے مگر اس نے مکان اور کوچہ میں تردید سے تعمیم کو روکا اور "نہ ہوگا" کے لفظ سے جزم میں فرق ڈالا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ اس نے وہاں کے عام مسلمانوں مردوں بیبیوں کی حرمت پر دھبا لگایا اور اسے خاص مجلس وعظ میں کہہ کر مسلمانوں کو ناحق بدنام کرنے اور ان میں اشاعت فاحشہ کا بوجھ اپنی گردن پر اٹھایا اور بکثرت مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی ایذا دی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۶

اذانی فقد اذی اللہ [1] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن۔	اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ عزوجل کو ایذادی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ [2]۔	جو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی بات کا چرچا پھیلے ان کے لئے دنیاوآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

جب اس پر دونوں جہاں میں عذاب شدید کی وعید ہے تو یہ بھی کبیرہ ہوا اور مرتکب کبیرہ فاسق ہے اور یہ فسق بالاعلان بر سر مجلس وعظ ہوا تو اس وجہ سے وہ بھی فاسق معلن ہوا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔

(۷) ظاہر ہے کہ وہ جاہل ہے اور باوصف جہل اس نے فتوے پر اقدام کیا اور ارشاد اقدس حدیث کو الٹا اور مفتیان شریعت مطہرہ کے فتووں کو بے اعتبار کہا اور عوام جہال کو رد فتاوی شریعت پر دلیر کیا تو بلاشبہ وہ ضال و مضل ہوا خود گمراہ اور اوروں کو گمراہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتخذالناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [3] رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما	لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلہ پوچھیں گے وہ بے علم فتوی دیں گے آپ بھی گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اس کو ائمہ کرام احمد بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس صورت میں اس کی امامت در کنار اس کے پاس بیٹھنا منع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [4]۔	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں

---

[1] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۶۳۲ ۳ مکتبۃ المعارف الریاض ۳۸۳/۴

[2] القرآن ۲۴ / ۱۹

[3] صحیح البخاری باب الحرص علی الحدیث مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۰/۱، صحیح مسلم باب رفع العلم وقبضہ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۴۰/۲، جامع الترمذی باب ماجاء فی الاستیصاء بمن یطلب العلم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۰/۲

[4] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۰/۱

رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گمراہ نہ کردیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں اسے مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ایسی حالتوں میں جو اس کی حمایت کریں اس کی امامت قائم رکھنا چاہیں مسلمانوں کے بدخواہ ہیں اور ان کی نمازوں کی خرابی بلکہ تباہی وبربادی چاہنے والے اور اللہ کے خائن۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1]۔	گناہ اور حد سے بڑھنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر وایضاً فی صحیح لمختارۃ عن اوس بن شرجیل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو دانستہ کسی ظالم کی مدد کو چلے وہ اسلام سے نکل جائے گا۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں اور صحیح المختارۃ میں بھی حضرت اوس بن شرجیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے:

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا من عصابۃ وفیھم من ھو ارضی اللہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ ولمؤمنین[3]۔ رواہ الحاکم وابن عدی والعقیلی والطبرانی والخطیب من ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی جماعت میں ایک شخص کو ان پر مقرر کرے اور اس جماعت میں وہ موجود ہوں جو اللہ عزوجل کو اس سے زیادہ پسند ہے بیشک اس نے اللہ رسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی اسے حکم، ابن عدی، عقیلی، طبرانی اور خطیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان لوگوں پر لازم ہے کہ توبہ کریں اور اس کی حمایت سے باز آئیں اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ اسے امامت سے معزول کریں اور کسی صالح امامت کو امام بنائیں اور حدیث مجتہد کے لئے ہے جسے کسی امر میں دلائل متعارض معلوم ہوں

---

[1] القرآن ۵/۲

[2] المعجم الکبیر مااسند اوس بن شرجیل رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۶۱۹ مطبوعہ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱/۲۲۷

[3] المستدرک علی الصحیحین الامارۃ امانۃ الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۹۲

ف: مستدرک میں ''فیھم'' کی جگہ ''فی تلك العصابۃ'' ہے۔ نذیر احمد سعیدی

وہ اسے ترک کرے گا اور دوسرے مجتہد کی تقلید اس پر نہیں یا اہل ورع کے لئے ان خاص امور دقیقہ میں ہے جن پر ظاہر شریعت مطہرہ سے فتوی جواز ہو گا اور متورع محتاط کا قلب اس پر مطمئن نہ ہو گا وہ اس سے بچے گا نہ اس لئے کہ فتوی معتبر نہیں بلکہ اس لئے کہ ایسی جگہ مقام تقوی فتوی سے اعلیٰ ہے۔ ایک بی بی سیدنا امام احمد کے پاس حاضر ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور مسئلہ پوچھا بادشاہ کی سواری نکلتی ہے کیا میں اس کی روشنی میں سوئی میں ڈورا ڈال سکتی ہوں۔ امام نے ان کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا آپ کون ہیں؟ کہا میں بشر حافی کی بہن ہوں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فرمایا ایسا ورع تمھارے گھر سے نکلا ہے **وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۷۰۴: از چوپڑا ڈاک خانہ بائسی مرسلہ محمد کلیم الدین صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بروز جمعہ بعد نماز فجر قبل فرض جمعہ کوئی نماز پیش مصلّٰی پر خواہ اشراق ہو یا قبل الجمعہ غرہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں منع ہے بعض فرماتے ہیں جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مصلّٰی اگر واقف نے صرف امامت کے لئے وقف کیا ہے تو امام وغیر امام کوئی اسے دوسرے کام میں نہیں لاسکتا اگرچہ صراحۃً یا وہاں کے عرف کے سبب دلالۃً ممانعت ہو اور اگر صرف امام کے لئے بطور مذکور وقف ہوا ہے تو امام اس پر نوافل بھی پڑھ سکتا ہے دوسرا کچھ نہیں اور اگر عام طور پر وقف ہوا یعنی صراحۃ تخصیص ہے نہ دلالۃً تو غیر وقت امامت میں ہر شخص اس کو فرائض ونوافل سب کے کام میں لاسکتا ہے بلکہ درس وتدریس کے بھی، کمافی القنیۃ۔ (جیسا کہ قنیۃ میں ہے۔ت) **واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۷۰۵: از حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ طفیل احمد صاحب قادری برکاتی رضوی سلمہ اللہ القوی ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حضور مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ دیوبندی کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی تو حضور ہم نے جو بے خبری میں ان کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں ان کا کیا کیا جائے، اور حضور حسن پور سب مسجدوں میں وہی لوگ امام ہیں تو اب ہم کیا کریں اور اگر اپنی اپنی نماز پڑھ بھی لی تو نماز جمعہ کو کیا کیا جائے کیونکہ جہاں جہاں جمعہ ہوتا ہے وہی امام ہیں، اور عیدیں بھی وہی پڑھاتے ہیں اور جنازہ کی بھی اور نماز تراویح بھی۔ پھر یہ کہ جب ہم مریں گے تو ہمارے جنازوں کی نماز بھی یہی پڑھائیں گے تو حضور ہم بے نماز ہی دفن ہوں گے کیونکہ اگر انھوں نے پڑھائی بھی تو وہ نماز ہی کیا ہوئی۔ اور سنی بس ہم دو تین شخص ہیں، اول حضور کوئی ایسی ترکیب ارشاد ہو کہ جو نمازیں ہم نے ان کے پیچھے پڑھی ہیں معاف ہو جائیں کیونکہ ہمارے ایمان ایسے کمزور ہیں کہ ہم سے پنج وقتہ نماز بھی ادا نہیں ہوتی تو حضور ان کی ادا کی کیا صورت ہے، وہ

تو معاف ہونی چاہیں، کیونکہ بے خبری میں ایسی خطا ہوئی، اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حسن پور چھوڑ دیا جائے۔ حضور اس پر کچھ توجہ فرمائی جائے اور کوئی سبیل نکال دی جائے۔ اور فوراً جو مسئلہ دریافت کرنا ہو وہ کس سے دیافت کیا جائے کیونکہ وہاں جو عالم ہیں وہ وہی ہیں، گو حسن پور میں میلاد شریف، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ کثرت سے ہوتا ہے مگر یہ خبر نہیں کہ ان کے پیچھے نماز بھی نہ پڑھی جائے۔

الجواب:

دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے، ہوگی ہی نہیں، فرض سر پر رہے گا اور ان کے پیچھے پڑھنے کا شدید عظیم گناہ۔ علاوہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہمارے تینوں ائمہ مذہب امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل فرماتے ہیں: ان الصلوٰۃ خلف اھل الھواء لاتجوز [1]۔ اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (ت)

اس میں سب برابر ہیں نماز پنجگانہ ہو خواہ جمعہ یا عید یا جنازہ یا تراویح، کوئی نماز ان کے پیچھے ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اگر (ان کو قابل امامت یا مسلمان جاننا بھی درکنار) ان کے کفر مین شک ہی کرے تو خود کافر ہے جبکہ ان کے خبیث اقوال پر مطلع ہو علمائے حرمین شریفین بالاتفاق فرماتے ہیں:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر [2]۔	جو شخص ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

جب وہاں میلاد شریف اور سوم وغیرہ کرنے والے بکثرت ہیں تو ضرور وہ لوگ دیوبندی نہیں، انھیں علمائے کرام مکہ معظّمہ و مدینہ طیبہ کے فتوے (کہ دس برس سے چھپ کر تمام ملک میں شائع ہورہے ہیں) دکھایئے اور رسالہ "تمہید ایمان" پڑھ پڑھ کر سنایئے الحمدللہ مسلمان ایسے نہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینے والے کے پیچھے نماز جائز مانیں یا اسے مسلمان مانیں ان شاء اللہ تعالٰی اللہ عزوجل ضرور ہدایت واثر بخشے گا اور مسلمان ہوشیار ہو کر ان کے پیچھے نماز چھوڑ دیں گے اور سنی عوام اپنے لئے پنجگانہ وجمعہ وعیدین وجنازہ سب کے لئے مقرر کریں گے اور اگر بالفرض کوئی نہ سنے تو دو آدمی مل کر سوائے جمعہ سب نمازوں پنجگانہ وعید وجنازہ وغیرہ میں جماعت کرسکتے ہیں ایک اور ایک مقتدی بس کافی ہے اور جمعہ کے لئے ایک شخص اہل کو امام مقرر کیجئے کہ وہی عیدین کی بھی امامت کرے اور جمعہ میں کم سے کم تین مقتدی ہوں جمعہ ہو جائے گا زیادہ نہ مل سکیں تو کچھ حرج نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ جمعہ وعیدین اعلان کے

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

[2] درمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

ساتھ ہوں ظاہر کر دیا جائے کہ مسلمانوں کا جمعہ وعیدین فلاں جگہ ہوگی، جسے اللہ تعالٰی ہدایت دے گا شریک ہوجائے گا ان کے پیچھے جو نمازیں بے خبری میں پڑھیں ان کا علاج ایک تو توبہ ہے، دوسرے یہ ضرور ہے کہ ان نمازوں کی قضا پڑھی جائے، اندازہ اتنا کرلیا جائے کہ کوئی نماز باقی نہ رہ جائے زیادہ ہوجائیں تو حرج نہیں۔ اگر کوئی شخص دارالحرب خاص کفار کی بستی میں بسے جہاں مثلاً صرف ہندو ہوں اور وہ کہے کہ میں یہاں کی سکونت تو چھوڑ نہیں سکتا یہ بتاؤ فوری ضرورت کے مسئلے کس سے پوچھوں تو کیا اس سے کہہ دیا جائے گا کہ پنڈت سے پوچھ لیا کرو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۰۶: از موضع سریا ڈاکخانہ تیلوتھو ضلع شاہ آباد آرہ مرسلہ شیخ مدار بخش ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص معمولی اردو خواں مؤذنی بھی کرتا ہے اور امامت بھی کرتا ہے اور وہی شخص گھر گھر سے صدقہ فطر مال زکوٰۃ و کھال قربانی وغیرہ لیتا اور کھاتا ہے اور قبرستان میں جو غلّہ پیسہ کوڑی خیرات کیا جاتا ہے وہ بھی لیتا ہے اور اس کا پیشہ یہی ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ امام کے لئے کون کون شرائط ہیں؟ کیسے شخص کو امام ہونا چاہئے؟ اگر بجائے شخص مذکور کے دوسرا شخص جو ان باتوں سے محتاط ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ فقیر ہے صاحب نصاب نہیں، نہ سید ہاشمی ہے تو ان اموال کا لینا اسے جائز ہے اور اس وجہ سے اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔ امامت کیلئے صحیح الاسلام صحیح الطہارت، صحیح القراءت، سنی صحیح العقیدہ غیر فاسق معلن درکار ہے جس میں ان باتوں سے کوئی بات کم ہوگی اسکے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں مکروہ تحریمی ہوگی اس شخص میں ان باتوں سے کوئی بات کم ہے تو اس کی امامت جائز نہیں، واجب کہ دوسرے کو جو ان باتوں کا جامع ہو امام کریں اور یہ سب باتیں اس میں ہیں تو اس کی امامت میں حرج نہیں، پھر دوسرا اگر نماز وطہارت کے مسائل اس سے زیادہ جانتا ہے تو وہ دوسرا ہی اولٰی ہے اور اگر یہ زیادہ جانتا ہے تو یہی بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۰۷ تا ۷۱۰: از کراچی گاڑی احاطہ محلّہ رام باغ مرسلہ نور احمد مولیڈنہ واکانی مہیز ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) جس امام کو اس کے عقائد پوچھے جائیں اور وہ نہ بتائے تو اس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو امام وقت مقررہ کا پابند نہ ہو یعنی کہے کہ نماز مقررہ وقت پر پڑھنا عرش اعظم پر لکھا ہوا ہے کیا، حالانکہ مصلیوں کی آسانی کے لئے جماعت نے وقت مقرر کیا، اس کو کیا سمجھنا چاہئے؟

(۳) جس امام سے جماعت کے بعض آدمی ناراض ہوں اور بعض اس کی خوشامد کرتے ہوں تو ایسے کی اقتداء کرنا جائز یا نہیں؟

(۴) جس امام کے دونوں ہاتھ ہوں مگر ایک ہاتھ سیدھا یعنی سیدھا ہاتھ نکما ہو اور بائیں ہاتھ سے آبدست لیتا ہو استنجا کرتا ہوں وضو کرتا ہو اور کھانا کھاتا ہو امام ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اپنا عقیدہ و مذہب دریافت کرنے پر نہ بتانے سے ظاہر یہی ہے کہ اس میں کچھ فساد ہے ورنہ دین بھی کچھ چھپانے کی چیز ہے، اس کی اقتداء ہر گز نہ کی جائے کہ بطلان نماز کا احتمال قوی ہے اور نماز اعظم فرائض اسلام سے ہے اس کے لئے سخت احتیاط مطلوب، یہاں تک کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

لان الصلوٰۃ متی فسدت من وجه و جازت من وجوہ حکم بفسادھا[1] واللہ تعالٰی اعلم	جب کسی ایک وجہ پر نماز فاسد ہو اور متعدد وجوہ کی بنا پر درست تو فساد نماز کا حکم ہوگا۔(ت)

(۲) اس میں دونوں ہی باتیں ہیں بعض مقتدیوں کے مزاج میں تشدد اس قدر ہوتا کہ وہ چند منٹ کا آگا پیچھا روا نہیں رکھتے ایسی حالت میں اگر امام نے اس پر انکار کیا بیجا نہ کیا اور اگر امام کی طرف سے بلاوجہ شرعی تکاسل ہے اور اس جماعت کو تکلیف پہنچتی ہے تو اس پر الزام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) رنجیدگی دیکھی جائے گی اگر اس میں کسی قصور شرعی کی وجہ سے ہے تو اسے امام بننا گناہ ہے اور بحکم حدیث اس کی نماز مقبول نہ ہوگی۔

ثلثة لاترفع صلاتھم فوق اذانھم شبرا الی ان قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و من ام قوما وھم له کارھون[2]۔	تین اشخاص کی نماز ان کے کانوں سے ایک بالشت برابر بھی بلند نہیں ہوتی، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہاں تک فرمایا کہ ایک وہ شخص جو کسی قوم کا امام بن جائے حالانکہ وہ لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں (ت)

اور اگر اس میں کوئی قصور شرعی نہیں تو اس کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور ان رنج والوں پر وبال ہے کما نص فی الدر المختار (جیساکہ درمختار میں اس پر نص موجود ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) ہو سکتا ہے بلکہ اگر وہی حاضرین میں سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں وہی امام کیا جائے گا **کما نصو علیه فی المتون والشروح والفتاوٰی** (جیساکہ متون، شروحات اور فتاوٰی جات میں اس مسئلہ کے متعلق

---

[1] فتح القدیر، باب صلوٰۃ المسافر، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴

[2] سنن ابن ماجہ باب من ام قوما وھم له کارھون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

ف: سنن ابن ماجہ میں ''**فوق اذانھم**'' کی جگہ ''**فوق روسھم**'' ہے۔ نذیر احمد سعیدی

نصوص موجود ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷: از کراچی بندر صدر بازار دکان سیٹھ حاجی احمد، حاجی کریم، محمد شریف جبزل مرچنٹ مرسلہ عبداللہ ولد حاجی ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

امام صدر را باعث افتادن از ستور دریک دست تشنج واقع شدہ است ازیں وجہ دست ماؤفہ او بوقت تکبیر تحریمہ مس مزمہ گوش نمی شود آیا دریں صورت امامت او بلاکراہت جائز است یانہ؟	صدر کے امام کا ہاتھ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے بے حس وحرکت ہوگیا ہے اس وجہ سے وہ اپنا ماؤف ہاتھ بوقت تکبیر تحریمہ کان کی لو تک نہیں اٹھا سکتا، اس صورت میں اس کی امامت بلاکراہت جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

جائز است بلکہ اگر اعلم قوم است ہموں احق بامامت است ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جائز ہے بلکہ اگر وہ قوم سے زیادہ عالم ہے تو امامت کا مستحق وہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۲۷: از سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جب ایک عالم اور شریف ہے مگر سید نہیں ایک عالم رذیل ہے جاہل یا کم مجیب الطرفین سید کی موجودگی میں ان دونوں قسموں کے عالموں سے کون زیادہ مستحق امامت ہے؟ صرف سید ہی کو استحقاق ہے؟

الجواب:

عالم بہر حال زیادہ مستحق امامت ہے جبکہ مبتدع یا فاسق معلن نہ ہو، اور دونوں عالموں میں جسے علم نماز وطہارت میں ترجیح ہو وہ مقدم ہے اواس میں مساوی ہوں تو قراءت وورع وسن وغیرہا مرجحات کے بعد شریف نسب سے ترجیح دی جائے گی، عالم رذیل کہنا بہت سخت لفظ ہے عالم کسی قوم کا جو اگر عالم دین ہے اللہ کے نزدیک ہر جاہل سے اگرچہ کتنا ہی شریف ہو افضل ہے۔

قال اللہ تعالٰی قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: کیا علم والے اور بے علم برابر ہوسکتے ہیں؟ (ہر گز نہیں)۔(ت)

مطلق فرمایا کہ جو عالم نہیں عالم کے برابر نہیں ہوسکتا اس میں کوئی تخصیص نسب وغیرہ کی نہ فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۹/۳۹

مسئلہ ۷۱۳: از ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داؤد صاحب ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد کی امامت یا متابعت خواہ چار اماموں میں سے کوئی ایک امام کا مقلد ہو یعنی شافعی حنفی امام کے پیچھے یا حنفی شافعی امام کے پیچھے یا حنبلی حنفی کے یا حنفی حنبلی کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حنفی کا شافعی امام بنے تو کیا یہ ضرور ہے کہ حنفی کی خاطر رفع یدین یا آمین بالجہر ترک کردے یا یہ کہ ہر شخص امام ہو یا مقتدی اپنے اپنے امام کی پیروی کرے؟

الجواب:

(۱) اگر معلوم ہے کہ اس وقت امام میں وہ بات ہے جس کے سبب میرے مذہب میں اس کی طہارت یا نماز فاسد ہے تو اقتداء حرام اور نماز باطل، اور اگر اس وقت خاص کا حال معلوم نہیں مگر یہ معلوم ہے کہ یہ امام میرے مذہب کے فرائض وشرائط کی احتیاط نہیں کرتا تو اس کی اقتداء ممنوع اور اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ اور اگر معلوم ہے کہ میرے مذہب کی بھی رعایت واحتیاط کرتا ہے یا معلوم ہو کہ اس نماز خاص میں رعایت کئے ہوئے ہے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے جبکہ سنی صحیح العقیدہ ہو نہ غیر مقلد کہ اپنے آپ کو شافعی ظاہر کرے اور اگر کچھ نہیں معلوم تو اس کی اقتداء مکروہ تنزیہی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) ہر شخص اپنے امام کی پیروی کرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۷۱۴: از بریلی

زید امام مسجد ہے اور اس نے جھوٹ بولا اس پر ایک شخص نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کردی اور کسی وقت کی نماز وہ شخص قبل پڑھ لیتے ہیں اور مؤذن بھی وہی شخص ہیں اور تکبیر بھی کہتے ہیں تو آیا یہ تکبیر صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور نماز ایسے امام کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس وقت تک جتنی نمازیں ان کے پیچھے پڑھی گئیں جس وقت سے انھوں نے جھوٹ بولا تو نمازیں ہوگئیں یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے یہ بیان کیا کہ امام کے ذمّے یہ جھوٹ رکھا جاتا ہے کہ اس سے پوچھا گیا کیا بجا ہے؟ کہا سوا آٹھ بجے ہیں، اور بجے تھے سوا نو۔ یہ کوئی جھوٹ ایسا نہیں جس کے سبب اس کے پیچھے نماز چھوڑ دی جائے۔ سوا نو بجے ہیں تو ضرور سوا آٹھ بھی بج چکے۔ عالمگیری میں ہے کہ اگر کوئی دس روپیہ کو خریدی اور پوچھنے پر کہا پانچ کو لی ہے تو یہ کوئی جھوٹ قابل مواخذہ نہیں۔ یونہی سوا نو میں سوا آٹھ داخل داخل ہیں۔ مؤذن کہ اتنی سی بات پر ترک جماعت کرتا ہے دُہرا گنہگار ہے ایک جماعت چھوڑنے کا گناہ دوسرا سخت گناہ یہ کہ اوروں کو اذن دے کر بلانا اور خود باز رہنا

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو (خود) نہیں کرتے اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو

مسئلہ ۷۱۵: از قصبہ نرنگ لاہور مسئولہ ابورشید محمد عبدالعزیز

کیا فرماتے ہے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی امام گاہے گاہے مردہ شوئی کرے تو کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

میّت مسلم کو نہلانا فرض ہے اور فرض کے ادا کرنے میں اجر ہے، اور اگر وہاں اور بھی کوئی اس قابل ہو کہ نہلاسکے تو اس کے نہلانے پر اجرت لینا بھی جائز ہے بہر حال اس سے امامت میں کوئی خلل نہیں آتا اور اگر وہاں کوئی دوسرا ایسا نہ ہو کہ نہلاسکے تو اب اس پر نہلانا فرض عین ہے اور اس پر اجرت لینا حرام، ایسا کرے گا تو فاسق ہوگا اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اس کا امام بنانا گناہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱۶: از روپئی ڈیہہ ضلع بہرائچ بازار نیپال گنج مرسلہ سید علی ناریل فروش ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کی زوجہ سے زنا کیا، بکر نے یہ حالات کماحقہ معلوم کرکے زوجہ مذکور کو طلاق بائن دی اور خود بھی تائب ہوا۔ بکر یہاں کی جامع مسجد کا پیش امام بھی ہے، اب بکر کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں زنائے زوجہ کے سبب بکر کی امامت میں کوئی خلل نہیں جبکہ وہ بوجہ صحت مذہب و طہارۃ وصحت قراءۃ وغیرہا شرعًا قابل امامت ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱۷: از موضع کوتانہ ضلع میرٹھ مرسلہ شیخ وجیہ الدین احمد و محمد عبداللہ خاں و محمد واسمٰعیل خاں ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین محمدی ومفتیان شرع احمدی حنفی المذہب اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص وہابی فرقہ کا حنفی المذہب اہل سنت وجماعت کے محلّہ کی مسجد کا ایک ماہ و چند روز سے پیش امام ہے اور اس کے باپ دادا بھی اسی فرقہ وہابیہ میں مر گئے۔ حسن اتفاق سے اس مسجد میں دو عالم واعظ تشریف لائے اور وعظ میں حضرت رسول مقبول محبوب رب العالمین شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد وثنا بیان فرمائی اور امام مسجد

---

[1] القرآن ۶۱/ ۲

نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی اسی روز شب کو ایک شخص باشندہ محلّہ نے اپنے مکان پر مولوی صاحبان نووارد سے مجلس مولود شریف کرائی۔ امام مسجد شامل نہ ہوا، صبح کو بوقت ظہر دریافت کیا کہ تم مجلس مولود شریف کی نسبت کیا کہتے ہو؟ جواب دیا کہ اچھا کہتا ہوں، پھر کہا گیا تم اچھا کہتے ہو تو تم کیوں نہیں کرتے ہو؟ امام نے جواب دیا کہ میرے باپ دادا نے اس فعل کو نہیں کیا میں بھی نہیں کرتا، پھر کہا گیا کہ شب کو جو مجلس ہوئی تھی اس میں شامل کیوں نہ ہوئے؟ جواب دیا کہ وہاں پر قیام ونعت ہوتی ہے اس لئے میں شامل نہیں ہوا۔ پھر کہا گیا کہ نعت کے معنی حمد وثناء تعریف کے ہیں۔ حضرت رسول کریم رحمۃ للعالمین کی تعریف سے کیوں بھاگتے ہو؟ کچھ جواب نہ دیا سکوت کیا ۱۵ ربیع الاولی ۱۳۳۷ھ مقدسہ کو بعد نماز فجر بمواجہہ جملہ نمازیان مسجد امام سے کہا کہ جناب مولانا ومولوی حاجی قاری احمد رضا خاں صاحب کی تصنیفات سے یہ کتاب "تجلی الیقین" موجود ہے تمام وکمال انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف فرماتے ہیں تم حضرت کی تعریف ونعت سے کیوں گریز کرتے ہوں؟ جواب نہ دیا خاموش رہا؟ اس مبارک کتاب "تجلی الیقین" کے چند موقع پڑھ کر سنائے مگر کچھ اثر نہ ہوا اب حضور والا مفصل ومشرح تحریر فرمائیں کہ حنفی المذہب اہلسنت وجماعت کی نماز ایسے بد عقیدہ وہابی مذہب کے پیچھے جائز ہے یا ناجائز ہے بدلائل وبرہان قرآن شریف وحدیث شریف جواب مرحمت فرمائیں اللہ جل شانہ نے حضور والا کی ذات ستودہ صفات کو مثل آفتاب عالمتاب کے روشن ومنوّر کیا ہے اسی طرح تا یوم القیامۃ روشن رکھے، مکرر عرض ہے کہ کمترین وجیہ الدین کا یا اور کسی باشندہ محلّہ کا کوئی دنیاوی تعلق نہیں ہے نہ کسی کا کوئی عزیز امامت کے لائق ہے صرف بغض للہ وحب للہ پر عمل ہے۔

الجواب:

بیان سوال سے ظاہر کہ وہ شخص وہابی بلکہ وہابیوں میں بھی اونچی چوٹی کا ہے، وہابیہ کا اصل عقیدہ نعت اقدس سے جلنا ہے مگر مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے یوں صاف نہیں کہتے جو اس نے کہی کہ "وہاں نعت ہوتی ہے اس لئے شامل نہ ہوا" رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نفرت نہ کرے گا مگر کافر اور کافر کے پیچھے نماز محض باطل، اگر مسلمان ہوتا نعت اقدس کو درست رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب شیئا اکثر ذکرہ[1]۔ رواہ ابو نعیم ثم الدیلمی عن مقاتل ابن حیان عن داؤد ابن ابی ھند عن الشعبی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا	جو کسی شی سے محبت رکھتا ہے اس کا ذکر زیادہ کرتا ہے اسے ابو نعیم پھر دیلمی نے مقاتل بن حیان، انھوں نے داؤد بن ہند، انھوں نے شعبی سے، انھوں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے

[1] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابی نعیم ثم الدیلمی، فضیلۃ الشیخ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۲۰/۵

ثلاثتھم من رجال مسلم والاربعۃ۔	روایت کیا ہے اس کے تینوں راوی مسلم شریف کے اور اصحاب اربعہ کے رجال ہیں۔ (ت)

(یعنی اسے بلند مرتبہ محدثین نے ان سے روایت کی ہے لہذا راوی معتمد ہیں۔ نذیر احمد)

جسے محبت در کنار نفرت ہو ظاہر ہے کہ اسے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے محبت نہیں پھر وہ مسلمان کیسے ہو سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین [1]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تم میں سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اولاد اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیارانہ ہوں ۔اسے ائمہ کرام امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی۔ اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے

"تجلی الیقین" کے کلمات سن کر اثر نہ ہونا اور نعت شریف کے ان سوالوں پر خاموش رہنا اس کے دل کی دبی آگ کو اور ظاہر کررہا ہے۔

قال اللہ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو گئی اور وہ جو ان کے سینوں میں (غیظ وعناد) چھپا ہے اور زیادہ ہے ہم نے تم پر نشانیاں کھول دیں اگر تمھیں عقل ہو۔ (ت)

بالجملہ وہ یقینا وہابی ہے اور وہابیہ قطعاً بے دین، اور بے دین کے پیچھے نماز محض ناجائز۔ فتح القدیر میں ہے:

روی محمد عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما ان الصلاۃ خلف اھل الاھواء لا تجوز [3]۔	امام محمد نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷

[2] القرآن ۳/۱۱۸

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

نماز در کنار بنص قرآن عظیم اس کے پاس بیٹھنا حرام۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّکَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّکْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ (ت)

مسئلہ ۷۱۸: از اوپل ڈاکخانہ خاص ضلع کھیری مرسلہ مولوی خدابخش صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں جہلاء لوگوں کو صوم وصلوٰۃ کی جانب رجوع کرتا ہوں اور انھوں نے خدا کے فضل سے اس جانب توجہ فرمائی ہے لیکن بعض اشخاص بے نمازی تعزیہ وار قبر پرست اور بعضے صرف جمعہ کے نمازی، رمضان شریف کے نمازی، عید کے نمازی ان لوگوں کو میری جانب سے بدظن کرتے ہیں اور ان کے سامنے یہ بات پیش کرے ہیں کہ میری آنکھوں میں پھلی ہی لیکن پتلی پر نہ ہونے کے سبب دکھائی دیتا ہے، دوسری تہمت لگاتے ہیں کہ ان کے والد کے دو نکاح ہوئے ایک عورت کا نکاح نہیں ہوابلکہ انھوں نے ویسے ہی رکھا ہے حلانکہ یہ سب محض لغواور جھوٹ بیان ہے انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ میرے والد کے کے نکاح ہوئے، جناب والد صاحب مرحوم کے تین نکاح ہوئے، اگر یہ ثابت کردیں تو میرا حقہ ترک ورنہ تہمت لگانے والوں کا حقہ ترک ہونا چاہئے

الجواب:

آنکھ میں پھلی ہونا جبکہ وہ پتلیوں سے الگ ہو اور دیکھنے کو مانع نہ ہو نماز میں اصلاً کراہت کا بھی موجب نہیں اور سائل کے باپ پر یہ الزام لگانا کہ ان کے دو نکاح ہوئے اور ایک عورت بے نکاحی رکھی، اول تو ایک مسلمان کی طرف نسبت زنا بلا تحقیق ہے اور یہ سخت حرام کبیرہ ہے اور تہمت رکھنے والے پر شرعاً اسی ۸۰ اسی ۸۰ کوڑے کا حکم ہے۔

ثانیاً سائل پر اس کا کیا الزام تک یہ ثبوت قطعی نہ دیں کہ اس کی ولادت بے نکاح ہے اب طعن کرنے والے مستحق سزائے شدید ے ہیں جب تک توبہ نہ کریں ان کا حقہ پانی بند کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱۹: از کوچین ـــ ضلع ملیبار محلّہ مٹانچیر مکان سیٹھ سلیمان قاسم مرسلہ میمن حاجی طاہر محمد مولانا ۲۰ جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو خدا کو مجسم ٹھہرادے اس کی اقتداء کرکے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

---

[1] القرآن ۶/۶۸

الجواب:

اس کی قتداء حرام ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۷۲۰: از دہلی چاندنی چوک متصل گھنٹہ گھر مسجد باغ والی مرسلہ مولوی عبدالمنان صاحب ۱۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید قدیم الایام سے ایک مسجد کا پیش امام تھا اب بعض اہل محلّہ نے اس سے برخلاف ہو کر ایک دوسرے امام کو کھڑا کر دیا ہے اور اس سے پہلے امام میں کوئی عیب شرعی جس سے معزول ہوسکے نہیں پایا گیا اور پہلا امام ثانی کے کھڑا کرنے پر ناراض ہے اور کہتا ہے کہ میری اجازت کے سوا اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے کیا اس امام اول کا کہنا ٹھیک ہے کہ امام ثانی کے پیچھے نماز مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر واقع میں امام اول نہ وہابی ہے نہ غیر مقلد نہ دیوبندی نہ کسی قسم کا بدمذہب، نہ اس کی طہارت یا قرأت یا اعمال وغیرہ کی وجہ سے کوئی وجہ کراہت، بلاوجہ اس کو معزول کرنا ممنوع ہے حتی کہ حاکم شرع کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا۔ ردالمحتار میں ہے:

لیس للقاضی عزل صاحب وظیفة بغیر جنحة [1]۔	بغیر کسی وجہ کے قاضی مقرر امام کو معزول نہیں کرسکتا۔ (ت)

اور اگر واقعی اس میں کوئی وجہ کراہت ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے اور اس کی نماز نامقبول۔ صحاح احادیث میں ہے:

ثلثة لاترفع صلا تهم فوق اذانهم شبرا (وعد منهم) من ام قوما وهم له کارهون [2]۔	تین اشخاص کی نماز ان کی کانوں سے ایک بالشت برابر بلند نہیں ہوتی (اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے) جو کسی قوم کی امامت کروائے حالانکہ وہ لوگ اسے پسند نہ کرتے ہوں۔ (ت)

اور اگر اس میں کوئی وجہ فساد نماز ہے مثلاً غیر مقلد یا دیوبندی یا غیر صحیح الطہارة یا غیر صحیح القراة ہونا، جب تو ظاہر ہے کہ اس کی امامت فاسد اور اس کے پیچھے نماز باطل، محض اس کا معزول کرنا فرض ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایصح عزل صاحب وظیفة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۲۳/۳

ف: ردالمحتار میں یہ عبارت اختلاف الفاظ کے ساتھ متعدد جگہ پر موجود ہے معنی متحد ہے ۴۲۲/۳، ۴۵۹، ۴۵۲ ط نذیر احمد

[2] سنن ابن ماجہ باب من ام قوماً وہم لہ کارھون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹

ف: سنن ابن ماجہ میں "فوق اذانهم" کی جگہ "فوق رؤسهم" ہے نذیر احمد سعیدی

مسئلہ ۷۲۱: از باندی کوئی مرسلہ منشی عبدالرحمٰن ملازم ڈاک سفری ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بسبب ہونے حافظ قرآن ایک مسجد میں بخدمت پیش امامی وبرائے تعلیم قرآن طفلان اہل اسلام سنت وجماعت کے مقرر کیا گیا چند عرصہ بعد تک بظاہر کسی قسم کا فرق نہ معلوم، ہونے سے ایک گروہ جاہلوں کے معتقد ومطیع زید ہوگئے۔ جب زید دو تین لڑکوں کا حافظہ ختم کراچکا اور اپنا رسوخ پورا پورا جما چکا تو اپنے منصب امامت پر فخر کرنے لگا اور مسجد کو اپنی میراث جان کر کہنے لگا کہ مجھ کو اس مسجد سے کوئی ہٹا نہیں سکتا، غرض زید کا ایک شاگرد رشید بکر نامی جس کا حافظہ ختم ہوچکا تھا اس کی شادی ہوجانے کے بعد اس کے والد نے زید ہی کو زوجہ بکر کی تعلیم قرآن کے لئے مقرر کیا چند ہی عرصہ میں انگشت نمائی ہونے لگی یہاں تک کہ برسوں کے بعد معاملہ طول ہوکر ظاہر ہوا تو بکر سے طلاق دلایا گیا اور زید نے مطلقہ کو خود نکاح میں لاکر فخریہ کہتا ہے اب تو موافق شرع کے حرام نہیں ہے چونکہ عورت جوان زید سن رسیدہ تھا زید کے دباؤ میں نہ رہ کر آزادانہ روش اختیار کرکے پردہ بھی بالائے طاق رکھا اور زید کے جو جوان پرانے شاگرد تھے ان سے خلاملا رہنے لگا، چونکہ زید دیکھنے والا نواب صدیق حسن بھوپالی کا ہے ہر موقع پر حق کو ناحق اور ناحق کو حق بتا کر جاہلوں کی سیدھا کرلیا کرتا تھا اس پر تھوڑے لوگ حق شناس تھے ان سے الگ رہنے لگا اس کے درمیان ایک لڑکا ولدالزنا پیدا ہوا اس کا عقیقہ کیا گیا یہی زید پیش امام صاحب شریک عقیقہ ہوکر بکرے کی کھال کی غرض سے خوب پلاؤ پر ہاتھ مار کر پکارنے لگے کہ عقیقہ کھانا جائز تھا ہرگز حرام نہیں جب اس پر بھی لوگ ان کی پیش امامی پر معترض ہوئے تو خود ہی زید صاحب غیظ وغضب میں آکر چلّا اٹھے کہ پیش امامی کرنے پر لعنت ہے میں تو ہرگز نماز نہیں پڑھاؤں گا جو مجھ پر اعتراض کرتے ہیں وہی پڑھائیں قہر درویش برجان درویش ایک ہفتہ تک نماز پڑھانے سے رکے رہے آخر جھک مار کر خود ہی نماز پڑھانے لگے اور لوگوں نے نماز پڑھی، پس ان سب باتوں پر نظر ڈالتے ہوئے معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگرچہ لوگوں کی انگشت نمائی کا اعتبار نہیں اکثر محض باطل بدگمانی پر ہوتی ہے مگر زید کا بعد نکاح کہنا اب تو حرام نہیں ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ پہلے حرام تھا تو یہ اقرار حرام ہوا، اگرچہ یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کے پہلے تم مجھ پر ناحق بدگمانی حرام کرتے تھے اب تو حرام نہیں۔ زن زید کی نسبت جو لکھا گیا ہے اگر برضائے زید ہے یا زید بقدر قدرت بندوبست نہیں کرتا تو دیوث ہے اور دیّوث سخت اخبث فاسق، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ اسے امام بنانا حلال نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ ،اور پڑھی تو پھیرنا واجب، سائل نے کچھ نہ لکھا کہ زنا سے لڑکا کس کے پیدا ہوا، اگر کسی دوسرے کے یہاں کا یہ واقعہ ہے اور وہ عورت شوہر دار ہے، شوہر نے اسے اپنا بچہ ٹھہرا کر عقیقہ کیا تو بیشک اس میں کوئی حرج نہ تھا، نہ اس کے کھانے میں کوئی حرج۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔	صاحب نکاح کیلئے ولد (نسب) اور زانی کے لئے پتھر ہے (ت)

اور اگر عورت بے شوہر تھی اور اس نے عقیقہ کیا تو ازانجا کہ اس سے نسب قطعًا ثابت ہے اور نسب فی نفسہٖ نعمت ہے فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا[2] (اللہ تعالٰی نے آدمی کے لئے رشتے اور سسرال بنائے) اگرچہ جہت سبب سے یہ صورت سخت بلا ہے، اس عقیقہ کی تحریم یا اس کے کھانے کی حرمت ظاہر نہیں ہوتی خصوصًا جبکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ شراب پینے پر بسم اللہ کہے تو کافر ہے اور پی کر الحمدللہ کہے تو نہیں کہ شراب اگرچہ بلا ہے مگر اس کا حلق سے اتر جانا اور اسی وقت گلے میں پھنس کر دم نہ نکال دینا، اس شدید عصیان کی حالت میں رب عزوجل کی نعمت ہے۔ فصول عمادی وفتاوی ہندیہ میں ہے:

من اکل طعاما حراما وقال عند الاکل بسم اللہ حکم الامام المعروف بمشتملی (ھندیہ) انہ یکفر ولوقال عند الفراغ الحمدللہ قال بعض المتاخرین لایکفر[3]	جس نے حرام کھایا اور کھانے کے وقت "بسم اللہ" پڑھی امام معروف مشتملی (ہندیہ) نے کہا کہ وہ کافر ہے اور فراغت کے بعد اگر "الحمدللہ" کہا تو بعض متاخرین نے کہا کہ اس سے وہ کافر نہیں ہوگا۔ (ت)

البتہ اگر زانی نے عقیقہ کیا تو وجہ نعمت اصلاً منتفی ہے پھر بھی زنا پر شکر اس سے مفہوم نہیں ہوتا بلکہ بہت جہال یہ جانتے بھی نہیں کہ عقیقہ سے شکر مقصود ہے ایک رسم سمجھ کر کرتے ہیں اس صورت میں شرکت اور اس کا کھانا ضرور معیوب و شنیع تھا۔ امامت پر لعنت تو صریح کفر ہے مگر اس سے یہ مقصود ہو سکتا ہے کہ اگر یہ شخص امامت کرے تو اس شخص پر لعنت ہے یہ کیا تھوڑا ناپاک لفظ ہے، زید کی امامت نامناسب، خصوصاً اگر صدیق حسن خاں کے مذہب پر ہو کہ ان حالات میں ضرور بددین ہے اور اسے امام بنانا حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۲۲: زید کچہری میں جاکر مقدمہ دائر کرتا ہے اور اس کی کوشش اور پیروی میں مصروف رہتا ہے اس کے لڑکے کی منکوحہ بیوی یتیم ہے اور کوئی دوسرا ذریعہ معاش کا بھی نہیں ہے اور اس کا لڑکا باہم کھاتے پیتے ہیں اور لڑکے کی منکوحہ بیوی کو اپنے یہاں بلاتے نہیں جس کی وجہ سے وہ سخت تکلیف میں ہے، زید نے لڑکے کا نکاح ثانی بھی کرلیا آیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

[1] صحیح مسلم باب الولد للفراش مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۴۷۰

[2] القرآن، ۲۵/ ۵۴

[3] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۳

الجواب:

عورت کو بلانا، نان ونفقہ دینا، اچھا برتاؤ کرنا شوہر کے ذمہ ہے اس کے باپ کے ذمہ نہیں۔ اللہ تعالٰی ایک کا گناہ دوسرے پر نہیں رکھتا۔ ہاں اگر بلاوجہ شرعی باپ اسے بلانے سے منع کرتا ہے یا اس کے اس ظلم پر راضی ہے تو خود شریک ظلم ہے۔ اگر وہ بات باعلان کرتا ہے لوگوں میں اس کے ارتکاب سے مشہور ہے تو اسے امام نہ بنایا جائے گا کہ فاسق معلن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۲۳: از قطب پور ڈاکخانہ پیر گنج ضلع رنگ پور مسئولہ محمد رحمت اللہ ۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

سود کھانے والے اور دینے والے دونوں کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سود خور کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور سود دینے والا اگر حقیقۃً صحیح شرعی مجبوری کے سبب دیتا ہے اس پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[1]۔	ضرورت مند کے لئے نفع کی بنیاد پر قرض حاصل کرنا جائز ہے۔ (ت)

اور اگر بلا مجبوری شرعی سود دیتا ہے مثلاً تجارت بڑھانے یا جائداد میں اضافہ کرنے یا اونچا محل بنوانے یا اولاد کی شادی میں بہت کچھ لگانے کے واسطے سودی قرض لیتا ہے تو وہ بھی سود کھانے والے کے مثل ہے اور اسے امام بنانا بھی گناہ، اور نماز کا وہی حال۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۲۴ تا ۷۲۶: از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان سمندر خاں جمعدار مسئولہ عبدالرؤف خاں ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) کوئی آدمی عالم کے آنے سے مسجد میں آنا چھوڑ دے اور حسد کرے اور وہ پیش امام بھی ہو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کوئی عالم ہو اور پیش امام و قاضی شہر ہو خود سب سے مسائل بیان کرے اور سب کو سنائے اور سب کے پہلے جا کر بوہروں کے یہاں کا ذبح کیا ہو گوشت کھائے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۳) جو شخص ہمیشہ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتا ہو اور وہ پیش امام ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] الاشباہ والنظائر قاعدہ خامسہ درء المفاسد مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۶

الجواب:

(۱) ایسی اجمالی باتوں پر حکم نہیں ہوسکتا وہ کیسا عالم اور وجہ حسد کیا تاوقتیکہ تفصیل نہ معلوم ہو اجمالی بات کا جواب نہیں دیا جاسکتا عالم علمائے دین ہیں اور وہابیہ وغیرہم مرتدین بھی عالم کہلاتے ہیں اور وجوہ منازعت بھی مختلف ہوتی ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جو شخص دانستہ بوہروں کا ذبیحہ کھاتا ہے مردار کھاتا ہے اسے امام بنانا جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز منع۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) فقط اتنا کہ دنیا کی بات مسجد میں کرتا ہے علی الاطلاق ممانعت امامت کا موجب نہیں جب تک علانیہ حد فسق کو پہنچنا ثابت نہ ہو اگر دنیا کی بات کرنے کے لئے بالمقصد مسجد نہیں جاتا نماز کے لئے بیٹھا ہے اور کوئی دنیا کی باتیں بھی کرلیں جن میں فحش وغیرہ معاصی نہ ہوں اگرچہ ایسا بھی نہ چاہئے مگر اس سے امامت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۲۷تا ۷۲۸: از موضع سہاون پور گاؤں گوپال گنج متصل ڈروہ ڈاکخانہ ڈروہ تحصیل گنڈہ ضلع پرتاب گڈھ مسئولہ بیجو شاہ ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ حنفی کی نماز شافعی کے پیچھے ہوسکتی ہے یا مکروہ ہوتی ہے؟

(۲) اور جو لوگ مولود شریف کو منع کرتے ہیں اور بدعت کہتے ہیں ان کے پیچھے حنفی کی نماز ہوسکتی ہے یا مکروہ ہوتی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر معلوم ہے کہ اس خاص نماز میں حنفی مذہب کے کسی فرض طہارت یا فرض نماز کا تارک ہے تو حنفی کی یہ نماز اس کے پیچھے نہیں ہوسکتی، اور اگر معلوم ہے کہ وہ اس نماز فرض وشرط مذہب حنفی کا تارک نہیں تو یہ نماز اس کے پیچھے ضرور ہوسکتی ہے اگرچہ حنفی کے پیچھے اولٰی ہے، اور اگر اس نماز کا حال معلوم نہیں مگر اس کی عادت معلوم ہے کہ فرض وشرائط میں مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہے تو اس کی اقتداء میں حرج نہیں اگرچہ حنفی اولٰی ہے اور اگر اس کی عادت معلوم ہے کہ فرائض وشرائط میں مذہب حنفی کی رعایت نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور کراہت شدیدہ ہے پھر اگر ان دونوں صورتوں میں بعد کو معلوم ہو کہ اس نماز میں اس نے رعایت نہ کی تھی وہ نماز پھر پڑھنی ہوگی کہ صحیح یہی ہے کہ مذہب مقتدی کا اعتبار ہے اور اگر بعد کو ثابت ہے کہ اس نماز خاص میں رعایت کی تھی تو نماز ہوگئی اعادہ کی کچھ حاجت نہیں، اور اگر اس کی عادت ہی کچھ معلوم نہ ہو تو اس کی اقتداء مکروہ ہے، مگر حنفی امام کے پیچھے نماز نہ ملے تو جماعت نہ چھوڑے بعد کو ظہور حال کا

حکم وہی ہے جو ابھی گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اب مجلس میلاد مبارک مطلقًا ناجائز کہنے والے نہیں مگر وہابیہ، اور وہابیہ مرتدین ہیں اور مرتد کے پیچھے نماز باطل۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۲۹ تا ۷۳۴: از بھوساول ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب ۷ رمضان ۱۹۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین:

(۱) زید نصارٰی کی تابعداری کرتا ہو وہ امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہے تو کن لوگوں کی نماز ہوتی ہے کن لوگوں کی نہیں؟

(۳) زید مسلمانوں میں نفاق ڈالے تو وہ قابل امامت ہے یا نہیں؟

(۴) زید حاکم وقت کی چوری میں گرفتار ہوا تو وہ قابل امامت ہے یا نہیں؟

(۵) زید باطنی غیر مقلد ہو اور اہلسنت کے دکھانے کو کہے کہ میں حنفی مذہب رکھتا ہوں اور اس پر یہ بھی ساتھ فخر کے کہے تو وہ امامت لائق یا نہیں؟

(۶) ایک مسلمان عزت دار امامت کرتا ہو مگر دو چار مسلمانوں کے منحرف کر دینے سے ایک شخص اس پر الزام لگائے کہ یہ شخص امامت کے لائق نہیں اور وہ لوگ احادیث وغیرہ سے واقف نہ ہوں اور مسلمانوں میں نااتفاقی کرائیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے آیا وہ استغفار کے حقدار ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سائل نے تابعداری کا گول اور مجمل لفظ لکھا تابعداری نصارٰی کی ہو یا ہنود کی یا مسلم کی، حلال میں حلال ہے، حرام میں حرام ہے، کفر میں کفر۔ جو کفر میں کسی کی تابعداری کرے وہ کافر ہے اور س کے پیچھے نماز باطل، اور جو حرام میں اتباع کرتا ہو فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، اور جو حلال میں اطاعت کرے اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں حرج۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جو امامت کے لائق ہے اس کے پیچھے سب کی نماز ہو سکتی ہے اس صورت میں خاصہ کو یہاں دخل نہیں کہ آدمی ایک خاص قسم کے لوگوں کی امامت کر سکتا ہو دوسرے لوگوں کی اس کے پیچھے نماز جائز نہ ہو جیسے معذور کہ اپنے مثل معذور کی امامت کر سکتا اوروں کی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) مجمل سوال ہے بارہا مسئلہ حق بیان کرنے سے جاہلوں میں اختلاف پڑتا ہے اور احمق یا بددین لوگ اسے نفاق ڈالنا کہتے ہیں یہ وجہ الزام نہیں ہو سکتا، سائل مفصل لکھے کہ کیا کہتا اور کیا نفاق ڈالتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) اگر توبہ کر چکا اور اس سے نفرت قلوب میں نہ رہی اور کوئی وجہ مانع امامت نہ ہو تو اس کی امامت میں حرج

نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

(۵) غیر مقلد کی امامت باطل ہے اور اس کے پیچھے نماز محض ناجائز، اور جب اس کا غیر مقلد ہونا ثابت و تحقیق ہے تو اس کا براہ تقیہ اپنے آپ کو حنفی کہنا کچھ مفید نہیں۔

قال اللہ تعالٰی اِذَا جَآءَکَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۚ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب منافق تمھارے حضور حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں بیشک حضور ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ بیشک تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

(۶) استغفار کا حقدار ہر مسلمان ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (ت)

اگر انھوں نے بیجا الزام لگایا ہے سخت گنہگار حق العبد میں گرفتار، نفاق ڈالنے کا جواب نمبر ۳ میں ہو چکا مجمل باتوں پر قطعی حکم دے کر فتوی کو کسی غرض نفسانی کا مؤید نہیں کر سکتے ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانے کے احوال سے واقف نہیں وہ جاہل ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۳۵: از تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ مسئولہ محمد لطیف قرق امین ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی غیر صحیح النسل یعنی کسبی زادہ کے پیچھے جو حافظ قرآن ہو نماز پڑھنا اور خاص کر تراویح ادا کرنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: مکروہ تنزیہی ہے اگر وہ سب حاضرین سے علم مسائل طہارت وصلاۃ میں زائد نہ ہو، ورنہ وہی اولٰی اگر جملہ شرائط امامت کا جامع ہو کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۳۶: از بریلی کانکر ٹولہ متصل چوکی پولیس پرانا شہر مسئولہ عبدالغنی صاحب ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور کس کس کے نہیں، دیگر یہ کہ گاؤں کے

[1] القرآن ۶۳/ ۱

[2] القرآن ۴۷/ ۱۹

کارندے کے پیچھے جو حال میں کارندگی کررہا ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضور کو خوب روشن ہوگا کہ جس طرح کارندہ اپنی گزراوقات کے ذرائع نکالتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

ہر سنی صحیح العقیدہ صحیح القراۃ صحیح الطہارۃ غیر فاسق معلن جس میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ لوگوں کے لئے باعث نفرت اور جماعت کے لئے وجہ قلّت ہو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے۔ گاؤں کے کارندے جن کا غبن اور اسامی وغیرہم سے ناجائز پیسہ لینا ظاہر و معروف ہو ان کو امام بنانا گناہ ہے اور ان کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، ورنہ کارندگی خود کوئی گناہ نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۷۳۷: از شہر محلّہ باغ احمد علی خاں مسئولہ نیاز علی ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پانچ آدمی باوجود مسجد میں جماعت ہورہی ہے شامل نہیں ہوتے، بعد ختم جماعت کثیر پانچوں آدمی علیحدہ جماعت پڑھتے ہیں یا مسجد میں پڑھنے آتے ہی نہیں۔ امام مسجد جو عرصہ سے امامت کررہا ہے اور اپنا عقیدہ ذیل بیان کرتا ہے اس کو وہ برا کہتے ہیں ایسے کے لئے کیا حکم ہے اور ان کے ساتھ کیا برتاؤ ہونا چاہیے (عقیدہ پیش امام مسجد کا یہ ہے) "میں مذہب اہلسنت و جماعت پر عمل کرتا ہوں۔ میرا یہی مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد ہوں، اللہ عزوجل کی توحید اور جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد خدا کے تمام مخلوق سے افضل جانتا ہوں، کرامات اولیاء و بزرگان دین کا قائل ہوں۔" ایسا امام اگر وہابی (جو فی زمانہ مشہور کردئے گئے ہیں) کے مدرسہ میں پڑھنے کو چلا جائے اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں پیش امام موصوف کی امامت بلاشبہ صحیح و درست ہے جب پیش امام اپنا حنفی ہونا بیان کرتا ہے اور عقیدہ مطابق اہلسنت و جماعت رکھنے کا مدعی ہے اور اس کے کسی قول و فعل سے اس کا خلاف ثابت نہیں ہوتا تو محض کسی وہابی کے مدرسہ میں پڑھنا یا بالفرض کسی پاٹ شالہ یا اسکول میں تعلیم حاصل کرنا ہرگز صحت امامت کے لئے قادح نہیں ہوسکتا کیونکہ احکام شرعیہ کا مدار ظاہر پر ہے ہم شق قلب پر مامور نہیں، وہ اشخاص جو متخلف عن الجماعۃ ہیں اگر کوئی عذر شرعی رکھتے ہوں تو معذور رہیں گے اور اگر محض عصبیت و نفسانیت کی جہت سے شریک جماعت نہیں ہوتے تو وہ فاسق مردود الشہادۃ قابل تعزیر ہیں اہل محلّہ کو ان سے سلام و کلام ترک کردینا چاہئے۔ العبد المجیب محمد عبداللہ کان اللہ لہ۔ صحیح ہے محمد منور العلی غفرلہ۔ الجواب صحیح محمد واحد نور عفی عنہ۔

الجواب:

یہ فتویٰ محض غلط ہے اس میں اصل بحث سے پہلو تہی کی گئی ہے اور بے علاقہ روایتیں محض فضول نقل کردیں

اس پر انہی لوگوں کے دستخط ہیں جو خود دیوبندی خیال کے ہیں یا کم از کم دیوبندیوں کو کافر نہیں کہتے وہ تو ایسا کہا ہی چاہیں حالانکہ علمائے حرمین شریفین باتفاق فتویٰ دے چکے کہ گنگوہی ونانوتوی وانبیٹھی وتھانوی سب مرتد ہیں اور بحوالہ بزازیہ ومجمع الانہر ودُرمختار تحریر فرمایا ہے کہ جوان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ عقائد اہلسنت کا مدعی ہونا یا اپنے آپ کو حنفی کہنا یا توحید ورسالت وافضیلت وکرامت کا اپنے آپ کو قائل بتانا، ان میں سے کون سی بات کا وہابیہ ودیوبندیہ اقرار نہیں کرتے اور پھر کافر ہیں ایسے کہ جوان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کاف، بلکہ چاروں باتوں کے مقر قادیانی تک ہیں اور اپنے آپ کو مقلدِ امام ابو حنیفہ بھی کہتے ہیں کیا اس سے ان کا کفر اُٹھ گیا۔ شریعت بیشک ظاہر پر حکم فرماتی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ آدمی جسے کافر مرتد جانے گا اس سے علم دین نہ پڑھے گا، پاٹ شالہ اور اسکول کی مثال جہالت ہے، کیا کوئی پنڈتوں، پادریوں سے قرآن عظیم وحدیث وفقہ پڑھنے جاتا ہے اور بفرض غلط اگر وہابیہ سے پڑھنے والا عقائد وہابیہ کی طرف مائل نہ بھی ہو اور انھیں کافر مرتد جانتا ہو جب بھی انہیں استاد بنانا اُن کی تعظیم کرنا تو ہے، اور ائمہ دین نے فرمایا جو کسی مجوسی کو تعظیماً "یا استاذ" کہے وہ کافر ہو جاتا ہے، فتاویٰ ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ومنح الغفار ودُرمختار وغیرہا میں ہے: **ولو قال لمجوسی یا استاذ تبجیلا کفر**[1] (اگر کسی نے مجوسی کو تعظیماً "**یا استاذ**" کہا تو کافر ہو جائیگا۔ت) جب صرف تعظیماً "**یا استاذ**" کہنے پر یہ حکم ہے تو مرتد حقیقةً استاذ بنانا اور اقسامِ تعظیم بجالانا کیسا ہوگا بلا شبہ ایسا شخص امام بنانے کے قابل نہیں جس کے دل میں دین کی عظمت ہے ہرگز اسے امام نہ بنائے گا نہ اس کے پیچھے نماز پڑھے گا، ہاں جو شخص دین کو ہنسی کھیل سمجھے وہ جو چاہے کرے، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت دے کہ اپنی نمازیں برباد نہ کریں، ہم اس کی ایک آسان پہچان بتا دیتے ہیں اس فتویٰ میں جن جن لوگوں کے دستخط ہیں ان سے سوال کرو کہ "حسام الحرمین شریف" میں تمام علمائے حرمین شریفین نے جن جن وہابیوں کو نام بنام کافر ومرتد لکھا ہے اور فرمایا ہے جو ان کے کفر میں شک کرے وُہ بھی کافر، آیا تم لوگ بھی انھیں کافر ومرتد کہتے ہو، دیکھو ہرگز نہ کہیں گے، تو صاف معلوم ہوا کہ یہ بھی متہم ہیں تو ان سے فتوی لینا کس طرح حلال ہوا اور اس پر عمل کون سی شریعت نے جائز کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۳۸: از بالسک مسئولہ قاضی محمد سلیم ۲۷ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

اگر حنفی مذہب کا امام اس برات اور ولیمہ میں شامل ہو جس میں مرزائی اور وہ شخص ہو جس نے کہ اپنے لڑکے کا نکاح اُس عورت سے پڑھا لیا جس کو طلاقِ ثلاثہ چھ سال دی رکھی اور بغیر حلالہ کے نکاح پڑھا لیا ہو ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ یہ کہ جو امام علم والا حنفی مذہب کا اس برات یا ولیمہ میں شامل

[1] درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

ہو جائے جس میں کہ مرزائی وغیرہ کا رکن ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، آیا اس کے لئے کوئی تعزیر وغیرہ ہے اور جس کے گھر شادی ہو وہ بھی اپنے عقائد کا پورا لعین مرزائیوں کو اچھا مسلمان سمجھتا ہے۔ فقط

الجواب:

فقط اتنی بات کہ جس برات یا ولیمہ میں یہ شریک ہوا اس میں قادیانی مرتد اپنی تین طلاق کی مطلقہ سے بے حلالہ نکاح کرنے والا فاسق بھی تھا ایسا نہیں کہ اس نے اس کی امامت ناجائز کر دی، ہاں اگر صاحبِ خانہ مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہو تو وہ خود ہی مرتد ہے اور اس کے یہاں تقریب میں جانا حرام، اگر امام جانتا تھا اور پھر اس کا مرتکب ہوا تو یہ اگر اس بنا پر ہوا کہ امام خود بھی مرزائی کو کافر نہیں جانتا تو وہ آپ ہی کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل، اور اگر اس کو کافر جان کر ہی شریک ہوا تو گنہگار ہوا، اور اس سے توبہ لی جائے، اگر توبہ سے انکار کرے یا بارہا ایسی شرکت کر چکا ہو تو اسے امام بنانا گناہ ہے، امامت سے معزول کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۳۹: از ناگپور ممالک متوسط محلہ گانجہ کا کھیت، مسئولہ چاند میاں لعل محمد سوداگر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص جو چوڑی پہنانے کا پیشہ کرتے ہیں اُن کو امام بنایا، ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ اُن کی اقتدا بوجہ چوڑی پہنانے کے ناجائز اور امامت مکروہ تحریمی ہے اور خود معترض پیشہ طبابت کرتے ہیں، بوجہ نباضی و مس دیگر اعضاء مستورات وہی اعتراض اس پر واقع ہوگا یا نہیں، بہت زیادہ حصہ جماعت کا اس امام کی اقتداء پر رضامند ہے تو کوئی نقصان شرعی قائم رہتا ہے یا نہیں؟ **بینوا وجروا۔**

الجواب:

جماعت کی رضا عدم رضا کو اُس وقت دیکھا جاتا جب شرعی نقصان نہ ہو، جہاں شرعی عدم جواز ہے مقتدیوں کی رضا کیا کام دے سکتی ہے، بلاشُبہ اجنبیات کو چوڑی پہنانا اُن کی کلائی کا دیکھنا یا ہاتھ کا مس کرنا حرام ہے اور اس کا پیشہ رکھنے والا فاسق معلن، اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور طبیب کا اس پر قیاس صحیح نہیں، طبیب کا نبض دیکھنا حاجت کے لئے ہے اور ایسی حاجت وضرورت کہ دیگر اعضاء مس بھی جائز ہے، رہا یہ کہ وہ نیت فاسدہ کرے یہ ضرور اسے حرام ہے مگر اس کا علم اللہ عزوجل کو ہے، ہاں بلاحاجت مس و نظر جائز کرتا ہو تو وہ بھی فاسق ہے اور اسی اعتراض کا مستحق۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۴۰: از بھنڈارا محلہ کھم تالاب مسئولہ نجم الدین ریڈر ڈپٹی کلکٹر ۱۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک حافظ نمازِ پنجگانہ وجمعہ کے امام ہیں جن کی جسمی حالت بسبب مرض حسب ذیل ہے، آیا اُن کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۱) پیش امام صاحب ہر نماز میں سجدہ جاتے وقت نصف یا نصف سے کم جھک جانے پر اللہ اکبر کی

ابتدا کیا کرتے ہیں اور سجدہ سے اُٹھتے وقت نصف یا زائد اُٹھجانے پر اللہ اکبر کی ابتداء کیا کرتے ہیں یہ اس لئے کرتے ہیں کہ مقتدی اُن سے پہلے سجدے سے اُٹھنے یا سجدے میں جانے نہ پائیں۔

(۲) بقاعدہ مذہب حنفی دونوں زانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پہلے زمین پر گھٹنے بعد ازاں ہاتھ وغیرہ سجدے کے لئے مطلق نہیں رکھ سکتے اور اسی طرح کھڑے بھی نہیں ہوسکتے۔

(۳) سجدہ میں جاتے وقت ایک دم لمبے ہو کر دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں اور پیروں کو برابر کیا کرتے اور اسی طرح سجدے سے اُٹھتے وقت بھی لمبا ہو کر اُٹھا کرتے ہیں کیونکہ ان کے دونوں پیر مرض سے بیکار ہوگئے ہیں۔

(۴) بایاں پَیر گھٹنے کے نیچے زیادہ تر بیکار ہے اس لئے ہر جلسہ میں پَیر بچھانے کے لئے انھیں دقت ہوتی ہے اکثر ہاتھ سے پَیر اُٹھا کر بچھاتے ہیں تب بیٹھتے ہیں یا بعض موقع پر اونٹ کی بیٹھک کی مانند بیٹھ کر دوسرا سجدہ کرلیتے ہیں۔

(۵) قراءت میں دم بُھولتا ہے دم بدم منہ سے سانس خارج کرتے ہیں بے محل وقف ہو جایا کرتا ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ پانچوں باتیں کہ سوال میں لکھی ان میں سے کوئی مانع صحت نماز نہیں، نہ ان میں کہیں فعلِ کثیر ہے، یہ محض گمان غلط ہے، ان میں کہیں ترک واجب بھی نہیں سوائے صورت چہارم کی اس شق کے کہ بعض وقت دو سجدوں کے درمیان سیدھے نہیں بیٹھتے صرف یہ صورت ترک واجب کی ہے اس سے اُسے ممانعت کی جائے، اگر وہی علم و تقویٰ میں زائد ہے تو اسی کی امامت رکھیں، ہاں اگر اسی کا کوئی استحقاق نہیں اور دوسرے اس سے احق موجود ہیں تو جو احق ہے اُسی کی امامت اولٰی ہے۔

ففی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجعلو ائمتکم خیارکم فانھم وفد کم فیما بینکم و بین ربکم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: اپنے امام اپنے سے بہتر لوگوں کو بناؤ کیونکہ وہ تمھارے اور تمھارے رب کے درمیان نمائندہ ہوتے ہیں (ت)

اور اسے چاہئے کہ سجدہ کو جاتے یا سجدہ سے اُٹھتے وقت اللہ اکبر کی ابتداء کرے اور ختم انتقال پر ختم کرے مقتدیوں کی رعایت جو وہ کرتا ہے عکسِ مقصودِ شرع ہے: حدیث میں فرمایا: **انما جعل الاما لیوتم بہ** [2] (امام

---

[1] سنن الدار قطنی، ب تخفیف القراءۃ الحاجۃ، مطبوعہ نشر السنۃ ملتان، ۸۸/۲

[2] صحیح البخاری باب الصلٰوۃ فی السطوح الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۵۵/۱

اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کی جائے۔(ت)

یہ بات کہ ایسا نہ کرے تو مقتدی اُس سے پہلے سجدہ کرلیں گے اس کا لحاظ مقتدیوں پر ضرور ہے جب اسے سجدہ تک پہنچنے میں دیر ہوتی تو یہ انتظار کریں اور ایسے وقت سجدہ کو جھکیں کہ اس کے ساتھ سجدہ میں پہنچیں بذلک امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم (نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کو یہی حکم دیا ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۴۱: از ہوڑہ ڈاک خانہ سلکھیا گھڑی محلّہ بھوٹے بگان اصغر چائے والے کا باڑا مسئولہ شیخ سمن **۲۳** رمضان **۱۳۳۹**ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ علمائے حرمین طیبین کو بدعتی بتائیں ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

مطلقًا علمائے حرمین شریفین کو بدعتی وہی بتائے گا جو وہابی ہو اور وہابی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۴۲: از مطبع شمس المطابع فرخ نگر ضلع گوڑگانواں مسئولہ حکیم شمس الدین مالک مطبع ۲۸رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امور ذیل کرنے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں اور اس کی بابت کیا حکم ہے باوجود نہ یاد ہونے قرآن کے کریم کے درمیان کلام مجید سے کچّی پکّی یاد پر نمازِ جمعہ میں قرات شروع کردیتا ہے جس کی وجہ سے اکثر بلکہ عمومًا نمازِ جمعہ میں بھول جانے کی وجہ سے نماز دہرائی جاتی ہے خطبہ بھی صحتِ لفظی کے ساتھ نہیں پڑھتا ہے سمجھانے پر لوگوں کو مغلظات بکنا شطرنج سے باہر ہونے کے سبب کھیلنے والوں کو اُن کے پاس بیٹھ کر چال بتانا ہیچو قسم کے لوگوں کے ساتھ کوئلے وغیرہ کی لکیروں سے طرح طرح کے پانسے بناکر کنکریوں کے ذریعہ سے مثل قمار بازان بغیر کسی شرط قائم کے کھیل کا کھیلنا، ایسے شخص کے ساتھ میل جول نشست برخاست رازداری رکھنی جو اپنے حقیقی پسرہ کی بیوہ سے اپنی زوجہ کی زندگی میں زنا کرتا ہے اور آئندہ خواہش نکاح رکھتا ہے جس کو حالاتِ مذکورہ کی وجہ سے اہلِ برادری نے بھی خارج کردیا ہے مسجد میں بیٹھ کر اپنے خانگی معاملات میں یا ناصح آدمیوں کو فحش اور مغلظات سنانا شخص مندرج صدر کی اعانت کرنے والے کی بابت کیا حکم ہے جبکہ اُس کی اعانت محض نفسانیت سے کرتے ہوں بصورت حالات مندرجہ صدر نمازِ جمعہ دوسری مسجد میں جائز ہے یا نہیں جبکہ ایک پُرانا قصبہ مثل شہر کے ہو جس کی بنیاد شہر اور فرودگاہ افواج تواریخی حساب سے صدہا سال سے مع آبادی اہل اسلام ثابت ہے اور نمازی بھی تعداد شرعی سے زیادہ ہوجاتے ہوں۔روزہ کی حالت میں ایسے شخص کا آٹھ دس دفعہ غسل کرنا جو بے صبری پر دال ہے۔اصلی معاملہ پوشیدہ رکھ کر اپنے مطلب کی تائید میں سے فتوٰی حاصل کرنا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

امام کو لازم ہے کہ نماز میں وُہ سورت یا آیات پڑھے جو اُسے پختہ طور پر یاد ہوں کچّے یاد ہونے کی وجہ سے اگر غلطی کرتا ہے تو یہ دیکھا جائے کہ وہ غلطی کس قسم کی ہے اُس سے فسادِ معنی یا کسی واجب کا ترک لازم آتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو نماز دہرانا بے معنی ہے اور اس کا الزام جہالت پر ہے نہ کہ قرات پر، اور اگر ہاں تو بے شک ایسا شخص قابلِ امامت نہیں، خطبہ میں صحتِ لفظی ہونا نماز کی طرح شرط نہیں۔ہاں ایسا خطبہ خلافِ سنّت ہے۔ مغلظات بکنا فسق ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا کہ فحش بکا کرنا مسلمان کی شان نہیں[1]۔ایسے شخص کی امامت مکروہ ہے۔ شطرنج کھیلنے والوں کو چال بتانا اگر گوشہ تنہائی میں نہیں بلکہ برملا عام نظرگاہ میں ہے یا اس پر مداوت ہے تو یہ بھی فسق ہے، قمار بازوں کی طرح پانسے بنا کر اُن سے کھیلنا بھی گناہ ہے اگرچہ کوئی شرط نہ لگائی جائے۔ علمائے کرام نے فرمایا کہ شراب کے دور کی طرح پانی پینا حرام ہے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔**من تشبہ بقوم فھو منھم**[2] (جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ت) بیوہ پسر کا جو واقعہ لکھا اگر واقعی ہے اور حسبِ عادت زمانہ لوگوں کی بدگمانی نہیں جس پر وہ تہمت لگانے والے خود اسی ۸۰ کوڑوں کے مستحق ہوں بلکہ ثبوت صحیح شرعی سے ثابت ہے تو ایسا شخص ہرگز میل جول کے قابل نہیں، مسلمانوں کو اُس کے پاس بیٹھنا منع ہے:

قال اللہ تعالیٰ وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[3]	اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے: اور اے سننے والے جب کہیں تجھے شیطان بھُلا دے تو یاد کرآنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔(ت)

اور اسے امام بنانا حرام، فتاوٰی حجہ میں ہے:

لو قدمو فاسقا یا ثمون۔[4]	اگر لوگوں نے فاسق کو امامت کے لئے مقدم کیا تو وہ گناہ گار ہوں گے۔(ت)

مسجد میں گالیا دینا سخت حرام اور بیت اللہ کی بے ادبی ہے، ان ناصحوں کی نصیحت پر گالیاں دینا اور بھی زیادہ خبیث اور

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الفحش مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۹/۲

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۹۲/۲،۵۰

[3] القرآن ۶۸/۶

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

شریعت مطہرہ سے سرتابی ہے باطل پر اعانت حرام ہے

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: گُناہ اور زیادتی پر باہم تعاون نہ کرو۔(ت)

ایسا شخص جس کی امامت شرعًا ممنوع ہے اگر جمعہ پڑھاتا ہو تو دوسری جگہ جمعہ پڑھیں جبکہ وہ قصبہ مصر شرعی ہو جہاں جمعہ صحیح وجائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے: لانہ بسبیل من التحول [2] (کیونکہ دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن ہے۔ت)

اور روزہ میں غل مچانا اور اظہارِ بے صبری کرنا مکروہ ہے، حقیقت واقعہ چھپا کر علماء سے غلط فتوٰی لینا شریعت کو دھوکا دینا اور سخت حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۴۳، ۷۴۴: از منصور پور ضلع مظفر نگر مسئولہ عبدالصمد صاحب سُنّی حنفی صوفی ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) جس شخص میں بوجہ حرص کے طمع ہو اور ذلّت کے ساتھ سوال کرنے کا عادی ہو باوجود معقول تنخواہ پانے کے ایسے بے حرمت آدمی کے پیچھے شرفا کی نماز کامل ہوسکتی ہے یا نہیں۔

(۲) جو شخص یہ کہے کہ میں فلاں آدمی کا معین صورت میں محض نماز پڑھانے کے واسطے ملازم ہوں نماز جنازہ پڑھانے سے یا کسی مقتدی کی اطاعت سے مجھے کیا کام ایسا آدمی قابلِ امامت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) بے ضرورت سوال حرام ہے ایسا شخص فاسق معلن ہے اُسے امام بنانا گناہ ہے اس کے پیچھے عالم وجاہل سب کی نماز مکروہ تحریمی کی پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) امام پر بلاوجہ مقتدی کی اطاعت لازم نہیں، نہ اُسے نمازِ جنازہ پڑھانا ضرور، اس کے کہنے سے اس کی قابلیت امامت میں کوئی خلل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۴۵، ۷۴۶: از مدرسہ اہلسنت منظر اسلام مسئولہ مولوی عبداللہ صاحب مدرس مذکورہ ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) کسی مسجد میں جماعت تیار ہے لیکن اتنا وقت نہیں کہ دریافت کیا جائے کہ امام سُنّی ہے یا وہابی، تو جماعت سے نماز پڑھنا چاہئے یا اپنی علیحدہ۔

---

[1] القرآن ۵/۲

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

(۲) مسجد میں جماعت ہو رہی ہے اور امام میں نقص شرعی ہے تو جماعت چھوڑ کر فوراً ہی اپنے فرض پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔
(۳) عاق شدہ کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) جبکہ شُبہ کی کوئی وجہ قوی نہ ہو جماعت سے پڑھے، پھر اگر تحقیق ہو کہ امام وہابی تھا نماز پھیرے واللہ تعالٰی اعلم
(۲) اگر امام میں ایسا نقص ہے کہ اسکے پیچھے نماز باطل ہے مثلاً وہابی ہے یا قرآن عظیم غلط پڑھتا ہے یا طہارت صحیح نہیں جب تو وہ نماز نماز ہی نہیں اگر صحیح جماعت کر سکتا ہو تو اس جماعت کے ہوتے ہوئے اپنی جماعت قائم کرے اگر فتنہ نہ ہو، اور اپنی جماعت نہ مل سکے تو تنہا پڑھے، اور اگر نقص ایسا ہے کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے جیسے فاسق معلن، تو دوسری جگہ جماعت کو چلا جائے ورنہ نہیں، اس جماعت کے بعد دوسری جماعت کرے یا تنہا پڑھے، اور اگر صرف کراہتِ تنزیہہ ہے تو اس جماعت کا ترک جائز نہیں شامل ہو جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**
(۳) شرعاً عاق وُہ ہے جو بلاوجہ شرعی ماں باپ کو ایذا دے، ان کی نافرمانی کرے۔ ایسا شخص فاسق ہے۔ پھر اگر وہ یہ گناہ علانیہ کرتا ہے فاسق معلن ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور اگر علانیہ نہیں کرتا تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے کہ پڑھنی جائز اور پھیرنی مستحب، اور اگر یہ ان کو ایذا نہیں دیتا غیر معصیت میں ان کی نافرمانی نہیں کرتا اگرچہ معصیت میں ان کا کہنا نہ مانتا ہو اگرچہ اس سے ایذا ہوتا وُہ عاق نہیں اگرچہ وُہ سو بار کہیں کے ہم نے تجھے عاق کیا، جب اس کے ذمہ مواخذہ شرعی نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اگرچہ جاہل اسے عاق شدہ سمجھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۴۸: از سہرام برتلہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اعلم باسنۃ عالم باعمل سماع بالمزامیر سُنتا ہے اور اس کی امامت جائز ہے اور اس کی امامت میں کراہت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مزامیر حرام ہیں ان کا سُننا عالم باعمل کا کام نہیں **کما بیناہ فی اجل التحبیر فی حکم السماع بالمزامیر** (جیسا کہ اسے **اجل التحبیر فی حکم السماع بالمزامیر** میں بیان کیا گیا ہے۔ت) اگر اعلانیہ اس کا مرتکب ہو اسے امام نہ کریں، اور کراہت سے کسی حال خالی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۴۹: از سرکار اجمیر مقدس لنگر گلی مسئولہ حکیم غلام علی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جامع درگاہ شریف حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالٰی

علیہ بعد ہر نماز یہ کہتا ہے کہ اے خداوند کریم! غیر شرع داڑھی مُنڈے جھوٹے دعویدارانِ خلافت کو سچّا دعویدارِ خلافت بنادے۔ اور جب کبھی وہابیوں کا ذکر آتا ہے تواُن کے مولویوں کو جو مولوی خلافت کو اپنے پیٹ بھرنے کا پیشہ بناتے ہیں اور ان کے سب پیرؤوں کو خوب بُرا کہتا ہے اس کے پیچھے بموجب شریعت مطہرہ نماز پڑھنا جائز ہے اور جو مولوی اس کے پیچھے نماز پڑھنا حرام بتائے اُس کے لئے شرعًا کیا حکم ہے، اگر یہ بحث مسجد میں ہو تو مسجد کی توہین ہوتی ہے یا نہیں؟ بینوا بالتفصیل توجروا عندالرب الجلیل۔

الجواب:

اس دُعا میں کوئی حرج نہیں اور وہابیہ کی بُرائی بیان کرنا فرض ہے، یونہی جھوٹے مدعیانِ خلافت اور اس نام سے شکم پروران پر آفت کی شناعت سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ضرور ہے اور مسجد کہ مجمع مسلمانان ہو ان بیانوں کا بہتر موقع ہے اور اس میں مسجد کی کچھ توہین نہیں کہ مساجد ذکر اللہ کے لئے بنائی گئی ہیں اور نہی عن المنکر اور بیان شناعت گمراہاں اعظمِ طرق ذکر اللہ واجل احکامِ شریعۃ اللہ سے ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَتَرِعُون عن ذکر الفاجرمتی یعرفه الناس اذکروالفاجر بمافیه یحذره الناس[1]۔	کیا فاجر کو بُرا کہنے سے پرہیز کرتے ہو لوگ اسے کب پہچانیں گے فاجر کی بُرائیاں بیان کرو کہ لوگ اُس سے بچیں

صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد کریم مدینہ طیبہ میں منبر بچھاتے کہ وہ اس پر کھڑے ہو کر مشرکین کارد فرماتے[2]

[1] نوادرالاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائۃ الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۳

ف: اس حدیث کا پہلا لفظ نوادرالاصول میں ''أتورعون'' ہے جبکہ دیگر متعدد کتابوں میں ''اترعون''مذکور ہے۔ نذیر احمد سعیدی

[2] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث از باب البیان والشعر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی حصہ دوم ۴۱۰/۲

ف: یہ حدیث ترمذی ۱۰۷/۲، سنن ابی داؤد ۳۲۸/۲، مستدرک ۴۸۷/۳ ۱۴ابن عساکر ۱۲۹/۴، شرح السنۃ ۳۷۷/۱۲ وغیرہ متعدد کتابوں میں موجود ہے حدیث کا یہ حصہ صحیح بخاری سے مجھے نہیں مل سکا اور صاحب تحفۃ الاحوذی اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: قال صاحب المشکوٰۃ بعد ذکر ھذاالحدیث اخرجه البخاری وقال الحافظ فی الفتح بعد ذکرہ وعزوہ الی الترمذی مالفظه وذکر المزی فی الاطراف ان البخاری اخرجه تعلیقاً نحوہ واتم منه لکنه لم ارہ فیه انتھی (تحفۃ الاحوذی مطبوعہ بیروت ۳۲/۴) **نذیر احمد سعیدی**

ان وجوہ امام مذکور کی امامت میں اصلاً کوئی خلل کیا کراہت بھی نہیں اور جو اس سبب سے اُس کے پیچھے نماز حرام بتاتا ہے اللہ عزوجل و نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و شریعت مطہرہ پر افترا کرتا ہے اُس پر توبہ فرض ہے ورنہ سخت عذابِ نار و غضب جبّار کا مستحق ہوگا۔

قال اللہ تعالیٰ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ [1]۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وقال اللہ تعالیٰ وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ [2]۔ والعیاذ باللہ واللہ تعالیٰ اعلم۔	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وُہ جو اللہ پر جھوٹا افترا اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا کا تھوڑا برت لینا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھاری خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ تمھیں عذاب میں بھون ڈالے گا۔

مسئلہ نمبر ۷۵۰: از تلونڈی رائے ضلع لودھیانہ پنجاب مسئولہ اقبال محمد ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ایک سیّد صاحب ہیں قرآن کریم کو کافی درست پڑھتے ہیں ایک نہایت ہی اعلیٰ بزرگ کے مرید ہیں ان بزرگ سے ان کو خلافت کا رتبہ مل گیا ہے قرآن مجید اچھا پڑھنے کی وجہ سے اکثر مسجد میں امامت کرتے ہیں لیکن سیّد موصوف نے ایک شغل اختیار کیا ہے وُہ یہ کہ ایک باعزت نمازی تہجّد خواں پرہیزگار نوجواں کا پیر بھائی ہے اور دو چار یوم پہلے سید صاحب نامعلوم ظاہری و باطنی اس کو دوست سمجھتے تھے مگر اب لوگوں کو ان کے چند آدمیوں کے خلاف قطع تعلق کی ترغیب دیتے ہیں حالانکہ وہ بے قصور ہیں اور بلاوجہ سید صاحب وغیرہ نے ان کو ذلیل کرنے کے لئے یہ حرکت کی ہے کہ ایک بڑے مجمع میں سیّد صاحب نے بیٹھ کر قرآن شریف درمیان رکھ کر اہلِ مجلس کو علانیہ کہا کہ ان چند آدمیوں سے قطع تعلق کی قسم کھاؤ اور قرآن عظیم کو ہاتھ لگاؤ کہ ہمارا یہ قول تازندگی رہے گا۔ آیا سید صاحب موصوف امامت کے قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کیا وُہ بھی ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں جن کے ساتھ خواہ مخواہ بلاوجہ ایسا سلوک کیا گیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

اگر یہ واقعی بات ہے کہ سیّد صاحب مذکور نے ان مسلمانوں سے بلاوجہ شرعی محض کسی خصوصیت دنیوی کے سبب اپنے پیر بھائی اور مسلمانوں سے قطع تعلق کیا اور ہمیشہ کے لئے کیا اور علانیہ برسرِ مجلس کیا تو قابلِ امامت نہ رہے

[1] القرآن ۱۶ / ۱۱۶ / ۱۱۷

[2] القرآن ۲۰/ ۶۱

اوران کو امام بنانا منع ہے جب تک اس حرکت سے علانیہ توبہ نہ کریں کہ بلاوجہ شرعی تین دن سے زیادہ مسلمانوں سے قطع تعلق حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لرجل یهجر اخاه فوق ثلث لیال یلتقیان فیعرض هذا ویعرض هذا وخیرهما الذی یبدأ بالسلام [1]۔ رواه الشیخان عن ابی ایّوب انصاری رضی الله تعالٰی عنه۔	آدمی کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑے راہ میں ملیں تو یہ ادھر منہ پھیر لے وہ اُدھر منہ پھیر لے اور ان میں بہتر وُہ ہے جو پہلے سلام کرے یعنی ملنے کی پہل کرے۔

بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایحل لمؤمن ان یهجرمؤمنا فوق ثلث فان مرت به ثلث فلیلقه فلیسلم علیه وان ردعلیه السلام فقد اشترکا فی الاجر فان لم یرد علیه فقد باء بالاثم وخرج السلم من الهجرة [2]۔ رواه ابوداؤد عن ابی ہریرہ رضی الله تعالٰی عنه۔	کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ کسی مسلمان سے تین رات سے زیادہ قطع کرے، جب تین راتین گزر جائیں تو لازم ہے کہ اس سے ملے اوراسے سلام کرے، اگر سلام کا جواب دے تو دونوں ثواب میں شریک ہوں گے اور وُہ جواب نہ دے گا تو سارا گناہ اسی کے سر رہا یہ سلام کرنے والا قطع کے وبال سے نکلے گا۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابوحریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

تیسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایحل لمسلم ان یجهر اخاه فوق ثلث فمن هجر فوق ثلث فمات دخل النار [3]۔رواه احمد و ابو داؤد	مسلمان کو حرام ہے کہ مسلمان بھائی کو تین رات سے زیادہ چھوڑے، جو تین رات سے زیادہ چھوڑے اوراسی

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ ازکتاب الادب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۲/۸۹۷، صحیح مسلم باب تحریم الہجرۃ فوق ثلاثۃ ایام مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۳۱۶

[2] سنن ابی داؤد باب فی ہجرۃ الرجل اخاہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۱۷

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۳۹۲، سنن ابوداؤد باب ہجرۃ الرجل اخاہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۱۷

ف: مسند احمد بن حنبل کے الفاظ اس طرح ہیں لاھجرۃ فوق فمن ھجر اخاہ فوق ثلاث فمات دخل النار۔ **نذیر احمد**

عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حالت میں مرے وُہ جہنم میں جائے گا۔ امام احمد بن حنبل اور ابوداؤد نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

معلوم ہوا کہ یہ کبیرہ ہے کہ اُس پر وعیدِ نار ہے اور کبیرہ کا علانیہ مرتکب فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاوٰی حجہ میں ہے: **لوقدموا فاسقا یاثمون**[1] (اگر انھوں نے فاسق کو مقدم کیا تو گنہ گار ہوں گے۔ت) تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمۃ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	کیونکہ امامت کے لئے فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ اس کی اہانت شرعاً واجب ہے(ت)

اور اس میں برابر ہیں وہ جن سے سید صاحب نے قطع تعلق کیا اور وہ جن سے قطع نہ کیا سب کی نماز ان کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی جب تک توبہ نہ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۵۱، ۷۵۲: از قصبہ رچھاروڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) فاسق فاجر کے پیچھے جب کوئی نماز پڑھانے والا نہ ہو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۲) ماہی گیر کے پیچھے نماز جائز ہے نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر علانیہ فسق وفجور کرتا ہے اور دوسرا کوئی امامت کے قابل نہ مل سکے تو تنہا نماز پڑھیں۔

فان تقدیم الفاسق اثم والصلاۃ خلفہ مکروھۃ تحریما والجماعۃ واجبۃ فھما فی درجۃ واحدۃ ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح۔	کیونکہ تقدیمِ فاسق گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور جماعت واجب ہے، پس دونوں کو درجہ ایک ہوا، لیکن مصالح کے حصول سے مفاسد کو ختم کرنا اہم اور ضروری ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر کوئی گناہ چھپا کر کرتا ہے تو اس پیچھے نماز پڑھیں اور اس کے فسق کے سبب جماعت نہ چھوڑیں،

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳
[2] تبیین الحقائق باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

لان الجماعة واجبة والصلاۃ خلف فاسق غیر معلن لا تکرہ الا تنزیھا۔ واللہ تعالٰی اعلم	کیونکہ جماعت واجب ہے اور فاسق غیر معلن کے پیچھے نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے (ت)

(۲) جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۵۳، ۷۵۵: از سینوٹوریم ضلع نینی تال مسئولہ سراج علی خان صاحب رضوی بریلوی ۱۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) فاسق کی کیا تعریف ہے؟ فاسق وفاجر میں کوئی فرق ہے؟ فاسق کے پیچھے نماز کیسی ہے؟ فاسق معلن کب کہا جائے گا اور اس کے پیچھے نماز کیسی ہے، اسے جان کر امام بنانے والے کا کیا حکم ہے؟

(۲) ہاتھ یا پیر میں انگوٹھی چھلّے پہننا یعنی ایک نگ کی ایک انگوٹھی موافق شریعت مطہرہ سے زائد پہننے والے کا کیا حکم ہے، اُس کے پیچھے نماز کیسی، اس پر اصرار کرنے والا کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے نماز میں کوئی خرابی نہیں آتی کس درجہ موردِ گناہ ہے۔

(۳) دو ۲ یا تین ۳ شخص ایسے جمع ہو کر جماعت سے نماز پڑھنا چاہتے ہیں کہ ایک بالکل جاہل مگر صورت ہیئت لباس وغیرہ سب شریعت کے مطابق ہے اور نمازی بھی ہے مگر قرآن پاک کی تلاوت اس کو نہیں آتی اور تلفّظ بالکل ادا نہیں ہوتا، دوسرا خواندہ قرآن کی قرات کرسکتا ہے ضروری مسائل بھی جانتا ہے مگر فاسق ہے، تیسرا مسافر ہے جس پر قصر واجب ہے بے علمی میں پہلے شخص کا درجہ رکھتا ہے مگر صرف ان سُورتوں میں معمولی طریقہ سے پڑھ سکتا ہے جو نماز میں بار بار آتی ہیں مثلاً الحمد شریف یا قل ھو اللہ شریف وغیرہ، ان میں سے کس کو امام بنایا جائے، اور اگر کوئی بھی امامت کے قابل نہیں تو کیا علیحدہ علیحدہ پڑھیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) فاسق وہ کہ کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور وہی فاجر ہے، اور کبھی فاجر خاص زانی کو کہتے ہیں، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر معلن نہ ہو یعنی وہ گناہ چھُپ کر کرتا ہو معروف ومشہور نہ ہو تو کراہت تنزیہی ہے یعنی خلاف اولٰی، اگر فاسق معلن ہے کہ علانیہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہے تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ایک آدھ بار پہننا گناہ صغیرہ اور اگر پہنی اور اتار ڈالی تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اور اگر نماز میں پہنے ہو تو اسے امام بنانا ممنوع اور اس کے پیچھے نماز مکروہ، یوں ہی جو پہنا کرتا ہے اُس کا عادی ہے فاسق معلن ہے اور اس کا امام بنانا گناہ اگراس وقت نماز میں نہ بھی پہنے ہو۔ گناہ اگرچہ صغیرہ ہو اُسے چھوٹی بات کہنا بہت سخت جرم ہے، اس شخص پر توبہ فرض ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) صورت مذکور میں اس مسافر کو امام کیا جائے کہ فاسق کو امام بنانا گناہ ہے اور غلط خواں کے پیچھے نماز

باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۵۶، ۷۵۷: از میرٹھ سٹی ضلع جودھ پور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) یتیموں کو تکلیف دینا اور غیبت کرنا اور جھوٹی قسم کھانا مسلمانوں میں نفاق ڈلوانے والے کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

(۲) ایک شخص یہاں میرٹھ میں پیرزادہ کہلاتے ہیں اُس نے اپنی عورت کو طلاق دی تین روز برابر اس کو سمجھایا پر نہیں مانا، کہا کہ مہر دے، کہا کہ مہر میں نے معاف کروایا، پھر ہم نے اس لڑکی سے تلاش کیا، جواب دیا کہ مہر تو میں نے معاف کردیا، اور پھر اس کے چچا وغیرہ نے اس لڑکی کو اس کے گھر بھجوادیا بغیر نکاح کرے، طلاق ہوئی یا نہیں، اس کے بچّہ پیدا ہُوا وہ حرام کا ہے یا نہیں، اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں، یتیم سے بہت عداوت رکھتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) یتیموں کو بلاوجہ شرعی تکلف دینا سخت حرام ہے، یونہی غیبت زنا سے سخت تر ہے جبکہ شرعًا غیبت ہو مثلًا فاسق معلن کی غیبت غیبت نہیں، اور بدمذہب کی برائیاں بیان کرنے کا خود شرعًا حکم ہے، جھوٹی قسم گھروں کو ویران کر چھوڑتی ہے، اور مسلمانوں میں بلاوجہ شرعی تفرقہ ڈالنا شیطان کا کام ہے، اور فتنہ قتل سے سخت تر ہے، فتنہ سورہا ہے اس کے جگانے والے پر اللہ کی لعنت ہے، جو ان افعال کا علانیہ مرتکب ہو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کی پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) طلاق ہوگئی اور مہر عورت معاف کردیا ہے معاف ہوگیا۔ بچّہ اگر طلاق سے دو۲ برس کے اندر پیدا ہوا حلالی ہے اُسی شوہر کا ہے۔ طلاق دینے سے نماز کی امامت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ یتیم سے بلاوجہ عداوت سخت گناہ ہے، اگر اس کی بلاوجہ عداوت علانیہ مشہور ہے تو امام بنانے کے قابل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۵۸: از چھاؤنی فیروز پور کباڑی بازار مسئولہ حاجی خواج الدین ٹیلر ماسٹر ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زناکار اور شرابی کے پیچھے نماز کسی وقت جائز ہے یا نہیں جب امام مقیم ہو وُہ ہر ایک کو امام مقرر کردیتا ہے یہ جائز ہے کہ نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

زانی اور شرابی کے پیچھے کسی وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں مگر جہاں جمعہ و عیدین ایک ہی جگہ ہوتے ہوں اور امام فاسق ہو اُس کے پیچھے پڑھ لئے جائیں ور جمعہ کا اعادہ کو چار رکعت ظہر پڑھیں، امام غیر جمعہ و عیدین میں اگر

دوسرے کو کہ صالح امامت ہے اور امام کردیتا ہے حرج نہیں بلکہ وہ اگر اس سے علم و فضل میں زائد ہو تو اسے یہی بہتر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۵۹: از علی پور ٹپرا مسئولہ منصب علی ۱۲شعبان ۱۳۳۷ھ

قاری مکہ معظّمہ کا قرات سیکھا ہوا اور وہاں پر چند سال رہ کر معلّمی کیا لیکن داڑھی ترشواتا ہے آیا اس کے پیچھے نماز پنجگانہ اور جمعہ جائز ہے یا نہیں۔بینوا توجروا

الجواب:

داڑھی ترشوانے والے کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب،اور مکہ معظّمہ میں رہ کر قرات سیکھنا فاسق کو غیر فاسق نہ کردے گا،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۶۰: از فتح پور ضلع شاہجہاں پور مرسلہ مقبول حسن خان نائب مدرس میونسپل اسکول ۱۷شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کی نمازِ فجر قضا ہو وہ نمازِ ظہر یا دیگر اوقات کی نمازوں میں امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر صاحبِ ترتیب ہے تو جب تک قضائے فجر ادا نہ کرلے ظہر کی امامت نہیں کرسکتا ورنہ کرسکتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۶۱،۷۶۲: از پیلی بھیت محلّہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) بہرے کے پیچھے تراویح یا فرض نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بہرے کی کوئی تخصیص ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے اور اس کا غیر بہتر ہے اگر یہ علم وقرات میں اس سے افضل نہ ہو۔واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اُتنی ہی ہے کہ جواب اوّل میں گزری۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۶۳: از سہسوانی ٹولہ مسئولہ محمد یامین ۶شوال ۱۳۳۷ھ

عمرو بہت مسخرا ہے اور بہت فحش گالی کے ساتھ مذاق کرتا رہتا ہے اُس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب:

اُسے امام بنانا گناہ ہے اور اسکے پیچھے نماز مکرہ تحریمی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۶۴: از مقام چھاؤنی میرٹھ قصبہ کنکرکڑہ مرسلہ پیر سخاوت حسین صاحب ممبر جامع مسجد ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حافظِ قرآن پاک ہے اور امامت جامع مسجد کی کرتا ہے اور پابندِ صوم صلوٰۃ ہے زوجہ اس کی پردہ نشین ہے مگر قوم سے شخص مذکور قصاب ہے کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس کی طہارت و نماز صحیح ہے اور مذہب کا وہابی یا دیوبندی وغیرہ بے دین وبد دین نہیں سنّی صحیح العقیدہ ہے اور فاسق و معلن نہیں تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی بیشک جائز ہے، قصاب ہونا کوئی مانع امامت نہیں، متعدد اکابرِ دین نے یہ پیشہ کیا ہے، ہاں اگر جماعت والے اس سے نفرت کرتے ہوں اور اس کی امامت کے باعث جماعت میں کمی پڑے اور دوسرا امام سنّی صحیح العقیدہ قابلِ امامت موجود ہو تو اس دوسرے کی امامت اولیٰ ہے۔

فقد کرھوا خلف ابرص شاع برصہ لاجل التنفیر مع انہ لا خطیئۃ لہ فیہ۔	فقہانے نفرت کے پیشِ نظر ایسے صاحبِ برص کے پیچھے نماز کو مکروہ قرار دیا ہے جس کا برص مشہور (پھیل گیا) ہو، باوجود اس بات کے کہ اس میں اس کا اپنا ذاتی کوئی گناہ نہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۶۵ تا ۷۶۸: از میونڈی بزرگ پرگنہ اجاؤں ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سیّد امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) جو شخص زنا کرتا ہو اور اس کا ثبوت بھی ہوگیا ہو تو جو اُس کے پیچھے نماز پڑھیں وہ ہوئیں یا نہیں۔

(۲) جب زانی ایسا شخص توبہ کرلے تو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

(۳) زانی اپنے افعال سے توبہ کرتا ہے اور گاؤں والے اُس کی توبہ کو نہیں مانتے تو وہ گاؤں والے کس جرم کے مستحق اور کس درجہ شمار ہیں

(۴) جس عورت نے اپنے شوہر سے سرکشی کی اور اُس کے حکم کو نہ مانا اور شوہر کا دل دکھایا اور شوہر پر زبان درازی کی تو ایسی عورت کو طلاق دینا واجب ہے یا نہیں، اور اگر شوہر اپنی بی بی کی زبان درازی اور سرکشی پر راضی ہے اور وُہ امامت کراتا ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں۔

الجواب:

(۱) زنا کا ثبوت سخت دشوار ہے جسے عوام ثبوت سمجھتے ہیں وہ اوہام ہوتے ہیں، جب تک اس کی یہ حالت نہ تھی اس وقت تک اُس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہ تھا اُن کا اعادہ کی بھی کچھ حاجت نہیں فانہ ان

کان فاسقا غیر معلن فما لکراھۃ خلفہ الا تنزیھیۃ (کیونکہ اگر وہ شخص فاسق غیر معلن ہو تو اسکی اقتداء میں نماز پڑھنا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی ہے۔ت)

(۲) جب بعد توبہ صلاح حال ظاہر ہوا اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو۔

(۳) اللہ عزوجل اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ بخشتا ہے ھوالذی یقبل التوبۃ عن عبادہ ویعفو عن السیأت [1] (وُہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے۔ت) جو لوگ توبہ نہیں مانتے ہیں گنہگار ہیں، ہاں اگر اس کی حالت تجربہ سے قابل اطمینان نہ ہو اور یہ کہیں کہ تو نے توبہ کی اللہ توبہ قبول کرے۔ ہم تجھے امام اس وقت بنائیں جب تیری صلاح حال ظاہر ہو تو یہ بجا ہے۔

(۴) اسے جرما طلاق دینا واجب نہیں اور اس پر صبر کرنے والا نہایت نیک کام کرتا ہے اگر نیت اللہ کے لئے ہو بہر حال یہ امر امامت میں خلل انداز نہیں کہ یہ اپنے حق سے در گزر ہے اور اس میں حرج نہیں اور یہاں راضی ہونا بایں معنی نہیں تھا کہ اس کے افعال خلافِ شرع کو پسند کرتا ہے جس سے وہ قابل امامت نہ رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۶۹، ۷۷۰: از میونڈی از سید صاحب۔

(۱) زید اپنی سوتیلی ساس سے زنا کرتا ہے اور زید کے سسر کو بھی یہ معلوم ہے لیکن اس کو منع نہیں کرتا اس خوف سے کہ میرے گھر سے نکل جائے گی، تو وہ کس جُرم کا مستحق ہے اور زید جو اپنی ساس سے زنا کر رہا ہے وہی امامت بھی کرتا ہے تو یہ زید کس درجہ کا مستحق ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا یا میل جول رکھنا کیسا ہے؟

(۲) جس کا پیر ایسا ہو کہ جملہ افعال حرام ہوں جیسے زنا وغیرہ کرنا اور سُلفہ وغیرہ پینا اور اکثر محافل ناچ رنگ میں شامل ہونا وغیرہ وغیرہ ہوں اور علمائے دین اس سے بیعت کرنا حرام فرمادیں اور جو بیعت حاصل کر چکا ہو اس کو فسخ کرنے کا حکم دیں تو اب علمائے دین فرمائیں کہ جو ایسے پیر سے بیعت کئے ہوئے ہو اور ایسے پیر پر اعتقاد رکھتا ہو اور علمائے دین کے حکم کے خلاف کرتا ہو کہ علما تو ایسے پیر سے بچنے کا حکم فرمائیں اور وہ نہ مانے اور وہ متبع ہو اور امامت کرتا ہو اُس کے پیچھے نماز پڑھنا اور میلاد پڑھوانا اور شریک حال ہونا کیسا ہے، درست یا غیر درست، اور بعض کہتے ہیں کہ جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں وہ نادرست ہیں ان کا بھی پھیرنا واجب ہے کیونکہ اس نے اتباعِ علماء نہیں کیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جو باوصف قدرت اپنی عورت کو اس بیحیائی سے منع نہیں کرتا نہیں روکتا وہ دیّوث ہے، اور وہ جو زنا کرتا ہے

اگر کسی کا یہ حال صحیح مشہور ہے تو اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس سے میل جول نہ چاہئے اگر عوام کے اوہام کی افواہ ہے کہ خواہی نخواہی عیب لگاتے ہیں تو اسکا اعتبار نہیں پھر بھی اگر اس کے سبب لوگوں کو اس کی امامت سے نفرت اور اسکے پیچھے جماعت کی قلّت ہو تو اسے امام نہ کریں اگرچہ وہ الزام سے بری ہے، کامشاع برصہ **کما فی الدر** (جیسے اس شخص کا حکم ہے جس کا برص پھیل گیا ہو، درمختار میں ایسا ہی ہے۔ت)

(۲) ایسا شخص ہو تو وہ فاسق ہے اُکے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اس سے میلاد شریف نہ پڑھوایا جائے **لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اھانۃ شرعا**[1] (کیونکہ امامت کے لئے فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعی طور پر اس کی اہانت لازم ہے۔ت) تبیین الحقائق وغیرہییی جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں ضرور اعادہ کی جائیں اس کا شریک حال مذکور ہونا حرام ہے اس سے میل جول نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۷۱: از شہر بریلی مرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد ظہور الحق صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کے واسطے کہ وُہ حافظ قرآن ہے مگر افیون کھاتا ہے اور رمضان المبارک کا روزہ نہیں رکھتا ہے، آیا وُہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں **بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

افیونی اور بلاعذر شرعی تارک صوم رمضان فاسق اور اُن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ اور پھیرنا واجب جبکہ اُن کا فسق ظاہر و آشکارا ہو، اور اگر مخفی ہو جب بھی کراہت سے خالی نہیں اور افیونی اگر پینک میں ہو جب تو اس کے پیچھے نماز باطل محض، **قال تعالٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ**[2] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: حتی کہ تم جان لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۷۲: از شہر مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی ظہور الحق صاحب طالب علم ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

اس سوال میں جو اوپر مذکور خلاف واقعہ محض حسد پر کیا گیا ہے افیونی تارک صوم اور پھر محض اُس پر بلاعذر یہ تینوں لفظ اور ان کے مصداق تحقیق طلب ہیں کیونکہ نتیجہ جواب انھیں پر مبنی ہے اس جواب سے یہ نہیں معلوم ہوا

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ، مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر، ۱/ ۱۳۴

[2] القرآن ۴ / ۴۳

کہ اطبّاء نے امراض نزلہ وجریان وغیرہ میں افیون بقدر اصلاح تجویز فرمائی ہو وہ عذر شرعی کے اندر مجوز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو عذر شرعی کیا ہے، دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص بباعثِ سفر یا مرض روزہ رمضان قضا کرے تو تارک صوم ہوگا یا نہیں، اور عذر شرعی اس کے لئے ہے یا نہیں، اور حافظ کلام مجید امیوں میں امامت کے لئے شرعًا افضل ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص ایک مدّت تک مقتدی رہ کر محض حسد سے الزام لگائے ایسے کبیرہ گناہ کے تو وہ عندالشرع مستوجب کس تعزیر کا ہے۔

الجواب:

افیون اتنی کہ پینک لائے مطلقًا حرام ہے، نہ کسی مرض کے لئے حلال ہوسکتی ہے نہ کسی طبیب کی تجویز سے۔ اللہ ورسول کے برابر حکیم کون ہے وہ منع فرماتے ہیں اُن کا منع فرمایا ہوا کسی کی تجویز سے جائز نہیں ہوسکتا، یہ عذر شرعی ہے نہ عذر شرعی فتویٰ میں درباره افیون لکھا تھا بلکہ درباره صوم درمختار میں ہے: **ظاهر المذهب المنع**[1] (یعنی حرام چیز سے علاج ظاہر مذہب پر منع ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

اجاب الامام لان المرجع فيه الاطباء وقولهم ليس بحجة حتى لوتعين الحرام مدفعاللهلاك يحل كالميتة والخمر عند الضرورة[2] ۔(ملخصا)	امام اعظم نے یہ جواب دیا کہ اس میں اطبّاء کی طرف رجوع کیا جائے گا اور ان کے قول حجّت نہیں، حتّٰی کہ اگر کوئی حرام چیز ہلاکت کو دُور کرنے کے لئے متعین ہوجائے تو وہ حلال ہوجائے گی جیسا کہ ضرورت کے وقت مردار اور شراب (ملخصًا)۔(ت)

ہاں سفر اور مرض جس میں روزہ کا مضر ہونا ثابت و محقق ہو روزہ قضا کرنے کے لئے عذر شرعی ہیں، حافظ امیوں سے جب افضل ہے کہ فاسق نہ ہو اور فاسق تو عالم بھی افضل نہیں چہ جائے حافظ۔ درمختار میں ہے:

الا ان يكون غير الفاسق اعلم القوم فهواولى۔[3]	مگر اس صورت میں کہ جب فاسق کے علاوہ (یعنی مذکورہ افراد میں سے) کوئی شخص قوم سے زیادہ صاحبِ علم ہو وہی امامت کے لئے اولٰی ہوگا۔(ت)

اگر الزام جھوٹا لگائے تو سخت کبیرہ ہے اور اس کی سخت سزا ہے اور اگر الزام سچّا ہے تو مدت تک خاموش رہنے کا اس

---

[1] دُرمختار، باب المیاہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۳۸

[2] ردالمحتار باب المیاہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۴

[3] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

مقتدی پر الزام ہے اور وہ اس وجہ سے سزا وار سزا ہے مگر وہ امام اس بناپر الزام سے بری نہیں ہوسکتا کہ اب تک مقتدی کیوں خاموش رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۷۳: ازاورنگ آباد ضلع گیا مرسلہ محمد اسمٰعیل مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی عمرو تعزیہ کی نہایت عظمت کرتا ہے اور اکھاڑے میں شریک ہوتا ہے اور حضرت سیّد الشہداء حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ وحضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، کی مجلسِ میلاد منعقد کرتا ہے اور اس میں یاحسین سلام علیک، یاذکی سلام علیک، یاعلی سلام علیک وغیرہ بحالت قیام پڑھواتا ہے اور مجلس سماع میں ہر قسم کے مزامیر یعنی انگریزی باجا روشن چوکی خروک شہنائی مشکی باجا وغیرہ بجواتا ہے اور نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے مسجد میں نہیں آتا صرف عیدین کی امامت کرتا ہے مقتدی اس سے بسبب ان افعال کے سخت نفرت رکھتے ہیں تو عمرو قابلِ امامت ہے یانہیں، اور عمرو کے یہ افعال شرع شریف میں کیا حکم رکھتے ہیں۔

الجواب:

مزامیر حرام ہیں، صحیح بخاری شریف 'ف' کی حدیث میں ہے:

یستحلون الخمر والخنزیر والمعازف[1]۔	وُہ لوگ شراب، خنزیر اور مزامیر کو حلال جانیں گے۔(ت)

ہدایہ میں ہے: لان الابتلاء المحرم یکون[2]۔ (امتحان وابتلاء حرام ہی سے ہوتا ہے۔ت) تو مجلس مزامیر منعقد کرنا فسق، اور نمازِ عید کو ان شیطانی باجوں کے ساتھ آنا فسق اور جماعت کے لئے بلاعذر شرعی حاضر نہ ہوا کرنا فسق اور جمعہ یوں بلامجبوری نہ آنا سخت تر فسق اور تعزیہ کی تعظیم بدعت، عمرو ہرگز قابلِ امامت نہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا[3]۔	کیونکہ امامت کے لئے اس کی تقدیم میں تعظیم ہے حالانکہ ان پر شرعًا اس کی اہانت لازم ہے۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ باب ماجاء فیمن یستحل الخمر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[2] الہدایہ کتاب الکراہیت، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۳

[3] تبیین الحقائق باب الامامۃ، مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر، ۱/ ۳۴

ف: بخاری کے الفاظ اس طرح ہیں: یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف الخ۔ اس حدیث کو مختلف الفاظ کے ساتھ دیگر متعدد کتابوں نے بھی ذکر کیا ہے سنن ابوداؤد ۲/ ۲۰۴، سنن الکبرٰی للبیہقی ۱۰/ ۲۲۱، کنز العمال ۱۱/ ۱۳۴، المعجم الکبیر ۳/ ۲۸۲، اتحاف السادۃ المتقین ۶/ ۴۷۲، الترغیب والترتیب ۳/ ۱۰۲۔ **نذیر احمد**

حضرت سیّد الشہداء اور حضرت مولیٰ مشکلکشار ضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مجلس ذکر شریف منعقد کرنا اور یا علی سلام علیک و یاذکی سلام علیک کہنا کچھ حرج نہیں رکھتا جبکہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۷۷: از گونا سنٹرل انڈیا ریاستگوالیار مرسلہ محمد صدیق سیکریٹری انجمن اسلامیہ ۱۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ ثانی ایک دوسرے شخص کے ساتھ فرار ہوگئی اور فسق وفجور کرتی ہے اور زید اُس کو رکھے ہوئے ہے اور وہ زوجہ زید، زید پر حاوی ہے، زید دوسروں سے کہتا ہے کہ تم فلاں شخص جس کو میری زوجہ بلاتی ہے میرے گھر آنے سے روکو۔ جب زید سے کہا جائے تم اس کو طلاق دیدو تو بہتر ہے۔ اس پر زید غصہ کرے اور کلمات سخت کہے اور کہے کہ میری زوجہ اولیٰ بھی تو لوگوں کو بلواتی ہے کیا اس کو بھی طلاق دیدوں ایسا ہر گز نہیں کروں گا۔ تو ایسے اصرار سے زید دیّوث ہے یا نہیں اور مسلمانوں کو ،زید کو اگر وہ پیش امامی کرتا ہو معزول کرنا چاہئے یا نہیں۔ زید جو پیش امام مسجد ہے اس نے چند جاہلوں کو اپنا طرفدار بنالیا ہے اُن میں سے ایک شخص بکر نے کہا کہ ہمارا پیش امام دو دو بوتلیں شراب کی پیے گا اور چار رنڈیاں رکھے گا اور وہی پیش امام رہے گا۔ پسبکر کی بابت شرعًا کیا حکم ہے اور جو لوگ ایسے امام کی طرفداری کریں اور اس کو پیش امام رکھنے پر اصرار کریں ان کی بابت کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

زید اپنی زوجہ کے ایسے افعال پر اگر راضی ہے یا بقدرِ قدرت بندوبست نہیں کرتا تو بلاشبہ دیّوث ہے اور اسے امامت سے معزول کرنا واجب، اور اسکے پیچھے نماز پڑھنا گناہ، اور اس کا پھیرنا لازم، اور اس کے حامی گنہ گار۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪[1]	اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے سے رتعاون نہ کیا کرو۔ (ت)

اور اگر وہ ان افعال پر راضی نہیں اور جہاں تک اسکا امکان ہے بندوبست کرتا ہے تو عورت کے افعال پر اسکا الزام نہیں۔

قال اللہ تعالیٰ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ[2]۔	اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ (ت)

نہ اس پر طلاق دینا لازم۔ حدیث میں ہے:

جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	ایک شخص رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا

[1] القرآن ۵/۲

[2] القرآن ۶/۱۶۴

فقال ان امرأتی لاتمنع ید لامسٍ قال فطلقھا قال انی احبھا فاستمتع بھا[1] رواہ ابوداؤد۔	اور عرض کی امیری بیوی کسی مس کرنے والے کو منع نہیں کرتی۔فرمایا: اسے طلاق دے دے۔عرض کیا: میں اس سے محبت کرتا ہوں۔فرمایا: اس سے استفادہ کر، ابوداؤد (ت)

درمختار میں ہے: لایحب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[2] (خاوند پر فاجرہ عورت کو طلاق دینا واجب نہیں۔ت)

بکر جس نے وُہ ناپاک کلمات کہے اُن سے صراحۃً شریعت مطہرہ سے عناد ٹپکتا ہے اُس پر توبہ فرض ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۷۵: از ریاست جے پور گھاٹ، دروازہ مدرسہ قادریہ تکیہ اعظم شاہ، مرسلہ حاجی عبدالجبار صاحب رضوی

کیاحکم ہے شریعتِ مطہر کا اس مسئلہ میں کہ زید امامت کرتا ہے اور اس کے سر کے بال لمبے یعنی دوش سے نیچے قریب سینہ تک ہیں، عمرو کہتا کہ دوش سے نیچے بال بڑھانا حرام ہیں اور ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے، زید کہتا ہے کہ اتنے لمبے بال رکھنا یعنی دوش سے نیچے جائز ہے اور مشائخ سادات کا یہ شعار ہے چنانچہ اعلٰی حضرت فاضل بریلوی مدظلہ نے اپنے رسالہ الحرف الحسن فی للکتابۃ علی الکفن کے صفحہ ۱۹ سطر ۱ میں حضرت سیّدنا امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کے دو ۲ گیسو شانہ پر لٹک رہے تھے لہذا سوال یہ ہے کہ زید کا کہنا صحیح یا عمرو کا، اگر قول عمرو کا صحیح ہے تو جتنی نمازیں ہم مقتدیوں نے زید کے پیچھے پڑھی ہیں حساب کرکے سب کا اعادہ کریں یا نہیں؟

الجواب:

مسلمانوں کو اتباعِ شریعت چاہئے۔حکم نہیں ن مگر اللہ ورسول کے لئے۔سینہ تک بال رکھنا شرعاً مرد کو حرام، اور عورتوں سے تشبّہ اور بحکم احادیث صحیحہ کثیرہ معاذاللہ باعث لعنت ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ المشتھبین من الرجال بالنساء[3] الخ	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالٰی کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت کریں (ت) الخ

اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک عورت کو مردانہ جوتا پہنے دیکھا اُسے لعنت کی خبر دی۔نبی اکرم

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی تزویج الابکار مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۰، سنن نسائی تزویج الزانیۃ // نور محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱

ف: ان حوالوں میں مذکور الفاظ مختلف ہیں لیکن مفہوم ایک ہے۔**نذیر احمد سعیدی**

[2] دُرمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[3] المعجم الکبیر ماروی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۲۵۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک عورت کو کمان لٹکائے ملاحظہ فرمایا، ارشاد فرمایا: "اللہ کی لعنت ہو اُن عورتوں پر کہ مردوں سے تشبّہ کریں اوران مردوں پر کہ عورتوں سے مشابہت کریں"[1]۔حالانکہ جُوتا کوئی جزوبدن نہیں جزولباس ہے اور کمان جزو لباس بھی نہیں ایک خارج شے َ ہے جب ان مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال جزوِبدن ہیں ان میں مشابہت کس درجہ حرام اور باعثِ لعنت ہوگی۔الحرف الحسن میں یہ ہے کہ شانہ پر لٹک رہے تھے یا یہ کہ شانہ سے اُتر کر سینہ تک پہنچے تھے۔شانہ تک لمبے گیسوؤں کا ہونا کہ آگے اصلانہ بڑھےں ضرور جائز بلکہ سُنن زوائد سے ہے حساب کرکے نمازوں کا اعادہ چاہئے اورامام صاحب سے امید ہے کہ حکم شرع قبول فرماکر خود معصیت سے بچیں گے اور اپنی اور،قتدیوں کی نماز کراہت سے بچائیں گے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر۷۷۶: ازمانیاوالاڈاکخانہ قاسم پوگڈھی ضلع بجنور مرسلہ سیّد کفایت علی صاحب ۳ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اور ایک مقتدی نماز پڑھتے ہوں دوسرا مقتدی آگیاتو امام کو وہیں رہنا چاہئے یا آگے چلا جائے یا نہیں (اور آگے بڑھنے کی جگہ ہو) **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر پہلا مقتدی مسئلہ دان ہے اوراسے پیچھے ہٹنے کی جگہ ہے تو وہ ہٹ آئے دوسرا مقتدی اس کی برابر کھڑا ہوجائے اور اگر یہ مسئلہ دان نہیں یا اسے پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو امام آگے بڑھ جائے،اور اگر امام کو بھی آگے بڑھنے کی جگہ نہیں تو دوسرا مقتدی بائیں ہاتھ کو کھڑا ہوجائے مگر اب تیسرا مقتدی آکر نہ ملے ورنہ سب کی نماز مکروہ تحریمی اور سب کا پھیرنا واجب۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۷۷۷: ازبریلی مسئولہ محمود حسن صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی ۱۹ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

ماقول علماء اھل السنة والجماعة رحمکم اللہ ھل تجوز الصلاة خلف الامرد الذی ھوابن ستة عشر سنة افیدونا الجواب احمکم اللہ الوھاب[2]۔	علمائے اہلسنت وجماعت رحمکم اللہ تعالٰی کا اس بارے میں کیاارشاد ہے کہ سولہ سالہ امرد کے پیچھے نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟ ہمیں جواب سے مستفید کیا جائے، رحمکم اللہ الوہاب۔(ت)

[1] صحیح البخاری، باب المتشبھین بالنساء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۷۴

[2] ردالمحتار مطلب فی امامة الامرد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۵

الجواب:

نعم تجوز ان لم یکن مانع شرعی لانہ بالغ شرعاوان لم تظھر الاثارنعم تکرہ انکان صبیحامحل الفتنۃ کما فی ردالمحتار عن الرحمتی۔	ہاں جائز ہے بشرطیکہ کوئی مانع شرعی موجود نہ ہو کیونکہ وُہ شرعی طور پر بالغ ہے اگر بلوغ کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں البتّہ اگر وہ امرد خوبصورت ہے تو پھر نماز مکروہ ہوگی کیونکہ وہ محلِ فتنہ ہوتا ہے۔ ردالمحتار میں شیخ رحمتی سے یوُں ہی ذکر ہے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۷۷۸ ،۷۸۴: از کوٹ ڈسکہ مرسلہ محمد حیات صاحب مدرس ہائی اسکول ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ایسے امام مسجد کے بارے میں جس میں مفصلہ ذیل نقص صریحًا ہوں،

(۱) غسال وذابح ہے اگر کسی صاحب میّت سے کچھ نہ ملے تو شاکی رہتا ہے۔

(۲) سامانِ مسجد کے مطلق حفاظت نہیں کرتا اور نہ ان کی مرمّت وغیرہ کی لوگوں کو ترغیب دیتا ہے اس لئے اشیاء مسجد بگڑتی اور خراب ہوتی رہتی ہیں اور ضائع اور غبن ہوتی رہتی ہیں اور مسجد کے متعلقہ مکان میں رہائش رکھتے ہیں جو کہ مسجد سے علیحدہ متصل مسجد ہے اگر حفاظتِ سامان مسجد کو کہیں تو برافروختہ ہوجاتے ہیں۔

(۳) جماعتِ نماز صرف مغرب کی کرتے ہیں باقی نمازیں متفرق طور پر لوگ خود بخود پڑھتے ہیں، اگر کہیں تو ناراض۔

(۴) مرض بواسیر عرصہ سے ہے تقاطر بول اور پیپ اور خون سے محفوظ رہنے کے لئے نیچے لنگوٹی رکھتے ہیں پُورے طور پر شکایت مرضِ بواسیر نہیں گئی اور نہ یہ جانے والی ہے۔

(۵) میونسپل کمیٹی قصبہ کوٹ ڈسکہ میں ایک ادنٰی آسامی جمعداری خاکروبان ۸ روپے ماہوار پر ملازم ہیں، کام اچھا نہ ہونے پر مقامی افسر اور ممبرانِ کمیٹی اکثر ناراض رہتے ہیں جو کہ مسلمانوں کو ناگوار گزرتا ہے۔

(۶) میاں جی کے اندرون شہر میں جو مکانات ہیں ان کے بالکل متصل ایک پرانی مسجد ہے انقلابِ زمانہ سے اس محلّہ میں مسلمانوں کے گھر نہ رہے اور مسجد غیر آباد ہوگئی، اب میاں جی اس مسجد کو مال مویشی خانہ اور گوبر بھینس خانہ بنا رکھا ہے، طرفہ یہ کہ حق اس مسجد کا برابر لے رہے ہیں۔

(۷) روزہ ماہ رمضان المبارک اگر معمر ہونے کی وجہ سے بھی رکھتے ہوں تو نماز تراویح پڑھانے کے لئے آتے ہیں کیونکہ تراویح پڑھانے والے کی خدمت ہوتی ہے مگر نماز فرض کی جماعت سوائے مغرب ندارد، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنی کیسی ہے؟

الجواب: اگر یہ بیانات صحیح ہوں تو صرف نمبر ۳ و نمبر ۶ اُس کے فاسق معلن ہونے کے لئے کافی ہیں کہ چاروں نمازوں میں روزانہ تارک جماعت ہے اور مسجد کو ناپاک وملوث کرنے والا اور فاسق معلن کو امام بنانا اور اسکے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاوٰی الحجہ وغنیہ میں ہے: **لوقدموافاسقایاثمون**[1] (اگر انھوں نے فاسق کو امامت کے لئے مقدم کیاتوگناہگار ہوں گے۔ت) اور تقاطر بول اور جریانِ خون اگر لنگوٹ سے بند نہیں ہوتے تو سخت شدید فاسق ہے بہر حال اُسے امامت سے معزول کرنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۸۵: از شہر مرسلہ غلام محمد صاحب درزی مورخہ ۲۱ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا قمیص چوری ہوااور بکر چند قرائن کی وجہ سے بطور شُبہ کے چوری ثابت کیا گیااور جس روز سے بکر پر چوری ثابت ہُوئی اس روز سے تمام محلّہ والوں نے بکر کے پیچھے نماز پڑھنا قطعی چھوڑ دی اور بوجہ شک کے اور اسی شک کو لے کر بکر کے پیچھے نماز پڑھنا بلاتوبہ جائز ہے یا نہیں، دیگر گزارش یہ ہے کہ بکر کے باپ نے کہا کہزید اگر قسم کھائے تومال مسروقہ ہم دیں گے اور زید نے کہا ہم قسم کھائیں گے لیکن قسم نہیں کھائی اور زید کے پیچھے بلاتوبہ نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید پر کوئی الزام نہیں اور خالی شُبہ کے سبب بکر پر چوری ثابت نہیں ہو سکتی نہ اس کے پیچھے نماز منع نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۸۶: از کلکتہ نارکل ڈانگا رلنڈو گودام مرسلہ شیخ عرفان علی صاحب ۲۱ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو طلاق مغلظہ دی ومطلقہ مدّت ایک سال تک بیٹھی رہی پھر اس کے شوہر نے اس کو بلاعقد شرعیہ اپنی زوجیت میں رکھ لیااور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی یہاں تک کہ لڑکی مذکور بالغ ہوئی پس اس لڑکی سے کسی مسلمان نے اگر عقدِ شادی کرلی اور اس نسل سے اولاد جو پیدا ہو وہ امامت کرسکتا ہے یا نہیں اور اسکے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس کی ماں ولدالزنا ہُوئی وُہ خود ولدالزنا نہیں، اس کے پیچھے نماز میں حرج نہیں جبکہ مذہب واعمال و

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

قرات وطہارت وغیرہا میں قابل ہو، ہاں اگر عوام اس کی امامت سے نفرت کریں اور یہ امر باعثِ قلّتِ جماعت ہو تو اسے امام نہ کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۷۸۷: از کلکتہ لورچت پور روڈ نمبر ۱۲۵ مرسلہ حاجی جان محمد صاحب ۱۴ رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) ایک مسجد کے متولیوں نے زید کو پچاس روپے ماہوار تین سال کے لئے ملازم رکھا یہ شرط تھی کہ ہم تین سال بعد معزول کر سکتے ہیں اسے امام نے بذریعہ تحریری اقرار نامہ کے منظور کرکے اپنے دستخط کر دئے۔

(۲) باوجود متولیوں کے منع کرنے اور باضابطہ روکنے کے جب تک ہم کو کسی واعظ یا لیکچرار کے خیالات اور مذہب کا علم نہ ہو جائے کسی کو مسجد میں وعظ لیکچر دینے کی اجازت نہ دو بے اطلاع متولیوں کے خود اجازت دیتا ہے چنانچہ گزشتہ فساد کے موقع پر کلکتہ میں اس نے مسجد کے اندر ہندوؤں تک کو آنے دیا۔

(۳) امام مذکور اکثر مسجد کی امامت سے غیر حاضر ہوتا اور سیر یا دعوتوں میں بے اجازت متولیوں کے چلا جاتا ہے اور متولیوں کے منع کرنے کی بالکل پرواہ نہیں کرتا۔

(۴) متولیوں نے بعد گزرنے معیاد اقرار نامہ اور باضابطہ تحریری اطلاع دہی کے دوسرے امام کو جو مدینہ منورہ کا ساکن اور مسجد نبوی کے امام کے خاندان سے ہے اور مسجد نبوی میں امامت کرچکا ہے اب بجائے اس کے مقرر کیا ہے وہ مزاحم ومانع ہے اور آمادہ فتنہ وفساد ہے اور متولیوں پر خلاف واقعہ توہین آمیز الزام و بہتان مشتہر کرتا آیا ایسے کو امام شرعًا متولیانِ مسجد معزول کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

ضرور معزول کر سکتے ہیں بلکہ ان حرکات پر اس کو معزول کرنا ہی چاہئے۔ **لایعزل صاحب وظیفة الا بجنحة**[1] **وھذہ جنحة** (صاحب وظیفہ کے مغیر معزول نہیں کیا جاسکتا اور یہ مقررہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۱۰: ۷۸۸ شوال ۱۳۳۸ھ کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں زید نے عمرو سے مثلًا بوستان گلستان کے بچپن میں دو یا تین سبق پڑھے تھے اب ان میں رنج ہو گیا اور عمرو نے اسے ہاک (عاق) کر دیا تو زید کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر شاگرد کا قصور تاحدِ فسق ہے اور بوجہ اعلان مشہور ومعروف ہے تو اسے امام بنانا جائز نہیں اور اس کے

[1] ردالمحتار، مطلب لایصح عزل صاحبِ وظیفہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۴۲۳/۳

پیچھے نماز گناہ، اور اگر اس کا قصور نہیں یا حدِ فسق تک نہیں یا وہ بالاعلان اس کا مرتکب نہیں تو ان پہلی دو صورتوں میں اس کے پیچھے نماز میں اس وجہ سے کوئی کراہت نہیں اور پچھلی صورت میں مکروہ تنزیہی خلافِ اولٰی ہے باقی عاق کردینا کوئی شے نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۸۹: از راب گڈھ صدر بازار بردکان امیر بخش ٹیلر مرسلہ شیخ طالب حسین ۱۴ شوال بروز پنجشنبہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ راب گڈھ میں دو مسجدیں ہیں جن میں سے ایک مسجد کا متولی جو روزہ نماز کا پابند نہیں ہے اُس نے ایک پیش امام جو قوم کا صدیقی اور علم کا حافظ مولوی حکیم مقرر تھا اس کو متولی نے بلاوجہ الگ کردیا اور بجائے اس کے بلارائے مقتدیوں کے دوسرا امام جو صرف حافظ وقوم کا قصاب ہے اور ہنوز ان کے یہاں پیشہ جاری ہے مقرر کردیا جس پر میں نے متولی صاحب سے پُوچھا کہ سابق پیش امام کس قصور پر علیحدہ کئے گئے تو متولیعبدالصمد صاحب نے بہت غصہ سے ساتھ جواب دیا کہ ہماری مسجد ہم جو چاہیں سو کریں مقتدی پوچھ نہیں سکتے۔ ایسے امام کے پیچھے اور ایسی مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر پہلا امام معاذاللہ بدمذہب ہو تو اُس کا معزول کرنا اشد ضروری تھا اور اگر دوسرا بدمذہب ہو تو اس کا مقرر کرنا حرام ہوا، اور معزول کرنا لازم ہے، یوں ہی اُن میں جو قرآن مجید غلط پڑھتا ہو یا طہارت صحیح نہ کرتا ہو اُس کا معزول کرنا فرض ہے، ایک ہو یا دونوں، اور اگر صحت مذہب وقرات وطہارت میں بقدر جوازِ نماز ہیں اور امام وظیفہ پاتا ہے تو بلاقصور پہلے کو معزول کرنا گناہ ہوا کہ بلاوجہ ایذائے مسلم کہ **لایعزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ**[1] (کسی صاحب وظیفہ کو بغیر کسی گناہ کے معزول نہیں کیا جاسکتا۔ت) اور متولی کا کہنا کہ مسجد ہماری ہے ہم جو چاہیں کریں محض باطل ہے، مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں **وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۟**[2] (یقیناً مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی کی بندگی نہ کرو۔ت) اُس میں وہی کیا جائے گا جو بحکم شرع ہے اور اس کا یہ زعم باطل ہے کہ مقتدی پُوچھ نہیں سکتے بلکہ امام ومؤذن مقرر کرنے میں متولی کا اختیار نہیں جبکہ خود بانی مسجد اس کے اقارب میں نہ ہو امام ومؤذن کے نصب میں پہلا اختیار بانی پھر اس کی اولاد واقارب کا ہے اور دوسرا اختیار مقتدیوں کا ہے یہ بھی جبکہ جس کو بانی مقرر کرنا چاہتا ہے اور جسے مقتدی چاہتے ہیں دونوں یکساں ہوں، اور اگر جسے یہ چاہتے ہیں وہی شرعًا اولٰی ہے تو انھیں کا اختیار مانا جائے گا متولی اس بارے میں کوئی چیز نہیں۔ دُرمختار (میں ہے):

---

[1] ردالمحتار، مطلب لایصح عزل صاحبِ وظیفہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۳/ ۴۲۳

[2] القرآن، ۷۲/ ۱۸

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار[1] (وکذاولدہ وعشیرتہ اولی من غیرھم اشباہ[2] اھ شامی)الااذاعین القوم اصلح ممن عینہ البانی[3] (لان منفعۃ ذلك ترجع الیھم ،انفع الوسائل[4] اھ ش)	مختار قول کے مطابق امام اور مؤذن مقرر کرنے کا حق دیگر لوگوں کی بنسبت بانی مسجد کو زیادہ ہے(اسی طرح اسکی اولاد اور خاندان بھی دیگر حضرات سے زیادہ حقدار ہیں اھ شامی) البتہ اس صورت میں کہ جب قوم بانی مسجد سے اعلٰی و صالح امام مقرر کرے تو یہی بہتر ہوگا، (کیونکہ اس کا نفع قوم کو پہنچے گا انفع الوسائل اھ ش) (ت)

اور اگر امامت بلاوظیفہ ہے اور پہلا امام شرعًا اس دوسرے امام سے اولٰی تھا تو متوفی نے دوہرا ظلم کیا راجح کو ہٹانا اور مرجوح کو بڑھانا، اور دونوں برابر ہیں جب بھی بلاوجہ پہلے کو ایذادہی کا مرتکب ہوا اور اگر یہ دوسرا اولٰی بایں معنی پہلے کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت تھی اس کے پیچھے نہیں تو متولی نے اچھا کیا مقتدیوں کا اس پر اعتراض بے جا ہے نماز اس کے پیچھے ہی مطلقًا جائز ہے جبکہ مذہب وقرات وطہارت واعمال صحیح ہوں، اور مسجد کو تو کوئی جرم ہی نہیں اس میں بہر حال جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۹۰: از ناتھ دوار ریاست ادیپور ملک میواڑ سراج الدین صاحب ۲۲جون ۱۹۲۰ء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص مسائل نماز روزہ کے تھوڑا بہت واقفیت ہے مگر چند عرصہ سے اس کے کانوں میں سماعت کم ہوگئی ہے یعنی اونچا سنتے ہیں، توایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، ہونے کو سبب خلاصہ تحریر فرمائیں، اور اگر بہرے پیش امام نے نماز میں غلطی کی اور اپنے مقتدی کا لقمہ نہ سُنا تو نماز میں کوئی خلل تو نہیں آتا ہے یا آتا ہے؟ اس کا جواب باصواب مع فقہ وحدیث اور کتب فقہ وحدیث کا حوالہ بھی ضرور تحریر فرمائیں، اللہ تعالٰی آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے گا۔ ۲۲جون ۱۹۲۰ء از ناتھ دوار ریاستاودے پور ملک میوڑا سراج الدین۔

الجواب:

بہرے کے پیچھے نماز جائز ہے مگر اس کا غیر اولٰی ہے جبکہ علم مسائل نماز وطہارت میں اُس سے کم نہ ہو اور

---

[1] در مختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ / مصطفٰی البابی مصر ۳/۴۵۴

[3] در مختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ / مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ / مصطفٰی البابی مصر ۳/۴۵۴

غلطی جس پر لقمہ نہ لیا اگر مفسدِ نماز تھی نماز جاتی رہی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۹۱: از حسن پور مراد آباد مدرسہ مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن مدرس ۸ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر میں امام کے عقائد کی تصدیق کی ضرورت ہے یا نہیں۔

الجواب:

ضرورت ہے اگر محلِ شُبہ ہو مثلاً کسی سے سنا کہ یہ امام وہابی ہے وُہ کہنے والا اگرچہ عادل نہ ہو صرف مستور ہو تحقیق ضرور ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل [1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیسے نہیں ہوسکتا، حالانکہ یہ کہا گیا ہے۔ (ت)

یا وہ بستی وہابیہ کی ہو تو تحقیق کرو اور اگر کوئی وجہِ شُبہ نہیں تو نماز پڑھے پھر اگر بعد کوئی ثابت ہو کہ مثلاً وہابی تھا اعادہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۹۲ تا ۷۹۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ:

(۱) ایک مسجد فرقہ غیر مقلد نے سنّی حنفی اشخاص کے محلّہ میں کسی طرح پر اراضی کا بیعنامہ کرکے تعمیر کرائی اور اس کے دروازے پر ایک پتھر جس پر لفظ اہل حدیث کندہ ہے نصب کرادیا اور نماز پڑھنے لگے اس مسجد میں بعض ناواقف لوگ سنّی حنفی ہو کر بھی اکثر اوقات انکی جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھ لیتے ہیں ان کی نماز غیر مقلد امام کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

(۲) اگر اس مسجد سنّی حنفی امام کے پیچھے لوگ حنفی غیر مقلدوں کی جماعت کے بعد یا اول ہر روز یا جمعہ کے روز ادا کریں تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۳) اور اگر سنّی حنفی امام کے پیچھے غیر مقلد شخص اسی مسجد میں جماعت میں شریک ہو کر نماز اپنے طریقہ پر پڑھے یعنی آمین بالجہر کرے اور رفع یدین کرے تو حنفیوں کی نماز میں کوئی نقص عائد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) غیر مقلد کے پیچھے نماز باطل محض ہرگز نہ ہوگی اور پڑھنے والے کے سر پر گناہِ عظیم ہوگا۔ فتح القدیر میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز [2]۔	اہل ہواء وبدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

[2] فتح القدیر، باب الامامۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر، ۱/۳۰۴

واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سنّی امام کے پیچھے نماز ہوجائے گی مگراس مسجد میں پڑھنے سے مسجد کا ثواب نہ ملے گا کہ شرعًامسجد نہیں اور بلاعذرِ شرعی ترک مسجد گناہ ہے، حدیث میں ہے:

لاصلاۃ لجار المسجد الّا فی المسجد [1]۔واللہ تعالٰی اعلم	مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد ہی میں ہوسکتی ہے۔(ت)

(۳) جماعت میں غیر مقلد کے شریک ہونے ضرور نماز میں نقص پیدا ہوتا ہے اول تواُس کے آمین بالجہر سے طبیعت مشوش ہوگی،اور دوسرا اعظیم نقص یہ ہے کہ اس کی شرکت سے صف قطع ہوگی کہ اس کی نماز نماز نہیں ایک بے نمازی شخص صف میں کھڑا ہوگااور یہ صف کا قطع ہےاور صف کا قطع ناجائز ہے صحیح حدیث میں فرمایا:

من قطع صفا قطعه اللہ [2]۔	جس نے صف قطع کی اُسے اللہ تعالٰی (اپنی رحمت سے) قطع کردے(ت)

مع ہذا بد مذہبوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے بھی حدیث میں منع فرمایا ہے: **لا تصلوا معھم** [3](اُن کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۷۹۵تا۷۹۷: از شہر محلّہ شاہ دانا مرسلہ جناب میر فداحسین صاحب مورخہ ۲ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) نماز جماعت سُنّی حنفی اشخاص کی طالب علمان مدرسہ مداری دروازہ وسرائے خامن کے پیچھے ہوگی یا نہیں۔

(۲) اگر کسی مسجد میں پیش امام مقرر نہ ہو توحاضرین مسجد کسی شخص کواپنے میں سے منتخب کریں تواس میں کس کس احترام والتزام اور کس کس بات کی ضرورت ہے؟

(۳) امام ہر طبقہ کے لوگوں میں سے جو کہ اس وقت موجود ہوں کثرت رائے سے منتخب ہوسکتا ہے باوجودیکہ وہ منتخب شدہ شخص اپنے آپ کو امامت کااہل نہ سمجھتا ہو مگر اجماع اس کی امامت پر ہوجائے تووہ امامت کرسکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ لاصلوٰۃ لجار المسجد الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۶

[2] سُنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[3] کنزالعمال، الباب الثالث فی ذکر الصحابہ حدیث (۳۲۵۲۹، ۳۲۵۲۸) مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/۵۴۰

الجواب:

(۱) جو مدرسہ خلافِ مذہب اہلسنت ہو اسکے طلباء کو امام نہیں بنا سکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) امام ایسا شخص کیا جائے جس کی طہارت صحیح ہو قراءت صحیح ہو سنّی صحیح العقیدہ ہو فاسق نہ ہو اس میں کوئی بات نفرت مقتدیان کی نہ ہو مسائلِ نماز و طہارت سے آگاہ ہو **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جو شخص شرائطِ مذکورہ کا جامع ہے اور وہ امام کیا جائے اگرچہ وہ اپنے آپ کو نااہل کہے، اور جو واقعی نااہل ہے وہ امام نہیں ہوسکتا اگرچہ سب کی رائے ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۷۹۸: مسئولہ مسلمانان شہر کہنہ روہیلی ٹولہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کُرتا اس طرح کا پہنا کرتا ہے جس کی آستینیں کہنیوں کے برابر بلکہ کچھ اونچی ہوتی ہیں یعنی کہنیاں کھلی رہتی ہیں ایسا کُرتا پہنے ہُوئے پر زید کو امام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں اور کوئی نقص اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تو نہیں آتا؟ زید کو اس قدر مقدور بھی ہے کہ وہ پوری آستینوں کے کُرتے بنوا کر پہن سکتا ہے اور امامت کرنے کے وقت انگرکھا وغیرہ نہیں پہنتا، علاوہ اس کے زید کو علم بھی اچھا ہے اور ہر ایک مسائل سے واقفیت رکھتا ہے۔

الجواب:

بیانِ مسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کُرتے ایسے ہی آدھے آستین کے بناتا ہے اور نماز کے وقت انگرکھا پہن سکتا ہے مگر نہیں پہنتا اور بازار کو انگرکھا پہن کر جاتا ہے، اس صورت میں زید کے پیچھے نماز اگرچہ ہو جاتی ہے مگر کراہت سے خالی نہیں فانہ اِذنْ من ثیاب مھنۃ والصلاۃ فیھا مکروھۃ (کیونکہ یہ اس کے کام کاج والے کپڑے ہوں گے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرنا مکروہ ہے۔ت) جب وہ ذی علم ہے اور اسے سمجھایا جائے کہ دربارِ الٰہی بازار سے زیادہ قابلِ تعظیم وتذلّل ہے **قال اللہ تعالٰی** **خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ**[1] **وقال ابن عمر اللہ احق تتزین لہ** (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جب تم نماز کے لئے مسجد میں جاؤ اپنی زینت اختیار کرو۔ اور حضرت ابن عمر نے فرمایا: اللہ تعالٰی سب سے زیادہ حقدار ہے کہ تو اس کی بارگاہ میں زینت اختیار کرے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۷۹۹ تا ۸۰۷: از قصبہ عمری ڈاک خانہ خاص ضلع مراد آباد مسئولہ غلام مصطفٰی اسرار الحق انصاری قادری ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت ہائے مفصلی ذیل میں کہ:

---

[1] القرآن ۷/ ۳۱

(۱) وہابی امام کے پیچھے اہلسنت وجماعت کی اقتداءِ نماز خواہ پنجگانہ یا تراویح یا جمعہ یا عیدین یا نوافل یا نماز جنازہ میں درست حکم ہے یا کیا حکم ہے؟

(۲) زید مولویانِ فرقہ وہابیہ دیوبند کو عالمِ دین سمجھتا ہے اور اُن کی تعظیم و تکریم بھی کرتا ہے لیکن خود عالم نہیں اب زید مذکور اہلسنت وجماعت کی امامت کر سکتا ہے یا نہیں اور اُس کی امامت سے نماز سنّی کی صحیح ہے یا کیا؟

(۳) زید فرقہ وہابیہ دیوبندیہ کو بُرا سمجھتا ہے اور کہتا ہے لیکن اُن کی امامت سے نماز بلا تکلف پڑھتا ہے اور عمرو سُنی حنفی ہے اور وہابیہ کے پیچھے نماز پڑھنے سے احتزار کرتا ہے بخیال نہ ہونے نماز جائز کے، لہٰذا زید مذکور کی امامت سے عمرو مذکور کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں اور کیوں؟

(۴) امامِ جمعہ وہابی عقائد کا ہے اور صرف ایک ہی مسجد میں جمعہ ہوتا ہے آیا سنّی اُس کی امامت میں نمازِ جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو کیا نمازِ ظہر ادا کرے؟

(۵) اگر امامِ جمعہ نمبران (۲) یا (۳) مذکورہ میں سے کوئی ہو تو اہل سنّت وجماعت اُس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں اور نماز صحیح ہوگی یا کیا۔ نیز نمازِ عیدین کے بارے میں ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

(۶) امام سنّی المذہب ہے اور چار مقتدی جن میں سے ایک سنّی کامل ہے باقی تین صور تہائے متذکرہ نمبر (۲) اور (۳) کے ہیں ایسی حالت میں جمعہ قائم کر سکتے ہیں یا نہیں؟

(۷) نمازِ مغرب یا کسی وقت کی بہ جماعت نماز ساتھ امام صور تہائے متذکرہ ان (۱) یا (۲) یا (۳) کے ہورہی ہے تو کیا سنّی المذہب شریک جماعت ہو سکتا ہے یا نہیں اور تنہا پڑھنے کی حالت میں نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

(۸) حافظ نابینا کی امامت جائز ہے یا نہیں نماز پنجگانہ یا تراویح میں بشرطیکہ سوائے اس کے اور کوئی حافظِ قرآن موجود نہیں ہے البتہ ناظرہ خواں چند ہیں؟

(۹) صورت ہائے مذکورۃ الصدر نمبران (۲) یا (۳) میں سے اگر امام ہو تو نماز تراویح ہیں اُس کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) وہابی کے پیچھے کوئی نماز فرض خواہ نفل کسی کی نہیں ہو سکتی نہ اُس کے پڑھنے سے نماز جنازہ ادا ہو اگرچہ نمازِ جنارہ میں جماعت و امامت شرط نہیں ولہٰذا اگر عورت امام اور مقتدی ہے نماز جنازہ کا فرض ادا ہو جائے گا کہ اگرچہ مقتدیوں کی اُس کے پیچھے نہ ہوئی خود اُس کی ہو گئی، اور اسی قدر فرض کفایہ کی ادا کافی ہے مگر وہابی تو نماز خود باطل ہے لانہ لا دین لہ ولا صلٰوۃ لن لا دین لہ (کیونکہ اس کا تو کوئی دین نہیں اور جس کا

دین نہیں اس کی نماز نہیں۔ت) نہ تو اُس کی اپنی ہو سکتی ہے نہ اُس کے پیچھے کسی کی اگرچہ اس کا ہم مذہب ہو یا اور کسی قسم بدمذہب ہو سنّی ہو تو سنّی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دیوبندیہ کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق فرمایا کہ وُہ مرتد ہیں۔اور شفائے قاضی عیاض وبزازیہ و مجمع الانہر ودُرمختار وغیرہا کے حوالے سے فرمایا **من شك فه كفره وعذابه فقد كفر**[1] (جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہوگیا۔ت)

جو اُن کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور ان کی حالت کفر وضلال اور ان کے کفری وملعون اقوال طشت از بام ہوگئے ہر شخص کہ نرا جنگلی نہ ہو اُن کی حالت سے آگاہ ہے پھر انہیں عالمِ دین جانے تو ضرور متہم ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل محض۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) ابھی گزرا کہ دیوبندیہ کے کافر ہونے میں جو شک کرے وُہ بھی کافر ہے صرف انھیں بُرا جاننا کافی نہیں تو جو انھیں قابل امامت سمجھتا ہے اُس کے پیچھے نماز بیشک باطل محض ہے فانہ منھم (کیونکہ وہ بھی انہی میں سے ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) اہلسنت پر فرض ہے کہ اپنا امام سنّی صحیح العقیدہ جمعہ وعیدین کے لئے مقرر کریں وہابی کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور شہروں میں جمعہ کا ترک حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) اس کا جواب انھیں نمبروں میں گزرا۔

(۶) ایسی صورت میں جمعہ قائم نہیں ہو سکتا کہ اس کے لئے امام کے سوا کم از کم تین مقتدی درکار ہیں اور یہاں ایک ہی ہے باقی تین نہیں اینٹ پتھر کی مورتیں ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۷) بارہا بتادیا گیا کہ انکے پیچھے نماز باطل اور خود ان کی نماز باطل وہ نماز ہی نہیں لغو حرکات ہیں مسلمان اُسی وقت اپنی جماعت قائم کریں اور جماعت نہ ملے تو اپنی تنہا پڑھے۔

(۸) نابینا کی امامت جائز ہے، ہاں اگر اُس سے افضل موجود ہو تو خلافِ اولٰی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۹) کتنی بار کہا جائے کہ کسی نماز میں اصلاً جائز نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۸۰۸: از شہر ڈونگر پور ملک میوڑا راجپوتانہ بر مکان جمعدار سکندر خان مسئولہ عبدالرؤف خان ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نجومی یا رمّال یا فال دیکھنے والا اُس پر اُجرت

---

[1] دُرمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

لینے والا ہو اور امامت کرتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

نجومی ورمّال قابلِ امامت نہیں، یونہی جھوٹے فالناموں والے، ہاں اگر جائز طور پر فال دیکھے اور نہ اس پر یقین کرے نہ یقین دلائے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۰۹: از شہر کہنہ مسئولہ سید ممتاز علی صاحب رضوی ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اہلسنت وجماعت کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعد انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام افضل البشر ہیں، زید وخالد دونوں اہل سادات ہیں، زید کہتا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت دیتا ہے اُس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ خالد کہتا ہے کہ میں علی الاعلان کہتا ہوں کہحضرت ابا بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فضیلت ہے اور ہر سید تفضیلیہ ہے اور تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ نہیں ہوتی بلکہ جو تفضیلیہ کے پیچھے نماز مکروہ بتائے خود اس کے پیچھے مکروہ ہوتی ہے۔

الجواب:

تمام اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ہے کہ صدیق اکبر وفاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے افضل ہیں، ائمہ دین کی تصریح ہے جو مولٰی علی کو اُن پر فضیلت دے مبتدع بدمذہب ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر وبحر الرائق وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے: **ان فضل علیا علیھما فمبتدع**[1] (اگر کوئی حضرت علیکو صدیق وفاروق، پر فضیلت دے تا ہے تو وہ بدعتی ہے۔ت) غنیہ وردالمحتار میں ہے: **الصلٰوۃ خلف المبتدع تکرہ بکل حال**[2] (بدمذہب کے پیچھے ہر حال میں مکروہ ہے) ارکانِ اربعہ میں ہے: **الصلوۃ خلفھم تکرہ کراھۃ شدیدۃ**[3] (ان یعنی تفضیلی شیعہ کی اقتداء میں نماز شدید مکروہ ہے۔ت) تفضیلیوں کے پیچھے نماز سخت مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الاقتداء باھل الھوائ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۹

ف: خلاصۃ الفتاوٰی میں ''ان فضل علیا علی غیرہ'' ہے۔

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۱۴

[3] رسائل الارکان فصل فی الجماعۃ مطبوعہ مطبع علوی انڈیا ص ۹۹

ف: عبارت مفہومًا منقول ہے لفظًا نہیں۔ الفاظ یوں ہیں: فیجوز خلفھم الصلٰوۃ لکن یکرہ کراھۃ شدیدۃ۔

مسئلہ نمبر ۸۱۰: شہر کہنہ محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ ننھے خاں ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دکاندار آدمی اُس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز چیز بیچنااور جائز طور بیچنا کچھ حرج نہیں رکھتا، نہ اُسکے سبب امامت میں کوئی خلل آئے، ہاں اگر ناجائز چیز بیچے یا مکروفریب کذب یا عقود فاسدہ مثل ربٰو وغیرہ کاارتکاب کرے توآپ بھی فاسق اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۱۱، ۸۱۲: ازصدر بازار بریلی مسئولہ نعمت اللہ خاں محرر پونڈ ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید اہل سنت وجماعت ہے زید کی نماز وہابی کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بکر وہابی اور زید اہلسنت وجماعت ہے، توبکر کی نماز زید کے پیچھے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سنّی کی نماز وہابی کے پیچھے نہیں ہوسکتی، امام محمد وامام ابویوسف وامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی: **ان الصلٰوۃ خلف اھل الھواء لاتجوز**[1] (اہل بدعت وبدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ت)

بلکہ وہابی کی نماز نہ کسی کے پیچھے ہوسکتی ہے نہ خود تنہا، وہابی کے پیچھے کسی کی نماز ہوسکتی ہے اگرچہ اس کا ہم مذہب ہو کہ صحتِ نماز کے لئے پہلی شرط اسلام ہےاور وہابیہ توہینِ خدااور رسول کے سبب اسلام سے خارج ہیں۔ فتاوٰی علمائے کرام حرمین شریفین میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیاوہ بھی کافر ہوگیا۔(ت)

مسئلہ نمبر ۸۱۳: از موضع برتاپور ضلع بریلی مسئولہ گلزار شاہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی ناخواندہ قطعًا ہیں اور اُن آدمیوں میں ایک آدمی کچھ خواندہ عربی کا ہے لیکن پیشہ فقیری کا ہےاُس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

فقیری کا پیشہ کہ تندرست ہوتے ہوئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں حرام ہےاور اس کی کمائی خبیث اور اُسے

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۶، حسام الحرمین علی منحرالکفروالمین مکتبہ نبویہ لاہور

امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ، اس میں سے کسی پرہیزگار جو سنّی صحیح العقیدہ ہو وضو غسل ٹھیک کرتا ہو نماز صحیح پڑھتا ہو امام بنائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۸۱۴: از ضلع سیونی چھپارہ محلّہ قاضی ممالک متوسط مسئولہ محمد ظہور الحسن صاحب ۲۳ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ مندرجہ ذیل حدیث شریف کو جھوٹا کہتے ہیں وہ یہ ہے:

عن عمرو بن سلمۃ قال لماکانت وقعۃ الفتح بادر کل قوم باسلامھم وبدرابی قومی باسلامھم فلما قدم قال جئتکم واللہ من عندالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حقا فقال صلوا صلاۃ کذا فی حین کذا وصلاۃ کذا فی حین کذافاذاحضرت الصلاۃ فلیؤذن احدکم ویؤمکم اکثرکم قرانا فنظر وافلم یکن احدا اکثر قرانا منی لما کنت اتلقی من الرکبان فقدمونی بین ایدیھم وانا ابن ست اوسبع سنین وکانت علی بردۃ کنت اذا سجدت تقصلت عنی فقالت امرأۃ من الحی الا تغطوا عنا است قارئکم فاشتروافقطعوا الی قمیصافمافرحت بشیئ فرحی بذلک القمیص[1] رواہ البخاری وفی روایۃ النسائی کنت اومھم وانا ابن ثمان سنین[2] وفی روایۃ لابی داؤد وانا ابن سبع سنین اوثمان سنین[3] وفی روایۃ لاحمد وابی داؤد فما شھدت مجمعا من جرم الاکنت امامھم الی یوم ھذا[4]۔	عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ جب مکّہ فتح ہوا تو ہر ایک قوم نے اسلام لانے میں جلدی کی اور میرے والد نے اپنی قوم سے اسلام لانے میں جلدی کی پس جب وہ آں حضرت صلی اللہ تعالٰی کی خدمت سے واپس آئے تو انھوں نے فرمایا واللہ میں تمہارے پاس اس سچّے نبی اور حق کے پاس سے آیا ہوں پس تم لوگ نماز ایسے ایسے وقت میں پڑھا کرو پس جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے ایک اذان کہے اور تم میں سے زیادہ قرآن پڑھا ہوا تمھاری امامت کرائے پس انھوں نے دیکھا تو مجھ سے زیادہ قرآن خواں کسی کو نہ پایا کیونکہ میں سواروں سے (جو ہمارے پاس سے گزرتے تھے) سیکھ لیا کرتا تھا انہوں نے مجھ کو اپنا امام بنالیا اور میں چھوٹا سات برس کالڑکا تھا اور مجھ پر ایک چادر ہوتی تھی جب میں سجدہ کرتا تھا تو وہ چادر مجھ سے سکڑ جاتی تھی پس قبیلہ کی ایک عورت نے کہا تم ہم سے اپنے قاری کے سرین نہیں ڈھانکتے پس انھوں نے کپڑا خریدا اور انھوں نے میرے لئے کُرتا بنایا پس میں جیسا اُس کپڑے سے خوش ہوا اور کسی چیز سے خوش نہیں ہوا بخاری ونسائی کی روایت بھی ہے کہ میں ان کی امامت کراتا تھا اور میں آٹھ برس کا تھا۔ اور ابی داؤد کی روایت میں زیادہ ہے کہ سات یا آٹھ برس کالڑکا تھا اور احمد

Majlis of Dawateislami

[1] صحیح بخاری کتاب المغازی ۲/ ۶۱۶

[2] سنن نسائی کتاب الامامۃ ۱/ ۹۱

[3] سنن ابوداؤد باب من احق بالامامۃ ۱/ ۸۶

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث عمرو بن سلمہ ۵/ ۷۱

اور ابوداؤد کی ایک روایت میں زیادہ ہے کہ میں جرم قبیلہ کے کسی مجمع میں نہیں حاضر ہوا مگر وہ آج کے دن تک وہاں مجھ کو امام بناتے ہیں۔اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچّہ نابالغ کی امامت جائز ہے اور امام حسن بصری اور اسحاق اور امام شافعی اور امام یحیٰی کا بھی مذہب ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بچے کی امامت کے منع میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں،اور کوئی شخص اس حدیث شریف کو جھوٹا کہے تو اس کے واسطے شریعت کی طرف سے کیا حکم ہے،اور ایک لڑکا ہے جو دیکھنے میں بالغ معلوم ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں بالغ ہوں اور بالغ کی علامت پائی جاتی ہے اور اُس کی عمر ۱۴برس کی ہے اور وہ قرآن شریف کو ٹھیک طور سے حروف کی ادائیگی کے ساتھ پڑھتا ہے لیکن بعض لوگ اس کو نابالغ کہتے ہیں اس کی بات کا یقین نہیں کرتے،دریافت طلب یہ بات ہے کہ وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ہر دو سوالوں کے جواب باصواب سے مشرف فرمایا جائے۔

الجواب:

چودہ برس کی عمر کا لڑکا جب کہے کہ میں بالغ ہوں اُس کا قول واجب القبول ہے اور اسے بالغ مانا جائے گا اور اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی جبکہ ظاہر حال اس کی تکذیب نہ کرتا ہو،اور نابالغ ہمارے ائمہ کے نزدیک بالغ کا امام نہیں ہوسکتا کہ وہ متنفل ہے یہ مفترض،اور نفل متضمن فرض نہیں ہوسکتا۔حدیث مذکور کو صحیح ہے اور جھوٹا کہنا جہل یا عناد،اور اس کے جوابات فتح القدیر وعینی شرح ہدایہ میں مذکور ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۱۵: از شہر محلّہ قراولان مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیاارشاد ہے شریعت مقدسہ کااس مسئلہ میں کہ زید بدمذہبوں کے یہاں علانیہ کھاتا ہے بدمذہبوں سے میل جول رکھتا ہے مگر خود سُنّی ہے اُس کے پیچھے نماز کیسی اور اسکے تراویح سننا کیسا ہے؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اس صورت میں وہ فاسق معلن ہے اور امامت کے لائق نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۱۶: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۲۴محرم ۱۳۳۹ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کااس مسئلہ میں کہ امامت کن کن شخصوں کی جائز ہے اور کن کن کی ناجائز اور مکروہ،اور سب سے بہتر امامت کس شخص کی ہے؟

الجواب:

جو قرات غلط پڑھتا ہو جس سے معنی مفسد ہوں وضو یا غسل صحیح نہ کرتا ہو یا ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو جیسے وہابی،رافضی،غیر مقلد،نیچری،قادیانی،چکڑالوی وغیرہم یا وہ جو ان میں سے کسی کے عقائد پر مطلع ہو کر اس کے

کفر میں شک کرے یا اسکے کافر کہنے میں تامل کرے اُن کے پیچھے نماز محض باطل ہے، اور جس کی گمراہی حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ : مولیٰ علی کو شیخین سے افضل بتاتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا تفسیقیہ کہ بعض صحابہ کرام مثل امیر معاویہ و عمرو بن عاص وابو موسٰی اشعری و مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز بکراہت شدیدہ تحریمیہ مکروہ ہے کہ انھیں امام بنانا حرام ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور جتنی پڑھی ہوں سب کا پھیرنا واجب ، اور انھیں کے قریب ہے فاسق معلن مثلاً داڑھی منڈا یا خشخاشی رکھنے والا یا کترواکر حدِ شرع سے کم کرنے والا یا کندھوں سے نیچے عورتوں کے سے بال رکھنے والا خصوصًا وہ جو چوٹی گُندھوائے اور اس میں موباف ڈالے یا ریشمی کپڑے یا مغرق ٹوپی یا ساڑھے چار ماشے زائد کی انگوٹھی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا ایک نگ کی دو۲ انگوٹھی اگرچہ مل کر ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی ہوں یا سُود خور یا ناچ دیکھنے والا اُن کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہے اور جو فاسق معلن نہیں یا قرآن میں وُہ غلطیاں کرتا ہے جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی یا نابینا یا جاہل یا غلام یا ولد الزنا یا خوبصورت امرد یا جذامی یا برص والا جس سے لوگ کراہت و نفرت کرتے ہوں اس قسم کے لوگوں کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی ہے کہ پڑھنی خلافِ اولیٰ اور پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں، اور اگر یہی قسم اخیر کے لوگ حاضرین میں سب سے زائد مسائلِ نماز و طہارت کا علم رکھتے ہوں تو انھیں کی امامت اولیٰ ہے. بخلاف ان سے پہلی دو قسم والوں سے کہ اگرچہ عالم متبحر ہو وہی حکم کراہت رکھتا ہے مگر جہاں جمعہ یا عیدین ایک ہی جگہ ہوتے ہوں اور ان کا امام بدعتی یا فاسق معلن ہے اور دوسرا امام نہ مل سکتا ہو وہاں ان کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھ لئے جائیں. بخلاف قسم اول مثل دیوبندی وغیرہم، نہ ان کی نماز نماز ہے نہ اُن کے پیچھے نماز نماز، الغرض وہی جمعہ یا عیدین کا امام ہو اور کوئی مسلمان امامت کے لئے نہ مل سکے تو جمعہ و عیدین کا ترک فرض ہے جمعہ کے بدلے ظہر پڑھیں اور عیدین کا کچھ عوض نہیں، امام اُسے کیا جائے جو سنّی العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القرأۃ مسائلِ نماز و طہارت کا عالم غیر فاسق ہو نہ اُس میں کوئی ایسا جسمانی یا روحانی عیب ہو جس سے لوگوں کو تنفر ہو یہ ہے اس مسئلہ کا اجمالی جواب اور تفصیل موجب تطویل واطناب **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ نمبر ۸۱۷: از ٹھریا موہن پور ضلع بریلی مسئولہ حافظ ابراہیم خاں ۲۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امامت کا مصلّی اگر در میں ڈالا جائے تو کون سے در میں ڈالا جائے اگر بائیں در میں ڈالا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سنّت یہ ہے کہ امام مسجد کے وسط میں کھڑا ہو، اگر مثلاً اندر کی مسجد چھوٹی ہو اور باہر کی مسجد جنوب یا شمال کی طرف زیادہ وسیع ہو تو جب اندر پڑھائیں اُس حصہ کے وسط میں امام کھڑا ہو اور جب باہر پڑھائیں تو اس حصہ کے وسط میں خواہ وہ کسی در کے مقابل ہو یا سب دروں سے باہر ہو جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۱۸: شہر کہنہ محلّہ لودھی ٹولہ مسئولہ حبیب اللہ خاں صاحب ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص جھوٹے مسئلے ظاہر کرے اُس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر قصداً جھوٹا فتوٰی دیا قابل امامت نہیں کہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا اور جہالت سے ایک آدھ بار فتوٰی میں دخل دیا اُسے سمجھایا جائے تائب ہو اور آئندہ باز رہے تو اس کی امامت میں حرج نہیں اور اگر عادی ہے اور نہیں چھوڑتا تو فاسق ہے اور لائقِ امامت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۱۹: از شہر محلّہ بھوڑ مسئولہ حشمت علی ۲۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہابیہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اہلسنت وجماعت کا زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جو وہابی کو وہابی جان کر اُس کے پیچھے نماز پڑھے اگر وہابی کو قابلِ امامت جانتا ہے خود وہابی ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل محض، ورنہ اپنی نماز کا باطل کرنے والا اور کم از کم فاسق معلن ہے۔ اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۸۲۰: بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خان صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈانے والے کو اوّل صف میں جماعت میں شریک ہونا چاہئے یا پچھلی صف میں۔ زید کہتا ہے کہ اس کی ممانعت کسی جگہ شرع میں نہیں ہے اور داڑھی منڈانے والا جماعت بھی پڑھا سکتا ہے کیونکہ نماز فاسق کے پیچھے بھی جائز ہے، اور یہ بھی تحریر فرمائیے گا کہ امام کی داڑھی کتنی بڑی ہونی چاہئے اور داڑھی منڈانے والے کی نماز میں تنہا پڑھنے میں کچھ فرق آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب:

داڑھی منڈانا فسق ہے اور فسق سے متلبس ہو کر بلاتوبہ نماز پڑھنا باعث کراہت نماز ہے جیسے ریشمی کپڑے پہن کر یا صرف پائجامہ پہن کر، اور داڑھی منڈانے والا فاسق معلن ہے، نماز ہو جانا بایں معنٰی ہے، کہ فرض ساقط ہو جائے گا ورنہ گنہگار ہوگا اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز مکرہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، باقی اگر وُہ صف اول میں آئے تو اسے ہٹانے کا حکم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۲۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو شخص تارک الجماعۃ بھی ہو اور نماز پنجوقتہ پڑھانے کی اُجرت یا تنخواہ بطور چندہ مسلمانوں سے طلب کرے اُس کے پیچھے نماز جمعہ جائز ہے یا نہیں، اور وہ قبر کی

نوکری بھی کرتا ہے۔

الجواب:

بیانِ سائل سے واضح ہوا کہ یہ شخص باوصفِ قدرت اصلاً جماعت میں نہیں آتا اور اپنا آنا اس شرط پر مشروط کرتا ہے کہ مجھے تنخواہ دو تو امامت کروں، اور قبر پر قرآن مجید پڑھنے کی نوکری کیا کرتا ہے، تلاوت قرآن مجید کی نوکری تو ناجائز حرام ہے **کما حققه العلامة الشامی فی اجارة ردالمحتار** (جیسا کہ علّامہ شامی نے ردالمحتار کے باب الاجارہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور امامت کی نوکری اگرچہ اب جائز ہے کما صرح بہ فی المتون (جیسا کہ متون میں اس پر تصریح ہے۔ت) مگر اس طرح کہ نوکری نہ ہو جماعت ہی کو نہ آئے ایسا تارک جماعت باوصف قدرت بیشک فاسق مردود الشہادۃ ہے **نص علیه العلماء الکبار وشهدت بها الحدیث والاثار** (اس پر اکابر علما نے تصریح کی اور احادیث وآثار اس پر شاہد ہیں۔ت) اُس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام ہے **کما حققه المولی المحقق ابراهیم الحلبی فی الغنیة شرح المنیة** (جیسا کہ فاضل محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ شرح منیہ میں تحقیق کی ہے۔ت) جہاں کہ جمعہ متعدد مساجد میں ہوتا ہے نمازِ جمعہ بھی ہرگز نہ پڑھی جائے، **لانه بسبیل من التحول**[1] **کما فی فتح القدیر و غیرہ** (کیونکہ وہاں سے منتقل ہونا ممکن ہے۔ فتح القدیر میں ایسا ہی ہے۔ت) ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے **کما افادہ فی فتاوی الحجة** (جیسا کہ فتاوی الحجہ سے مستفاد ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۸۲۲: از پیلی بھیت محلّہ بھینسا بھاڑ مکان عبدالکریم صاحب رنگریز مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں ایک شخص کو قطرہ کا عارضہ ہے مگر ہر وقت نہیں آتا جس وقت پیشاب پھرتا ہے اس کے بعد میں برابر آتا رہتا ہے اور ڈھیلے سے استنجا نہیں سوکھتا مگر پانی سے استنجا کرکے نصف گھنٹہ لنگوٹ باندھ لیتا ہے سوکھ جاتا ہے پھر جب تک پیشاب نہیں پھرتا ہے نہیں آتا ہے مگر کبھی دوسرے تیسرے دن پیشاب پھرے، غیر وقت بھی آجاتا ہے، ہر روز نہیں آتا ہے ایسے شخص کے پیچھے فرض پڑھنا درست ہے یا نہیں اور یہ شخص حافظِ قرآن بھی ہے اس کے پیچھے تراویح بھی درست ہے یا نہیں۔

الجواب:

اس کے پیچھے فرض وتراویح وغیرہا سب درست ہیں۔ درمختار میں ہے:

یجب ردعذره او تقلیله بقدر قدرته	معذور پر عذر کا روکنا یا کم کردینا اس کی اپنی قدرت

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

ولو بصلاتہ مؤمئًا وبردہ لایبقی ذاعذر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کے مطابق واجب ہے خواہ اشارہ کرکے نماز پڑھنے سے عذر موقوف ہوسکے، عذر ہٹانے کی صورت میں وہ شخص معذور نہ رہے گا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۲۳: کیافرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ امام مصلّی پر کھڑا ہو اور مقتدی بغیر مصلّے یعنی فقط صحن میں کھڑا ہو اس صورت میں نماز مکروہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز میں کچھ کراہت نہیں کہ حدیث وفقہ میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ امام کی تعظیم شرعًا ممنوع ہے نہ یہ انفراد علی الدکان کی قبیل سے ہے، بحرالرائق میں ہے: الکراھۃ لابدلھا من دلیل خاص[2] (کراہت کے لئے مستقل دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ت) منح الغفار میں ہے: بمثل ھذالاتثبت الکراھۃ اذلا بدلھا من دلیل خاص[3]۔ (اس طرح کی چیز سے کراہت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے مستقل دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ت) البتہ اگر امام براہ تکبر واستعلا ایسا امتیاز چاہے تو اُس کی یہ نیّت سخت گناہ وحرام وکبیرہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾[4]۔ اعاذنا اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بمنہ وکمال کرمہ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کیا متکبرین کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟ (ت) اللہ تعالٰی اپنے فضل وکرم کے ذریعے اس سے ہم سب کو پناہ عطا فرمائے۔ آمین (ت)

مسئلہ نمبر ۸۲۴ تا ۸۲۶: از قصبہ سرواڑ علاقہ کشن گڑھ متصل اجمیر ہوشیاروں کی مسجد مسئولہ جناب قاضی اکبر صاحب ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) غیر مقلدین کے پیچھے ہماری نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) غیر مقلدین کو ہماری مقلدین کی مسجد میں آنے دینا درست ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار، باب الحیض، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/ ۵۳

[2] بحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۳

[3] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۴

[4] القرآن ۳۹/ ۶۰

(۳) جس کسی محلّہ کی مسجد میں محلّہ دارانِ حنفیّہ نے متفق ہو کر اپنے محلّہ کی مسجد میں ایک تو مؤذن اور ایک پیش امام مقرر کر رکھا ہو اور نماز کے وقت مؤذن کی راہ دیکھتا ہے کہ وقت ہو جائے تو اذان کہے اور پیش امام مذکور باوضو مسجد مذکور میں یا خاص مصلّے پر بیٹھا ہُوا ہو اس حالت میں بلا رضامندی پیش امام مقررہ کے دوسرا کوئی مسجد مذکور میں اسی محلّہ کا یا دوسرے محلّہ کا یا دوسرے گاؤں کا اذان دے یا نماز پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں، اگر بلا رضامندی اذان دینا یا نماز پڑھنا مقرر کے سوائے ناجائز ہو اور محلّہ داران مذکور منع کرتے ہوں اور وُہ نہ مانے تو شرع شریف سے اُن کے لئے کیا حکم ؟ فقط

الجواب:

(۱) ان کے پیچھے نماز محض باطل ہے جیسے کسی یہودی کے پیچھے، فتح القدیر میں ہے:

ان الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اہل بدعت و بدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز میں اُن کا کوئی حق نہیں، ان کی نماز نماز ہی نہیں، تو مسجد میں اُنھیں آنے کا حق نہیں اور ان کے آنے سے فتنہ ہوتا ہے اور فتنہ کا بند کرنا فرض ہے اور وہ قصداً مسلمانوں کو ایذا دیتے ہیں کم از کم اپنی آمین بالجہر کی آوازوں سے جو قصداً اعتدال سے بھی زائد نکالتے ہیں اور موذی کو مسجد سے روکے جانے کا حکم ہے۔ درمختار میں ہے:

یمنع منه وکذا کل موذ ولو بلسانه [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ایسے شخص کو دخولِ مسجد سے منع کیا جائے اور اسی طرح ہر تکلیف دینے والے کو منع کیا جائے گا اگرچہ وہ زبان ہی سے ایذا دے۔ (ت)

(۳) امام معیّن موجود و حاضر ہے تو بے اس کی مرضی کے دوسرا زبردستی بلاوجہ شرعی امام بن جانا ناجائز و گناہ ہے۔ حدیث میں فرمایا:

الالایؤمن الرجل فی سلطانه الا باذنه [3]۔	کوئی آدمی سلطان اور حاکم (مراد صاحبِ تصرف ہے صاحب خانہ ہو یا صاحب مجلس یا امام مسجد کوئی بھی ہو) کی اجازت کے بغیر امامت نہ کروائے۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] دُرمختار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[3] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۶

اور مؤذن مقرر کئے ہوئے کے خلاف مرضی بلاوجہ شرعی اذان دینا اس کے حق میں ناحق دست اندازی، اور نفرت دلانا ہے اور صحیح حدیث میں اس سے منع فرمایا **بشروا ولا تنفروا**[1] (لوگوں کو خوش کرو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ت) ایسے لوگ مفسد ہیں اگر نہ مانیں تو مسجد سے باہر کر دینے کا حکم ہے، ہاں اگر امام ناقابلِ امامت ہے مثلاً غلط خواں یا وہابی وغیرہ تو نہ وہ امام ہے نہ اُسکا پڑھانا امامت۔ یونہی اگر موذن ایسی حالت پر جس کی اذان کے لئے شرعاً حکم اعادہ ہے تو ایسوں کو اذان وامامت سے باز رکھنا بجا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۲۷: از شہر جامع مسجد مولوی محمد افضل صاحب

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شخص امام راخوب نمی داند باعتقاد خودو درخانہ نماز میگذارد روا ہست یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص اپنے عقائد کے مطابق امام کو اچھا نہیں سمجھتا اور نماز گھر میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر فی الواقع امام بدمذہب یافاسق معلن یافاسق القراۃ است وتبدیلش نتواند نہ جماعت دیگر درمسجد می تواں کرد آنگاہ بخانہ بااہل خود اقامت جماعت باید کرد یا تنہا گزارد اگر دیگرے ندارد۔	اگر واقعی امام بدمذہب یافاسق معلن یا فاسق القراۃ ہو اور اس کو تبدیل نہ کرسکتا ہو، نہ مسجد میں دوسری جماعت کرواسکتا ہو تو اس صورت میں گھر میں اپنے اہل کے ساتھ جماعت قائم رکے یا تنہا ادا کرے اگر کوئی دوسرا گھر نہ ہو۔(ت)

مسئلہ نمبر ۸۲۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی عمامہ باندھے ہوں اور امام فقط ٹوپی پہنے تو مکروہ ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس میں شک نہیں کہ نماز عمامہ کے ساتھ نماز بے عمامہ سے افضل کہ وُہ اسباب تجمل سے ہی اور یہاں تجمل محبوب اور مقام ادب کے مناسب اس لئے تلاوت قرآن کے وقت تعمم مندوب ہوا **کما فی فتاوی قاضیخاں** (جیساکہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ت) اور نماز میں کہ گویہ دربار عظیم الشان حضرت **ملك السمٰوٰت والارض جل جلا لہ** کی حاضری ہے رعایتِ آداب بہ نسبت تلاوت کے اہم اور امام کہ سردار مطاعِ قوم ہے اُس کے ساتھ احق والیق، لہٰذا نظافتِ ثوب وپاکیزگی لباس وجوہ تقدیم استحقاقِ امامت سے قرار پائی **کما فی الدرالمختار** (جیساکہ دُرمختار میں ہے۔ت) مگر بااینہمہ صورت مستفسرہ میں صرف ترک اولٰی

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسروا الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۴

ہوا تو اُس سے کراہت لازم نہیں آتی تاوقتیکہ اس کا ثبوت کسی خاص دلیل شرعی سے نہ ہو ورنہ نمازِ چاشت واشراق وغیرہما ہر مستحب کاترک مکروہ ٹھہرے اور یہ صحیح نہیں، حاشیہ شامیہ میں بحر الرائق سے نقل کیا:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ اذ لابدلھا من دلیل خاص ، وفیھا عن تحریر الاصول ،خلاف اولی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترك صلاۃ الضحٰی بخلاف المکروہ تنزیھا [1] انتھی وتمامہ فیھا۔	ترک مستحب سے ثبوت کراہت لازم نہیں آتا اس کے لئے خاص اور مستقل دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسی میں تحریر الاصول کے حوالے سے ہے، خلافِ اولٰی یہ ہے کہ جس میں صیغہ نہی نہ ہو مثلاً نمازِ چاشت کاترک کرنا بخلاف مکروہ تنزیہی کے اھ اس کی پوری تفصیل وہاں ملاحظہ کیجئے۔(ت)

بالجملہ جب تک اس بارہ میں نہی ثابت نہ ہوگی کراہت مانی جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ نمبر ۸۲۹: از سرکار مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ درگاہ کلاں مسئولہ حضرت صاحبزادہ والامرتبت بالامنقبت حضرت سیّد شاہ محمد میاں صاحب زید مجدہم ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۰ھ

جامع کمالات منبع برکات مولٰنا المعظم زادت برکاتہم، پس از سلام مسنون عارض ہوں فساق کی امامت علی المذہب مفتی بہ مکروہ تحریمی قابلِ اعادہ یا مکروہِ تنزیہی یا کچھ تفصیل، اگر فساق کی امامت سے صلحا بھی اور فساق دونوں نمازیں پڑھیں بر تقدیر اعادہ صرف صلحا کے لئے نماز مکروہ تحریمی قابلِ اعادہ ہے یا صلحا و فساق دونوں کے لئے، اور صلحا اگر منع فساق عن الامامۃ سے عاجز ہوں تو صلوٰتِ خمسہ بے جماعت پڑھنا یا فساق کی امامت سے پڑھنا اولٰی، درمختار میں ہے کہ فساق واعمی وعبد وولدالزنا وغیرہ کی امامت تب مکروہ ہے جب دوسرے ان سے اچھے موجود ہوں ورنہ نہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو لوگ مکروہ کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہی حکم ہے یا کچھ اور؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

امامتِ فساق کی نسبت علما کے دونوں قول ہیں کراہت تنزیہی کما فی الدر اور کراہت تحریمی کما فی الغنیۃ وفتاوی الحجۃ والتبیین وابی السعود والطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا، اور ان میں توفیق یہ ہے کہ فاسق غیر معلن کے پیچھے مکروہ تنزیہی اور معلن کے پیچھے تحریمی، مبتدع کی بدعت اگر حدِ کفر کو پہنچی ہو اگر عند الفقہا یعنی منکرِ قطعیات ہو اگرچہ منکرِ ضروریات نہ ہو، تو صحیح یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے کما فی فتح القدیر

[1] ردالمحتار مطلب ترک المندوب ھل تکرہ تنزیہا الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۱

ومفتاح السعادۃ والغیاثیۃ وغیرہا (فتح القدیر، مفتاح السعادۃ اور غیاثیہ وغیرہ میں اسی طرح ہے۔ت) کہ وہی احتیاط جو متکلمین کو اُس کی تکفیر سے باز رکھے گی اُس کے پیچھے نماز کے فساد کا حکم دے گی فان الصلاۃ اذا صحت من وجوہ وفسدت من وجہ حکم بفسادھا[1] (نماز جب کئی وجوہات کی بنا پر صحیح مگر ایک وجہ سے فاسد ہو تو اس کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ت) ورنہ مکروہ تحریمی، جن صورتوں میں کراہت تحریم کا حکم ہے صلحاء وفساق سب پر اعادہ واجب ہے، جب مبتدع یا فاسق معلن کے سوا کوئی امام نہ مل سکے تو منفرداً پڑھیں کہ جماعت واجب ہے اور اس کی تقدیم بکراہت تحریم اور واجب ومکروہ تحریم دونوں ایک مرتبہ میں ہیں ودرء المفاسد اھم من جلب المصالح[2] (مفاسد کا دُور کرنا مصالح کے حصول سے اہم اور ضروری ہوتا ہے۔ت) ہاں اگر جمعہ میں دوسرا امام نہ مل سکے تو جمعہ پڑھیں کہ وُہ فرض ہے اور فرض اہم۔

اسی طرح اگر اُس کے پیچھے نہ پڑھنے میں فتنہ ہو تو پڑھیں اور اعادہ کریں کہ اَلْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ[3] (فتنہ قتل سے بڑی برائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۳۰: ۱۲صفر ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر استاد وہابی ہو تو شاگرد اُس کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہابی کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ اپنا استاد ہو بلکہ اُسے استاد بنانا ہی اُس کے حق میں زہر قاتل سے بدتر ہے فوراً پرہیز کرے کہ صحبت بدآدمی کو بد بنا دیتی ہے نہ کہ بد کی تعلیم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اُن سے دُور بھاگو اور اُن کو اپنے سے دُور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

مسئلہ نمبر ۸۳۱: از فیض آباد ڈاک خانہ شہزاد پور مرسلہ عبداللہ طالب العلم ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ آیا زانی کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں، کیونکہ اس مسئلہ میں بہت جھگڑا پیدا ہے یہاں تک حالت گزر گئی کہ نماز جماعت میں تفرق ہوگیا ہے حدیث اور کتاب کی سند ہونا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زانی فاسق اور فاسق معلن کے پیچھے نماز منع ہے اُسے امام بنانا گناہ ہے اُس کے پیچھے جو نمازیں

---

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ المسافر، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴

[2] الاشباہ والنظائر الخامسۃ درء المفاسد اولٰی من جلب المصالح مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۱/ ۱۲۵

[3] القرآن ۲/ ۲۱۷

[4] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۰

پڑھی ہوں اُن کا پھیرنا واجب ہے، ردالمحتار میں ہے:

مشی فی شرح المنیة علی ان کراھة تقدیمه (یعنی الفاسق) کراھة تحریم[1]۔	شرح منیہ میں ہے کہ فاسق کی تقدیم (یعنی اس کو امام بنانا) کراہتِ تحریمی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کل صلاة ادیت مع کراھة التحریم تجب اعادتھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر وُہ نماز جو کراہتِ تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔(ت)

مسئلہ نمبر ۸۳۲: ازکاسگنج ضلع ایٹہ محلّہ نواب مرسلہ عباداللہ صاحب ویکسینیٹر ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بزعم امامت نماز فرض پنجگانہ ونماز جمعہ بجماعت کثیر معمولی جُوتا جوہر وقت پہنا کرتا ہے پہن کر پڑھاتا ہے وقتِ اعتراض بکر کو ترجمہ حدیث مشکوٰۃ شریف دکھاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے الدوام پڑھی ہے چونکہ یہاں نہ کوئی ذخیرہ کتبِ دینیہ ہے جو دیکھ کر اطمینان کرایا جائے اور نہ کوئی عالم ہے جس کے ذریعہ سے پایہ ثبوت کو پہنچیں لہٰذا آپ سے التجا کی جاتی ہے کہ براہ نوازش عالمانہ آپ مع حوالہ کتاب وباب وصفحہ وسطر حسبِ قاعدہ مرحمت فرمایئے۔

الجواب:

تعظیم وتوہین کامدار عرف پر ہے عرب میں باپ کو کاف اور انت سے خطاب کرتے ہیں جس کا ترجمہ "تو" ہے اور یہاں باپ کو "تو" کہے بیشک بے ادب گستاخ اور اس آیہ کریمہ کا مخالف ہے فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾[3] (ماں باپ کو ہُوں نہ کہہ نہ جھڑک اور ان سے عزّت کی بات کہہ) صدہا سال سے عرف عام ہے کہ استعمالی جوتے پہن کر مسجد میں جانے کو بے ادبی سمجھتے ہیں ائمہ دین نے اُس کے بے ادبی ہونے کی تصریح فرمائی، امام برہان الملّۃ والدّین صاحب ہدایہ کی کتاب التجنیس والمزید اور محقق بحر زین ابن نجیم کی بحر الرائق اور فتاوٰی سراجیہ اور عالمگیریہ جلد پنجم ص ۱۲۲ کتاب الکراہۃ باب خامس میں ہے: دخول المسجد متنعلا مکروہ[4] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ت) آج اگر کسی نواب کے دربار

---

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[2] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

[3] القرآن ۱۷/ ۲۳

[4] فتاوٰی ہندیۃ باب فی آداب المسجد والقبلۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۱

میں آدمی جُوتا پہنے جائے تو بے ادب ٹھہرے، نماز اللہ واحد قہار کا دربار ہے، مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلنا اور اُن میں فتنہ وفساد پیدا کرنا اور انھیں نفرت دلانا قرآنِ عظیم واحادیث صحیحہ کے نصوص قاطعہ سے حرام اور سخت حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۳۳: از ترپول سولول ڈاکخانہ ہرول ضلع در بھنگہ بلگر چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

اگر کسی مسلمان کا بستی سے باہر دوسرے محلّہ میں مکان ہو اور وُہ امام بھی ہو اور کبھی پنجوقتی نماز میں دھوکے سے آکر نماز پڑھے اور امامت کرے اور وہ ہمیشہ اپنے محلّہ میں موجود رہتا ہے اور اپنی نماز پنجوقتی اور امامت کا خیال نہیں کرتا ہے اور مسجد میں ایک ہفتہ میں جمعہ کی نماز پڑھانے کے واسطے آیا کرتا ہے اور ہمیشہ امامت کا جستجو (فخر) رکھتا ہے کہ ہم امام ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور اس امام کی شرکت کرنے والے جو لوگ ہیں اُن کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس شخص کو جمعہ کا امام مقرر کیا ہے وہ اگر فقط جمعہ ہی کو آکر امامت کرتا ہے یا اور بھی کبھی کبھی آجاتا ہے یا نہیں آتا اور اپنے محلّہ میں نماز باجماعت پابندی سے پڑھتا ہے تو اُس پر کوئی الزام نہیں، نہ اُس کے شریکوں پر کوئی الزام ہے اور وہ ضرور جمعہ کا امام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۳۴: از شہر فراشی محلّہ مسئولہ اہلِ محلّہ معرفت ہدایت اللہ نجار ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہ جس کی نسبت تفضیلیہ ہونا کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طوائفوں کے ساتھ علانیہ خلافِ شرع راہ ورسم وغیرہ رکھتا ہے نیز جسکے سر کے بال بھی مثل عورتوں کے شانوں سے نیچے لٹکتے ہوں وہ کسی جائے نماز پر بلا اجازت موقع کے پیش امام کے اگر نمازِ جمعہ ادا کرنے کی غرض سے بحیثیت امام بن کر نمازِ جمعہ ادا کرکے مع اپنے ہمراہیوں کے چلا جائے بعد اس کے باقی انبوہ اسی موقع اور جگہ پر وہیں مجوز امام کی تقلید سے اس کے پیچھے دوسری بار نمازِ جمعہ ادا کریں تو ایسی صورت میں پہلے امام کی نماز جو اس نے ادا کی ہے جائز ہے یا دوسرے امام کی یا دونوں نہ ہوئیں۔

الجواب:

مسلمانو! نماز حکم شرعی ہے احکامِ شرع کے مطابق ہی ہوسکتی ہے کوئی خانگی معاملہ نہیں کہ جس نے جب چاہا کرلیا، حکمِ شرعی یہ ہے کہ اقامتِ جمعہ کے لئے سلطانِ اسلام یا اُس کا نائب یا اُس کا ماذون شرط ہے اور جہاں سلطانِ اسلام نہ ہو عالم دین فقیہ معتمد اعلم اہلِ بلد کے اذن سے امامِ جمعہ وعیدین مقرر ہوسکتا ہے اور جہاں یہ بھی نہ ہو

وبمجبوری جسے وہاں کے عامہ مسلمین انتخاب کرلیں وُہ امامت جمعہ یا عیدین کرسکتا ہے ہر شخص کو اختیار نہیں کہ بطورِ خود یا ایک دو یا دس بیس یا سو پچاس کے کہے سے امامِ جمعہ یا عیدین بن جائے ایسا شخص اگرچہ اس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل میں بھی فسق وفجور نہ ہو جب بھی امامتِ جمعہ وعیدین نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز اُس کے پیچھے باطل محض ہوگی کہ اُن تین طریقوں میں سے ایک وجہ کا امام یہاں شرطِ صحت نماز تھا جب شرط مفقود مشروط مفقود ولہذا صورتِ مسئولہ میں پہلے لوگوں کا جمعہ باطل محض ہوا اور دوسرے لوگوں کا صحیح۔ دُرمختار میں ہے:

یشترط لصحتها السلطان او ماموره باقامتها[1]۔	جمعہ کی صحت کے لئے سلطان یا اس شخص کا ہونا جس کو سلطان نے اقامتِ جمعہ کی اجازت دی ہو ضروری ہے (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم ویصیرون ولاة فاذاعسر جمعهم علی واحداستقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم[2]۔	جب زمانہ کامل سلطان سے خالی ہو جائے تو معاملات علماء کے سپرد ہوں گے اور امّت پر علماء کی طرف رجوع لازم ہوگا اور علماء والی بن جائیں گے اور جب علماء کا کسی ایک معاملہ پر اجماع واتفاق مشکل ہوجائے تو لوگ اپنے اپنے علاقے کے علماء کی اتباع کریں، اگر علاقے کے علماء کی کثرت ہو تو پھر ان میں سے بڑے عالم کی اتباع کریں (ت)

تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

(نصب العامة) الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	(عام لوگوں کا مقرر کرنا) خطیب کو معتبر نہیں جبکہ مذکورہ لوگوں میں سے کوئی ایک موجود ہو۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۸۳۵: ازکانپور پرتھی ناتھ اسکول مسئولہ قاضی محمد شمس الدین ۲۱صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے بریلی اس بارہ میں کہ اگر کوئی شخص حنفی المذہب وکرامات اولیاء اللہ کا قائل، علمِ دین وفنِ تجوید سے بہرہ ور حالت پیری میں نابینا ہوگیا ہو تو اُس کی امامت کیسی ہے، شرح وقایہ جلد اول، **باب الجمعہ** صفحہ ۲۴۲ میں مرقوم ہے کہ:

---

[1] دُرمختار، باب الجمعۃ، مطبوعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۹

[2] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[3] دُرِمختار شرح تنویر الابصار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۰

من صلح اماما فی غیرھا (فی غیر صلٰوۃ الجمعۃ) صلح فیھا ای ان ام المسافر او العبد فی الجمعۃ صحت[1] الخ	جو اس (نماز جمعہ کے علاوہ) امام بننے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ اس میں بھی امام بن سکتا ہے، یعنی اگر مسافر، مریض یا غلام نے جمعہ کی امامت کرائی تو جمعہ صحیح ہوگا الخ (ت)

کیااس عبارت مختصر مختصر وقایہ وشرح وقایہ سے یہ تنقید مترشح ہوتی ہے کہ جو نابینا متصف بہمہ اوصاف مذکورہ بالا ہو اُس کے امام بننے سے مقتدیوں کی نماز نہیں ہوتی، نسخہ بحر الرائق جلد اول ص ۳۶۹ کی عبارت صاف دال ہے کہ ابن ام مکتوم جو نابینا تھے امام بنائے گئے تھے بحوالہ کتب مرحمت فرمائیے۔

الجواب:

نابینا سنّی صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القرأۃ بلاشبہہ امام ہوسکتا ہے صرف اس کا "غیر" اولٰی ہے کہ اگر یہ اُس سے مسائلِ نماز وطہارت میں علم زیادہ نہ رکھتا ہو ورنہ یہی اولٰی ہے کما فی الدر[2] وغیرہ (جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں نابینا کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ت) عبارت مذکورہ سوال کو امامت نابینا کی نفی سے کوئی تعلق نہیں، ہاں جمعہ وعیدین میں بینا ہو یا نابینا وہی شخص امام ہوسکتا ہے جو خود ۱سلطانِ اسلام ہو یا ۲اُس کا ماذون یا ۳وہاں کا اعلم اہل بلد یا ۴اس کا ماذون ہو ورنہ بضرورت ۵جسے عام مسلمانوں نے ان نمازوں میں امام مقرر کیا نابینا اگر ان پانچ میں سے ہے تو جمعہ وعیدین اس کے پیچھے ہوسکیں گے اور بینا اگر ان میں سے نہیں تو اُس کے پیچھے نہ ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۸۳۶: ازبشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی رضاخان صاحب ۴رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید قوم سادات سے ہے اور امامت بھی کرتا ہے وہابیہ اور سنّی عالم کو یکساں سمجھتا ہے، مسئلہ علمِ غیب کا جب ذکر آتا ہے جواب میں کہتا ہے یہ مسئلہ جدید نہیں ہے قدیم سے اسی طرح جھگڑا ہوتا چلا آیا ہے اور عالم باہمی تقریر اور حجت کرتے چلے آئے ہیں اس مسئلہ کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور سائل ایک مفتی سنّی عالم کے جو کہ واجبات سنّت و مستحب سے تعلق رکھتے ہیں اُن کے بارے میں کہتا ہے کہ کرے تو ثواب ہے نہ کرے تو حرج نہیں اور خلاف کمیٹی جو علمائے وہابیہ کررہے ہیں اُن کی امداد پہنچانے کی غرض سے نہایت کوشش سے چندہ فراہم کرکے پہنچاتا ہے اور جب یہ کہا جاتا ہے کہ سنّی عالم انکار کرتے ہیں تو جواب میں کہتا ہے کہ ہم کس کا منہ پکڑیں لوگ تو سنّی عالموں کو طرفدارِ انگریز وملازم کہتے ہیں عمرو ایک سنّی مفتی عالم کا مرید ہے۔

---

[1] شرح وقایہ باب الجمعہ مطبوعہ المکتبۃ الرشید دہلی ۱/ ۲۴۲

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

زید کی ان باتوں سے متنفر ہو کر نمازِ جمعہ ترک کرکے ظہر پڑھتا ہے آیا اس صورت میں زید قابلِ امامت ہے یا نہیں، معتبر کتب سے ثبوت ہونا چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص وہابیہ اور اہلسنّت علماء کو یکساں سمجھتا ہے اسی قدر بات اُس کے خارج از اسلام ہونے کو بہت ہے اُس کے پیچھے نماز باطل ہے جیسے کسی ہندو یا نصرانی کے پیچھے۔ جمعہ اگر اور جگہ نہ مل سکے نہ اُسے امامت سے جُدا کرسکے تو فرض ہے کہ ظہر پڑھے اُس کے پیچھے جمعہ پڑھے گا تو سخت شدید وکبیر گناہ کرے گا اگرچہ بعد کو ظُہر بھی پڑھ لے اور اگر نہ پڑھے تو جمعہ ہوگا نہ ظہر، فرض سر پر رہ جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رضی الله تعالٰی عنهم ان الصلاة خلف اهل الاهواء لاتجوز[1] **۔والله تعالٰی اعلم**	امام محمد نے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ اہلِ بدعت وبدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۸۳۷: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ جناب سیّد ظہور حیدر میاں صاحب ۴ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ہمیشہ ہمیشہ بوجہ کثرتِ احتلام یا کسی اور مرض جسمی کے بجائے غسل تیمّم سے نماز ادا کرتا ہے امامت کرنا اس کو تیمّم سے بمقابلہ اور مقتدیوں کے جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

کثرتِ احتلام تو خود کوئی وجہ جواز تیمّم کی نہیں جب تک نہانے سے مضرت نہ ہو بے صحیح اندیشہ مضرت کے تیمّم سے پڑھے تو اس کی خود نماز نہ ہوگی دوسرے کی اُس کے پیچھے کیا ہو، ہاں جسے بالفعل ایسا مرض موجود ہو جس میں نہانا نقصان دے گا یا نہانے میں کسی مرض کے پیدا ہوجانے کا خوف ہے اور یہ نقصان وخوف تو اپنے تجربے سے معلوم ہوں یا طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے بتائے سے، تو اُس وقت اُسے تیمّم سے نماز جائز ہوگی اور اب اس کے پیچھے سب مقتدیوں کی نماز صحیح ہے، غرض امام کا تیمّم اور مقتدیوں کا پانی سے طہارت سے ہونا صحت امامت میں خلل انداز نہیں، ہاں امام نے تیمّم ہی بے اجازت شرع کیا ہو تو آپ ہی نہ اس کی ہوگی نہ اُس کے پیچھے اوروں کی۔ تنویر میں ہے: **صح اقتداء متوضیئ بمتیمم**[2] (وضو والے کی اقتداء تیمّم والے کے ساتھ صحیح ہے۔ت) بحر الرائق

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۵

میں ہے:

ترجیح المذہب بفعل عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ حین صلی بقومہ بالتیمم لخوف البرد من غسل الجنابۃ وھم متوضئون ولم یأمرھم علیہ الصلٰوۃ والسلام بالاعادۃ حین علم[1]۔	حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل اس مذہب کی ترجیح کا سبب ہے کہ انہوں نے سردی کی وجہ سے غسل جنابت کی جگہ تیمّم کرکے اپنی قوم کی امامت کی حالانکہ لوگوں نے وضو کیا ہوا تھا۔اور جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں یہ معاملہ پیش ہوا تو آپ نے نماز لوٹانے کا حکم نہیں فرمایا(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۳۸: ۲۷ شوال ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک امام فقط نمازِ جمعہ پڑھاتا ہے دیگر اوقات پنجگانہ نماز میں کبھی امامت نہیں کرتا اور اس امامتِ جمعہ کے عوض میں سال بھر کے بعد رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اور نیز عیدین کی نماز کے بعد اجرت امامت جمعہ وامامت عیدین مصلیین سے طلب کرتا ہے یہ اُجرت اُس کو حلال ہے یا حرام، اور باوجود منع بھی اخذ اُجرت سے باز نہیں آتا ایسے شخص کے پیچھے نمازِ جمعہ وعیدین مکروہ ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اُجرت امامت اگر اس شخص سے قرار پا گئی ہے کہ فی جمعہ یا ماہوار یا سالانہ اس قدر دیں گے یا خاص اس سے قرار داد نہ ہو مگر اس امامت کی تنخواہ معیّن ہے اسے بھی معلوم تھی یہ اُسی کے لئے امام بنا اور امام بنانے والوں نے بھی جانا اور مقبول رکھا غرض صراحۃً یا دلالۃً تعین اجرت ہو لیا تو یہ اُجرت اُسے حلال ہے اور اس وجہ سے اُس کے پیچھے نماز میں کچھ کراہت نہیں کہ امامت و اذان و تعلیم فقہ و تعلیمِ قرآن پر اُجرت لینے کو ائمہ نے بضرورتِ زمانہ جائز قرار دیا ہے کما نصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ اس پر کتب میں نصوص قاطعہ موجود ہیں۔ت) اور جب تعیّن ہو لیا تو اجارہ صحیحہ ہُوا جس میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اجارہ صراحۃً خواہ دلالۃً واقع تو ہُوا یعنی اس نے اُجرت کے لئے امامت کی اور قوم نے بھی اسے اجیر سمجھا مگر تعین اجرت نہ بیان میں آیا نہ قرائن سے واضح ہوا تو اجارہ فاسدہ ہے وہ اُجرت اُس کے حق میں خبیث ہے اُسے تصدق کردینے کا حکم ہے مگر اصل اجارہ اب بھی باطل نہیں، نہ طلبِ اُجرت ظلم ہے، ایسا اجارہ اگر متعدد بار کرے گا فاسق ہوگا اور اُس کے پیچھے نماز مکروہ،

[1] بحر الرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۶۳

اور اگر سرے سے اجارہ ہی نہ ہو صراحۃً نہ دلالۃً اور اب اُجرت مانگتا ہے تو صریح ظلم وفسق وکبیرہ ہے یہاں مطلقاً اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۸۳۹: ۲ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مسجد یہ کہتے ہیں کہ نماز کے بعد مصافحہ بہ تخصیص نماز فجر درست نہیں اور اہل محلّہ کہتے ہیں درست ہے اور کہتے ہیں کہ اگر تم اس کے جواز کے قائل نہ ہوگے تم ہم تمھارے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے اس لئے کہ تمھارا مذہب ہمارے مذہب کے خلاف ہے لہٰذا فرمایئے کہ شرع شریف میں کس طرح ہے اور کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ مصافحہ بعد نماز مباح ہے **نص علی تصحیحہ العلامۃ الخفاجی فی نسیم الریاض** (علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔ت) امام اگر سنّی المذہب ہے صرف اس مسئلہ میں اس کا خیال بنظر بعض عبارات فقہیہ یہ ہے تو اُسے سمجھا دینا چاہئے کہ تصحیح وترجیح جانبِ جواز ہے صرف اتنی بات پر وُہ ترکِ اقتدا کا مستحق نہیں، اور اگر بربنائے وہابیت اس کا انکار کرتا ہے تو وہابی بلاشبہ لائق امامت نہیں اہل محلّہ کو چاہئے ہرگز اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۴۰: ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز کی پڑھائی معیّن کرکے لینا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

درست ہے مگر بچنا بہتر ہے اللہ کے واسطے پڑھائے اور نمازی اسے حاجتمند دیکھ کر اللہ کے لئے اس کی اعانت کریں یہ صاف کرلیا جائے کہ امامت کی اُجرت کچھ نہ لی دی جائے گی یُوں بلا دغدغہ حلال طیب ہے **لان النفی الصریح یزیل حکم دلالۃ الحال فان الصریح یفوق الدلالۃ کما فی قاضی خان** [1] (کیونکہ صراحۃً نفی، دلالت کو زائل کردیتی ہے کیونکہ صراحت، دلالت سے فوقیت رکھتی ہے قاضی خاں میں اسی طرح ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

ف: سعی بسیار کے باوجود یہ عبارت فتاوٰی قاضی خان سے نہیں مل سکی، دُرمختار سے یہ عبارت مفہوماً ملی ہے اس لئے اس کا حوالہ دیا ہے۔ نذیر احمد سعیدی

مسئلہ نمبر۸۴۱: از مرادآباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ بعد فراغت نماز اگر مقتدی کو مجبور کرے کہ باتباع اُس کے ویسے ہی بیٹھے رہیں اور نہ اُٹھیں تاخیر میں مقتدیوں کاقریب نصف گھنٹہ کے ضائع ہوااور درصورت عدمِ شرکت بوجہ مجبوری اُن پر اتہام مذکور کو بیجا لگائے تو یہ چیز کہاں ثابت، اس کے لئے کون سی حدیث ناطق، اوراُس چیز کا نام سنّتِ نبوی رکھنا اوراُن کو مجبور کرنا حتیٰ کہ اُن پر الزام توہب کانہیں بلکہ تلہب کالگانا شرع شریف میں کس مقام پر وارد ہے؟

الجواب:

امام کو سلام کے بعد مقتدیوں پر کوئی جبر کااختیار نہیں، سلام سے تواس کی ولایت منقطع ہوچکی عین نماز میں جب تک وہ متبوع تھا اوراس کی پیروی مقتدیوں پر واجب تھی اُس وقت بھی اُسے حرام تھاکہ سنّت سے زیادہ کوئی بات ایسی کرے جو مقتدیوں پر ثقیل وگراں ہو،اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غضب شدید فرمایااورایسا کرنے والے کو فتان بتایا یعنی سخت فتنہ گر، توبعد نماز بلاوجہ شرعی مجبوری کرنااورنہ ماننے والے کو جھوٹا اتہام لگانا کیسا سخت حرام شدید اور ظلم بعید ہے۔ پھراس ظلم وحرام کانام معاذاللہ سنّت رکھنا نہایت سخت اشد اور صریح گمراہی اور سنّت پر افتراہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۸۴۲: مسئولہ مکرم احمداللہ صاحب صدر بازار ہردوئی

تارک فرض وواجب نیز سنّت مؤکدہ اورتارک مستحب ومباح کس درجہ کا گنہگار ہے۔تارک امور خمسہ یا تارک مستحب ومباح کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب: فرض کے ایک بارترک سے فاسق ہے اورترک واجب کی عادت سے ،سنّت موکدہ کاحکم میں قریب واجب ہے، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے،اورفاسق بالاعلان ہو تواسے امام بنانا گناہ اوراس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، مستحب ومباح کے ترک میں کچھ گناہ نہیں، نہ ان کے تارک کی امامت میں کچھ نقص۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۸۴۳: از شہر کہنہ ۷ ۲رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ امام ضم سورہ میں اس قدر دیر کرتا ہے کہ بعد آمین کہنے کے کلمہ طیّبہ پڑھ لیا اس قدر دیر کرناامام کو جائز ہے یانہیں۔اس کو منع کیاگیاکہ اس قدر دیرنہ کیا کرو،وہ کہتاہے کہ سورۃ سوچنے میں دیر ہوجاتی ہے اور دیر کرنے کو نہیں چھوڑتا ہے۔پس اس امام کی اقتدا سے نماز میں کسی

قسم کی کراہت ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سورۃ سوچنے میں اتنی دیر جس میں تین بار سبحٰن اللہ کہہ لیا جائے ترک واجب و موجب سجدہ سہو ہے[1] **کما نص علیہ فی التنویر والدر والغنیۃ وغیرھا** (تنویر، در، غنیہ وغیرہ میں اس پر نص کی جاتی ہے۔ت) تو یہ جس کی عادت ہے اس کے پیچھے نماز میں ضرور کراہت ہے۔ عالمگیریہ و محیط میں ہے:

من یقف فی غیر مواضعہ ولایقف فی مواضعہ لاینبغی لہ ان یؤم وکذا من یتنحنح عند القرأۃ کثیرًا[2]۔	جو نہ ٹھہرنے کی جگہ وقف کرے اور وقف کی جگہ وقف نہ کرے اسے چاہئے کہ وہ امام نہ بنے، اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو قرات کرتے وقت کثرت سے کھانستا ہو۔(ت)

جو وقف و وصل بے جا کرے یا پڑھتے وقت بار بار کھنکارے جب اسے فرماتے ہیں کہ اس کی امامت سزاوار نہیں حالانکہ مراعات وقف و وصل واجبات نماز سے نہیں۔ تو جو واجب نماز یعنی وصل سورۃ و فاتحہ بے اجنبی کے ترک کا عادی ہو بدرجہ اولیٰ لائق امامت نہیں، ہاں فاتحہ کے بعد اتنی دیر کہ دم راست کرے آمین کہے، کوئی سورۃ ابتداء سے پڑھنی ہو تو **بسم اللہ الرحمن الرحیم** پڑھے کہ یہ دیر بھی تقریبًا کلمہ طیّبہ پڑھنے کے برابر ہو جائے گی، بلاشبہ مباح وسنّت ومستحب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸۴۴: از شہر کہنہ ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ زید کہتا ہے کہ بعد کلمہ **لا الٰہ الا اللہ** کے **محمد رسول اللہ** کی کیا ضرورت ہے، اگر جنّت نہ جائے گا تو کیا اعراف میں بھی نہ جائے گا۔ زید قیام میں نماز کے بعد بقدر سات بار **اللہ اکبر** کہنے کے ٹھہرتا ہے۔ کہتا ہے کہ صرف **سبحٰن اللہ وبحمدہ** کہنے سے نماز ہوجاتی ہے، بے کُرتا ٹوپی کے نماز ادا کرتا ہے کہتا ہے کہ صرف پائجامہ سے نماز ہوجاتی ہے۔ یوں بھی کہتا ہے کہ نماز میں **الحمد** وسورۃ کی کچھ حاجت نہیں۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ ایسے شخص کو مسلمان سمجھنا چاہئے یا نہیں؟ اہلِ اسلام کا سا برتاؤ اس سے چاہئے یا نہیں؟ جواب بدلیل قرآن وحدیث وفقہ سے تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صرف پائجامہ پہنے بالائی حصّہ بدن کا ننگا رکھ کر نماز بایں معنٰی تو ہوجاتی ہے فرض ساقط ہوگیا، مگر مکروہ تحریمی

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل سجود السہو مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۶۵، در مختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۶

ہوتی ہے۔واجب ترک ہوتا ہے فاعل گنہگار ہوتا ہے اس کا پھیرنا گردن پر واجب رہتا ہے نہ پھیرے تو دوسرا گناہ سر پر آتا ہے ،ہاں اگراتنے ہی کپڑے کی قدرت ہے تو ایسی محتاجی میں مجبوری ومعافی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایصلّی احدکم فی الثوب الواحد لیس علی عاتقہ من شیئ[1]۔رواہ شیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہرگز تم میں کوئی شخص ایک ہی کپڑا پہن کر نماز نہ پڑھے کہ کندھے پر اس کا کوئی حصہ نہ ہو۔اسے امام بخاری ومسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

خطیب بغدادی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الصلٰوۃ فی السراویل وحدہ[2]	(یعنی صرف پائجامہ سے نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

خلاصہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

لوصلی مع السراویل والقمیص عندہ یکرہ[3]۔	اگر کسی نے فقط شلوار میں نماز اداکی حالانکہ اس کے پاس قمیص موجود ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔(ت)

نماز میں فرضیت قرات کاانکار احادیث کثیرہ صحیحہ صریحہ حضور پُرنور سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کارد اور اجماعِ ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کاخرق بلکہ بعد انقطاع اقوال شاذہ اجماع متستقر کاخلاف اور اب گمراہی وضلالت صاف صاف ہے۔امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃالکبرٰی میں فرماتے ہیں:

اجمع الائمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان الصلٰوۃ لاتصح الامع العلم بدخول الوقت وعلی ان للصلٰوۃ ارکاناً داخلۃً فیھا وعلی ان النیۃ فرض وکذلك تکبیرۃ الاحرام والقیام مع القدرۃ والقرأۃ والرکوع والسجود والجلوس فی التشھد الاخیر (الی ان قال)	تمام ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق ہے کہ صحتِ نماز کے لئے نمازی کو اس بات کاعلم ہوناضروری ہے کہ نماز کا وقت شروع ہوچکا ہے،اس پر بھی اتفاق ہے کہ نماز کے ارکان نماز میں داخل ہیں،اسپر بھی اتفاق ہے کہ نیت فرض ہے،اسی طرح تکبیر تحریمہ اور قدرت کے ساتھ قیام،قرات،رکوع،سجود،اخیری تشہد

---

[1] صحیح بخاری باب اذاصلی فی الثوب الواحدالخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲، صحیح مسلم باب الصلٰوۃفی ثوب واحدالخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۹۸

[2] تاریخ بغداد حدیث ۲۵۶۴ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلٰوۃ مالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۶

ھذا ماوجدتہ من مسائل الاجماع التی لایصح دخولھا فی مرتبتی المیزان [1]۔	میں بیٹھنا (آگے چل کر کہا) یہ وہ مسائل ہیں جن پر میں نے اجماع پایا ان کو میری مرتب کردہ کتاب المیزان میں داخل کرنا صحیح نہیں۔(ت)

رحمۃ الامہ فی اختلاف الائمہ میں ہے:

اتفقوا علی ان القرأۃ فرض علی الامام والمنفرد فی رکعتی الفجر وفی الرکعتین الاولین من غیرھا [2]۔	فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ امام اور منفرد پر فجر کی دونوں رکعات اور اس کے علاوہ دیگر نمازوں کی پہلی دو رکعت میں قراءت فرض ہے۔(ت)

بلکہ امام ابن الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

نسب صاحب غایۃ البیان الاصم الی خرق الاجماع وھو یفید سبق الاجماع علی الافتراض قبل ذھابہ الی عدمہ [3]۔	صاحبِ غایۃ البیان نے اصم کی خرق اجماع کی طرف نسبت کی ہے اور یہ بات واضح کررہی ہے کہ اصم کے عدمِ فرضیت کا قول کرنے سے پہلے اس کی فرضیت پر اجماع ہوچکا ہے۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

من انکر خبرالواحد لایکفر غیرانہ یاثم بترک القبول ھکذا فی الظھیریۃ [4]۔	خبر واحد کا منکر کافر نہیں البتہ ترک قبول کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

من کان خارجًا عن ھذہ الاربعۃ فی ھذا الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار [5]۔	یعنی جو ان چاروں مذہب سے اس زمانہ میں باہر ہے وہ بدعتی اور جہنمی ہے(ت)

نماز میں الحمد و سورۃ کی حاجت نہ ماننا بھی جہلِ قبیح اور ارشادات حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

[1] المیزان الکبرٰی باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۶

[2] رحمۃ الامہ فی اختلاف ائمہ برحاشیہ میزان کبرٰی/باب شروط الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۸

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] فتاوٰی ہندیۃ مطلب موجبات الکفر انواع مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۵

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳

انکار صریح ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لاصلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب[1]۔ یعنی بے سورہ فاتحہ کے نماز ناقص ہے رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام احمد اوراصحاب صحاح ستہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) (دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من صلی صلاۃ لم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فھی خداج[2]۔ رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ واحمد وابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	یعنی جو نماز بے سورہ فاتحہ کے ہو وہ ناقص ہے۔ اس کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اورامام احمد اورابن ماجہ نے حضرت ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

تیسری حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یخرج فینادی ان لاصلٰوۃ الابقرأۃ فاتحۃ الکتاب فمازاد[3]۔ رواہ احمد وابوداؤد۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ باہر جاکر منادی کردیں کہ بے سورۃ فاتحہ اور کچھ زائد قرات کی نماز ناقص ہے۔ اس کو امام احمد اورابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتجزئ صلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب ومعھا غیرھا[4]۔ رواہ الامام الاعظم ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن سیدنا ابی سعیدن الخدری رضوان اللہ تعالٰی علیہ ومعناہ	نماز کام نہیں دیتی بے فاتحہ اوراس کے ساتھ اور قرات کے۔ اس کوامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیّدنا ابو سعید الخدری رضوان اللہ تعالٰی علیہ سے روایت کیا اور معنًا اسی طرح ترمذی اورابن ماجہ

[1] صحیح بخاری باب وجوب القرأۃ للامام الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۴

[2] صحیح مسلم باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۷۰

[3] المسند لاحمد بن حنبل از مسند ابی ہریرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۲۸

[4] مسند الامام اعظم مع تنسیق النظام کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸

نحوہ عند الترمذی و ابن ماجۃ۔	نے روایت کیا ہے۔

اور ان سب سے سخت تر و ناپاک تر اُس کا وہ قول مردود ہے کہ کلمہ طیّبہ میں (خاکش بدہن) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنے کی کیا ضرورت! اگر اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ اسلام لانے کو صرف لا الٰہ الا اللہ ماننا کافی ہے محمد رسول اللہ کی حاجت نہیں جب تو قطعًا یقینًا نرا کافر مرتد ہے۔ عورت اُس کی اُس کے نکاح سے نکل گئی پاس جائے گا تو زنا ہوگا، اولاد ہو تو ولد الزنا ہوگی۔ عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے۔ اور اگر یہ مراد نہیں تاہم ناپاک کلام کی طرز سوق سخت گستاخی و بے باکی سے خبر دے رہی ہے۔ اور وہ لفظ "جنّت میں نہ جائے گا تو کیا اعراف میں نہ جائے گا" دین متین کے ساتھ استہزا کا پتا دیتا ہے۔ بہرحال اس قدر میں شک نہیں کہ شخص مذکور فاسق فاجر گمراہ بدمذہب ہے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز و ممنوع ہے کما حققناہ فی رسالتنا النھی الاکید وذکرنا فی عدۃ مواضع من فتاوٰنا (اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ النھی الاکید اور اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ پر کی ہے۔ت) مسلمان اس سے توبہ لیں اگر توبہ کرلے فبہا ورنہ اس کے ساتھ وُہ معاملہ برتیں جو بددینوں کے ساتھ چاہئے واللہ الھادی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

النّھی الاکید عن الصّلاۃ وراء عدی التقلید ۱۳۰۵ھ

(دشمنِ تقلید کے پیچھے نماز ادا کرنا سخت منع ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی ھدانا السنن *وقانا المحن * وجعل فینا کل امام حسن * بہ یُتَأشی وعلیہ یؤتمن * واغنانا ان نقتدی باھل الفتن * والصلاۃ والسلام الاحَنّ * علی الامام الامین الامان الامنّ * محمد مربی الروح والبدن * واٰلہ وصحبہ فی السرّوالعلن * والائمۃ المجتھدین مصابیح الزمن * کاشفی ماخفی ومظھری مابطن * الثقات السرّاۃ ھداۃ السنن * السقاۃ الفراۃ من فراۃ السنن وعلینا بھم یاعظیم المنن * واشھد ان	تمام خوبیاں اُس ذاتِ اقدس کے لئے جس نے ہمیں صحیح راہ کی ہدایت عطا کی اور ہمیں محنت ومشقت سے بچالیا، ہم میں اچھے واعلٰی امام بنائے جن کی اقتدا کی جاتی ہے اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے، ہمیں اہل فتن کی اقتداء سے محفوظ کیا۔ نہایت ہی عاجزانہ طور پر صلاۃ وسلام ہو اس امام ومقتدا پر جو امین، جائے پناہ اور سب سے بڑے محسن ہیں جن کا اسم مبارک محمد ہے جو روح وبدن کے مربّی ہیں، ان کی آل واصحاب پر بھی سرًاوجہرًا، ان ائمہ مجتہدین پر بھی جو اپنے زمانے کے لئے چراغ ہیں، مخفی امور کھولنے اور باطنی معاملات کو ظاہر کرنے والے، رازوں کے پختہ محافظ، سنن نبی کی طرف ہادی، سنن کی نہر فرات سے مشکیزے بھر بھر کر پلانے والے، اے احسان فرمانے والے ان کے ساتھ ہم پر بھی رحمتوں کا نزول ہو۔ میں گواہی

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ ربھم وسلم ومن*	دیتا ہوں اس بات کی کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں، ذات وصفات میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں، ان پر ان کے رب کی طرف سے صلوۃ وسلام اور کرم ولطف ہو۔(ت)

اما بعد یہ چند سطور کا شفۃ السطور جلیلۃ الفائدۃ جمیلۃ العائدہ ہیں اظہار صواب میں اس سوال کے جواب میں جو فقیر ناسزا عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفراللہ لہ وحقق املہ واصلح عملہ کے پاس مولوی فضل الرحمٰن صاحب حفظ عن الشرور امام جامع مسجد فیروز پور کا بھیجا کیمپ فیروز پور ملک پنجاب سے آیا، فقیر ان دنوں ایک مبارک رسالہ بجواب سوال مونگیر بنگالہ مسمّٰی بہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین لکھنے میں مشتغل، اور اس کے اور چند مسائل دیگر بلاد کو مسئلہ پنجاب پر حق تقدم حاصل جب ان سے فراغت پائی اس کی نوبت آئی النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) اس تحریر کا نام اور یہی اس کی تاریخ آغاز وانجام، اس رسالہ میں اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز ناروا ہے اس کے ضمن میں ان کے بعض عقائد واحوال ومکائد ودیگر فوائد بنہایت اجمال تحریر میں آئے، مولٰی سے مسئول کہ قبول فرمائے اہل اسلام وسنت کو نفع پہنچائے، از انجا کہ موضوع رسالہ رد مخالف نہیں، لہذا لحاظ مجادل سے کنارہ گزیں کہ وہ تو ایک فتوی ہے جواب مسئلہ کی حد پر مقتصر اور اپنے موافقوں پر ایک حکم کا مظہر جسے اس رنگ کا کلام مشتاق بنائے تصانیف افاضل یا فقیر حقیر کے دیگر رسائل مندرجہ مجموعہ "البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ" کی طرف رجوع لائے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وافضل الصلوۃ علی الحبیب الجمیل والہ وصحبہ بألوف التبجیل امین امین یا عزیز یا جلیل۔

نقل عبارت استفتاء

مسئلہ ۸۴۵: باسمہ سبحانہ، بخدمت بابرکت حضرت مولٰینا وبالفضل والکمال اولٰنا مخدوم مکرم معظم حضرت مولٰینا احمد رضا خاں صاحب سلمہ الرحمٰن۔ سلام مسنون بہ نیاز مقرون کے بعد عرض ہے کہ للہ اس استفتاء کا جواب مرحمت فرمائیں کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔ مولوی غلام نبی صاحب امام مسجد قصابان خورد جو شاگرد مولویان لکھنؤ کے علاقہ فیروز پور کے ہیں اول انھوں نے رسالہ شاہ طیور جس میں حضرت ابن عربی اور مولٰینا روم ومولانا عبدالرحمٰن جامی علیہم الرحمۃ کی تکفیر درج تھی اور وہ رسالہ مطبع فیروز پور میں حافظ محمد صاحب لکھنوی نے چھاپا تھا

اس کی تصدیق پر اپنے دستخط کردیے تھے جس کے شاہد بہت لوگ موجود ہیں اور اس کا کسی قدر ذکر رسالہ تصریح ابحاث فرید کوٹ کے صفحہ ۱۴۱ کے متن وحاشیہ میں مندرج ہے۔ پھر جب ریاست فرید کوٹ میں علمائے مقلدین کا مناظرہ ہوا تھا تب بھی یہ مولوی صاحب بشمول علماء غیر مقلدین کے تھے اور ان کے زمرہ میں ریاست سے رخصت نامہ لے کر واپس آئے تھے جیسا کہ اشتہار ۱۱ فروری ۱۸۸۳ء مطبوعہ ریاست فرید کوٹ اس پر شاہد ہے اور رسالہ کے صفحہ ۱۷ میں بھی اس کا نام بزمرہ غیر مقلدین شامل ہے۔ پھر مسائل اور واقعات اس کے بھی صریح غیر مقلدی کی دلیل ہیں جس کا نمونہ ایک یہ ہے کہ مسماۃ فاطمہ بنت امام الدین خاں کو جب اس کے شوہر نے مطلقہ کیا اور طلاق نامہ تحریر ہوا تو بائیس روز بعد ازاں عدت کے اندر ہی مولوی مشار الیہ نے اس مطلقہ کا نکاح بابو مین ملازم مسکوٹ لال کرتی سے منعقد کردیا اور اس کی دلیل مولوی جمال الدین امام مسجد بوچڑاں کلاں کو دکھلائی کہ حدیث ترمذی سے ثابت ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہوتا ہے، اس پر جواب دیا گیا کہ دینی کتابوں میں مثل فتح القدیر وغیرہ کے صریح لکھا ہے کہ خلع طلاق ہے بسند حدیث بخاری وغیرہ کے اور جمہور امامان سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کما فصل فی باب الخلع (جیسا کہ باب خلع میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ت) اور باب عدت میں بھی مذکور ہے اور طلاق اور خلع اور لعان سب کی عدت تین حیض ہیں اھ مترجماً، پس یہ نکاح عدت کے اندر حنفی مالکی شافعی سب کے نزدیک ناروا ہے جو شخص غیر مقلد ایسے اطوار کا طور رکھے اور حرام کو حلال بتا دینے تک نوبت پہنچائے تو اس کے پیچھے اقتدا روا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** حررہ محمد فضل الرحمٰن امام جامع مسجد صدر بازار فیروز پور پنجاب ۱۰ شوال ۱۳۰۵ھ محمد فضل الرحمٰن

اللهم هداية الحق والصواب

الجواب:

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کو زید وعمرو کی ذات سے غرض نہیں اور حضرات اولیائے کرام قدست اسرارہم کی شان عظیم میں بعد وضوح حق اس کلمہ ملعونہ کہنے کا جواب جو روز قیامت ملے گا بس ہے، وہ حضرات جرات شعار جسارت وثار جن کا مسلک عامہ ائمہ وعلمائے کبار کو عیاذًا باللہ مشرک بتائے ان سے مدارک دقیقہ حقائق اولیاء تک نہ پہنچنے کی کیا شکایت کی جائے علاوہ بریں یہ مسئلہ خود اس قابل کہ اس میں ایک رسالہ مستقلہ تصنیف میں آئے اور خدا انصاف دے تو حدیث بخاری:

حتی احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده	جب میں بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کی سمع (کان) بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بنتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ

التی یبطش بھا ورجلہ التی یمشی بھا(الی قولہ تعالٰی) وما ترددت عن شیئ انا فاعلہ ترددی عن قبض ف ۱ نفس المؤمن یکرہ الموت وانا کرہ مساء تہ[1]۔	بن جاتا ہوں جس سے وہ گرفت کرتا ہے۔اس کے پاؤں بنتا ہوں جس سے چلتا ہے(آخر میں اللہ تعالٰی کا یہ بھی فرمان ہے) میں کسی شیئ کے بجالانے میں کبھی اس طرح تردّد نہیں کرتا جس طرح جانِ مومن قبض کرتے وقت تردّد کرتا ہوں وُہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کے مکروہ سمجھنے کو بُرا جانتا ہوں۔(ت)

و۲ حدیثِ مسلم:

یا ابن اُدم مرضت فلم تعدنی، یاابن اُدم استطعمتك فلم تطعمنی، یاابن اُدم ! استسقیتك فلم تسقنی[2] اخرجاھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اے ابن آدم ! میں بیمار ہُوا، تونے میری عیادت نہیں کی، اے ابن آدم ! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، اے ابن آدم ! میں نے تجھ سے پانی طلب کیا، تو نے مجھے پانی نہیں دیا ان دونوں کو بخاری و مسلم دونوں نے سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے(ت)

و۳ حدیث مشہور:

قم الیّ امش الیك وامش الیّ اھرول الیک[3]۔ اخرجہ احمد ف ۲ عن رجل من الصحابۃ والبخاری بمعناہ عن ۴ انس وعن ۵ ابی ھریرۃ	اے بندے! تو میری طرف اُٹھ مَیں تیری طرف چل پڑوں گا ، تو میری طرف چل میں تیری طرف دوڑ پڑوں گا۔اس کو امام احمد نے ایک صحابی سے اور امام بخاری نے معنًا اسے حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق باب التواضع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

[2] صحیح مسلم ، باب فضل عیادۃ المریض، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، ۲/ ۳۱۸

[3] مسند لاحمد بن حنبل حدیث من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالفکر بیروت ، ۳/ ۴۷۸

ف۱: بخاری شریف کی روایت میں "عن نفس المؤمن" ہے "قبض" کا لفظ بخاری شریف میں موجود نہیں البتہ فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۱۴ ص ۳۱ پر یہ عبارت ہے "اوقع فی الحلیۃ" آخر میں "عن قبض روح المؤمن الخ" نذیر احمد

ف۲: مسند احمد بن حنبل میں آغازِ حدیث یوں ہے : قال اللہ تعالٰی یا ابن اٰدم قم الی الخ۔ نذیر احمد

والطبرانی فی الکبیر عن سلمان رضی الله تعالٰی عنهم۔	اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے(ت)

وحدیث۷:

واذا احب الله عبدًا لم یضره ذنب[1] اخرجه الدیلمی والامام الاجل القشیری وابن النجار فی التاریخ عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	جب اللہ تعالٰی کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اسے کوئی گناہ ضرر نہیں دیتا۔اسے دیلمی، امام اجل قشیری اور ابن نجار نے تاریخ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

وحدیث۸:

الدنیا والاٰخرة حرام علی اهل الله [2]۔اخرجه فی مسندالفردوس عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	دنیاوآخرت اہل اللہ پر حرام ہیں۔اسے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے(ت)

حدیث۹:

انزل القراٰن علی سبعة احرف، لکل حرف منها ظهر وبطن ولکل حرف حد ولکل حد مطلع[3]۔ اخرجه الطبرانی فی اکبر	قرآن سات حروف (لغتوں) پر نازل ہوا، ہر حرف کے لئے ظاہر اور باطن ہے ہر حرف کے لئے ایک حد(انتہائے معنی) ہے اور ہر حد کے لئے ظاہر

[1] الرسالۃ القشیریۃ باب التوبہ مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبرٰی مصطفی البابی مصر ص ۴۵، الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۴۳۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۷۷

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۳۰

[3] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن مسعود حدیث ۱۰۱۰۷ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۰، المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن مسعود حدیث ۸۶۶۷و۸۶۶۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۹/ ۱۴۶

ف: معجم کبیر میں مکمل حدیث ایک جگہ پر دستیاب نہیں ہوسکی بلکہ دو حصّوں میں مختلف مقامات سے ملی ہے جبکہ جامع صغیر مع فیض القدیر جلد ۳ مطبوعہ بیروت صفحہ ۵۴ پر یہ حدیث مکمل انہی الفاظ کے ساتھ موجود ہے اور حوالہ بھی طبرانی عن عبداللہ بن مسعود کا دیا ہے، ہوسکتا ہے اعلیحضرت رحمہ اللہ نے جامع صغیر سے دیکھ کر یہ حدیث نقل کی ہو مجمع الزوائد جلد ۷ مطبوعہ بیروت ص ۵۳۔ ۱۵۲ پر بھی یہ حدیث از عبداللہ ابن مسعود منقول ہے۔ **نذیر احمد**

معاجیمه عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	اور باطن سے اطلاع کا مقام ہے۔اس کو امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے(ت)

وحدیث۱۰:

قوله عزوجل اعطیهم من حلمی وعلمی[1] اخرجه احمدوالطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرك والبیهقی فی شعب الایمان باسناد صحیح عن ابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه۔	اللہ عزوجل کا فرمان ہے میں انھیں اپنا حلم و علم عطا کرتا ہوں ۔اس کو احمد وطبرانی نے کبیر میں،حاکم نے مستدرک اور بیہقی نے شعب ایمان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

وحدیث۱۱:

من زهد فی الدنیا علمه الله بلا تعلم و هداه بلاهدایة وجعله بصیرا وکشف عنه العمی[2]۔اخرجه ابو نعیم فی الحلیة الاولیاء عن سید الاولیاء امیر المؤمنین علی کرم الله وجهه۔	جو دنیا سے محفوظ رہااسے اللہ بغیر حصولِ علم کے علم اور بغیر حصولِ ہدایت ہدایت دیتا ہے۔اسے صاحب بصیرت بناتا ہے اور اس کی گمراہی اور تاریکی دور کردیتا ہے۔اسے امام ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں سیّد الاولیاء امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

وحدیث ۱۲:

دع عنك قول معاذفان الله یباهی به الملئکة قاله لرجل قال له معاذبن جبل رضی الله تعالٰی عنه تعال حتی نؤمن ساعة فشکاه الرجل الی النبی صلی الله	قولِ معاذ کو چھوڑو(یعنی قولِ معاذ کو برانہ جانو) کیونکہ اللہ تعالٰی ملائکہ میں اس کے ساتھ فخر فرماتا ہے۔یہ بات آپ نے اس شخص سے فرمائی جسے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا تھاکہ آؤہم ایک گھڑی ایمان

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۴۵۰،نوادر الاصول الاصل الحادی والعشرون فی خصوصیۃ ھذہ الامۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص۲۹و۳۳

[2] حلیۃ الاولیاء فصائل ومناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱/ ۷۲

تعالٰی علیه وسلم ،وقال اومانحن بمؤمنین ،فقال له رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ذلک[1]۔اخرجه سیدی محمد بن علی الترمذی عن معاذ رضی الله تعالٰی عنه۔	لائیں اس شخص نے حضور علیه السلام کی خدمت اقدس میں شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کیا ہم اہلِ ایمان نہیں؟ اس موقعہ پر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نے مذکورہ جملہ فرمایا تھا۔اس کو سیّدی محمد بن علی ترمذی نے حضرت معاذ رضی الله تعالٰی عنه سے روایت کیا ہے۔(ت)

وحدیث ۱۳:

کان عبدالله بن رواحة رضی الله تعالٰی عنه اذالقی الرجل من اصحاب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلّم یقول تعال نؤمن بربناساعة فقال ذات یوم لرجل فغضب الرجل فجاء الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال یا رسول الله الاتری الی ابن رواحة یرغب عن ایمانك الی ایمان ساعة فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یرحم الله ابن رواحة انه یحب المجالس التی تباهی بها الملئکة[2] علیهم السلام۔ رواه احمد بسند حسن عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	حضرت عبدالله بن رواحہ رضی الله تعالٰی کا معمول تھا جب بھی کسی صحابی رسول سے ملاقات ہوتی تو کہتے آؤ ہم اپنے رب کے ساتھ ایک گھڑی ایمان لائیں، ایک دن آپ نے یہی بات ایک شخص سے کہی تو وہ ناراض ہوگیا اور بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول الله! آپ نے عبدالله بن رواحہ کے بارے میں نہیں سنا وہ تو آپ پر ایمان لانے کے بجائے ایک گھڑی ایمان کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ نبی اکرم صلی الله تعالٰی علیه وسلم نے فرمایا عبدالله بن رواحہ پر الله تعالٰی رحم فرمائے وہ ایسی مجالس کو پسند کرتا ہے جس پر ملائکہ بھی فخر کرتے ہیں۔اسے امام احمد نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی الله تعالٰی عنه سے روایت کیا ہے۔(ت)

وحدیث ۱۴: ابوہریرہ رضی الله تعالٰی عنه:

حفظت عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعائین فاما احدهما	میں نے رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سے علم کے دو ۲ برتن حاصل کئے ہیں ایک کو بیان کرتا ہوں اگر

[1] نوادرالاصول الاصل الثانی والسبعون فی الذکر الخفی مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۱۱۰

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند انس بن مالک رضی الله تعالٰی عنه مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۶۵

فبثثته، واماالاٰخر فلو بثثته قطع ھذا البُلعُومُ [1]۔ اخرجه البخاری۔	دوسرا بیان کروں تو میرا یہ گلا کاٹ دیا جائے گا۔اس کو بخاری نے روایت کیا ہے(ت)

وآیت:

یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ [2]	ان کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(ت)

وآیت:

وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى [3]	اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تھی تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ تعالٰی نے پھینکی تھی۔(ت)

وآیت:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ [4]	تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے(ت)

وآیت:

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا [5]	تم فرماؤ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں اس کا علم نہ ملا مگر تھوڑا۔(ت)

وآیت:

اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا [6]	(تو ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا) جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور اسے اپنا علم لدنی عطا کیا۔(ت)

وآیت:

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا [7] وَ كَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا [8]	کہا آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے، اور اس بات پر کیونکر صبر کرینگے جسے آپ کا علم محیط نہیں۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب حفظ العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳

[2] القرآن ۴۸/ ۱۰

[3] القرآن ۸/ ۱۷

[4] القرآن ۲/ ۱۱۵

[5] القرآن ۱۷/ ۸۵

[6] القرآن ۱۸/ ۶۵

[7] القرآن ۱۸/ ۶۷

[8] القرآن ۱۸/ ۶۸

وآیت:

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْــٴَـلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۠(۷۰) [1]	کہا تو اگر آپ میرے ساتھ رہتے تو مجھ سے کسی بات کو نہ پُوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر نہ کروں (ت)

وآیت:

فَانْطَلَقَا ٙ حَتّٰۤی اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَاؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَاۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْــٴًـا اِمْرًا(۷۱) [2] قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا(۷۲) [3]	اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس بندہ نے اسے چیر ڈالا موسی علیہ السلام نے کہا کیا تم نے اسے اس لیے چیرا ہے کہ اس کے سواروں کو ڈبو دوں بے شک یہ تم نے بہت بری بات کی کہا میں نہ کہتا تھا کہ آپ میرے ساتھ ہر گز نہ ٹھہر سکیں گے۔(ت)

وآیت:

فَانْطَلَقَا ٙ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْــٴًـا نُّكْرًا(۷۴) [4] قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا(۷۵) [5]	پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکا ملا اس بندہ نے اسے قتل کردیا۔ موسٰی علیہ السلام نے کہا کیا تم نے ایک سُتھری جان بے کسی جان کے بدلے قتل کردی، بیشک تم نے بہت بُری بات کی، کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہر گز میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے (ت)

وآیت:

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِكَۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا(۷۸) [6]	کہا یہ (وقت) میری اور آپ کی جدائی کا ہے اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر (یعنی علت و وجہ) بتاؤں گا جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔(ت)

---

[1] القرآن ۱۸/ ۷۰

[2] القرآن ۱۸/ ۷۱

[3] القرآن ۱۸/ ۷۲

[4] القرآن ۱۸/ ۷۴

[5] القرآن ۱۸/ ۷۵

[6] القرآن ۱۸/ ۷۸

وآیت:

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ﴿۸۲﴾[1]	اور یہ کچھ مین نے اپنے حکم سے نہ کیا، یہ پھیر (علت ووجہ) ہے ان باتوں کا جس پر آپ سے صبر نہ ہوسکا (ت)

وغیرہ ذلک آیت واحادیث سمجھ والوں کے لئے علمِ باطن اور اُس کے رجال ومضائق مجال وحقائق، اقوال ودقائق افعال کا پتا دینے کو بہت ہیں،

وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾[2]	اور جسے اللہ تعالٰی نور نہ دے اُس کے لئے کہیں نور نہیں (ت)

یا نہ اس بحرِ عمیق کے لئے ساحل، نہ یہ حضرات اُس کی سیر کے قابل، نہ اس معنی سے اصل غرض سائل، لہٰذا فقیر این وآں سے قطع نظر کرکے نفس مرام مسئول عنہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے یعنی نماز میں حضرات غیر مقلدین کی اقتداء کا حکم کیا ہے، اور ازانجاکہ اسکی تنقیح اُن کی کشف بعض بدعات پر موقوف، لہٰذا اس بارے میں ایک اجمالی مقدمہ لکھ کر عنانِ قلم جانب جواب مصروف، ہرچند اس باب میں علماء متعدد تحریریں کرچکے مگر میں امید کرتا ہوں کہ بحول اللہ تعالٰی یہ موجز تحریر کافی وکافل وافی وکامل شافی ونافع صافی وناصح واقع ہو وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق انہ نعم المولٰی ونعم المعین وَالحمد للہ رب العٰلمین۔

مقدمہ فی الکلام الاجمالی علی بدعۃ غیر المقلدین

یامعشر المسلمین یہ فرقہ غیر مقلدین کہ تقلید ائمہ دین کے دشمن اور بیچارہ عوام اہل اسلام کے رہزن ہیں، مذاہب اربعہ کو چوراہا بتائیں ائمہ وہدٰی کو احبار ورہبان ٹھہرائیں، سچّے مسلمانوں کو کافر مشرک بنائیں، قرآن وحدیث کی آپ سمجھ رکھنا، ارشاداتِ ائمہ کو جانچنا پرکھنا ہر عامی جاہل کا کام کہیں، بے راہ چل کر، بیگانہ مچل کر، حرامِ خدا کو حلال کردیں حلال خدا کو حرام کہیں، ان کا بدعتی بدمذہب گمراہ بے ادب ضال مضل غوی مبطل ہونا نہایت جلی واظہر بلکہ عن الانصاف یہ طائفہ تالفہ بہت فرق اہل بدعت سے اشرّ واضرّ واشنع وافجر کما یخفی علی ذی بصر (جیسا کہ کسی بھی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں۔ت) صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً اور شرح السنۃ امام بغوی وتہذیب الآثار امام طبری میں موصولاً وارد:

کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال	یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما خوارج کو بدترین

[1] القرآن ۱۸/ ۸۲

[2] القرآن ۲۴/ ۴۰

انّهم انطلقو الی اٰیاتٍ نزلت فی الکفار فجعلوها علی المؤمنین[1]۔	خلق اللہ جانتے کہ انہوں نے وہ آیتیں جو کافروں کے حق میں اتریں اُٹھا کر مسلمانوں پر رکھ دیں۔

بعینہٖ یہی حالت ان حضرات کی ہے۔آیہ کریمہ :

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ[2]	انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ تعالٰی کے سوا خدا بنا لیا۔(ت)

کہ کفار اہل کتاب اور اُن کے عمائد وار باب میں اُتری ہمیشہ یہ بیباک لوگ اہلسنت وائمہ اہلسنت کو اس کا مصداق بتاتے ہیں۔علامہ طاہر پر رحمت غافر کہ مجمع بحار الانوار میں قول ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نقل کرکے فرماتے ہیں :

قال المذنب تاب اللہ علیه واشر منهم من یجعل اٰیات اللہ فی شرار الیهود علی علماء الامة المعصومة المرحومة طهر اللہ الارض عن رجسهم۔[3]	مذنب کہتا ہے اللہ تعالٰی س پر رحم فرمائے ،ان خارجیوں سے بدتر وُہ لوگ ہیں کہ اشرار یہود کے حق میں جو آیتیں اُتریں انھیں امّت محفوظہ مرحومہ کے علماء پر ڈھالتے ہیں اللہ تعالٰی زمین کو اُن کی خباثت سے پاک کرے(ت)

اصل اس گروہ ناحق پژدہ کی نجد سے نکلی، صحیح بخاری شریف میں ہے :

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قال ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال اللّٰهم بارك لنا فی شامنا اللهم بارك لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا قال اللّٰهم بارك لنا فی شامنا اللهم بارك لنا فی یمننا قالوا یارسول اللہ وفی نجدنا فاظنّه قال فی الثالثة هناك الزلزال والفتن وبها یطلع قرن الشیطان۔[4]	نافع سے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دُعا فرمائی الٰہی ! ہمارے لئے برکت دے ہمارے شام میں ، ہمارے لئے برکت رکھ ہمارے یمن میں ، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ! ہمارے نجد میں حضور نے دوبارہ وہی دُعا کی الٰہی ! ہمارے لئے برکت کر ہمارے شام میں الٰہی ! ہمارے لیے برکت بخش ہمارے یمن میں ، صحابہ نے پھر عرض کی یارسول اللہ ہمارے نجد میں۔عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میرے گمان میں تیسری دفعہ حضور نے نجد کی نسبت فرمایا : وہاں زلزلے اور فتنے ہیں اور وہیں سے نکلے گا شیطان کا سینگ (ت)

[1] الصحیح البخاری کتاب استتابہ المعاندین باب قتال الخوارج والملحدین الخ ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۱

[2] القرآن ۹/ ۳۱

[3] مجمع بحار الانوار تحت لفظِ حدیث مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۶۴۲

[4] الصحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفتنہ من قبل المشرق مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۰،الصحیح البخاری باب ما قیل فی الزلزال والآیات الفتنہ من قبل المشرک مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۱

اس خبرِ صادق مخبر صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق عبدالوہاب نجدی کے پسر واتباع نے بحکم آنکہ ع پدر اگر نتواند پسر تمام کند (باپ اگر نہ کرسکا تو بیٹا تمام (مکمل) کردے گا)
تیرھویں صدی میں حرمین شریفین پر خروج کیا اور ناکردنی کاموں ناگفتنی باتوں سے کوئی دقیقہ زلزلہ وفتنہ کا اُٹھانہ رکھا،

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ [1]	اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔(ت)

حاصل اُن کے عقائد زائغہ کا یہ تھا کہ عالم میں وہی مشت ذلیل موحد مسلمان ہیں باقی تمام مومنین معاذاللہ مشرک۔ اسی بناء پر انھوں نے حرمِ خدا وحریمِ مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء کو عیاذًا باللہ دارالحرب اور وہاں کے سُکّانِ کرام ہمسائیگانِ خدا اور رسول کو (خاکم بدہانِ گستاخاں) کافر ومشرک ٹھہرایا اور بنامِ جہاد وخروج کرکے لوائے فتنہ عظمےٰ پر شیطنت کبریٰ کا پرچم اُڑایا۔ علّامہ فہامہ خاتمۃ المحققین مولٰنا امین الدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی نے کچھ تذکرہ اس واقعہ ہائلہ کا فرمایا ردالمحتار حاشیہ درمختار کی جلد ثالث کتاب الجہاد باب البغاۃ میں زیر بیانِ خوارج فرماتے ہیں:

کماوقع فی زماننا فی اتباع بن عبدالوہاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستباحوا بذلک قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم حتی کسر اللہ تعالٰی شوکتھم وخرب بلادھم وظفربھم عساکر المسلمین عام ثلث وثلثین ومائتین والف [2]۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔	یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروانِ عبدالوہاب سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان اور جو اُن کے مذہب پر نہیں وہ مشرک ہیں اس وجہ سے انھوں نے اہلسنّت وعلمائے اہلسنت کا قتل مباح ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اُنکی شوکت توڑدی اور اُن کے شہر ویران کئے اور لشکرِ مسلمین کو اُن پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

[1] القرآن، ۷/ ۱۲۷
[2] ردالمحتار کتاب الجہاد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۳۹

غرض یہ فتنہ شنیعہ وہاں سے مطرود اور خدا اور رسول کے پاک شہروں سے مدفوع و مردود ہو کر اپنے لئے جگہ ڈھونڈتا ہی تھا کہ نجد کے ٹیلوں سے اس دار الفتن ہندوستان کی نرم زمین اسے نظر پڑی، آتے ہی یہاں قدم جمائے، بانی فتنہ نے کہ اس مذہب نامہذب کا معلم ثانی ہوا وہی رنگ آہنگ کفر و شرک پکڑا کہ ان معدودے چند کے سوا تمام مسلمان مشرک، یہاں یہ طائفہ بحکم اِنَّ الَّذِیۡنَ فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا[1] (وُہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں جُدا جُدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہوگئے۔ت) خود متفرق ہوگیا ایک فرقہ بظاہر مسائل فرعیہ میں تقلید ائمہ کا نام لیتا رہا دوسرے نے ع

قدمِ عشق پیشتر بہتر

(عشق کا قدم آگے بڑھانا ہی بہتر ہے)

کہہ کر اسے بھی بالائے طاق رکھا، چلئے آپس میں چل گئی وہ انھیں گمراہ یہ اُنھیں مشرک کہنے لگے مگر مخالفتِ اہلسنت و عداوت اہلِ حق میں پھر ملت واحدہ رہے، ہر چندان اتباع نے بھی تکفیر مسلمین میں اپنی چلتی گئی نہ کی لیکن پھر کلام الامام امام الکلام (امام کا کلام، کلام کا امام ہوتا ہے۔ت) ان کے امام و بانی و ثانی کو شرک و کفر کی وہ تیز و تند چڑھی کہ مسلمانوں کے مشرک کافر بنانے کو حدیث صحیح مسلم: لا یذھب اللیل والنھار حتی یعبد اللات والعزّی (الٰی قولہ) یبعث اللّٰہ ریحا طیبۃ فتوفی کل من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیہ فیرجعون الٰی دین اٰبائھم[2] مشکوٰۃ کے باب لا تقوم الساعۃ شرار الناس[3] سے نقل کرکے بے دھڑک زمانہ موجودہ پر جمادی جس میں حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ "زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات و عزّٰی کی پھر سے پرستش نہ ہو اور وُہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اُٹھالے گی جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی"۔ اس حدیث کو نقل کرکے صاف لکھ دیا سو پیغمبرِ خدا کے فرمانے کے موافق ہوا، انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔

ہوشمند نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ اگر یہ وہی زمانہ ہے جس کی خبر حدیث میں دی تو واجب ہُوا کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام و نشان باقی نہ ہو بھلے مانس اب تُو اور تیرے

---

[1] القرآن ۶/ ۱۵۹

[2] صحیح مسلم کتاب الفتن واشتراط الساعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۹۴

[3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۴۸۰

ساتھی کدھر بچ کر جاتے ہیں، کیا تمھارا طائفہ دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے، تم سب بھی انہیں شرار الناس وبدترین خلق میں ہوئے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان کا نام نہیں اور دین کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں مصروف ہیں، سچ آیا حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ **حبك الشیئ یعمی و یصم**[1] (شیئ کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کردے گی۔ت) شرک کی محبت نے اس ذی ہوش کو ایسا اندھا بہرا کردیا کہ خود اپنے کفر کا اقرار کر بیٹھا، غرض تو یہ ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اگرچہ پرائے شگون کو اپنا ہی چہرہ ہموار ہوجائے، اور اس بیباک چالاک کی نہایت عیاری یہ ہے کہ اُسی مشکوٰۃ کے اُسی باب **لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس**[2] میں اسی حدیث مسلم کے برابر متصل بلافصل دوسری حدیث مفصل۔ اسی صحیح مسلم کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وُہ موجود تھی جس سے اس حدیث کے معنی واضح ہوتے اور اُس میں صراحۃً ارشاد ہوا تھا کہ یہ وقت کب آئے گا اور کیونکر آئے گا اور آغازِ بُت پرستی کا منشا کیا ہوگا، وہ حدیث مختصراً یہ ہے:

وعن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یخرج الدجال فی اُمتی فیمکث اربعین فیبعث اللہ عیسی بن مریم فیھلکه ثم یمکث فی الناس سبع سنین لیس بین اثنین عداوۃ ثم یرسل اللہ ریحا باردۃ من قبل الشام فلا یبقی علی وجه الارض احد فی قلبه مثقال ذرۃ من خیر او ایمان الاقبضته حتی لوان واحد کم دخل	یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امّت میں دجّال نکل کر چالیس[عہ] تک ٹھہرے گا پھر اللہ تعالیٰ عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھیجے گا وُہ اُس کو ہلاک کریں گے پھر سات برس تک لوگوں میں اس طرح تشریف رکھیں گے کہ کوئی دو دل آپس میں عداوت نہ رکھتے ہوں گے اس کے بعد اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا کہ روئے زمین پر جس دل میں ذرہ برابر بھی ایمان

عـــہ: راوی نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن فرمایا یا برس انتہی، اور دوسری حدیث میں چالیس دن کی تصریح ہے کہ پہلا دن سال بھر کا، دوسرا ایک مہینہ کا، تیسرا ایک ہفتہ کا، باقی دن عام دنوں کی طرح رواہ مسلم عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حدیث طویل ۱۲منہ (م) (اسے امام مسلم نے حدیث طویل میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل باقی حدیث ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۱۹۴

[2] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب لا تقوم الساعۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۸۰

فی کبد جبل لدخلته علیه حتی تقبضه قال فیبقی شرار الناس فی خفة الطیر واحلام السباع لا یعرفون معروفا ولاینکرون منکرا فیتمثل لهم الشیطان فیقول الاتستحیون فیقولون فما تأمرنا فیامرهم بعبادة الاوثان ثم ینفخ فی الصور[1] (ملخصا)۔ (رواہ مسلم)	ہوگا اس کی روح قبض کرلے گی یہاں تک کہ اگر تم میں کوئی پہاڑ کے جگر میں چلا جائے گا تو وہ ہوا وہاں جاکر بھی اُس کی جان نکال لے گی اب بدترین خلق باقی رہ جائیں گے فسق و شہوت میں پرندوں کی طرح ہلکے سُبک اور ظلم و شدّت میں درندوں کی طرح گراں و سخت جو اصلاً نہ کبھی بھلائی سے آگاہ ہوں گے نہ کسی بدی پر انکار کریں گے شیطان ان کے پاس آدمی کی شکل بن کر آئے گا اور کہے گا تمہیں شرم نہیں آتی یہ کہیں گے تم ہمیں کیا حکم کرتا ہے وہ اُنھیں بُت پرستی کا حکم دے گا اس کے بعد نفخ صور ہوگا۔ (ملخصًا)۔

عیار ہوشیار اس حدیث کو الگ بچا گیا کہ یہاں تو سارے مکر کی قلعی کُھلتی اور صاف ظاہر ہوتا کہ حدیث میں جس زمانے کی خبر دی ہے وُہ بعد خروج وہلاک دجال وانتقال عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آئے گا اُس وقت کے لئے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہے گا جس طرح ۹ احمد و مسلم وترمذی کی حدیث میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آیا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتقوم الساعة حتی لایقال فی الارض الله الله[2]۔	قیامت نہ آئے گی جب تک زمین میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا رہے۔

اللہ اللہ یہ حدیث بھی مشکوٰۃ بحوالہ مسلم اسی باب کے شروع میں ہے مزوّر چالاک دلدادہ اشراک برابر کی حدیثیں نقل کرتا تو مسلمانوں کو کافر مشرک کیونکر بناتا اور اس جھوٹے دعوے کی گنجائش کہاں سے پاتا اپنے زمانے کی نسبت کہہ دیا: سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔ مسلمان دیکھیں کہ جو عیار صریح واضح متداول حدیثوں میں ایسی معنوی تحریفیں کریں بے پر کی اڑانے میں اپنے باطنی معلم کے بھی کان کتیریں جھوٹے مطلب دل سے بنائیں اور انھیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مقصود ٹھہرائیں حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متواتر حدیث میں ارشاد فرمائیں:

۱۰من کذب علیّ متعمدا فلیتبوا مقعده	جو جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا

[1] صحیح مسلم کتاب الفتن باب الدجال مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۴۰۳

[2] صحیح مسلم باب ذہاب الایمان آخر الزمان مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۸۴، مسند احمد بن حنبل از مسند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۶۸، ۲۰۱، ۱۰۷

من النّار۔[1]	دوزخ میں بنالے۔(ت)

ایسوں کامذہب معلوم اور عمل بالحدیث کا مشرب معلوم ع

قیاس کُن زگلستان شان بہارِ شاں

جب اصول میں یہ حال ہے توظاہر ہے کہ فروع مسائل فقہیہ میں حدیثوں کی کیا کچھ گت نہ بناتے ہوں گے۔ پھر دعوی یہ ہے کہ ہم تو خیر البریہ یعنی قرآن اور قولِ خیر البریہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی حدیث پر چلتے ہیں، سبحٰن اللہ یہ منہ اور یہ دعوی۔

۱۲سچ فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

یأتی فی اٰخرالزمان قوم حدثاء الاسنان سفھاء الاحلام یقولون من خیر قول البریة یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیة لایجاوز ایمانھم حناجرھم [2]۔اخرجه البخاری ومسلم وغیرھما عن امیرالمومنین علی کرم الله تعالٰی وجھه واللفظ للبخاری فی فضائل القراٰن من الجامع الصحیح۔	آخر زمانہ میں کچھ لوگ حدیث السن سفیہ العقل آئیں گے کہ اپنے زعم میں قرآن یاحدیث سے سند پکڑیں گے وہ اسلام سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر نشانہ سے نکل جاتا ہے ایمان ان کے گلوں سے نیچے نہ اُترے گا۔اسے بخاری ومسلم اور دیگر محدثین نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا اور مذکورہ الفاظ حدیث جامع صحیح للبخاری کے باب فضائل القرآن سے لئے گئے ہیں۔

واقعی یہ لوگ اُن پُرانے خوارج کے ٹھیک بقیہ و یادگار ہیں وہی مسئلے وہی دعوے وہی انداز وہی وتیرے، خارجیوں کا داب تھا، اپناظاہر اس قدر متشرع بناتے کہ عوام مسلمین انہیں نہایت پابندِ شرع جانتے پھر بات پر عمل بالقرآن کا دعوی عجب دام درسبزہ تھا مسلک وہی کہ ہمیں مسلمان ہیں باقی سب مشرک۔ یہی رنگ ان حضرات کے ہیں آپ موحد اور سب مشرکین، آپ محمدی اور سب بددین، آپ عامل بالقرآن والحدیث اور سب چنیں وچناں بزم خبیث، پھر ان کے اکثر مکلبین ظاہری پابندی شرع میں خوارج سے کیا کم ہیں اہلسنّت کان کھول کرسُن لیں دھوکے کی ٹٹّی میں شکار نہ ہوجائیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا:

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی تعظیم الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب من رایا بقراۃ القرآن الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

تحقرون صلاتکم مع صلاتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم۔[1]	تم حقیر جانوگے اپنی نمازوں کوان کی نمازوں کے سامنے اوراپنے روزے ان کے روزوں کے سامنے اوراپنے اعمال کو اُن کے اعمال کے مقابل۔

باایںہمہ ارشاد فرمایا:

ویقرئون القراٰن لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ[2]۔رواہ البخاری ومسلم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ان اعمال پر ان کا یہ حال ہوگاکہ قرآن پڑھیں گے پر گلوں سے تجاوز نہ کرے گادین سے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔اسے بخاری ومسلم دونوں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

پھر شانِ خداکہ ان مذہبی باتوں میں خارجیوں کے قدم بقدم ہونا درکنا خارجی بالائی باتوں میں بھی بالکل یک رنگی ہے انھیں ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے:

قیل ماسیماھم قال سیماھم التحلیق[3]۔رواہ البخاری ولیس بعدہ فی الجامع الصحیح الاحدیث واحد۔	عرض کی گئی ؛یارسول اللہ! اُن کی علامت کیا ہوگی ؟ فرمایا سر منڈانا۔یعنی اُن کے اکثر سر مُنڈے ہونگے عــہ۔اسے بخاری نے روایت کیا،اس کے بعد جامع صحیح میں فقط ایک حدیث ہے یعنی یہ حدیث صحیح البخاری کی آخری حدیث سے پہلے والی حدیث ہے۔

۲۳بعض احادیث میں یہ بھی آیاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کا پتا بتایا مشمّر الازار[4]ف۔(گھٹنی ازار والے)اوکما وردعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (یا جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا ہے۔ت)اللہ تعالٰی کے بے شمار درودیں حضور عالم ماکان ومایکون پر، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عــہ ظاہر ہے علامت قوم سے ہے وہ جو تمام قوم یا اکثر میں ہو ۱۲منہ (م)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفضائل باب من رایا بقراءۃ القرآن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفضائل باب من رایا بقراءۃ القرآن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

[3] صحیح البخاری کتاب الفضائل باب من رایا بقراءۃ القرآن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶،۵۸

[4] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قراءۃ الفاجر والمنافق الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۸

ف: بلکہ ۶۲۴ پر دیگر چند علامات کا بھی ذکر ہے پوری عبارت یوں ہے: غائر العینین مشرف الوجنتین ناشز الجبھۃ کث اللحیۃ محلوق الرأس مشمر الازار۔اس حدیث میں گستاخ رسول کی علامتوں کا ذکر ہے۔ **نذیر احمد**

بالجملہ یہ حضرات خوارج نہروان کے رشید پس ماندے بلکہ غلو وبیباکی میں اُن سے بھی آگے ہیں یہ انھیں بھی نہ سوجھی تھی کہ شرک وکفر تمام مسلمین کا دعوٰی اس حدیث سے ثابت کر دکھاتے جس سے ذی ہوش مذکور نے استدلال کیا ع

طرفہ شاگردے کہ میگوید سبق استادرا

(کتنا اچھا شاگرد کہ استاد کو بھی سبق سکھاتا ہے)

مگر حضرتِ حق عزوجل کا حسنِ انتقام لائق عبرت ہے چاہ کن راچاہ درپیش **من حفر بیرا لاخیہ فقد وقع فیہ** (جو شخص کسی کے لئے کنواں کھودتا ہے خود اسی میں گرتا ہے۔ت) حدیث سے سند لائے تھے مسلمانوں کے کافرومشرک بنانے کو اور بحمداللہ خود اپنے مشرک وکافر ہونے کا اقرار کرلیا کہ جب یہ وقت وہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہیں تو یہ مستدل بھی انھیں کافروں میں کا ایک ہے قضی الرجل علی نفسہ (آدمی نے اپنے خلاف فیصلہ کیا۔ت) اقرار مرد آزار مرد، المرء مواخذ باقرارہ (آدمی اپنے اقرار پر گرفتار ہوتا ہے۔ت) مدہوش بیچارہ خود کردہ راعلاج نیست میں گرفتار ہُوا، اور مسلمانوں کو تو خدا کی امان ہے اُن کے لئے اُن کے سچے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سچی بشارت آئی ہے کہ یہ امّتِ مرحومہ ہرگز شرک اور غیر خدا کی پرستش نہ کرے گی۔ ۲۴امام احمد مسند اور ابن ماجہ سنن اور حاکم مستدرک اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی امت کی نسبت فرماتے ہیں:

اما انھم لایعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا ولکن یراؤن باعمالھم۔[1]	خبردار ہو بیشک وُہ نہ سورج کو پوجیں گے نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بُت کو، ہاں یہ ہوگا کہ دکھاوے کے لئے اعمال کریں گے۔

اسی لئے جب قیامت آنے کو ہوگی اور شرک محض کا وقت آئیگا ہوا بھیج کر مسلمانوں کو اٹھالیں گے **والحمد للہ رب العٰلمین**۔ پھر اہلِ عرب کے لئے خاص مژدہ ارشاد ہوا ہے کہ وہ ہرگز شیطانی پرستش میں مبتلا نہ ہوں گے۔ ۲۵احمد ومسلم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الشیطٰن قد یئس ان یعبدہ المصلون فی جزیرۃ العرب ولکن فی التحریش بینھم۔[2]	بیشک شیطان اس سے ناامید ہوگیا کہ جزیرہ عرب کے نمازی اُسے پوجیں، ہاں اُن میں جھگڑے اُٹھانے کی طمع رکھتا ہے۔

[1] المسند لامام احمد بن حنبل حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارلفکر بیروت ۴/ ۱۲۴

[2] المسند لامام احمد بن حنبل از مسند جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ ۳/ ۳۵۴، صحیح مسلم باب تحریش الشیطان الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۷۶، جامع الترمذی باب ماجاء فی التباغض مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

ابو یعلٰی ۲۶ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الشیطان قد یئس ان تعبد الاصنام فی ارض العرب ولکنه سیرضی منکم بدون ذلك بالمحقرات الحدیث[1]۔ واصله عنه عنداحمد والطبرانی بسند حسن۔	یعنی شیطان یہ امید نہیں رکھتا کہ اب زمین عرب میں بُت پوجے جائیں مگر وہ اس سے کم درجہ گناہ تم سے کرادینے کو غنیمت جانے گا جو حقیر وآسان سمجھے جاتے ہیں (الحدیث) اسے امام احمد اور طبرانی نے انھیں سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

بیہقی ۲۷ حضرت ۳ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تذکیراً اور ۲۸ حضرت ۴ عبدالرحمٰن بن غنم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تقریراً راوی حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وداع کرتے وقت ارشاد فرمایا:

ان الشیطان قدیئس ان یعبدفی جزیرتکم ھذہ ولکن یطاع فیما تحتقرون من اعمالکم فقد رضی بذلک[2]۔	یعنی شیطان کو یہ اُمید نہیں کہ اب تمھارے جزیرے میں اس کی عبادت ہوگی ہاں اُن اعمال میں اُس کی اطاعت کروگے جنھیں تم حقیر جانوگے وہ اسی قدر کو غنیمت سمجھتا ہے۔

۲۹ امام احمد حضرت ۵ عبادہ بن صامت و ۶ ابو درداء ۳۰ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے معاً راوی حضور سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الشیطان قد یئس ان یعبد فی جزیرۃ العرب[3]۔	بیشک شیطان اس سے مایوس ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پرستش ہو۔

یہ چھ ۶ صحابیوں کی حدیثیں ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ہاں انھیں سن کر مسلمان کہے کہ دیکھو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمانے کے مطابق ہوا، کفر وشرک جب سے جزیرہ عرب سے نکلے، وہ دن اور آج کا دن پھر ادھر کا منہ کرنا نصیب نہ ہوا والحمدللہ رب العٰلمین۔ پھر خطہ مبارکہ حجاز یعنی حرمین طیبین اور ان کے مضافات کے لئے اس سے اجل واعظم بشارت آئی ۳۱ جامع ترمذی میں عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] مسند ابو یعلی از مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۵۱۰۰ مطبوعہ دار القبلۃ جدہ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۵/ ۶۹

[2] شعب الایمان وھو باب فی اخلاص العمل الخ حدیث ۶۸۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۴۰

[3] مسند احمد بن حنبل، حدیث شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۴/ ۱۲۶

سے مروی حضور پُر نور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین لیأرز الی الحجاز کما تأرز الحیة الی جحرھا ولیعقلن الدین من الحجاز معقل الارویّة من الجبل[1]۔	بیشک دین حجاز کی طرف ایسا سمٹے گا جیسے سانپ اپنی بِل کی طرف، اور بیشک دین حرمین طیّبین کو ایسا اپنا مسکن ومامن بنائے گا جیسے پہاڑی بکری پہاڑ کی چوٹی کو۔

پھر مدینہ امینہ کا کہنا ہی کیا کہ وُہ تو خاصوں کا خاص اور دینِ متین کا اول وآخر ملجا ومناص ہے صلی اللہ تعالٰی علی من جعلھا ھکذا وبارک وسلم (اللہ تعالٰی اس ذاتِ اقدس پر رحمتیں برکتیں اور سلام نازل فرمائے جس نے شہر مدینہ کو یہ شرف بخشا۔ت) اُس کی نسبت بالتخصیص ارشاد ہوا۔

ان الایمان لیأرز الی المدینة کما تأرز الحیة الی جحرھا[2]۔ رواہ الائمة احمد والبخاری ومسلم وابن ماجة عن ابی ھریرة وفی الباب عن سعد بن ابی وقاص وغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بیشک ایمان مدینے کی طرف یُوں سمٹے گا جیسے سانپ اپنی بِل کی طرف۔ اسے ائمہ کرام احمد، بخاری، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس معاملہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی حدیث مروی ہے۔

انصاف کیجئے تو صرف یہی حدیثیں اور اُن کی مثال ان سفہاکے ابطال مذہب میں کافی ووافی وبرہان شافی کہ اگر ان کامذہب حق ہے تو اہل مدینہ واہلِ مکّہ واہلِ حجاز واہل عرب اہل بلاد دارالاسلام سب کے سب معاذ اللہ مشرکین بے دین ہیں اور مسلمان یہی ہند کے چند بے لجام کثیر الحیف یا نجد کے بعض بے مہار بقیۃ السیف انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔ اسی طرح وُہ متواتر حدیثیں ان کی مبطل مذہب جن میں ارشاد ہُوا کہ اس امّتِ مرحومہ کا بڑا حصہ ہر گز گمراہی پر مجتمع نہ ہوگا، میں اُن کی وفور کثرت وکمال شہرت کے سبب یہاں اُن کی نقل سے دست کشی کرتاہوں ان شاء اللہ تعالٰی تحریر جداگانہ میں اُن کی شوکتِ قاہرہ کو جلوہ دیا جائے گا، ہر مسلمان اور یہ حضرات خود بھی جانتے ہیں کہ تمام بلادِ اسلامیہ میں اُمّتِ مرحومہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کروڑوں اربوں آدمی بارک اللہ تعالٰی

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الاسلام بدأ غریبًا الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۸۷

[2] صحیح البخاری باب الایمان یأرز الی المدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲

فیہم و علیہم (اللہ تعالیٰ ان میں اور ان پر برکت نازل کرے۔ت) اس نئے مذہب سے منزّہ و بری ہیں اس کے نام لیوا فقط یہی ذلیل و قلیل مشتے چند ہندی و نجدی ہیں طرفہ یہ کہ اُن کے بعض مکلبین اپنی اس شذوذ و قلّت و مخالفت جماعت پر ناز کرتے اور احادیث جماعت و سواد اعظم کے مقابل آیہ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ[1] (اگر تجھے خبیث کی کثرت تعجب میں نہ ڈال دے۔ت) پڑھتے ہیں۔ یہ کید ان صاحبوں نے کہ تمام مذاہب باطلہ کے عطر مجموعہ میں حضرات روافض سے اڑایا وہ اپنی ذلّت و قلّت کو اپنی حقانیت کی حجت ٹھہراتے اور آیاتِ قرآنیہ میں یونہی تحریفیں کرکے خواہی نخواہی مدعا پر جماتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

کید یازدہم آنکہ گویند مذہب اثنا عشریہ حق ست زیرا کہ اثنا عشریہ قلیل وذلیل اند واہل سنّت کثیر و عزیز وخدائے تعالیٰ درحق اہل حق می فرماید وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ودریں تقریر تحریف کلام اللہ است زیرا کہ حق تعالیٰ درحق اصحاب الیمین فرمودہ است ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۹﴾ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۰﴾ واگر قلّت وذلت موجب حقیقت شود باید کہ نواصب وخوارج احق واولے بحق باشند کہ بسیار قلیل وذلیل اند بلکہ حق تعالیٰ جابجا ظہور وغلبہ وتسلّط درشان اہلِ حق می فرماید ودراحادیث جابجا باتباع سوادِ اعظم ازامت وموافقت باجماعت تاکید فرمودہ اند اھ ملتقطا[2]	گیارھواں فریب ان کا یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں مذہب اثنا عشریہ حق ہے کیونکہ اثنا عشریہ تھوڑے اور کمزور، اور اہلسنت کثیر و غالب، اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا وہ بہت تھوڑے ہیں۔ اس گفتگو میں اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحریف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب یمین کے بارے میں فرمایا: اگلوں میں ایک بڑا گروہ اور پچھلوں میں سے ایک گروہ۔ اگر قلّت وذلت حق ہونے کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ بہت ہی تھوڑے اور نہایت ہی کمزور ہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے جابجا اہل حق کے غلبہ، تسلط اور ظہور کا ذکر کیا ہے اور احادیث میں جابجا امّت کے سوادِ اعظم کی اتباع اور موافقت باجماعت کی تاکید کی گئی ہے اھ تلخیصًا (ت)

لطف یہ ہے کہ اس کے بعد جو شاہ صاحب نے روافض کے حالات اور اُن کی بدمذہبی کے ثمرات لکھے کہ:

ہیچ ملک ناحیہ را از کفار بدست نیاوردہ و دارالاسلام نساختہ بلکہ اگر گاہے ایشاں را ریاست ناحیہ بدست	انھوں نے کسی ملک کو کفار سے چھڑا کر دارالاسلام نہیں بنایا اگر کبھی ان کے قبضہ میں کوئی ریاست آئی بھی تو

---

[1] القرآن ۵/ ۱۰۰

[2] تحفہ اثناعشریہ فصل دوم در مکائد جزئیہ روافض الخ کید یازدہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷

آمدہ باکفار مداہنتہ نمودہ ودارالاسلام رادارالکفر ساختہ اندہرگاہ درملکے تشیّع رائج شد فتنہ وفسادونفاق فیما بین فوج فوج باریدہ، حالت ہندوستان باید دید وحالت ملک عرب وشام وروم رابادے باید سنجید [1] اھ ملخصًا	انھوں نے مداہنت بالکفّار سے کام لیتے ہوئے دارالاسلام کو دارالکفر بنادیا، جہاں کسی ملک میں اہلِ تشیّع کا غلبہ ہُوا فتنہ وفساد اور نفاق کے باعث لوگ آپس میں گروہوں میں بٹ گئے، ہندوستان کی حالت دیکھ لو اور ملک عرب، شام اور روم کو اس پر قیاس کرلو اھ ملخصًا (ت)

یہ سب باتیں بھی حروف بحرف اس طائفہ جدیدہ پر منطبق، اول تو انھیں نکلے ایسے کے دن ہوئے تاہم جب سے سراُبھارا سارا غصّہ مسلمانوں ہی پر اتارا ہمیشہ مسلمانوں کو مشرک کہا مسلمانوں ہی کے قتل وغارت کا حوصلہ رہا، آخر کچھ دنوں شوکت بھی پائی۔فوج وجمعیت بھی ہاتھ آئی، پھر کون سا ملک کافروں سے لیا کون سا حملہ مشرکوں پر کیا ہاں خداو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہروں کو دارالحرب بتایا، لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ ماننے والوں کا خون بہایا، آدمی کو جب قوّت ملتی ہے دل کی دبی بھڑک کر جلتی ہے جن سے غیظ تھا اُنھیں پر ٹوٹے، خداو مصطفٰی کے شہر لوٹے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیعلم الظالم این المثوی (عنقریب ظالم جان لے گا کہ اس کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ت) جب وہاں ان کا ستارہ لشکر سلطانی نے گرفتار بیت الوبال کیا ان آزاد بلاد نے جہاں نہ کوئی پُرسان سنّت نہ خبرگانِ ملّت اُنھیں حبلک علی غاربک (تیری رسّی تیرے کاندھے پر ہے۔ت) کہہ کر لیا قدموں کی برکت کہاں جائے۔جب نجد اجاڑ کر ہند میں آئے یہاں اُن کے دم سے جو فتنہ وفساد پھیلے، باہم مسلمانوں میں نفاق وشقاق کے چشمے ابلے، ظاہر وعیاں ہیں، کس پر نہاں ہیں، خصوصًا اُن شہروں کو تو پوری شامت جن میں اُن کے عمائد کی کثرت کچھ دین قدیم پر جھگڑ رہے ہیں کچھ بگڑ گئے کچھ بگڑ رہے ہیں، باپ سنّی ذریّت وہابی، شوہر سنّی عورت وہابی، گھر گھر فتنے آئے دن فساد، عیش منغص چین برباد، ابتداءً بانی ثانی نے بھی وہی رنگ جمائے، بلاد اسلام دارالکفر ٹھہرائے، جس سال نجد میں ان کے اکابر کا قلع قمع ہُوا اور سُن چکے کہ ۱۲۳۳ھ تھا اُسی سال انھوں نے یہاں کے شہروں پر یہ فتوٰی دیا، امام الطائفہ نے ترغیب جہاد کے ضمن میں لکھا:

ہندوستان را دریں جز و ضمان کہ ۱۲۳۳ھ دوصدوسی وسوم اکثرش دریں ایام دارالحرب گردیدہ [2]۔	ہندوستان کو اس وقت یعنی ۱۲۳۳ھ میں کہ اس کا اکثر حصہ دارالحرب قرار دیا جاچکا ہے۔(ت)

[1] تحفہ اثنا عشریہ فصل دوم در مکائد جزئیہ روافض الخ کید یازدہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷

[2] صراطِ مستقیم فصل چہارم افادہ ۵ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۶۵

مگر زمانے نے زیادہ مہلت نہ دی، دل کی حسرت دل ہی میں رہی، اتباع میں کوئی نہ ہوا کہ ٹوٹے جگ کو جوڑے، ناچار زبانِ قلم و قلمِ زبان سے چلے دل کے پھپھولے پھوڑے، تکفیر مسلمین اصل مذہب ہے، کفر شرک تو پہلا لقب ہے، ان کے بعض دلاوروں نے تصریحیں کی ہیں کہ اہلسنت کفار حربی ہیں اُن کے خون ومال حلال بلکہ اس سے زائد شیطانی اقوال، موقع پائیں تو کیا کچھ نہ کر دکھائیں،

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَ مَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ[1]۔ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ ھو المستعان علٰی کل ذی شر۔	بُغض وبیر اُن کی باتوں سے جھلک اُٹھا اور وہ (غیظ وعناد) جو سینوں میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے (ت) اس اللہ کے سوا کوئی طاقت وقوت نہیں رکھتا جو ہر شر کے خلاف مددگار ہے۔ (ت)

غرض کہیں خوارج کی ہمسنگی کہیں روافض سے ہمرنگی ع : مذہب معلوم واہلِ مذہب معلوم اور شاہ صاحب کے اخیر فقرے تو موتیوں میں تولنے کے قابل کہ:

حالت ایران ودکن وہندوستان باید دید وحالت ملک عرب وشام وروم وتوران وترکستان راباوے باید سنجید[2]۔	ایران ودکن اور ہندوستان کی حالت دیکھ لیجئے اور ملک عرب وشام اور روم وتوران وترکستان کو ان پر قیاس کر لینا چاہئے۔ (ت)

واقعی دیکھیے یہاں ان کی آزادی وبے قیدی سے مذہبِ حق پر کتنا ضرر ہے اور وہاں جو عام بلاد میں ان کا نشان نہیں اور نجد میں جو بقیۃ السیف رہے اُن میں سر اُٹھانے کی جان نہیں دین متین کس قوت پر ہے ماشاء اللہ لا قوۃ الاّ باللہ ان صاحبوں سے پوچھیئے آپ بھی شاہ صاحب کی طرح یہ عرب وروم وشام کا ہندوستان سے موازنہ مانیں گے یا ان برکت والے ملکوں کو اس سے بھی بدتر حال میں جانیں گے کہ یہاں آپ کے مذہب کو اشتہار بھی ہے اعلان مشرب کا اختیار بھی ہے اور وہاں تو یہ اعزازِ مذہب جدید کا نام لیا اور آفت رسید والحمد للہ العلی المجید، غرض کہاں تک کہیئے کلام طویل اور فرصت قلیل عرب وعجم کے علمائے اہلسنت شکر اللہ تعالٰی مساعیم الجمیلہ نے بکّرات ومرّات اس طائفہ تالفہ کے رد بلیغ فرمائے، اور فقیر غفر اللہ تعالٰی کے بھی متعدد فتاوٰی میں ہر بار کلام تازہ وفوائد جدیدہ بیان میں آئے، یہاں سائل کا جس قدر سے سوال ہے

[1] القرآن ۳/ ۱۱۸

[2] تحفہ اثنا عشریہ فصل دوم مکائد جزئیہ روافض الخ کید نمبر ۱۱ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷

اُس کی طرف توجہ کا خیال ہے فاقول مستعینا بالقریب المجیب وما توفیقی الاّ باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

الشروع فی الجواب بتوفیق الملک الوہاب

بلاشبہہ غیر مقلد کے پیچھے نماز مکروہ وممنوع ولازم الاحتراز، اُنھیں بااختیار خود امام کرنا ہرگز کسی سنّی محبِ سنّت وکارہ بدعت کا کام نہیں، اور جہاں وہ امام ہوں اور منع پر قدرت نہ ہو سنّی کو چاہئے دوسری جگہ امام صحیح العقیدہ کی اقتدا کرے حتی کہ جمعہ میں بھی جبکہ اور جگہ مل سکے۔ امام محقق ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد وھوالمفتی بہ لانہ بسبیل من التحول[1]۔	امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ میں فاسق وبدعتی کی اقتداء مکروہ ہے جبکہ شہر میں جمعہ متعدد مقامات پر قائم ہوتا ہو کیونکہ اس صورت میں دوسرے مقام پر منتقل ہونا ممکن ہے (ت)

اور اگر بمجبوری اُن کے پیچھے پڑھ لی یا پڑھنے کے بعد حال کھُلا تو نماز پھیر لے اگرچہ وقت جاتا رہا ہو اگرچہ مدّت گزر چکی ہو کما حققہ المولی الفاضل سیّدی امین الدین محمد بن عابدین الشامی رحمہ اللہ تعالٰی فی ردالمحتار (جیسا کہ ہمارے عظیم فاضل سیّدی امین الدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) فقیر غفراللہ تعالٰی اس حکم کو پانچ دلیلوں سے روشن کرتا ہے، وباللہ التوفیق۔

دلیل اوّل: یہ تو خود واضح اور ہماری تقریر سابق سے لائح کہ طائفہ مذکورہ بدعتی بلکہ بدترین اہلِ بدعت سے ہے، اور فاضل علّامہ سیّدی احمد مصری طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی حاشیہ دُرمختار میں ناقل:

من شذّ عن جمھور اھل الفقہ والعلم والسواد الاعظم فقد شذّ فیما یدخلہ	یعنی جو شخص جمہور اہلِ علم وفقہ وسوادِاعظم سے جُدا ہو جائے وُہ ایسی چیز کے ساتھ تنہا ہوا جو اُسے

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

فی النار فعلیکم معاشر المومنین باتباع الفرقۃ الناجیۃ المسماۃ باہل السنۃ والجماعۃ فان نصرۃ اللہ تعالٰی وحفظہ وتوفیقہ فی موافقتھم وخذلانہ وسخطہ فی مخالفتھم وھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی مذاہب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون رحمھم اللہ تعالٰی ومن کان خارجاعن ھذہ الاربعۃ فی ھذاالزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[1]۔	دوزخ میں لے جائے گی تو اے گروہ مسلمین! تم پر فرقہ ناجیہ اہلسنّت وجماعت کی پیروی لازم ہے کہ خدا کی مدد اور اُس کا حافظ وکارساز رہنا موافقتِ اہلسنّت میں ہے اور اُس کو چھوڑ دینا اور غضب فرمانا اور دشمن بنانا سنیوں کی مخالفت میں ہے اور نجات والا گروہ اب چار مذاہب میں مجتمع ہے حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت فرمائے اس زمانے میں ان چار سے باہر ہونے والا بدعتی جہنمی ہے۔

علّامہ شامی کا ارشاد گزرا کہ انھوں نے ان کے اسلاف نجد کو خارجیوں میں شمار فرمایا۔ یہ خلاف کہ اصول میں اُن کے مقلد اور فروع میں اعلانِ بے لگامی سے اُن پر بھی زائد کہ وُہ بظاہر ادعائے حنبلیت رکھتے تھے یہ اس نام کو بھی سیمائے شرک اور اپنے حق میں دشنام سخت جانتے ہیں کیونکہ خوارج میں داخل اور اپنے اگلوں سے بڑھکر گمراہ ومبطل نہ ہوں گے۔ ان صاحبوں سے پہلے بھی ایک فرقہ قیاس واجتہاد کا منکر تھا جنہیں ظاہر یہ کہتے تھے جن کی نسبت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے لکھا:

داؤد ظاہری ومتابعانش رااز اہلسنت شمردن درچہ مرتبہ از جہل وسفاہت است الخ۔	داؤد ظاہری اور اس کے متبعین کو اہل سنّت سے شمار کرنا بڑی جہالت وبیوقوفی ہے الخ (ت)

مگر وہ بیچارے بااینہمہ تقلید کو شرک اور مقلدان ائمہ کو مشرک نہ جانتے تھے جب بتصریح شاہ صاحب انھیں سنّی جاننا سخت جہالت وحماقت ہے تو استغفر اللہ یہ کہ ضلالت میں اُن سے ہزار قدم آگے کیونکر ممکن کہ بدعتی گمراہ نہ ٹھہریں، بالجملہ ان کا مبتدع ہونا اظہر من الشمس وابین من الامس ہے اور اہلِ بدعت کی نسبت تمام کتب فقہ ومتون وشروح وفتاوی میں صریح تصریحیں موجود کہ ان کے پیچھے نماز مکروہ، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ کراہتِ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳

تحریمی ہے یعنی حرام کی مقارب، گناہ کی جالب، اعادہ نماز کی موجب،

كما اثبتنا عليه عرش التحقيق بحول ربنا ولی التوفيق فی تحريرلنا مستقل انيق واجبنا فيه عما يتراای من خلاف هذا القول التحقيق بقبول اهل التدقيق ولنذكر طرفا من الكلام افادة لمزيدا لتوثيق۔	جیسا کہ اس پر ہم نے اپنی مستقل تصنیف لطیف میں اپنے رب کے فضل وکرم سے خوب تحقیق کی ہے اور اس محقق قول کے خلاف شبہات کا جواب بڑی دقیق نظر سے دیا ہے ،مزید توثیق کے لئے کچھ گفتگو یہاں کردیتے ہیں۔(ت)

علماء فرماتے ہیں نماز اعظم شعائر دین ہے اور مبتدع کی توہین شرعًا واجب، اور امامت میں اُس کی توقیر وتعظیم مقصود شرع سے بالکل مجانب۔ طبرانی [۳۲] معجم کبیر میں عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولاً اور بیہقی [۳۳] شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرہ مکّی سے مرسلاً راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام[1]۔	جو کسی بدعتی کی توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔

اقول: وباللہ التوفیق اوّلاً ظاہر ہے کہ امام سردار ہوتا ہے اور مقتدی اس کے پیرو۔ حضور [۳۴] سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما جعل الامام ليؤتم به[2]۔رواه الائمة واحمد والبخاری ومسلم وغيرهم عن ام المؤمنين الصديقة و[۳۵] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهما۔	امام تو اسی لئے مقرر ہوا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔اس کو ائمہ کرام احمد، بخاری، مسلم وغیرہ نے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور حدیث میں ہے حضور [۳۶] سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامُدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش[3]۔رواه الامام ابوبكر ابی الدنيا	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب تبارک وتعالٰی غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرشِ الٰہی

فی ذم الغيبة عن انس خادم رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم و [۳۷] ابن عدی فی الكامل عن ابی	ہل جاتا ہے۔اسے امام ابو بکر بن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ میں حضرت انس خادمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] شعب الایمان باب ۶۷ فصل فی مجانبۃ الفسقۃ والمبتدعۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۶۱

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان باب انما جعل الامام لیوتم بہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۵، ۹۲

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ س ابن عبداللہ الرقی مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۳۰۷ اور ۵/ ۱۹۱۷، شعب الایمان مطبوعہ بیروت ۴/ ۲۳۰، تاریخ ابن عساکر مطبوعہ بیروت ۶/ ۴۰، تاریخ بغداد مطبوعہ بیروت ۷/ ۲۹۸ اور ۸/ ۴۲۸

ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	وسلم سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور امام عبدالعظیم منذری زکی الدین علیہ الرحمۃ الٰی یوم الدین نے کتاب الترغیب والترہیب میں ایک ترہیب اس بارے میں لکھی کہ فاسق یا بدعتی کو سردار وغیرہ کلماتِ تعظیم سے یاد نہ کیا جائے،

حیث قال الترھیب من قولہ لفاسق او مبتدع یا سیّدی اونحوھا من الکلمات الدالۃ علی التعظیم [1]۔	ان کے الفاظ یہ ہیں کہ فاسق یا بدعتی کو یا سیّد وغیرہ تعظیم کے الفاظ سے پکارنا منع ہے۔

پھر اس میں حدیث بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نقل کی کہ حضور ۳۸ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولو اللمنافق یاسیّد فانہ ان یکن سیدا فقد اسخطتم ربکم عزوجل [2]۔رواہ ابوداؤد والنسائی باسناد صحیح [3]۔	منافق کو 'اے سردار' کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہُوا تو بیشک تم نے اپنے رب عزّوجل کو ناراض کیا، اسکو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور حاکم کے لفظ یہ ہیں:

اذاقال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربہ عزوجل [4]۔قلت وھکذااخرجہ البیہقی فی شعب الایمان۔	جب کوئی شخص منافق کو سردار کہہ کر پکارے تو بیشک وُہ اپنے رب عزوجل کو غضب میں لایا میں کہتا ہوں اور یونہی اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

سبحٰن اللہ! جب فاسق وبدعتی کی زبانی تعریف اور اُنھیں صرف محل خطاب میں بلفظ سردار

---

[1] الترغیب والترہیب الترہیب من قولہ لفاسق الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷۹

[2] الترغیب والترہیب الترہیب من قولہ لفاسق الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷۹

[3] الترغیب والترہیب الترہیب من قولہ لفاسق الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷۹

[4] الترغیب والترہیب الترہیب من قولہ لفاسق الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷۹

ندا کرنا موجبِ غضب الٰہی ہوتا ہے تواُسے بحالتِ اختیار حقیقۃً امام وسردار بنانا اور آپ اُس کے تابع و پیرو بننا معاذاللہ کیونکر موجبِ غضب نہ ہوگا اور بے شک جو بات باعثِ غضبِ رحمٰن عزوجل ہو اُس کا ادنٰی درجہ کراہت تحریم ہے۔

ثانیًا ابونعیم [۳۹] حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اهل البدعة شر الخلق والخليقة [1]۔	بدعتی لوگ تمام جہان سے بدتر ہیں۔

[۴۰] بیہقی کی حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لايقبل الله لصاحب بدعة صلوة ولا صوما ولا صدقة ولا حجا ولا عمرة ولا جهاد اولا صرفا ولا عدلا يخرج من الاسلام كما تخرج الشعرة من العجين [2]۔	اللہ کسی بدمذہب کی نماز قبول کرے نہ روزہ نہ زکوٰۃ نہ حج نہ جہاد نہ فرض نہ نفل، بدمذہب اسلام سے یوں نکل جاتا ہے جیسے آٹے سے بال۔

[۴۱] امام دارقطنی وابوحاتم محمد بن عبدالواحد خزاعی اپنے جُزء حدیثی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصحاب البدع كلاب اهل النار [3]۔	اہلِ بدعت دوزخیوں کے کتے ہیں۔

اور ان کے سوا بہت حدیثیں بدمذہبوں کی مذمّت شدیدہ میں وارد ہوئیں اور پُرظاہر کہ نماز مقام مناجات ورازاور تمام اعمال صالحہ میں معزز و ممتاز ہے کیا نظافت ایمانی گوارا کرسکتی ہے کہ ایسی جگہ ایسے اشرار کو بلاعذر اپنا پیشوا وسردار کیا جائے جن کے حق میں سگانِ جہنم وارد ہوا عقلِ سلیم تو یہی کہتی ہے کہ اگر اہلِ بدعت واہوا زمانہ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ظاہر ہوتے اُن کے پیچھے

[1] حلیۃ الاولیاء، مروی از ابوسعید موصلی، مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۸/ ۲۸۹

[2] کنزالعمال فصل فی البدع مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۳۰، الترغیب والترہیب الترہیب من ترک السنۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۶، سنن ابن ماجہ باب البدع والجدل مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶

[3] کنزالعمال فصل فی البدع مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۸، الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۱۰۷۹ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۲۸

نماز سے ممانعت آتی نہ یہ کہ صرف خلافِ اولیٰ ہے پڑھ لو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

ثالثاً بد عتی مبغوضِ خدا ہے اور مبغوضِ خدا سے نفرت ودُوری واجب، ولہذا قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [1]	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور اسی لئے احادیث میں فرق باطلہ سے قُرب واختلاط کا منع آیا احمد و ۴۲ ابوداؤد وحاکم حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتجالسوا اھل القدر ولا تفاتحوھم [2]۔	قدریوں کے پاس نہ بیٹھو نہ اُن سے سلام کلام کی ابتدا کرو۔

عقیلی و ۴۳ ابن حبان انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیاتی قوم یسبونھم وینتقصونھم فلا تجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتؤاکلوھم ولاتناکحوھم [3]۔	بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب واصہار چُن لئے اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں بُرا کہے گی اور ان کی شان گھٹائے گی تم اُن کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا کھانا نہ شادی بیاہ کرنا۔

جن کے پاس بیٹھنا خدا اور رسول کو ناپسند ہو جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُنھیں امام بنانا شرع کیونکر گوارا فرمائے گی

والمکروہ تنزیھا سائغ مشروع یجامع الاباحۃ کمانص علیہ العلماء الکرام وذکرنا تحقیقہ فی رسالتنا "جُمل مجلّیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ"۔	مکروہ تنزیہی مشروع اور اباحت کو جامع ہے جیسا کہ علمائے کرام نے اس پر تصریح کی ہے۔اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ ۔"جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیھًا لیس بمعصیۃ" میں کی ہے(ت)

بلکہ اس حدیث میں روایت ابن حبان ان لفظوں سے ہے:

---

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] سنن ابوداؤد باب ذراری المشرکین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۳، مسند احمد بن حنبل از مسند عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۰، المستدرک علی الصحیحین آخر کتاب الایمان مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۸۵

[3] کتاب الضعفاء الکبیر (۱۴۳) احمد بن عمران الاخنسی مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۶

فلا تواکلو ھم ولاتشاربو ھم ولاتصلواعلیھم ولاتصلوامعھم [1]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نہ ان کے کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ اُن کے جنازے کی نماز پڑھو نہ اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔

رابعًا ابن ماجہ [44] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤم فاجر مؤمنا الاان یقھرہ بسلطان یخاف سیفه اوسوطه [2]۔	ہر گز کوئی فاسق کسی مسلمان کی امامت نہ کرے مگر یہ کہ وہ اُس کو بزور سلطنت مجبور کردے کہ اُس کی تلوار یا کوڑے کا ڈر ہو۔

بلکہ ابن شاہین نے کتاب الافراد میں حضرت [45] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تقربواالی اللہ ببغض اھل المعاصی ولقوھم بوجوہ مکفھرۃ والتمسوا رضا اللہ بسخطھم وتقربواالی اللہ بالتباعد منھم [3]۔	اللہ کی طرف تقرب کرو فاسقوں کے بُغض سے اور اُن سے تُرش رُو ہوکر ملو اور اللہ کی رضامندی اُن کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ کی نزدیکی اُن کی دُوری سے چاہو۔

جب فساق کی نسبت یہ احکام ہیں تو مبتدعین کا کیا پُوچھنا ہے کہ یہ تو فساق سے ہزار درجہ بدتر ہیں اُن کی نافرمانی فروع میں ہے انکی اصول میں وہ گناہ کرتے اور اُسے برا جانتے ہیں یہ اس اشد واعظم میں مبتلا ہیں اور اُسے عین حق وہُدی جانتے ہیں، وہ گاہ گاہ نادم ومستغفر، یہ گاہ وبے گاہ مصر ومستکبر، وہ جب اپنے دل کی طرف رجوع لاتے ہیں اپنے آپ کو حقیر وبدکار اور صلحا کو عزیز ومقرب دربار بتاتے ہیں، یہ جتنا غلو وتوغل بڑھاتے ہیں اُتنا ہی اپنے نفس مغرور کو اعلٰی وبالا اور اہل حق وہدایت کو ذلیل وپُرخطا ٹھہراتے ہیں ولہذا حدیث میں ان کی نسبت بدترین

---

[1] کنزالعمال الباب الثالث فی ذکرالصحابۃ الخ حدیث ۳۲۶۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

ف: صاحب کنزالعمال نے "ابن النجار عن انس" کا حوالہ دیا ہے۔

[2] سنن ابن ماجہ باب فرض الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۷۷

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۳۲۰ باب التاء مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۶ ، کنزالعمال حدیث ۵۵۱۸ و۵۵۸۵ بحوالہ ابن شاہین مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۶۷-۸۱

خلق وارد ہوا کمار وینا (جیسا کہ اس سے متعلق روایت میں ذکر کر آئے ہیں۔ت) اور غنیہ شرح منیہ میں ہے:

المبتدع نفاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانه فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع[1]۔	بدعتی، اعتقاد کے لحاظ سے فاسق ہوتا ہے جو عمل کے اعتبار سے فسق سے کہیں بدتر ہے کیونکہ فاسق اپنے فاسق ہونے کا معترف ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی سے ڈرتا اور معافی مانگتا ہے بخلاف بدعتی کے (ت)

بالجملہ بدمذہبی فی نفسہٖ ایسی ہی چیز ہے جسے امامت دینی سے مباینت یقینی ہے اور اُسکے بعد منع پر دوسری دلیل کی چنداں حاجت نہیں، کس کا دل گوارا کرے گا کہ جہنم کے کتّوں سے ایک کتّا مناجاتِ الٰہی میں اس کا مقتداء ہو۔علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی میں فرماتے ہیں:

بدعة المبتدع یفضی الی عدم الاقتداء به سیما فی اھم امور الدین[2]۔	بدعتی کی بدعت اسکی عدم اقتدا کا تقاضا کرتی ہے خصوصًا اہم امورِ دین میں (یعنی نماز میں)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المبتدع تکرہ امامته بکل حال[3]۔	بدعتی کی امامت ہر حال میں مکروہ ہے (ت)

علامہ ابراہیم حلبی نے تصریح فرمائی کہ فاسق ومبتدع دونوں کی امامت مکروہ تحریمی ہے اور امام مالک کے مذہب اور امام احمد کی ایک روایت میں اُن کے پیچھے نماز اصلاً ہوتی ہی نہیں جیسے کسی کافر کے پیچھے۔شرح صغیر منیہ میں فرمایا:

یکرہ تقدیم الفاسق کراھة تحریم وعند مالك لا یجوز تقدیمه وھو روایة عن احمد وکذا المبتدع[4]۔	فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے اور امام مالک کے نزدیک اس کی تقدیم (امامت) جائز نہیں اور امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے اور یہی حال بدعتی کا ہے۔(ت)

علامہ طحطاوی حاشیہ دُرمختار میں فاسق وبدمذہب کے پیچھے نماز کے باب میں فرماتے ہیں: الکراھة

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] ذخیرہ العقبٰی، فصل فی الجماعۃ مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۸

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[4] صغیری شرح منیۃ المصلی مباحث الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶۴

فیہ تحریمیة علی ما سبق[1] (اس میں کراہتِ تحریمی ہے جیسا کہ پہلے گزرا۔ت) بحر العلوم عبد العلی لکھنوی نے ارکانِ اربعہ میں دربارہ تفضیلیہ فرمایا:

اما الشیعة الذین یفضلون علیا علی الشیخین ولا یطعنون فیھما اصلا کالزیدیة فیجوز خلفھم الصلاة لکن تکرہ کراھة شدیدة[2]۔	ایسے شیعہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتے ہوں اور ان دونوں پر طعن بھی نہ کرتے ہوں مثلاً فرقہ زیدیہ، تو ان کے پیچھے نماز جائز ہے لیکن شدید کراہت ہے(ت)

جب تفضیلیہ کہ صرف جناب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو حضرات شیخین پر افضل کہنے سے مخالف اہلسنت ہوئے باقی اُن کی سرکار میں معاذاللہ گستاخی نہیں کرتے اُن کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہوگی یہ تو اشد مبتدعین جن کی اہلسنت سے مخالفتیں غیر محصور اور محبوبانِ خدا پر طعن و تشنیع اُن کا دائمی دستور ان کے پیچھے کس عظیم درجہ کی کراہت چاہئے، ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو۲ شخصوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور اس کی وجہ یہی فرمائی کہ یہ بدعتی ہیں:

فی شرح الفقه الاکبر عن مفتاح السعادة عن تلخیص الزاھدی عن الامام ابی یوسف عن الامام ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھما انه قال فی رجلین یتنازعان فی خلق القراٰن لاتصلوا خلفھما، قال ابو یوسف فقلت اما الاول فنعم فانه لایقول بقدم القراٰن واما الاٰخر فما باله لایصلی خلفه فقال انھما ینازعان فی الدین والمنازعة فی الدین بدعة قال القاری ولعل وجه ذم الاخر حیث اطلق ، فانه محدث انزاله[3] اھ اقول لعل الامام اطلع منه	شرح فقہ اکبر میں مفتاح السعادۃ سے تلخیص زاہدی کے حوالے سے امام ابویوسف سے منقول ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان دو۲ اشخاص (جو خلق قرآن کے بارے میں تنازع کرتے تھے) کے بارے میں فرمایا ان کی اقتداء میں نماز ادا نہ کرو۔ ابویوسف فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ایک کے بارے میں تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ قرآن کو قدیم نہیں مانتا، لیکن دوسرے میں کیا وجہ ہے کہ اس کی اقتدا میں نماز نہ ہوگی تو امام صاحب نے فرمایا وہ دونوں دین میں تنازعہ کررہے ہیں حالانکہ دین میں تنازعہ بدعت ہے۔ علی قاری نے فرمایا دوسرے کی مذمت میں شاید یہ

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۴

[2] رسائل الارکان فصل فی الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص۹۹

[3] شرح الفقہ الاکبر لملّا علی قاری فصل علم التوحید علی سائر العلوم مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ص۵

علی انه یرید المراء لیخجل صاحبه لالاظهار الحق واللہ تعالٰی اعلم۔	حکمت ہو کہ اُس نے مطلقًا اسے قدیم کہا حالانکہ اس کا انزال حادث ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) شاید امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے ارادے سے آگاہ ہوں کہ اس کا مقصد اظہار نہیں بلکہ ریاکاری کے طور پر دوسرے ساتھی کو شرمندہ کرنا ہو واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بلکہ محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے حضرت امام اعظم وامام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ بدمذہب کے پیچھے نماز اصلًا جائز نہیں۔ محقق علامہ کمال الدین بن الہمام فتح میں فرماتے ہیں:

روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف ان الصلاۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز[1]۔	امام احمد نے امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف دونوں سے روایت کیا کہ بدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں (ت)

اسی میں روایت امام ابو یوسف لایجوز الاقتداء بالمتکلم وان تکلم بحق[2] (کلامی کے پیچھے نماز جائز نہیں اگرچہ وُہ حق کے ساتھ متکلم ہو۔ت) کی شرح میں امام ابو جعفر ہندوانی سے نقل کیا:

یجوزان یکون مراد ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی من یناظر فی دقائق علم الکلام انتھی[3]۔ **اقول:** المناظرۃ فی دقائقه لایزید علی بدعة اوفسق وعلی کل یفید عدم الجواز خلف المبتدع کمالیس بخاف۔	اس سے امام ابو یوسف کی مراد وہ شخص ہے جو علم کلام کے دقائق میں مناظرہ کرے انتہی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) علم کلام کے دقائق مناظرہ زیادہ سے زیادہ بدعت یا فسق کا سبب ہے اور ہر صورت میں یہ واضح کررہا ہے کہ بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

غیاث المفتی پھر مفتاح السعادۃ پھر شرح فقہ اکبر میں امام ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے: لاتجوز خلف المبتدع[4] (بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ت) **اقول:** وباللہ التوفیق جواز کبھی بمعنی صحت مستعمل ہوتا ہے تقول البیع عند اذان الجمعة یجوز ویکرہ ای یصح ویمنع (جیسے تو کہے جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت جائز اور مکروہ ہے یعنی صحیح مگر منع ہے۔ت) اور گاہے بمعنی حلّت لا تجوز الصلاۃ

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴
[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴
[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴
[4] شرح الفقہ الاکبر لملّا علی قاری فصل علم التوحید علٰی سائر العلوم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵

فی الارض المغصوبۃ ای لاتحل وان صحت (جیسے کہ ارض مغصوبہ میں نماز جائز نہیں یعنی حلال نہیں اگرچہ صحیح ہے۔ت) اگر یہاں معنی اخیر مراد لیں لاسیما جبکہ افعال میں اکثر وہی ہے کما ان الاکثر فی العقود الاول کما صرح بہ فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ عقود میں اول معنی اکثر ہے ردالمحتار وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) تو یہ روایات بھی سابق کے منافی نہ ہوں گی کہ مکروہ تحریمی بھی بایں معنی ناجائز ہے،

ومعلوم ان ابداء الوفاق اولی ابقاء الخلاف ولذا صرحوا بانہ یوفق بین الروایات مھما امکن کما فی الشامیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم	یہ بات مسلمہ ہے کہ اتفاق کا اظہار اختلاف کو باقی رکھنے سے اولٰی ہے اسی لئے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو روایات کے درمیان موافقت پیدا کی جائے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

دلیل دوم

غیر مقلد بدمذہبی کے علاوہ فاسق معلن بیباک مجاہر بھی ہیں اور فاسق متہتک کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کما اثبتناہ فی تحریرنا ذلک اقول وبہ یحصل التوفیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنی تحریر میں اسے ثابت کیا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی سے توفیق حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) دلیل اول میں اس مسئلے پر بعض کلام اور صغیری وطحطاوی کا نص گزرا اور اس طرف امام علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق اور علامہ حسن شرنبلالی نے شرح نورالایضاح اور علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ مراقی الفلاح میں ارشاد فرمایا اور یہی فتاوٰی حجہ کا مفاد اور تعلیل مشائخ کرام سے مستفاد یہاں تک کہ علما نے تصریح فرمائی اگر غلام یا گنوار یا حرامی یا اندھا علم میں افضل ہوں تو انھیں کو امام کیا چاہئے مگر فاسق اگرچہ سب سے زیادہ علم والا ہو امام نہ کیا جائے کہ امامت میں اس کی عظمت اور وہ شرعاً مستحق اہانت، ملخص امداد الفتاح میں ہے:

کرہ امامۃ الفاسق العالم لعدم اھتمامہ بالدین فتجب اھانتہ شرعا فلا یعظم بتقدیمہ للامامۃ واذا تعذر منعہ ینتقل عنہ الی غیر مسجدہ للجمعۃ وغیرھا[1]۔	فاسق عالم کی امامت مکروہ ہے کیونکہ وہ دین کا احترام نہیں کرتا تو شرعاً اس کی اہانت لازم ہے لہذا امامت کا منصب دے کر اس کی تعظیم نہ کی جائے اور اگر اس کو روکنا دشوار ہو تو جمعہ اور دیگر نمازوں کے لئے کسی دوسری مسجد چلا جانا چاہئے (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

سیدی احمد مصری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

قولہ فتجب اھانته شرعاً فلا یعظم بتقدیمه للامامة تبع فیه الزیلعی ومفادہ کون الکراھة فی الفساق تحریمیة[1]۔	اس کا قول "پس اس کی اہانت واجب ہے تو امامت کا منصب دے کر اس کی تعظیم نہ کی جائے" زیلعی نے اسی کی اتباع کی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فاسق کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے (ت)

اور حاشیہ شرح علائی میں فرماتے ہیں:

اما الفاسق الا علم فلا یقدم لان فی تقدیمه تعظیمه وقدوجب علیھم اھانته شرعا ومفاد ھذا کراھة التحریم فی تقدیمه اھ ابو السعود[2] انتھی	فاسق بڑے عالم کو مقدم نہ کیا جائے کیونکہ اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا لوگوں پر اس کی اہانت لازم ہے اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تعظیم فاسق مکروہ تحریمی ہے اھ ابوالسعود انتہی (ت)

علامہ محقق حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

العالم اولی بالتقدیم اذکان یجتنب الفواحش وان کان غیرہ اورع منه ذکرہ فی المحیط ولواستویا فی العلم والصلاح واحدھما اقرأ فقدموا الآخر اساءوا ولایأثمون فالا ساءۃ لترک السنة وعدم الاثم لعدم ترک الواجب لا نھم قدموا رجلا صالحا کذافی فتاوی الحجه وفیه اشارۃ الی انھم لوقدموا فاسقا یأثمون بناء علی ان کراھة تقدیمه کراھة تحریم لعدم اعتنائه	عالم تقدیم (امامت) کے لئے بہتر اس وقت ہے جو وہ فاحش گناہوں سے بچنے والا ہو اگرچہ وہاں اس سے زیادہ کوئی صاحب تقوی موجود ہو، اس کا ذکر محیط میں ہے اور اگر دونوں علم وصلاح میں برابر ہوں مگر ایک اچھا قاری ہے اس صورت میں اگر لوگوں نے دوسرے کو مقدم کردیا تو برا کیا مگر گناہ گار نہ ہوں گے کہ اساءت ترک سنت کی وجہ سے اور عدم گناہ واجب کو ترک نہ کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ انھوں نے صالح شخص کو ہی امام بنایا ہے، فتاوی حجہ میں اسی طرح ہے اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر انھوں نے کسی فاسق کو مقدم کردیا تو گنہگار ہونگے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ص ۱۶۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۳

بامور دینه وتساهله فی الاتیان بلوازمه فلایبعدمنه الاخلال ببعض شروط الصلاۃ وفعل ماینا فیها بل هوالغالب بالنظر الی فسقه ولذالم تجزالصلاۃ خلفه اصلاعند مالك و روایة عن احمد[1] الخ	اس بناپر کہ اس کی تقدیم (امامت) مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہ امور دینی کی پروانہیں کرتا اور لوازمات دین کو بجالانے میں کاہلی کرتا ہے لہٰذا یہ بھی بعید نہیں کہ وہ نماز کی کوئی شرط ہی چھوڑدے یا ایسا فعل کرے جو نماز کے منافی ہو بلکہ اس کے فسق کے پیش نظر ایسا کرنا اغلب ہے اسی وجہ سے امام مالک کے نزدیک اس کے پیچھے نماز جائز ہی نہیں، امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے (ت)

رہا یہ کہ غیر مقلد فساق مجاہر کیونکہ ہیں یہ خود واضح وبین کون نہیں جانتا کہ ان کے اصاغر عموماً دوا لاًائمہ شریعت وعلمائے ملت واولیائے امت رحمہم اللہ تعالٰی کی طعن وتوہین میں گزارتے ہیں اور عام مسلمین کی سب وشتم تو ان کا وظیفہ ہر ساعت ہے جس نے جانا اس نے جانا اور جس نے نہ جانا وہ اب ان کے رسائل دیکھے، باتیں سنے خصوصاً اس وقت کے لچھے خدانہ سنوائے۔جب کہ باہم تنہا ہوتے ہیں اور اذاخلوا کا وقت پاکر آپس میں کھلتے ہیں یا بعض اہل حق نے جو اپنی تصانیف میں ان کے کلمات ان کی توالیف سے نقل کئے وہی دیکھے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ ان ہفوات مغضوبہ کا زبان وقلم پر لانا پسند نہیں کرتا اور نہ نقل کراتا ہے تو ان میں فسق اول سب دشنام اہل اسلام ہے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

سباب المسلم فسوق[2]۔ [46]اخرجه احمد و البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن ابن مسعود و [47]الطبرانی فی الکبیر عنه وعن عبدالله بن مغفل و [48]عن عمرو	مسلمان کو سب وشتم کرنا فسق ہے۔ اسے امام احمد بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طبرانی نے کبیر میں ان سے اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور حضرت عمرو

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ الخ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب ماینھی عن السباب واللعن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۳، صحیح مسلم، باب بیان قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سباب المسلم فسوق الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۵۷، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۸۵، ۴۱۱، ۴۳۳، المعجم الکبیر مروی از عمرو بن نعمان بن مقرن مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۳۹

بن النعمان بن مقرن و ۴۹ ابن ماجة وعن ابی ھریرۃ وعن ۵۰ سعد بن ابی وقاص و ۵۱ الدارقطنی فی الافراد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۔	بن نعمان بن مقرن سے ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دار قطنی نے افراد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے (ت)

فسق دوم: طعن علماء، طبرانی کبیر میں بسند حسن ۵۲ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لا یستخف بحقھم الامنافق ذوالشیبة فی الاسلام ذوالعلم وامام مقسط [1] ۔	تین شخص ہیں جن کی تحقیر نہ کرے گا مگر منافق ۱ ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، ۲ دوسرا ذی علم، ۳ تیسرا امام عادل۔

۵۳ احمد بسند حسن واللفظ لہ اور طبرانی و حاکم عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس من امتی من لم یبجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا [2] ۔	میری امت سے نہیں جو مسلمانوں کے بڑے کی تعظیم اور ان کے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور عالم کا حق نہ پہچانے۔

۵۴ مسند الفردوس میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العالم سلطان اللہ فی الارض فمن وقع فیه فقد هلك [3] ۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔	عالم اللہ کی سلطنت ہے اس کی زمین میں، تو جو اس کی شان میں گستاخی کرے ہلاک ہو جائے۔

فسق سوم: عداوت عامہ اہل عرب و حجاز انھیں جو تعصب ان کے ساتھ ہے یہی خوب جانتے ہیں،

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ [4]	بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا وہ (غیظ وعناد) جو سینوں میں چھپائے ہیں، وہ بڑا ہے۔ (ت)

اور اس کی مخالفت مذہبی کے علاوہ بار بار بتکرار علمائے عرب کے فتاوے ان کی تضلیل وتذلیل میں آنا اور بکرات ومرات کے ہم مذہبوں کا ذلتیں اور سزائیں پانا جس کی حکایت خواص وعوام میں مشہور و

---

[1] المعجم الکبیر مروی ابوامامہ باہلی مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث عبادہ بن الصامت مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۳۲۳

[3] کنزالعمال بحوالہ مسند الفردوس عن ابی ذر حدیث ۲۸۶۷۳ کتاب العلم مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۴

[4] القرآن ۳/ ۱۱۸

مذکور کچھ مدت ہوئی کہ ان کے پانچ مکلب مجاہر بنام مہاجر وہاں رہے اور اپنے دام بچھانے چاہے، حال کھلتے ہی تعزیر پاکر نکالے گئے جس پر ان کے ہمدردوں نے کہا کہ اہل حرمین نے مہاجر کو نکال کر معاذاللہ **سوادالوجہ فی الدارین** (دونوں جہانوں میں کالا چہرہ۔ت) حاصل کیا حالانکہ علاوہ اور باتوں کے ان سفیہان گستاخ نے یہ بھی نہ جانا کہ دارالاسلام سے دارالاسلام کو جانا مہاجرت نہیں یہ صورت مجاورت ہے اور مجاورت خود مکروہ تحریمی، مگر افراد اولیاء اللہ کے لئے، **کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ** (اللہ کی توفیق سے ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ" میں کی ہے۔ت) تو وہ جہاں مدعیان فضل وکمال اس فعل میں بھی اثم تھے خصوصًا جبکہ وہاں جاکر اشاعت بدعات چاہی، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنۡ يُّرِدۡ فِيۡهِ بِاِلۡحَادٍۢ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِيۡمٍ ۝۲۵ [1]	جو مکہ معظمہ میں براہ ظلم کسی بے اعتدالی کاارادہ کرے گا اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

اور یہ تو ابھی کی بات ہے کہ ان کے امام العصر جنھیں یہ حضرات شیخ الکل فی الکل کہا کرتے ہیں بخوف مسلمانان عرب، کمشنران دہلی وبمبئی کی چٹھیاں لے کرجج کو گئے وہاں جو گزری انھیں سے پوچھ دیکھیے، اگر ایمان سے کہیں ورنہ صدہا حاضرین وناظرین موجود ہیں اور خود مکہ معظمہ کے چھپے ہوئے اشتہار شہروں شہروں شہرت پاچکے غرض کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ان کو تمام عمائد وعلمائے عرب وحجاز سے سخت بغض وعداوت ہے اور طبرانی معجم کبیر میں بہ سند حسن صحیح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بغض العرب نفاق** [2]۔ (جو اہل عرب سے عداوت رکھے منافق ہے)

فسق چہارم: پھر یہ عداوت منجر بہ سب ودشنام ہوتی ہے جس کی ایک نظیر ہم اوپر لکھ چکے اور ۵۶ بیہقی شعب الایمان میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سب العرب فاولئك هم المشرکون [3]۔	جو اہل عرب کو سب وشتم کریں وہ خاص مشرک ہیں۔

فسق پنجم: مدینہ طیبہ کو جزیرہ عرب پر جس قدر فضیلت ہے اسی قدر ان کی عداوت وبدخواہی کو اہل مدینہ

---

[1] القرآن ۲۲/ ۲۵

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۱۲ مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/ ۱۴۶

[3] شعب الایمان فصل فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۲۳۱

کے ساتھ زیادت ہے اور حضور ۵۷ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایکید اھل المدینة احد الا انماع کما ینماع الملح فی الماء[1] ۔اخرجه الشیخان عن سعد بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	کوئی شخص اہل مدینہ کے ساتھ بداندیشہ نہ کرے گا مگر یہ کہ ایسا گل جائے گا جیسے نمک پانی میں اسے بخاری ومسلم نے حضرت سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اراد اھل المدینة بسوء اذابه الله کما یذوب الملح فی الماء[2]۔ اخرجه احمد ومسلم وابن ماجة عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جواہل مدینہ کے ساتھ کسی طرح کا بُرا ارادہ کرے اللہ تعالٰی اسے ایسا گلادے جیسے نمک پانی میں گل جاتا ہے۔ اسے امام احمد، مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

۵۹ دوسری حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی اھل المدینه اذاہ الله وعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین ، لایقبل منه صرف ولا عدل[3]۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن عبدالله بن عمر وبن العاص رضی الله تعالٰی عنھما۔	جو مدینہ والوں کو ایذا دے اللہ اسے مصیبت میں ڈالے اور اس پر خدا اور فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اللہ تعالٰی نہ اسکا نفل قبول کرے نہ فرض۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اگر یہ حضرات ان امور سے انکار کریں تو کیا مضائقہ ان سے کہیے تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ[4]۔ (ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے۔ ت) ہم اور تم سب مل کر مہر کردیں کہ مسائل مذہبی میں جو مسلک علمائے

---

[1] صحیح البخاری فضائل المدینہ باب اثم من کاد اہل المدینہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم ارادۃ اہل المدینہ بسوء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۴۴۵، مسند احمد بن حنبل از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۵۷

[3] کنزالعمال بحوالہ طبرانی عن ابن عمر فضائل المدینہ وماحولہا الخ حدیث ۳۴۸۳۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ، ۱۲/ ۲۳۷، مجمع الزوائد باب فیمن اخاف اہل المدینۃ وارادہم بسوء مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۳/ ۳۰۷، الترغیب والترہیب الترہیب من اخافۃ اہل المدینہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۴۱

[4] القرآن ۳/ ۶۴

حرمین طیبین زادہما اللہ شرفا و تعظیما کا ہے فریقین کو مقبول ہوگا اگر بے تکلف اس پر راضی ہو جائیں فبہا ورنہ جان لیجئے کہ یہ قطعًا اہل حرمین کے مخالف مذہب اور سنیان ہندو غیرہ کے مثل ان پاک مبارک شہروں کے علماء کو بھی معاذاللہ مشرک و گمراہ وبددین جانتے ہیں پھر عداوت و بدخواہی نہ ہونا کیا معنے، اور خود ان سے پوچھنے کی حاجت کیا ہے علمائے حرمین حفظہم اللہ تعالٰی کے فتاوے ان صاحبوں کے رد میں بکثرت موجود انھیں سے حال کھل جائے گا کہ مخالفان مذہب میں جیسا ایک دوسرے کو کہتا ہے دوسرا بھی اس کی نسبت وہی گمان رکھتا ہے، عداوت ہو خواہ محبت دونوں ہی طرف سے ہوتی ہے، جب وہ اکابر ان کے عمائد کو لکھ چکے کہ:

اُولٰٓئِکَ حِزۡبُ الشَّیۡطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزۡبَ الشَّیۡطٰنِ هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ [1]	وہ شیطان کے گروہ ہیں، بیشک شیطان ہی کا گروہ گھاٹے میں ہے۔(ت)

تو کیونکر معقول کہ یہ ان کے دشمن نہ ہوں، آخر نہ دیکھا کہ ان کے امام العصر نے امن وامان والی حرمین کو اپنے لئے محل خوف وخطر سمجھا اور کمشنر دہلی و بمبئی کی چٹھیوں کو سپر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

فسق ششم: عداوت اولیائے کرام قدست اسرارہم جس کی تفصیل کو دفتر درکار جس نے ان کے اصول وفروع پر نظر کی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ان کی بنائے مذہب محبوبان خدا کے نہ ماننے اور ان کی محبت و تعظیم کو جہاں تک بن پڑے گھٹانے مٹانے پر ہے یہاں تک کہ ان کے بانی مذہب نے تصریح کردی کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے انتہی۔ اور چوڑھے چمار اور ناکارے لوگ تو نوک زبان پر ہے، خود حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت صاف کہہ دیا کہ وہ بھی مر کر مٹی میں مل گئے،

اشد مقت اللہ علی کل من عادی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وألہ وبارك وسلّم۔	سب سے زیادہ اللہ تعالٰی کی ناراضگی ہر اس شخص پر ہے جو اللہ تعالٰی کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وبارک وسلم کے ساتھ عداوت رکھے(ت)

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ [2]	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کے رسول اور ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔

اور فرماتا ہے:

---

[1] القرآن ۵۸/ ۱۹

[2] القرآن ۹/ ۶۱

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝ [1]	اللہ نے ان پر لعنت کی دنیا و آخرت میں اور ان کے لئے تیار رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

سبحان اللہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرمائیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء [2]۔ اخرجه احمد وابوداؤد والنسائی و ابن ماجة وابن حبان والحاکم و ابونعیم کلهم عن اوس بن ابی اوس الثقفی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ اس کو امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم اور ابو نعیم سب حضرات نے حضرت اوس بن ابی اوس ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور وارد کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کلمه روح القدس لم یؤذن للارض ان تاکل من لحمه [3]۔ اخرجه الزبیر بن بکار فی اخبار المدینه وابن زبالة عن الحسن مرسلا۔	جس سے جبریل نے کلام کیا زمین کو اجازت نہیں کہ اس کے گوشت پاک میں کچھ تصرف کرے۔ اسے حضرت زبیر بن بکار نے اخبار المدینہ میں اور ابن زبالہ نے امام حسن بصری سے مرسلًا روایت کیا ہے۔

امام ابوالعالیہ تابعی نے کہا:

ان لحوم الانبیاء لا تبلیغها الارض ولاتاکلها السباع [4]۔ اخرجه الزبیر والبیهقی۔	انبیاء کا گوشت زمین نہیں گلاتی نہ درندے گستاخی کریں۔ اسے زبیر اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اور رب العالمین جل مجدہ ان کے غلاموں یعنی شہدائے کرام کی نسبت ارشاد فرمائے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ	جو خدا کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ نہ کہو

---

[1] القرآن ۳۳/ ۵۷

[2] سنن النسائی اکثار الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۱۶۲، سنن ابی داؤد باب تفریع ابواب الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰، مسند احمد بن حنبل حدیث اوس بن اوس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/ ۸

[3] الدر المنثور زیر آیۃ وایدناہ بروح القدس مطبوعہ منشورات آیۃ اللہ العظمٰی، قم، ایران ۱/ ۸۷

[4] اخبار مدینہ لزبیر بن بکار

بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ [1]	بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں۔

اور فرمائے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ [2]	خبردار شہیدوں کو مُردہ نہ جانیو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں شاد شاد ہیں۔

اور ایک سفیہ مغرور محبوبان خدا سے نفور خود حضور پرنور اکرم المحبوبین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی نسبت وہ ناپاک الفاظ کہے اور وہ بھی یوں کہ معاذاللہ حضور ہی کی حدیث کا یہ مطلب ٹھہرائے یعنی میں بھی ایک مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، قیامت میں ان شاء اللہ مر کر مٹی میں ملنے کا مزا الگ کھلے گا اور یہ جدا پوچھا جائے گا کہ حدیث کے کون سے لفظ میں اس ناپاک معنی کی بو تھی جو تو نے یعنی کہہ کر محبوب اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا کیا حضور پر افترا خدا پر افترا ہے اور خدا پر افترا جہنم کی راہ کا پرلا سرا،

اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ [3] مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ [4]	بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ دنیا متاع قلیل ہے اور ان کے لئے (آخرت میں) المناک عذاب ہے۔

بھلا جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ ہیں تو اولیائے کرام کا کیا ذکر ہے اور حضرت حق عزجلالہ فرماتا ہے:

من عادی لی ولیّا فقد اٰذنتہ بالحرب [5]۔ اخرجہ امام البخاری عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ عزوجل۔	جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے میں نے اعلان دے دیا اس سے لڑائی کا۔ اسے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حوالے سے اللہ عزوجل سے بیان کیا ہے (یعنی یہ حدیث قدسی ہے)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۵۴

[2] القرآن ۳/ ۱۶۹

[3] القرآن ۱۶/ ۱۱۶

[4] القرآن ۱۶/ ۱۱۷

[5] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۳

اور حضور پر نور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عادی اولیاء الله فقد بارز الله بالمحاربة[1]۔ اخرجه ابن ماجة والحاکم والبیهقی فی الزهد عن معاذ بن جبل رضی الله تعالٰی عنه قال الحاکم صحیح ولاعلة له۔	جس نے اولیاء اللہ سے عداوت کی وہ سرمیدان خدا کے ساتھ لڑائی کو نکل آیا۔ اس کو ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے زہد میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ امام حاکم نے فرمایا یہ روایت صحیح ہے اور اس میں کوئی علت نہیں ہے۔(ت)

اللہ تعالٰی اپنے محبوبوں کی سچی محبت پر دنیا سے اُٹھائے اٰمین۔ بجاههم عندك یاارحم الراحمین یامن احبهم فامرنا بحبهم حبیهم الینا وحببنا الیهم بحبنا ایاهم یا اکرم الاکرمین اٰمین اٰمین۔

فسق ہفتم: ہم اوپر بیان کر آئے کہ ان کا خلاصہ مذہب یہ ہے کہ گنتی کے ڈھائی آدمی ناجی باقی تمام مسلمین شرک میں پڑ کر ہلاک ہوگئے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا سمعت الرجل یقول هلك الناس فهو اهلکهم[2]۔ اخرجه احمد والبخاری فی الادب ومسلم وابوداؤد عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جب تو کسی کو یوں کہتے سنے کہ لوگ ہلاک ہوگئے تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔ اسے امام احمد اور بخاری نے الادب المفرد میں، مسلم اور ابوداؤد نے سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حدیث سے ثابت ہوا کہ حقیقۃً یہی لوگ جو ناحق مسلمانوں کو چنیں وچناں کہتے ہیں خود ہلاک عظیم کے مستحق ہیں اور اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ۠﴿۳۵﴾[3]	کون ہلاک ہوا سوا فاسق لوگوں کے۔

پھر ان کے اشد الفاسقین سے ہونے میں کیا شبہہ ہے والعیاذ باللہ سبحٰنه وتعالٰی۔ پھر ستم بر ستم یہ کہ وہ ان محرمات کا صرف ارتکاب ہی نہیں کرتے اُنہیں حلال ومباحات بلکہ افضل حسنات بلکہ اہم واجبات سمجھتے ہیں ہیہات اگر تاویل کا قدم درمیان نہ ہوتا تو کیا کچھ ان کے بارے میں کہنا نہ تھا اللہ تعالٰی نے یہ دین پر استقلال

---

[1] سنن ابن ماجہ باب من ترجی لہ السلامۃ من الفتن مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۲۹۶، شعب الایمان باب فی اخلاص العمل حدیث ۶۸۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۳۲۸

[2] الادب المفرد (۳۲۴) باب قول الرجل ھلک الناس حدیث ۷۵۹ مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۱۹۸

[3] القرآن ۴۶/ ۳۵

اور کلمہ طیبہ کاادب وجلال بمنہ وکرمہ ہم اہلسنت ہی کو عطافرمایاہے کہ بدمذہبان گمراہ ہماری تکفیریں کریں ہم پاس کلمہ سے قدم باہر نہ دھریں وہ ہروقت اس فکر میں کہ کسی طرح ہم کو مشرک بنائیں ہم ہمیشہ اس خیال میں کہ جہاں تک ممکن ہو انہیں مسلمان ہی بتائیں۔ جیسے وہ بھوکی اونٹنی جس کے پیچھے ہری ببولیں رہیں اور ان میں شیر اور آگے صاف میدان پھرآباد شہر، وہ ببولوں کی ہریالی پر مہاریں توڑاتی اور پلٹی جاتی ہے کہ خود بھی ہلاک ہو اور سوار کو بھی مہلکہ میں ڈالے، سوار مہمیزیں کرتا تازیانے لگاتاآگے بڑھاتاہے کہ آپ بھی نجات پائے اور اسے بھی بچالے۔

هوی ناقتی خلفی وقدامی الهوی

وانی وایاها لمختلفان

(میری سواری کی خواہش میرے پیچھے ہے اور میری خواہش آگے ہے اور میں اور وہ دونوں مختلف ہیں)

منصف کے نزدیک اتنی ہی بات سے اہل حق ومبطلین کافرق ظاہر والحمدللہ رب العٰلمینo

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا۠ ﴿۸۴﴾ [1]	تم فرماؤسب اپنے اپنے طریقے پرکام کرتے ہیں تو تمہارارب خوب جانتاہے کہ کون زیادہ راہ پر ہے۔

تنبیہ: عبارت مذکورہ غنیہ دیکھ کر بعض اذہان میں یہ خیال گزر سکتاہے کہ طائفہ غیر مقلدین اگرچہ ان فسقیات کے عادی ہیں مگروہ انہیں فسق جان کر نہیں کرتے بلکہ اپنے زعم میں کارثواب وعین صواب سمجھتے ہیں یہ اُن کی فہم کی کجی اور مذہب کی بدی ہے اس سے وہ بیباکی ثابت نہ ہوئی جس کی بناپر امامت فاسق ممنوع ہوئی تھی کہ جب اسے دین کااہتمام نہیں توکیاعجب کہ بے وضو نماز پڑھائے یاشرائط نماز سے کوئی اور شرط چھوڑ جائے۔

اقول: منع امامت فاسق صرف اسی پر مبنی نہ تھابلکہ اس کی بڑی علت وہ تھی کہ تقدیم میں عظمت اور فاسق شرعاً مستحق اہانت، بہرحال موجود بلکہ عیوب وذنوب کو صواب وثواب جانتے ہیں اور زیادہ شدید الورود کہ اس سے فسق ہزار چند ہوجاتاہے تواسی قدر استحقاق اہانت ترقی پائے گااور اس کی ترقی پر اُتناہی شناعت امامت میں جوش آئے گامعہذا جس نے تجربہ کیاہے اس سے پوچھئے کہ دنیادرکنار خاص امور دین میں اصاغر بالائے طاق ان کے اکابر ومعتمدین میں جو شنیع بیباکیاں عظیم سفاکیاں پھیل رہی ہیں خدانہ کرے کہ کسی فاسق سے فاسق کو بھی اُن کی ہوالگے، کیانہ دیکھاکہ ان کے امام العصر نے اپنے مہری فتوے میں دودھ کے چچاکو بھتیجی دلائی،

[1] القرآن ۱۷/۸۴

کیا نہ جانا کہ ان کے رشید شاگرد نے مطبوعہ رسالے میں حقیقی پھوپھی تک حلال بتائی، کیا نہ سنا کہ دوسرے شاگرد نے سوتیلی خالہ کو بھانجے کے حق میں مباح کردیا اور اس آفت کے فتوے سے استاد صاحب نے اپنی مہر کا نکاح کردیا پھر امام العصر کا اُجرت لے کر مسائل لکھنا، ایک ہی مقدمہ میں مدعی مدعا علیہ دونوں کے پاس حضرت کا فتوی ہونا کیسی اعلٰی درجے کی دیانت ہے۔ ان سب وقائع کی تفصیل بعض احباب فقیر نے رسالہ **سیف المصطفٰی علی ادیان الافتراء** (۱۲۹۹ھ) ورسالہ **نشاط السکین علی حلق البقر السمین** (۱۳۰۳ھ) میں ذکر کی، پھر بات بنانے کو احیاء واموات پر ہزاروں افتراء وبہتان کرنا، فرضی کتابوں سے سند لانا، خیالی عالموں کے نام گھڑ لینا، نقل عبارت میں قطع وبرید کرنا، جرح محدثین کو نسب بدل لینا، احادیث واقوال کے غلط حوالے دینا اور ان کے سوا دیدہ ودانستہ ہزاروں قسم کی عیاریاں ان کے عمائد ومتکلمین اپنی مذہبی تصانیف میں کر گزرے، زکیں کھائیں الزام اٹھائے اور باز نہ آئے۔ رسالہ **سیف المصطفٰی** انہیں امور کے بیان واظہار میں تالیف ہوا جس میں عزیزم مؤلف حفظہ اللہ نے اکابر طائفہ کی ایک سو ساٹھ دیانتوں کو جلوہ دیا۔ پھر کون گمان کرسکتا ہے کہ جرات وجسارت میں ان کا پایا کسی فاسق سے گھٹا ہوا ہے، معہذا آزمالیجئے کہ یہ حضرات جس مسئلہ میں خلاف کریں گے آرام نفس ہی کی طرف کریں گے کبھی وہ مذہب ان کے نزدیک راجح نہ ہوا جس میں ذرا مشقت کا پلہ جھکا، تراویح میں بیس رکعت چھوڑیں تو چھتیس کی طرف نہ گئے جو امام مالک سے مروی، نہ چالیس لیں جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول اور امام اسحٰق بن راہویہ واہل مدینہ کا مذہب تھا، آٹھ پر گرے کہ آرام کا سبب تھا۔ اور ان کے بعض مسائل کا نمونہ **ان شاء اللہ تعالٰی** قریب آتا ہے۔ مسلمانو! جب بیباکی وہ ہے کہ جو چاہا کہہ دیا نہ قرآن سے غرض نہ حدیث سے کام، اجماع ائمہ تو کس چیز کا نام، ادھر آرام طلبی کا جوش تام، تو کیا عجب کہ بے غسل یا بے وضو نماز جائز کرلیں خصوصًا جبکہ موسم سرما ہو اور پانی ٹھنڈا، آخر یہ پھوپھی، بھتیجی خالہ کی حلت سے عجیب تر نہ ہوگا،

سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

اذالم تستحی فاصنع ماشئت [1]۔	جب تو بے حیا ہوجائے تو جو چاہے کر۔ (ت)

ع: آنرا کہ حیا نیست از وہیچ عجب نیست

(جس کو حیا نہیں اس سے کچھ بھی تعجب نہیں)

والعیاذ باللہ تعالٰی۔

[1] المعجم الکبیر مروی از ابو مسعود انصاری حدیث ۶۵۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

دلیل سوم

اس کی تقریر میں اوّلاً یہ سنئے کہ ان حضرات کی فقہی مسائل متعلقہ نماز وطہارت جو انہوں نے خود اپنی تصانیف میں لکھے کیا کیا ہیں اور وہ علی الاطلاق مذاہب راشدہ یا خاص مذہب حنفیّہ سے کتنے جدا ہیں محبنا مولوی وصی احمد صاحب سورتی سلمہ اللہ تعالٰی نے فتوائے جامع الشواھد فی اخراج الوھابیین عن المساجد (مساجد سے وہابیوں کو نکالنے پر جامع دلائل۔ت) میں عقائد غیر مقلدین نقل کرکے ان کے بعض عملیات بھی تلخیص کئے ہیں یہاں اسی کے چند کلمات بطور التقاط لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔

مسئلہ (۱) : پانی کتنا ہی کم ہو نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے نواب صدیق حسن خاں بہادر شوہر ریاست بھوپال نے طریقہ محمدیہ ترجمہ درر بہیہ مصنفہ قاضی شوکانی ظاہری المذہب مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ ۶و۷ پر اس کی تصریح کی، اس کتاب پر مولوی نذیر حسین صاحب نے مہر کی اور لکھا اس پر موحدین بے دھڑک عمل کریں، اور دیباچے میں خود نواب مترجم لکھتے ہیں: متبع سنت اس پر آنکھ بند کرکے عمل کرے اور اپنی اولاد اور بیبیوں کو پڑھائے [1] اور یہی مضمون فتح المغیث مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ میں ہے، یہ وہی کتاب طریقہ محمدیہ ہے جس کا نام بدل کر نواب بھوپال نے دوبارہ وسہ بارہ بھوپال اور لاہور میں چھپوایا۔ اس مسئلے کا مطلب یہ ہوا کہ کنواں تو بڑی چیز ہے اگر پاؤ بھر پانی میں دو تین ماشے اپنا یا کتے کا پیشاب ڈال دیجئے پاک رہے گا مزے سے وضو کیجئے، نماز پڑھئے کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ (۲): اسی فتح المغیث کے صفحہ ۵ اور طریقہ محمدیہ کے صفحہ ۷ میں ہے: نجاست گوہ اور موت ہے آدمی کا مطلق مگر موت لڑکے شیر خوار کا اور لعاب ہے کتے کا اور لینڈ بھی اور خون بھی حیض ونفاس کا اور گوشت ہے سوٗر کا اور جو اس کے سوا ہے اس میں اختلاف ہے اور اصل اشیاء میں پاکی ہے اور نہیں جاتی پاکی مگر نقل صحیح سے کہ جس کے معارض کوئی دوسری نقل نہ ہو [2]۔

یہاں صاف صاف نجاست کو ان سات چیزوں میں حصر کردیا باقی تمام اشیاء کو اصل طہارت پر جاری کیا جب تک نقل صحیح غیر معارض وارد نہ ہو۔ میں کہتا ہوں اب مثلاً اگر کوئی غیر مقلد مرغی کے گوہ یا سوئر کے موت یا کتے کی منی سے اپنے چہرہ و ریش بُرُوت (مونچھیں) وجامہ پر عطر وگلاب افشانی فرماکر نماز پڑھ لے یا یہ چیزیں کیسی ہی کثرت سے پانی میں مل جائیں اگرچہ رنگ ومزہ وبو کو بدل دیں اور غیر مقلد صاحب

---

[1] طریقہ محمدیہ ترجمہ درربہیہ

(ف: اسی کا دوسرا نام فتح المغیث ہے۔ نذیر احمد)

[2] فتح المغیث

اس سے وضو کریں اصلاً حرج نہیں کہ آخر جامہ بدن پر کوئی نجاست نہیں، نہ پانی کے اوصاف کسی نجس نے بدلے پھر کیا مضائقہ ہے سب مباح وروا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ثم اقول آیہ کریمہ قُلۡ لَّاۤ اَجِدُ فِیۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ[1]

(محبوب فرمادیجئے میں اپنے اوپر نازل شدہ وحی میں نہیں پاتا کسی کھانے والے پر کوئی کھانا حرام۔ت)

الا یہ سند کافی موجود اور جس طرح نجاست بے نقل صحیح غیر معارض ثابت نہیں ہوسکتی اور اصل اشیاء میں طہارت ہے یوں ہی حرمت کا ثبوت بھی بے اس کے نہ ہوگا اور اصل اشیاء میں اباحت تو غیر مقلد کو ان چیزوں کے نوش کرنے میں کیا مضائقہ ہے

ع: گر بر تو حلال ست حلالت بادا

(اگر تجھ پر پینا حلال ہے تیرا اپنا حلال کیا ہوا ہے)

مسئلہ (۳): نواب موصوف روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں: شراب ومردار وخون کی حرمت ان کی نجاست پر دلیل نہیں جو انہیں ناپاک بتائے دلیل پیش کرے اھ ملخصاً مترجماً[2]۔

میں کہتا ہوں شاعر بھولا کہ ناحق خلاف شرع پینے کا لفظ بولا اگر یہ مسئلہ سنتا تو یوں کہتا:

چھوتا نہیں شراب کبھی بے وضو کئے

قالب میں میرے روح کسی پارسا کی ہے

جس میں شریعت جدیدہ کا خلاف بھی نہ ہوتا اور زیادت مبالغہ سے حسن شعر بھی بڑھ جاتا کہ پیتا نہیں سے چھوتا نہیں میں کہیں زیادہ مبالغہ ہے۔

مسئلہ (۴) نواب صاحب اپنے صاحبزادہ کے نام سے نہج المقبول من شرائع الرسول مطبوعہ بھوپال کے صفحہ ۲۰ پر فرماتے ہیں:

شستن منی از برائے استقذار بودہ است نہ بنابر نجاست وبر نجاست خمر ودیگر مسکرات دلیلے کہ صالح تمسک باشد موجود نیست واصل در ہمہ چیز ہا طہارت ست ودر نجاست لحم خوک خلاف ست ودم مسفوح	منی کو نفرت ونظافت کی وجہ سے دھونا ضروری ہے نہ کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے، شراب اور دیگر نشہ آور اشیاکے ناپاک ہونے پر کوئی دلیل صالح نہیں جس سے استدلال کیا جاسکے اور تمام اشیاء میں اصلاً طہارت ہے۔

[1] القرآن ۶/ ۱۴۵

[2] روضہ ندیہ شرح درر بہیہ عربی بیان الاصل فی الاشیاء الطہارۃ مطبوعہ فاروقی کتب خانہ لاہور ۱/ ۲۳

حرام ست نہ نجس اھ ملخصا[1]	خنزیر کے گوشت کے نجس ہونے میں اختلاف ہے دم مسفوح حرام ہے مگر نجس نہیں اھ ملخصًا (ت)

مسئلہ (۵) اسی فتح المغیث کے صفحہ ۶ پر ہے: کافی ہے مسح کرنا پگڑی پر[2]۔ یعنی وضو میں سر کا مسح نہ کیجئے پگڑی پر ہاتھ پھیر لیجئے وضو ہوگیا اگرچہ قرآن عظیم فرمایا کرے وَامۡسَحُوۡا بِرُءُوۡسِكُمۡ[3] (اپنے سروں کا مسح کرو)

مسئلہ (۶) مولوی محمد سعید شاگرد مولوی نذیر حسین ہدایت قلوب قاسیہ کے صفحہ ۳۶ میں لکھتے ہیں جو اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس کی نماز بغیر غسل کے درست ہے[4]۔

مسئلہ (۷) فتاوی ابراہیمیہ مصنفہ مولوی ابراہیم غیر مقلد مطبوعہ دھرم پرکاش الہ آباد کے صفحہ ۲ میں ہے: وضو میں بجائے پاؤں دھونے کے مسح فرض ہے[5]۔ انہوں نے پاؤں کے مسئلے میں رافضیوں سے بھی آگے قدم رکھا وہ بیچارے بھی صرف جواز مانتے ہیں واللہ المستعان علی شر الرفاض و قومٍ شرٍّ من الرفاض (اللہ تعالٰی ہی مددگار ہے روافض کے شر پر اور اس قوم کے شر پر جو روافض سے بھی بدتر ہے۔ت)

ثانیًا یہ خیال کیجئے کہ انہیں اہلسنت کے ساتھ کس درجہ تعصب ہے، اور تعصب وہ شیئ ہے کہ خواہی نخواہی آدمی نیش عقرب (بچھو کا ڈنگ) ہو کر بتقاضائے طبع ایذا و اضرار پر کمر کستا ہے اور جہاں تک بن پڑے شقاق و خلاف کو دوست رکھتا ہے، اگر علانیہ نہ ہوسکے تو خفیہ ہی کوئی بات کر گزرے اور آپ ہی آپ دل میں ہنس لے، جہال روافض کی حکایات مشہور ہیں کہ ان کی مجالس مرثیہ میں جو جاہل سنی جا بیٹھے انہوں نے قلتین کے چھینٹے شربت میں ملائے، بعض اشقیا نے اسمائے طیبہ پرچوں پر لکھ کر فرش کے نیچے رکھ دئے کہ سنی بیٹھیں تو پاؤں کے نیچے آئیں اگرچہ نادانستہ ہی سہی۔ پھر جہاں ایسا موقع ہاتھ لگا کہ کوئی خاص چیز کسی مہمان یا حاجتمند سنی ناواقف کے کھانے پینے کو پیش کی ظاہری تکلف حد سے گزرا اور بعض نجاسات قطعیہ سے آلودہ کردی، یہ سب شاخیں تعصب کی ہیں، پھر حضرات غیر مقلدین کا تعصب ان روافض سے کم نہیں بلکہ زائد ہے کہ یہ دشمن تازہ ہیں اور ان کے حوصلوں کی نئ

[1] نہج المقبول من شرائع الرسول
[2] فتح المغیث
[3] القرآن ۵/۶
[4] ہدایت قلوب قاسیہ
[5] فتاوی ابراہیمیہ

اُٹھاں ہے اب ان کی بیباکی وجرأت ومسائل مساہلت وشدت عداوت دیکھ کر نہ صرف احتمال فوری بلکہ ظن غالب ہوتا ہے کہ اگر یہ امام کئے جائیں ضرور اپنے اُن بعض مسائل مذکورہ پر عمل کریں گے انہیں کیا غرض پڑی ہے کہ مذہب مقتدیان کی رعایت کرکے ان امور سے باز آئیں اور تعصب برت کر دل ٹھنڈا نہ کریں پھر بعض جگہ غسل وغیرہ کی مشقت اٹھانی ہو وہ نفع میں۔

ثالثاً اب یہ غور کیجئے کہ علمائے دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اہل حق وہدٰی کے مذاہب مختلفہ مثلاً باہم حنفیہ وشافعیہ میں ایک کی دوسرے سے اقتداپر کیا کلام کیا ہے یہ مسئلہ ہمیشہ سے معرکۃ الآرارہا اور اس میں تکثر شقوق واختلاف اقوال بشدت ہوا ہمیں یہاں صرف اس صورت سے غرض ہے کہ دوسرے مذہب والا جو نماز وطہارت میں ہمارے مذہب کی مراعات نہ کرے اور خروج عن الخلاف کی پروا نہ رکھے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔ پہلے اس احتیاط ومراعات کے معنی سمجھ لیجئے بعض باتیں مذاہب راشدہ میں مختلف فیہ ہیں (اختلافی مسائل) مثلاً فصد وحجامت سے شافعیہ کے نزدیک وضو نہیں جاتا ہمارے نزدیک جاتا رہتا ہے۔ مس ذکرومساس زن سے ہمارے نزدیک نہیں جاتا ان کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے، دو قلہ پانی میں اگر نجاست پڑ جائے ان کے مذہب میں ناپاک نہ عہ ہوگا ہمارے نزدیک (ناپاک) ہوجائے گا، انکے نزدیک ایک بال کا مسح وضو میں کافی ہے ہمارے یہاں ربع سر کا ضرور، ہمارے مذہب میں نیت وترتیب وضو میں فرض نہیں ان کے نزدیک فرض، وعلٰی ہذا القیاس، اس قسم کے مسائل میں باجماع ائمہ آدمی کو وہ بات چاہئے جس کے باعث اختلاف علما میں واقع نہ ہو جب تک یہ احتیاط اپنے کسی مکروہ مذہب کی طرف نہ لے جائے تو محتاط شافعی فصد وحجامت سے وضو کرلیتے ہیں اور مسح میں بعض پر قناعت نہیں کرتے اور محتاط حنفی مَسِ ذکرومساس زن سے وضو کرلیتے ہیں اور ترتیب ونیت نہیں چھوڑتے کہ اگرچہ ہمارے امام نے اس صورت میں وضو واجب نہ کیا منع بھی تو نہ فرمایا پھر نہ کرنے میں ہماری طہارت ایک مذہب پر ہوگی دوسرے پر نہیں اور کرلینے میں بالاتفاق طاہر ہوجائیں گے اور اپنے مذہب میں وضو علی الوضو کا ثواب پائیں گے، جو ایسی احتیاط کا خیال نہیں کرتے اور دوسرے مذہب کے خلاف ووفاق سے کام نہیں رکھتے، جمہور مشائخ کے نزدیک ان کی اقتدا جائز نہیں کہ صحیح مذہب پر رائے مقتدی کا اعتبار ہے جب اس کی رائے پر خلل طہارت یا اور وجہ سے فساد نماز کا مظنہ ہو یہ کیونکر ایسی نماز پر اپنی نماز بنا کرسکتا ہے خانیہ وخلاصہ وسراجیہ وکفایہ ونظم وبحر الفتاوی وشرح نقایہ ومجمع الانہر وحاشیہ مراقی الفلاح وغیرہا کتب میں اس کی تصریح فرمائی اور اسے علامہ سندی پھر علامہ حلبی پھر علامہ شامی نے بہت مشائخ اور علامہ قاری نے عامہ مشائخ کرام

عہ: بشرطیکہ پانی کا کوئی وصف مثلاً بو یا رنگ یا مزہ متغیر نہ ہوجائے ورنہ بالاتفاق ناپاک ہوجائے گا ۱۲ منہ (م)

سے نقل کیا، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الاقتداء بشافعی المذهب انما یصح اذاکان الامام یتحامی مواضع الخلاف بان یتوضأ من الخارج النجس ، من غیر السبیلین کالفصد ولایکون متعصبا ولایتوضأ بالماء الراکد عـــہ۱ القلیل وان یغسل ثوبه من المنی عـــہ۲ ویفرك الیابس منه ویمسح عـــہ۳ ربع رأسه هکذا فی النهایة والکفایة ولایتوضأ بالماء القلیل الذی وقعت فیه النجاسة کذا فی فتاوٰی قاضی خاں ولابالماء المستعمل هکذا فی السراجیة[1] اھ ملخصا۔	شافعی المذہب کی اقتداء اس وقت صحیح ہے جب وہ مقامات اختلاف میں احتیاط سے کام لیتا ہو، مثلاً سبیلین کے علاوہ سے نجاست کے خروج پر وضو کرتا ہو جیسا کہ رگ کٹوانے پر، اور متعصب نہ ہو اور نہ ہی قلیل کھڑے پانی سے وضو کرنے والا ہو اور منی والا کپڑا دھوتا ہو، اور خشک منی کپڑے سے کھرچ دیتا ہو، سر کے چوتھائی کا مسح کرتا ہو، نہایہ، اور کفایہ میں اسی طرح ہے، اور ایسے ہی قلیل پانی جس میں نجاست گر گئی ہو اس سے وضو نہ کرتا ہو فتاوٰی قاضی خان میں اسی طرح ہے اور نہ ہی ماء مستعمل سے وضو کرتا، جیسا کہ سراجیہ میں ہے اھ ملخصا (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اما الاقتداء بشفعوی المذهب قالوا لاباس به اذالم یکن متعصبا وان یکون متوضأ من الخارج النجس من غیر السبیلین ولایتوضأ بالماء القلیل الذی وقعت فیه النجاسة[2] اھ ملخصا۔	شافعی المذہب کی اقتداء کے بارے میں علماء نے فرمایا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ متعصب نہ ہو اور یہ کہ سبیلین کے علاوہ سے نجاست کے خروج پر وضو کرتا ہو اور اس قلیل پانی (جس میں نجاست گر گئی ہو) سے وضو نہ کرتا ہو۔ اھ ملخصًا (ت)

عـــہ۱: قلت ای بحیث تقع الغسالة فیه بناء علی نجاسة الماء المستعمل ۱۲ منه (م)	میں کہتا ہوں یعنی اس وقت جب غسالہ پانی میں گرتا ہو اس قول کی بنا پر جو ماء مستعمل کو نجس قرار دیتے ہیں ۱۲ (ت)
عـــہ۲: قلت ای اذا بلغ حد المنع ۱۲ منه (م)	میں کہتا ہوں یعنی جب مانع نماز کی حد تک پہنچ جائے ۱۲ (ت)
عـــہ۳: قلت ای لایجتزیٔ باقل منه ۱۲ منه (م)	میں کہتا ہوں یعنی اس سے اقل پر اکتفاء نہ کرتا ہو ۱۲ منہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

[2] فتاوٰی قاضی خان فصل فی من یصلح الاقتداء وفی من لایصح مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۳

فتاوی امام طاہر بن عبدالرشید بخاری میں ہے:

الاقتداء بشفعوی المذھب یجوز ان لم یکن متعصبا ویکون متوضأ من الخارج من غیرالسبیلین ولایتوضأ بماءٍ الذی وقعت فیه النجاسة وھو قدر قلتین[1] اھ عــہ ملخصا۔	شافعی المذہب کی اقتداء جائز ہے اگر وہ متعصب نہ ہواور غیر سبیلین سے نجاست کے خروج پر وضو کرنے والاہو اور اس تھوڑے پانی سے وضونہ کرتا ہو جس میں نجاست گر گئی ہو اور وہ دو قلوں کی مقدار ہے اھ تلخیصًا (ت)

جامع الرموز میں ہے:

ھذا اذا علم بالاحتراز عن مواضع الخلاف فلوشك فی الاحتراز لم یجز الاقتداء مطلقا کما فی النظم فلاباس به اذا لم یشك فی ایمانه ولم یتعصب ای لم یبغض للحنفی (وساق الکلام فی مسائل المراعاة فجمع واوعی ثم قال) الکل فی بحر الفتاوی[2]۔	یہ اس وقت ہے جب وہ مقامات اختلاف سے بچنے کا یقین رکھتا ہو اگر اس کے احتراز میں شک ہوتو پھر ہر حال میں اقتداء جائز نہیں، جیساکہ نظم میں ہے پس اس وقت اس کی اقتدا میں کوئی حرج نہیں جب اس کے ایمان میں شک نہ ہو (یعنی انا مؤمن ان شاء اللہ کہنے والانہ ہو) اور وہ متعصب نہ ہو یعنی حنفی کے ساتھ بغض نہ رکھتاہو (اس کے بعد مقامات رعایت پر گفتگو کرتے ہوئے مسائل کواکٹھاکیا پھر فرمایا) یہ تمام بحر الفتاوی میں ہے۔(ت)

شرح ملتقی الابحر میں ہے:

جواز اقتداء الحنفی بالشافعی اذاکان الامام یحتاط فی مواضع الخلاف[3]۔	حنفی کاشافعی کی اقتداکرنا اس وقت جائز ہے جب شافعی امام مقامات اختلاف میں محتاط ہو۔(ت)

عــہ: قلت الاولی تعبیر غیرہ کالخانیة بالقلیل ۱۲منه (م)	میں کہتاہوں اس کے غیر کی تعبیر بہتر ہے جیسے کہ خانیہ نے "قلیل" کے ساتھ تعبیر کیاہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوٰۃ الاقتداء باھل الھواء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

[2] جامع الرموز فصل یجھر الامام مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۷۳

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الوتر والنوافل مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۲۹

علامہ احمد مصری حاشیہ شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

صحة الاقتداء اذاكان يحتاط فی مواضع الاختلاف كأن يجدد الوضوء بخروج نحو دم وان يمسح رأسه وان يغسل ثوبه من منی اويفركه اذاجف[1] الخ	صحت اقتدا شافعی کی اس پر موقوف ہے کہ وہ مواضع اختلاف میں محتاط ہو، مثلاً خون جیسی چیز کے خروج پر نیا وضو کرتا ہو اور سر کا مسح کرتا ہو، منی والے کپڑے کو دھوتا ہو یا خشک ہونے کی صورت میں اسے کھرچ دیتا ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال كثير من المشائخ ان كان عادته مراعاة موضع الخلاف جاز والا فلا ذكره السندی المتقدم ذكره ح قلت وهذا بناء علی ان العبرة لرأی المقتدی وهو الاصح[2] الخ	اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ اگر شافعی امام کی عادت مقامات اختلاف میں احتیاط کی (یعنی وضو و نماز میں مذہب حنفی کی رعایت کرتا ہو) تو پھر اس کی اقتداء جائز ورنہ نہیں۔ سندی نے اس کو ذکر کیا اس کا تذکرہ پیچھے بھی گزرا ہے ح۔ میں کہتا ہوں یہ اس بنا پر ہے کہ اس مسئلہ میں اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے اور یہی اصح ہے الخ (ت)

اُسی میں ہے:

فی رسالة الاهتداء فی الاقتداء لملا علی القاری ذهب عامة مشائخنا الی الجواز اذاكان يحتاط فی موضع الخلاف والافلا[3]۔	ملا علی قاری کے رسالہ "الاهتدا فی الاقتداء" میں ہے کہ اکثر مشائخ کی رائے یہی ہے کہ اگر امام شافعی مقامات اختلاف میں محتاط ہے تو اقتدا جائز ورنہ نہیں۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں تصریح ہے:

بقی ان الشامی نقل عن القاری بعد قوله المذكور المعنی انه يجوز فی المراعی	رہا یہ معاملہ کہ شامی نے علی قاری سے اپنے مذکور قول کے بعد یہ نقل کیا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۱۰

[2] ردالمحتار مطلب فی الاقتداء بشافعی ونحوہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۶

[3] ردالمحتار مطلب فی الاقتداء بشافعی ونحوہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۶

بلاکراھة وفی غیرہ معہا[1] اھ

اقول: وھذا یخالف تصریح الھندیة بعدم الصحة لکن لایعکر علیّ لانی انما عبرت بعدم الجواز الشامل للفساد وکراھة التحریم فینطبق علی تفسیر القاری و تصریح الھندیة جمیعاً، والذی یظھرلی وارجوان یکون ھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی ان البطلان انما ھو اذاعلم عدم المراعاة فی خصوص الصلاة کما اختارہ العلامة السغناقی وجزم بہ وتر الدر وغیرہ والافالصواب مع القاری فتصح لعدم العلم بالمفسد وتکرہ لکونہ غیر محتاط، وان حملت الصحة فی کلام الھندیة علی الجواز وان کان فیہ بعد فیتوافق القولان ومن الدلیل علی ھذا الحمل ان صاحب الھندیة ادخل کلام قاضی خاں تحت مسئلة عدم الصحة وانما نص الخانیة کما سمعت تعلیق نفی البأس بتلک الشرائط فانما یفید بمفہوم المخالفة وجود البأس عند

رعایت کرنے والے کے پیچھے بغیر کراہت جائز ہے اور رعایت نہ کرنے والے کے پیچھے بالکراہت اھ (ت)

اقول: (میں کہتاہوں) یہ فتاوٰی ہندیہ کی اس تصریح کے مخالف ہے جس میں انہوں نے عدم صحت کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ بات مجھ پر لازم نہیں آتی کیونکہ میں نے اسے عدم جواز کے ساتھ تعبیر کیا ہے جو فساد اور کراہت تحریمی دونوں کو شامل ہے، لہذا یہ علی قاری کی تفسیر اور ہندیہ کی تصریح دونوں کے موافق ہے، اور جوچیز مجھ پر ظاہر ہوئی ہے اور میں امید کرتا ہوں ان شاء اللہ وہی صواب ہے وہ یہ ہے کہ نماز کا باطل ہونا اس صورت میں جب امام شافعی بالخصوص نماز میں رعایت نہ کرتا ہو (اس بات کا حنفی کو یقین ہو) جیسا کہ اس کو علامہ سغناقی نے اختیار کیا اور در وغیرہ کے بیان وتر میں اس پر جزم کیا ہے ورنہ اگر علم نہ ہو کہ وہ رعایت کرتا ہے تو علی قاری کی رائے صواب ہے کہ نماز درست ہوگی کیونکہ مفسد کا علم نہیں البتہ مکروہ ہوگی، کیونکہ وہ محتاط نہیں، اور اگر ہندیہ کی عبارت میں صحت کو جواز پر محمول کرلیا جائے گا اگرچہ اس میں بعد ہے تو دونوں اقوال میں موافقت ہوجائے گی، اس حمل پر ایک دلیل یہ ہے کہ صاحب ہندیہ نے کلام قاضی خاں کو مسئلہ عدم صحت کے تحت ذکر کیا ہے، اور خانیہ نے تصریح کی ہے جیسا کہ آپ سن چکے کہ نفی حرج ان شرائط کے ساتھ معلق ہے اور یہ بات مفہوم مخالف کے طور پر اس

---

[1] ردالمحتار مطلب فی الاقتداء بشافعی ونحوہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۶

عدمها، ووجود البأس لایستلزم البطلان نعم هومساو لعدم الجواز بمعنی عدم الحل المجامع لکراهة التحریم، ویؤید ذلك مانص علیه العلامة الحلبی فی الغنیة الاختلاف انما هو فی الکراهة والافعلی الجواز یعنی الصحة الاجماع۔ ثم لایذهبن عنك ان الکراهة ههنا للتحریم اذهو الذی یصح تفسیر عدم الجواز به کما فعل القاری فافهم وتثبت هذا ما ظهرلی وقد بقی خبایا العبد الضعیف حقق الکلام فی هذا المرام فی فتاواه الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة وبالله التوفیق۔	بات کی مفید ہے کہ جب شرائط معدوم ہوں توحرج لازم آئے گا اور وجود حرج بطلان کو مستلزم نہیں، ہاں وہ مساوی بنے گا عدم جواز بمعنی عدم حل کاجو کراہت تحریمی کو جامع ہے اور اس کی تائید علامہ حلبی کے ان الفاظ سے ہوتی ہے جو غنیہ میں ہیں کہ اختلاف کراہت میں ہے ورنہ جواز یعنی صحت پر اجماع ہے۔ پھر یہ بھی ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہاں کراہت تحریمی مراد ہے کیونکہ تفسیر عدم جواز کی اسی کے ساتھ درست ہوتی ہے جیسا کہ علی قاری نے کیاہے، خوب سمجھ کر اس پر قائم رہو۔ یہ وہ تفصیل تھی جو مجھ پر واضح ہوئی اور ابھی کچھ گوشے رہ گئے ہیں بندہ ضعیف نے اللہ کی توفیق سے اس مقصد پر اپنے فتاوٰی الملقب به العطایا النبویه فی الفتاوی الرضویه میں تحقیق کی ہے۔(ت)

سبحٰن اللہ جبکہ بے احتیاط شافعی کے پیچھے نماز جمہور ائمہ کے نزدیک ناجائز، توان مبتدعین تہورین کو اہل حق وہدایت سے کیانسبت ان کے پیچھے بدرجہ اولٰی ناجائز وممنوع ترہونا چاہئے کما لایخفی۔

تنبیہ: خانیہ وخلاصہ ونہایہ وکفایہ وبحر الفتاوٰی وشرح نقایہ وہندیہ کے نصوص سن چکے کہ متعصب شافعی کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی تفسیر گزری کہ متعصب [عہ] وہ جو حنفیّہ سے بغض رکھتاہو، اب غور کرلیجئے کہ غیر مقلدین کو نہ صرف حنفیّہ بلکہ تمام مقلدین ائمہ دین سے کس قدر بغض شدید وکین مدید ہے خصوصًا جوعنایت حضرات حنفیّہ خصھم اللہ بالطافه والخفیه کے ساتھ ہے بیان سے باہر توان روایات پر یہ جداگانہ دلیل ہوئی ان کی اقتداء ناجائز ہونے کی،

لکن قال المحقق فی الفتح لایخفی ان تعصبه انما یوجب فسقه[1] اھ	لیکن محقق نے فتح القدیر میں فرمایا یہ مخفی نہ رہے کہ اس کامتعصب ہونا فسق کا موجب وسبب ہےاھ

عــہ: اقول ایسے ہی شافعیہ یامالکیہ یاحنبلیہ سے بغض رکھنے والا عند من براہ اللہ من التعصب کہ اہل حق سے بغض نہ رکھے گا مگر بدمذہب، اور بدمذہب کے پیچھے نماز ممنوع ۱۲منہ سلمہ (م)

---

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃالوتر مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۱

اقول : قدعلمت ان عدم الجواز بمعنی عدم الحل الصادق بکراھۃ التحریم وان الصلاۃ خلف الفاسق مکروھۃ تحریمیۃ فان اعید الاشکال بمافی الھندیۃ اعدنا الکلام بماقدمنا وح یؤل ھذا الدلیل الی الدلیل الثانی کما لایخفی وبھذا الحمل تکون الروایات مؤیدات لما حققنا من ان الکراھۃ خلف الفاسق و المبتدع کراھۃ تحریم واللہ سبحٰنہ بکل شیئ علیم۔	اقول: (میں کہتاہوں) آپ نے پیچھے پڑھ لیا ہے کہ عدم جواز بمعنی عدم حلت ہے جو کراہت تحریمی پر صادق آتا ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اگر ہندیہ کی عبارت کے ساتھ اشکال کا اعادہ کیا جائے تو ہم سابقہ کلام سامنے لائیں گے تو اس وقت یہ دلیل دوسری دلیل کی طرف لوٹ جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں، اور اس حمل کے ساتھ تمام روایات اس تحقیق کی مؤید ہو جائیں گی جو ہم نے کی ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کی کراہت مکروہ تحریمی ہے واللہ سبحٰنہ بکل شیئ علیم۔ (ت)

دلیل چہارم

حضرت امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جو متکلم ضروریات عقائد کی بحث میں (جن میں لغزش موجب کفر ہوتی ہے) یہ چاہے کہ کسی طرح اس کا مخالف خطا کر جائے وہ کافر [عہ] ہے کہ اس نے اس کا

عــہ: کافر سے مراد کہ اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی فی الخلاصۃ سمعت القاضی الامام (یرید الامام الاجل قاضی خاں) ان اراد تخجیل الخصم یکفر قال وعندی لایکفر ویخشی علیہ الکفر اھ وقال العلامۃ بدرالرشید الحنفی فی رسالتہ فی کلمات الکفر فی المحیط من رضی بکفر نفسہ فقد کفر ای اجماعا، وبکفر غیرہ

اللہ تعالٰی کی پناہ، خلاصہ میں ہے میں نے قاضی امام (یعنی امام اجل قاضی خاں) سے سنا کہ اگر کوئی مخالف کو شرمندہ کرنے کا ارادہ رکھتا تو اسے کافر کہا جائے فرمایا اور میرے نزدیک اسے کافر نہ کہا جائے، البتہ اس پر کفر کا خوف واندیشہ ہے۔ علامہ بدرالرشید حنفی نے اپنے رسالہ میں کلمات کفر کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ محیط میں ہے وہ شخص جو اپنی ذات کے کفر پر راضی ہوگیا وہ کافر ہوگیا یعنی بالاجماع، اور جو کوئی (باقی اگلے صفحہ پر)

کافر ہوناچاہا اور مسلمان کو مبتلائے کفر چاہنا رضا بالکفر ہے اور رضا بالکفر آپ ہی کفر، علماء فرماتے ہیں ایسے متکلم کے پیچھے نماز جائز نہیں، فتح القدیر میں ہے:

قال صاحب المجتبی واماقول ابی یوسف لاتجوز الصلاۃ خلف المتکلم فیجوز ان یرید الذی قررہ ابوحنیفۃ حین رأی ابنہ حمادا ینا ظر فی الکلام فنہاہ فقال رأیتك تناظر فی الکلا م و تنہانی فقال کنا نناظر وکان علی رؤسنا الطیر مخافۃ ان یزل صاحبنا وانتم تناظرون وتریدون زلۃ صاحبکم ومن اراد زلۃ صاحبہ	صاحب مجتبٰی نے فرمایا امام ابویوسف کا قول کہ کلامی کے پیچھے نماز جائز نہیں تو ہوسکتا ہے ان کی مراد وہ ہو جس کو امام ابوحنیفہ نے مقرر رکھا ہے کہ انہوں نے جب اپنے صاحبزادے حماد کو علم کلام میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھا تو اپنے بیٹے کو اس سے منع کیا، بیٹے نے عرض کی میں نے آپ کو علم کلام میں مناظرہ کرتے دیکھا ہے اور مجھے آپ اس سے منع کر رہے ہیں اس پر آپ نے فرمایا ہم اس حال میں مناظرہ کرتے تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اختلف المشائخ ثم ذکرعن شیخ الاسلام ماحقہ ان یسطر علی الصدور وحاصلہ انہ انما یکون کفرا اذا کان یستحسنہ ثم قال) وقد عثرنا علی روایۃ ابی حنیفۃ ان الرضاء بکفر الغیر کفرمن غیر تفصیل اھ قلت وھی ھذہ الروایۃ التی ذکرفی المجتبی قال العلامۃ القاری بعد نقل مافی رسالۃ البدرالجواب ان روایۃ ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی اذا کانت مجملۃ اوعبارتہ مطلقۃ فلنا ان نفصلھا ونقیدھا علی مقتضی القواعد الحنفیۃ [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ سلمہ ربہ (م)

غیر کے کفر پر راضی ہوا اس میں مشائخ کا اختلاف ہے پھر وہاں شیخ الاسلام کے حوالے سے وہ لکھا جو سینوں پر لکھنے کے قابل ہیں، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ کفر اس وقت ہے کہ جب اس نے اسے پسند کیا ہو پھر کہا ہم امام ابوحنیفہ کی اس روایت پر مطلع ہیں جس میں ہے کہ غیر کے کفر پر راضی ہونا کفر ہے بغیر کسی فرق کے اھ میں کہتا ہوں یہی وہ روایت ہے جو مجتبٰی میں مذکور ہے، علامہ علی قاری نے رسالہ بدر کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جب مجمل ہو یا اس کی عبارت مطلق ہو تو ہم کہتے ہیں ہم اس کی تفصیل کرتے ہیں اور قواعد احناف کے مقتضا کے مطابق اسے مقید کرتے ہیں اھ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ سلمہ ربہ۔(ت)

---

[1] منح الروض شرح الفقہ الاکبر بحوالہ المحیط فصل فی الکفر مصطفی البابی مصر ص ۱۸۰

فقد اراد کفرہ فھو قد کفر قبل صاحبه فھذا ھو الخوض المنھی عنه وھذا المتکلم لایجوز الاقتداء به[1] انتھی۔	اس سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں ہمارا ساتھی پھسل نہ جائے لیکن تم اپنے ساتھی کو پھسلانے کاارادہ کرکے مناظرہ کرتے ہو اور جو شخص اپنے ساتھی کو پھسلانے کاارادہ کرے اس نے اس کا کفر چاہا تو وہ اپنے ساتھی سے پہلے کفر کامرتکب ہوا، پس ایسا غور وخوض ممنوع ہے اور ایسے کلامی کے پیچھے نماز جائز نہیں انتہی (ت)

جب اس متکلم کے پیچھے نماز ناجائز ہوئی جس کے انداز سے کفر غیر پر رضا نکلتی ہے تو یہ صریح متعصبین جن کا اصل مقصود تکفیر مسلمین دن رات اسی میں ساعی رہیں اور جب تقریراً و تحریراً اس کی تصریحیں کرچکے اور مکابر ہر طرح اپنی ہی بات بالا چاہتا ہے توقطعاً ان کی خواہش یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمان کافر ٹھہریں اور شک نہیں کہ اپنے زعم باطل میں اس کی طرف کچھ راہ پائیں توخوش ہوجائیں اور جب بحمداللہ مسلمانوں کا کفر سے محفوظ ہونا ثابت ہو غم وغصہ کھائیں توان کا حکم کس درجہ اشد ہوگا اوران کی اقتدا کیونکر روا، واللہ الھادی الی الطریق الھدی۔

دلیل پنجم

یہاں تک توان کے بدعت وفسق وغیرہما کی بناپر کلام تھا مگر ایک امر اور اشد واعظم ان کے طائفہ تالفہ سے صادر ہوتا ہے جس کی بناپر ان کے نفس اسلام میں ہزاروں دقتیں ہیں یہاں تک کہ احادیث صریحہ صحیحہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واقوال جماہیر فقہائے کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم سے ان کا صریح کافر ہونا اور نماز کاان کے پیچھے محض باطل جانا نکلتا ہے وہ کیا یعنی ان کا تقلید کو شرک اور حنفیّہ مالکیہ شافعیہ حنبلیہ عمھم اللہ جمیعًا بالطافه العلیه، سب مقلدان ائمہ کو مشرکین کو بتانا کہ یہ صراحةً مسلمانوں کوکافر کہنا ہے اور پھرایک کو نہ دو کولاکھوں کروڑوں اور پھر آج ہی کل کے نہیں گیارہ سو برس کے عامہ مومنین کو جن میں بڑے بڑے محبوبان حضرت عزت واراکین امت واساطین ملت وحملہ شریعت وکملہ طریقت تھے رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ان کے بانی مذہب کے مرجع ومقتدا اور پدر نسب وعلم واقتدا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رسالہ انصاف میں لکھتے ہیں:

بعد المأتین ظھر بینھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان	دو صدی کے بعد مسلمانوں میں تقلید شخصی نے ظہور کیا کم کوئی رہا جو ایک امام معین کے مذہب پر

[1] فتح القدیر باب الامامة مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

لایعتمد علی مذهب مجتهد بعینه[1]۔	اعتماد نہ کرتا ہو۔(ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی جن کی میزان وغیرہ تصانیف عالیہ سے امام العصر ودیگر کبرائے طائفہ نے جابجا اسناد کیا اسی میزان میں فرماتے ہیں:

یجب علی المقلد العمل بالارجح من القولین فی مذهبه مادام لم یصل الی معرفة هذه المیزان من طریق الذوق و الکشف، کما علیه عمل الناس فی کل عصر بخلاف ماذا وصل الی مقام الذوق و رأی جمیع اقوال العلماء وبحور علومهم تنفجر من عین الشریعة الاولی تبتدیئ منها وتنتهی الیها فان مثل هذا لایؤمر بالتعبد بمذهب معین لشهوده تساوی المذاهب فی الاخذ من عین الشریعة[2] اهـ ملخصا	یعنی مقلد پر واجب ہے کہ خاص اسی بات پر عمل کرے جو اس کے مذہب میں راجح ٹھہری ہو ہر زمانے میں علماء کا اسی پر عمل رہا ہے البتہ جو ولی اللہ ذوق و معرفت کی راہ سے اس مقام کشف تک پہنچ جائے کہ شریعت مطہرہ کا پہلا چشمہ جو سب مذاہب ائمہ مجتہدین کا خزانہ ہے اسے نظر آنے لگے وہاں پہنچ کر وہ تمام اقوال علماء کو مشاہدہ کرے گا کہ ان کے دریا اسی چشمے سے نکلتے اور اسی میں پھر آکر گرتے ہیں ایسے شخص پر تقلید شخصی لازم نہ کی جائے گی کہ وہ تو آنکھوں دیکھ رہا ہے کہ سب مذاہب چشمہ اولٰی سے یکساں فیض لے رہے ہیں اھ ملخصًا

یہاں سے ثابت کہ جو پایہ اجتہاد نہ رکھتا ہو نہ کشف وولایت کے اس رتبہ عظمٰی تک پہنچا اس پر تقلید امام معین قطعًا واجب ہے اور اسی پر ہر زمانے میں علماء کا عمل رہا، یہاں تک امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی نے کتاب مستطاب کیمیائے سعادت میں فرمایا:

مخالفت کردن صاحب مذہب خویش نزدیک ہیچکس عـــہ	اپنے صاحب مذہب کی مخالفت کرنا کسی کے نزدیک

عـــہ: **اقول**: وانما اراد الاجماع بعد تقرر المذاهب وظهور التمذهب للائمة باعیانهم اذ هو الصحیح لااضافة بین الناس واصحاب	**میں کہتا ہوں** ان کی مراد تقرر مذاہب اور ظہور تقلید معین ائمہ کے بعد کا اجماع ہے کیونکہ یہی صحیح ہے عام لوگوں اور اصحاب مذاہب کے درمیان کوئی نسبت نہیں ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] رسالہ انصاف مع ترجمہ کشاف مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۵۹

[2] المیزان الکبرٰی فصل فان قال قائل فهل یجب الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۱

روانبود[1]۔	بھی جائز نہیں۔(ت)

سبحان اللہ جب تقلید شخصی معاذاللہ کفروشرک ٹھہری تو تمہارے نزدیک یہ ہر عصر کے علما اور گیارہ سو برس کے عامہ مومنین معاذاللہ سب کفار ومشرکین ہوئے، نہ سہی آخر اتنا تو اجلٰی بدیہیات سے ہے جس کاانکار آفتاب کاانکار کہ صدہا برس سے لاکھوں اولیاء علماء، محدثین، فقہا، عامہ اہلسنت واصحاب حق وہدی غاشیہ تقلید ائمہ اربعہ اپنے دوش ہمت پر اٹھائے ہوئے ہیں جسے دیکھو کوئی حنفی، کوئی شافعی، کوئی مالکی، کوئی حنبلی یہاں تک کہ فرقہ ناجیہ اہلسنت وجماعت ان چار مذہب میں منحصر ہوگیا جیسا کہ اس کی نقل سید علامہ احمد مصری رحمہ اللہ تعالٰی سے شروع دلیل اول میں گزری اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کہ معتمدین ومستندین طائفہ سے ہیں۔ تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں:

اھل السنة قدافترق بعد القرون الثلثة اوالاربعة علی اربعة مذاھب ولم یبق مذھب فی فروع المسائل سوی ھذہ الاربعة[2]۔	اہل سنت تین چار قرن کے بعد ان چار مذاہب پر منقسم ہوگئے اور فروع مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی مذہب باقی نہ رہا۔

طبقات حنفیّہ وطبقات شافعیہ وغیرہما تصانیف علماء دیکھوگے تو معلوم ہوگا کہ ان چاروں مذہب کے مقلدین کیسے کیسے ائمہ ہدٰی واکابر محبوبان خدا گزرے جنہوں نے ہمیشہ اسی کی ترویج میں دفتر لکھے یہ سب تو معاذاللہ تمہارے نزدیک چنین وچناں ہوئے۔ جانے دو عمل نہ سہی قول تو مانوگے اُن جماعات کثیرہ علماء کو کیا جانوگے جنہوں نے تقلید شخصی کے حکم دیئے اور یہی ان کامذہب منقول ہوا، امام مرشد الانام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) المذاھب کمالایخفی وعدم الاعتداد فی دعوی الاتفاق بمن شذونذر وکثیر مشتھر کمالایخفی علی ذی بصر ۱۲ منه (م)	جیسا کہ واضح ہے اور دعوی اتفاق میں شاذونادر کا اعتبار نہ کرنا کثیر ومشہور ہے جیسا کہ صاحب بصیرت پر مخفی نہیں ۱۲منہ (ت)

[1] کیمیائے سعادت اصل نہم امر بمعروف ونہی از منکر مطبوعہ انتشارات گنجینہ تہران، ایران ص ۳۹۵

[2] تفسیر مظہری مسئلہ اذا صح الحدیث علی خلاف مذہبہ الخ مطبوعہ ادارہ اشاعت العلوم دہلی ۲/ ۶۴

محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

مخالفته للمقلد متفق علی کونه منکرا بین المحصلین[1]۔	تمام منتہی فاضلوں کا اجماع ہے کہ مقلد کا اپنے امام مذہب کی مخالفت کرنا شنیع وواجب الانکار ہے۔

شرح نقایہ میں کشف اصول امام بزدوی سے منقول:

من جعل الحق متعددا کالمعتزلة اثبت للعامی الخیار من کل مذهب مایهواه ومن جعل واحدا کعلمائنا الزم للعامی اماما واحدا[2]۔	یعنی جن کے نزدیک مسائل نزاعیہ میں حق متعدد ہے کہ ایک شے جو مثلاً ایک مذہب میں حلال دوسرے میں حرام ہو تو وہ عنداللہ حلال بھی ہے اور حرام بھی، وہ تو عامی کو اختیار دیتے ہیں کہ ہر مذہب سے جو چاہے اخذ کرلے یہ مذہب معتزلہ وغیرہم کا ہے اور جو حق کو واحد مانتے ہیں وہ عامی پر امام معین کی تقلید واجب کرتے ہیں یہ مذہب ہمارے علماوغیرہم کا ہے۔

علامہ زین بن نجیم مصری صاحب بحر الرائق واشباہ وغیرہما رسالہ کبائر وصغائر میں فرماتے ہیں:

اما الکبائر فقالوا هی بعد الکفر الزنا واللواطة وشرب الخمر ومخالفة المقلد حکم مقلده[3] اھ مختصرا	یعنی کبیرہ گناہ علماء نے یوں گنائے کہ عیاذًا باللہ سب میں پہلے تو کفر ہے پھر زنا واغلام وشراب خوری اور مقلد کا اپنے امام کی مخالفت کرنا اھ مختصرا۔

ملل ونحل میں ہے:

علماء الفریقین لم یجوزوا ان یأخذ العامی الحنفی الابمذهب ابی حنیفة والعامی الشفعوی الابمذهب الشافعی[4]۔	دونوں فریق کے علما یہ جائز نہیں رکھتے کہ عامی حنفی مذہب ابوحنیفہ یا عامی شافعی مذہب شافعی کے سوا دوسرے مذہب پر عمل کرے۔

شاہ ولی اللہ عقد الجید میں لکھتے ہیں:

المرجح عند الفقهاء ان العامی المنتسب	فقہاء کے نزدیک ترجیح اسے ہے کہ عامی جو ایک مذہب

---

[1] احیاء العلوم، الباب الثانی فی ارکان الامر الخ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر ۲/ ۳۶۶

[2] جامع الرموز (شرح نقایہ) کتاب الکراہیۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲۷

[3] الرسائل الفقہیہ لمؤلف الاشباہ مع الاشباہ الخ الرسالۃ الرابعۃ والثلاثون الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۹۴، ۹۰۷

[4] الملل والنحل حکم الاجتہاد والتقلید الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۰۵

الی مذھب له مذھب فلاتجوز له مخالفته[1]۔	کی طرف انتساب رکھتا ہے وہ مذہب اس کا ہوچکا اسے اس کا خلاف جائز نہیں۔

اب فرمائیے تمام منتہی فاضل جن سے امام غزالی ناقل کہ ترک تقلید شخصی کو منکر و ناروا بتاتے، اکابر ائمہ جن کے قول سے کشف کاشف کہ تقلید امام معین کو واجب ٹھہراتے مشائخ کرام جن کے صحاب کلام صاحب بحر معترف کہ ترک تقلید شخصی کو گناہ کبیرہ کہتے، علمائے فریقین وفقہائے عظام جن سے ملل ونحل وشاہ ولی اللہ حاکی کہ تقلید معین کی مخالفت ناجائز رکھتے، یہ سب تو معاذاللہ تمہارے طور پر صریح کفار ومشرکین ٹھہرے، اس سے بھی درگزر کرو ان ائمہ دین کی خدمات عالیہ میں کیا اعتقاد ہے جنھوں نے خود اپنی تصانیف جلیلہ وکلمات جمیلہ میں وجوب تقلید معین وغیرہ ان باتوں کی صاف صریح تصریحیں فرمائیں جو تمہارے مذہب پر خالص کفر وشرک ہیں ان سب کو تو نام بنام بتعیین اسم (خاک بدہان گستاخاں) معاذاللہ کافر ومشرک کہیے گا۔ یہ موجز رسالہ کو اطلاع اہل حق کے لئے ایک مختصر فتوٰی ہے جو اپنے منصب یعنی اظہار حکم فقہی کو بنہج احسن ادا کرچکا اور کرتا ہے اس میں ان اقوال وافرہ ونصوص متکاثرہ کی گنجائش کہاں۔ مگران شاء اللہ العظیم توفیق ربانی مساعدت فرمائے تو فقیر ایک جامع رسالہ اس باب میں ترتیب دینے والا ہے جو ان اقوال کثیرہ سے جملہ صالحہ کو ایک نئے طرز پر جلوہ دے گا اور ان شاء اللہ تعالٰی غیر مقلدین کے اصول مذہبی کو ان کے مستندین ہی کے کلمات مستندہ سے ایک ایک کرکے مستاصل کرے گا۔ میں یہاں صرف ان ائمہ دین وعلمائے مستندین کے چند اسماء شمار کرتا ہوں جو خاص اپنے ارشادات وتصریحات کے رو سے مذہب غیر مقلدین پر کافر ومشرک ٹھہرے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ان میں سے ہیں:

۱ امام ابوبکر احمد بن اسحاق جوزجانی تلمیذ التلمیذ امام محمد، ۲ امام ابن السمعانی، ۳ امام کیاہراسی، ۴ امام اجل امام الحرمین، ۵ امام محمد محمد غزالی، ۶ امام برہان الدین صاحب ہدایہ، ۷ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری صاحب خلاصہ، ۸ امام کمال الدین محمد بن الھمام، ۹ امام علی خواص، ۱۰ امام عبدالوہاب شعرانی، ۱۱ امام شیخ الاسلام زکریا انصاری، ۱۲ امام ابن حجر مکی، ۱۳ علامہ ابن کمال باشا صاحب ایضاح واصلاح، ۱۴ علامہ علی بن سلطان محمد قاری مکی، ۱۵ علامہ شمس الدین محمد شارح نقایہ، ۱۶ علامہ زین الدین مصری صاحب بحر، ۱۷ علامہ عمر بن نجیم مصری صاحب نہر، ۱۸ علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی صاحب تنویر الابصار، ۱۹ علامہ خیرالدین رملی صاحب فتاوٰی خیریہ، ۲۰ علامہ سیدی احمد حموی صاحب غمز، ۲۱ علامہ محمد بن علی دمشقی صاحب درِ خزائن، ۲۲ علامہ عبدالباقی زرقانی شارح مواہب، ۲۳ علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد بن حسین حسینی صاحبِ جواہر اخلاطی، ۲۴ علامہ شیخ محقق

[1] عقد الجید، باب پنجم اقسام مقلد مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی، ص ۱۵۸

مولٰینا عبدالحق محدث دہلوی، ۲۵علامہ احمد شریف مصری طحطاوی، ۲۶علامہ آفندی امین الدین محمد شامی، ۲۷صاحب منیہ، ۲۸صاحب سراجیہ، ۲۹صاحب جواہر، ۳۰صاحب مصفّٰی، ۳۱صاحب ادب المقال، ۳۲صاحب تاتارخانیہ، ۳۳صاحب مجمع، ۳۴صاحب کشف، ۳۵مؤلفان عٰلمگیریہ کہ باقرار مؤلف امدادالمسلمین پانسو علما تھے، یہاں تک کہ ۳۶جناب شیخ مجدد الف ثانی شاہ ولی اللہ، ۳۷شاہ عبدالعزیز صاحب، ۳۸قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حتّٰی کہ خود ۴۰میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے اتباع ومقلدین مگریوں کہ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا[1] تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔ت والحمدللہ رب العٰلمین۔

اور لطف یہ ہے کہ ان میں وہ بھی ہیں جن سے خود امام العصر ودیگر متکلمین طائفہ نے براہ جہالت وتجاہل اسناد کیا اور ان کے اقوال باہرہ وکلمات قاہرہ کو جو اصول طائفہ کے صریح بیخ کن تھے دامن عیّاری میں چھپالیا، میں ان شاء اللہ تعالٰی اس رسالہ میں یہ بھی ثابت کروں گا کہ علمائے سلف سے ان کے استناد محض مغالطہ وتلبیس عوام ہیں، ان کے مذہب کو ان سے اصلاً علاقہ نہیں بلکہ خود ہی اقوال جنہیں اپنی سند ٹھہراتے ہیں ان کے اصول مذہب کی بنیاد گراتے ہیں مگر حضرات کو موافق ومخالف کی تمیز نہیں یا ہے تو قصداً اغوائے جہال کو سبز باغ دکھاتے ہیں۔ میں بحول اللہ تعالٰی اس رسالے میں یہ بھی تنبیہ کروں گا کہ اپنے مباحثہ میں ان حضرات کا تقلید شخصی کے وجوب وعدم وجوب کی بحث چھیڑ دینا نرا کید وفریب وتلبیس بدزیب ہے کہ اہل تعیین واصحاب تخییر دونوں فریق جواز تعین وعدم حرج کو تسلیم کئے ہوئے ہیں جن کے نزدیک سرے سے تقلید شرک وکفران کے مسلک سے اسے کیا تعلق، وہ امر ابتدائی یعنی عدم شرک وجواز کو طے کرلیں اس کے بعد آگے چلیں، یہ چالاک لوگ اپنے لئے راہ آسان کرنے کو ادھر سے اُدھر طفرہ کرجاتے ہیں اور ہماری طرف کے ذی علم ارحناء للعنان اس میں گفتگو کرنے لگتے ہیں حالانکہ گربہ کشتن روزاول باید، ابتداءً ان ہوشیاروں کی راہ روکا چاہئے کہ پہلے شرک پھر حرمت سے جان بچالیجئے اس کے بعد آگے قصد کیجئے۔ فریقین کے اقوال ان حضرات کے رَد میں یک دل ویک زبان، اور طرفین کے علما ان کے زعم پر معاذاللہ مشرک وگمراہ ہوتے ہیں یکساں، بلکہ میں بفضلہٖ تعالٰی ثابت کروں گا کہ اقوال تخییر ان کی ردوتکذیب میں اتم واکمل ہیں پھر ان سے استناد یاان کا تذکرہ عجب تماشا ہے، میں بعونہٖ یہ بھی واضح کروں گا کہ ان حضرات کو ابھی خود اپنا ہی مسلک منقح نہیں ہوا ہے متناقض کلام متخالف احکام لکھتے اور جہاں جیسا موقع پاتے ہیں ویسا ہی بیان کرجاتے ہیں، دعوے میں کچھ دلیل میں کچھ اعتراض میں کچھ جواب میں کچھ، کبھی ایک پائے برقرار نہیں کرتے اور بیشک تمام اہل بدعت کا یہی وتیرہ ہے خصوصًا جو

---

[1] القرآن ۵۹/ ۲

اس قدر نوپیدا ہو کہ آخر جمتے جمتے ایک زمانہ چاہئے۔ میں یہاں اصل نزاع کی بحث و تحقیق میں نہیں، ان کے اقتدا کا حکم واضح کرنا ہے لہذا اس کی طرف رجوع مناسب۔

بالجملہ اصلا محل شبہ نہیں ان صاحبوں نے تقلید کو شرک وکفر اور مقلدین کو کافر ومشرک کہہ کر لاکھوں کروڑوں علماء واولیاء وصلحاء واصفیا بلکہ امت مرحومہ محمدیہ علٰی مولیٰہا وعلیہ الصلوۃ والتحیۃ کے دس حصوں سے نو۹ کو علی الاعلان کافر ومشرک ٹھہرایا، وہی علامہ شامی قدس سرہ السامی کا ان کے اکابر کی نسبت ارشاد کہ اپنے طائفہ تالفہ کے سوا تمام عالم کو مشرک کہتے اور جو شخص ایک مسلمان کو بھی کافر کہے ظواہر حدیث صحیحہ کی بناپر وہ خود کافر ہے اور طرفہ یہ کہ اس فرقہ ظاہریہ کو ظاہر احادیث ہی پر عمل کا بڑا دعوی ہے امام مالک واحمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی واللفظ لمسلم (الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔ت) حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بہا احدھما ان کان کما قال والا رجعت علیہ[1]۔	یعنی جو شخص کلمہ گو کو کافر کہے تو اُن دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے گی اگر جسے کہا وہ حقیقۃً کافر تھا جب تو خیر ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قال الرجل لاخیہ یاکافر فقد باء بہ احدھما[2]۔	جب کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کو "یا کافر" کہے تو اُن دونوں میں ایک کارجوع اس طرف بیشک ہو۔

امام احمد وبخاری ومسلم حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس من دعا رجلا بالکفر اوقال عدواللہ ولیس کذلك الاحار علیہ[3] ولا یرمی رجل رجلا بالفسق ولا یرمیہ بالکفر الا	جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے اور وہ ایسانہ ہو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے اور کوئی شخص کسی کو فسق یا کفر کا طعن نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ اسی پر الٹا پھرے گا اگر جس پر

[1] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۵۷

[2] صحیح البخاری کتاب الادب، باب من اکفر اخاہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

[3] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یاکافر مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۵۷

ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک[1]۔ هذا مختصرًا۔	طعن کیا تھا ایسا نہ ہوا۔ یہ اختصارًا ہے۔

امام ابن حبان اپنی صحیح مسمّٰی بالتقاسیم والانواع میں بسند صحیح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اکفر رجل رجلا قط الاباء بها احدهما ان کان کافرا والا کفر بتکفیرہ[2]۔	یعنی کبھی ایسا نہ ہوا کہ ایک شخص دوسرے کی تکفیر کرے اور وہ دونوں اس سے نجات پاجائیں بلکہ ان میں ایک پر ضرور گرے گی اگر وہ کافر تھا تو یہ بچ گیا ورنہ اسے کافر کہنے سے یہ خود کافر ہوا۔

علماء فرماتے ہیں یوں ہی کسی کو مشرک یا زندیق یا ملحد یا منافق کہنا، علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں زیر حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

من دعا رجلا بالکفر باللّٰه تعالٰی او الشرك به وکذلك بالزندقة والالحاد والنفاق الکفری[3] اھ ملخصًا۔	کسی شخص کے بارے میں کہنا کہ اس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کفر کیا یا شرک کیا اسی طرح زندیق، الحاد اور نفاق کفری کی نسبت کرکے پکارا (تو خود کافر ہوجائے گا) اھ تلخیصا (ت)

اور زیر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرمایا: کذلك یا مشرك ونحوہ[4] (اسی طرح اسے مشرک وغیرہ کہا تو مشرک ہوجائے گا۔ت) **اقول:** وباللّٰه التوفیق یہ معنی خود انہیں احادیث سے ثابت کہ ہر مشرک عدواللہ ہے اور عدواللہ کہنے کا حکم خود حدیث میں مصرح، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تصریح فرمائی کہ فاسق کہنا بھی پلٹتا ہے تو مشرک تو بہت بدتر بلکہ اخبث اقسام کفار سے ہے تو عمومًا یا کافر میں بھی دخول اولٰی رکھتا ہے والعیاذ باللّٰه سبحٰنه وتعالٰی، وجہ اس پلٹنے کی جس طرح ارباب قلوب نے افادہ فرمائی یہ ہے کہ مسلمان کا حال مثل آئینہ کے ہے ع

ترک وہند در من آں بیند کہ اوست

(ترک اور ہند مجھ میں وہی دیکھتا ہے جو اس میں ہے)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب، باب ماینھی عن السباب واللعن مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۳

[2] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، من اکفر انسانا الخ حدیث ۲۴۸ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۴۱۰

[3] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الرابع من الانواع الستین الکذب، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۲/ ۲۱۱

[4] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ العاشر الانواع الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶

المرء یقیس علی نفسہ (انسان دوسرے کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے۔ت) جب اس نے اسے کافر یا مشرک یا فاسق کہا اور وہ ان عیوب سے پاک تھا تو حقیقۃً یہ اوصاف ذمیمہ اسی کہنے والے میں تھے جن کا عکس اس آئینہ الٰہی میں نظر آیا اور یہ اپنی سفاہت سے اس کریہ بدنما شکل کو آئینہ تاباں کی صورت سمجھا حالانکہ دامن آئینہ اس لوث وغبار سے صاف ومنزہ ہے۔ یہ تو حدیث تھی جو بحکم **یقولون من خیر قول البریۃ** (وہ ساری مخلوق سے بہتر کا قول کہتے ہیں۔ت) ان کا زبانی وظیفہ ہے اور دل کا وہی حال جو حدیث میں ارشاد فرمایا: **لایجاوز تراقیھم** (ان کے حلق سے (اسلام) تجاوز نہیں کرے گا۔ت)

اب فقہ کی طرف چلئے بہت اکابر ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش وغیرہ عامہ علمائے بلخ و بعض ائمہ بخارا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم احادیث مذکورہ پر نظر فرما کر اس حکم کو یوں ہی مطلق رکھتے اور مسلمان کی تکفیر کو علی الاطلاق موجب کفر جانتے ہیں۔ سیّدی اسمٰعیل نابلسی شرح درر وغرر مولٰی خسرو میں فرماتے ہیں:

لوقال للمسلم کافر کان الفقیہ ابوبکر الاعمش یقول کفر وقال غیرہ من مشایخ بلخ لایکفر واتفقت ھذہ المسئلۃ ببخارا فاجاب بعض ائمۃ بخارا انہ یکفر فرجع الجواب الٰی بلخ انہ یکفر فمن افتی بخلاف قول الفقیہ ابی بکر رجع الٰی قولہ[1] الخ ملخصا	اگر کسی نے مسلمان کو کافر کہا تو فقیہ ابوبکر اعمش اسے کافر قرار دیتے، اور مشائخ بلخ میں سے دوسرے علماء کافر نہیں کہتے۔ اتفاقاً یہ مسئلہ بخارا میں پیش آیا اور بعض ائمہ بخارا نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا تو یہ جواب واپس بلخ گیا (یعنی کافر کہا جائے گا) تو جس جس فقیہ نے ابوبکر اعمش کے خلاف فتوی دیا تھا انہوں نے ان کے قول کی طرف رجوع کرلیا اھ ملخصا (ت)

رسالہ علامہ بدر رشید پھر شرح فقہ اکبر ملا علی قاری میں ہے:

فرجع الکل الٰی فتاوٰی ابی بکر البلخی وقالوا کفر الشاتم[2]۔	تمام علماء نے ابوبکر بلخی کے اس فتوٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس طرح گالی دینے والے کو کافر قرار دیا۔ (ت)

احکام میں بعد عبارت مذکورہ کے ہے:

وینبغی ان لایکفر علی قول ابی اللیث وبعض ائمۃ بخارا[3]۔	ابواللیث اور بعض ائمہ بخارا کے قول پر مناسب یہ ہے کہ کافر نہ کہا جائے۔ (ت)

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الرابع من الانواع الستین الکذب مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲

[2] شرح فقہ اکبر لملا علی قاری فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[3] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الرابع من الانواع الستین الکذب مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲

اورمذہب صحیح ومعتمد ومرجح فقہائے کرام میں تفصیل ہے کہ اگر بطور سب ودشنام بے اعتقاد تکفیر کہا تو کافر نہ ہوگا جیسے بیباکوں بے قیدوں کو خرِبے لجام وسگ بے زنجیر کہیں کہ معنی حقیقی مراد نہیں ورنہ کافر ہوجائے گا۔ فتاوٰی ذخیرہ وفصول عمادی وشرح درر وغرر وشرح نقایہ برجندی وشرح نقایہ قہستانی ونہرالفائق وشرح وہبانیہ علامہ عبدالبر ودرمختار وحدیقہ ندیہ وجواہر اخلاطی و فتاوٰی عالمگیری وردالمحتار وغیرہا کتب معتمدہ میں تصریح فرمائی کہ یہی مذہب مختار ومختار للفتوی ومفتی بہ ہے۔ علما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق اس دلیل کی علی **حسب مرامھم** (ان کے مقاصد کے مطابق۔ت) یہ ہے کہ کافر نہیں مگر وہ جس کا دین کفر ہے اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہوسکیں۔

فان الکفر والاسلام علی طرفی النقیض بالنسبة الی الانسان لایجتمعان ابدا ولایرتفعان قال تعالٰی اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا﴿۳﴾ [1] وقال تعالٰی مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهٖ [2]۔	کیونکہ کفر اور اسلام ایک انسان کی بنسبت نقیض کی دوطرفوں پر ہیں، نہ تو یہ ہمیشہ جمع ہوسکتے ہیں اور نہ ہی مرتفع۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یاوہ شاکر ہوگا یاکافر۔ دوسرے مقام پر فرمایا: اور ہم نے ایک آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔(ت)

اب جو یہ شخص مثلاً زید مؤمن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنی کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بیشک ایک دین سے متصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا تو لاجرم یہ خاص اسی دین کو کفر بتارہا ہے جس سے زید اتصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں مگر اسلام تو بالضرورۃ اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو دین اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔ اب عبارات علماء سنئے، ہندیہ میں ہے:

المختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان کان اراد الشتم ولایعتقدہ کافرا لایکفرو ان کان یعتقدہ کافرًا فخاطبه بھذا بناءً علی	اس قسم کے مسائل میں فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ ان اقوال کا قائل اگر مراد گالی لیتا ہے اور اسے اعتقاداً کافر نہیں گردانتا تو وہ کافر نہیں اور اگر اسے اعتقاداً کافر گردانتے ہوئے اسے کافر کہتا ہے تو پھر یہ کفر ہوگا کذافی

[1] القرآن ۷۶/ ۳

[2] القرآن ۳۳/ ۴

اعتقادہ انہ کافر کذا فی الذخیرۃ [1] انتھی زادالشامی عن النھر عن الذخیرۃ لانہ لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد دین الاسلام کفرا [2]۔	الذخیرۃ انتہی، شامی نے نہر کے حوالے سے ذخیرہ سے یہ اضافہ نقل کیا ہے کیونکہ وہ ایک مسلمان کو کافر مان رہا ہے گویا اس نے دین اسلام کو کفر گردانا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

عزرالشاتم بیاکافر وھل یکفر ان اعتقد المسلم کافرا نعم والالابہ یفتی [3]۔	"یا کافر" کے ساتھ گالی دینے والے پر تعزیر نافذ کی جائے گی، کیا وہ شخص کافر ہوگا جو مسلمان کو کافر گردانتا ہے؟ ہاں وہ کافر ہوگا اور اگر کافر نہیں گردانتا تو کافر نہیں، اسی پر فتوی ہے(ت)

علامہ ابراہیم اخلاطی نے فرمایا:

المختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل اذا اراد بہ الشتم لایکفرو اذا اعتقد کفر المخاطب یکفر لانہ لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد ان دین الاسلام کفرومن اعتقد ھذا فھو کافر [4]۔	ان مسائل میں مختار اور مفتی بہ یہ ہے کہ اگر قائل نے اس سے گالی مراد لی تو کافر نہیں ہوگا اور جب مخاطب کو کافر جانے گا تو کافر ہوجائے گا کیونکہ جب اس نے ایک مسلمان کو کافر جانا تو گویا اس نے دین اسلام کو کفر جانا اور جو ایسی بات کا اعتقاد رکھے وہ کافر ہوتا ہے۔(ت)

علامہ عبدالعلی نے شرح مختصر الوقایہ میں فرمایا:

قداختلف فی کفر من ینسب مسلما الی الکفر ففی الفصول العمادیۃ اذا قال لغیرہ یاکافر کان الفقیہ ابوبکر الاعمش یقول یکفر القائل وقال غیرہ لایکفر	اس شخص کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے جس نے کسی مسلمان کی کفر کی طرف نسبت کی، فصول عمادیہ میں ہے جب کسی نے غیر کو "یا کافر" کہا تو فقیہ ابوبکر اعمش ایسے شخص کو کافر جانتے لیکن دیگر علماء کافر نہیں جانتے،

---

[1] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین مطلب موجبات الکفرالخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸

[2] ردالمحتار باب التعزیر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۰۱

[3] درمختار، باب التعزیر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

[4] جواہر اخلاطی کتاب السیر، فصل فی الجہاد (قلمی نسخہ) ص۶۹

والمختار للفتوی فی جنس هذه المسائل[1] الخ ذکر مثل مامر عن الذخیرة بنقل الهندیة والنهر معًا سواءً بسواء۔	اور مختار مفتی بہ ایسے مسائل میں یہ ہے الخ گزشتہ عبارت کے مطابق ذخیرہ سے ہندیہ اور نہر دونوں کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

علامہ شمس الدین محمد نے جامع الرموز میں فرمایا:

المختار انه لواعتقد هذا الخطاب شتمالم یکفر ولواعتقد المخاطب کافرا کفر لانه اعتقد الاسلام کفرا کما فی العمادی ومافی المواقف انه لم یکفر بالاجماع ارید به اجماع المتکلمین[2]۔	مختار یہ ہے کہ اگر اس خطاب سے گالی کا اعتقاد رکھتا ہے تو کفر نہیں اور اگر مخاطب کو کافر جانتا ہے تو کفر ہوگا کیونکہ اس صورت میں اس نے اسلام کو کفر جانا ہے، جیسا کہ عمادی میں ہے۔ اور مواقف میں جو آیا ہے کہ وہ بالاجماع کافر نہیں، تو اس سے اجماع متکلمین مراد ہے۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

قذف مسلما بیاکافر واراد الشتم ولایعتقده کفرا فانه یعزر ولایکفر ولواعتقد المخاطب کافرا کفر لانه اعتقد الاسلام کفرا[3]۔	اگر کسی نے کسی مسلمان کو "یاکافر" کہہ کر تہمت لگائی اور مراد گالی لی اور اسے کافر نہ جانا تو ایسی صورت میں اس پر تعزیر نافذ کی جائے گی مگر کافر نہ ہوگا، اور اگر مخاطب کو کافر جانا تو کافر ہوجائے گا کیونکہ اس نے اسلام کو کفر جانا۔ (ت)

علامہ عبدالغنی شرح طریقہ محمدیہ میں احکام سے ناقل:

المختار للفتوی (فذکر عین مامر عن البرجندی وزاد) ومن اعتقد ان دین الاسلام کفر کفر۔[4]	مختار للفتوی یہ ہے (پھر بعینہٖ وہی ذکر کیا ہے جو برجندی سے گزرا ہے اور یہ اضافہ کیا) اور جس کا یہ اعتقاد ہو کہ دین اسلام کفر ہے وہ کافر ہوگیا۔ (ت)

---

[1] شرح نقایہ برجندی کتاب الحدود مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۸

[2] جامع الرموز، فصل من قذف، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۳۵

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی التعزیر مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۱۰

[4] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الرابع من الانواع الستین الکذب مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲

اس مذہب مفتٰی بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ کو سخت دقت کہ یہ قطعًا اپنے اعتقاد سے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتے اور اپنی تصانیف میں لکھتے اور اس پر فتوے دیتے ہیں تو باتفاق ہر دو مذہب ان کا کافر ہونا لازم اور ان کے پیچھے نماز ایسی جیسے کسی یہودی اور نصرانی یا مجوسی یا ہندو کے پیچھے ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم سبحٰن اللہ کہ کہ کرد کہ نیافت چاہ کن راچاہ درراہ، مسلمانوں کو ناحق مشرک کہا تھا احادیث صحیحہ ومذاہب ائمہ کرام وفقہاء عظام پر خود انہیں کے ایمان کے لالے پڑ گئے۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را | چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

ماذا اخاضك یا مغرور فی الخطر | حتی ھلکت فلیت النمل لم تطر

(تونے دیکھا کہ پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو اس طرح اماں نہیں دی کہ وہ رات کو سحر کردے۔

اے مغرور! کس چیز نے تجھے خطرے میں ڈال دیا حتی کہ توہلاک ہوا کاش چیونٹی نہ اُڑتی!)

مگر حاش للہ ہم پھر بھی دامن احتیاط ہاتھ سے نہ دیں گے اور یہ ہزار ہمیں جو چاہیں کہیں ہم زنہار ان کو کفار نہ کہیں گے ہاں ہاں یوں کہتے ہیں اور خدا اور رسول کے حضور کہیں یہ لوگ آثم ہیں خاطی ہیں ظالم ہیں بدعتی ہیں ضال ہیں مضل ہیں غوی ہیں مبطل ہیں مگر ہیہات کافر نہیں مشرک نہیں اتنے بدراہ نہیں، اپنی جانوں کے دشمن ہیں عدو اللہ نہیں، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کفوا عن اھل لاالٰہ الا اللہ لاتکفروھم بذنب، فمن اکفر اھل لاالٰہ الااللہ فھو الی الکفر اقرب[1]۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو کسی گناہ پر کافر نہ کہو جو لاالٰہ الا اللہ کہنے والے کو کافر کہے وہ خود کافر سے نزدیک تر ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلث من اصل الایمان الکف عمن قال لاالٰہ الااللہ ولاتکفرہ بذنب ولاتخرجه من الاسلام بعمل،[2] الحدیث۔ اخرجه	یعنی اصل ایمان سے ہے یہ بات کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے سے زبان روکی جائے اسے کسی گناہ کے سبب کافر نہ کہیں اور کسی عمل پر دائرہ اسلام سے خارج نہ بتائیں

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۲۷۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳

ابوداؤد عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	الحدیث۔ اسے ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور وارد کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الاسلام یعلوولایعلی[1]. اخرجه الدار قطنی و البیہقی والضیاء عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔ اسے دارقطنی، بیہقی اور ضیاء مقدسی نے حضرت عائذ بن عمر والمزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور مذکور کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتکفروا احدا من اھل القبلة[2]۔ اخرجه العقیلی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہو، اسے عقیلی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ہمیں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیثیں اور اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کا ارشاد:

ولانکفر احدا من اھل القبلة[3]۔	اہل قبلہ سے کسی کو ہم کافر نہیں کہتے۔(ت)

اور اپنے علمائے محققین کا فرمانا لایخرج الانسان من الاسلام الاجحود ما ادخله فیه (انسان کو اسلام سے کوئی چیز خارج نہیں کرسکتی مگر اس شیئ کا انکار جس نے اسلام میں داخل کیا تھا۔ت) یاد رہے اور جب تک تاویل وتوجیہ کی سب قابل احتمال ضعیف راہیں بھی بند نہ ہوجائیں مدعی اسلام کی تکفیر سے گریز چاہئے، پھر ان چاروں حدیثوں میں بھی مثل احادیث اربعہ سابقہ صلاح ودیانت طائفہ کے لئے پورا مرثیہ اور انہیں سے ظاہر کہ یہ مدعیان عمل بالحدیث کہاں تک ہوائے نفس کو پالتے اور اس کے آگے کیسی کیسی احادیث کو پس پشت ڈالتے ہیں ھذا

واقول: یظھر للعبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی له ان ھھنا فی کلمات العلماء اطلاقا فی موضع التقیید کما ھو داب کثیر من المصنفین فی غیر ما مقام وانما محل الاکفار باکفار المسلم اذا کان ذلک	**میں کہتا ہوں** عبد ضعیف، اللہ تعالٰی اس کی بخشش فرمائے، پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ یہاں مقام تقیید میں عبارات علماء میں اطلاق ہے جیسا کہ بہت سے مقام پر اکثر مصنفین کا یہی طریقہ دیکھا گیا ہے کسی کو کسی مسلمان کے کافر قرار دینے پر اس وقت

[1] سنن الدار قطنی باب المہر مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۲۵۲، صحیح البخاری کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

[2] کنز العمال بحوالہ (طس عن عائشہ) حدیث ۱۰۷۸ مطبوعہ مکتبہ التراث الاسلامی ۱/ ۲۱۵

[3] شرح فقہ اکبر عدم جواز تکفیر اہل القبلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۵۵

لاعن شبهة او تأويل والا فلا فانه مسلم بظاهره ولم نؤمر بشق القلوب و التطلع الى اماكن الغيوب ولم نعثر منه على انكار شيئ من ضروريات الدين فكيف يهجم على نظير ماهجم عليه ذلك السفيه هذا هو التحقيق عند الفقهاء الكرام ايضا يذعن ذلك من احاط بكلامهم واطلع على مرامهم رحمة الله تعالٰی عليهم اجمعين الاترى ان الخوارج خذلهم الله تعالٰی قدا كفروا اميرالمؤمنين ومولى المسلمين عليا رضی الله تعالٰی عنه ثم هم عندنا لايكفرون كما نص عليه فى الدرالمختار والبحر الرائق و ردالمحتار وغيرها من معتبرات الاسفار واما ما مر من تقرير الدليل على التكفير فانت تعلم ان لازم المذهب ليس بمذهب واما الاحاديث فمؤلة عند المحققين كما ذكره الشراح الكرام **اقول:** ومن ادل دليل عليه قوله صلى الله تعالٰی عليه وسلم فى الحديث المار فهو الى الكفر اقرب فلم يسمه كافراو انما قربه الى الكفر لان الاجتراء على الله تعالٰی بمثل ذٰلك قديكون يريد الكفروالعياذ بالله رب العٰلمين ولاحول ولاقوة الابالله العلى العظيم۔

کافر قرار دیا جاسکتا ہے جب اس میں کوئی تاویل وشبہ نہ ہو ورنہ اگرایک وہاں شبہ ہوسکتا ہو تو کافر نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ بظاہر مسلمان ہے تو ہم دل پھاڑ کر دیکھنے اور امور غیبیہ پر مطلع ہونے کے پابند نہیں اور نہ ہی ہم اس کے کسی ایسے عمل پر مطلع ہوئے ہیں جو ضروریات دین کے انکار میں سے ہو اور ہم اس طرح اس پر حملہ آور کیسے ہوسکتے ہیں جس طرح وہ بیوقوف کسی دوسرے پر ہوا ہے، فقہاء کرام کی یہی تحقیق ہے نیز ہراس شخص کو بھی اس بات کا اذعان حاصل ہوگا جس نے فقہاء رحمہ اللہ علیہم اجمعین کے کلام کا احاطہ کیا اور ان کے مدعا سے آگاہ ہوا ہو، کیا آپ نہیں جانتے کہ خوارج (اللہ انہیں رسوا کرے) نے امیر المومنین مولائے مسلمین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کافر قرار دیا پھر وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں، جیسا کہ اس پر درمختار، بحرالرائق، ردالمحتار اور دیگر معتبر کتب میں تصریح ہے، اور جو تکفیر پر تقریر دلیل گزری ہے آپ جانتے ہیں لازم مذہب، مذہب نہیں ہوتا، رہا معاملہ احادیث کا تو وہ محققین کے ہاں مؤول ہیں اپنے ظاہر پر نہیں جیسا کہ شارحین کرام نے ذکر کیا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) سب سے قوی دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا گزشتہ ارشاد گرامی ہے کہ وہ کفر کے زیادہ قریب ہے، آپ نے اسے کافر نہیں فرمایا قریب کفر فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا عمل اللہ تعالٰی کے سامنے جرات و دلیری ہے کیونکہ ان جیسے الفاظ سے بعض اوقات کفر مراد ہوتا ہے رب العلمین اپنی پناہ عطا فرمائے (ت)

خیر تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ یہ حضرات غیر مقلدین وسائر اخلاف طوائف نجدیہ مسلمانوں کو ناحق کافر ومشرک ٹھہرا کر ہزار ہا اکابر ائمہ کے طور پر کافر ہوگئے اس قدر مصیبت ان پر کیا کم ہے **والعیاذباللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی**، علامہ ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں:

انه یصیر مرتدا علی قول جماعة وکفی بهذا خسارا وتفریطا[1]۔	ایک جماعت کے قول کے مطابق یہ مرتد ہوگیا اور یہ خسارے اور کمی میں کافی ہے(ت)

تو بحکم شرع ان پر توبہ فرض اور تجدید ایمان لازم، اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔

فی الدر المختار عن شرح الوهبانیة للعلامة حسن الشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح فأولاده اولاد زنی ومافیه خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح[2]۔	درمختار میں علامہ شرنبلالی کی شرح الوہبانیہ کے حوالے سے ہے جس سے بالاتفاق کفر لازم آئے اس کی وجہ سے ہر عمل باطل، اسی طرح نکاح باطل، اور اس کی اولاد زنا کی اولاد ہوگی اور جس کے کافر ہونے میں اختلاف ہو اس پر استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے۔(ت)

اہلسنت کو چاہئے ان سے بہت پرہیز رکھیں، ان کے معاملات میں شریک نہ ہوں، اپنے معاملات میں انہیں شریک نہ کریں، ہم اوپر احادیث نقل کر آئے کہ اہل بدعت بلکہ فساق کی صحبت ومخالطت سے ممانعت آئی ہے اور بیشک بدمذہب آگ ہیں اور صحبت مؤثر اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب منقلب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ریحا طیبة ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك واما ان تجد منه ریحا خبیثة[3]	نیک ہم نشین اور بد جلیس کی مثال یونہی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونکتا ہے مشک والا یا تو تجھے مشک ہبہ کرے گا یا تو اس سے خریدے گا، اور کچھ نہ ہو تو خوشبو تو آئے گی، اور وہ دوسرا یا تیرے کپڑے جلادے گا یا تو اس سے بدبو

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مطبوعہ مکتبہ حقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۲

[2] درمختار باب المرتد مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[3] صحیح البخاری کتاب الذبائح، باب المسک مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۰، صحیح مسلم کتاب البر، باب استحباب الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۳۰

رواہ الشیخان عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	پائے گا۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیران لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانہ[1]۔ رواہ عنہ ابوداود والنسائی	یعنی بد کی صحبت ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹّی کہ کپڑے کالے نہ ہوئے تو دھواں جب بھی پہنچے گا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

حاصل یہ کہ اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان ہی اٹھاتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

انما سمی القلب من تقلبہ انما مثل القلب مثل ریشۃ بالفلاۃ تعلقت فی اصل شجرۃ تقلبھا الریاح ظھرًا البطن[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ ولفظہ عن ابن ماجۃ مثل القلب مثل الریشۃ تقلبھا الریاح بفلاۃ اسنادہ جیّد[3]۔	دل کو قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انقلاب کرتا ہے، دل کی کہاوت ایسی ہے جیسے جنگل میں کسی پیڑ کی جڑ سے ایک پَر لپٹا ہے کہ ہوامیں اسے پلٹا دے رہی ہیں کبھی سیدھا کبھی الٹا۔ اسے طبرانی نے المعجم میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی روایت کیا اور اس روایت کے الفاظ ابن ماجہ میں یوں ہیں: دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جسے ہوائیں جنگل میں پلٹا دے رہی ہوں۔ اس کی سند جیّد ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اعتبروا الارض باسمائھا واعتبروا الصاحب بالصاحب[4]۔ اخرجہ ابن عدی عن	زمین کو اس کے ناموں پر قیاس کرو اور آدمی کو اس کے ہمنشین پر۔ اسے ابن عدی نے حضرت

[1] سنن ابوداؤد باب من یؤمر ان یجالس مجالسۃ الصالحین مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

[2] شعب الایمان الحادی عشر من شعب الایمان، حدیث ۷۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۷۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فی القدر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۰

[4] شعب الایمان فصل فی مجانبۃ الفسقۃ الخ حدیث ۹۴۴۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۵۵

ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعا و البیھقی فی الشعب عنہ موقوفا ولہ شواھد بھا یرتقی الی درجۃ الحسن۔	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا اور بیہقی نے انہی سے موقوفًا روایت کیا ہے، اس روایت کے شواہد موجود ہیں جن کی وجہ سے اسے احسن کا درجہ حاصل ہے۔

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایّاك وقرین السوء فانك بہ تعرف [1]۔ رواہ ابن عساکر عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ	بُرے مصاحب سے بچ تو اس سے پہچانا جائے گا۔ اسے ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

یعنی جیسے لوگوں کے پاس آدمی کی نشست برخاست ہوتی ہے ویسا ہی جانتے ہیں، اور بدمذہبوں سے محبت توزہر قاتل ہے اس کی نسبت احادیثِ کثیرہ صحیحہ معتبرہ میں جو خطر عظیم آیا سخت ہولناک ہے ہم نے وہ حدیثیں اپنے رسالہ **المقالۃ المُسفِرۃ عن احکام بدعۃ المفکرۃ** (۱۳۰۱ھ) میں ذکر کیں، بالجملہ ہر طرح ان سے دُوری مناسب خصوصًا ان کے پیچھے نماز سے تو احتراز واجب، اور ان کی امامت پسند نہ کرے گا مگر دین میں مداہن یا عقل سے مجانب۔ امام بخاری تاریخ میں اور ابن عساکر ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم [2]۔	اگر تمہیں پسند آتا ہو کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہئے کہ تمہارے نیک تمہاری امامت کریں۔

حاکم مستدرک اور طبرانی معجم میں مرثد ابی مرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان سرکم ان تقبل صلاتکم فلیؤمکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم [3]۔	اگر تمہیں اپنی نمازوں کا قبول ہونا خوش آتا ہو تو چاہئے جو تم میں اچھے ہوں وہ تمہارے امام ہوں کہ وہ تمہارے سفیر ہیں تم میں اور تمہارے رب میں۔

[1] تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ حسین بن جعفر الغزی الجرجانی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۲

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی امامہ حدیث ۲۰۴۳۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۵۹۶، اسرار الموضوعۃ حدیث ۵۶۸ مطبوعہ بیروت ص ۱۴۸، الفوائد المجموعۃ صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ بیروت ص ۳۲

[3] المستدرک علی الصحیحین ذکر مناقب ابو مرثد الغنوی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۲۲

دار قطنی و بیہقی اپنی سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم[1]۔	اپنے نیکوں کو امام کرو کہ وہ تمہارے وسائط ہیں درمیان تمہارے اور تمہارے رب عزّوجل کے۔
اقول: والاحادیث وان ضعفت فقد تائیدت اذ عن ثلثۃ من الصحابۃ وردت علیھم جمیعا رضوان المولی جل وعلا وتقدس وتعالٰی۔	**میں کہتا ہوں** یہ احادیث اگرچہ ضعیف ہیں مگر یہ تائید کررہی ہیں کیونکہ یہ تین صحابہ سے مروی جن پر اللہ جل وعلا وتقدس تعالیٰ کی رضا وارد ہے (ت)

الحمدللہ کہ یہ موجز تحریر سلخ ذی القعدہ میں شروع اور چہارم ذی الحجہ روز جاں افروز دوشنبہ ۱۳۰۵ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا الف الف صلاۃ وتحیۃ کو بدر سمائے اختتام ہوئی، وصلی اللہ تعالٰی علی خاتم النبیین بدر سماء المرسلین محمد واٰلہ والائمۃ المجتھدین والمقلدین لھم باحسان الی یوم الدین والحمدللہ رب العٰلمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] سنن الدار قطنی باب تخفیف القراءۃ الحاجۃ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۸۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مآخذ و مراجع

نام		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعّۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱۔۸
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

۴۲۔	التفسیر لنیشابوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشابوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التھذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجّاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

ح

۶۷۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابو سعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی	سعد اللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیۃ الاولیاء	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیۃ المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانۃ الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	ردعلی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدار قطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

۱۳۱۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغير	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغير	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المروف بیرکلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴۔	عمدة القاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّة	کمال الدین محمد بن احمد الشیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصِّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنزالعمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنزالدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸

ل

۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

م

۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۲۱۹ـ	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰ـ	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱ـ	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲ـ	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳ـ	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴ـ	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵ـ	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶ـ	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷ـ	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸ـ	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹ـ	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰ـ	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱ـ	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲ـ	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳ـ	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴ـ	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵ـ	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶ـ	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷ـ	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸ـ	مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹ـ	مسند الفردوس	شہر دار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰ـ	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱ـ	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲ـ	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳ـ	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴ـ	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۲۴۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹۔	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳۔	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶۔	المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۲۵۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲۔	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵۔	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸۔	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبد اللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۷

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

رموز 5

جلدہفتم 6

فتاوٰی رضویہ کی غیر معمولی اہمیت پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور 8

فہرست مضامین 10

فہرست ضمنی مسائل 28

باب الجماعۃ (جماعت کا بیان) 38

القِلَادَۃُ الْمُرَصَّعَۃُ فِیْ نَحْرِ الْاَجْوِبَۃِ الْاَرْبَعَۃِ ۱۳۱۲ھ (چارجوابوں کے مقابلہ میں پرویا ہوا ہار) (مولوی اشرف علی تھانوی کے چار ۴ فتووں کا رَدِّ بلیغ) 66

اَلْقُطُوْفُ الدَّانِیَۃ لِمَنْ اَحْسَنَ الْجَمَاعَۃَ الثَّانِیَۃ ۱۳۱۳ھ (جماعت ثانیہ کو مستحسن قرار دینے والے کے لئے جھکے ہوئے خوشے) (جماعت ثانیہ کے ثبوت میں) 114

فَصْلُ الْمَسْبُوْق (مسبوق کا بیان) 234

فصل الاستخلاف (خلیفہ بنانے کا بیان) 250

باب مفسدات الصّلٰوۃ 254

(مفسداتِ نماز کا بیان) 254

باب مکروھات الصّلٰوۃ 292

(مکروہات نماز کا بیان) 292

تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب ۱۳۲۰ھ (محراب میں قیام امام سے متعلق درستگی کے تاج) (محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث) 322

باب الوتر والنوافل (وتر اور نوافل کا بیان) 398

اجتناب العمال عن فتاوی الجھال (قنوت نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوی کا رد) 488

انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ (صلٰوۃ الاسرار کے پانی سے انوار کی نہریں) (نماز غوثیہ کے ثبوت میں تحقیق رضوی) 570

ازہار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ 634
(صلٰوۃ الاسرار کی بادصبا سے غنچوں کے پھول) 634
(نماز غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ) 634
وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح ۱۳۱۲ھ (تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان) (ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان) 660
تذلیل 700
مآخذ ومراجع 708

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِیۡ الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہفتم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

کتاب ــــــــــ فتاوی رضویہ جلد ہفتم
تصنیف ــــــــــ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ العزیز
ترجمہ عربی عبارات ــــــــــ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور
پیش لفظ ــــــــــ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ، لاہور
تخریج و تصحیح ــــــــــ مولانا نذیر احمد سعیدی و مولانا سردار احمد حسین و مولانا محمد عمر ہزاروی
باہتمام و سرپرستی ــــــــــ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان
ترتیب فہرست ــــــــــ مولانا حافظ محمد عبدالستار سعیدی
کتابت ــــــــــ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ــــــــــ مولانا محمد یٰسین قادری شطاری
صفحات ــــــــــ ۷۲۰
اشاعت ــــــــــ رجب المرجب ۱۴۱۵ھ / دسمبر ۱۹۹۴ء
مطبع ــــــــــ آر اینڈ ڈبلیو، لیس پرنٹرز لاہور
ناشر ــــــــــ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ــــــــــ ۲۵۰

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawat-e-Islami

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
باب الجماعة ____ ۳۷
باب مفسدات الصلوٰة ____ ۲۵۳
باب مکروہات الصلوٰة ____ ۲۹۱
باب الوتر والنوفل ____ ۳۹۷
مآخذ ومراجع ____ ۷۰۷

فہرست رسائل

o القلادة المرصعة ____ ۶۵
o القطوف الدانية ____ ۱۱۳
o تیجان الصواب ____ ۳۲۱
o اجتناب العمال ____ ۴۸۷
o انہار الانوار ____ ۵۶۹
o ازہار الانوار ____ ۶۳۳
o وصاف الرجیح ____ ۶۵۹

رموز

محقق : علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح : علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش : علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی، صاحب ردالمحتار

ط : علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر : الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر : الدرر شرح الغرر، ملاخسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر : البحرالرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ : فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر : النہرالفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح : فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ : غنیہ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ : حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ اعلی حضرت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصہ شہود پرلانے کے لئے "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے قائم شدہ ادارہ انتہائی سرعت رفتاری اور کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔ اس سے قبل فتاوٰی رضویہ کی چھ مجلدات آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظرعنایت سے ساتویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خان قادری نے کیاہے جبکہ جلد ششم کاترجمہ بھی انہیں کی رشحاتِ قلم کانتیجہ ہے۔

جلدہفتم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد سوم سے باب الجماعة سے باب احکام المساجد تک ۲۶۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چار مستقل ابواب زیر بحث ہیں:

۱۔باب الجماعة

۲۔باب مفسدات الصلوٰۃ

۳۔باب مکروہات الصلوٰۃ

۴۔باب الوتر والنوافل

اس کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل سات رسائل بھی پیش نظر جلد میں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱۔القلادة المرصعة فی نحر الاجوبة الاربعة (۱۳۱۲ھ)

مولوی اشرف علی تھانوی کے چار فتووں کارَدِّ بلیغ

۲۔القطوف الدانیة لمن احسن الجماعة الثانیة (۱۳۱۳ھ)

جماعت ثانیہ کے ثبوت سے متعلق نادر تحقیقات

۳۔تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب (۱۳۲۰ھ)

محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث

۴۔اجتناب العمال عن فتاوی الجہّال (۱۳۱۶ھ)

قنوتِ نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوی کارد

۵۔انہار الانوار فی یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)

نماز غوثیہ کے ثبوت میں تحقیق رضوی

۶۔ازھار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)

نماز غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ

۷۔وصاف الرجیح فی بسملة التراویح (۱۳۱۲ھ)

ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان

مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہ ہوسکے:

۱۔حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة

جماعت اولٰی کے بیان میں

۲۔رعایة المنه فی ان التہجد نفل اوسنه

نماز تہجد نفل یاسنت

۳۔الرد الاشد البہی فی ھجر الجماعة الگنگھی

جماعت ثانیہ کے بیان میں

ڈاکٹر رشید احمد جالندھری ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے ۷ ۱۲کتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل میں پڑھے گئے مقالہ کا وہ حصہ جو فتاوٰی رضویہ سے متعلق ہے جلد ہفتم میں شامل کیا جارہا ہے۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

۲۳جمادی الاول ۱۴۱۵ھ
۲۹اکتوبر ۱۹۹۴ء

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رضویہ کی غیر معمولی اہمیت

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

یہ بات محتاج بیان نہیں کہ دین قیم کے اسرار وحکم اور دقائق وحقائق انہی قلوب پر منکشف ہوتے ہیں جو مجلّا ومصفّٰی ہیں اور حسن مطلق کی جلوہ گاہ ہیں۔ چنانچہ یہی لوگ ہیں جو دین اور معاشرے کے تعلق پر گہری نظر رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ دین، دنیا میں مخلوق خدا کی بہتری کے لئے آیا ہے، اس کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں آیا۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو آدمی اپنے معاشرے کے احوال وظروف سے آگاہ نہیں وہ "عالم" کہلانے کا مستحق نہیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے فتاوٰی میں معاشرے کے رسم ورواج اور عرف وعادات کو نگاہ میں رکھا ہے اور مقدور بھر سعی کی ہے کہ ایک مسلمان آسانی سے حقوق اللہ اور حقوق العباد کو سرانجام دینے کی سعادت حاصل کرے۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلہ میں بنیادی نکتہ یہ بیان کیا ہے کہ فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کو رضاء مخلوق پر مقدم رکھے اور فتنہ وفساد سے بچنے اور انسانی قلوب کی مدارات ومراعات کے لئے غیر اولٰی امور کو ترک کردیا جائے۔ چنانچہ فتاوٰی رضویہ جلد چہارم (طبع جدید) میں فرماتے ہیں:

"پس ان امور میں ضابطہ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ فعل فرائض وترک محرمات کو ارضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلق پروانہ کرے، اور اتیان مستحب وترک غیر اولٰی پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت، ایذاء اور وحشت کا باعث ہونے سے بچے"۔

یہ بات شاید کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ جو لوگ شریعت مطہرہ کی روح اور حکمت وعلت سے تغافل برتتے ہیں اور ظاہری الفاظ کی پیروی کرنے پر زور دیتے ہیں، وہ بعض اوقات امّت میں اختلاف وتشتّت کا باعث بنتے ہیں اور لوگوں کو مشقت وتنگی سے دوچار کرتے ہیں۔ اگر ان کی نگاہ سے شریعت کا بنیادی مقصد اوجھل نہ ہوتا تو ان کا زہد خشک لوگوں کو غیر اولٰی اور لایعنی باتوں میں الجھنے نہ دیتا۔ اسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفّع وتنزّہ کے لئے خلاف وجدال نہ کرے کہ یہ سب امور ایتلاف وموانست کے معارض اور

مرادِ محبوب شارع کے مناقض ہیں۔ ہاں ہاں ہوشیار و گوش دار! کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ و حکمت جلیلہ و کوچہ سلامت و جادہ کرامت ہے جس سے بہت (سے) زاہدان خشک اور اہل تکشف جاہل و غافل ہوتے ہیں، وہ اپنے زعم میں محتاط و دین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغزحکمت و مقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں"۔ (فتاوٰی رضویہ ۴ (جدید) ص ۵۲۸)

میں یہاں مولانا مرحوم کے فتاوٰی سے اور مثالیں دینا چاہتا تھا، لیکن تنگی وقت کی بنا پر ایسا نہیں کرسکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا کو اسلامی فقہ میں جو عبور و رسوخ حاصل ہے اس کی بنیادی وجہ قرآن وسنّت سے ان کی گہری شیفتگی اور وابستگی ہے۔ چنانچہ میری اہل علم سے گزارش ہے کہ وہ مولانا مرحوم کے فتاوٰی کا گہری نظر سے مطالعہ فرمائیں اور فلسفہ دین اور روح عصر سے آگاہ ہو کر لوگوں کے مسائل حل کریں اور انہیں مشقت و تنگی میں گرفتار ہونے سے بچائیں۔

فہرست مضامین

باب الجماعة	۳۷	تشہد میں سلام سے پہلے شریک ہوجانے سے جمعہ مل جاتا ہے۔	۵۲
امام کے لئے وسطِ مسجد میں کھڑا ہونا سنت متوارثہ ہے	۳۷	مقتدی نے التحیات پوری نہیں کی تھی کہ امام کھڑا ہوگیا یا سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات ضرور پوری کرے۔	۵۲
محراب حقیقی، محراب صوری، مسجد شتوی، مسجد صیفی کا بیان	۳۷	ایک شخص تنہا فرض پڑھ رہا ہے اور دوسرا آئے تو اس کے ساتھ اسے ملنا ضروری ہے یا نہیں۔	۵۳
امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔	۳۸	کوئی بدمذہب ایک مصلّے پر نماز پڑھ رہا ہو تو دوسرا اسی مصلّے پر فوراً نماز شروع کرسکتا ہے۔	۵۳
مشغول اور مصروف طلبہ کو احیاناً بشراء ترک جماعت کی اجازت ہے۔	۳۹	جماعت ثانیہ جائز ہے۔	۵۴
مسجد کی تنگی کی وجہ سے صف اول کے مقتدی امام سے متصل ہوں تو کراہت ہے یا نہیں۔	۴۰	ایسی جماعت جو کراہت تحریمہ پر مشتمل ہو اس میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں۔	۵۸
صف میں فرجہ ممنوع ہے اس کے متعلق احادیث	۴۱	امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو مقتدی کو پیچھے لائے خواہ نیت باندھنے کے بعد یا پہلے۔	۶۱
آٹھ نو برس کا لڑکا مردوں کی صف میں کھڑا ہوسکتا ہے جبکہ اکیلے ہو اس کو ہٹا کر اس کی جگہ پر دوسرے کا کھڑا ہونا گناہ ہے۔	۵۱	٥ رسالہ **القلادة المرصعة فی نحر الاجوبة الاربعة** مولوی اشرف علی کے چار فتووں کا رَد۔	۶۵
کسی وجہ سے نماز کا اعادہ کیا جائے تو نیا آدمی شریک ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۵۲		
مسبوق اپنی فوت شدہ نماز جہر سے پڑھے یا آہستہ	۵۲		
قضائے عمری کے ادا کرنے کا ایک اختراعی طریقہ کا رد	۵۲		

سوال اول وچہارم کا جواب	۶۹	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ مجھے جماعت صبح میں حاضر ہونا تمام شب کی نماز سے زیادہ محبوب ہے۔	۸۴
پاؤں سے معذور شخص کا حکم جو اذان سے قبل ایک شخص کو ساتھ ملا کر اقامت کے ساتھ جماعت کرالیتا ہے۔	۶۹	جواب سوال سوم	۸۵
عذر ساقط وجوب جماعت ہے نہ کہ ساقط جواز۔	۶۹	خوف فوت تہجد کو ترک جماعت کے لئے عذر بنانا بیہودگی ہے۔	۸۵
کسی شے کے حقیقتًا ہونے اور حکمًا ہونے میں بہت فرق ہے۔	۶۹	تہجد عادتِ صالحین ہے اور اللہ تعالٰی کے قریب کرنے والا، گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ ہے۔	۸۵
حدیث متواتر ہے کہ سورۃ اخلاص کا ثواب ثلث قرآن مجید کے برابر ہے۔	۶۹	تہجد وجماعت میں تعارض نہیں لہذا ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں۔	۸۷
حدیث مبارکہ کہ نماز عشاء باجماعت، نصف شب اور نماز فجر باجماعت کامل شب کے قیام کے مساوی ہے۔	۶۹	اذان سن کر مسجد میں نہ آنا ظلم اور نفاق ہے۔	۸۷
حدیث مبارک "مااَجِد لك رخصة" کا معنی اور مصنف کی تحقیق	۷۱	قیلولہ کا وقت ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار تک ہے۔	۸۷
پاؤں کا عذر عذر فی الحضور ہے نہ عذر للحاضر	۷۶	طویل اور غفلت کی نیند کا علاج یہ ہے کہ تکیہ نہ رکھے، کھانے کے فوراً بعد نہ سوئے، سوتے وقت دل کو جماعت سے خوب متعلق کرے اور کھانا تھوڑا کھائے۔	۸۸
بعض لوگوں نے مسجد میں اقامت کہہ کر باجماعت نماز پڑھ لی، پھر مؤذن، امام اور دوسرے لوگوں نے جماعت کرائی تو جماعت مستحبہ دوسری پہلی جماعت مکروہ ہے۔	۷۸	اگر کوئی شخص نو بجے عشاء پڑھ کر سوگیا دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تو تہجد ہوگیا۔	۸۹
جواب سوال دوم	۸۱	سوتے وقت اللہ تعالٰی سے توفیق جماعت کی دعا کرے اور اس پر سچا توکل کرے۔	۹۰
تہجد فوت ہوجانے کے خوف سے ترک جماعت جائز نہیں۔	۸۱	کسی معتمد کو متعین کرے کہ وقت جماعت سے پہلے اس کو جگادے۔	۹۰
تہجد کے بارے میں صرف ترغیبات ہیں جبکہ ترک جماعت پر ہولناک وعیدیں۔	۸۱	ابن لہیعہ راوی میں کلام ہے۔ (حاشیہ)	۹۰
آئندہ کسی سنت کے فوت ہوجانے کے خوف سے فی الحال کسی سنت کا ترک ناجائز ہے۔	۸۲		
بہ نیت تہجد سونے والا اگر تہجد نہ بھی پاسکے تو ثواب تہجد پاتا ہے اور اس کی نیند اللہ تعالٰی کی طرف سے صدقہ ہے۔	۸۳		

جماعت اولیٰ پر تہجد کی ترجیح باطل محض ہے کیونکہ مستحب واجب کے برابر نہیں ہوسکتا۔	۹۱	حنفی کے شافعی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی شرائط	۱۱۶
ہمارے ائمہ کے نزدیک تمام سنن رواتب تہجد سے اہم اور آکد ہیں۔	۹۴	اگر مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے باذان واقامت بروجہ سنت، اما موافق المذہب، سالم العقیدہ، متقی، مسائل داں، صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولیٰ خالیہ عن الکراہۃ اداکرلی پھر باقی ماندہ لوگ آئے انہیں تکرار جماعت باعادہ اذان ہمارے نزدیک ممنوع وبدعت ہے اور بلااعادہ اذان جائز ہے۔	۱۲۵
تہجد اور سنن رواتب کی افضیلت سے متعلق وارد احادیث میں تطبیق۔حاشیہ	۹۵	محراب میں جماعت ثانیہ مکروہ اور محراب سے ہٹ کر بلاکراہت جائز ہے۔	۱۲۸
جماعت، سنن رواتب اور تہجد میں درجات کی ترتیب	۹۹	جماعت ہورہی ہے توالگ نماز پڑھنا گناہ ہے۔	۱۲۹
ترک اولویت میں حکم کراہت نہیں۔	۱۰۰	امام کے انتظار میں مقتدیوں کو بیٹھا رہنا ضروری نہیں۔	۱۳۱
مصنف علیہ الرحمۃ کے رسالہ "حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ" کاخلاصہ	۱۰۱	جماعت کا تارک کون؟	۱۳۱
حکم جماعت کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام کے یہ چھ اقوال ہیں: فرض عین، فرض کفایہ، واجب عین، واجب کفایہ، سنت مؤکدہ، مستحب۔	۱۰۱	حلال خور جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اور جہاں جگہ ملے کھڑا ہوسکتا ہے اسے جماعت سے روکنا گناہ ہے۔	۱۳۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تارکین جماعت پر اظہار غیظ وغضب۔	۱۰۳	جو بلاعذر شرعی جماعت میں شریک نہ ہو سخت گنہگار ہے (یہ جواب پورادستیاب نہ ہوا)	۱۳۷
سنیت ووجوب کیسے ثابت ہوتے ہیں۔	۱۱۰	امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو بہتر ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹے۔	۱۳۸
مطلق منطقی اور مطلق اصولی کی تعریف اور ان میں فرق۔	۱۱۰	امام کا مصلّی صف سے ملارہے یاالگ، اور الگ رہے تو کتنا۔	۱۴۰
مسجد طریق جس کا امام ومؤذن معین نہیں اس میں ہر جماعت جماعت اولیٰ ہوتی ہے لہٰذا جو گروہ آئے اپنی اذان واقامت سے جماعت کرائے۔	۱۱۱	جماعت ہونے سے پہلے کچھ لوگ نماز پڑھ لیں توان کا کیا حکم ہے۔	۱۴۱
٥ رسالہ **القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ** (جماعت ثانیہ کے ثبوت میں)	۱۱۳	جماعت جتنی کثیر ہو ثواب زیادہ ہوگا۔	۱۴۳
تکرارِ جماعت کے جواز وافضیلت کی بارہ صورتیں۔	۱۱۳		
جماعت ثانیہ کے جواز سے متعلق ضابطہ	۱۱۵		

جماعت ثانیہ سے متعلق سوال	۱۴۴	داڑھی منڈے صف اول ہی میں کیوں نہ ہوں انہیں ہٹانا منع ہے۔	۱۹۳
بوقت ضرورت محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔	۱۵۰	پانچوں نمازیں جماعت سے مسجد میں پڑھنا واجب ہے۔	۱۹۴
غیر مقلدین صف میں ہوں تو قطع صف ہوگا۔	۱۵۰	وظیفہ یا تلاوت وغیرہ کے سبب جماعت چھوڑنا جائز نہیں۔	۱۹۴
امام آمین بالجہر اور رفع یدین کرے تو حنفی اس کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔	۱۵۱	جماعت ثانیہ کے لئے اذان کا اعادہ ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں۔	۱۹۴
جماعت ثانیہ سے متعلق سوال	۱۵۲	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو جماعت سے الگ کرنا شدید ظلم ہے۔	۱۹۵
وسط مسجد میں امام کا کھڑا ہونا مسنون متوارث ہے۔	۱۷۲	مغرب کے علاوہ دوسری نمازوں میں اذان کے بعد انتظار کرنا ضرور ہے کہ لوگ ضرورت سے فارغ ہو کر آجائیں۔	۱۹۶
محراب بنانے کی حکمت	۱۷۲	مکان چھوڑ کر آنے سے خطرہ ہو تو ترک جماعت کے لئے یہ عذر ہو سکتا ہے۔	۱۹۶
حدیث "اذا جئت الصلٰوۃ فوجدت الناس فصل معھم" کے متعلق ایک علمی سوال	۱۷۳	جذامی کے باعث جماعت میں انتشار ہوتا ہو تو اسے گھر ہی نماز پڑھنا چاہیئے۔	۱۹۶
محل اختلاف علماء میں خلاف کی مراعات بالاجماع مستحب ہے جبکہ مکروہ کا ارتکاب نہ ہو۔	۱۸۶	جو وہابیہ کے عقائد سے واقف ہو کر انہیں مسلمان جانے اس کی وجہ سے صف میں قطع ہوگا۔	۱۹۷
حدیث "وان کنت قد صلیت" اور آیہ کریمہ "من تطوع خیرا فھو خیر لہ" کی بحث۔	۱۸۹	امام یا مقتدی کا وضو جاتا رہے تو باہر کس طرح آئے۔	۱۹۷
فجر کی جماعت ہو رہی ہے اور کوئی آئے تو سنت پڑھ کر جماعت میں شریک ہو یا بغیر پڑھے۔	۱۹۱	وہابیہ کی جماعت ہو رہی ہو اسی وقت سنی اپنی جماعت کر سکتے ہیں جبکہ فتنہ نہ ہو۔	۱۹۸
جماعت کے اکثر لوگوں کو کوئی ضرورت ہو تو مستحب وقت سے پہلے جماعت کی جاسکتی ہے۔	۱۹۱	ایک مسجد میں ایک وقت میں ایک فرض کی دو جماعتیں ممنوع ہیں۔	۱۹۸
جذامی کو مسجد سے روکا جائے یا نہیں۔	۱۹۲	جماعت ثانیہ سے متعلق سوال	۱۹۸
غسل کی ضرورت ہو اور غسل کرنے میں فجر کا وقت ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرلے نماز پڑھ لے پھر اعادہ کرے۔	۱۹۲		
تکبیر کہہ کر رکوع میں شامل ہو جانے سے جماعت میں شرکت ہوگی یا نہیں۔	۱۹۲		
لوگ تنہا تنہا فرض پڑھیں جماعت سے نہ پڑھیں تو وہ تارک جماعت کہلائیں گے یا نہیں۔	۱۹۳		

ایک صف پر دو چار آدمی الگ الگ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۱۹۹	امام کے لئے مصلی ہونا اور مقتدیوں کے لئے نہ ہونا اگر اس لئے ہے کہ دونوں میں امتیاز رہے تو برا ہے اور اگر امام کے اکرام کے لئے ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔	۲۱۸
جماعت کے لئے اوقات کا تعین گھڑی سے کیا جاسکتا ہے۔	۲۰۰	ایک ایسی صورت کا بیان جس میں کسی شخص پر کسی جماعت کا دار و مدار ہے۔	۲۱۸
کسی خاص شخص کے انتظار میں تاخیر جائز ہے جبکہ وقت میں گنجائش ہو۔	۲۰۰	صف کے سلسلہ میں تین باتوں کا حکم دیا گیا جس کو لوگوں نے آج کل چھوڑ رکھا ہے۔	۲۱۹
سنت مؤکدہ کی تعریف	۲۰۰	مکہ معظّمہ کے چار مصلوں کو ناجائز بتانے والے کا حکم	۲۲۵
کسی مالدار کی محض مالداری کے سبب رعایت کرنا جائز نہیں مگر جبکہ رعایت نہ کرنے میں فتنہ ہو۔	۲۰۰	امام پر مقتدی تحکم نہیں کرسکتا۔	۲۲۹
مقتدی ایک ہی ہو تو امام کے برابر دہنی طرف کھڑا ہو اور پاؤں کا گٹّا امام کے گٹّے سے آگے نہ رکھے۔	۲۰۱	کھانا تیار ہو اور جماعت بھی تیار تو پہلے کیا کرے۔	۲۲۹
مسجدیں دو طرح کی ہوتی ہیں عام اور خاص، جماعت کے لحاظ سے دونوں کا الگ الگ حکم ہے۔	۲۰۴	جماعت کا وقت ہوگیا ہے ابھی کچھ لوگوں نے وضو نہیں کیا ہے تو ان کے انتظار میں جماعت میں تاخیر کی جاسکتی ہے یا نہیں۔	۲۳۰
امام کے انتظار میں جماعت میں تاخیر جائز ہے یا نہیں۔	۲۰۵	امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو اسے پیچھے کھینچنا چاہئے یا نہیں۔	۲۳۱
ترک جماعت یا مسجد میں نہ آنے کا جو عادی ہے وہ فاسق ہے۔	۲۰۶	مسجد کا نچلا حصہ مردوں کے لئے اور چھت عورتوں کے لئے مخصوص کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔	۲۳۱
جماعت کو واجب یا سنت مؤکدہ نہ جاننا غلطی ہے۔	۲۰۷	**فصل المسبوق**	۲۳۳
جماعت ثانیہ کے متعلق سوال	۲۰۷	جس کو مغرب کی تیسری رکعت ملی ہو وہ جب چھوٹی ہوئی نماز پڑھے تو دوسری رکعت میں قعدہ کرے یہی صحیح ہے۔	۲۳۳
ایک مصلے پر چند آدمی فرداً فرداً فرض پڑھیں تو فرض ادا ہوگا یا نہیں۔	۲۰۷	جو رکوع میں شامل ہو وہ نیت کے بعد بغیر ہاتھ باندھے جماعت میں شریک ہوجائے۔	۲۳۵
متون شروح فتاوٰی سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں۔	۲۱۰	مسبوق چھوٹی ہوئی نماز کس ترتیب سے پڑھے۔	۲۳۵
جماعت ثانیہ کے متعلق سوال	۲۱۳	مسبوق جماعت میں شامل ہوجائے اگرچہ امام سجدہ سہو میں ہو اقتداء درست ہوگی۔	۲۳۶

امام التحیات میں ہو اس وقت سنتیں پڑھنا اور جماعت میں شریک نہ ہونا کیسا ہے۔	۲۳۶	**باب مفسدات الصلوٰۃ**	۲۵۳
امام کے قعدہ اخیرہ میں مسبوق تشہد کی تکرار کرے اور السلام علیک سے تکرار کرے تو کوئی ممانعت نہیں۔	۲۳۷	نمازی کو کوئی پنکھا سے ہوا کرے تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔	۲۵۳
مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے گا سلام میں نہیں ورنہ نماز فاسد ہوگی۔	۲۳۸	نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز میں خلل نہیں آتا گزرنے والا گنہگار ہوتا ہے۔	۲۵۴
امام مسافر ہو اور مقتدی مقیم اور مقتدی ایک یا دونوں رکوع نہ پائے تو امام کے سلام کے بعد مقتدی کس طرح نماز پوری کرے۔	۲۳۹	نمازی کے آگے سے کتنے فاصلہ تک گزرنا منع ہے۔	۲۵۴
مسبوق اپنی فوت شدہ نماز میں فاتحہ اور سورت دونوں پڑھے گا مگر مسافر امام کا مقتدی اپنی فوت شدہ نماز میں ساکت رہے گا۔	۲۴۱	قعدہ اولیٰ میں عادت سے زیادہ امام دیر لگادے اور مقتدی اس خیال سے کہ امام کو سہو ہوگیا ہے تکبیر کہے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔	۲۵۷
مسبوق جس کی تین رکعتیں چھوٹ گئی ہوں صرف ایک رکعت ملی ہو وہ کس طرح نماز پوری کرے۔	۲۴۲	تنہا فرض پڑھنے والا تکبیرات انتقالیہ بلند آواز سے اس لئے کہتا ہے کہ دوسرے لوگ اس کے ساتھ شامل ہوجائیں یا کسی نمازی کے پاس کوئی اس خیال سے کھڑا ہوجائے کہ یہ تکبیر بالجہر کرے تو وہ شریک ہو اور نمازی نے اطلاع کے لئے جہر سے تکبیر کہی تو ان دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔	۲۶۹
اقتدائے مقیم بالمسافر پر ایک شبہ کا ازالہ	۲۴۳	امام کے رکوع یا سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی رکوع وسجدہ کرے اس کی نماز فاسد ہوگی یا نہیں۔	۲۷۴
فصل الاستخلاف	۲۴۹	آیہ یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ امام نے پڑھی اور مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ علیہ وسلم نکل گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔	۲۷۹
امام کا وضو جاتا رہے تو کیا کرے۔	۲۴۹	ایسی غلطی جس سے معنی فاسد ہوں اس پر لقمہ دینا فرض کفایہ ہے۔	۲۸۰
امام نے ایک امی کو خلیفہ بنایا اور اس نے دوسرے کو، نماز درست ہوگی یا نہیں۔	۲۵۰	لقمہ دینے کے کچھ اصول	۲۸۶
امام جو سورت پڑھ رہا تھا خلیفہ نے اس کے علاوہ کوئی دوسری سورت پڑھی نماز ہوگی یا نہیں۔	۲۵۲	لقمہ دینا جائز ہے خواہ کوئی نماز ہو۔	۲۸۹
امام وضو کرنے کے بعد خلیفہ کی اقتداء میں نماز پڑھے خلیفہ کو ہٹا کر خود امام نہیں ہوسکتا۔	۲۵۲		

باب مکروھات الصلٰوۃ	۲۹۱	مزار کے روضہ کا دروازہ بند ہو تو اس کے سامنے نماز پڑھنے میں حرج نہیں۔	۳۰۲
ستون کے درمیان امام کا کھڑا ہونا مکروہ ہے۔	۲۹۱	فرض، واجب، سنت مؤکدہ وغیرہ کے احکام۔	۳۰۵
امام کی جگہ مقتدیوں سے تین گرہ اونچی ہو تو کیا حکم ہے۔	۲۹۱	پاس میں تمباکو ہو تو نماز ہوجائے گی اور اگر اس میں بدبو ہو تو مکروہ ہوگی۔	۳۰۵
سجدہ کو جاتے ہوئے پائچوں کو گھٹنے سے اوپر چڑھالینا یا کہنیاں کھلی رہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔	۲۹۶	چادر وغیرہ کی گھوگی بناکر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہوگی۔	۳۰۶
نماز میں ٹوپی گرجائے تو اٹھالینا افضل ہے۔	۲۹۷	ریشمی کپڑے مردوں کے لئے حرام ہیں اور ان میں نماز مکروہ، اور اگر امام ہو تو سب کی مکروہ۔	۳۰۸
کسی کے واسطے امام نے قرات یا رکوع دراز کیا تو کیا حکم ہے۔	۲۹۷	کہنی کھلی رہنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔	۳۰۹
دھوبی بدل کر دوسرے کپڑے دے جائے تو انہیں پہن کر نماز جائز نہیں۔	۲۹۸	ساری یا دھوتی پیچھے سے بندھی ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔	۳۱۲
جوڑا باندھ کر عورتیں نماز پڑھ سکتی ہیں۔	۲۹۸	جہاں ان کا پہننے کارواج نہ ہو وہاں ان کا پہننا بھی مکروہ۔	۳۱۳
چادر سر سے اوڑھ کر نماز پڑھنی چاہئے صرف کندھے سے ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔ نماز میں سر سے ڈھلک کر کندھے پر آجائے تواشارہ سے سر پر رکھ لینا چاہئے۔	۲۹۹	گٹّے سے نیچے تہبند مکروہ ہے۔	۳۱۳
سر پر رومال یا بلاٹوپی کے رومال باندھ کر نماز پڑھنے سے مکروہ ہوگی۔	۲۹۹	بیٹھ کر نماز پڑھنا کب جائز ہے۔	۳۱۳
جبکہ نہ دخول ہو نہ منی نکلے غسل واجب نہیں تلاوت وغیرہ کرسکتا ہے۔	۳۰۰	جوتیاں سامنے رکھ کر نماز پڑھنا منع ہے، جوتے کہاں رکھے جائیں۔	۳۱۳
پتلون پہننا مکروہ اور نماز بھی مکروہ ہوگی، یوں ہی گلوبند، رومال، پگڑی وغیرہ جس سے پیشانی چھپی ہو نماز مکروہ ہوگی۔	۳۰۱	وردی میں نماز مکروہ ہے یونہی دھوتی میں۔	۳۱۸
در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔	۳۰۱	چشمہ لگا کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے۔	۳۱۸
جراب یا موزہ میں نماز جائز ہے۔	۳۰۱	در کے متعلق مفصل بیان۔	۳۱۸
		٥ رسالہ **تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب** (محراب کے معانی اور اس میں کھڑے ہونے کی تحقیق)	۳۲۱

کلمہ لاباس کبھی دفع توہم باس کیلئے آتا ہے اگرچہ وہ کام سنت بلکہ واجب ہو۔	۳۲۳	تہبند کے نیچے لنگوٹ ہو یا داڑھی میں ڈاٹ ہو یا جیب میں روپیہ پیسہ ہو نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔	۳۸۴
منافی وجوب، ترک سے نفی حرج ہے نہ کہ فعل سے۔	۳۳۰	کمر میں پٹکا ہو تو نماز صحیح ہے۔	۳۸۵
علامہ شامی کے کلام میں تنافی کا رفع۔	۳۳۱	شیروانی، انگرکھے وغیرہ کے بٹن گھنڈی نہ لگے ہوں تو نماز ہوتی ہے یا نہیں، اس کا مفصل بیان	۳۸۵
محراب کے معنی اور اس میں قیام کے بارے میں مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۳۳۷	جہاں تصویریں ہوں وہاں نماز پڑھنے کا حکم	۳۸۷
موجودہ صورت میں محراب کی تعمیر کا آغاز ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔	۳۴۶	کس تصویر سے کراہت پیدا ہوتی ہے۔	۳۸۷
ردائے مشتمل میں نماز صحیح ہے۔	۳۵۵	گٹّے سے نیچے ازار ہو تو نماز مکروہ ہوگی۔	۳۸۸
قرآن مجید قصداً خلاف ترتیب پڑھنا سخت گناہ ہے لیکن خلاف ترتیب سے نہ سجدہ سہو واجب ہوگا نہ نماز کا اعادہ	۳۵۷	ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم	۳۸۹
دلائی، چادر وغیرہ خلاف معتاد اوڑھ یا پہن کر نماز پڑھنے سے نماز مکروہ ہوتی ہے۔	۳۵۸	آیہ کریمہ محمد رسول اللہ والذین معہ کو سن کو مقتدی نے قصداً یا سہواً صلی اللہ علیہ وسلم کہا تو نماز کا کیا حکم ہے۔	۳۹۰
بغیر ٹوپی کے گلوبند سر پر باندھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۳۶۰	جوتے پہن کر مسجد میں جانا خلافِ ادب ہے۔ ادب کی بناعرف پر ہے	۳۲۹
مسجد کے اندر اور اس کے صحن دونوں میں جماعت کرنی جائز ہے۔	۳۶۲	کسی نے پہلی آیت میں لم یکن الذین کفروا اور دوسری میں سورہ دہر پڑھی تو اس سے دو کراہتیں پیدا ہوں گی۔	۳۹۳
جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی تحقیق (یہ جواب پورا دستیاب نہ ہوسکا)	۳۶۲	مسجد کے حجرہ میں نماز جائز ہے۔	۳۹۳
حقہ، بیڑی وغیرہ کی بدبو منہ میں ہو تو نماز مکروہ ہوگی، ایسی حالت میں مسجد میں جانا بھی حرام۔	۳۸۴	جو بلاعذرِ شرعی مسجد میں نماز نہ پڑھتا ہو وہ فاسق اور مردودالشہادۃ ہے۔	۳۹۳
نماز میں کھجلی معلوم ہو تو ضبط کرے ورنہ ایک یا دو بار کھجلائے اس سے زیادہ نہیں۔	۳۸۴	مسروقہ کپڑوں میں نماز مکروہ ہوگی۔	۳۹۴
		امام عمامہ باندھے او مقتدی بلا عمامہ کے ہوں تو نماز میں کوئی خرابی نہیں	۳۹۴
		نماز جنازہ پڑھانے میں جو جائے نماز ملتی ہے اس کا کرتا وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں نماز مکروہ۔	۳۹۵

باب الوتر والنوافل	۳۹۷	جمعہ سے پہلے کی سنتیں چھوٹ جائیں تو جمعہ کے بعد وقت کے اندر پڑھ لے ادا میں شمار ہوں گی قضا میں نہیں۔	۴۲۲
جو فرض پڑھ چکا ہے اور اسی فرض کی جماعت قائم ہوئی تو وہ بہ نیت نفل شریک ہو جائے۔	۳۹۷	فجر کے فرض پڑھ لے اور سنتیں رہ جائیں تو سورج بلند ہونے کے بعد پڑھے اس سے پہلے نہیں۔	۴۲۴
نئے کپڑے یا نئے جوتے میں نفل جائز ہے جبکہ انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگنے میں جوتے مانع نہ ہوں۔	۳۹۷	فجر کی جماعت ہو رہی ہے اور سنت پڑھنے کا موقع نہ ہو تو جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے۔	۴۲۵
رمضان شریف میں وتر باجماعت مسجد میں پڑھنا افضل ہے یا گھر میں تنہا، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔	۳۹۸	نفل اور سنتیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے، رمضان شریف کے علاوہ وتر کی جماعت احیاناً ہو جائے تو حرج نہیں۔	۴۲۶
عشاء جماعت سے پڑھی ہو تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔	۴۰۰	تراویح، کسوف، اور استسقاء کے علاوہ تمام نوافل جماعت سے جائز ہیں جبکہ تداعی کے ساتھ نہ ہو ورنہ مکروہ۔	۴۳۰
تہجد سنت مستحبہ ہے اور تمام مستحب نمازوں سے افضل	۴۰۰	تداعی کے معنی	۴۳۰
تراویح وتحیۃ المسجد کے علاوہ تمام نوافل خواہ راتبہ ہوں یا غیر راتبہ گھر میں پڑھنا افضل ہے۔	۴۱۰	صلوۃ التسبیح پڑھنے کی ترکیب اور وقت	۴۴۲
نفل کی جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے، کسوف وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔	۴۱۶	تراویح یا نوافل ایک نیت سے چار رکعت، قعدہ اولٰی میں درود شریف، دعا وغیرہ اور تیسری میں ثناء پڑھنا جائز ہے۔	۴۴۳
رمضان شریف کے اخیر جمعہ میں قضائے عمری کے لئے جو طریقہ اختراع کیا گیا ہے وہ غلط اور بدعت شنیعہ ہے۔	۴۱۷	بالغ کی نماز نابالغ کے پیچھے جائز نہیں خواہ نفل ہی ہو۔	۴۴۴
ایام عاشورہ میں نماز پڑھنا بہترین عبادت ہے۔	۴۱۸	نماز ضحٰی اور نماز چاشت ایک ہی ہے۔	۴۴۵
وتر کی نیت کس طرح کی جائے۔	۴۱۹	شرعی معنوں میں جدّت اچھی نہیں۔	۴۴۵
طویل قیام کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پائے مبارک میں ورم ہونا حدیثوں سے ثابت ہے۔	۴۲۰	تہجد کم از کم دو ۲ رکعت ہے۔	۴۴۶
عشاء کی آخری نفل بیٹھ کر پڑھنا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔	۴۲۱	کچھ سونے کے بعد تہجد پڑھنا چاہئے۔	۴۴۶
تہجد پڑھنے والا تراویح کے بعد وتر پڑھ سکتا ہے۔	۴۲۲		
تراویح کی کچھ رکعتیں جماعت سے چھوٹ گئی ہوں تو ان کو وتر سے پہلے یا بعد پڑھ لے۔	۴۲۲		

صلوۃ التسبیح، وتر اور سنت فجر میں کون کون سی سورتیں پڑھی	۴۴۶	شبینہ کا حکم۔	۴۶۴

جائیں۔			
سنتیں پڑھنے کے بعد اور فرض پڑھنے سے پہلے باتیں کرنے سے سنتوں کا ثواب تو کم ہو جاتا ہے مگر باطل نہیں ہوتیں، نہ فرض میں نقصان آتا ہے ہاں سنتوں کا اعادہ بہتر ہے۔	۴۴۸	عشا کی نماز تنہا پڑھنے والا وتر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا۔	۴۶۷
مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلے جانا منع ہے۔	۴۵۰	ایک مسجد میں دو حافظ دس دس رکعتیں تراویح پڑھائیں اور پہلے نے جو پارے پڑھے ہیں وہی دوسرا بھی پڑھے ایسا جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۸
تراویح کی دس رکعتیں ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے مگر مکروہ۔	۴۵۴	عشا کی نماز تنہا پڑھنے والا تراویح کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے لیکن وتر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا۔	۴۶۸
اصح یہ ہے کہ بالغوں کی نماز نابالغوں کے پیچھے صحیح نہیں۔	۴۵۵	ختم قرآن کے دن بیسویں رکعت میں الم تا مفلحون اور چند دوسری آیتیں مثلاً ماکان محمد وغیرہ پڑھ کر تراویح ختم کرنے میں حرج نہیں۔	۴۶۹
تراویح سنت مؤکدہ ہے اس کو سنت عمری کہہ کر بدعت کہنا جہالت ہے	۴۵۷	تراویح بلاعذرِ شرعی چھوڑنے والا فاسق ہے جبکہ اس کا عادی ہو۔	۴۷۱
تراویح میں ایک بار پورا قرآن مجید پڑھنا مؤکدہ ہے۔	۴۵۸	ختم قرآن پر اُجرت کی ایک صورت۔	۴۷۲
صرف سورہ فاتحہ اور اخلاص سے تراویح پڑھنا بھی جائز ہے مگر سورہ فیل سے پڑھنا بہتر ہے، جیسا کہ عام طور پر رائج ہے۔	۴۵۹	شبینہ مکروہ ہے۔	۴۷۲
تراویح میں ختم قرآن میں ایک بار جہر سے بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔	۴۵۹	تراویح کی ہر چار رکعت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم	۴۷۲
الم ترکیف سے تراویح جائز ہے، ہر ترویحہ کے بعد دعا مانگنا بھی جائز۔	۴۶۰	تراویح کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ	۴۷۳
ایک حافظ ایک مسجد میں بارہ رکعت اور دوسری میں آٹھ رکعت پڑھائے ایسا جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۰	تراویح میں ہر سورہ پر جہر سے بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم	۴۷۴
بلاعذر شرعی تراویح کی جماعت چھوڑنا منع ہے۔	۴۶۱	تراویح پڑھنے کا طریقہ	۴۷۴
ایک شخص ایک جگہ بیس رکعت پڑھائے اور دوسری جگہ بھی بیس رکعت پڑھائے ایسا جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۳	شبینہ کے متعلق سوال	۴۷۵
		سورہ توبہ پر اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار الخ پڑھنا بے اصل ہے بلکہ محدثاتِ عوام سے ہے۔	۴۸۱
جو شخص یہ کہے کہ تراویح میں قرآن شریف سننے سے بہتر	۴۸۲	اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص	۴۹۶

ذکرولادت شریف سننا ہے ایسے کا کیا حکم ہے۔			
وتر کی جماعت چھوڑنے والے کا کیا حکم ہے۔	۴۸۳	کذب وبہتان کی نسبت ائمہ کرام اور علماء اعلام کی طرف کرنا گستاخی اور توہین شان ہے جس پر توبہ لازم ہے۔	۴۹۷
وتر کی تیسری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ کوئی بھی سورت ملائی جاسکتی ہے سورہ اخلاص ہی کا ملانا ضروری نہیں۔	۴۸۴	ایک جاہ وہابی مفتی مصنفِ "ضروری سوال" کی تیس جہالتوں کا بیان۔	۴۹۹
دعائے قنوت میں سہو ہونے سے سجدہ سہو کب ہوتا ہے۔	۴۸۴	قنوت فجر کے بارے میں ہمارے مشائخ کرام تصریح فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے، ہاں محلِ نظر یہ ہے کہ یہاں عموم نسخ ہے یا نسخ عموم۔	۴۹۹
وتر کا مسبوق اپنی فوت شدہ نماز میں وتر پڑھے یا نہیں۔	۴۸۴	آیہ کریمہ "لیس لك من الامر شیئ اویتوب علیھم او یعذبھم فانھم ظلمون کا شان نزول اور اس کا معنی	۴۹۹
دعائے قنوت یاد نہ ہو اور سورہ اخلاص تین بار پڑھ لیا جائے تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۴۸۵	ائمہ کرام اہلسنت کا کوئی مسئلہ ضلالت اور فی النار نہیں وہ سب حق وہدایت اور سبیل جنت ہے۔	۵۰۳
٥ رسالہ **اجتناب العمال عن فتاوی الجھال** (قنوت نازلہ کے بیان میں)	۴۸۷	محاورہ عرب میں لفظ زعم بمعنی مطلق قول اور بمعنی کلام نا محقق آیا ہے۔	۵۰۳
نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز نہیں لیکن جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلا واقع ہو تو نماز فجر میں قنوت پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔	۴۸۸	حدیث اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا جو قنوت فجر کی نہی سے متعلق ہے اس میں تین روای شدید ضعیف ہیں۔	۵۰۴
تحقیق یہی ہے کہ سختیوں کے وقت نماز صبح میں قنوت منسوخ نہیں۔	۴۸۹	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا والد مسعود مسلمان نہیں تھا۔	۵۰۴
نازلہ ہر سختی زمانہ کو کہتے ہیں جو لوگوں میں نازل ہو۔	۴۹۲	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنے سے افضل واحق بر امامت سمجھتے تھے مگر طالب قصاص عثمان غنی رضی اللہ عنہ تھے۔	۵۰۷
نکرہ حیز شرط میں واقع ہو تو عام ہوتا ہے۔	۴۹۲		
طاعون وباء اور ان کی مثل ہر بلیّہ عامہ کے لئے قنوت صحیح حدیثوں کے اطلاقات سے ثابت ہے۔	۴۹۶		

صاحب اشباہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہشتم رجب ۹۷۰ھ کو ہوا۔	۵۰۸	نازلہ کے علاوہ فجر میں دعائے قنوت پڑھنا مکروہ ہے۔	۵۲۷
مصنف "ضروری سوال" کی طرف سے واقع ہونے والی تصحیف اغلاط۔	۵۱۱	نازلہ مثلاً طاعون ووبا وغیرہ میں دعائے قنوت پڑھنا جائز ہے۔	۵۲۷
مصنف "ضروری سوال" کی اغلاط ترجمہ	۵۱۳	زمانہ نازلہ میں فجر میں دعائے قنوت پڑھی جائے باقی نمازوں میں نہیں	۵۳۰
مصنف "ضروری سوال" کی اغلاط روایت	۵۱۵	قنوت نازلہ کے متعلق چند سوال	۵۳۰
ایک روایت میں آٹھ غلطیاں کیں۔	۵۱۶	مسبوق وتر کس طرح پوری کرے۔	۵۴۳
شہداء بئر معونہ کو قراء کہنے کی وجہ کیا ہے۔	۵۱۷	تراویح ہورہی ہے اور کچھ لوگ آئے جنھوں نے عشاء نہیں پڑھی ہے یہ لوگ عشا کی جماعت کرسکتے ہیں، اس حکم پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۵۴۴
ان شہداء کو شہید کرنے کی سازش کرنے والا عامر بن طفیل کفر پر مرا۔	۵۱۸	جس نے عشا تنہا یا جماعت سے پڑھی ہو مگر تراویح پڑھانے والے امام کے پیچھے عشا نہ پڑھی ہو وہ تراویح کے امام کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۵۵
حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قاتل اسلام لے آیا تھا۔	۵۱۸	وتر کی جماعت، جماعتِ فرض کی تابع ہے یا نہیں، اس کا مفصل بیان۔	۵۵۵
مصنف "ضروری سوال" کی عوام کو فریب دہی۔	۵۲۰	تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گیا اور تیسری میں بیٹھا اور سجدہ سہو کیا نماز ہوئی یا نہیں۔	۵۶۷
مصنف کی مذکور کی اپنے ہی توبہ نامہ کی متعدد وجوہ سے مخالفت۔	۵۲۳	ان رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا اس کا اعادہ ہے یا نہیں۔	۵۶۷
مصنف مذکور کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اول نمبر کی وہابیت اور غیر مقلدی ہے، اور یہ کہ وہ اپنی قدیم وہابیت پر قائم ہے۔	۵۲۴	تراویح کی جماعت ہورہی ہے وہاں عشاء کی جماعت کی جاسکتی ہے۔	۵۶۸
خلاصہ کلام و تقریب مرام	۵۲۴	٥ رسالہ **انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار** (نماز غوثیہ کے ثبوت میں)	۵۶۹
جاہل کو مفتی بننا حلال نہیں، نہ اس کے فتوی پر اعتماد جائز	۵۲۵	صلٰوۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ مبارک، مشائخ عظام کا معمول اور قضائے حاجات و حصول مرادات کے لئے عمدہ طریق مقبول ہے۔	۵۷۱
فجر کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد دعائے قنوت یا دوسری دعائیں ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۲۵		

نماز غوثیہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے جس کو اکابر علمانے اپنی تصانیف میں روایت فرمایا۔	۵۷۱	بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثابت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح ہے۔	۵۸۳
نماز غوثیہ کی ادائیگی کا طریقہ	۵۷۱	فعل جواز کی دلیل ہے اور عدم فعل ممانعت کی دلیل نہیں۔	۵۸۳
نماز غوثیہ کی اجازت دینے اور اجازت لینے کا بیان	۵۷۲	محبوبانِ خدا سے توسل قطعاً محمود اور ہرگز اخلاص وتوکل کے خلاف نہیں	۵۸۴
شیخ وجیہ الدین علوی احمد آبادی کا تعارف اور مناقب	۵۷۲	استشفاع وتوسل پر متعدد احادیث وآثار	۵۸۴
نماز غوثیہ کی مداومت اولیاء طریقہ قادریہ کے آداب میں سے ہے۔	۵۷۳	عثمان بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستّہ میں کہیں روایت نہیں جبکہ عثمان بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ ہیں جو بخاری ومسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں۔	۵۸۸
مصنف بہجۃ الاسرار امام ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی کے فضائل	۵۷۳	عتبہ بن غزوان رقاشی طبقہ ثالثہ سے ہیں جن کو تقریب میں مجہول الحال کہا گیا جبکہ حضرت عتبہ بن غزوان بن جابر مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ جلیل القدر صحابی اور بدری ہیں جو سترہ ہجری میں شہید ہوئے۔	۵۹۰
کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم ومشہور ہے۔	۵۷۵	نماز غوثیہ کے افعال پر کلام	۵۹۳
اکابر کی روایات کو بے وجہ وجیہ رد کرنا جہال یا خبیث وضلالت ہے۔	۵۷۶	محبوبانِ خدا کی تعظیم اہم واجبات اور اعظم قربات سے ہے۔	۵۹۴
کسی خاص عبارت کو الحاقی ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔	۵۷۶	محبوبانِ خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے۔	۵۹۵
شیخ ابن عربی کی تصنیف 'فتوحات مکیہ' کے ایک نسخے کا تذکرہ جو شیخ علیہ الرحمۃ کے اپنے دستخط سے مزیّن ہے۔	۵۷۷	تواضع لغیر اللہ جو کہ ممنوع ہے اس کی شکل یہ ہے کہ کسی کافر یا دنیادار غنی کیلئے اس کے سبب تواضع ہو۔	۵۹۷
نماز غوثیہ کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان وافترا ہے۔	۵۸۱		
جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی معافی میں ہیں۔	۵۸۲		

حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صحابہ کرام رضوان تعالٰی علیہم اجمعین اور اولیاء وعلماء کا خشوع وخضوع	۵۹۷	محبوبان خدا کی طرف جانا اور بعد وصال ان کی قبور کی طرف چلنا یکساں ہے۔	۶۰۷
حضرت امام مالک جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو رنگ بدل جاتا اور جھک جاتے۔	۶۰۰	توسل میں توجہ باطن ضروری ہے اور ظاہر عنوان باطن، لہٰذا یہ چلنا مقرر ہوا۔	۶۰۷
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار اقدس پر حاضری کے آداب	۶۰۱	قضائے حاجت کیلئے صلوٰۃ کن فیکون اور اس کے بعد دعا کرنے کا طریقہ۔	۶۰۷
بوقت توسل محبوبان خدا کی طرف منہ کرنا چاہئے اگرچہ قبلہ کو پیٹھ ہوجائے	۶۰۲	نماز استسقاء میں قلب رداء کی حکمت	۶۰۷
حضرت امام شافعی اور دیگر علماء واہل حاجات حاجت روائی کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزار پر حاضر ہوکر ان سے توسل کرتے۔	۶۰۵	ظاہر مصلح خاطر ہوتا ہے لہٰذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام درکار ہو اس کے مناسب افعال وجوارح رکھے جائیں۔	۶۰۸
نکات غامضہ کو محبوبان خدا سے توسل کا مستحسن طریقہ کیا ہے۔	۶۰۵	تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارے کی حکمت۔	۶۰۸
روضہ اقدس پر حاضری کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہو یا مواجہہ شریف کی طرف، خلیفہ ابوجعفر منصور کے سوال پر امام مالک علیہ الرحمۃ کا جواب	۶۰۵	جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہوئی ہو عمل صالح وہاں سے ہٹ کر کرے۔	۶۰۹
سوال حاجت سے پہلے دو رکعت نماز کی تقدیم مناسب ہے۔	۶۰۶	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب دعا میں تفاؤل پر بہت نظر رکھتے تھے۔	۶۰۹
خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہوکر ہم سے دعائے بخشش کریں	۶۰۶	نماز کسوف میں جنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیوارِ قبلہ میں نظر آئی تو چند قدم آگے بڑھے۔	۶۱۳
علماء متقدمین ومتاخرین نے آیہ کریمہ "ولوانھم اذظلموا انفسھم جاؤک" کو زمانہ حیات ووفات سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا۔	۶۰۶	نماز کے افعال واحکام میں اسرار اور حکمتیں	۶۱۵
		نہاری نمازوں میں اخفاءِ قراءت اور لیلٰی نمازوں میں جہر کی حکمت	۶۱۵
		جمعہ وعیدین میں نہاریت کے باوجود حکم جہر کیوں ہے؟	۶۱۵

نماز کسوف میں جماعت کثیرہ کے باوجود حکم جہر کیوں ہے۔	۶۱۵	تصور شیخ کی ترکیب	۶۲۶
رات کو ایک نیت سے آٹھ رکعت کی اجازت اور دن کو چار سے زائد کی ممانعت کیوں ہے؟	۶۱۵	o رسالہ **ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار** (نماز غوثیہ کے نکات اور طریقہ)	۶۳۳
ہر دو رکعت پر جلسہ کیوں واجب ہے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد کیوں واجب ہے؟	۶۱۵	مصنف علیہ الرحمہ نے مولانا الشاہ محمد ابراہیم قادری مدراسی کی استدعا پر انہیں نماز غوثیہ کی اجازت فرمائی۔	۶۳۴
فرض نمازوں میں پچھلی رکعتوں میں قرات کیوں معاف	۶۱۵	نماز غوثیہ قضاءِ حاجات اور دفعِ اشرار کے لئے مجرب ہے۔	۶۳۴
منفرد پر جہر کے واجب نہ ہونے کی حکمت	۶۱۵	مصنف علیہ الرحمۃ کا سلسلہ اجازت نماز غوثیہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک متصلاً پہنچتا ہے۔	۶۳۵
رکوع، سجود اور قعود میں قرات کیوں ممنوع ہے۔	۶۱۵	نماز غوثیہ کی ترکیب اور فضیلت کے بارے میں سرکار غوثیہ کی ترکیب اور فضیلت کے بارے میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد۔	۶۳۷
رکوع کے بعد قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی حکمت	۶۱۶	نماز غوثیہ میں مشائخ قادریہ کے ہاں دو طریقے ہیں: طریقہ صغری اور طریقہ کبری۔	۶۳۸
توبہ کے لئے بلند جگہ پر جانا چاہئے اور اس عمل کی حکمت	۶۱۶	طریقہ صغری کی تفصیل اور ارشاد غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شرح۔	۶۳۸
بوقت حاجت عراق کی طرف چلنے کے لئے گیارہ قدموں کی تخصیص کی وجہ۔	۶۱۷	نماز غوثیہ سے قبل تازہ وضو کرنا اور صدقہ کرنا مستحسن ہے۔	۶۳۸
بالجملہ نماز غوثیہ میں اصلاً کوئی محذور شرعی نہیں ہے۔	۶۱۹	نماز غوثیہ کے بعد کن کلمات کے ساتھ اللہ تعالٰی کی حمد کرنی چاہئے۔	۶۳۹
عقائد وہابیہ پر اطلاع پانے اور ان کے رد کیلئے کن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔	۶۲۰	نماز غوثیہ کے بعد درود وسلام کن الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے۔	۶۴۱
اعمال مشائخ میں تجدید واحداث کی ہمیشہ اجازت ہے۔	۶۲۰	حمد باری تعالٰی اور درود وسلام کے بعد معتدل چال سے بغداد کی طرف گیارہ قدم چلے۔	۶۴۲
اصول مذاہب وہابیہ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مشرک وبدعتی قرار پاتے ہیں جو کہ سنّی موحد ہیں۔	۶۲۲		
ناد علی کی ترکیب اور اس دعا کے الفاظ	۶۲۲		
علماء وہابیہ سے جملہ معترضہ کے طور پر ایک چبھتا ہوا سوال	۶۲۳		
ختم خواجگاں، ختم مجدّد الف ثانی اور دعاءِ حزب البحر کے فوائد	۶۲۴		

مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے بریلی شہر سے جہتِ بغداد اور جہت مدینہ منورکا استخراج	۶۴۲	کسی آیۃ کے چند بار نازل ہونے سے اس کا چند آیتیں ہونا لازم نہیں ہوتا۔	۶۶۴
دعاایک پرندہ ہے اور درود شریف اس کے پر۔	۶۴۸	بسم اللہ کاہر سورت کی جز ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متواتر ہونا تودرکنار ثابت بھی نہیں۔	۶۶۴
جس دعا کے اول وآخر درود شریف ہو وہ رد نہیں ہوتی۔	۶۴۹	قول جزئیت پر ادعائے اجماع محض افترا ہے بلکہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا توعدم جزئیت پر اجماع تھا۔	۶۶۵
ابو جعفر منصور کا حضرت امام مالک سے سوال کہ میں قبلہ کی طرف منہ کرکے دعامانگوں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف۔	۶۴۹	تمام قراء کے نزدیک بسم اللہ شریف بقرہ سے ناس تک کسی سورۃ کی جز نہیں تاہم بسم اللہ کے جز فاتحہ ہونے میں قراء کا اختلاف ہے۔	۶۶۷
لطیفہ نظیفہ کہ نمازغوثیہ کے بعد عراق کی طرف چلنے کے حکم میں غوث اعظم نے گیارہ عدد قدم اٹھانے کی تخصیص کیوں فرمائی۔	۶۵۲	جزئیت بسم اللہ شریف ہرگز قطعی نہیں خود قائلین جزئیت منکر قطعیت ہیں۔	۶۶۸
٥ رسالہ **وصاف الرجیح فی بسملة التراویح** (ختم تراویح میں بسم اللہ ایک بار جہر سے پڑھنا چاہئے)	۶۵۹	ختم قرآن عظیم میں کم از کم ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر قراء کا اجماع ہے۔	۶۷۲
بسم اللہ شریف قرآن مجید کی ایک آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔	۶۶۱	سورہ براۃ کے سوا کسی سورۃ کے شروع سے ابتداء تلاوت ہو تو اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورتوں کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں۔	۶۷۲
بسم اللہ شریف تراویح میں ایک بار جہر سے پڑھی جائے ورنہ سنت ختم ادانہ ہوگی۔	۶۶۱	غیر مبسلین کی قرات میں ترک بسملہ توقطعاً نافی جزئیت ہے اور مبسملین کی قرات میں اثباتِ بسملہ ہرگز مثبت جزئیت نہیں۔	۶۷۶
بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی نہ وہ فاتحہ کی جز نہ ہر سورت کی، توقرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں اور ایک آیت کا جوکہ بسم اللہ شریف ہے۔	۶۶۲	اگرمذہب عاصم جزئیت ہو بھی تو ہم پر ان کی اتباع لازم نہیں کیونکہ مذہب میں ہم ان کے مقلد نہیں۔ ایک ہی بار بسم اللہ شریف پڑھنے کی صورت میں ختم قرآن ہرگز ناقص نہیں۔	۶۷۷
مسئلہ مذکورہ کی تحقیق میں پندرہ افادات	۶۶۲	اگربفرض غلط روایتِ عاصم جزئیت ہر سورت ہو بھی توپھر بھی ختم تراویح میں ہر بسملہ میں جہر کی اصلاً حاجت نہیں۔	۶۷۷
بسم اللہ شریف جمہورائمہ، صحابہ اور تابعین کے نزدیک کسی سورت کی جز نہیں۔	۶۶۲		

قرأت واحدہ کی اتباع وعدم اتباع کی تحقیق۔	۶۷۸	دور صحابہ سے اب تک تعلیم وتدریس قرآن کا طریقہ	۶۸۹
اگر بفرض غلط جہر بھی متواتر ہو جب بھی مصالح شرعیہ یہاں اخفاء کا حکم فرماتی ہیں۔	۶۷۹	صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم وعمل کے سیکھتے تھے۔	۶۹۰
تالیف قلوب کے لئے ترک افضل جائز ہے۔	۶۸۰	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ سال اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آٹھ سال میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے سورہ بقرہ پڑھی۔	۶۹۱
نماز تراویح میں جہر بسملہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر بتانا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء صریح ہے بلکہ کسی نماز میں بھی جہر بسملہ متواتر نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں سخت نزاع ہے۔	۶۸۱	صحت روایت پر مدارِ قراءت ہونے یا نہ ہونے کی تحقیق	۶۹۴
ائمہ دین جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں۔	۶۸۱	خلاصہ کلام وتقریب مرام	۶۹۸
حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور خلفاءِ راشدین نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔	۶۸۴	قاری عبدالرحمان پانی پتی اور گنگوہی صاحب کے باقی کلام کا رَد	۶۹۹
بسم اللہ شریف نماز میں بآواز پڑھنا گنواروں کی قراءۃ ہے۔	۶۸۵	گنگوہی صاحب سے پانچ سوال	۷۰۰
ہمارے علماء نے صاف فرمادیا کہ بسم اللہ شریف کے جہر واخفاء میں امام قرأت کا اتباع بیرون نماز ہے نماز میں آہستہ ہی پڑھے۔	۶۸۷	قاری عبدالرحمان پانی پتی پر بیس وجوہ سے رَد۔	۷۰۰
جہر واخفاء کے بارے میں روایاتِ قراء سب بیرون نماز کی ہیں۔	۶۸۷	قرآن عظیم میں روافض کے ادعائے تحریف۔	۷۰۲
		بعض ائمہ مجتہدین اور قراء کے سنین وصال۔	۷۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

تجوید وقرات		جہر واخفاء کے بارے میں روایاتِ قراء سب بیرون نماز کی ہیں	۶۷۸
تراویح میں ہر سورہ پر جہر سے بسم اللہ شریف پڑھنے کا حکم	۴۷۴	**امامت**	
وتر کی تیسری رکعت میں فاتحہ کے ساتھ کوئی بھی سورت ملائی جاسکتی ہے سورہ اخلاص ہی ملانا ضروری نہیں۔	۴۸۴	حنفی کی شافعی کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی شرائط	۱۱۶
بسم اللہ شریف تراویح میں ایک بار جہر سے پڑھی جائے ورنہ سنت ختم ادانہ ہوگی۔	۶۶۱	امام آمین بالجہر اور رفع یدین کرے تو حنفی اس کی اقتداء میں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔	۱۵۱
تمام قراء کے نزدیک بسم اللہ شریف بقرہ سے ناس تک کسی سورۃ کی جز نہیں تاہم بسم اللہ کے جز فاتحہ ہونے میں قراء کا اختلاف ہے۔	۶۶۷	امام کے لئے مصلی ہونا اور مقتدیوں کے لئے نہ ہونا اگر اس لئے ہے کہ دونوں میں امتیاز رہے تو برا ہے اور اگر امام کے اکرام کے لئے ایسا ہے تو ٹھیک ہے۔	۲۱۸
ختم قرآن عظیم میں کم از کم ایک بار بسم اللہ شریف پڑھنے پر قراء کا اختلاف ہے۔	۶۷۲	امام پر مقتدی تحکم نہیں کرسکتا۔	۲۲۹
سورۃ براۃ کے سوا کسی سورۃ کے شروع سے ابتداءِ تلاوت ہو تو اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دو سورتوں کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں۔	۶۷۲	امام کا وضو جاتا رہے تو کیا کرے۔	۲۴۹
قرا‌ءت واحدہ کی اتباع وعدم اتباع کی تحقیق	۶۷۸	امام نے ایک امّی کو خلیفہ کیا اور اس نے دوسرے کو، نماز درست ہوگی یا نہیں۔	۲۵۰
		احکام مسجد	
		مسجد کا نچلا حصہ مردوں کے لئے اور چھت عورتوں کے لئے مخصوص کردیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔	۲۳۱

مسجد کے اندر اور اس کے صحن دونوں میں جماعت کرنی جائز ہے۔	۳۶۲	جذامی کو مسجد سے روکا جائے یا نہیں۔	۱۹۲
حقہ، بیڑی وغیرہ کی بدبو منہ میں ہو تو نماز مکروہ ہوگی ایسی حالت میں مسجد میں جانا بھی حرام	۳۸۴	داڑھی منڈے صف اول ہی میں کیوں نہ ہوں، انہیں ہٹانا منع ہے۔	۱۹۳
جوتے پہن کر مسجد میں جانا خلاف ادب ہے، ادب کی بناء عرف پر ہے۔	۳۹۲	ایک صف پر دو چار آدمی الگ الگ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۱۹۹
مسجد کے حجرہ میں نماز جائز ہے۔	۳۹۳	نماز میں ٹوپی گر جائے تو اٹھالینا افضل ہے۔	۲۹۷
مسجد سے بغیر نماز پڑھے چلا جانا منع ہے۔	۴۵۰	دھوبی بدل کر دوسرے کپڑے دے جائے تو انہیں پہن کر نماز جائز نہیں	۲۹۸
سجود السہو		جُوڑا باندھ کر عورتیں نماز پڑھ سکتی ہیں۔	۲۹۸
دعائے قنوت میں سہو ہونے سے سجدہ سہو کب ہوتا ہے۔	۴۸۴	چادر سر سے اوڑھ کر نماز پڑھنی چاہئے صرف کندھے سے ہو تو نماز مکروہ ہوگی، نماز میں سر سے ڈھلک کر کندھے پر آجائے تو اشارہ سے سر پر رکھ لینا چاہئے۔	۲۹۹
تراویح کی دوسری رکعت میں بیٹھنا بھول گیا اور تیسری میں بیٹھا اور سجدہ سہو کیا نماز ہوئی یا نہیں۔	۵۶۷	سر پر رومال یا بلا ٹوپی کے رومال باندھ کر نماز پڑھنے سے مکروہ ہوگی۔	۲۹۹
اجارہ		جبکہ نہ دخول ہو نہ منی نکلے غسل واجب نہیں تلاوت وغیرہ کر سکتا ہے۔	۳۰۰
ختم قرآن پر اُجرت کی ایک صورت	۴۷۲	جراب یا موزہ میں نماز جائز ہے۔	۳۰۱
امامت کی تنخواہ لینی جائز ہے مگر بچنا بہتر	۴۷۲	چشمہ لگا کر نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے۔	۳۱۸
حظر واباحت		ردائے مشتمل میں نماز صحیح ہے۔	۳۵۵
نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے۔		بغیر ٹوپی کے گلوبند سر پر باندھ کر نماز پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۳۶۰
آٹھ نو برس کا لڑکا مردوں کی صف میں کھڑا ہو سکتا ہے جبکہ اکیلے ہو، اس کو ہٹا کر اس کی جگہ پر دوسرے کا کھڑا ہونا گناہ ہے۔	۵۱	جوتے پہن کر نماز پڑھنے کی تحقیق	۳۶۲
		نماز میں کھجلی معلوم ہو تو ضبط کرے ورنہ ایک یا دو بار کھجلائے اس سے زیادہ نہیں۔	۳۸۴
		تہبند کے نیچے لنگوٹ ہو یا داڑھی میں ڈاٹ ہو یا جیب میں روپیہ پیسہ ہو نماز صحیح ہوگی یا نہیں۔	۳۸۴

کمر میں پٹکا ہو تو نماز صحیح ہے۔	۳۸۵	کسی معتمد کو مقرر کرے کہ وقت جماعت سے پہلے اس کو	۹۰

		جگادے۔	
شروانی، انگرکھے وغیرہ کے بٹن گھنڈی نہ لگے ہوں تو نماز ہوتی ہے یا نہیں، اس کا مفصل بیان۔	۳۸۵	ہمارے ائمہ کے نزدیک تمام سنن رواتب تہجد سے اہم اور آکد ہیں۔	۹۴
امام عمامہ باندھے اور مقتدی بلاعمامہ کے ہوں تو نماز میں کوئی خرابی نہیں	۳۹۴	جماعت، سنن رواتب اور تہجد میں درجات کی ترتیب	۹۹
نماز جنازہ پڑھانے میں جو جائے نماز ملتی ہے اس کو کرتا وغیرہ بنانے میں کوئی حرج نہیں، نہ اس میں نماز مکروہ۔	۳۹۵	حکم جماعت کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام کے یہ چھ اقوال ہیں فرض عین، فرض کفایہ، واجب عین، واجب کفایہ سنت مؤکدہ، مستحب۔	۱۰۱
بالغ کی نماز نابالغ کے پیچھے جائز نہیں خواہ نفل ہی ہو۔	۴۴۴	**رسم المفتی**	
شبینہ کا حکم۔	۴۶۴	متون شروح فتاوٰی سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں۔	۲۱۰
شبینہ مکروہ ہے۔	۴۷۲	جاہل کو مفتی بننا حلال نہیں، نہ اس کے فتوٰی پر اعتماد جائز	۵۲۵
سورہ توبہ پر اعوذ باللّٰہ من النار و من شر الکفار الخ پڑھنا بے اصل ہے۔	۴۸۱	**عقائد وکلام**	
فوائد فقہیّہ		کذب وبہتان کی نسبت ائمہ کرام اور علمائے اعلام کی طرف کرنا گستاخی اور توہین شان ہے جس پر توبہ لازم ہے۔	۴۹۷
پاؤں کا عذر فی الحضور ہے نہ عذر للحاضر تہجد فوت ہوجانے کے خوف سے ترک جماعت جائز نہیں۔	۸۱	ائمہ کرام اہلسنت کا کوئی مسئلہ ضلالت اور فی النار نہیں وہ سب حق وہدایت اور سبیل جنت ہے۔	۵۰۳
تہجد کے بارے میں صرف ترغیبات ہیں جبکہ ترک جماعت پر ہولناک وعیدیں۔	۸۱	اکابر کی روایات کو بے وجہ وجیہ رد کرنا جہالت یا خبث وضلالت ہے۔	۵۷۶
خوف وقتِ تہجد کو ترک جماعت کے لئے عذر بنانا بیہودگی ہے۔	۸۵	نماز غوثیہ کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان وافترا ہے۔	۵۸۱
قیلولہ کا وقت ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار تک ہے۔	۸۷	جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہرگز ممنوع نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی معافی میں ہیں۔	۵۸۲
اگر کوئی شخص نو بجے عشاء پڑھ کر سوگیا دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تو تہجد ہوگیا۔	۸۹		

قاعدہ نفیسہ کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یا برائی ثابت ہو وہ بھلی یا بری ہے اور جس کی نسبت کچھ ثابت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح ہے۔	۵۸۳	نکات غامضہ کہ محبوبانِ خدا سے توسل کا مستحسن طریقہ کیا ہے۔	۶۰۵
محبوبانِ خدا سے توسل قطعاً محمود اور ہرگز اخلاص وتوکل کے خلاف نہیں۔	۵۸۴	روضہ اقدس پر حاضری کے وقت منہ قبلہ کی طرف ہو یا مواجہہ شریف کی طرف، خلیفہ ابوجعفر منصور کے سوال پر امام مالک علیہ الرحمہ کا جواب۔	۶۰۵
استشفاع وتوسل پر متعدد احادیث وآثار نماز غوثیہ کے افعال پر کلام۔	۵۹۳	سوال حاجت سے پہلے دو رکعت کی تقدیم مناسب ہے۔	۶۰۶
محبوبانِ خدا کی تعظیم اہم واجبات اور اعظم قربات سے ہے۔	۵۹۴	خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہو کر ہم سے دعاء بخشش کریں۔	۶۰۶
محبوبانِ خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ درحقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے۔	۵۹۵	محبوبانِ خدا کی طرف جانا اور بعد وصال ان کی قبور کی طرف چلنا یکساں ہے۔	۶۰۷
تواضع لغیر اللہ جو کہ ممنوع ہے اس کی شکل یہ ہے کہ کسی کافر یا دنیادار غنی کے لئے اس کے سبب تواضع ہو۔	۵۹۷	**مناظرہ ورَدِّ بدمذہباں**	
حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء وعلماء کا خشوع وخضوع۔	۵۹۷	ایک جاہل وہابی مفتی مصنفِ "ضروری سوال" کی تیس جہالتوں کا بیان۔	۴۹۹
حضرت امام مالک جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کرتے تو رنگ بدل جاتا اور جھک جاتے۔	۶۰۰	مصنف "ضروری سوال" کی طرف سے واقع ہونے والی تصحیف اغلاط۔	۵۱۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مقدس پر حاضری کے آداب۔	۶۰۱	مصنف "ضروری سوال" کی اغلاط ترجمہ۔	۵۱۳
بوقت توسل محبوبانِ خدا کی طرف منہ کرنا چاہئے اگرچہ قبلہ کو پیٹھ ہو جائے۔	۶۰۲	مصنف "ضروری سوال" کی اغلاط روایت۔	۵۱۵
حضرت امام شافعی اور دیگر علماء واہل حاجات حاجت روائی کے لئے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر حاضر ہو کر ان سے توسل کرتے۔	۶۰۵	ایک روایت میں آٹھ غلطیاں کیں۔	۵۱۶
		مصنف "ضروری سوال" کی عوام کو فریب دہی	۵۲۰
		مصنف مذکور کی اپنے ہی توبہ نامہ کی متعدد وجوہ سے مخالفت	۵۲۳

مصنف مذکور کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اول نمبر کی وہابیت اور غیر مقلدی ہے اور یہ کہ وہ اپنی قدیم وہابیت پر قائم ہے۔	۵۲۴	بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی، نہ وہ فاتحہ کی جز نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں اور ایک آیت کا جو کہ بسم اللہ شریف ہے۔	۶۶۲
عقائد وہابیہ پر اطلاع پانے اور ان کے رَد کے لئے کن کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔	۶۲۰	مسئلہ مذکورہ کی تحقیق میں پندرہ افادات	۶۶۲
اصول مذاہب وہابیہ پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مشرک وبدعتی قرار پاتے ہیں جو کہ سنی موحد ہیں۔	۶۲۲	بسم اللہ شریف جمہور ائمہ، صحابہ اور تابعین کے نزدیک کسی سورت کی جز نہیں۔	۶۶۳
علماء وہابیہ سے جملہ معترضہ کے طور پر ایک چبھتا ہوا سوال۔	۶۲۳	کسی آیت کے چند بار نازل ہونے سے اس کا چند آیتیں ہونا لازم نہیں ہوتا۔	۶۶۴
قاری عبدالرحمٰن پانی پتی اور گنگوہی صاحب کے باقی کلام کا رد۔	۶۹۹	دور صحابہ سے اب تک تعلیم وتدریس قرآن کا طریقہ	۶۸۹
گنگوہی صاحب سے پانچ سوال	۷۰۰	**فوائد حدیثیہ**	
قاری عبدالرحمان پانی پتی پر بیس وجوہ سے رَد۔	۷۰۰	حدیث مبارکہ "ماأجدُلك رخصة" کا معنی اور مصنف کی تحقیق۔	۷۱
قرآن عظیم میں روافض کے ادعائے تحریف	۷۰۲	تہجد اور سنن رواتب کی افضلیت سے متعلق وارد احادیث میں تطبیق	۹۵
تفسیر وعلوم قرآن		حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا جو قنوت فجر کی نہی سے متعلق ہے اس میں تین راوی شدید ضعیف ہیں۔	۵۰۴
آیہ کریمہ "لیس لك من الامر شیئ اویتوب علیهم اویعذبهم فانهم ظلمون" کا شان نزول اور اس کا معنی	۴۹۹	**اسماء الرجال**	
علماء متقدین ومتاخرین نے آیہ کریمہ "ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤوك" کو زمانہ حیات ووفات سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا۔	۶۰۶	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا والد مسعود مسلمان نہیں تھا۔	۵۰۴

عثمان بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں جبکہ عثمان بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ ہیں جو بخاری ومسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں۔	۵۸۸	**فضائل ومناقب**	
عتبہ بن غزوان رقاشی طبقہ ثالثہ سے ہیں جن کو تقریب میں مجہول الحال کہا گیا جبکہ حضرت عتبہ بن غزوان بن جابر مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ جلیل القدر صحابی اور بدری ہیں جو سترہ ہجری میں شہید ہوئے۔	۵۹۰	تہجد سنت مستحبہ ہے اور تمام مستحب نمازوں سے افضل	۴۰۰
تاریخ وتذکرہ		حدیث متواترہ ہے کہ سورۃ اخلاص کا ثواب ثلث قرآن مجید کے برابر ہے۔	۶۹
موجودہ صورت میں محراب کی تعمیر کا آغاز ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔	۳۴۶	حدیث مبارک کہ نماز عشاء باجماعت، نصف شب اور نماز فجر جماعت کامل شب کے قیام کے مساوی ہے۔	۶۹
صاحب اشباہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہشتم رجب ۹۷۰ہجری کو ہوا۔	۵۰۸	بہ نیت تہجد سونے والا اگر تہجد نہ بھی پاسکے تو ثواب تہجد پاتا ہے اور اس کی نیند اللہ تعالٰی کی طرف سے صدقہ ہے۔	۸۳
شہداء بئر معونہ کو شہید کرنے کی سازش کرنے والا عامر بن طفیل کفر پر مرا۔	۵۰۸	فاروق اعظم اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ مجھے جماعت صبح میں حاضر ہونا تمام شب کی نماز سے زیادہ محبوب ہے۔	۸۳
حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ کا قاتل اسلام لے آیا تھا۔	۵۱۸	تہجد عادت صالحین ہے اور اللہ تعالٰی کے قریب کرنے والا اور برائیوں کا کفارہ ہے۔	۸۵
شیخ ابن عربی کی تصنیف "فتوحات مکیہ" کے ایک نسخے کا تذکرہ جو شیخ علیہ الرحمہ کے اپنے دستخط سے مزین ہے۔	۵۷۷	شیخ وجیہ الدین علوی احمد آبادی کا تعارف اور مناقب۔	۵۷۲
مصنف علیہ الرحمۃ کا سلسلہ اجازت نماز غوثیہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک متصلاً پہنچتا ہے۔	۶۳۵	مصنف "بہجۃ الاسرار" امام ابوالحسن نورالدین علی شنطوفی کے فضائل۔	۵۷۳
بعض ائمہ مجتہدین اور قراء کے سنین وصال۔	۷۰۵	کتاب "بہجۃ الاسرار" کتاب عظیم ومشہور ہے۔	۵۷۵
		نماز غوثیہ قضاء حاجات اور دفع اشرار کے لئے مجرب ہے۔	۶۳۴
		نماز غوثیہ کی ترکیب اور فضیلت کے بارے میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد۔	۶۳۷

فوائد اصولیه		بسم اللہ کا ہر سورت کی جز ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متواتر ہونا تودرکنار، ثابت بھی نہیں۔	۶۶۴
عذر ساقط وجوب جماعت ہے نہ کہ ساقط جواز۔	۶۹	قول جزئیت پرادعائے اجماع محض افترا ہے بلکہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا تو عدم جزئیت پر اجماع تھا۔	۶۶۵
کسی شے کے حقیقتاً ہونے اور حکماً ہونے میں بہت فرق ہے۔	۶۹	جزئیت بسم اللہ شریف ہر گز قطعی نہیں خود قائلین جزئیت منکرِ قطعیت ہیں	۶۶۸
آئندہ کسی سنت کے فوت ہوجانے کے خوف سے فی الحال کسی سنت کا ترک ناجائز ہے۔	۸۲	غیر مبسلمین کی قراءت میں ترک بسم اللہ تو قطعاً نافی جزئیت ہے اور مبسلمین کی قراءت میں اثبات بسملہ ہر گز مثبت جزئیت نہیں۔	۶۷۶
تہجد وجماعت میں تعارض نہیں لہٰذا ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں۔	۸۷	تالیف قلوب کے لئے ترک افضل جائز ہے۔	
جماعت اولٰی پر تہجد کی ترجیح باطل محض ہے کیونکہ مستحب واجب کے برابر نہیں ہوسکتا۔	۹۱	صحت روایت پر مدارِ قراءت ہونے یانہ ہونے کی تحقیق۔	۶۹۴
ترک اولویت، میں حکم کراہت نہیں۔	۱۰۰	**سیرت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم**	
سنیت ووجوب کیسے ثابت ہوتے ہیں۔	۱۱۰	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب دعاء میں تفاؤل پر بہت نظر رکھتے تھے۔	۶۰۹
مطلق منطقی اور مطلق اصولی کی تعریف اور ان میں فرق	۱۱۰	نماز کسوف میں جنت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیوار قبلہ میں نظر آئی تو چند قدم آگے بڑھے۔	۶۱۳
منافی وجوب، ترک سے نفی حرج ہے نہ کہ فعل سے۔	۳۳۰	**تصوف واخلاق**	
نکرہ حیز شرط میں واقع ہو تو عام ہوتا ہے۔	۴۹۲	طویل اور غفلت کی نیند کا علاج یہ ہے کہ تکیہ نہ رکھے، کھانے کے فوراً بعد نہ سوئے، سوتے وقت دل کو جماعت سے خوب متعلق کرے اور کھانا تھوڑا کھائے۔	۸۸
اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص	۴۹۶		
قنوتِ فجر کے بارے میں ہمارے مشائخ کرام تصریح فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے، ہاں محل نظر یہ ہے کہ یہاں عموم نسخ ہے یا نسخ عموم۔	۴۹۹		
فعل جواز کی دلیل ہے اور عدم فعل ممانعت کی دلیل نہیں۔	۵۸۳		

سوتے وقت اللہ تعالٰی سے توفیق جماعت کی دعا کرے اور اس پر سچا توکل کرے۔	۹۰	تصور شیخ کی ترکیب	۶۲۶
صلوٰۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ مبارک نماز، مشائخ عظام کا معمول اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لئے عمدہ طریق مقبول ہے۔	۵۷۱	نماز غوثیہ قضاء حاجات اور دفع اشرار کے لئے مجرب ہے۔	۶۳۴
نماز غوثیہ کی اجازت دینے اور لینے کا بیان	۵۷۲	نماز غوثیہ میں مشائخ قادریہ کے ہاں دو طریقے ہیں: طریقہ صغرٰی اور طریقہ کبرٰی	۶۳۸
نماز غوثیہ کی مداومت اولیاء طریقہ قادریہ کے آداب میں سے ہے۔	۵۷۳	**لغت**	
توسل میں توجہ باطن ضروری ہے اور ظاہر عنوان باطن لہٰذا یہ چلنا مقرر ہوا۔	۶۰۷	محاورہ عرب میں لفظ زعم بمعنی مطلق قول اور بمعنی کلام نا محقق آیا ہے۔	۵۰۳
قضائے حاجت کے لئے صلوٰۃ کن فیکون اور اس کے بعد کرنے کا طریقہ۔	۶۰۷	**ریاضی**	
ظاہر مصلح خاطر ہوتا ہے لہٰذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام درکار ہو اس کے مناسب افعال وجوارح رکھے جائیں۔	۶۰۸	مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے بریلی شہر سے جہتِ بغداد اور جہت مدینہ منورہ کا استخراج	۶۴۲
جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہوئی ہو عمل صالح وہاں سے ہٹ کر کرے۔	۶۰۹	**متفرقات**	
توبہ کے لئے بلند جگہ پر جانا چاہئے اور اس عمل کی حکمت	۶۱۶	شہداء بئر معونہ کو قراء کہنے کی وجہ کیا ہے۔	۵۱۷
اعمال مشائخ میں تجدید واحداث کی ہمیشہ اجازت ہے۔	۶۲۰	کسی خاصی عبارت کو الحاق ثابت کرنے کے دو طریقے ہیں۔	۵۷۶
نادعلی کی ترکیب اور اس دعا کے الفاظ	۶۲۲	نماز استسقاء میں قلب رداء کی حکمت	۶۰۷
ختم خواجگاں، ختم مجدد الف ثانی اور دعاءِ حزف البحر کے فوائد	۶۲۴	تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارے کی حکمت۔	۶۰۸
		نماز کے افعال واحکام میں اسرار اور حکمتیں	۶۱۵
		نہاری نمازوں میں اخفاءِ قراءت اور لیلٰی نمازوں میں جہر کی حکمت	۶۱۵
		جمعہ وعیدین میں نہاریت کے باوجود حکم جہر کیوں ہے۔	۶۱۵

نماز کسوف میں جماعت کثیرہ کے باوجود حکم اخفاء کیوں ہے۔	۶۱۵	منفرد پر جہر کے واجب نہ ہونے کی حکمت	۶۱۵
رات کو ایک نیت سے آٹھ رکعت کی اجازت اور دن کو چار سے زائد کی ممانعت کیوں ہے۔	۶۱۵	رکوع، سجود اور قعود میں قراءت کیوں ممنوع ہے۔	۶۱۵
ہر دو رکعت پر جلسہ کیوں واجب ہے اور اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد کیوں واجب ہے۔	۶۱۵	رکوع کے بعد قومہ اور دو سجدوں کے درمیان جلسہ کی حکمت	۶۱۶
فرض نماز میں پچھلی رکعتوں میں قراءت کیوں معاف۔	۶۱۵	لطیفہ نظیفہ کہ نماز غوثیہ کے بعد عراق کی طرف چلنے کے حکم میں سرکار غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے گیارہ عدد قدم اٹھانے کی تخصیص کیوں فرمائی۔	۶۵۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الجماعة

(جماعت کا بیان)

مسئلہ ۸۴۶: از میرٹھ خیر نگر دروازہ خیر المساجد مرسلہ مولوی ابوالعارف محمد حبیب اللہ صاحب قادری برکاتی ۲رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسجد خیر نگر دروازہ کا صحن محراب کے ہر دو جانب میں مساوی نہیں ہے بلکہ دست راست کی جانب ۱۶فٹ بڑھاہواہے گرمی برسات وغیرہ میں جب نماز صحن مسجد میں پڑھی جاتی ہے توجماعت اس سرے سے اس سرے تک قائم ہوتی ہے جو محراب کی نسبت سے دائیں جانب ۱۶فٹ متجاوز ہوتی ہے جس کاایک خاکہ بھی مرسلہ خدمت ہے اب دریافت طلب یہ ہے کہ جب صحن مسجد میں جماعت قائم ہوجائے توامام کو رعایت وسط صف کی لازم ہے یامحاذاتِ محراب ضروری ہے **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امام کے لئے سنت متوارثہ کہ زمانہ اقدس رسالت سے اب تک معہود وسط مسجد میں قیام ہے کہ صف پوری ہوتوامام وسط صف میں ہو اور یہی جگہ محراب حقیقی ومتورث ہے، محراب صوری کہ طاق نماایک خلا وسط دیوار قبلہ میں بنانا حادث ہے اُسی محراب حقیقی کی علامت ہے، یہ علامت اگر غلطی سے غیر وسط میں بنائی جائے اس کااتباع نہ ہوگامگر مراعات توسط ضروری ہوگی کہ اتباع سنت وانتفائے کراہت وامتثال ارشاد حدیث **توسطوا الامام** (امام درمیان میں کھڑا ہو۔ت)، جس مسجد میں مسقف حصہ نہ ہو وہاں یہ محراب صوری ہوتی ہی نہیں جیسے افضل المساجد مسجد الحرام شریف، اور اس میں ہر مسجد کا صحن داخل ہے کہ باختلاف موسم مسجد مستقل ہے فقہائے کرام درجہ مسقفہ کو مسجد شتوی کہتے ہیں اور غیر مسقف کو مسجد صیفی جب ان کے وسط متطابق نہ ہوں توہر مسجد کے لئے اس کااپنا وسط معتبر ہے پس صورت مستفسرہ میں جبکہ مسجد صیفی مسجد شتوی سے سولہ فٹ جانب راست زائد ہے توامام محراب صوری اندرونی کی محاذات سے آٹھ فٹ جانب راست ہٹ کر صحن میں کھڑا ہو

کہ اس مسجد کی محراب میں قیام حاصل ہو۔ درمختار میں ہے: **یصف الامام ویقف وسطا**[1] (امام صف بنوائے اور درمیان میں کھڑا ہو۔ت) درایہ شرح ہدایہ میں ہے:

السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی قد عینت لمقام الامام مبسوط[2]۔	سنت یہ ہے کہ امام صف کے محاذی درمیان میں کھڑا ہو، کیا تم نے ملاحظہ نہیں کیا تمام محرابیں مساجد کے وسط میں بنائی گئی ہیں اور وہ مقام امام کا تعین کر رہی ہیں، مبسوط۔(ت)

امام بکر خواہر زادہ میں ہے:

لوقام فی احد جانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه[3] الخ اثرھما ش۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر امام صف کی دونوں جانبوں میں سے کسی ایک طرف کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے، اگر مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور مسجد بھری ہو تو امام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ امام کی دونوں طرف لوگ برابر ہوں الخ ان دونوں عبارتوں کو شامی نے نقل کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۴۷: ازاروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسؤلہ مرسلہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان شریف ۱۳۳۰ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے باہر در میں جو مشرق کی جانب ہوتا ہے اس میں تنہا امام کو کھڑے ہو کر نماز پڑھانی کیسی ہے اور اکثر مساجد میں باہر کا صحن اندر کے صحن سے بہت نیچا ہوتا ہے **بینوا توجروا**۔

الجواب:

امام کو در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

فی رد المحتار عن معراج الدرایة عن	ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے ہے کہ

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

[3] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[1]۔	سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں اس بات کو مکروہ جانتا ہوں کہ امام دو ستونوں کے درمیان کھڑا ہو۔(ت)

پھر امام ومقتدیان کا درجہ بدلا ہونا کہ امام درجہ مسقف میں ہے اور سب مقتدی صحن میں، یہ دوسری کراہت ہے[2] کما فی جامع الرموز (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) پھر اگر در کی کرسی صحن سے بقدر امتیاز بلند ہوئی تو یہ تیسری کراہت ہے[3] کما فی الدر المختار والتفصیل فی فتاوٰنا (جیسا کہ درمختار میں ہے اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴۸: از ڈھاکہ بنگالہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طالب علم پر جو طلب علم دین کرتا ہے جماعت نماز پنجگانہ واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

علماء نے طالب ومشتغل علم کو احیاناً ترک جماعت میں معذور رکھا ہے بچند شرائط، اس کا اشتغال خاص علم فقہ سے ہو کہ مقصود اصلی ہے نہ نحو وصرف ولغت ومعانی وبیان وبدیع وغیرہا اگرچہ بوجہ آلیت داخل علم دین ہیں، اور وہ اشتغال بدرجہ استغراق ہو جس کے سبب فرصت نہ پائے نہ یہ کہ اشتغال فقہ کا بہانہ کرکے جماعت تو ترک کرے اور اپنا وقت بطالت وفضولیات میں گزارے جیسا کہ بہت طلبائے زمانہ کا انداز ہے، یا حالت ایسی ہو کہ کسی وقت اہتمام جماعت کے سبب اس کے کام میں حرج واقع ہو جس کا بندوبست نہ کرسکے نہ دوسرا وقت اس کا بدل سکتا ہو مثلاً ایک مجمع طلبہ کے ساتھ فقہ کا درس رکھتا ہے اگر اس جماعت کو جائے یہ جماعت نہ پائے، پھر بایں ہمہ کسل نفس کے لئے اس مسئلہ کو حیلہ بناکر ترک جماعت پر مداومت نہ کرے بلکہ احیاناً واقع ہو ورنہ معذور نہ ہوگا بلکہ مستحق تعزیر ٹھہرے گا، درمختار میں دربارہ اعذار ترک جماعت لکھا۔

کذا اشتغالہ بالفقہ لابغیرہ کذا جزم بہ الباقانی تبعا للبھنسی ای الاذاواظب	اسی طرح جو طالبعلم فقہ میں مشغول ہو نہ کہ کسی دوسرے فن میں، اس پر بہنسی کی اتباع میں باقانی نے جزم کیا ہے مگر

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸
[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴
[3] درمختار، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۲

تکاسلا فلایعذرویعزر[1]۔	اس صورت میں جب وہ سستی کی وجہ سے دوام اختیار کرے تو وہ معذور نہ ہوگااور اس پر تعزیر ہوگی۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

(وتکرار فقه) لانحو ولغة (بجماعة تفوته) ولم یداوم علی ترکها[2]۔	(اور تکرار فقہ) نہ کہ نحو ولغت کا (جماعت کے ساتھ جو فوت ہوجائے)اور نہ جماعت کے ترک پردوام اختیار کرنے والا ہو۔(ت)

قنیہ کے لفظ یہ ہیں:

من لایحضرها لاستغراق اوقاته فی تکریر الفقه الخ۔[3]	جو جمیع اوقات میں تکرار فقہ کی وجہ سے حاضر جماعت نہیں ہوسکتاالخ(ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

ثم اشتغال لابغیر الفقه فی بعض من الاوقات عذر معتبر[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بعض اوقات میں وہ اشتغال جو فقہ کے علاوہ میں ہو معتبر عذر نہیں ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۴۹: از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ جناب مرزاغلام قادر بیگ صاحب ۲۶ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرصف اول کے مقتدی امام کے ایسے متصل کھڑے ہوں کہ ان کے پنجے امام کی ایڑی کے برابر ہوں یاایک بالشت امام کی ایڑی سے پیچھے ہوں اس غرض سے کہ دوسری صف بھی مسجد کے اندر ہوجائے حالانکہ صحن میں جگہ ہے اور صف اول کا کوئی مقتدی امام کے پیچھے نہ ہو اس صورت میں کراہت ہوگی یانہیں؟اگرہوگی تو کیسی کراہت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیشک کراہت تحریمی ہوگی اور ایسے امر کے مرتکب آثم وگنہگار کہ امام کا صف پرمقدم ہونا سنت دائمہ ہے جس پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ مواظبت فرمائی اور مواظبت دائمہ دلیل وجوب ہے اور ترک واجب مکروہ تحریمی، اور مکروہ تحریمی کاارتکاب گناہ۔امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۳

[3] ردالمحتار بحوالہ القنیہ ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۱

[4] ردالمحتار ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۲

ترك التقدم لامام الرجال محرم وكذا صرح الشارح وسماه فی الكافی مكروها وهو الحق ای كراهة تحريم لان مقتضى المواظبة علی التقدم منه عليه الصلاة والسلام بلا ترك الوجوب فلعدمه كراهة التحريم[1]۔	مردوں کے امام کے لئے تقدیم کاترک حرام ہے، شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، کافی میں اسے مکروہ کا نام دیا اور یہی حق ہے، اور مکروہ سے مراد مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور اسے کبھی ترک نہ کرنا وجوب پر دلالت کرتا ہے اور وجوب کاترک کراہت تحریمی ہوتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

مقتضى فعله صلی الله تعالٰی عليه وسلم التقدم علی الكثير من غير ترك الوجوب[2]۔	مقتدی کثیر ہونے کی صورت میں حضور علیہ السلام کا ہمیشہ آگے کھڑا ہونا اور کبھی ترک نہ فرمانا وجوب کا تقاضا کرتا ہے۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

التقدم واجب علی الامام للمواظبة من النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم وترك الواجب موجب لكراهة التحريم المقتضية للاثم[3]۔	امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ اسی پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت فرمائی اور واجب کاترک کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کا مقتضی ہے۔(ت)

اقول: وبالله التوفيق ظاہر ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ تقدم ہمیشہ یونہی تھا کہ صف کے لئے پوری جگہ عطا فرماتے نہ وہ ناقص و قاصر تقدم جو سوال میں مذکور ہوا۔ دلیل واضح اس پر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکمیل صف کا نہایت اہتمام فرماتے اور اس میں کسی جگہ فرجہ چھوڑنے کو سخت ناپسند فرماتے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو ارشاد ہوتا:

اقيموا صفوفكم وتراصوا فانی اراكم من وراء ظهری[4] اخرجه البخاری والنسائی	اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیشک میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶
[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۹
[3] بحر الرائق ، باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ، ۱/۳۵۱
[4] صحیح البخاری باب الزاق لمنکب بالمنکب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ، ۱/۱۰۰، سنن النسائی احث الامام علی رص الصفوف والمقاربۃ بینہا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه و مسلم بلفظ اتموا الصفوف فانی اراکم خلف ظهری[1]۔	دیکھتاہوں۔اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور مسلم شریف میں ان الفاظ سے ہے: اپنی صفیں مکمل کرو کیونکہ میں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

سدوالخلل فان الشیطان یدخل فیما بینکم بمنزلة الحذف[2]۔ رواہ الامام احمد عن امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه۔	یعنی صف چھدری نہ رکھو کہ شیطان بھیڑکے بچے کی وضع پراس چھوٹی ہوئی جگہ میں داخل ہوتا ہے۔اسے امام احمد نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور یہ مضمون حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالفاظ عدیدہ مروی ہوا امام احمد بسند صحیح ان سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

راصوا الصفوف فان الشیاطین تقوم فی الخلل[3]۔	یعنی صفیں خوب گھنی رکھو جیسے رانگ سے درزیں بھردیتے ہیں کہ فرجہ رہتا ہے تواس میں شیطان کھڑا ہوتا ہے۔

نسائی کی روایت صحیحہ میں ہے:

راصّوا صفوفکم وقاربوا بینها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیده انی لاری الشیطین تدخل من خلل الصف کانها الحذف[4]۔	اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے بیشک میں شیاطین کو رخنہ صف میں داخل ہوتے دیکھتا ہوں گویا وہ بھیڑکے بچے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم ، باب تسویۃ الصفوف الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ، ۱/۱۸۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی امامۃ الباہلی رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۵/۲۶۲

[3] مسند احمد بن حنبل، از مسند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/۱۵۴

[4] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یوں ہے:

اقیموا صفوفکم وتراصوا فوالذی نفسی بیدہ انی لاری الشیاطین بین صفوفکم کانھا غنم عفر[1]۔	اپنی صفیں سیدھی کرو اور ایک دوسرے سے خوب مل کر کھڑے ہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک میں شیاطین کو تمہاری صفوں میں دیکھتا ہوں گویا وہ بکریاں ہیں بھکسے رنگ کی۔

فائدہ: بھیڑ بکری کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو اکثر دیکھا ہے کہ جہاں چند آدمی کھڑے دیکھے اور دو شخصوں کے بیچ میں کچھ فاصلہ پایا وہ اس فرجہ میں داخل ہو کر اِدھر سے اُدھر نکلتے ہیں یوں ہی شیطان جب صف میں جگہ خالی پاتا ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کو آگھستا ہے اور بھکسے رنگ کی تخصیص شاید اس لئے ہے کہ حجاز کی بکریاں اکثر اسی رنگ کی ہیں یا شیاطین اس وقت اسی شکل پر متشکل ہوئے۔ چوتھی حدیث میں اس تاکید شدید سے ارشاد فرمایا:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصفوف الملئکۃ وحاذوا بین المناکب وسدوا الخلل ولینوا فی ایدی اخوانکم ولاتذروا فرجات للشیاطین ومن وصل صفا وصلہ اللہ ومن قطع صفاقطعھا للہ[2]۔ رواہ الامام احمد وابوداؤد والطبرانی فی الکبیر والحاکم وابن خزیمۃ وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وعند النسائی والحاکم عنہ بسند صحیح الفصل الاخیراعنی من قولہ من وصل[3] الحدیث۔	یعنی صفیں درست کرو کہ تمہیں تو ملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور اپنے شانے سب ایک سیدھ میں رکھو اور صف کے رخنے بند کرو اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور صف میں شیطان کے لئے کھڑکیاں نہ چھوڑو اور جو صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کرے۔ اسے امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، حاکم اور ابن خزیمہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور حاکم نے انہی سے سند صحیح کے ساتھ آخری جملہ من وصل صفًا کو فصل کرکے روایت کیا ہے الحدیث۔

---

[1] مسند ابوداؤد الطیالسی حدیث ۲۱۰۷ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ص ۲۸۲

[2] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۹۸

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ من وصل صفا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۱۳، سنن النسائی کتاب الامامۃ من وصل صفا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

ملائکہ کی صف بندی کا دوسری حدیث میں خود بیان آیا:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال الاتصفون کما تصف الملٰئکة عن ربھا فقلنا یارسول اللہ کیف تصف الملٰئکة عند ربھا قال یتمون الصف الاول ویتراصّون فی الصف[1]۔ اخرجه احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے باہر تشریف لاکر ارشاد فرمایا: ایسے صف کیوں نہیں باندھتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں۔ ہم نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسی صف باندھتے ہیں: فرمایا: اگلی صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اسے امام احمد، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں نرم ہوجانا یہ کہ اگر اگلی صف میں کچھ فرجہ رہ گیا اور نیتیں باندھ لیں اب کوئی مسلمان آیا وہ اس فرجہ میں کھڑا ہونا چاہتا ہے مقتدیوں پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کرے تو انہیں حکم ہے کہ دب جائیں اور جگہ دے دیں تاکہ صف بھر جائے۔ فتح القدیر و بحر الرائق و مراقی الفلاح و درمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشرنبلالی قال بعد ایراد الحدیث الرابع وبھذا یعلم جھل من یستمسك عند دخول احد بجنبه فی الصف یظن انه ریاء بل ھو اعانة علی ماامربه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]۔	علامہ شرنبلالی نے چوتھی حدیث ذکر کرنے کے بعد یہ الفاظ کہے کہ اس حدیث سے اس شخص کی جہالت واضح ہوجاتی ہے جو ریاکاری کا تصور کرتے ہوئے صف میں اپنی کسی جانب نمازی کو شامل ہونے سے روکتا ہو بلکہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کے حکم کی بجاآوری پر دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، حدیث ۱۱۹ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱، مسند احمد بن حنبل حدیث جابر بن سمرہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/۱۰۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، سنن نسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

اور نہایت یہ کہ اگراگلی صف والوں نے فرجہ چھوڑااور صف دوم نے بھی اس کا خیال نہ کیامگر اپنی صف گھنی کرلی اور نیتیں بندھ گئیں حالانکہ ان پر لازم تھاکہ صف اول والوں نے بے اعتدالی کی تھی تو یہ پہلے اس کی تکمیل کرکے دوسری صف باندھتے، اب ایک شخص آیااور اس نے صف اول کارخنہ دیکھا اسے اجازت ہے کہ اس دوسری صف کو چیر کر جائے اور فرجہ بھردے کہ صف دوم بے خیالی کرکے آپ تقصیر وار ہے اوراس کا چیر ناروا۔ قنیہ و بحرالرائق وشرح نورالایضاح ودرمختار وغیرہ میں ہے:

واللفظ لشرح التنویر لووجد فرجة فی الاول لاالثانی، له خرق الثانی لتقصیرهم [1]۔	شرح تنویر کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے صف اول میں رخنہ پایا حالانکہ دوسری میں نہ تھا تو اس کے لئے دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے دوسری صف کو چیرنا جائز ہوگا۔ (ت)۔

بحر میں: لاحرمة له لتقصیرهم [2] (دوسری صف والوں کی کوتاہی کی وجہ سے بعد میں آنے والے کو دوسری صف چیرنا جائز ہے) یونہی اس رخنہ بندی کے لئے پچھلی صف کے نمازیوں کے آگے گزرنا جائز ہے کہ انہوں نے خود اس امر عظیم میں بے پروائی کرکے جس کا شرع میں اس درجہ اہتمام تھا اپنی حرمت ساقط کردی۔ قنیہ میں ہے:

قام فی اخرالصف فی المسجد وبینه وبین الصفوف مواضع خالیة فللداخل ان یمربین یدیه لیصل الصفوف لانه اسقط حرمة نفسه فلایاثم المار بین یدیه [3]۔	ایک آدمی آخری صف میں کھڑا ہوگیا حالانکہ اس کے اور دوسری صفوں کے درمیان خالی جگہیں تھیں تو آنے والے نمازی کو اجازت ہے کہ وہ اس کے آگے سے گزر کر صف مکمل کرے کیونکہ آخر میں کھڑے ہونے والے نے اپنا احترام خود ختم کیا ہے لہٰذا اس کے سامنے سے گزرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔ (ت)

حدیث میں ہے:

من نظر الی فرجة فی صف فلیسدها بنفسه فان لم یفعل فمرمار فلیتخطٰ علی رقبته فانه لاحرمة له [4]۔ اخرجه الدیلمی	یعنی جسے صف میں فرجہ نظر آئے وہ خود وہاں کھڑا ہوکر اسے بند کردے اگر اس نے نہ کیا اور دوسرا آیا تو وہ اس کی گردن پر قدم رکھ کر چلاجائے کہ اس کے لئے

[1] درمختار باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۴

[3] القنیہ باب فی السترۃ، مطبوعہ کلکتہ بھارت، ص ۳۹۸

[4] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس حدیث ۱۱۸۴۱، اور ۱۱۲۱۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/۱۱۳، ۱۰۵

ف: مسند الفردوس مجھے دستیاب نہیں اور ماثور الخطاب سے یہ حدیث نہیں مل سکی۔ نذیر احمد سعیدی

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما	کوئی حرمت نہ رہی۔ اسے دیلمی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

یونہی اگر صف دوم میں کوئی شخص نیت باندھ چکا اس کے بعد اسے صف اول کا رخنہ نظر آیا تو اجازت ہے کہ عین نماز کی حالت میں چلے اور جاکر فرجہ بند کردے کہ یہ مشی قلیل حکم شرع کے امتثال کو واقع ہوئی، ہاں دو صف کے فاصلہ سے نہ جائے کہ مشی کثیر ہوجائے گی۔

علامہ ابن امیر الحاج حلیہ میں ذخیرہ سے ناقل:

ان کان فی الصف الثانی فرأی فرجۃ فی الاول فمشی الیھا لم تفسد صلاتہ لانہ مامور بالمراصّۃ قال علیہ الصلاۃ والسلام تراصّوا فی الصّفوف ولو کان فی الصف الثالث تفسد[1]۔	اگر کوئی آدمی دوسری صف میں کھڑا تھا کہ اس نے پہلی میں رخنہ دیکھا اور وہ اسے پر کرنے کے لئے چلا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز میں مل کر کھڑا ہونا حکم شرعی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: صفوں میں خوب مل کر کھڑا ہوا کرو۔ اور اگر نمازی تیسری صف میں تھا تو اب نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

ظاھر التعلیل بامر انہ یطلب منہ المشی الیھا تامل[2]۔	امر کے ساتھ علت بیان کرنا بتا رہا ہے کہ اس نمازی سے رخنہ پر کرنے کا مطالبہ ہے تامل۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق یہ احکام فقہ وحدیث باعلٰی ندا منادی کہ وصل صفوف اور ان کی رخنہ بندی اہم ضروریات سے ہے اور ترک فرجہ ممنوع وناجائز، یہاں تک کہ اس کے دفع کو نمازی کے سامنے گزر جانے کی اجازت ہوئی جس کی بابت حدیثوں میں سخت نہی وارد تھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیرالہ من ان یمر بین یدیہ[3]۔ اخرجہ الائمۃ احمد و الستۃ عن ابی جھیم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الحافظ فی بلوغ المرام ووقع	اگر نمازی کے سامنے گزرنے والا جانتا کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو چالیس برس کھڑا رہنا اس گزر جانے سے اس کے حق میں بہتر تھا۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستّہ نے حضرت ابوجہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حافظ نے بلوغ المرام میں کہا کہ مسند بزار

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیہ، باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب اثم المار بین یدی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۳

فی البزار من وجه اٰخر اربعین خریفا [1] قلت والاحادیث یفسر بعضها بعضا	میں ایک اور سند سے مروی الفاظ یہ ہیں: چالیس سال، میں کہتاہوں احادیث آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لویعلم احدکم ماله فی ان یمربین یدی اخیه معترضا فی الصلاة کان لان یقیم مائة عام مخیرله من الخطوة التی خطاها [2]۔ رواه احمد وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	اگر تم میں سے کوئی جان لے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے پر کیاگناہ ہوتاہے تو وہ اس ایک قدم چلنے سے سوسال تک کھڑے رہنے کو بہتر سمجھے گا۔ اسے امام احمد اور ا بن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔(ت)

اس میں سوبرس کھڑا رہنا اس ایک قدم رکھنے سے بہتر فرمایا۔امام طحطاوی فرماتے ہیں: پہلے چالیس ارشاد ہوئے تھے پھر زیادہ تعظیم کے لئے سو ۱۰۰ (سال) فرمائے گئے۔ تیسری حدیث میں ہے:

لویعلم المار بین یدی المصلی لاحب ان ینکسر فخذه ولایمر بین یدیه [3]۔ رواه ابوبکر بن ابی شیبة فی مصنفه عن عبدالحمید بن عبد الرحمٰن منقطعا۔	اگر نمازی کے آگے گزرنے والا دانش رکھتا ہو تو چاہتا اس کی ران ٹوٹ جائے مگر نمازی کے سامنے سے نہ گزرے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں شیخ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن سے منقطع طور پر روایت کیاہے۔

چوتھی حدیث میں ارشاد فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا صلی احدکم الی شیئ یستُرہ من الناس فاراد احد ان یجتاز بین یدیه فلیدفعه فان ابی فلیقاتله فانما هو شیطان [4]۔ اخرجه	جب تم میں سے کوئی شخص سترہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور کوئی سامنے سے گزرنا چاہے تو اسے دفع کرے اگرنہ مانے تو اس سے قتال کرے کہ وہ شیطان ہے

---

[1] بلوغ المرام مع مسک الختام باب سترۃ المصلی مطبوعہ مطبع نظامی کانپور (انڈیا) ۱/۱۷۵

[2] سنن ابن ماجہ باب المرور بین یدی المصلی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۶۸

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کان یکرہ ان یمر الرجل الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۲

[4] صحیح البخاری، باب لیرد المصلی من مرّبین یدیہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ، ۱/۷۳

احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اسے احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا شدید امر جس پر یہ تشدیدیں اور سخت تہدیدیں ہیں اسی وقت روا رکھا گیا ہے جب دوسرا اس سے زیادہ اشد اور افسد تھا کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

ایک دلیل: اس وجوب اور فرجہ رکھنے کی کراہت تحریمی پر یہ ہے۔

دلیل دوم: احادیث کثیرہ میں صیغہ امر کا وارد ہونا کما سمعت وما ترکت لیس باقل مما سردت (جیسا کہ تو نے سن لیا اور جن روایات کو میں نے ترک کردیا ہے وہ بیان کردہ سے کم نہیں ہیں۔ت) اس لئے ذخیرہ وحلیہ میں فرمایا: انه مامور بالمراصّة [1] (کیونکہ مل کر کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ت) فتح القدیر وبحر الرائق وغیرہما میں فرمایا: سد الفرجات المأمور بها فی الصف [2] (صف کے درمیانی رخنہ کو پر کرنے کا حکم ہے۔ت) اور اصول میں مبرہن ہو چکا ہے امر مفید وجوب ہے الا ان یصرف عنه صارف (مگر اس صورت میں جب اس کے خلاف کوئی قرینہ ہو۔ت)

دلیل سوم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ صف میں جگہ چھوٹی ہو تو اور مقام پر کھڑا ہونا مکروہ ہے۔

فی الخانیة والدرالمختار وغیرهما واللفظ للعلائی لوصلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنه مکانا کره کقیامه فی صف خلف صف فیه فرجة [3]۔	خانیہ، درمختار اور دیگر کتب میں ہے علائی کے الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے رفوف مسجد میں نماز ادا کی حالانکہ صحن مسجد میں جگہ تھی تو مکروہ ہوگی جیسا کہ ایسی صف میں نماز پڑھنا مکروہ ہے جو ایسی صف کے پیچھے ہو جس میں رخنہ تھا۔(ت)

اور کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے،

الا اذا دل دلیل علی خلافه کما نص علیه	مگر جب اس کے خلاف دلیل موجود ہو جیسا کہ فتح، بحر، حواشی در

[1] ردالمحتار بحوالہ حلیہ عن الذخیرۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] بحر الرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۴

[3] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

فی الفتح والبحر وحواشی الدر وغیرھما من تصانیف الکرام الغر۔	اور دیگر تصانیف علماء عظام میں تصریح ہے۔(ت)

دلیل چہارم احادیث سابقہ میں حدیث رابع کے وعید شدید **من قطع صفا قطعہ اللہ** (جس نے صف قطع کی اللہ اسے قطع کرے گا۔ت) علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی زیر عبارت مذکورہ در مختار فرماتے ہیں:

قولہ کقیامہ فی صف الخ ھل الکراھۃ فیہ تنزیھیۃ اوتحریمیۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام من قطع صفا قطعہ اللہ انتھی فافھم[1]۔	قولہ جیسا کہ کھڑا ہونا اس صف میں الخ اس میں کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد من قطع اللہ الخ کراہت تحریمی کی طرف راہنمائی کرتا ہے انتہی فافہم (ت)

جب یہ امر واضح ہوگیا تو اب صورت مذکورۂ سوال میں دوسری وجہ کراہت تحریم کی اور ثابت ہوئی ظاہر ہے کہ جب امام صف اول میں صرف اس قدر فاصلہ قلیلہ چھوٹا تو بالیقین صف اول ناقص رہے گی اور امام کے پیچھے ایک آدمی کی جگہ چھوٹے گی وہ بھی ایسی جسے بوجہ تنگئ مقام کوئی بھر بھی نہ سکے گا تو یہ فعل ایک مکروہ تحریمی کو مستلزم، اور جو مکروہ تحریمی کو مستلزم ہو خود مکروہ تحریمی ہے، محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد عبارت منقولہ صدرِ جواب کے فرماتے ہیں:

واستلزم ماذکر ان جماعۃ النساء تکرہ کراھۃ تحریم لان ملزوم متعلق الحکم اعنی الفعل المعین ملزوم لذلك الحکم[2] انتھی	مذکورہ بات اس کو مستلزم ہے کہ خواتین کی جماعت مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ملزوم متعلق حکم یعنی فعل معین کا اس حکم کو ملزوم ہوتا ہے۔ انتہی۔(ت)

بحمداللہ اس تحقیق انیق سے چند مسائل نفیسہ ثابت ہوئے:

اولًا: ہر صف پر تقدّم جو بنص ہدایہ وکافی وغیرہما واجب ہے وہ صرف تھوڑا آگے بڑھ جانے سے ادا نہیں ہوتا جب تک پوری صف کی جگہ نہ چھوٹے۔

ثانیًا: ہر صف میں اول سے آخر تک دوسری صف کے لئے صف کامل کی جگہ بچنا واجب ہے۔

ثالثًا: کسی صف میں فرجہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، جب تک اگلی صف پوری نہ کرلیں صف دیگر ہرگز نہ باندھیں۔

---

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۱

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶

رابعًا: صورت مذکورۂ سوال دو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے ایک ترک تقدم دوسری بقائے فرجہ۔

خامسًا: اکثر واقع ہوتا ہے کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی تھا دوسرا آیا بائیں ہاتھ کو کھڑا ہوگیا یہاں تک تو کراہت تنزیہی تھی لترک السنۃ پھر اور لوگ بھی آتے اور یونہی برابر کھڑے ہو جاتے ہیں نہ امام آگے بڑھتا ہے نہ مقتدی پیچھے ہٹتے ہیں یہ صورت مکروہ تحریمی کی ہے کہ اگرچہ اکیلے مقتدی کے حق میں سنت یہ ہے کہ امام کے داہنی جانب بالکل اس کے محاذی کھڑا ہو نہ متاخر، اور یہ سنت عوام میں صدہا سال سے متروک ہے اکیلا بھی امام سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوتا ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

الواحد یقوم عن یمینه ای ان کان مع الامام واحد وقف عن یمین الامام لانه علیه الصلٰوة والسلام صلی بابن عباس فاقامه عن یمینه ولایتأخر عن الامام فی ظاهر الروایة، وعن محمد انه یضع اصابعه عند عقب الامام وهوالذی وقع عند العوام انتهی[1] قلت وعوام زماننا قد تعدوا حتی خرجوا عن روایة محمد ایضا کماهو مشاهد۔	اکیلا نمازی امام کی دائیں جانب کھڑا ہو یعنی اگر امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کو نماز پڑھائی تو ان کو آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کیا اور ظاہر روایت کے مطابق وہ امام سے پیچھے کھڑا نہ ہو۔ امام محمد سے مروی ہے کہ مقتدی اپنے پاؤں کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس رکھے اور عوام میں یہی طریقہ جاری ہے انتہی۔ میں کہتا ہوں ہمارے دور کے لوگ تجاوز کر گئے ہیں حتی کہ وہ امام محمد سے مروی روایت سے بھی نکل گئے ہیں جیسا کہ مشاہدہ میں ہے۔ (ت)

پھر جو بعد کو آئے وہ اس مقتدی کی محاذات میں کھڑے ہوں گے جس کے باعث امام کو قدرے تقدم رہے گا اس صورت میں وہ توسط جس کی نسبت درمختار میں فرمایا:

لوتوسط اثنین کرہ تنزیها وتحریما لو اکثر[2]۔	اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان کھڑا ہوا تو مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

اگر نہ بھی مانا جائے تاہم اس صورت میں کراہت تحریم ہی رہے گی کہ توسط نہ سہی فرجہ رکھنا اور صف کامل کی جگہ نہ چھوڑنا خود موجب کراہت تحریمی ہے، یہ مسائل واجب الحفظ ہیں اکثر اہل زمانہ ان سے غافل **ولعلك لاتجد هذا التحقيق الخطير بهٰذا الايضاح والتقرير فی غيرهذا التحرير** (شاید ایسی بے مثال

---

[1] کافی شرح وافی

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۳

تحقیق اپنی وضاحت وتفصیل کے ساتھ اس تحریر کے علاوہ کہیں نہ ملے(ت) **والحمدللہ علی ماعلم اللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵۰: یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سمجھ وال لڑکا آٹھ نوبرس کا جو نماز خوب جانتاہے اگر تنہا ہوتو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہوسکتاہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اسے صف سے دور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے

فان صلاۃ الصبی الممیز الذی یعقل الصلاۃ صحیحۃ قطعا، وقد امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسد الفرج والتراص فی الصفوف ونہی عن خلافہ بنہی شدید۔	کیونکہ وہ بچہ جوصاحب شعور ہو اور نماز کو جانتا ہو اس کی نماز بالیقین صحیح ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف کے رخنہ کو پر کرنے اور اس میں مل کر کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے اور اس کے خلاف سے سخت منع فرمایا ہے۔(ت)

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں۔ درمختار میں ہے: **لوواحدًا دخل فی الصف**[1] (اگر بچہ اکیلا ہو توصف میں داخل ہوجائے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال[2]۔	اگر بچے زیادہ نہ ہوں تو بچہ مردوں کے درمیان کھڑا ہوجائے (ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخل نماز ہے اب یہ آئے تواسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کردیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

امامحاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الامن شذولامتمسك لہ فی الروایۃ کماصرحوابہ	بے ریش بچے کے محاذی ہونے پر تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی مگرشاذ طور پر کوئی فساد نماز کا قائل ہے اور اس کے لئے کوئی دلیل نہ روایت

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

الروایۃ کما صرحوا بہ ولا فی الدرایۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	میں ہے جیسا کہ فقہا نے اس کی تصریح کی ہے اور نہ ہی درایت میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۵۱ تا ۸۵۴: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عمر جلیل ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں:

(۱) اگر کوئی نماز کسی وجہ سے دہرائی جائے تو وہ شخص کہ نماز مشکوکہ میں شریک نہیں تھا وہ جماعت ثانیہ میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) امام فرض پڑھا رہا ہے ایک مقتدی دوسری یا تیسری رکعت میں ملا تو اس کا جو فرض چھوٹ گیا ہے بآوازِ بلند پڑھے یا آہستہ؟

(۳) قضاعمری کو امام وداع جمعہ کو فجر سے عشاء تک بجہر پڑھادے تو سب کی عمر بھر کی قضا کیا ادا ہو جائے گی؟

(۴) نماز جمعہ میں اگر کوئی شخص تشہد میں شریک ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا وتوجروا**

الجواب: (۱) نماز اگر ترک فرض کے سبب دہرائی جائے نیا شخص شریک ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

(۲) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی رکعات میں منفرد ہے، اور تصریح فرماتے ہیں کہ منفرد کو جہری رکعتوں میں جہر جائز بلکہ افضل ہے مگر اس میں یہ دقت ہے کہ منفرد کا جہر اوروں کے شامل ہونے کا داعی ہوگا اور یہ دعوت خیر ہے کہ دونوں کو جماعت مل جائے گی لیکن مسبوق کا جہر کہ ناواقف کو شرکت کی طرف داعی ہو، امر ناجائز کی طرف داعی ہوگا اور اس کا وہ عمل باطل ہو جائے گا للذا یہی اصوب معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہر نہ کرے۔

(۳) یہ قضاعمری کی جماعت جاہلوں کی ایجاد اور محض ناجائز و باطل ہے۔

(۴) اسلام سے پہلے جو شریک ہو گیا اسے جمعہ مل گیا۔ **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۵۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی ابھی التحیات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ امام کھڑا ہو گیا یا سلام پھیر دیا تو مقتدی التحیات پوری کرلے یا اتنی ہی پڑھ کر چھوڑ دے؟ **بینوا وتوجروا**

الجواب:

ہر صورت میں پوری کرلے اگرچہ اس میں کتنی ہی دیر ہو جائے لان التشھد واجب والواجب

---

[1] فتح القدیر، باب الامامۃ، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۳۱۲/۱

لایترك لسنة والمسئلة منصوص علیها فی الخانیة وغیرها فی کتب العلماء (تشہد واجب ہے اور واجب کو کسی سنت کی وجہ سے ترک نہیں کیاجاسکتا اس مسئلہ پر خانیہ اور دیگر علماء کی کتب میں نص موجود ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵۶تا۸۵۷: از فیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید مسجد یاخلاف آں نماز فرض پڑھارہاہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یا کوئی اور رکعت، اور بکر تنہا یا دو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہونے یا ہوجانے کے بکر تنہا یا دونوں شخصوں نے اسی مقام پر اور اسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیاحکم ہے ان کی نماز کا؟ یاپہلے ان کو اطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رابع نے بآواز بلند کہہ دیا، اب کیاحکم ہے بکر کی نماز کا، آیاوہ نماز درست ہوئی؟ اگرنہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہوچکی ہے وہیں سے ترک کردے یاپوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمایئے۔

(۲) اگر ہیجڑا یاعورت یانابالغ یاشیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نماز فرض پڑھ رہاہے مسجد میں یا باہر، اور زید بھی نماز فرض پڑھناچاہتاہے آیااسی مصلے پر نماز پڑھ سکتاہے یانہ؟ کیااس شخص کی نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ بینوا وتوجروا۔

الجواب:

(۱) اگر زید قابل امامت تھا اور انہیں معلوم تھاکہ یہ فرض پڑھ رہاہے اور انہوں نے اقتدانہ کی بلکہ جدا جدا فرض پڑھے تواگرجماعت اولٰی ہوچکی ہے جب تو فضل سے محروم رہے اور اگریہی جماعت اولٰی ہوئی تو گنہگار ہوئے اور اگر زید قابل امامت نہیں اور ان دونوں میں کوئی قابل امامت تھاتواب بھی وہی احکام ہیں، اوراگران میں بھی کوئی قابل امامت نہیں تو اصلاً حرج نہ ہوااور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہوجائے گی اور نیت توڑدینا صرف جماعت قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہر کے فرض شروع کئے ایک رکعت یااس سے کم پڑھنے پایاتھاکہ جماعت قائم ہوئی نیت توڑدے، باقی جماعت معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت نہیں۔

(۲) پڑھ سکتاہے اور ختم نماز تک انتظار کرناکچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵۸: از میرٹھ کمبوہ دروازہ کارخانہ داروغہ یادالٰہی صاحب مرسلہ جناب مرزاغلام قادربیگ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ کی نسبت کیاحکم ہے؟ یہاں بعض لوگوں کواس کی ممانعت میں تشدد ہے جماعت اولٰی کے بعد آٹھ آٹھ دس دس آدمی جمع ہوجاتے ہیں مگرجماعت نہیں کرتے برابر کھڑے ہوکر علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں یہ کیساہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) مسجد اگرشارع عام یا بازار کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں جب توبالاجماع اس میں تکرار جماعت باذان جدید وتکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بہ نوبت جولوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں۔

(۲) اور اگرمسجد محلّہ ہے تواگراس کے غیراہل جماعت کرگئے ہیں تواہل محلّہ کوتکرار جماعت بلاشبہ جائز۔

(۳) یااول اہل محلّہ ہی نے جماعت کی مگربے اذان پڑھ گئے۔

(۴) یااذان آہستہ دی توان کے بعد آنے والے باذان جدید بروجہ سنت اعادہ جماعت کریں۔

(۵) یااگرامام میں کسی نقص قرأت وغیرہ یافسق یامخالفت مذہب کے باعث جماعت اولٰی فاسد یامطلقاً مکروہ یاباقی ماندہ لوگوں کے حق میں غیراکمل واقع ہوئی جب بھی انہیں اعادہ جماعت سے مانع نہیں۔

یہ سب صورتیں توقطعی یقینی ہیں اب رہی ایک صورت کہ مسجد مسجدِ محلّہ ہے اوراس کے اہل بروجہ مسنون اذان دے کرامام نظیف موافق المذہب کے پیچھے جماعت کرچکے اب غیرلوگ یااہل محلّہ ہی سے جوباقی رہ گئے تھے آئے، انہیں بھی اس مسجد میں جماعت ثانیہ جائز ہے یانہیں؟ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے ظاہرالروایہ سے حکم کراہت نقل کیاگیااور علامہ محقق اجل مولی خسرو نے درر وغرر اور مدقق اکمل علامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی نے خزائن الاسرار میں فرمایاکہ اس کراہت کامحل صرف اس صورت میں ہے جب یہ لوگ باذان جدید جماعت ثانیہ کریں ورنہ بالاجماع مکروہ نہیں، اوراسی طرف درمختار میں اشارہ فرمایااور ایسے ہی منبع وغیرہ میں تصریح کی، اور قول محقق منقح یہ ہے کہ اگریہ لوگ اذان جدید کے ساتھ اعادہ جماعت کریں تومکروہ تحریمی، ورنہ اگرمحراب نہ بدلیں تومکروہ تنزیہی ورنہ اصلاً کسی طرح کی کراہت نہیں، یہی صحیح ہے اوریہی ماخوذ للفتوی، درمختار میں ہے:

یکرہ تکرار الجماعۃ باذان واقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق او مسجد لاامام له ولامؤذن[1]۔	محلّہ کی مسجد میں اذان وتکبیر کے ساتھ جماعت کاتکرار مکروہ ہے البتہ راستہ کی مسجد اورایسی مسجد میں مکروہ نہیں جہاں امام اور مؤذن نہ ہو۔(ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

ردالمحتار میں ہے:

عبارتہ فی الخزائن اجمع مماھنا ونصھا یکرہ تکرار الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ الااذاصلی بھما فیہ اولا غیراھلہ اواھلہ لکن بمخافتۃ الاذان ولوکرراھلہ بدونھمااوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس لہ امام ولامؤذن ویصلی الناس فیہ فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامۃ علیحدۃ کما فی امالی قاضی خاں[1] ھ ونحوہ فی الدرر والمراد بمسجد المحلۃ مالہ امام وجماعۃ معلومون کما فی الدرر وغیرھا قال فی المنبع والتقیید بالمسجد المختص بالمحلۃ احتراز من الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلۃ جماعۃ بغیراذان حیث یباح اجماعا[2] ھ ثم قال اعنی الشامی بعد مانقل الدلیل علی الکراھۃ. مقتضی ھذا الاستدلال کراھۃ التکرار فی مسجد المحلۃ ولو بدون اذان ویؤیدہ ما فی الظھیریۃ لودخل جماعۃ المسجد بعد	اس کی عبارت خزائن میں یہاں سے زیادہ جامع ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ مسجد محلّہ میں جدید اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہے مگراس صورت میں جب یہاں پہلے کسی غیر اہل محلّہ اذان واقامت کے بغیر تکرار جماعت کریں یا مسجد راستہ کی ہو تو بالاتفاق جماعت جائز ہوگی جیساکہ اس مسجد کا حکم ہے جس کا امام اور مؤذن مقرر نہیں اور لوگ گروہ در گروہ اس میں نماز ادا کرتے ہوں، تویہاں افضل یہی ہے کہ ہر فریق علیحدہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرے جیساکہ امالی قاضی خاں میں ہے اھ اور اسی کی مثل درر میں ہے محلّہ کی مسجد سے مراد وہ مسجد ہے جس کا امام اور جماعت معلوم ہو جیساکہ درر وغیرہ میں ہے، منبع میں ہے مسجد کو محلّہ کے ساتھ مقید کرنا شارع عام کی مسجد سے احتراز ہے اور اذان ثانی کے ساتھ مقید کرنا اس صورت سے احتراز ہے جب مسجد محلّہ میں بغیراذان کے جماعت ہوگئی ہو کیونکہ اب بالاتفاق (تکرار جماعت) مباح ہےاھ پھر کراہت پر دلیل نقل کرنے کے بعد شامی نے فرمایا اس استدلال کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت مکروہ ہے اگرچہ تکرار بغیراذان کے ہواور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

ماصلی فیه اهله یصلون وحدانا وهوظاهر الروایة ه وهذا مخالف لحکایة الاجماع المارة [1] الخ، وقال قبل هذا فی باب الاذان بعد نقل عبارة الظهیریة، وفی آخر شرح المنیة وعن ابی حنیفة لوکانت الجماعة اکثر من ثلثة یکره التکرار والافلا وعن ابی یوسف اذالم تکن علی الهیأة الاولی لاتکره والاتکره وهو الصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیأة کذا فی البزازیة ه وفی التاترخانیة عن الولوالجیة وبه ناخذ[2]۔	بھی کرتی ہے کہ اگر کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئے جب اہل محلّہ اس میں جماعت کرواچکے تھے تو وہ اکیلے اکیلے نماز ادا کریں اور یہی ظاہر روایت ہے اھ اور یہ گزشتہ منقول اجماع کے مخالف ہے الخ اس سے پہلے باب الاذان میں عبارت ظہیریہ کے نقل کرنے کے بعد شامی نے کہا اور شرح منیہ کے آخر میں ہے اور امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر افراد جماعت تین سے زیادہ ہوں تو تکرار مکروہ ہوگا ورنہ نہیں اور امام یوسف سے مروی ہے جب ہیئت اولیٰ پر نہ ہو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ، اور یہی صحیح ہے اور محراب سے اعراض کرلینے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے، بزازیہ میں یونہی ہے اھ اور تاتارخانیہ میں ولوالجیہ کے حوالے سے ہے کہ ہم اس پر عامل ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

قدعلمت ان الصحیح انه لایکرہ تکرار الجماعة اذالم تکن علی الهیأة الاولی[3]۔	آپ جان چکے کہ صحیح یہی ہے کہ تکرار جماعت مکروہ نہیں جبکہ وہ ہیئت اولیٰ پر نہ ہو۔ (ت)

بالجملہ جماعت ثانیہ جس طرح عامہ بلاد میں رائج و معمول درر و منبع و خزائن شروح معتمدہ کے طور پر تو بالاجماع اور عندالتحقق قول صحیح مفتی بہ پر بلاکراہت جائز ہے کہ دوسری جماعت والے تجدید اذان نہیں کرتے اور محراب سے ہٹ ہی کر کھڑے ہوتے ہیں اور ہم پر لازم کہ ائمہ فتوٰی جس امر کی ترجیح و تصحیح فرماگئے اس کا اتباع کریں۔ درمختار میں ہے:

امانحن فعلینا اتباع مارجحوه وماصححوه کما لوافتونافی حیاتهم[4]۔	رہا ہمارا معاملہ تو ہم پر اس قول کی اتباع لازم ہے جسے علماء نے ترجیح دی اور جس کی انہوں نے تصحیح فرمائی، جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹
[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱
[3] ردالمحتار باب الاذان، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲
[4] درمختار مقدمہ کتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۵

پھر خلاف صحیح مذہب اختیار کرکے اسے ناجائز وممنوع بتانا اور اس کے سبب لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو گنہگار ٹھہرانا محض بے جا ہے۔

ثم اقول: حال زمانہ کی رعایت اور مصلحت وقت کالحاظ بھی مفتی پر واجب، علماء فرماتے ہیں:

من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل۔	جو شخص اپنے دور کے لوگوں کے احوال سے آگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔(ت)

اب دیکھئے کہ جماعت ثانیہ کی بندش میں کوشش وکاوش سے یہ تو نہ ہوا کہ عوام جماعت اولیٰ کاالتزام تام کرلیتے، رہا وہی کہ کچھ آئے کچھ نہ آئے، ہاں یہ ہوا کہ آٹھ آٹھ دس دس جورہ جاتے ہیں ایک مسجد میں ایک وقت میں اکیلے اکیلے نماز پڑھ کرنا حق روافض سے مشابہت پاتے ہیں حضرات مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے زمانے میں ایسی مشابہت پیدا ہونا درکنار خود جماعت کی برکات عالیہ ظاہریہ وباطنیہ سے محروم رہنا ایک سخت تازیانہ تھا جس کے ڈر سے عوام خواہی نخواہی جماعت اولیٰ کی کوشش کرتے، اب وہ خوف بالائے طاق اور اہتمام التزام معلوم، جماعت کی جو قدرے وقعت نگاہوں میں ہے کہ اگر رہ گئے اور تنہا پڑھی ایک طرح کی خجلت وندامت ہوتی ہے جب بفتوی مفتیان یہی انداز رہے اور گروہ کے گروہ اکیلے اکیلے پڑھا کئے تو ایک تومرگ انبوہ جشنے دارد دوسرے شدہ شدہ عادت پڑ جاتی ہے چندروز میں یہ رہی سہی وقعت بھی نظر سے گرجائے گی اور اس کے ساتھ ہی سستی وکاہلی اپنی نہایت پر آئے گی، اب تو یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ خیر اگر پہلی جماعت فوت ہوئی ایسی دیر تو نہ کیجئے کہ اکیلے ہی رہ جائیں اور تنہا پڑھ کر محرومی وندامت کا صدمہ اٹھائیں، جب یہ ہوگا کہ جماعت توآخر ہوچکی اول ہوچکی اب جماعت تو ملنے سے رہی اپنی اکیلی نماز ہے جب جی میں آیا پڑھ لیں گے یا پھر مسجد کی بھی کیا حاجت ہے لاؤ گھر ہی میں سہی، لہٰذا ائمہ فتوی رحمہم اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ سوچ سمجھ کر ترجیح وتصحیح فرمایا کرتے ہیں من وتو سے ان کے علوم وسیعہ عقول رفیعہ لاکھوں درجے بلند وبالا ہیں روایت ودرایت ومصالح شریعت وزمانہ وحالت کو جیسا وہ جانتے ہیں دوسرا کیا جانے لگا پھر ان کے حضور دخل درمعقولات کیسا! **فاللہ الهادی وولی الایادی** اس مسئلہ میں کلام طویل ہے اور عبد ذلیل پر فیض مولیٰ عزیز وجلیل، اگر تفصیل کیجئے رسالہ مبسوط ہوتا ہے لیکن

ع: درخانہ اگر کس است یکحرف بس است

(اگر خانہ عقل میں کچھ ہے تو اس کے لئے ایک حرف بھی کافی ہے)

تنبیہ: مگر یہ ان کے لئے ہے جو احیانًا کسی عذر کے باعث حاضری جماعت اولیٰ سے محروم رہے نہ یہ کہ جماعت ثانیہ کے بھروسہ پر قصدًا بلاعذر مقبول شرعی جماعت اولیٰ ترک کریں یہ بلاشبہہ ناجائز ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۵۹: از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دو جماعت دریک مسجد دریک وقت بلاعلمی پس نماز مصلین جماعت ثانیہ جائز است یانہ؟ **بینوا توجروا**	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بغیر علم ایک وقت میں ایک مسجد میں دو جماعت ہونا کیسا ہے؟ پھر دوسری جماعت کے نمازیوں کی نماز جائز ہے یانہیں؟ بیان کرواجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

درجواز بمعنی صحت شک نیست اگرچہ باوصف علم باشد آرے بحال علم جواز بمعنی حل نیست مگرآنکہ امام اول ناشایان امامت باشد۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	جواز بمعنی صحت میں کوئی شک نہیں (یعنی درست ہے) اگرچہ جماعت ثانیہ کا باوصف علم ہو البتہ باوصف علم جواز بمعنی حل لینا درست نہیں مگراس صورت میں کہ امام اول امامت کے لائق نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۸۶۰ : از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ جماعت جو کراہت تحریمی پر مشتمل ہے جیسے پانچ چھ مقتدی امام کے برابر کھڑے ہیں یاامام کی آستین کہنیوں تک چڑھائی ہوئی ہیں یاوہ کلام مجید صحیح نہیں پڑھتااس میں شریک ہوناچاہئے یانہیں؟ بینوا توجرا

الجواب:

غلط خوانی امام اگرتاحدِّ فساد ہے جب توظاہر کہ اس جماعت میں شرکت نہ کی جائے کہ شرعًا وہ جماعت و نماز ہی نہیں اور اگر صرف اس قدر کہ مثلاً حرف صحیح توخوب اداکرلیتاہے مگرپورے اوصاف زائد مثل تفخیم وترقیق لام وراوغیرہما نہیں اداہوتے یااظہار واخفا یامدوقصرو تحقیق وتسہیل وغیرہاان قواعد تجوید کی رعایت نہیں کرتا جن کی مراعات اگرچہ تجویدًاواجب ہو فقہًا صحت نماز کے لئے کچھ ضرور نہیں توضرور شریک ہوکہ جماعت کاترک یا اس سے اعراض صرف اتنی بات پر ہرگزروانہیں،یونہی اگرجماعت کراہت تحریم پر مشتمل ہو توشرکت نہ کرے **فان سلب المفاسداھم من جلب المصالح** (کیونکہ مفسدات کو ختم کرنا مصلحات کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ت) اور اگر صرف کراہۃ تنزیہیہ ہو جیسے امامت فاسق غیر معلن میں تواگردوسری جماعت پاکیزہ ملے اس میں بھی شرکت نہ چاہئے ورنہ شریک ہوجائے کہ ترک جماعت کراہت تنزیہی سے اشد ہے بخلاف کراہت تحریم کہ اس کامرتبہ قول سنیت جماعت پرترک جماعت سے بدتر،اور مسلک معتمد یعنی وجوب جماعت

پر ہمسر و برابر ہے،

فی حاشیۃ الحلبی ثم الشامی علی الدر، الجماعۃ واجبۃ فتقدم علی ترك کراھۃ التنزیہ[1] ھ وفیہ فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماماغیرہ ھ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھافی المصر علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول[2] ھ وفی الدر عن النھر عن المحیط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعۃ[3]ھ فی ردالمحتار افاد ان الصلاۃ خلفھمااولی من الانفراد[4] ھ وفیہ لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم	حاشیہ حلبی پھر شامی علی الدر میں ہے کہ جماعت واجب ہے پس یہ کراہت تنزیہی کے ترک پر مقدم ہوگی اھ اور اسی میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحاب احناف نے فرمایاہے کہ نماز جمعہ کے علاوہ کسی نماز میں فاسق کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے کیونکہ غیر نماز جمعہ میں دوسرے امام کو پایا جاسکتاہے اھ فرمایا: فتح میں ہے کہ اس دلیل کی بناء پر امام محمد کے مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ میں بھی فاسق کی اقتدا مکروہ ہوگی جبکہ شہر میں متعدد جگہ پر جمعہ قائم ہوتا ہو کیونکہ اس صورت میں دوسری جگہ نماز جمعہ کا میسر آنا ممکن ہے اھ اور در میں نہر اور اس میں محیط کے حوالے سے ہے کہ فاسق اور بدعتی کے پیچھے نماز ادا کرنے سے جماعت کا ثواب مل جاتاہے اھ ردالمحتار میں ہے، اس سے یہ بات ثابت ہورہی ہے کہ ان کے پیچھے نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے سے اولٰی ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اگر کوئی شخص صفوں سے دور کھڑے ہو کر اپنے ہم مذہب امام کا انتظار کرتاہے تو یہ جماعت سے اعراض شمار نہیں ہوگا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ وہ تو اس جماعت سے اعلٰی جماعت کے ارادے میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب فی الاقتداء بشافعی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۶

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

[3] درمختار باب الامامۃ باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب البدعۃ خمسۃ اقسام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۵

[5] ردالمحتار باب الامامۃ مطلب اذا صلی الشافعی قبل الحنفی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

مسئلہ ۸۶۱ : از کلکتہ غلام قادر بیگ صاحب مرسلہ غلام قادر بیگ صاحب ۵رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ ایک مقتدی برابر کھڑا ہے دوسرااور آیا نہ وہ مقتدی اول پیچھے ہٹا نہ امام آگے بڑھا تو یہ اس مقتدی کونیت باندھ کر کھینچے یا بے نیت باندھے؟ **بینوا تؤجروا**

الجواب: دونوں صورتیں جائز ہیں، فتح القدیر سے مستفاد کہ نیت باندھ کر کھینچنا اولٰی ہے، اور خلاصہ میں تصریح فرمائی کہ پہلے کھینچ کرنیت باندھنی مناسب ہے، بہر حال دونوں طریقے روا ہیں، فتح کی عبارت یہ ہے:

لواقتدی واحد باخرفجاء ثالث یجذب المقتدی بعد التکبیر ولوجذبہ قبل التکبیر لایضرہ[1]۔	اگرایک آدمی نے دوسرے کی اقتدا کی کہ تیسرا آگیا تو وہ مقتدی کو تکبیر کے بعد کھینچے، اگراس نے تکبیر سے پہلے ہی کھینچ لیا تو بھی کوئی حرج نہیں۔(ت)

خلاصہ کانص یہ ہے:

ینبغی ان یجذب احدا من الصف فی المسجد او فی الصحراء اولاثم یکبر[2]۔	مناسب یہی ہے کہ وہ کسی ایک نمازی کو صف سے پہلے کھینچ لے خواہ مسجد ہو یا صحرا پھر تکبیر کہے۔(ت)

مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات کہ کھینچنا اسی کو چاہئے جو ذی علم ہو یعنی اس مسئلہ کی نیت سے آگاہ ہو ورنہ نہ کھینچے کہ مبادا وہ بسبب ناواقفی اپنی نماز فاسد کرلے، تحقیق منقح اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نماز میں جس طرح اللہ اور اللہ کے رسول کے سوا دوسرے سے کلام کرنا مفسد ہے یونہی اللہ ورسول کے سوا کسی کا کہنا ماننا (جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پس اگر ایک شخص نے کسی نمازی کو پیچھے کھینچا یا آگے بڑھنے کو کہا اور وہ اس کا حکم مان کر پیچھے ہٹا نماز جاتی رہی اگرچہ یہ حکم دینے والا نیت باندھ چکا ہو اور اگر اس کے حکم سے کام نہ رکھا بلکہ مسئلہ شرع کے لحاظ سے حرکت کی تو نماز میں کچھ خلل نہیں اگرچہ اس کہنے والے نے نیت نہ باندھی ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس کے کہتے ہی فوراً حرکت نہ کرے بلکہ ایک ذرہ تامل کرلے تاکہ بظاہر غیر کے حکم ماننے کی صورت بھی نہ رہے جب فرق صرف نیت کا ہے اور زمانہ پر جہل غالب، تو عجب نہیں کہ عوام اس فرق سے غافل ہو کر بلاوجہ اپنی نماز خراب کرلیں، ولہذا علماء نے فرمایا: غیر ذی علم کو اصلاً نہ کھینچے اور یہاں ذی علم وہ جو اس مسئلہ اور نیت کے فرق سے آگاہ ہو، درمختار میں ہے:

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی جنس آخر ما یتصل بصحۃ الاقتداء الخ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ، ۱/۱۵۷

لو امتثل امر غیرہ فقیل لہ تقدم فتقدم فسدت بل یمکث ساعۃ ثم یتقدم برایہ قھستانی معزیا للزاھدی[1] ملخصا۔	اگر نمازی کسی غیر کا حکم بجالایا مثلاً اسے کہا گیا آگے ہو جا وہ آگے ہوگیا تو نماز فاسد ہوجائے گی بلکہ وہ ایک گھڑی ٹھہرے اور پھر اپنی رائے سے آگے بڑھے قہستانی بحوالہ زاہدی ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح بعد ان ذکر لوجذبہ اٰخر فتاخر الاصح لاتفسد صلاتہ وفی القنیۃ قیل لمصل منفرد تقدم فتقدم بامرہ فسدت وعللہ فی شرح القدوری بانہ امتثال لغیر امر اللہ تعالٰی ھ کلام المصنف وذکر الشرنبلالی ان امتثالہ انما ھو لامر رسول اللہ صی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلایضراھ قال ط لو قیل بالتفصیل بین کونہ امتثل امر الشارع فلاتفسد وبین کونہ امتثل امر الداخل مراعاۃ لخاطرہ من غیرنظر لامرالشارع فتفسد لکان حسنا[2] ھ مافی رد المحتار ملتقطا **اقول**: وھذا التفصیل کما تری من الحسن بمکان بل ھوالمحل لکلمات العلماء وبہ یحصل التوفیق وباللہ التوفیق۔	منح میں اس کے بعد ہے کہ اگر اس کو کسی دوسرے نے کھینچا اور وہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی، اور قنیہ میں ہے منفرد (تنہا) نمازی کو کہا گیا آگے ہو اور وہ اس کے حکم کی بنا پر آگے ہوا تو نماز فاسد ہوگی۔ شرح قدوری میں اس کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ غیر اللہ کا حکم بجالانا ہے اھ کلام مصنف ختم ہوا، شرنبلالی نے فرمایا یہ بجاآوری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر تھی لہٰذا نقصان دہ نہیں اھ طحطاوی نے فرمایا کہ اگر تفصیل بیان کی جائے درمیان اس کے کہ اگر شارع کا امر سمجھتے ہوئے بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور درمیان اس کے اگر داخل ہونے والے کے امر کی وجہ سے اس کے ارادے کی رعایت کرتے ہوئے بجالایا امر شارع کی طرف نظر کئے بغیر، تو نماز فاسد ہوگی، تو یہ (تفصیل بیان کرنا) بہتر ہوتا اھ یہ ردالمحتار کی گفتگو کا خلاصہ تھا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ تفصیل اس جگہ احسن ہی نہیں بلکہ کلمات علماء کا محل بھی ہے اور اس کے ساتھ ان کے کلام میں تطبیق بھی پیدا ہوجاتی ہے وباللہ التوفیق (ت)

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۲

درمختار میں ہے:

یجذب احد الکن قالوا فی زماننا ترکہ اولٰی[1] ملخصاً۔	کسی کو کھینچ لے، مگر ہمارے زمانے کے علماء نے فرمایانہ کھینچنا ہی بہتر ہے ملخصاً (ت)

خزائن الاسرار میں ہے:

ینبغی التفویض الی رأی المبتلی فان رأی عالما جذبہ[2]۔	اس معاملہ کو مبتلا ہونے والے شخص پر چھوڑ دیا جائے اگروہ محسوس کرتا ہے کہ یہ آدمی مسئلہ جانتا ہے تو اسے کھینچ لے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوتوفیق حسن اختارہ ابن وھبان فی شرح منظومتہ[3]۔	یہ بہت اچھی تطبیق ہے اسے ابن وہبان نے اپنی شرح منظومہ میں اختیار کیا ہے۔ (ت)

رہا یہ کہ جب نہ مقتدی ہٹے نہ امام بڑھے نہ وہ ذی علم ہو کہ یہ کھینچ سکے یا مثلاً امام قعدہ اخیرہ میں ہو جہاں ان باتوں کا محل ہی نہیں تو ایسی صورت میں اس آنے والے کو کیا کرنا چاہئے، اگرامام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو اس کے بائیں ہاتھ پر یہ مل جائے کہ امام کے برابر دو مقتدیوں کا ہونا صرف خلاف اولٰی ہے۔

قال الشامی الظاھران ھذا اذا لم یکن فی القعدۃ الاخیرۃ والا اقتدی الثالث عن یسارالامام ولا تقدم ولاتاخر[4]۔	امام شافعی نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ قعدہ اخیرہ میں نہ ہو ورنہ (یعنی اگر قعدہ اخیرہ میں ہو) تو تیسرا شخص امام کے بائیں جانب اقتداء کرے، نہ آگے ہو اور نہ پیچھے۔ (ت)

اور اگر پہلے سے دو ہیں تو یہ پیچھے شامل ہو جائے کہ امام کے برابر تین مقتدیوں کا ہونا مکروہ تحریمی ہے۔

فی الدر لوتوسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لو اکثر[5]۔	در میں ہے اگر دو کے درمیان امام کھڑا ہو تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اور اگر دو سے زیادہ کے درمیان ہو تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

[1] درمختار، باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[2] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[3] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[4] ردالمحتار باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰

[5] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۳

مراقی الفلاح میں ہے

جذب عالما بالحکم لایتاذی بہ والاقام وحدہ ھ[1] **قلت** فارشد الی القیام وحدہ صوتا لصلوۃ غیرہ عن الفساد المحتمل فکیف اذا کان فیہ صون صلاۃ نفسہ وغیرہ جمعیا عن الخلل المتیقن الموجب للاعادۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حکم مسئلہ سے آگاہ نمازی کو کھینچ لے تاکہ اسے پریشانی نہ ہو اور اگر امام صاحب علم نہیں تو تنہا ہی کھڑا ہو جائے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) جب اس کا تنہا کھڑا ہونا اس لئے بہتر ہے تاکہ فساد محتمل سے دوسرے کی نماز بچائی جاسکے تو اس وقت تنہا کھڑا ہونا کیوں نہ بہتر ہوگا جب اپنی اور دوسرے دونوں کی نماز ایسے خلل یقینی سے بچائی جارہی ہو جو اعادہ کا موجب ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اَلقِلَادَۃُ المُرَصَّعَۃُ فِیْ نَحرِ الاَجوِبَۃِ الاَربَعَۃِ ۱۳۱۲ھ

(چار جوابوں کے مقابلہ میں پرویا ہوا ہار)

(مولوی اشرف علی تھانوی کے چار فتووں کا رَدِّ بلیغ)

مسئلہ ۸۶۲: از کان پور بازار میدہ دکان نور بخش و محمد سلیم مرسلہ مولوی محمد شفیع الدین صاحب نگینوی تلمیذ مولوی احمد حسن صاحب کانپوری ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

بخدمت مجمع کمالات عقلیہ ونقلیہ جناب احمد رضا خاں صاحب دامت افضالہم السلام علیکم، ایک استفتا خدمت شریف میں ارسال ہے پہلا جواب مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا تھا دوسرا جواب مولوی قاسم علی مرادآبادی نے لکھا ہے چونکہ دونوں جوابوں میں تخالف ہے لہذا ارسال خدمت شریف میں کیا گیا ہے جو جواب صحیح ہو اس کو مہر ودستخط سے مزین فرمائیں، اگر دونوں جواب خلاف تحقیق ہیں تو جناب علیحدہ جواب مع حوالہ کتب تحریر فرمائیں **ما جوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی** (اے علماء رحمکم اللہ تعالٰی! تمہارا جواب اس سلسلہ میں کیا ہے؟۔ت) ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنے ایک پیر سے معذور ہے چونکہ اس کو شب کو دوبارہ مسجد میں آنے سے تکلیف ہوتی ہے تو وہ شخص مسجد میں قبل اذان وجماعت کے اپنی نماز عشاء ہمراہ ایک شخص کے اقامت کہہ کر پڑھ لیتا ہے پس شخص مذکور کو جماعت کا ثواب ہوگا یانہ۔ اور جو جماعت مع اذان کے بعد کو ہوگی اس میں کچھ کراہت ہوگی یانہ؟

(۲) ہمراہ شخص مذکور کے جو نماز پڑھتا ہے تو بعد والی جماعت بسبب فوت ہونے تہجد کے ترک کرتا ہے جائز ہے یانہ؟

(۳) ایک شخص ہمیشہ قیلولہ اس طرح کرتا ہے کہ اس کی ظہر کی جماعت اولٰی ترک ہوجاتی ہے اور عذر اس کا خوف فوت تہجد ہے جائز ہے یانہ؟

(۴) چند شخصوں کو کوئی ضرورت درپیش ہے وہ چند شخص قبل اذان وجماعت اپنی نماز جماعت سے مسجد میں پڑھیں جائز ہے یانہ؟ **بینوا توجروا**

جواب کان پور:

جواب سوال اول: نفس جماعت کاثواب ملے گا مگر جماعت اولٰی کی فضیلت سے محروم رہے گا، جماعت اولٰی وہی ہوگی جو اذان واقامت سے اس کے بعد ہوگی اور اس میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

جواب سوال دوم: خوف فوت تہجد ترک جماعت اولٰی میں عذر نہیں ہے۔

جواب سوال سوم: یہ عذر ترک جماعت ظہر نہیں ہوسکتا۔

جواب سوال چہارم: ضرورت شدیدہ میں ترک جماعت اولٰی جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم** کتبہ محمد اشرف علی عفی عنہ

اشرف ۱۳۰۰علی از گروہ اولیا

جواب مرادآباد:

جواب سوال اول: کایہ ہے کہ شخص مندرجہ سوال کاجماعت کرنا مکروہ تحریمہ ہے ثواب جماعت اصلًا نہ ہوگا اس لئے کہ اولًا تومعذور ہے جماعت ساقط ہے بلکہ بلاجماعت امید حصول ثواب بوجہ معذوری کے ہے۔

کما فی الھندیۃ وتسقط الجماعۃ بالاعذار حتی لاتجب علی المریض والمقعد والزمن ومقطوع الید والرجل من خلاف والمفلوج الذی لایستطیع المشی و الشیخ الکبیر العاجز اوکان قیما لمریض اویخاف ضیاع مالہ[1] **انتہی ملخصاً۔**	جیسا کہ ہندیہ میں ہے عذر کی وجہ سے جماعت ساقط ہوجاتی ہے حتی کہ مریض، بیٹھ کر چلنے والے، لُولے اور جس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت کٹے ہوئے ہوں، ایسا فالج زدہ جو چلنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، نہایت ہی عاجز بوڑھا یاوہ شخص کسی بیمار کانگہبان ہو یااسے اپنے مال کے ضیاع کاخطرہ ہو مذکور سب افراد پر جماعت واجب نہیں ہے **انتہی ملخصا**(ت)

ومع ھذا (اور اس کے باوجود۔ت) اس شخص کابغیر اذان وقامت کے جماعت کرنا علی الخصوص ایسے شخص کے ساتھ کہ وہ شرعًا معذور نہیں ہے موجب کراہت تحریمہ کا ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

لکھاہے:

ویکرہ اداء المکتوبۃ بالجماعۃ فی المسجد بغیراذان واقامۃ[1]۔	مسجد میں فرض نماز بغیر اذان وقامت باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔(ت)

ونیز درانست (نیزاسی میں ہے۔ت)

الاذان سنۃ لاداء المکتوبۃ بالجماعۃ وقیل انہ واجب، الصحیح انہ سنۃ مؤکدۃ[2]۔	باجماعت فرض نماز کی ادائیگی کے لئے اذان سنت ہےاور بعض نے اسے واجب کہاہے صحیح یہ ہے کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

پس حصول ثواب نفس جماعت کہاں بلکہ بوجہ ترک سنّت مؤکدہ کے موجب معصیت ہے۔

کماقال العلامۃ الشامی صرح العلامۃ ابن نجیم فی رسالتہ المؤلفۃ فی بیان المعاصی بان کل مکروہ تحریما من الصغائر[3] وصرح ایضا بانھم شرطوا لاسقاط العدالۃ بالصغیرۃ الادمان[4] علیھا۔	جیسا کہ علامہ شامی نے فرمایا علامہ ابن نجیم نے اپنے اس رسالہ میں جوانھوں نے بیان معاصی میں تحریر کیاہے فرمایا: ہر مکروہ تحریمی صغائر میں سے ہے، اور یہ بھی صریح کی ہے کہ اہل علم نے صغیرہ کے سبب اسقاط عدالت کے لئے اس پر ہیشگی کو شرط قرار دیا ہے۔(ت)

اور جو جماعت بعد کو مع اذان ہوگی وہ بلا کراہت ہوگی کمامر (جیساکہ گزرا۔ت) فقط

جواب سوال دویم: کایہ ہے کہ جواب سوال اول سے بخوبی مبرہن ہوگیا کہ شرعًا یہ جماعت مکروہ تحریمہ ہے پس دوسرے شخص کا اس معذور کے ساتھ قبل اذان کے بخوف فوت نماز تہجد کے نماز پڑھنا ترک کرنا جماعت کا ہےاور ترک جماعت کہ سنت مؤکدہ قریب واجب کے ہے واسطے ادائے صلٰوۃ تہجد کے کہ مستحب ہے درست نہیں اس واسطے کہ ترک سنت معصیت ہے برخلاف امر مندوب کہ وہ معصیت نہیں، درمختار میں لکھاہے:

ومن المندوبات رکعتا السفر والقدوم منہ	سفر پر جانے اور اس سے واپسی پر دو۲ رکعت اور

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۳

[3] ردالمحتار مطلب لمکروہ تحریمی من الصغائر الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳

[4] ردالمحتار مطلب لمکروہ تحریمی من الصغائر الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳

وصلوۃ اللیل[1]۔	رات کی نماز مندوبات سے ہے۔(ت)

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

قال فی البحر الذی یظھر من کلام اھل المذھب ان الاثم منوط بترك الواجب اوالسنة المؤکدۃ علی الصحیح لتصریحھم بان من ترك سنن الصلوات لخمس قیل لایأثم والصحیح انه یأثم وتصریحھم بالاثم لمن ترك الجماعة مع انھا سنة مؤکدۃ علی الصحیح[2]۔ فقط	بحر میں ہے کہ اہل مذہب کے کلام سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ صحیح مذہب پر گناہ تب ہوگا جب ترک واجب یا ترک سنت سنت مؤکدہ ہو کیونکہ علماء کی تصریح ہے جو شخص صلوات خمسہ کی سنن ترک کردے ایک قول کے مطابق گنہگار نہ ہوگا اور صحیح یہ ہے کہ گنہگار ہوگا اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ جماعت کا ترک گناہ ہے حالانکہ وہ صحیح قول کے مطابق سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

جواب سوال سوم: بہتر یہ ہے کہ بخوف فوت تہجد کے اس قدر قیلولہ نہ کرے کہ جو موجب ترک فضیلت جماعت اولیٰ کا ہووے ولہذا اگر کرے تو جائز ہے بشرطیکہ جماعت ترک نہ ہوجائے کہ جماعت ثانیہ ہووے اس لئے کہ ہمارے اساتذہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک قول محقق یہی ہے کہ جماعت ثانیہ بلاکراہت درست ہے اور مساوی ہے ثواب میں نفس جماعت اولیٰ کے، اور جماعت اولیٰ، اولیٰ ہے، چنانچہ میرے استاد کامل ومحدث والد ماجد قدس سرہ، کا اثبات جماعت ثانیہ کے بارہ میں ایک رسالہ مبسوط ہے **من شاء فلیطلع علیھا** (جو شخص تفصیل چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ت) بناءً علیہ واسطے ادائے نماز تہجد کے کہ اعلیٰ درجہ کی مستحب ہے اس قدر قیلولہ کرنا کہ جس سے جماعت اولیٰ ترک ہوجائے نہ مطلق جماعت بلاشبہ جائز ہے اس لئے کہ فضیلت جماعت کی مساوی فضیلت تہجد کے نہیں ہے بلکہ کمتر ہے **من شاء فلیطالع الاحادیث المرویة فی ھذاالباب من الصحاح والحسان** (جو شخص تفصیل چاہتا ہے وہ ان احادیث صحیحہ اور حسان کا مطالعہ کرے جو اس مسئلہ کے بارے میں مروی ہیں۔ت) فقط۔

جواب سوال چہارم: بحالت عذر شرعی کے بھی قبل اذان کے مسجد میں جماعت کرنا اشخاص مندرجہ سوال کا درست نہیں مکروہ ہے البتہ بعد اذان کے درست ہے

کما فی الھندیة ویکرہ اداء المکتوبة بالجماعة فی المسجد بغیر اذان واقامة[3]۔	جیسا کہ ہندیہ میں ہے مسجد میں اذان واقامت کے بغیر فرض نماز کی جماعت مکروہ ہے۔(ت)

[1] درمختار، باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۶

[2] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفۃ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

یہی حکم صور مسؤلہ کا کہ تحریر ہوا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والماٰب فقط حررہ العبد المفتقر الی اللہ الغنی محمد قاسم علی عفی عنہ

قاسم علی خلف ۱۲۹۶ مولٰنا محمد عالم	الجواب الصحیح و المجیب نجیح بینظیر من ۱۳۰۱ھ شگفتہ محمد گل

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

(اے اللہ ! حق اور صواب کی ہدایت عطافرما)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ الحمدللہ الذی یدہ علی الجماعۃ والصلٰوۃ والسلام علی صاحب الشفاعۃ واٰلہ وصحبہ اولی البراعۃ وسائر اھل السنۃ والجماعۃ۔	شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحمت والا اور مہربان ہے، تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس کا مبارک ہاتھ جماعت پر ہے اور صلٰوۃ وسلام اس ذات اقدس پر ہو جو صاحب شفاعت ہے اور آپ کی آل اور اصحاب پر جو صاحب فضیلت ہیں، اور تمام اہل سنت وجماعت پر۔ (ت)

جواب سوال اوّل وچہارم: ہاں فعل مذکور مکروہ ومحظور ہے نہ اس وجہ سے کہ معذور سے جماعت ساقط یا اسے بے جماعت ثواب ثابت کہ: **اولاً** ساقط وجوب ہے نہ جواز بلکہ جماعت افضل اور عزیمت،

وفی ردالمحتار قولہ من غیر حرج قید لکونھا سنّۃ مؤکدۃ اوواجبۃ فبالحرج یرتفع الاثم ویرخص فی ترکھا ولکنہ یفوتہ الافضل[1] الخ۔	ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول من غیر حرج قید ہے اس بات کی کہ جماعت سنت مؤکدہ یا واجب ہے اور حرج کی وجہ سے گناہ ختم، اور جماعت کے ترک میں رخصت ہوگی البتہ وہ افضل کو فوت کردے گا الخ (ت)

ثانیاً نہ بے جماعت ثواب مانع جماعت فشتان مابین الحکم والحقیقۃ (حکم اور حقیقت میں نہایت ہی فرق ہے۔ت) سورۂ اخلاص ثلث قرآن عظیم کے برابر ہے کیا تین بار اسے پڑھنے والا ختم قرآن سے ممنوع ہوگا (نماز مع) جماعت عشاء قیام نصف شب اور مع جماعت فجر قیام تمام لیل کے مساوی ہے کیا یہ نمازیں جماعت سے پڑھنے والا احیائے لیل سے بازرکھا جائے گا، شرع میں اس کی نظائر ہزار دوہزار ہیں۔

[1] ردالمحتار مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۰

فی الحدیث المتواتر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قل ھواللہ احد تعدل ثلث القرآن [1] اخرجہ مالك واحمد و البخاری و ابو داؤد و نسائی عن ابی سعید الخدری و البخاری عن قتادۃ بن النعمان واحمد ومسلم عن ابی الدرداء ومالك واحمد ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ہریرۃ واحمد والترمذی وحسنہ والنسائی عن ابی ھریرۃ واحمد والترمذی وحسنہ والنسائی عن ابی ایوب الانصاری واحمد والنسائی والضیاء فی المختارۃ عن ابی بن کعب والترمذی وحسنہ عن انس بن مالك واحمد وابن ماجۃ عن ابی مسعود البدری، وفی الباب عن عــہ۱ عبداللہ بن مسعود وعبداللہ عــہ۲ بن عمرو ومعاذ عــہ۳ بن جبل و جابر عــہ۴ بن عبداللہ وعبداللہ عــہ۵ بن عباس و ام عــہ۶ کلثوم بنت عقبۃ وغیرھم عــہ۷	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر روایت میں ہے سورہ اخلاص "قل ھو اللہ احد" کی تلاوت قرآن کی تہائی کے برابر ہے۔اسے امام مالک، احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ بخاری نے قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ مالک، احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد و ترمذی اور انہوں نے اس روایت کو حسن قرار دیا؛ اور نسائی نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد، نسائی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ ترمذی نے اسے حسن قرار دیتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے؛ احمد اور ابن ماجہ نے حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو،

عــہ۱ رواہ عنہ الطبرانی فی الکبیر ۱۲ منہ	(اس کو ان سے طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیاہے۔ت)
عــہ۲ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ ۱۲منہ	اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے اور ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیاہے۔(ت)
عــہ۳ الطبرانی فی الکبیر ۱۲منہ	(اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں روایت کیاہے۔ت)
عــہ۴ البزار ۱۲ منہ	(اس کو بزار نے روایت کیاہے۔ت)
عــہ۵ ابوعبیدہ ۱۲منہ	(اس کو ابوعبیدہ نے روایت کیاہے۔ت)
عــہ۶ الامام احمد ۱۲منہ	(اس کو امام احمد نے روایت کیاہے۔ت)
عــہ۷ رواہ البیہقی فی السنن عن رجاء الغنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ فھؤلاء خمسۃ عشر صحابیا ۱۲منہ	اس کو بیہقی نے سنن کبرٰی میں رجاء غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے یہ پندرہ کے پندرہ صحابی ہیں (لہذا حدیث متواتر ہوئی) ۱۲منہ غفرلہ

[1] صحیح البخاری باب فضل قل ھواللہ احد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۰

رضی اللہ تعالٰی عنھم، مالك واحمد ومسلم عن امیر المؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من صلی العشاء فی جماعة فکانما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعة فکانما صلی اللیل کله[1]۔	معاذ بن جبل، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباس، ام کلثوم بنت عقبہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے بھی روایات مروی ہیں۔ مالک، احمد اور مسلم نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نماز عشاء جماعت کے ساتھ ادا کی گویا اس نے نصف رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز باجماعت پڑھی گویا اس نے تمام رات قیام کیا (ت)

ثالثاً نہ ایسی حالت میں بے ادائے جماعت ثواب جماعت ملنا ثابت۔

قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر و العلامة ابراھیم الحلبی فی الغنیة فی مسألة الاعمی وقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم له ماأجدلك رخصة معناه لااجد لك رخصة تحصل لك فضیلة الجماعة من غیرحضورھا لاالایجاب علی الاعمی لانه علیه الصلٰوة والسلام رخص لعتبان بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه علی مافی الصحیحین[2]۔ **تنبیه اول:** استشھادنا انما ھو بھما افادامن عدم حصول الفضیلة ولوللمعذور بدون الحضور وفیه	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں مسئلہ اعمی کے تحت یہ لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نابینا کو فرمانا کہ "میں تیرے لئے رخصت نہیں پاتا" اس کا معنی یہ ہے کہ میں تیرے لئے جماعت کی فضیلت وثواب بغیر حاضری جماعت کے نہیں پاتا اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ نے حاضری جماعت کے نابینا پر لازم فرمائی کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے دوسرے صحابی عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسی عذر کی بنا پر جماعت سے رخصت عنایت فرمائی ہے جیسا کہ بخاری و مسلم میں موجود ہے (ت) **تنبیہ اول:** (میں کہتا ہوں) ہمارا استشہاد ودلیل ان دونوں بزرگوں کے اس افادہ سے ہے کہ فضیلت جماعت حاضری کے بغیر حاصل نہ ہوگی

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۳۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی ص ۵۱۰

ایضا تفصیل یعلم بالرجوع الی المراقی وغیرھا اما کون معی الحدیث ھذا فعندی محل نظر یعرفه من جمع طرق الحدیث ففی صحیح مسلم عن ابی ھریرۃ قال اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجل اعمی فقال یارسول اللہ انه لیس لی قائدیقودنی الی المسجد فسأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یرخص له فیصلی فی بیته فرخص فلما ولی دعاہ فقال ھل تسمع النداء بالصلاۃ فقال نعم قال فاجب[1] واخرجه السراج فی مسندہ مبینافقال اتی ابن ام مکتوم الاعمی[2] الحدیث وعند الحاکم عن ابن ام مکتوم قلت یارسول اللہ ان المدینة کثیرۃ الھوام والسباع قال اتسمع حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح قال نعم فحی ھلا[3] وعند احمد وابن خزیمة	خواہ وہ شخص معذور ہی کیوں نہ ہو، اور اس میں بھی تفصیل ہے جس کے جاننے کیلئے مراقی وغیرہ کی طرف رجوع ضروری ہے، باقی حدیث کا یہ معنی کرنا میرے نزدیک محل نظر ہے جس کی معرفت حدیث کے طرق کو جمع کرنے سے ہوگی۔ تو صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا شخص آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! مجھے کوئی مسجد میں لانے والا نہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چاہا کہ آپ اسے اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ گھر میں نماز ادا کرلے، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، جب وہ لوٹے تو آپ نے دوبارہ بلایا اور پوچھا: کیا تم نماز کی اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کا جواب دو (یعنی باجماعت نماز پڑھو) اور اسے سراج نے مسند میں تفصیلًا بیان کرتے ہوئے اس صحابی کا نام لیا کہ آپ کی خدمت میں حضرت ابن ام مکتوم نابینا صحابی حاضر ہوئے الحدیث۔ حاکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! مدینہ طیبہ میں بہت سے کاٹنے والے کیڑے اور درندے ہیں، فرمایا: تم حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح سنتے ہو؟ عرض کیا ہاں۔

[1] صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ السراج فی مسندہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۳

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۷

والحاکم عنه بسند جید ایسعنی ان اصلی فی بیتی قال اتسمع الاقامة قال نعم قال فأتها[1] وفی اخری قال فاحضرها[2] ولم یرخص له ۔ و للبیهقی عنه سأله ان یرخص له فی صلاة العشاء والفجر قال هل تسمع الاذان قال نعم مرة اومرتین فلم یرخص له فی ذلک[3] وله عن کعب بن عجرة جاء رجل ضریر الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیه ایبلغك النداء قال نعم قال فاذا سمعت فاجب[4] ولاحمد وابی یعلی والطبرانی فی الاوسط و ابن حبان عن جابر واللفظ له قال اتسمع الاذان قال نعم قال فأتها و لو حبوا[5] فکان ذلك فیما نری والله تعالٰی اعلم انه رضی

فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ مسند احمد، ابن خزیمہ اور حاکم نے انہی سے سند جید کے ساتھ نقل کیاکہ میں نے عرض کیا کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں گھر میں نماز اداکرلوں ؟ فرمایا: کیا اقامت سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔فرمایا: اس کی طرف آؤ۔ دوسری روایت میں ہے: اس میں حاضری دو توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے رخصت نہ دی۔
بیہقی نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی روایت کیاکہ انہوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بات کی رخصت چاہی کہ ان کو عشاء اور فجر کی نماز میں جماعت سے رخصت دے دیں۔ فرمایا: کیاتم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ایک یادودفعہ پوچھاآپ نے انہیں اس بارے میں رخصت نہ دی۔ بیہقی میں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ ایک نابینا شخص رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیااسی میں ہے کہ آپ نے پوچھا: کیا تجھے اذان کی آواز پہنچتی ہے؟ عرض کیا: ہاں۔ بتایا: جب تو سنتاہے توجواب دے (یعنی جماعت میں حاضری دے) مسند، ابویعلی، طبرانی کی اوسط میں اور

Majlis of Dawatelslami

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عمر بن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۲۳

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] مجمع الزوائد باب فی ترک الجماعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۴۳

[4] مجمع الزوائد باب فی ترک الجماعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۴۲

ف: یہ دونوں حوالے مجمع سے اس لئے نقل کئے کہ سنن بیہقی اور شعب الایمان للبیہقی سے نہیں ملے، ہوسکتاہے یہ لفظ للبیہقی کی بجائے للطبرانی ہو کیونکہ مجمع نے طبرانی اوسط کے حوالے سے یہ دونوں حدیثیں نقل کی ہیں۔ نذیر احمد سعیدی

[5] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان باب فرض الجماعۃ والاعذار الخ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۲۵۲

اللہ تعالٰی عنه لم یکن یشق علیه المشی وکان یهتدی الی الطریق من دون حرج کمایشاهد الآن فی کثیر من العمیان ثم راجعت الزرقانی علی المؤطا فرأیته نص علی ذلك نقلا فقال و حمله العلماء علی انه کان لایشق علیه المشی وحده ککثیر من العمیان [1]اھ وح یترجح بحث العلامة الشامی حیث بحث ایجاب الجمعة علی امثال هؤلاء ، فقال بل یظهر لی وجوبها علی بعض العمیان الذی یمشی فی الاسواق ویعرف الطرق بلاقائد ولاکلفة ویعرف ای مسجد اراده بلاسؤال احد لانه حینئذ کالمریض القادر علی الخروج بنفسه بل ربما تلحقه مشقة اکثر من هذا تامل [2]ھ ثم رأیت الامام النووی نقل فی شرح مسلم ماذکر المحققان من معنی الرخصة عن الجمهور فقال اجاب الجمهور عنه بانه سأل	ابن حبان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی الفاظ ابن حبان کے ہیں کیا تم اذان سنتے ہو؟ عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: اس کی طرف آؤ خواہ گھٹنوں کے بل آنا پڑے،اس سلسلہ میں ہماری رائے یہی ہے، حقیقت حال سے اللہ ہی آگاہ ہے کہ حضرت ابن ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر چلنا دشوار نہ تھااور وہ بغیر کسی حرج کے راستہ پالیتے تھے جیسا کہ اب بھی بہت سے نابینا لوگوں میں یہ مشاہدہ کیاجاتاہے پھر میں نے زرقانی علی المؤطا کا مطالعہ کیا تواس میں بعینہٖ یہی بات منقول تھی کہ تمام اہل علم کی یہی رائے ہے کہ ان پر تنہا چلنے میں دشواری نہ تھی جیسا کہ اب بھی بہت نابینا افراد پر تنہا چلنا دشوار نہیں ہےاھ اوراب علامہ شامی کی وہ بحث بھی ترجیح پائے گی جو انہوں نے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب قرار دیتے ہوئے کی ہے توکہا بلکہ مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ ایسے نابینا لوگوں پر جمعہ واجب ہوگا جوبغیر کسی قائد اور بلامشقت تنہاراستہ جان کر چل سکتے ہوں اور اس مسجد تک بغیر پوچھے پہنچ سکتے ہوں جہاں انہوں نے نماز ادا کرنی ہو کیونکہ یہ اس وقت اس مریض کی طرح ہوں گے جو خود بخود نکلنے پر قادر ہو بلکہ بعض اوقات مریض کو اس سے کہیں زیادہ مشقت اٹھانا ہوتی ہے تامل اھ پھر میں نے امام نووی کی شرح مسلم دیکھی اس میں انہوں نے دونوں محققین کا جمہور سے معنی رخصت ذکر کیاہوا نقل کرکے فرمایا جمہور اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا فصل صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۲

هل له رخصة ان يصلی فی بيته و تحصل له فضيلة الجماعة بسبب عذره فقيل لا قال ويؤيد هذا ان حضور الجماعة يسقط بالعذر باجماع المسلمين ودليله من السنة حديث عتبان بن مالک[1] الخ۔

اقول: وقد علمت مافی هذا التائيد فان الشان فی ثبوت الحرج له رضی الله تعالٰی عنه و لعل عتبان کان ممن يتحرج بالمشی وحده دون ابن ام مکتوم رضی الله تعالٰی عنهما، ثم ان الامام النووی استشعر ورود قوله صلی الله عليه وسلم فاجب فاجاب باحتمام انه بوحی نزل فی الحال وباحتمال تغير اجتهاده صلی الله تعالٰی عليه وسلم وبان الترخيص کان بمعنی عدم الوجوب وقوله فاجب ندب الی الافضل۔

ابن مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ مجھے گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت دی جائے اور عذر کی بنا پر حاضر نہ ہونے کی وجہ سے جماعت کا ثواب بھی حاصل ہو، تو اس کا جواب نفی میں آیا امام نووی نے فرمایا اس گفتگو سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ عذر کی بنا پر حاضری جماعت کے سقوط پر تمام اُمت مسلمہ کا اتفاق ہے اور اس کی دلیل سنت سے وہ حدیث ہے جو حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس بارے میں مروی ہے، الخ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) اس تائید میں جو کچھ ہے وہ آپ جان چکے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ابن مکتوم کے لئے حرج ثابت ہو، شاید حضرت عتبان رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کو تنہا چلنا دشوار ہو بخلاف ابن ام مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ان کے لئے ایسا معاملہ نہ تھا، پھر امام نووی نے حضور علیہ السلام کے ارشاد "فاجب" کے ورود سے یہ بات سمجھی تو جواب احتمال سے دیا کہ ممکن ہے یہ حکم اسی حال میں وحی نازل ہونے کے ساتھ دیا اور بھی احتمال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اجتہاد میں تبدیلی ہوئی ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رخصت بمعنی عدم وجوب ہو اور آپ کا ارشاد فاجب افضل کی طرف متوجہ کر رہا ہو۔

[1] شرح مسلم للنووی مع مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

اقول: اماالاولان فتسلیم للقول واماحمل فاجب علی الندب فخلاف الظاھر لاسیما مع بنائه علی سماع الاذان فان الندب حاصل مطلقا فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) پہلے دونوں احتمال قول کی وجہ سے تسلیم مگر فاجب کو ندب پر محمول کرنا خلاف ظاہر خصوصًا جب اس کی بنااذان کے سماع پر ہو کیونکہ ندب توہر حال میں حاصل تھا، فافھم واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رابعا: سب سے قطع نظر کیجئے تو پاؤں کاعذر عذر فی الحضور ہے نہ عذر للحاضر کالمطر والطین وامثالہما بلکہ وجہ اوگاوہی اتیان جماعت بے اذان کہ درباب استنان موکداذان اگرچہ مواہب الرحمان ومراقی الفلاح ورد المحتار کے اطلاقات بہت وسیع ہیں

ویعارضھا کثیر من روایات المبسوط والمحیط والخانیة والخلاصة والبزازیة والھندیة وغیرھا من المعتبرات حتی نفس ردالمحتار ومشروحه الدرالمختار کمابیناه فیما علقناه علی ھامشه۔	مبسوط، محیط، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، ہندیہ اور دیگر معتبر کتب کی اکثر روایات اس کے معارض ہیں حتی کہ خود ردالمحتار اور اس کا متن درمختار میں بھی معارض ہیں جیساکہ ہم نے اس کے حاشیہ میں بیان کیاہے۔(ت)

مگر اس قدر بلاشبہہ ثابت کہ نماز پنجگانہ [عہ۱] سے جو نماز وقتی رجال احرار غیر عُراۃ مسجد میں باجماعت اداکریں اس کے لئے سوا بعض صور مستثناۃ [عہ۲] کے وقت میں اذان کاپہلے ہولینا سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے اور بے اس کے

عــہ۱ دخلت الجمعة وخرجت صلٰوة العیدین والکسوف والجنازة والاستسقاء وغیرھا والفوائت وجماعة النساء والصبیان و العبید والعراة وجماعة البیوت والصحراء ومستندکل ذلك مذکور فیما علقناه علی ردالمحتار ۱۲منه غفرله (م)	اس میں جمعہ داخل اور عیدین، کسوف، جنازہ اور استسقاء وغیرہ اور قضااور جماعت خواتین، بچوں، غلاموں، ننگوں اور گھریلو جماعت اور جنگل کی جماعت اس سے خارج ہے اور ہرایک پر دلیل ہم نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں تحریر کی ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

عــہ۲ مثلاً جمعہ کے دن شہر یا قصبہ میں جو معذور ظہر پڑھیں انہیں اذان کی اجازت نہیں اگرچہ جماعت کریں کہ انہیں جماعت کرنا بھی جائز نہیں، موسم حج میں عصر، عرفہ وعشائے مزدلفہ کے لئے تکبیر ہوتی ہے نہ اذان (باقی برصفحہ آئندہ)

جماعت کرلینا مکروہ وگناہ یہاں تک کہ یہ جماعت شرعًا اصلاً معتبر نہیں اس کے بعد جو جماعت باذان واقامت ہوگی وہی پہلی جماعت ہوگی، بلکہ علماء فرماتے ہیں اگر کچھ لوگوں نے آہستہ اذان دے کر جماعت کرلی کہ آوازِ اذان اوروں کو نہ پہنچی تو ایسی جماعت بھی داخل شمار واعتبار نہیں نہ کہ جب سرے سے اذان دی ہی نہ جائے، وجیز امام کروری میں ہے:

ویکرہ للرجال اداء الصلٰوۃ بجماعۃ فی مسجد بلااعلامین لا فی المفازۃ والکروم والبیوت[1] الخ **اقول:** قولہ بلااعلامین ای بدون الجمع بینھما فنافی الکراھۃ ھوالایتان بھما لاباحدھما بدلیل قولہ لا فی المفازۃ الخ فان ترک اعلام الشروع مکروہ مطلقا ولو فی المفازۃ وقد نص علی الاساءۃ فی ترکھما۔	مردوں کے لئے مسجد میں فرائض کی جماعت اذان واقامت کے بغیر مکروہ ہے، جنگل، گھنے باغوں اور گھروں میں مکروہ نہیں الخ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا قول "بلااعلامین" یعنی اذان واقامت کو جمع کئے بغیر لہٰذا منافی کراہت دونوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنا ہے نہ صرف ایک کے ساتھ اس کا قول لا فی المفازۃ الخ اس پر دلیل ہے کیونکہ جماعت کے ساتھ اذان کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ جنگل میں ہو اور ان دونوں کے ترک پر اساءت کی تصریح ہے (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کما فی الھندیۃ عن الخانیۃ ولاحاجۃ ھھنا الی استثناء فوائت تودی فی المسجد کما فعل الشامی ولاماوراء اول فوائت ولوادیت فی غیرالمسجد کمازدناہ علیہ لان الکلام ھھنا فی الاداء ۱۲منہ غفرلہ (م)	ہندیہ میں خانیہ کے حوالے سے یوں ہی ہے اور ان فوت شدہ نمازوں کے استثناء کی ضرورت نہیں جو مسجد میں ادا کی جائیں جیسا کہ شامی نے کیا ہے اور نہ ہی ماورائے اول کے فوت شدہ کا استثناء ضروری ہے اگرچہ وہ غیر مسجد میں ادا کی جائیں جیسا کہ ہم نے اس پر اضافہ کیا ہے کیونکہ یہاں گفتگو ادا میں ہورہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلوٰۃ فصل الاول فی الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۴

درر وغرر علامہ مولی خسرو میں ہے:

(یأتی بهما) ای الاذان والاقامة (المسافر والمصلی فی المسجد جماعة و فی بیته بمصر وکره للاول) ای المسافر (ترکها) ای الاقامة (وللثانی) ای للمصلی فی المسجد (ترکه) ای الاذان (ایضا) ای کالاقامه[1]۔	(ان دونوں کو بجالائے) یعنی اذان واقامت کے ساتھ (مسافر اور نمازی مسجد میں جماعت کے لئے اور شہر میں گھر پر نماز ادا کرنے والا،اور پہلے کے لئے مکروہ ہے) یعنی مسافر کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی تکبیر کا (اور دوسرے کے لئے) یعنی مسجد میں نماز ادا کرنے والے کے لئے (اس کا چھوڑنا) یعنی اذان کا (بھی) یعنی اقامت کی طرح مکروہ ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوصلی بعض اهل المسجد باقامة وجماعة ثم دخل المؤذن والامام وبقیة الجماعة فالجماعة المستحبة لهم والکراهة للاولی کذا فی المضمرات[2]۔	اگر کچھ اہل مسجد نے اقامت اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرلی پھر مؤذن، امام اور باقی لوگ آئے تو ان کی جماعت مستحب ہے، پہلی جماعت مکروہ ہوگی، مضمرات میں اسی طرح ہے۔(ت)

یہ خاص جزئیہ مسئلہ مسئولہ ہے خلاصہ وخانیہ وہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للامام البخاری جماعة من اهل المسجد اذنوا فی المسجد علی وجه المخافة بحیث لم یسمع غیرهم ثم حضر من اهل المسجد قوم وعلموا فلهم ان یصلوا بالجماعة علی وجهها ولاعبرة للجماعة الاولی[3] اھ	الفاظ امام بخاری کے ہیں کہ جماعت کے لئے اہل مسجد میں سے ایک گروہ نے مسجد میں اتنی آہستہ اذان دی کہ ان کے غیر نے نہ سنی پھر دیگر لوگ آئے اور ان کو علم ہوا تو ان لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ سنت طریقہ پر جماعت کروائیں پہلی جماعت کا کوئی اعتبار نہیں اھ (ت)

پس اس معذور اور اس کے شریک اور ان ضرورت والوں کا یہ فعل جماعت مسنونہ معتبرۂ شرعیہ نہیں بلکہ

---

[1] الدر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الاذان مطبوعہ مطبع احمد کامل لاکائنہ فی دار السعادت مصر ۱/۵۶

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الاول من باب الاذان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی، الفصل فی الاول فی الاذان، مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ، ۱/۴۸

مکروہ ممنوعہ ہے اور جو جماعت باذان واقامت اس کے بعد ہوگی اس میں کچھ کراہت نہ ہوگی بلکہ وہی جماعت مسنونہ وجماعت اولیٰ ہے۔

ثانیاً جب یہ جماعت جماعت نہیں تو دقیق نظر حاکم کہ ان کا یہ فعل بعد دخول وقت مسجد سے بے نیت شہود جماعت باہر جانا ہوا یہ بھی مکروہ اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد:

ابن ماجة^{عـہ} عن امیر المؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ	ابن ماجہ نے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ

عـہ سندہ ضعیف واقتصرنا علیہ تبعا للبحر وغیرہ وقد ثبت بسند صحیح من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لکن فیہ تخصیص مسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایسمع النداء فی مسجدی ھذا ثم یخرج منہ الا لحاجۃ ثم لایرجع الیہ الامنافق [1] رواہ الطبرانی فی الاوسط ولابی داؤد فی مراسیلہ عن سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایخرج من المسجد احد بعد النداء الامنافق الا احد اخرجتہ حاجۃ وھو یرید الرجوع [2] ۱۲منہ غفرلہ (م)

اس کی سند ضعیف ہے ہم نے بحر وغیرہ کی اتباع میں اسی پر اقتصار کیا ہے حالانکہ سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ثابت ہے لیکن اس میں مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تخصیص ہے، کہا، رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری اس مسجد میں کوئی شخص اذان نہیں سنتا، پھر کسی ضرورت کے بغیر مسجد سے نکل جاتا ہے اور واپس مسجد کی طرف نہیں آتا مگر یہ کہ وہ منافق ہے اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں ذکر کیا اور امام ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذان کے بعد مسجد سے منافق کے علاوہ کوئی نہیں نکلتا مگر عذر کی وجہ سے، جب کوئی حاجت وضرورت اس شخص کو نکالے اور وہ شخص واپسی کا ارادہ رکھتا ہو تو منافق نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن خرج من المسجد بعد الاذان مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۵

[2] کتاب المراسیل باب ماجاء فی الاذان مطبوعہ مطبعۃ علمیہ لاہور ص ۳۴

علیه وسلم من ادرکه الاذان فی المسجد ثم خرج، لم یخرج لحاجة وهو لایرید الرجعة فهو منافق[1]۔	تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اذان کو مسجد میں پایا پھر وہاں سے نکل گیا حالانکہ اسے نکلنے کی کوئی حاجت بھی نہ تھی اور واپسی کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کرہ تحریما للنهی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن فیه اولا[2]۔	مکروہ تحریمی ہے سبب ممانعت کے نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہو گئی ہو، شارح نے کہا ماتن اکثر پر چلا ہے (یعنی اکثر یہی ہوتا ہے کہ اذان کا وقت ہونے پر اذان ہو جاتی ہے) اور مراد اذان ہونے سے وقت نماز کا آجانا ہے خواہ مسجد میں اذان ہوئی ہو یا نہ۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

الظاهر من الخروج من غیر صلاة عدم الصلٰوة مع الجماعة[3] الخ **اقول:** وظاهر ان المراد بالجماعة هی الجماعة المسنونة المشروعة دون المکروهة الممنوعة فان النهی عن الخروج انما هو لطلب الجماعة فلایتناول الا الجماعة المطلوبة شرعا کیف وقد تقدم ان الجماعة بلا اذان کلا جماعة فلا یعتدبها اصلا واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم	نماز کے بغیر نکلنے سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادانہ کی ہو الخ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سے ظاہراً مراد وہ جماعت ہے جو مسنونہ مشروعہ ہو نہ کہ وہ جو مکروہ وممنوع ہو کیونکہ نکلنے پر ممانعت وہ طلب جماعت کے واسطے ہے اور یہ حکم اسی جماعت کے لئے ہوگا جو شرعًا مطلوب ہے، یہ کیسے نہ ہو حالانکہ پہلے گزر چکا ہے، کہ بغیر اذان کے جماعت ایسے ہے جیسے جماعت ہوئی ہی نہیں، پس اس کا ہرگز اعتبار نہ کیا جائے گا، اللہ تعالٰی تمام نقائص وعیوب اور کمزوریوں سے پاک ہے، وہ سب سے بہتر جانتا ہے۔ اس جل مجدہ،

[1] سنن ابن ماجہ باب الاذان وَاَنْتَ فِی الْمَسْجِدِ فَلَا تَخْرُج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴
[2] درمختار، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۹۹/۱
[3] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۷۲/۲

واحکم۔	کا علم کامل اور اکمل ہے(ت)

جواب سوال دوم: خوف فوت تہجد نہ ترک جماعت مامور بہا کا مجوز ہوسکتا ہے نہ بعد دخول وقت بے شرکت جماعت شرعیہ مسجد سے نکل جانے کا مبیح نہ جماعت مکروہہ ممنوعہ کا داعی نہ خود اس عذر کا غالبًا کوئی محصل صحیح کیا اذان موجب فوت تہجد ہے غرض یہ بہانہ مسموع نہیں اگرچہ تہجد سنت ہی سہی **کما اٰل الیہ کلام المحقق فی الفتح ومَالَ الیہ تلمیذہ المحقق محمد الحلبی فی الحلیۃ قائلا انہ الاشبہ** (جیسا کہ اس کی طرف فتح القدیر میں کلام محقق لوٹتا ہے اوان کے شاگرد محمد حلبی نے حلیہ میں یہ کہتے ہوئے اسی طرف رجوع کیا کہ یہی اشبہ ہے۔ت) کہ **اولًا** وہ بر تقدیر سنیت بھی معارضہ جماعت کا صالح نہیں در بارہ تہجد صرف ترغیبات ہیں اور ترک جماعت پر سخت ہولناک وعیدیں کہ حکم کفر تک وارد،

علی تاویلاتہ المعروفۃ فی امثال المقام وحدیثہ عہ۱ عند احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ ابن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بسند حسن وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فی المختلفین عن الجماعات لوترکتم عہ۲ سنۃ نبیکم لکفرتم[1]۔	اس طرح کے مقامات پر تاویلات معروفہ کے ساتھ، اور اس پر مسند احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سند کے ساتھ ذکر کی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جماعت سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں فرمایا اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کردی تو تم نے کفر کیا۔(ت)

اور جماعت عہ۳ عشا کے نہ حاضر ہونے پر گھر جلادینے کا قصد فرمانا ثابت **کما[2] فی الصحیحین من**

(عہ۱) سیأتی نصہ فی جواب السؤال الثالث ۱۲منہ(م) (عہ۲) ھذہ روایۃ ابی داؤد والحدیث بلفظ لضللتم عند مسلم وغیرہ ۱۲منہ (م)	اس حدیث کے الفاظ عنقریب تیسرے سوال کے جواب میں آرہے ہیں ۱۲منہ۔(ت) یہ ابوداؤد کی روایت ہے اور مسلم وغیرہ میں اس کے الفاظ "تم گمراہ ہوجاؤ گے" ہیں ۱۲منہ (ت) عہ۳ بعض احادیث میں عشاء بعض میں فجر، بعض میں جمعہ، بعض میں مطلق جماعت وارد ہے اور سب صحیح ہیں **کما فی عمدۃ القاری للامام العینی** (جیسا کہ امام بدرالدین عینی کی عمدۃ القاری میں ہے۔ت) یہاں ذکر عشا ہی تھا لہٰذا اس کی تخصیص کی ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] سنن ابی داؤد باب التشدید فی ترک الجماعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۱

[2] صحیح البخاری باب فضل صلوٰۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰

حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الباب غیر عـــہ۱ (جیسا کہ بخاری و مسلم میں اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی احادیث موجود ہیں۔ت)

ثانیاً فوت سنت آئندہ کے خوف متیقن سے فی الحال اپنے ہاتھوں سنت جلیلہ چھوڑ دینے کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص مرگ فردا کے اندیشہ سے آج خودکشی کرلے۔

ثالثاً یہ کہ جاگنے میں قصداً مکروہات ومنہیاتِ شرعیہ کا ارتکاب ہوگا اور تہجد نہ بھی ملا تو حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوم میں تفریط نہ رکھی۔

احمد عـــہ۲ ومسلم وابوداؤد وابن حبان	احمد، مسلم، ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت

عـــہ۱ فانہ حدیث مشہور ورد من حدیث عمرو بن ام مکتوم عند احمد وعن اسامۃ بن زید عند ابن ماجۃ وعن انس بسند جید وعن ابن مسعود کلیھما عند الطبرانی فی الاوسط وعن جابر بن عبداللہ عند الطحاوی فی مشکل الأثار وقد ذکرنا احادیثھم فی رسالتنا حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ اماحدیث ابی ھریرۃ فرواہ من لایحصی من اصحاب الصحاح والسنن والمسانید والمعاجیم واللہ تعالٰی اعلم منہ (م)

کیونکہ مشہور حدیث ہے امام احمد نے حضرت عمرو ابن ام مکتوم سے، ابن ماجہ نے حضرت اسامہ بن زید سے، طبرانی نے اوسط میں حضرت انس سے سند جید کے ساتھ اور حضرت ابن مسعود سے روایت کیا ہے، طحاوی نے مشکل الآثار میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے، ہم نے ان تمام احادیث کو اپنے رسالے "حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ" میں ذکر کیا ہے، رہی حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، تو اسے لاتعداد اصحاب صحاح وسنن اور اصحاب مسانید ومعاجیم نے روایت کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲ عزاہ فی الجامع الصغیر لاحمد وابن حبان قال شارحہ المناوی ورواہ ابو داؤد وغیرہ [1] اھ ولا شك انہ موجود فی صحیح مسلم منہ (م)

جامع صغیر میں اس کی نسبت امام احمد اور ابن حبان کی طرف کی ہے اس کے شارح امام مناوی نے فرمایا اس کو ان سے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے اھ اور بلاشک یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی موجود ہے ۱۲منہ (ت)

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/۳۲۶

عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ[1]۔ مالك فی المؤطا وابوداؤد والنسائی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال مامن امریئ تکون لہ صلاۃ بلیل یغلبہ علیہا نوم الا کتب اللہ لہ اجر صلاتہ وکان نومہ علیہ صدقۃ[2] وھو عند ابن ابی الدنیا فی کتاب التہجد بسند جید، النسائی وابن ماجۃ وخزیمۃ والبزار بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اتی فراشہ وھو ینوی ان یقوم فیصلی من اللیل فغلبتہ عیناہ حتی یصبح کتب لہ ما نوی وکان نومہ صدقۃ علیہ من ربہ عزوجل[3] وھو بمعناہ عند ابن حبان فی صحیحہ عن ابی زر او	ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تفریط نیند میں نہیں بلکہ بیداری میں ہے۔(ت) بلکہ بہ نیت تہجد سونے والے کو اگرچہ تہجد نہ پائے ثواب تہجد کا وعدہ فرمایا اور اس کی نیند کو رب العزت جل جلالہ، کی طرف سے صدقہ بتایا۔امام مالک نے مؤطا میں، ابوداؤد اور نسائی نے ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہر وہ شخص جو رات کی نماز (تہجد) کی نیت رکھتا ہو اس پر نیند غالب آجائے تو اللہ تعالٰی اسے نماز کا اجر وثواب عطا فرمائے گا اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہوگی، یہ حدیث ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد میں سند جیّد کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی۔نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بزار نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بستر پر اس نیت سے لیٹا کہ رات کو اٹھ کر نماز (تہجد) پڑھے گا مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح تک اس کی آنکھ نہ کھلی تو اسے اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا اور اس کی نیند اللہ عزوجل کی طرف سے اس پر صدقہ ہوگی اور یہ حدیث معناً ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوذر یا حضرت

[1] سنن ابوداؤد باب فی من نام عن صلوٰۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۴

[2] مؤطا امام مالک ماجاء فی صلوٰۃ اللیل مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۹۹

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فیمن نام عن حزبہ من اللیل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہما ھکذا بالشک۔	ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح شک کے ساتھ روایت کی ہے۔(ت)

امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابوحثمہ اور ان کے صاحبزادہ سلیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کو جماعت صبح میں نہ دیکھا ان کی زوجہ اور ان کی والدہ شفار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبب پوچھا، کہا نماز شب کے سبب نیند نے غلبہ کیا نماز صبح پڑھ کر سورہے، فرمایا: مجھے جماعت صبح میں حاضر ہونا نماز تمام شب سے محبوب تر ہے۔

مالك عن ابن شهاب عن ابی بکر بن سلیمٰن بن ابی حثمة ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه فقد سلیمن ابن ابی حثمة فی صلاۃ الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الی السوق ومسکن سلیمن بین السوق والمسجد (النبوی) فمر علی الشفاء ام سلیمٰن فقال لها لم ار سلیمٰن فی صلٰوۃ الصبح فقالت انه بات یصلی فغلبته عیناه فقال عمر لان اشهد صلاۃ الصبح فی الجماعة احب اِلَیَّ من ان اقوم لیلة [1]۔ عبدالرزاق فی مصنفه عن معمر عن الزهری عن سلیمٰن ابن ابی حثمة عن امه الشفاء بنت عبداللہ قالت دخل علی عمر وعندی رجلان نائمان تعنی زوجها اباحثمة و ابنها سلیمٰن فقال اما صلیا الصبح قلت لم یزالا	مالک، ابن شہاب سے وہ ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہین کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سلیمان ابن ابی حثمہ کو نماز صبح میں نہ پایا آپ صبح کو جب بازار کی طرف گئے اور سلیمان کا گھر بازار اور مسجد نبوی کے درمیان تھا تو آپ سلیمان کی والدہ شفاء کے پاس سے گزرے اور پوچھا میں نے سلیمان کو آج نماز صبح میں نہیں پایا تو انہوں نے عرض کیا وہ رات بیدار رہے نماز پڑھتے رہے صبح کو نیند غالب آگئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مجھے نماز فجر میں حاضر ہونا اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ میں ساری رات قیام کروں۔ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں معمر سے انہوں نے اپنی والدہ شفاء بنت عبداللہ سے بیان کیا کہ ان کی والدہ فرماتی ہیں حضرت عمر میرے پاس آئے تو میرے پاس دو آدمی سوئے ہوئے تھے اس سے وہ اپنا خاوند ابوحثمہ اور اپنا بیٹا سلیمان مراد لیتی ہیں۔ آپ نے

[1] مؤطا امام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

یصلیان حتی اصبحا فصلیا الصبح وناما فقال لان اشهد الصبح فی جماعة احب الی من قیام لیلة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فرمایا: انہوں نے نماز صبح کیوں نہ پڑھی؟ میں نے عرض کیا یہ ساری رات نماز میں مشغول رہے حتی کہ صبح ہوگئی پھر انہوں نے نماز صبح ادا کی اور سوگئے۔ تو آپ نے فرمایا: جماعت کے ساتھ نماز فجر کی میری حاضری ساری رات قیام سے مجھے زیادہ محبوب ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

جواب سوال سوم: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔(ت) اس مسئلہ میں جواب حق کو حق جواب یہ ہے کہ عذر مذکور فی السؤال سرے سے بیہودہ سراپا اہمال ہے وہ زعم کرتا ہے کہ سنت تہجد کا حفظ و پاس اسے تفویت جماعت پر باعث ہوتا ہے اگر تہجد بروجہ سنت ادا کرتا تو وہ خود فوت واجب سے اس کی محافظت کرتا نہ کہ الٹا فوت کا سبب ہوتا،

قال عزوجل اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روکتی ہے۔

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بقیام اللیل فانه داب الصلحین قبلکم وقربة الی اللہ تعالٰی ومنهاة عن الاثم وتکفیر للسیأت ومطردة للداء عن الجسد[3]۔ رواہ الترمذی فی	تہجد کی ملازمت کرو کہ وہ (رات کا قیام) اگلے نیکوں کی عادت ہے اور اللہ عزوجل سے نزدیک کرنے والا اور گناہ سے روکنے والا اور برائیوں کا کفارہ اور بدن سے بیماری دور کرنے والا۔ اسے ترمذی نے اپنی جامع،

---

[1] المصنف ف لعبدالرزاق باب فضل الصلٰوۃ فی جماعۃ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱/۵۲۶

[2] القرآن ۲۹/۴۵

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۴، صحیح ابن خزیمہ باب التحریض علی قیام اللیل الخ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۲/۱۷۷

ف: حدیث مذکور کے الفاظ صفحہ مذکور پر مصنّف میں یوں ہیں: عن معمر عن الزهری عن سلیمٰن بن ابی حثمة عن الشفاء بنت عبداللہ قالت دخل علیّ بیتی عمر بن الخطاب فوجد عندی رجلین نائمین فقال وماشان هذین ماشهدا معی الصلٰوة؟ قلت یاامیر المؤمنین صلیا مع الناس و کان ذلك فی رمضان فلم یزالا یصلیان حتی اصبحا الصبح وناما. فقال عمر لان اصلی الصبح فی جماعة احب الی من ان اصلی لیلة حتی اصبح۔

نذیر احمد

جامعہ وابن ابی الدنیا فی التھجد و ابن خزیمۃ فی صحیحہ والحاکم فی المستدرك وصححہ والبیھقی فی سننہ عن ابی امامۃ الباھلی واحمد والترمذی وحسنہ والحاکم والبیھقی عن بلال والطبرانی فی الکبیر عن سلمان الفارسی وابن السنی عن جابر بن عبداللہ وابن عساکر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	ابن ابی الدنیا نے کتاب التہجد، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح اور حاکم نے مستدرک میں روایت کرکے صحیح کہا، اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوامامہ باہلی سے، اور احمد اور ترمذی نے صحیح قرار دیتے ہوئے روایت کیا، حاکم اور بیہقی نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت سلمان فارسی سے، اور ابن سنی نے حضرت جابر بن عبداللہ سے اور ابن عساکر نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔

توفوت جماعت کا الزام تہجد کے سر رکھنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے اگر میزان شرع مطہر لے کر اپنے احوال وافعال تولے تو کھل جائے کہ یہ الزام خود اسی کے سر تھا بھلا یہ تہجد وقیلولہ وہ ہیں جو اس نے خود ایجاد کئے جب تو انہیں تفویت شعار عظیم اسلام کے لئے کیوں عذر بناتا ہے اور اگر وہ ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قولاً وفعلاً منقول ہوئے تو بتایئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد وقیلولہ کی طرف بلایا جن سے جماعت فریضہ فوت ہو، کیا قرآن وحدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ کیا سلف صالح نے ایسے ہی قیام لیل کئے ہیں؟ حاشا وکلّا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تومیروی بترکستان است

(اے اعرابی! مجھے ڈر ہے کہ تو کعبہ کو نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ ترکستان کو جاتا ہے)

یاہذا سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہ سنت ادا کر، یہ کیا کہ سنت لیجئے اور واجب فوت کیجئے، ذرا بگوش ہوش سن اگرچہ حق تلخ گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانہ سکھایا کہ اسے مفتیان زمانہ پر پیش کرے جس کا خیال ترغیبات تہجد کی طرف جائے تجھے تفویت جماعت کی اجازت دے جس کی نظر تاکیدات جماعت پر جائے تجھے ترک تہجد کی مشورت دے کہ من ابتلی بلیتین اختار اھونھما (دو بلاؤں میں مبتلا شخص ان دو میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) بہرحال مفتیوں سے ایک نہ ایک کے ترک کی دستاویز نقد ہے مگر حاشا خدام فقہ وحدیث نہ تجھے تفویت واجب کا فتوٰی دیں گے نہ عادی تہجد کو ترک تہجد کی ہدایت

کرکے ارشاد حضور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یاعبداللہ لاتکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك قیام اللیل[1] رواہ الشیخان عن عبداللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہو جو رات کا قیام کرتا تھا مگر اب اس نے ترک کردیا۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) کاخلاف کریں گے۔

یہ اس لئے کہ وہ بتوفیقہ عزوجل حقیقت امر سے آگاہ ہیں ان کے یہاں عقل سلیم ونظر قدیم دوعادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد وجماعت میں تعارض نہیں ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کاداعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفس شریر وسوئے طرز تدبیر سے ناشی ہوا یاھذا اگر تو وقت جماعت جاگتا ہوتا اور بطلب آرام پڑا رہتا ہے جب توصراحۃً آثم وتارک واجب، اور اس عذر باطل میں مبطل وکاذب ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی الی الصلوٰت فلایجیبہ[2]۔ حدیث حسن قدذکرنا تخریجہ ولفظ الطبرانی ینادی بالصلاۃ ویدعو الی الفلاح[3]۔	ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی اللہ کے منادی کو نماز کی طرف بلاتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ یہ حدیث حسن ہے اس کی تخریج کاذکر ہم نے پیچھے کردیا۔ طبرانی کے الفاظ یوں ہیں: "نماز کی طرف بلانے والے اور فلاح کی دعوت دینے والے کو سنے"۔

اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کہ یہ فتنہ خواب کیونکر جاگا اور یہ فساد عجاب کہاں سے پیدا ہوا اس کی تدبیر کر۔ کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقت جماعت نزدیک ہوتا ہے ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا، یوں ہے تو اول وقت خواب کر، اولیائے کرام قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم نے قیلولہ کے لئے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز وتلاوت نہیں یعنی ضحوہ کبرٰی سے نصف النہار تک، وہ فرماتے ہیں چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہئے کہ پیش از زوال

---

[1] صحیح البخاری باب مایکرہ من ترک قیام اللیل الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۵۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن انس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۴۳۹

[3] المعجم الکبیر از معاذ بن انس حدیث ۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۰/۱۸۳

وضو وغیرہ سے فارغ ہو کر وقت زوال کہ ابتدائے ظہر ہے ذکر وتلاوت میں مشغول ہو۔ امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ عوارف شریف میں فرماتے ہیں:

النوم بعد الفراغ من صلاۃ الضحٰی وبعد الفراغ من اعداد اخر من الرکعات حسن قال سفٰین کان یعجبھم اذا فرغوا ان ینامو اطلبا للسلامۃ وھذا النوم فیہ فوائد، منھا انہ یعین علٰی قیام اللیل (الی قولہ قدس سرہ) وینبغی ان یکون انتباھہ من نوم النھار قبل الزوال بساعۃ حتی یتمکن من الوضوء والطھارۃ قبل الاستواء بحیث یکون وقت الاستواء مستقبل قبلۃ ذاکرا اومسبحا اوتالیا[1] الخ	نماز چاشت سے فراغت کے بعد اور اس کے بعد کی مقررہ تعداد کی رکعتیں ادا کرکے سونا اچھا اور مناسب ہے۔ سفیان ثوری نے فرمایا کہ صوفیہ کرام جب نماز واوراد سے فارغ ہوجاتے تو سلامتی اور عافیت کے لئے سونے کو پسند کرتے تھے اور اس (دوپہر سے قبل) سونے میں متعدد فوائد ہیں ان میں سے ایک رات کے قیام (شب بیداری) میں مدد ملتی ہے۔(آگے چل کر شیخ قدس سرہ، نے) فرمایا: طالب حقیقت کو چاہئے کہ زوال سے کچھ وقت پہلے نیند سے بیدار ہوجائے تاکہ استواء سے پہلے وضو اور طہارت سے فارغ ہو کر استواء کے وقت (جو ابتدائے ظہر ہے) قبلہ رخ ہو کر ذکر یا تسبیح یا تلاوت میں مصروف ہوجائے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہولیا اس سے فوت جماعت کے کوئی معنی ہی نہیں۔ کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے، اچھا ٹھیک دوپہر کو سومگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے، ایک ساعت قلیلہ قیلولہ بس ہے، اگر طول خواب سے خوف کرتا ہے ۱تکیہ نہ رکھ بچھونا نہ بچھا کہ بے تکیہ وبے بستر سونا بھی مسنون ہے، ۲سوتے وقت دل کو خیال جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی، ۳کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقت نوم تک بخارات طعام فروہولیں اور طول منام کے باعث نہ ہوں، ۴سب سے بہتر علاج تقلیل غذا ہے، سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماملأ اٰدمیّ وعاء شرًّا من بطنہ بحسب ابن اٰدم اکلاتٌ یقمن صلبہ فان کان لامحالہ فثلث لطعامہ وثلث	آدمی نے کوئی برتن پیٹ سے بدتر نہ بھرا آدمی کو بہت ہیں چند لقمے جو اس کی پیٹھ سیدھی رکھیں اور اگر یوں نہ گزرے تو تہائی پیٹ کھانے کے لئے تہائی

[1] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب الخمسون فی ذکر العمل فی جمیع النہار مطبوعہ مطبع المشہد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۹۵

لشرابه وثلث لنفسه[1]۔ رواہ الترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان عن المقدام بن معد یکرب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	پانی تہائی سانس کو رکھے، اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

پیٹ بھر کر قیام لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے، جو بہت کھائے گا بہت پئے گا، جو بہت پئے گا بہت سوئے گا، جو بہت سوئے گا آپ ہی یہ خیرات وبرکات کھوئے گا۔

استغفر اللہ من قول بلا عمل

لقد نسبت به نسلا لذی عقم

(میں اللہ تعالٰی سے بلا عمل قول سے توبہ کرتا ہوں، تحقیق بانجھ عورت کو بچے کے ساتھ نسل کے اعتبار سے منسوب کیا گیا ہے)

ولہٰذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کثرة الاکل شؤم[2]۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	بیشک بہت کھانا منحوس ہے۔ اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

یوں بھی نہ گزرے[5] تو قیام لیل میں تخفیف کردو رکعتیں خفیف وتام بعد نماز عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں۔ مثلاً نو بجے عشا پڑھ کر سو رہا دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں تہجد ہوگیا، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحسب احدکم اذاقام من اللیل یصلی حتی یصبح انه قدتهجد انما التهجد المرء یصلی الصلٰوۃ بعد رقدۃ[3]۔ رواہ الطبرانی عن الحجاج بن عمر رضی اللہ تعالٰی	تم میں کسی کا یہ گمان ہے کہ رات کو اٹھ کر صبح تک نماز پڑھے جبھی تہجد ہو تہجد صرف اس کا نام ہے کہ آدمی ذرا سو کر نماز پڑھے۔ اس کو طبرانی نے حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن ان شاء اللہ

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیة کثرة الاکل مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۰

[2] شعب الایمان الفصل الثانی فی کثرة الاکل حدیث ۵۶۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۲

[3] المعجم الکبیر مروی از حجاج بن عمرو حدیث ۳۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۲۲۵

عنه بسند حسن عـــه ان شاء الله تعالٰی۔	تعالٰی سے روایت کیا ہے۔

سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیق جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل مولٰی تبارک وتعالٰی جب تیرا حسن نیت وصدق عزیمت دیکھے گا ضرور تیری مدد فرمائے گا۔ مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ [1] (جو اللہ تعالٰی پر توکل و بھروسہ کرتا ہے اس کے لئے اللہ کافی ہے۔ت) عوارف شریف میں ہے:

لتغيير العادة فی الوسادة والغطاء والوطاء تاثير فی ذلك ومن ترك شيأا من ذلك و الله عالم بنيته وعزيمته يثيبه علی ذلك بتيسير مارام [2]۔	کیونکہ تکیہ، بچھونے اور لحاف وغیرہ میں عادت کو بدل دینا یعنی ان کو ترک کردینا اس سلسلہ میں بہت مؤثر ہے اور جو ان اشیاء میں سے کسی کو ترک کردے تو اللہ تعالٰی اس کی نیت وارادہ کو دیکھتے ہوئے اس کے مقصد میں سہولت پیدا فرمادیتا ہے یعنی کم خوابی کے آداب اس کو میسر آجاتے ہیں (ت)

۷ اپنے اہل خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعین کرکہ وقت جماعت سے پہلے جگادے۔

کماوکل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلالا رضی الله تعالٰی عنه لیلة التعریس۔	جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپی تھی (ت)

ان ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے ان شاء اللہ تعالٰی فوت جماعت سے محفوظ ہوگا اور اگر شاید اتفاق سے کسی دن آنکھ نہ بھی کھلی اور جگانے والا بھی بھول گیا یا سورہا کماوقع لسیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی

عـــه علق بالمشية لان فيه ابن لهيعة والكلام فيه معروف والاصواب فيه عندی ان حديثه حسن ان شاء الله تعالٰی ۱۲ منه (م)	مشیت باری تعالٰی کے ساتھ معلق کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں ابن لہیعہ ہیں اور ان میں کلام معروف ہے اور اس کے بارے میں میری رائے میں یوں کہنا چاہئے اس کی حدیث ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] القرآن ۶۵/۳

[2] عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم الباب السادس والاربعون الخ مطبوعہ مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ مصر ص ۱۸۴

عنہ (جیسا کہ سید نا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ واقعہ ہوا۔ت) تو یہ اتفاقی عذر مسموع ہوگا اور امید ہے کہ صدق نیت وحسن تدبیر پر ثواب جماعت پائے گا **وباللہ التوفیق۔**

کیا تیری مسجد میں بہت اول وقت جماعت کرتے ہیں کہ دوپہر سے اس تک سونے کا وقفہ نہیں جب تو سب وقتوں سے چھوٹ گیا سو کر پڑھی یا پڑھ کر سوئے بات تو ایک ہی ہے جماعت پڑھ ہی کر سوئے کہ خوف فوت اصلًا نہ رہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم روز جمعہ کیا کرتے تھے۔

الشیخان عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ما کنا نقیل ولا نتغذی الا بعد الجمعۃ[1]، وفی لفظ للبخاری کنا نصلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ ثم تکون القائلۃ[2]، وعندہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کنا نبکر الی الجمعۃ ثم نقیل[3]۔	بخاری ومسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم جمعہ کے بعد قیلولہ کرتے اور کھانا کھاتے تھے، دوسری حدیث میں الفاظ بخاری یہ ہیں ہم نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے پھر قیلولہ ہوتا تھا، اور بخاری میں ہی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ہم نماز جمعہ کی طرف جلدی جاتے تھے پھر قیلولہ کرتے تھے (ت)

غرض یہ تین صورتیں ہیں پیش از زوال سو اٹھنا، بعد جماعت سونا ان میں کوئی خدشہ ہی نہیں، اور تیسری صورت میں وہ سات تدبیریں ہیں رب عزوجل سے ڈرے اور بصدق عزیمت ان پر عمل کرے پھر دیکھیں کیونکر تہجد تفویت جماعت کا موجب ہوتا ہے، بالجملہ نہ ماہ نیم ماہ کہ مہر نیمروز کی طرح روشن ہوا کہ عذر مذکور یکسر مدفوع ومحض نامسموع، جماعت وتہجد میں اصلًا تعارض نہیں کہ ایک کا حفظ دوسرے کے ترک کی دستاویز کیجئے اور بوجہ تعذر جمع راہ ترجیح لیجئے **ھذا ھو حق الجواب واللہ الھادی الی سبیل الصواب** (اور یہی حق جواب ہے اور اللہ تعالٰی ہی راہ صواب کی طرف ہادی ہے۔ت)

بااینہمہ اگر اس تقدیر ضائع وفرض خلاف واقع کا مان لینا ہی ضرور تو جماعت اولٰی پر تہجد کی ترجیح محض باطل ومہجور، اگر حسب تصریح عامہ کتب تہجد مستحب وحسب اختیار جمہور مشائخ جماعت واجب مانئے جب تو ظاہر کہ واجب ومستحب کی کیا برابری، نہ کہ اس کو اس پر تفضیل وبرتری، اور اگر تہجد میں اعلی الاقوال کی طرف ترقی

---

[1] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[2] صحیح البخاری باب القائلہ بعد الجمعہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[3] صحیح البخاری باب قول اللہ عزوجل فاذا قضیت الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

اور جماعت میں اونی الاحوال کی جانب تنزل کرکے دونوں کو سنت ہی مانئے تاہم تہجد کو جماعت سے کچھ نسبت نہیں جماعت برتقدیر سنیت بھی تمام سنن حتی کہ سنت فجر سے بھی اہم وآکد واعظم ہے ولہذا اگر امام کو نماز فجر میں پائے اور سمجھے کہ سنتیں پڑھے گا تو تشہد بھی نہ ملے گا تو بالاجماع سنتیں ترک کرکے جماعت میں مل جائے **والمسئلة منصوص علیھا فی کتب المذھب کافة** (اس مسئلہ پر تمام کتب مذہب میں نص موجود ہے۔ت) طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں زیر قول مصنف **الجماعة سنة فی الاصح** (اصح قول کے مطابق جماعت سنت ہے۔ت) فرمایا

وفی البدائع عامة المشائخ علی الوجوب و بہ جزم فی التحفة وغیرھا وفی جامع الفقہ اعدل الاقوال واقواھا الوجوب (الی ان قال) وعلی القول بانھا سنة ھی اکد من سنة الفجر [1]۔	بدائع میں ہے کہ عامہ مشائخ کے نزدیک جماعت واجب ہے۔ اسی پر تحفہ وغیرہا میں جزم ہے اور جامع الفقہ میں ہے سب سے معتدل اور مضبوط قول وجوب کا ہے (آگے چل کر کہا) جن کے قول پر جماعت سنت ہے ان کے نزدیک یہ سنت فجر سے زیادہ مؤکد ہے۔ (ت)

ردالمحتار باب النوافل میں ہے:

لیس لہ ترک صلاة الجماعة لانھا من الشعائر فھی اکد من سنة الفجر ولذا یترکھا لوخاف فوت الجماعة [2]۔	عالم دین کے لئے باجماعت نماز کا ترک جائز نہیں کیونکہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے اور اس میں فجر کی سنتوں سے زیادہ تاکید ہے یہی وجہ ہے کہ جماعت کے نہ ملنے کا خوف ہو تو سنن فجر کو ترک کیا جاسکتا ہے (ت)

اور سنت فجر بالاتفاق بقیہ تمام سنن سے افضل، ولہذا بصورت فوت مع الفریضہ بعد وقت قبل زوال ان کی قضا کا حکم ہے۔ بخلاف سائر سنن کہ وقت کے بعد کسی کی قضا نہیں، ولہذا بلاعذر صحیح سنت فجر کو بیٹھ کر پڑھنا ناجائز۔ بخلاف دیگر سنن کہ بے عذر بھی روا اگرچہ ثواب آدھا، ولہذا صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کہ قائل سنیت وتر ہوئے سنت فجر کو اس سے آکد ماننے کی طرف گئے، درمختار میں ہے:

السنن اٰکدھا سنة الفجر اتفاقا و قیل بوجوبھا فلاتجوزصلاتھا	وہ سنن جن پر سب سے زیادہ تاکید ہے وہ بالاتفاق فجر کی سنتیں ہیں، بعض نے انہیں واجب

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۵۶

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۹

قاعدا بلاعذر علی الاصح ولایجوزترکھا لعالم صارمرجعا فی الفتاوی بخلاف باقی السنن وتقضی اذا فاتت معہ بخلاف الباقی[1] ھ ملخصا	قرار دیا ہے لہٰذا اصح قول کے مطابق بغیر عذر کے ان کو بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہ ہوگا اور اس عالم کے لئے بھی ان کا ترک جائز نہیں جو فتوی جات کے لئے مرجع بن چکا ہو، یعنی فتوی نویسی سے فراغت نہ ملتی ہو بخلاف باقی سنن کے، یعنی باقی سنن کو لوگوں کی حاجت فتوی کے پیش نظر چھوڑ سکتا ہے اور یہ سنن فرائض کے ساتھ اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا ہے جبکہ باقی سنن کی قضا نہیں اھ تلخیصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

سنۃ الفجر اقوی السنن باتفاق الروایات لما فی الصحیحین عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت لم یکن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی شیئ من النوافل اشد تعاھدا منہ علی رکعتی الفجر[2]۔	فجر کی سنتیں بالاتفاق باقی تمام سنن سے اقوی ہیں جیسا کہ بخاری ومسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نوافل میں سب سے زیادہ حفاظت فجر کی سنتوں کی فرماتے تھے (ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

اجمعوا علی ان رکعتی الفجر قاعدًا من غیر عذر لا تجوز کذا روی الحسن عن ابی حنیفۃ[3]	تمام فقہا کا اتفاق ہے کہ بغیر عذر کے فجر کی سنتیں بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ حسن نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے (ت)

اسی میں قنیہ سے ہے:

اذا لم یسع وقت الفجر الا الوتر والفجر، اوالسنۃ والفجر فانہ یوتر ویترك السنۃ عند ابی حنیفۃ وعندھما السنۃ اولی من الوتر[4]۔	جب وقت فجر میں، وتر وفجر یا سنن وفجر کی ادائیگی کے سوا گنجائش نہ رہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر ادا کرلئے جائیں اور سنتیں ترک کردی جائیں اور صاحبین کے ہاں سنتوں کی ادائیگی وتر کی ادائیگی سے افضل ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۵/۱
[2] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲
[3] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲
[4] بحرالرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۸/۲

پھر مذہب اصح پر سنت قبلیہ ظہر بقیہ سنن سے آکد ہیں

صححه المحسن واستحسنه المحقق فی الفتح فقال وقد احسن لان نقل المواظبة الصریحة علیها اقوی من نقل المواظبة الصریحة علیها اقوی من نقل مواظبته صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی غیرها من غیر رکعتی الفجر[1]ھ وکذا صححه فی الدرایة والعنایة والنهایة وکذا ذکر تصحیحه العلامة نوح کما فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح وکذا صححه فی البحر عن القنیة وعلله بورود الوعید وتبعه فی الدر۔	محسن نے اس کو صحیح اور محقق نے فتح میں اس کو مستحسن قرار دیا اور کہا انہوں نے اچھا کیا کیونکہ فجر کی سنتوں کے علاوہ سنن ظہر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جو مواظبت منقولہ سے زیادہ اقوی ہے اھ اور اسی طرح اسے درایہ، عنایہ اور نہایہ میں صحیح کہا اور اسی طرح علامہ نوح نے اس کی تصحیح ذکر کی جیسا کہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں مذکور ہے۔ بحر میں قنیہ کے حوالے سے صحیح کہا اور اس کی علت یہ بیان کی کہ ان کے ترک پر وعید وارد ہے اور اس کی اتباع درمختار نے کی ہے۔(ت)

اور امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک سنت فجر کے بعد افضل وآکد رکعتیں مغرب ہیں پھر رکعتیں ظہر پھر رکعتیں عشا پھر قبلیہ ظہر کمافی الفتح وغیرہ۔

قلت وعلیه مشی فی الهندیة عن تبیین الحقائق الامام الزیلعی فقال اقوی السنن رکعتا الفجر ثم سنة المغرب ثم التی بعد الظهر ثم التی بعد العشاء ثم التی قبل الظهر[2] (ملخصا)۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین الحقائق کے حوالے سے یہی بات بیان کرتے ہوئے کہا سب سے قوی اور مؤکد فجر کی سنتیں پھر سنت مغرب پھر بعدیہ ظہر پھر بعدیہ عشاء پھر قبلیہ ظہر (ملخصًا) (ت)

پھر شک نہیں کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک سب سنن رواتب تہجد سے اہم وآکد ہیں۔

اقول: وکیف لاوقدثبت استنانها موکدا من دون تردد بخلاف التهجد فان	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ کیسے نہ ہو حالانکہ ان سنن ورواتب کا مؤکد ہونا بغیر کسی تردّد کے ثابت ہے

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۸۳/۱

[2] تبیین الحقائق شرح کنزالد قائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱۷۲/۱

جمهور العلماء يعدونه من المندوبات حتى جاء المحقق ابن الهمام فبحث بحثا ولم يقطع قولا فتردد فی ندبه واستنانه مع التنصيص بان الادلة القولية انما تفيد الندب، ثم بحث تلميذه المحقق ابن اميرالحاج اشبهية سنيته على مافيه من نزاع طويل ولولا غرابة المقام و مخافة الطويل لاتينا بمافيه من قال وقيل۔	بخلاف تہجد کے، کیونکہ جمہور علماء اسے (یعنی تہجد کو) مندوبات میں شمار کرتے ہیں حتی کہ محقق ابن ہمام جب اس مسئلہ پر پہنچے تو انہوں نے خوب بحث کی لیکن وہ بھی اس بارے میں کوئی قطعی قول نہ کرسکے اور اس کے مندوب ومسنون ہونے میں متردد ہوئے، باوجود اس تنصیص کے کہ ادلہ قولیہ اس کے مندوب ہونے کو ظاہر کرتی ہیں، پھر ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج نے اس کے سنت ہونے کو اشبہ ومختار کیا۔ علاوہ ازیں اس میں طویل نزاع کوذکر کیا ہے اگر غرابت مقام اور طوالت کاخوف نہ ہوتا تو ہم وہ تمام گفتگو یہاں ذکر کردیتے۔(ت)

ولہٰذا ہمارے علماء سنن رواتب کی نسبت فرماتے ہیں:

انها لتاكدها اشبهت الفريضة[1] كما فى الدر۔	یہ سنن رواتب تاکید کی بناپر فرائض کے مشابہ ہیں جیساکہ در میں ہے(ت)

اور یہی مذہب جمہورومشرب منصور ہے

وان خالفهم الامام ابواسحاق المروزی من الشافعية فقال بتفضيل التهجد مطلقا، وتبعه الامام الاجل ابوزكريا النووی الشافعی فی المنهاج مستدلا بما لاحجة له فيه عند التدقيق كما بيناه عـہ فی	اپنے بعض حواشی میں اسے بیان کیا ہےاور آپ جانتے اگرچہ امام ابواسحاق شافعی مروزی نے ہمارے اصحاب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ تہجد ہرحال میں سنن رواتب سے افضل ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی نے منہاج میں ایسی دلیل دیتے ہوئے ان کی اتباع کی کہ جو تحقیق وتدقیق کے بعد حجت نہیں بن سکتی جیساکہ ہم نے

عـہ اخرجه الائمة احمد ومسلم وللاربعة عن ابی هريرة ومحمد بن هارون الرويانی فی مسنده و الطبرانی	اسے امام احمد، امام مسلم اور دیگر چاروں محدثین ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور شیخ محمد ہارون رویانی نے اپنی مسند اور (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] درمختار، باب الوتروالنوافل، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۵

بعض تعلیقاتنا وقد علمت مذہب اصحابنا	اپنے بعض حواشی میں اسے بیان کیا ہے اور آپ جانتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی الکبیر عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الصلٰوۃ بعد المکتوبات صلاۃ فی جوف اللیل [1]. فحملہ ابواسحٰق المروزی ومن وافقہ علی ظاہرہ فقالوا ان صلٰوۃ اللیل افضل من السنن الراتبۃ قال الامام النووی وقال اکثر اصحابنا الرواتب افضل لانہا تشبہ الفرائض قال والاول اقوی واوفق للحدیث [2] ھ وتبعہ العلامۃ میرك فقال فیہ حجۃ لابی اسحٰق المروزی من شافعیۃ علی ان صلاۃ اللیل افضل من الرواتب ۔وقال اکثر العلماء ان الرواتب افضل و الاول اقوی لنص ہذا الحدیث قال وقد یجاب بان معناہ من افضل الصلاۃ وھو خلاف سیاق الحدیث [3] ھ امام موافقوا الجمہور فاولوہ بان المراد الفرائض و توابعہا ای کان الرواتب لشدہ التصاقہا بالمکتوبات وشبہہا بہادخلت فی قولہ صلی اللہ

طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، دونوں صحابی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کے درمیانی حصہ کی نماز ہے۔ امام ابواسحاق مروزی اور ان کے ساتھ موافقت رکھنے والے علماء نے اسے اپنے ظاہری معنی پر محمول کرتے ہوئے کہا کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہے۔ امام نووی نے کہا کہ ہمارے اکثر علماء نے فرمایا کہ سنن راتبہ افضل ہیں کیونکہ وہ فرائض کے مشابہ ہیں اور فرمایا پہلا قول اقوی اور حدیث کے زیادہ موافق ہے اھ علامہ میرک نے اسی کا اتباع کرتے ہوئے کہا کہ یہ حدیث امام ابواسحٰق مروزی شافعی کی اس بات پر دلیل ہے کہ رات کی نماز سنن راتبہ سے افضل ہیں۔اور اکثر علماء نے کہا ہے کہ سنن مؤکدہ افضل ہے مگر پہلا قول اس نص حدیث کی وجہ سے قوی ہے، اور کہا کہ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ رات کی نماز افضل نماز میں سے ہے، اور یہ سیاق حدیث کے خلاف ہے اھ بہرحال جو جمہور کی موافقت کرنے والے ہیں وہ اس کی تاویل یوں کرتے ہیں کہ یہاں سے اس سے مراد فرائض اور ان کے توابع دونوں ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] صحیح مسلم کتاب الصوم ۳۶۸/۱

[2] شرح صحیح مسلم للنووی ۳۶۹/۱

[3] مرقات المفاتیح بحوالہ علامہ میرک ۳۱۱/۳

واجماعهم علی ان الاقوی	ہیں کہ ہمارے اصحاب کا مذہب اور اجماع اس بات پر ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علیه وسلم بعد المکتوبة قال المولی علی القاری فی المرقاة افضل الصلٰوة بعد المفروضة ای توابعها من السنن المؤکدة [1] ھ وقال المناوی فی تیسیر ای ولواحقها من الرواتب ونحوها من کل نفل یسن جماعة اذھی افضل من مطلق النفل علی الاصح[2]ھ ومثلها فی السراج المنیر للعزیزی وقال محمد الحفنی فی تعلیقاته علی الجامع الصغیر ای النفل المطلق فی اللیل افضل منه فی النهار و الافا لراتبة فی النهار افضل منه فی النهار افضل من التهجد[3] ھ وابدی القاری جوابین اخرین، فقال وقد یقال التهجد افضل من حیث زیادة مشقته علی النفس وبعده عن الریاء والرواتب افضل من حیث الأکدیة فی المتابعة للمفروضة فلامنافاة[4] ھ ای ان التهجد له هذا الفضل الجزئی علی الرواتب فلاینافی فضلها الکلی قال اویقال صلاة اللیل افضل لاشتمالها

کے ارشاد گرامی "فرائض کے بعد" کے تحت سنن راتبہ بھی داخل ہیں کیونکہ سنن مؤکدہ کافرائض کے ساتھ شدید اتصال اور مشابہت ہے۔ ملاعلی قاری مرقات میں لکھتے ہیں افضل الصلاۃ بعد المفروضۃ یعنی بعد سنن مؤکدہ کے اھ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں اور یعنی فرائض سے ان کے لواحق (سنن مؤکدہ) اور وہ نوافل جن کی جماعت سنت ہے تمام مراد ہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق وہ مطلق نفل سے افضل ہیں اھ یہی بات عزیزی کی سراج منیر میں ہے۔ محمد حفنی اپنی تعلیقات علی الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں رات کے نوافل مطلقًا دن کے نوافل سے افضل ہیں ورنہ سنن راتبہ جو دن میں ہیں وہ تہجد سے افضل ہیں اھ اور ملاعلی قاری نے دو۲ جواب اور دیئے اور کہا کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ تہجد نفس پر زیادہ مشقت اور ریا سے دوری کی وجہ سے افضل ہے اور سنن جو فرائض کے ساتھ ہیں وہ فرائض کی متابعت میں زیادہ مؤکد ہیں وہ اس اعتبار سے افضل ہیں لہذا ان میں کوئی منافات نہیں ہے اھ یعنی اگر تہجد کو سنن مؤکد پر یہ فضیلت جزئی حاصل ہے تو یہ ان کی فضیلت کلی کے منافی نہیں ہے۔ فرمایا یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ رات کی نماز (تہجد) افضل اس (باقی اگلے صفحے پر)

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۳۱

[2] التیسیر مطبوعہ الریاض ۱/۱۸۵

[3] تعلیقات الحفنی علی السراج المنیر مطبوعہ مصر ۱/۲۴۴

[4] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۳۱۱

الاٰکد مطلقا سنۃ الفجر	اقوی و مؤکد ہر حال میں فجر کی سنتیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

علی الوتر الذی ہو من الواجبات[1]ھ

اقول: ھذا لایصلح بیانا لمعنی کلام الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذلاواجب عندہ انما ثمہ طلب جازم فافتراض اوغیرجازم فندب کماحققہ المحقق حیث اطلق فی الفتح فان کان الوتر عندہ واجبا لدخل فی ثنیا المکتوبۃ ولوترک قولہ الذی ھو من الواجبات وھی الکلام علی استنان الوتر کما ھو مذھب الصاحبین لم یتجہ ایضا لان سنۃ الفجر افضل من الوتر علی قولھما کماسمعت۔

اقول: وظھر للعبد الضعیف جواب حسن احسن من کل ماسبق وھو ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقل ان التھجد افضل الصلوۃ بعد المکتوبات حتی یکون دلیلا لمن شذ انما قال صلوۃ اللیل فان ثبت ان صلاۃ اللیل تشتمل علی نافلۃ غیرالتھجد ھی افضل النوافل مطلقا حتی رواتب سقط

لئے ہے کہ وہ وتر پر مشتمل ہے جو کہ واجبات سے ہے اھ

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بیان کلام شارع کے معنی کا بیان بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا کیونکہ اس کے ہاں کوئی واجب نہیں ہے وہاں تو طلب جازم ہو توافتراض ہے اگر جازم نہ ہو تو ندب ہے جیسا کہ فتح میں محقق نے تحقیق کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے اگر شارع کے ہاں وتر واجب ہوتا تو وہ فرض میں شامل ہوتا اور اگر ملا علی قاری کے قول الذی ھو من الواجبات کو چھوڑ دیا جائے یعنی ان کے کلام میں وتر کو استنان پر محمول کیا جائے جیسا کہ صاحبین کا مذہب ہے تو بھی درست نہیں کیونکہ آپ سن چکے کہ ان کے قول کے مطابق فجر کی سنتیں وتر سے افضل ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس عبد ضعیف کے لئے ایک ایسا جواب ظاہر ہوا ہے جو مذکورہ تمام جوابات سے احسن ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ تہجد فرائض کے بعد افضل صلوٰۃ ہے، حتی کہ یہ مخالفین جمہور کی دلیل بنے، بلکہ آپ نے صلوٰۃ اللیل (رات کی نماز) فرمایا ہے اب اگر یہ ثابت ہو جائے کہ رات کی نماز تہجد کے علاوہ دیگر نوافل پر بھی مشتمل ہے جو کہ مطلق نوافل حتی کہ سنن مؤکدہ سے بھی افضل ہو تو پھر اس حدیث سے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مرقات المفاتیح حدیث ۱۲۳۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۳۱۲

فلاعلیك من جنوح الفاضل میرك وباللّٰہ التوفیق تعالٰی وتبارک۔	ہیں اور فاضل میرک کی بحث وگفتگو قابل توجہ نہیں وباللّٰہ التوفیق تعالٰی وتبارک۔ (ت)

تو تہجد جماعت کے کمتر از کمتر از کمتر سے کمتر پانچویں درجہ میں واقع ہے سب سے آکد جماعت [1] پھر [2] سنت فجر پھر [3] قبلیہ ظہر پھر [4] رواتب پھر [5] تہجد وغیرہ سنن ونوافل، اور دوسرے قول پر تو کہیں ساتویں درجے میں جا کر پڑے گا کہ سب سے اقوی جماعت [1] پھر [2] سنت فجر پھر [3] سنت مغرب پھر [4] بعدیہ ظہر پھر [5] بعدیہ عشاء پھر [6] قبلیہ ظہر پھر تہجد وغیرہا۔ پس تہجد کو سنت ٹھہرا کر بھی جماعت سے افضل کیا، برابر کہنے کی بھی اصلا کوئی راہ نہیں، نہ کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الاحتجاج به وھو ثابت بحمد اللہ تعالٰی بحدیث الصحیحین عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یصلی من اللیل ثلث عشرة رکعة منھا الوتر ورکعتا الفجر [1] فھذا ام المؤمنین وامام الفقھاء والمحدثین وغرة العرب العرباء الافصحین رضی اللہ تعالٰی عنھا قد عدت سنت الفجر من صلاة اللیل فھذه ھی النافلة التی تفوق الصلوات کلھا بعد المکتوب فبالاشتمال علیھا فضلت صلٰوة اللیل علی صلاة النھار بالاطلاق فھذا الجواب القاطع بحمد اللہ تعالٰی ثم لاغرومن الامام الاجل النووی انما العجب من العلامة میرك کیف تبعه وخالف اجماع ائمة مذھبه علی ان سنه الفجر اٰکد النوافل مطلقا وباللہ التوفیق ۱۲منه (م)

استدلال ساقط ہو جائے گا اور یہ بات بحمد اللہ تعالٰی بخاری ومسلم کی اس حدیث سے ثابت ہے جو اُم المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو تیرہ ۱۳ رکعت پڑھتے تھے ان میں وتر اور فجر کی سنتیں بھی ہوتی تھیں۔ یاد رہے آپ رضی اللہ تعالٰی عنہا اُم المؤمنین، امام الفقہاء والمحدثین اور سرتاج فصحاء وبلغاء ہیں انہوں نے سنن فجر کو رات کی نماز میں شمار فرمایا ہے۔ پس یہ نوافل فرائض کے بعد تمام نمازوں پر افضل ٹھہرے، چونکہ یہ نوافل صلٰوۃ اللیل پر بھی مشتمل ہیں اس لئے رات کی نماز دن کی ہر نماز سے افضل قرار پائی۔ بحمد اللہ تعالٰی یہ قاطع جواب ہے۔ پھر امام نووی پر تو کوئی افسوس نہیں تعجب تو علامہ میرک پر ہے کہ انہوں نے امام نووی کی اتباع کرتے ہوئے اپنے ائمہ مذہب کے خلاف بات کیوں کہی، حالانکہ ائمہ مذہب کا اتفاق ہے کہ سنن فجر مطلقاً نوافل سے مؤکد ہیں خواہ رات کے ہوں یا دن کے، وباللہ التوفیق ۱۲منہ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب کیف صلٰوۃ اللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳

مستحب مان کر، اگر کہئے یہاں کلام جماعت اولیٰ میں ہے کہ سوال میں اس کی تصریح موجود اور واجب یا اس اعلیٰ درجہ کی مؤکد مطلق جماعت ہے نہ خاص جماعت اولیٰ بلکہ وہ صرف افضل واولیٰ اور فضل تہجد اس سے اعظم واعلیٰ تو حفظ تہجد کے لئے ترک اولیٰ جائز وروا اگرچہ افضل ایتان وادا۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالیٰ کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) قطع نظر اس سے کہ جب تعارض مسلّم اور فضل تہجد آکد واعظم تو حفظ تہجد کو ترک اُولیٰ نہ ترک اَولیٰ، بلکہ ترک ہی اَولیٰ کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہ تاصیل وتفریع سراسر بے اصل واحداث شنیع کہ نہ احادیث حضور پر نور سید الانام علیہ وعلٰی آلہ الصلاۃ والسلام اس کے مساعد، نہ کلمات وروایات علمائے کرام وفقہائے عظام مؤید وشاہد، گر ایسا ہو تو بے عذر فوت تہجد وغیرہ بھلے چنگے بیٹھے بٹھائے بھی جماعت اولیٰ قصداً فوت کردینا جائز وروا ہو جبکہ ایک آدمی اپنے ساتھ جماعت کے لئے حاضر ومہیا ہو کہ آخر کچھ گناہ نہ کیا صرف ایک اولویت ترک کی جس میں حکم کراہت بھی نہیں، معاذاللہ مسلمان اگر اس پر عمل کریں تو امر جماعت میں کس قدر تفرقہ شنیعہ واقع ہوتا ہے وجوب جان کر ترک پر سکت سخت وعیدیں سن کر تو بہت لوگ کسل وکاہلی کرجاتے ہیں کاش یہ سن پائیں کہ جماعت اولیٰ کی حاضری شرعاً کچھ ضرور نہیں ایک بہتر بات ہے کی کی نہ کی نہ کی، تو ابھی جو رہا سہا انتظام ہے سب درہم برہم ہوا جاتا ہے، لوگ مزے سے اذان سنیں اور اپنے لہو ولعب میں مشغول رہیں کہ جلدی کیا ہے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنالیں گے، کیا ایسی ہی متفرق بے نظم جماعتوں کی طرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلایا، کیا انہیں کے ترک پر سخت سخت جگر شگاف وعیدوں کا حکم سنایا! حاش للہ ثم حاش للہ! ذرا نگاہ انصاف درکار کہ یہ قصداً تفریق جماعت وتقلیل حضار کس قدر مقاصد شرع سے دور اور نورانیت حق وصواب سے بعید ومہجور ہے، نہیں نہیں بلکہ یقیناً وجوب وتاکد مذکور، خاص جماعت اولیٰ کے لئے منظور اور وہی صدر اول سے معہود، اور وہی احادیث وعید علی الترک میں مقصود، اور زنہار زنہار ہرگز جائز نہیں کہ بے عذر مقبول شرعی جماعت ثانیہ کے بھروسے پر جماعت اولیٰ قصداً چھوڑدیجئے اور داعی الٰہی کی اجابت نہ کیجئے، جماعت ثانیہ کی تشریع اس غرض سے ہے کہ احیاناً بعض مسلمین کسی عذر صحیح مثل مدافعت اخبثین یا حاجت طعام وغیرہا کے باعث جماعت اولیٰ سے رہ جائیں وہ برکت جماعت سے مطلقاً محرومی نہ پائیں بے اعلان[عہ] وتداعی محراب سے جدا ایک گوشے میں جماعت کرلیں نہ کہ اذان ہوتی ہے داعی الٰہی پکارا کرے جماعت اولیٰ ہوا کرے (یہ) مزے سے گھر میں بیٹھے باتیں بنائیں یا پاؤں پھیلا کر آرام فرمائیں کہ عجلت کیا ہے ہم اور کرلیں گے یہ قطعاً یقیناً بدعت سیہ شنیعہ ہے۔

عہ اعلان وتداعی معروف شرعی کہ نماز کے لئے مقرر ہے یعنی اذان ۱۲منہ (م)

هذا مما لایشك فیه من دخل بستان الفقه فشم عرفا لانوارہ الفائحة اوفتح اجفان الفكر فشام برقا من انوارہ اللائحة ومالنا نسترسل فی سر والبراهین علی مثل هذا الواضح المبین ولكن لاباس ان نذكر شیأ من التنبیه لیستظهر الفقیه ویتذكر النبیه۔	اس بارے میں اس شخص کو ہرگز شک نہیں ہوسکتا جس نے گلستان فقہ کے مہکتے ہوئے پھولوں سے کچھ خوشبو پائی ہو یا اس کے روشن انوار سے مشام جان کو معطر کیا ہو اور ہم اس معاملہ کو ترک نہیں کرسکتے باوجودیکہ اس پر واضح دلائل موجود ہیں کوئی حرج نہیں کہ ہم تنبیہ ذکر کردیں تاکہ صاحب فقہ پر استحضار ہوجائے اور صاحب فہم محفوظ کرے۔(ت)

فاقول: وبہ نستعین (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتاہوں۔ت) **اولاً** فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کاایک موجز وجامع رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة ہے جس میں بفضلہٖ سبحٰنہ، وتعالٰی حکم جماعت کی تحقیق حدیثی وفقہی اعلٰی درجہ کمال وجمال پر موفق ہوئی، ہمارے علماء سے درباب شاذ ومشہور ومقبول ومہجور چھ[۶] قول ماثور:

(۱) فرض عین (۲) فرض کفایہ

(۳) واجب عین (۳) واجب کفایہ

(۵) سنت مؤکدہ (۶) مستحب

اس نفیس مبارک رسالہ نے بعونہٖ تعالٰی ثابت کردکھایا کہ ان اقوال میں اصلاً تدافع وتمانع نہیں سب حق وصحیح اور اپنے اپنے معنی پر رجیح ونجیح ہیں، یہ جلیل تحقیق جمیل توفیق وللہ الحمد والمنة عجب نادر وعنقائے مغرب ہے جس کانام سن کر ناظر متحیرانہ کہے ھذالایکون وکیف یکون (یہ نہیں ہوسکتااور کیسے ہوسکتا ہے۔ت) اور جب اس کی زاہر تحریر باہر تقریر پر اطلاع پائے متعجبانہ اعتراف کرے کہ لمثل هذا فلیعمل العاملون (کام کرنے والوں کوایساہی کام کرنا چاہئے۔ت)

اس رسالہ میں ہم نے احادیث عبداللہ بن عباس وابوہریرہ وکعب بن عجرہ وانس بن مالک وعثمان غنی وعمروبن ام مکتوم وابوامامہ وجابر بن عبداللہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کیا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان سن کر حاضری واجب فرمائی، اداشناس سخن انہی احادیث سے جان سکتاہے کہ اذان کس جماعت کے لئے بلاتی اور شرع اس کی اجابت کیوں واجب فرماتی ہے مگر میں یہاں اصرح واوضح ذکر کروں حدیث حسن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اوپر گزری جس میں ندا

سن کر حاضری ہونے پر حکم جفاوکفر ونفاق فرمایا گیا، طبرانی کے یہاں بطریق آخر یوں آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

حسب المومن من الشقاء والخیبۃ ان یسمع المؤذن یثوب بالصلاۃ فلا یجیبہ[1]۔	مؤمن کو یہ بدبختی ونامرادی بہت ہے کہ مؤذن کو تکبیر کہتے سنے اور اس کا بلانا قبول نہ کرے۔(ت)

اس روایت نے روایت سابقہ کی تفسیر کردی کہ وہاں بھی ندا سے یہی تکبیر مراد تھی فان الاحادیث یفسر بعضھا بعضا وخیرتفسیر للحدیث مایستبین بجمع طرقہ (احادیث ایک دوسرے کی تفسیر ہیں اور حدیث کی سب سے بہتر تفسیر وہ ہے جو اس حدیث کے تمام طرق کو جمع کرنے پر ہو۔ت) بلکہ عندالتحقیق احادیث ایجاب اجابت فعلیہ عندالاذان کا مرجع بھی اسی طرف کہ ہم نے رسالہ مذکورہ میں احادیث وآثار ابوقتادہ وجابر بن عبداللہ وام المؤمنین وابوہریرہ وجابر بن سمرہ وامیر المومنین فاروق اعظم وعبداللہ بن عمر وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کیا کہ یہ وجوب تاوقت اقامت موسع ہے اگرچہ قنیہ ومجتبٰی میں صراحۃً تضییق کی کہ جو اذان سن کر تکبیر کے انتظار میں بیٹھا رہے بدکار ومردود الشہادۃ ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

فی القنیۃ لو انتظر الاقامۃ لدخول المسجد فھو مسیئ[2]۔	قنیہ میں ہے اگر اذان سن کر دخول مسجد کے لئے اقامت کا انتظار کرتا ہے تو گنہگار ہوگا(ت)

اسی میں ہے:

فی المجتبٰی من کتاب الشھادۃ من سمع الاذان وانتظر الاقامۃ فی بیتہ لاتقبل شھادتہ[3]۔	مجتبٰی کی کتاب الشہادۃ سے ہے جو شخص اذان سن کر گھر میں اقامت کا انتظار کرتا ہے اس کی شہادت قبول نہیں۔(ت)

غرض حدیث سے ثابت کہ جو تکبیر سن کر حاضر جماعت نہ ہو اسے بدبخت، نامراد، ظالم، اظلم، کافر، منافق فرمایا گیا۔ للہ انصاف! کیا تکبیر کسی مطلق جماعت کی طرف بلاتی ہے، کیا اس جماعت میں ملونہ ملو ہر دعوت تکبیر کی اجابت ہوجاتی ہے، کیا اس میں حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح کے یہ معنی ہیں کہ چاہے اس

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذ بن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸۳/۲۰
[2] بحر الرائق بحوالہ القنیہ باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۴۵/۱
[3] بحر الرائق بحوالہ القنیہ باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۰/۱

نماز وفلاح میں حاضر ہو چاہے نہ آؤ اپنی الگ کرلینا، شاید قد قامت الصلوٰۃ کا یہی مطلب ہوگا کہ یہ نماز تو کھڑی ہو ہی گئی اب اس میں آکر کیا کروگے تم اور کوئی بیٹھی ہوئی اٹھانا حاشا وکلّا بلکہ تکبیر اسی جماعت کی طرف بلاتی اور اس کی عدم حاضری پر وہ حکم وظلم وکفر ونفاق وشقاوت وخیبت ہے توقطعاً حکم وجوب وتاکد کی مصداق یہی ماثور ومعہود جماعت ہے۔

ثانیاً: یہ توسیع توہمارے طور پر تھی اگر تصریح قنیہ ومجتبی وتقریر بحر پر نظر کیجئے توامر اظہر کہاں وہ تضییق کہ اذان کے بعد تکبیر کاانتظار بھی جائز نہیں، کہاں یہ توسیع شنیع کہ سرے سے جماعت اولٰی میں حاضر ہونا ہی کچھ ضرور نہیں۔

ثالثاً روشن ترنص قاطع لیجئے سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاشانہ اطہر سے مسجد انور میں قریب عـــہ۱ امام جلوہ فرماہوتے، ایک دن نماز عـــہ۲ عشاء کو تشریف لائے جماعت عـــہ۳ میں قلّت دیکھی کچھ لوگ حاضر نہ پائے نہایت عـــہ۴

عـــہ۱ ھذا ثابت فی غیرھذا الحدیث من عدۃ احادیث صحاح اوردناھا فی حسن البراعۃ ۱۲منہ رحمہ اللہ (م)

یہ بات اس حدیث کے علاوہ متعدد احادیث صحیحہ سے بھی ثابت ہے جنہیں ہم نے حسن البراعۃ فی تنقید حکم الجماعۃ میں ذکر کیا ہے ۱۲منہ رحمہ اللہ (ت)

عـــہ۲ ھذا منصوص علیہ فی ھذا الحدیث عند غیرہ ۱۲منہ رحمہ اللہ

امام مسلم نے اپنی صحیح اور دیگر محدثین نے اسی حدیث میں اس بات پر تصریح کی ہے ۱۲منہ رحمہ اللہ (ت)

عـــہ۳ ھذا عند احمد وغیرہ من حدیث کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعند سراج فی مسندہ فی ھذا الحدیث۔(م)

یہ حدیث امام احمد وغیرہ محدثین کے ہاں حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور سراج کے ہاں مسند سراج میں بھی اسی حدیث کے تحت مذکور ہے۔(ت)

عـــہ۴ ھذا فی روایۃ السراج قال ثم خرج الی المسجد فاذا الناس عزون واذاھم قلیلون فغضب غضبا شدیدا الا اعلم انہ رأیتہ غضب غضبا اشد منہ ثم قال لقد ھممت ان امرر جلایصلی بالناس ثم اتتبع ھذہ الدور التی تخلف اھلوھا عن ھذہ الصلاۃ فاضرمھا علیھم بالنیران[1] (م)

یہ روایت سراج میں ہے، کہا: پھر آپ مسجد کی طرف تشریف لے گئے تو جو لوگ حاضر تھے وہ تھوڑے تھے آپ سخت غضب میں ہوگئے، میں نے آج تک آپ کو اتنا غضبناک کبھی نہیں دیکھا تھا، پھر فرمایا: میں ارادہ کرتاہوں میں کسی آدمی کو حکم دوں جو جماعت کروائے پھر میں ان گھروں کی طرف جاؤں جن کے اہل اس نماز میں حاضر نہیں ہوئے اوران کو آگ سے جلادوں۔(ت)

[1] عمدۃ القاری بحوالہ مسند سراج باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۶۰

شدید غضب وجلال محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرہ اقدس سے ظاہر ہوا، ارشاد فرمایا: خدا کی قسم میرے جی میں آتا ہے کہ مؤذن کو تکبیر کا حکم دوں پھر کسی کو ؏ امامت کے لئے فرماؤں پھر بھڑکتی ہوئی مشعلیں لے جاؤں اور ان لوگوں پر ان لوگوں کے گھر پھونک دوں جنہیں یہ اذان سنے یہ وقت ہوگیا اب تک گھروں سے نماز کو

(عـہ)فان قلت الیس فی نفس الحدیث مایدل ان الاولی لاتجب عینا والالماھم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یقیم الصلاۃ ثم ینصرف الیھم لاحراق بیوتھم۔

اگر آپ کہیں کہ کیا نفس حدیث میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس بات پر دلالت کررہی ہو کہ پہلی (جماعت) واجب عینی نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو جماعت قائم کرنے کا حکم دے کر اس (جماعت میں نہ حاضر ہونے والوں) کے گھروں کو جلانے کا ارادہ نہ کرتے۔

قلت ھذا السؤال قد اورد قبل علی الاحتجاج بالحدیث لوجوب الجماعۃ وقد تصدی العلماء لجوابہ قال العلامۃ البدر محمود العینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الثالث (ای من وجوہ الجواب عن حدیث الباب) ماقالہ ابن بزیزۃ عن بعضھم انہ استنبط من نفس الحدیث عدم الوجوب لکونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھم بالتوجہ الی المتخلفین فلوکانت الجماعۃ فرض عین ماھم بترکھا اذا توجہ قال العینی ثم نظر فیہ ابن بزیزۃ بان الواجب یجوز ترکہ لما ھو اوجب منہ[1] اھ کلام العمدۃ۔

قلت (میں کہتا ہوں) پہلے یہی سوال اس حدیث سے وجوب جماعت پر استدلال کرنے پر وارد ہوا اور علماء اس کے جواب کے درپے ہوئے ہیں چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں لکھا تیسرا (یعنی حدیث باب پر اعتراض کے جوابات میں سے) جواب وہ ہے جو ابن بزیزہ نے بعض محدثین کے حوالے سے ذکر کیا وہ یہ ہے کہ نفس حدیث سے عدم وجوب ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضر نہ ہونے والوں کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے اگر جماعت فرض عین ہوتی تو آپ اسے چھوڑ کر وہاں جانے کا ارادہ نہ کرتے۔امام عینی کہتے ہیں پھر ابن بزیزہ نے اس کو یہ کہتے ہوئے محل نظر قرار دیا کہ بعض اوقات اہم واجب کی وجہ سے دوسرے کم درجہ واجب کو ترک کیا جاسکتا ہے اھ (عمدۃ القاری کی عبارت ختم ہوئی) (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] عمدۃ القاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۱۶۴

نہیں نکلتے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقول: فلقد صح مثل ذلك عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الجمعة اخرج مسلم فی صحیحه عن عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لقوم یتخلفون عن الجمعة لقد هممت ان اٰمر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعة بیوتهم[1]۔

اقول: علا ان عبداللہ بن وهب روی الحدیث فی مسندہ فقال حدثنا ابن ابی ذئب حدثنا عجلان عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه فذکر الحدیث وفیه لینتهین رجال من حول المسجد لایشهدون العشاء اولاحرقن بیوتهم[2] وقد قال فی حدیث سقناہ عن الجامع الصحیح ثم اٰخذ شعلا من نار ولانسلم ان بین ان یذهب بعد الاقامة بشعل قد اوقدت الی بیوت حول المسجد فیضرمها علیهم وبین الرجوع الی المسجد مایوجب

اقول: (میں کہتاہوں) یہی بات صحت کے ساتھ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نماز جمعہ کے بارے میں بھی ثابت ہے، امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ سے غیرحاضر لوگوں کے بارے میں فرمایا: میراجی چاہتاہے کہ میں کسی آدمی کو جماعت کاحکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر میں ان لوگوں کے گھرجلادوں جو جمعہ سے غیرحاضر رہتے ہیں۔

اقول: (میں کہتاہوں) اس کے علاوہ عبداللہ بن وہب نے اپنی مسند میں ذکر کیاکہ ہمیں ابن ابی ذئب نے انہیں عجلان نے انہیں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث بیان کی پھر حدیث ذکر کی اس کے الفاظ یوں ہیں: مسجد کے پڑوسی ضرور بازآجائیں جو نمازعشا میں حاضرنہیں ہوتے، ورنہ میں ان کے گھرجلادوں گا۔اوراس حدیث میں جسے ہم نے جامع صحیح کے حوالے سے لکھا یہ بھی ہے، فرمایا پھر میں آگ کی مشعل لوں اور ہم نہیں مانتے کہ درمیان اس کے کہ اقامت کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کامسجد کے اردگرد لوگوں کے گھروں کوجلانے کے لئے مشعل لے کرجانااوردرمیان اس کے کہ مسجد کی طرف لوٹ آنا کوئی

(باقی برصفحہ آیندہ)

[1] صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ بیان التشدید فی التخلف عنہا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] عمدۃ القاری بحوالہ مسند عبداللہ بن وہب مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۵/۱۶۰

البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس صلاۃ اثقل علی المنافقین من الفجر والعشاء ولو یعلمون مافیھما لاتوھما ولوحبوًا لقد ھممت ان اٰمر المؤذن فیقیم ثم اٰمر رجلا یؤم الناس ثم اٰخذ شعلامن نار فاحرق علی من لایخرج الی الصلاۃ	البخاری، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ منافقین پر فجر وعشا کی نماز سے بڑھ کر کوئی نماز بھاری نہیں۔اگرانہیں ان کے درجہ وفضیلت کاعلم ہو جائے تو وہ گھٹنوں کے بل ان کی ادائیگی کے لئے آئیں، میرا جی چاہتاہے کہ میں مؤذن کو تکبیر کاکہوں اور کسی دوسرے کو جماعت کاحکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھرمیں آگ کی مشعل لے کر ان پر پھینکوں جو نماز کے لئے ابھی تک گھروں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تفویت الجماعة حتی یلزم الترك نعم یفوت الادراك من اول الصلاۃ وھولیس الافضیلة. ربما یترك لاقل من ھذا اعلی. السکینة فی المشی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا سمعتم الاقامة فامشوا الی الصلاۃ وعلیکم بالسکینة و الوقار فما ادرکتم فصلوا ومافاتکم فاتموا[1]، رواہ الشیخان وغیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فسقط الاشکال راسا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم ۱۲منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔ (م)

زیادہ وقت ہے جو جماعت کو فوت کردیتاہے، حتی کہ ترک جماعت لازم آئے، ہاں اول نماز کافوت ہونا لازم آتاہے اور وہ فضیلت کے سوا کچھ بھی نہیں، بعض اوقات اس سے بھی کم درجہ شی کی بناپر اعلٰی کو ترک کیاجاسکتاہے، مثلاً جماعت کے لئے دوڑنے کی بجائے سکون سے چلناچاہئے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے جب تم اقامت سنو تو نماز کی طرف چلو دراں حال تم پر سکون ووقار لازم ہے جو حصہ نماز پالو اسے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے پوارا کرلو۔اسے بخاری ومسلم وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے، تو اب اشکال سرے سے ختم ہوگیا۔ وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم منه رضی اللہ تعالٰی عنه (ت)

[1] صحیح بخاری باب ماادرکتم فصلواالخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۸

بعد[1] عــہ	سے نہیں نکلے۔(ت)

یہ حدیث صحیح نص صریح ہے کہ وقت اقامت تک مسجد میں حاضر نہ ہونا وہ جرم قبیح ہے جس پر حضور اقدس صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیماتہ علیہ وعلیٰ آلہ الکرام نے ان لوگوں کے جلادینے کا قصد فرمایا، علماء فرماتے ہیں یہ ارشاد کہ تکبیر کہلوا کر نماز شروع کراؤں اس کے بعد تشریف لے جاؤں اسی بناپر تھا کہ ان کی عدم حاضری ثابت اور الزام تخلف قائم ہولے اس کا منشاوہی تحقیق ہے جو ہم نے ذکر کی کہ ایجاب اجابت تاوقت اقامت موسع ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

انماھم باتیانھم بعد اقامۃ الصلاۃ لان بذالك یتحقق مخالفتھم وتخلفھم	اقامت نماز کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی طرف جانے کا ارادہ اس لئے ہے کہ یہ وہی

عــہ قولہ بعد نقیض قبل مبنی علی الضم فلما حذف منہ المضاف الیہ بنی علی الضم وسمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا والمعنی بعد ان یسمع النداء الی الصلاۃ[2] ھ عمدۃ القاری **قلت** والنفی اذا لاقی زمانا استغرق جمیع اجزائہ فیمتدّ من بدء وقت المضاف الیہ الی اٰن التکلم، ولذا یرجع حاصلہ فی امثال المقام الی قولك الی الاٰن، تقول ماجاء نی بعد ای بعد ان ذھب الی ھذا الحین وھذا معنی قولہ سمی غایۃ لانتھاء الکلام الیھا ۱۲منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م)	قولہ "بعد" یہ قبل کی نقیض ہے یہ مبنی علم الضم ہے۔ کیونکہ جب اس کا مضاف الیہ محذوف ہو تو یہ مبنی علی الضم ہوتا ہے۔ کلام اس پر ختم ہونے کی وجہ سے اسے غایت بھی کہا جاتا ہے۔ الفاظ حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو نماز کی اذان سن کر نماز کے لئے نہیں آتے اھ عمدۃ القاری **قلت** (میں کہتا ہوں) جب نفی کسی زمان پر ملاقی ہو تو تمام اجزاء کو محیط ہوگی تو اس کا احاطہ وقت مضاف الیہ کی ابتداء سے لے کر وقت تکلم تک ہوتا ہے، اسی لئے ایسی عبارت کا معنی ایسے مقامات پر مثلاً "اب تک" ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے ماجاء نی بعد یعنی وہ جانے کے بعد اس وقت تک نہیں آیا، اور جو انہوں نے کہا کہ اس پر انتہاء کلام کی وجہ سے اسے غایت کہا جاتا ہے اس کا معنی ومفہوم بھی یہی ہے ۱۲منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ت)

[1] صحیح البخاری باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰

[2] عمدۃ القاری باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۱۶۴

فلیتوجه اللوم علیهم [1] الخ	وقت ہے جب نہ آنے والوں کی عدم حاضری اور الزام تخلف ثابت ہوچکا جس کی وجہ سے وہ ملامت کے مستحق قرار پائے ہیں الخ (ت)

اقول: یہاں سے واضح ہوگیا کہ ظاہر حدیث میں جو کلام قنیہ و مجتبٰی کی تائید نکلتی تھی ممنوع وساقط ہے معہذا شک نہیں کہ حضور مسجد بنفسہٖ عبادت مقصودہ نہیں بلکہ غرض شہود جماعت ہے اور قبل از اقامت فوت جماعت غیر معقول تو اقامت تک وجوب موسع ماننے سے چارہ نہیں مگر بات یہ ہے کہ اقامت تک تاخیر یا تو امام معین کو میسر جس کے بن آئے جماعت قائم ہی نہ ہوگی یا اسے جس کا مکان مسجد سے ایسا ملاصق کہ تکبیر کی آواز اس پر مخفی نہ رہے گی ان کے سوا اور نمازیوں کو انتظار اقامت کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں کہ جب نہ تکبیر ان پر موقوف نہ انہیں اس کی آواز آئے گی تو کس چیز کا انتظار کررہے ہیں ایسوں کو اُسی وقت تک تاخیر واجب تک تفویت کا خوف نہ ہو حدیث ایسے ہی لوگوں پر محمول اور ممکن کہ کلام قنیہ و مجتبٰی بھی اسی معنی پر حمل کریں فیحصل التوفیق وباللہ التوفیق۔

رابعًا: اگر بفرض باطل یہ احکام مطلق جماعت کے ہوتے کہ اولٰی وثانیہ دونوں جس کے فرد کو واجب تھا کہ بعد فوت اولٰی ثانیہ بالتعیین واجب ومؤکد ہوتی کہ اب برات ذمہ اسی فرد میں منحصر ہوگئی حالانکہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بعد فوت اولٰی وجوب درکنار نفس جواز ثانیہ میں نزاع عظیم ہے ظاہر الروایہ عـــہ۱ منع وکراہت ہے اگرچہ ماخوذ ومختار جواز ہے جبکہ بے اعادہ اذان ہیأۃ اولٰی بدل کر ہو کما بیناہ فی فتاوٰنا بما یقبل المنصف وان کابر المتعسف (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے جسے منصف قبول اور متعسف مخالفت کرے گا۔ت) امام اجل ظہیر الدین مرغینانی رحمہ اللہ تعالٰی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

لودخل جماعة المسجد بعد مایصلی فیه اهله یصلون وحدانا وهوظاهر الروایة [2]۔	اگر کچھ آدمی کسی ایسی مسجد میں داخل ہوئے کہ وہاں کے لوگ باجماعت نماز ادا کرچکے تھے تو اب یہ تنہا تنہا پڑھیں اور یہی ظاہر روایت ہے۔(ت)

عـــہ۱ یہاں کلام علی ماھوالمشھور بین کثیر من الناس ہے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ پر کہ اس کی تحقیق بجمیل توفیق و جلیل تطبیق فائض ہوئی خاص اسباب میں تحریر فقیر سے دیدنی ۱۲منہ رحمہ اللہ تعالٰی (م)

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ زیر حدیث مذکور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی ظہیریہ مطلب فی تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

وبعبارۃ اخری جس جماعت کو علماء واجب یاسنت موکدہ کہتے ہیں اس کا تاکد متفق علیہ ہے اور ثانیہ کا بعد فوت اولٰی بھی نفس جواز مختلف فیہ توثانیہ کسی وقت اس جماعت سے نہیں جس کا حکم وجوب وتاکد ہے لیکن ثانیہ دائما مطلق جماعت کی فرد ہے تولاجرم یہ احکام مطلق اصولی کے نہیں بلکہ خاص اولٰی کے ہیں **وھو المطلوب** (اور مطلوب یہی تھا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قدعلمت ان تکرارھا مکروہ فی ظاھر الروایۃ الا فی روایۃ عن الامام وروایۃ عن ابی یوسف عــہ **کما قدمناہ قریبا وسیأتی ان الراجح عند اھل المذھب وجوب الجماعۃ وانہ یأثم بتفویتھا اتفاقا**[1]۔	آپ نے جانا کہ جماعت کا تکرار ظاہر روایت میں مکروہ ہے مگرامام صاحب سے ایک روایت اور امام ابویوسف سے ایک روایت میں مکروہ نہیں جیسا کہ ہم نے ابھی پہلے بیان کیااور عنقریب آرہاہے کہ اہل مذہب کے ہاں راجح وجوب جماعت ہےاور جماعت کو فوت کرنے والا بالاتفاق گنہگار ہے(ت)

بھلا وہ کیاچیز ہے جس کی تفویت بالاتفاق گناہ ہے ثانیہ کو تواسی عبارت میں روایت مشہورہ پر مکروہ بتارہے ہیں لاجرم وہ اولٰی ہی ہے توثانیہ کے اعتماد پراسے فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہےاور گناہ کی اجازت دینی اس سے بھی بدتر۔

وبعبارۃ ثالثۃ وہی علماکہ جماعت ثانیہ کومکروہ بتاتے ہیں وجوب تاکد جماعت کی تصریح فرماتے ہیں **کما لایخفی علی من تتبع کلمات القوم وقد علمت الخلف والوفاق** (جیساکہ ہراس شخص پر واضح ہے جوفقہاء کی عبارات سے آگاہ ہےاور تو اس میں اختلاف واتفاق کو جانتا ہے۔ت) اور وجوب وتاکد کا کراہت سے اجتماع بمعنی نہی عن الفعل یاندب ترک بعد حصول المتاکد یقینا محال اگرچہ بمعنی المطلوب **المطلوب الدفع قبل الحصول ومطلوب الفعل بعد الحصول** ممکن اور شک نہیں کہ یہاں اجتماع ہوگا توبمعنی اول **فاعرف وافھم ان کنت تفھم بالیقین** (اسے پہچان کراچھی طرح سمجھ لے اگر توفیق کوپانے والا ہے۔ت) وہ حکم اجماعی ایسی ہی جماعت کا ہے جوثانیہ کو شامل نہیں ورنہ قول مشہور نہ صرف مہجور بلکہ قول بالمحال اور معاذاللہ

عــہ **قلت وروایۃ عن محمد کما فی البحر والمجتبی والحلیۃ وغیرھا** ۱۲منہ (م)	میں کہتاہوں امام محمد سے بھی ایک روایت یہی ہے جیساکہ بحر، مجتبی، حلیہ اور دیگر کتب میں ہے ۱۲منہ (م)

[1] ردالمحتار مطلب فی کراہت تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

قانون عقل وتمیز سے دور ہوگا وای شناعۃ اشنع من ذلك (یعنی اس سے بڑھ کر بد بختی کیا ہوگی۔ت)

خامسًا: ایک بدیہی بات، سنیت کاہے سے ثابت ہوتی ہے مواظبت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مطلقًا یا مع الترک احیانًا اور وجوب کو کیا چاہیے، انکارا علی الترک بھی یا صرف مواظبت دائمہ، اب دیکھ لیا جائے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس جماعت پر مواظبت فرمائی اور کس کے ترک پر نکیر آئی، ظاہر ہے کہ وہ جماعت اولٰی ہی تھی تو وجوب یا استنان موکد اسی کا حکم ہے نہ مطلق ثانیہ کا۔

تنبیہ: احکام افراد جانب مطلق سرایت کرتے شبہہ نہیں مگر وہ مطلق مطلق منطقی ہے جس کے تحقق کو تحقق فرد واحد اور اس پر صدق کا حکم کو صدق علی فرد ولو علی خلاف سائر الافراد کافی، ولہذا بتضاد احکام افراد مورد احکام متضاد ہوتا ہے بایں معنی مطلق جماعت بیشک فرض واجب سنت مستحب مباح مکروہ حرام سب کچھ ہے کہ جماعت ظہر فی المصر یوم الجمعہ وغیرہ سب کو شامل، اس معنی پر حکم فرد کی مطلق سے نفی دوبار قول بالمتناقضین ہے لثبوته ونفیه کلیهما عــہ والمطلق کلیهما (ثبوت نفی دونوں میں اور دونوں کے دونوں مطلق میں۔ت) کلام اس میں نہیں مطلق اصولی یعنی فرد شائع یا ماہیت متقررہ فی ای فرد یُرادُ میں کلام ہے اس کی طرف احکام خاصہ فرد دُونَ فرد ہرگز ساری نہیں ہوسکتے اور جو حکم اس کے لئے ثابت وہ ہر فرد کو ثابت مالم یمنع مانع (جب تک کوئی مانع نہ پایا جائے۔ت) یہ نکتہ ضروری الحفظ ہے کہ اس سے غفلت باعث غلط وشطط ہوتی ہے

وقد حققه تاج المحققین خاتمة المدققین سیدنا الوالد قدس سره الماجد فی کتابه المسماة "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" والله الهادی الی سبیل السداد۔	تاج المحققین خاتمۃ المدققین ہمارے سردار والد گرامی قدس سرہ، نے اس کی تحقیق اپنی کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں کی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راہ کی ہدایت دینے والا ہے (ت)

عــہ لانه ان اثبت للفرد فقد اثبت للمطلق بحکم السرایة لکنه اثبت للفرد فاثبت للمطلق وقد نفی عنه لکنه لم یثبت للمطلق فلم یثبت للفرد وقد اثبت له منه (م)	اس لئے کہ اگر کسی فرد کے لئے ثابت کیا تو وہ حکم سرایت کی وجہ سے مطلق کے لئے بھی ثابت ہوجاتا ہے لیکن جب اس نے فرد کے لئے ثابت کیا تو گویا مطلق کے لئے بھی ثابت کردیا حالانکہ اس نے اس سے نفی کردی لیکن جب مطلق کے لئے ثبوت نہیں تو فرد کے لئے بھی ثابت نہیں حالانکہ اس نے مطلق کے لئے ثابت کیا ہے ۱۲ (ت)

بالجملہ نہ جماعت اولیٰ پر ترجیح تہجّد وجہ صحت رکھتی ہے نہ حکم وجوب وتاکد جماعت اولیٰ سے متعدی ہے نہ باعتماد ثانیہ ترک اولیٰ کی اجازت ہوسکتی ہے نہ ہر گز اولیٰ وثانیہ کاثواب مساوی ہے بلکہ باعتماد ثانیہ تفویت اولیٰ گناہ قطعی اجماعی ہے، ہاں مسجد اگر مسجد شارع ہو یعنی اس کے لئے کوئی جماعت معلوم معین نہیں جیسے بازاروں کی مسجدیں کہ کسی خاص محلّہ وگروہ سے مختص نہیں کچھ راہ گیر آئے پڑھ گئے کچھ پھر آئے وہ پڑھ گئے، یوں ہی متفرق گروہ آتے اور پڑھتے جاتے ہیں تو وہاں اس قول کی گنجائش ہے کہ ایسی مساجد کی ہر جماعت جماعت اولیٰ ہے،

فان الاولی الناھیة عن الثانیة مطلقا او بشرطه ھی مافعلها اهل المسجد باذان جهر اواقامة حتی لو ان مسجدا من مساجد الحی اتاہ قوم من غیراهله فاذنوا واقاموا وصلوا جماعة کان لاهله ان یصلوا جماعة من دون حاجة الی العدول عن المحراب لان الحق لهم فلایبطل بفعل غیرهم کمانصوا علیه، ومساجد الشوارع لااهل لها معینا فلایتحقق فیها الاولی بالمعنی المذکور بل الکل اولی اذلیس بعض من بعض باولی۔	کیونکہ پہلی جماعت دوسری جماعت سے ہرحال میں روکنے والی ہے یااس شرط کے ساتھ کہ پہلی جماعت اہل محلّہ نے بلند اذان واقامت کے ساتھ اداکی ہو حتی کہ اگر غیر محلّہ کے لوگ کسی محلّہ کی مسجد میں آئے اور انہوں نے اذان دی اقامت کہی اور جماعت کروائی تو اب اہل محلّہ محراب تبدیل کئے بغیر جماعت کروانے کاحق رکھتے ہیں کیونکہ جماعت کرنے کاحق ان کا ہے تو غیر کی جماعت کی وجہ سے ان کا حق باطل نہیں ہوسکتا جیسا فقہانے اس کی تصریح کی ہے اور راستے کی مساجد میں کوئی عملی جماعت متعین نہیں ہوتی للذا باعتبار معنی مذکورکے ایسی مساجد کی کوئی ایک جماعت اولیٰ نہ ہوگی بلکہ ہرایک اولیٰ ہوگی کیونکہ وہاں بعض بعض سے اَولیٰ نہیں ہوتے۔(ت)

وللہذا ہر گروہ کہ آتا جائے اپنی اپنی جدا اذان واقامت سے جماعت کرے

کمافی ردالمحتار عن خزائن الاسرار عن امالی الامام قاضی خاں وفی خانیته مسجد لیس له مؤذن وامام معلوم ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة	جیساکہ ردالمحتار میں خزائن الاسرار سے امالی قاضیخاں سے اور انہی کے فتاوٰی خانیہ کے حوالے سے ہے ہر وہ مسجد جہاں کوئی مؤذن وامام مقرر نہ ہو وہاں لوگ مسجد میں گروہ در گروہ نمازاداکریں کیونکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ اذان واقامت کے ساتھ

علی حدۃ [1] وفی الشامیۃ عن المنبع اما مسجد الشارع فالناس فیہ سواء لااختصاص لہ بفریق دون فریق [2] ھ۔	الگ الگ نماز پڑھے اھ۔اور فتاوٰی شامی میں منبع سے ہے رہا معاملہ مسجد شارع کا تو اس میں تمام لوگ برابر ہوتے ہیں اس میں کسی ایک فریق کو تخصیص حاصل نہیں ہے اھ (ت)

الحمدللہ کلام اپنے ذروہ اقصی کو پہنچا اور حکم مسائل نے غایت انجلا پایا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق کا تقاضا یہی تھا اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) روشن رہے کہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، کو کسی کے کلام پر اخذ مقصود نہیں بلکہ صرف اظہار حق واداۓ واجب اکد واحق کے بعد سوال اعانت جواب وابانت صواب اہم واجبات شرعیہ سے ہے جس پر ہم سے حضور پر نور خاتم النّبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عہد واثق لیا۔

اللھم اجعلنا من المفلحین وبعھد نبیك من الموفین علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوۃ والتسلیم ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔	اے اللہ! ہمیں کامیاب ہونے والوں میں سے کردے اوا پنے نبی علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ عہد ایفاء کرنے والا بنادے۔ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے (ت)

الحمدللہ کہ یہ ضروری وموجز جواب کاشف صواب فرصت اختلاصی کے چند متفرق جلسوں میں ۲۴صفر ۱۳۱۲ہجریہ روز جان افروز دوشنبہ کو وقت اشراق مہر مشرق سماۓ ختام وبلحاظ تاریخ بدء وختم القلادۃ المرصعۃ فی نحر الاجوبۃ الاربعۃ اس کا پورا نام ہوا واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ ربّ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸، فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

اَلْقَطُوْفُ الدَّانِیَۃ لِمَنْ اَحْسَنَ الْجَمَاعَۃَ الثَّانِیَۃ ۱۳۱۳ھ

(جماعت ثانیہ کو مستحسن قرار دینے والے کے لئے جھکے ہوئے خوشے)

(جماعت ثانیہ کے ثبوت میں)

مسئلہ ۸۶۶: از مراد آباد مدرسہ امدادیہ مرسلہ مولوی سید محمد حبیب الرحمٰن صاحب سلہٹی ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ بغیر اذان واقامت در صورت بدل دینے ہیأت جماعت اولٰی کی از روئے شرع شریف بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جماعتِ ثانیہ بلاکراہت مطلقہ مطلقًا جائز ومباح عند اہل التحقیق ہے جس کی تنقیح بالغ وتوضیح بازغ مع ردوامع اوہام نابغ بعض ابنائے زمان بعونہ تعالٰی رسائل فقیر سے ظاہر وعیاں، یہاں نفس مسئلہ کے اجمالی احکام اور ان کے متعلق نقول ونصوص علمائے کرام پر اقتصار کیجئے کہ شان فتوٰی اسی کے شایاں۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتاہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے تحقیق کی گہرائی تک پہنچا جاسکتاہے۔ت)

اوّلاً تکرار جماعت کے جواز وافضیلت کی وہ صورتیں سنئے جن میں اصلاً نزاع کو گنجائش نہیں:

(۱) جو مسجد شارع عام یا بازار یا اسٹیشن یا سرا کی ہے جس کے لئے اہل معین نہیں، وقت پر جو لوگ گزرے یا اترے یا آئے یا پڑھ گئے غرض کسی محلّہ خاص سے خصوصیت نہیں رکھتی کہ وہاں کی معمولی جماعت

وہی ہے اوروں کا آنا اتفاقی وعارضی ہے ایسی مسجد میں بالاجماع تکرار جماعت باذان جدید وتکبیر جدید جائز بلکہ یہی شرعاً مطلوب ہے کہ نوبت بنوبت جولوگ آئیں نئی اذان واقامت سے جماعت کرتے جائیں اگرچہ (ایک نماز کے) وقت میں دس بیس جماعتیں ہوجائیں۔

(۲) مسجد محلّہ کہ ایک محلّہ خاص سے اختصاص رکھتی ہے اس میں اقامت جماعت انہیں کا حق ہے اگر ان کے غیر جماعت کرگئے تو اہل محلّہ کو تکرار جماعت بلاشبہہ جائز ہے جیسے کہ نماز جنازہ، حالانکہ اس کی تکرار اصلاً مشروع نہیں پھر بھی اگر غیر ولی بے اذن ولی پڑھاجائے اب ولی آئے اعادہ کا مجاز ہے کہ حق اس کا تھا۔

(۳) بعض اہل ہی جماعت کرگئے بے اذان پڑھ گئے۔

(۴) اذان بھی دی تھی مگر آہستہ ،ان صورتوں میں بھی بعد کو آنے والے باذان جدید بروجہ سنت اعادۂ جماعت کریں کہ جماعت معتبرہ وہی ہے جو اذان سے ہو اور اذان وہ جو اعلان سے ہو۔

(۵) محلے میں حنفی وغیر حنفی دونوں رہتے ہیں پہلے غیر حنفی امام نے جماعت کرلی اور حنفیّہ کو معلوم ہے کہ اس نماز میں اس نے مذہب حنفی کے کسی فرض طہارت یافرض صلوۃ یاشرطِ امامت کو ترک کیاہے مثلاً چہارم سر سے کم کا مسح یاآب قلیل نجاست افتادہ سے وضو یا جسم یاکپڑے قدر درہم سے زیادہ منی یاصاحب ترتیب کا باوصف یادووسعت وقت بے ادائے فائتہ وقتیہ پڑھنا یا نماز وقت تنہاپڑھ کر پھر اسی نماز میں امامت کرنا تو ایسی حالت میں حنفیّہ بلاشبہہ اپنی جماعت جداگانہ کریں کہ اگرچہ شرع اُن جماعت کرنے والوں کے لئے اسے جماعت اولیٰ مانے مگر حنفی تو اس میں اقتدا نہیں کرسکتا اگر کرے تو نماز ہی نہ ہو۔

(۶) اس خاص نماز کا تو حال معلوم نہیں مگر اس امام کی بے احتیاطی اور فرائض میں ترک لحاظ مذہب حنفی ثابت ہے جیسے عامہ غیر مقلدین کہ خواہی نخواہی اہل حق سے مخالفت اور مذاہب اربعہ خصوصاً مذہب مہذب حنفیّہ کی مضادّت پر حریص ہوتے ہیں جب بھی حنفیّہ کو ان کی اقتدا گناہ وممنوع ہے اپنی جماعت جدا کریں۔

(۷) اس کی نسبت امور مذکورہ کی مراعات کا عادی ہونا نہ ہونا کچھ معلوم نہیں جیسے کوئی نامعلوم الحال شافعی مالکی حنبلی اس صورت میں بھی ان کی اقتدا خالی از کراہت نہیں تو جماعت ثانیہ کا فضل مبین۔

(۸) عادت مراعات بھی معلوم ہی سہی تاہم بتصریح ائمہ امام موافق المذہب کے پیچھے جماعت ثانیہ ہی افضل واکمل، اور اسی پر حرمین محترمین ومصروشام وغیرہا بلاد دارالاسلام میں جمہور مسلمین کا عمل۔

(۹) جس نے جماعت اولیٰ کی فاسد العقیدہ بدمذہب بدعتی تھا مثلاً وہابی یا تفضیلی یامعاذ اللہ امکان کذب الٰہی تعالیٰ شانہ، ماننے والا یاصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کسی کو برا جاننے والا کہ عندالتحقیق

ایسوں کی اقتداء بکراہت شدیدہ سخت مکروہ ہے۔

(۱۰) فاسق تھا جیسے شرابی، زناکار یاداڑھی منڈا سودخوار کہ یہ لوگ ان وہابیوں کذابیوں وغیرہم بدمذہبوں کے مولویوں متقیوں سے بھی اگرچہ لاکھ درجہ بہتر حال میں ہیں پھر بھی ان کی اقتدا شرعاً بہت ناپسند۔

(۱۱) امام اولٰی نرابے علم جاہل نماز وطہارت کے مسائل سے غافل تھا جیسے اکثر گنوار غلام وغیرہم عوام کہ ایسے کی امامت بھی کراہت انضمام۔

(۱۲) قرآن مجید ایساغلط پڑھتاتھا جس سے معنی فاسد ہوں مثلاً ع یا ت، ط یا ث، س، ص یا ح، ہ یا ذ، ز، ظ میں تمیز نہ کرنے والے کہ آج کل اس دارالفتن ہند میں اکثر بلکہ عام عوام بلکہ بہت بلکہ اکثر پڑھے لکھے بھی اس بلامیں مبتلا ہیں **وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل وانا للّٰہ وانا الیہ راجعون** پھر خواہ بے خیالی بے احتیاطی یاسیکھنے میں بے پروائی یازبان کی نادرستی کوئی سبب ہو مذہب معتمد پر صحیح خواہ کی نماز اس کے پیچھے مطلقاً فاسد ہے اگرچہ ان میں بعض صور میں مذہب متاخرین خود اس کی اپنی نماز کے لئے بہت وسعتیں دے عندالتحقیق بھی بشرائط معلومہ مضبوطہ کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں تاکہ قادر ناقادر کاامام ہوسکے تو اگر یہی صورت صحت واقع ہو کر وہ جماعت اولٰی ٹھہرے لاجرم صحیح خوانوں کو جماعت ثانیہ ہی کاحکم ملے یہ صورت اولٰی کی مانند ہے اول باآخر نسبتے دارد، غرض ایسی صورتیں جماعت ثانیہ کی خاص تاکید یا فضل مزید کی ہیں جن میں بالاجماع یا علی الاصح اصلا کلام کی گنجائش نہیں۔ ضابطہ یہ ہے کہ جب جماعت اولٰی اہل مسجد [عہ] یااہل مذہب کی نہ ہو یااپنے مذہب میں فاسدہ یامکروہہ ہو تو ہمیں جماعت ثانیہ کی مطلقاً اجازت بلکہ درصورت کراہت قصداً تفویت اولٰی کی رخصت جبکہ ثانیہ نظیفہ مل سکتی ہو اور درصورت فساد تو اس میں شرکت ہی سے صاف ممانعت اگرچہ ثانیہ بھی میسر نہ ہو، اب ان تمام مطالب پر نصوص علماء سنئے ے فقیر نے ان سب مسائل میں بتوفیقہ تعالٰی قول منقح اختیار کیاہے اسی کے متعلق عبارات کتب بایجاز واختصار نقل کروں کہ ذکر اقاویل و تطبیق وتوفیق وترجیح وتحقیق وتنقیح وتدقیق محتاج تطویل، معہذا بعونہ تعالٰی ان مباحث میں یہ سب مدارج فتاوٰی ورسائل وتعالیقِ فقیر میں طے ہوچکے ہیں **وباللّٰہ التوفیق**۔ متن غرر میں ہے:

لاتکرر فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ	مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت

عــہ صادق بان لااھل لہ اوصلی من لیس من اھلہ ۱۲ منہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ (م)	یہ بایں طور صادق ہے کہ اس مسجد کا کوئی اہل معین نہ ہو یاجس نے نماز پڑھائی وہ مسجد کے اہل میں سے نہ ہو (یعنی اہل محلّہ نہ ہو) ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

الا اذاصلی بھما فیه اولاغیراھله اوصلی اھله بمخالفتة الاذان [1]۔	جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ غیر محلّہ والوں نے وہاں اذان واقامت کے ساتھ اوّلاً جماعت کروائی ہو یااہل محلّہ نے آہستہ اذان دے کر جماعت کروائی ہو۔(ت)

خزائن الاسرار شرح تنویر الابصار میں ہے:

لوکان مسجد طریق جاز اجماعا کما فی مسجد لیس له امام ولامؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان و اقامة علی حدة کما فی امالی قاضی خاں [2]۔	اگر مسجد شارع ہے تو بالاتفاق تکرار جماعت جائز جیسا کہ اس مسجد کا حکم ہے جس کاامام ومؤذن مقرر نہ ہواور لوگ اس میں گروہ در گروہ نماز ادا کرتے ہوں تووہاں افضل یہ ہے کہ ہر فریق اپنی اپنی اذان واقامت کے ساتھ الگ الگ نماز پڑھے جیسا کہ امالی قاضی خاں میں ہے۔(ت)

در مختار میں ہے:

تکرہ خلف مخالف کشافعی لکن فی وتر البحر ان تیقن المراعاة لم یکرہ اوعدمھالم یصح وان شك کرہ [3]۔	مخالف کے پیچھے نماز مکروہ ہے مثلاً شافعی المسلک کے پیچھے، لیکن بحر میں وتر کی بحث میں ہے کہ اگر اس کامذہب حنفی کی رعایت کرنا یقینی ہو توپھر مکروہ نہیں، اگرمذہب حنفی کی رعایت نہ کرنا یقینی ہو تو صحیح نہ ہوگی، اور اس کے بارے میں شک ہو تو نماز مکروہ ہے۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

حاصله ان صاحب الھدایة جوزالاقتداء بالشافعی بشرط ان لایعلم المقتدی منه	حاصل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے شافعی کی اقتداء کواس شرط کے ساتھ جائز کہاہے کہ جب مقتدی اس امام کے کسی ایسے عمل کو نہ جانتا ہو جو مقتدی کی

[1] کتاب درالحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الامامة مطبوعه مطبع احمد کامل الکائنه فی دار سعادت مصر ۱/۴۰۸
[2] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامة مطبوعه مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[3] در مختار باب الامامة مطبوعه مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

مایمنع صحة صلاته فی رأی المقتدی کالفصد ونحوه وعددمواضع عدم صحة الاقتداء به فی العنایة وغایة البیان بقوله کما اذالم یتوضأ من الفصد والخارج من غیرالسبیلین وکماکان شاکافی ایمانه بقوله انامومن ان شاء الله اومتوضأ من القلتین اویرفع یدیه عندالرکوع وعند رفع الراس من الرکوع اولم یغسل ثوبه من المنی ولم یفرکه اوانحرف عن القبلة الی الیسار اوصلی الوتر بتسلیمتین اواقتصرعلی رکعة اولم یوتراصلا اوقهقهه فی الصلاة ولم یتوضأ اوصلی فرض الوقت مرة ثم ام القوم فیه زاد فی النهایة وان لایراعی الترتیب فی الفوائت وان لایمسح ربع راسه وزاد قاضی خاں وان یکون متعصبا والکل ظاهر ماعدا خمسة اشیاء [1]	رائے کے مطابق صحت نماز کے منافی ہے۔ مثلاً رگ کٹوانا وغیرہ، عدم صحت اقتداء کے چند مواضع عنایہ اور غایۃ البیان سے، ان الفاظ سے بیان کئے کہ مثلاً جب اس امام نے رگ کٹوانے یا غیر سبیلین سے کسی شے کے خارج ہونے پر وضو نہ کیا ہو یا اس امام کے ایمان میں شک ہے، مثلاً وہ یہ کہتا ہے کہ "ان شاء اللہ میں مومن ہوں" یا وہ قلتین پانی سے وضو کرتا ہے یا رکوع جاتے وقت اور اُٹھتے وقت رفع یدین کرتا ہے یا وہ منی لگ جانے کی وجہ سے کپڑے کو نہیں دھوتا اور نہ ہی اسے کھرچتا ہے (گاڑھی ہونے کی صورت) میں یا وہ قبلہ سے بائیں جانب پھرتا ہے یا وہ دوسلاموں سے وتر ادا کرتا ہے یا ایک رکعت وتر پڑھتا ہے یا بالکل پڑھتا ہی نہیں یا نماز میں قہقہہ سے ہنستا ہے اور وضو نہیں کرتا یا ایک دفعہ وقتی نماز پڑھا چکا ہے پھر اسی نماز کا امام بن جاتا ہے۔ اس پر نہایہ میں اضافہ ہے کہ فوت شدہ نمازوں میں ترتیب کی رعایت نہ رکھتا ہو حالانکہ وہ صاحب ترتیب ہو سر کے چوتھائی حصہ کا مسح نہ کرے، قاضی خاں نے یہ اضافہ کیا ہے کہ وہ متعصب ہو، ان پانچ کے علاوہ باقی تمام واضح ہیں۔
الاول مسئلة التوضؤ من القلتین فانه صحیح عندنااذالم یقع فی الماء نجاسة ولم یختلط بمستعمل	**اول** قلتین سے وضو کرنا ہمارے نزدیک بھی صحیح ہے جبکہ اس میں نجاست نہ گری ہو، اور س کے مساوی یا زائد اس میں مستعمل پانی نہ ملا ہو

[1] بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

مساولہ اوا کثر فلابد ان یقید قولھم بالقلتین المتنجس ماؤھما او المستعمل بالشرط المذکور لامطلقا۔ **الثانی** مسئلۃ رفع الیدین من وجھین الاول ان الفسادروایتہ شاذۃ لیست بصحیحۃ روایۃ ولادرایۃ الثانی ان الفساد عند الرکوع لایقتضی عدم صحۃ الاقتداء من الابتداء مع ان عروض البطلان غیرمقطوع بہ حتی یجعل کالمتحقق عند الشروع لان الرفع جائزالترك عندھم لسنیتہ۔ **الثالث** مسئلۃ الانحراف عن القبلۃ الی الیسارلان المانع عندنا ان یجاوزالمشارق الی المغارب والشافعیۃ لاینحرفون ھذا الانحراف۔ **الرابع** مسئلۃ التعصب لان التعصب علی تقدیر وجودہ منھم انما یوجب الفسق والفسق لایمنع صحۃ الاقتداء۔ **الخامس** مسئلۃ الاستثناء فی الایمان فان التکفیر غلط و الاستثناء قول اکثر السلف[1]اھ ملتقطا

لہٰذا قلتین کے ساتھ یہ شرط لگانا بھی ضروری ہے کہ قلتین کا پانی ناپاک ہو یااس میں مستعمل پانی برابر یازائد ملاہو ورنہ مطلقًا حکم لگانا درست نہیں۔

دوم رفع یدین کی دو صورتیں ہیں ایک تو فساد والی روایت شاذہ ہے نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ دوسری یہ کہ رکوع کے موقع پر فساد کا عارض ہونا ابتداءً اقتداء کے منافی نہیں، باوجود اس کے بطلان کا عارض ہونا بھی یقینی نہیں حتی کہ اسے بوقت شروع ہی متحقق قرار دے دیاجائے کیونکہ رفع یدین کا چھوڑنا بھی جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ سنت ہی ہے (تو ممکن ہے وہ اس کو ترک کردے)

سوم قبلہ سے بائیں طرف انحراف کامعاملہ، تواس معاملہ میں ہمارے نزدیک مانع وہ انحراف ہے جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو اور شوافع ایسے انحراف کے قائل نہیں۔

چہارم رہا تعصب کامعاملہ، تو اگر ان سے تعصب ثابت ہو تو یہ فسق کا موجب ہے اور فسق صحت اقتداء سے مانع نہیں ہوتا۔

پنجم باقی ایمان کا ان شاء اللّٰہ کے ساتھ معلق کرنے والا مسئلہ، تواس میں فتوٰی کفر غلط ہے کیونکہ معلق کرنا بہت سے اسلاف کا قول ہے اھ تلخیصا (ت) یہ کلام بحر فی البحر تھا۔

[1] بحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵، ۴۶

اقول: وقد کانت ظھرت لی بحمد الله الخمسة المذکورة اول مانظرت الکلام مع زیادة فلنذکر مابقی من الابحاث تتمیما للافادة الاول قولھم لم یوتر اصلالایظھرله وجه فانه بترکه لایفسق فضلا عما یوجب بطلان الاقتداء فان الوتر وان وجب عندنا فھو مجتھد فیه ولاتفسیق بالاجتھادیات وان حمل علی انه ان لم یصله لم یصح الاقتداء به فی الفجر بشرطه لفوات الترتیب نافاہ قوله زاد فی النھایة وان لایراعی الترتیب ثم رأیت العلامة الشامی علیہ فی منحة الخالق بھذا ثم اعله بالتکرار قال فلیتامل ماالمراد[1] **اقول:** بل ھو اشد من التکرار فان قوله زاد لا یحتمله کما علمت الثانی اقول وینبغی اسقاط صلاته الوتر بتسلیمتین فان طریان المبطل غیرالبطلان من رأس کما افادہ البحر ثم علی ماذھب الیه الامام ابوبکر الرازی	**اقول:** (میں کہتاہوں) بحمداللہ سرسری نظر میں یہ پانچ ہی تھے، کچھ اور بحثیں بھی ہیں، ہم ان باقی کو افادہ کے لئے یہاں ذکر کردیتے ہیں، اول، اصلا وہ وتر نہ پڑھتاہو ان کا یہ قول درست نہیں کیونکہ وتر کے ترک سے وہ فاسق نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کی اقتداء کو باطل قرار دیا جائے کیونکہ وتر ہمارے ہاں اگرچہ واجب ہیں لیکن یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور اجتہادی مسائل میں کسی کو فاسق قرار نہیں دیا جاسکتا اور اگر اس عبارت کو اس پر محمول کیا جائے کہ اگر وتر ادا نہیں کرتا تو اس کی فجر میں اقتداء جائز نہ ہوگی کیونکہ ترتیب فوت ہوگئی ہے، تو اب اس کے قول کہ نہایہ میں اضافہ ہے کہ اگر وہ ترتیب کی رعایت نہیں تو اقتداء جائز نہیں، یہ منافی قرار پائے گا، پھر میں نے علامہ شامی کو دیکھا تو انہوں نے منحۃ الخالق میں یہ ہی علت بیان کی اور اس پر تکرار کا اعتراض کیا اور کہا اس سے مراد پر غور کرنا چاہیے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) بلکہ یہ تکرار سے اشد ہے کیونکہ اس کا لفظ "زاد" اس کا احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ جان لیا ہے۔ دوسرا یہ کہ **اقول:** (میں کہتاہوں) وتر کو دوسلاموں کے ساتھ ادا کرنے والے احتمال کو ساقط کردینا چاہئے تھا کیونکہ عارضی مبطل کا لاحق ہونا وہ اس بطلان کا غیر ہوتا ہے جو ابتداءً ہو جیسا کہ بحر میں ہے۔ پھر امام ابوبکر رازی

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۵/۲

لایفسد بالمآل ایضًا لان امامه لم یخرج عندہ نفسه بالسلام فانه یحسب مابعدہ من الوتر وھو مجتھد فیه نعم الاصح الفساد کما جزم به فی متن التنویر وھوالمؤید بقول الجمھور الصحیح المشھور من ان العبرۃ لراء المقتدی، الثالث مثله الکلام فی اقتصارہ علی رکعۃ الرابع افادالشامی، قال افادشیخنا حفظه اللّٰه تعالٰی ان المراد انحرا فھم اذا اجتھدوا فی القبلۃ مع وجود المحاریب القدیمۃ فانه یجوز عندھم لاعندنافلوانحرف عن المحراب القدیم(ای انحرا فاجاوز المشارق الی المغارب)لایصح الاقتداء به[1]ھ **اقول:** وھو وجیه مسقط لوجه اسقاط عند الانحراف نعم لابد من التقیید وھو غیربعید فان عدم رعایۃ الترتیب وعدم غسل المنی اوفرکه کل مقید کما نبھنا علیه ولم یوجب اسقاطھما فکذا ھذا وبه ظھر الخامس وھو عدم اسقاط التوضؤ من القلتین وان کان الوجه ھو التقیید الا ان	جس طرف گئے ہیں وہ یہ ہے کہ مآلاً بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک سلام کے ساتھ امام نماز سے خارج نہیں ہورہا بلکہ وہ مابعد کو وتر سمجھتا ہے لہذا وہ معاملہ اجتہادی ٹھہرا،ہاں اصح فساد ہے جیساکہ اس پر متن تنویر میں جزم کیاگیا ہے اور اس کی تائید جمہور کے اس صحیح مشہور قول سے ہوتی ہے کہ اعتبار مقتدی کی رائے کا ہے۔ تیسرا یہ کہ وتر کی ایک رکعت پڑھنا اس پر بھی سابقہ گفتگو ہی ہے۔ چوتھا امام شامی نے فرمایا ہمارے شیخ حفظہ اللہ نے فرمایا انحراف سے مراد یہ ہے کہ قدیم محراب ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہوئے وہ انحراف کریں تو یہ ان کے ہاں جائز ہے ہمارے ہاں جائز نہیں، تو اگرامام محراب قدیم سے منحرف ہوگیا(یعنی ایسا انحراف جو مشارق سے مغارب کی طرف متجاوز ہو) تو اس کی اقتداء صحیح نہ ہوگی اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ توجیہ اس توجیہ کی ساقط ہوگی جو انحراف کے وقت اسقاطاً کی گئی ہے، ہاں اسے مقید رناضروری ہے اور وہ بعید نہیں کیونکہ عدم رعایت ترتیب یاعدم غسل منی یااس کاکھرچنا تمام مقید ہیں جیساکہ ہم نے اس پرتنبیہ کردی ہے تو یہ بات ان کے اسقاط کاسبب نہیں ہوسکتی تو یہاں (انحراف) میں بھی یہی معاملہ ہے اور اسی سے پانچویں بحث ظاہر ہے اور وہ قلتین پانی سے وضو کاعدم اسقاط ہے اگرچہ یہاں

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۵/۲

یفرق بالغالب والنادر والخفی والمتبادر ولنرجع الی ماکنافیه من الکلام فماکان الامن تجاذب القلم عنان الرقم لمناسبة المقام۔	مناسب اس کا مقید کرنا ہے مگر غالب ونادر اور خفی ومتبادر میں فرق کیاجاتاہے اب ہم سابقہ گفتگو کی طرف لوٹتے ہیں یہ تومناسبت مقام کی وجہ سے قلم سے مجبورًا تحریر صادر ہوگئ (ت)

نیز بحر میں ہے:

فصار الحاصل ان الاقتداء بالشافعی علی ثلثة اقسام الاول ان یعلم منه الاحتیاط فی مذهب الحنفی فلاکراهة فی الاقتداء به الثانی ان یعلم منه عدمه فلاصحة لکن اختلفوا هل یشترط ان یعلم منه عدمه فی خصوص مایقتدی به اوفی الجملة صحح فی النهایة الاول وغیره اختارالثانی و فی فتاوی الزاهدی الاصح انه یصح وحسن الظن به اولی الثالث ان لایعلم شیئًا فالکراهة[1] (ملخصًا)۔	حاصل یہ ہے کہ شافعی کی اقتداء تین طرح کی ہے، اول یہ کہ اس امام کا مسلک حنفی کی احتیاط ورعایت کرنا معلوم ہو تواب اس کی اقتداء میں کراہت نہ ہوگی۔ ثانی یہ کہ اس امام کا رعایت نہ کرنا معلوم ہو تواب اقتداء صحیح نہ ہوگی لیکن اختلاف اس بارے میں ہے کہ کیابالخصوص اسی نماز میں جس میں اقتداء مطلوب ہے عدم احتیاط کاعلم ضروری ہے۔ یافی الجملہ عدم احتیاط کاعلم ضروری ہے۔ نہایہ میں پہلے کو صحیح کہا اور دوسرے لوگوں نے دوسرے کو مختار قرار دیا۔ فتاوٰی زاہدی میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اقتداء صحیح ہے اور اس کے ساتھ حسن ظن رکھنا اولٰی ہے۔ ثالث یہ کہ اس کے بارے میں علم نہیں کہ وہ رعایت کرتاہے یانہیں (یعنی مشکوک صورت ہے) تواب اقتداء مکروہ ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

نقل الشیخ خیرالدین عن الرملی الشافعی انه مشی علی کراهة الاقتداء	شیخ خیرالدین نے رملی الشافعی سے نقل کیاہے کہ وہ مخالف کی اقتداء کواس وقت مکروہ جانتے جب

[1] بحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۶،۴۷

بالمخالف حیث امکنہ غیرہ ومع ذلك ھی افضل من الانفراد یحصل لہ فضل الجماعۃ وبہ افتی الرملی الکبیر واعتمدہ السبکی والاسنوی وغیرھما قال والحاصل ان عندھم فی ذلك اختلافا وقد سمعت مااعتمدہ الرملی وافتی بہ والفقیر اقول مثل قولہ فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیہ المنصف یسلم ذلك وانارملی فقہ الحنفی÷ لامرابعد اتفاق العالمین÷ ھ ملخصا یعنی بہ نفسہ ورملی الشافعیۃ رحمھمااللہ تعالٰی فتحصل ان القتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض افضل من الافراد اذا لم یجد غیرہ والافالاقتداء بالموافق افضل ۔[1]	غیر کی اقتداء ممکن ہو، اور اس کے باوجود اقتداء تنہا نماز سے افضل ہے اور ایسی صورت میں جماعت کاثواب مل جائے گا۔ اسی پر رملی کبیر نے فتوی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہما نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے کہا حاصل یہ ہے کہ ان (فقہاء) کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور میں نے وہ سن رکھا ہے جس پر رملی نے اعتماد کرتے ہوئے فتوی دیا اور فقیر انہی کے مطابق کہتاہے اس اقتداء میں جو حنفی کی شافعی کے ساتھ ہو اور منصف فقیہ اسے تسلیم کرے گا۔ میں رملی ہوں فقہ حنفی رکھتاہوں دوعالموں کے اتفاق کے بعد کوئی شک نہیں ہے تلخیصًا یہاں انہوں نے انا سے اپنی ذات اور رملی سے شافعی مراد لیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اس مخالف کی اقتداء جو رعایت کرتاہو فرائض میں تنہا نماز پڑھنے سے افضل ہے جبکہ اس کے علاوہ کوئی امام موجود نہ ہو ورنہ موافق ملنے کی صورت میں اس کی اقتداء افضل ہوگی۔(ت)

اسی میں مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری سے ہے:

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی مااستحسنہ عامۃ المسلمین وعمل بہ جمھور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصر و	اگر ہر مذہب کاامام ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے تو موافق کی ابتداء افضل ہوگی خواہ وہ پہلے امامت کرے یابعد میں، اسے ہی عامۃ المسلمین نے مستحسن جاناہے اور اہل حرمین، بیت المقدس، مصر اور شام کے جمہور مسلمان اسی پر عمل پیرا ہیں ان

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۶/۱

الشام ولاعبرۃ بمن شذ منھم [1] اھ۔	سے جو کوئی اِکّادُکّا اس کے خلاف رائے رکھتے ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں (ت)

پھر خود فرمایا:

والذی یمیل الیہ القلب عدم کراھۃ الاقتداء بالمخالف مالم یکن غیرمراع فی الفرائض وانہ لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ [2]۔	جس بات کی طرف دل مائل ہورہاہے وہ یہ ہے کہ جو مخالف فرائض میں رعایت کرنے والا ہو اس مخالف کی اقتداء مکروہ نہ ہوگی، اور اگر کوئی شخص جماعت کی صفوں سے دور اپنے مذہب کے امام کا انتظار کرتا ہے تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ وہ یقینی طور پر اس جماعت سے اکمل جماعت کے انتظار میں ہے (ت)

اسی میں زیر مسئلہ امامت عبد واعرابی وغیرہما تبعاللبحر (بحر کی اتباع میں) ہے:

یکرہ الاقتداء بھم تنزیھا فان امکن الصلاۃ خلف غیرھم فھو افضل والافالاقتداء اولی من الانفراد [3]۔	ان کی اقتداء مکروہ تنزیہی ہے اگر ان کے علاوہ کوئی امام میسر ہو تو اس کی اقتداء افضل ہے ورنہ تنہا ادا کرنے سے ان کی اقتدا بہتر ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المعراج قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجداماما غیرہ [4]۔	معراج میں ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ جمعہ کے علاوہ میں فاسق کی اقتداء جائز نہیں کیونکہ جمعہ کے علاوہ نمازوں میں دوسرے امام کی اقتداء ممکن ہوتی ہے (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۳

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

بقی لوکان مقتدیا بمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھرط ان الاول لوفاسقالایقطع ولومخالفا وشك فی مراعاۃ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی کراھتہ تنزیھیۃ کالاعمٰی و الاعرابی بخلاف الفاسق فانہ استظھر فی شرح المنیۃ انھا تحریمیۃ لقولھم ان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علینا اھانتہ[1] الخ	باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کوئی شخص ایسے امام کی اقتدا میں ہے جس کی اقتدا مکروہ تھی، ساتھ ہی ایسا امام جماعت کروائے جس میں کراہت نہیں تو آیا اب وہ نماز توڑ کر اس کی اقتدا کرے یا نہ، ط نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگر پہلا امام فاسق ہے تو نماز نہ توڑے اور اگر وہ مخالف ہے اور اس کی رعایت میں شک ہو تو نماز توڑ دے۔ میں کہتا ہوں اس کا عکس اظہر ومختار ہے کیونکہ ثانی میں کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ اعرابی اور نابینا میں ہے، بخلاف فاسق کے، اس کی اقتداء کے بارے میں شرح منیہ میں کہا کہ اس کا مکروہ تحریمی ہو ناظاہر ہے کیونکہ فقہا کہتے ہیں کہ فاسق کو امام بنانے میں فاسق کی تعظیم ہوتی ہے حالانکہ ہم پر اس کی اہانت لازم ہے الخ (ت)

غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی للعلامۃ ابراہیم الحلبی میں ہے:

یکرہ تقدیم المبتدع ایضا لانہ فاسق من حیث الاعتقادوھواشد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع[2]۔	بدعتی کی اقتدا مکروہ ہے کیونکہ وہ اعتقادًا فاسق ہے اور عقیدۃً فاسق عملًا فاسق سے بدتر ہے، کیونکہ فاسق عملی اعتراف کرتا کہ وہ فاسق ہے وہ ڈرتا ہے اور اللہ سے معافی مانگتا ہے بخلاف بدعتی کے کہ وہ ایسا نہیں کرتا۔ (ت)

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

لایصح اقتداء غیرالالثغ بالالثغ علی الاصح کما فی البحر وحررالحلبی وابن الشحنۃ انہ بعد بذل جھدہ دائما حتما کالامی فلایؤم الامثلہ ولاتصح صلاتہ	اصح قول کے مطابق غیر توتلے کا توتلے کی اقتدا کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر میں ہے، حلبی اور ابن شحنہ نے کہا جب توتلا دائمی کوشش کرتا رہے تو وہ امی کی طرح ہے اور صرف توتلے کی اقتداء کرسکتا ہے اور جب

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵
[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اذامکنه الاقتداء بمن یحسنه اوترك جهده اووجد قدرالفرض ممالالثغ فیه هذا هو الصحیح المختار فی حکم الالثغ وکذا من لایقدر علی التلفظ بحرف من الحروف[1]۔	اسے کسی عمدہ پڑھنے والے کی اقتداء ممکن ہو تو اب تنہا نماز نہ ہوگی، اسی طرح حکم ہے جب اس نے کوشش ترک کردی یا وہ مقدار فرض کی قرات پر قادر ہوگیا جس میں اسے توتلاپن پیدانہیں ہوتا، توتلے کے حکم میں یہی صحیح ومختار ہے، اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جو حروف میں سے کسی حرف کے صحیح تلفظ پر قادر نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وذلك کالرحمن الرهیم والشیتان الرجیم والالمین وایاك نابدوایاك نستئین السرات انأمت فکل ذلك حکمه مامر[2]۔	جیسے کوئی رحمٰن، رھیم، شیتان الرجیم، آلمین، ایاک نابدوایاک نستئین، السرات، انأمت پڑھتاہے ان صوتوں کا حکم پیچھے گزرچکا ہے(ت)

فتاوی خیریہ میں ہے:

امامة الالثغ للفصیح

فاسدة فی الراجع الصحیح[3]

(راجح اور صحیح قول کے مطابق فصیح کے لئے توتلے کی اقتداء فاسد نماز ہے۔ت)

اب محل نظر صرف ایک صورت رہی کہ مسجد محلّہ میں اہل محلّہ نے باذان واقامت بروجہ سنت امام موافق المذہب سالم العقیدہ متقی مسائل داں صحیح خواں کے ساتھ جماعت اولٰی خالیہ عن الکراہۃ ادا کرلی پھر باقی ماندہ لوگ آئے انہیں دوبارہ اس مسجد میں جماعت قائم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں، اور ہے تو بکراہت یا بے کراہت؟ اس بارے میں عین تحقیق وحق وثیق وحاصل انیق ونظر دقیق واثر توفیق یہ ہے کہ اس صورت میں تکرار جماعت باعادہ اذان ہمارے نزدیک ممنوع وبدعت ہے، یہی ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مہذب وظاہر الروایہ ہے، متن متین مجمع البحرین وبحرالرائق علامہ زین میں ہے:

ولاتکررها فی مسجد محلة باذان ثان[4]۔	مسجد محلّہ میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت جائز نہیں۔ (ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۳۱

[3] فتاوی خیریہ، کتاب الصلاۃ، مطبوعہ دارالمعافہ بیروت، ۱/۱۰

[4] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶

درمختار وخزائن الاسرار میں ہے:

والنظم للدر یکرہ تکرار الجماعۃ باذان و اقامۃ فی مسجد محلۃ لافی مسجد طریق اومسجد لاامام لہ ولامؤذن[1]۔	الفاظ درکے ہیں محلّہ کی مسجد میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مکروہ ہے، راستہ کی مسجد یاایسی مسجد جس کا کوئی امام ومؤذن مقررنہ ہو اس میں تکرارجماعت مکروہ نہیں۔(ت)

غررالاحکام اوراس کی شرح دررالحکام میں ہے:

لاتکرر الجماعۃ فی مسجد محلۃ باذان واقامۃ یعنی اذاکان لمسجد امام و جماعۃ معلومان فصلی بعضھم باذان واقامۃ لایباح لباقیھم تکرارھابھما[2]۔	اذان واقامت کے ساتھ جماعت کا تکرار محلّہ کی مسجد میں درست نہیں یعنی جب مسجد کے لئے امام اور جماعت متعین ہو پس بعض نے اذان واقامت کے ساتھ نمازپڑھ لی تو اب دوسرے لوگوں کے لئے اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت مباح نہیں ہے۔(ت)

شرح المجمع للمصنف الامام العلامۃ ابن الساعاتی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

المسجد اذاکان لہ امام معلوم وجماعۃ معلومۃ فی محلۃ فصلی اھلہ فیہ بالجماعۃ لایباح تکرارھافیہ باذان ثان[3]۔	جب مسجد محلّہ کاامام اور جماعت مقرر ہو اور اہل محلّہ نے اس مسجد میں نماز اداکرلی ہو تو اب دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت مباح نہیں۔(ت)

وجیز کردری وغنیہ علامہ حلبی میں ہے:

لوکان لہ امام ومؤذن معلوم فیکرہ تکرار الجماعۃ فیہ باذان واقامۃ عندنا[4]۔	اگرمسجد کے لئے امام اور مؤذن مقرر ہو تو ایسی مسجد میں ہمارے نزدیک اذان واقامت کے ساتھ تکرارجماعت مکروہ ہوگا۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی شرح صدرالشریعۃ العظمٰی میں ہے:

---

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۸۲

[2] دررالحکام شرح غررالاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعہ احمد کامل الکائنہ دارسعادت مصر ۱/۸۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام المسجد، مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۶۱۴

ان کان للمسجد امام معلوم وجماعة معلومة فصلوا فیه بجماعة باذان واقامة لایباح تکرارھا بھما[1]۔	اگر مسجد کاامام اور جماعت معین ہے اور اس میں لوگوں نے اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھ لی تو اب اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت مباح نہیں۔(ت)

جس کاحاصل عندالتحقیق کراہت اذان جدید کی طرف راجع نہ نفس جماعت کی طرف ولہٰذا اسی مذہب کو امام محقق محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی نے حلیہ میں اس عبارت سے ارشاد فرمایا:

المسجد اذاکان له اھل معلوم فصلوا فیه اوبعضھم باذان واقامة کرہ لغیر اھله وللباقین من اھله اعادة الاذان والاقامة[2]۔	اگر مسجد کے لئے اہل معین ہوں اور اس میں وہ تمام یا بعض اہل اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا کرلیں تو غیر اہل محلّہ اور باقی ماندہ اہل محلّہ کے لئے اذان واقامت کااعادہ مکروہ۔(ت)

اور اگر بغیر اس کے تکرار جماعت کریں توقطعًا جائز ورواہے اسی پر ہمارے علماء کااجماع ہواہے، خزائن میں ہے:

لوکرر اھله بدونھما جاز اجماعا[3]۔	اگر اہل محلّہ نے بغیر اذان واقامت کے تکرار جماعت کیاتو یہ بالاتفاق جائز ہے۔(ت)

درر میں ہے:

لوکان مسجد الطریق یباح تکرارھا بھما ولوکرر اھله بدونھما جاز[4]۔	اگر راستہ کی مسجد ہو تو اذان واقامت دونوں کے ساتھ تکرار جماعت مباح ہے اور اگر اہل محلّہ ان دونوں کے بغیر تکرار کریں توجماعت جائز ہے(ت)

شرح المجمع للمصنف وعلمگیریہ میں ہے:

امااذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا	اگر بغیر اذان کے پڑھی ہو تو بالاجماع مباح ہے اسی طرح

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور انڈیا ۱/۷۷
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[3] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸
[4] درر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت مصر ۱/۸۵

وکذا فی مسجد قارعة الطریق[1]۔	حکم ہے اگر مسجد راستہ پر واقع ہو۔(ت)

ذخیرۃ العقبٰی وشرح المجمع للعلامہ میں ہے:

لوصلوا فیه بلااذان یباح اتفاقا[2]۔	اگر بغیر اذان کے نماز پڑھی تو بالاتفاق تکرار جماعت مباح ہے۔(ت)

عباب وملتقط وشرح درر البحار و رسالہ علامہ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الہمام و حاشیۃ البحر للعلامہ خیر الدین الرملی استاذ صاحب الدرالمختار میں ہے:

یجوز تکرار الجماعة بلااذان وبلااقامة ثانیة اتفاقا قال وفی بعضها اجماعا[3]۔	تکرار جماعت اذان واقامت کے بغیر بالاتفاق جائز ہے کہا بعض کتب میں اجماع کالفظ مستعمل ہوا ہے۔(ت)

پھر یہ جواز مطلقاً محض وخالص ہے یا کہیں کراہت سے بھی مجامع، اس میں صحیح یہ ہے کہ اگر محراب میں جماعت ثانیہ کریں تومکروہ، اور محراب سے ہٹ کر تو اصلاً کراہت نہیں، خالص مباح وماذون فیہ ہے۔ بزازیہ وشرح منیہ وردالمحتار میں ہے:

عن ابی یوسف انه اذالم تکن الجماعة علی الهیئة الاولٰی لاتکره والاتکره وهوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الهیأة[4]۔	امام ابویوسف سے مروی ہے جب جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو تومکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کرادا کرنا ہیئت کی تبدیلی ہے۔(ت)

ولوالجیہ وتاتارخانیہ وشامیہ میں ہے: به نأخذ[5] (اسی کو ہم لیتے ہیں۔ت) اُسی میں ہے:

قدقلت ان الصحیح تکرار الجماعة اذالم تکن علی الهیأة الاولٰی[6]۔	میں کہتاہوں کہ تکرار جماعت اس وقت صحیح ہے جب وہ جماعت پہلی ہیئت پر نہ ہو(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[2] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور انڈیا ۱/۷۷

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق بحوالہ حاشیہ البحر للعلامہ خیر الدین الرملی باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۶

[4] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹

[5] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹

[6] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۰۹

یہ ان احکام میں اجمالی کلام تھا،

وللتفصیل محل اٰخر الحمدللہ العلی الاکبر والصلاۃ والسلام علی الحبیب الازھروالہ واصحابہ الاطائب الغرر۔	تفصیل کے لئے دوسرامقام ہے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جوبلندوبرتر ہے۔ صلوٰۃ وسلام ہو حبیب خوب پر، ان کی آل واصحاب پرجوپاکیزہ ہیں (ت)
واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	

مسئلہ ۸۶۷: زید نے وقت مغرب ایک مسجد میں داخل ہو کر دیکھا کہ جماعت ہورہی ہے اور امام قرات بجہر پڑھ رہاہے زید نے اس امام کی اقتداء نہ کی اور اس آن واحد میں علیحدہ اپنی قرات بجہر شروع کردی اور دوسری جماعت قائم کی پس زید کاکیاحکم ہے اور جماعت ثانی کاجوبحالت موجودگی جماعت اول قائم ہوئی ہے کیاحکم ہے اور دوشخص ایک آن میں قرات بجہر کرسکتے ہیں یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تفریق جماعت حاضرین حضرت حق سبحٰنہ، وتعالٰی کو نہایت ناپسند ہے حتی کہ انتہادرجہ کی ضرورت میں یعنی جب عساکر مسلمین ولشکر کفار میں صف آرائی ہو مورچہ بندی کرچکے ہوں اور وقت نماز آجائے اس وقت بھی نمازِخوف کی وہ صورت قرآن مجید میں تعلیم فرمائی جس سے تفریق جماعت نہ ہونے پائے اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز ہو ورنہ ممکن تھا کہ نصف برسرمعرکہ رہیں اور نصف باقی اپنی جماعت کرلیں پھر یہ نصف مقابلہ پر چلے جائیں اور وہ آکر اپنی نمازپڑھ لیں اتحاد جماعت کی عنداللہ ایسی ہی توکچھ سخت ضرورت ہے جس کے لئے عین نماز میں مشی کثیر جومفسد صلوٰۃ ہے روارکھی گئی۔ علاوہ بریں صدہاآیات واحادیث اس فعل کی مذمت پردال ہیں اور حکمت ایک جماعت کی مشروعیت کہ ایتلاف مسلمین ہے کہ نہایت محبوب الٰہی ہے یہ فعل بالکلیہ اس کے مناقض ہے کمالایخفی (جیساکہ مخفی نہیں۔ت) جس زمانے میں نظم خلافت حقہ گسیختہ اور بنائے امامت راشدہ ازہم ریختہ ہوگئی تھی اور سلطنت فساق وفجار بلکہ بدمذہبان فاسدالعقیدہ کو پہنچی تھی وہ لوگ امامت کرتے اور صحابہ وتابعین وکافہ مسلمین بمجبوری ان کے پیچھے نمازپڑھتے اس وقت بھی ان اکابردین نے تفریق جماعت گوارانہ کی پس اس دوسری جماعت کی شناعت میں کوئی شبہہ نہیں اور فاعل اس کا عوض ثواب کے مستوجب طعن وملام ہوا خصوصًا جبکہ وہ اس تفریق کاسبب کسی بغض دنیاوی کے جواسے امام اول سے تھامرتکب ہوا یابوجہ اپنے فاسدالعقیدہ ہونے کے عنادًاامام اول کو بدمذہب ومبتدع ٹھہراکر اس کی اقتدا سے استنکاف کیاکہ ان صورتوں میں تشنیع اس پر اشدواکد ہے مگریہ کہ درحقیقت امام اول سے بدعت تابحد کفروارتداد مرتقی ہوگئی ہو مثلاً سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عیاذًا باللہ توہین کرتاہو، حضور کے ختم نبوت میں کلام رکھتاہو

حضور والا کے بعد کسی کے حصول نبوت میں حرج نہ جانتا ہو حضور اقدس کی تعظیم جو بعد تعظیم الٰہی کے تمام معظمین کی تعظیم سے اعلیٰ واقدم ہے مثل اپنے بڑے بھائی کی تعظیم کے جانتا ہو وعلیٰ ہذاالقیاس دیگر عقائد زائغہ مکفرہ رکھتا ہو اس تقدیر پر توالبتہ یہ فعل زید کا نہایت محمود ہوگا اور وہ اس پر اجر جزیل پائے گا کہ صورت مذکورہ میں وہ جماعت عنداللہ جماعت ہی نہ تھی کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز راسًا باطل ہے۔

فی التنویر ویکرہ امامۃ المبتدع لایکفر بہا وان کفر بہا فلایصح الاقتداء بہ اصلا[1] ھ ملخصا۔	تنویر میں ہے اس بدعتی کی امامت مکروہ ہے جس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے اور اگر حد کفر تک پہنچ جائے تو اس کی اقتداء بالکل درست نہ ہوگی اھ تلخیصا (ت)

اور اگر صورت مرقومہ میں امام ثانی مقتدا ومتبوع حضار کا ہو اور جس وقت وہ شخص امامت کررہا ہے عین اسی حالت میں اس کا دوسری جماعت قائم کردینا اور اس کے پیچھے نماز سے احتراز مجمع میں ظاہر کرنا باعث اس کے زجر وتوبیخ یا حاضرین کی نگاہ سے اس کے گرجانے کا ہو تو اب یہ فعل اور بھی موکد وضروری ہو جائے گا اسی طرح اگر کفر وارتداد کے سوا اور کوئی وجہ ایسی ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز باتفاق روایات باطل محض ہوتی ہو تو جب بھی یہ جماعت ثانیہ قطعًا جائز ہوگی لماذکرنا ان الجماعۃ الاولی لیست بجماعۃ فی الحقیقۃ لبطلان الصلاۃ بالاقتداء بالامام الاول (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ پہلی جماعت درحقیقت جماعت ہی نہیں کیونکہ امام اول کی اقتداء میں نماز ہی باطل ہے۔ت)

لیکن اس فعل میں اگر کوئی غرض صحیح شرعی نہ ہو تو اس تقدیر پر اس سے احتراز اولیٰ ہے ختم جماعت کا انتظار کرکے اپنی جماعت کرلے وھذا کلہ ظاھر جدا لاخفاء فیہ عند عقل سلیم وراء نبیہ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم (یہ تمام کا تمام خوب واضح ہے ہر صاحب عقل سلیم اور سمجھدار پر کچھ مخفی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ت)

مسئلہ ۸۶۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں ایک شخص واسطے امامت کے مقرر ہے اگر وہ امام قبل از نماز عشا یا کسی اور وقت میں کسی مقتدی سے یہ کہہ جائے کہ میں کسی کام کو جاتا ہوں میرا انتظار کرنا یعنی بعد پورا ہونے وقت معینہ کے میرا انتظار کرنا، بعدہ، سب مصلی اپنے وقت معینہ پر جمع ہوگئے اور اس کے بعد انہوں نے پاؤ گھنٹا وقت معمول سے دیر کی واسطے تعمیل حکم امام صاحب

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۳/۱

کے، پھر انہوں نے ایک شخص کو امام بنا کر نماز پڑھ لی، آیا ان سب کی نماز درست ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر امام صاحب پھر آکر لوگوں سے کہیں کہ تم لوگوں کی نماز نہیں ہوئی، تو یہ قول امام صاحب کا صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور امام صاحب کوئی فتوٰی اپنے رائے سے واسطے خواہش نفس کے دیں تو شرعًا کیا حکم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مقتدیوں کے ذمہ امام معین ہی کے انتظار میں بیٹھا رہنا اور جب تک وہ نہ آئے جماعت نہ کرنا ہرگز ضرور نہیں، بعض اوقات حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ میں کسی اور محلّہ میں تشریف لے گئے ہیں اور واپس تشریف لانے میں دیر ہوئی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جماعت ادا کرلی ہے، ایک بار صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو امام کیا، ایک بار عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا **کما ھو مصرح بہ فی الاحادیث** (جیسا کہ اس پر احادیث میں تصریح موجود ہے۔ت) امام کا کہنا کہ تمہاری نماز نہ ہوئی اگر صرف اسی بنا پر ہے کہ میرا انتظار نہ کرنے اور دوسرے کو امام بنالینے سے تمہاری نماز نہ ہوئی تو محض باطل اور شریعت مطہرہ پر صریح افترا ہے اپنی خواہش نفسانی کے لئے اپنی رائے سے فتوٰی دینے والا لائق امامت نہیں، ہاں جس شخص کو اس کی غیبت میں مقتدیوں نے امام بنایا وہ اگر قرآن مجید ایسا غلط پڑھتا تھا جس سے فساد نماز ہو یا معاذاللہ اس کے مذہب میں ایسا فساد تھا جس سے اس کی امامت صحیح نہ ہو تو اس بنا پر امام کا قول درست ہے کہ تمہاری نماز نہ ہوئی، اس تقدیر پر مقتدیوں نے سخت خطا کی، انہیں توبہ چاہئے اور اس نماز کی قضا پڑھیں **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶۹: از جامع مسجد ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ہجری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تارک الجماعت کس کو کہتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تارک جماعت وہ کہ بے کسی عذر شرعی قابل قبول کے قصدًا جماعت میں حاضر نہ ہو مذہب صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کیا گنہگار ہوا تارک واجب ہوا مستحق عذاب ہوا **والعیاذ باللہ تعالٰی** اور اگر عادی ہو کہ بارہا حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بارہا حاضر بھی ہوتا ہو تو بلاشبہہ فاسق فاجر مردود الشہادۃ ہے **فان الصغیرۃ بعد الاصرار تصیر کبیرۃ** (صغیرہ اصرار کی بنا پر کبیرہ ہوجاتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

(الجماعۃ سنۃ مؤکدۃ للرجال) قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب (وقیل واجبۃ وعلیہ العامۃ) ای عامۃ	(جماعت مردوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے) زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے مراد وجوب ہے (بعض نے کہا ہے کہ جماعت واجب ہے اور اکثر علماء کی

مشائخنا وبه جزم فی التحفة وغیرها قال فی البحر وهوالراجح عنداهل المذهب (فتسن اوتجب) ثمرته تظهر فی الاثم بترکها مرة[1] ھ مختصرًا۔	رائے یہی ہے) یعنی ہمارے اکثر مشائخ کی رائے یہی ہے اسی پر تحفہ وغیرہ میں جزم کیا ہے، بحر میں ہے کہ اہل مذہب کے ہاں یہی راجح ہے (پس سنت ہو یا واجب) اس کا ثمرہ اختلاف ایک بار ترک کرنے پر گناہ کی صورت میں سامنے آئے گا اھ مختصرًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله، قال فی البحر وقال فی النهر هو اعدل الاقوال واقواها ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شهادته اذا ترکها استخفافا ومجانة اماسهوا او بتاویل ککون الامام من اهل الاهواء اولایراعی مذهب المقتدی فتقبل[2] ھ ط	اس کا قول، کہا بحر میں ہے اور کہا نہر میں ہے کہ یہی معتدل اور قوی قول ہے اور اسی لئے اجناس میں ہے جب کسی نے سستی اور ہلکا سمجھتے ہوئے جماعت کو ترک کیا تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی، ہاں اگر سہوًا ترک ہو یا تاویلًا جیسے امام کا اہل ہوا میں سے ہونا یا مذہب مقتدی کی رعایت نہ کرنے والا ہو تو پھر شہادت قبول ہوجائے گی اھ ط (ت) واللہ سبحٰنه، وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۷۰: از بلڈانہ ملک ابرار مرسلہ شیخ فتح محمد صاحب حلال خور ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مسلمان حلال خور جو پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو اس طرح پر کہ اپنے پیشہ سے فارغ ہو کر غسل کرکے طاہر کپڑے پہن کر مسجد میں جائے تو وہ شریک جماعت ہوسکتا ہے یا نہیں، اور اگر جماعت میں شریک ہو تو کیا پچھلی صف میں کھڑا ہو یا جہاں اس کو جگہ ملے یعنی اگلی صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے اور اس طرف بعد نماز صبح وبعد نماز جمعہ نمازی آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو کیا وہ بھی مسلمانوں سے مصافحہ اور مسجد کے لوٹوں سے وضو کرسکتا ہے اور جو حلال خور اپنا پیشہ نہ کرتا ہو صرف جاروب کشی بازار وغیرہ کی کرتا ہو اس کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ ہر دو صورتوں میں جو حکم شرع شریف کا ہو اس سے اطلاع بخشئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بیشک شریک جماعت ہوسکتا ہے اور بیشک سب سے مل کر کھڑا ہوگا اور بے شک صف اول یا ثانی میں

---

[1] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۰

جہاں جگہ پائے گا قیام کرے گا، کوئی شخص بلاوجہ شرعی کسی کو مسجد میں آنے یا جماعت میں ملنے یا پہلی صف میں شامل ہونے سے ہرگز نہیں روک سکتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ [1] بیشک مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: العباد عباد الله [2] بندے سب اللہ کے بندے ہیں۔ جب بندے سب اللہ کے، مسجدیں سب اللہ کی، تو پھر کوئی بندے کو مسجد کی کسی جگہ سے بے حکم الٰہی کیونکر روک سکتا ہے۔ اللہ عزوجل نے کہ ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ [3]	اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں خدا کا نام لینے سے۔

اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے کہ بادشاہ حقیقی عزجلالہ کا یہ عام دربار خاں صاحب، شیخ صاحب، مغل صاحب یا تجار زمیندار معافی دار ہی کے لئے ہے کم قوم یا ذلیل پیشہ والے نہ آنے پائیں، علماء جو ترتیب صفوف لکھتے ہیں اس میں کہیں قوم یا پیشہ کی بھی خصوصیت ہے ہرگز نہیں، وہ مطلقاً فرماتے ہیں:

یصف الرجال ثم الصبیان ثم الخناثی ثم النساء [4]۔	یعنی صف باندھیں مرد پھر لڑکے پھر خنثی پھر عورتیں۔

بیشک زبّال یعنی پاخانہ کمانے والا یا کناس یعنی جاروب کش مسلمان پاک بدن پاک لباس جبکہ مرد بالغ ہو تو وہ اگلی صف میں کھڑا ہو جائے گا اور خان صاحب اور شیخ صاحب مغل صاحب کے لڑکے پچھلی صف میں جو اس کا خلاف کرے گا حکم شرع کا عکس کرے گا شخص مذکور جس صف میں کھڑا ہو اگر کوئی صاحب اسے ذلیل سمجھ کر اس سے بچ کر کھڑے ہوں گے کہ بیچ میں فاصلہ رہے وہ گنہگار ہوں گے اور اس وعید شدید کے مستحق کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من قطع صفا قطعه الله [5]۔ جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے گا۔

---

[1] القرآن ۷۲/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند الزبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۶۶

[3] القرآن ۲/ ۱۱۴

[4] درمختار، باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۸۴

[5] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

اور جو متواضع مسلمان صادق الایمان اپنے رب اکرم ونبی اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاحکم بجالانے کو اس سے شانہ بشانہ خوب مل کر کھڑا ہوگااللہ عزوجل اس کارتبہ بلند کرے گااور وہ اس وعدہ جمیلہ کا مستحق ہوگا کہ حضورانور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من وصل صفّا وصله[1]۔ جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل فرمائے گا۔دوسری جگہ ہمارے نبی کریم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم اللہ فرماتے ہیں:

الناس بنوٰادم واٰدم من تراب[2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ والبیہقی بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	لوگ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹّی سے۔ اسے ابوداؤد وترمذی نے روایت کرکے حسن کہااور بیہقی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے، حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یاایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد ألا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولاالاحمر علی اسود ولاالاسود علی احمد الا بالتقوی ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم[3]۔ رواہ البیہقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اے لوگو! بیشک تم سب کارب ایک اور بیشک تم سب کا باپ ایک، سن لوکچھ بزرگی نہیں عربی کو عجمی پر، نہ عجمی کو عربی پر، نہ گورے کو کالے پر، نہ کالے کو گورے پر مگر پرہیزگاری سے، بیشک تم میں بڑے رتبے والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے اسے بیہقی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاہے۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ زبّالی شرعًامکروہ پیشہ ہے، جبکہ ضرورت اس پر باعث نہ ہو مثلًا جہاں نہ کافر بھنگی پائے جاتے ہوں جو اس پیشہ کے واقعی قابل ہیں نہ وہاں زمین مثل زمین عرب ہو کہ رطوبت جذب کرلے ایسی جگہ اگر بعض مسلمین مسلمانوں پر سے دفع اذیت وتنظیف بیوت وحفظ صحت کی نیت

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[2] جامع الترمذی سورہ الحجرات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۵۹

[3] شعب الایمان فصل فی حفظ اللسان عن الفخر بالاباء حدیث ۵۱۳۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۸۹

سے اسے اختیار کریں تو مجبوری ہے اور جہاں ایسا نہ ہو تو بیشک کراہت ہے **لتعاطی النجاسات من دون ضرورۃ** (کیونکہ یوں بغیر ضرورت کے نجاسات کو لینالازم آتا ہے۔ت) وہ بھی ہر گز حد فسق تک منتہی نہیں، فتح القدیر و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اماشھادۃ اھل الصناعات الدنیۃ کالکساح والزبال والحائك والحجام فالاصح انھا تقبل لانھا قدتولاھا قوم صالحون فمالم یعلم القادح لایبنی علی ظاھر الصناعۃ[1]۔	رہامعاملہ دنیوی پیشہ والوں کی شہادت کا، جن کو معاشرہ ہیچ تصور کرتا ہے مثلاً کوڑا کرکٹ اٹھانے والا، ٹٹی اٹھانے والا، جولاہا، حجام، تو اصح یہ ہے کہ ان کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ متعدد صالح لوگوں نے انہیں اپنایا ہے، جب تک واضح قباحت معلوم نہ ہو تو بظاہر کسی پیشہ کی وجہ سے ایسا نہیں کیا جاسکتا (ت)

مگران قوم دار حضرات کا اس سے تنفر ہر گز اس بناپر نہیں کہ یہ ایک امر مکروہ کا مرتکب ہے وہ تنفر کرنے والے حضرات خود صدہا امور محرمات وگناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو اگر اس وجہ سے نفرت ہو تو وہ زیادہ لائق تنفر ہیں ان صاحبوں کی صفوں میں کوئی نشہ باز یا قمار یا سود خوار شیخ صاحب تجار یار شوت ستاں مرزا صاحب عہدہ دار آکر کھڑے ہوں تو ہر گز نفرت نہ کریں گے اور اگر کوئی کپتان یا کلکٹر صاحب یا جنٹ مجسٹریٹ صاحب یا اسسٹنٹ کمشنر صاحب یا جج ماتحت صاحب آکر شامل ہوں تو ان کے برابر کھڑے ہونے کو تو فخر سمجھیں گے حالانکہ اللہ ورسول کے نزدیک یہ افعال اور پیشے کسی فعل مکروہ سے بدرجہا بدتر ہیں **وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ**۝[2]۔ (اور اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ کی ہدایت دینے والا ہے۔ت) درمختار وغیرہ میں ذلیل پیشہ کا ذکر کرکے فرمایا:

واما اتباع الظلمۃ فاخسّ من الکل[3]۔	ظالم حکام کے خدام توسب پیشہ وروں سے خسیس تر ہیں۔(ت)

توثابت ہوا کہ ان کی نفرت خدا کے لئے نہیں بلکہ محض نفسانی آن بان اور رسمی تکبر کی شان ہے، تکبر ہر نجاست سے بدتر نجاست ہے اور دل ہر عضو سے شریف تر عضو افسوس کہ ہمارے دل میں تو یہ نجاست بھری ہو اور ہم اس مسلمان سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمن لاتقبل شہادتہ لفسقہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۴۶۹

[2] القرآن ۳۳/۴

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

نفرت کریں جو اس وقت پاک صاف بدن دھوئے پاک کپڑے پہنے ہے، غرض جو حضرات اس بیہودہ وجہ کے باعث اس مسلمان کو مسجد سے روکیں گے وہ اس بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے جو آیت کریمہ میں گزری کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہے، اور جو حضرات خود اس وجہ سے مسجد وجماعت ترک کریں گے وہ ان سخت سخت ہولناک وعیدوں کے مستحق ہوں گے جو ان کے ترک پر وارد ہیں، یہاں تک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الجفاء کل الجفاء والکفر والنفاق من سمع منادی اللہ ینادی ویدعوا الی الفلاح فلایجیبہ[1]۔ رواہ الامام احمد والطبرانی فی الکبیر عن معاذبن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	ظلم پورا ظلم اور کفر اور نفاق ہے کہ آدمی مؤذن کو سنے کہ نماز کے لئے بلاتا ہے اور حاضر نہ ہو۔ اسے امام احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذبن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اور جو بندہ خدا اللہ عزوجل کے احکام پر گردن رکھ کر اپنے نفس کو دبائے گا اور اس مزاحمت ونفرت سے بچے گا مجاہدہ نفس وتواضع کا اللہ سے ثواب جلیل پائے گا بھلا فرض کیجئے کہ ان مساجد سے تو ان مسلمانوں کو روک دیا وہ مظلوم بیچارے گھروں پر پڑھ لیں گے، سب میں افضل واعلٰی مسجد مسجد الحرام شریف سے انہیں کون روکے گا، اس مسلمان پر اگر حج فرض ہو تو کیا اسے حج سے روکیں گے اور خدا کے فرض سے باز رکھیں گے یا مسجد الحرام سے باہر کوئی نیا کعبہ اسے بنادیں گے کہ اس کا طواف کرے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔ اس تقریر سے ثابت ہوگیا کہ مسجد کے لوٹے جو عام مسلمانوں پر وقف ہیں ان سے وضو کو بھی اسے کوئی منع نہیں کرسکتا جبکہ اس کے ہاتھ پاک ہیں۔ رہا مصافحہ خود ابتدا کرنے کا اختیار ہے کیجئے یا نہ کیجئے،:

فان المصافحۃ بعد الصلوات علی الاصح من المباحات والمباح لایلام علی فعلہ ولاترکہ۔	اصح قول کے مطابق نمازوں کے بعد مصافحہ مباح ہے اور مباح کے کرنے یانہ کرنے پر ملامت نہیں ہوتی۔(ت)

مگر جب وہ مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے اور آپ اپنے اس خیال بے معنی پر ہاتھ کھینچ لیجئے تو بیشک بلاوجہ شرعی اس کی دل شکنی، اور بیشک بلاوجہ شرعی مسلمان کی دل شکنی حرام قطعی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے بے شک مجھے

[1] المعجم الکبیر مروی از معاذبن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸۳/۲۰

ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے بیشک اللہ عزوجل کو ایذادی۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷۱: از شہر کہنہ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر جماعت نماز کی ہوتی ہے اور زید بھی نماز پڑھتا ہے اور جماعت کے وقت حاضر بھی رہتا ہے جماعت ترک کرکے اول جماعت سے یابعد جماعت کے نماز پڑھتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

گرامام میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے سبب اس کے پیچھے نماز فاسد یامکروہ تحریمی ہو مثلاً قرآن عظیم غلط پڑھنا جس سے نماز میں فساد آئے یاوہابی رافضی یاغیر مقلد ہو یاکم ازکم تفضیلیہ یافاسق ہونا، توزید پر الزام نہیں، اور اگر بلاوجہ شرعی جماعت ترک کرتا ہے توسخت گنہگار فاسق ہے، اس پر توبہ واجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ یَتَّبِـعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص ہدایت کے واضح ہونے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسری راہ چلے، اسے ہم اسی طرف پھیر دیتے ہیں جو نہایت براٹھکانہ ہے (ت)

بحکم قرآن ایسا معلن شخص کہ بلاعذر شرعی جماعت ترک کرے مستحق جہنم ہے خصوصاً ترک بھی ایسا کہ جماعت ہوتی رہے اور یہ بیٹھا رہے۔

مسئلہ ۸۷۲: از بنگالہ ضلع ڈھاکہ موضع چیتارچر مرسلہ نواب عبدالواحد صاحب ۱۰جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے مع ایک مقتدی کے نماز شروع کی، بعد ایک

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فیمن یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۱۷۹، الترغیب والترہیب الترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰۴

[2] القرآن ۴/ ۱۱۵

رکعت کے دوسرا اور ایک شخص آیا تو اس صورت میں امام سامنے بڑھے گا یا وہ شخص مقتدی کو پیچھے کی طرف کھینچے گا، اگر امام سامنے بڑھے تو قبل اشارہ کے یا بعد اشارہ کے، اگر بعد اشارہ کے تو قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ کرے گا یا بعد، اگر قبل تکبیر تحریمہ کے اشارہ سے امام بڑھے گا یا مقتدی کو قبل تحریمہ کے وہ شخص اپنی جانب کھینچے گا تو اس صورت میں نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جب امام کے ساتھ ایک مقتدی ہو اور دوسرا آئے تو افضل یہ ہے کہ مقتدی پیچھے ہٹے، ہاں اگر مقتدی مسئلہ نہ جانتا ہو یا پیچھے ہٹنے کو جگہ نہیں تو ایسی صورت میں امام کو بڑھنا چاہئے کہ ایک کا بڑھنا دو کے ہٹنے سے آسان ہے پھر اگر (مقتدی) مسئلہ جانتا ہو تو جب کوئی دوسرا ملا چاہتا ہے تو خود ہی پیچھے ہٹنا چاہئے خواہ امام خود ہی آگے بڑھ جائے ورنہ اس آنے والے شخص کو چاہئے کہ مقتدی کو اور وہ مسئلہ نہ جانتا ہو تو امام کو اشارہ کرے، انہیں مناسب ہے کہ معًا اشارہ کے ساتھ ہی حرکت نہ کریں کہ امتثال امر غیر کا شبہہ نہ ہو بلکہ ایک تامل خفیف کے بعد اپنی رائے سے اتباع حکم شرع وادائے سنت کے لئے، نہ اس کا اشارہ ماننے کی نیت سے حرکت کریں، اس صورت میں برابر ہے کہ یہ آنے والا مقتدی نیت باندھ کر اشارہ کرے خواہ بلانیت کے بہر حال وہ اطاعت حکم شرع کریں گے، نہ اس کے حکم کی اطاعت اور جو جاہل اس کا حکم ماننے کی نیت کرے گا تو اس کا تکبیر تحریمہ کے بعد اشارہ کرنا کیا نفع دے گا کہ امام یا مقتدی کو دوسرے مقتدی کا حکم ماننا کب جائز ہے، لقمہ قرأت میں یا افعال میں لینا کہ امام کو جائز ہے وہ بھی بحکم شرع ہے نہ کہ اطاعت حکم مقتدی جو اس کی نیت کرے گا اس کی نماز خود ہی فاسد ہو جائے گی اور جب وہ امام ہے تو اس کے ساتھ سب کی جائے گی۔

فی الدر المختار لو امتثل امر غیرہ فقیل لہ تقدم فتقدم اودخل فرجۃ الصف احد فوسع لہ فسدت بل یمکث ساعۃ ثم یتقدم برأیہ قھستانی معزیاللزاھدی[1] وفی ردالمحتار عن المنح لوجذبہ اٰخر فتاخرالاصح لاتفسد صلاتہ۔	درمختار میں ہے اگر نمازی نے کسی غیر نمازی کا حکم مان لیا مثلًا کہا گیا آگے ہو، وہ آگے ہوگیا یا کوئی صف کے اندر داخل ہوا اور نمازی نے اس کے لئے جگہ کشادہ کی تو نماز فاسد ہو جائے گی، بلکہ وہ ایک ساعت ٹھہرا رہے پھر اپنی رائے سے آگے ہو جائے، قہستانی نے زاہدی کے حوالے سے یہی بیان کیا ہے، ردالمحتار میں منح کے حوالے سے ہے اگر نمازی کو دوسرے نے

[1] درمختار باب مایفسد الصلاۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۹/۱

وعن الشرنبلالی فی تیسر المقاصد ان امتثاله انما هو لامر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یضره وعن الطحطاوی لو قیل بالتفصیل بین کونه امتثل امر الشارع فلا تفسد وبین کونه امتثل امر الداخل مراعاة لخاطره من غیر نظر لامر الشارع فتفسد لکان حسنا[1] اھ۔ رأیتنی کتبت علیه مانصه **اقول**: وهو من الحسن بمکان بل هو المحمل لکلمات العلماء و به یحصل التوفیق وبالله التوفیق[2] وفی الهندیة رجلان صلیا فی الصحراء وائتم احدهما بالاخر وقام عن یمین الامام فجاء ثالث وجذب المؤتم الی نفسه قبل ان یکبر للأفتتاح حکی عن الشیخ الامام ابی بکر طرخان انه لاتفسد صلاة المؤتم جذبه الثالث الی نفسه قبل التکبیر اوبعده کذا فی المحیط وفی الفتاوی العتابیة هو الصحیح کذا فی التاتارخانیة[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔

کھینچا اور وہ پیچھے ہوگیا تو اصح مذہب پر اس کی نماز فاسد نہ ہوگی اھ شرنبلالی سے ہے تیسر المقاصد کے حوالہ سے ہے کہ اس کا امتثال (حکم بجالانا) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کی بناپر ہے لہذا فساد کا سبب نہیں اھ۔ اور طحطاوی سے ہے کہ اگر تفصیل کرتے ہوئے کہا جائے کہ شارع کے حکم پر عمل کرتے ہوئے کسی کا حکم بجالایا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر وہ بغیر رعایت امر شارع کے فقط آنے والے نمازی کو خوش کرنے کے لئے کرتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی تو یہ تفصیل کرنا نہایت ہی اچھا تھا اھ مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے یہاں یہ لکھا ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ صرف حسن ہی نہیں بلکہ کلمات علماء کا محمل بھی ہے اور اسی کے ساتھ ان میں موافقت بھی پیدا ہوجائے گی اور اللہ ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔

فتاوٰی ہندیہ میں ہے دو آدمیوں نے صحرا میں نماز ادا کی ایک نے دوسرے کی اقتدا کی اور امام کے دائیں طرف کھڑا ہوگیا اب تیسرا آیا تو اس نے مقتدی کو تکبیر افتتاح سے پہلے اپنی طرف کھینچ لیا، تو امام ابوبکر طرخان سے منقول ہے کہ اس صورت میں مقتدی کی نماز فاسد نہ ہوگی خواہ اسے تیسرا شخص تکبیر سے پہلے کھینچے یا بعد میں، اسی طرح محیط میں ہے۔ فتاوٰی عتابیہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور تاتارخانیہ میں بھی اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الامامت ۱/۴۲۲
[2] جدالممتار علٰی ردالمحتار ۱/۲۷۳
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی بیان مقام الامام الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۸

مسئلہ ۸۷۳تا۸۷۵ : از فیض آباد مرسلہ احمد حسین صاحب خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲جمادی الآخری ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱) مسجد یاخلاف مسجد امام کامصلی مقتدیوں کی صف سے ملارہے یاعلیحدہ، اگرعلیحدہ ہوتو کس قدر فاصلہ پر، امام مصلّے کے کنارے پرکھڑاہو یاکچھ آگے بڑھ کر تاکہ مقتدیوں کوکافی جگہ ملے، فرمائیے، اللہ آپ کواجر عظیم عطافرمائے۔

(۲) زید مسجد یاخلاف آں نمازفرض پڑھ رہاہے اور اس کی پہلی رکعت ہے یاکوئی اور رکعت، اور بکرتنہا یادو شخص داخل ہوئے باوجود اطلاع ہوجانے کے تنہابکر یادونوں شخصوں نے اسی مقام پر اور اسی صف پر علیحدہ فرض پڑھے اور زید کے مقتدی نہ بنے، کیاحکم ہے ان کی نماز کا، یاپہلے ان کواطلاع نہ تھی نیت باندھنے کے بعد رابع نے بآواز بلند کہہ دیا، اب کیاحکم ہے بکر کی نماز کا؟ آیا وہ درست ہوئی، اگرنہیں تو اطلاع پانے تک جس قدر ہوچکی ہے وہیں سے ترک کردے یاپوری کرکے وہ نماز اعادہ کرے؟ مفصل فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

(۳) اگرہجڑا یاعورت یانابالغ یاشیعہ جن کی امامت بالاتفاق ناجائز ہے نمازفرض پڑھ رہاہے مسجد میں یاباہر، اور زید بھی نماز فرض پڑھناچاہتاہے، آیا اس مصلے پرنماز پڑھ سکتاہے یانہ، کیا اس شخص کے نماز ختم ہونے تک زید کو انتظار لازم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) فصل بقدر کفایت وحاجت ہوجس میں مقتدی بخوبی سجدہ کرلیں اور اس سے زائد فصل کثیر مکروہ وخلاف سنت ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگرزید قابل امامت تھا اور انہیں معلوم تھاکہ یہ فرض پڑھ رہاہے اور انہوں نے اقتدانہ کی بلکہ جداجدا فرض پڑھے تواگرجماعت اولٰی ہوچکی ہے جب تو فضل سے محروم رہے اور اگریہی جماعت اولٰی ہوئی توگنہگار ہوئے، اور اگرزید قابل امامت نہیں اوران دونوں میں کوئی قابل امامت تھاتواب بھی وہی احکام ہیں، اور اگران میں بھی کوئی قابل امامت نہیں تواصلاً حرج نہ ہوااور نماز تینوں صورتوں میں مطلقاً ہوجائے گی اور اور نیت توڑدینا صرف جماعت قائمہ کی تحصیل کے لئے ہے مثلاً ایک شخص نے ظہرکے فرض شروع کئے ایک رکعت یااس سے کم پڑھنے پایاتھاکہ جماعت قائم ہوئی تونیت توڑدے باقی جماعت معدومہ کی تحصیل کے لئے نیت توڑنے کی کہیں اجازت

نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) پڑھ سکتا ہے اور ختم نماز تک انتظار کرنا کچھ ضرور نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۷۶: از شہر فیروز پور محلّہ پیراں والا مرسلہ منشی عنایت اللہ شاکی قادری

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت اولیہ پڑھی نہیں گئی اور امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے وہ اپنے کام کے واسطے امام معین کا انتظار نہیں کرتے، حاضرین میں سے کسی کو بغیر اجازت امام کے امام بنادیتے ہیں اور نماز بجماعت ادا کرلیتے ہیں یا اگر جماعت ہو چکی ہے اور آنے والا شامل جماعت نہیں ہوا تو پھر دیکھا کہ ایک دو اور آدمی موجود ہیں جو شامل جماعت نہیں ہوئے ان کو ہمراہ لے کر جماعت پڑھائی یا ان میں سے کسی اور کو امام بنادیا اور امام سے نہیں پوچھا بعض کی یہ عادت ہے کہ مسجد میں آئے اور امام کا مصلّی لیا اور بچھایا اور اس پر نماز پ-ڑھی یا یونہی بیٹھ گئے، کیا ان کا ایسا کرنا اور بغیر امام کے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں، جواب بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجر الجزیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اللہ تعالٰی آپ کو اجر جزیل عطا فرمائے گا۔ت)

الجواب:

جو لوگ جماعت معینہ سے پہلے جماعت کرکے چلے جائیں اس میں چند صورتیں ہیں اگر امام معین محلّہ میں واقعی کوئی معذور شرعی ہے مثلاً وضو طہارت کا ٹھیک نہ ہونا یا تجوید وقراءت میں ایسی غلطی کہ مورث فساد نماز ہو یا معاذاللہ بدمذہبی مثل وہابیت وغیر مقلدی وغیرہما یا فسق بالاعلان مثلاً داڑھی حد شرع سے کم رکھنا تو ان تین صورتوں میں ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں بلکہ اسی جماعت محلّہ پر الزام ہوگا جو ایسے امام ناقابل امامت یا ممنوع التقدیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں یونہی اگر وہ مسجد کسی خاص جماعت کی مسجد نہ ہو جیسے مسجد شارع وسرا واسٹیشن، جب بھی کوئی الزام نہیں کہ وہاں امام معین ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا جو جماعت آئے جدا اذان کہے اور جدا اقامت کرے اور اپنے سے ایک شخص صالح امامت کو امام بنا کر جماعت پڑھے یہ سب جماعتیں جماعت اولٰی ہوں گی ان میں سے کسی دوسرے پر ترجیح نہیں اور اگر مسجد محلّہ ہے جس کے لئے امام وجماعت معین ہے اور امام میں کوئی معذور شرعی نہیں اور چند لوگ اپنی کسی ضرورت خاصہ شرعیہ سے پیش از جماعت نماز پڑھ کر جانا چاہتے ہیں مثلاً کہیں انہیں جانے کی ضرورت جائزہ ہے اور جماعت کا انتظار کریں تو ریل کا وقت جاتا رہے گا ایسی صورت میں بھی ان کو اجازت ہوگی کہ باہم جماعت کرکے چلے جائیں کہ شرع نہ ان کو یہ حکم دے گی کہ جماعت کا انتظار کرو اور ریل نکل جانے دو نہ یہ حکم دے گی کہ جبکہ تم جماعت کا انتظار نہیں کرسکتے الگ الگ پڑھو اور جماعت نہ کرو نہ اس جماعت میں منصب امام معین سے کوئی منازعت ہوگی کہ وہ محلّہ کی جماعت اولٰی

کاامام معین ہے، اہل محلّہ کے لئے جماعت اولٰی وہی ہوگی جو وہ اپنے امام کے ساتھ اپنے وقت معین پر پڑھیں گے، ان چند آدمیوں کا بضرورت پہلے جماعت کرجانا ان کے ثواب جماعت میں کچھ کمی نہ کرے گا اور جب منازعت نہیں تو استیذان امام کی بھی حاجت نہیں، پھر بھی احسن یہ ہے کہ محراب سے ہٹ کر جماعت کریں تاکہ صورت معارضہ سے بچیں اور باعث تنفیر ووحشت امام معین نہ ہو اور اگر ان کی کوئی ضرورت شرعیہ نہیں تو ضرور مورد الزام شرعی ہیں کہ مرتکب تفریق جماعت ہوئے پھر نیت کے اختلاف سے حکم اشد ہوتا جائے گا مثلاً اپنے کسی لہو ولعب مباح کی جلدی کے باعث جماعت کرگئے تو صرف تفریق جماعت کا الزام ہے اور اگر کسی لہو ولعب ناجائز کی جلدی تھی یا کسی ناجائز جگہ جانے والے تھے اور وقت ریل کے سبب جلدی کی تو الزام دوچند ہے اور اگر اپنی بدمذہبی کے باعث امام سنی صحیح العقیدہ صالح امامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہی تو الزام سب میں سخت تر ہے **والکل ظاھر عند من له ادنی مسکة فی العلم** (یہ تمام اس شخص پر ظاہر ہے جسے اس علم سے ادنٰی تمسک ہے۔ت) یہ صورت تقدیم کا جواب ہوا، رہی صورت تاخیر اس میں بھی اگر وہ مسجد مسجد محلّہ نہیں تو ہم اوپر کہہ چکے کہ یہاں نہ تقدیم ہے نہ تاخیر ہے نہ معین امام کے کوئی معنی، سب جماعت اولٰی ہیں اور سب یکساں، اور اگر مسجد مسجد محلّہ ہے اور امام معین میں کوئی عذر شرعی تھا جس کے سبب انہوں نے قصداً تاخیر کی جب بھی ان پر کچھ الزام نہیں کہ مقصود اصلاح جماعت سے اثارت فتنہ ہے اور اس میں تقدیم وتاخیر یکساں، اور اگر امام میں کوئی عذر شرعی بھی نہیں مگر جماعت اولٰی بے اذان یا اذان خفی ناکافی اعلان کے ساتھ کی گئی جب بھی ان کو باعلان اذان اعادہ جماعت کی اجازت بلکہ حکم ہے کہ پہلی جماعت جماعت مسنونہ نہ ہوئی جماعت مکروہہ ہوئی اور اگر یہ بھی نہیں مگر امام معین مذہب فقہی میں اس جماعت باقیہ کا مخالف ہے مثلاً وہ شافعی المذہب ہے یہ حنفیّہ ہیں اپنی جماعت جدا کرنا چاہتے ہیں تو کوئی بھی الزام نہیں کہ افضل یہی ہے کہ امام موافق المذہب کے پیچھے نماز پڑھی جائے، اگر مخالف المذہب حتی الامکان مراعات مذاہب اربع رکھتا ہو، ان سب صورتوں میں اس جماعت ثانیہ کو نہ اذن امام اول کی حاجت نہ تبدیل محراب ومصلی کی ضرورت، اگر ان سب وجوہ سے جدا ہو تو پھر تاخیر میں بنظر باعث وہی شقوق عود کریں گے جو تقدم میں تھیں، اگر باعث تاخیر کوئی ضرورت شرعیہ تھی مثلاً بھوکا ہونا یا استنجے کی ضرورت ہونا وغیر ذلک جو اعذار فقہانے تحریر فرمائے ہیں تو ان پر کوئی الزام نہیں مگر اعادہ اذان کی اجازت نہ ہوگی اور محراب نہ بدلنا مکروہ، اور بعد تبدیل محراب شرعی اجازت ہے اذن امام کی حاجت نہیں، نہ اس کے منصب میں منازعت نہ اس میں اس کے لئے تنفیر ووحشت، اور اگر ہو بھی اور وہ کہے کہ اگرچہ جماعت اولٰی میں نے ہی کی اور میرے حق میں کوئی دست اندازی نہ ہوئی پھر بھی تم نے میری مسجد میں بے میرے اذن کے کیسے جماعت ثانیہ کرلی تو اس وحشیانہ وحشت کا الزام خود اس پر ہے نہ ان پر۔ اور اگر بے ضرورت شرعیہ کسی امر مباح کے سبب

تاخیر کی تو تفریق جماعت وترک جماعت اولٰی کا ان پر وبال ہے اور اگر کسی امر ناجائز کے سبب تو وبال دوچند اور اپنی بدمذہبی کے باعث امام سنی صالح الامامت کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہی تو وبال سب میں سخت تر ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزرا۔ت) اور مصلائے امام کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ خاص اس کی ملک ہو کہ اس نے اپنے لئے مسجد میں بچھا رکھا ہے یہ توظاہر ہے کہ بے اس کے اذن کے کسی کام میں استعمال نہیں ہوسکتا جو استعمال کرے گا گنہگار ہوگا۔ دوسرے یہ کہ مصلّی وقف ہو، اس میں پھر تین صورتین ہیں، ایک یہ کہ واقف نے صرف امام کے لئے وقف کیا تو اسے کوئی نمازی منفرد یا مقتدی بھی نہیں لے سکتا چہ جائیکہ غیر۔ بلکہ اگر خاص امام جماعت اولٰی کے لئے وقف کیا ہو تو امام جماعت ثانیہ بھی نہ لے سکے گا جبکہ واقف نے اسے جائز نہ رکھا ہو۔ تیسرے یہ کہ مسجد کے لئے وقف کیا اور صراحۃ یا دلالۃ حاضران مسجد کے لئے اس کا استعمال مطلق ہے جس طرح چٹائیوں میں معروف ہے تو اسے نماز کے لئے بھی لے سکتے ہیں اور غیر وقت نماز میں کسی ایسے جلوس کے لئے بھی کہ شرعًا مسجد میں جائز ہو، پھر اتنا لحاظ رہے کہ بحال اطلاق بھی جس طرح صفیں جماعت کے لئے ہوتی ہیں مصلّے میں حق امام زیادہ ملحوظ ہوتا ہے تو عین وقت امامت امام کو اس سے محروم نہیں کیا جاسکتا، ہاں خالی وقت میں لے لینا اور وقت امامت کے لئے مقام امام پر پھر بچھادینا بھی کوئی حرج نہیں رکھتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷۷: از کھمریا پوٹہ کلاں ضلع پیلی بھیت مرسلہ شرف الدین صاحب زمیندار ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ظہر کی نماز دو بج کر پچیس منٹ پر تین شخص جماعت کرلیں وہ بہتر ہے یا دو بج کر پینتیس منٹ پر پچیس آدمیوں کی جماعت ہو یہ بہتر ہے ان دونوں جماعتوں میں کون سی جماعت اولٰی ہے، فقط۔

الجواب:

جماعت جتنی کثیر ہوگی ثواب عظیم ہوگا اور اس دس منٹ میں کچھ وقت تنگ نہیں ہوتا کثرت جماعت ہی کے لئے شرع مطہر نے نماز فجر کو آخر وقت میں پڑھنے پر ثواب زیادہ رکھا ہے اصل حکم یہ ہے اور اگر کسی جگہ کوئی خاص صورت باعث فتنہ ہو تو فتنہ سے بچنا لازم ہے اور وبال فتنہ کرنے والے پر، اور مسجد محلّہ میں امام معین اکثر اہل محلّہ کے ساتھ جو جماعت بروجہ سنت ادا کرے وہ جماعت اولٰی ہے اس سے پہلے دو چار بلاوجہ یا

اپنے کسی کام کے سبب جماعت کرجائیں تو وہ ان اکثرین کی جماعت کا ثواب کم نہ کرے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۷۸ : بتوسط جناب مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدّث سورتی ۷ صفر ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ مسجد میں آتے ہیں اور جماعت ابھی تک نہیں پڑھ گئی امام کے حاضر ہونے میں ابھی کچھ وقفہ ہے امام معین کی انتظاری نہیں کرتے، اپنے میں سے ایک کو امام بنایا اور نماز باجماعت ادا کی اور چل دیئے امام سے بھی امامت کا اذن نہیں لیا علٰی ہذا اگر جماعت ہوچکی اور دیکھا کہ دو چار آدمی اور بھی جمع ہیں جو جماعت میں شامل نہیں ہوئے ایک کو امام بنایا اور جماعت کرائی اسی طرح پر اور آئے اور انہوں نے بھی ایسا ہی کیا بعض کی عادت ہے کہ امام کا مصلی جو اس کے نام سے نامزد ہے اور وہ اس پر ہمیشہ کھڑا ہو کر امامت کرتا ہے جیسا کہ دستور ہے اٹھایا اور اس پر نماز ادا کی یا بیٹھ گئے امام سے پوچھا بھی نہیں، لوگوں کو اگر منع کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ نیک کام ہے اس سے روکنا نہ چاہئے سابقوا الخیرات (خیرات میں سبقت حاصل کرو۔ت) حکم ہے، ضرورت کے وقت چونکہ شمولیت جماعت مقررہ سے شریعت کی جانب سے رخصت ہے اور انفرادی حالت میں بہ نسبت جماعت کے ثواب کم ہے اس واسطے شریعت کی جانب سے ایسی امامت کی نہی نہیں معلوم ہوتی اور مضمرات کی عبارت:

ولوصلی بعض اھل المسجد باقامۃ وجماعۃ ثم دخل المؤذن والامام وبقیۃ الجماعۃ فالجماعۃ المستحبۃ لھم والکراھۃ للاولی[1]۔ (عالمگیریۃ)	اگر اقامت وجماعت کے ساتھ بعض اہل محلّہ نے نماز ادا کی، پھر مؤذن، امام اور بقیہ لوگ آئے تو ان کے لئے جماعت مستحب اور پہلی مکروہ ہوگی (ت)

کو بلاضرورت اقامت جماعت للاعراض عن المقررۃ یا احداث فتنہ پر محمول رکھتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ مساجد کی وضع عبادت کے لئے ہے صفیں جیسے مقتدیوں کی نماز کے لئے ہیں ایسے مصلّی امام کے لئے، امام صف پر نماز پڑھا سکتا ہے ایسا ہی اگر مصلے پر کوئی غیر امام نماز پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں، بعض کا قول ہے مصلّی امام کی ملک نہیں، فقہ کی متداولہ کتابوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معین امام کی انتظاری لازم ہے اور بغیر اجازت امام معین کے امامت نہ کرائیں اگر انتظار میں وقت مکروہ ہوتا ہو یا کسی ضروری کام کے لئے جانا چاہتا ہو مثلاً ریل کا وقت جاتا رہے گا تو الگ الگ نماز پڑھ کر چلے جائیں ترک جماعت میں ان کے حق میں امام کا اذن نہ دینا اس قبیل سے ہوگا جو اس حدیث میں ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی صفتہ واحوال المؤذن مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

حدیث لایؤمن الرجل الرجل فی سلطانه ولایقعد فی بیته علی تکرمته الاباذنه[1] رواه مسلم معناه ماذکره اصحابنا وغیرهم ان صاحب البیت والمجلس وامام المسجد احق من غیره وان کان ذلك الغیر افقه واقرء و اورع و افضل منه [2] الخ نووی شرح مسلم۔قوله فی سلطانه ای موضع یملکه اویتسلط علیه بالتصرف کصاحب المجلس وامام المسجد[3]۔ مجمع بحارالانوار لیس للقاضی ان یصلی بهم اذالم یؤمر به صریحا اودلالة (کبیری[4])	ایک آدمی دوسرے آدمی کی سلطنت میں اس کی اجازت کے بغیر جماعت نہ کروائے اور نہ ہی اس کے گھر میں بغیر اجازت اعلٰی مقام پر بیٹھے، اسے مسلم نے روایت کیا، معنی یہ ہے ہمارے ائمہ نے یوں بیان کیاکہ صاحب خانہ، صاحب مجلس اور امام مسجد غیر سے امامت کے زیادہ مستحق ہوتا ہے اگرچہ وہ غیر اس سے زیادہ فقیہ، قاری، صاحب تقوٰی وفضیلت ہو الخ نووی شرح مسلم (ت) قولہ فی سلطانہ اس سے مراد اس کا مالک اور زیر تصرف ہونا ہے جیسا کہ صدر مجلس اور امام مسجد۔ مجمع بحارالانوار (ت) قاضی کے لئے نماز پڑھانا جائز نہیں جب تک اس کو صراحۃً یااشارۃً حکم نہ ہو، کبیری (ت)

علت نہی کی یہ ہے:

وهذالئلا یؤدی الی تهوین امرسلطنته و خلع ربقة الطاعة والی التباغض و الخلاف التی شرع الاجتماع لرفعه[5]۔ مجمع بحارالانوار۔	یہ اس لئے ہے تاکہ امر سلطنت کو ہلکاجان کر لاپروائی نہ ہو اور طاعت امیر سے بغاوت اور بغض نہ ہو اور ایسا اختلاف نہ ہو جس کے رفع کے لئے اجتماع مشروع ہوا، مجمع بحارالانوار (ت)

[1] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[2] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[3] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۱۳۰

[4] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[5] مجمع بحارالانوار زیر لفظ سلطن مطبوعہ المطبع العاد نولکشور لکھنؤ ۲/۱۳۰

ان منقولات سے پایا جاتا ہے کہ امام کہیں ہو جہاں تک ممکن ہو امام سے اجازت لے کر امامت کرائیں کہ امامت بلااذن منع ہے امام کا جماعت میں بالفعل موجود ہونا شرط نہیں اور عموم حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے **مرض الامیر فصلی الشرطی لم یجز الا باذنه**[1] (امیر بیمار ہوگیا کسی لشکری نے نماز پڑھائی تو اجازت کے بغیر جائز نہ ہوگی۔ت) عالمگیریہ کی عبارت کا بھی یہی مقصود ہے بعض کا خیال ہے کہ حدیث مذکورہ بالا سے یہ امر ثابت ہے کہ منع امامت امام دیگر، بوقت حضور امام المحلہ ہے نہ بوقت عدم حضور کیونکہ مراد رجل اولٰی سے امام دیگر ہے اور رجل ثانی سے امام محلّہ یا صاحب البیت ہے اور کہا رجل اول رجل ثانی کی امامت نہ کرے، اگر رجل ثانی حاضر ہوگا تو اس کی امامت ممکن ہے اور نہی امور ممکنہ سے متعلق ہوا کرتی ہے، جماعت ثانیہ اگر تحت عموم حدیث کے ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے اور یہی علت ہے اگر خارج ہے تو بھی فقہا نے اسے مکروہ تحریمہ لکھا ہے اور بعض کہتے ہیں اگر ہیئت اولٰی کے خلاف ہے تو مکروہ نہیں جیسا کہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نفی جو امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مذکور ہے مراد اس سے کراہت تحریمہ کی نفی ہے نہ مطلق، بہرحال کراہت سے خالی نہیں، مصلّی پر امام کے نماز پڑھنا یا بیٹھنا بلا اس کے اذن کے اس کی ممانعت بھی مذکورہ بالا کے آخری فقرہ میں **ولا یقعد فی بیته علی تکرمته الا باذنه**[2] سے پائی جاتی ہے

قوله علی تکرمته هو موضع خاص لجلوسه عن فراش اوسریر مما یعد لاکرامه ن هی بفتح تاء وکسرها ط کفراش وسجادة ونحوهما. مجمع بحار الانوار[3]۔	قولہ تکرمتہ سے مراد وہ جگہ ہے جو بیٹھنے کے لئے ہو یا وہ چارپائی جو اکرام کے لئے رکھی گئی ہوتی ہے ن اس کی تاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں آسکتے ہیں ط مثلًا فراش اور سجادہ وغیرہ، مجمع بحار الانوار۔ (ت)

چونکہ ہرسہ سوالات کی نسبت اقوال علماء وعبارات کتب مختلف ہیں اس واسطے بہت تردّد رہتا ہے اور تسکین نہیں ہوتی ہے بظاہر عبارات کتب سے تو نہی راجح معلوم ہوتی ہے اور اقوال علمائے مخالف، اس لئے ادب سے التماس ہے کہ حقیقت امر سے مفصل اور مدلل طور پر بحوالہ کتب اور عبارات سے آگاہ فرمائیں تاکہ شق راجح عملدرآمد ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسجد اگر جامع یا سرا یا بازار یا اسٹیشن کی، غرض مسجد عام ہے کہ ایک جماعت خاصہ سے مخصوص نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد، اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۶

[3] مجمع بحار الانوار زیر لفظ کرم مطبوعہ المطبع العاد نولکشور لکھنؤ ۳/۲۰۹

جب تو اس میں ان سوالات کا محل ہی نہیں اس کی سب جماعتیں جماعت اولیٰ ہیں جو گروہ آئے اپنی جماعت کرے اور محراب ہی میں امامت کرے، اور افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جدا جدا اذان واقامت کرے کما نص علیه فی فتاوٰی قاضی خاں وغیرها (جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) ہاں مسجد محلّہ جس کے لئے جماعت معین امام معین ہے اس میں ضرور امام مقرر کا حق مقدم ہے جبکہ اس کی طہارت، قرات، عقیدے، عمل میں خلل نہ ہو کما فی الدر المختار وردالمحتار وغیرهما من الاسفار (جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار اور دیگر کتب میں ہے۔ت) اور قصداً بلاوجہ شرعی تفریق جماعت ضرور موجب ذم وشناعت، خواہ یوں ہو کہ امام معین سے پہلے پڑھ جائیں یا جماعت اولی فوت کرکے اپنی جماعت الگ بنائیں۔ رہے اہل ضرورت وہ مستثنیٰ ہیں اور ان کی جماعت اگرچہ پہلے ہو (مثلاً جماعت معینہ کا ابھی وقت نہ آیا اور انتظار میں ریل کا وقت نہ رہے پڑھ کر چلے گئے) امام اور اہل محلّہ کے حق میں جماعت اولیٰ نہ ہوگی تو اس سے حق امامت میں مزاحمت نہ ہوگی الالایؤمن الرجل الرجل فی سلطانه (آدمی کو دوسرے کی حکومت میں جماعت نہیں کروانی چاہئے۔ت) کا کچھ خلاف نہ ہوا کہ نہ امام معین کی امامت کی نہ اس کی امامت میں مزاحمت کی اور ہرگز شرع مطہر سے کوئی دلیل نہیں کہ ایسے لوگ بے اذن امام جماعت سے ممنوع ہیں نہ اصلاً کہیں ان پر یہ حکم ملے گا کہ مجتمع ہوتے ہوئے الگ الگ پڑھیں اور روافض سے تشبہ کریں، یوں ہی جو اتفاقاً بلاتقصیر جماعت سے رہ گئے وہ شرعاً انفراد پر مجبور نہیں، نہ شرع سے کوئی دلیل کہ جماعت میں اذن امام کے محتاج ہیں کہ یہاں بھی اس کے حق میں مزاحمت نہیں البتہ تمیز جماعت اولیٰ وابانت فرق واحتراز صورت مزاحمت کے لئے محراب سے الگ ہونا چاہئے۔

وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة هو الصحیح وبه ناخذ[1] کما اثره، فی ردالمحتار۔	محراب سے ہٹ کر نماز ادا کرنے سے ہیئت مختلف ہوجاتی ہے یہی صحیح ہے اور ہم اس پر عمل پیرا ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں منقول ہے (ت)

عبارت مضمرات کا محل وہی صورت تفریق بلاضرورت ہے یونہی حکم انتظار محل عدم ضرورت میں ہے

مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ[2]	تم پر دین میں اس نے تنگی نہیں کی (ت)

بصورت ضرورت بوجہ مذکور جماعت میں نہ امام معینہ کی تہوین نہ کوئی وجہ تباغض نہ تحزین، عبارت عالمگیری وعبارت کبیری دونوں در بارہ جمعہ ہیں اور جماعات کا اس پر قیاس باطل کہ جمعہ میں شرط ہے کہ امام خود سلطان ہو

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۱

[2] القرآن ۲۲/۷۸

یااس کاماذون اسی کی تفریع میں دونوں کتابوں کی وہ عبارات ہیں کبیری میں فرمایا:

الشرط الثانی کون الامام فیھا سلطانا اومن اذن له السلطان (الی ان قال) المتغلب الذی لامنشورله اذاکان سیرته فی الرعیة سیرة الامراء یجوزله اقامتھا لان بذٰلك تثبت السلطنة فیتحقق الشرط ولیس للقاضی ان یصلی بھم[1] الخ	دوسری شرط یہ ہے کہ امام سلطان ہو یا جسے سلطان نے حکم دیا ہو (آگے کہا) اقتدار پر غلبہ پانے والا وہ شخص جس کو اجازت نامہ حاصل نہیں، اگر رعیت میں وہ امیر جیسی صورت ومقبولیت حاصل کرلے تو جمعہ کا قیام جائز ہے کیونکہ اس صورت میں اقتدار قائم ہونے سے جمعہ کی شرط پائی گئی ہے (سلطان یانائب) کی موجودگی میں قاضی کو جمعہ پڑھانا جائز نہیں الخ (ت)

علمگیریہ میں ہے:

منھا السلطان حتی لاتجوز اقامتھا بغیر امر السلطان اوامر نائبه مرض الامیر[2] الخ	ان میں سے سلطان ہے حتی کہ اقامت جماعت امر سلطان یااس کے نائب کے حکم کے بغیر جائز نہیں امیر بیمار ہوگیا الخ (ت)

حدیث کی عبارۃ النص اگرچہ صورت امامت للامام میں ہے مگر بلاوجہ شرعی اس کی امامت فوت کرکے خود امام بن جانے کو بھی دلالۃً شامل،

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بشروا ولا تنفروا[3]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان اقدس ہے لوگوں کو خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ (ت)

اور جو صورتیں اوپر گزریں نہ ان میں عبارۃً منصوص نہ دلالۃً داخل، جماعت ثانیہ کی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے جس کا مجمل یہ ہے کہ مسجد عام میں ہر جماعت اولٰی ہے اور مسجد محلّہ میں قصداً تفریق یا اولٰی کی تفویت بلاعذر صحیح شرعی ناجائز ورنہ باعادہ اذان ہو تو مکروہ تحریمی، اور محراب نہ بدلیں تو خلاف اولٰی ورنہ اصلاً کراہت نہیں ھوالصحیح وبه ناخذ (یہی صحیح ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) تاترخانیہ مصلّی اگر ملک امام ہے جب توظاہر کہ اس کے بے اذن اس میں تصرف حرام اور اگر واقف نے خاص جماعت اولٰی کے لئے وقف کیا جب بھی اور لوگ استعمال نہ کریں لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[3] صحیح بخاری باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۱۶

نص شارع کی طرح ہے۔ت) ورنہ اس پر نماز میں اصلاً حرج نہیں جبکہ بلاوجہ امام سے مزاحمت یا تنفر ناحق یااثارت فتنہ نہ ہو، احکام کہ فقہ میں مذکور ہوئے آپ پر واضح ہیں اور بعض کی استبانت کے لئے یہ عبارت بحرالرائق پیش نظر ہونا نافع:

قال رحمه الله تعالٰی من هنایعلم جهل بعض مدرسی زماننا من منعهم من یدرس فی مسجد تقرر فی تدریسه اوکراهتهم لذلك زاعمین الاختصاص بهادون غیرهم حتی سمعت من بعضهم انه یضیفها الی نفسه ویقول هذه مدرستی اولاتدرس فی مدرستی وهذا کله جهل عظیم فقد قال الله تعالٰی وان المسجد فلایتعین مکان مخصوص لاحد حتی لوکان للمدرس موضع من المسجد یدرس فیه فسبقه غیره الیه لیس له ازعاجه و اقامته منه[1] اھ مختصرا والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	صاحب بحرالرائق رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہاں سے ہمارے دور کے بعض مدرسین کی جہالت بھی واضح ہوجاتی ہے کہ وہ اس شخص کو اس مسجد میں تدریس کرنے سے منع کرتے ہیں جس تدریس کے لئے ان کا تقرر ہو یا اسے مکروہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان مدارس کو دوسروں کے علاوہ اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں حتی کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا وہ اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ میرا مدرسہ ہے، یا تو میرے مدرسے میں تدریس نہ کر، یہ تمام بہت بڑی جہالت ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بیشک مساجد اللہ کی ہیں پس کوئی جگہ کسی کے لئے مخصوص نہیں لہذا اگر ایک مدرس مسجد کے کسی مقام پر بیٹھ کر درس دیتا تھا پھر کوئی دوسرا اس کی جگہ پر بیٹھا تو پہلے مدرس کو جائز نہیں کہ دوسرے کو وہاں سے ہٹا کر خود وہاں بیٹھے، اھ مختصرًا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۷۹: از شہر محلّہ مسجد جامع مسئولہ مولوی محمد احسان صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام صاحب بہ ہنگام ضرورت محراب مسجد میں یعنی آثار دیوار پچھیت مسجد کے اندر کھڑا ہے اور اپنے دائیں وبائیں برابر ایک یا زیادہ مقتدی کھڑے کرلئے باقی اور صفیں عقب حدود مسجد میں ہوں تو ایسی صورت میں نماز ہوجائے گی یا نہیں، بینوا توجروا۔

---

[1] بحرالرائق فصل کرہ استقبال القبلۃ بالفرج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴

الجواب:

وقت ضرورت امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ نہیں اور اپنے برابر کسی مقتدی کے لینے کی حاجت نہیں بلکہ دو مقتدیوں کا امام کے برابر ہونا خود مکروہ ہے، امام کا محراب میں ہونا بضرورت تھا کہ مکروہ نہ رہا یہ کس ضرورت سے ہوا اور اگر تین یازیادہ مقتدی امام کے برابر ہوجائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوجائے گی، محراب میں بلاضرورت کھڑا ہونا بھی ایسا ہی مکروہ بلکہ یہ سخت وشدید مکروہ ممنوع ہے **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۸۰ : از عبدالغفور صاحب میونسپل کمشنر کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام مذہب حنفی امامت کررہا ہے اور اس کے مقتدی کل حنفی ہیں اور ان میں چنداشخاص غیر مقلد شریک ہوکر آمین بالجہر ورفع یدین کریں تو اس صورت میں ادائے نماز حنفی میں نقص واقع ہوتا ہے یانہیں کہ جس سے نماز مکروہ ہوتی ہے یافاسد۔

الجواب:

غیر مقلدین زمانہ بحکم فقہا وتصریحات عامہ کتب فقہ کافر تھے ہی، جس کا روشن بیان رسالہ **الکوکبة الشہابیة** ورسالہ **السیوف** ورسالہ **النہی الاکید** وغیرہا میں ہے اور تجربہ نے ثابت کردیا کہ وہ ضرور منکران ضروریات دین ہیں اور ان کے منکروں کے حامی وہمراہ، تو یقینا قطعًا اجماعًا ان کے کفر وارتداد میں شک نہیں، اور کافر کی نماز باطل، تو وہ جس صف میں کھڑے ہوں گے اتنی جگہ خالی ہوگی اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے، رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وصل صفا وصلہ اﷲ ومن قطع صفا قطعہ اﷲ[1]۔	جوصف کو ملائے اﷲ اپنی رحمت سے اسے ملائے اور جوصف قطع کرے اﷲ اپنی رحمت سے اسے جدا کرے۔

تو جتنے اہلسنت ان کی شرکت پر راضی ہوں گے یا باوصف قدرت منع نہ کریں گے سب گنہگار ومستحق وعید عذاب ہوں گے اور نماز میں بھی نقص آئے گا کہ قطع صف مکروہ تحریمی ہے اور اگر صرف ایک ہی صف ہو اور اس کے کنارہ پر غیر مقلد کھڑا ہو تو اس صورت میں اگرچہ فی الحال قطع صف نہیں مگر اس کا احتمال واندیشہ ہے کہ ممکن کہ کوئی مسلمان بعد کو آئے اور اس غیر مقلد کے برابر یادوسری صف میں کھڑا ہو تو قطع ہوجائے گا

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

اور جس طرح فعل حرام حرام ہے یونہی وہ کام کرنا جس سے فعل حرام کا سامان مہیا اور اس کا اندیشہ حاصل ہو وہ بھی ممنوع ہے ولہذا احدود اللہ میں فقط وقوع کو منع نہ فرمایا بلکہ ان کے قرب سے بھی ممانعت ہوئی کہ **تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا**[1] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اس کے باوجود۔ت) **مع ھذا** ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم**[2]۔ نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ بدمذہبوں کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸۱: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ احمد حسین خاں صاحب ۷/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

وبار دوم از قصبہ سرواڑ علاقہ کشن گڑھ متصل اجمیر شریف ہوشیاروں کی مسجد مسئولہ قاضی اکبر صاحب ۲۰ ذیقعد ۱۳۳۰ھ

کیا کسی امام کے مذہب میں آمین بآواز بلند کہنا جائز ہے، اگر کوئی جماعت میں آمین زور سے کہتا ہو حنفی سنیوں کی جماعت میں شریک کرنے سے نماز میں توکچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔

الجواب:

آمین بالجہر امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ہے اگر کوئی سنی شافعی مذہب آمین بآواز کہے وہ بلا تکلف حنفیوں کی جماعت میں شریک ہو بلکہ بشرائط مذکورہ کتب فقہ وہ امامت کرے ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیں گے کہ ہم اور وہ سب حقیقی بھائی ہیں، ہمارا باپ اسلام، ہماری ماں سنت سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام۔ مگر یہاں جو آمین بالجہر والے ہیں یہ غیر مقلد وہابی ہیں یہ اللہ ورسول کی توہین کرنے والے ہیں یہ ہمارے ائمہ کرام کو گالیاں دینے والے ہم کو مشرک کہنے والے ہیں ان کی شرکت جماعت حنفی سے ضرور ضرر ہے کہ ان کے عقائد باطلہ تکذیب خدا وتوہین رسول کے باعث ان کی نماز ہی نہیں تو جماعت میں ان کا کھڑا ہونا بالکل ایسا ہے کہ ایک شخص بے نماز بیچ میں داخل ہے اس سے صف قطع ہوگی اور صف کا قطع کرنا حرام، حدیث میں فرمایا:

من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله[3]۔	جو صف کو ملائے اللہ اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جو صف کو قطع کرے گا اللہ اسے اپنی رحمت سے جدا کردے گا(ت)

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷

[2] کنز العمال الفصل الاول فی فضائل الصحابہ اجمالا مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/۵۴۰

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

حدیث میں حکم فرمایا کہ نماز میں خوب مل کر کھڑے ہو کہ بیچ میں شیطان نہ داخل ہو۔ یہاں آنکھوں دیکھا شیطان صف میں داخل ہے یہ جائز نہیں تو بشرط قدرت اسے ہر گز اپنی جماعت میں نہ شامل ہونے دیں اور جو مجبور ہے معذور ہے۔

مسئلہ ۸۸۲: از ریاست الور راجپوتانہ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی ۲۲ذی الحجہ ۱۳۲۴ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قاطع بدعت وضلالت جامع معقول ومنقول جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب ادام فیوضہم وبرکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ فقیر حقیر مسکین محمد رکن الدین حنفی نقشبندی مجددی نادیدہ مشتاق زیارت[عہ] دومسئلہ خدمت شریف میں پیش کرکے امیدوار ہے کہ جناب اپنی تحقیق سے اس عاجز کو ممنون فرمائیں اللہ تعالٰی اس کا اجر عظیم عطافرمائے گا، ایک مسئلہ تو جماعت ثانی کا ہے اس میں گزارش یہ ہے کہ ردالمحتار میں جو اقوال کراہت وعدم کراہت کے نقل کئے ہیں ان میں سے کراہت کا قول اس محلّہ کی مسجد کی نسبت کہ جس میں امام اور مؤذن اور نمازی معین ہوں ظاہر الروایۃ بیان کیا ہے اور اس کو مدلل بھی کردیا ہے اور عدم کراہت کے قول کی صحت بھی منقول ہے کہ جو منسوب امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے وہ بھی اس میں موجود ہے اب یہ فرمائیے کہ ظاہر الروایۃ کے مقابلہ میں جبکہ وہ مدلل بھی ہو دوسرے قول بلا دلیل کی ترجیح کس طرح ہوسکتی ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ، ونصلّی علی رسولہ الکریم

بملاحظہ مولانا المبجل المکرم المکین جعلہ اللہ تعالٰی ممن شید بہم رکن الدین۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ہمارے امام ہمام سراج الامہ امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب مہذب وظاہر الروایۃ یہ ہے کہ مسجد محلّہ جس کے لئے اہل معین ہوں جب اس میں اہل محلّہ باعلان اذان وامام موافق المذہب صالح امامت کے ساتھ جماعت صحیحہ مسنونہ بلاکراہت ادا کرچکے ہوں تو غیر اہل محلّہ یا باقی ماندگان اہل محلّہ کو اذان جدید کے ساتھ اس میں اعادہ جماعت مکروہ وممنوع وبدعت ہے۔ مجمع البحرین وبحر الرائق میں ہے:

لاتکررھا فی مسجد محلۃ باذان	محلّہ کی مسجد میں دوسری اذان کے ساتھ تکرار جماعت

[عہ] اول یہ ہے دوسرا نوافل میں مسطور ہے ۱۲(م)

ثان[1]	جائز نہیں۔(ت)

شرح المجمع للمصنف وفتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

المسجد اذاکان له امام معلوم وجماعة معلومة فی محلة فصلی اهله فیه بالجماعة لایباح تکرارهافیه باذان ثان[2]۔	جب مسجد کاامام اور جماعت محلّہ میں متعین ہواور اہل محلّہ نے جماعت کے ساتھ نمازادا کرلی تو دوسری اذان کے ساتھ اس میں تکرار جماعت مباح نہ ہوگی(ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وشرح کبیر منیہ وغرر ودرر وخزائن الاسرار ودرمختار وذخیرۃ العقبٰی وغیرہامیں ہےاور اس کا حاصل حقیقۃ کراہت اعادۂ اذان ہے

فان الحکم المنصب علی مقید انما ینسحب علی القید کماقدعرف فی محله ولهذا۔	وہ حکم جو کسی مقید پر ہو وہ قید پر وارد ہوتا ہے جیسا کہ یہ ضابطہ اپنے مقام ومحل پر معروف ہے(ت)

امام محقق ابن امیر الحاج حلبی ارشد تلامذہ ابن الہمام نے حلیہ میں اسی مذہب مہذب کواس عبارت سے ادافرمایا:

المسجد اذاکان له اهل معلوم فصلوا فیه اوبعضهم باذان واقامة کره لغیراهله والباقین من اهله اعادة الاذان والاقامة[3]۔	جب مسجد کے اہل معلوم ہوں اور ان تمام یابعض نے اذان واقامت کے ساتھ نمازادا کرلی تواب غیر اہل اور بقیہ لوگوں کے لئے اذان واقامت کااعادہ جائز نہیں(ت)

وللہذا کتب مذہب طافحہ ہیں کہ بے اعادہ اذان مسجد محلّہ میں جماعت ثانیہ بالاتفاق مباح ہےاس کے جواز واباحت پر ہمارے جمیع ائمہ کااجماع ہے عباب وملتقط ومنبع وشرح درالبحار وشرح مجمع البحرین للمصنف وشرح المجمع ابن ملک ورسالہ علامہ رحمت اللہ تلمیذ امام ابن الہمام وذخیرۃ العقبٰی وخزائن الاسرار شرح تنویر الابصار وحاشیۃ البحر للعلامۃ خیر الدین رملی وفتاوٰی ہندیہ وغیرہاکتب معتمدہ میں اس پراتفاق واجماع نقل فرمایا، خزائن میں ہے:

لوکرر اهله بدونهما اوکان مسجد	اگراذان واقامت کے بغیر اہل محلّہ تکرار جماعت

[1] بحرلرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۵۔۳۴۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

طریق جاز اجماعا[1]۔	کریں یا وہ مسجد راستہ کی ہو تو یہ تکرار جماعت بالاجماع جائز ہے(ت)

علمگیریہ وشرح المجمع للمصنف میں ہے:

اما اذا صلوا بغیر اذان یباح اجماعا[2]۔	ہاں اگر انہوں نے نماز بغیر اذان کے ادا کی تو یہ بالاجماع جائز ہے(ت)

ردالمحتار میں منبع سے ہے:

التقیید بالمسجد المختص بالمحلة احتراز عن الشارع وبالاذان الثانی احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا[3]۔	مسجد کو محلّہ کے ساتھ مختص کرنے سے مسجد شارع اس سے خارج ہو گئی اور اذان ثانی کی قید سے وہ صورت خارج ہو جاتی ہے، جب اہل محلّہ نے اذان ثانی کے بغیر جماعت کروائی ہو کیونکہ اس صورت میں تکرارجماعت بالاجماع مباح ہے(ت)

حاشیۂ علامہ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

اما اذا کررت بغیر اذان فلاکراھة مطلقا وعلیه المسلمون[4]۔	جب بغیر اذان کے تکرار جماعت ہو تو اب بہر حال کراہت نہیں اور تمام مسلمان اسی پر ہیں(ت)

یہ عبارت تو نہ صرف ہمارے ائمہ کا اتفاق بلکہ جملہ مسلمانوں کا اسی پر عمل بتاتی ہے اور خود لفظ اجماع ائمہ کتب میں واقع اسی طرف ناظر تو کیونکر ممکن کہ ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہو، ظہیریہ میں کہ تنہا پڑھنا لکھ کر اسے ظاہر الروایۃ بتایا۔ اقول: واجب کہ اس سے مراد نفی وجوب جماعت ہو نہ وجوب نفی جماعت کہ اجماع کے خلاف پڑے اور یہ ضرور حق ہے اس کا حاصل اس قدر کہ جس طرح جماعت اولٰی چھوڑ کر تنہا پڑھنا ناجائز وگناہ تھا یہاں ایسا نہیں یہ الگ الگ پڑھ لیں وہ نہیں پڑھ سکتے تھے عقل ونقل کے قاعدہ متفق علیہا سے واجب ہے کہ محتمل کو محکم کی طرف رد کریں نہ کہ محکم کو محتمل سے رد کریں تو عبارت ظہیریہ سے رد نقول متظافرہ اجماع

---

[1] ردالمحتار بحوالہ خزائن الاسرار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ، الفصل الاول فی الجماعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۳

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۸

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴۰

ناممکن ہے بلکہ اگروہ دوسرے معنی صحیح نہ رکھتی نہ اصلا محتمل بلکہ خلاف اجماع میں نص مفسر ہوتی توحسب قاعدہ قاطعیہ نقول عامہ کے خلاف خودہی بوجہ غرابت نامقبول ٹھہرتی نہ کہ بالعکس، ردالمحتار باب سجود التلاوۃ میں ہے:

هذا عزاه فی البحر الی المضمرات و قال ان الثانی غریب ھ وجه غرابته انه انفرد بذکره صاحب الظهیریة ولذا عزاه من بعده الیها فقط[1]۔	اس کی نسبت بحر میں المضمرات کی طرف کی ہے اور کہا دوسرانادر ہے اھ نادر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صرف صاحب ظہیریہ ہی نے ذکر کیاہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد والوں نےاس کی نسبت صرف ان کی طرف ہی کی ہےاھ (ت)

اسی کے باب المیاہ مسئلہ اعتبار عمق میں ہے:

قوله فی الاصح ذکره فی المجتبی والتمر تاشی والایضاح والمبتغی وعزاه فی القنیة الی شرح صدر القضاۃ وجمع التفاریق وهو متوغل فی الاعراب مخالف لما اطلقه جمهورالاصحاب کما فی شرح الوهبانیة[2]۔	قولہ فی الاصح اسے مجبتی، تمرتاشی، ایضاح اور مبتغی نے ذکر کیا، قنیہ میں اس کی نسبت شرح صدرالقضاۃاور جمع التفاریق کی طرف کی ہے، شرح الوہبانیہ کے مطابق جمہور کے اطلاق کی مخالفت کی وجہ سے یہ اغراب میں ڈوبا ہواہے(ت)

پھر جبکہ بحال اعادہ اذان اصل مذہب وظاہر الروایۃ کراہت تحریم تھی،

لما فی ردالمحتار قوله ویکره ای تحریما لقول الکافی لایجوز والمجمع لایباح[3]۔	ردالمحتار میں وقولہ ویکرہ یعنی تحریمی مراد ہے کیونکہ صاحب کافی نے کہایہ جائز نہیں،اور مجمع میں ہے یہ مباح نہیں(ت)

اور بے اذان ثانی جواز وعدم کراہت پراجماع تواب اس میں اختلاف ہواکہ آیا یہ جوازواباحت محض خالص ہے یاکہیں کراہت تنزیہ سے بھی جامع، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ

---

[1] ردالمحتار باب سجودالتلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

[2] ردالمحتار باب سجودالتلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

[3] ردالمحتار باب سجودالتلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۷

محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے:

فان المکروہ تنزیھا من قسم المباح کما فی رد المحتار وحققناہ فی جمل مجلیة۔	کیونکہ مکروہ تنزیہی قسم مباح ہی ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اس کی تحقیق "جمل مجلیہ" میں کی ہے (ت)

اس باب میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت آئی کہ محراب ہی میں ہو تو کراہت ہے اور اس سے ہٹ کر اصلاً کراہت نہیں، ائمہ ترجیح نے اسی کی تصحیح کی ولوالجیہ ووجیز کردری وتاتارخانیہ وغنیہ وغیرہا میں اسی کو **ھو الصحیح وبہ ناخذ** (صحیح یہی ہے اور اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ت) فرمایا، بحمداللہ تعالٰی اس تقریر منیر وتوفیق وتحقیق سے واضح ہوا کہ نہ یہ تصحیحیں ظاہر الروایہ کے خلاف ہیں نہ ظاہر الروایہ کی حکایت اجماع کے خلاف، اور مسئلے میں قول منقح یہ نکلا کہ مسجد محلّہ میں بشرائط مذکورہ (جن کے محترزات کی تفصیل جمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور ہے) باعادہ اذان جماعت ثانیہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہے یہی ظاہر الروایہ ومذہب امام ہے اور بے اذان ثانی بلاشبہہ جائز اس پر خود اتفاق واجماع ائمہ ہے مگر محراب میں بکراہت اور اس سے ہٹ کر خالص مباح بلاکراہت، یہی صحیح وماخوذ ومعتمد ہے اب شبہہ اصل سے منقطع ہوگیا اور بالفرض اگر براہ تنزّل مان بھی لیں کہ ائمہ نے خلاف ظاہر الروایہ کی تصحیحیں فرمائیں تو ہم پر لازم کہ انہیں کا اتباع کریں، ظاہر الروایہ کی ترجیح اس وقت ہے کہ اس کے خلاف پر تصحیح صریح نہ ہوچکی ہو ورنہ ترجیح ضمنی تصریح تصحیح کے معارض نہ ہوسکے گی اور اسی تصحیح تصریح کا اتباع ہوگا۔

درمختار میں ہے:

امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لوافتوافی حیاتھم[1]۔	ہمارے لئے اس قول کی اتباع وپیروی لازم ہے جسے فقہانے ترجیح دی اور تصحیح کی جیسے اس صورت میں ہم پر ان کی پیروی لازم تھی کہ اگر وہ ہمارے زمانے میں زندہ ہوتے اور فتوٰی دیتے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ترجیح ضمنی لکل ماکان ظاھر الروایة فلایعدل عنه بلاترجیح صریح لمقابله[2]۔	ہر ظاہر روایت کو ترجیح ضمنی حاصل ہوتی ہے پھر جب تک اس کے مقابل صریح ترجیح نہ ہو اس سے عدول نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

---

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸

درمختار میں ہے:

اذا ذیلت روایة بالصحیح اولماخوذ به لم یفت بمخالفه[1] مختصرا۔	جب روایت کے بعد صحیح یاماخوذ بہ لکھا ہوا ہو تو اس کے مخالف فتوٰی نہیں دیا جاسکتا اھ مختصرا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان التصحیح بصیغة تقتضی قصر الصحة علی تلك الروایة فقط کالصحیح والماخوذ به ونحوهما مما یفید ضعف الروایة المخالفة لم یجز الافتاء بمخالفها لما سیأتی ان الفتیا بالمرجوح جهل[2]۔	جب تصحیح ایسے صیغے کے ساتھ ہو جو صرف اسی روایت کی صحت کا تقاضا کررہا ہو مثلاً لفظ صحیح یاماخوذ بہ وغیرہما جو مخالف روایت کے ضعف پر دال ہو تو اب اس کے مخالف پر فتوٰی دینا جائز نہ ہوگا، جیسا کہ عنقریب آرہا ہے کہ مرجوح پر فتوٰی جہالت ہوتی ہے(ت)

اسی میں ہے:

لوذکرت مسئلة فی المتون ولم یصرحوا بتصحیحها بل صرحوا بتصحیح مقابلها فقد افادالعلامة قاسم ترجیح الثانی لانه تصحیح صریح ومافی المتون تصحیح التزامی والتصحیح الصریح مقدم علی التصحیح الالتزامی ای التزام المتون ذکرماهو الصحیح فی المذهب[3]۔	اگر کسی مسئلہ کا ذکر متون میں ہوا اور اس کی تصحیح کی تصریح فقہا نے نہ کی ہو بلکہ اس کے مقابل کی تصحیح کی ہو تو ایسی صورت میں علامہ قاسم کے نزدیک دوسرے کو ترجیح ہوگی کیونکہ تصحیح پر تصریح ہے اور متون میں تصحیح التزامی ہو اور تصحیح صریح تصحیح الزامی پر مقدم ہوتی ہے یہاں تصحیح التزامی سے مراد یہ ہے کہ متون نے یہ الزام کیا ہوتا ہے کہ ہم وہی ذکر کریں گے جو مذہب میں صحیح قول ہوگا۔(ت)

اب رہیں بعض تعلیلات، اول تو بعد تصحیح ائمہ ترجیح ہمیں نظر فی الدلیل کی حاجت نہیں، نہ وہ ہمارا منصب، پھر بعونہٖ تعالٰی اس کا حال ملاحظہ تعلیقات سے واضح ہوگا جو فقیر نے کتاب مستطاب ردالمحتار پر لکھیں اسعافاللمرام اس

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴، ۵۵

[3] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۵۳

مقام سے اس کی نقل مسطور،

قوله ولنا انه علیه الصلاة والسلام کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی ولوجاز ذلك لما اختار الصلاة فی بیته علی الجماعة فی المسجد[1]۔	قولہ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بعض لوگوں کے درمیان صلح کے لئے تشریف لے گئے جب آپ مسجد میں واپس آئے تو اہل مسجد نے نماز ادا کرلی تھی تو آپ گھر تشریف لائے آپ نے اپنے اہل کو جمع کیا اور نماز ادا کی اگر تکرار جماعت جائز ہوتا تو آپ مسجد میں جماعت پر گھر کی جماعت کو اختیار نہ فرماتے (ت)
اقول: اولًا لایتعین هذا سببا لذلك فان فی اعادته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الجماعة فی المسجد کان ایهام انه لم یرض بجماعة القوم فلعله اراد دفع ذلك الوهم وتاکید تقریرهم علی مافعلوا۔ **وثانیًا:** لعل الباقی من اهله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للجماعة النساء الطاهرات وحدهن فاحب الجماعة ولم یحب ان یخرجهن وحدهن للجماعة للمسجد وعسی ان یراه الناس ممن قدصلوا فیحبوا اعادة الصلوة خلفه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اویجیئ بعض من لم یصل بعد فیقفوا خلفهن فتفسد صلاتهم۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) **(۱)** تکرار جماعت کے ناجائز ہونے کے لئے اس کو سبب قرار دینا متعین نہیں بلکہ اس کی وجہ اور بھی ہوسکتی ہے کہ آپ مسجد میں جماعت کا اعادہ فرماتے تو یہ وہم ہوتا کہ آپ نے لوگوں کی جماعت کو پسند نہیں کیا، تو ممکن ہے آپ نے اس وہم کے ازالے اور لوگوں کی جماعت کو صحیح قرار دینے کے لئے ایسا کیاہو۔ **(۲)** یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی صرف ازواج مطہرات ہی جماعت سے باقی رہ گئی ہوں آپ نے گھر میں ہی جماعت کو پسند فرمایا اور مسجد میں صرف ان کی جماعت کے لئے ان کو نکالنا پسند نہ فرمایا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نماز ادا کرلینے والے آپ کو دیکھ کر آپ کے پیچھے نماز کا اعادہ پسند کریں یا بعض لوگ پہلی جماعت میں شرکت نہ کرسکے تھے اب آئے تو ان خواتین کے پیچھے کھڑے ہوگئے تو اس صورت میں ان کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

وثالث من فاتته الجماعة وحده فهو مخیر فی الانفراد واتباع الجماعات وان یاتی اهله فیجمع بهم کما نص علیه فی الخانیة والبزازیة وغیرهما وقد نصوا کما فی ردالمحتار وغیره ان الاصح انه لو جمع باهله لایکره وینال فضیلة الجماعة لکن جماعة المسجد افضل [1] ه وقد کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم ربما یترك الافضل لبیان الجواز وکان حینئذ هوالافضل فی حقه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما فیه من التبلیغ المبعوث له من عند ربه عزوجل فکیف یسلم قوله ولوجاز ذلك لما اختار۔	(۳) جب تنہا آدمی جماعت سے رہ جائے تو اب اسے اختیار ہے کہ وہ تنہا نماز ادا کرے یا جماعت کے ساتھ کہ وہ گھر چلا جائے اور اپنے اہل کو اکٹھا کرکے نماز پڑھے، اس پر خانیہ، بزازیہ وغیرہا میں تصریح ہے، ردالمحتار وغیرہ میں یہ تصریح ہے اگر اس نے اپنے اہل کو جمع کرکے نماز ادا کی تو کراہت نہیں بلکہ جماعت کا ثواب پائے گا، البتہ مسجد کی جماعت افضل ہے اھ، اور بعض اوقات سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیان جواز کے لئے افضل کو ترک فرمادیتے تھے اور اس صورت میں آپ کے حق میں وہ بیان جواز ہی افضل ہوگا کیونکہ اس میں احکام خداوندی کی تبلیغ (جس کے لئے اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں) ہے ان کا یہ قول "ولوجاز ذلك لما اختار" کیسے درست ہوگا۔
وفیه رابعًا: مایفیده العلامة المحشی ان قد انعقد الاجماع بلانزاع علی جواز اعادة الجماعة فی المسجد العام بل صرحوا قاطبة انه الافضل ومعلوم قطعا ان مسجده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیس مسجد محلة فلوتم هذا الاستدلال لصادم الاجماع واتی بتحریم مالیس فی حله بل ولافضله محل نزاع۔	**(۴)** جو علامہ محشی نے کہا ہے کہ اس بات پر اجماع کے انعقاد میں کوئی نزاع نہیں کہ مسجد عام میں اعادہ جماعت جائز ہے بلکہ واضح تصریح کی ہے کہ یہ افضل عمل ہے اور یہ بھی قطعًا معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارکہ مسجد محلّہ نہیں، اگر معترض کا یہ استدلال درست ہو تو یہ اجماع سے ٹکرائے گا اور ایسی چیز کو حرام قرار دینا ہوگا جس کے حلال بلکہ اس کے افضل ہونے میں کوئی محل نزاع نہیں۔

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۹۲

اقول: ومثله فی الضعیف بل اضعف ماقدم فی الاذان من الاستدلال بماروی عن انس رضی الله تعالٰی عه ان اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کانوا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی[1]، فانه لیس فیه ان الجماعة کانت تفوت جماعة منهم معاً کانوایصلون فی المسجد فرادی مجتمعین وحاش لله متی عهد هذا من الصحابة رضی الله تعالٰی منهم وانما کانت تفوت نادرا واحدا بعد واحد منهم ولادلالة بصیغ الجمع علی القرآن فی الفعل، فان معناه انهم کانواکل من فاتته الجماعة صلی فی المسجد منفردًاولم یکونوا یتتبعون المساجدنفیاللحرج فکان کقول انس ایضاصلیت خلف النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر وعمر وعثمان فکانوا یستفتحو ان القرأة بالحمدلله رب العٰلمن رواه احمد ومسلم[2]

اقول: (میں کہتاہوں) اس کی طرح ضعیف بلکہ اضعف ہے وہ استدلال جو اذان کی بحث میں اس حدیث کے حوالے سے گزرا جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد میں جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نمازادا کرتے تھے کیونکہ اس میں یہ ہرگز نہیں کہ اگر صحابہ کے ایک گروہ کی معاجماعت فوت ہوجاتی تو وہ سب مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے حاشاللہ ایسی بات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہیں البتہ نادرا کسی ایک صحابی کی کسی ایک وقت کی جماعت رہ جاتی تھی گروہ کی نہیں، اور جمع کے صیغہ کی قران فی الفعل پر کوئی دلالت نہیں کہ ایک سے زیادہ افراد مسجد میں اکیلے اکیلے نماز پڑھتے تھے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگران میں سے کسی کی جماعت فوت ہوجاتی تو وہ مسجد میں تنہا نماز اداکرلیتااور نفی حرج کی وجہ سے دیگر مساجد کی طرف نہ جاتے تھے یہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کی طرح بھی ہے جس میں ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ابوبکر، عمراور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی اقتدا میں نمازادا کی ہے تو وہ الحمدللہ رب العالمین سے قرات کی ابتداء کرتے تھے، اسے احمداور مسلم نے روایت کیاہے

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۲۹۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی ازمسند انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۲۳

ھل لقائل ان یقول ان فی نفس الحدیث دلیلا علی ھذا المعنی وذلك انا لانسلم ان المراد بالجماعۃ الجماعۃ الاولی عینا بل نجریھا ھی علی ارسالھاوالجماعۃ لاتفوت الجماعۃ الاان یمنعوا عن تکرارھا، فیتوقف الاستدلال بہ علی اثبات ممانعۃ التکرارفیعودمصادرۃ علی المطلوب وقدذکرالبخاری فی صحیحہ عن انس نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ جاء الی مسجد قدصلی فاذن واقام وصلی جماعۃ[1] ھ فلم تفتہ الجماعۃ اذلم یکن وحدہ و صح ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باصحابہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من یتصدق علی ھذافیصلی معہ فقام رجل من القوم فصلی معہ[2] رواہ احمد وابو داؤد والترمذی وابوبکر بن ابی شیبۃ والدارمی وابویعلی وابن خزیمۃ وابن حبان وسعید بن منصور والحاکم کلھم عن	کیا کوئی قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے مضمون میں اس مفہوم پر دلیل ہے؟ اور یہ اس لئے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہاں جماعت سے مراد جماعت اولٰی عینی ہے بلکہ ہم اسے مطلق جماعت پر محمول کرتے ہیں اور ایک گروہ سے جماعت تب فوت ہوگی جب انہیں تکرار جماعت سے منع کیا ہو، لہٰذا اس سے استدلال ممانعت تکرار کے اثبات پر موقوف ہوگا، تو یہاں مصادرت علی المطلوب عود کرے گی، اور بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہی سے روایت کی ہے کہ وہ مسجد میں آئے حالانکہ جماعت ہوچکی تھی تو انہوں نے اذان دی تکبیر کہی اور جماعت کرائی اھ تو تنہا نہ ہونے کی صورت میں ان کی جماعت فوت نہ ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا حالانکہ حضور علیہ السلام نے صحابہ کو جماعت کرادی تھی، توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر کون صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ نماز ادا کرے گا؟ تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز ادا کی، اس کو مسند، ابوداؤد، ترمذی، ابوبکر بن ابی شیبہ، دارمی، ابویعلی، ابن خزیمہ، ابن حبان، سعید بن منصور اور حاکم ان سب نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،

[1] صحیح البخاری باب فضل صلٰوۃ الجماعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۹/۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴۵/۳

ابی سعید الخدری والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة وعن عصمة بن مالك و ابن ابی شیبة عن الحسن البصری مرسلا عبدالرزاق فی مصنّفه وسعید بن منصور فی سننه عن ابی عثمن النهدی مرسلا ایضاً وفی الباب عن ابی موسی الاشعری والحکم بن عمیر کما فی الترمذی رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین وفی بعضها ان ذلك المتصدق علی الرجل ابوبکر ن الصدیق رضی الله تعالٰی عنهما قوله ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لایجتمعون اذا علموا انها لاتفوتهم[1]۔

اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ اور حضرت عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور ابن ابی شیبہ نے حضرت امام حسن بصری سے مرسلًا روایت کیاہے، عبد الرزاق نے مصنف اور سعید بن منصور نے سنن میں ابوعثمان النہدی سے بھی مرسلًا روایت کیاہے۔اس باب میں حضرت ابوموسٰی اشعری اور حکم بن عمیر سے بھی روایت ہے جیسا کہ ترمذی میں ہے رضی اللہ عنہم اور بعض روایات میں ہے کہ وہ صدقہ کرنے والے حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے قولہ کیونکہ ایسے اطلاق سے تقلیل جماعت کا معنی پایاجاتاہے اس لئے کہ وہ جب جان لیں کہ جماعت فوت نہ ہوگی تو جمع نہ ہوں گے۔

اقول: لسنا نبیح تعمد ترك الجماعة الاولی اتکالا علی الاخری فمن سمع منادی الله ینادی ولم یجب بلاعذر اثم وعزرفاین الاطلاق وانما نقول فیمن غابوا فحضروا اوکانوا مشتغلین بنحو الاکل تاقت الیه انفسهم او التخلی وغیرذلك من الاعذار فتخلفهم عن الاولی قدکان باذن الشرع فعلی مایعاقبون بحرمان الجماعة وفیم تودی الی التقلیل وقد اثبتنا فی رسالتنا

اقول: (میں کہتاہوں) ہم جماعت اولٰی کے عمدًا ترک کو دوسری جماعت پر بھروسا کی بناء پر مباح نہیں رکھتے اور جس شخص نے بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے بلاوا سُنا اور اس نے اسے قبول نہ کیا وہ گنہگار ہوگا اور وہ قابل تعزیر ہے تو یہاں اطلاق کہاں ہے، ہم تو ان لوگوں کی بات کررہے ہیں جو موجود نہ تھے اب آئے یا وہ کسی معاملہ میں مشغول تھے مثلًا سخت بھوک کی وجہ سے کھانا کھارہے تھے یا رفع حاجت کے لئے گئے تھے یا اس جیسے دوسرے اعذار ہوں تو اب ایسے لوگوں کا پہلی جماعت سے رہ جانا باجازت شرع ہوگا، اب ان پر جماعت سے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۹

"حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة"ان الواجب ھی الجماعة الاولی عینا، فاذا علموا انھم لولم یحضروا فاتھم الواجب فکیف لایجتمعون، اما الکسالی وقلیل المبالاة فلا یجتمعون وان علموا انھم تفوتھم الاولٰی والاخری جمیعا الاتری ان عــہ بعض العصریین ممن یدعی العلم والدین قدشدد فی ذلك تشدید ابلیغا وزعم ان تکرار الجماعة معصیة مطلقا فتبعه بعض عوام تلك البلاد فی ترك تکرار الجماعة ولم یتبعوہ فی اتیان الاولی فتری فوجامن الاحابیش یاتون بعد الجماعة فیصلون معا فرادی فیزیدون مشابھة بالروافض والله المستعان۔ **قوله** ویؤیدہ مافی الظھیریة لودخل جماعة المسجد بعدماصلی فیه اھله یصلون وحدانا و ھوظاھر الروایة ھوھذا مخالف لحکایة الاجماع المارة[1]	محروم ہونے کی وجہ سے کیونکر ملامت کی جاسکتی ہے اور انہیں تقلیل جماعت کا سبب کیوں قرار دیاجائے؟ ہم نے رسالے "حسن البراعة فی تنقید حکم الجماعة" میں ثابت کیا ہے کہ واجب عینی جماعت اولٰی ہی ہے پس جب انہوں نے جانا اگروہ حاضر نہ ہوئے تو واجب فوت ہوجائے گا تووہ جمع کیسے نہ ہوں؟ رہا معاملہ سستی اور لاپرواہی کرنے والوں کا، وہ جمع نہیں ہوں گے خواہ انہیں علم ہو کہ ہماری پہلی اور دوسری جماعت فوت ہوجائے گی کیاآپ کے علم میں نہیں کہ بعض معاصرین جو علم ودین کادعوی کرتے ہیں انہوں نے اس میں بہت زیادہ تشدید کی اور کہاکہ تکرار جماعت ہر حال میں معصیت وگناہ ہے اور ان کے علاقے میں کچھ عام لوگوں نے تکرار جماعت کے ترک میں اس کا اتباع کیا حالانکہ وہ پہلی جماعت کے درپے نہیں ہوئے آپ متعدد گروپوں کوملاحظہ کریں گے کہ وہ جماعت کے بعد آتے ہیں وہ ایک ہی مقام پر تنہا تنہا نماز اداکرتے ہیں تو اس عمل سے روافض کے ساتھ مشابہت میں اضافہ کرتے ہیں اور اللہ ہی مدد کرنے والا ہے **قوله** اور اس کی تائید ظہیریہ کی یہ عبارت کرتی ہے اگر کوئی جماعت مسجد میں داخل ہوئی حالانکہ اہل محلّہ نے جماعت کرالی تھی تووہ تنہا نماز اداکرلیں، اور یہ ظاہر روایت ہے اھ اور یہ بات سابقہ منقول اجماع کے خلاف ہے

عــہ وھو رشید احمد گنگوھی ۱۲ (م)

[1] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

اقول: لاتائید ولاخلاف فان یصلون لیس نصافی الایجاب ومن تتبع ابواب صفۃ الصلاۃ والحج من ای کتاب شاء وجد قناطیر مقنطرۃ من صیغ الاخبار واردۃ فیما لیس بواجب بل ولاسنۃ انما اقصاہ الندب، وقد قال فی البحر الرائق والطحطاوی فی حاشیۃ الدر ان ذلك ای دلالۃ الاخبار علی الوجوب فیما اذا صدرمن الشارع اما من الفقھاء فلایدل ھو ولا الامر منھم علی الوجوب کما وقع لمحمد حیث، قال فی صفۃ الصلاۃ افترش رجلہ الیسری ووضع یدہ وامثال ذلك کثیرۃ ھ ولست انکرانہ کثیرا مایجیئ للوجوب کمابیناہ فی کتابنا"فصل القضاء فی رسم الافتاء"وانما ارید ان المحتمل لایقضی علی المفسر فکیف یرد بہ الاجماع المتظافر علی نقلہ المعتمدات بل کیف یصح ان یحمل علی مایصیر بہ مخالف للاجماع ولوکان کذا لکان ھو احق بالرد من الاجماع اذ الحاکی الواحد عن	**اقول:** (میں کہتاہوں یہاں نہ تائید ہے نہ ہی مخالفت، کیونکہ لفظ"یصلون" سے صراحۃً ایجاب ثابت نہیں ہوتا اور جس نے بھی کسی کتاب کے ابواب صفۃ صلٰوۃ وحج کا مطالعہ کیا ہے وہ بہت س) ے الفاظ خبر کا ذخیرہ پائے گا جو ایسی جگہ وارد ہیں جو واجب بلکہ سنت بھی نہیں، ہاں زیادہ سے زیادہ مستحب کے درجے میں ہوتے ہیں، بحرالرائق میں ہے اور طحطاوی نے حاشیہ در میں کہا ہے جملہ خبریہ کی دلالت وجوب پر اس وقت ہوتی ہے جب وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہو، اور اگروہ فقہاء کرام سے منقول ہو تو اس جملہ خبریہ بلکہ فقہاء کے امر کی بھی وجوب پر دلالۃ نہیں ہوتی جیسا کہ امام محمد سے واقع ہے انہوں نے صفۃ صلٰوۃ میں فرمایا نمازی بایاں پاؤں بچھائے اور ہاتھ رکھ دے اور اس پر متعدد مثالیں شاہد ہیں اھ اور میں اس بات کا منکر نہیں کہ بہت سے مقامات پر مفید وجوب بھی ہیں جس طرح ہم نے اس کی تفصیل گفتگو"فصل القضاء فی رسم الافتاء"میں کی ہے، مراد یہاں یہ ہے کہ محتمل کو مفسر پر ترجیح حاصل نہیں، اور معتمدات کی منقولات کے باوجود اس کے ساتھ اجماع متظافر کو کیسے رد کیاجائے بلکہ ان عبارات کو اس پر کیسے محمول کیاجائے جو اجماع کے خلاف ہوں، اگر معاملہ یہی ہے تو ایسی ظاہر الروایۃ

ظاہرالروایۃ اقرب الی السھو من الجماعۃ بل لقائل ان یقول لایمکن الحمل ھھنا علی الوجوب اصلا وان قلنا بکراھۃ تکرار الجماعۃ فی مسجد الحی مطلقا وذلك کمانصوا علیہ فی الوجیز والتبیین والھندیۃ وغیرھا وسیاتی شرحا وحاشیۃ ان من فاتتہ فی مسجدہ ندب لہ طلبھا فی مسجد اخر الاالمسجدین المکی والمدنی کما فی القنیۃ ومختصر البحر وبحث فی الغنیۃ الحاق الاقصی، وذکر القدوری یجمع باھلہ ویصلی بھم ای وینال ثواب الجماعۃ کما فی الفتح فاذا الجماعۃ معھم لایحتاجون الی التفتیش عنھا فمن ذاالذی حرم علیھم ان یذھبوا الی بعض البیوت مثلا ویجمعوا وینالوا الفضل۔

فان قلت عاقھم عن الخروج الدخول قلت کلامھم المذکور مطلق فیمن دخل ومن لم یدخل والخروج لادراك الجماعۃ لایمنعہ الدخول الاتری ان مقیم الجماعۃ یخرج تکبیر الجماعۃ الاولٰی باذنیہ فلأن یجوز لھؤلاء الخروج ولاتکبیر ولااولی

کو رد کردینا اجماع کے رد سے بہتر ہے کیونکہ اکیلا ظاہر روایت نقل کرنے والے کا بھول جانا جماعت کے بھول جانے سے زیادہ قریب ہے بلکہ کوئی قائل یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں وجوب پر محمول کرنا بالکل ممکن ہی نہیں اگرچہ ہم یہ کہیں کہ مسجد محلّہ میں تکرار جماعت ہر حال میں مکروہ ہے وہ اس لئے کہ وجیز، تبیین، ہندیہ وغیرہ میں اس پر تصریح موجود ہے اور عنقریب تفصیلاً آئے گا کہ جس نے نماز مسجد میں فوت کردی اس کے لئے دوسری مسجد میں تلاش جماعت مستحب ہے مگر دو مساجد، حرم مکی اور حرم مدنی میں جیسا کہ قنیہ اور مختصر البحر میں ہے، قنیہ میں مسجد اقصٰی کو بھی شامل کیا گیا ہے، قدوری نے ذکر کیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو جمع کرے اور جماعت کرائے، یعنی وہ جماعت کا ثواب پالے گا۔ فتح میں اس طرح ہے اہل کے ساتھ جماعت اس کی تلاش کی محتاج نہیں رہتے تو ان پر کس نے حرام کیا ہے اس بات کو مثلاً وہ گھر کی طرف جائیں اور انہیں جمع کریں اور ثواب جماعت پائیں۔

فان قلت (اگر کوئی کہے کہ) مسجد میں داخلہ دوسری جگہ جانے کو مانع ہے میں کہتا ہوں ان کا مذکورہ کلام مطلق ہے خواہ وہ شخص داخل ہے یا داخل نہیں اور ادراک جماعت کے لئے خروج اس کو دخول سے مانع نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ دوسری جگہ جماعت کا منتظم، پہلی جماعت کی تکبیر کے وقت مسجد سے نکل سکتا ہے تو ان کے لئے خروج ہر طور جائز ہوگا نہ تکبیر ہے

لَاولی وبالجملۃ لامحل ھھنا للایجاب وعلیہ کان یتوقف التائید والخلاف **فان قُلتَ** فاذلا وجوب فمامنزع الکلام **قُلتُ** افادۃ جوازالانفراد لھم بلاحظرولاحجر بخلاف مالولم تقم الجماعۃ بعد حیث لایجوز الصلاۃ منفرداالابعذرلما فیہ من تفویت الجماعۃ الواجبۃ علی المعتمد او القریبۃ من الوجوب علی المشھور فاذن کان علی وزان ماقال العینی فی عمدۃ القاری،قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سہا اونام او شغلہ عن الجماعۃ شغل جمع باھلہ فی منزلہ وان صلی وحدہ یجوز[1] ھ وھذا معنی لاغبار علیہ ان شاء اللہ تعالٰی وبہ یزول کل اشکال وللہ الحمد۔

قولہ وعن ھذا ذکر العلامۃ الشیخ رحمہ اللہ السندی تلمیذ المحقق ابن الھمام فی رسالتہ ان مایفعلہ اھل الحرمین من الصلاۃ بائمۃ متعددۃ وجماعات مترتبۃ مکروہ اتفاقا الی

اور نہ جماعت اولٰی، الغرض یہاں ایجاب کا محل نہیں اور اسی پر تائید اور خلاف موقوف تھا، اگر اے معترض تو یہ کہے کہ جب وجوب ہی نہیں تو کلام کا منشا کیا ہوگا؟ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں کہ ان کے لئے بلاخوف وخطر تنہا نماز ادا کرنے کا جواز بیان کرنا مقصود ہے، بخلاف اس صورت کے جب ابھی جماعت نہ ہوئی ہو کہ اب عذر کے بغیر تنہا نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اب اس جماعت کا فوت کرنا لازم آئے گا جو مختار قول کے مطابق واجب اور مشہور قول کے مطابق قریب واجب ہے اور یہ بات اس طریقہ پر ہوگی جو امام عینی نے عمدۃ القاری میں بیان کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا جب کوئی بھول گیا یا سوگیا یا کسی اہم مصروفیت کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کرسکا تو وہ اپنے گھر والوں کو جمع کرے اور باجماعت نماز ادا کرے اور اگر اس نے تنہا نماز ادا کرلی تب بھی جائز ہے اھ یہ معنی نہایت ہی واضح ہے اس میں کوئی غبار نہیں ان شاء اللہ تعالٰی اور اس کے ساتھ ہر اشکال بھی زائل ہوجاتا ہے

قولہ اس بارے میں علامہ شیخ رحمہ اللہ السندی جو شیخ ہمام کے شاگرد ہیں نے اپنے رسالہ میں لکھا کہ اہل حرمین جو متعدد ائمہ اور مترتب جماعات کی صورت میں نماز ادا کرتے ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے، اس کے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب وجوب صلٰوۃ الجماعۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۶۲/۵

قولہ واقرہ الرملی فی حاشیۃ البحر[1] **اقول:** یاسبحٰن اللہ ای مساس لھذا بمانحن فیہ فان انکارھم علی التفریق العمدی کماھو الواقع فی الحرمین المکرمین فانھم جزّؤا الجماعۃ اجزاء وعینوا الکل جزء اماما والتفریق بالقصد حیث لاباعث علیہ شرعا لایجوز اجماعا والالماسن اللہ تعالٰی صلاۃ الخوف وھذا تستوی فیہ مساجد الاحیاء والقوارع و الجوامع والبراری جمیعاقولا فصلامن دون فصل ثم وقع الخلاف فی الاقتداء بالمخالف علی وجوہ فصلھافی البحر وردالمحتار وغیرھما واتیناعلی لبابہ فی فتاوٰنا فمن لاکراھۃ عندہ اصلا ای اذا لم یعلم ان الامام لایراع مذھب غیرہ بناء علی اعتبارہ رأی المقتدی کماھو الاصح او علم انہ غیرمراع عند من یقول العبرۃ برأی الامام فھذا التفریق عندہ من دون باعث شرعی	اس قول تک ذکر ہے کہ اسے رملی نے حاشیہ بحر میں ثابت رکھا ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) اے اللہ! تو پاک ہے، اس عبارت کو ہمارے زیر بحث مسئلہ کے ساتھ کیاواسطہ ہے؟ ان کی انکاری گفتگو اس تفریق پر ہے جو دانستہ ہو، جیسا کہ حرمین شریفین میں واقع ہے کیونکہ وہ جماعت کو مختلف حصص میں بانٹ کر ہر ایک حصہ کے لئے الگ الگ امام مقرر کرتے ہیں اور تفریق قصدی کا شرعًا کوئی باعث نہیں اور وہ بالاتفاق جائز نہیں ورنہ اللہ تعالٰی صلوٰۃ خوف کا طریقہ یوں جاری نہ فرماتا، اور اس میں تمام مساجد برابر ہیں خواہ وہ محلّہ کی ہیں یا شوارع یا شہر کی جامع یا دیہات وجنگل کی، ان میں کوئی تفریق نہیں، پھر مخالف مذہب کی اقتدا میں متعدد وجوہ پر اختلاف واقع ہوا ہے اس کی تفصیل بحر، ردالمحتار وغیرہ میں موجود ہے ہم نے اس کا خلاصہ اپنے فتاوٰی میں ذکر کردیا ہے اور جس کے نزدیک بالکل کراہت نہیں یعنی جب مقتدی کو علم نہ ہو کہ امام دوسرے مذہب کی رعایت نہیں کرتا تو یہ حکم مقتدی کی رائے کے اعتبار پر مبنی ہے اور یہی صحیح ہے یا مقتدی کو معلوم ہو کہ امام رعایت نہیں کرتا تو اس صورت میں عدم کراہت کا حکم امام کی رائے کے اعتبار پر مبنی ہے تو (عدم کراہت کے قائل) کے نزدیک ان متفرق جماعتوں کے لئے

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۴۰۹/۱

وھؤلاء ھم الذین حضرواالموسم تلك السنة وانکروا ومن حکم بالکراھة عند الشك فی المراعاۃ او اعتقدان الافضل الاقتداء بالموافق مھما امکن وان تحققت المراعاۃ فھو عندہ بوجه شرعی وھم الجمھور وعلیه العمل فلاانکار علی اھل الحرمین و لیس فی فعلھم خلل ولازلل والعلامة السید المحشی ھوالناقل فیما سیاتی عن الملا علی القاری انه قال لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخرعلی مااستحسنه عامة المسلمین وعمل به جمھور المؤمنین من اھل الحرمین والقدس ومصرو الشام ولاعبرۃ بمن شذ منھم[1] ھ وعلی کل فھذا الکلام من واد اٰخرلاتعلق له بجواز التکرار وعدمه **قوله** لکن یشکل علیه ان نحوالمسجد المکی والمدنی لیس له جماعة معلومون فلایصدق علیه انه مسجد محلة بل ھوکمسجد شارع وقدمرانه لاکراھة فی تکرارالجماعة	شرعی جواز نہیں اور یہی عدم کراہت کے قائل لوگ اس سال حاضر ہوئے اورانہوں نے انکار کیا،اور وہ شخص جس نے رعایت میں شک کی صورت میں کراہت کا حکم لگایا یاوہ یہ اعتقاد رکھتاہے کہ افضل موافق کی اقتداء ہی ہے جیسے بھی ممکن ہو تو اب اگرچہ رعایت متحقق ہوجائے تو یہ اس کے نزدیک وجہ شرعی کی بناپر ہوگا اور یہی جمہور کی رائے ہے اور اسی پر عمل ہے لہٰذااہل حرمین پر کوئی انکارواعتراض نہیں اور نہ ہی ان کے عمل میں کوئی خلل ونقص ہے اور علامہ سید محشی نے آگے چل کر ملا علی قاری سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر ہر مذہب کاامام ہو جیسا کہ ہمارے دَور میں ہے تو اقتدا موافق امام کی افضل ہے خواہ وہ جماعت پہلے ہو یابعد میں، اسے عامۃ المسلمین نے مستحسن جانا اور جمہور مسلمان مثلاً اہل حرمین، قدس، مصروشام کا عمل اسی پر ہے اور اس کے خلاف رائے رکھنے والے کا کوئی اعتبار نہیں اھ ہر حال میں اس کلام کا تعلق کسی اور معاملے سے ہے اس کا تعلق تکرار جماعت کے جواز اور عدم جواز سے نہیں۔ **قولہ** لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ مثلاً مسجد مکی اور مسجد مدنی جن کی جماعت معین ومعلوم نہیں تو انہیں مسجد محلّہ نہیں کہاجاسکتا بلکہ مسجد شارع کی طرح ہوں گی،اور پہلے گزرچکاہے کہ مسجد شارع میں بالاتفاق تکرار جماعت میں کراہت نہیں، اس

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

فیه اجماعا[1] فلیتامل **اقول:** انما نشأ الاشکال من حمله علی مسئلة التکرار وقد علمت ان لم یقصدوھا وانما انکرواتعمد التفریق وھو محظور قطعا ولوفی مسجد شارع فالعجب من السیّد العلامة المحقق المحشی یورد علی مسئلة التکرار مالاورودله علیھا ثم یستشکل ھذا الوارد بمالااشکال به اصلا ولکن لکل جواد کبوة نسأل اللہ سبحٰنه عفوہ۔

ثم اقول: واشد العجب من العلامة الشیخ رحمة اللہ تعالی حیث قال الاحتیاط فی عدم الاقتداء به"ای بالمخالف"ولومرا عیا[2] کما سینقله المحشی عنه ثم قال ھھنا بکراھة ترتیب الجماعة وادعی الاتفاق علی خلاف ماعلیه الجمھورولیت شعری اذاکان ھذا مکروھا وفاقا فکیف یعمل بالاحتیاط الذی اعترفتم به ایجعل الناس کلھم علی مذھب واحد ام یسکن مقلدوا کل امام فی بلدہ علیحدة اویجعل لکل منھم مسجد بحیاله ویمنع

میں مزید غور کرنا چاہئے **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ اشکال تب ہے جب اس کو مسئلہ تکرار پر محمول کیا جائے حالانکہ آپ جان چکے وہ ان کے یہاں مقصود نہیں، انہوں نے دانستہ تفریق سے انکار کیا ہے اور وہ یقینا ممنوع ہے اگرچہ مسجد شارع ہی کیوں نہ ہو تو تعجب ہے علامہ محقق محشّی پر کہ انہوں نے اسے مسئلہ تکرار پر محمول کیا حالانکہ اس کا یہ محل نہیں ہے پھر اس حمل پر مبنی ایسا اشکال بنالیا جس سے کوئی اشکال پیداہی نہ ہوسکتا تھا لیکن ہر شاہسوار کے لئے ٹھوکر ہوتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے اس پر ان کے لئے معافی کے طلبگار ہیں

ثم اقول: (پھر میں کہتاہوں) سب سے زیادہ تعجب علامہ شیخ سندی رحمہ اللہ پر کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے "مخالف کی اقتداء نہ کرنے میں احتیاط ہے اگرچہ وہ رعایت کرتاہو" جیسا کہ محشّی عنقریب اس کو ان سے نقل کرے گا، پھر یہاں کہا کہ ترتیب جماعت مکروہ ہے اور جمہور کے مؤقف کے خلاف اتفاق کا دعوی کیا، افسوس صد افسوس اگر یہ عمل بالاتفاق مکروہ ہے تو اس احتیاط پر عمل کیسے ہوگا جس کا تم نے خود اعتراف کیا ہے، کیا تمام لوگ ایک مذہب کے ہوجائیں گے یا ہر شہر میں ہر مذہب کے مقلدین الگ الگ آباد ہوں گے، یا ہر مذہب کی الگ الگ مسجد بنائی جائے گی، اور ان

---

[1] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

[2] ردالمحتار باب الامامة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

اهل ثلثة مذاهب عن الصلاة فی المسجدین الکریمین اوتجعل الجماعة لمذهب واحد ویؤمر الباقون بالصلاة فرادی۔	دو مبارک مساجد سے بقیہ تین مذاہب کے لوگوں کو نماز ادا کرنے سے روک دیا جائے گا یا ایک مذہب والوں کی جماعت ہوگی اور دوسرے لوگوں کو تنہا نماز ادا کرنے کو کہا جائے گا،
ثم اقول: ویرد مثله علی تقریر العلامة خیرالملة والدین الرملی رحمه الله تعالٰی لما مروهوالناقل کماسیأتی حاشیة عن العلامة الرملی الشافعی انه مشی علی کراهة الاقتداء بالمخالف حیث امکنه غیره وبه افتی الرملی الکبیر واعتمده السبکی والاسنوی وغیرهماقال والحاصل ان عندهم فی ذلك اختلافا وکل ماکان لهم علة فی الاقتداء بناصحة وفسادا و افضلیة کان لنامثله علیهم وقدسمعت مااعتمده الرملی و افتی به والفقیر اقول مثل قوله فیما یتعلق باقتداء الحنفی بالشافعی والفقیه المنصف یسلم ذلك۔	**ثم اقول:** (پھر میں کہتاہوں) اسی طرح کااعتراض علامہ خیر الملت والدین رملی رحمہ اللہ پر بھی وارد ہوتا ہے جیسا کہ گزرا وہی ناقل ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا حاشیہ علامہ رملی شافعی سے ہے کہ جب مخالف کے علاوہ کسی امام کو پانا ممکن ہو تو مخالف کی اقتداء مکروہ ہے، اسی پر رملی کبیر نے فتوی دیا، سبکی اور اسنوی وغیرہ نے اس پر اعتماد کیا ہے کہا، الحاصل، ان کے ہاں اس بارے میں اختلاف ہے اور ہر وہ علت جس کی بناپر ہماری اقتداء ان کے لئے صحیح، فاسد یا افضل ہے ایسا ہی معاملہ ہمارا ان کے ساتھ ہے اور آپ نے وہ سن ہی لیا ہے جس پر رملی نے اعتماد کیا اور فتوی دیا ہے میں فقیر انہی کی مثل کہتاہوں اس مسئلہ میں جہاں حنفی کسی شافعی کی اقتداء کرے انصاف پسند فقیہ اسے تسلیم کرے گا۔
وانارملی فقه الحنفی لامرابعد اتفاق عالمین[1] ھ	اور میں فقہ حنفی کا رملی ہوں (رملی شافعی اور رملی حنفی) دونوں عالموں کے اتفاق کے بعد کوئی جھگڑا نہیں ہے۔
فاذا کان الفقه والانصاف هوکراهة الاقتداء بالمخالف فکیف ینکر علی مافعله اهل الحرمین لاجرم رجع العلامة	پس جب دانش وانصاف کا فیصلہ مخالف کی اقتداکامکروہ ہونا ہے تو اہل حرمین کے عمل پر انکار کیسے کیا جاسکتا ہے یقینا علامہ خیر الدین رملی نے شرح

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۷

نفسه فی حاشیته علی شرح زاد الفقیر للعلامة الغزی والمتن للامام ابن الهمام الی موافقة الجمهورفقال کمانقله فی منحة الخالق علی البحرالرائق بقی الکلام فی الافضل ماهو الاقتداء به اوالانفراد لم ارمن صرح به من علمائناوظاهر کلامهم الثانی.والذی یظهرو یحسن عندی الاول لان فی الثانی ترك الجماعة حیث لاتحصل الابه ولولم یکن بان کان هناك حنفی یقتدی به الافضل الاقتداء به الخ[1] فقداعترف ان الافضل الاقتداء بالحنفی اذا وجد وان کان الشافعی الذی یؤم صالحا عالما تقیا نقیا یراعی الخلاف کما وصفه فی تلك الحاشیة	زاد الفقیر علامہ غزی جس کا متن امام ابن ہمام کا ہے کے حاشیہ میں رجوع کرکے جمہور کے ساتھ موافقت کی اور کہا جیسا کہ اسے منحۃ الخالق علی البحرالرائق میں نقل کیا ہے، باقی رہا معاملہ اس بات کا کہ مخالف کی اقتدا افضل ہے یا انفراد، تو اس بارے میں ہمارے علماء میں سے کسی کی تصریح میری نظر سے نہیں گزری، بظاہر ان کی عبارات سے دوسری بات (انفراد کا افضل ہونا) ہی سمجھ آتی ہے اور جو میرے نزدیک واضح و احسن ہے وہ پہلی بات (اقتدائے مخالف) ہے کیونکہ دوسری صورت میں ایسی جگہ ترک جماعت لازم آئے گا جہاں اس کے بغیر جماعت حاصل نہیں ہوتی اور اگر ایسی صورت نہ ہو مثلاً وہاں کسی حنفی کی اقتداء کی جاسکتی ہے تو اقتدائے حنفی ہی افضل ہوگی الخ تو یہاں انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کرلیا ہے کہ اگر حنفی امام موجود ہو تو اسی کی اقتداء افضل ہے اگرچہ شافعی امام صالح، متقی، صاحب ورع اور اختلافی صورت میں حنفی مذہب کی رعایت کرنے والا موجود ہو جیسا کہ اسی حاشیہ میں اس کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔(ت)

یہ تمام عبارات تعلیقات فقیر علی ردالمحتار کی ہے اور بحمداللہ تعالٰی اس سے حق واضح و جلی ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] منحۃ الخالق علی البحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۶

مسئلہ ۸۸۳ : از سنبھل ضلع مرادآباد مرسلہ از سید محمد علی مدرس فارسی مدرسہ جارج مسلم اسکول

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کہتاہے کہ مسجد کے فرش پر محراب کے محاذ میں جماعت ہونا افضل ہے خواہ نمازی کم ہو، خواہ کسی درخت وغیرہ کے ہونے کی وجہ سے نمازیوں کی طبیعت پر بار ہو اور دلیل اس کی یہ ہے کہ شامی کے اندر یہ مضمون ظاہر کرتاہے کہ محراب میں امام کا کھڑاہونا افضل ہے اسی پر قیاس کرلیاجائے۔ عمر یہ کہتاہے کہ تمام فرش مسجد کاایک حکم میں ہے، کسی جگہ کے واسطے فضیلت نہیں ہوسکتی، اگراس قدر نمازی ہوں کہ محراب سے راست وبیچ میں جماعت ممکن ہو اور نمازیوں کو بھی وہاں آسائش ہو تو ضرور جماعت کرلی جائے دوسرے یہ کہ ائمہ مجتہدین کے قیاسات کااختتام ہوگیا، علمائے حال کاقیاس کیاہوسکتاہے جبکہ علمائے حال کی یہ کیفیت ہے کہ لفظ کے لغوی معنی غلطی سے کچھ سے کچھ خیال کرتے ہیں لہٰذا مکلّف خدمت ہوں کہ جواب مع دلیل تحریر فرمائیں، مکرر یہ کہ زید محراب کے محاذ میں جماعت ہونے کی فضیلت میں کوئی قول منقول پیش نہیں کرتا محض قیاس سے کام لیناچاہتاہے عمر قیاس کورَد کرکے منقول دلیل مانگتاہے۔

الجواب:

فی الواقع سنت متوارثہ یہی ہے کہ امام وسط مسجد میں کھڑاہو اور صف اس طرح ہو کہ امام وسط صف میں رہے محراب کانشان اسی غرض کے لئے وسط مسجد میں بنایاجاتاہے اور اس میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اگرامام ایک کنارے کی طرف جھکاہوا کھڑا ہو تو اگر جماعت زائد ہے فی الحال امام وسط صف میں نہ ہوگا اور ارشاد حدیث توسطوا الامام (امام کو درمیان میں کھڑا کرو۔ت) کاخلاف ہوگا اور اگر ابھی جماعت قلیل ہے توآئندہ ایسا ہونے کااندیشہ ہے لاجرم خود امام مذہب سیدامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کانص ہے کہ گوشہ میں کھڑاہونا مکروہ ہے کنارہ مسجد میں کھڑاہونا مکروہ ہے کہ حدیث کاارشاد ہے امام کو وسط میں رکھو یہ طاق جسے اب عرف میں محراب کہتے ہیں حادث ہے زمانہ اقدس وزمانہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں نہ تھا محراب حقیقی وہی صدر مقام اس کا مسجد میں قریب حد قبلہ ہے یہ محراب صوری اس کی علامت ہے جس مسجد کے دو حصے ہوں ایک مسقف دوسرا صحن، جیساکہ اب اکثر مساجد یوں ہی ہیں وہ دو مسجدیں ہیں مسقف مسجد شتوی ہے یعنی جاڑوں کی مسجد اور صحن مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی مسجد، ہر مسجد کے لئے وہ محراب حقیقی موجود ہے، اگرچہ محراب صوری صرف مسجد شتوی میں ہوتی ہے اعتبار اسی محراب حقیقی کاہے یہاں تک کہ اگر محراب صوری وسط میں نہ ہو یاجانب مسجد بنادینے سے اب وسط میں نہ رہے توامام اس میں نہ کھڑاہو بلکہ محراب حقیقی میں کہ وسط مسجد ہے، اور جب یہ حکم عام ہے جملہ مساجد کوشامل، اور صحن مسجد بھی ایک مسجد ہے تووہ بھی یقینا اس حکم منصوص میں خود داخل ہے نہ کہ یہاں کسی قیاس کی حاجت ہے، صحن مسجد میں جو جگہ

قریب حد قبلہ وسط میں ہے وہ خود محراب حقیقی ہے خواہ محراب صوری کے محاذی ہو یا نہ ہو یا سرے سے اس مسجد میں محراب صوری نہ بنی ہو اس محراب حقیقی میں امام کا کھڑا ہونا سنت ہے بشرط جماعت اولٰی، لیکن جماعت ثانیہ کے لئے اسی مقام سے دہنے یا بائیں ہٹ کر امامت کرنا، نافی کراہت ہے، معراج الدرایہ شرح ہدایہ میں ہے:

فی مبسوط بکر. السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احدجانبی الصف یکرہ ولوکان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه والاصح ماروی عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویة اوفی ناحیة المسجد او الی ساریة لانه خلاف عمل الامة قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم توسطوا الامام وسدوالخلل[1]۔	مبسوط بکر میں ہے امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہو، اگر وہ صف کی کسی جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا، اگر مسجد صیفی جانب شتوی میں ہو اور مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی طرف کھڑا ہو تاکہ قوم دونوں اطراف میں برابر ہو جائے، اصح طور پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں امام کے دوستونوں کے درمیان یا گوشہ مسجد یا کنارہ مسجد یا ستون کی طرف کھڑے ہونے کو مکروہ جانتا ہوں کیونکہ یہ عمل امت کے مخالف ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: امام کو درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے خلا کو پُر کرو۔(ت)

اسی میں ہے:

المحاریب مانصبت الا اوسط المساجد و ھی قدعینت لمقام الامام[2]۔	محراب نہیں بنائے جاتے مگر درمیان مسجد میں اور وہ مقام امام کو متعین کرتے ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸۴: ازکان پور نئی سڑک مسئولہ حاجی فہیم بخش صاحب عرف چھٹن ۱۳صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین زید اور عمرو کے بارے میں، دونوں حنفیت کا دعوی کرتے ہیں اور ترجمہ حدیث یزید بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جوباب من صلی الصلاۃ مرتین (جس نے نماز دوبار پڑھی۔ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

میں ہے حسب ذیل کرتے ہیں زید آخری حصہ حدیث:

اذا جئت الصلوٰۃ فوجدت الناس فصل معھم وان کنت قد صلیت تکن لك نافلۃ وھذہ مکتوبۃ[1]۔	جب تو نماز کے لئے آیا تو لوگوں کو نماز ادا کرتے پایا تو ان کے ساتھ نماز میں شامل ہو جا اگر تو نماز پڑھ چکا تو وہ نفلی ہوگی اور یہ فرضی ہوگی۔(ت)

کا ترجمہ یہ کرتا ہے کہ پہلی نماز جو گھر میں پڑھی گئی ہو نفل ہوگی اور جو جماعت کے ساتھ پڑھی جائے وہ فرض ہو جائے گی دلیل یہ ہے: وان کانت قد صلیت تکن لک نافلۃ میں آیا کرتا ہے اس کے بعد مستقل جملہ اور کلام مستانف ہوا کرتا ہے یہاں ایسا نہیں، عمرو کہتا ہے کہ زید کا یہ ترجمہ مذہب حنفی کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہے، عمرو آخری حصہ حدیث مندرجہ بالا کا ترجمہ یوں کرتا ہے کہ گھر والی نماز جو پہلے پڑھی ہے وہ فرض ہوگی اور جو بعد میں جماعت سے پڑھی ہے وہ نفل ہوگی، اس وجہ سے کہ ان وصلیہ ہے، دلیل یہ ہے کہ وان کنت قد صلیت میں اول واؤ داخل ہے دوسرے کنت موجود ہے جو ماضی کے لئے مخصوص ہے اور قد تحقیق ماضی کے لئے نیز ھذہ اسم اشارہ قریب ذکری کے لئے ہے پس قد صلیت سے جو صلوٰۃ مدلول ہے وہ مشارٌ الیہ ہے اور یہ پہلی ہی ہوگی وہ فرض ہوگی اور جو صلوٰۃ فصل معھم سے مدلول وہ بعید ذکرًا ہے وہ مشارٌ الیہ نہیں اگر خود کنت ماضی کو شرط بنایا جائے تو تکن جزاء مرتب کون مخاطب پر نہیں ہے نیز فصل معھم امر بھی جواب کو چاہتا ہے اور شرط بھی جزا کو علٰی سبیل التسلیم تب بھی تکن لک نافلۃ جواب امر کا ہے جزا نہیں بوجہ مقدم ہونے امر کے جیسے جملہ قسمیہ جب مقدم ہو شرط پر تو جزا نہیں ہوتی بلکہ جواب قسم سے استغنا ہو جاتا ہے ان دونوں قائلوں میں کون سا قائل راستی پر ہے نیز اوپر بیان کی ہوئی دلیلیں قابل قبول ہیں یا نہیں؟ زید وعمرو کی دلیلوں میں سے کس کی دلیلیں زیادہ صحت کے ساتھ مانی جاسکتی ہیں اور قبول کی جاسکتی ہیں؟ دیگر جو نماز رکوع وسجود والی علاوہ مجرد عصر ومغرب جماعت سے پڑھی یا پڑھائی ہو عام ہے کہ نماز عید وجمعہ ہی کیوں نہ ہو دوبارہ جماعت ملنے پر نفلًا تکرار نماز کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اوپر بیان کی ہوئی حدیث سے تکرار نماز پر اس طور سے کہ پہلے پڑھی ہوئی نماز فرض یا واجب اقتدا یا امامت کرکے دوسری جماعت دوسرے روز ملنے پر تکرار نماز کرسکتا ہے اور وہ نفل ہوگی استدلال لایا جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔**

الجواب:

زید کا قول غلط اور دلیل باطل

اولًا: ان وصلیہ کا آخر کلام ہی میں آنا اور اس کے بعد جملہ اور وہ بھی کلام مستانف ہی ہونا

[1] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

سب باطل وبے اصل ہے وہ کلام واحد کے وسط اجزا میں آتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

قولہ تعالٰی وَمَآ اَکۡثَرُ النَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۰۳﴾ [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگرچہ آپ (ایمان پر) حریص ہیں مگر اکثر لوگ ایمان نہ لائیں گے۔(ت)

رضی میں ہے:

قد تدخل الواو علی ان المدلول علی جوابھا بما تقدم ولاتدخل الاذاکان ضدالشرط اولی بذلك المقدم والظاھر ان الواو فی مثلہ اعتراضیۃ ونعنی بالجملۃ الاعتراضیۃ مایتوسط بین اجزاء الکلام متعلقا بمعنی مستانفا لفظا کقولہ ع: تری کل من فیھا وحاشاك فانیا کقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "انا سیّد ولد اٰدم ولافخر" فتقول فی الاول زید وان کان غنیا بخیل وفی الثانی زید بخیل وان کان غنیا والاعتراضیۃ تفصل بین ایّ جزئین من الکلام کانا بلاتفصیل اذا لم یکن احدھما حرفا [2] ھ مختصرا	کبھی واؤ اس لئے آتا ہے کہ اس جواب کا مدلول سابقہ ہے یہ وہیں ہوگا جہاں ضد شرط اس مقدم کے زیادہ مناسب ہو اور ظاہر یہ ہے کہ ایسے مقام پر واؤ اعتراضی ہوتی ہے اور جملہ معترضہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ اجزائے کلام کے درمیان ایسے کلمات آجائیں جو معنی ومفہوم کے اعتبار سے اس سے متعلق ہوں اور لفظًا اس سے جدا ہوں جیسے شاعر کا یہ مصرعہ ہے: وہ دنیا میں ہر چیز کو فانی جانتا ہے اور تو محفوظ رہے۔ بعض اوقات تمام کلام کے بعد واؤ آتی ہے، مثلاً حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: میں اولاد آدم کا سردار ہوں مگر فخر نہیں، پہلے کی مثال "زید بخیل وان کان غنیا" ہے، جملہ معترضہ بلاتفصیل کسی بھی کلام کے دوجزوں میں فصل پیدا کرتا ہے بشرطیکہ دونوں میں سے کوئی جز حرف نہ ہو اھ مختصرًا (ت)

[1] القرآن ۱۲/۱۰۳

[2] شرح رضی مع الکافیۃ، بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۸، ۲۵۷

لاجرم صحیحین میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن عبد قال لاالٰہ الا اللہ ثم مات علی ذلك الادخل الجنّة وان زنی وان سرق وان زنی وان سرق وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر[1]۔	جس بندے نے بھی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا پھر اسی پر فوت ہوا وہ جنت میں داخل ہوگا اگرچہ اس نے زنا وچوری کی ہو، اگرچہ اس نے زنا وچوری کی، اگرچہ اس نے زنا وچوری کی، ابوذر کی ناک خاک آلود ہو۔(ت)

ثانیاً حدیث کی بہتر تفسیر حدیث ہے امام مالک واحمد ونسائی نے محجن بن اورع دیلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جئت المسجد وکنت قدصلیت فاقیمت الصلاۃ فصل مع الناس وان کنت قد صلیت[2]۔	جب تو مسجد میں آئے اور نماز پڑھ چکا تھا اور جماعت کھڑی ہوئی تو تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا تھا۔(ت)

یہاں یقیناً وصلیہ ہے، مرقاۃ میں ہے:

(فصل) ای نافلۃ لاقضاء ولااعادۃ (مع الناس وان) وصلیۃ ای ولو (کنت قدصلیت[3]۔	(تو نماز پڑھ) یعنی نفل نماز نہ قضاء اور نہ اعادہ (لوگوں کے ساتھ اگرچہ) "ان" وصلیہ ہے یعنی اگرچہ (تو نماز پڑھ چکا تھا)۔(ت)

ثالثاً: صرف "ان" کا وصلیہ یا شرطیہ ہونا یہاں احد المعنیین کی تعیین نہیں کرتا تو اس میں بحث فضول اور اس سے استناد نامقبول مدار ضمیر تکن کے مرجع اور ھذہ کے مشارالیہ پر ہے اگر ضمیر ثانیہ کے لئے ہے اور اشارہ اولٰی کی طرف کہ وہی اقرب ذکرًا ہے کما قالہ عمرو (جیساکہ عمرو نے کہا۔ت) تو اولٰی فرض اور ثانیہ نفل ہوگی اگرچہ "اِن" شرطیہ ہو اور عکس ہے تو عکس اگرچہ "اِن" وصلیہ ہو وھذا ظاھر

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الثیاب البیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۶۷/۲

[2] مؤطا امام مالک اعادۃ الصلٰوۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۴/۴، سنن النسائی اعادۃ الصلٰوۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۹۹/۱

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلٰوۃ مرتین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۰۶/۳

جدا (اور یہ بہت واضح ہے۔ت)۔اشعہ اللمعات میں ہے:

(وان کنت قدصلیت) و اگرچہ ہستی تو کہ بتحقیق نماز گزارد (تکن لك نافلة) باشد نمازیکہ دوم بار میکنی بامردم نفل مرترا (وھذہ مکتوبة) وباشد ایں نماز کہ نخست گزاردہ فرض وایں معنی موافق است بظاہر احادیث کہ دلالت دارد بربودن نماز دوم نفل از جہت سقوط ذمہ بادائے اولٰی[1]۔	(وان کنت قدصلیت) اگرچہ تونے نماز اداکرلی ہو (تکن لك نافلة) دوسری دفعہ لوگوں کے ساتھ جو تونے نماز پڑھی وہ تیری نفل نماز ہوگی (وھذہ مکتوبة) اور جو تونے پہلے پڑھی وہ فرض نماز ہوگی اور یہ معنی ومفہوم ان ظاہر احادیث کے موافق ہے جو اس بات پر دال ہے کہ دوسری نماز نفل ہوگی کیونکہ فرضی نماز پہلی نماز اداکرنے سے ساقط ہوگئ۔(ت)

پھر طیبی شافعی سے دوسرے معنی نقل کئے، دیکھو اِنْ شرطیہ لیا اور نماز دوم کو نافلہ قرار دیا، مرقاۃ میں ہے:

(فصل معھم وان کنت قدصلیت) لیحصل لك ثواب الجماعة وزیادة النافلة (تکن) ای صلاتك الاولی (لك نافلة وھذہ) ای التی صلیتھا الاٰن قیل ویحتمل العکس (مکتوبة[2])	(لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تونماز پڑھ چکا ہو) تاکہ تجھے جماعت کاثواب اور نوافل میں اضافہ حاصل ہوجائے، یعنی تیری پہلی نماز (تیرے لئے نفل اور یہ) یعنی وہ نماز جو تونے ابھی پڑھی، بعض محدثین نے فرمایا کہ معاملہ میں اس کے عکس کا احتمال ہے (تیرے لئے فرض)۔(ت)

شرح میں وان کنت قدصلیت کے بعد لیحصل لك الخ لانے سے ظاہر ہے کہ ان وصلہ لیا ورنہ شرط وجزا کے بیچ میں اس کے لانے کا کوئی محل نہ تھا فصل معھم کے بعد لکھتے اور نماز دوم کو فریضہ بتایا۔

اقول: ولایبعد ان یکون القدح فی ذھنہ اولاماھو الاوفق بالاحادیث و الالصق بالقواعد فجعل ان وصلیة ویؤیدہ	**اقول:** ممکن ہے ان کے ذہن میں پہلے ہی وہ کھٹکا موجود ہو جو احادیث وقواعد کے موافق ہے تو انہوں نے اِنْ کو وصلیہ بنایا اس کی تائید ان کا

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلوٰۃ مرتین مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۹۵

[2] مرقاہ شرح مشکوٰۃ الفصل الثالث من باب من صلی صلوٰۃ مرتین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۰۷

قوله وزيادة النافلة وان امكن تاويله بان المراد بالنافلة هى الاولى وترتبها على قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فصل معهم مع وقوعها سابقا باعتبار وصف نافلية فانه انما يظهر بصلاته معهم فافهم ثم اذا اتى على قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم تكن حاد النظر الى حاشية الطيبى فنقل مافيها والله تعالٰى اعلم۔	قول "وزيادة النافلة" کررہاہے اگرچہ اس کی تاویل یوں بھی ممکن ہے کہ نافلہ سے مراد پہلی نماز ہے انہوں نے حضور علیہ السلام کے ارشاد گرامی فصل معھم (ان کے ساتھ نماز پڑھ) پر اسے مرتب کیا ہوا اگرچہ اس کا وقوع باعتبار وصف نفل کے سابق ہے کیونکہ اس نفل نماز کا ظہور جماعت کے ساتھ ہوگا، اسے یاد رکھو، پھر جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد گرامی تکن پر آئے تو نظر حاشیہ طیبی کی طرف گئی جو کچھ وہاں تھا اسے نقل کردیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عمرو کا قول صحیح اور دلائل زائل اولاً ہم بیان کرچکے کہ اِن کا وصلیہ ہونا کچھ مفید نہ شرطیہ ہونا مضر۔

ثانیاً دخول واؤ وصلیہ ہونے پر کیا دلیل شرطیہ پر بھی عاطفہ آتا ہے۔

ثالثاً کنت اور قد بھی منافی شرطیہ نہیں قد کا دخول خود فعل شرط پر ممنوع ہے **فعلی هذا لاتقول ان قد فعلت وان قد تفعل**[1] اھ "رضی" یہاں فعل شرط کنت ہے جسے ابقائے معنی ماضی ہی کے لئے شرط کرتے ہیں

كقوله تعالٰى عن عبده عيسٰى عليه الصلاة والسلام اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ[2] وقوله تعالٰى عن شاهد يوسف عليه الصلاة والسلام وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ[3]۔	جس طرح اللہ تعالٰی نے اپنے بندے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ قول ذکر کیا "اگر میں نے یہ کہا تو تو جانتا ہے" اللہ تعالٰی نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گواہ کے حوالے سے فرمایا اگر ان کا قمیص پیچھے سے پھٹا ہے (ت)

یعنی وہ فعل ماضی جسے شرط کرنا اور معنی ماضی پر باقی رکھنا منظور ہو، اگر اس پر ان داخل کرتے مستقبل کردیتا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۲

[2] القرآن ۵/۱۱۶

[3] القرآن ۱۲/۲۷

لہٰذا اسے خبر کان اور کان کو شرط کرتے ہیں اب وہ فعل اپنے معنی ماضی پر باقی رہتا ہے، رضی میں ہے:

اعلم ان یکون شرطھا فی الاغلب مستقبل المعنی فان اردت معنی الماضی جعلت الشرط لفظ کان کقولہ تعالٰی ان کنت قلتہ. وان کان قمیصہ وانما اختص ذٰلك بکان لان الفائدۃ التی تستفاد منہ فی الکلام الذی ھو فیہ الزمن الماضی فقط ومع النص علی المضی لایمکن استفادہ الاستقبال[1]۔	پھر جان لے کہ (اِن) کے لئے اغلب طور پر یہ شرط ہے کہ وہ معنی کے اعتبار سے مستقبل پر دلالت کرتا ہے اگر تو معنی ماضی کا ارادہ کرے تو تو لفظ کان کو شرط کردے جیسے فرمان الٰہی ہے "ان کنت قلتہ وان کان قمیصہ "اسے کان سے اس لئے مختص کیا ہے کہ وہ فائدہ جو اس میں مقصود ہے وہ فقط ماضی والی کلام سے حاصل ہے اور ماضی پر نص کے باوجود استقبال کا استفادہ ممکن نہیں رہتا۔ (ت)

اور جب وہ فعل معنی ماضی پر بحالہ ہے تو ماضی کے لئے قد کا آنا کیا محال ہے۔

رابعًا: نماز اول اگر قریب ذکرًا ہے دوم قریب وقوعًا ہے اور شک نہیں کہ جدید متاخر الوقوع قدیم متاخر الذکر سے اقرب ہے۔

خامسًا: ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قد صلیت متصل ہے تو ضمیر بھی مرجع قریب چاہتی ہے تکن سے قد صلیت متصل ہے تو ضمیر سابقہ کی طرف اور اس کا تقاضا اقتضائے ھذہ سے پہلے ہولیا۔

سادسًا: شرط بلاشبہہ کنت ہے مگر معنی سببیت کہ شرط میں نفس فعل شرط میں نہیں ہوتے بلکہ مع جمیع متعلقات ان تلوتم یٰسٓ فی بیتی عند رأسی ثلاث لیال مستقبلی القبلۃ متوضیین فانتم احرار (اگر تم میرے گھر میں، میرے سر کے قریب تین راتیں باوضو قبلہ رو ہو کر یٰسٓ پڑھو تو تم آزاد ہو۔ت) ان ساتوں قیود کے جمع ہونے سے آزاد ہوں گے مجرد تلاوت سے نہیں ہوتے خصوصًا کان جس کی دلالت حدث مطلق وزمانہ ماضی کے سوا کسی چیز پر نہیں کما قدمنا اٰنفا عن الرضی (جیسا کہ ہم نے رضی کے حوالے سے ابھی ذکر کیا۔ت) تو سبب کوْن، مخاطب نہیں بلکہ کوْنہ قد صلی یعنی تقدم ایقاع صلاۃ کہ اس کا نافلہ ہونا اس کے وقوع پر موقوف۔

سابعًا: امر کے لئے جواب لاسکتے ہیں نہ یہ کہ امر طالب جواب ہے بخلاف قسم، تو نا مستدعی جواب کا

---

[1] شرح رضی مع الکافیہ بیان المضارع مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۴

تقدم، شرط مستدعی جزاکے اقتضاپر مرجح نہیں ہوسکتا۔

ثامنًا: اگر تکن جواب امر ہی ہو تو یہ بھی تعیین احد المعنیین سے عاری ہے جزائے ان کنت نہ سہی اس سے پہلے قد صلیت کلام میں تو واقع ہے رجوع ضمیر کو اتنا ہی درکا ہے۔

بالجملہ دلائل طرفین کچھ نہیں ہمیں اس تمام بیان کی حاجت نہ تھی اگر سوال میں نہ ہوتا کہ کس کی دلیلیں قبول کی جاسکتی ہیں اور طریق صحیح یہ ہے کہ

اوّلًا: کلام اس میں ہے کہ پہلے فرض بہ نیّت فرض وقت میں باستجماع شرائط ادا کرچکا ہو ورنہ بداہۃً پہلی نماز نماز ہی نہ تھی یا کوئی نفل تھی اگر دوسری میں شامل نہ ہوتا جب بھی وہ نفل یا باطل ہی رہتی اور جب صورت یہ ہے تو قطعًا اس وقت پڑھنے سے فرض ذمہ سے ساقط ہوگیا اب نہ وہ وقت میں عود کرسکتا ہے نہ وقت میں دو فرض ہوسکتے ہیں تو یقینا یہ دوسری نہ ہوگی مگر نفل۔ ہاں اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ برکت وثواب جماعت میں حصہ ملے گا۔

کما فی حدیث مالك وابی داؤد عن ابی ایوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فذلك له سهم جمع[1]۔	جیسا کہ امام مالک اور ابوداؤد نے حضرت ابوایّوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اس کے لئے جماعت کے ثواب کا حصہ ہے(ت)

واقول ثانیًا: اگر ثانی فرض ہو تو طلب جماعت فرض ہو حالانکہ اس حکم کو حدیث نے مصلی کے آنے پر محمول فرمایا ہے کہ

اذا جئت الی الصلاۃ فوجدت الناس فصل معهم وان کنت قد صلیت[2]۔	جب تو نماز کے لئے اور لوگوں کو نماز میں پائے تو ان کے ساتھ نماز پڑھ اگرچہ تو نماز پڑھ چکا ہو(ت)

یہ نہیں فرمایا:

اذا صلیت فی رحلك افترض علیك ان تأتی الجماعة فتصلی معهم۔	جب تو نے اپنے گھر میں نماز پڑھ لی تو تجھ پر فرض ہے کہ تو جماعت کی طرف آئے اور ان کے ساتھ نماز ادا کرے۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵، مؤطا الامام مال اعادۃ الصلوۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۶

[2] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵

ابوداؤد وترمذی ونسائی کی حدیث میں یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتما رحالکما ثم اُتیتما مسجد جماعۃ فصلیا معھم فانھا لکما نافلۃ[1]۔	جب تم دونوں اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرچکو پھر تم مسجد کی طرف آؤتو لوگوں کے ساتھ بھی نماز پڑھو کہ (جماعت والی نماز) تمہارے لئے نفل ہوگی (ت)

بلکہ حدیث میں تخییر کی تصریح ہے کہ جی میں آئے تو شامل ہو جاؤ، سنن ابی داؤد میں عبادہ ابن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال سیکون علیکم بعدی امراء تشتغلھم اشیاء عن الصلوٰۃ لوقتھا حتی یذھب وقتھا فصلوا الصلوٰۃ لوقتھا فقال رجل یارسول اللہ اصلی معھم قال نعم ان شئت[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد تم پر ایسے امراء آئیں گے جنہیں بعض اشیاء کی مشغولیت نماز بروقت سے غافل رکھے گی یہاں تک کہ وقت چلاجائے گا، تو تم نماز بروقت ادا کرو، ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ان کے ساتھ نماز پڑھوں؟ فرمایا: ہاں اگر تو چاہے توپڑھ۔ (ت)

فرض میں اختیار کیسا!

اقول: والمراد بالوقت المستحب ای یؤخرون الی وقت الکراھۃ اذھو المعھود من اولٰئک الامراء، لا ان یصلوا العصر جماعۃ بعد الغروب والعشاء بعد الطلوع۔	**میں کہتاہوں** یہاں وقت سے مراد وقت مستحب ہے یعنی وہ مکروہ وقت تک نماز کو مؤخر کریں گے یہی بات ان امرا سے معروف ہے یہ نہیں کہ وہ نماز عصر کی جماعت غروب کے بعد اور نماز عشاء کی جماعت طلوع کے بعد کریں گے (ت)

[1] سنن النسائی اعادۃ الفجر مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۹، جامع الترمذی باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۰

[2] سنن ابوداؤد باب اذااخر الامام الصلوٰۃ عن الوقت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۲

وثالثًا: دارقطنی بسند صحیح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیت فی اھلك ثم ادرکت فصلھا الا الفجر والمغرب[1]۔	جب تونے اپنے اہل میں نماز ادا کرلی پھر تو نے جماعت کو پالیا تو اسے دوبارہ پڑھ سوائے فجر و مغرب کے۔(ت)

فجر ومغرب کا استثناء اسی بناء پر ہوسکتا ہے کہ یہ دوسری نفل ہو کہ نہ فجر میں تنفل ہے نہ نفل میں ایتار، اگر یہ فرض ہوتی تو فجر و مغرب میں ادائے فرض سے کون مانع ہے۔

ورابعا: حدیث بتارہی ہے کہ ان میں ایک کا نفل ہونا اس کے شریک جماعت ہونے پر مرتب ہے "تکن" اگر جواب امر ہے جب تو ظاہر اور جزائے ان کنت قد صلیت ہے جب بھی مطلب یہی ہے یہ ہر گز مراد نہیں کہ جس وقت فرض پہلے پڑھے تھے اسی وقت وہ نفل ہوئے تھے چاہے بعد کو جماعت ملتی یا نہیں، شریک ہوتا یا نہیں، اور جب ترتب نفلیت شرکت پر ہے اب اگر اس ایک سے نماز دوم مراد لو تو بے تکلف مستقیم ہے کہ یہ نفل اسے شرکت ہی سے ملیں گے، اور اگر اول مراد لو تو معنی یہ ہوں گے کہ اب تک اس سے فرض ادا ہوئے تھے اس جماعت کی شرکت ان فرضوں کو نفل کی طرف منقلب کردے گی اور یہ کہ حتمًا مطلوب نہ تھی فرض واقع ہوگی، ان دونوں باتوں کے لئے شرع میں نظیر نہیں۔

وخامسًا: مسند احمد و صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اذاکانت علیك امراء یمیتون الصلاۃ اوقال یوخرون الصلاۃ عن وقتھا قال قلت فما تأمرنی قال صل الصلٰوۃ لوقتھا فانھا لك نافلۃ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تم پر ایسے امراء مسلّط ہوں گے جو نماز کو فوت کریں گے، یافرمایا: وہ نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کریں گے۔ کہامیں نے عرض کیا: حضور! آپ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا: تم نماز اپنے وقت پر پڑھو، پھر اگر ان کے ساتھ جماعت پالے تو نماز پڑھ لے کہ یہ تیرے لئے نفل ہوجائے گی(ت)

[1] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ ثم یدرک الجماعۃ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۲/۲، کنزالعمال اعادۃ الصلوٰۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲۶۲/۸

[2] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۳۰/۱

اس میں ضمیر **انہا** صاف نماز ثانی کی طرف راجع ہے اولٰی کی طرف ارجاع بعد عن الفہم ہونے کے علاوہ ارشاد اقدس **صل الصلٰوۃ لوقتہا** (نماز کو اس کے وقت پر پڑھو۔ت) کے منافی ہے کہ پہلی کو اس کے وقت میں پڑھ کہ اوقات فرائض کے لئے ہیں نہ کہ نفل کے واسطے۔

وسادسًا: حدیث مذکور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسند احمد رحمہ اللہ تعالٰی میں یوں ہے کہ فرمایا **واجعلوا صلا تکم معہم تطوعا**[1] (تم اپنی نماز کو ان کے ساتھ نفل بنالو۔ت) اس میں صاف تصریح ہے کہ یہ دوسری نفل ہوگی۔

سابعًا: اگر یہی مانا جائے کہ نافلہ پہلی اور مکتوبہ دوسری کو فرمایا تو فقیر کے ذہن میں یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے ظاہر ہے کہ نماز تنہا ناقص اور جماعت میں کامل ہے، جس نے فرض اکیلے پڑھ لئے پھر نادم ہو کر جماعت میں ملا تو قضیہ اصل وحکم عدل یہ ہے کہ اس کے فرض ناقص اور نفل کامل ہوئے مگر اس کی ندامت اور جماعت کی برکت نے یہ کیا کہ سرکار فضل نے اس کامل کو اس کی فہرست فرائض میں داخل فرمالیا اور ناقص کو نفل کی طرف پھیر دیا تو یہ نفل کامل فرض لکھے گئے اور وہ فرض ناقص نفل میں محسوب ہوئے کہ کمال فرض کا جمال فضل پائے اور یہ اس کی رحمت سے بعید نہیں جو فرماتا ہے:

فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ[2]	اللہ تعالٰی لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں کے ساتھ بدل دیتا ہے (ت)

جب اس کا کرم گناہوں کو نیکیوں سے بدل لیتا ہے نفل کو فرض میں گن لینا کیا دشوار ہے۔ اب حاصل یہ رہا کہ ہے تو پہلی ہی فرض اور دوسری نفل مگر رحمت الٰہی اس نفل کو فرض میں شمار فرمائے گی، اسی طرف مشیر ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ارشاد جب ان سے پوچھا گیا میں ان دونوں میں کس کو اپنی نماز یعنی فرض تصور کروں؟ فرمایا:

وذلك اليك انما ذلك الى الله عزوجل يجعل ايتهما شاء[3]۔ **رواه الامام مالك هذا ماعندى، العلم بالحق**	یہ کیا تیرے ہاتھ ہے، یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے ان میں جسے چاہے (فرض) شمار فرمائے گا۔ اسے امام مالک نے روایت کیا، یہ میری تحقیق ہے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ابن امراۃ عبادہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/۷

[2] القرآن ۲۵/۷۰

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ابن امراۃ عبادہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۶/۷

عند ربی۔	حق کا علم میرے رب کے ہاں ہے(ت)

ظہر وجمعہ وعشانفلاً دوبارہ پڑھ سکتا ہے نماز عید کے ساتھ تنفل شرع سے ثابت نہیں۔ حدیث دوسرے روز ملنے پر کسی طرح دلیل نہیں کہ وہ اس صورت میں ہے کہ یہ نماز تنہا پڑھ چکا اب اس کی جماعت قائم ہوئی، حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا:

کنت قد صلیت فاقیمت الصلوٰۃ[1]۔	تو نے نماز پڑھ لی پھر نماز کے لئے تکبیر کہی گئی(ت)

حدیث ابوایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

یصلی احدنا فی منزله الصلاۃ ثم یاتی المسجد فتقام الصلاۃ[2]۔	جب تو کوئی اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہے پھر مسجد کی طرف آتا ہے پھر نماز کی جماعت کھڑی ہوجائے(ت)

حدیث ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تھا: فان ادرکتھا معھم[3] (پس اگر تو ان کے ساتھ نماز کو پائے۔ت) سنن ابی داؤد میں حدیث یزید بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک لفظ یہ ہیں:

اذا صلی احدکم فی رحله ثم ادرك الصلاۃ مع الامام فلیصلها معه فانها له نافلة[4]۔	جب کسی نے گھر پر نماز پڑھ لی پھر امام کے ساتھ نماز پالی تو اس کے ساتھ بھی نماز پڑھے کہ یہ اس کے لئے نفل ہوجائے گی(ت)

حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تھا اذا صلیت فی اهلك ثم ادرکت[5] (جب تو نے اپنے اہل میں نماز پڑھ لی پھر تو نے جماعت کو پایا۔ت) حدیث اخیر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے: اصلی فی بیتی ثم ادرك الصلاۃ فی المسجد مع الامام[6] (میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں پھر میں امام

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵، سنن النسائی اعادۃ الصلوٰۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵، سنن النسائی اعادۃ الصلوٰۃ مع الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۹۹، مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۳، سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[3] صحیح مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتہا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۰

[4] سنن ابوداؤد باب من صلی فی منزلہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵

[5] المصنف لعبد الرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۲

[6] مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

کے ساتھ مسجد میں نماز کو پالیتا ہوں۔ت) دوسرے روز اس نماز کی جماعت نہیں ہوسکتی آج کی ظہر، ظہر دیروزہ کی غیر ہے ولہذا امام ومقتدی کا قضاء ادا میں اختلاف مبطل اقتدا ہے اور دوسرے دن اگر لوگ کل کی قضا بجماعت پڑھتے ہوں تو اسے ادراک نہ کہیں گے اور واجب سے تو اسے علاقہ ہی نہیں کہ وہ یا وتر ہے یا نماز عیدین اول میں تنفل گناہ اور ثانی میں شریعت مطہرہ سے ثابت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸۵تا۸۹۰: از کانپور محلّہ بوچڑخانہ مولوی نثار احمد صاحب　　　۲۰/صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامدا ومصلیا ومسلما (اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہوئے۔ت)۔ حضرات علمائے کرام ادام اللہ بقاء ہم علٰی رؤس المسلمین وحماہم۔ ان چند سوالوں کا جواب مرحمت فرمائیں:

(۱) یہ کہ اختلاف علماء ہو یوم النحر میں، تو قربانی کو احتیاطًا ایک روز مؤخر کرانے والا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے مجرم ہے یا نہیں۔

(۲) سہ شنبہ ۱۰/ذی الحجہ کو عیدالاضحٰی کی نماز واجب کی نیت سے پڑھانے والا امامت سے بوجہ ثبوت شرعی ماننے کے اور چہار شنبہ کو اس جگہ حاضر ہو کر جہاں عیدالاضحٰی بوجہ ثبوت کامل نہ ہونے کے عید سہ شنبہ کو نہیں ہوئی تھی بلکہ آج چہار شنبہ کو عیدالاضحٰی تھی اور جماعت میں شریک ہوگیا، نفلی نیت سے مجرم ہوا یا نہیں۔

(۳) سہ شنبہ کو امامت وخطبہ کے بعد احتیاطی جملہ کا تلفظ اور دوسرے روز اسی کا جماعت میں بہ نیت نفل شریک ہونا لوگوں کو شبہہ دلاتا ہے کہ اس نے اپنی نماز دہرالی اور ہم لوگوں کی نمازیں خوب خراب کیں مگر امام کو دوشنبہ کو اعلان وقت نماز کے یقین تھا عید کا، اور راضی تھا، اور خود سہ شنبہ کو وہ ایک اعلان دینے پر راضی تھا کہ میں نے ثبوت کو یقین جان کر بہ نیت واجب پڑھی اور امام ہو کر اقرار کرتا ہے اصرار سے کہ واجب یقینی جان کر پڑھائی اور احتیاطی جملہ میں بھی یہ عرض کیا کہ دینی بھائیو! آج عید ہے اور اکثر جگہ ہے، نماز بھی عید کی پڑھی گئی مگر قربانی کل کرنے میں حتیاط ہے، ایسی اختلافی حالت میں کس کے قول کو مانا جائے امام کے قول کو یا مقتدیوں کے۔

(۴) پڑھی ہوئی نماز نفل کی نیت سے پھر پڑھنا حنفیوں کے نزدیک حدیث یزید ابن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ جو باب "**من صلاۃ مرتین**" میں ہے، سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں۔

(۵) اس حدیث میں وان کنت قد صلیت (اگرچہ تونے نماز پڑھ لی ہو۔ت) میں ان وصلیہ ہے یا شرطیہ، اولٰی وصلیہ ہوتا ہے یا شرطیہ۔

(٦) آیہ کریمہ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ[1] (اور جو کوئی اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ت) اور من تطوع خیراً فان اللہ شاکر علیم (جو کوئی اپنی طرف سے اچھائی کرے تو اللہ تعالٰی نیکی کا صلہ دینے والا اور جاننے والا ہے۔ت) سے عبادات مالیہ اور بدنیہ جس میں نفلی نماز بھی داخل ہے کوئی ثابت کرے تو استدلال درست ہے یا نہیں اور معطوف علیہ نہ ہونے کی وجہ سے تحریر میں بغیر واؤ کے لکھنے والا اور آیہ ثانیہ میں بغیر ف ترتیبیہ کے لکھنے والا غلطی کرنے والا ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب:

(۱) محل اختلاف علماء میں مراعات خلاف جہاں تک ارتکاب مکروہ کو مستلزم نہ ہو بالاجماع مستحب ہے، مستحب جرم نہیں ہوتا بلکہ اسے جرم کہنا جرم ہے، درمختار میں ہے:

یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم ارتکاب مکروہ مذہبہ[1]۔	اختلاف سے نکلنا مستحب ہے خصوصًا امام کے لئے، لیکن شرط یہ ہے کہ اپنے مذہب میں مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے (ت)

(۲) جبکہ اس نے ثبوت شرعی پایا اور روز سہ شنبہ کو روز عید جان کر بہ نیت واجب نماز عید ادا کی اور دوسرے جن کو ثبوت نہ پہنچنے کے باعث ان پر شرعًا آج عید واجب تھی ان کی جماعت جماعت روز اول تھی اور سہ شنبہ کے دن پڑھنے والے کے نزدیک اگرچہ جماعت روز دوم تھی مگر امام صالح امامت عید اور اس کے مقتدیوں نے کل ادا نہ کی تھی اور یہاں تاخیر بالعذر بالاجماع بلاکراہت جائز ہے، اور عدم تحقیق ثبوت عندہم سے بڑھ کر اور کیا عذر ہوسکتا ہے بہرحال یہ نماز امام و قوم اور اس کل پڑھنے والے سب کے نزدیک جماعت واجبہ تھی تو اس کا بہ نیت نفل اس میں مل جانا ہرگز جرم نہیں ہوسکتا جرم نہیں مگر مخالفت امر اللہ یہاں کون سے امر اللہ کا خلاف ہوا اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝[2] (کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جسے تم نہیں جانتے۔ت) ہاں اگر ایک دن نماز عید ہو کر دوسرے دن مطلقًا ناجائز ہوتی حتی کہ اس امام صالح امامت عید و قوم کو بھی جس نے کل بعذر نہ پڑھی تو البتہ اسے شریک ہونا جرم ہوتا اگرچہ ان پر جرم کیسا، وہ اپنا ادائے واجب کر رہے تھے کہ ان کو کل کا ثبوت نہ پہنچا تھا مگر اس کے اعتقاد میں تو عید کل ہو چکی تھی آج

---

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷

[2] القرآن ۲/ ۸۰

دوسرا دن تھا جس میں نماز ناجائز تھی تو یہ اپنے اعتقاد کی رو سے ایک ناجائز فعل میں شرکت کرتا اور مجرم ہوتا **فان المرء مواخذ بزعمه** (ہر آدمی کا مواخذہ اس کے زعم واعتقاد پر ہوگا۔ت) مگر ایسا ہر گز نہیں بلکہ قطعًا جواز ہے **کما نصوا علیه قاطبة** (جیسا کہ اس پر تمام فقہا نے نص کی ہے۔ت) تو ایک جماعت جائزہ میں متنفلا شریک ہونا کس نے منع کیا نماز عید، نماز جنازہ نہیں جس سے تنفل میں شرعًا عدم جواز کا حکم ثابت ہے، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

لایصلی علی میت الامرة واحدة لاجماعة ولاوحدانا عندنا لنا ماروی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم صلی علی جنازة فلما فرغ جاء عمر رضی الله تعالٰی عنه ومعه قوم فاراد ان یصلی ثانیا فقال له النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الصلٰوة علی الجنازة لاتعادوا لکن ادع للمیّت واستغفرله وهذا نص فی الباب (الٰی قوله) دلیل علی عدم جواز التکرار[1]۔	ہمارے نزدیک میّت پر فقط ایک دفعہ نماز ادا کی جائے گی دوبارہ نہیں، نہ تنہا نہ جماعت کے ساتھ، کیونکہ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنازہ پڑھایا جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر اور ان کے ساتھ کچھ لوگ آئے اور انہوں نے دوبارہ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنازہ کی نماز لوٹائی نہیں جاسکتی البتہ میّت کے لئے دعا اور استغفار کرو، یہ اس باب میں نص ہے (یہاں تک) یہ تکرار کے عدم جواز پر دلیل ہے۔(ت)

صلاۃ عید میں نہی کہاں، ہاں ثبوت بھی نہیں، پھر عدم ثبوت کو ثبوت عدم سے کیا علاقہ **وهذا بحث لقد فرغنا عنه فی الرد علی الوهابیة مرارًا** (یہ وہ بحث ہے جس کو ہم وہابیوں کے رد میں بارہا تفصیلًا بیان کرچکے ہیں۔ت) غایت یہ کہ بے طلب شرع بے وجہ ہے جبکہ کوئی عارض خاص نہ ہو مثلًا مرید یا تلمیذ یا ابن کے نزدیک کل ثبوت شرعی ہوگیا تھا پڑھ لی شیخ یا استاذ یا اب کے یہاں آج ملنے کو حاضر ہوا ان کے نزدیک آج عید ہے، یا نماز کو کھڑے ہوئے اب ان کی مخالفت اس امر میں کہ شرعًا ممنوع وحرام نہیں معیوب وقبیح ہے لہٰذا متنفلًا شریک ہوگیا تو یہ صورت بے وجہ بھی نہیں بلکہ بوجہ وجیہ ہے، امام مجتہد مطلق عالم قریش سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے توجب مزار مبارک امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور نماز صبح پڑھائی دعائے قنوت نہ پڑھی نہ بسم اللہ وآمین جہر سے کہی نہ غیر تحریمہ میں رفع یدین فرمایا **علی مافی الروایات** (جیسا کہ روایات میں ہے)

[1] بدائع الصنائع فصل فی صلٰوۃ الجنازہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۱

خود اپنا مذہب مجتہد نے ترک کیا اور عذر بھی بیان فرمایا کہ مجھے ان امام اجل سے شرم آئی کہ ان کے سامنے ان کا خلاف کروں کما بیناہ فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات (جیسا کہ ہم نے "حیات الموات فی بیان سماع الموات" میں بیان کیا ہے۔ت) **(۳)** امام اپنے قلب سے نیت کرتا ہے اور قلب غیب ہے اور زبان اس کا ذریعہ بیان۔ ہر مسلم اپنے مافی الضمیر پر امین ہے جب تک ظاہر اس کا مکذب نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا[1] رواہ مسلم۔	کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا ہے حتی کہ تو نے جان لیا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا(ت)۔

مقتدیوں کا یہ وسوسہ بدگمانی ہے اور بدگمانی:

قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[3] الحدیث۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اے ایمان والو! بہت زیادہ ظن سے بچا کرو کیونکہ بعض ظن گناہ ہو جاتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑی جھوٹی بات ہے (ت)

(۴) ہاں ثابت ہے کما فصلناہ فی الفتوی السابقۃ بما لامزید علیہ (جیسا کہ ہم نے سابقہ فتوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) فجر و مغرب کا حدیث میں استثناء فرمایا[4] رواہ الدار قطنی بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ت) تعلیل حکم نے فجر سے عصر، مغرب سے وتر کا

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم قتل الکافر بعد قول لاالٰہ الااللہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۶۸

[2] القرآن ۴۹/۱۲

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب الرجل یصلی فی بیتہ الخ حدیث ۳۹۳۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۴۲۲، کنز العمال اعادۃ الصلوٰۃ حدیث ۲۲۸۳۲ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۸/۲۶۲

الحاق بتایا اور یہی مذہب حنفیّہ ہے۔

(۵) وصلیہ اولیٰ ہے بدلیل حدیث محجن رضی اللہ تعالٰی عنہ:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جئت المسجد وکنت قدصلیت فاقیمت الصلوٰۃ فصل مع الناس وان کنت قدصلیت[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تومسجد میں آئے جبکہ تو نماز ادا کرچکا تھا پس جماعت کھڑی ہوگئی تو تو لوگوں کے ساتھ نماز ادا کر اگرچہ تونے نماز پڑھ لی تھی (ت)

یہ وہی مضمون وحکم ہے اور اس میں وصلیہ متعین والحدیث خیر تفسیر للحدیث (ایک حدیث دوسری حدیث کے لئے سب سے بہتر تفسیر ہوتی ہے۔ت)

(۶) ہاں درست ہے جہاں شرع مطہر سے ممانعت ثابت نہ ہو اور یہ عموم آیہ کریمہ کی تخصیص نہیں بلکہ وہ (ممنوع) عموم میں داخل ہی نہیں کہا من تطوع خیرا فرمایا ہے اور ممنوع خیر نہیں کہ خیر ممنوع نہیں۔ **اقول:** تحقیق مقام یہ ہے کہ شے مطلوب الفعل اوالترک باحد الطلبین الجازم وغیرہ ہوگی یالاولا یہیں سے احکام خمسہ پیدا ہوئے ان کا خامس مباح وتمام الکلام فیہ بحیث لایوجد فی شیئ من الکتب فی رسالتنا الجود الحلو فی ارکان الوضوء (اس سے متعلق تحقیق ہمارے رسالے "الجود الحلوفی ارکان الوضو" میں ہے جو کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی۔ت) اربع اول کو ثبوت درکار اور عدم ثبوت طرفین کا نتیجہ خامس مگر یہ خامس کسی مستحسن کے نیچے اندراج اور نیت حسنہ کے اندراج سے مستحسن ہوجاتا ہے جیسے نیت قبیحہ سے مستقبح، فعل لوح سادہ ہے اور نیت نقش صورت اخیرہ ہیں وہ مکروہ حرام اور اس سے بدتر ہوسکتا اور اولیٰ میں تطوع ہوکر دونوں آیہ کریمہ کے عموم میں آئے گا۔ اشباہ وردالمحتار وغیرہما میں ہے:

المباحات تختلف صفتہا باعتبار ماقصدت لاجلہ فاذا قصد بہا التقوی علی الطاعات اوالتوصل الیہا کانت عبادۃ کالاکل و النوم و اکتساب المال والوطء[2] انتہی	مباحات کا مختلف نیات کے اعتبار سے حکم مختلف ہوجاتا ہے پس جب اس سے طاعات پر قوت یا طاعات کی طرف ایصال متصور ہو تو یہ عبادات ہوں گی مثلاً کھانا پینا، سونا، حصول مال اور وطی کرنا انتہی (ت)

[1] مشکوٰۃ المصابیح الفصل الثالث من باب من صلی مرتین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۰۳، مؤطا الامام مالک اعادۃ الصلوٰۃ مع الامام مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل حدیث محجن الدیلمی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۴

[2] الاشباہ والنظائر بیان دخول البیت فی العبادات مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

لہٰذامسئلہ دائرہ میں یہ حکم نہ دیں گے کہ نماز عید دوبارہ پڑھنا مستحب ہے کہ یہ طلب شرعی سے خبر دے گا یعنی شرعًا مطلوب ہے کہ دوبارہ پڑھے اور یہ باطل ہے کہ اس کو ثبوت درکار اور ثبوت نہیں ولہذا اس کا فعل بے وجہ ہوگا کہ سبب نہیں یہ اس کا فی نفسہ حکم ہے پھر اگر خارج سے وجہ پیدا ہو مثلًا یہ امام متبرک بہ ہے یا اس جماعت میں وہ لوگ ہیں جن کے ساتھ پڑھنے میں امید رحمت ہے کہ **ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم** [1] (وہ ایسی قوم ہیں جن کا ساتھی اور ہم نشین بدبخت نہیں ہوتا۔ت) یا وہ وجہ جو ہم نے نمبر دوم میں بیان کی کہ معظم دینی سے موافقت و محو صورت مخالفت، تو یہ سب نیت محمودہ ہیں اور مباح نیت محمودہ سے محمود اور محمود کا ادنٰی درجہ نفل خصوصًا نماز کہ

الصلٰوۃ خیر موضوع فمن استطاع ان یستکثر منھا فلیستکثر [2] رواہ الطبرانی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	نماز سب سے بہترین عمل ہے اس میں جتنا بھی کوئی اضافہ کرسکتا ہے کرے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے(ت)

یوں تحت کریمتین داخل ہوگا، کشف الغمہ میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، سے ہے

: فکان رضی اللہ تعالٰی عنہ لاینھی احدا تطوع بشیئ زائدا علی السنۃ ویقول فمن تطوع خیرا فھو خیرلہ [3]۔	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی کو بھی سنت سے زائد نوافل سے نہ روکتے اور فرماتے جو نیکی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ بہتر عمل ہے۔(ت)

رہا کریمتین میں ترک واو وفا یہ لکھنا تلاوت قرآن کا وقت نہ تھا بلکہ استدلال کا اور ترک کسی ایسے حرف کا نہ کیا جس پر نظمًا یا معنًی صحت کو توقف یا موجب تغیر ہو تو اسے کسی طرح غلطی نہیں کہہ سکتے۔ ابن ابی حاتم و بیہقی نے امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کی:

ان رجلا سأل علیًا عن الھدی ماھو فقال من الثمانیۃ الازواج فکان الرجل شك فقال ھل تقرأ القراٰن قال نعم قال فسمعت اللہ یقول لیذکروا اسم اللہ علی مارزقھم	ایک آدمی نے حضرت علی سے ہدی(قربانی) کے بارے میں پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ فرمایا آٹھ جوڑوں میں سے، اس آدمی کو شک گزرا، فرمایا کیا تونے قرآن حکیم پڑھا ہے؟ عرض کیا۔ ہاں۔ فرمایا کیا تونے یہ سنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی

[1] صحیح مسلم باب فضل مجالس الذکر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۴/۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب فضل الصلوٰۃ مطبوعہ دارالکتب بیروت ۲۴۹/۲

[3] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۹۱/۱

من بھیمۃ الانعام ومن الانعام حمولۃ وفرشا قال نعم فسمعتہ یقول من الضأن اثنین ومن المعز اثنین ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین قال نعم[1]۔	فرماتاہے "چاہئے کہ وہ اللہ کانام ذکر کریں اس کے دیئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر، اور چوپایوں میں سے بعض وہ ہیں جو بوجھ اٹھانے والے اور کچھ زمین پر بچھے، میں نے عرض کیاہاں، فرمایا تونے یہ بھی سنا ہوگا کہ اللہ تعالٰی فرماتاہے ایک جوڑا بھیڑ کا، ایک جوڑا بکری کا، ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا، فرمایا: ہاں۔(ت)

امیر المؤمنین نے ایک آیت سترہویں پارے کی لی ایک آٹھویں کی اور ان کو سیاق واحد میں ذکر فرمایا دوبار سورہ انعام کی آیتوں میں خاص وسط میں سے اتنے جملے چھوڑ دیئے:

قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴿۱۴۳﴾	تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں مادہ، یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔(ت)

اب یہاں کیا حکم ہوگا نبؤنی بعلم ان کنتم صدقین۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹۱: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کانکر ٹولہ مسئلہ محمد ظہور خاں صاحب ۱۳/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فجر کی نماز امام پڑھارہاہے اب دوسرا نمازی آیا تو شامل جماعت ہوجائے یااول سنت ادا کرے، اگر مسجد چھوٹی ہے یا صحن مسجد قلیل ہے اور کانوں میں امام کی آواز آرہی ہے ایسی صورت میں ادائیگی سنت کس صورت سے ہونا چاہئے، یا بلاادائیگی سنت شامل ہوجائے اور سنت بعد طلوع آفتاب ہونا بہتر یااوّل یعنی جماعت میں شامل ہوگیا تھا اس کے بعد؟

الجواب:

اگر جانتا ہے سنتیں پڑھ کر جماعت میں شامل ہوسکے گا اور صف سے دور سنتیں پڑھنے کو جگہ ہے تو پڑھ کر ملے ورنہ بے پڑھے، پھر بعد بلندی آفتاب پڑھے، اس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے، کان میں آواز آنے کا اعتبار نہیں، امام اندر پڑھ رہاہو باہر پڑھے، باہر پڑھتا ہو اندر پڑھے، حد مسجد کے باہر پاک جگہ پڑھنے کو ہو تو سب سے بہتر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض نمازیوں کی کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب الہدایا من الابل والبقر والغنم مطبوعہ دار صادر بیروت ۵/ ۲۲۹

مثلاً بازار کو خرید وفروخت کے لئے جانا ہوتا ہے تو اس کے لئے ان کی رعایت سے وقت مستحبہ پر نماز کو ترک کرنا اور اول وقت پڑھنے میں کچھ قباحت تو نہیں ہے یا امام کو وقت مستحبہ پر پڑھنا چاہئے مثلاً عصر کے وقت کہ بعد گزرنے دو مثل سایہ کے پندرہ بیس منٹ کا وقفہ اذان وصلوٰۃ کے لئے دے کر جماعت کرنے میں افضلیت تو ترک نہ ہوگی۔

الجواب:

عام جماعت کو ضرورت ہو تو حرج نہیں ایک کے لئے جماعت منتشر کرنا یا سب کو ترک وقت مستحبہ کی طرف بلانا بے جا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۳: سیکریٹری انجمن مشفق المسلمین محلہ ابراہیم پورہ بریلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مبتلائے جذام کو جس سے طباً اجتناب واجب ہے اور مسلمانان محلہ اس کے دخول مسجد واستعمال ظروف سے حذر کرتے ہیں مسجد میں بغرض شرکت جماعت وغیرہ آنے سے شرعاً بغرض فائدہ عوام روکا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

ہاں جبکہ اس کے آنے سے مسجد میں نجاست کا ظن غالب ہو تو وجوباً اور ایسانہ ہو صرف نفرت عوام واحتمال تقلیل جماعت ہو تو استحباباً۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۴: حافظ نجم الدین گندہ نالہ بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص کو غسل کی حاجت ہے اگر وہ غسل کرتا ہے تو فجر کی نماز قضا ہوئی جاتی ہے تو اس وقت اسے کیا کرنا چاہئے۔

(۲) جبکہ امام رکوع میں ہے اور ایک شخص ایک تکبیر کہہ کر شامل جماعت ہوگیا تو یہ کبیر تحریمہ ہوئی یا مسنونہ، اس صورت میں نماز اس مقتدی کی ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) تیمّم کرکے نماز پڑھ لے اور غسل کرکے پھر اعادہ کرے۔

(۲) اگر اس نے تکبیر تحریمہ کہی یعنی سیدھے کھڑے ہوئے تکبیر کہی کہ ہاتھ پھیلائے تو زانو تک نہ جائے تو نماز ہوگئی اور اگر تکبیر انتقال کہی یعنی جھکتے ہوئے تکبیر کہی تو نماز نہ ہوگی اسے دو تکبیر کہنے کا حکم ہے تکبیر تحریمہ اور تکبیر انتقال، پہلی تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں اور دوسری تکبیر انتقال رکوع کو جاتے ہوئے۔ درمختار

میں ہے:

لووجد الامام راکعا فکبر منحنیا ان الی القیام اقرب صح ولغت فیه تکبیرۃ الرکوع [1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	اگر کسی نے امام کو حالت رکوع میں پایا تو اس نے جھکتے ہوئے تکبیر کہی اگر یہ مقتدی قیام کے زیادہ قریب ہو تو درست ہے اور اس کی تکبیر رکوع لغو ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹۶: دو شخص ایک چٹائی ایک مصلے پر جدا جدا برابر کھڑا ہو کر ایک ہی نماز فریضہ قبل جماعت یا بعد جماعت پڑھ رہے ہیں ان کی نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:

نماز تو ہر طرح ہوجائے گی لیکن قبل جماعت الگ الگ پڑھیں اور ایک کا حال دوسرے کو معلوم ہو اور ان میں ایک قابل امامت ہے اس کو کوئی عذر شرعی نہ ہو تو ان پر ترک جماعت کا الزام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۷: از شہر بریلی محلّہ باغ احمد خاں ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

جماعت جمعہ کے اندر پہلی صف میں دو یا تین شخص جن کی داڑھی منڈی ہوئی اور ایک شخص کی کتری ہوئی اس نے یہ لفظ کہا کہ بزرگ لوگ پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں وہ اگلی صف میں آجائیں اور منڈی اور کتری ہوئی پیچھے چلے جائیں، لہٰذا اس نے گناہ کیا یا نہیں، اور اگلی صف میں منڈی ہوئی ہیں اور پیچھے صف میں پرہیزگار اور متقی ہیں ان کو پہلی صف میں لے جائیں اور منڈی ہوئی کو پیچھے ہٹایا جائے یا نہیں، اور وہ لوگ جن کی داڑھی منڈی ہوئی ہے اس مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کو نماز پڑھنے کو جاتے ہیں اور ایک کے ساتھ ایک یا دو داڑھی والے بھی جاتے ہیں اس بات کو ان لوگوں نے نہایت ناگوار معلوم کیا۔

الجواب:

داڑھی کترانا منڈانا حرام ہے اور اس کے مرتکب فاسق ان کو تفہیم ہدایت کی جائے، بہتر یہ ہے کہ امام کے قریب دانشور لوگ ہوں، حدیث میں فرمایا:

لیلینی منکم اولوالاحلام والنهی [2]۔	تم میں سے دانشور اور عقلمند لوگوں کو میرے قریب ہونا چاہئے۔ (ت)

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۷

[2] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱

اور وہی دانشور ہے جو متقی ہو، متقیوں کو چاہئے تھا کہ یہی پہلے آتے کہ سب سے اول میں جگہ پاتے اب کہ وہ دوسری قسم کے لوگ پہلے آگئے تو انہیں مناسب ہے کہ متقیوں کے لئے جگہ خالی کردیں ورنہ انہیں ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں خصوصًا جبکہ سبب فتنہ ہو اعمال میں ہدایت نرمی سے چاہئے کہ سختی سے ضد نہ بڑھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹۸: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد جان بیگ ۱۰/محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پانچوں وقت کی نماز ادا کرتا ہے اور صوم وصلوٰۃ کا بھی پابند ہے مگر مسجد میں صرف تین وقت کی نمازیں ظہر وعصر ومغرب باقی عشاء وفجر کی اپنے مکان پر تنہا پڑھتا ہے اور وجہ تنہائی میں پڑھنے کی یہ ہے کہ بعد نماز عشاء وفجر کے وظیفہ میں زیادہ وقت لگتا ہے اور قرآن عظیم کی تلاوت بھی کرتا ہے تنہا پڑھنے میں علیحدہ کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:

پانچوں وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ واجب ہے ایک وقت کا بھی بلاعذر ترک گناہ ہے، وظیفہ وتلاوت باعث ترک نہیں ہوسکتے فرض مسجد میں باجماعت پڑھ کر وظیفہ وتلاوت مکان پر کرے ورنہ صورت مذکورہ فسق وکبیرہ ہے فان کل صغیرۃ بالاعتیاد کبیرۃ وکل کبیرہ فسق (ہر صغیرہ گناہ کا معمول اسے کبیرہ بنادیتا ہے اور ہر کبیرہ گناہ فسق ہے۔ت) حدیث میں ہے ظلم اور کفر نفاق سے ہے۔ یہ بات کہ آدمی اللہ کے منادی یعنی مؤذن کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو، وہ وظیفہ وتلاوت کہ جماعت مسجد سے روکیں وظیفہ وتلاوت نہیں بلکہ ناجائز ومعصیت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۹۹: از اسیریاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳/محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جماعت ثانیہ میں اقامت کہ جائے یا نہیں اور جماعت ثانیہ میں امام کو زور سے جہری نماز میں قرات کرنی چاہئے یا جماعت اولٰی کے لوگ جو سنتیں پڑھ رہے ہوں ان کے خیال سے برائے نام آواز سے پڑھے تاکہ دوسروں کی نماز میں ذہن نہ منتقل ہو جو حکم شرعی ہو ارشاد فرمائیں؟

الجواب:

جماعت ثانیہ کے لئے اعادہ اذان ناجائز ہے تکبیر میں حرج نہیں اور اس کا امام نماز جہری میں بقدر حاجت جماعت جہر کرے گا اگرچہ اور لوگ سنتیں پڑھتے ہوں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۰: از شہر کہنہ محلّہ لودھی ٹولہ مسئولہ حبیب اللہ خاں صاحب ۲۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر باہم رشتہ دار ہیں دونوں میں خانگی معاملات میں مع دیگر رشتہ داران زید وبکر عرصہ سے نااتفاقی ہے اور زید وبکر دونوں شریک ہوکر ایک جماعت میں ہمیشہ

نماز پڑھتے ہیں، اماصاحب سے کسی کو کچھ کدورت نہیں ہے اب اہل محلّہ زید وبکر سے کہیں کہ تم دونوں باہم میل کرلو، بکر یہ جواب دے کہ ہم باہم رشتہ دار ہیں ہمیں میل کرنے میں کچھ انکار نہیں ہے مگراس معاملہ میں دیگر رشتہ دار داماد بھائی حقیقی وغیرہ بھی شریک ہیں جن کے ساتھ زید کو مع دیگر رشتہ داران ناراضگی ہے ان کی موجودگی کی بھی ضرورت ہے ـــــــــــاس وقت پورا میل ہوسکتاہے تنہا میل کرنے میں دیگر رشتہ داران کو مجھ سے رنج ہوجائے گا بغیر ان کی موجودگی کے میل ناممکن ہے، یہ جواب بکر کا چند اشخاص کو ناگوار معلوم ہوااور ان اشخاص نے ناخوش ہوکر بکر سے کہا کہ اگر تم اس وقت ہمارے کہنے سے میل نہیں کروگے تو ہم جماعت میں شریک نہیں ہونے دیں گے ہر طرح پریشان کریں گے لہذا اس بناپر ایک شخص نے مسجد میں وقت نماز اعلان کیا کہ زید وبکر میں باہم رنج ہے جب دو شخص ایسے جن میں رنج ہے وہ شریک جماعت ہوں توپوری جماعت کی نماز نہیں ہوتی ہے اور نہ دعااس جماعت کی قبول ہوتی ہے اور صرف بکر کو یہ کہہ کر جماعت سے علیحدہ کردیا، تو یہ عمل ان اشخاص کا جائز ہے یا ناجائز، اگر ناجائز ہے تو علیحدہ کردینے والوں کو شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

(۲) سوال بصورت حال مندرجہ بالاجو اشخاص وقت نماز جماعت سے علیحدہ کردیں ان کے واسطے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اس صورت میں اس کو جماعت سے علیحدہ کرنا جائز نہیں اور یہ کہنا محض باطل ہے کہ جس جماعت میں دو شخص آپس میں رنج رکھتے ہوں نماز نہیں ہوگی اور یہ بھی غلط محض ہے کہ وہاں دعا قبول نہیں ہوگی، ہاں باہم اہلسنت کے اتفاق رکھنے کا حکم ہے اور دو بھائیوں میں کسی دنیوی وجہ سے قطع مراسم تین دن سے زیادہ حرام ہے اور جو باہم موافقت کی طرف سبقت کرے گا وہ جنت کی طرف سبقت کرے گا اور جس سے اس کا بھائی معافی چاہے گا اور وہ بلاعذر شرعی معاف نہ کرے گا تو حدیث میں فرمایا کہ اسے روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو جماعت سے علیحدہ کرنا ظلم شدید ہے اس میں حق اللہ کا بھی مواخذہ ہے اور حق العبد کی بھی گرفتاری، توبہ بھی کریں اور ان لوگوں سے معافی بھی چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۲: از شہر تکیہ سفر علی شاہ مسؤلہ مولوی احمد بخش صاحب ۳/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشاکے واسطے (۰۸) بجے وقت مقرر کرلیاگیا کہ بلاانتظار کئے دوسرے کے اس وقت جماعت کھڑی ہوجائے گی کل شب میں ۱۴آدمی دروازے پر مسجد کے کھڑے تھے پانچ سات کو وضو کرنا تھا دو تین کرچکے تھے یہ سب ایک مسئلہ پر ذکر کررہے تھے جماعت کی تکبیر والے نے ان سب کو

نہیں بلایا نماز شروع کردی، آیا بلانا یا انتظار واجب تھا یا نہیں؟

الجواب:

اگراذان کے بعد انتظار بقدر مسنون کرلیاگیا ہو پھر زیادہ انتظار کی حاجت نہیں اور اگروقت میں وسعت ہو اور حاضرین پر گراں نہ ہو تو جو آگئے ہیں ان کے وضو کاانتظار کرلینا بہتر، اذان کے بعد غیر مغرب میں بحالت وسعت وقت اتنا انتظار مسنون ہے کہ کھانے والا کھانے سے فارغ ہوجائے جیسے قضائے حاجت کرنی ہے اس سے فراغ پائے اور طہارت ووضو کرکے آجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۳: از مونڈیا جاگیر ضلع بریلی مسؤلہ عبدالصمد ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یہاں پانچ آدمی ہیں اور سب کلام مجید خواں اور نمازی ہیں، ایک روز زید نے بوقت عشا بوجہ تنہائی مکان اپنے گھر نماز ادا کی بوجہ حاضر نہ ہونے مسجد کے زید کامع اس کے برادران اور اہل خانہ حقہ پانی بھنگی بہشتی دھوبی جملہ کام والوں کو اس سے بند کردیا اور پانچ دن سے بند ہے یعنی یکم صفر سے ۵ صفر تک، حالانکہ زید نماز کے لئے کوئی عذر وحیلہ نہیں کرتا بلکہ بوجہ مجبوری کے حاضر نہیں ہے، آیا زید اس سزا کا مستوجب تھا یا نہیں، اگر نہ تھا تو سزادہندگان کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

اگرواقعی مکان تنہا تھا اور تنہا چھوڑ کر آنے میں اندیشہ تھا تو یہ عذر قابل قبول ہے اور ایسی حالت میں سزادینا ظلم ہے، اور اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو بلاعذر جماعت چھوڑے تو شرعًا قابل سزا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۰۴: از مونڈیا جاگیر ضلع بریلی مسؤلہ عبدالصمد ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو مرض جذام ہے سال گزشتہ میں ڈاکٹر نے مرض مذکور کی تصدیق کردی ہے اب ناخون وغیرہ کے دیکھنے سے مرض کی شدت کا ثبوت ہوتا ہے چونکہ زید مسجد میں آکر وضو کرتا ہے جس سے بعض اشخاص تنفر کرتے ہیں بلکہ مسجد میں نماز پڑھنے سے جماعت سے احتراز کرنا چاہتے ہیں اور اکثر مقتدیان کا عزم ہے کہ زید اگر جماعت میں شامل ہوگا تو ہم گھر پر نماز پڑھ لیا کریں گے دریں صورت مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، آیا زید کو مسجد سے روک دینا چاہئے یا لوگوں کو گھر پر نماز پڑھ لینا، اور کبھی کبھی خود بھی نماز پڑھانے کو کھڑا ہوجاتا ہے۔

الجواب:

اس صورت میں زید کو چاہئے کہ نماز گھر میں پڑھے جماعت منتشر نہ کرے، اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۵: از محلّہ سوداگران مسؤلہ شمس الہدی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

حضور اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابی کے مدرسہ میں پڑھتا ہو اور ان کے اقوال بھی جانتا ہے اور پھر وہابی کے مکان میں رہتا ہے اس کے یہاں کھانا کھاتا ہے تو اس صورت میں اسے اہلسنت کی نماز جماعت میں کھڑا ہونے دیں یانہیں اور اگر کھڑا ہوگا تو فصل لازم آئے گا یانہیں؟

الجواب:

اگر وہ وہابیہ کے عقائد سے واقف ہو کر انہیں مسلمان جانتا ہے تو ضرور صف میں اس کے کھڑے ہونے سے فصل لازم آئے گا اور صف قطع ہوگی اور قطع صف حرام ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قطع صفا قطعہ اللہ [1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے صف کو کاٹا اسے اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے کاٹ دے گا۔(ت)

اور اگر وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو ان سے میل جول کے باعث جس میں سب سے بدتر اُن سے پڑھنا ہے سخت فاسق ہے امامت کے قابل نہیں، نماز اس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوگی مگر صف میں اس کے کھڑے ہونے سے صف قطع نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰۶ : مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جماعت میں چار صفیں ہیں، صف اول میں کسی مقتدی یاامام کا وضو جاتا رہا تب وہ مقتدی یاامام باہر کس طرح آسکتا ہے کیونکہ درمیان میں تین صفیں ہیں جو شانہ سے شانہ ملائے ہیں اور مقتدی کی جو جگہ خالی ہے اس کے واسطے کیاحکم ہے؟

الجواب:

مقتدی جس طرف جگہ پائے چلاجائے، یونہی امام دوسرے کو خلیفہ بناکر، اب صفوں کاسامنا سامنا نہیں کہ امام کاسترہ سب کاسترہ ہے اور مقتدی کی جو جگہ خالی رہی کوئی نیا آنے والا اسے بھردے یایونہی رہنے دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰۷: از شہر محلہ باغ احمد علی خاں مسؤلہ نیاز احمد صاحب ۲۴صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک محلّہ میں دو گروہ آباد ہیں دیوبندی و سنی حنفی، اس محلّہ کی مسجد میں دو دو جماعتیں ہوتی ہیں پہلی جماعت دیوبندی فرقہ کی ہوتی ہے وہ لوگ عداوت

---

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

کی وجہ سے مغرب اور فجر کی نماز میں دیر کردیتے ہیں اس میں جماعت (نماز) قضا ہونے کا اندیشہ ہے اگر سنی اپنی جماعت پہلے کرانا چاہتے ہیں تو وہ لوگ فساد پر آمادہ ہوتے ہیں ایسی حالت میں سنیوں کو کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عین ان کی جماعت ہونے کی حالت میں سنی اپنی جماعت کرسکتے ہیں کہ نہ ان کی جماعت جماعت ہے نہ اُن کی نماز نماز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۸: از شہر ممباسہ ضلع شرقہ افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسؤلہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نماز پڑھاتا ہے جماعت کو، بعد دوسرے آدمی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مقلد آئے اور صحن میں جماعت پڑھانے لگے اسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں ساتھ ادا کرنا جائز ہے یانہیں اور صحن میں ایک امام نماز پڑھارہا ہے مقلد شافعی کے ہاں مسبوق کے ساتھ اقتدا کرنا جائز ہے اسی طرح نماز جماعت سے پڑھتے ہیں اور امام آیا اور تکبیر ہوئی اور جماعت کھڑی ہوئی اسی طرح دو جماعت ایک مسجد میں پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک مسجد میں ایک فرض کی دو جماعتیں ایک ساتھ قصداً کرنا بلاوجہ شرعی ناجائز و ممنوع ہے لیکن ایک جماعت حنفیّہ کی امام حنفی کے پیچھے ہو اور دوسری شافعیہ یامالکیہ یاحنبلیہ کی اپنے ہم مذہب امام کے پیچھے ہو اس میں حرج نہیں جس طرح حرمین شریفین میں معمول ہے کہ یہ وجہ شرعی سے ہے مسبوق کی اقتداء ہمارے مذہب میں باطل ہے اگرچہ وہ مسبوق شافعی المذہب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰۹: از موضع دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسؤلہ عبدالرحیم ۲۸/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز باجماعت ہوچکی، بعد میں دو چار آدمی فراہم ہوگئے اور جماعت سے رہ گئے تو وہ آپس میں مل کر نماز باجماعت سے پڑھ سکتے ہیں یانہیں، کیونکہ اکثر ایسا دیکھا گیا تھا اب ایسا معلوم ہوا ہے کہ اول جماعت کے بعد پھر جماعت سے نماز پڑھنا موجب ثواب نہیں بلکہ عذاب ہے لہٰذا جو حکم شریعت ہو اس سے آگاہ فرمائیے؟ **بینوا وجروا**

الجواب:

جو مسجد کسی معین قوم کی نہیں جیسے بازار یاسرایا اسٹیشن کی مسجدیں، ان میں تو ہر جماعت جماعت اولٰی ہے

ہر جماعت کاامام اسی محل قیام امام پر محراب میں کھڑا ہو کرامامت کرے بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر جماعت جدید اذان سے ہو۔ ہاں مسجد محلّہ میں جس کے لئے امام وجماعت معین ہیں اس اعتماد پر کہ ہم اپنی جماعت دوبارہ کرلیں گے بلاعذر شرعی مثل بدمذہبی امام وغیرہ جماعت اولٰی کا قصداً ترک کرناگناہ ہے اور اگرامام کے ساتھ اہل محلّہ کی جماعت ہو گئی اور کچھ لوگ اتفاقاً یاعذر صحیح کے سبب رہ گئے توان کواذانِ جدید کی اجازت نہیں اور محراب میں قیام امام کی جگہ ان کے امام کو کھڑا ہونا مکروہ ہے اذان دوبارہ نہ کہیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کریں یہی افضل ہے اسے جو موجب عذاب بتاتا ہے غلط کہتا ہے کما حققنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱۰: ازمدرسہ اہلسنت منظر اسلام بریلی مسؤلہ عبداللہ مدرس ۱۳/شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صف پر دو یاچار شخص علیحدہ علیحدہ فرض پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب: اگرجماعت کرسکتے ہوں توترک جماعت نہ کریں رافضیوں سے مشابہت نہ کریں اور اگر یہ جماعت جماعت اولٰی ہے جب تواس کاترک گناہ اور ناجائز ہے مگر نماز سب کی بہر حال ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱۱ تا ۹۲۲: از گورکھپور محلّہ دھوبی مسؤلہ سعیدالدین ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جماعت کے لئے تعین وقت گھڑی سے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) امام کو کسی مقتدی کے لئے جو ممبر مسجد ومیر محلّہ ہو اور سید ہو باوجود گزرجانے وقت معین گھڑی کے جماعت کے لئے انتظار کرنادرست ہے یا نہیں؟

(۳) امام کے نزدیک تمام مقتدیوں کی عزت برابر ہونی چاہئے یا نہیں؟

(۴) ایک مقتدی کوجو ممبر مسجد ومیر محلّہ اور سید ہو دوسرے مقتدی پر فوقیت ہے یا نہیں۔

(۵) اگر کوئی مقتدی سنت مستحب نماز پڑھتاہو تواس کی سنت ختم ہونے تک امام کو انتظار کرناچاہئے یا نہیں، سنت مؤکدہ کی تعریف کیاہے؟

(۶) کسی مقتدی کابوجہ اس کی امارت اعزاز کے باوجود تعین وقت گھڑی وضواور سنت کاانتظار کرناجائز ہے یاناجائز؟

(۷) امام کا کہنا کہ ہم کو مقتدیوں کے انتظار کی ضرورت نہیں بلکہ مقتدیوں کو امام کے انتظار کی ضرورت ہے صحیح ہے یا نہیں؟
(۸) امام کو وقت معین گھڑی پر آنا جائز ہے یا نہیں؟
(۹) امام کا کہنا کہ گھڑی کا معین صرف مؤذن کی اذان کے لئے ہے جماعت کے لئے نہیں درست ہے یا نہیں؟
(۱۰) باوجود تعین وقت گھڑی امام کا کہنا کہ جب امام نماز کے لئے کھڑا ہوجائے وہی وقت نماز کا ہے درست ہے یا نہیں؟
(۱۱) مقتدیوں کا پیش امام سے جو کہ وقت معین پر نماز نہ پڑھاتے ہوں کہنا کہ آپ وقت معین سے ۲۔۴۔۱۰ منٹ پہلے تشریف لائیے درست ہے یا نہیں؟
(۱۲) امام کا کہنا میں حشر تک نہ آؤں گا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔
(۲) درست ہے جبکہ حاضرین پر گراں نہ ہو اور وقت وسیع ہو **واللہ تعالٰی اعلم**۔
(۳) جس کو دینی عزت زائد ہے ہر مسلمان کے نزدیک زائد ہے، اس کی وہ رعایت کی جائے گی جو دوسرے کی نہ ہوگی جب تک کوئی حرج شرعی لازم نہ آئے، **واللہ تعالٰی اعلم**
(۴) ہے مگر نہ ایسی کہ اس کی ذاتی رعایت اوروں پر باعث بار ہو اور عین نماز میں کسی معین کی رعایت جائز نہیں مثلاً امام رکوع میں ہے اور کوئی شریک ہونے کو آیا اگر امام نے نہ پہچانا تو اس کے لئے رکوع میں بعض تسبیحیں زائد کرسکتا ہے جس میں وہ شامل ہوجائے کہ یہ دین میں اعانت ہے لیکن اگر پہچانا کہ فلاں ہے اور اس کی خاطر سے زائد کرنا چاہے تو جائز نہیں ویخشی علیہ امر عظیم (اس سے ڈرنا چاہئے یہ بہت بڑا معاملہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**
(۵) انتظار کرسکتا ہے اگر وقت میں وسعت ہو اور اوروں پر گرانی نہ ہو۔ سنت موکدہ وہ امر دینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا مگر نادرًا یا کبھی ترک نہ فرمایا مگر اتفاق سے کسی نے ترک کیا تو اس پر انکار بھی نہ فرمایا، **واللہ تعالٰی اعلم**
(۶) اس کا جواب نمبر ۵ کے مطابق ہے مگر خاص اس کی مالداری کے سبب رعایت کی اجازت نہیں لیکن اس حالت میں کہ رعایت نہ کرنے سے فتنہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**
(۷) مقتدیوں کو امام کا انتظار چاہئے امام کو تاحد وسعت مقتدیوں کا انتظار چاہئے۔ حدیث میں ہے:

لوگ جلد جمع ہو جاتے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلد نماز پڑھ لیتے اور لوگ دیر میں آتے تو تاخیر فرماتے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۸) جائز کیا بلکہ مناسب ہے **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۹) تعیین وقت جماعت ہی کے لئے کی جاتی ہے، لوگ جب وقت معین پر آجائیں تو امام کو بلاضرورت زیادہ دیر لگانے کی اجازت نہیں کہ وجہ ثقل وباعث نفرت جماعت ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۱۰) جب وقت معین ہو چکا تو اس کے بعد دیر کرکے امام کا نماز پڑھانا اس کا حکم ابھی سوال سابق میں گزرا اور اس سے پہلے جلدی کرکے پڑھ لینا باعث تفریق جماعت ہوگا اور وہ بلاضرورت جائز نہیں **واللہ تعالیٰ اعلم**۔

(۱۱) پیشتر کی استدعا فضول ہے، یہ استدعا کریں کہ وقت معین پر تشریف لایا کیجئے واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۲) اگر پیشتر آنے سے انکار ہے تو بیجا نہیں، امام انتظار کے لئے نہیں بنایا گیا **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۹۲۳: از چاند پارہ ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسؤلہ محمد یار علی نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام کو مقتدی کی صف کے آگے کھڑا ہونے کی جگہ نہیں ہے تو امام صف مقتدی میں کس صورت سے کھڑا ہو، آیا امام مقتدی سے کچھ امتیاز کے واسطے آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کی دونوں جانب یعنی دہنی بائیں امام کے پیر کے برابر کھڑے ہوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: جب صرف ایک مقتدی ہو تو سنت یہی ہے کہ وہ امام کے برابر داہنی طرف کھڑا ہو مگر اس کا لحاظ فرض ہے کہ قیام، قعود، رکوع، سجود کسی حالت میں اس کے پاؤں کا گٹّا امام کے گٹّے سے آگے نہ بڑھے۔ اسی احتیاط کے لئے امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنا پنجہ امام کی ایڑی کے برابر رکھے، اور اگر دو مقتدی ہوں تو اگرچہ سنت یہی ہے کہ پیچھے کھڑے ہوں، پھر بھی اگر امام کے دہنے بائیں برابر کھڑے ہو جائیں گے حرج نہیں مگر دو سے زیادہ مقتدیوں کا امام کے برابر کھڑا ہونا یا امام کا صف سے کچھ آگے بڑھا ہونا کہ صف کی قدر جگہ نہ چھوٹے یہ ناجائز وگناہ ہے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر مقتدیوں کی کثرت اور جگہ کی قلّت ہے باہم صفوں میں فاصلہ کم چھوڑیں پچھلی صف اگلی صف کی پشت پر سجدہ کرے اور امام کے لئے جگہ بقدر ضرورت پوری چھوڑیں اور اگر اب بھی امام کو جگہ ملنا ممکن نہ ہو نہ ان میں کچھ لوگ دوسری جگہ نماز کو جاسکیں مثلاً **معاذاللہ** کسی ایسی کوٹھڑی میں محبوس ہیں جس کا عرض جانب قبلہ گز سوا گز ہے تو یہ صورت مجبوری محض

ہے اس میں قواعد شرع سے ظاہر یہ ہے کہ جماعت کریں امام بیچ میں کھڑا ہو پھر تنہا تنہا اس کا اعادہ کریں جماعت اقامت اشعار کے لئے اور اعادہ رفع خلل کے واسطے۔ در مختار میں ہے:

کل صلاۃ ادیت مع کراھۃ التحریم تجب اعادتہا[1]	جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا اعادہ واجب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لوتوسط اثنین کرہ تنزیھا وتحریما لواکثر[2] اھ ولایقال الجماعۃ واجبۃ بل قیل سنۃ موکدۃ وکراھۃ التحریم فی جانب النھی کالوجوب فی جانب الامر، والاجتناب عن المناھی اھم من ایتان الاوامر، فی الحدیث لترک ذرۃ مما نھی اللہ خیر من عبادۃ الثقلین، لانا نقول اقامۃ الشعار اھم من کل شیئ حتی اباحوا للختان ولیس الاسنۃ صریح المحرمات من النظر والمس قیل فی الھندیۃ عن العتابیۃ فی ختان الکبیر اذا امکن ان یختتن نفسہ فعل والالم یفعل الا ان یمکنہ ان یتزوج اویشتری ختانۃ فتختنہ وذکر الکرخی فی الجامع الصغیر ویختنہ	اگر امام دو مقتدیوں کے درمیان کھڑا ہوا تو یہ مکروہ تنزیہی ہے اگر دو سے زیادہ مقتدی ہوں تو مکروہ تحریمی اھ یہ نہ کہا جائے کہ جماعت واجب ہے بلکہ اسے سنت مؤکدہ کہا گیا ہے اور جانب نہی میں کراہت تحریمی، جانب امر میں وجوب کی طرح ہے اور مناہی سے اجتناب اوامر پر عمل سے اہم ہے۔ حدیث شریف میں ہے: اللہ تعالٰی کے منع کردہ ایک ذرہ کا چھوڑدینا تمام جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔ کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شعار کی اقامت ہر شے سے اہم ہے حتی کہ علماء نے ختان کے لئے صریح محرمات پر نظر مس کو مباح قرار دیا حالانکہ ختنہ صرف سنت ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں عتابیہ کے حوالے سے کبیر کے ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر اس کیلئے اپنا ختنہ کرنا ممکن ہو تو خود کرے ورنہ نہ کرے مگر اس صورت میں کہ جب اس کے لئے شادی ممکن ہو یا ایسی لونڈی خریدنا ممکن ہو جو اس کا ختنہ کردے تو ایسا ہی کرے۔ امام کرخی نے جامع صغیر

[1] در مختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱
[2] در مختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

الحمامی [1]۔ **اقول:** ویؤیدہ ماعن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم کانوا لایختنون اولادھم الابعد البلوغ وقال فی الدر وقتہ غیرمعلوم وقیل سبع سنین کذا فی الملتقی وقیل عشر وقیل اقصاہ اثنتا عشرۃ سنۃ [2] زاد الشامی عن الطحطاوی وقیل لایختن حتی یبلغ لانہ للطھارۃ ولاتجب علیہ قبلہ[3] قال فی الدر وقیل العبرۃ بطاقتہ وھوالاشبہ[4] قال ش ای بالفقہ زیلعی وھذہ من صیغ التصحیح [5]ھ فشمل اذا لم یلق الابعد البلوغ لایقال فلیصل ثلثۃ ثلثۃ تتری یؤم کل اثنین امام فالجماعۃ یحرزون وعن الکراھۃ یحترزون لانا نقول لا اصل فی الشریعۃ الطاھرۃ لتفریق الجماعۃ الحاضرۃ ولم یرض اللہ بہ للمسلمین وھم فی نحرالعدو فما ظنك بسائر الاحوال ھذا	میں فرمایا اس کا ختنہ حجام کردے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) اس کی تائید صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کے اس عمل سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کا ختنہ بلوغت کے بعد کرتے تھے۔ درمختار میں ہے کہ ختنہ کا وقت مقرر نہیں، بعض نے سات سال، بعض نے دس سال، اور بعض نے کہاہے کہ آخری وقت بارھواں سال ہے۔شامی نے طحطاوی کے حوالے سے اضافہ کیاہے کہ بلوغ سے قبل ختنہ نہ کیاجائے کیونکہ اس کا مقصد طہارت ہے اور وہ بلوغ سے پہلے لازم نہیں ہوتی۔درمختار میں ہے اعتبار طاقت وقوت کا ہے، اور یہی مختار ہے۔شارح شامی نے فرمایا یعنی یہی عقل ودانش کے زیادہ قریب ہے زیلعی، اور یہ (اشبہ) تصحیح کے صیغوں میں سے ایک ہے اھ یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب بلوغ کے بعد ہی طاقت رکھتاہو، یہ بھی نہیں کہاجاسکتا کہ تین تین الگ ہوکر نماز اداکریں اور امام ہردو کی امامت کرائے تو جماعت حاصل کرلیں گے اور کراہت سے بچ جائیں گے کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ شریعت طاہرہ میں جماعت حاضرہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی الختان الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۵۷/۵

[2] ردالمحتار مسائل شتّٰی ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۴۹/۲

[3] درمختار مسائل شتّٰی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۳۰/۵

[4] درمختار مسائل شتّٰی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۵۰/۲

[5] ردالمحتار ، مسائل شتّٰی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۳۰/۵

ماظهر لی وعند ربی علم حقیقة کل حال۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں تفریق کی اجازت نہیں ہے حتی کہ دشمنوں کے سامنے بھی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے لئے ایسے عمل کو پسند نہیں کیا تو دیگر حالات میں یہ کیسے ہوسکتا ہے، یہ بات مجھ پر آشکار ہوئی ہے حقیقت حال کا علم میرے رب کریم کے پاس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲۴ تا ۹۲۷: از غازی پور محلہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷/ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین:

(۱) ایک مسجد میں دو تین جماعتوں کا یکے بعد دیگرے ہونا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

(۲) کراہت جماعت ثانیہ میں آپ کی کیا تحقیق ہے؟

(۳) ایک مسجد میں ایک ہی وقت دو تین آدمیوں کا فرداً فرداً فرض پڑھنا کیسا ہے؟

(۴) اور اگر فرداً فرداً چند شخص فرض پڑھیں تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد دو قسم ہے ایک مسجد عام جسے کسی خاص محلہ سے خصوصیت نہیں جیسے مسجد جامع یا بازار یا سرا یا اسٹیشن کی مسجد (۲) دوسری مسجد محلّہ کہ ایک محلّہ خاص سے اختصاص رکھتی ہو اس کی معمولی جماعت معین ہے اگرچہ کچھ راہگیر یا مسافر بھی متفرق اوقات میں شریک ہوجایا کریں، اور یکے بعد دیگرے چند جماعتیں کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ جماعت موجودہ کے دو یا چند حصے کردیں، جب ایک حصہ کرلے تو دوسرا کرے۔ دوسرے یہ کہ وہ حاضر ہوا پڑھ گیا دوسرا اس کے بعد آیا یہ اب جماعت کرتا ہے تعدد جماعت کی پہلی صورت بلاضرورت شرعیہ مطلقاً حرام ہے خواہ مسجد محلّہ ہو یا مسجد عام، ہاں بضرورت جائز ہے جیسے صلٰوۃ الخوف میں۔ رہا یہ کہ مسجد میں کوئی بدمذہب گمراہ یا فاسق معلن یا قرآن مجید کا غلط پڑھنے والا امامت کرتا ہے کچھ لوگ براہ جہل یا تعصب اس کے پیچھے پڑھتے ہیں دوسرے لوگ اس کے روکنے پر قادر نہیں یہ اس کی اقتدا سے باز رہتے ہیں اور اس کے فراغ کے بعد اپنی جماعت جدا کرتے ہیں جس کا امام سب بلاؤں سے پاک ہے یہ صورت مطلقاً جائز بلکہ شرعاً مطلوب ہے مسجد عام ہو خواہ مسجد محلّہ۔ اور تعدد جماعت کی صورت ثانیہ کہ یہ گروہ پہلی جماعت کے وقت حاضر نہ تھا یہ مسجد عام میں مطلقاً جائز ومطلوب ہے یہاں تک کہ کتابوں میں تصریح ہے کہ بازار وغیرہ کی عام مساجد میں افضل یہ ہے کہ جو گروہ آتا جائے نئی اذان نئی اقامت سے جماعت کرے سب جماعتیں جماعت اولٰی ہوں گی کما فی فتاوی الامام قاضی خاں وغیرہ (جیساکہ فتاوٰی امام قاضی خاں وغیرہ

میں ہے۔ت) اور مسجد محلّہ میں بھی اگر پہلی جماعت کسی غلط خواں یا بدمذہب یا مخالف مذہب نے کی یا بے اذان دیئے ہو گئی یا اذان آہستہ دی گئی دوسری جماعت مطلقاً جائز ومطلوب ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ اہل محلّہ موافق المذہب سنی صالح صحیح خواں امام کے پیچھے باعلان اذان کہہ کر پڑھ گئے اب باقی ماندہ آئے تو انہیں دوبارہ اذان کہہ کر جماعت کرنی مکروہ تحریمی ہے اور بے اذان دیئے محراب جماعت اولٰی میں امامت کرنی مکروہ تنزیہی، اور اگر محراب بدل دیں تو اصلاً کراہت نہیں۔ اس مسئلہ کی تفصیل تام فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کی۔

(۲) اس کا جواب اول میں آگیا۔

(۳) اگر ان میں کوئی شرعی حیثیت سے قابل امامت ہو اور دانستہ بلاوجہ شرعی ترک جماعت کریں تو گنہگار ہوں گے اگرچہ نماز ہو جائے گی۔ اور نادانستہ ہو یعنی ایک شخص فرض پڑھ رہا ہے دوسرا آیا اسے معلوم نہیں کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اس نے بھی فرض کی نیت الگ باندھ لی، اسی طرح تیسرا آیا اس نے بھی فرض کی نیت باندھ لی یا اُن میں کوئی قابل امامت نہیں تو حرج نہیں۔

(۴) نماز ہو جاتی ہے مگر ترک جماعت سے گناہ ہوتا ہے جبکہ کوئی عذر شرعی نہ ہو۔

مسئلہ ۹۲۸: ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے انتظار میں وقت میں تاخیر کرنا مقتدیوں کو درست ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

وقت کراہت تک انتظار امام میں ہرگز تاخیر نہ کریں، ہاں وقت مستحب تک انتظار باعث زیادت اجر وتحصیل افضیلت ہے، پھر اگر وقت طویل ہے اور آخر وقت مستحب تک تاخیر حاضرین پر شاق نہ ہوگی کہ سب اس پر راضی ہیں تو جہاں تک تاخیر ہو اتنا ہی ثواب ہے کہ سارا وقت ان کا نماز ہی میں لکھا جائے گا۔

وقد صح عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم انتظار النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی مضی نحو من شطر اللیل وقد اقرهم علیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، وقال انکم لن تزالو فی صلاة	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہاں تک انتظار کرنا ثابت ہے کہ رات کا کافی حصہ گزر جاتا اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو برقرار رکھا اور فرمایا: تم جب سے نماز کے انتظار میں ہو

ما انتظرتم الصلاۃ[1]۔	وہ تمام وقت تمہارا نماز میں گزرا۔(ت)

ورنہ اوسط درجہ تاخیر میں حرج نہیں جہاں تک حاضرین پر شاق نہ ہو،

فی الانقرویۃ عن التاتارخانیۃ عن المنتقی للامام الحاکم الشھید ان تاخیرالمؤذن و تطویل القرأۃ لادراک بعض الناس حرام، ھذا اذا کان لاھل الدنیا تطویلا وتاخیرا یشق علی الناس و الحاصل ان التاخیر القلیل لاعانۃ اھل الخیر غیرمکروہ ولاباس بان ینتظر الامام انتظارا اوسطا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	انقرویہ میں تاتارخانیہ سے امام حاکم شہید کی المنتقی کے حوالے سے ہے کہ بعض لوگوں کی خاطر مؤذن کا اذان کو مؤخر کرنا اور امام کا قرات کو لمبا کرنا حرام ہے، یہ تب ہے جب دنیاداروں کی خاطر ایسا کرے اور تطویل وتاخیر لوگوں پر شاق ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل خیر کی اعانت کی وجہ سے کچھ تاخیر کرنے میں کوئی کراہت نہیں لہذا امام کو اوسط درجہ کا انتظار کرلینے میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

مسئلہ ۹۲۹: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الاخری ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی پیر یا مولوی عربی خواں مسجد کے قریب رہتا ہو اور اس مسجد کا منتظم ہو جماعت میں شریک نہ ہو اور اذان وقت بے وقت ہو اور کبھی نہ ہو لوگ بلااذان نماز پڑھ جائیں ایسا شخص گنہگار ہے یا نہیں؟

الجواب:

ترک جماعت اور ترک حاضری مسجد کا عادی فاسق ہے اور فاسق قابل اتباع نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۰: از شہر جوناگڈھ محلّہ کیتانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو مستحب کہے اس کو علمائے دین کیا کہیں گے، یہاں پر ایک مدرسہ ہے اس میں تھوڑے عرصہ سے شور و غوغا مچا ہے اور آپ علمائے دین کی منصفی پر سب کا اتفاق ہے

[1] صحیح البخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۰، ۸۴، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۲۶۷

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلوۃ مطبوعہ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۵

برائے خدا ہم جاہلوں کو راہ راست بتائیں۔

الجواب:

جماعت کو مستحب سمجھنے کے اگر یہ معنی ہیں کہ اسے واجب یاسنت مؤکدہ نہیں جانتا صرف ایک مستحب بات مانتا ہے تو سخت مبطل شدید خاطی ہے اور احادیث صحیحہ اور تمام کتب فقہ کے ارشاد کا مخالف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۱: از ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داد صاحب ۲/جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

ایک ہی مسجد میں جماعت ثانی بلاوجہ ہوسکتی ہے یا نہیں، مثلاً سہو سے جماعت اول کو نہ پہنچ سکے اور بعد میں جماعت ثانی کرلے خواہ گاؤں ہو یا شہر، شارع عام ہو یا کوچہ، قائم امام ہو یا نہ ہو۔

الجواب:

جو مسجد شارع یا بازار یا سریا اسٹیشن کی ہو کہ کسی محلّہ یاامام سے مخصوص نہیں اس میں سب جماعتیں جماعت اولٰی ہیں جو گروہ آئے نئی اذان واقامت سے محراب میں جماعت کرے اور جو مسجد محلّہ ہے جس کے لئے امام وجماعت معین ہے اس میں جب امام پہلی جماعت باعلان اذان مطابق سنت ادا کرچکا تو بعد کو جو آئیں انہیں اعادہ اذان ناجائز ہے اور محراب میں امامت مکروہ، اور بلااعادہ اذان، محراب سے ہٹ کر بے کراہت جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۲: از شہر کہنہ محلّہ مروہی ٹولہ مسؤلہ بشیر الدین صاحب ۱۹/رمضان شریف ۱۳۳۶ھ

ایک مصلی پر دو شخص علیحدہ نماز فرض ادا کریں تو ایسی حالت میں فرض ادا ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر اُن میں کوئی امامت کے قابل ہے اور قصداً ترک جماعت کیا اور یہ مسجد محلّہ نہ تھی یا تھی اور یہ جماعت جماعت اولٰی ہوتی تو جس کی طرف سے یہ ترک ہے وہ گناہگار ہوا ایک خواہ دونوں، اور اگر یہ مسجد محلّہ تھی اور یہ جماعت جماعت اولٰی نہ ہوتی تو براکیا، رافضیوں سے مشابہت تو قدیم سے تھی اب دیوبندیوں گنگوہیوں سے بھی ہوئی، اور اگر ان میں کوئی قابل امامت نہ تھا توحرج نہیں بہرحال فرض ادا ہر صورت میں ہوجائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۳۳: از نمبر ۱۰۱ تلی تال کوہ نینی تال مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب تاجر طلسمی پریس ۲۵/شوال ۱۳۳۶ھ

جماعت صرف عورتوں کی جن کا محض امام مرد ہو درست ہے یا نہیں؟ اور امام کے سہو کو وہ لڑکی یا عورت بتاسکتی ہے یا نہیں جس سے پردہ نہیں ہوتا؟

الجواب:

اگر یہ جماعت مسجد میں ہو مطلقًا مکروہ ہے کہ عورات کو حاضری مسجد منع ہے اور اگر مکان ہو اور مرد کو حاضری مسجد سے کوئی عذر صحیح شرعی مانع نہیں تو مطلقًا مکروہ ہے کہ مرد پر حاضری مسجد واجب ہے اور اگر اسے عذر ہے اور جماعت میں جتنی عورتیں اس کی محرم یا زوجہ یا غیر مشتہاۃ لڑکیوں کے سوانہیں تو مطلقًا بلا کراہت جائز ہے اور نامحرم مشتہاۃ ہیں تو مکروہ بہرحال، اگر امام کو سہو ہو تو عورت تصفیق سے اسے متنبہ کرے یعنی سیدھی ہتھیلی بائیں پشت دست پر مارے آواز سے تسبیح وغیرہ نہ کہے کہ مکروہ ہے۔ درمختار:

المرأة تصفق لاببطن علی بطن ولو صفق اوسبحت لم تفسد وقدترکا السنة تاتارخانیة [1]۔	عورت تصفیق سے متنبہ کرے مگر باطن ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کے باطن پر نہ مارے، اگر مرد نے تصفیق کی عورت نے تسبیح کہی تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ دونوں نے سنت کو ترک کردیا، تاتارخانیہ۔(ت)

اقول: ہاں اگر امام نے قرأت میں وہ غلطی کی جس سے نماز فاسد ہو تو عورت مجبورانہ آواز ہی سے بتائے گی جبکہ وہ تصفیق پر امام کو یاد نہ آجائے وذلک لان الضرورات تبیح المخطورات (اور وہ اس لئے کہ ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۴: یکم جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک سمجھ وال لڑکا آٹھ نو برس کا جو نماز خوب جانتا ہے اگر تنہا ہو تو آیا اسے یہ حکم ہے کہ صف سے دور کھڑا ہو یا صف میں بھی کھڑا ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اسے صف سے دور یعنی بیچ میں فاصلہ چھوڑ کر کھڑا کرنا تو منع ہے

فان صلاة الصبی الممیز الذی یعقل الصلاة صحیحة قطعا وقدامر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بسدالفرج	کیونکہ ممیز بچے (جو نماز کو جانتا ہو) کی نماز قطعًا صحیح ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوف میں خلا نہ چھوڑنے اور متصل رکھنے کا

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

والتراض فی الصفوف ونھی عن خلافہ بنھی شدید۔	حکم دیا ہے اور اس کے خلاف پر نہی شدید فرمائی ہے۔(ت)

اور یہ بھی کوئی ضروری امر نہیں کہ وہ صف کے بائیں ہی ہاتھ کو کھڑا ہو، علماء اسے صف میں آنے اور مردوں کے درمیان کھڑے ہونے کی صاف اجازت دیتے ہیں، درمختار میں ہے:

یصف الرجال ثم الصبیان ظاھرہ تعددھم فلو واحد ادخل الصف [1]۔	مرد صف بنائیں پھر بچے، اس کا ظاہر واضح کر رہا ہے یہ اس وقت ہے جب بچے متعدد ہوں، اگر اکیلا ہو تو اسے صف کے اندر کھڑا کرلیا جائے(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

ان لم یکن جمع من الصبیان یقوم الصبی بین الرجال [2]۔	اگر بچے زیادہ نہیں تو ایک بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرلیا جائے۔(ت)

بعض بے علم جو یہ ظلم کرتے ہیں کہ لڑکا پہلے سے داخل نماز ہے اب یہ آئے تو اسے نیت بندھا ہوا ہٹا کر کنارے کردیتے اور خود بیچ میں کھڑے ہوجاتے ہیں یہ محض جہالت ہے، اسی طرح یہ خیال کہ لڑکا برابر کھڑا ہو تو مرد کی نماز نہ ہوگی غلط وخطا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ فتح القدیر میں ہے:

اما محاذاۃ الامرد فصرح الکل بعدم افسادہ الامن شذ ولامتمسك لہ فی الروایۃ ولافی الدرایۃ [3]۔ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	امرد کا محاذی ہونا فسادِ نماز کا سبب نہیں، اس مسئلہ پر تمام فقہانے تصریح کی ہے البتہ شاذ و نادر طور پر کچھ لوگوں نے اس کی مخالفت کی ہے ان کے لئے نہ روایۃً کوئی دلیل ہے نہ درایۃً ملخصًا(ت)

مسئلہ ۹۳۵ : از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب　　۲۶ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آپ نے پہلے میرے سوال کے جواب میں تحریر فرمایا

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۶۸

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

تھا کہ امام کے برابر تین مقتدی ہو جائیں گے تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ایک حافظ صاحب کہ آدمی ذی علم ہیں وہ کہتے ہیں کہ جناب مولوی صاحب نے جو حوالہ دیا ہے وہ درمختار کے متن سے نہیں بلکہ شرح سے ہے اور چاہتے ہیں کہ اصول سے جواب تحریر فرمادیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ مطالبہ سخت عجیب ہے درمختار تو شرح ہی کا نام ہے، کیا شروح معتبر نہیں ہوتیں یا ان میں درمختار نامعتبر ہے یا متن میں شرح کے خلاف لکھا ہے اور جب کچھ نہیں تو ایسا مطالبہ اہل علم کی شان سے بعید، درمختار بحرِ علم کی وہ درِ مختار ہے کہ جب سے تصنیف ہوئی مشارق ومغارب ارض میں فتوائے مذہب حنفی کا گویا مدار اس کی تحقیقات عالیہ وتدقیقات غالیہ پر ہوگیا، اللہ عزوجل رحمت فرمائے علامہ سید ابن عابدین شامی پر کہ فرماتے ہیں:

ان کتاب الدرالمختار، شرح تنویر الابصار، قدطار فی الاقطار وسار فی الامصار وفاق فی الاشتھار علی الشمس فی رابعة النھار، حتی اکب الناس علیه وصار مفزعھم الیه وھوالحری بان یطلب ویکون الیه المذھب، فانه الطراز المذھب فی المذھب، فلقد حوی من الفروع المنقحة والمسائل المصححة، مالم یحوہ غیرمن کبارالاسفار ولم تنسج علی منوالہ یدالافکار[1]۔	خلاصہ یہ کہ درمختار نے تمام عالم میں آفتاب چاشت کی طرح شہرت پائی، مخلوق ہمہ تن اس سے گرویدہ ہوکر اپنے مہمات میں اس کی طرف التجا لائی، یہ کتاب اسی لائق ہے کہ اسے مطلوب بنائیں اور اس کی طرف رجوع لائیں کہ یہ دامن مذہب کی زرنگار گوٹ ہے، وہ تصحیح وتنقیح کے مسائل جمع ہیں کہ بڑی بڑی کتابوں میں مجتمع نہیں، آج تک اس انداز کی کتاب تصنیف نہ ہوئی۔

سبحان اللہ کیا ایسی کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ارشاد بلاوجہ محض قبول نہ کریں، خیر [2]فتح القدیر تو معتبر ہوگی جس کے مصنف امام ہمام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ وہ امام اجل ہیں کہ ان کے معاصرین تک ان کے لئے منصب اجتہاد ثابت کرتے تھے کماذکرہ فی ردالمحتار (جیسا کہ

[1] ردالمحتار شروع الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲

ردالمحتار میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ت) ۳ تبیین الحقائق تو مقبول ہوگی جس کے مصنف امام اجل فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی شارح کنز ہیں جن کی جلالت شان آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے۔ یہ امام محقق علی الاطلاق سے مقدم اور ان کے مستند ہیں، کافی، ۴ امام نسفی تو معتمد ہوگی جس کے مصنف امام برکۃ الانام حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات عبداللہ بن محمود نسفی صاحب کنزالدقائق ہیں۔ سب جانے دو ۵ ہدایہ بھی ایسی چیز ہے جس کے اعتماد واستناد میں کلام ہوسکے یہ سب اکابر آئمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جماعت رجال میں امام کا قوم کے برابر ہونا حرام ومکروہ تحریمی ہے، ہدایہ میں ہے: **محرم قیام الامام وسط الصف**[1] (امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا حرام ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

صریح فی ان ترك التقدم لامام الرجال محرم وکذا صرح الشارح وسماہ فی الکافی مکروھا وھو الحق ای کراھة تحریم لان مقتضی المواظبة علی التقدم منه علیه الصلاة والسلام بلا ترک، الوجوب فلعدمه کراھة التحریم فاسم المحرم مجاز[2]۔	یہ عبارت اس میں صریح ہے کہ مردوں کے امام کا تقدیم کو ترک کرنا حرام ہے، اور شارح نے بھی اسی کی تصریح کی ہے، اور کافی میں اسے مکروہ کہا، اور حق بھی یہی ہے یعنی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بلاترک اس پر مواظبت فرمانا وجوب کی دلیل ہے لہٰذا اس کا خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہوا پس اس پر حرام کا اطلاق مجازًا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

محرم وھوقیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ کذا فی الھدایة ھویدل علی انھا کراھة تحریم لان التقدم واجب علی الامام للمواظبة من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وترك الواجب موجب الکراھة التحریم المقتضیة للاثم[3]۔	امام کا وسط صف میں قیام حرام ہے۔ ایسا عمل ننگوں کی طرح مکروہ ہوگا، ہدایہ میں اسی طرح ہے، یہ اس پر دال ہے کہ یہ عمل مکروہ تحریمی ہے کہ امام کا مقدم ہونا واجب ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ دائمی عمل ہے اور ترک واجب اس کراہت تحریمی کا موجب ہے جو گناہ کی مقتضی ہے۔(ت)

---

[1] الہدایۃ باب الامامۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۰۳

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۶

[3] بحرالرائق باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

۷ درر الحکام علامہ مولٰی خسرو میں ہے: **محظور قیام الامام وسط الصف**[1] ھ ملخصاً (امام کا صف میں کھڑا ہونا ممنوع ہے۔ت) ۸ ذخیرۃ العقبٰی میں ہے: **اما کراھتھا فلعدم خلوھا عن المحرم**[2] (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرمت سے خالی نہیں۔ت) مجمع ۹ الانہر میں ہے: **قیام الامام وسط الصف مکروہ کراھۃ تحریم**[3] ھ ملخصاً (امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا مکروہ تحریمی ہے اھ تلخیصًا۔ت) مستخلص ۱۰ میں ہے: **محرم وھو وقوف الامام وسط الصف**[4] (امام کا وسط صف میں کھڑا ہونا حرام ہے۔ت) فتح المعین" علامہ سید ابی السعود ازہری میں زیر قول شارح **والاثنان خلفہ وان کثر القوم کرہ قیام الامام وسطھم** (اور دو امام کے پیچھے کھڑے ہوں، اگر لوگ دو سے زیادہ ہوں تو امام کا ان کے درمیان کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ت) **ای تحریما لترك الواجب**[5] (یعنی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ ترک واجب لازم آرہا ہے۔ت) ۱۲ ردالمحتار میں ہے: **تقدیم الامام امام الصف واجب**[6] (امام کا صف کے آگے کھڑا ہونا واجب ہے۔ت) بااینہمہ اگر دلیل درکار ہو تو فتح القدیر وبحر الرائق کا ارشاد پیش نظر کہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ ہمیشہ صف پر تقدم فرمایا اور ایسی مداومت کہ کبھی ترک نہ فرمائیں دلیل وجوب ہے

اقول: وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلوا کما رأیتمونی اصلی[7] رواہ البخاری عن مالك بن الحویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز ادا کرتے دیکھتے ہو۔ اس کو امام بخاری نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] درر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الامامۃ مطبوعہ مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/۸۶
[2] ذخیرۃ العقبٰی فصل فی الجماعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۸۵
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۲۵
[4] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ مطبوعہ کانشی رام پرنٹنگ ورکس لاہور ۱/۲۰۳
[5] فتح المعین، باب الامامۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۹
[6] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۰
[7] صحیح البخاری باب الاذان للمسافر الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۸

یہاں امر ہے اور امر کامفاد وجوب توجب تک دلیل خصوص مثلاً ترک احیاناً یا اقرار علی الترک ثابت نہ ہو اس عموم میں داخل اور وجوب حاصل اور ترک واجب مکروہ تحریمی اور مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ اور صغیرہ بعد اعتیاد کبیرہ اور کبیرہ کامرتکب فاسق اور مردود الشہادۃ اور گناہ توایک ہی بار میں ثابت، نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳۶تا ۹۳۷: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۳جمادی الاخری ۱۳۱۸ھ

سوال اول: زید کی امامت سے جماعت ثانیہ مسجد، بازار یاسرائے میں ہورہی ہے اسی مسجد میں بکر بھی آیا اس کو معلوم ہوگیا کہ یہ جماعت ثانیہ ہے اس نے علیحدہ وتنہا جماعت کے قریب یا کسی قدر فاصلے سے اپنی نمازادا کی تو نماز بکر کی ادا ہو گئی یا نہیں؟

سوال دوم: ایک عالم صاحب فرماتے ہیں کہ جماعت ثانیہ کیا بلکہ جماعت اولٰی بھی ہوتی ہو تو اس وقت کوئی دوسرا شخص اس مسجد میں آئے اور تنہا اپنی نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی جماعت کا پچیس ۲۵ گنا ثواب نہ ملے گا، نماز ہو جانے کا سبب یہ بتایا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے نہ فرض ہے نہ واجب، اس بارے میں کیاارشاد ہے؟

الجواب:

جواب سوال اول: نماز بایں معنی تو ہو گئی کہ فرض سر سے اتر گیا مگر سخت کراہت ولزوم معصیت کے ساتھ کہ بے عذر شرعی ترک جماعت گناہ وشناعت ہے نہ کہ خود بحال قیام جماعت صریح خلاف واضاعت، یہاں تک کہ اگر کسی نے تنہافرض شروع کردیئے ہنوز جماعت قائم نہ تھی اس کے بعد قائم ہوئی اور اس نے بھی پہلی رکعت کا سجدہ نہ کیا تو اسے شرع مطہر مطلقاً حکم فرماتی ہے کہ نیت توڑدے اور جماعت میں شامل ہو جائے بلکہ مغرب وفجر میں توجب تک دوسری رکعت کاسجدہ نہ کیا ہو حکم ہے کہ نیت توڑ کر مل جائے اور باقی تین نمازوں میں دو بھی پڑھ چکا ہو تو انہیں نفل ٹھہرا کر جب تک تیسری کا سجدہ نہ کیا ہو شریک ہو جائے۔

فی التنویر شرع فیھا اداء منفردا ثم اقیمت یقطعھا قائما بتسلیمۃ واحدۃ ویقتدی بالامام ان لم یقید الرکعۃ الاولٰی بسجدۃ	تنویر الابصار میں ہے کسی نے تنہا نماز ادا کرنا شروع کی پھر اسی فرض کی جماعت کھڑی ہو گئی تو وہ سلام واحد کے ساتھ کھڑے کھڑے نماز ختم کردے اور امام کی اقتدا کرے بشرطیکہ اس نے پہلی رکعت کا

اوقیدھا فی غیر رباعیة اوفیھا وضم الیھا اخری وان صلی ثلثا منھا اتم ثم اقتدی متنفلا ویدرك فضیلة الجماعة الافی العصر[1]۔	سجدہ نہ کیاہو یاپہلی رکعت کا سجدہ کرلیا ہے مگرنماز غیر رباعی ہو(یعنی فجرومغرب کی نماز میں) یانماز رباعی ہومگراس کے ساتھ ایک اور رکعت ملاچکا ہے (ان صورتوں میں نماز توڑ کرامام کی اقتداکرے) اگرتین رکعت اداکرچکا ہے تونماز پوری کرے اس کے بعد بنیت نوافل امام کی اقتداکرے تواسے ثواب جماعت حاصل ہوجائے گا البتہ نمازعصر میں ایسا نہیں کرسکتا(کیونکہ بعدازعصر نفل پڑھنامکروہ تحریمی ہے۔ت)

جب پیش ازجماعت تنہاشروع کرنے والے کویہ حکم ہے حالانکہ اس نے ہرگز مخالفت جماعت نہ کی تھی اورنیت توڑنا بے ضرورت شرعیہ سخت حرام ہے قال اللہ تعالٰی لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ۝۳۳ [2] اپنے عمل باطل نہ کرو، مگرشرع مطہرنے جماعت حاصل کرنے کے لئے نیت توڑنے کو ابطال عمل نہ سمجھا اکمال عمل تصورفرمایا تویہاں کہ جماعت قائمہ کے خلاف اپنی الگ پڑھتاہے کیونکر شرع مطہرکو گواراہوسکتاہے بلکہ جوشخص مسجد میں نماز تنہاپوری پڑھ چکاہواب جماعت قائم ہوئی ہے اگرظہر یاعشاہے توشرعًا اس پرواجب ہے کہ جماعت میں شریک ہوکہ مخالفت جماعت کی تہمت سے بچے اور باقی تین نمازوں میں حکم ہے کہ مسجد سے باہرنکل جائے تاکہ مخالفت جماعت کی صورت نہ لازم آئے،

فی الدرالمختار من صلی الظھر والعشاء وحدہ مرة فلایکرہ خروجه بل ترکه للجماعة الاعند الشروع فی الاقامة فیکرہ لمخالفته الجماعة بلاعذر بل یقتدی متنفلا ومن صلی الفجر والعصر والمغرب مرة فیخرج مطلقا وان اقیمت، وفی النھر ینبغی ان یجب خروجه لان کراھة	نہرمیں ہے مناسب یہ ہے کہ جماعت ہونے کے وقت اس کانکل جاناواجب ہے کیونکہ بغیرنماز کے وہاں مسجد میں رکے رہنازیادہ مکروہ ہےاھ مختصرًا اگرچہ درمختار میں ہے جس نے ظہروعشاء کی نماز تنہاایک مرتبہ اداکرلی اس کے لئے مسجد سے نکلنامکروہ نہیں بلکہ جماعت کاترک مکروہ ہوامگراس صورت میں جب اقامت شروع ہوگئی تومکروہ ہے بلاعذرنکلنا بسبب اس کی مخالفت جماعت کے، بلکہ وہ مسجد میں ٹھہرے اوربنیت نوافل امام کی اقتداء کرے، اور جس نے فجر، عصراور مغرب کی نماز اداکرلی تووہ ہرحال میں مسجد سے نکل سکتاہے اگرچہ

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] القرآن ۳۳/۴۷

مکثه بلاصلاة اشد[1]ھ مختصرا فی ردالمحتار تحت قوله الاعند الشروع فی الاقامة لان فی خروجه تهمة قال الشیخ اسمٰعیل وھو المذکور فی کثیر من الفتاوٰی والتهمة هنانشأت من صلاته منفردا فاذا خرج یؤیدهاا ھ[2] وفیه عن المحیط مخالفة الجماعة وزرعظیم[3]۔	تکبیر شروع ہوجائے۔ ردالمحتار میں "الاعند الشروع فی الاقامة"کے تحت ہے کہ اس کے نکلنے میں تہمت ہے۔ شیخ اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ بہت سے فتاوٰی میں یہی مذکور ہے اور یہ تہمت کاسبب اس کا تنہا نمازادا کرنا ہے اور جب وہ نکل کھڑا ہواتواس سے تائید ہوجائے گی الخ اسی میں محیط کے حوالے سے ہے کہ مخالفت جماعت میں بہت بڑاگناہ ہے۔(ت)

جب جماعت سے پہلے تنہا پڑھنے والا جماعت میں شریک نہ ہو تو متہم اور مخالف جماعت اور وزر عظیم میں مبتلا پاتا ہے تو جو باوصف قیام جماعت قصداً مخالفت کرکے اپنی الگ شروع کردے کیونکر سخت متہم وصریح مخالف وگرفتار گناہ شدید نہ ٹھہرے گا بلکہ علمافرماتے ہیں کہ قیام جماعت کی حالت میں اگرکچھ لوگ آکر دوسری جماعت جدا قائم کردیں مبتلائے کراہت ہوں گے کہ تفریق جماعت کی حالانکہ یہ نفس جماعت کے تارک نہ ہوئے نہ ان پر اصل جماعت سے مخالفت کی تہمت آسکتی ہے تواکیلا اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ بنانے والا کس قدر شدید مخالف ہوگا،

فی الخلاصة ثم الهندیة قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الخارج فامهم وقام امام من اهل الداخل فامهم	خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ مسجد سے باہر بیٹھے تھے کہ مؤذن نے اقامت کہی تو باہر والوں میں سے ایک شخص نے امامت کرائی اسی طرح اہل داخل میں سے ایک شخص نے امامت کرائی ان دونوں میں سے جو پہلے

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۵۲۸/۱

[3] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۵۲۹/۱

من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھة فی حقھم[1]	شروع ہوا وہ امام ہے اور اس کی اقتدا کرنے والے درست ہیں اور ان میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

اور اس جماعت کا جماعت ثانیہ ہونا ان شناعتوں سے نہیں بچ سکتا اگرچہ جماعت ثانیہ کی مخالفت کا تہمت سے مطلقاً بری ہونا مان بھی لیا جائے کہ جب مسجد مسجد محلّہ نہیں بازار یا سرائی مسجد ہے تو اس کی ہر جماعت جماعت اولیٰ ہے کماحققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) ہاں اگر یہ امام قرآن عظیم ایسا غلط پڑھتا ہے جو مفسد نماز ہو یا اس کی بدمذہبی تاحد فساد ہے یا نقص طہارت وغیرہ کوئی اور وجہ فساد کی ہے تو الزام نہیں کہ ان صورتوں میں وہ جماعت خود جماعت ہی نہیں بلکہ اب اس میں شرکت ممتنع ہوگی لبطلان الصلاۃ خلفہ (کیونکہ اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جواب سوال دوم: اس کا جواب سوال اول سے واضح ہے۔ ہو جانا بمعنی سقوط فرض مسلم مگر اس قائل کے فحوائے کلام سے ظاہر ہے کہ صرف اس قدر اس کی مراد نہیں بلکہ اس میں فقط کمی ثواب مانتا اور لحوق اثم سے پاک جانتا ہے ولہٰذا تعلیل میں نہ واجب کا لفظ بڑھایا اور نہ سقوط فرض، تو بحال ترک جمیع واجبات بھی حاصل ہے اب یہ قول محض غلط ہے، اوّلاً مذہب معتمد میں جماعت واجب ہے اور اسے سنت مؤکدہ کہنا بوجہ ثبوت بالسنۃ ہے اور نہ بھی سہی تاہم اس کے قصدی ترک میں لحوق گناہ سے مفر نہیں،

فی الدر المختار الجماعة سنة موکدة للرجال قال الزاھدی ارادوا بالتاکید الوجوب الخ وفیہ وقیل واجبة و علیہ العامة ای عامة مشائخنا و بہ جزم فی التحفة وغیرھا قال فی البحر وھوالراجح عنداھل المذہب[2] ھ وفی البحر من باب صفة الصلٰوۃ الذی یظھر من کلام اھل المذھب ان	درمختار میں ہے مردوں کے لئے جماعت سنت مؤکدہ ہے۔ زاہدی نے کہا یہاں تاکید سے وجوب مراد لیا گیا ہے الخ اسی میں ہے وجوب کا قول بھی کیا گیا ہے اور ہمارے عام مشائخ اسی پر ہیں، تحفہ وغیرہ میں اسی پر جزم ہے، بحر میں فرمایا، اہل مذہب کے ہاں یہی راجح ہے اھ اور بحر میں باب صفت صلٰوۃ میں ہے کہ اہل مذہب کے کلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یوں ہے کہ صحیح

[1] خلاصۃ الفتاوی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵، خلاصہ ہندیہ الفصل الثانی فی بیان من ہو احق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

[2] درمختار باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

الاثم منوط بترك الواجب اوالسنة المؤكدة على الصحيح لتصريحهم بان من ترك سنن الصلٰوۃ الخمس قيل لايأثم والصحيح انه يأثم ذكره فى فتح القدير وتصريحهم بالاثم لمن ترك الجماعة مع انها سنه موكدة على الصحيح وكذا فى نظائر لمن تتبع كلاهم ولاشك ان الاثم مقول بالتشكيك بعضه اشد من بعض فالاثم لتارك السنة لمؤكدة اخف من الاثم لتارك الواجب[1] ھ وفى ردالمحتار عن النهر عن الكشف الكبير عن اصول ابى اليسر حكم السنة ان يندب الى تحصيلها ويلام على تركها مع لحوق اثم يسيرا[2] ھ	قول کے مطابق گناہ کامدار ترک واجب یاترک سنت موکدہ پر ہے کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ جس نے صلوات خمسہ کی سنن کوترک کیااس کے بارے میں ایک قول ہے کہ وہ گنہگار نہیں ہوگا، اور صحیح یہ ہے کہ وہ گنہگار ہوگا۔ فتح القدیر میں اس کوذکر کیاہےاور یہ بھی ان کی تصریح ہے کہ جس نے جماعت ترک کی وہ گنہگار ہوگا حالانکہ صحیح یہی ہے کہ جماعت سنت موکدہ ہے اسی طرح اس کی دیگر نظائر کاحکم ہے ان کے کلام سے تلاش کرنے والے کو یہی ملے گا، بلاشبہ گناہ کے بارے میں تشکیکی قول ہے، بعض کاقول بعض سے سخت ہے توتارک سنت مؤکدہ کاگناہ تارک واجب سے اخف اور کم ہوگااھ

اور ردالمحتار میں نہر سے الکشف الکبیر کے حوالے سے ہے، اصول ابوالیسر سے ہے کہ سنت کاحکم یہ ہے کہ اس کو حاصل کرنا مندوب ومستحب ہے اور اس کے ترک پر تھوڑے سے گناہ کے ساتھ ملامت ہوگی اھ (ت) سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لقدرأيتنا ومايتخلف عنها الامنافق معلوم النفاق۔	یعنی ہم نے اپنے آپ کوعہد رسالت میں دیکھاکہ جماعت سے پیچھے نہ ہٹتا تھامگر کھلا منافق۔

لوتركتم سنّة نبيكم لضللتم رواه مسلم (اگرتم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ترک کروگے گمراہ ہوجاؤگے (اسے مسلم نے روایت کیا۔ت) اور ایک روایت میں ہے: لكفرتم تم کافرہوجاؤگے رواه ابوداؤد (اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ت) یعنی کفران یایہ کہ معاصی برید کفرہیں۔ والعياذبالله تعالٰى سبحٰنه وتعالٰى اعلم

[1] بحرالرائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۰۲

[2] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۷

مسئلہ ۹۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز میں امام کے واسطے مصلّٰی مخصوص کرنا اور مقتدی بغیر مصلے کے قصداً کھڑے کئے جاتے ہیں بایں نیت کہ امام بہ نسبت مقتدیوں کے ممتاز ہونا چاہئے مکروہ ہے یا غیر مکروہ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اتفاقاً ایسا ہوجائے تو مضائقہ نہیں یا امام نے خود نہ چاہا نہ کسی مقتدی نے نہ اس لئے کہ امام و مقتدی میں امتیاز چاہئے بلکہ امام کو کسی فضل دینی کی تعظیم کے لئے، مثلاً وہ عالم دین ہے اس کے نیچے مصلّٰی بچھادیا تو بھی حرج نہیں اور خاص اس نیت سے بالقصد مقتدیوں کو بے مصلی کھڑا کرنا کہ نماز میں امام و مقتدیان کا یوں امتیاز ہونا چاہئے محض بے اصل وخلاف سنت اور دین میں نئی بات نکالنا ہے۔ **واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی**

مسئلہ ۹۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی رمضان میں اور مسجد میں کلام شریف سننے جائے تو اپنی مسجد میں عشاء کی جماعت اس کے جانے سے بالکل جاتی ہے کیا ایسا شخص مقیم جماعت نہ ہوگا گو امام مقرر مسجد نہیں مگر قرآن شریف مایجوزبہ الصلوٰۃ پر قادر ہے، درصورت اس کے موجود ہونے کے جماعت ہوسکتی ہے؟ چنانچہ جمعہ مسجد میں یہی شخص پڑھاتا ہے اس کو غیر مسجد میں جانا اپنی مسجد کو ایک وقت معطل چھوڑنا بغرض استماع قرآن جائز ہے یا مکروہ یا کراہت ہے؟ لیکن استماع قرآن تراویح میں صرف تراویح سے ثواب اتنا زیادہ ہے کہ کراہت **کان لم تکن** (یعنی کراہت اصلاً نہ رہے۔ت) ہوجائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسا شخص بلاشبہ مقیم جماعت ہے اسے چاہئے کہ نماز فرض اپنی مسجد میں پڑھا کر تراویح کے لئے دوسری مسجد میں چلا جائے کہ جب اپنی مسجد میں قرآن عظیم نہ ہوتا ہو تو دوسری مسجد میں اس غرض سے جانا کوئی باک نہیں رکھتا بلکہ مطلوب و مندوب ہے، ہاں تعطیل جماعت فرض جائز نہیں، ولہذا فرض یہاں پڑھا کر دوسری جگہ جائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۴۰: ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی جواب ھذا السؤال (اے علما! اللہ تم پر رحم فرمائے اس سوال کا کیا جواب ہے؟ت) جماعت تراویح میں بعض لوگ صف اول و دوم میں متفرق طور پر اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ چار آدمی کھڑے ہوکر پھر چار بیٹھ کر بعد ہی اس کے دو کھڑے ہوئے ازاں بعد پھر تین بیٹھے ہوئے پڑھتے اور قرآن سنتے ہیں اگرچہ یہ بیٹھنے والے سب ضعیف و معذور نہیں ہیں بلکہ بیشتر نوجوان ہیں جن کو بخیال تطویل قرأت امام برابر کھڑا رہنا بوجہ اپنی کاہلی و تکاسل کے ناگوار ہے آیا بیٹھ کر نماز پڑھنا ان کا اندر صفوف بلاکراہت جائز ہے؟ کیا تسویہ صفوف کا حکم اس سے قطعاً غیر متعلق ہے؟ کیا

جماعت فرض وتراویح میں اس کی بابت کوئی حکم تخصیصی ہے؟ ایک فریق کہتاہے کہ بیٹھ کرپڑھنے والے آخر صف میں نماز پڑھیں دوسرافریق مجوز ہے کہ ایسی جماعت بلاکراہت صحیح ودرست ہے چاہے کسی صف میں کوئی شخص بیٹھ کرپڑھتاہو یا کھڑا ہوکراس میں کوئی محظور شرعی نہیں ہے ایسی حالت میں کون حق پر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دربارہ صفوف شرعًا تین باتیں بتاکید اکید مامور بہ ہیں اور تینوں آج کل معاذاللہ کالمتروک ہورہی ہیں، یہی باعث ہے کہ مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔

اول تسویہ کہ صف برابر ہو خم نہ ہو کج نہ ہو مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں سب کی گردنیں شانے ٹخنے آپس میں محاذی ایک خط مستقیم پرواقع ہوں جو اس خط پر کہ ہمارے سینوں سے نکل کر قبلہ معظّمہ پر گزراہے عمود ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عباد اللّٰہ لتسون صفوفکم اولیخالفن اللّٰہ بین وجوھکم [1]۔	اللہ کے بندو! ضرور یا تم اپنی صفیں سیدھی کروگے یااللہ تمہارے آپس میں اختلاف ڈال دے گا۔

حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صف میں ایک شخص کا سینہ اوروں سے آگے نکلا ہوا ملاحظہ کیا، اس پر یہ ارشاد فرمایا۔ **رواہ مسلم عن النعمٰن بن بشیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما** (اس کو مسلم نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاہے۔ت) دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

راصّوا صفوفکم وقاربوا بینھا وحاذوا بالاعناق فوالذی نفس محمد بیدہ انی لاری الشیاطین تدخل من خلل الصف کانھا الخذف [2]۔ **رواہ النسائی عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔**	اپنی صفیں خوب گھنی اور پاس پاس کرو اور گردنیں ایک سیدھ میں رکھو کہ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں شیاطین کو دیکھتاہوں کہ رخنہ صف سے داخل ہوتے ہیں جیسے بھیڑ کے بچے۔ اس کو نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

[1] صحیح مسلم، باب تسویۃ الصفوف الخ، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲

[2] سنن النسائی حث الامام علی رص الصفوف الخ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۳

تیسری حدیث صحیح میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا الصفوف فانما تصفون بصف الملئکة وحاذوا بین المناکب [1]۔ رواہ احمد وابوداود والطبرانی فی الکبیر و ابن خزیمة والحاکم وصححاہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صفیں سیدھی کرو کہ تمہیں توملائکہ کی سی صف بندی چاہئے اور شانے ایک دوسرے کے مقابل رکھو۔ اس کو امام احمد، ابوداؤد، طبرانی نے المعجم الکبیر میں، ابن خزیمہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے اسے صحیح قرار دیا۔

دوم: اتمام کہ جب تک ایک صف پوری نہ ہو دوسری نہ کریں اس کاشرع مطہرہ کو وہ اہتمام ہے کہ اگر کوئی صف ناقص چھوڑے مثلاً ایک آدمی کی جگہ اس میں کہیں باقی تھی اسے بغیر پورا کئے پیچھے اور صفیں باندھ لیں، بعد کو ایک شخص آیا اس نے اگلی صف میں نقصان پایا تواسے حکم ہے کہ ان صفوں کو چیرتا ہوا جاکر وہاں کھڑا ہو اور اس نقصان کو پورا کرے کہ انہوں نے مخالفت حکم شرع کرکے خود اپنی حرمت ساقط کی جو اس طرح صف پوری کرے گا اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الاتصفون کما تصف الملئکة عن ربہا [2]۔	ایسی صف کیوں نہیں باندھتے جیسی ملائکہ اپنے رب کے حضور باندھتے ہیں۔

صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ملائکہ کیسی صف باندھتے ہیں؟ فرمایا:

یتمون الصف الاول ویتراصّون فی الصّف [3]۔ رواہ مسلم وابوداؤد و	اگلی صف پوری کرتے اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کو مسلم، ابوداؤد،

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۹۸

[2] صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[3] صحیح مسلم باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۱، سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

النسائی وابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی الله تعالٰی عنه۔	نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[1]۔ رواه الائمة احمد وابوداود والنسائی وابن حبان وخزیمة والضیاء باسانید صحیحة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	پہلی صف پوری کرو پھر جو اس کے قریب ہے کہ جو کمی ہو تو سب سے پچھلی صف میں ہو۔ اسے ائمہ کرام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور ضیاء مقدسی نے اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله[2]۔ رواه النسائی والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالٰی تعالٰی عنهما وهو من تتمة حدیثه الصحیح المذکور سابقا عند احمد وابی داؤد والثلثة الذین معهما۔	جو کسی صف کو وصل کرے اللہ اسے وصل کرے اور جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اسے نسائی اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، یہ عبداللہ ابن عمر کی حدیث اس حدیث صحیح مذکور سابقہ کا تتمہ ہے جسے امام احمد اور ابوداؤد اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نظر الٰی فرجة فی صف فلیسدها بنفسه فان لم یفعل فمر مار فلیتخط	جو کسی صف میں خلل دیکھے وہ خود اسے بند کردے اور اگر اس نے بند نہ کیا اور دوسرا آیا تو اسے چاہئے

[1] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸، سنن النسائی فضل الصف الاول مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

[2] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷، سنن النسائی من وصل صفا مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۹۴

علی رقبته فانه لاحرمة له [1]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	کہ وہ اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر اس خلل کی بندش کو جائے کہ اس کے لئے کوئی حرمت نہیں۔ اسے مسند فردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ وملئکته یصلون علی الذین یصلون الصفوف ومن سد فرجة رفعه اللہ بها درجة [2]۔ رواہ احمد و ابن ماجه وابن حبان والحاکم وصححه واقروہ عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	بیشک اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان لوگوں پر جو صفوں کو وصل کرتے ہیں اور جو صف کا فرجہ بند کرے اللہ تعالٰی اس کے سبب جنت میں اس کا درجہ بلند فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح کہا اور ان تمام نے اسے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

سوم: تراصّ یعنی خوب مل کر کھڑا ہونا کہ شانہ سے شانہ چھلے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ [3] ایسی صف کے گویا وہ دیوار ہے رانگا پلائی ہوئی۔ رانگ پگھلا کر ڈال دیں تو سب درزیں بھر جاتی ہیں کہیں رخنہ فرجہ نہیں رہتا، ایسی صف باندھنے والوں کو مولی سبحٰنہ وتعالٰی دوست رکھتا ہے اس کے حکم کی حدیثیں اوپر گزریں، اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیموا صفوفکم وتراصّوا فانی ارٰکم من وراء ظهری [4]۔ رواہ البخاری و النسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اپنی صفیں سیدھی اور خوب گھنی کرو کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ اسے بخاری اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

[1] المعجم الکبیر مروی از ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۱/۱۰۵۔ ۱۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۸۹

[3] القرآن ۶۱/۴

[4] صحیح بخاری باب اقبال الامام علی الناس عند تسویۃ الصفوف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰۰

یہ بھی اسی اہتمام صفوف کے متممات سے اور تینوں امر شرعاً واجب ہیں کما حققناہ فی فتاوٰنا وکثیر من الناس عنه غافلون (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی خوب تحقیق کی ہے اور بہت سے لوگ اس سے غافل ہیں۔ت) اور یہاں چوتھا امر اور ہے تقارب کہ صفیں پاس پاس ہوں بیچ میں قدر سجدہ سے زائد فضول فاصلہ نہ چھوٹے جس کا ذکر حدیث دوم میں گزراوہ یہاں زیر بحث نہیں صف میں کچھ مقتدی کھڑے کچھ بیٹھے ہوں تواس سے امر اول یعنی تسویہ صف پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا کہ قائم وقاعد بھی خط واحد مستقیم میں ہوسکتے ہیں تسویہ میں ارتفاع کی برابری ملحوظ نہیں نہ وہ ملحوظ ہونے کے قابل کہ ایک پیمائش کے قدر کہاں سے آئیں گے، ہاں جبکہ بیٹھنے والے محض کسل وکاہلی کے سبب بے معذوری شرعی بیٹھیں گے توفرائض وواجبات مثل عیدین ووتر میں امر دوم وسوم کاخلاف لازم آئے گا کہ جب بلاعذر بیٹھے توان کی نماز نہ ہوئی اور قطع صف لازم آیا کہ نمازیوں میں غیر نمازی دخیل ہیں، ان بیٹھنے والوں کو خود فساد نماز ہی کاگناہ کیا کم تھا مگرانہیں یہاں جگہ دینااور اگر قدرت ہو توصف سے نکال نہ دینا یہ باقی نمازیوں کاگناہ ہوگا کہ وہ خود اپنی صف کی قطع پر راضی ہوئے اور جو صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے، ان پر لازم تھا کہ انہیں کھڑے ہونے پر مجبور کریں اور اگر نہ مانیں توصفوں سے نکال کردور کریں، ہاں نمازی اس پر قادرنہ ہوں تومعذور ہیں اور قطع صف کے وبال عظیم میں یہی بیٹھنے والے ماخوذ ہیں جو حکم فرائض وواجبات کاتھا، رہی تراویح اس میں ہمارے علما کو اختلاف ہے کہ آیا یہ بھی مثل واجبات وسنت فجر بلاعذر بیٹھ کرنا جائز وفاسد ہوتی ہیں یا مثل باقی سنن جائز ہوجاتی ہیں اگرچہ خلاف توارث کے سبب مکروہ ہوتی ہیں بعض علما حکم اول کی طرف گئے اور صحیح ثانی ہے، درمختار میں ہے:

(التراویح تکرہ قاعدا) لزیادۃ تاکدھا حتی قیل لاتصح (مع القدرۃ علی القیام) کمایکرہ تاخیر القیام الی رکوع الامام للتشبیه بالمنافقین [1]۔	(نمازتراویح بیٹھ کراداکرنا مکروہ ہے) کیونکہ ان میں تاکید زیادہ ہے حتی کہ بعض فقہاء کے قول کے مطابق بیٹھ کر نمازتراویح ہوتی ہی نہیں (قیام پر قدرت کے ہوتے ہوئے) جیسا کہ رکوع امام تک قیام کو مؤخر کرنا (یعنی امام کے رکوع کے وقت نماز کاشروع کرنا) مکروہ ہے، کیونکہ اس میں منافقین کے ساتھ مشابہت ہے۔ت)

خانیہ وردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

لوصلی التراویح قاعدا قیل لایجوز بلاعذر لماروی الحسن عن ابی حنیفة لوصلی سنه الفجر قاعدا بلاعذر لایجوز فکذا التراویح لان کلامنهما سنة موکدة وقیل یجوز وھوالصحیح والفرق ان سنة الفجر سنة موکدة بلاخلاف والتراویح دونها فی التاکد فلایجوز التسویة بینهم [1]۔	اگر کسی نے تراویح بیٹھ کر ادا کیں تو بعض فقہاکے نزدیک بلاعذر ایسا کرنا درست نہیں کیونکہ امام حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے فجر کی سنتیں بلاعذر بیٹھ کر ادا کیں تو یہ جائز نہیں، اسی طرح تراویح کامعاملہ ہے، کیونکہ دونوں سنت مؤکدہ ہیں، بعض فقہاکے نزدیک جائز ہے اور یہی صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ سنن فجر بغیر کسی اختلاف کے سنت مؤکدہ ہیں اور تراویح کادرجہ تاکید میں ہونا اس سے کم ہے لہٰذا ان کے درمیان مساوات وبرابری نہ ہوگی۔(ت)

قول اول پر کاہلوں کا بلاعذر صف میں بیٹھنا ویسا ہی ناجائز و مورث گناہ و موجب قطع صف ہوگا جیسا واجبات میں کہ اس قول پر یہ لوگ بھی نماز سے خارج ہیں اور قول ثانی پر مستحب ہوگا کہ ان اہل کسل کو مؤخر کیا جائے اور صفوں میں یوں دخیل نہ ہونے دیا جائے کہ ایک قول پر وہ گناہ ومعصیت ہے اور دوسرے پر محض بے ضرورت ہے تو اس سے احتراز ہی میں فضیلت ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے مذاہب جو اپنے مذہب سے بے علاقہ ہیں جیسے حنفیّہ کے لئے شافعیت مالکیت حنبلیت ان کے خلاف کی رعایت رکھنی بالاجماع مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کامکروہ نہ لازم آتا ہو تو یہ خلاف تو خود اپنے علمائے مذہب میں ہے، درمختار میں ہے:

لاینقضه مس ذکر وامرأة لکن یندب للخروج من الخلاف لاسیما للامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه مذهبه [2]۔	مَسِ ذکر اور مَسِ امراۃ سے وضو نہیں ٹوٹتا لیکن ایسی صورت میں اختلاف سے بچتے ہوئے وضو کرلینا مستحب ہے خصوصًا امام کے لئے بشرطیکہ امام کے اپنے مسلک میں مکروہ کاارتکاب لازم نہ آئے(ت)

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۹

[2] دُرمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷

مگر یہاں ایک اور نکتہ واجب اللحاظ ہوگا کہ تاخیر اتنے کاہلوں کی ہو جس قدر تمام صف سے زائد ہوں ورنہ اطراف صف آخر میں اقامت ہو تاکہ مذہب صحیح پر قطع صف نہ لازم آئے اس سے تحرز مستحب تھا یہاں واجب ہوگا، توضیح یہ کہ یہاں تین[3] صورتیں ہوں گی:

اوّل یہ کہ قائمین بقدر کمال صف ہوں یعنی ان سے ایک یا چند صفیں پوری کامل ہو جائیں کہ نہ آدمی زائد بچے نہ صف میں جگہ رہے اس صورت میں صفوف سابقہ کاملہ قائمین سے کرلی جائیں اور کاملین سب سے آخر میں اپنی صف یا صفیں کامل یا ناقص جس قدر ہیں باندھیں یہ صورت کاہلین کی تاخیر مطلق کی ہوگی۔

دوم قائمین سے اکمال صف نہیں ہوتا خواہ اس قدر کم ہیں کہ پہلی ہی صف پوری کرنے کو اور آدمیوں کی حاجت ہے یا کثیر ہیں ایک یا چند صفین ان سے مکمل ہوگئیں اور اب اتنے بچے جن سے بعد کی صف پوری نہیں ہوتی اور قاصرین سے تکمیل ہو جائے گی اور زیادہ نہ بچیں گے تو لازم ہے کہ قائمین کی اخیر صف میں کاہلین کو ایک کنارے پر جگہ دے کر تکمیل صف کریں حتی کہ اگر صف اول ہی ناقص تھی تو اسی کے کنارے پر انہیں رکھیں اس صورت میں کاہلوں نے اصلاً تاخیر نہ پائی، ہاں ایک کنارے پر جمع کردیئے گئے۔

سوم تکمیل صف میں کاہلین کی حاجت ہے اور وہ بعد تکمیل بھی بچتے ہیں تو جس قدر تکمیل کے لئے مطلوب ہیں قائمین کی صف آخر کے ایک کنارے پر انہیں رکھ کر باقی کی صف تا صفوف ناقص یا کامل اخیر میں کردی جائیں یوں بعض کی تاخیر اور بعض کی طرف پر اقامت ہوگی اور وجہ ان سب کی وہی ہے کہ جب مذہب صحیح میں کاہلین کی نماز میں صرف کراہت ہے نہ باطل محض اور قائمین کی صف کو تکمیل کی حاجت ہے تو اس سے ہٹا کر کاہلین کو صف دیگر میں رکھنا صف اخیر قائمین کو ناقص چھوڑنا ہوگا اور یہ جائز نہیں پھر بہرحال اگر اور قائمین آتے جائیں یا انہیں میں سے بعض توفیق پاتے جائیں تو وہ بجائے کاہلین فی طرف الصّف ہوں اور کاہلین فی الطرف مؤخر ہوتے جائیں یہاں تک کہ مثلاً صورت ثانیہ صورت اولٰی کی طرف رجوع کرے اور ثالثہ ثانیہ یا اولٰی ہو جائے الی غیر ذلك من الاحتمالات (اس کے علاوہ دیگر احتمالات) یہ سب اس صورت میں ہے کہ کاہلین دست شرع میں نرم ہوں ورنہ بحال فتنہ قدر میسور پر عمل چاہئے، وباللہ التوفیق هذا ماافادہ التفقه والکتاب واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۹۴۱: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی محمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کتاب میں یہ

عبارت لکھی ہے البتہ چار مصلّے جو کہ مکہ معظّمہ میں مقرر کیے ہیں لاریب یہ امر زبون ہے کہ تکرار جماعت وافتراق اس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی ہے اور شریک جماعت نہیں ہوتی اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں مگر یہ تفرقہ نہ ائمہ دین حضرات مجتہدین سے ہے نہ علمائے متقدمین سے بلکہ کسی وقت سلطنت میں کسی وجہ سے یہ امر حادث ہوا ہے کہ اس کو کوئی اہل حق پسند نہیں کرتا پس یہ طعن نہ علمائے اہل حق مذاہب اربعہ پر ہے بلکہ سلاطین پر ہے کہ مرتکب اس بدعت کے ہوئے فقط واللہ تعالٰی اعلم۔ پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ چار مصلّے کس کی سلطنت میں ہوئے اور کس امر وبنیاد پر قائم کیے گئے کہ جو زید لکھتا ہے کہ لاریب یہ امر زبون ہے صدہا علمائے کاملین وصلحائے مقبولین گزرے کسی نے آج تک یہ اعتراض نہیں کیا کہ جواب زید یہ اعتراض کرتا ہے اس کا لکھنا درست ہے یا خلاف؟ اور زید کو شرعًا کیا کہنا چاہئے؟ جواب مدلل مکمل صاف صاف تحریر فرمائیں بینوا بالتفصیل جزاکم اللہ الرب الجلیل۔

الجواب:

حقیقت امر یہ ہے کہ حرمین طیبین زادہما اللہ شرفًا وتعظیمًا میں چاروں مذاہب حقہ اہلسنت حفظہم اللہ تعالٰی کے لوگ مجتمع ہیں اور اُن میں باہم طہارت ونماز کے مسائل میں اختلاف رحمت ہے، ایک بات ایک مذہب میں واجب دوسرے میں ممنوع، ایک میں مستحب دوسرے میں مکروہ، ایک کے نزدیک ایک امر ناقص طہارت دوسرے کے نزدیک نہیں، ایک کے یہاں کسی صورت میں وضو تمام دوسرے کے یہاں نہیں، توجب امام کسی مذہب کا ہو اگر اس نے دوسرے مذہب کے فرائض طہارت وصلاۃ کی رعایت اور ان کے نواقض ومفسدات سے مجانبت نہ کی جب تو اس مذہب والوں کی نماز اس کے پیچھے باطل وفاسد ہی ہوگی اور اگر مراعات ومجانبت مشکوک ہو تو مکروہ اور تلفیق مذاہب باجماع جمہور ائمہ حرام وباطل اور بحال رعایت بھی ہر مذہب کے مکروہات سے بچنا یقینًا محال اور بعض امور ایک مذہب میں سنت اور دوسرے میں مکروہ ہیں اگر بجالایا تو مذہب ثانی اور تارک ہوا تو مذہب اول پر کراہت ولہذا غایت امکان قدر فرائض ومفسدات تک ہے، محققین نے تصریح فرمائی کہ بہر حال موافق المذہب کی اقتداء اکمل وافضل، توانتظار موافق کے لئے نوافل یاذکر وغیرہا میں مشغول رہنا جماعت سے اعراض نہیں بلکہ اکمل واعلٰی کی طلب ہے اور یہ تفریق جماعت نہیں بلکہ تکمیل وتحسین ہے خصوصًا ان دو مسجد مبارک میں کہ مسجد محلّہ نہیں ہر جماعت جماعت اولٰی ہے اس لئے آٹھ سو برس یا زائد سے مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ وبیت المقدس وجدہ ومصر وشام وغیرہا بلادِ اسلام میں عامہ مسلمین کا

عمل اس پر جاری وساری رہااور بعض کاانکار شاذو مہجور قرار پایا تو بعد وضوح حق واستقرار امر اسے زبون وحرام وبدعت کہنا باطل وجہل وسفاہت ہے، چار مصلّے ہونا اسی طریقہ انیقہ سے عبارت جسے علمائے مذاہب نے بنظر مصالح جلیلہ مذکورہ پسند ومقرر رکھا باقی کسی مکان یاعلامت کابننا کہ یہ بھی صدہاسال سے معہود ومقبول ہے نہ اس کے لئے ضرور نہ ان میں مخل بلکہ وہ بھی منافع پر مشتمل، درمختار میں ہے:

یکرہ تطوع عند اقامۃ صلٰوۃ مکتوبۃ ای اقامۃ امام مذھبہ[1]۔	نماز فرض کی اقامت کے وقت نوافل مکروہ ہیں یعنی اقامت سے مراد اپنے ہم مذہب امام کی اقامت ہے(ت)

ردالمحتار میں:

لوانتظر امام مذھبہ بعیدا عن الصفوف لم یکن اعراضا عن الجماعۃ للعلم بانہ یرید جماعۃ اکمل من ھذہ الجماعۃ[2]۔	اگر کوئی شخص صفوں سے دور اپنے مذہب کے امام کاانتظار کرتا رہا تو یہ جماعت سے اعراض نہ ہوگا کیونکہ یقینا معلوم ہے کہ وہ اس موجودہ جماعت سے اکمل جماعت کاارادہ رکھتاہے(ت)

شیخ علمائے مکہ معظّمہ مولانا علی قاری مکی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ رسالہ اہتداء میں فرماتے ہیں:

لوکان لکل مذھب امام کما فی زماننا فالافضل الاقتداء بالموافق سواء تقدم اوتاخر علی ما استحسنہ عامہ المسلمین وعمل بہ جمھور المومنین من اھل الحرمین والقدس ومصر و الشام ولاعبرۃ بمن شذ منھم[3]۔	اگر ہر مذہب کاالگ امام موجود ہو جیسا کہ ہمارے دور میں ہے توپھر اپنے موافق کی اقتدا افضل ہے خواہ وہ پہلے ہو یا بعد جیسا کہ اس کو عامہ مسلمین نے پسند کیا، جمہور مومنین اہل حرمین، قدس، مصر اوراہل شام کا اسی پر عمل ہے، اس کی مخالفت کرنے والے شاذونادر کا کوئی اعتبار نہیں۔(ت)

[1] درمختار، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۲

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسالہ اہتدائ باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۷

علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قد سئل بعض العلماء عن ھذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبہ التی یصلون فیھا الاٰن باربعۃ ائمۃ علی مقتضی المذاھب الاربعۃ فاجاب بانھا بدعۃ ولکنھا بدعۃ حسنۃ لاسیئۃ لانھا تدخل بدلیل السنۃ الصحیحۃ و تقریرھا فی السنۃ الحسنۃ لانھا لم یحدث منھا ضرر ولاحرج فی المسجد ولافی المصلین من المسلمین لعامۃ اھل السنۃ والجماعۃ بل فیھا عمیم النفع فی المطروالحر الشدید والبرد و فیھا وسیلۃ للقرب من الامام فی الجمعۃ وغیرھا فھی بدعۃ حسنۃ و یسمون بفعلھم للسنۃ الحسنۃ و ان کانت بدعۃ اھل السنۃ لااھل البدعۃ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من سن سنۃ حسنۃ[1] الی اٰخر ما اطال واطاب علیہ رحمۃ الملک الوھاب واللہ تعالٰی اعلم۔	بعض علماء سے کعبہ معظّمہ کے اردگرد مقامات مخصوصہ میں مذاہب اربعہ کی اقتداء میں نماز اداکرنے کے بارے میں پوچھاگیاتوانہوں نے اسے بدعۃ کہا، لیکن یہ بدعت حسنہ ہے سیئہ نہیں کہ یہ سنت صحیحہ کی دلیل و تقریر پر سنت حسنہ میں داخل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے کوئی ضرر نہیں ہوتا نہ مسجد میں کوئی تنگی ہے اور نہ عام اہل سنت کے نمازیوں میں کوئی حرج ہے بلکہ اس میں بارش اور سخت گرمی وسردی میں فائدہ وآسانی ہے اور اس میں جمعہ وغیرہ میں امام کاقرب بھی حاصل رہتاہے لہذا یہ بدعت حسنہ ہے اور فقہاء اپنے اس فعل کانام سنت حسنہ رکھتے ہیں اگرچہ اہلسنت کی بدعت ہے نہ کہ اہل بدعت کی، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "من سن سنۃ حسنۃ" (جس نے اچھا طریقہ ایجادکیا) الی آخر العبارۃ، اللہ تعالٰی ان پر لطف وکرم فرمائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۴۲: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷/ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام پر تحکم کرنا مقتدیوں کو یاانتظار کرناامام کو مقتدی

---

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ وقد سئل بعض العماء عن ہذہ المقامات المنصوبۃ حول الکعبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۱۱۶

کا بعد اوقات معینہ کے بھی بالخصوص ایسے مقتدی کا جو بے علم اور مشہور جھگڑالو ہو درمیان میں مقتدیوں کے، اور یہ چاہتا ہو کہ جب ہم کہیں جب ہی اذان ہو اور جب ہم کہیں جب ہی نماز ہو اگرچہ وقت کچھ ہی ہو جائے اور امام پانچوں وقت بعد اذان کے خود آکر ہمیں گھر سے بلالے جایا کرے، پس ایسے شخص کا نماز کے باب میں انتظار کرنا اور متبع ہونا امام کو سزاوار ہے یا نہیں؟

الجواب:

مقتدی کو امام پر تحکم نہیں پہنچتا اور وہ خیالات جو سوال میں مذکور ہوئے محض ظلم واثم ہیں امام کو ایسے شخص کا اتباع اور اس کی ان نفسانی خواہشوں کا لحاظ ہر گز نہ چاہئے مگر جبکہ شریر وموذی ہو اور اس کے ترک انتظار میں مظنہ فتنہ ہو تو بمجبوری تاحد امکان انتظار کرسکتا ہے کہ فتنہ سے بچنا ضرور ہے۔

قال اللہ تعالٰی اَلۡفِتۡنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: فتنہ قتل سے بدتر ہے۔ (ت)

ملتزمان جماعت جب تک حاضر نہ ہوں اور وقت میں کراہت نہ آئے امام انتظار کرے ورنہ نہیں۔

وقد کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حضر الناس عجل واذا تاخروا اخر۔	واللہ تعالٰی اعلم حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معمول تھا جب لوگ حاضر ہوتے آپ جلدی فرماتے جب لوگ تاخیر کرتے آپ تاخیر فرماتے (ت)

مسئلہ ۹۴۳: از شہر کہنہ مرسلہ رحیم بخش بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کھانا تیار ہے اور جماعت بھی تیار ہے تو اول کھانا کھائے یا نماز پڑھ لے؟

الجواب:

جماعت تیار ہے اور کھانا سامنے آیا اور وقت تنگ نہ ہوجائے گا اور پہلے جماعت کو جائے تو بھوک کے سبب دل کھانے میں لگا رہے یا کھانا سرد ہو کر بے مزا ہوجائے گا یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو کر نہ چبائی جائے گی تو اجازت ہے کہ پہلے کھانا کھالے اور اگر کھانے میں کوئی خرابی یا دقّت نہ آئے گی نہ اسے ایسی بھوک ہے تو جماعت نہ کھوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۱۹۱/۲

مسئلہ ۹۴۴ : مرسلہ اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں دس بیس شخص نمازی روزمرہ جمع ہوتے ہیں ان سب کی رائے سے وقت ظہر دوبجے اور عصر پانچ ۵ بجے اور عشا۹ بجے قرار پایا ہے اذان ہوئی اور دوایک شخص تشریف لاکر بیٹھے رہے یہاں تک کہ اور نمازی بھی جمع ہوگئے اور صف باندھ کر کھڑے ہوئے توان صاحب نے جو پیشتر سے تشریف لائے ہیں کہا کہ ہم نے تو بھی وضو ہی نہیں کیا ہے لہٰذا کچھ صاحبوں کی اہل جماعت سے رائے ہوئی کہ وضو کرلینے دو، جملہ نمازی کھڑے رہے، جب اُن صاحب نے وضو کرلیا بلکہ پاؤں دھونا باقی تھے کہ اس عرصہ میں دوچار شخص اور آگئے ان کو وضو سے فارغ نہ ہونے دیا اور فورًا کھڑے ہوگئے، دیگر یہ کہ کوئی صاحب تشریف لائے اور وضو کرکے جماعت میں دیر دیکھ کر اپنے مکان کو تشریف لے گئے توان کا انتظار کیا جائے یا نہیں اور جماعت تیار ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ دو'چار شخص جو بعد کو آئے اور ان کے وضو کا انتظار نہ کیا اور جماعت قائم کردی اگر یہ لوگ اہل محلّہ سے نہ تھے انہیں اس تعیین وقت پر جو اہل مسجد نے مقرر کرلی ہے اطلاع نہ تھی اور وقت میں تنگی بھی نہ تھی اور حاضرین میں کسی پر انتظار سے کوئی حرج بھی نہ تھا تو اس صورت میں ان کے وضو کا انتظار کرلینا مناسب تھا خصوصًا جبکہ اس انتظار نہ کرنے میں ان کی دل شکنی ہو کہ بلاوجہ کسی مسلمان کی دل شکنی بہت سخت بات ہے، دوچار منٹ میں وضو ہوجائے گا، اس میں ان کا ایک نفع اور اپنے تین، اُن کا تو یہ کہ تکبیر اولیٰ پالیں گے اور اپنا پہلا نفع یہ کہ اس فضیلت کے ملنے میں مسلمانوں کی اعانت ہوئی اور اس کا اجر عظیم ہے **قال اللہ تعالٰی** تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَالتَّقْوٰی[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی اور تقوٰی پر لوگوں کے ساتھ تعاون کرو(ت)

یہاں تک کہ عین نماز میں امام کو چاہئے کہ اگر رکوع میں کسی کی پہچل سنے اور اسے پہچانا نہیں تو ایک تسبیح زیادہ کردے کہ وہ شامل ہوجائے، دوم اس رعایت سے ان مسلمانوں کا دل خوش کرنا متعدد احادیث میں ہے:

احب الاعمال الی اللہ بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم[2] اوکما	فرائض کے بعد سب اعمال میں اللہ کو زیادہ پیارا مسلمان کا دل خوش کرنا ہے جیسا کہ حضور اکرم

[1] القرآن ۵/۲

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۲۰۰ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۶۷، مجمع الزوائد باب فضل قضاء الحوائج مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۸/۱۹۳

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد مبارک ہے۔

سوم صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

انکم فی صلوٰۃ ماانتظر تم الصلوٰۃ[1]۔	بیشک تم نماز ہی میں ہو جب تک نماز کے انتظار میں ہو۔

ورنہ انتظار نہ کرنے میں کوئی حرج نہ ہوا، جو شخص جماعت میں دیر دیکھ کر چلا گیا وقت مقررہ کے بعد اس کے انتظار کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۵: از ککرالہ ضلع بدایوں مرسلہ یسین خاں ۷/ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے نماز پڑھنا شروع کیا دوسرا آیا اس کے برابر کھڑا ہوگیا، تیسرا آیا وہ دوسری طرف برابر کھڑا ہوگیا، چوتھا آیا اس نے دونوں مقتدیوں کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرکے شامل ہوا پوچھا گیا کہ نماز میں کوئی قصور تو نہ ہوا کہا حدیث میں آیا ہے کہ مقتدیوں کو کھینچ کے پیچھے کھڑا کرلے۔ بینوا توجروا

الجواب:

آج کل بوجہ غلبہ جہل کھینچنا منع ہے پھر بھی نماز ہوگئی اگر ہٹنے والے حکم شرع ماننے کے لئے ہٹے ہوں، اور اگر کھینچنے والے کا حکم ماننے کو ہٹے نہ مسئلہ کے لحاظ سے تو ان ہٹنے والوں کی نماز نہ ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۶: از ڈیرہ غازی خاں بلاک نمبر ۱۲ مسئولہ احمد بخش صاحب ۸ صفر ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء شمس الفضلاء، مقتدائے اہل ایمان، پیشوائے اہل ایقان ادام اللہ تعالٰی فضلہم ومجدہم الٰی یوم الدین، السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، نیاز مند مشتاق زیارت محتاج دعا ہزار ہزار نیاز کے بعد عرض کرتا ہے کہ ان ایام میں ایک مسجد جدید تیار کرائی جاتی ہے جس کے متعلق یہ ارادہ ہے کہ سقف پر عورتوں کے نماز پڑھنے کی جگہ تیار ہو اس حالت میں جماعت کی وضع اور صورت یہ ہوگی کہ بعض صفوف رجال جو نیچے زمین پر ہوں گی عورتوں کی صفوں سے مقدم اور بعض محاذی زیر وبالا اور بعض مؤخر بیرونی صحن میں، پس کیا ایسی جماعت اس لئے کہ عورتوں کے صفوف بعض صفوف رجال کے اوپر اور بعض صفوف رجال سے جو بیرونی صحن میں ہوں گی مقدم ہیں مکروہ یا ناجائز ہوگی اس لئے کہ عورتوں کے صفوف اور صفوف رجال کے درمیان دیواریں اور پردے حائل ہوں گے یا کوئی کراہت نہیں، بینوا توجروا

الجواب:

جبکہ بیچ میں سقف وجدار حائل ہیں باعث بطلان نماز رجال نہیں ہوسکتا کہ محاذات نہ ہوئی،

---

[1] صحیح بخاری باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴۔۹۰

تنویر الابصار میں ہے:

واذا حاذته امرأۃ ولاحائل بینهما فی صلاۃ مطلقة فسدت صلاته [1]۔	جب عورت نماز مطلقہ میں مرد کے محاذی ہوجائے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو اس مرد کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

مگر یہ صورت بوجوہ کراہت وممانعت سے خالی نہ ہوگی،

اولاً عورتوں کا مسجد میں جانا خود ممنوع ہے تو ایک ممنوع کے لئے سامان کرنا ہے، تنویر الابصار میں ہے:

ویکرہ حضورهن الجماعة مطلقا علی المذهب [2]۔	مفتی بہ مذہب پر خواتین کا جماعت کے لئے حاضر ہونا مطلقاً مکروہ ہے (ت)

ثانیاً بے ضرورت شرعیہ مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ شدت گرمی بھی اس کے لئے عذر نہ مانی گئی، **علمگیریہ** میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر یکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه [3]۔	ہر مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ جب گرمی سخت ہو تو مسجد کے اوپر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (ت)

ثالثاً یہ اگرچہ تقدیم محسوس نہیں مگر واقع میں بعض صفوف رجال سے تقدیم اور بعض سے معیت ضرور ہے اور حکم یہ ہے کہ **اخروهن من حیث اخرهن الله** [4] (ان کو موخر رکھو جیسا کہ اللہ تعالٰی نے انہیں مؤخر فرمایا ہے۔ ت) لہٰذا اس سے احتراز ہی کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۲۲

[4] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۱۲

فَصلُ المَسبُوق

(مسبوق کا بیان)

مسئلہ ۹۴۷ : از فیض آباد مرسلہ منشی احمد حسین خرسند نقشہ نویس اسسٹنٹ انجینئر ریلوے ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ
س کہتا ہے جس کو مغرب کی تیسری رکعت جماعت کے ساتھ ملے وہ جب اپنی نماز پوری کرنے کھڑا ہو تو اپنی دوسری رکعت میں قعدہ کرے کیونکہ قاعدہ مصرحہ ہے نماز مسبوق در حق قرأت حکم اول نماز دارد و در حق قعود حکم آخر نماز مسبوق کی باقی ماندہ نماز) قرأت کے لحاظ سے اول اور بیٹھنے میں آخر کا حکم رکھتی ہے۔ت) ع کہتا ہے مسبوق دوسری رکعت پر قعدہ نہ کرے کہ بعض کتب فقہ میں ایسا ہی لکھا ہے اور جو دوسری قعدہ کرے گا تو تینوں رکعات علیحدہ علیحدہ ہو جائیں گی، پس سوال یہ ہے کہ قول س کا قابل عمل ہے یا ع کا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول س کا صحیح ہے، ائمہ فتوٰی سے اسی کا اختیار مفید ترجیح ہے، کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، در مختار میں ہے:

یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر	قرأۃ کے حق میں وہ اپنی ابتدا نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے فجر کے علاوہ

فجریاتی برکعتین بفاتحۃ وسورۃ و تشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولایقعد قبلھا[1]۔	ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ ادا کرے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔(ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لوادرك ركعۃ من المغرب قضی ركعتین وفصل بقعدۃ فتكون بثلث قعدات[2]۔	اگر کسی نے مغرب کی ایک رکعت پائی تو وہ باقی ماندہ دو بجالائے اور ان کے درمیان قعدہ کے ساتھ فاصلہ کرے تو یہاں تین قعدے ہوجائیں گے(ت)

یہاں تک کہ غنیہ شرح منیہ میں فرمایا اگرایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو قیاس یہ ہے کہ نماز ناجائز ہو یعنی ترک واجب کے سبب ناقص وواجب الاعادہ البتہ استحسانًا حکم جواز وعدم وجوب اعادہ دیا گیاکہ یہ رکعت من وجہ پہلی بھی ہے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی شرح المنیۃ ولولم یقعد جاز استحسانًا لاقیاسا ولم یلزم سجود السھو لكون الركعۃ اولی من وجہ[3]۔واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی اعلم۔	شرح المنیہ میں فرمایا ہے اگراس نے ایک رکعت پڑھ کر قعدہ نہ کیا تو اگرچہ قیاسًا نماز درست نہیں مگر استحسانًا درست ہے اور اس پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ ایک لحاظ سے یہ پہلی رکعت ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۴۸: حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی بتاریخ ۲۹/جمادی الاخری ۱۳۲۷ھ

جماعت رکوع میں ہو تو مسبوق نمازی کو نیت کرکے اور تکبیر کہہ کر ہاتھ باندھنا چاہئے یابے باندھے دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں جانا چاہئے یاایک ہی تکبیر اس کے واسطے کافی ہے یاکیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۱

[3] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۱

الجواب:

ہاتھ باندھنے کی تو اصلاً حاجت نہیں اور فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر رکوع میں مل جائے گا تو نماز ہوجائے گی مگر سنت یعنی تکبیر رکوع فوت ہوئی لہذا یہ چاہئے کہ سیدھا کھڑا ہونے کی حالت میں تکبیر تحریمہ کہے اور سبحٰنك اللھم پڑھنے کی فرصت نہ ہو یعنی احتمال ہو کہ امام جب تک سر اٹھالے گا تو معاً دوسری تکبیر کہہ کر رکوع میں چلاجائے اور امام کا حال معلوم ہو کہ رکوع میں دیر کرتا ہے سبحٰنك اللّٰھم پڑھ کر بھی شامل ہوجاؤں گا تو پڑھ کر رکوع کی تکبیر کہتا ہوا شامل ہو یہ سنت ہے اور تکبیر تحریمہ کھڑے ہونے کی حالت میں کہنی تو فرض ہے بعض ناواقف جو یہ کرتے ہیں کہ امام رکوع میں ہے تکبیر تحریمہ جھکتے ہوئے کہی اور شامل ہوگئے اگر اتنا جھکنے سے پہلے کہ ہاتھ پھیلائیں تو گھٹنے تک پہنچ جائیں اللہ اکبر ختم نہ کرلیا تو نماز نہ ہوگی، اس کا خیال لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴۹: از بلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ وحاجی یعقوب علی

نماز ظہر کی جماعت کھڑی ہے میں نے وضو کیا تب تک تین رکعت خلاص ہوگئیں چوتھی میں جاملا، اب میں تین رکعت کس ترتیب سے ادا کروں؟

الجواب:

سلام امام کے بعد کھڑے ہو کر سبحٰنك اللھم الخ پہلے اگر نہ پڑھا تھا تو اب پڑھے ورنہ اعوذ سے شروع کرے اور الحمد وسورت پڑھ کر رکوع وسجدہ کرکے بیٹھ کر التحیات پڑھے پھر کھڑا ہو کر الحمد وسورت پڑھے اور رکوع وسجدہ کرکے بغیر بیٹھے کھڑا ہوجائے اور چوتھی رکعت میں فقط الحمد پڑھ کر رکوع وسجدہ کرکے التحیات پڑھے اور نماز تمام کرے، درمختار میں ہے:

یقضی اول صلاته فی حق قراءة واٰخرها فی حق تشهد فمدرك رکعة من غیرفجر یاتی برکعتین بفاتحة وسورة وتشهد بینهما وبرابعة الرباعی بفاتحة فقط ولایقعد قبلها[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قراءت کے حق میں ابتدائے نماز اور تشہد کے حق میں آخر نماز تصور کرکے ادا کرے، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت اور ان کے درمیان تشہد کے ساتھ ادا کرے اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت کو صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے (ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۶/۱

مسئلہ ۹۵۰ : از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک دربار گوالیار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۹/صفر ۱۳۱۲ھ

مخدوم نیاز منداں بسط اللہ ظلکم ابداً، مسبوق سجدہ سہو میں امام سے ملے یا نہیں یعنی اگر اس کو علم ہو کہ امام اور اس کے مقتدی سجدہ سہو کررہے ہیں یا تشہد بعد سجدہ سہو میں بیٹھے ہیں باوجود اس علم کے اس کی اقتداء درست ہے یا نادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب :

ضرور مل جائے ہر حال میں اقتدا درست وصحیح ہے، ردالمحتار میں زیر قول درمختار:

المسبوق یسجد مع امامه مطلقا سواء کان السهو قبل الاقتداء اوبعده لکھا شمل ایضا ماذا سجد الامام واحدة ثم اقتدی به قال فی البحر فانه یتابعه فی الاخری ولایقضی قضاء الاولٰی کما لایقضیهما لواقتدی به بعد ما سجدهما[1] انتهی۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق اپنے امام کے ساتھ ہر حال میں سجدہ سہو کرے خواہ وہ سہو اقتدا سے پہلے ہو یا بعد میں، یہ اس صورت کو بھی شامل ہے جب امام نے ایک سجدہ کرلیا تو پھر اس نے امام کی اقتداء کی، بحر میں ہے کہ مسبوق دوسرے سجدے میں اقتدا کرے تو اس صورت میں پہلے سجدہ کی قضا نہیں، جیسا کہ ان دونوں سجدوں کی ادائیگی کے بعد شمولیت کرنے پر قضا نہیں انتہی۔ (ت)

مسئلہ ۹۵۱ : ۲۲/رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید صبح کی نماز کے وقت وضو کرکے فارغ ہوا تو گمان کیا کہ امام نصف التحیات پڑھ چکا اور جماعت دوسری بھی تیار ہے اس نے سنت پڑھنا شروع کیا، بعد سنت کے جماعت ثانی ہوئی زید اس میں شریک ہوا، آیا یہ سنتیں اس کی ہوئی یا نہیں؟ اور زید امام اول کی التحیات میں شریک نہ ہونے سے گنہگار ہوا یا نہیں؟ اور اس التحیات میں شریک ہونا اسے ضروری تھا یا نہیں؟

الجواب :

سنتیں ہو تو ہر حال میں گئیں مگر زید کو حکم یہ تھا کہ امام اول کی التحیات میں شریک ہوجائے۔

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

جماعت ثانیہ کے اعتماد پر اولٰی کی شرکت نہ چھوڑے، زید بالقصد بلاعذر صحیح شرعی جماعت اولٰی فوت کردینے سے گنہگار ہوا، درمختار میں ہے:

اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا ترکھا[1]۔	جب سنتوں میں مشغولیت سے فرائض فجر کے فوت ہونے کا خوف ہو تو سنن کو ترک کردیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الراجح عند اھل المذہب وجوب الجماعۃ وانہ یاثم بتفویتھا اتفاقا[2]ھ وقدحققنا فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی ان ھذا الحکم للجماعۃ الاولٰی عینا۔	راجح اہل مذہب کے ہاں جماعت کا واجب ہونا ہے اور اس کا فوت کرنا بالاتفاق گناہ ہےاھ۔ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے کہ یہ حکم صرف پہلی جماعت کے لئے ہے۔(ت)

ہاں اگر جماعت اولٰی کاامام غلط خواں یا معاذاللہ بدمذہب گمراہ یافاسق معلن تھا، اور امام ثانی ان بلاؤں سے پاک، توزید نے بہت اچھاکیا ایسا ہی چاہئے تھا بلکہ اگرامام اول مثلاً شافعی المذہب تھا اور اس نے امام حنفی المذہب کی اقتدا چاہی اس نیت سے تاخیر کی جب بھی گناہ نہ ہوا، کما بینا کل ذٰلک فی فتاوٰنا والمسائل فی ردالمحتار وغیرہ (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس بات کی خوب تحقیق کی ہے اور ردالمحتار وغیرہ میں مسائل کی تفصیل ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۲: از گونڈل مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندھیری ۱۱/صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق بروقت اختتام نماز، امام قعدہ اخیرہ میں تمامیت تشہد کے بعد گویا فقہی اقوال کے بموجب شہادتین کو مسبوق دہرایا کرے تاسلام امام، بجائے شہادتین کے اگرالسلام علیک ایھاالنبی سے دہرایا کرے توکچھ حرج ہے؟

الجواب:

فقہانے تکرار تشہد ہی کو لکھاہے اور اگرالسلام سے تکرار کرے جب بھی کوئی ممانعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵۳: از بریلی مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس ۲۲/شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسبوق امام کی متابعت سجدہ وسلام دونوں میں کرے گا

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۲/۱

یافقط سجدہ میں؟ اور اگر بالفرض والتقدیر سلام میں متابعت کرے تو نماز مسبوق کی باقی رہے گی یا فاسد؟ **بینوا توجروا جزاکم اللہ تعالٰی۔**

الجواب:

مسبوق صرف سجدہ میں متابعت کرے، نہ سلام میں، اگر سلام میں قصداً متابعت کرے گا اگرچہ اپنے جہل سے یہ ہی سمجھ کر کہ مجھے شرعاً سلام میں بھی اتباع امام چاہئے تو نماز اس کی فاسد ہوجائے گی، ہاں اگر سہواً سلام کیا تو نماز مطلق نہ جائے گی اور سجدہ سہو بھی اپنی نماز کے آخر میں کرنا نہ ہوگا اگر یہ سلام سہواً سلامِ امام سے پہلے یا معاً اس کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر کے تھا اور اگر سلام امام کے بعد بھول کر سلام پھیرا تو اس سجدہ سہو میں تو امام کی متابعت کرے ہی، پھر جب اپنی باقی نماز کو کھڑا ہو تو اس کے ختم پر اس کے سہو سلام کے لئے سجدہ سہو کرے، ردالمحتار میں ہے:

المسبوق لیسجد مع امامه. قید بالسجود لانه لایتابعه فی السلام بل یسجد معه ویتشهد فاذا سلّم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامدًا فسدت والالاولاسجود علیه ان سلم سهوًا قبل الامام اومعه وان سلم بعده لزمه لکونه منفردًا حینئذ. بحر واراد بالمعیة المقارنة وهو نادرالوقوع کما فی شرح المنیة وفیه لوسلم علی ظن ان علیه ان یسلم فهو سلام عمد یمنع البناء [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ کرے، سجدہ کی قید اس لئے کہ سلام میں امام کی اتباع نہ کرے بلکہ اس کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے اور جب امام سلام پھیرے تو وہ بقیہ رکعتوں کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوجائے، اگر اس نے سلام پھیرا اور اس کا سلام پھیرنا دانستہ تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی ورنہ نہیں، اگر اس نے بھول کر سلام پھیرا تو اس صورت میں سجدہ سہو نہ ہوگا جب امام سے پہلے یا معاً اما کے ساتھ ساتھ بغیر تاخیر سلام پھیرا ہو، اور اگر سلام امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ لازم ہے کیونکہ اب وہ تنہا و منفرد ہے بحر، اور یہاں معیت سے مراد مقارنت ہے اور اس کا وقوع بہت کم ہے، اسی طرح شرح المنیۃ میں ہے کہ اگر اس نے یہ گمان کرتے ہوئے سلام پھیر دیا کہ اس پر سلام لازم تھا تو یہ عمداً سلام ہوگا جو کہ بنائے نماز سے مانع ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

مسئلہ ۹۵۴: مرسلہ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۱۱/ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقیم نے امام مسافر کی اقتدا کی اور ایک یا دونوں رکوع نہ پائے مثلاً دوسری رکعت یا صرف التحیات میں شریک ہوا تو بعد سلام امام کے اپنی نماز کس طرح ادا کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت مسبوق لاحق کی ہے وہ پچھلی رکعتوں میں کہ مسافر سے ساقط ہیں مقیم مقتدی لاحق ہے **لانہ لم یدرکھما مع الامام بعد مااقتدی بہ** (اس لئے کہ اس نے اقتداء کے بعد امام کے ساتھ ان دو رکعتوں کو نہیں پایا۔ت) اور اس کے شریک ہونے سے پہلے ایک رکعت یا دونوں جس قدر نماز ہوچکی ہے اس میں مسبوق ہے **لانہا فاتتہ قبل ان یقتدی** (اقتدا سے قبل اس نے اسے فوت کیا ہے۔ت) درمختار وردالمحتار میں ہے:

مقیم ائتم بمسافر فھو لاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا ایضاھ کما اذافاتہ اول صلاۃ امامہ المسافر [1] ط۔	اگر مقیم نے مسافر کی اقتداء کی تو وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتا ہے جبکہ مسافر امام کی اقتداء پہلی رکعت میں نہ کی ہو۔ط (ت)

اور حکم اس کا یہ ہے کہ جتنی نماز میں لاحق ہے پہلے اسے بے قراءت ادا کرے یعنی حالت قیام میں کچھ نہ پڑھے بلکہ اتنی دیر کہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے محض خاموش کھڑا رہے بعدہ، جتنی نماز میں مسبوق ہوا اسے مع قراءت یعنی فاتحہ وسورت کے ساتھ ادا کرے،

فی الدر المختار اللاحق یبدأ بقضاء مافاتہ بلاقراءۃ ثم ماسبق بہ بھا ان کان مسبوقا [2] ایضاھ ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ پہلے لاحق فوت شدہ رکعات بغیر قراءت کے ادا کرے پھر وہ رکعات جو امام کے ساتھ رہ گئی تھیں اگر مسبوق ہوا اھ ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ماسبق بہ بھا الخ ای ثم صلی	ماسبق رکعات الخ یعنی اگر مسبوق ہے تو لاحق

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

اللاحق ماسبق به بقرأة ان کان مسبوقا ایضا بان اقتدی فی اثناء صلاۃ الامام ثم نام مثلا وھذا بیان للقسم الرابع وھو المسبوق اللاحق الخ[1]	پھر قرات کے ساتھ سابقہ رکعات ادا کرے مثلاً اس نے امام کے ساتھ دوران نماز اقتداء کی پھر مثلاً سوگیا اور یہ چوتھی قسم کا بیان ہے جو مسبوق لاحق ہے الخ۔(ت)

پس اگر دونوں رکوع نہ پائے تھے تو پہلے دو رکعتیں بلاقراءت پڑھ کر بعد التحیات دو رکعتیں فاتحہ و سورت سے پڑھے، اور اگر ایک رکوع نہ ملا تھا تو پہلے ایک رکعت بلاقرات پڑھ کر بیٹھے اور التحیات پڑھے کیونکہ یہ اس کی دوسری ہوئی، پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت اور ویسی ہی بلاقرات پڑھ کر اس پر بھی بیٹھے اور التحیات پڑھے کہ یہ رکعت اگرچہ اس کی تیسری ہے مگر امام کے حساب سے چوتھی ہے اور رکعات فائتہ کو نماز امام کی ترتیب پر ادا کرنا ذمہ لاحق لازم ہوتا ہے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت بفاتحہ و سورت پڑھ کر بیٹھے اور بعد تشہد نماز تمام کرے۔

فی ردالمحتار عن شرح المنیة والمجمع انه لوسبق برکعة من ذوات الاربع ونام فی رکعتین یصلی اولامانام فیه ثم مادرکه مع الامام ثم ماسبق به فیصلی رکعة ممانام فیه مع الامام ویقعد متابعة له لانها ثانیة امامه ثم یصلی الاخری ممانام فیه ویقعد لانها ثانیته ثم یصلی التی انتبه فیها و یقعد متابعة لامامه لانها رابعة و کل ذلك بغیرقرأة لانه مقتد ثم یصلی الرکعة التی سبق بها بقرأة الفاتحة وسورة والاصل ان اللاحق یصلی علی ترتیب صلاۃ الامام	ردالمحتار میں شرح منیہ و مجمع سے ہے کہ اگر چار رکعات میں سے ایک رکعت گزر گئی اور پھر شریک ہوا پھر دو میں سوگیا تو اب جن میں سویا انہیں پہلے ادا کرے، پھر جس میں امام کے ساتھ اقتداء کی پھر چھوٹی ہوئی، پس وہ جس میں امام کے ساتھ سویا اس کی ایک رکعت پڑھے اور امام کی اتباع میں قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری رکعات تھی، پھر سونے والی دوسری رکعات ادا کرے اور قعدہ کرے کیونکہ اس کی دوسری رکعت ہے پھر وہ پڑھے جس میں بیدار ہوا اور اتباع امام کی وجہ سے بیٹھے کیونکہ یہ اس کی چوتھی ہے اور یہ تمام بغیر قرات کے ہوں گے پھر وہ قرات وفاتحہ کے ساتھ وہ رکعات پڑھے جو گزر چکی تھیں، ضابطہ

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

والمسبوق یقضی ماسبق به بعد فراغ الامام[1] ھ اقول: فھذہ ھی الصورۃ المسؤل عنھا بید ان مانحن فیه اعنی اقتداء المقیم بالمسافر لایتحقق فیه الادراك بعد ماصار لاحقالانه انما یصیر لاحقا فی الاخیرین وذلك انما یکون بعد سلام الامام فلا تتأتی ھنا صورۃ المتابعة بعد اداء ماھو لاحق فیه کمالایخفی ولذٰلك تغیر بعض الترتیب واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ ہے کہ لاحق امام کی ترتیب پر نماز ادا کرے لیکن امام کی فراغت کے بعد ماسبق کی ادائیگی کرے اھ۔ اقول: (میں کہتاہوں) صورت مسؤلہ یہی ہے علاوہ ازیں جس میں ہم بحث کررہے ہیں یعنی مقیم کا مسافر کی اقتدا کرنا اس میں لاحق سے ادراک امام پایانہیں جاتا کیونکہ آخری رکعتوں میں وہ لاحق ہی ہے اور یہ بات سلام امام کے بعد ہی ہوگی للذا یہاں ایسی صورت نہ ہوگی کہ وہ کچھ ادائیگی کے بعد لاحق ہو جیسا کہ واضح ہے اسی لئے کچھ ترتیب میں تبدیلی آجاتی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۵: ازبگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدانی پورہ مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم صاحب مارہروی ۲۰/صفر ۱۳۱۱ھ

امام نماز ظہر یا عصر یا عشاء پڑھتاہے اور ایک یا دو رکعت پڑھ چکاہے کہ دوسرا شخص آکر شامل ہوا تو بعد ختم ہونے نماز کے یہ مقتدی اپنے رکعات باقیہ جوپڑھے تواس میں فاتحہ وسورت وقراءت کرے یابقدر پڑھنے فاتحہ وسورت کے ساکت رہ کر رکوع وسجود بجالائے تشریحًا لکھاجاوے اور اسی طرح اگر مسافر نماز یں مذکور نصف پڑھ کر ختم کرے تومقتدی فاتحہ پڑھے یابقدر قرات ساکت رہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت اولٰی میں مقتدی کہ بعد سلام امام رکعت اولٰی یا اولین قضا کرے فاتحہ وسورت وجوبًا پڑھے کیونکہ وہ مسبوق ہے اور مسبوق اپنے رکعات میں مثل منفرد، اور منفرد پر قراءت لازم، اور صورت ثانیہ میں مقیم کہ بعد سلام مسافر رکعتین اخیر تین ادا کرے بجائے قراءت ساکت رہے کہ وہ ان رکعات میں لاحق ہے اور لاحق حکمًا مقتدی اور مقتدی کو قرات ممنوع۔

فی الدرالمختار اللاحق من فاتته الرکعات کلھا اوبعضھا	درمختار میں ہے لاحق وہ مقتدی ہوتاہے جس کی اقتدا کے بعد تمام یا بعض رکعتیں (امام سے)

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

بعد اقتدائه كمقيم ائتم بمسافر و حكمه كمؤتم فلا يأتي بقرأة ولاسهو والمسبوق من سبقه الامام بها او بعضها وهو منفرد حتى يثنى ويتعوذ ويقرؤ فيما يقضيه فمدرك ركعة من غير فجر يأتى بركعتين بفاتحة وسورة و تشهد بينهما وبرابعة الرباعى بفاتحة فقط[1] ھ ملتقطا۔ والله سبحنه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	رہ جائیں جیسے کہ کسی مقیم نے مسافر کی اقتداء کی اس کا حکم مقتدی کی طرح ہی ہے وہ قرات نہیں کرے گا اور نہ ہی سجدہ سہو کرے گا، اور مسبوق وہ ہوتا ہے جس سے پیشتر امام سب رکعتیں یا بعض رکعتیں ادا کرچکا ہو اس کے بعد شریک ہو وہ مسبوق منفرد کی طرح ہوتا ہے حتی کہ وہ ثناء سبحنک اللھم الخ اور تعوذ پڑھے گا بقیہ رکعتوں میں قرات بھی کرے گا، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے، اور چار رکعتی نماز میں چوتھی رکعت میں صرف فاتحہ ہی پڑھے اھ ملتقطا۔ والله سبحنه، وتعالٰى اعلم وعلمه مجل مجده اتم واحكم (ت)

مسئلہ ۹۵۶ : از پیلی بھیت وموضع بھنڈورہ علاقہ آنولہ　یکم شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس امام کے ساتھ چار رکعت کی نماز میں ایک رکعت ملی، وہ باقی نماز کیونکر ادا کرے؟ بينوا توجروا

الجواب:

امام کے سلام کے بعد اٹھ کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر التحیات کے لئے بیٹھے پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت فاتحہ وسورت کے ساتھ پڑھے اور اس پر نہ بیٹھے پھر ایک رکعت صرف فاتحہ کے ساتھ پڑھے اور قعدہ اخیرہ کرکے سلام پھیر دے۔

هذا ما اعتمده الائمة الجلة وعليه اقتصر فى الخلاصة وشرح الطحاوى والاسبيجابى وفتح القدير والبحر الرائق	یہ وہ ہے جس پر اکابر ائمہ نے اعتماد کیا خلاصہ، شرح طحاوی، اسبیجابی، فتح القدیر، بحر الرائق، درر، درمختار،

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴۰

والدرر والدرالمختار والھندیۃ وغیرھا من معتمدات المذھب۔	ہندیہ اور دیگر معتبر کتب مذہب میں اسی پر اکتفا کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یقضی اول صلاتہ فی حق قراءۃ واٰخرھا فی حق تشھد فمدرك رکعۃ من غیر فجر یأتی برکعتین وفاتحۃ وسورۃ و تشھد بینھما وبرابعۃ الرباعی بفاتحۃ فقط ولایقعد قبلھا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور مسبوق قرات کے حق میں اپنی نماز کو اول اور تشہد کے حق میں آخر نماز کرکے نماز ادا کرے، فجر کے علاوہ ایک رکعت پانے والا دو رکعتوں کو فاتحہ اور سورت کے ساتھ ادا کرے اور ان کے درمیان قعدہ بھی کرے، چار رکعتی نماز میں چوتھی میں صرف فاتحہ پڑھے اور اس سے پہلے قعدہ نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۵۷: از قصبہ میترانوالی ڈاک خانہ گھکر ریلوی ضلع گوجرانوالہ مرسلہ حافظ شاہ ولی اللہ صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بخدمت عالی جناب قدسی القاب مولوی احمد رضاخاں صاحب دام برکاتہ،، از فقیر حافظ ولی اللہ شاہ بعد از تسلیمات وآداب ماوجب معروض آنکہ عرصہ ایک سال کا گزرا ہے کہ بندہ حضور کی قدم بوسی سے مشرف ہوا تھا اور ایک مسئلہ حضور سے دریافت کیا تھا درباب اقتداء مقیم کا مسافر کے ساتھ نماز رباعی میں اس حالت میں جو مسافر ایک رکعت ادا کرچکا ہو اور مقیم آکر ملا تو ایک رکعت مقیم نے امام مسافر کے ساتھ پائی پھر وہ تین کس طرح پر ادا کرے، میں نے آپ سے یہ مسئلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ اول دو رکعت جو خالی قرات سے ہیں وہ ادا اس طرح پر کرے کہ بقدر الحمد کے قیام کرے اور اس میں قرات نہ پڑھے بعدہ، ایک رکعت جو مسبوقانہ ہے ادا کرے اور اس میں ثناء وفاتحہ وسورۃ پڑھے۔ اور یہی مسئلہ مسافر والے کا اس جگہ تنازع دو مولوی صاحبوں کا آپس میں پڑا ہوا ہے بلکہ بہت عالموں سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا ہے سب کے سب آپ کے برخلاف بیان کرتے ہیں اور یہی کہتے ہیں سوا سند کتاب کے ہم نہیں مانتے اور دوسری جگہ ہمیشہ جب امام سے علیحدہ ہوکر مسبوقانہ ادا کرتا ہے تو پہلے ابتداء سے شروع کرتا ہے یعنی ثناء وفاتحہ وسورۃ شروع کرتا ہے

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۶/۱

کیا وجہ ہے کہ مقیم نماز رباعی میں امام مسافر کے ساتھ مسبوق ہو جائے تو اول خالی دو رکعت ادا کرے. برخلاف ترتیب معمولہ کے، لہذا مہربانی فرما کر محض واسطے ثواب کے یہ مسئلہ مسافر والا مفصل معہ حوالہ کتب معتبرہ کے تحریر فرمائیں تاکہ تنازع رفع ہو جائے مگر بجز حوالہ کتاب کے تسلی نہ ہو گی کیونکہ ہم نے اس جگہ بہت کتب سے معلوم کیا ہے کچھ تسکین نہ ہوئی، اور اگر پہلی خالی دو رکعت کو ادا کرے تو اس میں قعدہ ایک پر کرے یا نہ؟ اور قرأت وسجدہ سہو بھی ادا کرے یا نہ؟ از جانب نیاز مند امیر احمد اگرچہ ظاہر آپ سے ملاقات حاصل نہیں مگر زبانی حافظ ولی اللہ شاہ صاحب سے آپ کی تعریف سن کر شائق ہوں کہ آپ جیسا شاید ہندوستان میں کوئی عالم حنفی مذہب موجود نہیں، جو مسئلہ حافظ ولی اللہ شاہ صاحب نے اوپر لکھا ہے آپ پورا پورا بعینہٖ حوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں تاکہ اطمینان کلی حاصل ہو اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے اور دوسرا صرف نیاز مند کو یہ شبہہ واقع ہوا ہے کہ مسافر کے ساتھ مقیم نے نماز چہارگانہ میں دوسری رکعت میں آکر اقتداء کیا تو اب پہلی رکعت جو بعد فراغ امام اٹھ کر پڑھے گا کس طرح پڑھے گا؟ کیونکہ اس کی تین رکعت باقی ہیں اور یہ جو رکعت امام کے ساتھ اس نے پائی ہے مقتدی کی کونسی رکعت ہوگی؟ آیا بعموم قاعدہ کے جو رکعت امام کی وہی رکعت مقتدی کی، اس نماز میں تو یہ رکعت امام کی بلحاظ مسافر ہونے کے آخر کی ہے اور مقیم کی دوسری، اب وہ دوسری رکعت میں الحمد وقل پڑھے گا یا نہیں؟ ہر سہ رکعت میں جیسے قرأت پڑھنی کتب سے ثابت ہو تحریر فرمائیں مکلّف اوقات گرامی امیر احمد عفی عنہ مکرر عرض یہ ہے کہ قیاس یہ چاہتا ہے کہ جو رکعت امام کی قرأت والی ہے اس کی بھی قرأت والی رکعت اس کے ساتھ ملحق ہو جائے یا کہ پہلی دو رکعت وہ ادا کرے جو خالی سورۃ والی ہیں فقط

بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم۔

(شاہ صاحب کرم فرما اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، حکم مسئلہ جو کہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بیان کیا صحیح ومطابق کتاب تھا منشا اشتباہ ناظرین یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ مقیم بھی مسبوق ہے اور ہم مسبوق کو دیکھتے ہیں کہ حق قرأت میں اول نماز سے ابتداء کرتا ہے، درمختار میں ہے:

المسبوق یقضی اول صلاتہ فی حق قرأۃ[1]۔	مسبوق قرأت کے حق میں اپنی پہلی رکعت تصور کرکے ادا کرے گا۔ (ت)

[1] درمختار، باب الامامۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۶/۱

توچاہئے تھا کہ یہ بھی بعد سلام امام رکعت اولٰی ہی ادا کرتا جس میں اس کو حکم قرأت ہے مگرانہوں نے یہ خیال نہ فرمایا کہ صورت مسطورہ میں مقیم تنہا مسبوق نہیں لاحق بھی ہے دو رکعت اخیرہ کی نظر سے لاحق اور اولٰی کے اعتبار سے مسبوق، درمختار میں ہے:

اللاحق من فاتته الرکعات کلھا اوبعضھا بعد اقتدائہ کمقیم ائتم بمسافر [1]۔	لاحق وہ ہوگا جس کی اقتداء کے بعد تمام یا بعض رکعات (امام سے) رہ گئی ہوں جیسا کہ وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتداء کی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فھولاحق بالنظر للاخیرتین وقد یکون مسبوقا کما اذا فاتتہ اول صلاۃ امامہ المسافر [2] ط۔	یعنی وہ آخری رکعتوں کے لحاظ سے لاحق ہے اور کبھی مسبوق بھی ہوسکتا ہے جب مسافر امام کے ساتھ اس کی پہلی رکعت رہ گئی ہو ط۔(ت)

اور مسبوق لاحق کو یہی حکم ہے کہ پہلے دو رکعت بے قرأت ادا کرے جن میں لاحق ہے ان سے فارغ ہو کر رکعت مسبوق بہا کی قضاء باقرأت کرے۔ درمختار میں ہے:

اللاحق یبدأ بقضاء مافاتہ بلاقرأۃ ثم ماسبق بہ بھا ان کان مسبوقا ایضا [3]۔ (ملخصا)	لاحق پہلے بغیر قرأت کے فوت شدہ ادا کرے اور اگر مسبوق بھی ہو تو اس کے بعد وہ پڑھے جس میں مسبوق ہوا (یعنی اول رکعت جو باقی تھی اس کو قرأت کے ساتھ پڑھے)۔(ت)

توعلماء کا فرمانا کہ مسبوق قضائے رکعات میں اول نماز سے آغاز کرے اس کے یہ معنی نہیں کہ سب سے پہلے رکعات مسبوق بہا کی قضا کرے، یہ تو نہ لفظوں کا مفاد نہ ان کی مراد نہ واقع میں صحیح ومتصف بسداد تمام کتب فقہ جن میں خود انہیں علماء کی صاف وصریح تصریح ہے کہ مقتدی جس نماز میں لاحق ہو اسے مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے اس کے بطلان پر شاہد عدل بلکہ علماء اس حکم سے صرف رکعات مسبوق بہا کی باہمی ترتیب ارشاد فرماتے ہیں یعنی چند رکعتوں میں مسبوق ہوا وہ ان کی قضا کے وقت الاول فالاول ادا کرے مثلاً تین میں مسبوق ہو تو پہلی میں ثناء وتعوذ وفاتحہ سب کچھ پڑھے دوسری میں صرف فاتحہ وسورۃ، تیسری میں

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۶

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

[3] درمختار ۔ باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۶

فقط فاتحہ، غرض حکم منکشف ہے اور شبہہ منکسف، یونہی دوسرا شبہہ کہ قیاس چاہتا ہے کہ رکعت قرأت رکعت قرأت سے ملحق ہو،

اوّلاً نصوص صریحہ کے مقابل ہمارے خیالات کو کیا دخل!

ثانیاً جسے چار رکعتی نماز میں صرف اخیرہ ملی بعد سلام امام دو رکعت قرأت پڑھے گا توجیسے خالی سے خالی کا اتصال ضرور نہیں یونہی بھری سے بھری کا۔

ثالثاً یہ دیکھنا تھا کہ وہ رکعت قرأت کون سی ہے جس سے رکعت قرأت ملحق ہوتی ہے اور وہ کون سی ہے جو اسے امام کے ساتھ ملی ہے وہ رکعت قرأت رکعت اولٰی ہے جس کے بعد رکعات قرأت ہوتی ہے اور اس نے ہمراہ امام رکعت ثانیہ پائی اس سے رکعت بے قرأت ہی ملتی ہے غرض یونہی دیکھئے تو دوسری کے بعد تیسری کا محل ہے نہ وہ پہلی کا بخلاف مسبوق کہ چوتھی تک ادا کرچکا لاجرم اب پہلی سے شروع کرے گا، رہا حکم قعود و سجود جب سلام امام مسافر کے بعد مقیم قائم ہو ایک رکعت پڑھ کر اسے قعود چاہئے کہ اگر اصل میں یہ تیسری رکعت ہے مگر اس کی ادا میں دوسری ہے تو اس پر ایک شفعہ تمام ہوگا اور ہر شفعہ پر قعدہ مطلقاً چاہئے، امام، منفرد، مقتدی، مدرک، لاحق، مسبوق اس قدر حکم میں سب شریک ہیں، مسبوق کے لئے درمختار وخلاصہ وہندیہ میں ہے:

واللفظ لهاتین لوادرك ركعة من المغرب قضٰی ركعتین وفصل بقعدة فتكون بثلث قعدات ولوادرك ركعة من الرباعية يقضی ركعة و يتشهد[1] الخ	الفاظ ہندیہ وخلاصہ کے ہیں اگر مغرب کی ایک رکعت پائی تو دو اور پڑھے اور ان کے درمیان قعدہ کرے تو اب تین قعدے ہو جائیں گے، اور اگر چار میں سے ایک رکعت پائی تو ایک رکعت پڑھ کر تشہد بیٹھے الخ (ت)

لاحق کے لئے شرح مجمع وغنیہ وردالمحتار میں ہے:

لوسبق بركعة من ذوات الاربع ونام فی ركعتین يصلی اولامانام فيه ثم ما ادركه مع الامام ثم ماسبق به فيصلی ركعة مما نام	اگر چار میں سے ایک رکعت (امام سے) گزرگئی اور دو رکعتوں میں وہ سوگیا تو پہلے سونے والی رکعتیں ادا کرے پھر وہ جو امام کے ساتھ پائی اور پھر فوت شدہ ادا کرے تو وہ ایک رکعت جو سوتے میں

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی المسبوق واللاحق مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۹۱

فیه مع الامام ویقعد متابعة له لانها ثانیة امامه ثم یصلی اخری ممانام فیه ویقعد لانها ثانیته[1] الخ	امام کے ساتھ ہوئی، پڑھے گا اور اتباعًا قعدہ کرے کیونکہ امام کی دوسری تھی، پھر ایک اور رکعت سونے والی پڑھے اور قعدہ کرے کیونکہ وہ اس کی دوسری ہے الخ (ت)

دیکھو ان کی ادا میں جو رکعت دوسری تھی اس پر قعدہ کا حکم دیا اگرچہ واقع میں وہ مسبوق کی پہلی اور لاحق کی تیسری تھی کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہ عبارت بھی نص صریح ہے کہ لاحق مسبوق جس رکعت میں لاحق ہوا سے رکعت مسبوق بہا سے پہلے ادا کرے گا اور مقیم مذکور کو بعد فراغ امام جو سہو ہوا اگر وہ سہو رکعت مسبوق بہا میں ہے تو بالاجماع سجدہ سہو لازم لانه فیها مسبوق وعلی المسبوق السجود بسهوہ (کیونکہ اس میں وہ مسبوق ہے اور مسبوق پر سہو کی وجہ سجدہ سہو لازم ہوتا ہے۔ت) اور اگر ان دو رکعت میں ہے جن میں اسے حکم لاحق دیا گیا تو لزوم سجدہ میں علماء مختلف ہیں اور اصح لزوم ہے، بحر الرائق ہے:

المقیم اذا اقتدی بالمسافر ثم قام لاتمام صلاته وسها ذکر فی الاصل انه یلزم سجود السهو وصححه فی البدائع[2] اھ ملخصًا۔	وہ مقیم جس نے مسافر کی اقتدا کی جب وہ اتمام نماز کے لئے کھڑا ہوا اور بھول گیا تو اصل میں ہے کہ اس پر سجدہ سہو لازم ہے، بدائع میں اس کی تصحیح کی اھ تلخیصًا (ت)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۰

[2] بحر الرائق، باب سجود السھو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۰۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فصل الاستخلاف

(خلیفہ بنانے کا بیان)

مسئلہ ۹۵۸ : از کیمپ بریلی ۱۱/ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر نماز پڑھاتے میں امام کا وضو جاتا رہے تو مقتدی کیا کریں اور ان کی نماز کیونکر درست رہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت استخلاف کی ہے کہ امام قبل اس کے کہ وضو کرنے کو مسجد سے باہر نکلے مقتدیوں میں سے کسی صالح امامت کو اپنا خلیفہ کردے اور وہ خلیفہ نہ کرے تو مقتدی اپنے میں سے ایک کو امام کردیں یا ان میں سے کوئی خود ہی آگے بڑھ جائے بشرطیکہ امام ابھی مسجد سے خارج نہ ہوا ہو کہ خلیفہ اس کی جگہ جاکھڑا ہو ان صورتوں میں بعد لحاظ شرائط کثیرہ نماز قائم رہے گی اور اگر پانی مسجد ہی میں مل سکے کہ وضو کے لئے باہر جانا نہ پڑے تو ان باتوں کی حاجت نہیں بلکہ مقتدی اپنی حالت پر باقی رہیں اور امام وضو کرکے آجائے اور نماز جہاں سے چھوڑی تھی شروع کردے مگر یہ مسئلہ استخلاف ایک سخت دشوار وکثیر الشقوق مسئلہ ہے جس میں بہت سے شرائط اور بکثرت اختلاف صور سے اختلاف احکام ہے جن کی پوری مراعات عام لوگوں سے کم متوقع، لہٰذا وہ ان امور کے خیال میں نہ پڑیں بلکہ جو بات احسن وافضل واعلیٰ واکمل ہے اسی پر کاربند رہیں یعنی اس نیت کو توڑ کر از سرنو نماز پڑھنا کہ جو لوگ علم کافی رکھتے اور مراعات جمیع احکام پر قادر ہیں ان کے لئے بھی افضل یہی ہے تو عام لوگ ایک خلاف افضل بات کے حاصل کرنے کو ایسے راہ دشوار گزار میں کیوں پڑیں،

فی الدر المختار اعلم ان لجواز البناء ثلثة عشر شرطا الخ ثم قال سبق الامام حدث غیر مانع للبناء استخلف ای جازله ذٰلک مالم یجاوز الصفوف لوفی الصحراء ومالم یخرج من المسجد لوفیه ولوکان الماء فی المسجد لم یحتج للاستخلاف واستینافه افضل تحرزا عن الخلاف[1] اھ ملتقطا۔	درمختار میں ہے آگاہ رہنا چاہئے کہ جوازِ بناء کی تیرہ شرائط ہیں، پھر فرمایا: امام کو ایسا حدث لاحق ہوگیا جو بنا سے مانع نہیں تو وہ کسی کو خلیفہ بنائے یعنی اس کے لئے یہ جائز ہے جب تک اس نے صفوں سے تجاوز نہیں کیا بشرطیکہ وہ صحرا میں ہو اور اگر مسجد میں ہو تو جب تک مسجد سے خارج نہیں ہوا خلیفہ بناسکتا ہے، اور اگر مسجد میں پانی ہو تو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں البتہ اختلاف سے بچنے کے لئے نئے سرے سے نماز ادا کرنا افضل ہے اھ تلخیصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان قدم القوم واحدا اوتقدم بنفسه لعدم استخلاف الامام جاز ان قام مقام الاول قبل ان یخرج من المسجد ولوخرج منه فسدت صلاة الکل دون الامام کذا فی الخانیة[2] انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم	امام کے خلیفہ بنانے کی وجہ سے اگر قوم نے کسی ایک کو آگے کردیا یا کوئی خود آگے ہوگیا تو یہ جائز ہے بشرطیکہ وہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے قائم مقام بن جائے اور اگر امام مسجد سے خارج ہوگیا تو امام کے علاوہ باقی تمام کی نماز فاسد ہوجائے گی جیسا کہ خانیہ میں ہے انتہی۔ (ت)

مسئلہ ۹۵۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو حدث ہوا اس نے ایک اُمّی مقتدی کو خلیفہ کیا، اس خلیفہ نے دوسرے کو خلیفہ کردیا، آیا یہ نماز صحیح ہوئی یا فاسد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ خلیفہ فی الحقیقۃ امی ہے کہ ایک آیت بھی قرآن کی اسے یاد نہیں اور اس نے قبل اس کے کہ امام مسجد سے باہر جائے اور آپ امام کی جگہ پہنچے دوسرے شخص صالح امامت کو خلیفہ کردیا اور وہ امام کے

---

[1] درمختار باب الاستخلاف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۷

[2] ردالمحتار باب الاستخلاف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۴۴

نکلنے سے پہلے اس کی جگہ پر پہنچ گیا تونماز صحیح ہو گئی کہ ہرچند اُمّی صلاحیت خلافت نہیں رکھتا لیکن اس حالت میں خلیفہ دوسرا شخص ہے نہ وہ،

فی الھندیۃ وشرط جواز صلاۃ الخلیفۃ والقوم ان یصل الخلیفۃ الی المحراب قبل ان یخرج الامام عن المسجد کذا فی البحر الرائق ولواستخلف فاستخلف الخلیفۃ غیرہ قال الفضلی ان لم یخرج الاول ولم یأخذ الخلیفۃ مکانہ حتی استخلف جاز یصیرکان الثانی تقدم بنفسہ اوقدمہ الاول والا لم یجز ھکذا فی الخلاصۃ[1]۔	ہندیہ میں ہے خلیفہ اور قوم کی نماز کے جواز کے لئے شرط ہے کہ امام کے مسجد سے خارج ہونے سے پہلے پہلے خلیفہ محراب میں پہنچ جائے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے اور اگر خلیفہ نے اپنی جگہ اور خلیفہ بنالیا تو فضلی کہتے ہیں کہ اگراول نہیں نکلا اور خلیفہ نے امام کی جگہ لینے سے پہلے کوئی اور خلیفہ بنالیا تو جائز ہے گویادوسراخود بنایا پہلے نے اسے بنایا ورنہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

اور جوامام نے اسے تشہد میں یا اس سے پہلے خلیفہ کیا اور اس نے امام کی جگہ پر پہنچنے کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ کیا تونماز فاسد ہوئی اب اصلاح اس کے دوسرے کو خلیفہ کرنے سے متصور نہیں،

فی الدرالمختار واستخلف الامام امیا فی الاخریین ولوفی التشھد اما بعدہ فتصح لخروجہ بصنعہ تفسد صلاتھم[2]۔	درمختار میں ہے اگرامی کو آخری دورکعات حتی کہ تشہد میں خلیفہ بنایا(توامام کی نماز فاسد ہوگی) لیکن اس کے بعد صحیح ہے کیونکہ اس کا خروج بالارادہ ہے، لوگوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔(ت)

اسی طرح دوسرا شخص امام کی جگہ پر بعد اس کے کہ امام مسجد سے خارج ہو پہنچا تونماز فاسد ہو گئی اور جو خلیفہ اول کو ایک آیت قرآن کی یاد ہے تو وہ صالح خلافت تھا ایسی صورت میں دوسرے کو خلیفہ کرنے سے نماز اس کی فاسد ہو گئی کہ استخلاف بدون ضرورت کے نماز کو فاسد کرتا ہے کمافی الھدیۃ فی مسئلۃ من الحدث (جیسا کہ ہدایہ میں مسئلہ حدث میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی الاستخلاف مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۹۶/۱

[2] درمختار ، باب الامامۃ ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ، ۸۶/۱

مسئلہ ۹۶۰: از شہر بازار شہامت گنج نثار احمد صاحب ۹/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا نماز میں وضو ٹوٹ گیااور امام رکوع ان ابراھیم کان پڑھ رہا تھااور جو خلیفہ امام نے بنایا اس کو رکوع مذکور یاد نہیں تھا اب وہ خلیفہ کوئی سورت یعنی اخلاص یااور کوئی سورت پڑھے تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اور وضو کے بعد امام اپنی جگہ پر آسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز ہو جائے گی اور امام کے خلیفہ نے جتنی پڑھی اُتنی پڑھ کر اگر خلیفہ نماز میں ملے اس کا شریک ہو جائے، یہ نہیں ہو سکتا کہ باقی نماز میں اسے ہٹا کر خود امام ہو جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

باب مفسدات الصّلٰوۃ

(مفسداتِ نماز کابیان)

مسئلہ ۹۶۱ : از بمبئی مسجد قصاباں کرافٹ مارکیٹ مرسلہ مولوی عمرالدین صاحب ۲۹/شعبان ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم ذی الفضل الاعظم دامت برکاتکم العالیہ بعد تسلیمات بصد تعظیمات کے واضح رائے عالی ہو کہ زمانہ طالب علمی میں کسی کتاب میں دیکھا تھا کہ مصلی کو غیر مصلی پنکھا کرے تو مصلّی کو اگر اس پر رضامندی ہے تو نماز اس کی فاسد ہوجائے گی، اب اس مسئلہ کو بہت تلاش کیا ہوں نہیں ملتا البتہ مولوی عبدالحیٔ کے رسالہ نفع المفتی والسائل میں ہے :

قلت فما فی مجمع البرکات من فساد صلٰوۃ من روحہ غیرالمصلی بمروحۃ معللا بانہ رضی بفعل الغیر غیر معتمد علیہ فانہ مخالف للدرایۃ و الروایۃ وقد کان الوالد العلام افتی بہ مرۃ ثم رجع عنہ وحکم بکونہ غلطا وقد اغتربہ بعض معاصریہ فاصر علی الافتاء بہ	میں نے کہا پس جو مجمع البرکات میں ہے کہ غیر نمازی اگر نمازی کو پنکھے سے ہوا دے تو نمازی کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ وہ نمازی غیر کے فعل پر راضی ہے یہ فسادِ نماز کا حکم فہم اور روایت کے مخالف ہے، میرے والد گرامی نے ایک دفعہ یہ فتوٰی دیا تھا، پھر اس سے انہوں نے رجوع فرمالیا اور فرمایا کہ یہ فتوٰی غلط ہے اور والد صاحب کو معاصرین میں سے ایک صاحب نے دھوکا دے کر اصرار کرتے ہوئے یہ

واعتمد علیه عملا وافتآءً ولم یدر کونه لغوا[1]۔	فتوی ان سے حاصل کیا، والد صاحب نے ان پر اعتماد کرتے ہوئے عملاً فتوی دے دیا اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لغو بات ہے۔(ت)

مجمع البرکات کس کی تصنیف ہے اور حضور کی رائے عالی اس مسئلہ میں اس کے موافق ہے یا مخالف، بر تقدیر موافقت برقی پنکھا جو آدمی کی صنعت ہے اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ چار چھ سطر اس کے متعلق اگر جوابی کارڈ پر تحریر فرمائی جائے تو عین بند نوازی ہوگی۔

الجواب:

مولٰنا المبجل المکرم المفخم المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کاسمہ عمر الدین آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، مجمع البرکات مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، کی تصنیف ہے اگر یہ عبارت اس کے کسی نسخہ صحیحہ میں ہو تو اس سے مراد نماز قلبی کا فساد ہوگا، نہ نماز فقہی کا کہ ادائے فرض ودفع کبیرہ ترک کے لئے باذنہ تعالٰی کافی ہے ظاہر ہے کہ فعل غیر پر رضا عمل قلیل بھی نہیں کثیر درکنار، تو فساد نماز فقہی ناممکن ہے ہاں نماز قلبی تذلل وتضرع وتخشع ہے **کما فی الحدیث** (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ت) اور یہ امر نوع تجبر پر دال ہے لہٰذا اس میں مخل ہوسکتا ہے اگر اس کی نیت خود استخدام اور نماز میں اپنا اعظام ہو تو یقیناً مفسدِ نماز قلب ہے ورنہ مفسد کی صورت ہے لہٰذا احتراز درکار ہے پنکھا کہ کل کے ذریعہ سے چلے اگر اس کے مسالے میں مٹی کا تیل وغیرہ بدبودار چیزیں ہو تو ایسی اشیاء کا مسجد میں لے جانا حرام ہے ورنہ کم از کم ناپسند وخلاف مصالح ہے پنکھے کا مسئلہ فتاوٰی فقیر میں بہت مفصّل ہے فلیراجع (اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶۲: مسؤلہ شوکت علی ۲۳ربیع الاخری شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازی کے آگے سے نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے اور اس کی نماز میں تو کوئی خلل نہیں ہوتا ہے اور نمازی کے آگے سے کس قدر دور تک گزر، نہ کرنا چاہئے؟

الجواب:

نماز میں کوئی خلل نہیں آتا نکلنے والا گنہگار ہوتا ہے، نماز اگر مکان یا چھوٹی مسجد میں پڑھتا ہو تو دیوار قبلہ تک نکلنا جائز نہیں جب تک بیچ میں آڑ نہ ہو اور صحرا یا بڑی مسجد میں پڑھتا ہو تو صرف موضع سجود تک نکلنے کی

[1] نفع المفتی والسائل ما یتعلق بما یفسد الصلوٰۃ وما یکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۵

اجازت نہیں اس سے باہر نکل سکتا ہے۔ موضع سجود کے یہ معنی ہیں کہ آدمی جب قیام میں اہل خشوع وخضوع کی طرح اپنی نگاہ خاص جائے سجود پر جمائے یعنی جہاں سجدے میں اس کی پیشانی ہوگی تو نگاہ کا قاعدہ ہے کہ جب سامنے روک نہ ہو تو جہاں جمائے وہاں سے کچھ آگے بڑھتی ہے جہاں تک آگے بڑھ کر جائے وہ سب موضع میں ہے اس کے اندر نکلنا حرام ہے اور اس سے باہر جائز۔ درمختار میں ہے:

مرور مارٍّ فی الصحراء اوفی مسجد کبیر بموضع سجودہ فی الاصح اومرورہ بین یدیہ الی حائط القبلۃ فی بیت ومسجد صغیر فانہ کبقعۃ واحدۃ[1]۔	نمازی کے آگے سے صحرا اور بڑی مسجد میں گزرنا اصح قول کے مطابق اس کی سجدہ کی جگہ سے گزرنا ہے یا گھر یا چھوٹی مسجد میں دیوار قبلہ تک گزرنا ہے کیونکہ یہ ایک ہی جگہ کے حکم میں ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بموضع سجودہ کما فی الدرر وھذا مع القیود التی بعدہ انما ھو للاثم والافالفساد منتف مطلقا، قولہ فی الاصح صححہ التمرتاشی وصاحب البدائع واختارہ فخرالاسلام ورجحہ فی النھایۃ والفتح انہ قدرمایقع بصرہ علی المار لوصلی بخشوع ای رامیا ببصرہ الی موضع سجودہ[2] اھ مختصرا۔	ماتن کا قول" نمازی کے سجدہ کی جگہ" جیسا کہ درر میں ہے یہ بات ان قیودات کے ساتھ جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں فقط گناہ کا سبب ہے ورنہ ہر حال میں نماز فاسد نہیں ہوتی، اس کا قول" اصح قول کے مطابق ہے" اسے تمرتاشی اور صاحب بدائع نے صحیح کہا اور اس کو فخر الاسلام نے اختیار کیا اور اس کو ترجیح دی۔ نہایہ اور فتح میں ہے کہ اس کی مقدار یہ ہے کہ خشوع سے نماز پڑھتے ہوئے نمازی کی نظر گزرنے والے پر پڑے، اور خشوع سے مراد یہ ہے کہ وہ سجدہ کی جگہ دیکھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہو اھ تلخیصًا(ت)

منحۃ الخالق میں تجنیس سے ہے:

الصحیح مقدار منتھی بصرہ وھو موضع سجودہ وقال ابونصر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مقدار مابین الصف الاول وبین	صحیح یہ ہے کہ اس کی مقدار نمازی کی انتہا نگاہ ہے اور وہ اس کے سجدہ کی جگہ ہے۔ ابونصر نے فرمایا کہ اس کی مقدار صف اول اور امام کے درمیانی جگہ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۶۹

مقام الامام وھذا عین الاول ولکن بعبارۃ اخری قال رضی اللہ تعالٰی عنه وفیما قرأنا علی شیخنا منهاج الائمة رحمه اللہ تعالٰی ان یمر بحیث یقع بصرہ وهو یصلی صلاۃ الخاشعین وهذہ العبارۃ اوضح۔[1]	ہے اور یہ پہلے کے عین مطابق ہے البتہ دوسرے الفاظ میں ہے، انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اپنے شیخ منہاج الائمہ رحمہ اللہ تعالٰی سے جو پڑھا وہ یہ ہے کہ نمازی خشوع والوں کی نماز ادا کررہاہے اس کی نگاہ گزرنے والے پر پڑسکتی ہے، اور یہ عبارت نہایت ہی واضح ہے۔(ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

فانظر کیف جعل الکل قولا واحدا وانما الاختلاف فی العبارۃ لافی المعنی[2]۔	آپ نے دیکھا کہ انہوں نے تمام اقوال کو ایک قول قرار دیا اور اختلاف فقط عبارت میں ہے معنی میں نہیں۔(ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

(قوله فی بیت) ظاهرہ ولوکبیرا وفی القهستانی وینبغی ان یدخل فیه ای فی حکم المسجد الصغیرالدار والبیت[3]۔	ماتن کا قول" فی بیت" اس کے ظاہر سے پتا چلتاہے کہ خواہ وہ گھر بڑا ہو، قہستانی میں ہے مناسب یہ ہے کہ دار اور بیت کو مسجد صغیر کے حکم میں داخل کیاجائے۔(ت)

رہا یہ کہ مسجد صغیر وکبیر میں کیافرق ہے، فاضلِ قہستانی نے لکھا، چھوٹی مسجد وہ کہ چالیس ۴۰ گز مکسر سے کم ہو

ففی ردالمحتار (قوله ومسجد صغیر) هواقل من ستین ذراعا وقیل من اربعین وهو المختار کما اشار الیه فی الجواهر[4]۔	ردالمحتار میں قہستانی سے ہے کہ چھوٹی مسجد سے مراد وہ ہے جو ساٹھ ہاتھ سے کم ہو، بعض نے چالیس ہاتھ کہا اور مختار یہی ہے جیسا کہ اس کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔(ت)

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۵/۲

[2] تقریرات الرافعی علی ردالمحتار مطلب اذاقرأتعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۶۹/۱

[3] ردالمحتار، مطلب اذاقرأتعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ، ۴۶۹/۱ ردالمحتار،

[4] ردالمحتار، مطلب اذاقرأتعالٰی جدک الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ، ۴۶۹/۱

اقول: یہاں گز سے گزِ مساحت مراد ہونا چاہئے۔

لانہ الالیق بالممسوحات کماقالہ الامام قاضی خاں فی الماء فھھنا ھوالمتعین بالاولی۔	کیونکہ ممسوحات کے یہی زیادہ مناسب ہے جیسا کہ قاضی خاں نے پانی کے بارے میں کہا، پس یہاں بطریق اولٰی یہی متعین ہوگا۔(ت)

اور گزمساحت ہمارے اس گز سے کہ اڑتالیس انگل یعنی تین فٹ کا ہے ایک گزدو گرہ اور دو تہائی گرہ ہے کمابیناہ فی بعض فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے بعض فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) تواس گز سے چالیس گزمکسر ہمارے سے چون ۵۴ گزسات گرہ کانواں حصہ ہوا کمالایخفی علی الحاسب (جیسا کہ حساب دان پر مخفی نہیں ہے۔ت) تواس زعمِ علامہ پر ہمارے گز سے چون ۵۴ گزسات گرہ مکسر مسجد صغیر ہوئی اور ساڑھے چون (۵۴۱/۲) گزمسجد کبیر، یہ ہے وہ کہ انہوں نے لکھااور علامہ شامی نے اس میں ان کااتباع کیا۔

اقول: مگریہ شبہہ ہے کہ فاضل مذکور کو عبارتِ جواہر سے گزرا، عبارتِ جواہر الفتاوٰی درباہ دار ہے نہ کہ درباہ مسجد، مسجد کبیر صرف وہ ہے جس میں مثل صحرا اتصال صفوف شرط ہے جیسے مسجد خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، باقی عام مساجد اگرچہ دس ہزار گزمکسر ہوں مسجد صغیر ہیں اور ان میں دیوار قبلہ تک بلاحائل مرور ناجائز، کمابیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶۳: ازکلکتہ فوجداری بالاخانہ ۳۶ مرسلہ جناب مرزاغلام قادر بیگ صاحب آخر ربیع الاخری ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرامام کو قعدہ اولٰی میں اپنی عادت سے دیر لگی اور مقتدی نے بخیال اس امر کے کہ امام کو سہو ہوا ہوگا تکبیر بآواز بلند بنابر اطلاع امام کہی تو نماز مقتدی کی فاسد ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجّروا (بیان کرواور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ بتانا اگرچہ لفظاً قرات یاذکر مثلاً تسبیح و تکبیر ہے اور یہ سب اجزا واذکار نماز سے ہیں مگر معنًی کلام ہے کہ اس کا حاصل امام سے خطاب کرنا اور اسے سکھانا ہوتا ہے یعنی تو بھولا، اس کے بعد تجھے یہ کرنا چاہئے، پر ظاہر کہ اس سے یہی غرض مراد ہوتی ہے اور سامع کو بھی یہی معنی مفہوم، تواس کے کلام ہونے میں کیاشک رہا اگرچہ صورۃً قرآن یاذکر، ولہٰذا اگر نماز میں کسی یحیٰی نامی کو خطاب کی نیت سے یہ آیہ کریمہ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ[1] پڑھی بالاتفاق نماز

[1] القرآن ۱۹/۱۲

جاتی رہی حالانکہ وہ حقیقۃً قرآن ہے، اس بنا پر قیاس یہ تھا کہ مطلقاً بتانا اگرچہ بر محل ہو مفسد نماز ہو کہ جب وہ بلحاظ معنی کلام ٹھہرا تو بہر حال افساد نماز کرے گا مگر حاجت اصلاح نماز کے وقت یا جہاں خاص نص وارد ہے ہمارے ائمہ نے اس قیاس کو ترک فرمایا اور بحکم استحسان جس کے اعلیٰ وجوہ سے نص وضرورت ہے جواز کا حکم دیا، ولہذا صحیح یہ ہے کہ جب امام قرات میں بھولے مقتدی کو مطلقاً بتانا روا اگرچہ قدر واجب پڑھ چکا ہو اگرچہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال ہی کیا ہو کہ صورت اولیٰ میں گو واجب ادا ہو چکا مگر احتمال ہے کہ رکنے اور الجھنے کے سبب کوئی لفظ اس کی زبان سے ایسا نکل جائے جو مفسد نماز ہو، لہذا مقتدی کو اپنی نماز درست رکھنے کے لئے بتانے کی حاجت ہے، بعض عوام حفاظ کو مشاہدہ کیا گیا کہ جب تراویح میں بھولے اور یاد نہ آیا تو ایں آں یا اور اسی کی قسم الفاظ بے معنی ان کی زبان سے نکلے اور فساد نماز کا باعث ہوئے، اور صورت ثانیہ میں اگرچہ جب قرات رواں ہے تو صرف آیت چھوٹ جانے سے فساد نماز کا اندیشہ نہ ہو مگر اس بات میں شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نص وارد:

وھو حدیث سورۃ المومنین الذی ذکرہ المحقق فی الفتح وغیرہ فی غیرہ مع اطلاقات احادیث اخر واردۃ فی الباب کما بینہ فی الحلیۃ من المفسدات، اقول والاحسن من کل ذٰلک التمسك بما اخرج ابوداؤد وعبداللہ ابن الامام فی زوائد المسند عن مسور بن یزید المالکی قال صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فترك اٰیۃ فقال لہ رجل یارسول اللہ اٰیۃ کذا وکذا فقال فھلا اذکرتنیھا [1] وذٰلك لان حدیث الفتح فی ترك کلمۃ وھوانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرأ فی الصلاۃ سورۃ المومنین	اور وہ سورہ مومنین کے بارے میں حدیث وارد ہے محقق نے فتح میں اور دیگر فقہا نے مختلف کتب میں اسے ذکر کیا باوجودیکہ دیگر احادیث اس باب میں مطلق ہیں جیسا کہ حلیہ میں مفسدات صلوٰۃ کے باب میں بیان ہوا ہے اقول (میں کہتا ہوں) سب سے احسن تمسک کے لحاظ سے وہ حدیث ہے جسے ابوداؤد اور عبداللہ بن امام احمد نے زوائد مسند میں حضرت مِسوَر بن یزید مالکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی تو آپ نے ایک آیت چھوڑ دی ایک آدمی نے عرض کیا: یارسول اللہ! آیت تو ایسے ہے، تو آپ نے فرمایا: تو نے مجھے یاد کیوں نہ کرائی، اور وہ اس لئے کہ حدیث جو ایک کلمہ کے ترک پر لقمہ دینے

[1] سنن ابوداؤد باب الفتح علی الامام فی الصلاۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۳۱

فترك كلمة فلما فرغ قال الم يكن فيكم أبی قال بلی قال هلا فتحت علی [1] فظاهر ان حكم ترك كلمة اضيق من حكم الانتقال من اٰية الی اٰية۔ واثر علی كرم الله تعالٰی وجهه اذا ستطعمكم الامام فاطعموه [2] رواه سعيد بن منصور فی سننه وذكره فی الحلية والفتح، فيما اذا سكت الامام ينتظر الفتح، وحديث انس رضی الله تعالٰی عنه كنا نفتح علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم علی الائمة [3] رواه الدارقطنی والحاكم وصححه مجمل بخلاف ماذكرنافقيه تصريح ترك اٰية وان كان قد يقال علی هذا و علی ماتمسك به فی الفتح من حديث الكلمة انهما من وقائع العين ليس فيهما ان ذٰلك كان بعد ثلاث اوقبلها۔

کے بارے میں ہے یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں سورہ مومنون کی تلاوت فرمائی اور ایک کلمہ چھوڑدیا جب آپ فارغ ہوئے توفرمایا: کیاتم میں اُبی نہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ! موجودہوں، فرمایا: مجھے لقمہ کیوں نہ دیا۔ اور یہ واضح ہے کہ کلمہ کاترک کرنا ایک آیت سے دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے سے زیادہ تنگ ہے اور حضرت علی کرّم اللہ وجہہ، کا کہنا ہے کہ جب امام تم سے لقمہ چاہے تولقمہ دو، اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیاہے، حلیہ اور فتح میں اسے اس صورت کے بارے میں کہ، جب امام خاموش ہوجائے اور لقمہ کاانتظار کرے، ذکرکیاگیاہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث کہ ہم رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں اپنے ائمہ کو لقمہ دیا کرتے تھے اسے دارقطنی اور حاکم نے روایت کیااور صحیح کہا، یہ حدیث مجمل ہے۔ بخلاف اس حدیث کے جو ہم نے ذکرکی، اس میں ترک آیت کی تصریح ہے اگرچہ اس آیت کے ترک والی اور وہ حدیث جس میں کلمہ کاترک مذکور ہے جس سے فتح القدیر میں استدلال کیاگیاہے، پراعتراض کیاگیاہے، یہ خاص واقعات ہیں اس میں اس بات کاتذکرہ نہیں کہ یہ تین آیات پڑھنے کے بعد ہوایاپہلے ہو۔ (ت)

وللہذا اگرکوئی مکان میں آنے کااذن چاہے اور یہ اس غرض سے کہ اسے نماز میں ہونا معلوم ہوجائے تسبیح یا تکبیر یا تہلیل کہے نماز فاسد نہ ہوگی کہ اس بارے میں بھی حدیث وارد،

[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۸

[2] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۸

[3] سنن الدارقطنی باب تلقین المأموم لامامہ الخ مطبوعہ نشرالسنۃ ملتان ۱/۳۹۹

وھو علی ماذکر علمائنا فی الھدایۃ و الکافی والتبیین والفتح والحلیۃ والغنیۃ والبحر وغیرھا حدیث سھل بن سعد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نابہ شیئ فی صلاتہ فلیسبح [1] اخرجہ الشیخان وغیرھما۔ اقول: والاقرب مااخرج احمد فی المسند عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ قال کان لہ ساعۃ من السحر ادخل فیھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان کان قائما یصلی سبح [2] لی الحدیث۔	یہ اس حدیث کے مطابق ہے جو ہمارے علماء نے ہدایہ، کافی، تبیین، فتح، حلیہ، غنیہ اور بحر وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ جس شخص کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو وہ تسبیح کہے، اسے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اقول: (میں کہتا ہوں) سب سے اقرب وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے مسند میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کیا ہے کہ میرے لئے سحری کے وقت میں ایک خاص وقت تھا جس میں میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا تو اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو تسبیح پڑھ کر مجھے اندر آنے کی اجازت دیتے الخ الحدیث (ت)

بس جو بتانا حاجت ونص کے مواضع سے جدا ہو وہ بیشک اصل قیاس پر جاری رہے گا کہ وہاں اس کے حکم کا کوئی معارض نہیں اس لئے اگر غیر نمازی یا دوسرے نمازی کو جو اس کی نماز میں شریک نہیں یا ایک مقتدی دوسرے مقتدی یا امام کسی مقتدی کو بتائے قطعاً نماز قطع ہوجائے گی کہ اس کی غلطی سے اس کی نماز میں کچھ خلل نہ آتا تھا جو اسے حاجت اصلاح ہوتی تو بے ضرورت واقع ہوا اور نماز گئی بخلاف امام کہ اس کی نماز کا خلل بعینہٖ مقتدی کی نماز کا خلل ہے تو اس کا بتانا اپنی نماز کا بنانا ہے، تبیین الحقائق میں ہے:

قولہ وفتحہ علی غیر امامہ لانہ تعلیم وتعلم من غیر ضرورۃ فکان من کلام الناس وقولہ علی غیر امامہ یشمل فتح	ماتن کا قول (نمازی کا اپنے امام کے غیر کو لقمہ دینا) کیونکہ یہ بغیر ضرورت تعلیم و تعلم ہونے کی وجہ سے لوگوں کے کلام کی طرح ہوگا۔ اس کا قول "اپنے

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب من دخل لیؤم الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹۴

[2] مسند احمد بن حنبل مسند علی ابن ابی طالب دار الفکر بیروت ۱/۷۷

المقتدی علی المقتدی وعلی غیر المصلی وعلی المصلی وحدہ وفتح الامام المنفرد علی ای شخص کان وکل ذٰلك مفسد الا اذا قصدبہ التلاوۃ دون الفتح[1] اھ ملخصا	امام کے علاوہ" کے الفاظ، مقتدی کا مقتدی کو، غیر نمازی تنہا نمازی کے لقمہ کو اور امام اور منفرد کا کسی بھی دوسرے شخص کو لقمہ دینے کو شامل ہیں اور ان تمام صورتوں میں نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن اس صورت میں نماز فاسد نہ ہوگی جب تلاوت مقصود ہو، لقمہ دینا مقصود نہ ہو اھ تلخیصًا (ت)

درمختار میں ہے:

یفسدھا کل ماقصد بہ الجواب اوالخطاب کقولہ لمن اسمہ یحیی، یایحیی خذ الکتٰب بقوۃ[2] اھ ملخصا۔	ہر وہ شے نماز کو فاسد کردے گی جس سے جواب یاخطاب مقصود ہو جیسا کہ یحیٰی نامی شخص کو یہ کہنا یایحیٰی خذالکتاب بقوۃ (اے یحیٰی! کتاب کو مضبوطی سے پکڑ) اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اوالخطاب الخ ھذا مفسد بالاتفاق وھو مماورد نقضا علی اصل ابی یوسف فانہ قراٰن لم یوضع خطابالمن خاطبہ المصلی وقد اخرجہ بقصد الخطاب عن کونہ قراٰنا وجعلہ من کلام الناس[3]۔	اس کا قول" اوالخطاب" بالاتفاق مفسد نماز ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن سے امام ابویوسف کے قاعدے پر نقض وارد ہوتا ہے کہ یہ قرآن ہے اس کی وضع اس لئے نہیں کہ کوئی شخص اس سے نمازی کو مخاطب کرے، حالانکہ (وجہ یہ ہے) کہ اس نے اسے قصد خطاب کے طور پر، قرآن ہونے سے خارج کیا اور اسے کلام الناس میں شامل کردیا ہے۔ (ت)

علامہ ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

الذی یفتح کانہ یقول خذ منی کذا والتعلیم لیس من الصلاۃ فی شیئ	لقمہ دینے والا گویا کہہ رہا ہوتا ہے کہ" مجھ سے یہ لے لو" اور سکھانا نماز کا حصہ نہیں اور ایسی

[1] تبیین الحقائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ امیریہ کبرٰی بولاق مصر ۱/۱۵۶
[2] الدرالمختار باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

وادخال مالیس منها فیها یوجب فسادها وکان قضیة هذا المعنی ان تفسد صلاته اذا فتح علی امامه لکن سقط اعتبار التعلیم للاحادیث و للحاجة الی اصلاح صلاة نفسه فماعدا ذلك یعمل فیه بقضیة القیاس[1] ھ ملخصا بالمعنی۔	شیئ کا نماز میں داخل کرنا جو نماز میں سے نہیں نماز کے فساد کا سبب ہے۔ اس بات کے پیش نظر ہونا یہی چاہئے کہ جب امام کو لقمہ دیا جائے تو بھی نماز فاسد ہوجائے لیکن اس صورت میں نماز کے فساد کا حکم اس لئے جاری نہیں کیا جاتا کہ احادیث میں اس کی اجازت ہے اور نماز کی اصلاح کی بھی حاجت ہے البتہ اس کے علاوہ دیگر صورتوں میں قیاس پر عمل کیا جائے گا (یعنی نماز فاسد ہوجائے گی) ملخصًا بالمعنٰی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

هذا قد استعمل فی موضع الجواب وقد ارید ذٰلك منه وفهم فیصیر من هذا الوجه کلام الناس فیفسد و ان لم یکن من حیث الصیغة فی الاصل من کلامهم فالقیاس فساد الصلٰوة الا انا ترکناه بالنص والمعدول به عن القیاس لایقاس علیه[2] ھ ملخصا۔	یہ جواب میں مستعمل ہے اور یہاں وہی مراد اور مفہوم ہے لہذا یہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کی وجہ سے مفسد نماز ہے اگرچہ الفاظ کے لحاظ سے لوگوں کے کلام میں سے نہیں۔ تو قیاس کا تقاضا ہے کہ نماز فاسد ہوجائے مگر نص کی بناپر قیاس ترک کردیا اور جو خود خلافِ قیاس ہوں اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اھ ملخصًا (ت)

اُسی میں ہے:

(م) ان فتح بعد ماقرأ قدر ماتجوز به الصلاة تفسد (ش) لانه لیس فیه اصلاح صلاته فیبقی تعلیما وجوابا له وان اخذ الامام بفتحه تفسد صلاة الکل (م)	(متن) اگر یہ لقمہ اتنی قرات کے بعد دیا جس سے نماز ہوجاتی ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ اس میں اس کی نماز کی اصلاح نہیں ہے لہذا یہ تعلیم وجواب ہوگا اور اگر امام نے لقمہ لے لیا تو تمام کی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

الصحیح لا (ش) کذا فی الخانیة والخلاصة ونص القاضی فی شرح الجامع الصغیر انه الاصح وعلله هو وغیرہ بانه لولم یفتح ربما جری علی لسانه مایکون مفسدا فکان بمنزلة الفتح والاولی فی التعلیل حدیث المسوربن یزید واطلاق ماروی عن علی و عن انس رضی الله تعالٰی عنه (م) وان انتقل الامام الی اٰیة اخری ففتح علیه بعد الانتقال تفسد (ش) لوجود التلقین من غیرضرورہ کذا فی الهدایة وغیرها وجعل صاحب الذخیرۃ هذا محکیا عن القاضی الامام ابی بکر الزر نجری وان غیرہ من المشائخ قالوا لاتفسد کذا نقلوہ عن المحیط واخذ من هذا صاحب النهایة ان عدم الفساد قول عامة المشائخ ووافقه شیخنا رحمه الله تعالٰی علی ذلك وهو الاوفق لاطلاق الرخص الذی رویناہ[1] اھ ملخصاً۔	نماز فاسد ہوجائے گی۔ (متن) صحیح یہ ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوتی (شرح) اسی طرح خانیہ اور خلاصہ میں ہے اور قاضی نے شرح جامع الصغیر میں کہاہے کہ یہی اصح ہے اور انہوں نے اور دیگر لوگوں نے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ لقمہ نہیں دے گا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسی چیز جاری ہوجاتی ہے جو نماز کے لئے مفسد ہوتی اس لئے وہ لقمہ ہی ہوگا، حضرت مِسوَر بن یزید سے مروی اور وہ جو حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مروی روایات کا اطلاق علت کے بیان کے لئے بہتر ہے (متن) اور اگرامام کسی دوسری آیت کی طرف منتقل ہوگیا اور اسے انتقال کے بعد لقمہ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی (شرح) کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تلقین ہے، ہدایہ وغیرہ میں اسی طرح ہے، اور صاحب ذخیرہ نے اسے قاضی امام ابوبکر الزرنجری نے نقل کیاہے اگرچہ ان کے علاوہ دیگر مشائخ کہتے ہیں کہ نماز فاسد نہں ہوتی، محیط سے اسی طرح منقول ہے، اسی سے صاحب نہایہ نے لیااور کہاکہ اکثر مشائخ کاقول عدم فساد ہے اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اسی کی موافقت کی ہے اور یہ ان رخصتوں کے اطلاق کے بھی زیادہ موافق ہے جن کا ہم نے ذکر کیاہے اھ تلخیصًا (ت)

فتح القدیر میں ہے:

خرج قصد اعلام الصلاۃ بالحدیث لالانه لم یتغیر بعزیمته فیبقی ماوراءہ علی	نماز میں ہونے کی قصداً اطلاع کرنا، حدیث کی وجہ سے مفسدات سے خارج ہے، نہ اس لئے کہ اس کے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المنع [1] اھ ملخصاً	عزم وارادہ سے تغیّر نہیں ہوالہذااس کے علاوہ صورتیں منع ہی رہیں گی اھ ملخصًا(ت)

جب یہ اصل ممہد ہولی، حکم صورت مسؤلہ واضح ہوگیاظاہر ہے کہ جب امام کو قعدہ اولٰی میں دیر ہوئی اور مقتدی نے اس گمان سے کہ یہ قعدہ اخیرہ سمجھاہے تنبیہ کی تودوحال سے خالی نہیں یاتو واقع میں اس کاگمان غلط ہوگا یعنی امام قعدہ اولٰی ہی سمجھا ہے اور دیراس وجہ سے ہوئی کہ اس نے اس بار التحیات زیادہ ترتیل سے ادا کی جب توظاہر ہے کہ مقتدی کابتانانہ صرف بے ضرورت بلکہ محض غلط واقع ہواتویقینا کلام ٹھہرااور مفسد نماز ہوا

لقول الحلیة ان ماوراء ذلك یعمل فیه بقضیة القیاس ولقول المعدول به عن القیاس لایقاس علیه ولقول الفتح یبقی ماوراء ہ علی المنع ولقول التبیین لایقاس علیه غیرہ وھذا واضح جدا۔	حلیہ کے ان الفاظ کی وجہ سے کہ " ان کے علاوہ میں قیاس پر عمل ہوگا" اور اس کے اس قول کے پیش نظر کہ " خلاف قیاس پر قیاس نہیں ہوسکتا" اور فتح کے قول کہ " اس کے علاوہ ممنوع ہوں گے " اور تبیین کے قول کہ " اس پر غیر کو قیاس نہیں کیاجاسکتا" اور یہ نہایت ہی واضح ہے(ت)

یااس کاگمان صحیح تھا، غورکیجئے تواس صورت میں بھی اس بتانے کامحض لغو وبے حاجت واقع ہونااور اصلاح نماز سے اصلاً تعلق نہ رکھنا ثابت کہ جب امام قدہ اولٰی میں اتنی تاخیر کرچکا جس سے مقتدی اس کے سہوپر مطلع ہواتولاجرم یہ تاخیر بقدر کثیر ہوئی اور جوکچھ ہوناتھا یعنی ترک واجب ولزوم سجدہ سہو وہ ہوچکا اب اس کے بتانے سے مرتفع نہیں ہوسکتا اور اس سے زیادہ کسی دوسرے خلل کااندیشہ نہیں جس سے بچنے کو یہ فعل کیاجائے کہ غایت درجہ وہ بھول کر سلام پھیردے گا پھراس سے نماز تو نہیں جاتی وہی سہو کاسہو رہے گا، ہاں جس وقت سلام شروع کرتااس وقت حاجت متحقق ہوتی اور مقتدی کو بتاناچاہئے تھا کہ اب نہ بتانے میں خلل وفساد نماز کااندیشہ ہے کہ یہ تواپنے گمان میں نماز تمام کرچکا، عجب نہیں کہ کلام وغیرہ کوئی قاطع نماز اس سے واقع ہوجائے، اس سے پہلے نہ خلل واقع کاازالہ تھانہ خلل آئندہ کااندیشہ، تو سوافضول وبے فائدہ کے کیاباقی رہا، لہٰذا مقتضائے نظر فقہی پراس صورت میں بھی فساد نماز ہے، نظیر اس کی یہ ہے کہ جب امام قعدہ اولٰی چھوڑ کر پورا کھڑا ہوجائے تواب مقتدی بیٹھنے کااشارہ نہ کرے، ورنہ ہمارے امام کے مذہب پر مقتدی کی نماز جاتی رہے گی کہ پورا کھڑے ہونے کے بعد امام کو قعدہ اولٰی کی طرف عود ناجائز تھاتواس کابتانا محض بے فائدہ رہااور اپنے اصلی حکم کی رو سے

---
[1] فتح القدیر باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۹

کلام ٹھہر کر مفسد نماز ہوا، بحر الرائق میں ہے:

لوعرض للامام شیئ فسبح المأموم لاباس به لان المقصود به اصلاح الصلوٰۃ فسقط حکم الکلام عند الحاجة الی الاصلاح ولایسبح للامام اذا قام الی الاخریین لانه لایجوز له الرجوع اذا کان الی القیام اقرب فلم یکن التسبیح مفید اکذا فی البدائع وینبغی فساد الصلوۃ به لان القیاس فسادھا به عند قصد الاعلام وانما ترك للحدیث الصحیح من نابه شیئ فی صلاته فلیسبح فللحاجة لم یعمل بالقیاس فعند عدمها یبقی الامر علی اصل القیاس ثم رایته فی المجتبی قال ولوقام الی الثالثة فی الظهر قبل ان یقعد فقال المقتدی سبحٰن اللہ قیل لاتفسد وعن الکرخی تفسد عندهما[1] ھ وبه انتھٰی مانقلناہ عن البحر۔ قلت وقوله عندهمایرید به الطرفین فان مذھبهما تغیر الذکر بتغیر العزیمة خلافا لابی یوسف فعندہ ماکان ذکرا بصیغته لاتعمل فیه النیة وکذا قوله اعنی المجتبی لوسبح اوهلل یرید زجراعن فعل اوامرابه فسدت عندهما[2] ھفانما ارادالطرفین	اگر امام کو عارضہ پیش آگیا مقتدی نے لقمہ دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے مقصود نماز کی اصلاح ہے لہٰذا حاجت اصلاح کی وجہ سے اس سے حکم کلام ساقط ہوگیا، اگرامام آخری دورکعات کی طرف اٹھ جائے تو اسے لقمہ نہ دیا جائے کیونکہ اگروہ قیام کے زیادہ قریب ہے تو اب اس کے لئے لوٹنا جائز نہیں لہٰذا لقمہ اس کے لئے مفید نہیں۔ البدائع میں ایسے ہے، اور اس سے نماز فاسد ہوجانی چاہئے کیونکہ یہ قیاس کا تقاضا ہے کہ جب مقصود امام کو اطلاع ہو تو نماز فاسد ہوجائے البتہ اس حدیث صحیح کی بناپر اس قیاس کو ترک کردیں گے کہ جس کو نماز میں کوئی واقعہ درپیش ہو تو وہ تسبیح کہے، تو حاجت کے پیش نظر قیاس پر عمل نہ ہوگا اور جب حاجت نہ ہوگی تو معاملہ اصل قیاس پر ہی رہے گا پھر میں نے مجتبٰی میں دیکھا اگر نماز ظہر میں امام قعدہ کئے بغیر تیسری رکعت کی طرف اٹھا اور مقتدی نے سبحان اللہ کہا تو بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ امام کرخی سے منقول ہے کہ طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی۔ اور یہاں بحر سے منقول عبارت ختم ہوگئی۔ قلت اس کا قول "عندھما" سے مراد طرفین ہیں کیونکہ انہی کا قول ہے کہ تبدیلی عزم سے ذکر تبدیل ہوجاتا ہے

[1] بحر الرائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

[2] بحر الرائق باب مایفسد الصلاۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

رضی اللہ تعالٰی عنہما

ثم اقول: وباللہ التوفیق لایبعد ان یکون قام فی القیل للارادۃ کقولہ تعالٰی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ[1] وفی روایۃ الکرخی للحقیقۃ کقولہ تعالٰی

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ[2] الاٰیۃ وھذا جمع کماتری حسن ان شاء اللہ تعالٰی والافلاشك ان الدلیل مع الکرخی وانہ ھوقضیۃ مذھب الامام والامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما فعلیہ فلیکن التعویل فان قیل فی القیل لواراد الارادۃ فما الوجہ لتخصیص المسئلۃ بالذکر فانھا معلومۃ من اطلاق قولھم لوعرض للامام شیئ الخ اقول بلی کان لمتوھم ان یتوھم عدم الجواز ھھنا مطلقا کمایتوھم من ظاھر لفظ البدائع لایسبح للامام اذاقام

بخلاف امام ابویوسف کے، ان کے نزدیک الفاظ ذکر میں نیت کادخل نہیں ہوتا، اسی طرح اس یعنی المجتبٰی کاقول اگراس نے سبحان اللہ کہا یا لاالٰہ الا اللہ، اور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یا کسی عمل کا حکم ہوتو ان دونوں کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ اس سے مراد طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں **ثم اقول**: وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) یہ بھی ممکن ہے کہ مجتبٰی کی عبارت میں قام کا معنی ارادہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی میں ہے" اے اہل ایمان! جب تم نماز کا ارادہ کرو" اورروایتِ کرخی میں حقیقی معنی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے" جب اللہ کا بندہ کھڑا ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے"۔آپ نے دیکھا یہ نہایت ہی اچھا تطابق ہے ان شاء اللہ تعالٰی، ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دلیل کرخی کا ساتھ دیتی ہے اور یہی ضابطہ ہے امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب کا، اس بناپر اس پر اعتماد کرنا چاہیے، اگرسوال ہو کہ عبارت میں اگرارادہ مراد ہے تو اس مسئلہ کا خصوصًا کیوں ذکر ہوا؟ کیونکہ اس کا علم تو فقہاکے اس قول" اگرامام کو کوئی عارضہ لاحق ہو" کے اطلاق سے ہی ہورہاہے اقول (میں کہتاہوں) کیوں نہیں

[1] القرآن ۶/۵

[2] القرآن ۱۹/۷۲

الی الأخریین[1] حیث لم یفصل والحاوی علی الوهم ان المقتدی لایطلع علی قیام الامام بفوره بل یتاخر ذلك عن افاضته فی القیام ولولحظات کما هو معلوم مشاهد فعند ذلك یسبح ثم الامام لاینبه بفور مابدأ المقتدی بحرف التسبیح بل یتاخرولو لحظة ثم هو ربما لایتذکر بمجرد السماع والتنبه علی تنبیهه بل قدیحتاج الی شیئ من التامل فهذه ثلث وقفات والامام اذا نهض نهض ولم یکن فیه تدرج یقتضی مکثا معتدا به فربما لایتنبه بتسبیحه الابعد مافات وقت العود لاسیما علی قول من قال بفواته اذ اقرب الی القیام کما هو مختار صاحب البدائع و الهدایة والوقایة والکنز وغیرهم من الجلة الکرام وان کان الاصح العبرة بتمام القیام کما اعتمده فی مواهب الرحمٰن ونور الایضاح	گویا کوئی وہم کرنے والا یہ تصور کرسکتا تھا کہ یہاں مطلقًا لقمہ ناجائز ہے جیسا کہ بدائع کے ان الفاظ کے ظاہر سے وہم کیاجاسکتاہے کہ" امام جب آخری رکعتوں کی طرف کھڑا ہوجائے تو سبحان اللہ نہ کہاجائے" تو یہاں انہوں نے کوئی فرق نہیں کیااور یہاں منشاء وہم یہ بات ہے کہ مقتدی فی الفور امام کے قیام پر مطلع نہیں ہوتا بلکہ قیام کی طرف مائل ہونے کے بعد مطلع ہوتاہے اگرچہ کچھ لمحات ہی ہوں جیساکہ معلوم ومشاہد ہے تو اس وقت مقتدی سبحان اللہ کہے گا، پھر امام بھی مقتدی کے لقمہ پر فی الفور متوجہ نہیں ہوتا بلکہ معاملہ متاخر ہوتاہے خواہ ایک لمحہ بعد ہی ہو، پھر بعض اوقات اسے صرف سماع اور توجہ دلانے سے یاد نہیں آجاتا بلکہ کچھ نہ کچھ غوروفکر کا محتاج ہوتاہے، تو یہ تین وقفے ہوئے، توامام جب کھڑاہوتاہے، توکھڑاہوجاتاہے اس میں ایسی تدریج نہیں جو قابل ذکر ٹھہرنے کاتقاضا کرے، بعض اوقات مقتدی کی تسبیح سے بھی متوجہ نہیں ہوپاتا مگراس وقت جب لوٹنے کاوقت ختم ہوچکا ہو خصوصًا اس قول کے مطابق جوکہتے ہیں کہ جب قیام کے زیادہ قریب ہو تو رجوع فوت ہوجاتاہے جیساکہ صاحب بدائع، ہدایہ، وقایہ، کنزاور دیگر جلیل القدر فقہاء نے اختیار کیاہے، اگرچہ اصح یہ ہے کہ اعتبار کامل قیام کاہے جیسا کہ اس پر مواہب الرحمٰن، نورالایضاح، تنویر، فتح،

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان حکم الاستخلاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۵

والتنویر والفتح والدر المختار وغیرھا وجعله فی الدر ظاهر المذهب۔ واذا کان الامر علی ماوصفنا لك فعسی ان یتوهم کونه عبثا مطلقا فیحکم بفساد الصلٰوۃ به علی الاطلاق فمست الحاجة الی التصریح بذلك فان المسموع هوکونه مفید احین وقوعه وهوکذٰلك فی فورالقیام ولربما یرجی العود به بل ربما یقع وهذا حسبه ولایضره ان تعجل الامام ولم یلتفت کما اذا فتح ولم یاخذ فانقلت یحتمل ان الامام لماظن ان صلاته تمت لعله یتعمد الکلام اوالذهاب اوالضحك قبل ان یسلم۔	درمختار وغیرہ میں اعتماد کیاگیاہے اور در میں اسے ظاہر مذہب قرار دیا ہے، اور جب معاملہ اس طرح ہے جو ہم نے آپ کے سامنے بیان کیاہے توقریب ہے اس کے مطلقاً عبث ہونے کے وہم پر مطلقاً فساد نماز کاحکم کردیاجائے لہٰذا اس کی تصریح کی حاجت وضرورت پیش آئی کیونکہ اس کے وقوع کے وقت لقمہ کامفید ہونا قابل اعتبار ہے اور علی الفور قیام کے وقت لقمہ میں یہ صورت ہے اور بسااوقات لوٹنے کی امید کی جاتی بلکہ بعض دفعہ لوٹنے کا وقوع ہوتاہے اور مفید ہونے کے لئے یہی کافی ہے اور امام کا جلدی کرنا اور متوجہ نہ ہونا نقصان دہ نہیں جیساکہ اس صورت میں جب لقمہ دیامگرامام نے نہ لیا۔ اگرآپ سوال کریں (قعدہ لمباہونے پر سلام سے پہلے لقمہ دینے میں فائدہ ہے) کیونکہ ممکن ہے امام نے گمان کیاہو کہ نماز مکمل ہوگئی ہے پھر وہ دانستہ طور پر قبل از سلام کلام کرنے یاچلے جانے یاہنسنے کاارادہ کرلے۔
قلت هذا فی غایة البعد ولا یتوقع من المسلم بل هو اسائة ظن به والفقه لایبنی علی نادر فضلا عما عساہ لم یقع قط بل هواحتمال علی احتمال لان ظن الامام تمام الصلٰوۃ ایضا غیرمعلوم کما قدمنا فکان شبهة الشبهة ولاعبرة بها اصلا، هذا ماوقع فی الحلیة	**قلت** (میں کہتاہوں) یہ نہایت ہی بعید ہے اور اس بات کی کسی مسلمان سے توقع نہیں بلکہ کسی مسلمان کے بارے میں ایسا گمان کرنا بھی گناہ ہے اور کسی نادر معاملہ پر فتوی نہیں ہواکرتا چہ جائیکہ جس کا امکان کبھی واقع نہ ہو بلکہ یہ احتمال دراحتمال ہے کیونکہ امام کااتمام نماز کاگمان کرنا بھی معلوم نہیں جیساکہ پہلے بیان ہوا، گویا یہ اتمام کے گمان کے بعد کلام وغیرہ کاگمان شبہ کا شبہ ہے لہٰذا اس کاکوئی اعتبار نہیں، یہ وہ ہے جو حلیہ میں

نقلا عن المحیط الرضوی اذا فتح علی امامه یجوز مطلقاً لان الفتح وان کان تعلیماً ولکن التعلیم لیس بعمل کثیر وانه تلاوة حقیقة فلایکون مفسدا وان لم یکن محتاجا الیه[1] ھ **فاقول**: یجب ان یحمل فیه لام" التعلیم" علی العهد ای هذا التعلیم من المقتدی للامام کمثل لام" الفتح" فلیس المراد الاهذا الفتح' لامطلقاً ولومن غیر مقتدعلی امامه وذٰلك لان کون مطلق التعلیم من العمل القلیل باطل بداهة وتشهد به فروع فی المذهب متواترات بل قدنص فی الفتح فی نفس مسئلة الفتح ان التکرار لم یشترط فی الجامع ای ان الجامع الصغیر لم یشترط للافساد تکرار الفتح بل حکم به مطلقاً قال وهوالصحیح وکذا صححه فی الخانیة وقد علم هذا من مذهب الامام فانه اذا جعل کلاماً فقلیله و کثیره سواء فاعرف وتثبت وباللہ التوفیق هذا ماعندی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	محیط رضوی کے حوالے سے مذکور ہے کہ امام کولقمہ دینا ہرحال میں جائز ہے کیونکہ لقمہ دینا اگرچہ تعلیم ہے لیکن تعلیم عمل کثیر نہیں ہے اور یہ توحقیقت میں تلاوت ہے لہٰذا یہ مفسد نماز نہیں، اگرچہ اس کی احتیاجی نہ ہو۔ **اقول**: یہاں پر لفظ تعلیم کے الف لام کو عہدِ خارجی ماننا ضروری ہے کیونکہ اس سے مراد وہی تعلیم ہے جو مقتدی کی امام کے لئے ہو جیسا کہ الفتح کے الف لام کامعاملہ ہے کیونکہ یہاں لقمہ سے بھی خصوصی لقمہ مراد ہوگا ہر لقمہ نہیں کہ اگرچہ وہ غیر مقتدی کاامام کے لئے ہو، وہ اس لئے کہ ہر تعلیم کاعمل قلیل ہونا بداہۃً باطل ہے اور اس پرمذہب کی فروعات بڑی تواتر کے ساتھ گواہ ہیں بلکہ فتح میں اس مسئلہ لقمہ میں تصریح ہے کہ جامع میں تکرار کو شرط نہیں کیا یعنی جامع صغیر نے نماز فاسد ہونے کے لئے تکرار لقمہ کو شرط قرار نہیں دیابلکہ مطلقاً حکم جاری کیااور کہایہی صحیح ہے، اسی طرح اسے خانیہ نے بھی صحیح قرار دیا اور مذہب امام کے حوالے سے یہ معلوم ہے کہ جب انہوں نے اسے کلام قرار دیا ہے تواب کلام کے قلیل اور کثیر کاایک ہی حکم ہوگا، اسے اچھی طرح جان لو اور ثابت رہو، اور توفیق اللہ ہی سے ہے یہ ہے جوکچھ میرے پاس تھااور اللہ سبحانہ، وتعالٰی ہی زیادہ جاننے والا ہے(ت)

مسئلہ ۹۶۴: ازکلکتہ نل موتی گلی نمبر ۱۸ جناب مرزاغلام قادربیگ صاحب ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں اکثر لوگ بے پڑھے نماز ظہر وعصر ومغرب وعشاکے

---
[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فرض تنہا پڑھنے کی حالت میں تکبیرات انتقالیہ بجہر اس غرض سے کہتے ہیں کہ دوسرے نمازی معلوم کرلیں کہ یہ شخص فرض پڑھتا ہے اور شریک ہوجائیں اس صورت میں جہر کے ساتھ تکبیر کہنے سے نماز میں فساد ہوتا ہے یا نہیں؟ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے دوسرا شخص آیا اور منتظر اس امر کا ہے کہ یہ نمازی بجہر تکبیر کہے تو میں شریک ہوجاؤں، چنانچہ اس نے اس کی اطلاع کی غرض سے تکبیر جہر کے ساتھ کہ اس صورت نماز فاسد ہوگی یا صحیح؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دونوں صورتوں میں اگر نمازیوں نے اصل تکبیرات انتقال بہ نیت ادائے سنت وذکر الٰہی عزوجل ہی کہیں اور صرف جہر بہ نیت اطلاع کیا تو نماز میں کچھ فساد نہ آیا، ردالمحتار میں ہے:

وقال فی البحر ومما الحق بالجواب مافی المجتبی لوسبح اوهلل یرید زنجرا عن فعل اوامرابه فسدت عندهما ھ قلت والظاهر انه لولم یسبح ولکن جهر بالقراءة لاتفسد لانه قاصد للقرائة وانما قصد الزجر اوالامربمجرد رفع الصوت تأمل [1] ھ۔	بحر میں ہے کہ ان چیزوں میں سے جن کا جواب سے تعلق ہے وہ ہیں جو مجتبٰی میں ہیں اگر مقتدی نے سبحان اللہ کہا یا لاالٰہ الااللہ کہا اور اس سے مقصد کسی عمل پر زجر یا کسی عمل کا حکم تھا توان دونوں (طرفین) کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی اھ میں کہتا ہوں ظاہر یہی ہے کہ اگر اس نے سبحان اللہ نہیں کہا لیکن قرات بلند آواز سے کی تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس سے مقصد قرات ہے اور آواز کی بلندی کے ذریعے توصرف زجر یا حکم مقصود ہے تامل اھ (ت)

اور شک نہیں کہ واقعا یساہی ہوتا ہے نہ یہ کہ نفس تکبیر ہی سے ذکر وغیرہ کچھ مقصود نہ ہو صرف بغرض اطلاع بہ نیت مذکورہ کہی جاتی ہو، ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا قصد کرے تو اس کی نماز ضرور فاسد ہوجائے گی علی قول الامام والامام محمد خلافا للامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ (یہ امام اعظم اور امام محمد کے قول کے مطابق ہے بخلاف امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے۔ت) **اقول:** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ ان مسائل میں حضرات طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اصل یہ ہے کہ نمازی جس لفظ سے کسی ایسے معنی کا افادہ کرے جو اعمال نماز سے نہیں وہ

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۹

کلام ہو جاتا اور مفسد نماز قرار پاتا ہے اگرچہ لفظ فی نفسہٖ ذکر الٰہی یا قرآن ہی ہو اگرچہ اپنے محل ہی میں ہو، مثلاً کسی موسٰی نامی شخص سے نمازی نے کہا: ماتلک بیمینک یا موسٰی (اے موسٰی! تیرے تھ میں کیا ہے؟ نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ الفاظِ آیہ کریمہ ہیں۔ یا التحیات پڑھ رہا تھا جب کلمہ تشہد کے قریب پہنچا مؤذن نے اذان میں شہادتیں کہیں اس نے نہ بہ نیت قرأت تشہد بلکہ بہ نیت اجابت مؤذن اشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدًا عبدہ، ورسولہ، کہا نماز جاتی رہی، اگرچہ یہ ذکر اپنے محل ہی میں تھا۔ بحر الرائق میں ہے:

اذا ذکر فی التشھد الشھادتین عند ذکر المؤذن الشھادتین تفسد ان قصد الاجابۃ[1] ھ	جب دورانِ تشہد شہادتین کاذکر مؤذن کے ذکرِ شہادتین کے موقع پر کرتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ اگر اذان کاجواب مقصود ہو اھ (ت)

مگر جبکہ ایسا قصد بضرورت اصلاح نماز ہو جیسے مقتدیوں کا امام کو بتانا یا اس کے جواز میں خاص نص آگیا ہو جیسے کوئی دروازے پر آواز دے یہ نماز پڑھتا ہو اس کو مطلع کرنے کے لئے سبحان اللّٰہ یا لاالٰہ الا اللّٰہ یا اللّٰہ اکبر کہے تو صرف ان صورتوں میں نماز نہ جائے گی اور ان کے ماوراء میں مطلقاً اسی اصل کلی پر عمل ہو کر فساد نماز کا حکم دیا جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

قلنا خرج قصد اعلام الصلاۃ بقولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذانابت احدکم نائبۃ وھو فی الصلاۃ فلیسبح الحدیث اخرجہ الستۃ لالانہ لم یتغیر بعزیمتہ کما لم یتغیر عند قصد اعلامہ فان مناط کونہ من کلام الناس کونہ لفظا افید بہ معنی لیس من عمال الصلاۃ لاکونہ وضع لافادۃ ذٰلک فیبقی ماوراء ہ علی المنع[2] الخ قلت وقد اوضحنا المسألۃ بنقولھا فیما تقدم من فتاوٰنا۔	ہم کہتے ہیں کہ نماز میں اصلاح کا قصد، حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک کہ " جب کسی کو نماز میں کوئی واقعہ پیش آجائے تو وہ تسبیح کہے" کے تحت اس حکم سے خارج ہے۔ اس حدیث کو صحاح ستّہ نے بیان کیا ہے اس لئے نہیں کہ اس میں تبدیلی بالارادہ نہیں کیونکہ لوگوں کے کلام میں سے ہونے کا مدار اس پر ہے کہ وہ الفاظ ہوں جو ایسے معانی کا فائدہ دیں جو اعمال نماز میں سے نہیں، نہ کہ وہ الفاظ ان معانی کے افادہ کے لئے موضوع ہوں لہٰذا اس کے علاوہ ممنوع ہی رہیں گے الخ قلت ہم نے اس مسئلہ کو سابقہ گفتگو میں خوب واضح کیا ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶

[2] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۴۹

اور شک نہیں کہ جب نمازی نے اللہ اکبر یا سمع اللہ لمن حمدہ صرف اس اطلاع کی نیت سے کہا کہ میں پڑھ رہا ہوں میرے شریک ہوجاؤ، تو یہ ایک لفظ ہے جس سے ایسے معنی کا افادہ چاہا جو اعمال نماز سے نہیں کہ اعمال نماز اس کے افعال مخصوصہ معلومہ ہیں نہ کسی سے یہ کہنا کہ نماز میں مل جاؤاور اس خصوص میں نہ نص وارد ہے نہ یہ کسی نہ جاننے والے کو اس کا بتانا ہے کہ میں نماز میں مشغول بلکہ اس سے اپنے فرض میں ہونے کا اعلام اور اپنی نماز کی طرف بلانا مقصود ہے، یہ دونوں باتیں مجرد قصداعلام صلٰوۃ سے زائد ہیں کہ اس قدر تو وہ آنے والے خود ہی جانتے ہیں کہ یہ نماز پڑھ رہاہے تو یہ صورت اُن صور استثناء میں داخل نہیں اور حکم فساد نماز ہے مگر اگر اصل لفظ سے کوئی امر بیرونی مقصود نہیں بلکہ صرف رفع صوت بقصد دیگر ہے تو یہاں کوئی لفظ ایسا نہ پایا گیا جس سے کسی خارج بات کا قصد کیا گیا ہو اور تنہا رفع صوت کلام نہیں تو مناط فساد متحقق نہ ہوا ولہذا امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ، نے جبکہ اُن مکبروں کی نسبت جو تکبیرات انتقالات میں گانے کے طور پر اپنی آواز بنانے کے لئے گھٹاتے بڑھاتے اور سامعین کو اپنی خوش الحانی جتانے کا قصد کرتے ہیں فساد نماز کا حکم دیا اسے دوامر پر مبنی فرمایا ایک یہ کہ ان تکبیرات سے ان کا قصد اقامت عبادت نہیں ہوتا بلکہ اپنی صناعت موسیقی کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو اب یہ تکبیریں خود ہی وہ الفاظ ہیں جن سے معنی خارج کا افادہ مراد ہوا، دوسرے یہ کہ اس جزرومد سے حروف زائد پیدا ہوجاتے ہیں جو اصل کلمات تکبیر میں نہیں تو اگرچہ نفس تکبیر سے اُن کا قصد وہ نہ ہو مگر یہ حروف تو ضرور اسی قصد سے بڑھائے گئے اور اب یہ وہ الفاظ بقصد افادہ معنی خارج ہوئے بہر صورت فساد نماز چاہئے۔ فتح القدیر میں درایہ سے مکبّرین کے لئے رفع صورت کا جواز نقل کرکے اشارہ فرمایا:

مقصودہ اصل الرفع لابلاغ الانتقالات اما خصوص ہذا الذی تعارفوہ فی ہذا البلاد فلا یبعد انہ مفسد فلانہم یبالغون فی الصیاح زیادۃ علی حاجۃ الابلاغ والاشتغال بتحریرات النغم اظہارا للصناعۃ النغمیۃ لااقامۃ للعبادۃ والصیاح ملحق بالکلام وہنا معلوم ان قصدہ اعجاب الناس بہ ولوقال اعجبوا من حسن صوتی و تحریری	تکبیرات میں آواز بلند کرنے کا اصل مقصد انتقالات کی اطلاع ہے، رہا وہ مخصوص انداز جو ان شہروں میں معروف ہے اس کا مفسد نماز ہونا بعید نہیں کیونکہ یہ مکبّرین حاجت ابلاغ سے بڑھ کر چیخنے میں مبالغہ کرتے ہے اور نغمہ کو سجانے کے لئے مشغول ہونا نغمہ سرائی ہے عبادت کا قیام نہیں اور چیخنا بھی کلام کے ساتھ ملحق ہے اور یہاں تو واضح ہے کہ مکبّر کا مقصد لوگوں کو تعجب میں ڈالنا ہے، اگر وہ یہ کہتا کہ لوگو! میری اچھی آواز اور سر پر خوش ہوجاؤ، تو اس نے نماز فاسد

فیہ افسد و حصول الحروف لازم من التلحین ھ[1] مختصرا وقد اقرہ فی النھر و استحسنہ فی الحلیۃ فقال وقد اجاد فیما اوضح وافاد۔	کردی ہوتی اور اظہار لحن سے حروف کا حاصل ہونا لازمی ہےاھ اختصارًا۔ اسے نہر نے ثابت رکھا اور حلیہ میں اسے ان الفاظ سے سراہا گیا کہ وضاحت میں یہ نہایت ہی عمدہ اور مفید ہے۔(ت)

علامہ شامی تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام میں فرماتے ہیں:

ان المحقق لم یجعل مبنی الفساد مجرد الرفع بل زیادۃ الرفع ملحق بالکلام بالصیاح المشتمل علی النغم مع قصد اظھارہ لذلك والاعراج عن اقامۃ العبادۃ فقول المحقق والصیاح ملحق بالکلام ای الصیاح المشتمل علی ماذکر بدلیل سوابق الکلام ولو احقہ الخ	محقق نے محض بلندی آواز کو فساد کی علت قرار نہیں دیا بلکہ بلندی میں ایسی زیادتی کو جو نغمہ پر مشتمل چیخ سے مل جائے اور اس کے اظہار کا اور اقامتِ عبادت سے اعراض کا قصد بھی ہو لہٰذا محقق کا قول کہ" الصیاح ملحق بالکلام" سے وہی چیخنا مراد ہے جو مذکورہ امور پر مشتمل ہو اس پر سابق ولاحق کلام شاہد عادل ہے الخ(ت)

اُسی میں ہے:

فحاصل کلام المحقق ان الاشتغال بتحریر النغم والتلحین والصیاح الزائد علی قدر الحاجۃ لالقصد القربۃ بل لیعجب الناس من حسن صوتہ ونغمہ مفسد من وجھین الاول مایلزم من التلحین من حصول الحرف بالمفسد غالبا و الثانی عدم قصد اقامۃ العبادۃ[2] الخ **اقول**: وللعبد الضعیف فی بعض کلام العلامۃ الشامی ھنا کلام بینتہ علی ھامشہ ولکن المرمی۔	کلام محقق کا حاصل یہ ہے کہ نغمہ، الحان اور ایسا چیخنا جو قدر حاجت سے زائد ہو، میں مشغول ہونا جس کا مقصد قربت وعبادت نہ ہو بلکہ لوگوں کو حسن آواز کی وجہ سے مسحور کرنا ہو تو یہ عمل دو وجہ سے مفسد نماز ہ اول یہ کہ الحان سے ایسے حروف کا حصول ہوجاتا ہے جو غالبًا نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں، ثانی یہ کہ یہاں مقصود عبارت نہیں الخ(ت) **اقول**: (میں کہتاہوں) اس عبد ضعیف کو علامہ شامی کے اس مقام پر بعض کلام میں اعتراض ہے جسے میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے(ت)

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۲۲/۱

[2] رسائل ابن عابدین رسالہ تنبیہ ذوی الافہام علی احکام التبلیغ خلف الامام مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ۱۴۶/۱

بالجملۃ جبکہ لفظ بقصد مفسد نہ ہو تو مجرور رفع صورت سے کسی معنی زائد کا ارادہ مفسد نہیں ولہٰذا علامہ حموی نے رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ میں فرمایا:

فی کون الصیاح بما ھوذکر ملحقا بالکلام نظر لان المفسد للصلاۃ الملفوظ لاعزیمۃ القلب [1] ھ ملخصا۔	مذکورہ چیخنے کو کلام کہنا محل نظر ہے کیونکہ مفسد نماز وہ ہوگا جو ملفوظ ہو ارادہ قلب مفسدِ نماز نہیں اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار سنن الصّلاۃ میں حاشیہ ابوالسعود ازہری سے ہے:

مانقل عن الطحطاوی اذا بلغ القوم صوت الامام فبلغ المؤذن فسدت صلاتہ لعدم الاحتیاج الیہ فلاوجہ لہ اذغایتہ انہ رفع صوتہ بما ھو ذکر بصیغتہ وقال الحموی وأظن ان ھذا النقل مکذوب علی الطحاوی فانہ مخالف للقواعد [2] ھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	طحاوی سے جو کچھ منقول ہے کہ لوگوں تک امام کی آواز پہنچ رہی ہو اس کے باوجود موذن بھی پہنچا رہا ہو تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہاں احتیاجی ہی نہ تھی۔ اس (منقول) پر کوئی دلیل نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ رفع صوت جو ذکر کے الفاظ پر مشتمل ہے اور شیخ حموی کہتے ہیں کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ یہ قول امام طحاوی کی طرف غلط طور پر منسوب ہے کیونکہ یہ قواعد کے مخالف ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم اسی کا علم کامل واتم ہے (ت)

مسئلہ ۹۶۵: از کلکتہ فوجداری نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۳۰/رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر مقتدی نے رکوع یا سجدہ امام کے ساتھ نہ کیا بلکہ امام کے فارغ ہونے کے بعد کیا تو نماز اس کی ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

ہوگئی اگرچہ بلاضرورت ایسی تاخیر سے گنہگار ہوا اور بوجہ ترک واجب اعادہ نماز کا حکم دیا جائے تحقیق مقام یہ ہے کہ متابعت امام جو مقتدی پر فرض میں فرض ہے تین صورتوں کو شامل، ایک یہ کہ اس کا ہر فعل فعل امام کے ساتھ کمال مقارنت پر محض بلافصل واقع ہوتا رہے یہ عین طریقہ مسنونہ ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ

---

[1] رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۵۱

تعالٰی عنہ کے نزدیک مقتدی کو اسی کا حکم۔ دوسرے یہ کہ اس کا فعل فعل امام کے بعد بدیر واقع ہو اگرچہ بعد فراغ امام، فرض یوں بھی ادا ہو جائے گا پھر یہ فصل بضرورت ہو تو کچھ حرج نہیں، ضرورت کی یہ صورت کہ مثلاً مقتدی قعدہ اولٰی میں آکر ملا اس کے شریک ہوتے ہی امام کھڑا ہو گیا اب اسے چاہئے کہ التحیات پوری پڑھ کر کھڑا ہو اور کوشش کرے کہ جلد جا ملے، فرض کیجئے کہ اتنی دیر میں امام رکوع میں آگیا تو اس کا قیام قیام امام کے بعد اختتام واقع ہوگا مگر حرج نہیں کہ یہ تاخیر بضرورت شرعیہ تھی اور اگر بلاضرورت فصل کیا تو قلیل فصل میں جس کے سبب امام سے جاملنا فوت نہ ہو ترک سنت اور کثیر میں جس طرح صورت سوال ہے کہ فعل امام ختم ہونے کے بعد اس نے فعل کیا ترک واجب جس کا حکم اس نماز کو پورا کرکے اعادہ کرنا۔

تیسرے یہ کہ اس کا فعل فعل امام سے پہلے واقع ہو مگر امام اسی فعل میں اس سے آملے مثلاً اس نے رکوع امام سے پہلے رکوع کر دیا لیکن یہ ابھی رکوع ہی میں تھا کہ امام رکوع میں آگیا اور دونوں کی شرکت ہوگئی یہ صورت اگرچہ سخت ناجائز وممنوع ہے اور حدیث میں اس پر وعید شدید وارد، مگر نمازیوں بھی صحیح ہو جائے گی جبکہ امام سے مشارکت ہولے اور اگر ابھی امام مثلاً رکوع یا سجود میں نہ آنے پایا کہ اس نے سراٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یہ بعد اس فعل کا اعادہ نہ کیا تو نماز اصلاً نہ ہوگی کہ اب فرض متابعت کی کوئی ضرورت نہ پائی گئی تو فرض ترک ہوا اور نماز باطل۔ ردالمحتار میں ہے:

وتکون المتابعة فرضا بمعنی ان یأتی بالفرض مع امامه اوبعده کما لو رکع امامه فرکع معه مقارنا اومعاقبا وشارکه فیه اوبعد مارفع منه فلولم یرکع اصلا اورکع و رفع قبل ان یرکع امامه ولم یعده معه اوبعده بطلت صلاته والحاصل ان المتابعة فی ذاتها ثلثة انواع مقارنة لفعل الامام مثل ان یقارن احرامه لاحرام امامه ورکوعه	اور متابعتِ امام اس معنی میں فرض ہے کہ مقتدی فرض کو بجالائے خواہ امام کے ساتھ یا اس کے بعد مثلاً امام نے رکوع کیا تو مقتدی اس کے ساتھ ہی رکوع کرے یا بعد میں کرے مگر اس کے ساتھ شریک ہو جائے اور یا اس کے سراٹھانے کے بعد کرے، پس اگر مقتدی نے بالکل رکوع ہی نہ کیا یا رکوع کیا مگر امام کے رکوع جانے سے پہلے سراٹھالیا اور امام کے ساتھ دوبارہ شامل نہ ہوا یا اس نے امام کے بعد رکوع نہ کیا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ الحاصل متابعتِ امام تین [3] طرح کی ہے فعل امام سے مقارنت، مثلاً امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ، اس کے رکوع

لركوعه وسلامه لسلامه ويدخل فيها مالو ركع قبل امامه ودام حتى ادركه امامه فيه، ومعاقبة لابتداء فعل امامه مع المشاركة فى باقيه، ومتراخية عنه فمطلق المتابعة الشامل لهذه الانواع الثلثة يكون فرضا فى الفرض و واجبا فى الواجب وسنة فى السنة عند عدم المعارض اوعدم لزوم المخالفة كما قدمناه والمتابعة المقيدة بعدم التاخيروالتراخى الشاملة للمقارنة والمعاقبة لاتكون فرضا بل تكون واجبة فى الواجب وسنة فى السنه عند عدم المعارض وعدم لزوم المخالفة ايضا والمتابعة المقارنة بلاتعقيب ولاتراخ سنة عنده لاعندهما [1] الى اٰخرما افادواجاد عليه رحمة الملك الجواد۔

اقول: وفى التقسيم الذى ذكرا المولى المحقق الفاضل والذى ابداه هذا العبد الظلوم الجاهل نوع تفنن ومآل الاقسام واحد فهو رحمه الله تعالٰى جعلها ثلثا مقارنة ومعاقبة ومتراخية وادخل المتقدمة التى اٰلت الى المشاركة فى المقارنة والعبد الضعيف قسم هكذا متصلة ومنفصلة ومتقدمة وادخل

کے ساتھ رکوع اور سلام کے ساتھ سلام، اس میں یہ صورت بھی شامل ہوجائے گی کہ جب امام سے پہلے رکوع کیا مگر طویل کیا حتی کہ امام نے اس کو رکوع میں پالیا اور فعل امام کی ابتداء سے معاقبت ہو اور آخر تک شرکت رہے اور امام سے متاخر ہو، عدم معارض اور عدم لزوم مخالفت کے وقت مطلق متابعت جو ان تینوں اقسام کو شامل ہے، فرض میں فرض، واجب میں واجب اور سنت میں سنت ہوگی جبکہ معارض نہ ہو اور لزوم مخالفت بھی نہ ہو اور متابعت بمعنی مقارنت بلاتعقیب وتراخی امام کے نزدیک سنت ہے صاحبین کے نزدیک نہیں، آخر کلام تک جو نہایت ہی مفید اور عمدہ ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) فاضل محقق کی تقسیم اور اس عبدضعیف اور ظلوم وجہول کی تقسیم میں صرف تفنن ہے کہ تمام اقسام کا مآل واحد ہے، فاضل رحمہ اللہ تعالٰی نے متابعت کی تین اقسام مقارنت، معاقبت اور متراخی کرکے متقدمہ کو جو مشارکت کی طرف راجح تھی مقارنت میں داخل کردیا۔ عبدضعیف نے تقسیم یوں کی ہے متصلہ، منفصلہ، متقدمہ، اور متراخیہ اور معاقبہ کو منفصلہ میں داخل کیا، اور

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلاۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۸

المتراخیة والمعاقبة فی المنفصلة وجعل المتقدمة قسما بحیالها وذلك لانی رأیت المتقدمة تباین المقارنة لانها فاعلة من الطرفین فکما ان تاخر المقتدی یخرجه عن القِران حتی جعل المعاقبة قسیما للمقارنة فکذلك تقدمه وایضا رأیت احکام المتابعة المجزئة ثلثة سنّة وکراهة الالضرورة وکراهة شدیدہ مطلقا فاجبت ان تنفرزالاقسام بحسب الاحکام بخلاف ماصنع ھو رحمه ﷲ تعالٰی فان المقارنة علی ما افاد تشتمل اکمل مطلوب واشنع مھروب اعنی المتصلة و المتقدمة کما سمعت وعلی کل فالحاصل واحد والحمدﷲ۔	متقدمہ کو ایک مستقل قسم بنادیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے متقدمہ کو مقارنت کے متبائن پایا کیونکہ یہ جانبین سے ہے، پس جیسا کہ مقتدی کا موخر ہونا اسے مقارنت سے خارج کردیتا ہے نیز جب متابعت کی قسموں کے کل احکام میں نے تین پائے، سنّت، کراہت (جب بلاضرورت ہو) مطلق کراہت شدیدہ، تو میں نے احکام کی تعداد کے مطابق اقسام کی تعداد کو پسند کیا۔ اور فاضل محقق کی تقسیم میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان کی مقارنت والی قسم (دو متضاد صورتوں) جن میں سے ایک انتہائی کامل مطلوب ہے اوردوسری انتہائی ناپسندیدہ، یعنی متصلہ اور متقدمہ پر مشتمل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے بہر صورت حاصل ایک ہے، الحمدﷲ۔

اسی میں ہے:

قال فی شرح المنیة متابعة الامام من غیرتاخیر واجبة فان عارضها واجب یأتی به ثم یتابع کمالوقام الامام قبل ان یتم المقتدی التشھد فانه یتمه ثم یقوم [1] اھ ملخصا۔	شرح المنیہ میں فرمایا ہے متابعت امام بغیر کسی تاخیر کے واجب ہے اگر کسی واجب کامتابعت کے ساتھ تعارض ہوجائے تو اسے بجالائے پھر متابعت کرے مثلاً مقتدی کے تشہد مکمل کرنے سے پہلے امام نے قیام کرلیا تو مقتدی تشہد مکمل کرکے قیام کرے اھ تلخیصًا (ت)

درمختار میں ہے:

لورفع الامام رأسه من الرکوع او	اگرامام نے رکوع یا سجود سے سر اٹھالیا حالانکہ

[1] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۴۷

السجود قبل ان یتم المأموم التسبیحات الثلث وجب متابعته بخلاف سلامه او قیامه لثالثة قبل تمام الموتم التشهد فانه لایتابعه بل یتمه لوجوبه[1]۔	مقتدی نے تین تین تسبیحات نہیں کہی تھیں تو مقتدی پر امام کی متابعت لازم ہے۔بخلاف مقتدی کے تشہد مکمل نہ کرنے کی صورت میں جب امام سلام پھیرے یا تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہوجائے تواب مقتدی متابعت نہ کرے کیونکہ تشہد واجب ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فانه لایتابعه الخ ای ولوخاف ان تفوته الرکعة الثالثة مع الامام کما صرح به فی الظهیریة[2]۔	قولہ فانہ لایتابعہ الخ یعنی اگرچہ اسے یہ خوف ہو کہ امام کے ساتھ تیسری رکعت فوت ہوجائے گی، جیسا کہ ظہیریہ میں اس پر تصریح ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

سجود السهو یجب علی مقتد بسهو امامه لابسهوه اصلا[3] (ملخصًا)	امام کے بھول جانے کی وجہ سے مقتدی پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے مگر مقتدی کے بھولنے کی وجہ سے سجدہ لازم نہیں ہوتا نہ مقتدی پر نہ امام پر (ملخصًا)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر ثم مقتضی کلامهم انه یعیدها لثبوت الکراهة مع تعذر الجابر[4]ھ قلت فاذا کان هذا فی السهو فالعمد اولی بالاعادة مع تصریحهم بانها هی سبیل کل صلاة ادیت مع کراهة التحریم واللہ تعالٰی اعلم۔	نہر میں ہے کہ کلام فقہا کا تقاضا ہے کہ مقتدی نماز کو ثبوت کراہت کی وجہ سے لوٹائے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (امام کی متابعت کی وجہ سے) نقصان پورا نہیں ہوسکتا اھ قلت جب یہ صورت سہو میں ہے تو عمد میں بطریق اولٰی اعادہ ہوگا اور اس پر توفقہاء کی تصریح ہے کہ ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی سے ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار فصل اذااراد الشروع فی الصلوٰۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱
[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۶۶/۱
[3] الدرالمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۲/۱
[4] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۴۹/۱

مسئلہ ۹۶۶: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسؤلہ مولانا حشمت علی صاحب طالب علم قادری رضوی ۲۹/ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا پڑھی مقتدی کے منہ سے عادۃً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نکل گیا نماز فاسد ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اس میں جواب امام مقصود نہیں ہوتا بلکہ امتثال امر الٰہی، لہذا فساد نماز نہیں۔

مسئلہ ۹۶۷: از میرٹھ لال کرتی کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب مرسلہ مولوی محمد احسان الحق صاحب ۲۷/ رمضان ۱۳۲۹ھ۔
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) زید ایک مسجد کا امام تراویح میں قرآن مجید سناتا ہے عمرو اسی مسجد کا مؤذن۔ مہتممان مسجد کی طرف سے زید کا سامع مقرر کیا گیا ہے، محمود ایک تیسرا شخص ہے جو ہمیشہ یا کبھی کبھی اسی مسجد میں زید کے پیچھے تراویح پڑھا کرتا ہے اگر محمود کے خیال میں زید (امام) نے کچھ غلط پڑھا اور عمرو مقرر کیا ہوا سامع سہواً یا عمداً خاموش رہا یا یہ کہ زید نے صحیح پڑھا اور عمرو نے سہواً یا عمداً غلط بتایا یا یہ کہ زید نے غلط پڑھا اور عمرو نے بھی سہواً یا عمداً غلط بتایا تو ان تینوں صورتوں میں محمود شخص ثالث کو غلطی کی تصحیح کا اگرچہ وہ غلطی مفسد نماز نہ ہو حق حاصل ہے یا نہیں اور ایسی تصحیح اس کو حالت قرأت میں کرنی چاہئے یا بعد اختتام نماز کے وجوبًا کرنی چاہئے یا اختیارًا۔ قرآن مجید کے غلط پڑھے جانے کے غالب گمان ہونے کی حالت میں محمود کی خاموشی اس کے لئے گنہگار ہونے کا باعث ہوگی یا نہیں؟

(۲) شرع شریف میں امامت اور مؤذن کی طرح سماعت قرآن مجید کا بھی کوئی منصب مقرر ہے یا نہیں یعنی آیا یہ بات شرعًا جائز ہے کہ کوئی شخص قرآن مجید سننے کے لئے کسی طرف سے ایسا سامع مقرر کیا جائے جس کی بلا اجازت واذن دوسرا شخص امام کو فتح نہ کرسکے۔ کسی مہتمم مسجد کا ایک ایسی بات کو جو شرعًا مستحسن واولٰی یا واجب ہو اپنے ذاتی رسوخ اور تمکنت اور اعلٰی شخصیت کی وجہ سے حکمًا بند کردینا یعنی درصورت خلاف ورزی حکم کے خلاف کرنے والے کو مسجد سے نکلوادینا یا آئندہ اس مسجد میں نماز نہ پڑھنے کی ہدایت کرنا یا اور تشدد کرنا شرعًا واخلاقًا کیسا ہے خصوصًا اس حالت میں کہ جس فعل کے ارتکاب سے دوسروں کو تشدد کے ساتھ روکا جاتا ہو خود مانع اس کو انہیں تغیر کے ساتھ متعدد بار کرچکا ہو۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

امام جب ایسی غلطی کرے جو موجب فساد نماز ہو تو اس کا بتانا اور اصلاح کرانا ہر مقتدی پر فرض کفایہ ہے ان میں سے جو بتادے گا سب پر سے فرض اُتر جائے گا اور کوئی نہ بتائے گا تو جتنے جاننے والے تھے سب مرتکب حرام ہوں گے اور نماز سب کی باطل ہو جائے گی،

وذٰلك لان الغلط لما کان مفسدا کان السکوت عن اصلاحه ابطالا للصلاۃ وھو حرام بقوله تعالٰی وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ۝۳۳ [1]۔	وجہ یہ کہ غلطی جب مفسد ہو تو اس کی اصلاح کرنے پر خاموشی، نماز کے بطلان کا سبب ہے اور اللہ تعالٰی کے اس ارشاد مبارک کی وجہ سے حرام ہے کہ "تم اپنے اعمال کو باطل نہ کرو"۔(ت)

اور ایک کا بتانا سب پر سے فرض اس وقت ساقط کرے گا کہ امام مان لے اور کام چل جائے ورنہ اوروں پر بھی بتانا فرض ہوگا یہاں تک کہ حاجت پوری اور امام کو وثوق حاصل ہو، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک کے بتائے سے امام کا اپنی غلط یاد پر اعتماد نہیں جاتا اور وہ اس کی تصحیح کو نہیں مانتا اور اس کا محتاج ہوتا ہے کہ متعدد شہادتیں اس کی غلطی پر گزریں تو یہاں فرض ہوگا کہ دوسرا بھی بتائے اور اب بھی امام رجوع نہ کرے تو تیسرا بھی تائید کرے یہاں تک کہ امام صحیح کی طرف واپس آئے،

وذٰلك لان الاصلاح ھھنا فرض و مالا یتم الفرض الا به فھو فرض اقول ونظیرہ ان الشھادۃ فرض کفایة فان علم الشاھد انه اسرع قبولا عند القاضی وجب علیه الاداء عینا و ان کان ھناك من تقبل شھادته [2] کما فی الخانیة والفتح والوھبانیة والبحر والدر وغیرھا۔	اس لئے کہ یہاں اصلاح فرض ہے اور ہر وہ چیز جس کے بغیر فرض مکمل نہ ہو وہ فرض ہوتی ہے اقول اس کی نظیر گواہی ہے جو فرض کفایہ ہے اگر کوئی گواہ جانتا ہے کہ اس کی گواہی قاضی کے ہاں زیادہ مقبول ہے تو اس پر ادائیگی شہادت لازم ہے اگرچہ وہاں ایسے گواہ ہوں جن کی گواہی قبول کی جاسکتی ہو خانیہ، فتح، وہبانیہ، بحر اور در وغیرہ۔(ت)

اور اگر غلطی ایسی ہے جس سے واجب ترک ہو کر نماز مکروہ تحریمی ہو تو اس کا بتانا ہر مقتدی پر

---

[1] القرآن ۳۳/۴۷

[2] بحر الرائق کتاب الشہادات مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۵۸،۵۷

واجب کفایہ ہے اگر ایک بتادے اور اس کے بتانے سے کاروائی ہوجائے سب پر سے واجب اتر جائے ورنہ سب گنہگار رہیں گے،

فان قیل لہ مصلح اٰخر وھو سجود السھو فلایجب الفتح عینا قلت بلی فان ترك الواجب معصیۃ وان لم یاثم بالسھو و دفع المعصیۃ واجب ولایجوز التقریر علیھا بناء علی جابر یجرھا کمالایخفی۔	اگر یہ کہا جائے کہ یہاں اصلاح کی دوسری صورت، بصورتِ سجدہ سہو موجود ہے تو یہاں لقمہ دینا واجب نہ ہوگا، قلت کیوں نہیں، کیونکہ ترک واجب گناہ ہے اگرچہ امام سہو سے گناہگار نہیں ہوتا، اور گناہ سے بچنا ضروری ہے تو معصیت پر اثبات اس لئے کہ کسی دوسرے سے اس کا ازالہ کرلیا جائے گا جائز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

اور اگر اس غلطی میں نہ فساد نماز ہے نہ ترک واجب، جب بھی ہر مقتدی کو مطلقاً بتانے کی اجازت ہے ھو الصحیح[1] کما نص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (یہی صحیح ہے جیسا کہ اس پر در وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) مگر یہاں وجوب کسی پر نہیں لعدم الموجب اقول مگر دو صورتوں میں ایک یہ کہ امام غلطی کرکے خود متنبہ ہوا اور یاد نہیں آتا یاد کرنے کے لئے رکا اگر تین بار سبحان اللہ کہنے کی قدر رُکے گا نماز میں کراہتِ تحریم آئے گی اور سجدہ سہو واجب ہوگا،

فی الدر المختار اذا شغلہ الشك فتفکر قدر اداء رکن ولم یشتغل حالۃ الشك بقراءۃ، وجب علیہ سجود السھو[2]۔	درمختار میں ہے جب کوئی شک میں پڑ جائے اور وہ ایک رکن کی ادائیگی کے مقدار غور کرتا رہے اور حالتِ شک میں قرأت میں مشغول نہ ہوا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا(ت)

تو اس صورت میں جب اُسے رُکا دیکھیں مقتدیوں پر بتانا واجب ہوگا کہ سکوت قدر ناجائز تک نہ پہنچے، دوسرے یہ کہ بعض ناواقفوں کی عادت ہوتی ہے جب غلطی کرتے ہیں اور یاد نہیں آتا تو اضطراراً اُن سے بعض کلمات بے معنی صادر ہوتے ہیں کوئی اُوں اُوں کہتا ہے کوئی کچھ اور، اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے تو جس کی یہ عادت معلوم ہے وہ جب رکنے پر آئے مقتدیوں پر واجب ہے کہ فوراً بتائیں قبل اس کے کہ وہ اپنی عادت کے حروف نکال کر نماز تباہ کرے،

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۰

[2] درمختار باب سجود السہو، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

وذٰلك لانه اذن یکون صیانته عن البطلان وھی فریضة غیر ان وقوعه مظنون للعادة لامقطوع به فینزل فیما یظھر الی الوجوب۔	وجہ یہ ہے کہ اس وقت اس کا بطلان سے بچانا ہے جو کہ فریضہ ہے لیکن عادت کی بناپر اس کا وقوع صرف ظنی ہے قطعی نہیں ہے تو موجودہ صورت میں یہ فرض سے مرتبہ وجوب پر آجائے گا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

نص القاضی فی شرح الجامع الصغیر علی انه الاصح وعلله ھو وغیرہ بانه لولم یفتح ربما یجری لسانه مایکون مفسدا[1] ھ **اقول**: ولایرد علیه مافی الحلیة انه کما یکرہ للامام الجاء القوم الی الفتح علیه، یکرہ للمقتدی ان یفتح علیه من ساعته، قال فی الذخیرة لانه ربما یتذکر الامام من ساعته فتکون قراءته خلفه قراءة من غیر حاجة[2] ھ فان ھذا حیث لم یخش الفساد اما اذا خشی کما ذکرنا فحاجة وای حاجة۔	قاضی نے شرح جامع صغیر میں اس کے اصح ہونے کی تصریح کی انہوں نے اور دیگر علمانے علت یہ بیان کی ہے کہ اگر وہ لقمہ نہیں دیتا تو بعض اوقات امام کے زبان پر ایسے الفاظ جاری ہوجاتے ہیں جو نماز کے لئے مفسد ہوتے ہیں **اقول**: (میں کہتاہوں) یہاں وہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا جو حلیہ میں ہے کہ جس طرح امام کا قوم کو لقمہ پر مجبور کرنا مکروہ ہے اسی طرح مقتدی کا فی الفور امام کو لقمہ دینا بھی مکروہ ہے۔ ذخیرہ میں ہے اس لئے کہ بعض اوقات امام کو اسی وقت یاد پڑتاہے تو امام کے پیچھے مقتدی کی قرات بغیر حاجت کے ہوگی اھ لیکن یہ وہاں ہے کہ جہاں فساد کا خوف نہ ہو، اگر وہاں فساد کا خوف ہو جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے تو اب لقمہ کی حاجت ہوگی اور وہ کوئی بھی ہوسکتی ہے۔(ت)

اقول: اور ان دونوں صورتوں کے سواجب تراویح میں ختم قرآن عظیم ہو تو ویسے بھی مقتدیوں کو بتانا چاہئے جبکہ امام سے نہ نکلے یا وہ آگے رواں ہوجائے اگرچہ اس غلطی سے نماز میں کچھ خرابی نہ ہو کہ مقصود ختم کتاب عزیز ہے اور وہ کسی غلطی کے ساتھ پورانہ ہوگا، یہاں اگرچہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت نہ بتائے بعد سلام اطلاع کردے امام دوسری تراویح میں اُتنے الفاظ کریمہ کا صحیح طور پر اعادہ کرلے مگر اولٰی بھی بتانا ہے کہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

حتی الامکان نظم قرآن اپنی ترتیب کریم پر ادا ہو۔ خانیہ وہندیہ وغیرہ میں ہے:

اذ غلط فی القراءۃ فی التراویح فترك سورۃ او اٰیۃ وقرأما بعدھا فالمستحب له ان یقرء المتروکة ثم المقروأۃ لیکون علی الترتیب[1]۔	جب تراویح میں قرات میں غلطی ہوجائے سورت یا آیت چھوڑدی اور اس کے بعد والی پڑھ لی تو مستحب یہ ہے کہ پہلے متروکہ پڑھے پھر تلاوت کردہ، تاکہ ترتیب درست ہوجائے (ت)

اور ان تمام احکام میں جملہ مقتدی یکساں ہیں امام کو بتانا کسی خاص مقتدی کا حق نہیں، ارشادات حدیث وفقہ سب مطلق ہیں ابن عساکر نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال امرنا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان نرد علی الامام[2]۔	ہم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ امام پر اس کی غلطی رد کریں۔

ابن منیع نے مسند اور حاکم نے مستدرک میں ابوعبدالرحمٰن سے روایت کی:

قال قال علی کرم اللہ تعالٰی وجهه من السنة ان تفتح علی الامام اذاستطعمك قیل لابی عبدالرحمٰن مااستطعام الامام قال اذا سکت[3]۔	فرمایا: امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ، نے فرمایا سنت ہے کہ جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، ابوعبدالرحمان سے کہا گیا امام کا مانگنا کیا، کہا جب وہ پڑھتے پڑھتے چپ ہوجائے۔

کتب مذہب میں عموماً یجوز فتحه علی امامه فرمایا جس میں ضمیر مطلق مقتدی کی طرف ہے کہ اسے امام کو بتانے کی اجازت ہے مسئلہ کی دلیل جو علماء نے فرمائی وہ بھی تمام مقتدی کو شامل ہے۔ بحرالرائق وغیرہ میں ہے:

لانه تعلق به اصلاح صلاته لانه لولم یفتح ربما یجری علی لسانه مایکون مفسد اولاطلاق ماروی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه اذاستطعمکم الامام فاطعموہ	کیونکہ اس کے ساتھ اصلاح نماز کا تعلق ہے کیونکہ اگر لقمہ نہ دیا تو بعض اوقات امام کی زبان پر ایسے کلمات جاری ہوجاتے ہیں جو مفسد نماز ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کا اطلاق بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۷۰

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۷۰

واستطعامه سکوته ولهذا لوفتح علی امامه بعد ماانتقل الی اٰیة اخری لاتفسد صلاته وھو قول عامة المشایخ لاطلاق الرخص[1] ھ مختصرا۔	یہی تقاضا کرتا ہے جب امام تم سے لقمہ مانگے تو اسے لقمہ دو، امام کا قرأت سے سکوت کرنا لقمہ طلب کرنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگرامام نے دوسری آیت کی طرف انتقال کرلیا پھر لقمہ دیا گیاتو نماز فاسد نہ ہوگی، اور یہی اکثر مشائخ کا قول ہے کیونکہ اجازت مرحمت فرمانے والی نصوص میں اطلاق ہے اھ اختصارًا (ت)

حتی کہ بالغ مقتدیوں کی طرح تمیزدار بچہ کا بھی اس میں حق ہے کہ اپنی نماز کی اصلاح کی سب کو حاجت ہے قنیہ پھر بحر پھر ہندیہ میں ہے:
وفتح المراھق کالبالغ[2] (تمیزدار بچے کا لقمہ دینا بالغ کے لقمہ کے حکم میں ہے۔ت) قوم کا کسی کو سامع مقرر کرنے کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اس کے غیر کو بتانے کی اجازت نہیں اور اگر کوئی اپنے جاہلانہ خیال سے یہ قصد کرے بھی تو اس کی ممانعت سے وہ حق کہ شرع مطہر نے عام مقتدیوں کو دیا کیونکر سلب ہوسکتا ہے اور اس کے سبب کسی مسلمان پر تشدد یا مسجد میں آنے سے ممانعت یا معاذاللہ مسجد سے نکلوادینا سخت حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَاتَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾[3]	زیادتی نہ کرو اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو۔

اور فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ[4]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام خدا لینے سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[5]۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط عن	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذا دی بیشک اس نے اللہ عزوجل کو ایذادی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں

[1] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فیما مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا نورانی کتب خانہ پشاور ۹۹/۱

[3] القرآن ۱۹۰/۲

[4] القرآن ۱۱۴/۲

[5] الترغیب والترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۰۴/۱، مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فیمن یتخطی رقاب الناس الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۱۷۹/۲

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔(ت)

اور دوسرے کو منع کرنا اور خود مرتکب ہونا دوسرا الزام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝[1]	اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے اللہ کو سخت ناپسند ہے یہ کہ کہو اور نہ کرو۔

اس بیان سے جملہ مدارج سوال کاجواب منکشف ہوگیا بیشک محمود کو سب صورتوں میں عین نماز میں بتانے کا حق حاصل ہے کہیں وجوبًا کہیں اختیارًا، جس کی تفصیل اوپر گزری اور بحال وجوب عینی خاموشی میں گناہ ہوگا خصوصًا اس حالت میں کہ عمرو غلط بتائے کہ اب تو بہت جلد فورًا فورًا صحیح بتانے کی طرف مبادرت واجب ہے کہ بتانا تعلیم وکلام تھا اور بضرورت اصلاح نماز جائز رکھا گیا اور غلط بتانے میں نہ اصلاح نہ ضرورت۔ تواصل پر رہنا چاہئے تو عمرو نے اگر قصدًا مغالطہ دیا جب تو یقینا اس کی نماز جاتی رہی اور اگرامام اس کے مغالطے کو لے گا عام ازیں کہ امام نے غلط پڑھا ہو یا صحیح، تو ایک شخص خارج از نماز کا امتثال یا اس سے تعلّم ہوگا اور یہ خود مفسد نماز ہے توامام کی نماز جائے گی اور اس کے ساتھ سب کی باطل ہوگی، لہٰذا اس فساد کا انسداد فورًا واجب ہے، بحرالرائق میں ہے:

القیاس فسادھا بہ وانما ترك للحاجة فعند عدمھا یبقی الامر علی اصل القیاس[2] ھ مختصرا۔	قیاس کے مطابق نماز اس کے ساتھ فاسد ہوجائے گی البتہ حاجت کی بناپر قیاس متروک ہے جب حاجت نہیں تومعاملہ اصل قیاس کے مطابق ہی ہوگا اھ اختصارًا(ت)

اور اگر سہوًا غلط بتایا تو بظاہر حکم کتاب وقضیہ دلیل مذکور اب بھی وہی ہے

اقول: مگر فقیر امید کرتا ہے کہ شرع مطہر ختم قرآن مجید فی التراویح میں اس باب میں تیسیر فرمائے کہ سامع کا خود غلطی کرنا بھی نادر نہیں اور غالبًا قاری اسے لے لیتا یا اس کے امتثال کے لئے اوپر سے پھر عود کرتا ہے تو اگر ہر بار بحال سہو فساد نماز کا حکم دیں اور قرآن مجید کا اعادہ کرائیں حرج ہوگا والحرج مدفوع بالنص (دین میں تنگی کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ت) بہرحال یہ حکم قابل غور ومحتاج تحریر تام ہے تواندیشہ فساد سے تحفظ

---

[1] القرآن ۶۱/ ۳

[2] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷

کے لئے عمرو کے غلط بتانے کی حالت میں مطلقاً دوسروں کو صحیح بتانے کی طرف فوراً فوراً مبادرت چاہئے۔ **واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶۹ : از میرٹھ لال کرتی بازار مرسلہ حاجی شیخ علاء الدین صاحب رئیس ۲۵ /ربیع الآخر شریف ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک امام مسجد میں تراویح پڑھاتا ہے اور ایک سامع حافظ بھی اس کی تصحیح کے واسطے مقرر ہے امام اس کی تصحیح سے فائدہ اٹھاتا ہے اب کوئی حافظ بھی امام کو اپنے خیال کے موافق لقمہ دیتا ہے جو کبھی غلط اور کبھی صحیح ثابت ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ سامع اپنی یادداشت کے موافق اس دوسرے بتانے والے کی تردید بھی کرتا ہے اور امام اس شش وپنج میں پڑ جاتا ہے کہ کس کا قول مانا جائے غرض کہ امام کو کئی شخصوں کے لقمہ دینے سے اور زیادہ شکوک پیدا ہوتے ہیں اور پریشان ہو کر معمول سے زیادہ غلطی کرنے لگتا ہے، چنانچہ یہ بات بارہا تجربہ سے ثابت ہو چکی ہے، علاوہ ازیں اکثر نوجوان ایسے ہوتے ہیں جو محض اپنی یاد جتانے کے واسطے ذرا ذرا شبہے پر لقمہ دیتے ہیں اور قاری کو پریشان کرتے ہیں اور بعض اوقات امام اور نئے بتانے والے میں غلط بتانے پر جھگڑا بھی ہوتا ہے اور قاری ملامت کرتا ہے کہ کیوں غلط بتایا جس کے باعث نماز میں بے لطفی پیدا ہوتی ہے، ان امور پر لحاظ فرما کر علمائے کرام اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ اور حفّاظ بعد سلام اپنے شکوک کا اظہار فرمائیں اگر فی الواقع وہ غلطی نکلے گی اور اس کی وجہ سے نماز میں نقصان کچھ واقع ہوگا تو نماز دہرالی جائے گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ فقط کراہت کی وجہ سے نماز دہرائی جائے؟ ایسی صورتوں میں ان حفاظ کو باوجود اپنے شک کے کہ قاری غلط پڑھتا ہے سکوت کرنے میں کچھ گناہ تو لازم نہیں آتا خصوصاً ایسی صورت میں کہ جب ان کو ایسے شبہات کے موقع پر جس سے نماز میں قطعاً فساد پیدا ہوتا ہو، بولنے کی اجازت بھی دے دی جائے کیونکہ اگر حافظ عالم بھی ہو تو ایسے فساد معنی پر اس کو کماحقہ آگاہی ہو جائے گی اور ایسے مواقع میں شبہۃً نہیں بلکہ یقیناً اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع فساد نماز کا ہے **بیّنوا توجروا**

الجواب :

یہاں چند امور ہیں جن کے علم سے حکم واضح ہو جائے گا:

(۱) امام کو فوراً بتانا مکروہ ہے، ردالمحتار میں ہے: **یکرہ ان یفتح من ساعتہ**[1] (فی الفور لقمہ دینا مکروہ ہے۔ت)

ہاں اگر وہ غلطی کرکے رواں ہو جائے تو اب نظر کریں اگر غلطی مفسد معنی ہے جس سے نماز فاسد ہو تو بتانا لازم ہے اگر سامع کے خیال میں نہ آئی ہر مسلمان کا حق ہے کہ بتائے کہ اس کے باقی رہنے میں نماز کا فساد ہے اور دفع فساد لازم اور اگر مفسدِ معنی نہیں تو بتانا کچھ

[1] ردالمحتار مطلب المواضع التی لایجب فیہا ردالسلام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۲۳

ضرور نہیں بلکہ نہ بتانا ضرور ہے جبکہ اس کے سبب امام کو وحشت پیدا ہو فان الامر بالمعروف یسقط بالایحاش کما فی الفتاوی العلمگیریۃ وغیرھا (وحشت پیدا کرنے والا امر بالمعروف ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ت) بلکہ بعض قاریوں کی عادت ہوتی ہے کہ غیر شخص کے بتانے سے اور زیادہ اُلجھ جاتے اور کچھ حروف اس گھبراہٹ میں اُن سے ایسے صادر ہو جاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوتی ہے اس صورت میں اوروں کا سکوت لازم ہے کہ اُن کا بولنا باعث فساد نماز ہوگا۔

(۲) قاری کو پریشان کرنے کی نیت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا ویسروا ولاتعسروا [1]۔	لوگوں کو خوشخبریاں سناؤ نفرت نہ دلاؤ، آسانی پیدا کرو تنگی نہ کرو۔(ت)

اور بیشک آج کل بہت حفاظ کا یہ شیوہ ہے یہ بتانا نہیں بلکہ حقیقۃً یہود کے اس فعل میں داخل ہے

لَاتَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ [2]	(اس قرآن کو نہ سنو اس میں شور ڈالو۔ت)

(۳) اپنا حفظ جتانے کے لئے ذرا ذرا شبہ پر روکنا ریاء ہے اور ریاء حرام ہے خصوصًا نماز میں۔

(۴) جبکہ غلطی مفسد نماز نہ ہو تو محض شبہ پر بتانا ہرگز جائز نہیں بلکہ صبر واجب، بعد سلام تحقیق کر لیا جائے، اگر قاری کی یاد صحیح نکلے فبہا اور ان کی یاد ٹھیک ثابت ہوئی تو تکمیل ختم کے لئے حافظ اتنے الفاظ کا اور کسی رکعت میں اعادہ کرلے گا حرمت کی وجہ ظاہر ہے کہ فتح حقیقۃً کلام ہے اور نماز میں کلام حرام ومفسد نماز، مگر بضرورت اجازت ہوئی جب اسے غلطی ہونے پر خود یقین نہیں تو مبیح میں شک واقع ہوا اور محرم موجود ہے لہٰذا حرام ہوا جب اسے شبہ ہے تو ممکن کہ اسی کی غلطی ہو اور غلط بتانے سے اس کی نماز جاتی رہے گی اور امام اخذ کرے گا تو اس کی اور سب کی نماز فاسد ہوگی۔ تو ایسے امر پر اقدام جائز نہیں ہوسکتا۔

(۵) غلطی کا مفسد معنی ہونا مبنائے افساد نماز ہے ایسی چیز نہیں جسے سہل جان لیا جائے، ہندوستان میں جو علماء گنے جاتے ہیں ان میں چند ہی ایسے ہو سکیں کہ نماز پڑھتے میں اس پر مطلع ہو جائیں ہزار جگہ ہوگا کہ وہ افساد گمان کریں گے اور حقیقۃً فساد نہ ہوگا جیسا کہ ہمارے فتاوٰی کی مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان امور سے حکم مسئلہ واضح ہوگیا، صورت فساد میں یقینًا بتایا جائے ورنہ تشویش قاری ہو تو نہ بتائیں اور خود شبہ ہو تو بتانا سخت ناجائز، اور جو ریاء وتشویش چاہیں اُن کو روکا جائے نہ مانیں تو اُن کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے کہ موذی ہیں اور موذی کا دفع واجب۔

---

[1] صحیح البخاری باب ماکان علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم یتخولھم بالموعظۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] القرآن ۴۱/ ۲۶

درمختار میں ہے: **ویمنع کل موذ ولو بلسانہ**[1] (ہر ایذادینے والے کو مسجد سے منع کیاجائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذادے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۰: بازجلال پور ڈاک خانہ خداگنج ضلع شاہجہاں پور مرسلہ سید مشتاق علی صاحب ۱۶جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

ذات فیض سمات قبلہ ارباب علم وکعبہ اصحاب حلم کی ہمیشہ فدویوں کے سروں پر سایہ انداز رہے، بعد سلام نیاز وشوق قدم بوسی کے عرض پرداز ہوں کہ ایک مسئلہ میں ضرورت جناب کے حکم کی بموجب شرع شریف وحدیث نبوی کے ہے کہ اس میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، ذیل کے سوال کا جواب بواپسی ڈاک، ہم لوگوں کو مکروہیت اور گناہ سے بچایئے، وہ یہ ہے کہ ایک صاحب نے نماز جمعہ پڑھاتے وقت مقتدی کالقمہ درمیان قرات کے لیااور پھر سجدہ سہو کیاتواس حالت میں نماز ہوئی یا نہیں؟ وجہ شک کے پیدا ہونے کی یہ ہوئی ہے کہ ایک دوسرے صاحب بمقام لکھنؤ میں نماز جمعہ پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے جو کہ کسی اسلامیہ اسکول کے غالبًا منتہی طالب علم تھے اتفاق سے قرات میں بھول گئے لہٰذا میں نے فورًا لقمہ دیامعًا انہوں نے نماز سلام کے ساتھ ترک کرکے دوبارہ نماز پڑھائی اور یہ کہا کہ فرضوں میں لقمہ دینا ناجائز ہے فرضوں میں لقمہ دینے سے سجدہ سہو کیاجائے تو بھی نماز نہیں ہوتی ہے، میری غلطی یہ ہوئی کہ میں نے اُن صاحب سے بالتشریح نہ دریافت کیا کہ اس کا کیا ثبوت۔ علاوہ اس کے اُن صاحب نے یہ بھی کہا کہ بجزتراویح کے دوسری نماز فرض یا واجب کسی میں لقمہ دینا بھی جائز نہیں لہٰذا اس کی بابت بواپسی جواب جلد سرفراز فرمایئے۔

الجواب:

امام جب نماز یاقرات میں غلطی کرے تواسے بتانا لقمہ دینامطلقًا جائز ہے خواہ نماز فرض ہو یاواجب یاتراویح یا نفل، اوراس میں سجدہ سہو کی بھی کچھ حاجت نہیں، ہاں اگر بھولا اور تین بار **سبحٰن اللہ** کہنے کی دیر چپکا کھڑا رہاتوسجدہ سہو آئے گا جس نے لقمہ دینے کے سبب نیت توڑدی اس نے محض جہالت برتی اور مبتلائے حرام ہوا کہ بے سبب نیت توڑدینا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷۱: ازبنگلور ڈاکخانہ گجادھرگنج لائن مین اسٹیشن بکسر مسؤلہ حاجی عبداللہ خاں ۲۳/محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز امام پڑھاتا ہو اور درمیان میں رک گیا لقمہ

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۹۴

دینا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر لقمہ دیا گیا تو سجدہ سہو جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

امام کو لقمہ دینا ہر نماز میں جائز ہے جمعہ ہو یا کوئی نماز، بلکہ اگر اس نے ایسی غلطی کی جس سے نماز فاسد ہوگی تو لقمہ دینا فرض ہے، نہ دے گا اور اس کی تصحیح نہ ہوگی تو سب کی نماز جاتی رہے گی اور لقمہ دینے سے سجدہ سہو نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب مکروھات الصّلٰوۃ
(مکروہات نماز کا بیان)

مسئلہ ۹۷۲: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ دکان ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۸/ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کا دوستونوں کے بیچ میں اور مقتدیوں سے تین گرہ اونچی جگہ پر کھڑا ہونا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

امام کا دوستونوں کے بیچ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ من باب الامامۃ الاصح ماروی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین اوزاویۃ او ناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ بخلاف عمل الامۃ[1]۔	معراج الدرایۃ کے باب الامامت میں ہے کہ اصح روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: میں امام کا دوستونوں کے درمیان یازاویہ یامسجد کی ایک جانب یا ستون کی طرف کھڑا ہونا مکروہ جانتاہوں کیونکہ یہ اُمتِ محمدیہ کے عمل کے خلاف ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

اسی طرح امام کا تمام مقتدیوں سے بلند جگہ میں ہونا بھی مکروہ۔ سنن ابی داؤد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا ام الرجل القوم فلایقم فی مکان ارفع من مقامھم اونحوذٰلک[1]۔	یعنی جب کوئی شخص نمازیوں کی امامت کرے تو اُن کے مقام سے اُونچی جگہ میں نہ کھڑا ہو۔

ابوداؤد وابن حبان وحاکم حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

وھذا لفظ الحاکم فی مستدرکہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی ان یقوم الامام فوق و یبقی الناس خلفہ[2]۔	حاکم کی مستدرک میں یہ الفاظ ہیں کہ حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام اونچا کھڑا ہو اور مقتدی نیچے رہیں،

پھر ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ظاہر الروایہ میں اس کراہت بلندی وپستی کو کسی مقدار معین مثلاً ایک ذراع شرعی وغیرہ پر موقوف نہ مانا بلکہ جس قدر سے امام وقوم کا مقام میں امتیاز واقع ہو مطلقًا باعث کراہت جانا اور اسی کو امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی نے بدائع میں صحیح اور امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین نے اوجہ وارجح فرمایا اور یہی اطلاق احادیث کا مفاد، تو اسی پر فتوی اور اسی پر اعتماد، ولہٰذا منیہ ونقایہ وجامع الرموز وغیرہا میں حکم کراہت کو مطلق رکھا، درمختار میں ہے:

کرہ انفراد الامام علی الدکان للنھی و قدر الارتفاع بذراع ولاباس بما دونہ وقیل مایقع بہ الامتیاز وھو الاوجہ ذکرہ الکمال وغیرہ[3]۔	امام کا اونچی جگہ تنہا کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس پر نہی وارد ہے اور اونچائی کی مقدار ایک ذراع ہے اس سے کم ہو تو کوئی حرج نہیں، بعض کی رائے میں اتنی اونچائی مکروہ ہے جس سے امتیاز پیدا ہو، یہی مختار ہے کمال وغیرہ نے اسے ذکر کیا۔ (ت)

[1] سنن ابوداؤد باب الامام یقوم مکانا ارفع من مکان القوم مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۸۸

[2] المستدرک علی الصحیحین نہی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یقوم الامام الخ مطبوعہ المطبوعات الاسلامیہ بیروت ۱/۲۱۰

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

ردالمحتار میں ہے:

قوله وقيل الخ هو ظاهر الرواية كما في البدائع قال في البحر والحاصل ان التصحيح قد اختلف والاولى العمل بظاهر الرواية واطلاق الحديث [1] اھ و كذا رجحه في الحلية۔	قولہ وقیل الخ یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ بدائع میں ہے، بحر میں کہا ہے الغرض تصحیح میں اختلاف ہے لیکن ظاہر روایت اور اطلاق حدیث پر عمل بہتر ہے اھ حلیہ میں اسی کو ترجیح ہے۔

امام ملک العلماء ابوبکر بدائع میں فرماتے ہیں:

الصحيح جواب ظاهر الرواية لما روى ان حذيفة بن اليمان رضى الله تعالٰى عنهما قام بالمدائن يصلى بالناس على دكان فجذبه سلمان الفارسى رضى الله تعالٰى عنه ثم قال ما الذى اصابك اطال العهد ان نسيت اما سمعت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول لايقوم الامام على مكان انشر مما عليه اصحابه وفى رواية اماعلمت ان اصحابك يكرهون ذلك فقال تذكرت حين جذبتنى [2]۔	ظاہر الروایہ کا جواب صحیح ہے کیونکہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں مروی ہے کہ وہ مدائن میں نماز پڑھانے کے لئے اونچی جگہ کھڑے ہوتے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں نیچے کھینچا اور فرمایا کیا ہوگیا کیا وقت زیادہ گزر گیا ہے یا آپ بھول گئے؟ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ امام ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں وہ اپنے ساتھیوں سے جُدا ہوجائے۔ دوسری روایت کے الفاظ میں ہے کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ تمہارے ساتھی اس بات کو پسند نہیں کرے، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا مجھے اس وقت یہ بات یاد آگئی جب تم نے مجھے کھینچا۔(ت)

منیہ میں ہے:

يكره ان يقوم ينفرد فى مكان اعلى	یہ مکروہ ہے کہ امام اکیلا ایسی جگہ کھڑا ہو کہ قوم

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

[2] بدائع الصنائع فصل وامابیان مایستحب فیہا ومایکرہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۱۶

من مکان القوم اذا لم یکن بعض القوم معه[1]۔	سے بلند ہو جبکہ اس کے ساتھ کچھ لوگ بھی نہ ہوں۔(ت)

نقایہ کے مکروہات الصلاۃ میں ہے: وتخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ت) شرح علامہ شمس الدین محمد میں ہے:

(تخصیص الامام) ای انفرادہ (بمکان) اما بان یکون مقامه اعلی اواسفل من مکان القوم[2] الخ ویأتی تمامه۔	(تخصیص امام سے مراد) اس کا الگ ہونا ہے (بمکان) یا تو اس کا مقام قوم سے اوپر ہوگا یا نیچے ہوگا الخ اس کی تفصیل آرہی ہے(ت)

ہمارے مذہب کے قواعد مقررہ سے ہے کہ عند اختلاف الفتیا (جب فتوٰی میں اختلاف ہو۔ت) ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے، بحر الرائق میں ہے:

اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاهر الروایة والرجوع الیها[3]۔	جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف رجوع واجب ہوتا ہے(ت)

اور علماء فرماتے ہیں جب روایت ودرایت متطابق ہوں تو عدول کی گنجائش نہیں۔علامہ حلبی نے غنیہ میں فرمایا:

لایعدل عن الدرایة ماوافقتها روایة[4]۔	اس درایت سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو روایت کے موافق ہو۔(ت)

یہاں جبکہ یہی ظاہر الروایۃ اور اسی کے مطابق دلیل وروایت تو لاجرم قول یہی ہے کہ ادنی مابه الامتیاز (جس سے کم از کم امتیاز پیدا ہو جائے۔ت) بلندی بھی مکروہ ہے ہاں ایسا قلیل تفاوت جس سے امتیاز ظاہر نہ ہو عفو ہے فان فی اعتبارہ حرجا والحرج مدفوع بالنص (کیونکہ اس کے اعتبار کرنے میں حرج و تنگی ہے اور تنگی نصوص کی وجہ سے مدفوع ہے۔ت) یونہی اگر پہلی صف امام کے سات ہو باقی صفیں نیچی تو بھی مذہب اصح میں کچھ حرج نہیں

[1] منیۃ المصلی بحث یکرہ ان یصلی علی بساط فیہ تصاویر مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۶۶
[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴
[3] بحر الرائق ، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۶
[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی واجبات الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

کماقدمنا عن المنیۃ وغیرھا وقال فی الدر المختار لم یکرہ لوکان معہ بعض القوم فی الاصح [1] ھ۔**اقول:** وربما یشیرالیہ مافی حدیث الحاکم ویبقی الناس خلفہ فافھم۔	جیسا کہ ہم نے منیہ وغیرہ کے حوالے سے ذکرکیاہے اور درمختار میں فرمایا ہے کہ اصح قول کے مطابق اگرامام کے ساتھ کچھ لوگ ہوں توکراہت نہ ہوگی اھ **اقول:** اس کی طرف حدیث حاکم کے یہ الفاظ اشارہ کرتے ہیں "اور لوگ اس کے پیچھے ہوں "اس کو سمجھ۔(ت)

اور شک نہیں کہ تین گرہ بلندی قطعاً ممتاز و باعث امتیاز ہے کہ ہر شخص بنگاہِ اولیں فوراً تفاوت بین جان لے گا تومذہب معتمد پر اس کی کراہت میں شبہہ نہیں بلکہ علماتصریح فرماتے ہیں کہ امام کے لئے تخصیص مکانی کراہت میں یہ صورت بھی داخل کہ مثلاً وہ مکان مسقف میں ہواور مقتدی صحن میں، شرح نقایہ میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وامابان یکون فی صُفّۃ، وھم فی وسط الدار مثلا کما فی الجوھر وامابان یقوموا فی المسجد والامام فی طاق یتخذ فی المحراب [2]۔	امام چھت میں ہو اور لوگ صحن کے درمیان، جیسا کہ جواہرمیں ہے یالوگ مسجد میں ہوں اور امام طاق میں ہوجو محراب میں بنایاگیاہو۔(ت)

یہاں تک کہ امام مقتدیوں سے تقدیم کوفرماتے ہیں یہ بھی تخصیص مکانی ہے اگرشریعت مطہرہ میں اس کاحکم نہ آتامکروہ ہوتا، علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں فرمایا:

یدخل فی تخصیص الامام بمکان قیامہ فی الطاق ای المحراب بحیث یکون قدماہ فیہ والتقدم علی القوم وان کان تخصیصالہ بمکان لکنہ مستثنی شرعا [3]۔	امام کے لئے تخصیص مکان میں یہ صورت بھی شامل ہے جب وہ طاق یعنی محراب میں اس طرح کھڑاہوکہ اس کے قدم محراب کے اندر ہوں، امام کاقوم سے مقدم ہونا بھی اگرچہ تخصیص مکان میں شامل ہے مگراس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔(ت)

جب ایسے فرق کو بھی تخصیص مکانی ٹھہراتے ہیں حالانکہ مکان واحد اور زمین ہموار ہے جس میں فی نفسہٖ اصلاً

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۲

[2] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

[3] البرجندی شرح مختصر الوقایۃ فصل مایکرہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، بھارت ۱/۱۳۰

کوئی فرق وامتیاز نہیں تو مثلاً کرسی، مکان یا چبوترہ کی بلندی اگرچہ دوتین ہی گرہ ہو بدرجہ اولیٰ تخصیص مکانی باعث کراہت ہوگی کہ یہاں نفس مکان میں تفرقہ وتفاوت موجود اور دالان وصحن کے فرق میں توسرے سے درجہ ہی بدل گیا تو یہ سب صورتیں، ارشاد امام علام صدرالشریعۃ قدس سرہ و تخصیص الامام بمکان (امام کا جگہ مخصوص کرنا۔ت) میں داخل ہیں **جزاہ اللہ خیر جزاء** (کیا دو لفظوں میں تمام صور کا احاطہ فرمالیا اور بہت نزاعوں کا تصفیہ کردیا **فالحمد للہ رب العٰلمین** پس ثابت ہوا کہ جہاں دالانِ مسجد کی کرسی صحن مسجد سے بلندی ممتاز رکھتی ہو جیسا کہ اکثر مساجد میں ہے وہاں امام کا دوستونوں کے درمیان کھڑا ہونا جیسا کہ عوام ہند میں مشاہد ہے نہ صرف ایک کراہت بلکہ تین کراہتوں کا جامع ہوگا:

اوّلاً: یہی بین الساریتین قیام امام،

ثانیاً: مقتدیوں پر بلندی ممتاز،

ثالثاً: اس کا زیر سقف اور مقتدیوں کا صحن پر ہونا۔

ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہی تحقیق مناسب ہے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے وہ پاک وبلند زیادہ جاننے والا اور اس کا علم اجل واعلیٰ ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۷۳تا ۹۷۴: از شہر کہنہ بریلی مسؤلہ محمد ظہور محمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) بعض شخص نماز میں رکوع کے بعد سجدہ کو جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے دونوں پائچوں کو گھٹنوں سے اوپر کو چھڑالیا کرتے ہیں یعنی ہر رکعت میں ایسا ہی کرتے ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۲) ہاتھوں کی کہنی کھول کو آستین اوپر کو چڑھا کر نماز پڑھنے میں کس قدر نقصان ہے؟ کس درجہ کی وہ نماز ہوگی؟ زید کا خیال ہے وہ نماز مکروہ ہوئی مگر عمرو کا خیال ہے کہ مکروہ نہیں ہوئی اور عمرو کا سوال ہے کہ اگر مکروہ ہوئی تو صحت کے ساتھ بتلادیا جائے۔

الجواب:

(۱) مکروہ ہے۔

(۲) نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوگی، اگر نہ پھیرے گا تو گنہگار رہے گا، درمختار، حلیہ وغیرہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۵تا۹۷۶: از بریلی مدرسہ منظرالاسلام مسؤلہ احسان علی مظفرپوری طالب علم بتاریخ ۱۳شوال ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) نماز کے اندر اگر ٹوپی گرجائے تو اٹھاناچاہئے یانہیں؟

(۲) امام قراءت یارکوع کو کسی مقتدی کے واسطے دراز کرسکتا ہے یانہیں جبکہ مقتدی وضو کررہاہو یامسجد میں آگیاہو اور یہ امام کو معلوم ہوگیا کہ کوئی شخص ہے کہ عنقریب شریک ہوناچاہتاہے بایں صورت رکوع میں کچھ دیر کردے تو جائز یانہیں؟

الجواب:

(۱) اٹھالینا افضل ہے جبکہ باربار نہ گرے اور اگر تذلل وانکسار کی نیت سے سربرہنہ رہنا چاہے تو نہ اٹھانا افضل۔ درمختار میں ہے:

سقط قلنسوته فاعادتها افضل الا اذا احتاجت لتکویر او عمل کثیر[1]	نمازی کی ٹوپی گرجائے تو اس کا اٹھانا افضل ہے مگر اس صورت میں کہ باندھنے کی حاجت ہو یا عمل کثیر لازم آرہاہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان افضلیة اعادتها حیث لم یقصد بترکها التذلیل[2]۔	ظاہر یہی ہے کہ اس کا اٹھانا تب افضل ہے جب اس کے ترک میں تذلل کا ارادہ نہ ہو۔(ت)

(۲) اگر کسی خاص شخص کی خاطر اپنے کسی علاقہ خاصہ یاخوشامد کے لئے منظور تو ایک بار تسبیح کی قدر بھی بڑھانے کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ **یخشی علیه امر عظیم** یعنی اس پر شرک کا اندیشہ ہے کہ نماز میں اتنا عمل اس نے غیر خدا کے لئے کیا اور اگر خاطر خوشامد منظور نہیں بلکہ عمل حسن پر مسلمان کی اعانت (اور یہ اس صورت میں واضح ہے کہ یہ اس آنے والے کو نہ پہچانے یا پہچانے اور اس کا کوئی تعلق خاص اس سے نہ ہو نہ کوئی غرض اس سے اٹکی ہو) تو رکوع میں دوایک تسبیح کی قدر بڑھادینا جائز بلکہ اگر حالت یہ ہے کہ یہ ابھی سراٹھائے لیتاہے تو وہ رکوع میں شامل ہونے نہ ہونے میں شک میں پڑجائے گا تو بڑھادینا مطلوب اور جو ابھی نماز میں نہ ملے گا مسجد میں آیا ہے وضو وغیرہ کرے گا یاوضو کرتا ہے اس کے لئے

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۴/۱

قدر مسنون پر نہ بڑھائے بلکہ اگر بڑھائے موجب ثقل حاضرین نماز ہوگا تو سخت ممنوع و ناجائز، المسألۃ دوارۃ فی الکتب وبسطھا الشامی من صفۃ الصلٰوۃ وماقلتہ عطر التحقیق (یہ مسئلہ کتب فقہ میں تحریر ہے، شامی نے اسے صفت صلٰوۃ میں تفصیلاً بیان کیا اور جو کچھ میں نے بیان کریا ہے یہ تحقیق کا عطر و نچوڑ ہے۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۷: یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے منع کرنے پر کہ آستین چڑھے ہوئے سے نماز نہ پڑھا کرو آستین اُتار لیا کرو، جواب دیا کہ کس کا قول ہے، کس حدیث میں ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، صحیحین کی حدیث ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما راوی ہیں، اور جاہل کو ایسے سوالات نازیبا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷۸: از بریلی محلّہ ذخیرہ مسئولہ مسعود حسین ۲۹ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر دھوبی کپڑا بدل کرلائے تو اس کو پہن کر عورتوں کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جوڑا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بدلا ہوا کپڑا پہننا مرد و عورت سب کو حرام ہے اور اس سے نماز مکروہ تحریمی، جوڑا باندھنے کی کراہت مرد کے لئے ضرور ہے، حدیث میں صاف **نھی الرجل**[1] ہے، عورت کے بال عورت ہیں پریشان ہوں گے تو انکشاف کا خوف ہے اور چوٹی کھولنے کا اسے غسل میں بھی حکم نہ ہوا کہ نماز میں کف شعر گندھی چوٹی میں ہے جب اس میں حرج نہیں جوڑے میں کیا حرج ہے، مرد کے لئے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ سجدے میں وہ بھی زمین پر گریں اور اس کے ساتھ سجدہ کریں **کما فی المرقاۃ وغیرہ** (جیسا کہ مرقات وغیرہ میں ہے۔ت) اور عورت ہرگز اس کے مامور نہیں، لاجرم امام زین الدین عراقی نے فرمایا: **ھو مختص بالرجال دون النساء** (یہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ عورتوں کے لئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۵۱۳ مروی عن ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۳/۲۵۲، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی رافع رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۸

ف: حدیث کے الفاظ یوں ہیں: نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یصلی الرجل ورأسہ معقوصٌ۔ نذیر احمد

مسئلہ ۹۷۹: از موضع مانیاوالہ ڈاکخانہ قاسم پور گڈھی ضلع بجنور پرگنہ افضل گڑھ مرسلہ سید کفایت علی ولد حمایت علی ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

حضور کی مسجد میں ایک مرتبہ نماز عشاء کی پڑھ رہا تھا سرپر چادر اوڑھے ہوئے تھا اور چادر بدن پر قائم رہی مگر سرپر اتر کر کندھے پر گر گئی تھی، میں نے یہ مسئلہ سنا بھی نہیں تھا آپ کے خلیفہ مولوی امجد علی صاحب نے یہ فرمایا اگر چادر رکوع میں یا کھڑے ہونے سے گر جائے تو ہاتھ سے اشارہ کرکے سرپر رکھ لینی چاہئے اگر نہیں رکھے گا تو نماز مکروہ ہوگی اور بھیتر چادر اوڑھنے کے ٹوپی کے دوپٹہ بندھا ہوا تھا جیسا کہ انہوں نے بتایا تھا ویسا خاکسار عمل میں لایا تھا مگر غریب خانہ آکر جو نمازیوں کو دیکھا تو وہ چادر یا رضائی سر کے اوپر سے نہیں اوڑھتے بلکہ کاندھے پر اوڑھتے ہیں میں نے اُن سے کہا کہ چادر نماز پڑھتے میں سرپر سے اوڑھنی چاہئے اگر سرپر گر جائے تو ہاتھ سے سرپر رکھ لینی چاہئے انہوں نے کہا نماز پڑھتے میں چادر سرپر رکھے گا نماز نہیں ہوگی، اب اس مسئلہ کا خواستگار ہوں تحریر کیجئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

ابونعیم نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاینظر اللہ الی قوم لایجعلون عمائمھم تحت ردائھم یعنی فی الصلٰوۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی اُس قوم کی طرف نظر رحمت نہیں فرماتا جو نماز میں اپنے عمامے اپنی چادروں کے نیچے نہیں کرتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۸۰: از سرولی کلاں ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر سرپر رومال باندھ کر نماز پڑھی جائے تو ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بغیر ٹوپی کے رومال بندھا جائے تو نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب: رومال اگر بڑا ہو کہ اتنے پیچ آسکیں جو سر کو چھپالیں تو وہ عمامہ ہی ہوگیا، اور چھوٹا رومال جس سے صرف دو ایک پیچ آسکیں لپیٹنا مکروہ ہے، اور بغیر ٹوپی کے عمامہ بھی نہ چاہئے نہ کہ رومال، حدیث میں ہے:

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷۷۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۶/۵

فرق مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس[1]۔	ہم میں اور مشرکوں میں ایک فرق یہ ہے کہ ہمارے عمامے ٹوپیوں پر ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸۱: از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسؤلہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو جاگتے میں کچھ غفلت ہوئی یا نماز پڑھتے میں کچھ شیطانی خیال آیا اور آنکھوں کے سامنے عورت کی فرج کو دیکھا اور اپنا ذکر سامنے کیا لیکن دخول نہ کیا ایک منٹ کے بعد اس خیال کو دور کیا اور نماز تمام کی اب اس نے نہ دخول کیا اور نہ ذکر کھڑا ہوا تھا اور نہ منی یا مذی نکلی ہے ایک ذرا سا یہ خیال اس کو تھا لیکن پیشاب اس کو لگا ہے غسل کرنا ہوگا یا نہیں؟ اور اس کی نماز کیسی ہوئی؟ اس کا خیال ہے کہ مجھ پر غسل نہیں اور نمازیں پڑھتا ہے قرآن مجید پڑھتا ہے اب نمازیں پڑھنا یا قرآن مجید اور درود شریف پڑھنا سب کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جب نہ اس نے دخول کیا نہ منی نکلی، تو غسل واجب نہ ہوا، قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے اور سوائے قرآن مجید اور اذکار مثل کلمہ طیبہ و تسبیح و تہلیل و درود شریف وغیرہا تو حالت جنابت میں بھی پڑھ سکتا ہے اور جبکہ صورت مذکورہ میں مذی بھی نہ نکلی تو نماز بھی ہوگئی بشرطیکہ اس کا برہنہ عضو عورت کی برہنہ شرمگاہ سے ملا نہ ہو ورنہ وضو جاتا رہا اور نماز نہ ہوئی، باقی نماز میں ایسا خیال بہت بد ہے اگرچہ فرض ادا ہوجائے گا نماز سخت مکروہ ہوگی اور اگر برہنگی ایسی ہو جس سے دوسرے کی نظر سے حجاب نہ ہو تو اسی قدر سے نماز جاتی رہے گی جبکہ چہارم عضو کی قدر برہنہ کرے اگرچہ وضو نہ جائے گا جبکہ برہنہ شرمگاہ زن سے ملا نہ ہو یہ سب اسی صورت میں ہے کہ واقعی کوئی عورت موجود ہو ورنہ مجرد خیال سے نہ وضو جائے گا جب تک مذی نہ نکلے نہ غسل واجب ہوگا جب تک منی نہ نکلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۲: از جمشید پور ڈاکخانہ خاص ضلع سنگھ بھوم آفس کارکیسے مسؤلہ حمیداللہ ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ پتلون پہن کر نماز درست ہے یا نہیں جبکہ اس میں نشست و برخاست

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸

پوری طور سے ہوتا ہے بیّنوا توجروا

الجواب:

پتلون پہننا مکروہ ہے اور مکروہ کپڑے سے نماز بھی مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۳: گلوبند یا پگڑی یا رومال سے پیشانی چھپی ہے تو سجدہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

سجدہ درست ہے اور نماز مکروہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸۴: مرزا اصغر علی خاں بانس منڈی، بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر جماعت میں امام مسجد کے در میں اور مقتدی باہر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں اس میں کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

امام کا در میں کھڑا ہونا مکروہ ہے **کما فی رد المحتار عن معراج الدرایۃ عن سیدنا الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ**[1] (ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸۵: جرابیں پہن کر پاؤں میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ جبکہ ان کے پہننے سے ٹخنے بند ہوگئے تو نماز مکروہ ہوگی۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زید کا قول غلط ہے، موزے پہن کر نماز پڑھنا بہتر ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸۶: از سرکار پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری درگاہ اقدس مرسلہ امام علی شاہ صاحب ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۱ھ

حق، حق، حق، جناب مولٰنا! السلام علیکم، مکلّف ہوں کہ اس مسئلہ میں آپ کیا فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ کے آستانہ پاک میں اسی بزرگ صاحب مزار کے روضہ منورہ کے دروازے کو بند کرکے روضہ کے آگے ہی اگر نماز پڑھ لی جائے تو شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اخبار دبدبہ سکندری میں لکھ دیا جائے تاکہ سب لوگ دیکھ لیں۔ زیادہ نیاز المکلف فقیر محمد امام علی شاہ اولاد بابا صاحب رحمہ اللہ تعالٰی از درگاہ حضرت جناب

[1] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۸

باباصاحب رحمہ اللہ تعالٰی گنج شکر قطب عالم اغیاث ہند پاک پٹن شریف ضلع منٹگمری

الجواب:

جناب شاہ صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، صورت مذکورہ میں نماز جائز اور بلاکراہت جائز، اور قرب مزار محبوباں کردگار کے باعث زیادہ مثمر برکات وانوار وموردرحمت جلیلہ غفار۔ خلاصہ وذخیرہ ومحیط وہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لهذين قال محمد اكره ان تكون قبلة المسجد الى المخرج والحمام والقبر [1] (الى قوله اعنى المحيط) هذا كله اذا لم يكن بين المصلى وبين هذه المواضع حائط اوسترة امااذاكان لايكره ويصير الحائط فاصلا [2]۔	ان دونوں کی عبارت یہ ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں مسجد کے قبلہ کابیت الخلاء حمام اور قبر کی طرف ہونامکروہ جانتاہوں (محیط کے قول تک) یہ اس وقت ہے جب نمازی اور ان کے درمیان کوئی دیواریاسُترہ نہ ہو لیکن اگردرمیان کوئی چیز ہے ومکروہ نہیں اب دیوار ان کے درمیان فاصل ہوجائے گی۔(ت)

سرکاراعظم مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علٰی من طیبہا وآلہ وسلم میں روضہ انور حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے نمازیوں کی صفیں ہوتی ہین جن کاسجدہ خاص روضہ انورکی طرف ہوتاہے مگرنیت استقبال قبلہ کی ہے، نہ استقبال روضہ اطہر کی۔ لہٰذاہمیشہ علمائے کرام نے اسے جائزرکھاہاں بلامجبوری مزاراقدس کوپیٹھ کرنے سے منع فرمایااگرچہ نماز میں ہو، منسک متوسط اوراس کی شرح مسلک متقسط ملاعلی قاری میں ہے:

(لایستدبر القبر المقدس) ای فی صلاۃ ولاغیرھا الالضرورۃ ملجئۃ الیہ [3]۔	(مزاراقدس کی طرف پشت نہ کرے) نماز اور غیر نماز میں البتہ جب کوئی مجبوری وضرورت ہوتوکوئی حرج نہیں (ت)

نیز شرح مذکور میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۱۹/۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۰/۵

[3] مسلک متقسط مع ارشادالساری باب زیارت سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۴۲

لاتکرہ الصلٰوۃ خلف الحجرۃ الشریفۃ الا اذا قصدالتوجہ الٰی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	حجرہ شریف کے سامنے نماز ادا کرنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جب توجہ سے مقصود ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر شریف ہو۔(ت)

[1] امام اجل قاضی عیاض شرح صحیح مسلم شریف پھر [2] علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ المصابیح پھر [3] علامہ قاری مرقاۃ المفاتیح نیز [4] علامہ محدث طاہر فتنی مجمع بحارالانوار نیز [5] امام قاضی ناصرالدین بیضاوی پھر [6] امام جلیل علامہ محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر [7] امام احمد محمد خطیب قسطلانی ارشاد الساری شرح بخاری نیز [8] امام ابن حجر مکی شرح مشکوٰۃ شریف پھر [9] شیخ محقق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاولین، من اتخذ مسجدا فی جوار صالح اوصلی فی مقبرہ وقصد الاستظہار بروحہ اووصول اثر من اٰثار عبادتہ الیہ، لاللتعظیم لہ و التوجہ نحوہ، فلاحرج علیہ الاتری ان مرقد اسمٰعیل علیہ الصلاۃ و السلام فی المسجد الحرام عند الحطیم، ثم ان ذلک المسجد افضل مکان یتحری المصلی لصلاتہ[2]۔	یعنی جس نے کسی نیک بندے کے قرب میں مسجد بنائی یا مقبرہ میں نماز پڑھی اور اس کی روح سے استمداد و استعانت کا قصد کیا یا یہ کہ اس کی عبادت کا کوئی اثر پہنچے، نہ اس لئے کہ نماز سے اس کی تعظیم کرے یا نماز میں اس کی طرف منہ ہونا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، کیا دیکھتے نہیں کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار شریف خاص مسجد الحرام میں حطیم کے پاس ہے پھر یہ مسجد سب سے افضل وہ جگہ ہے کہ نمازی نماز کے لئے جس کا قصد کرے۔

اخیرین کے لفظ یہ ہیں:

خرج بذلک اتخاذ مسجد بجوار نبی او صالح والصلٰوۃ عند قبرہ لالتعظیمہ والتوجہ نحوہ بل لوصول مدد منہ حتی تکمل عبادتہ ببرکۃ مجاورتہ	یعنی کسی نبی یا ولی کے قرب میں مسجد بنانا اور ان کی قبر کریم کے پاس نماز پڑھنا نہ ان دو نیتوں سے بلکہ اس لئے کہ اُن کی مدد مجھے پہنچے اُن کے قرب کی برکت سے میری عبادت کامل ہو اس میں کچھ مضائقہ

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۲۲

[2] شرح طیبی علٰی مشکوٰۃ المصابیح الفصل الاول باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۵

لتلک الروح الطاھرۃ فلاحرج فی ذلک لما ورد ان قبر اسمعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام فی الحجر تحت میزاب وان فی الحطیم وبین الحجر الاسود وزمزم قبرسبعین نبیا ولم ینہ احد عن الصلاۃ فیہ[1]۔	نہیں کہ وارد ہوا ہے کہ اسمٰعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کا مزار پاک حطیم میں میزاب الرحمۃ کے نیچے ہے اور حطیم میں اور سنگِ اسود وزمزم کے درمیان سترّ پیغمبروں کی قبریں ہیں علیہم الصلٰوۃ والسلام، اور وہاں نماز پڑھنے سے کسی نے منع نہ فرمایا۔

شیخ محقق فرماتے ہیں: کلام الشارحین متطابق فی ذٰلک[2] تمام اصحاب شرح اس بارے میں یک زبان ہیں۔

الحمدﷲ ائمہ کرام کے اس اجماع واتفاق نے جان وہابیت پر کیسی قیامت توڑی کہ خاص نماز میں مزارات اولیائے کرام سے استمداد واستعانت کی ٹھہرادی، اب تو عجب نہیں کہ حضرات وہابیہ تمام ائمہ دین کو گورپرست کالقب بخشیں ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم پھر روضہ مبارک کادروازہ مبارک بند کرنے کی بھی ضرورت اس حالت میں ہے کہ قبرانور نمازی کے خاص سامنے ہو اور بیچ میں چھڑی وغیرہ کوئی سترہ نہ ہو اور قبر اتنی قریب ہو کہ جب یہ خاشعین کی سی نماز پڑھے توحالت قیام میں قبر پر نظر پڑے، اور اگر مزار مبارک ایک کنارے کو ہے یا بیچ میں کوئی سترہ ہے اگرچہ آدھ گز اونچی کوئی لکڑی ہی کھڑی کرلی ہو یامزار مطہر نماز کی جگہ سے اتنی دور ہے کہ نمازی نیچی نظر کئے اپنے سجدہ کی جگہ نظر جمائے تومزار شریف تک نگاہ نہ پہنچے تو ان صورتوں میں دروازہ بند کرنے کی بھی حاجت نہیں یونہی نماز بلاکراہت جائز ہے۔[۱]تاتارخانیہ پھر [۲]فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

ان کان بینہ وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلٰوۃ ویمر انسان لایکرہ فھھنا ایضا لایکرہ[3]۔	اگر نمازی اور قبر کے درمیان اتنافاصلہ ہو کہ آدمی نماز میں ہو اور اس کے آگے سے کسی آدمی کا گزرنامکروہ نہ ہو تو یہاں بھی کراہت نہ ہوگی۔(ت)

[۳]جامع مضمرات شرح قدوری پھر [۴]جامع الرموز شرح نقایہ پھر [۵]طحطاوی علی مراقی الفلاح و[۶]ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ مطبوعہ معارف علمیہ لاہور ۵۲/۳

[2] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ومواضع الصلاۃ مطبوعہ معارف علمیہ لاہور ۵۲/۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰۷/۱

لاتکرہ الصلٰوۃ الٰی جھۃ القبر الا اذا کان بین یدیہ بحیث لوصلی صلاۃ الخاشعین وقع بصرہ علیہ[1]۔	قبر کی طرف نماز پڑھنا مکروہ نہیں مگر اس صورت میں جبکہ نمازی خشوع سے نماز پڑھ رہا ہو (جائے سجدہ پر نظر ہو) تو قبر پر نظر پڑے (ت)

یہ قلب وہابیت پر کیسا شاق ہوگا کہ مزار مبارک بلاحائل بے پردہ صرف چار پانچ گز کے فاصلے سے عین نماز میں نمازی کے سامنے ہے اور نماز بلاکراہت جائز، کیا یہ فقہائے کرام کو قبر پرست نہ کہیں گے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ یہ سب اُس صورت میں ہے کہ وہ بہ نیت فاسدہ نہ ہوں یعنی نماز سے تعظیم قبر کا ارادہ یا بجائے کعبہ نماز میں استقبال قبر کا قصد۔ ایسا ہو تو آپ ہی حرام بلکہ معاذاللہ نیت عبادت قبر ہو تو صریح شرک و کفر مگر اس میں مزار مقدس کی جانب سے حرج نہ آیا بلکہ اس شخص کا فاسد ارادہ یہ فساد لایا اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی ناخدا ترس کعبہ معظّمہ کے سامنے اس نیت سے نماز پڑھے کہ وہ کعبہ کی طرف نہیں بلکہ وہ خود کعبہ کو سجدہ کرتا ہے یا نماز تعظیم کعبہ کے لئے پڑھتا ہے ایسی نماز بیشک حرام اور نیت عبادت کعبہ ہو تو سلب اسلام مگر اس میں کعبہ معظّمہ کا کیا قصور ہے یہ تو اس کی نیت کا فتور ہے، یونہی جو مزارات کے حضور ہے اور مزار کریم مستور ہے یا نظر خاشعین سے دور ہے تو فاسد نیت سے مازور ہے اور تبرک واستمداد کی نیت سے ماجور ہے کہ نماز و نیاز کا اجتماع نورٌ علٰی نور ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۹۸۷تا۹۸۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

(۱) وضو، نماز، غسل، جماعت، لباس، نماز جنازہ، کفن، دفن، نکاح وغیرہ میں کتنے کتنے اور کون کون سے فرض، سنت، مستحب، واجب ہیں جس کے ترک سے نماز فاسد یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی یا کہ بطور دہرانے کے یا سجدہ سہو کے قابل ہوجاتی ہے یا کیا چیز ترک ہو جس سے امام نے دوبارہ جماعت شروع کی اب اور نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے ہیں اور کس ترک کے سبب سے اب نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اسی طرح غسل، جماعت، لباس، کفن، دفن، نکاح سب کا حال علیحدہ علیحدہ ترتیب وار تحریر فرمایا جائے۔

(۲) زید تمباکو کھانے پینے کی اکثر اشیاء باندھ کر نماز پڑھتا ہے نماز ہوگی؟

(۳) زید اکثر رزائی، کمبل، چادر کی گھوکی ڈال کر نماز پڑھتا ہے ہوگی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) اس سوال کا جواب اگر مفصل لکھا جائے تو کم از کم دو ہزار ورق ہوں گے سائل کو چاہیے علم سیکھے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان الاحق بالامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۶

یہ باتیں آجائیں گی، فرض کے ترک سے نماز فاسد ہوتی ہے اور واجب کے ترک سے مکروہ تحریمی، اور سنت مؤکدہ کا ترک بہت برا ہے اور غیر مؤکدہ کے ترک سے مکروہ تنزیہی، اور مستحب کے ترک سے غیر اولٰی، فرض کے ترک میں پڑھنا فرض ہے کہ پہلی نماز اصلاً نہ ہوئی اور اسی صورت میں نئے آدمی شامل ہوسکتے ہیں، اور واجب بھول کر چھوٹا تو سجدہ سہو کا حکم ہے اور قصداً چھوڑا یا بھول کر چھوٹا تھا مگر سجدہ سہو نہ کیا تو اعادہ واجب ہے اور سنت کے ترک میں سنت اور مستحب کے ترک میں مستحب، اور ان سب صورتوں میں نئے آدمی شامل نہیں ہوسکتے۔

(۲) ہاں نماز ہوجائے گی مگر بدبو آئے تو کراہت ہے۔

(۳) نماز مکروہ ہوگی جب تک ایک پلہ اس کا دوسرے کندھے پر نہ ڈالا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۰: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو ریشمیں کپڑا پہن کر نماز کیسی ہے؟ اور جب امام باوصف معلوم ہوجانے حرمت کے لباس ریشمیں پہن کر امامت کیا کرے تو ساری جماعت کی نماز میں کراہت تحریمی کا وبال امام پر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

فی الواقع ریشمیں کپڑا پہن کر نماز مرد کے لئے مکروہ تحریمی ہے کہ اسے اتار کر پھر پڑھنا واجب کما ھو معلوم من الفقہ فی غیر ما موضع (جیسا کہ فقہ میں متعدد مقامات پر موجود ہے۔ت) شرح مقدمہ غزنویہ پھر فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

تکرہ الصلٰوۃ فی ثوب الحریر وعلیہ ایضاً لانہ محرم علیہ لبسہ فی غیر الصلٰوۃ ففیہا اولی فان صلی فیہا صحت صلاتہ لان النھی لایختص بالصلٰوۃ[1] انتہی **اقول:** وقولہ وعلیہ ایضاً مبتن علی قولھما من حرمۃ افتراش الحریر والا فھو جائز عندالامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی	ریشمی کپڑے میں اور اس کے اوپر نماز مکروہ ہے کیونکہ جب نماز کے علاوہ اسے پہننا حرام ہے تو نماز میں بطریق اولٰی حرام ہوگا، اگر ان میں نماز ادا کی تو صحیح ہوگی کیونکہ نہی نماز کے ساتھ ہی مخصوص نہیں انتہی **اقول:** اس کا قول "ریشمی کپڑے پر بھی" صاحبین کے اس قول پر مبنی ہے کہ ریشم کا بچھونا بنانا بھی حرام ہے ورنہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ دارالاشاعت قندھار، افغانستان ۱/۷

عنه لان المحرم لبسه لاسائر وجوه الانتفاع[1] کما فی ردالمحتار وغیرہ نعم تکرہ الصلاۃ علیه وان جاز افتراشه لان الصلٰوۃ لیست موضع الترفه وھذہ الکراھۃ تنزیھیا۔	ہے کیونکہ ریشم کا پہننا حرام ہے باقی نفع کی صورتیں منع نہیں جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے، ہاں اگرچہ اس کا بچھونا بنانا جائز ہے مگر اس پر نماز مکروہ ہوگی کیونکہ نماز تعیش کا مقام نہیں اور یہ کراہت تنزیہی ہوگی۔(ت)

جبکہ اللہ عزوجل نے مرد کو ریشمیں کپڑا گھر میں پہننا حرام کیا تو خود اس کے دربار میں اسے پہن کر حاضر ہونا کس درجہ گستاخی وبے ادبی ہوگا، جو بات گھر بیٹھ کر تنہائی میں کرنا تو قانون سلطانی میں جرم ہو وہ خود بارگاہ سلطانی میں اس کے حضور کھڑے ہوکر کرنا کیسی صریح بیباکی اور بادشاہ کا موجبِ ناراضی ہوگا **والعیاذ باللہ تعالٰی** اور پُرظاہر کہ نماز امام کی یہ کراہت نماز مقتدیان کی طرف بھی سرایت کرے گی تو اُن سب کی نمازیں خراب وناقص ہونے کا یہی شخص باعث ہوا اور معاذاللہ ارشاد حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی کا مصداق ٹھہرا۔

بے ادب تنہانہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(بے ادب تنہا اپنے آپ کو ہی تباہ نہیں کرتا بلکہ اس ایک کی بے ادبی تمام عالم کو برباد کردیتی ہے)

بعینہٖ یہی حکم ان سب چیزوں کا ہے جن کا پہننا ناجائز ہے جیسے ریشمیں کمربند یا مغرق ٹوپی یا وہ کپڑا جس پر ریشم یا چاندی یا سونے کے کام کا کوئی بیل بُوٹا چار انگل سے زیادہ عرض کا ہو یا ہاتھ خواہ پاؤں میں تانبے سونے چاندی پیتل لوہے کے چھلّے یا کان میں بالی یا بُندا یا سونے خواہ تانبے پیتل لوہے کی انگوٹھی اگرچہ ایک تار کی ہو یا ساڑھے چار ماشے چاندی یا کئی نگ کی انگوٹھی یا کئی انگوٹھیاں اگرچہ سب مل کر ایک ہی ماشہ کی ہوں کہ یہ سب چیزیں مردوں کو حرام وناجائز ہیں اور اُن سے نماز مکروہ تحریمی اور تانبے پیتل لوہے کے زیور تو عورتوں کو بھی حرام ہیں انہیں پہن کر اُن کی نماز بھی مکروہ تحریمی، ان مسائل کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۱ : از بدایوں کچہری منصفی مرسلہ شیخ حامد حسین وکیل ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی وضع کے کپڑے پہننا کیسا؟ اور ان کپڑوں سے نماز

[1] ردالمحتار فصل فی اللبس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۵۴

ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ہوتی ہے تو بکراہت تحریمی یا تنزیہی یا بلاکسی فساد کے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام سخت حرام اشد حرام، اور انہیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار سیدی علامہ اسمٰعیل نابلسی شرح درر و غرر پھر علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

مافعله بعض [عہ۱] ارباب الحرف بدمشق لما زینت البلدة بسبب اخذ بلد من الافرنج من لبسهم زی الافرنج فی رؤسهم وسائر بدنهم وجعلهم اساری فی القیود وعرض ذلك فی البلدة علی زعم انه حسن وهو والعیاذ بالله کفر علی الصحیح وخطأ عظیم علی القول المرجوع [عہ۲] اعاذنا الله من الجهل المورد موارد السوء[1]۔	دمشق شہر کی خوبصورتی کے وقت بعض ارباب صنعت نے فرنگیوں سے شہر کی قبضہ میں لیتے وقت جشن مناتے ہوئے مذاق کے طور پر فرنگیوں کا لباس سر اور جسم پر پہنا کر (کچھ لوگوں کو) قید میں ڈالا اور شہر میں پھرایا اور اس سے خوش ہوئے (اللہ کی پناہ) یہ صحیح قول کے مطابق کفر اور قول مرجوع پر خطأ عظیم ہے اللہ تعالٰی جہالت کے ایسے برے مواقع سے محفوظ رکھے۔ (ت)

علمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے: تکرہ الصلاۃ مع البرنس[2] (ٹوپی والے جبہ میں نماز مکروہ ہے۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

عہ۱ ذکرہ فی النوع الثامن من المبحث الاول من القسم الثانی من الصنف الثانی اٰفات اللسان وهو نوع السخریه ۱۲منه (م)	اسے نابلسی نے مبحث اول کی قسم ثانی کی نوع ثامن میں آفات زباں کی صنف ثانی کے تحت ذکر کیا ہے اور یہ مذاق کی قسم ہے ۱۲منہ (ت)
عہ۲ هکذا هو بالعین فی نسختی الحدیقة ۱۲منه (م)	میرے پاس جو حدیقہ کا نسخہ ہے اس میں یہ لفظ ع کے ساتھ ہے ۱۲منہ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثامن من الانواع الستین الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فیمایکرہ فی الصلوۃ ومالایکرہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۶

مسئلہ ۹۹۲: از ملک اپر برہما چھاؤنی مٹکینہ مرسلہ حاجی ہادی یار خاں ۶ صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے حامیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ہے اس کے کپڑا بہت ہے لیکن آستینیں چڑھا کر کُہنی سے اوپر نمازپڑھتاہے، کچھ کراہت نماز میں آتی ہے یانہیں؟اس کاجواب بمع حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب: مکروہ ہے نماز پھیرنے کاحکم ہے، درمختار میں ہے:

کرہ سدل ثوبہ وکرہ کفہ ای رفعہ ولولتراب کمشمر کم اوذیل[1]۔	کپڑے کالٹکانا اسی طرح کپڑے کااٹھانا بھی مکروہ ہے اگرچہ کیچڑ کی وجہ سے ہو جیسے کوئی آدمی آستین اور دامن اٹھالے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حررالخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ[2]۔	شیخ خیرالدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے(ت)

حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لااکف شعرا ولا ثوبارواہ الستۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما[3]۔	مجھے سات اعضاپر سجدہ کاحکم دیاگیاہےاوراس بات کاحکم ہے کہ بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں، اس روایت کو صحاح ستّہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹۳: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حسین ۲ صفر ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آستین کہنی تک چڑھی ہوئی نمازپڑھنی مکروہ ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

ضرور مکروہ ہےاور سخت وشدید مکروہ ہے، صحاح ستّہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

[2] ردالمحتار مطلب مکروہات الصلوٰۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۳/۱

[3] صحیح مسلم، باب اعضاء السجود، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۹۳/۱

وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان اسجد علی سبعۃ اعضاء وان لاا کف شعرا ولاثوبا[1]۔	مجھے سات اعضا پر سجدہ کا حکم ہے اور اس بات کا کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔(ت)

صحیحین میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرت ان لاا کف الشعر والثیاب[2]۔	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بالوں اور کپڑوں کو اکٹھا نہ کروں۔(ت)

تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ (کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے۔ت) فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے:

یدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمیہ[3]۔	کپڑا اٹھانے میں آستینوں کا چڑھانا بھی داخل ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کرہ کف ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم اوذیل[4]۔	کپڑے کا اٹھانا اگرچہ مٹی کی وجہ سے ہو مکروہ ہے جیسا کہ آستین اور دامن کا چڑھانا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حرر الخیر الرملی مایفید ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ[5]۔	شیخ خیر الدین رملی کی عبارت اس بات کی مفید ہے کہ اس میں کراہت تحریمی ہے(ت)

غنیہ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود اویدخل فیھا	عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا

[1] صحیح مسلم باب اعضاء السجود مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

[2] صحیح مسلم، باب اعضاء السجود، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

[3] بحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۴

[4] الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۱

[5] ردالمحتار، مطلب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۳

وھو مکفوف کما اذا دخل وھومشمرا لکمہ او الذیل[1]۔	جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔(ت)

علامتین محققین جلیلین شارحین منیہ تحقیق فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔غنیہ میں ہے:

(و) یکرہ ایضاً (ان یرفع کمہ) ای یشمرہ (الی المرفقین) وھذا قید اتفاقی فانہ لو شمر الی مادون المرفق یکرہ ایضاً لانہ کف للثوب وھو منھی عنہ فی الصلاۃ لما مر وھذا اذاشمرہ خارج الصلٰوۃ وشرع فی الصلٰوۃ وھو کذٰلك اما لوشمرہ فی الصلاۃ تفسد لانہ عمل کثیر[2]۔	اور یہ بھی مکروہ ہے(کہ آستین اٹھائی) یعنی چڑھائی ہو(کہنیوں تک)اور یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ کہنیوں کے نیچے تک بھی چڑھائی ہوں تب بھی کراہت ہے کیونکہ یہ کپڑے کا اٹھانا ہے حالانکہ وہ نماز میں ممنوع ہے جیسا کہ اس پر احادیث گزری ہیں اور یہ اس وقت ہے جب اس نے نماز سے باہر آستین کو چڑھایا تھا اور اسی حال میں نماز شروع کردی اور اگر دورانِ نماز آستین چڑھاتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ یہ عمل کثیر ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیرھما الٰی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی ھذا[3]۔	آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے(ت)

تو لازم ہے کہ آستینیں اتار کر نماز میں داخل ہو اگرچہ رکعت جاتی رہے اور اگر آستین چڑھی نماز پڑھے تو اعادہ کی جائے کما ھو حکم صلاۃ ادیت مع الکراھۃ کمافی الدر وغیرہ(جیسا کہ ہر اس نماز کا حکم ہے جو کراہت کے ساتھ ادا کی گئی ہو جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۴: غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب ہے اور اس نے کسی وجہ سے نماز

---

[1] غنیۃ المستملی یکرہ فصلہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

[2] غنیۃ المستملی ، یکرہ فصلہ فی الصلوٰۃ ومالایکرہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

دست کشا پڑھی تو وہ اس کی نماز صحیح ہوگئی یا نہیں یا اس کا اعادہ کرنا چاہئے یا کیا؟

الجواب:

نماز ہوجائے گی مگر بکراہت لترک السنۃ (ترک سنت کی بنا پر۔ت) اعادہ چاہئے علٰی وجہ الاستحباب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹۵: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ محلّہ کمبوہان مرسلہ تاج الدین حسین خاں صاحب ۵ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

موسم گرما میں مَیں ساری بہت نیچی باندھتاہوں اکثر نماز مولوی صاحبوں کے ہمراہ پڑھی کسی نے اعتراض نہ کیا ایک سید صاحب سے دریافت کیا توفرمایا جواونچی دھوتی باندھتے ہیں ان کو کانچھ کھولنی ضرور ہے کہ سترپوشی ہو اور تم بہت نیچی باندھتے ہواس میں ضرور نہیں کہ ستر چھپا رہتاہے، میں نماز بیٹھ کرپڑھتاہوں کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتا اس پر چند آدمیوں نے اعتراض کیا کہ کھول دیا کرو ورنہ نماز میں خلل پڑتا ہے، پس آں مخدوم کوتکلیف دیتاہوں حکم شرح بیان فرمائیے، اور اگر باندھنا ساری کا داخل پوشاک مشرکین ہو تو میں موقوف کروں کیونکہ میرا اعتقاد آپ کے قول پر ہے بمقابلہ آپ کے میں کسی کے قول کو ترجیح نہیں دیتاہوں بقول مخدوم مینا صاحب قدس سرہ العزیز۔

ہمہ شہر پُرز خُوباں منم وخیال ماہے
چکنم کہ چشم بدخونکند بکس نگاہے

(تمہارا شہر خوبصورت حضرات سے بھرا ہے، میرا ذوق اپنا ہے، میں کیا کروں کہ بدخو آنکھ کسی پر بھی ایک نگاہ نہیں ڈالتی)

زیادہ نیاز

الجواب:

مکرمی سلمکم اللہ تعالٰی! جواب مسئلہ اُنہی لفظوں میں ہے جوآپ نے تحریر فرمائے کہ اس عقدے کو حل فرمائیے واقعی ساری پیچھے سے نہ کھولنا کراہت نماز کا موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **امرت ان لا اکف شعرا و لاثوبا**[1] (مجھے اس بات کا حکم دیا گیاہے کہ میں بال اکٹھے نہ کروں اور نہ کپڑا اٹھاؤں۔ت)

[1] صحیح مسلم باب اعضاء السجود والنہی عن کف الثوب مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۳

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھوفی الصلاۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عن السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھومشمر الکم او الذیل۔[1]	نماز میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا اٹھانا مکروہ ہے یوں کہ آگے یا پیچھے سے اپنا کپڑا اٹھائے یا نماز میں کپڑا چڑھائے ہوئے داخل ہونا اور یہی حکم ہے جبکہ نمازی آستین یادامن چڑھائے ہوئے ہو۔(ت)

اور ساری یادھوتی باندھنا جہاں کے شرفامیں اس کارواج نہ ہو جیسے ہمارے بلاد وہاں شرفاکے لئے خود بھی کراہت سے خالی نہیں کماحققناہ فی کتاب الحظر من فتاوٰنا (ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الحظر میں کی ہے۔ت) اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تواحتراز مؤکد ہے حرج پیچھے گُھرسنے میں ہے ورنہ تہبند توعین سنت ہے اور گٹّوں سے اُوپر تک ہوناچاہئے اس سے زیادہ نیچی مکروہ ہے واللہ تعالٰی اعلم یہ توآپ کے سوال کاجواب تھااور ان سب باتوں سے زیادہ ضروری مسئلہ قیام نماز ہے فرض و وتر وسنت فجر بیٹھ کرپڑھنے کی اجازت صرف اس حالت میں ہے کہ کھڑے ہونے پر اصلاً قدرت نہ ہو نہ دیوار کی ٹیک نہ کسی آدمی یالکڑی کے سہارے سے، اور عجز بھی ایسا ہو کہ ایک بار اللہ اکبر کہنے کی دیر تک بھی کھڑانہ ہوسکے اگراتنی ہی دیر قیام کی طاقت ہو اگرچہ کسی سہارے سے، توفرض ہے کہ تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہے پھر طاقت نہ رہے توبیٹھ جائے، آج کل اکثر لوگ اس کاخلاف کرتے ہیں ذراتکلیف ہوئی اور نماز بیٹھ کر پڑھ لی اور سیدھے کھڑے ہو کرگھر کو راہی ہوئے، یوں نمازیں قطعاً باطل ہوتی ہیں بلکہ جتنی دیر جس قدر اور جس طرح کھڑے ہونے کی قدرت ہو اتناقیام ہر رکعت میں فرض ہے، یہ مسئلہ خوب یادرکھنے کاہے وقد بیناہ فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق ثم السلام

مسئلہ ۹۹۶ : ۲۸جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وقت نماز اپنی جوتیاں سجدہ کے روبرو رکھ کر نماز اداکرے تونماز میں کیا شرعاً کراہت آتی ہے اور دہنے یا بائیں طرف رکھنے سے کیانفع نقصان ہے، اگر سجدہ کے برابر رکھ کر کپڑے وغیرہ سے چھپادی جائیں توعلیحدہ ہونے کے مرتبہ میں ہوئیں یانہیں؟ اور کس حدیث سے جوتیوں کو سجدہ کے روبرو رکھنا منع آیا ہے؟ اور ایسے وقت میں نزول رحمت کابند ہونا کیوں ہے؟ معمولی جوتیاں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی کراہیۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۸

جو ہر شخص پہنے پھرتا ہے پہنے ہوئے مسجد میں چلاآئے اور پہنے ہوئے نماز ادا کرے جائز ہے یا نہیں؟ کن بزرگان دین نے ایسا فعل کیا تھا؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اصلی احدکم فلایضع نعلیه عن یمینه ولاعن یساره فتکون عن یمین غیره الاان لایکون احد ولیضعهما بین رجلیه[1]۔ رواه الحاکم ایضا والبیهقی۔	جب تم میں کوئی نماز پڑھے تو جوتی اپنے دائیں طرف نہ رکھے نہ اپنے بائیں طرف رکھے کہ دوسرا جو اس کے بائیں ہاتھ کو ہے اس کے دہنی طرف ہوں گی ہاں اگر بائیں طرف کو کوئی نہ ہو تو بائیں جانب رکھے ورنہ اپنے پاؤں کے بیچ میں رکھے، اسے بھی حاکم اور بیہقی نے روایت کیا۔

دوسری روایت میں اس ممانعت کے لئے یوں حدیث آئی:

فلایؤذ بهما احدا [2]۔ رواه الثلثة المذکورون وابن حبان رضی الله تعالٰی عنه۔	کسی کو ایذا نہ دے۔ مذکورہ تینوں محدثین اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

ایک حدیث میں اس ایذا کی یوں تصریح آئی:

لاتضعهما عن یمینك ولا عن یسارك فتؤذی الملئکة والناس[3]۔ رواه الخطیب عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	دہنے ہاتھ کو رکھے گا تو ملائکہ کو ایذا ہوگی، بائیں کو رکھے گا تو جو لوگ بائیں طرف ہیں انہیں ایذا ہوگی۔ اسے خطیب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

علماء نے اس ایذا کی وجہ فرمائی یعنی وفیه نوع اهانة له[4] (جس کی طرف جوتا رکھا جائے اس کی

---

[1] سنن ابوداؤد باب المصلی اذاخلع نعلیہ این یضعہما مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۶

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۵۹

[3] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن حمویہ نمبر ۱۵۰۷۸ مطبوعہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۹/۴۴۹

[4] مرقات المفاتیح حدیث ۷۶۷ کے تحت مذکور ہے مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۷۵

اہانت ہوتی ہے قالہ الطیبی ونقلہ فی المرقاۃ (یہ علامہ طیبی نے فرمایا اور مرقات میں نقل ہوا۔ت) اعلٰی درجہ کی حدیث صحیح ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کان احدکم یصلی فلایبصق قبل وجھہ فان اللہ تعالٰی قبل وجھہ اذا صلی [1]۔ رواہ مالك فی الموطا عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما و طریقہ الشیخان فی الصحیحین۔	جب تم میں کوئی نماز میں ہو تو سامنے کو نہ تھوکے کہ نمازی کے سامنے اللہ عزوجل کا فضل وجلال ورحمت ہوتے ہیں۔ اسے امام مالک نے مؤطا میں امام نافع سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور اسی سند سے بخاری ومسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

ائمہ دین اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

یجب علی المصلی اکرام قبلتہ بما یکرم بہ من یناجیہ من المخلوقین عند استقبالھم بوجھہ [2]۔ ذکرہ ابن بطال ونقلہ فی ارشاد الساری۔	یعنی نمازی پر واجب ہے کہ معظمین کے سامنے کھڑے ہونے میں جس بات میں ان کی تعظیم جانتا ہے وہی ادب اپنی جانب قبلہ میں ملحوظ رکھے کہ اللہ عزوجل سب سے زیادہ احق بالتعظیم ہے۔ اسے شیخ ابن بطال نے ذکر کیا اور ارشاد الساری میں مذکور ہے۔

ان احادیث میں دہنے بائیں کا حکم صاف مصرح ہے اور سامنے کا حکم اس حدیث صحیح کہ دلالۃ النص اور اسی ارشاد علماء کے عموم اور نیز اس قاعدہ مسلمہ مرعیہ عقلیہ شرعیہ سے معلوم کہ توہین وتعظیم کا مدار عرف وعادت ناس وبلاد پر ہے۔

وقد حققہ المولی العلامۃ خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد فی اصول الرشاد۔	اس کی تحقیق علامہ خاتمۃ المحققین سیدنا والد گرامی قدس سرہ الماجد نے اصول الرشاد میں فرمائی ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ اب عرف عام تمام بلاد یہی ہے کہ دربار شاہی میں بحضور سلطانی باتیں کرنے کھڑا ہو اور جوتا سامنے رکھے بے ادب گنا جائے گا فقیر نے بچشم خود دیکھا ہے کہ کعبہ معظمہ پر پھوہار برسی تھی میزاب رحمت سے

---

[1] موطا امام مالک النہی عن البصاق فی القبلۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۲

[2] ارشاد الساری شرح البخاری باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱/۴۱۹

بُوندیں ٹپک رہی تھیں مسلمان حاضر تھے اُن بوندوں کو لیتے اور چشم و دل سے ملتے، ان میں کوئی ہندی شخص جو تا ہاتھ میں لئے تھا تر کی خادم دوڑا اور اس کی گردن دبادی تتاجی ربک و نعلاک بیدک جوتیاں ہاتھ میں لئے ہوئے اللہ تعالٰی سے مناجات کرتا ہے، بلکہ سنن ابن ماجہ میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یوں ہے:

فاجعلهما بين رجليك ولاتجعلهما عن يمينك ولاعن يمين صاحبك ولاورائك فتوذي من خلفک[1]۔	یعنی جوتے اپنے پیچھے بھی نہ رکھ جو پیچھے ہے اس کے آگے ہوں گے اسے ایذا ہو گی۔

انجاح الحاجہ میں لکھا ہے:

لانك اذاوضعتهما ورائك تكونان قدام من كان فى الصف الموخر فيتأذى ورحمة الله تعالٰى تنزل عليهم فيكون هذاالفعل اساءة[2]۔	جب تو ان کو اپنے پیچھے رکھے گا تو وہ پچھلی صف میں کھڑے ہونے والے نمازی کے سامنے ہوں گی تو اسے اذیت ہو گی حالانکہ ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو رہی ہو گی۔ لہٰذا یہ عمل بُرا ہے۔ (ت)

ولہٰذا ائمہ دین نے تصریح فرمائی کہ استعمال جوتیاں پہنے ہوئے مسجد جانا بے ادبی و مکروہ ہے، امام برہان الدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید پھر علامہ بحر بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

قدقيل دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[3]۔	مسجد میں جوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں عمدۃ المفتی سے ہے:

دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[4]۔	مسجد میں جوتے پہنے ہوئے داخل ہونا بے ادبی ہے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: دخول المسجد متنعلا مکروہ[5] (مسجد میں جوتے پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء این توضع النعل اذاخلعت فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۵

[2] انجاح الحاجہ حاشیہ سنن ابن ماجہ باب ماجاء این توضع النعل اذاخلعت فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۰۵

[3] بحر الرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴

[4] ردالمحتار مطلب فی احکام المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵۷

[5] فتاوٰی سراجیہ باب المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ دوجوڑے رکھتے تھے استعمالی جوتا پہن کر دروازہ مسجد تک تشریف لاتے پھر دوسرا جوڑا پہن کر مسجد میں جاتے[1]

ذکرہ ایضاً فی البحر عن التجنیس واذاالامر دار علی العرف فالحکم الحظر الاٰن مع ثبوتہ عن سیدالمتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وذٰلک کترک الکلاب تدور فی المسجد ووضع السریر وادخال البعیر وضرب الخیمۃ للمرضی وغیرھم فیہ ولنا رسالۃ فی الباب سمیناھا"جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال"واخری"نفیسۃ حافلۃ فیماتصان عنہ المساجد"۔	اسے بحر میں تجنیس کے حوالے سے ذکر کیا اور مسئلہ کا مدار عرف پر ہوتا ہے اس دور میں یہ ممنوع ہے باوجودیکہ اس کا ثبوت سیدالمتادبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے وہ اسی طرح ہے جیسے کتوں کا مسجد میں آنا جانا، چارپائی کا بچھانا، اونٹوں کا داخل ہونا، بیمارلوگوں اور دیگر ضروریات کے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم متروک ہے، ہم نے اس موضوع پر ایک رسالہ "جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلاۃ فی النعال "اور دوسرا" نفیسۃ حافلۃ فیما تصان عنہ المساجد" لکھا ہے۔(ت)

ہاں اگر بائیں جانب یاپیچھے رکھنے میں چوری کاخوف ہو اور یہاں جوتی پاؤوں کے بیچ میں جو فرجہ نماز میں ہوتا ہے یعنی چار انگل اس قدر میں آنے کے قابل نہیں ہوتے توکپڑے سے چھپانا کافی ہے

ھذا کلہ ماظھر لی تفقھا وبما قررت ظھر ان لاورود لبقیۃ حدیث الخطیب المذکور وان سُلِّم ان سلمَ من الضعف لان الاحکام ھھنا بالعرف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام وہ جو مجھے ازراہ تفقہ حاصل ہوا، جو ہم نے گفتگو کی اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ خطیب کی ذکر کردہ حدیث کا یہ محل نہیں اگرچہ تسلیم بھی کرلیاجائے کہ یہ روایت ضعف سے خالی ہے کیونکہ ان احکام کا مدار عرف پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۹۷: ۴ربیع الاٰخر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے احناف، رحم کرے اللہ آپ لوگوں پر، اور برکت دے علم میں کہ فیض پہنچاتے رہیں علم سے اپنے خلائق کو اس قول میں کہ وردی جو کہ سپاہی پولیس کے پہنتے ہیں اور دھوتی جو کہ کفار پہنتے ہیں اس کو پہن کر نماز مکروہ ہے یا کہ مکروہ تحریمی، حکمش چیست؟

[1] بحرالرائق ، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴

الجواب:

وہ وردی پہن کر نماز مکروہ ہے خصوصًا جبکہ سجدہ بردرجہ مسنون سے مانع ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اوالخیاط اذااستوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذلك کثیر اجر لایستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[1]۔	جب کسی درزی کو فاسقوں کے لباس سینے پر اُجرت دی جائے اور اسے اس پر اجر کثیر دیا جائے تو یہ عمل اس کے لئے بہتر نہیں کیونکہ یہ گناہ پر معاونت ہے۔(ت)

اور دھوتی باندھنا بھی مکروہ ہے کہ اگر لباس ہنود وغیرہ نہ ہو تو کپڑے کا پیچھے گھرسنا ہی نماز کو مکروہ کرنے کے لئے بس ہے لنھیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کف ثوب اوشعر (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کپڑے یا بال مجتمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ت) ہاں پیچھے نہ گھرسیں تو وہ دھوتی نہیں تہ بند ہے اور اس میں کچھ کراہت نہیں بلکہ سنت ہے **واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عینک لگا کر نماز پڑھاتا ہے تو مقتدیوں کی نماز میں کچھ قصور تو نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اگر عینک کا حلقہ یا قیمیں چاندی یا سونے کی ہیں تو ایسی عینک ناجائز ہے اور نماز اس کی اور مقتدیوں سب کی سخت مکروہ ہوتی ہے ورنہ تانبے یا اور دھات کی ہوں تو بہتر یہ کہ نماز پڑھتے میں اُتارلے ورنہ یہ خلاف اولٰی اور کراہت سے خالی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے در ومحراب میں نماز پڑھنا وپڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اکثر آگے در کے چبوترہ یا لکڑی کی مثل چوکی کے بناکر اس پر نماز پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم در کے باہر نماز پڑھتے ہیں، اور بعض در ایسے ہیں کہ کچھ دروازہ اُن کا عمارت میں نکال دیا گیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ در بیچ کا آگے کو ان دونوں دروں سے نکال دیا گیا ہے تب ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اصل حکم یہ ہے کہ تنہا ایک شخص کہ نہ امام ہے نہ مقتدی بلکہ اپنی نماز جدا پڑھ رہا ہے اسے در میں کھڑے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۸۰

ہو کراپنی نماز پڑھنے میں حرج نہیں ہے اور مقتدی کو در میں کھڑا ہونا ممنوع ہے مگر بضرورت کہ جگہ نہیں ہے یامثلاً مینہ برس رہاہے، صحیح حدیث میں ہے:

کمانتقی ھذا علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	ہم اس عمل سے حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں بچاکرتے تھے (ت)

کما بیّناہ فی فتاوینا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیاہے۔ت) یہ حکم منفرد و مقتدی کے لئے تھا، رہاامام اس کے لئے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاہے کہ در میں کھڑے ہونا مکروہ ہے، تاتارخانیہ و ردالمحتار میں امام سے ہے:

انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[2]۔	میں امام کے ستونوں کے درمیان کھڑاہونے کو مکروہ سمجھتاہوں۔(ت)

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عمل خلاف امت ہے کمافی المعراج وغیرہ (جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے۔ت) اور دوسرے یہ کہ امام و مقتدی کادرجہ بدل گیا اگرامام ایک درجہ میں تنہاہے اور مقتدی دوسرے درجے میں ہے تو یہ مکروہ ہے کمانص علیہ القھستانی فی شرح النقایۃ (جیسا کہ قہستانی نے شرح نقایہ میں اس پر نص وارد کی ہے۔ت) در کاآس پاس کے دروں سے آگے نکلاہونا اس سے کراہت کادفع نہیں ہوسکتا البتہ امام در کے باہر کھڑاہو اور سجدہ در کے اندر کرے تووہ کراہت جاتی رہے گی کہ اب امام و مقتدی ایک ہی درجہ میں ہیں لان العبرۃ للقدم[3] کمانصوا علیہ (کیونکہ اعتبار قدم کاہے جیسا کہ اس پر فقہانے تصریح کی ہے۔ت) مگر اب غالب مساجد میں ایک اور کراہت پیش آئے گی وہ یہ ہے کہ اگلے درجے کی کرسی صحن سے بلند ہوتی ہے تو کھڑاہوا نیچے اور سجدہ بلندی پر کیا یہ بلندی اگردوخشت بخارا یعنی ۱۲ انگل یعنی پاؤگز کی قدر ہوئی جب تو نماز ہی نہ ہوگی کمانص علیہ فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں اس پر نص وارد کی گئی ہے۔ت) اور اگر اس سے کم ہوئی جب بھی کراہت سے خالی نہیں، لہٰذا اس کاعلاج یہ ہے کہ در کی کرسی اس قدر جس میں امام سجدہ کرسکے زمین کاٹ کر صحن کے برابر کردی جائے اب امام در کے باہر کھڑاہو اور اس کٹی ہوئی زمین میں سجدہ کرے سب کراہتیں جاتی رہیں اور وہ جو چوکی رکھ دیتے ہیں یا لکڑی وغیرہ کاچبوترہ بنادیتے ہیں اس سے اگرچہ

[1] سنن ابوداؤد باب الصفوف بین السواری، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۹۸/۱

[2] ردالمحتار باب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۸/۱

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۲/۱

دو [2] کراہتیں جاتی رہیں کہ اب نہ امام در میں ہے نہ اس کا سجدہ پاؤں کی جگہ سے بلند ہے مگر تیسری کراہت اور عارض ہوئی کہ امام کو مقتدیوں سے ببلند جگہ بقدر امتیاز کھڑا ہونا بھی مکروہ ہے **کما فی الدر المختار وھو الاصح المختار** (جیسا کہ در مختار میں ہے اور یہ اصح و مختار ہے۔ت) اور مشابہت یہود ہے، اور حدیث میں فرمایا:

لاتشبھوا بالیھود [1] **وقد قالوا انھم یقیمون امامھم علٰی دکان ممتازا عمن خلفه۔**	یہود کے ساتھ مشابہت نہ کرو، اور منقول ہے کہ یہود اپنے ائمہ کو بلند جگہ کھڑا کرتے تھے تاکہ وہ مقتدیوں سے ممتاز ہو جائے۔ (ت) توچارہ کار وہی ہے جو اُوپر بتایا گیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ اشارۃ الید فی السلام مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب ۱۳۲۰ھ

(محراب میں قیام امام سے متعلق درستگی کے تاج)

(محراب کے معنی اور امام کے محراب میں کھڑا ہونے پر نفیس بحث)

مسئلہ ۱۰۰۰: از جبل پور قریب مسجد کوتوالی مرسلہ مولٰنا مولوی شاہ محمد عبدالسلام صاحب قادری برکاتی ۶ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

اما بعد مایقول سیدنا وسندنا ومولٰنا ومرشدنا والذخرلیومنا وغدنا و وسیلتنا وبرکتنا فی الدنیا والدین، اٰیۃ من اٰیات اللہ رب العٰلمین، نعمۃ اللہ علی المسلمین، اعلم العلماء المتبحرین افضل الفضلاء المتصدرین، تاج المحققین سراج المدققین، مالك ازمۃ الفتاوی و المفتین، ذوالمقامات الفاخرۃ والکمالات الزاھرہ الباھرۃ، صاحب الحجۃ القاھرۃ، مجدد المائۃ الحاضرۃ، العلامۃ الاجل الابجل، حلال عقدۃ مالاینحل، بحرالعلوم، کاشف السر المکتوم، صدرالشریعۃ، محی السنۃ، المحدّث	حمد وصلوٰۃ کے بعد، کیافرماتے ہیں ہمارے سربراہ وآقا، مرشد، ہمارے آج اور کل کے لئے ذخیرہ، دنیاوآخرت میں ہمارے وسیلہ، اللہ رب العالمین کی نشانیوں میں سے ایک نشانی، مسلمانوں پر اللہ کی نعمت، متبحر علماء سے زیادہ صاحب علم فضلاء سے افضل، تاج المحققین، سراج المدققین، فتاوٰی اور اصحاب فتاوٰی کے شیخ، صاحب مقامات کاملہ اور کمالات زاہرہ و باہرہ، صاحب حجت قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، علامہ اجل وابجل، نہ کھلنے والے عقدوں کو کھولنے والے، علوم کے سمندر، مخفی رازوں کے واضح کرنے والے، صدرالشریعۃ، سنت کوزندہ کرنے والے، عظیم محدث و

الفقیه العدیم النظیر النحریر لازالت لوامع افکارہ توضح غوامض المشکلات وانواراسرارہ تحل المعضلات فی ھذاالمرام۔

سوال اوّل: امام راتب اگر محراب را گزاشتہ در مسجد یادر صحن بازائے وسط قیام نماید آیا ایں ترک مقام معین ومقام درغیر محراب مکروہ باشد یانہ برتقدیراول انچہ درکتاب مستطاب ردالمحتار درباب الامامة مذکورست **والظاھر ان ھذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة لئلا یلزم عدم قیامه فی الوسط فلولم یلزم ذلك لایکرہ**[1] **فما لمراد منه** وبرتقدیر ثانی آنچہ درہماں کتاب درمکروہات الصلوٰۃ مسطوراست **ومقتضاہ ان الامام لوترك المحراب وقام فی غیرہ یکرہ ولوکان قیامه وسط الصف لانه خلاف عمل الامة وھوظاھر فی الامام الراتب دون غیرہ والمنفرد**[2] **الخ فما لمستفاد عنه** ازعبارت اولیٰ مفہوم می شود کہ ترک محراب سبب کراہت نیست بلکہ لزوم عدم قیام فی الوسط باعث کراہت است پس اگرامام راتب ہم ترک محراب نمودہ درغیر محراب بمحاذات وسط صف

فقیہ، جن کی مثالیں نہیں، آپ کے افکار عالیہ ہمیشہ نہایت ہی مشکل پیچیدگیوں کو واضح کرتے رہیں، اور آپ کے اسرار کے نور اس مقصد کی مشکلات روشن کرتے رہیں۔

سوال اول: مقررہ امام اگر محراب چھوڑ کر مسجد یا صحن مسجد محراب کے مقابل درمیان میں کھڑا ہوا تو کیا مقام مقررہ کا چھوڑنا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر مکروہ ہے تو ردالمحتار کے باب الامامت کی اس عبارت کہ "ظاہر یہ ہے کہ یہ اس امام مقرر کے لئے ہے جو جماعت کثیرہ کا ہو، تاکہ اس کا وسط میں کھڑا نہ ہونا لازم آئے، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کراہت نہیں "کا کیا معنی ہوگا؟ اور مکروہ نہیں تو اس کتاب کے باب مکروہات نماز میں تحریر ہے "اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر امام نے محراب چھوڑدیا اور دوسری جگہ کھڑا ہوگیا تو مکروہ ہے اگرچہ اس کا قیام صف کے درمیان میں ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اس کا یہ عمل امت کے عمل کے خلاف ہے اور یہ بات مقررہ امام میں واضح ہے مگر غیر مقرر امام اور منفرد میں نہیں" تو اس کا مفہوم کیا ہوگا؟ پہلی عبارت سے یہ سمجھ آرہا ہے کہ ترک محراب کراہت کا سبب نہیں بلکہ وسط میں کھڑا نہ ہونا سبب کراہت ہے لہذا اگر مقرر امام بھی محراب ترک کردے اور کسی اور مقام پر اس کے محاذات میں صف کے درمیان

[1] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

[2] ردالمحتار مطلب اذاتردد الحکم بین سنۃ وبدعت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴۶

قیام نماید درمسجد باشد یادر صحن مسجد باجماعت قلیل کہ ازوعدم محاذات وسط صف لازم نیاید مکروہ نباشد واز عبارت اخری مستفاد می شود کہ امام راتب راترک محراب و قیام در غیر محراب مطلقًا اگرچہ بازائے وسط صف باشد وبہر کجاکہ بود اندرون مسجد یابیرون مسجد در صحن وغیرہ مکروہ باشد لانہ خلاف عمل الامۃ وظاھرھما یدل علی التضارب و التنافی بینھما فکیف التطبیق۔

سوال دوم: قیام امام در محراب بطوریکہ مصرح فقہائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی است یعنی قیامہ خارجہ وسجودہ فیہ چہ حکم دارد مباح یا سنت، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی درجامع صغیر می فرمایند عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لاباس ان یکون مقام الامام فی المسجد وسجودہ فی الطاق ویکرہ ان یقوم فی الطاق[1] ھ وھکذا فی الھدایۃ ودرکتاب الاٰثار می نویسند واما نحن فلانری باسا ان یقوم بحیال الطاق مالم یدخل فیہ اذاکان مقامہ خارجا منہ و سجودہ فیہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ[2] فیفھم من ھذہ العبارات

کھڑا ہو خواہ مسجد کے اندر ہو یا صحن مسجد میں یاجماعت قلیل ہوتاکہ وسط صف کی عدم محاذات لازم نہ آئے تو یہاں کراہت نہ ہوگی اور دوسری عبارت سے پتا چلتاہے کہ مقرر امام کامحراب کوترک کرکے غیر محراب میں کھڑا ہوناخواہ صف کے وسط میں ہو اندرون مسجد یا صحن مسجد میں ہرجگہ مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل امت کے خلاف ہےاور ان دونوں عبارات میں بظاہر تعارض ومنافات ہےان میں تطبیق کیسے ہوگی؟

سوال دوم: امام کامحراب میں اس طرح کھڑاہونا جو فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے بیان کیاہے یعنی خود خارج میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں کرے کیاحکم رکھتاہے مباح یاسنت؟ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ امام یعقوب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا ہے کہ امام کامسجد میں کھڑا ہو کر محراب میں سجدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، البتہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اھ اور ہدایہ میں بھی اسی طرح ہے اور کتاب الآثار میں امام محمد لکھتے ہیں کہ رہا معاملہ ہمارا تواگرامام محراب کے گوشے میں کھڑا ہو بشرطیکہ اس میں داخل نہ ہو اور اس کی قیام گاہ اس سے باہر ہو اور سجدہ اس کے اندر ہو توہمارے نزدیک کوئی حرج نہیں، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یہی موقف ہے، ان تمام عبارات سے

---

[1] الجامع الصغیر باب فی الامام این یستحب لہ ان یقوم الخ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۱

[2] کتاب الآثار باب الصلوٰۃ فی الطاق مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ص ۲۱

الاذن والرخصة فیه،	یہی محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اجازت ورخصت ہے،
وازاکثر کتب معتمدہ فقہیہ ہم جواز مطلق مفہوم می شود کہ عبارات متون وشروح معتبرہ مشہورہ یکرہ قیام الامام فی الطاق ولایکرہ سجودہ فی الطاق اذاکان قائما خارجا المحراب[1] ھ ملخصا عینی کنز، لاسجود فیه وقدماہ خارج[2] الخ مختصرا درمختار، لایکرہ ان قام الامام فی المسجد وسجد فی الطاق الخ مختصرا قهستانی وغیرها من العبارات المتقاربة لها مشعر ہمیں معنٰی خواہند شد ازایں تصریحات معلوم می شود کہ قیام امام در محراب بطور مذکور مباح وجائز ست نہ کہ سنت ومندوب پس از طرف محراب وقیام در غیر آں ہیچ کراہتے لازم نا نیاید اما علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ در ردالمحتار از معراج الدرایہ و مبسوط نقل می فرمایند: السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولو قام فی احد جانبی الصف یکرہ[3] الخ ایضا السنة ان یقوم الامام ازاء وسط الصف الاتری	اور اکثر کتب فقہ جو معتمد ہیں ان سے بھی مطلق جواز مفہوم ہوتا ہے کیونکہ مشہور متون اور شروحات میں درج ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے مگر محراب میں سجدہ کرنا مکروہ نہیں جبکہ وہ خارج محراب کھڑا ہواھ تلخیصا عینی کنز، محراب میں اس کا سجدہ مکروہ نہیں جبکہ اس کے قدم محراب سے خارج ہوں الخ اختصارًا، درمختار میں ہے اگر امام مسجد میں کھڑا ہو اور سجدہ محراب میں ہو تو کراہت نہیں الخ اختصارًا، قہستانی اور دیگر کتب میں ایسی ہی قریب المعنی عبارات ہیں جن سے یہی معنی مترشح ہوتا ہے، ان تمام تصریحات سے معلوم ہو رہا ہے کہ امام کا محراب میں مذکورہ طریقہ پر کھڑا ہونا جائز ومباح ہے سنت ومندوب نہیں لہذا محراب کا ترک اور دوسری جگہ کھڑے ہونے سے کراہت لازم نہیں آتی۔ لیکن علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں معراج الدرایہ اور مبسوط سے نقل کیا کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں اعتدال ہوجائے، اگر کسی ایک جانب کھڑا ہوا تو کراہت ہوگی الخ وہاں یہ بھی ہے امام کا وسط صف کے مقابل کھڑا ہونا سنت ہے کیا آپ نے

[1] عینی علی الکنز باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۳

[2] درمختار باب مایفسد فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[3] جامع الرموز للقہستانی فصل مایفسد فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۹۴

ان المحاریب مانصبت الاوسط المساجد وھی عینت لمقام الامام[1] ایضا والاصح ماروی عن ابی حنیفۃ انہ قال اکرہ ان یقوم بین الساریتین اوفی زاویۃ اوفی ناحیۃ المسجد اوالی ساریۃ لانہ خلاف عمل الامۃ قال علیہ الصلٰوۃ و السلام توسطوا الامام[2] الخ واز تاتارخانیہ می آرند ویکرہ ان یقوم فی غیرالمحراب الابضرورۃ[3] ونیز می فرمایند یفھم من قولہ او الی ساریۃ کراھۃ قیام الامام فی غیرالمحراب ویؤیدہ قولہ قبلہ السنۃ ان یقوم فی المحراب وکذا قولہ فی موضع اٰخر والسنۃ ان یقوم الامام ازاء وسط الصف[4] الی اٰخر ماھو المنقول والمذکور فیہ کل ذلك یدل علی ان السنۃ للامام ان یقوم فی المحراب ویکرہ ان یقوم فی غیرہ فما صورۃ التطبیق بین ھذہ الاقوال المختلفۃ او الترجیح لواحد علی وجہ یتبین بہ الصواب والحکم الصحیح آیاامام راتب	نہیں دیکھا کہ محرابیں مساجد کے درمیان بنائی جاتی ہیں جوامام کے مقام کا بھی تعین کردیتی ہیں اور اصح قول جو امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ میں امام کادوستونوں کے درمیان یازاویہ یامسجد کے گوشے یا ستون کی طرف کھڑا ہونے کوناپسند کرتاہوں کیونکہ یہ عمل امت کے خلاف ہے۔ حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: امام کودرمیان میں کھڑا کرو۔ تاتارخانیہ میں ہے کہ امام کاضرورت کے بغیر محراب میں کھڑاہونا مکروہ ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام صاحب کے "یاستون کی طرف" سے معلوم ہوتاہے کہ غیرمحراب میں امام کاقیام مکروہ ہے اس کی تائید اس پہلے قول سے ہوتی ہے کہ محراب میں کھڑاہونا سنت ہے، اسی طرح دوسرے مقام پرہے کہ سنت یہ ہے کہ امام وسط صف کے مقابل کھڑاہو، اس بارے میں جوکچھ منقول ومذکور ہے وہ تمام اس پردال ہے کہ امام کامحراب میں کھڑا ہوناسنت ہے اور غیرمحراب میں قیام مکروہ ہے، تواب ان مختلف اقوال میں تطبیق کیسے ہوگی یا ان میں سے کسی ایک کوترجیح کیسے دی جائے تاکہ درست رائے اور حکم صحیح واضح ومتعین ہوجائے، کیاامام کا

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴۶

[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیرالمحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

[4] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیرالمحراب مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶۸

راقیام درصحن مسجد بمحاذاۃ محراب درصف کماھو المتعاد فی دیارنا براعتبار فرق مسجد صیفی و شتوی جائز داشتہ شدہ یابوجہے دیگر فالمسؤل من الحضرۃ العلیۃ البھیۃ السنیۃ الرضیۃ المطھرۃ القدسیۃ ان نستفیض بتحقیق المقام وتوضیح المرام بحیث ینکشف بہ المشکل و ینحل بہ المعضل فتطمئن بہ الاوھام۔

محراب کے محاذی صحن مسجد میں قیام جیسا کہ ہمارے علاقے میں متعارف ہے بنابراعتبار مسجد صیفی و شتوی جائز ہے یا کوئی اور صورت ہے، اس بارگاہ میں سوال ہے جو بلند، اعلیٰ، محبوب، پاکیزہ ومقدسہ ہے کہ ہمیں اس مقام کی ایسی تحقیق اور مقصد کی وضاحت عطافرمائے جس سے مشکل حل ہوجائے اور ذہن مطمئن ہوجائیں۔(ت)

بیّنوا توجروا۔ فقیر حقیر مستہام غلام تراب الاقدام اذل خدام الحضور عالی مقام احقرالطلبہ محمد عبدالسلام سنی حنفی قادری جبلپوری عفی عنہ۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد برضمیر منیرہدی تخمیر مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل التقی النقی الحفی الوفی الصفی الزکی الذکی السنی السنی الجمیل الجلیل المولوی الشاہ محمد عبدالسلام القادری البرکاتی السنی الحنفی سلمہ اللہ تعالٰی بالعز والاکرام و السلامۃ والسلام وحمایۃ الاسلام وجعلناہ وایاہ دارالسلام آمین آمین یاذاالجلال والاکرام،

مستترنیست کہ مسئلہ مرسلہ سامی برچارسوال اشتمال دارد، یکے نفی تنافی از دوعبارت علامہ شامی کہ جائے مبنائے کراہت درحق امام عدم توسط صف راداشتہ است نہ ترک محراب راتاآنکہ اگر میانہ صف ایستد کراہت نبود اگرچہ ترک محراب گوید، ودگرجانفس ترکش راتاآنکہ اگردرغیر محراب ایستد کراہت باشد گومیانہ صف باش دوم دفع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہم اس کی حمد بجالاتے ہیں اور اس کے رسول کریم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، حمد وصلوٰۃ کے بعد، اے روشن ضمیر، سراپاہدایت، مولٰنا الفاضل الکامل العالم العامل تقی نقی، لائق، تام، پاکیزہ، ستھرا، سنی، قیمتی، جمیل، بزرگ، اللہ تعالٰی ان کوعزت و اکرام سے زندہ رکھے، ہمیں اور ان کو جنت میں داخل کرے، یاذاالجلال والاکرام آمین! ارسال کردہ مبارک مسئلہ چارسوالات پر مشتمل ہے ایک یہ ہے کہ علامہ شامی کی دوعبارات میں منافات کی نفی مقصود ہے کہ ایک جگہ امام کے صف میں عدم توسط کو علت کراہت قرار دیا ہے نہ کہ ترک محراب کو، حتی کہ اگرامام صف کے درمیان کھڑا ہوجاتا ہے اگرچہ محراب میں نہیں تو اب کراہت نہ ہوگی، دوسرے مقام پر ترک محراب کو مکروہ کہا ہے حتی کہ اگرامام محراب چھوڑ کر

تدافع از تنصیصات متون وغیرہا کہ قیام در نفس محراب رامکروہ فرمودہ اند وبازائے اُواستادن راچنانکہ سجدہ در محراب افتد بہ لفظ لاباس بہ کہ مفید مجرد اباحت عاری از فضیلت بلکہ در غالب اطلاق مشعر بکراہت است تعبیر نمودہ، وتصریحات مبسوط امام خواہرزادہ ومعراج الدرایہ وتاتارخانیہ وغیرہا کہ قیام امام در محراب سنت است وترکش موجب کراہت واسائت، سوم آنکہ امام راتب راترک محراب باوصف توسط صف در مسجد صیفی خواہ شتوی مکروہ باشد یاخیر، چہارم آنکہ امام رابازائے محراب ایستادن چنانکہ سجدہ درون طاق باشد سنت ووجہ فضیلت ست یا محض مباح، دوسوال پیشیں تشابہ ومتماثل ست عبارت اول شامی کہ ترک محراب را وجہ ایراث کراہت نداشت بانصوص متون موافق می آید کہ قیام بازائے محراب را لاباس بہ گفتند پیداست کہ ترک مباح کراہتے ندارد وعبارت دومش باقوال مبسوط ومامعہ مشایعت نماید کہ قیام فی المحراب چوں مسنون ست نفس ترکش ہرآئینہ مکروہ وزبون ست و سوال سوم نیزاز ہمیں مناشی ناشی آمدہ کہ اونیزاز کراہت وعدم کراہت ترک محراب مستحسن می راند واگرنیکو بنگرند سوال چہارم نیزاز ہمیں گریبان سربرزدہ زیراکہ چونکہ بتصریحات ائمہ مذہب قیام در نفس طاق مکروہ است لاجرم آنجاکہ حکم فضیلت۔

دوسری جگہ کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے خواہ وہ درمیان صف ہی کھڑا ہوا ہو، دوم متون وغیرہ کی نصوص کے درمیان اختلاف کا تدافع ہے کہ بعض میں ہے کہ محراب میں قیام مکروہ ہے اور اس کے سامنے کھڑا ہونا اور سجدہ محراب میں کرنے کی صورت کو "اس میں کوئی حرج نہیں" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے جو اس بات پر دال ہے کہ یہ مباح ہے اور فضیلت سے عاری ہے بلکہ اغلب طور پر ان کا اطلاق کراہت پر ہوتا ہے، دوسرے متون مثلًا مبسوط امام خواہرزادہ، معراج الدرایہ اور تاتارخانیہ وغیرہ میں ہے کہ امام کا محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے اور اس کا ترک کراہت واسائت کا موجب ہے۔ تیسرے یہ کہ امام مقررہ کا محراب کو چھوڑنا خواہ مسجد صیفی ہو یا شتوی، اگرچہ وہ صف کے درمیان ہی کھڑا ہو مکروہ ہے یا نہیں، چہارم یہ کہ امام کا محراب کے سامنے اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب کے اندر ہو، سنت اور سبب فضیلت ہے یا صرف مباح، پہلے دونوں سوالات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ امام شامی کی پہلی عبارت کہ امام کا ترک محراب مکروہ نہیں ان نصوص متون کے موافق ہے کہ امام کا مقابل محراب کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ترک مباح میں کراہت نہیں ہوتی، دوسری عبارت شامی کی مبسوط وغیرہ کتب کے مناسب وموافق ہے کہ جب امام کا محراب میں کھڑا ہونا مستون ہے تو اس کا ترک بہرطور مکروہ ہوگا۔ تیسرا سوال بھی اسی تشابہ کی بناپر پیدا ہوا کہ ترک محراب کی کراہت وعدم کراہت ہے یا نہیں، اگر

یاسلب کراہت کنند مراد نباشد مگر قیام بازائے او قریبًا پس سوال از دوشق فضیلت و اباحت محضہ راجع شود بتخالف مافی المتون والمبسوط پس گرہے کہ ایں جابایدکشود ہمین ست کہ معنی قیام فی المحراب و حکمش درحق امام از کراہت واباحت واستحباب چیست وہرچہ منقح شود درکلمات کرام ایں چہ تنافی ست۔

فقیر گوید یغفراللہ لہ اما دفع تدافع میاں حکم سنیت و تعبیر بلاباس بہ بنظر ظاہر خود آسان ست کلمہ لاباس گاہے برائے دفع توہم باس آید گوآں کارخود سنت بلکہ واجب باش قال اللہ تعالٰی **اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا**[1] عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما خالہ اش ام المومنین محبوبہ محبوب رب العلمین عائشہ صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علٰی بعلہا الکریم

اسے مستحسن جانتے ہیں تو چوتھا سوال اسی سے جنم لے گا کیونکہ جب ائمہ مذہب کی تصریحات ہیں کہ محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے تو اب ہر صورت فضیلت یا عدم کراہت کا حکم نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب قیام محراب کے مقابل ہو پس ان دوشقوں کی وجہ سے، فضیلت واباحت محضہ کا سوال متون اور مبسوط میں تخالف و تضاد کی طرف راجح ہوگیا، یہاں اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ امام کا محراب میں کھڑے ہونے کا معنی ومفہوم کیا ہے، امام کے حق میں اس کا کیا حکم ہے مکروہ، مباح یا مستحب ہے، جب ان بزرگوں کے کلمات سے یہ واضح ہوجائے گا تو (پھر دیکھنا ہے کہ) منافات کیا ہے! فقیر (اللہ تعالٰی اسے معاف کرے) کہتا ہے کہ اسے سنت قرار دینا اور "اس میں کوئی حرج نہیں" کہنا، اس پر منافات کادور کرنا نہایت ہی آسان ہے کیونکہ "لاباس بہ" کے کلمات میں دفع وہم کے لئے بھی آجاتے ہیں اگرچہ وہ کام سنت بلکہ واجب بھی ہو۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: "صفاومروہ اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے۔" حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنی خالہ ام المومنین محبوبہ محبوب رب العلمین حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق (اللہ تعالٰی ان کے

[1] القرآن ۱۵۸/۲

وابیہا وعلیہا وسلم الکریم را ازیں آیت پر سید وگفت **فواللہ ماعلی احد جناح ان لایطوف بالصفا والمروۃ ام المؤمنین فرمود بئس ماقلت یاابن اخی ان ھذہ لوکانت کما اولتھا علیہ کانت لاجناح علیہ ان لایطوف بھما ولکنھا انزلت فی الانصار کانواقبل ان یسلموا یھلون لمناۃ الطاغیۃ التی کانوا یعبدونھا عندالمشلل فکان من اھل یتحرج ان یطوف بالصفا و المروۃ فلما اسلموا سئلوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ذلک قالوا یارسول اللہ انا کنا نتحرج ان نطوف بین الصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالٰی ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ الاٰیۃ وقدسن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الطواف بینھما فلیس لاحد ان یترک الطواف بینھما**[1] نظر کردنی ست ام المومنین چساں نفی حرج را بر دفع توہم حرج فرود آورد وہم عروہ را یک دم دلیل ساطع رد کرد کہ اگر چناں بودے **لاجناح علیہ ان لایطوف** بودے	مبارک خاوند، ان کے والد گرامی، خود ان کی ذات پر رحمت وسلام نازل فرمائے) سے اس آیت مبارکہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا اللہ کی قسم صفاومروہ کا طواف نہ کرنے میں کوئی گناہ نہیں تو ام المومنین نے فرمایا اے بھتیجے! تو نے بہتر قول نہیں کیا اگر اس کا معنی یہی ہوتا جو تو نے کیا ہے تو اس کے الفاظ یوں ہوتے "نہیں گناہ اس پر اگر وہ ان کا طواف نہ کرے" لیکن یہ تو انصار کے بارے میں نازل ہوئی جو اسلام سے پہلے مقام مشلّل میں "مناۃ" کی عبادت کیا کرتے تھے تو ان میں سے جو شخص حج کے لئے آتا وہ صفا ومروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتا جب انصار اسلام لائے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ ہم صفاومروہ کے طواف میں حرج محسوس کرتے ہیں، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ "صفاومروہ اللہ کی نشانیاں ہیں" (الآیۃ) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی نے صفاومروہ کے درمیان طواف کو سنت قرار دیا، تو اب کوئی ان کے طواف کو ترک نہیں کر سکتا۔ دیکھا ام المومنین نے نفی حرج کو دفع توہم پر چسپاں کرتے ہوئے حضرت عروہ کے وہم کو واضح دلیل سے رَد کر دیا اور کہا اگر معاملہ ایسے ہوتا تو الفاظ یہ ہوتے "نہیں گناہ اس پر کہ ان دونوں کا طواف نہ کرے" "ان کا طواف کرے" کے الفاظ

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفا والمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۲/۱

نہ ان یطوف یعنی منافی وجوب نفی حرج از ترک است نہ از فعل کہ اوخودلازم وجوب است زیرا کہ واجب رادرترک حرج باشد و ثبوت حرج دراں مستلزم انتفائے آں از فعل است واثبات لازم منافی ثبوت ملزوم نباشد بلکہ مؤکد و مقرر آن است این معنی شریف را بالطف واخصر لفظے ادافرمود وللذا چوں عروہ ایں حکایت پیش ابوبکر بن عبدالرحمان بن حارث بن ہشام برو ابوبکر گفت **ان ھذا لعلم** وآیت راسببے دیگرازاہل علم آوردکہ **ذکر اللہ تعالٰی الطواف بالبیت ولم یذکر الصفا والمروۃ فی القراٰن قالوا یارسول اللہ کنا نطوف بالصفا والمروۃ وان اللہ تعالٰی انزل الطواف بالبیت فلم یذکر الصفا فھل علینا من حرج ان نطوف بالصفا والمروۃ فانزل اللہ تعالٰی ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ الاٰیۃ قال ابوبکر فاسمع ھذہ الاٰیۃ نزلت فی الفریقین الخ رواہ الشیخان**[1] ایں دگر نیز ازھماں دادی ست کما لایخفی در ردالمحتار باب ما یکرہ فی الصلوۃ قبیل احکام المسجد

نہ ہوتے یعنی وجوب کے منافی، ترک سے حرج کی نفی ہے، فعل سے حرج کی نفی منافی نہیں، فعل توخود لازم واجب ہے کیونکہ ترک واجب میں حرج ہےاوراس میں ثبوت حرج اس بات کو مستلزم ہے کہ اس فعل کی نفی ہو اور کسی لازم کا اثبات لازم کے ثبوت کے منافی نہیں ہوتاکے منافی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے مؤکد اور ثابت کرنے والا ہوتاہے، اس مبارک معنی کو انہوں نے کتنے احسن اختصار کے ساتھ بیان فرمادیا، یہی وجہ ہے کہ جب یہ بات حضرت عروہ نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام کے سامنے رکھی توانہوں نے کہا علم یہی ہوتاہے، اس آیت کے نزول کاسبب اہل علم نے ایک اور بھی ذکر کیاہے کہ اللہ تعالٰی نے قرآن میں بیت اللہ کے طواف کاذکرکیا مگر صفا ومروہ کے طواف کاذکرنہ کیا توصحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم صفا ومروہ کاطواف کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیت اللہ کے طواف کاذکر فرمایااور صفاومروہ کاذکرنہیں کیا توکیا ہمارا صفاومروہ کاطواف کرنا صحیح نہیں؟ تواللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی: "بلاشبہ صفاومروہ اللہ کی نشانیاں ہیں" ابوبکر نے کہا اس آیت کو سنو جو دونوں فریقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے الخ (بخاری و مسلم) یہ دوسرا بھی اس (دفع وہم) معاملہ سے تعلق رکھتاہے جیساکہ واضح ہے۔ ردالمحتار میں احکام مسجد سے تھوڑاسا

[1] صحیح البخاری باب وجوب الصفاوالمروۃ وجعل من شعائر اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۳

است، قد یقال ان لاباس ھنا لدفع مایتوھم ان علیہ باسا فی عدم الاجابۃ[1] نیز در اوائل ادراک الفریضۃ گوید لیس کلمۃ لاباس ھنا لخلاف الاولی لان ذلك غیر مطرد فیھا بل قد تاتی بمعنی یجب[2] ہم در باب العیدین فرمود کلمۃ لاباس قد تستعمل فی المندوب کما فی البحر من الجنائز والجھاد ومنہ ھذا الموضع[3] اینجا نیز آنکہ قیام فی الطاق را مکروہ فرمودہ بودند توہم می شود کہ شاید ایں چناں قیام کہ سجدہ در طاق افتد نیز مکروہ باشد دفع ایں التباس را لاباس آوردند۔ اما نفی تنافی از دو کلام شامی **فاقول:** محقق سامی علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی در ہر دو باب کلام امام امام الکلام وکلمات علمائے رام از مبسوط ودرایہ وتاتارخانیہ آوردہ مقتضایش وانمود کہ قضیہ ایں سخن کراہت ترک محراب است مر امام را مطلقاً اگرچہ میانہ صف ایستد ایں اطلاق را بنظر او دو تخصیص بود، یکے مستفاد از حکم

پہلے "باب مایکرہ فی الصلٰوۃ" میں ہے، یہ کہا گیا ہے کہ اس مقام پر "لاباس" کا ذکر اس وہم کے ازالے کے لئے، کہ یہاں حرج ہے ادراک الفریضہ کی ابتداء میں ہے لاباس کا کلمہ یہاں خلاف اولٰی کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس کا یہ معنی غیر یقینی ہے بلکہ وہ تو بعض اوقات وجوب کا معنی دیتا ہے اور باب العیدین میں بھی فرمایا لاباس کا کلمہ مندوب کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ بحر کے باب الجنائز اور باب الجہاد میں ہے اور مذکورہ مقام اس کے باب الجہاد سے ہے یہاں بھی فقہاء نے جو طاق میں قیام کر مکروہ فرمایا تو اس سے وہم پیدا ہوا شاید اس طرح کھڑا ہو کہ سجدہ طاق میں کرنا بھی مکروہ ہے لہٰذا اس کو لاباس کے ساتھ دفع کردیا۔ رہا معاملہ امام شامی کی دو ۲ عبارات میں منافات ہونے کا **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) محقق سامی علامہ شامی نے دونوں مقامات پر امام کی گفتگو جو کلام کی امام ہے اور دیگر فقہاء کرام کی مبسوط، درایہ اور تاتارخانیہ کے حوالے سے جو عبارات نقل کی ہیں ان کا مقتضی یہ ہے کہ امام کے لئے محراب کا ترک ہر حال میں مکروہ ہے خواہ صف کے درمیان ہی میں کھڑا ہو، اس کے اطلاق کے لئے ان کی نظر میں دو تخصیصیں

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۴

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۲۶

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۱

منصوص وآں تخصیص امام غیر راتب ست اے در مسجد محلّہ زیراکہ فرق احکام راتب وغیرا وہما نجاست اماّمساجدالقوارع والجوامع العامة وامثالها فلاراتب لها وان کان فلاافضل له علی غیره بل الکل فیها سواء ولذاکانت کل جماعة فیها جماعة اولیٰ وکان الافضل فی کل جماعة ان تقام باذان واقامة جدیدین[1] کما نص علیه فی الخانیة وغیرها وبیناه فی فتاوٰنا علماء تصریح فرمودہ اند کہ بعد امام راتب اعنی بعد جماعت اولیٰ در مسجد محلّہ امام دیگر راباید کہ از محراب عدول نماید **اقول:** ولعل ذلك ابانة لشرف الاولیٰ وتنبیها علی ان من تاخر اُخر عن اشرف المقامات وایضا قدتأدی حق المسجد فلایکرر فی صلوة مرتین لحدیث لایصلی بعد صلوٰة مثلها[2] رواه ابن ابی شیبة عن امیر المؤمنین الفاروق الاعظم رضی الله تعالیٰ عنه من قوله وظاهر کلام الامام محمد انه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح	ہیں، ایک تو حکم منصوص سے مستفاد ہے اور وہ تخصیص غیر مقررہ امام جب محلّہ کی مسجد ہیں ہو، کے اعتبار سے ہے، کیونکہ مقرر اور غیر مقرر کے درمیان فرق مسجد محلّہ ہی کے اعتبار سے ہے، رہامعاملہ مساجد شوارع یاعام جامع مسجد کا تو وہاں امام مقرر نہیں ہوتا اور اگر ہو بھی تواسے دوسرے پر فضیلت نہیں بلکہ اس میں تمام برابر ہیں اسی لئے وہاں کی ہر جماعت، جماعت اولیٰ ہوتی ہے اور ہر جماعت میں افضل یہی ہے کہ وہ نئی اذان وتکبیر کے ساتھ ہو،اس پر خانیہ وغیرہ میں تصریح ہے کہ مقررامام یعنی جماعت اولیٰ کے بعد مسجد محلّہ میں دوسرے امام کو محراب سے عدول کرناچاہئے اقول شاید اس میں پہلی کے شرف کااظہار ہےاور اس پر تنبیہ ہے کہ ہر وہ شخص جو جماعت اولیٰ سے مؤخر ہو جاتاہے وہ اعلیٰ مقامات سے بھی مؤخر رہ جاتاہے، اور یہ بھی ہے کہ مسجد کا حق اداہو گیاتھا لہذا نماز میں دودفعہ تکرار اس حدیث کی بناپر "مناسب نہیں کہ نماز کے بعد اس کی مثل نہ پڑھی جائے"، ابن ابی شیبہ نے اسے امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے طورپر نقل کیاہے، اور امام محمد کی عبارت سے واضح ہوتاہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کاارشاد عالی ہے، محقق علی الاطلاق نے فتح میں

[1] فتاوٰی قاضی خان فصل فی المسجد مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۳۰۲

ومحمد اعلم بذلك منا[1] ھوقد حمله على الجماعة الثانية الامامان الجليلان فخر الاسلام وفخرالدين قاضی خاں قال فی البحر فالحاصل ان تكرار الصلٰوۃ ان كان مع الجماعة فی المسجد علی ھیأته الاولٰی فمكروہ[2] الخ وفی ردالمحتار عن الغنية عن البزازية عن ابی یوسف اذالم تکن علی الھیأۃ الاولٰی لاتکرہ والاتکرہ قال وھوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیأۃ وفیہ عن التتارخانیة عن الولوالجیة وبه ناخذ[3] ایں تخصیص چوں مبنی بر تنصیص بودہر دوجا اوراپیان نمود، ودر مکروہات خود سخنے درآں نفرمود بلکہ درآخرش بجملہ فاغتنم ھذہ الفائدۃ لب کشود دوم آنکہ ازحکمت وعلتش استنباط خواست و **تحقیقش علی ما اقول:** چنانست کہ معہود ومتوارث از زمان برکت توامان حضور سیدالانس والجان وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام امام درمحراب است فاماظاہر این سنت مقصود لعینہا نیست بلکہ لغیرہا واصل سنت توسط امام درصفت است لحکم بالغۃ سیأتیك بیان بعضھا ان شاء اللہ تعالٰی وللہذا جائیکہ قیام درمحراب

فرمایاامام محمد ہم سے زیادہ جاننے والے ہیں،دوبزرگ امام فخرالاسلام اور فخرالدین قاضی خاں نے اسے دوسری جماعت پر محمول کیاہے۔ بحر میں ہے حاصل یہ ہے کہ اگر تکرار جماعت محلّہ کی مسجد میں پہلی حالت پر ہے تومکروہ ہے الخ ردالمحتار میں غنیہ وہاں بزازیہ سے امام ابویوسف کے حوالے سے ہے کہ جب پہلی حالت کے مطابق نہ ہو تو کراہت نہیں ورنہ کراہت ہوگی، فرمایا یہی صحیح ہے اور محراب سے عدول کرلینے سے حالت بدل جاتی ہے اوراس میں تاتارخانیہ وہاں والوالجیہ سے ہے کہ ہمارا عمل اسی پر ہے یہ تخصیص چونکہ دونوں جگہ پر نصوص فقہاء پر مبنی تھی اس لئے اس کی تصریح کردی اور مکروہات میں اس پر خود کچھ نہ فرمایا بلکہ اس کے آخر میں یہ جملہ کہہ دیا"اس فائدہ کوغنیمت جان لو،"دوسری (تخصیص) اس کی حکمت اور علت سے مستنبط ہوتی ہےاس کی تفصیل میرے نزدیک یہ ہے کہ حضور سیدالانس والجن صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کامحراب میں کھڑا ہوناآرہاہے لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت بذاتہٖ مقصود نہیں بلکہ غیر کی وجہ سے مقصود ہے بلکہ اصل سنت امام کاصف کے درمیان کھڑاہوناہےان عظیم حکمتوں کی وجہ سے جن میں سے بعض کاتذکرہ آرہاہے ان شاء اللہ تعالٰی، لہٰذا وہ جگہ جہاں محراب

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر، باب الوتروالنوافل، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۱٦/۱

[2] بحرالرائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٦۲/۲

[3] ردالمحتار مطلب فی کراہیۃ تکرار الجماعۃ فی المسجد مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۹۱/۱

باتوسط صف بر طرف افتد اعنی جمع میان ہر دو نتواں کرد آنجا توسط صف اختیار کنند و قیام محراب را ترک دہند مثلاً مسجد صیفی درجنب شتوی باشد و مردماں بکثرت گرد آمدند کہ ہر دو مسجد بصفوف صلٰوۃ یکے شد آں گاہ راامام را حکم ست کہ محراب گزاشتہ بکنار دیوار ایستد تا میانہ صفہا باشد فی ردالمحتار عن **معراج الدرایة عن مبسوط الامام بکر خواھر زادہ السنة ان یقوم فی المحراب لیعتدل الطرفان ولوقام فی احدجانبی الصف یکرہ ولو کان المسجد الصیفی بجنب الشتوی وامتلأ المسجد یقوم الامام فی جانب الحائط لیستوی القوم من جانبیه و الاصح ماروی عن ابی حنیفة الٰی قومه قال علیه الصلٰوة والسلام توسطوا الامام**[1]۔ پس ایں استدلال بحدیث وآں فرع نفیس خاصہ بعدازاں مقال کہ **السنة ان یقوم فی المحراب** وتعلیلش بآں کہ **لیعتدل الطرفان** و تعقیبش بقول او **ولوقام فی احد جانبی الصف یکرہ**[2] ایں ہمہ ہا دلیل روشن است برآنکہ اصل مقصود توسیط امام ست نہ نفس قیام فی المحراب

میں کھڑا ہونا اور وسط صف دونوں جمع نہ ہوسکتے ہوں تو وہاں امام وسط صف کو اختیار کرے اور محراب میں قیام کو ترک کردے مثلاً مسجد صیفی شتوی کے پہلو میں ہو اور لوگ کثیر ہوں اور دونوں مساجد کی دو صفیں ایک ہوجائیں تو امام کے لئے حکم ہے کہ وہ محراب کو چھوڑ کر دیوار کے پاس کھڑا ہو تاکہ صفوں کے درمیان ہوجائے، ردالمحتار میں معراج الدرایہ وہاں مبسوط امام بکر خواہر زادہ سے ہے کہ امام کے لئے محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے تاکہ دونوں اطراف میں برابری ہوجائے، اگر صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہے اور اگر مسجد صیفی، شتوی کے پہلو میں ہو، مسجد بھر جائے تو امام دیوار کی جانب کھڑا ہو تاکہ لوگ دونوں طرف برابر ہوجائیں اور اصح طور پر امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا امام کو درمیان میں کھڑا کرو، پس اس حدیث سے استدلال اور اس پر اس فرع کا ذکر کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے، اس کی علت یہ تاکہ دونوں اطراف برابر ہوجائیں اور اس کے بعد یہ قول ذکر کرنا کہ اگر امام کسی صف کی ایک جانب کھڑا ہوا تو یہ مکروہ ہوگا،

یہ تمام کے تمام اس بات پر روشن دلیل ہیں کہ اصل مقصود امام کا درمیان میں کھڑا ہونا ہے محراب میں کھڑا ہونا مقصود نہیں،

---

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۲۰/۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۲۰/۲

آرے غالب آنست کہ محراب مقام تعادل طرفین ست چوں صف کامل باشد خود ظاہر ست وآں گاہ بترک محراب ترک سنت مقصودہ بالفعل نقد وقت ست ورنہ درعامہ مساجد استکمال صف بہ پس آیندگاں مرجو ومتوقع می باشد وزیادتش بنحیکہ توسط موجوداز ہم باشد پس ترک محراب تعرض بترک سنت ومخالف عمل امت بود واحکام فقہیہ برامور غالبہ انسحاب یابدازیں امر حکم بہ سنیت قیام فی المحراب کردہ اند اما اگر مسجد درجائے خامل بعیداز ممر ومورد باشد کہ ہمیں چندکساں دروحاضراند وآں بقدر زیادت اصلا متوقع نیست آں جا اگر امام راتب درگوشہ ازمسجد میانہ صف موجودایستد ظاہر مخالف سنت نباشد زیراکہ سنت قولیہ وسطوا الامام خود اداشد وسنتِ فعلیہ مبتنی برہمیں حکمت بود واین جا از عدم توقع زیادت مذکور خودرا بمعرض مخالفت افگندن لازم نیست وفعل متوارث اززمان اقدس درمسجدے ست ازابشہر واعمر مساجد بود، ہیچو مسجدے خامل رابرآں قیاس نتواں کرد وکراہت حکم شرعی ست بے دلیل شرعی رنگ ثبوت نیابد پس ظاہراً ایں صورت نادرتر باشد این مطمح نظر علامہ شامی وایں جملہ مطالب رابا وجز کلام

ہاں اغلب یہی ہے کہ محراب ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں دونوں جانبوں میں برابری ہوتی ہے۔ جب صف مکمل ہو تو خود ظاہر ہے کہ اس وقت محراب کو چھوڑنا موقعہ پر سنت مقصودہ کو ترک کرنا یعنی وسط کا ترک لازم آئے گا، ورنہ عام مساجد میں بعد میں آنے والے حضرات سے صف کا مکمل ہونا متوقع ہوتا ہے اور صف سے زائد بھی ہوسکتے ہیں لیکن توسط موجود ہونے پر کوئی حرج نہیں پس اس صورت میں محراب کو ترک کرنا سنت کا ترک اور امت کی مخالفت ہوگی۔ اور احکام فقہیہ اکثر طور پر امور غالبہ پر جاری کئے جاتے ہیں اسی وجہ سے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنت قرار دیا گیا ہے، اب اگر بے آباد مسجد ایسی جگہ پر ہے جو گزرگاہ اور جائے وَرود سے دور ہے اس میں چند لوگ اکٹھے ہیں اب اس سے زیادہ افراد کی توقع بھی نہیں تو امام اس مسجد کے کسی کونے میں موجود صف کے درمیان کھڑا ہوسکتا ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ سنت کے خلاف نہیں کیونکہ سنت قولیہ "امام کو درمیان میں کھڑا کرو" پر عمل ہورہا ہے اور سنتِ فعلیہ بھی اسی حکمت پر مبنی ہے اور اس جگہ زیادہ کی عدم توقع سے مخالفت میں ڈالنا لازم نہیں آتا، اور آپ کی ظاہری حیات سے جو معمول چلا آرہا ہے وہ مشہور اور آباد مسجد میں ہے اس طرح کی گمنام مسجد کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، کراہت حکم شرعی ہے جو کسی شرعی دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی تو ایسی صورت کا ظہور نادر تر ہے، علامہ شامی کا مطمح نظر یہی ہے اور ان تمام مطالب کو انہوں نے نہایت ہی اختصار

دریں دو لفظ ادا فرمود والظاهر ان هذا فی الامام الراتب لجماعة کثیرة[1] فمعنی قوله الامام الراتب ای امام الجماعة الاولی دون الثانیة وهو فی مسجد المحلة ظاهر وفی غیره کل امام لان جمیع جماعاته اولی فالکل فی حکم الراتب فی مسجد المحلة ومعنی قوله لجماعة کثیرة ای واقعة اومتوقعة وکذا قوله لئلا یلزم ای حالا اومآلا ظنا اواحتمالا هذا مایعطیه الفقه فی تفسیر کلامه وتبیین مرامه والله تعالٰی اعلم باحکامه لکن ازانجا کہ برخلاف تخصیص اول اینجا نصے کہ مفید اوباشد بدست نبود باستظہار خودش بودن اوتصریح نمودودرآخرامر تأمل فرمود زیراکہ می تواند کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام رادر نفس قیام امام راتب فی المحراب حکمتے باشد پس جزم بحکم نتواں نمود کماھو داب العلماء فی امثالھم ایں راتنافی نتواں گفت کہ جائے بر منصوص ومفاد پر نصوص اقتصار ورزیدہ وجائے بہ رائے خود استظہار خصوصے وگر نمودہ نظائر ایں ترک و

کے ساتھ ان دو الفاظ میں بیان کردیا ہے" اور ظاہر یہی ہے کہ یہ مقرر امام اور جماعت کثیرہ کے لئے ہے" امام راتب سے مراد پہلی جماعت کا امام ہے دوسری کا نہیں اور یہ بات مسجد محلّہ میں ظاہر ہے، اس کے علاوہ مسجد میں ہر امام مراد ہے کیونکہ وہاں کی تمام جماعتیں اولٰی ہیں لہٰذا وہاں کا ہر امام مسجد محلّہ کے امام مقرر کے حکم میں ہوگا، جماعت کثیرہ سے مراد نفس الامر میں لوگ کثیر موجود ہوں یا ان کی توقع ہو اس طرح کا قول "تاکہ لازم نہ آئے" حالًا یا مآلًا، ظنًّا اور احتمالًا مراد ہے جو شامی کے کلام کی تفسیر ومقصد کی تفصیل کے بارے میں عطا ہوا، اللہ تعالٰی اپنے احکام کا سب سے زیادہ عالم ہے لیکن اس وجہ سے کہ تخصیص اول کے خلاف اس جگہ کوئی ایسی نص جو انہیں مفید ہوتی ان کے ہاتھ میں نہ تھی تاکہ اپنے اظہار کی صورت میں اس کی تصریح کرتے اور آخر میں "غور کرو" فرمایا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں محراب میں امام راتب کے نفس قیام میں کوئی حکمت ہو، لہٰذا اس پر جزمًا حکم جاری نہیں کیا، علماء کا ایسے مقامات میں بحث کا یہی طریقہ رہا ہے۔ تو اسے منافات نہیں کہہ سکتے ایک جگہ پر حکم منصوص اور نصوص سے مستفاد پر منحصراً ہے اور دوسری جگہ خود اپنی رائے کا اظہار ہے اس ترک و

[1] ردالمحتار، باب الامامۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

اظہار واقتصار واستظہار درکلام شراح ومحشین وخود علامہ شامی بوفوریافتہ می شود فانھم اذا لم یجزموا بما استظھر والم یتات لھم المشی علیہ وانما یمشون علی المنصوص وینقطعون الیہ ویقفون لدیہ۔

اما تحقیق کلام در تفسیر واحکام محراب وقیام **فاقول:** وباللّٰہ التوفیق وبہ الاعتصام حضرت عزہ منزہ از صورت جلت آلاؤہ وتوالت نعماؤہ دریں عالم ہرشیئے را صورتے دادہ است وہر صورت راحقیقتے شہادت شرع مطہر درغالب احکام مطمح نظر حقیقت شیئ راداشت وصورت رانیز مہمل نگزاشت اے بسا احکام کہ تنہا برصورت میرودوگاہے مجموع حقیقت وصورت بہیات اجتماعیہ ملحوظ می شودوکل ذلك جلی عند فضلکم لایخفی علی مثلکم پس چنانکہ مسجدرا حقیقتے ست وآں بقعہ مخصوصہ موقوفہ للصلوٰۃ مفرزۃ فی جمیع الجہات عن حقوق العباد ست کہ ہیچ بنائے عمارت رادر سنخ ماہیتش مدخلے نیست فی الخانیۃ وفی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الواقعات للامام الصدر الشہید رجل لہ ساحۃ لابناء

اظہار اور اقتصار واستظہار کے متعدد نظائر شارحین ومحشین اور خود علامہ شامی کے ہاں کثرت کے ساتھ موجود ہیں کیونکہ جب تک فقہاء کو اپنی رائے پر جزم نہ ہو وہ اس پر عمل نہیں کرسکتے وہ احکام منصوصہ پر چلتے ہیں انہیں کی طرف انقطاع اور رجوع کرتے ہیں اور انہیں پر گامزن ہوجاتے ہیں۔

اب رہ گیا معاملہ محراب وقیام کے احکام وتفسیر کا تو اللہ کی توفیق اور اس کے سہارے سے **میں کہتا ہوں** اس ذات اقدس نے جو صورت سے منزہ ہے اس کی قدرتیں اور نعمتیں مسلسل ہیں اس کائنات میں ہر شی کو اس نے صورت بخشی ہے اور ہر صورت کو ایک حقیقت دے رکھی ہے شریعت مطہر کے احکام میں مطمح نظر اغلب طور پر شے کی حقیقت ہے لیکن صورتِ شئے کو بھی بے فائدہ نہیں چھوڑا، بہت دفعہ احکام صورت پر جاری ہوتے ہیں اور بعض اوقات حقیقت وصورت دونوں کے مجموعہ پر بحیثیت اجتماعی احکام لاگو ہوتے ہیں، فاضل لوگوں کے ہاں یہ نہایت ہی واضح اور آپ جیسے لوگوں سے مخفی نہیں جیسا کہ مسجد کی حقیقت ہے جس سے مراد وہ بقعہ ہے جو نماز کے لئے مخصوص ووقف شدہ ہو اور ہر لحاظ سے بندوں کے حقوق سے علیحدہ کیا گیا ہو اس کی حقیقت میں عمارت کا کوئی دخل نہیں، خانیہ اور ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام صدر الشہید کے واقعات کے حوالے سے ہے کہ ایک آدمی کی کھلی جگہ تھی جس میں کوئی

فیھا امر قوما ان یصلوافیھا ابداوامرھم بالصلٰوۃ مطلقا ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا لومات لایورث عنہ[1]ھ مختصرا درآیہ کریمہ اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ[2] وکریمہ وَلَا تُبَاشِرُوۡهُنَّ وَاَنۡتُمۡ عٰكِفُوۡنَ فِی الۡمَسٰجِدِ[3] وحدیث خیر البقاع المساجد شر البقاع الاسواق[4] رواہ الطبرانی وابن حبان والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر ومعناہ لمسلم عن ابی ھریرۃ ولاحمد والحاکم عن جبیربن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنم عن النبی صلی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدیث لاصلٰوۃ لجارالمسجد الافی المسجد[5] رواہ الدارقطنی عن جابر وابی ھریرۃ وفی الباب عن امیرالمؤمنین علی وعن ام

تعمیر نہ تھی اس نے لوگوں سے کہا یہاں تم ہمیشہ نماز پڑھاکرو یاصرف مطلق نماز کاحکم کیااور ہمیشگی کی نیت کی تو یہ جگہ مسجد قرار پائے گی اب وہ شخص اگرفوت ہوجاتاہے تو اس کے ورثا اس زمین کے مالک نہ ہوں گے اھ آیت مبارکہ "اللہ کی مساجد وہی تعمیر کرتے ہیں جو اللہ پرایمان لاتے ہیں"۔ آیت کریمہ "جب تم مساجد میں معتکف ہوتواپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو"اور یہ حدیث کہ "سب سے اعلٰی جگہ مساجد ہیں اور بدترجگہ بازار ہیں"۔اسے طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور مسلم نے اسی معنی کی روایت حضرت ابوہریرہ سے امام احمد اور حاکم نے حضرت جبیر بن مطعم سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔ یہ اور حدیث کہ "مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے علاوہ نہیں"۔اسے دار قطنی نے حضرت جابر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاہے،اس سلسلہ میں امیرالمومنین

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المسجد ومایتعلق بہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

[2] القرآن ۹/ ۱۸

[3] القرآن ۲/ ۱۸۷

[4] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی عن ابن عمر باب فضل المسجد مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۶،الجامع الصغیر حدیث ۴۰۰۲ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷۰، کنزالعمال فضائل المسجد مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۵۸۔۶۵۲

[5] سنن الدار قطنی کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۴۲۰

المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واکثر احادیث واحکام فقہیہ متعلقہ بمساجد نظر اصلی یا کلی بہمیں حقیقت است واور اصورتے ست کہ عبارت از بنائے مخصوص بروجہ مخصوص درآیہ کریمہ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا [1] وکریمہ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا [2] وحدیث ابنوا المساجد واتخذوھا جمّا [3] رواہ البیھقی عن انس وابن ابی شیبة عنه و عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وحدیث ماامرت بتشیید المساجد [4] رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند صحیح عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ ومسئلہ نقش ونگار مسجد بآب زروغیرہا مراد ہمیں صورت	حضرت علی اور ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیاہے۔ یہ تمام اور دیگر احادیث اور احکام فقہیہ کا تعلق بنظر اصلی یا کلی مسجد کی حقیقت کے ساتھ ہے البتہ مسجد کی ایک صورت ہوتی ہے جو بنائے مخصوص بروجہ مخصوص سے عبارت ہے، درج ذیل آیات اور احادیث میں یہی صورت مراد ہے "اگراللہ تعالٰی بعض کو بعض کے ذریعے دفع نہ کرتاتو یہود ونصارٰی کی عبادت گاہیں اور مساجد گرادی جاتیں جن میں اللہ کا ذکر کثیر کیاجاتاہے" "وہ لوگ جنہوں نے مسجد ضرار کو بنایا، اور حدیث "مساجد مُنڈی بناؤ اور ان میں کنگرے نہ رکھو"۔ اسے بیہقی نے حضرت انس اور ابن شیبہ نے ان سے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، حدیث "مجھے مساجد مزیّن کرنے کا حکم نہیں دیاگیا" اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔ مسجد کو سونے کے پانی کے ساتھ نقش ونگار کرنے کا تعلق صورتِ مسجد کے ساتھ

[1] القرآن ۲۲/۴۰

[2] القرآن ۹/۱۰۷

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی باب کیفیۃ بناء المسجد مطبوعہ دارصادر بیروت ۲/۴۳۹

[4] السنن ابوداؤد باب فی بناء المسجد مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۵

ست ہمچناں محراب صورتے دارد وآں طاق معین درجدار قبلہ است وحقیقتش کہ ایں صورت برآں علم باشد موضعے ست از مسجد برائے قیام امام ملحوظ بدولحاظ یکے آنکہ درعرض مسجد (کہ خط عموداست برخط مار از مصلی بقبلہ چنانکہ دردیارِ ماجنوبًا شمالًا) واقع دروسط بود لحدیث وسّطوا الامام وسُدّوالخلل[1] رواہ ابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحکمت درآں تعدیل واعتدال درقرب وبُعد رجال وسماع قرأت واطلاع انتقال وسریان فیوض بہ یمین و شمال ازامام ست دوم آنکہ درجہت قبلہ تاحد تیسر شرعی وعادی ہرچہ تمام تراقرب بقبلہ باشد لحدیث کان بین مصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبین الجدار ممر الشاۃ[2]، رواہ الائمۃ احمد والشیخان عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ وحدیث لایزال قوم یتأخرون حتی	ہی ہے۔ اسی طرح محراب کی ایک صورت ہے کہ وہ طاق جو قبلہ کی دیوار میں ہوتاہے اور اس کی حقیقت جس پر یہ صورت علامت ہے وہ جگہ ہے جو قیام امام کے لئے دولحاظ سے ہو، اس میں ایک لحاظ یہ ہو کہ عرض مسجد میں (کہ گزرنے والے خط پر خط عمود ہو جو نمازی سے قبلہ کی طرف گزرنے والے خط پر جیسا کہ ہمارے علاقے میں جنوبًا شمالًا) وسط میں واقع ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ "امام کو درمیان میں کھڑا کرو اور صفوں کے رخنے بند کرو" اسے ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کے قرب وبعد میں برابری ہو تاکہ قرأت سننے، امام کے اوپر نیچے انتقال پر اطلاع اور دائیں بائیں لوگوں پر فیضان میں آسانی ہوجائے، دوسرالحاظ یہ کہ جہت قبلہ میں ہوتاکہ حدشرعی وعادی تمام تر قبلہ سے اقرب ہو اس حدیث کی بناپر کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مصلّی اور دیوار کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ ہوتی، اسے امام احمد، بخاری ومسلم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث کہ "ہمیشہ لوگ پیچھے ہوتے رہیں گے حتّٰی کہ

[1] سنن ابوداؤد مقام الامام فی الصّف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۹

[2] صحیح البخاری باب قدر کم ان ینبغی ان یکون بین المصلی والسترہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/۷۱

یؤخرهم الله عزوجل[1] رواه مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن ابی سعید رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وحدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه لایصلین احدکم وبینه وبین القبلة فجوة[2] رواه عبدالرزاق فی مصنّفه، پس حکمت دروے توسیع برائے مقتدیاں وپس آیندگاں و عدم تضییق برذاکراں و گزرندگاں وعدم تعطیل پارہ از قبلہ مسجد باہمال آں وتفاؤل حسن بقرب رحمت ونزدیکی رحمان ست جل وعلی فان احدکم اذاقام فی صلوته فانه یناجی ربه وان ربه بینه وبین القبلة[3] کمارواه الشیخان وغیرهما عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم پیداست، وتعین ایں موضع رابطاق معروف بلکہ بہ ہیچ بناہر گزنیاز نیست تاآنکہ اگر مسجد ساحتے سادہ باشد ایں موضع بتعیین وتحدید اوخود متعین می شود درزبان عرب نیز معنی محراب باصورت طاق جفت نیست عرباں ہر مکان رفیع وصدرِ	اللہ تعالٰی انہیں مؤخر فرمادے گا"۔ اسے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ حضرت ابن سعد کی یہ حدیث کہ "تم میں ہر گز کوئی نماز اس طرح ادا نہ کرے کہ اس کے اور قبلہ کے درمیان بیکار خالی جگہ رہے"اسے عبدالرزاق نے مصنّف میں ذکر کیا ہے، اس میں مقتدیوں اور بعد میں آنے والوں کے لئے وسعت، ذاکرین اور گزرنے والوں کے لئے عدم تنگی، مسجد کے قبلہ کی جانب کسی گوشے کا مہمل نہ ہونا، اللہ تعالٰی کے قربِ رحمت کے لئے نیک فال ہے کیونکہ جب کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کررہا ہوتا ہے اس نمازی اور قبلہ کے درمیان اس کا رب ہوتا ہے جیسا کہ بخاری و مسلم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا، محراب کو طاق معروف یا کسی اور تعمیر کی حاجت نہیں بلکہ اگر مسجد سادہ میدان ہو تو بھی مسجد کی حدود خود بخود متعین ہوجاتی ہیں اور عربی زبان میں محراب کا اطلاق صرف طاق پر ہی نہیں ہوتا بلکہ ہر بلند جگہ، صدر مجلس اور گھر کی اعلٰی جگہ کو محراب کہا جاتا ہے

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف واقامتہا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۲

[2] المصنف لعبدالرزاق نمبر ۲۳۰۶ باب کم یکون بین الرجل وبین سترتہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۶

[3] صحیح البخاری حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸

مجلس واشرف مواضع بیت رامحراب نامند لانه مما یتنافس فیه ویتنازع علیه فربما ادی الی حرب وقتال وفی الحدیث اتقوا هذه المذابح یعنی المحاریب[1] رواه الطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی السنن عن عبدالله بن عمروبن العاص رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، قال المناوی فی التیسرای تجنبوا تحری صدور المجالس یعنی التنافس فیها[2] ومحراب مسجد حسب تصریح ائمہ لغت وتفسیر ازہمیں معنی ماخوذ ست لانه صدر المقام ومقدمه واشرف موضع فیه لکونه مقام الامام اوسط قطعة تلی القبلة لاجرم محراب رابمطلق مقام فی المسجد تفسیر کردہ اند در مجمع بحارالانوار ست دخل محرابا لهم هو الموضع العالی المشرف وصدر المجلس ایضا ومنه محراب المسجد وهو صدره واشرف موضع فیه ومنه[3] ح انس کان یکره المحاریب ای لم یکن یحب ان یجلس فی صدرالمجلس ویترفع علی الناس درقاموس فرمود المحراب الغرفة وصدر البیت واکرم	کیونکہ اس میں ایک دوسرے پر رشک کرتے اور اس حصول میں جھگڑتے ہیں بسااوقات جنگ وقتال تک نوبت جا پہنچتی ہے، اور حدیث میں ہے ان مذابح یعنی محرابوں سے بچو، اسے طبرانی نے کبیر اور بیہقی نے سنن میں حضرت عبداللہ بن عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، شیخ مناوی نے تیسیر میں فرمایا یعنی صدورِ مجالس کی تلاش سے بچو یعنی اس میں تنافس سے بچو، ائمہ لغت وتفسیر کی تفسیر کے مطابق مسجد کا محراب بھی اسی معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ یہ صدر مقام اور اعلٰی جگہ ہوتی ہے اس لئے کہ امام کی جگہ قبلہ سے متصل سب سے وسط میں ہے اسی لئے محراب کی تفسیر مسجد میں مطلق مقام سے کی ہے، مجمع بحارالانوار میں ہے وہ ان کے محراب میں داخل ہوا اور وہ محراب بلند وعالی جگہ ہے، صدر مجلس کو بھی کہا جاتا ہے اسی سے محراب مسجد ہے اور یہ صدر اور اعلٰی جگہ ہے، اسی پر حدیث دال ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ محاریب کو پسند نہ کرتے یعنی لوگوں پر بلند اور صدر مجلس کے طور پر بیٹھنا پسند نہ کرتے۔ قاموس میں ہے محراب المارى، صدر گھر، گھر کا اعلٰی مقام،

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب فی کیفیۃ بناء المسجد مطبوعہ دار صادر بیروت ۴۳۹/۲

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۵۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱۴۴/۱

[3] مجمع بحارالانوار باب الحاء مع الراء مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۲۴۹/۱

مواضعه ومقام الامام من المسجد و الموضع ینفرد به الملك فیتباعد عن الناس [1] درمختار رازی منتخب صحاح ست المحراب صدر المجلس ومنه محراب المسجد[2] درصراح ست محاریب پیشگاہ ہائے مجالس ومنه محراب المسجد[3] درمصباح المنیر ست المحراب صدر المجلس ویقال هو اشرف المجالس وهوحیث یجلس الملوك والسادات و العظماء ومنه محراب المصلی [4] درتاج العروس ست المحراب الغرفة وموضع العالی نقله الهروی فی غریبیه عن الاصمعی وقال الزجاج المحراب ارفع بیت فی الدار وارفع مکان فی المسجد وقال ابوعبیدة المحراب اشرف الاماکن قال ابن الانباری سمی محراب المسجد لانفراد الامام فیه وبعده من القوم [5] وفی لسان العرب المحاریب صدورالمجالس ومنه محراب المسجد ومنه محاریب غمدان بالیمن والمحراب القبلة ومحراب	مسجد میں امام کی جگہ، اور اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں بادشاہ تنہا بیٹھتا ہو تاکہ لوگ دُور رہیں، مختار رازی منتخب صحاح میں ہے کہ محراب صدر مجلس کو کہا جاتا ہے، اور اسی سے محراب مسجد ہے۔ صراح میں ہے محاریب مجالس کی اگلی جگہ، اسی سے محراب مسجد ہے۔ مصباح المنیر میں ہے محراب مجلس کے لئے اونچی جگہ کو کہا جاتا ہے وہ اعلیٰ جگہ ہے کہ وہاں بادشاہ، سادات اور بڑے لوگ بیٹھتے ہیں، اسی سے عیدگاہ کا محراب ہے۔ تاج العروس میں ہے لفظ محراب کو ہروی نے غریب میں اصمعی سے نقل کیا، اور زجاج نے کہا کہ گھر کا سب سے بلند مقام محراب کہلاتا ہے اور مسجد میں بلند جگہ۔ ابوعبیدہ نے کہا محراب بزرگ جگہ ہے۔ ابن الانباری کہتے ہیں کہ محراب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس میں امام اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ محاریب سے مراد جائے صدور ہے اسی سے محراب مسجد ہے، اسی سے محراب مسجد ہے، اسی سے یمن میں غمدان کے محراب اور محراب قبلہ ہے،

[1] القاموس باب الباء فصل الحاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[2] الصحاح باب الباء فصل الحاء مطبوعہ دارالعلم للملایین بیروت ۱/۸۸

[3] الصراح باب الباء فصل الحاء مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۲۴

[4] مصباح المنیر تحت لفظ الحرب مطبوعہ منشورات دارالہجرۃ قم ایران ۱/۱۲۸

[5] تاج العروس فصل الحاء من باب الباء مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۱/۲۰۷

المسجد ایضا صدورہ واشرف موضع فیہ والمحراب اکرم مجالس الملوك عن ابی حنیفۃ، وقال ابوعبیدۃ المحراب سیّد المجالس ومقدمھا واشرفھا قال وکذلك ھو من المساجد[1] ھ ملخصًا۔ درمعالم التنزیل فرمود المحراب اشرف المجالس ومقدمھا وکذلك ھو من المسجد[2] درانوارالتنزیل ست (المحراب) ای الغرفۃ اوالمسجد اواشرف مواضعہ ومقدمھا سمی بہ لانہ محل محاربۃ الشیطان کانھا (ای سیدتنا مریم) وضعت فی اشرف موضع من بیت المقدس[3] درشرح او عنایہ القاضی ست ذکر المحراب معانی المشھور منھا الاخیر ولذااقتصر علیہ اخیرافی قولہ کانھا[4] الخ درجلالین ست(المحراب) الغرفۃ وھی اشر المجالس[5] درتفسیر کبیر ست المحراب الموضع العالی الشریف وقیل المحراب اشرف المجالس	مسجد کا محراب بھی اس کی اعلٰی واشرف جگہ ہوتی ہے، یہ امام ابوحنیفہ سے ہے۔ ابوعبیدۃ کہتے ہیں کہ محراب مجالس کی اعلٰی واشرف جگہ ہوتی ہے اور اسی طرح مساجد کے محراب ہیں اھ تلخیصًا۔ معالم التنزیل میں ہے محراب سے مراد مجالس کی اعلٰی اور مقدم جگہ ہے اور مسجد میں بھی محراب کا معاملہ ایساہی ہے۔ انوارالتنزیل میں ہے (محراب یعنی کمرہ یامسجد یاکمرہ ومسجد کی اعلٰی واشرف جگہ مراد ہے یہ نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطان سے محاربہ کی جگہ ہوتی ہے گویا (سیّدہ مریم علیہا السلام) بیت المقدس کی اعلٰی جگہ پر پیدا ہوئیں، اس کی شرح عنایۃ القاضی میں ہے کہ محراب کے متعدد معانی ہیں ان میں سے مشہور آخری ہے اسی لئے ماتن نے اس آخری معنی پر "کانھاوضعت الخ" کے الفاظ سے اقتصار کیا۔ جلالین میں ہے (محراب) کمرہ، یہ مجالس کی اعلٰی جگہ ہوتی ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے محراب سے مراد بلند واعلٰی جگہ ہے، بعض کے نزدیک مجالس کے لئے

[1] لسان العرب فصل الحاء المھملہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۰۵

[2] معالم التنزیل علی ہامش الخازن سورہ آل عمران مطبوعہ مصطفی البابی بیروت ۱/۳۴۲

[3] انوار التنزیل (بیضاوی) سورہ آل عمران مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸

[4] حاشیۃ الشہاب المعروف عنایۃ القاضی سورہ آل عمران مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۳۳

[5] تفسیر جلالین سورہ آل عمران مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۸

وارفعھا[1] درکشاف ست غرفۃ وقیل اشرف المجالس ومقدمھا[2] این ست معظم عبارات ائمہ فن کہ ازہمان نفس موضع نشان می دہدہ ازصورت طاق وچسپاں ازونشان دہند کہ اوخودحادث ست درمساجد قدیمہ تاسال ہشتاد وہشت ہجری نامے ازاں نبود افضل المساجد مسجد الحرام ہنوزازان خالیست ودرمسجد اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیز نہ بزمان اقدس بودنہ بعہد خلفائے راشدین نہ بعہد امیر معاویہ وعبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی زمانہ امارتِ خوداحداث کردہ است ومانا کہ حامل برآں غیرزینت اعلام مقام امام بعلامتے ظاہرہ متبینہ باشد کہ درتوسط صف خاصہ بمساجد کبارحاجت بنظروآزمودن نیفتدوبشب نیزبے روشنی مدرک شودوبرائے مقتدیاں بسجدہ امام درطاق فراخی فراغے ہم نماید چوں کارمشتمل مصالح بودرواج گرفت وزاں بازدرعامہ بلاداسلام معہود شد پس اطلاق محراب برآں نام مُعیَّن برائے مُعیِّن ست اعنی تسمیۃ الدال باسم المدلول سید سمہودی عـہ

اعلٰی وارفع جگہ ہے۔ کشاف میں ہے محراب کامعنی کمرہ، بعض کے نزدیک مجالس کے لئے اعلٰی واشرف جگہ مراد ہوتی ہے۔ محراب کے بارے میں یہ ہیں تمام ائمہ فن کی عبارات جن سے واضح ہورہاہے کہ اس سے مراد جگہ ہے طاق وغیرہ کی صورت کانام نہیں بلکہ اٹھاسی ۸۸ ہجری سے پہلے مساجد قدیمہ میں اس کاوجود نہ ہوتاتھا سب سے افضل مسجد مسجد حرام اس سے اب تک خالی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات، خلفاء راشدین، امیر معاویہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں مسجد نبوی میں صورت محراب نہیں تھی بلکہ ولید بن عبدالملک مروانی نے اپنے دورامارت میں محراب بنایااور یہ تسلیم ہے کہ زینت کے علاوہ امام کی جگہ پرعلامت کے طورپر محراب کاہونا بہتر ہے خصوصا بڑی مساجد میں تاکہ ہردفعہ غوروفکرنہ کرناپڑے اور رات کو بغیرروشنی کے امام کو پایاجاسکے اور امام کے محراب میں سجدہ کی وجہ سے مقتدیوں کووسعت بھی مل جاتی ہے توجب محراب میں یہ مصالح تھے تو اس کارواج ہوگیا اور تمام بلاد اسلامیہ میں یہ معروف ہواتو یہ یہاں مدلول کانام دال کودیاگیاہے۔ سیّد سمہودی قدس سرہ، نے

عـہ بتصریحات ھؤلاء الکبراء رحمھم اللہ

اکابر رحمہم اللہ تعالٰی کی ان تصریحات سے یہ بات (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] التفسیر الکبیر سورہ آل عمران میں مذکور ہے مطبوعہ البہیۃ المصریۃ مصر ۸/۳۱

[2] تفسیر الکشاف سورہ آل عمران میں مذکور ہے مطبوعہ انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/۴۲۷

قدس سرہ درخلاصہ الوفا در فصل ہشتم باب چہارم فرماید یحیی عن عبدالمهیمن بن عباس عن ابیه مات عثمٰن ولیس فی المسجد شرفات ولامحراب فاول من احدث المحراب والشرفات عمر بن عبدالعزیز [1] ہمدر فصل دوم ازاں فرمودِ لم یکن للمسجد محراب فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولافی عهدالخلفاء بعده حتی اتخذعمر بن عبدالعزیز فی امارة الولید [2] امام عسقلانی درفتح الباری شرح صحیح بخاری آورد قال الکرمانی من حیث انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یقوم بجنب المنبرای ولم یکن لمسجده محراب [3] امام عینی درعمدۃ القاری شرح بخاری فرمود	خلاصۃ الوفا کے باب چہارم کی آٹھویں فصل میں فرمایا یحیٰی نے عبدالمہیمن بن عباس انہوں نے اپنے والد سے بیان کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید ہوئے تومسجد میں کنگرے اور محراب نہ تھے سب سے پہلے محراب اور کنگرے بنانے والے حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، اسی کی دوسری فصل میں ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفائے راشدین کے دور میں محراب نہ تھا حتی کہ امارتِ ولید بن عبدالملک میں عمر بن عبدالعزیز نے بنوایا۔ امام عسقلانی فتح الباری شرح البخاری میں فرماتے ہیں کہ امام کرمانی نے لکھا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کی ایک جانب کھڑے ہوتے یعنی اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔ امام عینی نے عمدۃ القاری شرح البخاری میں فرمایا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی ظهران ماوقع فی الفتح مسألة القیام فی الطاق انه نبی فی المساجد المحاریب من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [4] ھ سهو فلیتنبه ۱۲ منه غفرله(م)

واضح ہوگئی کہ فتح القدیر میں امام کے محراب میں کھڑا ہونے کے بیان میں جو کہا گیا کہ یہ محراب مساجد میں رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے ہیں سہو و بھول ہے اھ اس پر متنبہ رہنا چاہئے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۲/ ۵۲۵
[2] وفاء الوفاء محراب المسجد النبوی وتی صنع مطبوعہ احیاء التراث بیروت ۱/ ۳۷۰
[3] فتح الباری شرح بخاری قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۱
[4] فتح القدیر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۰

انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یقوم بجنب المنبر لانه لم یکن لمسجده محراب[1]علامہ شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز در جزب القلوب شریف فرماید درزمان آں سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علامت محراب کہ االآن درمساجد متعارف ست نبودابتدائے آں ازوقت عمربن عبدالعزیزست دروقتیکہ امیرمدینہ منورہ بوداز جانب ولید بن عبدالملک اموی [2] اھ ہمدرآں ست طول مسجد درزمان ولیددوئیست ذراع بودوعرض آں یکصدوشصت ہفت ذراع ووی درتکلف وتصنّع عمارت باقصی الغایۃ کوشید وعلامت محراب کہ االآن درمساجد متعارف ست اوساخت وپیش ازاں نبود [3] اھ مختصرًا ازیں تقریر منیر مستنیر شد کہ ہیچ مسجد شتوی خواہ صیفی تاآنکہ بقعہ سادہ موقوفہ للصلوٰۃ نیزازمحراب حقیقی تہی نتواں بودوہمون ست مقام امام متوارث اززمان امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام پس جائیکہ قیام امام فی المحراب راسنت گفتہ اند مراد ہمین ست ونہ قیام درمحراب صوری یاباز آئے آن کہ اوخوددرزمان سنت بودوجائیکہ	حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر کے پہلو میں قیام فرماتے کیونکہ اس وقت مسجد میں محراب نہ تھا۔علامہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز جذب القلوب میں فرماتے ہیں یہ محراب جوآج متعارف ہے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں نہ تھااس کی ابتداء ولید بن عبدالملک اُموی کے دور میں عمربن عبدالعزیز نے کی، جبکہ وہ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ اوراسی میں ہے کہ ولید مسجد کا طول چالیس ۴۰ ہاتھ اور عرض ایک ۱۶۷سو سڑسٹھ ہاتھ تھا اور عمارت بنانے میں تکلف وتصنع سے انہوں نے کام لیا اور علامت محراب جوآج کل مساجد میں متعارف ہے اس دور میں نہ تھااھ الختصر اس پرنور تقریر سے یہ بات آشکارا ہوگئ کہ کوئی بھی مسجد خواہ شتوی ہو یا صیفی جب سے وہ وقف ہوئی ہے وہ محراب حقیقی سے خالی نہیں ہوتی اور یہی وہ مقام ہے جو امام الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی ظاہری حیات سے امام کی جگہ بنتارہالہٰذا جس جگہ بھی علماء نے امام کے محراب میں کھڑے ہونے کو سنت کہاہے وہاں یہی محراب حقیقی مراد ہے نہ کہ محراب صوری میں قیام مراد ہے یااس کے برابر جواس وقت

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری قدر کم ینبغی ان یکون بین المصلی والسترۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴ /۲۸۰

[2] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ششم دربیان عمارت مسجد شریف نبوی مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ چوک دار لگراں لاہور ص ۷۳

[3] جذب القلوب الٰی دیار المحبوب باب ہفتم دربیان تغیرات وزیادات کہ بعد از وصلت الخ مطبوعہ مکتبہ نعیمیہ چوک دار لگراں لاہور ص ۸۸

مکروہ گفتند مراد در محراب صوری استادن ست بوجہیکہ پائے اندر قضائے او باشد بدلیل وآں اشتباہ حال امام ست بر قولے وتشبّہ بہ یہود وشبہ اختلاف مکان بر قول اصح ووجہ اطلاق محمد۔

اقول: وفی تعلیل الاشتباہ نظر واشتباہ فانہ لایحصل غالبا الااذازداد طول الصف وھو یحصل بدون القیام فی المحراب بل مع عدم المحراب والبناء اصلا وایضا ان ارید اطلاع الکل بنظرنفسہ فان النظرلہ حدلایتجاوزہ فکما یعجز عند قیام الامام فی المحراب لبعد ما یعجز ایضا بدونہ علی بعد اخر وان اکتفی بالاطلاع ولو بواسطۃ من معہ فی الصلٰوۃ فلامعنی للاشتباہ بالقیام فی المحراب ولاشك ان الاخیرھوالمعتبر والالم یکن لکل من بعد الصف الاول بدمن الاشتباہ ولالمن فی طرفی الاول علی بعد

بھی سنت تھا، اور جہاں علماء نے محراب میں امام کے قیام کو مکروہ قرار دیا ہے وہاں محراب صوری میں کھڑا ہونا ہے اس طریقہ پر کہ اس کے پاؤں محراب کے اندر ہوں، اس پر دلیل،ایک قول کے مطابق امام کے حال کا مشتبہ ہونا اور ایک قول پر یہود کے ساتھ تشابہ، لیکن اصح قول کے مطابق مکان کا مختلف ہو جانا ہے اور ایک وجہ امام محمد کے قول کا اطلاق ہے۔

اقول: مشتبہ ہونے کی علت میں نظر واشتباہ ہے کیونکہ یہ اکثر طور پر حاصل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں جب صف زیادہ لمبی ہو اور یہ اشتباہ قیام فی المحراب کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے بلکہ اس وقت بھی جب محراب اور عمارت نہ ہو اور یہ بھی معاملہ ہے کہ کیا تمام مقتدیوں کا امام کو اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے کیونکہ نظر کی ایک حد ہے جس سے متجاوز نہیں ہوتی، تو جس طرح محراب کے اندر کھڑے ہونے پر امام کے بُعد کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا اس طرح اس کے بغیر بھی بعد کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ نظر نہ آئے اور اگر محض اطلاع کافی ہے خواہ وہ بالواسطہ کسی مقتدی کے ذریعے ہو تو محراب میں کھڑے ہونے سے اشتباہ کا پیدا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا، اور بلاشبہ آخری بات (وجہ) ہی معتبر ہے ورنہ ہر وہ شخص جو صف اول کے بعد والی صف میں ہو اسے اشتباہ کے بغیر کوئی چارہ نہیں، اسی طرح

یمنع النظر الابالتفات عن القبلة درردالمحتار ست صرح محمد فی الجامع الصغیر بالکراهة ولم یفصل فاختلف المشائخ فی سببها فقیل کونه یصیر ممتازاعنهم فی المکان المحراب فی معنی بیت اٰخر وذلك صنیع اهل الکتب واقتصر علیه فی الهدایة و اختاره الامام السرخسی و قال انه الاوجه وقیل اشتباه حاله علی من فی یمینه ویساره فعلی الاول یکره مطلقا وعلی الثانی لایکره عندعدم الاشتباه وایدالثانی فی الفتح بان امتیاز الامام فی المکان مطلوب وتقدمه واجب وغایة اتفاق الملتین فی ذلك وارتضاه فی الحلیة وایده لکن نازعه فی البحر بان مقتضی ظاهر الروایة الکراهة مطلقا بان امتیاز الامام المطلوب حاصل بتقدمه بلاوقوف فی مکان اٰخر ولهذا قال فی الولوالجیة وغیرها اذا لم یضق المسجد	اس کو بھی جو صف اول کے اطراف میں اتنا دور کھڑا ہو کہ نظر سے دیکھ نہ پائے۔ اشتباہ کو دور کرنے کے لئے ان کو اپنے قبلہ سے انحراف ضروری ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے کہ امام محمد نے جامع صغیر میں اس محراب میں ہونے پر کراہت کا حکم لگایا ہے اور کوئی تفصیل نہیں دی اس لئے سبب کے بیان میں مشائخ کا اختلاف ہوا، ایک یہ ہے کہ امام ایسی صورت میں ممتاز ہو کر یوں ہو جاتا ہے جیسے وہ کسی دوسرے کمرے میں ہے اور یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔ ہدایہ میں اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔ امام سرخسی نے اسے ہی پسند کیا اور کہا یہی مختار ہے۔ بعض نے کہا کہ امام اپنے دائیں بائیں مقتدیوں پر مشتبہ ہو جاتا ہے، پہلی صورت میں ہر حال میں کراہت ہے اور دوسری صورت میں جب اشتباہ نہ ہو کراہت نہ ہوگی۔ فتح میں یہ کہتے ہوئے دوسری کی تائید کی اور کہا کہ امام کا ممتاز مقام پر کھڑا ہونا تو مطلوب ہے اور اس کا مقدم ہونا واجب ہے اور اس میں دونوں فریق متفق ہیں اسے حلیہ میں پسند کیا گیا اور اس کی تائید کی لیکن بحر میں یہ کہتے ہوئے اس سے اختلاف کیا کہ ظاہر روایت کا تقاضا یہی ہے کہ ہر حال میں کراہت ہو اور یہ کہ امام کا مطلوبہ امتیاز آگے ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے یہ اس کے دوسرے مقام پر کھڑے ہونے پر موقوف نہیں ہے اسی لئے ولوالجیہ وغیرہ میں ہے کہ جب مقتدیوں پر مسجد

بمن خلف الامام لاینبغی له ذلك لانه یشبه تباین المکانینھ یعنی وحقیقة اختلاف المکان تمنع الجواز فشبهة الاختلاف توجب الکراهة والمحراب وان کان من المسجد فصورته هیأته اقتضت شبهة الاختلافھ ملخصاً **قلت** ای لان المحراب انما نبی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماهوالسنة لالان یقوم فی داخله فهو وان کان من بقاع المسجد لکن اشبه مکاناً اٰخر فاورث الکراهة ولایخفی حسن هذا الکلام فافهم لکن تقدم ان التشبه انما یکرہ فی المذموم وفیما قصد به التشبه لامطلقا ولعل هذا من المذموم تامل [1]ھ کلام الشامی **اقول**: ولامحل للترجی بعد ماافادنا قلاعن الولوالجیة وغیرها انه یشبه تباین المکانین وحقیقة تفسد فشبهته تکرہ بل لوعد هذا دلیلا براسه لکفی وشفی کما	تنگ نہ ہو توامام کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ دونوں مقامات کاجداہونالازم آتاہےاھ اور حقیقۃ جگہ کااختلاف جواز نماز سے مانع ہے اور جہاں اختلاف کا شبہ ہو وہاں کراہت ہوگی اور اگر محراب اگرچہ مسجد میں ہی ہے لیکن اس صورت و ہیئت سے شبہ اختلاف پیداہوتا ہےاھ تلخیصًا **قلت** (میں (شامی) کہتاہوں) محراب کا مقصد یہ ہے کہ وہ قیام امام کی علامت ہوتا کہ اس کا قیام صف کے درمیان ہو یہ مقصد نہیں کہ امام محراب کے اندر کھڑا ہو۔ محراب اگرچہ مسجد کا ہی حصہ ہے لیکن ایک دوسرے مقام کے مشابہ ہے لہٰذا اس سے کراہت ہوگی۔ اس کلام کا حسن واضح ہے اسے اچھی طرح محفوظ کرو، لیکن پیچھے گزرا کہ تشبہ بری بات میں مکروہ ہوتاہے اور اس صورت میں جب تشبہ مقصد ہو ہر حال میں مکروہ نہیں اور ممکن ہے یہ مذموم میں سے ہو۔ (کلام شامی ختم ہوا) **اقول**: (میں کہتاہوں) یہ "شاید" کہنے کا محل نہیں کیونکہ اس نے ولوالجیہ وغیرہ سے نقل کردیا ہے کہ یہ عمل دو جگہوں کے متخالف ہونے کے مشابہ ہے اور اگر تباین حقیقۃً ہو تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اور اگر تباین کا تشابہ ہو تو نماز میں کراہت آئے گی بلکہ اگر اسے

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۷

لایخفی پیداست کہ ایں شبہہ وتشبہ واشتباہ ہمہ ہا ہمیں در محراب صوری ست نہ حقیقی اما قیام بمحاذات محراب صوری آنچناں کہ سجدہ درطاق افتد پس فی نفسہ نہ کراہتے دارد **لعدم الوجوہ المذکورۃ من الشبھۃ و التشبہ والاشتباہ فیہ نہ فضیلتے لما قدمنا انہ لم یکن فی اصل السنۃ محراب صوری ولامحاذاتہ** پس نظر بذات خودش نباشد جز مباح ازینجاست کہ ایں راسنت نگفتہ اند وچوں مکروہ ہم نبود دفع توہم را لاباس آوردند آرے اگر قیام بمحل محرابِ حقیقی موافق آید **کما ھو الغالب** لاجرم سنت باشد نہ ازاں روکہ محاذات محراب صوری ست بل ازاں جہت کہ موافات محراب حقیقی ست ازیں تحقیق انیق بحمداللہ روشن شد کہ اگرامام در مسجد صیفی بمحراب حقیقی ایستد یقینا اصابت سنت یافتہ باشد وہیچ کراہتے برونبود گو محراب صوری را محاذی ہم مباش چنانکہ صیفی درعرض ازید از شتوی باشد آنگاہ باید کہ از محاذاتِ طاق بجانب زیادت میل کند وبوسط صیفی بایستد

مستقل دلیل بنایا جائے تو یہ کافی وشافی ہے جیسا کہ واضح اور یہ ظاہر بات ہے کہ یہ شبہ، تشبّہ اور اشتباہ وغیرہ تمام صورتیں محراب صوری میں ہیں، نہ کہ حقیقی میں، محراب صوری کی محاذات میں اس طرح کھڑا ہونا کہ سجدہ محراب میں ہو فی نفسہٖ مکروہ نہیں کیونکہ وجوہ مذکورہ یعنی شبہ، تشبّہ اور اشتباہ یہاں نہیں ہیں اور نہ اس میں کوئی فضیلت ہے کیونکہ ہم نے پہلے یہ بیان کردیا ہے کہ اصل سنت میں نہ محراب صوری ہے اور نہ اس کی محاذات پس وہ اپنی ذات کے حوالے سے سوائے مباح کے کچھ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسے سنت نہیں کہا گیا، چونکہ مکروہ بھی نہیں تو علماء دفع توہم کے لئے لفظ "لاباس" لے آئے ہیں، اگر اس کی محاذات کا قیام محراب حقیقی کے موافق ہوجاتا ہے جیسا کہ اکثر ہوتا ہے تو اب یہ سنت ہوگا مگر اس کی وجہ محرابِ صوری کے محاذی ہونا نہیں بلکہ محراب حقیقی کے موافق ہونا ہے، بحمداللہ اس شفاف تحقیق سے واضح ہوگیا کہ اگر امام مسجد صیفی میں محراب حقیقی میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ یقینا سنت کو پانے والا ہے اور اس پر ہرگز کوئی کراہت نہ ہوگی اگرچہ وہ محراب صوری کے محاذی نہ ہو، کیونکہ جب مسجد صیفی عرض میں شتوی سے زیادہ ہو تو اس وقت محراب کی محاذات میں جانب زیادت کی طرف ہو کر صیفی کے درمیان میں

بمحراب حقیقی قیام کردہ باشد وبدستور در شتوی نیز اگر طاق درحاق وسط نبود امام راطاق گزاشتہ بوسط شتوی عدول باید کہ محراب حقیقی بدست آید درولایت افغانستان از علمائے زمان کہ قیام امام رادر مسجد صیفی مکروہ گویند دلیل برآں ازہماں مسئلہ سنیت قیام فی المحراب چون در سوالیکہ نزد فقیر ازان ولایت آمدہ بود وانمود ناشی از اشتباہ معنی محراب است عزیزان اورا محراب صوری گماشتند واز حقیقی غفلت کردہ اند ودانستہ شد کہ قیام درصوری سنت نیست بلکہ بمعنی حقیقتش خود مکروہ ہست وانکہ سنت است بہ مسجد صیفی نیز نقد وقت ست پس کراہت از کجا امام ابن الہمام در فتح ایں معنی رارنگ ایضاح داد کہ فرمود **لولم تبن (ای المحاریب) کانت السنۃ ان یتقدم فی محاذاۃ ذلك المکان لانہ یحاذی وسط الصف وھوالمطلوب اذقیامہ فی غیرمحاذاتہ مکروہ**[1] اھ واگرچناں باشد کہ صیفی مطلقاً ازصلاحیت اقامت جماعت بدرود زیراکہ آنجا محراب صوری نتواں یافت ومجرد محاذات اگرچہ ازدور بسندہ نیست کما	کھڑا ہونا چاہئے تاکہ محراب حقیقی میں قیام ہوجائے اسی طرح شتوی میں بھی اگرطاق وسط میں نہیں توامام طاق چھوڑ کر شتوی کے وسط میں ہوجائے تاکہ محراب حقیقی کو پایا جاسکے، افغانستان کے علاقے میں اس وقت کے علماء مسجد صیفی میں امام کے قیام کو مکروہ قرار دیتے ہوئے یہی دلیل دیتے ہیں کہ محراب میں کھڑا ہونا سنت ہے کیونکہ اس ملک سے فقیر کے پاس جوسوال آیا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ انہیں معنی محراب میں اشتباہ ہے اور انہوں نے محراب صوری مقرر کئے ہیں مگر محرابِ حقیقی سے غافل ہوگئے ہیں اور معلوم ہوا کہ صوری میں قیام سنت نہیں بلکہ اسے حقیقی سمجھنا بذاتِ خود مکروہ ہے اور جوسنت ہے وہ صیفی مسجد میں بھی درست ہے، پس یہاں کراہت کہاں! امام ابن الہمام نے فتح القدیر میں اسے واضح کرتے ہوئے کہا کہ اگروہ بنے ہوئے نہیں (یعنی محاریب) توسنت یہ ہے کہ اس جگہ کے محاذی کھڑا ہوجائے کیونکہ وہ وسط صف کے محاذی ہے اور یہی مطلوب ہے کیونکہ محاذات کے علاوہ امام کا قیام مکروہ ہے اھ اور اگر ایسے ہو کہ صیفی اقامت جماعت کی صلاحیت نہ رکھتی کیونکہ وہاں محراب صوری نہیں اور صرف محاذات اگرچہ دور سے ہو محراب کی نشانی نہیں ہے جیسا کہ تونے

[1] فتح القدیر فصل یکرہ المصلی مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۶۰/۱

علمت وقداعترفوا به والالم یحکموا بکراهة قیام الامام فی الصیفی مطلقا واین برخلاف عمل و نیت جملہ امت ست مسجد رابردو درجہ سرما و گرما از ہمیں روبخش میکنند کہ بہر موسم اقامت جماعت بہ مسجد نتوانند اگرایں پارہ از قیام امام معطل ماند لاجرم جماعت رانیز لازم باشد ہم درپارہ شتوی صفہا بستن کہ انفراد امام بدرجہ خود مکروہ ست پس از صیفی بہرہ نیابند مگر بعض قوم در بعض احیان آنگاہ کہ شتوی ہمہ آوردہ شود وایں یقینا مخالف نیت وقصد جملہ بانیان و عمل وتوارثِ عامہ مومنان ست بازدرہندیہ وبزازیہ وخلاصہ وظہیریہ وخزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ ست قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اهل الداخل فامهم قال من سبق بالشروع فهو والمقتدون به لاکراهة فی حقهم[1] چرا بلائے نفی جنس مطلقاً سلب مستغرق نمایند چرانگویند کہ امام مسجد صیفی ومقتدیانش بہرحال درگرد کراہت اندزیراکہ قیام	سمجھا اور جیسا کہ انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے ورنہ وہ صیفی میں مطلقاً قیام امام کو مکروہ قرار نہ دیتے حالانکہ یہ بات تمام امت کے عمل کے خلاف ہے کیونکہ مسجد کے دو درجے موسم گرما وسرما کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں کہ ہر موسم میں ایک جگہ جماعت نہیں کرائی جاسکتی تو اگر یہ حصہ قیام امام سے معطل ہو تولازم ہوگا کہ جماعت بھی شتوی حصے میں صفیں بنائے کیونکہ امام کا تنہا ہونا بذات خود مکروہ ہے تواس طرح صیفی حصہ سے فائدہ صرف بعض اوقات بعض لوگ اس وقت ہی اٹھاسکیں گے جب شتوی حصہ پُر ہوجائے گا، اور یہ بات تمام بانیان مساجد کی نیت اور عمل اور توارث امت کے خلاف ہے ہندیہ، بزازیہ، خلاصہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ کچھ لوگ مسجد کے اندر اور کچھ مسجد کے صحن میں تھے مؤذن نے اذان کہی اور اہل خارج میں سے امام نے جماعت کرائی اسی طرح اندر والوں میں سے امام نے جماعت کرائی تو جس نے پہل کردی وہ امام ہوگا اور تمام لوگ اس کے مقتدی ہوں گے ان کے حق میں کوئی کراہت نہ ہوگی کیونکہ یہاں لانفی جنس انہوں نے استعمال کیا ہے جو مطلق سلب کا احاطہ کرتا ہے انہوں نے یہ کیوں نہ کہا کہ مسجد صیفی کا امام، اس کے مقتدی بہرحال کراہت میں مبتلا ہوں گے کیونکہ انہوں نے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۱۴۵

فی المحراب راترک گفتند بالجملہ ایں خطائے فاحش ست کہ ولاتیان دریں جزوزمان احداث کردہ اند ازیں باخبر باید بود۔ سخن راندن مانداز استظہار علامہ شامی عاملہ اللہ باللطف النامی **اقول:** انچہ بالاگفتہ ایم غایت توجیہ کلام آں فاضل علام بودو ہنوز گل نظرے دمیدن دارد ماثور و مورث چنانکہ دانی ہماں قیام امام در محراب حقیقی ست وآں مقام اشرف موضع وصدر مسجد ست چنانکہ شنیدی پس ترک اوبے عذر شرعی عدول از افضل وخلاف متوارث العمل، وفرع مبسوط دلالت برآں ندرد کہ اینجانی نفسہٖ اصلاً منظور نیست بلکہ غایتش آنست کہ توسط صف سنت عظیمہ مہم تراز آن ست چوں ہر دودست وگریبان شود اختیار بہ سنت توسط رود پس انچہ بدل می چسپد کلمات ائمہ رابر اطلاق آنہا داشتن اگرچہ درکمال خمول باشد غیر امام جماعت ثانیہ فی مسجد المحلہ را محراب حقیقی گذاشتن ست ھذا اخر الکلام فی ھذا المقام وقد اتضح بہ کل مرام وانکشف بہ جمیع الاوھام والتأمت کلمات الائمۃ الکرام وماتوفیقی الاباللہ الملک العلام والسلام مع الکرام علی مولٰنا عبد السلام واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	محراب میں قیام کو ترک کیا ہے، حاصل کلام یہ کہ یہ بہت بڑی غلطی ہے جو اس دور میں ان علاقوں میں پیدا ہوئی ہے اس سے باخبر ہونا چاہئے۔ رہا معاملہ علامہ شامی کے مختار قرار دینے کا تو **میں کہتا ہوں** کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا اس فاضل علام کے کلام کی غایت توجیہ ہے اور جو کچھ منقول و متوارث ہے وہ امام کا محراب حقیقی میں قیام ہے اور وہ مقام سب سے اعلٰی اور صدر مسجد ہوتا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے لہٰذا اس کا ترک بغیر کسی عذر کے افضل سے اعراض اور متوارث عمل کے خلاف ہے اور مبسوط کا جزئیہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ مقام فی نفسہٖ مقصود نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہ صف کے درمیان کھڑا ہونا سنت عظیمہ ہے کیونکہ جب دونوں میں تعارض ہو تو وسط میں کھڑا ہونا سنت اور مختار ہوگا، دل لگتی بات یہ ہے کہ ائمہ کے کلام کو اپنے اطلاق پر رکھیں اگرچہ یہ کمزور سی بات ہے تاہم اس سے محلّہ کی مسجد میں پہلے امام کا حقیقی محراب کو چھوڑنا مراد ہے، یہ اس مقام میں آخری کلام ہے اور اس سے پورا مقصد واضح ہوگیا اور تمام ائمہ کا کلام موافق ہوگیا وماتوفیقی الاباللہ الملک العلام والسلام مع الاکرام علٰی مولٰنا عبدالسلام واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۰۰۲: ازبنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھمرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین وفضلائے شرع متین	کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین

اندریں صورت کہ شخصے مصلی ردائے خود رابدیں نوع پوشد کہ اولا وسط ردارابرپشت نہادہ وہر دو سرش راتحت بطین بیروں آوردہ باز جانب چپ رابرمنکب راست وطرف راست رابرمنکب چپ افگند حتی کہ ہر دو سرش نیز بطرف پشت و سریں رسند ایں صورت درحالت صلوٰۃ شرعًا جائزست یانہ؟	اس مسئلہ میں کہ نمازی ایک چادر اس طرح پہنتا ہے کہ پہلے اس کا نصف حصہ اپنی پشت پر ڈالتا ہے اور اس کے دونوں کونوں کو بغلوں کے نیچے سے باہر لا کر اس کی جانب کو دائیں کاندھے اور اس کے دائیں حصے کو بائیں کاندھے پر ڈالتا ہے حتی کہ اس کے دونوں کونے بھی پشت وسرین تک پہنچ رہے ہوتے ہیں اس حالت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائزست فی الصحیحین عن عمر بن ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی ثوب واحد مشتملا بہ فیبیت ام سلمۃ واضعاطرفیہ علی عاتقیہ[1]۔ وللبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من صلی فی ثوب واحد فلیخالف بین طرفیہ[2] شیخ محقق دہلوی قدس سرہ راشعۃ اللمعات می فرماید صورت اشتمال آن ست کہ طرفے راست از جامہ کہ بردوش راست است گرفتہ بردوش چپ بیندازد وطرف چپ	جائز ہے کیونکہ بخاری ومسلم میں حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ میں نے بیت حضرت ام سلمہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک کپڑے میں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ اس کی دونوں اطراف آپ کے کاندھوں پر تھیں۔ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ میں نے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو آدمی ایک کپڑے میں نماز ادا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس کی دونوں اطراف کو مخالف سمت میں ڈالے۔ شیخ محقق دہلوی قدس سرہٗ اشعۃ اللمعات میں صورتِ اشتمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کپڑے کی دائیں طرف جو کپڑا دائیں کاندھے پر ہے بائیں پر ڈال دے اور بائیں کاندھے

[1] صحیح مسلم، باب الصلوٰۃ فی ثوب واحد، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۹۸

[2] صحیح بخاری باب اذا صلی فی الثوب الواحد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۲

کہ بردوش چپ است اززیردست چپ گرفتہ بردوش راست بیندازوپستر بندد ہردوطرف رابرسینہ وغالبًا احتیاج بہ بستن ہردوطرف برسینہ برتقدیریست کہ گوشہائے جامہ دراز نباشد وبیم واشدن بودواگردراز بسیار باشد احتیاج بربستن نباشد چنانکہ ازلباس فقرائے یمن ظاہر میگرددولہذادرعبارت بعض شارحان این قیدواقع شدہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کی طرف کو بائیں کے نیچے سے نکال کر دائیں کاندھے پرڈال دے اس کے بعد دونوں اطراف کو سینہ پر باندھ لے، غالبًا دونوں کو سینہ پر باندھنے کی وجہ یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے طویل نہ تھے اور اس کے گرجانے کاخطرہ تھا، اوراگر اطراف لمبے ہوں توباندھنے کی ضرورت نہیں جیساکہ فقرائے یمین کالباس ہوتاہے، یہی وجہ ہے کہ بعض شارحین کی عبارت میں اس قید کاذکرنہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۳: ازملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸/جمادی الاول ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چبوترہ جوصحن میں ملاصق پیچ کے در میں جوکچھ بلندی ہوتی ہے اس پرنماز جماعت میں امام کاکھڑے ہوکرنمازپڑھناجائز ہے یانہیں اوراس کواگردورکردیاجائے تونماز جائزہوگی یانہیں؟

الجواب:

یہ صورت مکروہ ہے،

لمشابھۃ الیھود فانھم یجعلون لامامھم علی دکان ممتازًا عمن خلفہ والاصح ان لاتقدیر، بل کل مایقع بہ الامتیاز یکرہ کمافی الدر[2]۔	یہ یہود کے ساتھ مشابہت ہے کیونکہ امام کے لئے اونچی جگہ بناتے ہیں اور اصح یہ ہے کہ اس کی مقدار کاتعین نہیں بلکہ اتنی اونچائی جس سے امتیاز ہوجائے مکروہ ہے جیساکہ در میں ہے۔(ت)

اوراگراسے دُورکردیں توامام اگردرمیں کھڑاہوتویہ بھی مکروہ ہے

لقول امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ للامام ان یقوم بین الساریتین[3]	ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی کاارشاد ہے کہ امام کے دوستونوں کے درمیان کھڑاہونے کو

[1] اشعۃ اللمعات باب السترالفصل الاول مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۴۴

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[3] ردالمحتار مطلب فی کراہۃ قیام الامام فی غیر المحراب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۰

کما فی المعراج	ناپسند جانتا ہوں، جیسا کہ معراج میں ہے(ت)

اور اگر صحن میں کھڑا ہو کر کرسی کی بلندی پر سجدہ کرے تو یہ سخت تر مکروہ ہے یہاں تک کہ وہ بلندی بالشت بھر ہو تو نماز ہی نہ ہوگی **کمافی درالمختار وغیرہ** (جیسا کہ دُرمختار وغیرہ میں ہے۔ت) توجب صحن میں صفوں کے لئے زیادہ وسعت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ در کی کرسی بقدر سجدہ کھود کر طاق کے مثل بنائیں اور اتنا ٹکڑا صحن سے ہموار کردیں امام صحن میں کھڑا ہو کر اس طاق نماز میں سجدہ کرے اب کوئی کراہت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰۴: از اترولی ضلع علی گڑھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸/جمادی الاخری ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلی رکعت میں قل یا پڑھے، دوسری رکعت میں **انا اعطینا** پڑھے ترتیب واجب میں فرق آیا اُلٹا قرآن پڑھنے سے۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ترتیب اُلٹنے سے نماز کا اعادہ واجب ہو نہ سجدہ سہو آئے۔ہاں یہ فعل ناجائز ہے اگر قصداً کرے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں، اور اگر بعد کی سورت پڑھنا چاہتا تھا زبان سے اُوپر کی سورت کا کوئی حرف نکل گیا تو اب اسی کو پڑھے اگرچہ خلاف ترتیب ہوگا کہ یہ اس نے قصداً نہ کیا اور اس کا حرف نکل جانے سے اس کا حق ہوگیا کہ اب اسے چھوڑنا قصداً چھوڑنا ہوگا۔ردالمحتار میں ہے:

ترتیب السور فی القراءۃ من واجبات التلاوۃ وانما جوز للصغار تسھیلا لضرورۃ التعلیم ط التنکیس اوالفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھوا فلا، شرح المنیۃ، واذا انتفت الکراھۃ فاعرضہ عن التی شرع فیھا لاینبغی، وفی الخلاصۃ، افتتح سورۃ و قصدہ سورۃ اخری فلما قرء اٰیۃ واٰیتین اراد ان یترك تلك السورۃو یفتتح التی ارادھا یکرہ الخ	قرأت میں سورتوں کے درمیان ترتیب رکھنا واجب ہے، چھوٹے بچوں کے لئے ضرورت تعلیم کے پیش نظر جائز ہے تاکہ آسانی ہو ط، خلاف ترتیب یا تھوڑا فاصلہ اس وقت مکروہ ہے جب دانستہ ہوا گر بھول کر ہو تو مکروہ نہیں شرح المنیہ، اور جب کراہت ختم ہو تو مشروع سے اعراض مناسب نہیں، خلاصہ میں ہے کسی ایک نے سورت شروع کی اور دوسری کا ارادہ کیا جب ایک آیت یا دو آیات تلاوت کیں تو اس نے چاہا کہ یہ سورت چھوڑدے اور وہ شروع کرے جس کا ارادہ تھا تو یہ مکروہ ہے الخ اور فتح میں ہے کہ اگرچہ پڑھا ہوا محض ایک حرف ہو الخ

وفی الفتح ولوکان ای المقرؤ حرفا واحدا[1] الخ فی ردالمحتار انھم قالوا یجب الترتیب فی سورۃ القراٰن فلوقرأمنکوسا اثم لکن لایلزمہ سجود السھو لان ذلك من واجبات القرائۃ لامن واجبات الصلٰوۃ کمافی البحر باب السھو[2] الخ شامی اقول وبہ یظھر مافی افتاء الشیخ الملانظام الدین والد ملك العلماء بحرالعلوم رحمھما اللہ تعالٰی بایجاب السجود فیہ بناءً علی وجوبہ فانہ خلاف المنقول المنصوص علیہ فی کتب المذھب وقدکان یتوقف فیہ المولی بحرالعلوم قدس سرہ،، واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ قرآنی سورتوں میں ترتیب ضروری ہے اگر کسی نے خلاف ترتیب پڑھا تووہ گنہگار ہوگا لیکن اس پر سجدہ سہولازم نہیں ہوتا کیونکہ یہ واجبات قراءت میں سے ہے نماز کے واجبات میں سے نہیں جیسا کہ بحر کے باب السہو میں ہے الخ شامی، اقول (میں کہتاہوں) اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہوگیا کہ شیخ ملانظام الدین والد گرامی ملک العلماء بحرالعلوم رحمہمااللہ تعالٰی نے جو فتوٰی دیا کہ اس صورت میں سجدۂ سہولازم ہے کیونکہ یہ عمل واجب ہے یہ کتب مذہب میں منقول نصوص کے خلاف ہے اور اس میں بحرالعلوم قدس سرہ، نے توقف سے کام لیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰۵: ۲۱ ذیقعد ۱۳۲۲ھ

اگر کسی شخص نے صبح کی نماز کے وقت جلدی میں غلطی سے یا اندھیرے میں اُلٹی دلائی اوڑھ کر نماز پڑھی تو وہ نماز مکروہ تحریمی یاواجب الاعادہ ہوگی یا فاسد وغیرہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

واجب الاعادہ اور مکروہ تحریمی ایک چیز ہے، کپڑا اُلٹا پہننا اوڑھنا خلاف معتاد میں داخل ہے اور خلاف معتاد جس طرح کپڑا پہن یا اوڑھ کر بازار میں یا اکابر کے پاس نہ جاسکے ضرور مکروہ ہے کہ دربار عزت احق بادب و تعظیم ہے۔

واصلہ کراھۃ الصلٰوۃ فی ثیاب	اصل یہ ہے کہ کام و مشقت کے لباس میں نماز مکروہ ہے درمیں ہے نمازی کاکام کے کپڑوں میں نماز ادا کرنا

[1] ردالمحتار فصل ویجہر الامام قبیل باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۴

[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳۷

مهنة قال فی الدر وکرہ صلٰوته فی ثیاب مهنة[1] قال الشامی وفسرها فی شرح الوقایة بما یلبسه فی بیته ولایذهب به الی الاکابر[2]۔	مکروہ ہے، شامی نے فرمایا اور اس کی تفسیر شرح وقایہ میں ہے وہ کپڑ جو آدمی گھر پہنتا ہے مگران کے ساتھ اکابر کے پاس نہیں جاتا (ت)

اور ظاہر کراہت تنزیہی۔

فان کراهة التحریم لابدلها من نهی غیرمصروف عن الظاهر کماقال ش فی ثیاب المهنة والظاهر ان الکراهة تنزیهیة[3]۔	کیونکہ کراہت تحریمی کے لئے ایسی نہی کا ہونا ضروری ہے جو ظاہر سے مؤول نہ ہو، جیساکہ علامہ شامی نے کام کے کپڑوں کے بارے میں کہاکہ ظاہر کراہت تنزیہی ہے۔(ت)

اور اسے سدل میں کہ مکروہ تحریمی اور اس سے نہی وارد، دخل نہیں کہ وہ بر لبس خلاف معتاد نہیں بلکہ کپڑا اوپر سے اس طرح سے ڈال لیناکہ دونوں جانبین لٹکتی رہیں مثلاً چادر سر یا کندھوں پر ڈال لی اور دو بالا نہ مارا یا انگرکھا کندھے پر ڈال لیا اور آستین میں ہاتھ نہ ڈالا[4] کما فی الدروغیرہ (جیساکہ درو غیرہ میں ہے۔ت) اور اگر آستینوں میں ہاتھ ڈالے اور بند نہ باندھے تو یہ بھی سدل نہ رہا اگرچہ خلاف معتاد ضرور ہے، ہاں امام ابو جعفر ہندوانی نے اس صورت کو مشابہ سدل ٹھہرا کر فرمایا کہ برا کیا امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ایک قید اور بڑھائی کہ اگر نیچے کرتا نہ ہو ورنہ حرج نہیں، اور اقرب یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں حرج ہے

قال فی ردالمحتار قال فی الخزائن بل ذکر ابو جعفر انه لوادخل یدیه فی کمیه ولم یشد وسطه اولم یزرازراه فهو مسیئ لانه یشبه السدل اھ قلت لکن قال فی الحلیه فیه نظر ظاهر بعد ان یکون تحته قمیص اونحوه	ردالمحتار میں ہے کہ خزائن میں ہے بلکہ ابو جعفر نے ذکر کیا کہ اگر نمازی نے اپنے بازوؤں کوآستینوں میں داخل کر دیا اور درمیان کو نہیں باندھا یا اس نے اس کے بٹن بند نہ کئے توخطاکار ہے کیونکہ سدل کی طرح ہے اھ میں کہتاہوں حلیہ میں ہے کہ اس میں واضح اعتراض ہے جبکہ اس کے نیچے قمیص یا ایسا کپڑا

[1] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۹۱/۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۴۱/۱

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶۴۱/۱

[4] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مجتبائی دہلی بھارت ۹۱/۱

ممایستر البدن [1] اھ اقول: وفیه نظر ظاہر فان انکشاف شیئ من صدر الرجل و بطنه لا اساءۃ فیه اذا کان عاتقاہ مستورین وانما نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عما اذا صلی فی ثوب واحد ولیس علی عاتقه منه شیئ [2] ولاشك ان ارسال اطراف مثل الشایه من دون ان یزر ازارھا انما یشبه السدل بنفس ھیأۃ ولامدخل فیه لوجود القمیص تحته وعدمه لما ان السدل سدل وان کان فوق القمیص ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه اقول النظر ان کان ففی کراھة التحریم اماالتنزیھی فلاشك فی ثبوته [3]۔	ہو جو بدن ڈھانپ دے اھ اقول: (میں کہتا ہوں) اس میں نظر ہے کیونکہ انسان کے سینے اور بطن کے کسی حصے کا ظاہر ہونا اس میں کوئی برائی نہیں جبکہ اس کے کاندھے مستور ہوں اور رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس صورت میں ایک کپڑے میں نماز سے منع فرمایا ہے جبکہ اس کے کاندھے پر کوئی شیئ نہ ہو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اطراف کا کھلا ہونا بٹن باندھنے کے بغیر سدل کے مشابہ ہے اس میں نیچے قمیص اور عدم قمیص کا کوئی دخل نہیں کیونکہ سدل، سدل ہی ہوتا ہے اگرچہ قمیص پر ہو اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے اقول نظر تب ہے کہ اگر کراہت تحریمی ہو اور اگر تنزیہی ہو تو اس کے ثبوت میں کوئی شک نہیں۔ (ت)

ہاں اگر قصداً ایسا کیا یوں کہ نماز کو محل بے پرواہی جانا اور اس کا ادب واجلال ہلکا مانا تو کراہت وحرمت درکنار معاذاللہ اسلام ہی نہ رہے گا۔ کماقالوا فی الصلٰوۃ حاسر الرأس اذاکان للاستھانة (جیسا کہ علماء نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو سستی وکاہلی کی وجہ سے ننگے سر نماز ادا کرتا ہے۔ت) والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی نے گلوبند سر میں لپیٹ کر نماز پڑھائی بغیر ٹوپی کے، تو یہ نماز مکروہ تحریمی یا تنزیہی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

مخالف سنت ہوا، حدیث میں ہے:

الفرق بیننا وبین المشرکین العمائم	ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپیوں پر

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴۰

[2] صحیح بخاری باب اذا صلی فی ثوب واحد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۵۲

[3] جدالممتار علی ردالمحتار مکروہات الصلٰوۃ المجمع الاسلامی مبارک پور انڈیا ۱/۳۰۴

علی القلانس[1]۔و قررالشیخ قدس سرہ فی اللمعات ان تعمیم مشرکی العرب ثابت معلوم فالمعنی انانجعل العمائم علی القلانس وھم یتعممون بدونھا۔	عمامہ باندھنا ہے۔(ت)اور شیخ قدس سرہ، نے لمعات میں ثابت کیا ہے کہ مشرکین عرب کا عمامہ باندھنا ثابت ہے،اب معنی یہ ہوگا کہ ہم ٹوپیوں پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین ٹوپیوں کے بغیر۔(ت)

پھر اگر گلوبند چھوٹا ہو کہ ایک دو پیچ سے زائد نہ کرسکے تو یہ سنت عمامہ کا بھی ترک ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰۷: ازرام پور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی شاہ سلامت اللہ صاحب ۴ محرالحرام ۱۳۲۳ھ

(مع رسالہ نعم الجواب فی مسئلہ المحراب)

خلاصہ سوال

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید امام مسجد کہتاہے کہ محراب ہی کے پاس نماز پڑھنا مسنون ہے باہر مسجد کے مکروہ ہے باوجودیکہ اندر مسجد کے عشا کے وقت سخت گرمی اور لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے زید اندر ہی محراب کے پاس پڑھتاہے اکثر ضعفا کو اس تکلیف وگرمی سے قے بھی ہوجاتی ہے اور بیہوشی ہوتی خوف ہلاکت ہوتاہے لیکن زید نہیں مانتا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تحریر فقیر برجواب مولوی معزاللہ خاں صاحب وتائید مولٰنا شاہ سلامت اللہ صاحب

جزی اللہ المجیب خیرا ویثیب وایدی الفاضل المؤید بنصرہ القریب (جواب دینے والے کو اللہ جزائے خیر دے اور اس فاضل کو مدد قریب سے نوازے۔ت) فی الواقع زید کا قول محض باطل وجہالت اور اس پر ایسا اصرار اور اس کے سبب نمازیوں بلکہ خود نماز وجماعت نماز کو اس درجہ اضرار صریح ضلالت ہے، فقیر نے اپنے فتاوٰی میں اس مسئلہ کی تنقیح تام اور محراب کی حقیقی وصوری اقسام اور حدیثًا وفقہًا اُن کے احکام اور تحقیق مرام وازالہ اوہام بفضلہ تعالٰی بروجہ کافی وشافی ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ ہندیہ وبزازیہ وخلاصہ و ظہیریہ وخزانۃ المفتین وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام	کچھ لوگ داخل مسجد اور کچھ خارج مسجد ہیں مؤذن نے تکبیر کہی اہل خارج میں سے امام نے جماعت کروائی

[1] سنن ابوداؤد باب فی العمائم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۸، مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۷۴

امام من اھل الخارج فامھم وقام امام من اھل الداخل فامھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم [1]۔	اور اسی طرح اہل داخل میں سے ایک نے جماعت کروائی تو جس نے سبقت لی وہ امام ہے اور لوگ اس کے مقتدی، ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

امام ابن امیر الحاج حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں: **المسجد الخارج صحن المسجد** [2] (مسجد خارج سے صحن مسجد مراد ہے۔ت) دیکھو کیسی تصریح ہے کہ صحن مسجد میں نماز پڑھنی، جماعت کرنی، امامت کرنی اصلاً کسی طرح مکروہ نہیں۔

لان السابق بالشروع فی الصورۃ المذکورۃ ان کان امام الخارج وھوالذی ھو و مقتدہ کلھم فی الصحن کان ھو المحکوم لہ بقول الائمۃ ھو و المقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم ولا، ھذہ لنفی الجنس فتفید نفی کل کراھۃ عنھم وھو المقصود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ صورت مذکورہ میں شروع میں سبقت کرنے والا اگرامام خارج ہے تو وہ امام اور اس کے مقتدی تمام صحن میں ہوں گے اور ائمہ کا یہ بیان کردہ حکم کہ وہ امام اور لوگ اس کے مقتدی ہوں گے اور ان پر کوئی کراہت نہیں اسی پر لاگو ہوگا اور یہ "لا" نفی جنس کے لئے ہے جس سے کراہت کی نفی ہو جاتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۰۸: ازمارہرہ مطہرہ کمبوہ محلّہ مرسلہ چودھری محمد طیب صاحب　　۴ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

جوتیوں سمیت نماز پڑھنا ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا کہا ہم سے شعبہ نے کہا ہم کو ابو مسلمہ سعید بن یزید ازدی نے خبردی کہا میں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوتیاں پہنے پہنے نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا

حدثنا اٰدم ابن ابی ایاس قال انا ابومسلمۃ سعید بن یزید الازدی قال سألت انس بن مالک کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ قال نعم۔	آدم ابن ابی ایاس بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابو مسلمہ سعید بن یزید الازدی نے بتایا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کیا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نعلین میں نماز ادا کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی بیان من ھو احق بالامامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۸۴/۱، خلاصہ الفتاوٰی الفصل الخامس فی الامامۃ والاقتداء مطبوعہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۴۵/۱

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

ابن بطال نے کہا جب جوتے پاک ہوں تو اُن میں نماز پڑھنا جائز ہے، میں کہتا ہوں مستحب ہے کیونکہ ابوداؤد اور حاکم کی حدیث میں ہے کہ یہودیوں کا خلاف کرو، وہ جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز میں جوتے اتارنا مکروہ جانتے تھے اور ابو عمرو شیبانی کوئی نماز میں جوتا اتارے تو اس کو مارتے تھے اور ابراہیم سے جو امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں ایسا ہی منقول ہے۔ شوکانی نے کہا صحیح اور قوی مذہب یہی ہے کہ جوتیاں پہن کر نماز پڑھنا مستحب ہے اور جوتوں میں اگر نجاست ہو تو وہ زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہوجاتے ہیں خواہ وہ کسی قسم کی نجاست ہو، تریا خشک، جرم والا یا بے جرم۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اقول وباللہ التوفیق وبہ الحصول الی ذری التحقیق (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت دے **اقول:** اور اللہ ہی توفیق دینے والا اور وہ ہے جو تحقیق کی منزل پر پہنچانے والا ہے۔ت) سخت اور تنگ پنجے کا جوتا جو سجدہ میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے اور اس پر اعتماد کرنے زور دینے سے مانع ہو ایسا جوتا پہن کر نماز پڑھنی صرف کراہت و اساءت درکنار مذہب مشہورہ و مفتی بہ کی رو سے راسًا مفسد نماز ہے کہ جب پاؤں کی انگلی پر اعتماد نہ ہوا سجدہ نہ ہوا اور جب سجدہ نہ ہوا نماز نہ ہوئی، امام ابوبکر جصاص و امام کرخی و امام قدوری و امام برہان الدین صاحبِ ہدایہ وغیرہم اجلہ ائمہ نے اس کی تصریح فرمائی، محیط و خلاصہ و بزازیہ و کافی و فتح القدیر و سراج و کفایہ و مجتبٰی و شرح المجمع للمصنف و منیہ و غنیہ شرح منیہ و فیض المولی الکریم و جوہرہ نیرہ و نور الایضاح و مراقی الفلاح و در منتقی و درمختار و عالمگیریہ و فتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری و حواشی علامہ نوح آفندی وغیرہا کتب معتمدہ میں اسی پر جزم فرمایا زاہدی نے کہا یہی ظاہر الروایۃ ہے علامہ ابراہیم کرکی نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے، جامع الرموز میں قنیہ سے نقل کیا یہی صحیح ہے، ردالمحتار میں لکھا کتب مذہب میں یہی مشہور ہے، درمختار میں ہے:

فیہ (ای فی شرح الملتقی) یفترض وضع اصابع القدم ولوواحدۃ نحوالقبلۃ والا لم تجز والناس عنہ غافلون وشرط طھارۃ المکان وان یجد حجم الارض والناس عنہ غافلون[1] اھ ملخصًا	اس (شراح الملتقی) میں ہے قدم کی انگلیوں کا زمین پر جانب قبلہ رکھنا فرض ہے خواہ وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ورنہ جائز نہیں اور لوگ اس سے غافل ہیں اور مکان کا پاک ہونا بھی شرط ہے اور حجم زمین کو پانا اور لوگ اس سے بھی غافل ہیں اھ تلخیصًا (ت)

[1] درمختار فصل واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ کبر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۲

اسی میں ہے:

منہا(ای من الفرائض) السجود بجبهته وقدميه ووضع اصبع واحدة منهما شرط[1]۔	ان میں سے (یعنی فرائض میں سے) پیشانی اور قدمین پر سجدہ کرنا ہے اور ان دونوں پاؤں میں سے ایک انگلی کا لگنا شرط ہے۔(ت)

منیہ میں ہے:

لوسجد ولم يضع قدميه على الارض لايجوز ولووضع احدهما جاز[2]۔	اگر سجدہ کیا لیکن قدم زمین پر نہ لگے تو وہ جائز نہ ہوگا اور اگر ان سے ایک قدم لگ گیا تو جائز ہوگا(ت)

غنیہ میں ہے:

المراد من وضع القدم وضع اصابعها قال الزاهدی ووضع رؤس القدمين حالة السجود فرض، وفي مختصر الكرخی سجد ورفع اصابع رجليه عن الارض لاتجوز، وكذا فی الخلاصة والبزازی وضع القدم بوضع اصابعه وان وضع اصبعا واحدة اووضع ظهر القدم بلااصابع ان وجع مع ذٰلك احدی قدميه صح والافلا، فهم من هذا ان المراد بوضع الاصابع توجيهها نحو القبلة ليكون الاعتماد عليها والافهووضع ظهر القدم وقدجعله غيرمعتبر وهذا ممايجب التنبيه له فان اكثر الناس عنه غافلون[3]۔	قدم رکھنے سے مراد اس کی انگلیوں کو رکھنا ہے، زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں دونوں قدموں کی انگلیوں کے سروں کا زمین پر رکھنا فرض ہے۔ مختصر کرخی میں ہے اگر کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین سے اٹھی رہیں تو سجدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ بزازیہ میں قدم رکھنے سے مراد انگلیوں کا رکھنا ہے اور اگر قدم کی پشت انگلیوں کے بغیر لگائی تو اگر اس کے ساتھ کسی ایک قدم کو بھی لگایا تو صحیح ورنہ نہیں، اس سے یہ بھی سمجھ آرہا ہے کہ انگلیوں کے رکھنے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف کرنا ہے تاکہ ان پر ٹیک ہو ورنہ قدم کی پشت پر ہوگا اور اسے تو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اور اس پر متنبہ ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔(ت)

[1] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۷۰/۱

[2] منیۃ المصلی باب فرائض صلٰوۃ مبحث السجود مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۲۶۱

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض صلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۵

بحرالرائق وشرنبلالیہ میں ہے:

شریعت میں سجدہ یہ ہے چہرہ کازمین پر رکھنا اور اس میں سخریت نہ ہو "لاسخریۃ فیہ" سے وہ صورت خارج ہوجاتی ہے جس میں دونوں قدم حالت سجدہ میں زمین پر نہ ہوں کیونکہ حالت سجدہ میں ان کازمین سے اٹھاہواہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق پردالالت کرتاہےاور اس میں ایک انگلی کازمین پرلگ جاناکافی ہوتاہے۔ پس اگر کسی نے انگلیاں بالکل نہیں لگائیں مگر پشت قدم کولگایا تو یہ جائز نہیں کیونکہ قدم کے رکھنے سے مراد انگلی کالگاناہےاھ تلخیصًا(ت)	السجود فی الشریعۃ وضع بعض الوجه ممالاسخریۃ فیه وخرج بقولنا لاسخریۃ فیه ما اذا رفع قدمیه فی السجود فانه لایصح لان السجود مع رفعهما بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم والاجلال ویکفیه وضع اصبع واحدۃ فلو لم یضع الاصابع اصلا ووضع ظاهر القدم فانه لایجوز لان وضع القدم بوضع الاصبع اھ ملتقطا[1]۔

جوہرئہ نیرہ میں ہے:

جواز سجدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ دونوں قدم زمین سے اُٹھے ہوئے نہ ہوں اگرحالت سجدہ میں اٹھے ہوئے رہے تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور اگران میں ایک رکھاہوا تھا تومرتبہ میں ہے کہ سجدہ جائز مگرمکروہ ہوگا، اگرکسی نے اونچی جگہ نمازپڑھی اور سجدہ کے وقت پاؤں نیچے لڑھکادیئے توجائز نہیں، اسی طرح چارپائی سے اگرپاؤں نیچے لڑھکادیئے توسجدہ نہ ہوگا۔(ت)	من شرط جواز السجود ان لایرفع قدمیه فان رفعهما فی حال سجودہ لاتجزیه السجدۃ وان رفع احدٰهما قال فی المرتبۃ یجزیه مع الکراهۃ ولو صلی عن الدکان وادلی رجلیه عن الدکان عند السجود لایجوزوکذا علی السریر اذا ادلی رجلیه عنها لایجوز[2]۔

فتح القدیر میں ہے:

قدم کازمین پرلگنااس لئے ضروری ہے کہ ان کا	اما افتراض وضع القدم فلان السجود

---

[1] بحرالرائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۹۳

[2] جوہرنیرہ شرح قدوری باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ امدایہ، ملتان ۱/۶۳

مع رفعھما بالتلاعب اشبہ منہ بالتعظیم ولااجلال ویکفیہ وضع اصبع واحدۃ وفی الوجیز وضع القدمین فرض فان رفع احدٰھما دون الاخری جازویکرہ[1]۔	اٹھاہواہونا تعظیم وعزت کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے البتہ ایک انگلی کالگ جانا بھی کافی ہوتاہے وجیز میں ہے کہ دونوں قدموں کالگانا فرض ہے اگر ایک لگارہااور دوسرا اُٹھ گیاتوجائز مگر مکروہ ہے(ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

الصحیح ان رفع القدمین مفسد کمافی القنیۃ[2]۔	صحیح یہی ہے کہ قدمین کازمین سے اٹھ جانا نماز کو فاسد کردیتاہے جیساکہ قنیہ میں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

وضع اصبع واحدۃ من القدمین شرط[3]۔	قدمین کی ایک انگلی کالگنا شرط ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

یفترض وضع واحدۃ من اصابع القدم[4]۔	قدم کی انگلیوں میں سے ایک کالگنافرض ہے۔(ت)

اُسی میں زیر قول کنزوجہ اصابع رجلیہ نحوالقبلۃ(پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ کی طرف کرکے زمین پرلگایاجائے۔ت)فرمایا:

خص اصابع الرجلین بالذکر مع ان اصابع الیدین کذلك حتی یکرہ تحویلھا عن القبلۃ انما خصھا وضعھا موجھۃ کماذکرہ نوح اٗفندی ونصہ	یہاں پاؤں کی انگلیوں کاذکرہوا ہے حالانکہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کالگنا بھی اسی طرح ہے حتی کہ ان کاقبلہ سے پھرجانا بھی مکروہ ہے مگر مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنافرض ہے جیساکہ نوح آفندی نے ذکرکیا اور اس کے الفاظ

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۶۵

[2] جامع الرموز فصل فی فرائض الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۱۴۰

[3] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۶۹

[4] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۱

قال الزاھدی ووضع رؤس القدمین حالة السجود فرض وفی مختصر الکرخی سجد ورفع اصابع رجلیه عن الارض لایجوز قال وفھم من ھذا ان المراد بوضع الاصابع توجیھھا نحو القبلة لیکون الاعتماد علیھا والافھو وضع لظھر القدم وھو غیرمعتبر الخ وکذا الحلبی عن المنیة[1] الخ۔	یہ ہیں زاہدی نے کہا حالت سجدہ میں قدمین کی انگلیوں کے سروں کا لگنا فرض ہے، مختصر کرخی میں ہے کسی نے سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں زمین پر نہ لگیں تو یہ جائز نہیں، اور فرمایا اس سے یہ بھی سمجھ آرہاہے کہ انگلیوں کے لگانے سے مراد انہیں قبلہ کی طرف متوجہ کرنا ہے تاکہ اعتماد ان پر ہو ورنہ تو پشت قدم پر ہوگا جو معتبر نہیں الخ حلبی میں منیہ سے یہی ہے۔(ت)

نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

من شرط صحة السجود وضع شیئ من اصابع الرجلین موجھا بباطنه نحو القبلة ولایکفی لصحة السجود وضع ظاھر القدم[2]۔	صحت سجدہ کے لئے پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ ہوکر زمین پر لگنا شرط ہے فقط ظاہر قدم کا زمین پر لگنا کافی نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا قال فی الھدایة واما وضع القدمین فقد ذکر القدوری انه فرض فی السجود اھ فاذا سجد ورفع اصابع رجلیه لایجوز کذا ذکرہ الکرخی والجصاص ولووضع احداھما جاز قال القاضی خاں و یکرہ قال فی المجتبی قلت ظاھر مافی مختصر الکرخی والمحیط والقدوری انه اذ رفع احدٰھما دون الاخری لایجوز وقدرأیت فی	ہدایہ میں اسی طرح ہے، رہا قدمین کا لگنا تو قدوری نے کہا کہ یہ سجدہ میں فرض ہے پس جب سجدہ کیا مگر پاؤں کی انگلیاں نہ لگیں تو سجدہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح کرخی اور جصاص نے کہا اور اگر ایک انگلی لگ گئی تو جائز ہے، قاضی نے کہا مگر کراہت ہے۔ مجتبٰی میں ہے مختصر، کرخی، محیط اور قدوری کا ظاہر بتارہا ہے کہ جب ایک پاؤں اٹھا ہوا ہو تو یہ جائز نہیں اور میں نے اس کے بعض نسخوں

[1] فتح اللہ المعین باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۹۲

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲۷

بعض النسخ فیه روایتان اھ ومشی علی روایة الجواز برفع احدٰھما فی التفصیل والخلاصة وغیرھما، وذھب شیخ الاسلام الی ان وضعھما سنة واختار فی العنایة ھذہ الروایة وقال انھا الحق واقرہ فی الدرر و وجھه ان السجود لایتوقف تحققه علی وضع القدمین فیکون افتراض وضعھما زیادة علی الکتاب بخبر الواحد لکن ردہ فی شرح المنیة وقال ان قوله ھو الحق بعید عن الحق وبضدہ احق اذلاروایة تساعدہ والدرایة تنفیه لان مالایتوصل الی الفرض الابه فھو فرض و حیث تظافرت الروایات عن ائمتنا بان وضع الیدین والرکبتین سنة ولم ترد روایة بانه فرض، تعین وضع القدمین او احدٰھما للفرضیة ضرورة التوصل الی وضع الجبھة وھذا لولم ترد به عنھم روایة کیف والروایات فیه متوافرة اھ ، ویؤیدہ مافی شرح المجمع لمصنّفه حیث استدل علی ان وضع الیدین والرکبتین سنة بان ماھیة السجدة حاصلة بوضع الوجه والقدمین علی الارض الخ وکذا مافی الکفایة عن الزاھدی من ان ظاھر الروایة ماذکر فی مختصرا لکرخی وبه جزم فی السراج و فی الفیض وبه یفتی ھذا وقال فی الحلیة والاوجه علی منوال ماسبق ھوالوجوب

میں دو روایتیں دیکھی ہیں اھ فیض اور خلاصہ وغیرہ میں روایتِ جواز پر عمل کیا ہے۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ دونوں پاؤں کا رکھنا سنّت ہے۔ عنایہ میں اسی روایت کو مختار کہا ہے اور کہا یہی حق ہے اور درر میں اسے ہی ثابت رکھا، وجہ یہ ہے کہ سجدہ قدمین کے لگنے پر موقوف نہیں لہٰذا ان کے لگنے کو فرض قرار دینے سے خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی لازم آئے گی لیکن شرح منیہ میں اس کی تردید ہے کہ اسے حق کہنا حق سے بعید ہے بلکہ اس کا خلاف احق ہے کیونکہ کوئی روایت تائید نہیں کرتی اور درایت اس کی نفی کرتی کیونکہ جو فرض تک پہنچائے وہ بھی فرض ہوتا ہے، اور اس مقام پر اپنے ائمہ سے کثرت کے ساتھ روایات ہیں کہ قدمین اور ہاتھوں کا زمین پر لگانا سنت ہے اور فرض کی روایت نہیں تاہم پیشانی لگانے کے لئے دو یا ایک قدم کا لگانا فرض متعین ہے اگر کوئی روایت نہیں ہوتی تب بھی یہ حکم تھا حالانکہ اس بارے میں روایات کثیر ہیں اھ ،اس کی تائید خود ماتن کی شرح مجمع کے اس استدلال سے بھی ہوتی ہے ہاتھوں اور قدموں کا زمین پر لگانا سنت ہے کیونکہ سجدہ کی ماہیت چہرہ اور قدمین زمین پر رکھنے سے حاصل ہوجاتی ہے الخ اسی طرح کفایہ میں زاہدی کے حوالے سے ہے کہ ظاہر الروایۃ وہی ہے جس کا ذکر مختصر الکرخی میں ہے اور اسی پر سراج میں جزم فرمایا اور فیض میں ہے اسی پر فتوٰی ہے، حلیہ میں ہے گزشتہ طریقہ کے مطابق سابقہ حدیث کے پیش نظر وجوب ہی مختار ہے اھ یعنی اس طریقہ پر جو ان کے شیخ نے ہاتھوں اور

لما سبق من الحدیث اھ[1] ای علی منوال ماحققه شیخه من الاستدلال علی وجوب وضع الیدین والرکبتین وتقدم انه اعدل الاقوال فلذا هنا واختاره فی البحر والشرنبلالیة قلت ویمکن حمل کل من الروایتین السابقتین علیه بحمل عدم الجواز علی عدم الحل لاعدم الصحة ونفی شیخ الاسلام فرضیة وضعهما لاینافی الوجوب وتصریح القدوری بالفرضیة یمکن تاویله فان الفرض قدیطلق علی الواجب تامل. ومامر عن شرح المنیة للبحث فیه مجال لان وضع الجبهة لایتوقف علی وضع القدمین بل توقفه علی الرکبتین والیدین ابلغ فدعوی فرضیة وضع القدمین دون غیرهما ترجیح بلامرجح والروایات المتظافرة انماهی فی عدم الجواز کمایظهر من کلامهم لافی الفرضیة وعدم الجواز صادق بالوجوب کما ذکرنا والحاصل ان المشهور فی کتب المذهب اعتماد الفرضیة والارجح من حیث الدلیل والقواعد عدم الفرضیة (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔ **قوله** ولو واحدة صرح به فی

قدموں کے رکھنے پر یہ استدلال کیا تھا اور یہ گزر چکا کہ یہ معتدل قول ہے پس یہاں بھی یہی معاملہ ہے اور اسے بحر اور شرنبلالیہ میں مختار کہا میں کہتا ہوں کہ یہ ممکن ہے کہ سابقہ دونوں روایات میں عدم جواز کو عدمِ حلت پر محمول کریں نہ کہ عدم صحت پر، شیخ الاسلام کی ان کے زمین پر لگنے کی فرضیت کی نفی کرنا وجوب کے منافی نہیں، قدوری کی تصریح کہ یہ فرض ہے اس کی تاویل ممکن ہے کیونکہ بعض اوقات فرض کا اطلاق وجوب پر ہوتا ہے، تامل۔ شرح المنیہ کے حوالے سے جو کچھ گزرا ہے وہ قابل بحث ہے کیونکہ پیشانی کا رکھنا قدمین کے رکھنے پر موقوف نہیں بلکہ ہاتھوں اور گھٹنوں پر موقوف ہونا زیادہ واضح ہے لہذا قدمین کو زمین پر رکھنے کو فرض قرار دینا اور دوسروں کو نہ قرار دینا ترجیح بلامرجح ہے اور روایات کثیرہ اس کے عدم جواز میں ہیں جیسا کہ علماء کے کلام سے واضح ہے نہ کہ عدم فرضیت میں، اور عدم جواز، وجوب کی صورت میں بھی صادق آتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، حاصل یہ کہ مشہور کتب مذہب میں فرضیت ہے اور قواعد کے مطابق راجح وجوب ہے (ملخصًا) **واللہ تعالٰی اعلم**

قوله اگرچہ ایک انگلی ہو، فیض میں

[1] ردالمحتار فصل ای فی بیان تالیف الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۳۶۹

الفیض قولہ نحو القبلۃ اقول وفیہ نظر فقد قال فی الفیض ولو وضع ظہر القدم دون الاصابع بان کان المکان ضیقا اووضع احدٰھما دون الاخری لضیقہ جاز کما لوقام علٰی قدم واحد و ان لم یکن المکان ضیقا یکرہ اھ فھذا صریح فی اعتبار وضع ظاھر القدم وانما الکلام فی الکراھۃ بلاعذر لکن رأیت فی الخلاصۃ ان وضع احدٰھما بان الشرطیۃ بدل او العاطفۃ اھ لکن ھذا لیس صریحا فی اشتراط توجیہ الاصابع بل المصرح بہ ان توجیھھا نحو القبلۃ سنۃ یکرہ ترکھا کما فی البرجندی والقھستانی[1]۔(ملخصًا)	اسی کی تصریح ہے قولہ قبلہ کی طرف اقول اس میں نظر ہے فیض میں ہے اگر قدم کی پشت لگی اور انگلیاں نہ لگیں مثلاً جگہ تنگ ہے یا تنگی کی وجہ سے ایک قدم لگا دوسرا نہ لگ سکا تو جائز ہے جیسا کہ کوئی ایک قدم پر کھڑا ہوتا ہے اگر مکان تنگ نہ ہو تو کراہت ہے اھ یہ عبارت اس بات پر تصریح کہ پشتِ قدم کا اعتبار ہے کلام اس میں ہے کہ بلاعذر مکروہ ہے لیکن میں نے خلاصہ میں دیکھا ہے کہ وہاں او وضع کی بجائے ان وضع احدٰھما ہے (یعنی ان شرطیہ کے ساتھ) لیکن یہ بات انگلیوں کے متوجہ کرنے کو شرط قرار دینے میں صریح نہیں بلکہ تصریح یہ ہے کہ قبلہ کی طرف انگلیوں کو متوجہ کرنا سنت ہے اور اس کا ترک مکروہ، جیسا کہ برجندی اور قہستانی میں ہے۔(ملخصًا)

یہ علامہ شامی کا کلام ہے کہ قدرے اختصار کے ساتھ منقول ہوا۔

انا اقول وباللہ العون حمل عدم الجواز علی عدم الحل فی الصلاۃ بعید ولھذا اعترفتم ان المشھور فی کتب المذھب اعتماد الفرضیۃ مع قولکم ان تظافر الروایات انما ھو فی عدم الجواز فلولا ان مرادہ الشائع الذائع ھو الافتراض فمن این یکون اعتماد الفرضیۃ	میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں نماز میں عدم جواز کو عدم حلت پر محمول کرنا بعید ہے اسی لئے تم نے اعتراف کیا کہ مشہور کتب مذہب میں فرضیت ہے باوجود اس کے کہ تمہارا قول ہے کہ اکثر روایات عدم جواز پر ہیں اگر ان کی مراد مشہور ومعروف فرض قرار دینا نہیں تو فرضیت پر اعتماد کتب مشہورہ میں کیسے ہوگیا؟ پھر حمل میں گنجائش ہے کہ "لم یجز" کہا گیا اور ضمیر مثلاً رفع قدمین کی طرف لوٹ رہی ہو جب

[1] ردالمحتار فصل فی بیان تالیف الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۶۹

مشهورا فی کتب المذهب ثم للحمل مساغ حیث یقال لم یجز و الضمیر لرفع القدمین مثلا اما اذا قیل لم تجز والضمیر للصلاۃ تعین مفید العدم الصحة وثبوت الفرضیة بالمعنی المقابل للوجوب وهو کذلك فی غیرما کتاب منها مختصرا الکرخی کماتقدم هذا وجه والثانی مثله اضافة عدم الجواز للسجود کما مضی عن الجوهرۃ والثالث اظهر منه التعبیر بعدم الاجزاء کماسلف عنها ایضا فهو مفسر لایقبل التاویل والرابع کذا الحکم بالفساد کما سمعت عن جامع الرموز عن القنیة والخامس مقابلتهم عدم الجواز هذا بحکم الجواز علی ما اذا رفع احدی القدمین کما فی الفتح والوجیز والجوهرۃ وغیرها نص ایضا فی ارادۃ الجواز بمعنی الصحة الا تری انهم حکم علیه بالکراهة والمراد کراهة التحریم کما هو المحمل عند الاطلاق و کما هو قضیة الدلیل هنا فالجواز بمعنی الحل منتف فیه ایضا و السادس قد عبر فی عدۃ کتب کالخلاصة و البزازیة والغنیة والبحر الرائق ونورالایضاح ومراقی الفلاح وغیرها کما سبق بعدم الصحة وهو صریح فی المراد والسابع مثله الحکم بالشرطیة کما فی الدر والجوهرۃ وابی السعود و نورالایضاح ومراقی الفلاح وغیرها۔والثامن

"لم تجز" کہاجائے توضمیر نماز کی طرف لوٹے جس سے عدم صحت کاتعین ہوجاتااور اس فرضیت کا بھی جو معنی وجوب کے مقابل ہے، اور متعدد کتب میں اسی طرح ہے ان میں سے مختصرالکرخی بھی ہے جیساکہ پہلے گزرا، یہ ایک صورت ہے، دوسری اس کے مثل کی عدم جواز کی سجدہ کی طرف اضافت، جیساکہ جوہرہ کے حوالے سے گزراہے، تیسری جوکہ واضح ہے کہ عدم اجزاء سے تعبیر کرنا جیساکہ پیچھے آیا یہ بھی مفسر ہےاور یہ تاویل کو قبول نہیں کرتا، چوتھی اسی طرح حکم بالفساد جیساکہ آپ نے جامع الرموز سے قنیہ کے حوالے سے پڑھاہے۔ پانچویں یہ کہ انہوں نے مقابلہ عدم جواز کاجواز کے ساتھ کیاہےاور جواز کاحکم اس صورت میں ہوگاجب ایک قدم اٹھاہوا ہو جیساکہ فتح، وجیز، جوہرہ وغیرہ میں ہے اس پر بھی تصریح ہے کہ جواز بمعنی صحت مراد ہے کیاآپ دیکھتے نہیں کہ انہوں نے اسے مکروہ کہاہے اور کراہت سے مراد تحریمی ہے جیساکہ اطلاق کے وقت ہوا کرتاہےاور یہاں دلیل کاتقاضا بھی یہی ہے توجواز بمعنی حلت یہاں بھی نہ ہوا، چھٹی کہ بہت سی کتب مثلاً خلاصہ، بزازیہ، غنیہ، بحرالرائق، نورالایضاح، مراقی الفلاح وغیرہ میں اسے عدم صحت کے ساتھ تعبیر کیاہےاور یہ مراد پر واضح تصریح ہے۔ ساتویں اسی کی مثل حکم بالشرطیۃ ہے جیساکہ در، جوہرہ، ابوسعود، نورالایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے۔آٹھویں شرح مجمع، کافی، فتح، بحر وغیرہ میں ہے

صرح فی شرح المجمع والکافی والفتح و البحر وغیرہ کما مربدخول ذلك فی حقیقة السجود شرعا وکل قاض بالافتراض بالمعنی الخاص غیر قابل للتاویل الذی ابد یتموہ فکیف یمکن ارجاع جمیع تلك الصرائح الی ماتاباہ بالاباء الواضح فانی یتأتی التوفیق و من این یسوغ ترك النصوص المذھب الی بحث ابداہ العلامة ابن امیرالحاج وان تبعه البحر والشرنبلالی علی مناقضة منھما لانفسھا رحمھم الله تعالٰی والبحر صرح ھھنا وقبله بان السجود مع رفع القدمین تلاعب والشرنبلالی قدجزم فی متنه وشرحه بافتراض وضع بعض الاصابع والمحقق علی الاطلاق اعلم وافقه من تلمیذہ ابن امیرالحاج وقدجزم بماجزم وقد سمعت کل ذلك۔ثمَّ النظر فی دلیل العلامة ابراھیم الحلبی مدفوع بما قدمنا عن الفتح والبحر والشرنبلالی ان السجود مع رفع القدمین بالتلاعب اشبه منه بالتعظیم ولانسلم ان کذٰلك الیدان والرکبتان وکون توقف وضع الوجه علی وضع ھاتین ابلغ من توقفه علی وضع القدمین مع ظھور ضعفه فی الیدین فلاحاجة فی وضعه الی وضعھما اصلا وکذا فی الرکبتین فان الواقع ھھنا التساوی لا الا بلغیة نحن لانبنی الکلام علی توقف

جیسا کہ گزرا کہ یہ ماہیت سجدہ میں شرعًا داخل ہے اور یہ تمام امور یہاں فرض بمعنی خاص کیلئے فیصلہ کن ہیں جو قابل تاویل نہیں ہیں تو یہ تصریحات جس سے واضح انکاری ہیں اس پر ان کو کیسے محمول کیا جاسکتا ہے یہ توفیق کہاں ہوئی اور مذہب کی نصوص کو چھوڑ کر علامہ ابن امیر الحاج کی بحث کی گنجائش کہاں سے نکلی اگرچہ بحر اور شرنبلالی میں اس کی اتباع کی گئی ہے علاوہ ازیں ان کا خود اپنا تضاد ہے بحر نے یہاں اور اس سے پہلے تصریح کی ہے کہ قدموں کے اٹھائے ہوئے سجدہ مذاق ہے۔ شرنبلالی نے متن اور شرح میں کچھ انگلیوں کے لگانے پر جزم کیا ہے، اور محقق علی الاطلاق اپنے شاگرد ابن امیر الحاج سے زیادہ صاحب علم وفقہ ہیں اور انہوں نے اسی پر جزم کیا جس پر کرنا تھا اور وہ تمام آپ نے پڑھ لیا ہے۔ پھر علامہ ابراہیم حلبی کی دلیل پر اعتراض اس سے ختم ہو جاتا ہے جو ہم نے پہلے فتح، بحر، شرنبلالی کے حوالے سے بیان کیا کہ قدم اٹھائے ہوئے سجدہ کرنا تعظیم کے بجائے مذاق کے زیادہ قریب ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ ہاتھوں اور گھٹنوں کا یہی معاملہ ہے اور چہرے کا لگنا قدمین کے لگنے سے ان پر زیادہ موقوف ہے باوجود اس کے اس کا ضعف ہاتھوں میں ظاہر ہے کیونکہ چہرے کے رکھنے میں ان دونوں کی ضرورت اصلًا نہیں، اسی طرح گھٹنوں کا معاملہ ہے کیونکہ یہاں مساوات ہے زیادتی نہیں اور ہم کلام کی

وضع الوجه بل علی توقف السجود المطلوب الشرعی علیه وھوالذی یکون علی جهة التعظیم و الاجلال ولاتعظیم اذا وضع الوجه ورفع القدمین کما افاد المحقق علی الاطلاق فعن ھذا کان وجع القدم ممالایتوصل الی الفرض الابه فکان فرضا لاجرم لم یتفرد العلامة الحلبی بھذا التعلیل بل سبقه الیه امام جلیل وھوالامام ابوالبرکات النسفی قال فی شرح وافیة الکافی وضع القدمین فرض فی السجود لانه لایمکن تحقیق السجود الابوضع القدمین [1] اھ فلم یقل لایمکن وضع الوجه بل تحقیق السجود اما قول الغنیة نحو القبلة وقد تبعه علیه العلامة الشرنبلالی فی مراقی الفلاح والمدقق العلائی والعلامة نوح اٗفندی والعلامة ابوالسعود الازھری وقد تلونا علیك نصوصھم جمیعا۔ **فاقول**: حمله علی مافھمتم بعید من مرامھم کل البعد وکیف یرومونه وھم مصرحون بانفسھم ان توجیه الاصابع سنة یکرہ ترکه فلم یحتج علیھم بالبرجندی و القھستانی لم لایحتج علیھم بھم	بنیاد چہرے کے رکھنے کے موقوف پر نہیں رکھتے بلکہ سجدہ کے موقوف ہونے پر رکھتے ہیں جو مطلوب شرعی ہو اور اس میں تعظیم وتوقیر ہو نہ کہ اس صورت میں جب چہرہ رکھا ہوا اور قدم اُٹھے ہوئے ہوں جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فرمایا تو اب قدموں کا رکھنا فرض کی تکمیل کے لئے ضروری ہوا تو وہ لامحالہ فرض ہوگا اور علامہ حلبی اس تعلیل کے بیان کرنے میں تنہا نہیں بلکہ اس سے پہلے ایک امام جلیل جن کا اسم گرامی ابوالبرکات نسفی ہے نے بیان کی ہے، شرح وافیہ الکافی میں فرمایا سجدے میں قدموں کا لگانا فرض ہے کیونکہ سجدہ کا وجود ممکن نہیں۔ رہا غنیہ کا قول "قبلہ کی طرف" تو اس کی علامہ نوح آفندی، علامہ ابوالسعود ازہری نے اتباع کی ہے، اور ہم نے ان کی عبارات کا تذکرہ کردیا ہے۔ **فاقول**: ان کی عبارات کو جو تم نے سمجھا ہے وہ ان کے مقصود سے کہیں دور ہے اور یہ مراد لے بھی کیسے سکتے ہیں حالانکہ خود انہوں نے تصریح کی ہے کہ انگلیوں کا قبلہ کی طرف متوجہ کرنا سنت اور اس کا ترک مکروہ ہے۔ پس برجندی اور قہستانی کے حوالے سے ان کے خلاف احتجاج کیوں کیا ہے، کیوں نہ ان کے

[1] کافی شرح وافی

قال الحلبی قبیل فصل النوافل یعنی کل شیئ لم یذکر انه فرض اوواجب قدذکرنا فی صفة الصلٰوة مما سوی ماعینا ههنا انه سنة فهو آدب لکن هذا التعمیم فیه نظر و فان من جملة ذلك وضع الیدین والرکبتین فی السجود وهوسنة وکذا ابداء الضبعین ومجافاة البطن عن الفخذین وتوجیه الاصابع نحوالقبلة فیه فان کل ذلك سنة لما تقدم من ادلته هناک[1] ،وقال الشرنبلالی متناوشرحا یکره تحویل اصابع یدیه اورجلیه عن القبلة فی السجود وغیره لما فیه من ازالتها عن الموضع المسنون[2] وقال العلائی یستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة ویکره ان لم یفعل ذٰلک[3] بل انما ارادوا رحمهم الله تعالٰی علی ماالهمنی الملك المنعام عزجلاله ان یقولوا یفترض وضع بطن الاصبع ولایکفی وضع ظهرها ولارأسها الکائن عند ظفرها لان علی الاول یکون وضع ظهر القدم وقداسقطوه عن الاعتبار وعلی الثانی	خلاف خود ان کی عبارات سے احتجاج کیا۔ حلبی نے فصل النوافل سے تھوڑا پہلے فرمایا کہ نوافل سے مراد ہر وہ شئی ہے جس کا فرض یاواجب ہونا مذکور نہ ہو اور جن اشیاء کو ہم نے صفۃ الصلٰوۃ میں سنت ہونا معین کیا ہے ان کے سوا تمام آداب ہیں لیکن یہ تعمیم محل نظر ہے کیونکہ ان میں حالت سجود میں ہاتھوں اور گھٹنوں کا رکھنا بھی ہے حالانکہ وہ سنت ہے اسی طرح پہلوؤں کارانوں کا پیٹ سے دور رکھنا، حالتِ سجدہ میں انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بھی ہے کیونکہ یہ سابقہ دلائل کی بنا پر سنت ہیں، شرنبلالی نے متن اور شرح میں کہا حالت سجود وغیرہ میں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں کا قبلہ سے پھیرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں طریقہ سنت کی خلاف ورزی ہے۔ علائی نے کہا پاؤں کی انگلیوں کو قبلہ رخ کیاجائے اور اگر نہ کیاتو کراہت ہوگی، اللہ تعالٰی نے مجھے جو آگاہ فرمایا ہے اس کے مطابق یہ سمجھا ہوں کہ وہ تمام بزرگ رحمهم اللہ تعالٰی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک انگلی کا باطن لگانا فرض ہے اس کا ظاہر اور اس کا سرجو ناخن والا حصہ ہے لگالینا کافی نہیں کیونکہ پہلی صورت میں قدم کی پشت پر سجدہ ہوگا جس کا وہ اعتبار ہی نہیں کرتے، دوسری صورت میں

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سنن الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی المکروہات مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۴

[3] در مختار فصل واذااراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۷۶/۱

يكون وضعا مجردا عن الاعتماد والمقصود الاعتماد وقد بين هذا بقوله ليكون الاعتماد عليها والافهو وضع ظهر القدم وقد جعله غير معتبر انما عبر عنه بالتوجيه نحو القبلة لان المصلى ان اراد فى سجوده الاعتماد على بطن اصبع قدمه لم يمكنه ذلك الابتوجيهها نحو القبلة اعنى بالمعنى المقترض فى الاستقبال ممتدا بين الجنوب والشمال، لابالمعنى المسنون النافى للانحراف، وكذلك ان اراد توجيهها للقبلة بالمعنى العام لم يتأت له الاباصابة بطنها الارض، وهذا ظاهر جدا فبينهما تلازم فى الصلٰوة، وان كان يمكن خارجها لمن سجد غلطا او عمد الغير القبلة ان يعتمد علٰى بطنها وهى على خلاف جهة القبلة، فكان هذا من باب اطلاق اللازم وارادة الملزوم ،اما السنة فجعلها على مسامتة القبلة من دون انحراف، وهذا الذى ليس فى تركه الا الكراهة والاساءة، هكذا ينبغى ان يفهم هذا المقام والحمدلله الملك المنعام وذلك مانقل الامام ابن اميرالحاج فى الحلية عن التحقيق مقرا عليه والمعتبر فى القدمين بطون الصابع الخ اما ما نقلتم عن الفيض العبارة و الخلاصة والوجيزوالحلية والغنية و

اعتماد نہیں ہوگا حالانکہ مقصود اعتماد جسے ان الفاظ سے بیان کیاگیا ہے تاکہ ان پر اعتماد ہو ورنہ سجدہ قدم کی پشت پر ہوگا حالانکہ اسے معتبر تسلیم نہیں کیاگیا، یہاں فقہاء نے قبلہ کی طرف متوجہ کرنا کہا ہے کیونکہ نمازی اگر حالت سجدہ میں قدم کی ایک انگلی کے باطن پر اعتماد چاہے تو یہ ممکن نہیں مگر اس وقت جب اسے قبلہ کی طرف متوجہ کرے میری مراد جنوبًا وشمالًا استقبال قبلہ کے لئے اسے بچھانا ہے نہ کہ وہ معنی مسنون جو انحراف کے منافی ہے اور اسی طرح اگر متوجہ ہونے کا عام معنی لیاجائے تو بھی انگلیوں کے باطن کا زمین پر لگنا ضروری ہوگا اور یہ بالکل واضح ہے پس ان دونوں کے درمیان نماز میں تلازم ہے اگرچہ نماز سے باہر یہ ممکن ہے اس شخص کے لئے جس نے غیر قبلہ کی طرف غلطی سے یا عمدًا سجدہ کیا کہ وہ انگلیوں کو قبلہ روکئے بغیر ان پر ٹیک لگائے تو یہاں اطلاق لازم اور مراد ملزوم ہے، رہا معاملہ سنّت ہونے کا تو وہ قبلہ کی جانب ہے بغیر کسی انحراف کے، اور وہ یہ ہے کہ جس کے ترک میں کراہت واسائت کے علاوہ کچھ نہیں اس مقام کو اس طریقہ سے سمجھنا چاہئے تمام حمداللہ تعالٰی کے لئے جو حامد ومنعم ہے اور یہی وہ ہے جو امام ابن امیر الحاج نے حلیہ میں ثابت رکھتے ہوئے تحقیق سے نقل کیاکہ معتبر قدمین میں انگلیوں کا باطن ہے الخ اور جو تم نے فیض سے نقل کیا ہے کہ خلاصہ، وجیز، حلیہ، غنیہ، ہندیہ

وغیرھا بلاخلاف بان الشرطیة دون او العاطفة فَاَوْ فی نسخة الفیض تصحیف و قد اغتربه العلامة البرجندی فی شرح النقایة فلیتنبه وبالجملة فتحرر مما تقرر ان الاعتماد فی السجود علی بطن احدی اصابع القدم العشر فریضة فی المذھب المعتمد المفتی به والاعتماد علی بطون کلھا اواکثرھا من کلتا القدمین لایبعد ان یجب لماحررہ فی الحلیة وتوجیھھا نحو القبلة من دون انحراف سنة اغتنم ھذا التحریر المفرد المنیر فلعلك لاتجدہ من غیر الفقیر وللہ الحمد والمنة۔	وغیرہ میں بالاتفاق ہے "اِن" شرطیہ ہے "او" عاطفہ نہیں ہے پس "او" نسخہ فیض میں تحریف ہے اور اس سے علامہ برجندی نے شرح نقایہ میں دھوکا کھایا ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے۔ اس تمام گفتگو سے آشکار ہوگیا کہ حالت سجدہ میں قدم کی دس انگلیوں میں سے ایک کے باطن پر اعتماد مذہب معتمد اور مفتی بہ میں فرض ہے اور دونوں پاؤں کی تمام یا اکثر انگلیوں پر اعتماد بعید نہیں کہ واجب ہو اس بنا پر جو حلیہ میں ہے اور قبلہ کی طرف متوجہ کرنا بغیر کسی انحراف کے سنت ہے اس یکتا، منفرد اور روشن گفتگو کو غنیمت جانو شاید اس فقیر کے علاوہ کسی اور کے ہاں تم کو نہ ملے، اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد واحسان ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ان بلاد میں اکثر جوتے سلیم شاہی پنجابی خوردنوکے منڈے گرگابی وغیرہا خصوصًا جبکہ نئے ہوں ایسے ہی ہوتے ہیں کہ انگلیوں کا پیٹ زمین پر باعتماد تمام بچھنے نہ دیں گے گو ان جوتوں کو پہن کر مذہب مفتی بہ پر نماز ہوگی ہی نہیں اور گناہ وناجوازی توضرور نقد وقت ہے عرب شریف کے جوتوں میں صرف پاؤں کے نیچے چمڑا ہوتا تھا اور اوپر بندش کے لئے تسمہ جسے شراکت کہتے تھے پھر عرب میں نعل کی تعریف یہ تھی کہ نرم ورقیق ہو یہاں تک کہ صرف اکہرے پرت کی زیادہ پسند رکھتے، مجمع بحارالانوار میں زیر حدیث:

ان رجلا شکا الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجلا من الانصار فقال یاخیر من یمشی بنعل فرد. والفرد ھی التی تخصف ولم تطارق وانما ھی طارق واحد والعرب یمدح برقة النعال ویجعلھا من لباس الملوک[1]۔	ایک آدمی نے رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک انصاری کی شکایت کرتے ہوئے کہا: اے ایک پرت والے جوتے پہننے والوں میں افضل ترین ذات۔ فرد اس نعل کو کہتے ہیں جس کا ایک پرت ہو، اور عرب جوتے کی نرمی کو پسند کرتے ہیں اور یہ ملوک کا لباس ہے (ت)

[1] مجمع بحارالانوار لفظ فعل کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۷۳

تو وہ کیسے ہی نئے ہوتے سجدہ میں فرض وواجب کیا کسی طریقہ مسنونہ کو بھی مانع نہ ہوتے اُن نعال پر یہاں کی جوتیوں کا قیاس صحیح نہیں، پھر اگر اسی طرح کے جوتے ہوں کہ سنت سجدہ میں بھی خلل نہ ڈالیں تو اگر وہ نئے بالکل غیر استعمالی ہیں تو انہیں پہن کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ افضل ہے اگرچہ مسجد میں ہو۔ درمختار میں ہے: **صلاته فیهما افضل**[1] (ان میں نماز افضل ہے۔ت) مگر عندالتحقیق استعمالی جوتے پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے اور اگر معاذاللہ نماز کو کہ حاضری بارگاہ شہنشاہ حقیقی ملک الملوک رب العرش عزجلالہ ہے ہلکا جان کر استعمالی جوتا پہنے ہوئے نماز کو کھڑا ہوگیا تو صریح کفر ہے پھر بے نیت استخفاف نری کراہت بھی اس حالت میں ہے کہ غیر مسجد میں ایسا کرے اور مسجد میں تو استعمالی جوتے پہنے جانا ہی ممنوع وناجائز ہے نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے، شرکت جماعت نماز ودخول مسجد کے یہ احکام بحمداللہ تعالٰی دلائل کثیرہ سے روشن ہیں تفصیل موجب تطویل ہوگی لہذا چند کلمات نافع وسودمند باذن اللہ تعالٰی سے القا کرے کہ بعونہ تعالٰی احکام کا ایضاح اور اوہام کا ازالہ کریں۔ت)

فاقول: و باللہ استعین (پس میں اللہ تعالٰی سے مدد طلب کرتے ہوئے کہتا ہوں)

افادہ اول: متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب مذہب میں بلاخلاف تصریف صاف ہے کہ ثیاب بذلت ومَہنت یعنی وہ کپڑے جن کو آدمی اپنے گھر میں کام کاج کے وقت پہنے رہتا ہے جنہیں میل کچیل سے بچایا نہیں جاتا انہیں پہن کر نماز پڑھنی مکروہ ہے، تنویرالابصار ودرمختار میں ہے:

کرہ صلوته فی ثیاب بذلة (یلبسها فی بیته) (ومهنة) ای خدمة ان له غیرها[2]۔	کام کے کپڑوں میں نماز مکروہ ہے (وہ کپڑے جو گھر میں پہنتا ہے) (اور صنعت کے کپڑوں میں) یعنی خدمت والے اگر اس کے پاس دوسرے کپڑے ہوں (ت)

دررو غرر وشرح وقایہ ومجمع الانہر وبحرالرائق وردالمحتار میں ان کی تفسیر کی:

مایلبسه فی بیته ولایذهب به الی الاکابر[3]۔	جو کپڑے صرف گھر میں پہنتا ہو وہ پہن کر اکابر کے ہاں نہ جاتا ہو۔(ت)

غنیہ میں اُن کی تفسیر کی: **مالایصان ولایحفظ من الدنس ونحوه**[4] (جن کپڑوں کو وہ میل کچیل سے محفوظ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۱/۱

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مجتبائی ہلی ۹۱/۱

[3] ردالمحتار مطلب مکروہات الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۷۴/۱

[4] غنیہ المستملی فصل کراہتیہ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

نہ رکھتا ہو۔ت) اُسی میں ہے:

یکرہ تکمیلا لرعایۃ الادب فی الوقوف بین یدیہ تعالٰی بما امکن من تجمیل الظاھر والباطن وفی قولہ تعالٰی خذوا زینتکم عند کل مسجد اشارۃ الٰی ذلك وان کان المراد بھا ستر العورۃ علی ماذکرہ اھل التفسیر کما تقدم[1]۔	اللہ تعالٰی کی بارگاہ اقدس میں ظاہری و باطنی جمال کا حصول اس بارگاہ کے آداب میں سے ہے اور اللہ تعالٰی کے ارشادِ گرامی "تم ہر مسجد میں جانے کے وقت زینت اختیار کرو" میں اسی طرف اشارہ ہے اگرچہ اس سے مراد سترِ عورت ہے جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا(ت)

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے ہی کپڑوں میں نماز پڑھتے دیکھا، فرمایا: بھلا بتاؤ تو اگر میں کسی آدمی کے پاس تجھے بھیجوں تو انہیں کپڑوں سے چلا جائے گا؟ کہا نہ۔ فرمایا: تو اللہ تعالٰی زیادہ مستحق ہے کہ اس کے دربار میں زینت وادب کے ساتھ حاضر ہو۔ حلیہ پھر بحر الرائق میں ہے:

احتج له فی الذخیرۃ بانه روی ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه رأی رجلا فعل ذلك فقال رأیت لو ارسلتك الی بعض الناس اکنت تمر فی ثیابك ھذہ فقال لا فقال عمر فاللہ احق ان یتزین له[2]۔	ذخیرہ میں اس پر یوں استدلال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کیا خیال ہے اگر تجھے میں کسی آدمی کے پاس بھیجوں تو توانہیں کپڑوں میں چلا جائے گا؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اللہ تعالٰی سب سے زیادہ حقدار ہے کہ اس کے ہاں حاضری کے لئے زینت اختیار کی جائے۔(ت)

سبحان اللہ کام خدمت کے کپڑے کہ گھر میں پہنے جاتے ہیں انہیں پہن کر نماز مکروہ ہو اور استعمالی جوتے کہ پاخانے میں پہنے جاتے ہیں انہیں پہن کر نماز مکروہ نہ ہو، معمولی کپڑے کہ میل سے محفوظ نہیں رکھے جاتے اُن سے نماز میں کراہت ہو اور مستعمل جوتے کہ نجاست سے بچائے نہیں جاتے اُن سے نماز میں کراہت نہ ہو یہ بداہت عقل کے خلاف اور صریح خون انصاف ہے ولیس ھذا من باب القیاس بل کما تری استدلال بفحوی الخطاب لایحوم حوله شك ولا ارتیاب (یہ مسئلہ قیاسی نہیں بلکہ انداز وخطاب سے آپ

[1] غنیہ المستملی فصل کراہیۃ الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۹

[2] بحر الرائق آخر مکروہات الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳

استدلال دیکھ رہے ہیں اس میں نہ کوئی شک ہے نہ ریب۔ت)

افادہ دوم: متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب مذہب میں بلاخلاف تصریح صاف ہے کہ اندھے کے پیچھے نماز مکروہ ہے کہ اسے نجاست کامل احتیاط دشوار ہے۔ہدایہ میں ہے:

یکرہ تقدیم الاعمی لانہ لایتوقی النجاسۃ[1]۔	نابینا کاامام بنانامکروہ ہے کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔(ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

الاعمی لایصون ثیابہ عن النجاسات فالبصیر اولی بالامامۃ[2]۔	نابینا اپنے کپڑوں کونجاست سے محفوظ نہیں رکھ سکتا لہذا امامت کے لئے بیناہونا بہتر ہے(ت)

درمختار میں ہے: ونحوہ الاعشی، نھر[3] (اس کی مثل اعشی ہے، نہر۔ت) ردالمتار میں ہے:

الاعشی ھوسیئ البصر لیلاونھارا قاموس و ھذا ذکرہ فی النھر بحثا اخذا من تعلیل الاعمی بانہ لایتوقی النجاسۃ[4]۔	اعشی سے مراد وہ شخص ہے جس کی دن یا رات کو نظرکم ہوجائے، قاموس، نہرمیں نابینا کی علت یہی بیان ہوئی ہے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔(ت)

ابوالسعود علی الکنز میں ہے:

والاعمی لانہ لایتوقی النجاسۃ وھذا یقتضی کراھۃ امامۃ الاعشی[5]۔	نابینا کیونکہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتااور یہ تقاضا کرتاہے کہ اعشی کی امامت بھی مکروہ ہو۔(ت)

---

[1] الہدایہ ، باب الامامۃ، مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی، ۱/۱۰۱

[2] کافی شرح وافی

[3] الدرالمختار باب الاحق بالامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۳

[4] ردالمحتار ، باب الامامۃ ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۱۴

[5] فتح المعین حاشیہ علی شرح الکنز باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۰۸

طحطاوی علی المراقی میں اس کے بعد ہے: **وھو الذی لایبصر لیلا**[1] (وہ شخص جسے رات کو دکھائی نہ دے۔ت)

محل انصاف ہے کہ نمازی پرہیزگار نابینا بلکہ ضعیف البصر کے کپڑوں یا بدن پر اندیشہ ومظنہ نجاست زیادہ ہے یا ان استعمالی جوتوں پر جنہیں پہن کر پاخانے تک میں جانا ہوتا ہے پھر وہاں کراہت ہونا یہاں نہ ہونا صریح عکس مدعا ہے بلکہ وہاں ایک حصہ کراہت ہو تو یہاں کئی حصے ہونا ہے۔ **افادہ سوم**: علمائے حدیث مذکور سوال کی شرح میں تصریح فرمائی کہ عام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس صحیح نہیں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کون احتیاط کرسکتا ہے!

اقول: اور اگر نادرًا کوئی شئے واقع ہو تو جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم حاضر ہو کر عرض کردیتے ہیں جیسا کہ حدیث خلع نعال فی الصلٰوۃ سے ثابت ہے۔ مجمع بحارالانوار میں برمز "ن" فرمایا: **یصلی فی النعلین لایوخذ منه لغیرہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان حفظ غیرہ لایلحق به**[2]۔ حضور علیہ السلام نے نعلین میں نماز ادا کی اس سے کوئی دوسرا استدلال نہیں کرسکتا کیونکہ کوئی دوسرا آپ کی طرح حفاظت نہیں کرسکتا۔ (ت)

افادہ چہارم: بے جرم نجاست مثل بول وغیرہ کا مطلقًا صرف زمین پر رگڑ دینے سے پاک ہوجانا جیسا کہ سوال میں بیان کیا حسب تصریح صریح کتب معتمدہ تمام ائمہ مذہب کے خلاف ہے، امام محمد کے نزدیک تو نعل وخف بھی مطلقًا بے دھوئے پاک نہیں ہوسکتے جیسے کپڑے کا حکم ہے اور امام اعظم کے نزدیک نجاست جومردار اور خشک ہوگئی ہو اس کے بعد اس قدر رگڑیں کہ اس کا اثر زائل ہوجائے اس وقت طہارت ہوگی اور تر نجاست یا بے جرم جیسے پیشاب وغیرہ بے دھوئے پاک نہ ہوں گے، اور امام ابی یوسف کی روایت میں اگرچہ خشک ہوجانا شرط نہیں تر بھی ملنے ولنے اثر زائل کردینے سے پاک ہوسکتی ہے مگر جرم دار نجاست کی ضرور قید ہے، اکثر مشائخ نے قول امام ابی یوسف ہی اختیار کیا اور یہی مختار للفتوی ہے تو بے جرم نجاست کی بے دھوئے تطہیر ائمہ ثلثہ مذہب کے بھی خلاف اور جمہور مشائخ مذہب کے بھی خلاف اور قول مختار للفتوی کے بھی خلاف ہے **وقد صرحوا ان لاعبرۃ بالبحث علی خلاف المنقول** (اس کی تصریح کی ہے کہ خلاف منقول بحث کا اعتبار نہیں۔ت) ہدایہ میں ہے:

---

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی ایان الاحق بالامامة مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[2] مجمع بحارالانوار، تحت لفظ نعل، مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۳۷۳

اذا اصاب الخف نجاسة لها جرم کالروث والعذرة والدم فجفت فدلکه بالارض جاز وھذا استحسان وقال محمد رحمه الله تعالٰی لایجوز وھو القیاس وفی الرطب لایجوز حتی یغسله وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه اذا مسحه بالارض حتی لم یبق اثر النجاسة یطهر لعموم البلوی واطلاق مایروی و علیه مشائخنا رحمهم الله تعالٰی فان اصابه بول فیبس لم یجز حتی یغسله وکذا کل مالاجرم له کالخمر[1]۔ (مختصرًا)	جب موزے پر ایسی نجاست لگ جائے جس کا جسم ہو مثلاً لید، پاخانہ، خون اور خشک ہوجائے توزمین پر رگڑ لیاجائے توجائز ہے اور یہ استحسانًا ہے۔ امام محمد نے فرمایا یہ جائز نہیں قیاس کا تقاضا یہی ہے اور اگرنجاست ترہو تو دھونے سے پہلے جائز نہیں۔ امام ابویوسف نے کہاجب زمین پر رگڑا حتی کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہاتو عمومی ضرورت کے پیش نظر یہ پاک ہوجائے گا اور مروی کا اطلاق یہی ہے اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اسی پر ہیں اور اگرپیشاب موزے پر لگ گیا اور خشک ہوگیا تو دھوئے بغیر جائز نہیں اور یہی حکم ہر اس نجاست کا ہے جس کا جسم نہیں مثلاً شراب۔ (مختصرًا) (ت)

فتح القدیر میں ہے:

وعلی قول ابی یوسف اکثر المشائخ وھو المختار[2]۔	اکثر مشائخ قول ابویوسف پر ہیں اور یہی مختار ہے (ت)

عنایہ میں ہے:

علیه اکثر مشائخنا قال شمس الائمة السرخسی وھو صحیح وعلیه الفتوی[3]۔	ہمارے اکثر مشائخ اسی پر ہیں۔ شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے (ت)

حلیہ میں ہے:

فی الخلاصة وعلیه عامة المشائخ و ھو الصحیح ونص فی الفتاوٰی الخانیة والکافی والحاوی	خلاصہ میں ہے اسی پر عام مشائخ ہیں اور یہی صحیح ہے اور خانیہ، کافی اور حاوی میں تصریح ہے کہ

[1] الہدایہ باب الانجاس و تطہیرہا مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۵۶
[2] فتح القدیر باب الانجاس و تطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲
[3] عنایۃ شرح علی حاشیۃ فتح القدیر باب الانجاس و تطہیرہا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۷۲

علی ان الفتوی علیه[1]۔	فتوٰی اسی پر ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

علی قوله اکثر المشائخ وفی النهایة والعنایة والخانیة والخلاصة وعلیه الفتوی و فی فتح القدیر وهوالمختار[2]۔	اکثر مشائخ اسی قول پر ہیں نہایہ، عنایہ، خانیہ اور خلاصہ میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے، فتح القدیر میں ہے یہی مختار ہے۔(ت)

تنویرالابصار میں ہے:

یطهر خف ونحوه تنجس بذی جرم بدلك ولافیغسل[3]۔	اگر موزہ یا اس کی مانند کوئی شیئ صاحب جسم نجاست سے ناپاک ہوجائے تو وہ رگڑنے سے پاک ہوجائے گی ورنہ دھونا ضروری ہوگا۔(ت)

طحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے:

واحترز به عن غیر ذی الجرم فانه یغسل اتفاقا ذکره العینی[4]۔	اس سے اس نجاست سے احتراز ہے جو جسم والی نہ ہو کیونکہ اس صورت میں اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے۔اسے عینی نے ذکرکیا۔(ت)

بحر میں ہے:

ان لم یکن لها جرم فلابد من غسله واشتراط الجرم قول الکل لانه لو اصابه بول فیبس لم یجزه حتی یغسله لان الاجزاء تتشرب فیه فاتفق الکل علی ان المطلق	اگر جسم والی نجاست نہ ہو تو اس کا دھونا ضروری ہے اور جسم کا شرط ہونا تمام کا قول ہے اس لئے کہ اگر پیشاب لگ گیا اور خشک ہوگیا تو دھونے کے سوا جواز نہ ہوگا کیونکہ اس کے اجزاء اس شیئ میں داخل ہوچکے ہیں تو سب کا اتفاق ہے اس بات پر

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] بحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳
[3] درمختار باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۳
[4] طحطاوی علی المرقی الفلاح باب الانجاس مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۷

مقید الخ[1] مختصرا۔	کہ مطلق مقید ہے الخ تلخیصًا (ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

الحاصل انھم اتفقوا علی التقیید بالجرم[2]۔	خلاصہ یہ ہے کہ تمام فقہاء کا اس قید پر اتفاق ہے کہ وہ نجاست جسم والی ہو۔(ت)

غنیہ میں ہے:

ان لم یکن لھا ای للنجاسۃ التی اصابت الخف جرم کالبول والخمر ونحوھما فلابد من الغسل بالاتفاق رطبا کان او یابسا[3]۔	اگر نجاست کے لئے جسم نہیں جو موزے کو لگی مثلًا بول وشراب وغیرہ تو وہ خشک ہوگی یا ابھی تر ہے اسے بالاتفاق دھونا ضروری ہے۔(ت)

ردالمحتار میں علامہ مقدسی سے ہے: البحث لایقضی علی المذھب[4] (اختلاف، مذہب پر فائق نہیں۔ت) اُسی میں ہے:

الفرض فی اشواط الطواف اکثر السبع لاکلھا وان قال المحقق ابن الھمام ان الذی ندین اللہ تعالٰی بہ ان لایجزئ اقل من السبع ولایجبر بعضہ بشیئ فانہ من ابحاثہ المخالفۃ لاھل المذھب قاطبۃ کما فی البحر وقد قال تلمیذہ العلامۃ قاسم ان ابحاثہ المخالفۃ المذھب لاتعتبر[5]۔	طواف میں فرض سات چکروں کا اکثر ہے نہ کہ تمام، اگرچہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی ہمیں تب جزادے گا جب سات سے کم نہ کریں اس کمی کا ازالہ کسی اور شیئ سے نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ ابحاث اہل مذھب کے مخالف ہیں جیسا کہ بحر میں ہے ان کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ مذہب کے مخالف ابحاث کا کوئی اعتبار نہیں۔(ت)

اور شک نہیں کہ اکثر نجاست کہ عام لوگوں کے جوتوں کو لگتی ہے یہی نجاست رقیقہ استنجے کے پانی اور پیشاب کی ہوتی ہے۔واللہ اعلم

---

[1] بحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق باب الانجاس مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۲۳

[3] غنیہ المستملی فصل فی آسار مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۸

[4] ردالمحتار باب نکاح الرقیق مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۴۱۰

[5] ردالمحتار باب الجنایات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۴

مسئلہ ۱۰۰۹: ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقہ تمباکو کو پینے والے کے منہ کی بو نماز میں دوسرے نمازی کو معلوم ہوئی تو کوئی قباحت تونہیں ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

منہ میں بدبو ہونے کی حالت میں نماز مکروہ ہے اور ایسی حالت میں مسجد میں جانا حرام ہے جب تک منہ صاف نہ کرے، اور دوسرے نمازی کو ایذا پہنچنی حرام ہے، اور دوسرا نمازی نہ بھی ہو تو بدبو سے ملائکہ کو ایذا پہنچتی ہے، حدیث میں ہے:

ان الملٰئکۃ تتأذی ممایتاذی منہ بنوادم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ملائکہ کو ہر اس شے سے اذیت ہوتی ہے جس سے بنی آدم کو اذیّت پہنچتی ہے۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۱۰: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالت نماز میں کسی مقام پر کھجالی چلے تو کھجاوے یا نہیں، اور اگر کھجاوے تو کتنی مرتبہ؟

الجواب:

ضبط کرے، اور نہ ہوسکے یا اس کے سبب نماز میں دل پریشان ہو تو کھجالے مگر ایک رکن مثلاً قیام یا قعود یا رکوع یا سجود میں تین بار نہ کھجاوے دو بار تک اجازت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۱۱تا۱۰۱۶: مرسلہ احمد شاہ از موضع نگریہ سادات یکم ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں:

(۱) اگر تہبند کے نیچے لنگوٹ بندھا ہو تو نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تہبند کا پیچ کھول کر نماز کیوں پڑھتے ہیں؟

(۳) داڑھی میں ڈاٹا باندھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) کمر میں پٹکا باندھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی چیز کی مورت (تصویر) اگر جیب میں رکھی ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

(۶) روپیہ پیسہ جیب میں رکھ کر نماز درست ہے یا نہیں؟

---

[1] صحیح مسلم ، باب نہی من اکل ثومًا اوبصلًا او کراثا الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۰۹

الجواب:

(۱) درست ہے **واللہ تعالٰی علم۔**

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں کپڑا سمیٹنے گُھرسنے سے منع فرمایا ہے[1] **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں بالوں کے روکنے سے منع فرمایا ہے[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) درست ہے مگر دامن اس کے پیچھے نہ دَب جائے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) نماز درست ہوگی مگر یہ فعل مکروہ وناپسند ہے جبکہ کوئی ضرورت نہ ہو روپے اشرفی میں ضرورت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) درست ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱۷: از شہر کہنہ ۲۸ شوال ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگرکھے کے بند یا گھنڈی بلا باندھے یالگائے یاکُرتے کے بٹن جو سامنے سینہ پر گوٹ میں لگے ہوتے ہیں بلالگائے ہوئے یا کرتہ کی وہ گھنڈی جس کے کہ گوٹ آگے سینہ پر نہیں ہوتے بلکہ دونوں کندھوں پر ایک ایک گھنڈی لگی ہوتی ہے ایک گھنڈی لگا کر نماز پڑھے تو کوئی حرج تونہیں ہے؟ اگر کسی شخص کی ہمیشہ یہ عادت ہے کہ وہ گھنڈی کرتے کے گلے میں جو ہیں ایک کھلی رکھے جس سے کہ کچھ گلا کھلا ہوا رہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ سدل یعنی پہننے کے کپڑے کو بے پہنے لٹکانا مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ جیسے انگرکھا یا کرتا کندھوں پر سے ڈال لینا بغیر آستینوں میں ہاتھ ڈالے یا بعض بارانیاں وغیرہ ایسی بنتی ہیں کہ اُن کی آستینوں میں مونڈھوں کے پاس ہاتھ نکال لینے کے چاک بنے ہوتے ہیں ان میں سے ہاتھ نکال کر آستینوں کو بے پہنے چھوڑ دینا یا رضائی یا چادر کندھے یا سر پر ڈال کر دونوں آنچل چھوڑ دینا یا شال یا رومال ایک شانہ پر اس طرح ڈالنا کہ اس کے دونوں پلّو آگے پیچھے چھوٹے رہیں اور اگر رضائی یا چادر کا مثلاً سیدھا آنچل بائیں شانے پر ڈال لیا اور بایاں آنچل چھوڑ دیا تو حرج نہیں اور کسی کپڑے کو ایسا خلافِ عادت پہننا جسے مہذب آدمی مجمع یا بازار میں نہ کرسکے اور کرے تو بے ادب خفیف الحرکات سمجھا جائے یہ بھی مکروہ ہے جیسے انگرکھا پہننا اور گھنڈی یا باہر کے بند نہ لگانا

---

[1] صحیح بخاری باب لایکف شعراً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] صحیح بخاری باب لایکف شعراً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

یاایسا کرتا جس کے بٹن سینے پر ہیں پہننااور بوتام اتنے لگانا کہ سینہ یاشانہ کھلارہے جبکہ اوپر سے انگرکھانہ پہنے ہو یہ بھی مکروہ ہے اور اگراوپر سے انگرکھا پہنا ہے یااتنے بوتام لگالئے کہ سینہ یاشانہ ڈھک گئے اگرچہ اوپر کا بوتام نہ لگانے سے گلے کے پاس کاخفیف حصہ کھلارہا یاشانوں پرکے چاک بہت چھوٹے چھوٹے ہیں کہ بوتام نہ لگائیں جب بھی کرتا نیچے ڈھلکے گا شانے ڈھکے رہیں گے توحرج نہیں، اسی طرح انگرکھے پرجو صدری یاچغہ پہنتے ہیں اور عرف عام میں اُن کا کوئی بوتام بھی نہیں لگاتے اور اسے معیوب بھی نہیں سمجھتے تواس میں بھی حرج نہیں ہوناچاہئے کہ یہ خلافِ معتاد نہیں **ھذا ماظھر لی من کلماتھم والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جو عبارات فقہاء سے بھرپور واضح ہوا باقی حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ تحریما سدل ثوبہ ای ارسالہ بلالبس معتاد وکذا القباء بکم الی وراء ذکرہ الحلبی کشد ومندیل یرسلہ کتفیہ فلومن احدھما لم یکرہ کحالۃ عذروخارج صلوٰۃ فی الاصح[1]۔	کپڑے کو لٹکانا مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسالٹکانا جو معتاد پہننے کے خلاف ہو اسی طرح آستین والی قبا کا پیچھے کی طرف ڈالنا اسے حلبی نے ذکرکیا مثلاً پٹکا یارومال دونوں کاندھوں سے لٹکانا، اگرایک طرف سے ہو تومکروہ نہیں جیسا کہ اصح قول کے مطابق حالت عذر اور نماز سے باہر کا معاملہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم انہ لافرق بین ان یکون الثوب محفوظا من الوقوع، اولافعلی ھذا لاتکرہ فی الطیلسان الذی یجعل علی الراس وقدصرح بہ فی شرح الوقایۃاھ ای اذا لم یدرہ علی عنقہ والافلا سدل، والاقبیتۃ الرومیۃ التی تجعل لاکمامھا خروق عند العضد اذا اخرج المصلی یدہ من الخرق وارسل الکم یکرہ لصدق السدل لانہ	ان کے کلام کے ظاہر سے پتاچلتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں کہ کپڑا گرنے سے محفوظ ہو یانہ ہو لہٰذا اس صورت میں ٹوپی والے کوٹ میں کراہت نہیں ہوگی جو سرپر ہو، اس کی تصریح شرح وقایہ میں ہے اھ یعنی جب اس نے گردن کو نہ باندھا ہو ورنہ کوئی سدل نہ ہوگا وہ رومی قبائیں جن کی آستینوں میں کندھوں کے پاس سوراخ ہوتے ہیں، اگرنمازی اس پھٹی ہوئی جگہ سے ہاتھ نکالے اور آستین کو ویسے ہی ڈال لے تو یہ مکروہ ہے اس پرسدل کاصدق ہے کیونکہ یہ

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۱/۱

ارخاء من غیرلابس لان لبس الکم بادخال الیدوتمامه فی شرح المنیة، والشد شیئ یعتاد وضعه علی الکتفین کما فی البحر و ذلك نحو الشال فاذا ارسل طرفا منه علی صدرہ وطرفا علی ظهره یکرہ، وفی الخزائن بل ذکر ابوجعفر انه لوادخل یدیه فی کیسه ولم یزر ازرارہ فهو مسیئ لانه یشبه السدل اھ لکن فی الحلیه فیه نظر ظاهر بعد ان یکون تحت قمیص اونحوہ مما یستر البدن [1] اھ مختصرا ولنا فی ماقال فی الحلیة نظر قدمناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	بغیر پہننے کے چھوڑنا ہے اور آستین کا پہننا ہاتھ داخل کرکے ہوتا ہے اس کی تفصیل شرح منیہ میں ہے بحر میں ہے شد (صافا یاپڑنا) عادی شیئ ہے اسے کاندھے پر رکھا جاتا ہے اس کی مثل شال ہے جب اس کی ایک طرف اپنے سینے پر اور ایک طرف اپنی پشت پر رکھی تو یہ مکروہ ہے، خزائن میں ابوجعفر نے ذکر کیا اگر کسی نے دونوں ہاتھ آستینوں میں ڈالے اور ان کے بٹن بند نہ کئے تو یہ گنہ گار ہوگا کیونکہ یہ سدل کے مشابہ ہے لیکن حلیہ میں کہا کہ جب وہ قمیص یا ایسے کپڑے کے تحت ہو جو بدن کو ڈھانپ رہا ہو تو اس میں نظر ہے اھ اختصارًا جبکہ خود حلیہ کی گفتگو میں نظر ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے بیان کردیا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱۸: از کالج علی گڑھ کمرہ نمبر ۶ مرسلہ محمد عبدالمجید خاں یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس کمرہ میں یامکان میں تصاویر مردم آویزاں ہوں اُس میں نمازپڑھنا جائز یاناجائز حرام ہے یامکروہ؟ اگر ناجائز یامکروہ ہے توشارع نے جو مصلحت اس میں رکھی ہے وہ برائے خوبی اور باریکی ظاہر ہونے کے بیان فرمائے جائیں، دوسرے یہ کہ نماز ساتھ خیال غیراللہ اور ہمہ تن مصروف ہوکر ہونا چاہئے لہٰذا کیامضائقہ ہوسکتا ہے اگرتصاویر اس جگہ ہوں یااحتیاطًا کیسا اس قدر کافی نہیں ہوسکتا ہے کہ صرف سامنے یا اس حد تک کے جہاں تک نظرپڑسکے تصاویر ہٹادی جائیں اور پس پشت اگر تصاویر ہوں وہ رہیں اور نمازپڑھ لی جائے تو نماز ہوجائے گی یاکیانقص پیدا ہوجائے گا؟ فقط۔

الجواب:

جاندار کی اتنی بڑی تصویر کہ اسے زمین پررکھ کر کھڑے ہوکر دیکھیں تو اعضاء بالتفصیل نظرآئیں بشرطیکہ نہ سربریدہ ہو، نہ چہرہ محورکردہ، نہ پاؤں کے نیچے، نہ فرش پاانداز میں، نہ مخفی پوشیدہ جس کمرہ میں ہو، اس میں نماز مطلقًا

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۳-۴۷۲

مکروہ ہے خواہ آگے ہو یا پیچھے یا دہنے یا بائیں یا اُوپر یا سجدہ کی جگہ اور ان سب میں بدتر جائے سجود یا جانب قبلہ ہونا ہے پھر اوپر، پھر دہنے بائیں، پھر پیچھے اور اس میں کراہت کے متعدد وجوہ ہیں اس مکان کا معبدِ کفار سے مشابہ ہونا، تصویر کا بطور اعزاز ظاہر طور پر رکھا یا لگا ہونا، آگے یا جائے سجود پر ہو تو اس کی عبادت سے مشابہ ہو، ملائکہ رحمت کا اس مکان میں نہ آنا متواتر حدیثوں میں ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الملئکۃ لاتدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ[1]۔	بیشک فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

یہ وجہ اُن تمام صور مذکورہ کو شامل اور وہم مذکور فی السوال کا علاج کامل ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱۹:　　از بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار　　۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو امام ازار ٹخنوں کے نیچے تک پہن کر نماز پڑھائے وہ نماز مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ قبلہ رخ ایک قدم کو نہ رکھنا یا ایک قدم پر کھڑا رہنا نماز میں جائز ہے یا خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی؟ قبلہ رخ ایک قدم کو نہ رکھنا یا ایک قدم پر کھڑا رہنا نماز میں جائز ہے یا خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے؟ براہ ہمدردی استفتا بحوالہ عبارت کتب متداولہ معتبرہ فقیہ ارقام فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ازار کا گٹّوں سے نیچے رکھنا اگر برائے تکبر ہو حرام ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ورنہ صرف مکروہ تنزیہی، اور نماز میں بھی اس کی غایت اولٰی۔ صحیح بخاری شریف میں ہے: صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے جب تک میں اس کا خاص خیال نہ رکھوں فرمایا: **لست من یصنعہ خیلاء**[2] (تم ان میں نہیں ہو جو براہ تکبر ایسا کریں، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی آدمی کا ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکا کر چلنا اگر تکبر کی بنا پر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ غرائب میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن ابی طلحۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳۰/۴

[2] صحیح بخاری باب فی جرازارہ من غیر خیلاءٍ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۶۰/۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع فی اللبس مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۳۳/۵

دونوں باتیں خلاف سنت ومکروہ ہیں، ہاں تراوح بین القدمین یعنی تھوڑی دیر ایک پاؤں پر زور رکھنا پھر تھوڑی دیر دوسرے پر سنت ہے کما حققه فی الحلیة وبیناہ فی فتاوٰنا (حلیہ میں اس کی تفصیل ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں بھی اسے بیان کیا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۲۰: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سیّد ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

آج کل دیار بنگال کے بعض بعض شہروں میں بعض لوگوں نے فرض جماعت میں سر ننگا کرکے نماز پڑھنا اختیار کیا ہے اگر کسی نے کہا کہ جماعت کی اہانت ہوتی ہے تو اس کے جواب میں یہ لوگ کہتے ہیں کہ عاجزی وانکساری کی وجہ سے پڑھتا ہوں اسی طرح عاجزی وانکساری کے بہانے سے بعض لوگوں نے علاوہ نماز کے بھی سر پر ٹوپی رکھنا چھوڑ دیا ہے تو کیا ننگا سر فرض جماعت میں نماز پڑھنے سے نماز جائز ہوگی یا مکروہ ہوگی اگر جائز ہوگی تو کیا حضور سرور کائنات یا حضرت مولائے کائنات یا حضرات امامین متطہرین یا حضرات نے کبھی کبھی سر کو ننگا رکھا ہے یا نہیں؟ اور صوفیائے عظام کی کتابوں میں ننگا سر رہنا تہذیب اور آداب آیا ہے یا نہیں اور احادیث شریفہ وفقہ سے اس کی کراہت ثابت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریمہ نماز مع کلاہ وعمامہ ہے اور فقہاء کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کو تین قسم کیا ہے اگر بہ نیت تواضع وعاجزی ہو تو جائز اور بوجہ کسل ہو تو مکروہ، اور معاذاللہ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر، جب مسلمان اپنی نیت تواضع بتاتے ہیں تو اسے نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے ننگے سر رکھنے کا احرام میں حکم ہے اور اس حالت میں شبانہ روز برابر سر برہنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام سب سے ثابت، بغیر اس کے ننگے سر کی عادت ڈالنا کوچہ وبازار میں اسی طرح پھرنا نہ ہرگز ثابت ہے نہ شرعًا محمود بلکہ وہ منجملہ اسباب شہرت ہے اور ایسی وضع جس پر انگلیاں اُٹھیں شرعًا مکروہ، مجمع البحار وغیرہ میں ہے:

الخروج عن عادۃ البلد شهرة ومکروہ[1]۔	اہل شہر کے معمول سے نکلنا شہرت اور مکروہ ہے (ت)

صوفیہ کرام کا اس بارے میں کوئی قول اس وقت ذہن میں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] مجمع البحار

مسئلہ ۱۰۲۱: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مسئولہ حافظ رحیم اللہ صاحب ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

بعد الحمدکے محمد رسول اللہ والذین معہ رکوع پڑھاایک مقتدی کے منہ سے سہواً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نکلااور دوسرے مقتدی نے عمداً صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہا حضور ان دونوں مقتدیوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جو شخص یہ کہے کہ نماز کے اندر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ سہواً کہنا چاہئے نہ عمداً، ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل کانام پاک سن کر حکم ہے کہ عزّوجل یا جل جلالہ، یااس کی مثل کلمات تعظیمی کہے حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانام پاک سن کرواجب ہے کہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاعلیہ افضل الصلٰوۃ والسلام یااس کے مثل کلمات درود کہے مگر یہ دونوں وجوب بیرون نماز ہیں نماز میں سواان کلمات کے جو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مقرر فرمادیئے ہیں اور کی اجازت نہیں، خصوصاً جہریہ نماز میں وقت قرأت امام مقتدی کاسننااور خاموش رہنا واجب ہے یونہی امام کے خطبہ پڑھتے میں جب اللہ عزوجل اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ آئیں سامعین دل میں کلمات تقدیس ودرود کہیں، زبان سے کہنے کی وہاں بھی اجازت نہیں، نماز میں نام الٰہی سن کر جل وعلا یا نام مبارک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا اگر بقصد جواب ہے نماز جاتی رہے گی سہواً ہو یا قصداً، اور اگر بلاقصد جواب تو قصداً ممنوع اور سہواً پر مواخذہ نہیں، درمختار میں ہے:

سمع اسم اللہ تعالٰی فقال جل جلالہ او النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی علیہ اوقراءۃ الامام فقال صدق اللہ ورسولہ لفسد ان قصد جوابہ [1] اھ۔قال العلامۃ الشامی ذکر فی البحر انہ لوقال مثل ماقال المؤذن ان اراد جوابہ تفسد وکذا لولم تکن نیۃ لان الظاھرانہ اراد الاجابۃ وکذلك اذا سمع اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصلی	اگراللہ تعالٰی کانام سن کر جل جلالہ، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کانام سن کردرود شریف، امام کی قرأت سن کر صدق اللہ و رسولہ، کہاتو مقصود جواب تھاتو نماز فاسد ہو جائے گی اھ۔علامہ شامی نے فرمایا بحر میں ہے کہ اگرنمازی نے اذان کاجواب دیتے ہوئے اذان کے کلمات کہے تو نماز فاسد ہوجائے گی، اسی طرح اس صورت کاحکم ہے جب کوئی نیت نہ تھی کیونکہ ظاہرجواب دیناہی ہے اسی طرح جب سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۹

علیه فهذا اجابة اھ ویشکل علی هذا کلمة مامر من التفصیل فیمن سمع العاطس فقال الحمد لله تأمل، استفید انه لولم یقصد الجواب بل قصدا الثناء والتعظیم لاتفسد لان نفس تعظیم الله تعالٰی و والصلٰوۃ علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاینافی الصلٰوۃ کما شرح المنیة[1] اھ کلام العلامۃ ش۔	کا اسم گرامی سنا اور درود شریف پڑھا تو یہ بھی جواب ہی ہے اھ اور اس پر گزشتہ گفتگو کے ساتھ اعتراض ہوگا جس میں فرق کیا گیا تھا مثلاً کسی نے چھینک سن کر الحمدللہ کہا غور کرو، جو واضح کر رہا ہے کہ اگر مقصود جواب نہ ہو بلکہ اللہ کی ثنا و تعظیم ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالٰی کی تعظیم اور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام، نماز کے منافی نہیں شرح المنیہ اھ علامہ شامی کا کلام ختم ہوا۔
اقول: والذی من التفصیل ان سامع عطسة غیره، لوقال الحمد لله فان عنی الجوب اختلف المشائخ اوالتعلیم فسدت اولم یرد واحدا منهما لاتفسد نهر وصحح فی شرح المنیة عدم الفساد مطلقا لانه لم یتعارف جوابا قال بخلاف جواب السارّ بالحمدلة التعارف[2] اھ اھ ۔ش ورأیتنی کتبت علی قوله عدم الفساد مطلقا مانصه۔**اقول:** لابد من استثناء ارادة التعلیم کمالایخفی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جو تفصیل پیچھے گزری کہ اگر غیر کی چھینک سننے والے نے الحمدللہ کہا تو اگر مقصود جواب تھا تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے یا مقصود تعلیم تھا تو نماز فاسد ہوجائے گی یا دونوں میں سے کوئی بھی مقصود نہ تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی نہر، اور شرح منیہ میں اس بات کو صحیح قرار دیا ہے کہ کسی صورت میں بھی نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ یہ جواب متعارف نہیں بخلاف اس صورت کے جب خوش کن بات پر الحمدللہ کہے تو یہ جواب متارف ہے اھ ش۔ مجھے یاد آتا ہے کہ اس کے قول "عدم الفساد مطلقا" پر یہ لکھا تھا۔**اقول:** یہاں ارادہ تعلیم کو مستثنٰی کرنا ضروری ہے جیسا کہ واضح ہے اور تعلیل اس سے متعلق نہیں

[1] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۹

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۵۸

والتعلیل لایمسه فان العلة فیه شیئ اخر غیر کونه جوابا وھو کونه خطاء فھذا مامر من التفصیل وانت تعلم انه لامساس له بانھا من الفروع بان الحمدﷲ لیس جوابا بالعطاس و انما ھو سنة العاطس فاذالم یرد به التعلیم لم یکن الاانشاء حمد بخلاف ماھنا فکله جواب وقد عرف جوابا فقد عرف الجواب عن الاشکال [1]۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	ہو سکتی کیونکہ اس میں علت اور شیئ ہے اور وہ جواب ہونا نہیں بلکہ وہ اس کا خطاء ہونا ہے یہی گزشتہ تفصیل تھی اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کا کوئی تعلق نہیں کہ یہ اس کی فروعات میں سے ہے کیونکہ الحمدﷲ چھینک کا جواب نہیں بلکہ وہ چھینکوالے کے لئے سنت ہے توجب اس سے مقصود تعلیم نہیں تواب حمد کرنا ہی ہوگا بخلاف مذکورہ صورتوں کے کہ یہ بہرصورت جواب ہیں کیونکہ ان کا جواب ہونا معروف ہے تو اس سے اشکال کا جواب معلوم ہوگیا۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۲۲: از داتا گنج ضلع بدایوں مرسلہ عاشق حسین صاحب ۱۹جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

جوتا پہن کر یعنی فل بوٹ جو ٹخنوں تک بندھا ہوتا ہے خشک ہو غلاظت نہ لگی ہو خواہ نیا ہو یا پرانا، نماز جائز ہے یا نہیں؟ یہ اور بات ہے کہ مسجد میں چونکہ سب لوگ رواجاً آج کل جوتا اتار کر جاتے ہیں ان میں ایک شخص انگشت نمائی کے خوف سے جوتا پہن کر نہ جائے مگر مسئلہ کیا ہے آیا کوئی شخص اپنے مکان میں یا جنگل میں یا سفر میں بوٹ پہن کر نماز پڑھ سکتا ہے؟ ایک مولوی نے فرمایا تھا کہ بوٹ نیا ہو یا پرانا، خشک ہو، غلاظت نہ لگی ہو پہن کر نماز جائز اور صحیح بخاری میں لکھا ہوا بتایا تھا۔

الجواب:

مسجد میں جوتا پہن کر جانا خلاف ادب ہے۔ ردالمحتار میں ہے دخول المسجد متنعلا سوء الادب [2] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ت) اب کی بنا عرف ورواج ہی پر ہے اور وہ اختلاف زمانہ وملک وقوم سے بدلتا ہے، عرب میں باپ سے اَنْتَ کہہ کرخطاب کرتے ہیں یعنی تو۔ زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی یونہی خطاب ہوتا تھا، سیّدنا اسمٰعیل علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیّدنا ابراہیم شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عرض کی اے میرے باپ! تو کر جس بات کا تجھے

---

[1] جدالممتار علٰی ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۱/۲۸۵

[2] ردالمحتار باب یفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶

حکم دیا جاتا ہے اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بنا کر اپنے باپ کو تُوتُو کہا کرے ضرور گستاخ مستحق سزا ہے نماز حاضری بارگاہ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جائے، یہ تو ادب کا حکم ہے اور آج کل لوگوں کے جوتے صحابہ کرام کے جوتوں کی طرح نہیں ہوتے۔ ردالمحتار میں ہے: **نعالهم المتنجسة**[1] (لوگوں کے جوتے ناپاک ہوتے ہیں۔ت) پھر بوٹ غالبًا ایسا پھنسا ہوا ہوتا ہے کہ سجدے میں انگلیوں کا پیٹ زمین پر بچھانے نہ دے گا تو آداب درکنار سرے سے نماز ہی نہ ہوگی۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۳: از لکھراالہ ضلع بدایوں مرسلہ یسین خاں ۷ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے پہلی رکعت میں لم یکن الذین کفروا پڑھی اور دوسری میں سورۂ دہر، اس سے کہا کہ ایک تو تم نے قرآن شریف اُلٹا پڑھا دوسرا پہلی سورہ چھوٹی پڑھی اور بعد کی بڑی، نماز میں کراہت تو نہیں آئی، کہا کچھ حرج نہیں حدیث سے ثابت ہے۔ فقط

الجواب: اس میں دو کراہتیں ہوئیں: ایک دوسری رکعت کی پہلی سے اس قدر تطویل، اور دوسری سخت اشد کراہت ہے۔ قرآن مجید کو معکوس پڑھنا یہ گناہ وسخت ناجائز ہے حدیث میں ہے ایسا شخص خوف نہیں کرتا کہ اللہ تعالٰی اس کا دل اُلٹ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۴: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ حافظ سیّد بنیاد علی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے حجرہ میں کوئی شخص علیحدہ نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مسجد کے حجرہ میں فرضوں کے سوا اور نمازیں پڑھنا بہتر ہے یہاں تک کہ فرائض کے قبل وبعد کے سنن مؤکدہ میں بھی۔ بربنائے اصل حکم افضل یہی ہے کہ غیر مسجد میں ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ[2]۔	فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نماز گھر میں افضل ہے (ت)

مگر فرائض بے عذر قوی مقبول اگر حجرہ میں پڑھے اور مسجد میں نہ آئے گنہگار ہے، چند بار ایسا ہو تو فاسق

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۵۴

[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ النافلۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۶۶

مردود الشہادۃ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ لجار المسجد الافی المسجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کے پڑوسی کی نماز صرف مسجد میں ہوتی ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چوری کا کپڑا پہن کر نماز کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

چوری کا کپڑا پہن کر نماز پڑھنے میں اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گالان الفساد مجاور (کیونکہ فساد نماز سے باہر ہے۔ت) مگر نماز مکروہ تحریمی ہوگی للاشتمال علی المحرم (حرام چیز اٹھائے ہوئے ہونے کی وجہ سے) کہ جائز کپڑے پہن کر اس کا اعادہ واجب کالصلٰوۃ فی الارض المغصوبۃ سواء بسواء (جس طرح مغصوبہ زمین پر نماز کا حکم اور یہ برابر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے سر پر دستار نہ ہو اور مقتدی کے دستار ہو تو کسی کی نماز میں کچھ خلل آتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ خلل آتا ہے تو امام کے یا مقتدی کے؟ اور اگر خلل ہے تو کس قسم کا خلل ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

کسی کی نماز میں کچھ خلل نہیں، عمامہ مستحبات نماز سے ہے اور ترک مستحب سے خلل درکنار کراہت بھی نہیں آتی،

وذلك لان التعمم من سنن الزوائد و سنن الزوائد حکمها حکم المستحب۔	اس لئے کہ عمامہ باندھنا سنن زوائد میں سے ہے اور سنن زوائد کا حکم مستحب والا ہوتا ہے(ت)

درمختار میں ہے:

لها اٰداب ترکه لایوجب اسائة والاعتابا کترك سنة الزوائد لکن فعله افضل[2]۔	نماز کے آداب ہیں جن کا ترک اساءت وعتاب لازم نہیں کرتا مثلاً سنن زوائد کا ترک، لیکن بجالانا افضل ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

السنة نوعان سنة الهدی وترکها	سنت کی دو اقسام ہیں، سنت ہدٰی، اس کے

[1] سنن الدار قطنی باب البحث لجار المسجد علی الصلٰوۃ فیہ الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۴۲۰

[2] درمختار آخر باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۷۳

یوجب اساءۃ وکراھۃ کالجماعۃ والاذان والاقامۃ ونحوھا وسنۃ الزوائد وترکھا لایوجب ذلك کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ والنفل و منہ المندوب یثاب فاعلہ ولایسیئ تارکہ کذا حققہ العلامۃ ابن کمال فی تغییر التنقیح وشرحہ فلافرق بین النفل و سنن الزوائد من حیث الحکم لانہ لایکرہ ترك کل منھما وقدمثلوا السنۃ الزوائد بتطویلہ علیہ الصلٰوۃ والسلام القرائۃ و الرکوع والسجود ولمالم تکن مکملات الدین وشعائرہ سمیت سنۃ الزوائد بخلاف سنۃ الھدی وھی السنن المؤکدۃ القریبۃ من الواجب التی یضلل تارکھا اھ ملخصا[1] واللہ تعالٰی اعلم	ترک سے اسائت وکراہت لازم آتی ہے مثلاً جماعت اذان اور تکبیر وغیرہ، سنت زوائد اس کے ترک سے اسائت وکراہت لازم نہیں آتی مثلاً آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کالباس پہننا، نفل ومندوب کامعاملہ بھی یہی ہے اس کے کرنے والے کوثواب ہوگامگر تارک گنہگار نہیں، علامہ ابن کمال نے تغییر التنقیح اور اس کی شرح میں اسی طرح تحقیق کی ہے پس نفل اور سنن زوائد میں حکم کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں کیونکہ کسی کا بھی ترک مکروہ نہیں، فقہانے بعض اوقات سنت زوائد کی مثال نماز میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاقرات، رکوع اور سجود کولمبا کرنا بھی دی ہے جب وہ دین اور شعائردین کاحصہ نہیں تو انہیں سنت زوائد کہاجاتاہے بخلاف سنت ہدٰی کے، وہ سنن مؤکدہ ہوتی ہیں جو واجب کے قریب ہیں ان کا تارک گمراہ ہے اھ تلخیصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۲۷: مرسلہ محمدابراہیم محلّہ خواجہ قطب بریلی ۲۲شوال المکرم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مردہ کی نمازپڑھانے کے واسطے جوجائے نماز ملتی ہے اس سے کُرتایاکچھ اور کپڑابنوانا جائز ہے یانہیں؟ اور اگرجائز نہیں تو اس سے جو نماز مفروضہ پڑھی گئی وہ لوٹائی جائے گی یانہیں؟ اور اُس کفن سے یہ جائے نماز کے واسطے کپڑانکالنا جائز ہے یانہیں؟ بادلیل وحوالہ کتب تحریر کریں۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

اس جائے نماز سے دو۲غرضیں لوگوں کی ہیں، ایک یہ اکثر نماز جنازہ راستے وغیرہ بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے مسجد کہ صاف وپاکیزہ رکھی جاتی ہے اس میں نماز جنازہ منع ہے توبغرض احتیاط امام کے نیچے جائے نماز

[1] ردالمحتار مطلب فی السنۃ وتعریفھا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

بچھادی جاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اس کامہیا کرنا دشوار ہوتا ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ سب کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے توجائے نماز کے سبب امام کی نماز ہو جائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض وابرائے ذمہ کے لئے کافی ہے کہ نماز جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسری نفع فقیر کہ وہ جانماز بعد از نماز کسی طالب علم اور فقیر پر تصدق کردی جاتی ہے اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تواس کے جواز میں کلام نہیں اور جس فقیر پر وہ تصدیق کی گئی اس کی ملک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنالے اس میں نماز مکروہ بھی نہیں نہ اصلاً حاجت اعادہ کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب الوتروالنوافل
(وتراور نوافل کابیان)

مسئلہ ۱۰۲۸ : ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نماز ظہر وعشاء باجماعت پڑھ چکا خواہ امام تھا یا مقتدی اب دوسری جماعت قائم ہوئی وہ شریک جماعت ہوا تو وہ نیت نماز کی کیا کرے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نفل کی نیت چاہئے،

فان الفریضۃ فی الوقت لاتکرر، وفی الحدیث لایصلی بعد صلٰوۃ مثلہا[1]۔	کیونکہ وقتی فریضہ میں تکرار نہیں، حدیث میں ہے نماز کی مثل نماز کے بعد ادانہ کی جائے۔(ت)

اور اگرفرض کی نیت کرے گاجب بھی نفل ہی ہوں گے **فان الفریضۃ فی الوقت لاتکرر** (کیونکہ فریضہ ایک وقت میں متکرر نہیں ہوا کرتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲۹: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

نیا کپڑااور جُوتا پہن کر نفل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

نیا کپڑا پہن کر نفل پڑھنا بہتر ہے،یُونہی نیاجُوتا بھی اگراس پنجہ اتنا کڑا نہ ہو کہ پاؤں کی کسی انگی کا

[1] مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلٰوۃ مثلہا مطبوعہ ادارۃالقرآن کراچی ۲/ ۲۰۶

پیٹ زمین سے نہ لگنے دے ایسا ہوگا تو نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۰: از بریلی مرسلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

آج کل وتر باجماعت پڑھنا بوجہ فضل جماعت افضل یا بوقت تہجد بھی بہتر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

وتر رمضان المبارک میں ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کو اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے یا مثل نماز گھر میں تنہا، دونوں قول باقوت ہیں اور دونوں طرف تصحیح وترجیح، اول کو یہ مزیت کہ اب عامہ مسلمین کا اس پر عمل ہے اور حدیث سے بھی اس کی تائید نکلتی ہے، ثانی کو یہ فضیلت کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے، ردالمحتار میں زیر قولِ درمختار الجماعۃ فی وتر رمضان مستحبۃ علی قول (ایک قول کے مطابق رمضان میں وتر کی جماعت مستحب ہے۔ت) فرمایا:

وغیر مستحبۃ علی قول اٰخر بل یصلیھا وحدہ فی بیتہ وھما قولان مصححان وسیاتی قبیل ادراک الفریضۃ ترجیح الثانی بانہ المذہب[1]۔	ایک اور قول کے مطابق مستحب نہیں ہے بلکہ انہیں گھر میں تنہا ادا کرے، اور یہ دونوں اقوال صحیح قرار دیئے گئے ہیں عنقریب ادراک فریضہ سے تھوڑا سا پہلے آئے گا کہ دوسرے قول کو ترجیح ہے کہ یہی مذہب ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ مایقتضی ان المذھب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ[2]۔	کیا وتر میں جماعت افضل یا گھر میں ادا کرنا دونوں کی تصحیح ہے لیکن شارح وہبانیہ نے جو نقل کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ دوسرا قول مذہب ہے اور اسے مصنف وغیرہ نے بھی ثابت رکھا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

رجح الکمال الجماعۃ بانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اوتربھم	کمال نے اس بنا پر جماعت کو ترجیح دی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو وتر پڑھائے،

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

ثم بين العذر فی تأخره مثل ماصنع فی التراويح فكما ان الجماعة فيها سنة فكذلك الوتر بحر وفی شرح المنية الصحيح ان الجماعة فيها افضل الاان سنيتها ليست كسنية جماعة التراويح اه قال الخير الرملی وهذاالذی عليه عامة الناس اليوم اه وقواه المحشی ايضا بانه مقتضی مامرمن ان كل ماشرع بجماعة فالمسجد افضل فيه[1]اه مافی ردالمحتار **اقول:** فی هذه التقوية عندی نظر ظاهرفانه لوكان المراد ان ماجاز بجماعة فالمسجد افضل فيه فممنوع فان كل نفل يجوز بجماعة مالم يكن علی سبيل التداعی مع ان الافضل فيه البيت وفاقا وان كان المراد ماندب فيه الشرع الی الجماعة فمسلم لكن هذا اول المسئلة فالاستناد به صريح المصادرة فليتأمل۔

پھر جماعت چھوڑنے پر وہی حکمت بیان کی جو نماز تراویح میں تھی تو وتر کا حکم تراویح والا ہے جس طرح ان میں جماعت سنت ہے اسی طرح وتروں میں بھی، بحر، شرح المنیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت وتروں میں افضل مگر اس سنیت تراویح کی جماعت کی طرح نہیں اھ خیر رملی نے فرمایا اسی پر آج لوگوں کا عمل ہے اھ محشی نے بھی یہ کہتے ہوئے اس کی تائید کی گزشتہ اصول کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہروہ نماز جو جماعت کے ساتھ مشروع ہے وہ مسجد میں افضل ہے اھ ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی **اقول:** اس کی تائید میں میرے نزدیک نظر ظاہر ہے اگر یہ مراد ہو کہ ہروہ نماز جو جماعت کے ساتھ جائز ہے اس میں مسجد افضل ہے تو یہ ممنوع ہے کیونکہ جن نوافل کی علٰی سبیل التداعی جماعت نہ ہو ان کی جماعت جائز ہے حالانکہ ان کی ادائیگی بالاتفاق گھر میں افضل ہے، اور اگر مراد یہ ہو کہ جس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعت نے مستحب قرار دیا ہو تو یہ مسلم ہے لیکن یہ بعینہٖ سوال ہے اسی کے ساتھ استناد کرنا صراحۃً مصادرہ علی المطلوب ہے۔ پس غور کیجئے۔(ت)

بالجملہ اس مسئلہ میں اپنے وقت وحالت اور اپنی قوم وجماعت کی موافقت سے جسے انسب جانے اس پر عمل کا اختیار رکھتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۲

مسئلہ ۱۰۳۱: از کلکتہ دھرم تلانمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان شریف ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف میں عشاء کی نماز فرض جس میں مصلی تہجد گزار یا غیر تہجد گزار نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہو اس کو نماز وتر جماعت کے ساتھ ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

کسی کو بھی ضرور نہیں بلکہ افضیلت میں اختلاف ہے، ہمارے اصل مذہب میں افضل یہی ہے کہ تنہا گھر میں پڑھے اور ایک قول پر مسجد میں جماعت سے پڑھنا افضل ہے، اب اکثر مسلمین کا عمل اسی پر ہے **کما فی الدر و حواشیہ وبیناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ در اور اس کے حواشی میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے۔ت) بہر حال ضروری کسی کے نزدیک نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳۲: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زاداں مرسلہ مرزا عابد حسین صاحب ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نماز تہجد واجب ہے یا سنت؟ اگر سنت ہے تو موکدہ یا غیر مؤکدہ؟ اس کا تارک گنہگار ہے یا نہیں یعنی قصداً ترک کرنے والا؟ مفصل مع احادیث ارقام فرمائیے گا۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

تہجد سنت مستحبہ ہے تمام مستحب نمازوں سے اعظم واہم، قرآن واحادیث حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی ترغیب سے مالامال، عامہ کتب مذہب میں اسے مندوبات و مستحبات سے گنا اور سنت مؤکدہ سے جدا ذکر کیا، تو اس کا تارک اگرچہ فضل کبیر وخیر کثیر سے محروم ہے گنہگار نہیں، بحر الرائق و علمگیری و در مختار و فتح اللہ المعین السید ابوالسعود الازہری میں ہے: **المندوبات صلٰوۃ اللیل**[1] (رات کی نماز مندوبات میں سے ہے۔ت) مراقی الفلاح میں ہے: **سن تحیۃ المسجد و ندب صلٰوۃ اللیل**[2] (تحیۃ المسجد سنت اور رات کی نماز مستحب ہے۔ت) غنیہ شرح منیہ میں ہے: **من النوافل المستحبۃ قیام اللیل**[3] (نوافل مستحبہ میں سے رات کی نماز ہے۔ت)

---

[1] فتح المعین حاشیہ علی الکنز باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی بیان النوافل مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶-۲۱۵

[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل بحث قیام اللیل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۳۲

حلیہ میں ہے:

مشی صاحب الحاوی القدسی علی انھا مندوبة[1]۔	صاحب الحاوی القدسی کی رائے یہی ہے کہ رات کی نماز مستحب ہے۔ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاحسن اتمام السنن المؤقتة بذکر صلٰوۃ الضحی و المستحبات بذکر التھجد[2] اھ ملخصًا۔	وقتی سنن میں چاشت کی نماز اور مستحبات میں تہجد کا ذکر ان کا اچھا اتمام ہے اھ ملخصًا (ت)

غرض ہمارے کتب مذہب کے احکام منصوصہ مذکورہ علی جہۃ النفل میں اس کا استحباب ہی مصرح ہے، ہاں بعض علمائے مالکیہ وشافعیہ مثل امام ابن عبدالبر وامام ابوزکریا نووی جانب سنیّت گئے، اور بعض ائمہ تابعین حسن بصری و عبیدہ سلمانی و محمد بن سیرین قائل وجوب ہوئے کما یظھر بمطالعة عمدۃ القاری وشرح المؤطا الزرقانی وغیرھما (جیسا کہ عمدۃ القاری، شرح المؤطا للزرقانی وغیرہ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے۔ت) قول وجوب کو تو جمہور علمائے مذاہب اربعہ ردفرماتے اور مخالف جماعت بتاتے ہیں کما فیھما وفی شرح مسلم للنووی و البخاری للقسطلانی والمواھب للزرقانی وغیرھما (جیسا کہ ان دونوں میں ہے اور شرح مسلم للنووی، شرح بخاری للقسطلانی اور مواہب للزرقانی وغیرہ میں ہے۔ت) اور ہمارے علماء وجوب وسنیت کی یکساں تضعیف فرماتے ہیں۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

ثمان رکعات بتسلیمة اوتسلیمتین للتھجد وقیل له رکعتان سنة وقیل فرض کما فی المحیط[3]۔	تہجد کی ایک یا دو سلاموں کے ساتھ آٹھ رکعات ہیں بعض کے نزدیک دو رکعات سنت ہیں بعض کے نزدیک یہ فرض ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

البتہ ہمارے علماء متاخرین سے امام ابن الہمام نے سنیت واستحباب میں تردد اور بالآخر جانب اول میل اور انہیں کے اتباع سے اُن کے تلمیذ علامہ حلبی نے حلیہ میں اسے اشبہ فرمایا، یہ ان

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] جامع الرموز فصل الوتر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۷

[3] جامع الرموز فصل الوتر مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۷

امام کی اپنی بحث ہے۔ نہ مذہب منصوص باآنکہ خود اعتراف فرماتے ہیں کہ احادیث قولیہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف استحباب ہی کاافادہ فرماتے ہیں۔ مستند اُن کا مواظبت فعلیہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے مگر خود فرماتے ہیں کہ مواظبت وہی مفید سنیت جو فعل نفل پر ہو، تواس مسئلہ کی بناء حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تہجد فرض ہونے نہ ہونے پر رہی۔ اگر حضور پر فرض نہ تھا توبوجہ مواظبت اُمت کے لئے سنت ہوگا ورنہ مستحب۔

قال قدس سرہ بقی ان صفۃ صلوۃ اللیل فی حقنا السنیۃ اوالاستحباب یتوقف علی صفتھا فی حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان کانت فرضا فی حقہ فھی مندوبۃ فی حقنا لان الادلۃ القولیۃ فیھا انما تفید الندب والمواظبت الفعلیۃ لیست علی تطوع لتکون سنۃ فی حقنا وان کانت تطوعا فسنۃ بلنا[1]۔	امام ابن ہمام قدس سرہ، نے فرمایا کہ باقی رہا معاملہ رات کی نماز کاکہ آیا ہمارے حق میں سنت ہے یا مستحب، تویہ بات اس پر موقوف ہے کہ وہ سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں کیا تھی، اگروہ آپ پر فرض تھی توہمارے حق میں مستحب ہے کیونکہ ادلہ قولیہ اس کے بارے میں مستحب ہونے کافائدہ دیتی ہیں اور مواظبت فعلیہ نفل پر نہیں کہ وہ ہمارے حق میں سنت بن جائے اور اگرآپ کے لئے یہ نفل تھی توہمارے لئے یہ سنت ہوگی۔ (ت)

اب اسی مبنٰی کو دیکھئے تواس میں بھی قول جمہور مذہب مختار ومنصور حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت ہے اسی پر ظاہر قرآن عظیم شاہد اوراسی طرف حدیث مرفوع وارد۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ[2]	اللہ تعالٰی کافرمان ہے اے چادر اوڑھنے والے رات کوقیام کیا کرو۔

دوسرے مقام پرفرمایا:

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ[3]	رات کو تہجد ادا کیا کرو۔

ان آیتوں میں خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوامرالٰہی ہے اور امرالٰہی مفید وجوب،

ولاینا فیہ قولہ تعالٰی نافلۃ فالنافلۃ	اللہ تعالٰی کانافلۃ فرمانا اس وجوب کے منافی نہیں

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۹۱

[2] القرآن ۷۳/۱۔۲

[3] القرآن ۱۷/۷۹

الزیادۃ ای زائدۃ فی فرائضك اوفی درجاتك بتخصیص ایجابه بك فان الفرائض اعظم درجات واکبر تفصیلا بل مؤیدہ قوله تعالٰی لك قال الامام ابن الھمام ربما یعطی التقیید بالمجرور ذلك فانه اذا کان النفل المتعارف یکون کذلك له ولغیرہ[1] اھ	کیونکہ نافلہ کا معنی زائدہ ہے اب معنی ہوگا کہ آپ کے فرائض یادرجات میں یہ اضافہ ہے کہ آپ پر یہ لازم واجب ہے کیونکہ فرائض سب سے بڑے درجے وفضیلت پر فائز کرنے کاسبب بنتے ہیں بلکہ اس کی تائید اللہ تعالٰی کے اس ارشاد "لک" سے ہورہی ہے۔ امام ابن ہمام کہتے ہیں کہ بعض اوقات مجرور "ک" کے ساتھ مقید کرنا اسی بات کافائدہ دیتاہے (یعنی یہ فرائض میں آپ کے لئے اضافہ ہے) کیونکہ متعارف نوافل صرف آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ اس میں آپ اور دیگر لوگ مشترک ہیں (ت)

طبرانی معجم ف اوسط بیہقی سنن میں اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ثلث ھن علیّ فرائض وھن لکم سنة الوتر والسواك وقیام اللیل[2]۔ **اقول**: والحدیث ان لم یصلح حجة فقد استظھر بظاھر الکتاب العزیز، وقدنص المحقق نفسه فی الفتح القدیر مسئلة امرأۃ المفقود ان الحدیث الضعیف یصلح مرجحا لامثبتا بالاصالة قال ومؤافقة ابن مسعود مرجح اٰخر[3]۔	تین چیزیں مجھ پرفرض اور تمہارے لئے سنت ہیں: وتر ومسواک وقیامِ شب **اقول**: (میں کہتاہوں) اگرچہ یہ حدیث حجت نہیں بن سکتی مگر قرآن عزیز کے ظاہر سے اس کی تائید ہورہی ہے اور خود محقق نے فتح القدیر میں مسئلہ مفقود کی بیوی کے تحت لکھاہے کہ حدیث ضعیف کسی شیئ کی اصل کو ثابت نہیں کرسکتی البتہ مرجح

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۹۱

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ معجم اوسط وسنن بیہقی زیرآیہ ومن الیل فتہجد بہ نافلۃ لک مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظیمی قم ایران ۴/۱۹۶، تفسیر خازن سورہ بنی اسرائیل میں مذکور ہے مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/۱۷۴، کنزالعمال بحوالہ بیہقی الاکمال من وقت الوتر ۱۹۵۴۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی موسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/۴۰۷، مجمع الزوائد بحوالہ معجم الاوسط باب ماجاء فی الخصائص مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۷/۴۰۷، المعجم الاوسط حدیث ۳۲۹۰ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۱۶۵

[3] فتح القدیر کتاب المفقود مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۷۲

بن سکتی ہے اور کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت دوسرا مرجح ہے(ت) **اقول: وھھنا موافقۃ سلطان المفسرین مرجح اٰخر** (اور یہاں سلطان المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی موافقت ایک دوسرا مرجح ہے۔ت) ابو جعفر طبری حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

اُمِر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیام اللیل وکتب علیہ دون امتہ[1]	حضور سیّدعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قیام شب کا حکم تھا حضور پر فرض تھا اُمت پر نہیں۔

امام محی السنۃ بغوی معالم میں فرماتے ہیں:

کانت صلٰوۃ اللیل فریضۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الابتداء و علی الامۃ، ثم صار الوجوب منسوخا فی حق الامۃ، وبقی فی حق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] اھ ملخصا	ابتداء قیامِ شب سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی امت دونوں پر فرض تھا پھر امت کے حق میں وجوب منسوخ ہوگیا لیکن رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں وجوب باقی رہااھ تلخیصًا(ت)

فتح القدیر میں ہے: **علیہ کلام الاصولیین من مشائخنا**[3] (ہمارے مشائخ اصولیین کی رائے یہی ہے۔ت) شرح مواہب زرقانی میں ہے: **ھو قول الاکثر ومالک**[4] (اکثر علماء اور امام مالک کا یہی قول ہے۔ت) مواہب میں ہے: **ھذا ماصححہ الرافعی ونقلہ النووی عن الجمھور**[5] (رافعی نے اسی کی تصحیح کی اور نووی نے اسے جمہور سے نقل کیاہے۔ت) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

مختار آن ست کہ از امت منسوخ شد برآنحضرت	مختار یہی ہے کہ امت سے یہ منسوخ ہے اور

[1] تفسیر ابن جریر طبری المسمی جامع البیان مطبوعہ مطبعۃ میمنیۃ مصر ۹۰/۱۵، المواہب اللدنیۃ بحوالہ طبری الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۷۸/۴

[2] المعالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن زیرآیۃ ومن الیل فتہجد بہ الخ ۱۷۴/۴

[3] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳۹۱/۱

[4] شرح الزرقانی المواہب الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ صر ۴۵۵/۷

[5] مواہب اللدنیہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باقی ماند تا آخر عمر وقد حقق ذلك فی موضعہ[1]	سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں یہ وجوب تمام عمر باقی رہا اور اس کی تحقیق اس کے مقام پر ہوئی ہے۔(ت)

تو یوں بھی سنیت تہجد ثابت نہ ہوئی اور وہی مذہب واستحباب مؤید بقول جمہور ومشرب ومختار ومنصور رہا۔

اقول: شک نہیں کہ تہجد ابتدائے امر میں حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ اور حضور کی امت سب پر فرض تھا کما شھدت بہ سورۃ المزمل "صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" (جیسا کہ اس پر سورہ مزمل (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) گواہ ہے۔ت) تو اب ان کی فرضیت ثبوت ناسخ پر موقوف، امت کے حق میں ناسخ بدلیل اجماع امت ثابت وان لم نعلم سند الاجماع (اگرچہ ہم اس اجماع کی سند سے آگاہ نہیں۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں دعوٰی نسخ کو بھی کوئی ایسی ہی روشن دلیل چاہئے جو اپنے افادہ میں احتمالات سے منزہ ہوں فان الاحتمال یقطع الاستدلال ولایقوم بامر محتمل حجۃ (کیونکہ احتمال استدلال کو ختم کردیتا ہے اور امر محتمل حجت نہیں ہوسکتا۔ت) حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

ان اللہ عزوجل افترض قیام اللیل فی اول ھذہ السورۃ فقام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ حولا وامسك اللہ خاتمتھا اثنی عشر شھرا فی السماء حتی انزل اللہ فی اٰخر ھذہ السورۃ التخفیف فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ[2] رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی۔	اللہ عزوجل نے اس سورہ کی ابتداء میں قیام شب فرض فرمایا تو سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے ایک سال تک قیام کیا اور اس سورۃ کے آخری حصہ کو اللہ تعالٰی نے بارہ مال تک آسمان پر روکے رکھا حتی کہ اس سورۃ کے آخر میں تخفیف نازل ہوئی تو فرض ہونے کے بعد اب قیام شب نفل بن گیا کو مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نسخ میں نص نہیں ولہٰذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا: دلالتہ لیست بقویۃ لاحتمالہ[3] (اس کی دلالت احتمال کی وجہ سے (حضور اکرم کے حق

[1] اشعۃ اللمعات باب صلٰوۃ اللیل مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۰۶

[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۶، سنن نسائی باب قیام اللیل مطبوعہ نور محمد کارخانہ آرام باغ کراچی ۱/۲۳۷

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثالث فی ذکر تہجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ عامرہ مصر ۷/۴۵۷

میں نسخ پر) قوی نہیں۔ت) رسائل الارکان مولٰنا بحر العلوم میں ہے:

هذا لایقنع به القائل بالفریضة لانه یقول لعل ام المؤمنین ارادت ان صلوٰة اللیل كانت فریضة علی الامة ثم نسخها الله تعالٰی عن الامة وصارت نفلا واما علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فبقیت الفریضة كما كانت یظهر من خاتمة سورة المزمل[1] اھ۔ **اقول:** كانه یرید قوله تعالٰی علم ان لم تحصوه فتاب علیكم وقوله تعالٰی عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ[2] فان الظاهر ان الخطاب فیه للامة۔	جو حضور پر فرضیت تہجد کا قائل ہے وہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس فرمان سے قانع نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ کہہ سکتاہے آپ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ پہلے قیام شب اُمت پر فرض تھا پھر فرض منسوخ ہوکر نفل ہوگیا، رہامعاملہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاتووہاں یہ فرض ہی باقی رہا جیساکہ خاتمہ سورۃ سے ظاہر ہورہاہے اھ۔ **اقول:** شاید اس سے ان کی مراد خاتمہ سورۃ کے یہ الفاظ ہوں کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ جانتاہے اے مسلمانو! تم سے رات کاشمارنہ ہوسکے گا تو اس نے اپنے کرم سے تم پررجوع فرمایا" اور اللہ تعالٰی کایہ فرمان: "وہ جانتاہے کہ عنقریب تم میں کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ زمین پر سفر کریں گے، اللہ کا فضل تلاش کریں گے" کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں خطاب اُمت کے لئے ہے(ت)

ثم اقول: ہمیں احتمال کافی خصوصًا جبکہ بوجہ عدیدہ اس کا پتا چلتا ہو اوّلًا اسی حدیث میں لفظ ابوداؤدیوں ہیں:

قال (ای سعد بن هشام، قلت حدثنی عن قیام اللیل قالت الست تقرأ یایها المزمل قال قلت بلٰی قالت فان اوّل هذه السورة نزلت فقام اصحاب رسول الله صلی الله	اس (یعنی سعد بن ہشام) نے کہاکہ میں نے عرض کیاکہ مجھے قیام شب کے بارے میں بیان کیجئے توامّ المومنین نے فرمایا کیا تونے یایھا المزمل نہیں پڑھی؟ عرض کیا ہاں پڑھی ہے۔ فرمایا اس سورۃ کاابتدائی حصہ جب نازل ہوا تو حضور کے اصحاب

[1] رسائل الارکان فصل فی صلوۃ اللیل مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۳۵

[2] القرآن ۷۳/ ۲۰

تعالٰی علیہ وسلم حتی انتفخت اقدامھم وحبس خاتمتھا فی السماء اثنی عشر شھرا ثم نزل اٰخرھا فصار قیام اللیل تطوعا بعد فریضۃ[1]۔	نے یہاں تک قیام کیا کہ ان کے پاؤں سوج گئے، لیکن اس کا آخری حصہ بارہ ۱۲ ماہ آسمان پر روک لیا، پھر جب آخری حصہ نازل فرمایا تو قیام شب فرض ہونے کے بعد نفل بن گیا(ت)

ثانیًا خود ام المومنین سے حدیث گزری کہ قیامِ لیل حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فرض، اُمت کے لئے سنت تھا۔
ثالثًا اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نسخ ذکر فرمایا[2] کما رواہ ابوداؤد (جیسا کہ ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے۔ت) حالانکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں فرضیت مانتے ہیں کما تقدم (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت)
رابعًا جب ام المومنین کا ارشاد ان تک پہنچا فرمادیا: صدقت، کما بیّنہ مسلم والنسائی (انہوں نے سچ فرمایا، جیسا کہ اسے مسلم اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ت) اور فرمایا ھذا واللہ ھو الحدیث[3] کما عند ابی داؤد (اللہ کی قسم یہ وہی حدیث ہے جیسا کہ ابوداؤد کے ہاں ہے۔ت) اگر اس کے معنی وہ اپنے خلاف سمجھتے، بیان فرماتے۔
ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ تحقیق یہ ہے کہ آخر سورۃ نے مطلق قیام لیل نسخ نہ فرمایا بلکہ اول سورۃ میں جو نصف شب یاقریب بہ نصف کے تقدیر تھی اسے منسوخ فرماکر مطلق قیام کی فرضیت باقی رکھی لقولہ تعالٰی فَتَابَ عَلَیۡکُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ[4] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اللہ تعالٰی نے تم پر اپنے کرم سے رجوع فرمایا ہے کہ اب تم اتنا قرآن پڑھو جو تم پر آسان ہو۔ت) اس کے بعد پھر دوبارہ نسخ مطلق ہو کر استحباب رہا ہے، جلالین شریف میں ہے:

خفف عنھم بقیام ماتیسر منہ ثم نسخ ذلک بالصلوات الخمس[5]۔	اللہ تعالٰی نے تخفیف فرماتے ہوئے آسانی کے ساتھ بندوں پر قیام رکھا پھر یہ قیام پانچ نمازوں کی فرضیت کے بعد منسوخ ہوگیا(ت)

---
1 سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراءۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹۰
2 سنن ابوداؤد باب نسخ قیام اللیل الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۵
3 سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراءۃ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۹۰
4 القرآن ۷۳/۲۰
5 تفسیر جلالین سورۃ مزمل، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۷۷

کشاف وارشاد العقل وغیرہما میں ہے:

عبر عن الصلٰوۃ بالقرائۃ لانہا بعض ارکانہا کما عبر عنہا بالقیام والرکوع والسجود یرید فصلوا ماتیسر علیکم ولم یعذر من صلٰوۃ اللیل وھذا ناسخ للاول ثم نسخا جمیعا بالصوات الخمس[1]۔	یہاں نماز کو قراءت سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ قراءت نماز کا رکن ہے جیسا کہ نماز کو قیام، رکوع اور سجود کے ساتھ تعبیر کیاہے مقصد یہ بناکہ تم اتنی نمازپڑھتے رہو جو تم پر آسان ہو لیکن قیام شب نہیں چھوڑ سکتے، اور یہ حکم ابتدائے سورۃ کے لئے ناسخ پھرپانچ نمازوں کاحکم ان سب کے لئے ناسخ قرار پایا۔(ت)

تفسیر کرخی وفتوحات الٰہیہ میں ہے: ھذا ھو الاصح[2] (یہی اصح ہے۔ت) ام المومنین یقینا ناسخ اول کا ذکر فرمارہی ہیں ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل، پھر اس سے انتفائے فرضیت کہاں حاصل، ناسخ ثانی میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دخول کب ثابت ہوا، نہ ہر گز اس میں کوئی نص نازل، توحدیث مذکور سے انتفائے وجوب پر تمسک سرے سے زائل،

وھھنا تحقیقات اخراجل واعزا تینا بہا بتوفیق اللہ العلی الاکبر فی رسالۃ لنا صنفناھا بعد ورود ھذا السؤال فی تحقیق ھذا المقال سمیناھا "رعایۃ المنۃ فی ان التہجد نفل ام سنۃ" ھ فلینظر ثمہ والحمدللہ علی کشف الغمۃ۔	یہاں دیگر نہایت اہم تحقیقات ہیں اللہ کی توفیق سے ان کا ذکر ہم نے اس سوال کے ورود کے بعد اپنے ایک رسالے (جس کو ہم نے اسی مقال کی تحقیق میں تصنیف کیا ہے) میں کیاہے اس کا نام "رعایۃ المنۃ فی ان التہجد فضل ام سنۃ" ۱۳۱۲ھ اس کا مطالعہ کیجئے، اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس نے عقدے کھول دیئے۔(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق فقیر کے نزدیک اسی مبحث میں حق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں صلٰوۃ لیل و نماز تہجد، صلٰوۃ لیل ہر وہ نماز نفل کہ بعد فرض عشاء رات میں پڑھی جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] تفسیر الکشاف سورۃ مزمل مطبوعہ انتشارات آفتاب تہران، ایران ۴/ ۱۷۹

[2] تفسیر الفتوحات الالٰہیہ الشہیر بالجمل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۳۳

ماکان بعد صلٰوۃ العشاء فھو من اللیل[1] رواہ الطبرانی عن ایاس بن معٰویۃ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جو نماز بعد عشاء پڑھی جائے وہ سب نماز شب ہے اسے طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ایاس بن معاویہ المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

یہ بیشک سنت مؤکدہ ہے کہ اس میں عشاء کی سنت بعدیہ بلکہ سنت فجر بھی داخل، صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کانت صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر رمضان وغیرہ ثلث عشرۃ رکعۃ باللیل ومنھا رکعتا الفجر[2]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز شب رمضان وغیرہ میں تیرہ ۱۳ رکعتیں تھیں، ان میں دو رکعات فجر کی بھی ہیں (ت)

اس معنی پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلٰوۃ لیل کو بعد فرائض ہر نماز سے افضل بتایا،

کما المسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ افضل الصلٰوۃ بعد الفریضۃ صلٰوۃ اللیل[3]۔	جیسا کہ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ فرائض کے بعد افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (ت)

ورنہ جمہور علماء کا اتفاق ہے کہ سنن راتبہ سے مسنون نمازوں سے افضل ہیں اور ہمارے ائمہ کا اجماع ہے کہ سنت فجر سنن راتبہ سے بھی اعلٰی واجل، اور نماز تہجد وہ نفل کہ بعد فرض عشا قدرے سو کر طلوع فجر سے پہلے پڑھے جائیں، طبرانی حجاج بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔

انما تھجّد المرء یصلی الصلٰوۃ بعد رقدۃ[4]	قدرے سو کر آدمی جو نماز ادا کرے اسے تہجد کہا جاتا ہے (ت)

معالم میں ہے: التھجد لایکون الابعد النوم[5]۔ (تہجد سونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ت)

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۵۵ حدیث ۷۸۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۷۱
[2] صحیح مسلم باب صلٰوۃ اللیل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۵
[3] صحیح مسلم باب فضل صوم المحرم مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۶۸
[4] المعجم الکبیر ترجمہ ۲۵۸ حدیث ۳۲۱۶، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۲۲۵
[5] معالم التنزیل علی حاشیۃ الخازن تحت قولہ تعالٰی ومن الیل فتہجد بہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۷۴

حلیہ میں قاضی حسین سے ہے:

انه فی الاصطلاح صلٰوۃ التطوع فی اللیل بعد النوم [1]۔	اصطلاح میں رات کو سونے کے بعد نوافل کی ادائیگی کو تہجد کہاجاتاہے۔(ت)

وللہذا ردالمحتار میں فرمایا:

صلٰوۃ اللیل وقیام اللیل اعم من التھجد [2]۔	رات کی نماز اور قیام لیل تہجد سے عام ہے۔(ت)

یہ مستحب سے زائد نہیں ورنہ سونا بھی سنت موکدہ ہوجائے اور شب بیداری گناہ ٹھہرے کہ تہجد سنت موکدہ ہوئی اور وہ بے نوم حاصل نہیں ہوسکتی اور سنت مؤکدہ کا حصول جس پر موقوف ہے وہ سنت مؤکدہ ہے لان حکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ (کیونکہ مقدمہ کا حکم وہی ہوتاہے جواس پر موقوف ہونے والے کا ہے۔ت) اور سنت مؤکدہ کاترک مطلقًا یابعد عادت گناہ اور بعد اصرار کبیرہ شب بیداری کی غایت یہ تھی کہ مستحب ہوتی مگرجب وہ ترک سنت مؤکدہ کی موجب تو مستحب کیسی، مکروہ وممنوع ہونی لازم، کوئی مستحب کیسی ہی فضیلت والا ہو جب کسی سنت مؤکدہ کے فوت کا موجب ہو مستحب نہیں ہوسکتا مذموم ہوگا، ہمارے امام مذہب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پینتالیس ۴۵ برس عشاکے وضو سے صبح کی نماز پڑھی، کیا معاذاللہ پینتالیس ۴۵سال کامل ترک سنت مؤکدہ پر اصرار فرمایا، فقد ظھر الحق واسفر الفلق وبقیہ الکلام فی تلك الرسالة والحمدللہ رب الجلالة (حق واضح ہوگیا صبح طلوع ہوگئی اور بقیہ کلام ہمارے اس مذکورہ رسالہ میں ہے، حمد ہے صاحب جلال رب کی۔ت) واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں گھر میں پڑھنا افضل ہے یامسجد میں؟ اور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کس طرح تھی یا کوئی عادت نہ تھی؟ بلکہ کبھی گھر میں پڑھتے کبھی مسجد میں؟ اور روافض کی مشابہت اور رفض کی تہمت سے بچنے کو مسجد میں پڑھنا ضرور لازم ہے یانہیں؟ اور حدیثوں میں جو گھر میں پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی وہاں صرف نوافل ہیں یا سنتیں بھی؟

الجواب:

ومن اللہ سبحٰنہ، توفیق الصدق والصواب تراویح وتحیۃ المسجد کے سوا تمام نوافل

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] ردالمحتار مطلب فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴

سنن راتبہ ہوں یا غیر راتبہ مؤکدہ ہوں یا غیر موکدہ گھر میں پڑھنا افضل اور باعث ثواب اکمل۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بالصلٰوۃ فی بیوتکم فان خیر صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ[1]۔ رواہ البخاری ومسلم۔	تم پر لازم ہے گھروں میں نماز پڑھنا کہ بہتر نماز مرد کیلئے اس کے گھر میں ہے سوا فرض کے۔ اسے بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں:

صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلاتہ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ[2]۔ رواہ ابوداؤد۔	نماز مرد کی اپنے گھر میں میری اس مسجد میں اس کی نماز سے بہتر ہے مگر فرائض۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

اور خود عادت کریمہ سید المرسلین کی اسی طرح تھی۔ احادیث صحیحہ سے حضور والا کا تمام سنن کاشانہ فلک آستانہ میں پڑھنا ثابت۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گھر میں چار رکعت ظہر سے پہلے پڑھتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر گھر میں رونق افروز ہو کر دو۲ رکعتیں پڑھتے، اور مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں جلوہ فرما ہوتے اور دو رکعتیں پڑھتے، اور عشا کی امامت کرکے گھر میں آتے اور دو رکعتیں پڑھتے، جب صبح چمکتی دو رکعتیں پڑھ کر باہر تشریف لے جاتے اور نماز فجر پڑھاتے۔

اخرج مسلم فی صحیحہ وابوداؤد فی السنن واللفظ لمسلم عن عبداللہ بن شقیق قال سألت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا عن صلٰوۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن تطوعہ فقالت کان یصلی فی بیتی قبل الظھر اربعا، ثم یخرج فیصلی بالناس ثم یدخل	مسلم نے صحیح میں اور ابوداؤد نے سنن میں روایت کیا ہے مسلم کے الفاظ ہیں کہ عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نفلی نماز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا میرے حجرے میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعات ادا فرماتے پھر باہر تشریف لے جاتے اور

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلوٰۃ النافلۃ فی بیتہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۶۶

[2] سنن ابوداود باب صلوٰۃ الرجل التطوع فی بیتہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۴۹

فیصلی رکعتین وکان یصلی بالناس المغرب ثم یدخل فیصلی رکعتین ویصلی بالناس العشاء ویدخل بیتی فیصلی رکعتین ، ثم ذکرت صلٰوۃ اللیل والوتر الٰی ان قالت وکان اذا طلع الفجر صلی رکعتین[1] زاد ابوداؤد ثم یخرج فیصلی بالناس صلٰوۃ الفجر[2]۔	لوگوں کو جماعت کرواتے پھر حجرے میں جلوہ افروز ہوتے تو دو رکعت پڑھتے، جب مغرب کی نماز کی جماعت کرواتے پھر حجرہ میں تشریف لاکر دو رکعات پڑھتے، لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر میرے ہاں تشریف لاتے تو دو رکعات ادا کرتے۔ پھر انہوں نے رات کی نماز اور وتر کا ذکر کرتے ہوئے کہا جب طلوع فجر ہو جاتی تو آپ دو رکعات ادا کرتے۔ سنن ابوداؤد میں یہ اضافہ ہے پھر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حجرہ سے نکل کر لوگوں کو فجر کی نماز پڑھاتے۔(ت)

اسی طرح سنن جمعہ کا مکانِ جنت نشان ہیں پڑھنا، صحیحین میں مروی زمانہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لوگ مغرب کے فرض پڑھ کر گھروں کو لَوٹ جاتے یہاں تک کہ مسجد میں کوئی شخص نہ رہتا گویا وہ بعد مغرب کچھ پڑھتے ہی نہیں،

فی الفتح عن السائب بن یزید قال لقد رأیت الناس فی زمن عمر بن الخطاب اذا انصرفوا من المغرب انصرفوا جمیعا حتی لایبقی فی المسجد احد کانھم لایصلون بعد المغرب حتی یصیرون الی اھلیھم[3]۔	فتح میں سائب بن یزید سے ہے کہ میں نے دورِ فاروقی میں لوگوں کو مغرب کے بعد اکٹھے لَوٹتے ہوئے دیکھا حتی کہ کوئی مسجد میں باقی نہ رہتا، گویا وہ مغرب کے بعد کوئی نماز ادا نہ کرے یہاں تک کہ وہ اپنے گھروں میں چلے جاتے۔

سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو دیکھا کہ مغرب کے فرض پڑھ کر مسجد میں سنتیں پڑھنے لگے ارشاد فرمایا: یہ نماز گھر میں پڑھا کرو۔

اخرج ابوداؤد والترمذی والنسائی	ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب

[1] صحیح مسلم باب استحباب صلٰوۃ النافلۃ فی بیتہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۶۶

[2] سنن ابوداؤد باب صلٰوۃ الرجل التطوع فی بیتہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۴۹

[3] فتح القدیر باب ادراک الفریضہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

عن کعب بن عجرۃ وابن ماجۃ عن حدیث رافع بن خدیج والسیاق لابی داؤد قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی مسجد بنی عبدالاشھل فصلی فیہ المغرب فلما قضوا صلٰوتھم راھم یسبحون بعدھا فقال ھذہ صلٰوۃ البیوت[1] ولفظ الترمذی والنسائی علیکم بھذہ الصلٰوۃ فی البیوت[2]، وابن ماجۃ ارکعوا ھاتین الرکعتین فی بیوتکم[3]۔	بن عجرہ سے، اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج سے روایت کیا ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو عبدالاشہل مسجد میں تشریف لائے تو آپ نے مغرب کی نماز ادا کی جب لوگ فرائض پڑھ چکے تو آپ نے انہیں نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ گھروں کی نماز ہے، ترمذی اور نسائی کے الفاظ ہیں کہ تم یہ نماز اپنے گھروں میں ادا کرو۔ ابن ماجہ کے الفاظ ہیں: یہ دو رکعات تم اپنے گھروں میں ادا کیا کرو۔ (ت)

شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، العزیز شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ہرگاہ تمام کردند مردم نماز فرض رادید آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایشاں راکہ نماز نفل می گزارند کہ مراد بوے سنت مغرب است بعد از فرض یعنی در مسجد پس گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایں یعنی سنت مغرب یا مطلق نماز نفل نماز خانہا است کہ درخانہا باید گزارد نہ در مسجد بدانکہ افضل آنست کہ نماز نفل غیر فرض درخانہ بگزارند ہمچنیں بود عملے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مگر بسببے یاعذرے خصوصًا سنت مغرب کہ ہرگز در مسجد نگزارد و بعضے از علما گفتہ اند کہ اگر سنت مغرب را در مسجد بگزارد از سنت واقع نمی شود و بعض	جب لوگوں نے فرض نماز ادا کرلی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انہیں فرائض کے بعد نوافل یعنی سنن مغرب کو مسجد میں ادا کرتے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا: یہ سنن مغرب یا مطلقًا نماز نفل گھروں کی نماز ہے انہیں گھروں مین ادا کرنا چاہئے نہ کہ مسجد میں۔ واضح رہے کہ فرض کے علاوہ نوافل گھر میں ادا کرنے چاہئیں۔ سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہی عمل تھا البتہ کسی سبب یا عذر کی صورت مستثنٰی ہے خصوصًا نماز مغرب کی سنن مسجد میں ادا نہ کی جائیں، بعض علماء نے فرمایا کہ اگر کسی نے سنن مغرب مسجد میں ادا کیں تو سنت واقع نہ ہوں گی اور بعض کے نزدیک ایسا آدمی

[1] سنن ابوداؤد باب رکعتی المغرب این تصلیان مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۴

[2] کنزالعمال حدیث ۱۹۴۲۳، موسستہ الرسالہ بیروت ۱/ ۳۸۶

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی رکعتین بعد المغرب، سعید کمپنی کراچی ص ۸۳

گفتہ اند کہ عاصی می گرد واز جہت مخالفت امر کہ ظاہرش در وجوب است وجمہور برآنند کہ امر برائے استحباب است[1]۔ الخ	گنہگار بھی ہوگا کیونکہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر (جس سے ظاہر وجوب ہے) کی مخالفت کی ہے اور جمہور کے نزدیک یہاں امر استحباب کے لئے ہے الخ (ت)

گاہے اگر بعض سنن مسجد میں پڑھنے کا اتفاق ہوا تو علماء فرماتے ہیں وہ کسی عذر وسبب سے تھا **کما مر عن الشیخ وبمثلہ قال العلامۃ ابن امیر الحاج فی شرح المنیۃ** (جیسا کہ شیخ کے حوالے سے گزرا اسی کی مثل علامہ ابن امیر الحاج نے شرح منیہ میں فرمایا۔ت) معہذا ترک احیانًا منافی سنیت واستحباب نہیں بلکہ اس کا مقرر ومؤکد ہے کہ مواظبت محققین کے نزدیک امارت وجوب **کمافی البحر وغیرہ** (جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے۔ت) علاوہ بریں اگر بالفرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دائمًا سب سنتیں مسجد ہی میں پڑھی ہوتیں، تاہم بعد اس کے کہ حضور ہم سے ارشاد فرماچکے "فرضوں کے سوا تمام نمازیں تمہیں گھر میں پڑھنی چاہئیں" اور فرمایا "ماورائے فرائض اور نمازیں گھر میں پڑھنا مسجد مدینہ طیبہ میں پڑھنے سے زیادہ ثواب رکھتا ہے" بلکہ مسجد میں پڑھتے دیکھ کر وہ ارشاد فرمایا کہ "نماز گھروں میں پڑھا کرو" **کمامر کل ذلك** (جیسا کہ یہ سب کچھ پیچھے گزرا ہے۔ت) تو ہمارے لئے بہتر گھر ہی میں پڑھنے میں رہے کہ قول فعل پر مرجح ہے اور ان احادیث میں نماز سے صرف نوافل مطلقہ مراد نہیں ہوسکتی کہ ماورائے فرائض میں سنن بھی داخل، اور قضیہ مسجد بنی عبدالاشہل کا خاص سنن مغرب میں تھا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) اسی طرح فقہاء بھی عام حکم دیتے اور نوافل کی تخصیص نہیں کرتے، ہدایہ میں ہے:

والافضل فی عامۃ السنن والنوافل المنزل وھو المروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	تمام سنن ونوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے اور یہ بات رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

عامتھم علی اطلاق الجواب کعبارۃ الکتاب وبہ افتی	عام فقہا نے عبارتِ کتاب (ہدایہ) کی طرح مطلقًا جواب دیا ہے اور فقیہ ابوجعفر نے اسی پر

[1] اشعۃ اللمعات باب من صلی صلوٰۃ مرتین، فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۰۳

[2] الہدایۃ جزاول باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۳۲

الفقیه ابو جعفر قال الا ان یخشی ان یشتغل عنها اذا رجع فان لم یخف فالافضل البیت[1]۔	یہ کہتے ہوئے فتوٰی دیا ہے مگر اس صورت میں کہ جب کسی مشغولیت کی بناپر گھر لوٹ کر نوافل کے فوت ہو جانے کا خطرہ ہو (تو مسجد میں ہی پڑھ لے) ہاں اگر خوف نہ ہو تو گھر میں ادا کرنا افضل ہے (ت)

شرح صغیر میں ہے:

ثم السنة فی سنة الفجر وکذا فی سائر السنن ان یاتی بها اما فی بیته وهو الافضل، اوعند باب المسجد واما السنن التی بعد الفریضة فان تطوع بها فی المسجد فحسن وتطوعه بها فی البیت افضل، وهذا غیرمختص بما بعد الفریضة بل جمیع النوافل ماعدا التراویح و تحیة المسجد الافضل فیها المنزل لماروی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه کان یصلی جمیع السنن والوتر فی البیت[2] ھ ملخصا۔	پھر سنت، سنن فجر میں اسی طرح بقیہ سنن میں کہ ان کو گھر میں ادا کرے اور یہ ہی افضل ہے یا دروازۂ مسجد کے پاس ادا کرے۔ رہیں وہ سنتیں جو فرائض کے بعد ہیں اگر مسجد میں ادا کرے تو بھی ٹھیک اور اگر گھر میں ادا کرے تو زیادہ بہتر ہے، اور یہ صرف ان سنن کا معاملہ نہیں جو فرائض کے بعد ہیں بلکہ تراویح و تحیۃ المسجد کے علاوہ باقی تمام نوافل کو گھر میں ادا کرنا افضل ہے کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنن و وتر کو گھر میں ہی ادا فرماتے تھے اھ تلخیصًا (ت)

اور جب ثابت ہو چکا کہ سنن ونوافل کا گھر میں پڑھنا افضل، اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت طیبہ، اور حضور نے یونہی ہمیں حکم فرمایا تو بخیال مشابہت روافض اُسے ترک کرنا کچھ وجہ نہ رکھتا ہے۔ اہل بدعت کا خلاف ان کی بدعت یا شعار خاص میں کیا جائے نہ یہ کہ اپنے مذہب کے امورِ خیر سے جو بات وہ اختیار کریں ہم اسے چھوڑتے جائیں آخر رافضی کلمہ بھی تو پڑھتے ہیں، بالجملہ اصل حکم استحبابی یہی ہے کہ سنن قبلیہ مثل رکعتین فجر ورباعی ظہر وعصر وعشا مطلقاً گھر میں پڑھ کر مسجد کو جائیں کہ ثواب زیادہ پائیں، اور سنن بعدیہ مثل رکعتین ظہر ومغرب وعشاء میں جسے اپنے نفس پر اطمینان کامل حاصل ہو

[1] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۶

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۲۰۴، ۵

کہ گھر جا کر کسی ایسے کام میں جو اسے ادائے سنن سے باز رکھے مشغول نہ ہوگا وہ مسجد سے فرض پڑھ کر پلٹ آئے اور سنتیں گھر ہی میں پڑھے تو بہتر، اور اس سے ایک زیادتِ ثواب یہ حاصل ہوگی کہ جتنے قدم بارادۂ بادائے سنن گھر تک آئے گا وہ سب حسنات میں لکھے جائیں گے۔

قال تبارك وتعالٰی وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾[1]۔	اللہ تبارک وتعالٰی کا فرمان ہے: ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے اور ہر شیئ کو ہم نے کتاب مبین میں شمار کر رکھا ہے۔(ت)

اور جسے یہ وثوق نہ ہو وہ مسجد میں پڑھ لے کہ لحاظ افضیلت میں اصل نماز فوت نہ ہو، اور یہ معنی عارضی افضیلت صلٰوۃ فی البیت کے منافی نہیں، نظیر اس کی نماز وتر ہے کہ بہتر اخیر شب تک اس کی تاخیر ہے مگر جو اپنے جاگنے پر اعتماد نہ رکھتا ہو وہ پہلے ہی پڑھ لے کما فی کتب الفقہ (جیسا کہ کتب فقہ میں ہے۔ت) مگر اب عام عمل اہل اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں ہے اور عادت قوم کی مخالفت موجب طعن وانگشت نمائی وانتشار ظنون وفتح باب غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں: **الخروج عن العادۃ شھرۃ ومکروہ** (معمول کے خلاف کرنا شہرت اور مکروہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۳۴: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نور الدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نفل کا سوائے تراویح ونماز کسوف وخسوف بجماعت منسوخ ہونا تو معلوم ہے لیکن بعض مشائخ کے یہاں جو باعتبار کسی کسی کتاب کے بعد نمازیں نفل کی مثلاً صلٰوۃ قضائے عمر (۴ نفل قبل آخری جمعہ کے) اور نفل شب برات بجماعت ہوتے ہیں ان کی اصل ہے، جواز کس بنا پر ہے اور ممانعت کیوں ہے، جن فتاوٰی کی رو سے جواز نکالا ہے وہ کہاں تک معتبر ہے؟ (۲) نفل یوم عاشورہ ہم کو پڑھنا مناسب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک نوافل کی جماعت بتداعی مکروہ ہے۔ اسی حکم میں

---

[1] القرآن ۱۲/۳۶

نماز خسوف بھی داخل کہ وہ بھی تنہا پڑھی جائے اگرچہ امام جمعہ حاضر ہو [1] کما فی الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی (جیسے کہ شامی نے اسمٰعیل سے اور انہوں نے برجندی سے نقل کیا ہے۔ت) حلیہ میں ہے:

اما الجماعۃ فی صلٰوۃ الخسوف فظاھر کلام الجم الغفیر من اھل المذھب کراھتھا[2] الخ	رہا صلٰوۃ خسوف کی جماعت کے بارے میں حکم تو اہل مذہب کے جم غفیر کے کلام سے یہی ظاہر ہے کہ یہ مکروہ ہے الخ(ت)

صرف تراویح وصلٰوۃ الکسوف وصلٰوۃ الاستسقاء مستثنٰی ہیں

وذلك بوفاق ائمتنا علی الاصح فالخلف فی الاخیر فی الاستنان دون الجواز[3] کما صرح بہ فی الدر المختار۔	اصح مذہب کے مطابق ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے، اختلاف آخری (صلٰوۃ الاستسقاء) کے مسنون ہونے میں ہے نہ کہ جواز میں، جیسے کہ درمختار میں تصریح ہے(ت)

تداعی مذہب اصح میں اس وقت متحقق ہوگی جب چار یا زیادہ مقتدی ہوں دو تین تک کراہت نہیں،

فی الدر یکرہ ذلك لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کما فی الدرر[4] اھ فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فی اقتداء ثلثۃ الاصح عدم الکراھۃ[5]۔	درمختار میں ہے یہ مکروہ ہے اگر علٰی سبیل التداعی ہو مثلًا چار آدمی ایک کی اقتداء کریں جیسا کہ درر میں ہے اھ، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے اگر تین نے ایک کی اقتداء کی تو اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں۔(ت)

نماز قضائے عمری کہ آخر جمعہ ماہ مبارک رمضان میں اس کا پڑھنا اختراع کیا گیا اور اس میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نماز سے عمر بھر کی اپنی اور ماں باپ کی بھی قضائیں اُتر جاتی ہیں محض باطل و

---

[1] ردالمحتار، باب الکسوف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] درمختار باب الاستسقاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۸

[4] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح مطبوعہ نور محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ص ۲۱۱

بدعت سیئہ شنیعہ ہے کسی کتاب معتبر میں اصلاً اس کانشان نہیں، نمازشب برات اگرچہ مشائخ کرام قدست اسرارہم نے بجماعت بھی پڑھی، قوت القلوب شریف میں ہے:

یستحب احیاء خمس عشرۃ لیلۃ (الی قولہ) لیلۃ النصف من شعبان وقد کانوا یصلون فی ھذہ اللیلۃ مائۃ رکعۃ بالف مرۃ قل ھواللہ احد، عشرا فی کل رکعۃ ویسمون ھذہ الصلوٰۃ صلوٰۃ الخیر ویتعرفون برکتھا ویجتمعون فیھا وربما صلوھا جماعۃ[1]۔	پندرہ راتوں میں شب بیداری مستحب ہے (آگے چل کرفرمایا) ان میں ایک شعبان المعظم کی پندرہویں رات ہے کہ اس میں شب بیدار رہنا مستحب ہے کہ اس میں مشائخ کرام سَو رکعت ہزار مرتبہ قل ھواللہ احد کے ساتھ ادا کرتے ہر رکعت میں دس دفعہ قل ھواللہ احد پڑھتے، اس نماز کانام انہوں نے صلوٰۃ الخیر رکھاتھا، اس کی برکت مسلمہ تھی، اس رات (یعنی پندرہ شعبان) میں اجتماع کرتے اور احیاناً نماز کو باجماعت ادا کرتے تھے (ت)

اوریہی علمائے تابعین سے لقمان بن عامر وخالد بن معدان اور ائمہ مجتہدین سے اسحٰق بن راہویہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کاہے مگرہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کامذہب وہی ہے کہ جماعت بتداعی ہو تومکروہ ہے

کما نص علیہ فی البزازیۃ والتتارخانیۃ والحاوی القدسی والحلیۃ والغنیۃ ونورالایضاح ومراقی الفلاح والاشباہ وشروحھا والدرالمختار وحواشیہ وغیرذلك من الکتب المعتمدۃ۔	جیسا کہ اس پر بزازیہ، تاتارخانیہ، الحاوی القدسی، حلیہ، غنیہ، نورالایضاح، مراقی الفلاح، الاشباہ اوراس کی شروح، درمختار اور اس کے حواشی، اور اس کے علاوہ دیگر معتمد کتب میں تصریح ہے (ت)

(۲) عاشوراایام فاضلہ سے ہے اور نماز بہترین عبادات اور اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کی تکثیر قطعاً مطلوب ومندوب مگراس دن نوافل معینہ بطریق مخصوصہ میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے علماء اسے موضوع وباطل بتاتے ہیں کما صرح بہ ابن الجوزی فی موضوعاتہ واقرہ علیہ فی اللاٰلی (اس کی تصریح ابن جوزی نے اپنی موضوعات میں کی اور امام سیوطی نے اللاٰلی میں

[1] قوت القلوب فصل العشرون فی ذکراحیاء اللیالی مطبوعہ دارصادر بیروت ۱/ ۶۲

اسے ثابت رکھاہے۔ت) موضوعات کبیر ملا علی قاری میں ہے: صلٰوۃ عاشوراء موضوع بالاتفاق[1] (عاشوراکی نماز بالاتفاق موضوع ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳۶: از علاقہ جاگل تھانہ ہری پور کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ شیر محمد شیخ ۱۷/رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں نیت وتر کی کرے یا واجب کی یا سنت کی یا کیا؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

وتر کی نیت توضرور ہی ہے پھر چاہے اسی قدر پر قناعت کرے اور بہتر یہ ہے کہ وتر واجب کی نیت کرے کہ ہمارے مذہب میں وتر واجب ہی ہیں اور اگر سنت بمعنی مقابل واجب کے نیت کی تو ہمارے امام کے نزدیک وترادانہ ہوں گے۔

فی الدر المختار لابد من التعیین عند النیۃ لفرض انہ ظہر اوعصر وواجب انہ وتر اونذر[2] اھ مختصرا وفی ردالمحتار ای لایلزمہ تعیین الوجوب وان کان حنفیا ینبغی ان ینویہ لیطابق اعتقادہ[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے نیت کے وقت اس بات کا تعین کہ یہ فرض ہے مثلاً یہ ظہر وعصر کی نماز ہے یا واجب مثلاً وتر یا نذر کی نماز ہے ضروری ہے اھ اختصاراً، اور ردالمحتار میں ہے کہ تعین وجوب لازم نہیں، ہاں اگر وہ حنفی ہو تو مناسب یہی ہے کہ اس کی نیت کرے تاکہ وہ اس کے اعتقاد کے مطابق ہوجائے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳: از ملک بنگالہ ضلع چاٹگام ڈاکخانہ جلدی مرسلہ محمد حبیب اللہ صاحب ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ جناب قاضی ثناء اللہ صاحب درمالابدمنہ آوردہ اند کہ	اس مسئلہ میں علماء کی کیارائے ہے کہ مالابدمنہ میں قاضی ثناء اللہ پانی پتینے ذکر کیاہے کہ

[1] الاسرار المرفوعۃ لملا علی قاری حدیث ۱۱۳۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۸۹

[2] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۶۷

[3] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱۹

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در صلوٰۃ تہجد قیام بسیار می فرمودند حتی کہ در پائے مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورم ومنشق شدہ است، قول مذکور قابل اعتبار است یانہ وورم ومنشق در صحاح ستہ ثابت است یا خارج از صحاح بعض عالم می گویند کہ ورم قدم مبارک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در صحاح ستہ ثابت است ومنشق ثابت نیست قول کدام کس معتبر است **بیّنوا بسند الکتاب وتوجروا من اللہ الوھاب۔**	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز تہجد میں قیام طویل فرماتے حتی کہ آپ کے پاؤں مبارک متورم ہوجاتے اور پھٹ جاتے، یہ قول قابل اعتبار ہے یا نہیں، متورم ہونا اور پھٹنا دونوں صحاح ستہ سے ثابت ہیں یا صحاح کے علاوہ سے، بعض علماء کا یہ کہنا ہے کہ مبارک قدموں کا متورم ہونا تو صحاح سے ثابت ہے مگر پھٹ جانا ثابت نہیں، کس کا قول معتبر ہے؟ مسئلہ کتاب کے ساتھ بیان کریں اور عطا کرنے والے اللہ تعالٰی سے اجر پائیں۔

الجواب:

ایں جا سخن قاضی درست وسوی ست انکارش از نادیدہ روی ست، تورم وانشقاق ہر دو در صحاح ستہ خبر ایں سنن ابی داؤد مروی ست ودر جامع صحیح امام بخاری ست **حدثنا صدقة بن فضل اخبرنا ابن عیینه ثنازیاد انه سمع المغیرة یقول قام النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حتی تورمت قدماه فقیل له قد غفرالله لك ماتقدم من ذنبك وما تاخر قال افلا اکون عبدا شکورا**[1] **حدثنا الحسن بن عبدالعزیز حدثنا عبدالله بن یحیی اخبرنا حیوة عن ابی الاسود**	قاضی صاحب کا کلام درست و صحیح ہے اس کا انکار ناواقفیت ہے، پاؤں کا متورم ہونا اور پھٹ جانا دونوں ہی صحاح ستّہ سے ثابت ہیں، یہ خبر سنن ابی داؤد اور جامع صحیح امام بخاری میں مروی ہے کہ ہمیں صدقہ بن فضل انہیں ابن عیینہ انہیں زیاد نے بتایا کہ میں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسالت مآب صلی اللہ حسن بن عبدالعزیز انہیں عبداللہ بن یحیٰی انہیں حیوۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک متورم ہوگئے، آپ سے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اللہ تعالٰی نے آپ کو ان الفاظ کے ذریعے مغفرت وبخشش کی خوشخبری دی ہے **لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ** تو

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفر لك اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۱۶

انہ سمع عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ان نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقوم من اللیل حتی تنفطر قدماہ فقالت عائشۃ لم تصنع ھذا یارسول اللہ وقد غفر اللہ لك ماتقدم من ذنبك وما تأخر قال افلا احب ان اکون عبدا شکورا[1] الحدیث قال البخاری فی کتاب الصلٰوۃ تفطر قدماہ الفطور الشقوق انفطرت انشقت[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیامیں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ حسن بن عبدالعزیز انہیں عبداللہ بن یحیٰی حیوۃ انہیں ابوالاسود نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عروۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات کو قیام فرماتے حتی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک قدم پھٹ جاتے میں نے عرض کیا یارسول اللہ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہو حالانکہ اللہ تعالٰی آپ کے اگلے اور پچھلے معاملات پر مغفرت وبخشش کی ضمانت فراہم کردی ہے۔ توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیامیں اس کا شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ اس حدیث کوامام بخاری نے کتاب الصلٰوۃ میں ذکر کرکے فرمایا: تفطر قدماہ الفطور کا معنی پھٹ جانا ہے کیونکہ انفطرت اور انشقت دونوں کا معنی "پھٹ جانا" ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳۸: از بریلی محلّہ صندل خاں کی بزریہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عشاء میں آخری نفل بیٹھ کرپڑھنا چاہئے یا کھڑے ہوکر؟ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس طورپر ہمیشہ ان لفظوں کو ادافرمایااور کس طرح پڑھنا باعث زیادتی ثواب ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ نفل بیٹھ کرپڑھے مگرساتھ ہی فرمادیا کہ میں تمہارے مثل

---

[1] صحیح البخاری سورۃ الفتح زیر قول لیغفرلك اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۱۶/۲

[2] صحیح البخاری باب قیام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۵۲/۱

نہیں، میرا ثواب قیام و قعود دونوں میں یکساں ہے تو اُمت کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا افضل اور دونا ثواب ہے اور بیٹھ کر پڑھنے پر بھی کوئی اعتراض نہیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۳۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نمازِ تہجد ادا کرتا ہے لہٰذا اس کو وتر بعد فراغتِ تراویح پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی کی تراویح اتفاق سے کچھ باقی رہ گئی ہیں تو وہ امام کے بعد تراویح پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تہجّد پڑھنے والا بعد تراویح وتر پڑھ سکتا ہے بلکہ جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو پہلے ہی پڑھ لینا بہتر ہے، جس نے امام کے ساتھ بعض تراویح نہ پائیں تو بعد امام اُن کو پڑھے خواہ وتروں سے پہلے یا بعد، اور اول بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴۰: از ریاست الور راجپوتانہ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ مولوی محمد رکن الدین صاحب نقشبندی ۲۲ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کی پہلی چار سنتیں اگر قضا ہو جائیں تو بعد فرض جماعت کے اسے سنت وقت کے اندر قضا کرلے یا نہیں؟ اس میں بھی صاحب ردالمحتار تحریر فرماتے ہیں کہ جمعہ کی سنت مثل سنت ظہر کے نہیں ہیں لہٰذا گزارش ہے کہ اس کی تحقیق سے بواپسی ڈاک اطلاع بخشی جائے، دو چار علماء سے جو گفتگو ہوئی تو انہوں نے جناب کی تحقیق کی طرف توجہ دلائی۔

الجواب:

ہاں وقت میں انہیں ادا کرلے وہ ادا ہوگی نہ کہ قضا، درمختار میں ہے:

بخلاف سنۃ الظھر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی ثم یاتی بھا علی انہ سنۃ فی وقتہ ای الظھر۔[1]	بخلاف ظہر کی سنت کے، اسی طرح جمعہ کا معاملہ ہے، پس اگر نماز کی ایک رکعت نکل جانے کا خطرہ ہو تو سنن ترک کرکے جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے پھر ان سنتوں کو اپنے وقت یعنی ظہر میں ادا کرے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وحکم الاربع قبل الجمعۃ کالاربع	جمعہ کی پہلی چار سنتوں کا حکم وہی ہے جو ظہر سے

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۰

قبل الظهر کمالایخفی[1]۔	پہلی چار سنتوں کا ہے جیسا کہ واضح ہے (ت)

حاشیہ علامہ خیر الدین الرملی علی البحر الرائق میں فتاوٰی علامہ سراج الدین حانوتی سے ہے:

فعلی ماقالوه فی المتون وغیرها من ان سنة الظهر تقضی، یقتضی ان تقضی سنة الجمعة اذلافرق[2] اھ ثم نقل عن روضة العلماء ماردہ فی منحة الخالق وردالمحتار۔	اس بناپر کہ جو فقہا نے کہا ہے کہ متون وغیرہ میں ہے کہ ظہر کی سنتیں ادا کی جائیں اس کا تقاضا ہے کہ جمعہ کی سنتیں بھی ادا کی جائیں کیونکہ ان میں کوئی فرق نہیں اھ پھر انہوں نے روضۃ العلماء سے وہ نقل کیا جسے منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں رد کیا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے:

یترك سنة الظهر ولوحکما فیدخل فیه سنة الجمعة فتقضی علی الخلاف سنة الظهر[3]	ظہر کی سنتیں چھوڑدی جائیں اگرچہ ظہر حکمی ہو تو جوازِ ترک میں جمعہ کی سنتیں بھی داخل ہوں گی تو انہیں برخلاف سنت ظہر ادا کیا جائے (ت)

رہا علامہ شامی کا استدلال کہ:

قدیستدل للفرق بینهما بان القیاس فی السنن، عدم القضأ وقد استدل قاضی خاں لقضاء سنة الظهر بما عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذا فاتته الاربع قبل الظهر قضاهن بعده فیکون قضاءها ثبت بالحدیث علی خلاف القیاس[4]۔	بعض اوقات ان کے درمیان فرق کے لئے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قیاس کا تقاضا ہے کہ سنن میں قضا نہیں، اور قاضی خاں نے ظہر کی سنتوں کی قضا پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ اگر ظہر سے پہلے کی چار رکعات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رہ جائیں تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کے بعد انہیں ادا فرمایا کرتے تھے پس ان کی ادا خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہوئی (ت)

[1] بحر الرائق باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷۵

[2] حاشیۃ منحۃ الخالق علی البحر الرائق قول حکم الاربع قبل الجمعۃ کے تحت مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۷۵

[3] جامع الرموز، فصل ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۲۳

[4] ردالمحتار باب فصل ادراک الفریضۃ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۱

اس پر فقیر غفرلہ المولٰی التقدیر نے اپنی تعلیقات میں یہ لکھا:

اقول: فیہ ان الحاق سنۃ الجمعۃ بسنۃ الظھر بدلیل المساواۃ فلایضرکون القضاء فیھن علی خلاف القیاس لان الالحاق دلالۃ لایختص بمعقول المعنی کما نص علیہ الامام ابن الھمام وغیرہ من الاعلام بل لقائل ان یقول ان سنۃ الجمعۃ من افراد سنۃ الظھر فلاالحاق فافھم وبالجملۃ فالاحوط الایتان بھا خروجا عن العھدۃ بیقین[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول:** جمعہ کی سنتوں کوظہر کی سنتوں کے ساتھ مساوات کی بناء پر لاحق کرنے میں ان کو خلاف قیاس قضا کرنے میں کوئی ضرر نہیں کیونکہ دلالۃً الحاق کے لئے معقول المعنی ہونا ضروری نہیں جس طرح اس پر امام ابن الہمام وغیرہ نے تصریح کی ہے بلکہ قائل کے لئے یہ کہنا ممکن ہے کہ جمعہ کی سنتیں ظہر کی سنتوں کا ہی فرد ہیں تو پھر کوئی الحاق نہ ہوگا اسے سمجھو، الغرض احتیاط یہی ہے کہ انہیں بجالایا جائے تاکہ ذمہ داری سے بالیقین عہدہ برآ ہوا جاسکے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۱: ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوت جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے، ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدھا فلاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع لکراھۃ النفل بعد الصبح، واما بعد طلوع الشمس فکذالک عندھما وقال محمد احب الی ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر[2]۔	جب اکیلی سنن رہ گئی ہوں تو بالاجماع طلوع آفتاب سے پہلے انہیں قضانہ کرے کیونکہ اس وقت نفل نماز مکروہ ہے۔ رہا طلوع آفتاب کے بعد کا تو شیخین کے نزدیک یہی حکم ہے مگر امام محمد فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے پہلے ان کا ادا کرلینا مجھے پسند ہے جیسا کہ درر میں ہے (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ المجمع الاسلامی مبارکپور (انڈیا) ۱/ ۲۴۳

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۵۷

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کرانا ہے ناواقفی سے ناشی، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضا ہو گئیں، اُن کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی ادا ہر گز نہ ہوں گی الاتری الی قولہ لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقدسمی صلٰوتھا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (آپ نہیں دیکھتے کہ انہوں نے کہا، بالاجماع طلوعِ آفتاب سے پہلے قضانہ کرے، اس میں فرض کے بعد طلوع سے پہلے نماز کو قضا کہا گیا ہے۔ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور یہ جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۲: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۲شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نماز فجر کا کرکے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدۂ اخیرہ میں ہے جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم وآکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکر امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدر المختار اذا خاف فوت رکعتی الفجر لاشتغالہ بسنتھا ترکھا لکون الجماعۃ اکمل[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ سنتوں میں مصروفیت کی بناپر فجر کے فرائض کے فوت ہونے کا خوف ہو تو انہیں چھوڑدیا جائے کیونکہ جماعت ان سے اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

مسئلہ ۱۰۴۳: از مقام یومد قلعہ رام چھاؤنی ڈیرہ اسمٰعیل خاں رجمنٹ نمبر ۸ بنگال ملک وزیرستان مرسلہ عبداللہ خاں صاحب سوار ۱۳ صفر ۱۳۲۰ھ

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(آپ سے ملاقات بھی ہر سوال کا جواب ہے اور بغیر قیل وقال آپ سے سوال حل ہو جاتا ہے)

بعد تمنا قدمبوسی کے مدعا یہ ہے کہ یہاں ہم لوگوں میں ایک حافظ قرآن شریف بہت عمدہ تلاوت کرتے ہیں سب جوانوں کا مشورہ ہوا کہ حافظ صاحب ہم کو پورا قرآن سنائیں سب کی صلاح سے بعد نماز عشاء پچھلی دو رکعت نفل میں دو پارے روز سنائے دس یوم بعد معلوم ہوا کہ نفلوں میں جماعت درست نہیں بعد کو سب کی رائے سے عشاء کے فرضوں میں دو رکعت پیشتر میں قرآن سنایا ۸ یوم سنا ہوگا کہ بعض نے کہا تمہاری نماز درست نہ ہوئی اب آپ لکھئے کہ کسی طرح قرآن شریف علاوہ رمضان مبارک سنانا درست ہے یا نہیں؟ اب سب کہتے ہیں وتروں میں سناؤ اور اب یہ بھی سنا ہے کہ سنتوں میں جماعت درست نہیں ہے پھر کیا بندوبست کیا جائے؟ اور جو نماز اس طور پر پڑھی ہے وہ قبول ہوئی یا پھر قضا کریں؟ یہ جگہ پہاڑ ہے ایک قلعہ ہے جس میں ہم قریب سَو جوانوں کے رہتے ہیں۔

الجواب:

استسقاء کے سوا ہر نماز نفل وتراویح وکسوف کے سوا ہر نماز سنت میں ایسی جماعت جس میں چار یا زیادہ شخص مقتدی بنیں مکروہ ہے اور وتروں کی جماعت غیر رمضان میں اگر اتفاقاً کبھی ہو جائے تو حرج نہیں مگر التزام کے ساتھ وہی حکم ہے کہ چار یا زیادہ مقتدی ہوں تو کراہت ہے اور فرضوں میں قرات طویل قدر سنت سے اس قدر زائد کہ مقتدیوں میں سے کسی شخص پر بار گزرے سخت ناجائز وگناہ ہے یہاں تک کہ اگر ہزار مقتدی ہیں اور سب خوشی سے راضی ہیں کہ قرات قدر سنت سے زیادہ پڑھی جائے مگر ایک شخص کو ناگوار ہے تو اسی ایک کا لحاظ واجب ہوگا اور قدر سنت سے بڑھانا گناہ ہوگا، درمختار میں ہے:

یصلی بالناس من یملك اقامة الجمعة رکعتین کالنفل وصلوة الکسوف سنة واختار فی الاسرار وجوبها واختلف فی استنان صلٰوة	وہ شخص جو جمعہ قائم کرسکتا ہے لوگوں کو مثل نفل کے دو[2] رکعات نماز پڑھا سکتا ہے اور صلٰوۃ کسوف سنت ہے، اور اسرار میں اس کے وجوب کو مختار کہا ہے، نماز استسقاء کے سنت ہونے

الاستسقاء[1] وھو بلاجماعۃ مسنونۃ بل ھی جائزۃ[2] اھ ملتقطا۔	میں اختلاف ہے اور یہ بلاجماعت مسنون بلکہ جائز ہے اھ تلخیصًا (ت)

اُسی میں ہے:

لایصلی الوتر ولاالتطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذلک الوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد کمافی الدرر[3]۔	رمضان کے علاوہ وتر اور نوافل کو جماعت کے ساتھ ادانہ کیاجائے یعنی یہ عمل مکروہ ہے اگر علٰی سبیل التداعی ہو بایں طور کہ چارآدمی کسی ایک کی اقتداء کریں جیساکہ درر میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یکرہ ذلک اشار الی ماقالوا ان المراد من قول القدوری فی مختصرہ لایجوز، الکراھۃ لاعدم اصل الجواز لکن فی الخلاصۃ عن القدوری انہ لایکرہ وایدہ فی الحلیۃ بما اخرجہ الطحاوی عن المسور بن مخرمۃ قال دفنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ لیلا فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انی لم اوتر فقام وصفنا ورائہ فصلی بنا ثلث رکعات لم یسلم الا فی اٰخرھن ثم قال ویمکن ان یقال الظاھر	ان کا قول "یکرہ ذلک" علماء کے اس قول کی طرف اشارہ ہے جوانھوں نے فرمایا کہ قدوری کے اپنی مختصر میں قول "لایجوز" کامعنی یہ ہے کہ کراہت ہے نہ کہ اصل جواز معدوم ہے لیکن خلاصہ میں قدوری سے ہے کہ یہ مکروہ نہیں، اور اس کی تائید حلیہ میں اس روایت سے کی ہے جو طحاوی نے حضرت مِسْوَر بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم نے سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کورات کو دفن کیاتو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں نے ابھی وتر نہیں پڑھے، آپ کھڑے ہوئے تو ہم نے ان کے پیچھے صف بنالی تو انھوں نے ہمیں تین رکعات پڑھائیں اوران کے آخر میں سلام پھیرا، پھر کہاکہ یہ کہنا

[1] درمختار باب الکسوف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۷۔۱۱۸

[2] درمختار باب الاستسقاء مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۸

[3] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۹

ان الجماعۃ فیہ غیرمستحبۃ، ثم ان کان ذلك احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مباحا غیرمکروہ، وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث وعلیہ یحمل ماذکرہ القدوری فی مختصرہ وماذکرہ فی غیرمختصرہ یحمل علی الاول[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ممکن ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ وتروں میں جماعت غیر مستحب ہے، اور اگر یہ بعض اوقات ہو تو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا تو یہ مباح غیر مکروہ ہے، اور اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت ومکروہ ہے کیونکہ منقول کے خلاف ہے اور مختصر قدوری میں جو مذکور ہے اسے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا اور مختصر کے علاوہ میں جو مذکور ہے اسے پہلی صورت پر محمول کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

درمختار میں ہے:

یکرہ تحریما تطویل الصلوٰۃ علی القوم زائدا علی قدرالسنۃ[2] الخ وتمام الکلام علیہ فی ردالمحتار والحلیۃ وغیرھما وبالبحث والتنقیر یظھر ماذکرنا۔	نماز کا مقتدیوں پر قدرِ سنت سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ تحریمی ہے، الخ اس پر تفصیلی کلام ردالمحتار اور حلیہ وغیرہ میں موجود ہے اور بحث و تمحیص سے وہ ظاہر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

پس اگر اس کا بندوبست منظور ہو تو اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) یہ کہ فرضوں کی دو رکعت پیشیں میں قرأت ہو اس شرط پر کہ جماعت کے آدمی گنے بندھے ہوں اور وہ سب دل سے اس تطویل پر راضی ہوں کسی کو گراں نہ گزرے،

ان اللہ لایمل حتی تملوا[3] کما فی الصحیح عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ تعالٰی ملال نہیں دیتا یہاں تک کہ تم ملال میں ہو جاؤ، جیسا کہ صحیح حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے (ت)

اگر یہ معدود لوگ راضی ہوں مگر جماعت میں یہی معین نہیں اور لوگ بھی آکر شریک ہو جاتے ہیں اور اُن کا اس تطویل پر راضی ہونا معلوم نہیں تو جائز نہ ہوگا حذرا عن الوقوع فی الحرام (حرام میں واقع ہونے

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

[2] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۳

[3] سنن ابوداؤد باب مایومر بہ من القصد فی الصلوٰۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۹۴

سے بچنے کے لئے۔ت)

(۲) سنتوں، نفلوں، وتروں میں حافظ قرات کرے اور ہر بار مختلف لوگ مقتدی ہوں کہ کسی بار میں تین سے زیادہ مقتدی نہ ہوں مثلاً عشاء کے بعد دو سنتوں مین تین مقتدیوں کے ساتھ آدھا پارہ پڑھ لیا پھر وتروں میں دوسرے تین آدمی شریک ہوگئے آدھا ان میں پڑھا پھر نفلوں میں دوسرے تین مل گئے آدھا اب پڑھا یا وتروں سے پہلے جتنے نفل چاہے امام نے مختلف تین تین آدمیوں کے ساتھ پڑھے کہ سَو یا زیادہ شخص سب کو حصہ رسد ایک قرات طویل میں شرکت پہنچ گئی۔

(۳) سنتوں خواہ نفلوں میں سب مقتدی ایک ساتھ شریک ہوکر ایک ہی بار میں ساری قرات سب سنیں مگر یوں کہ مقتدی سب یا تین سے جتنے زیادہ ہیں یوں منت مان لیں کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی کہ یہ رکعتیں اس امام کے ساتھ باجماعت ادا کروں اس صورت میں بھی کراہت نہ رہے گی اگرچہ کوئی ایسی پسندیدہ بات یہ بھی نہیں، درمختار میں ہے:

فی الاشباہ عن البزازیة یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب وبرائة وقدر الااذا قال نذرت کذا رکعة بھذا الامام جماعةاھ قلت وتتمة عبارة البزازیة من الامامة ولاینبغی ان یتکلف کل ھذا التکلف لامر مکروہ[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشباہ میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے کہ نماز رغائب اور برائۃ (شب برات کی نماز) اور قدر (شبِ قدر کی نماز) میں اقتداء مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب کوئی یوں کہے کہ میں نے اللہ تعالٰی کے لئے نذر کی ہے کہ میں اس امام کی اقتداء میں یہ رکعتیں ادا کروں گا اھ قلت بزازیہ کے باب الامامت میں اختتامی عبارت یوں ہے کہ اس امر مکروہ کے لئے یہ تمام تکلّفات مناسب نہیں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۴۴: از احمد آباد گجرات دکن محلّہ مرزاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نزدیک امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علمائے حنفیّہ کی نماز تہجد کی ساتھ جماعت کے پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ اور دیگر ایام مخصوصہ مثلاً یومِ عاشورا وغیرہ میں نفل جماعت سے جائز ہیں یا نہیں؟ اور یہاں کے مولوی نماز تہجد کی جماعت سے پڑھنا از حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

منصوص کہتے ہیں اور وقت تہجد کے جماعت بھی کرتے ہیں، آیا جماعت تہجّد اور نفلوں کی کرنا مستحب یا سنت کیا ہے؟ اور جبکہ برعکس ہو تو کیا مکروہ ہے یا بدعت ہے یا کیا ہے؟ اللھم اھدنا بینوا بحکم الکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کامذہب معلوم ومشہور اور عامہ کتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلاتداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ۔ تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اسے کثرت جماعت لازم عادی ہے اور اس کی تحدید امام نسفی وغیرہ نے کافی میں یوں فرمائی کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلاکراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ، یہ تحدید امام شمس الائمہ سے منقول ہے کافی کانص عبارت یہ ہے:

(لایصلی تطوع بجماعۃ الاقیام رمضان) وعن شمس الائمۃ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی امالو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لایکرہ واذا اقتدی ثلثۃ بواحد اختلف فیہ وان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقا[1]۔	(نفل جماعت کے ساتھ ادانہ کئے جائیں مگر رمضان کا قیام) شمس الائمہ سے یوں منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اس صورت میں مکروہ ہے جب علٰی سبیل التداعی ہو، اگرایک نے ایک کی اقتداء کی یادونے ایک کی تو کراہت نہیں، اور جب تین ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار نے ایک کی اقتداء کی تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔(ت)

اور اصح یہ ہے کہ تین مقتدیوں میں بھی کراہت نہیں، طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

قولہ اختلف فیہ والاصح عدم الکراھۃ[2]۔	ان کا قول "اختلف فیہ" اس میں اصح یہ ہے کہ کراہت نہیں۔(ت)

مگر انہیں امام شمس الائمہ سے خلاصہ وغیرہ میں یوں منقول کہ تین مقتدیوں تک بالاتفاق کراہت نہیں

[1] بحوالہ خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس عشر فی الامامۃ والاقتدائ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح آخر باب الوتر مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۱

چار میں اختلاف ہے اور اصح کراہت۔ فتاوٰی خلاصہ کا نص عبارت کتاب الصلٰوۃ فصل خامس ۱۵ عشر میں یہ ہے:

اصل ھذا ان التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشھید اما اذا صلی بجماعۃ بغیر اذان واقامۃ فی ناحیۃ المسجد لایکرہ وقال شمس الائمۃ الحلوانی رحمہ اللہ تعالٰی ان کان سوی الامام ثلثۃ لایکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ والاصح انہ یکرہ[1]۔	اس مسئلہ کی اصل یہ ہے کہ جب نوافل کی جماعت علٰی سبیل التداعی ہو تو صدر شہید کی اصلمیں ہے کہ یہ مکروہ ہے لیکن اگر مسجد کے گوشے میں بغیر اذان و تکبیر نفل کی جماعت ہوئی تو کراہت نہیں، اور شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق کراہت نہیں اور اگر مقتدی چار ہوں تو اس ہیں مشائخ کا اختلاف ہے، اور اصح کراہت ہے (ت)

بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ، اور تین اور چار میں اختلاف نقل و مشائخ، اور اصح یہ کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے، تو مذہب مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں، ولہٰذا درر و غرر پھر درمختار میں فرمایا:

یکرہ ذلك لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد[2]۔	اگر نفل کی جماعت علٰی سبیل التداعی ہو بایں طور پر کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں تو مکروہ ہے (ت)

پھر اظہر یہ کہ یہ کراہت صرف تنزیہی ہے یعنی خلاف اولٰی لمخالفۃ التوارث (کیونکہ یہ طریقہ توارث کے خلاف ہے۔ت) نہ تحریمی کہ گناہ و ممنوع ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی الحلیۃ الظاھر ان الجماعۃ فیہ غیر مستحبۃ ثم ان کان ذلك احیانا کان مباحا غیر مکروہ وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث ھو یؤید ایضا مافی البدائع من قولہ	حلیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نفل میں جماعت مستحب نہیں پھر اگر کبھی کبھی ایسا ہو تو یہ مباح ہے مکروہ نہیں اور اس میں دوام ہو تو طریقہ متوارث کے خلاف ہونے کی وجہ سے بدعت مکروہ ہے اھ اس کی تائید بدائع کے اس قول سے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس عشر الخ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۴

[2] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان۔ھ فان نفی السنیة لایستلزم الکراھة ثم ان کان مع المواظبة کان بدعة فیکرہ وفی حاشیة البحر للخیر الرملی علل الکراھة فی الضیأ والنھایة بان الوتر نفل من وجه والنفل بالجماعة غیرمستحب لانه لم تفعله الصحابة فی غیررمضان۔ھ وھو کالصریح فی انھا کراھة تنزیه تأمل[1] اھاھ مختصرا۔	بھی ہوتی ہے کہ جماعت، قیام رمضان کے علاوہ نوافل میں سنت نہیں اھ کیونکہ نفی سنیت کراہت کو مستلزم نہیں پھر اگر اس میں دوام ہو تو یہ بدعت ومکروہ ہوگی، خیر رملی نے حاشیہ بحر میں کہا کہ ضیاء اور نہایہ میں کراہت کی علت یہ بیان کی ہے کہ وتر من وجہ نفل ہیں اور نوافل کی جماعت مستحب نہیں کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت نہیں کرائی اھ یہ گویا اس بات کی تصریح ہی ہے کہ جماعت مکروہ تنزیہی ہے تامل اھ اھ اختصارًا(ت)

صلٰوۃ الرغائب وصلٰوۃ البراءۃ وصلٰوۃ القدر کہ جماعات کثیرہ کے ساتھ بکثرت بلاد اسلام میں رائج تھیں متاخرین کا اُن پر انکار اس نظر سے ہے کہ عوام سنت نہ سمجھیں ولہٰذا وجیز کردری میں بعد بحث وکلام فرمایا:

فلوترك امثال ھذہ الصلوات تارك لیعلم الناس انه لیس من الشعار فحسن[2]۔	اگر نمازوں کو کوئی اس لئے ترک کرتا ہے کہ لوگ جان لیں کہ یہ شعار اسلام نہیں تو یہ اچھا کام ہے۔(ت)

اور بعض ناس کا غلو وافراط مسموع نہیں اور حدیث بروایت مجاہیل آنا موجب وضع نہیں نہ وضع حدیث موجبِ منع عمل ہے، عمل بالحدیث الموضوع اور عمل بمافی الحدیث الموضوع میں زمین آسمان کا بل ہے کما حققنا کل ذلك فی منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین (جیسا کہ ہم نے اس کی پوری تحقیق رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں کی ہے۔ت) خصوصًا ان کا فعل بجماعت اجلہ اعاظم اولیائے کبار وعلمائے ابرار حتی کہ ایک جماعت تابعین کرام وائمہ مجتہدین اعلام سے ثابت ومنقول ہے، لطائف المعارف امام حافظ زین الدین ابن رجب میں ہے:

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸
[2] فتاوٰی بزازیہ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۴

لیلة النصف من شعبان کان التابعون من اهل الشام کخالد بن معدان و مکحول ولقمان بن عامر وغیرهم یعظمونها ویجتهدون فیها فی العبادة وعنهم اخذالناس فضلها وتعظیمها، وقدقیل انه بلغهم فی ذلك اٰثار اسرائیلیة، فلما اشتهر ذلك عنهم فی البلدان اختلف الناس فی ذلک، فمنهم من قبله ووافقهم علی تعظیمها منهم طائفة من عباد اهل البصرة وغیرهم، وانکرذلك اکثرالعلماء من اهل الحجاز منهم عطاء وابن ابی ملیکة وعبد الرحمٰن بن زید بن اسلم عن فقهاء المدینة، وهو قول اصحاب مالك وغیرهم وذلك کله بدعة، واختلف علماء اهل الشام فی صفة احیائها علی قولین احدهما انه یستحب احیاؤها جماعة فی المساجد کان خالد بن معدان ولقمان بن عامر وغیرهما یلبسون فیها احسن ثیابهم ویتبخرون و یکتحلون و یقومون فی المساجد لیلتهم ذلك و وافقهم اسحٰق بن راهویة علی ذلک[1] وقد ذکر بعده القول الاٰخر وهو کراهة الجماعة دون الانفراد وان علیه امام الشام الاوزاعی لکن فیه سقطاً فی نسختی

یعنی اہل شام میں ائمہ تابعین مثل خالد بن معدان و امام مکحول و لقمان بن عامر وغیرہم شب برات کی تعظیم اور اس رات عبادت میں کوشش عظیم کرتے اور انہیں سے لوگوں نے اس کا فضل ماننا اور اس کی تعظیم کرنا اخذ کیاہے، کوئی کہتاہے انہیں اسباب میں کچھ آثار اسرائیلی پہنچے تھے، خیر جب ان سے یہ امر شہروں میں پھیلا علماء اس میں مختلف ہوگئے ایک جماعت نے اسے قبول کیا اور تعظیم شب برات کے موافق ہوئے ان میں سے ایک گروہ عابدین اہل بصرہ وغیرہم ہیں، اور اکثر علماء نے اس کا انکار کیا اُن میں سے ہیں امام عطاء وابن ابی ملیکہ و عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم فقہائے مدینہ سے ہیں اور یہ قول مالکیہ وغیرہم کا ہے کہ یہ سب نوپیدا ہے، علمائے اہل شام اس رات کی شب بیداری میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ مستحب ہے، خالد بن معدان و لقمان بن عامر وغیرہما اکابر تابعین اس رات اچھے سے اچھے کپڑے پہنتے، بخور کا استعمال کرتے، سرمہ لگاتے اور شب کو مسجدوں میں قیام فرماتے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی الخ، دوسرا قول یہ کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے اور یہ قول شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔ لیکن میرے پاس موجود نسخہ سے

[1] لطائف المعارف المجلس الثانی فی ذکر نصف شعبان دارابن کثیر بیروت ص ۲۶۳

فلم یتیسرلی نقلہ ویتضح بما اذکرہ عن الشرنبلالی فانہ انما اخذہ عنہ۔	کچھ عبارت ساقط ہے اس کی عبارت نقل کرنا میسر نہیں اس کی وضاحت اس سے ہوجائے گی جسے میں شرنبلالی کے حوالے سے ذکر کررہا ہوں کیونکہ انہوں نے اس سے اخذ کیا ہے۔

مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں ہے:

انکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم عطاء وابن ابی ملیکۃ وفقھاء اھل مدینۃ واصحاب مالك وغیرھم وقالوا ذلك کلہ بدعہ ولم ینقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولاعن اصحابہ احیاء لیلتی العید جماعۃ واختلف علماء الشام فی صفۃ احیاء لیلۃ النصف من شعبان علی قولین احدھما انہ استحب احیاؤہ بجماعۃ فی المسجد طائفۃ من اعیان التابعین کخالد بن معدان ولقمان بن عامر ووافقھم اسحٰق بن راھویۃ والقول الثانی انہ یکرہ الاجتماع لھا فی المساجد للصلٰوۃ وھذا قول الاوزاعی امام اھل الشام وفقیھھم وعالمھم[1]۔	اہل حجاز میں سے اکثر علماء نے اس کا انکار کیا ہے ان میں سے ہیں امام عطاء وابن ابی ملیکہ وفقہاء مدینہ اور اصحاب امام مالک وغیرہم۔ یہ علماء کہتے یہ سب نوپیدا ہے۔ نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عیدین کی دونوں راتوں کی باجماعت شب بیداری منقول ہے اور نہ ہی صحابہ کرام سے مروی ہے، اور علماء شام بیداری شب برات میں کہ کس طرح کی جائے دو قول پر مختلف ہوئے، ایک قول یہ ہے کہ مسجدوں میں جماعت کے ساتھ بیداری مستحب ہے یہ قول اکابر تابعین مثل خالد بن معدان اور لقمان بن عامر کا ہے، امام مجتہد اسحٰق بن راہویہ نے بھی اس بارے میں ان کی موافقت فرمائی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مساجد میں اس کی جماعت مکروہ ہے یہ قول اہل شام کے امام وفقیہ وعالم امام اوزاعی کا ہے۔(ت)

شیخ محقق اعلم علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں حدیث صلٰوۃ الرغائب پر محدثین کا کلام ذکر کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

ھذا ماذکرہ المحدثون علی طریقھم فی تحقیق	یعنی وہ کلام ہے کہ محدثین نے اپنے طریقہ تحقیق اسناد

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح آخر باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۲۰۔۲۱۹

الاسانید ونقد الاحادیث وعجبا منهم ان یبالغوا فی هذا الباب هذه المبالغة و یکفیهم ان یقولوا لم یصح عندنا ذلك و واعجب من الشیخ محی الدین النووی مع سلوکه طریق الانصاف فی الابواب الفقهیة وعدم تعصبه مع الحنفیة کماهو داب الشافعیة فمانحن فیه اولی بذلك لنسبة الی المشائخ العظام والعلماء الکرام قدس اسرارهم[1]۔	و تنقید آثار پر ذکر کیا اور ان سے اس قدر مبالغہ کا تعجب ہے انہیں اتنا کہنا کافی نہ تھا کہ حدیث ہمارے نزدیک درجہ صحت کو نہ پہنچی، اور زیادہ تعجب امام محی الدین نووی سے ہے کہ وہ تومسائل فقہ میں راہ انصاف چلتے ہیں اور دیگر شافعیہ کی طرح حنفیّہ کے ساتھ تعصب نہیں رکھتے، تو یہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں زیادہ انصاف وترک افراط کے لائق تھا اس لئے کہ یہ فعل اولیائے عظام وعلمائے کرام قدست اسرارہم کی طرف منسوب ہے۔

پھر شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے دربارہ صلٰوۃ الرغائب خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک حدیث بحوالہ جامع الاصول کتاب امام رزین سے نقل کی جس کی وضع اس لئے ہے کہ صحاح ستّہ کی حدیثیں جمع کرے اور اس کے آخر میں ابن اثیر سے نقل کیا:

هذا الحدیث مما وجدته فی کتاب رزین ولم اجده فی واحد من الکتب الستة والحدیث مطعون فیه[2]۔	یعنی یہ حدیث میں نے کتاب رزین میں پائی اور صحاح ستہ میں مجھے نہ ملی اور اس پر جرح ہے۔

پھر فرمایا:

وقد وقع فی کتاب بهجة الاسرار ذکر لیلة الرغائب فی ذکر سیدنا وشیخنا القطب الربانی وغوث الصمدانی الشیخ محی الدین عبدالقادر الحسینی الجیلانی رضی الله تعالٰی عنه قال اجتمع المشائخ وکانت لیلة الرغائب الی اٰخر ماذکر من الحکایة	یعنی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکر اقدس میں صلٰوۃ الرغائب کا ذکر آیا ہے کہ شب رغائب میں اولیاء جمع ہوئے الٰی آخر کلماتہ، نیز امام ابوالحسن نورالدین علی قدس سرہ، نے بسند خود حضرات عالیات سیّدنا سیف الدین عبدالوہاب وسیّدنا

[1] ماثبت من السنۃ صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۶

[2] ماثبت من السنۃ صلٰوۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۶

وذکر ایضا انه نقل عن الشیخین القدوتین الشیخ عبدالوھاب والشیخ عبدالرزاق قالا بکر الشیخ بقابن بطوسحر یوم الجمعة الخامس من رجب السنة ثلث واربعین وخمسمائة الی مدرسة والدنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه و قال لنا الاسألتمونی عن سبب بکوری الیوم انی رأیت البارحة نوراضائت به الافاق وعم اقطار الوجود ورأیت اسرارذوی الاسرار فمنها مایتصل به ومنها مایمنعه مانع من الاتصال به وما اتصل به سرالاتضاعف نوره فتطالبت ینبوع ذلك النور فاذا ھوصادر عن الشیخ عبدالقادر فاردت الکشف عن حقیقته فاذا ھو نور شھوده قابل نورقلبه وتقادح ھذان النوران وانعکس ضیاؤھما علی مرأة حاله واتصلت اشعة المتقادحات من محط جمعه الی وصف قربه فاشرق به الکون ولم یبق ملك نزل اللیلة الااتاه وصافحه واسمه عندھم الشاھد والمشھود قالا فاتیناه رضی الله تعالٰی عنه وقلنا له اصلیت اللیلة صلوة الرغائب فانشد ؎

اذا نظرت عینی وجوه حبائبی
فتلك صلاتی فی لیالی الرغائب

تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق ابنائے حضور پرنور سیّدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی کہ روز جمعہ پنجم رجب ۵۴۳ کو حضرت شیخ بقابن بطو قدس سرہ العزیز صبح تڑکے مدرسہ انور حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر آئے اور ہم سے کہا مجھ سے پوچھتے نہیں کہ اس قدر اول وقت کیوں آیا میں نے آج کی رات ایک نور دیکھا جس سے تمام آفاق روشن ہوگئے اور جمیع اقطار عالم کو عام ہوا اور میں نے اہل اسرار کے اسرار دیکھے کہ کچھ تو اس نور سے متصل ہوئے ہیں اور کچھ کسی مانع کے سبب اتصال سے رک گئے ہیں جو اس سے اتصال پاتا ہے اس کا نور دوبالا ہوجاتا ہے تو میں نے غور کیا کہ اس نور کا خزانہ ومنبع کیا ہے کہاں سے چمکا ہے ناگاہ کھلا کہ یہ نور حضور پرنور سیدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صادر ہوا ہے اب میں نے اس کی حقیقت پر اطلاع چاہی تو معلوم ہوا کہ یہ حضور کے مشاہدے کا نور ہے کہ حضور کے نور قلب سے مقابل ہوکر ایک کی جوت دوسرے پر پڑی اور دونوں کی روشنی حضور کے آئینہ حال پر منعکس ہوئی اور یہ آپس میں ایک دوسرے کی جوت بڑھانے والے نوروں کے بقعے حضور کے مقام جمع سے منزلت قرب تک متصل ہوئے کہ سارا جہان اس سے جگمگا اٹھا اور جتنے فرشتے اس رات اُترے تھے سب نے حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ کیا (اور بہجۃ الاسرار شریف میں فقیر نے یوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ

وجوہ اذا ما اسفرت عن جمالها اضاءت لها الاکوان من کل جانب ومن لم یوف الحب مایستحقه فذاك الذی لم یأت قط بواجب اھ [1] ما نقله الشیخ قدس سرہ و الذی راٰہ العبد الضعیف غفر اللہ له فی البهجة الکریمة نصه هکذا ولم یبق ملك انزل اللیلة الی الارض واتاہ و صافحه [2] الخ	کیا فرشتوں کے یہاں حضور کا نام پاک شاہد مشہود ہے (شاہد کہ مشاہدہ والے ہیں اور مشہود کہ سب ملائکہ ان کے پاس آئے قال تعالٰی اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا [3] (ای تشهده الملئکة) دونوں شاہزادگان دوجہاں نے فرمایا ہم یہ سن کر حضور پرنور کے پاس حاضر ہوئے اور حضور سے عرض کی کیا آج کی رات حضور نے صلوٰۃ الرغائب پڑھی (یعنی جس کے انوار یہ چمکے یہ شب شب رغائب ہی تھی کہ رجب کی نوچندی شب جمعہ تھی) حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر یہ اشعار ارشاد فرمائے: جب میری آنکھ میری پیاریوں کے چہرے دیکھے تو یہ شبہائے رغائب میں میری نماز ہے، وہ چہرے کہ جب اپنے جمال کا جلوہ دکھائیں تو ہر طرف سے سارا جہان چمک اُٹھے اور جس نے محبت کا حق پورا نہ کیا وہ کبھی کوئی واجب نہ لایا (پیاریاں عالم قدس کی تجلّیاں ہیں) (اور بہجۃ الاسرار شریف میں فقیر نے یوں دیکھا کہ کوئی فرشتہ باقی نہ رہا جو اُس رات زمین پر نہ اُترا اور حضور کے پاس آکر حضور سے مصافحہ نہ کیا ہو یعنی تمام ملائکۃ اللہ زمین پر آئے اور محبوب خدا سے مصافحے کئے) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴۵: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سرشتہ دار ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعد وتر کے نفل جو پڑھے جاتے ہیں اُن کا بیٹھ کر پڑھنا بہتر ہے یا کھڑے ہو کر؟ کتاب مالابدمنہ ہندی میں صفحہ ۴۵ سطر ۵ میں تحریر ہے کہ بعد وتر کے دو رکعت بیٹھ کر پڑھنا مستحب ہے۔

الجواب:

کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے، بیٹھ کر پڑھنے میں آدھا ثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان صلی قائما فهو افضل ومن صلی قاعدا فله نصف اجر القائم [4]۔ رواہ البخاری عن عمران بن حصین	اور اگر کھڑے ہو کر پڑھے تو وہ افضل ہے اور جو بیٹھ کر پڑھے اس کے لئے کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے نصف ثواب ہے۔ اسے بخاری نے حضرت

[1] ماثبت من السنة صلوٰۃ الرغائب مطبوعہ ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۲۴۸

[2] بہجۃ الاسرار مصطفی البابی مصر ص ۵۸

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۸

[4] صحیح البخاری باب صلوٰۃ القاعد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔	عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے، اور جمیع صحابہ سے اللہ راضی ہو۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ رکعتیں بیٹھ کر بھی پڑھی ہیں:

کما عند مسلم عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت بعد ماذکرت وترہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یصلی رکعتین بعد ما یسلم وھو قاعد[1] ولاحمد عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلیھما بعد الوتر وھو جالس[2]۔	جیسے کہ مسلم میں ہے حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نمازوتر ذکر کرنے کے بعد فرماتی ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نمازادا کرتے۔ اور امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتروں کے بعد بیٹھ کر دو رکعات نمازادافرماتے تھے(ت)

اور کبھی ان میں قعود وقیام کو جمع فرمایا ہے کہ بیٹھ کر پڑھتے رہے جب رکوع کاوقت آیا کھڑے ہو کر رکوع فرمایا،

فلا بن ماجۃ عن ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس فاذا اراد ان یرکع قام فرکع[3]۔	ابن ماجہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتروں کے بعد دو رکعات نماز اختصار کے ساتھ بیٹھ کر ادا کرتے تھے اور جب آپ رکوع کاارادہ فرماتے تو قیام فرماتے پھر رکوع کرتے(ت)

مگر بیٹھ کر پڑھنا دونا نہ تھا بلکہ اس بات کے بیان کے لئے کہ بیٹھ کر پڑھنا بھی جائز ہے جیساکہ خود ان نفلوں کاپڑھنا بھی اس بیان کے واسطے تھا کہ وتر کے بعد نوافل جائز ہیں اگرچہ اولٰی یہ ہے کہ جتنے نوافل پڑھنے ہوں سب پڑھ کر آخر میں وتر پڑھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا اٰخر صلٰوتکم باللیل وترا[4]۔ رواہ	اپنی نماز شب میں سب سے آخر وتر رکھو۔ اسے

---

[1] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۶
[2] مسند احمد بن حنبل حدیث عائشۃ الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/۵۴
[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی رکعتین بعد الوتر جالسًا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵
[4] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی الخ مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۷

مسلم عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا	مسلم نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے۔

مسلم امام نووی منہاجبھر علامہ قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ھاتان الرکعتان فعلھما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا لبیان جواز الصلٰوۃ بعد الوتر وبیان جواز النفل جالسا ولم یواظب علی ذلک[1]۔	ان دو رکعات کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس لئے بیٹھ کر ادا فرماتے تھے تاکہ وتر کے بعد جوازِ نماز اور بیٹھ کر جوازِ نفل کا اظہار ہوجائے، البتہ آپ نے اس پر ہمیشگی نہیں فرمائی (ت)

بلکہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ یہ نفل بیٹھ کر پڑھتے جب بھی ہمارے لئے کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہوتا کہ یہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے لئے فعل ہوتا اور ہمارے لئے صاف وہ ارشاد قولی ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا افضل ہے اور بیٹھے کا ثواب آدھا ہے، اور اصول کا قاعدہ ہے کہ قول فعل میں ترجیح قول کو ہے کہ فعل میں احتمال خصوصیت ہے نہ کہ یہاں تو صریحًا بیان خصوصیت فرمایا ہے، صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے: "مجھے حدیث پہنچی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے، میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹھے کی نماز آدھی ہے میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو خد حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھا[2] (**اقول:** یعنی یہ خیال گزرا کہ شاید بخار وغیرہ کے سبب بیٹھ کر پڑھ رہے ہوں)

وھذا بحمداللہ منزع نفیس واضح لیستغنی بہ عما اطال الطیبی ؏ وابن حجر و	الحمداللہ یہ بات عمدہ، نفیس علامہ طیّبی، ابن حجر اور اور واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس طویل گفتگو سے مستغنی کردیتی ہے علامہ طیّبی ابن حجر اور

؏: (فوجدتہ یصلی جالسا فوضعت یدی) لعلہ بعد الفراغ من الصلٰوۃ ثم رأیت	(تو میں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے پایا تو میں نے سرِ انور پر ہاتھ رکھ دیا) شاید یہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد کا معاملہ ہو (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ باب القصد فی العمل فصل اول مطبوعہ کتب خانہ امدادیہ ملتان ۳/۱۶۳

[2] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائما و قاعدًا الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۳

القاری ووقعوا فیماکان لهم مندوحة	ملاعلی قاری نے کی اور یہ حضرات طوالت کے باعث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن حجر جزم به وقال بعد فراغه اذلایظن به الوضع قبله (علی رأسه) ای لیتوجه الیه وکانه کان هناك مانع من ان یحضر بین یدیه ومچل هذا لایسمی خلاف الادب عند طائفة العرب لعدم تکلفهم وکمال تألفهم وکذلك فی قولهم له انت دن انتم الذی هو مقتضی حسن الاٰداب فی معرض الخطاب لایتوجه علی قائله العتاب وتکلف الطیبی هنافی شرح الکتاب واورد السؤال والجواب ونسب قلة الادب الی الاصحاب وقال علی وجه الاطناب فان قلت الیس یجب علیه خلاف ذلك توقیرا له علیه الصلٰوة والسلام قلت لعله صدر عنه لاعن قصد اولعله استغرب کونه علی خلاف ماحدث عنه واستبعده فاراد تحقیق ذلك فوضع

پھر میں نے دیکھا کہ ابن حجر نے یہ کہتے ہوئے اس پر جزم کا اظہار کیا کہ یہ معاملہ فراغت کے بعد ہوا کیونکہ اس سے پہلے ہاتھ رکھنے کے بارے میں سوچا ہی نہیں جاسکتا (آپ کے سر اقدس پر) یعنی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوں اور گویا آپ کے سامنے آنے سے وہاں کوئی رکاوٹ تھی اور ایسے طریقے کو بعض عربوں کے ہاں عدم تکلف اور کمال محبت کی وجہ سے خلاف ادب تصور نہیں کیا جاتا اور اسی طرح بعض عربوں کا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے "اَنْتَ" (تُو) استعمال کرنا نہ کہ "انتم" (تم) جو کہ خطاب کے موقع پر حسن آداب کا مقتضی ہے، اس کے قائل پر عتاب کا موجب نہیں بنتا، علامہ طیّبی نے کتاب کی شرح میں اس مقام پر تکلف کرتے ہوئے سوال وجواب وارد کیا اور صحابہ کی طرف قلّت ادب کی نسبت کی اور طوالت سے کام لیتے ہوئے سوالًا کہا اگر تو کہے کیا ان پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تعظیم وتوقیر کے پیش نظر اس کے خلاف عمل لازم نہ تھا؟ جوابًا کہا میں کہتا ہوں شاید ان سے یہ معاملہ عدم دانستگی میں ہوا ہو یا ممکن ہے کہ انہوں نے ان سے حادث شدہ واقعہ کے خلاف معاملہ کو نہایت ہی اجنبی اور بعید تصور کیا اور اس کی تحقیق کا (باقی اگلے صفحہ پر)

عنہ وباللہ التوفیق۔	ایسی چیز میں واقع ہوئے جس سے محفوظ رہنا اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان کے لئے مفید تھا(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن عمر! کیا ہے؟میں نے عرض کی یارسول اللہ!

یدہ علی رأسہ ولذلك انکر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقولہ مالك الخ فسماہ ونسبہ الٰی ابیہ وکذا قول عبداللہ و انت تصلی قاعدا فانہ حال مقررۃ لجھۃ الاشکال، ثم رأیت ابن حجر قال کان ذلك فی عادتھم یفعلہ المستغرب الشیئ المتعجب من وقوعہ مع من استغرب منہ ذلك فلاینافی المتعارف الا ان ذلك خلاف الادب ونظیرہ ان بعض العرب کان ربما لمس لحیتہ الشریفۃ عند مفاوضتہ معہ اھ وقد شوھد فی زماننا ان بعض اجلاف العرب یمسك لحیۃ شریف مکۃ ویقول انا فداك یاحسن والحال انہ قدیکون نعلہ معلقاً فی اصبعہ ف منہ(م)	ارادہ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ سراقدس پر رکھ دیا اسی لئے سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناپسند کیااور فرمایا تجھے کیاہوگیا ہے؟الخ توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا نام لیااور ان کی نسبت ان کے باپ کی طرف کی۔اور اسی طرح حضرت عبداللہ کاقول کہ آپ بیٹھ کر نماز ادافرمارہے ہیں کیونکہ یہ حال جہت اشکال کو پختہ کررہاہے پھر میں نے ابن حجر کودیکھاکہ انہوں نے یہاں یہ لکھاہے کہ عربوں کی عادات میں سے ہے کہ جب کوئی ان میں سے کسی سے ایسی چیز دیکھتاہے جونہایت اجنبی ہو تووہ ایساہی کرتاہے تو یہ متعارف کے منافی نہیں البتہ خلاف ادب ہے جوخلاف ادب ہو اس کی نظیر یہ ہے کہ بعض عرب گفتگو وملاقات کے وقت آپ کی داڑھی مبارک کو مَس کرتے تھےاھ اور ہمارے دور میں اس کامشاہدہ یون کیاجاسکتاہے کہ بعض بزرگ عرب شریف مکہ کی داڑھی پکڑ کر یہ کہتے ہیں اے حسن میں تجھ پر فدا۔حالانکہ اس کا جوتا اس کی انگلیوں کے ساتھ لٹک رہاہوتاہے ۱۲منہ (ت)

ف: حاشیہ کی عبارت مرقات مشکوٰۃ سے نقل کی گئی ہے مطالعہ کیلئے باب القصد فی العمل جلدسوم مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ص۱۵۹ ملاحظہ ہو۔**نذیراحمد سعیدی**

میں نے سنا تھا کہ حضور نے فرمایا بیٹھے کی نماز آدھی ہے اور خود حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں۔ فرمایا: اجل ولکن لست کاحد منکم [1] ہاں بات وہی ہے کہ بیٹھے کا ثواب آدھا ہے مگر میں تمہاری مثل نہیں میرے لئے ہر طرح پورا کامل اکمل ثواب ہے یہ میرے لئے خصوصیت وفضل رب الارباب ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

یعنی ھذا من خصوصیاتی ان لاینقص ثواب صلواتی علی ای وجھہ تکون من جلواتی و ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء قال تعالٰی وکان فضل اللہ علیك عظیما [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ میری نماز جس طریقہ پر بھی ہو اس کے ثواب میں کمی نہیں کی جاتی کہ میری نماز میرے خاص تعلق سے ہے اور یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے وہ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے آپ کی ذاتِ اقدس پر اللہ تعالٰی کا فضل عظیم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۶: از بھنڈی بازار کارخانہ کرسی مرسلہ ننھے خاں ولد احمد خاں معمار ۲۹ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلٰوۃ التسبیح پڑھنے کی کیا ترکیب اور اس کا کیا وقت ہے؟

الجواب:

اس نماز کی بہت فضیلت اور بڑا ثواب، اور اس میں بڑی معافی کی اُمید ہے وہ چار رکعت نفل ہے کہ غیر وقت کروہ میں ادا کی جائے یعنی صبح صادق کے طلوع ہونے سے آفتاب نکل کر بلند ہونے تک جائز نہیں اور ٹھیک دوپہر کو جائز نہیں، اور جب آفتاب ڈوبنے کے قریب آئے کہ اس پر نگاہ بے تکلف ٹھہرنے لگے اس وقت جائز نہیں، نماز عصر کے فرض پڑھنے کے بعد شام تک جائز نہیں، جس وقت امام خطبہ پڑھ رہا ہو اس وقت جائز نہیں غرض جتنے وقت نفل نماز کی کراہت کے ہیں اُن اوقات سے بچ کر جس وقت چاہے پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ ظہر سے پہلے پڑھے [3] کما فی الھندیۃ عن المضمرات عن المعلی (جیسا کہ ہندیہ میں مضمرات اور معلی کے حوالے سے ہے۔ت) اور افضل دن جمعہ کا ہے اور اس کا مناسب طریقہ کہ ہمارے ائمہ کرام کے مذہب سے موافق ہے یہ ہے کہ سبحٰنك اللھم پڑھ کر پندرہ ۱۵ بار سبحٰن اللہ والحمدللہ ولاالٰہ

---

[1] صحیح مسلم باب جواز النافلۃ قائما وقاعدًا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۵۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القصد فی العمل فصل ثالث مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ باب التاسع فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۳

الااللہ واللہ اکبر پھر الحمد وسورت پڑھ کر یہی کلمہ دس بار پھر رکوع میں تسبیحات رکوع کے بعد دس بار پھر رکوع سے کھڑے ہو کر ربنا ولک الحمد کے بعد دس بار پھر سجدہ میں تسبیحوں کے بعد دس بار پھر سجدہ سے سر اٹھا کر دس بار پھر دوسرے سجدہ میں اسی طرح دس بار، یہ ایک رکعت میں پچھتّر بار ہوا، پھر دوسری رکعت کو کھڑا ہو کر الحمد سے پہلے پندرہ بار پھر الحمد وسورت کے بعد دس بار پھر رکوع میں بدستور کہ یہ بھی پچھتّر ہوئے، اسی طرح باقی دونوں رکعتوں میں بھی کہ یہ سب مل کر تین سو بار ہو جائیں گے، سورت کا اختیار ہے جو چاہے پڑھے اور بہتر یہ کہ پہلی رکعت میں الھٰکم التکاثر دوسری میں والعصر تیسری میں قل یایھاالکٰفرون چوتھی میں قل ھواللہ، یہ نماز ہر روز پڑھے ورنہ ہر جمعہ ورنہ ہر مہینے ورنہ سال میں ایک بار تو ہو جایا کرے اور نہ ہو تو عمر بھر میں ایک بار تو ہو جائے کہ اس میں بڑی دولت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴۷: از اروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مسئولہ جناب محمد صادق علی صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار رکعت تراویح یا اور نوافل ایک نیت سے پڑھے قعدۂ اولٰی میں درود شریف ودعا اور تیسری رکعت میں سبحٰنك اللھم پڑھے یا نہیں؟

الجواب:

پڑھنا بہتر ہے، درمختار میں ہے:

لایصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی القعدۃ الاولٰی فی الاربع قبل الظھر والجمعۃ وبعدھا لایستفتح اذا قام الی الثالثۃ منھا وفی البواقی من ذوات الاربع یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویستفتح ویتعوذ ولو نذرا لان کل شفع صلٰوۃ[1]۔	ظہر اور جمعہ کی پہلی چار سنتوں اور بعد کی چار سنتوں کے پہلے قعدہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف نہ پڑھا جائے اور تیسری رکعت میں ثناء بھی نہ پڑھی جائے اور باقی چار رکعتوں والی سنتوں اور نفلوں میں درود شریف پڑھا جائے، تیسری رکعت میں ثناء اور تعوذ بھی پڑھا جائے گا اگرچہ اس نے نوافل کی نذر مانی ہو کیونکہ یہ جوڑا جوڑا نماز ہے۔(ت)

مگر تراویح خود ہی دو رکعت بہتر ہے **لانہ ھو المتوارث** (کیونکہ طریقہ متوارثہ یہی ہے۔ت) تنویر میں ہے: **عشرون رکعۃ بعشر تسلیمات**[2] (بیس رکعتیں دس سلاموں کے ساتھ پڑھائی جائیں۔ت)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۵

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۸

سراجیہ میں ہے:

کل ترویحة اربع رکعات بتسلیمتین[1]۔	ہر ترویحہ چار رکعتوں کا دو سلاموں کے ساتھ پڑھا جائے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر چار یا زائد ایک نیت سے پڑھے گا تو بعض ائمہ کے نزدیک دو ہی رکعت کے قائم مقام ہونگی اگرچہ صحیح یہ ہے کہ جتنی پڑھیں شمار ہوں گی جبکہ ہر دو رکعت پر قعدہ کرتا رہا ہو۔ عالمگیری میں ہے:

ان قعد فی الثانیة قدر التشهد اختلفوا فیه فعلی قول العامة یجوز عن تسلیمتین وهو الصحیح هکذا فی فتاوی قاضی خاں[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دوسری رکعت میں تشہد کی مقدار نمازی بیٹھ گیا تو اس میں اختلاف ہے اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دو سلاموں کے قائم مقام ہے اور یہی ہے صحیح ہے، فتاوٰی قاضی خاں میں اسی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴۸: مسئولہ علی حسین صاحب از آنولہ محلّہ خیل حکیمان معرفت جناب حاجی علیم اللہ صاحب ۷ا رمضان ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ رمضان شریف میں لڑکوں کے پیچھے دن میں دو تین بالغ حافظ وغیرہا نماز کے اندر قرآن مجید سنتے ہیں یہ امر مشروع ہے یا نہیں؟ بظاہر کتب فقہیہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ نوافل روز میں سرًّا پڑھنا واجب ہے بموجب اس کے لڑکا ہو یا بالغ اس کی نماز کراہت تحریمی سے تو خالی نہ ہوگی یہ اور بات ہے کہ لڑکے کے ذمہ اعادہ واجب نہ ہوا جیسا کہ لڑکا اگر نماز نفل کو فاسد کردے گا تو اجماعًا اس کے ذمے قضا نہ آئے گی اور یہ اقتدا لڑکے کے پیچھے مختار مذہب کے موافق تو صحیح ہی نہیں ہے اس کے متعلق جواب بالصواب بحوالہ عبارت کتب فقہیہ تحریر فرمائیے، اجر جزیل کے عنداللہ مستحق ہوجئے۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

یہ امر بالاتفاق نامشروع وممنوع ہے مذہب صحیح پر تو اس لئے کہ وہ جماعت باطل ہے لان نفل البالغ مضمون فلایصح بناء الاقوی علی الاضعف (کیونکہ بالغ کے نوافل اس کے ذمہ لازم ہوجاتے ہیں لہٰذا اقوی کی بناء اضعف پر صحیح نہیں۔ ت) اور درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی سراجیہ باب التراویح مطبوعہ نولکشور لکھنؤ بھارت ص ۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما لانہ اشتغال بمالایصح[1]۔	دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل کا ارتکاب ہے جو صحیح نہیں۔(ت)

اور مذہب ضعیف پر اس لئے کہ دن کے نفل میں اخفا واجب ہے۔ حدیث میں ہے: **صلٰوۃ النہار عجما**[2] (دن کی نماز سرّی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یجھر الامام وجوبا فی الفجر واولی العشائین الی قولہ ویُسِرُّ فی غیرھا کمتنفل بالنھار[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام فجر اور عشائین کی پہلی دو رکعتوں میں جہر کرے (آگے چل کر لکھا) ان کے علاوہ میں امام سرًّا پڑھے جیسے کہ دن کے نوافل کا معاملہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۰۴۹: از قصبہ اترولی ضلع علی گڑھ محلہ کڑہ بر مکان شیخ عبدالحق صاحب رسالدار مسئولہ شیخ عبدالحمید صاحب زاہد نعمانی قادری ۴رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وصوفیائے محققین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز فجر آفتاب طلوع ہونے پر جو نوافل اشراق (دو لغایت چھ رکعت) اور ایک پہر دن چڑھے پر جو نوافل نماز چاشت (دو لغایت بارہ رکعت پڑھے جاتے ہیں شرح مشکوٰۃ میں ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت ہی کو نماز ضحٰی لکھا ہے، لیکن ایک بزرگ صوفی مشرب نماز ضحٰی کو ان نوافل یعنی اشراق اور چاشت سے علیحدہ بتاتے ہیں اور خود بھی عرصہ چالیس سال سے اشراق اور چاشت کے علاوہ نماز ضحٰی کے نوافل (دو لغایت آٹھ رکعت) علیحدہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میر پیر طریقت نے علیحدہ پڑھنا بتلایا ہے اور ملک سندھ میں عام آدمی نماز ضحٰی کے نوافل نماز اشراق اور چاشت کے علاوہ علیحدہ پڑھتے ہیں اور بعض علما سے تصدیق کرلینا بھی ظاہر کرتے ہیں چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوگیا ہے اس لئے استفتاء ہے کہ صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور نماز ضحٰی، اشراق اور چاشت کے نوافل کو کہتے ہیں یا علیحدہ نماز ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

نماز ضحٰی وہی نماز چاشت ہے نوافل پڑھنے کا اختیار ہے ہے تمام اوقات غیر مکروہہ میں اگر نوافل ہی پڑھے کون منع کرتا ہے مگر شرعی معنی میں اپنی طرف سے جدت نکالنا ضرور شنیع ومعیوب ہے ہر شخص

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۴

[2] الہدایہ کتاب الصلٰوۃ فصل فی القراۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۹۶

[3] درمختار باب صفۃ الصلٰوۃ فصل یجہر الامام مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۹

جانتاہے کہ ضحیٰ کا ترجمہ چاشت ہی ہے توصلوٰۃ الضحیٰ نہیں مگر نمازِ چاشت۔ اور ان دو کے سوا کسی تیسری نماز کا اصلاً کسی حدیث سے ثبوت بھی نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوی کرتا ہے وہ دلیل لائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰ تا ۱۵۵ : از عثمان پور ضلع بارہ بنکی مسئولہ محمد حسن یار خاں صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نماز تہجد میں خیر متین ترجمہ حصن حصین کے دیکھنے سے بروایت چار رکعت اور آٹھ رکعت اور تیرہ رکعت نماز تہجد میں ہے، ایک شخص تہجد گزار اجہل سے معلوم ہوا کہ بارہ رکعت تہجد کی اور ترکیب پڑھنے کی یہ ہے کہ اول رکعت میں ایک مرتبہ قل ھواللہ شریف دوسری میں دو بار بارھویں میں بارہ مرتبہ یاہر رکعت میں تین تین بار قل ھواللہ شریف پڑھاجائے، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صحیح کون سا قاعدہ ہے اور تہجد میں کَے رکعت پڑھناچاہئے اور بعد الحمد کے جیسا کہ نماز میں قاعدہ ہے کہ جو سورہ چاہے ملائے، خیر متین میں قل ھواللہ پڑھنے کا قاعدہ مسطورہ بالا نہیں لکھاہے اور جو بعد وتر کے دو رکعت نفل پڑھے جاتے ہیں ان کو بھی تہجد کے وقت میں پڑھنا چاہئے مثل وتر کے، یا عشاء کے وقت ادا کرنا چاہئے؟ اور نماز صلوٰۃ التسبیح میں کلمہ تمجید سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العظیم ایک شخص کہتاہے کہ ہر رکعت میں گیارہ گیارہ بار پڑھنا چاہئے۔ چار رکعت میں دو رکعت کی نیت کی جائے یا چار کی؟ دعائے ماثور کیاہے معلوم نہیں اور کس موقع پر پڑھی جائے، دعائے تہجد بغرض تصحیح مرسل ہے یامقلب القلوب قلب قلبی الیك مامصرف القلوب صرف قلبی علی دینك وطاعتك خیر متین میں سنت فجر میں قل یٰایھا الکٰفرون اور قل ھواللہ پڑھنے کولکھاہے اس ترکیب سے پڑھنا سنت فجر یا نفل میں جائز ہے یا نہیں؟ اور جیسا کہ فرض میں بقید سورہ پڑھنا ناجائز ہے اور سنن ابن ماجہ کے ترجمہ رفع الحاجہ کی دو جلدیں میرے پاس ہیں جن میں تہجد وغیرہ کا ذکر نہیں ہے جلد اول میں ہے اور ایک کتاب وظیفہ میں قل یا اور قل ھواللہ سنت میں پڑھنے کولکھاہے اور دوسری میں الم نشرح اور الم ترکیف لکھاہے جو فرض ووتر میں بغرض فلاحیت لکھاہے اور وتر میں اخیر رکعت میں قل ھواللہ پڑھنا ضرور ہے یا اور سورہ کوملا کر پڑھنے سے نماز ہوجائے گی؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عشاء کے فرض پڑھ کر آدمی سورہے پھر اس وقت سے صبح صادق کے قریب جس وقت آنکھ کھلے دو رکعت نفل صبح طلوع ہونے سے پہلے پڑھ لے تہجد ہوگیا اقل درجہ تہجد کا یہ ہے اور سنت سے آٹھ رکعت مروی ہے اور مشائخ کرام سے بارہ اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ

دو ہی رکعت پڑھتے اور ان میں قرآن عظیم ختم کرتے، غرض اس میں کمی بیشی کا اختیار ہے اتنی اختیار کرے جو ہمیشہ نبھ سکیں اگرچہ دو ہی رکعت ہو کہ حدیث صحیح میں فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل[1]۔	اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔

قرأت کا بھی اختیار ہے چاہے ہر رکعت میں تین تین بار سورۂ اخلاص پڑھے کہ اس کا ثواب ایک ختم قرآن کے برابر ہے خواہ یوں کہ بارہ رکعتیں ہوں پہلی میں ایک بار، دوسری میں دو بار، یا پہلی میں بارہ دوسری میں گیارہ، اخیر میں ایک کہ یوں ۲۶ ختم قرآن کا ثواب ہوگا، اور پہلی صورت میں بیس کا ہوتا۔ اور بہتر یہ ہے کہ جتنا قرآن مجید یاد ہو اس نماز میں پڑھ لیا کرے کہ اس کے یاد رہنے کا اس سے بہتر سبب نہیں۔ تہجد پڑھنے والا جسے اپنے اُٹھنے پر اطمینان ہو اسے افضل یہ ہے کہ وتر بعد تہجد پڑھے پھر وتر کے بعد نفل نہ پڑھے جتنے نوافل پڑھنا ہوں وتر سے پہلے پڑھ لے کہ وہ سب قیام اللیل میں داخل ہوں گے اور اگر سونے کے بعد ہیں تو تہجد میں داخل ہوں گے۔

(۲) صلٰوۃ التسبیح میں سبحان اللہ والحمدللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہر جگہ دس دس بار پڑھنا چاہئے، گیارہ بار بتانے والا غلط کہتا ہے مگر ہر قیام میں قرأت سے پہلے پندرہ بار ہے۔

(۳) صلٰوۃ التسبیح میں چار رکعت کی نیت کی جائے۔

(۴) بعد دونوں درودوں کے قبل سلام یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألك توفیق اھل الھدٰی واعمال الیقین ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ وتعبد اھل الورع وعرفان اھل العلم حتی اخافک۔ اللھم انی اسألك مخافۃ تحجزنی عن معاصیك حتی اعمل	اے اللہ! میں تجھ سے اہل ہدٰی جیسی توفیق، اہل یقین جیسے اعمال، اہل توبہ جیسی نصیحت، اہل صبر کا عزم، اہل خشیت کی محنت، اہل رغبت کی طلب، اہل ورع کی عبادت، اہل علم کا عرفان مانگتا ہوں کہ مجھے تیرا خوف نصیب ہو۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس بات کا سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایسا خوف عطا فرما جو تیری نافرمانی سے روک لے

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب القصد فی العمل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۱۱۰

بطاعتك عملا استحق به رضاك وحتی اناصحك بالتوبة خوفامنك وحتی اخلص لك النصیحة حبالك وحتی اتوکل علیك فی الامور حسن ظن بك سبحٰن خالق النور[1]۔	حتی کہ میں ایسے عمل کروں جو مجھے تیری رضا کا مستحق بنادے اور حتی کہ میں تیرے خوف کی بناپر خالصۃً توبہ کروں اور تیرے ساتھ محبت کی بناپر مخلصانہ تیرے حقوق ادا کروں، حتی کہ تمام امور میں تجھ پر بھروسہ کروں، تیرے ساتھ مجھے حسن ظن نصیب ہو، اے خالق نور! تیری ذات تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔(ت)

(۵) سنت فجر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی وماثور سنت وہی ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ کٰفرون اور دوسری میں اخلاص اور الم نشرح اور الم ترکیف پڑھنا مشائخ سے بطور عمل مروی ہے جس کا فائدہ دفع اعداء ہے اور یہ کہ نوافل میں اختیار ہے جس طرح جو چاہے پڑھے۔

(۶) وتر میں اخیر رکعت میں قل ھواللہ احد شریف پڑھنا ماثور ہے مگر ضرور نہیں، جو چاہے پڑھے، بہتر یہ ہے کہ پہلی میں سبح اسم ربک الاعلٰی یا انا انزلناہ اور دوسری میں کٰفرون تیسری میں اخلاص۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵۶: امام نے ظہر کے وقت چار رکعت نماز سنت ادا کرنے کے بعد کلام دنیا کیا بعد اس کے نماز پڑھائی تو اس فرض نماز میں کچھ نقصان آوے گا یا نہیں؟ اور نماز سنت کا ثواب کم ہوجائے گا یا باطل ہوجائے گی؟

الجواب:

فرض میں نقصان کی کوئی وجہ نہیں کہ سنتیں باطل نہ ہوں گی، ہاں اس کا ثواب کم ہوجاتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولوتکلم بین السنة والفرض لایسقطها ولکن ینقص ثوابها[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی سنن وفرائض کے درمیان کلام کرتا ہے تو اس سے سنن ساقط نہیں ہوجاتی مگران کے ثواب میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۰۵۷: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتیں پڑھنے کے بعد اگر گفتگو کی جائے تو پھر اعادہ سنتوں کا کرے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۵

الجواب:

اعادہ بہتر ہے کہ قبلی سنتوں کے بعد کلام وغیرہ افعال منافی تحریمہ کرنے سے سنتوں کا ثواب کم ہو جاتا ہے اور بعض کے نزدیک سنتیں ہی جاتی رہتی ہیں تو تکمیل ثواب وخروج عن الاختلاف کے لئے اعادہ بہتر ہے جبکہ اس کے سبب شرکت جماعت میں خلل نہ پڑے مگر فجر کی سنتیں کہ اُن کا اعادہ جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۵۸تا۱۰۵۹: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالحکیم صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک مسجد کہ اُس میں فجر کی نماز کے وقت بعد شروع ہوجانے جماعت کے اکثر نمازی آتے جاتے ہیں اور بعد حصول طہارت سنتیں فجر ادا کرکے شریک جماعت ہوجاتے ہیں مگر سنتیں فجر کی خلاف قاعدہ شرعیہ ادا ہوتی ہیں صورت یہ ہے کہ ایام گرما میں اندرونی درجہ مسجد میں توبسبب گرمی کے جماعت نہیں ہوتی اکثر اوقات دوسرے سائبان مسجد میں ہوا کرتی ہے بسا اوقات اندرونی درجہ میں سنتیں ادا کرنے کے واسطے جانے کی گنجائش نہیں رہتی یابسبب شدت گرمی کے نمازی اندر جانا بھی گوارا نہیں کرتا ایسی شکل میں بعض واقفین توصحن مسجد مین ستونوں کی آڑ میں سنتیں پڑھ لیتے ہیں وہ بھی چار پانچ شخص بقدر تعداد ستونوں کے پڑھ سکتے ہیں مگر نمازی بعد کو آنے والے زیادہ ہوتے ہیں سب لوگ آڑ ستونوں کی نہیں پاتے اور بعض لوگ بوجہ عدم واقفیت یا کم توجہی کے اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے اور بعض اوقات شدت گرمی سے صحن مسجد میں نماز ہوتی ہے تو ستون بھی سنتوں کی آڑ کو نہیں ملتے اکثر بدون حائل کسی شیئ کے سنتیں پڑھی جاتی ہیں مگر ازروئے اس مسئلہ فقہیہ کے کہ جماعت شروع ہوجانے کے بعد سنتیں فجر کی خارج از مسجد ادا کی جائیں ہم کو عمدہ موقع حاصل ہے کہ مسجد سے ملحق چہار طرف مسجد کے چار کمرے مدرسہ کے ہیں اس طرح سے کہ فرش سے فرش ملا ہے حد فاصل مابین مسجد اور مدرسہ کے صحنوں کی فصیلیں ہیں جو ایک ہاتھ تخمیناً چوڑی اور ایک بالشت اونچی ہیں اور یہ جملہ مکانات مسجد اور مدرسہ ایک احاطہ کے اندر ہیں اگر ہم ایک صف خواہ چٹائی صحن مدرسہ میں یا کسی کمرۂ مدرسہ میں ملحق صحن مسجد کے واسطے ادائے سنتوں فجر کے بچھادیں اور وہ لوگ جو پیچھے آتے ہیں طہارت حاصل کرکے اس چٹائی پر جو مدرسہ میں خارج از مسجد بچھی ہے سنتیں فجر ادا کرکے شریک جماعت ہوتے جائیں توسنتیں بھی حسب قاعدہ شرعیہ ادا ہوں اور نمازیوں کی بھی سہولت کا باعث ہو مگر زید اس کو دو[۲] بنا پر ناجائز کہتا ہے، ایک یہ کہ نمازی جب مسجد کی فصیلوں پر جو وضو کرنے کا موقع ہے بیٹھ کر وضو کرے گا تو لابد مسجد کے صحن میں سے گزر کر مدرسہ کے صحن میں جو چٹائی بچھی ہے سنتیں ادا کرنے کے واسطے جائے گا تو یہ صورت خلاف شرعیہ ہے اس وجہ سے کہ بعد از اذان مسجد سے خارج ہونا جائز نہیں اس گناہ کا مرتکب ہوگا سائل کہتا ہے کہ اگر ایسا ہی خارج ہونا ہے تو اس بنا پر اور بھی مسائل متفرع ہوتے،

ہیں وہ یہ ہیں کہ پانی لینے کا کنواں اور سقاوے اور پاکی حاصل کرنے کا غسل خانہ یہ سب کہ احاطہ مسجد کے اندر ہیں مگر مسجد کے حدود فصیلوں سے باہر ہیں نمازی حسب عادت مروجہ زمانہ کے اکثر اول مسجد میں آتا ہے اپنا کپڑا وغیرہ مسجد میں رکھ کر بعد کو پانی لے کر طہارت وضو وغیرہ کرتا ہے بلکہ یہ عادات زمانہ کی عام مقامات کی مساجد کے موافق ہیں تو کیا یہ سب بعد اذان مسجد سے خارج ہونے کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں یا احاطہ مسجد کے بیرونی دروازہ سے نکلنے والا اور وہ بھی جو مسجد میں واپس آنے کا قصد نہ رکھتا ہو۔

(۲) دوسری وجہ ممانعت زید کی یہ ہے کہ صحن مدرسہ کا بھی فرش پختہ ہے اور چھوٹے لڑکے بعض برہنہ پا پیشاب کو یا پاخانہ میں اور غسل خانہ میں جاتے ہیں اور اسی فرشِ صحن مدرسہ پر ہو کر گزرتے ہیں اور فجر کو اکثر شبنم کی کچھ نمی فرش پر ہوتی ہے اور گاہے شب کی بارش کی بھی نمی فرش پر ہوتی ہے پس ایسے مشکوک فرش پر چٹائی کا بچھانا چٹائی کا نجس کرنا اور نیز نمازیوں کی نماز خراب کرنا ہے حالانکہ افضل عبادات کی نماز ہے، سائل کہتا ہے پس ایسے شکوک کی وجہ سے صحن مدرسہ میں جو چٹائی بچھائی گئی ہے اس پر سنتیں ادا کرنا یا اس پر سے وضو کرکے جس حالت میں کہ نمازی کے پیر وضو کے پانی سے ہنوز خشک نہیں ہوئے ہیں گزر کر کمرۂ مدرسہ میں سنتیں ادا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور وہ چٹائی نجس ہوگی یا پاک قابل ادائے نماز رہے گی اور پیر اس نمازی کے جو وضو کرکے اس مشکوک فرش سے گزرا ہے پاک رہیں گے یا ناپاک ہو جائیں گے؟ اور ایسی چٹائی کا بچھانے والا واسطے اہتمام ادائے سنتوں فجر کے طریقہ نیک کا جاری کرنے والا ہوگا اور ثواب پائے گا؟ ان وجوہات مرقومہ صدر جو باعث ممانعت زید کے ہیں اُن کی وجہ سے بعد از اذان مسجد سے نمازیوں کے خارج کرنے کا اور مشکوک فرش پر سنتیں ادا کرنے والے نمازیوں کی نماز خراب کرانے کا باعث ہو کر عذاب پائے گا یا اس قسم کے شکوک پیدا کرکے تمام نمازیوں کو تنگی میں ڈالنے والا ہوگا؟ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

الجواب:

زید کے دونوں اعتراض باطل و بے معنی ہیں، مسجد سے بے نماز پڑھے باہر جانا دو شرط سے ممنوع ہے ایک یہ کہ وہ خروج بے حاجت ہو ورنہ بلاشبہ جائز ہے مثلاً جس شخص کی ذات سے دوسری مسجد کی جماعت کا انتظام وابستہ ہے وہ بعد اذان بلکہ خاص اقامت ہوتے وقت باہر جاسکتا ہے یونہی جسے دوسری مسجد میں بعد نماز دینی سبق پڑھنا یا سنی عالم کا وعظ سننا ہو اسی طرح پیشاب یا استنجے یا وضو کی حاجتیں۔ دوسرے یہ کہ شروع جماعت تک واپسی کا ارادہ نہ ہو ورنہ مضائقہ نہیں اگرچہ بے ضرورت ہی سہی۔

فی الدر المختار، کرہ تحریما للنھی خروج من لم یصل من مسجد اذن فیه جری علی الغالب والمراد دخول الوقت اذن	درمختار میں ہے کہ نکلنا اس شخص کا جس نے نماز نہ پڑھی ہو اس مسجد سے جس میں اذان ہوچکی ہو

فیہ اولا الالمن ینتظم بہ امر جماعۃ اخرٰی اوکان الخروج المسجد حیہ ولم یصلوا فیہ اولاستاذہ لدرسہ اولسماع الوعظ اولحاجۃ ومن عزمہ ان یعود نہر اھ وفی [1] ردالمحتار قولہ للنھی ھو مافی ابن ماجۃ من ادرک الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھولایرید الرجوع فھومنافق اھ وفیہ عن البحر ولوکانت الجماعۃ یوخرون لدخول الوقت المستحب کالصبح مثلا فخرج ثم رجع وصلی معھم ینبغی ان لایکرہ اھ قال وجزم بذلک کلہ فی النھر لدلالۃ کلامھم علیہ قولہ الالمن ینتظم بہ لہ الخروج ولوعندالشروع فی الاقامۃ وبہ صرح فی متن الدرر والقھستانی وشرح الوقایۃ[2] اھ مختصرا۔	مکروہ تحریمی ہے یہ غالب پر حکم ہے اور مراد دخول وقت ہے خواہ اذان ہوئی ہو یانہ ہوئی ہو البتہ اس شخص کو جانے کی اجازت ہے جس نے کسی دوسری جماعت کاانتظام کرنا ہے یا اپنے محلّہ کی مسجد کی طرف جاناہے درانحالیکہ وہاں لوگوں نے نمازادانہیں کی یا استاد سے سبق لیناہے یاوعظ سننا ہے یا کوئی حاجت ہے اور وہ شخص دوبارہ آجانے کاارادہ رکھتاہو نہر ردالمحتار میں قولہ للنھی (یعنی اس پر نہی وارد ہے) سے مراد ابن ماجہ کی وہ روایت ہے جس میں ہے کہ مسجد میں اذان کو پایا پھر بغیر کسی حاجت وضرورت کے چلاگیا اور واپسی کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے، اور اسی میں بحر سے ہے کہ اگرجماعت لوگوں نے اس لئے مؤخر کی کہ وقت مستحب آجائے مثلاً صبح کی نماز، تو کوئی شخص چلاگیا پھر لوٹ آیا اور ان کے ساتھ نمازادا کی تو اسے مکروہ نہ قرار دیناہی مناسب ہے اور نہر میں اس پر کلام علماء کی وجہ سے جزم کااظہار کیاہے، ماتن کاقول الالمن ینتظم (مگر جس نے نماز کاانتظام کرناہے) وہ نکل سکتاہے خواہ اقامت شروع ہوچکی ہو، اور اسی پر متن درر، قہستانی اور شرح وقایہ میں جزم کیاگیاہے اھ اختصارًا (ت)

یہاں دونوں شرطوں سے ایک بھی متحقق نہیں سنتیں بحال قیام جماعت بیرون مسجد پڑھنے کاحاجت شرعی ہونا بھی ظاہر اور قصدرجوع بھی بدیہی تو عدم جواز وحصول گناہ کاحکم صریح باطل قطعی،

فی الدرالمختار، اخاف فوت الوقت لاشتغالہ بسنتھا ترکھا	درمختار میں ہے جب نمازی کو سنن میں مشغولیت سے وقت کے فوت ہونے کاخوف ہوتوانہیں

[1] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۴/۲

والالابل یصلیھا عندباب المسجد[1] وفی رد المحتار ای خارج المسجد کما صرح به القھستانی وقال فی العنایة لانه لوصلاھا فی المسجد کان متنفلا فیه عنداشتغال الامام بالفریضة وھومکروہ ومثله فی النھایة والمعراج[2] اھ مختصرین۔	ترک کرے ورنہ ترک نہ کرے بلکہ انہیں مسجد ک دروازے کے پاس ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے یعنی مسجد سے باہر ادا کرے، جیسا کہ اس پر قہستانی نے تصریح کی ہے۔ عنایہ میں ہے اگر اس نے سنن مسجد میں ادا کیں تو یہ امام کے فریضہ میں مشغول ہونے کے وقت نوافل پڑھنے والا قرار پائے گا جو کہ مکروہ ہے۔ اسی کی مثل نہایہ اور معراج میں ہے اھ دونوں کتابوں کی عبارت اختصارًا منقول ہے(ت)

بعینہٖ یہ صورت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے ایک روز وہ ایسے وقت تشریف لائے کہ جماعت فجر قائم ہوچکی تھی انہوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں ان کی بہن ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حجرہ مطہرہ مسجد سے ملا ہوا تھا جس کا دروازہ عین مسجد میں تھا وہاں چلے گئے اور سنتیں حجرے میں پڑھ کر پھر مسجد میں آکر شامل جماعت ہوئے۔ امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا علی بن شیبة ثنا الحسن بن موسی حدثنا شیبان بن عبدالرحمٰن عن یحیی بن ابی کثیر عن زید بن اسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انه جاء والامام یصلی الصبح ولم یکن صلی الرکعتین قبل صلٰوة الصبح فصلاھما فی حجرة حفصة رضی اللہ تعالٰی عنھا ثم انه صلی مع الامام ففی ھذا الحدیث عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما انه صلاھما فی المسجد لان حجرة حفصة رضی اللہ تعالٰی عنھا من المسجد[3]۔	زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما آئے تو امام صبح کی نماز پڑھا رہا تھا آپ نے فجر کی دو سنتیں ابھی ادا نہیں کی تھیں تو آپ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں انہیں ادا کیا پھر امام کے ساتھ شریک ہوئے۔ اس حدیث نے واضح کردیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فجر کی سنتیں مسجد میں ادا کیں کیونکہ حجرۂ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مسجد کا حصہ تھا۔(ت)

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱۔۱۰۰

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۶/۲

[3] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵۸/۱

بلکہ جب وہ مدارس متعلق مسجد، حدود مسجد کے اندر ہیں اُن میں اور مسجد میں راستہ فاصل نہیں صرف ایک فصیل سے صحنوں کاامتیاز کردیاہے توان میں جانا مسجد سے باہر جاناہی نہیں یہاں تک کہ ایسی جگہ معتکف کو جانا جائز کہ وہ گویا مسجد ہی کاایک قطعہ ہے۔

وھذا ماقال الامام الطحاوی ان حجرۃ ام المؤمنین من المسجد[1] فی ردالمحتار عن البدائع لوصعدای المعتکف المنارۃ لم یفسد بلاخلاف لانھا منه لانه یمنع فیھا من کل مایمنع فیه من البول ونحوه فاشبه زاویة من زوایا المسجد[2]۔	یہی بات امام طحاوی نے فرمائی کہ ام المومنین کا حجرہ مسجد کاحصہ ہے۔ ردالمحتار میں بدائع سے ہے اگر معتکف منارہ پرچڑھا تو بالاتفاق اس کااعتکاف فاسد نہ ہوگا کیونکہ منارہ مسجد کاحصہ ہےاس کی دلیل یہ ہے کہ اس میں ہر وہ عمل مثلاً بول وغیرہ منع ہے جو مسجد میں منع ہے تو یہ مسجد کے دیگر گوشوں کی طرح ایک گوشہ ٹھہرا۔(ت)

چٹائی کو اُن خیالات بعیدہ کی بناپر نجس بتانا محض پیروی اوہام ہے شرع مطہر نے دربارہ طہارت ظاہر ایسے لیت ولعل کو اصلاً گنجائش نہ دی۔

کما فصله فی الطریقة المحمدیة والحدیقة الندیة وبینه العبد الضعیف غفرالله تعالٰی له فی"الاحلی من السکر لطلبة سکرروسر"۔	جیساکہ اس کی تفصیل طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں ہےاور اسے عبدضعیف غفراللہ تعالٰی نے "الاحلی من السکر لطلبة سکرروسر" میں بیان کیاہے۔(ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

من شك فی انائه اوثوبه وبدنه اصابته نجاسة اولافھو طاھر مالم یستیقن وکذا الاٰبار والحیاض والحباب الموضوعه فی الطرقات ویستسقی منھا الصغار والکبار والمسلمون والکفار[3]۔	اگر کپڑے یابدن یابرتن کو نجاست لگنے میں شک ہے تو وہ پاک ہوگا جبکہ نجاست کایقین نہ ہو، یہی حکم ان کنوؤں، حوضوں اور تالابوں کاہے جوراستوں میں بنائے گئے ہیں ان سے چھوٹے بڑے، مسلمان اور کفار سبھی پانی حاصل کرتے ہیں۔(ت)

[1] شرح معانی الآثار باب الرجل یدخل المسجد والامام فی الصلٰوۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ۲۵۸/۱

[2] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ۴۴۶/۲

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۱۱/۱

طریقہ وحدیقہ میں ہے:

سئل الامام الخجندی عن رکیة وجد فیھا نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقا لایدری متی وقع فیھا ولیس علیه اثرالنجاسة ھل یحکم بنجاسة الماء قال لا[1]۔	امام خجندی سے ایک ایسے کنویں کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ایسا جوتا گر گیا جسے پہنا گیا تھا اور مختلف راستوں پر چلا گیا۔ یہ علم نہ ہوسکا کہ کب گرا ہے اور اس پر اثر نجاست نہ تھا تو کیا کنواں ناپاک ہوگا یا نہ؟ فرمایا: ناپاک نہیں ہوگا۔(ت)

اُنہیں میں ہے:

کذلك حکم الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیه لان الصبیان لایتوفون النجاسة لکن لایحکم بھا بالشك والظن[2] اھ ملخصین۔	یہی حکم ہے اس پانی کا جس میں بچے نے ہاتھ داخل کردیا ہو کیونکہ بچے نجاست سے بچتے نہیں لیکن شک وظن کی بناپر نجاست کا حکم جاری نہیں ہوگا اھ ملخصین(ت)

نیت مذکور سے چٹائی بچھانے والوں کے لئے امید ثواب ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۰۶۰: از کھنڈوہ ضلع برہان پور مسجد دارالشفاء مرسلہ محمد مسلم صاحب ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیرزادہ سید صاحب نے نماز تراویح میں بہ یک سلام دس رکعت سفر کی حالت میں امامت سے پڑھادئے جماعت معترض ہوئی کہ نماز ناجائز ہوئی۔ سید صاحب نے کہا کہ منیۃ المصلی میں صاف طور پر بلاکراہت بیک سلام جائز ہے وہ عبارت یہ ہے:

ولوصلی التراویح کلھا بتسلیمة واحدة وقد قعد علی راس کل رکعتین جاز ولایکرہ لانه اکمل، ذکرہ فی المحیط۔	اگر تمام تراویح ایک سلام کے ساتھ اداکریں اور ہر دو رکعت کے بعد نمازی نے قعدہ کیا تو جائز ہے مکروہ نہیں کیونکہ یہ اکمل ہے۔ محیط میں اس کو ذکر کیا گیا ہے۔(ت)

اس پر سید صاحب کو برا کہنا اور نماز کو ناجائز وحرام کہنا ان کے حق میں کیسا ہے؟

الجواب:

نماز کو ناجائز وحرام کہنا باطل ہے اور سید کی توہین وبے ادبی سخت گناہ ہے اور صحیح اس مسئلہ میں

[1] الحدیقۃالندیہ الصنف الثانی مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۴

[2] الحدیقۃالندیہ الصنف الثانی النوع الرابع مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۷۱

یہ ہے کہ نماز ہو گئی دسوں رکعتیں تراویح میں شمار ہوں گی مگر خلاف ومکروہ ضرور ہوئیں منیہ کا قول لایکرہ (مکروہ نہیں۔ت) خلاف صحیح ہے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے قول المصنف ولایکرہ لانہ اکمل مخالف لما ذکر فی الخلاصۃ وغیرھا انہ یکرہ[1] (مصنف کا قول، کہ مکروہ نہیں ہے کیونکہ یہ اکمل ہے خلاصہ وغیرہ کے مخالف ہے کیونکہ وہاں لکھا ہے مکروہ ہے۔ت) حلیہ شرح منیہ میں ہے:

وھو مشکل بانہ خلاف المنقول واذا قالوا بکراھۃ الزیادۃ علی ثمان فی مطلق التطوع لیلا فلان یکونوا قائلین بکراھتھا فیماکان منہ مسنونا اولی فلاجرم ان فی النصاب و خزانۃ الفتاوٰی والصحیح انہ لو تعمد ذلک یکرہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مشکل ہے کیونکہ یہ منقول کے خلاف ہے اور جب انہوں نے رات کے نوافل مطلقہ کو آٹھ سے زائد پر کراہت کا حکم نافذ کیاہے تو انہیں تراویح جو کہ مسنون ہیں میں کراہت کا حکم بطریق اولٰی جاری کرنا چاہئے۔ لاجرم نصاب اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ اگر کسی نے عمداً ایسا کیا تو مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۱: از پیلی بھیت مدرسہ پنجابیاں مرسلہ حافظ محمد احسان صاحب ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کے پیچھے نماز تراویح جائز یاناجائز اور جس حافظ کا سن چودہ سال کا ہو وہ بلوغ میں داخل ہے یاخارج؟ اور شرعاً حد بلوغ کی ابتداء ازروئے سن کے سال سے معتبر ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مسئلہ میں اختلاف مشائخ اگرچہ بکثرت ہے مگراصح وارجح واقوی یہی کہ بالغوں کی کوئی نماز اگرچہ نفل مطلق ہو نابالغ کے پیچھے صحیح نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

المختار انہ لایجوز فی الصلوات کلھا[3]۔	مختار یہی ہے کہ تمام نمازوں میں جائز نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۰۵

[2] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۳۹۹

[3] الہدایہ باب الامامت مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۱۰۳

وھو قول العامۃ کمافی المحیط وھوظاھر الروایۃ[1]۔	اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی ظاہر روایت ہے۔(ت)

اور اقل مدت بلوغ پسر کے لئے بارہ سال اور زیادہ سے زیادہ سب کے لئے پندرہ برس ہے اگر اس تین سال میں اثر بلوغ یعنی انزالِ منی خواب خواہ بیداری میں واقع ہو فبہا ورنہ بعد تمامی پندرہ سال کے شرعًا بالغ ٹھہر جائے گا اگرچہ اثر اصلًا ظاہر نہ ہو،

فی التنویر بلوغ الغلام بالانزال فان لم یوجدفیھا شیئ منھا فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ ھوالمختار ملخصا[2]۔	تنویر میں ہے لڑکا احتلام سے بالغ ہو جاتا ہے اگر احتلام نہ ہو تو پندرہ سال کی عمر میں بالغ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے، کم از کم مدت بارہ سال ہے، یہی مختار ہے اھ ملخصا(ت)

پسر چاردہ سالہ کا بالغ ہونا اگر معلوم ہو(اگرچہ یونہی کہ وہ خود اپنی زبان سے اپنا بالغ ہو جانا اور انزال منی واقع ہونا بیان کرتا ہے اور اس کی ظاہر صورت وحالت اس بیان کی تکذیب نہ کرتی ہو) تو وہ بالغ مانا جائے گا ورنہ نہیں۔

فی الدر المختار فان راھقا بان بلغا ھذا السن فقالا بلغنا صدقا ان لم یکذبھما الظاھر کذا قیدہ فی العمادیۃ وغیرھا فبعد سنتی عشرۃ سنۃ یشترط شرطا اخر لصحۃ اقرارہ بالبلوغ وھو ان یکون بحال یحتلم مثلہ والا لایقبل قولہ شرح وھبانیۃ وھما حینئذ کبالغ حکما فلایقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال حالہ[3] الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر وہ اس عمر کو پہنچے کہ قریب البلوغ ہیں اور دعوٰی کرتے ہیں کہ ہم بالغ ہیں تو ظاہرًا کوئی بات ان کی تکذیب نہ کرتی ہو تو ان کی تصدیق کی جائے گی، اسی طرح عمادیہ وغیرہ میں اسے مقید کیا گیا ہے اور بارہ سال کے بعد صحت اقرار بلوغ کے لئے ایک اور شرط لگائی گئی ہے کہ اسی طرح کے لڑکوں کو احتلام ہوتا ہو ورنہ ان کا دعوٰی قول نہ ہوگا شرح وہبانیہ، اور اب وہ دونوں بالغ کے حکم میں ہوں گے احتمال کی وجہ سے اقرار کے بعد ان کا انکار بلوغ قابل قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] بحر الرائق باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۹
[2] درمختار، فصل ببلوغ الغلام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۲/۱۹۹
[3] درمختار، فصل ببلوغ الغلام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۲/۱۹۹

مسئلہ ۱۰۶۲: از اوجین مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۲ ربیع الاخری ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ غیر مقلدین نماز تراویح رابدعت عمری قرار دادہ از بست تخفیف نمودہ یازدہ رکعت میخوانند جائز است یانہ؟ **بیّنوا توجروا۔**	علماء کرام اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ غیر مقلدین نے بیس ۲۰ تراویح کو بدعت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قرار دیتے ہوئے ان میں تخفیف کرکے گیارہ کرلی ہیں، یہ جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

تراویح سنت مؤکدہ است ونزد محققین بترک سنت مؤکدہ نیز آثم شود خاصہ چوں ترک را عادت گیرد عددش نزد جمہور علمائے اُمت بست رکعت ست ودرروایتے ازامام مالک سی وشش رکعت فی الدر المختار **التراویح سنة مؤکدة لموظبة الخلفاء الراشدین وھی عشرون رکعة**[1] بازسنت امیر المؤمنین عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ عین سنت حضورپرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ست سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مارا حکم باقتدائے ابوبکر وعمر فرمود رضی للہ تعالٰی عنہما تاکید تام باتباع سنت خلفائے راشدین نمود رضی اللہ تعالٰی عنہم احمد **وابوداؤد و الترمذی وابن ماجة عن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ**[2] الترمذی	تراویح سنت مؤکدہ ہے محققین کے نزدیک سنت مؤکدہ کاتارک گنہگار ہے خصوصًا جب ترک کی عادت بنالے، تراویح کی تعداد جمہور امت کے ہاں بیس ہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام مالک کے ہاں ان کی تعداد چھتیس ہے۔ درمختار میں ہے تراویح سنت مؤکدہ ہیں کیونکہ خلفاء راشدین نے اس پر دوام فرمایا اور وہ بیس رکعات ہیں، پھر حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سنت رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہی سنت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمررضی اللہ تعالٰی عنہما کی اقتداکاحکم دیاہے اور خلفاء راشدین کی اتباع سنت میں تاکید کامل فرمائی ہے۔ امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے اسے دانتوں سے اچھی طرح مضبوطی کے ساتھ تھام لو۔ ترمذی نے

[1] درمختار، باب الوتروالنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۸

[2] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنة مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۷۹

وحسنه عن عبد الله بن مسعود و احمد و الترمذی وابن ماجة والرویانی عن حذیفة بن الیمان وابن عدی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم قالوا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اقتدوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر[1] وآنکه ایں بے باکاں سنت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ رابکاسیہ لیسی روافض بدعت عمری نامند ومتھوران ایشاں خذلہم اللہ تعالٰی تصریح بضلالت حضرت والایش کنند جوابش محول بروزجزاست وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ﴿۲۲۷﴾[2] ۔نسأل الله العفو والعافیة۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا اور اسے حسن کہا، احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور رؤیانی نے حضرت حذیفہ بن یمان اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! تم میرے بعد میرے صحابہ ابوبکر وعمر کی اقتدا کرنا۔ یہ بیباک لوگ جو اہل تشیع کی نقل کرتے ہوئے حضرت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی سنت کو بدعت عمری کہتے ہیں اور ان میں سے کچھ دریدہ دہنی کرنے والے حضرت کے عمل کو گمراہی کہتے ہیں اس کاحساب وکتاب بروزجزا انہیں دیناہوگا عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹا کھائیں گے۔ اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کاسوال ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۳ : ازبلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں پورا کلام اللہ تعالٰی سننا پڑھنا سنت مؤکدہ ہے یاسنت یا مستحب وغیرہ؟ اور بعد سننے ایک پورے کلام اللہ شریف کے جولوگ سورہ فیل سے آخر تک دوبارہ پڑھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے یعنی ہررات رمضان شریف میں تراویح بست رکعتیں پڑھنا سنت مؤکدہ یاسنت یا مستحب وغیرہ ہے یاکیاارشاد ہے؟ ایک رات اسی ماہ صیام میں طبیعت میری نادرست تھی تراویح ایک شب کی مجھ سے نہ ہوئیں اب ان کی قضا کروں یانہیں اور کروں تو کس وقت؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تراویح میں پورا کلام اللہ شریف پڑھنااور سننا مؤکدہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ بعد کلام مبارک بھی تمام

---

[1] جامع الترمذی مناقب ابی بکر صدیق مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۷

[2] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

لیالی شہر مبارک میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، تراویح اگر ناغہ ہوگئیں تو اُن کی قضاء نہیں کل ذلك مصرح به فی الکتب الفقھیة (ان تمام پر کتب فقہ میں تصریح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶۴: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سید ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۳۲ رمضان شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں بعد سورہ فاتحہ سورہ اخلاص پڑھنا جائز ہے یامکروہ باوجودیکہ امام اور سورتیں بھی جانتاہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے بلاکراہت اگرچہ سورہ فیل سے آخرتک تکرار کا طریقہ بہتر ہے کہ اس میں رکعات کی گنتی یاد رکھنی نہیں پڑتی۔ ردالمحتار میں ہے:

فی التجنیس، واختار بعضھم سورۃ الاخلاص فی کل رکعۃ وبعضھم سورۃ الفیل ای البدائۃ منھا ثم یعیدھا وھذا احسن لئلا یشتغل قلبه بعدد الرکعات[1]۔	تجنیس میں ہے بعض نے ہر رکعت میں سورۃ اخلاص کو مختار کہا بعض نے سورۃ فیل کو یعنی اس سے ابتداء ہو اور پھر تکرار کیا جائے اور سب سے بہتر ہے تاکہ دل تعداد رکعات کی طرف متوجہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاباس ان یقرء سورۃ ویعیدھا فی الثانیة (الی قوله) ولایکرہ فی النفل شیئ من ذلک[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں اسے دوبارہ لوٹایا جائے (یہاں تک) کہ نفل میں ان میں سے کوئی شے بھی مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶۵: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی شجاعت علی صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح میں ختم قرآن شریف کے لئے ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ فقط بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہاں ـــــ

فی المسلم وشرح الفواتح، البسملة	مسلم اور شرح الفواتح میں ہے کہ بسملہ قرآن کی

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۷

[2] درمختار آخر فصل بجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۱

من القراٰن اٰیة فتقرأ فی الختم مرة علی ھذا ینبغی ان یقرأھا فی التراویح بالجھر مرة ولاتتأدی سنة الختم دونھا[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	آیت ہے ختم قرآن میں ایک دفعہ اسے پڑھاجاناچاہئے لہٰذا تراویح میں اسے ایک دفعہ جہرًاپڑھنالازم ہے کیونکہ اس کے بغیر سنت کے مطابق ختم قرآن نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۰۶۶تا۱۰۶۸: از صاحب گنج گیامرسلہ مولوی کریم رضاصاحب یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

(۱) نمازتراویح کی جماعت اس طورپرکہ الم ترکیف سے شروع کرتے ہیں اور والناس تک ایک ایک سورہ ایک ایک رکعت میں پڑھتے ہیں اور پھرالم ترکیف سے والناس تک دوبارہ دس رکعتوں میں پڑھتے ہیں جائز ہے یانہیں؟

(۲) ہر ترویحہ کے بعد دعامانگنا جائز ہے یانہیں؟

(۳) کسی حافظ کواس طورپر نمازتراویح کی پڑھانی کہ پہلے ایسی قوم کے ساتھ جوآٹھ رکعتیں تراویح منفرد پڑھ چکے ہوں بارہ رکعتیں ختم تراویح پڑھاکر پھردوسری قوم کے پاس جوبارہ رکعتیں تراویح کی منفرد پڑھ چکے ہوں جاکرآٹھ رکعتیں تراویح کی ہرشب میں پڑھانی جائز ہیں یانہیں؟ بیّنوا بالفقه والسنة والکتاب تؤجروا من اللہ حسن الماٰب (فقہ اور کتاب وسنت کے مطابق جواب عنایت کرکے اللہ تعالٰی سے اجرعظیم پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جائز ہے۔

فی الھندیة بعضھم اختار قل ھواللہ احد فی کل رکعة وبعضھم اختار قرأة سورة الفیل الی اٰخر القراٰن وھذا احسن القولین لانہ لایشتبہ علیہ عدد الرکعات ولایشتغل قلبہ بحفظھا کذا فی التجنیس[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے بعض نے ہررکعت میں قل ھواللہ احد کواختیار کیا اور بعض نے سورہ فیل سے آخر تک کو، اور یہ احسن قول ہے کیونکہ اس صورت میں عددرکعات میں اشتباہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کے یادرکھنے میں مصروف ہوتا ہے جیساکہ تجنیس میں ہےاھ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ البسملۃ من القرآن مطبوعہ قم، ایران ۲/ ۱۴

[2] فتاوٰی عالمگیری الباب التاسع فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۸

(۲) جائز ہے۔

فی ردالمحتار قال القھستانی فیقال ثلاث مرات سبحٰن ذی الملك والملکوت سبحٰن ذی العزۃ والعظمۃ والقدرۃ و الکبریاء والجبروت سبحن الملك الحی الذی لایموت سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح لاالٰہ الااللہ نستغفراللہ نسألك الجنۃ ونعوذبك من النار کمافی منھج العباد[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ قہستانی نے کہاکہ تین دفعہ یہ کلمات پڑھے جائیں: ملک وملکوت کے مالک تیری ذات پاک ہے اے صاحب عزت وعظمت اور جبروت وکبریا تیری ذات اقدس پاک ہے، اے مالک جوزندہ ہے اس پر موت نہیں، تیری ذات پاک ہے توپاک وقدوس ہے ملائکہ اور جبریل کا رب ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی مانگتے ہوئے جنت کاسوال اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں منہج العباد اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک بیس رکعت تراویح سنت عین ہیں کہ اگر کوئی شخص مرد یاعورت بلاعذر شرعی ترک کرے مبتلائے کراہت واساءت ہو اور اُن کی جماعت کی مساجد میں اقامت سنت کفایہ کہ اگراہل محلّہ اپنی اپنی مسجدوں میں اقامت جماعت کریں اور اُن میں بعض گھروں میں تراویح تنہا یاباجماعت پڑھیں توحرج نہیں اور اگر تمام اہل محلّہ ترک کریں توسب گنہگارہوں، ردالمحتار میں ہے:

اصل التراویح سنۃ عین فلوترکھا واحد کرہ[2]۔	تراویح سنت عینی ہیں، اگرانہیں کسی نے بھی ترک کیاتومکروہ ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

والجماعۃ فیھا سنۃ علی الکفایۃ فی الاصح فلو ترکھا اھل مسجد اثموا. لالوترك بعضھم[3]۔	ان میں اصح قول کے مطابق سنت کفایہ ہے، اگرتمام اہل مسجد نے اسے ترک کیاتوگنہگار ہوں گے اور اگربعض نے ترک کیاتوگنہگارنہ ہوں گے(ت)

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۶

[2] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

[3] درمختار فصل فی الوتروالنوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۹۸

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم ھنا ان المسنون کفایۃ اقامتھا بالجماعۃ فی المسجد حتی لو اقاموھا جماعۃ فی بیوتھم ولم تقم فی المسجد اثم الکل[1]۔	یہاں سنت کفایہ سے مرادیہ ہے کہ تراویح کو مسجد میں جماعت کے ساتھ اداکیاجائے اگرتمام نے گھروں میں جماعت کے ساتھ اداکیں اور مسجد میں ادانہ کیں توسب گنہگار ہوں گے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں امام اور دونوں جگہ کے مقتدی تینوں فریق سے جس کے لئے یہ فعل اس شناعت کاموجب ہواس کے حق میں کراہت واساءت ہے ورنہ فی نفسہٖ اس میں حرج نہیں مثلاً امام وہر دو قوم کی مساجد میں جماعت تراویح جداہوتی ہے یہ گھروں پر بطور مذکور جماعۃً وانفراداً پڑھتے ہیں توکسی پر مواخذہ نہیں کہ ہر گروہ مقتدیان نے اگربعض ترویحات تنہااور ہرسہ فریق نے مسجد سے جداپڑھیں مگرجبکہ اُن کی مساجد میں اقامت جماعت ہوتی ہے سنت کفایہ اداہوگئی، ہاں امام دونوں قوموں کوپوری تراویح پڑھاتاتویہ جداکراہت ہوتی اس سے صورت مستفسرہ خالی ہے۔

فی الھندیۃ امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی المحیط السرخسی والفتوی علی ذلك کذا فی المضمرات[2]۔	ہندیہ میں ہے ایک امام دومساجد میں تمام تراویح پڑھاتے ہیں تو یہ جائز نہیں جیساکہ محیط سرخسی میں ہے مضمرات میں ہے کہ فتوٰی اسی پرہے۔(ت)

اور اگراُن میں کسی فریق کی مسجد میں یہی جماعت بطور مذکور ہوئی ہے تواس کے لئے کراہت ہے کہ اس کی مسجد میں پوری تراویح جماعت سے نہ ہوئیں لہٰذا اس صورت میں یہ چاہئے کہ ایک فریق آٹھ یابارہ رکعتیں دوسرے امام کے پیچھے پڑھ کر باقی میں اس حافظ کی اقتداکرے اور دوسرافریق بارہ یاآٹھ رکعات میں دوسرے کامقتدی ہوکر باقی میں اس کامقتدی ہوکہ اب دونوں مسجدوں میں پوری تراویح کی اقامت جماعت سے ہوجائے گی اوراس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ بعض ترویحات میں ایک امام کی اقتداء ہواور بعض دیگر میں دوسرے کی، ہاں یہ ناپسند ہے کہ ایک ترویحہ میں دورکعت کاامام اور ہو دوکااور،

فی الخانیۃ اقاموا التراویح بامامین فصلی	خانیہ میں ہے تراویح دواماموں نے پڑھائیں، ہر

[1] ردالمحتار مبحث التراویح مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

[2] فتاوٰی عالمگیری، فصل فی التراویح، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۶

کل امام تسلیمۃ بعضھم جوزوا ذلك والصحیح نہ لایستحب وانما یستحب ان یصلی کل امام ترویحۃ لیکون موافقا عمل اھل الحرمین[1]۔	امام نے دو رکعات پڑھائیں تو بعض نے اسے جائز کہا اور صحیح یہ ہے کہ یہ طریقہ مستحب نہیں، مستحب یہ ہے کہ ہر امام چار رکعات پڑھائے تاکہ اہل حرمین کے موافق عمل ہو جائے۔(ت)

سراج وہاج میں ہے:

ان صلوھا بامامین فالمستحب ان یکون انصراف کل واحد علی کمال الترویحۃ فان انصرف علی تسلیمۃ لایستحب ذلك فی الصحیح[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نماز تراویح دو اماموں نے پڑھائی مستحب یہ ہے کہ ہر ایک کامل ترویحہ کے بعد مصلی چھوڑے، اگر دو رکعات پر چھوڑتا ہے تو صحیح قول کے مطابق یہ مستحب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۰۶۹: از بدایوں محلّہ کڑہ براہم پورہ مرسلہ شیخ عبدالغنی صاحب ۱۱/رمضان شریف ۱۳۱۳ھ

ایک شخص ایک مسجد میں فرض جماعت سے پڑھا کر تراویح بیس رکعت پڑھاتا ہے پھر وہی شخص دوسری مسجد میں تراویح بیس رکعت جماعت سے پڑھاتا ہے آیا یہ امامت اس کی صحیح ہے نہیں؟ اور مقتدیان مسجد دیگر کی تراویح ہو جاتی ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

مذہب راجح میں امامت صحیح ہے تراویح ہو جاتی ہے مگر خلاف علماء واختلاف تصحیح و مخالفت طریقہ متوارثہ سے بچنے کے لئے بے ضرورت اس سے احتراز کیا جائے۔

فی الخانیۃ والخلاصۃ والظھیریۃ وغیرھا اذا صلی التراویح مقتدیا بمن یصلی المکتوبۃ اوبمن یصلی نافلۃ غیرالتراویح اختلفوا فیہ والصحیح انہ لایجوز[3] اھ وفی الھندیۃ، امام یصلی التراویح	خانیہ، خلاصہ اور ظہیریہ میں ہے کہ جب تراویح ایسے شخص کے پیچھے پڑھی جو فرائض پڑھا رہا ہے یا اس شخص کی اقتداء میں جس نے تراویح کے علاوہ نوافل پڑھائے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ جائز نہیں اھ اور ہندیہ میں ہے کہ

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التراویح مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ، بھارت ۱/۱۱۰

[2] سراج الوہاج شرح قدوری

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث فی التراویح مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۴

فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز کذا فی المضمرات[1] اھ وفی امامۃ التنویر والدر ومتنفل بمفترض فی غیرالتراویح فی الصحیح خانیۃ و کانہ لانہا سنۃ علی ھیأۃ مخصوصۃ فیراعی وضعھا الخاص للخروج عن العھدۃ[2] اھ فی رد المحتار ان ماذکرہ المصنف ھھنا مخالف لما قدمہ فی شروط الصلٰوۃ بقولہ وکفی مطلق نیۃ الصلٰوۃ لنفل وسنۃ وتراویح وذکر الشارح ھناک انہ المعتمد ونقلنا ھناک عن البحرانہ ظاھرالروایۃ وقول عامۃ المشائخ وصححہ فی الھدایۃ وغیرھا ورجحہ فی الفتح ونسبہ الی المحققین[3] الخ والفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	وہ امام کا دو مساجد میں تمام تراویح پڑھاتا ہے جائز نہیں، محیط سرخسی اور مضمرات میں ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے۔ تنویر اور در کے باب الامامت میں ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء تراویح کے علاوہ صحیح ہے خانیہ، کیونکہ تراویح ہئیت مخصوصہ کے ساتھ سنت ہیں تو عہدہ برآ ہونے کے لئے ان میں اس وجہ مخصوص کی رعایت کرنا ضروری ہے اھ، ردالمحتار میں ہے مصنف نے جو کچھ یہاں ذکر کیا ہے وہ اس کے خلاف ہے جو اس نے شروط صلٰوۃ میں یوں ذکر کیا کہ نفل، سنت اور تراویح کے لئے مطلق نیت کافی ہے اور شارح نے وہاں کہا کہ معتمد یہی ہے اور وہاں بحر سے نقل کیا کہ یہی ظاہر روایت اور اکثر مشائخ کا قول ہے، ہدایہ وغیرہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ فتح میں اس کو ترجیح دیتے ہوئے اسے محققین کی طرف منسوب کیا الخ توجب فتوٰی میں اختلاف ہوجائے توظاہر روایت کو ترجیح ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۰: از کیمپ میرٹھ کوٹھی حافظ عبدالکریم صاحب بازار لال کُرتی مرسلہ مولوی احسان اللہ صاحب ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ جواکثر جگہ رمضان شریف کے اخیر عشرہ کی طاق راتوں میں نوافل میں شبینہ پڑھا جاتا ہے یعنی ایک یا ایک سے زیادہ رات میں ختم قرآن عظیم

[1] فتاوٰی عالمگیری فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

[2] درمختار باب الامامت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۵

[3] ردالمحتار باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۹۰

ہوتا ہے اور یہ نوافل باجماعت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اگرچہ کلام مجید باجماعت نوافل میں ترتیل کے ساتھ ہی کیوں نہ پڑھا جائے وہ بھی ممنوع ہے اور نیز کہتے ہیں کہ جماعت نوافل کی سوا تراویح کے اصلاً جائز نہیں ہے اور جس حدیث میں تہجد کے وقت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شرکت نوافل تہجد میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے مروی ہے وہ مثبت صرف اقتدا ایک شخص کی ہے تیسری بات وہ یہ کہتے ہیں کہ سنتیں فجر کی اگر رہ جائیں اور فرضوں میں کوئی شامل ہو جائے تو پھر اس کو وہ سنتیں نہ قبل آفتاب پڑھنی چاہئیں نہ بعد میں، ان تینوں مسائل کو امید ہے کہ مشرح بیان فرمائیں۔ جزاک اللہ خیر الجزاء۔

الجواب: علماء بنظر منع کسل وملال اقل مدت ختم قرآن عظیم تین دن مقرر فرمائی مگر اہل قدرت ونشاط بہر عبادت کو ایک شب میں ختم کی بھی ممانعت نہیں، بہت اکابر دین سے منقول ہے:

کما بسطه المولی عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی فی الحدیقة الندیة وغیرہ فی غیرھا[1]۔	جیسا کہ اس پر تفصیل بحث علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں کی ہے۔(ت)

خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو رکعت میں قرآن شریف ختم کیا کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) نفل غیر تراویح میں امام کے سوا تین آدمیوں تک تو اجازت ہے ہی چار کی نسبت کتب فقہیہ میں کراہت لکھتے ہیں یعنی کراہت تنزیہ جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے نہ کہ گناہ حرام کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں دی ہے۔ت) مگر مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت اکابر دین سے جماعت نوافل بالتداعی ثابت ہے اور عوام فعل خیر سے منع نہ کئے جائیں گے علمائے امت وحکمائے ملت نے ایسی ممانعت سے منع فرمایا ہے، درمختار میں ہے:

اما العوام فلا یمنعون من تکبیر والتنفل اصلا لقلة رغبتھم فی الخیرات بحر[2]۔	عوام کو تکبیرات اور نوافل سے کبھی بھی منع نہ کیا جائے کیونکہ پہلے ہی نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے، بحر۔(ت)

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹/۱

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱۱۴/۱

اُسی میں ہے:

ولایمنع العامۃ من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبہ ناخذ بحر ومجتبی وغیرہ[1]۔	عوام کو ان (ذوالحج کے) دس دنوں میں بازار میں تکبیرات پڑھنے سے منع نہ کیاجائے، اسی پر ہمارا عمل ہے، بحر، مجتبٰی وغیرہ(ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلٰوۃ الرغائب بالجماعۃ وصلٰوۃ لیلۃ القدر ونحوذلک وان صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا فلایفتی بذلک العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات وقد اختلف العلماء فی ذلک فصنف فی جوازھا جماعۃ من المتاخرین وابقاء العوام راغبین فی الصلٰوۃ اولٰی من تنفیرھم[2]۔	اسی قبیل سے نماز رغائب کاجماعت کے ساتھ اداکرنا اور لیلۃ القدر کے موقع پر نمازوغیرہ بھی ہیں اگرچہ علماء نے ان کی جماعت کے بارے میں کراہت کی تصریح کی ہے مگر عوام میں یہ فتوٰی نہ دیاجائے تاکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو، علماء نے اس مسئلہ میں اختلاف کیاہے اور متاخرین میں سے بعض نے اس کے جواز پر لکھا بھی ہے، عوام کو نماز کی طرف راغب رکھناانہیں نفرت دلانے سے کہیں بہتر ہوتاہے۔(ت)

صبح کی سنتیں اگرنہ پڑھیں اور فرضوں میں شامل ہوگیا قبل طلوع وارتفاع شمس توالبتہ ان کی اجازت نہیں اگرپڑھے گا گنہگار ہوگا اور بعد بلندی آفتاب اُن کاپڑھنا ممنوع نہیں ضرور مستحب ہے کلام علماء میں لایقضی (ادانہ کیاجائے۔ت) بمعنی نفی مطالبہ ہے نہ مطالبہ نفی، ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدھا لاتقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع اما بعد طلوع الشمس فکذلک عندھما وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی احب الیّ ان یقضیھا الی الزوال کما فی الدرر قیل	جب فجر کی سنتیں تنہافوت ہوجائیں توانہیں بالاجماع طلوع آفتاب سے پہلے ادانہ کیاجائے طلوع آفتاب کے بعد، شیخین کے ہاں اسی طرح ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ زوال سے پہلے قضا کرلیناپسندیدہ ہے جیساکہ

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۷

[2] الحدیقۃ الندیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۰

هناقریب من الاتفاق لان قوله احب الیّ دلیل، علی انه لولم یفعل لالوم علیه وقالا لایقضی وان قضی لاباس به کذا فی الخبازیة ومنهم من قال الخلاف فی انه لوقضی کان نفلا مبتدأ اوسنة کذا فی العنایة یعنی نفلا عندهما سنة عنده کما ذکره فی الکافی اسمعیل [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درر میں ہے کہ یہاں اتفاق ہی ہے کیونکہ امام محمد نے احب کہا جودلالت کررہاہے کہ اگر اس نے قضانہ کیں تو اس پرملامت وغیرہ نہیں ہوگی، اور جس نے لایقضی کہاہے اگر کوئی قضا کرلیتاہے توکوئی حرج نہیں، خبازیہ۔ بعض نے کہا کہ اختلاف اس بات میں ہے کہ اگر قضا کرتا ہے تووہی سنن ہوں گی یا مستقل نوافل، اسی طرح عنایہ میں ہے یعنی شیخین کے نزدیک نفل مگر امام محمد کے نزدیک سنت، جیسا کہ الکافی لاسمٰعیل میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰۷۱: از سنبھل مرسلہ حکیم کفایت اللہ صاحب ۹ شوال ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے فرض عشاء تنہا ادا کیا اور تراویح جماعت سے اب وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہے یانہیں؟ اور اولٰی کیاہے؟ مع ادلّہ وحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ بیّنوا اللہ توجروا عنداللہ۔

الجواب:

جس نے فرض تنہاپڑھے وتر کی جماعت میں شریک نہ ہوگا کما فی الغنیة وجامع الرموز وردالمحتار [2] (جیسا کہ غنیہ، جامع الرموز اور ردالمحتار میں ہے۔ت) جس نے فرض کسی جماعت میں پڑھے ہوں اس کے باب میں بھی علماء مختلف ہیں کہ وتر جماعت سے ادا کرنا اولٰی ہے یا تنہاپڑھنا دونوں طرف ترجیحیں ہیں اور زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ جماعت افضل ہے۔

رجحه الامام ابن الهمام وصححه العلامة الحلبی فی الغنیة، وقال خیرالرملی علیه عامة الناس الیوم [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	امام ابن الہمام نے اسے ترجیح دی، علامہ حلبی نے غنیہ میں اس کی تصحیح فرمائی، اور خیر الدین رملی نے فرمایا: آج لوگوں کی اکثریت اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۰

[2] غنیہ المستملی، فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق بحوالہ خیر الرملی باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۶۹

مسئلہ ۱۰۷۲: از بیلپور ضلع بریلی مرسلہ حافظ کلن صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ماہ رمضان شریف میں دوحافظوں نے ایک مسجد میں قرآن عظیم اس ترتیب سے سنایا کہ ایک حافظ نے اول مثلاً دس تراویح میں ایک یا سوایا ڈیڑھ پارہ **الم** - سے سنایا اور پھر دوسرے حافظ نے آخر دس تراویح میں وہی پارہ ایک یا سوایا ڈیڑھ **الم**-کاپڑھا یعنی ابتداء سے انتہا تک یہی طریقہ قرات کا رکھا کہ جو کچھ پہلے حافظ نے پڑھا تھا وہی پارہ دوسرے حافظ نے پڑھا اور ایک ہی تاریخ پر مثلاً پچیس ۲۵ یا چھبیس تک دونوں نے ختم قرآن کریم فرمایا پس ازروئے شرع مطہر کے یہ طریقہ قرآن شریف کے پڑھنے کا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا بالکتاب تؤجروا بغیر حساب** (کتاب وسنت سے جواب دیجئے اور بغیر حساب اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ طریقہ مکروہ ہے اور اگر ثابت ہو کہ بعض مقتدیوں پر گراں گزرنے کا باعث تھا (اور ضرور ہوگا) تو سخت ممنوع ہے کہ یوں دوختم معاً سنت سے زائد ہیں تو ایک امر زائد سنت کے لئے مقتدیوں پر گرانی کی گئی اور یہ ناجائز ہے وانما علل عدم ترک ختم بکسل القوم لانہ سنۃ فمازاد یترک لانہ فتنۃ (قوم کی سستی کی وجہ سے ایک ختم قرآن ترک نہیں کیاجائے گا کیونکہ یہ سنت ہے اور جو اس سے زائد ہے وہ ترک کردیاجائے گا کیونکہ یہ فتنہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷۳: از بلنڈی افریقہ سائل حاجی عبداللہ وحاجی یعقوب علی ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

رمضان المبارک میں میں نے نماز عشاء جماعت سے نہیں پڑھی ہے مسجد میں جاتے وقت جماعت عشاء ہوگئی تھی اور نماز تراویح کی کھڑی تھی، میں نے جلدی سے نماز عشاء ادا کی اب تراویح کی جماعت میں شامل ہو کر نماز تراویح ادا کرسکتا ہوں یا نہیں؟ یا اکیلے پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

جس شخص نے نماز عشاء تنہا پڑھی وہ تراویح کی جماعت میں شامل ہوسکتا ہے تنہا نہ پڑھے، ہاں وتر کی جماعت میں شامل نہیں ہوسکتا۔ جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں وہ وتر بھی تنہا پڑھے۔ درمختار میں ہے:

فمصلیہ وحدہ یصلیھا معہ[1] اھ ای مصل الفرض وحدہ یصل التراویح مع الامام۔	فرض تنہا پڑھنے والا تراویح جماعت کے ساتھ پڑھے اھ یعنی تنہا فرض ادا کرنے والا تراویح امام کے ساتھ ادا کرے۔ (ت)

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۹

ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر [1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب فرض امام کے ساتھ ادا نہیں کئے تو وتر میں اس کی اقتداء نہ کرے۔اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۷۴: از فیض آباد محلّہ رکاب گنج مرسلہ فیاض حسین ٹھیکیدار پتھر ۲۳/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والادست بستہ سلام مسنون کے بعد عرض ہے تابعدار بخیریت ہے خوشنودی مزاج اقدس درکار ازراہ شفقت مربیانہ معاف فرمایا جاؤں کہ آج سے پہلے عریضہ نہ لکھ سکا اور آج پھر جو موقع ملا ہے وہ خاص ضرورت سے ہے۔براہ کرم شرع شریف کے مقدس قانون کے مطابق رائے صائب وحکم مناسب سے اطلاع بخشی جائے، میرے وطن اٹاوہ میں ایک بزرگ مفتی قوم میں سے ازراہ خیر وبرکت ختم قرآن شریف کے دن بیسویں رکعت میں الم۔تا مفلحون پڑھنے کے بعد چند آیات مختلف ماکان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ کے ساتھ تراویح ختم کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے ہیں لیکن اس زمانے کی نئی روشنی اس کے خلاف ہے لہٰذا اس کے جواز کے متعلق جو آیات شریفہ کتب احادیث سے پائی جائیں اُن سے اطلاع بخشی جائے تاکہ مخالفین کو سمجھادی جائیں،براہ کرم وشفقت مربیانہ بواپسی ڈاک جواب باصواب عریضہ ہذا سے شاد فرمایا جائے کیونکہ اس کی یہاں فوری ضرورت ہے، فقط

الجواب:

یہ صورت بلاشبہہ جائز ومباح ہے سنن ابی داؤد میں ابوقتادہ اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہجد کی نماز میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت پست آواز سے پڑھتے دیکھا اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بہت ببلند آواز سے، اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ کچھ ایک سورت سے پڑھا اور کچھ دوسری سے لیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تینوں صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: قد اسمعت من ناجیت یارسول اللہ میں جس سے مناجات کرتا ہوں وہ اس پست آواز کو بھی سنتا ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطان یارسول اللہ میں اس لئے اتنی آواز سے پڑھتا ہوں کہ اونگھتا جاگے اور شیطان بھاگے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی؛ کلام طیب یجمعه اللہ

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۸/۲

بعضہ الٰی بعض یارسول اللہ قرآن مجید سب پاکیزہ کلام ہے کچھ یہاں سے کچھ وہاں سے ملالیتاہوں ارادہ الٰہیہ یونہی ہوتا ہے فرمایا:
کلکم قداصاب[1] تم تینوں نے ٹھیک بات کی درست کام کیا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الانتقال من اٰیة من سورة الی اٰیة اخری من سورة اخری اواٰیة من ھٰذہ السورة بینھما اٰیات مکروہ فی الفرائض اما فی النوافل لایکرہ[2] اھ ملتقطا	ایک سورت کی آیت سے دوسری سورت کی آیت یا اسی سورت کی دوسری آیت کی طرف انتقال کرنا جبکہ ان کے درمیان چند آیات ہوں فرائض میں مکروہ ہے مگر نوافل میں مکروہ نہیں اھ ملتقطا (ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قرأة اٰیة من بین الاٰیات کقرأة سورة من بین السور فکما لایکون قرأة سورة متفرقة من اثناء القراٰن مغیر التالیف والنظم لایکون قرأة اٰیة من کل سورة مغیرا لہ[3]۔	آیات میں سے کسی آیت کاپڑھنا ایسے ہی ہے جیسے سورتوں میں سے کسی سورت کاپڑھنا ہے توجس طرح متفرق سورتوں میں سے قراءت کرنا قرآنی تالیف و نظم میں تبدیلی پیدانہیں کرتی اسی طرح ہر سورت سے کسی ایک آیت کاپڑھنا تبدیلی پیدانہیں کرتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اماضم اٰیات متفرقة فلایکرہ کمالایکرہ ضم سور متفرقة بدلیل ماذکرناہ من القرأة فی الصلٰوة[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بہرحال آیاتِ متفرقہ کوملانا مکروہ نہیں جیساکہ سور متفرقہ کاملانا مکروہ نہیں اس پردلیل وہی ہے جوہم نے قراءة فی الصلٰوة میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۵: ازدھامپور محلّہ بندوقچیاں ضلع بجنور ۸/ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مسئولہ اللہ دیا

جناب فیض انتساب فضائل مآب جناب مولانا صاحب زاد فضلکم بعدآداب گزارش ہے کہ جو شخص

[1] سنن ابوداؤد باب رفع الصوت بالقراءة فی صلٰوۃ اللیل مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۸
[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الحادی عشر فی القراءة مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۹۷
[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی تتمات فیمایکرہ من القرآن فی الصلٰوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۹۶
[4] ردالمحتار، آخرباب سجود التلاوۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۱۹

صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے مگر تراویح قصداً چھوڑ دیتا ہے اس کے واسطے وعید ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی تحریر کریں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیوں نہیں پڑھیں؟ ان پر وعید ہے یا نہیں؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین عضوا علیھا بالنواجذ[1]۔	تم پر لازم ہے میری سنت کا اتباع اور خلفائے راشدین کی سنت کا، اسے دانتوں سے مضبوط پکڑو۔

اور فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[2]۔	ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کی پیروی کرو جو میرے بعد خلیفہ ہوں گے۔

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تین شب تراویح میں امامت فرما کر بخوف فرضیت ترک فرمادی تو اس وقت تک وہ سنت مؤکدہ نہ ہوئی تھی، جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے اجرا فرمایا اور عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر مجتمع ہوئے اس وقت سے وہ سنت مؤکدہ ہوئی نہ فقط فعل امیر المومنین سے، بلکہ ارشادات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ اب ان کا تارک ضرور تارک سنت مؤکدہ ہے اور ترک کا عادی فاسق وعاصی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷۶: از بنارس رام نگر مرسلہ حافظ امام الدین صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۶ھ

جب احقر کا حافظہ ہوگیا تو لوگوں نے اسی سے پڑھوایا مسجد کے پیش امام صاحب نے بخوشی صـ۵ پانچ روپے احقر کو عنایت کئے جسے احقر نے اُسی وقت اپنے استاد مکرم کی نذر کردی میرے ایک مکتبی بھائی کی خواہش تھی کہ ان پانچ میں سے چندہ تبرک میں کچھ دوں مگر حضرت استاذی کی حالت بمقابلہ تبرک قابل ترجیح معلوم ہوئی لہذا میں نے چندہ تبرک میں اس میں سے کچھ نہ دیا دوسرے سال معلوم ہوا کہ اب کے سال امام صاحب مع ـ۷ ـہ دیں گے پھر سنا گیا کہ ص ـ۵ـ ہ ہی دیں گے، اس پر قوی خیال کی بنا پر سمجھا گیا کہ انہیں مکتبی بھائی صاحب کی بدولت پانچ کردیا گیا ہے جن کی غرض کے مطابق چندہ تبرک میں نے نہیں دیا تھا اس لئے میں نے ان سے شکایت کی کہ استاذ

[1] سنن ابوداؤد آخر باب فی لزوم السنۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۷۹

[2] جامع الترمذی مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی بھارت ۲/۲۰۷

میرے بھی ہیں اور آپ کے بھی، پھر آپ ان کی بھلائی کے بجائے ان کی نقصان رسانی کے درپے کیوں ہیں؟ اس پر بات بڑھی اور امام صاحب مسجد کے کانوں تک پہنچی، اس کے بعد مجھے روپے کی گفتگو پر سخت افسوس ہوا اور دل میں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں میرا ثواب نہ زائل ہو جائے اس لئے میں نے باعلان کہا کہ صاحبو میں کوئی اُجرت نہیں مقرر کرتا، یہ جس قدر باتیں ہوئی ہیں بھائی صاحب سے بات بڑھ جانے کے سبب ہوئیں، پھر ختم کے دن امام صاحب نے سات ہی روپے دیئے جنہیں لیتے وقت احقر کے دل کی عجیب حالت تھی مگر بخیال نفع استاد مکرم کے لئے اور اسی وقت اُن کی خدمت میں پیش کر دیا تاہم مجھے ہر وقت اس کا خطرہ رہتا ہے کہ گو ہم اپنے لئے نہیں لیتے پھر بھی لیتے ہیں۔ لیکن اس خیال سے کہ اب استاذ مکرم کو بھروسا رہتا ہوگا کہ اسے سات روپے ملیں گے اور یہ مجھے دے گا اور پھر اس سے میرا فلاں فلاں کام چلے گا لینے سے انکار کرتے بھی نہیں بنتا۔ شبینہ کیسا ہے جو ایک دن میں چند حفاظ مل کر ختم کرتے ہیں۔

الجواب:

مولٰی سبحانہ وتعالٰی ایسے بندوں کو برکت دے جو قرآن عظیم پر اُجرت لینے سے بچیں آپ صاف کہہ دیں کہ محض ادائے سنت وحصول ثواب کے لئے پڑھتا ہوں کوئی معاوضہ نہ چاہتا ہوں نہ ہوگا اس کے بعد امام یا جو مسلمان کچھ خدمت کریں وہ اُجرت نہیں ہو سکتی اُس کا لینا حلال اور استاذ کو دینا سعادت مندی، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: **الصریح یفوق الدلالۃ**[1] (صریح کو دلالت پر فوقیت ہے۔ت) شبینہ کہ ایک یا چند حافظ مل کر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خاص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں جس میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصًا اکثر بلکہ شاید کل وہی ہوں جو اسے بار سمجھیں اور شرما شرمی شریک رہیں۔ حدیث صحیح میں ہے: **اذا ام احدکم الناس فلیخفف**[2] (جب تم میں کوئی لوگوں کی امامت کرائے تو تخفیف سے کام لے۔ت) اور ارشاد فرمایا: **لایسأم حتی تسأموا**[3] (اللہ تعالٰی ثواب میں کمی نہیں فرماتا جب تک تم نہ اکتاؤ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷۷: از اوریا ضلع اٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالحیٔ صاحب مدرس ۷ ۱۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تراویح کے ہر چار رکعت پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

---

[1] درمختار، کتاب الہبہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱۵۹/۲

[2] صحیح البخاری باب اذا صلی لنفسہ فلیطول ماشاء مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۷/۱

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۴۷/۶

چاہئے یا صرف تسبیح بلاہاتھ اٹھائے پڑھے؟

الجواب:

تسبیح میں ہاتھ اٹھانے کی کیا ضرورت، ہاں کوئی دعامانگے توہاتھ اٹھائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۷۸: از کلکتہ مانک تلہ حاجی زکریالین نمبرا مرسلہ شیخ روشن علی صاحب ۱۳/شوال ۱۳۳۷ھ

ایک شخص جواپنے کواہلسنت سے کہتا ہے اس کا قول ہے کہ نماز تراویح کے اندر دوچیزیں ہیں ایک قرات قرآن مجید کی جو کہ فرض ہے اور دوسری تراویح سنت مؤکدہ۔ جب نماز تراویح میں قرآن شریف پڑھاگیا تو دونوں مذکورہ بالاچیزوں سے ایک اداہوئی ایک باقی رہ گئی ہے یعنی تراویح سنت مؤکدہ کاثواب توحاصل ہوامگر قرات کے ثواب سے محروم رہ گیاجو کہ فرض ہے اس لئے جماعت کے لوگ بعد نماز تراویح کے بیٹھ جائیں کسی سے قرآن شریف سن لیں تاکہ دونوں ثواب حاصل ہوجائیں، کیا یہ قول زید کا صحیح ہے؟

الجواب:

زید کا قول محض باطل اور دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور شریعت مطہرہ پرافتراء ہے، تراویح سنت مؤکدہ ہے صرف ایک آیت کاپڑھنا ہر نماز میں ہر مہینے ہر وقت میں فرض ہے تمام قرآن مجید کی تلاوت خارج نماز خاص رمضان شریف میں فرض ہو یہ جہل محض ہے، جب تراویح پڑھیں اور اُن میں قرآن عظیم پوراپڑھاسنا دونوں سنتیں اداہوگئیں دونوں کاثواب بعونہ تعالٰی مل گیابعد تراویح بیٹھ کر پھر قرآن مجید پوراسننافرض درکنار نہ واجب نہ سنت مؤکدہ نہ غیر مؤکدہ۔ اگر کوئی کرے توایک مستحب ہے جیسے اوراوقات میں تلاوت اور اسے فرض یاواجب یامؤکد سمجھنا حرام وبدعت، اور وہ قرآن کریم کہ تراویح میں پڑھاگیا اسے ناکافی سمجھنا سخت جہالت **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**۔ ردالمحتار میں ہے:

قرأۃ الختم فی صلٰوۃ التراویح سنۃ، و صححہ فی الخانیۃ وغیرھا، وعزاہ فی الھدایۃ الی اکثر المشایخ، وفی الکافی الی الجمھور، وفی البرھان، و ھوالمروی عن ابی حنیفۃ والمنقول فی الاثار[1]۔	تراویح میں ختم قرآن سنت ہے، خانیہ وغیرہ میں اسی کو صحیح کہاہے، ہدایہ میں اس کی نسبت اکثر مشائخ کی طرف کی ہے، کافی میں جمہور کی طرف کی ہے اور برہان میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے اثار میں منقول ہے۔(ت)

کافی وہندیہ میں ہے:

السنۃ فی التراویح انما ھو الختم	تراویح میں ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے توقوم

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۶/۲

مرۃ فلایترك لکسل القوم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کی سستی اور کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷۹: از قصبہ کاشیپور محلّہ قاضی باغ ضلع نینی تال مسئولہ جناب شیخ اللہ بخش و محمد وزیر خاں ۱۴/ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کے اندر جو ایک سوچودہ سورتیں ہیں اگر حافظ قرآن تراویح میں ہر سورۃ میں بسم اللہ شریف پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ یا کیا نفع نقصان ہے؟ ایک شخص یہاں پر ہر سورہ میں بسم اللہ شریف ظاہر کرکے پڑھتے ہیں تواُن پر اعتراض واجب ہے یا نہیں؟ ان سے کہتے ہیں کہ آپ ہر سورہ میں بسم اللہ شریف پڑھتے ہیں ہم نے کسی حافظ اور عالم کو ظاہر کرکے بسم اللہ پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

الجواب:

نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنا منع ہے صرف تراویح میں جب ختم کلام مجید کیا جائے سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک کسی ایک سورہ پر آواز سے پڑھ لی جائے کہ ختم پورا ہو، ہر سورۃ سے آواز سے پڑھنا ممنوع ہے اور مذہب حنفی کے خلاف۔ گنگوہ وغیرہ کے بعض جاہلوں نے جو اس کے خلاف فتوٰی دیا ہے حماقت وجہالت ہے والتفصیل فی رسالتنا وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح (اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح" میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۰: از دھرم پور ضلع بلند شہر پرگنہ ڈبائی کوٹھی نواب صاحب مسئولہ عبدالرحیم ۲۸/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز تراویح حافظ کے نہ ہونے سے سورہ الم ترکیف سے پڑھی جائیں بیس رکعت، لیکن اس طریق سے کہ ایک ایک رکعت میں ایک سورۃ دوسری میں قل ھو اللہ یہاں تک کہ بیس رکعت میں نو سورہ الم ترکیف سے اور گیارہ سورہ قل ھو اللہ پڑھی جائیں مگر گیارہویں رکعت میں جبکہ سورہ اذا جاء پڑھی جائے اور بارہویں میں قل ھو اللہ تو ایک سورہ تبت بیچ میں رہ جاتی ہے اور اسی طرح سے جب انیسویں رکعت میں قل ھو اللہ اور بیسویں میں ناس تو فلق رہ جاتی ہے اس صورت میں کچھ کراہت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

یہ دونوں صورتیں وجہ کراہت ہوں گی کہ بیچ میں چھوٹی سورت کا چھوڑ دینا مکروہ ہے یہ آسان ہے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التراویح مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۷

دس رکعتوں میں سورہ فیل سے سورہ ناس تک پڑھے پھر انہیں کا اعادہ کرے۔

اما مافی الدر المختار، ولایکرہ فی النفل شیئ من ذلك [1] فمع قطع النظر عما اورد علی هذه الکلیة لم یثبت ان النفل ههنا یشمل السنة المؤکدة بل هو مقابلها وقدقاله فی الدر المختار قبیله، وفی الحجة یقرأ فی الفرض بالترسل حرفا حرفا وفی التراویح بین بین وفی النفل لیلا، له ان یسرع بعد ان یقرأ کمایفهم [2] ۔ ھ وفی الغنیة الاصح کراهة اطالة الثانیة علی الاولی فی النفل ایضا الحاقا له بالفرض فیمالم یرد فیه التخصیص من التوسعة کجوازہ قاعدا بلا عذر ونحوہ [3] ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	در مختار میں جو ہے کہ ان میں سے کوئی شیئ نوافل میں مکروہ نہیں، تو اس پر وارد شدہ اعتراض سے قطع نظر کرتے ہوئے یہاں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نفل سنت مؤکدہ کو بھی شامل ہے بلکہ وہ اس کے مقابل ہے، اس سے تھوڑا پہلے در مختار میں ہی بات کہی: حجہ میں ہے کہ فرائض میں قراءۃ آہستہ آہستہ حرف حرف پڑھے اور تراویح میں ترسل واسراع کے درمیان درمیان اور رات کے نوافل میں اتنا تیز پڑھ سکتا ہے جو سمجھ آسکے اھ۔ غنیہ میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ نوافل میں بھی دوسری رکعت کو پہلی رکعت پر طویل کرنا مکروہ ہے یہ حکم نفل کو فرض کے ساتھ ان امور میں ملحق کرنے کی بناء پر ہے جن میں نفل کے لئے تخصیص وسعت وارد نہیں ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۱: از مین پوری مسئولہ حکیم محمد احمد صاحب علوی شب ۱۰/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شبینہ پڑھنا یعنی ایک شب میں قرآن مجید ختم کرنا تراویح یا تہجد یا نفل میں جائز ہے یا نہیں اور جو شخص اس طرح پر کہ نہایت صحت اور قواعد کے ساتھ صاف صاف پڑھتا ہے اس کی اقتداء میں اگر کچھ لوگ ذوق وشوق اور خلوص وہمت سے داخل ہو کر شرکت کریں تو ان مقتدیوں اور امام کی بابت کیا حکم ہے، زید کہتا ہے کہ شبینہ مطلقًا ناجائز ہے اس کی کوئی اصل نہیں بلکہ حرام ہے صحابہ وتابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں کبھی نہیں ہوا، اور یہ جو بعض بزرگوں کی نسبت مشہور ہے کہ فلاں بزرگ نے ایک رات میں اتنے اتنے ختم کئے بالخصوص حضرت سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی نسبت وہ محض خصوصیات ہیں اُن کا یہ

---

[1] در مختار فصل ویجهر الامام، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱

[2] در مختار فصل ویجهر الامام، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۰

[3] غنیہ المستملی کراھیۃ الصلوٰۃ فصل فی بیان مایکرہ فعلہ فی الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۵۶

فعل ہمارے لئے حجت نہیں ہے، بکر کہتا ہے کہ نفس شبینہ جائز اور مباح ہے بلکہ بزرگان دین کا معمول ہے یہ اور بات ہے کہ اگر منہیات شرع اس میں شامل ہوں یا لوگ اس کو اچھی طرح نہ سنیں بلکہ اس وقت بیٹھے باتیں کریں یا حقہ اور چائے پینے میں مشغول رہیں یا قرآن مجید ایسا غلط اور جلد جلد پڑھا جائے کہ سمجھ میں نہ آئے تو بیشک ایسی صورت ناجائز ہوگی بلکہ ایسی صورت اگر تراویح میں واقع ہو تو تراویح کے لئے کیا حکم نہ ہوگا کیا نفس تراویح ان عوارض کی وجہ سے ناجائز ٹھہرے گی؟ زید کہتا ہے شبینہ پڑھنے والے اور سننے والے کو پانسو جوتے لگانے چاہئیں، امسال رمضان مبارک ۱۳۳۹ھ میں ہم چند مسلمانانِ مین پوری نے اپنے اپنے ذوق وشوق سے چند حافظ بلوائے جو نہایت عمدہ اور صاف پڑھنے والے تھے نہ کسی پر بار ہوا سب نے نہایت مستعدی اور سکون سے سنا اس پر زید کو بہت غصہ آیا زید امام جامع مسجد ہے انہوں نے بالاعلان ہم سب مسلمانوں پر اسی جامع مسجد میں بعد نماز مغرب مصلے پر کھڑے ہو کر ماں بہن کی گالیاں دیں اور کہا شبینہ سننا اور وہاں جانا سب گناہ ہے کوئی شبینہ کو جائز ثابت کر دکھائے تو پچاس روپیہ دوں گا ایسے شخص کی نسبت جو اس قسم کے سب وشتم مسلمانوں کو دے بازاری اور فحش کلمات اس کے زبان زد رہتے ہوں اور مسلمانوں کو جو اس کے مقتدی نہیں ماں بہن کی گالیاں دے، چنانچہ اس بنا پر وہ کل مقتدی اس سے ناخوش ہوں اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

فقیر ۲۹ شعبان سے بوجہ علالت رمضان شریف کرنے اور شدت گرما گزارنے کو پہاڑ پر آیا ہوا ہے وطن سے مہجور اپنی کتب سے دور، لہٰذا زیادہ شرح وبسط سے معذور مگر حکم مسئلہ بفضلہٖ تعالٰی واضح ومیسور۔ شبینہ فی نفسہٖ قطعًا جائز وروا ہے اکابر ائمہ دین کا معمول رہا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر افترا ہے، امام الائمہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیس برس کامل ہر رات ایک رکعت میں قرآن مجید ختم کیا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الحافظ الذھبی قد تواتر قیامه باللیل و تھجدہ وتعبدہ، ای ومن ثم کان یسمی بالوتد لکثرۃ قیامه باللیل، بل احیاہ بقرأۃ القراٰن فی رکعة ثلاثین سنه[1]۔	حافظ ذہبی نے فرمایا کہ آپ کا قیام اللیل، تہجد اور تعبد تواتر کے ساتھ منقول ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کو وتد (کیل) کہا جاتا ہے کیونکہ آپ کے قیام لیل میں کثرت تھی بلکہ آپ تیس سال تک رات کو ایک رکعت میں پورے قرآن کی تلاوت کرتے (ت)

[1] ردالمحتار مقدمہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۲

بلادلیل شرعی کسی حکم کو بعض عباد سے خاص مان لینا جزاف ہے اور یہ کہنا کہ اُن کا یہ فعل ہمارے لئے حجت نہیں ادب کے خلاف محض لاف ہے، ان کا فعل حجت نہ ہوگا تو کیا زید وعمرو کا ہوگا! جواہر الفتاوٰی امام کرمانی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: انما یتمسك بافعال اھل الدین[1]۔ اہل دین کے افعال سے تمسک کیا جائے گا(ت) علمائے کرام نے فرمایا ہے سلف صالحین میں بعض اکابر دن رات میں دو ختم فرماتے بعض چار بعض آٹھ، میزان الشریعہ امام عبدالوہاب شعرانی میں ہے کہ سیدی علی مرصفی قدس سرہ نے ایک رات دن میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ختم فرمائے[2]۔ آثار میں ہے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بایاں پاؤں رکاب میں رکھ کر قرآن مجید شروع فرماتے اور دَہنا پاؤں رکاب تک نہ پہنچتا کہ کلام شریف ختم ہوجاتا۔ بلکہ خود حدیث میں ارشاد ہے کہ داؤد علیہ السلام اپنے گھوڑے زین کرنے کو فرماتے اور اتنی دیر سے کم میں زبور یا توراۃ مقدس ختم فرمالیتے۔ توراۃ شریف قرآن مجید سے حجم میں کئی حصے زائد ہے

والحدیث رواہ احمد والبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال خفف علی داؤد القراٰن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقرأ القراٰن من قبل ان تسرج دوابہ[3]۔	امام احمد اور امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث شریف روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالٰی نے تلاوت آسان فرمادی تھی آپ سواری پر زین رکھنے کا حکم دیتے اور زین رکھی جاتی توآپ زین رکھنے سے پہلے زبور تلاوت کرلیتے۔(ت)

یہ سب روایات اوران سے زائد ہماری کتاب "الفیوض المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" میں ہیں ان افعال کریمہ کو حجت نہ ماننا کیسی گستاخی ہے، جاہل وہ کہ اُسوت اور حجت میں فرق نہ جانے، ہم ان میں اقتداء پر قادر نہیں مگروہ حجت شرعیہ ضرور ہیں کہ فی نفسہٖ یہ فعل حسن ہے کراہت یاممانعت اگرآئے گی توعوارض

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر فی الغناء نورانی کتب خانہ پشاور ۳۵۲/۵

[2] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان بعض مااطلعت علیہ من کتب الشریعۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۷۹/۱

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء قول اللہ اٰتینا داؤد زبورا مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۸۵/۱

سے، اور وہ یہاں پانچ ہیں:

اوّل عدم تفقّہ یعنی جلدی کی وجہ سے معانی قرآن کریم میں تفکر وتدبر نہ ہوسکے گا، اصل وجہ منصوص فی الحدیث ہی ہے سنن دارمی وابی داؤد وترمذی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

لم یفقه من فرائض القراٰن فی اقل من ثلاث[1]۔	جس نے تین رات سے کم میں قرآن مجید ختم کیا اس نے سمجھ کر نہ پڑھا۔

یہ وجہ صرف نفی افضلیت کرتی ہے جس سے کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ولہذا عٰلمگیری میں کراہت شبینہ کے قول کو بصیغہ ضعف ومرجوحیت نقل کیا:

حیث قال افضل القرأة ان یتدبر فی معناه حتی قیل یکره ان یختم القراٰن فی یوم واحد[2]۔	یہاں الفاظ یہ ہیں کہ افضل قرات یہ ہے کہ اس کے معانی میں تدبر ہو حتی کہ یہ کہا گیا ہے کہ ایک دن میں ختم قرآن مکروہ ہے۔ (ت)

اقول: پھر یہ بھی ان کے لئے ہے جو تفکر معانی کریں یہاں کے عام لوگ کہ کتنا ہی دیر میں پڑھئے تفکر سے محروم ہیں اُن کے لئے دیر بے سود ہے اور وہ مقصود لذاتہ نہیں بلکہ اسی لئے مقصود ہے اُن کے لئے معتدل جلدی ہی کا افضل ہونا چاہئے کہ جس قدر جلد پڑھیں گے قرات زائد ہوگی اور قرآن کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ہیں سَو کی جگہ پانسو حرف پڑھے تو ہزار کی جگہ پانچ ہزار نیکیاں ملیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قرأ حرفا من کتاب الله فله حسنة و الحسنة بعشرا مثالها لااقول الم حرف ولکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف[3]۔ رواه الدارمی و الترمذی و صححه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	جس نے قرآن کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ہر نیکی دس نیکیاں، میں نہیں فرماتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔ اسے دارمی اور ترمذی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب القراۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی من قرأحرفا من القرآن الخ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۵

اور ہر ثواب فہم پر موقوف نہیں، امام احمد رضی اللہ عنہ نے رب عزوجل کو خواب میں دیکھا عرض کی: اے میرے رب! کیا چیز تیرے بندوں کو تیرے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔ فرمایا: میری کتاب۔ عرض کی: یارب بفھم اوبغیر فھم اے میرے رب! سمجھ کر یا بے سمجھ بھی۔ فرمایا: بفھم وبغیر فھم سمجھ کر اور بے سمجھے۔

دوم کسل، نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ لایسأم حتی تسأموا[1] بیشک اللہ تعالٰی ثواب دینے میں کمی نہیں فرماتا جب تک نہ اکتاؤ۔

اقول: یہ وجہ عام عوام کو عام ہے اور احکام فقہیہ میں غالب ہی کا اعتبار ہوتا ہے کما بیناہ فی رسالتنا کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین ورسالتنا جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالے کشف الرین علی حکم مجاورۃ الحرمین اور اپنے رسالے جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور میں بیان کیا ہے۔ت) مگر اس وجہ کا مفاد صرف کراہت تنزیہی ہے، علماء نے تصریح فرمائی کہ کسل قوم کے سبب تراویح میں قرآن نہ چھوڑیں۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الختم مرۃ سنۃ ولایترك الختم لکسل القوم[2] (ملخصاً)	ایک دفعہ ختم قرآن سنت ہے لہٰذا اسے قوم کی سستی کی بناپر ترک نہ کیا جائے (ملخصاً)۔(ت)

اگر کراہت تحریم ہوتی اُس سے احتراز سنت پر مقدم رہتا اور مکروہ تنزیہی جواز واباحت رکھتا ہے نہ کہ گناہ وحرمت کماحققناہ فی رسالتنا جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) سوم ہذرمہ گھاس کاٹنا۔ درمختار میں ہے:

یاتی الامام والقوم بالثناء فی کل شفع ویزید الامام علی التشھد[3] (بان یاتی بالدعوات بحر، ش)[4] الا ان یمل	امام اور مقتدی ہر شفع میں ثناپڑھیں اور امام تشہد پر اضافہ کرے (بایں طور کہ دعائیں پڑھے، بحر، ش) مگر قوم اکتا جائے تو صلٰوۃ پڑھ لے اور

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۴۷/۶

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۸/۱

[3] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

[4] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۷/۲

القوم فیاتی بالصلات ویترك الدعوات و یجتنب المنکرات ھذرمة القرأت وترك تعوذوتسمیة وطمانینة وتسبیح و استراحة[1]۔	اور دعائیں ترک کردے، ممنوعات سے اجتناب کرے مثلاً بہت زیادہ تیز قرات کرنا، تعوذ وتسمیہ کوترک کرنا، اطمینان کے ساتھ نمازادانہ کرنا، تسبیح اور جلسہ استراحت کا ترک کرنا۔(ت)

بعض لوگ ایساجلد پڑھتے ہیں علیم یا حکیم، یعقلون، تعلمون غرض لفظ ختم آیت کے سواکچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ نفس سنت کافانی اور بدعت شنیعہ اور اساءت ہے۔

چہارم ترک واجبات قراۃ مثل مد متصل، یہ صورت گناہ ومکروہ تحریمی ہے۔

پنجم امتیاز، حروف متشابہ مثل ث س ص، ت ط، ز ذ ظ وغیرہا نہ رہنا، یہ خود حرام ومفسد نماز ہے مگر ہندوستان کی جہالتوں کاکیاعلاج، حفاظ وعلماء کودیکھاہے کہ تراویح درکنار فرائض میں بھی اس کی رعایت نہیں کرتے، نمازیں مفت برباد جاتی ہیں انّا ﷲ وانّا الیه راجعون۔ شبینہ مذکورہ سوال کہ ان عوارض سے خالی تھااس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں مگراتناضرور ہے کہ جماعت نفل میں تداعی نہ ہوئی ہو کہ مکروہ ہے، مسلمانوں کوفحش گالیاں دینا خصوصًاماں بہن کی خصوصًامسجد میں سخت فسق ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس المؤمن بالطعان ولااللعان ولاالفاحش ولاالبذی[2]۔ رواہ احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وحسنه و ابن حبان والحاکم فی صحیحهما عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	مسلمان نہیں ہوتاہے بہت طعنہ کرنے والا بہت لعنت کرنے والا نہ بے حیافحش گو۔ اسے امام احمد، بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی نے اسے حسن کہا۔ابن حبان اور حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

خصوصًا جواس کاعادی ہے اس کے سخت فاسق معلن ہونے میں کلام نہیں اسے امام بناناگناہ ہے اور اس کے پیچھے نمازپڑھنامکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ، اور پڑھ لی تو پھیرنی واجب، فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقایاثمون[3] (اگرفاسق کوامامت کے لئے مقدم کردیاتوتمام لوگ گنہگار ہوں گے۔ت)

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۹۹/۱

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی اللعنۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۹/۲

[3] غنیہ المستملی فصل فی الامامۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: لان فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1] (کیونکہ اس کی امامت کے لئے تقدیم میں تعظیم ہے حالانکہ شرعًا اس کی اہانت لازم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۲: از گھوسی ضلع اعظم گڑھ محلّہ کریم الدین پور مرسلہ جامع فنون عقلیہ ونقلیہ فقیہ ملت مولٰنا حکیم محمد امجد علی صاحب اعظمی رضوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مصنف بہار شریعت ۸/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

حضور والابرکت دامت برکاتہم بعد سلام ونیاز غلامانہ معروض حافظ نے تراویح میں فاتحہ اور سورہ توبہ کے درمیان اعوذ باللہ من النار ومن شر الکفار الخ بالجہر قصدًا پڑھا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کیسی؟ اگر نماز واجب الاعادہ ہو تو ان دونوں رکعتوں میں جو قرآن پڑھا گیا ختم کے پورا ہونے میں اس کا اعادہ بھی ضرور ہے یا کیا؟

الجواب:

سورہ توبہ شریف کے آغاز پر بجائے تسمیہ یہ تعوّذ محدثات عوام سے ہے شرع میں اس کی اصل نہیں، خیر بیرون نماز اس میں حرج نہ تھا، رہی نماز اگر سورہ فاتحہ کے بعد یہی سورہ توبہ شروع کی اور اس سے پہلے وہ اعوذ پڑھی تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی کہ واجب ضم سورۃ بوجہ فصل بالاجنبی ترک ہوا مگر اعادہ تراویح سے اعادہ قرآن لازم نہیں یہ جب تھا کہ تراویح باطل ہو جاتی اور اگر فاتحہ کے بعد کچھ آیات انفال پڑھ کر توبہ شروع کی اور اُس سے پہلے وہ تعوذ پڑھا تو اگرچہ کراہت تحریم ووجوب اعادہ نہیں مگر جماعت تراویح میں مثل جماعت فرائض وواجبات یہ فعل مکروہ وخلاف سنت ضرور ہے اور اس کا جہر سے پڑھنا اور زیادہ نادانی وقلّت شعور ہے اُن دو رکعتوں کا اعادہ اولٰی ہے۔ قرآن عظیم کے اعادہ کی اصلًا حاجت نہیں۔ درمختار میں ہے:

الامام لایشتغل بغیر القراٰن وماورد حمل علی النفل منفردا[2]۔	امام قرآن کے علاوہ میں مشغول نہ ہو اور جو دعائیں وغیرہ منقول ہیں وہ اس صورت پر محمول ہیں جب اکیلا آدمی نفل پڑھ رہا ہو۔(ت)

ردالمحتار وحلیہ میں ہے:

اما الامام فی الفرائض فلماذکرنا من انه	فرائض میں امام کا معاملہ تو وہی ہے جو ہم ذکر کر آئے

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۴

[2] درمختار فصل یجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یفعلہ فیھا، وکذا الائمۃ من بعدہ الٰی یومنا ھذا فکان من المحدثات، ولانہ تثقیل علی القوم فیکرہ، واما فی التطوع فانکان فی التراویح فکذلک[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز میں ایسا فعل نہیں کیا اسی طرح آپ کے بعد آج تک ائمہ نے بھی نہیں کیا تو اب اس کے خلاف کرنا بدعت ہوگا، اور دوسرا یہ بھی ہے کہ قوم پر ثقل ہوگا لہذا مکروہ ہے رہا معاملہ نوافل کا تو اگر تراویح میں تو وہاں بھی یہی حکم الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۳: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کہے کہ نماز تراویح میں قرآن شریف کے سننے سے ذکر ولادت باسعادت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سننا اچھا ہے، آیا یہ شخص غلطی پر ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اگرچہ قرآن عظیم وتہلیل وتکبیر وتسبیح وذکر شریف حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب ذکر الٰہی ہیں کریمہ ورفعنا لک ذکرک کی تفسیر میں حدیث قدسی ہے:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[2]۔	یعنی رب العزت عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ (ت)

مگر قرآن عظیم اعظم طرق اذکار الٰہیہ ہے حدیث قدسی میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں رب عزوجل فرماتا ہے:

من شغلہ القراٰن عن ذکری ومسألتی اعطیتہ افضل من اعطی السائلین، وفضل کلام اللہ علی سائر الکلام	جسے قرآن عظیم میرے ذکر ودعا سے روکے یعنی بجائے ذکر ودعا قرآن عظیم ہی میں مشغول رہے، اسے مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں اور کلام اللہ کا فضل

[1] ردالمحتار فصل فی القرأۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴۵

[2] کتاب الشفاء الفصل الاول من الباب الاول مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ دولت عثمانیہ ترکی ۱/ ۱۵

کفضل اللہ علی خلقہ[1]۔ رواہ الترمذی وحسنہ۔	سب کلاموں پر ایسا ہے جیسا اللہ عزوجل کا فضل اپنی مخلوق پر۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔(ت)

خصوصًا تراویح کا ایک ختم کہ سنت جلیلہ ہے اور مجلس میلاد مبارک عمل مستحبات اور سنت مستحب سے بلاشبہہ افضل، ہاں اگر کسی شخص کے لئے کوئی عارض خاص پیدا ہو تو ممکن کہ ذکر شریف سننا اس کے حق میں قرآن مجید سننے بلکہ اصل تراویح سے بھی اہم وآکد ہوجائے مثلًا اس کے قلب میں عدو رجیم نے معاذاللہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے کچھ وساوس ڈالے اور ایک عالم دین مجلس مبارک میں ذکر اقدس فرمارہا ہے اس کا سننا اس وساوس کو دور کرے گا اور دل میں معاذاللہ اُن کے جم جانے کا احتمال ہے تو قطعًا اس پر لازم ہوگا کہ ذکر شریف میں حاضر ہو کہ محبت وتعظیم حبیب کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اصل کار ومدار ایمان ہے، معاذاللہ یہ نہ ہو تو پھر نہ قرآن مفید نہ تراویح نافع، نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کا سوال کرتے ہیں۔ت)

مسئلہ ۱۰۸۴: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجان موضع پھمرا مرسلہ مولوی مہدی صاحب ۱۴شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ درماہ رمضان المبارک جماعت وترنہ نمودن وہر روز از جماعت موجودہ بیروں رفتن شرعًا جائز است یانہ وتارک جماعت وترا فاسق وفاجر وغیر آں خواند شود یانہ؟ حسب شرع چہ حکم ست۔ بیّنوا توجروا۔	اس مسئلہ میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان میں جماعت وتر میں شرکت نہ کرنا اور ہر روز جماعت موجودہ سے باہر چلاجانا شرعًا جائز ہے یانہیں؟ وتر کی جماعت کے تارک کو فاسق وفاجر وغیرہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کا حکم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جماعت وترنہ واجب ست نہ مؤکد درترک او ہیچ بزہ کاری نیست بلکہ اختلاف درانست کہ افضل جماعت ست یا وتر تنہا گزاردن فی الدرالمختار ھل الافضل فی الوتر[2]	جماعت وتر نہ واجب نہ سنت مؤکدہ، اس کے ترک میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جماعت افضل ہے یا تنہا وتر ادا کرنا۔ درمختار میں ہے کہ کیا وتر جماعت کے ساتھ افضل

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن مطبوعہ کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۱۶/۲

[2] سنن الدارمی باب فضل کلام اللہ تعالٰی الخ حدیث ۳۳۵۹ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۳۱۷/۲

الجماعة ام المنزل تصحیحان[1] ھ واللہ تعالٰی اعلم	ہیں یا گھر پر تنہا پڑھنا، دونوں قولوں کی تصحیح ہوئی ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸۵: از موضع خورد موؤڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ کچھ قید ہے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورہ اخلاص ہی ضم ہو دوسری سورۃ نہ ہو؟

الجواب:

کوئی قید نہیں اختیار ہے جو سورۃ چاہے پڑھے یا چھوٹی آیتیں یا بڑی ایک آیت۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸۶: از مولوی عبداللہ صاحب مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ، وتروں میں مشابہ سے دعائے قنوت بھول جانے پر کیاپڑھنا چاہئے؟ اور ایسی حالت میں سجدہ سہو کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

ہر دعا پڑھنے سے واجب قنوت ساقط ہوجاتا ہے، ہاں اگر بالکل کوئی دعا بھول کر نہ پڑھی تو سجدہ سہو کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸۷: از شہر مرادآباد محلّہ مغلپورہ حصہ اول مرسلہ مولینا مولوی سید اولاد علی صاحب ۹/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں کے مسبوق کو اپنے فوت شدہ رکعت میں قنوت پڑھنی چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

مسبوق کی اگر وتر کی تینوں رکعتیں فوت ہوئیں اخیر میں قنوت پڑھے اور اگر ایک رکعت بھی ملی ہے اگرچہ تیسری کے رکوع ہی میں شامل ہوا تو اب باقی نماز میں قنوت نہ پڑھے گا۔ درمختار میں ہے:

المسبوق فیقنت مع امامه فقط ویصیر مدرگا بادراك الرکوع الثالثة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مسبوق امام کے ساتھ صرف قنوت پڑھے اور وہ تیسری رکعت کا رکوع پانے سے مدرک ہوجائے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۹

[2] درمختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، بھارت ۱/۹۴

مسئلہ ۱۰۸۸: مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز وتر کی تیسری رکعت میں بعد الحمد و قل کے تکبیر کہہ کر دعائے قنوت کے بدلے میں تین ۳ بار قل ھو اللہ شریف پڑھ لیتا ہے اور دعائے قنوت اس کو نہیں آتی ہے پس اس کی نماز وتر کی صحیح ہوتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ ہر روز سجدہ سہو کرلیا کرے تو نماز وتر اس کی صحیح ہوجایا کرے گی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

نماز صحیح ہوجانے میں تو کلام نہیں، نہ یہ سجدہ سہو کا محل کہ سہواً کوئی واجب ترک نہ ہوا، دعائے قنوت اگر یاد نہیں یاد کرنا چاہئے کہ خاص اس کا پڑھنا سنت ہے، اور جب تک یاد نہ ہو اللھم ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پڑھ لیا کرے، یہ بھی یاد نہ ہو تو اللھم اغفرلی تین ۳ بار کہہ لیا کرے، یہ بھی نہ آتا ہو تو صرف یا رب تین بار کہہ لے واجب ادا ہوجائے گا، رہا یہ کہ قل ھو اللہ شریف پڑھنے سے بھی یہ واجب ادا ہوا کہ نہیں، اتنے دنوں کے وتر کا اعادہ لازم ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ ادا ہوگیا کہ وہ ثناء ہے اور ہر ثناء دعا ہے۔

بل قال العلامۃ القاری وغیرہ من العلماء کل دعاء ذکر وکل ذکر دعاء[1] وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الدعاء الحمد للہ۔ رواہ الترمذی وحسنہ و النسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم وصححہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما ھذا ولیحرر واللہ تعالٰی اعلم۔[2]	بلکہ علامہ علی قاری اور دیگر علماء نے فرمایا ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے سب سے افضل دعا الحمد للہ ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے حسن کہا۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح کہا اسے محفوظ کرلو اور غور کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب التسبیح والتحمید الخ مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۵/ ۱۱۲

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴، مستدرک علی الصحیحین باب افضل الذکر الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۹۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اجتناب العمال عن فتاوی الجہال

(قنوت نازلہ پڑھنے کے بارے میں ایک فتوٰی کا رَد)

مسئلہ ۱۰۸۹تا۱۰۹۵: از شہر دمن عملداری پرتگیز مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۲۶/جمادی الاُخری ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہابی نے اول چند رسائل عقائد وہابیت و گستاخی شان مع۔ظمان دین پر مشتمل طبع کئے جس پر علمائے بمبئی وغیرہ نے ۱۳۱۳ھ میں اس کی وہابیت پر فتوٰی دیا اس نے باصرار جماعت اہلسنت مجبور ہو کر اپنے تحفظ کے لئے ربیع الاول ۱۳۱۴ھ اس وقت ایک پرچہ باظہار توبہ چھاپ کر شائع کردیا جب اہلسنت اس کی طرف سے مطمئن ہوگئے تو اس نے اپنے اُسی زمانہ سابق وہابیت کی تحریرات سے ایک تحریر حال کی بتا کر ظاہر کی جس کا تاریخی نام "ضروری سوال" لکھا ہے جس سے وہی ۱۳۱۳ھ پیدا ہے اگرچہ آخر میں ۱۳۱۵ھ لکھ دیا ہے اس تحریر پر وہ طالب مباحثہ ہے اور چند شرائط بحث لکھے ہیں وہ تحریر خاص اس کے قلم کی لکھی ہوئی مع توبہ نامہ و شرائط مباحثہ حضرات علمائے اہلسنت کے ملاحظ میں حاضر کرکے چند امور کا استفسار ہے:

(۱) اس تحریر میں جو حکم اس نے قرار دیا کہ نماز فجر میں قنوت پڑھنا وقت فتنہ وفساد وغلبہ کفار جائز وباقی وغیر منسوخ ہے اور باقی کسی سختی مثل طاعون ووبا وغیرہ کے وقت جائز نہیں، یہ حکم تفصیلی ہمارے ائمہ کا ہے یا اس کا اپنا اختراع ہے۔

(۲) طاعون یا وبا کے لئے قنوت ماننے کو کذب وبہتان بتانا علمائے کرام وفقہائے اعلام کی شان میں گستاخی ہے یا نہیں؟

(۳) اس تحریر کے مضامین والفاظ وطرز بیان واملاوانشا سے اس شخص کا بے علم وجاہل ومنصب فتوی کے نا قابل ہو ناظاہر ہے یا نہیں۔
(۴) اگر ظاہر ہے تو نااہل کو مفتی بننا حلال ہے یا حرام اور اس کے فتوے پر عوام کو اعتماد چاہئے یا نہیں؟
(۵) اس نے اس تحریر میں جو سندیں تقریر میں لکھی ہیں اگر ان سے اس کا مطلب ثابت نہیں تو آیا یہ امر صرف اس کی جہالت و بے علمی سے ہے یا کہیں بددیانتی اور عوام کو فریب دہی بھی پیدا ہوتی ہے؟
(۶) جو اس تحریر ضروری سوال کو صحیح ودرست بتائے وہ جاہل ونافہم ہے یا نہیں؟
(۷) شرائط مباحثہ جو اس نے لکھے ہیں وہ اس کے اگلے اشتہار توبہ کے خلاف ہیں یا نہیں اور اس سے اس کی قدیم وہابیت کی بو پیدا ہوتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اللھم لك الحمد تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں، ضروری سوال میں جو حکم اختیار کیا محض خلاف تحقیق ہے ہمارے ائمہ کرام کی تصریحات کتب متون دیکھئے تو عموماً یہ ارشاد ہے کہ غیر وتر میں قنوت نہیں ان میں وقت غلبہ کفار کا بھی کہیں استثناء نہیں اور اگر تحقیقات جمہور شارحین پر نظر ڈالئے تو مطلقاً نازلہ کے لئے قنوت لکھتے ہیں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی ہرگز قید نہیں لگاتے۔ غنیہ شرح منیہ میں ہے:

قال الحافظ ابوجعفر الطحاوی انما لایقنت عندنا فی صلٰوۃ الفجر من غیر بلیۃ فاذا وقعت فتنۃ اوبلیۃ فلاباس بہ[1]۔	یعنی امام ابو جعفر طحاوی نے فرمایا نماز فجر میں ہمارے یہاں قنوت نہ ہونا اس وقت ہے کہ کوئی بلاو مصیبت نہ ہو جب کوئی فتنہ یا کسی قسم کی بلاواقع ہو تو نماز صبح میں قنوت پڑھنا مضائقہ نہیں۔

شرح نقایہ برجندی میں ہے: فی الملتقط قال الطحاوی فذکر نحوہ[2] یعنی امام ناصر الدین محمد سمرقندی نے ملتقط میں امام طحاوی کا قول مذکور نقل فرمایا۔ بحر الرائق میں ہے:

وفی شرح النقایۃ معزیاالی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام[3] الخ۔	یعنی علامہ شمنی نے شرح نقایہ میں بحوالہ غایہ امام سروجی بیان کیا کہ اگر مسلمانوں پر (معاذ اللہ) کوئی سختی آئے تو امام قنوت پڑھے الخ

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی صلٰوۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰
[2] شرح نقایہ برجندی فصل الوتر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۳۰
[3] بحر الرائق شرح کنزالدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

منحۃ الخالق میں ہے:

کذا فی شرح الشیخ السمعیل لکنہ عزاہ الی غایۃ البیان ولم اجد المسألۃ فیھا فلعلہ اشتبہ علیہ غایۃ السروجی لغایۃ البیان لکنہ نقل عن البنایۃ مانصہ اذا وقعت نازلۃ قنت الامام فی الصلٰوۃ الجھریۃ وقال الطحاوی لایقنت عندنا فی صلٰوۃ الفجر فی غیربلیۃ اما اذا وقعت فلاباس بہ [1] اھ	یعنی اسی طرح پر مسئلہ شرح شیخ اسمٰعیل للدرر والغرر میں ہے انہوں نے اسے غایۃ البیان علامہ اتقانی کی طرف نسبت کیا مگر مجھے غایۃ البیان میں نہ ملا، شاید غایہ سروجی سے اشتباہ ہوا لیکن اس نے بنایہ سے نقل کیا جس کی عبارت یہ ہے، جب کوئی سختی آئے توامام جہر نماز میں قنوت پڑھے، اور طحاوی نے فرمایا ہمارے نزدیک فجر میں بغیر مصیبت نہ پڑھے تاہم جب مصیبت نازل ہو توحرج نہیں اھ (ت)

اور انہیں نے غایہ امام عینی سے نقل کیا کہ جب کوئی سختی واقع ہو امام قنوت پڑھے اور امام طحاوی کا وہی ارشاد ذکر فرمایا۔ اُسی میں ہے:

(قولہ ولھما انہ منسوخ) قال العلامۃ نوح اٰفندی ھذا علی اطلاقہ مسلم فی غیر النوازل واما عند النوازل فی القنوت فی الفجر فینبغی ان یتابعہ عند الکل لان القنوت فیھا عند النوازل لیس بمنسوخ علی ماھو التحقیق کمامر [2] الخ۔	یعنی علامہ نوح آفندی نے فرمایا: جب حنفی کسی شافعی کے پیچھے نماز فجر پڑھے توبغیر کسی نازلہ کے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ وہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے لیکن بلاؤں کے وقت صبح میں ہمارے سب اماموں کے ہاں مقتدی کو باتباع امام قنوت پڑھنا چاہئے کہ تحقیق یہی ہے کہ سختیوں کے وقت نماز صبح میں قنوت منسوخ نہیں۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

فی فتح القدیر ان مشروعیۃ القنوت للنازلۃ مستمرۃ لم تنسخ [3]۔	یعنی فتح القدیر میں ہے کہ سختی کے لئے قنوت پڑھنے کی شرعاً اجازت برابر چلی آئی ہے منسوخ نہ ہوئی۔

اُسی میں ہے:

ذکر فی السراج الوھاج قال الطحاوی [4] الخ	سراج الوہاج میں امام طحاوی کا وہ ارشاد ذکر کیا کہ کوئی بلاآئے توقنوتِ فجر میں حرج نہیں۔

[1] منحۃ الخالق علی بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴

[2] منحۃ الخالق علی بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۵

[3] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/۶۲۔۲۶۱

[4] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/۶۳۔۲۶۳

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں غایہ سروجی کا کلام نقل کرکے مثل علامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ فرمایا:

فتکون مشروعیة مستمرة وھو محمل قنوت من قنت من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم بعد وفاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وھو مذھبنا وعلیه الجمھور وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی[1] الخ	یعنی سختیوں کے وقت قنوت کا مشروع ہونا باقی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بعد وفات اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو قنوت پڑھی اس کا موقع یہی ہے یعنی سختی کے وقت پڑھتے تھے، ہمارا اور جمہور ائمہ کا یہی مذہب ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں کوئی فتنہ یا بلا ہو تو قنوت میں مضائقہ نہیں۔

حاشیہ مراقی السید الطحاوی میں ہے:

قوله وھو محمل الخ ای حصول نازلة قوله وھو مذھبنا ای القنوت للحادثة[2]۔	اس کا قول، وہ موقع ہے الخ، یعنی سختی کے وقت۔ اس کا قول، وہ ہمارا مذہب ہے یعنی کسی سختی کے واقع پر۔ (ت)

درمختار میں ہے: لایقنت لغیرہ الالنازلة[3]۔ (یعنی وتر کے سوا کسی نماز میں قنوت نہ پڑھے مگر کسی سختی کے لئے۔) فتح اللہ المعین حاشیہ کنز للعلامۃ السید ابی السعود الازہری میں امام طحاوی کا ارشاد مذکور کہ کسی بلا کے وقت قنوت فجر میں حرج نہیں نقل کرکے فرمایا:

وظاھرہ انه لوقنت فی الفجر لبلیة انه یقنت قبل الرکوع[4] حموی۔	یعنی علامہ سید احمد حموی نے فرمایا امام طحاوی کے اس ارشاد سے ظاہر یہ ہے کہ اگر کسی بلا کے سبب نمازِ فجر میں قنوت پڑھے تو رکوع سے پہلے پڑھے۔

طحطاوی حاشیہ در میں ہے:

قال العلامة نوح بعد کلام قدمه فعلی	یعنی علامہ نوح نے ایک کلام ذکر کرکے فرمایا تو اس

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر واحکامہ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی

[3] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[4] فتح اللہ المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۲

ھذا لایکون القنوت فی صلٰوۃ الفجر عند وقوع النوازل منسوخا بل یکون امرا مستمرا ثابتا ویدل علیہ قنوت من قنت من الصحابۃ بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیکون المراد بالنسخ نسخ عموم الحکم لانسخ نفس الحکم قال فی الملتقط قال الطحاوی الخ (ثم قال) قال بعض الفضلاء ھومذھبنا وعلیہ الجمھور[1]۔	تقدیر پر بلائیں اُترتے وقت نماز فجر میں قنوت منسوخ نہ ہوگی بلکہ باقی وثابت ہوگی اور اس کی دلیل صحابہ کا بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قنوت پڑھنا ہے توہمارے علماء جو قنوت فجر کو منسوخ بتاتے ہیں اس کی مراد یہ ہے کہ سختی وغیر سختی ہر صورت میں قنوت کا عموم منسوخ ہوگیا نہ یہ کہ قنوت رہاہی نہیں ملتقط میں ہے امام طحاوی نے فرمایا کوئی فتنہ یا بلاہو توفجر میں قنوت پڑھ سکتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا یہ ہمارااور جمہور کامذہب ہے۔

ردالمحتار میں عبارات بحر وشرنبلالی وشرح شیخ اسمٰعیل وبنایہ واشباہ وغایہ وغنیہ ذکر کرکے فرمایا: **قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلٰوۃ الفجر**[2] سختی کے لئے قنوت ہمارے نزدیک نماز فجر سے خاص ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال الخطابی فیہ دلیل علی جواز القنوت فی غیرالوتر قلت لکن یقید بما اذا نزلت نازلۃ وحینئذ لاخلاف فیہ[3]۔	یعنی نماز فرض میں قنوت خاص اس صورت میں ہے جب کوئی سختی اُترے اس وقت اس میں خلاف نہیں،

کلام یہاں مسئلہ قنوت نوازل اور اس کے اجماعی یاخلافی ہونے کے بحث میں نہیں۔

وقد تقدم عن الشرنبلالی والحلبی و نوح اٰفندی والطحاوی بنسبۃ الی الجمھور المشعرۃ بحصول خلاف و افادالامام ابن الھمام فی الفتح وتبعہ الحلبی فی الغنیۃ ان قنوت النوازل امر	پہلے شرنبلالی، حلبی، نوح آفندی اور طحطاوی سے جمہور کی نسبت گزرا جواختلاف کی طرف مشعر ہے، امام ابن ہمام نے فتح اور حلبی نے ان کی اتباع میں غنیہ میں کہاکہ قنوت نازلہ اجتہادی معاملہ ہے اور دونوں طرف کے دلائل

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۸۳

[2] ردالمحتار مطلب فی قنوت النازلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت، الفصل الاول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/۱۷۹

مجتهد فيه وذكر كلام النظرين۔	ذکر کئے۔(ت)

کلام اس میں ہے کہ اولاً ان سب عبارات میں نازلہ، بلیہ، حادثہ سب لفظ مطلق ہیں کسی میں خاص فتنہ وغلبہ کفار کی تخصیص نہیں، نازلہ ہر سختی زمانہ کو کہتے ہیں جو لوگوں پر نازل ہو۔ اشباہ میں ہے:

قال فی المصباح النازلة المصيبة الشديدة تنزل بالناس انتهى وفی القاموس النازلة الشديدة انتهى وفی الصحاح النازلة الشديدة من شدائد الدهر تنزل بالناس[1] انتهى	مصباح میں ہے کہ قنوت نازلہ اس وقت پڑھی جائے گی جب لوگوں پر شدید قسم کی مصیبت نازل ہو انتہی، قاموس میں ہے نازلہ کا معنی شدیدۃ انتہی، صحاح میں ہے کہ نازلہ اسے کہتے ہیں جو شدائد دہر میں لوگوں پر نازل ہوں۔ انتہی (ت)

خود مصنّفِ "ضروری سوال" کو اقرار ہے کہ عندنا النازلۃ (سخت مصیبت کے وقت۔ت) کی قید سے ہر سختی سمجھی جاتی ہے باایںہمہ برخلاف اطلاقات علماء اپنی طرف سے خاص فتنہ وفساد وغلبہ کفار کی قید لگانا اور کہنا کہ "ہر ایک نازلہ نہیں" کلام علما میں تصرف بیجا ہے۔

ثانیاً "میں اطلاق سے احتجاج کرتا ہوں" کلمات علماء میں صاف تعمیم موجود ہے عامہ عبارت مذکورہ دیکھئے لفظ نازلۃ یا بلیۃ نکرہ موضع شرط میں واقع ہوا کہ اگر کوئی سختی یا کسی قسم کی بلا آئے تو نماز فجر میں قنوت پڑھے یہ صراحۃً ہر مصیبت ناس کو عام ہے "لما نصوا ان النكرة فی حيز الشرط تعم" (کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ نکرہ شرط کے تحت ہو تو عام ہوتا ہے۔ت) تو زید کا ان کے معنی میں وہ حکم لگادینا کلمات علماء کا بگاڑنا بدلنا ہے۔

ثالثاً ابن حبان نے اپنی صحیح بالتقاسیم والانواع میں بطریق ابراہیم بن سعد عن الزہری عن سعید وابی مسلمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايقنت فی صلٰوة الصبح الا ان يدعوا لقوم او علی قوم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے لئے ان کے فائدے کی دعا فرماتے یا کسی قوم پر ان کے نقصان کی دعا فرماتے۔

فتح القدیر وغنیہ ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا: **وهو سند صحيح**[3] یہ سند صحیح ہے۔ خطیب بغدادی

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۶۳/۲۔۲۶۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، ۱۸۲/۳

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۸۲/۳

نے کتاب القنوت میں بطریق محمد بن عبداللہ الانصاری ثناسعید بن ابی عروبۃ عن قتادہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایقنت الا اذا دعا لقوم اودعا علی قوم[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنوت نہ پڑھتے مگرجب کسی قوم کے لئے یا کسی قوم پر دعافرمانی ہوتی۔

کتب ثلٰثۃ مذکورہ میں ہے: ھذا سند صحیح قالہ صاحب تنقیح التحقیق[2] یہ سند صحیح ہے صاحب تنقیح التحقیق نے اس کی تصریح کی۔ امام زیلعی نصب الرایہ میں یہ دونوں حدیثیں ذکر کرکے فرماتے ہیں:

قال صاحب التنقیح وسند ھذین الحدیثین صحیح وھما نص فی ان القنوت مختص بالنازلۃ[3] ۔	یعنی صاحب تنقیح نے کہاان دونوں حدیثوں کی سند صحیح ہےاور ان میں صاف تصریح ہے کہ قنوت وقت مصیبت کے ساتھ خاص ہے۔

یہ دونوں حدیثیں بھی مطلق ہیں ان میں کوئی تخصیص فتنہ وغلبہ کفار کی نہیں اور شک نہیں کہ مثلارفع طاعون، دفع وبا، زوال قحط کے لئے دعا بھی "دعا لقوم" کے اطلاق میں داخل کہ یہ بھی مسلمانوں کے لئے دعائے نفع ہے، تو صحیح حدیثوں سے اس کا جواب ثابت ہوا۔

فان اعتل بحمل المطلق علی المقید، قلنا لیس ھذا محلہ فان ذکر واقعۃ عین داخلۃ فی اجمال بیان لایحصرہ فیھا عند احد علی انہ انما ھو مسلک الشافعیۃ وانت تظھر من نفسك الاعتماد علی مذھب الحنیفۃ وقد انبأت فی غضون کلامك انك ھھنا بصدد اثبات مذھبھم وصرحت فی اٰخر الرسالۃ انھا علی اصول مذھب	اگر کوئی یہ علت بیان کرے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیاگیا ہے توہم کہیں گے کہ یہ اس حمل کا محل ہی نہیں اگر کوئی مخصوص ایساواقعہ ذکر کرے جوبیان اجمال میں داخل ہو تو اس بات کاحصر مخصوص واقعہ میں کسی کے ہاں درست نہیں، علاوہ ازیں یہ شوافع کامسلک ہے حالانکہ آپ مذہب حنفیّہ پراعتماد کااظہار کررہے ہیں، آپ کی یہ گفتگوآگاہ کررہی ہے کہ آپ احناف کامذہب ثابت کرنے کے درپے ہیں، حالانکہ آخر رسالہ میں آپ نے یہ تصریح کی ہے

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۸۲
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۳/ ۱۸۲
[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایۃ باب احادیث القنوت فی الفجر مطبوعہ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲/ ۱۳۰

امامنا الاعظم ابی حنیفة النعمان رضی الله تعالٰی عنه وعن مقلدیهم اھ بلفظك مع ان الصحیح فی المسئلة الاصولة قولنا فقد اقام ائمتنا علیها براهین لاقیل لاحدبها فیتم الالزام ولایبقی لاحد مجال کلام۔	یہ رسالہ ہمارے امام ابوحنیفہ نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اور ان کے مقلدین کے اصولوں پر ہےاھ یہ تمہارے اپنے الفاظ ہیں باوجودیکہ صحیح مسئلہ اصول میں ہمارا قول ہے ہمارے ائمہ نے اس پر ایسے دلائل قائم کیے ہیں کہ کوئی ان پر قیل وقال نہیں کرسکتا، پس الزام تام ہوا اور اس کے بعد کسی کو کلام کی مجال وطاقت نہیں (ت)

رابعاً مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال ابن حجر اخذ منه الشافعی انه لیسن القنوت فی اخیرة سائر المکتوبات للنازلة التی تنزل بالمسلمین عامة کوباء قحط وطاعون اوخاصة ببعضهم کأسر العالم او الشجاع ممن تعدی نفعه و قول الطحاوی لم یقل به فیها غیر الشافعی غلط منه بل قنت علی رضی الله تعالٰی عنه فی المغرب بصفین اھ و نسبة هذا لقول الی الطحاوی علی هذا المنوال غلط، اذ أطبق علمائنا علی جواز القنوت عند النازلة[1]۔	ابن حجر نے فرمایا کہ امام شافعی نے یہاں سے یہ بات اخذ کی ہے کہ اس وقت تمام فرائض کی آخری رکعت میں قنوت نازلہ پڑھنا سنت ہے جب عام مصیبت مسلمانوں پر مثلاً وباقحط، طاعون نازل ہو یاخاص مصیبت بعض لوگوں پر نازل ہو مثلاً کسی عالم یابہادر جس کے نفع کثیر ہوں، کامقید ہوجانا، اور امام طحاوی کا یہ قول کہ نازلہ میں اس بات کا قول امام شافعی کے علاوہ کسی نے نہیں کیا، یہ ان کی طرف سے غلطی ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام صفین پر مغرب کے وقت قنوت پڑھی ہےاھ اور اس قول کی اس طریق پر امام طحاوی کی طرف نسبت کرنا غلط ہے کیونکہ ہمارے علماء شدید مصیبت کے وقت قنوت نازلہ پر متفق ہیں۔(ت)

اُسی میں ہے:

قال الامام النووی القنوت مسنون	امام نووی نے فرمایا فجر کی نماز میں ہمیشہ قنوت سنت

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۷۸/۳

فی صلٰوۃ الصبح دائما واما فی غیرھا ففیہ ثلثۃ اقوال والصحیح المشھور انہ اذا نزلت نازلۃ کعدوا وقحط اووباء اوعطش اوضرر ظاھر فی المسلمین ونحو ذلك قنتوا فی جمیع الصلوات المکتوبۃ والافلا ذکرہ الطیبی وفیہ ان مسنونیتہ فی الصبح غیر مستفادۃ من ھذا الحدیث[1]۔	ہے اس کے علاوہ باقی نمازوں کے بارے میں تین اقوال ہیں، صحیح اور مشہور یہ ہے کہ جب کوئی شدید مصیبت آئے مثلاً دشمن کا حملہ، قحط، وبا، پیاس یا کوئی ضرر مسلمانوں پر غالب ہو تو تمام فرائض نمازوں میں قنوت پڑھیں ورنہ نہیں، اس کو طیبّی نے ذکر کیا۔ اور اُسی میں ہے کہ اس حدیث سے نماز صبح کے اندر قنوت کی سنت مستفاد نہیں ہو سکتی۔ (ت)

دیکھو مولٰینا علی قاری نے امام ابن حجر مکی سے تصریح صریح نقل فرمائی کہ جس نازلہ کے لئے قنوت پڑھی جاتی ہے وہ وباء وقحط وطاعون وغیرہا سب کو شامل ہے اور امام طیبّی سے انہوں نے امام اجل ابوزکریا نووی سے نقل کیا کہ نازلہ میں قحط ووبا و تشنگی وغیرہا سب داخل ہیں اور ان اقوال کو مسلم ومقرر رکھا اور بعض بیان کہ خلاف مذہب سمجھے اُن پر اعتراض کردیا، اسے برقرار رکھا بلکہ نازلہ کے معنی مذکور نقل کرکے صاف فرمادیا کہ امام طحاوی کی طرف قنوت نازلہ کا انکار، اس طرح نسبت کردینا ٹھیک نہیں کہ اس کے جواز پر تو ہمارے علماء کا اتفاق ہے اس سے صاف مفہوم کہ وہی نازلہ جس کے معنی ابھی بیان ہوچکے کہ قحط ووباء وطاعون سب اس میں داخل ہیں اسی کے لئے ہمارے علماء جواز قنوت کے قائل ہیں۔

خامساً کیوں راہ دور سے نشان معنی مقصود، دیکھئے، کلمات علماء سے صاف صریح تصریحیں لیجئے، اسی مرقاۃ شریف میں ہے:

قال ابن الملك وھذا یدل علی ان القنوت فی الفرض لیس فی جمیع الاوقات بل اذا نزلت بالمسلمین نازلۃ من قحط وغلبۃ عدو وغیر ذلک[2]۔	یعنی علامہ ابن ملک نے فرمایا اس حدیث سے ثابت ہے کہ فرض میں قنوت ہمیشہ نہیں بلکہ خاص اس وقت ہے جب معاذاللہ مسلمانوں پر کوئی سختی آئے، جیسے قحط اور دشمن کا غلبہ وغیرہ۔

علامہ زین العابدین بن ابراہیم بن محمد مصری نے کتاب الاشباہ میں غایہ وشمنی وفتح کی عبارات کہ نوازل میں قنوت روا ہے نقل کرکے فرمایا:

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۱۷۹/۳

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القنوت مطبوعہ مکتبہ امدایہ ملتان ۱۸۱/۳

فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل[1]۔	یعنی ان عباراتِ علما سے ثابت ہوا کہ ہمارے نزدیک بلا سختی کے وقت قنوت پڑھنا ثابت ہے اور وہ یہی ہے کہ اس بلاکے دفع کی دعا کی جائے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ نورالایضاح اور علامہ سید محمد دمشقی نے حاشیہ تنویر میں دفع طاعون کے لئے قنوت پڑھنے کی تصریح فرمائی اور انہیں بحر محقق صاحب بحر کا حوالہ دیا ان کی عبارت ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب آتی ہے اور ثانی نے زیر قول شارح مدقق لایقنت لغیرہ الالنازلۃ (شدید مصیبت کے بغیر قنوت نہ پڑھی جائے۔ت) فرمایا:

قال فی الصحاح النازلۃ الشدیدۃ من شدائد الدھر ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل اشباہ[2]	صحاح میں ہے نازلہ اس مصیبت کو کہا جاتا ہے جو شدائد دہر میں سے ہو، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون شدید ترین مصیبتوں میں سے ہے، اشباہ (ت)

تنبیہ: ان بیانوں سے چند امر روشن ہوئے:

اول: یہ کہ طاعون ووباء اور ان کے مثل ہربلیہ عامہ کے لئے قنوت صحیح حدیثوں کے اطلاقات سے ثابت ہے تو زید یعنی مصنف "ضروری سوال" کا قنوت نوازل کو جائز وثابت مان کر اسے بعض نازلہ سے خاص کرنا اور باقی کی نسبت کہنا جب تک شریعت سے کسی کام کی اصل نہ ملے وہ کام یا تو بدعت ہوگا یا گناہ محض بے معنی ہے کیا اطلاق احادیث اس شخص کے نزدیک کوئی اصل شرعی نہیں کہ اس کے حکم کو بے اصل وگناہ مانتا ہے۔

دوم: قنوت طاعون ووبا کو نہ صرف اطلاقات کلام علما بلکہ ان کی صاف تعمیم میں شامل جن میں خود امام اجل ابوجعفر طحاوی بھی داخل، تو اس کی بناپر زید کا ادعا کہ "نہ اقوال خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت اور نہ ہمارے امام صاحب کے تو ابعین کے اقوال سے، وہ ایک زائد بات ہے" صریح نافہمی ہے۔

سوم: اطلاق وعموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص کما بینہ خاتم المحققین سیدنا الجد قدس سرہ الامجد فی کتابہ المستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (جیسا کہ ہمارے والد گرامی خاتم المحققین قدس سرہ نے اپنی مبارک کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد"

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعا لرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۱۱

میں بیان کیاہے۔ت) مثلاً اس اخیر زمانہ فتن میں طرح طرح کے نشے، قسم قسم کے باجے ایسے پیدا ہوئے جن کی حرمت کا ذکر نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں نہ اقوال ائمہ میں، مگر انہیں حرام ہی کہاجائے گا کہ وہ کل مسکر حرام (ہر نشہ آور شے حرام ہے۔ت) کے عموم اور یہ حدیث **یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف**[1]۔(وہ ریشم، شراب اور مزامیر کو حلال سمجھیں گے۔) وکریمہ **وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ**[2]۔(اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں۔ت) کے شمول واطلاق میں داخل، اب اگر کوئی جاہل کہہ اُٹھے کہ یہ توتم قیاس کرتے ہو احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے تابعین سے، ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بے کار ہے تواس سے یہی کہنا چاہئے کہ اے ذی ہوش! یہ قیاس نہیں بلکہ جب ایک مطلق یا عام احادیث وکلمات علمائے کرام میں وارد ہے تواس کے دائرے میں جوکچھ داخل سب کو وہ حکم محیط وشامل، توثابت ہوا کہ زید کا "ضروری سوال" میں خود ہی یہ سوال قائم کرنا کہ "جب قنوت عندالنازلہ ثابت اور جائز ہوتی توہر قسم کی بلااور مصیبت پر جائز ہونی چاہئے" اور اس کا یہ مہمل جواب دینا کہ "ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بے کار ہے احادیث میں کہیں تصریح نہیں پائی جاتی نہ ہمارے امام صاحب کے توابعین کے اقوال سے" صریح نادانی ہے۔

چہارم: اگر صرف یہی اطلاق وعموم احادیث واقوال ائمہ ہوتے توثابت کہنے کے لئے کافی تھے ایسے مسئلے کوہر گز کذب وبہتان نہیں کہہ سکتے، دوسرے دلائل کی نظر سے راجح اور ارجح کااختلاف دوسری بات ہے مگر آپ اوپر سن چکے کہ طاعون ووباء قحط وغیرہا کے لئے قنوت کی صاف صریح تصریحیں امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم شریف (جن کی جلالت شان پر علمائے جمیع مذاہب حقہ کااجماع ہے) اور امام جلیل شرف الدین حسن بن محمد طیّبی شارح مشکوٰۃ وامام شہاب الحق والدین احمد بن حجر مکی ہاشمی وعلامہ عبداللطیف بن عبدالعزیز شہیر بابن فرشتہ از اجلہ علمائے حنفیّہ ومحقق فقیہ زین بن نجیم مصری عمدہ حنفیہو مولٰینا علی محمد سلطان محمد ہروی قاری مکی حنفی وفاضل جلیل سید احمد مصری طحطاوی حنفی وعالم نبیل سید محمد آفندی شامی حنفی نے فرمائیں اور امام ابن حجر مکی نے اسے امام مجتہد عالم قریش سیدنا امام ابوعبداللہ محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا تو مصنف "ضروری سوال" کاقول کہ "طاعون یاوبا کے لئے قنوت ثابت نہیں وہ ایک قسم کاکذب اور بہتان ہے اگرخطاءً ایساکلمہ بے موقع کسی سے سرزد ہوجائے جناب الٰہی میں توبہ واستغفار جلد کرلے" محض کذب وبہتان اور اب ائمہ کرام وعلمائے اعلام کی جناب میں گستاخی وتوہین شان ہے، زید پر لازم ہے کہ اپنی اس خطااور بے موقع کلمے سے جناب الٰہی میں توبہ واستغفار کرے اگربفرض باطل یہ قنوت نوازل صرف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب ہوتااور ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بالاتفاق اس سے انکار فرماتے توغایت یہ کہ مسئلہ ائمہ مجتہدین کا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

اختلافیہ اور ہمارے مذہب کے خلاف ہوتا، اسے کذب وبہتان کہنا اس حالت میں بھی حلال نہ تھا نہ کہ اس صورت میں کہ خود ہمارے ائمہ وعلماء کے بھی اطلاق وعموم ونصوص سب کچھ موجود، اور اگر اسے خصوص نقل فعل کا منکر ٹھہرایئے تو اول تو یہاں اس کا محل نہیں کہ اس خصوص کا مدعی کون تھا جس کے رد میں زید یہ الفاظ لکھتا۔

ثانیاً اوپر واضح ہوا کہ زید نے اس تحریر "ضروری سوال" میں نہ ہمارے متون مذہب کے ظاہر پر عمل کیا نہ ہمارے شارحین اعلام کا قول لیا بلکہ اپنی طرف سے ایک نیا فتوٰی گھڑ دیا۔

بلی قد وقع مایوھمہ فی کلام بعض ائمۃ الحدیث فی تقریر مذھب الامام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ و فی کلام بعض ائمتنا فی توجیہ مذھب بعض الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم ثم لم یعتمدہ ولاجعلہ مذھب علمائنا ولاذکرہ فی تقریر کلامھم مع انہ قد اثر عنہ التعمیم صریحا فیحتمل ان یکون القصر ھھنا وقع وفاقا لاحصرا وایا ماکان فجعل ھذا مذھبا لنا لاسلف لزید فیہ فیما اعلم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہاں مذہب امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفصیل کرتے ہوئے بعض ائمہ حدیث کے کلام اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب کی توجیہ کرتے ہوئے ہمارے بعض ائمہ کے کلام میں کچھ ایسی گفتگو واقع ہوئی ہے جو ایسا وہم پیدا کرتی ہے پھر اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا نہ ہمارے علماء کا مذہب ہے اور نہ ہی یہ ان کے کلام میں مذکور ہے باوجودیکہ ان کی عموم پر تصریح منقول ہے لہذا ممکن ہے کہ یہاں قصر اتفاقاً واقع ہوگیا ہو اور حصر مقصود نہ ہو، جو بھی ہوا اسے ہمارا مذہب بنادیا گیا میرے علم کے مطابق اس میں زید کے لئے کوئی فائدہ نہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

"ضروری سوال" کے اظہار خطا کو اسی قدر بس تھا، بے حاجت شرعیہ ناقصوں قاصروں کی جہالتوں سفاہتوں کا شمار اپنا شیوہ نہیں **لقولہ تعالٰی وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ** ﴿۱۹۹﴾ (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے کہ جاہلوں سے روگردانی کیجئے۔ت) مگر امور متعلقہ بدین میں بعد سوال سائل بیان امر حق ضروری، اور یہاں مصلحت دینی اس کی طرف داعی کہ جب ایک ایسا بے علم وکم فہم ومشکوک ومتہم شخص اپنے آپ کو مفتی ومصنف بنائے ہوئے ہے اور بعض عوام اسے عالم وقابل اعتماد سمجھتے ہیں تو اس کے پر جہل وناا ہل ہونے کا آشکارا کرنا ان شاء اللہ دین عوام کو نافع اور ضلالت وجہالت میں پڑنے کا دافع ہوگا **وباللہ التوفیق** زید کی ترکیب وبندش الفاظ وانشا واملا میں اگرچہ خطاہائے فاحشہ موجود ہیں مگر ان سے تعرض داب محصلین نہیں

لہذا انہیں چھوڑ کر اس کے باقی کثیر وبسیار اغلاط وجہالت سے صرف بعض کااظہار کیا جاتا ہے:

جہالت ۱: حدیث مذکور ابن حبان کہ زید کے دعوی تخصیص کا صاف رَد تھی براہ نادانی اپنی دلیل بنا کر لکھی اور اس پر فائدہ یہ جمادیا کہ "یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نصرت چاہئے طاعون کے لئے قنوت ثابت نہیں" عقلمند سے پوچھا جائے کہ اس حدیث میں ظلم کفار کی تخصیص کہاں ہے اور اس کے ذکر سے، سواضر رکے تجھے کیا فائدہ حاصل ہوا۔

جہالت ۲: قنوت فجر کے بارے میں ہمارے مشائخ کرام تصریح فرماتے ہیں کہ منسوخ ہے ولہذا حکم دیتے ہیں کہ حنفی اگر فجر میں شافعی کی اقتدا کرے قنوت میں اس کا اتباع نہ کرے کہ منسوخ میں پیروی نہیں، اس قدر تو کلمات علماء متفق ہیں، ہاں محل نظر یہ ہے کہ یہاں عموم نسخ ہے یا نسخ عموم۔ عموم نسخ یہ کہ نازلہ وبے نازلہ کسی حال میں قنوت فجر کی مشروعیت باقی نہیں عموماً نسخ ہوگیا، اور نسخ عموم یہ کہ نازلہ وبے نازلہ ہر حال میں عموماً قنوت کا پڑھا جانا یہ منسوخ ہوا صرف بحالت نازلہ باقی رہا، نسخ عموم پر تو بہت احادیث صحیحہ دلیل ہیں جن کی تفصیل امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمائی اور مسند احمد و صحیح مسلم وسنن نسائی وابن ماجہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت شھرا یدعو علی احیاء من احیاء العرب ثم ترکہ[1] زاد ابن ماجۃ فی صلٰوۃ الصبح[2]۔ وھو عند البخاری فی مغازی بزیادۃ بعد الرکوع وترك ثم ترکہ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مہینے تک نماز صبح میں قنوت پڑھی، عرب کے کچھ قبیلوں پر دعائے ہلاکت فرماتے تھے پھر چھوڑدی۔ ابن ماجہ نے یہ اضافہ کیا کہ نماز صبح میں قنوت پڑھتے تھے۔ بخاری کے مغازی میں یہ اضافہ ہے کہ قنوت رکوع کے بعد تھی "پھر اسے ترک کردیا" کے الفاظ کو انہوں نے ترک کردیا۔ (ت)

اور صحاح ستہ میں بضمن حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ ترک کا سبب نزول آیہ کریمہ

لَیۡسَ لَكَ مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ اَوۡ یَتُوۡبَ عَلَیۡہِمۡ اَوۡ یُعَذِّبَہُمۡ فَاِنَّہُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾ [4] (آپ کے ہاتھ میں معاملہ نہیں چاہے تو

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۷

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۸۹

[3] صحیح بخاری باب غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۵۸۶-۸۷

[4] القرآن ۳/۱۲۸

اللہ تعالٰی ان کی توبہ قبول فرمائے یا انہیں عذاب دے کیونکہ یہ ظالم ہیں۔ت)،

یہاں نظر دو طرف جاتی ہے اگر معنی آیت مطلقًا ممانعت اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترک فرمانا بربنائے ارتقاع شریعت ہو یعنی فجر میں قنوت اصلا مشروع نہ رہی تو عموم نسخ ثابت ہوگا اور اب قنوت نازلہ بھی منسوخ ٹھرے گی، اور اگر معنی آیت ان خاص لوگوں پر دعائے ہلاکت سے ممانعت ہو کہ ان میں بعض علم الٰہی میں مشرف باسلام ہونیوالے تھے اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترک انہیں کے بارے میں ہو، نہ مطلقًا تو صرف نسخ عموم ہی ثابت ہوگا اور قنوت نازلہ مشروع رہے گی، یہی دونوں نظریں امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر پھر ان کی تبعیت سے علامہ محقق حلبی نے شرح کبیر میں افادہ فرمائیں ،ان دونوں کتابوں اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں کہے :

واذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من روایة ابی جعفر (ھو الرازی) ونحوہ (کدینار بن عبداللہ خادم انس رضی اللہ تعالی عنه مازال رسول للہ صلی اللہ تعالی علیه سلم یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا) اما علی الغلط (لان الرازی کثیر الوھم قاله ابوزرعة و دینار وقد قیل فیه ماقیل) او علی طول القیام فانه یقال علیه ایضا او یحمل علی قنوت النوازل ویکون قوله (ا ے قول انس رضی اللہ تعالی عنه) ثم ترك فی الحدیث الاخر (المراد فی الصحاح) یعنی الدعا علی اولئك القوم لامطلقا [1] اھ مختصرا مزید منی مابین ھلالین	جب نسخ ثابت ہو تو اس روایت کو جسے حضرت انس سے ابوجعفر (رازی) یا اس کی مثل دیگر روایات (مثلا: دینار بن عبداللہ حضرت انس کے خادم ہیں سے مروی ہے کہ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم وصال تک فجر کی نماز میں قنوت پڑھتے تھے) یا غلطی پر محمول کیا جائے گا (کیونکہ بقول رازی ابوزرع کثیر الوہم ہیں، اور دینار کے بارے میں بھی جو کچھ کہا یا ہے وہ ہی کچھ ہے) یا طول قیام پر محمول کیا جائے گا کیونکہ قنوت کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے یا اسی قنوت نازلہ پر محمول کیا جائے گا اور ان (حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ) کا قول دوسری حدیث (جو صحیح میں موجود ہے) میں کہ پھر اسے ترک کردیا گیا یعنی قوم کے خلاف دعا ترک کردی نہ کہ ہر دعا اھ اختصارا اور میری طرف سے وہ اضافہ ہے جو ہلالین کے درمیان ہے (ت)

[1] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۷۹/۱، مرقاۃ شرح مشکوۃ باب القنوت الفصل الثانی مطبوعہ مکتبۃ امدادیہ ملتان ۱۸۲/۳

نیز کتابین مذکورین میں ہے:

فیجب کون بقاء القنوت فی النوازل مجتهدا فیه وذلك ان هذا الحدیث (ای حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه بطریقی حماد بن ابی سلیمان وابی حمزة القصاب عن ابراهیم عن علقمة عنه قال لم یقنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الصبح الاشهرا ثم ترکه لم یقنت قبله ولابعده ولفظ حماد لم یر قبل ذلك ولابعده) لم یؤثر عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قوله ان لاقنوت فی نازلة بعد هذه، بل مجرد العدم بعدها فیتجه الاجتهاد بان یظن ان ذلك انما هو لعدم وقوع نازلة بعدها تستدعی القنوت فتکون شرعیة مستمرة وهو محمل قنوت من الصحابة بعد وفاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم، او ان یظن رفع الشرعیة نظرا الی سبب ترکه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو انه لما نزل قوله تعالٰی لیس لك من الامر شیئ ترك۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔ هـ بزیادة[1]۔

مصائب کے وقت قنوت پڑھنے کو باقی رکھنے کے معاملے کو اجتہادی قرار دیناواجب ہے کیونکہ یہ حدیث (یعنی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ دو طریقوں سے مروی ہے حماد بن ابی سلیمان، ابوحمزہ قصاب نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں قنوت پڑھا پھر آپ نے اسے ترک فرمادیا اس سے پہلے بھی آپ نے قنوت فجر میں کبھی نہ پڑھی اور نہ بعد میں۔ حماد کے الفاظ یہ ہیں کہ اس سے پہلے بھی نہ دیکھا اور نہ بعد میں اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے کہ شدید مصیبت میں اس کے بعد قنوت نہیں پڑھی جائے گی بلکہ اس کے بعد محض عدم منقول ہوا لہٰذا اس معاملہ میں اجتہاد ہوگا بایں طور کہ غالب گمان ہے کہ اس کے بعد کوئی ایسی شدید مصیبت ہی نازل نہ ہوئی جو قنوت کا تقاضا کرتی لہٰذا قنوت دائماً جائز ہوگی اور یہی محمل ہے اس قنوت کا جو حضور علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے منقول ہے یا بایں طور کہ گمان یہ ہے کہ اس کا جواز ختم ہونا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ترک کے باعث ہے، سبب یہ کہ جب اللہ تعالٰی کا قول لیس لک من الامر شیئ نازل ہوا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو ترک کردیا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم اھ بزیادۃ۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب الصلوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

روشن علم تو یہ ہے مگر مصنف "ضروری سوال" کی سخت نافہمی کہ دو متنافی باتوں کو ایک کر دیا اور کچھ نہ سمجھا، خود اسی کا ایک کلام دوسرے کو رَد کر دے گا مسلک تو وہ اختیار کیا کہ قنوت نازلہ باقی ہے منسوخ نہیں اگرچہ نازلہ کے معنی خاص فتنہ وفساد وغلبہ کفار کے لئے ایک جگہ لکھا عندالنازلہ بدعت نہیں مداومت بدعت اور دین میں نیاکام ہے۔ پھر لکھا "دلیل اوپر نسخ قنوت کے مداومت کے طوپر اور دلیل واسطے جواز قنوت کے عندالنازلہ" پھر لکھا مداومت کے طور پر منسوخ اور عندلنازلہ غیر منسوخ"۔ اور مزے سے وہی آیہ کریمہ اور وہی حدیث بحوالہ صحیحین ذکر کرکے کہہ دیا "اسی آیت سے اور حدیث متفق علیہ سے نسخ قنوت عموماً ثابت ہوا سوائے قنوت وترکے" ذی ہوش سے پوچھا جائے کہ اس حدیث سے کس چیز پر قنوت مذکور تھی، نازلہ پر اور نزول آیت کس قنوت کے بارے میں ہوا، قنوت نازلہ میں، اگر آیت وحدیث سے اس کا نسخ ثابت مانتا ہے تو قنوت نازلہ کہاں باقی رہی، وہ ہی تو صراحۃً ان سے منسوخ ہوئی، یہ طرفہ تماشا ہے کہ وہی منسوخ وہی باقی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جہالت ۳: حدیث طارق اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ در بارہ انکار قنوت فجر (جس طرح معمول شافعیہ ہے) نسائی نے اس طرح روایت کی کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نماز پڑھی کسی نے قنوت نہ پڑھی وہ بدعت ہے[1]۔ اور ترمذی وابن ماجہ نے یوں کہ ان کے صاحبزادے سعد ابومالک نے اُن سے پوچھا آپ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں کیا وہ فجر میں قنوت پڑھتے تھے؟ فرمایا: نئی نکالی ہوئی ہے۔[2]۔ ایک ہی حدیث مضمون، ایک ہی صحابی ایک ہی مخرج اور مصنف "ضروری سوال" نے اسے بلفظ اول ذکر کرکے نسائی وابن ماجہ وابن ترمذی سب کی طرف نسبت کیا اور لفظ دوم کو بے نسبت چھوڑ کر کہہ دیا: "ان دونوں حدیثوں میں لفظ بدعت اور محدث کا وارد ہے"۔ ایسی حدیث کو دو حدیثیں کہنا اصطلاح فقہادر کنار اصطلاح محدثین پر بھی ٹھیک نہیں آسکتا یہ زید کی بے خبری وغفلت ہے۔

جہالت ۴: قنوت مذکورہ ائمہ شافعیہ وائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حدیث مذکور سے بدعت بتاکر آگے حاشیہ جمایا: "اور حکم بدعت کا یہ ہے کہ کل محدث بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار" (ہر نو پیدا چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں جائے گی۔ت) قطع نظر اس سے کہ

---

[1] سنن النسائی باب لعن المنافقین فی القنوت مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/۱۲۸

[2] جامع الترمذی باب فی ترک القنوت مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۳، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلوٰۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۹

جملہ اولیٰ حکم بدعت نہیں، حکم بہ بدعت ہے، اجتہادیات ائمہ دین کو ایسے احکام کا مورد قرار دیں کیسی بے باکی وجرأت ہے حاشا ائمہ کرام اہلسنت کا کوئی مسئلہ ضلالت وفی النار کا مصداق نہیں وہ سب حق وہدایت و سبیل جنت ہے۔

جہالت ۵تا۸: حدیث عاصم بن سلیمن ذکر کی:

قلنا لانس بن مالك ان قوما يزعمون ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یزل یقنت فی الفجر فقال کذبوا انما قنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهرا واحدا یدعو علی احیاء من احیاء المشرکین[1]۔	اور اس کا ترجمہ کیا "ہم نے پوچھا انس بیٹے مالک سے یہ کہ مقرر ایک قوم گمان کرتی ہے یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ قنوت پڑھتے تھے نماز فجر میں، سو جواب دیا مالک نے کہ وہ لوگ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ قنوت پڑھی آپ نے مہینہ ایک، سو بھی بددعا کرنے کو اوپر قبیلوں کے قبیلوں سے مشرکین کے"۔

اوّلاً محاورہ عرب میں زعم بمعنی مطلق قول بھی شائع یہاں تک کہ صحیح حدیث میں زعم جبریل تک واقع۔

ثانیاً کلام نا محقق یاخلاف تحقیق بھی مراد ہو تو یہ حکم اس قائل کے نزدیک ہوتا ہے جو اسے بلفظ زعم تعبیر کرتا ہے اس سے یہ مستفاد نہیں کہ وہ زاعم خود بھی اسے مشکوک یا مظنون سمجھتا ہے، زید نے زبردستی یزعمون کے معنی یہ بنالئے کہ جو قنوت فجر کی بقا کے قائل ہیں خود ہی اسے شک وگمان کے مرتبے میں جانتے ہیں اور اسی بناپر کذبوا کا ترجمہ کیا "کہ وہ اپنے گمان میں جھوٹے ہیں" یہ نیوجما کر اب اس پر فائدہ جڑا، اس حدیث سے یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ زمانہ تابعین میں قنوت کا فقط گمان ہی گمان تھا یقینی امر نہ تھا، پس جتنی روایات ان روایات کے مخالف ہیں وہ سب ظنیات ہونی چاہئیں **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**۔ افسوس کہ جو کہنا چاہا تھا وہ بھی کہہ نہ جانا عقلمند سے پوچھا جائے کہ قائلان قنوت مالکیہ وشافعیہ نے کس دن کہا تھا کہ قنوت فجر یقینی ہے یا مانعان قنوت حنفیہّ وحنبلیہ کب کہہ سکتے ہیں کہ عدم قنوت قطعی ہے مسائل اجتہادیہ دونوں طرف ظنیات ہوتے ہیں پھر یہ کون سا فائدہ آپ نے نکالا اور اس سے بحث میں کیا نفع حاصل ہو۔

ثالثاً اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان قوما یزعمون میں لفظ قوم نکرہ حیز اثبات میں ہے جس کا مفاد صرف اس قدر ہوگا کہ کچھ لوگ طور وہم بقائے قنوت مانتے ہیں اسے کب لازم ہوا کہ زمانہ تابعین میں سب قائلان قنوت اسے اسی درج میں جانتے ہیں۔

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ بحوالہ قصاب باب القنوت فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۱۸۲، مسند احمد بن حنبل ۳/ ۱۶۷ مسلم شریف ۱/ ۲۳ بخاری شریف ۱/ ۱۳۶

جہالت ۹: حدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن القنوت فی الفجر[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قنوت فجر سے منع فرمایا:

جس میں تین راوی ضعیف و شدید الضعیف ہیں ذکر کرکے تضعیف رواۃ کا جواب دیا کہ "امام صاحب کی تحقیق کو وہ مانع نہیں۔

"دوم: یہ کہ انس بن مالک نے بدعت اور محدث کہا تو گمان یہ ہوسکتا ہے کہ آپ کو اس نہی کی ضرور خبر ہوگی اگرچہ بدعت اور محدث کی جگہ لفظ نہی کا نہ ذکر کیا ہو اور اسی پر اکتفا کیا، قطع نظر اس سے کہ بدعت یا محدث کے قائل حضرت طارق اشجعی ہیں نہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما تو پیدا کہنے سے اس گمان کی راہ کدھر سے ملی ضرور انہیں اس نہی کی خبر ہوگی، انہوں نے صراحۃً نوپیدا ہونے کی وجہ ارشاد فرمادی تھی کہ میں نے سید عالم و خلفاء کرام صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم سب کے پیچھے نماز پڑھی، اے فرزند! وہ نئی نکلی ہے اس میں نہی پر اطلاع کی بو بھی نہیں نکلتی، نہ کہ اس سے گمان ہو کہ ضرور نہی معلوم ہوگی بلکہ انصافاً اس سے یہی متبادر کہ نہی یا تو واقع ہی نہ ہوئی یا ہوئی تو انہیں خبر نہ تھی ورنہ عدم فعل کا ذکر نہ کرتے صاف جواب دیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اسے منع فرماچکے ہیں، جواب مسئلہ میں دلیل اقوی کا ترک کیوں کیا جاتا۔

جہالت ۱۰: ایک حدیث کی سند ذکر کی: عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور ترجمہ میں بھی لکھا "اس نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی "عنہما" سے۔ عالم صاحب کو اتنی خبر نہیں کہ صحابیت درکنار مسعود سرے سے مسلمان ہی نہ ہوا، جاہلیت میں مرا۔ اُسے رضی اللہ تعالٰی عنہ میں شامل کرنا کیسی جہالت اور دانستہ ہو تو سخت تر آفت۔

جہالت ۱۱: آگے لکھا فتح القدیر میں تحت حدیث عبداللہ بن مسعود کے بیان کیا ہے چنانچہ

لم یکن انس نفسہ یقنت فی الصبح کما رواہ الطبرانی واذا ثبت النسخ وجب حمل الذی عن انس من روایۃ ابی جعفر اما علی الغلط او علی طول القیام، فانہ یقال علیہ ایضا فی الصحیح عنہ علیہ الصلٰوۃ	خود حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فجر میں قنوت نہیں پڑھتے تھے اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور جب نسخ ثابت ہوگیا تو وہ روایت "حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ جو ابو جعفر سے مروی ہے یا تو اسے غلطی پر محمول کیا جائے گا یا طول قیام پر

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القنوت فی صلٰوۃ الفجر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۹

والسلام افضل الصلٰوۃ طول القنوت ای القیام[1]	کیونکہ حدیث صحیح میں اس پر قنوت کااطلاق موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز میں افضل ترین عمل طول قنوت یعنی قیام ہے۔(ت)

قطع نظراس سے کہ تحت حدیث فلاں یازیرآیت چناں اہل علم کے محاورہ میں اس معنی پر بولاجاتا ہے کہ اس آیت وحدیث کی تفسیر وشرح یااس کی بحث میں ایسا کہا، یہاں مبحوث عنہ حدیث ابی جعفر رازی ہے اسی کے تحت اسی کی بحث میں حدیث ابن مسعود وحدیث طبرانی وغیرہما مذکور ہیں نہ کہ ایک دوسرے کے تحت میں عبارت فتح کاصاف مطلب جسے ہر حرف شناس عربی بے تکلف پہلی ہی نگاہ میں سمجھ لے یہ ہے کہ حدیث ابی جعفر میں جو دوام قنوت مذکور ہوا ممکن ہے کہ وہاں قنوت سے طول قیام مراد ہو کہ لفظ قنوت اس معنی پر بھی بولاجاتا ہے دیکھو حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ بہتر نماز طول قنوت ہے یعنی جس میں قیام دیر تک ہو۔ مصنف "ضروری سوال "ایسی سلیس عبارت کے واضح معنی کو خاک نہ سمجھا لفظ ایضا کو کہ صراحۃً "**یقال**" کی طرف ناظر تھا اس سے قطع نظر کرکے مابعد سے ملایا اور"**ایضا فی الصحیح**" کوسند جداگانہ ٹھہرایا وللہذا لفظ "**ایضا**" پر نشان (—) کہ علامت فعل ہے لگایااور عبارت کاترجمہ یوں فرمایا" کیونکہ وہ لفظ قنوت کامقرر بولاگیاہے اوپر طول قیام کے، اور بھی بیچ حدیث کے وہ لفظ قنوت کاآیاہے جومروی ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہ افضل ترین نمازوں کی وہ نماز ہے جس میں قنوت یعنی قیام دراز ہو"۔اس جہالت کی کچھ حد ہے اور ذرا یہ حسن ادا بھی قابل لحاظ کہ "بیچ صحیح حدیث کے وہ لفظ قنوت کاآیاہے" گویایہاں اس کی بحث تھی کہ حدیث میں کہیں لفظ قنوت آیا ہی نہیں۔

جہالت ۱۲: اسی عبارت فتح کے آخر میں تھا:

والاشکال نشأ من اشتراك لفظ القنوت بین ماذکر وبین الخضوع والسکوت والدعاء وغیرھا[2]	یہاں اشکال قنوت کے ان معانی میں اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوا ہے یعنی مذکورہ شیئ (طول قیام) خضوع، سکوت اور دعاوغیرہ کے درمیان لفظ قنوت مشترک ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۷۷

یہاں ماذکر سے مراد وہی طول قیام تھا اور اس کے معطوفات خضوع وسکوت ودعا وغیرہا یعنی قنوت کا لفظ جبکہ ان سب معانی پر بولا جاتا ہے اس وجہ سے حدیث ابی جعفر میں قائلان قنوت فجر کو اشتباہ پیش آیا اس سے سمجھ لئے حالانکہ مراد طول قیام تھا کہ ہمیشہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز فجر میں قیام طویل فرمایا یہ ایسے صاف معنی ہیں کہ عربی کا ہر مبتدی بے تامل سمجھ لے، اب مصنف صاحب کا علم دیکھئے عبارت صرف "ماذکر" تک نقل کی اور ترجمہ فرمادیا "اور جو مشکلیں پیدا ہوئی ہیں وہ لفظ قنوت کے مشترک المعنی کے سبب اور وجہ سے بیان اس چیز کے جو مذکور ہوئی یعنی اپنے محل پر پورا ہوا ترجمہ فتح القدیر کی عبارت کا" گویا آپ کے نزدیک بین صرف شے واحد پر داخل ہوتا ہے معطوف کی حاجت ہی نہیں ماذکر کے معنی یہ کہ اپنے محل پر مذکور ہوئی ہے اسی پر مطلب تمام ہوگیا۔

جہالت ۱۳: سوال قائم کیا "جب نسخ قنوت ثابت ہوا تو عندالنازلہ جواز کہاں رہا" اور اس کے جواب میں لکھا "جواب بصورت اجمالیہ اجماعیہ یہ ہے فی فتح القدیر وترونوافل کی بحث میں **قولہ ان مشروعیۃ القنوت فی لنازلۃ مستمرۃ لم تنسخ**[1] الخ تحقیق کے جائز ہونا قنوت کا بیچ وقت سختی منسوخ نہیں" فتح القدیر سے استناد اور قنوت نازلہ کے اجماعی ہونے کا ادعا بکف چراغ دارد کا تماشا ہے فتح القدیر کی اس عبارت میں صراحۃً فرمایا کہ نازلہ میں بقائے قنوت مجتہد فیہ ہے منسوخ ہونا نہ ہونا دونوں طرف نظر جاتی ہے **وقد تقدم نصہ فی بیان الجہالۃ الثانیۃ** (اس کے الفاظ کا تذکرہ جہالت نمبر ۲ میں ہوچکا ہے۔ت) اسی عبارت منقولہ زید کے بعد بلافصل فرمایا تھا۔"**وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث**[2]۔(محدثین کی ایک جماعت نے یہی قول کیا ہے۔ت) کہاں ایک گروہ محدثین کا قول ہونا اور کہاں اجماع۔

جہالت ۱۴: "جو قنوت دونوں حضرات نے نماز فجر میں پڑھی وہ بارادہ اصلاح ذات البین کے تھی نہ بددعا" بددعا نہیں مگر دعائے وصول مکروہ، اور شک نہیں کہ فریقین میں ہر ایک کو اپنی مغلوبی مکروہ ہوئی ہے اور شک نہیں کہ دونوں جماعتیں اپنا غلبہ مانگتی تھیں مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں امیر المومنین مولٰی کریم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

انہ لماقنت فی صلٰوۃ الصبح انکر الناس علیہ فقال انما استنصرنا علی عدونا[3]۔	جب انہوں نے نماز فجر میں قنوت پڑھی تو لوگوں نے آپ پر اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا ہم نے دشمن پرمدد مانگی ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۹

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایقنت فی الفجر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۳۱۸

محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

قال ابراھیم (ھو النخعی) وان اھل الکوفة انما اخذوا القنوت عن علی رضی الله تعالٰی عنه قنت یدعو علی معویه حین حاربه، واما اھل الشام فانما اخذوا القنوت عن معویة رضی الله عنه قنت یدعو علی رضی الله عنه حین حاربه قال محمد وبقول ابراھیم ناخذ وھوقول ابی حنیفة[1]۔	حضرت ابراہیم (نخعی) نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کوفہ نے قنوت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اخذ کی ہے کیونکہ انہوں نے اس وقت قنوت پڑھی جب حضرت معاویہ سے ان کی جنگ ہوئی، اور اہل شام نے حضرت معاویہ سے قنوت اخذ کی ہے کیونکہ وہ بھی جنگ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت قنوت پڑھا کرتے تھے، امام محمد نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کے قول پر ہمارا عمل ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے۔(ت)

جہالت ۱۵: "بعید نہیں کہ اُن حضرات نے قنوت اس مضمون کی پڑھی ہو" کہ اللھم اصلح بیننا وبین قومنا فانھم اخواننا بغوا علینا (اے اللہ! ہمارے اور قوم کے درمیان صلح پیدا فرما کیونکہ وہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کردی ہے۔ت) امیر المومنین کی طرف سے یہ قنوت محتمل کیا امیر معاویہ بھی معاذاللہ امیر المومنین کو باغی سمجھتے تھے یہ نرا جاہلانہ افترا ہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صاف تصریح بسند صحیح موجود ہے کہ مجھے خلافت میں نزاع نہیں نہ میں اپنے آپ کو مولٰی علی کا ہم سر سمجھتا ہوں،

وانی لاعلم انه افضل منی واحق بالامر ولکن لستم تعلمون ان عثمان قتل ظلما وانا ابن عمه وولیه اطلب بدمه[2]۔ رواه یحیی بن سلیمن الجعفی استاذ الامام البخاری فی کتاب صفین بسند جید عن ابن مسلم الخولانی۔	میں خوب جانتا ہوں کہ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ مجھ سے افضل واحق بہ امامت ہیں مگر تمہیں خبر نہیں کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ ظلماً شہید ہوئے میں اُن کا ولی اور ابن عم ہوں اُن کا قصاص مانگتا ہوں۔ اسے امام بخاری کے استاد یحیٰی بن سلیمن الجعفی نے کتاب صفین میں سند جید کے ساتھ ابو مسلم خولانی سے روایت کیا ہے۔

[1] کتاب الآثار باب القنوت فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۴

[2] کتاب صفین

جہالت ۱۶: خود ہی سوال میں لکھا"جب قنوت عندالنازلہ جائز ہوئی توہر مصیبت پر جائز ہونی چاہئے جس طرح قلّت باراں وسیلاب، نازلہ، آندھی، امراض مختلفہ خاص کروبا اور طاعون کہ وہ اشدالنازلہ ہے"اور جواب دیا"ہمارا تمہارا قیاس بیکار ہے ان مصیبتوں کے لئے شارع علیہ السلام نے جداجدا طریقہ بتادیا اور اُن کا حکم بھی سنادیا چنانچہ کتب فقہ ان سے مملو ہیں الخ"اس کو قیاس بتانے کی جہالت اوپر مذکور ہوچکی مگر طاعون کو خود"اشدالنازلہ"لکھنے سے رہاسہا اور بھی جہل کا پردہ کھول دیا، جب قنوت نازلہ ثابت اور طاعون سب سے سخت تر نازلہ ہے تواس کے لئے بدلالۃ النص قنوت ثابت اور دلالۃ النص سے اثبات کو قیاس بتانا سخت جہالت، اب مصنف"ضروری سوال"کی مثال اس ذی ہوش کی طرح ہے جس سے کہا جائے والدین کو مارنا حرام ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: **لاتقل لھما اُف** ماں باپ سے"ہوں"نہ کہہ۔جب ہوں کہنے ممانعت ہے تو مارنا اس سے سخت تر ہے بدرجہ اولٰی منع ہے وہ کہے"ہمارا تمہارا قیاس مسائل فقہیہ دینیہ میں بیکار ہے"قرآن مجید میں تو کہیں والدین کو مارنے کی ممانعت نہیں **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم**۔

جہالت ۱۷: قطع نظر اس سے قلّت وکثرت باراں وسیلاب وزلازل وریاح وامراض مختلفہ سب کے لئے جداجدا طریقہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہاں بتایا، اگر اس بیان پر مصنف سے مطالبہ کیاجائے توخود ہی اپنی جہالت کااقرار کرناپڑے، بالفرض جداجدا طریقے ارشاد بھی ہوئے ہوں توسب کے لئے ایک طریقہ عامہ ہونے کی کیامنافی ہے، پھر اس باب سے سوا اپنے اظہار علم اور کیاحاصل ہوا،

جہالت ۱۸: اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے کہ ۹۹۹ھ نوسوننانوے میں مصرالقاہرہ میں لوگوں نے مجھ سے پوچھا تھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے، سومیں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا، چنانچہ:

قولہ سئلت عنہ فی الطاعون سنۃ تسع و تسعین وتسعمائۃ بالقاھرۃ فاجبت بانی لم ارہ صریحا[1]۔	ان کا قول کہ قاہرہ میں مجھ سے طاعون کے وقت قنوت پڑھنے سے متعلق ۹۹۹ھ میں سوال کیاگیا تو میں نے جواباً کہا اس پر تصریح میرے مطالعہ میں نہیں آئی۔(ت)

صاحب اشباہ رحمہ اللہ کاانتقال ہشتم رجب ۹۷۰ھ کو ہوا۔علامہ حموی شرح اشباہ فن ثانی کتاب الوقف میں نقل فرماتے ہیں:

قدتوفی المصنف رحمہ اللہ لثمان مضین	مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات رجب ۹۷۰ھ

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعالرفع الطاعون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۶۲۔۲۶۱

من رجب سنة سبعين وتسعمائة[1]۔	میں ہوئی(ت)

آپ ۹۹۹ھ کاواقعہ اُن سے لکھوار ہے ہیں حقیقۃً اشباہ میں یہاں سنة تسع وستین وتسعمائة یعنی ۹۶۹ھ نوسوانہتر جسے آپ ۹۹۹ھ بتارہے ہیں۔

جہالت۱۹: اور پھر بیان کیا(یعنی صاحبِ اشباہ نے) کہ اگر کوئی قنوت پڑھاچاہے تو اکیلا دورکعت نماز نفل کی نیت کرکے پڑھے چنانچہ

یقنت للطاعون لانه اشد عــہ۱ النوازل بل ذکره عــہ۲ انه یصلی رکعتین فرادی وینوی رکعتی عــہ۳ لدفع الطاعون[2]۔	قنوت پڑھے واسطے طاعون کے مقرر وہ بڑی سخت ہے سختیوں سے مگر جماعت سے نہ پڑھے بلکہ پڑھے دودور کعتیں اکیلے اکیلے اور نیت کرے دورکعت نفل کی واسطے دفع طاعون، پوراہوا حاصل مطلب اشباہ والے کا۔

قطع نظراس سے کہ یہ عبارت اشباہ کی نہیں بلکہ صاحب اشباہ سے ناقل عــہ۴ کی ہے اوراس میں بل ذکرکی ضمیر خود

عــہ۱: "ضروری سوال" میں یونہی لکھااوراسی غلطی کی بناپر طاعون کوخود بھی اشدالنازلہ کہاحالانکہ اشباہ میں من اشد النوازل ہے ۱۲ (م)

عــہ۲ :هکذا بخطه وصوابه بل ذکر ۱۲(م)	یہ ان کی تحریر ہےاور درست "بل ذکر " ہے(ت)
عــہ۳ : هکذا بخطه وصوابه رکعتین (م)	یہ ان کی تحریر ہے درست "رکعتین" ہے۔(ت)
عــہ۴ : ظاہراً کہیں طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح دیکھنے کو مل گئی اس میں انہوں نے فرمایاتھا: النوازل، بل ذکر انه یصلی له رکعتین فرادی وینوی رکعتا رفع الطاعون[3]۔	اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جائے کیونکہ یہ شدید مصائب میں سے ہے بلکہ یہ ذکر کیاکہ دورکعات الگ الگ ادا کی جائیں اور ان کی نیت طاعون کے دفع کے لئے دورکعات کی کی جائے۔(ت) یہ صاحب اپنی خوش فہمی سے سمجھے کہ یہ سب عبارت فی الاشباہ کے تحت میں داخل ہے ۱۲(م)

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ فن ثانی، کتاب الوقف مطبوعہ ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ فن ثانی، کتاب الوقف مطبوعہ ادارۃالقرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

صاحب اشباہ کی طرف ہے جسے آپ نے چنانچہ کہہ کر عبارت اشباہ ہونے کااشعار کیااور بل ذکر کا مطلب کچھ نہ بنالہٰذا اسے ترجمہ سے خارج کردیا طرفہ سخت جہالت فاحشہ یہ ہے کہ دو رکعت پڑھنے کے مسئلہ کو مسئلہ قنوت کا تتمہ بنادیا کہ "قنوت پڑھا چاہے تو اکیلادو رکعت نفل کی نیت کرکے پڑھے" اور اسی لئے اپنی طرف سے ترجمے میں "مگر" تراش لیا کہ "مگر جماعت سے نہ پڑھے" حالانکہ کوئی کم علم بھی عبارتِ اشباہ خواہ عبارت مذکورہ ناقل عن الاشباہ دیکھ کر کسی طرح اس جہالت کا گمان بھی نہ کرے گا، اشباہ میں تو قنوت طاعون ثابت فرما کر نماز طاعون کا مسئلہ ہی جدا شروع فرمایااور جداگانہ دلیلوں سے اس کا ثبوت دیا۔

حیث قال صرح فی الغایة بانه اذا نزل بالمسلمین نازلة قنت الامام فی صلٰوۃ الفجر فالقنوت عندنا فی النازلة ثابت ولا شك ان الطاعون من اشد النوازل وفی السراج الوھاج قال الطحاوی لایقنت فی الفجر عندنا من غیربلیة فان وقعت فلاباس به کذا فی الملتقط انتھی فان قلت ھل بله صلٰوۃ قلت ھو کالخسوف لما فی منیة المفتی فی الخسوف والظلمة فی النھار واشتداد الریح والمطروالثلج والافزاع وعموم المرض یصلی وحدانا انتھی ولاشك ان الطاعون من قبیل عموم المرض فتسن له رکعتان فرادی[1] اھ مختصرا	الفاظ یہ ہیں کہ غایہ میں تصریح ہے کہ جب مسلمانوں پر کوئی بڑی مصیبت اُترے توامام نماز فجر میں قنوت پڑھے، پس بڑی مصیبت کے وقت قنوت ہمارے نزدیک ثابت امر ہے اور بیشک طاعون بڑی مصیبتوں میں سے ہے السراج الوہاج میں ہے کہ طحاوی نے فرمایا کہ بغیر کسی مصیبت کے ہمارے نزدیک فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے اور اگر کوئی مصیبت نازل ہوجائے توپڑھنے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ ملتقط میں ہے انتہی اگر آپ پوچھیں کہ اس کے لئے نماز ہے تومیں کہتاہوں کہ طاعون کا معاملہ خسوف کی طرح ہی ہے۔ منیۃ المفتی کے باب الخسوف میں ہے کہ سخت تاریکی، شدید طوفان، شدید بارش یا شدید ژالہ باری، شدید خوف یامرض عام لاحق ہوجائے تو تنہا نماز ادا کریں، انتہی، اوراس میں کوئی شک نہیں کہ طاعون ایسی مرض ہے جوعام لوگوں کولاحق ہوجاتی ہے لہٰذا اس کے رفع کے لئے بھی دو رکعات تنہاادا کرنا سنت ہوگا اھ مختصراً (ت)

اور ناقل نے بھی بل ذکر لکھ کراسے جدا کردیا تھا مگر جب آدمی کو سہل سہل عبارت کا ترجمہ سمجھنے کی لیاقت نہ ہو تو مجبور ہے۔

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

جہالت ۲۰: اس سے بھی سخت تر جہالت یہ کہ صاحب اشباہ کا مطلب وہ ٹھہرایا "کہ طاعون میں قنوت کی تصریح کہیں نہیں، میں حکم نہیں کرسکتا" اور عبارت یہ نقل کی کہ **یقنت للطاعون** جس کا آپ ہی ترجمہ کیا کہ "قنوت پڑھے واسطے دفع طاعون کے"۔ کیوں حضرت! کیا یہ حکم نہ ہوا، واقعہ جو بزرگوار اپنا لکھا آپ نہ سمجھ سکے پورا معذور ہے، یہ سردست بیس جہالتیں ہیں اور شروع کلام میں **اولاً** سے **خامساً** اور اس کے تنبیہ میں اول سے چہارم تک جو سخت وجوہ قاہرہ سے "ضروری سوال" کی بطالتیں جہالتیں ثابت کی گئیں انہیں شامل کیجئے تو یہاں تک **۲۹ جہالات** شدیدہ بیان ہوئیں اب **تیسویں جہالت** سب سے بڑھ کر سفاہت ملاحظہ ہو "ضروری سوال" کی ساری محنت و جانکاہی اپنے اس ادائے باطل کے اثبات کو تھی کہ فتنہ وغلبہ کفار کے سوا طاعون وغیرہ نوازل کی قنوت کذب باطل وبہتان بے ثبوت وگناہ وبدعت وضلالت وفی النار ہے جو اسے ثابت مانے اس پر حکم تعجیل توبہ واستغفار ہے ساڑھے پانچ ورق کی تحریر میں دس صفحے اسی مضمون میں سیاہ کئے یہ سب کچھ لکھ لکھا کر اب چلتے وقت حاشیہ پر ایک فائدہ کا نشان دیا "**ف** زمانہ طاعون میں نماز پڑھنے کی ترکیب" اور متن میں لکھا "**ھذہ الکیفیۃ لصلٰوۃ الطاعون** (یہ نماز طاعون کا طریقہ ہے۔ت) پہلے دل میں نیت کرکے زبان سے کہے نویت ان اصلی للّٰہ تعالٰی رکعتین صلٰوۃ النفل لدفع الطاعون متوجھا الی جھۃ الکعبۃ الشریفۃ اللہ اکبر (میں اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے رفع طاعون کی خاطر، دو رکعات ادا کرتا ہوں اس حال میں کہ میں کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ت) پھر دوسری رکعت کے آخر میں رکوع عـــہ۱ رکوع میں جو قنوت ماثور عـــہ۲ ہو پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے، اور اگر ایسی قنوت اس کو یاد ہی نہ ہو تو ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وقنا ربنا عذاب النار پڑھے یہ آیہ وافی ہدایہ جامع جمیع ادعیہ کی ہے"۔ اللہ تعالٰی دلوں کے ارادے سب جانتا ہے چلئے وہ اگلا پچھلا لکھا لکایا بھولنا درکنار یہی یاد نہ رہا کہ "ضروری سوال" کی تحریر کس غرض کے لئے تھی کس بات کا دعوٰی، کا ہے سے انکار تھا، اپنے زعم میں جنت کا راستہ کیا طریق نار تھا خود ہی کذب وبہتان بنانے لگے ضلالت وفی النار کی ترکیبیں بنانے لگے، یارب مگر اسے اختلال حواس کے سوا کیا کہئے، طرفہ یہ کہ اوپر سوال قائم کیا تھا "بارادہ دفع طاعون وو با کون سی قنوت ہے" اور جواب دیا تھا "کہیں پتا نہیں"۔ اب حکم ہوتا ہے کہ قنوت ماثورہ پڑھے کہ مشتمل ہو اوپر طاعون کے"۔ اب خدا جانے کہاں سے اس کا پتا لگ گیا۔ **تصحیف اغلاط** یعنی عبارت کچھ ہے اور پڑھیں کچھ، یوں تو زیادت ونقص وتبدیل ہر قسم کی خطا اس "ضروری سوال" میں، موجود ہے یہیں

عـــہ۱ یہ ترکیب بھی نئی ہے قنوت میں علماء مختلف ہیں کہ قبل رکوع ہے یا بعد، آپ فرماتے ہیں خود رکوع میں پڑھے ۱۲ (م)

عـــہ۲ تحریر زید میں یونہی ہے جیسے کچہریوں میں پیچ کو پیچ مقبولہ لکھتے ہیں۔ ۱۲ (م)

"قنا ربنا عذاب النار" کو آیت بنادیا حالانکہ قرآن عظیم میں قنا کے بعد لفظ ربنا کہیں نہیں، من اشد النوازل سے من اڑاکر طاعون کو 'اشد النازلۃ' کہااوراپنے ہی پاؤں پر تیشہ مارا عبارت اشباہ میں سبعین کو تسعین بنایا مگر زیادہ اظہار علم کو تصحیفین یہ ہیں شیبان بن فروخ کو اصل عبارت سند اور ترجمہ دونوں میں شیبان بن فرخ عــہ۱ لکھا یہ نام صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن نسائی میں خداجانے کتنی جگہ آیا ہے اگر یہ کتابیں پڑھی ہوتیں تو ایسی غلطی نہ ہوتی اللھم اشدد وطأتك علی مضر دو جگہ آیا دونوں جگہ وطائک بہمزہ عــہ۲ بجائے تا بنایا، اور قبیلہ قارہ کو کہ یہ لفظ بھی دو جگہ وارد ہوا تھا دونوں جگہ صاف فارہ عــہ۳ بحرف فا بجائے قاف تحریر کیا۔ اور سب میں اخیر کالطیفہ یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مناجات مروی ہے:

اللھم لاقابض لما بسطت ولاباسط لما قبضت ولا ھادی لما ضللت ولامضل لمن ھدیت، ولا معطی لما منعت و لامانع لما اعطیت، ولا مقرب لما باعدت ولامباعد لما قربت۔[1]	اے اللہ! جس چیز کو تونے کشادہ کیا اسے کوئی سمیٹنے والا نہیں، اور جسے تونے بند کردیا اسے کوئی کھولنے والا نہیں اور جس کو تونے ہدایت دی اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو تونے گمراہ کیا اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اور جو تونے عطا کیا اسے کوئی روکنے والا نہیں، اور جو تونے روک لیا اسے کوئی عطا کرنے والا نہیں، اور جس کو تونے دور کردیا اس کو قریب کرنے والا کوئی نہیں، جس کو تونے قریب کیا اسے دور کرنے والا کوئی نہیں۔ (ت)

آپ اسے لکھتے ہیں اللھم لاقابض لما بسطت ویاباسط لماقبضت۔ اہل علم کی غلطی اس طرح کی نہیں ہوتی، اتنا بھی نہ سمجھا کہ یوں ہوتا تو یاقابضا لما بسطت ویاباسطا لماقبضت نصب کے ساتھ ہوتا نہ بالضم کہ بوجہ حصول معمول کلمہ شبہہ مضاف ہو کر مفرد نہ رہا اور نصب واجب ہوا کقولك یاطالعا جبلا ویاخیرا من زید' اور یہ جو حدیث نقل کی جس میں یہ مناجات مذکور ہوئی

عــہ۱: یعنی چوزہ ۱۲(م) عــہ۲: یعنی نشیب ۱۲(م) عــہ۳: یعنی چوہا ۱۲(م)

[1] مسند الامام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ الزرقی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۲۴، در منثور تحت آیت ولکن اللہ حبب الیکم الایمان مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۶/ ۸۹، کنزالعمال غزوہ احد حدیث ۳۰۰۴۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۳

علمائے ناقدین اسے سخت منکر بتاتے ہیں، یہاں تک کہ امام ذہبی فرماتے ہیں: **اخاف ان لایکون موضوعا** میں ڈرتا ہوں کہیں موضوع نہ ہو۔ خاتم الحفاظ امام جلیل سیوطی جمع الجوامع میں اسے نقل کرکے لکھتے ہیں' اغلاط ترجمہ' گزری جہالتوں کے بیان میں، متعدد جگہ واضح ہوا کہ زید کو سیدھی سادی عربی سمجھنے اور اس کا ٹھیک ترجمہ کرلینے کی استعداد نہیں اور میں ایسے ترجموں کا شاکی بھی نہیں کہ ان یدعو لقوم اور علٰی قوم کے ترجمے میں لکھا: "واسطے دعا کرنے کے کسی قوم کے لئے یا اوپر بددعا کرنے کے کسی قوم پر "یا" سندہ صحیح "کا ترجمہ "سند اس حدیث کی بہت صحیح ہے" یا "**عن ابی مالك سعد بن طارق الاشجعی**" کا ترجمہ "روایت کی مالک سعید بیٹے طارق اشجعی نے"، لطیف خوش فہمیوں کے ترجمے وہ ہیں جن کا بیان جہالات ۵و۸۶و۱۱۰و۱۱۲و۱۱۹ میں گزرا علی الخصوص ثلثہ اخیرہ۔ اور اسی قبیل سے ہے: **اللھم انج الولید بن الولید ومسلمة بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعة و المستضعفین من المؤمنین وغفار غفر اللہ لھا واسلم سالمھا اللہ**عـــہ[1] کا ترجمہ "اے پروردگار خلاصی بخش ولید اور مسلمہ اور عیاش کو اور ناتواں مومنوں کو اور قبیلہ غفار کو مغفرت کرے اللہ اُن کی اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے اللہ ان کو یعنی شر سے اعدا کے غفار غفراللہ لہا واسلم سالمہا اللہ" دو مستقل جملے جداگانہ خبریہ یا دعائیہ ہیں۔

عـــہ: سالمھا اللہ کا ظاہر ترجمہ اللہ نے اُن سے صلح کی، **علیه درج فی اشعة اللمعات وفی الصراح مسالمة مصالحة وفی القاموس سالما صالحا وفی تاج العروس ومنه الحدیث اسلم سالمها اللہ وھو من المسالمة و ترك الحرب وفی مجمع البحار اسلم سالمها اللہ ھو المسالمة وترك الحرب**۱۲(م)

اسی معنی کو اشعۃ اللمعات میں بیان کیا، اور صراح میں ہے مسالمۃ، مصالحۃ کو کہتے ہیں اور قاموس میں ہے سالما کا معنی صالحا ہے اور تاج العروس میں ہے کہ اسی سے حدیث اسلم سالمھا اللہ ہے۔ اس کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے اور مجمع البحار میں ہے اسلم سالمھا اللہ کا معنی صلح جوئی اور جنگ نہ کرنا ہے۔ ۱۲(ت)

[1] صحیح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ قدیم کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶، عمدۃ القاری شرح بخاری باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۷/ ۲۶

اقول: والاول عندی اولی لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسلم سالمھا اللہ وغفار غفر اللہ لھا اما واللہ ماانا قلتہ ولکن اللہ[1] قالہ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ واحمد والطبرانی فی الکبیر والحاکم عن سلمۃ بن الاکوع وابوبکر بن ابی شیبۃ عن خفاف بن ایماء الغفاری وابویعلی الموصلی عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

اقول: میرے نزدیک پہلا احتمال اولٰی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلم سے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی، خبردار! خدا کی قسم میں نے یہ بات خود نہیں کی لیکن اللہ تعالٰی نے فرمائی ہے۔ اس کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اور طبرانی نے کبیر میں اور امام حاکم نے سلمہ بن اکوع اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے خفاف ابن ایماء غفاری سے اور ابویعلی موصلی نے ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

مصنف "ضروری سوال" نے اپنی نادانی سے غفار و اسلم کو ولید پر معطوف اور انج کے نیچے داخل سمجھا گویا یہ قبائل انصار بھی مثل ولید و سلمہ و عیاش و ضعفائے مومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ اجمعین دست کفار میں گرفتار تھے ان سب کی نجات کے لئے دعافرمائی جاتی تھی حالانکہ یہ حدیث اس حدیث سے جُدا ہے صحیح بخاری شریف صفۃ الصلٰوۃ میں بے ذکر غفار و اسلم صرف حدیث اول روایت فرمائی اور استسقا میں کہ اسے اس کے ساتھ روایت کیا صاف فصل بتادیا

حیث قال عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا رفع رأسہ من الرکعۃ الاخرۃ یقول اللھم انج عیاش بن ابی ربیعۃ اللھم انج سلمۃ بن ھشام اللھم انج الولید بن الولید اللھم انج المستضعفین من المؤمنین اللھم اشدد وطأتك علی مضر

جہاں فرمایا، ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام آخری رکعت سے سر اٹھاتے تو یہ کہتے اے اللہ! نجات دے عیاش بن ابی ربیعہ کو، اے اللہ! نجات دے سلمۃ بن ہشام کو، اے اللہ نجات دے ولید بن ولید کو، اے اللہ! نجات دے مومنین میں سے ضعیفوں کو، اے اللہ! تو اپنی سخت گرفت فرما مضر پر، اے

---

[1] صحیح مسلم باب من فضائل غفار واسلم الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۰۶، مسند احمد بن حنبل حدیث سلمہ بن الاکوع مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۴۸

اللھم اجعلھا اسنین کسنی یوسف وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غفار غفراللہ لھا واسلم سالمھا اللہ تعالٰی [1]۔	اللہ ! ان پر قحط مسلط فرما جس طرح یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط ہوا۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: غفار کے لئے اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی ہے اور اسلم سے اللہ تعالٰی نے صلح فرمائی ہے۔(ت)

فتح الباری و عمدۃ القاری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری میں ہے:

قولہ وان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ حدیث اخروھو عند (البخاری) بالاسناد المذکور کانہ سمعہ ھکذا فاوردہ کما سمعہ زاد العینی وقد اخرجہ احمد کما اخرجہ البخاری [2]۔	قولہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ (یہ دوسری حدیث ہے اور یہ بخاری کے ہاں مذکورہ سند سے ہی مروی ہے، گویا انہوں نے اسی طرح سن کر شامل کرلیا۔ اور عینی نے یہ بات زیادہ لکھی کہ اس کو امام احمد نے بھی تخریج کیا جس طرح اس کو امام بخاری نے تخریج کیا۔(ت)

ذی ہوش نے یہ بھی نہ دیکھا کہ روایت میں غفار مرفوع ہے نہ منصوب نہ ولید پر عطف کیونکر ممکن **اغلاط روایت** "ضروری سوال" میں واقعہ بئر معونہ بطور خود ذکر کیا جسے بے اصل اغلاط سے بھر دیا، خلاصہ عبارت یہ ہے ایک عامر بیٹا مالک کا دو گھوڑے دو ۲ اونٹ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہدیہ لایا حضور نے فرمایا ہم کافر کا ہدیہ قبول نہیں کرتے، وہ اسلام تو نہ لایا مگر انکار بھی نہ کیا اور بولا اے حبیب خدا! میرے پیچھے ایک قوم ہے آپ چند اصحاب ہمراہ دو تو امید کہ وہ سب مسلمان ہو جائیں، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستر یا چالیس جوان انصار عـــہ سے جو سب کے سب قرآن مجید کے حافظ تھے عامر کے ہمراہ کردیئے اور ایک راہبر بھی ہمراہ ہولیا ان

عـــہ: سب انصاری نہ تھے بعض مہاجر تھے خمیس میں ہے: کان اکثرھم من الانصار واربعۃ من المھاجرین [3] (ان میں اکثر انصار تھے اور چار مہاجرین۔ت) (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۶

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۷/ ۲۶، فتح الباری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۱۰، ارشاد الساری ابواب الاستسقاء باب دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۳۶

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر الی بئر معونۃ مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

پر منذر کو سردار کیا اور بنام عامر بن طفیل ایک خط لکھوا کر حوالہ منذر کے کر دیا، یہ صحابہ بئر معونہ کے قریب پہنچ کر وہیں قیام کیا پھر ایک شخص کے ہاتھ وہ خط عامر بن طفیل کے پاس بھجوادیا، جب وہ خط عامر بن طفیل نے پڑھا آگ کا شعلہ بن گیا اور جھپٹ کر خط پہنچانے والے کو قتل کرڈالا، پھر اپنے تمام حلیفوں اور قبیلوں کی کمک کے ساتھ اُن صحابہ کو قتل کرڈالا اور منذر کو زندہ قید کرلیا، قطع نظر اس سے **اوّلاً** عامر بن مالک ابوبراء نے "اے حبیب خدا" ہر گز نہ کہا کہ یہ خاص کلمہ اسلامی تھا۔

ثانیاً: ہمراہ ہولیا" سے ظاہر یہ کہ بطور خود ساتھ ہولیا حالانکہ حدیث میں ہے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مطلب سلمی رضی اللہ تعالٰیعنہ کو رہبری کے لئے ہمراہ فرمادیا تھا۔

فقد اخرج الطبرانی من طریق عبداللّٰه ابن لهیعة عن ابی الاسود عن عروة قال ثم بعث النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم المنذر بن عمروالساعدی وبعث معه المطلب السلمی لیدلهم علی الطریق، الحدیث ذکر فی الاصابة فی ترجمة المطلب[1]۔	طبرانی نے اس کی تخریج عبداللہ بن لہیعہ کے طریق سے انہوں نے ابوالاسود انہوں نے عروہ سے روایت کیا، کہا کہ پھر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے منذر بن عمروالساعدی کو بھیجا اور ان کے ساتھ مطلب اسلمی کو بھی بھیجا تاکہ ان کو راستہ بتائیں، الحدیث۔ اس کو الاصابہ میں مطلب کے عنوان کے تحت ذکر کیا۔ (ت)

ثالثاً فرمان اقدس خاص بنام عامر بن طفیل نہ تھا بلکہ رؤسائے نجد و بنی عامر کے نام تھا، خمیس میں ہے: وکتب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مدارج میں ہے: اکثر ایشاں انصار بودند وبعضے از مہاجراں[2] (ان میں اکثر انصار تھے اور کچھ مہاجر تھے۔ت) نیز خمیس میں ہے:

لم یکن القراء المذکورون کلهم من الانصار بل کان بعضهم من المهاجرین مثل عامر بن فهیرة مولی ابی بکر الصدیق ونافع بن بدیل بن ورقاء الخزاعی وغیرهما رضی اللّٰه تعالٰی عنهم[3]۔	مذکور تمام اقراء انصار نہ تھے بلکہ کچھ مہاجر بھی تھے، جیسا کہ عامر بن فہیرہ مولٰی ابوبکر الصدیق اور نافع بن بدیل بن ورقاء خزاعی وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم مہاجر تھے۔(ت)

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ الطبرانی ترجمہ عبدالمطلب السلمی ۸۰۲۹ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۳

[3] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر بن عمروالی بئر معونۃ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

کتابا الی رؤساء نجد وبنی عامر [1] (اور آپ نے نجد کے رئیسوں اور بنی عامر کے نام خط لکھا۔ت) مدارج میں ہے:
مکتوبے بروسائے نجد وبنی عامر نوشت [2]۔

رابعاً حافظ قرآن کے اگر یہ معنی کہ قرآن مجید سے کچھ یاد تھا تو اس میں ان صحابہ کی کیا خصوصیت، انہیں قُرّاء نام رکھنے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی اور اگر یہ مراد کہ جس قدر قرآن عظیم اس وقت اُترا وہ سب اُن سب کو یاد تھا تھا تو اس کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ انہیں قراء کہنے کی وجہ یہ کہ شب کو درس وتلاوتِ قرآن مجید میں بکثرت مشغول رہتے۔ صحیح بخاری ف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: یتدارسون القراٰن باللیل ویصلون [3] (رات کو قرآن مجید اور نماز پڑھتے۔ت) عمدۃ القاری کتاب الجهاد باب العون بالمدد میں ہے: سموابه لکثرة قراءتهم [4] (قراء اس لئے انہیں کہا گیا کہ کثرت سے قرآن پاک پڑھتے تھے۔ت)

خامساً عامر بن طفیل کے خاص اپنے قبیلہ بنی عامر نے ہر گز کمک نہ دی بلکہ صاف انکار کر دیا کہ تیرا چچا عامر بن مالک انہیں اپنی پناہ میں لے چکا ہے ہم اس کا ذمہ ہر گز نہ توڑیں گے۔ مواہب لدنیہ میں ہے:

استصرخ علیهم بنی عامر فلم یجیبوه، وقالوا لن تخفرا باٰبراء، وقد عقد لهم عقداً وجواراً [5]۔	عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو عامر قبیلہ کو مدد کے لئے آواز دی پس انہوں نے مدد سے انکار کیا اور انہوں نے صاف کہہ دیا ہم تیرے چچا ابو براء کا معاہدہ نہیں توڑیں گے کیونکہ اس نے ان مسلمانوں کو پناہ دینے کا معاہدہ کر رکھا ہے۔ت)

---

[1] تاریخ الخمیس سریۃ المنذر بن عمرو الی بئر معونہ مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[2] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۳

[3] صحیح بخاری کتاب الجهاد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۱، صحیح بخاری کتاب المغازی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲، مسند احمد بن حنبل از مسند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۳۵ و ۲۷۰۔ شرح الزرقانی علی المواہب سریہ بئر معونہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح بخاری باب العون بالمدد مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۴/ ۳۱۰

[5] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶

ف: صحیح بخاری میں یہ حدیث دو جگہوں پر منقول ہے اس میں یتدارسون کی جگہ یحطبون کا لفظ ہے البتہ بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ حدیث شرح الزرقانی میں موجود ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ **نذیر احمد سعیدی**

سیرت ابن ہشام میں ہے:

استصرخ علیهم بنی عامر فابوا ان یجیبوه الی مادعالهم الیه وقالوا لن نخفر ابی اخر مامر[1]۔	عامر بن طفیل نے مسلمانوں کے خلاف بنو عامر کو اپنی مدد کے لئے پکارا تو انہوں نے اس کی مدد کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ ہم تیرے چچا کا معاہدہ نہیں توڑیں گے الخ۔ (ت)

خمیس میں ہے:

استصرخ عامر بن الطفیل بنی عامر علی المسلمین فامتنعوا وقالوا لانخفر ذمة ابی براء عمک[2] الخ۔	عامر بن طفیل نے بنو عامر کو مسلمانوں کے خلاف کاروائی کے لئے آواز دی تو انہوں نے انکار کیا اور کہا تیرے چچا ابو براء کے ذمہ کو نہیں توڑیں گے الخ۔ (ت)

مدارج میں ہے: تمامہ بنی عامر از جنگِ مسلمانان ابا آوردند[3] (تمام بنو عامر نے مسلمانوں سے جنگ کرنے سے انکار کردیا۔ ت)

سادساً: عامر بن طفیل کا حامل فرمان اقدس حرام بن ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کرنا بھی خلاف تحقیق ہے بلکہ ان کا قاتل اور شخص تھا کہ بعد کو سلام لے آیا کما رواہ الطبرانی عن ثابت البنانی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه (اس کو طبرانی نے ثابت بنانی سے انہوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ ت) اور عدو اللہ عامر بن طفیل کفر پر مرا کما فی صحیح البخاری عن اسحق بن ابی طلحة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه (جیسا کہ صحیح بخاری میں اسحق بن ابی طلحہ سے انہوں نے انس بن مالک سے روایت کیا۔ ت) صحیح بخاری شریف میں ہے:

جعل یحدثهم فاومأ والی رجل فاتاه من خلفه فطعنه[4]۔	یعنی حرام رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کافروں کو پیام اقدس پہنچاتے اور ان سے باتیں فرمارہے تھے کہ انہوں نے کسی کو اشارہ کیا اس نے پیچھے سے آکر نیزہ مارا۔ (ت)

امام حافظ الشان عسقلانی نے فتح الباری میں فرمایا: لم اعرف اسم الرجل الذی طعنه[5] مجھے اس

---

[1] سیرت ابن ہشام سریہ بئر معونہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۸۵

[2] تاریخ الخمیس، سریہ المنذر الی بئر معونہ، مطبوعہ موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[3] مدارج النبوۃ سریہ بئر معونہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۴

[4] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۶

[5] فتح الباری شرح البخاری غزوۃ الرجیع ورعل وذکوان الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۸/ ۳۹۱

نیزہ مارنے والے کا نام معلوم نہ ہوا۔ زرقانی شرح مواہب میں ہے:

فی الطبرانی من طریق ثابت عن انس ان قاتل حرام بن ملحان اسلم وعامر بن الطفیل مات کافرا کما تقدم انتھی من الفتح[1]۔	طبرانی میں ثابت کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حرام بن ملحان کا قاتل مسلمان ہوگیا اور عامر بن طفیل کفر پر مرا جیسا کہ پہلے فتح الباری سے گزرا انتہی۔(ت)

سابعاً: ان سب سے قطع نظر کے بعد اس میں ایک غلطی یہ ہے کہ "جب وہ خط عامر نے پڑھا آگ بگولہ ہوگیا"۔ کتب سیر میں تصریح ہے کہ اس خبیث نے فرمان اقدس تک نہیں۔ سیرت ابن اسحٰق و سیرت ابن ہشام و مواہب لدنیہ میں ہے: لما اتاہ لم ینظر الی الکتاب[2] (جب اسے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا خط ملا تو اس نے خط نہ پڑھا۔ت)

ثامناً: سخت غلطی فاحش یہ ہے کہ "منذر کو زندہ قید کرلیا" حالانکہ منذر رضی اللہ تعالٰی عنہ عین معرکہ میں شہید ہوئے، معالم التنزیل ف میں ہے:

قتل المنذر بن عمرو اصحابه الاثلثة نفر کانوا فی طلب ضالة لھم[3] الخ	منذر بن عمرو اور اس کے ساتھی شہید ہوئے صرف وہ تین بچے جو ایک گم شدہ کی تلاش میں گئے تھے الخ۔(ت)

مدارج میں ہے:

تمام اصحاب شہید شدند الامنذر بن عمرو باو گفتند اگر خواہی ترا امان دہیم اوامان ایشاں راقبول نہ کرد و با ایشاں مقاتلہ کرد تا شہید شد[4]۔	تمام صحابہ شہید ہوگئے مگر منذر بن عمرو کو انہوں نے کہا اگر تو چاہے تو ہم تجھے امن دیں مگر اس نے ان کا امن قبول نہ کیا اور ان سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔(ت)

سیر تین ابنائے اسحاق وہشام میں ہے:

لما رأوھم اخذوا سیوفھم ثم قاتلوھم حتی قتلوا من عند اخرھم یرحمھم اللہ	جب کفار نے مسلمانوں کو دیکھا تو کفار نے ان سے تلواریں چھین لیں اور پھر ان کو شہید کردیا مگر انہوں نے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب سریہ بئر معونہ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۷۶

[2] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶، تاریخ الخمیس سریہ منذر بن عمرو الی بئر معونہ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] معالم التنزیل

[4] مدارج النبوۃ، سریہ بئر معونہ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴۴

ف: معالم التنزیل میں منذر بن عمرو کا ذکر دو جگہ (ص ۴۱۷ و ۴۴۸) پر نظر سے گزرا ہے وہاں یہ عبارت نہیں مل سکی البتہ تاریخ الخمیس میں معالم التنزیل کے حوالے س بعینہٖ یہی عبارت نقل کی ہے اس لئے تاریخ الخمیس سے حوالہ نقل کیا ہے۔ نذیر احمد

الا کعب بن زید اخابن دینار بن النجار فانھم ترکوہ وبہ رمق فارتث من بین القتلی فعاش حتی قتل یوم الخندق شھیدا یرحمہ اللہ[1]	کعب بن زید، دینار بن نجار کے بھائی کو زخمی حالت میں چھوڑ دیا اور لاشوں میں سے وہ زندہ رہے اور بعد میں وہ اپنی زندگی میں جنگ خندق میں شریک ہوئے اور وہاں وہ شہید ہوئے، رحمہ اللہ تعالٰی (ت)

مواہب میں ہے: قتلوا الی اخرھم الا کعب بن زید[2] الخ (انہوں نے سب کو شہید کردیا صرف کعب بن زید زندہ بچے الخ۔ت) خمیس میں ہے: قتلوا من عند اخرھم الا کعب بن زید[3] الخ (انہوں نے کعب بن زید کے علاوہ سب کو موقعہ پر شہید کردیا الخ۔ ت) خود حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی۔

ان اخوانکم لقوا المشرکین فاقتطعوھم فلم یبق منھم احدوانھم قالوا ربنا قومنا انا قدرضینا ورضی عنا ربنا فانا رسولھم الیکم قدرضوا ورضی عنھم[4] رواہ الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تمہارے بھائی مشرکین سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے ان میں سے کوئی نہ بچا اور انہوں نے شہید ہوتے ہوئے یہ دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہماری طرف سے ہماری قوم کو یہ پیغام پہنچادے کہ ہم اللہ تعالٰی سے راضی ہوئے اور اللہ تعالٰی ہم سے راضی ہوا، حضور علیہ السلام نے فرمایا میں ان کا پیغام تمہیں پہنچارہاہوں کہ وہ بھی اور اللہ بھی راضی ہوا۔ اس کو حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

فریب دہی عوام: جہالت واغلاط کثیرہ کے ساتھ فریب دہی عوام بھی "ضروری سوال" میں ضرور ہے:

فریب ۱: حدیث مذکور ابن حبان ذکر کی جو صراحةً مطلق تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح میں قنوت نہ پڑھتے مگر جب کسی قوم کے نفع یا ضرر کی دعا فرمائی ہوتی تو مصنف "ضروری سوال" نے اس کا ترجمہ لکھ کر معاً جوڑ لگادیا "یعنی سوا اس کے پیمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور کسی مصیبت پر قنوت نہیں پڑھتے تھے" جس سے عوام سمجھیں حدیث مین کسی خاص مصیبت کا ذکر ہے اسی کے لئے قنوت پڑھنے کا ثبوت ہے

---

[1] سیرت ابن ہشام سریہ بئر معونہ، مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۵

[2] مواہب لدنیہ سریہ بئر معونہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶

[3] تاریخ الخمیس سریہ بئر معونہ مطبوعہ مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۴۵۲

[4] المستدرک علی الصحیحن کتاب الجہاد قول الشہداء ربنا بلغ الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۱

باقی بے ثبوت، اس مغالطے سے جو فائدہ اٹھانا چاہا اسے یہیں ظاہر بھی کر دیا کہ "اب یہاں سے سمجھا گیا کہ کفار ظلم کریں تو نماز فجر میں نصرت چاہے، طاعون یا وبا کے لئے قنوت ثابت نہیں" حالانکہ ہر ابجد خواں عربی بتا سکتا ہے یہ محض دھوکا دیا ہے حدیث میں اصلاً کسی مصیبت خاص کا نام نہیں جس کے غیر پر نفی قنوت ہو۔

فریب ۲: قنوت نازلہ خود بھی غیر منسوخ مانی اگرچہ خاص ایک نازلے میں۔ اب جو اس پر سند پیش کرنی ہوئی تو علامہ طحطاوی و علامہ شامی و محقق سامی بحر طامی صاحب اشباہ نامی کا دامن پکڑا کہ "چنانچہ حاشیہ در مختار طحطاوی و علامہ شامی و اشباہ والنظائر وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے" حالانکہ اوپر واضح ہو چکا کہ یہ علمائے کرام تو نہ صرف تعمیم نوازل بلکہ خاص طاعون ہی کے لئے قنوت ثابت کرتے ہیں جس کے سبب معاذاللہ اس شخص کے نزدیک کذب و بہتان میں پڑے ہیں ان کے کلام پورے طور پر نقل نہ کرنا درکنار جو عبارت ان کے نام سے نقل کی اس میں دو کارروائیاں کیں، ایک یہ کہ خود ان کے ترجمہ کلام میں وہ الفاظ ملا دیئے جو اپنے ساختہ مذہب کے مطابق تھے، دوسرے یہ کہ ایک عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اس کلام سے ملا دی اور سب کا ایک ساتھ ترجمہ کر دیا جس سے ناواقف کو دھوکا ہو کہ یہ سارا کلام ان علمائے کا ہے، وہ نقل و ترجمہ ملخصاً یہ ہے: "وغیرہ وغیرہ نے اس کی تصریح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ

وقدقنت ابوبکر الصدیق وعمر وعلی ومعٰویة فالقنوت فی النازلة ثابت فافهم واغتنم قلت والمراد بالنازلة هناك هوالذی مذکور فی الاحادیث ولایقاس علی غیرہ واللہ اعلم۔	ترجمہ اور مقرر قنوت پڑھی ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور حضرت علی اور حضرت معٰویہ نے پس قنوت بیچ واقع ہونے سختی اور فتنہ اور فساد اور غلبہ کفر اشرار کے ثابت ہے سو سمجھ اور غنیمت جان، اب کہتا ہوں میں کہ مراد نازلہ سے اس جگہ وہی نازلہ مراد ہے جو مذکور ہوا ہے حدیثوں میں، اور نہیں عـــہ خیال کیا جاوے گا اوپر غیر اس نازلہ کے اعنی ہر ایک نازلہ نہیں"۔

ترجمہ اصل میں "فتنہ وفساد و غلبہ کفار اشرار" لفظ بڑھا دیئے کہ نرے بے علم کہیں دیکھو جو بات مولوی صاحب نے کہی تھی وہی ان کتابوں میں لکھی ہے ورنہ اصل عبارت علماء میں نہ ان لفظوں کا اصلاً پتا نہ اس غرض فاسد کے سوا ترجمہ میں اس پیوند کا کوئی منشا، پھر قلت سے آخر تک ایک عبارت عربی گھڑ کر عبارت سے ملا دی اور اس کا ترجمہ اردو کیا کہ ناواقف کم علم جانیں یہ قلت اُنہی علمانے فرمایا ہے

عـــہ اس خوبی علم کو دیکھئے کہنا یہ مقصود ہے کہ لایقاس علیہ غیرہ اور نازلہ اس پر قیاس نہ کیا جائے گا اور کہا یہ کہ لایقاس علی غیرہ نہ قیاس کیا جائے گا اوپر غیر اس نازلہ کے۔ (م)

ورنہ یہ کہیں کادور نہیں کہ اردو رسالے میں جو بات اردو ہی زبان میں ظاہر کرنی ہو اسے پہلے عربی میں بولیں پھر اپنی عربی کی اردو کریں اور کلام علماء میں قلّت ہزار جگہ ہوتا ہے تو صاف اسی طرف ذہن جائے گا کہ یہ کلام بھی اُنہی کا ہے۔

فریب ۳: اشباہ میں فرمایا تھا:

فائدۃ فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنه فاجبت بانی لم اره صریحا[1]۔	یعنی فائدہ طاعون دور ہونے کی دعا میں، مجھ سے اس کا سوال ہوا تھا میں نے جواب دیا کہ اس کی تصریح میں نے نہ دیکھی۔

پھر غایہ شمنی وفتح القدیر کی وہ عبارتیں نقل فرمائیں کہ نازلہ کی قنوت پڑھے، پھر فرمایا:

فالقنوت عندنا فی النازلة ثابت، ولاشك ان الطاعون من اشد النوازل[2]۔	یعنی ان عبارات سے واضح کہ ہمارے نزدیک بلا میں قنوت ثابت ہے اور شک نہیں کہ طاعون سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

پھر اس دعوے کے ثبوت کو کہ نازلہ ہر شدت وسختی کو عام ہے مصباح وقاموس وصحاح کی عبارات مذکورہ سابق نقل فرمائیں پھر عبارت سراج وہاج وملتقط وکلام امام طحاوی ثبوت مؤکد قائم فرمایا کہ جو کوئی بلا ہو اس کے لئے قنوت پڑھنے میں حرج نہیں کسی عاقل غیر مجنون کے نزدیک اس کلام کے معنی سوا اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھی جانے کو فرمارہے ہیں، لاجرم علامہ سید شرف طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں فرمایا:

فی الاشباه یقنت للطاعون لانه من اشد النوازل[3]۔	یعنی اشباہ میں ہے کہ طاعون کے لئے قنوت پڑھے اس لئے کہ وہ سخت تر بلاؤں میں سے ہے۔

اب مصنف "ضروری سوال" کی سنئے "اشباہ والنظائر والے صاحب نے فرمایا ہے لوگوں نے مجھ سے پوچھا طاعون میں قنوت پڑھنے سے سو میں نے جواب دیا کہ صریح مسئلہ اس کا کہیں نہیں دیکھا میں حکم کر نہیں سکتا"۔ اول تو سوال خاص قنوت طاعون سے ہونا بنادیا کہ جو جواب گھڑا جائے گا وہ بالتخصیص صراحۃً اسی پر وارد ہو، پھر جواب میں یہ لفظ اپنی طرف سے بڑھادیئے کہ "میں حکم کر نہیں سکتا" حالانکہ عبارت اشباہ

---

[1] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۱

[2] الاشباہ والنظائر فائدہ فی الدعاء لرفع الطاعون مطبوعہ مطبع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۶۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی باب الوتر مطبوعہ نور محمد تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

میں اس کا وجود مفقود بلکہ بالتصریح اس میں قنوت کا حکم دینا موجود، اسے کس درجہ کی تحریف وبددیانتی ومغالطہ وفریب دہی کہا چاہئے والعیاذ باللہ رب العلمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

مخالفت توبہ نامہ خود اس "ضروری سوال" سے بھی پیدا **اولاً** اس میں اپنے طرفداروں کے ایک رسالے کی نسبت لکھا تھا کہ "اُس میں سادات کرام وعلمائے عظام کی شان وعظمت کے خلاف الفاظ رکیکہ برتتے گئے ہیں واقعی یہ کمال درجے کی بے ادبی میرے طرفداروں سے تو گویا مجھی سے ہوئی میں للہ اُن کل حضرات بابرکات سے معافی چاہتا ہوں خواہ حضرات سادات وعلماء اہل سورت خواہ اہل بمبئی خواہ آفاقی" وہاں تو آج کل کے علما کو جو آپ کے طرفداروں نے کچھ الفاظ رکیکہ لکھے اس سے معافی چاہی ور "ضروری سوال" ہیں خود آپ اکابر سابقین علمائے عظام وفقہائے کرام وسادات فخام مثل امام نووی وامام ابن حجر وامام طیبّی و علامہ ابن ملک ومحقق زین العابدین ابن نجیم ومولینا علی قاری مکی وسید علامہ شامی وامثالہم کو معاذاللہ کذب وبہتان کی طرف نسبت فرمارہے ہیں شاید یہ الفاظ رکیکہ نہ ہوں گے۔

ثانیاً: اس میں لکھا تھا "واللہ باللہ میں مذاہب اربعہ کو سچے دل سے حق مانتا ہوں" یہاں صراحۃً قنوت فجر کو کہ مذہب امام مالک وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے بدعت وضلالت وفی النار بتایا ادھر قنوت طاعون ووبا کو کذب وبہتان ٹھہرایا، شراح حنفیّہ سے قطع نظر بھی کیجئے تو ائمہ شافعیہ کے یہاں اس کی صریح تصریحیں موجود، اور امام ابن حجر مکی نے خود مام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان مذہب میں اسے ذکر فرمایا۔

ثالثاً: اسی میں لکھا تھا: "جمہور علماء کا اتباع اختیار کیا اولیائے کرام نذرونیاز عرفی میں جبکہ فقہائے کرام نے تصفیہ کردیا ہے اور مستحسن کررکھا ہے تو ہم انہی کی پیروی کریں یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے لیکن بندہ اپنے پرانے خیالات سے باز آکر اولیاء کی نذرونیاز عربی جو فی زمانناخاصما عوام میں مروج ہے کہ اس کو مستحسن جانتا ہوں سوائے اس کے میری تصانیف میں جو بات خلاف اقوال جمہور علما ہو اس کو واپس لیتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ آئندہ علمائے کرام کے مخالف کوئی مسئلہ نہیں کہوں گا" اور یہاں نہ ظاہر ارشاد جمیع متون پر اقتصار لیا نہ طریقہ مصرحہ جمہور شارحین اختیار کیا، سب کے مخالف مسئلہ لکھ دیا یہ "ضروری سوال" کی مخالفتیں تھیں۔

رابعاً: شرائط بحث میں تو صراحۃً اس توبہ کو توڑ دیا نذرونیاز عرفی اولیائے کرام قدست اسرارہم جو فی زماننا مروج ہے ظاہر ہے کہ زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں اس پر کوئی نزاع قائم نہ ہوئی نہ اس کا کوئی تصفیہ اس وقت کے فقہائے کرام نے کیا تو لاجرم توبہ نامے میں جمہور علمائے متاخرین ہی کی پیروی کو لکھا اور ان کی مخالفت کا عہد کیا تھا اب شرئط ثلثہ کی بحث میں قرون ثلثہ کے متاخرین متقدمین سب کو بالائے طاق رکھ کر صاف لکھ دیا کہ سند دین میں اصول وفروع مسائل میں زمانہ خیر القرون کی ہونی چاہئے یعنی صحابہ وتابعین و

تبع تابعین اور اس پر عمل بھی جاری ہوا بُوئے وہابیت پیدا ہونے کو **اوّلاً وثانیاً** ضروری سوال ہی کی وہ تقریریں کہ "یہ ارشاد فقہا کذب وبہتان ہے اور وہ مذہب ائمہ بدعت وضلالت وفی النار ہے" کافی تھیں۔

ثالثاً: مگر شرائط بحث میں تو صاف صاف وہی معمولی تقریر وہابیہ کہ "قرون ثلثہ کی سند معتبر ہے" باقی سب باطل صراحۃً لکھ دی اور اس کے ساتھ اور تنگی بڑھادی کہ صحابہ وتابعین کی سند بھی مقبول نہیں جب تک اس پر عمل نہ جاری ہوا ہو یہ باتیں ضرور وہابیت کی ہیں۔

رابعاً: اور شرط لگائی کہ "کوئی مسئلہ کسی کتاب میں بے سند لکھا ہو وہ بغیر اسناد کے تسلیم نہ کیا جائے گا" ہر شخص جانتا ہے کہ کتب فقہیہ متون وشروح وفتاوٰی کسی میں ذکر اسناد نہیں ہوتا تو اس شرط میں صاف بتادی کہ کتب فقہ مہمل وناقابل عمل ہیں ان کا مسئلہ تسلیم نہ کیا جائے گا، یہ اول نمبر کی وہابیت غیر مقلدی ہے ان وجوہ سے ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ زید اپنی قدیم وہابیت پر باقی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

بالجملہ ان تمام بیانات جلیلہ سے واضح ہوا کہ "ضروری سوال" کی تحریر ہمارے علمائے کرام کے خلاف ہے۔ وہ ۲ سراسر غلطیوں سے بھری ہے، ۳ جو اسے صحیح بتائے سخت جاہل ونافہم ہے، ۴ ضروری سوال کا مصنف علم دین سے بہرہ نہیں رکھتا، ۵ وہ نہ عبارت سمجھ سکتا ہے، ۶ نہ ترجمہ کی لیاقت رکھتا ہے پھر مطلب ۷ سمجھنا تو بڑا درجہ ہے، ۸ وہ خود اپنا لکھا نہیں سمجھتا نہ نافع ومضر میں تمیز کرتا ہے اور ۹ اس کے ساتھ کلمات علماء کو بدلنا، گھٹانا، بڑھانا، مغالطہ، عوام کو کچھ کا کچھ مطلب بنانا، علاوہ ہے ۱۰ ایسا بے علم وکج فہم ہرگز فتوٰی دین کی قابلیت نہیں رکھتا نہ اسے فتوٰی پر اعتماد ہوسکتا ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم ومسند امام احمد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتخذ الناس رؤساجھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1]۔	لوگ جاہلوں کو سردار بنائیں گے ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے وہ بغیر علم کے فتوٰی دیں گے آپ بھی گمراہ ہوں گے اوروں کو بھی گمراہ بتائیں گے۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ جو ایسے شخص کے فتوے پر اعتماد کرے گا گمراہ ہوجائے گا "نیز اس کے اقوال وکلمات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ فقہائے کرام کی شان میں گستاخ ہے ارشادات علماء کو کذب وبہتان بتاتا اور ۱۲ مذہب اہل حق کو ضلالت وفی النار بتاتا اور ۱۳ تمام کتب فقہ کو مہمل وبیکار ٹھہراتا ہے ۱۴ اس نے اپنی توبہ توڑی اور ۱۵ قدیمی وہابیت اب تک نہ چھوڑی مسلمانوں کو اس کی صحبت سے احتراز چاہئے کہ بحکم صحیح گمراہی میں پڑنے کا

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰، صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۰

اندیشہ ہے ایسی حالت جو اس کی اعانت کرے گمراہی کی بنیاد قائم کرتاہے ہاں اگروہ پھر از سرنو ان تمام حرکات سے تائب ہواور ایک زمانہ ممتد گزرے جس میں اس سے وہ باتیں صادر ہوں جن سے اس کی توبۂ دوم کا برخلاف توبہ اول سچا ہو ناظاہر ہو تواس وقت اس سے تعرض نہ کیاجائے گامگراس کے فتوے پر اعتماد پھر بھی نہیں ہوسکتا کہ اس قدر سے اس کا جہل زائل ہوکر عالم نہ ہوجائے گالاکھوں عوام سنی المذہب بحمداللہ ایسے ہیں جن سے تمام عمر میں کبھی کوئی بات بدمذہبی یاگستاخی شان ائمہ وفقہا وکتب فقہیہ کی صادر ہی نہ ہوئی مگر جبکہ وہ بے علم ہیں مفتی نہیں بن سکتے۔اللہ عزوجل خذلان سے بچائے اور بطفیل خاکپائے بندگان بارگاہ بیکس پناہ حضور پرنور سیدیوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفیق علم وعمل عطافرمائے اٰمین اٰمین اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا واٰلہٖ صحبہٖ اجمعین اٰمین۔

واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم کتبہ محمدن المعروف بحامد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم۔	اور اللہ تعالٰی پاک وبلند زیادہ علم والاہے اور اس کا علم اتم اور زیادہ محکم ہے۔اس کو لکھا محمد المعروف حامد رضابریلوی نے، اللہ تعالٰی اس کو اپنے پیارے اُمّی نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ سے معاف فرمائے۔(ت)

فی الواقع یہ تفصیل کہ قنوت نازلہ جائز ہے مگراس کاجواز صرف ایک نازلہ سے خاص، باقی اس میں ناجائز، ہمارے ائمہ کرام کامذہب نہیں، مصنف"ضروری سوال"کی تحریروں ے اس کی جہالت وبطالت صاف ظاہر ہے بیشک ایسے شخص کو مفتی بنناحلال نہیں، نہ اس کے فتوے پراعتماد جائز، مجیب سلمہ القریب المجیب نے جوامور بالجملہ میں لکھے ضرور قابل لحاظ و مستحق عمل ہیں مسلمانوں کوان کی پابندی چاہئے کہ باذنہٖ تعالٰی مضرت دینی سے محفوظ رہیں۔

وباللہ العصمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم کتبہ عبدہ المذنب احمدرضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ کی رحمت سے ہی حفاظت ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ، زیادہ علم والاہے۔اس کو گنہگار بندے احمد رضابریلوی نے لکھااسے حضرت محمد مصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلہ سے معافی ہو۔(ت)

مسئلہ ۱۰۹۶: از رنگون گلی نمبر ۲۵، دکان نمبر ۴۴۵ مسئولہ حافظ محمد یوسف صاحب ۵ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

ہمارے سنی حنفی عالم لوگ اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ اس شہر میں ایک مسجد کاامام صاحب دوتین روز سے فجر کے فرض دوسری رکعت میں سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد ہاتھ اٹھاکر قنوت پڑھتاہے یعنی

سلطان کے واسطے دعامانگتاہے اور سب مقتدی لوگ بلند آواز سے پکارتے ہیں پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ ہمارامذہب حنفی سے یہ امام صاحب کیسے ہیں اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگرچہ متون میں مطلق حکم ہے کہ **لایقنت فی غیرہ**[1] غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے، مگر محققین شراح نے باتباع امام طحاوی وقت نازلہ وحدوث بلائے عام نماز فجر میں قنوت پڑھنے کی اجازت دی ہے لہذا یہ مسئلہ ایسانہیں جس کی بناپر اس عالم کے پیچھے نماز میں کچھ حرج ہو جبکہ وہ واقع میں سنی المذہب صحیح العقیدہ ہے، اور اگر غیر مقلد ہے توآپ ہی گمراہ بددین ہے اور اس کے پیچھے نماز ناجائز محض کماحققناہ فی النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء التقلید" میں تحقیق کی ہے۔ت) درمختار میں ہے: **لایقنت لغیرہ الالنازلۃ**[2] (صرف مصیبت میں قنوت نازلہ پڑھے۔ت) غنیہ میں ہے: **ھو مذھبنا وعلیہ الجمھور**[3]۔(یہی ہمارا اور جمہور کامذہب ہے۔ت) ردالمحتار میں کلام امام طحاوی نقل کرکے فرمایا:

ھو صریح فی ان قنوت النازلۃ عندنا مختص بصلٰوۃ الفجر دون غیرھا من الصلٰوۃ الجھریۃ والسریۃ[4]۔	یہ اس بات کی صراحت ہے کہ قنوت نازلہ صرف فجر کی نماز کے لئے مختص ہے دوسری جہری یاسری نمازوں میں ہیں۔(ت)

امام کو چاہئے کہ یہ قنوت بھی آہستہ پڑھے اور مقتدی بھی دعاہی میں پڑھیں، ہاں اگرامام قنوت بآواز پڑھے تو مقتدی آمین کہیں مگر بآواز نہ کہیں بلکہ آہستہ کہ جہر بآمین نماز میں مکروہ ہے، پھر علماء کو اختلاف ہوا کہ یہ قنوت رکعت ثانیہ کے رکوع کے بعد ہو یاپہلے، اور تحقیق یہ ہے کہ رکوع سے پہلے ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھل المقتدی مثلہ ام لا وھل القنوت قبل الرکوع	کیاقنوت نازلہ پڑھنے میں مقتدی بھی امام کی طرح پڑھے یانہیں، اور کیاقنوت رکوع سے قبل پڑھی جائے

---

[1] کنزالدقائق باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱

[2] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی صلوٰۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰

[4] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

اوبعدہ لم ارہ والذی یظھر لی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذاجھر فیؤمّن وانہ یقنت بعد الرکوع ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ماقلناہ واللہ تعالٰی اعلم[1] **اقول:** بل الاحق بالقبول ماقال السید الحموی لقول الفتح ولما ترجح ذلك خرج مابعدالرکوع من کونہ محلا للقنوت اھ وقال ایضا وھذا تحقیق خروج القومۃ عن المحلیۃ بالکلیۃ الا اذا اقتدی بمن یقنت فی الوتر بعدالرکوع فانہ یتابعہ اتفاقا[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	یابعد میں، مجھے یہ تفصیل نظر نہیں آئی، مگر مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی امام کی اتباع کرے لیکن جب امام قنوت پڑھنے میں جہر کرے تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ آمین کہے، اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے، اس کے بعد مجھے شرنبلالی کا قول مراقی الفلاح میں ملا جس میں انہوں نے رکوع کے بعد کی تصریح کی ہے اور حموی نے رکوع سے قبل ظاہر قرار دیا لیکن زیادہ واضح یہی ہے جو میں نے کہا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ **اقول:** بلکہ حموی کا قول زیادہ مقبول ہو کیونکہ فتح القدیر کا قول یہ ہے کہ "جب رکوع سے قبل کو ترجیح ہے تو رکوع کے بعد قنوت کا محل نہ رہا" اھ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ قومہ کلیۃً قنوت کی محلیت سے باہر ہے تحقیق یہی ہے، ہاں اگر کوئی ایسے امام کی اقتداء میں ہے جو رکوع کے بعد وتر میں قنوت پڑھتا ہے تو نمازی کو چاہئے کہ وہ اس امام کی اتباع کرے اس میں اتفاق ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹۷: از کراچی گاڑی حاطہ مولیڈنہ میمن محلّہ رام باغ مرسلہ نور احمد ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا حنفی امام نماز فجر میں دعائے قنوت ودیگر دعاؤں کو باآواز بلند پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حنفی مذہب میں وتر کے سوا اور نمازوں میں قنوت منع ہے متون کا مسئلہ ہے **ولایقنت فی غیرہ** (غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے۔ت) مگر جب معاذاللہ کوئی بلائے عام نازل ہو جیسے طاعون ووباء وغیرہ، تو امام اجل طحاوی وامام محقق علی الاطلاق وغیرہ شراح نے نماز فجر میں دعائے قنوت جائز رکھی ہے **کما فصلناہ فی فتاوینا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تفصیل کردی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹۸: سائل مذکور الصدر

حنفی امام **بسم اللہ** و**اٰمین** آہستہ حنفی طریقہ پر نہ پڑھے اور دعائے قنوت ودیگر دعاؤں کو شافعی

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

طریقہ سے پڑھے تو نماز اور ایسے امام کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ یہ فعل امام نے متواتر تین روز بغیر اطلاع مقتدیوں کے کیا جس سے مقتدیوں کی جداگانہ حالتیں مثلاً کوئی رکوع میں کوئی قیام میں اور کوئی سجدہ میں تھا یہ نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) بے صورت نازلہ جو کوئی ایسا کرے گا موجب کراہت ہوگا اسے منع کیا جائے گا اگر نہ مانے اس کی اقتداء نہ کریں۔

(۲) جس نے امام سے پہلے کوئی فعل کیا اور امام سے پہلے ہی فارغ ہولیا اور پھر امام کا اس میں ساتھ نہ دیا مثلاً وہ متوجہ قنوت ہو اور یہ رکوع میں گیا اور امام رکوع میں نہ آنے پایا تھا کہ اس نے سر اُٹھالیا اور پھر امام کے ساتھ یا بعد، رکوع نہ کیا تو ایسے مقتدی کی نماز نہ ہوئی، ورنہ ہوگئی اور اس میں بدنظمی ہوئی اس کا وبال امام کے سر پر، ائمہ دین نے تو جمعہ وعیدین میں سجدہ سہو معاف رکھا ہے جبکہ جماعت کثیر ہو کہ ہر قسم کے لوگوں کا مجمع ہوگا بعض کو باعث وحشت ہوگا کہ یہ کیا چیز ہے حالانکہ یہ وہ بعد ختم نماز ہے کہ عین وسط نماز میں، بے اطلاع مقتدیان ایسی نئی حرکت کس قدر باعث فتنہ ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹۹: از کراچی بندر صدر بازار دکان سیٹھ حاجی احمد حاجی کریم محمد شریف جنرل مرچنٹ مرسلہ عبداللہ ولد حاجی ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

امام حنفی المذہب در وقت حدوث حادثہ ونازلہ طاعون ووباء در رکعت اخیر نماز فرض فجر دعا قنوت شفعویہ مع چند الفاظ دعائے عربیہ دافع الوباسہ روزیا ہفت روز خواند آیا دریں صورت ایں فعل امام مطابق مذہب جمہور حنفیہ است یا نہ واگر کسے این امام را باعث مرتکب شدن فعل صدر وہابی وغیر مقلد خوانست پس حکم او چیست۔	کسی حادثہ یا طاعون کی وباء وغیرہ کے پھیلنے کے موقعہ پر حنفی امام فجر کی آخری رکعت میں دعائے قنوت مرویہ اور اس کے ساتھ چند مزید عربی الفاظ جو دافع بلاء کے لئے تین یا سات روز پڑھے تو کیا یہ فعل جمہور احناف کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی شخص امام کے مذکور عمل کی بنا پر امام کو وہابی اور غیر مقلد کہہ دے تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قنوت در نازلہ محققین حنفیہ مثل امام طحاوی وامام ابن الہمام وغیرہما کبرائے اعلام اثبات کردہ اند عمل بروہیچ علاقہ بوہابیت	حنفی محققین مثلاً امام طحاوی، امام ابن ہمام وغیرہما بڑے حضرات نے مصیبت کے نزول پر قنوت نازلہ کے عمل کا اثبات کیا ہے، اور اس معاملہ میں وہابیت

وغیر مقلدی ندارد وہرکہ بایں طعنہ زندہ جاہل ست تفہیم باید کرد آنجاکہ مجمع ہمچو عوام باشد اقدام بایں کارنباید کرد کہ باعث تنفیر وفتح باب غیبت نشود قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولا تنفروا [1] ائمہ منع فرمودہ اند کہ پیش جہال قراء تہائے کہ گوش او باو آشنا نیست نخوانند تامنجر بفتنہ ایشاں نشود اگرچہ ہمہ قراء تہا یقینا حق ست کمافی غنیۃ العلامۃ ابراھیم الحلبی وغیرہا واللہ تعالٰی اعلم۔	اور غیر مقلدیت کا کوئی دخل نہیں جو یہ طعنہ دے وہ جاہل ہے اسے سمجھانا چاہئے، اور عوام کے مجمع میں ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جو عوام میں نفرت پیدا کرے اور غیبت بنے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگوں کے لئے نفرت کی بجائے خوشی کا سامان بنو۔ اسی لئے ائمہ کرام نے ایسی قرائت جو لوگوں میں معروف ومانوس نہیں ہے پڑھنے سے منع فرمایا ہے تاکہ لوگوں میں شکوک وشبہات کا فتنہ نہ بنے اگرچہ تمام قرأت برحق ہیں، جیساکہ علامہ ابراہیم حلبی کی غنیہ وغیرہا میں ذکر فرمایا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۰۰تا۱۱۰۲: از بمبئی ۳ مسئولہ محمد سعد اللہ گلی خطیب زکریا مسجد ۳صفر ۱۳۳۹ھ

ماقولکم دام فضلکم (علمائے کرام اللہ تعالٰی تمہارے فضل وکرم کو قائم ودوام فرمائے آپ کا کیاارشاد ہے۔ت) نظر برمصائب حاضرہ جنہوں نے آج کل بالخصوص سلطنت اسلامیہ عثمانیہ اور بالعموم تمام مسلمانان عالم کو گھیر رکھا ہے بعض مفتیین جہری فرض نمازوں میں بآواز بلند قنوت خوانی کا فتوٰی دیتے ہیں نمونتاً فتوٰی مولوی کفایت اللہ دہلوی کالفافہ ہذا ہے علمائے احناف اہلسنت کے نزدیک: (۱) وقت نازلہ قنوت تمام جہری فرض نمازوں میں ہے یا صرف فجر میں؟ (۲) بعد سمع اللہ لمن حمدہ ہاتھ اٹھاکر بجہر پڑھی جائے یا کس طرح؟ (۳) یہ وقت اس کا مقتضی ہے یا نہیں کہ قنوت پڑھی جائے؟ **بیّنوا اجرکم اللہ**

الجواب:

قنوت نازلہ امام طحاوی وغیرہ شراح نے جائز رکھی ہے وہ صرف نماز فجر میں ہے اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت کا محل ہی نہیں قبل رکوع چاہئے کما نص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر (جیساکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) اس ہندوستان میں اسلام اس وقت خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں سے سخت نزع ہے قنوت کا وقت ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] صحیح بخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

وہ رکعت ثانیہ میں بعد قرات ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور امام ومقتدی سب آہستہ قنوت پڑھیں جس مقتدی کو یاد نہ ہو آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰۳: ازدھامپور محلّہ موچیاں ڈاک خانہ خاص ضلع بجنور مسئولہ غلام محمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

جناب مولوی صاحب رہنمائے گمرہان دام افضالہ، بعد ادائے نیاز مندانہ کے معروض خدمت ہے یہاں قصبہ دھام پور میں زمرہ خلافت نے نماز مین ایک نیا طریقہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ پانچوں وقت کی نماز میں اخیر فرض میں رکوع کرکے کھڑے ہوجاتے ہیں اور امام صاحب دعا باآواز بلند پڑھتا ہے اور مقتدی باآواز بلند کئی کئی مرتبہ آمین کہتے ہیں بلکہ بیس بیس مرتبہ سے زیادہ مقتدی آمین کہتے ہیں بعدہ، سجدہ میں جاکر سلام پھیرتے ہین، عالی جاہ! ہمارے امام صاحب حنفی کے طریقہ میں یہ نماز جائز ہے یاناجائز؟ یاکہ کسی اصحاب نے یاکہ امامین میں سے کسی نے پڑھی ہے؟ اور اس طریقہ سے نماز ہوتی ہے یاکہ فاسد ہوجاتی ہے؟ ہم کو اس نماز میں شریک ہونا چاہئے یانہیں؟

الجواب:

یہ طریقہ قنوت نازلہ کا ہے جو متون مذہب حنفی کے خلاف ہے مگر بعض شراح نے اجازت دی ہے اس سے بھی چار باتوں میں مخالف ہے:

اول: بعد رکوع ہمارے نزدیک محل قنوت ہی نہیں **کماحققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر** (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

دوم: امام کا جہر سے دعا پڑھنا مخالف قرآن کریم ومذہب حنفی ہے۔

سوم: یونہی مقتدیوں کا آمین بالجہر۔

چہارم: قنوت نازلہ ہمارے یہاں صرف نماز فجر میں ہے اور بعض کتب میں نماز جہر واقع ہوا، اپانچوں نمازوں میں ہونا ہمارے یہاں کسی کا قول نہیں تو ہمارے نزدیک اس کے سبب تاخیر فرض لازم آئے گی اور اس کے سبب نماز واجب الاعادہ ہوگی ایسی نماز میں شرکت نہ کی جائے جبکہ خالص حنفی جماعت مل سکتی ہو اور شرکت کی ہو ظہر وعصر بلکہ عندالتحقیق غیر فجر کا اعادہ کرلیں بلکہ فجر کا بھی جبکہ لوگ بعد رکوع قنوت کریں کہ مذہب حنفی میں خلاف محل ہے اگرچہ شامی وشرنبلالی کو شبہہ ہوا، وہ مذہب میں صاحب قول نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰۴ تا ۱۱۰۵: ازکوہ کسوٹی کمسریٹ روٹی گودام مسئولہ عبداللہ ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ عرصہ ایک سال سے میں سنا کرتا ہوں کہ:

(۱) اس جگہ اور دیگر شہروں میں ایک نماز واجباً پڑھی جارہی ہے جس کا ثبوت مجھ کو آج تک کسی نے نہ دیا اور یہ کہہ کر ٹال دیا کہ حدیث کی کتابوں میں دیکھو تو تم کو معلوم ہو جائے گا، نماز اس طرح پڑھی جاتی ہے کہ ہر ایک فرض نماز کی آخر رکعت میں بعد رکوع امام کچھ پڑھتا ہے اور مقتدی آمین کہتے ہیں اور استفسار کرنے پر کہ امام کیا پڑھتا ہے یہ جواب ملتا ہے کہ دعائے قنوت پڑھی جاتی ہے اور اگر دعائے قنوت کی عربی دریافت کی جاتی ہے تو اس سے صاف جواب۔ سخت حیرت اور تعجب کا مقام، میں مسجد جانے سے قاصر بلکہ مستثنیٰ، اس وجہ سے یہ مسئلہ حل طلب بہت ضروری ہے۔

(۲) اس خادم کی نظر سے ربع اول "مظاہر حق" جلد اول کتاب الصلٰوۃ باب القنوت مندرجہ ذیل احادیث گزریں جس سے بالکل حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امر ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ نے امت کے لوگوں کو امر کیا ہو کہ وہ بھی اس کو پڑھا کریں بلکہ حدیث خود ظاہر کررہی ہے کہ حضور نے بفرمان ربی اس کو ترک کردیا، فصل اول کتب مذکور:

وعن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اذا اراد ان یدعو علی احد اویدعولاحد قنت بعد الرکوع فربما قال اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لك الحمد اللھم انج الولید وسلمة بن ھشام وعیاش بن ابی ربیعة اللھم اشدد وطأتك علی مضر سنین کسنی یوسف یجھر بذلك وکان یقول فی بعض صلوته اللھم العن فلانا وفلانا لاحیاء من العرب حتی انزل اللہ لیس لك من الامر شیئ الایة متفق علیه وعن عاصم الاحول قال سئلت عن انس بن مالك عن القنوت فی الصلٰوۃ کان قبل الرکوع	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام جب کسی کے خلاف یا کسی کے حق میں دعا فرمانے کا ارادہ فرماتے تو کبھی رکوع کے بعد سمع اللہ کہہ کر یوں فرماتے: اے اللہ! ولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے، اے اللہ! قبیلہ مضر کو سخت پکڑ، ان پر قحط نازل فرما جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط نازل ہوا، اور یہ بددعا بلند آواز سے پڑھتے اور کبھی آپ کسی نماز میں یوں پڑھتے: اے اللہ! فلاں وفلاں پر لعنت فرما۔ اس سے مراد عرب کے بعض قبائل مراد ہوتے، حتی کہ اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے پیارے حبیب! یہ معاملہ آپ کے ذاتی اختیار میں نہیں ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور حضرت عاصم احول رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا

او بعدہ قال قبلہ انما قنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بعد الرکوع شهرا انه کان بعث اناسا یقال لهم القراء فاصیبوا فقنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بعد الرکوع شهرا یدعوا علیهم متفق علیه فصل ثانی کتاب مذکور عن ابن عباس قال قنت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهرا متتابعا فی الظهر والعصر والمغرب والعشاء وصلٰوۃ الصبح اذا قال سمع الله لمن حمده من الرکعة الاخیرة یدعوا علی احیاہ من بنی سلیم، رعل وذکوان وعصیة ویؤمّن من خلفه رواہ ابوداؤد، وعن انس ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قنت شهرا ثم ترکه۔ رواہ ابوداؤد والنسائی۔	کہ کیا نماز میں قنوت رکوع سے پہلے تھی یا بعد میں، توانہوں نے فرمایا پہلے تھی، حضور علیہ السلام نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی کیونکہ آپ نے قراء کی ایک جماعت کو تعلیم کے لئے بھیجا تو ان کو راستہ میں شہید کردیا گیا، تو اس واقعہ پر حضور علیہ السلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد قاتلین پر بددعا فرمائی (متفق علیہ) کتاب مذکور کی دوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰیعنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ مسلسل ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نماز میں قنوت پڑھی اور جب نماز کی آخری رکعت کے رکوع کے بعد سمع الله لمن حمده کہتے تو اس وقت عرب کے قبائل بنی سلیم، ذکوان اور عصیہ پر بددعا فرماتے اور مقتدی آمین کہتے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیاہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ قنوت ایک ماہ پڑھ کر پھر چھوڑدی، اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیاہے۔(ت)

چونکہ حنفی مذہب کے مطابق آمین آواز سے کہنا روکا گیاہے مگراب تو پورے پندرہ منٹ آمین اس زور سے کہی جاتی ہے کہ مسجد گونج اُٹھتی ہے بلکہ نماز جمعہ میں لوگوں کی کثرت سے آمین کا شور تو حد درجہ بڑھ جاتاہے اس بستی میں صرف ایک مسجد ایک قبرستان ہے، مذہب حنفی کے سب پیرو ہیں، امام مسجد جن سے اس کارواج ہوا ہر شخص کو مجبور کررہے ہیں کہ اس کی ادامیں اگر کوئی قاصر ہوگا اسلام سے خارج سمجھا جائے گا اس کا جنازہ مسلمان نہیں اُٹھائیں گے بسبب ملازمت لوگ باہر سے آتے ہیں ان کے لئے ایسا نادرشاہی حکم بہت گراں ہورہاہے اور بے وقت پردیس میں موت ہونے کے لحاظ سے مجبوراً ادا کررہے ہیں وہی مثل کہ "زبردست مارے رونے نہ دے"، اور حنفیہ "قہر درویش برجان درویش" کے مصداق

ہو رہے ہیں۔ والسلام

الجواب:

(۱) اصل مسئلہ متون یہ ہے کہ وتروں کے سوا کسی نماز میں دعائے قنوت نہیں، تنویر الابصار وغیرہ میں ہے: **ولا یقنت فی غیرہ**[1] (غیر میں قنوت نہ کرے۔ت) مگر امام طحاوی وغیرہ شراح نے معاذاللہ کسی نازلہ یعنی عام مصیبت کے وقت اس کے دفع کے لئے بھی قنوت جائز رکھی، اسی بارے میں حدیث ہے:

قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھرا علی عدۃ قبائل من الکفار[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عرب کے چند قبائل کے خلاف قنوت ایک ماہ پڑھی۔(ت)

اس کے لئے کوئی دعا مخصوص نہیں بلکہ جو بلا مثل طاعون و وبا یا غلبہ کفار والعیاذ باللہ تعالٰی اس کے دفع کی دعا کی جائے گی، تحقیق یہ ہے کہ قنوت صرف نماز فجر میں ہے **وما وقع فی بعض الکتب فی صلٰوۃ الجھر فمصحف من صلوۃ الفجر** (جو بعض کتب میں آیا ہے کہ جہر والی نماز تو یہ "جہر" بدل گیا ہے اصل فجر ہے۔ت) اور تحقیق یہ ہے کہ فجر کی دوسری رکعت میں بعد قرأت قبل رکوع ہو **لان مابعد الرکوع قد خرج عن محلیۃ القنوت کما حققہ المحقق فی الفتح** (کیونکہ رکوع کے بعد قنوت کا محل نہیں ہے جیسا کہ محقق نے اسے فتح میں ثابت کیا ہے۔ت) اور امام و مقتدی سب آہستہ پڑھیں **لانہ دعاء وسنۃ الدعاء الاخفاء** (کیونکہ وہ دعا ہے اور دعا کا طریقہ اخفاء ہے۔ت) جن مقتدیوں کو یاد نہ ہو وہ آہستہ آہستہ آمین کہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اوپر بیان ہوا کہ اس قنوت کا جواز ہی ظاہر متون مذہب حنفی کے خلاف ہے نہ کہ معاذاللہ اس پر ایسا اصرار کہ جو نہ کرے خارج از اسلام سمجھا جائے اور مسلمان اس کا جنازہ نہ اٹھائیں، یہ ظلم اور اشد ظلم ہے اور سخت کبیرہ ہے اور اللہ و رسول پر افتراء اور نئی شریعت دل سے گھڑنا اور مسلمانوں کو ناحق معاذاللہ کافر بنانا اور بحکم ظواہر احادیث خود کافر بننا ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد باء بہ احدھما** (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں میں سے ایک اس کو اپنے پر وارد کرے گا۔ت) اور آمین بالجہر مذہب حنفی میں کہیں نہیں، ہاں اشراح، وقت نازلہ قنوت اسی طریقہ پر روا رکھتے ہیں جس کی تحقیق اوپر بیان ہوئی اور حدیث فعلی بھی مثل حدیث قولی حجت ہے **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلوا رأیتمونی اصلی**[3] (اس لئے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ

---

[1] کنز الدقائق باب الوتر والنوافل، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۱

[2] شرح معانی الآثار باب القنوت فی صلٰوۃ الفجر وغیرہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴۸

[3] سنن الدار قطنی باب فی ذکر بالاذان والامامۃ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۲۷۳

والسلام نے فرمایا ہے کہ ایسے نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا۔ت) اور ترک دعا بوجہ قضائے حاجت یا بعض مخصوصین پر دعا سے رب عزوجل کی ممانعت، نفس دعا سے منع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰۶ : از دمن قریب سورت بخدمت جناب مولینا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی (رحمہ اللہ تعالٰی) وازانجا بفرض تحقیق نزد فقیر ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دعائے قنوت کا کس مصیبت کے نازل ہونے کے وقت فرض پنجگانہ میں پڑھنا یاخاص کسی وقت کے فرض نماز میں پڑھنا شرع شریف سے ثابت ہے یانہیں؟ خاص کرایام وبائے طاعون میں اور اس کے پڑھنے کامحل فرض کی آخری رکعت میں قبل رکوع کے یاقومہ میں امام اور مقتدی دونوں پڑھیں یاصرف امام بآواز بلند پڑھے اور مقتدی آمین آہستہ آہستہ کہیں **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o اللھم لک الحمد (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے۔ت) عامہ بلکہ عام متون مذہب میں دربارہ وترارشاد ہوا:

لایقنت فی غیرہ وکذا صرحوا ان الماموم لایتبع امامہ القانت فی الفجر وعللوہ بانہ منسوخ وانہ محدث[1]۔	غیر وتر میں قنوت نہ پڑھے جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مقتدی اس امام کی جو فجر میں قنوت پڑھتاہے پیروی اس معاملہ میں نہ کریں، اور انہوں نے وجہ یہ بتائی ہے کہ یہ منسوخ ہے لہذا یہ نئی چیز ہے۔(ت)

اور محققین شراح مثل امام ابن الہام وعلامہ سروجی وامام عینی شارحین ہدایہ وعلامہ شمنی شارح نقایہ وعلامہ ابراہیم حلبی شارح منیہ وعلامہ زین بن نجیم شارح کنز وعلامہ شرنبلالی شارح نورالایضاح وعلامہ علائی شارح تنویر وعلامہ سید حموی شارح اشباہ وعلامہ نوح آفندی وعلامہ سیدابوالسعود ازہری محشیٔ کنز وعلامہ سید محمد شامی محشیان درر وغیرہ بہ تبعیت امام اجل حافظ الحدیث ابوجعفر طحاوی ہنگام نزول مثل طاعون وغیرہ (**والعیاذباللہ تعالٰی**) صرف نماز فجر میں تجویز قنوت کی تنقیح وتقید اور اطلاق متون کی اس سے تقیید فرماتے ہیں۔ غنیہ المستملی ومراقی الفلاح وغیرہما میں ہے:

وھو مذھبنا وعلیہ الجمھور[2] **اھ وقد صح**	یہی ہمارا مذہب ہے اور جمہور بھی اس کے قائل ہیں اھ

---

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] غنیہ المستملی صلوٰۃ الوتر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۲۰

بہ الحدیث فی الصحیحین وغیرھما عن انس وابی ھریرۃ وغیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم قالوا وھو محمل ماروی من قنوت امراء المؤمنین الصدیق و الفاروق والمرتضٰی ومعٰویۃ وغیرھم رضوان اللہ تعالٰی علیھم. قلت ولیست المسئلۃ مما تجری فیہ المما کسۃ۔	اور اس بارے میں صحیح حدیث بخاری اور مسلم وغیرہما میں موجود ہے اور وہ حضرت انس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے اور حضرت امیرالمومنین صدیق اکبر، عمر فاروق، علی مرتضٰی اور امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا قنوت کے بارے میں عمل اس حدیث کے مطابق تھا، میں کہتا ہوں یہ وہ مسئلہ نہیں جس میں کھنچاؤ پایا جائے۔(ت)

پھر بر تقدیر قنوت بلاشبہہ سبیل وہی ہے جو فاضل مجیب سلمہ المجیب نے اختیار فرمائی کہ امام ومقتدی سب آہستہ پڑھیں۔

اقول: وماوقع من الخلف بین ایمتنا الکرام ومشائخنا الاعلام فی قنوت الوتر ھل یجھرہ ام یسروھو المختار، کمافی الھدایۃ وھوالاصح، کمافی المحیط والصحیح، کما فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں وھل یؤمن الماموم ام یقنت وھو السحیح المختار، کمافی المحیط والشرح المذکور وغیرھما فانما منشؤہ ان لقنوت الوتراللھم انا نستعینك الخ شبھۃ القراٰن علی ماذکروہ فکما یجھر الامام بالقراٰن فکذا بما فیہ شبھتہ وکما لایقرؤالموتم القراٰن فکذا مالہ شبھتہ کماقررہ فی الحلیۃ و الغنیۃ والبحر وغیرھا	**اقول:** ہمارے ائمہ کرام سے متاخرین اور ہمارے مشائخ عظام نے وتر کی قنوت کے بارے بحث میں جو فرمایا کہ یہ قنوت جہر پڑھی جائے یا آہستہ، تو آہستہ پڑھنا ہی مختار ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے، جیسا کہ قاضی خاں کی شرح جامع صغیر میں ہے۔ اور یہ کہ کیا مقتدی صرف آمین کہیں یا وہ بھی قنوت پڑھیں، تو ان کا قنوت پڑھنا صحیح ومختار ہے جیسا کہ محیط اور مذکور شرح وغیرہما میں ہے۔ اور اس بات کی وجہ یہ ہے کہ قنوت وتر جو کہ اللھم انا نستعینک الخ ہے کی قرآن سے مشابہت ہے جیسا کہ فقہاء نے بیان کیا ہے لہٰذا جس طرح قرآن کا جہر کرتا ہے اسی طرح قرآن کے مشابہ چیز کا بھی امام جہر کرے اور جس طرح مقتدی قرآن کی قرأت نہیں کرتا اسی طرح قرآن کی مشابہت والی چیز کی بھی مقتدی قرأت نہ کرے جیسا کہ حلیہ، غنیہ، بحر وغیرہا میں تقریر کی گئی ہے

ولا کذالك قنوت النوازل وانما ھو دعاء محض فیشترك فیه الامام والماموم ویخفیانه کسائر دعیة فانه ھوالمندوب الیه فی الدعاء۔	جبکہ قنوت نوازل کا یہ مقام نہیں ہے وہ تو محض دعا ہے جس میں امام اور مقتدی مساوی شریک ہیں لہٰذا دونوں اس کو آہستہ پڑھیں گے، جس طرح تمام دعاؤں میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ پڑھا جائے۔(ت)

مگر اخفاء واجب نہیں کہ جہر گناہ ہو۔

وقد صرحوابانه اذا جھر سھوا بشیئ من الادعیة والاثنیة لایجب علیه السجود [1] کمافی ردالمحتار ولووجب لوجب کمالایخفی۔	جبکہ فقہاء نے تصریح کی ہے اگر کوئی شخص بھول کر کوئی دعاوثناء جہر سے پڑھے تو سجدہ سہو واجب نہ ہوگا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور اگر قنوت نازلہ یادعا کا اخفاء واجب ہوتا تو اس کے جہر سے سجدہ سہو واجب ہوتا جیسا کہ واضح ہے۔(ت)

پھر اگر امام جہر کرے تو بنظر حشمت امامت مقتدیوں کا اس کی دعا پر آہستہ آمین کہنا ہی اس سے جدا اپنی اپنی متفرق دعا میں مشغول ہونے سے اولیٰ ہے کما استظھرہ العلامة الشامی (جیسا کہ علامہ شامی نے اس کو ظاہر قرار دیا ہے۔ت)
رہا یہ کہ قول بقنوت نازلہ پر اس کا محل قبل رکوع ہے یا بعد۔ مشائخ مذہب وعلمائے متقدمین سے اس باب میں کوئی قول منقول نہیں متاخرین شراح کی نظر مختلف ہوئی، علامہ شرنبلالی کے کلام سے بعد رکوع ہونا ظاہر، علامہ شامی نے اسی کو اظہر کہا، علامہ سید حموی نے فرمایا: قبل رکوع چاہئے، علامہ ازہری نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ طحاوی نے فرمایا: مقتضائے نظر تخییر ہے چاہے قبل پڑھے یا بعد۔ شرح نور الایضاح میں ہے:

قال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمه الله تعالٰی انما لایقنت عندنا فی الفجر من غیر بلیة فان وقعت فتنة اوبلیة فلاباس به فعله رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ای بعد الرکوع کما تقدم [2]۔	امام ابوجعفر طحاوی نے فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک کسی مصیبت وبلاء کے نزول کے بغیر فجر کی نماز میں قنوت نازلہ نہ پڑھی جائے، اور اگر کوئی فتنہ یا بلاء واقع ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا کیا ہے یعنی رکوع کے بعد پڑھے جیسا کہ پہلے گزرا ہے(ت)

[1] ردالمحتار باب سجود السحو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶۷

فتح اللہ المعین میں بعد نقل قول امام طحاوی ہے:

ظاھرہ انہ لوقنت فی الفجر لبلیۃ انہ یقنت قبل الرکوع[1]۔	اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نزول بلاء کے موقعہ پر قنوت پڑھے تو رکوع سے قبل پڑھے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ مراقی میں ہے:

قال الحموی وینبغی ان یکون القنوت قبل الرکوع فی الرکعۃ الاخیرۃ ویکبرلہ[2]۔	حموی نے کہا ہے کہ مناسب یہ ہے قنوت آخری رکعت کے رکوع سے قبل پڑھے اور اس کے لئے تکبیر بھی کہے۔(ت)

قول شرنبلالی ای بعد الرکوع (یعنی بعد رکوع۔ت) پر لکھا: ھذا یخالف ماقدمناہ عن الحموی[3] (یہ حموی سے مروی کے خلاف ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

الذی یظھرلی ان المقتدی یتابع امامہ الا اذا جھر فیومن وانہ یقنت بعد الرکوع لاقبلہ بدلیل ان ماستدل بہ الشافعی علی قنوت الفجر وفیہ التصریح بالقنوت بعد الرکوع حملہ علماؤنا علی القنوت للنازلۃ ثم رأیت الشرنبلالی فی مراقی الفلاح صرح بانہ بعدہ واستظھر الحموی انہ قبلہ والاظھر ماقلناہ[4]۔	میرے نزدیک ظاہر بات یہ ہے کہ مقتدی بھی امام کی پیروی میں پڑھے لیکن اگر امام قنوت پڑھنے میں جہر کرے تو پھر مقتدی صرف آمین کہے اور قنوت رکوع کے بعد پڑھے، پہلے نہ پڑھے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے فجر میں قنوت پڑھنے پر استدلال کیا ہے، اس حدیث مین بعد از رکوع کی تصریح ہے۔ اس حدیث میں بعد از رکوع قنوت کو قنوت نازلہ پر ہمارے علماء نے محمول کیا ہے، پھر میں نے دیکھا کہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں بعد از رکوع کی تصریح کی ہے اور حموی نے قبل از رکوع کو ظاہر قرار دیا ہے جبکہ زیادہ واضح وہ ہے جو میں نے کہا ہے (ت)

[1] فتح المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۶

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۷

[4] ردالمحتار مطلب فی القنوت للنازلۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قلت قد ورد فعله قبله وبه قال الامام مالك وبعده وبه قال الامام الشافعي فمقتضى النظر التخيير وذكر الشرنبلالی انه يقنت بعد الركوع[1]۔	**میں کہتاہوں** کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا عمل قبل از رکوع کے بارے میں مروی ہے یہ امام مالک کا قول ومسلک ہے اور دوسری روایت میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا عمل بعد از رکوع، مروی ہے اور یہ امام شافعی کا قول ومسلک ہے، غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طرح کا اختیار ہے، اور شرنبلالی نے بعد از رکوع کو ذکر کیا ہے۔(ت)

اقول: اس قضیہ نظر میں نظر ہے۔

فليس اختلاف المجتهدين قاضيا بالتسوية عندنا اذاكان احد القولين اليق بمذهبنا واقعد باصولنا۔	ہمارے نزدیک مجتہدین کے اختلاف کا مطلب دونوں طرح کی مساوات نہیں ہے جبکہ ہمارے مذہب اور ہمارے اصول کی ایک قول تائید کرتا ہے تووہ راجح ہے۔(ت)

اور فقیر کے نزدیک اقرب وانسب مختار سید علامہ حموی ہے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

لماترجح ذلك خرج مابعد الركوع من كونه محلا للقنوت فلذا روى عن ابى حنيفة رحمه الله تعالٰى انه لوسهى عن القنوت فتذكره بعد الاعتدال لايقنت[2]۔	جب قبل از رکوع قنوت پڑھنا ترجیح پاچکا ہے تو اب رکوع کے بعد قنوت کا محل ختم ہوگیا اسی لئے امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی شخص قبل از رکوع قنوت پڑھنے کو بھول جائے اور رکوع سے کھڑا ہوجائے تو اب یاد آنے پر قنوت نہ پڑھے(ت)

ہاں اس میں شک نہیں کہ برتقدیر قنوت نوازل مقتدی قبلیت وبعدیت میں اتباع امام کرے گا اور اگر امام بعد رکوع پڑھے تو یہ بھی بعد ہی پڑھے گا۔

فانه اذا كان يتابعه فى قنوت الوتر بعد الركوع مع نص المذهب انه قبل الركوع فهذا اولٰى۔	کیونکہ جب وتر کی قنوت میں مقتدی رکوع کے بعد پڑھنے میں امام کی پیروی کرسکتا ہے حالانکہ ہمارے مذہب میں قبل از رکوع قنوت پر تصریح موجود ہے تو اس قنوت نازلہ میں بطریق اولٰی امام کی پیروی کرسکتا ہے(ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۸۱
[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الوتر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

فتح القدیر میں ہے:

هذا یحق خروج القومة عن المحلیة بالکلیة الا اذااقتدی بمن یقنت فی الوتر بعد الرکوع فانه یتابعه اتفاقا[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ بات ثابت کرتی ہے کہ قومہ قنوت کے محل سے خارج ہے مگر جب ایسے امام کی اقتداء کی ہو جو وتروں میں بعد از رکوع قنوت پڑھنے کا قائل ہو تو پھر امام کی پیروی کرے، باتفاق یہ حکم ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دفع طاعون ووباء کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

وقت نزول نوازل وحلول مصائب اُن کے دفع کے لئے نماز فجر میں قنوت پڑھنا احادیث صحیحہ سے ثابت اور مشروعیت اس کی مستمر غیر منسوخ۔

روی الامام البخاری والامام مسلم فی للبخاری قال اخبرنا احمد بن یونس ثنازائدة عن التیمی عن ابی مجلز عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه قال قنت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم شهرا یدعو علی رعل وذکوان[2] ولفظ المسلم من طریق المعتمر عن سلیمٰن التیمی عن ابی مجلز عن انس ابن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه قنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم شهرا بعد الرکوع فی صلٰوة الصبح یدعوا علی رعل وذکوان ویقول عصیة عصت اللہ ورسوله[3]۔ وفی صحیحه	بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں اور حافظ نسائی نے اپنی سنن میں اور بخاری کے الفاظ یہ ہیں، احمد بن یونس نے خبر دی کہ زائدہ نے تیمی اور انہوں نے ابومجلز سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قنوت پڑھتے ہوئے رعل اور ذکوان پر ایک ماہ بدعا فرمائی، اور مسلم نے معتمر عن سلیمٰن التیمی عن ابی مجلز عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ، یہ الفاظ کہے، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ فجر کی نماز میں رکوع کے بعد رعل، ذکوان اور عصیّہ کے خلاف قنوت کے ذریعہ بدعافرمائی اور فرمایا عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ اور امام مسلم کی صحیح میں بھی یہ ہے کہ محمد بن

[1] فتح القدیر باب الصلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۴

[2] صحیح بخاری کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۷

[3] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۷

ایضا حدثنا محمد بن مھران الرازی فذکر باسنادہ عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ حدثھم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قنت بعد الرکعۃ فی صلوات شھرا، اذا قال سمع اللہ لمن حمدہ یقول فی قنوتہ اللھم انج الولید بن الولید، اللھم انج سلمۃ بن ھشام، اللھم نج عیاش بن ابی ربیعۃ، اللھم انج المستضعفین من المؤمنین، اللھم اشدد وطأتك علی مضر، اللھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف، قال ابوھریرۃ ثم رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترك الدعا بعد، فقلت اری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد ترك الدعاء لھم، قال فقیل وماتراھم قدقدموا[1]۔	مہران نے اپنی سند کے ساتھ ابوسلمہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک ماہ رکوع کے بعد سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر قنوت پڑھی اور قنوت میں یہ پڑھا: اے اللہ! نجات دے ولید کو، اے اللہ! نجات دے سلمہ بن ہشام کو، اے اللہ نجادت دے عیاش بن ابی ربعیہ کو، اے اللہ نجات دے ضعیف مومنوں کو۔ اے اللہ! اپنی سخت پکڑ فرما مضر پر، اے اللہ! ان پر قحط مسلط فرما جتنے سال یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں قحط نازل ہوا۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دیکھاکہ آپ نے بددعا چھوڑدی تومیں نے دل میں کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا چھوڑدی اور کہا کہ مجھے کہا گیا کہ وہ حفاظ آگئے تمہارا کیا خیال ہے۔ (ت)

عبدالرزاق، حاکم، دارقطنی باسناد صحیح بطریق امام باقر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روای: انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یزل یقنت فی الصبح حتی فارق الدنیا[2]۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ قنوت تاحیات پڑھتے رہے۔ (ت)

یہ حدیث اور دیگر احادیث قنوت فجر، برخلاف شافعیہ کہ انہیں فجر میں دوام قنوت کی دلیل ٹھہراتی ہیں صریح نوازل ہیں اور وارداُن پر محمول، پس حاصل یہ کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وقت نزول شدائد دواماً قنوت پڑھی اور جب وہ بلادفع ہوجاتی بوجہ ارتفاع ضرورت ترک فرماتے اور مشروعیت

---

[1] صحیح مسلم باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۷

[2] المصنف لعبدالرزاق باب القنوت، حدیث ۴۹۶۴ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۰، سنن الدارقطنی باب صفۃ القنوت الخ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۳۹

اس قنوت کی کتب حنفیّہ میں بھی مصرح جیسا کہ ۱اشباہ، ۲در مختار، ۳بحر الرائق، ۴غایت، ۵ملتقط، ۶سراج، ۷شرح نقایہ شمنی، ۸فتح القدیر ابن الہمام، ۹کلام رئیس الحنفیہ امام ابوجعفر بن سلامہ طحاوی وغیرہ سے ثابت متون میں غیر وتر میں قنوت پڑھنا ممنوع ٹھہرایا شارحین کرام نے قنوت نوازل کو اس سے استثناء فرمایا۔

فی الدرالمختار ولایقنت فی غیرہ الالنازلۃ فیقنت الامام فی الجھریۃ وقیل فی الکل[1] وفی البحرالرائق فی شرح النقایۃ معزیا الی الغایۃ وان نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلٰوۃ الجھر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کلھا[2] ۔وفی الاشباہ والنظائر فائدۃ فی الدعاء برفع الطاعون سئلت عنہ فی طاعون سنۃ تسع وستین وتسعمائۃ بالقاھرۃ، فاجبت بانی لم ارہ صریحا، ولکن صرح فی الغایۃ وعزاہ الشمنی الیھا بانہ اذا نزل بالمسلمین نازلۃ قنت الامام فی صلواۃ الفجر وھو قول الثوری واحمد، وقال جمھور اھل الحدیث القنوت عند النوازل مشروع فی الصلوات کھما انتھی، وفی فتح القدیر ان مشروعیۃ القنوت للنازلۃ مستمرۃ لم تنسخ، وبہ قال جماعۃ من اھل الحدیث وحملو علیہ حدیث ابی جعفر	در مختار میں ہے کہ غیر وتر میں صرف قنوت نازلہ پڑھ سکتا ہے اور قنوت نازلہ امام جہری نماز میں پڑھے، اور بعض نے کہا تمام نمازوں میں پڑھے، اور بحر الرائق میں ہے کہ شرح نقایہ میں غایہ کے حوالہ سے ذکر کیا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور محدثین نے کہا کہ قنوت نازلہ تمام نمازوں میں جائز ہے۔اور الاشباہ والنظائر "طاعون کو ختم کرنے میں دعا کا فائدہ" میں ہے قاہرہ میں ۹۶۹ھ میں طاعون کے موقعہ پر مجھ سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو میں نے جواب میں کہا کہ میں نے صریح طور پر اس بارے میں نہیں دیکھا لیکن غایہ میں تصریح ہے کہ شمنی نے اس بات کو صاحبین کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اگر کوئی مصیبت نازل ہو تو امام نماز فجر میں قنوت پڑھے، یہ امام احمد اور امام ثوری کا قول ہے اور جمہور اہلحدیث نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں قنوت جائز ہے انتہی، اور فتح القدیر میں ہے قنوت نازلہ جاری ہے منسوخ نہیں ہے، اور اہل حدیث کی جماعت کا یہ قول ہے اور انہوں نے ابوجعفر کی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

[1] در مختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۴

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما مازال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقنت حتی فارق الدنیا ای عندالنوازل، وماذکرنا من اخبار الخلفاء یفید تقررہ لفعلھم ذلك بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد قنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم مسیلمۃ الکذاب وعندمحاربۃ اھل الکتٰب، وکذلك قنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وکذلك قنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی محاربۃ معاویۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما، وقنت معاویۃ فی محاربتہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انتھی، فالقنوت عندنا فی النازلۃ ثابت وھو الدعاء برفعھا ولاشك ان طاعون من اشد النوازل، قال فی المصباح، النازلۃ المصیبۃ الشیدۃ تنزل بالناس انتھی، وذکر فی السراج الوھاج قال الطحاوی ولایقنت فی الجر عندنا من غیر بلیۃ فان وقعت بلیۃ فلاباس بہ کما فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ قنت شھرا فیھا یدعو علی رعل وذکوان وبنی لحیان ثم ترکہ کذا فی الملتقط[1] انتھی(ملتقطا)۔

مروی حدیث اسی معنی پر محمول کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تاحیات قنوت نازلہ مصیبت پر پڑھتے رہے، اور خلفاء کے عمل کے بارے میں جوجو ہم نے ذکر کیا ہے وہ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ عمل جاری رکھا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسیلمہ کذاب سے صحابہ کی جنگ اور اہل کتاب سے جنگ میں قنوت پڑھی، اسی طرح عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قنوت پڑھی، اور ایسے ہی علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنگ کے دوران پڑھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جنگوں کے دوران قنوت پڑھی انتہی، پس قنوت نازلہ ہمارے ہاں مصیبت کو ختم کرنے کے لئے دعا کے طور پر ثابت ہے اور اس میں شک نہیں کہ طاعون بھی بڑی مصیبت ہے، اور مصباح میں فرمایا کہ نازلہ، لوگوں پر شدید مصیبت کے نزول کو کہتے ہیں انتہی، اور سراج الوہاج میں ذکر ہے کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ نزول مصیبت کے بغیر نماز فجر میں قنوت نہ پڑھی جائے لیکن اگر مصیبت نازل ہو تو ہمارے نزدیک قنوت پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک ماہ قنوت پڑھی اور اس میں رعل، ذکوان اور بنو لحیان پر بددعا فرمائی اور پھر آپ نے ترک کردی، ملتقط میں اسی طرح ہے انتہی ملتقطا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث فائدۃ فی الدعاء لرفع الطاعون ادارۃ القرآن کراچی ۲۶۱/۲ و ۲۶۲

یہاں سے ظاہر کہ اختلاف شافعیہ وحنفیّہ در بارہ قنوت فجر کہ وہ علی الدوام حکم دیتے اور ہم انکار کرتے ہیں غیر نوازل میں ہے، نہ قنوت نوازل میں اور بلاشبہ طاعون ووبا اشد نوازل سے ہیں اور ان کے عموم میں داخل کما مر من الاشباہ (جیسا کہ اشباہ سے گزرا۔ت) پس اگر امام، دفع طاعون ووبا کے لئے نمازفجر میں قنوت پڑھے تواس کے جواز ومشروعیت میں کوئی شبہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰۷ : ۸ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جسے امام کے پیچھے نماز وتر میں بھی رکعتیں فوت ہوئیں اور قنوت بھی وہ جب اپنی باقی نمازپڑھنے کو کھڑاہو تواخیر رکعت میں دعائے قنوت دوبارہ پڑھے یاوہی جوامام کے پیچھے پڑھی کافی ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اسی پراکتفا کرے دوبارہ نہ پڑھے کہ تکرار قنوت مشروع نہیں۔

فی الدر اما المسبوق فیقنت مع امامه فقط [1] اھ فی ردالمحتار لانه اٰخر صلوٰته ومایقضیه اولها حکما فی حق القرائة وماشبهها واذا وقع قنوته فی موضعه بیقین لایکرر لان تکراره غیر مشروع شرح المنیة [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دُر میں ہے کہ مسبوق (جس کی کوئی رکعت جماعت سے رہ جائے) صرف امام کے ساتھ قنوت پڑھے اھ۔ ردالمحتار میں ہے کیونکہ امام کے ساتھ اس کی نماز کاآخری حصہ ہے اور جس کو قضا کررہا ہے وہ قراءۃ وغیرہ کے اعتبار سے حکماً نماز کا اول ہے اور جب قنوت امام کے ساتھ اپنے محل میں اداہوچکی ہے تو اس کا تکرار نہ کیاجائے کیونکہ اس کا تکرار جائز نہیں، شرح منیہ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۱۰۸ : ازاوجین علاقہ گولیار مرسلہ محمدیعقوب علی خاں صاحب از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

دوسہ مردم درآں مسجد کہ امام بجماعت تراویح مشغول تام ست حاضر گردیدند آنہا نمازفرض بجماعت ادانمایند یاجداگانہ خواندہ ملحق جماعت تراویح شوند وبازوتر	دو تین آدمی مسجد میں آئے توامام نمازتراویح میں مصروف تھا، کیا یہ آنے والے اپنے فرض کی ادائیگی کے لئے جماعت کرائیں یاعلیحدہ علیحدہ پڑھیں اوراس کے بعد

[1] در مختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۶

راهمراه اما بخوانند یا تنها چراکه امام رابجماعت فرض نیافته، بیّنوا توجروا۔	تراویح کی جماعت میں شامل ہوں، اور کیا یہ لوگ وتر امام کے ساتھ جماعت سے ادا کریں یا اس امام کی جماعت کے ساتھ فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے وتر علیحدہ پڑھیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

جماعت تراویح مانع جماعت فرض نیست لان قیام جماعة انما یمنع اقامة جماعة اخری فی زمانها ومکانها اذا کانت الاولی داعیة لکل من یأتی الی الدخول فی نفسها وجماعة التراویح لاتدعو من لم یصل الفرض الی الدخول فیها فان الصحیح المعتمد بطلان التراویح قبل اداء الفرض ولذا قال فی جامع الرموز اذا دخل واحد فی المسجد والامام فی التراویح یصلی فرض العشاء اولا ثم یتابعه[1] پس آنانکه از پس رسیدند چوں شرعاً مامورند باداے فرض پیش از تراویح چراممنوع باشد از جماعت حالانکه چوں امام در تراویح ست محراب مشغول باشد پس عدول ازو که مبدل ہیأت ودرمذہب صحیح ومفتی به نافی کراہت ست کما نص علیه فی مواضع من ردالمحتار اینجاخود حاصل ست پس برمذہب صحیح ایناں راہیچ مانع ازاقامت جماعت نیست آرے ہر قدرکے توانند دور از جماعت نیست آرے ہر قدر که توانند دوراز جماعت قوم جماعت فرض برپاکنند تاہم خویشتن ازالتباس افعال واشتغال بال ایمن باشند وہم براہل تراویح	تراویح کی جماعت، فرض کی جماعت کے لئے مانع نہیں ہے کیونکہ دوسری جماعت کے لئے وہ موجودہ جماعت مانع ہوتی ہے جو کہ تمام آنے والوں کے لئے یہ پہلی موجودہ جماعت اپنے اندر داخل ہونے کی داعی ہو، جبکہ بعد میں آنے والے ان لوگوں کو جنہوں نے فرض نماز نہیں پڑھی، کے لئے یہ موجودہ جماعت تراویح داعی نہیں ہے کہ اس میں شامل ہوں، کیونکہ فرض ادا کرنے سے قبل تراویح کاپڑھنا صحیح مذہب میں باطل ہے، اسی بناء پر جامع الرموز میں کہاہے کہ جب کوئی ایک شخص جماعت تراویح ہوتے وقت آئے تو اس کو پہلے عشاکے فرض پڑھنے ہوں گے اور اس کے بعد تراویح کی جماعت میں شریک ہو، پس بعد میں آنے والے لوگ جب اس بات کے پابند ہیں کہ وہ پہلے فرض اداکریں اور بعد میں تراویح پڑھیں توشرعاً ان کو فرض کی ادائیگی جماعت کرانے میں کیامانع ہے خصوصاً جبکہ امام تراویح پڑھاتے ہوئے محراب میں ہے توبعد میں آنے والے اپنی جماعت کو محراب سے ہٹ کر کرائیں گے جس سے پہلی جماعت کی ہیئت تبدیل ہوجائے گی اور دوسری جماعت کی کراہت ختم ہوجائے گی جیسا کہ ردالمحتار

[1] جامع الرموز الوتر والنوافل مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۱۴

خصوصاً امام تالی قرآن تلبیس نمایند **ھذا کلہ مما لایخفی علی من لہ مساس بالفقہ** باز آنکس کہ فرض بجماعت گزاردہ است خواہ کود امام بودیا بامام دیگر غیرایں امام اقتدا نمودہ اوراامیر سد کہ دروتر بایں امام اقتداکند آرے ہرکہ فرج بہ تنہائی ادانمود اوررادروتر ہم منفرد باید بودعلامہ شامی دررالمحتار فرمود **لوصلاھا** (یعنی صلاۃ العشاء) **جماعۃ مع غیرہ ثم صلی الوتر معہ لاکراھۃ تأمل**[1] ومن فقیرایں مسئلہ رادر فتاوٰی خودم ہرچہ تمام تررنگ تفصیل دادہ ام۔**واللہ تعالٰی اعلم**	کی تصریح کے مطابق صحیح اور مفتی بہ مذہب یہی ہے جب کراہت کی وجہ خودبخود ختم ہوگئی تو ان لوگوں کی جماعت کے لئے کوئی بھی مانع نہ رہا، ہاں ممکن حدتک ان کو چاہئے کہ تراویح کی جماعت سے دوراپنی جماعت کریں تاکہ آپس میں قرأت اور افعال میں اشتباہ نہ پیداہو اور اطمینان قلبی سے نماز اداہوسکے، نیز تراویح کے امام جوکہ تلاوت میں مصروف ہے کو اشتباہ سے بچایاجاسکے۔ فقہ سے مس رکھنے والے کو یہ تمام معاملہ معلوم ہے، اور پھر جو شخص عشاء کے فرض جماعت سے اداکرچکا ہوخواہ اپنی جماعت کرائی ہو یا کسی اور امام یا اس تراویح والے کے ساتھ جماعت میں شامل ہواہو اس کو تراویح اور وترکی جماعت میں شریک ہونا جائزہے، ہاں جس نے فرض بغیر جماعت اکیلے پڑھے ہوں اس کو وتر اکیلے پڑھنے چاہئیں، علامہ شامی نے ردمحتار میں فرمایا کہ اگر کسی نے عشاء کی نماز کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت سے اداکی ہو تو وہ بلاکراہت اس امام کے ساتھ وتر جماعت سے پڑھ سکتاہے غور کیجئے، جبکہ اس فقیر نے اس مسئلہ کو ہمہ پہلو تفصیل کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردیاہے۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰۹: ازاوجین علاقہ گوالیار مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

بقلم خجستہ رقم عبارت فتاوٰی صاحب چنیں ترقیم آمدہ است کہ ہرآنکس کہ نماز فرض بجماعت گزاردہ است خود امام بودیا بامام دیگر غیرایں امام اقتدا نمودہ اوراامیر سد کہ دروتر ہم منفرد باید بودبدیں طورعلامہ شامی در ردالمحتار فرمودہ است فقط صاحبا	آپ کے مبارک قلم سے فتوٰی یوں جاری ہواہے کہ جو شخص عشاء کی نماز یعنی فرض جماعت سے پڑھ چکاہے خواہ خودامام بنا، یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھ چکاہو اس کو اس امام کے ساتھ باجماعت وترپڑھنے کا اختیار ہے، ہاں جو شخص اکیلے فرض اداکرے اس کو وتر بھی اکیلے پڑھنے چاہئیں

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

درفوائد الاعمال تصنیف قاضی محمد تقی صاحب فیروزپوری کہ فیروزپورہ از توابع ملک میوات ست وایں کتاب در علم فقہ معتبر ست ارقام فرمودہ کہ بعد نماز فرض درجہ واجب ست پس سبب سنت جماعت واجب راترک نماید وسنت راادا سازد کے روا بود بل لازم وواجب ست بعد ادائے نماز وتر تراویح باقیماندہ اداکنند اگرچہ بجماعت فرض بشمول نشدہ باشد ہمیں ست حکم کتب الفقہ ودر شامی جلد اول صفحہ ۴۷۶ ودر طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷ ودر درالمحتار وتنزیۃ القیام مصنفہ مولٰینا صاحب عبدالحق محدث دہلوی نوشتہ است کہ اگرچہ جماعت فرض بدست نیامدہ باشد تاہم وتر راضرور بجماعت ادانمودن درست ست یا قطعی حکم ممانعت ست مطلع فرمایند ایں گستاخی کہ ازیں احقرالبریہ رفتہ است معاف فرمایند وبخوف طول اصل عبارت موقوف داشتہ۔	علامہ شامی نے ردمحتار میں یونہی بیان کیا ہے فقط حالانکہ فوائد الاعمال جوکہ قاضی محمد تقی فیروزپوری کی تصنیف ہے اور فیروزپور میوات کے علاقہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ کتاب علم فقہ میں معتبر ہے، اس میں انہوں نے لکھاہے کہ فرض کے بعد واجب کا درجہ ہے لہذا سنت جماعت کی وجہ سے واجب کو یعنی وتر کو ترک کرنا اور سنت یعنی تراویح کوادا کرنا کب جائز ہوسکتا ہے اس لئے لازم ہے کہ وتر باجماعت اداکرکے باقی تراویح کو بعد مین پڑھے اگرچہ اس نے فرض اکیلے ہی پڑھے ہوں، یہی حکم کتب فقہ میں ہے اور شامی جلداول صفحہ ۴۷۶، اور طحطاوی جلد اول صفحہ ۲۹۷، اور ردالمحتار اور تنزیۃ القیام مصنفہ مولانا عبدالحق محدث دہلوی میں لکھا ہے کہ اگرچہ فرض جماعت سے ادانہ کئے ہوں تب بھی ضروری ہے کہ وتر جماعت سے اداکرلے، اب سوال یہ ہے کہ فرض باجماعت ادانہ کئے ہوں تب بھی وتر جماعت سے ادا کرنا جائز ہیں یاجائز نہ ہونے کا قطعی حکم ہے، مطلع فرمائیں، اس فقیر سے اگر گستاخی ہوئی ہو تومعاف فرمائیں اور طوالت کے ڈر سے اصل عبارت موقوف کردی ہے۔(ت)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، مہربانا حکم مسئلہ ہمان ست کہ فقیر نوشت وانچہ از چار کتاب آوردہ اند کہ جماعت وتر مطلق ضروری ولابدی ست درسہ پیشین اعنی حاشیہ شامی وطحطاوی ودر مختار زنہار ازیں معنی نشانے نیست و	اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائیل فرما، میرے مہربان اس مسئلہ کا حکم وہی جو اس فقیر نے لکھاہے، اور انہوں نے جن چار کتابوں کے حوالہ سھ لکھاہے کہ وتر کو جماعت سے پڑھنا مطلقًا ضروری ہے ان میں سے تین یعنی شامی، طحطاوی اور درمختار میں قطعاًاس مفہوم کا کوئی نشان تک نہیں ہے اور

تذکیۃ القیام رافقیر گاہے ندیدہ بلکہ نامش نشنیدہ ام اگراز تصانیف شیخ محقق قدس سرہ العزیز ست یقین دارم کہ ایں حکم دروہر گز نباشد وچساں گمان بردہ آید کہ عالمے معتمد ہمچو شیخ مستند ایں چنیں کلامے بے سند برخلاف اجماع رقم زند ضروری ولابدی بمود نش درکنار علمارا اختلاف ست کہ افضل در وتر جماعت ست یا بخانہ خویش تنہا گزاردن ائمہ افتاہر دو قول را تصحیح فرمودہ اند طرفہ آنکہ درمختار ہمیں قول اخیر یعنی افضیلت انفرادر مذہب قرارداد و شیخ محقق درماثبت بالسنہ ہموں را مختار گفت وآنانکہ افضیلت جماعت رامرجح داشتند سپید نگاشتند کہ جماعت در وتر سنتے بیش نیست بلکہ سنیت اوازسنیت جماعت تراویح نازل تر ست ودر بحر الرائق وغیرہ ہمیں بہ لفظ استحباب تعبیر رفت، اینک عبارت درمختار ھل الافضل فی الوتر الجماعۃ ام المنزل تصحیحان لکن نقل شارح الوھبانیۃ مایقتضی ان المذھب الثانی واقرہ المصنف وغیرہ[1]۔ شیخ فرماید اختلفوا فی الافضل فقال بعضھم	تزکیۃ القیام نام کی کتاب اس فقیر نے نہ دیکھی نہ سنی، اگر واقعی یہ کتاب شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی ہے توپھر مجھے یقین ہے کہ اس کتاب میں یہ حکم ہر گز نہ ہوگا حضرت شیخ جیسے قابل اعتماد عالم کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ایسی بے سند بات اور خلاف اجماع تحریر کردی ہے چہ جائیکہ انہوں نے ضروری اور لابدی قرار دیا ہو۔ علماء میں تو یہ اختلاف ہے کہ رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا افضل ہے یا تنہا گھر میں، جبکہ ائمہ کرام نے دونوں باتوں کو صحیح قرار ہے اور شیخ محقق نے بھی اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور وہ لوگ جو وتر کو جماعت سے پڑھنے کوافضل کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی وتر باجماعت، سنت سے زیادہ نہیں بلکہ یہ سنت ان کے ہاں تراویح کے سنت سے کم درجہ ہے، اور بحرالرائق میں تو اس کواستحباب سے تعبیر کیاہے، درمختار کی عبارت یہ ہے کیا وتر کی جماعت افضل ہے یا گھر میں پڑھنا، دونوں کی تصحیح موجود ہے، لیکن وہبانیہ کے شارح نے جو نقل کیااس کا مقتضی یہ ہے کہ دوسرا قول مذہب ومسلک ہے اسی کو مصنف وغیرہ نے ثابت کیاہے، اور شیخ عبدالحق نے یوں فرمایا ہے علماء نے وتر کے بارے میں اختلاف

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الافضل الاجماعة وقال الاٰخرون الافضل ان یوترفی منزله منفردا وهو المختار[1]۔(علامہ شامی قدس سرہ السامی فرمود رجع الکمال الجماعة فی شرح المنیة والصحیح ان الجماعة فیها افضل الا ان سنیتها لیست کسنیة جماعة التراویح اھ ملخصاً[2]۔ علامہ طحطاوی زیر قولش فی رمضان یصلی الوتر بهای بالجماعة"تحریر نمود"ای استحبابا کما فی البحروظاهر ماسیأتی له انها فیه سنة کالتراویح[3] پس روشن شد کہ نسبت کلام مذکور بایں علما غلط بودہ است واگراز حکم ضروری ولابدی بودن جماعت قطع نظر نمودہ آید تاہم نسبت بعلامہ شامی نسبت بمخالف ست زیراکہ او رحمہ اللہ تعالٰی تصریح فرمودہ است کہ ہرکہ درفرض منفرد بوددر وتر ہم اقتدا نکند از علامہ شمس قہستانی آورد واذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[4]۔ بازخود گفت ینبغی ان یکون قول القهستانی	کیا کہ افضل جماعت ہے یا افضل یہ ہے کہ گھر میں اکیلے پڑھے، اور یہ دوسرا قول ترجیح یافتہ ہے۔علامہ شامی نے فرمایا ہے کمال نے جماعت والے قول کو ترجیح دی ہے اور منیہ کی شرح میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جماعت افضل ہے، لیکن وتر کی جماعت سنت، تراویح کی جماعت کی سنت کی طرح نہیں ہےاھ ملخصاً۔اور علامہ طحطاوی نے ماتن کے اس قول کہ 'رمضان میں وتر جماعت سے پڑھے' کے بعد لکھا ہے کہ یہ استحباب ہے جیسا کہ بحر میں ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جو ان سے آگے آئے گا کہ رمضان میں وتر کی جماعت سنت ہے جیسے تراویح سنت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مذکورہ بات ان علماء کی طرف غلط منسوب کی گئی ہے اور لابدی اور ضروری حکم سے قطع نظر بھی علامہ شامی کی طرف اس بات کو منسوب کرنا ایک مخالف چیز کو منسوب کرنا ہے کیونکہ انہوں نے تصریح کی ہے کہ اگر فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے، اور علامہ قہستانی کے حوالے سے انہوں نے کہا ہے کہ جب فرض امام کی اقتدا میں نہ پڑھے ہوں تو وتر میں اس کی اقتدا نہ کرے۔اور علامہ نے خود فرمایا کہ علامہ قہستانی کا یہ کہنا کہ

[1] ماثبت بالسنة الفصل السابع ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۳۰۲

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ا/ ۵۲۵

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفة بیروت ا/ ۲۹۷

[4] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ا/ ۵۲۴

معه احتراز عن صلٰوتها منفرد امالو صلاها جماعة مع غیرہ ثم صلی الوتر معه لاکراھة تأمل[1] اھ ۔ ودر در مختار این مسئلہ را اصلاً ذکرے نیست۔ مصنف وشارح اعظم اللہ تعالٰی اجورھما وافاض علینا نورھما ہمیں نوشتہ اند کہ ہر کہ در تراویح منفرد بود در جماعت وتر داخل می تواند شد حیث قالا لولم یصلھا ای التراویح بالامام اوصلاھا مع غیرہ لہ ان یصلی الوتر معه[2] ایں مسئلہ را بامسئلہ ماچہ علاقہ کہ اینجا کلام در منفرد فی الفرض ست نہ منفرد فی التراویح وضرور نیست کہ ھر کہ تراویح تنہا گزاردہ است درفرض نیز منفرد بودہ باشد بازشارح رحمہ اللہ تعالٰی سوالے آوردہ است کہ اگر ہمہ ہا جماعت تراویح راترک کردہ باشد آیا ایشاں رامی رسد کہ وتر بجماعت گزارند اینجا، ہیچ حکمے ننمود وامر بمراجعت کتب فرمود حیث قال بقی لو ترکھا الکل ھل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع[3]۔ آرے

اس امام کے پیچھے فرض نہ پڑھے ہوں" کا مطلب یہ ہے اکیلے پڑھے ہوں، لیکن اگر اس نے فرض کسی دوسرے امام کی اقتدا میں پڑھے ہوں تو پھر وتر میں امام کے ساتھ جماعت میں پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں ہے، غور کر اھ۔ اور در مختار میں ہے اس مسئلہ کا بالکل ذکر نہیں ہے مصنف اور شارح (اللہ تعالٰی ان کے اجر کو عظیم فرمائے اور ان کے نور کا ہم پر فیضان فرمائے) دونوں نے لکھا ہے کہ کسی نے صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ انہوں نے یوں فرمایا اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو اس کو اس امام کے ساتھ وتر پڑھنا جائز ہیں لیکن اس مسئلہ کا ہمارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہمارا مسئلہ تو اکیلے فرض پڑھنے والے کے بارے میں ہے نہ کہ اکیلے تراویح پڑھنے کے بارے میں ہے کیونکہ تراویح اکیلے پڑھنے کو یہ لازم نہیں کہ فرض بھی اکیلے پڑھے ہوں۔ اس کے بعد شارح نے خود سوال اٹھایا کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح باجماعت نہ پڑھی ہوں وان کو یہ جائز ہوگا کہ وہ وتر باجماعت ادا کریں۔ شارح نے یہ سوال بیان کرکے کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہا اس بارے میں کتب کو دیکھا جائے، انہوں نے اس کو یوں بیان فرمایا "یہ بات باقی ہے کہ اگر تمام حاضرین نے تراویح کی

[1] ردالمحتار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

[2] در مختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[3] در مختار آخر باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

علامہ حلبی محشیٰ درجواب ایں سوال ازرائے وفہم خود چناں بحث کرد کہ گوجماعت تراویح یکسر متروک باش تاہم مقتضائے تعلیل آن ست کہ جماعت وتر روا باشد زیرا کہ او نماز مستقل بنفسہ است وھذا نصه علی مانقل العلامة الطحطاوی قوله فلیراجع قضية التعليل فی المسئلة السابقة بقولهم لانها تبع، ان یصلی الوتر بجماعة فی ھذه الصورة لانه لیس بتبع للتراویح ولاللعشاء عندالامام رحمه الله تعالٰی[1] ایں جائیز چنانکہ دیدی کلام در منفرد فی الفرض نیست ۔ نعم ربما یوھم قوله ولاللعشاء، جوازبجماعة الوتر وان ترکوا جماعة الفرض اصلا لکنه کما علمت خلاف المنقول وماکان لبحث ان یقبل علی خلاف المنصوص لاسیما وھو غیرمستقیم فی نفسه اذ لیس قضية التعليل مامر کما افاد العلامة الشامی واجاد حیث قال قوله بقی الخ الذی یظھر ان جماعة الوتر

جماعت کو ترک کیا ہو تو وتر جماعت سے پڑھ سکتے ہیں تو اس مسئلہ میں کتب کو دیکھا جائے، ہاں علامہ حلبی محشیٰ نے ازخود اس سوال کے جواب میں اپنی رائے اور فہم سے یہ بحث کی ہے کہ اگرچہ تراویح کی جماعت متروک ہوگئی مگراب وتر کی جماعت کو ترک نہ کریں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وتر ایک مستقل علیحدہ نماز ہے اور ان کا بیان یہ ہے جیسا کہ علامہ طحطاوی نے ان کا بیان نقل کیا ہے "کتب کی طرف رجوع کرو" یہ اس علت کا قرینہ ہے جو انہوں نے سابقہ مسئلہ میں بیان کی ہے کہ تراویح تابع ہیں اس لئے اس کو جائز ہے کہ وہ وتر باجماعت پڑھے، کیونکہ وتر نہ تو تراویح کے تابع ہیں اور نہ ہی عشاء کے۔ امام صاحب کے قول میں رحمہ اللہ تعالٰی، آپ نے ملاحظہ کیا کہ یہاں بھی فرض اکیلے پڑھنے والے کے بارے میں بات نہیں ہے۔ ہاں اس کا قول "عشاء کے بھی تابع نہیں" وہم پیدا کرتا ہے کہ وتر کی جماعت جائز ہے اگرچہ سب حضرات نے فرض کی جماعت کو ترک کردیا ہو، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ یہ بات نقل کے خلاف ہے اور منقول کے خلاف کوئی بحث قابل قبول نہیں ہوتی خصوصاً جبکہ وہ بحث خود بھی درست نہ ہو، کیونکہ علت والا معاملہ وہ نہیں جو بیان ہوا، جیسا کہ علامہ شامی نے خوب بیان فرمایا جہاں انہوں نے یہ کہا "یہ بات باقی ہے الخ" ان کا یہ سوال اس بات کو ظاہر کررہا ہے کہ وتر کی جماعت

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۷

تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح علی انهم اختلفوا فی افضلیة صلاتها بالجماعة بعد التراویح کمایأتی[1] اھ ومن فقیر درفتوی عربیہ کہ بجواب سوال مولوی محمد عبداللہ صاحب پنجابی ھزاری بتاریخ نوزدہم شہر ربیع الاٰخر ۱۳۰۶ ہجریہ نوشتہ ام ایں مقام را باقصائے مراتب تنقیح وتوضیح رسانده ام وباللہ التوفیق سخن گفتن ماند از کتاب فوائد الاعمال مہربانا معتبر بودن کتابے نزد بعض معتقدین چیزے ومعتبر بودنش فی نفسہ چیزے دیگرست، باز اعتبار کتابے مستلزم آں نیست کہ ہرچہ درومذکور ست مختار ومنصور ست، زنہار در کتب اجلہ ائمہ ہیچ یک کتابے نیابی کہ در بعض مواضع مجال نقد وتنقیح نداشتہ باشد تا بتالیف مااحداث ہند، چہ رسد، مؤلف اگرایں مسئلہ را از پیش خود گفتہ است بجوئے نیرزد ورنہ برولازم بود کہ نص کتاب آوردے یالااقل نام کتاب بردے، تنہا گفتش کہ ہمیں ست حکم کتب الفقہ، چگونہ قبول افتد	تراویح کی جماعت کے تابع ہے اگرچہ وتر فی نفسہٖ مستقل نماز ہے، کیونکہ وتر کی جماعت کا سنت ہونا، یہ نقل سے ثابت ہے کہ یہ تراویح کے تابع ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ علماء نے تراویح کے بعد وتر باجماعت پڑھنے کی افضلیت میں اختلاف کیاہے، جیسا کہ آئندہ آرہاہے اھ۔ اور مجھ فقیر نے عربی فتوی جو کہ مولوی عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری کے سوال کے جواب میں بتاریخ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۰۶ھ لکھاہے اس میں اس مقام پر خوب اعلٰی تنقیح وتوضیح سے کام لیاہے وباللہ التوفیق، فوائد الاعمال کے متعلق بات کرنا باقی ہے، میرے مہربان، کسی کتاب کا معتقدین کے ہاں معتبر ہونا ایک بات ہے اور اس کتاب کی اپنی حیثیت میں معتبر ہونا اور بات ہے نیز کسی کتاب کے معتبر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں جوکچھ موجود ہے وہ تمام معتبر ومختار ہو ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ بڑے بڑے ائمہ کرام کی کتابوں میں سے کوئی بھی کتاب ایسی نہیں کہ اس کے بعض مقامات قابل تنقید وتنقیح نہ ہوں، تو ہم نئے لوگوں کی کتابوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سب کچھ درست ہے۔ فوائد الاعمال کے مصنف نے اگر یہ مسئلہ خود اپنی طرف سے کہہ دیا تو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے ورنہ ان پر لازم تھا کہ وہ کسی ایک کتاب کا ہی حوالہ ذکر کردیتے اور

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

حالانکہ در کتب فقہ ہمچو منیۃ الفقہاء وغنیہ وشرح نقایہ وردالمحتار تنصیص بخلافش می یابیم بازا گر بر خاطر احباب گراں نیاید سخن از نقد کلامش رانم وبر ہمگناں واضح ولائح گردانم کہ ایں کلام چہ قدر، از پایۂ فقاہت دور ومہجور افتادہ است **اوّلاً** باید دانست کہ علماء را در وقت تراویح دو قول مذیل بطراز تصحیح ست یکے آنکہ وقتش مابین عشاء ووترست تا آنکہ بعد وتر روانبود چنانکہ بیش از فرض روا نیست صححه فی الخلاصة ورجحه فی غایة البیان بانه الماثور المتوارث [1] اھ ش عن البحر، دوم آنکہ بعد عشاء تا طلوع فجر وہمیں ست ارجح التصحیحین عزاه فی الکافی الی الجمهور وصححه فی الهدایة و الخانیة والمحیط [2] اھ ش عن الزین برمذہب اول ہر کرا چیزے از تراویح باقی ماند وامام بوتر برخاست حکم ہمیں ست کہ بہ بقیہ تراویح اشتغال نماید وبجماعت وتر درنیاید زیرا کہ نزد ایشاں پس از وتر وقت تراویح	صرف یہ کہہ دینا کہ کتب فقہ کا یہ حکم ہے، کیسے قابل قبول ہوسکتا ہے حالانکہ کتب فقہ مثلاً منیۃ الفقہاء، غنیہ، شرح النقایہ اور ردمحتار میں ہم اس کا خلاف پاتے ہیں پھر اگر دوستوں پر گراں نہ گزرے تو ہم اس کا تنقیدی جائزہ پیش کریں، اور ان پر واضح کردیں کہ ان کے بیان کی کیا حیثیت ہے اور یہ کہ فقہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے **اوّلاً** معلوم ہونا چاہئے کہ تراویح کے وقت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں جو کہ تصحیح کے معیار پر آتے ہیں: ایک یہ کہ تراویح کا وقت، نماز یعنی فرض عشاء اور وتر کے درمیان ہے اس بناپر فرض سے قبل تراویح جائز نہیں جس طرح کہ وتر کے بعد جائز نہیں، اس قول کو خلاصہ میں صحیح قرار دیا ہے اور غایۃ البیان نے اس کو زمانہ بزمانہ منقول کہہ کر ترجیح دی ہے اھ۔ یہ شارح نے بحر سے نقل کیا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا وقت بعد از عشاء تا طلوع فجر ہے، یہی قول صحت میں راجح ہے اور کافی میں اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے اور ہدایہ، خانیہ اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اھ۔ یہ شارح نے زین سے نقل کیا ہے اب پہلے قول کے مطابق اگر کسی کی کچھ تراویح رہتی ہوں اور امام وتر شروع کرچکا ہے اس کو یہ حکم ہے کہ وہ امام کے

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱
[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱

فوت می شود۔امام طاہر بن احمد بخاری درخلاصہ فرمود **یشتغل بالترویحة الفائتة لانه لایمکنه الاتیان بها بعد الوتر**[1] وبرمذہب دوم بہردوامر مخیّراست اما اختلاف درافضل افتاد ہرکہ دروتر انفرادرا بہتر دانستہ نزد او اشتغال بترویحہ فائتہ رابس انداختن خوشتر ومانا کہ ہمیں احب باشد وفقیر گویم چوں صحیح دوم جانب عدم صحت تراویح بعد وتراست ینبغی انسب مراعات آں باشد واللہ تعالٰی اعلم۔ **قال فی الدرالمختار وقتها بعد صلاة العشاء الی الفجر قبل الوتر وبعده فی الاصح فلوفاته بعضها وقام الامام الی الوتر اوتر معه ثم صلی مافاته**[2] **اھ قال فی ردالمحتار قوله فلوفاته بعضها الخ تفریع علی الاصح لکنه مبنی علی ان الافضل فی الوتر الجماعة لاالمنزل**	ساتھ وتر نہ پڑھے بلکہ بقیہ تراویح کو پہلے پڑھے کیونکہ اس قول والوں کے ہاں وتر کے بعد تراویح کاوقت ختم ہوجاتا ہے۔ امام طاہر بن احمد بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں کہ وہ بقیہ تراویح ادا کرے کیونکہ وتر کے بعد اس کو تراویح پڑھنا ممکن نہیں۔اور دوسرے قول کے مطابق اس کو دونوں طرح اختیار ہے کہ بقیہ تراویح وتر سے پہلے پڑھے یا بعد۔ لیکن افضل ہونے میں ضرور اختلاف ہے کہ جولوگ وتر تنہا پڑھنا افضل کہتے ہیں کہ تراویح پہلے پڑھے اور جو جماعت کو بہتر جانتے ہیں ان کے نزدیک پہلے وتر جماعت کے ساتھ پڑھ کر اس کے بعد باقی ماندہ تراویح پڑھے، یہ تسلیم ہے کہ پسندیدہ امر یہی ہے لیکن ایک قول میں وتر کے بعد تراویح جائز نہیں ہے، اس لئے یہ فقیر کہتا ہے کہ اس قول کی رعایت زیادہ مناسب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں کہا کہ تراویح کا وقت عشاء کی نماز کے بعد تا طلوع فجر ہے وتر سے قبل یا بعد یہ اصح قول ہے۔ پس اگر کچھ تراویح رہ جائیں اور امام وتر کے لئے کھڑا ہوجائے تو اسے چاہئے کہ وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے اور فوت شدہ تراویح اس کے بعد پڑھے اھ۔ اس پر ردمحتار میں کہا (**قوله فلوفاته بعضها** الخ) یعنی ماتن کا قول کہ اگر کچھ تراویح رہ جائیں، یہ اصح قول پر تفریع ہے لیکن یہ تفریع اس بات پر مبنی ہے کہ وتر گھر کی بجائے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث فی التراویح مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۳

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۸

وفیہ خلاف سیأتی فقولہ اوتر معہ ای علی وجہ الافضلیۃ[1] الخ۔ بالجملہ بریک مذہب راہ ہمیں ست کہ بجماعت وترشرک نکند وبرمذہب دیگرنزد بعضے افضل ہمیں ست ونزدکہ صاحب فوائد نوشت مذہب ہیچ عالمے نیست نہ زنہارا از شرع بروے دلیلے۔ ثانیاً قول اوپس بسبب سنت، جماعت واجب راترک نماید وسنت راادااسازدکے روابود طرفہ استدلالے ست اگر لفظ واجب صفت جماعت سنت بداہتہ غلط وباطل بالاگفتہ ایم کہ جماعت وترنزد ہیچ کسے واجب نیست واگرمضاف الیہ است پس دلیل واضح الاختلال، سخن درترک جماعت ست نہ درترک وتر پس قول او"کے روابود"کے روابود، الحاصل حکم ہمان ست کہ فقیر درفتوائے پیشیں نوشتہ ام وازردوقدح ہمچو کلمات سکوت اولی بود اگر ایضاح صواب وکشف ارتیاب مقصود نبودے، بازدرضمن بیان، مسائل نافعہ کہ بروئے کارآمد نفع خوبی ست کہ حامل بریں تحریر می تواند شد مہربانا سخن برانچہ نقل فرمودہ اند رواں کردم ورنہ فقیرکتاب فوائد الاعمال ہم ندیدہ ام، ندانم کہ اصل عبارتش چیست ومولفش کیست واللہ تعالٰی اعلم۔	باجماعت پڑھنا افضل ہے اور اس میں اختلاف ہے جو آگے آرہا ہے اور اس کا قول کہ امام کے ساتھ وترپڑھے یعنی مستحب یہ ہے۔اصل کلام یہ ہے کہ ایک قول میں یہ متعین ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ وترنہ پڑھے اور دوسرے مذہب پرافضل یہ ہے کہ وترباجماعت نہ پڑھے، ایک قول کے مطابق اور دوسرے قول کے مطابق اگرچہ اقتداء اور جماعت افضل ہے تاھم جماعت کالازم ہونا اور واجب ہوناوترکے لئے کسی عالم کامذہب اور قول نہیں جیساکہ فوائد الاعمال والے نے لکھاہے اورنہ ہی شرع میں اس پر کوئی دلیل ہے۔ ثانیاً اس کا یہ کہناکہ سنت کی وجہ سے جماعت واجب کاترک کرناکیسے جائز ہوسکتاہے، یہ عجیب استدلال ہے، اس میں لفظ واجب اگر جماعت کی صفت ہے تویہ غلط اور باطل ہے کیونکہ وتر کی جماعت کسی کے ہاں بھی واجب نہیں ہے اور لفظ واجب جماعت کا مضاف الیہ ہے یعنی واجب کی جماعت، توپھریہ دلیل واضح طورپرخلل والی ہے کیونکہ بات تو ہورہی ہے جماعت کےترک میں نہ کہ واجب یعنی وترکے ترک میں، اس کا یہ کہناکہ "کیسے جائزہوسکتاہے"کیسے جائز اور درست ہوسکتاہے! الحاصل یہ کہ مسئلہ کاحکم وہی ہے جو اس فقیرنے پہلے فتوے میں لکھاہے، ایسی باتوں پربحث کرنے سے سکوت بہترتھا، اگردرست موقف کی وضاحت اور شکوک کودفع کرنا مقصود نہ ہوتا نیز بحث میں ضمنی مسائل ہیں جوکہ بروئے کارلانے میں مفید ہوسکتے تھے جن کی وجہ سے میں نے یہ بحث کی ہے ورنہ ضرورت نہ تھی،

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۱

مہربانوں نے جیسے عبارت نقل کی اس کے مطابق میں نے تسلیم کرتے ہوئے جواب لکھ دیا ورنہ اس فقیر نے کتاب فوائد الاعمال نہیں دیکھی اور نہ یہ معلوم کہ اصل عبارت کیا اور کتاب کا مصنف کون ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱۰: مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب پنجابی ہزاری مدرس اول مدرسہ عربیہ بریلی ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الرجل الذی اقتدی بالامام فی التراویح وقد صلی الفرض فی بیتہ اومع غیرذلك الامام ھل یصلی الوتر بالجماعۃ ام لا والوتر بالجماعۃ تابع لرمضان ام لجماعۃ الفرض بینوا توجروا۔	اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جس نے فرض اکیلے گھر میں پڑھے یا کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے کیا وہ شخص باجماعت تراویح والے امام کے پیچھے وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور وتر باجماعت رمضان کے تابع ہے یا فرض کی جماعت کے تابع ہیں، بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

من صلی الفرض منفرد الایدخل فی جماعۃ الوتر ومن صلاھا جماعۃ ولوخلف غیرھذا الامام فلہ ان یأتم بہ فی الوتر ای وان لم یکن ادرك التراویح معہ ھو الصحیح المعتمد فی الغنیۃ شرح المنیۃ للعلامۃ ابراھیم الحلبی، اذا لم یصلی الفرض مع الامام فعن عین الائمۃ الکرابیسی انہ لایتبعہ فی التراویح ولاالوتر و کذا اذا لم یتعابعہ فی التراویح لایتابعہ فی الوتر وقال ابویوسف البانی اذا صلی مع الامام شیئا من التراویح یصلی معہ الوتر وکذا اذا	جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ وتر کی جماعت میں شریک نہ ہو اور جس نے فرض جماعت سے ادا کئے ہوں اگرچہ کسی دوسرے کی جماعت کے ساتھ پڑھے ہوں وہ اس وتر پڑھانے والے کے ساتھ جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اگرچہ اس نے اس امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، یہی صحیح اور قابل اعتماد ہے، منیہ کی شرح غنیہ میں علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا کہ جب فرض جماعت کے ساتھ نہ پڑھے تو عین الائمہ کرابیسی سے روایت ہے کہ وہ تراویح اور وترامام کے ساتھ نہ پڑھے اور یوں اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہو و بھی وہ وتر امام کے ساتھ نہ پڑھے، اور ابویوسف البانی نے فرمایا کہ اگر امام کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لی ہوں تو اس کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے اور یوں ہی اگر اس نے تراویح

لم یدرك معه شیئا منها وكذا اذا صلی التراویح مع غیره له ان یصلی الوترمعه وھو الصحیح ذكره ابو اللیث وكذا قال ظهیر الدین المرغینانی لوصلی العشاء وحده فله ان یصلی التراویح مع الامام وھو الصحیح حتی لودخل بعد ماصلی الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح وفی القنیة لوتركواالجماعة فی الفرض لیس لهم ان یصلواالتراویح جماعة لانها تبع للجماعة[1] اھ وقال فی ردالمحتار عند قوله لولم یصلها (ای التراویح) بالامام له ان یصلی الوتر معه، فی التتارخانیة عن التتمة انه سئل علی بن احمد عمن صلی الفرض و التراویح وحده اوالتراویح فقط ھل یصلی الوتر مع الامام فقال لااھ ثم رأیت القهستانی ذكر تصحیح ماذكره المصنف (ای من جوز الوتر جماعة لمن صلی التراویح منفردا ای و الفرض جماعة قال الشامی

جماعت سے کچھ بھی نہ پڑھی ہوں تو وہ شریک ہوسکتا ہے، اور اگر اس نے ایسے ہی تراویح کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے، یہی صحیح ہے اس کو ابولیث نے ذکر کیا ہے اور ظہیر الدین مرغینانی نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر اس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں تو تراویح امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے یہی صحیح ہے حتی کہ اگر وہ امام کے فرض پڑھالینے کے بعد اور تراویح میں شروع ہونے کے بعد مسجد میں آیا تو اس کو چاہئے کہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کر بعد میں تراویح کی جماعت میں شریک ہو۔ اور قنیہ میں ہے اگر کچھ لوگوں نے فرض کی جماعت ترک کردی تو ان کو تراویح باجماعت نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ تراویح فرض باجماعت کے تابع ہیں اھ۔ اور ردمحتار میں اس کے قول پر، اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو اس کو وترامام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت ہے"۔ تتارخانیہ میں تتمہ سے نقل ہے کہ علی بن احمد سے سوال کیا گیا کہ وہ شخص جس نے فرض اور تراویح اکیلے پڑھے ہوں یا صرف تراویح اکیلے پڑھی ہوں کیا وہ وترامام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے؟ توانہوں نے جواب میں کہا کہ نہیں پڑھ سکتااھ۔ پھر میں نے قہستانی کو مصنف کی تصحیح ذکر کرتے ہوئے پایا، یعنی جس نے تراویح اکیلے اور فرض جماعت سے پڑھے ہوں تو اس کو وتر جماعت سے پڑھنے کی اجازت ہے۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی باب التراویح مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱۰

ثم قال (یعنی القهستانی) لکنه اذا لم یصلی الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] اھ۔**قلت** وعزاه القهستانی للمنیة وهی منیة الفقهاء لامنیة المصلی کماظنه بعج المتصدین للفتوی فی عصرنا فنسبه الی عدم مطابقة النقل للمنقول عنه قال الشامی فقوله (یعنی المصنف) ولولم یصلها ای وقد صلی الفرض معه لکن ینبغی ان یکون قول القهستانی معه احتراز عن صلٰوتها منفردا[2] **قلت** فیکون علی وزان قول الغنیة المار، اذا لم یدرك معه شیئا منها، فانما اراد به الانفراد لامایشمل الادراك مع غیره، بدلیل قوله عطفا علیه"وکذا اذا صلی التراویح مع غیره"قال الشامی امالوصلاها (یعنی الفریضة) جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لاکراهة تأمل[3] انتهی۔ **اقول:** معلوم ان الضمیر فی قوله لایتبعه للامام مطلقا لالخصوص	قہستانی نے پھر فرمایا: لیکن اگر فرض اس نے جماعت سے نہ پڑھے ہوں تو وتر بھی با جماعت نہ پڑھے اھ۔ **میں کہتاہوں** کہ اس بات کو قہستانی نے منیہ کی طرف منسوب کیاہے یاد رہے کہ یہ منیۃ الفقہاء مراد ہے منیۃ المصلی نہیں جیسا کہ بعض معاصر فتوٰی نویسوں کو یہاں غلط فہمی ہوئی ہے اورانہوں نے نقل کو اصل کے مطابق نہ ہونے کی شکایت کی ہے علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف کا قول کہ اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں یعنی فرض امام کے ساتھ پڑھے ہوں، لیکن مناسب یہ ہے کہ قہستانی کا "معہ" کہنا، یہ تراویح اکیلے پڑھنے کی صورت کو جدا کرنا ہے۔ **میں کہتاہوں** یہ غنیہ کے گزشتہ قول "جب امام کے ساتھ کچھ تراویح نہ پڑھے" کے انداز پر ہے کہ اس سے مراد اکیلے پڑھنا ہے نہ کہ وہ معنی جس میں کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھنا شامل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے دوسرے امام کے ساتھ پڑھنے کو علیحدہ عطف کے ذکر کیاہے۔اور علامہ شامی نے فرمایا: اور اگر اس نے فرض کسی اور امام کے ساتھ جماعت میں پڑھا ہو اور پھر وتر اس امام کے پیچھے پڑھ لے تو کوئی کراہت نہیں، غور کر، انتہی۔ **میں کہتاہوں** یہ بات واضح ہے کہ "**لایتبعہ**" میں ضمیر کا مرجع خاص امام نہیں

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

[3] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبع مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۴

هذا الامام فان من صلی الفریضة منفردا لیس له ان یدخل فی جماعة الوتر لامع هذا الامام ولامع غیره فکذلك فی قوله معه وبالجملة فالمتحصل شیئان احدهما ان المنفرد فی الفرض ینفرد فی الوتر اوماوقع فی"منهیة الدر الفرید فی مسائل الصیام والقیام للعید"للفاضل المفتی محمد عنایت احمد علیه رحمة الاحد، ان لم یصلی الفرض بجماعة فله ان یدخل فی جماعة الوتر وعزاه لحاشیة الطحطاوی فسهو۔ وانا قد راجعت المعزی الیه فلم اجده ناصابما ظن، نعم قدتشم من بعض کلماته رائحة ذلك حیث قال عند قول الدرالمختار لوترکها الکل (یعنی جماعة التراویح) هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع[1] قضیة التعلیل فی المسئلة السابقة (ای لوترکوا الجماعة فی الفرض لم یصلوا التراویح بجماعة) بقولهم لانها تبع ان یصلی الوتر جماعة فی هذه الصورة لانه لیس بتبع

بلکہ کوئی بھی ہوسکتاہے، کیونکہ جس نے فرض اکیلے پڑھے ہوں وہ کسی امام کے ساتھ وتر باجماعت نہیں پڑھ سکتاخواہ یہ امام ہو یا کوئی اور ہو، اور اسی طرح اس کے قول"معہ"میں بھی ضمیر کامرجع عام ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں حاصل ہوئیں، ایک یہ کہ جس نے فرض اکیلے پڑھے وہ وتر بھی اکیلے پڑھے۔ دررالفرید فی مسائل الصیام والقیام والعید جوکہ فاضل مفتی محمد عنایت احمد علیہ الرحمۃ کی کتاب ہے، کے منہیہ میں جومذکورہے کہ اگر کسی نے فرض جماعت سے نہ پڑھے ہوں تووتر کی جماعت میں شریک ہوسکتاہے، اور اس بات کو انہوں نے حاشیہ طحطاوی کی طرف منسوب کیاہے، تو یہ سہوہے۔ حالانکہ میں نے حاشیہ طحطاوی کودیکھا ہے میں نے اس میں یہ بات صراحۃً مذکورنہ پائی، ہاں علامہ طحطاوی کی ایک عبارت سے اس بات کی بوآتی ہے، جہاں انہوں نے درمختار کے اس قول"اگرسب نے جماعت تراویح کوترک کردیا ہوتو کیا وہ وترجماعت سے اداکرسکتے ہیں، اس بارے میں رجوع کرناچاہئے"پرلکھاہے کہ سابقہ مسئلہ کی تعلیل کی طرف رجوع کرنے کااشارہ ہے یعنی وہ سابقہ مسئلہ یہ ہے کہ"اگرفرض باجماعت کوانہوں نے ترک کیاہو توتراویح جماعت سے ادانہ کریں"اس مسئلہ کی تعلیل یہ ہے، جس کو انہوں نے یوں بیان کیاہے، کیونکہ تراویح تابع

[1] درمختار باب الوتروالنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

للتراویح ولاللعشاء عندالامام رحمه الله تعالٰی انتهی [1] حلبی انتهی فقد یوهم قوله"ولا للعشاء"جواز الوتر بجماعة ولولم یصل هو بل الکل الفرض بها لکنه کما علمت خلاف المنصوص فان الذی فی ردالمحتار عن شرح النقایة عن المنیة ان لم یحمل علی مامر کان ادخل فی الرد علی هذا الایهام واما ماذکر انه لیس بتبع عند الامام فنعم ونعم الجواب عنه ماافاد المولی المحقق ابن عابدین ان اصالته فی ذاته لاتنافی کون جماعته تبعا۔ **قلت** الاتری ان الظهر و العصر من اعظم الفروض المستقلة والجمع بینهما من توابع الوقوف بعرفة ولوفی حجة نافلة فافهم قال الشامی انهم اختلفوا فی افضلیة صلاتها بالجماعة بعد التراویح [2] اھ	ہیں، وہ وتر کو اس صورت میں جماعت کے ساتھ پڑھے کیونکہ وترتراویح کے تابع ہیں اور نہ ہی عشاء کے تابع ہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، انتہی حلبی انتہی، اس میں اس کا قول کہ وترعشاء کے تابع نہیں ہے، وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کے یا سب کے فرض باجماعت پڑھے بغیر وتر کو باجماعت پڑھنا جائز ہے لیکن یہ بات علماء کی نص کے خلاف ہے ردالمحتار میں شرح نقایہ سے اور اس نے منیہ سے نقل کرتے ہوئے جو ذکر کیا ہے اگر اس کو گزشتہ مفہوم پر محمول نہ کیا جائے تو وہ اس وہم کا بہترین رَد ہے اور یہ بیان کہ وترامام صاحب کے نزدیک عشاء کے تابع نہیں ہیں، ہاں یہ درست ہے۔ اور اس کا بہترین جواب وہ ہے جس کو آقا محقق ابن عابدین نے بیان فرمایا ہے کہ وتر فی ذاتہ اصل ہیں اور ان کی جماعت کا عشاء کے تابع ہونا فی ذاتہ اصل ہونے کے منافی نہیں ہے۔ **میں کہتا ہوں** کیاآپ نے نہیں دیکھا کہ ظہراور عصر کے فرض عظیم اصل اور مستقل ہیں لیکن اس کے باوجود ان دونوں فرضوں کومقام عرفات کے تابع قراردے کرجمع پڑھاجاتا ہے خواہ نفلی حج ہی کیوں نہ ہو۔ غور کر۔ علامہ شامی نے ماتن کی اس عبارت پرکہ "وتر کوتراویح کے بعد باجماعت پڑھنے کی افضلیت میں اختلاف ہے"پرفرمایا

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ بیروت ۱/ ۲۹۷
[2] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۸

ای فکانت جماعته ادون حالامن جماعة التراویح المسنونة عند الجمهور حتی لوترکها الکل اثموا فکیف بجماعة الفرض الواجبة علی الصحیح الرجیح فساغ ان یکون تبعا فی الجماعة وان کان اصلا فی الذات حتی افسد تذکرہ المکتوبات۔	یعنی وتر کی جماعت تراویح کی جماعت سے ادنٰی ہے کیونکہ تراویح کی جماعت جمہور کے ہاں مسنون ہے حتی کہ اگر تمام لوگ تراویح کی جماعت کے تارک ہوں تو سب گنہگار ہوں گے، توجماعت وتر کافرض کی جماعت سے جو کہ راجح قول کے مطابق واجب ہے، کیامقابلہ ہے، پس یہ بات ظاہر ہو گئی کہ وتر اگرچہ فی ذاتہ مستقل نماز ہیں لیکن ان کی جماعت عشاء کی نماز فرض کے تابع ہے اس لئے اگروتر کی جماعت میں یاد آئے کہ عشاء کے فرض باقی ہیں تووتر فاسد ہو جائیں گے)
قلت علی ان التعلیل بالقضیة المذکورة تعلیل بالنفی وھو عندنا من التعلیلات الفاسدة کما صرحوا باہ فی الاصول و حصرالعلة فی التبعیة ممنوع محتاج الی البیان ھذا والاخر ان من صلی الفرض بجماعة یجوز له الدخول فی جماعة الوتر سواء صلی الفرض خلف ھذاالامام اوخلف غیرہ کما قررالشامی وسواء صلی التراویح وحدہ او خلف ھذا الامام اوغیرہ کما نصوا علیه قلت بل ومن لم یصلها رأسا کما یشمله اطلاق قوله ولولم یصلها بالامام له ان یصلی الوتر معه فانه یصدق بانتفاء القید و المقید جمیعا ولیحرر، اماماذکروا ان جماعة الوتر ھل ھی تبع	**میں کہتاہوں** کہ علامہ شامی کا متن کے قول مذکور کو علت قرار دینا یہ تعلیل بالنفی ہے جبکہ ہم احناف کے ہاں تعلیل بالنفی فاسد ہے جیسا کہ اصول فقہ میں اس کی انہوں نے تصریح کی ہے پھر اس کلام کو وتر کی جماعت کافرض کے تابع بنانے کے لئے ہی علت ماننا محتاج بیان ہے،اس کو محفوظ کر،اس بحث سے حاصل شدہ دوسری چیز یہ ہے کہ جس نے فرض باجماعت ادا کئے ہوں خواہ کسی دوسرے امام کے ساتھ جماعت میں پڑھے توس کو اس امام کے ساتھ باجماعت وترپڑھنا جائز ہے جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تقریر کی ہے خواہ اس نے تراویح باجماعت اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ پڑھی ہوں یا تراویح اکیلے پڑھی ہوں جیسا کہ فقہاً نے اس کو صراحۃً بیان فرمایا۔ **قلت** (میں کہتاہوں کہ) خواہ اس نے تراویح سرے سے پڑھی ہی نہ ہوں کیونکہ اس کا یہ قول کہ "اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ پڑھی ہوں تو بھی وتر باجماعت پڑھ سکتاہے" مطلق ہے، جو اس صورت کو

لجماعة التراویح ام لا، جنح الفاضلان الحلبی والطحطاوی فی حواشی الدار الی الثانی کما سمعت واستظھر الشامی الاول قائلا ان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت تابعة للتراویح[1]۔

قلت وھذا ھوالاظھر فان مشروعیة جماعته لوکانت لاصالته فالته دائمة لاتختص برمضان، ثم رأیت العلامة البرجندی نص فی شرحه للنقایة ان الجماعة فیه لما کانت بتبعیة التراویح علی ماھو المشھور[2] اھ فقد ثبت روایته واعتضد درایته وترجح شھرة فانقطع النزاع، فاعلم عـــه ان ھذا کله فیما لوترك الکل جماعة التراویح کما قدمنا من الغنیة عن القنیة، اما اذا جمع

بھی شامل ہے کیونکہ مقید کلام کی نفی سے قید اور مقید دونوں کی نفی بھی ہوسکتی ہے (جس سے تراویح نہ پڑھنے کی صورت بھی سمجھی جاتی ہے) اس کو نوٹ کر۔ لیکن علماء کا یہ بیان کہ وتر کی جماعت کیا تراویح کی جماعت کے تابع ہے یا نہیں، تو حلبی اور طحطاوی دونوں کا رجحان یہ ہے کہ تابع نہیں، یہ بات انہوں نے در مختار کے حاشیہ میں کہی ہے جیسا کہ تو سماعت کرچکا ہے، اور علامہ شامی نے پہلے احتمال یعنی تابع ہونے کو ظاہر قرار دیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ وتر کی جماعت کا سنت معلوم ہونا تراویح کے تابع ہونے کی وجہ سے ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ یہ علامہ شامی کا قول زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اگر وتر کی جماعت خود اصل ہوتی تو پھر یہ جماعت پورا سال ہوتی صرف رمضان کی تخصیص نہ ہوتی، پھر اس کے بعد میں نے یہی بات علامہ برجندی سے صراحۃً پائی کہ انہوں نے اپنی نقایہ کی شرح میں کہا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے جیسا کہ کہ یہی مشہور ہے اھ ان کی روایت ثابت اور ان کی درایت مضبوط اور شہرت کو ترجیح ہے لہذا یہ اختلاف ختم ہوگیا ہے، معلوم ہونا چاہئے کہ یہ ساری بحث اس صورت میں تھی جبکہ تمام نے تراویح کی جماعت کو ترک کیا ہو جیسا

عـــه : جواب اما فی قولہ اما ماذکروا ۱۲ (م)

[1] ردالمحتار باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۸

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی التراویح مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۱

القوم وتخلف عنها ناس ثم ادركوا الوتر مع الامام، فلاشك ان لهم الدخول فی جماعة الوتر اذا كانوا صلوا الفرض بجماعة كما سمعت، نعم ذهب بعض كالامام علی بن احمد وعین الائمة الكرابيسی الی تبعية لجماعة التراويح فی حق كل مصل بمعنی ان من لم يدركها مع الامام لايتبعه فی الوتر، لكنه كما علمت قول مرجوح،

قلت بهذا التحقيق ظهرالتوفيق بين كلام العلامة البرجندی المذكور وكلام الفاضل شيخی زاده فی مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر حيث قال لولم يصلها (يعنی التراويح) مع الامام صلی الوتر به لانه تابع لرمضان وعند البعض لالانه تابع للتراويح عنده، وفی القهستانی ويجوز ان يصلی الوتر بالجماعة وان لم يصل شيئا من التراويح مع الامام اوصلاها مع غيره وهو الصحيح [1] اھ مافی المجمع فانه صريح فی ان القول

کہ ہم نے غنیہ سے قنیہ کے حوالے سے پہلے بیان کردیا ہے لیکن اگر لوگوں کی جماعت تراویح سے کچھ لوگ رہ گئے ہوں اور یہ لوگ بعد میں آکر امام کو وتر کی جماعت میں پائیں تو کوئی شک نہیں کہ یہ لوگ وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں بشرطیکہ انہوں نے فرض باجماعت پڑھے ہوں جیسا کہ تو سن چکا ہے، ہاں بعض حضرات جیسا کہ علی بن احمد اور عین الائمہ کرابیسی اس طرف گئے ہیں کہ وتر کی جماعت تراویح باجماعت کے تابع ہے لہٰذا ہر نمازی کے لئے ضروری ہے کہ وہ تراویح باجماعت پڑھے بغیر وتر کی جماعت میں شامل نہ ہو لیکن تو معلوم کرچکا ہے کہ یہ بات مرجوح ہے۔

میں کہتاہوں کہ اس تحقیق سے، علامہ برجندی کے کلام اور فاضل شیخی زادہ کی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ذکر کردہ کلام میں موافقت واضح ہوگئی فاضل نے وہاں یہ کہا کہ اگر اس نے تراویح امام کے ساتھ نہ بھی پڑھی ہوں تو وہ امام کے ساتھ وتر پڑھ سکتا ہے کیونکہ وتر کی جماعت رمضان کے تابع ہے، بعض کے نزدیک وہ وتر امام کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ان کے نزدیک وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہے۔ اور قہستانی میں ہے کہ اگر کسی نے تراویح جماعت سے نہ پڑھی ہوں یا کسی اور امام کے ساتھ پڑھی ہوں تو وہ بھی وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے، یہی صحیح ہے اھ۔ مجمع کا بیان اس بات میں صریح ہے کہ وتر کی جماعت کا تراویح کے تابع ہونے

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی التراویح مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۳۸

بتبعية للتراويح قول مرجوح خلاف الجمهور وصريح مافی البرجندی انه هوالقول المشهور ووجه التوفيق ان التبعية فی كلام المجمع ماخوذة بالنظر الیٰ كل احد فی خاصة نفسه ولذا بنی عليه منع من لم يدركها مع الامام عن دخوله فی الوتر، وفی كلام البرجندی بمعنی وقوعه بعد اقامة الناس جماعة التراويح وان لم يدركها بعض القوم فليكن التوفيق وبالله التوفيق ثم انما المعنی بتبعيته لرمضان ان جماعته غيرمشروعة الافيه لاسلب تبعيته عما سواه مطلقا حتی ينافی تبعيته لجماعة التراويح بل والفرض فان فيه ماقد علمت، فاذن لاخلاف بين التبعيتين الاعلی قول البعض المرجوح، هكذا ينبغی التحقيق والله تعالیٰ ولی التوفيق، نعم وقع فی شرح المنية الصغير، مانصه اذا لم يصل الفرض مع الامام قيل لايتبعه فی التراويح ولافی الوتر وكذا اذالم يصل معه التراويح لايتبعه فی الوتر والصحيح انه يجوز ان يتبعه	کا قول مرجوح ہے اور جمہور کے خلاف ہے۔ اور برجندی کابیان یہ ہے کہ یہ قول مشہور ہے اور موافقت کی وجہ یہ ہے کہ مجمع کلام میں جس تابع کو مرجوح کہا ہے اس سے مراد وہ صورت ہے جبکہ تراویح کی جماعت بالکل نہ ہوئی اور کسی نے بھی تراویح کی جماعت سے نہ پڑھی ہوں، اسی لئے اس نے وتر کی جماعت میں شامل ہونے کی ممانعت ی بنااس بات کو بنایا ہے کہ امام کے ساتھ تراویح نہ پڑھی ہوں، جبکہ علامہ برجندی کا یہ کہنا کہ وتر کی جماعت تراویح کے تابع ہونا مشہور قول ہے، اس سے مراد وہ صورت ہے کہ جب بعض نے تراویح کی جماعت کی ہو اور بعض لوگ اس جماعت سے رہ گئے ہوں، یوں توفیق ہوگئی اللہ کی دی ہوئی توفیق سے، پھر وتر کی جماعت کا رمضان کے تابع ہونے کامطلب یہ ہے کہ رمضان کے بغیر وتر کی جماعت جائز نہیں یہ مطلب نہیں کہ یہ کسی اور چیز کے تابع نہیں تاکہ اس کا تراویح اور فرض کے تابع ہونے کی نفی ہوسکے، کیونکہ یہ مطلب لینے میں اعتراض ہے، لہٰذا دونوں کے تابع ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے ماسوائے ایک مرجوح قول کے، تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی توفیق کامالک ہے۔ہاں منیہ صغیر میں یہ بات مذکور ہے کہ جس نے فرض باجماعت نہ پڑھے ہوں وہ تراویح اور وتر کی جماعت میں ایک قول کے مطابق شریک نہ ہو اور وہ بھی جو اس امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شریک نہ ہوا تو وہ بھی اس امام کے ساتھ ورتر کی جماعت میں

فی ذلك كله حتی دخل بعد ماحصل الامام الفرض وشرع فی التراویح فانه یصلی الفرض اولا وحده ثم یتابعه فی التراویح وفی القنیة لوترکوا الجماعة فی الفرض لیس لھم ان یصلوا التراویح جماعة[1] اھ فاوھم ذلك عند بعض الناس ان الحلبی صحح جواز اتباع الامام فی الوتر وان لم یتبع فی الفرض، **وانا اقول:** لیس ھورحمه الله تعالٰی من اصحاب التصحیح وانما وظیفته النقل عن ائمة الترجیح ومعلوم ان شرحه الصغیر انما ھوملخص من شرحه الکبیر وھذه عبارة الکبیر بمرأی عین منك لاتری فیه تصحیحا اصلا ناظر الی ھذا المتوھم وانما فیه تصحیحان الاول من الامام الفقیه ابی اللیث بجواز اتباع الامام فی الفقیه ابی اللیث بجواز اتباع الامام فی الوتر سوء صلی التراویح کلھا اوبعضھا معه اومع غیره اووحده منفردا وھذا مجمل قوله "یجوز ان یتبعه فی ذلك کله والثانی عن الامام ظھیر الدین المرغینانی لجواز الاتباع فی التراویح وان لم یتبعه فی الفرض،	شریک نہ ہو (لیکن یہ بات درست نہیں) کیونکہ ان مذکور تمام صورتوں میں وہ وترامام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتاہے، حتی کہ امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد اگر مسجد میں آیا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اکیلے فرض پڑھ کر پھر تراویح کی جماعت میں شریک ہوجائے۔ اور قنیہ میں ہے کہ اگر لوگ فرض کی جماعت کے تارک ہوں تو وہ تراویح باجماعت امام کے ساتھ نہ پڑھیں اھ۔ اس سے بعض حضرات کو یہ وہم ہوا ہے کہ حلبی نے فرض باجماعت کے بغیر وتر کی جماعت میں شرکت کو صحیح قرار دیا ہے۔ **میں کہتاہوں** کہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ اصحاب تصحیح میں سے نہیں، ان کا کام صرف ائمہ ترجیح کے قول کو نقل کرنا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ان کی شرح صغیر یہ ان کی کبیر شرح کاخلاصہ ہے اور کبیر شرح کی عبارت آپ کے سامنے ہے اس میں اس وہم کے متعلق کوئی تصحیح نظر نہیں آتی، اس مسئلہ میں صرف دو تصحیحیں موجود ہیں ایک امام فقیہ ابواللیث کی جو کہ کسی طرح بھی تراویح پڑھ لینے والے کو خواہ اکیلے یا جماعت کے ساتھ اس امام یا کسی دوسرے امام کے ساتھ، پھر یہ کہ تمام تراویح یا بعض باجماعت پڑھی ہوں، وتر کی جماعت میں شرکت کے جواز کے بارے میں ہے اور اس کو بطور اجمال حلبی نے اپنے اس قول سے تعبیر کیا کہ، س وتر کی جماعت میں شرکت کی ان تمام صورتوں میں جائز ہے۔ اس بارے میں دوسری تصحیح امام ظہیر الدین مرغینانی کی ہے جو کہ امام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شرکت کے جواز سے

[1] صغیری شرح منیۃ المصلی فروع فاتتہ ترویحۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱۰

وعله يتفرع الفرع المذكور فى الشرحين معاً"حتى لودخل بعد ماصلى الامام الفرض"فالتوهم الحاصل فى عبارة الشرح الصغير انما منشوه ماوقع فيه ههنا من الاختصار المخل الاترى انه اقتصر فى التفريع المذكور كاصله الكبير على قوله. يتابعه فى التراويح، ولوكان مراده بقوله فى ذلك كله. مايشمل المتوهم، لزاد ايضاً والوتر ،وبالجملة فالمعروف المعلوم من تصحيحات الائمة هو الذى بينه فى الشرح الكبير، وهذا المتوهم لايعرف له تصحيح ولاترجيح، فلايعارض مانص عليه فى منية الفقهاء وحكم به حكما جازما من دون ذكر خلاف فعليك بالتبصر والانصاف ولك ان تقول ان"الامام"معرف باللام وضمير"يتبعه"راجع اليه والمعرفة اذا اعيدت معرفة كان المراد عين الاول غالباً. فالمعنى اذا لم يصل الفرض مع هذاالامام فله ان يتبعه فى الوتر اى لايجب لاتباعه فى الوتر ان يكون اتبع هذا الامام بعينه فى الفرض،	متعلق ہے اس شخص کے بارے میں جس نے اس امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں، اسی تصحیح پر صغیر وکبیر شرحوں کی تفریع مرتب ہے کہ کوئی شخص امام کے فرض سے فارغ ہونے کے بعد مسجد میں آیا الخ لہٰذا شرح صغیر کی عبارت سے جو وہم پیدا ہوا وہ اس اختصار کی وجہ سے پیدا ہوا، کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ انہوں نے تفریع بیان کرتے ہوئے صرف اتنا کہا کہ وہ فرض پڑھنے کے بعد امام کے ساتھ تراویح میں شامل ہوجائے،اور شرح کبیر میں بھی اتنا ہی ذکر ہے، اور اس کے قول"ان سب صورتوں میں"وہ صورت بھی شامل ہوتی جس کا وہم ہوا ہے تو پھر تفریع میں، تراویح میں شامل ہونے کے ساتھ وتر میں شامل ہونے کو بھی ذکر کرتے،الحاصل ائمہ کرام کی تصحیحات سے صرف وہی بات معلوم ہوتی ہے جو کہ شرح کبیر میں ہے حالانکہ وہم شدہ کی اس میں کوئی تصحیح یا ترجیح نظر نہیں آتی۔ لہٰذا شرح کبیر کی عبارت منیۃ الفقہاء کی تصریح عبارت کے معارض نہیں ہوسکتی جبکہ اس منیہ میں جزمی حکم ہے اور اس میں کسی اختلاف کا اس بارے میں کوئی ذکر نہیں ہے، تجھے غور وفکر میں انصاف چاہئے، اور تو یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ شرح صغیر کی عبارت میں لفظ 'الامام' معروف بالام ہے اور لفظ یتبعہ، میں ضمیر کا مرجع وہی امام ہے، اور اکثر طور پر معرفہ کو جب دوبارہ معرفہ ذکر کیا جائے تو وہی ایک مراد ہوتا ہے، تو اس قاعدہ کے مطابق معنی یہ ہوگا کہ جب اس خاص امام کے ساتھ وتر باجماعت پڑھ سکتا ہے یعنی کسی امام کے

وھذا صحیح لاشك ویؤید ھذا الفھم ان القھستانی لما قال اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[1] احتاج الشامی الی ابانة مرادہ وان المقصود مع امام ما، لامع خصوص ھذا الامام، ان جادل مجادل فنقول الشرح الصغیر مطالب بتصحیح نقل ھذا التصحیح الذی لایعلم له اثراصلا فی کتاب قبله حتی فی الکبیر الذی کان اصله، واللہ الموفق۔ فقد تحرربما تقرر، ان جماعة الوتر تبع لجماعة الفرض فی حق ك احد من المصلین، والجماعة التراویح فی الجملة لافی حق کل، ولرمضان بمعنی انھا تکرہ فی غیرہ لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد[2] کمافی الدرعن الدرر	ساتھ وترپڑھنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ فرض بھی اسی کے ساتھ باجماعت پڑھے ہوں،اور یہ مفہوم بلاشک وشبہ صحیح ہے، اس مفہوم کی تائید قہستانی کے اس قول سے ہوتی ہے جس کی مراد کو علامہ شامی نے واضح کیاہے، وہ یہ کہ جب قہستانی نے کہاجب امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے ہوں تو وتر اس کے ساتھ نہ پڑھے اس پر علامہ شامی نے مراد کوواضح کرتے ہوئے کہاکہ اس امام سے مراد کوئی امام ہے یعنی اگر کسی بھی امام کے ساتھ فرض نہ پڑھے تو پھروتر بھی جماعت سے نہ پڑھے، اگر کوئی اس وہم پر بحث کااصرار کرتا ہے تو اس کو یہ کہہ دیا جائے کہ صغیر کااصل ہے، واللہ الموفق، پس اس تقریر سے یہ بات صاف ہوگئی کہ وتر کی جماعت فرض کی جماعت کے تابع ہے تمام نمازیوں کے لئے اور وتر کی جماعت، تراویح کی جماعت کے تابع ہے کچھ نمازیوں کے لئے (یعنی بعض حضرات نے بھی تراویح باجماعت پڑھ لیں تو دوسروں کوتر کی جماعت میں شرکت جائزہے) اور وتر کی جماعت رمضان کے بھی تابع ہے لیکن اس معنی میں کہ غیر رمضان میں یہ جماعت مکروہ ہے، جب یہ غیر رمضان میں وترکی جماعت میں یہ جماعت کروہ ہے، جب یہ غیر رمضان میں وتر کی جماعت بطور دعوت و اہتمام ہو یعنی چار افراد ایک امام کی اقتداء کریں تومکروہ ہے

[1] جامع الرموز باب الوتر والنوافل مطبوعہ گنبد ایران تہران ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

حتی جاز اقتداء ثلثة بامام بلاکراھة فی الاصح[1] کما فی حاشیة العلامة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نورالایضاح للعلامة الشرنبلالی رحمة الله تعالٰی علی العلماء جمیعا، اتقن ھذا فلعلك لاتجد ھذا التحریر فی غیرھذا التقریر وماتوفیقی الابالعلیم الخبیر والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	جیساکہ درمختار میں درر سے منقول ہے، حتی کہ اگر تین آدمی وتر کی جماعت میں ایک امام کی اقتداء کریں تو یہ اصح قول کے مطابق بلاکراہت جائز ہے، جیساکہ علامہ طحطاوی نے مراقی الفلاح شرح نورالایضاح کے حاشیہ میں ذکر کیاہے۔ نورالایضاح علامہ شرنبلالی کی کتاب ہے۔ اللہ تعالٰی تمام علماء پر رحمت فرمائے۔ اس تحریر کو مضبوط کر، ہوسکتاہے کہ تجھے دوسری جگہ یہ مفصل بحث نہ ملے وماتوفیقی الاباللّٰه العلیم الخبیر والله تعالٰی سبحٰنه اعلم وعلمه جل مجدہ، اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۱۱: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدۂ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیاتو نماز ہوئی یانہیں اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کااعادہ ہو یانہیں اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت اولٰی میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے،

فی ردالمحتار لوتطوع بثلاث بقعدة واحدہ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلٰوة المغرب، لکن الاصح عدمه لانه قدفسدما اتصلت به القعدة وھو الرکعة الاخیرة، لان التنفل بالرکعة الواحدة غیرمشروع فیفسد ماقبلھا[2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ اگر کسی نے تین نفل ایک قعدہ کے ساتھ پڑھے مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے جائز ہونا چاہئے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ نفل جائز نہیں کیونکہ اس کی آخری رکعت جس کے بعد قعدہ کیاہے وہ فاسد ہے کیونکہ وہ دو پر زائد ایک رکعت نفل رہ گئی جبکہ ایک رکعت نفل جائز نہیں للذا اس آخری رکعت کے فساد سے پہلی دو رکعت بھی فاسد ہوجائیں گی۔ (ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدۂ اولٰی نہ کیاتو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائمقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الوتر مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۱۱

[2] ردالمحتار، باب الوتروالنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۲

کما صرح بہ فی ردالمحتار عن النھر الفائق الزاھدی (جیسا کہ ردالمحتار میں نہرالفائق اس نے زاہدی سے وضاحت کردی گئی ہے۔ت) اور دونوں قعدے کے تو قطعاً چاروں رکعتیں ہو گئیں۔

ولا کراھۃ ایضا کما یفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل مثنی مثنی کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چار رکعت نفل دو قعدوں اور ایک سلام سے جائز ہیں اور کوئی کراہت نہیں ہے جیسا کہ ردالمحتار کی بیان کردہ علت سے حاصل ہے تاہم نفل دو دو پڑھنا افضل ہے جیسا کہ واضح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱۲: از جوالاپور ضلع سہارن پور مرسلہ سید یاد علی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جماعت تراویح میں مشغول ہے اب چند آدمی آئے وہ فرض جماعت سے پڑھیں تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ کوئی حرج نہیں:

ولو فی مسجد محلۃ حیث لم یکرر والاذان وعدلوا عن المحراب کماھو معلوم جمشاھد۔	اگرچہ محلّہ کی مسجد ہی میں جبکہ دوبارہ اذان نہ دیں اور محراب سے ہٹ کر جماعت کرائیں جیسا کہ معلوم ومعروف ہے۔(ت)

طحطاویہ میں ہے:

اذا کررت بغیر اذان فلا کراھۃ مطلقا وعلیہ المسلمون[1]۔	جب تو جماعت کا تکرار اذان کے بغیر کرے تو کوئی کراہت نہیں ہے، مسلمانوں کا یہی عمل ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

عن ابی یوسف اذا لم یکن علی الھیئۃ الاولی لایکرہ والایکرہ وھوالصحیح وبالعدول عن المحراب تختلف الھیئاۃ کذا فی فتاوی البزازیۃ[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دوسری جماعت پہلی جماعت کی طرز پر نہ ہو تو مکروہ نہیں ورنہ مکروہ ہے، یہی صحیح ہے، اور محراب سے ہٹ کر کرنے سے پہلی جماعت کی طرز بدل جاتی ہے۔ فتاوٰی بزازیہ میں ایسے ہی ہے (ت)

مگر جہاں تک ممکن ہو جماعت تراویح سے دور جماعت کریں اور ان کا امام ضرورت سے زیادہ آواز بلند نہ کرے تاکہ تخلیط وتلبیس سے ایمن رہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۰

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی احکام المسجد مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۵

انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

(صلٰوۃ الاسرار کے پانی سے انوار کی نہریں)

(نماز غوثیہ کے ثبوت میں تحقیق رضوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۳: از دہلی کھڑکی فراش خانہ مسجد حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ، مرسلہ جناب مستطاب مولانا مولوی حافظ شاہ سراج الحق محمد عمر صاحب قادری اواخر ربیع الاول شریف ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صلوٰۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اور شرع میں جائز ہے یا نہیں؟ زید اس کی روایت کو بے اصل اور اسے بہجۃ الاسرار میں کسی فاسق بدعتی کاالحاق بتاتا اور تصانیف شیخ اکبر وامام شعرانی کی نظیر دیتاہے کہ ان میں الحاق ہوئے۔ اور کہتاہے کہ نماز فرض کے بعد قبلے سے انحراف اور کسی مزار وولی کی تعیین سمت او بہیأت نماز یا تعظیم اس طرف چلنا تذلل وخشوع تمام کرنا ہرگز درست نہیں اور کہتاہے کہ آنجناب یعنی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کوکتاب وسنت وسیرتِ صحابہ کے اتباع اور احکام شرع پر قیام او محدثات سے اجتناب تام اور طاعات میں اخلاص اور ہر حال میں خداپر توکل واعتماد میں استقامت کاملہ تھی وہ ان امور کے خلاف کیونکر فرماتے کہ بعد نماز مغرب عراق کی طرف بتعظیم تمام لو اوع دل سے متوجہ ہو کر میرا نام لے کر حاجت چاہو، یہ فعل کتاب وسنت وطریقہ خلفائے راشدین کے خلاف ہے اور سیرت وعمل صحابہ کے موافق نہیں اور تابعین وتبع تابعین ودیگر اسلاف کرام وائمہ عظام سے اس کا مثل منقول نہیں، عوام کہ اسے عمل مشائخ کہتے ہیں قابل التفات نہیں مشائخ میں جواہل علم فقہاء وائمہ ہوئے کسی نے اس کے مثل تصریح نہ کی اور قول وفعل بعض غیر موثوق پر عمل نہ چاہئے بلکہ سواداعظم کااتباع

چاہئے، صحابہ محبت و تعظیم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہم سب سے زیادہ اور ثواب وحسنات پر بہت حریص تھے اگر یہ عمل موجب ثواب وقربت الی اللہ ہوتا تو سلف کرام بلکہ خود حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ مدینہ منورہ کی طرف کرتے ،آیا یہ کلام اس کا غلط ہے یا صحیح؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ علی حسن بلائہ، ملأ ارضہ وملأ سمائہ، و الشکر للمصطفٰی علی نعمائہ، شکرا یوافی حسن الائہ، ویکافئ عنامزید عطائہ، صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وعلی ابنائہ، وازواجہ واصحابہ واحبائہ و وارث علمہ ومجدہ و سنائہ ووارث علمہ ومجدہ وسنائہ، غوثنا الاعظم رافع لوائہ، ومشایخنا الکرام وسائر اولیائہ، صلٰوۃ تکشف لنا الاسرار، ونصرف عنا اذی الاشرار، وتکون عدۃ لیوم لقائہ، واشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریك لہ شھادۃ موجبۃ لرضائہ، واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الصادع بالحق بعد خفائہ، صلی اللّٰہ تعالٰی وسلم علیہ، وعلی کل عبد مرضی لدیہ،صلٰوۃ تأتی علی قدر کبریائہ، وسلام بدوامہ و	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے اچھے امتحان پر، زمین وآسمان کو عجائبات سے بھرنے اور اپنی قدرت وقضاء میں جسے چاہے بھرنے پر اور شکر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ان کے انعامات پر، ایسا شکر جو ان کی بہترین نعمتوں کو پورا ہو اور ان کی مزید عطاؤں کو ہماری طرف سے کفایت کرے، اللہ تعالٰی ان پر اور ان کے صاحبزادوں اور ازواج اور اصحاب اور آپ کے علم، بزرگی اور بلندی کے وارث ہمارے غوث اعظم پر جو آپ کے جھنڈے کو بلند کرنے والے ہیں اور تمام اولیاء پر، رحمت نازل فرمائے، ایسی رحمت جو ہمارے لئے اسرار کو کھول دے اور شریر لوگوں کی اذیت کو ہم سے پھیر دے، اور اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری کی اذیت کو ہم سے پھیر دے، اور اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری کے دن کے لئے ذخیرہ بنے، اور میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی وحدہ، لاشریک ہے ایسی گواہی جو اس کی رضا کی موجب ہو، اور گواہی دیتاہوں کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جو حق کو خفا سے ظاہر کرنے والے ہیں صلی اللہ تعالٰی وسلم آپ پر اور اس کے دربار میں تمام پسندیدہ بندوں پر، وہ صلٰوۃ جو اس کی کبریائی کے شایان شان ہو اور وہ سلام جو اس کی بقاء اور

بقائه، اٰمین اٰمین، اله الحق امین یاراحم العبد وسامع دعائه، قال العبید الذلیل، للمولی الجلیل، ابومحمد السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی، لطف به الله فی شدته ورخائه، مستعینا بالله فی دفع الارتیاب، ورفع الحجاب، عن وجهه الصواب، مسمیاً للجواب، بعلم یُعلم عام املائه، "انهار الانوار من یم صلٰوة الاسرار" (۱۳۰۵ھ)، جعلها الله ذخیرة لدیه، و ذریعة الیه، یوم تشرق الارض بنورربها و جمیل ضیائه، اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین، اللهم هدایة الحق و الصواب۔	دوام تک دائم ہو، آمین آمین اے الہٰ برحق آمین، بندے پر رحم کرنے اور اس کی دعا کو سننے والے، اپنے جلیل القدر آقا کے سامنے حقیر اور ناتواں بندہ ابومحمد عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالیٰ اس کی شدت وسہولت میں لطف ومہربانی فرمائے) نے اللہ تعالیٰ سے امداد چاہتے ہوئے اور حق وصواب کے چہرے سے پردہ اٹھاتے اور شک کو دور کرتے ہوئے جواب کا ایسا نام جو اس کی تحریر کے سال کو ظاہر کرے "انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاصرار" رکھتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کو ذخیرہ اور ذریعہ اپنے دربار میں بنائے جس دن زمین اپنے رب کے نور سے چمک جائے۔ اور خوب روشن ہوجائے، آمین، الحمدللہ رب العالمین، اے اللہ حق وصواب کی رہنمائی فرما۔ (ت)

فی الواقع یہ مبارک نماز حضرات عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیزہ کی معمولی اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لئے عمدہ طریق مرضی ومقبول اور حضور پرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ وسلامہ علیٰ جدہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول، اجلہ علماء واکابر برکملا اپنی تصانیف علیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر ومسلم معتبر رکھتے آئے، امام اجل ہمام ابجل سیدی ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی شطنوفی قدس اللہ سرہ العزیز بسند خود بہجۃ الاسرار شریف میں اور شیخ شیوخ علماء الہند شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی نوراللہ مرقدہ زبدۃ الآثار لطیف میں اور دیگر علمائے کرام وکملائے عظام رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے اسفار منیف میں اس جناب ملائک رکاب، علیہ رضوان العزیز الوہاب، سے راوی وناقل کہ ارشاد فرمایا:

من صلی رکعتین (زید فی روایة) بعد المغرب (وزادا) یقرأ فی کل رکعة بعد الفاتحة سورة الاخلاص احدی عشرة مرة ثم اتفقوا فی المعنی واللفظ للامام ابی الحسن	جو بعد مغرب دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ سورہ اخلاص یازدہ بار پھر بعد سلام، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صلٰوۃ وسلام عرض کرے پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام یاد اور اپنی حاجت

قال ثم یصلی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد السلام ویسلم علیہ ویذکرنی ثم یخطوا الٰی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانھا تقضی (زاد الشیخ) بفضل اللہ وکرمہ (وقال اٰخر) قضی اللہ تعالٰی حاجتہ[1]۔	ذکر کرے اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کی مراد پوری ہو، اس عبارت میں "مغرب کے بعد" ایک روایت یوں زائد ہے اور صاحب بہجۃ الاسرار اور صاحب زبدۃ الآثار نے "ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ مرتبہ" زائد ذکر کیا، پھر شیخ عبدالحق نے، بفضل اللہ وکرمہ، کو بھی اور دوسرے نے صرف "قضی اللہ تعالٰی حاجتہ" ذکر کیا۔ (ت)

اسی طرح امام جلیل علامہ نبیل امام [3] عبداللہ یافعی مکی طیب اللہ ثراہ صاحب خلاصۃ المفاخر فی اختصار مناقب الشیخ عبدالقادر نے روایت کی، یونہی فاضل کامل مولانا علی قاری ہروی نزیل مکہ معظّمہ صاحب شروع فقہ اکبر ومشکوٰۃ اکرم اللہ نزلہ، نے [4] نزہۃ الخاطر میں ذکر فرمایا زبدہ مبارکہ میں اپنے شیخ واستاذ احسن اللہ مثواہ کا اس نماز کی اجازت دینا اور اپنا اجازت لینا بیان کیا اور حضرت شیخ محقق تغمدہ اللہ برحمتہ سے اس نماز مبارک میں خاص ایک رسالہ نفیس عــہ۱ عجالہ [5] ہے اس سے ثابت کہ حضرت وَرِع سراپا سعادت حامل شریعت کامل طریقت سیّدی عبدالوہاب متقی مکی برداللہ مضجعہ نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار کو معتمد ومعتبر اور اس مبارک روایت کو مسلم ومقرر فرمایا اور مولٰینا شیخ [6] وجیہ الدین علوی احمد آبادی علیہ رحمۃ الرؤف الہادی کہ سال وفات عــہ۲ امام اجل علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی میں متولد ہوئے، حضرت شیخ غوث گوالیاری علیہ رحمۃ الملک الباری کے مرید سعید اور حضرت شیخ محقق کے استاد مجید اور شاہ ولی اللہ دہلوی کے شیخ سلسلہ اور صاحب مقامات رفیعہ وتصانیف کثیرہ بدیعہ ہیں، بیضاوی وہدایہ وتلویح وشرح وقایہ ومطول ومختصر و

عــہ۱: نقلھا برمتھا مولٰینا سراج الحق محمد عمر القادری حفظہ اللہ تعالٰی ابن الفاضل الجلیل مولانا فرید الدین الدھلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی کتابہ ریاض الانوار من شاء فلیرجع الیھا ۱۲منہ	یہ تمام مولانا سراج الحق محمد عمر قادری ابن فاضل جلیل مولانا فرید الدین دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب "ریاض الانوار" میں نقل کیا ہے جو چاہے اسے دیکھے ۱۲ (ت)
عــہ۲: یعنی ۹۱۱ھ ووفاتہ لسلخ صفر ۹۹۸ھ ۱۲منہ	یعنی ۹۱۱ھ اور ان کی وفات ماہ صفر کے آخر ۹۹۸ھ۔ (ت)

[1] بہجۃ الاسرار فضل اصحابہ وبشراہم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

شروح عقائد مواقف وغیرہا پر حواشی مفیدہ رکھتے ہیں اور کبرائے منکرین نے بھی اپنے رسائل میں اُن سے استناد کیا نہایت شدومد سے اس نماز مبارک کی اجازت دیتے اور اس پر بتاکید تحریص وترغیب فرماتے۔یونہی شیخ نے ۷ اخبار الاخیار شریف اور مولٰینا ابوالمعالی محمد مسلمی عالمہ اللہ تعالٰی بلطفہ نے جنہیں رسالہ مذکورہ شیخ محقق میں علمائے سلسلہ علیہ سے شمار کیا ۸ تحفہ شریفہ ار حضرت سیدنا و مولٰینا اسدالواصلین جبل العلم والیقین حضرت سید شاہ حمزہ عینی قادری فاطمی حسینی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ۹ کاشف الاستار شریف میں اسے نقل وارشاد فرمایا اور امام یافعی بل اللہ تربتہ (اللہ تعالٰی ان کی قبر کو ٹھنڈا رکھے۔ت) تصریح فرماتے ہیں کہ حضور پرنور غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہ الاکرم وعلیہ وسلم کے اصحاب کرام عطر اللہ ضرائحھم القادسة (اللہ تعالٰی ان کی قبروں کو معطر فرمائے۔ت) اس نماز کو عمل میں لاتے اور زبدۃ الآثار میں اولیائے طریقہ علیہ عالیہ روحت ارواحھم (ان کی روحیں معطر ہوں۔ت) کے آداب میں فرمایا: وملازمته صلٰوۃ الاسرار التی بعدھا التخطی احدی عشرۃ خطوۃ[1] یعنی اس خاندان پاک کے آداب سے ہے صلٰوۃ الاسرار کی مداومت کرنی جس کے بعد گیارہ رہ قدم چلنا ہے۔ بااینہمہ اس کا اعمال مشائخ کرام سے ہونا نہ ماننا آفتاب روشن کا انکار کرنا ہے اور خود کون سی راہ ہے کہ ان ائمہ واکابر کو خواہی نخواہی جھٹلایئے اور عیاذ باللہ بدعتی وناحق کوش ٹھہرایئے، پھر یہ مقبولان خدا صرف اپنی طرف سے نہیں کہتے بلکہ اسے خاص حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بتاتے ہیں اور حضور کے ارشاد واجب الانقیاد پر رَدّ وایراد اگرانجانی سے نہ ہو تو معاذاللہ وہ آتش سوزاں وبلائے بے درماں وقہر بے امان ہے جس کا مزہ اس دارالغرور والاقتباس میں نہ کھلا تو کل کیا دور ہے۔" اِنَّ مَوۡعِدَهُمُ الصُّبۡحُ ؕ اَلَيۡسَ الصُّبۡحُ بِقَرِيۡبٍ ﴿۸۱﴾[2] " (بیشک ان کا وعدہ صبح کا وقت ہے کیا صبح قریب نہیں۔ت) حضور خود ارشاد فرماتے ہیں:

تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم وسبب لذھاب دنیاکم واخراکم۔	میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمہارے دین کے لئے زہر قاتل اور تمہاری دنیاوعقبٰی دونوں کی بربادی ہے۔والعیاذباللہ تعالٰی۔

اور ان اکابران ملت وعلمائے اُمت کو نقل وروایت میں بھی غیر موثوق جاننا اسی دارالفتن ہندوستان میں آسان ہے جہاں نہ کسی منہ کو لگام، نہ کسی زبان کی روک تھام۔ یہ امام ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی قدس سرہ،

[1] بحوالہ زبدۃ الاسرار خاتمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع بکسلنگ کمپنی دہلی ص ۱۲۶

[2] القرآن ۱۱/ ۸۱

کہ بہجۃ الاسرار شریف کے مصنف اور بر طرز حدیث بسند متصل اس روایت جلیلہ کے پہلے مخرّج ہیں اجلّہ علماء وائمہ وقرات و اکابر اولیاء وسادات طریقت سے ہیں امام اجل شمس الدین ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کہ اجلہ محدثین وعلمائے قرائت سے ہیں جن کی حصن حصین مشہور ومعروف دیار وامصار ہے اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں ہیں انہوں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند واجازت حاصل کی اپنے رسالہ "طبقات القراء میں فرماتے ہیں:

انی قرأت ھذاالکتاب اعنی بھجۃ الاسرار بمصر وکان فی خزانۃ سلطان المصر، علی الشیخ عبدالقادر وکان من اجلۃ مشایخ مصر، فاجازنی روایتہ[1] الخ	یعنی میں نے یہ کتاب بہجۃ الاسرار مصر میں خزانہ شاہی سے حاصل کرکے شیخ عبدالقادر سے کہ اکابر مشائخ مصر سے تھے پڑھی اور انہوں نے مجھے اس کی روایت کی اجازت دی الخ۔

امام شمس الدین ذہبی مصنف میزان الاعتدال کہ علم حدیث ونقد رجال میں اُن کی جلالت شان عالم آشکار، اس جناب کے معاصر تھے اور باآنکہ حضرات صوفیہ کرام کے ساتھ اُن کی روش معلوم ہے سامحنا اللہ تعالٰی وایاہ (ہم پر اور ان پر اللہ تعالٰی نرمی فرمائے۔ت) امام ابوالحسن ممدوح کی ملاقات کو اُن کی مجلس تدریس میں گئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں اُن کی مدح وستائش سے رطب اللساں ہوئے فرماتے ہیں:

علی بن جریر الخمی الشطنوفی الامام عـہ الاوحد نورالدین شیخ القراء بالدیار المصریۃ ابوالحسن اصلہ من الشام ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بجامع الازھر وغیرہ تکاثر علیہ الطلبۃ وحضرت مجلس اقراہ فاعجبتی سمتہ وسکوتہ وکان ذاعزام	یعنی علی بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا ہیں نورالدین لقب ابوالحسن کنیت بلاد مصر میں علمائے قرات کے استاذ ہیں اصل ان کی شام سے ہے ۶۴۴ھ میں قاہرہ مصر میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر وغیرہ میں مسند اقراپر صدر نشینی کی بکثرت طلبہ ان کے پاس جمع ہوئے میں اُن کی مجلس درس میں حاضر ہوا ان کی نیک روش وکم سخنی مجھے پسند آئی حضور شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ

عـہ: بعینہٖ اسی طرح امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں اس جناب کو الامام الاوحد لکھا یعنی بے مثل امام ۱۲منہ غفرلہ (م)

[1] رسالہ طبقات القراء

بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی الله تعالٰی عنه وجمع اخبارہ ومناقبه فی نحو ثلث مجلدات[1] اھ ملخصاً	تعالٰی عنہ کے شیدائی تھے انہوں نے حضور کے فضائل تین ۳ مجلد کے قریب میں جمع کئے ہیں۔

پرظاہر کہ امام ذہبی رحمہ اللہ تعالٰی کے مثل سے یہ کلمات جلیلہ اس جناب کی کمال وثاقت وعدالت ووفورِ علم وجلالت پر شاہد عدل ودلیل فصل ہیں اور خود امام اوحد یعنی بے مثل امام یکتا، کالفظ اجل واعظم تمام فضائل ومناقب جلیلہ کا یکتا جامع اکمل واتم ہے وہ جناب سند عالی رکھتے اور زمانہ اقدس حضور پرنور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نہایت قریب ہیں انہیں حضور اقدس تک صرف دو۲ واسطے ہیں قاضی القضاۃ امام اجل حضرت سیدنا ابوصالح نصر قدس سرہ، کے اصحاب سے ہیں اور وہ اپنے والد ماجد حضرت سیدنا ابوبکر تاج الملۃ والدین عبدالرزاق رحمہ اللہ تعالٰی اور وہ اپنے والد ماجد حضور پرنور سید السادات غوث الافراد قطب الارشاد غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلیفہ ومرید وصاحب ومستفید ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم وشریف ومشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قرأت سے عالم معروف ومشہور اور ان کے احوال شریفہ کتابوں میں مذکور ومسطور، پھر ذہبی وابن الجزری کے وہ اقوال نقل فرمائے اور رسالہ مذکورہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں اسی نماز مبارک کے بارے میں مرقوم:

اقوی دلائل واوضح مسائل درین باب کتاب عزیز بہجۃ الاسرار معدن الانوار کہ معتبر ومقرر ومشہور ومذکور ست ومصنف ایں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماست میانِ وے وحضرت شیخ یعنی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است ومقدم است برامام عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ شریفہ ومحبان جناب غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔ (ملتقطا)	اس باب میں اقوی دلیل "بہجۃ الاسرار" معدن الانوار ہے جو کہ معتبر اور مشہور ہے، اس کتاب کے مصنف اور حضرت شیخ یعنی غوث اعظم کے درمیان صرف دو واسطے ہیں اور یہ امام یافعی سے مقدم ہیں کہ جبکہ امام یافعی خود سلسلہ قادریہ سے متعلق ہیں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عقیدت رکھتے ہیں (ت)

ہیں، امام یافعی وعلامہ علی قاری وحضرت شیخ محقق دہلوی وغیرہم اکابر کی امامت وجلالت ووثاقت عدالت سے کون آگاہ نہیں۔

[1] طبقات المقرئین

[2] رسالہ متعلق بصلوۃ الاسرار لعبدالحق المحدث الدہلوی

ع وکیف یصح فی الاعیان شیئ اذا احتاج النہار الی دلیل

(جب روز روشن دلیل کا محتاج ہوجائے تو پھر کسی چیز کا وجود کیسے ثابت ہوسکتا ہے)

بالجملہ ایسے اکابر کی روایات معتمدہ کو بے وجہ وجیہ، رَد کردینا یا سخت جہالت ہے یا خبث وضلالت والعیاذ باللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اور بے دلیل دعوی الحاق محض مردود، ورنہ تصانیف ائمہ سے امان اُٹھ جائے اور نظام شریعت درہم وبرہم نظر آئے جو سند پیش کیجئے مخالف کہہ دے یہ الحاقی ہے، چلئے تمسک واستناد کا دروازہ ہی بند ہوگیا" ہیہات "کیابزور زبان کچھ کہہ دینا، قابل قبول ہوسکتا ہے، حاشاو کلا ادعائے بے دلیل مطرود وذلیل، ہاں ہم کو مسلم کہ بعض کتابوں میں بعض الحاق بھی ہوئے مگر اس سے ہر کتاب کی ہر عبارت تومطروح یا مشکوک نہیں ہوسکتی کسی خاص عبارت کی نسبت یہ دعوی زنہار مسموع نہیں جب تک بوجہ وجیہ اس میں الحاق ثابت نہ کردیں جس کے لئے امثال مقام عـــہ میں صرف دو۲ طریقے متصور، ایک تو یہ کہ اس کتاب کے صحیح، معتمد، عمدہ، قدیم نسخے اس عبارت سے خالی ملیں یا خاص مصنف کا اصل مسودہ پیش کیا جائے جس میں اس عبارت کا نشان نہ ہو، حضرت

عـــہ: اشارۃ الی انہ قدیعلم ذلك بالرجوع الی المتکلم وانکارہ عندمن لایتہمہ، ویعرف تارۃ باعتراف المفتری کماوقع بعض الوضاعین، ویقبل اخری اذا نص علی ذلك من یرجع الیہ لعظمہ وفضلہ، ولاینکر علیہ لثقتہ وعدلہ وکذلك یحکم بہ اذا لم یأت ذلك الامن طریق من عرف بالکذب کقول المحدثین ان ھذا موضوع ای فی سندہ وضاع او کذاب وھذا انما یعطی عدم الجزم لاالجزم بالعدم الا اذا ضم الیہ دلیل اٰخر فالکذوب قد یصدق واللّٰہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ الحاق کبھی خود متکلم کی طرف رجوع کرنے پر اور اس کا ایسا شخص کے سامنے الحاقی عبارت سے انکار کرنا، جس کو کذب سے متہم نہیں کیا جاسکتا اور کبھی خود افتراء کرنے والے کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے جیسا کہ بعض ایسے لوگوں سے اعتراف واقع ہوا ہے اور کبھی ایسی منظّم اور افضل شخصیت جس کے تقوی اور عدل کی بناپر اس کی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا، کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے اور کبھی الحاق کا حکم تب کیا جاتا ہے جب کہ اس بات کو صرف جھوٹ بولنے میں مشہور شخص ہی بیان کرے جیسا کہ محدثین کہہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے کیونکہ اس کی سند میں من گھڑت اور کذاب راوی ہے، یہ آخری وجہ صرف عدم جزم کا فائدہ دیتی ہے اور جزم بالعدم کا نہیں کیونکہ جھوٹا بھی کچھ سچ بول دیتا ہے ہاں اگر کوئی اور دلیل بتائے کہ یہ جھوٹ ہے تو پھر جزم بالعدم کا فائدہ ہوسکتا ہے واللّٰہ تعالٰی اعلم ۱۲۔منہ (ت)

جناب شیخ اکبر وامام شعرانی قدس سرہما کی تصانیف میں الحاق یونہی ثابت ہوا، امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لواقح الانوار میں فرماتے ہیں:

قدم علینا الاخ العالم الشریف شمس الدین السید محمد ابن السید ابی الطیب المدنی المتوفی ۹۵۵ھ خمس وخمسین و تسعمائة فذاکرته فی ذلك فاخرج الی نسخة من الفتوحات التی قابلها علی النسخة التی علیها خط شیخ محی الدین نفسه بقونیة فلم ارفیها شیئا مما توقفت فیه وحذفته فعلمت ان النسخ التی فی مصر ان کلها کتبت من النسخة التی دسوا علی الشیخ فیها مایخالف عقائد اهل السنة والجماعة کماوقع له ذلك فی کتاب الفصوص وغیرہ[1] الخ	یعنی ہمارے دوست عالم شریف سید شمس الدین محمد بن سید ابوالطیب مدنی جن کی وفات ۹۵۵ھ میں ہوئی ہمارے یہاں آئے میں نے فتوحات شیخ اکبر قدس سرہ، کا تذکرہ کیا انہوں نے ایک نسخہ فتوحات نکالا جسے انہوں نے اس نسخے سے مقابلہ کیا تھا جو شہر قونیہ میں کہ شیخ اکبر قدس سرہ، کا وطن ہے خاص شیخ قدس سرہ، کے دستخط شریف سے مزیّن ہے اس نسخہ میں میں نے کہیں ان عبارتوں کا نشان نہ پایا جن میں مجھے تردّد تھا اور میں نے فتوحات کے انتخاب میں قلم انداز کردی تھیں تو مجھے یقین ہوا کہ اب جس قدر نسخے مصر میں ہیں سب اسی نسخے سے نقل ہوئے ہیں جس میں لوگوں نے عقائد اہلسنت وجماعت کے خلاف عبارتیں شیخ پر افترا کرکے ملادی ہیں جیسا کہ ان کی فصوص وغیرہ کے ساتھ بھی یہی واقع ہوا۔ الخ

اس کے بعد امام شعرانی نے دو تحریریں نقل فرمائیں جو عالم ممدوح سید شریف مدنی مرحوم نے نسخہ مذکورہ قونیہ پر خود حضرت شیخ ودیگر عمائد رحمہم اللہ تعالٰی کے دستخطوں سے لکھی دیکھیں اور بیان کیا کہ یہ نسخہ خود حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ تعالٰی کا وقف فرمایا ہوا ہے شیخ نے اپنی علامت وقف یوں تحریر فرمائی ہے:

وقف محمد بن علی بن عربی الطائی هذاالکتاب علی جمیع المسلمین[2]۔	یہ کتاب محمد بن علی بن عربی طائی نے تمام مسلمانوں پر وقف کی۔

اور اس کے آخر میں قلم شیخ رحمہ اللہ تعالٰی سے یہ تحریر ہے:

قدتم هذا الکتاب علی ید منشئه وهو	یہ کتاب بقلم مصنف تمام ہوئی اور یہ میرے

[1] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیہ من الفتوحات المکیہ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ۲/ ۱۲۳۸

[2] کشف الظنون بحوالہ لواقح الانوار القدسیہ من الفتوحات المکیہ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ۲/ ۱۲۳۹

النسخة الثانية من بخط یدی وکان الفراغ منه بکرة یوم الاربعاء الرابع والعشرین من شهر ربیع الاول سنة ست و ثلثین ٦٣٦ وستمائة وکتبه منشؤه[1]۔	خط سے دوسرانسخہ ہے اس کی تحریر سے روز چار شنبہ وقت صبح بتاریخ ست وچہارم ماہ مبارک ربیع الاول ٦٣٦ فراغ لکھاہوا ہے اس کے مصنف نے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ور سید موصوف نے یہ بھی بیان فرمایاکہ سینتیس ٣٧ مجلد میں ہےاور اس میں اس نسخے سے جس میں ملحدوں نے عقائد شنیعہ الحاق کئے، عبارت زیادہ ہےاوراس کی پشت پر نام کتاب بخط مصنف علیہ الرحمہ لکھاہےاس کے نیچے شیخ صدرالدین قونوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خط سے یہ عبارت تحریر ہے:

انشاء مولانا شیخ الاسلام وصفوة الانام محی الدین بن عربی[2]۔	یہ کتاب ہمارے آقا سردار مسلمانان برگزیدہ جہاں محی الدین بن عربی کی تصنیف ہے۔

اوراس کے نیچے لکھاہے: ملك هذه المجلدة لمحمد بن اسحٰق القونوی[3] (یہ مجلد محمد بن اسحٰق قونوی کی ملک میں آیا۔اس کے نیچے شیخ صدرالدین ممدوح کے خط سے محمد بن ابی بکر تبریزی کی روایت کہ ان سے بطریق سماع حاصل ہوئی مکتوب ہے اور محمد بن اسحٰق قونوی کی شرح دستخط یہ ہے:

انتقل الی خادمه وربیب لطفه محمد بن اسحٰق سنة سبعین وثلثین ٦٣٧ وستمائة[4]۔	یہ کتاب مصنف کے خادم ولطف پروردہ محمد بن اسحٰق قونوی کی طرف ٦٣٧ میں منتقل ہوئی۔

نتنی ظاہر ہے کہ اس سے زیادہ کون سانسخہ معتمد ہوگا خود قلم خاص حضرت مصنف قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز کی تحریر اوراس کے اول وآخر میں خود مصنف ودیگر علماء وعمائد کے دستخط کثیر، جب یہ نسخہ ان عبارات شنیعہ سے خالی ملاتوالحاق وافترامیں کیاشک رہاوالحمدللہ رب العٰلمین ولہذا مفتی سلطنت عثمانیہ عمدہ علمائے روم علامہ ابوالسعود علیہ رحمۃ الملک الودود نے اپنے فتوے میں تصریح فرمائی کہ یتقنا ان بعض الیهود افتراها علی الشیخ قدس الله سره ہمیں یقین ہے کہ بعض یہودیوں نے یہ کلمات شیخ قدس سرہ، پرافتراء کئے ہیں۔ کمانقله فی الدرالمختار عن معروضاته۔ اب کلام امام شعرانی کاحال سنئے، خودامام موصوف رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ میزان میں فرماتے ہیں:

وقع لی ذلك من بعض الاعداء فانهم دسوا فی کتابی المسمی بالبحر المورود فی المواثیق	یعنی مجھے یہ واقعہ بعض اعداکے ساتھ پیش آچکاہے انہوں نے میری کتاب البحر المورود فی المواثیق والعهود

[1] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩
[2] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩
[3] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩
[4] کشف الظنون بحوالہ لواقع الانوار القدسیۃ من الفتوحات المکیۃ مطبوعہ مکتبۃ المثنی بغداد ٢/ ١٢٣٩

والعهود، امور اتخالف ظاهر الشريعة و داروبها فی الجامع الازهر وغيره و حصل بذلك فتنة عظيمة وماخمدت الفتنة حتی ارسلت لهم نسختی التی عليها خطوط العلماء ففتشها العلماء فلم يجدوا فيها شيئا ممايخالف ظاهر الشريعة مماد سه الاعداء فالله تعالٰی يغفر لهم و يسامحهم[1] اھ۔	میں خلاف شرع باتیں الحاق کردیں اور اسے جامع ازہر وغیرہ میں لئے پھرے اور اس کے سبب بڑا فتنہ اٹھا اور فرو نہ ہوا یہاں تک کہ میں نے ان کے پاس اپنا نسخہ جس پر علماء کے دستخط تھے بھیج دیا اہل علم نے تلاش کی تو اس میں وہ امور مخالفہ شریعت جو دشمنوں نے ملادیئے تھے اصلًا نہ پائے اللہ تعالٰی ان کی مغفرت کرے اور در گزر فرمائے۔

خیر ایک طریقہ توثبوت الحاق کا یہ ہے دوسرے یہ مصنف کا امام معتمد وعالم متدین، مستند ہونا معلوم ہے اور یہ کلام کہ بے تواتر حقیقی اس کی طرف نسبت کیا گیا صریح معصیت یا بدمذہبی وضلالت جس میں اصلًا تاویل وتوجیہ کی گنجائش ہی نہیں تو اس وجہ سے کہ علماء تو لما عام اہل اسلام کی طرف بے تحقق وتواتر وثبوت قطعی کسی کبیرہ کی نسبت مقبول نہیں کما نص علیه الامام الاجل حجة الاسلام محمد الغزالی قدس سره العالی فی الاحیاء (جیسا کہ امام غزالی قدس سرہ نے "احیاء العلوم" میں اس کی تصریح کی ہے۔ت) رَد کردیں گے اور تحسیناً للظن، الحاق کہیں گے اور اسی سے ملحق ہے، بات کا ایسا سخیف ورذیل ہونا کہ کسی طرح عقل سلیم اس امام عظیم سے اس کا صدور منظور نہ کرے جیسے باب ذوی الارحام میں قبیل فصل صنف اول سراجیہ میں یہ مہمل عبارت لان عندهما كل واحد منهم اولی من فرعه وفرعه وان سفل اولی من اصله[2] (کیونکہ ان دونوں کے نزدیک ان میں سے ہر ایک اپنی فرع سے اولٰی ہے اور اس کی فرع اگرچہ نچلی ہو اصل سے اولٰی ہے۔ت) جس کے لئے اصلًا کوئی محصل نہیں ولہذا علامہ سید شریف نے شرح میں نقل فرمایا:

لم يتحصل منها معنی فهی من ملحقات بعض الطلبة القاصرين[3] الخ	اس کا کوئی معنی نہیں بنتا للذا یہ بعض نالائق طلباء کی الحاق کردہ عبارت ہے الخ (ت)

اور اسی قبیل سے ہے وہ عبارت جس میں کسی طائفہ زائغہ کے لئے کوئی غرض فاسد ہو اور امام مصنف اس

---

[1] المیزان الکبرٰی مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹

[2] السراجی فی المیراث باب ذوی الارحام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

[3] حاشیۃ ضیاء السراج مع السراج بحوالہ شرح سید شریف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۹

سے بَری اور جابجا خود اس کا کلام اس غرض مردود کے خلاف پر شاہد، جیسے بعض خدا نا ترسوں کا امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی کی طرف معاذاللہ کلمات مذمت امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامّہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نسبت کرنا حالانکہ اُن کی کتاب متواترہ احیاء وغیرہ مناقب امام کی شاہد عدل ہیں عـــہ اور مثل آفتاب روشن و بے نقاب کہ ما نحن فیہ میں ان صورتوں سے کوئی مشکل نہیں والحمدللہ رب العٰلمین، اگر منکر بہجۃ الاسرار شریف کے نسخ قدیمہ صحیحہ معتمدہ اس روایت سے خالی دکھا دیتا یا ز بانی انکار کے سوا کوئی دلیل معقول قابل قبول ارباب عقول، اس کے یقینی ضلالت و مخالف عقیدہ اہل سنت ہونے پر قائم کرلیتا تو اس وقت دعوی الحاق زیب دیتا، نہ کہ علی الرغم اس کے، علمائے مابعد، طبقہ فطبقہ اس روایت کو نقل فرمائیں، اور مقرر، و مسلم رکھتے آئیں اور بہجۃ کا ایک نسخہ معتمدہ بھی اس کے خلاف نہ ملے اور محض براہ سینہ زوری الحاق کا ادعائے باطل کردیا جائے، فن اصول میں جسے ادنٰی مداخلت ہے اس پر کالشّمس واضح کہ مجرد امکان، منافی قطع ویقین بالمعنی الاعم نہیں، جب تک احتمال ناشئی عن دلیل نہ ہو ورنہ تمام نصوص قرآن وحدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ منکر کا تصانیف شریفہ جناب شیخ اکبر و امام شعرانی قدس سرہما کی نظیر دینا کس درجہ لغو و بے محل تھا، کہاں وہ روشن وقائع قطعی ثبوت، کہاں یہ زبانی شوسے حیلہ مبہوت، کاش منکر نے جہاں تصانیف مذکورہ کا نام لیا تھا وہاں امام شعرانی کے اقوال مسطورہ بھی نقل کرلاتا، کہ دعوی مدلل وادعائے

عـــہ ماینسب الی الامام الغزالی یردہ ماذکرہ فی احیاہ المتواتر عنہ حیث ترجم الائمۃ الاربعۃ وقال واما ابوحنیفۃ فلقدکان ایضا عابدا زاھدا عارفا باللہ خائفا منہ مریدا وجہ اللہ تعالٰی بعلمہ[1] الخ اھ درمختار۔	امام اعظم کے بارے میں جو امام غزالی کی طرف منسوب ہے اس کا رَد خود امام غزالی کا ذکر کردہ وہ کلام ہے جو انہوں نے تواتر سے مروی "احیاء العلوم" میں ائمہ اربعہ کے تراجم میں بیان کیا ہے اور انہوں نے وہاں فرمایا کہ بیشک امام ابوحنیفہ بھی عابد، زاہد، عارف باللہ، اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے، اپنے علم کی بناپر اللہ تعالٰی کی رضا کے طالب تھے الخ اھ درمختار (ت)

یعنی امام حجۃ الاسلام احیاء العلوم میں فرماتے ہیں ابوحنیفہ خدا کی قسم عابد زاہد عارف باللہ تھے اللہ تعالٰی سے ڈرنے والے اور اپنے علم سے وجہ اللہ کا ارادہ رکھنے والے ۱۲

[1] احیاء العلوم بیان العلم الذی ھو فرض الکفایۃ مطبوعہ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر ۱/ ۲۸

بے دلیل کا فرق کھل جاتا واللہ الحجۃ السامیۃ۔

اور اس ف نماز کو قرآن وحدیث کے خلاف بتانا محض بہتان وافترا، ہر گز ہر گز قرآن وحدیث میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، نہ مخالف کوئی آیت یا حدیث اپنے دعوے میں پیش کرسکا، ہر جگہ صرف زبانی ادّعا سے کام لیا مگر یہ وہی جہالتِ قبیحہ وسفاہت فضیحہ ہے جس میں فرقہ جدیدہ وطائفہ حادثہ قدیم سے مبتلا یعنی قرآن وحدیث میں جس امر کا ذکر نہیں وہ ممنوع ہے اگرچہ اس کی ممانعت بھی قرآن وحدیث میں نہ ہو، ان ذی ہوشوں کے نزدیک امر و نہی میں کوئی واسطہ ہی نہیں اور عدم ذکر ذکرِ عدم ہے پھر خدا جانے سکوت کس شے کا نام ہے! ترمذی وابن ماجہ وحاکم سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرّم اللہ فی کتابہ وماسکت فھو مما عفا عنہ[1]۔	حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام بتایا اور جس سے سکوت فرمایا وہ عفو ہے یعنی اس میں کچھ مواخذہ نہیں،

اور اس کی تصدیق قرآن عظیم میں موجود کہ فرماتا ہے جل ذکرہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــٴَـلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْۚ وَ اِنْ تَسْــٴَـلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَاؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ(۱۰۱)[2]	اے ایمان والو! وہ باتیں نہ پوچھو کہ تم پر کھول دی جائیں تو تمہیں برا لگے اور اگر قرآن اُترتے وقت پوچھو گے تو تم پر ظاہر کردی جائیں گے اللہ نے اُن سے معافی فرمائی ہے اور اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔

ف: یہاں سے اعلیحضرت علیہ الرحمۃ ایک فائدہ نفیسہ کا بیان شروع کررہے ہیں جو چار احادیث اور ایک آیت قرآنی پر مشتمل ہے جس سے بہت سی فروعات مثل عید میلادالنبی، گیارہویں شریف، تیجا، دسواں، چہلم اور صلوٰۃ الاسرار وغیرہ کے جواز کا ثبوت ملتاہے۔
نذیر احمد سعیدی

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس، باب ماجاء فی لبس الفراء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ باب اکل الجبن والسمن مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۹

[2] القرآن ۵/ ۱۰۱

بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا حکم دیتے تو فرض ہوجاتیں اور بہت ایسی کہ منع کرتے تو حرام ہوجاتیں پھر جوانہیں چھوڑتا یا کرتا گناہ میں پڑتا، اس مالک مہربان نے اپنے احکام میں اُن کا ذکر نہ فرمایا یہ کچھ بھول کر نہیں کہ وہ تو بھول اور ہر عیب سے پاک ہے بلکہ ہمیں پر مہربانی کے لئے کہ یہ مشقت میں نہ پڑیں تو مسلمانوں کو فرماتا ہے تم بھی ان کی چھیڑ نہ کرو کہ پوچھو گے حکم مناسب دیا جائے گا اور تمہیں کو دقّت ہوگی۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جن باتوں کا ذکر قرآن وحدیث میں نہ نکلے وہ ہر گز منع نہیں بلکہ اللہ کی معافی میں ہیں، دار قطنی ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ تعالٰی فرض فرائض فلاتضیعوھا، وحرم حرمات فلاتعتدوھا، وسکت عن اشیاء من غیرنسیان فلاتبحثوا عنھا[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے کچھ باتیں فرض کیں انہیں ہاتھ سے نہ جانے دو اور کچھ حرام فرمائیں اُن کی حرمت نہ توڑو اور کچھ حدیں باندھیں اُن سے آگے نہ بڑھو اور کچھ چیزوں سے بے بھولے سکوت فرمایا اُن میں کاوش نہ کرو۔

احمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذرونی ماترکتکم فانما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیائھم فاذا نھیتکم عن شیئ فاجتنبوہ واذا امرتکم بامرفأتوا منہ ما استطعتم[2]۔	یعنی جس بات میں میں نے تم پر تضییق نہ کی اُس میں مجھ سے تفتیش نہ کرو کہ اگلی اُمتیں اسی بلا سے ہلاک ہوئیں، میں جس بات کو منع کروں اس سے بچو اور جس کا حکم دوں اسے بقدر قدرت بجالاؤ۔

احمد، بخاری، مسلم سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] سنن الدار قطنی باب الرضاع مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۴/ ۱۸۴

[2] صحیح مسلم باب فرض الحج فی العمر، حدیث ۴۱۲ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۴۳۲، سنن ابن ماجہ باب اتباع سنت رسول اللہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲، مسند احمد بن حنبل از مسند ابوہریرہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۴۷

ان اعظم المسلمین فی المسلمین جرما من سأل عن شیئ لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسألته[1]۔	بیشک مسلمانوں کے بارے میں اُن کا بڑا گناہگار وہ ہے جو ایسی چیز سے سوال کرے کہ حرام نہ تھی اُس کے سوال کے بعد حرام کردی گئی۔

یہ احادیث باعلی ندامنادی کہ قرآن وحدیث میں جن باتوں کاذکر نہیں نہ ان کی اجازت ثابت نہ ممانعت وارد، اصل جواز پر ہیں ورنہ اگر جس چیز کاکتاب وسنت میں ذکر نہ ہو مطلقاً ممنوع ونادرست ٹھہرے تواس سوال کرنے والے کی کیاخطا، اس کے بغیر پوچھے بھی وہ چیز ناجائز ہی رہتی۔ بالجملہ یہ قاعدہ نفیسہ ہمیشہ یادرکھنے کاہے کہ قرآن وحدیث سے جس چیز کی بھلائی یابرائی ثابت ہو وہ بھلی یابری ہے ورجس کی نسبت کچھ ثبوت نہ ہو وہ معاف وجائز ومباح ورَواواور اس کو حرام وگناہ ونادرست وممنوع کہناشریعت مطہرہ پرافترا۔ قال ربنا تبارك وتعالی

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾[2]	ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اپنی زبانوں کامن گھڑت جھوٹ مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء کرتے ہو، بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر افتراء کریں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اسی طرح اس نماز کو طریقہ خلفائے راشدین وصحابہ کرام کے خلاف کہنا بھی اسی سفاہت قدیمہ پر مبنی کہ جو فعل اُن سے منقول نہ ہو عموماً ان کے نزدیک ممنوع تھاحالانکہ عدم ثبوت فعل وثبوت عدم جواز میں زمین وآسمان کافرق ہے، امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[3]۔	کرناتوجواز کی دلیل ہے اور نہ کرناممانعت کی دلیل نہیں۔

رافضیوں نے اس طائفہ جدیدہ کی طرح ایک استدلال کیاتھااس کے جواب میں شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں:

نکردن چیزے دیگرست ومنع فرمودن چیزے دیگراست[4] ملخصاً۔	نہ کرنااور چیز ہے اور منع کرنااور چیز ہے ملخصاً (ت)

[1] صحیح بخاری باب مایکرہ من کثرۃ السوال مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۰۸۲/۲

[2] القرآن ۱۱۶/۱۶

[3] مواہب اللدنیہ

[4] تحفہ اثناعشریہ باب دہم مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں بعد بیان اس امر کے کہ اذان مغرب کے بعد فرضوں سے پہلے دو۲ رکعت نفل پڑھنا نہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے نہ صحابہ سے۔ فرماتے ہیں:

ثم الثابت بعدھذا نفی المندوبیة اما ثبوت الکراھة فلاالاان یدل دلیل اٰخر[1]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام کے نہ کرنے سے اس قدرثابت ہوا کہ مندوب نہیں۔ رہی کراہت وہ اس سے ثابت نہ ہوئی جب تک اور کوئی دلیل اس پر قائم نہ ہو۔

اوراسے اخلاص ف وتوکل کے خلاف ماننا عجب جہالت بے مزہ ہے اس میں محبوبانِ خدا کی طرف توجہ بغرض توسل ہے اوران سے توسل قطعًا محمود، اور ہرگز اخلاص وتوکل کے منافی نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۳۵﴾[2]	اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اوراس کی راہ میں کوشش کرو کہ تم مراد کو پہنچو۔

اور انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نسبت فرماتا ہے:

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ[3]	وہ ہیں کہ دعا کرتے اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

اور آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام ودیگرانبیاء وصلحاء وعلماء وعرفاء علیہم التحیۃ والثناء کا قدیمًا وحدیثًا حضوراقدس غایۃ الغایات، نہایۃ النہایات علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل التسلیمات سے حضور کے ظہورپرنور سے پہلے اور بعد بھی حضور کے زمان برکت نشان میں اور بعد بھی عہد مبارک صحابہ وتابعین سے آج تک اور آج سے قیام قیامت و عرضات محشر ودخول جنت تک "استشفاع وتوسّل"احادیث وآثار میں جس قدر وفوروکثرت وظہوروشہرت کے ساتھ وارد محتاج بیان نہیں، جسے اس کی گونہ تفصیل دیکھنی منظورہو مواہب لدنیہ امام قسطلانی وخصائص کبرائے امام جلال الدین سیوطی و شرح مواہب علامہ زرقانی و مطالع المسرات علامہ فاسی ولمعات واشعۃ شروح مشکوٰۃوجذب القلوب الٰی دیار المحبوب ومدارج النبوۃ تصانیف شیخ محقق مولٰنا عبدالحق صاحب دہلوی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام وفضلائے عظام علیہم رحمۃ العزیز العلّام، کی طرف رجوع لائے کہ وہاں حجاب غفلت منکشف

---

[1] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

[2] القرآن ۵/ ۳۵

[3] القرآن ۱۷/ ۵۷

ف: یہاں سے اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ شفاعت، وسیلہ، استمداد، التجا اور ہنگام توسل ندائے محبوبانِ خدا کے جواز پر کلام شروع کررہے ہیں جو کہ آیات قرآنی، احادیث اور کتب سیرت سے ماخوذ ہے، غور کرو۔ نذیر احمد

ہوتاہے اور مصنف خطا سے منصرف وباللہ سبحٰنہ وتعالی التوفیق۔اسی طرح صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سیدنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طلب باراں سے توسل کرنا مروی ومشہور، حصن حصین میں ہے:

وان یتوسل الی اللہ تعالٰی بانبیاہ خ ر مس والصالحین من عبادہ[1] خ۔	یعنی آداب دعا سے ہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف اس کے انبیاء سے توسل کرے۔اسے بخاری وبزاز وحاکم نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اللہ کے نیک بندوں کاوسیلہ پکڑے،اسے بخاری نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور سب سے زیادہ وہ حدیث صحیح ومشہور ہے جسے ۱نسائی و ۲ترمذی و ۳ابن ماجہ و ۴حاکم و ۵بیہقی و ۶طبرانی وابن خزیمہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیااور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری ومسلم صحیح کہااور حافظ امام عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلّم ومقرر رکھاجس میں حضور اقدس ملجاء بیکساں،ملاذ دوجہاں،افضل صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہ وعلٰی ذریاتہ،نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کہے:

اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة (صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم) یامحمد انی اتوجه بك الٰی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعه فی۔[2]	الٰہی! میں تجھ سے مانگتااور تیری طرف توجہ کرتاہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتاہوں کہ میری حاجت رواہو، الٰہی! ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اور لطف یہ ہے کہ بعض روایات حصن حصین میں لتقضی لی بصیغہ معروف واقع ہوا یعنی یارسول اللہ! میں آپ کے توسل سے خدا کی طرف توجہ کرتاہوں کہ آپ میری حاجت روائی کردیں۔مولٰینا فاضل علی قاری علیہ الرحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

وفی نسخة بصیغة فاعل ای لتقضی الحاجة	اور ایک نسخہ میں معروف کاصیغہ ہے یعنی تومیری حاجت روائی

[1] حصن حصین آداب دعاء افضل المطابع انڈیا ص ۱۸

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹۷

لی والمعنی تکون سببا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالاسنادمجازی[1] ھ	فرما، اور معنی یہ ہے کہ آپ میری حاجت روائی کا سبب بنیں، پس یہ اسناد مجازی ہے اھ (ت)

اور یہ حدیث نفیس نجیح مذیل بطراز گرانبہائے تصحیح عــہ امام ابوالقاسم سلیمن لخمی طبرانی کے پاس یوں ہے:

ان رجلاکان یختلف الی عثمٰن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حاجۃ لہ. فکان عثمٰن لایلتفت الیہ ولاینظر فی حاجتہ. فلقی عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ فشکا ذلك الیہ. فقال لہ عثمٰن بن حنیف: ائت المیضأۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسألك و اتوجہ الیك بنبینا محمد	یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لئے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں آتا امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات کرتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس امر کی شکایت کی انہوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ: الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی رحمت کے وسیلے سے

عــہ ا: امام منذری ترغیب میں فرماتے ہیں: قال الطبرانی بعد ذکر طرقہ والحدیث صحیح[2] طبرانی نے اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کرکے کہا حدیث صحیح ہے ۱۲منہ (م)

عــہ: ھکذا ھو ھھنا یثبت الصلٰوۃ فی نفس الحدیث فی النسخۃ التصحیحۃ للترغیب التی من اللہ تعالٰی بھا علی ھذا المحتاج ولعل عثمٰن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا روی الحدیث اتی بہ کما ھو واذا علم الرجل زاد الصلٰوۃ کما ھو المطلوب فی امثال المقام. واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (م)	یوں ہی وہ یہاں نماز کا ثبوت نفس حدیث میں ہے "ترغیب" کے صحیح نسخہ میں ہے یہ نسخہ اللہ تعالٰی نے اس محتاج کو بطور احسان عطافرمایا ہے ہوسکتا ہے کہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب روایت کیا تو انہوں نے حدیث کو درست بیان فرمایا اور جب انہوں نے آدمی کو ترغیب دی ہو تو نماز کا لفظ زائد کردیا ہو جیسا کہ ایسے مقام میں مطلوب ہوتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین، صلٰوۃ الحاجۃ، افضل المطابع انڈیا ص ۱۲۵

[2] الترغیب والترہیب فی الصلٰوۃ الحاجۃ ودعائہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی الرحمۃ، یامحمد انی اتوجہ بك الی ربی فتقضی لی حاجتی، وتذکر حاجتك ورح الی حتی اروح معک، فانطلق الرجل فصنع ماقال لہ، ثم اتی باب عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ فجاء البواب حتی اخذہ بیدہ فادخلہ علی عثمن بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فاجلسہ معہ علی الطنفسۃ، فقال حاجتک،فذکر حاجتہ فقضاھالہ، ثم قال: ماذکرت حاجتك حتی کانت ھذہ الساعۃ وقال ماکانت لك من حاجۃ فاذکرھا ثم ان الرجل خرج من عندہ فلقی عثمن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ، فقال لہ جزاك اللہ خیرا، ماکان ینظر فی حاجتی ولایلتفت الی حتی کلمتہ فی، فقال عثمن بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ واللہ ماکلمتہ، ولکن شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واتاہ رجل ضریر فشکا الیہ ذھاب بصرہ، فقال لہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ائت المیضأۃ فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بھذہ الدعوات، فقال عثمن بن حنیف فواللہ ماتفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل کانہ لم یکن بہ ضرقط[1]۔

توجہ کرتا ہوں یارسول اللہ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روافرمائے اور اپنی حاجت کاذکر کر، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں، حاجت مند نے یوں ہی کیا پھر آستان خلافت پر حاضر ہوا دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا مطلب پوچھا، عرض کیا فوراً روافرمایا اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت تم نے اپنا مطلب بیان کیا پھر فرمایا جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ شخص وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملا اور کہااللہ تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف التفات نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے اُن سے میرے بارے میں عرض کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے تو تیرے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا، مگر ہوا یہ کہ میں نے سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یوں ہی اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت پڑھے پھر یہ دعا کرے، خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

[1] المعجم الکبیر للطبرانی ما اسند عثمان بن حنیف ۸۳۱۱ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/۹

تنبیہ: ایھا المسلمون حضرات منکرین کی غایت دیانت سخت محل افسوس وعبرت، اس حدیث جلیل کی عظمت رفیعہ وجلالت منیعہ اوپر معلوم ہوچکی اور اس میں ہم اہل سنت وجماعت کے لئے جواز استمداد والتجا وہنگام توسل، ندائے محبوبانِ خدا کا بحمد اللہ کیسا روشن وواضح وبین ولائح ثبوت، جس سے اہل انکار کو کہیں مفر نہیں اب ان کے ایک بڑے عالم مشہور نے باوجود اس قدر دعوی بلند علم وتدوین کے اپنے مذہب کی حمایت بیجا میں جس صریح بے باکی وشوخ چشمی کو کام فرمایا ہے انہیں اس سے شرم چاہئے تھی حضرت نے حصن حصین شریف کا ترجمہ لکھا، جب اس حدیث پر آئے اس کی قاہر شوکت، عظیم عزت نے جرأت نہ کرنے دی کہ نفس متن میں اس پر طعن فرمائیں اور ادھر پاس مشرب، ناخن بدل جوش عصبیت تاب گسل، ناچار حاشیہ کتاب پر یوں ہجوم ہموم کی تسکین فرمائی کہ:

یک راوی این حدیث عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ متروک الحدیث است چنانکہ در تقریب موجود است وحدیث، راوی متروک الحدیث قابل حجت نمی شود۔	ایک راوی اس حدیث میں عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبداللہ ہے جو متروک ہے جیسا کہ "تقریب" میں موجود ہے، اور متروک الحدیث راوی کی حدیث حجت کے قابل نہیں ہوتی۔(ت)

انا للہ وانا الیہ راجعون، انصاف ودیانت کا تو یہ مقتضی تھا کہ جب حق واضح ہوگیا تھا تسلیم فرماتے ارشاد مفترض الانقیاد حضور پرنور سید الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ الامجاد، کی طرف رجوع لاتے نہ کہ خواہی نخواہی بزور تحریف، ایسی تصحیح رجیح حدیث کو، جس کی اس قدر ائمہ محدثین نے یک زبان تصحیح فرمائی معاذ اللہ ساقط ومردود قرار دیجئے اور انتقام خدا ومطالبہ حضور سید روز جزا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء کا کچھ خیال نہ کیجئے، اب حضرات منکرین کے تمام ذی علموں سے انصاف طلب کہ اس حدیث کا راوی عثمٰن بن خالد بن عمر بن عبد اللہ متروک الحدیث ہے جس سے ابن ماجہ کے سوا کتب ستہ میں کہیں روایت نہیں ملتی، یا عثمٰن بن عمر بن فارس عبدی بصری ثقہ جو صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما تمام صحاح کے رجال سے ہیں، کاش اتنا ہی نظر فرمالیتے کہ جو حدیث کئی صحاح میں مروی، اس کا مدار روایت وہ شخص کیونکر ممکن جو ابن ماجہ کے سوا کسی کے رجال سے نہیں، وائے بیباکی، مشہور ومتداول صحاح کی حدیث جن کے لاکھوں نسخے ہزاروں بلاد میں موجود اُن کی اسانید میں صاف صاف عن عثمٰن بن عمر مکتوب، پھر کیا کہا جائے کہ ابن عمر کا ابن خالد بنالینا کس درجہ کی حیا ودیانت ہے لاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ اور سنئے ابن السنی عبداللہ بن مسعود اور بزار عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاانفلتت دابۃ احدکم بارض فلاۃ فلیناد یاعباد اللہ احبسوا فان للہ تعالٰی عبادا فی الارض تحبسہ[1]۔	جب تم میں کسی کاجانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہئے یوں ندا کرے "اے خدا کے بندو! روک لو" کہ اللہ تعالٰی کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اسے روک لیں گے۔

بزار کی روایت میں ہے یوں کہے: اعینوا یاعباداللہ مدد کرو اے خدا کے بندو!۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ان لفظوں کے بعد رحمکم اللہ[2] (اللہ تم پر رحم کرے۔ت) اور زیادہ فرماتے رواہ ابن شیبۃ فی مصنفہ (اسے ابن شیبہ نے اپنی مصنّف میں روایت کیا۔ت) امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی اذکار میں فرماتے ہیں: ہمارے بعض اساتذہ نے کہ عالم کبیر تھے ایسا ہی کیا، چھوٹا ہوا جانور فوراً رک گیا، اور فرماتے ہیں پر رحم: ایک بار ہمارا ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ عاجز آگئے ہاتھ نہ لگا، میں نے یہی کلمہ کہا فوراً رک گیا جس کا اس کہنے کے سوا کوئی سبب نہ تھا[3] نقلہ سیدی علی القاری فی الحرز الثمین (ملا علی قاری نے اسے حرز ثمین میں نقل کیا۔ت) امام طبرانی سیدنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی یاعباداللہ اعینونی فان للہ عبادا لایراھم[4]۔	جب تم میں سے کوئی شخص سنسان جگہ میں بہکے بھولے یا کوئی چیز گم کردے اور مدد مانگنی چاہے تو یوں کہے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں[عہ] جنہیں یہ نہیں دیکھتا۔

عہ: جن کے سید و مولا و سند و ماوٰی حضور پرنور سیدنا عبدالقادر جیلانی ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن مسعود حدیث ۱۰۵۱۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۶۷، المطالب العالیہ بزوائد المسانید الثمانیہ ۳/ ۲۳۹ کشف الاستار عن زوائد البزار ۴/ ۳۴، مجمع الزوائد ۱۰/ ۱۳۲، الاذکار للنووی ص ۱۰۱

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ما یدعوبہ الرجل حدیث ۹۷۶۹ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۳۹۰

[3] الاذکار للنووی باب مایقول اذاانفلتت دابۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۲۰۱

[4] المعجم الکبیر ماسند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۷ و ۱۱۸

عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں قد جرّب ذلك[1] بالیقین یہ بات آزمائی ہوئی ہے رواہ الطبرانی ایضًا (اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ت) فاضل علی قاری علامہ میرک سے وہ بعض علمائے ثقات سے ناقل ھذا حدیث حسن یہ حدیث حسن ہے۔ اور فرمایا مسافروں کو اس کی ضرورت ہے، اور فرمایا مشائخ کرام قدست اسرارھم سے مروی ہوا انہ مجرب قرن بہ النجاح[2] یہ مجرب ہے اور مراد ملنی اس کے ساتھ مقرون۔ ذکرہ فی الحرز الثمین (اس کو حرز ثمین میں ذکر کیا ہے۔ت) ان احادیث میں جن بندگان خدا کو وقت حاجت پکارنے اور ان سے مدد مانگنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں کہ ایک قسم ہے اولیائے کرام سے قدس اللہ تعالٰی اسرارھم وافاض علینا انوارھم یہی قول اظہر واشہر ہے کما نص علیہ فی الحرز الوصین (جیسا کہ حرزالوصین میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ت) اور ممکن کہ ملائکہ یا مسلمان صالح جن، مراد ہوں وکیفما کان ایسے توسل وندا کو شرک وحرام اور منافی توکل واخلاص جاننا معاذاللہ شرع مطہر کو اصلاح دینا ہے۔

تنبیہ: یہاں تو حضرات منکرین کے انہیں عالم نے یہ خیال فرما کر کہ معجم طبرانی بلاد ہند میں متداول نہیں بے خوف وخطر خاص متن ترجمہ میں اپنے زور علم ودیانت وجوش تقوی وامانت کا جلوہ دکھایا فرماتے ہیں: اس حدیث کے راویوں میں سے عتبہ بن غزوان مجہول الحال ہے تقوی اور عدالت اس کی معلوم نہیں جیسا کہ کہا ہے تقریب میں کہ نام ایک کتاب کا ہے اسماء الرجال کی کتابوں سے۔

اقول: مگر بحمداللہ آپ کا تقوی وعدالت تو معلوم، کیسا طشت از بام ہے خدا کی شان کہاں عتبہ بن غزوان رقاشی کہ طبقہ ثالثہ سے ہیں جنہیں تقریب میں مجہول الحال اور میزان میں لایعرف کہا، اور کہاں اس حدیث کے راوی عتبہ بن غزوان بن جابر مازنی بدری کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابی جلیل القدر مہاجر ومجاہد غزوہ بدر ہیں جن کی جلالت شان بدر سے روشن، مہر سے ائیَن رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ مترجم صاحب دیباچہ ترجمہ میں معترف کہ حرز ثمین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کما نص علیہ سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام رواہ ونقلہ فی البھجۃ والزبدۃ والتحفۃ وغیرھا منہ (م)

جیسا کہ سیدنا خضر علیہ السلام نے اس کی تصریح کی اور بہجۃ الاسرار، الزبدۃ اور التحفہ وغیرہا میں اس کو روایت کیا اور نقل کیا ۱۲منہ (ت)

[1] المعجم الکبیر ماسند عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/۱۱۸

[2] حرز ثمین حواشی حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۶

اُن کے پیشِ نظر ہے، شاید اس حرز میں یہ عبارت تو نہ ہوگی:

رواہ الطبرانی عن زید بن علی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	اس کو طبرانی نے زید بن علی سے انہوں نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔(ت)

یا جس تقریب کا آپ نے حوالہ دیا اس میں خاص برابر کی سطر میں یہ تحریر تو نہ تھی:

عتبۃ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل مھاجر بدری مات سنہ سبع عشرۃ[2] اھ ملخصا۔	عتبہ بن غزوان بن جابر المزنی صحابی جلیل بدری اور مہاجر ہیں جن کا وصال ۱۷ھ میں ہوا۔ اھ ملخصًا۔(ت)

پھر کون سے ایمان کا مقتضٰی ہے کہ اپنے مذہب فاسد کی حمایت میں ایسے صحابی رفیع الشان عظیم المکان کو بزور زبان وبزور جنان درجہ صحابیت سے طبقہ ثالثہ میں لاڈالے اور شمس عدالت وبدرِ جلالت کو معاذاللہ مردود الروایۃ ومطعون جہالت بنانے کی بدراہ نکالئے

ولکن صدق نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا لم تستحی فاصنع ماشئت[3]۔	لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھے حیا نہیں تو پھر جو چاہے کر۔(ت)

مسلمان دیکھیں کہ حضرات منکرین انکار حق واصرار باطل میں کیا کچھ کر گزرے پھر ادعائے حقانیت گویا تمیز کا وضوئے محکم ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، خیر یہ تو حدیثیں تھیں اب شاہ ولی اللہ صاحب کی سنئے اپنے قصیدہ اطیب النغم کی شرح میں پہلی بسم اللہ یہ لکھتے ہیں کہ:

لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی روح پاک سے مدد حاصل کرنا ضروری ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

بنظر نمی آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ	مجھے تو ہر مصیبت میں اور ہر پریشان حال کے لئے حضور

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین مع حصن حصین دعاء الرکوب فی البحر افضل المطابع انڈیا ص ۴۵
[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۴۴۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۵۳
[3] المعجم الکبیر مروی از ابو مسعود حدیث ۶۵۸ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۷
[4] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل اول در تشبیب بذکر الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲

جائے دست زدن اندوہگین ست درہر شدّتے[1]۔	علیہ الصلٰوۃ والسلام کادستِ تصرف ہی نظر آتا ہے(ت)

اسی میں ہے:

بہترین خلق خداست درخصلت ودرشکل ونافع ترین ایشان ست مردماں رانزدیک ہجوم حوادث زماں۔[2]	زمانے کے حوادث میں لوگوں کے لئے آپ سے بڑھ کر کوئی نافع نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فصل یازدہم درابتہال بجناب آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمت فرستد برتوخدائے تعالٰی اے بہترین کسیکہ امید داشتہ شوداے بہترین عطاکنندہ[3]۔	گیارہویں فصل حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی مدح میں ہے اے بہترین مددگار اور جائے امید اور بہترین عطا کرنے والے! آپ پر اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں ہوں۔(ت)

اسی میں ہے:

اے بہترین کسیکہ امید داشت شود برائے ازالہ مصیبتے[4]۔	اے بہترین امیدگاہ، مصیبتوں کے ازالہ کے لئے۔(ت)

اسی میں ہے:

توپناہ دہندہ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتیکہ بخلاند دردل بدترین چنگلالہارا[5]۔	آپ مجھے ہرایسی مصیبت میں جودل میں بدترین اضطراب پیدا کرے، پناہ دیتے ہیں۔(ت)

اور اپنے قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں تو قیامت ہی توڑگئے، لکھتے ہیں:

آخر حالتی کہ ثابت است مادح آں حضرت راصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتیکہ احساس کند نارسائی خودرااز حقیقت ثناضراعۃ (بالفتح) خواری وزاری، ابتہال واخلاص دردعاآنست کہ نداکند زار وخوار شدہ بشکستگی دل واظہار بے قدری خود، باخلاص درمناجات وپناہ گرفتن بایں طریق، اے رسول خدا، اے بہترین مخلوقات، عطائے ترامیخواہم روز فیصل کردن۔[6]	مایوسی کے وقت مدح کرنے والے کی آخری حالت میں یہ دعا اور ثنا ہونی چاہئے کہ وہ اپنے کو انتہائی گریہ وزاری اور دل جمعی اور اظہار بے قدری میں خلوص کے ساتھ پناہ حاصل کرتے ہوئے یہ مناجات کرے اور کہے کہ اے رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اے اللہ تعالٰی کی مخلوق میں بہترین ذات! قیامت کے روز میں آپ کی عطا کا خواستگار ہوں۔ (ت)

---

[1] شرح قصیدہ الطیب النغم فصل اول درتشبیب بذکرانخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴

[2] شرح قصیدہ الطیب النغم فصل چہارم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶

[3] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

[4] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

[5] شرح قصیدہ اطیب النغم فصل یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

[6] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

اسی میں ہے:

وقتیکہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا[1]۔	جب کوئی کام تاریکی کی گہرائی میں گر جائے تو آپ ہی ہر بلا میں پناہ دیتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

بسوئے توست آوردن من وبہ توست پناہ گرفتن من ودر توست امید داشتن من[2]۔	میری جائے پناہ، میری جائے امید اور میرے مرجع آپ ہی ہیں۔(ت)

بالجملہ بندگان خدا سے توسل کو اخلاص وتوکل کے خلاف نہ جانے گا مگر سخت جاہل محروم یا ضال مکابر ملوم، رہا اس نماز مبارک کے افعال پر کلام، اولاً: جب اس کی ترغیب خود حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد سے ثابت تو مدعی تسنن کو کیا گنجائش انکار، خود منکرین کی زبانیں اس شہادت میں ہمارے دل وزبان کی شریک ہیں کہ وہ جناب اتباع قرآن وحدیث واقتضائے سنت سنیہ ومراعات سیرت صحابہ واجتناب محدثات شنیعہ والتزام احکام شرعیہ پر استقامت کاملہ رکھتے تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ امدنا فی الدارین بنعماہ اٰمین (اللہ تعالٰی اس سے راضی ہو اور اس کو راضی کرے اور اپنی نعمتوں سے دونوں جہاں میں ہماری امداد فرمائے آمین۔ت)

ثانیاً: دو ۲ علما واولیا جن میں بعض کے اسمائے طیبہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ بہم نے ذکر کئے جنہوں نے یہ نماز پسند کی اجازت دی، سند لی، خود پڑھی، منکرین میں کون ان کے پائے کا ہے؟ پھر ان کے کہے سے کیونکر مسلم ہو کہ حکم شرع پر یہی چلے، اور وہ سب معاذاللہ گناہگار، فساق، بدعتی گزرے اور ان اکابر کو غیر موثوق کہہ کر اتباع سواد اعظم کی طرف بلانا، وہی پرانی تلبیس ہے سواد اعظم کا خلاف جب ہو کہ جمہور ائمہ دین، فقہا ومحدثین، عرفائے محدثین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اس نماز سے ممانعت کرتے آئے ہوں، جب منکرین دوچار ائمہ معتمدین سے صحیح طور پر (جو دیدہ ودانستہ کذب وافترا ووضع اسمائے کتب وعلما واستناد بمجاہیل واجزائے خالیہ سے، کہ داب قدیم اکابر منکرین ہے خالی ہو) اس نماز کریم کی ممانعت کا ثبوت نہ دے سکے نہ ان شاء اللہ تعالٰی قیام قیامت دے سکیں تو سواد اعظم کا نام لینا صرف عوام کو دھوکا دینا ہے۔

ثالثاً: ان صاحبوں کے اصول پر تو اس نماز کے جواز واباحت اور منع وانکار کی قباحت وشناعت

---

[1] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

[2] شرح قصیدہ ہمزیہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۴

پر نئے طور سے (جسے معارضہ بالقلب کہئے) سوادِ اعظم ائمہ وعلماء ومحدثین وفقہا کا اجماع قطعی ثابت ہوگا، پہلے معلوم ہوچکا کہ ان حضرات کے مذہب میں عدم ذکر ذکرِ عدم ہے اور خود یہاں منکرین کے ادعائے سوادِ اعظم کا یہی مبنی کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اب ہم کہتے ہیں کلماتِ ائمہ میں اس نماز پر انکار جائز ہونا ہرگز مذکور نہیں، ومن ادعی فعلیه البیان ولایستطیعه حتی یرجع القارظان (جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے جبکہ یہ اس کی استطاعت سے خارج ہے۔ت) اور عدمِ بیان، بیانِ عدم تولاجرم اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان سب ائمہ کے نزدیک اس نماز مبارک پر انکار روا نہیں اور جس پر انکار ناجائز ہوگا وہ اقل درجہ مباح ہوگا فثبت المقصود وبهت العنود والحمد لله العلی الودود (مقصود ثابت ہوا، مخالف مبہوت ہوا، الحمدللہ العلی الودود۔ت)

رابعًا: ان حضرات کی عجیب عادت ہے، جواز کہ عقلاً ونقلاً محتاج دلیل نہیں بے دلیل خاص قبول نہیں کرتے اور عدمِ جواز کے لئے ان کے زبانی دعوے کافی ہوجاتے ہیں کاش جہاں یہ کہتے ہیں کہ توجہ بعراق وروش باوسب درست نہیں وہاں اس پر کوئی دلیل شرعی بھی قائم کرتے اور جب کچھ نہیں تو ہمارے لئے اصل جواب وہی ہے جو مدعیانِ بے ثبوت کے مقابل قرآن عظیم نے تعلیم فرمایا کہ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ[1] (فرمادیجئے اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ت) اور منکر نے اثنائے تقریر میں جو اپنے لئے بات آسان کرنے کو ہیأت نماز وتذلل تام وانتہائے تعظیم کی قیدیں بڑھالیں وہ خود اسی پر مردود کہ ہرگز ترکیب صلوٰۃ الاسرار میں ان باتوں کا نشان نہیں، ہاں محبوبانِ خدا کی نفس تعظیم بیشک اہم واجبات واعظم قربات سے ہے:

قال الله تعالٰی وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ[2] قال الله تعالٰی مَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ[3] اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا ۙ لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ	اللہ تعالٰی نے فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی عزت والی چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے لئے اللہ تعالٰی کے ہاں بہتر ہے۔ اور نیز فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا تو یہ قلبی تقوٰی ہوگا، اور نیز فرمایا ہم نے آپ کو مشاہدہ کرنے والا، بشارت سنانے

[1] القرآن ۲/۱۱۱

[2] القرآن ۲۲/۳۰

[3] القرآن ۲۲/۳۲

وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ[1]	والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے مومنو! تم اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم و توقیر بجالاؤ(ت)

خود منکر نے کہا کہ صحابہ کرام تعظیم سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام میں ہم سے زیادہ تھے بلکہ شاید ابھی منکرین کو خبر نہیں کہ علمائے دین نے روضہ منورہ کے حضور خاص ہیأت نماز قائم کرنے کا حکم دیا تو منکر کو اس قید کا اضافہ بھی کام نہ آیا بلکہ گناہ بے لذت ٹھہرا۔ لباب و شرح لباب کی عبارت عنقریب مذکور ہوگی بالفعل اختیار شرح مختار و فتاوٰی عالمگیری کی تصریح لیجئے فرماتے ہیں:

یتوجه الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقف کما یقف فی الصلٰوۃ ویمثل صورته الکریمة البهیة[2] اھ ملتقطا۔	یعنی قبر شریف سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ کرے اور یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور کی صورت مبارک کا تصور باندھے۔ اھ ملتقطا۔

اے عزیز! ف اصل کار یہ ہے کہ محبوبان خدا کے لئے جو تواضع کی جاتی ہے وہ در حقیقت خدا ہی کے لئے تواضع ہے ولہذا بکثرت احادیث میں استاذ و شاگرد و علما و عام مسلمین کے لئے تواضع کا حکم ہوا جنہیں جمع کیجئے تو دفتر طویل ہوتا ہے۔ طبرانی معجم اوسط اور ابن عدی کامل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعلموا العلم وتعلموا للعلم السکینة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه[3]۔	علم سیکھو اور علم کے لئے سکون و مہابت (وقار) سیکھو اور جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو۔

ف: محبوبان خدا (مثلاً انبیاء، اولیاء، علماء، استاد اور شاگرد کہ وہ اللہ کے نبی، یہ اللہ کے ولی، وہ دین الٰہی کے قیم ہیں اور ملت الٰہیہ پر قائم) کی تواضع اور تعظیم کرنا در حقیقت خدا ہی کی تواضع اور تعظیم کرنا ہے ورنہ محض کسی دنیادار یا کافر کی تعظیم جائز نہیں۔ **نذیر احمد**

[1] القرآن ۴۸/۸ و ۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المناسک مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۱۶۴۲

اور خطیب نے کتاب الجامع لآداب الراوی والسامع میں اُن سے یوں روایت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولاتکونوا جبابرة العلماء فیغلب جهلکم علمکم [1]۔	جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو اور جسے علم سکھاتے ہو اس کے لئے تواضع کرواور متکبر عالم نہ بنو کہ تمہارا جہل تمہارے علم پر غالب ہو جائے۔

بااینہمہ علمانے تصریح فرمائی کہ غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے، فتاوٰی ہندیہ میں یہ ہے: **التواضع لغیر الله حرام کذا فی الملتقط** [2] (غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ت) تو بات وہی ہے کہ انبیاء واولیاء ومسلمین کے واسطے تواضع اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں یہ اللہ کے ولی ہیں وہ دین الٰہی کے قیم ہیں یہ ملت الٰہیہ پر قائم ہیں تو علت تواضع، جب وہ نسبت ہے جو انہیں بارگاہ الٰہی میں حاصل، تو یہ تواضع بھی در حقیقت خدا ہی [عہ] کے لئے ہوئی جیسے

ف: یہ فائدہ ضرور ملاحظہ ہو [عہ] عجیب تر بشنو (نہایت عجیب بات سن۔ت) مرزا مظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

ایشاں بجناب پیر خود نوشتند کہ محبت شمار بر محبت خدا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غالب وست موجب انفعال میشود در جواب برنگاشتند کہ محبت پیر ہمیں محبت خداورسول ست وسبب جذب کمالات الٰہیہ کہ در باطن پیر ثابت ست می شود چوں دیدہ عقل آمد احول معبود تو سری ست اول [3]	انہوں نے اپنے پیر کی خدمت میں لکھا کہ آپ کی محبت اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت پر غالب ہے جو کہ فیضیاب ہونے کا سبب ہے، پیر صاحب نے جواب میں لکھا کہ پیر کی محبت بھی اللہ تعالٰی اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کی محبت ہے جو کہ پیر کے باطن میں ثابت شدہ اللہ تعالٰی کے کمالات کو جذب کرنے کا باعث ہے۔ انتہی بلطفہ ۱۲منہ (م)

---

[1] الجامع لاخلاق الراوی باب ذکر ماینبغی للراوی والسامع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص۹۱، الکامل فی ضعفاء الرجال من اسمہ عباد عباد بن کثیر ثقفی بصری مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۱۶۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۸

[3] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مجتبائی دہلی ص ۱۸۲

صحابہ کرام واہل بیت عظام کی تعظیم ومحبت بعینہٖ محبت وتعظیم سید عالم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

کما نص علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غیر ما حدیث ونحن فی غنی عن سردھا ھنا فما ھی شوارد بل معلومۃ الموارد۔	جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر تصریح فرمائی، ایسی بہت سی احادیث ہیں ہمیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، وہ احادیث اجنبی نہیں ہیں ان کا مورد سب کو معلوم ہے۔(ت)

تواضع لغیر اللہ کی شکل یہ ہے کہ عیاذًا باللہ، کسی کافریا دنیادار غنی کے لئے اس کے سبب تواضع ہو کہ یہاں وہ نسبت موجود ہی نہیں یا موجود ہے تو ملحوظ نہیں، اے عزیز! کیاوہ احادیث کثیرہ شہیرہ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خشوع وخضوع بجالانا مذکور، اس درجہ اشتہار پر نہیں کہ فقیر کو اُن کے جمیع واستیعاب سے غناہو، ابوداؤد ونسائی وترمذی و ابن ماجہ اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ حولہ کأنّ علی رؤسھم الطیر[1]۔	فرمایا میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، حضور کے اصحاب حضور کے گرد تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں، یعنی سر جھکائے گردنیں خم کئے بے حس وحرکت کہ پرندے لکڑی یا پتھر جان کر سروں پر آبیٹھیں، اس سے بڑھ کر اور خشوع کیا ہوگا!

ہند بن ابی ہالہ وصاف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی عنہ کی حدیث حلیہ اقدس میں ہے:

اذا تکلم اطرق جلساؤہ کانّ علی رؤسھم الطیر[2]۔	جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلام فرماتے جتنے حاضران مجلس ہوتے سب گردنیں جھکالیتے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔

عجب ست باوجودت کہ وجود بمن ماند تو بگفتن اندر آئی ومرا سخن بماند

(تعجب ہے کہ تیرے وجود سے میرا وجود باقی ہے تیری گفتگو نافذ ہے اور میری بات باقی ہے)

مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں لکھتے ہیں:

یکے از مشایخ گوید کہ من وشیخ علی ہیتی درمدرسہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بودیم کہ یکے از اکابر بغداد پیش آمدو	ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور شیخ علی ہیتی حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مدرسہ میں تھے کہ اتنے میں بغداد کے

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطب باب الرجل یتداوہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۸۳/۲، مسند احمد بن حنبل حدیث اسامہ بن شریک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۷۸/۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ہند بن ابی ہالہ ۴۱۴، مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۵۸/۲۲

گفت یاسیدی قال جدك رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من دعی فلیجب وھاانا ادعوك الی منزلی گفت اگر مرا اذن کنند بیایم زمانے سرور پیش انداخت پس گفت مے آیم و برا ستر سوار شد شیخ علی ہیتی رکاب راست وی گرفت و من رکاب چپ تابسرائے آں شخص رسیدیم ہمہ مشایخ بغداد وعلماواعیان آنجا بودند سماطے برکشیدند بروی انواع نعمتہا وسلّہ بزرگ سرپوشیدہ دوکس برداشتہ پیش آوردند ودرآخر سماط نہادند بعدازاں آں شخص کہ صاحب دعوت بود گفت الصّلاو شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ سردرپیش افگندہ بود ہیچ نخورد واذن نیزندادد ہیچکس ہم نخور واھل المجلس کأنّ علی رؤسھم الطیر ھیبته[1]۔	ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے عرض کی اے آقا (غوث اعظم) آپ کے جدّامجد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دعوت دے اس کی دعوت قبول کی جائے، لو میں آپ کو اپنے گھر کے لئے دعوت دیتاہوں توآپ نے فرمایا اگر مجھے اجازت ملی توآؤں گا، یہ فرماکر آپ نے کچھ دیر سرمبارک کو جھکایا پھر فرمایا میں آرہاہوں آپ گھوڑے پر سوار ہوئے شیخ علی ہیتی نے دایاں رکاب اور میں نے بایاں رکاب پکڑا، حتی کہ ہم سب اس شیخ کے گھر پہنچے تووہاں پر بغداد کے مشائخ اور علما اور خاص لوگ موجود تھے دسترخوان بچھایاگیا جس پر مختلف قسم کی نعمتیں موجود تھیں اور ایک بھاری بوجھل تابوت کودس آدمی اٹھائے ہوئے لائے جواُوپر سے ڈھانپا ہواتھا وہ دسترخوان کے قریب ایک طرف رکھ دیاگیا، اس کے بعد صاحب خانہ شیخ نے کھانا کھانے کو کہا توحضرت غوث اعظم نے سرمبارک جھکایا نہ خود کھانا تناول فرمایا اور نہ ہی ہمیں کھانے کی اجازت دی، اور کسی نے بھی نہ کھایا جبکہ تمام اہل مجلس ایسے خاموش سرجھکائے ہوئے تھے جیسے کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔(ت)

یعنی اہل مجلس کہ تمام اولیاء وعلماء وعمائد بغداد تھے ہیبت سرکار قادریت کے سبب ایسے بیٹھے تھے گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں، مقصود اسی قدر تھامگرایسی جانفزا بات کاناتمام رہنادل کو نہیں بھاتالہٰذا تفریح قلوب سنت وغیظ صدوربدعت کے لئے تتمہء روایت نقل کروں، فرماتے ہیں:

شیخ رضی اللہ تعالٰی بمن وشیخ علی ہیتی اشارتی کرد کہ آں سلّہ راپیش آرید برخاستیم وآں راپیش برداشتیم وبس گراں بوددرپیش شیخ نہادیم فرمود تاسرآنرا بگشادیم دیدیم کہ فرزند آں شخصے بود نابینائے مادرزاد	حضرت نے مجھے اور شیخ علی ہیتی کو اشارہ فرمایا کہ اس تابوت کو میرے سامنے لاؤ، وہ بھاری تابوت ہم نے اٹھاکر آپ کے سامنے رکھ دیا پھر آپ نے فرمایا اس پر سے کپڑا ہٹاؤ، جب ہم نے دیکھا وہ اس شخص کا

[1] نفحات الانس حالات شیخ ابوعمروصریفینی رحمۃاللہ علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

برجائے ماندہ و مجذوم و مفلوج گشتہ شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وی راگفت قم باذن اللہ معافی، آں کودک برخاست دواں وبیناو بران ہیچ آفتے نے فریاد از حاضراں برخاست شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ درانبوہ مردم بیروں آمد وہیچ نخورد پیش شیخ ابوسعید قیلوی رفتم وآں قصہ باوے بگفتم گفت شیخ عبدالقادر یبرئ الاکمہ والابرص ویحي الموتی باذن اللہ عزوجل ست انتہی[1]۔	لڑکا تھا جو مادر زاد نابینا اور مفلوج تھا تو حضرت نے اس لڑکے کو حکمًا فرمایا قم باذن اللہ معافی (اللہ کے حکم سے کھڑے ہوجاؤ عافیت والے ہوکر) وہ لڑکا فورًا تندرست حالت میں کھڑا ہوگیا جیسا کہ اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت حاضرین میں سے اُٹھ کر پوری جماعت کے ساتھ باہر تشریف لے گئے اور کچھ نہ کھایا۔ اس کے بعد میں شیخ ابوسعید قیلوی کے پاس گیا اور ان کو میں نے یہ تمام قصہ سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست اور مُردے کو زندہ اللہ کے اذن سے کرتے ہیں۔ (ت) ۔

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی

مردہ راجانے دہی ودرد رادرماں کنی

(اے قدرت والے تجھے قدرت ہے جو چاہے تو کرے، مردہ کو جان دیتا ہے اور درد کو آرام دیتا ہے)

امام ابوابراہیم تجیبی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کتاب الشفاء میں ہے:

واجب علی کل مومن متی ذکرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوذکر عندہ ان یخضع و یخشع ویتوقر ویسکن من حرکتہ ویأخذ فی ھیبتہ واجلالہ بماکان یاخذبہ نفسہ لوکان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویتأدب بماادبنا اللہ تعالٰی بہ[2]۔	ہر مسلمان پر واجب ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یاد کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر آئے خضوع وخشوع بجالائے اور باوقار ہوجائے اور اعضاء کو حرکت سے بازرکھے اور حضور کے لئے اس ہیبت وتعظیم کی حالت پر ہوجائے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روبرو اس پر طاری ہوتی اور ادب کرے جس طرح خدا تعالٰی نے ہمیں ان کا ادب سکھایا ہے۔

[1] نفحات الانس حالات ابوعمرو صریفینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مطبوعہ انتشارات کتاب فروشی ایران ص ۵۲۰

[2] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/ ۳۴

امام علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں اس قول کے نیچے لکھتے ہیں:

یفرض ذلك ویلاحظہ ویتمثلہ فکانہ عندہ[1]۔	یعنی یاد حضور کے وقت یہ قرار دے کہ میں حضور اقدس کا تصور باندھے گویا حضور کے سامنے حاضر ہوں۔

امام اجل سیدی قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں امام تجیبی کا ارشاد نقل کرکے فرماتے ہیں:

وھذہ کانت سیرۃ سلفنا الصالح وائمتنا الماضین رضی اللہ تعالٰی عنھم[2]۔	ہمارے سلف صالح وائمہ سابقین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی داب وطریقہ تھا۔

اور فرماتے ہیں:

کان مالك اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتغیّر لونہ وینحنی[3]۔	امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرتے رنگ اُن کا بدل جاتا اور جھک جاتے۔

نسیم میں ہے: لشدۃ خشوعہ[4] یہ جھک جانا سبب شدت خشوع تھا۔

شفا شریف وغیرہ تصانیف علماء میں اس قسم کی بہت روایات مذکور، شاہ ولی اللہ قصیدہ ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

ینادی ضارعا لخضوع قلب   وذل وابتھال والتجاء

رسول اللہ یاخیر البرایا   نوالك ابتغی یوم القضاء[5]

(حاجت مندی، دل کی عاجزی، انکساری، تضرع اور التجاء کے ساتھ رسول اللہ کو ندا کرے اور عرض کرے کہ اے مخلوق سے افضل ذات! میں آپ سے قیامت کے روز عطا کا خواستگار ہوں)

دیکھو صاف بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ندا اور حضور سے عرض حاجت کرے تو تضرع وخضوع قلب وتذلل والحاح وزاری سب کچھ بجالائے۔ میں کہتا ہوں واللہ ایسا ہی چاہیے مگر آپ کے ان شرک فروشوں کی دوا کون کرے، غرض اس مطلب نفیس میں کلمات علماء کا استیعاب کیجئے تو دفتر چاہئے لہٰذا

[1] نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعۃ دار الفکر بیروت ۳/۳۹۶
[2] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/۳۴
[3] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ ترکی ۲/۳۶
[4] نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد موتہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/۳۹۹
[5] شرح قصیدہ ہمزیہ شاہ ولی اللہ فصل ششم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

میں یہاں منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط کی ایک نفیس عبارت کہ بہت فوائد جلیلہ پر مشتمل تلخیصًا اور ذکر کرتا ہوں مولٰینا رحمۃ اللہ سندی متن اور فاضل علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

فاذا فرغ من ذلك قصد التوجه الى القبر المقدس وفرغ القلب من كل شيئ من امور الدنيا، واقبل بكليته لما هو بصدده ليصلح قلبه للاستمداد منه صلى الله تعالٰى عليه وسلم، وليلاحظ مع ذلك الاستمداد من سعة عفوه صلى الله تعالٰى عليه وسلم وعطفه ورأفته (اى شدة رحمته على سائر العباد) ان يسامحه فيما عجز عن ازالته من قلبه، ثم توجه (اى بالقلب والقالب) مع رعاية غاية الادب فقام تجاه الوجه الشريف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلة والانكسار والخشية والوقار والهيبة و الافتقار غاض الطرف مكفوف الجوارح (من الحركات) فارغ القلب (عمن سوى مقصوده ومرامه) واضعا يمينه على شماله (تأدبا فى حال اجلاله) مستقبلا للوجه الكريم مستدبرا للقبلة ناظرا الى الارض متمثلا صورته الكريمة فى خيالك مستشعرا بانه صلى الله تعالٰى عليه وسلم عالم بحضورك وقيامك وسلامك (بل بجمع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامك) مستحضرا عظمته وجلالته وشرفه وقدره صلى الله تعالٰى عليه وسلم ثم قال من غير رفع صوت (لقوله تعالٰى ان الذين يغضون اصواتهم عند رسول الله الاية)	یعنی جب مقدمات زیارت سے فارغ ہو قبرانور کی طرف توجہ کا قصد اور دل کو تمام خیالات دنیویہ سے فارغ کرے اور ہمہ تن اس طرف متوجہ ہوجائے تاکہ اس کا قلب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استمداد کے لائق ہو بااینہمہ جو خیال مجبورانہ دل میں باقی رہے جس کے ازالہ پر قادر نہ ہو اس کی معافی کے لئے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کمال مغفرت و مہربانی و رافت اور تمام بندوں پر حضور کی شدت رحمت سے مدد مانگے پھر دل وبدن دونوں سے نہایت ادب کے ساتھ مواجہہ شریف میں حاضر ہو تواضع و خضوع و خشوع وتذلل وانکسار وخوف و وقار وہیبت واحتیاج کے ساتھ آنکھیں بند کئے اعضا کو حرکت سے روکے دل اس مقصود مبارک کے سوا سب سے فارغ کئے ہوئے ادب و تعظیم حضور کے لئے دہنا ہاتھ بائیں پر رکھے حضور کی طرف منہ اور قبلے کو پیٹھ کرے نگاہ زمین پر جمائے رہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا تصور باندھے اور ہوشیار ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاضری و قیام وسلام بلکہ تمام افعال واحوال اور منزل بمنزل کے قیام و ارتحال پر مطلع ہیں اور حضور کی عظمت وجلال وشرف و منزلت کو خوب خیال کرے پھر نہ تو آواز بلند ہو کہ اللہ تعالٰی ان کے حضور پست آواز کا حکم دیتاہے نہ بالکل آہستہ جس میں سنانے کی سنت فوت ہو اگرچہ سرکار پر کچھ پوشیدہ نہیں اس طرح حضور قلب وشرم وحیا

ولا اخفاء (ای بالمرة لفوت الاسماع الذی هوالسنة وان کان لایخفی شیئ علی الحضرة) بحضور (قلب واستحیاء) السلام علیك ایّها النبی ورحمة الله وبرکاته[1] ثم یقول یارسول الله اسألك الشفاعة ثلثا (لانه اقل مراتب الالحاح لتحصیل المنال فی مقام الدعاء والسؤال)[2] صلی الله تعالٰی علی قاضی حاجتنا ومعطی موادا تنا سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔	کے ساتھ عرض کرے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر کہے یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں یارسول ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں یارسول اللہ! میں حضور سے شفاعت مانگتاہوں، تین باس اس لئے کہے کہ یہ دعا وسوال میں حصول مقصود کے واسطے ادنٰی مرتبہ الحاح کاہے۔(م) اللہ تعالٰی ہمارے حاجت روا اور مرادوں کو پورا کرنے والے ہمارے آقا ومولٰی محمد اور آپ کی آل وصحابہ کرام سب پر، رحمت نازل فرمائے۔(ت)

اِن احادیث وروایات وکلمات طیبات سے کالشّمس فی وسط السماء روشن وآشکار ہوگیا کہ ہنگام توسل محبوبان خدا کی طرف منہ کرنا چاہئے اگرچہ قبلہ کو پیٹھ ہو، اور دل کو ان کی طرف خوب متوجہ کرے یہاں تک کہ ہر این وآں خاطر سے محو ہوجائے اور ان کے لئے خضوع وخشوع محمود ومشروع، اور اس میں ان کازمانہ وفات ظاہری وحضور مرقد وذکر مجرد سب برابر ہے اور ان کے سوا عبارت اخیرہ سے جو اور فوائد جمیلہ وعوائد جلیلہ حاصل ہوئے بیان سے غنی ہیں والحمدللہ رب العٰلمین پس زید منکر نے کہ توجہ قلب وخشوع وہیأت نماز وغیرہ کی قیدیں بڑھا کر گمان کیا تھا کہ اب اسے اثبات عدم جواز کی طرف راہ آسان ہوگی۔ بحمداللہ ثابت ہوا کہ اس کا محض خیال ہی خیال تھا وَ یُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲[3] (اور اللہ تعالٰی حق کو اپنے کلمہ سے ثابت فرماتا ہے اگرچہ باطل والے ناپسند کریں۔ت) فقیر حیران ہے کہ اس نماز مبارک میں اول توصلوٰۃ مفروضہ کے بعد قبلے سے انحراف کہاں، اور ہو بھی تو اس میں کیا گناہ ہے، ہر نماز مفروضہ کے بعد امام کو قبلے سے انحراف سنت معلومہ ہے، پھر اسے ممانعت میں کیا مداخلت، ہاں جو کچھ غیظ وغضب کرنا ہو تعیین سمت پر کیجئے اور اس کا جواب مرزا مظہر جانجاناں شہید سے لے لیجئے جنہیں شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے مکتوبات میں نفس زکیہ، قیم طریقہ احمدیہ، داعی سنتِ

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولو توجہ الی الزیارۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۷

[2] مسلک متقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولو توجہ الی الزیارۃ مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۹

[3] القرآن ۱۰/ ۸۲

نبویہ متحلی بانواع فضائل وفواضل لکھتے ہیں اور حاشیہ مکتوبات پر شاہ صاحب مذکور سے مرزا صاحب موصوف کی نسبت منقول:

انچہ قدر ایشاں مامردم میدانیم شماچہ دانید احوال مردم ہند برما مخفی نیست کہ خود مولد ومنشاء فقیرست وبلاد عرب رانیز دیدہ ایم وسیر نمودہ، واحوال مردم ولایت از ثقات آنجا شنیدہ ایم وتحقیق کردہ عزیزے کہ برجادہ شریعت وطریقت واتباع کتاب وسنت ہمچنین استوار ومستقیم باشد ودرارشاد طالبان شان عظیم ونفسے قوی دارد ودریں جزوزماں مثل ایشاں در بلاد مذکور یافتہ نمی شود مگردر گز شتگان بلکہ درہر جزوزمان وجوداین چنیں عزیزاں کمتر بودہ است چہ جائے ایں زماں کہ پر فتنہ وفسادست انتہی[1]۔	ان کی جو قدر ہم جانتے ہیں تم کیاجانو، ہندوستان کے لوگوں کے احوال ہم سے مخفی نہیں کیونکہ ہندوستان فقیر کا جائے پیدائش وپرورش ہے اور عرب بھی ہم نے دیکھا ہے اور اس کی سیر کی ہے اور ولایت کے لوگوں کے احوال بھی سنے ہیں، تحقیق کی ہے کہ ان صاحب عزت، جوکہ شریعت وطریقت کے مرتبہ پر فائز ہیں اور کتاب وسنت پر عمل پیرا ہیں اور طالب حضرات کی رہنمائی میں عظمت اور مضبوطی رکھتے ہیں، جیسا بلادمذکورہ میں فی زمانہ کوئی نہیں ہے گزشتہ لوگوں (اسلاف میں ہوسکتا ہے، بلکہ ہر دور میں ان جیسے بزرگ بہت کم ہوئے ہیں اس پرفتن زمانہ کی بات ہی کیا ہے اھ (ت)

یہی جناب مرزا صاحب اپنے مکتوبات میں ایک مرید رشید کو (جن کی بی بی کی نسبت فرمایا: تخمے پاک درخاک آں عفیفہ کاشتہ ایم بروقت مقدر سرسبز خواہد شد (ہم نے اس پاکیزہ کی مٹی میں ایک پاک بیج کاشت کیا ہے جو مقررہ وقت پر سرسبز ہوگا۔ت) تحریر فرماتے ہیں:

انچہ از قصد خود ومردم خانہ بجانب شاہجہاں آباد نوشتہ اند بشرط امن مبارک ست وتا رسیدن شما فقیر اِن شاءاللہ تعالٰی بعد نماز یک دوگھڑی روز برآمدہ پیش از حلقہ یابعد آں بجانب آں مستورہ شمامتوجہ خواہد شد باید کہ ہرروز منتظر ومتوقع فیض روبایں طرف کردہ بعد نماز صبح روبایں طرف کردہ بعد نماز صبح بنشیند کہ محبت ایں عفیفہ کہ فرزند ماست دردل فقیر تاثیر کردہ است[2] الخ	میں نے اور گھروالوں نے شاہجہان آباد کی طرف جو خط لکھا ہے وہ بشرط امن مبارک ہے اور تمہارے پہنچنے تک ان شاء اللہ فقیر روزانہ ایک دوگھڑی حلقہ ذکر سے قبل یابعد باہر آکر آپ کی مستورہ بیوی کی طرف توجہ کرتا ہے، ہوسکتا ہے تو روزانہ فیض کا متوقع ہوکر اس طرف منہ کرکے صبح کی نماز کے بعد بیٹھا کرو تاکہ اس پاکیزہ کی جو میری بیٹی ہے کی محبت کی تاثیر اس فقیر کے دل پر ہو۔ الخ (ت)

[1] حاشیہ مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی از مجموعہ کلمات طیبات فصل چہارم ''مکاتیب شاہ ولی اللہ'' مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۱۵۸

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب سی وہفتم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۷

دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

جان من سلامت باشی دریں مدت مفارقت دورقعہ شمارسید وحرزجاں گردید باید دید کہ انتظار باماچہ میکند، ہرصبح بعد نماز متوجہ بفقیر بنشینید بے ناغہ توجہ می دہم از کسی توجہ نگیرید زیادہ عمروعمرہ عمرباد [1] انتہی ملخصا	میری جان! سلامت رہو، اس جدائی کی مدت میں تمہارے دورقعے ملے ہیں جوحرزجاں ہیں، غورکرو کہ ہماراانتظار کیااثر کرتاہے روزانہ صبح کی نماز کے بعد مجھ فقیر کی طرف منہ کرکے بیٹھا کرو اور ناغہ نہ کرو، میں خودتوجہ کیاکروں گا کسی دوسرے کی توجہ کی ضرورت نہیں ان شاء اللہ عمرزیادہ اور عمرکامزہ بھی پاؤگے اھ ملخصًا

انہیں مرزاصاحب کے ملفوظات میں ہے:

نسبت ماہجناب امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مے رسد وفقیر رانیازے خاص بآنجناب ثابت ست دروقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود وسبب حصول شفامیگردد [2] الخ۔	میراخاص تعلق حضرت امیرالمؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہ الکریم سے قائم ہے اور فقیر کوآپ سے خاص نیازحاصل ہے، فقیرجسمانی عارضہ کے وقت آپ کی طرف توجہ کرتااور شفاپاتاہے الخ(ت)

شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب شرح رباعیات میں اپنی یہ رباعی لکھی: ؎

آنانکہ زاوناس بہبی جستند — بالجبّہ انوار قدم پیوستند

فیض قدس ازہمت ایشاں میجو — دروازہ فیض قدس ایشاں ہستند [3]

(وہ ذات جس سے لوگ بھلائی چاہتے ہیں اور ان کے قدم کے انوار لباس بناتے ہیں ان کی توجہ سے مقدس فیض کی خواہش کرکیونکہ وہ فیض قدس کادروازہ ہیں) پھراس کی شرح میں لکھا:

یعنی توجہ بارواح طیبہ مشائخ درتہذیب روح وسر نفع بلیغ دارد [4]۔	یعنی مشائخ کی ارواح طیبہ روح اور سر کی صفائی میں انتہائی مفید ہیں(ت)

[1] مکتوبات مرزاجانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب چہل ودوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۴۹

[2] ملفوظات مرزامظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مکتوب چہل ودوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۷۸

[3] مکتوبات شاہ ولی اللہ از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب بست ودوم درشرح رباعیات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ص۱۹۴

[4] شرح رباعیات شاہ ولی اللہ از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب بست ودوم درشرح رباعیات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص۱۹۴

انہیں شاہ صاحب نے ہمعات میں حدیث نفس کا یوں علاج بتایا:

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شد، وبرائے ایشاں فاتحہ خواند یابزیارت قبر ایشاں رودازانجا انجذاب دریوزہ کند[1]۔	مشائخ کی ارواح کی طرف متوجہ ہو اور ان کے لئے فاتحہ پڑھو اور ان کی قبروں کی زیارت کے لئے جاؤ اور وہاں سے فیض حاصل کرو۔(ت)

نفیسہ: امام علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

لم یزل العلماء و ذووالحاجات یزورون قبرالامام ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم و یرون نجح ذلک، منھم الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ جاء عنہ انہ قال انی لاتبرک بابی حنیفۃ واجیئ الی قبرہ فاذا عرضت لی حاجۃ صلیت رکعتین وجئت الٰی قبرہ وسألت اللہ تعالٰی عندہ فتقضی سریعا[2]۔	یعنی ہمیشہ سے علماواہل حاجت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزار مبارک کی زیارت اور اپنی حاجت روائیوں کو بارگاہ الٰہی میں اُن سے توسّل کرتے اور اس سبب سے فورًا مرادیں پاتے ہیں اُن میں سے ہیں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ فرماتے ہیں میں ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تبرک کرتااور اُن کی قبر پر جاتاہوں اور جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے دو رکعت نماز پڑھتااور ان کی قبر کی طرف آکر خدا سے سوال کرتاہوں کچھ دیر نہیں لگتی کہ حاجت رواہوتی ہے۔

فقیر کہتاہے غفراللہ تعالٰی لہ یہاں نکات غامضہ ہیں کہ ان پر مطلع نہیں ہوتے مگر توفیق والے، جب معلوم ہولیا کہ حق جل وعلا عزمجدہ کی طرف اس کے محبوبوں سے توسل محمود مقصود وسنت ماثورہ وطریقہ ماموره اور ہنگام توسل ان کی جانب توجہ درکار، یہاں تک کہ جب خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی نے سیدناامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا: دعامیں قبلہ کی طرف منہ کروں یامزار مبارک حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف؟ فرمایا:

ولم تصرف وجھك عنہ وھو وسیلتک	کیوں اپنامنہ ان سے پھیرتا ہے وہ قیامت کو تیرا

[1] ہمعات ہمعہ ۸ مطبوعہ اکادیمیہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدرآباد ص ۳۴

[2] الخیرات الحسان الفصل الخامس والثلاثون فی تادب الائمۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹

ووسیلة ابیك اٰدم علیه الصلوة والسلام الی الله تعالٰی یوم القیٰمة بل استقبله واستشفع به فیشفعك الله تعالٰی[1]۔ اخرجه الامام القاضی عیاض فی الشفاء وغیرہ فی غیرہ۔	اور تیرے باپ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ہیں بلکہ انہیں کی طرف منہ کر اور شفاعت مانگ کہ اللہ تعالٰی تیری درخواست قبول فرمائے۔

اور سوال حاجت سے پہلے دو رکعت نماز کی تقدیم مناسب کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اِسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[2] (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ت) پھر کامل اکسیر یہ ہے کہ کسی محبوب خدا کے قریب جایئے اسی طرف حق جل وعلا نے قرآن عظیم میں ہدایت فرمائی کہ ارشاد کرتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾[3]	اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے حضور حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول اُن کے لئے استغفار کرے تو بیشک اللہ تعالٰی کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

سبحان اللہ خدا ہر جگہ سنتا ہے اور بے سبب مغفرت فرماتا ہے مگر ارشاد یوں ہوتا ہے کہ گنہگار بندے تیری خدمت میں حاضر ہو کر ہم سے دعائے بخشش کریں اور قدیمًا وحدیثًا وصلحا اس آیہ کریمہ کو زمانہ حیات ووفات سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عام اور حاضری مزار مبارک کو حاضری مجلس اقدس کی مثل سمجھا کئے اور اوقات زیارت میں یہی آیہ کریمہ تلاوت کرکے اللہ تعالٰی سے استغفار کرتے رہے اس مضمون کی بہت روایات وحکایات مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ ومدارج النبوۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب وخلاصۃ الوفا فی اخبار دار المصطفٰی وغیرہا تصانیف علما میں مذکور ومشہور بعض ان سے حضرت مقدام المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد نے سرور القلوب فی ذکر المحبوب میں ذکر کرکے اس مسئلے کا اثبات فرمایا **من شاء فلیتشرف بمطالعته** (جو چاہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہو۔ت) اسی طرح بہت علما مصنفان مناسک باب

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد عثمانیۃ ۲/ ۳۵، نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۸

[2] القرآن ۲/ ۱۵۳

[3] القرآن ۴/ ۶۴

زیارت شریفہ مدنیہ طیبہ میں وقت حاضری اس آیت کو پڑھ کر استغفار کا حکم دیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ محبوبان خدا کی طرف جانا اور بعد وصال اُن کی قبور کی طرف چلنا دونوں یکساں جیسا کہ سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا امام ابوحنیفہ کے مزار فائض الانوار کے ساتھ کیا کرتے۔ اب یہ کہ گدائے سرکار قادریہ اس آستان فیض نشان سے دور ومہجور ہے گو بعد نماز مزار اقدس تک جانے کی حقیقت اسے میسر نہیں تاہم دل سے توجہ کرنا اور چند قدم اس سمت چل کر اُن چلنے والوں کی شکل بناتا ہے کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث حسن میں فرمایا:

من تشبه بقوم فهومنهم[1]۔ اخرجه الطبرانی فی الاوسط عن حذیفة رضی الله تعالٰی عنه باسناد حسن وان کان طریق ابی داود عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما لیس بذلك	جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں سے ہے اس کی تخریج طبرانی نے اوسط میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کی ہے یہ سند جید ہے اگرچہ ابوداؤد کے طریق پر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی قوی نہیں ہے (ت)

ثانیًا توسل میں توجہ باطن ضرور اور ظاہر، عنوان باطن، لہٰذا یہ چلنا مقرر ہوا کہ حالت قالب، حالت قلب پر شاہد ہو جس طرح سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے استسقا میں قلبِ ردا فرمایا کہ قلب لباس، قلب احوال وکشف باس کی خبر دے، شاہ ولی اللہ نے قول الجمیل میں قضائے حاجت کے لئے "صلٰوۃ کن فیکون" کی ترکیب لکھی جس کے آخر میں ہے کہ پھر پگڑی اتارے، آستین گلے میں ڈالے، پچاس ۵۰ بار دعا کرے، ضرور مستجاب ہو[2]۔ اس پر ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں: "بعض ناواقفوں نے اعتراض کیا ہے، آستین گردن میں ڈالنا کیونکر جائز ہوگا، حالانکہ ادعیہ ماثورہ میں یہ ثابت نہیں، ہم جواب دیتے ہیں کہ قلب ردا یعنی چادر کا اُلٹنا پلٹنا نماز استسقاء میں رسول علیہ السلام سے ثابت ہے تاحال عالم کا بدل جائے تو اس طرح آستین گردن میں ڈالنا، امر مخفی کے اظہار کے واسطے یعنی تضرع کے، واسطے حصول شعار گردش حال کے یا مقصود کے کیونکر ناجائز ہوگا[3]"۔ **انتهی ترجما بترجمة المولوی خرم علی البلهوری فی شفاء العلیل ترجمة القول الجمیل**۔ میں کہتا ہوں جب آستین گلے میں باندھنا باآنکہ طرق ماثورہ میں وارد نہیں، اس وجہ سے کہ اس میں تضرع مخفی کا اظہار شدید ہے، اگرچہ نفس

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۵۰و۹۲، مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الزہد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۱۰/۲۷۱

[2] القول الجمیل مترجم اردو پانچویں فصل صلٰوۃ کن فیکون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۳

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل پانچویں فصل صلٰوۃ کن فیکون مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۴

اظہار گڑگڑانے کی صورت سے حاصل تھا، جائز ٹھہرا تو یہ چند قدم جانب عراق محترم چلنا اس وجہ سے کہ اس میں توجہ مخفی کا اظہار قوی ہے کیونکر ناجائز ہوگا۔

ثالثاً ظاہر مصلح خاطر ولہذا جس امر میں جمع عزیمت وصدق ارادت کا اہتمام چاہتے ہیں وہاں اس کے مناسب احوال وجوارح رکھے جاتے ہیں کہ ان کی مدد سے خاطر جمع اور انتشار دفع ہو، اسی لئے نماز میں تلفظ بہ نیت قصد جمع عزیمت علماء نے مستحسن رکھا کمافی المبسوط والھدایۃ والکافی والحلیۃ وغیرھا (جیسا کہ مبسوط، ہدایہ، کافی اور حلیہ وغیرہ میں ہے۔ت) شاہ ولی اللہ حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں:

من جبلۃ الانسان انہ اذا استقر فی قلبہ شیئ جری حسب ذلك الارکان واللسان و ھوقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ان فی جسد ابن اٰدم مضغۃ" الحدیث ففعل اللسان ولارکان اقرب مظنۃ وخلیفۃ لفعل القلب۔[1]	انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز اس کے دل میں جم جاتی ہے تو اعضاء اور زبان اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کا کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے الحدیث، پس زبان اور اعضاء کی حرکت دل کے فعل کے تابع ہوتی ہے۔(ت)

اور یہی سر ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین اور تشہد میں انگشتِ شہادت سے اشارہ مقرر ہوا، شاہ ولی اللہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

الھیأۃ المندوبۃ ترجع الی معان، منھا تحقیق الخضوع کصف القدمین، ومنھا محاکاۃ ذکر اللہ تعالٰی باصابعہ ویدہ حذوما یعقلہ بجنانہ کرفع الیدین و الاشارۃ بالمسبحۃ لیکون بعض الامر معاضدًا لبعض ھ[2] ملخصًا	مستحب حالت کئی معانی کی طرف راجع ہے، ایک خشوع کا پایا جانا، جیسے قدموں کا برابر ہونا، اور ایک اللہ کے ذکر کی حکایت ہاتھ اور انگلیوں سے کرنا تاکہ دل میں جوکچھ ہے اس کی مطابقت ہوسکے، جیسے ہاتھ اٹھانا اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنا جس سے بعض افعال کی بعض تقویت ہوتی ہے اھ ملخصا(ت)

اور اسی قبیل سے ہے دعا میں ہاتھ اٹھانا چہرے پر پھیرنا، شاہ ولی اللہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ افعال رغبت باطنی کی تصویر بنانے کو ہیں کہ قلب اس پر خوب متنبہ ہوجائے اور حالت قلب ہیأت سے تائید پائے۔

[1] حجۃ اللہ البالغۃ الامور التی لابد منہا فی الصلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۵

[2] حجۃ اللہ البالغۃ اذکار الصلٰوۃ وہیأتہا المندوب الیہا مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۷

کتاب مذکور میں ہے:

اما رفع الیدین ومسح الوجه بهما فتصویر للرغبة مظاهرة بین الهیأة النفسانیة وما یناسبها من الهیأة البدنیة وتنبیه للنفس علی تلك الحالة[1]۔	اور ہاتھ اٹھانا اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر ملنا یہ اپنی دعا میں رغبت کا اظہار ہے اور ہیئت نفسانیہ کی تصویر اور ہیئت بدنیہ کی مناسبت ہے اور نفس کو اپنی حالت پر تنبیہ ہے۔(ت)

بعینہٖ یہی حالت اس چلنے کی ہے کہ رغبت طاطنی کی پوری تصویر بتاتا اور قلب کو انجذاب تام پر متنبہ کرتا ہے جیسا کہ اس عمل شریف کے بجالانے والوں پر روشن، گو منکر محروم بیخبر باش ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تانچشی

(اس شراب کا مزہ تو اسے چکھے بغیر نہ پاسکے گا)

رابعًا سنت نبویہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ ہے کہ جہاں انسان سے کوئی تقصیر واقع ہو عمل صالح وہاں سے ہٹ کر کرے اسی لئے جب ایک بار سفر میں آخر شب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نزول فرمایا اور آنکھ نہ کھلی یہاں تک کہ آفتاب چمکا، حضور نے وہاں نماز نہ پڑھی اور فرمایا اس جگہ شیطان حاضر ہوا تھا اپنے مرکبوں کو یونہی لئے چلے آؤ، پھر وہاں سے تجاوز فرماکر نماز قضا کی، مسلم فی صحیحه عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه قال عرسنا مع نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلم نستیقظ حتی طلعت الشمس فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیأخذ کل رجل براس راحلته فان ھذا منزل حضرنا فیه الشیطان قال ففعلنا ثم دعا بالماء فتوضأ الحدیث[2] (حدیث کا ترجمہ متن حدیث سے پہلے موجود ہے) یہاں بھی جب یہ محتاج دو رکعت نماز پڑھ چکا اور اب وقت وہ آیا کہ جہت توسل کی طرف منہ کرکے اللہ جل جلالہ، سے دعا چاہتا ہے، نفس نماز میں جو قلّت حضور وغیرہ قصور سرزد ہوئے یاد آئے اور سمجھا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں شیطان کے دخل نے مجھ سے مناجات الٰہی میں تقصیر کرادی، ناچار ہٹتا ہے اور پُرظاہر کہ جہت توجہ اس کے لئے اولٰی وایسر، یمینًا وشمالًا انصراف میں ترک توجہ، اور رجعت قہقری بعد کی صورت اور اقبال نشان اقبال **فکان ھو المختار**۔

خامسًا خادم شرع جانتا ہے کہ صاحب شرع صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو باب دعا میں، تفاؤل

---

[1] حجۃ اللہ البالغۃ الاذکار ومایتعلق بہا مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۲/ ۷۵

[2] صحیح مسلم باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۸

پر بہت نظر ہے اسی لئے استسقاء میں قلبِ ردا فرمایا کہ تبدل حال کی فال ہو

الدارقطنی بسند صحیح علی اصولنا عن الامام ابن الامام ابن الامام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم عن ابیه انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استسقی وحوّل رداء ہ لیتحول القحط[1]۔	ہمارے اصول کے مطابق دارقطنی نے صحیح سند کے ساتھ امام ابن امام ابن امام جعفر بن محمد بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم وہ اپنے والد سے راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (بارش کے لئے دعامیں) چادر مبارک الٹی تاکہ قحط ختم ہوجائے۔(ت)

امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قالوا والتحویل شرع تفاؤلا بتغییر الحال من القحط الی نزول الغیث والخصب ومن ضیق الحال الی سعته[2]۔	ائمہ کرام نے فرمایا کہ چادر الٹانا اس لئے مشہور ہے کہ قحط سے بارش کی طرف اور تنگی سے خوشحالی کی طرف حالت کو تبدیل کرنے کے لئے نیک فال بن سکے۔(ت)

اسی لئے بدخوابی کے بعد جو اس کے دفع شر کی دعا تعلیم فرمائی، ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا کہ کروٹ بدل لے تاکہ اس حال کے بدل جانے پر فال حسن ہو

مسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما مرفوعا اذا رأی احدکم الرؤیا یکرھھا فلیبصق عن یسارہ ثلثا ولیستعذ باللہ من الشیطان ثلثا ولیتحول عن جنبه الذی کان علیه[3]۔	مسلم، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین مرتبہ بائیں جانب تھوکے اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم تین مرتبہ پڑھے اور اپنی کروٹ دوسری جانب بدلے۔(ت)

علامہ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں: تفاؤلا بتحول تلك الحال[4] (تاکہ اس سے نجات کے لئے

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاستسقاء حدیث ۲ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۶۶

[2] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلٰوۃ الاستسقاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۹۲

[3] صحیح مسلم کتاب الرؤیا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۴۱، سنن ابوداؤد باب فی الرؤیا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۶۸۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اذا رای احدکم کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۱/ ۹۷

نیک فال بن سکے۔ت) اسی لئے ہنگام استسقاء پشتِ دست جانبِ آسمان رکھے کہ ابر چھانے اور باران آنے کی فال ہو۔

مسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استسقی فاشار بظھر کفیہ الی السماء[1]۔	مسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی علیہ عنہ سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام جب بارش کے لئے دعافرماتے تو ہتھیلی مبارک کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے۔(ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

طیبی گفته ایں نیز برائے تفاؤل ست بقلب وتبدل حال مثل صنیع وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درتحویل رداشار تست بمطلوب که بطون سحائب بجانب زمین گرد و بریزد انچه دروست از امطار واللہ تعالٰی اعلم[2]۔	طیّبی نے فرمایا یہ عمل بھی حالت کو تبدیل کرنے کی نیک فال کے طور پر ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چادر تبدیل کرتے تھے جس میں بادلوں کے پیٹ زمین کی طرف ہوجانے اور بادلوں سے بارش ہونے کے مطلوب کی طرف اشارہ تھا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

اسی لئے علمانے مستحب رکھا، جب دفع بلاکے لئے دعاہو، پشت دست سوئے سماہو، گوہاتھوں سے آتش فتنہ کو بجھاتا اور جوش بلا کو دباتا ہے۔اشعہ میں ہے:

گفتہ اندچوں دعابرائے طلب وسوال چیزے ازنعمابود مستحب است کہ گردانیدہ شود بطن کفہا بجانب آسمان وہرگاہ کہ برائے دفع و منع فتنہ وبلاباشد پشت ہائے دست بجانب آسمان کنداز برائے اطفائے نائرہ فتنہ وبلاوپست کردن قوت حادثہ وغلبہ آں[3]۔	علمانے فرمایا ہے کہ جب کسی نعمت کے حصول کے لئے دعاکی جائے تو مستحب یہ ہے کہ دعامیں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کوآسمان کی طرف کیاجائے اور اگرکسی دفع شر کے لئے دعاکی جائے توپھر ہاتھوں کی پشت کوآسمان کی طرف کیاجائے تاکہ فتنہ اور مصیبت کی شدت کم ہو اور حادثہ کی قوت وغلبہ پست ہوجائے۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب صلٰوۃ الاستسقا مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۹۳/۱

[2] اشعۃ اللمعات کتاب صلٰوۃ الاستسقا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۶۲۳/۱

[3] اشعۃ اللمعات کتاب صلٰوۃ الاستسقا مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۶۲۳/۱

اسی لئے دعا کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنا مسنون ہوا کہ حصول مراد قبول دعا کی فال ہو گویا دونوں ہاتھ خیر و برکت سے بھر گئے اس نے وہ برکت اعلیٰ و اشرف اعضا پر الٹ لی کہ اس کے توسط سے سب بدن کو پہنچ جائے گی۔ ترمذی و حاکم کی حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا رفع یدیه فی الدعاء لم یحطهما حتی یمسح بهما وجهه[1]۔	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا میں ہاتھ اٹھاتے تو چہرہ مبارک پر پھیرتے بغیر ہاتھوں کو نیچے نہ کرتے۔(ت)

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

تفاؤلا باصابة المراد وحصول الامداد[2]۔	مراد کو پانے اور امداد حاصل کرنے کے لئے نیک فال کے طور پر۔(ت)

اور حدیث حسن:

ابی داؤد عن السائب بن یزید عن ابیه ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کان اذا دعا فرفع یدیه مسح وجهه بیدیه۔	ابوداؤد نے حضرت سائب بن یزید سے انہوں نے اپنے والد سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب دعا فرماتے تو ہاتھ اُٹھا کر چہرہ مبارک پر ملتے۔(ت)

کے نیچے لکھا:

تفاؤلا وتیامنا بان کفیه ملئتا خیرا فافاض منه علی وجهه[3]۔	یہ نیک فال ہو سکے ہ ہاتھ خیر سے بھر گئے ہیں اور اس خیر کو چہرہ پر فائض فرمایا۔(ت)

اور حدیث ابی داؤد:

بیهقی عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم سلوا اللہ ببطون اکفکم	بیہقی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ

[1] جامع الترمذی "الدعوات" باب ماجاء فی رفع الایدی عندالدعاء مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۴/۲، المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مسح الوجہ بالیدین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵۳۶/۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث کان اذا رفع یدیہ فی الدعا کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲۵۰/۲

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث کان اذا دعا فرفع کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۲۴۹/۲

ولاتسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔	نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے اپنے ہاتھوں کے باطن میں سوال کرو اور ہاتھوں کی پشت میں سوال نہ کرو، اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤتو ہاتھوں کو چہرے پر پھیرو۔(ت)

کے تحت میں لکھا:

تفاؤلا باصابۃ المطلوب وتبرکا بایصالہ الی وجھہ الذی ھواشرف الاعضاء و منہ یسری الی بقیۃ البدن[1]۔	تاکہ نیک فال ہوسکے کہ مطلوب پالیا اور اس کو برکت کے لئے چہرے تک پہنچایا جو کہ اعضامیں افضل ہے اور اس سے تمام بدن میں سرایت کرے۔(ت)

فاضل علی قاری نے حرز ثمین میں فرمایا:

لعل وجھہ انہ ایماء الی قبول الدعاء و تفاؤل بدفع البلاء وحصول العطاء فان اللہ سبحٰنہ یستحیی ان یرد ید عبد صفرا ای خالیا من الخیر فی الخلاء والملاء[2]۔	ہوسکتا ہے کہ یہ اس بات کااشارہ ہو کہ دعا قبول ہوچکی ہے اور دفع بلا اور حصول عطا کے لئے نیک فال بن سکے کیونکہ اللہ تعالٰی اپنے بندے کے ہاتھوں کوخلاء اور ملاء میں خیر سے خالی لوٹانے پر حیافرماتا ہے۔(ت)

اسی طرح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نائب جلیل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقاصد شرع پر لحاظ فرماکر خاص ان کے موافق یہ چلنا مقرر فرمایا کہ نفی اعراض وعطائے قربت وحصول اغراض واقبال اجابت کے لئے فال حسن ہو **واللہ تعالٰی الموفق۔**

سادسًا صحیح مسلم شریف ف میں بروایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ثابت کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین نماز میں چند قدم آگے بڑھے جب جنت خدمت اقدس میں اتنی قریب حاضر کی گئی کہ دیوار قبلہ میں نظر آئی یہاں تک کہ حضور بڑھے تواس کے خوشہ ہائے انگور دست اقدس کے قابو میں تھے

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث سلو اللہ کے تحت مکتبہ امام الشافعی الریاض ۶۰/۲

[2] حرز ثمین حواشی حصن حصین مع حصن حصین آداب الدعاء افضل المطابع انڈیا ص ۱۱

ف: آئندہ سطور میں ہلالین کے اندر اعلٰی حضرت کی اپنی عبارت ہے اور ہلالین سے باہر حدیث کی عبارت ہے۔ نذیر احمد

اور یہ نماز صلوٰۃ الکسوف تھی۔

وذلك قوله (بعد ما وصف صلوۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الکسوف) ثم تأخر (یعنی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم) وتأخرت الصفوف خلفه حتی انتھینا (قال مسلم وقال ابوبکر یعنی ابن ابی شیبه شیخه حتی انتھی) الی النساء ثم تقدم وتقدم الناس معه حتی قام فی مقامه فانصرف حین انصرف وقد اٰضت الشمس فقال (وقص الحدیث حتی قال) ما من شیئ توعدونه الاوقد رأیته فی صلٰوتی ھذہ لقدجیئ بالنار وذلکم حین رأیتمونی تأخرت (وساق الخبرالی ان قال) ثم جیئ بالجنة وذلکم حین رأیتمونی تقدمت حتی قمت فی مقامی ولقد مددت یدی وانا ارید ان اتناول من ثمرھا[1] (الحدیث مختصر)	ان کا قول یہ کہ سوج گرہن کی نماز کو بیان کرتے ہوئے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والاسلام نماز میں پیچھے ہٹ گئے اور آپ کے پیچھے صفیں بھی ہٹ گئیں حتی کہ ہم ہٹ گئے" مسلم نے فرمایا کہ ان کے استاد ابوبکر ابن ابی شیبہ نے فرمایا یعنی ہم عورتوں کی صف تک پیچھے ہٹ گئے، پھر حضور علیہ السلام آگے بڑھے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ آگے بڑھ گئے حتی کہ حضور علیہ السلام اپنے پہلے مقام پر کھڑے ہوئے تو سورج روشن ہوگیا، پس انہوں نے کہا کہ راوی نے پوری حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے فرمایا تمہیں جن امور کا وعدہ دیا گیا میں نے نماز میں ان سب چیزوں کو دیکھا ہے اور تحقیق میرے سامنے آگ (جہنم) پیش کیا گیا یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، اور واقعہ بیان کرتے ہوئے راوی نے کہا، پھر آپ نے فرمایا میرے سامنے جنت کو پیش کیا گیا اور یہ اس وقت ہوا جب تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا حتی کہ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا اور میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس خیال سے کہ میں جنت کا پھل حاصل کروں (الحدیث مختصرًا)۔(ت)

اسی طرح جب ارباب باطن واصحاب مشاہدہ یہ نماز پڑھ کر بروجہ توسل عراق شریف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں انوار وبرکات وفیوض وخیرات اس جانب مبارک سے باہزاراں جوش وہجوم پیہم آتے نظر آتے ہیں، یہ بیتابانہ ان خوشہائے انگور جنّات نور وباغات سرور کی طرف قدم شوق پر بڑھتے اور ان عزیز مہمانوں کے لئے رسم باجمال تلقی واستقبال بجالاتے ہیں، سبحان اللہ کیا جائے انکار ہے اس نیک بندے پر جو اپنے رب کی برکات وخیرات کی طرف مسارعت کرے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الکسوف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۹۷

ان جئتکم قاصدا اسعی علی بصری

لم اقض حقا وای الحق ادیت

(اگر میں تمہارے قصد سے آؤں تو آنکھوں کے بَل دوڑتا ہوا آؤں، تو حق ادا نہ کرسکوں اور کونسا حق ہے جو میں نے ادا کردیا ہے)

رہے ہم عامی جن کا حصہ یہی شقشقہ لسان واضطراب ارکان ہے وبس نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کاسوال کرتے ہیں۔ت) ہم اس امر جمیل میں اُن اہل بصائر کے طفیلی ہیں: ع

وللارض من کأس الکرام نصیب

(کریم حضرات کے پیالوں سے زمین کا بھی حصہ ہے)

جیسے نماز کے اس کے اکثر افعال واحکام ان سرار وحکم پر مبنی جو حقیقۃً صرف احوال سنیہ اہل قلوب پر متبنی پھر عوام بھی صورت احکام میں ان کے مشارک مثلاً نماز[1] نہاری میں اخفاء واجب ہو اور لیلی[2] میں جہر کہ لیل آیت لطف ہے اور اس کی تجلی لطیف اور نہار آیت قہری ہے اور اس کی تجلی شدید پھر تجلی جہری سری سے بہت قوی وگرم تر، للہذا تعدیل کے لئے تجلی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلی رکھی گئی اور لطفی کے ساتھ گرم، [3] جمعہ و[4] عیدین میں باوجود نہاری حکم جہر ہوا کہ بوجہ کثرت حاضرین اُنس حاصل اور دہشت زائل اور قلب بوجہ شہود تجلی سے قدرے ذاہل بھی ہوگا، معہذا ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہوکر حجاب میں گونہ قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے ماہے یہ معالجہ مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اسے گلادے جیسے اطبّا، خطوط دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادرًا بغرض تمرین اسے علاج سمجھتے ہیں اور [5] کسوف میں گو جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اخفاء ہی رہا کہ وہ وقت تخویف وتجلی جلال اور وقفہ طویل ہے جہر نہ ہوسکے گا، اسی لئے ہمارے نزدیک [6] نماز جنازہ میں اصلاً قراءت نہیں کہ یہ ہیبت [7] عظیم وتجلی جلال، تجلی شدید قرآنی سے جمع نہ ہو اور جو قراءت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت بر شدت بڑھ جائے گی۔ شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنت الٰہیہ ہے تجلی شیئاً فشیئا وارد کرتے اور ہر ثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلی گرم، نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی [8] اسی لئے ہر دو رکعت پر جلسہ طویلہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے، اور [9] نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد واجب ہوئی کہ لطف جمال سے حظ اٹھالے اور [10] پچھلی رکعتوں میں قراءت معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو اور [11] منفرد پر جہر واجب نہیں کہ بوجہ تنہائی دہشت وہیبت زیادہ ہوتی ہے عجب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اسے اس کے حال ووقت پر چھوڑنا مناسب [12] رکوع و [13] سجود میں قراءت قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلی، تجلی قیام سے سخت اشد، دوسری تجلی شدید قراءت مل کر

افراط ہوگی، نیز ۱۴ قعود میں قراءت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لئے رکھا گیا تجلی قرآنی کی شدت مل کر اسے مقصود سے خالی کردے گی ۱۵ اسی لئے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلی قوی سے آرام لے کر تجلی اقوی کی طرف جائے ورنہ تاب نہ لائے گا ۱۶ اسی بناپر بین السجدتین، اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلی سجدہ ثانیہ اور اشد واعظم ہوگی اشد براشد کی توالی سے بنیان بشری نہ منہدم ہوجائے۔ امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان میں نقل فرماتے ہیں:

انہ وقع لبعض تلامذۃ سیدی عبدالقادر جیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ سجد فصار یضمحل حتی صار قطرۃ ماء علی وجہ الارض فاخذھا سیدی عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بقطنۃ ودفنھا فی الارض وقال سبحن اللہ رجع الی اصلہ بالتجلی علیہ[1]۔	یعنی حضور پُر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض مریدوں نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا، یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شے کا نشان نہ رہا صرف ایک بوند پانی کی زمین پر پڑی رہ گئی حضور پر نور نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی اور فرمایا سبحٰن اللہ تجلی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

ع

قسمت نگر کہ کشتہ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند

(قسمت دیکھ کہ عشق کی تلوار کے مقتول نے ایسی موت کو پایا جس کے لئے زندہ لوگ دعا کی آرزو کرتے ہیں)

سابعًا دیدہ انصاف بے غبار وصاف ہو تو احادیث صحیحہ سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ جہاں جانا چاہے اس طرف چند قدم قریب ہونا اور جہاں سے جدائی مقصود ہو اس سے کچھ گام دور ہونا بھی نافع وبکار آمد ہوتا ہے جب کمال قرب وبعد میسر نہ ہو۔ طبرانی نے معجم کبیر اور حاکم نے بسند صحیح مستدرک میں برشرط شیخین ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شیئ یتکلم بہ ابن اٰدم فانہ مکتوب علیہ فاذاخطأ الخطیئۃ ثم احب ان یتوب الی اللہ عزوجل فلیأت بقعۃ	آدمی کا ہر بول اس پر لکھا جاتا ہے تو جو گناہ کرے پھر اللہ تعالٰی کی طرف توبہ کرنا چاہے اسے چاہئے بلند جگہ پر جائے اور اللہ تعالٰی کی طرف ہاتھ پھیلا کر

[1] المیزان الکبرٰی باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۷

مرتفعة فلیمدد یدیه الی الله ثم یقول اللهم انی اتوب الیك منها لاارجع الیها ابدا فانه یغفرله مالم یرجع فی عمله ذلک[1]۔	کہے الٰہی ! میں اس گناہ سے تیری طرف رجوع لاتاہوں، اب کبھی اُدھر عود نہ کروں گا، اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمادے گاجب تک اس گناہ کو پھرنہ کرے۔

توبہ کے لئے بلندی پرجانے کی یہی حکمت ہے کہ حتی الوسع موضع مصیبت سے بعد اور محل طاعت ومنزل رحمت یعنی آسمان سے قرب حاصل ہو، جب سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کازمانہ انتقال قریب آیا بَن میں تشریف رکھتے تھے اور ارض مقدسہ پرجبّارین کاقبضہ تھاوہاں تشریف لے جانا میسرنہ ہوادعافرمائی کہ اس پاک زمین سے مجھے ایک سنگ پرتاب قریب کردے۔ بخاری، مسلم، نسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ارسل ملك الموت الی موسی علیهما الصلٰوۃ والسلام (فذکر الحدیث الی ان قال) نسأل الله ان یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجر[2]۔	موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف اللہ تعالٰی نے ملک الموت کو بھیجا، پس حدیث کوبیان کرتے یہاں تک بیان کیاکہ مجھے بیت المقدس کے اتناقریب کردے جتناکہ پتھرپھینکنے کافاصلہ ہوتاہے۔(ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکٰوۃ میں دعائے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کایوں ترجمہ کرتے ہیں:

نزدیک گردان مرا از ان اگرچہ بمقداریک سنگ اندازہ باشد[3]۔	مجھے اس قدر نزدیک کردے اگرچہ ایک پتھر کااندازہ ہو۔(ت)

ظاہرہے کہ ہنگام حاجت سردست، عراق شریف کی حاضری متعذر، لہٰذا چندقدم اس ارض مقدسہ کی طرف چلنا ہی مقرر ہوا کہ مالایدرك کله لایترك کله ولله الحمد دقه وجلّه (جومکمل حاصل نہ ہوسکے توتووہ مکمل چھوڑا بھی نہ جائے، اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہرچھوٹی اوربڑی حمد ہے۔ت) رہی عدد یازدہ کی تخصیص، اس کی وجہ ظاہرکہ ان الله تعالٰی وتر یحب الوتر[4] (اللہ تعالٰی طاق ہے طاق کو

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دعاقضاء الرین مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۱۶

[2] صحیح بخاری باب وفات موسٰی علیہ السلام الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸۴، صحیح مسلم باب من فضائل موسٰی علیہ السلام مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۶۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الفتن باب بدء الخلق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۵۳

[4] جامع الترمذی ابواب الوتر مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۶۰، مسند احمد بن حنبل مروی ازابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/۱۰۹، ۱۵۵، ۲۵۸، ۲۶۶، ۲۷۷

دوست رکھتا ہے) قالہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ الامام احمد عن ابن عمر بسند صحیح والترمذی عن علی بسند حسن وابن ماجۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین (یہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کاارشاد مبارک ہے، اس کو امام احمد نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیاہے اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔ت) اور افضل الاوتار واول الاوتار، ایک ہے مگر یہاں تکثیر مطلوب اور اس کے ساتھ تیسیر بھی ملحوظ، لہذا یہ عدد مختار ہوا کہ یہ افضل الاوتار کا پہلا ارتفاع ہے جو خود بھی وتر اور مشابہت زوج سے بھی بعید کہ سوا ایک کے اس کے لئے کوئی کسر صحیح نہیں اور اس سے ایک گھٹادینے کے بعد بھی جو زوج حاصل ہوتاہے زوج محض ہے نہ زوج الازواج کہ اس کے دونوں حصص متساویہ، خود افراد ہیں بلکہ خلو مرتبہ پر وہ بعینہٖ ایک ہے۔ شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

الشرع لم یخص عددًا الا لحکم ترجع الی اصول، الاول ان الوتر عدد مبارك لایجاوز عنہ ماکان فیہ کفایۃ، ثم الوتر علی مراتب، وتر یشبہ الزوج کالتسعۃ والخمسۃ فانھما بعد اسقاط الواحد ینقسمان الی زوجین والتسعۃ وان لم تنقسم الی عددین متساوین فانھا تنقسم الی ثلثہ متساویۃ، وامام الاوتار الواحد وحیث اقتضت الحکمۃ ان یؤمر باکثر منھا اختار عددًا یحصل بالترفع کالواحد یترفع الی احد عشر[1] اھ ملتقطا۔	شرع شریف میں عدد کی تخصیص صرف ایسے حکم کے لئے کی جاتی جو کئی معانی کی طرف راجع ہوتاہے اول، یہ وتر ایسا مبارک عدد ہے کہ اس سے تجاوز اس وقت تک جائز نہیں جبکہ اس وتر میں کفایت موجود ہے پھر وتر کے کئی اقسام ہیں، ایک وتر زوج کے مشابہ ہوتاہے جیسا کہ نو اور پانچ کا عدد کہ یہ دونوں ایسے ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک ایک کو ساقط کردیا جائے تو یہ دونوں برابر تقسیم ہوکر دو زوج بن جاتے ہیں، اور نو کا عدد خود اگرچہ دو جفت (زوج) پر تقسیم نہیں ہوتا مگر تین مساوی عددوں پر منقسم ہوتاہے، تمام وتروں کا امام (اصل) ایک کا عدد ہے اور حکمت کا تقاضا ہو تو زیادہ عدد کا تب حکم ہوتا کہ وہ عدد بڑھ کر واحد کی طرح ہوجائے مثلاً گیارہ ہوجائے اھ ملتقطا (ت)

[1] حجۃ البالغہ باب اسرار الاعداد والمقادیر مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ۱/۱۰۰

اس کے بعد فقیر گدائے سرکار قادریہ غفراللہ لہ کل ذنب وخطیّہ، نے سرکار غوثیت مدار سے اس عدد مبارک کے اختصاص پر بعض دیگر نکات جمیلہ عظیمہ جلیلہ پائے ہیں کہ بتوفیق اللہ تعالٰی رسالہ مبارک ازھار الانوار من صبا صلوۃ الاسرار میں ذکر کئے یہاں اُن کا بیان زخمہ بر عود پیں گاواں

فمن شاء فلیرجع الی ذاك التحریر الانیق واللہ سبحنہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اگر کوئی چاہے تو اس صاف ستھری تحریر کی طرف رجوع کرسکتا ہے۔ اللہ تعالٰی پاک ہے، اور مجھے توفیق ملی، جبکہ اللہ کے قبضہ میں ہی تحقیق کی لگام ہے۔ اور صلوٰۃ وسلام ہو ہمارے آقا محمد اور ان کی آل وصحابہ سب پر۔ (ت)

بالجملہ اس نماز مقدس میں اصلاً کوئی محذور شرعی نہیں، اور خود کون ساطریقہ دیانت وانصاف ہے کہ جو امر حضور پرنور محی الملۃ، مقیم السنۃ، ملاذالعلماء، معاذ العرفاء، وارث الانبیاء، ولی اللہ، منبع الارشاد، مرجع الافراد، امام الائمہ، مالک الازمہ، کاشف الغمہ، ملجاالامہ، قطب الاعلم، غوثنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ (اللہ تعالٰی ان کی رضا کو دونوں جہان میں ہماری جان کا موتی بنائے۔ت) ارشاد فرمائیں اور حضور کے اصحاب اکابر انجاب قدست اسرارھم وتُمّمت انوارھم (ان کے اسرار مقدس اور ان کے انوار تام کئے جائیں۔ت) کہ بالیقین اعاظم علماء واجلہ کملا تھے اسے بجالائیں اور طبقۃً فطبقۃً اولیاء وعلمائے سلسلہ عالیہ قادریہ روح ارواح اصحابھا واروی قلوبنا بناھل عبابھا (اللہ تعالٰی ان کی ارواح کو معطر فرمائے اور ہمارے دلوں کو ان کے جاری چشموں سے سیراب فرمائے۔ت) اسے اپنا معمول بنائیں اور ثقات علماء وکبار اولیاء اپنی تصانیف میں اسے نقل وروایت کریں اجازتیں دیں اجازتیں لیں اور منکرین مکابرین کو اصلاً قدرت نہ ہو کہ آیت وحدیث تو بڑی چیز ہے کہیں دو چار عمائد دین وفقہائے معتمدین ہی سے اس کارد وانکار بے اعانت کذب واختلاق ومکابرہ وشقاق ثابت کرسکیں ایسی جمیل چیز جلیل عزیز کو محض اپنی ہوائے نفسانی واصول بہتانی کی بناپر بلحاظ اصل مذہب شرک قطعی اور فاعلوں، مجوزوں کو معاذاللہ مشرک جہنمی اور بخوف اہل حق، تسہیل امر کو ہارے جی سے صرف فاسق بدعتی بتایئے اور انکار ارشاد سیدالاولیاء وتضلیل وتفسیق علماو عرفا کا وبال عظیم، گردن پر اٹھایئے وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ۝[1] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) اور حضرات منکرین کا یہ کہنا کہ صحابہ

[1] القرآن ۲۶/۲۲۷

تابعین سے منقول نہیں، صحابہ محبت و تعظیم میں ہم سے زیادہ تھے، ثواب ہوتا تو وہی کرتے۔

اوّلاً وہی معمولی باتیں ہیں جن کے جواب علمائے اہلسنت کی طرف سے ہزار ہزار بار ہو چکے جسے آفتاب روشن پر اطلاع منظور ہو، ان کی تصانیف شریفہ کی طرف رجوع لائے، علی الخصوص کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" وکتاب لاجواب "اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" وغیرہما تصانیف لطیفہ وتالیف منیفہ حضرت تاج المحققین سراج المدققین حامی السنن ماحی الفتن بقیۃ السلف حجۃ الخلف فردالاماثل فخر الاکابر وارث العلم کابرًا عن کابر، سیدی و والدی حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی اعظم اللہ اجرہ ونور قبرہ وقدس سرہ ورزقنا برہ واعطاہ المسرۃ ووقاہ المضرۃ وکل معرۃ بجاہ المصطفٰی والہ الشرفاعلیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثنا اٰمین اٰمین یااھل التقوی واھل المغفرۃ (اللہ تعالٰی ان کا اجر بڑا کرے، ان کی قبر کو منور کرے، ان کے اسرار مقدس بنائے، ان کی بھلائی ہمیں نصیب فرمائے اور ان کو سرور عطا فرمائے، اور ان کو ہر ضرر و تکلیف سے محفوظ فرمائے، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اور ان کی آل کی وجاہت کی برکت سے علیہم الصلٰوۃ والسلام اے تقوی اور مغفرت والو!۔ت) اور فقیر غفراللہ تعالٰی بھی اس بحث اور اس کے امثال کو، بروجہ اجمال، رسالہ اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورسالہ "منیرالعین فی حکم تقبیل الابھامین" وغیرہما اپنے رسائل ومسائل میں بقدر کفایت منقح کرچکا والحمدللہ رب العٰلمین۔

ثانیاً یہاں تو ان جہالات کا کوئی محل ہی نہیں، یہ نماز ایک عمل ہے کہ قضائے حاجات کے لئے کیا جاتا ہے اور اعمال مشائخ میں تجدید واحداث کی ہمیشہ اجازت، شاہ ولی اللہ ہوامع میں لکھتے ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہائے قرابادین را این فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت صبح صادق تا اسفار مقابل صبح نشستن وچشم را بآں نور دوختن و یانور، را گفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد احادیث نفس رامی نشاند۔[1]	جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیسا کہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یانور ہزار بار تک پڑھنے سے قوت ملکیہ حاصل ہوتی ہے اور دل کی باتوں پر آگاہی ہوتی ہے۔(ت)

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

اسی میں ہے:

چند نواع از کرامت از ہیچ ولی الاماشاء اللہ منفک نمی شود ازانجملہ ظہورتاثیر دراعمال تصریفیہ اوتاعاملے بفیض او منتفع شوند [1] اھ ملخصًا۔	چند کرامتیں ایسی ہیں جو کسی ولی سے جدانہیں ہوپاتیں جن میں ایک یہ کہ اس کے جاری اعمال ووظائف کی ایسی تاثیر جوان پر عمل پیراکواس کے فیض سے نفع دیتی ہے اھ ملخصًا (ت)

خود شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز صاحب نے ہر گونہ حاجات کے لئے صدہااعمال بتائے کہ تازہ بنے تھے، جن کا پتا قرون ثلٰثہ میں اصلًا نہ تھا بعض ان مین سے فقیر نے اپنے رسالہ منیرالعین فی حکم تقبیل الابھامین میں ذکر کئے، اور خود ان کی "قول الجمیل"ایسی باتوں کی حائزو کفیل۔ جامع ترسنئے شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے جواہر خمسہ شیخ محمد غوث گوالیاری حلیہ رحمۃالباری کی سندیں اور اس کے اعمال کی اجازتیں اپنے استاذ علم حدیث مولانا ابوطاہر مدنی شیخ محمد سعید لاہوری مرحومین سے حاصل کیں حیث قال

ایں فقیر خرقہ از دست شیخ ابو طاہر کردی پوشیدہ وایشاں بعمل انچہ در جواہر خمسہ است اجازت دارند عن ابیہ الشیخ ابراھیم الکردی عن الشیخ القشاشی عن الشیخ احمد الشناوی عن السید صبغۃ اللہ عن الشیخ محمد غوث الکوالیاری وایضاالبسا الشیخ ابو طاہر عن الشیخ احمد النخلی بسندہ [2] الی اخرہ، ایضاایں فقیر درسفر حج چوں بہ لاہور رسید ودست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت دعائے سیفی دادند بل اجازت	اس فقیر نے شیخ ابو طاہر کردی کے ہاتھ سے خرقہ پہنا اور انہوں نے جواہر خمسہ کے تمام وظائف کی اجازت دی یہ اجازت ان کو اپنے والد شیخ ابراہیم کردی سے اور ان کو اپنے شیخ احمد قشاشی سے اور ان کو شیخ احمد شناوی اور ان کو سید صبغۃ اللہ سے ان کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے۔ نیز خرقہ پایا شیخ ابوطاہر نے احمد نخلی سے ان کی آخری سند تک۔ ؕاور نیز فقیر جب حج کے سفر میں لاہور پہنچا تو وہاں شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی کی توانہوں نے مجھے دعائے صیفی کی اجازت مرحمت فرمائی بلکہ انہوں نے ان تمام وظائف

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

[2] الانتباہ فی سلاسل اولیاء مترجم اردو طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

جمیع اعمال جواہر خمسہ وسند خود بیان کردند وایشاں دریں زمانہ یکی ازاں عیاں مشائخ طریقہ احسنیہ وشطاریہ بودند وچوں کسے را اجازت می دادند او را دعوت رجعت نمی شود رحمۃ اللہ تعالٰی ،سند قال الشیخ المعمر الثقۃ حاجی محمد سعید لاہوری اخذت الطریقۃ الشطاریۃ واعمال الجواہر الخمسۃ من السیفی وغیرہ عن الشیخ محمد اشرف لاہوری عن الشیخ عبد الملك عن الشیخ البایزید الثانی عن الشیخ وجیہ الدین الکجراتی عن الشیخ محمد غوث الکوالیاری انتہی[1]	واعمال کی اجازت دی جو جواہر خمسہ میں ہیں، اور انہوں نے اپنی سند بھی بیان کی اور آپ اس زمانہ کے مشائخ شطاریہ احسنیہ کے سلسلہ کے خاص بزرگوں میں سے تھے، اور جب آپ کسی کو اپنے سلسلہ کی اجازت دیتے تو پھر اس کو رجوع کی حاجت نہ رہتی (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے) سندیہ ہے شیخ بزرگ باوثوق حاجی محمد سعید لاہوری نے فرمایا کہ میں نے سلسلہ شطاریہ اور جواہر خمسہ کے وظائف واعمال سیفی وغیرہ، شیخ محمد اشرف لاہوری انہوں نے شیخ عبدالملک بایزید ثانی سے انہوں نے وجیہ الدین گجراتی انہوں نے شیخ محمد غوث گوالیاری سے حاصل کئے، انتہی (ت)

حضرات منکرین ذرا مہربانی فرما کر جواہر خمسہ پر نظر ڈال لیں اور اس کے اعمال کا ثبوت وقرون ثلثہ سے دے دیں بلکہ اپنے اصول مذہب پر اُن اعمال کو بدعت وشرک ہی سے بچالیں جن کے لئے شاہ ولی اللہ جیسے سنی، موحد، محدثانہ سند لیتے اور اپنے مشائخ حدیث وطریقت سے اجازت حاصل کرتے ہیں زیادہ نہ سہی یہی دعائے سیفی جس کی نسبت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ میں اپنے شیخ سے اخذ کی اور اجازت لی اسی کی ترکیب میں ملاحظہ ہو کہ جواہر خمسہ میں کیا لکھا ہے:

نادعلی ہفت بار یاسہ بار یایکبار بخواند وآں اینست نادعلیا مظہر العجائب تجدہ عونالك فی النوائب کل ھم وغم سینجلی بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی[2]۔	نادعلی سات بار یا تین بار یا ایک بار پڑھو اور وہ یہ ہے: پکار علی کو جو عجائب کے مظہر ہیں تو ان کو اپنے مصائب میں مددگار پائے گا، ہر پریشانی اور غم ختم ہوگا آپ کی مدد سے یاعلی یاعلی یاعلی (ت)
مسئلہ: قال اللہ تعالٰی وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ	اور جب خدا نے عہد لیا ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی اسے صاف بیان کردیں گے لوگوں سے

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء مترجم اردو طریقہ شطاریہ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۳۸

[2] فتوح الغیب ضمیمہ جواہر خمسہ مترجم اردو نادعلی کا بیان مطبعہ دارالاشاعت کراچی ص ۴۵۳

لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ [1]	اور چھپائیں گے نہیں۔

اب کیافرماتے ہیں علمائے ملت نجدیہ ھداھم اللہ تعالٰی الی الملۃ الحنفیۃ (اللہ تعالٰی ان کی حق کی طرف رجوع کرنے والی ملت کی طرف رہنمائی کرے) کہ جولوگ نادعلی پڑھیں، پڑھائیں، سیکھیں، اس کی سندیں دیں، اجازتیں لائیں، اس کے سلسلے کوسلاسل اولیاء اللہ میں داخل کرجائیں، اس کے حکم دینے والون کوولی کامل بتائیں اپنا شیخ ومرشد مرجع سلسلہ بتائیں، ان میں بعض کو بلفظ ثقہ واعیان مشائخ اوان کی ملاقات کوبکلمہ دستبوس تعبیر فرمائیں، انہوں نے غم ومصیبت ورنج وآفت کے وقت یاعلی یاعلی کہنار وار کھا یانہیں اور اسے ورد وظیفہ بنایا یانہیں اور غیر خدا کو خدا کاشریک فی العلم وشریک فی التصرف ٹھہرایا یانہیں اور وہ اس سبب سے مشرک کافر، بے ایمان، جہنمی ہوئے یانہیں پھر جوایسوں کواپنا پیر جانیں عالم اُمت، حامی سنت وقطب زماں ومرشد دوراں مانیں (جیسے جناب شاہ عبدالعزیز صاحب) انہیں مقتدائے دین وپیشوائے مسلمین بتائیں ان کے علم وافضال وعرفان وکمال پر سچے دل سے ایمان لائیں (جیسے تمام اصاغر واکابر حضرات وہابیہ) انہیں سید الحکما سید العلماوقطب المحققین، فخر العرفاء المکملین، اعلمہم باللہ وقبلہ ارباب تحقیق وکعبہ اصحاب تدقیق وقدوۃ اولیاوزبدۂ ارباب صفا، بلکہ امام معصوم وصاحب وحی تشریعی ٹھہرائیں (جیسے میاں اسمٰعیل دہلوی) ان سب صاحبوں کی نسبت کیاحکم ہے یہ حضرات ایک مشرک شرک جوشرک پسند، شرک آموز کو پیرو پیشواوامام ومقتدابناکر سید العلماء ومقبول خدابتاکر خود بھی کافرومشرک ومستحق عذاب الیم ومہلک ہوئے یانہیں اوران پر بھی مسئلہ الرضاء بالکفر کفر (کفر پر رضامندی کفر ہے۔) ومسئلہ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر اور اس کے عذاب پر شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ت) وحکم آیہ کریمہ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ [2] (تم میں سے جو جس سے محبت کرتاہے وہ انہیں میں سے ہوگا۔ت) وحدیث صحیح، المرء مع من احب [3] (آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت کرتاہے۔ت) جاری ہوگا یانہیں، بیّنوا توجروا۔ خیر، یہ توجملہ معترضہ تھا پھر اصل مبحث یعنی دربارۂ اعمال تجدید واختراع کی طرف چلئے، یہی شاہ ولی اللہ صاحب اسی انتباہ میں قضائے حاجات کے لئے ختم خواجگان چشت قدست اسرارہم کی ترکیب بتاتے اوراس کے آخر میں یوں فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۳ /۱۸۷

[2] القرآن ۵/۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الادب، باب علامۃ الحب فی اللہ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۱۱/۲

وہ مرتبہ درود بخواند ختم کنند وبرقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند وحاجت ازخدائے تعالٰی سوال نمایند ہمیں طور ہرروز میخوانندہ باشندہ اِن شاء اللہ درایام معدودہ مقصود بحصول انجامد[1]۔	دس مرتبہ درودشریف پڑھ کر ختم دیں اور کچھ شیرینی پر خواجگان چشت کے نماز کی فاتحہ پڑھیں اور اللہ تعالٰی سے اپنی حاجت کاسوال کریں، یہ عمل روزانہ کریں ان شاء اللہ چندروز میں مقصود حاصل ہوجائے گا۔(ت)

مرزامظہر جانجاناں صاحب اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

دعائے حزب البحر وظیفہ صبح وشام وختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہرروز بجہت حل مشکلات باید خواند[2]۔	حزب البحر شریف کاوظیفہ صبح وشام اور روزانہ خواجگان (قدس اسرارہم) کاختم مشکلات کے حل کے لئے پڑھیں۔(ت)

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:

ختم خواجہارضی اللہ تعالٰی عنہم وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہرروز بعد حلقہ صبح لازم گیرید[3]۔	ختم خواجگان اور ختم حضرت مجدد صاحب (رضی اللہ تعالٰی عنہم) صبح حلقہ ذکر کے بعد ضروری کریں۔(ت)

مکتوب آخر میں کہتے ہیں:

ختم حضرت خواجہا وختم حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہم نیزاگریاراں جمع آیند بعد از حلقہ صبح براں مواظبت نمایند کہ از معمولات مشائخ ست وفائدہ بسیار وبرکت بے شمار دارد[4]۔	ختم خواجگان وختم حضرت مجدد صاحب رضی اللہ عنہم صبح کے حلقہ ذکر کے بعد پابندی سے کریں کیونکہ یہ مشائخ کے معمولات میں سے ہے بہت مفید اور بابرکت ہے۔(ت)

اور مرزاصاحب موصوف کے معمولات مسمّٰی بہ معمولات مظہری سے اس کی ترکیب یوں منقول:

اول دست برداشتہ سورہ فاتحہ یکبار بخواند[5] الخ	پہلے ہاتھ اٹھاکرایک بار سورہ فاتحہ پڑھیں الخ (ت)

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ذکر طریقہ ختم خواجگان چشت مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۰۰

[2] ملفوظات مرزامظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴

[3] مکتوبات از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مکتوب بست وہشتم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱ و ۴۲

[4] ملفوظات از مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات نصائح ووصایا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲

[5] معمولات مظہری حاشیہ برعبارت مذکورہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲

اخیر میں لکھا:

بعدازاں ازجناب خدائے عزوجل حصول مطالب بتوسل ایں بزرگواراں باید خواست وتاسرانجام مقصود مداومت باید نمود[1] الخ	اس کے بعد اللہ تعالٰی سے اپنی حاجت کے حصول کے لئے ان بزرگوں کے توسل سے دعا کرنی چاہئے تاکہ انجام میں دائمی طور پر مقصد ظاہر ہوجائے الخ (ت)

ان صاحبوں سے کوئی نہیں کہتا کہ یہ طریقے قرون ثلٰثہ میں کہاں منقول ہیں، ان میں کچھ ثواب یا تقرب الی اللہ کی امید ہوتی توصحابہ ہی بجالاتے اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فاتحہ شیرینی پردلاتے والحمدللہ علی وضوح الحق (حق کے واضح ہونے پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ت)

ثالثًا خیر صلوٰۃ الاسرار شریف تو ایک عمل لطیف ہے کہ مبارک بندہ اپنے حصول اغراض ودفع اعراض کے لئے پڑھتا ہے مزاج پرسی ان حضرات کی ہے جو خاص امور ثواب وتقرب رب الارباب میں جو محض اسی نیت سے کئے جاتے ہیں ہمیشہ تجدید واختراع کو جائز مانتے اور ان محدثات کو ذریعہ وصول الی اللہ جانتے ہیں وہ کون، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مرزا مظہر جانجاناں، شیخ مجدد الف ثانی، مولوی اسمٰعیل دہلوی، مولوی خرم علی بلہوری وغیرہم جنہیں منکرین بدعتی وگمراہ کہیں توکس کے ہوکر رہیں، خود شاہ ولی اللہ قوال الجمیل میں اپنے اور اپنے پیران مشائخ کے آداب طریقت واشغالِ ریاضت کی نسبت صاف لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولاتلك الاشغال[2]۔	یہ خاص آداب واشغال نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ ہوئے۔(ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں: اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات وہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الذہن اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے[3] (الٰی قولہ) تو اس کو یاد رکھنا چاہئے[4] انتھی بترجمۃ البلھوری۔ مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین اسے نقل کرکے لکھتے ہیں: یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل دعات سیہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ کم فہم سمجھتے ہیں[5] انتھی۔

---

[1] معمولات مظہری از مجموعہ کلمات طیبات حاشیہ بر عبارت مذکور نصائح ووصایا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۲
[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل گیارہویں فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳
[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱
[4] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲
[5] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چوتھی فصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

اور سنئے اسی قول الجمیل میں اشغال مشائخ نقشبندیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم میں تصور شیخ کی ترکیب لکھی کہ:

ثالثها الرابطة بشيخة فاذا صحبه خلى نفسه من كل شيئ الامحبته وينتظر لمايفيض منه واذا غاب الشيخ عنه يخيل صورته بين عينيه بوصف المحبة والتعظيم فتفيد صورته ماتفيد صحبته[1] اھ ملخصا۔	یعنی تیسرا طریقہ وصول الی اللہ کا رابطہ شیخ ہے جب شیخ کی صحبت میں ہو تو اپنا دل اس کی محبت کے سواہر چیز سے خالی کرے اور فیض کا منتظر ہو اور جب شیخ غائب ہو تو اس کی صورت اپنے پیش نظر محبت و تعظیم کے ساتھ تصور کرے جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ صورت دے گی اھ ملخصا (ت)

شفاء العلیل میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا حق یہ ہے کہ "سب راہوں سے یہ راہ زیادہ قریب ہے"[2] انتھی۔ اب کون کہے کہ یہ وہی راہ ہے جسے آپ کے سچے معتقدین ٹھیٹ بت پرستی بتائیں گے، مرزا صاحب نے اگرچہ کتاب وسنت کو طرق حادثہ سے افضل مانا اور بے شک ایسا ہی ہے مگر ان کے بھی مباح ومفید ہونے کی تصریح فرمائی، مکتوب ۱۱ میں لکھتے ہیں:

ذکر جہر باکیفیات مخصوصہ ونیز مراقبات باطوار معمولہ کہ درقرون متاخرہ رواج یافتہ از کتاب وسنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشایخ بطریق الہام واعلام از مبدءِ فیاض اخذ نمودہ اند وشرع ازاں ساکت ست ودائرہ اباحت وفائدہائے دراں متحقق وانکار آں ضرورنے[3]۔	آخری زمانہ جو ذکر بالجہر مخصوص کیفیت کے ساتھ ہو رہا ہے نیز مراقبات جن کا عمل جاری ہے یہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں بلکہ یہ مشائخ کرام نے بطور الہام مبدءِ فیاض سے پایا ہے اور شریعت اس کے منع پر خاموش ہے لہذا یہ دائرۂ اباحت میں داخل ہے اس میں فائدہ ہے اس کا انکار ضروری نہیں۔ (ت)

اور سنئے مکتوب ۱۶ میں ہے:

اگرچہ از مصحف مجید فال زدن درحدیث شریف نیامدہ	اگرچہ نیک فال قرآن مجید سے نکالنا حدیث شریف میں

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل چھٹی فصل طریقہ مراقبہ بسیط مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰۔۸۱

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل چھٹی فصل طریقہ مراقبہ بسیط مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰

[3] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

اما ممنوع ہم نیست اگر کسی عـــہ زند مضائقہ ندارد[1]۔	مذکور نہیں لیکن ممنوع بھی نہیں، اگر کوئی نکالے تو مضائقہ نہیں۔(ت)

انہیں کے ملفوظات میں ہے:

حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ طریقہ نوبیان نمودہ ومقامات وکمالات طریقہ خود بسیار تحریر فرمودہ ودراں مقامات ہیچ شبہ نیست کہ باقرار ہزاراں علماء عقلاء بتواترہ رسیدہ[2] اھ ملخصًا	حضرت مجدد صاحب نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں اور اپنے طریقہ کے کمالات ومقامات کو خوب بیان فرمایا ہے، ان مقامات میں کوئی شک وشبہ نہیں کیونکہ ہزاروں علماء وعقلاء نے اس کی تصدیق فرمائی ہے جو تواتر کو پہنچی ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند ودر تحقیق اسرار معرفت طرز خاص دارند مثل ایشاں در محققان صوفیہ کہ جامع ازند در علم ظاہر وباطن وعلم نوبیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند[3] اھ ملخصًا	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے جدید طریقہ بیان فرمایا ہے وہ معرفت کے اسرار کی تحقیق میں خاص طرز رکھتے ہیں اور یہ ان چند محقق صوفیوں میں سے ہیں جنہوں نے ظاہری وباطنی علوم جمع فرمائے اور نئے علوم بیان کئے ہیں ایسے چند بزرگ ہوئے ہیں اھ ملخصًا (ت)

عـــہ: اقول: یہ جناب مرزا صاحب کا خیال تھا، صحیح یہ ہے کہ قرآن عظیم سے فال کھولنا منع ہے، حدیقہ ندیہ میں ہے:

قال والدی رحمہ اللہ تعالٰی فی شرحہ علی شرح الدرر وفی کتاب التحفۃ اخذ الفال من المصحف مکروہ کذاذکرہ القہستانی یعنی کراھۃ التحریم الخ ۱۲منہ دام ظلہ (م)	میرے والد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا درر کی شرح میں اور کتاب التحفہ میں ہے کہ قرآن پاک سے فال نکالنا مکروہ ہے، قہستانی نے ایسے ہی ذکر کیا ہے یعنی مکروہ تحریمہ ہے الخ ۱۲منہ دام ظلہ (ت)

---

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از مجموعہ کلمات طیبات مکتوب شصت ویکم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۶

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں ز مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۰

[3] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں ز مجموعہ کلمات طیبات ملفوظات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳ و ۸۴

میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں لکھتے ہیں:

اشغال مناسبہ ہر وقت وریاضات ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشند وللہذا محققاں ہر وقت ازاکابر ہر طرق در تجدید اشغال کوششہا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعیین کردہ شود[1] الخ	ہر وقت کے مناسب وظائف اور ہر زمانہ کے لائق ریاضتیں جدا جدا ہیں لہٰذا ہر زمانہ کے محققین نے ہر سلسلہ کے اکابرین سے نئے وظائف حاصل کرنے کی کوشش کی ہے اس بنا پر میں نے مصلحت دیکھی کہ وقت کا تقاضا ہے کہ اس کتاب کا ایک باب نئے وظائف واعمال میں جو اس وقت کے مناسب ہوں، کے لئے معین کروں الخ

اب خدا جانے یہ حضرات بدعتی کیوں نہ ہوئے اور انہیں خاص ان امور دینیہ میں جو محض تقرب الی اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں نئی نئی باتیں جو قرآن میں حدیث میں نہ صحابہ میں نہ تابعین میں، نکالنی اور عمل میں لانی اور ان سے امید وصول الی اللہ رکھنی، کس نے جائز کی۔

مسئلہ: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سئل عن علم فکتمہ الجمہ اللہ یوم القیمۃ بالجام من نار[2] اخرجہ احمد وابوداود والترمذی وحسنہ والنسائی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس سے کوئی علمی بات پوچھی جائے وہ اسے چھپائے اللہ تعالٰی روز قیامت اسے آگ کی لگام دے گا۔ اس حدیث کو ابوداؤد، ترمذی نے تحسین کی۔ نسائی، ابن ماجہ، حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے صحیح روایت کیا۔ (ت)

اب کیا فرماتے ہیں علمائے ملت اسمٰعیلیہ ھداھم اللہ تعالٰی الی الشریعۃ الحقۃ الابراھیمیۃ (اللہ تعالٰی شریعت حقہ ابراہیمیہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے۔ت) کہ دین خدا میں ایسی نئی نئی باتیں نکالنا اور یہ اقرار کرکے کہ کتاب وسنت سے اس کا ثبوت نہیں ان پر عمل کرنا اور انہیں موجب ثواب وقرب رب الارباب سمجھنا بدعت سیئہ تشیعہ ہے یا نہیں، اور یہاں حدیث من احدث فی امرنا مالیس منہ فھو

---

[1] صراط مستقیم قبیل باب اول مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۷

[2] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ منع العلم مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹، جامع الترمذی باب ماجاء فی کتمان العلم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۸۹، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۴۴، ۳۰۵، ۳۵۳، ۴۵۹

رد[1] (جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں تو وہ مردود ہے۔ت) وحدیث کل بدعۃ ضلالۃ[2] (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) وکل ضلالۃ فی النار[3] (اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ت) وحدیث شرالامور محدثاتہا[4] سب سے بری بات نئے امور ہیں۔ت) وحدیث اصحاب البدع کلاب اھل النار[5] (بدعت والے جہنم کے کتے ہیں۔ت) وارد ہوں گی یا نہیں، اور جن صاحبوں نے یہ باتیں ایجاد فرمائیں آپ کیں، اوروں سے کرائیں، کتابوں میں لکھیں، زبانی بتائیں، حسب تصریح تقویۃ الایمان ان کے اصل ایمان میں خلل آیا یا نہیں، اور وہ بدعتی، فاسق، مخالف سنت قرار پائے یا نہیں، اور ان سے کہا جائے گا یا نہیں کہ صحابہ وحسنات پر تم سے زیادہ حریص تھے بھلائی ہوتی تو وہی کر جاتے، اور میاں بشیر قنوجی یہاں بھی ہیأت عبادات کو توفیقی بتائیں گے یا نہیں، پھر جو لوگ ان صاحبوں کو امام و پیشوا جانتے اور ان کی مدح وستائش میں حد سے زیادہ غلو کرتے ہیں (جیسے شاہ ولی اللہ مداح ومعتقد مرزا مظہر صاحب اور شاہ عبدالعزیز وصّاف ومرید شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل غلام وبادخوان ہر دو شاہ صاحب اور تمام حضرات وہابیہ مداحین ومتعقدین جمیع صاحبان مذکورین) ان سب کے بارے میں کیا حکم ہے، آیا بحکم حدیث من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام[6] (جس نے بدعت والے کی تعظیم کی اس نے اسلام کو ڈھانے میں مدد کی۔ت) یہ سب کے سب قصر اسلام کے ڈھانے والے ہوئے یا نہیں، یا یہ احکام صرف مجلس میلاد

---

[1] صحیح بخاری کتاب الصلح مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۱، صحیح مسلم کتاب الاقضیہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۷۷، السنن الکبرٰی کتاب آداب القاضی مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/۱۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۸۵، سنن ابن ماجہ باب اجتناب البدع والجدل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶

[3] در منثور تحت آیۃ من یھدی اللہ فھو المھتدی مطبوعہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۳/۱۴۷

[4] صحیح مسلم کتاب الجمعہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۲۸۵، مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، فصل اول مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

[5] کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۰۹۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸

[6] مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام والسنۃ فصل سوم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱، کنز العمال فصل فی البدع حدیث ۱۱۰۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۹

وغیرہ انہیں امور کے لئے ہیں جن میں محبوبان خدا کی محبت وتعظیم ہو باقی سب حلال وطیب، اور شاہ عبدالعزیز صاحب نے کہ تصور برزخ کو اتنا پسند کیا کہ اسے سب سے زیادہ قریب تر راستہ خدا کا بتایا اور مولوی خرم علی صاحب نے اسے نقل کرکے مسلم رکھا یہ دونوں صاحب مع اصل کاتب یعنی شاہ ولی اللہ صاحب پھر ان صاحبوں کے معتقدین ومداح سب کے سب مشرک وشرک پرست ٹھہرے یا نہیں، یا یہ حضرات احکام شرع سے مستثنٰی ہیں، اور تقویۃ الایمان وتذکیر الاخوان وغیرہما کی آیتیں حدیثیں صرف مؤمنین اہل سنت کو جو خاندان عزیزی سے نہ ہوں معاذاللہ مشرک بدعتی بنانے کے لئے اتری ہیں، **بینوا توجروا۔**

سبحان اللہ ان صاحبوں کے یہ احداث واختراع سب مقبول ہوں، اور ناجائز وبدعت ٹھہرے تو وہ نماز جو حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قضائے حاجات کے لئے ارشاد فرمائی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھ راستہ کہاں سے کہاں تک ٹیڑھا ہے)

حق جل علا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور اپنے محبوبوں کی جانب میں معاذاللہ بدعقیدہ نہ کرے خصوصًا حضور سید المحبوبین مطلوب المطلوبین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم اجمعین آمین۔ یہ ہے جو اس گدائے سرکار فیضبار قادریہ پر برکات ونعمات حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فائض ہوا، ع

گر قبول افتد زہے عزوشرف

گدائے بے نوا فقیر ناسزا اپنے تاجدار عظیم الجو عمیم العطا کے لطف بے منت وکرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفووعافیت وحسن عاقبت کے ساتھ دار ناپائدار سے رخصت ہوتے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتول زہرا کے لخت جگر، علی مرتضٰی کے نور نظر، حسن وحسین کے قرۃ بصر، محی سنت ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم یعنی حضور غوث صمدانی قطب ربانی واہب الآمال ومعطی الامانی حضور پرنور غوث اعظم قطب عالم محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ وارضاہ وجعل حرزنا فی الدارین رضاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع واطاعت پر جائے او جس دن یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ[1] (جس دن ہر جماعت کو ہم اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ت) کا ظہور ہو یہ سراپا گناہ زیر لوائے بیکس پناہ سرکار قادریت ظل آلہ جگہ پائے،

---

[1] القرآن ۱۷/۷۱

فان ذلك علی اللہ یسیر ان اللہ علی کل شیئ قدیر بحمد اللہ وقع الفراغ من تسویدہ لثمان خلون للقمر الزاھر من شھرسیّدنا الغوث الفاخر اعنی شھرربیع الاٰخر فی ثلثۃ مجالس من ثلث غدوات وعام الف وثلث مائۃ وخمس من ھجرۃ سید الکائنات علیہ وعلی اٰلہ وابنہ الوارث لمجدہ وکمالہ افضل الصلوات واکمل تسلیمات وازکی التحیات وانمی البرکات اٰمین اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	پس بیشک یہ اللہ تعالٰی کے لئے آسان ہے اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے، بحمداللہ تعالٰی اس رسالہ کے مسودہ سے ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۵ھ کو فراغت ہوئی یہ مسودہ تین دن کی تین مجلسوں میں تیار ہوا۔ سیدالکائنات پر ان کی آل پر اور آپ کے بیٹے جوآپ کی بزرگی اور کمال کے وارث ہیں پر افضل درود اور کامل سلام اور پاکیزہ تعریفیں اور بڑی برکات ہوں آمین آمین اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اللہ سبحانہ، وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم بڑا ہے اور اس کی بزرگی مضبوط اور تام ہے۔(ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ازھار الانوار من صبا صلٰوۃ الاسرار ۱۳۰۵ھ

(صلٰوۃ الاسرار کی باد صبا سے غنچوں کے پھول)

(نماز غوثیہ سے متعلق اہم نکات اور اس کے پڑھنے کا طریقہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

شکرالك یامن بالتوسل الیه یغفر کثرالذنوب، وحمدا لك یامن بالتوکل علیه یجبر کسر القلوب، اسألك ان تصلی وتسلم وتبارك علی سراج افقك، وملجأ خلقك، وافضل قائم بحقك، المبعوث بتیسرك ورفقك، رحمۃ للعٰلمین، و شفیعا للمذنبین، و امانا للخائفین، و یسرًا للبائسین (سخت حاجت مند ۱۲)، وبشری للائسین (ناامیداں ۱۲)، محمدن النبی الرؤف الرحیم، الجواد الکریم، العلی العلیم، الغنی الحی الحکیم الحلیم، ومصحح الحسنات، مقیل العثرات، قاضی الحاجات،	تیرا شکر ہے اے ایسی ذات جس کی طرف وسیلہ پیش کرنے سے کثیر گناہ معاف ہوتے ہیں اور تیری حمد ہے اے وہ ذات کہ جس پر توکل سے شکستہ دلی ختم ہوجاتی ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ رحمت، سلامتی اور برکتیں نازل فرما اس پر جو تیری کائنات کا چراغ اور تیری مخلوق کا ملجا اور تیرے حق کے لئے قائم لوگوں سے افضل اور تیری سہولت اور مہربانی لے کر مبعوث ہونے والے رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین اور ڈرنے والوں کے لئے امان اور حاجت مندوں کی سہولت اور ناامید ہونے والوں کے لئے بشارت رؤف، رحیم نبی، کرم والے سخی، بلند مرتبہ، بڑے علم والے، غنی، تابندہ حکمت والے، بردبار، نیکیوں کو بنانے والے، غلطیوں کو مٹانے والے، حاجتوں کو پورا کرنے والے، مرادیں

واھب المرادات، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ الطاھرین، واصحابہ الظاھرین وازواجہ الطیبات امھات المؤمنین، واولیاء امتہ الکاملین العارفین، وامناء ملتہ الراشدین المرشدین، لاسیما علی ھذا الفرد الفرید، الغوث المجید، الغیث المجید، واھب النعم، سالب النقم، کاسب العدم، صاحب القدم جود الجود وکرم الکرم، ملاذ العرب ومعاذ العجم، مناح العطایا، مناع الرزایا، القطب الربانی، الغوث الصمدانی، سیدنا ومولٰنا ابی محمد عبدالقادر الحسنی الحسینی الجیلانی، رضی اللہ تعالٰی عنہ و ارضاہ، وجعل حرزنا فی الدارین، اٰمین اٰمین، یاارحم الراحمین، واشھدان محمدًا عبدہ ورسولہ بالرحمۃ ارسلہ، صلوات اللہ وسلامہ علیہ، وعلی کل محبوب ومرضی لدیہ، امابعد فقدسألنی الفاضل الکامل، جمیل الشمائل، جامع الفضائل، والفخر الجسیم، والشرف العظیم، مولانا الشاہ محمد ابراھیم القادری المدراسی الحیدراٰبادی، جعلہ اللہ من اولی الایادی، وحفظہ من شرالعادی، اجازۃ الصلٰوۃ الغوثیۃ، المبارکۃ المرضیۃ، المعروف عندنا بصلٰوۃ الاسرار، المجربۃ مرارالقضاء الاوطار، ودفع الاشرار، تحسین ظن منہ بھذا العبد

بَرلانے والے، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ والطاہرین اور حق کوظاہر کرنے والے صحابہ اور اس کی پاک ازواج پر جو مومنین کی مائیں ہیں اوراس کے کامل، عارف اولیاء امت ہدایت یافتہ، رہنما، اس کی امت کے امینوں پر خصوصًا ایسی یکتا، منفرد، غوث بزرگی والے، برکت دینے والی بارش، انعامات دینے والے، محروموں کوبنانے والے، تسلط والے، سخیوں کے سخی، کریموں کے کریم، عرب وعجم کی جائے پناہ، عطیات دینے اور مصیبتوں کودفع کرنے والے، قطب ربانی، خدائی مدد، ہمارے آقا ومولٰی ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی پر رضی اللہ عنہم اور جس کووہ راضی کرے، اور اس کودونوں جہانوں میں ہمارے لئے محفوظ خزانہ بنائے آمین آمین، یاارحم الراحمین، اور میں گواہ ہوں کہ اللہ تعالٰی وحدہ، لاشریک ہے اور گواہ ہوں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اس کے خاص رسول ہیں جن کو اس نے رحمت بناکر بھیجاہے اس پراللہ کی رحمتیں اور سلام ہو اور ہراس پرجواس کا محبوب اور پسندیدہ ہو۔ امابعد کامل فاضل، اچھے اخلاق والے، فضائل کے جامع، بڑے فخر، عظیم شرف والے، مولاناشاہ محمدابراہیم قادری مدراسی حیدرآبادی (اللہ تعالٰی ان کو صاحب قوت بنائے اوران کو دشمنوں کے شر سے محفوظ فرمائے) نے مجھ سے "صلٰوۃ غوثیہ" مبارکہ پسندیدہ جوکہ ہمارے ہاں "صلٰوۃ الاسرار" کے نام سے معروف ہے کی اجازت طلب کی، یہ صلٰوۃ الاسرار قضائے حاجت اور دفع شر کے لئے بارہا مجرب ہے، انہوں نے مجھ فقیر، حقیر، اپنے نفس پر ظلم

الظلام، الکثیر الاثام، الفقیر الاذل، الحقیر الارذل، عبدالمصطفٰی احمدرضا، المحمدی السنی الحنفی، القادری البرکاتی البریلوی، لطف اللہ بہ، وعفا عن ذنبہ، واصلح عملہ، وحقق املہ، مع انی لست ھنالک، ولا اھلا لذلک، لکنی اجبتہ بالانقیاد، واجزتہ بالمراد، رجاء البرکۃ لی ولہ فی الدنیا والاٰخرۃ، ان ربنا تعالٰی ھواھل التقوی واھل المغفرۃ، کما اجازنی بھا سیدی ومولای، وسندی ومأوای، شیخی ومرشدی، وکنزی وذخری لیومی وغدی، تاج الکاملین، سراج الواصلین، حضرۃ السیدالشاہ اٰل الرسول الاحمدی، المارھری، رضی اللہ تعالٰی عنہ بالرضی السرمدی، بحق روایتہ لھا واجازتہ بھا عن شیخہ الاجل، وعمہ الابجل، الامام الاکمل، والکرم الاشمل، والقمر الاجمہ، فرد عصرہ، وقطب دھرہ، ذی الفیض العظیم، و الفضل المبین، حضرۃ ابی الفضل شمس الملۃ و الدین، السید الشاہ اٰل احمد اچھے میاں المارھری، رضی اللہ تعالٰی عنہ بالرضوان لابدی، عن ابیہ العرّیف، النبیہ الغطریف، البحر الطمطام، والحبر الصمصام، ذی الفناء والبقاء، والوصول وللقاء، حضرۃ السید الشاہ حمزۃ العینی المارھری علیہ الرضوان الدائم العلی القوی، بسندہ المسلسل کابرا

کرنے والے، نہایت گنہگار، عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے یہ سوال کیا (اللہ تعالٰی ان پر مہربانی فرمائے اور ان کو معاف فرمائے اور ان کے اعمال کو درست فرمائے) حالانکہ میں اس قابل نہیں ہوں اور نہ ہی اس کا اہل ہوں لیکن ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے کہ دنیاوآخرت میں ہم دونوں کے لئے باعث برکت ہو (تقوی اور مغفرت کا مالک صرف اللہ تعالٰی ہی ہے) (ان کو میری طرف سے اجازت ہے جیسا کہ مجھے میرے آقا، مولٰی، جائے اعتماد، ماؔوٰی، اور میرے شیخ، مرشد، سہارا، خزانہ اور میرے آج اور کل کے لئے ذخیرہ اور کاملین کے تاج، واصلین کے چراغ، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی، رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے اجازت دی جیسا کہ ان کو روایت اور اجازت ملی، ان کے عظیم شیخ اور ان کے بزرگوار چچا، کامل امام، وسیع کرم، خوبصورت چاند، اپنے زمانہ کے منفرد اور قطب، عظیم فیض اور واضح فضیلت، حضرت ابوالفضل، ملت اور دین کے سورج، سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی، رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور ان کو اپنے والد گرامی عارف کامل، مضبوط فہم، بحر بیکراں، پختہ ماہر، صاحب بقاء وفناء، صاحب وصول وحضور، حضرت شاہ حمزہ عینی مارہروی (ان پر اللہ تعالٰی کی دائمی رضا) سے، اسلاف دراسلاف سے ان کی مسلسل، سند سے، جوان کو بلند دربار، مضبوط چوکھٹ، مخلوق کے مرجع، دربار قادریہ (وہاں کے رہنے والوں اور وہاں کے

عن کار، عن الحضرة الرفیعة، والسدة المنیعة، مرجع البریة، الحضرة القادریة، علی حضارها وخدامها رضوان القادر، فان اصلها ماثور بطرق عدیدة، عن الحضرة المجیدة، کماذکرہ العلماء منھم الامام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر عـــہ اللخمی الصوفی الشطنوفی فی بھجة الاسرار، و الامام الاجل عبداللہ بن الاسعد الیافعی الشافعی، والفاضل علی بن سلطان محمدالقاری الهروی المکی، والشیخ المحقق شیخ	خدام پر اللہ تعالٰی کی رضاہو) سے حاصل ہوئی کیونکہ "صلٰوۃ الاسرار" کا ثبوت متعدد طرق سے منقول ہے.برگزیدہ دربار سے جیساکہ اس کو بہت سے علماء نے ذکرفرمایاہے جن میں امام ابوالحسن نورالدین علی بن جریر لخمی صوفی شطنوفی نے بہجۃ الاسرار میں، اور امام اجل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی و فاضل علی بن سلطان محمد القاری الہروی المکی اور شیخ محقق علماء ہند کے شیوخ کے شیخ عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ

عـــہ: یجب ان یعلم انه لیس بابن جھضم الذی تکلم فیه الذھبی علی دابه مع الصوفیة الکرام فی "المیزان" فانه مقدم علی سیدنا الغوث رضی اللہ تعالٰی عنه بزمان وھذا معاصر الذھبی وبینه وبین سیدنا واسطتان صحب المولی اباصالح قاضی القضاة نصرا صحب اباہ سیدی عبدالرزاق صحب اباہ سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد وصفه الذھبی نفسه فی "طبقات القراء" بالامام الاوحد وکذلك الامام الجلال السیوطی فی "حسن المحاضرة" اما نسبة الذھبی کتاب بھجة الاسرار الی ذلك فان کان له ایضا کتاب اسمه ھذا فذاك والاشتباہ عظیم واجب التنبیه ۱۲ (م)

یاد رہے کہ یہ ابن جھضم نہیں ہے جن کے اولیاء کرام کے بارے میں خصوصی نظریات پر ذہبی نے اعتراض کیاہے کیونکہ وہ غوث اعظم سے بہت پہلے کے ہیں یہ امام ذہبی کے معاصر ہے جب کہ ان کے اور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، انہوں نے قاضی القضاء نصر کی انہوں نے اپنے والد محترم نے حضرت عبدالرزاق کی انہوں نے اپنے والد حضرت غوث اعظم کی صحبت پائی جن کو خود امام ذہبی نے طبقات القراء میں ذکرفرمایا اور امام سیوطی نے بھی حسن المحاضرہ میں ذکر کیا، امام ذہبی کے ابن جھضم کی طرف کتاب بہجۃ الاسرار کو منسوب کرنا جب درست ہوگا جب اس نام کی کوئی کتاب ان کی ہو ورنہ یہ نسبت درست نہیں ہے بلکہ ان کو اشتباہ ہوا ہے۔(ت)

اشیوخ علماء ھند عبدالحق بن سیف الدین المحدث الدھلوی وغیرھم رحمۃ اللہ تعالٰی عیھم اجمعین انہ قال سیدنا ومولٰنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ من توسل بی فی شدۃ فرجت عنہ ومن استغاث بی فی حاجۃ قضیت لہ ومن صلی بعد المغرب رکعتین ثم یصلی ویسلم علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یخطوا الی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ یذکر فیھا اسمی قضی اللہ تعالٰی حاجتہ[1] ۔**قلت** وفرجت وقضیت تحتملان صیغۃ المجھول لواحدۃ غائبۃ، وصیغۃ المعلوم للواحد المتکلم وعلی ھذہ ترجمۃ الشاہ ابی المعالی رحمہ اللہ تعالٰی فی التحفۃ القادریۃ، وایاما کان فالحاصل واحد، اولٰھما تحتمل الحقیقۃ الباطنۃ الذاتیۃ عـــہ۱ والظاھرۃ عـــہ۲ المستفادۃ۔

علیہم اجمعین سے منقول کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جس نے کسی مصیبت میں میرا وسیلہ دیا تو اس کی مصیبت ختم ہوگی، اور جس نے اپنی حاجت کے لئے مجھ سے مدد مانگی تو اس کی حاجت پوری ہوگی، اور جس نے نماز مغرب کے بعد دو رکعتیں پڑھ کر صلوٰۃ وسلام پڑھا اور پھر عراق کی جانب گیارہ قدم میرا نام کہتے ہوئے چلا تو اللہ تعالٰی اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا۔**قلت** "**فرجت**" اور "**قضیت**" دونوں صیغے، واحد غیب مونث مجہول اور واحد متکلم معلوم بن سکتے ہیں، اور شاہ ابوالمعالی نے "تحفہ قادریہ" میں واحد متکلم معلوم کا ترجمہ فرمایا ہے (یعنی میں اس کی مشکل کشائی اور حاجت روائی کروں گا) بہرحال جو بھی صیغہ ہو ما حصل ایک ہے کیونکہ پہلا صیغہ ہو تو یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ذاتی باطنی حقیقت کا احتمال ہے جبکہ دوسرا

عـــہ۱ : وھی التی تثبت بالذات من دون عطاء ولاالاستناد الی جعل وھذا مختص بصفات اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فحسب ۱۲(م)

عـــہ۲ وھی التی حصلت بالعطاء ولاثبوت لھا الا بالجعل وکذا جمیع صفات المخلوق کالعلم والقدرۃ والعطاء والعون حتی الوجود ۱۲(م)

یہ بالذات ثابت ہے عطاء اور جعل کی طرف منسوب نہیں، اور یہ صرف اللہ تعالٰی کی صفات سے مختص ہے اور بس ۱۲۔(ت)

یہ صرف عطاء سے حاصل ہے اس کا ثبوت اللہ تعالٰی کے عطا فرمانے پر جیسا کہ مخلوق کی تمام صفات ہیں مثلاً انسان کا علم، قدرت، عطاء، امداد حتی کہ مخلوق کا وجود بھی عطائی ہے ۱۲(ت)

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ، وبشراھم مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۰۲

والاخری تتعین للاخیر والمرجع ماذکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اٰخر بقولہ قضی اللہ تعالٰی حاجتہ ان الی ربك المنتھٰی، **ثم** ان لمشایخنا قدست اسرارھم ورحمنا اللہ تعالٰی بھم فی ھذا الصلٰوۃ طریقتین، صغرٰی، وکبرٰی، والمعمول عندنا الاسھل الاشمل من حیث السوغ لکل احد من دون الاختصاص بالقائمین فی مجالی الشھود الھائمین فی فیافی الوجود ھی الطریقۃ الانیقۃ الصغری، **صفتھا** بحیث یکون کالشرح للفظ الکریم ویتضمن مختارات ھذا العبد الاثیم، ان **من** عرضت لہ حاجۃ دینیۃ اودنیویۃ **صلی بعد** صلٰوۃ المغرب بسنتھا رکعتین من غیرفریضۃ ناویا صلٰوۃ الاسرار تقربا الی اللہ تعالٰی و ھدیۃ لروح سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، وان جددلھما الوضوء فھو اضوء، و قد عھدنا ذلك من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صلٰوۃ الحاجۃ، والا فھوبسبیل من الرخصۃ فان توضأ فلیحسن وضوءہ ھکذا امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذلك المکفوف بصرہ واحب الی ان یقدم [عہ] صدقۃ فانھا اسرع فی

صیغہ، ظاہری حاصل کردہ حقیقت کا معین احتمال ہے لیکن وہ ہے جس کو خود حضور غوث اعظم نے بعد میں یوں ذکرفرمایا ہے کہ "اللہ تعالٰی اس کی حاجت پوری کرے گا کیونکہ تیرے رب کی طرف ہر چیز کی انتہی ہے"۔ پھر ہمارے مشائخ (رحمہم اللہ تعالٰی اور ان کے سبب ہم پر رحم فرمائے) نے اس نماز کے بارے میں دوطریقے بتائے ہیں، ایک مختصر اور دوسرا طویل ہے، اور ہمارے ہاں جو مروّج ہے وہ آسان اور جامع اور ہرایک کے مناسب ہے یہ مرتبہ شہود پر فائز لوگوں یامرتبہ وجود میں طالبین کے لئے مخصوص نہیں، یہ بہترین طریقہ اختصار والاہے، اس کا طریقہ ایسا ہے جوخود لفظ (صلٰوۃالاسرار) کی شرح جیسا ہے اور اس عاجز بندے کا پسندیدہ ہے کہ جس شخص کو کوئی حاجت درپیش ہوخواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، تووہ مغرب کی نماز کے بعد سنتوں کے ساتھ دورکعت "صلٰوۃالاسرار" کی نیت سے اللہ تعالٰی کی قربت اور حضور غوث اعظم کی روح کو ہدیہ کے لئے پڑھے، اور اگر اس کے لئے نیاوضو کرے تو یہ نور ہوگا کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ایک نابینا کو یہ فرمایا تھا، ورنہ نیاوضو ضروری نہیں، مجھے تو یہ پسند ہے کہ صلٰوۃالاسرار پڑھنے سے پہلے کوئی صدقہ کرے کیونکہ یہ عمل کامیابی جلدی لاتاہے اور مصیبتوں کے دروازوں کو خوب بند کرتاہے جبکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے مناجات کیلئے

عـــہ الافضل الاسرار بنص القراٰن وھی

صدقہ میں افضل یہ ہے کہ پوشیدہ دے کیونکہ قرآن کا (باقی برصفحہ آیندہ)

الانجاح واسد لابواب البلاء وقدامر الله تعالٰی من یناجی رسوله ان یقدموا بین یدی نجوٰھم صدقة، فنجوی الله احق مع ان ھٰذه الصلوٰۃ تشتمل علی نجوی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایضًا، والوجوب وان نسخ رحمة من الله تعالٰی فلامریة فی الاستحباب ھذا یقرأ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ فھو احسن حتی اذا سلم حمد الله تعالٰی واثنی علیه بماھو اھله، والافضل الصیغ عـــه الواردۃ عن النبی صلی الله

پہلے صدقہ دینے کو الله تعالٰی نے حکم دیا، تو الله تعالٰی سے مناجات میں اور زیادہ بہتر ہے باوجودیکہ اس نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی مناجات موجود ہے، اگرچہ اس صدقہ کا وجوب منسوخ ہوچکا ہے جس میں اُمت کی آسانی ہے مگر استحباب کے طور پر جواز میں کوئی شک نہیں ہے، اس نماز میں فاتحہ کے بعد کوئی آسان سورت پڑھے بہتر ہے کہ سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے تو بہت اچھا ہے، نماز سے سلام پھیرنے کے بعد الله تعالٰی کی حمد وثنا اس کی شان کے مطابق بجالائے اور اس میں بہتر وہ الفاظ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقی مصارع السوء کمافی الحدیث وفضائلھا اکثرمن ان تحصی والاحسن ان یتصدق بزوجین بفضل ذلك ورد حدیث وفلسان زوجان وخبزان زوجان ومن لم یجد فودعتان زوجان والودعة خرمھرہ ۱۲(م)

عــــه کقوله اللھم لك الحمد حمد ایوافی نعمك ویکافیئ مزید کرمك وقوله اللھم لك الحمد انت قیم السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولك الحمد انت ملك السمٰوٰت والارض ومن فیھن ولك الحمد انت نورالسمٰوٰت

یہ حکم ہے، اور یہی برے احتمال سے بچاؤ ہے، جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے اور اس میں بہت زیادہ فضیلت ہے اور بہتر یہ ہے کہ صدقہ میں جو دے، دو کی تعداد دے، دو۲ پیسے، دو۲ روٹیاں، اگر اور کچھ نہ پائے تو کم از کم دو خرمہرے دے ۱۲(ت)

اور جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اے الله! تیرے لئے ایسی حمد جو تیری نعمتوں کے برابر ہو اور مزید کرم کو کفایت کرے، اور حضور کا ارشاد کہ تیری حمد کہ تو آسمانوں اور زمین کا نگران ہے اور تیری حمد کہ تو آسمانوں اور زمین اور ان میں ہر چیز کا مالک ہے، اور تیری حمد کہ تو زمین اور آسمانوں اور ان میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ لایقدر احدان یحمد الاحدکحمد احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن احسنہا اللھم ربنالک الحمد حمد اکثیر اطیبا مبٰرکا فیہ کما تحب ربنا وترضی ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشئت من شیئ بعد، ومنہا اللھم لک الحمد حمدا دائما مع دوامک ولک الحمد حمدا خالدا مع خلودک ولک الحمد حمد الا منتھی لہ دون مشیتک ولک الحمد حمدًا دائمًا لایرید قائلہ الارضاک ولک الحمد حمدًا عند کل طرفۃ عین وتنفس کل نفس،	بطور حمد وثنا پڑھے ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام سے بڑھ کر بہتر حمد اور اچھی ثنا کوئی نہیں کر سکتا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی بیان کردہ بہترین محامد میں ایک یہ ہے: اے اللہ! ہمارے رب! تیرے لئے کثیر، طیب، مبارک حمد جیسے تجھے پسند ہے اور تو راضی ہے، زمینیں اور آسمان اور ہر وہ چیز بھر کر جس کو تو چاہے اور ان میں سے ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے دائمی حمد جیسا کہ تیرا دوام ہے اور تیری حمد جو باقی رہنے والی ہو تیری بقاء کے ساتھ، تیری ایسی حمد جو تیری مشیت کے بغیر ختم نہ ہو اور ایسی دائمی حمد جس کو بیان کرنے والا صرف رضا کا طالب ہو، اور تیرے لئے ایسی حمد جو آنکھ کی ہر پلک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والارض ومن فیھن وملک الحمد وقولہ اللھم لک الحمد فی بلائک وصنیعک الی خلقک ولک الحمد فی بلائک وصنیعک الی اھل بیوتنا ولک الحمد فی بلائک وصنیعک الی انفسنا خاصۃ ولک الحمد بما ھدیتنا ولک الحمد بما اکرمتنا ولک الحمد بما سترتنا ولک الحمد بالقراٰن ولک الحمد بالاھل والمال ولک الحمد بالمعافاۃ ولک الحمد حتی ترضی ولک الحمد اذا رضیت یااھل التقوی واھل المغفرۃ الی غیر ذلک من صیغ کثیرۃ ۱۲ منہ (م)

ہر چیز کا نور ہے اور مالک حمد ہے۔ اور آپ کا یہ قول: اے اللہ! تیری مخلوق کے لئے تیرے امتحان اور تیرے حکمت والے عمل پر تیری حمد۔ ہمارے گھر والوں کے لئے امتحان اور تیری کارسازی پر حمد۔ اور خاص ہماری جانوں میں تیرے امتحان وکارسازی پر حمد۔ ہمیں مستور کرنے پر تیری حمد، قرآن سے تیری حمد اہل ومال دینے پر، عافیت دینے پر تیری حمد، حتی کہ تو راضی ہو جائے، تیرے لئے حمد ہے جب تو راضی ہو، اے تقوٰی اور مغفرت والو۔ اور ان جیسے دیگر الفاظ کثیرہ سے حمد پڑھے ۱۲ منہ (ت)

ومنھا اللھم لك الحمد کما ینبغی لجلال وجھك وعظیم سلطٰنك ومنھا اللھم لك الحمد شکرًا ولك المن فضلا. ومنھا اللھم لك الحمد کما تقول وخیرا مما نقول الی غیر ذلك مما وردت به الاحادیث فلیجمعھا اولیکتف ببعضھا. ویعجبنی ان یختمھا بقوله اللھم لااحصی ثناء علیك انت کما اثنیت علی نفسك فانه من اجمع حمد واوسع ثناء علیه سبحنه وتعالٰی ومن لم یحسن من ذلك شیأ فلیقل الحمد لله ثلثا اولیقرء الفاتحة اواٰیة الکرسی بنیة الثناء فلایجدن ثناء افضل منھا. **ثم یصلی ویسلم علی النبی** صلی الله تعالٰی علیه وسلم احدی عشرة مرة اذلایستجاب دعاء الابالصلٰوۃ علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وامر بالسلام احرازاللفضلین واحترازاعن الخلاف فان من العلماء من کرہ الافراد ثم العبد یختار ھھنا الصلٰوۃ الغوثیة المرویة عن سیدنا الغوث الاعظم رضی الله تعالٰی عنه. وھی اللھم صل علی (سیدنا عــه ومولٰنا) محمد

اور ہر سانس کے وقت ہو، اور ایک اور یہ ہے: اے اللہ! تیرے لئے تیری ذات کے جلال اور تیری عظیم سلطنت کے شایان شایان حمد ہو، اور ایک یہ ہے: اے اللہ ! شکر بجالانے کے لئے تیری حمد اور تیرا احسان و فضل ہے اور ایک یہ ہے اے تیرے لئے وہ حمد جو تونے فرمائی اور وہ بہتر جو ہم کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر جو احادیث میں مروی ہیں سب کو یا بعض کو پڑھے۔ اور مجھے تو پسند ہے کہ آخر میں یہ حمد پڑھے: اے اللہ! میں تیری ثناء کو بجا نہیں لاسکتا جس طرح تونے خود اپنی ثنائی فرمائی ہے کیونکہ یہ حمد بہت جامع اور وسیع ہے۔ اور اگر کسی مذکورہ محامد میں سے کوئی حمد یاد نہ ہو تو تین بار الحمدللہ پڑھ لے یا سورہ فاتحہ یا آیۃ الکرسی حمد و ثنا کی نیت سے پڑھے، ان سے بہتر ثناء نہ پاؤگے، اور پھر آخر میں نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود و سلام گیارہ مرتبہ پڑھے کیونکہ درود شریف کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی اور سلام کا بھی حکم ہے تاکہ دونوں کی فضیلت ہوجائے۔ اور بعض علماء نے دونوں میں سے ایک پر اکتفاء مکروہ قرار دیا ہے اس لئے دونوں کو ملاکر پڑھنے سے اس خلاف سے بچے گا۔ پھر مجھ بندہ کو یہاں درود غوثیہ جو آپ سے مروی ہے

عــه اعلم ان لفظه سیدنا ومولانا من زیادات للفقیرعلی مابلغنا عن مشایخنا وقدزاد امیر المؤمنین عمروابنه عبدالله

سیدنا ومولانا کا لفظ اس فقیر نے بڑھایا ہے، یہ لفظ ہمارے مشائخ کا نہیں، یہ اضافہ جائز ہے جیسا کہ امیر المومنین عمر فاروق اور ان کے صاحبزادے عبداللہ (باقی برصفحہ آیندہ)

معدن الجود والکرم واٰلہ وسلم والعبد یقولھا ھکذا اللھم صل علی سیدنا ومولنا محمد معدن الجود والکرم واٰلہ الکرام وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ یااکرم الاکرمین وبارك وسلم ثم لیتوجہ بقلبہ الی المدینۃ الطیبۃ ولیقل احدی عشرۃ مرۃ یارسول اللہ یانبی اللہ اغثنی وامْدِدْنی فی قضاء حاجتی یاقاضی الحاجات۔

ثم یخطو الی جھت العراق وھو من بلادنا بین الشمال والمغرب افادہ سیدی حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھی ایضاً جھۃ المدینۃ المنورۃ وکربلاء والعبد الضعیف قداستخرج جھۃ حضرۃ بغداد من بلدتنا بریلی بالمؤامرۃ البرھانیۃ علی ان عرضھا لحصہ ك عــہ۱ وطولھا مد عــہ۲ لح وعرض بریلی

پسندیدہ ہے اور وہ یہ ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و مولٰی محمد جودوکرم کی کان پر رحمت نازل فرما اور آپ کی آل پر، اور سلامتی نازل فرما۔ جس کو یہ بندہ یوں پڑھتا ہے: اے اللہ! ہمارے آقا و مولٰی محمد جودوکرم کی کان پر اور آپ کی برگزیدہ آل اور کریم بیٹے اور برگزیدہ امت پر صلٰوۃ وسلام فرما، اے برگزیدوں کے برگزیدہ، اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف دلی توجہ کرکے گیارہ مرتبہ یوں پڑھے: یارسول اللہ یانبی اللہ! میری مدد کرو، اور اے حاجات پوری کرنے والے! میری حاجت کے پورا ہونے میں مدد فرماؤ۔

پھر عراق کی طرف قدم بڑھائے اور ہمارے ہاں عراق شمال مغرب میں ہے یہ میرے آقا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا ہے اور یہی مدینہ منورہ اور کربلا معلّی کی جہت ہے اور اس عبد ضعیف نے اپنے علاقہ بریلی سے دربار بغداد کی جہت جیومیٹری کی بنیاد پر متعین کی ہے یوں کہ بغداد کا عرض لح ک اور اس کا طول مدلح اور بریلی کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رضی اللہ تعالٰی عنھما علی تلبیۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجاز العلماء زیادۃ السیادۃ فی الصلٰوۃ کما فی ردالمحتار فکیف فی غیرھا وقصۃ الترکی فی قرأۃ دلائل الخیرات معلومۃ والولایۃ مثل السیادۃ ۱۲(م)

عــہ۱: ثلاث وثلاثون درجۃ وثلث ۱۲(م)

عــہ۲: اربع واربعون درجۃ وثمان وعشرون دقیقۃ ۱۲(م)

رضی اللہ تعالٰی عنہما نے تلبیہ کے الفاظ میں زائد الفاظ شامل کئے، اور ہمارے علماء نے بھی درود شریف میں "سیدنا" کا لفظ بڑھایا جیسا کہ درمختار میں ہے تو اس کے غیر میں بھی جائز ہوگا، نیز دلائل الخیرات میں ترکی کا قصہ معلوم ہے جبکہ ولایت بھی سیادت کے معنی میں ہے ۱۲(ت)

تینتیس درجے اور ایک ثلث ۱۲(ت)

چوالیس درجے اور ۲۸ دقیقے (ت)

الح ص عــه۱ کا وطولها عط حه عــه۲ عط الرفجاء الانحراف الشمالی اعنی من نقطة المغرب الی نقطة الشمال لح ص عــه۳ لح فیستخرج خط الزوال ویقیم علیه عمود الی المغرب ویدیر علیهما قوسا بجعل راس القائمة مرکزا فیجزّیها اخماسا عــه۴ ویصل خطابین الراس والخمس الاول ممایلی المغرب فهذا

الخط هو سمت حضرة بغداد اما المدینة الکریمة فاربع درج اعنی حه نر من نقطة المغرب الی الشمال علی ما استخرجت بعدة طرق برهانیة احدی **عشرة خطوة** معتدلة معتادة فانه المتبادر من الکلام لا مایفعله بعض العوام من انهم لایرفعون قدما ولایخطون خطوة وانما یتقدمون کل مرة نحو ثلاث اصابع اواربع فلیس هذا من الخطوة فی شیئ وانما امرنا بالخطا فالعدول عنها بدون ضرورة

عرض الح صہ اور اس کا طول عط الر ہے۔اس سے شمالی انحراف یعنی نقطہ مغرب سے نقطہ شمال کی طرف لحصہ لح حاصل ہوا، اب خط زوال نکال کہ راس پر قائمہ کی صورت میں عمود، مغرب کی طرف کھینچا جائے اور خط زوال اور عمود پر قوس اس طرح بنایا جائے کہ راس القائمہ کو مرکز قرار دیا جائے اور قوس کے پانچ جز بنائے جائیں ا اور راس القائمہ اور مغرب کی طرف سے پہلے خمس کو خط کے ذریعے ملایا جائے تو یہ خط دربار بغداد کی جہت ہوگی۔ لیکن مدینہ منورہ نقطہ مغرب سے شمال کی جانب چار درجے ہے

جیسا کہ میں نے جامیٹری کے متعدد طریقوں سے معلوم کیا ہے بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم عادت کے مطابق درمیانے قدم چلے کیونکہ کلام سے یہی سمجھا جارہا ہے اور بعض عوام کی طرح نہ کرے کہ وہ قدم چلنے کی بجائے ہر مرتبہ صرف تین یا چار انگشت آگے بڑھتے ہیں حالانکہ یہ قدم کا فاصلہ نہیں کہلاتا، جبکہ ہمیں گیارہ قدم کے بارے میں حکم ہے اس لئے بغیر ضرورت اور بلاعذر اس حکم سے عدول نہیں کرنا چاہئے، اور یہ عدول غلط ہے۔ہاں اگر

عــه۱:ثمان وعشرون درجة واحدی وعشرون دقیقة ۱۲(م)

عــه۲ تسع وسبعون درجة وسبع وعشرون دقیقة من قرنیس مرصد لندن ۱۲(م)

عــه۳ ثمانی عشرة درجة ومثلها الدقائق ۱۲(م)

عــه۴ اقتصر عی التخمیس لعدم الحاجة الی تدقیق الدقائق مع فیه من الدقة ۱۲(م)

۲۸ درجے اور ۲۱ دقیقے ۱۲(ت)

۷۹ درجے اور ۲۷ دقیقے، لندن کی قرنیس رصدگاہ سے ۱۲(ت)

۱۸ درجے اور ۱۸ دقیقے ۱۲(ت)

پانچ حصوں کو بیان کیا ہے کیونکہ دقیقے بنانے میں دقّت ہے ۱۲(ت)

عين الخطأنعم ان كان فی مضيق لايجد مساغا للخطوات المعهودة ولاالخروج الى مندوحة فليأت بما استطاع واشد شناعة من هذا ما رأيت بعضهم من انه يصلی ركعتين حتی اذا كان فی اٰخر قرأة الاخری انحرف الى العراق فتخطى، ثم عاد الى مكانه فتوجه نحو القبلة واتم الصلٰوة ولايدری المسكين ان هذا مع مخالفته للوارد عـــه۱ مفسد عـــه۲ لصلٰوته وابطال العمل حرام ثم النفل يجب بالشروع فيلزمه القضاء وهو لايريده ولايدری به فيأثم مرتين عـــه۳،ولمثل هذا ورد عـــه۴ فی الحديث "المتعبد بغير فقه كالحمار	عذر ہو مثلاً جگہ تنگ ہو اور پورا قدم چلنے کی گنجائش نہ ہو اور کھلی جگہ نہ ملے تو پھر حسب گنجائش قدم کا فاصلہ بنائے، اور اس سے بڑھ کر قابلِ اعتراض وہ صورت ہے جو میں نے بعض جہال کو کرتے دیکھا کہ وہ دو رکعت پڑھتے ہوئے دوسری رکعت کی قراءت کے آخر میں نماز میں ہی عراق کی طرف منہ پھیر کر چلتے ہیں اور گیارہ قدموں کے بعد پھر واپس پہلی جگہ پر لوٹ کر قبلہ رو ہو جاتے ہیں اور پھر نماز کو مکمل کرتے ہیں، ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ یہ طریقہ مرویہ کے خلاف بھی ہے اور اس سے نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، حالانکہ عبادت کو شروع کرکے توڑنا حرام ہے۔ چونکہ نفل ہیں اور نفل شروع کرنے سے لازم ہو جاتے ہیں اس لئے ان پر دو رکعتوں کی قضا لازم ہے، جبکہ اسے مسئلہ معلوم ہی نہیں تو قضا کیا کرے گا لہٰذا اس کو دوہرا گناہ ہے۔ ایسے ہی شخص کے بارے میں حدیث شریف

عـــه۱: فی صفة هذه الصلٰوة عن سيدنا الغوث الاعظم رضی الله تعالٰی عنه كما سمعت (م)

اس نماز کو غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان کردہ طریقہ میں جیسا کہ میں نے سنا ہے ۱۲(ت)

عـــه۲: لان المشی عمل كثير (م)

کیونکہ چلنا، کثیر عمل ہے ۱۲(ت)

عـــه۳ اثم الابطال حاضر الوقت واثم ترك القضاء يظهر عند الموت، والعياذ بالله تعالٰی (م)

ایک جاری عبادت کو توڑنا وقتی گناہ اور دوسرا گناہ قضا کا ترک جو موت کے وقت ظاہر ہوگا العیاذ باللہ تعالٰی ۱۲(ت)

عـــه۴: اخرجه ابو نعيم فی الحلية عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه، ومثله قول علی كرم الله وجهه قصم ظهری اثنان جاهل متنسك وعالم متهتك نسأل الله العفو والعافية ۱۲(م)

اس کی تخریج امام ابونعیم نے واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی کتاب حلیہ میں کی ہے، اور ایسا ہی ایک قول حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی ہے کہ دو چیزوں نے میری کمر توڑ دی ہے ایک جاہل عامل نے اور دوسرے متشدّد عالم نے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کے خواستگار ہیں ۱۲(ت)

فی الطاحونة (آسیا)[1] "واکبر اثما منه شیخه الذی علمه هذا ولاحول ولاقوة الاباللہ العلی العظیم هذا ولیکن عند التخطی علی هیأة الهیبة والخضوع والادب والخشوع، وانا احب ان یتخیل کانه حاضر فی بغداد ومرقدہ رضی اللہ تعالٰی عنه بین عینیه وهو راقد فیه مستقبل القبلة الکریمة والعبد یتعمد کرمه فیرید ان یتقدم الیه اذ یعتریه الحیاء من قبل المعاصی فیقف حیران کانه یستأذن و یستشفع الیه رضی اللہ تعالٰی عنه بسعة جودہ و ببشری مقالته "ان عـــه لم یکن مریدی جیدا فانا جید"[2]، "فبیناهو	میں آیا ہے کہ بغیر علم عبادت کرنے والا اس گدھے کی طرح ہے جو آٹے کی چکی میں جتا ہو، ایسا عمل کرنے والے سے بڑھ کر اس کا وہ شیخ مجرم ہے جس نے اسے یہ طریقہ بتایا ہے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، اور قدم چلتے وقت خشوع، خضوع اور ادب وہیبت کی کیفیت ہونی چاہئے، اور مجھے یوں پسند ہے کہ اس وقت یوں خیال کرے کہ وہ بغداد شریف میں آپ کی مرقد شریف کے سامنے حاضر ہے اور اسے دیکھ رہا ہے، اور یہ خیال کرے کہ حضور غوث اعظم اپنی قبرانور میں قبلہ رو سوئے ہوئے ہیں اور قدم چلنے والا بندہ آپ کے کرم پر اعتماد کرتے ہوئے آگے بڑھنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے مگر اپنے گناہوں کے پیش نظر آگے جانے میں حیا کرتے ہوئے حیران کھڑا ہو جاتا ہے اور گویا اب آپ سے بڑھنے کی اجازت طلب کرتا ہے اور آپ سے شفاعت طلب کررہا ہے کیونکہ آپ کا جود وسخا وسیع ہے اور آپ کی یہ بات بشارت ہے کہ "اگر میرا مرید خوب نہیں میں تو خوب تر ہوں۔" قدم

عـــه: اخرج الامام الشنطوفی روح اللہ تعالٰی روحه فی بهجة الاسرار عن الشیخ القدوة ابی الحسن علی القرشی قال قال سیدی الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنه اعطیت	امام شنطوفی نے بہجۃ الاسرار میں شیخ امام ابوالحسن علی قرشی سے تخریج فرمائی ہے کہ میرے آقا حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ مدّبصر تک دراز ایک دفتر مجھے عطا کیا گیا جس میں میرے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] حلیۃ الاولیاء عنوان ۳۱۸ خالد بن معدان عن واثلۃ بن الاسقع مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۲۱۹/۵
[2] بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر فضل اصحابہ وبشرٰ ھم مطبوعہ البابی مصر ص ۱۰۰

کذلك وھو رضی اللہ تعالٰی عنه ینظر الیه و یعلم فقرہ وحیائه اذ یجیئ الکرم العمیم فیشفع للعبد الاثیم فکانه رضی اللہ تعالٰی عنه یقول"اذنت لھذا الفقر المضطر ان یخطو الی تلك الخطوات، و **یذکر فیھا اسمی** ولایخشی المعاصی عندی فانی انا ضمینه وکفیل مھماته فی الدنیا والاٰخرۃ"فینشط العبد ویتقدم علی اقدام الوجد قائلا علی کل خطوۃ یاغوث الثقلین ویا کریم الطرفین فانه رضی اللہ تعالٰی عنه حسنی الاب حسینی الام اغثنی وامددنی فی قضاء حاجتی یاقاضی الحاجات

بڑھانے والے کی اس کیفیت کو آپ دیکھ رہے ہیں اور اس کے فقر وحیا کو جان کر آپ وسیع کرفرمائیں گے اور اس بندے گنہگار کی شفاعت فرمائیں گے، اور گویا یہ فرمائیں گے کہ میں اس فقیر تنگدست کو اپنی طرف قدم بڑھانے کی اجازت دیتاہوں، یہ چلتے ہوئے میرا نام ذکر کرے اور میرے پاس آکر اپنے گناہوں کا فکر نہ کرے کیونکہ میں دنیاوآخرت میں اس کی مشکلات کا کفیل اور ضامن ہوں، توبندہ یہ سن کر خوشی کااظہار کرتے ہوئے آگے بڑھتاہے اور ہر قدم پر وجدانی کیفیت میں یاغوث الثقلین، یاکریم الطرفین، پکارتا ہے (کریم الطرفین اس لئے کہ آپ والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی طرف سے حسینی ہیں) اور کہتاہے میری حاجت براری میں میری مدد کروائے حاجات کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سجّلامدالبصر فیه اسماء اصحابی ومریدی الی یوم القیٰمة وقیل لی قدوھبوالك وسألت مالکا خازن النار ھل عندك من اصحابی احدا فقال لاوعزۃ ربی و جلاله ان یدی علی مریدی کالسماء علی الارض ان لم یکن مریدی جیدا فانا جید وعزۃ ربی و جلاله لابرحت قدمای من بین یدی ربی حتی ینطلق بی وبکم الی الجنة [1] اھ والحمدللہ رب العٰلمین الکرم عمیم والرجاء عظیم ۱۲منه (م)

ساتھیوں اور مریدین کے نام ہیں جو قیامت تک میرے سلسلے میں داخل ہوں گے مجھے کہاگیا یہ آپ کی ملکیت ہے، اور میں نے جہنم کے خازن فرشتے سے پوچھاکہ کیا تیرے پاس میرے اصحاب میں سے کوئی ہے؟ تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس پر حضور غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ مجھے رب ذوالجلال کی عزت کی قسم کہ تمام مریدین پر میرا ہاتھ ایسے ہے جیسے زمین پرآسمان سایہ فگن ہے۔اور فرمایا: اگر میرا مرید خوب نہیں تومیں خوب ترہوں،اور رب ذوالجلال کی عزت کی قسم میں اس وقت اللہ تعالٰی کے دربار سے حرکت نہ کروں گاجب تک مجھے اور تم سب کوجنت کاپیغام نہ مل جائے گا، الحمدللہ رب العٰلمین الکریم ۱۲منہ (ت)

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابه وبشراہم مصطفٰی البابی مصر ص ۱۰۰

ثم لیدع الله سبحٰنه وتعالٰی متوسلا الیه بجاه سید المرسلین صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم بجاه ابنه هذا السید الکریم غوثنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، ولیراع اٰداب الدعاء المذکورة فی کلمات العلماء کالحصن الحصین وغیره ومن احسن من فضلها وجمع شتاتها مقدام المحققین امام المدققین العالم الربانی سیدی ووالدی(عه)قدس سره الزکی فی کتابه الشریف"احسن الوعالاٰداب الدعاء"وقد لخصها تلخیصا حسنا

پورا کرنے والے، اس کے بعد اللہ تعالٰی سے حضور علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے (غوث اعظم) کے وسیلے سے دعا کرے، مذکورہ دعا میں ان آداب کا خیال رکھے جو علماء کرام نے ذکر فرمائے جیسا کہ "حصن حصین"وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔ مختلف دعاؤں کو جمع کرنے اور فضیلت بیان کرنے والوں میں میرے والد گرامی نے اپنی کتاب "احسن الوعاء لآداب الدعا" میں بہترین دعاؤں کو ذکر فرمایا ہے اور پھر ان کا خلاصہ محققین کے امام مدققین کے پیشوا، عالم ربانی، میرے آقا والد گرامی قدر قدس سرہ نے اپنی بہترین کتاب

عــــه: هو البحرالزاخر، البدرالباهر، النجم الزاهر، حامی السنن، ماحی الفتن، العالم العامل، الفاضل کامل، الحاج الزائر، الجامع المفاخر مولٰنا المولوی محمد نقی علی خان المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی اجل خلفاء حضرة شیخنا ومرشدنا بحر الرحمة مولی النعمة حضرة السید الشاه اٰل الرسول الاحمدی مارهری قدس الله تعالٰی سرهما وافاض علینا برّهما، ولدرحمه الله تعالٰی ستهل رجب۱۲۴۶ھ ونشأفی حجر العلم و العرفان تفقه علی ابیه الفاضل الاجل العارف الاکمل مولٰنا المولوی محمد رضا علی خاں قدس سره وصنّف تصانیف

یہ گہرا سمندر، روشن چاند، چمکنے والا ستارہ، سنت کی حمایت والا اور فتنوں کو مٹانے والا، عالم باعمل، کامل فاضل الحاج اور مدینہ منورہ کی زیارت والا، فخر کا جامع، مولانا مولوی محمد نقی علی خان محمدی، سنی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، خلیفہ اجل حضرت ہمارے شیخ، مرشد، رحمت کے دریا، نعمت کے مالک، حضرت شاہ آل رسول احمدی مارہروی (قدس اللہ سرہما) اللہ تعالٰی ان کی بھلائی کا ہم پر فیضان فرمائے، آپ کی پیدائش ابتدائے رجب ۱۲۴۶ھ میں ہوئی، انہوں نے علمی اور عرفانی ماحول میں پرورش پائی اور اپنے والد فاضل اجل، عارف اکمل، مولانا مولوی محمد رضا علی خاں قدس سرہ سے علم حاصل کیا، اور ۲۵ کے قریب تصنیفاتِ جلیلہ تصنیف فرمائیں، اور ان کتب میں سے یہ کتاب "جواہر البیان" (باقی بر صفحہ آئندہ)

فی باب الحج من کتابه"المستطاب جواهر البیان فی اسرار الارکان"ولیبدأ بیاارحم الراحمین ثلثا فان من قاله ناداه ملك موکل به ان ارحم الراحمین قد اقبل علیك وبیا بدیع السمٰوٰت والارض یاذاالجلال والاکرام فانه اسم الله الاعظم علی قول،وکذا تسبیح سیدنا ذی النون علی نبینا الکریم وعلیه الصلٰوۃ والتسلیم ولیختمه بأمین [عہ] ثلثا فانه خاتم الدعاء ومماخص الله تعالٰی به هذه الامة المرحومة وبالصلٰوۃ عف والسلام علی خاتم النبیّین والحمدلله عف رب العٰلمین لیکون البدء وختم کلامها بالصلٰوۃ علی واهب الصلٰوۃ صلی الله تعالٰی علیه وسلم. فان الدعاء طائروالصلٰوۃ جناحه فبذلك یتم الجناحان ولان الصلٰوۃ علیه علیه الصلٰوۃ و	"جواہر البیان فی اسرار الارکان"کے باب الحج میں بیان فرمایا اور دعا کی ابتداء میں"یاارحم الراحمین"تین مرتبہ کہے، کیونکہ جو شخص یہ کہتا ہے تو اس کو فرشتے جواب میں کہتے ہیں کہ بیشک ارحم الراحمین تیری طرف متوجہ ہے اور"یابدیع السمٰوٰت والارض یاذاالجلال والاکرام"بھی ابتداء میں پڑھے کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ"اسم اعظم"ہے، ایسے ہی حضرت سیدنا ذی النون علیہ السلام کی تسبیحات باری تعالٰی کو ابتداء میں پڑھے اور دعا کے آخر میں تین مرتبہ آمین کہے کیونکہ یہ دعا کی مہر ہے اور یہ خاص اس امت مرحومہ کو عطیہ ہے، اور دعا کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر درودوسلام، اور"الحمدللہ رب العٰلمین"پڑھے تاکہ دعا کی ابتدا اور اس کاخاتمہ، نمازیں عطا کرنے والے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درود شریف پر ہوجائے، یہ اس لئے کہ دعا ایک پرندہ ہے اور درود شریف اس کے پر ہیں، اور اس لئے بھی کہ درود شریف مقبول ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جلیلة تاقت خمسة وعشرین من اجلها هذا الکتاب"جواهرالیبان"الذی لم یرمثله فی بابه والتفسیر الکبیرة لسورة الانشراح وسرور القلوب فی ذکر المحبوب واصول الرشاد لقمع مبانی الفساد واذاقة الاثام لما نعی عمل المولد والقیام وغیرذلك توفی سلخ ذی القعدة ۱۲۹۷ھ رحمه الله تعالٰی رحمة واسعة (م)

بے مثل ہے، اور ایک سورہ الم نشرح کی تفسیر فرمائی ہے، اور ایک سرورالقلوب فی ذکرالمحبوب، اور ایک اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد، اور اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام وغیر ذلک ہیں، اور آپ کی وفات آخر ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی، رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ (ت)

السلام مقبولة لاشك فاذا استجیب الطرفان فالله تعالٰی اکرم من ان یدع مابینهما ولیکن الدعاء وترا فان الله وتر یحب الوتر ولیصل بعد کل مرة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لم یرشیئ اجلب للاستجابة من الصلٰوة والسلام علی هذا النبی الکریم علیه وعلی اٰله افضل الصلٰوة والتسلیم ولیجتهد ان تخرج دمعة فانها علم الاجابة فان لم یبك فلیتباك فمن تشبّه بقوم فهو منهم ثم المختار عندی ان یبقی حین الدعاء ایضا کما هو مستقبل الجهة العراقیة فانها کما اسمعناك جهة الشفعاء الکرام ولا علیه ان لاینحرف الی القبلة وقد عہ سأل ابوجعفر المنصور ثانی الخلفاء العباسیة	توجب دعاء کے ابتداء وانتہاء میں درود ہوگا تواللہ تعالٰی کے کرم سے بعید ہے کہ وہ درمیان میں دعا کو قبول نہ فرمائے، اور دعا میں وتر کالحاظ ہونا چاہئے کیونکہ اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے، اور ہر بار درودشریف پڑھے کیونکہ درودشریف سے بڑھ کر کوئی چیز مقبولیت کو حاصل کرنے والی نہیں ہے صلی اللہ تعالٰی علی النبی الکریم وآلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم، اور کوشش کرے کہ دعامیں آنسو نکلیں کیونکہ یہ بھی قبولیت کی علامت ہے، اگررونانہ آئے تورونے والی صورت بنائے کیونکہ جو کسی کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ بھی انہی میں شمار ہوتا ہے پھر مجھے یہ پسند ہے کہ دعاء کے وقت بھی عراق کی طرف متوجہ رہے کیونکہ یہ جہت شفاعت والوں کی ہے جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، لہٰذا اس دعامیں قبلہ کی طرف متوجہ نہ رہنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ابوجعفر منصور خلیفہ ثانی خاندانِ عباسیہ نے

عہ قال الفقیر احمد رضا غفرالله تعالٰی له ابنأنا سراج الحنفیة عبدالرحمٰن بن عبدالله السراج المکی عن مفتی الحنفیة جمال بن عمرالمکی عن المولی عابدالسندی المدنی عن الشیخ صالح الفلّانی عن محمد بن سنة عن الشریف محمد بن عبدالله عن محمد بن ارکماش عن الحافظ ابن حجر العسقلانی عن ابی اسحٰق القنوجی عن ابی المواهب ربیع

فقیراحمد رضا غفرلہ کہتاہے کہ مجھے خبردی حنفیوں کے چراغ عبدالرحمٰن بن عبداللہ سراج مکی نے، انہوں نے حنفیوں کے مفتی جمال بن عمر مکی سے روایت کی، انہوں نے آقا عابد سندی مدنی سے، انہوں نے شیخ صالح فلّانی سے، انہوں نے محمد بن ارکماش سے، انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے، انہوں نے ابواسحٰق قنوجی سے، انہوں نے ابومواہب ربیع بن ابی عامر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عالم المدینة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه یا ابا عبدالله استقبل القبلة وادعوام استقبل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال ولم تصرف وجهك عنه وھو وسیلتك ووسیلة ابیك اٰدم علیه السلام الی الله عزوجل یوم القٰیمة بل استقبله واستشفع به فیشفعك الله تعالٰی[1] اھ فمن فعل ذلك موقنا بقبله	ایک دفعہ حضرت امام مالک عالم مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال کیا کہ میں قبلہ روہو کر دعا کروں یا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف متوجہ رہوں، تو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب دیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اپنا چہرہ نہ پھیرے کیونکہ وہ تیرا اور تیرے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا قیامت کے روز اللہ تعالٰی کے دربار میں وسیلہ ہیں بلکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن ابی عامر یحیی بن عبدالرحمٰن بن ربیع انا الحسن بن علی الغافقی اجازنا القاضی عیاض ثنا القاضی ابی عبدالله محمد بن عبدالرحمٰن الاشعری وابوالقاسم احمد بن بقی الحاکم وغیرواحد فیما اجازونیه قالوا انا ابوعباس احمد بن عمر بن دلهاث نا ابوالحسن علی بن فهر ابوبکر محمد بن احمد بن فرج نا ابوالحسن عبدالله بن منتاب نا یعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل نا ابن حمید قال ناظر ابوجعفر امیر المؤمنین مالکا فذکر الحدیث، وفیه و قال یا اباعبدالله ما استقبل، الحدیث منه یحفظه الله تعالٰی ابدا۔(م)

یحیٰی بن عبدالرحمٰن بن ربیع سے، انہوں نے کہا کہ مجھے حسن بن علی غافقی نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے قاضی عیاض نے اجازت دی، انہوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی قاضی ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن اشعری اور ابوالقاسم احمد بن بقی حاکم وغیرہم نے مجھے اجازت دی اور انہوں نے فرمایا کہ ہمیں بیان کیا ابوعباس احمد بن عمر بن دلہاث نے، انہوں نے کہا کہ مجھے بیان کیا ابوالحسن علی بن فہر ابوبکر محمد بن احمد بن فرج نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیا ابوالحسن عبداللہ بن منتاب نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیا یعقوب بن اسحٰق بن ابی اسرائیل نے، انہوں نے کہا مجھے بیان کیا ابن حمید نے اور کہا کہ ابوجعفر امیر المومنین نے امام مالک سے بحث کی اور پوری حدیث بیان کی اور اس میں ہے کہ ابوجعفر نے کہا اے ابوعبداللہ (مالک)! میں کس طرف منہ کروں، الحدیث ۱۲منہ اللہ تعالٰی اس کی حفاظت فرمائے۔(ت)

[1] کتاب الشفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ بلاد عثمانیہ ۲/ ۳۵، نسیم الریاض شرح شفاء فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۹۸

غیر مستعجل من ربه یقول (بیان للاستعجال) دعوت فلم یجب لی **قضی الله تعالٰی حاجته** مالم یدع باثم اوقطیعة رحم. فهذه صفتها واللفظ الکریم مکتوب فیها بالحمرة، وما علیه خط احمر فهو الذی بلغنا عن مشایخنا قدست اسرارهم، ومادون ذلك فهو من هذا العبد الاثیم غفر الله تعالٰی له ولیعلمن العارف ان ماذکرته لایرکن الی خلاف لذرة من الکلمات العلیة، ولافیه علیها زیادة اجنبیة، وانما هو تصریح مطوی، اوتوضیح منوی، او تبیین مجمل، اوتعیین افضل، معتمدا فی ذلك علی احادیث کثیرة، اشرت الیها فی جمل یسیرة، یعرفها الماهر کالشمس فی فیئ، ویمر الغافل کأن لم یکن شیئ، فجاءت بحمدالله عروسا ملیحة، مکشوفة النقاب عن عوارضها الصبیحة، بحلیتها حلیتها، ثم اجتلیتها، فالحمدلله اولا و اٰخرا، وباطنا وظاهرا، **و المامول** من لطف مولٰنا الشاه محمد ابراہیم، وغیره من اخواننا القادریة سلمهم المولی الکریم،

طرف متوجہ ہو کر ان کو شفیع بنا اللہ تیرے لئے ان کی شفاعت قبول فرمائے گا، جو شخص دلی یقین سے یہ دعا کرے گا اللہ تعالٰی اس کی حاجت کو پورا فرمائے گا، بشرطیکہ عجلت سے کام لیتے ہوئے مایوسی کا اظہار نہ کرے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہ ہوئی۔ یہ دعا قبول ہوگی جبکہ اس میں گناہ یا قطع رحمی کا سوال نہ ہو۔ "صلٰوۃ الاسرار" کا یہ طریقہ ہے (آپ کی طرف لکھی گئی تحریر میں) اصل منقول الفاظ سرخ سیاہی سے لکھے گئے ہیں اور جن الفاظ پر سرخ خط ہے وہ الفاظ ہمیں اپنے مشائخ کرام سے پہنچے ہیں، ان کے علاوہ باقی الفاظ مجھ گنہگار بندے کے زائد کردہ ہیں، اور عارف شخص ضرور جانے کہ میرے ذکر کردہ الفاظ اصل کلمات کے ذرہ بھر خلاف نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کوئی اجنبی زیادتی ہے بلکہ یہ مخفی کی تصریح اور نیت میں مراد کی وضاحت ہے یا پھر مجمل کا بیان یا افضل کی تعیین ہے اور یہ سب کچھ کثیر احادیث سے اخذ کردہ ہے جن کی طرف میں نے مختصر جملوں میں اشارہ کیا ہے جن کو ماہر خوب جانتا ہے جس طرح دھوپ اور سایہ کی معرفت رکھتا ہے اور غافل شخص کوئی توجہ کئے بغیر گزر جائے گا، الحمدللہ، صلٰوۃ الاسرار کا طریقہ، دلکش دلہن جس کے خوبصورت رخسار سے نقاب اٹھایا گیا ہو، کی طرح واضح طور پر حاصل ہوگیا، میں نے اس دلہن کو زیورات سے آراستہ کرکے مزید جلادی ہے، الحمدللہ اوّلاً وآخراً، باطناً وظاہراً۔ مجھے مولانا شاہ محمد ابراہیم (سائل) کی مہربانی سے توقع اور امید ہے کہ وہ اور دوسرے ہمارے قادری بھائی (اللہ تعالٰی ان کو سلامت رکھے) اس

ان لاینسوا ھذا الفقیر فی صالح دعائھم ، غبّ ھذہ الصلٰوۃ وفی سائرٰانائھم ، ویسمحوا لہ بسؤال المغفرۃ، وکمال العافیۃ فی الدنیا والاٰخرۃ، والعبد یدعولہ ولھم، والدعاء یغنی عن ذروع بضمتین قلعھا[۱۲] واطم، لاسیما دعوۃ المسلم لاخیہ بظھر الغیب، طھرنا اللہ جمیعا من کل عیب، ووقانا شرور الجھل والریب، وحشرنا طرّا فی الامۃ المحمدیۃ، والجماعۃ المبارکۃ اے جمیعا السنیۃ السنۃ، والزمۃ الکریمۃ القادسۃ القادریۃ، انہ علی مایشاء قدیر، فنعم المولٰی ونعم النصیر۔	صلٰوۃ الاسرار کوپڑھنے کے بعد کسی مرحلہ پر بھی اس فقیر کو اپنی دعاؤں میں نہ بھولیں گے، اور اس کے لئے مہربانی فرماتے ہوئے مغفرت اور دنیا وآخرت میں عافیت کی دعا کریں گے، اور یہ بندہ بھی ان کے لئے دعاگو رہے گا، حقیقت یہ ہے کہ ہتھیاروں اور قلعوں سے دعا مستغنی کردیتی ہے خصوصًا وہ دعا جو پس پشت مسلمان بھائی کے لئے کی جائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالٰی ہم سب کو ہر قسم کے عیب سے پاک فرمائے اور جہالت کے شر وشک سے محفوظ فرمائے اور ہم سب کو اُمت محمدیہ میں اٹھائے اور اہل سنت وجماعت کی مبارک اور قیمتی جماعت اور سلسلہ کریمہ قادریہ میں شامل رکھے، اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے اس پر قادر ہے پس وہ اچھامددگار اور اچھاآقا ہے۔
لطیفۃ نظیفۃ: بامرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان یخطوا احدی عشرۃ خطوۃ، علم ان لھذا العدد مزیۃ اختصاص بالحضرۃ القادریۃ من زمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولیس ان القادریین ھم اختاروہ لکون العرس الشریف فی الحادی عشرولکن لم اکن اعلم سرًا فی ذلک حتی صلیت فی شاھجھان عہ اٰباد	**پاکیزہ لطیفہ:** حضور غوث اعظم کے حکم کے مطابق گیارہ قدم چلے اور یہ یقین کرے کہ اس عدد کو خاص مقبولیت دربار قادریہ سے حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حاصل ہے، اور یہ خیال نہ کرے بعد میں قادری سلسلہ والوں نے گیارہویں شریف کی مناسبت سے ایساکیاہے، لیکن مجھے خود گیارہ قدموں کاراز معلوم نہ تھا حتٰی کہ ایک روز میں نے شاہجہاں آباد

عہ ھی قاعدۃ دیار الھند المعروفۃ بدھلی وکان ذلک سنۃ اثنتین بعدالالف وثلثمأتہ حین شددت الیھا رحلی قاصدا زیارۃ سیدہ سلطان المشایخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالٰی سرہ المکین ۱۲منہ (م)

یہ ہندوستان کامرکزی مقام (ضلع) ہے جو دہلی کے نام سے معروف ہے اور یہ واقعہ ۱۳۰۲ھ کا ہے جب میں وہاں سیدی سلطان المشائخ نظام الدین قدس سرہ کی حاضری کے ارادہ سے گیا ۱۲منہ (ت)

ذات ليلة صلٰوة الاسرار وانا مقبل عليها بشراشر[1] قلبي ماكانت مني التفاتة الى ذلك اذ لمعت بارقة سر جليل، في خاطر كليل، والله اعلم مني جاءت وكيف جاءت ماشعرت بها الا وهي حليلة ببالي فتأملتها بعد الفراغ من الصلٰوة فاذا هي كما اودو اشتهي، وهي ان في احد عشر عقدا وواحدة، وهما[2] بالحروف ياء والف والمجموع، يا، ان

میں رات کے وقت صلٰوۃ الاسرار پڑھی اور میں پوری توجہ قلبی سے مصروف تھا اور میرا اس راز کی طرف ذرا بھی التفات نہ تھا کہ میرے دل پر ایک عظیم رازدار تجلی چمکی، خدا کی قسم مجھے معلوم نہ ہوسکا کہ کب اور کس طرح یہ چمک آئی جبکہ وہ میرے دل میں سرایت کرچکی تھی میں نے نماز سے فارغ ہوکر غوروتامل کیا تو وہ میری مراد اور خواہش میری تمنا کے مطابق تھی، وہ قلبی القاء یہ تھا کہ گیارہ کے عدد میں ایک دہائی اور ایک کاعدد ہے، اور (ابجد کے حساب سے) دس کا حرف "ی" اور

[1] عــــہ ای بجمعی اجزائه ۱۲ (م)

[2] عــــہ اعلم ان مالايوجد له حرف واحد فالمصير فيه الى التركيب ويجب القصر على اقل مايمكن فلايختار الثلاثي ماامكن الثنائي ولاالرباعي ماساغ الثلاثي كمالايختار الثنائي ماوجد حرف واحد ثم الحاجة الى التركيب انما تقع فيما بين عقد وعقد الى مائة وفي العقود غير المأٰت المحضة ايضًا من مائة الى الف ثم تدوم الى مالا نهاية له وذلك لان العقود والمئات لكل منهما حروف معلومة فالتركيب الثنائي مثلا وان تصور بجمع آحاد الى آحاد كمثل طب وحج وزد وهو في احد عشر وهواول مايحتاج الى ذلك لكن اختيار بعض منها دون بعض ترجيح بلامرجح

یعنی مکمل طور پر ۱۲ منہ (ت)

جب کوئی عدد ایک حرف والا نہ ہو تو وہاں ترکیب ضروری ہے اور ترکیب حسب ضرورت ہوگی اگر ترکیب ثنائی کافی ہو ثلاثی کی ضرورت نہیں اور ثلاثی کافی ہو تو رباعی کی ضرورت نہیں ہے، پھر اکائیوں اور دہائیوں میں سو تک ہوگی، اور اسی طرح سو سے اوپر ہزار تک، لیکن خالص دہائیوں اور خالص سو کے لئے ترکیب کی ضرورت نہیں (کیونکہ ان کے لئے ایک ایک حرف ہے مثلاً ترکیب ثنائی تمام اکائیوں کی آپس میں ہوسکتی ہے مثلاً ترکیب ثنائی تمام اکائیوں کی آپس میں ہوسکتی ہے مثلاً طب، حج، زد، گیارہ میں جوکہ پہلا عدد ہے جس میں ترکیب ثنائی کی ضرورت ہے اگرچہ کوئی دو حرف ملائے جاسکتے ہیں مگر ان حروف میں سے یہاں بعض کو لینا اور بعض کو نہ لینا بے مقصد ہے، (باقی برصفحہ آیندہ)

قدمت العقد وإی ان	ایک کاحرف "الف" ہے اور اگر دہائی کو مقدم کریں تو دونوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والترکیب الطبعی ان یلتمس العقد۔ فیوضع حرفه ثم حرف مازاد علیه من الآحاد و ھکذا فیقدم الالف ثم المئات ثم العشرات ثم الآحاد ویکفی ھذا الی الف وتسعة وتسعین فلفظها 'غظصط' فاذا زاد فیدور الامر فالفان 'بغ' وثلثة آلاف 'جغ' ومائة الف 'قغ' والف الف 'غخ' وھکذا الی مالانھایة له یعرف ذلك من یعلم ارقام الھیأة والنجوم ومن منافع ھذا الوضع الامن من الالتباس فی غالب الصور فان 'غظصط' المذکور مثلًا ان کتب من دون نقط التعینت الحروف بالوضع الطبعی فالاول لایمکن ان یکون ع مھملة لانه لایتقدم ص ولاالثالث ض معجمة لانھا لاتعقب ظ ولاالرابع ظ معجمة لانھا لاتعقب ص ولاالرابع ظ معجمة لانھا لاتعقب ص وتمام الکلام فی رسالتنا اطیب الاکسیر ۱۲منه (م)

اس لئے طبعی ترکیب کو ملحوظ رکھنا ہوگا وہ یہ کہ جو دہائی مقصد ہو پہلے اسے پھر اکائی جو مقصود ہو، اگر ہزار ہو تو پہلے ہزار پھر سو اور پھر دہائی اور پھر اکائی کو ترکیب وار ذکر کرکے ترتیب دی جائے گی یہ ترکیب ایک ہزار نو سو ننانوے تک کام دے گی، اس کے لئے حروف میں غظصط سے مرکب ہوگا، اور اس پر ایک زائد ہو تو دو ہزار ہوگا جس کے حروف میں بغ، اور تین ہزار جغ، لاکھ کے لئے قغ، اور دس لاکھ کے لئے غغ، اسی طرح جتنا چاہے آگے جائے، جس کو علم نجوم اور ہیأۃ کی رقموں کی معرفت ہے خوب جانتا ہے۔ اس ترکیب کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انسان ہندسوں میں غلطی سے بچ جاتا ہے کیونکہ مثلًا غظصط میں اگر نقطے نہ بھی لکھے جائیں تو مذکورہ حروف اپنی طبعی ترتیب کے لحاظ سے سمجھے جاسکتے ہیں کیونکہ غ کو ع اور ظ کو ط نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اس ترکیب میں ظ سے غ مقدم ہوتا ہے اور ع مقدم نہیں ہوسکتا ہے، اسی طرح ص سے ظ مقدم ہے ط مقدم نہیں ہوسکتا، اور آخری دو حروف ص، ط کو ض، ظ نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ ض ظ کے بعد نہیں ہوسکتا ہے، اور آخری دو حروف ص، ط کو ض، ظ نہیں پڑھا جاسکتا، کیونکہ ض ظ کے بعد نہیں ہوسکتا اور یونہی ظ بھی ص کے بعد نہیں ہوسکتا ہے، یہ اس لئے کہ ایک ترکیب میں بڑے عدد والا حرف پہلے اور چھوٹے والا بعد ہوتا ہے یہی ترکیب طبعی ہے اور یہ پوری بحث ہمارے رسالہ 'اطیب الاکسیر" میں ہے ۱۲منہ (ت)

عکست عـــہ۱ و یاللنداء، و اِی عـــہ۲ للایجاب فکانت فی ذلك اشارة الٰی معاملته رضی الله تعالٰی عنه مع السائلین والفقراء المستغیثین فانهم فی مقام الکثرة مع کثرتهم فی انفسهم، واذا اراد وسؤال حاجاتهم من الحضرة العلیة توجهوا الی الوحدة وکان علیهم افراغ القلوب من تشتت الخاطر مع کونهم ههنا علی منهج واحد، سواء منهم العاکف والباد وعظیم عـــہ۳ الملك وعدیم الزاد فقد انتقلوا بوجهین من الکثرة الی الوحدةو	حرفوں کا مجموعہ "یا" ہے اور اگر الٹ کریں تو مجموعہ "اِی" ہے جبکہ "یا" ندااور طلب کے لئے ہے اور "ای" قبول و منظوری کے لئے ہے تواس طرح گیارہ کے عدد میں حضور غوث اعظم کا سوال اور امداد طلب کرنے کا لوگوں سے معاملہ سمجھ آتا ہے (کہ جس طرح "یا" میں "ی" دہائی اور کثرت اور اس کے بعد "الف" وحدت ہے) یوں ہی سائلین کثیر تعداد والے کثیر مطالبہ کرنے والے اپنے مطالبات کو دربار عالیہ میں پیش کرتے ہوئے کثرت سے وحدت کی طرف متوجہ ہوں گے (کیونکہ آپ واحد ہیں) نیزیوں بھی کہ سائلین اور حاجتمند کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود غوث پاک کی طرف متوجہ ہونے میں یکساں ہیں خواہ وہ شہری ہوں یا دیہاتی، شہنشاہ ہوں یا گدا، تو قلبی حاجات مختلف و کثیر مگر ان کے ازالہ کا ڈھنگ ایک، لہٰذا کثرت

عـــہ۱ وقوعه ههنا علٰی قول انه کنعم مطلقا ظاهروالا فالتقدیر یاسیدی هل تقضی حاجتی الجواب ای والله ۱۲منه (م)

یہاں اس کا استعمال "نعم" کی طرح ہے جیسا کہ ایک قول ہے ورنہ اصل میں، اے میرے آقا! کیا آپ میری حاجت روائی فرمائیں گے، جواب میں اِی والله ہے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲ وذلك طریق الارقام الجفریة یقدمون فیها الآحادثم عشرات الخ فالف ومائة واحد عشربار قامهم "ایقع" وبالارقام النجومیة "غقیا" ۱۲(م)

یہ جفری علم کی رقم کا طریقہ ہے جس میں اکائی کو دہائی پر مقدم کرتے ہیں مثلاً ہزار، سو کے بعد گیارہ کاذکر ان کی رقم میں "ایقع" ہے اور نجومی رقم میں "غقیا" ہے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۳ الاضافة لفظیة ای عظیم ملکه او معنویة فالعظیم بمعنی السلطان کعظیم الروم ای سلطانه ۱۲(م)

یہ اضافت لفظی ہے یعنی اس کا ملک عظیم ہے اور اگر اضافت معنوی بنائی جائے تو عظیم بمعنی سلطان ہوگا جیسے عظیم الروم ہے ۱۲(ت)

ھذا شان عــہ۱ یا وحرکة الیاء لاضطرابھم فی الطلب وتخصیص الفتح یدل مالھم من فتح وفیض ببرکة ھذا النداء، ثم ھو رضی اللہ تعالٰی عنہ مستغرق فی بحارالوحدة رفیع مقامہ عن مجامع الکثرة فاذا نودی لکشف بلاء اورشف عطاء دعاہ الکرم الی التنزل من غیب الوحدة الی مشاھد الکثرة وذلک شان عــہ۲ اِی والکسر یحکی التنزل و سکون الیاء لتسکین قلقھم فکان المعنی انھم تحرکوا من مقام الکثرة مضطربین وھم یوزعون متوجھین الی حضرة الوحدة متحدین ھنالک فی الرغبة والرھبة وکان رضی اللہ تعالٰی عنہ ساکنا فی مقام الوحدة فتنزل منہ الی نادی الکثرة لتسکین قلوبھم و اصلاح خطوبھم والحاصل انہ اذا دعی یجیب وسائلہ لایخیب، **ومن عجائب**	کے بعد وحدت جیسے "ی" کے بعد "الف" ہے دوطرح سے ثابت ہے۔ یہ "یا" کے لحاظ سے ہے پھر "ی" کی حرکت، طالبین کے اضطراب، اوراس حرکت کافتح ہونااس نداکی برکت سے فتح وفیض کی علامت ہے، اور "اِی" کے اعتبار سے یہ کہ غوث اعظم بحر وحدت میں مستغرق ہیں اور کثیر اجتماعات سے آپ کامقام بلند وبالاہے، جب آپ کو مصائب مٹانے اور عطیات نچھاور کرنے کے لئے پکاراجاتاہے توآپ کو کرم وسخا مجبور کرتاہے کہ آپ وحدت غیب سے تنزل فرماکر کثرت مشاہدپر توجہ فرمائیں (یہ وحدت سے کثرت کی طرف رجوع ہے جیسا کہ "اِی" میں "الف" اور پھر "ی" ہے) اور "اِی" کاکسرہ (زیر) تنزل کی حکایت ہے اور "ی" کاسکون طالبین کاپریشانی سے سکون ہے۔ معنی یہ ہواکہ حاجتمندلوگ اضطراب کی حالت میں متفرق طورپر مقام کثرت سے مقام وحدت کی طرف متوجہ ہورہے ہیں اور سب کے سب امید وخوف میں یکساں ہیں اور آپ یعنی غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مقام وحدت پر ساکن ہیں، پھرآپ نداء کرنے والے کثیرلوگوں کی طرف تنزل فرماکر ان کے دلوں کو تسکین دیتے ہیں اور ان کی پراگندہ حالت کی اصلاح فرماتے ہیں غرضیکہ جب آپ کو نداء دی جائے توآپ جواب دیتے ہیں اور

عــہ۱ فانہ ینتقل فیھا من العقد الی الواحد ۱۲(م)

عــہ۲ فان الواحد مقدم فیہ علی الکثیر ۱۲(م)

کیونکہ اس میں دہائی سے اکائی کاانتقال ہے ۱۲(ت)

کیونکہ واحد، کثیرپر مقدم ہے ۱۲(ت)

صنع الله سبحنه وتعالٰی ان ا اول الحروف فلا حرف فوقها وی اٰخر الکل فلاحرف تحتها فمن ترقی من ی فلامظهر له وراء او من تنزل من افلا منزل له تحت ی فدل ذلك ان سیدنا رضی الله تعالٰی عنه اخذ فی الطرفین بغایة الغایات فتنقطع مطایا الکاملین دون سیره فی الله فلذا کانت قدمه علی جمیل الرقاب ولذا قال رضی الله تعالٰی عنه الانس لهم مشایخ، والجن لهم مشایخ و انا شیخ الکل بینی وبین مشایخ الکل کما بین السماء والارض لا تقیسونی باحد ولا تقیسوا علی احداوکذا ما استکمل المکملون عـــه سیره من الله ولذا کانت	سائل کو محروم نہیں کرتے۔اللہ تعالٰی کے عجائبات میں سے ہے کہ "الف"پہلا حرف ہے اور "ی"آخری حرف ہے جس کے بعد کوئی حرف نہیں ہے، اگر کوئی"ی" سے آگے بڑھنا چاہے توآگے الف ہی پائے گا،اور اگر کوئی الف سے آگے بڑھے گا تو"ی" سے آگے کوئی منزل نہ پائے گا تو گیارہ کے حرف یعنی"یا" سے پتا چلتا کہ آپ دونوں طرف انتہائی مقاصد پر رسائی رکھتے ہیں اور تمام کاملین حضرات سیر فی اللہ میں غوث اعظم کی سیر فی اللہ سے بہت پیچھے ہیں، اسی لئے آپ کا قدم گردنوں پر ہے اور اسی لئے آپ نے فرمایا کہ انسان اور جن اور ملائکہ کے اپنے اپنے مشائخ ہیں جبکہ ان سب کا شیخ میں ہوں اور میرے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے مجھے کسی دوسرے پر اور کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس نہ کرو، اور ایسے ہی کوئی کامل شخص آپ کی سیر فی اللہ کو اللہ تعالٰی سے کامل طور پر حاصل نہ کرسکا۔یہی وجہ ہے کہ

عـــه۱: ای یجمع اولهم واٰخرهم ۱۲(م)

عـــه۲: ولاحاجة الی ابداء استثناء الانبیاء والمرسلین علیهم الصلٰوة والسلام فانه مرکوز فی اذهان المسلمین وکذا الصحابة والتابعون لهم باحسان لما عرف فی محله وبالجمله فسیدنا رضی الله تعالٰی عنه افضل الاولیاء الا من قائم الدلیل علی استثنائه ۱۲ (م)

عـــه۳ هذا کذلك ۱۲منه (م)

عـــه۴ هذا کذلك ۱۲منه (م)

یعنی ان کے اول اور آخر سب کو جمع کریں گے ۱۲(ت)

یہاں انبیاء ومرسلین کے استثناء کا اظہار ضروری نہیں کیونکہ یہ بات تمام مسلمانوں کے ذہنوں میں مرکوز ہے یوں ہی صحابہ وتابعین کا استثناء بھی معلوم ہے حاصل یہ کہ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں مگر اس میں وہ لوگ مستثنٰی ہیں جن کے بارے میں دلیل موجود ہے ۱۲(ت)

یہ بھی اسی طرح ۱۲منہ (ت)

یہ بھی اسی طرح ۱۲منہ (ت)

هدايته اتم واوفر، وطريقته انفع و ايسر، وكراماته اكثر واظهر، حتى لم ينقل عشرها ولامعشارها عن احد من الاولياء فيما نعلم ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء والله ذوالفضل العظيم، واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله ربّ العٰلمين، والصلٰوة والسلام على خاتم النبيين، محمد واٰله وصحبه اجمعين، وابنه هذا الفرد المكين، والغوث المبين، وعلينا بهم ياارحم الراحمين، واوفٰى ختامه ستّا بقين من صفر الخير يوم جمع المسلمين، سنة الف وثلثمائة وخمس، من هجرة من اٰتى بالصلوات الخمس، وردّت لامره من المغرب الشمس، صلى الله عليه وعلٰى اٰله اجمعين، والحمدلله رب العٰلمين۔	آپ کی رہنمائی اتم اور اکمل ہے اور آپ کا طریقہ آسان وواضح ہے اور آپ کی کرامات کثیر اور غالب ہیں حتی کہ کسی ولی کی کرامات آپ کی کرامات کی نسبت عشر عشیر بھی منقول نہیں جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اللہ تعالٰی بڑے فضل والا ہے۔ ہمارا آخری اعلان ہے کہ سب تعریفیں اللہ رب العٰلمین کے لئے ہیں اور صلٰوۃ وسلام خاتم النّبیین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل وصحابہ پر اور آپ کے اس حاکم بیٹے اور واضح غوث پر، اور ان کے ساتھ ہم پر یا ارحم الراحمین۔ اس رسالہ کا اختتام ۲۴۲۴صفر بروز جمعہ ۱۳۰۵۱۳۰۵ھ کو ہوا، سن ہجری اس ذات کی ہجرت جس کو پانچ نمازیں عطا کی گئیں اور جن کے حکم پر مغرب سے سورج واپس پلٹا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین، الحمدللہ رب العٰلمین۔ (ت)

I.T. Majlis of Dawateislami

وصّاف الرجیح فی بسملۃ التراویح ۱۳۱۲ھ

(تراویح میں بسم اللہ سے متعلق راجح قول کا بیان)

(ختم تراویح میں ایک بار جہر سے بسملہ پڑھنے کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۱۴: ازاوجین، مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی ملا محمد یعقوب علی خاں صاحب ۲۶/رجب ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں تمام بلاد ہندوستان میں کہ سب اہل سنت وجماعت بفضلہٖ تعالٰی حنفی المذہب ہیں ہمیشہ سے یہی رواج دیکھا سنا کہ تمام حفاظ قرآن، تراویح میں بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں کسی نہ کسی سورت پر، بس ایک بار آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور بعض لوگ پیدا ہوئے کہ اس میں بہت جھگڑا اٹھاتے ہیں زید کہ اس کا رسالہ مرسل خدمت والا ہے باتباع دو مولویوں گنگوہی و پانی پتی کے دعوی کرتا ہے کہ تراویح میں بسم اللہ بالجہر ہر سورت کے سرے پر ماسواء سورہ برأت کے، از بس لازم ہے ورنہ ۱۱۱۳ ایک سو تیرہ اور کبھی کہتا ہے ایک سو چودہ ۱۱۴ آیت کا نقصان لازم آئے گا، بسم اللہ کا جزویت ہونا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک تواتراً منقول ہے حنفیّہ کے نزدیک بھی علی سبیل القطع والتواتر ہے متفق علیہ، بلکہ اجماع امت متفق ہیں، عمرو نے اس جہر سے انکار کیا، اس پر زید نے اسے کہا بتسویل نفسانی، منہمک سیآت کے ہوا اور تخریبِ دین محمدی میں کمر باندھ کر اصول وقواعد دینیہ سے برطرف ہوا، اس رسالہ میں ایک عبارت اور دو فتوے مولویین مذکورین سے نقل کئے صفحہ ۱۵ پر لکھا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی تبیین الضاد ترجمہ تحفہ نذریہ میں فرماتے ہیں جان لو کہ جب اہل قرأت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہے یا نہیں، پس تمام قرآن کو تراویح میں پڑھنے

والے پر، جو اُن قاریوں کی قرات پڑھے جو بسم اللہ کو ہر سورت کا جزو جانتے ہیں، واجب ہے کہ بسم اللہ کو ہر سورت کے سرے پر پکار کر پڑھے ورنہ ختم قرآن مجید میں سے اس کو ایک سو چودہ ۱۱۴ آیتوں کا کم کرنا اور ترک کردینا لازم آتا ہے اور جائز نہیں ہے، ان شہروں میں جہاں کے اکثر باشندے حنفی مذہب رکھتے ہیں اس کے خلاف دستور ہے، پس معلوم نہیں اس ترک وغفلت کا کیا سبب ہے فقط، صفحہ ۷ اپر لکھا "استفتائے مولوی رشید احمد گنگوہی، بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا تراویح میں مضائقہ نہیں اور نماز میں اس سے کوئی قباحت نہیں ہوتی، یہ بھی قرا کا مذہب ہے، اگر حضرت حفص کی اقتداء کرو، درست ومقبول ہے اور جو حسب مذہب حنفیہ نہ پڑھے تاہم کوئی عیب نہیں، سب حق پر ہیں سب کے مذاہب صحیح و درست ہیں لیکن حفاظ قرآن مجید کو لازم ہے کہ پڑھا کریں ورنہ بموجب فرمان مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے عندالحفص ختم میں نقصان رہے گا فقط واللہ اعلم کتبہ رشید احمد گنگوہی"، صفحہ ۱۸ پر لکھا "استفتاء قاری عبدالرحمان صاحب پانی پتی، زمانہ قراء سبعہ کا، زمانہ اجتہاد وعمل بالسنۃ کا تھا، زمانہ تابعین کا تھا، اور مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ منقولہ میں، اور مدار قراء کا فقط روایت وصحت پر ہے اور قراء سب اپنی اپنی قراءت کی روایت صحیح رکھتے ہیں اس میں دخل مذہب کو نہیں ہے لہٰذا قراءت میں کسی اہل ہوا کا خلاف نہیں ہے۔ ائمہ مذہب تازمانہ قراء، محتاج الیہ ومحصور نہ تھے بلکہ بعد قراء کے تھے، ائمہ قرات کو پوچھنا کہ کیا مذہب رکھتے تھے، حمق ہے، بعد صحت روایت کے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پھر حاجت کسی مذہب اور کسی اجتہاد کی نہیں ہے اذا صح الحدیث فھومذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف کا ہے، جب مدار صحت روایت پر مذاہب اربعہ میں ہوا پھر جو کوئی کسی مذہب کا کسی قاری کی قرات پڑھے گا اس کی قرات میں جو ہو اس کی اتباع کرے، جو کہ امام عاصم کی قرات میں بروایت حفص بسم اللہ درمیان ہر دو سورت کے ثابت ہے روایۃً، اور کہیں حنفیہ کی کتب میں ممانعت قرات عاصم وحفص کی استیعاباً واقع نہیں ہے تو تراویح میں بسم اللہ پڑھنا جائز ہوا وِالاّ پورا ختم روایت حفص میں نہ ہوا فقط واللہ اعلم بالصواب العبد عبدالرحمٰن عفی عنہ"۔ صفحہ ۲۱ پر لکھا "صلوٰۃ مفروضہ میں ختم مقصود نہیں اس لئے وہاں جہر لازم نہیں وہاں اتباع ابوحنیفہ کا چاہئے اور تراویح میں مقصود ختم کامل قرآن ہے وہاں اتباع قرائے مبسلمین، بسم اللہ کو جہراً پڑھنا ساتھ تاکد کے جائز ہے ورنہ ختم میں نقصان لازم آتا ہے چنانچہ یہی تحریر خاکسار نے بارہا قاری عبدالرحمٰن صاحب کی زبانی بھی سنی ہے"۔ اب علماء سے عرض ہے کہ یہ بیانات وفتاوٰی صحیح ہیں یا غلط، اور یہاں مذہب حنفی میں کیا حکم؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ سرا وجھارا ولیلا ونھارا حمدا	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں آہستہ اور بلند، دن اور

کبارا ادامة واکثارا والصلوات السامیة والتحیات النامیة علی من سن فی الصلٰوۃ اسرار التسمیة وعلی اله وصحبه النفوس الحامیة لبیضة السنة من الغوغاء العامیة اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین۔	رات کو، بڑی حمدیں اور زیادہ، بلند درود اور اونچا سلام اس ذات پر جس نے نماز میں بسم اللہ کو آہستہ پڑھنا سنت فرمایا اور آپ کی آل واصحاب پر جو کہ خالص سنت کو عوام کے شور ش سے محفوظ رکھنے والے ہیں آمین آمین یاارحم الراحمین۔ (ت)

بسم اللہ شریف کا تراویح میں ہر سورت پر جہر، مذہب حنفی میں لازم وواجب ہونا محض بے اصل وباطل صریح، اور حنفیہّ کرام پر افتراء قبیح ہے تحصیل سنت ختم فی التراویح کے لئے صرف ایک بار کسی سورت پر جہر کرنے کی ہماری کتب میں صاف تصریح ہے زید بے علم اور اس کے دونوں متبوعوں کی تحریر سراسر بے تحریر وغیر صحیح ہے، مسلم الثبوت میں ہے:

البسملة من القراٰن اٰیة فتقرأ فی الختم مرة[1]۔	یعنی بسم اللہ شریف قرآن عظیم کی آیت ہے تو ختم میں ایک بار پڑھی جائے۔

ملک العلماء بحر العلوم اس کی شرح فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

علی هذا ینبغی ان یقرأها فی التراویح بالجهر مرة ولاتتأدی سنة الختم دونها[2]۔	یعنی اس بنا پر چاہئے کہ بسم اللہ شریف تراویح میں جہر سے ایک بار پڑھی جائے بے اس کے سنت ختم ادا نہ ہوگی۔

شرح مولانا ولی اللہ میں ہے:

من قال بکون البسملة جزء من القراٰن من غیرتعیین المحل اوجزئیتها له فی اول کل سورة قال بوجوب قراء تها فیمایختم فیه القراٰن من الصلٰوة کالتراویح الا ان الجماعة الاولی تقول بوجوب قراء تها جهرًا مرة والثانیة	یعنی جو علماء بسم اللہ شریف کو جزوِ قرآن مجید مانتے ہیں خواہ بے تعیین محل (جیسے علماءِ حنفیہّ وغیرہم) یایوں کہ ہر سورت کی پہلی آیت ہے (جیسے علماء شافعیہ) ان سب کے نزدیک جس نماز میں قرآن مجید کا ختم کیا جائے جیسے تراویح، اس میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا ضرور ہے مگر ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک

[1] مسلم الثبوت کامل، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۱۵۱

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۴

تقول بوجوب قرأتها جهرا فی اول کل سورة سواء البراءة[1]۔	صرف ایک بار بآواز اور شافعی مذہب میں سورہ برات کے سوا ہر سورت کی ابتداپر۔

قمر الاقمار مولانا عبدالحلیم انصاری میں ہے:

اعلم ان التسمیة اٰیة من القراٰن کله انزلت للفصل بین السور ولیست جزء من الفاتحة ولا من کل سورة فالقراٰن عبارة عن مائة واربعة عشر سورة واٰیة وهی التسمیة فلابد فی ختم القراٰن من قراءة التسمیة مرة علی صدر اٰیة سورة کانت وهذا کله عندنا علی المختار[2] ھ مختصرا۔	یعنی بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لئے اتاری گئی، نہ وہ فاتحہ کی جز ہے نہ ہر سورت کی، تو قرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے پس ختم قرآن میں بسم اللہ شریف کا کسی سورت کے سرے پر ایک بار پڑھنا ضرور ہے یہ سب ہمارے ائمہ کا مذہب مختار ہے اھ مختصرًا۔

جواب مسئلہ تو اسی قدر سے ہوگیا مگر فقیر غفراللہ بعون رب قدیر جل جلالہ، تحقیق حق تحیح وتلخیص قول رجیح کے لئے چند افادات عالیہ لکھے جن سے بتوفیق تعالٰی احکام مسئلہ کو نور انکشاف اور اوہام باطلہ کو ظہور انکساف ملے واللہ المعین وبه نستعین (اللہ تعالٰی مددگار ہے اور اسی سے ہم مدد طلب کرتے ہیں۔ت)

افادہ اولٰی: بسم اللہ شریف کے باب میں ہمارے ائمہ کرام بلکہ جمہور ائمہ صحابہ وتابعین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب حق ومحقق یہ ہے کہ وہ کسی سورت قرآن کی جز نہیں، جداگانہ آیت واحدہ ہے کہ تبرک وفصل بین السور کے لئے مکرر نازل ہوئی۔ امام عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری علیہ رحمۃ الباری کہ اجلہ ائمہ حنفیہ ہیں کتاب التحقیق شرح حسامی میں فرماتے ہیں:

الصحیح من المذهب انها من القراٰن لکنها لیست جزء من کل سورة عندنا بل هی اٰیة منزلة للفصل بین السور کذا ذکر ابوبکر الرازی ومثله روی عن محمد رحمه الله تعالٰی[3]۔	صحیح مذہب ہمارا یہ ہے کہ وہ قرآن کی جز ہے مگر ہر سورت کی جز نہیں بلکہ یہ ایسی آیۃ ہے جو سورتوں میں فاصلہ کے لئے نازل کی گئی ہے، یوں ابوبکر رازی نے ذکر کیا اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ایسے ہی مروی ہے۔(ت)

[1] شرح مسلم الثبوت ولی اللہ

[2] قمر الاقمار حاشیہ نورالانوار مقدمہ الکتاب مطبوعہ مطبع علیمی دہلی ص ۹

[3] کتاب التحقیق شرح حسامی مقدمہ الکتاب مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۶

امام محقق ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

المشہور عن اصحابنا انھا لیست بأیة من الفاتحة ولامن غیرھا بل ھی اٰیة من القراٰن مستقلة نزلت للفصل بین السور[1]۔	ہمارے اصحاب سے یہی مشہور ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے بلکہ یہ قرآن کی مستقل آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

ان مذھبنا ومذھب الجمہور لیست اٰیة من الفاتحة ولامن کل سورة[2]۔	ہمارا اور جمہور کامذہب یہ ہے کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام ابوالبرکات نسفی کنزالدقائق اور علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر اور علامہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی تنویرالابصار میں فرماتے ہیں:

ھی اٰیة من القراٰن انزلت للفصل بین السور ولیست من الفاتحة ولامن کل سورة[3]۔	یہ قرآن کی آیۃ ہے جو سورتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی جز نہیں ہے(ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا البسملة اٰیة من القراٰن انزلت للفصل بین السور لیست من الفاتحة ولامن اول کل سورة[4]۔	ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو سوتوں میں فصل کے لئے نازل کی گئی ہے نہ تو یہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ ہی کسی سورۃ کا یہ اول ہے(ت) اسی طرح بہت کتب میں ہے:

افادہ ثانیہ: مجرد تکرر نزول ہرگز موجب تعدد نہیں ورنہ قائلان تکرار نزول فاتحہ قرآن عظیم میں دوسورہ فاتحہ مانتے کہ اُن کے نزدیک فاتحہ مکہ معظّمہ میں نازل ہوکر مدینہ طیبہ میں دوبارہ اُتری۔ علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۶

[3] ملتقی الابحر مع مجمع الانہر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۹۵، درمختار فصل واذاارادالشروع فی الصلوہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۷۵

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری خطبۃ الکتاب مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/۱۲

میں فرماتے ہیں:

تعدد نزولها یقتضی تعدد قراٰنیتها کیف و قدقیل بتکرار نزول الفاتحة ولم یقل احد بتعدد قراٰنیتها[1]۔	بسم اللہ کے نزول کا تعدد اس بات کو لازم نہیں کہ وہ متعدد بار قرآن کا جز بنے، یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ سورہ فاتحہ کے نزول میں تعدد کا قول ہے لیکن فاتحہ کا قرآن کے متعدد جز ہونے کا قول کسی نے نہیں کیا(ت)

علامہ خسرو کے حاشیہ تلویح میں ہے:

القول بتکررہ لایقتضی القول بتعددها کیف وقدقیل الی اٰخر مامر[2]۔	بسم اللہ کے تکرار نزول کا قول اس کے متعدد ہونے کولازم نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سورہ فاتحہ کے بارے، الٰی آخرہ۔(ت)

ولہٰذا علامہ بحر نے بحرالرائق میں فرمایا:

انها فی القراٰن اٰیة واحدة یفتتح بها کل سورة وعندالشافعی اٰیات فی السور[3]۔	یہ بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے اس سے ہر سورۃ کا افتتاح کیاجاتاہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ ہر سورۃ کی علیحدہ آیت ہے۔(ت)

اسی طرح قمرالاقمار سے بھی گزرا کہ وہ ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک تمام قرآن میں صرف ایک آیت ہے نہ یہ کہ ایک سوتیرہ یاچودہ آیتیں ہوں اور جب آیت واحدہ ہے تراویح میں اس کی صرف ایک بار تلاوت ادائے سنت ختم کے لئے آپ ہی کافی کمالا یخفی علی کل عاقل (یہ کسی عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ فاضل سے مخفی ہو۔ت) کون جاہل کہے گا کہ ایک آیت کو جب تک سو بار نہ پڑھو ختم پورا نہ ہو۔

افادہ ثالثہ: بسم اللہ شریف کا جزو سورت ہونا، ہرگز ہرگز حضور پرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہونا درکنار، ثابت کرنا دشوار، اس کے تواتر کا ادعا محض بہتان وافتراء، بلکہ احادیث صحیحہ اس کلیہ کے نقض پر صاف گواہ،

کحدیث قسمة الصلٰوة وحدیث ثلثین اٰیة	جیساکہ تقسیم نماز والی حدیث، اور وہ حدیث جس میں سورۃ

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح حاشیہ ۲۵ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] حاشیہ تلویح لملا خسرو مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۳۱

[3] بحرالرائق باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۳

للملك وغيرها كمافصله العلماء الكرام فى تصانيفهم ولاحاجة الى ايرادها هنافان شهرة الكلام فيه اغنتنا عن اعادته و اطالة المقال بتذكاره۔	ملک کی تیس آیتوں کاذکر اور ان جیسی اور احادیث جن کو علماء کرام نے مفصل طور پر اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے، یہاں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اس بات کی شہرت نے ہمیں یہاں ذکر کرنے سے مستغنی کردیا ہے نیز ان کے ذکر سے بات لمبی ہوگی۔(ت)

افادہ رابعہ: یونہی اس پر اجماع امت کابیان افترا وبہتان، بلکہ علماء فرماتے ہیں صحابہ کرام وتابعین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کااجماع تھاکہ بسم اللہ شریف جزوِ سور نہیں، قول جزئیت اُن کے بعد حادث ونوپیداہوا، سیدی فقیہ مقری علی نوری سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

هذا ان قلنا ان البسلملة ليست بأية ولا بعض اٰية من اول الفاتحة ولامن غيرها وانما كتبت فى المصاحف للتيمن والتبرك اوانها فى اول الفاتحة لابتداء الكتاب على عادة الله جل وعز فى ابتداء كتبه وفى غيرالفاتحة للفصل بين السور قال ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لايعرف فصل السورة حتى ينزل عليه بسم الله الرحمٰن الرحيم وهو مذهب مالك وابى حنيفة والثورى وحكى عن احمد وغيره وانتصرله مكى فى كشفه وقال انه الذى اجمع عليه الصحابة والتابعون و القول بغيره محدث بعد اجماعهم وشنع القاضى ابوبكر بن الطيب بن الباقلانى المالكى البصرى نزيل بغداد على من خالفه	یہ تب ہے جب ہم یہ کہیں کہ بسم اللہ آیت نہیں اور فاتحہ اور کسی سورۃ کی جز نہیں اور یہ صرف قرآن میں برکت کے طور پر لکھی گئی ہے یااس لئے کہ اللہ تعالٰی کی عادت کریمہ ہے کہ اس نے اپنی تمام کتابوں میں بسم اللہ سے ابتداء فرمائی لہٰذا سورہ فاتحہ کے ابتداء میں بھی ذکر فرمائی اور باقی سورتوں کے ابتداء میں صرف سورتوں کے درمیان فصل کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسورتوں کافصل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے نازل ہونے پر معلوم کرتے تھے، یہی امام مالک، ابوحنیفہ، ثوری کامذہب ہے، اور امام احمد وغیرہ سے یہی بیان کیاگیا ہے اور امام مکی نے اسی کو اپنی کتاب کشف میں اپنایا ہے اور فرمایا کہ یہی وہ ہے جس پر صحابہ وتابعین کااجماع ہے، بسم اللہ کے بارے میں کوئی اور بات اس اجماع کے بعد نئی چیز ہوگی، اور قاضی ابوبکر بن طیب بن باقلانی مالکی بصری نیز بغدادی نے اس کی مخالفت کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور یہ

وکان اعرف الناس بالمناظرۃ وادقھم فیھا نظر[1]۔	قاضی ابوبکر خود بحث کے ماہر اس میں دقّت نظر رکھتے ہیں۔(ت)

امام زیلعی تبیین الحقائق پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

قال بعض اھل العلم ومن جعلھا من کل سورۃ فی غیر الفاتحۃ فقد خرق الاجماع لانھم لم یختلفوا فی غیر الفاتحۃ[2]۔	بعض علماء نے فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ کو فاتحہ کے علاوہ کسی سورت کا جز مانتا ہے وہ اجماع کا خلاف کرتا ہے کیونکہ فاتحہ کے بغیر کسی سورۃ کے بارے میں اختلاف نہیں۔(ت)

امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

فان قیل نحن نقول انھا اٰیۃ من غیر الفاتحۃ فکذلك انھا اٰیۃ من الفاتحۃ قلت ھذا قول لم یقل بہ احد ولھذا قالوا زعم الشافعی انھا اٰیۃ من کل سورۃ وماسبقہ الی ھذا القول احد لان الخلاف بین السلف انما ھو فی انھا من الفاتحۃ اولیست باٰیۃ منھا ولم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[3]۔	اگر اعتراض کیا جائے کہ ہم بسم اللہ کو آیت مانتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ فاتحہ کی آیت ہے اور کسی اور سورۃ کی بھی آیت ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ کسی کا قول نہیں ہے اسی لئے جمہور نے کہا کہ صرف امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ ہر سورہ کی آیت ہے جبکہ امام شافعی سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کی، کیونکہ اس سے پہلے اسلاف میں صرف یہ تھا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں، اور اس کو کسی نے باقی سورتوں کا جز نہیں مانا۔(ت)

افادہ خامسہ: تمام مصاحف حفصیہ میں ہر بسم اللہ شریف پر نشان آیت موجود ہے وہ بلاشبہ اُن کے نزدیک آیت تامہ ہے، اب سورہ بقر سے لے کر سورہ ناس تک تمام سور میں آیات حفصیہ کی گنتی بتائیے، دیکھئے تو کہیں بھی بسم اللہ شریف گنتی میں آئی ہے، مثلاً سورہ اخلاص چار آیت ہے بسم اللہ سے الگ ہی چار آیتیں ہیں، سورہ کوثر میں تین آیتیں ہیں بسم اللہ سے جداہی تین آیتیں ہیں وعلی ھذا القیاس بخلاف سورہ فاتحہ کہ سات آیتیں ہیں اور ان کے نزدیک انعمت علیھم پر آیت نہیں ولھذا ہمارے مصاحف

[1] غیث النفع فی القراءات السبع باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۷
[2] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷
[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

میں اس پر نشان آیت، عند الغیر ۵، لکھتے ہیں نہ o، یہ صاف دلیل واضح ہے کہ ہمارے قراء کے نزدیک بسم اللہ بقرہ سے ناس تک کسی سورت کی جز نہیں بلکہ ایک انہیں قاریوں کی کیا تخصیص، سب کے نزدیک، سوافاتحہ کے، کہ مختلف فیہا ہے باقی تمام سورتوں کے شمار آیات سے بسم اللہ شریف خارج ہے یہ بھی اس ارشاد علما کا پتا دیتا ہے کہ قول جزئیت حادث وخلاف اجماع ہے۔

امام زیلعی تبیین پھر علامہ ازہری فتح المعین میں فرماتے ہیں:

ان کتاب المصاحف کلھم عدوا اٰیات السور فاخرجوھا من کل سورۃ وقال بعض اھل العلم[1] الی اٰخر مامر۔	قرآن پاک کے تمام کاتبوں نے سورتوں کی آیات کو شمار کیا ہے اور انہوں نے بسم اللہ کو کسی سورت کی آیات میں شمار نہیں کیا، اور بعض علماء نے گزشتہ قول کو انہوں نے آخر تک بیان کیا۔ (ت)

عمدہ میں امام عینی کا ارشاد گزرا: لم یعدھا احد اٰیۃ من سائر السور[2] (اس کو کسی نے باقی سورتوں کی آیۃ نہیں مانا۔ ت)

تنبیہ: شمار سے اخراج تو عدم جزئیت میں صریح ظاہر ہے اور ادخال میں علمائے کرام نے جائز فرمایا کہ صرف ظن کی طرف مستند ہو تو مفید قطعیت جزئیت نہ ہو سکے گا، امام زیلعی نصب الرایہ اور امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں:

لعل اباھریرۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقرأھا فظنھا من الفاتحۃ، فقال انھا احدی اٰیاتھا و نحن لاننکر انھا من القراٰن، و لکن النزاع وقع فی مسئلتین احدھما انھا اٰیۃ من الفاتحۃ، والثانیۃ ان لھا حکم سائر اٰیات الفاتحۃ جھرا وسرا، ونحن نقول، انھا اٰیۃ مستقلۃ قبل السورۃ، ولیست منھا، جمعا بین الادلۃ، وابوھریرۃ لم یخبر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال: ھی احدی اٰیاتھا،	ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پڑھتے ہوئے سنا تو خیال فرمایا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کی جز ہے تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ فاتحہ کی آیات میں شامل ہے، بسم اللہ کا قرآن کی آیت ہونے سے ہمارا انکار نہیں ہے صرف بحث دو مسئلوں میں ہے ایک یہ کہ کیا یہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور دوسرا یہ کہ کیا بسم اللہ کا حکم فاتحہ کی دوسری آیات والا ہے کہ جہر وسر میں ان کی طرح پڑھی جائے گی یا نہیں، جبکہ ہم یہ کہتے ہیں یہ ایک مستقل آیت ہے یہ سورہ فاتحہ کی آیات میں شمار نہیں، یہ بات دلائل کو مطابق بنانے کے لئے ہے، حالانکہ

[1] فتح المعین علی شرح الکنز فصل واذا اراد الدخول مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۲

وقراء تهاقبل الفاتحة لايدل على ذلك و اذاجاز ان يكون مستند ابی هريرة قراءة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لها، وقد ظهر ان ذلك ليس بدليل على محل النزاع. فلايعارض به ادلتنا الصحيحة الثابتة[1] اھ۔	ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ خبر نہیں دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورۃ فاتحہ کی ایک آیۃ ہے جبکہ محض سورۃ فاتحہ سے پہلے پڑھنے سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی اور جب صرف حضور کا پڑھنا ہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل ہو تو یہ محل نزاع یعنی فاتحہ کا جز ہونے پر دلیل نہیں ہوسکتی، لہٰذا یہ روایت ہمارے صحیح ثابت شدہ دلائل کے مقابل نہیں ہوسکتی اھ (ت)

افادہ سادسہ: جزئیت بسم اللہ شریف کو قطعی کہنا محض جہالت اور تصریحات ائمہ کرام، علمائے عظام، سے غفلت ہے بلکہ جزئیت سورت درکنار جزئیت قرآن بھی خبراً متواتر نہیں،

ولذا انكرها الامام الاوزاعی والامام مالك و بعض مشايخنا ونسب للمتقدمين بل وقع فی التلويح وحواشی الكشاف وغيرهما انه المشهور من مذهب ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه[2] قال القهستانی ان هذالم يوجد[3] قال الشامی فی ردالمحتار ای بل هو قول ضعيف عندنا[4]۔	بسم اللہ کے قرآن کا جز ہونے کا امام اوزاعی، امام مالک اور ہمارے بعض مشائخ نے انکار کیاہے۔ متقدمین کی طرف منسوب بلکہ تلویح میں اور کشاف کے حواشی وغیرہ میں ہے کہ یہی امام ابوحنیفہ کا مشہور مذہب ہے، امام قہستانی نے فرمایا اس قول کا وجود نہیں ہے، علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایاہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے۔(ت)

علامہ حسن چلپی حاشیہ تلویح میں فرماتے ہیں:

قال الجد المحقق فی تفسير الفاتحة قال ابوحنيفة ومالك رحمهما الله تعالٰی المعتبر التواتر فی قرانيتها لافی نقله فقط وهو الحق	بزرگ محقق نے سورہ فاتحہ کی تفسیر میں فرمایا کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے فرمایا ہے بسم اللہ کے قرآن ہونے کیلئے صرف نقل متواتر نہیں بلکہ اس کا قرآن ہونا متواتر چاہئے اور یہی معتبر اور حق ہے

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری احادیث البسملۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۸۶/۵، نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیۃ ریاض الشیخ ۳۴۳/۱

[2] التوضیح والتلویح مع حاشیہ چلپی بیان ادلہ اربعہ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۰

[3] جامع الرموز فصل صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱۵۱/۱

[4] ردالمحتار مطلب قراءۃ البسملۃ بین الفاتحۃ والسورۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹۱/۱

اذمن الظاھر ان النقل اذالم یکن علی انہ قراٰن لایفید القراٰنیۃ والتواتر فی نقل البسامل لیس علی انہ قراٰن والالم یخالف فیہ بل کتب فی المصاحف للفصل والتبرک بھا[1] الخ	کیونکہ ظاہر بات ہے کہ اگر قرآن ہونا منقول نہ ہو تو پھر بسم اللہ کا قرآن ہونا ثابت نہیں ہوگا، اور بسم اللہ کے نقل میں جو تواتر ہے وہ اس کے قرآن ہونے کا تواتر نہیں ورنہ اس میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ بسم اللہ کو قرآن میں سورتوں کے فصل اور تبرک کے لئے لکھا گیا ہے الخ (ت)

ہمارے ائمہ کہ اثبات فرماتے ہیں، بوجہ اثبات فی المصاحف وامر بالتجرید، دلیل عقلی قائم فرماتے ہیں نہ تواتر سمعی، بالجملہ حق یہ کہ بسم اللہ شریف کا جزء قرآن عظیم ہونا توہمارے نزدیک دلیل قطعی سے ثابت ہے مگر جز سور ہونا ہر گز نقلاً عقلاً کسی طرح قطعی نہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام اسے دلیل قطعی سے باطل، اور بعض اخبار احاد کو، کہ موہم جزئیت واقع ہوئے، مخالف قاطع کے سبب نامقبول و مضمحل بتاتے ہیں، نہایت یہ کہ علمائے شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کہ قائلین جزئیت ہیں خود منکر قطعیت ہیں، امام نووی شافعی فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔ امام عبدالعزیز بن احمد بخاری تحقیق میں فرماتے ہیں:

النقل المتواتر لمالم یثبت انھا من السورۃ لم یثبت ذلک[2]۔	جب نقل متواتر بسم اللہ کو سورت کا جز ہونا ثابت نہیں کرتا تو اس کا جز ہونا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

علامہ بہاری مسلم الثبوت اور علامہ بحر فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

(لم یتواتر انھا جزء منھا) فلاتثبت الجزئیۃ اذقد سبق ان تواتر الجزئیۃ شرط لاثباتھا[3]۔	اس کا جز ہونا تواتر سے ثابت نہیں، لہذا جزئیت ثابت نہ ہوگی کیونکہ پہلے معلوم ہوچکا ہے جزئیت کے اثبات کے لئے جزئیت کا تواتر شرط ہے۔ (ت)

اُنہیں میں ہے:

(عارضہ القاطع) وھوعدم تواتر الجزئیۃ الدال علی عدمھا فی الواقع فیضمحل المظنون	بسم اللہ کے جز ہونے کو ایک قطعی دلیل معارض ہے اور وہ جزئیت کے تواتر کا نہ ہونا جو کہ فی الواقع جز نہ ہونے

[1] تتمہ حاشیہ چلپی علی التوضیح والتلویح بیان ادلہ اربعہ حاشیہ ۲۶ متعلق ص ۵۰ مطبوعہ منشی نولکشور کانپور ص ۵۵

[2] کتاب التحقیق شرح الحسامی مقدمہ الکتاب مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۶

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۲/ ۱۴

وھذا ھوالجواب عن الاخبار الاحاد التی توھم الجزئیۃ بل یجب ان تکون ھذہ الاخبار مقطوع السھو والالتواترات[1] الخ	کی دلیل ہے پس ظنی امر کمزور قرار پائے گا، یہ جزئیت کا وہم پیدا کرنے والی اخبار احاد کا جواب ہے لہٰذا ان اخبار کا سہو قطعی ہے ورنہ اگر بسم اللہ سورۃ کا جز ہوتی تو تواتر سے ثابت ہوتی۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لایثبت کونھا اٰیۃ من کل سورۃ من السور بلادلیل قطعی کمافی سائر الاٰیات واجماع الصحابۃ علی اثباتھا فی المصحف لایلزم منه انھا اٰیۃ من کل سورۃ بل اللازم منه مع الامر بالتجرید عن غیرالقراٰن انھا من القراٰن وبه نقول انھا اٰیۃ منه نزلت للفصل بین السور[2]۔	قطعی دلیل کے بغیر اس کا تمام سورتوں میں سے کسی کا جز ہونا اور آیت ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، جس طرح باقی آیات کے بارے میں ہے، اور صحابہ کرام کا اس کو مصحف میں لکھنے پر اجماع ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ یہ کسی سورۃ کی آیت ہے بلکہ قرآن کو غیر سے مبرّا رکھنے کے حکم سے اتنا لازم آتا ہے کہ یہ بسم اللہ قرآن کی آیت ہے جو کہ فصل کے لئے نازل کی گئی ہے۔(ت)

علامہ بحر الفقہ زین بن نجیم مصری شرح منار پھر علامہ سید محمد آفندی شامی منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں فرماتے ہیں:

ھی قراٰن لتواتر فی محلھا ولاکفر لعدم تواتر کونھا فی الاوائل قراٰنا[3]۔	بسم اللہ قرآن ہے کیونکہ تواتر سے قرآن میں شامل چلی آرہی ہے لیکن سورتوں کی ابتدائی آیت ہونے کے انکار سے کفر لازم نہیں آئے گا کیونکہ یہ بات تواتر سے ثابت نہیں۔

علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین میں فرماتے ہیں:

ثبوت قراٰنیتھا لاعلی سبیل التواتر ولھذا علل فی النھر عدم تکفیر جاحدھا بعدم	بسم اللہ کے قرآن ہونے پر تواتر نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی اس بات کا انکار کرے تو کفر

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ مطبعۃ امیریۃ بولاق مصر ۱۵/۲

[2] غنیۃ المستملی صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۷

[3] منحۃ الخالق حاشیہ علی البحر الرائق فصل واذا اراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۲/۱

تواتر کونہا قراٰنا۔[1]	نہ ہوگا نہر میں عدم تکفیر کی یہی علت بیان کی گئی ہے (ت)

علامہ سیدی احمد طحطاوی مصری حاشیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

لانہا وان تواترت کتابتہا فی المصاحف ولم یتواتر کونہا قراٰنا[2]۔	مصحف میں اس کو لکھنے کے تواتر سے اس کے قرآن ہونے کا تواتر ثابت نہیں ہوتا۔ (ت)

علامہ شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الرازی میں فرماتے ہیں:

ولم یتواتر تسمیتہا قراٰنا واٰیۃ بالنقل عنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اذلو تواتر لکفر جاحدہا وھو لایکفر بالاتفاق[3]۔	بسم اللہ کا نام، قرآن یا سورۃ کی آیۃ، تواتر سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول نہیں اور اگر یہ بات تواتر سے ثابت ہوتی تو اس کا انکار کفر ہوتا، حالانکہ باتفاق یہ کفر نہیں ہے۔ (ت)

اُسی سے امام قرطبیّ رحمہ اللہ سے ہے:

المسألۃ اجتہادیۃ ظنیۃ لاقطعیۃ کماظنہ بعض الجہلۃ من المتفقہۃ۔[4]	یہ مسئلہ ظنی اور اجتہادی ہے، قطعی نہیں ہے جیسا کہ بعض جاہل لوگوں کا خیال ہے۔ (ت)

اسی میں تفسیر امام سمین مسمّٰی بالوجیز سے ہے:

المطلوب ھنا الظن لاالقطع[5]۔	اس مسئلہ میں ظن مطلوب ہے یقین مطلوب نہیں (ت)

اسی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی شافعی سے ہے:

انہ اقام الدلیل علی الاکتفاء بالظن فیما نحن[6]۔	ہماری بحث میں جو دلیل پیش کی گئی ہے وہ صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ (ت)

امام ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

[1] فتح اللہ المعین علی شرح الکنز فصل واذاارادالدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۸۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی بیان سنن الصلوٰۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۴۱

[3] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

[4] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

[5] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

[6] حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/ ۳۰

البسملۃ اٰیۃ من الفاتحۃ عملا وظنا لاقطعا[1] الخ نقلہ عنہ القاری فی المرقات۔	بسم اللہ کا سورہ فاتحہ کا جزہونا ظنی ہے قطعی اور یقینی نہیں ہے الخ اس کو ملاعلی قاری نے مرقات میں ان سے نقل کیاہے(ت)

علامہ سفاقسی غیث النفع فی القراءات السبع میں فرماتے ہیں:

ان المحققین من الشافعیۃ وعزاہ الماوردی للجمھور علی انہ اٰیۃ حکما لاقطعا قال النووی والصحیح انھا قراٰن علی سبیل الحکم ولوکانت قراٰنا علی سبیل القطع لکفرنا فیھا وھوخلاف الاجماع[2]۔	محققین شافعیہ نے اور ماوردی کے بیان کے مطابق ان کے جمہور نے کہاہے کہ بسم اللہ کافاتحہ کی جزہونا حکمی بات ہے قطعی نہیں ہے، اور امام نووی نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ بسم اللہ کاقرآن ہونا حکمی ہے اور اگر قطعی ہوتاتو ہم مخالف کوکافرکہتے جبکہ یہ بات اجماع کے خلاف ہے۔(ت)

اسی میں شرح منہاج النووی تصنیف امام جلال الدین محلّی شافعی سے ہے:

البسملۃ منھا ای من الفاتحۃ عملا لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عدھا اٰیۃ منھا صححہ ابن خزیمۃ والحاکم ویکفی فی ثبوتھا من حیث العمل الظن[3]۔	بسم اللہ سورہ فاتحہ کاحصہ ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو فاتحہ کی آیت شمار کیاہے جس کی ابن خزیمہ اور حاکم نے تصحیح کی ہے اور اس کے عملی ثبوت کے لئے ظن ہی کافی ہے۔(ت)

افادہ سابعہ: اقول: وباللہ التوفیق قرآن عظیم کے ختم میں لااقل ایک باربسم اللہ شریف پڑھنے پر تمام قراء کااجماع قطعی ہے کہ ابتداء تلاوت ؎ سورت غیر براءت میں اتیان بسملہ مجمع علیہ ہے پھر ہر دوسورت کے درمیان اثبات وحذف میں قراء مختلف ہیں امام نافع مدنی بروایت قالون اور امام عبداللہ بن کثیر مکی و

؎ شروع تلاوت اگرابتدائے سورت کے علاوہ، کہیں وسط سے ہو، توبسم اللہ کی حاجت نہیں، بہترہے اور اگرابتدائے سورت سوائے براءت سے تلاوت آغاز کرے توبسم اللہ بالاجماع پڑھے، پھراثنائے تلاوت میں جوسورتیں آتی جائیں اُن پربسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں اختلاف ہے ۱۲(م)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۹۶
[2] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص۵۹
[3] غیث النفع فی القراءات السبع علٰی حاشیہ سراج القاری، باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص۵۹

امام عاصم بن بہدلہ کوفی وامام علی بن حمزہ کسائی کوفی پڑھتے اور امام مدنی بروایت ورش اور امام عبداللہ بن عامر شامی وامام حمزہ بن حبیب زیات کوفی وامام ابوعمرو بن العلاء بصری حذف کرتے ہیں تو اگر جلسہ واحدہ میں کوئی شخص قرآن عظیم بابتدائے واحد ختم کرے، تاہم ایک بار بسم اللہ شریف باجماع قراء پڑھے گا اور تکرار میں اختلاف رہے گا۔ غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بینھم فی ان القارئ اذا افتتح قراء تہ باول سورۃ غیربرائۃ انہ یبسمل سواء کان ابتداء ہ عن قطع اووقف (الی ان قال) واختلفوا فی اثباتھا بین السورتین سواء کانتا مرتبتین اوغیرمرتبتین فاثبتھما قالون والمکی وعاصم وعلی وحذفھا حمزۃ ووصل السورتین (الی قولہ) وانما اختلفوا فی الوصل ولم یختلفوا فی الابتداء لانھا مرسومۃ فی المصاحف فمن یترکھا فی الوصل لولم یأت بھا فی الابتداء لخالف المصاحف وخرق الاجماع[1] الخ۔	اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ قاری کسی سورۃ کو ابتداء سے شروع کرے تو بسم اللہ پڑھے ماسوا سورۃ براءت کے، خواہ قاری قطع کے بعد ابتداء کرے یا وقف کے بعد، ہر طرح بسم اللہ پڑھے (اس کے بعد یہاں تک فرمایا) اور تلاوت میں دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے میں انہوں نے اختلاف کیا ہے خواہ دونوں کو ترتیب سے پڑھے یا غیر ترتیب پر پڑھے، امام قالون، مکی، عاصم اور علی نے بسم اللہ کو ثابت مانا ہے اور امام حمزہ نے حذف کرنا، قرار دیا ہے اور دونوں سورتوں میں وصل کا قول کیا ہے (اور پھر اس کو بیان کیا کہ) ان ائمہ نے دونوں سورتوں کے وصل کے بارے میں یہ اختلاف کیا ہے، اور ابتداء کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے میں اختلاف نہیں کیا، کیونکہ بسم اللہ قرآن میں لکھی ہے لہٰذا اگر کوئی دونوں سورتوں میں وصل کرتے وقت بسم اللہ کو ترک کرے اور سورۃ سے ابتداء کرتے وقت بھی ترک کرے تو مصاحف اور اجماع کے خلاف ارتکاب کرے گا الخ (ت)

سراج القاری شرح شاطبیہ میں ہے:

اخبران رجالا بسملوا بین السورتین وھم قالون والکسائی وعاصم وابن کثیر والباقین لایبسملون بین السورتین لان ھذا من قبیل الاثبات والحذف[2] ھ ملخصا۔	معلوم ہوا ہے کہ کئی لوگوں نے کوئی دوسورتوں میں بسم اللہ پڑھنے کا قول کیا ہے اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر ہیں اور باقی لوگوں نے ان دونوں سورتوں میں بسم اللہ نہ پڑھنے کا قول کیا ہے کیونکہ یہ معاملہ اثبات وحذف والا ہے اھ ملخصًا (ت)

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی حاشیہ سراج القاری باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

[2] سراج القاری شرح شاطبیہ لابن القاصح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۸

اب نظر غائر کیجئے توحذف صراحۃً نافی ومنافی جزئیت ہے کہ اگر جز ہوتی توحذف کیونکر ہوسکتی،اور اثبات اصلاً مفید جزئیت نہیں کہ اثبات اعوذپر بھی اجماع قراء ہے اووہ بھی مثل اثبات بسملہ متواتر، حالانکہ باجماع مسلمین قرآن نہیں،غیث النفع میں ہے:

لاخلاف بین العلماء ان القارئ مطلوب منه فی اول قرأته ان یتعوذ[1]	الخ علماء میں یہ کوئی اختلاف نہیں کہ قاری قرآن کی تلاوت کے شروع میں اعوذ باللہ پڑھے الخ(ت)

شرح الشاطبیہ لابن القاصح میں ہے:

الاستعاذة قبل القرأة باجماع وقوله مسجلا ای مطلقا الجمیع القرأة وفی جمیع القراٰن[2]۔	اعوذ باللہ قرات شروع کرنے سے قبل بالاجماع پڑھی جائے، اس کے قول مسجلا کامعنی تمام قراء کے نزدیک تمام قرآن کے شروع میں۔(ت)

تومجرد اثبات وروایت متواترہ قراء سے عندالتحقیق جزئیت قرآن پر بھی جزم نہ ہوسکتانہ کہ خاص جزئیت سورت پر، ولہذا علمائے عالم جیساکہ اثبات وتواتر تعوذپراجماع کرکے اس کی عدم قرآنیت پراجماع رکھتے ہیں یونہی اثبات وتواتر بسملہ یک بارمطلقاًپراجماع فرماکر اس کی قرآنیت میں اختلاف رکھتے ہیں تو مجرد اثبات قراء وتواتر روایت سے جزئیت پردلیل لانی محض باطل ہے، ہاں قرآنیت بسم اللہ پراس کے سواایک دلیل قطعی قائم ہوئی جس کاذکراوپر گزرا، جمہورائمہ قائل قرآنیت ہولئے اور جزئیت سورت پرکوئی دلیل قطعی نہیں لہذا جمہور ائمہ جانب جزئیت نہ گئے، بحمد اللہ تعالٰی اس تقریر سے مثل آفتاب روشن ہوگیاکہ ائمہ قراءت کااثبات متواتر اصلاً مفید جزئیت نہیں،اس بناپر حضورپرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تواتر جزئیت کاادعائے باطل درکنار قراء سے تواتر قول بالجزئیت بھی ثابت نہیں ہوسکتا بالجملہ یہ کہنا حق ہے کہ اثبات وحذف دونوں متواتر قطعی اور یہ کہنا باطل کہ جزئیت وعدم دونوں القطع مروی کہ اثبات وجزئیت میں شرق وغرب کافرق ہے اس پرایک دلیل جلیل واضح وروشن یہ بھی ہے کہ قائلان جزئیت بعض احادیث احاد سے احتجاج واستناد کی طرف جھکے اوراس بناپر کہ ثبوت قطعی نہیں ظنیت مسئلہ کی تصریحیں کرگئے دفع اعتراض کے لئے یہاں کفایت ظن کے قائل ہولئے جیساکہ ابھی کلمات امام حجۃ الاسلام وامام ماوردی وامام نووی محلّی وامام ابن حجروغیرہم سے مذکور ہوااگراثبات قراء مثبت جزئیت ہوتا تواسی پر تعویل کرتے قطعیت چھوڑ کر ظنیت کی طرف کیوں اُترتے **هذا كله جلی واضح عند كل من له فهم وعقل فضلا**

[1] غیث النفع فی القراءت السبع باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۴۸

[2] تذکار المقری شرح شاطبیہ لابن القاصح باب البسملۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۲۶

عن اھل العلم والفضل (یہ تمام اہل فہم اور اہل عقل کے ہاں واضح ہے چہ جائیکہ اہل علم وفضل پر واضح نہ ہو۔ت) اور یہیں سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں مذہب کو دخل نہ ماننا محض جہالت وسخت سفاہت ہے بلکہ حقیقۃً روایت قراء نے جزئیت میں کچھ دخل نہ دیا واژ گوں فہموں نے الٹا سمجھ لیا، آخر امام قرطبی وغیرہ کا ارشاد سن چکے کہ مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ علامہ بہاری وعلامہ بحر فرماتے ہیں:

(ترکھا نصف القراء) وھم ابن عامر ونافع بروایۃ الورش وحمزۃ وابوعمر وقال مطلع الاسرار الالھیۃ قدس سرہ فی غیرالفاتحۃ (وتواترانہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم (ترکھا) عند قراء ۃ السورلان قرأۃ القراء متواترۃ(ولامعنی عند قصد قراء ۃ سورۃ ان یترك اولھا) فیجب أن لاتکون جزأ ویشھد علیہ ماروی فی الخبر الصحیح عدم الجھر بھا فی الصلٰوۃ فان قلت قدقرأھا الباقون من القراء فتواتر قراء تہ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ الصلٰوۃ والسلام فیجب ان تکون جزأ قال(وتواتر قرأتھاعنہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بقراء ۃ القراء (الاٰخرین لایستلزم کونھا) جزء (منھا) لجواز ان یکون للتبرك کالاستعاذۃ[1]۔	اس کو نصف اہل علم اور قراء حضرات نے ترک کیا ہے اور وہ ابن عامر، نافع اور ورش کی روایت کے مطابق ابوعامر اور حمزہ ہیں، اور مطلع الاسرار الٰہیہ قدس سرہ نے غیر فاتحہ کے بارے میں فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ سورتوں کو پڑھنے میں آپ نے بسم اللہ کو ترک فرمایا کیونکہ قراء حضرات کی قراءت متواترہ ہیں، اور ممکن نہیں کہ سورۃ کو پڑھتے وقت اس کے اول (بسم اللہ) کو چھوڑدیں لہٰذا ضروری ہے کہ بسم اللہ سورتوں کا جز نہیں، اور یہ بات اس کی شاہد ہے کہ صحیح طور ر مروی حدیث میں ہے کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے نماز میں بسم اللہ کا جہر نہیں فرمایا اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ باقی قراء حضرات نے بسم اللہ کو سورتوں کے ساتھ پڑھا ہے اور جب قراء حضرات کی قراءت متواتر ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ بسم اللہ کا سورتوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم والہ وصحبہ سے متواتر ہوگا اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورتوں کا جز ہے تو جواب میں کہا کہ باقی قراء حضرات کی قراءت سے حضور علیہ السلام کی قراءت کے متواتر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سورتوں کا جز ہوجائے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تبرک کے طور پر پڑھا ہو جیسا کہ اعوذ باللہ کا حکم ہے۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے مگر جہال زمانہ کو خبر نہیں۔

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلۃ البسملۃ من القرآن مطبوعہ منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۱۴

افادہ ثامنہ: اقول: روایت اثبات کا اثبات جزئیت عندا لمبسلمین سے بھی بے علاقہ ہونا توظاہر ہوچکااور ہم یہ بھی ثابت کرآئے کہ شمارآیات وسور دلیل واضح ہے کہ قراء مبسملین بھی جزئیت سور نہیں مانتے تاہم اب اگر بالفرض کسی طریقہ سے ثابت بلکہ متواتر بھی ہو کہ امام عاصم کامذہب جزئیت تھاتووہ جدا بات ہےاس میں ہمیں کلام نہیں، مذہب میں ہم ان کے مقلد نہیں، نہ ان کی قراءت کااختیار برخلاف مذہب، ان کے مذہب پر عمل لابد کرسکے، امر واضح پر دلیل روشن درکار ہوتوسنئے، شک نہیں کہ ہمارے ائمہ نے قرأت عاصم بروایت حفص اختیار فرمائی اور شک نہیں کہ بالاجماع نماز سریہ وجہریہ سب میں ہمارے یہاں اخفاء بسملہ کاحکم اور شک نہیں کہ مذہب امام پر نماز جہریہ میں ایک آیت کے سہواً اخفاپر بالاجماع سجدہ اور عمداً پراعادہ لازم، توقطعاً ثابت کہ حفص وعاصم اگرچہ جزئیت فاتحہ کی طرح جزئیت ہر سورت بھی مانتے ہوں مگران کی قرأت اختیار کرنے نے ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور نہ کیاورنہ ضرور جہریہ میں جہر تسمیہ علی الفاتحہ کاحکم ہوتااور اس کاترک سجدہ سہو یااعادہ چاہتا، پھربعد فاتحہ سرسورت پراتیان بسملہ میں عامہ متون مذہب مثل ہدایہ ووقایہ ونقایہ واصلاح وغرر وملتقی الابحر وتنویر وغیرہاانکار محض پرہیں اور اسی پر بدائع وشرح وقایہ ودرر وجوہرہ نیرہ ومجمع الانہر وغیرہا شروح نے مشی فرمائی، محققین کے نزدیک اگرچہ اس کاحاصل کراہت نہیں صرف نفی سنیت ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی فتاوی الرضویۃ (جیساکہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی فتاوٰی الرضویۃ" میں بیان کیاہے۔ت) تاہم اگر اختیار قرأت عاصم، اختیار جزئیت لازم کرتا تونفی سنیت اور التزام ترک بسملہ میں نفی کراہت پراجماع حنفیّہ ناممکن تھا، ابھی مسلم وفواتح سے سن چکے کہ سورت پڑھتے وقت اس کے اول سے ایک آیت چھوڑ دینا بے معنی ہے سیّدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فیہ ھجر شیئ من القراٰن وذلك لیس من اعمال المسلمین [1] اھ نقلہ الشامی عن النہر عن الامام فی باب سجود التلاوۃ۔	اس میں بعض قرآن کاترک لازم آئے گا، حالانکہ یہ بات مسلمانوں کے عمل سے بعید ہےاھ اس کوعلامہ شامی نے باب سجود التلاوۃ میں نہر کے حوالے سے امام صاحب سے نقل کیاہے۔(ت)

پس آفتاب کی طرح روشن ہواکہ ہمیں عمل قول جزئیت پر مجبور کرنا ہمارے ائمہ کرام کے اجتماع تام کے خلاف اور محض اپنے ذہن کی تراشیدہ بات ہے قصد وعدم قصد ختم سے تفرقہ محض جہالت، اختیار قرأۃ عاصم موجب عمل برجزئیت نہیں، توختم میں کیانقصان، اور اگر ہے توفرض میں وجوب جہر کیوں نہیں، کیافرائض میں ہم قرآن

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۷/۲

بقراءت عاصم نہیں پڑھتے، بھلا ختم میں اتنا ہی ہے کہ سنت ناقص رہی، یہاں تو واجب ترک ہوتا ہے۔

افادہ تاسعہ: اقول: بطور مناظرہ علی التنزل اگر مان لیجئے کہ اختلاف قراء روایت جزئیت و عدم جزئیت ہے تاہم جس نے ختم میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھی اس نے یقیناً کلام اللہ ختم کیا نقص اگر ہوا تو روایت میں نہ کہ قرآن میں، تو پورے قرآن کا ثواب نہ ملنا کیا معنی، کیا سنت یہ ہے کہ مثلاً امام عاصم کی روایت تراویح میں پوری کی جائے یا یہ کہ قرآن عظیم کا ختم کامل ہو، اگر اول مانو تو محض باطل اور شرع مطہر پر کھلا افتراء کس دلیل شرعی کا حکم ہے کہ خاص فلاں روایت کا اہتمام مسنون، اور ثانی مانو اور وہی حق ہے تو قرآن عظیم تو بالقطع والیقین یوں بھی ختم ہوگیا پھر کامل ثواب نہ ملنا یعنی چہ، کیا بعض روایات پر قرآن کامل ہے بعض پر معاذاللہ ناقص، حاش للہ ہر طرح تام و کامل ہے ورنہ لازم آئے کہ بعض بلکہ ہر عرض میں حضور پر نور سید العالمین و حضرت جبریل روح الامین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم میں ناقص قرآن کا دور ہوا ہر قاری کے پاس ناقص قرآن رہا کہ ہر قراءت میں بہ نسبت دوسری کے کچھ نہ کچھ اثبات و حذف ہے، اپنے نزدیک تمامی عنداللہ تمامی کو مستلزم نہیں، اور جب عنداللہ تمامی تو نقص ثواب کا زعم رب العزت کی جناب میں سوئے ظن ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾[1] (بیشک اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ت) اگر کہئے گو یہ قرآن فی نفسہ تام و کامل ہے مگر مثلاً امام عاصم کے نزدیک پورا نہ ہوا۔

اقول: دو حال سے خالی نہیں یا تو قراء کے نزدیک روایات اُخر بھی متواترہ نہیں اور ان میں ایک کا اعتبار اس بنا پر کہ اپنے اساتذہ پر یونہی پڑھا اُن کے نزدیک اپنی ہی روایت متواتر ہوئی یا تواتر باقی پر اطلاع نہ ملی علی الاول بلاشبہ امام عاصم پر یہ اعتقاد فرض کہ کلام الٰہی پورا ختم ہوگیا اگرچہ اُن کی روایت پوری نہ ہوئی اور ثواب کامل اسی پر منوط تھا، نہ خاص ان کی روایت پر، وعلی الثانی جب ہم پر مہر نیمروز و ماہ نیم ماہ کی طرح اُن روایات کا تواتر روشن ہوگیا تو امام عاصم کا نہ جاننا، مطلع نہ ہونا کچھ حجت نہیں، غرض نہ عاصم کی روایت پر ثواب محصور نہ عاصم کے خیال کی تقلید ضرور جبکہ بالقطع والیقین حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کا خلاف بتواتر ماثور، کیا مزے کی بات ہے کہ امام مذہب بلکہ انصافاً امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب تو محض اپنے اس زعم باطل پر چھوڑا جائے کہ **اذا صح الحدیث فھو مذھبی** (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف ہے اور امام عاصم کا ایک خیال کہ عدم اطلاع پر مبنی ہوا، اس پر جمود ایسا ضرور کہ اس کے مقابل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر قطعی بھی نامنظور۔

---

[1] القرآن ۹/۱۲۰

افادہ عاشرہ: اگر بعد طلوع فجر ساطع وظہور حق لامع، اپنی خطا پر مطلع ہو کر دعوی نقصان ثواب سے عدول کرکے، اس راہ چلئے کہ بلاشبہہ قرآن بھی کامل ختم، ختم کامل کاثواب بھی حاصل مگر جبکہ ہم قرا ت امام عاصم اختیار کئے ہوئے ہیں تو ہم پر شرعًا یہی واجب کہ انہیں کی روایت پر قرآن ختم کریں۔

اقول: یہ بھی محض باطل اتباع قرا ت واحدہ صرف ہنگام روایت واجب ہے کہ روایت احدالقراء کا نام کرکے بعض حروف روایت دیگر پڑھے تو کذب فی النسبۃ وتخلیط وتغلیط لازم آئے کہ اس تقدیر پر اس کا مفاد، یوں ہوگا کہ یہ لفظ اس طرح اس امام کی روایت ہے حالانکہ وہ اس کی روایت نہیں، تلاوت میں تعیین قرا ت واجب نہیں کہ آخر سب قرآن اور سب حق منزل من عندالرحمٰن ہے تو تخصیص بعض وانکار بعض کے کیا معنی، اختلاف قرا ت مثل اختلافِ مذاہب نہیں کہ تعیین واجب یا تلفیق باطل ہو، یہاں اگر بعض سور بلکہ ایک سورت کی بعض آیات بلکہ ایک آیت کے بعض کلمات ایک قرا ت کے مطابق پڑھے اور بعض دیگر کے تو عندالتحقیق اصلًا ممانعت نہیں جب تک وہ تلفیق موجب اختلال نظم یا فساد معنی نہ ہو، اور اگر ایک کلام ختم ہو کر دوسری بات شروع ہو جب تو احق واولی بالجواز ہے خصوصًا جبکہ مجلس متبدل ہو، امام خاتم الحفاظ جلال الحق والدین سیوطی اتقان شریف میں امام سید القراء شیخ المقرئین شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری سے نقل فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان کانت احدی القرائتین مرتبۃ علی الاخری منع ذلك منع تحریم کمن یقرأ فتلقی اٰدم من ربه کلمٰت برفعهما اونصبهما اخذا رفع اٰدم من قراءۃ غیرابن کثیر ورفع کلمات من قراءته ونحوذلك مما لایجوزفی العربیۃ واللغۃ ومالم یکن کذلك فرق فیه بین مقام الروایۃ وغیرها فان کان علی سبیل الروایۃ حرم ایضا لانه کذب فی الروایۃ وتخلیط وان کان علٰی سبیل التلاوۃ جاز[1]۔	یہ کہنادرست ہوگا کہ دونوں قراءات میں ایک دوسری پر مرتب ہے تو یہ ممنوع بطور تحریم ہے جیسا کہ فتلقی اٰدم من ربہ کلمٰت میں لفظ "اٰدم" اور "کلمٰت" دونوں پر پیش پڑھے یا دونوں پر زبر پڑھے، یوں کہ "اٰدم" پر پیش کو غیر ابن کثیر کی قراءت سے اور "کلمٰت" کی پیش ابن کثیر کی قرا ت سے اخذ کرے، اس طرح یہ عربی میں اور لغت میں جائز نہیں، اور اگر ایسانہ ہو تو پھر روایت اور غیر روایت کے مقام میں فرق ہوگا، اور اگر روایت کے طور پر ہو تو بھی حرام ہے کیونکہ یہ روایت میں خلط اور کذب ہوگا، اور اگر بر سبیل تلاوت ہو تو یہ جائز ہے۔(ت)

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۱۰

ہاں ائمہ کرام نے حفظ دین عوام کو یہ وصیت فرمائی کہ جاہلوں کے سامنے قرأت غریبہ ووجوہ عجیبہ نہ پڑھیں کہ مبادا وہ انکاریا طعن یا استہزاء کی آفت میں نہ پڑیں، درمختار میں ہے:

یجوز بالروایات السبع لکن الاولی ان لایقرء بالغریبة عندالعوام صیانة لدینھم [1]۔	قرأت سبعہ پڑھنا جائز ہے مگر عوام کے لئے اجنبی قرأت کو نہ پڑھے تاکہ عوام کے دین میں خلل نہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله یجوز بالروایات السبع، بل یجوزبالعشر ایضا کمانص علیه اھل الاصول،قوله بالغریبة ای بالروایات الغریبة و الامالات، لان بعض السفھاء یقولون مالایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء، ولاینبغی للائمة ان یحملواالعوام علی مافیه نقصان دینھم،ولایقرؤ عندھم مثل قرأة ابی جعفر و ابن عامر و علی بن حمزة والکسائی صیانة لدینھم فلعلھم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراء ات والروایات صحیحة قطعیة ومشائخنا اختاروا اقرأة ابی عمر وحفص عن عاصم اھ عن التتارخانیة عن فتاوی الحجة [2]۔	قولہ روایت سبعہ جائز ہے بلکہ عشرہ بھی جائز ہے جیسا کہ اہل اصول نے تصریح کی ہے، قولہ اجنبی یعنی روایات اور امالات اجنبیہ کو نہ پڑھے کیونکہ بعض جاہل لوگ لاعلمی کی وجہ سے باتیں بنائیں گے اور گناہ اور بدی میں مبتلا ہوں گے، امامت کرانے والے حضرات کو مناسب نہیں کہ لوگوں کو دینی نقصان میں ڈالیں، اور ان کے سامنے امام ابو جعفر، ابن عامر، علی اور کسائی جیسی قرأت نہ کریں، ہوسکتا ہے کہ عوام لاعلمی کی بناپر ان کی قراء ات کو حقیر جانتے ہوئے ان پر ہنسنا شروع کردیں اور ان کا دین محفوظ رکھنا ضروری ہے اگرچہ یہ تمام قراء ات قطعی طور پر صحیح ہیں، جبکہ ہمارے مشائخ نے ابوعمرو کی عاصم سے روایت کردہ قراء ت کو اپنایا ہے اھ یہ فتاوی الحجہ سے تتارخانیہ کی روایت ہے۔(ت)

اسی طرح عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

افادہ حادیہ عشر: اقول: جس مصلحت کے لئے یہاں علمانے پیش عوام، روایت غریبہ کی

[1] درمختار فصل ویجھر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۰

[2] ردالمحتار فصل ویجھر الامام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۴۱

تلاوت سے منع کیا، مسئلہ بسملہ میں انصافاً دیکھئے تو ہمارے بلاد میں خاص صورت اخفاء میں ہے کہ یہاں کہ تمام حفاظ وقراء وسامعین عامہ مسلمین کے کان ہر سورت پر جہر بسم اللہ سے آشنا نہیں وہ اسے سن کر مخالفت کریں گے طعن واعتراض سے پیش آئیں گے تمہارے زعم میں یہ اعتراض اس امر پر ہوگا جو قرناً فقرناً حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر ہے، اور دوسرا امر جس کے وہ عادی ہیں یعنی اخفاء تم خود بھی مقر ہو کہ وہ بھی حق وصحیح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایسا ہی متواتر ہے تو اسی کو کیوں نہ لیجئے اور عکس کرکے مسلمانوں میں فتنہ عوام میں شورش کیوں پیدا کیجئے اب اپنے زعم باطل پر تم خود اس کے باعث ہوتے ہو کہ امر متواتر عن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مسلمانوں سے انکار واعتراض کراؤ کیا اسی کا شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے، کیا اسی پر قاری یا ملا ہونا رہ گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جب تک بات نئی بیگانہ، تازی، جدا، اکثر مسلمین کے گوش ناآشنا نہ ہو، شہرت نام کا ذریعہ نہیں ہوتی مگر پناہ بخدا، کہ قاریان قرآن، قرأت قرآن سے شہرت نام کی نیت رکھیں، علمائے کرام ایسے محل پر ترک افضل کی رائے دیتے ہیں نہ کہ ترک مساوی، امام علامہ جلال الدین زیلعی نصب الرایہ میں نقل فرماتے ہیں:

یسوغ للانسان ان یترك الافضل لاجل تالیف القلوب واجتماع الکلمۃ خوفا من التنفیر، کما ترك النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بناء البیت علی قواعد ابراھیم لکون قریش کانوا حدیثی عھد بالجاھلیۃ، وخشی تنفیرھم بذلک، ورای تقدیم مصلحۃ الاجتماع علی ذلک، ولما انکر الربیع علی ابن مسعود اکمالہ الصلوۃ خلف عثمان، قال الخلاف شر، وقد نص احمد وغیرہ علی ذلك فی البسملۃ وفی وصل الوتر وغیر ذلك مما فیہ العدول عن الافضل الی الجائز المفضول مراعاۃ لائتلاف المامومین اولتعریفھم السنۃ وامثال ذلك و ھذا اصل کبیر فی سد	لوگوں کی تالیف قلبی اور ان کو مجتمع رکھنے کے لئے افضل کو ترک کرنا انسان کے لئے جائز ہے تاکہ لوگوں کو نفرت نہ ہوجائے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ شریف کی عمارت کو اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر قائم رکھا تاکہ قریشی نو مسلم ہونے کی وجہ سے اس کی نئی بنیادوں پر تعمیر کو نفرت کی نگاہ سے نہ دیکھیں تو آپ نے اجتماع کو قائم رکھنے کی مصلحت کو مقدم سمجھا، اور جیساکہ حضرت ربیع نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز میں اختلاف کی بنا پر روکا تو انہوں نے فرمایا کہ خلاف کرنے میں شر ہے، اسی لئے امام احمد وغیرہ نے بسم اللہ اور وتر کے وصل وغیرہ کے بارے میں اس کی تصریح کی ہے، یہ وہ معاملات ہیں جن میں افضل سے عدول کرکے جائز مفضول کو

الذرائع[1]۔	اختیار کیا گیا ہے تاکہ مقتدی حضرات کی تالیف قلبی اور ان کی سنت شناسی وغیرہ کا پاس کیا جاسکے، یہ بات فتنہ کے سدّباب کے لئے بڑا ضابطہ ہے۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر تھا کہ بفرض باطل قطعیت جزئیت مان لی جائے ورنہ حق و تحقیق کا ایضاح پہلے ہو چکا اس تقدیر پر قاری وملا اپنی اس تنفیر واثارت فتنہ کی حدیں بتائیں یہاں تو بداہۃً عوام اس غیر قصدی الزام سے بھی محفوظ اور یہ تنفیر وایقاع اختلاف ویسے مستند معتمد سے نا محفوظ کما لایخفی واللہ الھادی (جیسا کہ مخفی نہیں، اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

افادہ ثانیہ عشر: یہاں تک دعوی قطعیت جزئیت ولزوم نقصان ختم کا رد تھا کہ بحمد اللہ باحسن وجوہ ظاہر ہوا اب بعونہ تعالٰی جہر واخفا کی طرف چلئے، تراویح میں جہر بسملہ کا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افترا ہے تواتر درکنار، زنہار کسی حدیث احاد سے بھی اس کا ثبوت نہیں، جہر فی التراویح توجدا، مطلقاً کسی نماز میں حضور والا صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا بسم اللہ شریف جہر سے پڑھنا ہرگز ہرگز متواتر نہیں، تواتر کیسا نفس ثبوت میں سخت کلام ونزاع ہے، امام حافظ عقیلی کتاب الضعفاء میں لکھتے ہیں:

لایصح فی الجھر بالبسملۃ حدیث مسند[2]۔ ذکرہ فی عمدۃ القاری۔	بسم اللہ میں کوئی حدیث مسند صحیح نہیں، اسے عمدۃ القاری میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام دارقطنی فرماتے ہیں:

لم یصح فی الجھر حدیث[3]۔ ذکرہ فی عنایۃ القاضی۔	جہر تسمیہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہوئی۔ اسے عنایۃ القاضی میں ذکر کیا گیا۔

یہی امام دارقطنی جب مصر تشریف لے گئے کسی مصری کی درخواست سے در بارہ جہر ایک جز تصنیف فرمایا بعض مالکیہ نے قسم دے کر پوچھا کہ اس میں کون سی حدیث صحیح ہے آخر براہ انصاف اعتراف فرمایا کہ:

کل ماروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر میں جو کچھ

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۳۲۸/۱

[2] عمدۃ القاری باب مایقول بعد التکبیر مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۸۸/۵

[3] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی مبحث البسملۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳۱/۱

وسلم فی الجھر فلیس بصحیح[1]۔ ذکرہ الامام الزیلعی عن التنقیح عن مشایخه عن الدار قطنی والمحقق فی الفتح۔	روایت کیا گیا ہے اس میں کچھ صحیح نہیں۔ اس کو امام زیلعی نے اپنے مشائخ کی تنقیح قرار دے کر دار قطنی سے نقل کیا ہے اور محقق نے فتح القدیر میں ذکر کیا۔

امام ابن الجوزی نے کہا:

لم یصح عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الجھر شیئ[2]۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جہر بسم اللہ میں کوئی روایت صحیح نہیں۔ اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔

یہاں تک کہ تنقیح میں احادیث جہر لکھ کر فرماگئے:

ھذہ الاحادیث فی الجملة لاتحسن بمن له علم بالنقل ان یعارض بھا الاحادیث الصحیحة، ولولاان یعرض للمتفقة شبھة عند سماعھا فیظنھا صحیحة لکان الاضراب عن ذکرھا اولی، ویکفی فی ضعفھا اعراض المصنفین للمسانید والسنن عن جمھورھا[3]۔	ان احادیث کو صحیح احادیث کے معارض قرار دینا نقل کے فن میں علم والے کو درست نہیں۔ اگر ان روایات کو فقیہ سن کر غلط فہمی کی بناپر صحیح گمان کرنے کاخدشہ نہ ہوتا تو ان کو ذکر نہ کرنا مناسب تھا، اوران روایات کے ضعف پر دلیل تمام مسانید وسنن کے مصنفین کا ان کو ذکر نہ کرنا ہی کافی ہے۔(ت)

خلاصہ یہ کہ وہ احادیث نہ احادیث صحیحہ کے مقابل نہ ذکر کے قابل، ولہذا مصنفان مسانید وسنن نے ان کے ذکر سے اعراض کیا نقله فی نصب الرایة (اس کو نصب الرایہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) خود پیشوائے وہابیہ ابن القیم نے اپنی کتاب مسمّٰی بالھدی میں لکھا:

فصحیح تلك الاحادیث غیرصریح وصریحھا غیرصحیح[4]۔نقله امام الوھابیه الشوکانی	ان حدیثوں میں جو صحیح ہے وہ جہر میں صریح نہیں اور جو جہر میں صریح ہے وہ صحیح نہیں۔ اس کو وہابیوں کے

[1] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۹
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب القراءۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۸۶
[3] نصب الرایہ بحوالہ التنقیح کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸
[4] نیل الاوطار باب ماجاء فی بسم اللہ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۸

فی نیل الاوطار۔	امام شوکانی نے نیل الاوطار میں ذکر کیا ہے۔

امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان احادیث الجھر لم تثبت[1]۔ اثرہ السید الازھری فی الفتح۔	خلاصہ یہ کہ جہر کی حدیثیں ثابت نہ ہوئیں۔ سیدازہری نے اس کو فتح میں نقل کیا ہے۔

امام زیلعی نصب الرایہ میں فرماتے ہیں:

ھذہ الاحادیث کلھا لیس فیھا صریح صحیح، ولیست مخرجۃ فی شیئ من الصحیح ولاالمسانید ولاالسنن المشھورۃ وفی رواتھا الکذّابون والضعفاء والمجاھیل[2] الخ	ان حدیثوں میں کوئی حدیث صریح و صحیح نہیں، نہ یہ صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں مروی ہوئیں ان کی روایتوں میں کذاب، ضعیف، مجہول لوگ ہیں الخ

امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

احادیث الجھر لیس فیھا صریح بخلاف حدیث الاخفاء فانہ صحیح صریح ثابت مخرجہ فی الصحیح والمسانید المعروفۃ والسنن المشھورۃ[3]	جہر کی حدیثوں میں کوئی حدیث صحیح وصریح نہیں بخلاف حدیث اخفاکہ وہ صحیح وصریح اور صحاح ومسانید وسنن مشہورہ میں ثابت ہے۔

۱امام اعظم ابوحنیفہ و ۲امام مالک و ۳امام شافعی و ۴امام احمد چاروں ائمہ مذہب اور ۵بخاری و ۶مسلم و ۷ابوداؤدو ۸ترمذی و ۹نسائی و ۱۰ابن ماجہ چھئوں ائمہ حدیث اور ۱۱دارمی وطحاوی و ۱۲ابن خزیمہ و ۱۳ابن حبان و ۱۴دارقطنی و ۱۶طبرانی و ۱۷ابویعلٰی و ۱۸ابن عدی و ۱۹بیہقی و ۲۰ابونعیم و ۲۱ابن عبدالبر اکابر حفاظ واجلہ محدثین اپنی صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم میں باسانید کثیرہ حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں:

صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلف ابی بکر و عمر و عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقرأ بسم اللہ الرحمٰن	میں نے حضوراقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی کے پیچھے نمازپڑھی ان میں کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہ سنا

[1] تبیین الحقائق فصل اذااراد الدخول فی الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امیریہ بولاق مصر ۱/۱۱۲

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۵

[3] عمدۃ القاری النوع الرابع اختلاف الفقہاء فی البسملۃ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/۲۹۱

الرحیم [1] هذا لفظ مسلم وفی لفظ للامام احمد والنسائی وابن حبان فی صحیحه وغیرهم باسناد علی شرط الصحیح کما افاده فی الفتح کانوالایجهرون ببسم الله الرحمٰن الرحیم [2] وفی لفظ لابن خزیمة والطبرانی وابی نعیم کانوا یسرون ببسم الله الرحمٰن الرحیم [3] ولابن ماجة فکلهم یخفون بسم الله الرحمٰن الرحیم [4] ۔	وہ بسم اللہ شریف کاجہر نہ فرماتے تھے وہ بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے، یہ امام مسلم کے الفاظ تھے، امام احمد، نسائی اور ابن حبان اپنی صحیح میں اور دوسروں نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ جیسا کہ فتح القدیر نے بیان کیاہے، جن کے الفاظ یہ ہیں کہ یہ حضرات بسم اللہ کاجہر نہ فرماتے تھے،اور ابن خزیمہ، طبرانی، ابونعیم کے الفاظ یہ ہیں کہ وہ بسم اللہ کوپوشیدہ پڑھتے تھے، اور ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں کہ، کہ وہ سب بسم اللہ کااخفاء فرماتے تھے۔(ت)

یہ وہ حدیث جلیل ہے جس کی تخریج پر چاروں ائمہ مذہب اور چھؤں اصحاب صحاح متفق ہیں بلکہ طبرانی ف نے انہیں سے روایت کی:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یسر ببسم الله الرحمٰن الرحیم وابابکر وعمر وعثمٰن وعلیا [5] ۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر وعمر وعثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم بسم اللہ شریف آہستہ پڑھتے تھے۔

امام الائمہ امام ابوحنیفہ وامام محمد وترمذی ونسائی وابن ماجہ وغیرہم ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

---

[1] صحیح مسلم باب حجۃ من قال لایجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۷۲

[2] مسند احمد بن حنبل مروی ازانس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/۱۷۹، ۲۷۵، فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ عنہ انہم کانوایسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۴۹

[4] سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[5] المعجم الکبیر مروی ازانس رضی اللہ عنہ حدیث ۷۳۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۵۵، صحیح ابن خزیمہ معنی قول انس رضی اللہ تعالٰی عنہم کانوایسرون الخ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۵۰

ف: طبرانی کبیر اور صحیح ابن خزیمہ میں عثمان وعلی رضی اللہ عنہما کاذکر نہیں۔ نذیر احمد

سمعنی ابی وانا اقول بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فقال ای بنی ایاك والحدث قال ولم ارا احدا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ابغض الیہ الحدث فی الاسلام یعنی منہ قال وصلیت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومع ابی بکر ومع عمر ومع عثمٰن فلم اسمع احدا منھم یقولھا فلاتقلھا، انت اذا صلیت فقل الحمد للہ رب العٰلمین[1]۔	یعنی مجھے میرے باپ نے نماز میں بسم اللہ شریف پڑھتے سنا، فرمایا اے میرے بیٹے! بدعت سے بچ۔ ابن عبداللہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ میں اُن سے زیادہ کسی کو اسلام میں نئی بات نکالنے کا دشمن نہ دیکھا، انہوں نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ساتھ نماز پڑھی کسی کو بسم اللہ شریف پڑھتے نہیں سنا تم بھی نہ کہو جب نماز پڑھو الحمد للہ رب العالمین، سے شروع کرو۔

انہی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی امام کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے سنا، پکار کر فرمایا:

یاعبداللہ انی صلیت خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم فلم اسمع احدا منھم یجھربھا[2]۔ رواہ الامام الاعظم ذکرہ فی الفتح۔	اے خدا کے بندے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھیں ان میں کسی کو بسم اللہ جہر سے پڑھتے نہ سنا، اس کو امام اعظم رحمہ اللہ نے روایت کیا اسے فتح میں ذکر کیا گیا ہے۔

امام اعظم وامام محمد وامام احمد وامام طحاوی وامام ابوعمر ابن عبدالبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرأۃ الاعراب[3]۔	بسم اللہ شریف آواز سے پڑھنی گنواروں کی قراءت ہے۔

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی ترک الجہر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۳۳، سنن ابن ماجہ باب افتتاح القراءت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹

[2] مسند الامام الاعظم بیان عدم الجہر بالبسملۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۵۸، فتح القدیر باب صفۃ الصلوۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] شرح معانی الآثار باب قراءت بسم اللہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۰، المصنف لابن ابی شیبۃ من کان لایجہر بسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن الخ کراچی ۱/۴۱۱

نیز اسی جناب سے مروی ہوا:

لم یجھر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالبسملۃ حتی مات[1]۔ ذکرہ المحقق فی الفتح۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی بسم اللہ شریف کا جہر نہ فرمایا یہاں تک کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اسے محقق نے فتح میں ذکر کیا۔

اثرم بسند صحیح عکرمہ تابعی شاگرد خاص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انا اعرابی ان جھرت ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم[2]۔	میں گنوار ہوں اگر بسم اللہ شریف جہر سے پڑھوں۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی:

حدثنا حماد بن زید عن کثیر بن شنظیر ان الحسن سئل عن الجھر بالبسملۃ فقال انما یفعل ذلک الاعراب[3]۔	حماد بن زید نے کثیر بن شنظیر سے بیان کیا کہ امام حسن بصری سے جہر بسم اللہ کا حکم پوچھا گیا، فرمایا یہ گنواروں کا کام ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں امام ابراہیم نخعی تابعی سے راوی: **الجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم بدعۃ**[4]۔ بسم اللہ شریف جہر سے کہنا بدعت ہے۔ اثرم انہیں سے راوی:

ماادرکت احدا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والجھر بھا بدعۃ[5]۔	میں نے صحابہ وتابعین میں کسی کو بسم اللہ شریف کا جہر کرتے نہ پایا اس کا جہر بدعت ہے۔

سبحان اللہ! حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر درکنار ان حضرات عالیہ کے نزدیک کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کیا یہ اجلہ صحابہ وتابعین معاذ اللہ اسے بدعت بتاتے یا گنواروں کا فعل کرسکتے تھے ولکن الجہلۃ یقولون مالایعلمون (لیکن جاہل لوگ غیر معلوم باتیں کرتے ہیں۔ت) نہایت کہ امام الفقہاء امام المحدثین اوحد الاولیا اوحد المجتہدین سیدنا امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اختیار جہر بسم اللہ کا قول سخت مہجور ومجور مانا اور اس کے اخفا کو افضل واولٰی سمجھنا تتمہ عقائد اہل سنت جانا محدث لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح راوی:

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[2] فتح القدیر باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۵۴

[3] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ سنن سعید بن منصور کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

[4] مصنف ابن ابی شیبہ من کان لایجھر ببسم اللہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۴۱۱

[5] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ بحوالہ الاثرم، کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ریاض الشیخ ۱/۳۵۸

یعنی شعیب بن جریر نے امام سفیان ثوری سے کہا مجھے عقائد اہلسنت بتادیجئے کہ اللہ عزوجل مجھے نفع بخشے اور جب میں اس کے حضور کھڑا ہوں اور مجھ سے ان کے متعلق سوال ہو تو عرض کردوں کہ الٰہی! یہ مجھے سفیان نے بتائے تھے تو میں نجات پاؤں اور جو پوچھ گچھ ہو آپ سے ہو تو فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں، اور اسی طرح اور عقائد ومسائل لکھوا کر فرمایا اے شعیب! یہ جو تم نے لکھا تمہیں کام نہ دے گا جب تک مسح موزہ کا جواز نہ مانو اور جب تک یہ اعتقاد نہ رکھو کہ بسم اللہ کا آہستہ پڑھنا، بآواز پڑھنے سے افضل ہے اور جب تک تقدیر الٰہی پر ایمان نہ لاؤ، جب تم اللہ عزوجل کے حضور کھڑے ہو اور تم سے سوال ہو تو میرا نام لے دینا کہ یہ عقائد ومسائل مجھے سفیان ثوری نے بتائے پھر مجھے اللہ تعالٰی کے حضور چھوڑ کر الگ ہو جانا۔	حدثنا المخلص نا ابو الفضل شعیب بن محمد نا علی بن حرب بن بسام سمعت شعیب بن جریر یقول قلت لسفین الثوری حدث بحدیث السنة ینفعنی اللہ بہ فاذا وقفت بین یدیہ وسألنی عنہ قلت یارب حدثنی بھذا سفین فانجوانا وتوخذ فقال اکتب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم القراٰن کلام اللہ غیرمخلوق منہ (وجعل یسرد الی ان قال) یاشعیب لاینفعك ماکتبت حتی تری المسح علی الخفین وحتی تری ان اخفاء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم افضل من الجھر بہ وحتی تؤمن بالقدر (الی ان قال) اذا وقفت بین یدی اللہ فسألك عن ھذا فقل یارب حدثنی بھذا سفین الثوری ثم خل بینی وبین اللہ عزوجل[1]۔

امام ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں فرماتے ہیں: **ھذا ثابت عن سفین وشیخ المخلص ثقة**[2]۔ یہ روایت سفیان سے ثابت ہے اور راوی ثقہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

افادہ ثالثہ عشر: اقول: ہم آفتاب روشن کی طرح ثابت کرآئے کہ اگر بفرض باطل مذہب ثابت نہیں کہ ان کا طریقہ نماز میں ہر جگہ جہر بسم اللہ تھا تاہم ان کی قراءت اختیار کرنی، ہرگز اسے مستلزم نہیں کہ نماز میں دربارہ جہر واخفاء اُن کی پیروی ضرور ہو کہ یہ مسئلہ فقہیہ ہے اور ہم فقہ میں اُن کے مقلد نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہمارے ائمہ کرام نے ان کی قراءت اختیار فرمائی اور نماز میں بسم اللہ شریف کے اخفاء کا حکم دیا، لاجرم ہمارے علماء نے صاف صریح تصریح فرمائی کہ جہر واخفائے بسم اللہ شریف میں امام قراءت کا اتباع بیرون نماز

[1] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۱۹۳

[2] تذکرۃ الحفاظ للذہبی عنوان سفیان بن سعید ثوری ۴۳ بحوالہ اللالکائی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱/۱۹۳

ہے نماز میں اخفاہی کرے۔ اور بیرون نماز بھی اتباع قاری خاص صرف بروجہ اولویت ہے نہ بطور وجوب ولزوم وضرورت۔

لما قدمنا ان القراء ات کلها حقة بالیقین لااحتمال فیها للخطأ ولاینافی بعضها بعضا فلاهجر فی شیئ منها لاجمعا ولاافراد مالم یؤد التلفیق الی التغییر بخلاف المجتهدات الخلافیة فان المجتهد یخطئ ویصیب فلا نعد وعما اعتقدنا انه صواب یحتمل الخطأ الی ماظننا انه خطأ یحتمل الصواب ولئن لفقت لربما اتفق الاقوال علی فساد العمل۔	جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے کہ تمام قراءات برحق ہیں، ان میں خطاء کا احتمال نہیں ہے اور ایک دوسرے کے منافی بھی نہیں ہیں، لہٰذا ان کو ملاکر پڑھنا یا علیحدہ علیحدہ پڑھنا اس وقت تک جائز ہے جب تک ان کا مختلف انداز معنی کی تبدیلی پیدا نہ کرے۔ اس کے برخلاف اجتہادی اختلافی مسائل میں چونکہ مجتہد کے اجتہاد میں درستی اور خطا دونوں کا احتمال موجود ہے اس لئے وہاں ہم اپنے ظن میں درست کو اپنائیں گے اور جس کو ہم خطا سمجھیں گے اس کو نہیں اپنائیں گے کیونکہ ہم اعتقاد کے پابند ہیں اگرچہ فی الواقع اس کی خطاء کا احتمال ہے، اور یہاں اجتہادی مسائل میں مختلف مجتہدین کے اجتہاد کو اپنانا عمل میں فساد پیدا کردے گا۔ (ت)

مجتبی شرح قدوری پھر کفایہ شرح ہدایہ پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

لایجهر بها فی الصلٰوة عندنا خلافا للشافعی وفی خارج الصلٰوة اختلاف الروایات و المشایخ فی التعوذ والتسمیة قیل یخفی التعوذ دون التسمیة والصحیح انه یتخیر فیهما ولکن یتبع امامه من القراء وهم یجهرون بهما الا حمزة فانه یخفیهما[1] اھ۔	ہمارے نزدیک نماز میں جہر نہیں ہے، امام شافعی اس کے خلاف ہیں، اور خارج از نماز بسم اللہ اور اعوذ باللہ میں مشائخ اور روایات کا اختلاف ہے ایک قول میں اعوذ باللہ کو مخفی اور بسم اللہ کو جہر کے ساتھ لیکن صحیح یہ ہے کہ قاری کو اختیار ہے کہ دونوں کو آہستہ پڑھے یا بلند پڑھے، لیکن ائمہ قراء میں سے اپنے امام کی اتباع بہتر ہے امام حمزہ جہر کے قائل نہیں ہیں باقی ائمہ جہر کے قائل ہیں اھ (ت)

بحمد اللہ تعالٰی یہ خیالات وہابیہ کے رَد میں ہمارے علماء کا نص صریح ہے۔

افادہ رابعہ عشر: اقول: وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ روایات قراء

[1] ردالمحتار بحوالہ الکفایہ عن المجتبٰی فصل واذاارادالشروع فی الصلوٰۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۹۰

طبقۃًفطبقۃًقرناًفقرناًبذریعہ تدریس وتعلیم وتلقی تلامذہ عن الشیوخ ہیں تو یہ جہر واخفااوقات تعلیم واقرا کی خبر دیتے ہیں نہ خاص حال نماز کی، حضورپرنور سیدالعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد توطریقہ تعلیم قرآن عظیم معین رہاکہ تلامذہ پڑھتے استاذ سنتے بتاتے، نہ یہ کہ نمازوں میں سن سن کر سیکھتے جس میں سوال وجواب وتفہیم وتفہم کا کوئی موقع نہیں، بیرون نماز بھی قراءت شیوخ کا دستور نہ تھابلکہ اسے ناکافی سمجھتے اگرچہ یہاں ممکن تھاکہ جوطرز ادا تلمیذ کی سمجھ میں نہ آتادریافت کرلیتا استاد اعادہ کردیتا۔ اتقان شریف میں ہے:

اوجه التحمل عند اهل الحدیث السماع من لفظ الشیخ والقراءۃ علیه، والسماع علیه بقراءۃ غیرہ، والمناولة والاجازۃ والمکاتبة والعرضیة والاعلام والوجادۃ، فاما غیرالاولین فلایاتی هنا لما یعلم مما سنذکرہ، واما القراءۃ علی الشیخ فهی المستعملة سلفا وخلفا، واما السماع من لفظ الشیخ فیحتمل ان یقال به هنا لان الصحابة رضی الله عنهم انما اخذوا القراٰن من فی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکن لم یأخذ به احد من القراء والمنع فیه ظاهر لان المقصود ههنا کیفیة الاداء ولیس کل من سمع من لفظ الشیخ یقدر علی الاداء کهیأته، بخلاف الحدیث فان المقصود فیه المعنی اواللفظ لابالهیاٰت المعتبرۃ فی اداء القراٰن، واما الصحابة فکانت فصاحتهم وطباعهم السلیمة تقتضی قدرتهم علی الاداء کما سمعوہ من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانه نزل بلغتهم، ومما یدل للقراءۃ علی الشیخ	محدثین کے ہاں اپنے شیخ سے حدیث اخذ کرنے کے کئی طریقے ہیں، شیخ کے الفاظ کو سننا، شیخ پر پڑھنا، دوسرے شاگرد کو پڑھتے ہوئے سننا، لکھے ہوئے کو لینا، مرویات کی اجازت لینا، لکھنا، وصیت کے طور پر اپنانا، اطلاع حاصل کرنا، شیخ کے لکھے ہوئے کو پہچان کر یاد کرنا، لیکن قرآن کی قراءت کے بارے میں پہلے دوطریقوں کے علاوہ دوسرے طریقے جائز نہیں جیساکہ اس کی وجہ ہم بیان کریں گے، یہاں قراءت میں شیخ پر شاگرد کاپڑھنا ابتداء سے آج تک مروّج ہے اور شیخ سے سننا بھی یہاں جائز ہوسکتا ہے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے قرآن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے سن کر اخذ کیا ہے، لیکن قراء حضرات نے اس طریقہ کو نہیں اپنایا اس کی وجہ یہ ہے کہ قراءۃ میں ادائیگی کی کیفیت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ استاذ کی ادائیگی کی کیفیت کو محض سننے پر اخذ کرلے، لہٰذا قراءت میں یہ طریقہ منع ہے مگر حدیث میں معاملہ اس کے برخلاف ہے کیونکہ یہاں معنی یا لفظ مقصود ہوتے ہیں لیکن ادائیگی والی کیفیت قرآن کی طرح یہاں معتبر نہیں ہے، ہاں صحابہ کرام کامعاملہ

عرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القراٰن علٰی جبریل فی رمضان کل عام[1] ھ	الگ ہے کیونکہ وہ اپنی فصاحت اور سلامتی طبع کی بناء پر حضور علیہ السلام سے سن کر قراءت کو اسی کیفیت سے ادا کرنے پر قدرت رکھتے تھے اور اس لئے بھی کہ قرآن ان کی لغت میں نازل ہوا ہے، اور قرآن کو اخذ کرنے میں شیخ کو سنانے والا طریقہ اس لئے بھی جائز ہے کہ ہر سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رمضان میں جبرائیل علیہ السلام کو قرآن سناتے تھے اھ (ت)

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اگرچہ بسبب کمال افادہ حضور فاعل کامل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و نہایت استعداد نفوس قوابل رضی اللہ تعالٰی عنہم حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سن کر سیکھا مگروہ بھی بطور تعلیم و تلقین ظاہر و باطن و نظم و معنی و حکم وحکمت تھا نہ یوں کہ صرف نماز میں قراءت اقدس سے لفظ یاد کرلئے، صحابہ کرام دس دس آیتیں مع ان کے علم و عمل کے سیکھتے جب ان پر قادر ہوجاتے دس اور تعلم فرماتے۔ اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ برس میں سورہ بقر حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پڑھی جب ختم فرمائی ایک اونٹ ذبح کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آٹھ سال میں پڑھی کہ جس قدر تدبر زائد دیر زائد، ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، قال:

کنا اذا تعلمنا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات من القراٰن لم نتعلم من العشر التی نزلت بعدھا حتی نعلم مافیہ. فقیل لشریک من العمل قال نعم[2]	ہم جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کی دس آیات کا علم حاصل کرتے تو اس کے بعد والی دس آیات کی تعلیم حاصل نہ کرتے جب تک پہلی آیات میں بیان شدہ اعمال کو معلوم نہ کرلیتے۔ شریک سے پوچھا گیا کہ آیات کے بیان شدہ اعمال سیکھنا مراد ہے، توانھوں نے کہاہاں۔ (ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف میں ابوعبدالرحمٰن سلمی سے راوی، قال:

حدثنا من کان یقرینا من اصحب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کان یقترؤن من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشر اٰیات ولایأخذون فی العشر الاخری	صحابہ کرام میں سے جو حضرات ہمیں قراءت پڑھاتے انہوں نے فرمایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس آیات پڑھتے اور ان کے بعد دس آیات کو اس وقت تک اخذ نہ کرتے جب تک پہلی دس آیات کے علم و عمل کو

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الرابع والثلاثون الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۹۹

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر عنوان عبداللہ بن مسعود بن غافل نمبر ۲۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۴/۵۹

حتی یعلموا مافی ھذہ من العلم والعمل فانا علمنا العلم والعمل[1]۔	نہ سیکھ لیتے، یوں ہم علم اور عمل دونوں کو حاصل کرتے۔ (ت)

ابن سعد طبقات میں بطریق عبداللہ بن جعفر عن ابی الملیح عن میمون اور امام مالک موطا میں بلاغًا راوی:

ان ابن عمر تعلم البقرۃ فی ثمان سنین[2]۔	بیشک عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقرہ کو آٹھ سال میں سیکھا۔ (ت)

خطیب بغدادی کتاب رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا[3]۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہنے سورہ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، جب انہوں نے اسے ختم کیا تو ایک اونٹ ذبح کیا۔ (ت)

توظاہر ہوا کہ یہ روایات جہر واخفا قراءات خارج از نماز کی نقل ہیں اب بحمداللہ تعالٰی اس ارشاد علماء کا راز واضح ہوا کہ بیرون نماز اتباع امام قراءت مناسب ہے اس کی نظیر منیر مسئلہ تعوذ ہے عامہ قرا کا اس کے جہر پر اتفاق ہے۔ امام اجل ابو عمرو دانی نے اس پر اجماع عــہ اہل ادا نقل فرمایا، امام عارف باللہ شاطبی نے باوصف حکایت خلاف، تصریح فرمائی کہ ہمارے حفاظ رواۃ اس کا اخفا نہیں مانتے۔ تیسیر باب ذکر الاستعاذہ میں ہے:

لااعلم خلافا بین اھل الاداء فی الجھر بھا عندافتتاح القراٰن وعند الابتداء برؤس الاجزاء وغیرھا فی مذھب الجماعۃ اتباعا للنص واقتداء بالسنۃ[4]۔	قرآنی نص اور سنت کی اتباع میں قرآن کی ابتداء میں اور پاروں وغیرہ کی ابتداء میں تلاوت شروع کرتے وقت جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اعوذ باللہ کو جہر سے پڑھنے میں اہل ادا یعنی قراء حضرات کا اختلاف نہیں ہے۔ (ت)

عــہ ای وان جاءت الروایۃ علی انحاء وصلھا منہ	اگرچہ تعوّذ کے بارے میں مختلف صورتیں مروی ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب فضائل قرآن ۷۵۵احدیث ۹۹۷۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/۴۶۰
[2] موطا امام مالک باب ماجاء فی القرآن مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰
[3] رواۃ مالک للخطیب بغدادی
[4] تیسیر باب ذکر الاستعاذہ

حرز الامانی ووجہ التہانی میں ارشاد فرمایا: ؎

اذا ما اردت الدھر تقرء فاستعذ

جھارا من الشیطان باللّٰہ مسجلا[1]

(تو زندگی بھر جب بھی قرآن کی قراءت کرے تو اعوذ باللّٰہ کو بلند آواز سے پڑھ، مسجّلًا۔ت) سراج القاری میں ہے:

"قولہ مسجلا ای مطلقا لجمیع القراء و فی جمیع القراٰن"۔[2]	اس کا قول مسجّلًا یعنی تمام قراء حضرات کے نزدیک اور تمام قرآن میں۔(ت)

پھر فرمایا: ؎

واخفاؤہ فصل آباہ وعاتنا

وکم من فتی کالمھدوی فیہ اعملا[3]

اس کی شرح میں ہے:

ای روی اخفاء التعوذ عن حمزۃ ونافع اشار الی حمزۃ بالفاء من فصل والی نافع بالالف من اباہ وجھر بہ الباقون وھم ابن کثیر و ابوعمرو وابن عامر وعاصم والکسائی ھذا ھو المقصود بھذا النظم بالباطن ونبہ بظاھرہ علی ان من ترجع قراء تہ الیھم من الامۃ ابوالاخفاء ولم یاخذوا بہ بل اخذوا بالجھر للجمیع ولذلك امربہ مطلقا فی اول الباب[4]۔ ملخصا	یعنی امام حمزہ اور نافع سے اعوذ باللّٰہ کا اخفاء مروی ہے "فصل" کی فاء سے حمزہ کی طرف "آباہ" کے الف سے نافع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور باقی قراء حضرات نے اعوذ باللّٰہ کو جہر مانا ہے اور باقی حضرات یہ ہیں: ابن کثیر، ابو عمرو، ابن عامر، عاصم اور امام کسائی۔ باطنی طور پر اس نظم کا یہ مقصد ہے، اور ظاہر میں انہوں نے یہ تنبیہ کی ہے کہ جن ائمہ کی طرف قراءت منسوب ہے انہوں نے اخفاء کا انکار کیا ہے اور اس پر عمل نہیں کیا بلکہ انہوں نے اعوذ باللّٰہ کا جہر کیا ہے اور یہاں اول میں مطلقًا کہہ کر تمام قرآن میں تعوذ کے جہر کی طرف اشارہ کیا ہے(ت)

---

[1] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰

[2] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی، باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۱

[3] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰

[4] سراج القاری المبتدی شرح منظومہ حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۲

اب کون عاقل کہے گا کہ یہ اطباق جمہور رواۃ واتفاق جمیع اہل ادا، نماز وغیر نماز سب کو شامل، وہ سب تمام قراء کے طور پر نماز میں بھی اعوذ بجہر پڑھتے تھے، حاشا، بلکہ قطعًا یہ روایات ونقول سب محل روایت وتلاوت بیرون نماز سے متعلق ہیں لاجرم شرح میں فرمایا:

قولہ فاستعذ جھارا ھوالمختار لسائر القراء وھذا فی الاستعاذۃ القاری علی المقریٔ اوبحضرۃ من یسمع قرائتہ امامن قرأ خالیا اوفی الصلوٰۃ فالاخفاء اولی[1]۔	اس کا قول "جھارا" یہ تمام قراء حضرات کا قول ہے، یہ اس صورت میں ہے جب قاری استاذ کے سامنے یا مجمع میں پڑھے، لیکن اگر کوئی شخص خلوت میں یا نماز میں قراءت کرے تو پھر اخفاء کرنا اولٰی ہے(ت)

امام جلیل جلال سیوطی اتقان میں کتاب النشر امام القراء محمد محمد ابن الجزری سے ناقل:

المختار عند ائمۃ القراءۃ الجھر بھا وقیل یسر مطلقا وقیل فیما عدا الفاتحۃ وقد اطلقوا اختیار الجھر وقیدہ ابوشامہ بقید لابد منہ وھو ان یکون بحضرۃ من یسمعہ لان الجھر بالتعوذ اظھار شعار القراءۃ کالجھر بالتلبیۃ وتکبیرات العید ومن فوائدہ ان السامع ینصت للقراءۃ من اولھا لایفوتہ منھا شیئ واذا اخفی التعوذ لم یعلم السامع بھا الابعد ان فاتہ من المقر وشیئ وھذا المعنی ھو الفارق بین القراءۃ فی الصلوٰۃ وخارجھا[2] اھ۔	قراءت کے ائمہ کے ہاں اعوذ باللہ کا جہر ہے اور ایک قول میں یہ ہے کہ اس کو مطلقًا آہستہ پڑھے، اور ایک قول میں ہے کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن میں آہستہ پڑھے جبکہ جہر کا عموم راجح ہے، اور ابوشامہ نے اس جہر کو ایک ضروری قید سے مقید کیا ہے کہ جب مجلس میں سننے والے ہوں تو جہر کرے کیونکہ اعوذ باللہ کا جہر قراءۃ کا شعار ہے اور اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قاری اعوذ باللہ کا جہر کرے گا توسامع ابتداء سے ہی خاموشی سے سننا شروع کرے گا اور اس کا سماع فوت نہ ہوگا، اور جب اعوذ باللہ کو آہستہ پڑھے گا تو سامع کو تلاوت کے شروع ہونے کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کچھ سماع ابتداء فوت ہوجائے گا، نماز اور خارج نماز اعوذ باللہ کے بارے میں یہی وجہ فرق ہے۔(ت)

افادہ خامسہ عشر: قرآنیت بسم اللہ ضرور حق ہے مگر وہ ہرگز من حیث الروایہ ثابت

[1] سراج القاری المبتدی شرح حرز الامانی باب الاستعاذہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۳۱

[2] اتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۵

نہیں بلکہ کتابت مصاحف واجماع علی التجرید سے، ولہذا جب امام ولی صالح قدس سرہ المجید نے قصیدہ میں فرمایا:

وبسمل بین السورتین بسنة

رجال نموها دریة وتحملا

(دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ سنت صحابہ سے ثابت ہے جس کوانہوں نے جاری رکھا، عقل ونقل کے طورپر)

شارح علامہ نے صاف تصریح فرمادی کہ اراد بالسنة التی نموها کتابة الصحابة لها فی المصحف (سنت التی نموھا سے مراد صحابہ کرام کابسم اللہ کو مصحف شریف میں لکھنا ہے۔ت) پھراس کاحاصل بھی صرف اس قدر کہ بسم اللہ کلام الٰہی ہے نہ یہ کہ ہرسورت کی جز ہے یاختم میں ہرجگہ اس کاجہرلازم کمامر فی الافادة السادسة (جیسا کہ چھٹے افادہ میں گزرا۔ت) اور جب اسے چھوڑ کر نفس روایت بمعنی متعارف کی راہ لیجئے اور صرف اس کی صحت کو مناط مان کر اثبات مدعا کاحوصلہ کیجئے تو یہ محض باطل وہوس عاطل، فقط صحت روایت پرمدار قراءت ہونے سے کیامقصود ہے، آیا یہ کہ صرف اس قدر سے قرآنیت ثابت ہوجاتی ہے توقطعًامردود کہ قرآنیت بے دلیل قطعی یقینا مفقود، افادہ ششم میں اس کابیان موجود۔

اقول: ولانسلم انه فی القرآن حتی عن السبعة مالم یتواتر وان اشتهر بل القرآن متواتر قطعا بجمیع اجزاء ہ وان لم تقف انت علی تواتر بعضه فلیس من شرط المتواتر ہ عندک۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قرآن ہونا محض شہرت سے اگرچہ سبعہ سے منقول ہو ثابت نہیں ہوگاجب تک قطعی تواتر سے تمام اجزاء منقول نہ ہوں، اگرتجھے تواتر کابعض اجزاء کے بارے میں علم نہیں تو متواتر ہونے کے لئے تیرے ہاں تواتر ضروری بھی نہیں ہے۔(ت)

اتقان میں ہے:

لاخلاف ان کل ماهو من القرآن یجب ان یکون متواترا فی اصله واجزاء ہ واما فی محله ووضعه وترتیبه فکذلك عند محققی اهل السنة للقطع بان العادة تقضی بالتواتر فی تفاصیل مثله لان هذا	اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جوکچھ قرآن کاحصہ ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود اوراس کے تمام اجزاء متواتر ہوں، قرآنی حصہ کا محل، مقام اور ترتیب بھی اسی طرح متواتر ہونا اہلسنت کے محققین کے ہاں ضروری ہے کیونکہ اس معاملہ میں تفصیل عادتًا تواتر سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ

المعجز العظیم الذی ھو اصل الدین القویم والصراط المستقیم مما تتوفر الدواعی علی نقل جملہ وتفاصیلہ فما نقل اٰحادا ولم یتواتر یقطع بانہ لیس من القراٰن قطعا الخ[1]۔	یہ عظیم معجزہ جو کہ دین قویم اور صراط مستقیم کی بنیاد ہے اس کے اجمال وتفصیل کے دواعی وافر طور پر پائے جاتے ہیں، جو اجزاء خبر واحد یا غیر متواتر طور پر ثابت ہوں ان کے قطعی طور پر قرآن ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا الخ(ت)

اور اگر یہ مراد کہ جب روایت صحیح ہو، رد نہ کریں گے صرف اسی قدر پر پڑھنا جائز سمجھیں گے تو اوّلاً یہ بھی چاروں مذہب میں باطل جمہور محققین قراء ومحدثین وفقہاء واصولیین اس کے بطلان کے قائل،

اقول: کیف لا وانما الکلام فی قراء تہ قراٰنا وھی موقوفۃ علی ثبوت قراٰنیتہ الموقوف علی تواترھا والا فلاشك فی جواز قراءۃ الاٰحاد بل الشواذ للاحتجاج بھا فی حکم کخبر الواحد اولاستشھاد بھا علی مسئلۃ ادبیۃ مثلا اذا لم یعتقد قراٰنیتھا ولم یوھمھا والاحرم باجماع مسلمین کما نص علیہ فی غیث النفع عن ابی القاسم النویری فی شرح طیبۃ النشر عن الامام ابی عمر فی التمھید۔	**اقول:** یہ کیسے نہ ہو جبکہ بحث قرآن ہونے کے لحاظ سے قراءت میں ہے، قراءت بطور قرآن کا ثبوت اس کے قرآن ہونے پر اور قرآن ہونا موقوف ہے اس کے تواتر پر، ورنہ محض قراءت کا جواز تو آحاد بلکہ شاذ سے بھی ثابت ہوجاتا ہے جبکہ اس سے کسی ادب کے بارے مسئلہ پر شاہد بنانا مقصود ہو بشرطیکہ اسے قرآن نہ سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے قرآن ہونے کا وہم پیدا ہو، ورنہ قرآن ہونے کا اعتقاد کرنا تمام مسلمانوں کے اجماع پر حرام ہے جیسا کہ اس کی تصریح غیث النفع میں ابو القاسم نویری کے حوالہ سے کی ہے کہ انہوں نے طیبۃ النشر کی شرح میں امام ابو عمر کے حوالہ سے کہ انہوں نے تمہید میں ذکر کیا ہے۔(ت)

غیث النفع میں ہے:

مذھب الاصولیین وفقھاء المذاھب الاربعۃ والمحدثین والقراء ان التواتر شرط فی صحۃ القراءۃ ولاتثبت	اہل اصول، چاروں فقہاء کرام، محدثین اور قراء حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قرآن کی قراءت کے طور پر متواتر ہونا ضروری ہے، اور محض صحیح سند سے ثابت ہونا

[1] الاتقان النوع الخامس والثلاثون فی آداب تلاوتہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۷

بالسند الصحیح غیرالمتواتر ولو وافقت رسم المصاحف العثمانیۃ والعربیۃ وقال الشیخ ابو محمد مکی القراءۃ الصحیحۃ ماصح سندھا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وساغ وجھھا فی العربیۃ ووافقت خط المصحف وتبعہ علی ذلك بعض المتأخرین ومشی علیہ ابن الجزری فی نشرہ وطیبتہ وھذا قول محدث لایعول علیہ ویؤدی الی تسویۃ غیرالقراٰن بالقراٰن ولایقدح فی ثبوت التواتر اختلاف القراء فقد تواتر القراءۃ عند قوم دون قوم [1] الخ	کافی نہیں ہے اگرچہ وہ الفاظ مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط اور عربی کلام کے معیار پر کیوں نہ ہو، شیخ ابو محمد مکی نے فرمایا کہ قراءۃ صحیحہ وہ ہے کہ جس کی سند حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک صحیح ہو اور اس کا انداز عربی ہو اور قرآنی رسم الخط کے موافق ہو، اس کو بعض متاخرین نے معیار بنایا ہے اور ابن جزری نے بھی اپنی کتاب نشر اور طیبہ میں اس کی پیروی کی ہے حالانکہ یہ معیار نئی بات ہے اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس سے قرآن اور غیر قرآن مساوی ہوجائیں گے، تواتر کے ثبوت میں قراء حضرات کا آپس کا اختلاف مانع نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تواتر سے قراءت کرتا ہے اگرچہ ہر ایک کا تواتر مختلف ہے الخ (ت)

اور بعض متاخرین کہ جائز رکھتے ہیں وہ بھی شہرت واستفاضہ وقبول قراء شرط کرتے ہیں، مجرد صحت روایت پر قناعت کسی معتمد فی الفن کا قول نہیں، خود امام ابن الجزری جنہوں نے نشر میں یہ ضابطہ باندھا کہ:

کل قراءۃ وافقت العربیۃ ولوبوجہ ووافقت احدی المصاحف العثمانیۃ ولواحتمالا وصح سندھا فھی القرأۃ الصحیحۃ [2] ۔	ہر وہ قراءت جو کسی طرح عربی معیار، مصاحف عثمانیہ میں سے کسی سے موافق ہونے کا احتمال، اور اس کی سند صحیح ہو تو یہ قراءۃ صحیحہ ہے۔(ت)

انہیں نے اس ضابطہ کی تشریح میں آپ ہی فرمایا:

اذا کانت القراءۃ مماشاع وذاع وتلقاہ الائمۃ بالاسناد الصحیح اذ ھوالاصل الاعظم و الرکن الاقوم [3] ۔	جب وہ قراءۃ مشہور و معروف ہو اور امت نے صحیح سند سے اس کو قبول کرلیا ہو، یہ اس لئے ضروری ہے کہ تلقی اُمت، رکن اعظم اور مضبوط بنیاد ہے (ت)

---

[1] غیث النفع فی القراءات السبع علی ھامش سراج القاری، فوائد تشدید الحاجۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۵،۶

[2] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۵

[3] الاتقان بحوالہ کتاب النشر لابن جزری النوع الثانی الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۷۵

پھر فرمایا:

نعنی به ان یروی تلك القراء ۃ العدل الضابط عن مثله وھکذا حتی تنتھی و تکون مع ذلك مشھورۃ عند ائمۃ ھذا الشان[1]۔	ہماری مراد یہ ہے کہ اس قراءت کو عادل کامل ضبط شخص نے اپنے ہی جیسے سے آخر تک سلسلہ وار روایت کیا ہو اور اس کے باوجود وہ ایسے ہی عظیم شخصیات کے ہاں مشہور بھی ہو۔(ت)

امام جلیل جلال سیوطی جنہوں نے یہاں کلام امام القراء کی تعریف کی اگرچہ اس کے بعد وہ کلام، مذکور سابق افادہ فرمایا جس نے اس کے مضمون کی تضعیف عـــہ۱ کی:

اعنی لاخلاف ان کل ماھو من القرأن یجب ان یکون متواترا[2] الی اخر مامر۔	یعنی جو بھی قرآن ہے اس کا متواتر ہونا واجب ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(ت)

اس کلام کی تلخیص میں فرماتے ہیں:

اتقن الامام ابن الجزری ھذا الفصل جدا وقد تحرر لی منه ان القراء ات انواع الاول المتواتر الثانی المشھور وھو ماصح سندہ ولم یبلغ درجة التواتر و وافق العربیة والرسم واشتھر عند القراء و یقرؤ به علی عـــہ ماذکر ابن الجزری الثالث الاٰحاد وھو ماصح سندہ وخالف الرسم او العربیة اولم یشتھر الاشتھار المذکور ولا یقرؤبه[3] ھ۔	امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ قراء تیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو، اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ (ت)

عـــہ۱ بلکہ یہاں بھی ایک لفظ سے اپنی براءت اس سے ظاہر فرمادی کماسیأتی ۱۲منہ (م)

عـــہ۲ ھذہ کلمۃ التبری ۱۲منہ (م)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ کتاب النشر النوع الثانی والثالث مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۷

3

امام ابن جزری نے اس بحث کو خوب مضبوط بنایا، مجھے ان کی بحث سے یہ واضح ہوا کہ قراء تیں کئی قسم ہیں، ایک متواتر، دوسری مشہور، یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو مگر درجہ تواتر کو نہ پہنچی ہو اور عربی قواعد اور رسم الخط کے موافق ہو، اور قراء حضرات کے ہاں مشہور ہو اور اس کی قراءت کی جاتی ہو، جیسا کہ ابن جزری نے ذکر کیا ہے، اور تیسری احاد ہے اور یہ وہ ہے کہ جس کی سند صحیح ہو لیکن عربی رسم الخط یا قواعد کے خلاف ہو اور مذکورہ شہرت کے معیار کو نہ پائے اور نہ ہی اس کی قراءت کی جاتی ہو اھ (ت)

ثانیًا اگر بالفرض یہ مسلم بھی ہو تو اس سے حاصل کتنا، جواز قراءت نہ بروجہ قرآنیت، یہ محض ایک امر زائد وخارج ہے جس سے نہ لزوم وضرورت ثابت ہوسکے نہ بحال ترک کسی عاقل کے نزدیک، حکم نقصان ختم کی راہ ملے،

اللھم الا عند مجنون نابذ العقول لایسمع ما یقال ولا یدری مایقول۔	اے اللہ! مگر جو مجنون بے عقل ہو جو بات کو نہ سنے نہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (ت)

بالجملہ یہاں تین چیزیں اثبات مسلمین کتابت مصاحف، روایت منصوصہ۔

اول: تو اولا بحث سے محض برکراں جس سے جزئیت سور درکنار، قرآنیت کا اثبات بھی ظاہر البطلان،

ثانیًا: روایات جہر واثبات، سب بیرون نماز کی حکایات، اس سے مطلق نماز یا خاص تراویح پر حکم ناقابل التفات۔

ثالثًا: بفرض باطل بطور مناظرہ، ادعائے نقصان ختم میں، یوں بھی کلام، کہ خلاف واثبات دونوں طور پر قرآن تمام۔

دوم: ثبوت قرآنیت پر ضرور دلیل مبین مگر حاشا جزئیت سور وجہر فی الصلوٰۃ سے علاقہ نہیں، نہ تکرر نزول تعدد آیات پر دلیل معقول، تو ایک بار پر اقتصار میں، نقصان ختم، کازعم مخذول۔

سوم کی دو صورتیں ہیں: تواتر یا مجرد صحت، اور ہر ایک دربارہ جہر فی التراویح یا درباب جزئیت بسم اللہ شریف میں تواتر نص تو سرے سے دربارہ قرآنیت ہی نہیں تا بجزئیت چہ رسد اور جہر مذکور وجزئیت سور میں نفس صحت معدوم، تا بتواتر چہ کشد، خود قائلان جزئیت، مصرحان ظنیت اور نافیان ظنیت اور عند التحقیق انتفائے قطعیت خود انتفائے جزئیت ولہذا اصحابہ وتابعین وجمہور ائمہ دین کو اس سے انکار اور قول جزئیت کے محدث ونو پیدا ہونے کا صاف اظہار، ہاں صرف دربارہ فاتحہ، بعض اخبار آحاد مذکور، کہ عند المحققین مخالفت قاطع کے سبب مہجور اور مجرد صحت روایت پر اقتصار وقناعت باطل ومقہور، پھر علی التسلیم ان سے ثابت ہوگا تو وہ امر جدید جو دعوی مخالف کے عموم وخصوص دونوں کا مخالف ورد شدید یعنی صرف جزئیت فاتحہ تو ہر سورت پر جہر کے لئے، یہ تعمیم سور کارد ہوا اور فاتحہ کے ساتھ فرائض جہریہ میں اخفاء کس وجہ سے، اس نے تخصیص تراویح کو باطل کیا، یہ تو امور ثابتہ تھے ولو بوجہ جن میں مخالف کے لئے اصلاً سند نہ کوئی صورت کسی پہلو پر اس کی مستند اور یہیں سے واضح کہ مسئلے کو منصوصہ قطعیہ اجماعیہ غیر اجتہادیہ ماننا، مذہب کو اس میں دخل نہ جاننا، محض جہل مسترد، اب نہ رہا مگر یہ جاہلانہ زعم زاعم کہ جزئیت سور یا جہر فی التراویح مذہب عاصم، اور ان کی قراءت کے آخذ پر جہر واخفاء نماز میں ان کا اتباع لازم، اول ائمہ قراءت پر افترا وتہمت اور ثانی محض جہل وسفاہت مخالفت تصریح ائمہ حنفیت، غرض حفاظ حنفیہ پر سر ہر سورت پر جبر جہر، محض ظلم وقہر نہ شرع سے اس پر دلیل قائم بلکہ دلائل شرعیہ اصلیہ وفرعیہ ہمارے قول پر حاکم، ہمارے ہی قول کی ناصر، وراعی مصالح شرعیہ ہمارے ہی قول کی طرف داعی وللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علی نبینا سید الانس والجنۃ واٰلہ وصحبہ سادات الجنۃ۔ امین!

تذلیل

الحمدللہ آفتاب عالم تاب، حق وصواب بے نقاب وحجاب، شک وارتیاب جلوہ فرمائے منظر احباب ہوا اب کیاحاجت کہ حشویات زائدہ ولغویات بے فائدہ کے ردوابطال میں تضیع وقت کیجئے زید بے قید اپنی شدت جہالت وقوت سفاہت کے باعث خود اس قابل نہیں کہ اس کی بات قابل التفات ہو اس نے کوئی مطلب روشن علم پر تحریر نہ کیا، زورِ تناقض وشورِ تعارض نے جابجا اپناہی لکھا، خود رد کردیا، عناد واجتراو مکابرہ وافترا، سب وشتم علمائے کرام بیت اللہ الحرام کے ماورا، جو باتیں اصل مقصد میں لکھیں اپنے دونوں متبوعوں ہی کے کلام سے اخذ کیں، متبوعین میں گنگوہی صاحب نے طرفہ تماشا کیاکہ اول تواپنے پیشوا جناب قاری صاحب کاصاف رَد لکھا قاری صاحب نے فرمایا تھا اس مسئلے میں مذہب کو کچھ دخل نہیں، گنگوہی صاحب فرماتے ہیں قبلہ یہ باطل مبین، دخل نہ ہونا کیا معنی صریح اجتہاد یہ ہے حفص کامذہب جہر، امام اعظم کامذہب اخفاء ہے جس کی پیروی کیجئے درست وبجاہے، قاری صاحب، جہر فی الختم اگرچہ نماز میں ہو حفص کی روایت ہے، عاصم کی قراءت ہے منقول عن الرسول بروجہ صحت ہے، گنگوہی صاحب حضرت نہیں بلکہ حفص کی رائے ہے عقلی اجتہاد سے، ہاں مذہب سب بجاہیں، یوں حق ارشاد ہے، قاری صاحب یہ اُن امور سے جن میں نزاع کی گنجائش ہی نہیں یہاں تک کہ بدمذہب بھی خلاف سے کنارہ گزیں، گنگوہی صاحب قبلہ یہ لاف ہے صاف گزاف ہے، خود ائمہ سنت نزاع کررہے ہیں، خود امام اعظم کاصریح خلاف ہے، قاری صاحب یہاں چاروں مذہب میں صرف صحت روایت پر مدار کارہے، گنگوہی صاحب حضرت چاروں درکنار، خود اپنے مذہب میں اس سے انکار ہے، قاری صاحب جب مسئلہ بروایت صحیحہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہوچکا خلاف ابوحنیفہ باقی ہی کب رہا، اذا صح الحدیث فھو مذھبی (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) قول احناف ہے، تو بعد صحت روایت خلاف وتخالف سے مطلع صاف ہے گنگوہی صاحب قبلہ یہ تو بداہۃً مردود، خلاف امام اعظم قطعًا موجود، قاری صاحب بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیاحاجت یعنی کوئی خلاف کرے بھی توکیا قابل سماعت، گنگوہی صاحب واہ حضرت سب حق وہدایت جس کی اقتداء کرواہتداء کی بشارت، غرض اوّلًا قاری صاحب کے خیالات کارَدِ کلی فرماکر اخیر میں سارا دھڑا قاری صاحب کے سردھرا، کہ یہ سب کچھ ہے مگر حافظوں پر وہی ضرور جو حضرت قبلہ قاری صاحب کو منظور، ملک خدائے غالب کاحکم، جناب قاری صاحب کا، جو ہر سورت پر جہر بسم اللہ نہ کرے گا ختم کامل کے ثواب سے محروم پھرے گا۔

اقول: ان سب خرافاتوں کا ردِ بالغ وطرز بازغ، توطرح طرح سے افادات میں گزرا، یہاں حضرت سے اوّلاً اتنا دریافت کرنا ہے کہ جب سب مذہب حق تھے سب کا اتباع ہدایت، سب کے اقتدا کی عام اجازت، تواب حفاظ پر خاص ایک ہی کا اتباع کیوں لازم وضرور ہوگیا، حفص کا خلاف توپہلے بھی معلوم ہی تھا اس وقت توآپ یہی فرمارہے تھے کہ اس میں عیب، نہ اس میں حرج، اب قاری صاحب کے فرمان میں کیا کسی تازہ وحی نے نزول کیا جس نے ایک حق کو ناحق، ایک ہدایت کو ضلالت، ایک جائز کو ناجائز کردیا۔

ثانیاً: یہ آپ فتوی لکھ رہے ہیں یا کوئی اپنی خانگی پنچایت، قاری صاحب کا فرمان حدیث ہے یا آیت یا فقہی روایت، کون سی شرعی حجت،

ثالثاً" ثبوت تودیجئے کہ مذہب حفص تمام سور میں جزئیت بسامل تھا۔

رابعاً: پہلے اسی سے چلئے کہ امام حفص کو منصب اجتہاد حاصل تھا۔

خامساً: مسئلہ اجتہادیہ ہے یانہیں، اگرنہیں تو اپنے فتوی میں ذکر فرمان پانی پت تک جو کچھ لکھا سب پر پانی پھیر لیے اور اگرہاں تو آپ اجتہادیات میں امام اعظم ملت امام ائمہ امت کے مقلد ہیں یا مجتہد العصر پانی پت کے، باتباع ہوا تقلید امام کو آگ دکھانا، پانی پت کی خاک پر دھونی رمانا، کس نے مانا اور یوں بھی سہی توآپ کو اپنی ذات کا اختیار مسلم حنفیہّ کو اُن کے خلاف امام فتوی بتانا کیسا ستم، افسوس کہ آپ نے اول تو تقلید شخصی کو ایسا چھوڑا کہ سب مذہب بجا سب پر عمل روا، آخر میں پکڑا تو ایسا پکڑا کہ امام کا اتباع متروک ومہجور اور تقلید پانی پت کی پت رکھنی ضرور، اس شتر گربگی کی کیا سند، صُلت علی الاسد وبُلتُ عن النقد (شیر پر حملہ کیا اور بکری کے ڈر سے پیشاب آگیا۔ت)، خیر انہوں نے سب ڈھلی بگڑی، قاری صاحب پر ڈھال کر اُن کی ڈھال پکڑی۔ قاری صاحب کی سنئے تواُن سے بہت کچھ کہنا ہے:

یکم: وہ بھی کوئی سند نہ لاسکے، ایک کتاب کی عبارت بھی نہ دکھاسکے، اور عاقل جانتاہے کہ محل فتوی میں ادعائے بے دلیل، ذلیل وعلیل۔

دوم: سند دکھانا کہاں کاخوب جانتے تھے کہ یہ جملے خلاف مذہب کہے، لہذا وہ راہ چلے کہ اتباع مذہب کا جھگڑا ہی نہ رہے، اتنی عمرآئی غیرمقلدوں سے معرض ہیں، ترک تقلید پر معترض ہیں، انہیں گمراہ ومفسد بتایا کرتے ہیں، تحریرًا وتقریرًا جلی کٹی سنایا کرتے ہیں، اب کہ اپنا اجتہاد گرمایا، وہ کچھ فرمایا کہ انہیں بھی شرمایا، بعد صحت روایت کسی مذہب کی کیاحاجت، عمل بالحدیث ہی طریق انصاف ہے، جب حدیث صحیح ہو پھر کیاخلاف ہے فھو مذھبی (حدیث صحیح ہی میرامذہب ہے۔ت) خود قول احناف ہے، زمانہ قراء زمانہ اجتہاد وعمل بالسنہ گزرا، تخصیص دلیل ہے کہ جب دور تقلید آیا عمل بالسنہ نے منہ چھپایا، حالانکہ تقلید ائمہ ہی عمل بالسنہ ہے اس کاخلاف صریح فتنہ ہے

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

سوم: اذا صح الحدیث تو سن لیا مگر صحت فقہی وصحت حدیثی میں فرق نہ کیا، خاص اس بات میں فقیر کا رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی مطالعہ کیجئے کہ مطلب کھلے، شک وریب کی ظلمت دھلے۔

چہارم: اگر تلقی والقائے بیرون نماز میں صحت روایت جہر مراد، چشم ماروشن دل ماشاد، اس سے تراویح پر حکم خرط القتاد، اور اگر خود مطلق نماز یا خاص تراویح میں روایت جہر کی صحت مقصود تو ممنوع ومردود، افادہ ۱۲ و ۴ یاد کیجئے اور خدا انصاف دے اذا صح الحدیث سے اپنے عکس مراد کا مژدہ لیجئے کہ حدیث صحیح ہمارے ہی ساتھ، اور خصوص تراویح میں تو آپ یک دست خالی ہاتھ۔

پنجم: مذہب کو دخل نہ ہونے کی بھی ایک ہی کہی، مجرد کسی روایت صحیحہ کا وجود، مسئلے کو مجتہد فیہا نہ رکھے یہ تو بداہۃً مردود وکتب مع اللہ خلافیہ دیکھئے ہزاروں مسائل اجتہادیہ ہیں ہر فریق یا ایک ہی کے پاس ایک یا چند روایات صحیحہ موجود، ہاں نص قطعی مشہور متواتر دکھا سکتے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے یا ختم تراویح میں ہر سورت پر اس کا جہر چاہئے تو یہ کہنا ٹھکانے سے ہوتا کہ مذہب مسائل اجتہادیہ میں ہوتا ہے نہ ان منقولہ میں اور جب اس کی قدرت نہیں تو محض ربانی ادعاؤں سے مذہب حنفیّہ رَد ہوجائے حاشا یہ ہوس ہی ہوس ہے۔

ششم: جزئیت جمیع سور میں اختلاف ائمہ قراءت آپ نے کہیں دیکھا یا محض طبعی جودت، افادہ ۴ ملاحظہ ہو کہ ماورائے فاتحہ میں قول جزئیت حادث وبے اصل ہے، افادہ ۵ معلوم ہو کہ سورہ بقرہ سے سورہ ناس تک بسم اللہ باتفاق قراء سورت سے خارج امارت فصل ہے۔

ہفتم: ایک سوچودہ آیتوں کی کمی کس حساب سے جمی، قرآن عظیم میں کل سورتیں اسی قدر ہیں اور براءت میں بالاجماع بسم اللہ نہیں تو بسا مل اوائل ایک سوتیرہ ہی رہیں۔ حفاظ بالاتفاق ایک بار جہر کے عامل، تو آپ کے طور پر بھی صرف ایک سوبارہ ہی کا نقصان حاصل، چودہ کس گھر سے آئیں، کیا حفد وخلع بھی دوسورتیں شمار فرمائیں، بالفرض کوئی جاہل حافظ مطلقًا تارک جہر ہی سہی تاہم کیا براءت مستثنیٰ ہوکر بھی گنتی چودہ کی چودہ ہی رہی، اس سے تو زید بیچارہ آپ کا مقلد ہی اچھا رہا جس نے کہیں کہیں اپنے خیال سے تیرہ کہا۔

ہشتم: یہ تو اہل اہوا گمراہان باطعوی کی خوب ہی حمایتیں فرمائیں، قراءت امر منقول ہے نہ اجتہادی لہٰذا اس میں کسی بدمذہب کا خلاف نہیں، سبحان اللہ مگر گمراہوں کا خلاف فروعات ظنیہ اجتہادیہ سے مخصوص یا وہ اشقیاء صراحۃً بداہۃً منکر صدہا قواطع ونصوص ویحك یامقری کانك لاتدری ماعلی لسانك یجری فان کنت لاتدری الخ (افسوس ہے اے استاذ! معلوم ہوتا ہے تجھے سمجھ نہیں جو تیری زبان پر جاری ہے، پس اگر تو سمجھ نہیں رکھتا الخ۔ت)

نہم: قراءت میں اہل ہوا کا خلاف نہ ماننا بھی عجب بے خبری ہے یا کوتاہ نظری، خلاف کی دو صورتیں ہیں ہمارے ائمہ کی کسی قراءت پر طاعن ومنکر ہوں یا کہیں اپنی نئی گھڑت کے مظہر، اہل ہوا خذلہم اللہ تعالٰی دونوں راہ چل چکے، سردست تحفہ اثناعشریہ ہی کا تحفہ کافی جسے ہر فارسی خواں بھی سمجھ سکے، باب دوم مکائد روافض قتلہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں:

کید سیز دہم آنست کہ گویند عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر وعمر نیز رضی اللہ تعالٰی عنہم قرآن را تحریف کردند وآیات فضائل اہلبیت اسقاط نمودند ازاں جملہ وجعلنا علیا صہرک کہ در الم نشرح بود[1]"۔ ملخصًا	تیرہواں مکر یہ ہے کہ کہتے ہیں عثمان ابن عفان بلکہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے قرآن میں تحریف کردی ہے، اور انہوں نے فضائل اہل بیت کی آیات کو ساقط کردیا ہے اور ان میں سے ایک "الم نشرح" میں یہ آیت تھی کہ علی کو ہم نے تیرا داماد بنایا ہے۔(ت)

ایک سنی نے اس پر ظرافۃً کہا ہاں اس کے بعد ایک آیت اور تھی وہ رافضیوں نے گھٹادی یعنی وعلی الروافض قہرک (رافضیوں پر تیرا قہر ہے۔ت) تتمہ باب چہارم میں اُن اشقیا کا زعم نقل کیا:

"صحابہ بجائے من المرافق الی المرافق ساختند وبجائے ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم، امۃ ھی اربی من امۃ نوشتند وعلٰی ہذا القیاس"[2]	صحابہ نے من المرافق کی بجائے الی المرافق کردیا اور ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم کی بجائے امۃ ھی اربی من امۃ کردیا (یعنی تمہارے اماموں سے زیادہ پاکیزہ امام" کی جگہ "امت یہ دوسری امت سے بڑی" کردیا) علٰی ہذاالقیاس۔(ت)

شرح حدیث الثقلین میں ذکر کیا کلینی رافضی نے کافی میں کہ روافض کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے روایت کی کسی نے امام جعفر صادق کے حضور قرآن کے کچھ لفظ ایسے پڑھے کہ لوگوں کی قراءت میں نہ تھے امام نے فرمایا کیا ہے ان الفاظ کو نہ پڑھ جیسا لوگ پڑھ رہے ہیں اسی طرح پڑھ، یہاں تک کہ مہدی آکر قرآن کو ٹھیک ٹھیک پڑھیں[3]۔ اسی میں روایت ہے امام زین العابدین نے یہ آیت یوں پڑھی: **وما ارسلنا من قبلك من رسول ولانبی ولامحدث** (نہ بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہ نبی نہ محدث جس سے فرشتے باتیں کریں) اور فرمایا مولٰی علی محدث تھے[4]۔ اسی میں روایت ہے امام جعفر صادق نے فرمایا: **امۃ ھی اربی من**

[1] تحفہ اثناعشریہ فصل دوم از باب دوم کید سیز دہم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸

[2] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[3] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[4] تحفہ اثناعشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

امۃ (یہ اُمت دوسری امت سے بڑی۔ت) کلام اللہ نہیں اس میں تحریف ہوئی اللہ تعالیٰ نے یوں اتارا تھا **ائمۃ ھی ازکی من ائمتکم**[1] (یہ ائمہ تمہارے ائمہ سے زیادہ پاکیزہ۔ت) یہیں شاہ صاحب نے ان ملاعنہ کا زعم نقل فرمایا کہ:

لفظ ویلک قبل از **لاتحزن ان اللہ معنا** نیز ساقط کردہ اند ولفظ **عن ولایۃ علی** بعدازیں آیت **وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ** **ویملکہ بنوامیۃ** بعد **خیر من الف شھر** و**بعلی بن ابی طالب** بعد **وکفی اللہ المؤمنین القتال** و**اٰل محمد** ازیں لفظ **وسیعلم الذین ظلموا**، **اٰل محمد منقلب ینقلبون** ولفظ **علی** بعد از **ولکل قوم ھاد**، وذکر کل ذلک ابن شھر اٰشوب المازندرانی فی کتاب المثالب لہ و علی ھذا القیاس کلمات بسیار وآیات بے شمار را کردہ اند[2]۔ملخصًا	"نہ ڈر اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے" سے پہلے لفظ "**ویلک**" (تجھے ہلاکت ہو) ساقط کردیا۔"ان کو کھڑا کرو ان سے سوال کیاجائے گا" کے بعد "**عن ولایۃ علی**" (علی کی ولایت کے بارے میں) ساقط کردیا۔"اور بنوامیہ بادشاہ نہیں بنیں گے" کو "**خیر من الف شھر**" (ہزار مہینوں سے بہتر) کے بعد بڑھادیا ہے اور "**کفی اللہ المؤمنین القتال**" کے بعد "**بعلی بن ابی طالب**" بڑھایا، یعنی "اللہ تعالیٰ مومنوں کو جنگ میں کافی" کے بعد رافضیوں نے "علی کی وجہ سے" بڑھادیا۔ اور "**سیعلم الذین ظلموا**" کے بعد "**اٰل محمد**" کا لفظ انہوں نے بڑھادیا، یعنی "عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے علم کو ظالموں کے بارے میں ظاہر فرمائے گا" کے بعد "آل محمد پر ظلم کرنے والے" بڑھادیا۔ اور "ہر قوم کے لئے ہادی" کے بعد لفظ "علی" بڑھادیا۔ یہ سب کچھ ابن شہر آشوب المازندرانی نے اپنی کتاب "**المثالب**" میں ذکر کیا، اور اسی طرح انہوں نے بہت سے کلمات اور بہت سی آیات بڑھادیں۔(ت)

نیز کلینی نے امام جعفر صادق سے روایت کی انہوں نے **امۃ ھی اربی** کی جگہ **ائمۃ ھی ازکی** پڑھا۔ راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان جاؤں کیا ائمۃ ہے، فرمایا ہاں خدا کی قسم، میں نے کہا لوگ تو اربی پڑھتے ہیں، حقارت سے ہاتھ جھٹک کر فرمایا اربی کیا۔[3]

دہم: آپ کے زعم میں بسم اللہ شریف کا جزءِ ہر سورت ہونا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایۃً صحیح ہوچکا

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۰

[2] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۱

[3] تحفہ اثنا عشریہ تتمۃ الباب در دلائل شیعہ از باب چہارم مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۳۲

اور آپ تصریح کرتے ہیں کہ باتفاق مذاہب اربعہ یہاں صرف صحت روایت پرمدار ہے، ائمہ حنفیّہ کاحال توافادہ ۸ میں ظاہر ہولیاکہ انہوں نے کیونکرآپ کے اس مدار کادمار نکالا، مالکیہ سے پوچھئے وہ کیافرماتے ہیں، ہمارے یہاں توباوصف جہرسور اخفاہی کاحکم تھاامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب مشہوریہ کہ فرضوں میں بسم اللہ ہرگزپڑھے ہی نہیں، نہ آواز سے نہ آہستہ، روایت اباحت ضعیف ہے، پڑھے گاتونماز مکروہ ہوگی، ہاں نفلوں میں اختیار ہے کیاانہیں اپنے شہرمبارک مدینہ طیبہ کے امام قراءت حضرت نافع کاحال معلوم نہ تھاکہ بروایت قالون بسم اللہ پڑھتے ہیں، علامہ زرقانی مالکی شرح موطائے امام مالک میں فرماتے ہیں:

المشھور من مذھب مالك کراھتھا فی الفرض[1]۔	امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی کامشہور مذہب یہ ہے کہ فرضوں میں یہ مکروہ ہے۔(ت)

مقدمہ عشماویہ علامہ عبدالباری منوفی رفاعی مالکی میں ہے:

المشھور فی البسملة والتعوذ الکراھة فی الفریضة دون النافلة وعن مالك القول بالاباحة[2]۔	بسم اللہ اور اعوذباللہ کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کاپڑھنا فرضوں میں مکروہ ہے نفلوں میں مکروہ نہیں، اور امام مالک سے ایک قول میں مباح ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابوعمر قال مالك لاتقرؤالبسملة فی الفرض سرا ولاجھرا وفی النافلة ان شاء فعل وان شاء ترك[3]۔	ابوعمرنے کہاکہ امام مالک نے فرمایابسم اللہ کوفرضوں میں نہ بلندآواز سے پڑھونہ پست آواز سے، اور نفلوں میں پڑھنے نہ پڑھنے کااختیار ہے۔(ت)

ذرااس تفریق کوبھی اپنے مدار سے تطبیق دیجئے۔

یازدہم تاشانزدہم: تقریر شریف میں یہ فقرات عجیب ہیں کہ ۱ زمانہ قراء سبعہ زمانہ اجتہاد تھا ۲ زمانہ تابعین تھا، ۳ ائمہ مذہب تازمانہ قراء محتاج الیہ ومحصورنہ تھے بلکہ ۴ بعد قراء کے تھے ۵ قراء کامذہب پوچھنا عبث ہے، ان فقرات کومقصود میں بھی کچھ دخل ہے یابرائے بیت ہیں جب آپ کے نزدیک اس مسئلے میں مذہب کواصلاً دخل ہی نہیں توزمانہ قراء زمانہ اجتہاد ہو یاعصر تقلید، عہدتابعین ہو یاوقت جدید، ائمہ مذہب اس وقت

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا

[2] المقدمۃ فی الفروع المالکیۃ للعشماوی

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب مایقول بعد التکبیر حدیث ۱۳۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۵/ ۲۸۴

محتاج الیہم ہوں یا بیکار، معدودے چند ہوں یا بے شمار، قراء سے سابق ہوں یا لاحق، قاری مجتہد ہوں یا مقلد، ان امور سے علاقہ ہی کیا رہا، اور ان کے خلاف بھی مانئے تو تفاوت کیا، فتوائے سامی میں اس سے پہلے تین چار سطر کی تقریر اسی کے متعلق کہ زمانہ تبع تابعین و محدثین تک چار ہیں حصر مذاہب نہ تھا مجتہدین بکثرت تھے، جب اور مذہب مندرس ہوگئے مذہب اہل حق ان چار میں محصور ہوگیا، اور بھی ہے کہ وہ بھی محل سے یوں ہی بیگانہ واجنبی ہے۔

ہفدہم: ثبوت دیجئے کہ قراء سبعہ سب مجتہد مطلق تھے اگر مجتہد فی المذہب بھی ہوئے تو مذہب پوچھنا کیوں حماقت ہونے لگا۔

ہیجدہم: اس زمانہ میں عدم حصر و کثرت مجتہدین مسلم مگر کیا اس وقت کا ہر فرد بشر یا ہر عالم اگرچہ کسی فن کا ہو فقیہ و مجتہد تھا اس کا تو زعم نہ کرے گا مگر سخت احمق جاہل، یا انتساب گو عام نہ تھا اس کا بھی مدعی نہ ہوگا مگر بے خبر غافل، کیا امام ابویوسف و امام محمد وغیرہا حنفیہّ اور امام اشہب و امام قاسم وغیرہما مالکیہ میں معدود نہیں (کتب طبقات ملاحظہ ہوں) اور جب یقینا قطعًا تقلید بھی تھی اختصاص بھی تھا تو اس وقت کے قاریوں کا مذہب پوچھنا کیوں حمق ہوا۔

نوزدہم: در فن تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ت) ائمہ مذہب بعد قراء کے تھے، شہب جانے دیجئے، بدور ہی میں کلام کیجئے، سات میں چار ہمارے امام سے وفاۃً متاخر ہیں، امام ابوعمرو بن العلاء بصری نے ۱۵۴ھ یا ۱۵۵ھ، امام حمزہ زیات نے ۱۵۴ یا ۱۵۶ یا ۱۵۸ھ، امام نافع مدنی نے ۱۶۹ھ، امام علی کسائی نے ۱۸۹ھ، امام الائمہ ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ میں انتقال فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اور یہ امام کسائی تو ہمارے امام سے چالیس پچاس برس چھوٹے ہیں، امام کی ولادت ۸۰ یا ۷۰ھ عـــہ میں ہے اور ان کی ۱۱۹ھ میں۔ یہ ہمارے امام کے صاحب صغیر سیدنا امام محمد کے اقران سے ہیں، دونوں صاحبوں نے ایک ہی سال انتقال فرمایا جس پر خلیفہ ہارون رشید نے کہا تھا میں نے رَے میں فقہ وادب دونوں دفن کردیئے۔ اب کون جاہل کہے گا کہ امام اعظم امام محمد کے بعد ہوئے۔

بستم: ائمہ مذہب محتاج الیہ و محصور نہ تھے یہ خاص ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرمایا یا مطلق، اول تو بداہۃً عقل سے عاطل، چار کبھی بھی نا محصور نہیں ہو سکتے اور ثانی اس سے بڑھ کر شنیع و باطل، زمانہ صحابہ سے آج تک کوئی وقت ایسا نہیں نہ گزرا کہ ائمہ کی طرف احتیاج نہ ہو، ہر زمانے میں مقلدین کا عدد مجتہدین سے بدرجہا زائد رہا ہے

عـــہ بلکہ ایک قول میں ولادت امام ۶۱ھ ہے کما فی وفیات الاعیان (جیساکہ وفیات الاعیان میں ہے۔ت) یوں تقریبًا ۶۰ برس چھوٹے ہوں گے ۱۲ (م)

توائمہ سے بے نیازی کیونکر ممکن بلکہ علما کی طرف حاجت توجنت میں بھی ہوگی حالانکہ وہاں احکام تکلیفی نہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اهل الجنة يحتاجون الى العلماء فى الجنة وذلك انهم يزورون الله تعالٰى فى كل جمعة فيقول لهم تمنوا على ماشئتم فيلتفتون الى العلماء فيقولون ماذا نتمنى فيقولون تمنوا عليه كذا وكذا فهم يحتاجون اليهم فى الجنة كما يحتاجون اليهم فى الدنيا[1]۔ رواه ابن عساكر عن جابر بن عبدالله رضى الله تعالٰى عنهما اللهم انى اسألك بعلماء امة حبيبك محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان ترحمنا بهم فى الدنيا والاٰخرة وترزقنا بجاههم عندك العلم النافع والقلب الخاشع والعفو والعافية والمغفرة وصل وسلم وبارك على سيدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اٰمين والحمد لله رب العٰلمين۔ والله تعالٰى اعلم[2]۔	بے شک اہل جنت، جنت میں علماء کے محتاج ہوں گے یوں کہ ہر جمعہ کو انہیں اللہ تعالٰی کا دیدار نصیب ہوگا، مولٰی سبحانہ وتعالٰی فرمائے گا جو جی میں آئے مجھ سے مانگو(اب جنت سے مکان میں جاکر کون سی حاجت باقی ہے کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیامانگیں) علما کی طرف منہ کرکے کہیں گے ہم کیا تمنا کریں، وہ فرمائیں گے اپنے رب سے یہ مانگو، تولوگ جنت میں بھی علماکے محتاج ہوں گے، اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ذکر کیا۔اے اللہ! میں تجھ سے تیرے حبیب پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علماء کے وسیلے سے دعا کرتاہوں کہ توہم پران کے وسیلے سے دنیاوآخرت میں رحم فرمااور ان کوجو عزت وکرامت تیرے ہاں حاصل ہے اس کی برکت سے ہمیں نافع علم، خشوع والا دل، معافی، عافیت اور مغفرت عنایت فرمااور درودوسلام اوربرکت ہمارے آقاومولٰی محمد اور ان کی آل اور صحابہ پر فرما، آمین والحمد للہ رب العالمین۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۲۳۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۵ و۱۳۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر زیر عنوان صفوان ثقفی داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۴۳۷، مختصر تاریخ ابن عساکر زیر عنوان صفوان ثقفی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۱/ ۹۹

مآخذومراجع

نام		مصنف	سن وفات ہجری
ا			
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	انوار الائمۃ الشافعیہ	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹
۱۶۔	الایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۷۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۸۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۹۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ب

۲۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۲۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم با بن نجیم	۹۷۰
۲۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسٰی الطرابلسی	۹۲۲
۲۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۲۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵

ت

۲۷۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۲۸۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی با بن عساکر	۵۷۱
۲۹۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۳۰۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۳۱۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۳۲۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۳۳۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۴۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۳۵۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۳۶۔	تفسیر ابن جریر (جامع البیان)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۳۷۔	تفسیر البیضاوی	عبد اللہ بن عمر البیضاوی	۶۹۱
۳۸۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۹۱۱۔۸
۳۹۔	تفسیر الجمل	سلیمان بن عمر العجیلی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۴۰۔	تفسیر القرطبی	ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی	۶۷۱
۴۱۔	التفسیر الکبیر	امام فخر الدین الرازی	۲۶

www.dawateislami.net

۴۲۔	التفسیر لنیشا بوری	نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین النیشا بوری	۷۲۸
۴۳۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۴۴۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۴۵۔	التیسیر للمناوی	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۴۶۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۴۷۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۴۸۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۴۹۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۵۰۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۵۱۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۵۲۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الھندی	۷۷۳

ج

۵۳۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۵۴۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۵۵۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۶۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۵۷۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجّاج القشیری	۲۶۱
۵۸۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶
۵۹۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۶۰۔	الجامع الکبیر	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۶۱۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۶۲۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۶۳۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۶۴۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۶۵۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۶۶۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ح

۶۷۔	حاشیة علی الدرر	محمد بن مصطفیٰ ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۶۸۔	حاشیة ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۶۹۔	حاشیة علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۷۰۔	حاشیة علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۷۱۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علّامہ سفطی	۰
۷۲۔	الحاشیة لسعدی آفندی	سعداللہ بن عیسٰی الآفندی	۹۴۵
۷۳۔	الحدیقة الندیة شرح طریقه محمدیة	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۷۴۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۷۵۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۷۶۔	حلیة الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبحانی	۴۳۰
۷۷۔	حلیة المجلّی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹

خ

۷۸۔	خزانة الروایات	قاضی جکن الحنفی	
۷۹۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۰۔	خزانة المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۸۱۔	خلاصة الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۸۲۔	خلاصة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۸۳۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

د

۸۴۔	الدرایة فی تخریج احادیث الهدایة	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۸۵۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۸۶۔	الدر المختار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۸۷۔	الدر النثیر	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۸۸۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۸۹۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۹۰۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۹۱۔	الرحمانیۃ		
۹۲۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۹۳۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۹۴۔	رغائب القرآن	ابو مروان عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹
۹۵۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۹۶۔	رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰

ز

۹۷۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۹۸۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۹۹۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی	تقریباً ۱۰۱۶
۱۰۰۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹

س

۱۰۱۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادالیمنی	۸۰۰
۱۰۲۔	السنن لابن ماجۃ	ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۱۰۳۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۱۰۴۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۱۰۵۔	السنن للنسائی	ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۱۰۶۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸

۱۰۷۔	السنن للدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۱۰۸۔	السنن للدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵

ش

۱۰۹۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۱۱۰۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۱۱۔	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۱۱۲۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۱۱۳۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۱۱۴۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۱۱۵۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۱۱۶۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۱۷۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۱۱۸۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۱۱۹۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۲۰۔	شرح الغریبین		
۱۲۱۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۲۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۱۲۳۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۱۲۴۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۲۵۔	شرح المنیۃ الصغیر	شیخ محمد ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۱۲۶۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۷۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۱۲۸۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۱۲۹۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۱۳۰۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

۱۳۱۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۱۳۲۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۱۳۳۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۱۳۴۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۱۳۵۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶

ص

۱۳۶۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۱۳۷۔	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
۱۳۸۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۱۳۹۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی	تقریباً ۶۹۰

ط

۱۴۰۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۱۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۱۴۲۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المروف بیر کلی	۹۸۱
۱۴۳۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۱۴۴۔	عمدة القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۴۵۔	العنایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۱۴۶۔	عنایة القاضی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹
۱۴۷۔	عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۱۴۸۔	عقود الدریّة	محمد امین ابن عابدین لشامی	۱۲۵۲
۱۴۹۔	عدّة	کمال الدین محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۱۵۰۔			

غ

۱۵۱۔	غایۃ البیان	شیخ قوام الدین امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۱۵۲۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۵۳۔	غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۱۵۴۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۱۵۵۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۶۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶

ف

۱۵۷۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۵۸۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۱۵۹۔	فتاوٰی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۱۶۰۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۱۶۱۔	فتاوٰی حجّہ		
۱۶۲۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۱۶۳۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۱۶۴۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۱۶۵۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۱۶۶۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۱۶۷۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۱۶۸۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۱۶۹۔	فتاوٰی الولوالجیہ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۱۷۰۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۱۷۱۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۱۷۲۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawat-e-Islami

۱۷۳۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۱۷۴۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۱۷۵۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۱۷۶۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۱۷۷۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۸۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۱۷۹۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷

ق

۱۸۰۔	القاموس	محمد بن یعقوب الفیروز آبادی	۸۱۷
۱۸۱۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۱۸۲۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۱۸۳۔	القرآن		

ک

۱۸۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۱۸۵۔	الکامل لابن عدی	ابو احمد عبد اللہ بن عدی	۳۶۵
۱۸۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۱۸۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۸۸۔	کتاب الآثار	امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۱۸۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابو المحاسن محمد بن علی	
۱۹۰۔	کتاب السواک	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ	۴۳۰
۱۹۱۔	کتاب الہدیۃ لابن عماد	عبد الرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۱۹۲۔	کتاب الطہور	لابی عبید	
۱۹۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبد الرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۱۹۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابو بکر بن ابی داؤد	

۱۹۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۱۹۷۔	کشف الرمز	علامۃ المقدسی	
۱۹۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۱۹۹۔	کنزالعمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۲۰۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی تقریباً	۸۰۰
۲۰۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۰۲۔	کنزالدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۲۰۳۔	الکنی للحاکم	ابو عبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۰۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۲۰۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۲۰۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸
۲۰۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۲۰۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۲۰۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
ل			
۲۱۰۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۱۱۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱
م			
۲۱۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۲۱۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۲۱۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۲۱۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	تقریباً ۹۹۵
۲۱۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۲۱۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسٰی بن عیسٰی	۵۵۰
۲۱۸۔	مجمع الانہر	الشیخ عبداللہ بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸

۲۱۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۲۲۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۲۲۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۲۲۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۲۲۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۲۲۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۲۲۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۲۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۲۲۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۲۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۲۳۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۲۳۱۔	المستصفی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۳۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۲۳۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۲۳۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۲۳۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۲۳۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۲۳۷۔	مسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۲۳۸۔	مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۲۳۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۲۴۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۲۴۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۴۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۲۴۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۲۴۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰

۲۴۵ـ	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۲۴۶ـ	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۷ـ	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۸ـ	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۲۴۹ـ	معراج الدرایۃ	قوام الدین محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۲۵۰ـ	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۲۵۱ـ	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۲۵۲ـ	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۲۵۳ـ	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۲۵۴ـ	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سیدی علی	۹۳۱
۲۵۵ـ	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۲۵۶ـ	المقدمۃ العشماویۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	
۲۵۷ـ	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۲۵۸ـ	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۲۵۹ـ	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۲۶۰ـ	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۲۶۱ـ	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۲۶۲ـ	منحۃ الخالق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۶۳ـ	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۲۶۴ـ	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۲۶۵ـ	منہاج	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۶۶ـ	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۲۶۷ـ	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۲۶۸ـ	المبسوط	عبدالعزی بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۲۶۹ـ	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰

۲۷۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۲۷۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۲۷۲۔	موطاامام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۲۷۳۔	موارد الظمأن	نور الدین علی بن ابی بکر الھیثمی	۸۰۷
۲۷۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۲۷۵۔	مھذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۲۷۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۷۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۲۷۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷

ن

۲۸۰۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۲۸۱۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۲۸۲۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۲۸۳۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۲۸۴۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۲۸۵۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۲۸۶۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۲۸۷۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۲۸۸۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۲۸۹۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۲۹۰۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۲۹۱۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۹۲۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳
۲۹۳۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۲۹۴۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۲۹۵۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۲۹۶۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۸

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 5

جلد ہشتم 5

حمد باری تعالٰی 11

صلوٰۃ وسلام اور اس کے ضمن میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کا بیان 12

فہرست مضامین 19

فہرست ضمنی مسائل 43

باب احکام المسجد احکام مسجد کا بیان 57

التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد ۱۳۰۷ھ (اس بارے میں عمدہ رہنمائی کہ مسجد کا صحن مسجد ہی ہوتا ہے) 59

باب ادراک الفریضۃ 129

(نماز فرض کو پانے کا بیان) 129

باب قضاء الفوائت (فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان) 141

باب سجود السھو 177

(سجدۂ سہو کا بیان) 177

باب سجود التلاوۃ 223

(سجدۂ تلاوت کا بیان) 223

باب صلٰوۃ المسافر 241

(مسافر کی نماز کا بیان) 241

باب الجُمعۃ 273

(نماز جمعہ کا بیان) 273

مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان ۱۳۲۰ھ 413

(تعریف حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک 413

سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق) 413

رِعَایة المَذهَبَین فی الدّعاءِ بین الخُطبتین ۱۳۱۰ھ 477

(دو خطبوں کے درمیان دُعا کرنے کا بیان) 477

اوفی اللمعة فی اذان یوم الجمعة ۱۳۲۰ھ 498

(اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی) 498

باب العیدین 510

(عیدین کا بیان) 510

سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید ۱۳۳۹ھ (نمازِ عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء مانگنے کا ثبوت) 512

وِشاحُ الجید فی تحلیل معانقة العید ۱۳۱۲ھ 602

(نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا ثبوت) 602

باب الاستسقاء 641

(نمازِ استسقاء کا بیان) 641

مآخذ و مراجع 642

ضمیمہ 666

مآخذ و مراجع 666

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہشتم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)
۷۶۵۷۳۱۴

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ہشتم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ________ مولانا حافظ محمد عبد الستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج وتصحیح ________ (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد رب نواز

باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان

ترتیبِ فہرست ________ حافظ محمد عبد الستار سعیدی

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ________ (۱) مولانا نظیر احمد سعیدی (۲) مولانا محبوب احمد چشتی

پیسٹنگ ________ محمد سہیل عمر

صفحات ________ ۶۶۴

اشاعت ________ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ / جون ۱۹۹۵ء

مطبع ________ آر اینڈ ڈبلیو، ایس پرنٹرز لاہور

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
فتاوی رضویہ کا خطبہ (مقالہ) ۹
باب احکام المسجد ۵۷
باب ادراك الفریضۃ ۱۲۹
باب قضاء الفوائت ۱۴۱
باب سجود السھو ۱۷۷
باب سجود التلاوۃ ۲۲۳
باب صلوٰۃ المسافر ۲۴۱
باب الجمعۃ ۲۷۳
باب العیدین ۵۰۹
باب الاستسقاء ۶۴۰
ماخذ ومراجع ۶۴۱

فہرست رسائل

- التبصیر المنجد ۵۹
- مرقاۃ الجمان ۴۱۳
- رعایۃ المذھبین ۴۷۷
- اوفی اللمعۃ ۴۹۷
- سرور العید ۵۱۱
- وشاح الجید ۶۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمدللہ اعلٰی حضرت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں منصہ شہود پر لانے کے لئے "رضافاؤنڈیشن" کے نام سے قائم شدہ ادارہ انتہائی سرعت اور کامیابی کے ساتھ اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے، اس سے قبل فتاوٰی رضویہ کی سات مجلدات آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب اللہ تعالٰی کے فضل وکرم اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر عنایت سے آٹھویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری نے کیاہے جبکہ جلد ششم وہفتم کاترجمہ بھی انہی کی رشحات قلم کانتیجہ ہے۔

جلد ہشتم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلد سوم میں سے باب احکام المساجد سے جلد سوم کے آخر تک ۳۳۷ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل نو مستقل ابواب زیر بحث ہیں:

(۱) باب احکام المساجد

(۲) باب ادراك الفریضۃ

(۳) باب قضاء الفوائت

(۴) باب سجود السھو

(۵) باب سجود التلاوۃ

(۶) باب صلوٰۃ المسافر

(۷) باب الجمعۃ

(۸) باب العیدین

(۹) باب الاستسقاء

اس کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل چھ رسائل بھی پیش نظر جلد میں شامل ہیں جن کے نام یہ ہیں:

(۱) التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد (۱۳۰۷ھ)

صحن مسجد کے مسجد ہونے کا بیان

(۲) مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان (۱۳۲۰ھ)

تعریف حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق

(۳) رعایۃ المذھبین فی الدعاء بین الخطبتین (۱۳۱۰ھ)

دو خطبوں کے درمیان دعا کرنے کا طریقہ

(۴) اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ (۱۳۲۰ھ)

اذان ثانی مسجد سے باہر دینے کا بیان

(۵) سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید (۱۳۳۹ھ)

نماز عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت

(۶) وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید (۱۳۱۲ھ)

نماز عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا بیان

مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہ ہوسکے:

(۱) شمامۃ العنبر فی النداء بازاء المنبر

اذان جمعہ بیرون مسجد محاذیء منبر چاہئے

(۲) لوامع البھافی المصر للجمعۃ والاربع عقیبھا

جمعہ کے لئے شہر شرط ہونے اور احتیاطی ظہر کے بیان میں

(۳) احسن المقاصد فی بیان ماتنزہ عنہ المساجد

مسجد میں کیا کیا کام ناروا ہیں

(۴) مایجلی الاصر عن تحدید المصر

شہر کی تعریف، جمعہ وعیدین کہاں جائز ہیں

رسالہ جلیلہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید جو اس سے پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں تھا وہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی کے ترجمہ کے ساتھ اس جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

حضرت علامہ مولانا قاضی عبدالدائم دائم ایڈیٹر ماہ نامہ جام عرفان، خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور ہزارہ کا فتاوٰی رضویہ کے خطبہ سے متعلق وہ مقالہ جو ۷ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو آواری ہوٹل میں پڑھا گیا جلد ہشتم میں شامل کیا جارہا ہے۔

محرم الحرام ۱۴۱۶ھ — حافظ عبدالستار سعیدی

جون ۱۹۹۵ء — ناظم تعلیمات

جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مولانا قاضی عبدالدائم دائم
ایڈیٹر ماہنامہ جام عرفاں
خانقاہ نقشبندیہ، ہری پور

فتاوٰی رضویہ کا خطبہ

- علم و فضل کا شہ پارہ ___ فکر و فن کا مہ پارہ
- فصاحت و بلاغت اور براعتِ استہلال کا دمکتا ہوا شہکار
- کتب فقہ اور ائمہ کرام کے ناموں کا مہکتا ہوا گلزار

سلسبیل و کوثر و تسنیم کی موج رواں
کیف آگیں، جاں فزا تحریر شاہ احمد رضا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ے

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِدِ بِجَلَالِہٖ الْمُتَفَرِّدِ
وَصَلٰوتہ، دَوْمًا عَلٰی خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ
وَالْاٰلِ وَالْاَصْحَابِ ھُمْ مَأْوَایَ عِنْدَ شَدَائِدِیْ
فَاِلَی الْعَظِیْمِ تَوَسُّلِیْ بِکِتَابِہٖ وَبِاَحْمَدٍ

(امام احمد رضا)

ارشاد ربّانی ہے: وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ یعنی اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کیجئے۔

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ اسی فرمان خداوندی پر عمل کرتے ہوئے یوں زمزمہ سرا ہوتے ہیں: ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیئے ہیں

اگرچہ سیاق وسباق کے اعتبار سے یہاں "سخن" سے مراد منظوم کلام ہے، لیکن درحقیقت امام احمد رضا کی شاہی ہر نوع سخن میں مسلم ہے ____ خواہ نظم ہو یا نثر۔

مزید کمال کی بات یہ ہے کہ کلام وبیان پر آپ کی قدرت کسی ایک زبان سے مختص نہیں ہے، بلکہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں سے جس زبان کو ذریعہ اظہار بنانا چاہیں، اس کے تمام الفاظ آپ کے بے پایاں حافظے میں متحضر ہو جاتے ہیں اور ان میں سے آپ جس کو موقع ومحل کے لحاظ سے موزوں سمجھتے ہیں، اس کو اتنی خوبصورتی اور تناسب سے استعمال میں لاتے ہیں کہ خوش گفتاری کا حق ادا کردیتے ہیں اور نثر میں بھی نظم کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

مسجّع الفاظ کی ایسی لڑیاں اور مقفی جملوں کی ایسی مالائیں آپ کے منظوم ومنثور کلام میں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ان کا احاطہ ازبس دشوار ہے؛ تاہم ان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز "فتاوٰی رضویہ" کا عربی خطبہ ہے، جو بلاشبہ فصاحت وبلاغت کاایک اچھوتا شاہکار ہے۔ دلکش اشارات، روشن تلمیحات، خوبصورت استعارات اور خوشنما تشبیہات پر مشتمل اس بلاغت پارے کی خصوصیت یہ ہے کہ خطبے کے جملہ لوازمات ومناسبات۔ یعنی اللہ تعالٰی کی حمد، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف، صحابہ اور اہلبیت کی مدح، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت پر درود وسلام ۔ یہ تمام چیزیں کتب فقہ اور ائمہ کے ناموں سے ادا کی گئی ہیں یعنی کتب فقہ کے ناموں اور ائمہ کے اسماء گرامی کو اس طرح ترتیب دیا گیاہے کہ کہیں حمد کے غنچے چٹک اُٹھے ہیں اور کہیں نعت کے پھول کھل پڑے ہیں، کہیں منقبت کے گجرے بن گئے ہیں اور کہیں درود وسلام کی ڈالیاں تیار ہو گئی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ جملہ محسنات بدیعیہ از قسم براعت استہلال ورعایت سجع وغیرہ بھی پوری طرح ملحوظ رکھی گئی ہیں۔ اتنی قیودات اور پابندیوں کے باوجود خطبے کی سلاست وروانی میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑا۔ نہ جملوں کی بے ساختگی میں کہیں جھول پیدا ہوا، نہ تراکیب کی برجستگی میں کوئی خلل واقع ہوا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ o

اس مختصر مقالے میں اتنی گنجائش تونہیں کہ اس ضیابار خطبے کی تمام خوبیاں گنائی جائیں، تاہم چند دلآویز جھلکیاں خوش ذوق قارئین وسامعین کی نذر ہیں ع

گر قبول افتد زہے عزّوشرف

حمدباری تعالٰی

فقہ حنفی میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مشہور تصنیف کا نام الفقہ الاکبر ہے، اسی طرح جامع کبیر، زیادات، فیض، مبسوط، دُرَر، غُرَر بھی بلند پایہ فقہی تصانیف ہیں، امام احمد رضا نے ان ناموں میں کہیں ضمیر کا، کہیں حرف جر وغیرہ کا اضافہ کرکے ان کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ کتابوں کے یہ نام ہی اللہ تعالٰی کی بہترین حمد بن گئے ہیں، فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ هُوَ الْفِقْهُ الْاَكْبَرُ وَالْجَامِعُ الْكَبِيْرُ لِزِيَادَاتِ فَيْضِهِ الْمَبْسُوْطِ الدُّرَرِ الْغُرَر (سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اللہ کی تعریف ہی سب سے بڑی دانائی ہے اور اللہ تعالٰی کے پھیلے ہوئے فیض کے شفاف اور تابناک اضافوں کی بڑی جامع ہے)

سبحان اللہ، کیا دلپذیر حمد ہے!

یعنی فیضان الٰہی کے اضافے اور زیادات موتیوں کی طرح شفاف اور روشن پیشانیوں کی طرح تابناک ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچئے کہ جس فیض کے اضافے اور زیادات اس قدر منزہ اور روشن ہوں اس فیض کی اپنی شفافیت وتابندگی کا کیا عالم ہوگا! پھر صاحب فیض جل وعلا کی تابانی ودرخشانی کی تو بات ہی نہ پوچھئے کہ وہ انسانی فہم وادراک سے ماوراء ہے اور زبان وبیان اس کی ترجمانی سے قاصر ہیں۔ بقول شیخ سعدیؒ :

اے برتر از خیال وقیاس وگمان ووہم وزہرچہ گفتہ اند وشنیدیم وخواندہ ایم

دفتر تمام گشت وبپایاں رسید عمر ماہمچناں دراول وصف توماندہ ایم

جزاک اللہ، اے امام احمد رضا! کیا البیلی اور انوکھی حمد بیان کی ہے آپ نے، اللہ رب العٰلمین کی!

لیکن واضح رہے سامعین وقارئین کرام! کہ حمد کا یہ پہلو ضمنی ہے، جبکہ امام احمد رضا درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا۔ یعنی ع:

حمدِ بیحد مرخدائے پاک را

لیکن محض "حمد بے حد" کہہ دینے سے وہ بات نہیں بنتی جو امام احمد رضا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ اللہ تعالٰی کے فیض مبسوط کا ذکر کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کے فیض کی کوئی انتہا نہیں۔ اور غیر متناہی فیض کی زیادات، غیر متناہی در غیر متناہی ہوں گی اور جو حمد ان زیادات کی جامع ہوگی وہ غیر متناہی در غیر متناہی ہوگی، اور امام احمد رضا اللہ تعالٰی کی ایسی ہی حمد کرنا چاہتے ہیں۔ الجامع لزیادات فیضہ________

کیا کمال درجے کا اغراق فی المبالغہ ہے! "حمد بے حد" یا "بے انتہا تعریف" میں اس مبالغے کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔

صلوٰۃ وسلام اور اس کے ضمن میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کا بیان

بارگاہ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہوئے امام احمد رضا نے پہلے تو ائمہ فقہ کے ناموں اور معروف القاب کو اس طرح ترتیب دیا کہ کچھ ان میں سے سرورعالم کے نام بن گئے اور کچھ ان کی صفات۔ اس کے بعد اسماء کتب سے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل بیان کئے ہیں البتہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے دوران امام احمد رضا نے مندرجہ بالا تمام محاسن و لطائف کے علاوہ ایک اور خوبی کا اضافہ کیا ہے، یعنی سرور کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عقیدے کی بھی وضاحت کردی ہے اور یوں اہلسنت کی ترجمانی کا فریضہ بھی انجام دے دیا ہے۔

امام احمد رضا کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہم سب کے، بلکہ سارے عالم کے مالک ہیں، لیکن بالذات نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی تملیک سے مالک ہیں۔ اپنے نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں: ۔

ان کو تملیک ملیک الملک سے

مالک عالم کہا پھر تجھ کو کیا!

ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروز محشر عاصیوں کی شفاعت فرمائیں گے اور حق تعالیٰ سے ان کو بخشوائیں گے۔

پیش حق مژدہ شفاعت کا سناتے جائیں گے

آپ روتے جائیں گے، ہم کو ہنساتے جائیں گے

اب دیکھئے کہ ائمہ کرام کے اسماء والقاب سے کس طرح اپنے عقیدے کی وضاحت فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی الۡاِمَامِ الۡاَعۡظَمِ لِلرُّسُلِ الۡکِرَام * مَالِکِیۡ وَشَافِعِیۡ اَحۡمَدُ الۡکُرَام۔

(اور صلوٰۃ والسلام ہو رسولوں کے سب سے بڑے امام پر، جو میرے مالک ہیں اور میرے لئے شفاعت کرنے والے ہیں، ان کا نام احمد ہے، بہت ہی عزت والے ہیں، امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد)

ائمہ مذاہب اربعہ کے معروف القاب واسماء مذکور ہیں، انہی کے ساتھ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف کی جارہی ہے اور ساتھ ساتھ اپنا عقیدہ بیان کیا جارہا ہے۔

تھوڑا آگے بڑھئے اور اہل سنت کے ایک اور عقیدے کی ترجمانی کا انداز دیکھئے۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کائنات کی اصل اور مبدا ہیں۔

تو اصلِ وجود آمدی از نخست

و گر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

یہی عقیدہ امام احمد رضا کا ہے: ۔

اصل ہر بود و بہبود، تخم وجود

قاسم کنز نعمت پہ لاکھوں سلام

اس عقیدے کے اظہار کے لئے آپ نے امام اعظم کے تین مشہور شاگردوں یعنی امام محمد، امام حسن ابن زیاد اور امام قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے ناموں کا انتخاب کیا اور انہیں اس طرح یکجا کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا بھی اظہار ہوگیا، آپ کے حسن وجمال کا بھی بیان ہوگیا، اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ

حسن یوسف پر تو حسن مصطفیٰ ہے، بلکہ خود یوسف علیہ السلام فرع مصطفیٰ اور ابن مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

یقول الحسن بلاتوقف

محمد الحسن ابو یوسف

آپ کے جمال بے مثال کو دیکھ کر خود حسن بغیر کسی توقف کے پکار اٹھتا ہے کہ حسن والے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درحقیقت یوسف علیہ السلام کے 'اَبْ'، اور اصل ہیں۔

ایک یوسف علیہ السلام پر ہی کیا موقوف۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات کی اصل ٹھہرے تو ظاہری وجود میں جو آپ کے جدِّ امجد ہیں، یعنی ابو البشر آدم علیہ السلام، وہ بھی حقیقت کے اعتبار سے آپ کے پسر قرار پاتے ہیں۔ "حدائق بخشش" میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا:

ان کی نبوت، ان کی ابوّت ہے سب کو عام اُمّ البشر عروس انہی کے پسر کی ہے

"ظاہر میں میرے پھول، درحقیقت میں میرے نخل" اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے

اور یوسف علیہ السلام کے حسن پر ہی کیا منحصر۔ اہل سنت کے نزدیک تو تمام انبیاء و رسل کے جملہ کمالات بارگاہ مصطفوی کا فیضان و عطا ہے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں:

وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ مُلْتَمِسٌ

غُرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

(تمام انبیاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بحر کرم سے ایک چُلّو کے یا آپ کی باران رحمت سے ایک چھینٹے کے طلبگار ہیں)

اور امام احمد رضا یوں نغمہ سرا ہوتے ہیں:

لا و رب العرش! جس کو ملا ان سے ملا

بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی

اسی عقیدے کو 'فتاوی رضویہ' کے خطبے میں تلمیح کے انداز میں بیان کیا ہے:

اَلْبَحْرُ الرَّائِقُ ÷ مِنْهُ يَسْتَمِدُّ كُلُّ نَهْرٍ فَائِقٍ۔

"البحر الرائق" اور "النہر الفائق" "کنزالدقائق" کی دو شرحیں ہیں۔ اعلیحضرت نے "منہ یستمد کل" کا اضافہ کرکے کیا ایمان افروز معنی پیدا کئے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ حیران کن سمندر ہیں کہ ہر فوقیت رکھنے والا دریا اور نہر انہی سے مدد لیتی ہے۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فضل و کمال کے بحر ذخّار ہیں اور باقی انبیاء ورسل فوقیت رکھنے والے دریا اور نہریں۔ ظاہر ہے کہ دریاؤں اور نہروں میں وہ پانی بہتا ہے جو بھاپ بن کر سمندر سے اٹھتا ہے اور کہیں بارش بن کر برستا ہے، کہیں برف بن کر گرتا ہے۔

منقبت

اگر کسی مسئلے میں امام ابوحنیفہ اور قاضی ابویوسف متفق ہوں تو فقہاء ان کو "شیخین" کہتے ہیں اور اگر قاضی ابویوسف اور امام محمد کا اتفاق ہو تو ان کو "صاحبین" کہا جاتا ہے اور اگر امام ابوحنیفہ اور امام محمد کی ایک رائے ہو تو ان کو "طرفین" کا لقب دیا جاتا ہے۔ اب امام احمد رضا کا کمال دیکھئے کہ انہوں نے ان تینوں فقہی اصطلاحات کو صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) پر منطبق کردیا اور فرمایا:

لَاسِیَّمَا الشَّیْخَیْنِ الصَّاحِبَیْنِ ÷ اَلْاٰخِذَیْنِ مِنَ الشَّرِیْعَۃِ وَالْحَقِیْقَۃِ بِکِلَا الطَّرَفَیْنِ۔

(خصوصًا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ بزرگ ساتھی جو شریعت و حقیقت کے دونوں کناروں کو تھامنے والے ہیں)

غرضیکہ کیا کیا لکھوں اور کہاں تک لکھوں کہ ع

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں

مگر فی الحال اختصار کے پیش نظر اتنا ہی کہوں گا کہ اتنے اوصاف و محاسن پر مشتمل خطبہ آج تک نہیں لکھا گیا۔ باقی خصوصیات کو چھوڑیئے، صرف ایک خصوصیت پر نظر ڈال لیجئے، آپ کو میرے دعوے کی صداقت کا یقین آجائے گا۔ اور وہ حیرت افزا خصوصیت یہ ہے کہ اس خطبے میں مجموعی طور پر نوے ۹۰ کتابوں اور اماموں کے نام مذکور ہیں اور جس خوبی و لطافت سے مذکور ہیں اس پر فصاحت ناز کرتی ہے اور بلاغت جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ فصاحت و بلاغت کی یہ رعنائیاں صرف خطبے تک ہی محدود نہیں، بلکہ پورا فتاوٰی تخیل کی نزاکتوں اور ادبی لطافتوں سے مالامال ہے۔ اگر اس کی تفصیل بیان کی جائے تو سینکڑوں صفحات درکار ہیں؛ تاہم ایک امتیازی کمال کی طرف اہل ذوق کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ احمد رضا کا معمول ہے کہ اگر کسی سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے دینا ہو تو اس کو مستقل رسالہ بنادیتے ہیں اور باقاعدہ اس کا نام رکھتے ہیں۔ یہ اس قدر موزوں، مناسب اور واقع کے مطابق ہوتا ہے کہ پڑھنے والا امام احمد رضا کی دسترس اور رسائی پر حیران رہ جاتا ہے۔ ہر نام میں مندرجہ ذیل چار خصوصیات مشترک ہوتی ہیں:

(۱) ہر نام عربی میں ہوتا ہے خواہ رسالہ کسی بھی زبان میں ہو۔
(۲) ہر نام دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور دونوں حصوں کا آخری حرف ایک ہی ہوتا ہے، یعنی سجع کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔
(۳) ہر نام اسم با مسمّٰی ہوتا ہے، یعنی نام ہی سے پتا چل جاتا ہے کہ اس رسالے کا موضوع کیا ہے۔
(۴) ہر نام تاریخی ہوتا ہے، یعنی ابجد کے حساب سے اگر اس کے حروف کے اعداد نکالے جائیں تو ان کا مجموعہ اس سَن پر دلالت کرتا ہے جس میں وہ رسالہ لکھا گیا۔

مثال کے طور پر رضا فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام انتہائی آب وتاب سے چھپنے والی فتاوٰی رضویہ کی پہلی جلد میں گیارہ رسالے ہیں ان میں سے بطور نمونہ صرف تین نام پیش خدمت ہیں:

(ا) اگر امام ابو حنیفہ اور صاحبین ومتاخرین فقہاء کا کسی مسئلے میں اختلاف ہوجائے تو اس صورت میں کس کے قول پر فتوٰی ہوگا؟ امام صاحب کے؟ صاحبین ودیگر فقہاء کے؟ یا بعض معمولات میں امام صاحب کے قول پر اور بعض صاحبین ودیگر فقہاء کی رائے پر؟ اس مسئلے کی توضیح کے لئے امام احمد رضا نے جو رسالہ لکھا اس کے نام سے ہی ان کی تحقیق واضح ہوجاتی ہے۔

اجلی الاعلام ، ان الفتوی مطلقا علی قول الامام

(واضح اعلان کہ فتوٰی بہر صورت امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے)

(ب) کون سی نیند ناقض وضو ہے اور کون سی نہیں۔ اس کی تفصیلات سے قوم کو آگاہ کرنے کے لئے جو رسالہ لکھا اس کا نام ہے:

نبه القوم ، ان الوضوء من ای نوم

(قوم کو آگاہ کرنا کہ کون سی نیند کے بعد وضوء ہے)

(ج) حالت جنابت میں قرأت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کن کن صورتوں میں؟ ان مسائل سے پردہ اٹھانے والے رسالے کا نام ہے؟

ارتفاع الحجب، عن وجوه قرأة الجنب

(پردوں کا اُٹھ جانا، ان تمام صورتوں سے جو جنبی کی قرأت سے متعلق ہیں)

تینوں رسائل کے نام مندرجہ بالا چاروں خصوصیات کے جامع ہیں جن میں سے پہلی تین تو واضح طور پر نظر آرہی ہیں؛ البتہ چوتھی خصوصیت یعنی نام کا تاریخی ہونا، استخراج کا تقاضا کرتی ہے۔ نبه القوم کا استخراج درج ذیل ہے کیونکہ یہ نام تینوں میں مختصر ہے، باقیوں کو اس پر قیاس کرلیجئے۔

نبہ القوم ن، ب، ہ، ا، ل، ق، و، م

۵۰+۲+۵+۱+۳۰+۱۰۰+۶+۴۰ = ۲۳۴

ان الوضوء من ای نوم ا، ن، ا، ل، و، ض، و، م، ن، ا، ی، ن، و، م +

۱+۵۰+۱+۳۰+۶+۸۰۰+۶+۴۰+۵۰+۱+۱۰+۵۰+۶+۴۰ = ۱۰۹۱ ۱۳۲۵

۱۳۲۵اس کا مجموعہ اعداد ہے اور یہی سن تاریخ ہے۔

امام احمد رضا کے سوا ایسے عمدہ، اعلٰی، دلنشین اور فکر و فن کے شہکار نام کون رکھ سکتا ہے! تاریخ میں کسی ایک فاضل کا نام بتادیجئے جس نے اتنے رسالے لکھے ہوں اور ان کے ایسے خوبصورت نام رکھے ہوں!

بلا شبہ امام احمد رضا متنبّی کے اس شعر کا حقیقی مصداق ہیں؎

مضت الدھور وما اتین بمثلہ

ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

وصلی اللہ علی سیّدنا ومولٰینا محمد وعلٰی اٰلہ واصحابہ وذریاتہ اجمعین

مصطفٰی جان رحمت پہ لاکھوں سلام　شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

اُن کے مولٰی کے ان پر کروروں درود　اُن کے اصحاب وعترت پہ لاکھوں سلام

شافعی، مالک، احمد، امام حنیف　چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام

بے عذاب وعتاب وحساب وکتاب　تا ابد اہل سنت پہ لاکھوں سلام

ایک میرا ہی رحمت پہ دعوی نہیں　شاہ کی ساری اُمّت پہ لاکھوں سلام

اٰمین یارب العٰلمین!

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین

پیش لفظ	۵	جس مسئلہ پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل و افعال شاہد عدل ہوں وہ محتاج دلیل نہیں۔	۶۰
فتاوٰی رضویہ	۹	جو دعوی خلاف تعامل کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے۔	۶۰
باب احکام المساجد	۵۷	صحن مسجد کے مسجد ہونے کی وضاحت کے لئے دس وجوہ کا ذکر۔	۶۰
رسالہ التبصیر المنجد بأن صحن المسجد مسجد (صحن مسجد کے مسجد ہونے کے بیان میں)	۵۹	مسجد اس بقعہ کا نام ہے جو بغرض نماز پنجگانہ وقف خالص کیا گیا ہو۔	۶۰
صحن مسجد قطعاً جزءِ مسجد ہے جس طرح صحن دار جزء دار ہے۔	۶۰	عمارات و بنا یا سقف وغیرہ مسجد کی ماہیت میں داخل نہیں۔	۶۰
اگر قسم کھائی کہ زید کے گھر نہ جاؤں گا اور صحن میں گیا تو حانث ہوگا۔	۶۰	اگر عمارت اصلاً نہ ہو صرف چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کردیا جائے تو قطعاً مسجد ہوجائے گا اور تمام احکام مسجد کا استحقاق پائے گا۔	۶۰
اگر قسم کھائی کہ مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا تو حانث نہ ہوگا۔	۶۰	مسقف وغیر مسقف میں فرق کرنا اسے مسجد اسے فناء مسجد ٹھہرانا محض بے معنی ہے۔	۶۱
معتکف کو مسجد کے صحن میں آنا جانا بیٹھنا یقینا روا ہے۔	۶۰	مسجد و معبد ہو یا منزل و مسکن ہر مکان کو بلحاظ اختلاف موسم دو حصوں پر تقسیم کرنا عاداتِ مطردہ بنی نوع انسان سے ہے، ایک پارہ مسقف کرتے ہیں کہ برف و بارش و آفتاب سے بچائے دوسرا کھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے اور ہوا لینے کے کام آئے۔	۶۱

زبان عرب میں مسقف حصے کو شتوی اور اور غیر مسقف کو صیفی کہتے ہیں۔	۶۱	مسجد میں پیڑ بونا ممنوع، ہاں اگر اس میں مسجد کی منفعت ہو تو جائز ہے۔	۶۵
صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرانا غرض واقفین کے خلاف ہے۔	۶۱	جامع مسجد بخارامیں درخت لگانے کی اجازت مشائخ نے ضرورت وحاجت کی وجہ سے دی۔	۶۶
عام مسلمین صحن مسجد کو مسجد ہی سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ گرمیوں میں فجر ومغرب وعشاء کی نمازیں صحن میں پڑھتے ہیں، ان کے حفاظ تراویح وہیں پڑھاتے ہیں، معتکف وہاں بیٹھتے اور ذکروعبادت میں مشغول رہتے ہیں۔	۶۲	دروازہ مسجد پر جو دکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں۔	۶۶
مسجدیتِ صحن سے انکار اجماع کے خلاف ہے۔	۶۲	دروازہ مسجد پر بنی ہوئی دکانوں کی چھت پر کھڑے ہونے والے نمازیوں کی اقتداء صحیح ہے۔	۶۶
حق مسجد کی رعایت اتباع جماعت سے اہم واقدم ہے۔	۶۲	فناء وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فناء ہو۔	۶۶
جس مسجد میں کوئی نمازی نہ آئے تو اس مسجد کا مؤذن اذان دے، اقامت کہے اور اکیلے نماز پڑھے، یہ اس کے لئے دوسری مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے زیادہ بہتر ہے۔	۶۲	اگر فناء کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ متصل بہ فناء ہے تو اس سے دور لازم آئے گا۔	۶۶
صحن مسجد کو مسجد نہ ماننے کے نزاع بے جا کا انجام مساجد کو ویران کرنا ہے۔	۶۳	یہ ادعا کہ صحن وفناء کا مفہوم واحد ہے جہل شدید ہے۔	۶۶
زمانہ نبوی میں مسجد نبوی کی حدود کیا تھیں یعنی اس کا طول وعرض کتنا تھا۔	۶۴	جنبی کا صحن مسجد میں جانا جائز نہیں۔	۶۷
صفہ جو کہ مسجد شریف کی جانب شام جنوب رویہ ایک مسقف دالان تھا جزء مسجد تھا اور اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں سکونت رکھتے تھے۔	۶۴	اگر پانی کا چشمہ مسجد میں ہے اور اس کے سوا کہیں نہ ملے تو جنبی تیمّم کرکے وہاں جاسکتا ہے۔	۶۷
اصحاب صفہ قراء تھے۔	۶۴	صحن مسجد کا جزء مسجد ہونا اجلی بدیہیات ہے۔	۶۷
محراب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محراب امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب شمال ہے۔	۶۵	بارہ ائمہ دین کی تصریحات کہ صحن مسجد بھی مسجد ہے۔	۶۷

صحن مسجد کو علماء کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں۔	۷۰	صغیر وکبیر مسجدوں میں فرق۔	۸۰
صرف اس قول سے کہ میں نے اس زمین کو مسجد کیا اس خطہ زمین سے واقف کی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔	۷۰	مسجد سے متصل کوئی مکان مسجد سے بلند ہو تو حرج نہیں اور یہ خیال کہ جس مسجد سے متصل کوئی بلند مکان ہو اس میں نماز نہیں ہوتی محض غلط ہے۔	۸۵
نمازیوں کو تکلیف دینے والے، بدمذہب اور جن کے بدن سے بدبو نکلتی ہو مسجد آنے سے انہیں روکا جائے۔	۷۲	مسجد ضرار کی ایک صورت۔	۸۶
مسجد کا صحن مسجد ہی ہوتا ہے اس میں نہ اذان دی جاسکتی ہے نہ جنازہ کی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔	۷۳	ضرورت پر متعدد مسجدیں بنائی جاسکتی ہیں۔	۸۷
مسجد کی فصیل خارج از مسجد ہوتی ہے۔	۷۳	مسجد منہدم کرکے دکان وغیرہ بنالینا حرام ہے۔	۸۷
بلاوجہ شرعی کسی کو مسجد آنے سے روکا نہیں جاسکتا۔	۷۴	نئی مسجد بنانے میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ پرانی مسجد ویران نہ ہوجائے ورنہ گناہ ہوگا۔	۸۷
ختم نبوت کا انکار کفر ہے۔	۷۴	حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ایک روایت کی تردید۔	۸۸
غیر مقلدین زمانہ پر حکم کفر ہے۔	۷۵	ہر شہر میں ایک جامع مسجد بنانا واجب ہے اور محلوں میں بھی مسجدیں بنانے کا حکم ہے۔	۸۸
مسجدوں پر کسی کا کوئی حق نہیں پہنچتا، نہ کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جاسکتا ہے۔	۷۶	بلند مسجدیں بنانا جائز ہے۔	۸۹
سنیوں کی مسجدوں پر روافض کا کوئی حق نہیں۔	۷۷	سُود کی مخلوط آمدنی سے مسجد کے فرش، کنواں وغیرہ بنانے سے مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا۔	۸۹
مسجد ضرار کی تعریف۔	۷۷	مسجدوں میں پاک چیزیں لگائی جائیں، نئی ہوں یا پرانی۔	۹۰
ایک مسجد ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنائی جائے تو یہ مسجد ضرار ہوگی یا نہیں؟	۷۸	مسجدوں کی بیع ناجائز ہے۔	۹۰
ضرورت ہو تو ایک مسجد کو دو کیا جاسکتا ہے۔	۷۹	کسی نے مسجد پر ظلماً قبضہ کرلیا اور حصول یابی کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ دوسری جگہ معاوضہ میں دینے کے لئے تیار ہو تو وہ جگہ لے کر مسجد بنائی جاسکتی ہے۔	۹۱
اگر باہمی رنجش کی بنا پر دوسری مسجد بنائی جائے تو یہ مسجد ضرار نہیں۔	۷۹	مسجد میں معتکف کو سونا جائز ہے اور غیر معتکف کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے مصنف کی تحقیق۔	۹۲

مسجدوں کو چوپال بنانا جائز نہیں۔	۹۵	مسجد کی دیواروں پر طغرے وغیرہ لٹکانا جائز ہے جبکہ بلندی پر ہوں۔	۱۰۴
صحیح یہ ہے کہ معتکف کے سوا دوسروں کو مسجد میں کھانا پینا جائز نہیں۔	۹۵	مسجدوں میں نقش ونگار کرنے کا حکم۔	۱۰۵
مسجد یا صحن میں گالی گلوچ وغیرہ لغویات جائز نہیں ایسے کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔	۹۵	کرسی پر بیٹھ کر مسجد میں وعظ کہنا جائز ہے جبکہ نمازیوں کو کوئی خلل نہ ہو۔	۱۰۸
مسجد کا حجرہ اور فنا مسجد کے حکم میں ہیں۔	۹۵	قولی وفعلی حدیثوں میں تعارض ہو تو قولی پر عمل ہوگا۔	۱۰۸
مسجد کے حجرہ میں تعویذ لکھ کر اجرت پر دینا جائز نہیں۔	۹۵	مسجدوں میں جوتے کہاں رکھے جائیں۔	۱۰۹
معتکف مسجد میں احتیاط سے کھائے پیئے۔	۹۶	بلاضرورت سامنے جوتے کہاں رکھے جائیں۔	۱۰۹
مسجد میں اُگالدان رکھنا یا مسند سے ٹیک لگانا وغیرہ جائز ہے یا نہیں۔	۹۶	مسجد کے کنویں سے لوگوں کو پانی بھرنے سے منع نہیں کیا جاسکتا البتہ مسجد کی رسّی اور ڈول سے غیر نماز کے لئے پانی بھرنا منع ہے۔	۱۱۰
بہت احکام ومسائل نیت کے فرق سے بدل جاتے ہیں۔	۹۸	طہارت میں اوہام کو دخل نہیں۔	۱۱۰
مسجدوں میں درود، وظائف، تلاوت وغیرہ جہر سے کرنا جس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو منع ہے۔	۹۹	بے ضرورت مسجد میں درخت لگانا منع ہے۔	۱۱۱
مسافر مسجد میں ٹھہر سکتا ہے جبکہ مسجد کے اسباب کو اس سے اندیشہ نہ ہو۔	۱۰۱	مسجد کے درخت کے پھل پھول بلاقیمت لینا جائز نہیں۔	۱۱۱
مسجدوں میں مٹی کا تیل جلانا جائز نہیں، اور اگر بدبو زائل کردی جائے تو اس کا جلانا جائز ہے۔	۱۰۲	مسجدوں میں دنیا کی باتیں یا شور شغب حرام ہے۔ ایسے کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔	۱۱۲
نماز کے اوقات میں مسجدوں کے دروازے بند رکھنا منع ہے۔	۱۰۳	مسجد منہدم ہوگئی اور اس کے متعلق دکانیں ہوں تو ان کے کرایہ سے مسجد تعمیر کی جائے، کرایہ کی آمدنی کو دوسری مسجد یا امام پر خرچ کرنا حرام ہے۔	۱۱۳
بلاضرورت مسجد میں چراغ جلانا منع ہے۔	۱۰۴	قبروں کو ہموار کرکے مسجد میں شامل کرلینا حرام ہے۔	۱۱۳
مسجد کے سائبان میں گملے وغیرہ لٹکانا جائز ہے جبکہ نمازیوں کی نگاہ کے سامنے نہ ہوں۔	۱۰۴	مسجدوں میں مدرسے قائم کرنے کے شرائط۔	۱۱۶
		مسجدوں میں کندہ پتھر لگانے کا حکم۔	۱۱۹

مسجدوں پر جھنڈے لہرانے کا حکم۔	۱۲۲	فجر کی فرض پڑھ لی ہو اور سنت رہ گئی ہو تو زوال سے پہلے تک پڑھ سکتا ہے	۱۴۱
مسجدوں میں میلاد شریف یا وعظ کہنا کیسا ہے۔	۱۲۳	نمازیں کچھ چھوٹی ہوں اور کچھ پڑھی ہوں تو کس ترتیب سے پڑھی جائیں۔	۱۴۲
مسجدوں میں علماء اور مشائخ کے لئے قیام کیا جاسکتا ہے۔	۱۲۴	فجر کی سنت رہ گئی ہو تو آفتاب بلند ہونے کے بعد زوال تک پڑھ لے۔ طلوع آفتاب سے پہلے پڑھنا منع ہے۔	۱۴۳
قبریں پاٹ کر مسجد بنانا کیسا ہے۔	۱۲۴	صاحب ترتیب خطبہ کے وقت بھی قضا پڑھ لے ورنہ اس کا جمعہ نہیں ہوگا اور جو صاحب ترتیب نہ ہو وہ دوران خطبہ میں قضا نہیں پڑھ سکتا۔	۱۴۴
مسجد کی تعمیر کے لئے رقمیں کیسی ہوں۔	۱۲۵	سنت فجر بلاعذر بیٹھ کر صحیح نہیں ہوگی اور سنت فجر قضا ہو جائے تو اس کے پڑھنے کا وقت۔	۱۴۵
مسجد میں جمعہ کے لئے دریاں دی گئیں اور وہاں جمعہ پڑھنا بند ہوگیا تو ان دریوں کو دوسری مسجد میں دینا جائز نہیں۔	۱۲۷	عشاء سے پہلے والی سنت فوت ہو جائے تو اس کی قضا نہیں، ہاں عشاء کے بعد دو رکعت سنت کے بعد اسے پڑھ لے تو کوئی ممانعت نہیں۔	۱۴۶
باب ادراک الفریضۃ	۱۲۹	سنت فجر فوت ہو جائے تو طلوع شمس سے پہلے پڑھنا گناہ ہے۔	۱۴۸
کوئی نفل یا سنت پڑھ رہا ہے اور جماعت قائم ہوئی تو پوری کرکے جماعت میں شریک ہو یا چھوڑے۔	۱۲۹	جمعہ کی سنت چھوٹ گئی ہے تو جمعہ کے بعد اس کو بہ نیت سنت پڑھ لے۔	۱۵۳
امام قعدہ اخیرہ میں ہو تو فجر کی سنتیں پڑھ کر شریک ہونا چاہئے یا بغیر پڑھے۔	۱۳۶	سنت فجر قضا ہو جائے تو طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے تک پڑھ لے زوال کے بعد اس کی قضا نہیں۔	۱۵۳
فرض پڑھ چکا ہے اور جماعت کھڑی ہوئی تو کیا کرے۔	۱۳۷	میت کی جانب سے قضائے عمری ادا کرنے کی ایک صورت۔	۱۵۴
امام فجر کے قعدہ اخیرہ میں ہو اور سنت پڑھ کر شریک ہو سکتا ہے تو سنت پڑھے ورنہ شریک ہو جائے اور آفتاب بلند ہونے کے بعد سنت پڑھے۔	۱۳۸	قضائے عمری کا ایک غلط طریقہ۔	۱۵۵
فجر کی جماعت ہو رہی ہے تو سنت کہاں پڑھی جائے۔	۱۳۹	قضائے عمری کے پڑھنے کا طریقہ اور اس کی نیت۔	۱۵۷
باب قضاء الفوائت	۱۴۱		

جس کے ذمہ قضانمازیں ہوں وہ نفلوں کی جگہ بھی قضا نمازیں پڑھے۔	۱۵۸	**باب سجود السھو**	۱۷۷
نماز قضا ہوجانے کی ایک صورت۔	۱۵۸	سورۃ سوچنے میں بقدر ادائے رکن یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار دیر ہوجائے تو سجدہ سہو واجب ہے۔	۱۷۷
قضانمازوں کی جماعت ہوسکتی ہے یانہیں، اور ہوسکتی ہے تو کہاں، مسجد یا مکان میں۔	۱۶۲	بھول کر کھڑا ہوجائے یا کھڑا ہونے سے قریب ہو تو کیا کرے۔	۱۸۱
قضائے عمری ادا کرنے کا طریقہ۔	۱۶۳	قعدہ اخیرہ کو قعدہ اولٰی سمجھ کر کھڑا ہوگیا اور سجدہ کرنے سے پہلے لوٹ آیا تو بیٹھتے ہی سجدہ سہو کرے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔	۱۸۳
نماز، روزہ، حج وغیرہ کے چھوڑنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا البتہ ان کی قضا اس پر فرض ہے۔	۱۶۳	قعدہ اولٰی میں کھڑا ہونے کے قریب تھا کہ بیٹھ گیا تو سجدہ سہو واجب ہوگا یانہیں۔	۱۸۳
جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہو بیٹھ کر نماز نہیں ہوگی۔	۱۶۴	امام پر سجدہ سہو نہیں تھا اور سجدہ سہو کیا تو اس کے بعد جو لوگ اس نماز میں شریک ہوں گے ان کی نماز نہیں ہوگی۔	۱۸۵
فجر کی نماز قضا ہوجائے وہ جمعہ اور عید کی نماز پڑھ سکتا ہے یانہیں۔	۱۶۴	سجدہ سہو کے لئے امام سلام کرے تو مسبوق بھی سلام کرنے میں شریک ہوگا یانہیں۔	۱۹۱
میت کے ذمہ نماز وروزہ کا کفارہ ہو اور کفارہ میں قرآن شریف کا ہدیہ مسکین کو دیا جائے تو کفارہ ادا ہوگا یانہیں۔	۱۶۴	قعدہ اولٰی میں اللھم صل علی محمد تک پڑھے گا تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔	۱۹۱
میت کے کفارہ ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو یا کم ہو تو کفارہ کیسے ادا ہو۔	۱۶۵	مسبوق، سجدہ سہو کا سلام نہ کرے۔	۱۹۱
قضا نماز کے کفارہ کا مستحق کون ہے۔	۱۶۵	قعدہ اولٰی میں شک ہو اور سجدہ سہو کرلے تو نماز ہوجائے گی۔	۱۹۲
میت کی جانب سے کفارہ ادا کرنے کا طریقہ۔	۱۶۶	فاتحہ کے بعد بسم اللہ ترتیل سے پڑھی جس سے کافی دیر ہوگئی تو سجدہ سہو واجب نہیں سکوت یا سورت سوچنے میں دیر ہوجائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔	۱۹۲
کفارہ میں قرآن شریف دینے سے پورا کفارہ ادا نہیں ہوتا بلکہ قرآن شریف جس ہدیہ کا ہے اتنا ہی ادا ہوگا۔	۱۷۵	چار رکعت والی نماز میں پچھلی دو رکعتوں میں سورت کا ضم کرنا کیسا ہے۔	۱۹۲

سجدہ سہو کے لئے ایک طرف سلام چاہئے دونوں طرف نہیں۔	۱۹۶	سجدہ سہو واجب ہو اور سجدہ نہ کرے تو نماز کا اعادہ واجب ہے۔	۲۱۵
فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں ملائی اور رکوع میں چلا گیا تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے، اور اگر رکوع کے بعد یاد آئے تو سجدہ سہو کرے۔	۱۹۶	تیسری یا چوتھی رکعت میں سہواً فاتحہ کے بعد آیت پڑھ دی یا رکوع کی تسبیحات سجدہ میں یا سجدہ کی رکوع میں یا مقتدی نے تعوذ پڑھا، یا امام نے تسمیع کے بجائے تکبیر کہی تو سجدہ سہو نہیں۔	۲۱۶
مقتدی سے سہو ہونے پر نہ اعادہ صلٰوۃ ہے نہ سجدہ سہو، یہ کیوں، اس کے متعلق ایک علمی بحث۔	۱۹۷	قعدہ اخیرہ میں بھول کر کھڑا ہو جائے تو کیا کرے۔	۲۱۶
امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے اپنی نماز پوری کرنے کے بعد کرے۔	۲۱۰	کسی کو نسیان ہو اور دوسرے کے بتانے پر وہ نماز پڑھے تو نماز نہیں ہوگی، ایسا شخص نماز کس طرح پڑھے۔	۲۱۶
سجدہ سہو کا سلام دہنی طرف ہے دونوں طرف نہیں ورنہ سجدہ سہو ساقط اور گناہ لازم۔	۲۱۲	بغیر قنوت پڑھے رکوع چلا جائے تو پلٹے نہیں اور اگر پلٹا تو نماز ہو جائے گی مگر گنہگار ہوگا پلٹنے کے لئے مقتدی نے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔	۲۱۹
قعدہ اولٰی میں امام عادت سے زیادہ دیر لگادے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں۔	۲۱۲	**باب سجود التلاوۃ**	۲۲۳
بغیر قنوت پڑھے رکوع میں چلا جائے تو پلٹے نہیں سجدہ سہو کرے۔	۲۱۲	کتاب وغیرہ میں آیات سجدہ ہوں تو ان کے پڑھنے سے سجدہ واجب ہوگا یا نہیں۔	۲۲۳
قعدہ اولٰی میں امام سہواً کھڑا ہو گیا اور مقتدی نے لقمہ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۲۱۳	آیت سجدہ پڑھنے کے بعد فوراً سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۳۳
امام کو قعدہ سے سہو ہو تو اللہ اکبر یا التحیات سے بھی لقمہ دیا جاسکتا ہے مگر سنت سبحان اللہ کہنا ہے۔	۲۱۴	امام نے سجدہ تلاوت کی نیت رکوع میں کی تو امام اور مقتدی سب کا سجدہ ادا ہوگا یا نہیں۔	۲۳۴
نسیان کی وجہ سے رکعت وغیرہ کی تعداد یاد نہ رہتی ہو تو یاد دلانے کے لئے آدمی مقرر کرنا جائز نہیں۔	۲۱۵	آیت سجدہ کے ترجمہ پڑھنے سے سجدہ لازم ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۳۸
تین سجدے کرنے سے سجدہ سہو واجب ہوگا۔	۲۱۵	سجدہ تلاوت کے لئے طہارت اور نیت ہونا ضروری ہے۔	۲۳۹

سجدہ کرنے میں قرآن شریف سامنے ہو تو حرج نہیں۔	۲۳۹	سفر میں نماز پوری پڑھنا، قصر نہ کرنا گناہ ہے۔	۲۶۸
آیت سجدہ تلاوت کرنے کے بعد سجدہ کرنا واجب، تراویح ہو یا کوئی دوسری نماز۔	۲۳۹	ساڑھے ستاون میل کے ارادہ سے سفر کرنے سے آدمی مسافر ہوتا ہے دس دس بیس بیس میل ادھر ادھر جانے سے شرعی سفر نہیں ہوگا۔	۲۶۸
تلاوت آیت سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے سے مجلس تبدیل ہوجاتی ہے۔	۴۲۵	جنگلات کے ملازمین کے متعلق ایک سوال۔	۲۶۸
سجود تلاوت صلوٰتیہ میں دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔	۵۳۹	سسرال مدت سفر پر ہو تو وہاں جانے پر نماز میں قصر ہوگا۔	۲۷۰
باب صلوٰۃ المسافر	۲۴۱	ساڑھے ستاون میل کے فاصلہ پر علی الاتصال جانا ہو تو قصر ہے۔	۲۷۰
حکام سرکاری دوروں میں مسافر ہوں گے یا نہیں۔	۲۴۱	مسافر امام نے پوری نماز پڑھائی تو مقیم کی نماز نہیں ہوگی۔	۲۷۱
مسافر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مدت قصر تک مسلسل جانے کا ارادہ ہو ورنہ مسافر نہیں ہوگا۔	۲۵۴	کہیں دکان ہو تو وہ وطن اصلی نہیں بن جاتا۔	۲۷۱
منزل، کوس اور فرسنگ کی مسافتوں کا بیان۔	۲۵۵	**باب الجمعة**	۲۷۳
قصر تین منزل سے کم میں نہیں ہوتا۔	۲۵۵	دیہات میں جمعہ جائز نہیں۔	۲۷۳
مسافر جس راستہ سے سفر کرے گا وہی معتبر ہوگا۔	۲۵۵	جمعہ کے لئے شہر شرط ہے۔	۲۷۴
دو مسافروں کے درمیان ایک مشترک غلام ہو اور ایک نے اقامت کی نیت کرلی اور دوسرے نے نہیں کی تو غلام قصر کرے یا نہیں۔	۲۵۵	شہر کی تعریف۔	۲۷۴
آبادی سے باہر نکلتے ہی مسافر ہوجاتا ہے اور جب تک وطن واپس نہ آجائے یا کہیں اقامت کی نیت نہ کرلے مسافر رہے گا۔	۲۵۸	شہر کی یہ تعریف کہ جمیع سکان جن پر جمعہ فرض ہے آجائیں تو مسجد میں نہ آسکیں ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔	۲۷۲
جنگلات میں جو ملازمین ہوتے ہیں وہ مسافر کہلائیں گے یا نہیں۔	۲۵۸	جمعہ کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ احتیاطی ظہر خواص کے لئے ہے۔	۲۷۲
جو اسٹیشن جنگلوں میں ہوتے ہیں ان کے ملازمین مسافر ہیں یا نہیں۔	۲۶۷	فتاوٰی ابوالبرکات کے ایک فتوٰی کا رد۔	۲۸۲
		خطبہ کے الفاظ کے معانی سمجھنا صحت جمعہ کے لئے شرط نہیں۔	۲۸۲

خطبہ میں خطبہ کا ترجمہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۲۸۶	جمعہ کس سال فرض ہوا۔	۳۱۳
قلعے وغیرہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۲۸۷	جمعہ عیدین وغیرہ میں کثیر جماعت ہو تو سہو کا سجدہ چھوڑا جاسکتا ہے۔	۳۱۴
صحت جمعہ کے لئے اذان عام ضروری ہے۔	۲۸۸	ایک مسجد میں جمعہ ہو جائے تو دوسرے لوگ اس مسجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۳۱۵
جمعہ کی سنتوں کی تعداد کتنی ہے۔	۲۸۸	ایک مسجد میں دو بار جمعہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔	۳۲۰
احتیاطی ظہر پڑھنے کا طریقہ۔	۲۹۴	یا ایک وقت میں جمعہ کی دو جماعتیں ہو سکتی ہیں یا نہیں۔	۳۲۰
جمعہ سے متعلق چند سوال۔	۲۹۶	عربی میں خطبہ پڑھنا پھر اردو میں ترجمہ کرنا یا اردو میں پڑھنا یا کچھ عربی اور کچھ اشعار میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۲۲
اذان ثانی کا جواب زبان سے دینا یا اذان کے بعد زبان سے دعا کرنا منع ہے دل سے کرسکتا ہے۔	۳۰۰	جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے دو رکعت پڑھنا جائز نہیں۔	۳۲۶
تعوذ سے خطبہ شروع کرنا چاہئے۔	۳۰۲	خطبہ کے متعلق دوسروں کے دو فتوے اور مصنف کی تحقیق۔	۳۲۹
اردو کے قصائد وغیرہ خطبہ میں پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۳۰۲	خطبہ میں دہنے بائیں منہ پھیرنا بے اصل ہے۔	۳۴۲
عصا لے کر خطبہ پڑھنا کیسا ہے۔	۳۰۳	عربی کے علاوہ دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۳۴۳
عربی، فارسی اور اردو اشعار میں خطبہ ہو تو کیسا ہے۔	۳۰۳	منبر کے کتنے زینے ہوں اور کس زینہ پر خطبہ ہو اور منبر کا رواج کب سے ہے۔	۳۴۳
نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو کیا حکم ہے۔	۳۰۹	احتیاطی ظہر کے متعلق ایک سوال۔	۳۴۴
احتیاطی ظہر کے متعلق ایک سوال۔	۳۱۰	جہاں آبادی اتنی ہو کہ وہاں کی بڑی مسجد میں نہ آسکیں، حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کی بنا پر وہ شہر ہے، متاخرین نے اس کو اختیار کیا ہے، اس روایت پر وہاں جمعہ اور عیدین ہو سکتے ہیں۔	۳۴۷
متعدد جگہ جمعہ ہو سکتا ہے مگر ایک جگہ پڑھنا افضل ہے۔	۳۱۲	شہر اور دیہات کا فرق (افسوس کہ پورا جواب نہ مل سکا۔)	۳۴۸
جہاں صحت جمعہ کے شرائط میں اشتباہ ہو تو وہاں خواص کے لئے چار رکعت احتیاطی پڑھنے کا حکم ہے۔	۳۱۲	شوکت اسلامی کے خیال سے جمعہ اور عیدین گاؤں میں پڑھے جائیں تو جائز ہے یا نہیں۔	۳۵۰

نماز، وظیفہ وغیرہ خطبہ کے وقت پڑھنا جائز نہیں۔	۳۵۲	احتیاطی ظہر عوام کے لئے نہیں ہے۔	۳۶۵
جمعہ ہوچکنے کے بعد دوسرے لوگ اس مسجد میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۳۵۲	خطبہ میں حضور کا نام پاک آئے تو دل میں درود پڑھے زبان سے سکوت فرض ہے۔	۳۶۵
جامع مسجد تنگ پڑتی ہو تو عیدگاہ میں جمعہ پڑھا جائے۔	۳۵۴	مصر، قری اور شہر کا فرق۔	۳۶۵
احتیاطی ظہر پڑھنے کا طریقہ	۳۵۴	متصل بستیاں ہوں اور کثیر مسلمان آباد ہوں وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۳۶۵
جمعہ اور ہر نماز کے بعد قبلہ سے انحراف امام کے لئے سنت ہے۔	۳۵۶	تحقیق یہ ہے جمعہ کے لئے شہر شرط ہے ہم اسی پر فتوی دیتے ہیں لیکن دیہات میں جمعہ پڑھنے سے عوام کو نہ منع کرتے ہیں اور نہ منع کرنا پسند کرتے ہیں ایک روایت پر جمعہ صحیح ہوجاتا ہے۔ عوام جس طرح بھی خدا اور سول کا نام لیں غنیمت ہے۔	۳۷۴
قبلہ رو بیٹھا رہنا بالاجماع مکروہ ہے۔	۳۵۶	جہاں تین چار سو مسلمان آباد ہوں، منصفی، ڈاک خانہ، شفاخانہ، بازار وغیرہ ہوں وہ شہر ہے یا دیہات۔	۳۷۶
جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں طویل دعا بہتر نہیں اور یونہی جبکہ مقتدیوں پر گراں گزرے۔	۳۵۶	جمعہ کی امامت کے لئے سلطان یا ماذون کی شرط کوئی بنیادی شرط نہیں۔	۳۸۴
دعا کے انتظار میں مقتدیوں کو بیٹھا رہنا ضروری نہیں۔	۳۵۶	نماز پنجگانہ، جمعہ، عیدین اور کسوف کی امامت میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔	۳۸۴
جمعہ، عیدین اور کسوف میں امام کیسا ہو۔	۳۵۹	دیہات میں جمعہ، عیدین جائز نہیں عوام پڑھیں تو انہیں منع کرنے کی ضرورت نہیں۔	۳۸۷
ایک مسجد میں جمعہ کی نماز دوبارہ پڑھنا جائز نہیں۔	۳۵۹	خطبہ میں غیر عربی کا خلط مکروہِ تنزیہی اور خلافِ سنت ہے۔	۳۸۹
جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر شرط ہے جہاں شہر نہ ہو وہاں فنائے شہر کافی ہے۔	۳۶۳	خطبہ اولیٰ میں اوصیکم بتقوی اللہ نہ پڑھا جائے تو شوافع کی نماز ہوگی یا نہیں۔	۳۹۴
فنائے شہر کس کو کہتے ہیں۔	۳۶۳	ایک مسجد میں اذان واقامت اور خطبہ کے ساتھ جمعہ ہوچکنے کے بعد پھر دوسروں کو چند بار ایسے ہی جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۶
مالم یسع اکبر مساجدہ اھلہ مصر کو علماء نے رد کردیا ہے۔	۳۶۳	دونوں خطبہ کے مابین دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۶

جیل خانوں میں جمعہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۳۹۷	رسالہ مرقاۃ الجمان فی الهبوط عن المنبر لمدح السلطان (ثانی خطبہ میں ایک سیڑھی اترنے پھر چڑھنے کے بارے میں)	۴۱۲
جہاں جمعہ صحیح ہونے میں اشتباہ نہ ہو، وہاں احتیاطی ظہر منع ہے۔	۳۹۸	مسلمانوں کے کسی فعل کو بدعت شنیعہ کہنا ایک حکم تو اللہ رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم پر لگانا ہے کہ ان کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر لگانا ہے کہ وہ اس فعل کے باعث گنہگار ومستحق عذاب ہیں اور ایسا حکم لگانا بلادلیل شرعی واضح کے ناجائز ہے۔	۴۱۷
امام میں شرعی عیب ہو اور اسے معزول نہ کرسکیں تو دوسری جگہ جمعہ کے لئے جانا واجب ہے۔	۳۹۹	دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصول اربعہ اور ہمارے لئے قول مجتہد ہے۔	۴۱۷
جہاں لوگ عربی نہیں سمجھتے ان کی رعایت میں اردو میں خطبہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۹	جس جگہ قول مجتہد موجود ہو علماء اسی جگہ حکم بالجزم لکھتے ہیں۔	۴۱۷
مسجد میں اذان ثانی دینا مکروہ ہے۔	۴۰۲	اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی ہو تو علماء اس کو بطور جزم نہیں لکھتے بلکہ صراحۃً بتادیتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ یہ منقول فی المذہب معلوم نہ ہو۔	۴۱۷
جمعہ کی پہلی اذان کب سے شروع ہوئی، خلفائے راشدین کے زمانہ میں اذان ثانی کہاں ہوتی تھی۔	۴۰۲	اگر کوئی عالم قول غیر مجتہد کو بطور جزم لکھ جائے تو اس پر گرفت ہوتی ہے۔	۴۱۷
قلعہ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۴۰۲	علامہ شامی نے منبر سے ایک سیڑھی اُترنے اور پھر چڑھنے کو ممنوع یا بدعت شنیعہ نہیں فرمایا بلکہ ابن حجر شافعی کا کلام نقل فرمایا۔	۴۱۷
شافعی امام کے پیچھے حنفی کا جمعہ ہوگا یا نہیں۔	۴۰۴	امام ابن حجر نے بھی مسئلہ مذکورہ کو بطور جزم نہیں لکھا بلکہ فرمایا کہ بعض نے یوں بحث کی۔	۴۱۷
بے اذن امام معین کے دوسرے نے خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی جمعہ نہیں ہوگا، ہاں امام معین نماز میں شریک ہوجائے تو ہوجائے گا۔	۴۰۴	بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو اور نہ صراحۃً کسی کلیہ نامخصوصہ کے تحت داخل ہو۔	۴۱۷
مسجد سے باہر کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں مؤذن خطیب کے محاذی میں اذان دے سکے تو وہاں کیا کیا جائے۔	۴۰۵	کلیات نامخصوصہ سے استناد بحث ونظر پر موقوف نہیں۔	۴۱۷
جمعہ کے دونوں خطبے فرض ہیں یا ایک فرض دوسرا سنت۔	۴۱۱	کسی لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہے۔	۴۱۸

مدت رضاعت میں جوارتفاع ہو موجب تحریم ہے۔	۴۱۸	مجلس واحد حسب صریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے۔	۴۲۵
امام ابن حجر کے قول "بَحَثَ بَعْضُهُمْ" میں لفظ بعض پر مصنف کی تحقیقی بحث۔	۴۱۸	ایجاب وقبول تب مرتبط ہوتے ہیں جب ایک ہی مجلس میں ہوں۔	۴۲۵
مجہول الحال کی بحث، مجہول الماخذ قابل استناد نہیں۔	۴۱۹	موجود معدوم کے ساتھ مرتبط نہیں ہوتا۔	۴۲۵
مقلد محض نہ خود اپنی بحث پر حکم لگاسکتا ہے نہ دوسرے پر اس کی بحث حجت ہوسکتی ہے۔	۴۱۹	تلاوت آیت سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے سے مجلس تبدیل ہوجاتی ہے۔	۴۲۵
تقلید مقلد اجماعاً باطل ہے۔	۴۱۹	مجلس تبدیل ہونے کی بعض صورتوں کا بیان۔	۴۲۵
مجرد حدوث شرعاً دلیل منع نہیں۔	۴۱۹	المصر مالایسع اکبر مساجدہ اھلہ یہ نہ مذہب امام اور نہ صاحبین کا قول۔	۴۲۷
بدعت کبھی حرام، کبھی واجب، کبھی مندوب، کبھی مکروہ اور کبھی مباح ہوتی ہے۔	۴۱۹	دیہات کے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں۔	۴۲۸
بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے۔ جشن میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منانے کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بدعت حسنہ اور مندوب ہے۔	۴۲۰	اذان ثانی کا جواب امام دے سکتا ہے مقتدی نہیں مگر مقتدی دے تو اس سے نزاع نہیں کرنا چاہئے۔	۴۳۶
نفس بدعیت مستلزم قبح وشناعت نہیں۔	۴۲۰	تعوذ سے خطبہ شروع کرنا چاہئے اور کوئی بسم اللہ سے شروع کرے تو جواز میں شک نہیں۔	۴۳۶
ندب حکم شرعی ہے جس کے لئے دلیل ضروری ہے۔	۴۲۱	خطبہ میں اسم جلالت یا حضور کا اسم مبارک آئے تو دل میں جل جلالہ، یا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے زبان سے نہیں۔	۴۳۷
زیادۃ علی السنہ وہ مکروہ ہے جو باعتقادِ سنت ہو نہ کہ باعتقاد اباحت وندب۔	۴۲۱	خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا ممنوع ہے۔	۴۳۷
حدیث قد تعدّٰی میں تعدی اعتقاد پر محمول ہے۔	۴۲۲	خطبہ زبانی اور دیکھ کر دونوں طور پر پڑھا جاسکتا ہے اور زبانی پڑھنا افضل ہے۔	۴۳۸
لزوم ایہام سنیت، عدم مداومت کا مقتضی ہے نہ کہ مداوت علی الترک کا۔	۴۲۳	نہ ہم دیہات میں جمعہ پڑھیں گے اور جہاں قائم نہ ہو نہ وہاں قائم کریں گے مگر عوام کو منع بھی نہ کریں گے۔	۴۳۸
دوران خطبہ ذکر سلطان پر خطباء کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے اور چڑھنے میں نکتہ جمیلہ اور دقیقہ جلیلہ۔	۴۲۳		

امام قابل امامت نہ ہو اور اسے بدل بھی نہ سکتا ہو تو تنہا ظہر پڑھے۔	۴۴۰	چھوٹے چھوٹے گاؤں متصل ہوں تو وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۴۵۲
خطبہ سننے کی حالت میں کوئی حرکت کرنا منع ہے اور ولذکر اللہ اعلی پر نماز کے لئے کھڑے ہونا حرام ہے۔	۴۴۱	غیر عربی میں خطبہ نہیں ہونا چاہئے۔	۴۵۴
امام نے جمعہ پڑھا کر دوسری مسجد میں جمعہ کی نماز میں شرکت کی یہ کیسا ہے۔	۴۴۱	مختصر خطبہ پڑھنا عقلمندی کا ثبوت ہے۔	۴۵۴
ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے۔	۴۴۱	الوداع کوئی حکم شرعی نہیں اور نہ اس کا التزام اچھا۔	۴۵۴
جمعہ کا امام کون ہو۔	۴۴۱	جمعہ میں قراءت کی مقدار کیا ہے۔	۴۵۴
میدان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے اس کے لئے مسجد یا عمارت ہونا ضروری نہیں۔	۴۴۴	دیہات میں جمعہ جائز نہیں اور جہاں قائم ہو بند کرنا جاہلوں کا کام ہے۔	۴۴۶
جمعہ کے شرائط۔	۴۴۴	اب جمعہ میں قاضی سے مراد والی قاضی ہے نکاح کا قاضی نہیں۔	۴۵۷
خطبہ میں آیت شروع کرنے سے پہلے تعوّذ پڑھنا چاہئے اور وہ آیت سورہ کی ابتداء میں ہو تو بسم اللہ بھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۴۴۶	مجلس خانوں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۴۵۸
جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے۔	۴۴۶	دھوپ کی وجہ سے چھتری لگا کر خطبہ سننا جائز ہے یا نہیں۔	۴۵۸
خطبہ مختصر ہونا چاہئے۔	۴۴۶	جمعہ کے دن دوپہر سے پہلے سفر کرنا جائز ہے۔	۴۵۹
علمی خطبہ کے مصنّف سنّی تھے۔	۴۴۷	جمعہ کا وقت ہوجانے کے بعد سفر کرنا گناہ ہے۔	۴۵۹
بَن میں جمعہ حرام اور گاؤں میں ناجائز۔	۴۴۹	گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرر کرلی جائے تو وہ مسجد کے حکم میں نہیں۔	۴۵۹
جامع مسجد میں جمعہ پڑھنا افضل ہے مسجد محلّہ کا حق نماز پنجگانہ میں ہے۔	۴۵۰	جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔	۴۶۰
جہاں متصل بستیاں ہوں وہاں جمعہ جائز ہے یا نہیں۔	۴۵۰	حضور کی تبعیت میں حضرت غوث الاعظم پر درود پڑھنا جائز ہے۔	۴۶۱
الوداعی خطبہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں، ہاں وہ فی نفسہٖ مباح ہے۔	۴۵۲	ہندوستان کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے، احتیاطی ظہر خواص کے لئے ہے، جہاں جمعہ صحیح ہوگا ظہر ساقط ہوگی۔	۴۶۲

لوگوں کے مقرر کردہ اماموں کے پیچھے جمعہ صحیح ہے۔	۴۶۲	امام جمعہ مقرر کرنے کا حق بادشاہ یا نائب کو ہے۔	۴۶۹
دریا، سمندر وغیرہ میں جمعہ جائز نہیں نہ دار الحرب میں۔	۴۶۳	سنت پڑھنے میں خطبہ شروع ہو تو کیا حکم ہے۔	۴۷۱
ایک زینہ اُترنے پھر چڑھنے کو علماء نے ایک مصلحت سے خطیب کے لئے رکھا تھا وہ اب نہیں۔	۴۶۵	o رسالہ رعایۃ المذھبین فی الدعاء بین الخطبتین (مابین الخطبتین دعا کرنے کے بارے میں)	۴۷۷
سلاطین کے لئے مبالغہ آمیز الفاظ ممنوع ہیں۔	۴۶۵	امام کے لئے دعا بین الخطبتین کے جواز میں اصلاً کلام نہیں۔	۴۷۷
جمعہ کا اول اور آخر وقت۔	۴۶۵	جواز کے لئے نہی شرعی کا نہ ہونا ہی سند کافی ہے،	۴۷۷
خطبہ میں کیا ہو خلفائے راشدین کے نام نہ لئے جائیں تو کیا حرج ہے۔	۴۶۵	ممنوع وہی ہے جسے اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منع فرمائیں۔	۴۷۷
قادیانیوں کی نماز باطل ہے۔	۴۶۶	خدا اور رسول کی نہی کے بغیر ہر گز کوئی شیئ ممنوع نہیں ہو سکتی۔	۴۷۷
بجائے خطبہ کے وعظ و نصیحت ہو تو کیا حرج ہے۔	۴۶۶	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے جمعہ کو مدینہ طیبہ پر سے کھل جانے کی دعا مانگنا صحیح بخاری و مسلم وغیرہما میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔	۴۷۷
غیر عربی میں خطبہ کیسا ہے۔	۴۶۶	جب عین خطبہ میں دعا مانگنا حدیث سے ثابت ہوا جو کہ قطع خطبہ کو مستلزم ہے تو بین الخطبتین دعا کا جواز بدرجہ اولٰی ثابت ہوگیا۔	۴۷۷
جو شاہی زمانہ سے خطبہ اور امامت کے منصب پر مقرر ہو اس کے خطبہ سننے کو ناجائز کہنا منع ہے۔	۴۶۸	بین الخطبتین دعا کے جواز پر متعدد شارحینِ حدیث کے اقوال۔	۴۷۷
اذانِ خطبہ کا جواب دینا اور دعا مانگنا اور نامِ پاک پر انگوٹھا چومنا نہیں چاہئے۔	۴۶۸	صحیح حدیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و متعدد اقوال صحابہ و تابعین کی رو سے یہ جلسہ ان اوقات میں ہے جن میں ساعت اجابت جمعہ کی امید ہے۔	۴۷۸
درود شریف دل میں پڑھے زبان سے نہیں۔	۴۶۸	ساعتِ اجابتِ جمعہ کے بارے میں روایات۔	۴۷۸
اُردو میں خطبہ خلافِ سنت ہے۔	۴۶۹		

ا۔ وہ امام کے جلوس سے نماز ختم ہونے تک ہے۔	۴۷۹	فقیر غفراللہ لہ، (یعنی مصنف رحمۃ اللہ علیہ) اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا کبھی اخلاص کبھی درود شریف پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا تاکہ مقتدی دیکھ کر دعا میں مشغول نہ ہوں۔	۴۸۵
۲۔ وہ شروع خطبہ سے ختم خطبہ تک ہے۔	۴۷۹	دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔	۴۸۵
۳۔ وہ خروج امام سے ختم نماز تک ہے۔	۴۷۹	نماز جمعہ میں قراۃ کی مقدار۔	۴۹۴
۴۔ وہ خروج امام سے ختم خطبہ تک ہے۔	۴۷۹	o رسالہ اوفی اللمعۃ فی اذان الجمعۃ (اذان ثانی مسجد سے باہر ہونے کے بیان میں)	۴۹۷
۵۔ وہ اذان سے نماز تک ہے۔	۴۷۹	ہمارے علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔	۴۹۷
۶۔ وہ دونوں خطبوں کے درمیان ہے۔	۴۷۹	اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہئے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔	۴۹۸
اکابر علماء حنفیہ کے نزدیک جلسہ بین الخطبتین میں دعا مستحب ہے۔	۴۸۰	اقامت ضرور مسجد میں ہوگی۔	۴۹۸
منکرین کے امام شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں جواز کے قول کو نقل کیا اور مسلم رکھا۔	۴۸۰	اذان کے لئے اگر منارہ نہ ہو تو مسجد سے باہر ایسی زمین پر دی جائے جو مسجد سے متعلق ہو۔	۴۹۸
یہ جواز واستحباب کا حکم امام کا ہے، رہے مقتدی ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام میں اختلاف ہے۔	۴۸۰	اذان بلندی پر اور تکبیر زمین پر ہونا سنت ہے۔	۴۹۸
حاصل کلام یہ ہے کہ مقتدی دل میں دعا مانگیں زبان کو حرکت نہ دیں۔	۴۸۱	مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے۔	۴۹۸
دوران خطبہ اگر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر خطیب کرے تو مقتدی دل میں درود شریف پڑھیں۔	۴۸۱	اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب کی اذان بھی بلندی پر ہونا سنت ہے۔	۴۹۹
علماء محتاطین مسائل اجتہادیہ میں تو انکار بھی ضروری نہیں جانتے چہ جائیکہ تضلیل وتکفیر کی جائے۔	۴۸۴	اذان وہاں ہونی چاہئے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے۔	۴۹۹
مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک وبدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی ہے۔	۴۸۵	سنت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔	۴۹۹
امام کے لئے دعا بین الخطبتین اگرچہ جائز ہے مگر خوف مفسدہ اعتقاد عوام ہو تو التزام نہ کرے۔	۴۸۵	اگر اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اس کے متعلق زمین میں اذان دے۔	۴۹۹

جمعہ کی اذان ثانی کا حکم بھی یہی ہے کہ مسجد کے اندر نہ دی جائے، اس میں کوئی تخصیص اور استثناء نہیں۔	۴۹۹	مئذنہ بیرون مسجد تھا بعدہ مسجد بڑھائی گئی اب مئذنہ اندرون مسجد ہو گیا اس پر اذان میں حرج نہ ہوگا۔	۵۰۴
جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں جائز ہونے پر لفظ بین یدی الامام یا بین یدی المنبر سے استدلال محض ناواقفی ہے۔	۴۹۹	تمامی مسجد کے بعد اگر بانی مسجد اذان کے لئے مسجد میں نیا مکان مستثنٰی کرنا چاہے تو اس کی اجازت نہیں۔	۵۰۴
لفظ بین یدی المنبر یا بین یدی الامام کا حاصل یہ ہے کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے امام کے مواجہہ میں ہو۔ اس سے داخل مسجد اذان کا ہونا مستنبط نہیں۔	۴۹۹	تمامیت مسجد کے بعد مسجد میں امام کا مکان بنانے کا حکم۔	۵۰۴
بین یدی سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے۔	۵۰۰	ان احادیث کی تشریح جن میں اذان کے ساتھ فی المسجد کا لفظ آیا ہے۔	۵۰۴
بین یدی کے معنی کی وضاحت اور اس پر قرآن وحدیث سے شواہد کا ذکر۔	۵۰۰	**باب العیدین**	۵۰۹
جمعہ کی اذان ثانی زمانہ اقدس حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوا کرتی تھی۔	۵۰۱	عید کے خطبہ میں لبیک یا درود پڑھنا کیسا ہے۔	۵۰۹
مصنف (رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف سے دہلی کی ایک مسجد کے مؤذن کو عقلی دلیل سے مسئلہ سمجھانا۔	۵۰۲	٥ رسالہ سرور العید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید (نماز عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت میں)	۵۱۱
بانی مسجد نے تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ یا کوئی محل مرتفع بنایا تو جائز ہے۔ اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا یہاں کراہت عارض نہ ہوگی۔	۵۰۲	مولوی عبدالحہ لکھنوی صاحب کے ایک فتوٰی سے متعلق سوال۔	۵۱۱
مسجد میں جواز وضو کی ایک صورت۔	۵۰۲	نماز عیدین کے بعد تابعین عظام اور مجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔	۵۱۱
		مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی ایک عظیم الشان سند جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہوئی امام المجتہدین حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔	۵۱۲

زمانہ تابعین میں نماز عید خطبہ سے پہلے ہوتی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کرکے دعامانگتا۔	۵۱۵	آیاتِ مذکورہ میں بقول سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب سے مراد دعا میں جدوجہد کرنا ہے۔	۵۱۶
زمانہ تابعین میں نماز عید اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔	۵۱۵	آیہ کریمہ مطلق ہے اور اپنے اطلاق کے ساتھ فرض، واجب اور نفل سب کو شامل ہے لہٰذا نماز عیدین بھی اس حکم میں داخل ہیں۔	۵۱۵
نماز عیدین کے بعد دعامانگنا سنت تابعین ہے۔	۵۱۵	احادیث سے ادبار صلوات کا مطلقاً محل دعا ہونا مستفاد ہے۔	۵۱۶
راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنت دعا کی نفی نہیں کرسکتا۔	۵۱۵	علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دعامانگنے کو آداب سے گنتے ہیں۔	۵۱۶
امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا ہے اس پر تقریر نہیں فرماتے۔	۵۱۵	مطلوب کی دعا نماز ذات رکوع وسجود کے بعد واقع ہونا آداب سے ہے۔	۵۱۷
مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نماز عید کے بعد دعا کے مسئلہ کو دو عیدوں پر منقسم فرمایا۔	۵۱۵	اعمال صالحہ وجہ رضائے مولٰی جل وعلا ہوتے ہیں۔	۵۱۷
عید اول قرآن وحدیث سے اس دعا کے جواز اور ادعائے مانعین کی غلطی کے بیان میں۔	۵۱۵	دعا کا محل عمل صالح سے فراغت کے بعد ہے۔	۵۱۸
عید دوم فتوٰی مولوی عبدالحہ لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کے ازالہ تام کے بیان میں۔	۵۱۵	ہر ختم قرآن پر ایک دعا مقبول ہے۔	۵۱۸
نماز عید کے بعد دعا کی شرع مطہر سے کہیں ممانعت نہیں۔	۵۱۵	افطار کے وقت روزہ دار کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔	۵۱۸
جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا۔	۵۱۵	یہ فضیلت روزہ، فرض، واجب ونفل سب کو عام ہے کیونکہ نصوص میں قید وخصوص نہیں۔	۵۱۹
جوادّعائے منع کرے اثباتِ ممانعت اس کے ذمہ ہے۔	۵۱۵	نماز افضل اعمال واعظم ارکان اسلام ہے۔	۵۱۹
اللہ تبارک وتعالٰی کے ارشاد فاذا فرغت فانصب o والٰی ربک فارغب کی تفسیر۔	۵۱۶	نماز، روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے۔	۵۱۵

بعد فراغ محلیت دعا فرائض سے خاص نہیں۔	۵۱۹	جس قدر مجمع کثیر ہوگا اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔	۵۲۳
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا۔	۵۱۹	دعاء نماز پر اقتصار ہرگز شرعاً مطلوب نہیں۔	۵۲۳
دعا مانگنے کا مستحسن طریقہ۔	۵۱۹	بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگنے والے کی نماز ناقص ہے۔	۵۲۳
رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔	۵۲۰	سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالت سجود میں ہوتا ہے۔	۵۲۳
واجبات نوافل سے اعلیٰ اور اعظم اور رضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں۔	۵۲۰	تسبیح سجود بھی دعا ہے۔	۵۲۳
فریضہ ونافلہ کے لئے ثبوت خاص بعینہٖ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے۔	۵۲۱	ہر ذکر دعا ہے۔	۵۲۳
فرض وواجب ونفل میں فرق۔	۵۲۱	نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا۔	۵۲۴
بشادت قرآن وحدیث واقوال علماء ثابت ہے کہ نماز پنجگانہ وعیدین وتہجد وغیرہا کے بعد دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے۔	۵۲۲	مجمع عیدین میں بعد نماز دعا خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہے۔	۵۲۵
دعا بنص قرآن وحدیث واجماع ائمہ قدیم و حدیث اعظم مندوبات شرع سے ہے۔	۵۲۲	عیدین کے اجتماع میں دعاء کی تحریص وترغیب سے متعلق احادیث۔	۵۲۵
مظانّ اجابتِ دعا کی تحری مسنون ومحبوب ہے۔	۵۲۲	عید کی صبح ہر شہر میں فرشتے بھیجے جاتے ہیں۔	۵۲۶
تحری مذکور پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	۵۲۲	اللہ کا فرمان ہے کہ مجمع عید میں آخرت کے لئے جو مانگوگے عطا کروں گا۔	۵۲۶
حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مستجاب الدعوات تھے۔	۵۲۲	دنیا کی چیزیں خیر وشر دونوں کو متحمل ہیں۔	۵۲۶
گروہ مسلمین میں سے بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو ان کی دعا مقبول ہے۔	۵۲۳	اگر دنیاوی اشیاء سے متعلق دعا قبول نہ ہو تو اس کے برابر بلا دفع کی جاتی ہے یا وہ عا روز قیامت کے لئے ذخیرہ رکھی جاتی ہے جو بندہ کے لئے بہر صورت بہتر ہے۔	۵۲۶
علماء نے مجمع مسلمین کو اوقات اجابت سے شمار کیا ہے۔	۵۲۳	حدیث سے مستفاد ہے کہ بعد نماز عید خود اللہ تعالٰی مسلمانوں سے دعا کا تقاضا فرماتا ہے۔	۵۲۷
مجمع مسلمین کا اوقات اجابت سے ہونا حدیث صحاح سے ثابت ہے۔	۵۲۳	ہر جلسہ کے بعد دعا کی تاکید سے متعلق حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی تخریج وتشریح۔	۵۲۷

نکرہ سیاق شرط میں واقع ہو تو عام اور جزا میں واقع ہو تو خاص ہوتا ہے۔	۵۲۹	فضائل وترغیب دعا سے متعلق احادیث کا ذخیرہ کن کتابوں میں ہے۔	۵۳۲
نکرہ نفی کے تحت آئے تو عام اور اثبات میں آئے تو خاص ہوتا ہے۔	۵۲۹	دعا کی تاکید وتکثیر اور ترک دعا پر تہدید سے متعلق گیارہ احادیث کریمہ۔	۵۳۲
اسماء شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں۔	۵۲۹	خدا اور رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھا دوسرا اس کو مخصوص ومقید کرنے والا کون ہے۔	۵۳۴
ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود و باطل ہے۔	۵۲۹	خدا ورسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اس سے منع کرنے والا کون ہے۔	۵۳۵
جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت دعا کرنا خیر کے حفظ ونگہداشت کے لئے ہے۔	۵۲۹	اللہ تعالٰی نے جس چیز کو کسی ہیئت خاصہ اور محل معین سے مخصوص فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں۔	۵۳۵
خیر جس قدر اعظم ہو اسی قدر اس کا حفظ اہم ہوتا ہے۔	۵۲۹	اللہ تعالٰی نے جس چیز کو اطلاق وارسال پر رکھا ہرگز کسی ہیئت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی۔	۵۳۵
خیر نماز سب چیزوں سے افضل ہے۔	۵۲۹	تکثیر ذکر الٰہی پر دلائل۔	۵۳۵
جلسہ صلوات کے بعد تاکیدِ دعاء پر حدیث اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے عموم لفظ اور شہادت معنی سے استدلال۔	۵۲۹	ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے۔	۵۳۵
دعا مطلقاً اعظم مندوبات دینیہ واجل مطلوبات شرعیہ سے ہے۔	۵۳۰	اجازت عامہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ دعا کے دلائل ہیں۔	۵۵۳
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے تقیید وقت وتخصیص ہیئت مطلقاً دعا کی اجازت دی۔	۵۳۰	تکثیر ذکر سے متعلق احادیث۔	۵۳۵
شرع میں تکثیر دعا پر ترغیب اور ترک دعا پر وعید وارد ہوئی ہے۔	۵۳۰	ذکر الٰہی اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔	۵۳۵
قرآن مجید سے استدلال۔	۵۳۰	دعا وذکر قطعاً متساوی ہیں۔	۵۳۵
حدیث قدسی سے استدلال۔	۵۳۰	جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔	۵۳۶
		کثرت ذکر الٰہی سے متعلق آیات کی تفسیر۔	۵۳۶

ذکر، تسبیح، تہلیل اور دعا ہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔	۵۳۸	سات احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق وفاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم نماز عیدین کا سلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔	۵۴۳
نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۵۳۹	وہ حدیث جو خطبہ عید اور معاودت میں فصل بتاتی ہے۔	۵۴۵
نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔	۵۴۰	وہ حدیث جو نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں فصل کا اظہار کرتی ہے۔	۵۴۵
مولوی عبدالحہ صاحب کے فتوی کے دو محمل ہیں، ایک یہ کہ ثبوت عدم کا ادعا ہو، دوسرا یہ کہ عدم ثبوت کا دعوی ہو۔	۵۴۰	نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں اتصال کا ادّعا باطل، لہذا عدم دعا پر استدلال غلط۔	۵۴۵
محمل اول کا وجوہ کثیرہ سے بطلان۔	۵۴۰	ثم کبھی مجازاً بحالت عدم مہلت بھی آتا ہے۔	۵۴۵
فائے تعقیب اتصال حقیقی پر دال نہیں۔	۵۴۰	مستدل کو احتمال کافی نہیں خصوصاً خلاف اصل۔	۵۴۶
زید وعدہ کرے کہ نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو بعد نماز معمولی دو حرفی دعا ہر گز عرفاً وشرعاً مبطل فور نہیں۔	۵۴۱	فاء بر ہا مجرد ترتیب کے لئے آتی ہے بے معنی اتصال وتعقیب کے۔	۵۴۶
سجود تلاوت صلوٰتیہ میں دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔	۵۴۱	ایجاب کلی اور سلب جزئی میں منافاۃ ہے۔	۵۴۶
توابع فاصل نہیں ہوتے۔	۵۴۱	محمد بن الصباح البزار صدوق ہے۔	۵۴۶
مسئلہ ضم سورۃ میں آمین فاتحہ وسورۃ میں فاصل نہیں کیونکہ تابع فاتحہ ہے۔	۵۴۱	محمد بن یحیٰی بن ایوب ثقہ ہے۔	۵۴۶
سنن توابع فرائض ہیں۔	۵۴۱	ہدیہ بن عبدالوہاب صدوق ہے۔	۵۴۶
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نو برس عید کی نمازیں پڑھی ہیں۔	۵۴۲	عمر بن رافع البجلی ثقہ ہے۔	۵۴۶
احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن ہے۔	۵۴۲	فضل بن موسٰی ثقہ ہے۔	۵۴۷
وقائع حال کے لئے عموم نہیں۔	۵۴۲	من وجہ قول فعل سے اعلٰی واتم ہے۔	۵۴۹
ترک مرۃً وجوب ولزوم کے منافی ہوتا ہے۔	۵۴۲	فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثبات استحباب میں کافی ووافی ہے۔	۵۴۹
ثمّ فاصلہ ومہلت چاہتا ہے۔	۵۴۳		

باجماع واطباق عقل و نقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری ہوتا ہے۔	۵۴۹	جامع مسجد میں عید پڑھنی جائز ہے اور عیدگاہ میں بہتر۔	۵۷۰
اطلاق حکم کے معنی کا بیان۔	۵۴۹	قصداً نماز عید چھوڑنا گناہ ہے۔	۵۷۰
جب تک شرعی استناد ہو تمام خصوصیات و تعینات حکم مطلق میں داخل ہوتے ہیں۔	۵۴۹	عید کس پر واجب ہے۔	۵۷۰
عدم وجدان عدم وجود کو مستلزم نہیں۔	۵۵۰	تکبیرات زوائد کب سے شروع ہوئیں۔	۵۷۱
عدم نقل نقل عدم نہیں۔	۵۵۰	بلاعذر پہلے روز عید نہیں پڑھی گئی دوسرے روز پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں۔	۵۷۲
عدم نقل نافی وجود نہیں۔	۵۵۱	ایک عیدگاہ میں دوبارہ عید پڑھی گئی پہلی خطبہ کے ساتھ اور دوسری بلاخطبہ، نماز ہوئی یا نہیں۔	۵۷۵
عدم ثبوت کو اثبات عدم لازم نہیں۔	۵۵۱	نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے۔	۵۷۶
بارہا رُواۃِ حدیث امور مشہورہ و معروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ترک دلیل عدم نہیں ہوتا۔	۵۵۱	دن چڑھنے کے بعد چاند کی تحقیق ہو اور شدید بارش ہو اور کچھ لوگ پہلے روز پڑھ لیں دوسرے روز باقی لوگ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔	۵۷۶
نقل عدم نقل منع نہیں۔	۵۵۱	حکام کی اجازت سے عیدگاہ بنی ہو اس میں عید پڑھنی جائز ہے یا نہیں۔	۵۸۰
نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔	۵۵۱	گورنمنٹ کی زمین پر بلااجازت عید پڑھنی کیسی ہے۔	۵۸۰
مجرد عدم نقل اور عدم فعل مستلزم ممانعت نہیں۔	۵۵۱	عیدگاہ کے لئے عمارت ہونا ضروری نہیں۔	۵۸۰
قرون ثلثہ سے عدم ورود کو دلیل منع جاننا وہابیہ کا مغالطہ عامۃ الورود ہے۔	۵۵۵	عید کے امام کے لئے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے امام کے لئے ہیں۔	۵۸۲
وہابیہ کے خلاف مولوی عبدالحٔی لکھنوی کے فتاوٰی سے پندرہ عبارتیں۔	۵۵۳	نماز عید سے پہلے مزدوری وغیرہ کرنا جائز ہے۔	۵۸۲
عید صحرا میں پڑھنی چاہئے یا مسجد میں۔	۵۶۰	عید پڑھنے والا عید کی امامت نہیں کرسکتا۔	۵۸۳
خطبہ میں یا نماز سے پہلے چندہ کی تحریک کیسی ہے۔	۵۶۶	لوگوں کو جمع کرنے کے لئے صرف الصلوٰۃ جامعۃ کہنے کی اجازت ہے اس کے لئے بنگولہ جلانا یا گھنٹا بجانا حرام ہے۔	۵۸۴
جمعہ وعیدین اور نماز پنجگانہ کی امامت میں فرق۔	۵۶۷	مسجد کا فرش وغیرہ عیدگاہ لے جانا جائز نہیں۔	۵۸۴
قاضی کی تعریف اور شرائط۔	۵۶۷	نماز کے بعد دعا مانگنا جائز ہے۔	۵۸۵

چاند کے بارے میں تار وغیرہ معتبر نہیں۔	۵۸۶	سولہ احادیث سے بے آمد سفر بھی جواز معانقہ کا ثبوت۔	۶۰۸
مسجد میں عید پڑھی جاسکتی ہے اور عیدگاہ میں سنت ہے:	۵۸۷	امام حسین کی محبوبیت رسول۔	۶۰۸
ایک شہر میں متعدد جگہ عید کی نماز ہوسکتی ہے۔	۵۸۸	حسنین سے سرکار کی محبت۔	۶۰۹
ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ نہیں چاہئے۔	۵۹۰	حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے عالم حکمت ہونے کی دعا۔	۶۰۹
بقرعید میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھانا اور نماز کے بعد قربانی کا کھانا مسنون ہے۔	۵۹۲	عدل رسالت۔ حضرت اُسید کی محبت رسول۔	۶۰۹
چاند میں اختلاف ہو تو قربانی کے ایام میں احتیاط چاہئے۔	۵۹۴	حضرت ابوذر پر سرکار کا کرم۔	۶۱۰
چاند میں تردد ہوتے ہوئے عید پڑھ لی گئی تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۵۹۵	حضرت علی کی محبوبیت رسول اور ان کا مقام۔	۶۱۰
عیدگاہ کے احکام مسجد کے احکام ہیں۔	۵۹۷	حضرت ابوبکر کا عشق رسول اور ان کی فضیلت۔	۶۱۲
تکبیرات میں تقدیم وتاخیر ہوجائے تو کیا حکم ہے۔	۵۹۸	حضرت عثمان کی مقبولیتِ رسول۔	۶۱۲
دوران خطبہ میں خطیب سامعین سے سبحان اللہ وغیرہ پڑھوائے تو کیا حکم ہے۔	۵۹۹	حضرت بتول زہرا کی مقبولیتِ رسول۔	۶۱۴
o رسالہ وِشاحُ الجید فی تحلیل معانقۃ العید (نماز عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا بیان)	۶۰۱	مولوی اسمٰعیل کے نزدیک قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، مصافحہ بعد فجر وعصر اور معانقہ عید بدعت حسنہ ہے۔	۶۱۴
دونوں فتووں کا سبب تحریر۔	۶۰۲	معانقہ عید سے متعلق مولانا عبدالحہ فرنگی محلّی کا فتوی۔	۶۱۵
معانقہ کا جواز اور اس کے شرائط۔	۶۰۳	مصافحہ ومعانقہ کے بارے میں عباراتِ ردالمحتار ومرقات۔	۶۱۷
معانقہ آمدِ سفر سے خاص نہیں۔	۶۰۴	ہر سن رسیدہ مسلمان قابل ادب ہے، اہل علم اور سادات کرام اور زیادہ ادب واحترام کے مستحق ہیں۔	۶۱۹
جہاں معانقہ سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد ہے۔	۶۰۶		

فتاوٰی مولانا عبدالحٔی میں وہابیت کی بیخ کن عبارتیں۔	۶۲۰	قرون سابقہ میں نہ ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔	۶۲۵
(۱۱) بہت سی بدعات جائز ہیں۔	۶۲۰	بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: حرام، واجب، مندوب، مکروہ، مباح۔	۶۲۵
(۲۲) خطبۃالوداع بدعت ہونے کے باوجود جائز وثواب ہے۔	۶۲۰	جو بدعت کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو وہ مذموم نہیں۔	۶۲۵
(۳۳) وجودیہ شہودیہ حضرات کو بدعتی کہنے والا جاہل و ناواقف اور قابل ملامت ہے۔	۶۲۰	مصحف (قرآن) میں سورتوں کے نام، آیتوں کی تعداد لکھنا بدعت ہے مگر بدعت حسنہ۔	۶۲۵
(۴۴) شغلِ برزخ شرک وگمراہی نہیں۔	۶۲۰	مندوبیت کی نفی سے مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا (تنزیہی بھی نہیں)	۶۲۶
(۵۵) تراویح کے ختم قرآن میں تین بار سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے۔	۶۲۱	عباراتِ فقہاء سے مصافحہ بعد فجر وعصر بلکہ مصافحہ بعد ہر نماز کا جائز بلکہ سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔	۶۲۷
(۶۶) میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا مستحسن ہے۔	۶۲۱	دو مسلمان باہم مصافحہ کریں تو ہاتھوں کی تحریک کے ساتھ ان کے گناہ جھڑتے ہیں۔	۶۲۹
(۷۷) کعبہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں مجالس میلاد کا انعقاد اور ان میں سورہ والضحٰی سے ختم قرآن تک ہر سورۃ پر تکبیر۔	۶۲۱	ان کی مغفرت ہوتی ہے، ان پر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے ۹۹ اس کے لئے جو سبقت کرے۔	۶۲۹
مولانا فرنگی محلّی نے ایسی مجالس میں خود شرکت کی اور انہیں متبرک بتایا۔	۶۲۱	اصح یہی ہے کہ مصافحہ بعد نماز جائز ہے۔	۶۳۲
خلاف اولٰی مکروہ نہیں، جائز ومباح ہے۔	۶۲۲	تصحیح وفتوٰی میں اختلاف ہو تو اطلاق متُون کو ترجیح ہوگی۔	۶۳۳
ثبوت کراہت کے لئے دلیل خاص ضروری ہے، خواہ کراہت تنزیہی ہو۔	۶۲۳	فقہانے جسے راجح وصحیح قرار دیا ہمیں اسی کی پیروی کرنی ہے۔	۶۳۳
احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ معانقہ ابتدائے ملاقات سے خاص نہیں۔	۶۲۴	قول مرجوح پر فتوٰی دینا جہالت اور مخالفتِ اجماع ہے۔	۶۳۳
بدمذہبوں سے مشابہت صرف تین صورتوں میں ممنوع ہے۔	۶۲۴	اہل باطل کا شعار اسی وقت تک قابل احتراز ہے جب تک اُن کا شعار رہے، اگر ان سے رواج اُٹھ گیا اور وہ امر فی نفسہٖ شرعاً جائز ہے تو اب اس سے ممانعت نہیں۔	۶۳۴

مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچنا نہیں چاہئے۔	٦٣٦	بدعتِ مذمومہ کاارتکاب ترکِ سنت سے بُرا ہے۔	٦٣٨
مسلمان کی خاطرداری رعایتِ ادب پر مقدم ہے۔	٦٣٦	بدعت مباحہ سے بچنا مطلوب نہیں لہٰذا اگر کسی ایسی بدعت کی بجاآوری میں کسی سنت پر بھی عمل ہوتا ہے تو کرے۔	٦٣٨
مسلمانوں کے عادات ورسوم کی موافقت ہی کرنی چاہئے بشرطیکہ شرع سے صریح اور ناقابل تاویل ممانعت نہ ہو۔	٦٣٦	**باب الاستسقاء**	٦٤١
		استسقاء دعا ہے یا نماز، اور یہ کب ہو۔	٦٤١

فہرست ضمنی مسائل

اذان واقامت		اذان بلندی پر اور تکبیر زمین پر ہونا سنت ہے۔	۴۹۸
اذان ثانی کاجواب زبان سے دینا یا اذان کے بعد زبان سے دعا کرنا منع ہے دل سے کرسکتا ہے۔	۳۰۰	مغرب کی اذان میں مشائخ کااختلاف ہے،اورظاہر یہ ہے کہ مغرب کی اذان بھی بلندی پر ہونا سنت ہے۔	۴۹۹
اذان ثانی کاجواب امام دے سکتاہے مقتدی نہیں مگر مقتدی دے تواس سے نزاع نہیں کرناچاہئے۔	۴۳۶	اذان وہاں ہونی چاہئے جہاں سے ہمسایوں کوخوب آواز پہنچے۔	۴۹۹
اذانِ خطبہ کا جواب دینا اور دعا مانگنا اور نامِ پاک پر انگوٹھا چومنا نہیں چاہئے۔	۴۶۸	سنت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔	۴۹۹
ہمارے علماء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے۔	۴۹۷	اگراذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تومسجد کے آس پاس اس کے متعلق زمین میں اذان دے۔	۴۹۹
اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہئے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔	۴۹۸	**اوقات**	
اقامت ضرور مسجد میں ہوگی۔	۴۹۸	جمعہ کااول وآخر وقت۔	۴۶۵
اذان کے لئے اگر منارہ نہ ہو تومسجد سے باہر ایسی زمین پر دی جائے جومسجد سے متعلق ہو۔	۴۹۸		

جماعت		امام جمعہ مقرر کرنے کا حق بادشاہ یا نائب کو ہے۔	۴۶۹
دروازہ مسجد پر بنی ہوئی دکانوں کی چھت پر کھڑے ہونے والے نمازیوں کی اقتداء صحیح ہے۔	۶۶	جمعہ وعیدین اور نماز پنجگانہ کی امامت میں فرق۔	۵۶۷
قضا نمازوں کی جماعت ہوسکتی ہے یا نہیں، اور ہوسکتی ہے تو کہاں، مسجد یا مکان میں۔	۱۶۲	عید کے امام کے لئے وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے امام کے لئے ہیں۔	۵۸۲
امامت		عید پڑھنے والا عید کی امامت نہیں کرسکتا۔	۵۸۳
جمعہ، عیدین اور کسوف میں امام کیسا ہو۔	۳۵۹	**قراءت**	
جمعہ کی امامت کے لئے سلطان یا ماذون کی شرط کوئی بنیادی شرط نہیں۔	۳۸۴	فاتحہ کے بعد بسم اللہ ترتیل سے پڑھی جس سے کافی دیر ہوگئی تو سجدہ سہو واجب نہیں سکوت یا سورت سوچنے میں دیر ہوجائے تو سجدہ سہو واجب ہوگا۔	۱۹۲
نماز پنجگانہ، جمعہ، عیدین اور کسوف کی امامت میں کوئی فرق ہے یا نہیں۔	۳۸۳	چار رکعت والی نماز میں پچھلی دو رکعتوں میں سورت کا ضم کرنا کیسا ہے۔	۱۹۲
امام میں شرعی عیب ہو اور اسے معزول نہ کرسکیں تو دوسری جگہ جمعہ کے لئے جانا واجب ہے۔	۳۹۹	فاتحہ کے ساتھ سورت نہیں ملائی اور رکوع میں چلاگیا تو یاد آنے پر فوراً کھڑے ہوکر سورت پڑھے اور پھر رکوع کرے، اور اگر رکوع کے بعد یاد آئے تو سجدہ سہو کرے۔	۱۹۶
شافعی امام کے پیچھے حنفی کا جمعہ ہوگا یا نہیں۔	۴۰۴	**مسائل لقمہ**	
امام قابل امامت نہ ہو اور اسے بدل بھی نہ سکتا ہو تو تنہا ظہر پڑھے۔	۴۴۰	قعدہ اولیٰ میں امام عادت سے زیادہ دیر لگادے تو مقتدی لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں۔	۲۱۲
امام نے جمعہ پڑھا کر دوسری مسجد میں جمعہ کی نماز میں شرکت کی یہ کیسا ہے۔	۴۴۱	قعدہ اولیٰ میں امام سہواً کھڑا ہوگیا اور مقتدی نے لقمہ دیا تو نماز ہوگی یا نہیں۔	۲۱۳
جمعہ کا امام کون ہو۔	۴۴۱	امام کو قعدہ سے سہو ہو تو اللہ اکبر یا التحیات سے بھی لقمہ دیا جاسکتا ہے مگر سنت سبحان اللہ کہنا ہے۔	۲۱۴
لوگوں کے مقرر کردہ امام کے پیچھے جمعہ صحیح ہے۔	۴۶۲	بغیر قنوت پڑھے رکوع چلاجائے تو پلٹے نہیں اور اگر پلٹا تو نماز ہوجائے گی مگر گنہگار ہوگا پلٹنے کے لئے مقتدی نے لقمہ دیا تو اس کی نماز فاسد ہوگی۔	۲۱۹

احکام مسبوق		نماز عیدین کے بعد تابعین عظام اور مجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔	۵۱۱
سجدہ سہو کے لئے امام سلام کرے تو مسبوق بھی سلام کرنے میں شریک ہوگا یا نہیں۔	۱۹۱	علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں۔	۵۱۶
مسبوق، سجدہ سہو کا سلام نہ کرے۔	۱۹۱	مطلوب کی دعا نماز ذات رکوع و سجود کے بعد واقع ہونا آداب سے ہے۔	۵۱۷
ذکر الٰہی		دعا کا محل عمل صالح سے فراغت کے بعد ہے۔	۵۱۸
تکثیر ذکر الٰہی پر دلائل۔	۵۳۵	بعد فراغ محلیت دعا فرائض سے خاص نہیں۔	۵۱۹
ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے۔	۵۳۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا۔	۵۱۹
تکثیر ذکر سے متعلق احادیث۔	۵۳۵	دعا مانگنے کا مستحسن طریقہ۔	۵۱۹
ذکر الٰہی اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔	۵۳۵	رات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔	۵۲۰
جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔	۵۳۶	مظّان اجابت دعا کی تحری مسنون و محبوب ہے۔	۵۲۲
آداب دُعا		تحری مذکور پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	۵۲۲
جمعہ اور ہر نماز کے بعد قبلہ سے انحراف امام کے لئے سنت ہے۔	۳۵۶	گروہ مسلمین میں سے بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو ان کی دعا مقبول ہے۔	۵۲۳
قبلہ رو بیٹھا رہنا بالاجماع مکروہ ہے۔	۳۵۶	علماء نے مجمع مسلمین کو اوقات اجابت سے شمار کیا ہے۔	۵۲۳
جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں طویل دعا بہتر نہیں اور یونہی جبکہ مقتدیوں پر گراں گزرے۔	۳۵۶	مجمع مسلمین کا اوقات اجابت سے ہونا حدیث صحاح سے ثابت ہے۔	۵۲۳
دعا کے انتظار میں مقتدیوں کو بیٹھا رہنا ضروری نہیں۔	۳۵۶	جس قدر مجمع کثیر ہوگا اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔	۵۲۳
دونوں خطبہ کے مابین دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۶	دعاء نماز پر اقتصار ہرگز شرعاً مطلوب نہیں۔	۵۲۳
		بعد نماز ہاتھ اٹھا کر دعا نہ مانگنے والے کی نماز ناقص ہے۔	۵۲۳

تسبیح سجود بھی دعا ہے۔	۵۲۳	میت کے کفارہ ادا کرنے کے لئے مال نہ ہو یا کم ہو تو کفارہ کیسے ادا ہو۔	۱۶۵
اللہ کا فرمان ہے کہ مجمع عید میں آخرت کے لئے جو مانگوگے عطا کروں گا۔	۵۲۶	قضا نماز کے کفارہ کا مستحق کون ہے۔	۱۶۵
اگر دنیاوی اشیاء سے متعلق دعا قبول نہ ہو تو اس کے برابر بلا دفع کی جاتی ہے یا وہ دعا روز قیامت کے لئے ذخیرہ رکھی جاتی ہے جو بندہ کے لئے بہر صورت بہتر ہے۔	۵۲۶	میت کی جانب سے کفارہ ادا کرنے کا طریقہ۔	۱۶۶
جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت دعا کرنا خیر کے حفظ ونگہداشت کے لئے ہے۔	۵۲۵	کفارہ میں قرآن شریف دینے سے پورا کفارہ ادا نہیں ہوتا بلکہ قرآن شریف جس ہدیہ کا ہے اتنا ہی ادا ہوگا۔	۱۷۵
دعا مطلقًا اعظم مندوبات دینیہ واجل مطلوبات شرعیہ سے ہے۔	۵۳۰	**احکام قبور**	
دعا کی تاکید وتکثیر اور ترک دعا پر تہدید سے متعلق گیارہ احادیث کریمہ۔	۵۳۲	قبروں کو ہموار کرکے مسجد میں شامل کردینا حرام ہے۔	۱۱۳
قضائے عمری		قبریں پاٹ کر مسجد بنانا کیسا ہے۔	۱۲۴
میت کی جانب سے قضائے عمری ادا کرنے کی ایک صورت۔	۱۵۴	**اعتکاف**	
قضائے عمری کا ایک غلط طریقہ۔	۱۵۵	معتکف کو مسجد کے صحن میں آنا جانا بیٹھنا یقینًا روا ہے۔	۶۰
قضائے عمری کے پڑھنے کا طریقہ اور اس کی نیت۔	۱۵۷	مسجد میں معتکف کو سونا جائز ہے اور غیر معتکف کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے مصنف کی تحقیق۔	۹۲
قضائے عمری ادا کرنے کا طریقہ۔	۱۶۳	صحیح یہ ہے کہ معتکف کے سوا دوسروں کو مسجد میں کھانا پینا جائز نہیں۔	۹۵
حیلہ اسقاط		معتکف مسجد میں احتیاط سے کھائے پیئے۔	۹۶
میت کے ذمہ نماز وروزہ کا کفارہ ہو اور کفارہ میں قرآن شریف کا ہدیہ مسکین کو دیا جائے تو کفارہ ادا ہوگا یا نہیں۔	۱۶۴	**عقائد وکلام**	
		ختم نبوت کا انکار کفر ہے۔	۷۴

غیر مقلدین زمانہ پر حکم کفر ہے۔	۷۵	**لغت**	
نماز، روزہ، حج وغیرہ کے چھوڑنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا البتہ ان کی قضا اس پر فرض ہے۔	۱۶۳	بین یدی سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے۔	۵۰۰
بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے۔	۴۲۰	بین یدی کے معنی کی وضاحت اور اس پر قرآن وحدیث سے شواہد کا ذکر۔	۵۰۰
جشن میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منانے کے لئے لوگوں کا جمع ہونا بدعت حسنہ اور مندوب ہے۔	۴۲۰	**فوائد حدیثیہ**	
زیادۃ علی السنہ وہ مکروہ ہے جو باعتقادِ سنت ہو نہ کہ باعتقاد اباحت وندب۔	۴۲۱	حدیث "قد تعدّٰی" میں تعدی اعتقاد پر محمول ہے۔	۴۲۲
موجود معدوم کے ساتھ مرتبط نہیں ہوتا۔	۴۲۵	ان احادیث کی تشریح جن میں اذان کے ساتھ فی المسجد کا لفظ آیا ہے۔	۵۰۴
قادیانیوں کی نماز باطل ہے۔	۴۶۶	احادیث سے ادبار صلوات کا مطلقاً محل دعا ہونا مستفاد ہے۔	۵۱۶
مسلمانوں کو بلاوجہ شرک وبدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی ہے۔	۴۸۵	حدیث سے مستفاد ہے کہ بعد نماعید خود اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے دعا کا تقاضا فرماتا ہے۔	۵۲۷
بہت سی بدعات جائز ہیں۔	۶۲۰	ہر جلسہ کے بعد دعا کی تاکید سے متعلق حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تخریج وتشریح۔	۵۲۷
خطبۃ الوداع بدعت ہونے کے باوجود جائز وثواب ہے۔	۶۲۰	جلسہ صلوات کے بعد تاکید دعاء پر حدیث اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عموم لفظ اور شہادت معنی سے استدلال۔	۵۲۹
وجودیہ شہودیہ حضرات کو بدعتی کہنے والا جاہل و ناواقف اور قابل ملامت ہے۔	۶۲۰	وہ حدیث جو نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں فصل کا اظہار کرتی ہے۔	۵۴۵
شغلِ برزخ شرک وگمراہی نہیں۔	۶۲۰	فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثبات استحباب میں کافی ووافی ہے۔	۵۴۹

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم		قولی وفعلی حدیثوں میں تعارض ہو تو قولی پر عمل ہوگا۔	۱۰۸
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرماکر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے جمعہ کو مدینہ طیبہ پر سے کھل جانے کی دعا مانگنا صحیح بخاری ومسلم وغیرہما میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔	۴۷۷	کلیات نامخصوصہ سے استناد بحث ونظر پر موقوف نہیں۔	۴۱۷
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوبرس عید کی نمازیں پڑھی ہیں۔	۵۴۲	امام ابن حجر کے قول "بَحَثَ بعضھُم" میں لفظ بعض پر مصنف کی تحقیقی بحث۔	۴۱۸
صدیق وفاروق وعثمن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم نماز عیدین کا سلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔	۵۴۳	مجہول الحال کی بحث، مجہول الماخذ قابل استناد نہیں۔	۴۱۹
اسماء الرجال		مقلد محض نہ خود اپنی بحث پر حکم لگاسکتا ہے نہ دوسرے پر اس کی بحث حجت ہوسکتی ہے۔	۴۱۹
محمد بن الصباح البزار صدوق ہے۔	۵۴۶	تقلید مقلد اجماعاً باطل ہے۔	۴۱۹
محمد بن یحیٰی بن ایوب ثقہ ہے۔	۵۴۶	مجرد حدوث شرعاً دلیل منع نہیں۔	۴۱۹
ہدیہ بن عبدالوہاب صدوق ہے۔	۵۴۶	نفس بدعیت مستلزم قبح وشناعت نہیں۔	۴۲۰
عمر بن رافع البجلی ثقہ ہے۔	۵۴۶	لزوم ایہامِ سنیت، عدم مداومت کا مقتضی ہے نہ کہ مداوت علی الترک کا۔	۴۲۳
فضل بن موسٰی ثقہ ہے۔	۵۴۷	جواز کے لئے نہی شرعی کا نہ ہونا ہی سند کافی ہے،	۴۷۷
فوائد اصولیہ		ممنوع وہی ہے جسے اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منع فرمائیں۔	۴۷۷
جس مسئلہ پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہد عدل ہوں وہ محتاج دلیل نہیں۔	۶۰	خدا ورسول کی نہی کے بغیر ہرگز کوئی شیئ ممنوع نہیں ہوسکتی۔	۴۷۷
جو دعوٰی خلاف تعامل کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے۔	۶۰	راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنت دعا کی نفی نہیں کرسکتا۔	۵۱۵
		جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہو ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا۔	۵۱۵

فریضہ ونافلہ کے لئے ثبوت خاص بعینہٖ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے۔	۵۲۱	احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن ہے۔	۵۴۲
ہر ذکر دعا ہے۔	۵۲۳	وقائع حال کے لئے عموم نہیں۔	۵۴۲
نکرہ سیاق شرط میں واقع ہو تو عام اور جزا میں واقع ہو تو خاص ہوتا ہے۔	۵۲۹	ترک مرۃً وجوب ولزوم کے منافی ہوتا ہے۔	۵۴۲
نکرہ نفی کے تحت آئے تو عام اور اثبات میں آئے تو خاص ہوتا ہے۔	۵۲۹	ثمّ فاصلہ ومہلت چاہتا ہے۔	۵۴۳
اسماء شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں۔	۵۲۹	ثم کبھی مجازاً بحالت عدم مہلت بھی آتا ہے۔	۵۴۵
ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود وباطل ہے۔	۵۲۹	مستدل کو احتمال کافی نہیں خصوصاً خلاف اصل۔	۵۴۶
خیر جس قدر اعظم ہو اسی قدر اس کا حفظ اہم ہوتا ہے۔	۵۲۹	فاء برہا مجرد ترتیب کے لئے آتی ہے بے معنی اتصال وتعقیب کے۔	۵۴۳
خدا اور رسول جل مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھا دوسرا اس کو مخصوص ومقید کرنے والا کون ہے۔	۵۳۴	من وجہ قول فعل سے اعلٰی واتم ہے۔	۵۴۹
خدا اور سول جل مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا ہو دوسرا اس سے منع کرنے والا کون ہے۔	۵۳۵	باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری ہوتا ہے۔	۵۴۹
اللہ تعالٰی نے جس چیز کو کسی ہیئت خاصہ اور محل معین سے مخصوص فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں۔	۵۳۵	اطلاق حکم کے معنی کا بیان۔	۵۴۹
اللہ تعالٰی نے جس چیز کو اطلاق وارسال پر رکھا ہر گز کسی ہیئت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی۔	۵۳۵	جب تک شرعی استثناء نہ ہو تمام خصوصیات وتعینات حکم مطلق میں داخل ہوتے ہیں۔	۵۴۹
اجازت عامہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ دعا کے دلائل ہیں۔	۵۳۵	عدم وجدان عدم وجود کو مستلزم نہیں۔	۵۵۰
نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۵۳۹	عدم نقل نقل عدم نہیں۔	۵۵۰
نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتا۔	۵۴۰	عدم نقل نافی وجود نہیں۔	۵۵۱
فائے تعقیب اتصال حقیقی پر دال نہیں۔	۵۴۰	عدم ثبوت کو اثبات عدم لازم نہیں۔	۵۵۱
توابع فاصل نہیں ہوتے۔	۵۴۱	بارہا رُواۃِ حدیث امور مشہورہ ومعروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں مگر وہ ترک دلیل عدم نہیں ہوتا۔	۵۵۱

نقل عدم نقل منع نہیں۔	۵۵۱	فناء وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فناء ہو۔	۶۶
نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔	۵۵۱	اگر فناء کی تعریف یوں کی جائے کہ وہ متصل بہ فناء ہے تو اس سے دور لازم آئے گا۔	۶۶
مجرد عدم نقل اور عدم فعل مستلزم ممانعت نہیں۔	۵۵۱	یہ ادعا کہ صحن وفناء کا مفہوم واحد ہے جہل شدید ہے۔	۶۶
بدمذہبوں سے مشابہت صرف تین صورتوں میں ممنوع ہے۔	۶۲۴	صحن مسجد کا جزء مسجد ہونا اجلی بدیہیات ہے۔	۶۷
قرون سابقہ میں نہ ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔	۶۲۵	صحن مسجد کو علماء کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں۔	۷۰
بدعت کی پانچ قسمیں ہیں: حرام، واجب، مندوب، مکروہ، مباح۔	۶۲۵	بہت احکام ومسائل نیت کے فرق سے بدل جاتے ہیں۔	۹۸
جو بدعت کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو وہ مذموم نہیں۔	۶۲۵	شہر کی تعریف۔	۲۷۴
مصحف (قرآن) میں سورتوں کے نام، آیتوں کی تعداد لکھنا بدعت ہے مگر بدعت حسنہ۔	۶۲۵	شہر کی یہ تعریف کہ جمیع سکان جن پر جمعہ فرض ہے آجائیں تو مسجد میں نہ آسکیں ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے۔	۲۷۴
مندوبیت کی نفی سے مکروہ ہونا ثابت نہیں ہوتا (تنزیہی بھی نہیں)	۶۲۶	خطبہ کے الفاظ کے معانی سمجھنا صحت جمعہ کے لئے شرط نہیں۔	۲۸۲
اہل باطل کا شعار اسی وقت تک قابل احتراز ہے جب تک اُن کا شعار رہے، اگر ان سے رواج اُٹھ گیا اور وہ امر فی نفسہٖ شرعاً جائز ہے تو اب اس سے ممانعت نہیں۔	۶۳۴	احتیاطی ظہر پڑھنے کا طریقہ۔	۲۹۴
فوائد فقہیہ		جمعہ عیدین وغیرہ میں کثیر جماعت ہو تو سہو کا سجدہ چھوڑا جاسکتا ہے۔	۳۱۴
مسجد اس بقعہ کا نام ہے جو بغرض نماز پنجگانہ وقف خالص کیا گیا ہو۔	۶۰	فنائے شہر کس کو کہتے ہیں۔	۳۶۳
عمارات وبنا یا سقف وغیرہ مسجد کی ماہیت میں داخل نہیں۔	۶۰	احتیاطی ظہر عوام کے لئے نہیں ہے۔	۳۶۵
مسجدیت، صحن سے انکار اجماع کے خلاف ہے۔	۶۲	مصر، قری اور شہر کا فرق۔	۳۶۵
حق مسجد کی رعایت اتباع جماعت سے اہم واقدم ہے۔	۶۲	جہاں جمعہ صحیح ہونے میں اشتباہ نہ ہو، وہاں احتیاطی ظہر منع ہے۔	۳۹۸

جس جگہ قول مجتہد موجود ہو علماء اسی جگہ حکم بالجزم لکھتے ہیں۔	۴۱۷	سنن توابع فرائض ہیں۔	۵۴۱
اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی ہو تو علماء اس کو بطور جزم نہیں لکھتے بلکہ صراحۃً بتادیتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ یہ منقول فی المذہب معلوم نہ ہو۔	۴۱۷	نماز وخطبہ اور خطبہ ومعاودت میں اتصال کا ادّعا باطل، لہٰذا عدم دعا پر استدلال غلط۔	۵۴۵
اگر کوئی عالم قول غیر مجتہد کو بطور جزم لکھ جائے تو اس پر گرفت ہوتی ہے۔	۴۱۷	قاضی کی تعریف اور شرائط۔	۵۶۵
بدعت کبھی حرام، کبھی واجب، کبھی مندوب، کبھی مکروہ اور کبھی مباح ہوتی ہے۔	۴۱۹	خلاف اولٰی مکروہ نہیں، جائز ومباح ہے۔	۶۲۲
ندب حکم شرعی ہے جس کے لئے دلیل ضروری ہے۔	۴۲۱	ثبوت کراہت کے لئے دلیل خاص ضروری ہے، خواہ کراہت تنزیہی ہو۔	۶۲۳
مجلس واحد حسب صریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے۔	۴۲۵	**ریاضی**	
ایجاب وقبول تب مرتبط ہوتے ہیں جب ایک ہی مجلس میں ہوں۔	۴۲۵	منزل، کوس اور فرسنگ کی مسافتوں کا بیان۔	۲۵۵
المصر مالایسع اکبر مساجدہ اھلہ یہ نہ مذہب امام اور نہ صاحبین کا قول۔	۴۲۷	**تاریخ وتذکرہ**	
اب جمعہ میں قاضی سے مراد والی قاضی ہے نکاح کا قاضی نہیں۔	۴۵۷	زمانہ نبوی میں مسجد نبوی کی حدود کیا تھیں یعنی اس کا طول وعرض کتنا تھا۔	۶۴
جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد میں جائز ہونے پر لفظ بین یدی الامام یا بین یدی المنبر سے استدلال محض ناواقفی ہے۔	۴۹۹	صفہ جو کہ مسجد شریف کی جانب شام جنوب رویہ ایک مسقف والان تھا جزء مسجد تھا اور اہل صفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اس میں سکونت رکھتے تھے۔	۶۴
فرض وواجب ونفل میں فرق۔	۵۲۱	اصحاب صفہ قراء تھے۔	۶۴
زید وعدہ کرے کہ نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو بعد نماز معمولی دو حرفی دعا ہرگز عرفاً وشرعاً مبطل فور نہیں۔	۵۴۱	جمعہ کس سال فرض ہوا۔	۳۱۳
مسئلہ ضم سورۃ میں آمین فاتحہ وسورۃ میں فاصل نہیں کیونکہ تابع فاتحہ ہے۔	۵۴۱	جمعہ کی پہلی اذان کب سے شروع ہوئی، خلفائے راشدین کے زمانہ میں اذان ثانی کہاں ہوتی تھی۔	۴۰۲

جمعہ کی اذان ثانی زمانہ اقدس حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوا کرتی تھی۔	۵۰۱	سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالت سجود میں ہوتا ہے۔	۵۲۳
زمانہ تابعین میں نماز عید خطبہ سے پہلے ہوتی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کرکے دعامانگتا۔	۵۱۵	خیر نماز سب چیزوں سے افضل ہے۔	۵۲۹
زمانہ تابعین میں نماز عید اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔	۵۱۵	امام حسین کی محبوبیت رسول۔	۶۰۸
تکبیرات زوائد کب سے شروع ہوئیں۔	۵۷۱	حسنین سے سرکار کی محبت۔	۶۰۹
فضائل ومناقب		حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے عالم حکمت ہونے کی دعا۔	۶۰۹
اعمال صالحہ وجہ رضائے مولٰی جل وعلا ہوتے ہیں۔	۵۱۷	عدل رسالت۔ حضرت اُسَید کی محبت رسول۔	۶۰۹
ہر ختم قرآن پر ایک دعامقبول ہے۔	۵۱۸	حضرت ابوذر پر سرکار کا کرم۔	۶۰۹
افطار کے وقت روزہ دار کی ایک دعارَد نہیں ہوتی۔	۵۱۸	حضرت علی کی محبوبیت رسول اور ان کا مقام۔	۶۱۰
یہ فضیلت روزہ، فرض، واجب ونفل سب کو عام ہے کیونکہ نصوص میں قید وخصوص نہیں۔	۵۱۹	حضرت ابوبکر کا عشق رسول اور ان کی فضیلت۔	۶۱۲
نماز افضل اعمال واعظم ارکان اسلام ہے۔	۵۱۹	حضرت عثمان کی مقبولیتِ رسول۔	۶۱۲
نماز، روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے۔	۵۱۹	حضرت بتول زہرا کی مقبولیتِ رسول۔	۶۱۴
واجبات نوافل سے اعلٰی اور اعظم اور ارضائے الٰہی میں اَوفرواتم ہیں۔	۵۲۰	ہر سن رسیدہ مسلمان قابل ادب ہے، اہل علم اور سادات کرام اور زیادہ ادب واحترام کے مستحق ہیں	۶۱۹
دعابنص قرآن وحدیث واجماع ائمہ قدیم و حدیث اعظم مندوبات شرع سے ہے۔	۵۲۲	دو مسلمان باہم مصافحہ کریں تو ہاتھوں کی تحریک کے ساتھ ان کے گناہ جھڑتے ہیں۔	۶۲۹
حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مستجاب الدعوات تھے۔	۵۲۲	ان کی مغفرت ہوتی ہے، ان پر سو رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے۹۹ اس کے لئے جو سبقت کرے۔	۶۲۹

حظر واباحت		خطبہ میں اسم جلالت یا حضور کااسم مبارک آئے تو دل میں جل جلالہ، یا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہے زبان سے نہیں۔	۴۳۷
مسجد میں پیڑ بونا ممنوع، ہاں اگر اس میں مسجد کی منفعت ہو تو جائز ہے۔	۶۵	خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا ممنوع ہے۔	۴۳۷
جنبی کا صحن مسجد میں جانا جائز نہیں۔	۶۷	خطبہ زبانی اور دیکھ کر دونوں طور پر پڑھا جاسکتا ہے اور زبانی پڑھنا افضل ہے۔	۴۳۸
اگر پانی کا چشمہ مسجد میں ہے اور اس کے سوا کہیں نہ ملے تو جنبی تیمّم کرکے وہاں جاسکتا ہے۔	۶۷	خطبہ میں آیت شروع کرنے سے پہلے تعوّذ پڑھنا چاہئے اور وہ آیت سورہ کی ابتداء میں ہو تو بسم اللہ بھی پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۴۴۶
مسجد سے متصل کوئی مکان مسجد سے بلند ہو تو حرج نہیں اور یہ خیال کہ جس مسجد سے متصل کوئی بلند مکان ہو اس میں نماز نہیں ہوتی محض غلط ہے۔	۸۵	الوداعی خطبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ثابت نہیں، ہاں وہ فی نفسہ مباح ہے۔	۴۵۲
ضرورت پر متعدد مسجدیں بنائی جاسکتی ہیں۔	۸۷	دھوپ کی وجہ سے چھتری لگاکر خطبہ سننا جائز ہے یانہیں۔	۴۵۸
بلند مسجدیں بنانا جائز ہے۔	۸۹	جمعہ کے دن دوپہر سے پہلے سفر کرنا جائز ہے۔	۴۵۹
سُود کی مخلوط آمدنی سے مسجد کے فرش، کنواں وغیرہ بنانے سے مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا۔	۸۹	جمعہ کا وقت ہوجانے کے بعد سفر کرنا گناہ ہے۔	۴۵۹
مسجدوں میں پاک چیزیں لگائی جائیں، نئی ہوں یا پرانی۔	۹۰	حضور کی تبعیت میں حضرت غوث الاعظم پر درود پڑھنا جائز ہے۔	۴۶۱
مسجدوں کو چوپال بنانا جائز نہیں۔	۹۵	سلاطین کے لئے مبالغہ آمیز الفاظ ممنوع ہیں۔	۴۶۵
مسجد یا صحن میں گالی گلوچ وغیرہ لغویات جائز نہیں ایسے کو مسجد سے نکال دینا چاہئے۔	۹۵	اُردو میں خطبہ خلافِ سنت ہے۔	۴۶۹
مسجدوں میں درود، وظائف، تلاوت وغیرہ جہر سے کرنا جس سے نمازیوں یا سونے والوں کو تکلیف ہو منع ہے۔	۹۹	دوران خطبہ اگر حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خطیب کرے تو مقتدی دل میں درود شریف پڑھیں۔	۴۸۱
تعوذ سے خطبہ شروع کرنا چاہئے اور کوئی بسم اللہ سے شروع کرے تو جواز میں شک نہیں۔	۴۳۶	بانی مسجد نے تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ یا کوئی محل مرتفع بنایا تو جائز ہے۔ اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا یہاں کراہت عارض نہ ہوگی۔	۵۰۲

مسجد میں جواز وضو کی ایک صورت۔	۵۰۲	تراویح کے ختم قرآن میں تین بار سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے۔	۶۲۱
مئذنہ بیرون مسجد تھا بعدہ مسجد بڑھائی گئی اب مئذنہ اندرون مسجد ہوگیا اس پر اذان میں حرج نہ ہوگا۔	۵۰۴	میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا مستحسن ہے۔	۶۲۱
تمامی مسجد کے بعد اگر بانی مسجد اذان کے لئے مسجد میں نیا مکان مستثنٰی کرنا چاہے تو اس کی اجازت نہیں۔	۵۰۴	مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور جدہ میں مجالس میلاد کا انعقاد اور ان میں سورہ والضحٰی سے ختم قرآن تک ہر سورۃ پر تکبیر۔	۶۲۱
تمامیت مسجد کے بعد مسجد میں امام کا مکان بنانے کا حکم۔	۵۰۴	مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے تو اپنا ہاتھ کھینچنا نہیں چاہئے۔	۶۳۶
عید کے خطبہ میں لبیک یا درود پڑھنا کیسا ہے۔	۵۰۹	مسلمان کی خاطر داری رعایتِ ادب پر مقدم ہے۔	۶۳۶
عیدین وتہجد وغیرہ کے بعد دعا مانگنا شرعاً جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے۔	۵۲۲	مسلمانوں کے عادات ورسوم کی موافقت ہی کرنی چاہئے بشرطیکہ شرع سے صریح اور ناقابل تاویل ممانعت نہ ہو۔	۶۳۶
نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا۔	۵۲۴	بدعت مباحہ سے بچنا مطلوب نہیں لہٰذا اگر کسی ایسی بدعت کی بجاآوری میں کسی سنت پر بھی عمل ہوتا ہے تو کرے۔	۶۳۸
شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بے تقیید وقت وتخصیص ہیئت مطلقاً دعا کی اجازت دی۔	۵۳۰	تفسیر وعلوم قرآن	
شرع میں تکثیر دعا پر ترغیب اور ترک دعا پر وعید وارد ہوئی ہے۔	۵۳۰	اللہ تبارک وتعالٰی کے ارشاد فاذا فرغت فانصب o والی ربک فارغب کی تفسیر۔	۵۱۶
ذکر، تسبیح، تہلیل اور دعا ہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔	۵۳۸	آیاتِ مذکورہ میں بقول سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب سے مراد دعا میں جدوجہد کرنا ہے۔	۵۱۶
خطبہ میں یا نماز سے پہلے چندہ کی تحریک کیسی ہے۔	۵۶۶	آیہ کریمہ مطلق ہے اور اپنے اطلاق کے ساتھ فرض، واجب اور نفل سب کو شامل ہے لہٰذا نماز عیدین بھی اس حکم میں داخل ہیں۔	۵۱۶
خراجی زمین میں عیدگاہ بنی ہو وہ عیدگاہ ہوگی یا نہیں۔	۵۷۶	کثرت ذکر الٰہی سے متعلق آیات کی تفسیر۔	۵۳۶
نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے۔	۵۷۶		

منطق		مدت رضاعت میں جو ارتفاع ہو موجب تحریم ہے۔	۴۱۸
ایجاب کلی اور سلب جزی میں منافاۃ ہے۔	۵۴۶	**وقف**	
مناظرہ ورُدِ بدمذہباں		صرف اس قول سے کہ میں نے اس زمین کو مسجد کیا اس خطہ زمین سے وقف کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔	۷۰
سنیوں کی مسجدوں پر روافض کا کوئی حق نہیں۔	۷۷	**بیع**	
مصنف (رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف سے دہلی کی ایک مسجد کے مؤذن کو عقلی دلیل سے مسئلہ سمجھانا۔	۵۰۲	مسجدوں کی بیع ناجائز ہے۔	۹۰
عید دوم فتوی مولوی عبدالحی لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کے ازالہ تام کے بیان میں۔	۵۱۵	**غصب**	
جو اِدّعائے منع کرے اثبات ممانعت اس کے ذمہ ہے۔	۵۱۵	کسی نے مسجد پر ظلماً قبضہ کرلیا اور حصول یابی کی کوئی صورت نہ ہو اور وہ دوسری جگہ معاوضہ میں دینے کے لئے تیار ہو تو وہ جگہ لے کر مسجد بنائی جاسکتی ہے۔	۹۱
قرون ثلثہ سے عدم ورود کو دلیل منع جاننا وہابیہ کا مغالطہ عامۃ الورود ہے۔	۵۵۲	**اجارہ**	
وہابیہ کے خلاف مولوی عبدالحی لکھنوی کے فتاوٰی سے پندرہ عبارتیں۔	۵۵۳	مسجد کے حجرہ میں تعویذ لکھ کر اجرت پر دینا جائز نہیں۔	۹۵
رضاعت		**تمدّن**	
کسی لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہے۔	۴۱۸	مسجد ومعبد ہو یا منزل ومسکن ہر مکان کو بلحاظ اختلاف موسم دو حصوں پر تقسیم کرنا عاداتِ مطردہ بنی نوع انسان سے ہے، ایک پارہ مسقف کرتے ہیں کہ برف وبارش وآفتاب سے بچائے دوسرا کھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے اور ہوا لینے کے کام آئے۔	۶۱

رسم المفتی		مسجد ضرار کی تعریف۔	۷۷
مسلمانوں کے کسی فعل کو بدعت شنیعہ کہنا ایک حکم تو اللہ رسول جل وعلاو صلی اللہ علیہ وسلم پر لگانا ہے کہ ان کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر لگانا ہے کہ وہ اس فعل کے باعث گنہگار و مستحق عذاب ہیں اور ایسا حکم لگانا بلا دلیل شرعی واضح کے ناجائز ہے۔	۴۱۷	صغیر وکبیر مسجدوں میں فرق۔	۸۰
دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصول اربعہ اور ہمارے لئے قول مجتہد ہے۔	۴۱۷	مسجد ضرار کی ایک صورت۔	۸۶
علماء محتاطین مسائل اجتہادیہ میں تو انکار بھی ضروری نہیں جانتے چہ جائیکہ تضلیل و تکفیر کی جائے۔	۴۸۴	منبر کے کتنے زینے ہوں اور کس زینہ پر خطبہ ہو اور منبر کا رواج کب سے ہے۔	۳۴۳
تصحیح وفتوی میں اختلاف ہو تو اطلاق متُون کو ترجیح ہوگی۔	۶۳۳	شہر اور دیہات کا فرق (افسوس کہ پورا جواب نہ مل سکا)	۳۴۸
فقہانے جسے راجح و صحیح قرار دیا ہمیں اسی کی پیروی کرنی ہے۔	۶۳۳	مجلس تبدیل ہونے کی بعض صورتوں کا بیان۔	۴۲۵
قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور مخالفتِ اجماع ہے۔	۶۳۳	مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عظیم الشان سند جو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہوئی امام المجتہدین حضرت امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتی ہے۔	۵۱۲
قسم		امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا ہے اس پر تقریر نہیں فرماتے۔	۵۱۵
اگر قسم کھائی کہ زید کے گھر نہ جاؤں گا اور صحن میں گیا تو حانث ہوگا۔	۶۰	دنیا کی چیزیں خیر و شر دونوں کو متحمل ہیں۔	۵۲۶
اگر قسم کھائی کہ مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا تو حانث نہ ہوگا۔	۶۰	فضائل وترغیب دعا سے متعلق احادیث کا ذخیرہ کن کتابوں میں ہے۔	۵۳۲
متفرقات		دعا و ذکر قطعاً متساوی ہیں (حاشیہ)	۵۳۵
زبان عرب میں مسقف حصے کو شتوی اور اور غیر مسقف کو صیفی کہتے ہیں۔	۶۱		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب احکام المسجد

احکام مسجد کا بیان

مسئلہ ۱۱۱۵: از لکھنو محلّہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ ۵ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین جواب اس مسئلہ کا کہ سقفِ مسجد پر بسبب گرمی کے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مکروہ ہے کہ مسجد کی بے ادبی ہے، ہاں اگر مسجد جماعت پر تنگی کرے نیچے جگہ نہ رہے تو باقی ماندہ لوگ چھت پر صف بندی کر لیں یہ بلاکراہت جائز ہے کہ اس میں ضرورت ہے بشرطیکہ حال امام مشتبہ نہ ہو۔

فی العلمگیریة الصعود علی کل مسجد مکروہ ولھذا اذا اشتد الحریکرہ ان یصلوا بالجماعة فوقه الااذاضاق المسجد فحٍ لایکرہ الصعود علی سطحه لضرورة کذا فی الغرائب[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	عالمگیری میں ہے ہر مسجد کے اوپر چڑھنا مکروہ ہے، یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے وقت اس کے اوپر جماعت کرانا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں کہ مسجد نمازیوں پر تنگ ہو جائے تو ضرورت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں۔ جیساکہ غرائب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۲/۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

التبصیر المنجد بان صحن المسجد مسجد ۱۳۰۷ھ

(اس بارے میں عمدہ رہنمائی کہ مسجد کا صحن مسجد ہی ہوتا ہے)

مسئلہ ۱۱۱۶: از قصبہ کٹھور، اسٹیشن سائن ضلع سورت، ملک گجرات، مسجد پُرب والے، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربی کھٹور وسیٹھ بانا بھائی صاحب مہتمم مدرسہ ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت اس صحنِ مسجد کے حکم پر موسم گرما میں ہمیشہ نماز فرض باجماعت مغرب وعشاء وفجر اور کبھی عصر بھی ادا کی جائے، اور یہ مسجد چونکہ برسرِ بازار واقع ہے اس واسطے آمد ورفت نمازیوں کی زیادہ ہے عصر ومغرب کو کبھی جماعت ہوچکی ہو تو اکثر آدمی آکر اُس صحن پر اکیلے فرض نماز پڑھ لیتے ہیں کبھی دو چار آدمی آگئے تو وہاں پر جماعت بھی کرلیتے ہیں اور موسم اعتدال ربیع وخریف میں بھی کبھی معمولی جماعت صحنِ مذکور پر ہوجایا کرتی ہے، اب صحنِ مذکور کو حکم مسجد کا دیا جائے یا نہیں؟ اس پر جنبی وغیرہ ناپاک آدمی کا بلاعذر شرعی کے جانا جائز ہے یا نہیں؟ وہ شخص باہم مناظرہ کرتے ہیں ایک کے نزدیک صحن مذکور مسجد ہے اور جنبی کا اس پر جانا حرام، اور دوسرے کے نزدیک مصلی عید کے حکم میں ہے جنبی کو اس پر جانا جائز ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ ہمارے شہر سُورت میں اندرون مسجد کو جماعت خانہ اور صحنِ مسجد کو خارج بولتے ہیں، دوسری دلیل یہ کہ فنا اور حریم مسجد اور صحنِ مسجد باعتبار مفہوم کے متحد ہیں فنا اور حریم مسجد پر جب جنبی کو جانا جائز ہو تو صحن پر بھی جائز ہوگا کس واسطے کو فناء کو حکم مصلی عید کا ہے اور علمائے سورت میں سے دو۲ عالم صحن مذکور حکم مسجد کا فرماتے ہیں ان دونوں عالموں میں سے ایک عالم صاحب اس شخص کے جو صحنِ مسجد کو خارج مسجد کہتا ہے استاد بھی ہیں، اب ہر ایک مناظرین مرقومہ بالا میں سے ایک دوسرے کو مفسد کہتا ہے مفسد فی الدّین ہے اور مصلح عند الشرع کون؟ اور لفظ فناء مسجد اور حریم مسجد کے معنی صحن مسجد کے سمجھنا صحیح ہیں یا غلط؟ اور دوسرے یہ کہ ساکنانِ شہر سورت کا عرف کہ

اندرون مسجد جماعت خانہ اور صحنِ مسجد خارج مسجد بولنا یہ عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟ اور کس قدریں نمازیں ہر سال میں اُس صحن پر ادا کی جائیں کہ وہ صحن مسجد بن جائے؟ اُس صحن کی مسجد بن جانے میں سوائے نماز کے اور کوئی دوسری شرط بھی عندالشرع معتبر ہو تو تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

صحنِ مسجد قطعاً جزءِ مسجد ہے جس طرح صحنِ دار جزءِ دار، یہاں تک کہ اگر قسم کھائی زید کے گھر نہ جاؤں گا، اور صحن میں گیا بیشک حانث ہو گا کما یظھر من الھدایۃ والھندیۃ والدرالمختار وردالمختار و عامۃ الاسفار (جیسا کہ ہدایہ، ہندیہ، دُرمختار، ردالمحتار اور عام کتب میں ہے، ت) اسی طرح اگر قسم کھائی مسجد سے باہر نہ جاؤں گا اور صحن میں آیا ہرگز حانث نہ ہوا، ولہٰذا معتکف کو صحن میں آنا جانا بیٹھنا رہنا یقیناً روا، یہ مسئلہ اپنی نہایت وضاحت وغایت شہرت سے قریب ہے کہ بدیہیات اولیہ سے ملتحق ہو، جس پر تمام بلاد میں عام مسلمین کے تعامل وافعال شاہد عدل، جن کے بعد اصلاً احتیاج دلیل نہیں، ہاں جو دعوٰی خلاف کرے اپنے دعوے پر دلیل لائے، اور ہرگز نہ لاسکے گا حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ[1] (یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔ت) مدعیِ خلاف نے کہ صحنِ مسجد کے مسجد نہ ہونے پر دو دلیلیں پیش کیں، ایک عام جس میں دلیل کی صورت بھی نہیں بلکہ محض دعوٰی ہے دلیل ہے دوسری خاص مساجد سورت سے متعلق دونوں محض باطل وزاہق۔ فقیر غفراللہ تعالٰی اس مسئلہ واضحہ کی ایضاح کو بحکم ضرورت صرف دس وجہیں ذکر کرتا ہے جن سے حکم انجلائے تام پائے اور دونوں دلیل خلاف کا ازالہ وہام ہو جائے، اسی کے ضمن میں اِن شاء اللہ تعالٰی تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہو جائے گا۔

فاقول: وباللہ التوفیق وافاضۃ التحقیق (**میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی ہی توفیق اور تحقیق عطا کرنے والا ہے،

اوّلاً: مسجد اس بُقعہ کا نام ہے جو بغرض نمازِ پنجگانہ وقف خالص کیا گیا وتمام تعریفہ مع فوائد قیودہ فی الوقف من کتابنا العطایاالنبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ (مسجد کی کامل تعریف اور اس کے تمام قیود کے فوائد کی تفصیل ہمارے فتاوی ——"العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ" کے باب الوقف میں ملاحظہ کیجئے۔ت) یہ تعریف بالیقین صحن کو بھی شامل 'اور عمارات و بنایا سقف وغیرہ ہرگز اس کی ماہیت میں داخل نہیں یہاں تک کہ اگر عمارت اصلاً نہ ہو صرف ایک چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لئے وقف کردیں قطعاً مسجد

ہو جائے گا اور تمام احکامِ مسجد کا استحقاق پائے گا۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی علمگیر یو غیر ہا میں ہے

رجل له ساحة امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة ان قال صلوا فيها ابدا او امرهم بالصلٰوة مطلقا و نوى الابد صارت الساحة مسجدا لو مات لا يورث عنه[1] اھ ملخصًا	ایک آدمی کی کھلی جگہ ہے لوگوں سے کہتا ہے کہ یہاں نماز ادا کرو، اب اگر اس نے یہ کہا کہ یہاں ہمیشہ تم نماز پڑھو، یا اتنا کہا نماز پڑھو مگر نیّت ہمیشہ کی، تو وہ جگہ مسجد کہلائے گی____ اگر وُہ فوت ہو جاتا ہے تو وہ زمین وراثت میں شامل نہ ہو گی اھ ملحصًا (ت)

پھر مسقف وغیرہ مسقف میں فرق کرنا اسے مسجد اسے فناء مسجد ٹھہرانا محض بے معنی۔

ثانیًا ہر عاقل جانتا ہے کہ مسجد و معبد ہو یا مسکن و منزل ہر مکان کو بلحاظ اختلافِ موسم دو حصّوں پر تقسیم کرنا عادات مطردۂ بنی نوع انسان سے ہے جس پر معظم معمورۃ الارض میں تمام اعصار وامصار کے لوگ اتفاق کئے ہوئے ہیں ایک پارہ مسقف کرتے ہیں کہ برف و بارش و آفتاب سے بچائے، دوسرا کُھلا رکھتے ہیں کہ دھوپ میں بیٹھنے، ہوا لینے، گرمی سے بچنے کے کام آئے، زبانِ عرب میں اوّل کو شتوی کہتے ہیں اور دوم کو صیفی کما افادہ العلامۃ بدرالدین محمود العینی فی کتاب الایمان من البنایۃ شرح الھدایۃ (جیسا کہ علامہ بدرالدین محمود عینی نے بنایہ شرح الہدایہ کے کتاب الایمان میں تصریح کی ہے۔ت) یہ دونوں ٹکڑے قطعًا اس معبد یا منزل کے یکساں دو[۲] جزء ہوتے ہیں جن کے باعث وہ مکان ہر موسم میں کام کا ہوتا ہے اور بالیقین مساجد میں صحن رکھنے سے بھی واقفین کی یہی غرض ہوتی ہے ورنہ اگر صرف شتوی یعنی مسقف کو مسجد اور صیفی یعنی صحن کو خارج از مسجد ٹھہرائے تو کیا واقفین نے مسجد صرف موسم سرما و عصرین گرما کے لئے بنائی تھی کہ ان اوقات میں تو نماز مسجد میں ہو باقی زمانوں میں نمازوں اعتکاف کے لئے مسجد نہ ملے یا ان کا مقصود یہ جبر کرنا تھا کیسی ہی حبس و حرارت کی شدت ہو مگر ہمیشہ مسلمان اسی بند مکان میں نماز پڑھیں، معتکف رہیں، ہوا اور راحت کا نام نہ لیں، یا انھیں دُنیا کا حال معلوم نہ تھا کہ سال میں بہت اوقات ایسے آتے ہیں جن میں آدمی کو درجہ اندرونی میں مشغولِ نماز و تراویح و اعتکاف ہونا درکنار دم بھر کو جانا ناگوار ہوتا ہے، اور جب کچھ نہیں تو بالجزم ثابت کہ جس طرح انھوں نے اپنے چین کے لئے مکانِ سکونت میں صحن و دالان دونوں درجے رکھے ہیں یونہی عام مسلمان کی عام اوقات میں آسائش و آرام کے لئے مسجد کو بھی انہی دو[۲] حصّوں پر تقسیم کیا۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد وما یتعلق بہ مطبوعہ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ / ۲۵۵

ثالثًا : اب نمازیوں سے پوچھئے آپ اذان سن کر گھر سے کس ارادہ پر چلتے ہیں، یہی کہ مسجد میں نماز پڑھیں گے یا کچھ اور، قطعًا یہی جواب دیں گے کہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں، اب دیکھئے کہ وہ موسم گرما میں فجر و مغرب وعشاء کی نمازیں کہاں پڑھتے ہیں اور اُن کے حفّاظ قرآن مجید کہاں سناتے ہیں اور اُن کے معتکف کہاں بیٹھتے اور ذکر وعبادت میں مشغول رہتے ہیں، خود ہی کھل جائے گا کہ مسلمانوں نے صحن کو بھی مسجد سمجھا ہے یا نہیں تو مسجدیت صحن سے انکار اجماع کے خلاف۔

رابعًا : بلکہ غور کیجئے تو جو صاحب انکار رکھتے ہیں خود اُنہی کے افعال اُن کی خطا پر دال، اگر وہ مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہوں تو لاجرم موسم گرما میں عام مسلمانوں کی طرح صحن ہی پر پڑھتے ہوں گے پھر ان سے پوچھئے آپ گھر چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھنے کیوں آئے، اور جب یہ مسجد نہیں تو یہاں نماز پڑھنے میں کیا فضیلت سمجھی، فضیلت درکنار داعی اللہ کی اجابت کب کی، اور حدیث لاصلٰوۃ لجار المسجد الافی المسجد[1] (مسجد کے پڑوسی کی نماز، مسجد کے علاوہ نہیں ہوسکتی۔ت) کی تعمیل کہاں ہوئی اور سنتِ عظیمہ جلیلہ کس واسطے چھوڑی، کہا کوئی ذی عقل مسلمان گوارا کرے گا کہ مکان چھوڑ کر آوازِ آذان سُن کر نماز کو جائے اور مسجد ہوتے ساتے مسجد میں نہ پڑھے بلکہ اس کے حریم وحوالی میں نماز پڑھ کر چلا آئے، کیا اہل عقل ایسے شخص کو مجنون نہ کہیں گے، تو انکار والوں کا قول وفعل قطعًا متناقض، اگر یہ عذر کریں کہ جہاں امام نے پڑھی مجبوری ہیں پڑھنی ہوئی ہے تو محض بیجا ونامعقول وناقابل قبول، آپ صاحبوں پر حقِ مسجد کی رعایت اتباعِ جماعت سے اہم واقدم تھی، جب آپ نے دیکھا کہ سب اہل جماعت مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں نماز پڑھتے ہیں آپ کو چاہئے تھا خود مسجد میں جا کر پڑھتے، اگر کوئی مسلمان آپ کا ساتھ دیتا جماعت کرتے ورنہ تنہا ہی پڑھتے کہ حقِ مسجد سے ادا ہوتے۔ یہاں تک علما اس تنہا پڑھنے کو دوسری مسجد میں باجماعت پڑھنے سے افضل بتاتے ہیں نہ کہ غیر مسجد میں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر خزانۃ المفتین پھر ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔

یذھب الی مسجد منزلہ ویؤذن فیہ ویصلی وان کان واحدًا لان لمسجد منزلہ حقا علیہ فیؤدی حقہ مؤذن مسجد لایحضر مسجدہ احد قالوا یؤذن ویقیم ویصلی وحدہ فذالك احب من ان یصلی فی مسجد اٰخر۔[2]	آدمی اپنے محلّہ کی مسجد میں جائے اس میں آذان دے اور نماز پڑھے اگرچہ تنہا ہو کیونکہ اس پر محلّہ کی مسجد کا حق ہے جس کی ادائیگی ضروری ہے، ایسی مسجد کے مؤذن کے بارے میں جس میں کوئی نہیں آتا فقہاء نے کہا ہے کہ وہ وہاں تنہا ہی آذان دے کر اور نماز پڑھے یہ دوسری مسجد میں نماز پڑھنے سے افضل ہے

[1] مستدرک حاکم کتاب الصّلوٰۃ لاصلوٰۃ لجارالمسجد الخ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۲

تنبیہ: انھیں وجوہ سے ظاہر ہوگیا کہ اہل سورت کا خاص درجہ شتوی کو جماعتِ خانہ کہنا ایک اصطلاح خاص ہے اور صیفی یعنی صحن کو خارج اسی معنی پر کہتے ہیں کہ اُس جماعتِ خانہ مصطلحہ سے باہر ہے نہ بایں معنی کہ جزءِ مسجد نہیں، اور اگر مسجد ہی کہتے ہوں تو یہ کہنا ایسا ہے جیسے علماءِ کرام ظاہر بدن کو خارج البدن فرماتے ہیں جس کے یہ معنی کہ بدن بیرونی حصّہ نہ یہ کہ بدن سے باہر، یونہی خارج مسجد یعنی مسجد کا بیرونی ٹکڑا، نہ یہ کہ مسجد سے خارج۔ اور بالفرض اگر انھوں نے اپنی اصطلاح میں مسجد صرف شتوی یعنی مسقف ہی کا نام رکھا ہو تو اسے مسجد نہ کہنے کا حاصل اس قدر ہوگا کہ درجہ شتویہ نہیں نہ یہ کہ شرعًا مسجد نہیں، اُن کے افعال دائمی یعنی موسم گرما میں ہمیشہ جماعت مغرب وعشاء وفجر صحن ہی پر پڑھنا اور آذان سننے پر مکانوں سے بارادہ صلوٰۃ فی المسجد آکر یہاں جماعت کرنا جس کی تصریح سوال میں موجود۔ اور رمضانِ گرما میں یہیں تراویح پڑھنا، معتکف رہنا کہ عادۃً بالقطع معلوم ومشہود، اس مراد مقصود پر شاہد مبین ومفید تعیین ومورث یقین، **کمالایخفی علی صبی عاقل فضلا عن فاضل** (جیسا کہ کسی عاقل بچے سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر خفی رہے۔ت)

خامسًا: طرفہ یہ کہ انکار کرنے والے حلتِ دخول جنب میں بحث ونزاع کرتے ہیں اُن کے قول پر یہ معاذاللہ صراحۃً بدعتِ شنیعہ مسلمانوں سے علی الدوام والالتزام واقع ہوتی ہے یعنی گرمی میں مسجد چھوڑ کر غیر مسجد میں جماعت پڑھنا اور حقِ مسجد تلف کرنا اس پر کیوں نہیں انکار کرتے بلکہ اس میں تو خود بھی شریک ہوتے ہیں کہ خلاف میں اپنی بھی تکلیف ہے، اب اگر وہ اپنے قول باطل پر اصرار کرکے اسی فکر میں پڑیں کہ نماز صحن مطلقًا بند کردی جائے اور ہمیشہ ہر موسم ہر وقت کی جماعت اندر ہی ہوا کرے، اور بالفرض اُن کی یہ بات خلق کو نماز صحن سے مانع آئے تو دیکھئے موسم گرما میں کتنی مسجدیں نماز وجماعت وتراویح واعتکاف سے معطل محض ہوئی جاتی ہیں کہ لوگ جب صحن سے روکے جائیں گے اور اندران افعال کی بجاآوری سے بالطبع گھبرائیں گے، لاجرم مسجد کے آنے سے باز رہیں گے اور اگر ایک دو نے یہ ناحق وبے سبب کی سخت مصیبت گوارا بھی کرلی تو عام خلائق کا تنفر قطعی یقینی، تو اس نزاع بیجا کا انجام معاذاللہ مساجد کا ویران کرنا اور اُن میں ذکر ونماز سے بندگانِ خدا کو روکنا ہے۔

قال اللہ عزوجل وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[1]۔	اللہ عزوجل نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو خدا کی مسجدوں کو اُن میں نامِ خدا یاد کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اب صحن کو مسجد نہ ماننے والے غور کریں کہ کس کا قول افساد فی الدین تھا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

سادسًا: اس مسئلہ جلیلہ کو کلماتِ ائمہ کرام ہی سے استخراج کرنا چاہئے تو بوجوہ کثیرہ میسر، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مسجد مبارک حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانہ اقدس میں جنوبًا شمالًا یعنی دیوارِ قبلہ سے پائینِ مسجد تک سو گز طول رکھتی تھی اور اسی قدر شرقًا غربًا عرض تھا اور پائین میں یعنی جانبِ شام ایک مسقف دالان جنوب رویہ تھا جسے صفّہ کہتے اور اہل صفّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اُس میں سکونت رکھتے یہ بھی جزءِ مسجد تھا، علامہ رحمۃ اللہ سندی تلمیذ امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام منسک متوسط اور مولانا علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

(حدہ) ای حدود المسجد الاول (من المشرق من وراء المنبر نحو ذراع ومن المغرب الاسطوانۃ الخامسۃ من المنبر ومن الشام حیث ینتھی مائۃ ذراع من محرابہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) وھو معلوم لاھل المدینۃ بالعلامۃ الموضوعۃ[1] اھ ملخصًا۔	(اس کی حد) یعنی مسجد اول کی حدود (منبر کی دوسری طرف مشرق کی طرف ایک گز کے برابر ہے، اور جانبِ مغرب پانچویں ستون تک اور جانبِ شام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محراب سے سو گز ہے) اور نشانات مخصوصہ کی وجہ سے اہل مدینہ کو معلوم ہے اھ تلخیصًا۔ (ت)

علامہ طاہر فتنی مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

اھل الصفۃ فقراء المھاجرین ومن لم یکن لہ منھم منزل یسکنہ فکانوا یاوون الی موضع مظلل فی مسجد المدینۃ۔[2]	اہل صفّہ مہاجر فقراء میں سے تھے اور جس کے لئے گھر نہ ہوتا وُہ وہیں ٹھہرتا، پس صفّہ مسجدِ نبوی میں ایک چھتدار جگہ میں رہتے تھے۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

باب نوم الرجال فی المسجد وقال ابوقلابۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قدم رھط من عکل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکانوا فی الصفۃ، وقال عبدالرحمٰن	باب لوگوں کا مسجد میں سونے کے بارے میں، ابوقلابہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ عکل کا ایک وفد رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں آیا اور وہ صفہ میں تھے

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ المشرفۃ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۳

[2] مجمع بحار الانوار لفظ صفف کے تحت مذکور ہے مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/۳۵۳

بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان اصحاب الصفة الفقراء[1]	حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اصحابِ صفہ فقراء تھے۔(ت)

علامہ احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الصُفّة بضم الصاد و تشدید الفاء موضع مظلل فی اخریات المسجد النبوی تاوی الیه المساکین۔[2]	الصُفّہ، صاد پر پیش، فاء پر تشدید، مسجد نبوی کے آخری حصہ میں وہ چھتی ہوئی جگہ جہاں مساکین پناہ لیتے تھے۔(ت)

اب مشاہدہ کرنے والا جانتا ہے کہ محرابِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ محراب امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب شمال ہے، پائین مسجد کو پیائش کرتے آیئے تو سو گز کی مساحت ایک حصّہ صحن میں آئے گی، اور قطعًا معلوم کہ زمانہ اقدس میں جس قدر بنائے مسجد تھی اُس میں کمی نہ ہوئی بلکہ افزونیاں ہی ہوتی آئیں تو واجب کہ اس وقت بھی یہ سو گز مع صحن تھی اور جبکہ صفہ تک جزءِ مسجد تھا کما ظهر مما نقلنا من العبارات (جیسے کہ ہماری نقل کردہ عبارات سے ظاہر ہے۔ت) تو کیونکہ معقول کہ بیچ میں صحن خارج مسجد گنا جائے۔

سابعًا علماء ارشاد فرماتے ہیں کہ مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے کہ اُس سے نماز کی جگہ رُکے گی مگر جبکہ اس میں منفعتِ مسجد ہو اس طرح کہ زمین مسجد اس قدر گل ہو کہ ستون بوجہ شدتِ رطوبت نہ ٹھہرتے ہوں تو جذب تری کیلئے پیڑ بوئے جائیں کہ جڑیں پھیل کر زمین کی نم کھینچ لیں۔ ظہیریہ وخانیہ وخلاصہ وہندیہ وبحر الرائق وغیرہا میں ہے،

یکرہ غرس الشجر فی المسجد لانه یشبه بالبیعة تکون فیه منفعة للمسجد بان کان الارض نزة لا تستقر اسا طینها فیغرس فیه الشجر لیقل النزة۔[3]	مسجد میں درخت لگانا مکروہ ہے کیونکہ یہ بیعۃ (گرجے) کی مشابہت ہے اور نماز کی جگہ مشغول کرنا ہے۔ البتہ اس صورت میں جائز ہوگا جب اس میں کوئی نفع ہو، مثلاً زمین سیلابی ہے اس پر ستون کھڑے نہیں ہوتے تو اس میں درخت لگائے جائیں تاکہ سیلابیت کم ہوجائے۔(ت)

ظہیریہ کے لفظ یہ ہیں:

فتغرس لتجذب عروق الاشجار ذلک	پس درخت لگائیں تاکہ ان کی جڑیں اس تری کو جذب

---

[1] صحیح البخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۳

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب نوم الرجال فی المسجد مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/۴۳۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۳۱

الى فح يجوز و الافلا وانما جوز مشائخنا فى المسجد الجامع ببخارى لما فيه من الحاجة اھ۔[1]	کرلیں، تواب درخت لگانا جائز ہوگا ورنہ نہیں، ہمارے مشائخ نے بخارا کی جامع مسجد میں درخت لگانے کو جو جائز قرار دیا ہے اس میں یہی ضرورت وحاجت پیش نظر ہے اھ (ت)

ظاہر ہے کہ ستون مسجد مسقف ہی میں ہوتے ہیں اور پیڑ درجہ اندرونی میں نہیں بوئے جاتے بلکہ سائے میں پرورش نہیں ہوتے معہذا جب تری کی وہ بیشتری کہ ستون نہیں ٹھہرتے تو ایسی رطوبت پھلواری وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے پودوں سے دفع نہیں ہوسکتی، نہ ان کی جڑیں اتنی پھیلیں کہ اطراف سے جذب کرلیں اور بڑے پیڑ اندر بوئے جانا معقول نہیں تو واجب کہ اس سے مراد صحن مسجد میں بونا ہے اور اسے انھوں نے مسجد میں بونا قرار دیا_______ جب تو غرس فی المسجد کی صورت جواز میں رکھا، اور مثالِ ظہیریہ نے تو اس معنی کو خوب واضح کردیا۔ قطعًا معلوم کہ جامع بخارا نامسقف نہیں نہ زنہار اُس کے درخت زیرِ سقف ہیں بلکہ یقینًا صحن میں بوئے گئے، اور اسی کو علمائے کرام نے غرس فی المسجد جانا۔

ثامنًا علماء فرماتے ہیں دروازہ مسجد پر جو دُکانیں ہیں فنائے مسجد ہیں کہ مسجد سے متصل ہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

يصح الاقتداء لمن قام على الدكاكين التى تكون على باب المسجد لانها من فناء المسجد متصلة بالمسجد۔[2]	اس شخص کی اقتداء درست ہے جو اس دکان پر کھڑا ہے جو مسجد کے دروازے پر ہے کیونکہ یہ فنائے مسجد میں ہونے کی وجہ سے مسجد سے متصل ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ جو دُکانیں دروازہ پر ہیں صحن مسجد سے متصل ہیں نہ درجہ مسققہ سے، تو لاجرم صحنِ مسجد مسجد ہے، اور یہیں سے ظاہر کہ صحن کو فنا کہنا محض غلط ہے اگر وہ فنائے مسجد ہوتا تو دکانیں کہ اس سے متصل ہیں متصل بہ فنا ہوتیں، نہ متصل بہ مسجد، پھر ان دکانوں کے فنا ٹھہرنے میں کلام ہوتا کہ فنا وہ ہے جو متصل بہ مسجد ہو نہ وہ کہ متصل بہ فنا ہو، ورنہ اس تعریف پر لزوم دَور کے علاوہ متصل بالفنا بھی فنا ٹھہرے تو سارا شہر یا لااقل تمام محلّہ فنائے مسجد قرار پائے **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور یہ ادعا کہ صحن وفنا کا مفہوم واحد

---

[1] بحر الرائق بحوالہ الظہیریۃ فصل لما فرغ من بیان الکراہۃ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسجد مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳۲/۱

جہل شدید ہے کہ کسی عاقل سے معقول نہیں، شاید یہ قائل اُن دکانوں کو بھی صحن مسجد کہے گا۔

تاسعًا انصاف کیجئے تو یہ خاص جزئیہ بھی یعنی صحنِ مسجد میں جنب کا جانا ناجائز ہونا کلماتِ علما سے مستفاد ہوسکتا ہے، ائمہ فرماتے ہیں جنب کو مسجد میں جانا جائز نہیں مگر جبکہ پانی کا چشمہ مسجد میں ہو اور اس کے سوا کہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کرکے لے آئے ۔ مبسوط وعنایہ وردالمحتار وفتاوٰی حجہ وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا اسفار میں ہے:

واللفظ للثلثة الاول مسافر مر بمسجد فیه عین ماء وهو جنب ولایجد غیره، فانه یتیمم لدخول المسجد لان لاجنابة تمنعه من دخول المسجد علی کل حال عندنا۔[1]	پہلی تین کتب کے الفاظ یہ ہیں: ایک جنبی مسافر ایسی مسجد سے گزرا جس کے اندر پانی کا چشمہ ہے اور اس کے علاوہ وہ پانی نہیں پاتا تو وہ دخول مسجد کے لئے تیمّم کرے کیونکہ ہمارے نزدیک ہر حال میں جنابت اسے دخول مسجد سے مانع ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ عامہ بلاد میں عامہ مساجد جماعات مسقف ہوتی ہیں اور چشمہ آب عادۃً صحن ہی میں ہوتا ہے اور کلماتِ فقہاء امورِ عادیہ غالبہ ہی پر مبتنی ہوتے ہیں، بہت نادر ہے کہ حصّہ اندرونی میں چشمہ آب ہو، تو انھوں نے صحن ہی میں جنب کو جانے پر یہ احکام فرمائے **فافهم وتبصر** (پس سمجھو اور غور کرو۔ت) ان کے سوا اور بہت وجوہ کثیرہ سے استنباط ممکن مگر بعد اُن دلائل قاہرہ کے جو ابتدًا زیر گوش سامعین ہوئے حاجتِ تطویل نہیں۔

عاشرا یا ہذا اُن براہینِ ساطعہ کے بعد صحن مسجد کا جزءِ مسجد ہونا اجلی بدیہیات تھا جس پر اصلًا تصریح کتب کی احتیاج نہ تھی بلکہ جو اسے مسجد نہیں مانتا وہی محتاج تصریح و قطعی تھا اور ہرگز نہ دکھاسکتا نہ کبھی دکھاسکے، تاہم فقیر نے بطور تبرع یہ چار استنباط بھی کلمات ائمہ سے ذکر کئے کہ یہ بدیہی مسئلہ اپنے غایت وضوح واشتہار کے باعث اس قبیل سے تھا جس پر خادمِ فقہ کو کتبِ ائمہ میں تصریح جزئیہ ملنے کی امید نہ ہوتی کہ ایسی روشن ومشہور باتوں پر فقہائے کرام کم توجہ فرماتے ہیں۔ مثلًا اگر کوئی اس امر کی تصریح کتابوں سے نکالنا چاہے کہ مسجد کے درجہ شتوی میں جسے اہل سورت جماعت خانہ کہتے ہیں تین درہیں بائیں طرف کا در بھی جزءِ مسجد ہے اور اس میں بھی جنب کو جانا ممنوع یا نہیں تو غالبًا ہرگز اس کا جزئیہ نہ پائے گا مگر بحمد اللہ تعالٰی جب فقیر یہاں تک لکھ چکا مسئلہ کا خاص جزئیہ کلمات علماء میں یاد آیا جس میں ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائی ہیں کہ مسجد کے صیفی وشتوی یعنی صحن ومسقف دونوں درجے یقینًا مسجد ہیں۔ اب سنئے [1]امام طاہر بن عبدالرشید بخاری فتاوٰی خلاصہ پھر [2]امام فخرالدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق پھر [3]امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین پھر [4]امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر پھر [5]علامہ عبدالرحمٰن بن محمد رومی مجمع الانہر شرح

[1] المبسوط للسرخسی باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

الملتقی الابحر پھر [6] علامہ سیّدی احمد مصری حاشیۂ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح پھر [7] خاتم المحققین سیدی محمد بن عابدین شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

واللفظ للخلاصة ولخزانة رجل انتهی الی الامام والناس فی الصلوة الفجر ان رجاان یدرك رکعة فی الجماعة یاتی برکعتی الفجر عند باب المسجد وان لم یمکن یاتی بهما فی المسجد الشتوی ان کان الامام فی الصیفی وان کان الامام فی الشتوی هو یاتی فی الصیفی وان کان المسجد واحدا یقف فی ناحیة المسجد الا یصلیهما مخالطا للصف مخالفا للجماعة فان فعل ذلك یکره اشد الکراهة اھ۔[1]	خلاصہ اور خزانہ کی عبارت یہ ہے: ایک آدمی مسجد میں پہنچا، امام اور لوگ نماز فجر ادا کررہے تھے اب اگر آنے والا شخص امید رکھتا ہے کہ اسے ایک رکعت جماعت کے ساتھ مل جائے گی تو وہ مسجد کے دروازہ کے پاس دو [2] سنّتیں ادا کرے، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو مسجد شتوی (یعنی سردیوں والے حصّہ) میں دو رکعات ادا کرے، جب امام صیفی مسجد (یعنی گرمیوں والے حصّہ) میں ہو اور اگر اس کا عکس ہو یعنی امام شتوی مسجد میں ہو تو یہ صیفی میں پڑھے۔ اگر مسجد واحد ہی ہو تو مسجد کے ایک گوشے میں ادا کرے اور ان دو [2] رکعتوں کی ادائیگی کے لئے صف کے متصل کھڑا نہ ہو کیونکہ یہ جماعت کی مخالف ہے۔ اگر ایسا کیا تو یہ شدید مکروہ ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله عندباب المسجد ای خارج المسجد کما صرح به القهستانی[2] الخ۔ **اقول:** ویو ضحه قول الهدایة و الهندیة یصلی رکعتی الفجر عند باب المسجد ثم یدخل۔[3]	ماتن کا قول "مسجد کے دروازے کے پاس" یعنی مسجد سے باہر، جیسے کہ قہستانی نے اس پر تصریح کی ہے الخ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہدایہ اور ہندیہ کے الفاظ نے واضح کردیا ہے کہ وہ فجر کی سنّتیں مسجد کے دروازے پر پڑھ کر مسجد میں داخل ہو۔ (ت)

امام ابوالبرکات [8] حافظ الدین نسفی کافی شرح میں فرماتے ہیں:

الافضل فی السنن المنزل ثم باب المسجد	سنّتوں کے لئے افضل مقام گھر ہے اور اگر امام مسجد

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصّلوٰۃ الجنس فی السنن مطبوعہ نوکشور لکھنؤ ۱/۶۱ و ۶۲

[2] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۶

[3] الھدایۃ باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۳۲

ان کان الامام یصلی فی المسجد ثم المسجد الخارج ان کان الامام یصلی فی الداخل او الداخل ان کان فی الخارج [1] اھ ملخصًا	میں جماعت کروارہا ہو تو مسجد کا دروازہ بہتر مقام ہے، اگر امام داخل مسجد میں جماعت کروارہا ہو تو پھر خارج مسجد اسی طرح امام خارج مسجد ہو تو سنتوں کے لئے داخل مسجد بہتر ہے اھ تلخیصًا (ت)

۹ محقق علّامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر ۱۰ علامہ سیّدی احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

السنۃ فی السنن انیاتی بھا فی بیتہ او عند باب المسجد وان لم یمکنہ ففی المسجد الخارج [2] الخ	سنّتوں کے لئے سنت یہ ہے کہ انھیں گھر میں ادا کرے یا مسجد کے دروازے کے پاس، اور اگر وہاں ممکن نہ ہو تو پھر صحنِ مسجد میں ادا کرے الخ (ت)

۱۱ منیہ وشرح ۱۲ صغیر منیہ للعلامہ ابراہیم الحلبی میں ہے:

(السنۃ) المؤکدۃ (فی سنۃ الفجر) ھو ان لایاتی بھا مخالطا للصف ولاخلف الصف من غیر حائل و (ان یاتی بھا) اما (فی بیتہ) وھو الافضل (او عند باب المسجد) ان امکن بان کان ھناك موضع لائق للصلاۃ (وان لم یمکنہ) ذلك (ففی المسجد الخارج) ان کانوا یصلون فی الداخل و بالعکس ان کان ھناك مسجد ان صیفی شتوی [3] اھ	(سنّت) مؤکدہ (فجر کی سنتوں میں) یہ ہے کہ انھیں صف کے متصل اور بغیر رکاوٹ کے صف کے پیچھے بھی ادا نہ کرے (انھیں بجالائے) یا (گھر میں) اور یہی افضل طریقہ ہے، یا (مسجد کے دروازے کے پاس) اگر ممکن ہو یعنی اگر وہاں نماز ادا کی جاسکتی ہو (اور اگر ممکن نہ ہو) یہ بات (تو پھر صحنِ مسجد میں) اگر لوگ داخل مسجد نماز ادا کررہے ہوں اور عکس کی صورت میں عکس ہوگا اگر وہاں دو مساجد صیفی اور شتوی ہیں اھ (ت)

امام محقق ۱۳ علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں اسی قول منیہ کے نیچے فرماتے ہیں، المسجد الخارج صحن المسجد [4] اھ (مسجد خارج سے مراد صحنِ مسجد ہے اھ۔ت)

---

[1] کافی شرح وافی

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۰۰

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی النوافل مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۲۰۴

[4] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی بحوالہ حلیہ امیر الحاج مع منیۃ المصلی فصل فی السنن مطبوعہ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۹۴

دیکھو اول کی سات کتابوں میں صیفی و شتوی دونوں کو مسجد فرمایا اور آٹھ سے گیارہ تک چار کتابوں میں انھیں مسجد داخل و مسجد خارج سے تعبیر کیا۔ صغیری نے ان عبارات شتی کا مصداق واحد ہونا ظاہر کردیا، اور حلیہ میں تصریح فرمادی کہ مسجد بیرونی صحنِ مسجد کا نام ہے، تو صاف واضح ہوگیا کہ صحنِ مسجد قطعًا مسجد ہے جسے علماء کبھی مسجد صیفی اور کبھی مسجد الخارج سے تعبیر فرماتے ہیں والحمدللہ علٰی وضوح الحق (حق کے واضح ہوجانے پر اللہ کی حمد ہے۔ت) ان نصوص صریحہ کے بعد اُن استنباطوں کی حاجت نہ تھی مگر کیا کیجئے کہ فقیر انھیں پہلے ذکر کرچکا تھا معہذا اُن کے ابقا میں طالبان علم وخادمانِ فقہ کی منفعت کہ اقوال علماء سے استنباطِ مسائل کا طریقہ دیکھیں وباللہ التوفیق اب کہ بحمداللہ کالشّمس علٰی نصف النہار واضح وآشکار ہوگیا کہ صحنِ مسجد بالیقین جزءِ مسجد ہے تو اس کے لئے تمام احکامِ مسجد آپ ہی ثابت، جن کا ثبوت صحن پر نمازیں پڑھے جائے خواہ کس شرط پر اصلاً موقوف نہیں کہ مسجد مذہب راجح پر واقف کے صرف اس کہنے سے کہ میں نے اس زمین کو مسجد کیا اور دوسرے مذہب پر ایک قول مصحح ظاہر الروایہ میں دو آدمیوں کی جماعت باذان واقامت بلکہ واقف کے سوا ایک ہی شخص کی اذان واقامت ونماز بر ہیئتِ جماعت اور ایک قول ظاہر الروایہ میں سوائے واقف ایک ہی آدمی کی منفردًا نماز پڑھ لینے سے بجمیع اجزاءہٖ مسجد ہو جاتی ہے تو ہر جزء میں جداگانہ نماز ہونے کی بالاجماع حاجت نہیں، مذہب اول پر تو خود ظاہر کہ مطلقًا نماز کی شرط ہی نہیں صرف قول کفایت کرتا ہے اور ثانی پر بھی واضح کہ منفرد کی نماز زیادہ دو شخصوں کی جماعت ہر پارہ مسجد کو شامل نہیں ہوسکتی کما لایخفی فوضح المقصود والحمدللہ العلی الودود (جیسا کہ واضح ہے تمام حمد اللہ تعالٰی کے لئے جو بلند اور محبت کرنے والا ہے۔ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے: یزول ملکه عن المسجد بقوله جعلته مسجدا عند الثانی (وفی الدرالمنتقی و قدم فی التنویر والدرر والوقایة وغیرها قول ابی یوسف وعلمت ارجحیته فی الوقف والقضاء اھ ش) و شرط محمد و الامام الصلٰوة فیه بجماعة (واشتراط الجماعة لانها المقصودة من المسجد، ولذا شرط ان تکون جهرا	اس کی ملکیت مسجد سے ان الفاظ سے زائل ہوجاتی ہے کہ میں نے اسے مسجد بنادیا ہے یہ ثانی امام (ابویوسف) کے نزدیک ہے (الدرالمنتقی میں ہے کہ تنویر، درر اور وقایہ وغیرہ میں قول ابویوسف کو مقدم ذکر کیا، اور آپ جانتے ہیں کہ ان کا قول وقف اور قضاء میں راجح ہے اھ ش) امام محمد اور امام صاحب نے اس میں جماعت کے ساتھ نماز کو بھی لازم و شرط قرار دیا ہے (جماعت کا شرط قرار دینا اس لئے ہے کہ مسجد سے مقصود ہی یہی ہے اسی لئے یہ شرط ہے

باذان واقامة والالم یصر مسجدا قال الزیلعی: وھذہ الروایة ھی الصحیحة وقال فی الفتح: ولو اتحد الامام والموذن وصلی فیه وحدہ صار مسجدا بالاتفاق لان الاداء علی ھذاالوجه کالجماعة. لکن لوصلی الواقف وحدہ فالصحیح انه لا یکفی اھ ش) وقیل: یکفی واحد و جعله فی الخانیة ظاھر الروایة (وعلیه امتون کالکنز و الملتقی وغیرھما وقد علمت تصحیح الاول و صححه فی الخانیة ایضًا وعلیه اقتصر فی کافی الحاکم فھو ظاھر الروایة ایض اھ ش)[1] (مختصرا) واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	کہ وہاں اذان واقامت بلند آواز سے ہوں ورنہ وہ مسجد قرار ہی نہ پائے گی۔ امام زیلعی کہتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے، اور کہا کہ فتح میں ہے کہ اگر امام اور مؤذن ایک ہی آدمی تھا اور اس نے وہاں تنہا نماز ادا کی تو وہ بالاتفاق مسجد ہی قرار دی جائے گی کیونکہ اس طریقہ پر ادائیگی جماعت ہی کی طرح ہے لیکن اگر وقف کرنے والے نے فقط نماز ادا کی تو صحیح یہی ہے کہ یہ کافی نہیں اھ ش) ایک قول یہ ہے کہ ایک آدمی کا نماز ادا کرلینا بھی کافی ہے اور اسے خانیہ نے ظاہر الروایہ قرار دیا ہے (اور متون میں یہی ہے جیسے کہ کنز، ملتقی وغیرہ، اور آپ اول کی تصحیح جان ہی چکے، اور اسی کو خانیہ نے صحیح کہا، اور حاکم نے کافی میں اسی پر اقتصار کیا، پس یہی ظاہر روایت ہے ایضًا اھ ش) مختصرًا۔ واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۱۷: از بری سال مرسلہ جان محمود ساکن چاند

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں ایک مسجد مدت سے قائم ہے اور وہ خود متولی ہے اور جمعہ کی نماز بھی ہمیشہ پڑھی جاتی ہے ابھی متولی مسجد نے ایک شخص کو کسی وجہ سے منع کیا کہ وہ اس مسجد میں نہ آئے جب اُس کو منع کیا تو وہ شخص اور چند مصلی مجتمع ہو کر دوسری جگہ پر ایک مسجد نئی بنا کرلی اس قدر فاصلہ پر ہے کہ اگر بلند آواز سے اذان کہے تو احتمال سنائی کی ہے، اس صورت میں دونوں مسجدوں میں جمعہ کی نماز جائز ہے یا ایک میں، اگر ایک میں ہے تو اوّل یا ثانی، اگر صورت، مذکورہ میں منع کرنا کسی مصلی کو شرعًا کوئی وجہ سے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بحوالة الکتاب توجروا یوم الحساب۔

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۵/۴

الجواب:

جو شخص موذی ہو کہ نمازیوں کو تکلیف دیتا ہے، برا بھلا کہتا ہے شریر ہے اُس سے اندیشہ رہتا ہے ایسے شخص کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے، اور اگر بد مذہب گمراہ مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا نیچری یا تفضیلی وغیرہا ہے اور مسجد میں آکر نمازیوں کو بہکاتا ہے اپنے مذہب ناپاک کی طرف بلاتا ہے تواسے منع کرنا اور مسجد میں نہ آنے دینا ضرور واجب ہے۔

فقد نص فی العینی ثم المختار وغیرهما من معتمدات الاسفار، باخراج کل موذ ولو بلسانه۔[1]	علامہ عینی نے تصریح کی ہے پھر درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے کہ ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے نکال دیا جائے خواہ اس کی اذیّت زبان سے ہو۔(ت)

یُونہی جس کے بدن میں بدبو ہو کہ اس سے نمازیوں کو ایذا ہو مثلاً معاذاللہ گنداد ہن یا گندا بغل یا جس نے خارش وغیرہ کے باعث گندھک ملی ہو اسے بھی مسجد میں نہ آنے دیا جائے لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلا یقربن مصلانا[2] (رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ وہ ہر گز ہماری نمازگاہ کے قریب نہ آئے۔(ت) اور بلاوجہ شرعی اپنی کسی رنجش دنیوی کے باعث مسجد سے کسی مسلمان کو روکنا سخت گناہ ہے۔

لقوله تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی میں کوشاں ہو۔(ت)

اور مسجد جبکہ نہ نیت خالصہ بنائی جائے تو پہلی مسجد کے کسی قدر قریب ہو کچھ حرج نہیں۔

لما فی الاشباہ والدر ان لاهل المحلة جعلوا المسجد الواحد مسجدین[4]	اشباہ اور در میں ہے کہ اہل محلّہ کے لئے جائز ہے کہ ایک مسجد کو وہ دو مساجد بنالیں۔(ت)

مگر جمعہ قائم کرنے کے لئے ضرور ہے کہ امام جمعہ وہ ہو جسے بادشاہِ اسلام نے امامِ جمعہ مقرر کیا یا وہ جسے اس نے اپنا نائب کیا اور یہ نہ ہو تو وہ جسے اہل اسلام جمع ہو کر امامِ جمعہ مقرر و معین کریں، ہر شخص جمعہ و عیدین کی امامت نہیں کر سکتا۔

---

[1] دُرمختار آخر باب مایفسد الصلوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[2] مجمع الزوائد کتاب الصلوۃ باب فیمن اکل ثوما الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/ ۱۷

[3] القرآن ۲/۱۱۴

[4] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۵، ۲۳۴، درمختار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

كما نصوا علیه معتمدات المذهب (جیسا کہ اس پر معتمدات مذہب نے تصریح کی ہے۔ت)

اس طرح کا امام اگر اس دوسری مسجد کو میسر ہوگا تو اس میں بھی جمعہ جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱۸تا۱۱۲۱: از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلّہ ڈیڈ روڈ مسئولہ کھتری عمر ابوبکر صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل ذیل میں:

(۱) صحن مسجد داخل مسجد ہے یا خارج مسجد ہے؟

(۲) اذان ثانی جمعہ جو صحن مسجد میں پڑھی جائے تو داخل مسجد قرار پائے گی یا نہ؟

(۳) کوئی شخص باوجود داخل مسجد ہونے کے صحن مسجد میں نماز پڑھے تو اُس کو مسجد کا پورا ثواب ملے گا یا کم؟

(۴) جنازہ مسجد میں یا صحن مسجد میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: صحنِ مسجد جزوِ مسجد ہے كما نص علیه فی الحلیة (جیسا کہ حلیہ میں اس پر تصریح ہے۔ت) اُس میں نماز مسجد ہی میں نماز ہے، پٹے ہوئے درجے کو مسجد شتوی کہتے ہیں یعنی موسم سرما کی مسجد اور صحن کو مسجد صیفی یعنی موسم گرما کی مسجد۔ اذان مسجد میں منع ہے، نہ دالان میں اجازت ہے نہ صحن میں۔ مسجد میں جنازے کے لئے اجازت نہیں ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) صحن کسی حکم میں مسجد سے جدا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۲: از پیلی بھیت محلّہ بھُورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ فصیل حوض خارج مسجد ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے، نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا، اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۳: از ترپول سولول ڈاک خانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک جگہ بستی میں بستی کے سارے مسلمان مل کرکے مسجد بنوایا لیکن زمین دوسرے آدمی کے نام سے، جس کے نام سے زمین ہے وہ دعوٰی کرتا ہے کہ وہ مسجد ہماری ہے ہم جس کو حکم دیں گے وہ نماز پڑھے گا اور ہم جس کو حکم دیں گے وہ امامت کرے گا۔ وہ جسے روک دیتا ہے اس مسجد میں اس کی نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اُس

مسجد کو کیا کہا جائے گا؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ [1] مساجد خاص اللہ کی ہیں۔ ان میں کسی کا کوئی دعوی نہ زمین والے کو نہ عملے والوں کا، اور بلاوجہ شرعی کسی سنی مسلمان کو مسجد سے منع کرنا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے،

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ [2]	اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجد کو روکے اُن میں اللہ کا نام لیا جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

مگر اُس کے منع کرنے سے نہ مسجد میں کوئی نقصان آئے گا نہ وہ جسے منع کیا اُسے مسجد میں نماز پڑھنا منع ہو جائے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲۴: از شہر رانچی قصاب محلّہ مرسلہ شیخ ولی محمد سوداگر چرسہ ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غیر مقلد وہابی جو تقلید کو بدعت کہے، ائمہ مجتہدین پر طعن کرے، ختم نبوت اور کرامات اولیا کا قائل نہ ہو۔ جناب ولی الاولیاء غوث الاعظم پر طعن کرے، انعقاد مجلس میلاد اور یارسول اللہ کہنے کو بدعت کہے، آمین بالجہر و رفع الیدین کرے وغیرہ وغیرہ، ایسے شخص کی اقتداء اور اس کی موانست و مکالمت صوم وصلوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟ ایسے عقیدہ والوں کو واسطے دفع فتنہ وفساد کے جو موجب اس کا خلاف عقیدت باہمی سے مسجد میں نہ آنے دینا جائز ہے یا نہیں؟ بحسبِ فرمانِ شرع شریف بحوالہ کتب ارشاد ہو۔

الجواب:

ایسا شخص کافر و مرتد ہے، اس کے مرتد ہونے کے لئے صرف انکار خاتمیت ہی کافی ہے۔ قال اللہ تعالٰی وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ [3] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اور لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔ ت) تتمۃ الفتاوٰی اور الاشباہ النظائر میں ہے:

ان لم یعرف ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات۔ [4]	اگر کوئی شخص یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخری نبی ہیں تو وہ مسلمان ہی نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن، ۷۲/ ۱۸

[2] القرآن، ۲/ ۱۱۴

[3] القرآن، ۳۳/ ۴۰

[4] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۶

تقلید کو بدعت کہنا، ائمہ مجتہدین پر طعن کرنا اور بے تقلید امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رفع یدین اور جہر سے آمین کہنا خباثات وعلاماتِ غیر مقلدی ہیں، اور کراماتِ اولیاء سے انکار اور حضور سیّد الاولیا پر طعن گمراہی و بد نصیبی، اور مجلس میلاد پاک اور یارسول اللہ کہنے کو بدعت کہنا شعار وہابیت ہے اور وہابی لوگ وغیر مقلدین زمانہ پر حکم کفر ہے جس کی تفصیل الکوکبۃ الشہابیۃ اور سل السیوف الھندیۃ اور حسام الحرمین سے روشن۔ شخص مذکور کے پیچھے نماز باطل محض ہے، اور اس سے مجالست و موانست حرام۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1]۔ وقال اللہ تعالٰی وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔(ت)

دفع فتنہ وفساد بقدرِ قدرت فرض ہے، اور مفسدوں موذیوں کو بشرطِ استطاعت مسجد سے روکا جائے گا۔

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری شریف میں ہے پھر درمختار میں ہے: **ویمنع منه کل موذ و لو بلسانه** [3]۔ (اور ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اگرچہ اس کی اذیت زبان سے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲۵: از دیرم گام ضلع احمد آباد گجرات جامع مسجد مرسلہ سیّد غلام محی الدین صاحب ۱۳رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیر مگام گجرات میں جو عیدگاہ ہے اُس پر چند لوگ جن کا چار پانچ نفر سے زیادہ عدد نہیں خود بخود بلا اجازت بانیِ مسجد وبلا اجازت مسلمانان شہر ایسے قابض ومتصرف ہوگئے ہیں کہ گویا وہ مالک ہی ہیں، چنانچہ علی الاعلان اس امر کا اظہار کرتے رہتے ہیں کہ اس مسجد میں سوائے ہمارے دوسرے کا حق نہیں جس کو ہم چاہیں گے امام بنائیں گے، اور امام جو بناتے ہیں تو ایسا کہ جس کے پیچھے نماز پڑھنے میں تمام مسلمانانِ شہر اور اہل علم حضرات کراہت کرتے ہیں اور یہ کراہت شرعی ہوئی نہ مخالفت ذاتی پر قابضین کی قلیل جماعت کے عقائد کی یہ کیفیت ہے کہ نکاح ثانی کو حرام قطعی سمجھتے ہیں، اور مسجد پر تصرفات میں سے یہ بھی ہے کہ اہل شہر کے ساتھ نماز پڑھنے میں مزاحمت کرتے ہیں، آیا اہل شہر کو اس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری عیدگاہ قرار دیکر اہل شہر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۶/۶۸

[2] القرآن ۱۱/۱۱۳

[3] درمختار آخر باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

الجواب:

اہل شہر کو اُس مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے، اور اُن لوگوں کو مزاحمت کا کوئی حق نہیں، اگر وُہ مانع آئیں گے سخت ظالم ہوں گے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ کی مساجد میں اللہ کے نام کے ذکر سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور ایسا امام کہ وہ مقرر کریں معتبر نہ ہوگا، امام وہی مانا جائے گا جسے عام مسلمانان شہر حسب شرائط شرعیہ مقرر کریں گے، اس کے سوا وہ امام جسے وہ پانچ چھ برخلافِ شہر مقرر کریں نماز عید باطل محض ہوگی، اہل شہر اگر کسی وجہ سے اس عیدگاہ میں نماز نہ پڑھ سکیں دوسری جگہ پڑھیں اگرچہ کسی میدان میں کہ عیدگاہ میں، عمارت کی حاجت نہیں، اور اگر دوسری عیدگاہ ہی تعمیر کرنی مناسب ہو تو انھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۶: از مراد آباد مرسلہ مولوی عبدالباری ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر امام بعد فراغت نماز جمعہ کے مقتدیوں کو اپنے پیچھے قطعی نماز نہ پڑھنے دے اور خود اذکار وغیرہ سے مشغول رہے اور مصلّی سے لے کر مسجد کے دروازے تک سیدھ میں کوئی نمازی نماز نہ پڑھنے پائے بلکہ اگر کسی نے نیّت بھی باندھ لی تو وہ نیت جبراً تڑوادے اس لئے کہ اس کے نکلنے میں حرج ہوگا کیونکہ اس کی عادت ہے بعد فراغت جمعہ بہت دیر کے بعد وہ اپنے حجرہ میں جاتا ہے، تو اتنی دیر تک کوئی مصلی اس کے محاذ اور عقب میں نماز نہ پڑھے، اگر کسی ناواقف نے ایسا کر بھی لیا تو اس پر نہایت تشدد کرتا ہے، یہ کہاں تک روا ہے؟

الجواب:

اللہ عزّوجل فرماتا ہے: وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ [2]۔ مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں، اُن میں کسی کا ذاتی دعوی نہیں پہنچتا۔ اور فرماتا ہے: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ [3]۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں نامِ الٰہی لیئے جانے سے روکے، یہ سب ظلمِ شدید ہے اور بندھی ہوئی

---

[1] القرآن ۲/۱۱۴

[2] القرآن ۷۲/۱۸

[3] القرآن ۲/۱۱۴

نیت تڑوادینا اشد ظلم، وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ[1] (اور اپنے اعمال باطل نہ کرو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۷: از شہر کہنہ محلّہ بخار پورہ مسئولہ عبدالرحمان بیگ صاحب ۵صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جو قدیمی تعمیر کردہ اہلسنت وجماعت کی ہے اور زمانہ قدیم سے آج تک مسجد مذکورہ پر قبضہ بھی اہلسنت والجماعت کا، ایسی مسجد میں شیعہ وسُنّی ہر دو فریق کا باہم نماز پڑھنا اور اذان واقامت بھی ہر دو فریق کی ہونا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اہل سنّت کی مسجد میں روافض کا کوئی حق نہیں، اہل سنت کی معتمد کتابوں خلاصہ وفتح القدیر وعلمگیری وتنویر الابصار ودرمختار میں تصریح ہے کہ روافض کافر ہیں اور کافر کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔ عبارت یہ ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنھما والعیاذ باللہ تعالٰی، فھو کافر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	رافضی جب شیخین کریمین کو گالی دے یا ان پر لعنت کرے (والعیاذ باللہ تعالٰی) تو وہ کافر ہوگا(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۸: از ملک بنگالہ قصبہ گوری پور ضلع میمن سنگھ مرسلہ میاں عبدالجلیل ۱۸ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بڑا فتان ومفسد ہے، جماعت المسلمین بوجہ اس کے افتراق ہوگیا ہے، لوگ دُوسری مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اور وہ مفسد امام اس قوم باغین کا ہے اور یہ بغاوت دینی نہیں بلکہ محض نفسانیت ہے اس صورت میں اس مسجد کہنہ کو مسجد ضرار کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مسجد کُہنہ اُن کے جانے اور نماز پڑھنے پڑھانے سے مسجدِ ضرار نہیں ہوسکتی ضرار وہ مسجد ہے جو ابتداء افساد فی الدین وتفریق بین المومنین کے لئے بنائی گئی ہو۔

قال تعالٰی "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" الی قولہ تعالٰی "اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ لوگ جنھوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو، اور کفر کے سبب، اور مسلمانوں مین تفرقہ ڈالنے کو" (اللہ تعالٰی کے اس قول تک) "

---

[1] القرآن ۴۷/ ۳۳

[2] خلاصۃ الفتوٰی کتاب الفاظ الکفر مطبوعہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

جُرُفٍ هَارٍ [1] الایۃ	یا وہ جس نے اپنی نیو چُنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے "الآیۃ (ت)

تعمیر شدہ مسجد میں مفسدین کا جانا خواہ ان کا قبضہ و تسلط ہو جانا اُسے مسجد ضرار نہیں کر سکتا، جیسے واقعہ حرہ میں لشکریان یزید یا حادثہ نجد میں بتعان نجدی بلید کا مساجد طیبہ حرمین محترمین میں مفسدانہ دخل، والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲۹: از گوہالباڑی ضلع مالوہ انگریزآباد ڈاکخانہ بھولاہاٹ مرسلہ شیخ غریب اللہ صاحب ۴ رجب ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں مسلمانان ہم قوم ہم مذہب قریب دو اڑھائی سو گھر کے رہتے ہیں اور ایک مسجد پختہ عرصہ دس بارہ برس سے کہ بنوائی ہوئی انھیں مسلمانان کی ہے اور ایک دل ایک رائے ہو کر اسی مسجد میں نماز پنجگانہ جمیع مسلمانان باشندہ بستی مذکورہ ادا کرتے ہیں اتفاق وقت کہ بعد چند سال کے دو مسلمان رئیس میں جو رہنے والے اسی بستی کے ہیں جھگڑا و تکرار دنیاوی در بارہ زمین خواہ کسی امر دنیاوی کے برپا ہوا اور ہنوز ہے یا نہیں ہے کہ منجملہ دو کے ایک نے بلاسبب اپنے زور نفسانی وضد میں آکر چالیس پچاس گھر مسلمانوں کو شامل اپنے لے کر اُس مسجد مذکورہ سے روگرداں ہوا اور ہو کر ایک مسجد گیاہی جسے پھوس کہتے ہیں اپنے مکان کے قریب تعمیر کرا کر نماز پنجگانہ مع ہمراہیان خود ادا کرتا ہے تو کیا رہتے ہوئے مسجد پختہ کے کہ مسجد ہذا سے مسجد گیا اندازی دو سو قدم پر واقع ہے اور ان دونوں کے راستہ درمیان کسی طرح کا خوف جان ومال کا نہیں ہے نماز پنج وقتی مسجد گیاہ میں ادا ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواز ولاجواز سے جہاں تک تعجیل فرما کر ممتاز فرمایا جائے گا عین نوازش واکرام ہے اور ان دونوں رئیسوں کا بلکہ سائر مسلمانان کا فیصلہ ہے مکرر آنکہ اُن لوگوں نے جتنے روز تک اُس مسجد گیاہ میں جان بوجھ کر نماز پڑھی تو اُن سبھوں کی نماز ہوئی یا نہیں، اور بصورت نکلنے حکم جواز آمنّا صدقنا و بصورت نکلنے ناجواز ان مسلمانوں روگردانوں پر ازروئے شرع شریف کے کیا لازم آسکتا ہے اور ان لوگوں کو جماعت میں پھوٹ ڈالنے والا کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے پر کیا حکم مطابق شرع کے جاری کیا جائے گا اور وہ لوگ کیا کہے جاسکتے ہیں؟ آگاہ فرمایا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جتنی نمازیں ان لوگوں نے اس نئی مسجد میں پڑھیں ان کی صحت اور ان سے ادائے فرض میں تو اصلاً شبہہ نہیں اگرچہ یہ مسجد انھوں نے کسی نیت سے بنائی ہو،

[1] القرآن ۹/۱۰۷و۱۰۸و۱۰۹

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجد اوطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلٰوۃ فلیصل[1]۔	کیونکہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: میری خاطر ساری زمین مسجد اور پاک کردی گئی ہے، میرا امتی جہاں نماز کا وقت پائے وہاں ہی ادا کرلے (ت)

ہاں یہ کہ وہ مسجد شرعًا مسجد ہوئی یا نہیں، اور اس میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں اور یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے ہوئے یا نہیں۔ یہ امور اُن لوگوں کی نیت پر موقوف ہیں، اگر یہ مسجد انھوں نے بغرض نماز خالص اللہ عزوجل ہی کے لئے بنائی اگرچہ اس پر باعث باہمی رنجش ہوئی کہ بسبب رنج ایک جگہ جمع ہونا مناسب نہ جانا اور نماز بمسجد ادا کرنی نہ چاہی، للذا یہ مسجد بہ نیت بجاآوری نماز ہی بنائی تو اس کے مسجد ہونے اور اس میں نماز جائز وثواب ہونے میں کوئی شبہ نہیں لانہ وقف صدر عن اھلہ فی محلہ علی وجھہ (کیونکہ یہ وقف ہے اہل وقف سے محلِ وقف میں طریق کے بمطابق وقف ہوئی ہے۔ت) اور اس نیت کی حالت میں یہ لوگ جماعت میں پھوٹ ڈالنے والے بھی نہیں ٹھہر سکتے کہ اُن کا مقصود اپنی نماز باجماعت ادا کرنا ہے، نہ دوسروں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنا، یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اہل محلّہ کو جائز ہے کہ بغرضِ نماز ایک مسجد کی دو مسجدیں کرلیں۔ درمختار میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجدین واحد او عکسہ لصلوۃ لا لدرس او ذکر[2]۔	اہل محلّہ دو مساجد کو ایک یا اس کا عکس کرسکتے ہیں مگر نماز کے لئے، درس یا ذکر کے لئے ایسا نہیں کرسکتے (ت)

اشباہ میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجد الواحد مسجدین والاولی ان یکون لکل طائفۃ مؤذن[3]۔	اہل محلّہ ایک مسجد کو دو مساجد بناسکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ہر گروہ کے لئے الگ مؤذن ہو۔ (ت)

اور اگر یہ نیت نہ تھی مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ اس سے مقصود اگلی مسجد کو ضرر پہنچانا اور اس کی جماعت کا متفرق کردینا تھا تو بیشک یہ مسجد نہ ہوئی، نہ اس میں نماز کی اجازت بلکہ نہ اس کے قائم رکھنے کی اجازت، اور اس صورت میں یہ لوگ ضرور تفریق جماعت مومنین کے وبال میں مبتلا ہوئے کہ حرام قطعی وگناہ عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور وہ لوگ جنھوں نے مسجد

[1] صحیح البخاری، کتاب الصلٰوۃ، باب قول النبی جعلت لی الارض مسجدا الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۲

[2] درمختار آخر باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۴

[3] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۲۳۴/ ۲۳۵

ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ[1] الاٰیۃ	نقصان کا ذریعہ، کفر اور مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔(ت)

مگر نیت امر باطن ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام و کبیرہ، اور ہرگز مسلمان سے متوقع نہیں کہ اس نے ایسی فاسد ملعون نیت سے مسجد بنائی۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾[2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: نہ پیچھے لگ اس چیز کے جس کا تجھے علم نہیں کیونکہ سمع، بصر اور دل ہر ایک کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔(ت)

تو بے ثبوت کافی شرعی ہرگز اس بُری نیت کا گمان کرنا جائز نہیں بلکہ اسی پہلی نیت پر محمول کریں گے اور مسجد کو مسجد اور اس میں نماز کو جائز ثواب اور اس کی آبادی کو بھی ضرور سمجھیں گے۔

مسئلہ ۱۱۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد صغیر و کبیر میں کیا فرق ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور اس کے ذریعے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ت) تحقیق یہ ہے کہ علمائے کرام ۱۱ مسئلوں میں مسجد صغیر و کبیر میں فرماتے ہیں: ایک مسئلہ صحت اقتدا و اتصال صفوف کہ مسجد بقعہ واحدہ ہے اس میں امام و مقتدی کا فصل مانع صحت اقتدا نہیں اگرچہ امام محراب میں اور مقتدی یا صف قریب باب ہو مگر مسجد کبیر میں حکم مثل صحرا ہے کہ اگر امام و صف میں اتنا فاصلہ ہو جس میں دو صفیں ہو سکتیں تو اقتدا صحیح نہ ہوگی۔ دوسرے مسئلہ اثم مرور پیش مصلی کہ مسجد میں دیوار قبلہ تک جائز نہیں جب تک بیچ میں حائل نہ ہو ہاں مسجد کبیر مثل صحرا ہے کہ مصلی جب خاشعین کی سی نماز پڑھے کہ نگاہ موضع سجود پر جمائے رہے تو اس حالت میں جہاں تک اس کی نظر پہنچے کہ نظر کا قاعدہ ہے جہاں جمائی جائے اس سے کچھ آگے بڑھتی ہے وہاں تک گزرنا ممنوع و ناجائز ہے اس سے آگے روا، ان دونوں مسئلوں میں مسجد کبیر سے ایک ہی مراد ہے یعنی نہایت درجہ عظیم و وسیع مسجد جیسی جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر تھی یا جامع قدس شریف کہ تین مسجدوں کا مجموعہ ہے، باقی عام مساجد جس طرح عامہ بلاد میں ہوتی ہیں سب ان دونوں حکموں میں متحد ہیں اگرچہ طول و عرض میں سو سو گز ہوں،

---

[1] القرآن ۹/۱۰۷

[2] القرآن ۱۷/۳۶

امام وقع فی القهستانیة عند ذکر المسجد الصغیر، هواقل من ستین ذراعاً، وقیل من اربعین وهو المختار، کمااشارالیه فی الجواهر [1] وفی الطحطاوی قوله اوبمسجد کبیر هو ماکان اربعین ذراعافاکثر و الصغیر ماکان اقل من ذلك وهو المختار قهستانی عن الجواهو [2] وفی الشامیة [3]۔ بمثله بالسند المذکور فرأیتنی کتبت علیه فیما علقت علی رد المحتار مانصه

اقول: وبالله التوفیق یظهرلی ان هذاخطاء بل الحاصل ههنا فی الصغیر والکبیر ماتقدم فی الکتاب (اعنی ردالمحتار عن الامداد) فی مسئلة الفصل ا لمانع عن الاقتداء انه لایمنع الافی مسجد کبیر جدا کمسجد القدس وذلك لانهم عللو کراهة المرور بین یدیه فی المسجد الصغیر الی جدار القبلة بان المسجد بقعة واحة کما فی شرح الوقایة وفی شرحنا هذاوقد ذکر محشینا فی تقریره مسألة الفصل لمانع فقال بخلاف المسجد الکبیر فانه جعل فیه مانعا الخ فانظر ای کبیر ذٰلك ماهو الا الکبیر جدا

قہستانیہ میں مسجد صغیر کے تذکرہ میں جو ہے کہ وہ ساٹھ گز سے کم ہوتی ہے بعض کے نزدیک چالیس گز، یہی مختار ہے۔ اسی کی طرف جواہر میں اشارہ ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ اس کا قول "یا مسجد کبیر جو چالیس گز یا اس سے زائد ہو اور صغیر وہ ہے جو اس سے چھوٹی ہو، یہی مختا ہے"۔ قہستانی عن الجواہر اور شامیہ میں سند مذکور کے ساتھ اسی طرح ہے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ردالمختار کے حاشیہ میں لکھا،

اقول: (میں کہتا ہو) اللہ کی توفیق سے مجھ پر یہ واضح ہوا کہ یہ خطاو غلط ہے بلکہ صغیر و کبیر مسجد میں حاصل وہی چیز ہے جو کتاب (یعنی ردالمختار میں امداد کے حوالے سے) اس فصل کے تحت گزرا جو "اقتدا سے مانع کے بیان" میں ہے اس مسجد میں مانع ہے جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً مسجد قدس کیونکہ فقہاء نے مسجد صغیر میں قبلہ کی جانب نمازی کے آگے سے گزرنے سے منع پر جو علت بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد ایک ہی ٹکڑا کی طرح ہے جیسا کہ شرح الوقایہ اور ہماری اس شرح میں ہے اور ہمارے محشّی نے فاصل مانع کو بیان کرتے ہوئے کہا بخلاف مسجد کبیر کے، کیونکہ اس میں مانع بنایا گیا ہے الخ غور کرو بڑی کونسی مسجد ہے وہ وہی ہوگی جو بہت ہی بڑی ہو مثلاً

---

[1] جامع الرموز فصل مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۰۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۶۸

[3] ردالمحتار باب یفسد الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۳۴

كمسجد القدس ، وما ذكر القهستانی عن الجواهر فانما كان فی الدار فی مسئلة الفصل لافی المسجد كما مرت عبارة الجواهر (حيث قال العلامة المحشی[1] فی القهستانی ف: البيت كالصحراء والاصح انه كالمسجد، ولهذا يجوز الاقتداء فيه بلا اتصال الصفوف كما فی المنية اھ ولم يذكر حكم الدارفليراجع، لكن ظاهر التقييد بالصحراء والمسجد لكبير جداان الدار كالبيت تامل ، ثم رأيت فی حاشية المدنی عن جواهر الفتاوی ان قاضی خاں سئل عن ذلك فقال، اختلفوا فيه، فقدره بعضهم بستين ذراعاوبعضهم قال ان كانت اربعين ذراعافهی كبيرة والا فصغيرة، هذاهوالمختار اھ وحاصله ان الدار الكبيرة كالصحراء والصغيرة كالمسجد، وان المختار فی تقدير الكبيرة اربعون ذراعا[2] **اقول:** وبهذا تلتئم كلماتهم وﷲالحمد۔ فان منهم من قيد هذه المسئلة با لمسجد الصغير كمتنا هذا و

مسجد قدس جو کچھ قہستانی نے جواہر سے نقل کیا ہے وہ گھر میں مسئلہ فصل کے بارے میں ہے نہ کہ مسجد کے بارے میں ، جیسے کہ عبارت جواہر سے گزرا (کیونکہ اسکے الفاظ یہ ہیں کہ علامہ محشی نے قہستانی میں کہا کہ گھر کھلے میدان کی طرح ہے اور اصح یہ ہے کہ بیت، مسجد کی طرح ہوتا ہے اسی لئے اس میں بلا اتصال صفوف بھی اقتدا جائز ہوتی ہے جیسا کہ منیہ میں ہے اھ اور دار کا حکم بیان نہیں کیا، چاہیے کہ غور کیا جائے لیکن ظاہراً صحرا یا مسجد کبیر کو بہت بڑا اقرار دینا آگاہ کررہا ہے کہ دار کا حکم گھر والا ہے تامل ، پھر میں نے حاشیہ مدنی میں جواہر الفتاوٰی سے دیکھا کہ قاضی خاں سے اس بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا اس میں اختلاف ہے بعض نے ساٹھ گز کہا ہے بعض نے کہا کہ اگر چالیس گز ہو تو بڑی مسجد ورنہ چھوٹی، اور یہی مختار ہے اھ حاصل یہ ہے کہ بڑی دار صحرا کی طرح اور چھوٹی دار مسجد کی طرح ہے اگرچہ مختار بڑی مسجد کیلئے چالیس گز ہوناہی ہو۔

اقول: اس سے فقہاء کی تمام عبارات میں تطبیق ہوگئی وﷲالحمد، کیونکہ بعض نے اس مسئلہ کو مسجد صغیر کے ساتھ مقید کیا ہے جیسے کہ ہمارے

[1] جدالممتار علی ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ الخ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/۳۰۰و۳۰۱

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۸۵

ف: اعلیحضرت نے یہاں سے اقول تک شامی کی عبارت نقل کی ہے پھر اقول وبھذا تلتئم سے آخر تک اعلیحضرت کا اپنا حاشیہ ہے۔ نذیر احمد

الغرر و النقاية والكافی والبرجندی عن المنصورية عن الامام قاضی خاں وظهيرالدين المرغينانی، ومنهم من اطلق كالخلاصة و جوامع الفقه كما فی الفتح و المراد واحد فان الصغير احتراز عن الكبير جدا، فعامة المساجد فی حكم الصغير فساغ الاطلاق لمن اطلق بل اوضحه جدا كلام العلامة الشلبی علی التبيين عن الدراية عن شيخ الاسلام ان هذا اعتبار موضع السجود اذاكان فی الصحراء اوفی الجامع الذی له حكم الصحراء امافی المسجد فالحد هوالمسجد اھ فانظر كيف اطلق المسجد واراد به مقابل ذلك الكبير جدا، وايضا تلتئم كلمات الذخيرة فانه ذكر فی الفصل الرابع من كتاب الصلوٰة فی مسئله المرور الاصح ان بقاء المسجد فی ذلك كله علی السواء الخ ۔ واستشهد عليه بكلام محمد المطلق فی المساجد، غيرالمختص قطعًا بمادون اربعين، ثم اعاد المسئلة فی الفصل التاسع فقال ان كان المسجد صغيرا يكره فی ای موضع يمر و الی هذا اشار محمد فی الاصل فذكر ذلك لكلام لمحمد بعينه فعلم ولله الحمد ان المراد بالمطلق والمقيد واحد وهی المساجد كلها سوی ما يمنع فيه الفصل بصفين الاقتداء ولاينافيه اطلاق من اطلق و قال انما يأثم بالمرور فی موضع السجود كفخر الاسلام وصاحب الهداية والوقاية وغيرهم و ذلك لان المساجد

اس متن وغرر، نقایہ، بحر، کافی، اور برجندی میں منصوریہ سے قاضی خاں اور ظہیر الدین مرغینانی کے حوالے سے کہا اور بعض نے اس کو مطلق رکھا مثلاً خلاصہ اور جامع الفقہ، جیسا کہ فتح میں ہے اور مراد ایک ہی ہے کیونکہ صغیر ایسی کبیر سے احتراز ہے جو بہت ہی بڑی ہو تو اکثر مساجد صغیر کا حکم رکھتی ہیں تو جس نے مطلق رکھا اس کا اطلاق جائز ہوگیا بلکہ علامہ الشلبی نے تبیین پر درایہ سے شیخ الاسلام کے حوالے سے خوب واضح کیا ہے کہ موضع سجدہ کا اعتبار تب ہوتا ہے جب صحرا ہو یا ایسی جامع مسجد ہو جو حکم صحرا رکھتی ہو رہا دیگر مسجد کا معاملہ تو وہاں یہ حدِ مسجد ہی ہے اھ آپ غور کریں انھوں نے مسجد کو مطلق رکھا اور اس سے مراد ایسی مسجد لی جو بہت ہی بڑی کے مقابل ہو، اور کلماتِ ذخیرہ بھی جمع ہوگئے کیونکہ انھوں نے کتاب الصلوٰۃ کی فصل رابع میں نمازی کے آگے سے گزرنے کا مسئلہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ اصح یہ ہے کہ مسجد کے تمام مقامات اس میں برابر ہیں الخ اور اس پر استشہاد امام محمد کے کلام سے کیا جو مساجد کے معاملہ میں مطلق ہے اور چالیس گز سے کم مسجد کے ساتھ ہر گز مخصوص نہیں، پھر نویں فصل میں دہرایا اور کہا اگر مسجد چھوٹی ہو تو ہر جگہ سے گزرنا مکروہ ہے اور اسی کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا اور امام محمد کی عبارت بعینہٖ نقل کی، للہ الحمد اس سے واضح ہوگیا کہ یہاں مطلق اور مقید دونوں سے مراد ایک ہی ہے اور تمام مساجد کا معاملہ مساوی ہے سوا ان کے جن میں دو صفوں کا فاصلہ اقتداء کے لئے مانع ہے اور مطلق کہنے والے کا اطلاق جس نے یوں کہا ہے

كبقعة واحدة فالى جدار القبلة كله موضع السجود كما قاله فى شرح الوقاية بل اشار اليه محمد فى الاصل كما فى الذخيرة فتحصل ولله الحمد ان لاخلاف بينهم وان الممنوع فى المسجد المرور مطلقا الى جدار القبلة و فى الجامع الكبير جدا والصحراء الى موضع نظر المصلى الخاشع وبه ظهر ان بحث المحقق فى الفتح وقع مخالفا للمذهب لما اطبقوا عليه فاغتنمه فان هذا التحرير من فيض القدير فاغتنمه فان هذاا تحرير من فيض القدير على العاجز الفقير ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه [1] اھ ما كتبت عليه والله تعالیٰ اعلم	کہ نمازی کے آگے سے جائے سجدہ پر گزرنے والا گنہگار ہوگا، اس کا یہ اطلاق فخر الاسلام، صاحبِ ہدایہ اور وقاریہ وغیرہ کے منافی نہیں ہے، یہ اس لئے کہ مساجد ایک ٹکڑا کی مانند ہوتی ہیں پس وہ قبلہ کی دیوار تک تمام کی تمام موضع سجدہ کا حکم رکھتی ہیں جیسا کہ شرح وقایہ میں ہے بلکہ اس کی طرف امام محمد نے اصل میں اشارہ فرمایا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے للہ الحمد واضح ہوگیا کہ ان کے درمیان اختلاف نہیں اور گزرنا مسجد میں دیوار قبلہ تک مطلقاً ممنوع ہے، اور بہت بڑی جامع مسجد ہو یا صحرا ہو تو پھر خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے نمازی کی نظر کے پھیلاؤ تک آگے سے گزرنا ممنوع ہے ،اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فتح میں محقق کی بحث مذہب متعلق علیہ کے خلاف ہے۔ اس تقریر کو غنیمت جان لو کیونکہ اس عاجز فقیر پر رب قدیر کا عطیہ ہے ،اللہ ہی کے لئے حمد کثیر مبارک اور طیب ہے، وہ ختم ہوا جو میں نے وہاں لکھا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳۱: از شہر محلّہ جسولی مسئولہ مولوی غلام جان پنجابی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۶ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے دس برس ہوئے مسجد کے پیچھے جو زید کا مکان مسجد کے متصل بلاخلا تھا اور مسجد کی بنا سے اس کی بنا جداگانہ تھی اور زمین بھی زید کی اپنی موروثی تھی اُس مکان پر زید نے ایک بالاخانہ بنایا اور زید کے نیچے مکان کا چھت مسجد کی چھت کے برابر ہے صرف بالاخانہ مسجد سے اونچا ہے بلکہ بالاخانہ مسجد کے برابر بھی نہیں ہے مسجد کے بائیں جانب طالب علم کے حجرے کے برابر ہے، ہاں کچھ تھوڑا سا کونا بالاخانے کا مسجد کے کونے کے برابر ہے لیکن زید بالاخانہ بنانے کے بعد دل میں نادم ہوا، اور چونکہ روپیہ خرچ ہو چکا تھا اس وجہ سے اس نے بالاخانے کو اکھیڑا نہیں لیکن مسجد کی عزت کی وجہ سے زید مع آل وعیال بالاخانہ میں نہیں رہتا نیچے مکان میں رہتا ہے اب اس بالاخانے کو اکھیڑنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مسجد کی کسی چیز میں تصرف نہ ہو تو اس کا اکھیڑنا کچھ ضرور نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

[1] جد الممتار علیٰ رد المحتار باب یفسد الصلوٰۃ الخ المجمع الاسلامی بیروت ۲/ ۳۰۱-۰۲

مسئلہ ۱۱۳۲: از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ محمد عبدالحکیم بیڑی مرچنٹ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد قبل سے ہے اور نماز پنجگانہ ہوا کرتی ہے اور متولی مسجد کا سہ منزلہ مکان مسجد کے متصل ہے بعد انتقال متولی کے لوگوں نے مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور عزر یہ ہے کہ جس مسجد کے قریب کوئی اونچی عمارت ہو اس مسجد میں نماز نہیں جائز ہے، لہٰذا لوگوں نے دوسری مسجد متصل پہلی مسجد کے پندرہ قدم کے فاصلہ میں بناتے ہیں اور منع کرنے سے نہیں مانتے حالانکہ اس مسجد کے بنانے سے سابق مسجد کے ویران ہونے کا احتمال ہے لہٰذا حکم خدا اور رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا ہے؟

الجواب:

یہ محض جاہلانہ باطل خیال ہے شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، کعبہ معظّمہ کے گرد مکہ مکرمہ میں بہت بلند بلند کئی کئی منزل کے مکان ہیں کہ بظاہر کعبہ معظّمہ سے اونچے معلوم ہوتے ہیں حالانکہ نہ کوئی مکان کعبہ معظّمہ سے اونچا ہو سکتا ہے نہ کسی مسجد سے، کعبہ و مسجد ان ظاہری دیواروں کا نام نہیں بلکہ اتنی جگہ کے محاذی ساتوں آسمان تک سب مسجد ہے اس سے اونچا کیا اُس کے کروڑویں حصے برابر کوئی مکان بلند نہیں ہو سکتا اگرچہ سو منزلہ ہو، درمختار میں ہے: **انه مسجد الی عنان السماء** [1]۔ (یہ آسمان تک مسجد ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذا الی تحت الثرٰی کما فی البیری عن الاسبیجابی [2]۔	اور اسی طرح تحت الثرٰی تک، جیسا کہ بیری میں اسبیجابی سے ہے۔ت)

اس بیہودہ خیال کی بناپر دوسری مسجد پندرہ بیس قدم کے فاصلہ پر بنانا جس سے پہلی مسجد کی جماعت کو نقصان پہنچے خود ہی ممنوع تھا، ایک تو وہ خیال باطل، دوسرے جماعت میں تفریق کہ مسجد ضرار کے اغراض فاسدہ سے ایک غرض ہے۔ **قال تعالٰی وَتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ت) یہاں تک کہ اس سے مقصود مسجد اوّل کا باطل و معطل کر دینا ہے یہ سخت حرام اشد ظلم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون، جو اللہ تعالٰی کی مساجد سے اس کے نام کے ذکر کو روکتا ہے اور انھیں خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳۲: از موضع بیرا ڈاکخانہ سٹراگنج ضلع ڈھاکہ ملک بنگال مرسلہ مولوی خواجہ شمس الدین محمد فریدی ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار باب مطب فی احکام المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۵۶

[3] القرآن، ۹/۱۰۷

[4] القرآن، ۲/۱۱۴

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطراف ضلع فرید پور ضلع کھون-ڈامیں قدیم سے ایک مسجد ہے جس میں اہل محلّہ پنجگانہ نماز جمعہ پڑھتے چلے آئے ہیں ان دنوں دنیاوی کسی لین دین کے جھگڑے میں بعض مصلی وغیر مصلی اس مسجد قدیم کے مقابل چار پانچ سو ہاتھ کے فاصلہ میں محض ضد و مخالف سے دوسری ایک مسجد بنائی ہے اور اس مسجد قدیم کے باقی مصلی صاحبوں کو یہاں سے بھگا کرلے جانے کی پوری کوشش کررہاہے تاکہ یہ مسجد ویران ہوجائے اور یہاں پڑھنے والے لوگ اچھی طرح سے ضبط ہوجائیں، مسجد قدیم میں امام و متولی صاحب و دیگر مصلی صاحبان کبھی کسی کو پڑھنے سے مانع مزاحم نہ ہوا، اور نہ اس لین دین کے جھگڑے میں شامل ہے تاہم چند قدیمی مصلی صاحبوں کو بوجہ عداوت مخالفت یہاں سے بھگالے گیاہے، پس اس صورت میں مسجد جدید میں نماز جائز ہوگی یا حکم میں مسجد ضرار کے ہوگا؟ اگر شرعًا مسجد ضرار قرار پائے بوجہ مخالفت وعداوت و تفریق جماعت تو اس مسجد کو کیا کرنا ہوگا؟ اگر شرعًا مسجد جدید ضرار ثابت ہوجائے تو جن مولوی صاحبان نے جدید مسجد نماز عدمِ جواز و مسجدِ ضرار فرمایا تھا ان عالمو کو گالی دینے و برا کہنے و عداوت رکھنے، حقیر جاننے والے پر شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر واقع میں ایسا ہی ہے کہ یہ لوگ یہ مسجد اللہ کے لئے نہیں بناتے محض ضد اور نفسانیت اور مسجد قدیم کی جماعت متفرق کرنے کے لیئے بناتے ہیں تو ضرور وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے اور اس حالت میں ان لوگوں کو جو اسے مسجد ضرار کہتے ہیں برا کہنا اور گالی دینا سخت حرام اور موجب عذاب شدید ہے اور اگر واقعی کسی جھگڑے کے سبب وہ مسجد قدیم میں نہیں آسکتے اور وہاں نماز پڑھنے میں صحیح اندیشہ اپنی آبرو وغیرہ کا رکھتے ہیں اس مجبوری سے اس میں آنا ترک کرکے اور اپنی جماعت کے لئے دوسری مسجد بوجہ اللہ بناتے ہیں تو وہ ہرگز مسجد ضرار نہیں ہوسکتی، جو اسے ضرار کہتے ہیں برا کرتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۳۳: از موضع سیسی تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدرلرحمٰن پدھان ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے گاؤں کی مسجد پُرانی خام تھی، وہ شکستہ بھی ہے، دوسرے آبادی کم ہوجانے سے ایک کنارے پر آبادی کے ہوگئی ہے جو بہت بے موقع ہے، اس لئے مسجد اندر آبادی جدید تعمیر کرانے کی خواہش ہے، اس واسطے مطابق حکم شرع شریف دوسری جگہ میں مسجد جدید تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں اگر ہوسکتی ہے تو کس طرح؟ خلاصہ حکم سے آگاہی بخشئے۔

الجواب:

مسجد بیچ آبادی میں تعمیر کریں ثواب عظیم پائیں گے، اور اُس پہلی مسجد کا بھی آباد رکھنا فرض ہے، اس کنارے والے پانچوں وقت اس میں نماز پڑھیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۳۴ تا ۱۱۳۷: از شہر محلّہ گڑھیا موصولہ از شیخ ولایت حسین

ایک مسجد متصل کتب خانہ دومنزلہ پر واقع تھی دیوار زینہ مسجد پر اہل ہنود سے بحق ملکیت تنازعہ ہو کر کل مکانات مع جائے تنازعہ کے اہل اسلام صاحبان بریلی نے بحق مسجد وزیارت مع ایک قطعہ دیگر اراضی ہنود سے خرید لیا، مسجد نہایت چھوٹی ہونے کے سبب توسیع اُس کی ہونا تجویز کیا گیا، انجمن اسلامیہ بریلی نے تمام تعمیر وغیرہ کا انتظام اپنے ذمہ یعنی سپردگی میں لیا اور توسیع مسجد مذکورہ قطعہ اراضی دیگر تجویز کرکے کام تعمیر شروع کیا، مسجد کہنہ کو چھوڑ کر متصل اُس کے دوسری مسجد جدید تعمیر کی اور مسجد کہنہ کو ایسا منہدم کیا کہ نشان تک اُس کا باقی نہ رہا اور جائے مسجد کہنہ کو دیگر دکانات میں بغرض حصولِ زر شامل کرلیا جاتا ہے، سوالات ذیل برائے جواب پیش ہیں:

(۱) بجائے توسیع مسجد کہنہ کے دوسری جگہ جدید مسجد تعمیر ہونا کیا مسجد اول کا حکم بموجب شرع شریف رکھے گی؟

(۲) جگہ مسجد کہنہ منہدمہ کو دیگر تعمیر دنیوی میں شامل کرکے کام میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جن اہل اسلام صاحبان سے یہ فعل مذکورہ بالا ظہور میں آیا حکماً یا عملاً مشیر، ان کے ہے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) بقیہ اہل اسلام کو فاعل مذکور بالا سے کیا عمل درآمد کرنا چاہئے؟

الجواب:

جبکہ اس مسجد جدید کو مسلمانوں نے مسجد کرلیا یہ بھی مسجد ہوگئی، مسجد اول کی اور اس کی دونوں کی حفاظت وآبادی فرض ہے، مسجد اول کو منہدم کرکے تعمیر دنیاوی تعمیر دینی میں ہی میں شامل کردینا حرام حرام سخت حرام ہے، جنھوں نے ایسا کیا ہو اور جو اس میں مشیر ہوں اور جو اسے جائز رکھیں سب اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہیں:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ [1]	اُن سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو اُن میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکیں اور اُن کی ویرانی میں کوشاں ہو انھیں تو مسجدوں میں قدم رکھنا روا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

[1] القرآن ۲/۱۱۴ و ۱۱۵

فرض فرض قطعی فرض ہے کہ مسجد اول کو بھی بدستور مسجد رکھیں، اور اگر اُس کی دکانیں کرلی گئی ہوں فرضِ قطعی ہے کہ فوراً فوراً اُن دکانوں کو منہدم کرکے بدستور مسجد کا اعادہ کریں ورنہ عذاب عظیم کے مستحق ہوں گے، جو نہ مانیں اور قرآن عظیم کی مخالفت پر اڑے رہیں مسلمانوں کو ان سے اجتناب لازم ہے، ان کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کبھی شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو مسجد ویران کرکے اس کا دکانیں کرلے وہ لوگ اگر مخالف خدا سے باز نہ آئیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کوشش کرکے مسجد منہدم کو پھر مسجد کرلیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۳۸: از چھاؤنی بنمچ توپ خانہ ٹین نزد مسجد حافظ محمد عبدالرؤف خاں پیش امام مسجد

مسجد بنانا فرض ہے یا واجب یا مستحب؟ اور برا ہے وہ پیسہ جو خرچ ہو گارے پتھر میں، اس واسطے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند آدمی حاضر ہوئے عرض کیا، یا امام! ہم ایک مسجد بنواتے ہیں کچھ آپ تبرکات عنایت فرمائے کہ برکت ہو، امام صاحب نے پہلے چہرہ سائلین کی طرف سے پھیر کر خراب منہ بنایا اور ایک درہم نکال کردے دیا دوسرے روز وہ شخص آئے اور درہم واپس دے کر کہنے لگے کہ حضرت! لیجئے یہ درہم کھوٹا ہے اس کو بازار قبول نہیں کرتا۔ امام صاحب نے وہ درہم لے کر رکھ لیا اور فرمایا خوش ہو کر کہ: خراب ہے وہ پیسہ جو گارے پتھر میں خرچ ہووے۔

الجواب:

یہ شیطانی خیال ہیں اور سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو حکایت نقل کی وہ محض کذب، دروغ اور شیطانی گھڑت ہے۔ ہر شہر میں ایک مسجد جامع بنانا واجب ہے اور ہر محلّہ می ایک مسجد بنانے کا حکم ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

امر رسول اللہ ببناء المساجد فی الدور و ان تنظف۔[2]	رسول اللہ (صلی اللہ تعالی علیہ وسلم) نے فرمایا کہ ہر محلے میں مسجدیں بنوائی جائیں اور یہ کہ وہ ستھری رکھی جائیں۔

بنائے مسجد میں جو مال صرف ہوتا ہے وہ گارے پتھر میں صرف نہیں ہوتا بلکہ رضائے رب اکبر میں۔ اللہ عزوجل

[1] القرآن ۶/۶۸

[2] سنن ابوداؤد باب اتخاذ لمساجد فی الدور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہو ص ۶۶، سنن ابن ماجہ باب تطہیر المساجد وتطییبہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

فرماتا ہے: فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ [1] محلوں میں مسجدیں بلند کرنے کا اللہ نے اذن دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی اللہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ زاد فی روایۃ من در ویاقوت [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے گا۔

مسئلہ ۱۱۳۹: از قطب پور ڈاکخانہ پیر گنج ضلع رنگ پور مسئولہ رحمت اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین کہ ایک مسجد قدیم کو از مال حلال تیار کیا گیا تھا اور وقف بھی کیا گیا اس وقت ایک سود خور کے سود کا مال اور حلال مال دونوں مخلوط ہوگئے، دونوں میں تمیز نہیں ہوسکتی کہ کون حرام کون حلال ہے مسجد قدیم کو تعمیر کیا یعنی گھر کو ٹین دیا در صحن مسجد کو اینٹ سے پختہ کیا اور مصلیوں کے وضو کے واسطے کنواں بنوادیا۔ اب عرض یہ ہے کہ ایسی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مذکور میں اُس مسجد میں نماز پڑھنا فقط جائز نہیں بلکہ اس کا آباد رکھنا فرض ہے اور سود کی مخلوط آدمی سے ٹین اور فرش اور کُنواں بنانے میں مسجد میں کوئی حرج نہیں آتا بلکہ اس فرش پر نماز جائز ہے اور اس کنویں سے پینا اور وضو کرنا حلال۔ امام محمد فرماتے ہیں: بہ ناخذ مالم تعرف شیأ حراما بعینہ [3]۔ (اسی پر ہمارا عمل ہے جب تک ہم کسی شیئ کو حرام نہ جان لیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۰: از کیس اسٹریٹ صاحب بگانی مرسلہ حکیم سیّد محمد اسمٰعیل صاحب ۲۸ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضور کو ایک امر کی تکلیف دی جاتی ہے اور چونکہ یہ خدا کا کام ہے اور حضور ہم لوگوں کے آقا ہیں، حضور سے دریافت کرنا

---

[1] القرآن ۲۴/ ۳۶

[2] الصحیح للمسلم کتاب المساجد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۰۱، کتاب الزہد ۲/ ۴۱۱، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب بناء المساجد مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/ ۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ ظہیریۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

میرا فرض منصبی ہے، ایک مسجد بنانے کی خواہش صرف حضور سے اجازت اس امر کی لینی ہے، یہاں اکثر پرانی اینٹ ملتی ہے اور وہ اینٹ پاک عمدہ ملتی تو اس اینٹ سے مسجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ حضور کی جیسی رائے عالی ہو اس سے بہت جلد بواپسی ڈاک مطلع فرمائیں، خداوند کریم حضور کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

الجواب:

جناب سید صاحب مکرم اکرکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ! فقیر جبل پور آیا ہوا ہے، آپ کا عنایت نامہ بریلی سے یہاں آیا، ایسے سوالوں کا خیال ادب والے دلوں میں پیدا ہوتا ہے، مولٰی تعالٰی توفیق وبرکات زاید دے، اینٹ اگرچہ پرانی استعمال شدہ ہے مگر جبکہ پاک ہے مسجد میں لگا سکتے ہیں جیسے زمین مسجد کہ اصل مسجد وہی ہے، پہلے کوئی مکان معبد کفار ہو اور اسے توڑ کر مسجد کیا جاتا ہے، مسجد اقدس مدینہ طیبہ کی زمین میں مشرکین کا قبرستان تھا ان کی قبریں کھدوا کر ان کی ہڈیوں وغیرہا کی نجاستوں سے صاف فرما کر حضور انور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے اسے مسجد فرمایا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴۱: از ہلدوانی ضلع نینی تال مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مکان پختہ وقف کردیا، تھوڑے عرصہ کے بعد وہ مکان گورنمنٹ نے اُٹھادیا، اس مکان کے بدلے دوسری جگہ زمین دے دی، جو زمین مکان کے عوض میں ملی تھی وہ چند شخص جمع ہو کرکے مبلغ پچاس روپے کو فروخت کردی گئی، آیا زمین کا بیع کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب:

وہ زمین اگر مسلمان نے مسجد کردی تو اسے بیچنا جائز نہیں، اور اگر ہنوز ابھی مسجد نہ کی تھی اور وہ مناسب نہیں اسے بیچ کر دوسری مناسب جگہ مسجد بنانا چاہتے ہیں تو حرج نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴۲، ۱۱۴۳: از قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ مرسلہ حاجی شرف الدین عمر میاں متولی جامع مسجد ۲۱صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اس قصبہ ڈبھوئی ریاست بڑودہ میں ایک عیدگاہ قدیم زمانے کی بنی ہوئی ہے، اس کے نزدیک ریل کا احاطہ ہے، اب ریلوے کمپنی والے اس ریل کے احاطے کو بڑھانے کی غرض سے عیدگاہ کو گرا کر اور جا پر بنا دینا چاہتے ہیں، آیا یہ شرع شریف میں درست ہے یا نہیں؟ اگر مسلمانِ ڈبھوئی اس عیدگاہ کو نہ دیں تو ریاست کی جانب سے جبراً گرادینے کا اندیشہ ہے اس حالت میں کیا کیا جائے؟

(۲) ریاست بڑودہ تعلقہ سنکھیڑا موضع ماکنی کے قریب جنگل میں ایک مسجد قدیم شاہی زمانے کی بنی ہوئی اس

وقت مسمار حالت میں ہے، اس مسجد میں چند قیمتی پتھر، محرابیں، کھمبے وغیرہ جو نقشی کام کئے ہوئے ہیں زمین پر گرے ہوئے ہیں، اس موضع کے ہنود وغیرہ جن کی حالت اچھی ہے اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اس موضع کے مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں کہ اس مسجد کو پھر تعمیر کرسکیں، لہٰذا ان پتھروں کو لے جاکر کسی اور قصبہ کی مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان ان پتھروں کو نہ لے جائیں گے تو ہنود لوگوں کا ان پتھروں کو اٹھا کر لے جانے کا اندیشہ ہے۔

الجواب:

(۱) محض اندیشہ کا لحاظ نہیں، واقعی جبر ہو تو اس کے عوض دوسری زمین لے کر چھوڑ سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

صورتِ مستفسرہ واقعی ہے تو مسلمان ان پتھروں کو دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں کما بینہ فی ردالمحتار (جیسا کہ اسے ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴۴: از بمبئی بھنڈی بازار مرسلہ محمد فضل الرحمٰن سادہ کار ۵ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سوائے معتکف اور مسافر کے مقیم یا اہل شہر کو مطلقًا مسجد میں سونا حرام ہے یا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟ اگر بیرونی شہری نہ نیت اس کے کہ نماز صبح باجماعت ملے یا تہجد بھی نصیب ہو کیونکہ اگر گھر میں رہ کر نمازِ صبح باجماعت یا نماز تہجد نہیں ملتی ہے مسجد میں سوئے تو یہ سونا حرام ہے یا مکروہ یا تحریمی یا تنزیہی، نیز مسجد میں کھانا یا پینا سوائے معتکف اور مسافر کے شرعًا حرام ہے یا مباح؟ بظاہر ابن ماجہ [ف] کی کتاب الاطعمہ کی روایت سے اباحت معلوم ہوتی ہے:

عن عبداللہ بن حارث بن جزء قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بخبز و لحم وھو فی المسجد فاکل واکلنا معہ ثم	حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے مرعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں روٹی اور گوشت لایا گیا، اس وقت

ف:___سائل نے ابن ماجہ کے حوالے سے جو حدیث ذکر کی ہے وہ دراصل دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، اصل عبارتیں یوں ہیں:

(۱) ص ۲۴۵: کنا ناکل علی عھد رسول اللہ علیہ وسلم فی المسجد الخبز واللحم۔

(۲) ص ۲۴۶: اکلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طعامًا فی المسجد قد شوی فمسحنا ایدینا بالحصباء ثم قمنا نصلی ولم نتوضأ__ابواب الاطعمہ میں دونوں حدیثیں انہی الفاظ کے ساتھ ملی ہیں ۱۲۔ **نذیر احمد**

قام فصلی وصلینا معه ولم نزد علی ان مسحنا ایدینا بالحصباء [1] بینوا توجوا۔	آپ مسجد میں تشریف فرما تھے، آپ نے اسے تناول فرمایا اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ گوشت روٹی کھائی، پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھی اور ہم نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی، اور ہم نے سوائے اس کے کچھ نہ کیا کہ اپنے ہاتھ پتھروں کے ساتھ صاف کئے۔ (ت) بیّنوا توجروا۔

الجواب:

مسجد[1] میں معتکف کو سونا تو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور اس کے غیر کے لئے ہمارے علماء کے تین[3] قول ہیں: اول یہ کہ مطلقاً صرف خلاف اولیٰ ہے:

صححه فی الهندية عن خزانة الفتاوی ومشی علیه فی جامع الاسبیجابی کما نقله ابن کمال باشا والکافی فی معراج الدراية والیه یمیل کلام الدر فی الاعتکاف قلت وفیه حدیث ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	اس کی ہندیہ میں خزانۃ الفتاوٰی کے حوالے سے تصحیح کی ہے اور جامع الاسبیجابی نے اسی کو اختیار کیا، جیسا کہ اسے ابن کمال باشا نے نقل کیا اور کافی نے معراج الدرایہ میں، اعتکاف میں در کا کلام بھی اسی طرف مائل ہے، میں کہتا ہوں اس میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے۔ (ت)

دوم مسافر کو جائز ہے اس کے غیر کو منع،

وبه جزم فی الاشباه وعلیه مشی فی الدر قبیل باب الوتر۔	اسی پر اشباہ میں جزم ہے، در میں باب الوتر سے تھوڑا پہلے اسی کو اختیار کیا ہے۔ (ت)

سوم معتکف کے سوا کسی کو جائز نہیں:

وبه جزم فی السراجیة وفی جامع الفتاوی ومنیة المفتی وغمز العیون ومتن الوقاية وغیرها من المعتمدات۔	سراجیہ، جامع الفتاوٰی، منیۃ المفتی، غمز العیون، متن الوقایہ اور دیگر کتب میں اسی پر جزم کی گیا ہے۔ (ت)

اور یہ کراہتِ تحریم ہے،

لقوله یمنع منه وانما المنع عن المکروه	کیونکہ اس کا قول ہے: اس سے منع کیا گیا ہے اور

[1] سُنن ابنِ ماجہ ابواب الاطعمہ مطبوعہ ایچ ایم کمپنی کراچی ص ۲۴۵ و ۲۴۶

تحریما واما کراھة التنزیہ فتجامع الاباحة کمافی ردالمحتار وغیرہ۔	منع مکروہ تحریمی سے ہوتا ہے، کراہت تنزیہی تو اباحت کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اقول: تحقیق امر یہ ہے کہ مرخص وحاظر جب جمع ہوں حاظر کو ترجیح ہوگی اور احکام تبدلِ زمان سے متبدل ہوتے ہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو شخص اپنے زمانے کو لوگوں کے احوال سے اگاہ نہیں وہ جاہل ہے۔ت) اور ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک ضابطہ کلیہ فرمایا ہے جس سے ان سب جزئیات کا حکم صاف ہو جاتا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سمع رجلا ینشد ضالة فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا[1]۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کسی شخص کو سنے کہ مسجد میں اپنی گم شدہ چیز دریافت کرتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ اس سے کہے اللہ تیری گی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں، اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اسی حدیث کی دوسری روایت میں ہے:

اذا رأیتم من یتباع فی المسجد فقولوا لااربح اللہ تجارتک[2] رو الترمذی وصححه والحاکم عنه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم کسی کو مسجد میں خرید وفروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تیرے سودے میں فائدہ نہ دے۔اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح کہا اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ مسجدیں سونے۔ کھانے پینے کو نہیں بنیں تو غیر معتکف کو اُن میں ان افعال کی اجازت نہیں اور بلاشبہ اگر ان افعال کا دروازہ کھولا جائے تو زمانہ فاسد ہے اور قلوب ادب وہیبت سے عاری، مسجدیں چوپال ہو جائیں گی اور ان کی بے حرمتی ہوگی وکل ماادی الی محظور محظور (ہر وہ شخص جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہو جاتی ہے۔ت) جو بخیالِ تہجّد یا جماعتِ صبح مسجد میں سونا چاہے تو اسے کیا مشکل ہے

[1] صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب النہی عن البیع فی المسجد مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۸

اعتکاف کی نیت کرلے کچھ حرج نہیں، کچھ تکلیف نہیں، ایک عبارت بڑھتی ہے۔ اور سونا بالاتفاق جائز ہوا جاتا ہے، منیۃ المفتی پھر غمز العیون اور سراجیہ پھر ہندیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

واذا اراد ذلك ینبغی ان ینوی الاعتکاف فیدخل فیذکر اللہ تعالٰی بقدر مانوی اویصلی ثم یفعل ماشاء [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب ارادہ کرے کھانے پینے کا، تو اعتکاف کی نیت کرے، پھر مسجد میں داخل ہوجائے۔ پس اللہ تعالٰی کا ذکر نیت کے مطابق کرے یا نماز پڑھے، پھر وہاں جو چاہے کرے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسجد میں ایسا اکل وشُرب جس سے اس کی تلویث ہو مطلقًا ناجائز ہے اگرچہ معتکف ہو، ردالمحتار باب الاعتکاف میں ہے:

الظاھر ان مثل النوم الاکل والشرب اذا لم یشغل المسجدولم یلوثہ لان تنظیفہ واجب کما امر [2]۔	ظاہر یہی ہے کہ کھانا پینا جبکہ مسجد کو ملوث نہ کرے اور نہ مسجد کو مشغول رہے تو یہ سونے کی طرح ہے کیونکہ مسجد کی نظافت کا خیال نہایت ہی ضروری ہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

اسی طرح اتنا کثیر کھانا مسجد میں لانا کہ نماز کی جگہ گھیرے مطلقًا ممنوع ہے، اور جب ان دونوں باتوں سے خالی ہو تو معتکف کو بالاتفاق بلاکراہت جائز ہے اور غیر معتکف میں وہی مباحث واختلاف عائد ہوں گے اور ہمیں ارشاد اقدس کا وہ ضابطہ کلیہ کافی ہے کہ ان المساجد لم تبن لھذا (مساجد اس خاطر نہیں بنائی جاتیں۔ت) اعتکاف نفل کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ طول مدت درکار، صرف نیت کافی ہے، جتنی دیر بھی ٹھرے بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے۔ت) تو اختلاف میں پڑنے کی کیا حاجت، وماکان اقرب الی الادب فھوالاحب فھوالا حب الاوجب نسأل اللہ حسن التوفیق (جوادب کے زیادہ قریب ہو وہی زیادہ پسندیدہ اور واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی سے حسنِ توفیق کا سوال ہے۔ت)

رہی حدیث ابن ماجہ، وہ ایک واقعہ عین ہے اور علماء بالاتفاق تصریح فرماتے ہیں کہ وقائع عین کے لئے عموم نہیں ہوتا ممکن کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنھم اس وقت معتکف ہوں اور صحابی کو یہاں مسئلہ اکل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ کہ مامسّتہ النار (وہ چیز جسے آگ چھولے۔ت)

[1] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴۶

[2] ردالمحتار باب الاعتکاف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۴۶

سے وضو نہیں، علاوہ بریں فعل وتقریر سے قول اور نہج سے خاطر ارجح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۵: از فیض آباد مسجد منوپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۹ ربیع الاخر ۱۳۳۶ھ

جو لوگ عرس میں آئیں وہ مسجد ہی میں قیام کریں اور جائے نماز وغیرہ استعمال کریں، کھانا وہاں کھائیں، دنیا کی بات کریں، اشعار پڑھیں، جائز ہے؟

الجواب:

مسجد کو چوپال بنانا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۶: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب رضوی ۹ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

امام مسجد اور عوام مسلمین جن کے پاس رہنے سونے کو مکان ہیں وہ مسجد میں کسی وقت سو سکتے ہیں یا نہیں نیز ایسے مسلمان مسافر جو آج کل شہروں میں آیا جایا کرتے ہیں اور چندے لے کر گزارہ کرتے ہیں انھیں مسجدوں میں رکھنا اور وہ وہاں پر بطور گھروں کے رہیں، سوئیں، کھائیں پئیں، جائز ہے؟

الجواب:

صحیح و معتمد یہ ہے کہ مسجد میں کھانا پینا، سونا سوا معتکف کے کسی کو جائز نہیں، مسافر یا حضری اگر چاہتا ہے تو اعتکاف کی نیت کیا دشوار ہے، اور اس کے لئے نہ روزہ شرط نہ کوئی مدت مقرر ہے، اعتکاف نفل ایک ساعت کا ہو سکتا ہے۔ مسجد کو گھر بنانا کسی کے لئے جائز نہیں، وہ لوگ بھی بہ نیت اعتکاف رہ سکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۷: از بھوساول ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ مسجد خاص میں یا صحن میں اگر واہیات لغویات اور گالی گلوچ ایک دوسرا آپس میں جمع خاص وعام کے روبرو کرے تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

ایسے لوگ گنہگار ہیں اور شرعًا مستحقِ تعزیز، مگر تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اتنا کریں کہ انھیں مسجد سے باہر کردیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۸: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ مولوی بدیع الزمان صاحب بنگالی ۲۷ شوال ۱۳۳۸ھ

مسجد کا ایک امام جو شب وروز مسجد کے حجرہ میں رہتا ہے اور عملیات تعویز گنڈا وغیرہ آیاتِ قرآنی سے کرتا ہے اس کو بصورتِ قیام مسجد ایسا روزگار کرنا اور اس سے اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عوضِ مالی پر تعویز دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع وشرا ناجائز ہے، اور حجرہ فنائے مسجد ہے اور

فنائے مسجد کے لئے حکمِ مسجد، علمگیریہ میں ہے:

یبیع التعویذ فی المسجد الجامع ویکتب فی التعویذ التوراۃ والانجیل والفرقان و یاخذ علیھا المال ادفع الی الھدیۃ لایحل له ذلك كذا فی لکبرٰی[1]۔	ایک آدمی مسجد جامع میں تعویذ بیچتا ہے، اس تعویذ میں تورات، انجیل اور قرآن لکھتا ہے اور اس پر رقم لیتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ اس کا ہدیہ مجھے دے تو یہ جائز نہیں۔ الکبرٰی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قیم المسجد لا یجوزله ان یبنی حوانیت فی حدالمسجد أوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا ومسکنا تسقط حرمته وھذا لا یجوز و الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذافی محیط السرخسی[2]۔	مسجد کے منتظم کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسجد یا فنائے مسجد میں دکانیں یا رہائش گاہ بنائے کیونکہ جب مسجد دکان یا رہائش گاہ بن جائے تو اس کا احترام برقرار نہیں رہتا، اور یہ جائز نہیں۔ فنا مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم مسجد والا ہی ہوتا ہے۔ محیط سرخسی میں یونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴۹: یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ایک شخص کچہری میں ملازم ہے فرصت کے وقت دن ورات میں مسجد میں قیام کرکے سوتا ہے اور کھانا وغیرہ کھاتا ہے بہت عرصہ سے، اب منع کرنے پر جواب دیا کہ میں نیتِ اعتکاف کرلیتا ہوں کوئی حرج میرے قیام اور کھانے سونے میں نہیں ہے۔

الجواب:

اگر واقعی وہ ہر بار نیت اعتکاف کرتا اور کچھ دیر ذکر الٰہی کرکے کھاتا سوتا ہے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۰: از بریلی ۴ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عالم اور کوئی شخص مسجد میں سوئے اور مسند تکیہ مسجد میں اندر مسجد کے لگائے اور کھانا مسجد میں ایک جماعت کے ساتھ کھائے اور اگالدان مسجد میں رکھے اور گھوڑے کی زین اور اور اسباب وغیرہ مسجد میں رکھے یہ سب شرع سے درست ہے نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۱/۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الفصل الثانی فی الوقف فی المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴۶۲/۲

الجواب:

مسجد میں سونا۔ کھانا بحالتِ اعتکاف جائز ہے، اگر جماعت معتکف ہو تو مل کر کھا سکتے ہیں، بہر حال یہ لازم ہے کہ کوئی چیز، شوربا یا شیر وغیرہ کی چھینٹ مسجد مین نہ گرے، اور سوائے حالتِ اعتکاف مسجد میں سونا یا کھانا دونوں مکروہ ہیں خاص کر ایک جماعت کے ساتھ کہ مکروہ فعل کا اور لوگوں کو بھی اس میں مرتکب بناتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یکرہ النوم والاکل فیہ الغیر المعتکف[1]۔	مسجد میں سونا اور کھانا غیر معتکف کے لئے مکروہ ہے (ت)

مسند لگانا اگر براہ تکبّر ہے تو یہ خارج مسجد بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ[2]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ متکبرین کا۔ (ت)

اور اگر براہِ تکبر نہیں کسی دوسرے نے اس کے لئے رکھ دی یہ اس کی خاطر سے بدیں لحاظ کہ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرمائے ہیں:

لایابی الکرامۃ الاحمار[3]۔	عزت واحترام کا انکار کوئی گدھا ہی کر سکتا ہے (ت)

ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تو بھی یہ مسجد میں نہ ہونا چاہئے کہ ادب مسجد کے خلاف ہے، ہاں ضعف یا درد کے سبب مجبور ہو تو معذور ہے، اگالدان اگر پیک کے لئے رکھا ہے تو غیر معتکف کو مسجد میں پان کھانا خود مکروہ ہے، اور اگر کھانسی ہے بلغم بار بار آتا ہے اس غرض کے لئے رکھا تو حرج نہیں۔ اور گھوڑے کا زین وغیرہ اسباب بھی بلاضرورت شرعیہ مسجد میں رکھنا نہ چاہئے، مسجد کو گھر کے مشابہ بھی کرنا نہ چاہئے۔ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان المساجد لم تبن لھذا[4] (مساجد ان چیزوں کی خاطر نہیں بنائی جاتی۔ت) خصوصًا اگر چیزیں رکھے جن سے نماز کی جگہ رکے تو سخت ناجائز وگناہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ[5]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کے گھروں میں اللہ کا نام لینے سے روکے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۱/۵

[2] القرآن ، ۴۰/۳۹

[3] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث ۲۵۴۹۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵۵/۹

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۱۰/۱

[5] القرآن ۱۱۴/۲

بااین ہمہ یہ بھی یاد رکھنا فرض ہے کہ حقیقۃً عالمِ دین ہادیِ خلق سُنّی صحیح العقیدہ ہو عوام کو اُس پر اعتراض اُس کے افعال میں نکتہ چینی اس کی عیب بینی حرام حرام حرام اور باعث سخت محرومی اور بدنصیبی ہے، اول تو لاکھوں مسائل واحکام فرق نیت سے متبدل ہوجاتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1]۔	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ (ت)

علم نیّت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں، عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہو کر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگادیتے اور "کارِ پاکاں راقیاس از خودمگیر" کے، مورد بنتے ہیں، اسی مسئلہ میں دیکھئے شرعًا اعتکاف کے لئے نہ روزہ شرط ہے نہ کسی قدر مدت کی خصوصیت۔ ولہذا مستحب ہے کہ آدمی جب مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلے۔ جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب بھی پائے گا۔ علما اعتکاف ہی کی نیّت سے مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور اب اُن کو سونا، کھانا، پیک کے لئے اگالدان رکھنا روا ہوگا، اور اس سے قطع نظر بھی ہو تو جاہل کو سُنی عالم پر اعتراض نہیں پہنچتا، رسول اللہؐ کی حدیث میں عالمِ بے علم کی مثال شمع سے دی ہے کہ آپ جلے اور تمھیں روشنی ونفع پہنچائے، احمق وہ جو اس کے جلنے کے باعث اسے بجھادینا چاہے اس سے یہ خودہی اندھیرے میں رہ جائے گا، علماء کو چاہیئے کہ اگرچہ خود نیت صحیحہ رکھتے ہوں عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہونہ کریں کہ اس سے دو فتنے ہیں جو معتقد نہیں ان کا معترض ہونا غیبت کی بلا میں پڑنا عالم کے فیض سے محروم رہنا، اور جو معتقد ہیں اُن کا اس کے افعال کو دستاویز بناکر بے علم نیت خود مرتکب ہونا عالم فرقہ ملامتیہ سے نہیں کہ عوام کو نفرت دلانے میں اُس کا فائدہ ہو مسند ہدایت پر ہے، عوام کو اپنی طرف رغبت دلانے میں اُن کا نفع ہے، حدیث میں ہے:

راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس[2]۔	ایمان باللہ کے بعد سب سے بڑی عقلمندی لوگوں کے ساتھ محبت کرنا ہے۔ (ت)

دوسری حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ فرماتے ہیں: بشروا ولاتنفروا[3] ____ (محبت پھیلاؤ

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[2] شعب الایمان فصل طلاقۃ الوجہ وحسن البشر الخ حدیث ۸۰۶۱ مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۲۵۵/۶

[3] صحیح البخاری کتاب العلم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامراء علی البعوث الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۸۲/۲

نفرت نہ پھیلاؤ۔ت) احیانًا ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلہ شریعت عوام کو بتادے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵۱: الہ آباد مسجد صدر مرسلہ حافظ عبدالمحمید صاحب فتحپوری ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

اگر کوئی مسجد میں بآواز بلند درود وظائف خواہ تلاوت کررہا ہو اس سے علیحدہ ہو کر نماز پڑھنے میں بھی آواز کانوں میں پہنچتی ہے لوگ بھول جاتے ہیں خیال بہک جاتا ہے، ایسے موقع پر ذکر بالجہر تلاوت کرنے والے کو منع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی آہستہ پڑھنے کو کہنا بالجہر سے منع کرنا، اگر نہ مانے تو کہاں تک ممانعت کرنا جائز ہے؟ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین؟

الجواب:

بیشک ایسی صورت میں اسے جہر سے منع کرنا فقط جائز نہیں بلکہ واجب ہے کہ نہی عن المنکر ہے اور کہاں تک کا جواب یہ کہ تاحد قدرت جس کا بیان اس ارشاد اقدسِ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

من رأی منکم منکر افلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان[1]۔	جو تم میں کوئی ناجائز بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اپنے ہاتھ سے اسے مٹادے بند کردے، اور اس کی طاقت نہ پائے تو زبان سے منع کرے، اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے اسے بُرا جانے، اور یہ سب میں کمتر درجہ ایمان کا ہے۔(ت)

اور جہاں لوگ اپنے کاموں مشغول ہوں اور قرآن عظیم کے استماع کے لئے کوئی فارغ نہ ہو وہاں جہرًا تلاوت کرنے والے پر اس صورت میں دوہرا وبال ہے، ایک تو وہی خلل اندازیِ نماز وغیرہ کہ ذکر جہر میں تھا، دوسرے قرآن عظیم کو بے حرمتی کے لئے پیش کرنا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح عن الخلاصۃ رجل یکتب الفقہ وبجنبہ رجل یقرأ القراٰن فلا یمکن استماع القراٰن فالاثم علی القاری، وعلی ھذا الوقرأ علی	فتح میں خلاصہ سے ہے ایک آدمی فقہ لکھ رہا ہے اور اس کے پاس دوسرا شخص قرآن کی تلاوت کررہا ہے جبکہ قرآن کا سننا ممکن نہیں تو اب گناہ تلاوت کرنے والے پر ہے۔ اسی طرح اگر اُونچی

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۵۱

السطح والناس نیام یأثم اھ ای لانہ یکون سببا لاعراضھم عن استماعہ الانہ یوذیھم بایقاظھم[1]	جگہ پڑھتا ہے حالانکہ لوگ سوئے ہوئے تھے تو پڑھنے والا گنہگار ہوگا اس لئے کہ یہ شخص ان کے قرآن سننے سے اعراض کا سبب بنایا اس وجہ سے کہ ان کی نیند میں خلل واقع ہوگا۔ (ت)

اسی میں غنیہ سے ہے:

یجب علی القاری احترامہ بان لا یقرأہ فی الاسواق ومواضع الاشتغال فاذا قرأہ فیھا کان ھو المضیع لحرمتہ فیکون الاثم علیہ دون اھل الاشتغال دفعًا للحرج[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	تلاوت کرنے والے پر یہ احترام لازم ہے کہ وہ بازار میں اور ایسے مقامات پر نہ پڑھے جہاں لوگ مشغول ہوں، اگر وہ ایسے مقام پر پڑھتا ہے تو وہ قرآن کا احترام ختم کرنے والا ہے لہٰذا دفع حرج کے پیشِ نظر یہ پڑھنے والا گنہگار ہوگا، مشغول ہونے والے لوگ گنہگار نہ ہونگے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین اس مسئلہ میں کہ ایک یا زیادہ شخص نماز پڑھ رہے ہیں یا بعد جماعت نماز پڑھنے آئے ہیں اور ایک یا کئی لوگ بآوازِ بلند قرآن یا وظیفہ یعنی کوئی قرآن کوئی وظیفہ پڑھ رہے ہیں یہاں تک کہ مسجد بھی گونج رہی ہے تو اس حالت میں کیا حکم ہونا چاہئے کیونکہ بعض دفعہ آدمی کا خیال بدل جاتا ہے اور نماز بھول جاتا ہے۔

الجواب:

جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ بآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے، مسجد میں جب اکیلا تھا اور بآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فورًا آہستہ ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۳: از ریاست نانپارہ ضلع بہرائچ محلّہ توپ خانہ مرسلہ منشی حامد علی خان صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید اگر مسافرانہ طور پر کسی مقام پر وارد ہوا اور وہاں اس کا کوئی ایسا شخص شناسہ نہ ہو کہ جس کے

---

[1] ردالمحتار فصل فی القراءۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۳

[2] ردالمحتار فصل فی القراءۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۰۳

مکان میں قیام کرسکے اور بسبب پابندی نماز جماعت ووضو وغیرہ کسی مسجد میں ٹھہر جائے تو جائز ہے یا نہیں اور اس کا سلف سے ثبوت ہے یا نہیں، اور جو شخص زید کو بصورت مذکورہ جبرًا مسجد سے نکالے اور کہے کہ یہ مسجد خالد کی ملک ہے اور میں چونکہ ملازمِ خالد ہو لہٰذا مجھے حکم خالد ہے کہ بے اذن ہمارے کسی کو ہماری مسجد میں نہ رہنے دو اور اس پر بر سرپیکار ہو تو زید کا اخراج عن المسجد بصورت فتنہ وفساد جائز ہے یا نہیں، اور مسجد کی ملک کی نسبت خالد جانب جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد مذکورہ میں اس صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی مسجد پر مسجد ضرار کی تعریف صادق ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے مسافر کو مسجد میں ٹھہرنا بیشک جائز ہے، خود مسجد اقدس میں حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ واسلم کے عہد اقدس میں حکم انور سے اصحابِ صفّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم قیام پذیر تھے مسجد سے بالجبر اس کا اخراج ظلم ہے **والظلمات یوم القٰیمة** (ظلم قیامت کے روز تاریکیاں ہوگا۔ت) ہاں نظر بحالاتِ زمانہ بعض مساجد میں اجنبی غیر معروف کا قیام نامناسب ووجہِ اندیشہ ہوتا ہے جیسے صدہا سال مسجد مدینہ طیبہ کے دروازے بعد عشابند کردیتے ہیں اور سوا خدام کے سب لوگ باہر کردئے جاتے ہیں، اگر واقعی ایسی صورت تھی توبزمی کہنا چاہئے تھا اور مسجد کو خالد کی ملک کہنا ظلم ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: **وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ** مسجدیں خالص اللہ کے لئے ہیں۔ بہر حال اُس مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نہ وہ مسجد ضرار ہوسکتی ہے، یہ جہل محض ہے۔ پھر اگر یہ مسجد اموال وغیرہ سے محل احتیاط مذکور نہیں یا زید مشتبہ نہیں، تواسے جبرًا نکال دینے والے پر لازم ہے کہ اُس سے معافی چاہے کہ مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دینا بہت سخت ہے۔

من اذی مسلمًا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[1]۔(الحدیث)	جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے بلاشبہ اللہ تعالٰی کو اذیت دی۔ (الحدیث۔ت)

[1] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ طبرانی اوسط مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۹/۶، کنز العمال حدیث ۴۳۷۰۳، مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/۱۶، مجمع الزوائد باب فیمن یتخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۲/۱۷۹

زید کو چاہئے کہ اگر مسجد میں قیام کرے سونے اور کھانے سے کچھ پہلے اعتکاف کی نیت کرکے کچھ ذکر الٰہی کرکے کھائے سوئے کہ مسجد میں کھانا سونا معتکف کو بلاخلاف جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۴: از شہر کمولا مسئولہ منیر الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مٹی کا تیل مسجد میں جلانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور عدم جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مٹی کے تیل میں سخت بدبو ہے اور مسجد میں بدبو کالے جانا کسی طرح جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اکل من هذه الشجرة المنتنة فلا یقربن مسجدنا فان الملئکة تتاذی ممایتأذی منه الانس[1]۔ رواه الشیخان عن جابر رضی الله تعالٰی عنه۔	جس شخص نے اس بدبودار پودے کو کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ آئے کیونکہ ملائکہ کو بھی ہر اس شیئ سے تکلیف ہوتی ہے جس سے انسانوں کو ہوتی ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری پھر علّامہ سید شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة ماکولا اوغیره[2]۔	حدیث کے مطابق ہر اس شئ کا یہی حکم ہے جس کی بُو اچھی نہ خواہ وہ شئ کھائی جاتی ہو یا نہ۔ (ت)

ہاں مٹی کے تیل میں بعض انگریزی عطر جن کو لونڈر کہتے ہیں ملانے سے اس کی بدبو جاتی رہتی ہے اس صورت میں جائز ہوجائے گا بشرطیکہ اس لونڈر میں اسپرٹ وغیرہ کوئی ناپاک شئی نہ ہو ورنہ ناپاک تیل کا بھی مسجد میں جلانا جائز نہیں ہے۔ دُرمختار میں ہے:

کره تحریما ادخال نجاسة فیه فلایجوز الاستصباح بدهن نجس فیه[3]۔ والله تعالٰی اعلم	مسجد میں نجاست داخل کرنا مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا ناپاک تیل کے ساتھ وہاں چراغ جلانا درست نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب من اکل ثوما الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۰۹، صحیح البخاری کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۴۸۹

[3] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

مسئلہ ۱۱۵۵: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش بنگالی ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں روغن مٹی کا جلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام ہے مگر جبکہ اُس کی بو بالکل دور کردی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۶: از داناپور محلّہ سگونہ مسئولہ محمد حنیف خاں ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے جس میں تین دروازے لگے ہیں، صبح کی نماز میں بوجہ سردی کے تنیوں دربند کرکے اورچراغ جلاکر لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں اور نماز صبح اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں، ایک شخص کہتا ہے کہ چراغ جلاکر نماز نہ پڑھنا چاہئے منع ہے مگر کوئی ثبوت اس کا نہیں دیتا ہے اس لئے دریافت طلب ہے کہ ایسا کرنے میں شرعًا کوئی قباحت ہے یا نہیں؟اور کہاں تک اس کا کہنا صحیح ہے؟ مہربانی فرماکر جواب مع حوالہ کتبِ فقہ شریف عنایت ہو۔

الجواب:

وقت حاجت چراغ جلاکر نماز پڑھنے میں تو کوئی حرج نہیں،

وفیہ حدیث تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنہ وایقادہ القنادیل فی المجسد الشریف و استحسانہ من النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لما رأی المسجدین ھو قال نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا[1]۔	اس بارے میں حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، مسجد نبوی میں قندیلوں کا جلانا اور نبی اکرم صلی اللہ عالٰی عنہ کا انھیں پسند کرنا ثابت ہے، اور وہ حدیث جس میں منقول ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دونوں مساجد کو روشن دیکھا تو کہا: اللہ تعالٰی عمر (رضی اللہ عنہ) کی قبر کو اسی طرح روشن کرے جیسے انھوں نے مساجد کو روشن کیا۔(ت)

مگر نماز کے وقت مسجد کے کواڑ بند کرنا ضرور ممنوع وبدعت سیئہ ہے درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد الالخوف علی متاعہ بہ یفتی[2] اھ	مسجد کا دروازہ بند کرنا مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز ہے جب مسجد کا سامان چوری ہونے کا اندیشہ ہو،

[1] تاریخ الخلفاء فصل فی اولیاتِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

اقول: ھذا فی غیروقت الصلٰوۃ لقول الشامی الافی اوقات الصلٰوۃ [1] فکیف عند نفس قیام الصلٰوۃ ھذا مردود باجماع اھل الصلٰوۃ۔	فتوٰی بھی اسی پر ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** یہ وقت نماز کے علاوہ میں ہے، کیونکہ شامی نے کہا مگر اوقاتِ نماز میں دروازہ بند کرنا مکروہ ہے، تو نماز کی جماعت ہورہی ہو تو اس وقت منع کیوں نہ ہوگا! اور اس کے مردود ہونے پر تمام اہل نماز کا اجماع ہے۔(ت)

اس وقت چراغ روشن کرنا بھی اگر اسی کواڑ بند کرنے کی بناپر ہوا گر بند نہ کریں چراغ کی حاجت نہ ہو تو یہ چراغ بھی بے حاجت کہ وہ حاجت بروجہ باطل ہے اور اگر اتنے اندھیرے سے پڑھتے ہیں کہ کھلے کواڑوں میں بھی حاجت چراغ ہو تو یہ خلاف افضل ہے، مذہب حنفی میں نمازِ فجر جس قدر وقت روشن کرکے پڑھی جائے زیادہ اجر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۵۷ : از شہر بریلی محلّہ گھیر جعفر خاں محمود علی خاں ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اندرونِ مسجد مرزائی یعنی ٹین کے دالان کے دروں میں بغرض زیبائش مسجد گملے درختاں پھول وغیرہ لٹکائے جانے کے لئے تیار کئے گئے ہین جن مین کہ کھاد وغیرہ پاک مٹی کی دی گئی ہے۔ اب چند حضرات کو اعتراض ہے کہ نئی بات مسجد میں نہیں ہونا چاہئے۔ ازرُوئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر نمازی نگاہ کے سامنے ہوں تو مکروہ ہیں اور زیادہ بلند ہوں تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵۸: از منصور پور متصل ڈاکخانہ شیش گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد شاہ خان ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں، مسجد میں اکثر کاپیاں عربی کی ونقشجات وغیرہ چہار جانب دیواروں پر مسجد کی نصب کئے جاتے ہیں منجملہ اُن کے منبر کے قریب دیوار پر عربی مناجات ایسے موقع پر نصب یعنی چسپاں کئے جاتے ہیں کہ بروقت پڑھنے کے امام کے پسِ پشت یا اس سے کسی قدر اونچے یعنی قریب پس گردن عربی مناجات ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسی چیزوں کا دیوارِ قبلہ میں نصب کرنا نہ چاہئے جس سے لوگوں کا نماز میں دھیان بٹے اور اتنی نیچی ہونا کہ خطبہ میں امام کی پشت اس کی طرف ہو، یہ اور بھی نامناسب ہے۔ ہاں اگر اس سے بلند رہے تو یہ حرج اس میں نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵۸

مسئلہ ۱۱۵۹: از علی گڑھ کالج مسئولہ حضرت مولانا محمد سلیمان اشرف صاحب بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) پروفیسر دینیات، خلیفہ اعلیحضرت رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۳۳۲ھ

مسجد مین طلائی نقش ونگار جائز ہے یا نہیں؟ کیا نمازیوں کے پیشِ نظر گُل بوٹے چمکتے دمکتے مخل صلٰوۃ نہیں؟ کیا اس طرح کی زیبائش مسجد کی من جہت معبد ہونے کے شایان شان نہیں؟ محض مختصر جواب اس کا تحریر فرماکر فقیر کو ممنون فرمائیں، یہاں مسئلہ درپیش ہے کالج کی مسجد منقش ومطلا کی جارہی ہے۔ فقط

الجواب:

مساجد میں زینت ظاہری زمانہ سلف صالحین میں فضول وناپسند تھی کہ اُن کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے ولہذا احدیث میں مباہاۃ فی المساجد کو اشراط ساعت سے شمار فرمایا، اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

لتزخرفُنّھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی[1]۔	تم مساجد کو اسی طرح مزیّن کروگے جس طرح یہود ونصارٰی نے مزیّن کیں۔ (ت)

تبدل زمان سے علماء نے تزیینِ مساجد کی اجازت فرمائی کہ اب تعظیم ظاہر مورث عظمت فی العیون ووقعت فی القلوب ہوتی ہے فکان کتحلیۃ المصحف فیہ من تعظیمہ (یہ ایسے ہی ہے جیسے تعظیم کی خاطر قرآن حکیم کو طلا کی صورت میں لکھا جائے۔ ت) مگر اب بھی دیوار قبلہ عموماً اور محراب کو خصوصاً شاغلاتِ قلوب سے بچانے کا حکم ہے بلکہ اولٰی یہ ہے کہ دیوار یمین وشمال بھی ملہیات سے خالی رہے کہ اُس کے پاس جو مصلّی ہو اُس کی نظر کو پریشان نہ کرے۔ ہاں گنبدوں، میناروں، سقف اور دیواروں کی سطح کہ مصلیوں کے پس پشت رہے گی ان میں مضائقہ نہیں اگرچہ سونے کے پانی سے نقش ونگار ہوں بشرطیکہ اپنے مال حلال سے ہوں، مسجد کا مال اُس میں صرف نہ کیا جائے، مگر جبکہ اصل بانیِ مسجد نے نقش ونگار کئے ہوں یا واقف نے اس کی اجازت دی ہو یا مالِ مسجد کا فاضل بچا ہو، اور اگر صرف نہ کیا جائے تو ظالموں کے خورد بُرد میں جائے گا پھر جہاں جہاں نقش ونگار اپنے مال سے کرسکتا ہے اس میں بھی دقائق نقوش سے تکلف مکروہ ہے سادگی ومیانہ روی کا پہلو ملحوظ رہے۔ امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط منہ کراھۃ زخرفۃ المساجد لاشتغال قلب المصلی بذلك اولصرف المال	اس سے مساجد کا مزیّن کرنا مکروہ ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس میں نمازی کے دل مشغول یا مال کا

[1] الصحیح البخاری کتاب الصّلوٰۃ باب بنیان المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۴

فی غیر وجهه نعم اذاوقع ذلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیه من بیت المال فلا بأس به ولو اوصی بتشیید مسجد وتحمیره وتصفیره ونفذت وصیته لانه قد حدث الناس فتاوی بقدرمااحد ثوا وقد احدث الناس مؤ منهم وکافرهم تشیید بیوتهم و تزیینها ولو بنینا مساجدنا باللبن وجعلنا ها متطامنة بین الدورالشا هقة وربما کانت لاهل الذمة لکانت مستهانة[1]	غلط طور پر استعمال لازم آتا ہے، ہاں جب یہ تزیین مساجد کی تعظیم کی خاطر ہو اور بیت المال سے نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر کسی شخص نے مسجد کو پختہ کرنے اور اسے سرخ وسفید کرنے کی وصیت کی تو اس کی وصیت نافذ ہوگی کیونکہ لوگوں میں فتوٰی اُن کے حال کے مطابق ہوتا ہے اب لوگ خواہ مومن ہیں یا کافر ہر کوئی اپنے گھر کو مزیّن کر رہا ہے، اب اگر ہم اپنی مساجد کو کچی اینٹوں سے بنائیں گے اور انھیں بلند عمارات کے درمیان چھوٹا بنائیں تو ان کی توہین ہوگی جبکہ یہ مکانات اہل الذمہ کے بھی ہوسکتے ہیں (ت)

درمختار میں ہے:

(ولا بأس بنقشه خلامحرابه) فانه یکره لانه یلهی المصلی ، ویکره التکلف بدقائق النقوش ونحوها ، خصوصاً فی جدار القبلة قال الحلبی وفی حظر المجتبٰی وقیل یکره فی المحراب د ون السقف والمؤخر انتهی وظاهره ان المراد بالمحراب جدارالقبلة فلیحفظ (بجص وماء ذهب) لو(بماله)الحلال (لامن مال الوقت) فانه حرام (وضمن متولیه لو فعل) النقش اوالبیاض الا اذا خیف طمع الظلمة فلا بأس به کافی، والا اذاکان لاحکام البناء اوالواقف	(مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے مین کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا نقش ونگار نمازی کو مشغول کردیتا ہے، البتہ بہت زیادہ نقش ونگار کے لئے تکلف کرنا خصوصًا دیوارِ قبلہ میں مکروہ ہے۔ حلبی اور مجتبٰی کے باب الحظر میں ہے کہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے چھت یا پچھلی دیوار کا منقش کرنا مکروہ نہیں اھ اور ظاہر یہی ہے کہ محراب سے مراد دیوارِ قبلہ ہے، پس اسے محفوظ کرلو (چونے اور سونے کے پانی سے) اگر (اپنے مال) حلال سے ہو (مال وقف سے نھیں) کیونکہ وہ حرام ہے (متولی نے اگر کیا تو وہ ضامن ہوگا) نقش یا سفیدی البتہ جب ظالموں سے مال وقف کو خطرہ ہو تو کوئی حرج نہیں ،کافی اور اس صورت میں

[1] ارشاد الساری بحوالہ ابن المنیر باب بنیان المسجد مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰

فعل مثلہ لقولھم انہ یعمر الوقف کما کان وتمامہ فی البحر[1]۔	جب یہ بنا کی پختگی کے لئے یا واقف نے خود ایسے کیا ہو کیونکہ فقہاء نے فرمایا کہ وقف کی مرمت حسب سابق کرنا ہے۔اس کی تفصیل بحر میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں بحر سے ہے:

واراد وا من المسجد داخلہ فیفید ان تزیین خارجہ مکروہ[2] اھ رایتنی کتبت علیہ مانصہ، **اقول:** فی ھذہ الاستفادۃ نظر ظاھر، بل الظاھر منہ جوازہ بلاکراھۃ بالشروط الثلثۃ ان یکون بمالہ الحلال ولا یتکلف دقائق النقوش لان خارج المسجد لیس محل الھاء المصلی، وفیہ تعظیمہ فی العیون وزیادۃ وقعتہ فی القلوب و تغیب الناس فی حضورہ تعمیرہ، و کل ذلک مطلوب محبوب، وانما الامور بمقاصدھا، وانما لکل امرئ مانوی[3] واللہ تعالٰی اعلم	یہاں انھوں نے داخلِ مسجد مراد لیا ہے جو واضح کررہا ہے کہ باہر مسجد کی تزیین مکروہ ہے اھ میں نے اس پر جو لکھا وہ یہ ہے کہ اس استفادہ میں نظر ظاہر ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ؟ شروط ثلٰثہ کے ساتھ بلاکراہت جائز ہے یہ کہ اپنا مال حلال کا ہو اور نقوش میں تکلّف نہ ہو کیونکہ خارج مسجد نمازی کو مشغول نہیں کرتا اس میں دیکھنے میں تعظیم اور دلوں میں وقعت کا اضافہ اور لوگوں کا حضور وآبادی میں شوق کا سبب ہے اور ان میں سے ہر شیئ مطلوب محبوب ہے، اور امور کا اعتبار ان کے مقاصد پر ہوتا ہے، ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے نیت کی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۶۰: از فیض آباد مسجد مغلپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی موذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مسجد کے کنارے کسی بزرگ کی قبر ہو اور وہاں گانا مع آلات ڈھولکی وغیرہ ہو اور تماشائی لوگ اندر مسجد کے بلالحاظ پاکی اور ادب کے اور گاگر کے وقت ہجوم ہو لوگ اندر مسجد داخل ہوں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مزامیر کے ساتھ گانا اور اُس کا سننا دونوں حرام ہیں اور حرام فعل کا مسجد میں کرنا اور سخت، اور گاگر کا ہجوم اگر کسی

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مصطفٰے البابی مصر ۱/۴۸۷

[3] جدالممتار علی ردالمحتار باب احکام المسجد المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/۳۱۵

منکر شرعی پر مشتمل نہیں، نہ یہ وقت نماز کا ہو جس سے نمازیوں پر تنگی ہو، نہ یہ لوگ مسجد کی بے حُرمتی کریں تو حرج نہیں، اور بے ثبوت شرعی مسلمانوں کو سمجھ لینا کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں داخل ہوئے بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۱: از لال پور ضلع پیڑا بنگال مرسلہ مولوی ابوسعید محمد عارف مورخہ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی مسجد میں کُرسی پر بیٹھ کر وعظ کہنے کو بعض لوگ عدمِ سنت کہتے ہیں سنت ہونے کی دلیل چاہتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

واعظ کا کرسی پر مسجد میں بیٹھنا جائز ہے جبکہ نماز اور نمازیوں کا حرج نہ ہو، ایک آدھ بار حدیث سے یہ ثابت ہے مگر ایک آدھ بار سے فعل سنت نہیں بن جاتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۲: از چوہڑ کوٹ بار کھاں ملک بلوچستان ۲۱ محرم ۱۳۳۷ھ

مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ صفحہ ۵۵ و مجموعہ فتاوٰی ہمایونی تصنیف مولٰنا مفتی عبدالغفور نے چار پائی والے مسئلہ مسجد میں جواز لکھا ہے وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو آنحضرت اعتکاف کے موقع میں سریر پر سوئے تھے۔

الجواب:

حدیث قولی اور فعلی جب متعارض ہوں تو عمل حدیث قولی پر ہے **ان المسجد لم تبن لھذا**[1] (مساجد کی بنا ان چیزوں کے لئے نہیں۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ واسلم اونٹ پر سوار مسجد الحرام شریف میں داخل ہوئے اور یونہی کعبہ معظّمہ کا طواف فرمایا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ زخمی ہوئے خون ان کے زخموں سے جاری تھا اُن کے لئے مسجد اقدس میں خیمہ نصب فرمایا کہ قریب سے عیادت فرمائیں کہ سوا مسجد شریف کے کوئی مکان نشست کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس نہ تھا۔ کیا ان احادیث سے استناد کرکے کوئی ایسی جرأت کرسکتا ہے؟ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۳ تا ۱۱۶۴: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ:

(۱) مسجد میں استعمالی جوتا رکھنا چاہئے یا نہیں؟ چونکہ زید نے ایک مولوی صاحب کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ جوتا مسجد کے اند رکھنا حرام ہے اس وجہ سے منع کیا تو جواب ہوا کہ ہر مسجد میں جوتا رکھتے دیکھتے ہیں اور

---

[1] سنن ابن ماجہ باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۵۶، صحیح مسلم باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۱۰

کہتے ہیں کہ عیدگاہ اور جامع مسجد میں بھی دیکھا اور یہاں تک کہا کہ شرع کی کتابوں میں بھی دیکھا ہے تو جوتا خشک پاک ہے اور مسجد میں کوئی حرج نہیں آیا اس میں کیا حکم ہے؟

(۲) اگر غسل خانہ مسجد کے فرش سے جُدا ہے اور غسل خانہ اتناتر رہتا ہے کہ پاؤں پر تری لگ جاتی ہے تو جوتا پہن کر جانا چاہئے یا ویسے ہی؟

الجواب:

(۱) اگر مسجد سے باہر کوئی جگہ جوتا رکھنے کی ہو تو وہیں رکھے جائیں مسجد میں نہ رکھیں اور اگر باہر کوئی جگہ نہیں تو باہر جھاڑ کر تلے ملا کر ایسی جگہ رکھیں کہ نماز میں نہ اپنے سجدے کے سامنے ہو نہ دوسرے نمازی کے، نہ اپنے دہنے ہاتھ کو ہوں نہ دوسرے نمازی کے، نہ ان سے قطعِ صف ہو، اور ان سب پر قادر نہ ہوں تو سامنے رکھ کر رومال ڈال دیں۔

(۲) جوتا پہن کر جانا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۵: یکم ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر نمازی مسجد میں جوتا سامنے رکھتے ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ کہاں منع ہے؟ کس قول سے منع ہے؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احدکم اذا قام فی الصلٰوۃ فانما یناجی ربہ وان ربہ بینہ وبین القبلۃ فلا یبزقن احدکم قبل قبلتۃ ، ولکن عن یسارہ او تحت قدمہ[1]۔ رواہ البخاری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ	تم مین سے جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وُہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور رب تعالٰی کو نمازی اپنے اور قبلہ کے درمیان پاتا ہے تو کوئی قبلہ کی جانب نہ تھوکے، البتہ بائیں جانب یا پاؤں کے نیچے تھوک دے۔ اسے بخاری نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرمایا:

اذاقام احدکم الی الصلٰوۃ فلا یبصق	جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرے تو

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب حک البزاق بالید من المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۸

امامه، فانما یناجی الله ما دام فی مصلاه ولا عن یمینه فان عن یمینه ملکا ولیبصق عن یساره اوتحت قدمه فیدفنها[1]۔ رواه الشیخان عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	سامنے نہ تھوکے کیونکہ جب تک وہ نماز میں ہے اپنے رب سے ہم کلام ہے، نہ ہی دائیں طرف تھوکے کیونکہ اس کے دائیں طرف فرشتہ ہوتا ہے، البتہ بائیں طرف یا قدم کے نیچے تھوک لے اور اسے دفن کردے۔ اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور فرمایا:

اذا صلی احدکم فلا یضع نعلیه عن یمینه ولا عن یساره فتکون عن یمین غیره الا ان لا یکون علی یساره احد ولیضعهما بین رجلیه[2]۔ رواه ابوداؤد عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم	جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو جوتے نہ دائیں طرف رکھے نہ بائیں طرف کیونکہ وہ کسی کی دائیں جانب ہوگی البتہ اس صورت میں جب بائیں جانب کوئی نہ ہو، اور انھیں اپنے دونوں پاؤں کے درمیان رکھ لے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۱۶۶: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ امام مسجد جامع ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

مسجد کے چاہ سے عموماً پانی بھرنا اپنے گھروں کو اور ننگے پیروں سے آنا، اور رسی سے بھی وہ خراب پیر لگتے ہیں پھر اس کی چھینٹیں کنویں میں ضرور جاتی ہیں، منع کرنے پر کہتے ہیں کہ پہلے سے یونہی بھرتے آتے ہیں۔ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

کنویں کی ممانعت نہیں ہوسکتی رسی ڈول اگر مسجد کا ہے اس کی حفاظت کریں، غیر نماز کے لئے اُس سے نہ بھرنے دیں، دربارہ طہارت اوہام کو شریعت نے دخل نہیں دیا ورنہ عافیت تنگ ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسجد میں درخت پھلدار مثلاً جامن مولسری کھنی وغیرہ کے ہو اور پھل اس مقدار پر آیا جس کو فروخت کیا جائے، ایسی صورت میں وہ پھل نمازی یا غیر نمازی بلاکچھ قیمت ادا کئے ہوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب دفن النخامۃ فی المسجد مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۹

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب المصلی اذا خلع نعلیہ الخ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۹

کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر یہ کہ مسجد میں درخت بیلہ۔ چنبیلی۔ مولسری کا ہے اس کے پھول نمازی لوگ بلا کوئی قیمت ادا کئے ہوئے گھر کو لا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں بے ضرورت شدید درخت بونا منع ہے اور اس کے پھل پھُول بے قیمت نہیں لے سکتے۔ ہندیہ میں ہے:

اذاغرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد کذافی الظھیریہ[1]۔	جب کسی نے مسجد میں پودا لگایا تو وہ مسجد ہی کا ہوگا، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی فتاوٰی اھل سمر قند مسجد فیہ شجرۃ تفاح یباح للقوم ان یفطر وا بھذا التفاح قال الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی المختار انہ لایباح کذافی الذخیرۃ[2] اھ **اقول:** وھذا تصحیح صریح من امام جلیل ولا شك انہ ھو قضیۃ الوقفیۃ فان الوقف کما لا یملك لا یباح فیقدم علی مافی صلح الخانیۃ قبیل فصل المھاباۃ۔ طریق غرس فیہ رجل شجرۃ الفرصاد قالو ا لاباس بہ اذاکان لا یضر بالطریق ویطیب للغارس ورقھا واکل فرصا دھا وان کانت الشجرۃ فی المسجد قال الفقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی	فتاوٰی اہل سمر قند میں ہے: ایک مسجد میں ناشپاتی کا درخت ہے لوگوں کا اسکی ناشپاتی کے ساتھ روزہ افطار کرنا مباح ہے، صدر الشہید کہتے ہیں کہ مختار یہ ہے کہ یہ جائز نہیں، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ ایک عظیم امام کی صراحۃً تصحیح ہے اور بلا شبہ یہ معاملہ وقف سے متعلق ہے اور وقف جس طرح کسی کی ملکیت نہیں ہوتا اسی طرح وہ کسی کے لئے مباح نہیں ہوتا۔ اور جو کچھ خانیہ میں مہابات کی فصل سے تھوڑا سا پہلے ہے اس پر اس قول کو تقدیم حاصل ہے کہ راستہ میں ایک شخص نے تُوت کا درخت لگا دیا تو فقہاء نے فرمایا: جب وہ راستہ کے لئے ضرر رساں نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور درخت لگانے والے کے لئے اس کے پتّے اور پھل کا استعمال مباح ہوگا اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

لا باس باکل توتھا ولایجوز اخذ ورقھا[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	درخت مسجد میں ہے تو فقیہ ابو جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: اسے اپنے توت کا پھل کھانا جائز اور پتّوں کا لینا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶۸: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل الرحمان صاحب ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مساجد میں معاملاتِ دنیا کی باتیں کرنے والوں پر کیا ممانعت ہے اور بروزِ حشر کیا مواخذہ ہوگا؟

الجواب:

دنیا کی باتوں کے لئے مسجد میں جاکر بیٹھنا حرام ہے۔ اشباہ ونظائر میں فتح القدیر سے نقل فرمایا: "مسجد میں دنیا کی کلام نیکیوں کو ایسا کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔" یہ مباح باتوں کا حکم ہے پھر اگر باتیں خود بری ہوئیں تو اس کا کیا ذکر ہے، دونوں سخت حرام در حرام، موجب عذاب شدید ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶۹: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ منشی علی بخش محرر دفتر ججی غازی پور ۷ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں شور وشر کرنا اور دنیا کی باتیں کرنا اور اسی طرح وضو میں درست ہے یانہیں، اور اپنے پاس سے غیبت کرنے والوں اور تہمت رکھنے والوں اور جن میں شیوہ منافقت کا مفسدہ کا انداز پایا جائے نکلوادینا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

مسجد میں شور وشر کرنا حرام ہے، اور دنیوی بات کے لئے مسجد می بیٹھنا حرام، اور نماز کے لئے جاکر دنیوی تذکرہ مسجد میں مکروہ اور وضو میں بے ضرورت دنیوی کلام نہ چاہئے۔ اور غیبت کرنے والوں اور تہمت اٹھانے والوں منافقوں مفسدوں کو نکلوادینے پر قادر ہو تو نکلوادے جبکہ فتنہ نہ اُٹھے ورنہ خود اُن کے پاس سے اٹھ جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۰: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالبعلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد ویران شدہ یعنی چھت وغیرہ اُس کا گرگیا صرف دیواریں ودیگر آثار اُس کے سب نمودار ہیں اُس مسجد کے متعلق جو دُکان ہو اُس کا کرایہ دوسری مسجد پر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلح فیما یجوز لاحد الشریکین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۶۱۱/۳

خرچ ہوسکتا ہے یانہ؟اوراس کرایہ میں سے دوسری مسجد کے پیش امام کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نہیں جائز، بلکہ اس کے کرایہ سے اُسی مسجد کی تعمیر کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۱: از مراد آباد محلّہ اصالت پورہ مسئولہ کارد علی صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صحنِ مسجد میں کچھ قبریں آگئی ہیں اور ان قبروں میں فرش پختہ بنادیا گیا ہے اب کوئی نشان قبر کا صحنِ مسجد میں معلوم نہیں ہوتا البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فلاں فلاں کی قبریں ہیں لہٰذا یہ معلوم کرنا ہے کہ اس صحن مسجد میں کہ جہاں قبریں تھیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟اور جو نمازیں پڑھی ہیں وہ نمازیں ہوگئیں یا نہیں؟ سوال کا جوب بحوالہ کتب احادیث ارقام فرمائیں۔

الجواب:

مسلمانوں کی قبریں ہموار کرکے صحن مسجد میں شامل کرلینا حرام ہوااور ان قبروں پر نماز حرام ہے اور ان کی طرف نماز حرام ہے، قبراوپر کے نشان کا نام نہیں کہ اس کے مٹنے سے قبر جاتی رہے بلکہ اس جگہ کا نام ہے جہاں میّت دفن ہے، جتنی نمازیں اس طرح پڑھی گئیں سب پھیری جائیں اور قبروں کے نشان بدستور بنادئے جائیں کہ مسلمان ان پر پاؤں رکھنے اور چلنے اور ان پر اور ان کی طرف نماز پڑھنے کی آفتوں سے محفوظ رہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۲: از شاہی علاقہ رام پور مرسلہ نادر شاہ خاں وانعام اللہ خاں ۶ جمادی الآخری ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جامع مسجد کے یمین ویسار قبرستان خام ہے نشانِ قبور موجود ہیں، قبرستان کو نئی مٹی سے یا پختہ چبوترہ باندھ کر فرش مسجد کا بڑھالیا جائے ایسا کہ بلکل نشانِ قبر بالکل ظاہر نہ رہے تواس پر نماز پڑھنا درست ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز وحرام ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنا بھی حرام، اور قبر پر نماز پڑھنی حرام، اور حرام تواس ناجائز فعل میں قبروں کی بھی بے عزتی ہے اور نماز کا بھی نقصان۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۳: منشی مردان علی از بجنور محلّہ قاضی خاں:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد بجنور جو محلّہ قاضیان میں واقع ہے اس کا فرش موجودہ شرقاً وغرباً یعنی عرض میں بہت کم ہے کہ جو بعض جمعہ کو نمازیوں کے لئے کافی نہیں ہوتا للہذا اس کے فرش بڑھانے کی تدبیر درپیش ہے درصورت بڑھانے فرش کے کما نطقت بہ احادیث جمۃ وقد صرح علمائنا ان المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[1] کمافی فتح القدیر وردالمحتار وغیرھما۔

ایک قبر پختہ جس کا حضیرہ زمین سے قریب بارہ گرہ کے اونچا بنا ہوا ہے بیچ فرش میں پڑ گئی، صاحبِ قبر کے انتقال کو قریب سو سال کے گزری ہوں گی

لہٰذا علمائے دین کی خدمت میں التماس ہے کہ اس قبر کو کیا کیا جائے تاکہ نماز میں کچھ حرج نہ ہو، یا فرش کے برابر کردی جائے یا اونچی رہنے دی جائے؟ درصورت بحالت موجودہ رکھنے قبر کے، نماز میں کچھ حرج ہوگا یا نہیں؟ ورثائے صاحبِ قبر سوائے ایک شخص کے قبر کو برابر کرنے کے لئے راضی ہیں اگر برابر کرنا درست ہو تو یہ بھی مع حوالہ کتبِ فقہ تحریر کیا جائے کہ کتنے میعاد کے بعد برابر کرنا درست ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قبر مسلمان کو برابر کردینا کہ لوگ اس پر چلیں پھریں، اٹھیں بیٹھیں، نماز پڑھیں، محض حرام ہے۔

کما نطقت به احادیث جمة وقد صرح علمائنا ان المرور فی سکة حادثه فی المقابر حرام [1] کما فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرهما۔	جیسے کہ اس پر تمام احادیث شاہد عادل ہیں اور ہمارے علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ قبرستان میں نئے بنائے گئے رستے پر چلنا حرام ہے، جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پھر اس برابر کرنے سے نماز کا بھی کچھ آرام نہیں بلکہ نقصان ہے کہ قبر پر نماز پڑھنا حرام، اور قبر کی طرف بے حائل نماز پڑھنا بھی مسجد صغیر میں مطلقاً حرام اور کبیر میں اتنے فاصلے تک حرام کہ جب نماز خاشعین کی پڑھی اور قیام میں موضع سجود پر نظر جمائے تو قبر تک نگاہ پہنچے، اور عام مساجد صغیر ہیں، مسجد کبیر ایسی ہے جیسے جامع خوارزم کہ سولہ ہزار ستون پر ہے، اور قبر اس جگہ کا نام ہے جہاں میت دفن ہے، اوپر کا بلند نشان حقیقت قبر میں داخل نہیں تو اس کے برابر کردینے سے قبر قبر ہی رہے گی غیر قبر نہ ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

تکره الصلوٰة علیه والیه لورود النهی عن ذلک [2]۔	قبر پر اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے کیونکہ رسول اللہ ؐ نے منع فرمایا ہے (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنة الله علی الیهود النصارٰی اتخذوا قبورا انبیاء هم مساجد [3]۔ رواه الشیخان وغیرهما عن ام المؤمنین الصدیقة	اللہ تعالٰی کی لعنت ہو یہود و نصارٰی پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا۔ اسے بخاری و مسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

---

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱/۲۲۹

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۶۶۷

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۲، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۰۱

وعبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

بلکہ اس کا طریق یہ ہے کہ قبر کو فرش کے برابر کریں اور اگر فرش اونچا ہو کر آئے گا تو قبر جس قدر نیچی ہو رہنے دیں اور اس کے گرداگرد ایک ایک بالشت کے فاصلے سے ایک چار دیواری اٹھائیں کہ سطح قبر سے پاؤ گز یا زیادہ اونچی ہو، ان دیواروں پر پتھر ڈال دیں یا لکڑیاں چن کر پاٹ دیں کہ چھت ہو جائے۔ اب یہ ایک مکان ہو گیا جس کے اندر قبر ہے، اب اس کی چھت پر اور اسی کی دیوار کی طرف ہر طرح نماز جائز ہو گئی کہ یہ نماز قبر پر یا قبر کی طرف نہ رہی بلکہ ایک مکان کی چھت پر یا اس کی دیوار کی جانب ہوئی اور اس میں حرج نہیں۔ مسلک متقسط(ف) میں ہے:

ان کان بین القبر والمصلی حجاب فلا تکرہ الصلٰوۃ[1]۔	اگر قبر اور جائے نماز کے درمیان پردہ ہو تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (ت)

خلاصہ وذخیرہ وغیرہما میں ہے:

ھذا اذالم یکن بین المصلی وھذہ المواضع حائل کالحائط وان کان حائطًا لاتکرہ[2]۔	یہ اس وقت ہے جب جائے نماز اور ان مقامات کے درمیان پردہ مثلاً دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، اور اگر دیوار ہے تو کراہت نہیں۔ (ت)

اور بہتر یہ ہے کہ ان مختصر دیواروں میں جنوبًا شمالًا دیوار جانب قبلہ میں بھی باریک جالیاں رکھیں، اس سے دو(۲) فائدے ہوں گے: **اولًا** میت کی قبر تک ہواؤں کا آنا جانا کہ بحکم حدیث موجب نزول رحمت ہے۔ دوم جالیاں دیکھ کر ہر شخص سمجھ لے گا کہ یہ قبر نہیں اور اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں اندیشہ نہ کرے گا ورنہ ناواقف اُسے بھی قبر جان کر احتراز کرے گا اور صحن مسجد کے اندر اتنی جگہ تین چار گرہ بلندی رہنے کو جاہل نادانوں کی طرح ناگوار نہ جانیں کہ اس میں میت واحیاو مسجد و قبر کی بھلائی ہے کما اشرنا الیہ (جیسا کہ ہم نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے) واللہ تعالٰی اعلم

ف: کتاب مذکور کے الفاظ یوں ہیں: بل لایکون بینہ وبینہ من جدارہ والا فلا تکرہ الصلٰوۃ۔ **نذیر احمد**

---

[1] مسلک متقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم الخ مطبوعہ دار لکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۶۰

مسئلہ ۱۱۷۴: از شہر الہ آباد زیر جامع مسجد چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبو ساز ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید و تفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہاکہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے، بعد گفتگو بسیار کے یہ طے پایا کہ دونوں طرف سے تحریریں ہوجائیں اور رجسٹری کردی جائے، منتظمانِ مسجد لکھ دیں کہ ہم مدرسہ نہ اٹھائیں گے، جب تک مدرسہ تین شرائط پر قائم رہے گا۔ایک یہ کہ سات آٹھ برس کے لڑکے نہ داخل ہوں، دوسرے مدرسہ میں تعلیم ہندی ناگری انگریزی غیر مذہب کی تعلیم نہ داخل ہو، مدرسہ مسجد کی کسی چیز پر قبضہ نہ کرے۔ مہتمم مدرسہ نے اس کو تسلیم کیااور تحریر کردیا کہ ہم اس کے پابند رہیں گے، بکر کہتاہے کہ یہ تحریر کرنااور رجسٹری کرانا جائز نہیں ہے منتظمین کو شرعًا یہ حق حاصل نہیں کہ اس قسم کی تحریر کرائیں اور رجسٹری کرائیں۔زید کہتاہے کہ یہ سب جائز ہے جو کام مسجد میں جائز ہیں اس کی مزاحمت کسی کو جائز نہیں لہذا عدم مزاحمت کی توثیق کرانا شرعًا کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ کوئی متولی کسی نمازی سے کہہ دے یا لکھ دے کہ ہم تم کو نماز سے کبھی نہ روکیں گے جب تک تم کسی کو ایذا نہ پہنچاؤگے اور مسجد میں فساد کی بات نہ کروگے لہذا کس کا قول صحیح ہے زید کا یا بکر کا؟ بینوا توجروا

الجواب:

مسجد میں تعلیم بشرائط جائز ہے:

(۱) تعلیم دین ہو۔

(۲) معلم سنی صحیح العقیدہ ہو، نہ وہابی وغیرہ بددین کہ وہ تعلیم کفر وضلال کرے گا۔

(۳) معلم بلااُجرت تعلیم کرے کہ اجرت سے کار دنیا ہوجائے گی۔

(۴) ناسمجھ بچے نہ ہوں کہ مسجد کی بے ادبی کریں۔

(۵) جماعت پر جگہ تنگ نہ ہو کہ اصل مقصد مسجد جماعت ہے۔

(۶) غل شور سے نمازی کو ایذا نہ پہنچے۔

(۷) معلم خواہ طالب علم کسی کے بیٹھے سے قطعِ صف نہ ہو۔

ان شرائط کا اگر وثیقہ لکھا جائے کیا مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے وہ تحریر کہ لکھانا چاہتے ہیں اس کی پہلی شرط ان میں کی چوتھی اور دوسری ان میں کی پہلی ہے اور تیسری کوئی خاص تعلیم کی نہیں مطلقًا ہے اس کا لکھالینا بھی اچھا ہے گرمی کی شدت وغیرہ کے وقت جبکہ اور جگہ نہ ہو بضرورت معلم باجرت کو اجازت ہے مگر نہ مطلقًا، یونہی سلائی پر سینے والا درزی اگر حفاظت اور اس میں بچوں کو نہ آنے دینے کے لئے مسجد میں بیٹھے اور اپنا سیتا بھی رہے تو اجازت دی ہے یوں ہی غیر نماز کے وقت متعلمان علم دین کو تکرار علم میں رفع صوت کی حدیث میں فرمایا:

جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم [1]۔	اپنی مساجد کو اپنے بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

قالو ا ولایجوز ان تعمل فیه (ای فی المسجد) الصنائع لانه مخلص لله تعالٰی فلا یکون محلا لغیر العبادۃ غیر انهم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیه لمصلحته من دفع الصبیان و صیانة المسجد لاباس به للضرورۃ ولایدق الثوب عند طیه دقا عنیفا والذی یکتب ان کان باجر یکرہ وانکان بغیر اجر لایکرہ قال فی فتح القدیر هذا اذا کتب القران والعلم لانه فی عبادۃ اماهو لاء المکتبون الذین یجتمع عند هم الصبیان واللغط فلا ولولم یکن لغط لانهم فی صناعة لاعبادۃ اذهم یقصدون الاجارۃ لیس هولله تعالٰی بل للارتزاق ومعم الصبیان القرآن کا لکتاب ان کان لاجرلا وحسبة لاباس به [2] اھ	فقہاء نے فرمایا کہ مسجد میں کوئی عمل جائز نہیں یعنی مسجد میں کوئی کاروبار جائز نہیں کیونکہ وہ خالصۃً اللہ تعالٰی کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے تو اب وہ عبادت کے علاوہ کسی دوسری شے کا محل نہیں بن سکتی البتہ اس صورت میں مثلاً کوئی درزی وہاں اس لئے بیٹھ کر کام کرتا ہے کہ بچے داخل نہ ہوں اور مسجد کی حفاظت ہو، تو چونکہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ بھی کپڑے کو لپیٹتے وقت سخت آواز سے کپڑے کو نہ جھاڑے اسی طرح اگر وہاں کوئی لکھتا ہے اور اس کا معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر معاوضہ نہیں لیتا تو مکروہ نہیں۔ فتح القدیر میں ہے کہ یہ اس وقت ہے جب قرآن اور علم لکھ رہا ہو کیونکہ یہ عبادت ہے، لیکن یہ کتابت سکھانے والے لوگ جن کے پاس بچے اکٹھے ہوں اور شور ہوتا ہو وہ جائز نہیں اگرچہ عملاً شور نہ ہو کیونکہ یہ کاروبار ہے نہ کہ عبادت، کیونکہ وہ تو معاوضہ واجر کی خاطر ہوتا ہے نہ کہ اللہ تعالٰی کی رضا کے حصول کی خاطر، بلکہ یہ رزق کمانے کے لئے ہے، اور بچوں کو قرآن کی تعلم دینے والے کا حکم بھی کاتب کی طرح اگر معاوضہ کی خاطر ہے تو جائز نہیں اور اگر رضائے الٰہی کے لئے ہے تو کوئی حرج نہیں اھ (ت)

فتاوٰی خلاصہ میں قبیل کتاب الحیض ہے:

المعلم الذی یعلم الصبیان باجر اذا جلس	وہ استاد جو بچوں کو معاوضہ کے لئے پڑھاتا ہے اگر گرمی

---
[1] سنن ابن ماجہ باب مایکرہ فی المساجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۷۰۱ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۵۸/۸

[2] بحرالرائق باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۲

فی المسجد یعلم الصبیان لضرورۃ الحر وغیرہ لایکرہ وفی نسخۃ القاضی الامام رحمہ اللہ وفی اقرار العیون جعل مسئلۃ المعلم کمسألۃ الکاتب والخیاط فان کان یعلم حسبۃ لاباس بہ وان کان باجر یکرہ الا اذا وقع ضرورۃ[1]۔	وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو مکروہ نہیں، اور قاضی امام رحمہ اللہ کے نسخہ اور اقرار العیون میں مسئلہ معلم کو مسئلہ کاتب اور مسئلہ درزی کی طرح ہی قرار دیا گیا ہے کہ اگر وہ رضائے الٰہی کے لئے تعلیم دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں اور اگر معاوضہ لیتا ہے تو مکروہ ہے البتہ اس صورت میں جائز جب ضرورت ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اذا ضاق فللمصلی ازعاج القاعد ولم مشتغلا بقراءۃ او درس[2]۔	جب نمازی کے لئے جگہ تنگ ہو تو بیٹھے ہوئے آدمی کو اٹھا سکتا ہے خواہ وہ تلاوت میں مصروف ہو یا تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول وکذا اذالم یضق ولکم من قعودہ قطع للصف[3]۔	میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا حکم ہے جس کے بیٹھنے کی وجہ سے صف منقطع ہو رہی ہو اگرچہ تنگی نہ ہو (ت)

درمختار مکروہات وممنوعات مسجد میں ہے:

ورفع صوت بذکر الا للمتفقھۃ[4]۔	ذکر بلند آواز سے کرنا منع ہے مگر اس شخص کے لئے جو فقہ کی تعلیم دے رہا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاان یشوش جھر ھم علی نائم اومصلی اوقارئ الخ[5]۔	البتہ اس صورت میں بھی جائز نہیں جب ذکر بالجہر سے کسی سونے والے کی نیند، کسی نمازی کی نماز یا تلاوت کرنے والے کی تلاوت میں خلل کا اندیشہ ہو۔ (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی قبیل کتاب الحیض مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۲۹

[2] درمختار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

[3] ردالمحتار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۹۰

[4] درمختار، قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

[5] ردالمحتار قبیل باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۸

مناقب کردری میں ہے:

عن ابن عیینة قال مررت بہ (ای بالامام رضی اللہ تعالٰی عنہ) وھو مع اصحابہ فی المسجد قد ارتفعت اصواتھم فقلت یا ابا حنیفة ھذا المسجد والصوت لایرفع فیہ فقال دعھم فانھم لایفقھون الابہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ابن عیینہ سے ہے کہ میں ان (امام رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس سے گزرا آپ شاگردوں کے ساتھ مسجد میں تھے لیکن ان کی آواز بلند تھی، میں نے کہا: اے ابو حنیفہ! یہ مسجد ہے اس میں آواز بلند نہیں ہونی چاہئے۔ فرمایا: ان کو چھوڑدو کیونکہ دینی علوم کو اس آواز کے بغیر حاصل نہیں کرسکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷۵: سائل مذکور الصدر: ایک مسجد قدیم چندہ کے روپیہ سے از سرِ نو تعمیر کی گئی اس کی مغربی دیوار پر عبارت ذیل تین پتّھر میں کندہ کرکے ہر سہ محراب کے اوپر چسپاں کی گئی، عبارت یہ ہے: "یہ جامع مسجد مع دکانات جنوبی وشرقی وحمام شاہی عہد کے بنے ہوئے ایک عرصہ تک متولیوں کے اہتمام میں رہی، آخری متولی کی بے ایمانیوں سے حمام مسجد سے نکل گیا اور مسجد کی مغربی دیوار پر ایک شخص کا دومنزلہ مکان بن گیا، مغربی دیوار اور گنبد کی دیوار شق ہوگئی، مکاناتِ مسجد کی نسبت متولی مذکور نے اپنی خانگی جائداد ہونے کا دعوی کیا، بالآخر متولی بحکم کچہری تولیت سے خارج کردیا گیا اور مسجد دکانات کا انتظام کچہری کی طرف سے کمیٹی کو سپرد ہوا، اس کمیٹی نے حمام کو واپس لے کر جزوِ مسجد قرار دیا، اور اس وقت سے مسجد کی زینت وآبادی میں روزافزوں ترقی ہوتی رہی، مسجد کی مغربی دیوار اور گنبد کی ڈاٹ شق ہوجانے سے مسجد کے گرجانے کا اندیشہ تھا للہذا مسجد کی کل موجودہ عمارت بنیاد سے از سرنو کمیٹی کے زیر اہتمام تعمیر کی گئی تعمیر کا کام ۱۳۳۱ھ میں شروع ہوا ۱۳۳۶ھ میں ختم ہوا، تعمیر میں چالیس ہزار روپیہ خرچ ہوا، جس میں سے ایک ہزار نوسو دکانات کے کرایہ سے ملا باقی چندہ جمع کیا گیا، ضلع الہ آباد کے علاوہ دیگر اضلاع کے مسلمانوں اور والیان ملک نے بھی چندہ عطافرمایا، دکانات زیریں مسجد مع حمام وقف ہیں ان کی آمدنی اخراجات مسجد میں صرف ہوئی ہے، اللہ تعالٰی اس مسجد کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھے اور جملہ مسلمانان معاونین مسجد کو جزائے خیر عطا فرمائے، ناظرین ارکان کمیٹی وسیکریٹری ودیگر کارکنان کے حق میں دعائے مغفرت کریں۔ سید امیر الدین احمد غفرلہ المخاطب بہ خان بہادر سیکریٹری

---

[1] المناقب للکردری الامام ابو حنیفہ واصحابہ قاسوا علی السنة مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۷۳/۲

کمیٹی انتظام جامع مسجد چوک الہ آباد ساکن دائرہ شاہ رفیع الزمان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ واقع محلّہ یحیٰی پور شہر الہ آباد"
زید کہتا ہے کہ بچند وجوہ یہ عبارت چسپاں کرانا مغربی دیوار پر درست نہیں ہے، **اوّل** یہ کہ درمختار میں لکھا ہے کہ مغربی دیوار پر نقش کرنا درست نہیں ہے،

وھو ھذا (ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فانه یکرہ لانه یلھی المصلی ویکرہ التکلف بدقائق النقوش ونحوھا خصوصا فی جدار القبلۃ قاله الحلبی وفی حظر المجتبٰی وقیل یکرہ فی المحراب دون السقف والمؤخر اھ وظاھرہ ان المراد بالمحراب جدار القبله فلیحفظ[1]۔	اور وہ یہ ہے (مسجد کو محراب کے علاوہ منقش کرنے میں کوئی حرج نہیں) کیونکہ محراب کا منقش کرنا مکروہ ہے وہ نمازی کو مشغول کردیتا ہے اور باریک نقش ونگار کے لئے تکلف کرنا خصوصًا دیوار قبلہ میں مکروہ ہے حلبی نے کہا کہ المجتبٰی کے باب الحظر میں ہے کہ بعض کے نزدیک محراب میں نقش ونگار مکروہ، مگر چھت یا پچھلی دیوار پر مکروہ نہیں۔ اور اس سے ظاہر ہورہا ہے کہ محراب سے مراد قبلہ کی دیوار ہے، اسے محفوظ کرلو۔ (ت)

اور یہاں نحوھا کا لفظ بھی ہے کہ جو ہر ایک ایسی چیز کو شامل ہے کہ جس سے دل بٹنے کا اندیشہ ہو۔
دوم یہ کہ اس میں متولی سابق کی خیانت لکھی ہے جن کو اس لقب سے یہاں ہر شخص جانتا ہے وہ اپنے کردار کو پہنچ بھی چکے اور کچہری نے بھی ان کو تولیت سے علیحدہ کردیا لیکن وہ جب دنیا سے رحلت فرمائیں گے تو ان کی برائی ہمیشہ کے لئے کندہ رہے گی اور لوگ برائی سے ان کو یاد کریں گے، اور حدیث شریف میں منع ہے
سوم یہ کہ ایسے موقع پر کسی کا نام ہونا شہرت اور ریا سے خالی نہیں اور یہ غیر مستحسن ہے جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے:

وعن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه واسلم من بنی للہ مسجدا ای معبد افیتناول معبد الکفرۃ فیکون للہ لاخراج ما بنی معبدالغیر اللہ قاله ابن الملك والاظھر ان یکون المسجد علی	حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کے لئے مسجد (عبادت گاہ) بنائی، یہ کافروں کے عبادت خانے کو بھی شامل ہے۔ اب "اللہ کی خاطر" سے وہ عبادت گاہ خارج ہوجائے گی جو

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۹

بابه ویکون لله لا خراج ما بنی للریا والسمعة ولذاقیل من کتب اسمه علی بنائه دل ذلك منه علی عدم اخلاصه قال ابن حجر وھو ظاھر مالم یقصد بکتابة اسمه نحو الدعا والترحم وفیه ان الدعاء والترحم یحصل مجملا ومبهما فلا یحتاج الی تعیین الاسم[1]۔	غیر اللہ کی خاطر ہو۔ یہ ابن الملک کا قول ہے۔ اور اظہر یہی ہے کہ مسجد کا یہی حکم ہے اب "اللہ کی خاطر" سے وہ مسجد نکل جائے گی جو ریا اور دکھاوے کی خاطر ہو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے مسجد پر اپنا نام لکھا تو یہ عدم اخلاص پر دلیل ہے۔ ابن حجر کہتے ہیں یہی ظاہر ہے جب تک نام لکھنے سے مقصود دعا ورحمت نہ ہو اس پر اعتراض یہ ہے کہ دعا ورحمت مجملاً ہو جاتی ہے لہذا نام کی تعیین کی ضرورت نہیں۔ (ت)

چہارم یہ کہ ایک خاص ایسے شخص کے نام ہونے سے اس کا اور اس کے خاندان کا ایک قسم کا استحقاق ثابت ہوتا ہے اور آئندہ یہ مسجد کی آمدنی کے حق میں نہایت مضر ہوگا جیسا کہ تمام او قاف میں ہو رہا ہے بہر حال اگر اس میں کوئی اختلاف بھی کرے تو اختلافی بات مسجد میں رہنا اچھا نہیں، احتیاط کا یہی منشا ہے کہ یہ پتھر نہ رہے۔ بکر کہتا ہے کہ یہ پتھر چسپاں کرنا درست ہے بہت مساجد میں ایسے کتبے لگے ہوئے ہیں اور نماز میں وہاں نظر لے جانے کی ضرورت کیا ہے اور نام کندہ کرانا دعا کے واسطے ہے اور اس خیال سے کہ کسی منتظم ذمہ دار کے نام ہونے کی ضرورت ہے، بہر حال زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس سوال کا جواب رمضان ۱۳۳۷ھ میں دیا جاچکا ہے اس کی نقل مرسل ہے وہی جواب ہے اس میں دیوار قبلہ پر نام کا سوال زائد ہے، بیشک دیوار قبلہ میں عام مصلیوں کے موضع نظر تک کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جس سے دل بٹے اور ہو تو کپڑے سے چھپا دی جائے۔ احمد وابوداؤد عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دعاہ بعد دخوله الکعبة فقال انی کنت رأیت قرنی الکبش حین دخلت البیت فنسیت ان آمرك ان تخمرھا فخمرھما فانه لاینبغی ان یکون فی قبلة البیت شیئ	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دخول کعبہ کے بعد انھیں بلایا اور فرمایا جب میں بیت اللہ میں داخل ہو تو میں نے دنبے کے دو[2] سینگ دیکھے مجھے تجھ سے یہ کہنا یاد نہ رہا کہ انھیں ڈھانپ دو، کیونکہ قبلہ بیت اللہ میں ایسی کسی

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۹۳

یلهی المصلی [1]۔	شیئ کا ہونا مناسب نہیں جو نمازی کو مشغول کردے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ معظّمہ میں تشریف فرما ہوئے عثمان بن طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کلید بردار کعبہ کو طلب فرماکر ارشاد فرمایا: ہم نے کعبہ میں دنبے کے سینگ ملاحظہ فرمائے تھے (دنبہ کہ سیدنا سمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا اس کے سینگ کعبہ معظّمہ کی دیوار غربی میں لگے ہوئے تھے) ہمیں تم سے یہ فرمانا یاد نہ رہا کہ ان کو ڈھانک دو اب ڈھانکو کہ نمازی کے سامنے کوئی چیز ایسی نہ چاہئے جس سے دل بٹے۔ ہاں اگر اتنی بلندی پر ہو کہ سر اٹھا کر دیکھنے سے نظر آئے تو یہ نمازی کا قصور ہے، اسے آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لینتهین اقوام یرفعون ابصارهم الی السماء فی الصلوٰة اولتخطفن ابصارهم [2]۔ رواه احمد و مسلم والنسائی عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه۔	وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو اس سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائیگی یعنی واپس نہ آئے گی اندھے ہوجائیں گے۔ اسے امام احمد مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

نام کندہ کرانا نیت پر ہے، اگر بہ نیت دعا ہے بے شبہہ روا ہے اور مبہم دعا کافی ہونا بالتعیین دعا چاہنے کا نافی نہیں، اور اگر مقصود نام بیشک حرام ہے، مگر مسلمان پر بدگمانی کس نے جائز کی، یہ امر قلب ہے وہ جانے اور اس کا رب۔ پہلی جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ میں بھی اس کا جواب جاچکا تھا یہی حکم تھا، وہ مجمل ہے یہ قدرے مفصل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۷۶: از شہر دفتر انجمن خادم المسلمین مسئولہ گوہر علی حسینی معتمد انجمن ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ سقف مساجد پر بخیال شوکت اسلام اسلامی سیاہ جھنڈا یعنی لوائے اسلام نصب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

شوکت اسلام اطاعت اسلام میں ہے، مسجد پر جھنڈا ایک نئی بات ہے، اور کوئی مزاحمت ہو تو سبکی و خفت، اور اس کا اندیشہ نہ ہو تو فی نفسہٖ کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل مروی از امراۃ ام عثمان بن طلحہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۳۸۰

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن رفع البصر الی السماء الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۸۱

مسئلہ ۱۱۷۷: از بھیرہ شاہ پور ملک پنجاب دروازہ ملتانی مسئولہ فضل حق صاحب چشتی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب سلطان العلماء المتبحرین برہان الفضلاء والمتصدرین کنز الہدایۃ والیقین شیخ الاسلام والمسلمین مولٰینا مفتی العلامہ شاہ احمد رضا خان صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولودخوانی مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ مرزائی وغیرہ اعتراض کرتے ہیں کہ مسجد میں راگ منع ہیں اور حتی الامکان منع ہیں، چونکہ مولود بھی راگ ہیں اس لئے یہ قطعًا جائز ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مجلس میلاد مبارک کہ روایات صحیحہ سے ہو اور اشعار کہ پڑھے جائیں مطابق شرع مطہر ہوں اور الحان سے پڑھنے والے مرد غیر امرد ہوں، مسجد میں بھی جائز ہے کہ مساجد ذکر الٰہی کے لئے بنیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بھی ذکر الٰہی ہے، حدیث میں ہے رب عزوجل نے کریمہ ورفعنا لک ذکرک کے نزول کے بعد کہ ہم نے بلند کیا تمھارے لئے تمھارا ذکر، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیج کر ارشاد فرمایا: **اتدری کیف رفعت لك ذکرک**[1] جانتے ہو میں نے تمھارا ذکر تمھارے لئے کیونکر بلند فرمایا؟ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی: تو خوب جانتا ہے۔ فرمایا: **جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی**[2] میں تمھیں اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا تو جو نے تمھارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔ قادیانی مرتدین ہیں ان کی بات پر کان لگانا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷۸: مسجد میں مسائل کا بطور وعظ کے قبل نماز کے کوئی نفل پڑھتا ہو کوئی سنتیں بیان کرنا چاہئے یا نہیں، یا بعد نماز کے؟

الجواب:

مسائل قبل نماز خواہ بعد نماز، ایسے وقت بیان کئے جائے کہ لوگ سننے کے لئے فارغ ہو، نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] کتاب الشفاء لا باب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیۃ ترکی ۱/۱۵، تفسیر در منشور آیۃ ورفعنا لک ذکرک کے تحت مذکور ہے منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۶/ ۳۶۴

[2] کتاب الشفاء الباب الاول فی ثناء اللہ تعالٰی فصل اول مطبوعہ شرکت صحافیہ فی البلاد العثمانہ ترکی ۱/۱۵

مسئلہ ۱۱۷۹: از جاورہ مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب یکم رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں اگر نماز کے واسطے صفیں باندھ کر منتظر جماعت یا خطبہ بیٹھے ہوں اور مشغول ذکر الٰہی ہوں اس صورت میں کسی حاکم یا مشائخ یا رئیس یا بادشاہ یا خود امام مسجد کے آجانے پر کسی شخص کو یا عام لوگوں کو تعظیم کے لئے کھڑا ہونا یا استقبال کو بڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ لوگ جماعت یا خطبہ کے انتظار میں نہ ہوں اور ابھی امام خطبہ کے لئے نہیں گیا تو باپ یا پیر یا استاذ علم دین کے لئے ہر شخص قیام کرسکتا ہے، اور اگر عالم دین کا تشریف لانا ہو تو تمام مسجد قیام کرے، ان کی تعظیم بعینہٖ اللہ و رسول کی تعظیم ہے جل و علا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، باقی صرف دینوی عزت یا تونگر رکھنے والے کے لئے بلاضرورت و مجبور جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸۰: غرہ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مقام پر بہت قبریں ہوں اس مقام کو پاٹ کر اس پر مسجد بنائی جائے اس میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ قبرستان عامہ مسلمین کے خاص موضع قبور پر مٹی ڈال کر چبوترہ بنایا اور اس پر عمارت قائم کرکے اسے مسجد ٹھہرایا یہ قطعًا ناجائز و باطل ہے، نہ وہ مسجد مسجد ہوسکتی ہے **فان الوقف لایملك فلا یوقف مرۃ اخری علی جھۃ اخری** (کیونکہ وقف کسی کی ملکیت نہیں رہتا لہٰذا دوبارہ کسی دوسرے پر وقف نہیں کیا جاسکتا۔ت) نہ اس میں نماز مباح **لان القبر لایخرج عن القبریۃ باضافۃ تراب علیه فھی صلٰوۃ علی القبر ثم ھو تصرف فی الوقف بما لیس له و تغییرله عما قد کان له فلا یجوز** (کیونکہ قبر پر مٹی زیادہ ڈالنے سے قبر، قبریت سے خارج نہیں ہوسکتی لہٰذا یہ نماز قبر پر ہوگی پھر یہ وقف میں ایسا تصرف و تبدیلی ہے جو اس کے لئے جائز نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸۱تا۱۱۸۴: از میرٹھ تاعلاقہ جودھپور متصل مسجد جامع چوٹھ کی گلی مرسلہ مولوی عبدالرحمان صاحب وکیل کچامن ۸ ذی الحجہ یوم چہار شنبہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کثر اللہ جماعتہم سوالات مستفسرۃ ذیل کے جوابات میں:

(۱) ہمارے ادھر ایک قوم ہے جس کا پیشہ شراب کشید کرنے کا ہے اور مذہبًا مسلمان ہے اس قوم میں کچھ آدمیوں نے دوچار پشت سے شراب کی کشید موقف کردی ہے اور دوسرے پیشے مثلاً پیشہ بساطی

اور معماری وغیرہ وغیرہ جن سے اکل حلال میسر ہوسکتا ہے اختیار کرلئے ہیں ان لوگوں نے ایک مسجد بنائی ہے اس میں ہم لوگوں کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا قوم کے بعض مسلمان ابھی تک شراب کشید کرتے ہیں مگر وہ نماز اور روزہ کے پابند ہیں، یہ لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اسی میں وضو بناتے ہیں مگر مسجد میں جب داخل ہوتے ہیں اس وقت شراب سے بدن کو ملوث نہیں رکھتے بلکہ کپڑوں سے اور بدن کی طہارت سے داخل ہوتے ہیں اس صورت میں ان کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور وضو کرنے دیں یا منع کیا جائے اور جماعت مین شریک کریں یا نہ کریں؟

(۳) وہ مسلمان جنھوں نے شراب ترک کردی ہے ان کے یہاں کی دعوت قبول کی جائے یا نہیں اور ان کی بنا کردہ مسجد میں امامت کرنے والے کے حق میں شریعت سے کیا حکم ہے؟

(۴) قوال یعنی بڑھ مچھے اور طوائف بڑھیا کو مسجد میں آنے دینا چاہئے یا نہیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مسجد کہ ان لوگوں نے بعد توبہ مال حلال سے بنائی ہے بیشک مسجد شرعی ہے اور اس میں نماز فقط ہوسکتی ہی نہیں بلکہ اس کے قرب وجوار والوں اہل محلّہ پر اس کا آباد رکھنا واجب ہے، اس میں اذان واقامت وجماعت وامامت کرنا ضرور ہے اگر ایسا نہ کریں گے گنہگار ہوں گے، اور جو اس میں نماز سے روکے گا وہ ان سخت ظالموں میں داخل ہوگا جن کی نسبت اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا[1]	اس سے بڑھ کر کون ظالم جو اللہ کی مسجدوں سے روکے ان میں خدا کا ذکر ہونے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔

اور ان تائبوں کی دعوت بھی قبول کی جائے کہ اب اس کا مال بھی حلال ہے اور توبہ سے گناہ بھی زائل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له[2]۔ رواه ابن ماجة بسند حسن والبیهقی	جس نے گناہ سے توبہ کرلی وہ ایسے ہے جیسے گناہ کیا ہی نہیں۔ اسے ابن ماجہ نے بسند حسن، بیہقی نے سنن

[1] القرآن ۲/ ۱۱۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳، السنن الکبرٰی کتاب الشہادات باب شہادت القاذف مطبوعہ دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۵۴

فی السنن والطبرانی فی لکبیرعن عبداللہ بن مسعود والحکیم الترمذی عن ابی سعید الخدری والبیھقی فی الشعب والسنن وابن عساکر عن ابن عباس وفی السنن عن عقبۃ الخولانی والاستاذ القشیری فی رسالتہ والدیلمی وابن النجار عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھم	میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی علیہ سے، حکیم ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی علیہ سے، بیہقی نے شعب الایمان میں، اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور سنن میں عقبہ خولانی سے، اور استاد القشیری نے اپنے رسالہ میں، اور دیلمی اور ابن نجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

اور ان میں جو لوگ اب تک اس فسق عظیم میں مبتلا ہیں اگرچہ مستحق لعنت خدا ہیں مگر جبکہ پاک بدن پاک کپڑوں سے مسجد میں آتے ہیں تو انھیں وضو و مسجد و جماعت سے نہیں روک سکتے، اگر ان کے آنے سے فتنہ نہ ہو، یونہی قوال کو بھی، اور عورتیں اگرچہ پارسا اور بڑھیا ہوں مسجد سے ممنوع ہیں خصوصاً ناپیشہ فاحشات کہ ان کے باہمی وہ رسوم سنے گئے ہیں جن کا بعد ایمان قائم رہنا سخت دشوار ہے، قوال وغیرہ جو مسلمان مرے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاتا ہو چند صور استثنائی مذکورہ فقہیہ کے سوا سب جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت برا کان او فاجر وان ھو عمل الکبائر [1] ۔ رواہ ابوداؤد وابو یعلٰی والبیھقی بسند حسن صحیح عن ابی ھریرۃ ومعناہ لابن ماجۃ عن واثلۃ بن الاسقع وللطبرانی فی الکبیری وابی نعیم فی الحیلۃ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے وہ نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد۔ ابویعلی اور بہقی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور معناً اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین سے روایت کیا ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸۵:　　از بریلی مسئولہ شیخ العزیز بسطامی　　دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزمع ائمہ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳، سنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ خلف من لایحمد فعلہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۱۱۲و ۸/۱۸۵

بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہو کر رہ گیا اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں، پس یہ جائز ہے یا نہیں ؟**بینوا توا جروا**

الجواب:

جب دریاں سپرد کردیں ملک مسجد ہو گئیں، جب تک ناقابل استعمال نہ ہو جائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب ادراک الفریضۃ

(نماز فرض کو پانے کا بیان)

مسئلہ ۱۱۸۶: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں از مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیندار و مفتیان ورع شعار دریں مسئلہ کہ مردے نیت چہار رکعت نماز سنت خواہ نفل نمودہ یک رکعت نماز با تمام رسانیدہ بادائے رکعت دوم برخاست دراں وقت کسے تکبیر نماز فرض گفت ادا کندہ نفل وسنت بر چہار رکعت تمام نماید یا بر دو رکعت اکتفا ساز دو رکعت باقیہ را نجواند یا نہ؟ **بینوا توجروا**	علماء شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے چار رکعت نماز سنت یا نفل کی نیت کرکے شروع کی ابھی دوسری رکعت کی طرف اٹھا تھا کہ نماز فرض کی جماعت کے لئے تکبیر ہوگئی نفل وسنت ادا کرنے والا چار رکعت پوری کرے یا دو پر اکتفاء کرلے باقی دو رکعات ادا کرے یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مصلی نفل از آغاز ثنا تا انجام تشہد در ہرچہ کہ باشد چوں ہنوز در شفع اول ست و بہر شفع دوم یعنی رکعت ثالثہ قیام نکردہ کہ جماعت فرض قائم شد لاجرم بر ہمیں دو رکعات پیشیں اکتفا نماید و بجماعت درآید	نفل ادا کرنے والا نمازی ثنا سے تشہد کے آخر تک جو پہلی دو رکعت میں ہے ابھی تیسری رکعت کی طرف اس نے قیام نہیں کیا تھا کہ جماعت فرض کھڑی ہوگئی تو ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ انھیں دو رکعات پر اکتفا کرے

فی الدرالمختار الشارع فی نفل لایقطع مطلقا ویتمه رکعتین [1]۔ و دو رکعت کہ باقی ماند قضائے آنہا برزمہ اش نیست زیرا کہ ہر شفع نفل نماز جداگانہ است تا در شفع دوم آغاز تکرد واجب نشد وچوں واجب نشد قضا نیامد۔

فی الدرالمختار لاقضاء لونوی اربعا و قعد قدرالتشهد ثم نقض [2]۔ و ہمیں سب حکم سنن غیر راتبہ مانند چار رکعت قبلیہ عصر و عشاء کہ آنہم نافلہ بیش نیست اما سنن راتبہ رباعیہ کہ قبلیہ ظہر و جمعہ است و ہمچو سائر رواتبہ حکمہا دارد فائق بر احکام نفل مطلق ایں جاعلمارا معرکے عظیم ست بسیاری آنہارا نیز در حکم مذکور ہمرنگ نوافل داشتہ اند پس اگر جماعت ظہر قائم شد یا امام بخطبہ جمعہ رفت ہر کہ در شفع اول سنت است ہمیں بر دو رکعت سلام وہد ایں [1] ست روایت نوادر از امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کما فی الهداية واز امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نیز کما فی فتح القدیر وبہ میں [3] قول رجوع فرمود امام شیخ الاسلام علی سغدی کما فیه ایضا و قاضی [4] نسفی نیز کما فی الشامی عن الوجیز و فی غنیة الحلبی من الاوقاف المکروهة عن قاضی خاں

اور جماعت میں شریک ہو جائے درمختار میں ہے نوافل میں شروع ہونے والا انھیں مطلقاً قطع نہیں کرسکتا بلکہ دو رکعات پوری کرے۔ اور جو دو رکعات باقی تھیں ان کی قضا اس کے ذمہ نہیں کیونکہ نوافل کی ہر دو رکعت الگ نماز ہے جب تک دوسرے شفع کا آغاز نہیں کیا جاتا وہ لازم نہیں ہوگا۔ درمختار میں ہے قضا لازم نہیں اگرچہ نمازی نے چار کی نیت کی تھی اور اس نے مقدار تشہد بیٹھ کر نماز توڑ دی۔ اور غیر مؤکدہ سنن کا حکم بھی یہی ہے مثلاً عصر اور عشاء کی پہلی سنتیں، ان کا درجہ بھی نوافل کا ہے لیکن وہ چار سنن موکدہ جو مثلاً ظہر اور جمعہ سے پہلے ہیں تو ان کا حکم نوافل سے فائق ہوتا ہے اس جگہ علماء کا بہت زیادہ اختلاف ہے اکثر نے ان سنن موکدہ کو نوافل کا درجہ دیا ہے اب اگر جماعت ظہر کھڑی ہو گئی یا امام نے خطبہ شروع کردیا تو جو شخص سنن کی پہلی دو رکعات میں ہے وہ دو رکعت پر سلام کہہ دے۔ یہ روایت نوادر امام ابویوسف سے ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور امام اعظم سے بھی مروی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور اس قول کی طرف امام شیخ الاسلام علی سغدی نے رجوع کیا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور قاضی نسفی نے بھی یہی کہا ہے جیسا کہ شامی میں وجیز سے اور حلبی کی غنیہ کے اوقاف مکروہہ

---

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۷/۱

وامام [5] بقالی رانیز ہمیں سو میل ست کما قالہ الکمال وشمس [6] الائمہ سرخسی راہم کماذکر ایضاوتبعہ فی الغنیۃ وفی مراقی الفلاح واقرہ فی ردالمحتار وللعبد الضعیف فیہ وقفۃ واللہ تعالٰی اعلم ۔ وظاہر [7] ہدایہ اختیار اوست کما فی الشامی وظاہر [8] کافی شرح وافی للامام النسفی نیز کمارایتہ فیہ وبرہمیں [9] جزم کردہ است علامہ [10] طرابلسی در برہان و مواہب الرحمٰن و مولٰی خسرو در درر وعلامہ کرکی [11] در فیض وظاہر اعلامہ [12] علی مقدسی رانیز ہمیں سو میلان ست کما فی ردالمحتار وعلامہ [13] ابراہیم حلبی در متن ملتقی ہمبریں اعتماد کرد وقول دیگر رابلفظ قیل آورد ودر خانیہ [14] اول الصلٰوۃ فصل معرفۃ الاوقات فرمودبہ اخذ المشائخ ودر فتح انہ اوجہ تلمیذ [16] محقق علامہ محمد حلبی در حلیہ پس از نقلش فرماید ھو کما قال در نورالایضاح [17] علامہ شرنبلالی ونیز در ادراک الفریضہ از حاشیہ او بر درر الحکام است ھوالاوجہ خاتمہ المحققین علامہ شامی نیز ہمیں را تایید وتشیید کرد. بریں قول ایں دو رکعت کہ گزاردہ است نفل محض گرد دو و دو باقی راقضا نیست علی ما ھو ظاھر الروایۃ و ارجع التصحیحین کما حققہ فی ردالمحتار باز بعد از فرض بلکہ علی اولی الترجیحین عندی کما حققتہ علی ھامش حاشیۃ الشامی پس از سنت بعدیہ ایں سنن قبلیہ را ادا کند تاہم سنت ادا شود و ہم فضل جماعت واستماع خطبہ ازدست نرود

میں قاضی خاں سے ہے، اور امام بقالی نے بھی اسی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ شیخ کمال نے فرمایا، اور شمس الائمہ سرخسی نے بھی یہی فرمایا جیسا کہ یہ بھی مذکور ہے اور اسی کی اتباع غنیہ اور مراقی الفلاح اور ردالمحتار میں اس کو ثابت رکھا ہے۔ لیکن اس عبد ضعیف کو اس میں توقف ہے ظاہرًا ہدایہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں ہے اور کافی شرح وافی للامام نسفی سے بھی یہی ظاہر ہے جیسا کہ میں نے اسے دیکھا ہے، اور اسی پر علامہ طرابلسی نے برہان اور مواہب الرحمٰن میں جزم کیا، ملا خسرو نے درر، علامہ کرکی نے فیض اور علامہ علی مقدسی نے بھی ظاہرًا اسی کی طرف میلان کیا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور دوسرے قول کو لفظ "قیل" کے ساتھ بیان کیا، خانیہ نے باب الصلٰوۃ کی فصل فی معرفۃ الاوقات میں فرمایا کہ مشائخ نے اسی پر عمل کیا ہے۔ فتح میں ہے کہ یہی مختار ہے، تلمیذ محقق علامہ محمد حلبی نے حلیہ میں اسے نقل کرکے کہا وہ اسی طرح ہے جو انھوں نے فرمادیا ہے، نورالایضاح میں علامہ شرنبلالی اور اس کے ادراک الفریضہ کے حاشیہ میں دررالحکام سے ہے کہ یہی مختار ہے، خاتمہ المحققین علامہ شامی نے بھی اسی قول کی تائید کی ہے، اس قول پر یہ جو رکعات ادا کی گئی ہیں محض نفل ہیں اور باقی دونوں کی قضا نہیں جیسا کہ ظاہر الروایت سے واضح ہے اور دونوں اقوال کی تصحیح میں یہی راجح ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے، پھر فرض کے بعد

فی نور الایضاح وشرحه مراقی الفلاح العلامة الشرنبلالی ان کان فی سنة الجمعة فخرج الخطیب او فی السنة الظهر فاقیمت الجماعة سلم علی رأس رکعتین، وھوالاوجه لجمعه بین المصلحتین، ثم قضی السنة اربعا بعدالفرض مع مابعدہ فلا یفوت الاستماع ولاداء علی وجه اکمل[1] اھ مخلصاً۔

قول دیگر آنکہ مصلی ایں دو سنت ہر چہار رکعت اتمام کند اگر چہ ہنوز تحریمہ بستہ است کہ جماعت ظہر یا خطبہ جمعہ آغاز نہادند زیرا کہ ایں ہمہ رکعات ہمچو نماز واحد ست لہٰذا در قعدہ اولی درود نخوانند نہ در شروع ثالثہ ثنا و تعوذ آرد و چوں در شفع اولیں خبر بیع شنود و بشفع دوم انتقال نمود شفعہ ساقط نشود و ہمچناں زن مخیّرہ را اختیار از دست نرود و کذلک تا از ہر چہار فراغ نیابد خلوت بازن صحیح نشود و کمال مہر لازم نیاید کل ذلک فی تبین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام العلامة الزیلعی، امہ مشائخ بترجیح و تصحیح ایں قول تصریح نمودہ اند، امام ولوالجی و صاحب مبتغی

بلکہ میرے نزدیک دونوں ترجیحات میں سے پہلی ہے جیسا کہ میں نے شامی کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے ان میں پہلی سنتوں کو بعد کی سنتوں کے بعد ادا کرلے تاکہ سنت ادا ہو جائے اور فضیلت جماعت اور خطبہ کی ساعت کا ثواب بھی ہاتھ سے نہیں جائیگا۔ نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے اگر نمازی جمعہ کی سنتیں ادا کر رہا ہے اور خطیب آگیا یا ظہر کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو تکبیر جماعت کہی گئی تو دو رکعات پر سلام پھیر دے کیونکہ دونوں مصلحتوں کو جمع کرلینا ہی مختار ہے پھر فرائض کے بعد ان پہلی چار سنتوں قضا کرلے تو اب خطبہ کا سننا (جو فرض تھا) فروت نہ ہوا اور ادائیگی بھی وجہ کامل پر ہوگی اھ تلخیصًا

دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں سنتوں (قبل از ظہر و جمعہ) کی چار چار رکعت پوری کرلے اگرچہ خطبہ جمعہ یا ظہر کی جماعت کھڑی ہو جائے کیونکہ یہ تمام نماز واحد کی طرح ہیں یہی وجہ ہے کہ پہلے قعدہ میں درود اور تیسری رکعت میں ثنا اور تعوذ نہیں پڑھا جاتا، جب کسی نے پہلی دو رکعات میں خرید وفروخت کی خبر سنی اور وہ دوسری دو رکعات میں شروع ہوگیا تو اس سے حق شفعہ ساقط نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح صاحب اختیار عورت کا اختیار بھی ساقط نہیں ہوتا______اسی طرح جب تک وہ چار رکعات سے فارغ نہیں ہو جاتا عورت کے ساتھ خلوت صحیحہ نہیں پائی جائیگی

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۵

[1] و ۳ صاحب محیط و ۴ علامہ شمنی فرمودند الصحیح انه یتمها اربعا کما فی البحر من ادزاك الفریضة خود ۵ علامہ زین در بحر بعد نقلش فرمود الظاهر ما صحح المشائخ لانه لاشك ان فی التسلیم علی رأس الرکعتین ابطال وصف السنیة لا لا کمالها وتقدم انه لا یجوز [2] الخ برادرش ۶ علامہ عمر بن نجیم در نہر ادرامقرر داشت کما فی ردالمحتار در فتاوی صغری ۷ فرمود علیه الفتوی ۸ علامہ شرنبلالی در جمعہ غنیہ ذوی الاحکام فرماید قوله وان کانت سنة الجمعة یسلم علی راس الرکعتین، **اقول:** الصحیح خلافه وهو انه یتم سنة الجمعة اربعا، وعلیه الفتوی کما فی الصغیری، وهو الصحیح کما فی البحر عن الو لوالجیة والمبتغی لانها بمنزلة صلوة واحدة واجبة اھ [3] ۹ امام ظہیر الدین مرغینانی در ظہیریہ فرمود هو الصحیح [4] امام ظہیر الدین مرغینانی ظہیریہ میں فرماتے ہیں یہی صحیح ہے کما فی ۱ القهستانی والغنیة شرح المنیة من الاوقات المکروهة و "ہمچناں در سراج وہاج ست [5] جیسا کہ قہستانی اور غنیہ شرح منیہ کے اوقات مکروہہ میں ہے اسی طرح سراج وہاج میں ہے کما فی ۲ الهندیة ۳ امام سرخسی فرماید هو

مہر کامل لازم نہ ہوگا۔ یہ تمام گفتگو امام علامہ زیلعی کی تبیین حقائق شرح کنز الدقائق میں ہے۔ عام مشائخ نے اسی قول کو ترجیح اور اسی کی تصحیح پر تصریح کی ہے۔ ۱ امام ولوالجی، صاحب ۲ مبتغی، صاحب ۳ محیط اور ۴ علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات پوری کرے، جیسا کہ بحر کے ادراک الفریضہ میں ہے، خود ۵ علامہ زین بحر میں اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ظاہر یہی ہے جس کی تصحیح مشائخ نے فرمائی ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دو رکعات کے بعد سلام وصف سنیت کے ابطال کے لئے ہے نہ کہ ان کے اکمال کے لئے، اور پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ جائز نہیں الخ، ان کے بھائی ۶ علامہ عمر بن نجیم نے نہر میں اسی کو ثابت رکھا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، فتاوٰی صغرٰی میں فرمایا" فتوٰی اسی پر ہے ۸ "علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام کے جمعہ میں فرمایا ماتن کا قول اگر نماز جمعہ کی سنتیں ادا کر رہا ہے تو دو رکعتوں پر سلام پھیرلے **میں کہتا ہوں** کہ صحیح اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار رکعتیں ادا کرے اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اور یہی صحیح ہے

[1] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۱

[2] بحر الرائق باب ادراک الفریضہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۱

[3] غنیۃ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام باب الجمعہ مطبعہ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/ ۱۴۱

[4] غنیۃ المستملی بحوالہ المرغینانی الشرط الخامس ھوالوقت مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۴۲

[5] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی الدراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۰

الاصح [1] کمافیہا ایضا علامہ غزی [14] در متن تنویر الابصار فرمود علی الراجح علامہ [15] دمشق در در مختار تقریر ش کرد و گفت خلافا لما رجحہ الکمال [2] و در جمعۃ تبعا للبحر فرمود یتم فی الاصح [3] در مجمع [16] الانہر گفت صححہ اکثر المشائخ [4] ھم در آنست الصحیح انہ یتم [5] تا آنکہ محرر مذہب حضرت امام [17] محمد ظاھر الروایۃ ست بایں معنی ایما فرمود ناھیک بحجۃ وقدوۃ محقق علی الاطلاق در فتح فرماید الیہ اشار فی الاصل [6]۔

جیسے بحر میں ولوالجیہ اور المبتغے سے ہے کیونکہ یہ بمنزل ایک نماز واجبہ کے ہے اھیسے فتاوٰی ہندیہ میں ہے، امام سرخسی فرماتے ہیں کہ یہی اصح ہے اور اسی میں یہ بھی ہے علامہ غزی نے متن تنویر الابصار میں فرمایا کہ راجح یہی ہے، علامہ دمشقی نے در مختار میں اس پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے یہ مخالف ہے اس بات کے جس کو کمال نے ترجیح دی اور باب جمعہ میں بحر کی اتباع میں فرمایا اصح قول یہی ہے مجمع الانہر میں فرمایا اکثر مشائخ نے اسی کو صحیح کہا ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ صحیح یہی ہے کہ نمازی چار رکعات ادا کرے حتی کہ محرر مذہب حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے مبسوط جو کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے میں اسی کی طرف اشارہ کیا اور یہی حجت کافی ہے قدوّۃ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا اسی کی طرف (امام محمد نے) اصل میں اشارہ فرمایا ہے۔

---

1 فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی الباب العاشر فی ادراک الفریضہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰

2 در مختار ، باب ادراک الفریضہ ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

3 در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

4 مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

5 مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

6 فتح القدیر ، باب ادراک الفریضہ ، مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۱۱

اقول: دیدی کہ ہر جانب قوتے ست بس علیہ و رفعتے شامخہ جلیلہ امام دلیل قول اول کہ امام ابن الہمام قدس سرہ ذکر فرمود گو بدل چسپندہ تر باش لکن عامہ تصحیحات صریحہ ایں طرف ہجوم آوردہ ولفظ **ھو الصحیح** کہ از جمہور ائمہ طراز دامن قول شد بر لفظ ھو اوجہ کہ از امام محقق علی اطلاق نصیبہ قول اول ست گراں سنگیہا دارد بہم از روئے مادہ وہم از راہ ہیئت وہم از جہت زوائد **کما لایخفی علی الفقیہ النبیہ العارف باسالیب الکلام** آں طرف اگر بہ اخذ المشائخ ست کہ بظاہر مراد بایشاں مشائخ خود امام قاضی خان ست ایں طرف **صححہ اکثر المشائخ** ست و نیز آنکہ از عامہ الفاظ اکد ست واقوی اعنی لفظ **علیہ الفتوی** باز آں طرف اگر از حضرات شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت نوادر ست ایں جانب اشارہ اصل نہ چیزے ست سہل علماء سپید گفتہ اند کہ مفہوم متون بر منطوق فتاوٰی تقدم دارد علامہ سیدی احمد حموی در غمز العیون نگارد **غیر خاف ان مافی المتون والشروح ولوکان بطریق المفہوم مقدم علی مافی الفتاوی وان لم یکن فی عبارتھا اضطراب**[1] وپیداست کہ نسبت النوادر بہ اصول ہمچو نسبت فتاوی ست بمتون و بالآخر مسئلہ ازاں قبیل ست کہ انسان ہر دو قول

اقول: (میں کہتا ہوں) آپ نے دیکھ لیا کہ ہر طرف قوت ہے، تو نہایت بلند اور جلیل رفعت دونوں میں ہے پس قول اول پر جو دلیل امام ابن ہمام قدس سرہ نے ذکر کی ہے وہ اگرچہ دل کو پسند ہے لیکن عام تصحیحات صریحہ کا ہجوم اس طرف زیادہ ہے کہ جہاں لفظ "ھو الصحیح" ہے جو کہ جمہور ائمہ کا خاص انداز جس کو دوسرے قول نے اپنے دامن میں لے رکھا ہے اور لفظ "ھو اوجہ" جو کہ محقق علی الاطلاق کی طرف سے قول اول کے لئے مزید وزنی ہے ہیت، مادہ اور زائد امور، ہر لحاظ سے، جیسا کہ کلام کے اسلوب سے واقف فقیہ اور ماہر پر مخفی نہیں، اس طرف اگر مشائخ کی پسند ہے جو کہ بظاہر خود امام قاضی خاں سے مراد ہے تو دوسری طرف بھی "صححہ اکثر المشائخ" اور "صححہ المشائخ" کے الفاظ ہیں نیز وہاں "علیہ الفتوی" کے الفاظ بھی ہے جو کہ عام الفاظ کی نسبت زیادہ تاکید اور قوت پر دال ہے اگر وہاں (پہلے قول) کی طرف نوادر روایت کے مطابق شیخین (امام اعظم وامام ابویوسف) رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مذہب مذکور ہے تو یہاں (دوسرے قول) کے لئے اصل (مبسوط امام محمد) کا اشارہ موجود ہے جبکہ اصل کا اشارہ کوئی معمولی بات نہیں ہے مشہور علماء کا قول ہے کہ "متون" کا مفہوم بھی فتاوٰی کے "منطوق" (ظاہر عبارت) پر مقدم ہے۔ علامہ سیدی احمد حموی نے غمز العیون میں لکھا ہے کہ مخفی نہیں کہ

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر ولماذون مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۷۹

بر ہر خواہد عملی نماید ہیچ جائے ملامت نیست و من فقیر بقول اخیر خود را مائل ترمی بینم بوجوہے کہ شنیدی ومی شنوی

فاقول: بر دلیل قول اول می تواں گفت کہ سنت چوں از وقت خود برگشت نقصان پذیرفت وسنت بروجہ سنت ادا نشد و سنن مکملات فرائض ست وشک نیست کہ تکمیل کامل اکمل از تکمیل ناقص ست پس نقصان سنن بنقصان فرائض منجر شود پس در تسلیم بررکعتین ہم ابطال وصف سنیت ست بے آنکہ بروجہ سنت انجبار یابد وہم انعدام تکمیل فرض ست علی الوجہ الاکمل بخلاف اتمام کہ سنت از نقصان محفوظ مطلق ماند و در فرض اگر جہتے از اکملیت فوت شود جہتے دیگر بدست آید **ھذا ماورد علی قلبی والعلم بالحق عند ربی ان ربی بکل شیئ علیم۔**

متون اور شروح میں جو بات بطور مفہوم ہے وہ فتاوٰی واضح اقوال پر مقدم ہے، حاصل یہ کہ نوادر کا مقابلہ اصول سے ایسے ہے جیسا کہ فتاوٰی کا متون سے ہے یعنی اصول کے اشارہ کو نوادر کی تصریحات پر ترجیح ہے غرضیکہ یہ مسئلہ اس قبیل سے ہے کہ اس کے دونوں اقوال میں سے جس پر انسان چاہے عمل کرے تو کوئی اعتراض نہیں ہے اور میں خود دوسرے قول کی طرف اپنے آپ کو مائل پاتا ہوں اس کے وجوہ کچھ تو آپ نے سن لئے اور کچھ کو سنیں گے **فاقول:** پہلے قول کی دلیل پر کہا جاسکتا ہے کہ جب سنت اپنے وقت سے مؤخر ہوجائے تو وہ ناقص ہوجاتی ہے اور یہ سنت بطریق سنت ادا نہ ہوگی جبکہ سنتیں فرائض کو کامل بناتی ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ کامل چیز کا مکمل کرنا زیادہ کامل ہوتا ہے ناقص چیز کی تکمیل کے مقابلہ میں، تو یوں سنت کا نقصان فرض کے نقصان کا باعث ہوتا ہے توجب دو رکعتوں پر سلام سنت کے وصف میں نقصان ہے جو کہ پورا نہیں ہوتا، تو اس سے فرض کی تکمیل میں عدم لازم آئے گا کہ فرض اکمل نہ ہوسکے گا برخلاف اس بات کے کہ جب سنت کو تام کیا جائے تو وہ نقصان سے مطلقاً محفوظ رہے گی تو اس سے اگرچہ فرض کے اکمل ہونے میں فرق آیا مگر دوسری وجہ (سنتوں کی تکمیل) سے متبادل کمال حاصل ہوجائے گا۔ یہ ہے وہ جو میرے دل میں ڈالا گیا اور حقیقی علم میرے رب کو ہے، میرا رب ہر چیز کا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۸۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ بکر وضو نماز فجر کا کرکے ایسے وقت میں آیا کہ امام قعدہ اخیرہ میں ہے، جو سنت پڑھتا ہے تو جماعت جاتی ہے اور جماعت میں ملتا ہے تو سنتیں فوت ہوتی ہیں، اس صورت میں سنتیں پڑھے یا قعدہ میں مل جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں بالاتفاق جماعت میں شریک ہوجائے کہ جماعت میں ملنا سنتیں پڑھنے سے اہم و

آکد ہے، جب یہ جانے کہ سنتیں پڑھوں گا تو جماعت ہوچکے گی بالاتفاق جماعت میں مل جانے کا حکم ہے اگرچہ ابھی امام رکعت ثانیہ کے شروع میں ہو، قعدہ تو ختم نماز ہے اس میں کیونکہ امید ہوسکتی ہے کہ امام کے سلام سے پہلے یہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں مل سکے گا،

فی الدرالمختار اذاخاف فوت رکعتی الفجر لاشتغاله بسنتها ترکها الجماعة اکمل[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے جب کسی کو یہ خطرہ ہو کہ اگر فجر کی سنتیں ادا کیں تو جماعت فوت ہوجائے گی تو وہ سنتیں ترک کردے کیونکہ جماعت اکمل ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۸: ۱۵ رمضان المبارک

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فرض تنہا پڑھ چکا تھا اب مسجد میں جماعت قائم ہوئی اور یہ اس وقت مسجد میں موجود ہے تو اب اسے کیا حکم ہے؟ **بینو توجروا**

الجواب:

ظہر وعشاء میں ضرور شریک ہوجائے کہ اگر تکبیر سن کر باہر چلاگیا یا وہیں بیٹھا رہا تو دونوں صورت میں مبتلائے کراہت وتہمت ترک جماعت ہوا اور فجر وعصر ومغرب میں شریک نہ ہو کہ قول جمہور پر تین رکعت نفل نہیں ہوتے اور چوتھی ملائے گا تو بسبب مخالفت امام کراہت لازم آئے گی اور فجر وعصر کے بعد تو نوافل مکروہ ہی ہیں اور ویسے بیٹھا رہے گا تو کراہت اور اشد ہوگی لہٰذا ان نمازوں میں ضرور ہوا کہ باہر چلا جائے

قال العلامة الشرنبلالی رحمة اللہ علیه فی نورالایضاح وشرحه مراقی الفلاح ان خرج بعد صلٰوة منفردا لایکرہ لانه قد اجاب داعی اللہ مرة فلا تجب علیه .ثانیا الا انه یکرہ خروجه اذا اقیمت الجماعة قبل خروجه فی الظهر و فی العشاء لانه یجوز النفل فیهما مع الامام یتهم بمخالفة الجماعة کالخوارج و الشیعة وقد قال	علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فرمایا جب تنہا نماز ادا کرکے کوئی مسجد سے باہر نکلا تو کراہت نہیں کیونکہ اس نے ایک دفعہ اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی آواز پر لبیک کہا ہے لہٰذا دوبارہ اس پر واجب نہیں البتہ اس صورت میں کراہت ہوگی جب اس کے نکلنے سے پہلے ظہر اور عشا کی جماعت کے لئے تکبیر کہہ دی گئی کیونکہ ان میں امام کے ساتھ نوافل ادا کرسکتا ہے تاکہ

[1] درمختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یومن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التهم فیقتدی فیهما ای الظهر والعشاء متنفلا لدفع التهمة عنه ، یکره جلوسه من غیر اقتداء لمخالفة الجماعة بخلاف الصبح العصر والمغرب لکراهة النفل ، والمخالفة فی المغرب [1] الی آخره قال العلامة الطحطاوی رحمة اللہ علیه فی الحاشية المراقی قوله لکراهة النفل ای بعد الصبح العصر و فی النهر ینبغی ان یجب خروجه لان کراهة مکثه بلاصلوٰة اشد [2] واللہ تعالٰی اعلم سبحنه اتم واحکم	جماعت کی مخالفت کی تہمت اس پر نہ لگے مثلاً خوارج اور شیعہ وغیرہ سے نہ کہا جائے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مقامات پر نہ کھڑا ہو لہٰذا وہ شخص ظہر و عشاء میں نفل کی نیت سے اقتدا کرے تاکہ اس پر تہمت نہ لگے۔ اور اقتداء نہ کرتے ہوئے بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ جماعت کی مخالفت ہے۔بخلاف صبح، عصر اور مغرب کے کیونکہ یہاں نفل مکروہ ہیں، اور مغرب میں (امام) کی مخالفت لازم آئے گی الخ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے حاشیہ المراقی میں کہا ماتن کا قول نفل مکروہ ہونے کی وجہ سے یعنی صبح اور عصر کے بعد، نہر میں ہے کہ ان اوقات میں مسجد سے چلے جانا واجب ہے کیونکہ بغیر نماز کے وہاں ٹھہرنا یہ زیادہ ناپسند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه سبحٰنه اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۱۸۹: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سرشتہ دار ۱۳۲۵ھ

فجر کی سنت وقت قائم ہو جانے جماعت کے کب تک ادا ہو جانا چاہئے اور جو رہ جاتی ہیں تو کیا بعد فرضوں کے بھی ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر جانے کہ سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہو جاؤں گا تو سنتیں پڑھ لے اگرچہ التحیات ہی ملتی سمجھے ورنہ فرضوں میں شریک ہو جائے، اور اول سنتوں کو قضا کرنا چاہے تو بعد بلندیِ آفتاب کرے فرضوں کے بعد طلوع سے پہلے جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

مسئلہ ۱۱۹۰: از چمن سرائے سنبھل مرسلہ احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نزدیک علمائے حنفیہّ اہلسنت وجماعت کے صبح کی سنت اگر فرض جماعت سے ہوتے ہوں تو پڑھے یا نہیں؟ بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر فرض نماز کی دوسری رکعت کا رکوع بھی مل جانے کا یقین ہو تو سنتیں پڑھ لے ورنہ سورج نکلنے پر ادا کرے، بعض کا قول ہے قاعدہ اخیرہ کی شرکت بھی کافی ہے سنت کو پہلے پڑھے، بعض کہتے ہیں کہ جس وقت تکبیر اولٰی فرضوں کی ہو ترک سنت کرے فرضوں میں فورًا شریک ہوجائے اور پھر نماز سنت نہ بعد سلام پڑھے وقت ہونے پر نہ بعد طلوع آفتاب۔

الجواب:

تیسرے شخص کا قول محض باطل ہے اور پہلے دو قول صحیح ہیں اور ان میں دوسرا اصح ہے اگر تشہد تک بھی جماعت میں ملنا دیکھے تو صبح کی سنتیں صف سے دور ادا کرکے شامل ہوجائے، اور جو یہ سمجھتا ہے کہ سنتیں پڑھنے میں جماعت بلکل فوت ہوجائے گی تو اس وقت نہ پڑھے اور جماعت میں شریک ہوجائے پھر فرض نہیں پڑھ سکتا جب تک آفتاب بلند نہ ہو اگر پڑھے گا گنہ گار ہوگا، ہاں بعد بلندی پڑھے تو مستحب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب قضاء الفوائت

(فوت شدہ نمازوں کی قضاء کا بیان)

مسئلہ ۱۱۹۱: ۲۸ محرم ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فوت جماعت کے خوف سے سنتیں فجر کی ترک کیں اور جماعت میں شامل ہوگیا اب وہ ان سنتوں کو فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے یا بعد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ فرض فجر پڑھ چکا تو سنتیں سورج بلند ہونے سے پہلے ہرگز نہ پڑھے، ہمارے سب ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اس پر اجماع ہے بلکہ پڑھے تو سورج بلند ہونے کے بعد دوپہر سے پہلے پڑھ لے، نہ اس کے بعد پڑھے نہ اس سے پہلے۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا فاتت وحدها فلا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع الکراهة النفل بعد الصبح واما بعد طلوع الشمس فکذلك عندهما، وقال محمد احب الی ان یقضیها الی زوال کما فی الدرر[1]۔	جب فجر کی سنتیں تنہا فوت ہوجائیں تو بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے ادا نہ کی جائیں کیونکہ نمازِ فجر کے بعد نوافل مکروہ ہیں، رہا معاملہ طلوعِ فجر کے بعد کا، تو شیخین کے نزدیک قضا نہیں، اور امام محمد نے فرمایا کہ زوال تک سنتیں قضا کرلینا میرے نزدیک پسندیدہ ہیں جیسا کہ درر میں ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳۰

اور یہ خیال کہ اس میں قصداً وقت قضا کردینا ناواقفی سے ناشئ، یہ سنتیں جب فرضوں سے پہلے نہ پڑھی گئیں خود ہی قضاء ہوگئیں کہ ان کا وقت یہی تھا کہ فرضوں سے پیشتر پڑھی جائیں، اب اگر فرضوں کے بعد سورج نکلنے سے پیشتر پڑھے گا جب بھی قضا ہی ہوں گی اور ہر گز نہ ہوں گی الا تری الی قولہ لا تقضی قبل طلوع الشمس بالاجماع فقد سمی صلوتھا قبل الطلوع بعد الفرض قضاء (کیا آپ نے ان کے یہ الفاظ نہیں دیکھے کہ بالاتفاق طلوعِ آفتاب سے پہلے سنتیں قضا نہ کی جائیں تو انھوں نے فرائض کے بعد طلوع سے پہلے ان کی ادائیگی کو قضا کا نام دیا ہے۔ت) لیکن طلوع سے پہلے قضا کرنے میں فرض فجر کے بعد نوافل کا پڑھنا ہے اور جائز نہیں، لہٰذا ہمارے اماموں نے اس سے منع فرمایا اور بعد طلوع وہ حرج نہ رہا لہٰذا اجازت دی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۲: از کلکتہ ٹارنب براہ ڈاکخانہ ویلزلی اسٹریٹ ۶ مرسلہ رشید احمد خاں ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ

جناب مولوی صاحب بعد آداب کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ اگر زید برابر نماز پڑھتا رہے لیکن یکم جنوری سے ۱۵ تک قضا ہوگئی ۱۶ سے پھر پڑھی اور قضا بھی ترتیب وار ادا کرنے لگا ۲۰ تک برابر پڑھتا رہا پھر پانچ روز کی قضا ہوگئیں ۲۵ سے شروع کی تو قضا کس طرح ادا کرے یعنی ترتیب وار جیسی یکم جنوری کی صبح پھر ظہر و مغرب و عشا پھر یا ایسے ہی ۱۵ تاریخ تک رفتہ رفتہ دو چار یوم میں ادا کر چکا اب ۱۵ سے ۲۰ تک تو پہلے ہی پڑھ چکا ہے ۲۰ سے ۲۵ تک کے قضا پھر اسی طور پر ادا کرے یا کیا حکم ہے؟ باقی آداب!

الجواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید پر نہ ان ۱۵ دن کی قضا میں ترتیب ضرور تھی نہ ان پانچ دن کی قضا میں ضرور ہے اسے اختیار ہے ان میں جو نماز چاہے پہلے ادا کرے جو چاہے پیچھے کہ قضا نمازیں جب پانچ فرضوں سے زائد ہو جاتی ہیں ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یعنی باہم ان میں بھی ہر ایک کی تقدیم وتاخیر کا اختیار ہوتا ہے اور ان میں اور وقتی نماز میں بھی رعایت ترتیب کی حاجت نہیں رہتی پھر ان نمازوں کے حق میں ترتیب نہ باہمی نہ بلحاظ وقتی کوئی کبھی عود نہیں کرتی اگرچہ ادا کرتے کرتے چھ سے کم رہ جائیں مثلاً اب اسی صورت میں زید پر پانچ دن کی پچیس نمازیں ہیں جب دو ہی رہ جائیں گی تو بھی اسے اختیار ہے کہ اس کی ادا سے پہلے وقتیہ نماز پڑھ لے، ہاں اصح مذہب پر اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نماز نیت میں معین مشخص ہو جائے ھوا لاحوط من تصحیحین (دونوں تصحیحوں میں احوط یہ ہے۔ت) مثلاً دس ۱۰ فجریں قضا ہیں تو یوں گول نیت نہ کرے کہ فجر کی نماز کہ اس پر ایک فجر تو نہیں جو اسی قدر بس ہو بلکہ تعیین کرے کہ فلاں تاریخ کی فجر، مگر یہ کیسے یاد رہتا ہے اور ہو بھی تو اس کا خیال حرج سے خالی نہیں لہٰذا اس کی سہل تدبیر یہ نیت ہے کہ پہلی فجر جس کی قضا مجھ پر ہے، جب ایک پڑھ چکے پھر یوں ہی پہلی فجر کی نیت کرے کہ ایک تو پڑھ لی اس کی قضا اس پر نہ رہی نو ۹ کی ہے اب ان میں کی پہلی نیت میں آئے گی یونہی اخیر تک نیت کی جائے، اسی طرح باقی سب نمازوں

میں کہے اور جس سے ترتیب ساقط ہو، جیسے یہی دس یا چھ فجر کی قضا والا پہلی کی جگہ پچھلی بھی کہہ سکتا ہے نیچے سے اوپر کو ادا ہوتی چلی جائے گی، ردالمحتار میں ہے:

لایلزم الترتیب بین الفائتۃ والوقتیۃ ولابین الفوائت اذا کانت الفوائت ستا کذا فی النھر[1]۔	جب فوت شدہ نمازیں چھ ہوجائیں تو فوت شدہ نمازوں کے درمیان اور فوت شدہ اور وقتی نمازوں کے درمیاں ترتیب لازم نہیں رہتی، جیساکہ نہر میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

ولایعود لزوم الترتیب بعد سقوطہ بکثرتھا، ای الفوائت بعود الفوائت الی القلۃ بسبب القضاء لبعضھا علی المعتمد، لان الساقط لایعود[2]۔	اکثر فوت شدہ نمازوں کو قضا کرلینے پر ترتیب لوٹ نہیں آتی یعنی اگر فوت شدہ نمازیں کثیر تھیں ان میں سے اکثر قضا کرلیں اور باقی تھوڑی رہ گئیں تو معتمد قول کے مطابق ترتیب نہیں لوٹتی، کیونکہ ساقط لوٹ کر نہیں آتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

یعین ظھر یوم کذا علی المعتمد والا سھل نیتہ اول ظھر علیہ اواخر ظھر[3] الخ وتمامہ فی رد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معتمد قول کے مطابق اس بات کا تعین کیا جائے کہ فلاں دن کی ظہر ہے، اور سب سے آسان یہ ہے کہ اول ظہر یا آخر ظہر کی نیت کرلی جائے۔ اس کی تمام تفصیل ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۳: ۲۹ صفر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فجر کی سنتیں بعد جماعت فرض کے مسبوق ادا کرے، درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سنت فجر کہ تنہا فوت ہوئیں یعنی فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئیں ان کی قضا کرے تو بعد بلندی آفتاب

---

[1] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۸

[2] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

[3] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۶۷

پیش از نصف النہار شرعی کرے، طلوع شمس سے پہلے ان کی قضا ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک ممنوع و مکروہ ہے۔

لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے "صبح کے بعد سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں" واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۹۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی نماز بوقت خطبہ کے جائز ہے، اور عمرو کہتا ہے بوقت خطبہ کے جائز نہیں اس واسطے کہ حدیث شریف میں وارد ہے لا صلوٰۃ و لاکلام (اس وقت نہ نماز ہے نہ گفتگو۔ت) ان دونوں میں کون حق پر ہے اور کون مطابق حدیث شریف کے عمل کرتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جو صاحب ترتیب نہیں اسے قضا نماز بھی خطبہ کے وقت ادا کرنی جائز نہیں کہ بعد کو بھی پڑھ سکتا ہے اور صاحب ترتیب کو وقتی نماز سے پہلے قضا کا ادا کرنا ضرور، ورنہ وقتی بھی نہ ہوگی، ایسے شخص نے اگر ابھی قضائے فجر ادا نہ کی اور خطبہ شروع ہوگیا تو اسے قضا پڑھنے سے ممانعت نہیں بلکہ ضرور و لازم ہے ورنہ جمعہ بھی نہ ہوگا، ہاں بلاعذر شرعی اتنی دیر لگائی کہ خاص خطبہ کے وقت پڑھنی پڑے اسے بھی جائز نہیں۔

لتادیہ الی ترک الاستماع وھو فی نفسہ محظور و کل مادی الی محظور محظور۔	کیونکہ اس میں خطبہ کا عدم سماع لازم آرہا ہے جو فی نفسہٖ ممنوع ہے اور ہر وہ شیئ جو ممنوع تک پہنچائے ممنوع ہوتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اذا اخرج الامام فلا صلوٰۃ ولاکلام الی تمامھا خلا قضا فائتۃ لم یسقط الترتیب بینھا وبین الوقتیۃ فانھا لاتکرہ[2]۔	جب امام جمعہ آجائے تو اتمام جمعہ تک نہ نماز ہے نہ کلام، البتہ فوت شدہ نماز کی قضا مکروہ نہیں کیونکہ فوت شدہ اور وقتی نماز کے درمیان ترتیب ساقط نہیں ہوئی تھی۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لاتتحری الصلوٰۃ ابل غروب الشمس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۲/۱ و ۸۳

[2] درمختار، باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۳/۱

سراج وغیرہ میں ہے: لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا لا[1] (جمعہ کی صحت کے پیش نظر ہے ورنہ نہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قولہ فانہا لاتکرہ (بل یجب فعلہا قولہ والا لا) ای وان سقط الترتیب تکرہ[2]۔ انتھی واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "کیونکہ اس میں کراہت نہیں "بلکہ اس کا کرنا واجب ہے (ورنہ نہیں) یعنی اگر ترتیب ساقط ہوچکی ہو تو کراہت لازم آئے گی انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی سنت فجر کی قضا ہوگئیں اب وہ قضا کرے یا نہیں اور اگر قضا کرے تو کس وقت، اور یہ سنتیں بیٹھ کر بھی بلاعذر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سنت فجر بلا مجبوری ومعذوری بیٹھ کر نہیں ہوسکتیں، اور اگر مع فرض قضا ہوئی ہوں تو ضحوہ کبرٰی آنے تک ان کی قضا ہے اس کے بعد نہیں، اور اگر فرض پڑھ لئے سنتیں رہ گئی ہیں تو بعد بلندی آفتاب ان کا پڑھ لینا مستحب ہے قبل طلوع روا نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

سنۃ الفجر لا یجوزان یصلیہا قاعدامع القدرۃ علی القیام ولذاقیل انہا قریبۃ من الواجب کذا فی التاتارخانیۃ ناقلا عن النافع ولا یجوز اداءھا راکبا من غیر عذرکذا فی السراج الوھاب والسنۃ اذافاتت عن وقتہا لم یقضہا الا رکعتی الفجر اذافاتتا مع الفرض یقضیہما بعد طلوع الشمس الٰی وقت الزوال ثم یسقط ھکذا فی محیط السرخسی وھوالصحیح ھکذا فی البحر الرائق و اذافاتتابدون الفرض	فجر کی سنتیں قیام پر قدرت کے باوجود بیٹھ کر ادا کرنا جائز نہیں، اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ واجب کے قریب ہیں۔ تاتار خانیہ میں نافع سے اسی طرح منقول ہے، بغیر عذر کے سواری کی حالت میں بھی انھیں ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے۔ اور سنتیں اگر اپنے وقت سے قضا ہوجائیں توان کی قضا نہیں البتہ اگر فجر کی سنتیں فرائض کے ساتھ رہ جائیں تو طلوع شمس کے بعد زوال سے پہلے پہلے قضا کی جائیں، اس کے بعد ساقط ہوجائیں گی۔ اسی طرح محیط سرخسی میں ہے کہ یہی صحیح ہے، اسی طرح البحرالرائق میں ہے

[1] سراج الوہاج

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۲

لایقضی عندھما خلا فالمحمد رحمۃ اللہ تعالٰی کذافی المحیط السرخسی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جب یہ سنتیں فرض کے بغیر رہ جائیں تو شیخین کے نزدیک ان کی قضا نہیں، امام محمد کی رائے اس کے خلاف ہے (کہ قضا کی جائیں) جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۶: ۲ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی چار سنتیں قبل عشا کے فوت ہوگئیں مثلاً جماعت قائم ہوگئی نہ پڑھنے پایا شریک ہوگیا، اب بعد نماز ان کی قضا جائز ہے یا نہیں؟ علمائے عصر سے بعض مولویوں نے فرمایا قضا کرے اور ان کے خلاف بعض عالموں نے فتوی لکھا کہ ان کی قضا نہیں وہ مستحب ہیں اور قضا سنت مؤکدہ کی ہے، نہ مستحب کی۔ جب اس کا محل جاتا رہا پڑھنا بھی دور ہوا، اور بعض اجلہ فضلانے یہ تحریر فرمایا کہ ان کی قضا خلاف قیاس وخلاف اجماع فقہا ہے، اور اگر لازم سمجھے گا تو بدعت مذمومہ ہوگا، اس صورت میں قول فیصل کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

الھم ھدایۃ الحق والصواب قول فیصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ یہ سنتیں اگر فوت ہوجائیں تو ان کی قضا نہیں، علامہ علائی درمختار میں فرماتے ہیں:

اماماقبل العشاء فمندوب لایقضی اصلا[2]۔	عشا کے فرائض سے پہلے جو رکعتیں ہیں وہ مستحب ہیں ان کی قضا نہیں۔ (ت)

لیکن اگر کوئی بعد دو سنت بعد یہ کے پڑھے تو کچھ ممانعت نہیں، علامہ طحطاوی حاشیہ شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

لامانع من قضاء التی قبل العشاء بعدھا[3]۔	عشا کی پہلی سنتوں کو عشا کے بعد ادا کرلینے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت)

ہاں اس شخص سے وہ سنن مستحبہ ادا نہ ہوں گی جو عشا سے پہلے پڑھی جاتی تھیں بلکہ ایک نفل نماز مستحب ہوگی جیسے تراویح

---

[1] فتاوی ہندیہ باب فی النوافل مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۲

[2] درمختار، باب ادراک الفریضہ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ۱/۱۰۰

[3] حشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراک الفریضہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۶

وسنت مغرب ودو ۲سنت عشاکہ ان کی قضانہیں، پھر اگر کوئی آجکی فوت شدہ تراویح کل پڑھے تو نفل ہوں گے نہ سنن وتراویح نہ شرعاً مکروہ وقبیح۔علامہ امین الدین محمد ردالمحتار میں انہی سنن عشاکی نسبت فرماتے ہیں:

لو قضاھا لاتکون مکروھۃ بل تقع نفلا مستحبا لا علی انھاھی التی فاتت عن محلھا کما قالوہ فی سنۃ التراویح[1]۔	اگر انھیں قضا کرلیا جائے تو کراہت نہیں بلکہ نفل مستحبہ ہوجائیں گی اور یہ اپنے محل سے فوت ہونے والی نماز نہیں بلکہ (یہ نئی نماز ہوگی) جیسا کہ فقہاء نے تراویح کے بارے میں فرمایا ہے۔(ت)

تنویر الابصار ودرمختار کی مبحث تراویح میں ہے:

لا تقضی اذافاتت اصلا ولا وحدہ فی الاصح فان قضاھا کانت نفلا مستحبا ولیس بتراویح کسنۃ مغرب وعشا[2]۔	جب تراویح فوت ہوجائیں توان کی قضانہیں نہ جماعت سے نہ اکیلے، اصح قول کے مطابق۔اور اگر کوئی قضا کرلیتا ہے تو نفل مستحب بن جائیں گی اور یہ نماز تراویح نہ ہوگی جیسا کہ مغرب وعشاکی سنتوں کا حکم ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام وتنقیح مرام یہ ہے کہ حقیقۃً قضانہیں مگر فرض یا واجب کی،

الاداء فی محل اداء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داخل فی مطلق السنۃ فما ادی فی غیر المحل لا یکون سنۃ فلا یکون قضاء اذا القضاء مثل الفائت بل عینہ عندالمحققین نعم ما عین لہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محلا بعد فوتہ فیقع سنۃ فیکون قضاء حقیقۃ،	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادائیگی کے محل میں ادا مطلق سنت میں شامل ہے لہٰذا جو اس کے علاوہ وقت میں ادا ہوں گے وہ سنت ہی نہیں ہوں گے لہٰذا قضا کہاں! کیونکہ قضاء فوت شدہ کی مثل بلکہ محققین علماء کے ہاں عین نماز ہوتی ہے، ہاں فوت ہونے کے بعد جس کا وقت خود رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے معین فرمادیا وہ ادائیگی سنت ہوگی اور قضا بھی حقیقی ہوگی۔(ت)

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۳۱

[2] درمختار باب الوتر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۸

باقی نوافل وسنن اگرچہ موکدہ ہوں مستحق قضا نہیں کہ شرعاً لازم ہی نہ تھی جو بعد فوت ذمہ پر باقی رہیں،

فی الھدایۃ الاصل فی السنۃ ان لاتقضی الاختصاص القضاء بالواجب[1] اھ وتمام تحقیقہ فی الفتح۔	ہدایہ میں ہے سنت میں اصل یہ ہے کہ اس کی قضا نہیں کیونکہ قضا واجب کے ساتھ مخصوص ہے اھ اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے۔(ت)

مگر بعض جگہ برخلاف قیاس نص وارد ہوگیا وہی سنتیں جو ایک محل میں ادا کی جاتی تھیں بعد فوت دوسری جگہ ادا فرمائی گئیں جیسے فجر کی سنتیں جبکہ فرض کے ساتھ فوت ہوں بشرطیکہ بعد بلندیٔ آفتاب و قبل از زوال ادا کی جائیں یا ظہر کی پہلی چار سنتیں جو فرض سے پہلے نہ پڑھی ہو تو بعد فرض بلکہ مذہب ارجح پر بعد سنت بعدیہ کے پڑھیں بشرطیکہ ہنوز وقت ظہر باقی ہو نص علی کل ذلك فی غیر ما کتاب کردالمحتار (اس پر متعدد کتب مثلاً ردالمحتار میں تصریح ہے۔ت) ان شرائط کے ساتھ جب یہ دونوں سنتیں بعد فوت پڑھی جائیں گی تو بعینہا وہی سنتیں ادا ہوں گی جو فوت ہوئی تھیں اور ان کے سوا اور فوت شدہ سنتیں یا یہی سنتیں بے مراعات ان شرائط کے پڑھی جائیں گی تو صرف نفل ہوں گی نہ سنت فائتہ۔ بالجملہ جو یہ کہے کہ ان کی قضا کا حکم ہے وہ خطا پر ہے اور جو کہے ان کی قضا ممنوع ہے وہ بھی غلطی پر ہے اور جو کہے ان کی قضا نہیں مگر بعد کو پڑھ لے تو کچھ حرج نہیں وہ حق پر ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹۷: مسؤلہ حافظ مولوی عبدالوحید صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ صبح کی سنتیں قضا قبل طلوع شمس کے پڑھنا بہتر ہے اور عمر کہتا ہے بعد کو بہتر ہے اول حدیث پر عمل کرنا چاہئے، اور عمر کہتا ہے دوسری حدیث پر عمل کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

اگر صبح کی نماز اور سنتیں بسبب خوف جماعت خواہ کسی اور وجہ سے رہ گئیں تو ان کی قضا اگر کرے تو بعد بلندآفتاب پڑھے قبل طلوع نہ صرف خلاف اولٰی بلکہ ناجائز وگناہ وممنوع ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما صحاح وسنن ومسانید میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الصلوٰۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طلوع سحر کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک نماز سے

[1] الہدایۃ باب ادراک الفریضہ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ دستگیر کالونی کراچی ۱/۱۳۳

تغرب[1]۔	منع کیا ہے۔(ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصلٰوۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولابعد العصر حتی تغرب الشمس[2]۔	صبح کے سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں۔(ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن الصلٰوۃ بعد العصر حتی تغرب الشمس وعن الصلٰوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عصر کے بعد غروبِ آفتابتک اور صبح کے بعد طلوعِ آفتابتک نماز سے منع فرمایا ہے۔(ت)

علما فرماتے ہیں اس مضمون کی حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ہیں ذکرہ المناوی فی التیسیر فی شرح الجامع الصغیر (اسے امام مناوی نے التیسیر فی شرح الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ نفل قصدا و لو تحیۃ مسجد وکل ماکان واجب لغیرہ کمنذور ورکعتی طواف والذی شرع فیہ ثم افسدہ ولوسنۃ فجر بعدصلٰوۃ فجر و عصر[4] اھ ملخصًا	نمازِ فجر اور عصر کے بعد وہ تمام نوافل ادا کرنے مکروہ ہیں جو قصدًا ہوں اگرچہ تحیۃ المسجد ہوں، اور ہر وہ نماز جو غیر کی وجہ سے لازم ہو مثلًا نذر اور طواف کے نوافل اور ہر نفل نماز جس میں شروع ہوا پھر اسے توڑ ڈالا اگرچہ وہ فجر اور عصر کی سنتیں ہی کیوں ہوں اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الکراھۃ ھنا تحریمیۃ ایضاً کما صرح بہ فی الحلیۃ ولذا عبرفی الخانیۃ و	یہ کراہت تحریمہ ہے جیساکہ اس کی تصریح حلیہ میں ہے، اسی لئے خانیہ اور خلاصہ میں عدم جواز سے تعبیر کیا گیا

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ بعد الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۲/۱

[2] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب لاتتحرّ الصلوٰۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۳/۱

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ بعد الفجر باب الصلوٰۃ بعد الفجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۲/۱ و ۸۳

[4] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱/۱

الخلاصة بعدم الجواز والمراد عدم الحل[1]۔	اور اس سے مراد یہ ہے کہ حلال نہیں۔ (ت)

امام احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلہا بعد ماتطلع الشمس[2]۔ قال الحاکم صحیح و اقرہ الذھبی فی التلخیص۔	جس نے صبح کی سنت نہ پڑھی ہوں وہ بعد طلوع آفتاب پڑھے امام حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے تلخیص میں اس کی صحت کو برقرار رکھا۔ (ت)

رہی حدیث ابوداؤد:

حدثنا عثمٰن بن ابی شیبة ثنا ابن نمیر عن سعد بن سعید ثنی محمد بن ابراھیم عن قیس بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رأی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلا صلی بعد صلٰوۃ الصبح رکعتین فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلٰوۃ الصبح رکعتان فقال الرجل انی لم اکن صلیت الرکعتین اللتین قبلھما فصلیتھما الاٰن ، فسکت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔ و رواہ ابن ماجة حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة ثنا عبداللہ بن نمیر الخ سندا و متنا نحوہ غیر انہ قال قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ الصبح مرتین[4]۔	عثمان بن ابی شیبہ نے ہم سے بیان کیا کہ ابن نمیر نے سعد بن سعید سے کہ محمد بن ابراہیم نے قیس بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو بعد صلٰوۃ صبح دو رکعتیں پڑھتے دیکھا فرمایا صبح کی دو ہی رکعتیں ہیں؟ اس شخص نے عرض کی سنتیں میں نے نہ پڑھی تھیں وہ اب پڑھ لیں، اس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اسے ابن ماجہ نے سنداً و متناً روایت کیا ہے اور کہا ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ نے عبداللہ بن نمیر سے بیان کیا الخ البتہ ان الفاظ کے علاوہ کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا صبح کی نماز دو دفعہ ہے؟ (ت)

[1] درالمختار کتاب الصلٰوۃ ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۶

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی اعادتہا بعد طلوع الشمس مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷

[3] سنن ابوداؤد کتاب الصلٰوۃ باب من فاتتہ متی یقضیہا ، مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۰

[4] سنن ابن ماجہ ، باب فی ماجاء فیمن فاتتہ الرکعتان الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۲

اور اسی حدیث میں ترمذی کی روایت یوں ہے:

حدثنا محمد بن عمر و السواق نا عبدالعزیز بن محمد عن سعد بن سعید عن محمد بن ابرھیم عن جدہ قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوجدنی اصلی فقال مھلا یاقیس اصلاتان معا، قلت یارسول اللہ انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا اذا[1]۔	محمد بن عمرو السواق نے ہم سے بیان کیا کہ عبدالعزیز بن محمد نے سعد بن سعید سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم سے، انھوں نے اپنے دادا حضرت قیس سے بیان کیا کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جماعت کے لئے تکبیر کہی گئی میں نے آپ کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی، پھر رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چہرہ اقدس پھیرا تو آپ نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، فرمایا: اے قیس! ٹھر جا، کیا دو نمازیں اکٹھی ہو گئی ہیں؟ عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میں فجر کی سنتیں ادا نہیں کرسکا۔ فرمایا تو اب حرج نہیں۔ (ت)

جس میں بیان ہے کہ وہ شخص خود ہی قیس تھے ان کا وہ عذر سن کر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تو اب حرج نہیں یہ حدیث ان احادیث جلیلہ صحیحہ کے مقابل لانے کے قابل نہیں،

اوّلًا: اس کی سند منقطع ہے خود امام ترمذی نے بعد روایت حدیث فرمایا:

اسناد ھذا الحدیث لیس بمتصل محمد بن ابراھیم التیمی لم یسمع من قیس[2]۔	اس حدیث کی سند متصل نہیں کیونکہ محمد بن ابراہیم التیمی نے حضرت قیس سے سماع نہیں کیا۔ (ت)

ثانیا: خود سعد بن سعید پر اس کی سند میں اختلاف کیا گیا، بعض نے صحابی کو ذکر ہی نہ کیا، جامع ترمذی میں ہے:

وروی بعضھم ھذا الحدیث عن سعد بن سعید عن محمد بن ابراھیم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرج فرأی[3] قیسا۔	بعض نے یہ حدیث اس سند سے بیان کی ہے سعد بن سعید، محمد بن ابراہیم سے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم تشریف لائے اور قیس کو دیکھا۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/ ۵۷

[2] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/ ۵۷

[3] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/ ۵۷

ثالثًا: عامہ رواۃ نے اسے مرسلًا روایت کیا خود انھیں سعید کے دونوں بھائی عبد ربہ بن سعید و یحیٰی بن سعید کہ دونوں سعد سے اوثق واحفظ ہیں مرسلًا روایت کرتے جامع ترمذی میں ہے: **انما یروی ھذا الحدیث مرسلًا** [1]۔ (یہ حدیث مرسلًا مروی ہے۔ت) سنن ابی داؤد میں ہے:

روی عبد ربہ و یحیی ابنا سعید ھذا الحدیث مرسلا ان جدھم ^{عـــہ} زید اصلی مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	سعید کے بیٹے عبد ربہ اور یحیٰی دونوں نے اس حدیث کو مرسلًا روایت کیا کہ ان کے دادا زید نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ (ت)

رابعًا: مدار اس روایت کا سعد بن سعید پر ہے جامع ترمذی میں ہے:

حدیث محمد بن ابرھیم لانعرفہ مثل ھذا الامن حدیث سعد بن سعید [3]۔	ہم محمد بن ابرہیم سے مروی اس حدیث کو سعد بن سعید کے علاوہ کسی سے نہیں جانتے۔ (ت)

اور سعد باوصف توثیق مقال سے خالی نہیں، ان کا حافظہ ناقص تھا، امام احمد نے انھیں ضعیف کہا، امام نسائی نے فرمایا قوی نہیں، امام ترمذی نے فرمایا **تکلموا فیہ من قبل حفظہ** [4] یعنی ائمہ حدیث نے ان سعد میں ان کے حافظہ کی طرف سے کلام فرمایا۔ لاجرم تقریب میں ہے: **صدوق سیئ الحفظ** [5] آدمی سچے ہیں حافظہ برا ہے۔

عـــہ وقع فی نسخ السنن الثلث التی عندی ان جدھم زید وھو مشکل فان جد یحیٰی قیس لازید وقد انکرہ الحافظ فی الاصابۃ فقال بعد ذکر الروایۃ ھکذا قرأت ۱۲ منہ (م)	میرے پاس تینوں سنن کے نسخوں میں یہ ہے کہ ان کے جد کا نام زید ہے لیکن یہ محل اشکال ہے کیونکہ یحیٰی کے جد کا نام قیس ہے زید نہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس کا انکار کیا اور روایت ذکر کرنے کے بعد کہا میں نے اسی طرح پڑھا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی، ۱/۵
[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب من فاتتہ متی یقضیھا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۰
[3] جامع الترمذی ابواب ماجاء فی من تفوتہ الرکعتان الخ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۵۷
[4] تہذیب التہذیب ترجمہ سعد بن سعید نمبر ۸۷۶ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ہند ۳/۴۷۱
[5] تقریب التہذیب ترجمہ سعد بن سعید نمبر ۲۲۴۴ حرف السین المھملۃ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۳۴۳

ان وجوہ کی نظر سے یہ حدیث واحد خود ان احادیث صحیحہ کثیرہ کے مقابل نہ ہو سکتی خصوصًا اس حالت میں کہ وہ مثبت ممانعت ہیں اور یہ ناقل اجازت، اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب دلائل حلت وحرمت متعارض ہوں حرمت وممانعت کو ترجیح دی جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹۸: ۴ صفر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنن اربعہ جو بروز جمعہ قبل از خطبہ پڑھی جاتی ہیں اگر وہ کسی عذر سے ترک ہوجائیں تو بعد خطبہ اور فرضوں کے ان کی ادا ہے یا نہیں؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب وتوجروا عند اللہ الوھاب**

الجواب:

ہے اور سنتوں ہی کی نیت کرے وہ سنت ہی واقع ہوں گی،

فی الدرالمختار بخلاف سنہ الظھر وکذا الجمعۃ فانہ ان خاف فوت رکعۃ یترکھا ویقتدی، ثم یأتی بھا علی انھا سنۃ فی وقتہ ای الظھر[1]۔	در مختار میں ہے کہ بخلاف ظہر کی سنتوں کے اور اسی طرح جمعہ کی سنتوں کے اگر ایک رکعت کے فوت ہونے کا خطرہ ہے تو سنتیں چھوڑ کر امام کی اقتداء کرے پھر ان کو وقت ظہر میں ادا کرے۔ (ت)

ہاں اگر وقت ظہر نکل گیا تو اب قضا نہیں لما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۹۹: ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فرض فجر کی جماعت سے پڑھے اور سنت اس کی فوت ہوئیں بوجہ ادائے فرض کے اب ان سنتوں کو بعد ادائے فرض پڑھے یا بعد طلوع آفتاب اور وقت بھی ادائے سنت کا باقی ہو اور کسی کے فرض وسنت دونوں فوت ہوئے ہوں تو ان سنت وفرض کو بعد طلوع آفتاب کے پڑھے اور سنت کی قضا کس وقت تک چاہئے؟

الجواب:

جب فجر کے فرض پڑھ لئے تو آفتاب بلند ہونے سے پہلے سنتیں پڑھنے کی اجازت نہیں اگرچہ فجر کا ابھی ایک گھنٹا وقت باقی ہو، ہاں بعد بلندیِ آفتاب پڑھے اور جس کے فرض وسنت دونوں فوت ہوئے ہوں وہ طلوع کے بعد استواء سے پہلے فرض وسنت دونوں کی قضا کرے، اور اگر یہ وقت بھی گزر گیا بعد زوال فرضوں کی قضا

[1] در مختار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰

پڑھے تو اب سنتوں کی قضا نہیں والمسائل مبسوطة فی الدر وغیر عامة الاسفار الالغر (ان مسائل کی تفصیل در اور دیگر کتب مبارکہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۰: از ملک بنگال ضلع نواکھالی ڈاکخانہ چندر اگنج موضع ودالیا مرسلہ محمد ابراہیم ۶ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص عمر بھر نماز کبھی نہیں پڑھی اب یہ شخص مرگیا تو اس وقت اس کی قضائے عمری کی کیا صورت ہے اس کا اگر کوئی تدارک ہوسکے تو کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

اگر وقت بلوغ معلوم نہ ہو تو مرد کے لئے اس عمر سے بارہ برس اور عورت کے لئے ۹ برس کم کریں اور باقی تمام برسوں کے دن کرکے ہر دن کی نماز کے لئے آٹھ سو دس تولے گیہوں کہ سو روپے بھر کے سیر سے کچھ کم نو سیر ہوئے یا سولہ سو بیس تولہ جو یا ان کی قیمت ادا کریں کل کے ادا کی طاقت نہ ہو تو جس قدر پر قدرت ہو محتاج کو دے کر قابض کردیں محتاج اپنی طرف سے پھر ان کو ہبہ کردے یہ قبضہ کرکے پھر کفارہ میں محتاج کو دیں وہ بعد قبضہ پھر ان کو ہبہ کردے، یہ پھر قبضہ کرکے کفارہ میں دیں یونہی دور کرتے رہیں یہاں تک کہ ادا ہوجائے۔ عورت کی عادت حیض اگر معلوم ہو تو اس قدر دن اور نہ معلوم ہو تو ہر مہینے سے تین دن نو برس کی عمر سے پچاس برس کی عمر تک مستثنٰی کریں مگر جتنی بار حمل رہا ہو مدت حمل کے مہینوں سے ایام حیض کا استثناء نہ کریں عورت کی عادت دربارہ نفاس اگر معلوم ہو تو ہر حمل کے بعد اتنے دن مستثنٰی کرے اور نہ معلوم ہو تو کچھ نہیں کہ نفاس کے لئے جانب اقل میں شرعًا کچھ تقدیر نہیں ممکن ہے کہ ایک ہی منٹ آکر فورًا پاک ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خام علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خان رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے محقق دین ومفتیان مدقق پابند شرع متین دریں مسئلہ کہ اکثر عوام الناس درآخر جمعہ رمضان المبارک نماز قضائے عمری پنجوقتہ متخلف امام می خوانند درست است یا ممنوع زیرا کہ نماز قضا بدون ادا ساقط و دور نمی شود اگر کسے بروز جمعہ آخری رمضاب شریف قضائے نماز تمام عمر بہ نیت قضائے عمری بخواہد کہ ادا شود تعجب ست انتہی ونیز صورت نماز قضائے روز متفرقہ چیست یعنی	علمائے دین ومفتیان شرع میتن اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں عوام الناس امام کی اقتداء میں پانچ وقتی نماز قضا عمری پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ قضا نماز جب تک ادا نہ کی جائے ساقط نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی شخص رمضان کے آخری جمعہ کو تمام عمر کی قضا نمازوں کی نیت سے قضا عمری پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ تمام عمر کی نمازیں ساقط ہوجائیں گی اس پر

قضائے عصر یکے روز سہ شنبہ ونماز قضائے عصر دوم چہار شنبہ اگرایں ہر دو مردم نماز قضائے عصر جداگانہ بجماعت ادا نماز یند درست ست یا منع چراکہ نماز ہر دو مردم روز یکے نیست علاوہ بریں امام صاحب ترتیب ست و مقتدیان ازیں خوبی عاری پس چنیں امام قضائے یقینی مقتدیان کہ اکثر قضائے نماز ذمہ اوست فارغ الذمہ میشوند یا حکم آں چہ۔ اعنی پس ادا کنندہ نفل نماز فرض بچہ طور ادامی شود بشرح بسیط بیان فرمایند بحوالہ عبارت کتب رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔	تعجب ہے انتہی، مختلف دنوں کی نمازوں کی قضاء کی صورت کیا ہے؟ مثلاً ایک آدمی کی منگل کی عصر اور دوسرے کی بدھ کی عصر قضا ہوگئی ہے اگر دونوں عصر کی قضا آپس میں باجماعت ادا کرتے ہیں تو یہ درست ہے یا ممنوع؟ کیونکہ دونوں کی نماز ایک دن کی نہیں۔ علاوہ ازیں امام صاحب ترتیب ہے لیکن مقتدی صاحب ترتیب نہیں اس طرح کے امام کے پیچھے مقتدیوں کی قضا نمازیں ساقط ہوجائینگی یا ان کا حکم کیا ہے یعنی نفل ادا کرنے سے فرض کس طرح ساقط ہوسکتے ہیں؟ عبارت کتب کے حوالہ جات سے تفصیلاً بیان فرمائیں تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ (ت)

الجواب:

ایں طریقہ کہ بہر تکفیر صلوات فائتہ احداث کردہ اند بدعت شنیعہ دردین نہادہ اند حدیثش موضوع وفعلش ممنوع وایں نیت واعتقاد باطل ومدفوع، اجماع مسلمین بربطلان ایں جہالت شنیعہ وضلالت قطعیہ قائم ست حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند: **من نسی صلٰوۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلک**[1] ہر کہ نمازے فراموش کرد چوں یاد آید آں نماز باز گزارد جزایں مر اورا کفارہ نیست اخرجہ احمد والبخاری ومسلم واللفظ لہ والترمذی	فوت شدہ نمازوں کے کفارہ کے طور پر یہ جو طریقہ (قضائے عمری) ایجاد کرلیا گیا ہے یہ بدترین بدعت ہے اس بارے میں جو روایت ہے وہ موضوع (گھڑی ہوئی) ہے یہ عمل سخت ممنوع ہے، ایسی نیت واعتقاد باطل ومردود، اس جہالت قبیحہ اور واضح گمراہی کے بطلان پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص نماز بھول گیا تو جب اسے یاد آئے اسے ادا کرلے، اس کا کفارہ سوائے اس کی ادائیگی کے کچھ نہیں اسے امام احمد، بخاری، مسلم (مذکورہ الفاظ بھی اس کے ہیں) ترمذی، نسائی اور دیگر محدثین نے حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب من نسی صلٰوۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۴، صحیح مسلم باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۴۱

والنسائی وغیر ھم عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔علامہ علی قاری رحمۃ الباری در موضوعاتِ کبیر گوید:

حدیث "من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی اخر جمعۃ من رمضان کان ذلك جابرا لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ"باطل قطعا لانہ مناقض للاجماع علی ان شیأ من العبادات لاتقوم مقام فائتۃ سنوات [1]الخ امام ابن حجر مکی در تحفہ شرح منہاج الامام النووی باز علامہ زرقانی درشرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی فرمایند:

اقبح من ذلك ماا عتید فی بعض البلاد من صلوٰۃ الخمس فی ھذہ الجمعۃ عقب صلوٰتھا زاعمین انھا تکفر صلوٰۃ العام اوالعمر المتروکۃ و ذلك حرام لوجوہ لاتخفی [2]۔

واقتدائے قاضی عصر امروز بقاضی عصر دیرروز نارواست زیر اکہ اتحاد نماز شرط صحت اقتداست وہمچناں اقتدائے مفترض بمتنفل نیزکہ زنہار درست نباشد پس بدیں صور تہاذمہ از نماز فارغ نشود۔فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔علامہ قاری علیہ رحمۃ الباری موضوعات کبیر میں کہتے ہیں: حدیث "جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں ایک فرض نماز ادا کرلی اس سے اس کی ستر سال کی فوت شدہ نمازوں کا ازالہ ہوجاتا ہے" یقینی طور پر باطل ہے کیونکہ اس اجماع کے مخالف ہے کہ عبادات میں سے کوئی شیئ سابقہ سالوں کی فوت شدہ عبادات کے قائم مقام نہیں ہوسکتی الخ، امام ابن حجر کی تحفہ شرح منہاج للامام النووی میں پھر علامہ زرقانی شرح مواہب امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی میں فرماتے ہیں: اس سے بھی بدتر وہ طریقہ ہے جو بعض شہروں میں ایجاد کرلیا گیا ہے کہ جمعہ کے بعد پانچ نمازیں اس گمان سے ادا کرلی جائیں کہ اس سے سال یا سابقہ تمام عمر کی نمازوں کا کفارہ ہے اور یہ عمل ایسی وجوہ کی بناپر حرام ہے جو نہایت ہی واضح ہیں۔ باقی آج کی عصر قضا کرنے والے کی اقتداء میں کل کی عصر قضا کرنے والا نماز ادا نہیں کرسکتا کیونکہ اقتداء کے لئے نماز کاایک ہونا شرط ہے اور اسی طرح فرض پڑھنے والے کا نفل پڑھنے والے کی اقتداء کرنا ہرگز درست نہیں لہٰذا اس صورت میں نمازوں کا ذمہ ساقط نہیں ہوگا۔نورالایضاح اور اس کی شرحہ مراقی الفلاح میں

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۹۵۳ مطبوعہ دارالکتب العربیۃ بیروت ص ۲۴۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ واما حفیظۃ رمضان دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۱۱۰

شرط صحة الاقتداء ان لایکون الا مام مصلیا فرضا غیرفرض الماموم کظھر وعصر وظھر ین من یومین [1] اھ ملخصا وفی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار لا مفترض بمتنفل ومفترض فرضا آخر کمصلی ظھر أمس بمصلی ظھر الیوم، لان اتحاد الصلوتین شرط [2] انتھت ملخصة واللہ تعالٰی اعلم	اقتدا کے لئے یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی کے فرائض الگ الگ نہ ہوں مثلًا ایک ظہر اور دوسرا عصر یا دونوں دو دنوں کی ظہر ادا کر رہے ہوں (تو پھر اقتداء جائز نہ ہوگی) تلخیصا، تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ فرض ادا کرنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتدا نہیں کرسکتا اسی طرح ایک اور فرض پڑھنے والا ہے دوسرا دوسرے فرض والا ہے ان کا ایک دوسرے کی اقتداء کرنا بھی جائز نہیں مثلًا کل کی ظہر پڑھنے والے کی آج کی ظہر پڑھنے والا اقتدا کرے کیونکہ دونوں کی نمازوں کا ایک ہونا شرط ہے انتہت تلخیصًا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس پر قضا نماز زیادہ ہوں وہ ان کی نیت کیونکر کرے اور قضا میں کیا کیا نماز پھیری جاتی ہے اور جس کے ذمہ قضائیں بہت کثیر ہیں جن کی ادا سخت دشوار ہے تو آیا اس کے لئے کوئی تخفیف نکل سکتی ہے جس سے ادا میں آسانی ہوجائے کہ ادا میں جلدی منظور ہے کہ موت کا وقت معلوم نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قضا ہر روز کی نماز کی فقط بیس رکعتوں کی ہوتی ہے دو فرض فجر کے، چار ظہر، چار عصر، تین مغرب، چار عشاء کے تین وتر۔ اور قضا میں یوں نیت کرنی ضرور ہے کہ نیت کی میں نے پہلی فجر جو مجھ سے قضا ہوئی یا پہلی ظہر جو مجھ سے قضا ہوئی، اسی طرح ہمیشہ ہر نماز میں کیا کرے اور جس پر قضا نماز میں بہت کثرت سے ہیں وہ آسانی کے لئے اگر یوں بھی ادا کرے تو جائز ہے کہ ہر رکوع اور ہر سجدہ میں تین تین بار **سبحان ربی العظیم، سبحان ربی الاعلی** کی جگہ صرف ایک بار کہے، مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہئے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت **سبحان** کا سین شروع کرے اور جب **عظیم** کا میم ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اٹھائے اسی طرح جب سجدوں میں پورا پہنچ لے اس وقت تسبیح شروع کرے اور جب پوری تسبیح ختم کرلے اس وقت سجدہ سے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الامامۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۵۸

[2] ردالمحتار معہ الدرالمختار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۲۹

سر اٹھائے۔ بہت سے لوگ جو رکوع سجدہ میں آتے جاتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں بہت غلطی کرتے ہیں ایک تخفیف کثرت قضا والوں کی یہ ہوسکتی ہے، دوسری تخفیف یہ کہ فرضوں کی تیسری ور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ سبحان اللہ، سبحان اللہ ،سبحان اللہ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں مگر وہی خیال یہاں بھی ضرور ہے کہ سیدھے کھڑے ہو کر سبحان اللہ شروع کریں اور سبحان اللہ پورے کھڑے کھڑے کہہ کر رکوع کے لئے سر جھکائیں، یہ تخفیف فقط فرضوں کی تیسری چوتھی رکعت میں ہے وتروں کی تینوں رکعتوں میں الحمد اور سورت دونوں ضرور پڑھی جائیں، تیسری تخفیف پہلی التحیات کے بعد دونوں درودوں اور دعا کی جگہ صرف اللھم صلی علی محمد والہ کہہ کر سلام پھیر دیں چوتھی تخفیف وتروں کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اللہ اکبر کہہ کر فقط ایک یا تین بار رب اغفر لی کہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۳: از مولوی عبداللہ صاحب مدرس منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ قضائے عمری نماز ادا کرنے کی حالت میں جو نفل ہر وقت کی نماز میں پڑھے جاتے ہیں وہ قبول ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:

خالی نفلوں کی جگہ بھی قضائے عمری پڑھے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۴: کتاب ترکیب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایک شخص تین بجے رات سے جاگتا رہا اور وقت نماز صبح صادق سو گیا اور آفتاب نکل آیا تو وہ وقت کی نماز پڑھے ثواب اس کو ادا کا ملے گا وقت میں قضا کا لفظ نہ کہے۔

الجواب:

اس نماز کے قضا ہوجانے میں شک نہیں کہ نماز کے لئے شرعاً اوقات معین ہیں،

قال اللہ تعالٰی اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴿۱۰۳﴾ [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک نماز مسلمانوں پر وقت باندھا ہوا فرض ہے،

اور قضا ہوجانے کے یہی معنی ہیں کہ شرعاً جو وقت مقرر فرمایا گیا تھا وہ جاتا رہے، رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للصلوٰۃ اولا واخرا و ان اول وقت الفجر حین یطلع الفجر و ان اخر وقتھا	بیشک ہر نماز کے لئے اول واخر ہے اور بیشک نماز صبح کا اول وقت طلوع فجر کے وقت ہے اور اس کا

[1] القرآن ۴/ ۱۰۳

حین تطلع الشمس[1]۔ رواہ الترمذی والامام الطحاوی بسند صحیح عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ مطولا وھذا مختصر،	آخر طلوع شمس پر ہے، اسے امام ترمذی اور امام طحاوی نے بسند صحیح اعمش سے انھوں نے ابوصالح سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تفصیلاً روایت کیا ہے اور یہ مختصر ہے

امام طحاوی فرماتے ہیں:

ھذا اتفاق المسلمین ان اول وقت الفجر حین تطلع الفجر واٰخر وقتھا حین تطلع الشمس[2]۔ اما ما ذکر فی بعض کتب الفقۃ مرفوعا من نام عن صلوۃ اونسیھا فلیصلھا اذاذکرھا فان ذلك وقتھا **فاقول:** الحدیث فی الصحیحین بلفظ من نسی صلوٰۃ فلیصلھا اذا ذکرھا لا کفارۃ لھا الا ذلك[3] اخرجاہ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وفی لفظ لمسلم عنہ من نسی صلوۃ او نام عنھا فکفارتھا ان یصلھا اذاذکرھا[4] وفی اٰخر لہ انہ فلیصلھا اذاذکرھا فان اللہ عزوجل یقول اقم الصلوۃ لذکری[5] ولہ عن ابی قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ فلیصلھا	یعنی اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ نماز صبح کا وقت طلوع فجر سے شروع ہوتا ہے اور طلوع شمس پر جاتا رہتا ہے۔جو بعض کتب فقہ میں مرفوعاً روایت مروی ہے کہ جو شخص نماز سے سوگیا اسے بھول گیا تو وہ جب یاد آجائے اسی وقت نماز ادا کرے کیونکہ یہی اس کا وقت ہے۔ **فاقول:** (میں کہتا ہوں) اس حدیث کو بخاری ومسلم نے حضرت انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو نماز بھول گیا وہ یاد آنے پر ادا کرے اس نماز کا کفارہ سوائے اس کے کچھ نہیں مسلم شریف میں انہی سے یہ روایت ان الفاظ میں ہے جو شخص نماز ادا کرنا بھول گیا یا سوگیا نماز رہ گئی تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے ادا کرے۔ مسلم کی دوسری روایت جواسی صحابی سے مروی ہے یہ الفاظ ہیں کہ جب نماز

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب منہ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۲

[2] شرح معانی الآثار باب مواقیت الصلوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۰۳

[3] صحیح البخاری باب من نسی صلوٰۃ فلیصل اذاذکرالخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴، صحیح مسلم باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۴۱

[4] صحیح مسلم، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ، نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۴۱

[5] صحیح مسلم، باب قضاء الصلوٰۃ الفائتۃ، نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱/۲۴۱

حین ینتبه لها فاذاکان الغد فلیصلها عند وقتها[1] وله کالستة الا البخاری والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه کاخر الفاظه عن انس رضی الله تعالٰی عنه وللترمذی وصححه والنسائی فی حدیث ابی قتادہ رضی الله تعالٰی عنه فلیصلها اذا ذکرها[2] ومثله لابی یعلی والطبرانی فی الکبیر عن ابی حنیفه رضی الله تعالٰی عنه ونحوہ لهذا فی الاوسط عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ولمالك فی موطاہ عن زید بن اسلم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا رقد احدکم عن الصلٰوۃ اونسیها ثم فزع الیها فلیصلها کما کان یصلیها لوقتها[3] وللطبرانی عن میمونة بنت سعد رضی الله تعالٰی عنها اذا ذکرها فلیصلها ولیحسن صلٰوته ولیتوضا فلیحسن وضوئه فذلك کفارته[4] و لیس فی شی من ذلك"فان ذلك وقتها"بل قد ارشد صلی الله تعالٰی علیه وسلم	یاد آئے تو اسے ادا کرے کیونکہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے نماز میری یاد کے لئے قائم کرو۔اور مسلم نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ الفاظ روایت کئے ہیں کہ وہ شخص جب بیدار ہو تو ادا کرے اور جب دوسرا دن آئے تو اسے وقت پر ادا کرے۔ بخاری کے سوا صحاح ستہ میں ایسے ہی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث کے آخری الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مروی ہیں، ترمذی اور نسائی میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث میں ہے، پس اسے پڑھ لے جب اسے یاد ائے، ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے ابویعلی اور المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ حدیث امام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل مروی ہے، اسی طرح اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور امام مالک کے موطا میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ نبی اکرم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز سے سو جائے یا اسے بھول جائے پھر اسے نماز کے (قضا) ہونے کا خوف لاحق ہوا تو اسے اسی طرح ادا رکھے جس طرح وقتی نماز

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۳۹

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی النوم عن الصلٰوۃ مطبوعہ امین کمپنی کراچی ۱/ ۲۵، سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلٰوۃ مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/ ۷۱

[3] موطاامام مالک کتاب وقوت الصلٰوۃ باب النوم عن الصلٰوۃ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۰

[4] المعجم الکبیر مروی از میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا مطبوعہ المکتبۃ بیروت ۲۵/ ۳۵

فی حدیث ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بقولہ فاذاکان الغد فلیصلھا عند وقتھا ان الذی یصلی الیوم لیس لوقتہ والیہ یومی حدیث زید فلیصلھا کما کان یصلیھا لوقتھا نعم للطبرانی فی الاسط و البیھقی فی السنن من نسی صلٰوۃ فوقتھا اذا ذکرھا[1] وقد نص البیھقی علی تضعیفہ فانی تقوم بہ الحجۃ بل ولئن صح لم یقادح الاجماع علی انہ یقبل التاویل ای انہ یطالب بھا الان کما یطالب بھا فی وقتھا۔	ادا کرتا ہے۔ طبرانی میں حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ جب اسے یاد آئے ادا کرے اور اچھی طرح وضو کرے پس یہی اس کا کفارہ ہے۔ ان تمام روایات میں یہ الفاظ کہ "یہی اس کا وقت ہے" ہرگز نہیں ہیں بلکہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ابو قتادہ کے الفاظ "دوسرے دن کی نماز اپنے وقت پر ادا کرے" کے ذریعے یہ رہنمائی عطافرمائی ہے کہ آج اس نے جو نماز پڑھی وہ وقت پر نہ تھی حدیث زید کے الفاظ اسے اسی طرح ادا کرے جیسے وقتی ادا کرتا ہے" بھی اسی طرف اشارہ کررہے ہیں، ہاں طبرانی نے اوسط اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ جو نماز بھول گیا اس کا وقت وہی ہے جب اسے یاد ائے لیکن امام بیہقی نے اس کے ضعیف ہونے کی تصریح کردی ہے تو یہ روایت دلیل کیسے بن سکتی ہے، بلکہ اگر یہ روایت صحیح بھی ہو تو اجماع کو توڑ نہیں سکتی، علاوہ ازیں اس کی تاویل کرنا درست ہے کہ جب نماز یاد آئی ہے تو اس سے اس کی ادائیگی کا اسی طرح مطالبہ ہے جیسے کہ اس کے وقت میں تھا۔ (ت)

وقت میں قضا کا لفظ کہنے کی تو کوئی حاجت اس میں بھی نہیں جبکہ جیتے جاگتے قصدًا معاذاللہ قضا کردی ہو بلکہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قضا بہ نیت ادا اور ادا بہ نیت قضا دونوں صحیح ہیں مگر اس سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں جبکہ وہ یقینا قضا ہے تو قضا کہنے میں کیا مضائقہ رکھا ہے، رہا ادا کا ثواب ملنا یہ اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اگر وہ جانے گا کہ اس نے اپنی جانب سے کوئی تقصیر نہ کی صبح تک جاگنے کے قصہ سے بیٹھا تھا اور بے اختیار آنکھ لگ گئی تو ضرور اس پر گناہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اما انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط علی من لم یصلی الصلٰوۃ حتی یجیئ وقت الصلٰوۃ الاخری[2] ۔ رواہ مسلم عن	سو جانے کی وجہ سے نماز رہ گئی تو گناہ نہیں لیکن جس شخص نے جان بوجھ کر نماز نہ پڑھی حتی کہ دوسری نماز کا وقت آگیا تو یقینا گنہ گار ہوگا۔ اسے مسلم نے حضرت ابو قتادہ

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فیمن نام عن الصلٰوۃ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ۱/۳۲۲، سنن الکبرٰی کتاب الصلٰوۃ باب لا تفریط علی من نام عن صلٰوۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ۲/۲۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب قضاء الصلٰوۃ الفائتۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۲۳۹

ابی قتادۃرضی اللہ تعالٰی عنہ وللنسائی وا لترمذی وصححہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ انہ لیس فی النوم تفریط انما التفریط فی الیقظۃ[1]۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نسائی اور ترمذی نے اسی صحابی سے ان الفاظ میں روایت کی ہے سو جانے کی صورت میں گناہ نہیں البتہ بیداری میں گناہ ہے۔ (ت)

اور جب اس کی جانب سے کوئی تقصیر نہیں توامید یہی ہے کہ ثواب نماز کامل عطاہو مگر اس سے وہ نماز قضا سے خارج نہ ہو جائے گی ثواب کامدار نیت پر ہے، بے کئے ثواب محض نیت پر مل جاتا ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہے کہ جو نماز کے قصد پر چلااور جماعت ہو چکی جماعت کا ثواب پائے گالیکن اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ جماعت فوت نہ ہوئی وھذا اظاھر جدا (یہ بلکل واضح ہے۔ ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۵: از نجیب اباد ضلع بجنور محلّہ مجید گنج مرسلہ کریم بخش صاحب ٹھیکدار ۱۷ جمادی الاول ۱۳۳۱ھ

قضا نماز کی جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تنہا پڑھنا افضل ہے یا باجماعت؟ اور مسجد میں یا مکان پر؟ اگر جماعت ہو سکتی ہے تو صبح و عشاو مغرب کی نماز خاموش پڑھنا چاہیئے یا باآواز؟ اور ہر ایک قضا عین وقت ہی پر پڑھی جائے مثلاً عشاء کی عشاء کے وقت اور ظہر کی ظہر کے وقت علی ہذا القیاس یا حتی الامکان جلد بلا تعین وقت؟

الجواب:

اگر کسی امر عام کی وجہ سے جماعت بھر کی نماز قضا ہو گئی تو جماعت سے پڑھیں، یہی افضل و مسنون ہے اور مسجد میں بھی پڑھ سکتے ہیں، اور جہری نمازوں میں امام پر جہر واجب ہے اگرچہ قضا ہو۔ اور اگر بوجہ خاص بعض اشخاص کی نماز جاتی رہی تو گھر میں تنہا پڑھیں کہ معصیت کا اظہار بھی معصیت ہے قضا حتی الامکان جلد ہو، تعیین وقت کچھ نہیں ایک وقت میں سب وقتوں کی پڑھ سکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ قضاءھا فیہ (ای فی المسجد) لان التاخیر معصیۃ فلا یظھرھا۔ بزازیۃ[2]۔	مسجد میں نماز کی قضا مکروہ ہے کیونکہ تاخیر معصیت ہے جس کا اظہار نہیں ہونا چاہئے۔ بزازیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی الامداد انہ اذاکان التفویت الامر عام فالاذان فی المسجد لایکرہ لانتفاء العلۃ	امداد میں ہے جب نماز کا فوت ہونا کسی عام امر کی وجہ سے ہو تو اب مسجد میں قضا کے لئے اذان مکروہ نہیں

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت فیمن نام عن صلوٰۃ مطبوعہ المکتبہ السّلفیہ لاہور ۱/۱۷، جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ ماجاء فی النوم عن الصلوٰۃ مطبوعہ امین کمپنی دہلی ۱/۲۵

[2] درمختار باب الاذان، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۷

کفعله صلی الله تعالٰي عليه وسلم ليلة التعريس [1]	کیونکہ وہ علت معدوم ہے جیسے کہ سرور علام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس میں کیا تھا۔(ت)

درمختار میں ہے:

يجهر الامام وجوبا فی الفجر و اولی العشائين اداء وقضاء [2] والله تعالٰی اعلم	امام فجر اور مغرب وعشاء کی پہلی دو رکعات میں جہراً قرات کرے خواہ نماز ادا پڑھائے یا قضا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰۶: از نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ امانت علی شاہ ۱۷رمضان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کی بہت نمازیں قضا ہوگئی ہیں یا اس نے دیر سے نماز شروع کی تو اس کو کیا کرنا چاہئے کہ اس کی پچھلی نمازیں پوری ہوجائیں؟

الجواب:

ان نمازوں کی قضا کرے جس قدر روز پڑھ سکے اسی قدر بہتر ہے مثلاً دس دن کی روز پڑھے یا آٹھ کی یا سات کی اور چاہے ایک وقت میں پڑھے یا متفرق اوقات میں، اور ہر بار یوں نیت کرے کہ سب میں پہلی وہ نماز مجھ سے قضا ہوئی، جب ایک پڑھ لی پھر یوں نیت کرے یعنی اب جو باقیوں میں پہلی ہے، اخیر تک اتنی پڑھے کہ اب اس پر قضا باقی رہنے کا گمان نہ رہے، قضا ہر روز کی صرف بیس رکعت ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰۷و۱۲۰۸: دبیر انجمن نعمانیہ لاہور ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) ایک شخص جس نے اپنی چالیس سال کی عمر تک باوجود مسلمان کہلانے کے نماز روزہ حج زکوٰۃ ادا نہ کی ہو یا کبھی کچھ کرلیا اور کبھی کچھ نہیں اور بعد ازاں وہ تائب ہوا اور تجدید ایمان کی اور کسی اہل اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی کہ اس شخص کو بھی ان عبادات کا اعادہ فرض ہوگا یا تجدید ایمان کی کافی ہوگی کیونکہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تمام نقائص کو رفع کردیتا ہے اور کسی کبائر وغیرہ کا بھی وہ جواب دہ نہیں رہتا۔

(۲۲) اگر اس کی عمر ایسی مدت تک پہنچ گئی ہے کہ وہ سب قضا نمازیں کھڑے ہو کر ادا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر ادا کرنے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں۔؟

الجواب:

(۱) نماز روزہ وحج زکوٰۃ ادا نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جتنے دنوں ادا نہ کرے گا اس کی قضا اس پر

---

[1] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر ۱/۲۸۸

[2] درمختار فصل ویجہر الامام مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۹

فرض رہے گی کافر کا اسلام لانا اس کے اگلے کبائر کو محو کردیتا ہے، مسلمان صرف تجدید اسلام سے اپنے گناہوں عہدہ برآنہیں ہوسکتا جب تک توبہ نہ کرے، فرائض ترک کئے ہیں اس سے توبہ میں یہ بھی شرط ہے کہ ان کی قضا کرے صرف زبانی توبہ توبہ نہیں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جب تک کھڑے ہونے کی طاقت ہے کھڑا ہونا فرض ہے اگرچہ لکڑی یا آدمی یا دیوار کے سہارے سے جتنی اس طور سے پڑھ سکے کھڑے ہو کر پڑھے، جب تک تھک جائے تھم جائے، اس طرح ادا میں اگر قصور کرے گا اور موت آگئی تو امید ہے کہ مولی تعالٰی باقی نمازیں معاف فرمائے گا **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۰۹: جس شخص نے نماز صبح نہ پڑھی ہو تو اس کی جمعہ اور عید کی نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **واللہ تعالٰی اعلم**

الجواب:

عید کی نماز تو مطلقاً ہوجائے گی اور جمعہ کی بھی اگر صاحب ترتیب نہ ہو یعنی اس کے ذمہ پانچ نمازوں سے زیادہ قضا جمع ہوگئی ہوں اگرچہ ادا کرتے کرتے اب کم باقی ہوں، اگر صاحب ترتیب ہے تو جب تک صبح کی نماز نہ پڑھ لے جمعہ نہ ہوگا اگر صبح کی نماز اسے یاد ہے اور وقت اتنا تنگ ہوگیا کہ صبح کی نماز پڑھے تو ظہر کا وقت ہی نکل جائے اور یہ جمعہ میں ہونا متوقع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۰: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اس پر کفارہ صوم وصلوٰۃ کا واجب تھا بسبب غربت کے، حیات میں ادا نہ کیا، اب اس کے وارثوں نے قرض لے کر اس کی جانب سے ایک قرآن شریف ہدیہ مسکین کو دے دیا اس صورت میں کفارہ مذکورہ ذمہ زید سے ساقط ہوا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بازار کے بھاؤ سے وہ نسخہ مصحف شریف جس قیمت کا تھا بقدر اس کے کفارہ ادا ہونے کی امید ہے مثلاً دو روپیہ ہدیہ کا تھا تو دو روپے کے گیہو جتنے کفارے کو کافی ہوں وہی ادا ہوسکتا ہے باقی نماز روزے زید کے ذمے بدستور رہے، قرآن مجید بیشک بے بہا ہے اس کے ایک کلمے ایک حرف کی برابر ساتوں آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے برابر نہیں ہوسکتے، مگر ان امور میں اعتبار مالیت کا ہے، قرآن عظیم مال نہیں۔ ہاں یہ کاغذ وجلد جو متضمن نقوش ہیں یہ مال انھیں کی قیمت ملحوظ ہوگی وبس، ورنہ یوں تو جس پر دس کروڑ روپے کسی کے قرض آتے ہوں ایک کلمہ اللہ پرچہ پر لکھ کر دے دے اور دین سے ادا ہو کر بے شمار اس کا اس پر فاضل رہے **وھذا کلہ ظاھر جدا** (اور یہ سارا اچھی طرح واضح ہے۔ت) **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۱: ۲۹ذیقعدہ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مرگیااس نے عمر بھر نماز نہ پڑھی یا کبھی پڑھی اس کی عمر ستر پچھتّر برس کی ہوئی کفارہ نماز کے بہت سے گیہوں یا جَو ہوں گے اور اس قدر مال نہیں تو اس کے ادا ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کا طریقہ یہ ہے کہ مثلًا بارہ برس ادنٰی مدت بلوغ کی نکال کر ساٹھ برس کی نمازیں اس کے ذمہ تھیں سال کے دن تین سو پچپن ہیں تو ایک سال کی نمازوں کے فدیے دوہزار ایک سو تیس ہوئے اور ساٹھ برس کے ایک لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو ایک نماز کا فدیہ گیہوں سے نصف صاع یعنی بریلی کی تول سے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور انگریزی سیر سے کہ اسی روپیہ بھر کا ہے پونے دو سیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا یعنی ایک سیر تیرہ چھٹانک پانچواں حصہ چھٹانک کا کم اس مقدار کو ۲۱۳۰ میں ضرب دیں تو سال بھر کی نمازوں کا کفارہ ہو اور ۱۲۷۸۰۰ میں ضرب دیں تو ساٹھ سال کا، یہ تقریبًا پونے پانچ ہزار من گیہوں ہوئے اس قدر دینے کی طاقت نہیں تو جتنے کی قدرت ہو اس قدر فقیر کو دے کر مالک کر دے قبضہ دلادیں پھر فقیر اپنی طرف سے انھیں ہبہ کردے یہ پھر دوبارہ نیت کفارہ اسے دے کر قبضہ دلادیں وہ پھر انھیں ہبہ کردے یہ سہ بارہ ایسا ہی کریں یہاں تک کہ یہ الٹ پھیر اس مقدار کو پہنچ جائے جتنے بڑی مقدار سے دور کریں گے جلد ختم ہوگا دور کے لئے یہ بھی کرسکتے ہیں کہ کسی سے مثلًا سو روپیہ کی تھیلی قرض لے کر وہ کفارے میں فقیر کو دیں اور یوں ہی الٹ پھیر کریں کہ روپے سے دور آسان ہوگا، اخیر میں فقیر کو کچھ دے کر راضی کریں۔ فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

ان لم یکن له مال یستقرض نصف صاع ویعطیه المسکین علی الوارث ثم الوارث علی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلوٰة نصف صاع کما ذکرنا [1] اھ وتفصیل الکلام فی فتاوٰنا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	اگر میت کا مال نہیں تو نصف صاع قرض لے کر مسکین کو دیا جائے پھر وہ مسکین اسے وارث پر صدقہ کرتے جائیں یہاں تک کہ ہر نماز عوض نصف صاع ہوجائے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اھ۔ اور تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللّٰه تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۲: کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا انتقال ہوا اور اس کی نمازیں و روزہ قضا ہیں

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ھامش الفتاوی الہندیۃ التاسع عشر فی الفوائت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶۹

اس کے ورثا ان کا فطرہ ادا کرنا چاہتے ہیں اور اس مقام پر آبادی اہل ہنود رعیت و مسلمان رعیت وسادات کی ہے جو بوجہ قحط سال انتہا درجہ کے محتاج ہیں اور ذوالقربٰی اور ہمسایہ بھی احتیاج رکھتے ہیں تو اس فطرہ کو ان سب پر تقسیم کرنا جائز یا ناجائز، اور دینا اولٰی اس میں سے کس گروہ کو ہے، متوفی کی سکونت سے دور مقامات میں طلباء دین کو دینا اولٰی ہے یا مذکورین سابقین جو اسی آبادی میں اور قرب وجوار میں محتاج ہیں اور ایک نماز و روزہ کے فطرہ کو پورا ایک شخص کو دینا جائز ہے یا اس کی قیمت کرکے نقد دینا جائز ہے یا نہیں، اگر نماز و روزہ کا غلہ یا قیمت حساب لگا کر مساکین پر کم وبیش تقسیم کردے تو جائز ہے یا نہیں یعنی ایک سو نمازیں اور پچاس روزہ کا فطرہ پیمائش کرکے انبار کیا یا اس کی قیمت جمع کی اور پانچسو مساکین پر تقسیم کرنا منظور ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

یہ صدقہ حضرات سادات کرام کے لائق نہیں اور ہنود وغیرہم کفار ہند اس صدقے کے لائق نہیں ان دونوں کو دینے کی اصلاً اجازت نہیں، نہ ان کے دیے ادا ہوں۔ مسلمین مساکین ذوالقربی غیر ہاشمین کو دینا دونا اجر ہے مدرسہ دینیہ کے طلبہ علم دین کے صحیح العقیدہ کو بھیجنے کی اجازت ہے اگرچہ وہ دوسرے شہر میں ہوں حتی کہ زکوۃ بھی۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح وانفع للمسلمین او الی طالب علم[1]۔	زکوۃ کی رقم کا دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب دوسرے مقام پر رشتہ دار یا زیادہ محتاج یا زیادہ صالح یا مسلمانوں کا زیادہ نفع ہے یا طالب علم ہو۔ (ت)

اقارب وجیران اور دور کے طلبہ علم دونوں میں ایک ایک وجہ اولیت کی ہے جو اسے انفع معلوم ہو اس پر عمل کرے چاہے اناج دے یا اس کی قیمت ایک فقیر کو متعدد نمازوں روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے جب تک وہ اس کے دینے سے مالک نصاب نہ ہو جائے ہاں مدیون ہو تو بقدر دین ہزار نصابوں کی مقدار ایک کو دے سکتا ہے کسی فقیر کو ایک کفارہ کی مقدار سے کم نہ دے بلکہ پوری مقدار یا مقادیر یا اس کی یا ان کی پوری قیمت ہو احتیاط اس میں ہے خروجا عن الخلاف (اختلاف سے بچنے کے لئے۔ت) درمختار میں اسی کفارہ کے بارے میں ہے:

لو ادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز	اگر فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو یہ جائز نہیں اور اگر اسے

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

ولو اعطاہ الکل جاز[1]۔	تمام دے دیا تو جائز۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا ثانی قولین حکاھما فی التتار خانیۃ بدون ترجیح وظاھر البحر اعتمادہ والاول منھما انہ یجوز کما یجوز فی صدقۃ الفطر[2]۔	یہ ان دو اقوال میں سے دوسرا ہے جنھیں تتارخانیہ میں بغیر ترجیح کے نقل کیا اور بحر سے اسی پر اعتماد کا اظہار ہورہا ہے اور پہلا قول یہ ہے کہ یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح صدقۃ الفطر میں جائز ہے۔(ت)

یہاں یہ ظاہر ہوا کہ سو نمازوں اور پچاس کا فدیہ ڈیڑھ سو مساکین سے زائد کو نہ دیا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱۳: از موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ملک پنجاب میں رواج ہے کہ میت کے جنازہ کے وقت اسقاط کرتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسقاط کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اگر میت پر نماز روزہ قضا ہیں اور اس نے اتنا مال نہ چھوڑا جس کے ثلث سے بحالت وصیت اس کا فدیہ ادا ہو سکے یا وصیّت نہ کی اور سب ورثا ادائے فدیہ پر راضی نہیں تو پہلی صورت میں اس کے تہائی مال کا حساب لگائیں کہ اس سے کس قدر کا فدیہ ادا ہو سکتا ہے مثلاً فرض کرو کہ چہارم کی قدر ہے تو ثلث مال فقیر کو بہ نیت فدیہ دیں فقیر اس سے لے کر پھر وارث کو ہبہ کردے یہ پھر بہ نیت فدیہ دے فقیر پھر لے کر ہبہ کردے اور ہر بار فقیر و وارث قبضہ کرتے جائیں یہاں تک کہ فدیہ ادا ہوجائے یا مال بالکل نہیں ہے تو وارث مثلاً ڈیڑھ سیر گیہوں یا اس کی قیمت کسی سے قرض لے کر اس کا الٹ پھیر کرلے اگرچہ ہزار بار یا زائد میں فدیہ کی حد تک پہنچے۔

فی الدرالمختار لومات وعلیہ صلوٰت فائتۃ واوصی بالکفارۃ یعطی لکل صلوٰۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ وکذاحکم الوتر و	درمختار میں ہے اگر کوئی شخص فوت ہوجاتا ہے اور اس پر نمازیں ہیں اور وہ اپنے کفارہ کی وصیت کرجاتا ہے تو ہر نماز کے عوض فطرہ کی طرح گندم کا نصف صاع دیا جائے گا

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

[2] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۳

الصوم وانما یعطی من ثلث مالہ ولولم یترك مالا یستقرض وارثہ نصف صاع مثلا ویدفعہ الفقیر ثم یدفعہ الفقیر للوارث ثم وثم حتی یتم[1]	وتر اور تراویح کا بھی یہی حکم ہے اور یہ اس کے تہائی مال سے دیا جائے گا اور اگر میّت نے مال ہی نہیں چھوڑا تو وارث نصف صاع قرض لے کر کسی فقیر کو دے اور پھر فقیر نصف وارث کو دے، اسی طرح دیتے رہیں یہاں تک کہ تمام نمازوں کا عوض ہو جائے۔(ت)

اس کے سوا یہ جو عوام میں رائج ہے کہ سارے فدیہ کے عوض ایک قرآن دے دیا کہ وہ تو بے بہا ہے یوں ادا نہیں ہوتا قرآن مجید بیشک بے بہا ہے مگر جو بے بہا یعنی کلام الٰہی کہ ورقوں میں لکھا ہے وہ مال نہیں، نہ وہ دینے کی چیز ہے تو جو مال ہے یعنی کاغذ اور پٹھے اسی طرح قیمت معتبر ہوگی اور جب مقدار فدیہ کو نہ پہنچے گی فدیہ کیونکہ ادا ہوگا وھذا ظاھر جدا (یہ نہایت ہی واضح ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۴: از دھولقہ ضلع احمد آباد گجرات مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۲ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

بخدمت ہادی برحق مولٰنا مولوی احمد رضا خان صاحب دام برکاتہ گزارش یہ ہے کہ ہم قصبہ دھولقہ کے رہنے والے ہیں ہم لوگ بالکل سیدھے سادھے لوگ اور صرف راہ حق کے تلاش کرنے والے ہیں، کسی فریق پارٹی سے ہمیں کوئی لگاؤ یا تعلق نہیں، آپ کے حکم پر ہمیشہ گردن جھکانے کو تیار ہیں مگر ہم لوگوں اردو کی معمولی لیاقت کے اور علم نہیں ہے آپ کا ایک فتوی اول گجراتی کتاب میں چھپا ہے اور دوسری ایک تحریر مولوی علاء الدین صاحب پر آئی ہوئی چھپی ہے، ان دونوں تحریروں کو سمجھنے کی ہم لوگ لیاقت نہیں رکھتے اس لئے خدمت والا میں عرض کرتے ہیں کہ ہمارے اس قصبہ میں چھبیس سیر گیہوں فی سیر ۸۰ روپیہ کے حساب سے اور نقد سوا روپیہ اور ایک کلام اللہ شریف اتنی چیزوں کا حیلہ اس طرح کرتے ہیں کہ جنازہ کا امام کچھ پڑھتا ہے کیا پڑھتا ہے وہ ہمیں معلوم نہیں بعد پڑھنے کے حاضر فقیروں میں تین دور کرا دیتا ہے اور پھر وہ چیزیں امام وغیرہ بانٹ لیتے ہیں، یہ حیلہ شریعت کے مطابق ہے اور جائز ہے یا نہیں صرف مختصر جواب اردو آسان لفظوں میں ہوگا تو بھی ہماری کافی تسلی ہوگی۔

الجواب:

امام جنازہ جو کچھ پڑھتا ہے اگر اس میں کوئی بات خلاف شرع نہ ہو (مثلاً یہ نہ ہو کہ اس میت کے گناہ ہم نے اپنے سر لئے یا اس کا عذاب و ثواب ہمارے اوپر کہ ایسا کہنا شریعت میں حرام ہے) اور وہ لوگ جن پر ان چیزوں کا دور کراتا ہے، فقیر محتاج زکوٰۃ لینے کے قابل ہوں تو اس چھبیس سیر گیہوں کی جو قیمت وہاں اس وقت

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

بازار کے بھاؤ سے ہو اور اس مصحف شریف کا جو ہدیہ وہاں اس وقت ہو اور وہ سوا روپیہ ان کے مجموعہ کو ان دور والے محتاجوں مصرف زکوٰۃ کے سہ چند میں ضرب دینے سے جو حاصل ہو یہ مال جتنے نمازوں کا کفارہ ہو اس قدر کا ہو گیا اگر میت پر زیادہ کفارہ تھا تو باقی اس کے ذمہ پر رہا مثلاً وہ گیہوں تین روپے کے ہوں اور وہ مصحف پونے تین روپے ہدیہ کا ہو تو یہ اور وہ سوا روپیہ مل کر سات روپیہ کا مال ہوا اب اگر دور میں اس فقیر میں اور ان پر تین بار دور ہوا تو گویا تیس ۳۰ فقیروں کو سات سات روپے دئے گئے مجموع دو سو دس ۲۱۰ روپے ہوئے، میت پر نماز روزے وغیرہ کا مطالبہ اگر اس قدر یا اس سے کم تھا تو سب ادا ہو گیا اور زیادہ کا تھا تو جتنا زائد تھا باقی رہا مثلاً اس کے نماز روزوں کے حساب سے جتنے گیہوں کفارہ کے ہوتے ان کی قیمت وہاں سے وقت کے بھاؤ سے ہزار روپے تھی اور یہ دو سو دس ۲۱۰ روپے ہوئے تو سات سو نو ۷۰۹ روپے کا مطالبہ میت پر رہا اور اگر دور والوں میں بعض وہ ہوں کہ اگرچہ فقیر بنتے ہیں مگر مالدار ہیں حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن ۵۶ روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان کے شامل ہونے سے دور میں حرج نہ آئے گا فقط اتنا ہوگا کہ دور میں ان کا شمار نہ ہوگا مثلاً دس فقیروں پر دور کیا اور ان میں تین ۳ غنی تھے سات ہی پر دور سمجھا جائے گا صورت مذکورہ میں تیس ۳۰ فقیروں کی جگہ اکیس ۲۱ ہی رکھے جائیں گے اور دو سو دس ۲۱۰ روپے کی جگہ ایک سو سنتالیس ۱۴۷ روپے کا کفارہ ادا ہوگا، ہاں اگر ان میں کوئی بھی محتاج نہ ہو اسب غنی تھے تو بیشک کفارہ بالکل ادا نہ ہوگا، غرض یہ حیلہ یا تو بالکل کافی ہے جبکہ میت پر مطالبہ اسی قدر یا اس سے کم ہو ورنہ نافع ضرور ہے جبکہ ان دور والوں میں ایک بھی فقیر ہو کہ آخر کچھ نہ کچھ مطالبہ تو میّت پر سے کم ہوا، ہاں جیسے بہت عوام دور ہی نہیں کرتے ایک مصحف شریف دے دیا اور سمجھ لئے کہ عمر بھر کا کفارہ ادا ہو گیا یہ محض مہمل و باطل ہے، یونہی یہاں جب پورے مطالبہ کے قدر نہ تو اس سے بالکل ادا سمجھ لینا غلط و باطل ہے پھر بھی اس سے اس حیلہ کا جتنا فائدہ ہے زائل نہیں ہوتا، بعض کو کل سمجھ لینا ان کی غلطی ہے جیسے کسی کے ہزار روپے زید پر قرض ہوں اور زید سو ۱۰۰ روپے ادا کرے اور سمجھ لے کہ سب ادا ہو گیا تو یہ اس کی غلطی ہے مگر اس غلطی کے سبب وہ سو ۱۰۰ روپیہ جو ادا کئے باطل نہ ہو جائیں گے وہ فائدہ اسے حاصل رہے گا کہ اب ۱۰۰۰ ہزار کی جگہ ۹۰۰ نو سو کا مطالبہ اس پر رہا، بہر حال اس میں فائدہ ضرور ہے مگر اس طرح کی کوئی خلاف شرع بات نہ کہی جاتی ہو، جس کی مثال اوپر گزری، بغیر اس کے اسے مطلقاً ناجائز بتانے والا محض غلطی پر ہے، البتہ مسلمانوں کے مناسب یہ ہے کہ وہ طریقہ دور کا کریں جس سے میت پر سے باذنہ تعالیٰ سب مطالبہ ادا ہو جائے اس کا بیان ہمارے فتوٰی میں مفصل موجود ہے اور اس پر یہ اعتراض کہ قرآن مجید کا صدقہ حرام بلکہ کفر ہے جہل و حماقت ہے ورنہ ۱ مسکین طالب علم کو قرآن مجید دینا حرام و کفر ہو، اسے صدقہ کہہ کر نہ دے ہبہ رکھے جب بھی تو صدقہ ہی ہوگا جیسا کہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبۃ للفقیر صدقۃ علی الغنی ھبۃ [1]۔	ہبہ فقیر کے لئے صدقہ اور صدقہ غنی کے لئے ہبہ ہو جاتا ہے ۔(ت)

اور محققین کے نزدیک یہاں نفس قربت مؤثر وان کان الاثر اشد مع الاسقاط (اگرچہ اثر اسقاط کے ساتھ اشد ہے۔ت)
فتح القدیر میں ہے:

الذی نعقلہ ان کلا من التقرب والاسقاط موثر [2]۔	ہم یہ سمجھے کہ تقرب اور اسقاط دونوں ہی مؤثر ہیں۔(ت)

پھر قرآن مجید وقف کرنے کا جواز کتب مذہب میں مصرح ہے۔درمختار میں ہے:

وفی الدرر وقف مصحفا علی اھل مسجد للقرأۃ ان یحصون جاز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیہ [3]۔	درر میں ہے اگر کسی نے برائے تلاوت اہل مسجد کے لئے قرآن وقف کیا تو وہ اسے محفوظ رکھیں تو جائز ہے اور اگر مسجد کے لئے وقف کیا تو بھی جائز ہے اور اس سے تلاوت بھی جائز ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ ان یحصون جاز ھذا الشرط مبنی علی ما ذکرہ شمس الائمۃ من الضابط وھو انہ اذا ذکر للوقف مصرفا لا بد ان یکون فیھم تنصیص علی الحاجۃ حقیقۃ کالفقراء اواستعمالا بین الناس کالیتامی والزمنی لان الغالب فیھم الفقر فیصح للاغنیاء والفقراء منھم ان کانوا یحصون والا فلفقرائھم فقط [4]۔	ماتن کا قول "اگر اسے وہ محفوظ رکھیں" یہ اس ضابطہ پر مبنی ہے جس کا تذکرہ شمس الائمہ نے کیا کہ جب واقف وقف کے لیے کوئی مصرف بیان کرے تو ضرور ہے کہ لوگوں میں اس کی حاجت و ضرورت بیان کرے خواہ وہ ضرورت حقیقۃً ہو مثلاً یتامی اور بے دست و پا لوگ کیونکہ ان میں اغلب طور پر فقر ہوتا ہے پس اغنیاء و فقراء کے لئے یہ صحیح ہوگا جبکہ وہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں ورنہ فقط فقراء کیلئے ہوگا۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲
[2] فتح القدیر نوریہ رضویہ سکھر
[3] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۰/۱
[4] ردالمحتار کتاب الوقف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۳

وقف بھی صدقہ ہی ہے بلکہ صدقہ جاریہ مستمرہ حتی کہ اگر خاص چند اغنیاء پر ہو جب بھی اس کا آخر فقراء کے لئے ہونا لازم، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنه اصاب ارضا بخیبر فاتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یستا مرہ فیھا فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان شئت حبست اصلھا وتصدقت بھا قال فتصدق بھا عمر انه لایباع ولا یوھب ولا یورث و تصدق بھا فی الفقراء و فی القربی وفی الرقاب وفی سبیل اللہ وابن السبیل والضیف[1] ۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی تو رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ اس کے بارے میں آپ سے رہنمائی حاصل کی جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو اسے (منتقل ہونے سے) روک لیں اور صدقہ کردیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے صدقہ کردیا اسی طرح کہ نہ اسے بیچا جائے گا نہ ہبہ کیا جائے گا۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اسے فقراء، قریبی رشتہ دار، غلاموں کی آزادی، راہ خدا میں، مسافروں اور مہمانوں کے لئے صدقہ کردیا۔ (ت)

یہ حدیث محرر المذہب سیدنا امام محمد نے مبسوط میں یوں روایت فرمائی:

اخبر نا صخر بن جویرة مولٰی عبد اللہ بن عمر ان عمر بن الخطاب کان له ارض تدعی ثمغا وکان نخلا نفیسا فقال یا رسول اللہ انی استفدت مالا ھو عندی نفیس افاصدق به فقال رسول اللہ صلی علیه وسلم تصدق با صله لایباع ولا یوھب ولا یورث ولکن تنفق ثمرته فتصدق به عمر فی سبیل اللہ وفی الرقاب وللضیف وللمسافر و	ہمیں صخر بن جویرہ جو کہ عبداللہ بن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک ثمغ نامی زمین کا ٹکڑا تھا اور وہاں نہایت اچھا کھجوروں کا باغ تھا انھوں نے حضور اکرم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا میں نے ایسا مال حاصل کیا ہے جو میرے نزدیک نہایت ہی قیمتی ہے کیا میں اسے صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا اصل صدقہ کردو اس طرح کہ نہ اسے بیچا جائے نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس کا وارث بنایا جائے لیکن اس کا پھل خرچ کیا جائے

[1] صحیح مسلم باب الوقف مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۴۱

لابن السبیل ولذی القربی [1] الحدیث۔	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے راہ خدا غلاموں کی آزادی، مہمان نوازی، مسافر، ابن سبیل اور قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کردیا۔ (ت)

صحیح بخاری کے بھی بعض طرق میں بالفاظ امام محمد ہے: تصدق باصلہ لایباع [2]۔ الحدیث (اس کا اصل صدقہ کردو اسے فروخت نہ کیا جائے الحدیث۔ ت)

مانعین ۳ کیا کہتے ہیں اُس صورت میں جبکہ مثلاً کوئی اہل خیر سو ۱۰۰ مصحف شریف ان کے مدرسہ یا یتیم خانے میں بھیجے کہ ان میں غربا کے بچے اور یتامٰی پڑھا کریں اس کا یہ فعل حسن و باعث ثواب ہے یا حرام و موجب عذاب بلکہ معاذ اللہ کفر، اور ۴ اگر اس نے نذر مانی ہو کہ اللہ تعالٰی کے لئے دس مصحف شریف فقرائے مسلمین کو دوں گا تو یہ نذر حلال ہے یا حرام و کفر، اور ۵ اگر وصیت کی ہو کہ میری ملک کے مصاحف سب میرے بعد فقرائے مسلمین کے دے دیئے جائیں اور وہ ثلث مال سے زائد نہ ہوں تو یہ وصیت صحیح یا باطل اور یہ دینا وصی پر واجب ہے یا حرام، پھر یہ حکم صرف مصحف شریف کے لئے یا کتب حدیث وفقہ کے لئے بھی، طرفہ یہ کہ مانعین کے امام الطائفہ گنگوہی کے فتاوی حصہ ۳ میں ہے:

سوال: خرید کر قرآن دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب: زکوۃ کے روپے سے قرآن کتاب کپڑا وغیرہ جو کچھ خرید کر دے دیا جائے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے اھ اور بات یہ ہے مانعین حقیقت امر سے غافل ہیں جو اس کی تحقیق بازغ کا طالب ہو ہمارے فتاوی کی طرف رجوع کرے وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۱۵: از ریاست رام پور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اور نٹیل کالج ۱۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ اسقاط جو ملک افغانستان میں مروج ہے وہ شرعاً ثابت اور مستحسن ہے یا نہیں، اگر ثابت ہے تو اس کی کیا دلیل ہے، اور فدیہ صوم اگرچہ منصوص ہے لیکن فدیہ صلوٰۃ پر کون سی نص ہے اور یہ یعنی دوران قرآن کیوں متروک العمل ہے اور یہ ہندوستان میں کیوں مروج نہیں، بر تقدیر ثانی یہ عبارت فتاوی سمرقندیہ کی بالکل غلط ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے:

لما صنف الامام الربانی محمد بن حسن الشیبانی فی کتاب الحیل فی کل باب انکر	جب امام ربانی محمد بن حسن الشیبانی نے ہر معاملہ کے بارے میں کتاب الحیل لکھی تو اس پر علماءِ بغداد نے

[1] سنن الدار قطنی باب کیف یکتب الحبس مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۴/ ۱۹۳

[2] صحیح البخاری باب الوقف وکیف یکتب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۹

علیہ علماء البغداد بلغوا تلك القصة الی خلیفة البغداد فقال الخلیفة ارسل الی ذلك فان کان موافقا للاصول فبها والا فنخرقه فقال ان العلماء احساد واوانکر وا حسدا فجاء الامام بذلك الکتاب الی الخلیفة فنظر فیه فتعجب فطلب العلماء و قال انظروا فیه بدقة النظر من غیر حسد فلما رأوه قالوا فقد احسن محمد ضاعف الله اجره الی الابد ثم سئل الخلیفه عن الامام ای اصل اخرجت تلك المسائل قال اخرجت من قصة ایوب ویوسف وسنة حیلة الرباء والحد فقال الخلیفة للعلماء من انکر الحیلة فقد انکر القراٰن والحدیث واجماع العلماء فالتعزیز واجب علیه فلما حول ورقة وقع النظر علی حیلة الاسقاط فقال الامام اسهل طریقته ان یبیع الوارث علی الفقیر مصحفا قابل القراءة ثم یهب الفقیر للوارث ثم فثم حتی یتم لعل الله یجعل فدیة الصوم والصلٰوة والزکٰوة وغیرها فقال العلماء قلت قولا حسنا بارك الله فی عمرك فاکتب فی کتابك فکتب الامام تلك الحیلة فی کتابه فشاع فی زمان الخلیفة (الدرالبرر للامام الغز الی) قال الشارح السمرقندی

اعتراض کیا یہ بات خلیفہ بغداد کو پہنچی تو اس نے کہا وہ کتاب مجھے لاکر دو اگر اس کی عبارات اصول کے موافق ہیں تو ٹھیک ورنہ ہم اسے جلادیں گے اور علماء نے اعتراض حسداً کیا تھا، امام نے کتاب خلیفہ وقت کو دی اس نے جب اسے پڑھا تو بہت متعجب ہوا، علماء کو طلب کیا اور کہا حسد سے بالاتر ہو کر دقّتِ نظر سے اس کا مطالعہ کرو، جب انھوں نے اس کتاب کو پڑھا تو سب کہنے لگے کہ امام محمد نے بہت خوب کام کیا ہے اللہ تعالٰی تا قیامت ان کو اجر عطا فرمائے، پھر خلیفہ نے امام سے پوچھا ان مسائل کا استنباط کرتے وقت کونسی اصل آپ کے پیش نظر تھی، تو انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ایوب، حضرت یوسف علیہم السلام کے واقعات اور حیلہ ربا کی سنت اور حد سے انہیں مستنبط کیا ہے خلیفہ نے علماء سے کہا جو شخص حیلہ کا انکار کرتا ہے اس نے تو قرآن، حدیث اور اجماع کا انکار کیا تو اس پر تعزیر لازم ہے۔ جب خلیفہ نے کتاب کا ایک ورق اٹھایا تو اس کی نظر حیلہ اسقاط پر پڑی، امام نے کہا کہ حیلہ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ وارث محتاج کو قابلِ قراءت قرآن بیچ دے پھر وہ فقیر اس وارث کو ہبہ کردے، پھر اسی طرح مسلسل کیا جائے حتی کہ پورا ہو جائے شاید اللہ تعالٰی اسے روزہ، نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا فدیہ بنادے۔ علما نے کہا کہ آپ نے بہت خوب بات فرمائی ہے اللہ تعالٰی تمھاری عمر میں برکت دے پس اسے اپنی کتاب میں تحریر فرمادو اور یہ طریقہ خلیفہ کے دور میں مروج رہا الدر البرر للامام غزالی۔ شارح سمرقندی نے فرمایا، ہمیں

حدثنا عباس بن سفیان عن ابن عتبه عن ابن عوف عن محمد عن عبدالله قال قال عمر ایهاالمؤمنون اجعلوا القراٰن وسیلة لنجاة الموتی فتحلقوا وقولوا اللهم اغفرلهذا المیت بعزة القراٰن وتناولوا بایدیکم وفعل عمر فی اٰخر خلافته فی وفاة امرأة ملقبة الحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لجزء من القراٰن فمالوا الی عمر ولم یشتهر فی خلافة عثمان ثم اشتهر فی خلافة هارون الرشید من غیر انکار دوران القراٰن بحیلة الاسقاط فاصله ثابت عن عمر وهذا وان لم یذکر فی کتب المشهورة من الاحادیث ولکنه مشهور فی بعض الکتب من التواریخ بسند قوی کما قال المورخ اللبیب صاحب الفتوح اخبرنا ابوعاصم عن ابن جریج عن ابن شهاب عن ابن سلمة عن ابن موسٰی قال فعل عمر دوران القراٰن لجزء منه بحلقة عشرین رجلا بعد صلوٰة الجنازه لامرأة ملقبه بحبیبة بنت عربد زوجة ملاب لرجل من الانصار ما حفظنا اسمه فانکار مطلقة الحیلة وعن حیلة الاسقاط فسق لانه ثبت عن عمر، اخبرنا سعید بن ایوب عن جمیع عن عبدالله بن ابی بکر انه اوجد عمر بدور القراٰن

عباس بن سفیان نے ابن عتبہ سے انہوں نے ابن عوف سے انہوں نے محمد انہوں نے عبداللہ بن عمر سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے اہل ایمان! قرآن کو مردوں کی نجات کے لئے وسیلہ بناؤ اور حلقہ بنا کر یوں عرض کرو اے اللہ! اس میت کو عزّت قرآن کی برکت بخش دے اور اسے ایک دوسرے کے ہاتھ میں دو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی خلافت کے آخری دور میں حبیبہ بنت عربد زوجہ ملاب کی وفات کے موقعہ پر قرآن کے ایک حصہ سے ایسا کیا، لیکن یہ عمل خلافت عثمان میں مشہور نہ ہوا پھر ہارون الرشید کے زمانہ میں قرآن کا دور حیلہ اسقاط کے لئے بغیر کسی اعتراض کے مشہور ہوا تو اس حیلہ کی اصل حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت اور یہ بات اگرچہ مشہور کتب احادیث میں نہیں لیکن کتب تاریخ میں سند قوی کے ساتھ مشہور ہے جیسا کہ عظیم مورّخ صاحب الفتوح نے بیان کیا کہ ہمیں ابو عاصم نے ابن جریج سے انہوں نے ابن شہاب، انہوں نے ابن سلمہ، انہوں نے ابن موسٰی سے بتایا کہ حضرت عمر نے بیس آدمیوں کے حلقہ میں قران کے ایک جز کو لیا دیا اور یہ اس خاتون کے جنازہ کے بعد کیا جو ملاب انصاری کی بیوی اور حبیبہ بنت عربد کے لقب سے مشہور تھی اس کا نام محفوظ نہیں، تو مطلقًا حیلہ کا انکار کفر اور حیلہ اسقاط کا انکار فسق ہے کیونکہ یہ حضرت عمر سے ثابت ہے، ہمیں سعید نے ایوب سے انہوں نے جمیع سے انہوں نے عبداللہ بن ابی بکر سے بتایا کہ نماز جنازہ کے بعد قرآن کا دور حضرت عمر رضی اللہ

بعدصلوٰۃ الجنازہ انتھی فتاوی سمر قندی من عتبہ۔	تعالٰی عنہ نے ایجاد کیا انتہی، فتاوٰی سمرقندی میں عتبہ کے حوالے سے منقول ہے۔(ت)

نیزاس میں دورانِ قرآن کی نسبت حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف ہے وہ صحیح ہے یا نہیں اوراس کی سند کیسی ہے؟

الجواب:

امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے سوااور حضرات سے جو کچھ روایات بے سروپااس عبارت میں مذکور ہیں سب باطل وافتراء ہیں، نہ یہ عبارت فتاوٰی سمرقندیہ میں ہےاس پر بھی افتراہے، اور بے چارہ افتراء کرنے والا عربی عبارت بھی باقاعدہ نہ بناسکااپنی ٹوٹی پھوٹی جاہلانہ خرافات کو صحابہ وائمہ کی طرف منسوب کیامسئلہ دور عامہ کتب متداولہ مذہب میں مصرح ہے خود مصحف شریف سے یاکسی مال سے مگرہر بار کے دینے میں اتناہی مجراہوگا کہ بازاری نرخ سے وہ مصحف شریف جتنے ہدیہ کا ہے یہ جاہلانہ خیال کہ یہ توبے بہاہے ایک ہی دفعہ میں اگلے پچھلے بلکہ سات پشت کے سب کفارے ادا ہوجائیں گے محض جاہلانہ خیال باطل ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا بمالا مزید علیہ (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اتنی تفصیل سے بیان کیا ہے جس پر اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ت) فدیہ صلوٰۃ پر اگرچہ نصِ شارع علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نہ آیا نص مجتہد مذہب ہے وکفی بہ حجۃ (یہ دلیل کے لئے کافی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب سجود السھو

(سجدۂ سہو کا بیان)

مسئلہ ۱۲۱۶: ۷ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص الحمد شریف پڑھ کر سوچتا رہا کہ کون سی سورت پڑھوں اور اس میں کچھ دیر لگ گئی تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر بقدر ادائے رکن ای مع سنتہ کما فی الغنیۃ (یعنی سنت کے مطابق جیسے غنیہ میں ہے۔ ت) یعنی مثلاً جتنی دیر میں تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا اتنے وقت تک سوچتا رہا تو سجدہ سہو لازم ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

التفکر الموجب للسھو مالزم منہ تاخیر الواجب اوالرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن اوالواجب قدر اداء رکن و ھوالاصح [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم	ایسا سوچنا جو سہو کا سبب ہے وہ ہوگا جو واجب یا رکن کو اپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً اداء رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کر لیا جائے یہی اصح ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۸

مسئلہ ۱۲۱۷: ۲۳جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام جمعہ کی نماز میں دوسری رکعت میں بعد فاتحہ کے **واذکر فی الکتٰب موسٰی** سے **ووھبنالہ** تک کہ تین آیات قصار ہوگئیں پڑھ کر بند ہوگیا کسی قدر تامل کرکے پھر دوبارہ واذکر سے **ووھبنالہ** تک پڑھا پھر سہ بارہ یہیں تک پڑھ کر کچھ تامل کیا جب آگے نہ چلا رکوع کردیا، اس صورت میں امام پر سجدہ سہوآیا یانہیں؟ اگر آیا اور نہ کیا تو فاسد ہوئی یا کیسی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگرایک بار بھی بقدرادائے رکن مع سنت یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کی مقدار تک تامل کیا سجدہ سہو واجب ہوا، ردالمحتار میں ہے:

التفکر الموجب للسھو مالزم منہ تاخیرالواجب اوالرکن عن محلہ بان قطع الاشتغال بالرکن اوالواجب قدر اداء رکن وھو الاصح [1]۔	ہر وہ تفکر سہو کا موجب ہے جو واجب یا رکن کو اپنے مقام سے مؤخر کردے مثلاً اداء رکن کی مقدار کسی رکن یا واجب سے اعراض کرلیا جائے یہی اصح ہے۔(ت)

اگرنہ کیا نماز مکروہ تحریمی ہوئی جس کا اعادہ واجب، درمختار میں ہے:

تعاد وجوبا فی العمد والسھو ان لم یسجد لہ [2]۔	دانستہ یا نادانستہ سجدہ سہونہ کیا تو نماز کالوٹانا واجب ہے۔(ت)

اصل حکم یہ ہے مگر علماء نے جمعہ وعیدین میں جبکہ جمع عظیم کے ساتھ ادا کئے جائیں بخوف فتنہ سجدہ سہو کا ترک اولٰی رکھا ہے۔ درمختار میں ہے:

السھو فی صلٰوۃ العید والجمعۃ والمکتوبۃ التطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمہ فی الاولیین لدفع الفتنۃ کما فی جمعۃ البحر واقرہ المصنف وبہ جزم فی الدرر [3]۔	سہو نماز عید جمعہ فرض اور نوافل میں برابر ہے، متاخرین کے نزدیک پہلی دو نماز(نماز جمعہ وعید) میں دفع فتنہ کی وجہ سے سجدہ سہونہ کرنا مختار ہے، جیسا کہ بحر کے باب الجمعہ میں ہے۔ مصنف نے اسے ثابت رکھا اور درر میں اسی پر جزم ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجودالسہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۸

[2] درمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۷۱

[3] درمختار باب سجودالسہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

ردالمحتار میں ہے:

فی جمعة حاشیة ابی السعود عن العزمیة انه لیس المراد عدم جوازہ بل الاولی ترکه لئلا یقع الناس فی فتنه۔[1]	حاشیۃ ابوالسعود کے باب الجمعہ میں عزمیہ کے حوالے سے ہے کہ اس سے مراد سجدہ سہو کا عدم جواز نہیں بلکہ اس لئے اولی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں مبتلانہ ہوں۔(ت)

بس جہاں جمعہ بھی جماعت عظیم سے نہ ہوتا ہو بلاشبہ سجدہ کرے، اگر نہ کیا اعادہ کرے، اگر وقت نکل گیا ظہر پڑھ لیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قیدہ الوافی بما اذا حضر جمع کثیرو الا فلا داعی الی الترک۔[2]	وافی نے اس بات کے ساتھ مقید کردیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب حاضرین کثرت کے ساتھ ہوں، اور اگر اتنا کثیر اجتماع نہیں تو پھر سجدہ سہو کے ترک کی ضرورت نہیں۔(ت)

اسی میں ہے:

المرجح وجوب الاعادۃ فی الوقت وبعدہ۔[3]	ترجیح یہی ہے کہ وقت کے اندر یا وقت کے بعد نماز کو لوٹایا جائے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نماز جمعہ رکعت اول میں بقدر ما یجوز به الصلوٰۃ کے پڑھ کر ایک منٹ سے زیادہ ساکت رہا اور تمام کرنے نماز کے سجدہ بھی نہ کیا جب لوگوں نے کہا تم نے سجدہ سہو نہیں کیا تو جواب دیا کہ مسئلہ اسی طرح ہے جیسا کہ میں نے کیا، آیا یہ قولِ زید صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ نماز کامل ہوئی یا ناقص؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایک منٹ تو بہت ہوتا ہے اگر بقدر تین تسبیح کے بھی ساکت رہا تو سجدہ سہو لازم ہے، اصل حکم یہی ہے، ردالمحتار میں خاص اس کی تصریح ہے مگر نماز جمعہ میں جبکہ ہجومِ نمازیاں کثیر ہو سجدہ سہو ساقط کردیا گیا ہے کما فی ردالمحتار ایضا (جیسا کہ ردالمحتار میں بھی ہے۔ت) پس اس نماز میں ہجوم کثیر تھا زید نے سجدہ سہو کا

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۶

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵۶

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳۶

ترک بجا کیا اور اگر تھوڑے آدمی تھے تو بے جا اور سخت بے جا، اور وہ ناقص نماز ہوئی ظہر کا اعادہ کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واکرم**

مسئلہ ۱۲۱۹: دو رکعت تراویح کی نیت کی قعدہ اولٰی بھول گیا تین پڑھ کر بیٹھا اور سجدہ کیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ان رکعتوں میں جو قرآن شریف پڑھا اس کا اعادہ ہوا یا نہیں؟ اور چار پڑھ لیں تو یہ چاروں تراویح ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت اولٰی میں مذہب اصح پر نماز نہ ہوئی، اور قرآن عظیم جس قدر اس میں پڑھا گیا اعادہ کیا جائے،

فی ردالمحتار لو تطوع بثلاث بقعدۃ واحدۃ کان ینبغی الجواز اعتبارا بصلوۃ المغرب لکن الاصح عدمہ لانہ قد فسد ما اتصلت بہ القعدۃ و ھوا لرکعۃ الاخیرۃ لان التنفل بالرکعۃ الواحدۃ غیر مشروع فیفسد ماقبلھا۔[1]	ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے تین نوافل ایک قعدہ کے ساتھ ادا کئے تو مغرب کی نماز پر قیاس کرتے ہوئے ان کو جائز کہنا چاہئے مگر اصح یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ وہ رکعت (آخری) باطل ہوجائے گی جس کے ساتھ قعدہ نہیں کیونکہ ایک نفل مشروع نہیں لہٰذا پہلے بھی فاسد ہوں گے۔ (ت)

اور چار پڑھ لیں اور قعدہ اولٰی نہ کیا تو مذہب مفتی بہ پر یہ چاروں دو ہی رکعت کے قائم مقام گنی جائیں گی باقی اور پڑھ لے کما صرح بہ فی ردالمحتار عن النھر الفائق عن الزاھدی (جیسا کہ ردالمحتار میں نہر الفائق سے زاہدی کے حوالے سے ہے۔ ت) اور دونوں قعدے کئے تو قطعًا چاروں رکعتیں ہوگئیں ولا کراھۃ ایضا کما یفیدہ التعلیل المذکور فی ردالمحتار نعم الافضل فیھا مثنی مثنی کما لایخفی (اب بھی کراہت نہیں جیسے کہ ردالمحتار میں مذکور علت اسی کا فائدہ دیتی ہے البتہ دو رکعات افضل ہیں جیسا کہ واضح ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲۰: اگر امام پر سہوا ہوا اور سجدہ نہ کرے تو مقتدیوں کی نماز صحیح اور ان پر سے سجدہ سہو ساقط ہوجائیگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک۔ فی التنویر یجب (ای سجدۃ السھو) علی منفرد و مقتد بسھو امام ان	تنویر میں ہے (سجدہ سہو) تنہا نماز والے پر بھی واجب، اور امام کی سہو کی وجہ سے مقتدی پر بھی

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۱۲

سجد امامه [1] اھ ملتقطا قلت فالشرط یفید انه ان لم یسجد الامام لم یجب علی المقتدی وبالسقوط صرح فی البحر الرائق نعم بقی نقصان یظهر ان یعید لانجبارہ ان اطلع علیه وهذا لاینافی فی الصحة اذ الصحیح یقابل الفاسد والفاسد هوالباطل فی العبادات کما صرح به ائمتنا فی غیر ما کتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم	لازم ہوتا ہے بشرطیکہ امام سجدہ کرے اھ تلخیصا، میں کہتا ہوں یہ شرط بتارہی ہے کہ اگر امام نے سجدہ نہیں کیا تو مقتدی پر لازم نہ ہوگا، بحرالرائق میں ہے اس کے ساقط ہونے کی تصریح ہے، وہاں نقص باقی رہ جائے گا، اور اگر امام کی غلطی پر مطلع ہوجائے تو کمی کے ازالے کی خاطر نماز لوٹالی جائے، لیکن یہ صحت ہے اور عبادات میں فاسد باطل ہی ہوتا ہے جیساکہ مختلف کتب میں ہمارے ائمہ نے تصریح کی ہے ۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۱: ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے لگا تو اس صورت میں کیا حکم ہے لوٹ آئے یا نہ لوٹے؟ اور اگر کھڑا ہوگیا یا کھڑا ہونے کے قریب تھا اس کے بعد لوٹ آیا تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر ہوجائے گی تو سجدہ سہو واجب ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ابھی قعود سے قریب ہے کہ نیچے کا آدھا بدن ہنوز سیدھا نہ ہونے پایا جب تو بالاتفاق لوٹ آئے اور مذہب اصح میں اس پر سجدہ سہو نہیں اور اگر قیام سے قریب ہوگیا یعنی بدن کا نصف زیریں سیدھا اور پیٹھ میں خم باقی ہے تو بھی مذہب اصح وارجح میں پلٹ آنے ہی کا حکم ہے مگر اب اس پر سجدہ سہو واجب، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو پلٹنے کا اصلاً حکم نہیں بلکہ ختم نماز پر سجدہ سہو کرلے پھر بھی اگر پلٹ آیا بہت برا کیا گناہگار ہوا، یہاں تک کہ حکم ہے کہ فوراً کھڑا ہوجائے، اور امام ایسا کرے تو مقتدی اس کی پیروی نہ کریں کھڑے رہیں یہاں تک کہ وہ پھر قیام میں آئے، مگر مذہب اصح میں نمازیوں بھی نہ جائے گی صرف سجدہ سہو لازم رہے گا۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار (سها عن القعود الاول من الفرض) ولو عملیا اما النفل فیعود مالم یقید بالسجدة	تنویر الابصار، ردالمحتار اور درمختار میں ہے کہ (اگر فرض کا قعدہ اول بھول گیا) اگرچہ وہ فرض عملی ہو، رہا معاملہ نفل کا تو لوٹ آئے جب تک رکعت کا سجدہ نہیں کیا

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

(ثم تذکرہ عادالیہ) وتشھد ولا سھو علیہ فی الاصح (مالم یستقم قائما) فی ظاھر المذھب وھوالاصح فتح [1] یعنی اذاعادہ قبل ان یستقیم قائما وکان الی القعود اقرب فانہ لاسجود علیہ فی الاصح وعلیہ الاکثر، امااذا عاد وھو الی القیام اقرب فعلیہ سجود السھو کما فی نورالایضاح و شرحہ بلا حکایۃ خلاف فیہ وصحح اعتبار ذلك فی الفتح بما فی الکافی ان استوی النصف الاسفل وظھرہ بعد منحن فھو اقرب الی القیام وان لم یستو فھو اقرب الی القعود [2] وان استقام قائما لایعود وسجدہ للسھو فلو عادالی القعود لاتفسد لکنہ یکون مسیئا [3] ای یاثم کما فی الفتح فلوکان اماما لا یعود معہ القوم تحقیقا للمخالفۃ ویلزمہ القیام للحال شرح المنیۃ عن القنیۃ [4]۔ ویسجد لتاخیر الواجب وھوا الحق بحر [5] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(پھر اسے یاد آیا تو اس کی طرف لوٹ آئے) اور تشہد پڑھے اور اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں (جب تک وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا) ظاہر مذہب کے مطابق، اور یہی اصح ہے فتح۔ یعنی سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے لوٹا حالانکہ قعود کے قریب تھا، تو اب اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اکثریت کی یہی رائے ہے، اور اگر لوٹا لیکن قیام کے قریب تھا تو اس پر سجدہ سہو لازم ہو جائے گا جیسا کہ نورالایضاح اور شرح میں اسے بلااختلاف ذکر کیا ہے اور کافی کی اس عبارت کو فتح میں صحیح اعتبار کیا ہے کہ اگر نصف سیدھا مگر پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو نمازی قیام کے قریب، اور اگر برابر نہیں تو نمازی قعود کے قریب ہوگا، اور اگر کھڑا ہوگیا نہ لوٹا تو سجدہ سہو کرے اور اگر اب بھی واپس لوٹ آتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گناہگار ہوگا جیسا کہ فتح میں ہے اگر وہ امام ہے اور کھڑا ہو کر واپس لوٹے تو مقتدی اس کی موافقت میں واپس نہ لوٹیں تاکہ مخالفت ظاہر کریں تو اس امام پر اس وقت قیام لازم ہے، شرح المنیۃ میں قنیہ سے ہے اور تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو کرنے اور یہی حق ہے بحر اھ تلخیصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲
[2] ردالمحتار باب سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰
[3] درمختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲
[4] ردالمحتار باب سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰
[5] درمختار باب سجود السہو مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

مسئلہ ۱۲۲۲: ۴ ربیع الاآخر شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدہ اخیرہ کے بعد گمان ہوا کہ یہ قعدہ اولی تھا کھڑا ہو گیااور قبل سجدہ کے یاد آگیا تو اب عود کرکے دوبارہ التحیات پڑھ کر سجدہ سہو میں جائے یا ویسے سجدہ کو چلا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عود کرکے بیٹھنا چاہئے اور معاً سجدہ سہو میں چلا جائے دوبارہ التحیات نہ پڑھے۔

فی الدرالمختار وان قعد فی الرابعة مثلا قدر التشهد ثم قام عاد وسلم ولوسلم قائما صح [1]۔	درمختار میں ہے کہ اگر چوتھی رکعت میں مثلاً تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر کھڑا ہوا تو لوٹ آئے اور سلام پھیر دے اگر کھڑے کھڑے سلام پھیر دے تب بھی صحیح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ثم قام، ای ولم یسجد قوله عاد وسلم ای عاد للجلوس، وفیه اشارة الی انه لا یعید التشهد، وبه صرح فی البحر، قال فی الامداد، والعود للتسلیم جالسا سنة لان السنة التسلیم جالسا [2] الخ۔ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم	ماتن کا قول "پھر کھڑا ہوا" یعنی پھر سجدہ نہ کیا، ماتن کا قول "لوٹے اور سلام کہے" یعنی بیٹھنے کے لئے لوٹے۔ پس اس میں اشارہ ہے کہ تشہد نہ لوٹائے۔ اور بحر میں اس کی تصریح ہے امداد میں ہے سلام بیٹھ کر پھیرنے کے لئے لوٹنا سنت ہے کیونکہ سنت یہی ہے کہ سلام بیٹھ کر پھیرا جائے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۳: از شہر کہنہ بریلی ۱۱ جمادی الاآخر ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ ترک آرد قعدہ اولٰی را لیکن باستادن نزدیک ترشد آں گاہ نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نماز او جائز است یا نے؟ **بینوا توجروا**	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ نمازی نے پہلا قعدہ ترک کردیا، وہ سیدھا کھڑا ہونے کے قریب تھا وہاں سے لوٹ آیا اور باقی نماز ادا کی اس صورت میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر کہ در فرض یا وتر قعدۂ اولٰی فراموش کردہ استادہ	جو شخص فرض یا وتر کا قعدہ اولٰی بھول کر کھڑا ہو جائے

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۷

تا بتمام ایستادہ نشود بسوئے قعود رجوع باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدہ سہو نیست و اگر بقیام نزدیک تر شدہ باشد سجدہ سہو لازم آید تا نیمہ زیریں از بدن انسان راست نشدہ است بہ نشستن نزدیک است وچوں ایں نصف راست شد وپشت ہنوز خمیدہ است بایستادن قریب است و اگر بتمامہ راست ایستاد آنگاہ نشستن روانیست اگر بقعدہ اولٰی باز میگردد گناہگار شود اما راجح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود و سجدہ سہو واجب شود۔

فی الدرالمختار سها عن القعود الاول ولو عمليا ثم تذكره عاداليه ولا سهو عليه فى الاصح مالم يستقم قائما فى ظاهر المذهب وهوالاصح فتح وان استقام قائما لا يعود فلو عاد لاتفسد لكنه يكون مسيئا ويسجد لتاخير الواجب وهوالا شبه كما حققه الكمال وهوالحق بحر[1] اه مختصرا وفى ردالمحتار قوله ولا سهو عليه فى الاصح يعنى اذاعادقبل ان يستقيم قائما وكان الى القعود اقرب فانه لاسجود عليه فى الاصح وعليه الاكثر اما اذا عاد و هو الى القيام اقرب فعليه

اگر سیدھا کھڑا نہیں ہوا تھا تو اسے قعدہ کی طرف لوٹ آنا چاہئے اب اگر بیٹھنے کے قریب تھا تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا، جب بدن کا پچھلا حصہ سیدھا نہیں ہوا تو وہ بیٹھنے کے قریب ہوگا اور اگر نصف حصہ سیدھا ہوگیا مگر پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو وہ کھڑے ہونے کے قریب ہے، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اس وقت بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر قعدہ اولٰی کی طرف لوٹتا ہے تو گناہگار ہوگا لیکن راجح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی نماز باطل نہ ہوگی سجدہ سہو لازم ہوگا۔ درمختار میں ہے (اگر نمازی فرض کے قعدہ اولٰی میں بھول گیا) اگرچہ فرض عملی ہو پھر یاد آگیا تو اس کی طرف لوٹ آئے اور اصح قول کے مطابق سجدہ سہو نہ ہوگا جب تک وہ سیدھا کھڑا نہ ہوجائے، ظاہر مذہب یہی ہے اور یہی اصح ہے فتح، اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی البتہ گناہگار ہوگا، تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ سہو کرے یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی اور یہی حق ہے بحر اھ اختصاراً، ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ "اس پر اصح قول کے سجدہ نہیں یعنی جب وہ سیدھا کھڑا ہونے سے پہلے پہلے لوٹا اور وہ بیٹھنے کے قریب تھا تو اب اس پر سجدہ نہیں، یہی اصح ہے اور اکثر کا قول ہے، جب وہ لوٹا حالانکہ قیام کے قریب تھا تو اب اس پر

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

سجود السھو کما فی نورالایضاح وشرحہ بلاحکایۃ خلاف فیہ وصحح اعتبار ذلك فی الفتح بما فی الکافی ان استوی النصف الاسفل وظھرہ بعد منحن فھو اقرب الی القیام، وان لم یستو فھو اقرب الی القعود، قولہ لکنہ یکون مسیئا ای ویاثم کما فی الفتح فلوکان اماما لا یعود معہ القوم تحقیقا للمخالفۃ ویلزمہ القیام للحال شرح المنیۃ عن القنیۃ [1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم	سجدہ سہو لازم ہوگا جیسا کہ نورالایضاح اور اس کی شرح میں اس مسئلہ کو بغیر کسی اختلاف کے ذکر کیا ہے اور کافی کی عبارت کو فتح میں صحیح کہا ہے کہ اگر نمازی کا نصف سیدھا ہوگیا حالانکہ پشت ابھی ٹیڑھی تھی تو یہ قیام کے قریب ہوگا اور اگر نصف اسفل سیدھا نہیں تو وہ قعود کے قریب ہے۔ ماتن کے قول "یکون مسیئا" کا معنٰی یہ ہے کہ وہ گناہگار ہے فتح، اور اگر وہ امام ہے تو وہ نہ لوٹے اور لوٹ گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا۔ اور واجب کی تاخیر کی وجہ سے سجدہ سہو کرے، یہی اشبہ بالحق ہے جیسا کہ کمال نے اس کی تحقیق کی، اور یہی حق ہے بحر اھ مختصراً۔ اس پر فی الحال قیام لازم ہے شرح منیہ میں قنیہ کے حوالے سے ہے اھ ملتقطا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام بھول گیا سجدہ سہو کرلے تو اس صورت میں نماز امام و مقتدین اور بعد سجدہ سہو کے جو مقتدی ملے ان سب کی نماز کیسی ہوگی؟ اور حقیقت میں سہو نہیں تھا **بینوا توجروا**

الجواب:

امام و مقتدیانِ سابق کی نماز ہوگئی جو مقتدی اس سجدہ سہو میں جانے کے بعد ملے ان کی نماز نہیں ہوئی کہ جب واقع میں سہو نہ تھا دہنا سلام کہ امام نے پھیرا ختمِ نماز کا موجب ہوا یہ سجدہ بلاسبب لغو تھا تو اس سے تحریمہ نماز کی طرف عود نہ ہوا اور مقتدیان مابعد کو کسی جزءِ امام میں شرکت امام نہ ملی لہٰذا ان کی نماز نہ ہوئی ولہٰذا اگر سجدہ سہو میں مسبوق اتباع امام کے بعد کو معلوم ہو کہ یہ سجدہ بے سبب تھا اس کی نماز فاسد ہوجائے گی کہ ظاہر ہوا کہ محلِ انفراد میں اقتدا کیا تھا، ہاں اگر معلوم نہ ہوا تو اس کے لئے حکم فساد نہیں کہ وہ حال امام کو صلاح و صواب پر حمل کرنا ہی چاہیے در مختار میں ہے:

[1] ردالمحتار باب سجود السھو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

سلام من علیه سجود سھو یخرجه من الصلٰوۃ خروجا موقوفا ان سجد عادالیها والالا[1]۔	اس کا سلام جس پر سجدہ سہو تھا نماز سے موقوف خروج ہے اگر سجدہ کرلیا تو وہ نماز کی طرف لوٹ آیا ورنہ نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

انه اذا سجد وقع لغوا فکانه لم یسجد فلم یعد الی حرمة الصلٰوۃ[2]۔	جب اس نے سجدہ کیا تو یہ لغو ہوگا گویا اس نے سجدہ سہو کیا ہی نہیں، لہٰذا وہ حرمت نماز کی طرف نہیں لوٹا۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی قاضی خاں سے ہے:

اذاظن الامام ان علیه سھوا فسجد للسھو و تابعه المسبوق فی ذلك ثم علم ان صلوته تفسد و ان لم یعلم انه لم یکن علی الامام سھو لم تفسد صلٰوۃ المسبوق[3]۔	جب امام کو یہ گمان ہو کہ اس پر سجدہ سہو ہے اور اس نے سجدہ سہو کیا اور مسبوق نے بھی اس کی اتباع میں سجدہ کیا پھر اس نے جانا کہ امام پر سجدہ سہو نہ تھا تو مشہور یہی ہے کہ اس کی نماز فاسد ہوگی اور اگر اسے اس بات کا علم نہیں کہ امام پر سجدہ سہو نہیں تھا تو مسبوق کی نماز فاسد نہ ہوگی۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے: ھوالمختار کذافی المحیط[4] (یہی مختار ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۵: از رامپور سررشتہ پولیس مرسلہ جعفر حسین صاحب محرر سہ شنبہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید نماز مغرب میں اخیر رکعت میں آکر جماعت میں شریک ہوا، خالد جو امام تھا ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ سہو میں چلا گیا، اب زید ایک طرف سالم پھیر کر سجدہ سہو میں جائے یا بدوں سلام کے سجدہ کرے؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر اس نے بھی قصداً سلام پھیرا تو نماز مسبوق کی فاسد ہو گئی ورنہ نہیں، اور شامی اور بحر الرائق وغیرہما میں جو

---

[1] درمختار باب سجود السھو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۳

[2] ردالمحتار باب سجود السھو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المسبوق مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۸

[4] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السھو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

روایت لکھی ہے وہ درباب اخیر سلام ہے، نہ درباب سلام سہو۔ اور فریقین کی دلیل یہی دونوں کتاب کی روایت ہے اس کا فیصلہ چاہئے، رامپور کے علماء سے بخوبی فیصلہ جس سے تسلی ہو نہ ہوسکا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

حکم مسئلہ میں قول اول صحیح ہے فی الواقع مسبوق سلام سے مطلقاً ممنوع وعاجز ہے جب تک فوت شدہ رکعات ادا نہ کرلے امام سجدہ سہو سے قبل یا بعد سلام پھیرتا ہے اس میں اگر قصداً اس نے شرکت کی تو اس کی نماز جاتی رہے گی کہ یہ سلام عمدی اس کے خلال نماز میں واقع ہوا، ہاں اگر سہواً پھیرا تو نماز نہ جائے گی۔

لکونہ ذکرا من وجہ فلا یجعل کلاما من غیر قصد وان کان العمد والخطاء والسہو کل ذلک فی الکلام سواء کما حققہ علماءنا رحمہم اللہ تعالٰی	کیونکہ یہ من وجہ ذکر ہے لہٰذا اسے بغیر قصد کے کلام قرار نہ دیا جائے اور اگرچہ عمد، خطا اور سہو کلام میں برابر ہیں جیسا کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

بلکہ وہ سلام جو امام نے سجدہ سہو سے پہلے کیا اگر مسبوق نے سہواً امام سے پہلے یا معًا بلاوقفہ اس کے ساتھ پھیرا تو ان صورتوں میں مسبوق پر سہو بھی لازم نہ ہوا کہ وہ ہنوز مقتدی ہے اور مقتدی پر اس کے سہو کے سبب سجدہ لازم نہیں، ہاں یہ سلام اخیر اگر امام کے بعد پھیرا تو اس پر سجدہ اگرچہ کرچکا ہو دوبارہ لازم آیا کہ اپنی آخر نماز میں کرے گا اس لئے اب یہ منفرد ہوچکا تھا۔ خزانۃ المفیتن میں شرح مختصر امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

علیہ سجدۃ من صلب الصلٰوۃ سلم وھو ناس لہا ثم تذکر بعد ذٰلک فانہ بھٰذا السلام لا یخرج عن حرمۃ الصلٰوۃ بالاجماع حتی صح الاقتداء وان عاد الامام و سجد یسجد ھذا المقتدی معہ علی طریق المتابعۃ ولایعتد بھذہ السجدۃ لانہ لم یدرک الرکوع ویتشھد مع الامام ولایسلم اذاسلم الامام ویسجد سجدتی السھو مع الامام فاذاسلم الامام ثانیا لایسلم ھوایضا بل یقوم الی قضاء ماسبق اھ[1] باختصار	اگر کسی شخص پر نماز کا سجدہ تھا اس نے بھول کر سلام پھیر دیا اسے پھر سجدہ یاد آگیا تو وہ اس سلام کی وجہ سے بالاتفاق حرمت نماز سے خارج نہیں ہوا حتی کہ اس کی اقتداء درست ہے اور اگر امام لوٹا اور سجدہ کیا اور مقتدی نے امام کی متابعت میں سجدہ کرلیا تو یہ اس کا یہ سجدہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اس نے امام کو رکوع میں نہیں پایا، امام کے ساتھ تشہد پڑھے لیکن جب امام سلام کہے تو یہ سلام نہ کہے البتہ امام کے ساتھ دونوں سجود سہو کرے جب امام دوبارہ سلام پھیرے تو وہ اب بھی سلام نہ کہے بلکہ گزشتہ رکعات کی قضا کیلئے کھڑا ہوجائے

[1] خزانۃ المفتین فصل فیما یوجب السہو ومالایوجب قلمی نسخہ ۱/۳۹

دیکھو مسبوق کو سجدہ سہو سے قبل وبعد دونوں وقت سلام سے منع فرمایا، حلیہ شرح منیہ للامام ابن امیر الحاج میں ہے:-

موافقة المقتدی المدرك للامام فی سجود السهو ظاهر واماالمسبوق فلا يتابعه بالسلام للخروج عن الصلوة وقد بقی عليه اركان الصلوٰة ويتابعه فی سجود السهو وعن ابراهيم النخعی انه لايسجد بسهوه اصلا لان محل السهو بعد السلام وانه لايتابعه فيه فلا يتصور المتابعة فی السهو ولنا ان سجود السهو يؤدی فی تحريمة الصلوة فكانت الصلوٰة باقية واذا بقيت التبعية فيتابعه فيما يؤدی من الافعال[1]۔	مدرک مقتدی کی امام کے ساتھ سجدہ سہو میں موافقت واضح ہے۔ رہا مسبوق کا معاملہ تو وہ امام کے اس سلام میں اتباع نہ کرے جو نماز سے خارج ہونے کے لئے تھا کیونکہ اس پر نماز کے ارکان کی ادائیگی رہتی ہے البتہ سجدہ سہو میں اتباع کرے۔ امام ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ مسبوق امام کے سہو کی وجہ سے ہرگز سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ سجدہ سہو سلام کے بعد ہوتا ہے اور جب وہ سلام میں امام کی اتباع نہیں کررہا تو سجدہ میں متابعت کیسے متصور ہوسکتی ہے ہماری رائے یہ ہے کہ سجدہ سہو نماز کی حرمت میں ادا ہوتا ہے تو ابھی نماز باقی ہے اور جب تابعیتِ امام باقی ہے تو ان افعال میں امام کی اتباع کی جائے جو ادا ہورہے ہیں (ت)

محقق علی اطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

لوسبق الامام الساهی الحدث بعد سلامه استخلف ليسجد الخليفه كما لوبقی عليه التسليم وليس للمسبوق ان يتقدم فی هذا الاستخلاف لانه لايقدر عليه اذمحله بعد السلام وهو غير قادر علی السلام وانما يسجد قبل السلام حالة الاقتداء بمن يسجد قبله وهو هنا	اگر بھول جانے والے امام کو حدث لاحق ہوگیااور اس نے کسی کو خلیفہ بنایا تاکہ سجدہ سہو کرائے جیساکہ امام پر سلام کہنا باقی ہو تو حدث لاحق ہوجائے تو خلیفہ یہ کام سرانجام دے اور مسبوق کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی صورت میں خلیفہ بنے کیونکہ وہ سجدہ سہو پر قادر نہیں ہوتا کیونکہ یہ سجدہ سلام کے بعد ہوگااور مسبوق سلام پر قادر نہیں البتہ وہ شافعی کی اقتدامیں

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قد صار اماما للمستخلف ومع ھذالو تقدم لم تفسد لانه یقدر علی الاتمام فی الجملة بان یتاخر ویقدم مدرکالیسلم بھم و یسجد ویسجد الخلیفة المسبوق معھم لانه الان مقتد ثم یقوم الی قضاء ماسبق به[1] الخ	سلام سے پہلے امام کی سجدہ سہو میں اقتدا کرسکتا ہے اور مذکور صورت میں تو مسبوق امام کا امام بن جائیگا اس کے باوجود اگر مسبوق آگے ہوگیا تو نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ نماز کے اتمام پر قادر تو ہے ہی مثلاً یوں کہ خود پہلے ہٹ جائے اور کسی مدرک مقتدی کو آگے کردے جو نمازیوں کو سلام پھرائے اور سجدہ سہو کرائے اور خلیفہ مسبوق بھی ان کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ اب یہ مقتدی ہے پھر گزشتہ نماز کیلئے قیام کرے (ت)

رہی عبارتِ بحرالرائق کہ بعد بیان اس امر کے کہ مسبوق سجدہ سہو میں امام کی متابعت کرے گا۔ فرمایا:-

ثم المسبوق انما یتابع الامام فی السھو لا فی السلام فیسجد معه ویتشھد فاذا سلم الامام قام الی القضاء فان سلم فان کان عامدا افسدت والا فلا ولاسجود علیه ان سلم قبل الامام اومعه وان سلم بعدہ لزمه لکونه منفرداحینئذ ۔[2]	پھر مسبوق امام کی سجدہ سہو میں اتباع کرے مگر سلام میں نہیں، پس مسبوق امام کے ساتھ سجدہ کرے تشہد پڑھے، اور امام سلام پھیرے تو یہ گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے، اور اگر مسبوق سلام پھیرتا ہے تو اگر عمداً کیا تو نماز فاسد ورنہ نہیں، اگر مسبوق نے امام سے پہلے یا اس کے ساتھ سلام سہواً پھیر دیا تو اب اس پر سجدہ سہو نہیں، اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ اب وہ منفرد ہے (ت)

اسی طرح اس سے ردالمحتار میں ہے:

حیث قال قوله والمسبوق یسجد مع امامه قید بالسجود لانه لایتابعه فی السلام بل یسجد معه یتشھد[3] الخ	ماتن کا قول "مسبوق اپنے امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے" یہاں سجدہ کے ساتھ مقید ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں بلکہ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے الخ (ت)

[1] فتح القدیر باب سجود السہو مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۴

[2] بحرالرائق باب سجود السہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۰۰

[3] ردالمحتار سجود السہو مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۹

اس میں تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ت) سے یقینا سلام اخیر مراد ہے جس کے بعد سجھ نہیں کہ اس سے پہلا سلام جس کے بعد امام نے سجدہ سہو کیا اگر مسبوق سہواً امام کے بعد بھی پھیرے گا اس پر سہو لازم نہیں ہو سکتا کہ وہ اب بھی مقتدی ہے تو لکونہ منفرداحینئذ (کیونکہ اب وہ منفرد ہے۔ت) وہاں قول صادق نہیں اور قول بحر لافی سلام (سلام میں نہیں۔ت) و قول شامی قید بالسجود لانہ لایتابعہ فی السلام (ماتن نے سجدہ کی قید لگائی ہے کیونکہ سلام میں اتباع نہیں کی جائیگی۔ت) میں یا تو نظر باطلاق لفظ و عموم حکم مطلق سلام مراد ہے خواہ سجدہ سہو سے پہلے ہو یا بعد یا بقرینہ مقام سلام قبل سجدہ سہو مراد لیجئے یعنی سجدہ سہو میں مسبوق بھی اگرچہ متابعت امام کرے گا مگر فقط سجدے میں شریک ہوگا ولہذا متابعت میں سجود کی قید لگادی کہ پیروی اسی پر مقصود ہے سلام میں مسبوق متابعت نہیں کر سکتا۔

وھذا معنی واضح جلی یسبق الی الذھن اول مایسمع ھذا الکلام اذا صفت القریحۃ عن ظلام الاوھام۔	یہ حقیقت اتنی واضح ہے کہ مذکورہ کلام سنتے ہی انسان کا ذہن اس طرف چلا جاتا ہے بشرطیکہ اوہام کی تاریکیوں سے ذہن صاف ہو۔ (ت)

اور اسے خاص سلام اخیر بعد سجود سہو پر حمل کرنا بے دلیل ہے جس پر اصلاً قرینہ نہیں بلکہ ظاہراً قرینہ اس کے خلاف کی طرف مشیر کما لا یخفی علی العارف البصیر (جیسا کہ عارف بصیر پر مخفی نہیں۔ت) باقی دو جگہ جو لفظ ان سلم (اگر سلام پھیرا۔ت) واقع ہے اگر سیاق سخن و نظم کلام دیکھئے تو وہ بھی مثل ان سلم بعدہ (اگر مسبوق نے امام کے بعد سلام پھیرا۔ت) سلام بعد سجود سہو میں ہیں کہ اذا سلم الامام (جب امام نے سلام پھیرا۔ت) سے یقینا یہی سلام اخیر مراد ہے جو یسجد معہ ویتشھد (امام کے ساتھ سجدہ کرے اور تشہد پڑھے۔ت) کے بعد اور قام الی القضاء (گزشتہ نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔ت) اس سے متصل ہے تو کلام آتی اسی صورت کی طرف ناظر ہونا زیادہ متبادر ہے خصوصاً ان تشقیقوں میں ایک شق ان سلم بعدہ (اگر امام کے بعد سلام پھیرے۔ت) بلاشبہہ مختص بسلام آخر ہے اور حکم پر نظر کیجئے تو دونوں ان سلم (اگر سلام پھیرے۔ت) متوسط میں جو بیان ہے سلام قبل سجدہ و بعد سجدہ دونوں کو عام ہے کما اشرنا الی کل ذلك (جیسا کہ ہم نے ان تمام شقوں کی طرف اشارہ کیا۔ت) علامہ سید طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قول شارح:

ان سلم مع الامام مقارنالہ اوقبلہ ساھیا فلا سھو علیہ لانہ فی حال اقتدائہ وان سلم بعدہ یلزمہ السھو لانہ منفرد[1]۔	اگر مسبوق نے امام کے ساتھ یا پہلے بھول کر سلام پھیرا تو اب اس پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ وہ حالتِ اقتداء میں ہے اور اگر امام کے بعد سلام پھیرا تو اب سجدہ سہو لازم ہوگا کیونکہ وہ اب تنہا نماز ادا کر رہا ہے۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۵

کی یہی شرح فرمائی:

حیث قال قوله وان سلم مع الامام الخ سواء فی ذلك تسلیمة التحلیل الاولیٰ وتسلیم سجود السهو لظهور العلة فی ذلك وقوله وان سلم بعده ای بعد سلام الامام من سجود السهو فقط اماسلامه بعد سلام الامام الاول من الصلوٰۃ فلا یلزم به السهو لانه لما سجد للسهو معه عادالی الاقتداء ولا سهو علی المقتدی فتامل فیه کله اھ[1]	ان کے الفاظ یہ ہیں قول "اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہا الخ" میں نماز سے فارغ ہونے کے لئے سلام یا سجدہ سہو کے لئے سلام دونوں برابر ہیں کیونکہ علت ایک ہے قولہ اگر مسبوق نے اس کے بعد سلام پھیرا یعنی امام کے فقط سجود سہو کے سلام کے بعد پھیرا اگر امام کے پہلے سلام کے بعد پھیرا تو بھی مسبوق پر سجدہ سہو نہیں کیونکہ جب وہ امام کے ساتھ سجدہ سہو کرے گا تو وہ اقتداء کی طرف لوٹ آیا اور مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہوتا، اس تمام گفتگو میں خوب غور فکر سے کام لو اھ (ت)

بالجملہ بحر وشامی کی ان عبارات سے فریق ثانی کا مسئلہ نزاعیہ پر استدلال محض باطل اور فریق اول کا ان سے استناد بوجہ تطرق احتمال گونہ ناکامل، اور حکم مسئلہ میں حق فریق اور کے ساتھ ہے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶: ۱۲۲۷، ۱۲۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) چار رکعت نماز میں درمیانی قعدے میں تشہد کے بعد سہوًا **اللهم صل** کہاں تک پڑھے کہ سجدہ سہو واجب ہو جائے۔

(۲) جماعت میں سجدہ سہو کے قبل کا سلام اس شخص کو جس کی ایک دو رکعت باقی ہے اور اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ سلام اختتام نماز کا ہے یا سجدہ سہو کا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) **اللهم صل علی محمد وبه یفتی** (**اللهم صل علیٰ محمد** اور اس پر ہی فتوی ہے۔ت) **واللہ سبحنه وتعالیٰ اعلم**

(۲) جائز نہیں، اور اگر صدًا پھیرے گا تو نماز جاتی رہے گی لوقوعہ خلال صلوٰتہ (کیونکہ یہ سلام

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۳

نماز کے درمیان ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۲۸: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قعدہ اوّل میں شک ہوا مگر یقین نہیں اور سجدہ سہو کا کیا، اب نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: ۱۲۲۹: ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے جہری نماز میں بعد الحمد قبل سورۃ اتنی دیر سکوت کیا کہ چھوٹی سورت پڑھ لیتا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

الحمد شریف کے بعد امام نے سانس لیا اور آمین کہی اور شروع سورت کے لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی اور بسم اللہ کو خوب ترتیل سے ادا کیا تو اس قدر میں ایک سورت چھوٹی پڑھنے کی ضرور دیر ہوجائے گی مگر اس میں حرج نہیں بلکہ یہ سب باتیں مطابق سنت ہیں، ہاں اگر ان کے علاوہ محض سکوت اتنی دیر کیا کہ تین بار سبحان اللہ کہہ لیتا تو یہ سکوت اگر بربنائے تفکر تھا کہ سوچتا رہا کہ کیا پڑھوں، تو سجدہ سہو واجب ہے اگر نہ کیا تو اعادہ نماز کا واجب ہے، اور اگر وہ سکوت عمداً بلاوجہ تھا جب بھی اعادہ واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۰: ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت (کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں۔ت) کہ ایک شخص نماز فرض پڑھتا ہے اور اس نے سہواً پچھلی دو رکعت میں بھی بعد الحمد کے ایک ایک سورت پڑھی بعدہ سلام پھیرا اب اس کی نماز فرض ہوئی یا سنت؟ جیسا ہو ویسا ہی ارقام فرمائے اور اگر وہ سجدہ سہو کرلیتا تو کیا اس کی نماز فرض ہوجاتی یا نہیں؟ **بینوا بتوجروا**

الجواب:

فرض ہوئی اور نماز میں کچھ خلل نہ آیا، نہ اس پر سجدہ سہو تھا بلکہ اگر قصداً بھی فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملائی تو کچھ مضائقہ نہیں صرف خلاف اولٰی ہے، بلکہ بعض ائمہ نے اس کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی۔ فقیر کے نزدیک ظاہراً یہ استحباب تنہا پڑھنے والے کے حق میں ہے امام کے لئے ضرور مکروہ ہے بلکہ مقتدیوں پر گراں گزرے تو حرام۔ درمختار میں ہے:

ضم سورة فی الاولیین من الفرض وھل یکرہ فی الاخریین المختارلا[1]۔ ملخصًا	فرض کی پہلی دو رکعات میں سورت کا ملانا، کیا آخری دو رکعتوں میں سورۃ ملانا مکروہ ہے؟ مختار قول کے مطابق مکروہ نہیں۔ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لایکرہ تحریما بل تنزیھا لانہ خلاف السنة قال فی المنیة وشرحھا فان ضم السورة الی الفاتحة ساھیا یجب علیه سجدتا السھو فی قولك ابی یوسف لتاخیر الرکوع عن محله وفی اظھر الروایات لایجب لان القرأةفیھا مشروعة من غیر تقدیر والاقتصار علی الفاتحة مسنو ن لا واجب اھ وفی البحر عن فخر الاسلام ان السورة مشروعة فی الاخریین نفلا وفی الذخیرہ انه المختار وفی المحیط وھو الاصح اھ والظاھران المراد بقوله نفلا الجواز ولامشروعة بمعنی عدم الحرمة فلا ینا فی کونه خلاف الاولی کما افادہ فی الحلیة[2] اھ ما فی ردالمحتار **اقول:** لفظ الحلیة ثم الظاھر ابا حتھا کیف لاوقد تقدم من حدیث ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه فی صحیح مسلم وغیرہ انه	یعنی مکروہ تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے کیونکہ خلاف سنت ہے۔ منیہ اوراس کی شرح میں ہے اگر بھول کر فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملائی تو امام ابویوسف کے قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو ہوگا کیونکہ رکوع اپنے مقام سے مؤخر ہوگیا ہے، اور اظہر روایات کے مطابق اس پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ ان آخری رکعتوں میں بغیر مقرر کرنے کے قرات مشروع ہے اور فاتحہ پر اکتفا سنت ہے واجب نہیں اھ اور بحر میں فخر الاسلام سے ہے کہ آخری رکعات میں سورۃ ملانا نفلی طور پر مشروع ہے۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ مختار ہے۔ اور محیط میں اسی کو اصح کہا ہے اھ اور نفل سے واضح طور پر یہاں مراد جواز ومشروعیت بمعنی عدم حرمت ہے پس یہ اس کے خلافِ اولٰی ہونے کے منافی نہیں، جیسا کہ حلیہ میں ہے، ردالمحتار کی عبارت ختم ہوگئی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ حلیہ کے الفاظ کہ پھر ظاہر سورت کا مباح ہونا ہے اور یہ کیسے نہ ہو کہ پیچھے صحیح مسلم وغیرہ کے حوالے سے گزرا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ

[1] درمختار باب صفۃ الصلوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۱
[2] ردالمحتار باب صفۃ الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۸

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ فی صلٰوۃ الظہر فی الرکعتین الاولین قدر ثلثین اٰیۃ وفی الآخریین قدر خمسۃ عشرۃ اٰیۃ اوقال نصف ذلک فلا جرم ان قال فخر الاسلام فی شرح الجامع الصغیر واما السورۃ فانہا مشروعۃ نفلا فی الاخریین حتی قلنا فی من قرأفی الاخریین لم یلزمہ سجدۃ سہو انتہی ثم یمکن ان یقال الاولی عدم الزیادۃ ویحمل علی الخروج مخرج البیان لذلک حدیث ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (یرید ما قدم بروایۃ الصحیحین ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ فی الظہر فی الاولیین بام القراٰن وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب الحدیث) وقول المصنف المذکور (ای ولایزید علیہا شیأ) وقول غیر واحد من المشائخ کما فی الکافی وغیرہ ویقرأ فیہما بعدالاولیین الفاتحۃ فقط ویحمل علی بیان مجرد الجواز حدیث ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ وقول فخر الاسلام فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یفعل الجائز فقط فی بعض الاحیان تعلیما للجواز وغیرہ من غیر کراھۃ فی حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما یفعل الجائز الاولی فی غالب الاحوال والفعل لاینا فی عدم الاولویۃ فیندفع بھذا ماعساہ یخال من المخالفۃ بین الحدیثین المذکورین و

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں تیس آیات اور آخری دو میں پندرہ آیات (یا نصف) تلاوت فرماتے۔ فخر الاسلام نے شرح الجامع الصغیر میں فرمایا آخری دو رکعات میں سورت بطور نفل مشروع ہے حتی کہ اگر کسی نے سورت پڑھی تو ہم کہتے ہیں کہ اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا انتہی، پھر یہ کہنا ممکن ہے کہ عدم اضافہ (سورت) اولٰی ہے اور اس پر دلیل حدیث ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے (اس سے مراد وہ حدیث ہے جو بخاری ومسلم کے حوالے سے گزری کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے اور آخری دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے۔ الحدیث) اور مصنف کا قول مذکورہ (یعنی اس (فاتحہ) پر اضافہ نہ کیا جائے) اور متعدد مشائخ کا قول جس طرح کافی وغیرہ میں ہے کہ پہلی دو رکعات کے بعد صرف فاتحہ پڑھی جائے اور حدیث ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو محض جواز بیان پر محمول کیا جائے، اور فخر الاسلام کا قول کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعض جائز افعال کو تعلیم جواز وغیرہ کے لئے بجالائے جبکہ یہ آپ کے حق میں مکروہ نہیں جس طرح آپ جائز کو غالب اوقات بجالاتے تھے اور فعل عدم اولٰی کے منافی نہیں ہوتا، اس گفتگو سے وہ تمام معاملہ ختم ہوجاتا ہے جو خیال کیا گیا تھا کہ ان مذکورہ دونوں احادیث اور اقوالِ مشائخ میں مخالفت ہے اھ شاید آپ پر یہ بات مخفی نہیں رہی کہ نفل مشروع کو مکروہ تنزیہی پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے اور آخری رکعتوں

وبین اقوال المشائخ واللہ سبحٰنه اعلم [1] اھ ولعلك لایخفی علیك ان حمل المشروع نفلا علی مکروہ تنزیھا مستبعد جدا وقرأۃالسورۃ فی الاخر یین لیست فعلا مستحبا مستقلا یعتریه عدم الاولویة بعارض کصلٰوۃ نافلة مع بعض المکروھات وانما المستفاد من العلة ھھنا ھو استحباب فعلھا فکیف یجامع عدم الاولویة والذی یظھر للعبد الضعیف ان سنیة الاقتصار علی الفاتحة انما تثبت عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الامامة فانه لم یعھد منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم صلٰوۃ مکتوبة الا اماما الانادرا فی غایة الندرۃ فیکرہ للامام الزیادۃ علیھا لا طالته علی مقتدین فوق السنة بل لو اطال الی حد الاستثقال کرہ تحریما اما المنفرد فقد قال فیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلیطول ماشاء وزیادۃ خیر ولم یعرضه مایعارض خیریته فلا یبعد ان یکون نفلا فی حقه فان حملنا کلام المشائخ علی الامام وکلام الامام فخر الاسلام تصحیح الذخیرۃ والمحیط علی المنفرد حصل التوفیق وباللہ التوفیق ھذا ماعندی واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	میں سورت کا پڑھنا مستقل فعل مستحب نہیں کہ اسے کسی عارضہ کی وجہ سے عدم اولویت لاحق ہو جیسے کہ نفل نماز کسی مکروہ پر مشتمل ہو اور یہاں علت سے قرات سورت کا استحباب ثابت ہو رہا ہے تو اب یہ عدم اولویت کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے۔ اس عبد ضعیف پر یہ چیز واضح ہوئی ہے کہ فاتحہ پر اکتفا کرنا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے امامت کی صورت میں منقول ہے کیونکہ آپ کی فرض نماز جو بھی منقول ہے وہ امام ہونے کی صورت میں ہی ہے البتہ شاذونادر ہی کوئی فرض نماز اس کے علاوہ ہوگی لہٰذا امام کے لئے فاتحہ پر اضافہ مکروہ ہوگا کیونکہ یہاں مقتدیوں پر سنت سے بڑھ کر طوالت کی کہ مقتدیوں پر گراں گزری تو یہ کراہت تحریمی ہوگی۔ اگر آدمی تنہا نماز ادا کررہا ہے تو اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ نماز جتنی لمبی کرنا چاہے کرے، اور فاتحہ پر اضافہ خیر ہے اور اس کے خیر ہونے کے خلاف کوئی دلیل بھی نہیں تو منفرد کے حق میں اس اضافہ کا نفل ہونا بعید نہیں، اگر ہم کلام مشائخ کو امام پر اور امام فخر الاسلام اور تصحیح ذخیرہ اور محیط کو منفرد پر محمول کرلیں تو موافقت پیدا ہوجائے گی اور توفیق دینے والا اللہ ہی ہے اور یہ میرے نزدیک ہے۔ اللہ تعالٰی ہی خوب جاننے والا ہے

[1] حلیہ المحلی شرح منیہ المصلی

مسئلہ ۱۲۳۱: از اتر ولی ضلع علی گڑھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالکریم صاحب مدرس ۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کے ساتھ آکیلا بعد التحیات کے سجدہ سہو کا ایک سلام بعد کرنا چاہئے یا کہ دونوں طرف سلام پھیرکے؟

الجواب:

ایک سلام کے بعد چاہئے، دوسرا سلام پھیرنا منع ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں قصداً پھیر دے گا سجدہ سہو نہ ہوسکے گا اور نماز پھیرنا واجب رہے گا۔ درمختار میں ہے:

یجب بعد سلام واحد عن یمینه فقط وھو الاصح بحر وعلیه لو اتی بتسلیمتین سقط عنه السجود[1] الخ	فقط دائیں جانب سلام کے بعد واجب ہے اور یہی اصح ہے بحر۔ اور اگر سجدہ سہو لازم تھا اور اس نے دونوں طرف سلام پھیر دیا تو سجود ساقط ہوجائیگا الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وعلیه فیجب ترك التسلیمة الثانیة[2] الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه وجل مجدہ اتم واحکم	اگر سجدہ سہولازم ہو تودوسرے سلام کاترک ضروری ہوتا ہے الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۲: مرسلہ حافظ عبداللہ خاں موضع ٹھریا ضلع بریلی ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

نمازی کسی رکعت میں صرف الحمد پڑھے اور سہواً سورت نہ ملائے اور پھر سہو کا سجدہ کرے تو نماز ہوجائیگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو سورت ملانا بھول گیا اگر اسے رکوع میں یاد آیا تو فوراً کھڑے ہو کر سورت پڑھے پھر رکوع دوبارہ کرے پھر نماز تمام کرے اور اگر رکوع کے بعد سجدہ میں یاد آیا تو صرف اخیر میں سجدہ سہو کرلے نماز ہوجائے گی اور پھیرنی نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۳: از تونسہ شریف ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ مولٰنا مولوی احمد بخش ساکن ڈیرہ غازی خاں مہتمم مدرسہ محمودہ محمودیہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

سیّدی سندی اعتضادی وعلیہ اعتمادی البحر البحر العلامۃ الفہامۃ الالمعی اللوذعی حضرت مجدد المائۃ الحاضرہ

---

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۱

[2] ردالمحتار باب سجود السہو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۷۸

ادام اللہ برکاتہم والقابہم الی یوم الدین آداب عجز و نیاز بے انداز بجالا کر عرض کرتا ہوں کہ خاکسار کو ہر لحظہ عافیت مزاج شریف و قضائے حاجات ذات مستجمع الصفات اہم مآرب واعظم مطالب ہے ان ایّام میں ایک واقعہ پیش آیا جس میں بعض ابناء الزمان مخالف ہیں اور مفصل طور پر میری اس تحریر ناقص سے جو بغرض است صواب ابلاغ خدمت اقدس ہے واضح ہوگا چونکہ جناب کے بغیر خاکسار کا کوئی محلِ اعتماد نہیں اس لئے تکلیف دی ہے کہ براہ بندہ نوازی جواب باصواب سے جو مدلل و مفصل ہو خاکسار کو معزز وممتاز فرمائیں عین عنایت ہوگی اور اس تقریر کے اخیر میں اپنی رائے صائب سے آگاہ فرما کر بدستخط خاص مزیّن فرمادیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔

یارب بك الاعتصام ومنك التوفیق

ویا شفیق یارفیق نجنی من کل ضیق

(اے میرے رب کریم! تو ہی میرا آسرا ہے اور تجھ ہی سے توفیق ہے۔اے شفیق ورفیق! مجھے تکلیف سے نجات عطافرما)

مسئلہ: اگر موتم سے سہو ہو تو اعادہ صلوٰۃ اُس پر واجب نہیں کیونکہ جمیع فقہاء نے متون اور شروح میں تصریح فرمائی ہے کہ موتم پر اپنے سہو سے سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ اگر وہ اکیلے سجدہ سہو ادا کرے تو مخالفت امام لازم ہے اور اگر امام بھی اس کے ساتھ سجدہ کرے تو معاملہ بر عکس ہو جاتا ہے یعنی اصل تابع اور تابع اصل بن جاتا ہے، اس بیان سے یہ مستفاد کیا جائے گا کہ گویا مقتدی کی نماز میں کوئی ایسا نقص واقع نہیں ہوا یا کراہت جس کے جبر کے لئے سجدہ سہو واجب ہو پس اس بناء پر اعادہ لازم نہیں کیونکہ اعادہ وجود کراہت پر متفرع ہے واذلیس فلیس (جب کراہت نہیں تو اعادہ نہیں۔ت) علامہ شامی نے نہر فائق سے نقل کیا ہے کہ:

ثم مقتضی کلامهم انه یعیدها بثبوت الکراهة مع تعذر الجابر [1] انتهی۔	کلام فقہاء سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ثبوت کراہت کی وجہ سے لوٹائی جائے گی جبکہ نقصان کو پورا کرنا دشوار ہوا نتھی۔(ت)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عدمِ لزوم سجدۂ سہو اس امر پر مبنی ہے کہ اس کا ادا کرنا ناممکن ہے نہ یہ کہ اس کی نماز میں کوئی نقص یا کراہت واقع نہیں بلکہ نماز مکروہ ہے اور حسبِ کلیہ مسلّمہ فقہاء کہ "جو نماز کراہت سے ادا ہو اس کا اعادہ لازم ہے" اعادہ لازم ہے

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

جواب: اگر ایسا ہو تو لازم آتا ہے کہ فقہاء نے احادیث کی مخالفت کی جس سے یہ مفہوم ہے کہ امام مقتدی سے سجدہ سہو کو اٹھالیتا ہے جیسا کہ قراءت کو۔ **حدیث اوّل:** مشکوٰۃ شریف میں ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامام ضامن (الحدیث)[1]	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام ضامن ہوتا ہے (الحدیث) (ت)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام مقتدی کی نماز کا متکفل ہے اگر مخالف سجود سہو کی اس کفالت سے خارج ہونے کا دعوی کرے تو اس کے لئے مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول اپنی شرح مرقاۃ میں ای متکفل لصلوۃ المؤتمین بالاتمام[2] (یعنی امام مقتدیوں کی نماز کے اتمام کے لئے کفیل ہوتا ہے۔ت) اور ناقلًا عن ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

والضمانۃ اما لحملھم نحوا القرأۃ عن المسبوق اوالسھو عن الساھی[3]۔	امام کے ضامن ہونے کا یہ معنٰی ہے کہ وہ مسبوق کی طرف سے قراءت اور بھول جانے والے کے سہو کا ضامن ہوتا ہے۔ (ت)

اور علّامہ عینی کا قول شرح صحیح بخاری میں:

یعنی ان صلوٰتھم فی ضمن صلوٰۃ الامام صحۃ و فسادا[4]	یعنی مقتدیوں کی نماز صحت اور فساد کے لحاظ سے امام کی نماز کے تابع ہے۔ (ت)

و نیز ان کا قول:

ونستدل بما فی صحیح ابن حبان الامام ضامن بمعنی یضمنھا صحۃ و فسادا[5]۔	اور ہم صحیح ابن حبان کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ امام ضامن ہے یعنی وہ نماز کی صحت اور فساد کا ضامن ہوتا ہے (ت)

اور نیز ان کا قول:

وقال ابن الملک لانھم المتکفلون ای الائمۃ ۱۲ لھم	اور ابن الملک نے کہا کہ اگر اپنے مقتدیوں کی نماز کے فساد و صحت اور نماز کے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ص ۶۵

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۱۶۵

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فضل الاذان واجابت المؤذن فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۶۵/۲

[4] عمدۃ القاری شرح بخاری باب اذالم یتم الامام واتم من خلفہ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ منیر بیروت ۲۲۹/۵

[5] عمدۃ القاری شرح بخاری باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ الخ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ منیر بیروت ۵ / ۲۳۹

صحة صلوتهم وفسادها وكمالها ونقصانها بحكم المتبوعية والتابعية [1]۔	کامل وناقص ہونے کے ضامن ہوتے ہیں متبوع اور تابع کے اعتبار سے یہ حکم ہوگا (ت)

کفایت نہ کریں تو گوسر وخشت۔ **حدیث دوم:** مراقی الفلاح میں ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الامام لكم ضامن يرفع عنكم سهوكم وقراء تكم [2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امام تمھارے لئے ضامن ہے اور تمھاری سہو اور قرات کو اٹھالیتا ہے۔ (ت)

اسی حدیث کے مطابق حضرت ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث اول کی تفسیر فرمائی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے اور جس کا ترجمہ کب سے نام حق میں "سہو اور امام برگیرد" (اس کے سہو کو امام اٹھالیتا ہے۔ت) سے کیا گیا نیز اس حدیث کے متعلق حضرت امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ رفع سہو کے ساتھ رفعِ قرأۃ کا ذکر کرنے سے یہ اشارہ ہے کہ جیسا کہ مقتدی پر ترک قرأۃ سے کوئی گناہ نہیں اسی طرف سہو کے ترک کرنے سے بھی کوئی گناہ نہیں، اس کے بعد نہر فائق کی عبارت متقدمۃ الذکر نقل کرکے فرماتے ہیں: **وقد علمت مفاد الحديث افاده بعض الافاضل** [3] (آپ حدیث کا وہ معنٰی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا۔ت) یعنی کہ مفاد حدیث کے مخالف ہے جو نہر سے منقول ہوا۔

حدیث سوم: علامہ شامی نے معراج الدرایہ سے نقل کیا ہے کہ عدم لزوم سجدہ سہو کے ثابت کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا جائے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی: **ليس على من خلف الامام سهو** [4] (جو امام کے پیچھے ہو اس پر (سجدہ) سہو نہیں۔ت)

حدیث چہارم: حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کشف الغمہ میں بہ صفحہ ع وع فرماتے ہیں:

وكانو الا يسجدون لسهو هم خلف الامام ويقولون الامام يحمل اوهام من خلفه	صحابہ اپنے سہو کی وجہ سے امام کے پیچھے سجدہ نہیں کرتے تھے اور یہ کہتے کہ امام اپنے مقتدیوں کے وہموں کو

---

[1] عمدۃ القاری

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

[4] ردالمحتار۔ باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

من المامومين وكذلك كان يقول صلى الله تعالٰى عليه وسلم من سها خلف الامام فليس عليه سهو و امامه كافيه فان سها الامام فعليه وعلى من خلفه السهو [1] انتهى	اٹھالیتا ہے، اور اسی طرح رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو امام کے پیچھے بھول گیا اس پر (سجدہ) سہو نہیں اور اس کا امام کافی ہے اور اگر امام بھول گیا تو امام اور اس کے مقتدی دونوں پر سجدہ سہو لازم ہوگا انتہی (ت)

جس سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک وامامه كافيه (اور اس کا امام کافی ہے۔ت) اور پھر اسی پر عمل صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم مخالف کے بر خلاف کافی حجۃ ہے اگر مخالف ان احادیث متذکرہ بالا کے متعلق کہے کہ سوائے حدیث اول کے باقی احادیث کسی کتاب حدیث سے منقول نہیں اور نہ کوئی سند ذکر کی گئی ہے اور ان کے ناقلین حضرت قطب شعرانی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طحطاوی اور صاحب مراقی الفلاح اور صاحب معراج الدرایہ نقادِ حدیث میں سے نہیں لہذا یہ احادیث قابل اعتبار نہیں، تو اس کے جواب میں مجھے مختصر طور پر یہ کہنا ضروری ہے کہ حدیث اول کے متعلق مولانا علی قاری اور ابن حجر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اگر اتمام حجت کے لئے کافی سمجھے گئے تو دوسروں کے مناقب بیان کرنے اور حفظ مراتب کے لئے موعظۃ سے چنداں کوئی حاصل نظر نہیں آتا دوسرے یہ کشف الغمہ کے متعلق اس قسم کا خیال اس کتاب کے مقدمہ سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے جس میں فرماتے ہیں کہ کتب صحاح فلان وفلان سے یہ سب احادیث ماخوذ ومنقول ہیں، تیسرے یہ کہ ایسے عذرات اہل تحقیق کے نزدیک قابل وقعت نہیں،

قال بعض الاذكياء فالمختار عندى جواز نقل الحديث من الكتب الصحاح والحسان بلاشرط ومن غيرها بشرط التنقيح على اهل العلم ومؤلفاتهم، وفى الاشباه من الفقه الحنفى نقل السيوطى عن ابى اسحٰق الاسفرائى الاجماع على جواز النقل من الكتب المعتمدة ولا يشترط اتصال السند الى مصنفيها [2] انتهى	بعض اذکیاء نے فرمایا کہ میرے نزدیک کتب صحاح اور حسان سے حدیث کا بلاشرط نقل کرنا جائز ہے اور ان کے علاوہ دیگر کتب سے اہل علم اور ان کی تصانیف سے بشرطِ تحقیق نقل کرنا جائز ہے، فقہ حنفی کی اشباہ میں ہے کہ امام سیوطی نے ابو اسحاق اسفرائی سے نقل کیا ہے کہ معتمد کتب سے ان کے مصنفین تک اتصال سند کے بغیر بھی نقل حدیث کے جواز پر اجماع ہے انتہی (ت)

[1] کشف الغمہ باب سجود السہو مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۱۵۹

[2] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۹۸

الغرض ان احادیث کے ہوتے ہی فقہاء کے اس قول سے سجدہ سہو لازم نہیں ایسے معنی کا ارادہ کرنا جو احادیث کے برخلاف ہے تمام فقہاء پر حملہ کرنے کے علاوہ عمداً ترک عمل بالحدیث نہیں تو اور کیا ہے پس بہتر ہے کہ فقہاء کے کلام سے بھی وہی مراد ہو جو احادیث سے ثابت ہو۔

سوال: صاحب النہر الفائق ثقات حنفیّہ سے ہے، پس یہ کس طرح گوارا ہو سکتا ہے کہ اس کی رائے کے برخلاف حکم کیا جائے کہ کلام فقہاء کا مقتضٰی نہ کراہت ہے اور نہ اعادہ۔

جواب: **من ابتلی بلیتین فلیختر اھونھما** (جو شخص دو مشکلات میں گھر جائے وہ ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ ت) صرف صاحب نہر فائق کا خلاف بمقابلہ اس کے کہ سب فقہاء کے کلام احادیث کے برخلاف ہو اور احادیث نبوی علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل نہ ہو نہایت ہی آسان ہے **ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** (شاید اس کے بعد اللہ کوئی امر پیدا فرمادے۔ ت) اس کے بعد ان چند مسائل اور روایتِ فقہاء کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جس سے صاف ثابت ہے کہ مقتدی پر سجدہ سہو کے نہ کرنے کی وجہ سے اعادہ لازم نہیں:

(ا) سجود تلاوت کے باب میں فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر موتم نے آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ تلاوت لازم نہیں نہ موتم پر اور نہ امام پر اور نہ کسی دوسرے مقتدی پر، اور اس کی دلیل صاحبِ شرح منیہ نے بعینہٖ وہی لکھی ہے جو سجود سہو کے لازم ہونے کی ہے، یعنی **ان سجد الامام یلزم انقلاب المتبوع تابعا والالزم مخالفتھم لہ**[1] **انتھی** (اگر امام سجدہ کرے گا تو یہ متبوع کا تابع ہونا لازم آئے گا ورنہ یہ اس کی مخالفت لازم آتی ہے انتہی۔ ت) اگر اس دلیل کا مقتضٰی ثبوت کراہت اور اعادہ صلوٰۃ ہو تو لازم آتا ہے کہ سجود تلاوت کے متعلق بھی ایسا حکم ہو حالانکہ یہاں نہ اعادہ سجدہ تلاوت ہے اور نہ اعادہ صلوٰۃ۔

(۲) فتاوٰی قاضی کی روایت مندرجہ ذیل سے مدعا ثابت ہے اور وہ یہ ہے:

اذا سھا المقتدی لایلزمہ سجود السھو انما یجب بالسھو والسبب انما یعمل عملہ اذا امکن اعتبارہ فی حق الحکم فاما اذا لم یمکن اعتبارہ فی حق الحکم کان ملحقا بالعدم کما قال ابو حنیفۃ وابو یوسف فی تلاوۃ المقتدی وکما فی بیع المحجور	جب کوئی مقتدی بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا کہ سجدہ سہو اس وقت لازم ہوتا ہے جب حقِ حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن ہو اور جب حق حکم میں نمازی کا اعتبار ممکن نہ ہو تو سجدہ سہو کالعدم تصور ہوتا ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح منیہ وغیرہ باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۶

وشرائہ وھھنا لایمکن اعتبار سھو المقتدی فی حق الحکم و ھو وجوب سجدۃ السھو [1] انتھی	نے مقتدی کی تلاوت کے بارے میں فرمایا، اور مجور کی بیع وشراء میں ہے اور یہاں حق حکم یعنی وجوب سہو میں مقتدی کی سہو کا اعتبار ممکن ہی نہیں انتہی (ت)

(۳) علامہ شامی صفحہ ۴۹۶ میں فرماتے ہیں اس مسئلہ کے متعلق کہ جہاں سجود ساقط ہو جائے اعادہ لازم ہوتا ہے یا نہیں،

والذی ینبغی انہ ان سقط بصنعہ کحدث عمد مثلا یلزم والا فلا تامل [2] انتھی	اور وہ صورت جس میں نماز سے خروج بالارادہ ہو مثلاً عمداً وضو توڑ دیا تو اب سجدہ سہو ساقط مگر اعادہ نماز لازم، اور اگر ایسی صورت نہیں تو اعادہ لازم نہ ہوگا، غور کیجئے انتہی (ت)

جس سے صاف ظاہر ہے کہ مانحن فیہ میں اس لئے کہ سقوط سجدہ سہو مقتدی کے اپنے فعل اختیاری سے نہیں ہوا بلکہ اس لئے کہ امام کے پیچھے وہ ادا نہیں کرسکتا نہ قبل السلام نہ بعد السلام، اعادہ واجب نہیں،

(۴) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۳۰۶ پر فرماتے ہیں:

وینبغی تقیید وجوب الاعادۃ بما اذالم یکن الترک لعذر کالامی اومن اسلم فی اخر الوقت فصلی قبل ان یتعلم الفاتحۃ فلا تلزم الاعادۃ [3] انتھی	وجوب اعادہ کو اس قید کے ساتھ مقید کیا جانا چاہئے کہ یہ اس صورت میں ہے جب ترک (واجب) کسی عذر کی بناپر نہ ہو مثلاً اُمی کا ترک فاتحہ یا وہ شخص جو نماز کے آخری وقت میں اسلام لایا اور اس نے فاتحہ سیکھنے سے پہلے نماز ادا کی تو اب اعادہ نماز لازم نہیں ہوگا (ت)

جس سے عیاں ہے مانحن فیہ میں بوجہ اس کے کہ ترک سجود بوجہ تعذر ہوا کل صرح بہ الفقھا (ان تمام کی فقہاء نے تصریح کی ہے۔ ت) اعادہ لازم نہیں۔

(۵) فی الدرالمختار یجب علی منفرد ومقتد بسھو امامہ ان سجد امام لوجوب المتابعۃ [4] انتھی فی ردالمحتار	درمختار میں ہے کہ تنہا نمازی پر سجدہ سہو لازم ہوتا ہے اور امام کی بھول کی وجہ سے مقتدی پر بشرطیکہ امام سجدہ کرے کیونکہ مقتدی پر امام کی متابعت لازم

[1] فتاوٰی قاضی

[2] ردالمحتار باب السجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷۹/۲

[3] ردالمحتار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۵۶/۱

[4] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱۰۲/۱

قوله ان سجد امامه امالو سقط عن الامام بسبب من الاسباب بان تکلم اواحدث معتمدا اوخرج من المسجد فانه یسقط عن المقتدی بحر، والظاهر ان المقتدی تجب علیه الاعادة کالامام ان کان السقوط بفعله العمد لتقرر النقصان بلاجابر من غیر عذر [1] تامل انتهی	ہے۔انتہی ،**قولہ** "اگرامام نے سجدہ کیا" اوراگرامام سے کسی وجہ سے سجدہ ساقط ہوگیا مثلاً اس نے کلام کیا یا جان بوجھ کر حادث ہوگیا یا مسجد سے نکل گیا تو اب مقتدی سے بھی سجدہ سہو ساقط ہوجائے گا بحر، اور ظاہر یہی ہے کہ اگر سقوط سجدہ عمداً ہو تو امام کی طرح مقتدی پر بھی اعادہ لازم ہوگا کیونکہ اب بغیر کسی عذر کے ایسے نقصان کا ثبوت ہوا جس کا کوئی ازالہ نہ ہوا، غور کرو، انتہی (ت)

مانحن فیہ میں اگرچہ مقتدی کا اپنا سہو ہے نہ کہ سہو امام، لیکن جبکہ سجدہ سہو کے ساقط ہونے میں عمد کو دخل نہیں لہذا اعادہ بھی واجب نہیں۔

(۶) آج تک اعادہ صلوٰۃ کا عمل نامسموع ہے اگر وجوب اعادہ سے حکم کیا جائے لکھو کھا نمازیوں کی نمازیں ناجائز وتباہ ہوجاتی ہیں اور نمازی تارک صلوٰۃ اور آثم ٹھہرتے ہیں، حالانکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الدین یسر** [2] (دین میں آسانی ہے۔ت) ونیز فرماتے ہیں: **یسروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا** [3] (آسانی کرو، تنگی نہ کرو اور اچھی خبر دو، نفرت نہ پھیلاؤ۔ت)

یہاں تک کہ فقہاء کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صلوٰۃ عید وجمعہ میں سجود سہو ادانہ کئے جائیں **دفعًا للفتنة** (فتنہ کے دفع کے لئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب وانا العبد العاصی لمدعو باحمد بخش عفی عنہ**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق مؤید المسائل الفاضل دام بالفضائل (میں اللہ کی توفیق سے سائل فاضل (جن کے فضائل ہمیشہ رہیں) کی تائید کرتے ہوئے میں کہتا ہوں:)

(۱) بزار مسند اور بیہقی سنن میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۲/۲

[2] صحیح بخاری باب الدین یسر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۰/۱

[3] صحیح بخاری باب کان النبی یتخولہم بالموعظۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶/۱

لیس علی من خلف الامام سھو فان سھا الامام فعلیہ وعلی من خلفہ[ف][1]	امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر سہو نہیں، اگر امام بھول گیا تو اس پر اور اس کے مقتدیوں پر سجدہ سہو ہے۔ (ت)

مقتدی پر سہو کی نفی فرمائی اور وہ نفی وقوع نہیں لاجرم نفی حکم ہے کما دلت علیہ کلمۃ علی (جیسا کہ اس پر "علی" کا حکم دلالت کر رہا ہے۔ ت) تو ثابت ہوا کہ سہوِ مقتدی کوئی حکم نہیں رکھتا (۲) طبرانی معجم کبیر میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایؤم عبد قوما الا تولی ماکان علیھم فی صلوتھم[2]۔ کوئی آدمی کسی قوم کی امامت نہیں کرتا مگر وہ ہر اس شیئ کا ذمہ دار ہوتا ہے جو قوم کی نماز میں ہوتا ہے (ت) پر ظاہر کہ تولی ما علیھم یو نہی ہے کہ علیھم نہ رہے اگر مقتدی کو اپنے سہو کے سبب حکم اعادہ ہو تو امام سے ان سے تحمل نہیں بلکہ ان پر اثقل کی تحمیل کہ بے اس کے دو سجدوں ہی سے کام چل جاتا اب ساری نماز کا اعادہ کرنا پڑا۔ (۳) بدائع امام ملک العلماء جلد اول صفحہ ۱۷۵ میں ہے: المقتدی اذاسھا فی صلوتہ فلا سھو علیہ[3] (اگر مقتدی نماز میں بھول جائے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہیں۔ ت) (۴) محیط پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۲۸ مصری میں ہے: لو ترک الامام سجود السھو فلا سھو علی المأموم[4] (اگر امام نے سجدہ سہو ترک کردیا تو مقتدی پر سجدہ سہو نہیں۔ ت) (۵) تبیین الحقائق امام زیلعی جلد اول صفحہ ۱۹۵:

لو سلم المسبوق مع الامام ینظر فان سلم مقارنا لسلام الامام او قبلہ فلا سھو علیہ لانہ مقتدبہ وان سلم بعدہ یلزم السھو لانہ منفرد[5]۔	اگر مسبوق نے امام کے ساتھ سلام کہہ دیا تو اب دیکھیں گے اگر اس نے امام کے ساتھ یا اس سے پہلے سلام کہہ دیا تو اب مقتدی ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم نہ ہوگا، اور اگر امام کے بعد سلام کیا تو اب منفرد ہونے کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔ (ت)

---

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی باب من سھا خلف الامام الخ دار صادر بیروت ۲/ ۳۵۲

[2] المعجم الکبیر للطبرانی مسند عقبہ بن عامر مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۳۲۹

[3] بدائع الصنائع فصل من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۵

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی السجود مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۲۸

[5] تبیین الحقائق باب السجود مطبوعہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۹۵

ف: سنن کبرٰی کے الفاظ یوں ہیں ان الامام یکفی من ورائہ فان سھا الامام فعلیہ سجدتا السھو وعلی من وراءہ فان یسجدوا معہ وان سھا احد من خلفہ فلیس علیہ ان یسجد والامام یکفیہ۔

(۶) بحر الرائق جلد دوم صفحہ ۱۰۸:

المسبوق فیما یقضیه کالمنفرد کما تقدم و علیه یفرع ما اذاسلم ساھیا فان کان قبل الامام او معه فلا سهو وان کان بعده فعلیه کما ذکرناه[1]	مسبوق باقی رکعات ادا کرنے میں منفرد کی طرح ہوتا ہے جیسے گزرا، اس پر یہ صورت متفرع ہے کہ جب مقتدی نے بھول کر سلام کہہ دیا تو اگر امام سے پہلے ساتھ ہے تو سجدہ سہو لازم نہیں، اور اگر بعد میں ہے تو اس پر سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ پیچھے گزرا۔(ت)

ان چاروں عبارتوں میں مثل حدیث اول سہو مقتدی کی مطلقًا نفی فرمائی ہے یعنی اس کے لئے کوئی حکم نہیں کما قررناه (جیسا کہ ہم نے اس کی تقریر کر دی ہے۔ت) (۷) امام اجل ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار جلد اول صفحہ ۲۳۸: اُقتدی مفترض بمتنفل، (فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے امام کی اقتداء کرے۔ت) میں فرماتے ہیں:

اماحکمه بطریق النظر فانا قدرأینا صلوٰة المامومین مضمنة بصلوٰة امامهم بصحتها اوفسادها یوجب ذٰلك النظر الصحیح من ذلك انا رأینا الامام اذاسھا وجب علی من خلفه لسهو ما وجب علیه ولو سهوا هم و لم یسه هولم یجب علیهم مایجب علی الامام اذاسھا[2]۔	لیکن اس کا حکم بطریق نظر ہے ہم دیکھتے ہیں کہ مقتدیوں کی نماز صحت و فساد کے اعتبار سے امام کی نماز کے تابع ہے، یہ نظر صحیح لازم کرتی ہے کہ جب امام بھول گیا تو اس کی بھول کی بنا پر جو کچھ امام پر لازم ہوا وہ اس کے پیچھے والوں پر بھی لازم ہوگا۔ اور اگر مقتدی بھول جائیں اور امام نہ بھولے تو مقتدیوں پر وہ چیز لازم نہیں ہوتی جو امام کے بھولنے پر اس پر لازم ہوتی ہے۔(ت)

امام (طحاوی) نے لم یجب علیهم السجود (مقتدیوں پر سجدہ واجب نہیں۔ت) نہ فرمایا بلکہ مایجب علی الامام (جو امام پر لازم (وہ مقتدیوں پر لازم ہے)۔ت) کہ سجدہ واعادہ دونوں کو شامل۔(۸) ذخیرہ پھر ہندیہ جلد اول صفحہ ۱۳۰ میں ہے:

لوسھا الاول بعد الاستخلاف لا یوجب سهوه شیئا[3]۔	اگر پہلا امام خلیفہ بنانے کے بعد بھولتا ہے تو اس کی بھول کوئی شیئ لازم نہیں کرتی۔(ت)

[1] بحر الرائق باب سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۰۰/۲

[2] الطحاوی شرح معانی الآثار باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۸۰/۱

[3] فتاوٰی ہندیہ باب الثانی عشر فی سجود السہو مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۳۰/۱

(۹) کافی امام اجل حاکم شہید جس میں جمیع کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے ضمناً شرح امام سرخسی جلد اول صفحہ ۲۲۵ میں ہے:

اذا احدث الامام فی خلال صلوتہ وقد سہا فاستخلف رجلا یسجد للسہو بعد السلام وان لم یکن الامام الاول سہا لزمہ سجود السہو لسہو الثانی ولو سہا الاول بعد الاستخلاف لا یوجب سہوہ شیئا[1]۔	اگر بھولے ہوئے امام نے دوران نماز کسی کو اپنا خلیفہ بنایا تو سلام کے بعد خلیفہ سجدہ سہو کرے اور اگر پہلا امام بھولا نہیں تھا اور دوسرا امام (خلیفہ) بھول گیا تو پہلا امام واپس آیا تو وہ بھی خلیفہ کی بھول کی وجہ سے سجدہ کرے، اور اگر پہلا امام خلیفہ بنانے کے بعد بھولا تو اس بھول سے سجدہ سہو لازم نہ آئے گا (ت)

امام سرخسی نے فرمایا: لانہ صار فی حکم المقتدی[2] (کیونکہ وہ مقتدی کے حکم میں ہوگیا ہے۔ت) یہ خود محرر المذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص جلی ہے جو بوجہ عدم ذکر خلاف خود امام اعظم وامام ابویوسف سب کا نص ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ان عبارات سے روشن بین سالبہ کلیہ ہے کہ مقتدی کا سہو اصلاً کسی چیز کو واجب نہیں کرتا اور عام کا حکم اس کے ہر فرد میں قطعی ہوتا ہے خود نص ائمہ ثلثہ ابو حنیفہ وابو یوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ مقتدی پر اپنے سہو کے ہرگز نہ سجدہ ہے نہ اعادہ۔ (۱۰) لاجرم امام اجل طحاوی نے بعد عبارت مذکورہ صریح تر فرمایا:

ثبت ان المأمومین یجب علیہم حکم السہو لسہو الامام وینتفی عنہم حکم السہو بانتفائہ عن الامام[3]۔	یہ بات ثابت ہوگئی کہ امام کے سہو کی وجہ سے مقتدیوں پر سجدہ سہو واجب ہے اور امام سے نفی کی صورت میں مقتدیوں سے بھی اس کی نفی ہوگی۔ (ت)

(۱۱) امام جلیل شمس الائمہ سرخسی مبسوط جلد اول صفحہ ۲۲۹ میں فرماتے ہیں:

اللاحق فی حکم المقتدی فیما یتم وسہو المقتدی متعطل[4]۔	لاحق اپنی بقیہ رکعتوں میں مقتدی کے حکم میں ہوتا اور مقتدی پر سجدہ سہو نہیں ہوتا۔ (ت)

(۱۲) امام ملک العلماء ابوبکر مسعود بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع جلد اول صفحہ ۱۷۶ میں فرماتے ہیں:

---

[1] المبسوط للسرخسی، باب سجود السہو، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[2] المبسوط للسرخسی، باب سجود السہو، مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۵

[3] الطحاوی شرح معانی الآثار باب الرجل یصلی الفریضۃ خلف من یصلی تطوعا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۸۰

[4] المبسوط للسرخسی باب سجود السہو مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۲۹

المسبوق انما یتابع الامام فی سجود السھو لا فی سلامه وان سلم فان کان عامدا تفسد صلٰوته وان ساھیا لا تفسدو ولا سھو علیه لانه مقتد وسھو المقتدی باطل [1]۔	مسبوق سجدہ سہو میں امام کی اتباع کرے لیکن سلام نہ کرے اور اگر اس نے سلام پھیر دیا تو اگر دانستہ تھا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر بھول کر تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اس پر سجدہ سہو بھی نہیں کیونکہ وہ مقتدی ہے اور مقتدی کا سہو باطل ہوتا ہے ۔(ت)

وہیں فرمایا:

ان سلم قبل تسلیم الامام اوسلما معا لایلزمه لان سھوہ سھوالمقتدی و سھو المقتدی متعطل [2]۔	اگر مسبوق نے امام کے سلام سے پہلے سلام کیا یا دونوں نے اکٹھے سلام کیا تو مسبوق پر سجدہ سہو لازم نہیں کیونکہ اس کا سہو مقتدی کا سہو ہے اور مقتدی کا سہو قابل اعتنا نہیں۔ (ت)

کیسے نصوصِ جلیلہ ہیں کہ مقتدی کا سہو معطل ہے باطل ہے اس کا کچھ حکم نہیں، اگر اعادہ واجب کرے تو یہ احکام ہی باطل معطل ہوں گے نہ کہ اس کا سہو۔

(۱۴) اقول: مسئلہ مسبوق نے حکم کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا، یہ تو تمام کتب میں تصریح ہے کہ مسبوق اگر سہواً امام کے ساتھ سلام پھیر دے اس پر سجدہ سہو نہیں، اگر سہو مقتدی کچھ مؤثر ہوتا تو واجب تھا کہ مسبوق پر سجدہ واجب ہوتا کہ اپنی فائت رکعت پوری کرکے آخر میں بجالاتا اور اب نہ امام کی مخالفت لازم آتی نہ قلب موضوع، مگر تصریح کرتے ہیں کہ اس پر سے یہ سہو بوجہ اقتداء ساقط ہے تو ثابت ہوا کہ سہو مقتدی اصلاً معتبر و ملحوظ ہی نہیں ورنہ باوصف امکان جابر قصداً ترک جابر کرائیں پھر خود ہی اعادہ کا حکم فرمائیں، یہ محال ہے کہ بلاعذر صحیح ترک جابر گناہ ہے، متون میں ہے: **تجب سجدتان** (دو سجدے واجب ہیں۔ت) اور شریعت گناہ کا حکم نہیں دیتی۔

فان قلت انما لایسجد بعد قضاء مافاته لانهما صلٰوتان حکما وان اتحدت التحریمة وسھو صلٰوته لا یسجد له فی اخری قال فی البدائع صفحة فان قیل ینبغی ان لا یسجد المسبوق مع الامام	اگر آپ سے سوال کریں کہ فوت شدہ رکعات کے بعد سجدہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اب اگرچہ تحریمہ کی وجہ نماز ایک ہے مگر حکماً دو نمازیں ہیں اور ایک نماز کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کیا جاتا، بدائع ص ۱۷۶ میں فرمایا اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسبوق کو امام کے ساتھ سجدہ نہیں

[1] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۶

[2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۶

لانه ربما یسهو فیما یقضی فیلزمه السجود ایضاً فیؤدی الی التکرار وانه غیر مشروع، فالجواب ان التکرار فی صلٰوۃ واحدۃ غیر مشروع وهما صلٰوتان حکماً وان کانت التحریمۃ واحدۃ لان المسبوق فیما یقضی کالمنفرد ونظیره المقیم اذا اقتدی بالمسافر فسها الامام یتابعه المقیم فی السهو وان کان المقتدی ربما یسهو فی اتمام صلٰوته[1] اھ وفی الکافی شرح الوافی للامام النسفی الورقۃ فیمن قعد للرابعۃ ثم صلی خامسۃ ساهیاً فضم سادسۃ مانصه لا یسجد للسهو قیاساً لان هذا سهو وقع فی الفرائض وقد انتقل منه الی النفل من سها عن صلٰوۃ لایسجد له فی صلٰوۃ اُخری[2] اھ **اقول:** هما کصلٰوۃ واحدۃ فی حق الجبر لا تحاد التحریمۃ الا تری الی ماقاله فی الکافی متصلا بالعبارۃ المذکورۃ ویسجد للسهو استحساناً لان النقصان دخل	کرنا چاہئے کیونکہ بعض اوقات بقیہ رکعتوں میں مسبوق بھول جاتا ہے جس کی وجہ سے اس پر سجدہ سہو لازم آجاتا ہے تواب سجدہ سہو میں تکرار ہوجائے گا اور یہ مشروع نہیں، توجواب یہ ہے کہ سجدہ سہو کا تکرار ایک نماز میں نامشروع ہے اور اس صورت میں نماز اگرچہ تحریمہ کے لحاظ سے ایک ہے مگر حکم کے اعتبار سے دو نمازیں ہیں کیونکہ مسبوق بقیہ رکعات میں منفرد کی طرح ہوتا ہے اس کی نظیر یہ ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتداء کرے اور امام بھول جائے تو سجدہ سہو میں مقیم امام کی اتباع کرے گا اگرچہ بعض اوقات مقتدی بقیہ رکعتوں میں بھول جاتا ہے اھ اور امام نسفی کی کافی شرح الوافی ص ۸۵ پر ہے ایسا شخص جس نے چوتھی رکعت کا قعدہ کیا پھر بھول کر پانچویں رکعت ادا کی تو وہ چھٹی رکعت بھی ساتھ ملالے کے بارے میں الفاظ ہیں کہ وہ قیاساً سجدہ سہو نہ کرے کیونکہ یہ ایک سہو تھا جو فرائض میں واقع ہوا حالانکہ اب وہ نمازی نوافل کی طرف منتقل ہوچکا ہے اور جو شخص ایک نماز میں بھولا وہ اس کا سجدہ دوسری نماز میں نہیں کرسکتا اھ **اقول:** اتحاد تحریمہ کی وجہ سے نقصان کو پورا کرنے کے لئے یہ دونوں ایک نماز کی طرح ہیں آپ نے کافی کی وہ عبارت نہیں دیکھی جو مذکورہ عبارت کے متصل ہے کہ (قیاساً تو نہیں) مگر بطور استحسان سجدہ کرے کیونکہ امام محمد کے نزدیک نقصان فرائض میں ہوا ہے کیونکہ

[1] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجود السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۶

[2] کافی شرح وافی ص ۸۵

فی فرضه عند محمد بترك السلام الذی هو واجب وهذا النفل بناء علی التحریمة الاولٰی فیجعل فی حق وجوب السهو کانها صلٰوة واحدة کمن صلی ست رکعات تطوعا بتسلیمة سها فی الشفع الاول یسجد للسهو فی اخر الصلوة وان کان کل شفع صلٰوة علی حدة [1] اھ فاذا کان هذا فی صلٰوتین مستقلتین بل مختلفتین فرضیة و تنفلا فلان یکون فی اجزاء صلٰوة واحدة اولی وان اختلفت اقتداء وانفراد، ویقطع النزاع مانصوا علیه ان المسبوق ان لم یسجد لسهو الامام مع الامام یجب علیه ان یسجد له فی اٰخرما یقضیه، قال فی البدائع صف ۱۷۶ و لوقام المسبوق الی قضاء ماسبق به ولم یتابع الامام فی السهو سجد فی اخر صلٰوته فان المسبوق یبنی ما یقضی علی تلك التحریمة فجعل الکل کانها صلٰوه واحدة لاتحاد التحریمة واذاکان الکل صلٰوة واحدة وقد تمکن فیها النقصان بسهو الامام لم یجز ذلك بالسجدتین فوجب جبرة [2] اھ فاذاکان هذا علیه بسهو امامه فلوکان لسهو نفسه حالة الاقتداء حکم	نمازی نے واجب سلام کو ترک کردیا ہے اور یہ (دو رکعتیں) پہلی تحریمہ کی ہی وجہ سے نفل بن رہی ہیں لہٰذا وجوب سجدہ سہو میں یہ دونوں ایک ہی نماز ہیں جس طرح کہ وہ شخص جس نے چھ نوافل ایک سلام سے پڑھے اور پہلی دو رکعت میں بھول گیا تو اب اگرچہ یہاں ہر شفع مستقل نماز ہے مگر سجدہ سہو آخر میں کرے گا اھ جب دو الگ الگ نمازوں بلکہ وہ فرض و نفل کے اعتبار سے مختلف بھی ہیں کا حال یہ ہے تو ایک ہی نماز کے اجزا میں بطریق اولیٰ ہونا چاہئے اگرچہ وہ اقتدا و انفراد کے لحاظ سے مختلف ہیں اور اب نزاع ختم ہوگیا جس پر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مسبوق نے سہو امام کی وجہ سے اگر امام کے ساتھ سجدہ نہیں کیا تو اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرنا واجب ہوگا۔ بدائع کے صفحہ ۱۷۶ پر فرمایا کہ اگر مسبوق اپنی بقیہ نماز کی ادائیگی کے لئے کھڑا ہوگیا اور سہو میں امام کی اتباع نہ کی تو اپنی نماز کے اخر میں سجدہ سہو کرے کیونکہ مسبوق نے بقیہ نماز کی بنا اسی سابقہ تحریمہ پر کی ہے تو اب اتحاد تحریمہ کی وجہ سے مسبوق نے نماز کو ایک بنالیا ہے اور جب یہ تمام نماز ایک ہے اور اس میں سہو امام کی وجہ سے ایسا نقصان ہوچکا ہے جس کا ازالہ دو سجدوں سے نہیں ہوسکتا تو اس کا ازالہ واجب ہوگا اھ جب یہ بات امام کے سہو کی وجہ سے ہے تو اب اگر حالت اقتداء میں خود اس سے غلطی

[1] کافی شرح وافی ص ۸۵

[2] بدائع الصنائع فصل بیان من یجب علیہ سجو السہو مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۷

لوجب علیہ ان یسجد لہ فی اخر صلٰوتہ لکن نصوا قاطبۃ انہ لیس علیہ فثبت باجماعھم ان سھو المقتدی لا حکم لہ۔	ہو جانے پر حکم لاگو ہو تو اس پر نماز کے آخر میں لازم ہو جانا چاہئے لیکن فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے کہ اس پر اس صورت میں سجدہ سہو نہیں کیونکہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ مقتدی کی سہو پر کوئی حکم نافذ نہیں ہو سکتا۔ (ت)

(۵) یہیں سے روشن ہوا کہ بحث نہر اصلاً قابل التفات نہیں اگرچہ سید ابوالسعود نے اس کا اتباع کیا اور علامہ شامی نے ردالمحتار ومنحۃ الخالق میں اسے مقرر رکھا حدیث ہی کے مقابل ان کی بحث معتبر نہ ہوتی، طحطاوی علی الدرالمختار جلد اول صفحہ ۱۸۱ "مسئلہ دو رکعت نفل قبل نماز مغرب" میں ہے:

فی البخاری انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال صلوا قبل المغرب رکعتین و ھو امر ندب و منع صاحب النھر لایظھر لوجود الدلیل المروی فی الصحیح[1]۔	بخاری میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعات ادا کرو۔ اور یہ حکم برائے ندب ہے، صاحب نہر نے اس سے منع کیا لیکن یہ منع واضح نہیں کیونکہ امر ندب صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (ت)

اسی طرف علامہ نے حاشیہ مراقی الفلاح میں اس مسئلہ دائرۃ صفحہ ۳۰۳ میں اشارہ کیا ہے کلام نہر نقل کرکے فرمایا:

وقد علمت مفاد الحدیث افادہ بعض الافاضل[2]۔	آپ حدیث کا وہ معنی جان چکے جو بعض افاضل نے بیان کیا۔ (ت)

بلکہ ہم ثابت کرچکے کہ نص صریح امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم واطباق جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے تو مقتضی کلامہم نہیں بلکہ نقیض کلامہم ہے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۳۴: از رامپور مسئولہ محمد سعید صاحب

اگر امام پر سہو واجب ہو تو امام کے ساتھ لاحق کو سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں اور جو مصلی بعد اس سجدہ سہو امام کے ساتھ شریک ہووے ان کی نماز کا بنا صحیح ہے یا نہیں؟

[1] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۸۱

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود السہو مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۵۲

الجواب:

امام کے سہو سے لاحق پر بھی سجدہ سہو واجب ہوتا ہے مگر امام کے ساتھ نہ کرے بلکہ نماز پوری کرکے، ہاں اگر سلام امام سے پہلے فوت شدہ نماز پوری کرکے پھر شامل ہوگیا کہ امام کے ساتھ سلام پھیرا تو امام کے ساتھ ہی سجدہ سہو کرے ورنہ بعد اتمام۔ اگر قبل اتمام کے سجدہ سہو کرلے گا نماز تو نہ جائے گی مگر یہ سجدہ بے کار جائے گا اور خلاف حکم کا مرتکب ہوگا اور بعد اتمام پھر سجدہ سہو کرنا ہوگا، درمختار میں ہے:

اللاحق یسجد فی اٰخر صلٰوتہ ولو سجد مع امامہ اعادہ[1]۔	لاحق اپنی نماز کے آخر میں سجدہ کرے اور اس نے امام کے ساتھ سجدہ کرلیا تو پھر دوبارہ لوٹائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ فی غیرا وانہ ولا تفسد صلٰوتہ لانہ مازادالا سجدتین[2]۔	کیونکہ یہ اپنے وقت پر نہیں، البتہ نماز فاسد نہ ہوگی کیونکہ اس نے دو سجدوں کے علاوہ کسی شی کا اضافہ نہیں کیا۔ (ت)

جو مصلی سجدہ سہو کے بعد قعدہ میں شریک امام ہوئے شریک جماعت ہوگئے ان کی بنا صحیح ہے باتفاقِ ائمہ

وانما لخلاف فی الجمعۃ والمذھب فیہ ایضا الصحۃ۔	اختلاف فقط جمعہ میں ہے اور اس میں بھی مذہب یہی ہے کہ یہ صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

ادرکھا فی تشھد او سجود سھو (ولو فی تشھدہ ش عن ط) یتمھا جمعۃ خلافا لمحمد کما یتم فی العید اتفاقا کما فی عید الفتح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر کسی نے امام کو تشہد یا سجود سہو میں پالیا (اگرچہ تشہد جمعہ ہو، ش از ط) تو جمعہ ادا کرے البتہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے جیسا کہ عید کو اگر تشہد میں پالیتا ہے تو بالاتفاق عید ہی ادا کرے (فتح القدیر باب العید) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴۹

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

مسئلہ ۱۲۳۵: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ در سجدہ سہو سلام بہر دوجانب گوید یا یکے جانب اگر امام باشد یا مفرد بکدام روایت فتوٰی است۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ سجدہ سہو کے لئے دونوں جانب سلام کہنا ہوتا ہے یا فقط ایک جانب امام ہو یا منفرد، کس روایت پر فتوی ہے (ت)

الجواب:

سلام ہمیں جانب راست دہد امام باشد خواہ منفرد تا آنکہ گفتہ اند کہ اگر سلام دیگر دہد سجدہ سہو ساقط شود وبزہ کار گردد۔ واللہ تعالٰی اعلم	فقط دائیں جانب سلام کہنا ہوتا ہے خواہ امام ہو یا منفرد، حتی کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر دوسری جانب سلام کہتا ہے تو سجدہ سہو ساقط اور ایسے عمل سے گنہگار ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۶: از جڑدہ ضلع میرٹھ مسئولہ سید سراج احمد صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

چار رکعت والی نماز میں امام دو رکعات کے بعد بیٹھا اور التحیات کے بعد درود شریف شروع کردیا مقتدی کو معلوم ہوگیا، ایسی حالت میں مقتدی امام کو اشارہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کس طرح سے؟

الجواب:

اُس کا معلوم ہونا دشوار ہے کہ امام آہستہ پڑھے گا، ہاں اگر یہ اتنا قریب ہے کہ اس کی آواز اس نے سنی کہ التحیات کے بعد اس نے درود شریف شروع کیا تو جب تک امام اللھم صل علی سے آگے نہیں بڑھا ہے یہ سبحان اللہ کہہ کر بتائے اور اگر اللھم صل علی سیدنا یا صل علی محمد کہہ لیا ہے تو اب بتانا جائز نہیں بلکہ انتظار کرے، اگر امام کو خود یاد آئے اور کھڑا ہوجائے فبہا اور اگر سلام پھیرنے لگے تو اس وقت بتائے، اس سے پہلے بتائے گا تو بتانے والے کی نماز جاتی رہے گی اور اس کے بتانے سے امام لے گا تو اس کی اور سب کی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتر میں قبل دعائے قنوت کے سہواً رکوع کیا اور دو ایک تسبیح بھی پڑھ چکا اب خیال ہوا کھڑے ہو کر قنوت پڑھی تو اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:

تسبیح پڑھ چکا ہو یا ابھی کچھ نہ پڑھنے پایا اسے قنوت پڑھنے کے لئے رکوع چھوڑنے کی اجازت نہیں اگر قنوت کے لئے قیام کی طرف عود کیا گناہ کیا پھر قنوت پڑھے یا نہ پڑھے اس پر سجدہ سہو ہے۔ درمختار میں ہے:

ولونسیه القنوت ثم تذکره فی الرکوع لا یقنت فیه لفوات محله ولا یعود الی القیام ، فان عادالیه وقنت ولم یعد الرکوع لم تفسد صلٰوته، وسجد للسهو قنت اولا لزواله عن محله اھ(ملخصاً)[1] **اقول:** وقوله ولم یعد الرکوع ای ولم یرتفض بالعود للقنوت لا ان لو اعاده فسدت لان زیادة مادون رکعة لاتفسد نعم لا یکفیه اذن سجود السهو لانه اخرالسجدة بهذا الرکوع عمدا فعلیه الاعادة سجد للسهو او لم یسجد۔ والله تعالٰی اعلم	اگر نمازی قنوت پڑھنا بھول گیا پھر اسے رکوع میں یاد آیا وہ اب قنوت نہ پڑھے کیونکہ اپنے محل سے فوت ہوگئی ہے اور نہ اب قیام کی طرف لوٹے، اگر لوٹ کر قنوت پڑھی اور رکوع دوبارہ نہ کیا تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی وہ سجدہ سہو کرے خواہ اس نے قنوت پڑھی یا نہ پڑھی کیونکہ قنوت اپنے مقام سے ہٹ گئی اھ (تلخیصًا) **اقول:**، قولہ اور اس نے رکوع دوبارہ نہ کیا یعنی اس نے قنوت کی خاطر لوٹنے میں رکوع ترک نہ کیا ہو، یہ معنی نہیں کہ اگر اس نے رکوع لوٹا لیا تو نماز فاسد ہوجائیگی کیونکہ رکعت سے کم کا اضافہ فاسد نہیں کرتا، ہاں اب سجدہ سہو کافی نہیں کیونکہ اس نے عمداً سجدہ کو رکوع کی وجہ سے مؤخر کیا، پس اب اس نماز کا اعادہ لازم ہے خواہ اس نے سجدہ سہو کیا یا نہ کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳۸، ۱۲۳۹: ازمانیا والا ڈاک خانہ قاسم پور گڑھی ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) امام کی نیت چار فرضوں کی تھی دو رکعت اولٰی ختم کرچکا تھا بیچ میں التحیات بھول گیا اور اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہوگیا، بعد کو مقتدی نے بتایا وہ بیٹھ گیا التحیات پڑھی اور آخر میں سجدہ سہو کیا، آیا مقتدی کی امام کی نماز ہوئی یا نہیں؟

(۲) ایک شخص وتر پڑھ رہا تھا تیسری رکعت میں اللہ اکبر کہہ کر دعائے قنوت کا ارادہ تھا وہ بھول گیا اور بیٹھ کر سجدہ سہو کیا پھر دوبارہ وتر پڑھے پھر وہیں آکر اللہ اکبر کہنا بھول گیا دعائے قنوت پڑھی سجدہ سہو کیا آیا ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر امام ابھی پورا سیدھا کھڑا نہ ہونے پایا تھا کہ مقتدی نے بتایا اور وہ بیٹھ گیا تو سب کی نماز ہوگئی

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

اور سجدہ سہو کی حاجت نہ تھی اور اگر امام پورا کھڑا ہو گیا تھا اس کے بعد مقتدی نے بتایا تو مقتدی کی نماز اسی وقت جاتی رہی اور جب اس کے کہنے سے امام لوٹا تو اس کی بھی گئی اور سب کی گئی۔ اور اگر مقتدی نے اس وقت بتایا تھا کہ امام ابھی پورا سیدھا نہ کھڑا ہوا تھا کہ اتنے میں پورا سیدھا ہو گیا اس کے بعد لوٹا تو مذہب اصح میں نماز ہو تو سب کی گئی مگر مخالف حکم کے سبب مکروہ ہوئی کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد قعدہ اولٰی کے لئے لوٹنا جائز نہیں، نماز کا اعادہ کریں خصوصًا ایک مذہب قوی پر نماز ہوئی ہی نہیں، تو اعادہ فرض ہے، اسی کی امام زیلعی نے تصریح کی ہے اور یہی مشاہیر کتب میں ہے۔

وما بحث المحقق فی الفتح وتبعه فی البحر ففیه بحث بیناه فیما علقناه علی ردالمحتار صف ۔ والله تعالٰی اعلم	محقق نے فتح میں بحث کی ہے، بحر میں اس کی اتباع ہے اور اس میں بحث ہے جو ہم نے ردالمحتار صف ۷۷۹ پر حاشیہ میں تحریر کی ہے۔ (ت) والله تعالٰی اعلم

(۲) پہلی بار کہ دعا قنوت پڑھنا بھول گیا تھا اور سجدہ سہو کر لیا وتر ہو گئے، دوبارہ پڑھنا گناہ ہوا، حدیث میں ہے: لاوتران فی لیلة[1] (ایک رات میں دو وتر نہیں، ت) والله تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۰: ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام کو سہو ہوا یعنی کھڑا ہونا تھا بیٹھ گیا یا برعکس اس کے، تو کوئی مقتدی بجائے تسبیح (سبحان الله) کے تکبیر (الله اکبر) کہہ دے تو نماز میں اس کی کچھ قباحت و خرابی نہیں آئے گی، اور جو شخص یہ کہے کہ امام کو اگر قعدہ کرنا ہے تو لفظ التحیات کہنا چاہئے اور جو قیام کرنا ہے تو الله اکبر، یعنی جو نسا رکن کرنا ہے اس میں کا پہلا لفظ کہنا چاہئے۔ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

نماز میں الله اکبر یا التحیات کہنے سے خرابی نہیں، اور سنت سبحان الله کہنا ہے۔ والله تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴۱: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بورا ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کثر ھم الله ابقاھم، کا اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص انتہائی سہو و نسیان کی وجہ سے کوئی بات ٹھکانے سے یاد نہیں رکھتا ہے یہاں تک کہ نماز کے لئے جب وضو کرتا ہے تو ایک ایک اعضاء کو دس دس مرتبہ دھوتا ہے اور پھر بھی اس کو خیال ہوتا ہے کہ دو ہی مرتبہ یا ایک مرتبہ دھویا ہے نماز کے لئے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث طلق بن علی مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۲۳

کھڑا ہوا تو تکبیر تحریمہ پانچ پانچ مرتبہ کبھی چار رکعت پڑھیں دو رکعت خیال کیں علٰی ھذا القیاس تسبیح رکوع و سجود میں غرضیکہ دنیوی کاموں میں بھی مثلاً کوئی چیز کہیں رکھ دی یا کسی کو دے دی پھر خیال جو کیا اس کے خلاف ہوا، ایسی حالت میں اس شخص نے ایک آدمی اس کے ارکان و تسبیح و رکعت وغیرہ شمار کرنے کے لئے مقرر کیا تاکہ وہ گن کر بتادے آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص ایسے سہو و نسیان کی حالت میں ان سب باروں میں کیا کرے؟

الجواب:

آدمی مقرر کرنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۲: وکیل الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اگر امام نے رکعت ثانیہ میں سہو سے تین سجدے کئے اور اس کو ظن غالب دو سجدوں کا تھا و تا خروج عن الصلوٰۃ امام کو بالکل یاد نہ ہوا، مقتدیان بہت تھے یعنی تین صف میں سے ہر صف میں ۲۵، ۲۶ اشخاص تھے لیکن امام کو کسی نے یاد کرایا نہیں، اب نماز امام و قوم کی صحت و عدم صحت کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: فرض ادا ہوگیا، واجب ترک ہوا، سجدہ سہو لازم تھا، نمازیں پھیریں اتنے آدمی، ایسی کثیر جماعت نہیں جس کے سبب سجدہ سہو ساقط ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۳: ضلع سکّھر سندھ اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیرپور ڈھرکی خاص دربار معلّٰی قادریہ چونڈے شریف از طرف ابوالنصر فقیر سرور شاہ ۷ جمادی الآخر

ما قولکم رحمکم اللہ تعالٰی کہ شخصے را در نماز مغرب سجدہ سہو لازم بود نہ داد جبر نقصان گزارد یا نہ، اگر گزرد چگونہ نیت بندد و چند رکعت گزارد و ہمیں جبر نقصان حکم نفل دارد یا واجب یا فرض؟	اس بارے میں آپ (اللہ تعالٰی آپ پر رحمتیں نازل فرمائے) کا کیا فرمان ہے کہ ایک شخص پر نماز مغرب میں سجدہ سہو لازم ہوگیا مگر اس نے نہ کیا اب نقصان کا ازالہ کرے یا نہ؟ اگر کرنا ہے تو کس نیت سے؟ کتنی رکعات ادا کرے اور یہ ازالہ نفل کا حکم رکھتا ہے یا واجب و فرض کا؟ (ت)

الجواب:

جبر نقصان واجب است سہ رکعت بہ نیت اعادہ ہماں نماز مغرب برائے تلافی مافات کند۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	نقصان کا اعادہ لازم ہے پھر دوبارہ تین رکعت اس نیت سے ادا کرے کہ میں کمی کا ازالہ کررہا ہوں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۴۳ تا ۱۲۴۵: از مدرسہ اہلسنت منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) فرضوں کی تیسری یا چوتھی رکعت میں بعد **الحمد** شریف کے کسی آیت کا پورا یا نصف لفظ زبان سے نکل گیا یا رکوع میں سہواً ایک بار **سبحان ربی الاعلٰی** کہہ دیا، اسی طرح سجدہ میں اور اسی طرح فرضوں کی پہلی رکعت میں جبکہ مقتدی ہے **سبحٰنك** کے بعد **اعوذباللہ** شریف پڑھ لی تو کیا **الحمد** شریف کا پڑھنا بھی ضرور ہوگا اور اوپر کی صورتوں میں سجدہ سہو ہوگا یا نہیں؟

(۲) جماعت میں امام نے **سمع اللہ لمن حمدہ** کی جگہ **اللہ اکبر** کہا اور سجدہ سہو نہیں کیا، کیا نماز ہوئی یا نہیں؟

(۳) فجر کے فرضوں میں دوسری رکعت کے بعد اور دیگر وقتوں میں چوتھی رکعت کے بعد امام یا منفرد التحیات پڑھنی بھول کر کھڑا ہوگیا، اب اس کو کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان میں سے کسی صورت میں سجدہ سہو نہیں اور مقتدی کو الحمد شریف پڑھنا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) نماز ہوگئی اور سجدہ سہو کی اصلاً حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جبکہ قعدہ اخیرہ بھول کر زائد رکعت کے لئے کھڑا ہوا تو جب تک اس رکعت زائدہ کا سجدہ نہیں کیا ہے بیٹھ جائے اور التحیات پڑھ کر سجدہ سہو کرے، اور اگر اس نے رکعتِ زائدہ کا سجدہ کرلیا تو اب فرض باطل ہوگئے پھر سے پڑھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۶: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوراہا ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کمال درجہ کا بھول رکھتا ہے نماز کے اندر وضو و تکبیر و رکوع و سجود و قیام بلکہ ہر رکعت نماز پنجوقتی میں بھول کے خوف سے بلند قرأت کے ساتھ پڑھتا ہے تاکہ ہم بھول نہ جائیں، کتنا ہی وہ شخص دل میں خیال وغور کرکے پڑھتا ہے تاہم بھول جاتا ہے کچھ بھی خیال نہیں رہتا ہے اور وہ شخص جب نماز پڑھنے لگتا ہے تو ایک شخص کو اس غرض سے بٹھاتا ہے کہ جو کچھ سہو واقع ہو اس کو بتلاتا جائے اس شخص کو نماز کے اندر بہت پریشانی ہوتی ہے اس کے علاوہ وہ کہتا ہے کہ نماز چھوڑدوں پھر کہتا ہے کہ نماز کس طرح چھوڑوں، اور وہ شخص بہت تندرست اور مستقل مزاج ہے، ایسی حالت میں اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی شخص کو پاس بٹھالینا اور اس کے بتانے پر نماز پڑھنا نماز باطل کرے گا، فجر و مغرب وعشاء میں منفرد کو بآواز پڑھنے کی اجازت ہے، ظہر و عصر میں صحیح مذہب پر اجازت نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ وہ شخص جماعت میں مقتدی ہو کر پڑھے تو مقتدی کو قرات کرنی نہ ہوگی اور امام کے افعال اسے بتانے اور یاد دلانے والے ہوں گے، جماعت ویسے بھی واجب ہے، اور ایسے شخص پر تو نہایت اہم واجب ہے کہ بغیر اس کے اس کی نماز ٹھیک ہی نہیں، سنتیں اور نفل جو پڑھے ان میں کسی شخص کو امام کرلے کہ نفل محض میں تین تک جماعت جائز ہے، اور جب کوئی شخص امامت کو نہ ملے اپنی یاد پر پڑھے رکعتوں میں اگر شبہہ ہو تو کم سمجھے، مثلاً ایک اور دو میں شبہہ ہو تو ایک سمجھے اور دو اور تین میں ہو تو دو، اور جہاں جہاں قعدہ اخیرہ کا شبہہ ہو تو وہاں بیٹھتا جائے اور اخیر میں سجدہ سہو کرے اور اگر کسی طرح اپنی یاد سے نماز ادا کرنے پر قادر ہی نہ ہو تو معاف ہے، درمختار میں ہے:

(ولو اشتبه علی مریض اعداد الرکعات والسجدات لنعاس یلحقه لایلزمه الاداء) و لواداها بتلقین غیره ینبغی ان یجزیه کذافی القنیة [1] قال العلامة ط قد یقال انه تعلیم وتعلم وهو مفسد کما اذا قرأمن المصحف او علمه انسان القرأة و هو فی الصلاة [2] قال العلامة ش قالت وقد یقال انه لیس بتعلیم وتعلم بل هو تذکیر او اعلام فهو کاعلام المبلغ بانتقالات الامام فتأمل [3] اھ و رأیتنی کتبت علیه مانصه اقول فیه ان الفتح	(اگر کسی مریض پر بسبب اونگھ کے جو اسے لاحق ہوتی ہے رکعات وسجدوں کی تعداد میں اشتباہ پیدا ہوگیا تو اس پر ادائے نماز لازم نہیں) اور اگر غیر کی تلقین کی بنا پر انھیں ادا کرلیا تو چاہئے کہ یہ اسے کافی ہو جیسا کہ قنیہ میں ہے، علامہ طحطاوی نے فرمایا اس پر یہی اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعلیم و تعلم ہے جو کہ مفسد نماز ہوتا ہے جیسے کہ کسی آدمی نے مصحف سے پڑھا یا اسے دوسرے آدمی نے قرات سکھادی حالانکہ وہ نماز میں تھا، علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ کہا گیا ہے کہ تعلیم و تعلم نہیں بلکہ یاد دلانا اور اطلاع کرنا ہے پس یہ اسی طرح ہے جس طرح بڑے مجمع میں امام کے انتقالات کی اطلاع دینے والا ہوتا ہے فتامل اھ میں نے وہاں یہ حاشیہ

[1] درمختار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۴

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۱/۳۱۹

[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ المریض مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۲

لایزید علی التذکیر بشیئ وقد قال قوم وصح ان المقتدی اذا فتح علی امام بعد ما قرأ قدرالواجب تفسد صلٰوته لانه تعلیم من دون ضرورة فان اخذبه الامام فسدت صلٰوة الکل لانه تعلم من دون ضرورة والقائلون بالجواز (وهو المعتمد) انما اعتمد واعلی انه للحاجة کما بینه فی الحلیة مع الا اعتراف بانه تعلیم وتعلم انی استشهد بخلافه الیسوا قد اجمعوا أن لو فتح علی المصلی غیره فاخذ فسدت صلٰوته، وقد مرالتنصیص علی کل ذلك والاستشهادبالمبلغ لم یصادف محله فانهم جمیعا حینئذ فی صلٰوة واحدة فالصواب عندی الجواب بان هذا لضرورة وهی تجلب التیسیر وبعد فیه بعد کیف ولوجاز (هذا) کان ینبغی ان یلزمه الاداء کما یلزمه التوجه اذا وجد من یوجهه ففی تجویزه ابطال اصل المسئلة المنقولة فلا عبرة ببحث القنیة [1] وقد یقال عن هذا الاخیرانه قادر بقدرة غیره فلا یلزمه وان فعل صح فلیتأمل حق التأمل۔ واللہ تعالٰی اعلم	تحریر کیا ہے اقول اس میں لقمہ دینا یاد دلانے سے زائد نہیں ہوتا اور ایک جماعت نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ مقتدی جب اپنے امام کو قدر واجب قرات کے بعد لقمہ دے تو اس مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تعلیم ہے ایسی صورت میں اگر امام نے لقمہ لے لیا تو سب کی نماز فاسد ہوگی کیونکہ یہ بغیر ضرورت کے تعلم ہے اور جو جواز (اور معتمد بھی یہی ہے) کے قائل ہیں انھوں نے اعتماد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ضرورت کی وجہ سے ہے جیسا کہ حلیہ میں بیان کیا گیا ہے باوجود اس اعتراف کے کہ تعلیم و تعلم ہے، میں اس کے خلاف شہادت پیش کرتا ہوں، کیا فقہاء کا اس پر اجماع نہیں کہ اگر غیر نمازی نے نمازی کو لقمہ دیا اور اس نے قبول کرلیا تو نماز فاسد ہوجائیگی اور اس تمام گفتگو پر پہلے تصریحات گزر چکی ہیں اور مقتدی مکبّر کو بطور استشہاد پیش کرتا ہے اپنے محل پر نہیں کیونکہ مذکور صورت میں تمام کی نماز ایک ہے لہٰذا میرے نزدیک درست جواب یہ ہے کہ یہ ضرورت ہے جو آسانی کا تقاضا کرتی ہے اور ابھی اس میں بُعد ہے، کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ یہ جائز ہو تو مناسب تھا کہ اس پر ادا لازم ہو جس طرح توجہ دلانے والے کی موجودگی میں توجہ کرنا لازم ہے لہٰذا اس کے جواز میں اصل منقول مسئلہ کا ابطال لازم آتا ہے اس لئے قنیہ کی بحث کا اعتبار نہیں ہوگا اور اس آخری مسئلہ (جو اپنے آپ نماز درست نہیں کرسکتا) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ چونکہ یہ دوسرے کی قدرت سے قادر ہوتا ہے اس لئے اس پر نماز کی صحت لازم نہیں اور اگر اس نے غیر سے اصلاح لے لی تو صحیح ہے، اس میں مکمل غور کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] جدالممتار علٰی ردالمحتار باب صلٰوۃ المریض المجمع الاسلامی مبارک پور ۱/ ۳۵۴

مسئلہ ۱۲۴۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وتروں میں رکعتِ ثالث میں امام بجائے قنوت پڑھنے کے تکبیر قنوت کہہ کر رکوع کو چلاگیااور مقتدیان کی تکبیر کہنے سے واپس ہو کر قنوت پڑھااور پھر دوبارہ رکوع کیااور سجدہ سہو کیا نماز ادا ہو گئی یا وتر فاسد ہوئے رکوع میں پورا جھک گیا تھاجب قنوت کی طرف رجوع کی۔ بینواتوجروا

الجواب: جو شخص قنوت بھول کر رکوع میں چلاجائے اسے جائز نہیں کہ پھر قنوت کی طرف پلٹے بلکہ حکم ہے کہ نماز ختم کرکے اخیر میں سجدہ سہو کرلے پھر اگر کسی نے اس حکم کاخلاف کیاتو بعض ائمہ کے نزدیک اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور اصح یہ ہے کہ براکیا گنہگار ہوامگر نماز نہ جائے گی۔ ردالمحتار میں بتتغی سے ہے:

لوسها عن القنوت فركع فانه لوعاد وقنت لاتفسد على الاصح [1] اھ وفيه عن الفتح فی مسئله العود الى التشهد بعد القيام للثالثة لايحل ولكنه بالصحة لايخل [2] اھ	اگر قنوت بھول گئی اور رکوع کیااب اگر لوٹ کر قنوت پڑھی تو اصح قول کے مطابق نماز فاسد نہ ہو گی اھ اور اسی میں مسئلہ تیسری رکعت کی طرف قیام کے بعد تشہد کی طرف لوٹنا کے تحت ہے کہ یہ جائز نہیں البتہ صحت نماز میں مخل نہیں اھ (ت)

بہر حال اس عود کو جائز کوئی نہیں بتاتا تو جن مقتدیوں نے اسے اس عود ناجائز کی طرف بلانے کے لئے تکبیر کہی ان کی نماز فاسد ہوئی امام ان کے کہنے کی بناپر نہ لوٹتا ان کے بتائے سے اسے یاد آتا بلکہ اسے خود ہی یاد آتا اور لوٹتا اگرچہ اس کا یاد کرنا اور ان کا تکبیر کہنا برابر واقع ہوتا تو اس صورت میں مذہب اصح پر امام اور باقی مقتدیوں کی نماز ہو جاتی یعنی واجب اتر جاتا اگرچہ اس کراہت تحریم کے باعث اعادہ واجب ہوتا اب کہ وہ ان مقتدیوں کے بتانے سے پلٹا اور یہ نماز سے خارج تھے تو خود اس کی بھی نماز جاتی رہی اور اس کے سبب سب کی گئی لانہ امتثل امرھم اوتذکر بتکبیر ھم فعاد برائ نفسہ فقد تعلم ممن ھو خارج الصلوۃ کماافادہ فی البحر (کیونکہ اس نے ان کی بات مانی یا اسے ان کی تکبیر سے یاد دہانی ہوئی اور وہ اپنی رائے سے لوٹا تو اب اس نے نماز سے خارج آدمی سے سیکھا یا جانا ہے۔ جیسا کہ بحر میں اس کاافادہ کیا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۴۸: از شہر کہنہ ۱۱ جمادی الاٰخرہ ۱۳۱۷ھ

ترک آرد قعدہ اولٰی لیکن باستادن نزدیک ترشد آنگاہ	اگر پہلا قعدہ ترک کرکے تیسری رکعت کے لئے نمازی

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۱

[2] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

نشست باز باقی نماز گزارد دریں حال نماز او جائز است یا نے؟ **بینوا توجروا**	سیدھا کھڑا ہوگیا پھر واپس لوٹا اور باقی نماز ادا کی اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر کہ درفرض یا وتر قعدہ اولٰی فراموش کردہ استادہ تا تمامہ استادہ نشود بسوئے قعود رجوعش باید پس اگر ہنوز بقعود اقرب بود سجدہ سہو نیست واگر بقیام نزدیک ترشدہ باشد سجدہ سہو لازم آید تا نیم زیریں ازبدن انسان راست نشدہ است نہ نشستن نزدیک ست وچوں ایں نصف راست شدہ پشت ہنوز خمیدہ است بہ استادن قریب ست اگر بتمام راست استاد آنگاہ نشستن روانیست اگر بقعدہ اولٰی باز میگر دو گناہگار شود امار اجح آنست کہ نماز دریں صورت ہم از دست نرود سجدہ سہو واجب شود فی الدر المختار سہا عن القعود الاولی من الفرض ولو عملیا ثم تذکرہ عاد الیہ ولاسھو علیہ فی الاصح مالم یستقم قائما فی ظاھر المذھب وھو الاصح فتح، وان استقام قائما لایعود فلو عاد لا تفسد لکنہ یکون مسیئا ویسجد لتاخیر الواجب وھو الاشبہ کما حققہ الکمال وھو الحق بحر [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قولہ ولاسھو علیہ فی الاصح یعنی اذا عاد قبل ان یستتم قائما وکان	جو شخص فرض یا وتر میں پہلا قعدہ بھول کر کھڑا ہونے لگے اگر وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوا تو واپس لوٹ آئے اب اگر وہ قعود کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم نہ ہوگا اور اگر قیام کے قریب تھا تو سجدہ سہو لازم ہوگا کہ جب تک انسان کا نیچے والا حصہ سیدھا نہ ہو وہ بیٹھنے کے قریب ہوتا ہے اور اگر نیچے والا نصف حصہ سیدھا ہو جائے خواہ ابھی پشت ٹیڑھی ہو وہ کھڑا ہونے کے قریب ہوگا، اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اب بیٹھنا جائز نہیں، اب اگر پہلے قعدے کی طرف لوٹ آتا ہے تو گنہگار ہوگا، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز ختم نہ ہوئی اس پر سجدہ سہو لازم ہوگا، درمختار میں ہے اگر فرض (اگرچہ عملی ہوں) کے پہلے قعدے کو بھول گیا پھر اسے یاد آیا اور لوٹ آیا تو اب اصح قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں بشرطیکہ وہ سیدھا کھڑا نہ ہوا یہی ظاہر مذہب ہے اور یہی اصح ہے فتح۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہوگیا تو نہ لوٹے اگر لوٹ آیا تو نماز فاسد نہ ہوگی لیکن گناہگار ہوگا اور تاخیر واجب کی وجہ سے سجدہ کرے اور یہی مختار ہے جیسا کہ اس کی تحقیق کمال نے کی ہے اور یہی حق ہے بحر اھ مختصر۔ رد المحتار میں ہے قولہ اصح

[1] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۰۲

الی القعود اقرب فانه لاسجود علیه فی الاصح وعلیه الاکثر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قول کے مطابق اس پر سجدہ سہو نہیں یعنی جب کہ وہ سیدھا کھڑے ہونے سے پہلے لوٹا حالانکہ وہ قعود کے قریب تھا تو اب اس پر اصح قول کے مطابق سجدہ نہیں اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب سجود التلاوۃ

(سجدۂ تلاوت کا بیان)

مسئلہ ۱۲۴۹: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ جناب سید محمد ابراہیم صاحب ہشتم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر کتب نظم ونثر میں آیات سجدہ لکھی ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے آیا سجدہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ جیسے منقبت میں جناب مولوی عبدالقادر صاحب خصصم اللہ بالمواہب کا شعر ہے:

راہ حق میں کردیا سجدہ میں قربان اپنا سر
ایسی واسجد واقترب کی کس نے کی تفسیر ہے

بینوا توجروا۔

الجواب:

وجوب سجدہ تلاوت، تلاوت کلمات معینہ قرآن مجید سے منوط ہے۔ وہ کلمات جب تلاوت کئے جائیں گے سجدہ تالی وسامع پر واجب ہوگا کسی نظم یا نثر کے ضمن میں آنے سے غایت یہ ہے کہ اول وآخر کچھ غیر عبارت مذکور ہوئی جسے ایجاب سجدہ میں دخل نہ تھا، نہ یہ کہ حکم سجدہ کی رافع ومزیل ہو اُس کا ہونا نہ ہونا برابر ہوا جس طرح حرف اسی قدر کلمات تلاوت کریں اور اول وآخر کچھ نہ کہیں سجدہ تلاوت واجب ہوگا، ایسے ہی یہاں بھی کہ جس عبارت کا عدم وجود یکساں ہے وہ نظر سے ساقط اور حکم سکوت میں ہے **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ نہایت واضح ہے۔ت) ہاں قابل غور یہ بات ہے کہ سجدہ تلاوت کس قدر قرأت سے ہوتا ہے اصل مذہب وظاہر الروایہ میں ہے کہ ساری آیت بتمامہا اس کا سبب ہے یہاں تک کہ اگر ایک حرف باقی رہ جائے گا سجدہ نہ آئے گا مثلاً اگر حج میں الم تر ان اللہ سے ان اللہ

یفعل ماتک پڑھ گیا سجدہ نہ ہوا جب تک یشاء بھی نہ پڑھے، اور یہی مذہب آثار صحابہ عظام وتابعین کرام سے مستفاد اور ایسا ہی امام مالک وامام شافعی وغیرہما ائمہ کا ارشاد بلکہ ائمہ متقدین سے اس بارے میں اصلاً خلاف معلوم نہیں کتب اصحاب سے متون کہ نقل مذہب کے لئے موضوع ہیں قاطبۃً اسی طرف گئے اور دلائل وکلمات عامہ شروح کہ تحقیق وتنقیح کی متکفل ہیں اسی پر مبنی ومتبنی ہوئے اور اکابر اصحاب فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ۱وقایہ و ۲نقایہ و ۳ملتقی الابحر میں ہے: تجب علی من تلا آیۃ [1]۔ (سجدہ آیت کی تلاوت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ت) ۴کنز و ۵وافی میں ہے: تجب باربع عشر آیۃ [2] (سجدہ تلاوت چودہ ۱۴ آیات کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ت) ۶تنویر میں ہے: تجب سبب تلاوۃ آیۃ [3] (سجدہ آیات کی تلاوت کی وجہ سے واجب ہوجاتا ہے۔ت) ۷غنیہ میں ہے:

اذاقرأ اٰیۃ السجدۃ یجب علیہ ان یسجد [4] اھ ملخصاً	جب کسی نے آیت سجدہ پڑھی تو اس پر سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے اھ ملخصاً (ت)

۸خانیہ میں ہے:

سجدۃ التلاوۃ تجب علی من تجب علیہ الصلوۃ اذا قرأ السجدۃ اوسمعہا [5]۔	سجدہ تلاوت اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس پر نماز واجب ہے جبکہ اس نے آیت سجدہ پڑھی یا سنی۔ (ت)

۹برجندی شرح نقایہ ۱۰فتاوٰی ظہیریہ امام ظہیر الملۃ والدین مرغینانی سے ہے:

المراد بالاٰیۃ اٰیۃ تامۃ حتی لوقرأ اٰیۃ السجدۃ کلہا الا الحرف الذی فی اٰخرہا لا یسجد [6] الخ	آیت سے مراد پوری آیت ہے حتی کہ کسی نے آیت پڑھی مگر اس کا آخری حرف نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہیں الخ (ت)

۱۱ہدایہ میں ہے:

موضع السجدۃ فی حم السجدہ عند قولہ تعالٰی لایسأمون فی قول عمر رضی اللہ تعالٰی	حم السجدۃ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فرمان کے مطابق لایسأمون پر سجدہ ہے۔ احتیاط کی

---

[1] شرح الوقایۃ باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲۲۹/۱

[2] کنز الدقائق باب سجود التلاوۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۵/۱

[3] درمختار، باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۴/۱

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۹۸

[5] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی قرأۃ القرآن خطأً مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۷۵/۱

[6] شرح نقایہ برجندی، فصل فی سجدۃ التلاوۃ، مطبوعہ نولکشور، ۱۵۵/۱

عنہ وھو الماخوذ للاحتیاط[1]۔	بناء پر اسی پر عمل ہے۔ (ت)

۲؎ فتح القدیر میں ہے:

وجھہ انہ ان کان السجود عند تعبدون لایضرہ التاخیر الی الاٰیۃ بعدہ وان کان عند لایسامون o لم یکن السجود قبل مجزئا۔[2]	اس کی وجہ یہ ہے اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہو جاتا ہے تو اس کے بعد آیت اسے نقصان دہ نہیں اور اگر سجدہ لایسأمون پر ہو تو اب پہلے ہونے کی وجہ سے کافی نہ ہوگا۔ (ت) (۲)

۳؎ کافی میں ہے:

موضع السجدۃ فی حم عند قولہ لایسأمون وھو مذھب ابن عباس وقال الشافعی عند قولہ ان کنتم ایاہ تعبدونoوھو مذھب علی رضی اللہ تعالٰی عنھم لان الامر بالسجود فیھا والاحتیاط فیما قلنا لیخرج عن الواجب بیقین فانھا ان کانت عند الاٰیۃ الثانیۃ والسجود قبلھا غیر جائز فلو سجد عند تعبدونoلایخرج عن العھدۃ الخ[3]	سورہ حم میں سجدہ لایسأمون کے الفاظ پر ہے اور یہ حضرت ابن عباس کا مذہب ہے امام شافعی کے مطابق سجدہ ان کنتم ایاہ تعبدون کے الفاظ پر ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے کیونکہ سجدہ کا حکم اسی میں ہے، اور احتیاط ہمارے قول میں ہے تاکہ مکلّف سے واجب کی ادائیگی بالیقین ہوجائے کیونکہ اگر سجدہ دوسری آیت پر ہے تو اس سے پہلے سجدہ جائز نہیں لہٰذا اگر سجدہ تعبدون پر کیا تو مکلّف اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآنہ ہوگا الخ (ت)

۴؎ ردالمحتار میں ۵؎ امداد الفتاح اُس میں ۶؎ بحر الرائق اُس میں ۷؎ بدائع سے ہے:

رجحنا الاول للاحتیاط عند اختلاف مذاھب الصحابۃ لانھا لو وجبت عند تعبدون oفالتاخیر الی لایسأمونoلایضر بخلاف العکس	ہم نے صحابہ میں اختلاف کی وجہ سے احتیاطًا پہلے کو ترجیح دی ہے کیونکہ اگر سجدہ تعبدون پر لازم ہو تو لاسیأمون تک تاخیر نقصان دہ نہیں اور اس کے عکس میں نقصان ہے کیونکہ ایسی صورت میں وجوب

[1] الہدایہ فصل فی سجدۃ التلاوۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۳

[2] فتح القدیر فصل فی سجدۃ التلاوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۶۵

[3] کافی شرح وافی

لانھا تکون قبل وجود سبب الوجوب[1] الخ	سب سے پہلے ہوگا۔ الخ (ت)

اسی طرح شرح وقایہ ومجمع الانہر و مستخلص وغیرہا میں ہے:

فقد نصوا علی ان سبب الوجوب الاٰیۃ بتمامھا حتی جعلوا التقدیم علیھا کتقدیم الصلوۃ علی وقتھا۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وجوب سجدہ کا سبب پوری آیت ہوتی ہے حتی کہ پوری آیت سے پہلے سجدہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے نماز وقت سے پہلے ادا کرلی ہو۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

سجدۃ التلاوۃ واجبۃ فی الاعراف عقب اٰخرھا وفی الرعد عقب قولہ وظلالھم بالغدو والاٰصال۝ وفی النحل عقب قولہ ویفعلون مایؤمرون۝ وفی بنی اسرائیل عقب قولہ ویزیدھم خشوعا۝ وفی مریم عقب قولہ خروا سجدا وبکیا۝ وفی الحج عقب قولہ ان اللہ یفعل مایشاء۝ وفی الفرقان عقب قولہ وزادھم نفورا۝ وفی النمل عقب قولہ ویعلم ما تخفون وما تعلنون۝ وھو معز والی اکثر الفقہاء وقال مالك عند قولہ رب العرش العظیم ووذکر النووی انہ الصوب وانہ مذھب الشافعی کما صرحت بہ اصحابہ وفی الم السجدۃ عقب قولہ وھم لا یستکبرون۝ وفی ص عقب قولہ واناب۝ وفی قولہ عند المالکیۃ وھو روایۃ عن مالك عقب	سجدہ تلاوت اعراف میں آخری آیت کے بعد ہے رعد میں ظلالھم بالغدو الاٰصال کے بعد ہے۔ نحل میں ویفعلون ما یومرون پر، بنی اسرائیل میں ویزیدھم خشوعا پر، مریم میں خرواسجدہ وبکیا پر، حج میں ان اللہ یفعل مایشاء پر، فرقان میں وزادھم نفورا کے بعد، نمل میں ویعلم ماتخفون وماتعلنون پر، اور یہ اکثر فقہاء کی طرف منسوب ہے امام مالک رب العرش العظیم پر سجدہ کے قائل ہیں امام نووی نے کہا یہی صواب اور مذہب شافعی ہے جیسا کہ ان کے اصحاب نے تصریح کی ہے۔ الم السجدۃ میں وھم لایستکبیرون پر، ص میں واناب کے بعد، اور مالکیہ کے نزدیک ماٰب کے بعد، اور یہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵

مآب وفی حم السجدة عقب قوله والایسأمون ومشهور مذهب مالك عقب تعبدون وفی النجم عقب اٰخرها و فی الانشقاق عقب قوله لا یسجدون مشهور مذهب مالك عقب اٰخرها وفی العلق عقب اٰخرها ثم لم یحك عن احد ممن قال بالسجود فی هذاالمواضع الاربعة عشرخلاف فی شیئ من محالها المذکورة فیما عداالمواضع الاربعة التی بینت الخلاف فیها نعم فی ذخیرةالذکر فی الرقیات الخ وذکر ههنا روایة غریبة عن الامام محمد رحمة الله تعالٰی اھ ملتقطا[1]	حم السجدۃ میں ولایسأمون کے بعد، اور مذہب مالک میں مشہور تعبدون کے بعد ہے، النجم میں آخری آیت کے بعد، انشقاق میں لایسجدون کے بعد، اور مذہب مالک مشہور اس کی آخری آیت پر، علق میں آخری آیت کے بعد لازم ہے، ان چودہ مقامات میں کوئی اختلاف مروی نہیں ماسوائے ان چار مقامات کے جن میں اختلاف ذکر کردیاگیا ہے، ہاں ذخیرہ میں ہے کہ الرقیات میں ہے الخ اور وہاں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت غریبہ ذکر کی گئی ہے اھ ملتقطا (ت)
اقول: فانظر الی قوله واجبة عقب کذا وعقب کذا فان عقب ظرف للوجوب فلا وجوب قبل تمام الاٰیة وانظرع ماذکر من اقوال المالکیة والشافعة تستقید بها انهم ایضا معنا فی ذلك ثم النظر الی قوله لم یحك من احد الخ تشعربه ان لاخلاف فهی لائمه السلف اللهم الاروایة نادرة عن امامنا الثالث رحمه الله تعالٰی۔	**اقول:** آپ نے انکے الفاظ فلاں لفظ کے بعد فلاں کے بعد واجب ہے، ملاحظہ کئے، لفظ عقب وجوب کے لئے جگہ کا بیان ہے پس تمام آیت سے پہلے سجدہ کا وجوب نہ ہوگا، مالکیہ اور شوافع جو اقوال ذکر کرتے ہیں انھیں دیکھیں ان سے مستفاد کہ اس معاملہ میں ہمارے ساتھ ہیں پھر یہ الفاظ دیکھو کہ کسی سے اختلاف مروی نہیں الخ جس سے واضح ہورہاہے کہ ائمہ سلف کو اس میں کوئی اختلاف نہیں مگر وہ روایت جو ہمائے تیسرے امام رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔ (ت)

اسی طرح شرح معانی الآثار امام طحطاوی میں تصریح فرمائی کہ اواخرِ آیات موضع سجود ہے اور رحم السجدہ میں اختلاف محل یوں نقل کیا:

[1] حلیۃ المحل یشرح منیۃ المصلی

قال بعضهم موضعه تعبدون ہ وقال بعضهم موضعه لا یسأمون ہ وکان ابوحنیفة و ابویوسف ومحمد یذهبون الی المذهب الاخیر واختلف المقتدمون فی ذلك[1]۔ ثم اسند عن ابن عباس وابی وائل وابن سیرین ومجاهد وقتادة مثل مذهب اصحابنا وعن ابن مسعود وابن عمر مثل مذهب المالکیة واسند عن مجاهد قال سألت ابن عباس ون السجدة التی فی حم قال اسجد بأخر الأیتین[2] اھ **قلت** والباء للسببیة ثم اخرج عنه بطریق اخر قال سجدہ رجل فی الأیة الالی من حم فقال ابن عباس عجل هذا بالسجود[3]۔	بعض نے فرمایا کہ سجدہ کامقام تعبدون ہے ، بعض نے فرمایا لایسأمون ہے، امام ابو حنیفہ ، امام ابویوسف اور امام محمد تینوں آخری کی طرف گئے ہیں، مقتدین نے اس میں اختلاف کیا ہے پھر انھوں نے سنداً بتایا کہ ابن عباس ، ابو وائل، ابن سیرین، مجاہد اور قتادہ کامذہب ہمارے اصحاب کی طرح ہے ابن مسعود اور ابن عمر کا مسلک مالکیہ والا ہے، اور مجاہد سے سنداً بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حم میں سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا دونوں آیات کے آخر میں سجدہ کرو اھ۔ **قلت**: (میں کہتاہوں کہ) باء سببیہ ہے پھر دوسری سند سے ابن عباس سے روایت کیاایک آدمی نے حم کی پہلی آیت پر سجدہ کیااس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: سجدہ میں جلدی کردی۔(ت)

پھر فرمایا:

فکانت هذه السجدة التی فی حم مماقد اتفق علیه واختلف فی موضعها وما ذکرنا قبل هذامن السجود فی السور الاخر فقد اتفقواق علیها وعلی مواضعها التی ذکرناها[4] الخ	حم کے سجدہ پر اتفاق ہے لیکن اس کے مقام میں اختلاف ہے اور جواس سے پہلے سورتوں کے آخر میں سجدوں کا ذکر آیاان پر اوران کے مذکور مقامات پر اتفاق ہے الخ (ت)

امام احمد قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

لو سجد قبل تمام الأیة ولو بحرف لم یصح	اگر کسی نے آیت سے ایک حرف بھی پہلے سجدہ کیا

---

[1] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی المفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[2] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی المفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[3] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی المفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

[4] شرح معانی الآثار باب سجود التلاوۃ فی المفصل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۷

لان وقتها انما یدخل بتمامها [1]۔	تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس کو وقت تمام آیت پر شروع ہوتا ہے(ت)

اس مذہب جلیل الشان مشید الارکان پر شعر مذکور کے پڑھنے سننے سے سجدہ نہیں آسکتا کہ اس میں آیت سجدہ بتمامہا نہیں، اسی طرح ہر وہ نظم جس میں پوری آیت سجدہ نہ ہو، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ قرات و سماعت نظم مطلقاً موجب سجدہ نہیں کہ آیات چار دوگانہ عـــہ سے کوئی آیت وزن عروضی کی مساعدت نہیں فرماتی جسے نظم میں لانا چاہیں گے یا پوری نہ آئے گی یا ترتیب کلمات بدل جائے گی بہر حال آیت بحالہا باقی نہ رہے گی،

اللھم الاٰیتی النجم والعن فلعل الوزن یسعھما فی بعض الشطور النادرۃ اوالزحافات البعیدۃ اولابنیۃ الغریبۃ ولو بضم بعض الکمات فی الاول اولاخر فلیعمل الفکر۔	ہاں، صرف سورہ نجم اور علق کی دو آیتوں میں وزن شعری کی گنجائش شاید بعض نادر وجوہ اور بعید تبدیلیوں اور اجنبی وزنوں میں وہ بھی اول یا آخر میں بعض کلمات ملانے کی وجہ سے پیدا ہوجائے، لہذا غور وفکر کو عمل میں لانا چاہئے۔(ت)

ہاں بعض علمائے متاخرین کا یہ مذہب ہے کہ آیت سجدہ سے سرف کو کلمے پڑھنا موجب سجدہ ہے جن میں ایک وہ لفظ جس میں ذکر سجود ہے جیسے آیت سوال میں لفظ واسجد اور دوسرا اُس کے قبل یا بعد کا جیسے اُس میں واقترب۰ یہ مذہب اگرچہ ظاہر الروایہ بلکہ روایات نوادر سے بھی جدا، اور مسلک ائمہ سلف وتصریح وتلویح متون وشروح کے بالکل خلاف ہے مگر سراج وہاج وجوہرہ نیرہ ومراقی الفلاح میں اس کی تصحیح واقع ہوئی، شرح نور الایضاح میں ہے:

قراءۃ حرف السجدہ مع کلمۃ قبلہ اوبعدہ من اٰیتھا توجب السجود کالایۃ المقروءۃ بتمامھا فی الصحیح [2]۔	صحیح قول کے مطابق اگر آیت سجدہ میں صرف حرف سجدہ کو اس کے ماقبل یا مابعد کلمہ کے ساتھ پڑھ لیا تو سجدہ لازم ہوجائے گا جیسے کہ تمام آیت کی تلاوت سے لازم ہوتا ہے۔(ت)

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

فی الجوھرۃ الصحیح فادہ انہ اذاقرأ حرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ وبعد کلمۃ	جوہرہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب حرف سجدہ پڑھا اور اس کے ساتھ اس سے پہلے کا کلمہ بھی پڑھا

عـــہ: سجدے والی چودہ آیتیں۔

---

[1] ارشاد الساری شرح البخاری ابواب سجود القرآن مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱

وجب السجود والافلا[1]	توسجدہ لازم ہوگا اگر پہلے یا بعد کا کلمہ نہ پڑھا تو سجدہ لازم نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی السراج وھل تجب السجدۃ بشرط قرائۃ جمیع الآیۃ امر بعضھا فیھی اختلاف والصحیح انہ ذاقرأحرف السجدۃ وقبلہ کلمۃ او بعدہ کلمۃ وجب السجود والافلا[2]۔	سراج میں ہے کہ کیا سجدہ لازم ہونے کے لئے تمام آیت کی تلاوت ضروری ہے یا بعض کی، اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہی ہے کہ جب کسی نے حرف سجدہ کو اس سے پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھا تو سجدہ سہو لازم ہو جائے گا ورنہ نہیں، (ت)

علامہ ابن امیر الحاج نے ائمہ متقدمین کا مذہب بیان فرما کر روایت نادرہ رقیات ذکر کی جس کی نسبت فرمایا:

ذکر فی تتمۃ الفتاوی الصغری ان الفقیہ اباجعفر ذکرہ فی غریب الروایۃ عن محمد[3]۔	فتاوٰی صغرٰی کے تتمہ میں ہے کہ فقیہ ابو جعفر نے امام محمد سے ایک غریب روایت کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

وقال الفقیہ ابوجعفر اذاقرأ حرف السجدۃ ومعھا غیرھا قبلھا اوبعدھا امر بالسجود وسجدوان کان دون ذلك لایسجد[4]۔	فقیہ ابو جعفر نے فرمایا اگر کسی نے حرف سجدہ کو پڑھا اور غیر یعنی ماقبل اور مابعد کو بھی پڑھا تو اسے سجدہ کا حکم دیا جائے گا اور وہ سجدہ کرے اور اس کے بغیر پڑھا تو سجدہ تلاوت لازم نہ ہوگا (ت)

اس سے ظاہر کہ یہ مذہب صرف فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا ہے ائمہ سے نوادر میں بھی منقول نہیں۔اقول رہیں تصحیحیں وہ تعدد کتب سے متکثر نہیں ہوتیں کہ جسے منصب اجتہاد فتوٰی نہیں اس کا ھو الصحیح (یہی صحیح ہے۔ت) کہنا نقل محض و تقلید مجرد ہے، پھر خادم فقہ جانتا ہے کہ اجماع متون کی شان عظیم ہے خصوصًا جبکہ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۱

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۵

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

جماہیر شراح وکبرٰی فتاوٰی بھی ان کے ساتھ ہوں یہاں تک بعض صریح تصحیحوں کو اسی وجہ سے نہ مانا گیا کہ مخالف متون میں کما بیناہ فی کتاب النکاح من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ علی الخصوص (جیسا کہ ہم نے اس کا تفصیلی بیان '' العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ '' کے کتاب النکاح میں خصوصی طور پر کیا ہے۔ت) بلکہ وہ مذہب ائمہ مذہب سے منقول بھی نہیں صرف بعض مشائخ کا مسلک ہے اور حکم اُس قبیل سے نہیں جو اختلاف زمانہ سے بدل جائے، ایسی حالت میں اس تصحیح پر تعویل واعتماد ضروری ہونا بغاوت خیر منع وانکار میں ہے، لاجرم محقق ابن عابدین شامی نے عبارت مذکورہ سراج کے بعد حم السجدہ میں تعبدون o ولا یسامون o کا اختلاف اور اس میں ہمارے علماء کا استدلال، مذکور عن الامداد عن البحر عن البدائع نقل کرکے فرمایا:

الظاہر ان ھذا الاختلاف مبنی علی ان السبب تلاوۃ اٰیۃ تامۃ کما ھو ظاہر اطلاق لمتون وان المراد بالاٰیۃ مایشمل الاٰیۃ والاٰیتین اذاکانت الثانیۃ متعلقۃ بالاٰیۃ التی ذکر فیھا حرف السجدۃ وھذاینا فی مامرعن السراج من تصحیح وجوب السجود بقرائۃ حرف السجدۃ مع کلمۃ قبلہ اوبعدہ، لایقال مافی السراج بیان لموضع اصل الوجوب وما مرعن الامداد بیان لموضع وجوب الاداء اوبیان لموضع السنۃ فیہ لانا نقول ان الاداء لایجب فورالقرائۃ کماسیأتی، ومامرفی ترجیح مذھبنا من قولھم لانھا تکون قبل وجود سبب الوجوب، وقد ذکر مثلہ ایضا فی الفتح وغیرہ یدل علی ان الخلاف بیننا وبین الشافعی فی موضع اصل الوجوب	ظاہر یہی ہے کہ اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ سجدہ کا سبب پوری آیت کی تلاوت ہے جیسا کہ متون کے اطلاق سے ظاہر ہے اور آیت سے مراد وہ حصہ ہے جو ایک آیت یا دو آیات پر مشتمل ہو جبکہ دوسری آیت اس پہلی سے متعلق ہو جس میں حرف سجدہ ہے لیکن یہ بات سراج کی اس سابقہ تصریح کے منافی ہے کہ حرف سجدہ کو پہلے یا بعد کے کلمہ کے ساتھ ملا کر پڑھنے سے سجدہ لازم ہوجاتا ہے (جواباً) یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سراج میں اصل وجوب کے مقام کا بیان ہے اور امداد کے حوالے سے جو گزرا اس سے مراد وجوب ادا کے مقام یا اس میں سنت طریقے کا بیان متصور ہے، اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ اداء قرات پر فی الفور لازم نہیں ہوتی جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔ ہمارے مذہب کی ترجیح میں فقہا کا جو قول گزرا کہ اختتام آیت سے قبل سجدہ سبب وجوب سے پہلے ہونا لازم آئے گا اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں جو مذکور ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ ہمارے اور شوافع کے درمیان اصل وجوب کے مقام میں اختلاف ہے،

وانه لایجب السجود فی سورة حم السجده الاعندانتهاء الاٰیة الثانیة احتیاطاً کما صرح به فی الهدایة وغیرها. لان الوجوب لایکون الابعد وجود سببه فلو سجدها بعد الاٰیة الاولی لا یکفی لانه یکون قبلك سببه ونه ظهران مافی السراج خلاف المذهب الذی مشی علیه الشراح ولمتون تامل[1] انتهی **اقول:** تاملناه فوجدناه حقا واماقولکم الظاهر ان هذا الاختلاف الخ فلیس هذا محل الظاهر بطل هوا لمتعین قطعا کما لایخفی ثم العجب من علامة الشرنبلالی حیث جزم فی متنه بما صحح السراج وعول فی شرحه علی کلام البدائع مع تنافیها صریحا وللعبد الضعیف غفرالله تعالٰی له فی تحقیق هذا الرام رسالة مستقلة الفتها بعد ورودهذ السؤال و اوضحت فیها المرام بتوفیق الملك المتعال۔	اور سورہ حم السجدہ میں وہ سجدہ احتیاط کے پیش نظر دوسری آیت کے اختتام پر لازم کرتے ہیں جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے کیونکہ وجوب اپنے سبب کے بعد ہوتا ہے اگر کسی نے پہلی آیت کے بعد سجدہ کرلیا توکافی نہیں ہوگا کیونیکہ یہ اس کے سبب سے پہلے ہوگا اور اس سے ظاہر ہوگیا کہ سراج میں جوکچھ ہے وہ اس مذہب کے خلاف ہے جس پر متون اور شروحات ہیں انتہی اقول ہم نے اس پر غور کیا تواسے حق پایا، باقی رہا معاملہ تمھارے اس قول کاکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ اختلاف الخ تو یہ محل ظاہر یہ نہیں بلکہ قطعی طور پر متعین ہے جیسا کہ واضح ہے، پھر علامہ شرنبلالی پر تعجب ہے کہ انھوں نے متن میں اس پر جزم کیا ہے جسے سراج نے صحیح قراردیا اور شرح میں کلام بدائع پر اعتماد کیا حالانکہ ان دونوں کے درمیان صراحۃً منافات ہے عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اسو سوال کے بعد اس مسئلہ کی تحقیق پر مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے مقصد کو واضح کیا ہے۔ (ت)

بالجملہ اصل مذہب معلوم ہے تاہم محل وہ ہے کہ سجود میں ضرر نہیں اور برتقدیر وجوب ترک معیوب اور صریح تصحیح جاذب قلوب، لہٰذا انسب یہی ہے کہ اسی مذہب مصحح پر کاربند ہوکر شعر مذکور کی سماعت وقرائت پر سجدہ کرلیں اسی طرح ہر نظم ونثر میں جہاں آیت سجدہ سے صرف سجدہ مع کلمہ مقارنہ پڑھا جائے سجدہ بجالائیں،

والله الموفق واعلم ان فی المسئلة ثلثة مذاهب اخراجلها مافی الرقیات وهو الوجوب باکثر الاٰیة مع حرف السجدة	اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے، واضح رہے کہ مسئلہ میں تین اور (بھی) مذاہب ہیں ان میں سے اجل وہ ہے جو رقیات میں ہے کہ اگر کسی نے حرف

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۵

مشی علیه مائنون کالتبیین والخلاصة والدرالمختار وغیرها ولکن لم یذل بالتصحیح والباقیان انزل درجة فلا یعرج علی شیئ منها فی مخالفة المتون و عامة الشروح و قد ذکرنا الکلام علی کل ذلك فی رسالتنا المذکورة بتوفیق الله سبحنه وتعالٰی۔ والله تعالٰی اعلم	سجدہ اکثر آیت کے ساتھ پڑھ لیا تو اس پر سجدہ واجب ہوجائے گا ارت اسی کو بعض ماتنین نے اختیار کیا مثلاً صاحب تبیین، خلاصہ اور درمختار وغیرہ، لیکن اس کی تصحیح نہیں کی اور بقیہ دو درجہ کے لحاظ سے اتنے نیچے ہیں کہ وہ متون اور اکثر شروحات کے مقابل نہیں آسکتے، ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس پر اپنے مذکورہ رسالے میں تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵۰: ازمارہرہ منورہ باغ پختہ مرسلہ سیّد محمد ابراہیم صاحب ۱۵ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سجدات کلام اللہ شریف وقت تلاوت معًا ادا کرے یا جس وقت چاہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

سجدہ صلوتیہ جس کا ادا کرنا نماز میں واجب ہو اس کا وجوب علی الفور ہے، یہاں تک کہ دو تین آیت سے زیادہ خیر گناہ ہے اور غیر صلوٰتیہ میں بھی افضل و اسلم یہی ہے کہ فورًا ادا کرے جبکہ کوئی عذر نہ ہو کہ اٹھار کھتے ہیں بھول پڑتی ہے وفی التاخیر اٰفات (دیر کرنے میں آفات ہیں۔ت) ولہذا علماء نے اس کی تاخیر کو مکروہِ تنزیہی فرمایا مگر ناجائز نہیں۔

فی الدرلمختار هی علی التراخی علی المختار ویکره تاخیرها تنزیها، ان لم تکم صلویة فعلی الفور لصیرورتها جزء منها فیاثم بتأخیرها [1] اھ ملخصا	درمختار میں ہے مختار یہی ہے کہ سجدہ تلاوت فی الفور لازم نہیں ہوتا اور اس کا مؤخر کرنا مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ نماز میں لازم نہ ہوا ہو، اور اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور لازم ہوگا کیونکہ اب وہ نماز کا حصّہ بن جائیگا اب اس کی تاخیر سے گناہ ہوگا اھ ملخصًا

ردالمحتار میں ہے:

تفسیر الفور عدم طول المدة بین	فی لفور کی تفسیر یہ ہے کہ تلاوت اور سجدہ کے درمیان

[1] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

التلاوۃ والسجدۃ اکثر من اٰیتین اوثلاث علی ماسیأتی حلیۃ[1] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم	دو یا تین آیات کی قرائت کی مقدار کا فاصلہ نہ ہوجائے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے حلیہ انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۱: از بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ مولوی حکیم حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول عربیہ اکبریہ ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اقراپڑھے فرضوں میں، اور ضم دوسورتوں کا آیا نہیں، اور سجدہ سورت کے آخر میں ہے، اور امام ہے اگر رکوع میں نیت کرے تو مقتدی کا سجدہ تلاوت ادانہ ہوگا، آیا یوں جائز ہوگا کہ سورت ختم کرکے سجدہ کرے؟ پھر کھڑا ہوکر رکوع کرے یا تین سجدے کرے؟ مطلع فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع اگر صورت مستفسرہ میں امام نے فورًا رکوع کیا اور رکوع میں نیتِ سجدہ تلاوت کرلی تو اس کا سجدہ وادا ہوگیا مگر جن مقتدیوں نے نیت نہ کی ان کا سجدہ ایک مذہب علماء پر ادانہ ہوگا۔

عنی عند من لا یتجزئ للمأموم بنیۃ الامام وھما قولان حکاھما القھستانی.	میری مراد وہ علماء ہیں جو امام کی نیت کو مقتدی کے لئے کافی نہیں سمجھتے، اور یہ دو قول ہیں جنھیں قہستانی نے نقل کیا ہے (ت)

نہ وہ آپ جداگانہ سجدہ کرسکیں گے للزوم خلاف الامام (کیونکہ اس میں امام کی مخالفت لازم آرہی ہے۔ت) نہ سجدہ نماز انھیں سجدہ تلاوت سے کافی ہوگا اگرچہ وہ اس میں سجدہ تلاوت کی نیت بھی کرلیں لانہ لما نواھا الامام فی رکوعہ تعین لھا افادہ[2] ح قالہ ش (کیونکہ جب امام نے اس کی ادائیگی کی رکوع میں نیت کی تو وہی اس کے لئے متعین ہوگیا اسے 'ح' نے بیان کیا اور 'ش' نے نقل کیا۔ ت) بلکہ اس کی سبیل ہوگی کہ بعد سلامِ امام سجدہ تلاوت کریں پھر یہ سجدہ رافع ہوگا کما تقرر فی مقرہ (جیسا کہ اپنے مقام پر ثابت شدہ ہے۔ت) تو فرض ہوگا کہ قعدہ کااعادہ کریں نہ کریں گے تو نماز فاسد ہوجاے گی۔

فی الدرالمختار عن القنیۃ لونواھا فی رکوعہ ولم ینوھا المؤتم لم تجزہ و	درمختار میں قنیہ سے ہے اگر امام نے سجدہ تلاوت کی نیت رکوع میں کرلی اور مقتدی نے نیت نہیں کی تو

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۶۹

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

یسجد اذا سلم الامام ویعید القعدۃ ولو ترکھا فسدت صلوتہ[1]	مقتدی کے لئے کافی نہ ہوگا، لہٰذا جب امام سلام کہے تو مقتدی سجدہ کرے اور قعدہ کو لوٹائے، اور اگر مقتدی نے سجدہ کو ترک کردیا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

جب یہ دقتیں ہیں تو ایسی حالت خصوصًا اس زمانہ جہالت میں رکوع نماز سجدہ تلاوت ادا کرلینا مقتدیوں کو فتنے میں ڈالنا ہے لہٰذا امام کو اس سے بچنا چاہئے۔

فی ردالمحتار ینبغی للامام ان لاینوبھا فی الرکوع[2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ امام کا رکوع میں سجدہ (تلاوت) کی نیت کرنا مناسب نہیں۔ (ت)

اور اگر یہ کرتا ہے کہ سورت ختم کرکے فورًا سجدہ تلاوت کرے اور اس کے بعد کھڑا ہوکر معًا رکوع میں سجدہ چلاجائے تو سجدہ تو سب کا ادا ہوجائے گا مگر یہ فعل مکروہ ہوگا کہ سجود تلاوت ورکوع میں فصل نہ کیا۔

فی مراقی الفلاح لورکع بمجرد قیامہ منھا کرہ[3]۔	مراقی الفلاح میں ہے کہ اگر سجدہ تلاوت کے بعد محض قیام کرکے رکوع کرلیا تو مکروہ ہوگا۔ (ت)

بس اگر تلاوت کے لئے سجدہ مستقلہ ہی کرنا چاہے تو اس کا یہ طریقہ اسلم کہ سجدہ سے اٹھ کر دوسری سورت مثلًا سور مستفسرہ میں سورہ قدر یا تلاوت والنجم میں سورۂ قمر کے اول سے تین آیتیں خواہ زیادہ پڑھ کر رکوع کرے اس میں اگرچہ ایک رکعت میں دو سورتوں سے پڑھنا ہوگا اور فرضوں میں اس کا ترک اولٰی، مگر سورتوں میں فصل نہ ہو تو مکروہ نہیں، شرح صغیر منیہ میں ہے:

لوجمع بین السورتین فی رکعۃ واحدۃ الاولٰی ان لایفعل فی الفرض ولو فعل لایکرہ الا ان یترک بینھا سورۃ او اکثر[4]۔	اگر دو سورتیں ایک رکعت میں جمع کرلیں اور بہتر یہ ہے کہ فرائض میں ایسا نہ کیا جائے اور اگر ایسا کر بھی لیا تو کراہت نہیں مگر اس صورت میں جب ان کے درمیان ایک سورۃ یا اکثر سورہوں۔ (ت)

[1] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶

[4] صغیری شرح منیۃ المصلی تتمات فیما یکرہ فعلہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۵۶

بخلاف بعد سجودہ تلاوت بلافصل رکوع میں جانے کے کہ یہ مکروہ ہے کما قدمنا (جیسا کہ ہم نے پیچھے بیان کردیا۔ت) تو اس کے دفع کراسے گوارا کیا جائے گا۔ مراقی الفلاح میں ہے:

اذاکانت اٰخر تلاوتہ ینبغی ان یقول أولو اٰیتین من سورۃ اخری بعد قیامہ منہا حتی لایصیر بانیا للرکوع علی السجود[1]۔	جب یہ آخری تلاوت ہو تو سجدہ تلاوت سے قیام کے بعد قراءت مناسب ہے اگرچہ وہ کسی دوسری سورت کی آیات ہوں تاکہ رکوع کی سجدہ پر بنا رکھنے والا نہ ہوجائے۔(ت)

ایک طریقہ تو یہ تھا اور ان سب سے بہتر وخوشتر اور ہر خدشہ سے سالم ومحفوظ تر یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں تلاوت کے لئے مستقل سجدہ اصلًا نہ کرے بلکہ آیت سجدہ پڑھتے ہی معًا نماز کا رکوع بجالائے اور اس میں نیتِ سجدہ نہ کرے پھر قومہ کے بعد فورًا نماز کے سجدہ اولٰی میں جائے اور اس میں نیت سجدہ کرے اب نہ کوئی قباحت یا کراہت یا تفویت فضیلت لازم ہوئی نہ مقتدیوں پر کچھ دقت آئی اگرچہ انھوں نے کہیں نیت سجدہ تلاوت کی نہ کی ہو کہ سجدہ نماز جب فی الفور کیا جائے تو اس سے سجدہ تلاوت خود بخود ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ ہو۔

فی ردالمحتار لو رکع وسجد لھا ای للصلٰوۃ فورا ناب ای سجود المقتدی عن سجود التلاوۃ بلانیۃ تبعا لسجود امامہ لما مر انفا انھا تودّی بسجود الصلوۃ فورًا وان لم ینو[2]۔	ردالمحتار میں ہے اگر امام نے نماز کا رکوع اور سجدہ فورًا کرلیا تو مقتدی کا سجدہ تلاوت بلانیت امام کی اتباع میں سجدہ کے ساتھ ادا ہوجائے گا جیسا کہ ابھی پیچھے گزرا کہ سجدہ تلاوت فورًا سجدہ نماز سے ادا ہوجاتا ہے اگرچہ نیت نہ کی ہو۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ اس محمود ومحفوظ صورت میں اگر خود امام بھی اصلًا نیت سجدہ تلاوت نہ کرے تاہم سب کا سجدہ ادا ہوجائے گا اور امام ومقتدی ہر وقت سے امان میں رہیں گے بلکہ ہمارے علماء بحالت کثرت جماعت یا اخفائے قراءت اسی طریقہ کو مطلقًا افضل ٹھہراتے ہیں کہ آیت سجدہ پڑھ کر فورًا نماز کے رکوع وسجود کرلے تاکہ تلاوت کے لئے جدا سجدے کی حاجت نہ پڑے جس کے باعث جہال کو اکثر التباس ہوجاتا ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے،

ینبغی ذلك للامام مع کثرۃ القوم اوحال المخالفۃ حتی لایؤدی الی التخلیط[3]۔	لوگوں کی کثرت اور مخالفتِ حال میں امام کے لئے یہی مناسب ہے تاکہ اختلاط کا سبب نہ بنے۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶۴

[2] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۶۴

علامہ طحطاوی اُس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ای ولا یجعل لها رکوعا وسجودا مستقلا خوف الفساد من غیرہ[1]۔	یعنی امام سجدہ تلاوت کے لئے مستقل رکوع و سجود نہ کرے کیونکہ دوسروں کی نماز میں فساد آئے گا۔ (ت)

میں کہتا ہوں کثرت جماعت کی قید اس نظر سے ہے کہ جب ہجوم ہوگا تو عوام بھی ضرور ہوں گے، اب ہمارے زمانہ میں کہ عام لوگ عوام ہی عوام ہیں کثرت و قلّت سب یکساں، تو سجود مستقل سے مطلقاً یہی صورت انسب واولیٰ، مگر یہ کہ امام جانتا ہو کہ اس وقت میرے پیچھے صرف وہی لوگ ہیں جو دینی مسائل کا علم رکھتے ہیں لیکن اس قدر ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ صورت اسی حالت میں بن پڑے گی کہ آیت سجدہ کے بعد رکوع و سجود نماز میں دیر نہ کی فوراً بجالایا ورنہ اگر آیت سجدہ پڑھ کر تین چار آیتیں اور پڑھ لیں تو اب سجدہ تلاوت ہر گز بے خاص مستقل سجدے ہی کے ادا نہ ہوگا اور تاخیر کا گناہ ہوا وہ علاوہ، درمختار میں ہے:

ان لم تکن صلویة فعلی الفور لصیرورتها جزء منها فیأثم بتاخیرها[2]۔	نماز میں لازم آنے والا سجدہ اگر علیحدہ نہ کیا تو فی الفور رکوع وسجدہ کرے کیونکہ یہ سجدہ جزء نماز ہونے کی وجہ سے فی الفور واجب ہوتا ہے تاخیر کی وجہ سے آدمی گنہ گار ہوتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو انقطع الفور لا بدلها من سجود خاص بها مادام فی حرمة الصلٰوة وعلله فی البدائع بانها صارت دینا والدین یقضی بماله لا بما علیه والرکوع والسجود علیه فلا یتأدی به الدین[3] اھ	اگر فی الفور نہ ہوا تو الگ سجدہ تلاوت کرنا لازم ہوگا جب تک نمازی حرمت نماز میں ہے اور اس کی علت بدائع میں بیان ہوئی ہے کہ سجدہ تلاوت قرض ہے اور قرض اس سے ادا ہوگا جو اس کا اپنا حق ہے، نہ کہ اس سے جو اس پر لازم ہے اور رکوع و سجود تو نمازی پر لازم لہٰذا ان سے دین کیسے ادا ہو سکتا ہے اھ (ت)

اسی میں ہے:

ان فات الفور لا یصح ان یرکع لها ولو	اگر فی الفور سجدہ تلاوت نہ ہو سکا تو اب حرمت نماز میں رہتے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجود التلاوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۶۴

[2] درمختار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[3] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۱

فی حرمة الصلوۃ بدائع ای فلا بدمن سجود خاص بھا[1] الخ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہوئے بھی اس کے لئے رکوع نہیں کیا جاسکتا بدائع، یعنی اب اس کے لئے الگ مستقل سجدہ کرنا ہوگا الخ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۲: مسئلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلی (سوال منظوم)

عالمانِ شرح سے ہے اس طرح میرا سوال — دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوشخصال
گر کسی نے ترجمہ سجدہ آیت کی پڑھا — تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہوا
اور ہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے — جسے پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب! چاہئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

الجواب منظوم

ترجمہ بھی اصلی یہاں ہے وجہ سجدہ بالیقین — فرق یہ ہے فہم معنی اس میں شرط اس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہ ہے سجدہ کی جا — اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے — نظم و معنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تاکہ من وجہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو — ورنہ اک موج ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بہ یفتٰی علیہ الاعتِمَاد — شامی از فیض و نہر واللہ اعلم بالرشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی — صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت — فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں — جز ادا یا توبہ دقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ جائز ہے یا بیکار ہے — آخر اک نیکی ہے نیکی ماحی اوزار ہے
قُلْتُه. اَخْذًا مِّنَ التَّعْلِيْلِ فِيْ اَمْرِ الصَّلٰوة — وَهُوَ بَحْثٌ ظَاهِرٌ وَالْعِلْمُ حَقًّا لِلْإِلٰه

مسئلہ ۱۲۵۳تا۱۲۵۴: امانت علی شاہ قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷رمضان شریف ۱۳۳۱ھ

(۱) اگر بے وضو تلاوت میں لفظ سجدہ آجائے تو بعد کو سجدہ کس طرح کرے؟ کیا بعد کو سجدہ کی نیت کرنا ہوگی یا اور کسی طرح سے؟ بینوا توجروا

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۷۰

(۲) اگر باوضو مصلے پر تلاوت کرتا ہو اور کلام مجید سامنے رکھا ہو اُس وقت لفظ سجدہ آئے تو کلام مجید علیحدہ رکھ کر سجدہ کرنا چاہئے یا اور کسی طرح سے، اور اگر علیحدہ رکھا جائے تو بند کرکے یا کھلا ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بعد کو بھی سجدہ اسی طرح کرنا ہوگا جیسا اس وقت کیا جاتا، یہ نیت ہر وقت کرنی ہوتی ہے کہ تلاوت کے سبب جو سجدہ مجھ پر واجب ہوا اُسے ادا کرتا ہوں، یہ سمجھ کر **اللہ اکبر** کہتا ہوا کھڑے سے سجدہ میں جائے پھر **اللہ اکبر** کہہ کر سجدہ سے سر اٹھائے، اس کے سوا اور کوئی نیت زبان سے نہیں کہی جاتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اس کے لئے کوئی خاص حکم نہیں جو آسان ہو اور قرآن عظیم کے ادب کا لحاظ ضرور ہے اور سجدہ میں اس کا سامنے ہونا کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵۵: ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر تراویح پڑھنے میں مقام سجدہ آگیا تو کیا امام سجدہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تراویح خواہ کسی نماز میں اگر آیت سجدہ پڑھے تو فوراً سجدہ واجب ہے تین آیت سے زیادہ دیر لگانہ گناہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب صلٰوۃ المسافر

(مسافر کی نماز کا بیان)

مسئلہ ۱۲۵۶: خلیل پور تحصیل گنور اسٹیشن ببرالہ لشکر سید محمد حسن صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

بندہ نے بتقریب ملازمت انگریزی دورہ شروع کیا ہے دو ۲ ماہ دورہ ہوگا، اور اصلی مقام سے ۳۴ کوس کے فاصلہ تک جانے کا ارادہ ہے لیکن اب تک ۳۰ کوس سے کم فاصلہ پر رہا اور ہمیشہ درمیان میں مقام اصلی کی واپسی کا ارادہ رہا اور واپس ہوتا رہا، اب اصلی مقام سے چل کر ریل کی سواری میں ۳۰ کوس سے زیادہ پہنچنے کا ارادہ ہے اور دورہ کے طور پر کہیں دو روز کہیں چار روز ٹھہرنا ہوگا ایسی حالت میں باعتبار مسافت سفر نماز میں قصر کرنا چاہئے یا اہل خبا کی طرح پوری نماز پڑھنا چاہئے، جناب دورہ وغیرہ کے حال سے واقف ہیں اگر سوال میں کچھ اجمال اطلاق رہا ہو تو اس کو جواب میں رفع فرمادیں اور مفصل عام فہم جواب بواپسی ڈاک ارشاد ہو منزل دس ۱۰ کوس کی شمار ہوتی ہے یا نہیں بارہ ۱۲ کوس کی اب تک جو پوری نماز پڑھی یہ صحیح کیا یا غلط؟ والسلام خیر ختام

الجواب:

دورہ غالباً جس طور پر ہوتا ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس کوس نیت سے چلتے اور ایک جگہ پہنچ کر پھر دوسرے کو روانہ ہوتے ہیں یہ حالت سفر نہیں اگرچہ اس میں سو کوس کا فاصلہ ہو جاتے، یونہی اگر اُس موضع بعید سے واپسی بھی اسی طریق دورہ ہو کہ یکے بعد دیگرے قریب قریب مقامات کے قصد سے چلتے ہوئے محل اقامت کے نزدیک آکر پلٹ آئیں تو اس رجوع میں بھی قصر نہیں، ہاں اگر جانے خواہ آنے کیسی محل اقامت بالخصوص ایسی جگہ

کے عزم پر چلیں جو وہاں سے مدّت سفر پر ہو تو سفر متحقق اور قصر واجب ہوگا اسی طرح اگر دورہ کسی ایسے مقام پر ختم ہوا جہاں سے محلِ اقامت تین منزل ہے اب بخطِ مستقیم وہاں کو پلٹے تو بھی وہاں سے یہاں تک حالت سفر ہے، فتح القدیر میں ہے:

الخلیفة ان کان انما قصد الطواف فی ولایته فالاظهر انه حینئذ غیر مسافر حتی لایقصر الصلوة فی طوافه کالسائح [1] اھ ملخصا ذکرہ فی باب الجمعة مسئلة تمصر منی فی الموسم۔	حاکمِ وقت اپنی مملکت میں دورہ کرنے کی نیت سے سفر کرے تو وہ مسافر نہ ہوگا حتی کہ وہ سیاحت کرنے والے کی طرح نماز میں قصر نہیں کرسکتا اھ ملخصا، اے صاحبِ فتح القدیر نے باب الجمعہ مسئلہ "منٰی موسم حج میں شہر بن جاتا ہے" کے تحت ذکر کیا ہے (ت)

اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

الخلیفة اذا سافر یقصر الصلوة الا اذا طاف فی ولایته [2]۔	حاکم جب سفر کرے تو وہ قصر کرے گا مگر اس صورت میں جب وہ دورہ کررہا ہو تو پھر قصر نہیں کرسکتا (ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

خرج الامیر مع الجیش الطلب العدو لایقصر وان طال سیره وکذا اذا خرج لقصد مصردون مدة سفر ثم منه الی اٰخر کذلك لعدم نیة السفر [3]۔	امیر لشکر کے ساتھ دشمن کی طلب کے لئے نکلا تو قصر نہ کرے اگرچہ اس کا سفر کتنا ہی طویل ہو اور اس طرح اس صورت میں بھی قصر نہیں، جب وہ مدت سفر سے شہر کے ارادے سے نکلا پھر وہاں سے درسے ایسے شہر کی طرف چلا جو مدت سفر سے کم مسافت تھا کیونکہ اس میں نیت سفر نہ تھی۔ (ت)

اسی میں ہے:

وفی الرضوع لومن مدة سفر قصروا [4]۔	اور رجوع کی صورت میں اگر مدت سفر ہے تو نماز میں قصر کرلیں (ت)

[1] فتح القدیر باب صلوۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر سندھ ۲/ ۲۶

[2] خزانۃ المفتین

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۲

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ تحقیق سفر شرعی کے لئے نہ مجرد سیر بے قصد کافی نہ تنہا قصد بے سیر بلکہ دونوں کا اجتماع ضرور کما تفیدہ الاسفار قاطبة وبینه فی خزانة المفیتن وغیرھا (جیسا کہ اس پر عبارات کتب شاہد ہیں اور اسے خزانۃ المفتین وغیرہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور قصد سے مراد فی الحال مستتبع فعل مقارن سیر ہے جسے عزم کہتے ہیں

کما یدل علیه تعبیرھم جیمعا بلفظة الحال فی حد المسافر بمن جاوز عمران موطنه قاصدا مسیرۃ ثلاثة ایام۔	جیسے کہ تمام فقہاء کا لفظ حال سے تعبیر کرنا اس پر دال ہے لہٰذا مسافر کی تعریف یوں کی گئی ہے ہر وہ شخص جو تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنی آبادی سے نکل جائے (ت)

نہ قصد فی الاستقبال کہ بالاجماع کافی نہیں

کمن خرج قاصدا قریة قریبة ومن بیته ان ینشئی بعدھا سفرا الی بعید فانه لایکون فی مسیرہ الیھا مسافر اقطعا۔	مثلاً وہ شخص جو کسی قریبی قریہ کے ارادے سے نکلا اور اس کی نیت یہ تھی کہ اس قریہ کے بعد وہ کسی بعید شہر کا سفر کرے گا تو اب وہ اس نکلنے میں قطعاً مسافر نہ ہوگا۔ (ت)

اور نیت اپنی غایت مقصودہ بالذات پر پہنچ کر منتہی ہو جاتی ہے کہ غایت ماھی غایة له (غایت جس کے لئے غایت بن رہی ہے۔ت) سے متاخر فی الوجود ہے اور حرکت کے لئے بعد وجود بقا نہیں، تو اس کے بعد اگر دوسرے مقصود کی طرف نہضت ہو تو وہ سیر آخر وقصد آخر ہے اور قبل وصول منتہی نہیں ہوتی اگرچہ سکون ونزول متخلل ہو، ولہٰذا اگر کسی منزل میں کوئی شخص ملے نازل کہے گا میں فلاں جگہ جاتا تھا کہ وہ ملا یا جاتے ہیں اس سے ملاقات ہوئی یا جاتے ہوئے راہ میں مل گیا تو وہ نہایات مختلفہ کا قصہ مقارن اول توجہ جزئی متعدد بمبدء معین ومنتہائے معین میں کہ ان کا تعین اسکے تشخص کو لازم ہے ہر گز نہ ہوگا بلکہ صرف غایت اولٰی ہی کا قصد فی الحال اور ثانیہ کا ہو تو فی المال و الاستقبال اگرچہ باعث علی الخروج لحاظ امرین ہو اس سیر خاص میں کسی طرف توجہ اور چیز اور دل میں کہیں جانے کا خیال اور چیز، ثانی قصد مستقبل کو بھی شامل جسے یوں تعبیر کریں گے وہاں بھی جاؤں گا یا یہاں ہو کر وہاں جانا ہے اور اول خاص اسی کے لئے ہے جو اس سیر جزئی مخصوص کا منتہی ہے جس کے حصول پر یہ منتہی ہو جائے گی اس پر دلیل واضح مسئلہ آفاقی ہے جو بقصد حاضری مکہ معظمہ چلا بے احرام باندھے، میقات سے تجاوز اسے حرام ہے، اگر حلت چاہے تو علماء فرماتے ہیں حیلہ یہ ہے کہ بین الحرم والمیقات کسی مقام مثلاً جدہ وغیرہ کا قصد کرے کہ وہاں پہنچ کر اس کے اہل سے ملتحق ہو جائے گا اور اب مکہ معظّمہ کو جانا داخل میقات سے ہوگا نہ کہ گھر سے، اب اس میقات نسک کے لئے ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

دخل اٰفاقی البستان ای مکانا من الحل	اگر غیر ملکی کسی حاجت کی وجہ سے بستان (میقات کے

داخل لمیقات لحاجة قصدھا ونیة مدة الاقامة لیست بشرط علی المذھب بله دخول مکة غیر محرم ووقته البستان ولاشیئی علیه لانه التحق باھله وھذه حیلة لافاقی یرید دخول مکة بلااحرام[1]۔	اندر حل میں ایک جگہ ہے) میں قصداً داخل ہوا تو وہاں مذہب کے مطابق مدتِ اقامت کی بھی نیت شرط نہیں، اب اس کے لئے بغیر احرام مکہ کا داخلہ جائز ہے اور اس کا میقات وہ بستان ہے، اور اس پر کوئی شے لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ وہاں کے اہل کے ساتھ ملا ہے اور یہ اس غیر ملکی کے لئے حیلہ ہے جو بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔ (ت)

نیز اسی میں قبیل فصل احرام ہے:

لو قصد موضعا من الحل کخلیص وحدة حل له مجاوزته بلا احرام فاذا حل به التحقق باھله فله دخول مکة بلا احرام وھو الحیلة لمرید ذلك الالمامور بالحج المخالفة[2]۔	اگر حل میں کسی جگہ مثلاً خلیص کا ارادہ رکھتا کیا تو اب بغیر احرام داخلہ جائز ہے اور وہ جب وہاں پہنچ گیا تو وہاں اہل سے لاحق ہوگیا تو اب مکہ میں بغیر احرام داخلہ جائز ہوگا اور یہ حیلہ ہر اس شخص کے لئے جو مکہ کا ارادہ بغیر احرام کے کرے البتہ اگر حج فرض کا ارادہ ہو پھر جائز نہیں اس صورت میں احکام شرع کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قصد موضعا من الحل ای قصد اوّلیا کما اذا قصده لبیع اوشراء وانه اذا فرغ منه یدخل مکة ثانیا[3]۔	"حل میں کسی مقام کا ارداہ کیا" یعنی قصد اولٰی مثلاً خرید یا فروخت کا رادہ کیا جب اس عمل سے فارغ ہوگیا تو اب مکہ میں قصد ثانی سے داخل ہوسکتا ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

لانه لم یقصد اولادخول مکة وانما قصد البستان، قالوا واھذه حیلة حیلة الاٰفاقی اذا ارادان یدخل مکة بغیراحرام	کیونکہ اس نے اوّلاً دخول مکہ کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اس کا ارادہ تو بستان تھا، فقہاء نے کہا ہے یہ اس آفاقی کے لئے حیلہ ہے جو مکہ میں بغیر احرام داخل

[1] درمختار باب الجنایات مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۸۰

[2] درمختار کتاب الحج مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الحج مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۱۶۷

فینوی ان یدخل خلیصا مثلا فله مجاوزة رابع الذی ھومیقات الشامی والمصری المحاذی للجحفة الخ[1]	ہونے کا ارادہ رکھتا ہو پس وہ مثلاً خلیص میں داخل ہونے کی نیت کرے تو اس کے لئے بغیر احرام رابغ سے گزرنا جائز ہے جو شامی او رمصری لوگوں کا میقات اور جحفہ کے مقابل ہے الخ (ت)

اُسی میں قبیل باب الاحرام ہے:

الافاقی اذا قصد موضعا من الحل کخلیص یجوزله ان یتجاوز المیقات غیر محرم وھی الحیلة لمن ارادان یدخل مکة بغیر احرام وینبغی ان لا تجوز ھذہ الحیلة للمامور بالحج لانه حینئذ لم یکن سفرہ للحج[2]۔	آفاقی جب حل میں خلیص وغیرہ کا ارادہ کرے تو اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے، اور یہ ہر شخص کے لئے حیلہ ہے جو میقات سے مکہ بغیر احرام جانا چاہتا ہو لیکن یہ حیلہ اس شخص کے لئے جائز نہیں جس پر حج فرض ہے کیونکہ اب کا سفر حج نہ رہے گا۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

اذا ارادالافاقی دخول مکة بغیر احرام من المیقات قصد مکانا اٰخر داخل المواقیت کبستان بنی عامر[3]۔	اگر کوئی غیر مکی بغیر احرام دخول مکہ چاہتا ہے تو وہ میقات کے اندر کسی اور جگہ کا ارادہ کرئے مثلاً بنی عامر کے بستان۔ (ت)

ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

الحیلةللافاقی اذااراد دخول مکة من غیر احرام من المیقات ان لا یقصد دخول مکة وانما یقصد مکانا اخر وراء المیقات خارج الحرم نحوبستان بنی عامر ثم اذا وصل ذلك الموضع ید خل مکة بغیر احرام[4]۔ (ملخصًا)	اس آفاقی کے لئے جو دخول مکہ بغیر احرام کے چاہتاہے حیلہ یہ ہے کہ وہ دخول مکہ کا ارادہ نہ کرے بلکہ میقات کے اندر کسی اور جگہ اکاارادہ کرے جو خارج حرم ہو مثلاً بنی عامر کے بستان ،(ت) تو جب وہاں پہنچ جائے تواب مکہ میں بغیر احرام داخل ہوجائے۔(ت)

[1] بحرالرائق باب مجاوزة المیقات بغیر احرام مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴۹/۳
[2] بحرالرائق کتاب حج مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۸/۲
[3] الاشباہ والنظائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲۹۳/۲
[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الخامس فی الحج مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۳/۶

مسلک متقسط میں ہے:

ذکر الفقهاء فی حیلة دخول الحرم بغیر احرام ان یقصد بستان بنی عامر ثم یدخل مکة فالوجه فی الجملة ان یقصد البستان قصد الولیاولا یضرة قصده دخول الحرم بعده قصد اضمنیا اوعارضیا کما اذا قصد هندی جدة لبیع وشراء ولایکون فی خاطره انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا بخلاف من جاء من الهند مثلاً بقصد الحج اولاوانه یقصد دخول جدة تبعا ولو قصد بیعاوشراء [1] اھ تلك النقول باختصار۔	فقہاء نے بغیر احرام، حرم میں داخل ہونے کے لئے یہ حیلہ بیان کیا ہے کہ وہ شخص بستان بنی عامر کا ارادہ کرے پھر وہاں سے مکہ میں داخل ہو جائے اور فی الجملہ وجہ یہ ہے کہ اس نے اوّلاً بستان کا ارادہ کیا تھا تو اس کے بعد حرم میں داخل ہونا ضمناً اور عارضی ہونے کی وجہ سے نقصان دہ نہیں ہو سکتا جیسے کہ ہندی شخص اوّلاً بیع وشر کے لئے جدہ کی نیت کرکے آیا ہے اور ذہن میں تھا کہ فارض ہو کر ثانیاً مکہ چلا جائے گا بخلاف اس شخص کے جو ہندوستان سے اولاً حج کے ارادے سے آتا ہے اور وہ جدہ میں دخول کا ارادہ تبعاً رکھتا ہے اگرچہ وہ بیع وشراء کا ارادہ رکھتا ہو اھ اختصار کے ساتھ نقول ختم ہو گئیں، (ت)

ظاہر ہے کہ جب اس کی نیت حاضری مکہ معظمہ ہے تو جدہ کا ارادہ کرلینے سے دل کا وہ خیال ہر گز منتفی نہ ہوا و لہٰذا علماء اسے بلفظ حیلہ تعبیر اور خود ارادہ دخول مکہ بغیر احرام سے تصویر فرماتے ہیں اگر قصد مکہ منتفی ہو جاتا تو ان عبارات کا اصلاً کوئی محل و محمل نہ تھا، ہاں یہ ہوا کہ قصد مکہ باعتبار مآل واستقبال رہا، قصداً اول جدہ کے لئے قرار پایا جیسا کہ بحر الرائق وردالمحتار وشرح لباب سے گزرا اسی بناپر علمائے کرام نے مجاوزتِ میقات بلا احرام جائز فرمائی ہے حالانکہ خیال مکہ یقیناً اول سے موجود ہے تو ثابت ہوا کہ جب وہ نہایت مختلف مقصود بالذات ہوں تو قصد مقارن خاص حصہ اولیٰ ہے اور ثانیہ کے لئے وہی مآل واستقبال کا خیال، جیسا کہ عبارت مولانا علی قاری ویکون فی خاطره انه اذا فرغ منه ان یدخل مکة ثانیا [2] (اس کے ذہن میں ہو کہ وہ فارغ ہو کر ثانیاً مکہ چلا جائے گا۔ت) نے روشن کردیا یہ قصد حقیقۃً قصد بالفعل نہیں۔ ولہٰذا اسی کو ذخیرہ وہندیہ میں باآنکہ شروع تصویر مسئلہ بلفظ اراد دخول مکة من غیر احرام (بغیر احرام دخول مکہ کا ارادہ رکھتا ہے، ت) بلفظ ان لا یقصد دخول مکة

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی مجاوزۃ المیقات الخ مطبوعہ دار الکتاب العربیہ بیروت ص ۶۰

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری، فصل فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام، مطبوعہ دار الکتاب لعربیہ بیروت ص ۶۰۱۶

دخول مکہ کا اردہ نہ کرے۔ت) تعبیر فرمایا۔

وبهذا التحقيق الشريف الفائض على قلب العبد الضعيف من فيض الفتاح العليم الخبير اللطيف ولله الحمد طاح وزاح ماكان يورد على هذا الاحتيال من الاشكال الذى اضطربت فيه الاقوال وكثر فيه القيل والقال واختلف فى حله افهام الرجال وكان اقرب من جنح الى ماجنحت اليه العلامة القارئ الجلى الافضال ولقد احسن اذا استشكل بتظافر العلماء على ذكر هذه الحيلة كلام اللباب الموهم لاختصاص المسألة بمن حث له قصد مكة بعد دخول البستان ولم يكن فى خاطره دخول الحرم من قبل اصلا وعكس العلامة الفاضل الشامى فى ردالمحتار ومنحة الخالق فاستشكل بظاهر اللباب ماتظافرت عليه كلمات الائمة اولى الالباب بما وقفنا لامولى سبحانه وتعالٰى ظهران قصد الحرم مطلقا اوقصدا اوليا اوعصر القصد فى البستان مع الاحتيال لمن يريد الحرم بلا احرام والحمدلله على ابانة الصواب واصابة المرام۔

اس مبارک تحقیق (جو اس عبد ضعیف کے دل میں فتاح، علیم، خبیر اور لطیف ذاتِ اقدس نے فیض کے طور پر فرمائی) سے للہ الحمد اس حیلہ پر وارد ہونے والا وہ اعتراض رَد ہوگیا جس میں اقوال مضطرب اور کثرت قیل وقال تھی اور اس کے جواب میں لوگوں کے ذہن مختلف تھے اور جس کی طرف میرا ذہن گیا اس کے قریب تر، علامہ علی قاری ہیں اور انھوں نے لباب میں نہایت ہی احسن بات کی جب کثرت کے ساتھ حیلہ بیان کرنے والے علماکے کلام سے اشکال ظاہر کیا تو لباب کے کلام سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ فقط اس شخص کیلئے ہے جسے دخول بستان کے بعد دخول مکہ کا شوق ہوا اور اس سے پہلے دخول حرم کا قطعًا اس کے ذہن میں نہ تھا علامہ شامی نے ردالمحتار اور منحۃ الخالق میں اس کا عکس کیا تو لباب کی ظاہر عبارت سے ائمہ کے مجموعی کلام پر اشکال پیدا ہوگیا، اللہ تعالٰی کی توفیق ومہربانی واضح ہوگیا کہ اس میں کوئی صعوبت اور اشکال نہیں اور کوئی مخالفت نہیں خواہ حرم کا قصد بالکل نہ ہو یا قصد اولٰی نہ ہو یا قصد بستان کا ہی ہو، اس کے لئے جو حیلہ کے ساتھ حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا چاہتا ہو، صواب کے ظہور اور مقصد کے حصول پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔(ت)

جب بتوفیق اللہ تعالٰی یہ مقدمات ممہد ہولئے حکم مسئلہ واضح ومنکشف ہوگیا آدمی اگر کسی مقام اقامت سے خاص ایسی جگہ کے قصد پر چلے جو وہاں سے تین منزل ہو تو اس کے مسافر ہونے میں کلام نہیں اگرچہ راہ میں ضمنی طور پر اور موضع میں بھی وہ ایک روز ٹھہرنے کی نیت رکھے،

کما افادہ المولی علی القاری بقولہ بخلاف من جاء من الھند مثلاً بقصد الحج اولا [1] الخ	جیسا کہ ملا علی قاری نے اپنے الفاظ میں بیان کیا بخلاف اس شخص کے جو ہندستان سے قصد اولی کے ساتھ حج کے لئے آیا الخ (ت)

مگر غالبًا دورہ کی یہ حالت نہیں ہوتی اس میں بالخصوص مقصود اصلی وہ موضع بعید ہی نہیں ہوتا نہ خاص اس کے قصد پر چلتا بلکہ سب مواضع میں گشت کا ارادہ اور ہر موضع مقصود بالذات ہوتا ہے تو اگرچہ باعث سیر لحاظ جمیع ہے مگر ہر مقصود اپنی سیر خاص جزئی پر محدود موضع قریب کو جاتے ہوئے قصد مقارن اسی کے لئے ہے اور قصد بعید صرف بمعنی خیال وارادہ مآل، توجب کسی موضع سے دوسرے تک مسیرت سفر نہیں اصلاً کوئی سیر بقصد مسیرت سفر متحقق نہ ہوئی ہاں وہ چند قصدوں سے چند سیریں ہیں جن کا مجموعہ مسیرت سفر سے زائد سہی آخرنہ دیکھا کہ علامہ بحر صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے مامور بالحج کے لئے دخول مکہ بغیر احرام میں اس حیلہ کا جواز نہ مانا کہ جب وہ بایں قصد چلے گا کہ یہاں سے بستان بنی عامر جاتا ہوں پھر وہاں سے مکہ معظّمہ چلوں گا تو اس کا یہ سفر حج کے لئے نہ ہوا، معلوم ہوا کہ مقصود سیر وہی مقصود اولی ہوتا ہے وبس، ولہٰذا ذخیرہ وہندیہ میں ان لا یقصد مکۃ (وہ مکہ کا ارادہ نہ کرے۔ت) فرمایا تو روشن ہوا کہ بالمآل مسیرت سفر کی دوری پر جانے کا خیال سیر بقصد مسیرت سفر نہیں اور موجب سفر شرعی یہی تھی کہ متحقق نہ ہوئی۔

وبہ تبیین وللہ الحمد ان ماذکر المولی الفاضل ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ بما نصہ قدیفھم من التمثیل بالخلی فی اول مسئلۃ التبع ان الخلیفۃ والسلطان کغیرہ فی انہ اذا نوی السفر یصیر مسافرا یقصر، فقیل ھذا اذالم یکن فی ولایتہ، اما اذاطاف فی ولایتہ فلا یقصر ولاصح انہ لا فرق لما تقدم من فعل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین انھم قصروا حین سافروامن المدینۃ الی مکۃ وغیر ذٰلک، ومرادمن قال	للہ الحمد اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فاضل ابراہیم حلبی نے غنیہ میں یہ جو کہا کہ مسئلہ تبع کی ابتداء میں خلیفہ کو مثال بنانے سے سمجھ آرہا ہے کہ اس معاملہ (کہ جب وہ سفر کی نیت کرے تو وہ مسافر ہو جاتا ہے اور قصر کرسکتا ہے) میں خلیفہ اور سلطان دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہیں، کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اپنی ولایت میں نہ ہو، اور اگر اپنی ولایت میں دورہ کر رہا ہو تو پھر قصر نہ کرے، اور اصح یہ ہے کہ کوئی فرق نہیں کیونکہ پیچھے گزرا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم جب مدینہ سے مکہ وغیرہ کا سفر فرماتے تو نماز میں قصر کرتے، اور جس نے کہا" خلیفہ اپنی

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط فصل فی مجاوزۃ المیقات بغیر احرام مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ص ٦٠

اذا اطاف فی ولایتہ لا یقصر ھو ماصرح بہ حافظ الدین البزازی فی فتاوٰہ انہ اذاخرج لتفحص احوال الرعیۃ وقصد الرجوع متی حصل مقصودہ ولم یقصد مسیرۃ سفر حتی انہ فی الرجوع یقصر لوکان من مدۃ سفر ولااعتبار بمن علل بان جمیع الولایۃ بمنزلۃ مصرہ لان ھذا تعلیل فی مقابلۃ النص مع عدم الروایۃ عن احد من الائمۃ الثلثۃ فلا یسمع[1] فمع ان ماذکر من قصد الرجوع متی حصل مقصودہ انما ذکرہ البزازی فی مسألۃ اخری غیرالتی نقلنا عنہا وھی ماقال بعدھا وکذا الامام والخلیفۃ والامیر والکاشف لیفحص الرعیۃ وقصد کل الرجوع متی حصل مقصودہ ولم یقصد وامسیرۃ سفر قصرأتموا[2] ۔ الخ لایخالف مانحن نریدہ فی شیئ فانما مقصودہ کما ھوصریح سوق کلامہ الرد علی من زعم ان الخلیفۃ لا یصیر مسافرافی ولایتہ وان قصد مسیرۃ سفر وھوامربین البطلان امامانحن فیہ فقد بینا انہ لایصدق	ولایت میں دورہ کرے تو قصر نہ کرے"اس کی مراد ہی ہے جس کی تصریح حافظ الدین البزازی نے اپنے فتاوٰی میں کی کہ جب خلیفہ رعیت کے احوال کی خیر کے لئے نکلے اور حصول مقصود کے بعد واپس لوٹے لیکن اس نے سفر کی نیت نہ کی کہ وہ وجوع میں قصر کرسکتا تھا بشرطیکہ مدّت سفر ہو ____ اوراس شخص کا اعتبار نہیں کیا جائیگا جس نے علت بیان کرتے ہوئے کہا کہ تمام ولایت خلیفہ کے لئے اپنے شہر کی طرح ہے کیونکہ یہ علت نص کے مقابل ہے اور پھر ائمہ ثلٰثہ میں سے کسی سے بھی یہ مروی نہیں ہے لہٰذا یہ بات قابلِ سماعت نہیں اھ باوجودیکہ مذکورہ عبارت " خلیفہ نے حصول مقصود کے بعد رجوع کا اردہ کیا" کو بزازی نے اس مسئلہ کے علاوہ کے تحت ذکر کیا ہے جسے ہم نے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام خلیفہ، امیر اور محتسب دورہ کریں تاکہ لوگوں کے احوال کا علم ہو اور حصول مقصود کے بعد رجوع کریں لیکن وہ سفر قصر کا ارادہ نہ کریں تو وہ پوری نماز ادا کریں گے۔ یہ تمام اس کے منافی نہیں جو ہم نے مراد لیا کیونکہ شیخ حلبی کا مقصود (جیساکہ ان کے سیاق کلام سے واضح ہے اس شخص کا رد ہے جس نے کہا کہ خلیفہ اپنی ولایت میں مسافر نہیں ہوسکتا خواہ وہ مسافت سفر کا ارادہ کرلے اور یہ امر واضح طور پر باطل ہے باقی ہم نے جو کچھ بیان کیا اس پر مسافتِ سفر

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۴۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی باب الثانی والعشرون فی السفر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۷۲

فیہ قصد مسیرۃ سفر فھذا مما لایخالف فیہ الحلبی ولا احد فلاغبار علی ما افادہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والامام البزازی فی فتاوٰی والعلامۃ ابن الساعاتی فی الاختیار والامام ابن السمعانی فی الخزانۃ وﷲ الحمد واﷲ علی حسن الابانۃ ھکذا ینبغی التحقیق واﷲ تعالٰی ولی التوفیق۔	کا ارادہ کرنا صادق نہیں آتا اور اس میں حلبی اور کوئی شخص بھی اختلاف نہیں کرسکتا، پس محقق علی الاطلاق نے فتح، امام بزازی نے فتاوٰی، علامہ ابن ساعاتی نے اختیار اورامام ابن سمعانی نے خزانہ میں جو کہا اس پر اب کوئی غبار نہیں رہی، اس حسن وضاحت پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے، تحقیق اس طرح ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہے۔(ت)

یہ تحقیق انیق کہ فقیر نے بتوفیق رب قدیر ذکر کی مطقاہر صورت کو شامل ہے اگرچہ مقصود اصلی قریب مقصود اصلی بعید کی راہ میں واقع ہو اور اگر اس کی راہ سے بالکل جدا ہو اور دورہ رائجہ میں اکثر ایسا واقع ہوتا ہے،

مثلاً اس شکل میں ب محلِ اقامت ہے اور نقاط باقیہ مواضع مقصودہ، ان میں کوئی ایک دوسرے سے مسیرت سفر پر نہیں مگر ب سے دورہ کرنے والا جس وقت ب سے ج کی طرف چلا کوئی نہ کہے گا کہ اس وقت ی کی طرف متوجہ ہے ی کو جاتا ہے، ی کے قصد پر چلا ہے بلکہ بالیقین اس سیر میں ج مقصود ہے اگرچہ خیال یہ بھی ہے کہ ان نقطوں پر ہوتا ہوا ی کو بھی جاتا ہے تو کسی سیر میں قصہ مقارن مسیرت کا سفر نہ پایا گیا،

بالجملہ یہ دورے سفر نہیں ہوتے اگرچہ کتنے ہی دور تک ہوں اب تک کہ نمازیں پوری پڑھیں بہت بجا کیا۔

تنبیہ: یہاں سے سیاحین وواعظین کا حکم بھی واضح ہوگیا جنھیں کوئی مقام محل اقامت سے مدت سفر پر خاص مقصود بالذات نہیں بلکہ شہر قریہ بہ قریہ چند چند کوس کے فاصلوں پر گشت کرنا سیر دیکھنا یا ہر جگہ وعظ وغیرہ کے ذریعہ سے کمانا مقصود ہے جب تک کسی محل اقامت سے مسیرت سفر کا قصد اولٰی نہی ہو مسافر نہ ہوں گے اگرچہ سارے ملک میں پھر آئیں جس طرح سیاح کی نسبت خود فتح القدیر میں مصرحًا ارشاد ہوا یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور لوگ اس سے غافل، منزل ہمارے بلاد میں تقریبًا بارہ کوس کی ہے یہی قول مفتی بہ کے قریب تر ہے جسے ظہیریہ ومحیط برہانی ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ وخزانۃ المفتین وغیرہا میں علیہ المفتوی (فتوی اسی پر ہے۔ت) کہا کہ منزل اٹھارہ میل ہے کے سوا گیارہ کوس ہوتے ہیں، یہ قول اصل مذہب ظاہر الروایہ کے خلاف نہیں بلکہ ان بلاد کے مناسب اسی کی تقدیر وشرح ہے کما نبہ علیہ العلامۃ اسمٰعیل مفتی دمشق الشام کما نقلہ فی منحۃ الخالق (جیسا کہ مفتی دمشق شام

علامہ اسمٰعیل نے اس پر تنبیہ کی ہے اور وہ منحۃ الخالق میں منقول ہے۔ت) ہمارے بلاد میں دس کوس کا اندازہ قابل قبول نہیں کہ یہاں اقصر ایام یعنی تحویل جدی کے دن میں فجر سے زوال تک سات ساعت کے قریب ہوتا ہے اور شک نہیں کہ پیادہ اپنی معتدل چال سے سات گھنٹہ میں بارہ کوس بے تکلف چل لیتا ہے جس پر بارہا کا تجربہ شاہد، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۵۷: از آگرہ آباد کوٹھی حشمت اللہ خاں جنٹ مجسٹریٹ مرسلہ علی محمد خاں ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

میں آج کل الہ آباد میں ہوں تو الہ آباد میرے واسطے سفر خیال کیا جائے گا یا نہیں، لیکن جنٹ صاحب کی کوٹھی میں رہتا ہوں اور الہ آباد ایک ہفتہ سے زیادہ رہنا نہیں ہوتا لیکن پھر اسی روز واپس آنا پڑتا ہے، الہ آباد میں نماز سفر کی پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اور الہ آباد سے کرنا ایک مقام ہے جو قریب دس میل کے ہے وہاں پر بھی سفر کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟ وہ الہ آباد ہی کے ضلع میں ہے جواب جلد مرحمت فرمائیے۔

الجواب:

الہ آباد تمہارا وطن اصلی نہیں، نہ جنٹ صاحب کی کوٹھی ٹھہرنا اسے کسی کا وطن کردے گا جبکہ جنٹ خود آج کل وہاں نہیں بلکہ پندرہ دن قیام کی نیت دیکھی جائے گی اگر اس سے کم مدت قیام کی نیت ہے یا مقدر قیام کچھ معلوم نہیں کسی کام کے لئے گئے ہوں اس کے ہو جانے کا انتظار ہو جائے تو آج چلے جاؤ، بیس دن بعد ہو تو اس صورت میں الہ آباد کا رہنا تمھارے لئے سفر ہی سمجھا جائے گا نماز سفر کی پڑھو اگرچہ انتظار انتظار میں مہینے گزر جائیں، یونہی اطراف میں جہاں چاہوں چار رکعت کی دو ہی پڑھو جب تک کسی خاص جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت الہ آباد میں کرلی ہے تو اب الہ آباد وطن اقامت ہوگیا نماز پوری پڑھی جائے گی جب تک وہاں سے تین منزل کے ارادہ پر نہ جاؤ اگرچہ ہر ہفتہ پر بلکہ ہر روز الہ آباد سے کہیں تھوڑی تھوڑی دور یعنی چھتیس ۳۶ کوس سے کم باہر جانا اور دن کے دن واپس آنا ہو جبکہ نیت کرتے وقت اس پندرہ دن میں کسی رات دوسری جگہ شب باشی کا ارادہ نہ ہو ورنہ وہ نیت پورے پندرہ دن کی نہ ہوگی مثلاً الہ آباد میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کی اور ساتھ ہی یہ معلوم تھا کہ ان میں ایک شب دوسری جگہ ٹھہرنا ہوگا تو یہ پورے پندرہ دن کی نیت نہ ہوئی اور سفر ہی رہا اگرچہ دوسری جگہ الہ آباد کے ضلع میں بلکہ اس سے تین چار ہی کوس کے فاصلہ پر ہو۔ اور اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی اگرچہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا تو اقامت صحیح ہوگئی نماز پوری پڑھی جائے گی جبکہ وہ دوسری جگہ الہ آباد سے چھتیس ۳۶ کوس یعنی ستاون ۵۷ اٹھاون ۵۸ میل کے فاصلے پر نہ ہو غرض قیام کی نیت کرتے وقت ان خیالوں کا اعتبار ہے بعد کو جو پیش ائے اُس کا لحاظ نہیں مثلاً پندرہ رات پورے کا قیام ٹھہرالیا اور اس کے بعد اتفاقاً چند راتوں کے لئے اور جگہ جانا ہوا جو الہ آباد سے

تین منزل کے فاصلہ پر نہیں اگرچہ دس بیس بلکہ چھپن میل تک ہو سفر نہ ہوگا اس مقامِ دیگر میں بھی نماز پری پڑھنی ہوگی اور الہ آباد میں بھی ان سب صورتوں کو خوب غور سے سمجھ لو۔

فی الدر المختار لودخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته لانه يخرج الى منٰى وعرفة فصار كنية الاقامة فی غيرموضعها وبعد عوده من منى تصح كما لو نوى مبيته باحدهما[1] الخ۔ وفی ردالمحتار قيل هذه المسالة كانت سبب لتفقه عيسى بن ابان وذلك انه كان مشغولا لطلب الحديث قال فدخلت مكة فی اوّل العشر من ذی الحجة مع صاحب لی وعزمت على الاقامة شهرا فجعلت اتم الصلوة فلقينی بعض اصحاب ابی حنيفة فقال لی اخطأت فانك تخرج الى منى وعرفات فلما رجعت من منى بدالصاحبی ان يخرج و عزمت على ان أصاحبه وجعلت اقصر الصلوة فقال لی صاحب ابی حنيفة اخطأت فانك مقيم بمكة فمالم تخرج منها لا تصير مسافرا فقلت	درمختار میں ہے کہ اگر کوئی حاجی مکہ میں ذوالحج کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت (برائے اقامت) درست نہیں کیونکہ اس نے منٰی اور عرفات کی طرف انہی دنوں میں جانا ہے اس نیتِ اقامت کی طرح ہی ہے جو مقام اقامت نہ ہو اور منٰی سے لوٹ کر نیت کرنا درست ہے جیسا کہ ان دونوں میں سے ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کرے الخ۔ ردالمحتار میں ہے کہ منقول یہ ہے کہ یہ مسئلہ امام عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے فقہ سیکھنے کا سبب بنا تھا ان کا اپنا بیان ہے کہ میں طلب حدیث میں مشغول تھا ذوالحجہ کے عشرہ میں میں مکہ گیا میرے ساتھ میرے دوست بھی تھے میں نے وہاں ایک ماہ اقامت کی نیت کی اور پوری نماز ادا کرنا شروع کردی مجھے امام ابوحنیفہ کے ایک ساتھی ملے انھوں نے کہا کہ تو نے غلط کیا ہے کیونکہ تو تو منی اور عرفات کی طرف چلا جائے گا، پس جب میں منٰی سے لوٹا تو میرے ساتھی کو مکہ سے نکلنے کی حاجت پیش آگئی اور میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں ان کے ساتھ رہوں تو میں نے نماز قصر شروع کردی تو مجھے امام ابوحنیفہ کے ساتھی نے کہا تو نے غلط کیا کیونکہ تو مکہ میں مقیم ہے تو جب تو اس سے نکلے گا نہیں تو مسافر نہیں ہوسکتا، تو میں نے سوچا کہ میں نے

[1] الدر المختار باب صلوۃ المسافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۷

اخطأت فی مسالة فی موضعین فرحلت الی مجلس محمد واشتغلت بالفقه قال فی البدائع وانما اوردنا هذا الحکایة لیعلم مبلغ العلم فیصیر مبعثة للطلبة علی طلبه اھ بحر ویظهر من هذه الحکایة ان نیته الاقامة لم تعمل عملها الابعد رجوعه لوجود خمسة عشر یوما بلا نیة خروج فی اثنائها بخلاف ماقبل خروجه الی عرفات لانه لماکان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیداو یحتمل ان یکون جددنیة الاقامة بعد رجوعه وبهذا سقط ما اورده العلامة القاری فی شرح اللباب من ان کان فی کلام صاحب الامام تعارضا حیث حکم اولا بانه مسافر وثانیابانه مقیم مع ان المسئلة بحالها والمفهوم من المتون انه لونوی فی احدهما نصف شهر صح فحٍ لایضره خروجه الی عرفات اذلایشترط کونه نصف شهر متوالیا بحیث لایخرج فیه اھ[1] ملخصا و وجه السقوط ان لتوالی لایشترط اذالم یکم من عزمه الخروج الی موضع اٰخرلا نه یکون ناویا الاقامة فی موضعین نعم بعد رجوعه من منی صحت نیته لعزمه علی

ایک مسئلہ میں دو جگہ خطا کی ہے تو میں امام محمد کی خدمت میں گیااور فقہ سیکھنا شروع کی، بدائع میں ہے کہ یہ حکایت ہم نے اس لئے وارد کی ہے کہ علم کی قدر معلوم ہوسکے اور طلباء کے لئے طلب علم کا باعث بن سکے، اھ بحر، اس حکایت سے واضح ہوگیا کہ ان کی نیت اقامت رجوع کے بعد موثر ہوئی کیونکہ اب ایسے پندرہ دنوں کا قیام ہوگا جن کے درمیان نیت خروج نہیں بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے، کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ ہے تو اب مقیم نہیں ہوسکتااور ممکن ہے کہ انھوں نے رجوع کے بعد تجدید نیت کی ہےاس سے وہ اعتراض ساقط ہوجاتا ہے جوعلامہ قاری نے شرح للباب میں اٹھایا کہ امام صاحب کے ساتھی کے کلام میں تعارض ہے کیونکہ پہلے انھوں نے مسافر ہونے کا حکم لگایا اور دوبارہ مقیم کی حالانکہ معاملہ اپنی جگہ پر تھا، متون سے مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر دونوں میں سے کسی ایک میں نصف ماہ تک کی نیت کی تو درست ہے تواب عرفات کی طرف نکلنا مضر نہیں کیونکہ نصف ماہ کا مسلسل اس طرح ہونا شرط نہیں کہ اس میں خروج نہ ہوانتہی، وجہ سقوط یہ ہے کہ تسلسل اس وقت شرط نہیں جب آدمی کا عزم دوسری جگہ جانے کانہ ہو کیونکہ اس وقت وہ دومقامات کی نیت کئے ہوئے ہے، ہاں منٰی سے رجوع کے بعد سنت صحیح ہوگی کیونکہ اب ایک جگہ میں

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

الاقامۃ نصف شھر فی مکان واحد واللہ تعالٰی اعلم[1]۔ قولہ کما لونوی مبیتہ باحدھما فان دخل اولا الموضع الذی نوی المقام فیہ نھارا لایصیر مقیما وان دخل اولا مانوی المبیت فیہ یصیر مقیما ثم بالخروج الی الموضع الاٰخر لا یصیر مسافر الاٰن موضع اقامۃ الرجل حیث یبیت بہ، حلیۃ[2] اھ وبہ ظھر کل ماذکرناہ، واللہ تعالٰی اعلم	نصف ماہ اقامت کا عزم ہے، واللہ تعالٰی اعلم قولہ "اس نے دومقامات میں سے کسی ایک میں رات بسر کرنے کی نیت کی" پس اگر تووہ شخص پہلے اس مقام پر گیا جس پر دن کو ٹھہرنا تھا تووہ مقیم نہ ہوگا اور پہلے اس جگہ گیا جہاں رات ٹھہرنا تھا تو مقیم ہوجائیگا اس کے بعد دوسری جگہ کے ارادے سے مسافر نہیں بنے گا کیونکہ آدمی کی اقامت کا مقام ہوتا ہے جہاں وہ رات بسر کرتا ہے اھ حلیہ اس کے ساتھ وہ تمام واضح ہوگا جس کاتذکرہ ہم نے کیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۵۸: ۳ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ از تلہر مسئولہ خلیل الدین صاحب

زید کے وطن سے ایک مقام تیس ۳۰ کوس کے فاصلے پر واقع ہے اور زید نے ایسی راہ سے سفر کیا کہ اس مقام تک چالیس ۴۰ کوس مسافت طے کرنی ہوئی تو زید پر نماز کا قصر ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہے جبکہ قصداً دو جگہ پر منقسم نہ ہو مثلاً اس راہ میں بیس کوس پر ایک شہر ہے، ارادہ یوں کیا کہ پہلے وہاں جاؤں گا وہاں سے فارغ ہو کر دوسرے مقام پر کہ وہاں سے بیس ۲۰ کوس ہے جاؤں گا یوں چالیس کوس ہوں جائیں گے تو قصر نہیں، مکان سے بیس ۲۰ ہی کوس کے مقصد کو چلا ہے اگرچہ وہاں سے دوسرا قصد دوسری جگہ کا ہونے والا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵۹تا۱۲۶۳: از بریلی مسئولہ شیخ عبدالعزیز بساطی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل کے جواب میں:

(۱) منزل کتنے فرسنگ کی ہوتی ہے؟

(۲) کے (کتنے) منزل پر قصر ہوگا؟

(۳) طے منزل میں راہ راست کا اعتبار ہے یا جس راستے پر چلے؟

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۲

(۴) یہاں سے بیسلپور ۱۸ کوس براہ سواری گاڑی اور براہ ریل گاڑی چھتیس ۳۶ کوس ہوجاتی ہے وہاں جانے میں قصر کب ہوگا؟

(۵) ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے واسطے دریاں وغیرہ بنوائیں مگر کچھ دنوں وہاں جمعہ ہوکر رہ گیا اب وہ چاہتا ہے کہ یہ دریاں کسی دوسری مسجد میں دے دوں پس یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عرف میں منزل بارہ ۱۲ کوس ہے اور ان بلاد میں ہر کوس ۵/۸ میل یعنی اور میل کے تین خمس، اور تین میل کا ایک فرسنگ، تو ایک منزل چھ فرسنگ اور دو خمس فرسنگ کی ہوئی۔

(۲) تین منزل پر قصر ہے۔

(۳) جس راستے سے جائے اس کا اعتبار ہے۔

(۴) ریل میں جائے تو قصر کرے ورنہ نہیں۔

(۵) جب دریاں سپرد مسجد کردیں ملک مسجد ہوگئیں، جب تک ناقابل استعمال نہ ہوجائیں واپس نہیں لے سکتا نہ دوسری مسجد میں دے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶۴: از درؤ ضلع نینی تال ڈاک خانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص دو آدمیوں کا غلام تھا ہر دو مع غلام کے سفر کے گئے راستے میں دونوں نے قیام کیا، ایک نے نیت اقامت کی دوسری نے نہ کی، اب وہ عبدِ مشترک نماز قصری ادا کرے یا حضری، **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ ان دونوں سے صرف ایک کے قبضہ میں ہے تو جس کے قبضہ میں ہے اسی کی نیت کا اعتبار ہے

لانہ ح لیس تابعا الالہ وسیاتیك مایفیدہ۔	کیونکہ وہ جس کا ہے اسی کا تابع ہوگا اور عنقریب اس پر مقید گفتگو آرہی ہے۔ (ت)

اور اگر دونوں کے قبضہ میں ہے تو اگر ان میں اس کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار پائی ہے مثلاً ایک دن اِس کی خدمت کرے اور دوسرے دن اُس کی، تو ہر ایک کی نوبت میں اس کی نیت پر عمل کرے یعنی جس دن خدمت کی باری ہو غلام بھی اپنے آپ کو مقیم سمجھے اور جس دن خدمت مسافر کی باری ہو اپنے آپ کو مسافر جانے، اور اگر باہم نوبت نہ قرار دی بلکہ یوں ہی دونوں کی خدمت میں ہے وہ من وجہ مقیم اور من وجہ مسافر ہے قصر اصلاً نہ کرے اس لحاظ سے کہ اس کے ایک مولٰی نے نیت اقامت کی اور قعدہ اولٰی بھی اپنے اوپر فرض جانے اس نظر سے کہ دوسرے مولٰی

کی نیتِ سفر ہے اور اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ جہاں تک مل سکے کسی مقیم کی اقتداء وقت میں کرے، در مختار میں ہے:

عبد مشترك بين مقيم ومسافران تهايأ قصر فى نوبة المسافر والا يفرض عليه القعود الاول ويتم احتياطا ولا يأتم بمقيم اصلا وهو مما يلغز [1] ۔	ایک غلام مقیم مسافر کے درمیان مشترک ہے، اور دونوں کی خدمت نوبت بہ نوبت قرار دی گئی ہے تو مسافر کی نوبت میں قصر کرے ورنہ (اگر باری نہ ٹھہرائی ہو) تو قعدہ اولٰی اس پر فرض ہوگا اور وہ نماز کا اتمام احتیاطًا کرے (کیونکہ جب اس کے مالک دو ہیں تو وہ ایک لحاظ سے مقیم اور دوسرے کے اعتبار سے مسافر) اور وہ کسی مقیم کے ساتھ اقتداء بالکل نہ کرے یہ غلام کے مسائل میں سے پیچیدہ مسئلہ ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولايأتم الخ فى شرح المنية وعلى هذا فلا يجوزله الاقتداء بالمقيم مطلقا فليعلم هذا اھ اى لا فى الوقت ولابعده ولا فى الشفع الاول ولافى الثانى ولعل وجهه كما افاده شيخنا ان القعدة الاولى فرض عليه ايضا الحاقه بالمسافر فاذا اقتدى بمقيم يلزم اقتداء المفترض بالمتنفل فى حق القعدة الاولٰى اھ [2] ۔ **اقول:** لكن قول شارح المنية وعلى هذا الخ يظهر منه انه تفريع من	قولہ "اور نہ اقتداء کرے الخ" شرح المنیہ میں ہے اور اس بنا پر لازم آتا ہے کہ اس کے لئے مقیم کی اقتداء کسی حال میں جائز نہ ہو، پس اسے اچھی طرح جان لینا چاہئے اھ یعنی نہ وقت میں اور نہ وقت کے بعد، نہ شفع اول میں نہ ثانی میں، شاید اس کی وجہ وہ ہی ہو جو ہمارے شیخ نے فرمائی کہ قعدہ اولٰی الحاق مسافر کی وجہ سے اس پر فرض تھا، پس جب اس نے مقیم کی اقتداء کی تو اب قعدہ اولٰی کے لحاظ سے لازم آئے گا کہ ایک فرض ادا کرنے والا نفل ادا کرنے والے کی اقتداء کررہا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) شارح المنیہ کے قول "اور اس بنا پر الخ" سے ظاہر ہوتا ہے کہ بطور

[1] در مختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۹

عنده علی وجه البحث والافالذی رأیته فی التاتر خانیة عن الحجة انه ان لم یکن بالمها یاة وهو فی ایدیهما فکل صلٰوة یصلیها وحده یصلی اربعا و یقعد علی راس الرکعتین ویقرأ فی الاخریین وکذا اذا اقتدی بمسافر یصلی معه رکعتین وفی قرأته فی الرکعتین اختلاف واما اذا اقتدی بمقیم فانه یصلی اربعا بالا تفاق [1] اھ مافی ردالمحتار۔	بحث یہ ان کی اپنی طرف سے تفریع ہے ورنہ میں نے جو تارتار خانیہ میں حجہ کے حوالے سے دیکھا ہے اگر وہ باری باری پابند نہیں اور وہ دونوں کے قبضہ ہے تو وہ ہر نماز تنہا چار رکعات ادا کرے اور ہر دو کے بعد بیٹھے اور آخری دو رکعتوں میں قراءت کرے او راسی طرح جب کسی مسافر کی اقتداء کرے تو اس کے ساتھ دو رکعات ادا کرے اور اس کے بعد دو رکعات میں قراءت کرنے میں اختلاف ہے لیکن جب وہ کسی مقیم کی اقتداء کرے تو وہ بالاتفاق چار رکعتیں ادا کرے گا (ردالمحتار کی عبارت ختم ہوئی)

فقیر کہتا ہے:

غفر الله تعالٰی له رأیتنی کتبت علی هامش قوله فاذا اقتدی بمقیم یلزم اقتداء المفترض الخ مانصه اقول هذا ما لست احصله فان المسافر من کل وجه القعدة الاولی فریضة علیه من کل وجه، مع ذلك یجوز له الاقتداء بالمقیم اجماعا ولا یعد بذلك مفترضا خلف متنفل اذا اقتدی فی الوقت بل یقال ان فرضه تحول بالقدوة رباعیا فلم تبق للقعدة الاولٰی فریضة علیه لمصادفة المغیر محله القابل له حیث اتصل	اللہ تعالٰی ان کی بخشش فرمائے، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ان کی اس عبارت "جب اس نے کسی مقیم کی اقتداء کی تو فرض والے کی اقتداء لازم آئیگی "الخ پر حاشیہ تحریر کیا اقول یہ ایسی چیز ہے جس سے مجھے کچھ اتفاق نہیں ہورہا ہے، کیونکہ جو شخص ہر لحاظ سے فرض سے مسافر ہے اس پر بھی قعدہ اولٰی ہر لحاظ سے فرض ہے حالانکہ وہ بالاتفاق مقیم کی اقتداء کرسکتا ہے جب وقت میں ادا کرے تو اسے فرض والے کا نفل والے کی اقتداء کرنا شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ اقتدا کی وجہ سے اس پر فرض دو۲ کے بجائے چار ہوگئے ہیں تو اب قعدہ اولٰی اس پر فرض نہیں رہا کیونکہ یہاں تبدیلی کے قابل محل میں تبدیلی پیدا کرنے والا پایا گیا ہے

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃالمسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵۸۹/۱

بالسبب اعنی الوقت بخلاف ماذا اقتدی بعد انقضاءہ فاذاکان ھذا فی حقه فکیف بمن لیس مسافرا من کل وجه ولا القعدۃ فریضۃ علیه وجھا واحدا فھذا ینبغی ان یومر باقتداء المقیم فی الوقت مھما وجد کی یخرج عن احتمال الاتمام فی السفر [1] اھ ماحررته ولشدۃ وضوحه و ثبوت الروایۃ بل نقل الاتفاق علی جواز اقتدائه بالمقیم جزمت به فان کان صوابا فمن ربی الله وارجوان لایکون الا ایاہ۔ والله تعالٰی اعلم	وہ ایسے کہ یہاں سبب (وقت سے) متصل ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب اقتداء وقت گزرنے کے بعد ہو، جب یہ معاملہ ہر لحاظ سے مسافر کا ہے تو اس کا حال کیا ہوگا جو ہر لحاظ سے مسافر نہیں اور اس پر قعدہ کے فرض ہونے کی ایک وجہ متعین نہیں لہٰذا اسے حکم دیا جائے کہ وہ مقیم کا ساتھ جب بھی پائے اس کی اقتداء کرے تاکہ سفر میں احتمال اتمام سے خارج ہو جائے (جو میں نے وہاں لکھا ختم ہوا) شدت وضوح ثبوت روایت بلکہ مقیم کی اقتدا کے جواز پر اتفاق منقول ہونے کی وجہ سے میں نے اسی پر جزم اختیار کیا ہے، پس اگر صواب ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ صواب ہی ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۶۵: بریلی صندل خاں کی بزریہ ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے وطن سے ستر یا اسی کوس کے فاصلے پر کسی شہر میں ملازم ہے وہاں سے سال دو[2] سال کے بعد آٹھ دس روز کے واسطے اپنے مکان پر آیا اور پھر چلا گیا اس آمد و رفت میں اس کو نماز قصر پڑھنا چاہئے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

جب وہاں سے بقصد وطن چلے اور وہاں کی آبادی سے باہر نکل آئے اس وقت سے جب تک اپنے شہر کی آبادی میں داخل نہ ہو قصر کرے گا جب اپنے وطن کی آبادی میں آگیا قصر جاتا رہا، جب تک یہاں رہے گا اگرچہ ایک ہی ساعت، قصر نہ کرسکے گا کہ وطن میں کچھ پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت ضرور نہیں، پھر جب وطن سے اُس شہر کے قصد پر چلا اور وطن کی آبادی سے باہر نکل گیا اس وقت سے قصر واجب ہوگیا راستے بھر تو قصر کرے گا ہی اور اگر اُس شہر میں پہنچ کر اس بار پندرہ روز یا زیادہ قیام کا ارادہ نہیں بلکہ پندرہ دن سے کم میں واپس آنے یا وہاں سے اور کہیں جانے کا قصہ ہے تو وہاں جب تک ٹھہرے گا اس قیام میں بھی قصر ہی کرے گا اور اگر وہاں اقامت کا ارادہ ہے تو صرف راستہ بھر قصر کرے جب اس شہر کی آبادی میں داخل ہوگا قصر جاتا رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۶: از پیلی بھیت مرسلہ حبیب احمد صاحب رضوی برکاتی ۳۰ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص جنگل یا اسٹیشن پر جو جنگل میں واقع ہو ملازم ہے اور اس کو آقا جب بھیجتے ہیں تو کم از کم ایک ماہ

---

[1] جد الممتار علی رد المحتار باب صلوٰۃ المسافر المجمع الاسلامی بیروت ۱/ ۳۶۶

کے ارادہ سے بھیجتے ہیں تو اس ملازم پر نماز قصر ہے یا پوری؟ اور مندرجہ ذیل دلیلوں میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا قول ہے کہ ملازم کو ہر حالت میں نماز کرنا چاہئے اگرچہ آقا ایک ماہ کے ارادے سے بھیجے کیونکہ اگر آقا چاہے تو آٹھ روز میں دُوسری جگہ منتقل کردے، دوسرے جنگل ہونے کی وجہ سے ہر حالت میں قصر واجب ہے کیونکہ واہاں آبادی نہیں ہے جو اقامت کی جگہ ہے، عمرو کی دلیل ہے کہ کل کام ارادے کے لحاظ پر ہوتے ہیں یعنی جس وقت آقا بھیجتا ہے تو ایک ماہ کے ارادے سے بھیجتا ہے پر وہ چاہے ایک روز میں بلالے اس حالت میں ارادے کی وجہ سے نماز قصر نہیں ہوئی، دوسرے جس جنگل میں اقامت نہیں ہوتی وُہ دوسرے جنگل ہیں اور ایسے جنگل یا اسٹیشن جو جنگل میں ہوں جہاں بیس پچیس انسان ہر وقت ہوں نیز ریلوے کے ملازم بھی اسٹیشن پر کام کرتے ہوں (اگر آبادی گاؤں وہاں سے دوچار کوس پر ہوں) اقامت کو باطل نہیں کرتی ایسی جگہ ان میں قول کس کا درست ہے؟

الجواب:

یہاں چند امور پر اطلاع لازم جن سے بعونہ تعالیٰ انکشاف حکم ہو:

اول: اسٹیشن اگرچہ ابادی سے کچھ فاصلے پر ہوں وہاں عمارت ہوتی ہے سامان اقامت مہیا ہوتا ہے، ہاں اگر آبادی سے کوسوں دوری ہے جنگل میں متعین ہوں جیسے بن کی لکڑی لینے والے، تو وہ محل اقامت نہیں اگرچہ خیمے ڈیرے ساتھ ہوں مگر ان کے لئے جن کی طرز معیشت ہی یہ ہو، جیسے سانسیے، درمختار میں ہے:

اوینوی اقامة نصف شهر بموضع صالح لها اوقرية اوصحراء دارنا وهو من اهل الاخبية [1]۔	یا وہ نصف ماہ اقامت کی نیت کسی ایسی جگہ کرے جو اقامت کی صلاحیت رکھتی ہو یا قریہ ہو یا ہمارے ملک کا صحرا ہو او رنیت کرنے والا خانہ بدوش ہو (ت)

علمگیری میں ہے:

قال شمس الائمة الحلوانی عسکرالمسلمین اذا قصدوا موضعا ومعهم اخبيتهم وخيامهم و فساطيطهم فنزلوا مفازة فی الطريق ونصبوا الاخبية والفساطيط وعزموا فيها على اقامة خمسة عشر	شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ مسلمانوں کا لشکر اگر کسی جگہ جائے اور ان کے خیمے کا سامان ان کے ساتھ ہو، انھوں نے راہ جنگل میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں خیمے وغیرہ نصب کئے اور پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلیا تو وہ مقیم نہیں ہوں گے

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

یوما لم یصیروا مقیمین لانها حمولة ولیست بمساکن کذافی المحیط[1]	کیونکہ وہ سامان اٹھانے والے ہیں وہاں ان کے گھر نہیں المحیط ۔(ت)

دوم: نرے جنگل میں کہ نیت اقامت صحیح نہیں، مدت سفر چل لینے کے بعد ہے کہ تین منزل قطع کرچکا ہو، اب کسی جنگل میں ۱۵ دن یازائد قیام کی نیت کرے تو مسافر رہے گا لیکن مدت سفر پوری ہونے سے پہلے جنگل میں بھی نیت اقامت صحیح ہے، مثلاً تین منزل کے ارادے پر چلا تھا ایک یا دو منزل چل کر نیت سفر قطع کی اور وہاں اقامت کی نیت کرلی مسافر نہ رہا نماز پوری پڑھے گا اگرچہ بن میں ہو، درمختار میں ہے:

صلی الفرض الرباعی رکعتین حتی یدخل موضع مقامه ان سار مدة السفروالا فیتم بمجرد نیة العود لعدم استحکام السفر[2]۔	(مسافر) اپنے مقام پر واپسی تک چار فرض کے دو فرض ادا کرے اور جب مدت سفر ہو ورنہ محض رجوع کی نیت سے پوری نماز ادا کرے کیونکہ سفر کا اثبات نہ ہوا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینوی بموضع صالح لها ان سار ثلثة ایام والا فیتم ولوفی المفازة والحاصل ان نیة الا قامة قبل تمام المدة تکون نقضا للسفر کنیة العود الی بلده والسفر قبل استحکامه یقبل النقض[3] اھ ملتقطا	اگر ایسی جگہ نیتِ اقامت کی جو اقامت کی صالح تھی بشرطیکہ تین دن کا سفر طے کیا ہو ورنہ پوری نماز پڑھے اگرچہ جنگل میں ہو، حاصل یہ ہے کہ تمام مدت سے پہلے اقامت کی نیت سفر کو ختم کردیتی ہے جس طرح اپنے شہر کی طرف لوٹنے کی نیت سے سفر ختم ہوجاتا ہے جبکہ سفر اپنی مدت مکمل ہونے سے قبل کالعدم ہوسکتا ہے اھ ملتقطا(ت)

معراج الدرایہ پھر علمگیریہ میں ہے:

اذالم یسر ثلثة ایام فعزم علی الرجوع اونوی الاقامة یصیر مقیما وان کان فی المفازه[4]۔	جب تین دن کا سفر طے نہ کیا اور رجوع کا عزم کرلیا یا اقامت کی نیت کرلی تو مقیم ہوجائے گا اگرچہ جنگل میں ہو۔(ت)

1 فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

2 درمختار، باب صلوٰۃ المسافر، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۰۷

3 ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱

4 فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۳۹

سوم: نوکر کی اپنی نیت معتبر نہ ہوئی بلکہ نیت آقا کا تابع ہونا اُس حالت میں ہے کہ آقا کے ساتھ ہو ورنہ خود اس کی نیت معتبر ہے، تنویر الابصار ورد المحتار میں ہے:

المعتبر نیۃ المتبوع لاالتابع کامرأۃ وفاھا مھرھا المعجل وعبد وجندی اذاکان یرتزق من الامیر اوبیت المال واجیر، مشاھرۃ اومسانھۃ، تارتار خانیہ واسیر و غریم وتلمیذ مع زوج ومولی وامیرو مستاجرو اسر ودائن واستاذ فقید المعیۃ ملاحظ فی تحقیق التبعیۃ[1] اھ ملتقطا	سربراہ کی نیت کا اعتبار ہے تابع کا نہیں جیسا کہ وہ خاتون جس کا مہر معجّل ادا کردیا گیا اور غلام، سپاہی اس وقت جب امیر سے یا بیت المال سے روزی لیتا ہو یا ماہانا یا سالانہ مزدوری پر ہو تارتار خانیۃ۔ قیدی مقروض اور شاگرد جب یہ لوگ اپنے متبوع خاوند، مولیٰ، مستاجر، قید کرنے والا، قرض خواہ اور استاذ کے واتھ ہوں اور تابع ہونے کے اثبات کے لئے معیت کی قید ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا اھ ملتقطًا (ت)

چہارم: مجرد احتمال کہ شاید آج چلاجانا ہو منافی اقامت نہیں اور اپنے وطن کے سوا آدمی کبھی کہیں مقیم نہ ہو اگرچہ سال بھر اقامت کی نیت کرے کہ کیا معلوم شاید آج ہی کوئی ضرورت سفر کی پیش آئے بلکہ اس کے لئے غلب گمان درکار ہے یقین کی حاجت نہیں کہ بے اعلام بنی غیب پر یقین کی کوئی صورت نہیں، تبیین الحقائق امام یلعی پھر ہندیہ میں ہے:

لابد للمسافر من قصد مسافۃ ثلثۃ ایام ویکفی غلبۃ الظن یعنی اذا غلب علی ظنہ انی یسافر قصرو لایشترط فیہ التیقن[2]۔	مسافر کے لئے تین دن کی مسافت کا ارادہ ضروری ہے او رغلبہ ظن کافی ہوگا یعنی جب اس کا ظن غالب یہ ہو کہ سفر کرے گا تو قصر کرے کیونکہ یقین شرط نہیں۔ (ت)

پنجم: نیت سچے عزم قلب کا نام ہے، پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ کرلے، اور جانتا ہے کہ اس سے پہلے چلے جانا ہے تو یہ نیت نہ ہوئی محض تخیل ہوا، یوں ہی دل میں عزم دو ہی منزل کا ہے اور گھر سے تین منزل کا ارادہ کرلیا کہ آبادی سے نکل کر راہ میں قصر کی اجازت مل جائے ہرگز اجازت نہ ہوگی کہ یہ نیت نہیں وہی خیال بندی ہے، البتہ اگر دو۲ ہی منزل پر جاتا ہے اور سچّا ارادہ تین منزل کا کرلیا اور تین منزل جاکر ایک منزل اپنے محل مقصود کو

---

[1] ردالمحتار شرح الدر المختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشر فی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۳۹

واپس آیا اور یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہے تو جانے اور آنے اور ٹھہرتے قصر کرے گا کہ یہ سچی نیت ہوئی اگرچہ وہاں جانے سے کوئی کام نہ تھا، درمختار میں ہے:

لودخل الحاج مکۃ ایام العشر لم تصح نیتۃ لانہ یخرج الی منٰی وعرفۃ[1]۔	اگر حاجی مکہ میں ذوالحج کے عشرہ میں داخل ہوا تو اس کی نیت اقامت درست نہ ہوگی کیونکہ اس نے منٰی اور عرفہ کی طرف نکلنا ہے۔(ت)

معراج الدرایہ پھر علمگیریہ میں ہے:

قال اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی فی تاجردخل مدینۃ لحاجۃ نوی ان یقیم خمسۃ عشریوما لقضاء تلك الحاجۃ لایصیر مقیما لانہ متردد بینا ان یقضی حاجتہ فیرجع وبین ان لا یقضی فیقیم فلا تکون نیتہ مستقرۃ وھذا الفصل حجۃ علی من یقول من اراد الخروج الی مکان ویرید ان یترخص برخص السفرینوی مکانا ابعد منہ وھذاغلط[2]۔	ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ تاجر جو کسی شہر میں کسی ضرورت کے لئے گیا اس نے حصول حاجت کے لئے پندرہ دن اقامت کی نیت کرلی تو وہ مقیم نہ ہوگا کیونکہ وہ متردد ہے اس بارے میں کہ اگر ابھی کام ہوجاتا ہے تو لوٹ جائے اور اگر نہیں ہوگا تو اقامت کرے تو اس کی پختہ نیت نہ ہوئی، یہ صورت اس شخص کے خلاف حجت ہے جو کہتا ہے کہ جو کوئی کسی جگہ کی طرف نکلنا چاہتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے سفر کی سہولت میسر ہو (حالانکہ وہ جگہ اتنی دور نہیں) تو وہ کسی دور جگہ کی نیت کرکے نکل پڑتا ہے تاکہ رخصت حاصل ہوجائے تو یہ غلط ہے۔(ت)

ششم: وطن اقامت یعنی جہاں پندرہ دن یا زیادہ قیام کی نیت صحیحہ کرلی ہو آدمی کو مقیم کردیتا ہے اور اقامت وسفر میں واسطہ نہیں تو وہاں سے بے ارادہ مدت سفر اگر ہزار کوس دورہ کرے مثلاً دس کوس کے ارادے پر وہاں سے چلے پھر وہاں سے پندرہ کوس کا ارادہ کرے وہاں سے بیس کوس کا قصد ہو مسافر نہ ہوگا اور قصد نہ کرسکے گا جیسے وطن اصلی سے یوں دورہ کرنے میں حکم ہے یہاں تک کہ اگر مثلاً وطن اقامت سے بیس کوس گیا اور وہاں سے وہاں سے چھبیس کوس کا ارادہ کرکے چلا اور بیچ میں وطن اقامت آکر پڑے گا تو سفر جاتا رہے گا، ہاں اگر تین منزل چلنے کے بعد یہ وطن بیچ میں نہ آئے گا تو قصد کرے گا اور یہ وطن وطنِ اقامت نہ رہے گا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب الخامس عشرفی صلوٰۃ المسافر مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۰

والحاصل ان انشاء السفر یبطل وطن الاقامة اذاکان منه امالو انشأه من غیره فان لم یکن فیه مرور علی وطن الاقامة اوکان ولکن بعد سیر ثلثة ایام فکذلك ولو قبله لم یبطل الوطن بل یبطل السفر لان قیام الوطن مانع من صحته [1]۔	حاصل یہ ہے کہ سفر شروع کرنے سے وطن اقامت باطل ہوجاتا ہے جبکہ سفر وہاں سے ہوااور اگر سفر کسی اور جگہ سے ہو تواب وطن اقامت سے گزر نہیں ہوا یا ہوا لیکن تین دن بعد، تو حکم یہی ہے اور اگر اس سے پہلے ہواتو وطن بالکل باطل نہ ہوگا بلکہ سفر باطل ہوجائے گا، کیونکہ قیام وطن صحت سفر سے مانع ہوتا ہے (ت)

ہفتم: نوکری ملازمت ہے اس میں قصد استدامت ہوتا ہے تو جو جہاں نوکر ہو کر رہنا اختیار کرے مقیم ہوجائیگا اگرچہ عـــہ بلخصوص پندرہ دن کی نیت نہ ہو لان نیته الاستدامة فوق ذلك (کیونکہ دوام کی نیت اقامت کی نیت سے فائق ہے۔ت)

عـــہ: فتح القدیر باب الحج عن الغیر میں ہے: لوتوطن مکة بعد الفراغ خمسة عشر یوما بطلت نفقته فی مال المیت لانه توطن ح لحاجة نفسه بخلاف مااذا اقامه اقل فانه مسافر علی حاله فان بداله بعد ذلك ان یرجع رجعت نفقته فی مال المیت وقد روی عن ابی یوسف انه لا تعود لانه فی الرجوع عامل لنفسه لا للمیت لکنها قلنا ان اصل سفره کان للمیت فما بقی ذلك السفر بقیته النفقة کذافی المبسوط، وذکر غیر واحد من غیر ذکر خلاف انه ان نوی الاقامة خمسة عشر یوما

اگر (حج بدل کرنے والے نے) فراغت کے بعد مکہ معظّمہ میں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت کرلی تو اب مالِ میت سے خرچ نہیں کرسکتا کیونکہ یہ اب اپنے ذاتی کام کے لئے ٹھہرا ہے بخلاف اس صورت کے کہ جس میں پندرہ دن سے کم ہو کیونکہ اب وہ حالت سفر میں ہی ہے پس اگر پندرہ کے بعد لوٹ آئے گا، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ مالِ میت کی طرف نہیں لوٹے گا کیونکہ رجوع اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ میت کے لئے، لیکن ہم کہتے ہیں کہ سفر میت کے لئے ہے، توجب تک سفر میں رہے گا اس کا نفقہ میت کی طرف سے ہی ہوگا، مبسوط میں اسی طرح ہے، اور متعدد فقہاء نے اسے بغیر اختلاف کے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس نے پندرہ دن کی نیت کرلی تو (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۶

ہاں اگرمدّت سفر سے یہاں نوکر ہوکرآیا اور معلوم ہے کہ پندرہ دن ٹھہرنا نہ ہوگا تو البتہ مقیم نہ ہوگا، جب اس دوسری جگہ سے فارغ ہوکرآئے گا اور یہاں ملازمانہ قیام کرے گا اس وقت سے مقیم ہوگا،

کما قال فی ردالمحتار فی واقعة عیسٰی بن ابان رحمه الله تعالٰی ان نیة الا قامة لم تعمل عملها الا بعد رجوعه لو جود خمسة عشر یوما بلانیة خروج فی اثنائها بخلاف ماقبل خروجه الی عرفات لانه لما کان عازما علی الخروج قبل تمام نصف شهر لم یصر مقیما [1]۔	جیسا کہ ردالمحتار میں شیخ عیسٰی بن ابان رحمہ اللہ تعالٰی کے واقعہ میں ہے کہ نیت اقامت موثر نہیں مگر رجوع کے بعد کیونکہ پندرہ دنوں کی نیت ہے اور اس میں نکلنے کی نیت بھی نہیں،بخلاف عرفات کی طرف نکلنے سے پہلے کے کیونکہ جب نصف ماہ کے اتمام سے پہلے نکلنے کا ارادہ رکھتا ہے تو وہ مقیم نہیں ہوگا۔(ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان سقطت فان عادت وان توطنها سواء قل اوکثر لا تعود وهذا یفید ان التوطن غیر مجرد نیة الا قامة خمسة عشر یوما والظاهر ان معناه ان یتخذها وطنا ولا یحد فی ذلك حد افتسقط النفقة ثم العود انشاء سفر لحاجة نفسه ولو بعد یومین فلا یستحق به النفقة علی المیت والله سبحٰنه اعلم [2] اه فافهم ۱۲ منه (م)

نفقہ ساقط ہوجائے گا اگر سفر سے لوٹا ہے تو نفقہ لوٹ آئے گا، اور اگر مکہ کو اپنا وطن بتاتا ہے خواہ تھوڑے دن یا زیادہ تو نفقہ نہیں ہوٹے گا،اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پندرہ دن کی نیت کے بغیر بھی اگر وہ رہا تو وہ متوطن ہوگا،ظاہرًااس کا مفہوم یہی ہے کہ وہ اگرمکہ کو اپنا وطن بتاتا ہے تو اس میں دنوں وغیرہ کی کوئی حد نہیں لہٰذا اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا اب اس کے بعد رجوع اپنی ذات کے لئے نیا سفر ہوگا اگرچہ وہ سفر دو دن کے بعد ہی کیونہ ہو لہٰذا وہ میت کی طرف سے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا واللہ سبحٰنہ اعلم اھ فافھم ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۲

[2] فتح القدیر باب الحج عن الغیر مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۶۹

اور جبکہ ایک جگہ نوکر ہو کر رہے اور پندرہ دن کے اندر وہاں سے دوسری جگہ جانا معلوم نہ ہو تو صرف احتمال قاطع اقامت نہ ہوگا ورنہ کوئی وطن اقامت نہ ہوسکے اور اپنے وطن سے مدت سفر پر جولاکھوں آدمی نوکر ہوتے اور برسوں وہاں رہتے ہیں کبھی مقیم نہ ہوں کہ بدلی یا کسی کام پر بھیجے جانے کا احتمال ہر وقت ہے **ھذا ما عندی واللہ تعالٰی اعلم** (یہ تو میرے نزدیک ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ت) جب یہ امور سبعہ معلوم ہولئے اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اوپر معلوم ہو کہ یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جہاں متعین ہوا وہ نرا جنگل ہے جائے اقامت نہیں۔ دوسرے یہ کہ محل اقامت ہے جیسے اسٹیشن۔ اور ہر تقدیر پر دو صورتوں ہیں: ایک یہ کہ یہ شخص متعین ہوتے وقت مسافر ہے یعنی تین منزل چل کر آیا اور ہنوز کہیں مقیم نہ ہوا، دوسرے یہ کہ مقیم ہے مثلاً اُسی شہر یا اور قریب جگہ کا ساکن ہے اور یہاں شہر سے دوچار کوس کے فاصلے پر متعین ہوا آیا تو تین منزل طے کرکے مگر شہر میں پندرہ دن کی نیت کے ساتھ ٹھہرا کہ مقیم ہوگیا۔ اوراب یہاں متعین ہو تو چار صورتیں آگئیں:

صورت اُولٰی: مسافر بمعنی مذکور ہے اور یہ جگہ محل اقامت نہیں، اس میں:

(۱) اس میں ابتدائے تعیّن سے بلافصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ دس برس یہی رہنے کی نسبت اس کے آقا نے کہہ دیا اور اس نے بھی ارادہ کرلیا کہ جب وہ مدت سفر سے آیا اور کہیں مقیم نہ ہوا اور یہ محل اقامت نہیں تو جب تک بھی یہاں رہے گا مسافر ہی رہے گا۔

(۲) اگر یہاں سے حکماً خواہ صرف بارادہ خود کسی دوسری جگہ جائے گا راہ میں قصر ہی کرے گا اگرچہ وہ جگہ یہاں سے مدت سفر پر نہ ہو۔

(۳) اُس دوسری جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت نہ ہو تو وہاں بھی قصر ہی پڑھے اور وہاں سے واپسی میں اور اس مقام پر واپس آکر بھی، اگرچہ یہاں کتنا ہی ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ ہنوز اس کا سفر بوجہ عدم اقامت ختم نہ ہوا۔

(۴) اگر وہاں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت حکماً خواہ فقط اپنے ارادے سے کی تو وہاں پوری پڑھے گا۔

(۵) جب وہاں سے واپس ہوگا اگر اس جگہ اور مقامِ تعین میں تین منزل کا فاصلہ ہے تو واپسی میں بھی قصر کرے گا اور یہاں پہنچ کر بھی، اگرچہ یہاں کتنے ہی دن ٹھہرنے کا ارادہ ہو کہ مدت سفر سے یہاں پہنچ کر اُس کی پھر حالت اولٰی عود کر آئی اور انشائے سفر کے سبب اُس اقامت جائے دیگر کا کوئی اثر نہ رہا۔

(۶) اگر بعد اقامت پانزدہ روزہ وہاں سے واپس ہوا اور بیچ میں مدت سفر نہیں تو اب راہ میں بھی پوری

پڑھے گااور یہاں پہنچ کر بھی کہ قبل سیر سہ روزہ جنگل میں نیتِ اقامت صحیح ہےاور بوجہ عدم انشائے سفر اُس کی وہ اقامت باطل نہ ہوئی نہ وہ وطن اقامت باطل ہوا،اس صورتِ ششم میں اُس کا حکم شقوق صورتِ ثانیہ آئندہ کی طرف عود کا جائے گا۔

صورت ثانیہ: مقیم ہےاور یہ جگہ محل اقامت نہیں،اس میں:

(۱)جب تک بعد تعین بلافصل یہاں رہے گاپوری پڑھے گاکہ مقیم کابَن میں ٹھہرنا سفر نہیں۔

(۲)اگر یہاں سے کہیں مدت سفر سے کم کی نیت سے جائے گاجاتے اور آتے اور وہاں ٹھہرتے ہر حال میں اتمام کرے گااگرچہ وہاں ایک ہی دن ٹھہرے کہ ہنوز سفر متحقق نہ ہوا۔

(۳)اگرمدّت سفر کی نیّت سے جائے گاراہ میں قصر کرے گااور وہاں بھی اگر پندرہ دن نیت نہ کرے ورنہ وہاں پوری پڑھے گا۔

(۴)یہی واپسی میں جب وہاں سے اُس مقام کو بقصدِ واحد واپس آئے گاراہ میں قصر کرے گا۔

(۵)جب یہاں پہنچے گاازانجا کہ مدتِ سفر سے آیا ہےاور یہ محل اقامت نہیں،اب اس کا حکم شقوق صورت اولیٰ گزشتہ کی طرف عائد ہوگاکہ ابتدائے واپسی سے بلافصل جب تک یہاں رہے گا قصر کرے گااس آخرہ کہ اب یہاں مسافر بمعنی مذکور ہوکرآیا، بالجملہ جب یہاں بعد سفر آئے گاصورتِ اولیٰ ہوگی اور مقیم ہوکر صورت ثانیہ یہی دورہ رہے گا،

صورت ثالثہ: مسافر بمعنی مذکور ہےاور یہ جگہ محلِ اقامت جیسے اسٹیشن،اس میں:

(۱)اگرابتدائے تعین میں معلوم تھاکہ پندرہ دن کے اندر یہاں سے جانا ہے تو مقیم نہ ہوگا قصر ہی پڑھے گا،

(۲)یہاں سے کہیں قبل اقامت جائے راہ میں قصر ہی کرے اور واپسی میں بھی۔

(۳)جب وہاں سے واپس آئے اور اب بھی پندرہ دن کے اندر کہیں جانے کا ارادہ ہے تو یہی شقوق و احکام ہیں۔

(۴)اب وہ ارادہ نہیں یا ابتدائے تعین ہی میں ۱۵روز کے اندر کہیں جانے کی نیت نہ تھی تو جبھی سے یا اب یہاں آکر مقیم ہوجائے گاپوری پڑھے،اس صورت چہارم میں اس کا حکم شقوق اربعہ آئندہ کی طرف رجوع کرے گا۔

صورت رابعہ: مقیم ہےاور یہ جگہ محل اقامت،اس میں:

(۱)جب تک یہاں رہے گااتمام کرے گااگرچہ ایک ہی دن ٹھہرنے کاارادہ ہو۔

(۲)یہاں سے کہیں جائے اور جاتے اور آتے اور ٹھہرتے اور واپس آکر ہمیشہ پوری پڑھے گاجبکہ وہ جگہ

مدت سفر پر نہ ہو۔

(۳) اگر مدّت سفر پر جائے راہ میں قصر کرے اور وہاں پوری پڑھے، اگر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ وہاں بھی قصر کرے۔

(۴) جب وہاں سے واپس آئے راہ میں قصر کرے یہاں پہنچ کر یہی شقوق واحکام ہیں جبکہ پندرہ دن کے اندر جانے کا ارادہ نہ ہو۔

(۵) اگر بعد واپسی یہاں پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کا اردہ ہے تو یہاں آکر بھی مقیم نہ ہوگا کہ یہ وطن اقامت بوجہ سفر باطل ہوگیا اور اب قصد اقامت نہیں، اس صورت پنجم میں اس کا حکم شقوق صورتِ ثالثہ کی طرف راجع ہوگا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۷: از اسٹیشن دودھوا گھاٹ ضلع کھیری لکھیم پور کارخانہ عبداللطیف خاں صاحب ٹھیکہ دار مرسلہ فرخ شاہ خاں ۱۸ جمادی اولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسٹیشن دودھوا گھاٹ ایک جنگل کا مقام ہے اور یہاں پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے اور میں ایک ٹھیکہ دار کا ملازم ہوں اور بظاہر مجھ کو امید ہے کہ اس جگہ میرا قیام جب تک کہ ملازمت قائم ہے برابر رہے گا اسی خیال سے میں پوری نماز ادا کرتا تھا، اب ایک شخص سکنہ پیلی بھیت نے کہا کہ تم کو یہاں پر قصر پڑھنا چاہئے خواہ تم ایک سال رہو یازائد رہو، لہٰذا آپ کی خدمت میں یہ تحریر ارسال کرتا ہیں کہ اس مسئلہ کا جو حکم ہو اس سے مطلع فرمائے تاکہ شک رفع ہو اور اُس کے مطابق نماز ادا کی جائے۔

الجواب:

جبکہ وہاں نہ آبادی ہے نہ جائے قیام ہے تو اگر یہ وہاں مسافر ہو کر پہنچا یعنی تین منزل سے ارادہ کرکے بیچ میں بغیر سفر توڑے وہاں پہنچا تو جب تک وہاں رہے گا قصر کرے گا اگرچہ کتنی ہی مدت گزرے اور اگر وہاں مقیم ہو کر پہنچا یعنی تین دن کی راہ سے کم فاصلہ وہاں تک تھا یا زیادہ تھا مگر بیچ میں دوسری جگہ ٹھہرتا ہوا آیا کہ پچھلے قصد سے یہاں تک مدت سفر نہ تھی تو جب تک رہے گا پوری پڑھے گا اگرچہ ایک ہی دن رہے قیام کا اصلاً قصد نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۸: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالب علم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص جس پر نماز قصر ہو وہ سفر میں اگر دیدہ ودانستہ بہ نیت زیادہ ثواب، پوری نماز پڑھے گا تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بیشک گنہگار و مستحق عذاب ہوگا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صدقۃ تصدق اللہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	یہ قصر صدقہ ہے اللہ تعالٰی نے تم پر صدقہ کیا ہے اسکے صدقہ کو قبول کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۹: از اولدن ضلع جھانسی مرسلہ محمد تقی خاں سب انسپکٹر پولیس اسٹیشن ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں ضلع جھانسی میں ملازم ہُوں جو کہ ضلع بدایوں سے قریب ۲۰۰ میل کے فاصلے پر ہے اور مقام جھانسی میں تھانہ اولدن میں تعیناتی ہے پندرہ روز تک کبھی تھانہ میں ٹھہر نا نہیں ہوتا علاقے کے دیہات میں برابر بسلسلہ کار گورنمنٹ تفتیش وغیرہ کے گشت رہتا ہے لہٰذا التماس ہے کہ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھنا چاہئے یا پوری نماز پڑھنا۔

الجواب:

جو مقیم ہو اور وہ دس دس پانچ پانچ بیس بیس تیس تیس کوس کے ارادے پر جائے کبھی مسافر نہ ہوگا ہمیشہ پوری نماز پڑھے گا اگرچہ اس طرح دنیا بھر کا گشت کر آئے جب تک ایک نیت سے پورے چھتیس کوس یعنی ساڑھے ستاون میل انگریزی کے ارادے سے نہ چلے یعنی نہ بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی نیت ہو اور اگر دو سو میل کے ارادے پر چلا مگر ٹکڑے کرکے یعنی بیس میل جاکر یہ کام کروں گا وہاں سے تیس میل جاؤں گا وہاں سے پچیس میل، وعلی ہذا القیاس مجموعہ دو سو میل تو وہ مسافر نہ ہوا کہ ایک لخت ارادہ ۵۷ میل کا نہ ہوا، ہاں جو مسافر ہے مقیم نہیں وہ جہاں ہے وہاں بھی قصر پڑھے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا اور وہاں سے ایک ہی میل یا کم کو جائے خواہ زیادہ کو، وہاں بھی قصر ہی کرے گا جب پورے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کسی محل اقامت میں نہ کرے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۰: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد خاں مسئولہ حبیب احمد بریلوی ۲۵ ذی الحجہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص علاقہ نیپال کے جنگل میں منجانب تاجران لٹھ ملازم ہے اور ایسی جگہ رہنا ہوتا ہے جہاں سے ایک یا دہ میل یا کم وزیادہ کے فاصلے پر آبادی اور زراعت ہوتی ہے تا انگریزی عملداری کے جنگلات میں ملازم ہے جو بصورت متذکرہ بالا ہے یا اسٹیشن ریلوے جنگل میں ہے وہاں سے بھی دو یا تین میل کے فاصلہ پر آبادی اور زراعت ہے، اور آقا جب بھیجتا ہے تو کچھ مدت مقرر نہیں کرتا تو ان صورتوں میں ملازم کو نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے یا پوری؟ اور اگر خود مختار ہے تو اس کو قصر پڑھنا چاہئے یا پوری؟ زید کا قول کہ نمازِ قصر ادا کرنا واجب ہے کیونکہ اول عملداری ہندو کی ہے یعنی نیپال، دوسرے جگہِ اقامت پر نہ آبادی ہے نہ زراعت ہوتی ہے یعنی کچھ فاصلے

[1] سنن ابی داؤد باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۷۰

پر ہے، تیسرے یہ صورت اوّل میں خود مختار نہیں، آقا جب چاہے منتقل یا علیحدہ کرسکتا ہے اور علمداری انگریزی میں بھی اگرچہ اسٹیشن ہے مگر زراعت نہیں ہوتی ہے نوکری پر بوجہ مذکورہ خود مختار پر بوجہ نہ ہونے زراعت کے قصر واجب ہے، اقامت کی شرائط میں زراعت بھی ہے، عمر کی دلیل یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا جن مقامات اقامت سے ایک میل یا کم یا زیادہ پر زراعت ہوتی ہے مگر فراہمی غلّہ وغیرہ میں کوئی دقت پیش نہیں آتی ہے، دوسرے مقامِ اقامت گو جنگل میں ہے مگر دس بیس پچاس آدمی ہمراہ ہوتے ہیں جو عرصہ تک ایک جگہ مقیم رہتے ہیں، جانور درندہ وغیرہ کا بالکل خوف نہیں ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ کوئی آقا ملازم کو جب بھیجتا ہے تو کام ختم کرکے آنے تک کے لئے درمیان میں اگر ضرورت ہوئی تو وہاں سے منتقل یا علیحدہ کردیا یہ معتبر نہیں، اس صورت میں ارادہ ملازم کا معتبر ہے، اگر پندرہ یوم کا ارادہ ہے تو پوری ادا کرے تو دونوں کی اقتداء درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو مسافر نہ تھا اور اُس جنگل تک جانے میں بھی اُسے سفر کرنا نہ پڑا کہ فاصلہ تین منزل سے کم تھا، وہ تو ظاہر ہے کہ مقیم تھا اور مقیم رہا اسے قصر حرام ہے اور پوری پڑھنی فرض ہے اگرچہ وہ جگہ نرا بَن ہو۔ بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

هذا ان سار ثلثة ایّام والا فتصح ولو فی المفازة [1] ۔	یہ اس وقت ہے جب تین دن کا سفر طے کرلیا ہو ورنہ وہ مقیم ہوگا اگرچہ وہ جنگل میں ہو۔ت)

اور جو مسافر تھا وہاں تک جانے سے مسافر ہوا کہ فاصلہ تین منزل یا زائد کا تھا وہ ضرور مسافر ہے، اگر عادت معلوم ہے کہ جس کام کے لئے بھیجا گیا وہ پندرہ دن یا زائد میں ہوگا اور جگہ ایسی ہو جہاں اقامت ممکن ہے اگرچہ آبادی وہاں سے دو تین میل فاصلہ پر ہو اور زراعت نہ ہو وہاں پہنچ کر مقیم ہوجائے گا اور پوری پڑھنی لازم ہوگی خاص وہاں زراعت ہونا کچھ ضرور نہیں، نہ ہندو کی علمداری ہونا کچھ مانع کہ یہ آمدورفت امان کے ساتھ ہے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا۔ درمختار میں ہے: **من دخلها بامان فانه یتم** [2] (جو امان کی بناپر داخل ہُوا وہ نمازی پوری پڑھے۔ت) اور یہ احتمال کہ شاید کوئی ضرورت پیش آئے اور جس کا نوکر ہے وہ دوسری جگہ بھیجے معتبر نہیں، ایسا احتمال ہر شخص کو ہر حال میں ہے، اور جب نوکر کا یہ حکم ہے تو خود مختار تو بدرجہ اولٰی جبکہ پندرہ دن یا زائد کی نیت کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مطبوع مصطفی البابی مصر ۱/۵۸۱

[2] دُرمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

مسئلہ ۱۲۷۱: از اٹاوہ محلّہ ثابت گنج مرسلہ محمد ابراہیم خاں صابری مارہروی ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

زید کی سسرال اسکے مکان مسکونہ سے بسفر ریل ۱۱۴ میل کے فاصلے پر ہے او بیوی بچے اس کے سب سسرال میں رہتے ہیں مگر زید اپنے کاروبار کی وجہ سے زیادہ تر اپنے مسکن پر رہتا ہے اور بال بچّے جو اس کے سسرال میں رہتے ہیں بلکہ ضرورۃً عرصہ ۸ ماہ سے ان کو وہاں چھوڑ رکھا ہے ایسی صورت میں جب زید اپنے مسکن سے اپنے بال بچوں میں ہونے کے واسطے بایں ارادہ گیا کہ میں چوتھے روز یا پندرہ دن کے بعد یا مہینہ بھر کے بعد واپس آؤں گا تو اس پر قصر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی موقع سے اس نے قصر نماز ادا نہ کی ہو جس کو کہ وہ اپنے علم کے موافق قصر نہیں جانتا مگر شرعی اصول کے موافق اس پر قصر واجب ہو تو اس کے ذمہ کچھ مواخذہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مسکن زید کا دوسری جگہ ہے اور بال بچوں کا یہاں رکھنا عارضی ہے تو جب یہاں آئے گا اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنے کی نیت کرے گا قصر کرے گا اور پندرہ دن یا زیادہ کی نیت سے مقیم ہوجائے گا پوری نماز پڑھے گا جس پر شرعاً قصر ہے اور اس نے جہلاً پڑھی اُس پر مواخذہ ہے اور اس نماز کا پھیرنا واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۲: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریل میں ایک کثیر عملہ ریلیونگ رہتا ہے جسکا یہی کام کہ ہفتہ عشرہ ایک دن دو دن زیادہ کم کسی ملازم ریلوے کے بیمار ہوجانے تخفیف میں آجانے رخصت جانے پر اس کی جگہ رہتے ہیں جس سے کہیں بیس دن مہینہ اور زیادہ دو دو چار چار دن ہی رہنا پڑتا ہے ان کے لیے نماز میں قصر کا حکم ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر اپنے مقام سے ساڑھے ستاون (۱/۲ ۵۷) میل کے فاصلے پر علی الاتصال جانا ہو کہ وہیں جانا مقصود ہے بیچ میں جانا مقصود نہیں اور وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے ورنہ پوری پڑھیں گے، ہاں یہ جو بھیجا گیا اگر اس وقت حالت سفر میں ہے مقیم نہیں تو کم وبیش جتنی دور بھی بھیجا جائے گا مسافر ہی رہے گا جب تک پندرہ کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن نہ پہنچے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷۳: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ نواب وزیر احمد خاں صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج قصد تلہر اس وقت دس بجے کی گاڑی سے ہے تلہر تک قصر نہیں تلہر سے قصد رامپور کا ہے تلہر سے رام پور تک قصر ہے لیکن درمیان میں بریلی پڑھے گی اترنا نہیں ہوگا اس صورت میں قصر کا کیا حکم ہے۔ تلہر میں بھی قصر پڑھا جائے یا نہیں اور اگر تلہر میں قصد رامپور کا فسخ ہوجائے تو قصر کو قصر کیا جائے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب: یہاں سے تلہر تک اور تلہر کے قیام تک قصر نہ کریں جب تلہر سے بخط مستقیم رامپور کا ارادہ ہو تو راہ میں بھی اور رامپور میں بھی اور بریلی تک واپس آنے میں بھی قصر کریں، رامپور جانے میں اگرچہ بریلی کے اسٹیشن پر گزر ہوگا مگر وہ بریلی میں گزر نہیں کہ قصر کا قصر کردیں اس لئے کہ یہاں اسٹیشن خارج شہر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۴: از سنبھل مراد آباد محلّہ دیپا سرائے مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

مسافر اگر نمازی پوری چار رکعت پڑھا دے تو مقیمین کی نماز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسافر اگر بے نیتِ اقامت چار رکعت پوری پڑھے گنہگار ہوگا اور مقیمین کی نماز اس کے پیچھے باطل ہو جائیگی اگر دو رکعت اولٰی کے بعد اس کی اقتداء باقی رکھیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷۵: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص اپنے وطن اصلی سے سفر کرکے دوسری جگہ میں جو سفر شرعی تین منزل سے زائد ہے بضرورت تعلقات تجارت یا نوکری وغیرہ کے جارہا ہو مگر اہل وعیال اس کے وطن اصلی میں ہوں اور اکثر قیام اُس کا وطن ثانی میں رہنا ہوگا ہی، سال بھر میں مہینہ دو مہینہ کے واسطے اہل وعیال میں بھی رہ جاتا ہو یا بعض اہل کو ہمراہ لے جائے اور بعض کو وطن چھوڑ جائے یا کل متعلقین ہمراہ لے جائے صرف مکانات وغیرہ کا تعلق وطن اصلی میں باقی ہو اور ان سب صورتوں میں ان کا زیادہ تر اور اکثر قیام وطن ثانی میں رہتا ہے اور کم اتفاق رہنے کا وطن اصلی میں ہوتا ہے اور بظاہر وجہِ قیام ثانی کے وہی تعلقات جدید ہیں اور درصورت قطع تعلقات جدیدہ کے وطن اصلی میں واپس آجانے کا بھی قصد رکھتا ہے ایسی صورت میں یہ شخص کہیں سے سفر کرتا ہوا وطن ثانی میں آئے اور ۱۵ روز قیام کا قصد نہ رکھتا ہو تو صلاۃ رباعیہ کو پورا پڑھے مثل وطن اصلی کے یا قصر کرے مثل مسافروں کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وہ دوسری جگہ نہ اس کا مولد ہے نہ وہاں اس نے شادی کی نہ اسے اپنا وطن بنالیا یعنی یہ عزم نہ کرلیا کہ اب یہیں رہوں گا اور یہاں کی سکونت نہ چھوڑوں گا بلکہ وہاں کا قیام صرف عارضی بربنائے تعلق تجارت یا نوکری ہے تو وہ جگہ وطن اصلی نہ ہوئی اگرچہ وہاں بضرورت معلومہ قیام زیادہ اگرچہ وہاں برائے چندے یا تا حاجت اقامت بعض یا کل اہل وعیال کو بھی لے جائے کہ بہرحال یہ قیام بیک وجہ خاص سے ہے نہ مستقل ومستقر، توجب وہاں سفر سے آئے گا جب تک ۱۵ دن کی نیت نہ کرے گا قصر ہی پڑھے گا کہ وطن اقامت سفر کرنے سے باطل ہو جاتا ہے۔

فی الدر المختار الوطن الاصلی وھو موطن	درمختار میں ہے وطن اصلی، آدمی کی جائے ولادت ہے

ولادته اوتأهله اوتوطنه[1]۔	یا وہاں اس نے شادی کی ہو یا اس نے وہاں اسے اپنا وطن بنایا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوتأهله ای تزوجه قال فی شرح المنیة ولو تزوج المسافر بلد ولم ینوا لاقامة به فقیل لا یصیر مقیما وقیل یصیر مقیما وهو الاوجه. قوله أوتوطنه ای عزم علی القرار فیه وعدم الارتحال وان لم یتأهل فلو کان له ابوان بلد غیر مولده وهوبالغ ولم یتأهل به فلیس ذلك وطنا الا اذاعزم علی القرار فیه وترك الوطن الذی کانه له قبله[2]۔ شرح المنیة۔	قولہ "تاھلہ" یعنی اس نے وہاں شادی کی، شرح المنیہ میں ہے کہ اگر مسافر نے کسی شہر میں شادی کرلی اور وہاں اقامت نہ کی تو قول یہ ہے کہ وہ مقیم نہیں ہوگا اور ایک قول میں مقیم ہوجائے گا یہی مختار ہے۔ اس کا قول "اوتوطنہ" یعنی اگرچہ وہاں شادی نہیں کی مگر ٹھہرنے اور کوچ نہ کرنے کا عزم کرلیا، اگر آدمی کے ایک شہر میں والدین ہیں لیکن وہ جگہ اس کی جائے ولادت نہیں اور نہ ہی اس نے وہاں شادی کی ہے تو وہ شہر اس کا وطن نہ ہوگا البتہ اس صورت میں کہ وہاں ٹھہرنے کا ارادہ کرے اور سابقہ وطن ترک کردے۔ شرح المنیۃ۔ (ت)

تنویر میں ہے:

ویبطل وطن الا قامة بمثله والاصلی والسفر[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	وطن اقامت وطن اقامت، وطن اصلی اور سفر سے باطل ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸۶

[3] درمختار باب صلوٰۃ المسافر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

باب الجُمعة

(نماز جمعہ کا بیان)

مسئلہ ۱۲۷۶: مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ اکبریہ ۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دیہات میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ آبادی جس کی مسجد میں اس کے ساکن نہ سماسکیں شہر ہے یا گاؤں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیہات میں جمعہ ناجائز ہے اگر پڑھیں گے گنہگار ہوں گے اور ظہر ذمّہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی الدر المختار فی القنیة صلوٰۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لایصح لان المصر شرط الصحة[1] انتہی **اقول:** فالجمعة اولی لانه فیها مع ذلك اما ترك الظھر وھو فرض اوترك جماعته وھی واجبة ثم الصلوۃ فرادی مع الاجتماع، وعدم المانع شنیعة اخری غیر ترك الجماعة فان من صلی فی بیته منعز لاعن الجماعة فقدترك الجماعة وان صلوا	در مختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے کہ عید کی نماز دیہاتوں میں مکروہ تحریمی ہے یعنی نہ ایسی شیئ میں مصروف ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا صحتِ عید کے لئے شرط ہے انتہی **اقول:** جمعہ بطریق اولی مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ اس جمعہ کی صورت میں ترک ظہر ہوگا جو فرض ہے یا ترک جماعت ہوگا حالانکہ وہ واجب ہے، باوجود اجتماع اور عدم مانع کے تنہا نماز ادا کرنا ترک جماعت سے الگ خرابی ہے کیونکہ جو جماعت سے الگ گھر میں نماز ادا کرے گا اس نے جماعت ترک کردی اور ایک وقت میں مسجد میں حاضر

[1] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

فرادی حاضرین فی المسجد فی وقت واحد فقد ترکوا الجماعة واتوا بهذه الشنیعه زیادة علیه فیؤدی الی ثلث مخطورات بل اربع بل خمس لان مایصلونه لما لم یکن مفترضا علیهم کان نفلا واداء النفل بالجماعة والتداعی مکروه ثم هم یعتقد ونها فریضة علیهم و لیس کذلك فهذه خامسة وهذان مشترکان بین الجمعة والعیدین۔	لوگ تنہا نماز ادا کرتے ہیں تو انھوں نے جماعت ترک کردی اور انھوں نے ایسا عمل کیا جو اس خرابی پر اضافہ ہے پس اب تین بلکہ چار، نہیں بلکہ پانچ ممنوعات لازم آجاتے ہیں کیونکہ جو نماز انھوں نے ادا کی وہ ان پر فرض نہ تھی بلکہ وہ ان پر نفل تھی اور نفل کو جماعت اور تداعی کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے پھر ان کا اسے اپنے فرض ماننا حالانکہ وہ فرض نہیں یہ پانچویں خرابی ہے اور یہ دونوں چیزیں جمعہ اور عیدین کے درمیان مشترک ہیں۔

صحتِ جمعہ کے لئے شہر شرط ہے، اور شہر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں اس کے سکان جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ تندرست نہ سماسکیں، ہمارے ائمہ ثلثہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ظاہر الروایہ کے خلاف ہے اور جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے مرجوع عنہ اور متروک ہے کما فی البحر الرائق والخیریة وردالمحتار وغیرها (جیساکہ بحرالرائق، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) اور فتوی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایہ پر عمل واجب ہے کما فی البحر والدر وغیرهما (جیساکہ بحر اور درر وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول: محققین تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام پر فتوی واجب ہے اس سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ مذہب قولِ صاحبین پر افتا کریں

اللهم الالضعف دلیل اوتعامل مخالفه نص علی ذلك العلامة زین بن نجیم فی البحر و العلامة خیرالدین الرملی فی فتاواه وشیخ الاسلام صاحب الهدایة فی التجنیس والمحقق حیث اطلق فی الفتح والسید احمد الطحطاوی والسید الشامی فی حواشی الدر وغیرهم من اجلة العلماء الکرام الغر کما بیناه فی کتاب النکاح من عطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة۔	اے اللہ! مگر یہ دلیل کمزور ہو یا عمل اس کے خلاف ہو اس پر علامہ زین بن نجیم نے بحر میں، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوی میں، شیخ السلام صاحب الہدایہ نے تجنیس میں، محقق نے فتح میں، شریف طحطاوی اور سید شامی نے حواشی در میں اور دیگر علماء اجلہ نے اس پر تصریح کی ہے جیساکہ ہم نے اسے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے کتاب النکاح میں بیان کیا ہے۔ (ت)

توجہاں قول صاحبین بھی امام ہی کے ساتھ ہے ایک روایت نوادر صرف بوجہ اختلاف فتاوٰی متاخرین کیونکہ معمول و مقبول اور ائمہ ثلثہ کا ظاہر الروایہ میں جو ارشاد ہے متروک ولائقِ عدول ہو، لاجرم شرح نقایہ و مجمع الانہر میں

تصریح فرمائی ہے کہ شہر کی یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں کما ستسمع نصه (جیسا کہ عنقریب اس پر آپ نص سنیں گے۔ت)

اقول: معہذا ہمارے ائمہ کرام رحمۃاللہ علیہم نے جو اقامتِ جمعہ کے لئے مصر کی شرط لگائی اس کا ماخذ حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی کی حدیث صحیح ہے جسے ابوبکر بن ابی شیبہ وعبدالرزاق نے اپنی مصنفات میں روایت کیا:

لاجمعة ولا تشریق ولا صلٰوة فطر ولا اضحی الافی مصر جامع اومدینة عظیمة [1]۔	جمعہ، تکبیرات تشریق، عیدالفطر اور عید الاضحٰی خارج شہر یا بڑے شہر میں ہو سکتے ہیں، (ت)

ظاہر ہے کہ اس روایت غریبہ کی تعریف بہت سے چھوٹے چھوٹے مزرعوں پر صادق جنھیں کوئی مصر جامع یا مدینہ نہ کہے گا کما ارشار الیه العلامة الطحطاوی فی حاشیة العلائی (جیسا کہ علامہ طحطاوی نے حاشیۃ العلائی میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ت) تو اس کا اختیار اصل مذہب سے عدول اور ماخذ کا صریح خلاف ہے اور گویا مخالفوں کے اس اعتراض کا پورا کرلینا ہے کہ حنفیّہ نے یہ شرط بے توقیف شارع اپنی رائے سے لگالی اس کے سوا عند التحقیق اسپر بہت اشکال وارد ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ وہ پاک مبارک دو شہر جس کی مصریت پر اتفاق ہے اور ان میں زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جمعہ قائم یعنی مدینہ ومکہ زادہما اللہ تعالٰی شرفاً وتکریما اس تعریف کی بنا پر وہی شہر ہونے سے خارج ہوئے جاتے ہیں ماصرح به العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة والعلامة السید احمد الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح شرح نور الایضاح (جس طرح کہ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں اور علامہ السید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں تصریح کی ہے۔ت) تو اس کی بے اعتباری میں کیا شبہ ہے۔ صحیح تعریف شہر کی یہ ہے کہ وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں دوامی بازار ہوں، نہ وہ جسے پیٹھ کہتے ہیں، اور وہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اُس میں کوئی حاکم مقدمات رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت وشوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ جہاں یہ تعریف صادق ہو وہی شہر ہے اور وہیں جمعہ جائز ہے۔ ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے،

کما فی الهدایة والخانیة والظهیریة والخلاصة والعنایة والدر المختار والهندیة وغیرها۔	جیسا کہ ہدایہ، خانیہ، ظہیریہ، خلاصہ، عنایہ، حلیہ، غنیہ، در مختار اور فتاوی ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

[1] مصنّف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ من قال لاجمعہ الخ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۰۱، مصنف لعبد الرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۶۷

اور یہی مذہب ہمارے امام اعظم کے استاذ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے شاگرد خاص حضرت امام عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے،

کما فی مصنف عبدالرزاق حمد ثنا بن جریج عن عطاء بن ابی رباح قال اذا کنت فی قریۃ جامعۃ فتودی بالصلٰوۃ من یوم الجمعۃ فحق علیك ان تشھدھا سمعت النداء اولم تسمعہ[1] قال قلت لعطاء ماالقریۃ الجامعۃ قال ذات الجماعۃ والامیر والقاضی والدور المجتمۃ غیرالمفترقۃ الاُخذ بعضھا ببعض مثل جدۃ[2]۔	جیسا کہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ہمیں ابن جریج نے حضرت عطاء بن ابی رباح سے بیان کیا کہ جب تم کسی جامع قریہ میں ہوں تو وہاں جمعہ کے لئے اذان ہو تو تم پر جمعہ کے لئے جانا فرض ہے خواہ اذان سنی ہو یا نہ، کہتے ہیں میں نے عطا سے پوچھا کہ جامعہ قریہ کون سا ہوتا ہے؟ انہوں نے فرمایا جس میں جماعت، امیر، قاضی اور متعدد کوچے اس میں ملے جلے ہوں جس طرح جدّہ ہے۔ (ت)

اور یہی قول ۱امام ابوالقاسم صفار تلمیذ التلمیذ امام محمد کا مختار ہے کما فی الغنیۃ (جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو ۲امام کرخی نے اختیار فرمایا کما فی الھدایۃ (جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ت) اسی پر ۳امام قدوری نے اعتماد کی کما فی مجمع الانھر (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اسی کو ۴امام شمس الائمہ سرخسی نے ظاھر المذھب عندنا (ہمارے نزدیک ظاہر مذہب یہی ہے۔ت) فرمایا کما فی الخلاصۃ (جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ت) اسی پر ۵امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء اور ان کے تلمیذ ۶امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے بدائع شرح تحفہ میں فتوٰی دیا کما فی الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ت) اسی پر ۷امام فقیہ النفس قاضی خاں نے جزم واقتصار کیا کما فی فتاواہ (جیسا کہ ان کے فتاوٰی میں ہے۔ت) اور اسی کو ۸شرح جامع صغیر میں قولک معتمد فرمایا کما فی الحلیۃ والغنیۃ (جیسا کہ حلیہ اور غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو ۹امام شیخ الاسلام برہان الدین علی فرغانی نے مرجح رکھا کما فی شرح المنیۃ (جیسا کہ شرح منیہ میں ہے۔ت) اسی کو ۱۰مضمرات میں اصح ٹھہرایا کما فی جامع الرموز (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) ایسا ہی ۱۱جواہر الاخلاطی میں لکھ کر ھذا اقرب الاقاویل الی الصواب (اقوال میں سے یہ قول صواب کے زیادہ قریب ہے۔ت) کہا کما رأیتہ فیھا (جیسا کہ اس میں مروی دیکھا ہے۔ت) ایسا ہی ۱۲غیاثیہ میں لکھا کما فی الغنیۃ (جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) اسی کو ۱۳تارتار خانیہ میں

---

1 المصنف لعبدالرزاق باب القری الصغار مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۶۸/۳

2 غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

۱۲علیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ت) فرمایا کما فی الهندیة (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ت) اسی کا [۱۴]غایہ شرح ہدایہ و غنیہ [۱۵]شرح منیہ و [۱۶]مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر [۱۷]جواہر و [۱۸]شرح نقایہ قہستانی میں صحیح کہا اخیر میں ہے یہی قول معمول علیہ ہے اسی کو [۱۹]ملتقی الابحر میں مقدم وماخوذ بہ ٹھہرایا اسی پر [۲۰]کنز الدقائق و [۲۱]کافی شرح وافی و [۲۲]نور الایضاح و [۲۳]عالمگیریہ میں جزم واقتصار کیا قول دیگر کا نام بھی لیا اسی کو [۲۴]عنایہ شرح ہدایہ میں علیہ اکثر الفقهاء (اکثر فقہاء اسی پر ہیں۔ت) فرمایا کما فی حاشیة المراقی للعلامة الطحطاوی (جیسا کہ علامہ طحطاوی کی مراقی الفلاح کے حاشیہ میں ہے، ت) اسی کو [۲۵]علامہ حسن شرنبلالی نے شرح نورالایضاح میں اصح وعلیہ الاعتماد (اسی پر اعتماد ہے۔ت) فرمایا، اسی پر [۲۶]علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ شرنبلالیہ میں اعتماد اور قول آخر کارد بلیغ کیا، اسی پر [۲۷]امام ابن الہمام محمد و [۲۸]علامہ اسمٰعیل نابلسی و [۲۹]علامہ نوح آفندی و [۳۰]علامہ سید احمد حموی وغیرہم کبرائے اعلام نے بنائے کلام فرمائی شرح کل ذلك یطول (ہر ایک کی شرح طویل ہے۔ت) علامہ ابراہیم حلبی شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

الحد الصحیح ما اختارہ صاحب الهدایة انه الذی له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود تزییف صدرالشریعة له عند اعتذارہ عن صاحب الوقایة حیث اختار الحد المتقدم ذکرہ بظهور التوانی احکام الشرع سیما فی اقامة الحدود فی الامصار مزیف بأن المراد القدرة علی اقامة الحدود علی ماصرح به فی التحفة الفقهاء عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال یقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غیرہ یرجع الناس الیه فیما تقع من الحوادث وهذا هو الاصح [1] اھ	شہر کی وہ صحیح تعریف جسے صاحب ہدایہ نے پسند کیا ہے یہ ہے کہ وہاں امیر اور قاضی ہو جو احکام نافذ اور حدود قائم کرسکیں، اور صاحب وقایہ کے پہلی تعریف کو اختیار کرنے پر ان کی طرف سے صدر الشریعۃ کا یہ عذر کرنا کہ احکامِ شرع خصوصًا حدود کے نفاذ میں سستی کا ظہور ہورہا ہے کمزور ہے کیونکہ مراد اقامت حدود پر قادر ہونا ہے جیسے کہ تحفۃ الفقہاء میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ وہ شہر کبیر ہو اس میں شاہراہیں، بازار اور وہاں سرائے ہوں اور اس میں کوئی نہ کوئی ایسا والی ہو جو ظالم سے مظلوم کو انصاف دلانے پر قادر ہو خواہ اپنے دبدبہ اور علم کی بنا پر یا غیر کے علم کی وجہ سے تاکہ حوادثات میں اس کی طرف رجوع کرسکیں اور یہی اصح ہے اھ (ت)

1 غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

ملتقی الابحر و مجمع الانہر میں ہے:

ھوظاہر المذہب علی مانص علیة السرخسی وھواختیار الکرخی القدوری، وقیل قائلہ صاحب الوقایۃوصدر الشریعۃ وغیرھما مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لا یسعھم و ھواختیار الثلجی وانما اوردبصیغۃ التمریض لانھم قالوا ان ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین مع ان الاول یکون ملا یما بشرط وجودالسطان ونائبہ ومناسبا لما قالہ الامام رحمہ اللہ تعالٰی ، وفی الغایۃ ھو الصحیح [1] اھ ملخصا ھذا جملۃ الکلام وللتفصیل محل اٰخر. واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	امام سرخسی کے بقول یہی ظاہر مذہب ہے امام کرخی و قدوری کا بھی یہی مختار ہے۔ بعض کے نزدیک یہ صاحب وقایہ اور صدرالشریعۃ وغیرہ کا قول ہے اور شہر کی یہ تعریف) کہ اگر اس کی بڑی مسجد میں اہل شہر جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھے، یہ امام ثلجی کا مختار ہے صیغہ تمریض کے ساتھ وارد کرنے کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں باوجودیکہ پہلی تعریف وجود سلطان اور نائب سلطان کے موافق اور امام نے جو کچھ فرمایا اس کے مناسب ہے، اورغایہ میں ہے کہ یہی صحیح ہے اھ ملخصًا یہ فی الجملہ گفتگو ہے تفصیل کے لئے دوسرا مقام ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷۷: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی صاحب ۲۱ صفر ۱۳۰۹ھ

بشرف خدمت باعظمت من مولانا فیاض دارین حضرت مولوی احمد رضاخاں صاحب مقیم بریلی زاداللہ فیضانہ، بعد السلام علیکم وتمنائے زیارت خدمت شریف میں عرض یہ ہے کہ نماز جمعہ کی فرضیت میں اختلاف چلاآتا ہے اس سے اطمینان حال نہیں بعض عالم فاضل قابل فتوی کے فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ کی عین فرض ہے کوئی کوئی امر حالات موجودہ سلطنت سے اُس کی فرضیت کا مانع نہیں خالصًا بلاشک وشبہ عین فرض یقینا نماز جمعہ پر آمنّا وصدقنا سے یقین رکھنا چاہئے اور جو بعد نماز جمعہ کے احتیاطی فرض نماز پیش کے پڑھے جاتے ہیں یہ نہیں پڑھنے چاہئیں، اور بعض بعض عالم فاضل لائق فتوی کے بنظر حالات سلطنت دقت کے فرماتے ہیں کہ نماز جمعہ عین فرض تھی مگر اس وقت بوجہ نہ ہونے سلطنت اسلام کے وہ فرضیت جو دراصل تھی اب وہ نہیں رہی نماز جمعہ کی بجائے فرضیت کے بمنزلہ مستحب کے فرماتے ہیں اور فتوی دیتے ہیں کہ نماز جمعہ کی ایک بڑا بھاری رکن اسلام کا ہے اس کا ترک اور ان کا مطلقًا چھوڑنا اچھا نہیں بہر حال پڑھنا نمازِ جمعہ ثواب اور اچھا ہے اور ساتھ اس کے

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۶۶و۱۶۷

یہ بھی فتوی فرماتے ہیں کہ بعد نماز جمعہ کے احتیاطًا نماز سب پیشیں کی معہ فرضوں کے پڑھ لینا ضرور چاہئے، اس واسطے جناب میں التماس پیش کیا جاتا ہے کہ جناب اس میں کس طرح فرماتے ہیں آیا مطابق فرقہ علمائے اول کے جو عین فرضیت کا فتوی فرماتے ہیں یا برخلاف اُس کے اور مطابق فرقہ علمائے گروہ ثانی کے جو مستحب فرماتے ہیں اور پیچھے نماز جمعہ کے جملہ نماز پیشیں معہ فرضوں کے احتیاطًا پڑھ لینا فرماتے ہیں جناب بالتشریح اسے درخواست کے محاذ پر مفصل حال جو جناب کے فتوی سے بہتر اور اولٰی ہو تحریر فرمادیں تاکہ ان دونوں فریق کی بحث مختلف سے یکسو اطمینان حاصل ہو فقط ۲۲ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستی کی رہنمائی فرما۔ت) اصل فرضیت جمعہ میں کسی کو کلام نہیں کہ وہ نہ صرف مجمع علیہا یا نص قطعی سے ثابت بلکہ اعلٰی واجل ضروریاتِ دین سے ہے مگر جمعہ باجماع امت مشروط ہے، ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے جو شرائط اس کے لئے معین فرمائے شک نہیں کہ ان بلاد میں ان کا پورا پورا اجتماع قدرے محل اشتباہ ونزاع معہذا یہاں عائمہ بلاد میں جماعات جمعہ متعدد ہوتی ہیں اور اگرچہ مذہب مفتی بہ میں تعدد جمعہ مثل عیدین مطلقًا جائز، اسی پر [1]کنز و[2]وافی و[3]کافی و[4]ملتقی و[5]تنویر و[6]ہندیہ و[7]طحاوی و[8]شامی وغیرہا میں اعتماد فرمایا [9]امام اجل مفتی الجن والانس نجم الدین نسفی پھر [10]علامہ ابن وہبان نے اپنے منظومہ اور [11]علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی اور [12]علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اسی کو قول صحیح امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما بتایا، [13]شرح وقایہ میں ہے **بہ یفتٰی** (اسی پر فتوی ہے۔ت) [14]شرح المجمع للعلامہ البدر العینی میں ہے: **علیہ الفتوی** (اسی پر فتوی ہے۔ت) [15]فتح القدیر میں ہے: **علی المفتی بہ** (مفتی بہ قول پر۔ت) [16]محیط شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔ت) **الصحیح وبہ ناخذ** (صحیح ہے اور ہم اسی پر عمل پیرا ہیں ،ت) [17]تبیین الحقائق و[18]بحر وفتح و[19]شرح وہبانیۃ و[20]منح الغفار و[21]عقود الدریہ وغیرہا میں ہے: **الاصح** (زیادہ صحیح ہے۔ت) بحر الرائق و[22]درمختار میں ہے: **علی المذھب** (مذہب پر۔ت) حتی کہ علامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد بن علی علائی وغیرہما نے قول آخر کے ضعیف ہونے کی تصریح فرمائی مگر عندالتحقیق روایت عدم جواز تعدد بھی ساقط نہیں بلکہ مذہب کا باقوت قول ہے [1]امام طحاوی و[2]تمرتاشی و[3]صاحب مختار نے اسی کو اختیار فرمایا، [4]امام فقیہ النفس قاضی خاں نے خانیہ میں اسی کو مقدم رکھا، [5]خزانۃ المفتین میں اُسی پر اقتصار کیا، [6]عتابی و[7]اخلاطی نے اُسی کو اظہر اور [8]جوامع فقہ میں اظہر الروایتین اور [9]امام ملک العلماء ابوبکر مسعود نے ظاہر الروایہ کہا، [10]تکملہ رازی میں ہے: **بہ ناخذ** (ہم اسی پر عمل پیرا ہیں۔ت) [11]حاوی القدسی میں ہے **علیہ الفتوی** (فتوی اسی پر ہے۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے۔ **علیہ الاعتماد** (اعتماد اسی پر ہے۔ت) [12]جواہر الاخلاطی

میں ہے **ھو الصحیح وھو الاصح وعلیہ الفتوی** (یہی صحیح اور یہی اصح اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) آفندی شامی فرماتے ہیں **فھو حٍ قول معتمد فی المذھب لا قول ضعیف** (پس یہی یہاں معتمد قول اور مذہب ہے ضعیف قول نہیں ہے) ان وجوہ کی نظر سے ۱ائمہ مرو و ۲اکثر مشائخ بخارا و ۳اصحاب امام عبداللہ حکم شہید و ۴اصحاب امام شیخ ابی عمرو و ۵اساتذہ صاحب مختار الفتاوی وغیرہم جمہور ائمہ دین وعلمائے معتمدین نے ایسی جگہ ان چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا اور اسی کی ۶محیط برہانی و ۷فتاوٰی ظہیریہ و ۸فتاوٰی حجہ و ۹واقعات و ۱۰مطلب و ۱۱مختار الفتاوی و ۱۲نہار و ۱۳کافی و ۱۴جامع المضمرات و ۱۵خزنۃ المفتین و ۱۶فتح القدیر و ۱۷شرح المجمع و ۱۸فتاوی سراجیہ و ۱۹تاتارخانیہ و ۲۰حلیہ و ۲۱غنیہ و ۲۲صغیری و ۲۳مجمع الانہر و ۲۴تیسیر المقاصد و ۲۵نہر الفائق و ۲۶عالمگیریہ و ۲۷فتاوٰی صوفیہ و ۲۸خزانۃ الروایات و ۲۹قنیہ و ۳۰حاوی و ۳۱غرائب و ۳۲فتاوی رحمانیہ و ۳۳طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح کی اسی کو ۳۴امام الحسن و ۳۵امام تمرتاشی و ۳۶قاضی بدیع الدین و ۳۷محقق ابن جرباش و ۳۸ابن الشحنہ و ۳۹شیخ الاسلام جد ابن الشحنہ و ۴۰علامہ باقانی ۴۱مقدسی و ۴۲علامہ ابوسعود و ۴۳محقق شامی و ۴۴جماعت کثیرہ شراح ہدایا و ۴۵غیرہا وغیرہم ائمہ وعلماء نے اختیار فرمایا علامہ ابراہیم حلبی نے اسی کو اولٰی اور امام محمود عینی نے احسن واحوط اور علامہ باقانی نے **ھو الصحیح** (یہی صحیح ہے۔ت) اور سراجیہ میں **ھو حسن** (یہ حسن ہے۔ت) اور حجہ ومضمرات وغیرہما میں **الصحیح المختار** (صحیح مختار۔ت) رکھا ان سب کتب وعلماء کے نصوص فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کئے یہاں بقدر حاجت صرف دو تین عبارت پر اقتصار ہوتا ہے امام محقق علامہ محمد بن امیر الحاج حلبی حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

قدیقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطها ومن ذلك ما اذا تعددت فی المصر وهی واقعة اهل مرو فیفعل ما فعلوه قال المحسن لما ابتلی اهل مرو باقامة الجمعة فی موضعین مع اختلاف العلماء فی جوازها امرائمتهم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتیاطا[1]۔	بعض شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک واقع ہوجاتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور یہ واقعہ اہل مرو کا ہے لہٰذا وہی کیا جائے جو اہل مرو نے کیا تھا، محسن کہتے ہیں کہ جب جواز جمعہ میں علماء کے اختلاف کے باوجود جب اہل مرو نے دو جگہ جمعہ شروع کیا تو انھیں ائمہ نے حکم دیا کہ وہ جمعہ کے بعد ضروری طور پر چار رکعت فرض ظہر احتیاطًا ادا کریں۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

1 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمع، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

عن هذا وعن الا ختلاف فی المصر قالوا فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة ینبغی ان یصلی اربع رکعات ینوی بها الظهر فا لا ولی هوا لاحتیاط لان الخلاف فیه قوی وکون الصحیح جواز التعدد للضرورة للفتوی لایمنع شرعیة الاحتیاط للتقوی[1] (ملخصًا)	اس اختلاف اور تعریف شہر میں اختلاف کی وجہ سے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جس جگہ جواز جمعہ میں شک ہو وہاں ظہر کی نیت سے چار رکعات ادا کرنی چاہئیں، تو احتیاط ہی بہتر ہے کیونکہ یہاں بڑا سخت اختلاف ہے اور جمعہ کا ضرورت کے پیش نظر متعدد جگہ پر جواز کے فتوٰی کا صحیح ہونا شرعًا تقوٰی کے طور پر احتیاط کے منافی نہیں۔ (ملخصا) (ت)

امام اجل ظہیر الملّۃ والدین مرغینانی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

اکثر مشائخ بخارا علیه للیخرج عن العهدة بیقین[2]۔	مشائخ بخارا کی اکثریت کی یہی رائے ہے تاکہ ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔ (ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

احتاطت الائمة فی اکثر البلاد فانهم یصلون الظهر بعد مایؤدون الجمعة خلف ثواب هؤلاء هوحسن[3]۔	اکثر شہروں میں ائمہ احتیاط کرتے ہیں کہ جمعہ کی ادائیگی کے بعد ظہر پڑھتے ہیں نائبین کے پیچھے جمعہ کی ادائیگی کے بعد اور یہ اچھا ہے۔ (ت)

ہاں وہ نرے جاہل عامی لوگ کہ تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں یا ان رکعات کے باعث راسًا جمعہ کو غیر فرض یا جمعہ کے دن دو نمازیں فرض سمجھنے لگیں اُنھیں ان رکعات کا حکم نہ دیا جائے بلکہ ان کی ادا پر مطلع نہ کیا جائے کہ مفسدہ اشد واعظم کا دفع آکد واہم ان کے لئے اسی قدر بس ہے کہ بعض روایات واقوالِ ائمہ مذہب پر ان کی نماز صحیح ہو جائے لہٰذا سیدی نور الدین مقدسی نور الشمعہ میں فرماتے ہیں:

نحن لا نأ مر بذلك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم[4]۔	ہم اس طرح کے معاملات کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ ہم خواص کو اس پر آگاہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہو۔

1 غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۲

2 فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین المرغینانی

3 فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

4 نور الشمعۃ

اس تحقیق سے ظاہر کہ ان بلاد میں مطلقاً صحتِ جمعہ کو قطعی یقینی بلااشتباہ ماننا افراط اور اقاویل مذہب وخلافیاتِ مشائخ سے غفلت وذہول ہے اور جمعہ کو صرف درجہ مستحب میں جاننا محض باطل وتفریط وقواعہ شرح مقاصد ائمہ سے عدول، اگر اول حق ہوتا تو احتیاط کی کیا حاجت تھی کہ خروج عنالعہدہ بالیقین ہو لیا، اور ثانی صحیح ہوتا تو صرف احتیاط ماننے کے کیا معنی تھے بلکہ یقینا ظہر فرض قطعی ہوتا ور ایک مستحب کے سبب جماعتِ ظہر کو کہ علی المعتمد واجب ہے ترک کرنا مکروہ تحریمی معہذا جمعہ مستحبہ نہ شرع سے معہود نہ کلمات علماء اُس کے مساعد پس قولِ وسط وانصاف یہ ہے ان شہروں میں جمعہ ضرور لازم ہے اور اس کا ترک معاذ اللہ ایک شعار عظیم اسلام سے اعراض، اور ان چار رکعت احتیاطی کا خواص کو حکم اور نافہم عامیوں کے حق میں اغماض۔ **واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۲۷۸: مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو فتاوٰی ابوالبرکات میں لکھا ہے **لا تجوز الجمعة حتی یعلم الخطیب معناه** (جب خطیب، خطبہ کے معانی اگاہ نہ ہو جمعہ جائز نہیں۔ت) یہ صحیح ہے یا کیا: **بینوا توجروا**

الجواب:

خطیب کا معنی عبارت خطبہ سمجھنا شرط کیا، معنی ہرگز واجب بھی نہیں کہ آثم کہہ سکیں، جمعہ ناجائز ہونا تو درکنار اگر یہ قول صحیح ہوتا واجب تھا کہ کتب مشہورہ متداولہ اس کی تصریحوں سے مالامال ہوتیں ایسا نہایت ضروری مسئلہ جس پر نماز فرض کے صحت وبطلان کا مدار ہو اور متون وشروح وفتاوٰی کہیں اس کا پتانہ دیں ہرگز عقل سلیم اسے قبول نہیں کرسکتی ولہذا مجتبٰی میں جو بہت سی شرائط نیت نماز فرض ونفل میں ذکر کیں جب کا تصانیف معتمدہ میں وجود نہ تھا علماء نے اسی وجہ سے ان کی طرف اصلاً التفات نہ فرمایا، اشباہ میں ہے:

من الغریب مافی المجتبٰی لابد من نیة العبادة والطاعة والقربة وانه یفعلها مصلحة له فی دینه وان یکون اقرب الی ماوجب عنده عقلا[عـــه] من الفعل واداء الامانة وابعد	عجیب ہے وہ چیزیں جس کا تذکرہ مجتبٰی میں ہے کہ نیت عبادت طاعت اور ثواب کا ہونا ضروری ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اسے اپنے دین کی مصلحت کی اور عقلا واجب شدہ عمل اور ادائیگی امانت سے قریب اور حرام شدہ ظلم اور

عـــه: قلت افصح الزاهدی ههنا عن اعتزاله فان الوجوب عند اهل الحق شرعی لاعقلی ۱۲ منه (م)

میں کہتا ہوں زاہدی نے یہاں اپنے معتزلہ ہونے کا اظہار کیا ہے کیونکہ اہل حق کے نزدیک فعل شرعی ہوتا ہے عقلی نہیں ہوتا ۱۲ منہ (ت)

عما حرم علیه من الظلم وکفران النعمة ثم هذه النیات من اول الصلٰوة الی اٰخرها خصوصا عند الانتقال من رکن الی رکن ولا بد من نیة العبادة فی کل رکن والنفل کالفرض فیها الافی وجه واحد وهو ان ینوی فی النوافل انها لطف فی الفرائض وتسهیل لها [1] اھ ملخصا	کفرانِ نعمت سے بُعد کی خاطر کررہا ہے ـــــــ پھر یہ نیت اول نماز سے لے کر آخر تک خصوصًا جب ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف انتقال ہو، اور ہر رکن میں عبادت کی نیت ضروری ہے اور اس معاملہ میں نفل بھی فرض کی طرح ہے مگر ایک صورت میں، اور وہ یہ ہے نوافل میں یہ ارادہ کرے کہ یہ فرائض میں لطف اور ان میں آسانی کے لئے ہیں اھ ملخصًا (ت)

غمزالعیون میں ہے:

اما الغرابة فی کون هذه الاشیاء لابدمن نیتها فان الفقهاء لم یذکروا ذلك فی کتبهم متونا وشروحا وفتاوٰی [2] اھ	ان اشیاء کی غرابت یہ ہے کہ اس کی نیت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے حالانکہ فقہاء نے یہ بات اپنی کتب کے متون وشروح اور فتاوٰی میں کہیں نہیں لکھی اھ (ت)

اور مجتبٰی اگرچہ مثل سائر تصانیف زاہدی کتب معتمدہ سے نہیں تاہم مشہور مصنف کی مشہور تصنیف ہے جس سے علماء مابعد نے صدہا مسائل نقل فرمائے مگر ایسے ہی نوادر غرائب کے باعث پایہ اعتماد سے ساقط ہوئی پھر بالفرض اگر فتاوٰی ابوالبرکات کا یہ مطلب ہو بھی تو اس قسم کے فتاوی ایک بات اور وہ بھی اتنی بے ثبات جس پر شروع سے اصلًا دلیل نہیں، کیونکر ادنٰی التفات کے قابل ہو سکتی ہے، اس میں شک نہیں کہ تدبر معنی جمال محمود وکمال مقصود ہے مگر فقہائے کرام نے عمومًا عبادات کے کسی ذکر میں نفس نیت کے سوا قلب کا کوئی حصہ ایسا نہیں رکھا جس پر فساد وصحت کی بنا ہو یہاں تک کہ اصل حضور قلب جس کے معنی یہ ہیں کہ صدور فعل وقول پر متنبہ ہو اگرچہ معنی کلام نہ سمجھے یہ بھی صحتِ نماز کے لئے ضروری نہیں، ملتقط وخزانہ وسراجیہ وشرح قیدانی للقہستانی وغمزالعیون وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لا یعتبر قول من قال لا قیمة لصلوة من لم یکن قلبه فیها معه [3]۔	اس کا قول معتبر نہیں جس نے کہا کہ اس شخص کی نماز کی کوئی قیمت نہیں جس کے ساتھ اس کا دل نہ تھا (ت)

علامہ شامی نے فرمایا:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول قاعدہ ثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۷۰۔۶۹

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر قاعدہ ثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۷۰

[3] ردالمحتار باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷

حضور القلب هوا لعلم بالعمل بالفعل والقول الصادرين من المصلى وهو غير التفهم فان العلم بنفس اللفظ غير العلم بمعنى اللفظ۔[1] (ملخصاً)	حضور قلب، صادر ہونے والے فعل وقول کا علم ہے اور تفہم کا غیر ہے کیونکہ نفس لفظ کا علم اور اس علم کا غیر ہوتا ہے جو لفظ کے معنی کا علم ہو۔(ت)

اور خطبہ جمعہ کا ذکر تذکیر کے لئے مشروع ہونا کما قال تعالٰی فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ[2] (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا پس اللہ کے ذکر کی طرف جلدی چلو۔ت) ہر گز اس دعوی کا مثبت نہیں ہو سکتا جب الفاظ الفاظ ذکر ہیں اور اس نے بالقصد انھیں ادا کیا قطعاً ذکر متحقق ہوا، تدبر معنی پر توقف نہیں ورنہ واجب کہ نماز میں بھی فہم معنی قال تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ﴿۱۴﴾[3]۔(اللہ تعالٰی نے فرمایا میرے ذکر کے لئے نماز قائم کروں۔ت) علاوہ بریں تذکیر سے تذکر زیادہ محتاج فہم وتدبر۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت ست پند بر دیوار
(انسان کو چاہئے کہ وہ محفوظ کرے اگرچہ نصیحت لکھی ہو دیوار پر)

حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مقتدی اگر بہرے یا سوتے یا اس قدر دور ہوں کہ آواز نہ جائے مگر وقتِ خطبہ حاضر ہوں کافی ہے شرط ادا ہو گئی فہم معنی جدا، نفسِ سماع کی بھی ضرورت نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لا يشترط لصحتها كونها مسموعة لهم بل يكفى حضورهم حتى لو بعدوا عنه اوناموا اجزأت۔[4]	صحتِ خطبہ کے لئے تمام لوگوں کا سننا ضروری نہیں بلکہ لوگوں کا حاضر ہو جانا کافی ہوگا حتی کہ اگر وہ خطیب سے دور رہے اور سوگئے تب بھی خطبہ ادا ہو جائے گا(ت)

تنویر میں ہے: ولو صمًّا[5] (اگرچہ نہ سننے والا ہو۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق حقیقت امر یہ ہے کہ ہر چند احکام شرعیہ عموماً حکم ومصالح سے ناشی ہوتے ہیں اور مشروعیت خطبہ کی حکمت یہی تذکیر وتذکر ہے مگر حکمت نہیں ہوتی کہ اُس کے فقدان سے فساد وبطلان لازم

---

[1] ردالمحتار باب شرط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۰۷
[2] القرآن ۶۲/۹
[3] القرآن ۲۰/۱۴
[4] ردالمحتار باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸
[5] در مختار باب الجمعہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱

آئے مثلاً شرع نکاح کی حکمت تکثیر امت اور نفس کی عفت کہ مردِ عنّینن وزنِ رتقاوقرنا میں دونوں اور بحالت عقم اول منتفی مگر پھر بھی صحتِ نکاح میں شبہ نہیں، صوم کی حکمت کسرِ شہوت اور نفس کی ریاضت، پھر اگر کسی شخص کے مزاج پر رطوبت غالب اور اس کی وجہ سے شہوتین میں ضعف ہو کہ روزہ اُسے نافع و موجب قوت پڑے تو کیا اُسے روزے کا حکم دیں گے یا اُس کے صوم کا فاسد مانیں گے **وقس علی ھذا** (اور اس پر قیاس کر۔ت) یہ سب کلام اُس تقدیر پر ہے کہ عبارت مذکورہ سوال کا وہ مطلب ہو یہ فتاوٰی فقیر کی نظر سے نہ گزرا کہ سیاق وسباق دیکھ کر تعین مراد کی جاتی مگر جتنے لفظ سائل نے نقل کئے فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کی رائے میں ان کی عمدہ توجیہ یوں ممکن کہ نیت نام قصد قلبی کا ہے اور قصد شے اس کے علم پر موقوف، آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہ ہو اُس کا قصد محض بے معنی، اور کسی شے کا جاننا اسے نہیں کہتے کہ صرف اس کا نام معلوم ہو جس کے معنی ومراد سے ذہن بالکل خالی ہو بلکہ اس کے مفہوم سے اگاہی ضروری ہے مثلاً طوطے کو زید کا نام سکھادیں تو یہ نہ کہیں گے کہ وہ زید کو جانتا ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص نمازِ فرض میں فرض کی نیت تو کرے مگر یہ نہ جانے کہ فرض کسے کہتے ہیں نماز نہ ہوگی کہ صلٰوۃ فریضہ میں نیتِ فرض بھی ضروری تھی جب وہ معنی فرض سے غافل ہے تو لفظ فرض کا خیال ہوا نہ نیتِ فرض کہ فرض تھی

فی الاشباہ عن العنایۃ انہ ینوی الفریضۃ فی الفرض الخ ثم نقل عن القنیۃ ینوی الفرض ولا یعلم معناہ لا یجزیہ[1]۔	اشباہ میں عنایہ سے ہے کہ فرض میں فرض ہونے کی نیت کی جائے الخ پھر قنیہ سے منقول ہے کہ اگر فرضوں کی نیت کی لیکن اس کا معنٰی نہ جانتا تھا تو اب یہ اس کے لئے کافی نہیں۔ (ت)

جب یہ واضح ہولیا اور معلوم ہے کہ صحتِ خطبہ کے لئے نیتِ خطبہ شرط ہے یہاں تک کہ اگر منبر پر جاکر چھینک آئی اور چھینک پر **الحمد للہ** کہا خطبہ ادا نہ ہوا، اشباہ میں ہے:

ما النیۃ للخطبۃ فی الجمعۃ فشرط صحتھا حتی لو عطس بعد صعود المنبر فقال الحمد للہ للعطاس غیر قاصد لھا لم تصح کما فی فتح القدیر وغیرہ[2] الخ (ملخصًا)	خطبہ جمعہ کی نیت صحتِ خطبہ کے لئے شرط ہے حتی کہ اگر خطیب کو منبر پر چڑھنے کے بعد چھینک آئی اور اس نے الحمدللہ کہا لیکن خطبہ کی نیت نہ تھی تو یہ خطبہ نہ ہوگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے الخ (ت)

تو لازم ہوا کہ خطیب معنی خطبہ سے آگاہ ہو یعنی یہ جانتا ہو کہ خطبہ ایک ذکر الٰہی کا نام ہے تاکہ اس کی نیت کرسکے ورنہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الثانیہ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۵۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الاول مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۹

نام خطبہ جانا بھی اور یہ نہ جانا کہ خطبہ کسے کہتے ہیں بلکہ لوگوں کے دیکھا دیکھی بے سمجھے ایک فعل کر دیا تو بیشک نماز جمعہ ادا نہ ہوگی کہ یہ وہی نام خطبہ کا خیال ہوا نہ نیتِ خطبہ،

وقد مناعن الشامی العلم بنفس اللفظ غیر العلم بمعنی اللفظ [1] والشرط انما ھو انیة مایعنی من الخطبة لا نیة لفظ الخطبة وھذا ظاھر جدا۔	ہم نے پہلے شامی سے بیان کیا ہے کہ لفظ کا علم اس کے معنی کے علم سے الگ ہے تو شرط اس کی نیت ہے جو خطبہ سے مراد ہے نہ کہ الفاظ خطبہ کی نیت، اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ (ت)

اور جب نیت نہ ہوئی کہ شرط صحت خطبہ تھی خطبہ نہ ہوا، اور جب خطبہ نہ ہوا کہ شرطِ صحت جمعہ تھا جمعہ نہ ہوا جس طرح کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھ کر خود بھی ان کے سے افعال کرے اور معنی نماز سے جاہل ہو یعنی نہ جانے کہ نماز خدا کا ایک فرض ہے کہ بفرض امتثال امر ادا کیا جاتا ہے ہرگز نماز نہ ہوگی۔ اشباہ میں ہے:

لا یعلم ان ﷲ تعالٰی علی عبادہ صلٰوۃ مفروضة ولکنه کان یصلیھا لا وقاتھا لم یجزہ [2]۔	اگر کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ ﷲ تعالٰی کیلئے بندوں پر نماز فرض ہے ــــ لیکن وہ اوقاتِ نماز میں نماز ادا کرتا ہے تو یہ کافی نہیں۔ (ت)

یہ معنی ہیں معنی خطبہ نہ جاننے کے، نہ یہ کہ جو عبارت پڑھے اس کا ترجمہ سمجھنا ضروری ہے، یہ کسی اک بھی مذہب نہیں ھکذا ینبغی التوجیھه (عبارت کی توجیہ اسی طرح ہونی چاہئے۔ ت) واﷲ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۷۹: ازافضل گڈھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید جمعہ کے دن جب خطبہ پڑھتا ہے تو اس کے بعد ترجمہ بھی پڑھتا ہے اس لئے خطبہ ثانیہ میں توقف ہوتا ہے اور خطبہ ثانیہ کے بعد ترجمہ پڑھنے سے نماز میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ خطبہ مع ترجمہ بزبان غیر عربی جمعہ یا عیدن کا جائز ہے یا نہیں؟ اور توقف مابین ہر دو خطبہ شرعًا جائز ہے؟ اور خطبہ ثانیہ کے بعد تاخیر نمازِ جمعہ میں ہوگی وہ بھی شرعًا جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ترجمہ کے سبب خطبہ ثانیہ یا نماز جمعہ میں تاخیر فصل اجنبی تو نہیں ہے کہ ترجمہ خطبہ بھی خطبہ ہے اذفیھا ما فیھا من الذکر والتذکیر (کیونکہ اس میں ذکر ونصیحت ہے۔ ت) ہاں خطبہ کی تطویل ہوگی اور یہ

---

[1] ردالمحتار، باب شروط الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۵۹

خلاف سنت ہے خصوصًا اگر مقتدیوں پر ثقیل ہو کہ اب سخت ممانعت ہے۔

لحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: افتان انت یا معاذ! قاله فی الصلٰوة فکیف فی الخطبة[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے اے معاذ! تو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے، یہ آپ نے نماز کے بارے میں فرمایا تھا تو خطبہ میں کیا حال ہوگا۔(ت)

اور نہ بھی ہو تو خطبہ میں غیر زبان عربی کا خلط خود مکروہ اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے خوب بیان کیا ہے۔ت) ہاں عیدین میں خطبہ ثانیہ اگر لوگ راضی و متوجہ ہوں بہ نیت وعظ نہ بہ نیت خطبہ عید پند و نصیحت کرسکتا ہے اگرچہ وہی خطبہ میں بزبان عربی مذکور ہوئی۔

فقداتی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بعد خطبة العید الی النساء فوعظهن وذکر هن[2]۔ والله تعالٰی اعلم	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ، عید کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لے جاکر انھیں وعظ و نصیحت فرماتے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۰و۱۲۸۱: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قلعہ کلکتہ میں دروازوں پر پہرہ چوکی رہتا ہے اور دس پانچ کیا سو پچاس آدمی بغرضِ سیر جائیں یا دوسری غرض سے مثلاً کسی کے ملاقات کو، تو کوئی مانع ومزاحم نہیں ہوتا، تین چار ہزار مزدور اندر کام کرتے ہیں جو صبح کو بے روک ٹوک اندر جاتے اور باہر آتے ہیں، ہاں شب کے ساڑھے نو بجے سے عام لوگ پانچ بجے تک اندر نہیں جاسکتے اندر بازار بھی ہے جو چاہے باہر سے اشیاء خریدنے کو جائے کچھ ممانعت نہیں، انگریزی جوتا قلعہ میں عمدہ بنتا ہے اکثر لوگ اس کے خریدنے کو جاتے اور خرید کرلاتے ہیں، ہاں یہ قاعدہ ہے کہ باہر سے جو چاہے جو چیز چاہے اندر لے جائے مگر اندر سے بغیر پاس کے کوئی چیز باہر نہیں لاسکتا، مسجد اندر نہیں ہے، جماعت اذان کے ساتھ ہوتی ہے، پیشتر کی پلٹن میں مسلمان بکثرت تھے، نماز باجماعت ہوتی تھی اب جو پلٹن ہے اس میں ہندو بہت ہیں، مسلمان قریب ستر کے ہوں گے، انھوں نے کرنیل سے درخواست کی کہ ہم اپنا مولوی نماز پڑھانے کی غرض سے رکھنا چاہتے ہیں اس نے اجازت دی اور انھوں نے رکھ لیا، ایک وقت میں ایک مسلمان صاحب نے جو پلٹن کے سپاہیوں میں نہیں بلکہ ایک جرنیل کے ملازم ہیں بعض مسائل میں دوسرے مسلمان سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل، مروی از جابر بن عبداللہ، مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳ /۲۹

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب صلوٰۃ العیدین الفصل الثانی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۲۶

حجت کی اور مار پیٹ ہوئی، کرنیل نے اُن تنہا مسلمان کو ان کی جماعت میں شریک ہونے سے ممانعت کردی اور ان سب سے کہہ دیا اگر یہ شخص تمھاری نماز کی جگہ آئے تو اس کو قید کرلو اور ہمارے پاس پہنچادو، ایسی حالت میں نماز جمعہ قلعہ کے اندر ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

(۲) جمعہ کے دو رکعت فرضوں کے سوا کَے (کتنے) رکعت نماز سنت پڑھنا چاہئے؟ فرضوں سے پہلے کَے رکعت اور بعد فرضوں کے کَے رکعت؟ اور احتیاطی ظہر پڑھنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت دے۔ت) اذن عام کہ صحتِ جمعہ کے لئے شرط ہے، اُس کے یہ معنی کہ جمعہ قائم کرنے والوں کی طرف سے اُس شہر کے تمام اہل جمعہ کے لئے وقت جمعہ حاضری جمعہ کی اجازت عام ہو تو وقت جمعہ کے سوا باقی اوقات نماز میں بھی بندش ہو تو کچھ مضر نہیں نہ کہ صرف رات کے ساڑھے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک، کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بادشاہ اپنے قلعہ یا مکان میں حاضری جمعہ کا اذنِ عام دے کر جمعہ پڑھے تو صحیح ہے حالانکہ قصر و قلعہ شاہی عام اوقات میں گزرگاہ عام نہیں ہوسکتے، کافی شرح وافی میں ہے:

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمه فی دارہ فان فتح بابھا واذن للناس اذنا عاما جازت صلوته شھدتھا العامة اولا[1]۔	بادشاہ اپنے دبدبہ کی وجہ سے اپنے دار میں نماز ادا کرنا چاہتا ہو اگر اس دار کا دروازہ کھول دیا جائے اور لوگوں کو وہاں داخل ہونے کا اذن عام ہوگیا تو اس کی نماز درست ہوجائے گی خواہ عوام شریک ہوں یا نہ ہوں (ت)

اور بے پاس کسی چیز کی باہر لانے کی ممانعت تو یہاں سے کچھ علاقہ ہی رکھتی ہے کہ وہ خروج سے منع ہے نہ دخول سے یونہی مزدوروں یا سیر والوں یا خریداروں کو اجازت عام ہونا کچھ مفید نہیں کہ وقت نماز بہر نماز اہل نماز کو اجازت چاہیے اوروں کو ہونے نہ ہونے سے کیا کام، اور اذن اگرچہ انھیں لوگوں کا شرط ہے جو اس جمعہ کی اقامت کرتے ہیں، ردالمحتار میں ہے:
المراد الاذن من مقیمھا[2] (جمعہ قائم کرنے کی اجازت مراد ہے۔ت) مگر پر ظاہر کہ تحقق معنی اذن کے لئے اُس مکان کا صالح اذن عام ہونا بھی ضرور، ورنہ اگر کچھ لوگ قصر شاہی یا کسی امیر کے گھر میں جمع ہو کر اذان واعلان جمعہ پڑھیں اور اپنی طرف سے تمام اہل شہر کو آنے کی اجازت عامہ دے دیں

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

مگر بادشاہ امیر کی طرف سے دروازہ پر پہرے بیٹھے ہوں عام حاضری کی مزاحمت ہو تو مقیمین کا وہ اذن عام محض لفظ بے بمعنی ہوگا وہ زبان سے اذن عام کہتے اور دل میں خود جانتے ہوں گے کہ یہاں اذن عام نہیں ہوسکتا۔ پس مانحن فیہ میں دو باتیں محلِ نظر رہیں:

اوّلاً اُس قلعہ کا صالح اذن عام ہونا یعنی اگر تمام اہل شہر اُسی قلعہ میں جمعہ پڑھنا چاہیں تو کوئی ممانعت نہ کرے، طحطاوی میں ہے:

لو ارادا الصلٰوۃ داخلھا ودخلوھا جمیعا لم یمنعوا[1]۔	اگر لوگوں نے قلعہ کے اندر نماز کا ارادہ کرلیا اور تمام اس کے اندر داخل ہوگئے تو انھیں منع نہ کیا جائے۔(ت)

اگر ایسا ہے تو بیشک وہ قلعہ صالح اذن عام ہے اور ایسی حالت میں دروازہ پر چوکی پہرہ ہونا کچھ مضر نہ ہوگا کہ پہرا وہی مانع ہے جو مانع دخول ہو، ولہٰذا کافی میں بصورت عدم جواز صرف اجلس البوابین (پہرے دار بیٹھادیئے۔ت) نہ فرمایا بلکہ **لیمنعوا عن الدخول**[2] (تاکہ دخول سے منع کریں۔ت) بڑھایا، یونہی رحمانیہ میں محیط سے منقول:

ان اجلس البوابین علیھا لیمنوا عن الدخول لم یجزھم الجمعۃ[3]۔	اس نے پہرے داروں کو دروازوں پر داخلے سے منع کرنے کے لئے بٹھادیا تو اب جمعہ جائز نہ ہوگا۔(ت)

تو صرف شوکت شاہی یا اُس قانون کی رعایت کو کہ بے پاس کوئی اندر سے باہر نہ جائے، پہرا ہونا مکان کو صلاحیت اذن عام سے خارج نہیں کرتا اور اگر اجازت سو پچاس یا ہزار دو ہزار کسی حد تک محدود ہے جیسا کہ بعض الفاظ سوال سے مستفادہ، اگر تمام جماعات شہر جانا چاہیں نہیں جانے دیں گے تو وہ مکان بندش کا ہے اس میں جمعہ نہیں ہوسکتا بدائع میں اشتراط اذن عام کی دلیل میں فرمایا:

یسمی جمعۃ لاجتماع الجماعات فیھا فاقتضٰی ان تکون الجماعات کلھا مأذونین بالحضور اذنا عاما تحقیقا لہ معنی الاسم[4]۔	جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کا اجتماع ہوتا ہے اس کا تقاضا ہے کہ اس میں تمام جماعتوں کو آنے کی اجازت ہو تاکہ نام کے معنی کا ثبوت ہو۔(ت)

---

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۴۴

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

[3] رحمانیۃ عن المحیط

[4] بدائع الصنائع فصل شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۹

ثانیاً اگر ثابت ہو جائے کہ یہ قلعہ اذن عام کا مکان ہے تو جب تک کسی شخص خاص کو حاضریِ نماز سے ممانعت نہ تھی جمعہ بیشک صحیح ہو جاتا تھا اب کہ اُس ملازم جرنیل کو منع کیا گیا تو محلِ نظر ہے کہ یہ ممانعت ان مقیمان جمعہ کی طرف سے بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ اُسے جمعہ میں آنے سے منع نہیں کرتے اگرچہ اور نمازوں میں مانع ہوں اگرچہ کرنیل نے اُسے جمعہ سے بھی جبراً روکا ہو یا وہ خود بخوفِ کرنیل نہ آتا ہو تو ان صوتوں میں بھی صحتِ جمعہ میں شک نہیں کہ جب مقیمین جمعہ کی طرف سے اذنِ عام اور وہ مکان بھی اذن عام کا صالح تو کسی شخص کو غیر جمعہ سے تو روکنا یا جمعہ میں اُس کا خود آنا یا کسی کا جبراً اُسے باز رکھنا قاطع اذن عام نہیں ہو سکتا جیسے زندانی لوگ کہ ہمیشہ حضوریِ مساجد سے ممنوع ہوتے ہیں یا اگر کوئی شخص بعض نمازیوں کو خاص وقت نماز اس لئے مقید کرلے کہ مسجد میں نہ جانے پائیں تو نہ یہ قادح اذن عام نہ مقمانِ جمعہ پر اس کا الزام، بلکہ ظاہراً ممانعت کرنیل بھی کوئی اپنی طرف سے حکمِ جبری نہیں انھیں پلٹن والوں کی خاطر سے ہے اور انھیں کی مرضی پر رکھا ہے جب یہ مزاحمت نہیں کرتے تو کرنیل کو پرخاش سے کیا مطلب، اور اگر یہ خود اُسے حاضری جمعہ سے باز رکھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ شخص فی الواقع شریر ومفسد و موذی ہے کہ اُس کے آنے سے اندیشہ فتنہ ہے جب تو ایسی ممانعت بھی مانع صحتِ جمعہ نہ ہوگی کہ قادح اذن عام سے روکنا ہے۔

کما فی الطحطاوی عن الحلبی لا بدمن حملہ علی ماذامنع الناس من الصلٰوۃ[1]۔	جیسا کہ طحطاوی میں حلبی سے ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ لوگوں کو نماز سے منع کرے۔(ت)

شرح عیون المذاہب پھر مجمع الانہر پھر در مختار پھر فتح المعین علامہ ابوالسعود ازہری میں ہے:

واللفظ لہ الجمعۃ بالقلعۃ صحیحۃ وان غلق بابہا لان الاذن العام مقرر لاھلہا وغلقہ لمنع عدو او عادۃ قدیمۃ لا للمصلی[2]	اس کے الفاظ یہ ہیں کہ قلعہ کے اندر جمعہ درست ہے اگرچہ اس کا دروازہ بند ہو کیونکہ اذن عام اہل قلعہ کے لئے ثابت ہے اور اس کا بند ہونا دشمنوں کے عدمِ دخول کے لئے ہے یا عادت قدیمہ ہے نمازی کو روکنے کے لئے نہیں۔(ت)

اور یہ روکنا درحقیقت نماز سے رکنا نہیں بلکہ فتنہ سے بندش ہے،

1 طحطاوی علی الدر المختار باب الجمعۃ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۴۴

2 فتح المعین باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۱۶

کما فی الشامی عن الطحطاوی لا یضر منع نحو النساء لخوف الفتنہ[1] انتہی۔ **اقول:** وتعلیلہ بعدم التکلیف معلول بما فی الشامی عن العلامۃ اسمٰعیل مفتی دمشق الشام تلمیذ المحقق العلائی صاحب الدرالمختار عن العلامۃ عبدا العلی البرجندی شارح النقایۃ ان الاذن العام ان لایمنع احدا ممن تصح منہ الجمعۃ[2] کما لا یخفٰی فافہم۔	جیسا کہ شامی میں طحطاوی سے ہے کہ عوتوں وغیرہ کو روکنا مضر نہیں کیونکہ ان کے آنے میں فتنہ کا ڈر ہے۔انتہٰی **اقول:** یہ علّت بیان کرنا کہ وہ مکلّف نہیں،اس کا تعلق اس بیان سے ہے جو شامی میں مفتی شام جو اسمٰعیل دمشقی جو محقق علائی صاحبِ درمختار کے شاگرد ہیں سے شارح نقایہ علامہ عبدالعلی برجندی کے حوالے سے کہا کہ اذن عام یہ ہے کہ ہر اس شخص کو نہ روکا جائے جن سے جمعہ کی ادائیگی صحیح ہو جیسا کہ یہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

علماء خود فرماتے ہیں کہ موذیوں کو مساجد سے روکا جائے۔

کما فی عمدۃ القاری للامام البدر محمود العینی وفی الرسائل الزینیۃ للعلامۃ زین بن نجیم المصری وفی الدرالمختار یمنع منہ (ای من المسجد) کل موذولو بلسانہ[3]۔	جیسا کہ امام بدر محمود عینی کی عمدۃ القاری،علامہ زین بن نجیم المصری کے رسائل زینیہ اور درمختار میں ہے کہ (مسجد سے) ہر اذیت دینے والے کو منع کیا جائے اگرچہ وہ زبان سے اذیت دینے والا ہو۔(ت)

تو یہ روکنا کہ مطابق شرع ہے منافی اذن نہیں،اور اگر ایسا نہیں بلکہ یہ لوگ محض ظلماً بلاوجہ یا براہ تعصب روکتے ہیں تو بلاشبہ ان کا جمعہ باطل کہ ایک شخص کی ممانعت بھی اذن عام کی مبطل،

فقد مرعن الشامی عن اسمٰعیل عن البرجندی ان لا یمنع احدا۔	پہلے شامی نے شیخ اسمٰعیل سے.برجندی کے حوالے سے لکھا کہ کسی کو منع نہ کیا جائے۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

الاذن العام بالصلٰوۃ بان یفتح باب الجامع اودارلسطان بلا مانع لاحد من	نماز کے لئے اذن عام یہ ہے کہ داخلہ کے لئے بلارکاوٹ جامع مسجد یا دارِ سلطان کا دروازہ

1 ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۱

2 ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالکتب العربیہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۰

3 درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۴

الدخول فیه [1] اھ ھذا کله مما اخذته تفقھا من کلما تھم وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی۔	کھول دیا جائے اھ اور یہ تمام فقہاء کی عبارات سے میں نے سمجھا ہے اور ان شاء اللہ امید ہے کہ یہ صواب ہے۔(ت)

دس سنتیں ہیں، چار پہلے چار بعد ہی منصوص علیھن فی المتون قاطبة وقد صح بھن الحدیث فی صحیح مسلم (ان کے چار ہونے پر متون میں قطعًا تصریح ہے اور صحیح مسلم میں ان کے بارے میں صحیح حدیث بھی وارد ہے۔ت) اور دو بعد کو اور، کہ بعد جمعہ چھ سنتیں ہونا ہی حدیثا وفقھا اثبت واحوط (مختار ومحتاط حدیث وفقہ کے اعتبار سے۔ت) مختار ہے اگرچہ چار کہ ہمارے ائمہ میں متفق علیہ ہیں ان دو سے مؤکد تر ہیں۔

لحدیث ابوداؤ دبسند صحیح والحاکم وصححه علی شرط الشیخین عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنھما انه کان اذاکان بمکة فصلی الجمعة تقدم فصلی رکعتین ثم تقدم فصلی اربعا (وفیه) فقال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یفعل ذلک [2] ھذا مختصر وتمام الکلام علیه فی الفتح ،والامام الطحاوی فی شرح معانی الاثار عن ابی عبدالرحمٰن السلمی قال قدم علینا عبد الله (یعنی ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه) فکان یصلی بعد الجمعة اربعا فقدم بعده علی رضی الله تعالٰی عنه فکان اذا صلی الجمعة صلی بعدھا رکعتین واربعا فاعجبنا فعل علی رضی الله تعالٰی عنه فاخترناه [3]۔ فی فتح ابوالسعود الازھر تحت قول مسکین قال ابو یوسف رحمه الله	ابوداؤد میں سند صحیح کے ساتھ حدیث ہے، حاکم نے تخریج کرکے کہا کہ بخاری و مسلم کے شرائط پر ہے ـــــــ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ہے کہ جب مکہ میں تھے جمعہ ادا فرمایا تو آگے بڑھے دو رکعات ادا کیں پھر آگے بڑھے تو چار رکعت ادا کیں (اور اسی میں ہے) فرمایا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کیا کرتے تھے۔ یہ مختصر ہے اور اس پر تمام گفتگو فتح میں ہے، امام طحاوی شرح معانی الآثار میں ابو عبدالرحمان السلمی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن مسعود رضی اللہ عنہ) ہمارے ہاں تشریف لائے تو آپ نے جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کیں، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے اور آپ کا طریقہ تھا کہ جمعہ بعد پہلے دو رکعات پھر چار رکعات ادا کرتے، ہمیں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل نہایت ہی پسند آیا

[1] جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ السلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۵

[2] سنن ابوداؤد باب الصلوٰۃ بعد الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۱۶۰

[3] شرح معانی الآثار باب التطوع بعد الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳۳

تعالٰی السنة بعد صلٰوة الجمعة ست رکعات اھ وبہ اخذ الطحطاوی واکثر المشائخ نھر عن عیون المذاھب التجنیس [1] اھ فی الجواھر الاخلاطی ھو ماخوذ عن القاضی واخذ بہ اکثر المشائخ وھوا المختار [2] اھ فی مجمع الانھر بہ اخذ الطحطاوی واکثر المشائخ منا وبہ یعمل الیوم [3] اھ فی البحر الرائق فی الذخیرة والتجنیس وکثیرمن مشائخنا علی قول ابی یوسف وفی منیة المصلی والا فضل عندنا ان یصلی اربعا ثم رکعتین [4] اھ فی الغنیة الافضل ان یصلی اربعا ثم رکعتین للخروج عن الخلاف [5] اھ	توہم نے اسی کو اختیار کرلیا، فتح ابوسعود ازہری میں مسکین کے قول کے تحت ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جمعہ کے بعد چھ رکعات ہیں اھ، اسے طحاوی اور اکثر مشائخ نے مختار کہا ہے۔ نہر نے عیون المذاہب اور تجنیس کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ جواہر اخلاطی میں ہے کہ یہ قاضی سے ماخوذ ہے اھ اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور یہی مختار ہے اھ مجمع الانہر میں ہے کہ طحاوی اور اکثر مشائخ نے اسی پر عمل کیا اور آج اسی پر عمل کیا جاتا ہے اھ بحر الرائق میں ہے کہ ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ مشائخ کی اکثریت امام ابویوسف کے قول پر ہے منیۃ المصلی میں ہے کہ ہمارے نزدیک کے قول پر ہے۔ منیۃ المصلی میں ہے کہ ہمارے نزدیک افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ غنیہ میں ہے کہ اختلاف سے بچنے کے لئے افضل یہی ہے کہ پہلے چار اور پھر دو رکعات ادا کی جائیں اھ (ت)

اور عام لوگوں کو احتیاطی ظہر کی کچھ ضرورت نہیں کما فصلنا فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۲: از بھورہ کلاں پرگنہ ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ سالار بخش ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ چار رکعت فرض ظہر مثل نفل یعنی چاروں رکعتوں میں سُورت ملا کر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وہ شہر وقصبات جن میں شرائط جمعہ کے اجتماع میں اشباہ واقع ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور آج کل

---

[1] فتح المعین باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۳

[2] جواہر الاخلاطی فصل فی الجماعات غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۲

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الوتر والنوافل مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۳۰

[4] بحر الرائق باب الوتر والنوافل مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۴۹

[5] غنیہ المستملی فصل فی النوافل مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۹

ہندوستان کے عام بلاد ایسے ہی ہیں ایسی جگہ ہمارے علمائے کرام نے حکم دیا ہے کہ بعد جمعہ چار رکعت فرض احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور اب تک ادا نہ کی یہ چار رکعتیں چاروں سنت بعدیہ جمعہ کے بعد پڑھے اور جس پر ظہر کی قضائے عمری نہ ہو وہ چاروں میں سورت بھی ملائے پھر جمعہ کی دو سنتیں ان رکعتوں کے بعد بہ نیت سنت وقت ادا کرے جمعہ پڑھتے وقت نیت صحیح وثابت رکھے جمعہ کو صحیح سمجھ کر خاص فرض جمعہ کی نیت کرے اگر بہ نیت فرض ادا نہ کیا تو جمعہ یقیناً نہ ہوگا اور اب یہ چار رکعتیں نری احتیاطی نہ رہیں گی بلکہ ظہر پڑھنی فرض ہوجائے گی، اور جب یوں نیتِ صحیحہ سے ادا کرچکا تو ان چار رکعتوں میں یہ نیت نہ کرے کہ آج کی ظہر پڑھتا ہوں بلکہ وہی گول نیت رکھے کہ جو پچھلی ظہر میں نے پائی اور ادا نہ کی اسے ادا کرتا ہوں خواہ وہ کسی دن کی ہو اس سے زیادہ خیالات پریشان نہ کرے، یوں پڑھنے میں یہ نفع پائے گا کہ اگر شاید علم الٰہی میں بوجہ فوت بعض شرائط جمعہ صحیح نہ ہوا ہوگا تو یہ رکعتیں آج ہی کی ظہر ہوجائیں گی کہ اس صورت میں یہی ظہر وہ پچھلی ہے جس کا وقت اُسے ملا اور ابھی ذمّہ سے ساقط نہ ہوئی اور اگر جمعہ صحیح واقع ہوا تو آج سے پہلے کی جو ظہر اس کے ذمہ رہی ہوگی (خواہ یوں کہ سرے سے پڑھی ہی نہ تھی یا کسی وجہ سے فاسد ہوگئی) وہ ادا ہوجائے گی اور اگر کوئی ظہر نہ رہی ہوگی تو یہ رکعتیں نفل ہوجائیں گی، اسی لحاظ سے جس پر قضائے عمری ظہر کی نہ ہو یہ چاروں رکعتیں بھری پڑھیں کہ اگر نفل ہوئیں اور سُورت نہ ملائی تو واجب چھوٹ کر نماز مکروہ تحریمی ہوگی، ہاں جس پر قضائے عمری ہے اسے پچھلی دو میں سورت ملانے کی حاجت نہیں کہ اس کے ہر طرح فرض ہی ادا ہوں گے، جمعہ نہ ہوا تو آج کے اور ہوا تو آج سے پہلے کے یہ سب تفصیل واقع کے اعتبار سے ہے نمازی کو نیت میں اس شک وتردد کا حکم نہیں کہ نیت وتردد باہم منافی ہیں اگر یونہی مذبذب نیت کی تو وہ مقصود واحتیاط ہرگز حاصل نہ ہوگا لہٰذا اسی طرح گول نیت سے بے خیال تردد بجالائے اور واقع کا معاملہ علمِ الٰہی پر چھوڑدے، پھر ایسی تصحیح نیت نرے جاہلوں کو ذرا دشوار ہے اور ان سے یہ بھی اندیشہ کہ اس کے سبب کہیں یہ نہ جاننے لگیں کہ جمعہ سرے سے خدا کے فرضوں میں ہی نہیں سمجھنے لگیں کہ جمعہ کے دن دوہرے فرض ہیں دو رکعتیں الگ چار الگ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ ایسے لوگوں کو ان رکعتوں کا حکم نہ دیا جائے ان کے حق میں یہی بہت ہے کہ بعض روایات پر اُن کی نماز ٹھیک ہوجائے انھیں ایسی احتیاط کی حاجت نہیں، ہاں خواص یعنی جو لوگ اس طرح کی نیت کرسکتے ہوں اور اُن سے وہ اندیشے نہ ہوں وہ یہ احتیاط بجالائیں تاکہ یقیناً فرض خدا ادا ہوجائے اور شبہ واحتمال کی گنجائش نہ رہے، فقیر اپنے فتاوٰی میں یہ مسئلہ مفصل ومدلل لکھ چکا ہے یہاں صرف دو تین عبارات پر اقتصار ہوتا ہے، فتاوٰی علمگیری میں ہے:

فی کل موضع وقع الشك فی جواز الجمعة لوقوع الشك فی المصر اوغیرہ واقام اھله	ہر وہ مقام جہاں پر جمعہ ہونے یا نہ ہونے میں شک کی وجہ سے جوازِ جمعہ میں شک ہوجائے وہاں جمعہ کے بعد

الجمعة ینبغی ان یصلوا بعد الجمعة اربع رکعات وینووا بھا الظھر حتی لو لم تقع الجمعة موقعھا یخرج عن عھدة فرض الوقت بیقین کذافی الکافی وھکذافی المحیط ثم اختلفوا فی نیتھا قیل ینوی اٰخرظھر علیه وھو الاحسن والاحوط ان یقول نویت اٰخرظھر ادرکت وقته ولم اصله بعد کذا فی القنیة وفی فتاوی آھو ینبغی ان یقرء الفاتحه والسورة فی الاربع التی تصلی بعد الجمعة فی دیارنا کذا فی التاتار خانیة[1]۔	چار رکعات بہ نیت ظہر ادا کی جائیں تاکہ اگر جمعہ نہ ہوا تو وقتی فرض کی ادائیگی بالیقین ہوسکے، الکافی، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے، پھر ان رکعات کی نیت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ وہ ارادہ کرے کہ وہ اپنے ذمّے آخری ظہر ادا کررہا ہے اور یہی احسن ہے، اور احوط یہ ہے کہ یوں ارادہ کرے میں آخری ظہر پڑھ رہا ہوں جس کا وقت میں نے پایا اور اسے ابھی تک ادا نہیں کیا، جیسا کہ قنیہ میں ہے، اور فتاوٰی آہو میں ہے کہ ہمارے علاقے میں جمعہ کے بعد جو چار رکعات پڑھی جاتی ہے ان میں فاتحہ اور سورت پڑھنی چاہئے، جیسا کہ تاتار خانیہ میں ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

قد یقع الشك فی صحة الجمعة بسبب فقد بعض شروطھا ومن ذلك مااذا تعددت فی المصروھی واقعة اھل مروفیفعل ما فعلوه وقال المحسن امرائمتھم باداء الاربع بعد الجمعة حتما احتیاطا[2]۔	بعض شرائط جمعہ کے فقدان کی وجہ سے بعض اوقات صحتِ جمعہ میں شک ہوجاتا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہو اور اہل مرو کا واقعہ ہے، پس وہاں وہی کچھ کیا جائے گا جو انھوں نے کہا، محسن نے کہا کہ انھیں ائمہ نے احتیاطًا حتمی طور پر جمعہ کے بعد چار رکعات ادا کرنے کا حکم دیا۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الحلبی الاولی ان یصلی بعد الجمعة سنتھا ثم الاربع بھذہ النیة ثم رکعتین سنة الوقت فان صحت الجمعة	حلبی کہتے ہیں کہ اولٰی یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنن ادا کرے پھر اس نیت سے چار رکعات پھر وقتی سنتیں دو رکعات ادا کرے، پس اگر اب جمعہ صحیح ہوا تو اس

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

کان قد ادی سنتها علی وجهها والا فقد صلی الظهر مع سنته ابو السعود [1]	کی سنن اپنے طریقے پر ہوئیں، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو اس نے ظہر سنن کے ساتھ ادا کرلی، ابوالسعود۔ (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

بفعل الاربع مفسدة اعتقاد الجهلة عدم فرض الجمعة اوتعدد المفروض فی وقتها ولایفتی بالاربع الا الخواص یکون فعلهم ایاها فی منازلهم [2] اھ وبمثله صرح المحققون الآمرون کالمقدسی وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان چار رکعات کی ادائیگی جاہل لوگوں کے اعتقاد میں فساد برپا کرے گی کہ جمعہ فرض ہے یا نہیں، یا ایک ہی وقت میں متعدد فرائض ہوسکتے ہیں، لہٰذا چار رکعات ظہر کا فتوٰی صرف خواص کے لئے ہے اور ان کا فعل (رکعات کی ادائیگی) بھی اپنے گھروں میں ہوگی اھ اسی کی مثل اس کا حکم دینے والے محققین مثلاً امام مقدسی وغیرہ نے کہا ہے، (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸۳تا۱۲۸۹: از فیروز پور ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ شیخ فضل حسین صاحب ۲۱رجب ۱۳۱۱ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) حنفی اگر بعض اقوال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اختیار کرلیں جو دربارہ ترقی عبادت ہوں جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً اگر دیہات میں جمعہ پڑھنا بقول امام شافعی جائز ہووے اور بدیں حکم حنفی پڑھیں تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ اور ناجائز ہونے کی صورت میں لائق مواخذہ کے ہوں گے یا صرف فرضِ ظہر ان کے ذمہ باقی رہے گا؟

(۲) اگر بنظر شبہ ناجواز بعد پڑھنے جمعہ کے چار رکعات دیگر بدیں نیت کہ اگر جمعہ ناجائز ہوا یہ رکعتیں فرض ظہر میں شمار ہوجائیں ورنہ نفل رہیں بدیں خیال کہ روز قیامت فرائض میں جو کمی ہوگی سنا ہے کہ وہ سنن ونوافل سے پوری کی جائے گی، پڑھنا کفایت کرے گا یا نہیں؟ اور یہ بات اکثر جگہ رواج میں ہے یہ رواج جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ بات مشہور ہے کہ نہ پڑھنے سے پڑھنا اولٰی ہے کہ ضعفِ اسلام کا وقت ہے جمعہ پڑھنے کے واسطے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الجمعۃ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۴۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۶۔۲۷۵

لائق کہنے کے ہے یا نہیں؟

(۴) حاکم یا قاضی یا بادشاہ یا نائب کا موجود ہونا جو مشروط ہے اور وہ شرط ہندوستان میں کہیں میسر نہیں پھر آخر جمعہ پڑھا جاتا ہے اور ایک شرط پر لحاظ نہیں کیا جاتا، ایساہی اگر بعض شرائط "حوالیِ شہر یا آبادی مساوی منی" نہ لحاظ کیا جائے تو گنجائش ہے یا نہیں؟

(۵) جن دیہات میں جمعہ پڑھا جاتا ہے اور وہاں کی آبادی کم ہے کہ شہریت اس کو حاصل نہیں وہاں کے لوگوں کو اگر جمعہ پڑھنے سے باز رکھا جائے اور کہا جائے کہ فرض ظہر تمھارے ذمّہ سے ساقط نہیں ہوتا جائز ہوگا یا ناجائز، درحالیکہ وہ جمعہ پڑھنے دوسری جائز جگہ پر جانے والے نہ ہوں۔

(۶) یہ جو علماء لکھتے ہیں کہ جس بستی کے مسلمان مکلّف وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سماویں وہاں جمعہ جائز ہے یہ مردم شماری دیہہ سے مراد ہے یا تعداد نمازیوں سے اندرونِ مسجد سے یا مع صحنِ مسجد؟

(۷) جماعت میں بقول بعض ائمہ علاوہ دو آدمی اور بقول بعض چالیس آدمی لکھے ہیں مالابدمنہ میں، اگر موجب اُس کے چالیس آدمی سے کم میں جمعہ پڑھا جائے تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حتی الامکان چاروں مذہب بلکہ جمیع مذاہب ائمہ مجتہدین کی رعایت ہمارے علماء بلکہ سب علماء مستحب لکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ یہ اسی وقت تک ہے کہ اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو ورنہ ایسی رعایت کی اجازت نہیں۔

فی ردالمحتار ف لیس له ان یرتکب مکروہ مذہبه لیراعی مذہب غیرہ کما مر تقریرہ اول الکتاب [1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ غیر کے مذہب کی رعایت کرتے ہوئے اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب جائز نہیں جیسا کہ اس پر کتاب کی ابتداء میں تفصیلاً گزر چکا ہے۔(ت)

جب مکروہ کے سبب یہ حکم تو امر حرام و ناجائز کے لئے کیونکر اجازت ہو سکتی ہے، دیہات میں جمعہ پڑھنا خود ناجائز ہے۔

فی الدرالمختار تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة [2]۔	درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر کا ہونا شرط صحت ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار مطلب فی ندب مراعاۃ الخلاف الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۰۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

ف: ردالمحتار میں یہ عبارت بالمعنی مذکور ہے بالفاظہ مذکور نہیں۔

پھر اس کے سبب جماعتِ ظہر ترک ہونا دوسرا گناہ، اور ہر گناہ قابلِ مواخذہ، اور اگر ظہر نہ پڑھی جب تو خود نمازِ فرض معاذاللہ عمداً ترک کی فرض کا ذمہ پر رہ جانا کیا کوئی ہلکی بات ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کے دامن رحمت میں پناہ لیتاہوں۔ت)

(۲) یہ نیت کہ اگر جمعہ نہ ہوا تو فرض ورنہ نفل ہر گز کفایت نہ کرے گی کہ جمعہ نہ ہوا تو فرض ظہر ذمہ پر باقی ہے اور فرض کی نیت میں تعیین شرط ہے شک وتردد کافی نہیں،

فی التنویر لابد من التعیین عندالنیۃ لفرض ولو قضاء وواجب[1]۔	تنویر میں ہے کہ نیت کے وقت فرض وواجب کی تعیین ضروری ہے خواہ وہ قضا ہو۔(ت)

بلکہ اشباہ کی جگہ یہ کرے کہ جمعہ پڑھتے وقت عزم وجزم کے ساتھ جمعہ کی نیت کرے پھر چار سنت بعد یہ بہ نیت سنت وقت پڑھے پھر یہ چار رکعت احتیاطی اس نیت سے ادا کرے کہ پچھلی وہ ظہر جس کا وقت میں نے پایا اور ادا نہ کی، پھر دو سنتیں بہ نیت سنت وقت پڑھے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جمعہ صحیح ہوگیا تو چار فرض جو اس نے پڑھے پہلے کسی ظہر کی قضا دانستہ یا نادانستہ جو اس کے ذمہ رہ گئی تھی اُس میں محسوب ہوجائیں گی اور کوئی قضا نہ تھی تو نفل ہوں گی، اور اگر جمعہ نہ ہوا تو یہ فرض خود آج ہی کی ظہر کے مع سنت قبلیہ وبعدیہ بترتیب ادا ہوجائیں گے، یہ اس طریقہ کی منفعت ہے نہ یہ کہ نیت میں یوں شک وتردد کرے، یوں ہر گز فرض ادا نہیں ہوسکتے تو وہ مقصود احتیاط کہاں حاصل ہوا، ان رکعتوں کا رواج جواز کیا بلکہ ایسے مواقع میں علماء نے حکم دیا ہے مگر ان جاہلوں کو نہیں جو نیت صحیح نہ کرسکیں یا ان کے باعث جمعہ کے دن دوہرے فرض سمجھنے لگیں، ولہذا علماء فرماتے ہیں عوام جاہلوں کو ان کا حکم نہ دیا جائے، عالمگیری میں ہے:

ینوی اٰخر ظہر علیہ وھو الاحسن[2]	(جو اس پر آخری ظہر ہے اس کی نیت کرے اور یہی احسن ہے۔ت)

مراقی الفلاح میں ہے: **لایفتی بالاربع الا الخواص**[3] (چار رکعت ظہر کا فتوٰی صرف اور صرف خواص کے لئے ہے۔ت)

---

[1] درمختار باب شروط الصلٰوۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۵

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۶

مگر یہ اس جگہ کے لئے ہے جو شہر یا فناء شہر ہو اور تعدد جمعہ وغیرہ وجوہ کے سبب صحت جمعہ میں اشتباہ ہو، گاؤں میں جمعہ اصلاً جائز نہیں تو وہاں اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ ایک ناجائز کام کریں اور ان چار رکعت احتیاطی سے اس کی تلافی چاہیں۔

(۳) اور ضعفِ اسلام کا عذر قابل سماعت نہیں، ضعف تو یوں ہی ہے کہ اکثر اہل اسلام کو جائز ناجائز کی چنداں پروانہ رہی نہ کہ وہ ناجائز جسے عبادت سمجھ کر بجالائیں، رونق اسلام اتباعِ احکام میں ہے نہ بے قیدی میں۔

والذنب یجر الی الذنب والقلیل یدعو الی الکثیر ومالنا الافتاء الابالمذهب وقد قال العلماء فی عدة مسائل فی المذهب لا یفتی بها کیلا یتوصل العوام الی هدم المذهب فکیف بما لیس من المذهب فی شیئ وباللّٰه العصمة۔	گناہ دوسرے گناہ کی طرف کھینچتا ہے، قلیل، کثرت کی دعوت دیتا ہے اور ہم جو مذہب ہے اسی پر فتوی دیتے ہیں، متعدد ایسے مسائل جو مذہب پر ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ ان پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ عوام مذہب کو ختم کرنے پر نہ تل جائیں تو اس مسئلہ کا کیا معاملہ ہے جو مذہب سے تعلق نہ رکھتا ہے اور عصمت اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے۔ (ت)

(۴، ۵) اور سلطان یا اس کے مامور وماذون کا اقامت جمعہ کرنا اگرچہ ایسی شرط ہے کہ ہنگام ضرورت ساقط ہو جاتی ہے مگر شرط مصر کا اس پر قیاس نہیں کہ غیر مصر میں اقامت جمعہ خود شرع مطہر نے ضرور نہ ٹھہرائی بلکہ وہاں عدم اقامت ہی ضرور ہے تو اس شرط کے سقاط میں ضرورت کے کیا معنی، غرض دیہات میں جمعہ کی ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا،

فی الشامی عن القهستانی عن الجواهر لو صلوا فی القری لزمهم اداء الظهر [1]۔	شامی نے قہستانی سے انہوں نے جواہر سے نقل کیا کہ اگر لوگوں نے دیہاتوں میں جمعہ ادا کیا تو وہاں ظہر کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (ت)

(۶) بعض علماء نے جو یہ روایت اختیار کی ہے اُس میں بستی کی مردم شماری مقصود نہیں بلکہ خاص وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے یعنی مرد عاقل بالغ آزاد مقیم کہ اندھے لنجھے لُولے یا ایسے ضعیف یا مریض نہ ہوں کہ جمعہ کی حاضری سے معذور ہوں، ایسے معذوروں یا بچوں، عورتوں، غلاموں، مسافروں کی گنتی نہیں، اور

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۰

پوری مسجد مع صحن مراد ہے نہ کہ فقط اندر کا درجہ،

فی التنویر ھو مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفین بھا [1] فی الشامی عن الطحطاوی عن القھستانی احترزبہ عن اصحاب الاعذار مثل النساء والصبیان والمسافرین [2]۔	تنویر میں ہے شہر وہ ہے جس کی سب سے بڑی مسجد شہر کے مکلفین کے لئے ناکافی ہو، شامی میں طحطاوی سے اور وہاں قہستانی سے ہے کہ لفظ مکلفین سے معذورین کو خارج کیا ہے مثلاً خواتین، بچے اور مسافر۔(ت)

(۷) ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحتِ نماز جمعہ کے لئے امام کے سوا تین مرد عاقل بالغ درکار ہیں اس سے کم میں جائز نہیں زیادہ کی ضرورت نہیں۔

فی التنویر والجماعۃ اقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	تنویر میں ہے جماعت کے لئے امام کے علاوہ کم از کم تین مردوں کا ہونا ضروری ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۰: ۶ رمضان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطیب کے سامنے جو اذان ہوتی ہے متقدیوں کو اس کا جواب دینا اور جب دو خطبوں کے درمیان جلسہ کرے مقتدیوں کو دعا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہرگز نہ چاہئے یہی احوط ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اجابۃ الاذان ح مکروھۃ نھر الفائق [4]۔	اس وقت اذان کا جواب دینا مکروہ ہے۔ نہر الرائق (ت)

پھر درمختار میں ہے:

ینبغی ان لا یجیب بلسانہ اتفاقا فی الاذان بین یدی الخطیب [5]۔	خطیب کے سامنے دی جانے والی اذان کا جواب بالاتفاق نہیں دینا چاہئے۔(ت)

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۹
[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۰
[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱
[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۷
[5] درمختار باب الاذان مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۶۵

اُسی میں ہے:

اذا خرج الامام من الحجرة ان کان والا فقیامه للصعود فلا صلٰوة ولا کلام الی تمامها وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبة وبعدها واذاجلس عند الثانی والخلاف فی کلام یتعلق بالاٰخرة اماغیره فیکره اجماعا وعلی هذا فالترقیة المتعارفة فی زماننا تکره عنده والعجب ان المرقی ینهی عن الامر بالمعروف بمقتضی حدیثه ثم یقول انصتوا رحمکم الله [1] اھ ملخصًا	جب امام حجرہ سے نکلے اگر حجرہ ہو، ورنہ جب وہ منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو تو تمام خطبہ تک نہ نماز ہے اور نہ ہی کلام، صاحبین کہتے ہیں کہ خطبہ سے پہلے اور اس کے بعد گفتگو میں حرج نہیں، اور امام ابویوسف کے نزدیک جب امام بیٹھے اس وقت بھی کلام میں کوئی حرج نہیں، اور اختلاف اس گفتگو میں ہے جو آخرت سے متعلق ہو لیکن اس کے علاوہ گفتگو تو بالاتفاق مکروہ ہے، اس بناء پر ہمارے زمانہ میں متعارف ترقیہ (ان الله وملئکته یصلون علی النبی الخ) (خطیب کے منبر پر بیٹھتے وقت پڑھنا) امام اعظم کے نزدیک مکروہ ہے اور تعجب ہے کہ ترقیہ پڑھنے والا امر بالمعروف سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی حدیث کی وجہ سے روکتا ہے اور پھر خود کہتا ہے خاموش رہو، اللہ تعالٰی تم پر رحم کرے اھ ملخصًا، (ت)

ہاں یہ جوابِ اذن یا دُعا اگر صرف دل سے کریں زبان سے تلفظ اصلًا نہ ہو کوئی حرج نہیں، کما افادہ کلام علی القاری وفروع فی کتب المذهب (جیسا کہ علی قاری نے تحریر فرمایا اور اس کی تفصیلات کُتبِ مذہب میں ہیں۔ت) اور امام یعنی خطیب تو اگر زبان سے بھی جوابِ اذن دے یا دُعا کرے بلا شبہ جائز ہے۔

وقد صح کلام الامرین عن سید الکونین صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی صحیح البخاری وغیره۔	صحیح البخاری وغیرہ میں سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دونوں معمول ملتے ہیں۔ (ت)

یہ قول مجمل ہے وتفصیل المقام مع نهایة الغایة وازالة الاوهام فی فتاوٰنا بتوفیق الملک العلام (اس مقام کی تفصیل ہم نے بتوفیق ملک العلام نہایت تحقیق کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۱: ازبلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدانپورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۴رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں بسم الله الرحمن الرحیم بآواز بلند کہنا چاہئے یا باخفا؟ اور اگر بآواز بلند کہے تو کچھ حرج تو نہیں؟ بینوا توجروا

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۳

الجواب:

نہ بآواز نہ باخفا، بلکہ تنہا اعوذ آہستہ پڑھ کر حمدِ الٰہی سے شروع کرے،

فی الدر المختار یبدأ بالتعوذ سرا[1] فی ردالمحتار قولہ یبدأ ای قبل الخطبۃ الاولی بالتعوذ سرا ثم بحمد اللہ تعالٰی والثناء علیہ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	درمختار میں ہے کہ آہستہ تعوذ پڑھ کر خطبہ شروع کرے، ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول یبدأ یہ ہے کہ پہلے خطبہ سے پہلے آہستہ اعوذ باللہ کہے اس کے بعد اللہ تعالٰی کی حمد وثنا کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹۲: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب غلام قادر بیگ صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں جو اردو قصائد متضمن وعظ و نصیحت پڑھے جاتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے اور عوام کا یہ عذر کہ عربی ہماری سمجھ میں نہیں آتی لہٰذا اردو کی ضرورت ہے قابل قبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ امر خلاف سنتِ متوارثہ مسلمین ہے اور سنتِ متوارثہ کا خلاف مکروہ، قرناً فقرناً اہل اسلام میں ہمیشہ خالص عربی میں خطبہ معمول ومتوارث رہا ہے اور متوارث کا اتباع ضرور ہے۔ درمختار میں ہے: **لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم**[3] (یہ مسلمانوں کا توارث ہے جس کی اتباع لازم ہے۔ت) زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بحمد اللہ ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزاروں عجمی حاضر ہوئے مگر کبھی منقول نہیں کہ انھوں نے ان کی غرض سے خطبہ غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا ہو،

وکل ماوجد مقتضیہ عینا مع عدم المانع ثم ترکوہ دل علی انھم کفواعنہ فکان الدناہ الکراھۃ۔	ہر وہ شیئ جس کا مقتضی پایا جائے اور کوئی مانع بھی نہیں پھر اس کو ترک کردینا اس پر دال ہے کہ اسے چھوڑا گیا ہے تو کم از کم یہ عمل مکروہ ضرور ہوگا۔ (ت)

عوام کا یہ عذر جب صحابہ کرام کے نزدیک لائقِ لحاظ نہ تھا اب کیوں مسموع ہونے لگا، بات یہ ہے کہ شریعت مطہرہ

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۸

[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

نے علم سیکھنا سب پر واجب کیا ہے۔ عوام کہ نہیں سمجھتے، سبب یہ ہے کہ سیکھتے تو قصور اُن کا ہے نہ کہ خطیب کا، آخری عوام قرآن مجید بھی تو نہیں سمجھتے کیا ان کے لئے قرآن اُردو میں پڑھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۹۳: از شہر پوربندر ملک کاٹھیاواڑ محلّہ ڈیڈرروڈ مسؤلہ کھتری عمر ابوبکر صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، خطیب کو وقتِ خواندگی خطبہ عصا ہاتھ میں لینا سنت ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

خطبہ میں عصا ہاتھ میں لینا بعض علماء نے سنت لکھا اور بعض نے مکروہ، اور ظاہر ہے کہ اگر سنت بھی ہو تو کوئی سنت مؤکدہ نہیں، تو بنظرِ اختلاف اُس سے بچنا ہی بہتر ہے مگر جب کوئی عذر ہو،

وذلك لان الفعل اذا تردد بين السنية والكراهة كان تركه اولى۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ اس لئے کہ جب فعل کے سنت اور مکروہ ہونے میں شک ہو تو اس کا ترک بہتر ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹۴: مرسلہ مولوی الہ یار خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ وعیدین میں پورا خطبہ اشعار عربی وفارسی وہندی میں پڑھنا اور اشعار کا داخل کرنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شعر کی نسبت حدیث میں فرمایا وُہ ایک کلام ہے جس کا حسن حسن اور قبیح قبیح یعنی مضمون پر مدار ہے اگر اچھا ذکر ہے شعر بھی محمود اور بُرا تذکرہ ہے تو شعر بھی مذموم، بحور، عروض پر موزوں ہو جانا خواہی نخواہی قبح کلام کا باعث نہیں اگرچہ اس میں انہماک واستغراق تام متکلم کے حق میں شرع کو ناپسند،

اخرج البخاری فی الادب المفرد ، والطبرانی فی المعجم الاوسط وابو یعلی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنهما وهذا والدارقطنی عن ام المؤمنين	امام بخاری نے ادب المفرد میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابویعلٰی نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابویعلٰی اور دار قطنی نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اور

الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها والامام الشافعی عن عروة بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما مرسلا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم : الشعر بمنزلة الکلام فحسنه کحسن الکلام وقبیحه کقبیح الکلام [1] قال المناوی اسناده حسن [2]۔	امام شافعی نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرسلًا روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شعر دوسرے کلام کی طرح ہی ہے، اچھا شعر اچھے کلام اور برا شعر برے کلام کی طرح ہوتا ہے۔امام مناوی نے کہا کہ اس روایت کی سند حسن ہے۔(ت)

خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد وثنا ومفاخرت کا خطبہ بلیغہ اشعار میں پڑھتے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے یہ جب تک اس کام میں رہتا ہے اللہ تعالٰی جبرئیل سے اس کی مدد فرماتا ہے،

اخرج الامام البخاری فی الجامع الصحیح عن ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها قالت کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد یقوم علیه قائما یفاخر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوینافح ویقول رسول الله صلی تعالٰی علیه وسلم ان الله یؤید حسان بروح القدس مانافح اوفاخر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [3]۔	امام بخاری نے الجامع الصحیح میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے صحابی حسان بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر بچھواتے اور وہ منبر پر کھڑے ہو کر آپ۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح کرتے اور کفار کی طرف سے کئے ہوئے حملوں کا جواب دیتے، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے کہ جب تک حسان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف اور دفاع کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کی روح القدس کے ذریعے مدد وتائد فرماتا ہے۔(ت)

1 الادب المفرد باب الشعر حسن الخ نمبر ۳۸۲ حدیث ۸۶۵ مطبوعہ المکتبہ الاثریہ سانگلاہل شیخوپورہ ص ۲۲۳، الجامع الصغیر مع فتح القدیر بحوالہ معجم اوسط وادب مفرد عن ابن عمر وابویعلٰی عن عائشہ ۴/۱۷۵

2 فیض القدیر شرح الجامع الصغیر بحوالہ الہیثمی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/۱۷۵

3 مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ البخاری باب البیان والشعر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱۰، سنن ابوداؤد کتاب الادب مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۶۸۴

سیدی عارف باللہ امام الطریقین شیخ الشیوخ شہاب ف الحق والدین سہروردی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں:

ماکان منه یعنی من الشعر فی المذهد ولمواعظ والحکم وذم الدنیا والتذکیر بالاء الله ونعت الصالحین وصفة المتقین ونحو ذلك مما یحمل علی الطاعة ویبعد عن المعصیة محمود [1] الخ	ہر وہ شعر اچھا ہے جو زہد، وعظ، حکمت، دنیا کی مذمت، اللہ تعالٰی کی نعمتوں کو یاددلانے والا یا صالحین ومتقین کی صفت وتعریف وغیرہ پر مشتمل ہو جو انسان کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی اطاعت پر ابھارتا ہے ہو یا گناہ سے دور کرتا ہو الخ (ت)

تو اگر خطبہ جمعہ یا عیدین میں احیاناً دو چار عربی اشعار حمد ونعت، وعظ وتذکیر وذمِ دنیاومدح عقبٰی کے پڑھے جائیں کوئی مانع نہیں بلکہ خود اشد الائمۃ فی امر اللہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی،

فقد اخرج العسکری فی المواعظ عن ابی خالد الغمسانی قال حدثنی مشیخة من اهل الشام ادرکوا عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه قالوا لما استخلف صعد المنبر فلما رأی الناس اسفل منه حمد الله ثم کان اول کلام تکلم به بعد الثناء علی الله وعلی رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم. هون علیك فان الامور:: بکف الاله مقادیرها * فلیس بأتیك منهیها *ولا قاصر عنك مامورها[2] * ذکره العلامة ابراهیم بن عبدالله الیمنی المدنی فی الباب اسابع عشر من کتاب القول الصواب	شیخ عسکری نے المواعظ میں ابو خالد الغسانی سے نقل کیا کہ مجھے اہل شام کے بزرگوں نے بتایا کہ ہم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا کہ جب امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے منبر پر تشریف لے گئے لوگوں کو اپنے سے نیچا دیکھ کر حمدِ الٰہی بجالائے پھر ثنائے خداونعت مصطفٰی جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پہلا کلام جو زبان پر لائے یہ اشعار تھے جن کا حاصل یہ کہ اپنے اوپر نرمی کر کہ سب کاموں کے اندازے اللہ عزوجل کے دستِ قدرت میں ہیں جو مقدر نہیں وہ تیرے پاس آنے کا نہیں اور جو مقدر ہے وہ تجھ سے کمی کرنے کا نہیں، اسے علامہ ابراہیم بن عبداللہ یمنی مدنی نے

---

1 کتاب عوارف المعارف ملحق احیاء العلوم مطبوعہ مطبعۃ المشہد القاہرۃ ص ۱۰۹

2 القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب الباب السابع عشر

ف: اعلٰحضرت نے شیخ کے حوالے سے عبارت نقل کی کسی کتاب کا ذکر نہیں کیا، مجھے اصل عبارت نہیں مل سکی، البتہ سعی بسیار کے بعد اس عبارت کی مؤید عبارت عوارف المعارف سے ان الفاظ کے ساتھ ملی ہے، فان کان من القصائد فی ذکر الجنة والنار والتشویق الی دار القرار ووصف نعم الملك الجبار وذکر لعبادات والترغیب فی الخیرات فلا سبیل الی الانکار "۔ **نذیر احمد**

فی فضل امیر المؤمنین عمر بن الخطاب من کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء۔	اپنی کتاب القول الصواب فی فضل امیر المومنین عمر بن الخطاب کے سترھویں باب میں الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء سے نقل کیا ہے۔ (ت)

مگر ان خطبوں کا تمام وکمال نظم ہی میں پڑھنا نہ چاہئے کہ بلاوجہ کلماتِ مسنونہ سے اعراض بلکہ طریقہ متوارثہ کی تغیر ہے اور نظم خالص خطبہ میں ترک سنتِ تلاوت کو مستلزم جس کی کراہت کلمات علماء میں مصرح، امداد الفتاح شرح نور الایضاح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

فی المحیط یقرأفی الخطبۃ سورۃ من القراٰن اواٰیۃ فالاخبارقد تواترت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقرأ القراٰن فی خطبتہ لاتخلوعن سورۃ اواٰیۃ [1]۔	محیط میں ہے کہ خطبہ میں قرآنی سُورت یا اس کی آیت پڑھی جائے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ قرآنی سورت یا کسی آیت قرآنی سے خالی نہ ہوتا۔ (ت)

علامہ طحطاوی نے حاشیہ شرح تنویر میں خطبہ ثانیہ کی نسبت فرمایا:

یزید فیھا الدعا للمومنین والمومنات بدل الوعظ فی الاولی ولا یعظ فیھا ویسن قرأۃ اٰیۃ فیھاکذا فی البحر [2]عہ۔	پہلے خطبہ میں وعظ کے بدلے دوسرے میں مومنین اور مومنات کے لئے دعا کا اضافہ کیا جائے اس میں وعظ نہ ہو اور اس میں قراءتِ آیت سنت ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یسن خطبتان بجلسۃ بینھا وتارکھا	دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنت ہیں، اس

عہ: **اقول:** ذکرہ فی البحر استظھارا من قول التجنیس والمزید الثانیۃ کالاولی الخ فلیتنبہ ۱۲ منہ (م)	**میں کہتا ہوں** بحر میں تجنیس والمزید کے قول کو ظاہر قرار دیتے ہوئے ذکر کیا کہ دوسرا خطبہ پہلے کی طرح ہے پس غور کرنا چاہئے ۱۲منہ (ت)

[1] ردالمحتار بحوالہ امداد الفتاح باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الجمعہ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۴۳

مسئی علی الاصح کترکہ قرائۃ قدر ثلث اٰیات اھ ملخصاً[1] .**قلت** وبقولہ قدر الخ دخل اٰیۃ طویلۃ تکون قدر ثلث فاند فع ما اورد فی ردالمحتار وعلیک بما علقناہ عـــہ۔

دو خطبے درمیان میں جلسہ کے ساتھ سنت ہیں، اس جلسہ کو ترک کرنا اصح قول کے مطابق گناہ ہے جیسے کہ تین آیات کی مقدار قرات کا ترک کرنا گناہ ہے اھ ملخصا **قلت** ان کے قول "قدر الخ" سے طویل آیت بھی شامل ہو جاتی ہے جو تین آیات کے برابر ہو لہٰذا ردالمحتار میں جو اعتراض ہوا اس کا ازالہ بھی ہو جائے گا آپ پر اس حاشیہ کا مطالعہ نہایت مفید ہے جو ہم نے اس (ردالمحتا) پر لکھا ہے۔(ت)

عـــہ: قال العلامۃ الشامی ای یکرہ الا قتصار فی الخطبۃ علی نحو تسبیحۃ وتھلیلۃ مما لایکون ذکر اطویل قدر ثلث اٰی ات او قدر التشھد الواجب ولیس المرادان ترك قرائۃ ثلث اٰی ات مکروہ لان المصرح بہ فی الملتقی والمواھب ونورالایضاح وغیرھا ان من السنن قرائۃ آیۃ[2] اھ وکتب علیہ مانصہ اقول بل ہومفادصریح اللفظ ولوکان المراد ما اولتم بہ لقال کترکہ قرائۃ ثلث اٰیات وھذا اشبہ بالتبدیل منہ بالتاویل ولایرید الشارح ثلث اٰیات عینا حتی یرد علیہ ماذکر تم وانما قدرھا فادخل اٰیۃ او اٰی تین

علامہ شامی نے کہا یعنی خطبہ میں صرف ایک تسبیح اور تہلیل کے برابر جو تین آیات یا تشہد واجب کے برابر نہ ہو تو مکروہ ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ تین آیات کا ترک مکروہ کیونکہ ملتقی اور مواہب اور نورالایضاح وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ ایک آیت کا پڑھنا سنت ہے اھ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول بلکہ یہ تو صریح لفظ کا مفاد ہے اور اگر آپ کا تاویل شدہ مقصد ہوتا تو یوں کہتے (تین آیات کے ترک کی طرح مکروہ ہے) تاویل کے ذریعہ تبدیلی کی جائے یہ صریح مفاد بہتر ہے حالانکہ شارح کا مقصد خاص تین آیات مراد نہیں تاکہ آپ کا ذکر کردہ اعتراض وارد ہو بلکہ انھوں نے تو قدرھا کا لفظ کہا ہے اور ایک اور دو ایسی آیات کو بھی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

یوں ہی زبان عجمی کا داخل خطبہ کرنا مناسب نہیں کہ زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین سے خطبہ خاص زبان عربی میں ہونا متوارث ہے کما ذکر الشاہ ولی اللّٰہ الدھلوی فی شرح الموطا (جیساکہ شاہ ولی اللہ الدہلوی نے شرح موطا میں اس کا ذکر کیا ہے۔ت) عہد سلف میں بحمد اللہ ہزاروں بلاد عجم فتح ہوئے۔ ہزارہا منبر نصب کیے گئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوتے مگر کبھی منقول نہیں کہ سلف صالح نے ان کی تفہیم کے لئے خطبہ جمعہ یا عیدین غیر عربی میں پڑھا یا اس میں دوسری زبان کا خلط کیا، اور سنت متوارثہ کی مخالفت بیشک مکروہ ہے۔ در مختار میں فرمایا:

ان المسلمین ماتوارثوہ فوجب اتباعھم [1] اھ ای ثبت وتأکد .**اقول**: وتحقیقہ ان التذکیر بالعجمیۃ لما کان المقتضی لہ بعینہ موجودا والمانع مفقود اثم لم یفعلوا کان ذلك کفا منھم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیہ التوارث بخلاف الترك اذلامعنی لتوارثہ ولا مساغ للتأسی فیہ لانہ غیر مفعول بل ولا مقدور کما نص علیہ الاکابر الصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروك لا یقترب	جو مسلمانوں میں متوارث ومنقول ہو اس کی اتباع لازم ہوتی ہے اھ یعنی وہ ثابت اور موکد ہوتا ہے **اقول**: اس کی تحقیق یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ ونصیحت کا تقاضا بنفسہٖ موجود تھا اور مانع مفقود، پھر بھی انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کی طرف سے چھوڑنا ہے ترک نہیں، چھوڑنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے کہ اس میں توارث کا مفہوم ہی نہیں ہو سکتا اور اس میں اقتدا کا کوئی جواز ہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اس پر عمل ہی نہیں ہوا بلکہ وہ قدرت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بقدر ثلث وھو مراد من قال اٰیۃ بدلیل مافی الھندیۃ عن الجوھرۃ مقدار مایقرأ فیھا من القراٰن ثلث اٰیات قصار او اٰیۃ طویلۃ [2] اھ فالتام الکلمات و حصحص الحق والحمدللہ۔ ۱۲ منہ	شامل کیا جو تین آیات کے برابر ہوں اور ایک آیت کہنے والے کی بھی یہی مراد ہے، اس کی دلیل یہ ہے جو ہندیہ نے جواہرہ سے نقل کیا ہے کہ خطبہ میں جو قرآن پڑھا جائے اس کی مقدار تین چھوٹی آیات یا ایک طویل آیت ہے اھ پس علماء کے کلمات موافق ہوگئے اور حق واضح ہوگیا الحمد للہ ۱۲منہ (ت)

[1] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۷

بھا الا اذا صارا لترك كفاھو فعل وھو المكلف به فی النھی لا الترك بمعنی العدم لانه لیس داخلا تحت القدرة للعبد کما فی التحریر[1] اھ یعنی تحریرا لاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمه الله تعالٰی اتقن ھذا فانه من اجل المھمات۔	نہیں جیسا کہ اس پر اسلاف اکابر نے تصریح کی، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک سے تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا البتہ اس صورت میں جب ترک چھوڑنے کی صورت میں ہو تو وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم، کیونکہ اس معنی میں وہ عبد کی قدرت کے تحت داخل نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ ۔ تحریر سے مراد امام مطلق محقق کی کتاب تحریر الاصول ہے اسے مضبوطی سے حاصل کرو کیونکہ یہ نہایت ہی ضروری مقام ہے (ت)

بالجملہ اگر خطبہ عربیہ کے ساتھ کچھ اشعارِ پند ونصائح اردو میں پڑھے جائیں جیسا کہ آج کل ہندوستان میں اکثر جگہ معمول ہے تو غایت اس کی بس اس قدر کی خلافِ اولٰی ومکروہ تنزیہی ہے اس سے زیادہ مکروہ تحریمی وگناہ وممنوع وبدعت سیئہ قرار دینا محض بے دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ کا خطبہ جمعہ پڑھنا اور نماز غیر خطیب کا پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

غیر خطیب کا نماز پڑھانا اولٰی نہیں،

فی تنویر الابصار ولا ینبغی ان یصلی بالقوم غیر الخطیب[2] وھکذا فی الفتاوی عالمگیریة ناقلا عن الکافی۔	تنویر الابصار میں ہے کہ غیر خطیب کا قوم کو نماز پڑھانا مناسب نہیں، اسی طرح فتاوی عالمگیری میں کافی سے منقول ہے۔ (ت)

اور اگر نابالغ خطبہ پڑھے اور بالغ نماز پڑھائے تو اس میں اختلاف ہے عالمگیری میں ناقلا عن الزاھدی (زاہدی سے منقول ہے ۔ت) خطیب کا صالح امامت جمعہ ہونا شرط ٹھہرایا اور نابالغ صالح امامت نہیں تو اس کا خطبہ پڑھنا ناجائز اور فرض اس سے ساقط نہ ہوگا

عبارتھا ھذہ واما الخطیب فیشترط فیه ان یتاھل للامامة فی الجمعة	اس کی عبارت یہ ہے خطبہ دینے والے کے لئے یہ شرط ہے کہ جمعہ کی امامت کا اہل ہو۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۴۷

[2] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

کذا فی الزاھدی[1]۔	زاہدی میں اسی طرح ہے۔(ت)

شباہ والنظائر و فتاوٰی خلاصہ و تنویر الابصار میں جواز کا حکم دیا۔

حیث قال فی الاشباہ لوخطب باذن السلطان وصلی بالغ جاز[2] وفی تنویر الابصار فان فعل بان خطب صبی باذن السلطان وصلی بالغ جاز[3] وفی الخلاصۃ صبی خطب بامر السلطان وصل الجمعۃ مصلی بالغ یجوز[4]۔	الاشباہ میں ہے کہ اگر(نابالغ نے) بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھادی تو جائز ہے۔ تنویر الابصار میں ہے کہ اگر ایسا ہوا یعنی بچے نے بادشاہ کی اجازت سے خطبہ دیا لیکن نماز بالغ نے پڑھالی تو جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کسی نابالغ بچے نے سلطان کے حکم سے خطبہ دیا اور بالغ نے نماز پڑھائی تو جائز ہے۔(ت)

درمختار میں اسی کو مختار قرار دیا:

حیث قال بعد قولہ جاز ھو المختار[5]۔	جہاں انہوں نے ماتن کے قول "جاز" کے بعد کہا یہی مختار ہے (ت)

بہر حال صونا عن الخلاف(اختلاف سے بچنے کی خاطر۔ت) نابالغ کا خطبہ پڑھنا مناسب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۶: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نور الدین احمد صاحب غرہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

نماز جمعہ کے بعد چار رکعت فرض احتیاطی پڑھے جائیں یا نہیں یعنی اگر جمعہ کے شرائط پورے ادا ہوتے ہیں تو پھر یہ رکعتیں غیر ضروری ہیں اور اگر جمعہ بموجب مذہب حنفی ادا نہیں ہوتا تو جمعہ کیوں پڑھا جاتا ہے نماز ظہر پڑھی جائے اگر احتیاطًا دونوں پڑھی جاتی ہیں تو پھر ہم مقلد اور حنفی کیا ہوئے آمین بالجہر کرنے والے اور فاتحہ خلف الامام پڑھنے والے بھی یہی عذر کرسکتے ہیں مفصل طور پر ارشاد فرمائے کہ سائل کو تسکین ہو، زیادہ نیاز،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۴۳۔ ۵۴۴

[3] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[4] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث والعشرون فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۰۵

[5] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

الجواب:

عبادات بشدت محلِ احتیاط میں اور خلاف علماء سے خروج بالاجماع مستحب، جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ لازم آئے کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ردالمحتار میں اس پر تصریح ہے۔ت) قراءت مقتدی ورفع یدین وجہر بہ آمین ہمارے مذہب میں باتفاق ائمہ ممنوع ومکروہ وخلاف سنت ہیں تو ہمیں یہاں رعایت خلاف اپنے مذہب سے خروج اور مکروہ فی المذہب کا ارتکاب صاف ہے۔ بخلاف فرض احتیاطی کہ بسبب تعدد جمعہ رکھے گئے یہ دونوں حرج سے پاک ہیں تعدد مطلقًا اگرچہ علی الاصح ظاہر الروایۃ اور وہی معمول ومفتی بہ مگر منع تعدد بھی مذہب میں ایک قول قوی ومصحح ہے،

فی ردالمحتار جواز التعدد وان کان ارجح واقوی دلیلا لکن فیہ شبۃ وقویۃ لان خلافہ مروی عن ابی حنیفۃ ایضا واختارہ الطحاوی والتمرتاشی وصاحب المختار وجعلہ العتابی الاظہر وقد علمت قول البدائع انہ ظاہرالروایۃ وفی شرح المنیۃ عن جوامع الفقہ انہ الظہر الروایتین عن الامام قال فی النہر وفی الحاوی القدسی وعلیہ الفتوی وفی التکملۃ للزاھدی وبہ ناخذ اھ فھو حینئذ قول متعمد فی المذہب لا قول ضعیف اھ ملخصا[1]	ردالمحتار میں ہے کہ جمعہ کے متعدد مقامات ۵ پر ہونے کا جواز اگرچہ راجح اور قوی ہے مگر اس میں اشباہ بھی قوی ہے کیونکہ اس کے خلاف امام ابو حنیفہ سے بھی روایت ہے اور اسے طحطاوی، تمرتاشی اور صاحب مختار نے اختیار کیا اور عتابی نے اسے اظہر قرار دیا ہے اور صاحب بدائع کا قول آپ پڑھ چکے کہ یہ ظاہر الروایۃ ہے، شرح المنیہ میں جوامع الفقہ سے ہے کہ امام صاحب سے مروی ہے دونوں روایات میں سے یہ اظہر ہے، نہر میں کہا کہ حاوی القدسی میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور زاہدی کے تکملہ میں کہ ہمارا عمل اسی پر ہے اھ تو اس وقت مذہب میں یہ معتمد قول ہُوا ضعیف قول نہ رہا اھ ملخصا (ت)

پھر اس کی رعایت میں کوئی کراہت لازم نہیں آتی کہ یہ فرض احتیاطی بجماعت نہیں ہوتے منفردًا بہ نیت آخر ظہر پڑھے جاتے ہیں وہ بھی صرف خواص کے لئے عوام کو نہ بتائے جائیں نہ انھیں حاجت، تو فرق ظاہر ہوگیا اور اعتراض ساقط وتفصیل القول فی تلک الرکعات قد سبقت فی فتاوٰنا (ان رکعات کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں گزر چکی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

مسئلہ ۱۲۹۷: از نودیا ضلع بریلی غرہ محرم ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جامع مسجد ہے کہ ہمیشہ اُس میں جمعہ ہوتا ہے اب ایک مسجد بنا ہوئی اُس کو جامع مسجد بنانا اور قدیم کی جامع مسجد کو ترک کر دینا یا دونوں جا جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قصبہ وشہر جہاں جمعہ جائز ہے وہاں نماز جمعہ متعدد جگہ ہونا بھی جائز ہے اگرچہ افضل حتی الوسع ایک جگہ ہوتا ہے اور اگلی مسجد جامع کو ترک کردینے کے اگر یہ معنی کہ اُس میں نماز ہی چھوڑ دی جائے، تو قطعًا ناجائز کہ مسجد کا ویران کرنا ہے اور اگر یہ مراد کہ نماز تو وہاں ہوا کرے مگر جمعہ وہاں کے بدلے اب اس مسجد جدید میں ہو، اس میں اگر وہاں کے اہل اسلام کوئی مصلحتِ شرعیہ قابل قبول رکھتے ہوں تو کیا مضائقہ، ورنہ مسجد جامع وہی مسجد قدیم ہے اور اس میں نماز جمعہ کا ثواب زائد۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۹۸: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ کے چار رکعت ظہر احتیاطی کا پڑھنا ملک پنجاب یا ہندوستان کے شہروں میں جن میں جامع مساجد بادشاہوں کے حکم سے بنی ہوئی ہیں واجب ہے یا مستحب، اور ان شہروں میں نماز جمعہ میں کچھ وہم یا شبہ ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب مع عبارت لکھا جائے۔

الجواب:

بعض شرائط صحت کی تحقیق میں یہاں ضرور اختلاف واشتباہ ہے، ایسی جگہ علمائے کرام نے چار رکعت احتیاطی کا حکم دیا مگر خواص کے لئے، نہ کہ ایسے عوام کو جو تصحیح نیت پر قادر نہ ہوں، اُن کے لئے ایک مذہب پر صحت بس ہے، یہ رکعتیں بحالِ توہم عدم صحت تو صرف مندوب ہیں اور بحال شک واشتباہ ظاہر وجوب، ردالمحتار میں ہے:

نقل مقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعابنیة الظهر احتیاطا، ومثله فی الکافی والقنیة امرائمتهم بالاربع بعدها حتما احتیاطا، قال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جده	قدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وہ جگہ جس کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں پر ان لوگوں کو جمعہ کے بعد احتیاطًا چار رکعتیں بنیتِ ظہر ادا کرنی چاہئیں، اسی کی مثل کافی اور قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتمی طور پر احتیاطًا چار رکعات کا حکم دیا ہے، المقدسی نے کہا کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے اس کے

التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم ماعند قیام الشك والاشتباه فالظاهر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الهمام ما یفیده وقال المقدسی نحن لا نامر بذلك امثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص ولو بالنسبة الیهم [1] اهملخصاً۔	مندوب ہونے کی تصریح کی اور اس پر اعتراض کیا کہ ایسی بات اس وقت ہے جب وہم ہو اور اگر شک و اشتباہ ہو پھر واجب ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام سے وہ نقل کیا جو یہاں مفید تھا، مقدسی نے کہاکہ ہم ایسی باتوں کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو مطلع کرتے ہیں اگرچہ وہ ان کی نسبت سے ہوں اھ ملحضاً (ت)

تحقیقِ مسئلہ ہمارے فتاوٰی اور رسالہ لوامع البهافی المصر للجمعة والاربع عقبیها میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۹۹: از رامپور متصل مراد آباد محلّہ ملاظریف گھیر فرنگی محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ جمعہ بکدام سال مفروض شد۔	اس مسئلہ کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ جمعہ کس سال فرض ہوا؟

الجواب:

ہم بسال اول از ہجرت علی الصحیح المشہور عندالجمہور فی شرح المواهب للزرقانی، الایة مدنیة فتدل علی انها فرضت بالمدینة وعلیه الاکثر وقال الشیخ ابوحامد فرضت بمكة قال الحافظ وهو غریب [2] وفی شرح الموطا له انه صلی الله تعالی علیه وسلم فی سفر الهجرة لما خرج من قبا یوم الجمعة حین ارتفع النهار ادرکته الجمعة فی بنی سالم	جمہور کے نزدیک صحیح مشہور یہی ہے کہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوا، شرح المواہب للزرقانی میں ہے کہ آیت (جمعہ) مدنی ہے جو دال ہے کہ جمعہ کی فرضیت مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلوٰۃ میں ہوئی، اور اکثر علماء کی یہی رائے ہے، شیخ ابوحامد کہتے ہیں کہ جمعہ مکہ مکرمہ میں فرض ہوا تھا، حافظ کہتے ہیں کہ یہ قول غریب ہے۔ زرقانی کی شرح موطا میں ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم جب سفرِ ہجرت کے

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

[2] شرح المواہب اللدنیہ للزرقانی الباب الثانی فی ذکر صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع عامرہ مصر ۷/۳۳۳

بن عوف فصلاها بمسجد هم فسی مسجد الجمعة وهی اول جمعة صلاها صلی الله تعالٰی وسلم ذکره ابن اسحٰق [1] اھ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	موقعہ پر جمعہ کے دن قبا سے مدینہ طیبہ کی طرف چلے تو دن خوب بلند ہوچکا تھا محلّہ بنوسالم بن عوف میں جمعہ کا وقت ہوگیا تو آپ نے ان کی مسجد میں جمعہ ادافرمایا، اسی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد الجمعہ قرار پاگیا، یہ پہلا جمعہ تھا جو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادافرمایا، ابن اسحاق نے اسی طرح ذکر کیا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۰: از درؤ ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھا مرسلہ عبدالعزیز خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عیدین یا جمعہ میں آدمیوں کی کثرت سے سجدہ سہو امام کوترک کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں علمائے کرام نے بحالت جماعت جبکہ سجدہ سہو کے باعث مقتدیوں کے خبط وافتتان کااندیشہ ہو اس کے ترک کی اجازت دی بلکہ اسی کو اولٰی قرار دیا،

فی الدرالمختار السهو فی صلٰوة العید والجمعة والمکتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرین عدمه فی الاولیین لدفع الفتنة کما فی جمعة البحر واقره لاالمصنف وبه جزم فی الدر [2]۔	درمختار میں ہے کہ نماز عید، جمعہ اور فرض ونفل نماز میں سہو برابر ہے، متاخرین کے ہاں عید وجمعہ میں دفع فتنہ کی وجہ سے سجدہ سہو کانہ ہونا مختار ہے جیسا کہ بحر کے باب جمعہ میں ہے، مصنف نے اسے ثابت رکھا اور در میں اسی کے ساتھ جزم کیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاهر ان الجمع الکثیر فیما سواهما کذلك کما بحثه بعضهم ط وکذا بحثه الرحمتی وقال خصوصافی زماننا وفی جمعة حاشیة	ظاہر یہ ہے کہ ان (نماز عید وجمعہ) کے علاوہ میں جہاں بھی کثیر اجتماع ہو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ بعض نے بیان کیا ہے ط، اور اسی طرح رحمتی نے بحث کرتے ہوئے کہا اور کہا کہ خصوصًا ہمارے دور میں (سجدہ سہونہ کرنا

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا باب ماجاء فی الامام ینزل بقریۃ الخ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۲۲۰

[2] درمختار باب سجود السہو مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۳

ابی السعود عن العزمیۃ انہ لیس المراد عدم جوازہ بل الاولی ترکہ لئلا یقع الناس فی فتنۃ اھ قولہ وبہ جزم فی الدر لکنہ قیدہ محشیھا الوافی بما اذا حضر جمع کثیروالا فلاداعی الی الترک ط [1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	چاہیے) حاشیہ ابوالسعود کے جمعہ میں عزمیہ سے ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ سجدہ سہو جائز نہیں بلکہ اس کا ترک اولٰی ہے تاکہ لوگ فتنہ میں نہ پڑیں، اھ قولہ، اس پر در میں جزم ہے لیکن اس کے محشّی الوافی ہے اس قید کا اضافہ کیا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جب وہاں کثیر لوگ جمع ہوں ورنہ نہیں کیونکہ اس وقت ترک سجدہ کا داعی نہیں ہوگا، ط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۱: از ریاست رامپور محلّہ ملا ظریف گھیر منشی عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ مولوی عبدالرؤف صاحب ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں آج جمعہ کے دن امام صاحب جمعہ مع خطبہ پڑھاکہ فارغ ہوئے، اب اُس وقت پندرہ سولہ آدمی اسی مسجد میں بعد نمازِ جمعہ آگئے اب یہ آیندگان اسی مسجد میں پھر جمعہ پڑھیں یا ظہر، برتقدیر ثانی جماعت سے پڑھیں یا منفرد؟ عبدالحہ صاحب مرحوم نے اپنے مجموعہ فتاوی میں لکھاہے کہ وہ لوگ جمعہ پڑھیں گے دوسری مسجد میں افضل لکھاہے اگر اسی مسجد میں پڑھیں کچھ حرج نہیں کرکے تحریر کیاہے، مگر عالمگیری کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دُوسرا جمعہ جائز نہیں بلکہ وہ لوگ فرادی فرادی نماز پڑھیں اس کی تحقیق کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عالمگیری میں یہ مسئلہ خانیہ سے ماثور ہے اور اسی کی مثل فتاوی ظہیریہ وبحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں مذکور،

قال فی البحر قال فی الظھیریۃ جماعۃ فاتتھم الجمعۃ فی المصر فانھم یصلون الظھر بغیر اذان ولااقامۃ ولاجماعۃ [2]۔	بحر میں ہے کہ ظہیریہ میں فرمایا کہ اگر کسی شہر میں جماعت فوت ہوگئی تو بغیر اذان، تکبیر اور جماعت کے ظہر ادا کریں۔ (ت)

تصویر مسئلہ فوت جمعہ سے ہے اور وہ قول توحّد پر توظاہر،

وعلیہ یبتنی تعلیل الھدایۃ لمسألۃ	اور ہدایہ میں مسئلہ معذورین کی ان الفاظ میں علّت

[1] ردالمحتار باب سجود السہو مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵۶

[2] بحرالرائق شرح کنزالدقائق مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۴

المعذورین بقوله لما فیه من الاخلال بالجملة اذهی جامعة الجماعات [1] اھ قال فی الفتح وتبع فی البحر هذا الوجه مبنی علی عدم جواز تعدد الجمعة فی المصر الواحد [2] الخ زاد فی البحر وهو خلاف المنصوص علیه روایة ودرایة [3] اھ **اقول:** عﷲ فی لهدایة بتعلیلین الاول ماذکر والثانی ماعولتم علیه حیث قال بعده والمعذور قد یقتدی به غیره [4] اھ ولا غر وتعلیل المسألة علی کل من القولین علی ان قول التوحد ایضا قول قول فی المذهب کما یظهر مما علقنا علی ردالمحتار وقد اوردناه فی فتاوٰنا والاعتراض بمثل هذا علی مثل هذا الامام من مثل هذا الفاضل العلام مما یقضی الی العجب وقد تبع فیه الفتح ولکن الفتح انما اقتصر علی ما قدمت ثم قال وعلی الروایة المختارة عند السرخسی وغیره من جواز تعددها فوجهه انه ربما یتطرف غیر المعذور الی الاقتداء بهم [5] الخ ولم یذکر ماذکر هذا البحر فهو لیس بجرح بل شرح بتوزیع الدلیلین علی القولین واللہ الموفق۔	بیان کرنا بھی اسی پر مبنی ہے کہ اس صورت میں جمعہ میں خلل آتا ہے حالانکہ وہ تمام جماعتوں کا جامع ہے اھ فتح میں کہا اور اسی کی اتباع بحر میں ہے کہ یہ وجہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ کے عدم جواز پر مبنی ہے الخ بحر میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ روایت ودرایت کے لحاظ سے یہ نص کے خلاف ہے اھ ____ **اقول:** ہدایہ میں اس کی دو علتیں بیان ہوئی ہیں ایک یہ جو مذکور ہے اور دوسری وہ جس پر تم نے اعتماد کیا وہاں اس کے بعد انھوں نے کہا کہ کبھی معذور کی غیر اقتداء کرلیتا ہے اھ اور کوئی حرج نہیں کیونکہ مسئلہ کی علت دونوں قولوں پر ہے ____ علاوہ ازیں قولِ توحد بھی مذہب میں قوی قول ہے جیسا کہ ہمارے حاشیہ ردالمحتار کی تحریر سے ظاہر ہوجاتا ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے، اس طرح کا اعتراض ایسے امام پر اس طرح کے فاضل علام سے تعجب دارد، اورانھوں نے اس میں فتح کی اتباع کی ہے لیکن فتح نے اسی پر اکتفاء کیا ہے جو پیچھے گزر چکا ہے، پھر کہا سرخسی وغیرہ کے نزدیک مختار روایت پر تعدد جمعہ کا جواز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات معذور کو غیر معذور کی اقتداء لاحق ہوجاتی ہے اھ اور انھوں نے ذکر نہیں کیا جو بحر نے کیا ہے پس وہ جرح نہیں بلکہ دو اقوال کی دلیلوں کی تقسیم طور شرح ہے اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۰

[2] فتح القدیر شرح الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۲/ ۳۵

[3] بحر الرائق شرح کنز الدقائق باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۴

[4] الہدایۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ ۱/ ۱۵۰

[5] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۵

اور قول معتمد تعدد پر بھی اُس میں صور متصور، ازانجملہ یہ کہ سب جگہ نماز ہوچکی اور باقی صرف تین آدمی ہیں اور جمعہ کے لئے کم سے کم چار درکار، بہر حال یہ مسئلہ عدم جواز تعدد جمعہ بمسجد واحد میں نص نہیں، اب سوال پر نظر کیجئے فتاوٰئے لکھنؤ بعض احباب سے منگا کر دیکھا گیا اُسی حکم پر نہ کوئی سند پیش کی ہے نہ کسی کتاب کا حوالہ دیا صرف صحت تعدد فرضیت جمعہ پر بنائے کار کرکے لکھ دیا کہ اس وجہ سے لازم ہے اُن لوگو کو کہ جماعت سے خطبہ اور جمعہ ادا کریں مگر دوسری مسجد میں ہو تو اولیٰ ہے اور اگر اُسی مسجد میں ہو تو بھی کچھ حرج نہیں۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) صحتِ جمعہ کے لئے صرف جواز تعدد ہی کافی نہیں ع

ہزار نکتہ باریک ترز مو اینجاست

(یہاں ہزار نکتہ ہے جو بال سے بھی زیادہ باریک ہے)

ہر شخص اقامت وامامت جمعہ کا اختیار نہیں رکھتا بلکہ سلطانِ اسلام یا اس کا مامور یا علی الخلاف مامور کا نائب بنایا ہوا بضرورت، یا بلاضرورت، اور جہاں استیذانِ سلطان متعذر ہو تو جسے عامہ مومنین خطیب وامام جمعہ مقرر کرلیں تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

یشترط لصحتها السلطان اوماموره باقامتها واختلف فی الخطیب المقرر من جهة الامام الاعظم اونائبه هل یملك الاستنابة فی الخطبة فقیل لامطلقا وقیل ان لضرورة جاز والا لاوقیل یجوز مطلقا وهوالظاهر من عبار اتهم ففی البدائع کل من ملك الجمعة ملك اقامة غیره ونصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمهم فیجوز للضرورة [1] اھ ملتقطا۔	صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی طرف سے اقامتِ جمعہ پر مامور شخص کا ہونا ضروری ہے، اس میں اختلاف ہے کہ امام اعظم یا اس کے نائب کی طرف سے مقرر کردہ خطیب، خطبہ میں نائب بنا سکتا ہے یا نہیں، بعض نے کہا ہر حال میں جائز، ورنہ جائز نہیں، اور بعض کے نزدیک ہر حال میں نائب بنا سکتا ہے، فقہا کی عبارت سے یہی ظاہر ہے، بدائع میں ہے کہ ہر وہ شخص جسے جمعہ کا مالک بنادیا گیا وہ اپنے علاوہ کسی کو اقامت جمعہ کے لئے تقرر کا بھی مالک ہوگا اور عام لوگوں کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں جبکہ مذکور لوگ موجود ہوں، ہاں اگر مذکورہ بالا لوگ نہ ہوں تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا (ت)

---

[1] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۰۹۔۱۱۰

سراجیہ میں ہے:

والی مصر مات فصلی بھم خلیفة المیت او صاحب الشرطة او القاضی جازفان لم یکن ثمه واحد منهم الناس علی رجل فصل بھم جاز [1]۔	والیِ مصر فوت ہوگیا تو جمعہ وارثِ میت پڑھائے یا محاسب یا قاضی، تو جائز ہے،اور اگر ان میں سے وہاں کوئی موجود نہیں اور لوگوں نے کسی شخص کو امام بنالیا تو تب بھی جائز ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یکن ثم قاض ولا خلیفة المیت فاجتمع العامة علی تقدیم رجل جاز لمکان الضرورة [2]۔	اگر وہاں قاضی اور خلیفہ میت نہ ہو اور لوگ کسی ایک شخص کو امام بنالیں تو یہ ضرورت کے موقعہ پر جائز ہوگا۔(ت)

تہذیب وہندیہ میں ہے:

لو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علی رجل یصلی بھم الجمعة جاز [3]۔	اگر امام سے اجازت متعذر ہو اور لوگ کسی ایک آدمی کو امام بنالیں تو جائز ہے۔(ت)

اور پر ظاہر کہ کلام اُسی صورت میں ہے جبکہ پہلا جمعہ صحیح ادا ہولیا ورنہ مسجد واحد میں تعددِ جمعہ کہا، اور دُوسری مسجد میں اولویت کا کیا منشاء، تو ضرور ہے کہ پہلی نماز اسی نے پڑھائی جو اس مسجد میں اقامتِ جمعہ کا مالک تھا اب یہ دوبارہ وہیں جمعہ پڑھانے والا دو۲ حال سے خالی نہیں عـــہ یا اس مالک اقامت کے اذن سے پڑھائے گا یا بے اذن اول کی طرف راہ ممنوع کہ یہاں اذنِ مالک نہیں، مگر انابت اور بعد اس کے کہ آج کا جمعہ خود اصل پڑھا چکا اقامت شعار ہوچکی، جمعہ امروز میں انابت کے کوئی معنی نہیں کہ انابت تحصیل ناحاصل کے لئے ہوتی ہے نہ تحصیل حاصل کے واسطے نہ نائب ومنیب ایک امر میں جمع ہوسکیں اور آیندہ جمعہ کے لئے اذن جمعہ امروز کا اذن نہیں تو شق ثانی ہی متعین ہوئی اور جمعہ میں غیر امامِ جمعہ کی امامت بے اذن امامِ جمعہ باطل ہے سراجیہ میں بعد عبارت

عـــہ: بقی ان لو وجد واماما معینا ماذونا ح (م)	(یہ احتمال باقی رہ گیا کہ عام لوگ کسی مقررہ اذن والے شخص کو پائیں۔ت)

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خان باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ۱/۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۶

مذکورہ ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ [1]۔	اگر بغیر اذنِ خطیب نماز پڑھائی تو جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب اس کی اقتداء کسی ایسے شخص نے کی جو ولایت جمعہ رکھتا تھا۔ (ت)

دُرمختار میں ہے: واقرہ شیخ الاسلام [2] (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا۔ت) خانیہ وہندیہ وردالمحتار میں ہے:

رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر لایجوز ذلک الاان یکون لامام امرہ بذلک [3]۔	کسی شخص نے اذنِ امام کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اس کا حکم دیا ہو۔ (ت)

نہ اس مسجد میں آج کے جمعہ کو امام کی ضرورت، نہ معدودے چند عامہ ناس ہیں ورنہ جمعہ سے بڑھ کر عیدین کبھی کسی شخص کو فوت نہ ہوں جبکہ اپنے ساتھ ایک ہی پاسکے کہ انھیں نماز مل جانی ضرورت قرار پائے اور ان میں ایک کا دوسرے کو امامِ عید مقرر کرلینا قائم مقام امامتِ سلطانِ اسلام ٹھہرے اور تمام مسائل کہ فوتِ جمعہ وہ عیدین پر مبتنی ہیں باطل ہوجائیں وھذا الا یقول بہ عاقل فضلا عن فاضل (یہ بات تو کوئی معمولی عقل والا بھی نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ت) تو حق یہ ہے کہ اس مسجد میں درکنار کسی دوسری مسجد میں بھی جہاں جمعہ نہ ہوتا ہو خواہ مکان یا میدان میں کسی جگہ یہ لوگ جمعہ پڑھ سکتے بلکہ اپنی ظہر تنہا تنہا پڑھیں، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظھر بجماعۃ فی مصر قبل الجمعۃ وبعدھا لتقلیل الجماعۃ وصورۃ المعارضۃ [4]۔	جمعہ سے پہلے اور اس کے بعد شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کا جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس میں قلّت جماعت اور صورت تعارض لازم آتی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعہ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ بھارت ص ۱۷

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[4] درمختار الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۲

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لمعذور وکذا غیرہ بالاولٰی [1] اھ فانت تعلم انھم انما احوجھم الی اداء الظھر انھم لا یقدرون علی اقامۃ الجمعۃ فارشدوا الی صلٰوتھا فرادی کما لایخفی علی من رزق العقل سلیم والفھم المستقیم واللہ تعالٰی اعلم۔	قولہ معذور، غیر معذور کا بطریق اولٰی یہی حکم ہے اھ در آب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اداء ظہر کے زیادہ محتاج ہیں کیونکہ وہ اقامتِ جمعہ پر قادر ہی نہیں لہٰذا علماء نے تنہا نماز ظہر ادا کرنے کی تلقین کی، جیسا کہ ہر شخص پر مخفی نہیں جسے اللہ تعالٰی نے اعقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد میں دو امام درمیان میں پردہ ڈال کر جمعہ پڑھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) ایک مسجد میں دو دفعہ جمعہ پڑھنا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: عدمِ جواز بمعنی گناہ تو جمیع فرائض میں ہے صورتِ سوال سے ظاہر کہ دیدہ ودانستہ دو جماعتیں بالقصد اس طرح کیں اور کسی فرض کی دو جماعتیں ایک مسجد ایک وقت میں بالقصد قائم کرنا ہرگز جائز نہیں، دونوں فریق یا اقل دونوں میں سے ایک ضرور گنہگار ہوگا کہ جماعت فرائض کی ایسی تفریق صراحۃً بدعت سیئہ شنیعہ ہے، اگر دونوں امام میں صرف ایک صالح امامت بلاکراہت ہے، مثلاً دُوسرا فاسق معلن یا بدمذہب ہے جب تو کراہت صرف اس دوسرے پر ہے، اور اگر دونوں صالح تو جس کی نیت پہلے بندھ گئی اس پر الزام نہیں دوسرے پر ہے، اور معًا باندھیں تو دونوں پر۔ خلاصہ وہندیہ میں ہے:

قوم جلوس فی المسجد الداخل وقوم فی المسجد الخارج اقام المؤذن فقام امام من اھل الخارج وأمھم وقام امام من اھل الداخل فأمھم من یسبق بالشروع فھو والمقتدون بہ لاکراھۃ فی حقھم۔ [2]	کچھ لوگ مسجد داخل میں اور کچھ لوگ مسجد خارج میں بیٹھے تھے مؤذن نے تکبیر کہی، اہلِ خارج میں سے امام نے اور اہل داخل میں سے بھی امام نے جماعت کرائی، ان میں سے جس نے پہلے شروع کی وہ امام اور اسی کے لوگ مقتدی ہوں گے اور ان کے حق میں کوئی کراہت نہیں۔ (ت)

[1] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/۶۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس فی الامامت فصل ثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۸۴

ردالمحتار باب ادراک الفریضہ میں ہے:

لوکان مقتدئابمن یکرہ الاقتداء بہ ثم شرع من لاکراھۃ فیہ ھل یقطع ویقتدی بہ استظھر ط ان الاول لوفاسقا لایقطع ولو مخالفا وشك فی مراعاتہ یقطع اقول والاظھر العکس لان الثانی فی کراھۃ تنزیھیۃ کالاعمی والاعرابی بخلاف الفاسق[1] الخ	اگر کسی نے ایسے شخص کی اقتداء کی جس کی اقتدا مکروہ تھی پھر ایسے امام نے جماعت شروع کی جس میں کراہت نہ تھی تو کیا وہ مقتدی قطع کرکے دوسرے کی اقتداء کرے، ط نے اس کو ظاہر کہا کہ اول اگر فاسق ہے تو قطع نہ کرے اور اگر مخالف مسلک رکھتا ہے اور اس سے دوسرے مسلک کی رعایت مشکوک ہے تو پھر قطع کرے، اقول اس کا عکس اظہر ہے کیونکہ دوسرے میں کراہت تنزیہی ہے جیسا کہ نابینا یا اعرابی میں ہے، بخلاف فاسق کے الخ۔ (ت)

اور جمعہ میں تو جواز بمعنی صحت ہی نہیں کم سے کم ایک فریق کا جمعہ سرے سے ادا ہی نہ ہوگا، صحتِ جمعہ کی شرائط سے ایک یہ بھی ہے کہ بادشاہِ اسلام یا اس کا مامور اقامت کرے یعنی سلطان خود یا اُس کا ماذون خطبہ پڑھے، امامت کرے اور جہاں یہ صورت متعذر ہو جیسے ان بلادِ ہندوستان میں کہ ہنوز دارالاسلام ہے وہاں بضرورت نصب عامہ کی اجازت یعنی عام مسلمین جسے امام مقرر کرلیں۔

فی التویر والدر یشترط لصحتھا السلطان او مامورہ باقامتھا وقالوا یقیمھا امیر البلد ثم الشرطی ثم القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ ونصب العامۃ غیر معتبرمع وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ[2] اھ ملتقطا	تنویر اور در میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کی اقامت کے لئے سلطان کا مامور ہونا شرط ہونا ضروری ہے، فقہانے فرمایا ہے کہ جمعہ شہر کا امیر، پھر محاسب پھر قاضی پھر وہ شخص قائم کرسکتا ہے جس کو قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو، ان لوگوں کی موجودگی میں عوام کا تقرر معتبر نہیں البتہ جب ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا اھ ملتقطا (ت)

پر ظاہر کہ کسی مسجد کے لئے دوامًا جمعہ علٰی وجہ الاجتماع کہ دونوں امامت جمعہ واحدہ کریں مقرر نہیں ہوتے خصوصًا ہمارے بلاد میں امر اور بھی اظہر کہ نصب عامہ صرف بضرورت اقامت شعار معتبر، اور یہ ضرورت امام واحد سے مرتفع، تو ایک جمعہ میں ایک مسجد میں دو امام کا جمع باطل ومتدفع، پس صورتِ مستفسرہ میں اُن دونوں میں جو اُس مسجد کا امام معین جمعہ نہ تھا اُس کا اور اس کے مقتدیوں کا جمعہ ادا نہ ہوا، اور اگر دونوں نہ تھے تو کسی کا

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۰۔۱۰۹

نہ ہوا، یہیں سے صورتِ اخیرہ کا جواب بھی ظاہر، اور اگر بفرض باطل صورت صحت تسلیم بھی ہو جو ہر گز لائق تسلیم نہیں تو اس کے سخت مخالف مقصود شرع وبدعت شنیعہ سیسہ ہونے میں کلام نہیں، جمعہ میں ایک مذہب قوی یہ ہے کہ شہر بھر میں ایک ہی جگہ ہوسکتا ہے اور بعض نے دو جگہ اجازت دی اور بعض نے بیچ میں نہر فاصل ہونے کی شرط کی، مفتی بہ جواز تعدد ہے مگر یہ تعدد کہ ایک ہی دن ہی مسجد میں دس بار امامتِ جمعہ ہو کہ جیسے دو ۲ ویسی ہی سو ۱۰۰، یہ بلاشبہ ابتداع فی الدین ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰۳: از کانپور محلّہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایھاالعلماء لکرام (اے علمائے کرام ! تمھارا قول کیا ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ خطبہ یا عیدین کو عربی میں پڑھ کر اُردو ترجمہ کرنا یا صرف اردو میں بطور وعظ کے خطبہ ادا کرنا یا بعض حصہ عربی و بعض اردو میں پڑھنا یا چند اشعار ترغیبًا وترہیبًا عربی یا غیر عربی میں پڑھنا مع النثر اولا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سوال چند امور پر مشتمل:

اوّل: جمعہ یا عیدین کا خطبہ پڑھ کر اُردو ترجمہ کرنا۔ **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) قضیۂ نظر فقہی یہ ہے کہ یہ امر عیدین میں بہ نیت خطبہ ہو تو ناپسند اور اس کا ترک احسن اور بعد ختم خطبہ، نہ بنیت خطبہ بلکہ قصد پند و نصیحت جداگانہ ہو تو جائز وحسن اور جمعہ میں مطلقًا مکروہ و نامستحسن، دلیل حکم ووجہ فرق یہ کہ زبانِ برکت نشان رسالت سے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبانِ عربی مذکور وماثور اور باآنکہ زمانہ صحابہ میں بحمد اللہ تعالٰی اسلام صدہا بلاد عجم میں شائع ہوا، جوامع بنیں، منابر نصب ہوئے، باوصف تحقیق حاجت کبھی کسی عجمی زبان میں خطبہ فرمانا یا دونوں زبانیں ملانا مروی نہ ہوا تو خطبے میں دوسری زبان کا خلط سنت متوارثہ کا مخالف ومغیر ہے اور وہ مکروہ،

کما بیناہ فی فتاوٰنا وذکرنا ثم الفرق بین الکف والترك فتثبت ولاتتخبط۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور وہاں ہم نے کف اور ترک کے درمیان فرق واضح کردیا ہے اس پر ثابت رہو اور انتشار کا شکار نہ ہوں۔ (ت)

مگر عیدین میں خطبہ بعد نماز ہے تو وہ مستوعد وقت نہیں ہوسکتا نیت قطع اپنا عمل کرے گی اور بعد فراغ خطبہ کہ تمام امور متعلقہ نماز عید منتہی ہوگئے، مسلمان کو تذکیر وتفہیم ممنوع نہیں بلکہ مندوب، اور خود سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے، بخاری ومسلم ودارمی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی

سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر اواضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ[1]۔	میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحی کے دن نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انھیں وعظ ونصیحت فرمائی اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔(ت)

صحیحین میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن[2]۔	پھر اس کے بعد آپ نے خطبہ دیا، جب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فارغ ہوئے تو آپ منبر سے نیچے تشریف لائے، اس کے بعد خواتین کے اجتماع میں تشریف لاکر انھیں نصیحت و تلقین فرمائی۔(ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں: انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید[3] (آپ خواتین کے اجتماع میں خطبہ عید سے فراغت کے بعد تشریف لے گئے۔ت) بخلاف جمعہ کہ اس میں خطبہ قبل نماز ہے اور شروع تذکیر سے اغازِ تکبیر تک اُسی تکبیر تک اُسی کا وقت ہے ولہذا فصل بہ اجنبی ناجائز، یہاں تک کہ اگر فصل طویل حاصل ہو خطبہ زائل اور اعادہ لازم، ورنہ نماز باطل ہو، اور غیر اجنبی سے بھی فصل پسندیدہ نہیں اور اعادہ خطبہ اَولٰی۔

فی الدر المختار لو خطب جنبا ثم اغتسل وصلی جاز[4] (ای ولا یعد الغسل فاصلا لانہ من اعمال الصلوۃ ولکن الاولی اعادتھا کما لو تطوع بعدھا کما فی البحر، [5]ش) ولو فصل باجنبی فان طال بان رجع لبیتہ فتغدی	درمختار میں ہے اگر کسی نے جنبی حالت میں خطبہ دیا پھر غسل کیا اور نماز پڑھائی تو جائز ہے (یعنی غسل کو (خطبہ اور نماز کے درمیان) فاصل نہ شمار کیا جائے گا کیونکہ وُہ بھی نماز کے اعمال میں سے ہے لیکن اعادہ خطبہ بہتر ہے جیسا کہ اگر خطبہ کے بعد نوافل ادا کئے، جیسا کہ بحر

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان الی المصلی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب المشی والرکوب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

[3] شرح مسلم للنووی مع مسلم کتاب صلوۃ العیدین باب المشی والرکوب الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۹

[4] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۱۱

[5] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۰

او جامع واغتسل استقبل، خلاصة ای لزوما لبطلان الخطبة سراج[1] اھ مزیدا من الشامی	میں ہے ش) اور اگر کسی جنبی کا فاصلہ ہوگیا پس اگر وہ طویل تھا مثلاً گھر آیا اور کھانا کھایا یا جماع کیا اور غسل کرکے واپس لوٹا تو نئے سرے سے خطبہ دے خلاصہ، یعنی اب خطبہ دوبارہ دینا لازمی ہے کیونکہ پہلا ختم ہوچکا ہے سراج اھ یہ اضافہ شامی سے ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ خطبہ خواندہ کا ترجمہ یا اور مواعظ و نصائح جو اس وقت میں واقع ہوں گے انھیں مقاصد و مظامین خطبہ پر مشتمل ہوں گے ______ تو وقت خطبہ میں ایقاع تذکیر بہ نیت تذکیر قطعاً اُسے داخل خطبہ کرے گا اور نیت قطع بے معنی رہے گی کہ عمل وواقع صراحۃً اس کا مکذب ہوگا

کمن نوی ان لا یاکل وھو اکل اولا یشرب وھو شارب بالجملة فنية التذکير فی ھذا الوقت عين نية الخطبة ليست الخطبة الاھذا ولذ اصرحوا ان الخطيب کلما تکلم بکلام یامر فيه بمعروف او ينھی عن منکر فانه يعد من الخطبة وان خاطب به رجلا معينا لحاجة مخصوصة کما سيأتی۔	جیسے کہ کسی شخص نے نیت کی کہ وہ نہیں کھائے گا یا نہیں پیئے گا اور درانحالیکہ وہ کھا رہا ہے یا پی رہا ہے، الغرض اس موقعہ پر تذکیر کی نیت بعینہٖ نیت خطبہ ہے کیونکہ خطبہ تذکیر ہی ہوتا ہے اسی لئے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خطبہ دینے والا کوئی ایسا کلام کرے جس میں نیکی کا حکم اور برائی سے ممانعت ہو تو اسے خطبہ ہی کہا جائے گا اگرچہ وہ کسی مخصوص حاجت کی وجہ سے کسی سے مخاطب ہو رہا ہو جیسا کہ عنقریب آرہا ہے۔(ت)

اور اگر بالفرض قطع ہی مانیے تو خطبہ و نماز میں فصل لازم آئے گا اگرچہ غیر اجنبی سے تو سنت مستمرہ وصل کے خلاف ہوگا بہر حال خالی از کراہت نہیں ھذا ما ظھر لی وباللہ التوفیق

دوم: صرف اردو خطبہ اس کی کراہت بیان بالا سے اظہر واز ہر خصوصاً جبکہ یہ صرف اپنی صرافتہ محضہ پر ہو کہ اب تو اس کا مکروہ و شنیع ہونا صراحۃً منصوص کہ خطبہ میں تلاوتِ قرآن عظیم کا ترک بُرا ہے۔

فی الھندية فی ذکر سنن الخطبة الحاوی عشر قرائة القراٰن وتارکھا مسيئی ھکذا فی البحر الرائق ومقدار ما يقرأ فيھا من القراٰن ثلث اٰی ات قصار اواٰی ة طويلة کذا	فتاوٰی ہندیہ میں سننِ خطبہ کے بیان میں ہے کہ گیارھویں سنت خطبہ میں قرآن پڑھنا ہے اور اس کا ترک گناہ ہے، اسی طرح بحر الرائق میں ہے اور اس کی تعداد تین چھوٹی آیاتِ یا ایک بڑی آیت ہے

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۱

فی الجوھرۃ النیرۃ [1]۔	جیسا کہ جوہرہ نیرہ میں ہے (ت)

سوم: کچھ عربی کچھ اردو اس کا حال بھی بیان سابق سے واضح ہوچکا مگر جب امام بحالتِ خطبہ کوئی امر منکر دیکھے تو اُس سے نہی کیا ہی چاہئے اور جب وہ عربی سمجھتا یا امام خود عربی میں کلام کرنا نہیں جانتا تو ناچار زبان مقدور و مفہوم کی طرف رجوع ہوگی یہ کلام جو خطبہ میں ہوگا خطبہ ہی ہوگا کہ امر بالمعروف بھی اُس کے مقاصد حسنہ سے ہے

فی الدرالمختار یکرہ تکلمہ فیھا الا لا مر بمعروف لانہ منھا [2]۔	درمختار میں ہے خطبہ میں گفتگو مکروہ ہے البتہ نیکی کا حکم جائز ہے کیونکہ یہ خطبہ کا حصہ ہے۔ (ت)

یُوں ایک حصہ خطبہ اردو میں ہونا البتہ مکروہ نہیں بلکہ واجب تک ہوسکتا ہے جبکہ ازالہ منکر اسی میں منحصر ہو۔

چہارم: محض اشعار پر قناعت یہ ضرور مکروہ واسائت وخلاف سنت و موجب ترک تلاوت، اور اگر ایک آیت طویلہ یا تین آیت قصیرہ کو نظم کرکے لائیں تو اول تو غالبًا یہ بلا تغییر نظم قرآن نامتیسر اور بعد تغییر نظم تلاوت نہ رہے گی اگرچہ اقتباس ہو، اور اگر بَن بھی پڑے تو ادائے سنت تلاوت کے لئے قرآن مجید کو منظوم کرکے پڑھنا ترک قرائت سے اشد واشنع ہے، قرآن عظیم شعر سے پاک و منزّہ اور اپنے شعر بننے کی گوارش سے متعالی وارفع ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ [3] (اور ہم نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شعر کی تعلیم ہی نہیں دی اور نہ ہی یہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ ت) تو اس طور پر قصدِ لاوت صریح اساءت ادب ہے۔

وبہ فارق الاقتباس الذی لا یرادفیہ تلاوۃ القراٰن فانہ شائع سائغ علی الاصح۔	اس سے وہ اقتباس الگ ہوگیا جس سے مقصد تلاوت قرآن نہیں کیونکہ اصح قول کے مطابق یہ مشہور اور مروج ہے۔ (ت)

اور یُوں بھی نظم پر اقتصار میں بلاوجہ کلماتِ ماثورہ وطریقہ متوارثہ سے اعراض ہے تو اُس سے اعراض ہی چاہئے۔

پنجم: بعض اشعار محمودہ ملائمہ داخل کرنا یہ اگر زبان عجم ہوں تو وہی امر سوم ہے ورنہ کچھ حرج نہیں خصوصًا جبکہ احیانًا ہو کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خطبہ میں بعض اشعار پڑھنا مروی۔

کما رواہ العسکری فی کتاب المواعظ وقد ذکرنا حدیثہ فی فتاوٰنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	جیساکہ عسکری نے کتاب المواعظ میں ذکر کیا ہے اور ہم نے اس کے بارے میں اپنے فتاوٰی میں بھی گفتگو کی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] درمختار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۱۱

[3] القرآن ۳۶/ ۶۹

مسئلہ ۱۳۰۴: از کانپور محلّہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ شیخ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علماء کرام تمہارا کیا قول ہے) اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی نماز میں جو اخیر میں دو رکعت ظہر کی سنت پڑھتے ہیں اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ کے بعد ظہر کی سنت کا کوئی محل ہی نہیں، نہ ضرورت بمعنی وجوب سنن میں محتمل۔ ہاں جمعہ کی سنت بعدیہ میں اختلاف ہے، اصل مذہب میں چار ہیں وعلیہ المتون (متون میں اس بات کا تذکرہ ہے۔ت) اور احوط وافضل چھ ہیں۔

وھو قول الامام ابی یوسف وبہ اخذ اکثر المشائخ کما فی فتح اللہ المعین عن النھر عن العیون والتجنیس وھو المختار کما فی جواھر الاخلاطی وھوا لثابت بالحدیث کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	امام ابو یوسف کا یہی قول ہے اور اسی پر اکثر مشائخ کا عمل ہے جیسا کہ فتح اللہ المعین میں نہر سے اور وہاں عیون اور تجنیس سے ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے اور یہ حدیث سے ثابت ہے جیسا کہ ہمارے فتاوٰی میں اس کی تفصیل ہے (ت)

مگر جب صحتِ جمعہ میں نزاع واشتباہ کے باعث خواص چار رکعت احتیاطی بہ نیت آخر ظہر پڑھیں تو انھیں چاہئے بعد جمعہ چار سنتیں پھر وہ چار رکعتیں پڑھ کر اُن کے بعد یہ دو سنتیں نہ نیت سنت وقت پڑھیں، جمعہ یا ظہر کی تعیین نہ کریں کہ نیت ہر احتمال کو اشتمال رکھے اور ہر طرح یہ سنتیں اپنے موقع پر بالاتفاق واقع ہوں۔

فی ردالمحتار عن شرح المنیۃ الصغیر والاولی ان یصلی بعد الجمعۃ سنتھا ثم الاربع بھذہ النیۃ ای نیت اُخرظھر ادرکتہ ولم اصلہ ثم رکعتین سنۃ الوقت فان صحت الجمعۃ یکون قد ادی سنتھا علی وجھھا والا فقد صلی الظھر مع سنتہ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	ردالمحتار میں شرح منیۃ الصغیر کے حوالے سے ہے کہ بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے بعد اس کی سنن ادا کی جائے پھر چار رکعات اس نیت سے یعنی آخری ظہر کی نیت سے کہ سے میں نے پایا مگر ادا نہ کیا پھر دقتی دو سنتیں ادا کرے اب اگر جمعہ صحیح ہوگیا تھا تو اس کی سنن اپنے اپنے وقت پر ادا ہوئیں اور اگر جمعہ صحیح نہیں تو ظہر کی سنتوں کے ساتھ ادا ہوگی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۷

مسئلہ ۱۳۰۵: از چھاونی فیروز پور صدر پنجاب محلّہ لال ڈگی مرسلہ مولوی فضل الرحمان صاحب ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

بخدمت حضرت مخدوم و معظم مقبول السبحان حضرت مولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیضہ القوی، السلام علیکم وعلی لدیکم مصدع خدمت خدام والا ہوں کہ ایک مسئلہ کی دو صورتیں ارسال خدمت شریف کرکے گزارش کہ بتفضلات کریمانہ جواب باصواب سے معزز وممتاز فرمائیں جزاکم اللہ خیر الجزاء (اللہ تعالٰی آپ کو بہتر جزاعطا فرمائے۔ت) نیاز مند قدیمی فقیر محمد فضل الرحمٰن۔

مبسلا وحامدا ومصلیا ومسلما اما بعد پس واضح رہے کہ بحدیث آمدہ بخطبہ جمعہ ہر کہ دیگرے رامی گوید کہ خاموش باش یاسنگریزہ رامس کرد اور اثواب جمعہ نباشد کہ او عبث ولغو کرد۔	حدیث شریف میں ہے کہ خطبہ جمعہ میں اگر ایک دوسرے کو کہے خاموش ہوجا یا سنگریزے کو مَس کر دیا تو اسے جمعہ کا ثواب حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایک عبث ولغو کام کیا ہے۔(ت)

نیز خطبہ جمعہ میں حاضرین نے آپ سے کہا کہ بارش کی دُعا کیجئے، آپ نے ہاتھ اٹھاکے دعا کی تھی اور تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے تھے تو آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا کہ بند ہونے بارش کی دعا کیجئے، آپ کے دعا کرنے سے فوراً مینہ بند ہوگیا تھا ،بخاری ومسلم [عہ۱] ، تو دونوں مقاموں سے معلوم ہوا کہ عبث کام کے لئے بولنا، ہاتھ کا ہلانا جمعہ کے خطبہ میں مکروہ ہے اور نیک کار کے لئے مکروہ ہرگز نہیں، اس استدلال کی اگر سمجھ نہ آئے تو بفتاوی علمگیریہ نقلاً عن المحیط وغیرہ موجود ہے کہ بخطبہ جمعہ:

اذالم یتکلم بلسانہ لکنہ اشار بیدہ او برأسہ اوبعینہ نحوان رأی منکرا من انسان فنہاہ بیدہ [عہ۲] اواخبر بخبر فاشار برأسہ الصحیح انہ	اگر اس نے زبان سے کلام نہیں کیا لیکن ہاتھ یا سر آنکھ سے اشارہ کیا مثلاً کوئی بُرا کام دیکھا اور اسے ہاتھ سے روکا یا اسے کسی نے خبر دی تو اس نے سر سے

عــہ۱: باب خطبہ جمعہ وباب استقاء کے دیکھنے سے یہی حاصل ہے۔(م)

عــہ۲: مثلاً اگر دیکھے کسی کو کہ دوسرے کو کہتا ہے چپ کر یا سنگریزہ کو مس کرتا ہے تر دیکھنے والا اس کو ہاتھ یا سر یا آنکھ کے اشارے سے منع کرے کہ یُوں نہ کر تو منع کنندہ لاباس بہ میں داخل ہے اور جس کو اس نے منع کیا ہو لغو وعبث کنندگان سے شمار کیا جائے گا۔ فتدبر (م)

لاباس به اما دراسة الفقه وکتابته عند البعض مکروہ وقال البعض لاباس به[1] (ملخصا تقدمًا وتاخرًا) انتھی۔	اشارہ کیا تو صحیح یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن فقہ کی تدریس وکتابت بعض کے ہاں مکروہ ہے اور بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں انتہی (ت)

پس ان سب روایتوں کے استدلال سے جو کوئی خطبہ اولیٰ بقدر سنت سن کے باقی کو سنتا رہے اور حاضرین کو جو گرمی میں ہوا کی حاجت وضرورت ہوتی ہے سب کو ہوا کرنے لگے تاکہ اطمینان سے خطبہ سنیں لا باس بہ (اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) بیشک یہ شخص ثوابِ جمعہ سے محروم نہ رہے گا۔

اذا المقصود من الانصات ملاحظة معنی الخطبة واشتغال قلوب السامعین بالحر یفوت ذلك کذا یستفاد من فتاوی حموی۔	کیونکہ خطبہ کی طرف کان لگانے سے مقصود یہی ہے کہ معانی خطبہ سے اگاہی ہو، لیکن سامعین کے دلوں کا گرمی کی وجہ سے پریشان ہونا اسے فوت کرنے کا ذریعہ ہے فتاوٰی حموی سے یہی مستفاد ہے ۔(ت)

دیکھو جنت میں بروز جمعہ سب مومنوں کو ایک مکان میں جمع کرکے باری تعالیٰ بھی ہوا شمالی چلائے گا تاکہ باطمینان دیدار حق سبحانہ تعالیٰ سے مشرف ہوا کریں گے، اس ہوا کا نام میثرہ ہے کہ کستوری کی خوشبوئی کا اثر رکھتی ہوگی کما فی مسلم (جیساکہ مسلم شریف میں ہے۔ت)

ثانیًا اس ہواکنندہ قوم کو بخطبہ جمعہ گرمی کے مارے خود ہوا کی سخت حاجت وضرورت ہوتی ہے تو اُس نے اپنی اس راحت پر راحت کو مقدم کیا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ[2] (وہ اپنی ذاتوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بھوکے ہوتے ہیں۔ت) کے گرد میں داخل ہوکے درجہ مفلحون کا پایا، یہ آیت سورہ حشر کی بخاری واشباہ وفتاوٰی حموی میں موجود ہے اور کتاب وسنت کا حکم عام ہے۔

لان العبرة لعموم اللفظ لالخصوص المورد کما قرر فی الاصول۔	کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے مخصوص واقعہ کا اعتبار نہیں کیا جاتا جیساکہ اصول میں مسلمہ ہے۔(ت)

خطبہ جمعہ بقدر ایک تسبیح کے فرض اور تین آیات قصیرہ یا ایک آیت طویلہ پڑھنا وشہادتین ودرود پڑھنا اور پند ونصیحت قوم کو کرنا خطیب پر سنت اور خطبہ ثانیہ نیز سنت ہے اور بعضوں کے نزدیک خطبہ اولیٰ بقدر تمام التحیات کے فرض ہے فتدبر۔ راقم دعاگو خیر خواہ فقیر غلام النبی عنہ باسمہ سبحٰنہ وتعالیٰ شانہ،۔

---

[1] فتاوی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] القرآن ۵۹/۹

الجواب:

ھو الموفق بالحق والصواب (وہ حق اور درستی کے ساتھ توفیق دینے والا ہے۔ت) برضمائر اربابِ صدق و صفاد اصحاب فطنت وذکا مخفی ومحتجب نہ رہے کہ جو افعال اثنائے نماز میں حرام ہیں وہی خطبہ میں بحالتِ استماع خطبہ گفتگو کرنا یا بادکشی کرنا جو مضر اور مخالف استماع خطبہ ہے ممنوع اور غیر مشروع ہے ہرگز درست نہیں مرتکب اس کا خاطی وسخت گناہ گار ہے، علمگیریہ میں ہے:

ویحرم فی الخطبة مایحرم فی الصلٰوة حتی لا ینبغی ان یاکل او یشرب والامام فی الخطبة ھکذا فی الخلاصة[1] ص ۵۳۔	خطبہ کے دوران ہر وہ شیئ حرام ہے جو نماز میں حرام حتی کہ امام کے خطبہ کے وقت کھانا وپینا مناسب نہیں اسی طرح خلاص ص ۵۳ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

(وکل ماحرم فی الصلٰوة حرم فیھا) ای فی الخطبة خلاصة وغیرھا فیحرم اکل وشرب وکلام ولو تسبیحا اوردسلام او امرا بمعروف بل یجب علیه ان یستمع ویسکت[2]۔	(جو کچھ نماز میں حرام ہے اس (خطبہ) کے دوران بھی حرام ہے) خلاصہ وغیرہ، پس کھانا پینا، کلام کرنا اگرچہ سبحان اللہ کہنا، سلام کا جواب دینا یا نیکی کا حکم ہو اس دوران ناجائز ہے بلکہ واجب ہے کہ خطبہ سنا جائے اور خاموشی اختیار کی جائے ۔(ت)

شامی میں ہے:

قوله بل یجب علیه ان یستمع ظاھرہ انه یکرہ الاشتغال بما یفوت السماع وان لم یکن کلاما وبه صرح القھستانی حیث قال اذا الاستماع فرض کما فی المحیط اوواجب کما فی صلٰوة المسعودیة اوسنة[3] الخ۔	قولہ "بلکہ خطبہ کا سننا واجب ہے" کاظاہر واضح کررہا ہے ہر وہی شیئ پڑھنا جس سے سماع خطبہ فوت ہو وہ مکروہ ہے اگرچہ وہ کلام نہ ہو، اسی کی تصریح کرتے ہوئے قہستانی نے کہا کیونکہ خطبہ کا سننا فرض ہے جیسا کہ محیط میں یا واجب ہے جیسے کہ صلٰوۃ المسعودیہ میں یا سنت ہے الخ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

[3] ردالمحتار، باب الجمعۃ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۶

شرح وقایہ میں ہے:

واذا خرج الامام حرم الصلٰوۃ والکلام حتی یتم خطبتہ[1]۔	جب امام (خطبہ کے لئے نکل آئے تو نماز و کلام حرام ہو جاتی ہے یہاں تک کہ خطبہ مکمل ہو جائے۔(ت)

شرح نووی میں ہے:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن مس الحصا فقد لغافیہ النھی عن مس الحصا وغیرہ من انواع العبث فی حال الخطبۃ وفیہ اشارۃ الی اقبال القلب والجوارح علی الخطبۃ[2]۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: اور جس نے سنگریزے کو مس کیا اس نے لغو کام کیا، اس فرمان میں سنگریزے وغیرہ کو مس کرنا جیسے کاموں سے حالت خطبہ میں آپ نے منع فرمایا ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دل اور اعضاء کو خطبہ کی طرف لگایا جائے۔(ت)

لُب اور خلاصہ عبارات متذکرہ بالا کا یہ ہے کہ اثنائے خطبہ میں بادکشی وغیرہ لغو افعال جو مانع استماع خطبہ وتوجہ قلب اور اعضائے انسانی کے ہیں ناجائز ہیں اور فاعل اس کا بجائے اس کے کہ مستحق ثواب کا ہو مرتکب گناہ کا ہوگا۔ المجیب محمد فضل الرحمٰن ساکن صدر بازار کیمپ فیروز پنجاب۔

الجواب:

تحریر ثانی صحیح ہے اور رائے نجیح فی الواقع فعل مذکور گناہ وحرام، اور اس کا فاعل مرتکب آثار، اور اُس میں ثواب طمع خام، اور تحریر اول سراسر اوہام، خلاصہ وبزازیہ وخزانۃ المفتین ومجتبی وجلابی وحلیہ وجامع الرموز وبحر الرائق ونہر الفائق ومراقی الفلاح وتنویر الابصار ودر مختار وطحطاوی علی المراقی ومنحۃ وہندیہ ومنحۃ الخالق وغیرہا عامہ کتب مذہب میں صاف تصریح ہے کہ جو فعل نماز میں حرام ہے خطبہ ہونے کی حالت میں بھی حرام ہے، خلاصہ و عالمگیریہ ومتن وشرح تنویر کی عبارات کلام مجیب میں گزریں اور عبارت خزانۃ المفتین بعینہا عبارت خلاصہ ہے اور اُسی سے بحر وحاشیہ البحر للعلامۃ الشامی میں بہ نقل نہر ماثور۔ وجیز امام کردری میں ہے:

مایحرم فی الصلٰوۃ یحرم فی الخطبۃ کالاکل والشرب حال الخطبۃ[3]۔	جو کچھ نماز میں حرام ہے خطبہ میں بھی حرام ہے مثلاً خطبہ کے دوران کھانا پینا۔(ت)

---

[1] شرح وقایہ، باب الجمعۃ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی بھارت ۱/ ۲۴۴

[2] شرح مسلم مع مسلم کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۸۳

[3] فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ الثالث والعشرون فی الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۴

شرح منیہ امام محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی میں ہے:

کما یکرہ الکلام بانواعه یکرہ مایجراہ من کتابة ونحوها مما یشغل عن ساعها حتی ان فی شرح الزاھدی ویکرہ لمستمع لخطبة مایکرہ فی الصلٰوۃ کالاکل والشوب والعبث والالتفات[1]۔	جیسے ہر طرح کی گفتگو منع ہے ویسے ہی اس کے قائم مقام مثلاً کتابت وغیرہ جو خطبہ کے سماع میں خلل ڈالے حتی کہ شرح الزاہدی میں ہے کہ خطبہ کے سامع کے لئے ہو وہ شیئ مکروہ ہے جو نماز میں مکروہ ہے مثلاً کھانا پینا، عبث فعل اور کسی طرف متوجہ ہونا وغیرہ (ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ شرح نورالایضاح میں بحوالہ شرح الکنز للعلامۃ عمر بن نجیم وشرح القدوری لمختار بن محمود سے نقل کیا۔ شرح نقایا علامہ محمد قہستانی میں ہے:

کما منع الکلام منع الاکل والشرب العبث والالتفات والتخطی وغیرھا مما منع فی الصلٰوۃ کما فی جلابی[2]۔	جس طرح گفتگو منع ہے اسی طرح کھانا پینا عبث کام، کسی اور طرف متوجہ ہونا اور خط وغیرہ کھینچنا جو کہ نماز میں ممنوع ہیں منع ہیں جیسا کہ جلابی میں ہے۔ (ت)

متن وشرح علامہ حسن شرنبلالی میں ہے:

(کرہ لحاضر الخطبة الاکل والشرب)وقال الکمال یحرم (والعبث والالتفات) فیجتنب ما یجتنبه فی الصلٰوۃ[3] اھ باختصار۔	(خطبہ میں حاضر شخص کے لئے کھانا پینا مکروہ ہے) کمال نے کہا حرام ہے (بے فائدہ کام کسی اور طرف متوجہ ہونا) پس ہر شے سے اجتناب کرنا چاہئے جس سے نماز میں اجتناب کیا جاتا ہے اھ اختصاراً (ت)

غنیہ شرح منیہ للعلام ابراہیم الحلبی میں ہے:

الاستماع والانصات واجب عندنا وعند الجمھور حتی انه یکرہ قراءۃ القراٰن ونحوھا وردالسلام تشمیت العاطس وکذاالاکل والشرب وکل عمل[4]۔	خطبہ سننا اور اُس کی طرف متوجہ ہونا ہمارے اور جمہور کے نزدیک واجب ہے حتی کہ اس کے دوران قراءتِ قرآن وغیرہ، سلام کا جواب، چھینک کا جواب مکروہ ہے اور اسی طرح کھانا پینا اور ہر عمل کا یہی حکم ہے (ت)

---

1 حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح بحوالہ النہر عن البدائع مفہومًا باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

2 جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ جمعہ مطبوعہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۸

3 مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۳

4 غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ بادکشی مذکور نمازی کو بحالت نماز حلال ہے حاشا قطعًا حرام ہے تو حسب تصریحات متوافرہ ائمہ وعلمائے معتمدین بحالت خطبہ بھی حرام وموجب آثام ہے یہیں سے اُس روایت اشارہ بچشم وسرو دست کا بھی جواب ظاہر ہوگیا کہاں کسی منکر یا اور کسی حاجت کے لئے ایک اشارہ کردینا اور کہاں حالتِ خطبہ میں حاضرین کو پنکھا جھلتے پھرنا، یہ قیاس فاسد اگر صحیح ہو تو یہ حرکت نماز میں بھی جائز ٹھہرے کہ ایسا اشارہ تو عین نماز میں بھی حرام نہیں، مثلًا کوئی شخص نمازی کو سلام کرے یا نمازی سر یا ہاتھ کے اشارے سے جواب دے دے یا کوئی کچھ مانگے یہ ہاں یا نہ کا اشارہ کردے، یا کوئی پوچھے کے رکعتیں ہوئیں، یہ انگلیوں کے اشارہ سے بتادے یا کوئی روپیہ دکھا کر کھوٹا کھرا پوچھے یہ ایما سے جواب دے دے تو یہ سب صورتیں اگرچہ مکروہ ہیں مگر حرام ومفسدِ نماز نہیں، درمختار باب مفسدات الصلٰوۃ میں ہے:

(وردالسلام) ولو سھوا (بلسانه) لا بیده بل یکره علی المعتمد [1]۔	(سلام کا جواب دینا) اگرچہ بھول کر ہو (زبان کے ساتھ) نہ کہ ہاتھ کے ساتھ، بلکہ یہ معتمد قول کے مطابق مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لایفسدھا رد السلام بیده خلافه لمن عزا الی ابی حنیفة انیه مفسد فانه لھم یعرف نقله من احد من اھل المذب وانما یذکرون عدم الفساد بلا حکایة خلاف بل صریح کلام الطحاوی انه قول ائمتنا الثلثة کذافی الحیلة وفی البحر الرائق ان الفساد ولیس بثابت فی المذھب ویدل لعدم الفسساد انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعله کما رواه ابوداؤد وصححه فی الترمذی وصرح فی المنیة بانه مکروه ای تنزیھا [2] اھ مختصرا	یعنی ہاتھ کے ساتھ سلام کا جواب دینا نماز کے لئے فاسد نہیں بخلاف اس کے جس نے امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ فاسد نماز ہے کیونکہ اس کا یہ کسی اہل مذہب سے منقول ہونا معروف نہیں علماء نے بغیر اختلاف ذکر کئے عدمِ فساد بیان کیا ہے بلکہ کلام طحاوی میں تصریح ہے کہ یہ تینوں ائمہ کا قول ہے جیسا کہ حلیہ میں ہے، اور بحرالرائق میں ہے کہ فساد مذہب میں ثابت نہیں اور اس کے عدمِ فساد پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل دلالت کرتا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں ہے، ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی اور منیہ میں اس کے مکروہ (تنزیہی) ہونے کی تصریح ہے اھ مختصرا(ت)

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۸۹

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۴۵۵

اسی (درمختار) کے مکروہات میں ہے:

لاباس بتکلم المصلی واجابته براسه کما لو طلب منه شیئ اواری درھما قیل اجید فا وما بنعم اولا اوقیل کم صلیتم فاشاربیدہ انھم صلوا رکعتین [1]۔	نماز اگر سر کے اشارے کے ساتھ کلام یاجواب دے تواس میں کوئی حرج نہیں، مثلاًاس سے کوئی شے طلب کی گئی یااس سے دراہم کے بارے دریافت کیا گیاکہ کیایہ کھراہے۔ تواس نے اشارے سے ہاں یانہ کہا، یایہ پوچھاگیاکہ تم نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، تو وہ ہاتھ کے اشارے سے بتلاتاہے کہ اس نے دو رکعات ادا کی ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله واجبته برأسه قال فی الامداد وبه ورد الاثر عن عائشه رضی اللہ تعالٰی عنھا وکذا فی تکلیم الرجل المصلی قال تعالٰی فنادته الملئکة وھو اقائم یصلی فی المحراب [2]۔	ماتن کاقول "نماز کاسر کے اشارے سے جواب دینا"اس بارے میں الامداد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اس پر فرمان بھی منقول ہےاسی طرح کسی کا نمازی سے کلام کرنا، تواس سلسلہ میں اللہ تعالٰی کافرمان ہے ملائکہ نے انھیں آواز دی حالانکہ وہ محراب میں نمازادا کررہے تھے۔(ت)

انھیں عباراتِ ائمہ میں تصریح گزری کہ بحالتِ خطبہ چلناحرام ہے یہاں تک کہ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگرایسے وقت آیاکہ خطبہ شروع ہوگیامسجد میں جہاں تک پہنچاوہیں رُک جائے آگے نہ بڑھے کہ عمل ہوگااور حالِ خطبہ میں کوئی عمل روانہیں حالانکہ امام سے قرب شرعاً مطلوب اور حدیث وفقہ میں اُس کافضل مکتوب اور وہیں بیٹھ جانے میں آئندہ آنے والوں کے لئے بھی جگہ کی تنگی ہے ان امورپر لحاظ نہ کریں گےاور آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں گے مگر پنکھا جھلتے پھرناضرور جائز بناہی لیاجائے گا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

ذکر الفقیه ابو جعفر قالا اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم انه لا باس با لتخطی مالم یا خذ الامام فی الخطبة ویکرہ اذا اخذ للمسلم ان	فقیہ ابوجعفر کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا فرمان ہے کہ جب تک امام نے خطبہ شروع نہیں کیا اس وقت تک چلنے میں کوئی حرج نہیں، جب

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۹۱

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۶

یتقدم ویدنوا من المحراب اذالم یکن الامام فی الخطبۃ لیتسع المکان علی من یجی بعدہ وینال فضل القرب من الامام، فاذالم یفعل الاول فقد ضیع ذلك المکان من غیر عذر، فکان للذی جاء بعدہ ان یاخذ ذلك المکان، وامامن جاء والامام یخطب، فعلیہ ان یستقرفی موضعہ من المسجد لان مشیہ فتقدمہ عمل فی حالۃ لخطبۃ[1]۔	امام نے خطبہ شروع کردیا تواب کراہت ہے کیونکہ امام خطبہ نہیں دے رہا تو مسلمان کو چاہئے کہ وہ محراب کے قریب ہوجائے تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کے لئے جگہ بن جائے اور اس کے ذریعے امام کی قربت کی فضیلت بھی حاصل ہوگی جب اس نے پہل نہ کی تو اس نے بغیر عذر وہ جگہ ضائع کردی، اب بعد میں آنے والا شخص وہ جگہ حاصل کرسکتا ہے لیکن جو شخص اس وقت آیا جب امام خطبہ دے رہا تھا تو وہ مسجد میں اپنی جگہ پر ہی بیٹھ جائے کیونکہ اب اس کا چلنا اور آگے بڑھنا حالتِ خطبہ میں عمل ہوگا۔ (ت)

چلنا تو بڑی چیز ہے انھیں عبارات علماء میں تصریح گزری کہ خطبہ ہوتے میں ایک گھونٹ پانی پینا حرام، کسی طرف گردن پھیر کر دیکھنا حرام، تو وہ حرکت مذکورہ کس درجہ سخت حرام ہوگی، انھیں وجوہ زاہرہ سے اس کے نیک کام اور یؤثرون علٰی انفسھم میں داخل ہونے کا جواب روشن ہوگیا، نیکی وایثار تو جب دیکھیں کہ فعل وہاں جائز بھی ہو جب سرے سے نفسِ فعل حرام، تو اس کے فضائل گننے کا کیا محل، مسلمانوں کو پنکھا جھلنا تو جہاں جائز ہو وہاں غایت درجہ مستحب ہوگا، جواب سلام دینا، امر بالمعروف کرنا تو واجب تھے اور بحالت خطبہ حاضرین پر حرام ہوئے، اب کیا یہاں ان کے فضائل ووجوب سے استدلال کی گنجائش ہے، غنیہ میں ہے:

لایقال ردالسلام فرض فلا یمنع منہ لانا نقول ذلك اذاکان السلام فاذونا فیہ شرعا ولیس کذلك فی حالۃ الخطبۃ بل یرتکب فاعلہ اثما[2]۔	یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ سلام کا جواب دینا فرض ہے لہٰذا اس سے منع نہ کیا جائے کیونکہ جواباً کہیں گے فرض وہاں ہے یہاں شرعاً سلام کرنے کی اجازت ہو حالانکہ حالتِ خطبہ میں اس کی اجازت نہیں بلکہ ایسا عمل کرنے والا گنہگار ہوگا۔ (ت)

اوروں کے اطمینان کو آپ صریح بے اطمینانی یُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ[3]۔ (وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۸-۱۴۷

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۰

[3] القرآن ۵۹/۹

دیتے ہیں۔ت) میں شمول نہیں اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ [1]۔(تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ت) میں دخول ہے یعنی دیگراں رانصیحت وخود رافضیحت (اوروں کو تو اچھے کام کی نصیحت کرنا اور خود برے کام کرنا۔ت) علمائے کرام تو ایثار قربت میں کلام رکھتے ہیں نہ کہ اوروں کی قربت کے لئے خود حرام کا ارتکاب، یہ ایثار نہیں صراحۃً اپنے دین کو اضرار ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) یہیں سے واضح کہ ممانعت کو صرف فعل عبث وبے فائدہ سے خاص کرنا محض غلط ہے بلکہ اس قسم کا ہر عمل اگرچہ کیسا ہی مفید ہو وقت خطبہ شرعًا لغو میں داخل اور اُس کے فائدے پر نظر باطل بلکہ نفع درکنار اُس سے ضرر حاصل، آخر دیکھا کہ شرع مطہر نے اس وقت امر بالمعروف کو کہ اعلٰی درجہ کی مفید و مہم چیز ہے حرام ٹھہرایا، اور دو حرف (چُپ) کہنے کو لغو میں داخل فرمایا، صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اذا قلت لصاحبك یوم الجمعة انصت والامام یخطب فقد لغوت [2]۔	جب روزِ جمعہ خطبہ امام کے وقت تو دوسرے سے کہے چُپ، تو تُو نے خود لغو کیا،

مسندِ احمد سُنن ابی داوٗد میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال لصاحبه یوم الجمعة صه فقد لغا ومن لغا فلیس فی جمعته تلك شیئ [3]۔	جو جمعہ کے دن اپنے ساتھی سے چُپ کہے اُس نے لغو کیا اور جس نے لغو کیا اُس کے لئے اس جمعہ میں کچھ اجر نہیں۔

امام احمد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من یتکلم یوم الجمعة والامام یخطب فھو کمثل الحمار یحمل اسفارا والذی یقول له انصت لیس له جمعة [4]۔	جمعہ کے دن جب امام خطبہ میں ہو بولنے والا ایسا ہے جیسے گدھا جس پر کتابیں لدی ہوں اور جو اُس سے چپ کہے اُس کا جمعہ نہیں،

یہیں سے منجلی ہوا کہ حدیث استسقائے مذکور صحیحین سے استدلال صحیح نہیں اُس سے اگر ثابت ہوگا تو وقت خطبہ امام جوازِ کلام اور اس کی حرمت پر ائمہ مذہب کا اجماع اور احادیث صریحہ صحیحہ جن کی بعض مذکور ہوئیں مثبت تحریم قاطع نزاع فان الحاظر مقدم وتمام الکلام فی الفتح وغیرہ (کیونکہ منع کرنے والی مقدم ہے اور اس پر تفصیلی

---

[1] القرآن ۲/۴۴

[2] صحیح البخاری باب الانصاف یوم الجمعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸

[3] سنن ابوداؤد باب فضل الجمعۃ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۱

[4] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۲۳۰

گفتگو فتح وغیرہ میں ہے۔ت) باقی رہا یہ کہ حاضرین نے کہا بارش کی دعا کیجئے اور یہ کہ تمام حاضرین نے بھی ہاتھ اٹھائے اور یہ کہ آئندہ جمعہ کو تمام حاضرین نے کہا یہ سب غلط دعوے ہیں اور صحیحین میں ان کا کہیں پتا نہیں، رہی فرع کتابت مذکورہ علمگیریہ۔

اولاً جو بعض اُسے جائز رکھتے ہیں وہ بھی اُس کے لئے جو امام سے اس قدر دور ہو کہ خطبے کی آواز اُس تک نہ جاتی ہو تو قریب کے لئے جواز بادکشی پر اُس سے استدلال کہ سنتا رہے اور حاضرین کو ہوا کرے استدلال بالمخالف ہے، غنیہ وبزازیہ وشرنبلالیہ میں ہے:

واللفظ للحلبی الختلف المتاخرون فی البعید عن الامام فمحمدبن سلمة اختار السکوت فی حقه ایضا ونصیر بن یحیی اجازا القرأة ونحوها وعن ابی یوسف اختیارالسکوت و حکی عنه انه کان ینظر فی کتابه ویصلحه بالقلم [1]۔	حلبی کی عبارت یہ ہے امام سے دور شخص کے بارے میں متاخرین کا اختلاف ہے محمد بن سلمہ کے ہاں اس کے حق میں بھی سکوت ہے، نصیر بن یحیٰی قرائت وغیرہ کی اجازت دیتے ہیں، امام ابویوسف سے سکوت کامختار ہونا منقول ہے اور آپ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ اس حالت میں اپنی کتاب پڑھ رہے تھے اور قلم سے اس کی اصلاح فرمارہے تھے۔(ت)

خانیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

اما درسه الفقه والنظر فی کتب الفقه وکتابته من اصحابنا رحمهم الله من کره ذلك ومنهم من قال لاباس به اذاکان لایسمع صوت الخطیب (زاده فی الخانیة) وهکذا روی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی [2]۔	فقہ کی تدریس، کتب فقہ کا مطالعہ اور کتابت ہمارے بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور بعض اس تک امام کی آواز نہ پہنچ رہی ہو (خانیہ میں یہ اضافہ ہے) اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے اسی طرح مروی ہے۔(ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

فی الینابیع یکره التسبیح وقرائة القرأن اذاکان یسمع الخطبة وروی عن نصیر بن یحیی انکان	ینابیع میں ہے کہ امام کا خطبہ سُنتے وقت تسبیح اور قرأت قرآن مکروہ ہے، نصیر بن یحیٰی سے مروی ہے کہ اگر

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۷

بعید امن الامام یقرأ القراٰن فمن فعل مثله ولایشغل غیرہ بسماع تلاوته لاباس به کالنظر فی الکتابة وفیه خلاف وعن ابی یوسف لاباس به والحکم بن زھیر کان یجلس مع ابی یوسف و ینظر فی کتابه ویصحح بالقلم وقت الخطبه وقال الکمال یحرم الاکل والشرب والکتابة انتھی یعنی اذا کان یسمع لما قد مناہ ان کتابة من لایسمع الخطبة غیر ممتنعه [1] انتھی ملتقطا۔	وہ آدمی امام سے دور ہو تو قرآن پڑھ سکتا ہے، جس نے ایسے کیا اور اپنی تلاوت کے سماع میں دوسرے کو مشغول نہ کیا تو کوئی حرج نہیں، حکم بن زہیر بوقتِ خطبہ امام ابویوسف کے ساتھ بیٹھ جاتے، کتاب دیکھتے اور قلم سے اصلاح کرتے، کمال نے فرمایا کھانا پینا اور کتابت اس موقعہ پر حرام ہے انتہی یعنی جب خطبہ سن رہا ہو، جیسا کہ پیچھے گزر چکا کیونکہ نہ سننے والے کے لئے کتابت منع نہیں انتہی ملتقطا (ت)

ثانیا یہ قول بعض ونامعتمد ہے، صحیح یہی ہے کہ دور نزدیک سب پر سکوت واجب، اوکتابت وقرات جمیع اعمال ناجائز، طحطاویہ میں زیر قول مذکور مراقی ہے:

قوله غیر ممتنعه، المعتمد المنع [2] اھ اقول وحمله کلام الکمال علی القریب بعید کل البعد فان ا لکمال صرح بخلافه کما سنسمعك نصه۔	ان کا قول "منع نہیں" منع معتمد ہے اھ اقول کلامِ کمال کو قریبی شخص پر محمول کرنا نہایت ہی بعید ہے کیونکہ کمال نے اس کے خلاف تصریح کی ہے جیسے کہ عنقریب ہم ان کی عبارت پیش کردیں گے (ت)

ردالمحتار میں فیض علامہ کرکی سے ہے:

لوکان بعید الایسمع الخطبة ففی حرمة الکلام خلاف وکذا فی قرأة القراٰن والنظر فی الکتب وعن ابی یوسف انه کان ینظر فی کتابه ویصححه بالقلم والاحوط السکوت وبه یفتی [3]۔	اگر وہ امام سے دور ہے خطبہ نہیں سن رہا تو وہاں کلام کے حرام ہونے میں اختلاف ہے، اسی طرح قرأتِ قرآن اور مطالعہ کتاب کے بارے میں بھی اختلاف ہے، امام ابویوسف کے بارے میں ہے کہ کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے قلم سے اصلاح کررہے تھے، احوط سکوت ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کُتب خانہ کراچی ص ۲۸۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الجمعہ مطبوعہ نور محمد کُتب خانہ کراچی ص ۲۸۳

[3] ردالمحتار، باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

جواہر الاخلاطی میں ہے:

النائی عن الامام فی استماع الخطبة کالقریب والانصات فی حقه هو المختار[1]۔	امام سے دور شخص خطبہ سننے میں قریبی کی طرح ہوتا ہے اوراس کے حق میں بھی خاموش ہے، یہی مختار ہے۔(ت)

ہندیہ میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے: ھو الاحوط[2] (یہی احوط ہے۔ت) محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے: ھو الاصح[3] (یہی اصح ہے۔ت) شرح نقایہ برجندی میں خزانہ سے ہے: ھو الاولی[4] (یہی اولٰی ہے۔ت) ہدایہ وایضاح الاصلاح میں ہے:

اختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط السکوت (زادفی الهدایة) اقامة الفرض الانصات[5]۔	منبر سے دُور والے کے بارے میں اختلاف ہے۔ سکوت احوط ہے (ہدایہ میں اضافہ ہے کہ) خاموشی کے فریضہ کو قائم کرتے ہوئے۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الاحوط السکوت لانه مامور بالاستماع والانصات اذاقرب من الامام و عند بعد ان لم یقدر علی الاستماع فقد قدر علی الانصات فیجب عیله۔[6]	سکوت احوط ہے کیونکہ خطبہ سننے اور اس کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے جبکہ امام کے قریب ہو اور اگر دور ہو تو وہ اگرچہ سننے پر قادر نہیں مگر متوجہ ہونے پر قادر ہے لہٰذا اس پر یہ واجب ہوگا۔(ت)

فتح القدیر فصل القراءۃ میں ہے:

هذا اذاکان بحیث یستمع فاما النائی فلا روایة فیه عن المتقدمین واختلف	یہ اس وقت ہے جب خطبہ سن رہا ہو، دور والے کے بارے میں متقدمین سے کوئی روایت نہیں، متاخرین

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ غیر مطبوعہ نسخہ ص ۴۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[4] شرح نقایہ للبرجندی فصل یجہر الامام فی الجمعۃ الخ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۱۵

[5] الہدایۃ باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۱

[6] کافی شرح وافی

المتاخرون والاحوط السکوت یعنی عدم القراءۃ والکتابۃ ونحوھا لا لکلام المباح فانہ مکروہ فی المسجد فی غیر حال الخطبۃ فکیف فی حالھا[1]۔	کا اختلاف ہے سکوت احوط ہے یعنی عدمِ قرات اور عدم کتابت وغیرہ نہ کہ کلام مباح کیونکہ یہ تو مسجد میں حالتِ خطبہ کے علاوہ بھی مکروہ ہے تو حالتِ خطبہ کے دوران یہ کیسے جائز ہوگی (ت)

ملتقی الابحر و مجمع الانہر میں ہے:

(النائی) ای البعید الذی لایسمع الخطبۃ (والدانی) ای القریب (سواء)فی وجوب الاستماع والانصات امتثا لاللامر[2]۔	(النائی) یعنی دور والا شخص جو خطبہ نہیں سن سکتا (والدانی) یعنی قریبی شخص حکم کی بجاآوری کی بناپر سننے اور متوجہ ہونے کے وجوب میں (دونوں برابر ہیں) (ت)

غرر و درر میں ہے:

(البعید) عن الخطیب (کالقریب) فی وجوب الاستماع والا نصات[3]۔	بعید خطیب سے خطبہ سننے اور متوجہ ہونے میں قریبی کی طرح ہی ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر ودر میں ہے:

(البعید) عن الخطیب(والقریب سیان) فی افتراض الانصات[4]۔	متوجہ ہو کر سننے میں خطیب کا قریبی اور دُور والا برابر ہوتے ہیں ۔(ت)

اُنھیں میں ہے:

یجب علیہ ون یستمع ویسکت(بلافرق بین قریب وبعید فی الاصح[5]۔	اصح قول کے مطابق خطبہ کا سننا اور خاموش رہنا لازم ہے بلا تفریق کہ وہ قریب ہے یا دور۔ (ت)

کنزالد قائق و بحر الرائق میں ہے:

(النائی کالقریب)ھو الاحوط۔[6]	(دُور والا قریب کی طرح ہے) یہی احتیاط ہے (ت)

1 فتح القدیر فصل فی القرائۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۹۸
2 مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی احکام القراءۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۷
3 درر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فیما یجہر الامام مطبوعہ مکتبہ احمد کامل کائنہ، دار سعادت مصر ۱/۸۴
4 در مختار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۸۱
5 در مختار ، فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱ /۱۱۳
6 البحر الرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۱۵۵

عبارات سابقہ سے تو واضح تھا ہی کہ سُننا جو فرض ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ کان میں آواز پہنچے اگر چہ آپ دوسرے کام میں مشغول ہو ورنہ کھانا، پینا، چلنا، گردن پھیر کر دیکھنا کیوں حرام ہوتا کہ ان میں کون ساکام کان میں آواز جانے کے منافی ہے بلکہ اس کے یہ معنی کہ ہمہ تن اُسی طرف متوجہ ہو اور دوسرے کسی کام میں مشغول نہ ہو، مگر ان عبارات لاحقہ نے اور بھی تر کر دیا کہ سراپا تمام اعضاء سے اُسی طرف متوجہ رہنا خود واجب ہے کہ بعید کے لئے تو کان میں آواز آنا بھی نہیں مگر قول صحیح و معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ اُسے بھی اور اعمال میں مشغولی حرام، تو یہ زعم کہ خطبہ بقدر سنت سُن کر باقی کو سنتا رہے اور ہوا کرے۔

اوّلاً صاف قول بالتنافیین ہے اور استماع وانصات کے معنی نہ سمجھنے سے ناشیئ۔

ثانیاً یہ فعل مخل استماع ہے یا نہیں، اگر ہے تو مطلقاً حرام ہونا واجب نہ یہ کہ قدر سنت کے بعد اجازت ہو، اور اگر نہیں تو مطلقاً جائز ہونا چاہئے قدر سنت کا استثناء کس لئے۔

ثالثاً دونوں خطبے مسنون ہیں، نہ کہ ہر خطبے یا صرف اولٰی سے اُس کا ایک جز، تو قدر سنت سن چکنا بعد تمامی خطبتین صادق ہوگا اب کیا نماز پڑھتے میں پنکھا جھلتا پھرے گا شاید ادعا کیا جائے کہ اگر کوئی امام خطبہ کبیرہ طویلہ بطول فاحش مخالفِ سنت پڑھے تو قدر سنت کے بعد مقدار زیادت میں یہ حرکت جائز، اول تو اس کا ارادہ کلام قائل سے بعید وہ مطلق ہے نہ کہ اس صورت نادرہ مکروہہ سے خاص اور ہو بھی تو یہ بھی غلط و باطل ہے، مقدار میں بڑھا دینا درکنار خطبے میں ذکر و مدح ظالمین بھی ہو قطعاً خلافِ سنت کیا حرام شدید اور یقینا مقاصد خطبہ سے جدا و بعید ہے، جب بھی صحیح یہی ہے کہ استماع وانصات واجب، مجتبٰی شرح قدوری پھر نہر الفائق پھر فتح اللہ المعین علامہ سید ابوالسعود ازہری میں ہے

: استماع الخطبة من اولها الی اٰخرها واجب وان کان فیها ذکر الولاة وهو الاصح[1]۔	خطبہ کا اوّل تا آخر سُننا لازم ہے اگر چہ اس میں امراء کا ذکر ہو، یہی اصح ہے (ت)

محیط برہانی پھر عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لها الذی علیه عامة مشائخنا ان علی القوم ان یسمعوا الخطبة من اولها الی اٰخرها والدنومن الامام افضل من التباعد عنه وهو الصحیح من الجواب مشائخنا رحمهم الله تعالٰی[2]۔	وہ الفاظ جن پر اکثر مشائخ ہیں وہ یہ ہے کہ قوم پر اول تا آخر خطبے کا سُننا لازم ہے، امام کا قُرب دوری سے افضل ہے اور مشائخ کے جواب میں سے یہی صحیح ہے۔(ت)

---

1 فتح المعین باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۱

2 فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(لاصلٰوۃ ولا کلام الی تمامها) وان کان فیها ذکر الظلمة فی الاصح [1]۔	(خطبہ مکمل ہونے تک کوئی نماز اور کوئی کلام نہیں) اگرچہ اس میں ظالم حکمرانوں کا ذکر ہو، یہی اصح ہے۔(ت)

علامہ حموی کا کوئی فتاوی مسموع نہیں، نہ ان کی کسی کتاب سے حرکت مذکورہ کا جواز مستفاد، ملاحظہ معنی جس طرح خطبے میں مقصودیوں ہی نماز میں، کیا نماز میں بھی اسی نیک نیت سے پنکھا جھلتے پھرنے کی اجازت ہوگی، جنت میں اُس ہوا کی یہ غایت تاکہ باطمینان دیدار سے مشرف ہوں، سخت ابعد و واجب الرد ہے، جنت میں معاذاللہ گرمی و حبس کا کون سا وقت ہوگا جس کے ازالے کو ہوا کی حاجت ہو، اہل جنت کے لئے معاذاللہ بے اطمینانی کا سامان کس وقت ہوگا کہ تحصیل اطمینان کی ضرورت ہو، وہاں کے جتنے امور ہیں سب محض لذت وزیادت نعمت ہیں، ولہذا محققین فرماتے ہیں دنیا میں حقیقۃً کوئی لذت نہیں جسے لذت گمان کیا جاتا ہے، واقع میں دفع الم ہے، پانی یا شربت کیسا ہی سرد وشیریں وخوشبو وخوشگوار ہو پیاس نہیں تو کچھ لذت نہیں دیتا، کھانا کیسا ہی لذیذ وعمدہ وخوشبو وخوش مزہ ہو بھوک نہیں تو کچھ لطف نہیں آتا، تو حقیقۃً بھوک پیاس کا الم دفع ہوتا ہے، نہ لذت خالصہ وعلی ہذا القیاس باقی تمام ملاذ بخلاف بہشت کہ وہاں اصلاً نہیں، نہ بھوک، نہ پیاس، نہ گرمی، نہ احتباس تو وہاں جو کچھ ہے خالص وحقیقی لذت ہے۔

رزقنا اللہ تعالٰی بمنه وکرمه فضل رحمته بصالحی عبادہ اٰمین بجاہ محمد نبی الرحمة شفیع الامة صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و علیهم اجمعین اٰمین۔	اللہ تعالٰی اپنے کرم، احسان، فضل اور پیارے نبی رحمۃ، شفیع امت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صالحین بندوں کے طفیل یہ جنتی لذت ہمیں عطا فرمائے۔آمین! (ت)

اور بفرضِ باطل ایسا ہو بھی تو وہاں کون سا خطبہ ہے اور باری عزوجل پر کس چیز کا استماع واجب، اور کس وقت اپنے کسی فعل سے باز رہنا لازم، اور اُسے کون سا فعل درسرے سے مشغول کرسکتا ہے، پھر افعالِ الٰہیہ سے استناد عجب تماشا ہے، معبود وعابد کی کیا ریس، ہمیں اتباعِ احکام سے کام ہے وبس۔ وقفنا اللہ تعالٰی له اٰمین واللہ وسبحٰنه وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۰۶تا۱۳۰۸: از بنگالہ ضلع پابنہ ڈاکخانہ سراج گنج موضع بھنگا باڑی مرسلہ منشی عنایت اللہ صاحب ۶ شوال ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ:

---

[1] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/ ۱۱۳

(۱) بعض خطبہ میں جو لکھاہے کہ فرود آید بالا رود بدست راست خواند بدست چپ خواند (نیچے آئے، اوپر جائے دائیں طرف اور بائیں طرف متوجہ ہو کر پڑھے) اس کا اصل کیا اور مبنی کہاں سے ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض خطبہ کے درمیان جوار دو اشعار لکھاہے خطبہ مع اُس کے پڑھنا یا صرف فارسی یا اردو یا اور کوئی زبان میں سوائے عربی کے پڑھنا اول سے اخیر تک چاہے عید ہو یا جمعہ، جائز ہے یا نہیں؟

(۳) منبر کتنی سیڑھی کا ہونا چاہئے اور کس پر کھڑے ہو کر خطبہ چاہئے اور منبر کس زمانہ سے شروع ہوا ہے؟

الجواب:

(۱) دہنے بائیں منہ پھیرنا بے اصل ہے اس پر عمل نہ کیا جائے اور ذکر سلطان کے وقت ایک پایہ نیچے اُترنے کو بھی بعض شافعیہ نے قبیح بتایا، اور واقعی اگر مصلحت شرعیہ سے خالی ہو تو عبث ہے اور عبث کا درجہ مکروہ،

فی ردالمحتار قال ابن حجر فی التحفة وبحث بعضھم ان ما اعتید الان من النزول فی الخطبة الثانیة الیٰ درجة سفلی ثم العود بدعة قبیحة شنیعة[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جو معمول بن گیا ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت نیچے درجہ پر آنا پھر اوپر والے درجہ کی طرف لوٹنا بدترین بدعت ہے۔(ت)

ہندیہ میں سُننِ خطبہ میں ہے: استقبال القوم بوجھه[2] (قوم کی طرف منہ کرنا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

مایفعله بعض الخطباء من تحویل الوجه جھة الیمین وجھة الیسار عند الصلوٰة علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی الخطبة الثانیة لم ار من ذکرہ والظاھر انه بدعة ینبغی ترکه لئلا یتوھم انه سنة ثم رأیت فی منھاج النووی قال ولا یلتفت یمینا وشمالا فی	بعض خطباء درسرے خطبہ کے دوران نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہوئے دائیں بائیں چہرہ پھیرتے ہیں، اس کا ذکر میرے مطالعہ میں نہیں آیا، اور ظاہر یہی ہے کہ اسے ترک کردینا چاہئے تاکہ کوئی اسے سنت نہ بنالے، پھر میں نے منہاج النووی میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ کسی شیئ میں دائیں بائیں

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۶

شیئ منھا قال ابن حجر فی شرحه لان ذلك بدعة انتھٰی ویؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع ومن السنة ان یستقبل الناس بوجهه و یستدبر القبلة لان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان یخطب ھکذا[1] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم	التفات نہ کرے، ابن حجر نے شرح میں فرمایا اس لئے کہ یہ بدعت ہے انتہی اور ہمارے نزدیک بدائع کے اس قول سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام لوگوں کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پشت کرے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی طرح خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے اھ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

(۲) خطبہ میں کوئی شعر اردو فارسی نہ پڑھنا چاہئے نہ خطبہ عربی کے سوا کسی زبان میں پڑھا جائے کہ یہ سنت متوارثہ کی خلاف ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) واللّٰه تعالٰی اعلم

(۳) منبر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنوایا اور اس پر خطبہ فرمایا[2] کما ثبت فی الصحیحین وغیر ھما حدیث سھل بن سعد رضی اللّٰه تعالٰی عنه (بخاری ومسلم وغیرہ میں حضرت سہل بن سعد رضی تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت) منبر اقدس کے تین زینے تھے علاوہ اوپر کے تختے کے جس پر بیٹھتے ہیں

وقد وقع ذکر ھن فی غیرما حدیث کحدیث وعید من ذکر عندہ النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فلم یصل[3] صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔	ان کا ذکر متعدد احادیث میں ہے جیسے وہ حدیث جس میں ذکر ہے کہ جس شخص کے پاس حضور علیہ السلام کا نام مبارک لیا اور اس نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف نہ پڑھا تو اس کے لئے وعید ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

منبرہ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کان ثلث درج غیر المسماۃ بالمستراح[4]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس منبر کے تین زینے اس تخت کے علاوہ تھے جس پر بیٹھا جاتا ہے۔(ت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درجہ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے، صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دوسرے پر پڑھا، فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تیسرے پر، جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا آیا پھر اول پر خطبہ فرمایا سبب پوچھا گیا، فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر تو ہم ہوتا کہ

---

[1] ردالحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۸

[2] صحیح بخاری باب الخطبۃ علی المنبر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۵

[3] الترغیب والترہیب کتاب الصوم ص ۹۳۔کتاب الذکر والدعاء مصطفی البابی مصر ۲/۸-۵۰۷

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۸

فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں اصل سنت اول درجہ پر قیام ہے

ومافعله الصديق فكان تأدبا منه مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومافعل الفاروق فكان تأدبا مع الصديق رضی الله تعالٰی عنهما	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی بنا پر ایسا کیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ادب کی خاطر۔(ت)

بلندی منبر سے اصل مقصد یہ ہے کہ سب حاضرین خطیب کو دیکھیں اور اُس کی آواز سنیں جہاں یہ حاجت بسبب کثرت حضار و دوری صفوف تین زینوں میں پوری نہ ہو تو زینے زیادہ کرنے کا خود ہی اختیار ہے اور بہتر عدد طاق کی مراعات فان الله وتر یحب الوتر (اللہ تعالٰی وتر ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے۔ت) **والله تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰۹: از موضع کڑہ ڈاک خانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں چار رکعت احتیاطی ظہر کا ادا کرنا مستحب ہے یا واجب یا فرض قطعی؟ بصورتِ اولٰی وثانیہ یہ نماز احتیاطی قائم مقام فرض کے ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور صورتِ ثانیہ میں صلٰوۃ ظہر وجمعہ کا لزوم بطریق اجتماع لازم آتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں تارک احتیاطی تارک فرض ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جہاں جمعہ بحسبِ مذہب بلاشبہہ ناجائز باطل ہے جیسے وہ کورِدہ جو کسی روایت مذہب پر مصر نہیں ہوسکتے وہاں ظہر آپ ہی عیناً فرض ہے اور جمعہ پڑھوانے اور چار رکعت احتیاطی بتانے کی اصلاً گنجائش نہیں فان الشرع لا یأمر بارتکاب الاثم والاشتغال بما لا یصح اصلا (شریعت کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتی جس پر گناہ ہو اور نہ ہی ایسی شیئ میں مشغول ہونے کی اجازت دیتی ہے جو بالکل صحیح نہ ہو۔ت) ان کا محل وہاں ہے کہ صحتِ جمعہ میں اشتباہ وتردّد قوی ہو مثلاً وہ مواضع جن کی مصریت میں شک ہے یا باوصفِ اطمینان صحت جانبِ خلاف کچھ وقعت رکھتی ہو مثلاً جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور سبقت نامعلوم ہو کہ اگرچہ دربارہ تعدد قول جواز ہی معتمد وماخوذ ومفتی بہ ہے مگر عدمِ جواز بھی ساقط وناقابل التفات نہیں کما بینه فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ت) صورتِ اولٰی میں ان چار رکعت کا حکم ایجاباً وتاکیداً ہوگا لوقوع الشبهة فی برائة لعهدة (ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں شبہہ ہوگیا ہے۔ت) اور ثانیہ میں استحباباً وترغیباً لان الخروج عن الخلاف مستحب اجماعا مالم یلزم محذور (بالاتفاق اختلاف سے نکلنا مستحب ہے بشرطیکہ وہاں کسی ممنوع کا ارتکاب نہ ہو۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

نقل عن المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعا بنیة الظهر احتیاطًا ومثله فی الکافی وفی القنیة امرأئمتهم بالاربع بعدها حتما احتیاطا اھ ونقله کثیر من شراح الهدایة وغیرها وتد اولوه وفی الظهریة واکثر مشائخ بخارا علیه لیخرج عن العهدة بیقین ثم نقل المقدسی عن الفتح انه ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بها اٰخرفرض ادرکت وقته ولم أودئه ان تردد فی کونه مصرا اوتعددت الجمعة وذکر مثله عن المحقق ابن جرباش قال ثم قال وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم اوالمحقق وذکر فی النهر انه لا ینبغی التردد فی ندبها علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ وفی شرح الباقانی هوالصحیح بقی الکلام فی تحقیق انه واجب اومندوب قال المقدسی ذکر ابن شحنة عن جده التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوهم اما عند قیام الشك والاشتباہ فی صحة الجمعة فالظاهر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الهمام مایفیده ویؤید التفصیل تعبیر التمرتاشی بلابد وکلام القنیة المذکور[1] اھ مختصرا۔	مقدسی نے محیط سے نقل کیا کہ ہر وہ مقام جس کے شہر ہونے میں اختلاف ہو وہاں جمعہ کے بعد احتیاطًا نیت ظہر سے چار رکعت ادا کی جائے، کافی میں بھی اسی طرح ہے۔قنیہ میں ہے کہ ائمہ نے جمعہ کے بعد لوگوں کو حتمًا چار رکعات احتیاطًا بجالانے کا حکم دیا ہے اھ اسے اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے نقل کیا ہے اور اسی کو متداول کیا۔ ظہیریہ میں ہے کہ مشائخ بخارا کی اکثریت کا عمل اسی پر ہے تاکہ بالیقین ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوسکیں، پھر فتح سے منقول ہے کہ جب شہر ہونے میں شک ہو یا جمعہ متعدد جگہ ہورہا ہو تو چاہئے کہ چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں آخری فرض ادا کررہا ہوں جن کا وقت میں نے پایا مگر انھیں ادا نہیں کیا، اسی طرح محقق ابن جرباش سے نقل کرکے کہا اس کا فائدہ ثابت یا متوہم اختلاف سے نکلنا ہے۔ نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے نکلنے کے لئے جواز تعدد جمعہ کے قول پر بھی احتیاطًا ظہر کے مستحب ہونے میں تردد نہیں کرنا چاہئے اھ شرح الباقانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے اس تحقیق میں گفتگو کہ یہ واجب ہے یا مستحب، ابھی باقی ہے، مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر تصریح نقل کی اور اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب محض توہم ہو۔ مگر اس صورت میں جب صحتِ جمعہ میں شک واشتباہ ہو تو پھر اس کا واجب ہونا ظاہر ہے اور اپنے شیخ ابن ہمام کی عبارت کو اپنی تائید میں نقل کیا اور اس کی تفصیل کی تائید تمرتاشی کے الفاظ "لابد" اور قنیہ کے مذکور کلام سے بھی ہوتی اھ مختصرا (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۶

رہا یہ اشتباہ کہ مستحب یا واجب قائم مقام فرض کیونکر ہوں گے ان رکعات کی نیت پر نظر کی جائے تو بنگاہِ اولین اندفاع پائے، ابھی فتح القدیر وغیرہ سے گزرا کہ یہ رکعات بہ نیت آخریں فرض ہی پڑھی جاتی ہیں نہ کہ بہ نیت مستحب یا واجب مصطلح تو فرض بہ نیت فرض ادا ہوجانے میں کیا تردّد ہے یعنی عنداللہ اگر صحت نہ تھی تو نفس الامر میں ظہر فرض تھا، جب اُس نے اُس پچھلے فرضِ ظہر کی نیت کی جس کا وقت پایا اور ابھی ادا نہ کی تو یہی ظہر ادا ہوجائے گا ورنہ اگر پہلے کوئی ظہر ذمّہ پر تھا وہ ادا ہوگا ورنہ یہ رکعات نفل ہوجائیں گی اور نفل بہ نیت فرض ادا ہونا خود واضح ہے **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۰: از مخدوم پور ڈاکخانہ نزہٹ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید رضی الدین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ جناب مستطاب مخدومنا مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب زاد مجد ہم بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے مکلّف خدمت ہوں کہ اس موضع مخدوم پور قاضی چک میں اور نیز قرب وجوار میں اس کے نماز جمعہ و عیدین ہم لوگ مقلدین حنفی پڑھا کرتے ہیں اور جماعت جمعہ کی خاص اس موضع میں پندرہ بیس آدمی اور کبھی کم بھی ہوا کرتی ہے اب بعض معترض ہیں کہ جمعہ دیہات میں نزد امام ابو حنیفہ صاحب جائز نہیں ہے پڑھنا بھی نہ چاہئے مخدومنا پڑھا کروں یا ترک کردوں، حضور کے نزدیک جو جائز ہو مطع فرمائیں تا مطابق اس کے کاربند ہوں اور نمازِ عیدین بھی دیہات میں ہو یا نہ ہو؟ شہر صاحب گنج یہاں سے ۱۲ کوس پر ہے۔ زیادہ حد نیاز۔ احقر رضی الدین حسین عفی عنہ

الجواب:

جناب مکرم ذی المجد والکرم اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فی الواقع دیہات میں جمعہ و عیدین باتفاق ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ممنوع وناجائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں،

فی الدرالمختار وفی القنیۃ صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح [1] اھ فی ردالمحتار ومثلہ الجمعۃ [2] ح۔	درمختار میں ہے کہ قنیہ میں ہے دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں اھ ردالمحتار میں ہے اور اسی کی مثل جمعہ ہے، ح۔ (ت)

جمعہ میں اس کے سوا اور بھی عدمِ جواز کی وجہ ہے کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

کیا ہے۔ت) ہاں ایک روایت نادرہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہوسکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لئے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لئے شہر سمجھی جائے گی، امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

(وعنه) ای عن ابی یوسف (انهم اذا اجتمعوا) ای اجتمع من تجب علیهم الجمعة لاکل من یسکن فی ذلك الموضع من الصبیان والنساء والعبید لان من تجب علیهم مجتمعون فیه عادة قال ابن شجاع احسن ماقیل فیه اذاکان اهلها، بحیث لو اجتمعوا (فی اکبر مساجد لم یسعهم ذلك) حتی احتاجوا الی بناء مسجد آخر للجمعة[1] الخ	(اور ان سے) یعنی امام ابویوسف سے ہے (جب وہ جمع ہوں) یعنی وہ لوگ جن پر جمعہ لازم ہے نہ کہ تمام وہ لوگ جو وہاں سکونت پذیر ہیں مثلاً بچے، خواتین اور غلام، ابنِ شجاع نے کہا کہ اس بارے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ جب جمعہ کے اہل وہاں جمع ہوں (سب سے بڑی مسجد میں، اور اس میں ان کی گنجائش نہ ہو) حتی کہ وہ جمعہ کے لئے ایک اور مسجد بنانے پر مجبور ہوں الخ (ت)

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ وعیدین ہو سکتے ہیں اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہر گز جمعہ خواہ عید مذہب حنفی میں جائز نہیں ہو سکتا بلکہ گناہ ہے، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی کا فرمان حق ہے اور وہی راستہ کی ہدایت دیتا ہے اور اللہ کی ذات پاک، بلند اور خوب جاننے والی ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۱۱تا۱۳۱۵: از کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ سیّد عبدالمجید صاحب قادری ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) ہندوستان میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جائز ہے تو کیوں؟ اور اس کے دلائل کیا ہیں؟

(۳) جمعہ شہر ہی میں جائز ہے یا دیہات میں بھی؟

---

[1] عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

(۴) تعریف شہر اور قصبہ اور دیہات کی کیا ہے؟

(۵) دیہات سے نیچے بھی کوئی حد بستی کی ہے کیونکہ دیہات دو قسم کے ہوتے ہیں: ایک محض کوردہ، دوسرا وہ جس میں اشیاءِ اشد ضروری جیسے معمولی کپڑے ملتے ہوں اور درزی اور لوہار اور بڑھیئ اور بنیا اور بقال وغیر ہم ہوں اور ساکنان اُسی کے ہندو مع مسلمان قریب بارہ سو ۱۲۰۰ مرد مع عورت کے ہوں اور غالب درجہ مسلمان زمیندار ہوں اور مسلمانوں کی تعداد قریب پانچ سو عوتوں کے ہو اور مسجد قدیم سے ہو اور جب سے مسجد بنی ہمیشہ سے برابر جمعہ ہوتا رہا ہو تو ان دونوں قسموں میں دیہات کے جمعہ جائز ہوگا یا صرف قسم اخیر میں یا کسی میں نہیں اور ہم قسم اخیر کے دیہات کے رہنے والے ہیں، اب بعض لوگ کہتے ہیں کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، تو آیا ہم لوگ پڑھیں یا نہیں؟ بہت صاف جواب بالتفصیل تحریر ہو۔

الجواب:

ہندوستان اصلح اللہ حالہا بحمد اللہ تعالٰی ہنوز دار الاسلام ہے:

کما حققناه فی رسالتنا اعلام الاعلام بان هندوستان دار الاسلام۔	جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام" میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

اُس میں اقامتِ جمعہ وعیدین مسلمانوں کو ضرور جائز۔ جامع الفصولین میں ہے:

قال ح (ای الامام الاعظم ابو حنیفه رضی الله تعالٰی عنه) لا تصیر دارلاحرب الا باجراء احکام الشرك فیها واتصالها بدارالحرب بان لایکون بینها وبین دارالحرب مصر للمسلمین وان لایبقی فیها مسلم اوذمی اٰمنا علٰی نفسه بالامان الاول ای لایبقی اٰمنا الابامان المشرکین ان الحکم اذا ثبت بعلة فما بقی شیئ من العلة یبقی الحکم ببقائه فلما صارت البلدة دارالاسلام باجراء احکامه فما بقی شیئ من احکامه واٰثاره تبقی دارالاسلام وکل مصرفیه وال مسلم من جهة الکفارتجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد	امام اعظم ابوحنیفہ رضی تعالٰی عنہ نے فرمایا دارالحرب کے لئے ضروری ہے کہ وہاں احکامِ شرک کا اجراء ہو اور اس ملک کا اتصال دارالحرب سے طرح ہو کہ اس ملک اور دارالحرب کے درمیان کوئی مسلمان یا ذمی امان اول کی وجہ سے امان میں نہ ہو یعنی اب مشرکین کی امان کے بغیر امن والا نہ ہو کیونکہ جب حکم کسی علت سے ثابت ہے تو جب تک وہ علت باقی ہے حکم بھی باقی ہوگا، جب کوئی علاقہ اجرا احکام اسلامی کی وجہ سے دارالاسلام بنتا ہے تو جب تک وہاں کچھ احکام وآثار باقی ہوں گے وہ دارالاسلام ہی ہوگا، اور ہر وہ شہر جس کا کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی ہو وہاں جمعہ وعیدین کی اقامت،

واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامٰی لا ستیلاء المسلم علیھم واما فی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ والا عیاد[1] اھ مختصرا۔	خراج لینا، قضاءِ اسلامی کی پابندی اور بیوگان کا نکاح کروانا جائز ہے کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن وہ علاقے جہاں کا فروالی ہیں وہاں مسلمانوں کے لئے جمعہ اور عیدین کا قیام جائز ہے اھ اختصارًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی معراج الدرایۃ عن المبسوط البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلادالحرب وکل مصر فیہ وال من جھتھم یجوزلہ اقامۃ الجمعۃ والاعیاد فلوالو لاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ[2] اھ ملخصا	معراج الدرایہ میں مبسوط سے ہے وہ علاقہ جات جو کفار کے قبضہ میں ہیں وہ بلادِ اسلام ہی ہیں بلاد حرب نہیں اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے والی ہو تو وہ جمعہ اور عیدین کا قیام کر سکتا ہے اور اگر والی کافر ہوں تو بھی مسلمانوں کے جمعہ کا قیام جائز ہے اھ تلخیصا (ت)

جمعہ وعیدین کے نہ فقط مامور بہ بلکہ خود جائز وصحیح ہونے کے لئے بھی باجماع ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم مصر شرط ہے کتب المذہب عن اٰخرھا طافحۃ بذٰلک (تمام کتب مذہب اس سے پر ہیں۔ت) گاؤں میں جمعہ وعیدین نہ صحیح نہ جائز بلکہ گناہ ہے

کما نص علیہ فی الدرالمختار عن القنیۃ وفی جامع الرموز عن جامع المضمرات وقد بیناہ فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ اس پر درمختار میں قنیہ اور جامع الرموز میں جامع المضمرات کے حوالے سے تصریح ہے اور اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔(ت)

دیہات سے بھی کم درجہ بستی جنگلوں، میدانوں، پہاڑوں میں اہل خیمہ کے مقام ہیں جن میں مکانات کچّے پکّے اصلًا نہیں ہوتے، انھوں نے جہاں آب و مرغزار دیکھے ڈیرے ڈال دئے، خیمے تان دیئے، وہیں اقامت کرلی، یہ بستیاں نظرِ شرع میں بھی دیہات سے ادنٰی ہیں، امصار وعمرانات کے سکان اگر گاؤں میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کریں مقیم ہوجائیں گے قصر نہ کریں گے اور اُن خیمہ گاہوں میں اُنھیں اہل خیمہ کی نیت اقامت صحیح ہے جن کی طرز تعیّش ہی یہ ہے عمرانات والے بعد تحقق سفر وطے مراحل اگرچہ وہاں پندرہ دن قیام کا قصد کریں مقیم نہ ہوں گے ھو الاصح فی الفصلین (دونوں فصلوں میں یہی اصح ہے۔ت) درمختار میں ہے:

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل بہ مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳و۱۴

[2] ردالمحتار، باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفی البابی مصر، ۱/ ۵۹۵

اھل اخبیة کترکمان نووھافی المفازة فانھا تصح فی الاصح وبه یفتی اذاکان عندھم من الماء والکلاء مایکفیھم مدتھا ولونوی غیرھم الاقامة معھم لم یصح فی الاصح[1] اھ مختصرا۔	خانہ بدوش مثلاً ترکمان قوم اگر جنگل میں اقامت کی نیت کرلیں تو یہ اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے بشرطیکہ وہاں ان کے لئے اتنی مدت کیلئے پانی اور چارہ ہو اور ان کے علاوہ کسی نے ان کے ساتھ نیت کرلی تو یہ اصح قول کے مطابق درست نہیں اھ مختصراً (ت)

قصبہ عرفاً مصرودِہ میں متوسط ہے چھوٹے شہر کو کہتے ہیں جس میں آبادی کم، مرافق قلیل ہوں بازارو پختہ عمارات ہوں نہ مثل امصار، دِہ پرگنہ ہوتا ہے ضلع نہیں، اُس میں چھوٹے چھوٹے حکام ہوتے ہیں جن کی سماعت ایک حدتک محدود، بڑے حکام کو کہ ہر گونہ مقدمات دیوانی وجرائم فیصل کرسکیں نہیں ہوتے، اس عرف حادث پر قسمیں تین ۳ ہوتی ہیں مگر زبان عربی میں وہ دو ہی چیزیں ہیں: مصر یا قریہ قصبہ، ان سے باہر کوئی شے ثالث نہیں، قاموس ومصباح المنیر وغیرہما میں **قصبة البلاد مدینتھا وقصبة القریة وسطھا** (شہری قصبہ، شہر ہوتا ہے اور دیہاتی قصبہ دیہات اور شہر کا درمیان ہوتا ہے۔ ت) یونہی شرع مطہر نے قصبات کو کسی حکم خاص سے مخصوص نہ فرمایا مصروقریہ کی تقسیم حاضر ہے آبادی پر، حد مصر صادق ہو تو مصر ہے ورنہ قریہ **لا ثالث لھما** (ان دونوں کے لئے تیسرا نہیں۔ت) اب تعریف مصر میں ہمارے علماء سے اقوال کثیرہ آئے جن میں مصحح ومختار ومعتمد ائمہ کبار دو ۲ ہیں:

اول ظاہر الروایہ واصل مذہب وارشاد امام مذہب سید نا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ شہر وہ آبادی عمارت والی ہے جس میں متعدد کوچے ہوں، دوامی بازار ہوں، وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں، اس میں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو، جس کے یہاں قضایا پیش ہوتے ہوں اور اس کی شوکت وحشمت مظلوم کا انصاف ظالم سے لینے کے قابل ہو اگرچہ کبھی نہ لیا جائے، یہ تعریف کتبِ کثیرہ میں بالفظ عدیدہ ومعانی متقاربہ ادا کی گئی۔

مسئلہ ۱۳۱۶: از عظیم آباد پٹنہ شاہ کی املی متصل مسجد تراہہ مطب حکیم صاحب مرسلہ مولوی نور الہدی صاحب ۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایسے قریہ میں جس پر کسی طرح حدِ مصر صادق نہیں اگر وہاں کے حنفی المذہب بخیال شوکتِ اسلامی نماز جمعہ مع ظہر احتیاطی وصلوٰۃ العیدین پڑھتے ہوں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر گنہگار ہوں تو اس کی وجہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی جگہ جمعہ یا عیدین پڑھنا مذہب حنفی میں گناہ ہے۔ نہ ایک گناہ بلکہ چند گناہ:

[1] درمختار باب صلوٰۃ المسافر مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۷-۱۰۸

اولاً جب نماز جمعہ وعیدین وہاں صحیح نہیں تو یہ امر غیر صحیح میں مشغول ہوئی اور وہ ناجائز ہے،

فی الدرالمختار تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بمالایصح لان المصر شرط الصحۃ [1]۔	درمختار میں ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ یہ غیر صحیح کام میں مشغول ہونا ہے کیونکہ شہر جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے۔(ت)

ثانیاً اقول: فقط مشغولی نہیں بلکہ اس امر ناجائز کو موجب شوکت اسلام جانا بلکہ بہ قصد ونیت فرض وواجب ادا کیا یہ مفسدہ عقیدہ ہے جس سے علماء نے تحذیر شدید فرمائی۔

اوصوا بترك التزام مستحب اذا خیف ان یظنہ العوام واجبا وفی اخف منہ قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ لا یجعل احدکم للشیطان شیئ من صلٰوتہ یری ان حقا علیہ ان لاینصرف الاعن یمینہ لقدرأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثیرا ینصرف عن یسارہ رواہ الشیخان [2] فاذا کان ھذا فیما ھو مشروع باصلہ فماظنك بمالم یجزمن رأسہ۔	جب یہ خطرہ ہو کہ عوام اسے ضروری سمجھ لیں گے تو علماء مستحب پر پابندی ترک کرائیں اور اس سے کم درجہ عمل کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ اس طرح نہ بنائے کہ نماز کے بعد دائیں طرف ہی پھرنا اپنے اوپر لازم کرلے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں طرف پھرتے ہوئے دیکھا، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا، جب اس عمل کا معاملہ ہے جو اصلاً مشروع ہے تو اس میں تمھارا کیا خیال ہے جو اصلاً جائز ہی نہ ہو۔(ت)

ثالثاً جبکہ واقع میں نماز جمعہ وعید نہ تھی تو ایک نماز نفل ہوئی کہ باجماعت واعلان وتداعی ادا کی گئی یہ ناجائز ہوا،

فی ردالمحتار عن العلامہ الحلبی محشی الدر فھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ [3]۔	ردالمحتار میں محشیٔ در علامہ حلبی سے ہے یہ نوافل مکروہ ہیں کیونکہ جماعت کے ساتھ ادا ہوئے۔(ت)

یہ تینوں وجہیں جمعہ وعیدین سب کو شامل ہیں۔

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] صحیح البخاری باب الانفتال والانصراف مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۸

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۱

رابعًا اقول: جمعہ میں اُس کے سبب جو ظہر نہ پڑھیں اُن پر فرض ہی رہ گیا، ترک فرض اگرچہ ایک ہی بار ہو خود کبیرہ ہے اور جو بزعم خود احتیاطی رکعات پڑھیں وہ بھی تارک جماعت تو ضرور ہوئے اور جماعت مذہب معتمد میں واجب ہے جس کا ایک بار ترک بھی گناہ اور متعدد بار ہو کر وہ بھی کبیرہ۔ کما نصوا علیہ ولا مراوضح من ان یوضح (جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور یہ امر اتنا واضح ہے کہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ت)

خامسًا اقول: وہ احتیاطی رکعات والے کہ حقیقۃً مذہب حنفی میں آج کی ظہر پڑھ رہے ہیں

فانھا اذالم تصح الجمعۃ بقیت فریضۃ الظھر فی اعناقھم فاذا انووا اٰخرظھر ادرکوھا ولم یؤدوھا وجب انصرافھا الی ظھر الیوم۔	اس لئے کہ جب جمعہ صحیح نہیں تو ان کے ذمے ظہر کا فریضہ باقی ہے، تو جب یہ ارادہ کرتے ہوئے کہ آخری ظہر کا وقت پایا مگر اسے ادا نہ کیا تو اس کا آج کی ظہر پر محمول کرنا واجب ہے۔(ت)

باآنکہ مسجد میں جمع ہیں جماعت پر قادر ہیں تنہا پڑھتے ہیں یہ دوسری شناعت ہے کہ مجتمع ہو کر ابطال جماعت ہے جسے شارع نے مسجد خوف جیسی حالت ضرورت شدیدہ میں بھی روانہ رکھا بلکہ ابطال درکنار موجودین میں بلاوجہ شرعی تفریق جماعت کو ناجائز رکھ کر ایک ہی جماعت کرنے کا طریقہ تعلیم فرمایا کما نطق بہ القراٰن العظیم و باللہ الھدایۃ الی صراط مستقیم (جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اللہ ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۷: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس حالت میں امام خطبہ پڑھتا ہو اُس وقت کوئی وظیفہ یا سُنن یا نوافل یا فرض قضائے فجر پڑھنا چاہیئے یا نہیں اور ٹھیک ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُس وقت وظیفہ مطلقًا ناجائز ہے، اور نوافل بھی اگر پڑھے گنہگار ہوگا اگرچہ نماز ہو جائے گی، رہی قضا اگر صاحب ترتیب نہیں تو اس کا بھی یہی حکم ہے ورنہ وہ ضرور پہلے قضا ادا کرے، اور جہاں تک دوری ممکن ہو اختیار کرے کہ صورتِ مخالفت سے بچے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۸: از بنگالہ ضلع پترا موضع مرادنگر مرسلہ قاضی اشرف الدین صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ چند اشخاص برائے ادائے جمعہ بمسجدے رفتند و دیدند کہ جمعہ ادا شدہ است اکنوں ایشاں دزآں مسجد مذکور صلوٰۃ جمعہ	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص جمعہ کی ادائیگی کے لئے مسجد میں گئے انھوں نے دیکھا جمعہ ادا ہو گیا ہے اب وہ لوگ اس مسجد میں جمعہ

ادا رتوانند کرد یا ادائے ظہر واجب ست. بر تقدیر ثانی باجماعت یا فرادی شخصے میگوید کہ جماعتے راکہ نمازِ جمعہ فوت شدہ شود اوشاں در خارج مسجد بہ بعد مقدار یک صد گز یا صد و بست و پنج گز مروجہ انگریزی رفتہ نماز جمعہ ادا توند کرد و درانجا مسجدے نیست و قول او صحیح ست یا نہ واگرچنیں ادا کرد جائز خواہد شد یا نہ؟ **بینوا توجروا**	ادا کریں گے یا ظہر کی ادائیگی ان پر لازم ہوگی، اگر ظہر لازم ہے تو وہ جماعت کے ساتھ ادا کریں یا تنہا؟ ایک شخص کا کہنا ہے کہ اگر کسی گروہ کی جماعت جمعہ فوت ہوگئ تو مسجد سے دور انگریزی سو گز یا ایک سو پچیس گز کے فاصلے پر چلے جائیں اور وہاں جمعہ ادا کریں اگرچہ وہاں مسجد نہیں، اس کا قول صحیح ہے یا نہ؟ اگر اس طرح انھوں نے ادا کرلیا ہے تو جائز ہے یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

امامت جمعہ وعیدین ہر کس نتواں کرد بلکہ واجب ست کہ سلطانِ اسلام یا ماذون او باشد و بضرورت آنکہ مسلمان اور امام جمعہ مقرر کردہ باشند وشک نیست کہ یک مسجد را دو امام جمعہ کہ اقامت جمعہ واحدہ کنند نباشند پس در مسجد واحد دوبار جمعہ نتواں شد چوں بعض مردماں ایں جا جمعہ نیابند بمسجدے دیگر اگر یابند روند کہ تعدد جمعہ در شہر مذہب مفتی بہ رواست ہمچناں اگر امامے معین برائے امامتِ جمعہ یابند و در غیر مسجد در شہر یا فنائے شہر ادا کنند نیز روا باشد زیرا کہ مسجد شرط جمعہ نیست واگر نیابند فرض ست کہ ظہر ادا کنند و روا نسیت کہ جماعت نمایند بلکہ فرادی خوانند **کل ذلك مصرح بہ فی کتاب المذہب و قد بیناہ فی فتاوٰنا** وآنکہ شخص مذکور تحدید فصل ذرعان کرد اصلے ندارد۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**	جمعہ وعیدین کی امامت ہر کوئی نہیں کرواسکتا بلکہ واجب ہے کہ وہ سلطانِ اسلام یا اس طرف سے مامور ہو، البتہ ضرورت کے پیش نظر مسلمان امامِ جمعہ مقرر کرسکتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مسجد میں ایک جمعہ کی اقامت کے لئے دو امام نہیں ہوسکتے لہٰذا ایک مسجد میں دوبار جمعہ نہیں ہوسکتا جب کچھ لوگ اس مسجد میں جمعہ نہ پاسکتیں تو وہ دوسری مسجد میں چلے جائیں کیونکہ مفتی بہ مذہب کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے، اسی طرح اگر مقرر امامِ جمعہ کو شہر یا فنائے شہر میں مسجد کے علاوہ پالیتے ہیں تو وہاں بھی جمعہ جائز ہوگا کیونکہ جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں اور اگر ایسی کوئی صورت نہیں تو ظہر کی ادائیگی فرض ہوگی لیکن جماعت جائز نہ ہوگی بلکہ الگ الگ ادا کریں یہ تمام کتب مذہب میں صراحۃً موجود ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے اور مذکور شخص نے جو گزوں کی مقدار کا تعیّن کیا ہے اس کی کوئی اصل نہیں **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱۹: از شاہی علاقہ رامپور مرسلہ نادر شاہ خاں وانعام اللہ خاں ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس قصبہ شاہی میں صرف ایک مسجد وہی جامع مسجد ہے قدیم الایام سے اُس میں نماز جمعہ ہوتی ہے اور ایک عیدگاہ قریب آبادی کے ہے اس میں نماز عید پڑھی جاتی ہے فی الحال بوجہ کثرت نمازیا گنجائش سب نمازیوں کی نہیں اس لئے عیدگاہ میں جمعہ پڑھتے ہیں اُس روز جامع مسجد نماز جمعہ سے بالکل خالی رہتی ہے ایسی حالت میں کوئی بازپرس تو اہل قصبہ سے خداوند کریم بوجہ خالی رہنے مسجد کے بروزِ حساب نہ فرمائے گا اور پڑھنے نماز جمعہ سے عیدگاہ میں کچھ نقصان عنداللہ وعندالرسول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔ کچھ نقصان نہیں، نہ کوئی مواخذہ۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۳۲۰: از بنگالہ ضلع میمن سنگھ موضع مرزاپور مرسلہ منشی آدم غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

ماتقولون یا ارباب العقول فی تبلیغ احکام الرسول فی ھذا الباب ھل یجب علی المصلین ان یصلوا اُخرالظھر مع الجمعۃ ام لا وان صلوا فماذا ینوونھا فریضۃ ام نافلۃ بینوا بالدلیل تو جروا اجرا جزیلا۔	تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ کرنے والے اہل فہم کی اس بارے میں کیا رائے ہے کہ جمعہ کے ساتھ نمازیوں پر ظہر ادا کرنا لازم ہے یا نہ؟ اگر وہ ادا کرتے ہیں تو کس نیت سے فرض یا نفل؟ دلیل کے ساتھ واضح فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (ت)

الجواب:

ان وقع الشك فی صحۃ الجمعۃ لوقوع الشبھۃ فی شرط کالمصریۃ اوکون الدار دارالاسلام فالظاھر الوجوب وان کان ھناك توھم لاجل خلاف ضعیف فالندب ویفتی بہ الخواص لا العوام وعلی کل ینوی الفریضۃ ای اُخرفرض ظھر ادرکتہ ولم اود لان النفل یتأدی بنیۃ الفرض ولاعکس فلا یحصل الاحتیاط الابنیۃ الفریضۃ کما لا یخفی قال فی ردالمحتار فی	اگر شرائطِ جمعہ میں اشتباہ کی وجہ سے صحتِ جمعہ میں شک ہوجائے تو ظاہر یہی ہے کہ وہاں ظہر کا ادا کرنا لازم ہے اور اگر وہاں صحتِ جمعہ وہم ہے تو ضعیف اختلاف کی وجہ سے ظہر کی ادائیگی مستحب ہوگی البتہ اس کے ساتھ خواص کے لئے فتوٰی ہے عوام کے لئے نہیں، ہر صورت میں فرض کی نیت ہوگی یعنی وہ آخری ظہر جسے میں پایا مگر ادا نہ کی کیونکہ نوافل فرض کی نیت سے ادا ہوجاتے ہیں مگر فرض نفل کی نیت سے ادا نہیں ہوتے، تو احتیاط نیتِ فرض میں ہی ہے جیسا کہ مخفی

القنیة لما ابتلی اھل مرو باقامة الجمعتین فیھا مع اختلاف العلماء فی جوازھما امر أئمتھم بالا ربع بعدھا حتما احتیاطا اھ ونقله کثیر من شراح الھدایة وغیرھا وتداوله، ثم نقل المقدسی عن الفتح انه ینبغی ان یصلی اربعا ینوی بھا اٰخر فرض ادرکت وقته ولم أؤده ان تردد فی کونه مصرا اوتعددت الجمعة، قال و فائدته الخروج عن الخلاف المتوھم اوالمحقق وذکر فی النھرانه لاینبغی التردد فی ندبھا علی القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اھ قال المقدسی ذکر ابن الشحنة عن جدہ التصریح بالندب وبحث فیه بانه ینبغی ان یکون عند مجرد التوھم، اماعند قیام الشك والاشتباہ فی صحة الجمعة فالظاھر الوجوب ونقل عن شیخه ابن الھمام مایفیدہ [1] اھ مختصرا واللّٰه تعالٰی اعلم۔	نہیں، ردالمحتار میں فرمایا کہ قنیہ میں ہے کہ جب اہل مرو کو دو جمعوں کا قیام پیش آیا علماء نے متعدد جمعہ میں ختلاف کیا تو ائمہ نے لوگو پر جمعہ کے بعد احتیاطًا چار رکعات ظہر ادا کرنا لازمی قرار دے دیا اھ اکثر شارحین ہدایہ وغیرہ نے اسے نقل کیا اور اسے ہی متداول قرادیا، پھر مقدسی نے فتح سے نقل کیا کہ اگر شہر ہونے میں تردد ہو یا جمعہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے تردّد ہو تو جمعہ کے بعد چار رکعات اس نیت سے ادا کی جائیں کہ میں نے آخری ظہر کا وقت پایا اسے ادا نہ کیا تھا اور فرمایا فائدہ اس کا یہ ہے کہ خلافِ متوہم یا متحقق سے خروج ہوجائے گا، نہر میں مذکور ہے کہ اختلاف سے بچنے کی خاطر جوازِ تعدد جمعہ کے قول پر بھی ظہر کی ادائیگی کے مستحب ہونے میں تردد نہیں کرنا چاہئے اھ مقدسی کہتے ہیں کہ ابن شحنہ نے اپنے دادا سے ندب پر یہ تصریح نقل کرکے اس میں بحث کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس وقت ہے جہاں محض وہم ہو لیکن جب صحت جمعہ میں شک واشتباہ ہو تو ظہر کا وجوب ظاہر اور اس پر اپنے شیخ ابن ہمام کی وہ عبارت نقل کی جو اسے مفید ہے اھ اختصارًا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۱: از ضلع کمرلہ موضع پانسیر مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب غرہ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز جمعہ انحرافِ قبلہ یعنی جانب ایمن وایسر کو پھر کر مناجات کرنا جائز ہے یا نہیں باوجودیکہ فقہ کی کتابوں میں بھی یہ ہے کہ جس نماز کے بعد سنتِ موکدہ ہو نہ پھرے بالدلائل تحریر فمایئے۔ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۶

الجواب:

امام کا بعد سلام قبلہ سے انحراف تو مطلقاً سنت ہے اور اس کا ترک یعنی بعد سلام رو بقبلہ بیٹھا رہنا امام کے لئے بالاجماع مکروہ ہے، جمعہ وغیرہ سب نمازیں اس حکم میں برابر ہیں اور بعد سلام دعا و مناجات بھی بالاجماع جائز ہے مگر جس نماز کے بعد سنت ہے یعنی ظہر وجمعہ ومغرب وعشاء، اس کے بعد تاخیر طویل کسی کو بہتر نہیں اور اگر کرے تو منع بھی نہیں مگر اس قدر نہ ہو کہ مقتدیوں پر گراں گزرے، عادت مسلمین یوں جاری ہے کہ امام بعد سلام جب تک دعا سے فارغ نہ ہو مقتدی شریک دعا رہتے ہیں اور اس سے قبل اُسے چھوڑ کر نہیں اٹھتے اور یہ اگرچہ شرعاً واجب نہیں مگر حُسنِ ادب سے ہے۔

اقول: ویمکن الاستئناس له بقوله عزوجل "واذاکانوا معه علی امر جامع لم یذهبوا حتی یستأذنوه" فان فراغه من الدعاء بعد اذنا منه دلالة بذلك العرف جار۔	اقول: اس پر اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی سے استدلال ممکن ہے "اور جب وہ حضور علیہ السلام کے ساتھ کسی معاملہ میں جمع ہوتے ہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر جاتے نہیں" کیونکہ دُعا سے فراغت اذن ہی تصور ہوتا ہے اور اس پر عرف جاری ہے۔(ت)

تو ایسی حالت میں اتنی دعائے طویل کہ بعض مقتدیوں پر ثقیل ہو مطلقاً نہ کرنی چاہئے اگرچہ اس کے بعد سنت نہ ہو جیسے فجر وعصر۔

هذا ماظهرلی تفقها وارجو ان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی واذا امر الامام بالتخفیف فی الصلوة ای عدم الزیادہ علی القدر المسنون اجمعوا علی انه لا یمکث فی مکانه مستقبل القبلة سائر الصلوات فی ذلك علی السواء۔	غور وفکر میں یہ مجھ پر واضح ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ ان شاء اللہ درست ہوگا اور جب امام کو نماز میں تخفیف کا حکم ہے یعنی قدر مسنون پر اضافہ کرے تو اس پر اجماع ہے کہ امام اپنی جگہ پر قبلہ رُخ ہو کر نہ ٹھہرے تمام نمازیں اس حکم میں برابر ہیں۔(ت)

حلیہ میں ہے:

وقد صرح غیر واحد بانه یکره له ذلك [1]۔	متعدد علماء نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح کی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یکره تاخیر السنة الابقدر اللهم انت السلام الخ	سنتوں میں تاخیر اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

قال الحلوانی لاباس بالفصل بالاوراد واختارہ الکمال، قال الحلبی ان ارید بالکراھۃ التنزیھیۃ ارتفع الخلاف قلت فی حفظی حملہ علی القلیلۃ [1] اھ	زیادہ مکروہ ہے، حلوانی نے فرمایا اذکار کے ساتھ فرائض و سنن میں فاصلے میں کوئی حرج نہیں، کمال نے اسی کو اختیار کیا ہے، حلبی کہتے ہیں کہ اگر کراہت سے کراہت تنزیہی ہے تو اختلاف ختم ہو جاتا ہے قلّت اور مجھے یہاں تک یاد ہے کہ یہ (تنزیہی) قلیل فصل پر محمول ہے اھ (ت)

حلیہ میں ہے:

تحمل الکراھۃ علی التنزیھیۃ بعد دلیل التحریمیۃ [2]۔	جب تحریمی پر دلیل نہ ہو تو مکروہ کو تنزیہی پر محمول کیا جاتا ہے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

قول عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مقدار مایقول اللھم انت السلا الخ یفید ان لیس المراد انہ کان یقول ذٰلک بعینہ بل کان یقعد زمانا یسع ذٰلک المقدار ونحوہ من القول تقریبا فلا ینافی ماروی مسلم وغیرہ عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا سلم من صلٰوتہ قال بصوتہ الا علی لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ ولا نعبد ولہ الثناء الحسن، لا الٰہ الا اللہ مخلصین لہ الدین ولوکرہ لاالکفرون، لان	حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا یہ فرمان کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم انت السلام الخ کی مقدار پڑھتے، فائدہ دے رہا ہے کہ ان کی مراد بعینہٖ یہی الفاظ نہیں بلکہ اتنی دیر بیٹھنا جس میں یہ یا اس کی مقدار تقریبًا پڑھا جائے۔ لہٰذا یہ روایت مسلم وغیرہ کی اس روایت کے منافی نہیں جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے، اسی کی حمد ہے، اور وہ ہر شیئ پر قادر ہے، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طرف آنے کی طاقت و توفیق اللہ تعالٰی ہی عطا فرماتا ہے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، نعمت اسی کی ہے اور اُسی کا فضل

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی بھارت ۱/۱۶۶
[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

المقدار المذکور من حیث التقریب دون التحدید، قد یسع کلو احد من نحو ھذہ الاذکار لعدم التفات الکثیر بینھا[1] اھ مختصرا۔	اھ، اعلٰی تعریف اسی کی ہے۔ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں، ہماری تابعداری اسی کے لئے خالص ہے، اگرچہ کافر اسے ناپسند کریں" کیونکہ مقدار مذکور تقریبًا ہے تحدیدًا نہیں وہ وقت ان تمام اذکار کی گنجائش رکھتا ہے کیونکہ ان میں بہت زیادہ تفاوت نہیں ہے اھ مختصرا (ت)

بلکہ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق قدس سرہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

تعجیل قیام بہ سنت مغرب منافی نیست مرخواندن آیۃ الکرسی وامثال آنرا چنانکہ در حدیث وارد شدہ است کہ بخواند بعد از نمازِ فجر و مغرب دہ بار لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریك بلہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علی علی کل شیئ قدیر[2]۔	مغرب کی سنتوں کے لئے جلدی قیام آیۃ الکرسی وغیرہ پڑھنے کے منافی نہیں کیونکہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ نماز فجر و مغرب کے بعد دس مرتبہ یہ پڑھا جائے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملك لہ الحمد وھو علی کل شیئ قدیر۔ (ت)

فقہ کی کسی کتاب معتمد میں یہ نہیں کہ جس نماز کے بعد سنت ہے اُس کے امام کو قبلہ سے پھرنا ہی منع، ہاں فصل طویل کو ناپسند فرماتے ہیں اور اُس کے معنی ان کلماتِ علماء سے کہ فقیر نے نقل کئے ظاہر ہوگئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۲۲: از کھاتہ ضلع رامپور مرسلہ قاضی ضیاء الدین احمد صاحب ۳ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں عرصہ کثیر گزرا زمانہ پادشاہت اسلام میں قاضی شرع نے جو قاضی بااختیار تھے جامع مسجد قائم کی اور وہ مقام شرائط جمعہ کے موافق مناسب سمجھ کر نماز جمعہ و نماز عیدین اُسی مسجد میں ہوتی رہی اور مسلسل اُسی وقت سے حسبِ اجازت وہدایت اصل قاضی یا حاکم وقت مذکور کے اُسی خاندان میں امامت رہی اب ایک شخص نے بوجہ مخالفت چند امور دنیاوی کے امام سے رنج کرکے ایک دوسری مسجد میں جو تھوڑے زمانے سے تیار ہوئی ہے نماز عید ادا کی اور باشندگانِ دیہ کو جامع مسجد قدیم کو آنے سے روک کر بہکا کر بہت سے اشخاص کو اُس نماز میں شریک کیا اور نماز پڑھائی اور جامع مسجد قدیم میں بھی مثل قدیم نماز پڑھی گئی اور جماعت ہوئی تو اب دریافت طلب ہے کہ اُس مسجد جدید میں امام قدیم سے مخالفت کرکے نماز عید ہوئی یا نہیں؟ اور ایسے نماز پڑھوانے والے کے واسطے جو تفریق جماعت کا مرتکب ہوا

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بیان صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۴۲

[2] اشعۃ اللمعات باب الذکر بعد الصلوٰۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۱۸

کیا حکم ہے اور آئندہ اس طریقہ سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جمعہ وعیدین وکسوف میں ہر شخص امامت نہیں کرسکتا بلکہ لازم ہے کہ سلطانِ اسلام کا مقرر کردہ یا اُس کا ماذون ہو، ہاں جہاں یہ نہ مل سکیں تو بضرورت عام اہل اسلام کسی کو امام مقرر کرلیں، صورتِ سوال میں جبکہ سلطنتِ اسلام سقی اللہ تعالٰی عھدھا (اللہ تعالٰی اس کی مدت کو دراز فرمائے۔ت) سے بحکم حاکم شرع وہاں جمعہ قائم اور امامت خاندان ایام قدیم میں مستمر ودائم ہے تو امام خود ماذون من جانب السلطان ہے، اس کے ہوتے بلا مجبوری شرعی عام مسلمانوں کو بھی امام جدید قائم کرنے کا اختیار نہیں۔

لان الخیرۃ لھم انما یکون عند الضرورۃ لفقد الماذون فاذا وجد فلا ضرورۃ فلا خیرۃ۔	انھیں اختیار ضرورت کے وقت ہے جب مامور نہ ہو اور جب مامور ہے تو اب ضرورت نہیں لہٰذا اختیار بھی نہ ہوگا۔(ت)

یہاں مجبوری شرعی یہ کہ امام ماذون خود نہ رہے یا اُس میں مذہب وغیرہ کے فساد پیدا ہونے سے قابلیت امامت معدوم ہوجائے اور اس خاندانِ ماذون میں کوئی اور بھی صالح امامت نہ ہو، جب ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا اس دوسرے شخص کی امامت نہ ہوئی اُس کے پیچھے نماز عید وجمعہ محض باطل ہوں گی وہ سخت گناہوں کا خود بھی مرتکب ہوگا اور اُتنے مسلمانوں کو بھی شدید معصیتوں میں مبتلا کردے گا وہ دوسری مسجد کا جمعہ حرام ہوگا اور ظہر کا فرض سر پر رہے گا اور عیدین میں نماز عید باطل ہوگی۔ اُس کا پڑھنا گناہ ہوگا واجبِ عید سر پر رہ جائے گا تفریق جماعت تو وہاں کہی جائے کہ نماز جمعہ یا عیدین اس کے پیچھے بھی صحیح ہوجائیں، جب یہاں سرے سے ہوئی ہی نہیں تو تفریق کیسی، بلکہ ابطال نماز ہے کہ سب سے سخت تر ہے، اللہ تعالٰی توفیق توبہ بخشے، یہ مسئلہ نہایت واجب الحفظ ہے، آج کل جُہّال میں یہ بلا بہت پھیلی ہوئی ہے کہ جمعہ یا نماز عید نہ ملی کسی مسجد میں ڈھائی آدمی جمع ہوئے اور ایک شخص کو امام ٹھہرا کر نماز پڑھ لی وہ نماز نہیں ہوتی اور اُس کے پڑھنے کا گناہ الگ ہوتا ہے عوام کے خیال میں یہ نمازیں بھی پنجگانہ کی طرح ہیں کہ جس نے چاہا امامت کرلی حالانکہ شرعًا یہاں امام خاص اس طریق معیّن کا درکار ہے اُس کے بغیر یہ نمازیں ہو نہیں سکتیں، تنویر الابصار میں ہے:

یشترط لصحتھا السلطان او مامورہ باقامتھا [1]۔	سلطان یا اس کے مامور کا جمعہ کو قائم کرنا صحت جمعہ کے لیے شرط ہے۔(ت)

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹-۱۱۰

در مختار میں ہے:

فی السراجیة لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز[1] الخ	سراجیہ میں ہے اگر اجازت خطیب کے بغیر کسی نے جمعہ پڑھا یا تو جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله انه لاتصح اقامتها الا لمن اذن له السلطان بواسطة اوبدونها امابدون ذلك فلا[2]۔	اس کا حاصل یہ ہے کہ اقامت جمعہ درست نہیں مگر اس شخص کے لئے جسے سلطان نے اجازت دی خواہ یہ اجازت بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ، اگر بغیر اجازت کسی نے جمعہ قائم کیا تو درست نہیں۔(ت)

تنویر و در میں ہے:

(ونصب العامة) الخطیب (غیر معتبر مع وجود من ذکر) امامع عدمهم فیجوز للضرورة[3]۔	خطیب کو (عوام کا مقرر کرنا) (معتبر نہیں بشرطیکہ جب مذکورہ لوگ ہوں) لیکن اس صورت میں جب یہ لوگ نہ ہوں تو ضرورت کے لئے امام کا تقرر درست ہوگا(ت)

اُنھیں کے باب العیدین میں ہے:

(تجب صلٰوتهما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها) فانها سنة بعدها وفی القنیة صلٰوة العید فی القری تکرہ تحریما ای لانه اشتغال بما لایصح لان المصر شرط الصحة[4] ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم	(عیدین کی نماز شرائط جمعہ کے ساتھ ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر جمعہ واجب ہے) کیونکہ نماز عید ان شرائط کے بعد سنت ہے۔ قنیہ میں ہے کہ دیہاتوں میں عید مکروہ تحریمی ہے یعنی یہ ایسے کام مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ شہر ہونا صحت کے لئے شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[2] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۹۲

[3] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[4] در مختار باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

مسئلہ ۱۳۲۳: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ قصبہ بنیازان ڈاک خانہ لکھی گنج مرسلہ منشی طالب حسین خاں ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں ایک مسجد ہے جہاں لوگ بہت دنوں سے جمعہ پڑھا کرتے ہیں اگر امام مع چند لوگوں کے نماز جمعہ پڑھ لے تو بعدہ، دوسرے لوگوں کو تکرارِ نمازِ جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھ لیا تو نماز اُن کی ہو گئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ایک مسجد میں تکرارِ نماز جمعہ ہر گز جائز نہیں۔

وقد اخطأ بعض العصریین من لکھنؤ فی تجویز ذلك مغترا بجواز التعدد کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	بعض معاصرین لکھنؤ نے اسے جائز کہہ کر غلطی کی ہے انھیں تعدد جمعہ کے جواز سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کر دیا۔ (ت)

جمعہ وعیدین کی امامت مثل نماز پنجگانہ نہیں کہ جسے چاہئے امام کر دیجئے بلکہ اُس کے لئے شرط لازم ہے کہ امام ماذون من جہتہ سلطان الاسلام ہو بلاواسطہ یا بالواسطہ کہ ماذون کاماذون ہو یاماذون الماذون کاماذون ہو۔

وھلم جرا بضرورۃ اوبدونھا ایضا علی اختلاف القیلین مع شرط المعلوم المبین فی کلمات العلماء الکرام۔	اور اسی طرح آگے ضرورت کی وجہ سے یااس کے بغیر بھی اختلاف قولین کی بناپر باوجودیکہ علماء کرام کی عبارات میں شرط معلوم اور واضح ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر بغیر اُس کی اجازت کے دوسرا شخص امامتِ جمعہ کرے نماز نہ ہوگی، سراجیہ میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز الا اذااقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ [1] اھ اقول ولااستثناء فان الاذن یعم الاذن دلالۃ۔	اگر خطیب کی اجازت کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب اس کی اقتداء کسی ایسے شخص نے کی جو جمعہ قائم کرسکتا تھا اھ **اقول:** یہاں استثناء کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اجازت اس اجازت کو بھی شامل ہے جو دلالۃً ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے: **واقرہ شیخ الاسلام** (اسے شیخ الاسلام نے ثابت رکھا ہے۔ ت) ہاں جہاں ماذونِ سلطان نہ باقی ہو وہاں بضرورت اقامت شعار اجتماع مسلمین کو قائم اذن سلطان قرار دیا ہے۔

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الجمعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

یعنی مسلمان متفق ہو کر جسے امام جمعہ مقرر کرلیں وہ مثل امام ماذون من السلطان ہو جائے گا۔ در مختار میں ہے:

نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمهم فیجوز للضرورة[1]۔	مذکورہ اشخاص کے ہوتے ہوئے عوام کا خطیب مقرر کرنا معتبر نہیں، البتہ اگر مذکورہ افراد نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ جو امر ضرورةً جائز رکھا گیا وہ حد ضرورت سے تجاوز نہیں کرسکتا۔

لما عرف من القاعدة المطردة الفقهية بل والعقلية ان ماکان بضرورة فقدر بقدرها	کیونکہ فقہ بلکہ عقلاً قاعدہ مسلمہ ہے کہ جو کچھ ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے وہ ضرورت کی مقدار کے برابر ہی ہوتا ہے۔ (ت)

اور مسجد واحد کے لئے وقتِ واحد میں دو امام کی ہر گز ضرورت نہیں، تو جب پہلا امام معیّن جمعہ ہے دوسرا ضرور اُس کی لیاقت سے دور و مہجور تو اُس کے پیچھے نماز جمعہ باطل و محذور، البتہ اگر امام معین نے براہ شرارت خواہ اپنی کسی خاص حاجت کے سبب جلدی کی اور وقت معہود سے پہلے معدودے چند کے ساتھ نماز پڑھ لی عامہ جماعت مسلمین وقت معین پر حاضر ہوئی تو اب ظاہرًا مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ انھیں جائز ہو کہ دوسرے شخص کو باتفاق عام مسلمین امام مقرر کریں اور نماز جمعہ پڑھیں۔

لحصول الضرورة بالضرورة ولم تندفع بما فعل الامام بل لم یحصل من فعله ماکان نصبه فما نصب الاللعامة لالعدة نفر کما لایخفی ولیحرر۔ والله تعالٰی اعلم۔	واضح ضرورت پائے جانے کی وجہ سے اور یہ ضرورت امام کے فعل سے پوری نہیں ہوئی بلکہ جس مقصد کے لئے اس کا تقرر ہوا وہ حاصل نہ ہوا وہ تو عام لوگوں کے لئے مقرر تھا نہ کہ چند لوگوں کے لئے جیسا کہ مخفی نہیں، اسے واضح کرلینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۴: مرسلہ ظہور احمد از بیتھو ڈاک خانہ چاکند ضلع گیا

جس موضع میں تین مسجد ہوں اور بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب لوگ گنجائش نہ کرسکیں اور اس جگہ سے تین میل شہر متصل ہو اُس موضع میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اس جگہ کے لوگوں کو جمعہ پڑھنا اُس شہر میں واجب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

یہ جو عبارت وقایہ کی ہے کہ: **مالایسع اکبر مساجده اهله مصر**[2] (ایسی جگہ کہ بڑی مسجد میں اُس جگہ کی سب مسلمان گنجائش نہ کرسکیں جمعہ واجب ہے یا نہیں

---

[1] در مختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[2] شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴۰

یعنی مسلمان عاقل بالغ جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔

الجواب:

جو جگہ خود شہر نہ ہو اُس میں صحت جمعہ کے لئے فنائے مصر ہونا ضرور ہے فنائے مصر حوالی شہر کے اُن مقامات کو کہتے ہیں جو مصالح شہر کے لئے رکھے گئے ہوں مثلاً وہاں شہر کی عیدگاہ یا شہر کے مقابر ہوں یا حفاظت شہر کے لئے جو فوج رکھی جاتی ہے اُس کی چھاونی یا شہر کی گھوڑ دوڑ یا چاند ماری کا میدان یا کچہریاں، اگرچہ مواضع شہر سے کتنے ہی میل ہوں اگرچہ بیچ میں کچھ کھیت حائل ہوں، اور جو نہ شہر ہے نہ فنائے شہر اس میں جمعہ پڑھنا حرام ہے اور نہ صرف حرام بلکہ باطل کہ فرضِ ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔

فی تتویر الابصار والدر المختار یشترط لصحتها المصر، اوفنائه وھو ماحوله اتصل به اولا کما حرره ابن الکمال وغیره لاجل مصالحه کدفن الموتی ورکض الخیل[1] اھ ملخصا .فی ردالمحتار قد نص الائمة علی ان الفناء ماعد لدفن الموتی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیرذلك[2] اھ وفی درالمختار عن القنیة صلٰوۃ العید فی القری تکره تحریما ای لانه اشتغال بما لا یصح لان المصر شرط الصحة[3]	تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اھ ملخصًا تنویر الابصار اور در مختار میں ہے کہ صحت جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے، اور فنا سے مراد وہ جگہ ہے جو شہر کے پاس شہریوں کی ضرورت کے لئے ہو، خواہ متصل ہو یا نہ ہو، جیسا کہ ابن الکمال وغیرہ نے تحریر کیا ہے، مثلاً قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اھ ملخصًا ، ردالمحتار میں ہے کہ ائمہ نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ فنا سے مراد وہ میدان ہے جو دفن موتی اور شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑ دوڑ اور چوپایوں کے لئے ، لشکر کے اجتماع کے لئے یا نشانہ بازی وغیرہ کے لئے ہو اھ ، در مختار میں قنیہ سے ہے کہ دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسے عمل مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں کیونکہ صحتِ عید کے لئے شہر کا ونا شرط ہے (ت)

مصر کی یہ تعریف کہ جس کی اکبر مساجد میں وہاں کے اہل جمعہ نہ سمائیں اپنے ظاہر معنی پر ہمارے ائمہ کے مذہب متواتر کے خلاف ہے ولہذا محققین نے اسے رد فرمایا اور تصریح کی کہ اس تصریح پر خود مکہ معظمہ ومدینہ طیبہ

[1] در مختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۱

[3] در مختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

شہر سے خارج ہوئے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ باطل ٹھہرتا ہے کہ اُن کی مساجد کریمہ اپنے اہل کی ہمیشہ سے وسعت رکھتی ہےں، غنیہ شرح منیہ علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اختلفوا فی تفسیر المصر اختلافا کثیرا والفصل فی ذلك ان مکة والمدینه مصران تقام بهما الجمع من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدهما فهو مصر وکل تفسیر لایصدق علی احدهما فهو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختاره جماعة من المتاخرین کصاحب المختار والوقایة وغیرهما وهو مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم فانه منقوض بهما اذمسجد کل منهما یسع اهله وزیادة فلا یعتبر هذا التعریف وبالاولی ان لایعتبر تعریفه بما یعیش فه کل محترف بحرفته اویوجد فیه کله محترف فان مصر وقسطنطنیة من اعظم امصار الاسلام فی زماننا ومع هذا فی کل منهما حرف لا توجد فی الاخری فضلا عن مکة والمدینة [1] انتهی باختصار	تعریف شہر میں بہت زیادہ اختلاف ہے اور فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینۃ المنورہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے تو ہر وہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وہ شہر کہلائے گا اور جو تفسیر شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت مثلاً صاحب مختار اور صاحب وقایہ وغیرہ نے اختیار کی کہ (وہ مقام شہر ہوگا) اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہو جائیں اور مسجد میں ان کی گنجائش نہ رہے، ان دونوں (مکہ ومدینہ) کی وجہ سے قابل اعتراض ہے کیونکہ ان دونوں کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی تھیں لہٰذا یہ تعریف معتبر نہیں، اور بطریق اولٰی شہر کی یہ تعریف غیر معتبر ہے کہ ہر وہ مقام جس میں ہو کاریگر اپنی صنعت کے ساتھ ہو یا وہاں ہر قسم کا کاریگر موجود ہوں کیونکہ ہمارے دور میں مصر اور قسطنطنیہ مسلمانوں کے سب سے بڑے شہروں میں سے ہیں، باوجود اس کے دونوں میں سے ایک میں مخصوص صنعت ہے جو دوسرے میں نہیں چہ جائیکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہو، غنیہ کی عبارت اختصاراً ختم ہوئی۔(ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالو اجتمع اهله فی اکبر مساجده لایسعهم [2]۔	ایک قول یہ ہے کہ اگر وہاں کے لوگ سب سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو ان کے لئے کافی نہ ہو (ت)

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] ملتقی الابحر باب الجمعۃ مطبوعہ مؤسسۃ رسالہ بیروت ۱/۱۴۳

مجمع الانہر میں ہے:

اوردبصیغۃ التمریض لانھم قالوا ن ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم	صیغہ تمریض لایا گیا ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲۵ تا ۱۳۲۶: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ علی بخش صاحب محرر دفتر ججی غازی پور ۱۷ ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بعد نماز جمعہ احتیاطاً ظُہر پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

(۲) خطبہ جمعہ میں جب نام پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا آوے اُس وقت سامعین کو درود شریف پڑھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) احتیاطی ظہر کی عام لوگوں کو حاجت نہیں۔

(۲) خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر دل میں درود پڑھیں، زبان سے سکوت فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۲۷: از بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بلابو قصبہ نیلو کھیا مرسلہ محمد نیاز حسین ۱۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

اگر قری میں جہاں مسلمان کثرت سے ہوں اور مکانات آپس میں متصل بلا فاصلہ ہیں اگر ہے تو پندرہ یا بیس گز اور نماز پنجگانہ کے لئے مقرر ہے اذان و جماعت ہوتی ہے وہاں کے لوگ متفق ہو کر ایک شخص کو امام جمعہ مقرر کرکے نماز جمعہ ادا کریں تو علیہ ماوجب لہ (جو ان پر لازم ہے۔ت) سے بری ہوں گے یا نہیں، اور موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد نماز جمعہ ظہر احتیاطی پڑھنا کیسا ہے اور وہ لوگ بسبب اس جمعہ پڑھنے کے مستحق ثواب یا اثم، اور اگر اثم ہے تو کیسا؟ **بینوا بالتفصیل مع الدلیل توجروا یوم الاخر والحساب اٰمین یا رب العٰلمین** (تفصیلاً دلائل کے ساتھ بیان فرمادیجئے اللہ تعالٰی آخرت میں آپ کو اجر عطا فرمائے۔ اے رب العٰلمین! دعا قبول فرما۔ت) صحتِ جمعہ کے لئے مصر شرط ہے پس مصر کی تعریف صحیح موافق مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہا ہے اور تعریف قری جس میں جمعہ واجب نہیں اور نہ وہاں جمعہ پڑھنا جائز کیا ہے، قری اور دیہات

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجمعہ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۶۶

میں فرق ہے یا نہیں، اگر فرق ہے تو کس میں جمعہ جائز اور کس میں ناجائز؟

الجواب:

مذہب حنفی میں فرضیت جمعہ وصحت جمعہ وجوازِ جمعہ سب کے لئے مصر شرط ہے دیہات میں نہ جمعہ فرض نہ وہاں اس کی ادا جائز و صحیح، اگر پڑھیں گے ایک نفل نماز ہوگی کہ برخلاف شرح جماعت سے پڑھی ظہر کا فرض سر سے نہ اُترے گا پڑھنے والے متعدد گناہ کے مرتکب ہوں گے،

للاشتغال بما لایصح کما فی الدرالمختار[1] وللتنفل بجماعة بالتداعی ولترك جماعة الظهر وان ترکوا الظهر فاشنع واخنع۔	یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اور تداعی کے ساتھ نوافل کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا اور جماعت ظہر کا ترک لازم آتا ہے اور اگر وہ ظہر ترک کردیتے ہیں تو یہ نہایت ہی برا و قبیح عمل ہے۔ (ت)

قریہ زبانِ عرب میں شہر کو بھی کہتے ہیں،

قال تعالٰی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی[2]، ای الامصار لعلمهم وحلمهم دون البوادی لغلظهم وجفائهم وقال تعالٰی علی عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾[3] ای مکة و الطائف وقال تعالٰی مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ[4]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے "اور ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں کو جن پر ہم نے وحی کی اہل قری میں سے "یعنی شہروں سے کیونکہ شہری لوگ صاحب علم وحلم ہوتے ہیں۔ (دوسرے مقام پر) اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "ان دو قریوں میں سے بڑے آدمی پر" یعنی مکہ وطائف۔ (تیسرے مقام پر) اللہ تعالٰی نے فرمایا" تیرے اس قریہ سے جس سے تجھے نکالا" (ت)

اور جب اُسے مصر کے مقابل بولیں تو اس میں اور دِہ میں کچھ فرق نہیں **ثم اقول: وبه التوفیق** (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) حق ناصع یہ ہے کہ مصر وقریہ کوئی منقولات شرعیہ مثل صلٰوۃ وزکوۃ نہیں

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] القرآن ۱۲/ ۱۰۹

[3] القرآن ۴۳/ ۳۱

[4] القرآن ۴۷/ ۱۳

جس کو شرع مطہر نے معنی متعارف سے جدا فرما کر اپنی وضع خاص میں کسی نئے معنی کے لئے مقرر کیا ہو ورنہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس میں نقل ضرور تھی کہ وضع شارع بے بیان شارع معلوم نہیں ہو سکتی اور شک نہیں کہ یہاں شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اصلاً کوئی نقل ثابت ومنقول نہیں تو ضرور عرف شرع میں وہ اُنھیں معانی معروفہ متعارفہ پر باقی ہیں اور ان سے پھیر کر کسی دوسرے معنی کے لئے قرار دینا وہ قرار دہندہ کی اپنی اصطلاح خاص ہو گی جو مناط ومدار احکام ومقصود ومراد شرع نہیں ہو سکتی۔ محقق علی الاطلاق رحمہ اللہ تعالٰی فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

واعلم ان من الشارحين من يعبر عن هذا بتفسيره شرعا ويجب ان يراد عرف اهل الشرع وهو معنى الاصطلاح الذی عبرنا به لاان الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نقله فانه لم يثبت وانما تكلم به الشارع علی وفق اللغة[1]۔	واضح رہے کہ بعض شارحین نے اس تفسیر کو شرعی کہا ہے اور اس سے اہل شرع کا عرف مراد لینا واجب ہے اور اس اصطلاح کا یہی معنی ہے جس کے ساتھ ہم نے اسے تعبیر کیا اس کا یہ معنی نہیں کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نقل کیا ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں شارع نے اس میں لغت کے مطابق تکلم فرمایا ہے۔ (ت)

اور ظاہر کہ معنی متعارف میں شہر ومصر ومدینہ اُسی آبادی کو کہتے ہیں جس میں متعدد کوچے، محلے متعدد ودائمی بازار ہوتے ہیں، وہ پرگنہ ہوتا ہے اُس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہیں، عادۃً اس میں کوئی حاکم مقرر ہوتا ہے کہ فیصلہ مقدمات کرے، اپنی شوکت کے سبب مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے۔ اور جو بستیاں ایسی نہیں وہ قریہ ودِہ وموضع وگاؤں کہلاتی ہیں، شرعاً بھی یہی معنی متعارفہ مراد ومدار احکام جمعہ وغیرہا ہیں، ولہذا ہمارے امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شہر کی یہی تعریف ارشاد فرمائی، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

فی تحفة الفقهاء عن ابی حنيفه رضی اللہ تعالٰی عنه انه بلدة كبيرة فيها سكك واسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر علی انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه او علم غيره يرجع الناس اليه فيما تقع	تحفہ میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے شہر وہ ہوگا جو بڑا ہو اس میں سڑکیں، بازار، سرائے ہوں وہاں کوئی ایسا والی ہو جو اپنے دبدبہ، اپنے علم یا غیر کے علم کی وجہ سے ظالم سے مظلوم کو انصاف دلا سکیں، حوادثات میں لوگ

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/

من الحوادث وھذا ھو الاصح [1]۔	اس کی طرف رجوع کریں اور یہی اصح ہے۔(ت)

ہاں اتنا ضرور ہے کہ جمعہ اسلامی حکم ہے اس کے لئے اسلامی شہر کا ہونا ضروری ہے ولہٰذا دارالحرب میں اصلاً جمعہ نہیں اگرچہ کتنے ہی بڑے امصار عظام کبار ہوں جس میں دس دس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہو، نہ اس وجہ سے کہ وہ شرعاً شہر نہیں، اصطلاح شرع میں وہ گاؤں ہیں، حاشا یہ محض غلط ہے قیامت تک کوئی ثبوت نہیں دے سکتا کہ شرع مطہر نے کفار کے امصار کبار کو مصر ومدینہ سے خارج اور دِہ گاؤں بتایا ہو اس بنا پر کہ وہاں اقامتِ حدود وتنفیذِ احکام شرع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی مکہ معظّمہ بلکہ تمام دنیا میں جیسا کہ کفر وکافرین کا تسلط وغلبہ تھا ظاہر وعیاں ہے اور اکثر مرسلین کرام اصحاب شرائع جدیدہ علیہم الصلٰوۃ والسلام ایسے ہی شہروں میں پیدا ہوتے ہیں اور وہیں کے ساکن ہوکر انھیں پر مبعوث ہوتے اب کیا معاذ اللہ یہ کہا جائے گا کہ شرعاً ی مرسلین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین دیہاتی تھے حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى [2]۔ ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور شہری ہی تھے۔ ان میں کوئی عورت نہ تھی نہ کوئی گنوار بھی خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس وقت غلبہ کفار کے سبب مکہ معظّمہ سے ہجرت کی ضرورت ہوئی اس وقت بھی قرآن عظیم نے مکہ مکرمہ کو شہر ہی فرمایا وکاین من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک التی وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ [3]۔ بہتیرے شہر کو تمھارے اس شہر سے جس نے تم کو نکالا زیادہ قوت والے تھے ہم نے ہلاک کردئے تو ان کا کوئی مددگار نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ دارالحرب کے شہر کفر کے شہر ہیں اور اقامت جمعہ کو اسلامیہ شہر درکار، اسی طرف نظر کرم فرماکر کلام قدماء میں جبکہ اسلام کا دور دورہ تھا اور اسلامی شہر اسلامی احکام کے پابند تھے لہ امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود (وہاں کوئی امیر یا قاضی ہو جو احکام نافذ اور جاری کرسکے۔ت) واقع ہوا اس سے مقصود وہی تھا کہ اسلامی شہر کہ اُس وقت اسلامی شہر ایسے ہی ہوتے تھے، یہ معنی نہ تھے کہ تنفیذ احکام واقامت حدود سنخ حقیقت شہر میں داخل ہے، یہ نہ ہو شہر شرعاً شہر ہی نہ رہے گا گاؤں ہو جائے گا حالانکہ فتنہ بلوائیان مصر میں خاص زمانہ خلافت راشدہ میں چند روز تنفید احکام نہ ہوئی کیا اُس وقت مدینہ طیبہ گاؤں ہوگیا تھا اور اس میں جمعہ پڑھنا حرام باطل ہوا تھا؟ حاشا ہرگز ایسا نہیں، خود یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایام فتنہ میں اقامت جمعہ ہوگی اور شہر شہریت سے خارج نہ ہوگا، ولہٰذا ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

[2] القرآن ۱۲/ ۱۰۹

[3] القرآن ۴۷/ ۱۳

لومات الوالی اولم یحضر الفتنة ولم یوجد احد ممن له حق اقامة الجمعة نصب العامة لهم خطیبا للضرورة کما سیأتی مع انه لا امیر والا قاض ثمه اصلا، وبهذا ظهر جهل من یقول لاتصح الجمعة فی ایام الفتنة مع انها تصح فی البلاد التی استولی علیها الکفار کما سنذکره فتامل[1]۔	اگر والی فوت ہوگیا یا فتنہ کی وجہ سے آنہیں سکتا اور وہاں کوئی ایسا شخص بھی نہ ہو جو جمعہ کی امامت کا حقدار ہے تو پھر ضرورت کی وجہ سے خطیب مقرر کرسکتے ہیں جیسا کہ عنقریب آرہا ہے، اس کے ساتھ ساتھ کہ وہاں کبھی قاضی یا امیر نہ ہو، اس سے اس شخص کی جہالت بھی واضح ہوگئی جو کہتا ہے کہ فتنہ کے دنوں میں جمعہ صحیح نہیں حالانکہ جمعہ ان شہروں میں درست ہے جن پر کفار کی ولایت ہو جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے پس غور کیجئے۔(ت)

اس تعریف میں الفاظ **ینفذ ویقیم** (نافذ کرے اور قائم کرے۔ت) موہم فعلیت تھے جس سے بعض کبراء کو دھوکا ہو جسے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد **یقدر علی الانصاف** (وہ انصاف پر قادر ہو۔ت) نے زائل کردیا **کما بینه فی الغنیة وردالمحتار وغیرهما من الاسفار** (جیسے کہ یہ بات غنیہ اور ردالمحتار وغیرہ جیسی کتب میں ہے۔ت) اور حقیقۃً غور کیجئے تو ارشاد امام میں **علمه اوعلم غیره** (اپنے یا غیر کے علم کی بناء پر۔ت) کہ مفید تقیید اسلام والی ہے یہ بھی اُس زمانے کی حالت کے مطابق تھا اس وقت میں اور اس کے بعد صدہا سال تک اس کی نظیر قائم نہ ہوئی تھی کہ شہر دارالاسلام ہو اور حاکم کافر ولہذا نظر بحالت موجودہ اسلامیت شہر و اسلام شہر یار میں تلازم تھا ان بندگان خدا کے خواب میں بھی یہ خیال نہ گزرتا ہوگا جو آج آنکھوں کے سامنے ہے کہ شہر دارالاسلام اور اس پر کفار حکام ورنہ حقیقۃً صرف اُسی قدر درکا ہے کہ اسلامی شہر ہو اگرچہ والی کافر ہی ہو، ولہذا جامع الرموز میں زیر قول ماتن **شرط الادئها المصر والسلطان** (ادائے جمعہ کے لئے شہر او سلطان کا ہونا شرط ہے۔ت) فرمایا:

الاطلاق مشعر بأن الاسلام لیس بشرط[2]۔	اطلاق بتاتا ہے کہ اسلام شرط نہیں۔(ت)

مبسوط و معراج الدرایہ و جامع الفصولین وہندیہ و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

فلو الولاة کفارا یجوز للمسلمین اقامة الجمعة۔	اگرچہ والیِ شہر کافر ہو مسلمانوں کے لئے جمعہ کا

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۰

[2] جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۳

الجمعۃ۔[1]	قیام جائز ہے۔(ت)

توآفتاب کی طرح روشن ہوا کہ صرف اسلامی شہر ہونا درکار ہے تنفیذ احکام یا اقامت حدود یا اسلام والی کچھ شرط نہیں اور بحمد اللہ تعالٰی ہم نے اپنے فتاوٰی میں دلایل قاہرہ سے ثابت کیا ہے کہ تمام ہندوستان سرحد کابل سے منتہائے بنگالہ تک سب دارالاسلام ہے تو یہاں جتنے شہر وقصبات میں (جن کو شہر کہتے ہیں اور وہ نہ ضرور ایسے ہی ہوتے ہیں جن میں متعدد محلے، متعدد ودائمی بازار ہیں، وہ پرگنہ ہیں، ان کے متعلق دیہات ہیں، اُن میں ضرور کوئی حاکم فصل مقدمات کے لئے مقرر ہوتا ہے جسے ڈگری ڈسمس کا اختیار ہے نہ فقط تھانہ دار کہ وہ کوئی حاکم نہیں صرف حفاظت اور تحقیقات یا چالان کا مختار ہے) وہ ضرور سب اسلامی شہر ہیں اور ان میں جمعہ فرض ہے اور انھیں میں جمعہ صحیح ہے ان کے علاوہ جتنی ابادیاں ہیں گاؤں ہیں اگرچہ مکانات پختہ اور مسلمان ومساجد بکثرت ہوں ان میں نہ جمعہ فرض نہ جائز نہ صحیح، یہ حق تحقیق وتحقیق حق ہے جس سے سرمُو حق متجاوز نہیں، یہ تعریف کہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں اس کے سُکّان اہل جمعہ نہ سمائیں اگر بطور تعریف مانی جائے تو صریح باطل ہے جس پر وہ اعتراضاتِ قاہرہ وارد ہیں جن کا جواب اصلاً ممکن نہیں اور اگر کچھ اور نہ ہو تو یہی کیا کم ہے کہ اس تعریف پر خود مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ گاؤں ٹھہرے جاتے ہیں اور ان میں جمعہ معاذ اللہ حرام وباطل قرار پاتا ہے اکبر مساجدہ (وہاں کی سب سے بڑی مسجد۔ت) کو اپنے ظاہر پر رکھیں اور ان میں متعدد مساجد صغیرہ وکبیرہ اور ان سب میں اکبر ہونا شرط کریں جب تو مکہ معظّمہ کا شہر نہ ہونا صراحۃً واضح کہ مکہ معظّمہ میں سوا مسجد الحرام کے کوئی مسجد صدہا سال تک نہ تھی اور عجب نہیں کہ اب بھی نہ ہو۔ نورالعین وردالمحتار کتاب الوقف میں ہے:

لامسجد فی مکۃ سوی المسجد الحرام[2]۔	(مکہ میں مسجد حرام کے علاوہ کوئی مسجد نہیں۔ت)

اور اگر ایک مسجد پر قناعت کریں اور مجازًا ٹھہرالیں کہ جب یہی ایک مسجد تو یہی اکبر مساجد ہے تو اول تو یہ اکس قدر مقاصد شرع مطہر سے دور مہجور ہے، ایک عظیم اسلامی شہر جس میں لاکھ مسلمان مرد ومقاتل رہتے ہیں اُس میں ایک مسجد فرض کیجئے جس میں لاکھ سے زائد یا صرف لاکھ آدمی آسکیں اور ایک گمنام پہاڑی کی نلی میں بن کے کنارے دو جھونپڑیاں وحشی جنگلیوں کی ہو جن میں آٹھ دس مرد رہتے ہیں اور انھوں نے ایک چبوترہ چند گز کا بنالیا ہے جس میں سات آدمیوں کی گنجائش ہے آگے امام اور پیچھے تین تین آدمیوں کی دو صفیں، رو لازم ہے کہ وہ شہر عظیم الشان گاؤں ہو اور اس میں جمعہ حرام، اور یہ کوردہ مصر جامع ومدینہ عظیمہ ہو اور اس میں جمعہ فرض، کیا ارشاد حدیث:

---

[1] ردالمحتار، باب الجمعہ، مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر، ۱/۵۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۴۲۱

لاجمعۃ ولاتشریق ولاصلٰوۃ فطر ولااضحی الافی مصر جامع اومدینۃ عظیمۃ [1].	مصر جامع اور بڑے شہر کے علاوہ کسی جگہ نہ جمعہ ہوسکتا ہے نہ تکبیراتِ تشریق، نہ نماز عید لفطر اور نہ نماز عیدالاضحیٰ۔(ت)

کا یہی منشا ہے، حاشا وکلّا معہذا ایسا ہو تو دن میں چھ چھ بار مصریت وقرویت پلٹا کھائے، ایک بستی میں سَو اہل جمعہ رہتے ہیں اور اس کی اکبر مساجد میں اتنے آدمیوں کی وسعت ہے تو گاؤں ہے پھر دن چڑھے ان میں ایک لڑکا بالغ ہوا تو وہ شہر ہوگیا کہ اب اس مسجد میں وہاں کے اہل جمعہ کی وسعت نہ رہی، دوپہر کو ایک شخص وہاں سے سکونت چھوڑ کی چلا گیا تو پھر گاؤں ہوگیا اب پھر وسعت ہوگئی پھر دن رہے ایک غلام آزاد ہوا تو پھر شہر ہوگیا کہ وسعت نہ رہی شام کو ایک شخص مرگیا تو پھر گاؤں ہوگیا، عشاء کو ایک مجنون ہوش میں آگیا تو پھر شہر ہوگیا، آدھی رات ایک شخص کی آنکھیں جاتی رہیں تو پھر گاؤں کا گاؤں رہا وعلی ہذا القیاس، بلکہ فرض کیجئے کہ ابھی وہ شہر تھا اور جمعہ فرض تھا مسلمان جمعہ کے لئے جمع ہوئے امام خطبہ پڑھ رہا ہے کہ خبر آئی فلاں مرگیا اب جمعہ حرام ہوگیا خطبہ بے کار گیا کہ شہر گاؤں ہوگیا، امام نے خطبہ چھوڑا اور اعلان ہوا کہ بھائیوں ظہر کی نیت باندھو، تکبیر ہوتی ہی تھی کہ ایک لڑکے نے کہا میری انکھ لگ گئی تھی احتلام ہوگیا، وہ نہانے کو گیا یہاں امام پھر خطبہ کو جائے کہ اب یہ پھر شہر ہے اور پہلا خطبہ کہ بوجہ زوال محلیت بیکار ہوگیا تھا پھر اعادہ کرے ابھی دوسرے خطبہ تک نہ پہنچا تھا کہ خبر آئی فلاں کی آنکھیں جاتی رہیں اب امام پھر اترے اور ظہر کا اعلان دے، تکبیر ہورہی ہے کہ صف میں سے ایک مسافر نے اُٹھ کر کہا صاحبو! کیوں جمعہ کھوتے ہو میں یہاں چند روز کے لئے آیا تھا مگر اب یہیں کا ساکن ہوگیا امام سے کہئے پھر سہ بارہ خطبے کو جائے، اس الٹ پھیر میں معلوم نہیں کہ عصر کا وقت آنے تک جماعت کہ جمعہ نصیب ہو یا ظہر، یہ سب خوبیاں اس تعریف کی ہیں اور ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دونوں بلد کریم مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کی مساجد طیبہ قطعًا وہاں کے اہل جمعہ بلکہ ان سے بدرجہا زائد کی وسعت رکھتی ہیں جیسا کہ بحمد اللہ تعالٰی آنکھوں سے مشاہدہ ہے تو وہ دونوں شہر کریم معاذ اللہ گاؤں ہوئے اور ان میں جمعہ حرام ٹھہرا، اس سے زیادہ شناعت اور کیا ہوگی، اور یہ وسعت آج کی نہیں زمانہ اقدس حضور۔سید عالم۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھی تھی۔ تو معاذاللہ زمانہ اقدس سے وہ گاؤں ہی تھے اور ان میں جمعہ حرام تھا مگر ہوتا تھا، اب یہ منتہائے شناعت کبرٰی ہے جس سے مافوق متصور نہیں، جامع ترمذی شریف میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رحم اللہ عثمن زاد فی مسجد ناحتی وسعنا ھذا مختصر اللہ تعالٰی عثمان پر رحمت فرمائے اس نے ہماری

---
[1] مصنف ابن ابی شیبۃ من قال لاجمعہ الخ مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۱

مسجد شریف بڑھادی یہاں تک کہ اس میں ہم سب نمازیوں کی وسعت ہوگئی۔ ظاہر ہے کہ سب نمازیوں کی وسعت ہوجانا صرف اہل جمعہ کی وسعت سے کہیں زیادہ ہوگی، تو معاذاللہ اس تعریف پر حاصل حدیث یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی عثمان کا بھلا کرے اس نے ہماری مسجد بڑھا کر مدینہ کو گاؤں کردیا اور اس میں جمعہ حرام ہوگیا، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاستسقاء میں ہے:

من ھو مقیم بالمدینۃ لا یبلغ قدر الحاجۃ وعند اجتماع جملتھم یشاھد اتساع المسجد الشریف فی اطرافہ، وانما شدۃ الزحام فی الروضۃ الشریفۃ وماقاربھا للرغبۃ فی زیادۃ الفضل والقرب من المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا فی الشرح [1]۔	جو مدینہ منورہ میں مقیم ہیں ان کی تعداد جمعہ کے لئے مذکورہ ضرورت کو پورا نہیں کرتی تمام اہل مدینہ کے اجتماع کے باوجود مسجد نبوی شریف کی اطراف کو خالی دیکھا جاتا ہے، ریاض الجنتہ اور اس کے آس پاس کی جگہ پر لوگوں کا ازدحام اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے مصطفٰی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قرب اور مزید فضل نصیب ہوتا ہے، اسی طرح شرح میں ہے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

الفصل فی ذلك ان مکۃ والمدینۃ مصر ان تقام بھما الجمع من زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الیوم فکل موضع کان مثل احدھما فھو مصر وکل تفسیر لا یصدق علی احدھما فھو غیر معتبر حتی التعریف الذی اختارہ جماعۃ من المتأ خرین کصاحب المختار روالو قایۃ وغیرھما وھو مالو اجتمع اھلہ فی اکبر مساجدہ لایسعھم فانہ منقوض بھما اذا مسجد کل منھما یسع اھلہ وزیادۃ [2]۔	فیصلہ اس میں یہ ہے کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات سے لے کر آج تک جمعہ ادا کیا جاتا ہے تو ہر وہ مقام جو ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرح ہوگا وہ شہر کہلائے گا اور جو تعریف شہر ان دونوں میں سے کسی ایک پر صادق نہ آئے گی وہ غیر معتبر ہوگی حتی کہ وہ تعریف جیسے متاخرین کی ایک جماعت مثلاً صاحب مختار اور صاحب وقایہ وغیرہ نے اختیار کی کہ (ہر مقام شہر ہوگا) "اگر وہاں کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے لوگ جمع ہوجائیں اور مسجد میں ان کے لئے گنجائش نہ رہے" ان دونوں مکہ ومدینہ کی وجہ سے محل اعتراض ہیں کیونکہ ان کی مساجد وہاں کے مقیم بلکہ اس سے زائد لوگوں کی گنجائش رکھتی ہیں۔(ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاستسقاء مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۱

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی صلوٰۃ الجمعہ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

لاجرم علمانے تصریح کی فرمائی کہ یہ تعریف محققین کے نزدیک صحیح نہیں۔ ملتقی الابحر میں ہے:

وقیل مالواجتمع اھله فی اکبر مساجدہ لایسعھم [1]۔	بعض نے شہر کی یہ تعریف ہے کہ وہاں کے تمام لوگ اگر جمع ہوں تو وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے کافی نہیں۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

انما اورد بصیغة التمریض لانھم قالوا ان ھذا الحد غیر صحیح عند المحققین [2]۔	"قیل" لایا گیا ہے اس لئے کہ فقہاء نے فرمایا کہ یہ تعریف محققین کے ہاں صحیح نہیں۔ (ت)

اسی طرح شرح نقایہ وغیرہ میں ہے معہذا معلوم ہے اور خود اس تعریف کے اختیار کرنے والوں کو اقرار ہے کہ وہ روایت نادرہ خلاف ظاہر الروایۃ ہے اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایہ کے خلاف ہے وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں وہ سب مرجوع عنہ اور متروک ہے، بحر الرائق میں ہے:

ماخرج عن ظاھر الروية فھو مرجوع عنه والمرجوع عنه لم یبق قولا له [3]۔ ملخصا۔	جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ امام کا قول نہیں رہے گا۔ ملخصًا (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوا به ان ماخرج عن ظاھر الروایة لیس مذھبا لابی حنیفة ولا قولا له [4]۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایہ سے نکل جائے وہ نہ امام صاحب کا مذہب ہوتا ہے اور نہ قول (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما خلف ظاھر الروایة لیس مذھبا لاصحابنا [5]۔	جو ظاہر الروایہ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب (احناف) کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

---

1 ملتقی الابحر باب الجمعۃ مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/۱۴۳

2 مجمع الانہر شرح ملتقی لابحر، باب الجمعۃ، مطبوعہ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/۱۴۳

3 بحر الرائق، فصل یجوز تقلید من شاء الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

4 فتاوٰی خیریۃ، کتاب الطلاق مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت، ۱/۵۲

5 ردالمحتار، کتاب احیاء الموات، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۷۸

توظاہر الروایہ مصح معتمد معمول علیہ مختار جمہور مؤید ومنصور کے خلاف ایک روایت نادرہ پر عمل وفتوی کیونکر روا۔ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع[1]۔	جو قول مرجوح ہو اس پر حکم وفتوی جاری کرنا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقو وجھہ واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول الموجوع عنہ انتھی[2]۔	جیسا کہ امام ابو یوسف کے قول کے موجودگی میں امام محمد کے اس قول پر فتوی جائز نہیں جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو یا اس قول کی وجہ قوی نہ ہو اور اس کی نسبت ظاہر روایت کے خلاف فتوی دینا اور بھی باطل ہے جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ ہو اور یوں ہی اس قول پر جس سے رجوع کرلیا گیا ہو فتوی ناجائز ہے انتہی، ح۔(ت)

یہ تحقیق مسئلہ ہے اور بحمد اللہ اہل انصاف وعلم صاف جانیں گے کہ حق اس سے متجاوز نہیں، ہم نہ اس کے خلاف عمل کرسکتے ہیں نہ زنہار زنہار مذہب ائمہ چھوڑ کر دوسری پر فتوی دے سکتے ہیں مگر دربارہ عوام فقیر کا طریق عمل یہ ہے کہ ابتداءً خود انھیں منع نہیں کرتا نہ انھیں نماز سے باز رکھنے کی کوشش پسند رکھتا ہے ایک روایت پر صحت ان کے لئے بس ہے، وہ جس طرح خدا اور رسول کا نامِ پاک لیں غنیمت ہے، مشاہدہ ہے کہ اس سے روکیے تو وہ وقتی چھوڑ بیٹھتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ؕ﴿۱۰﴾[3]	کیا تم نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز ادا کرتا ہے۔(ت)

سیدنا ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

شیئ خیر من لا شیئ[4]۔	(کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہے)

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار، مطلب فی حکم التقلید مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۵

[3] القرآن ۹۶/ ۱۰

[4] کنزالعمال ذیل ادب الصلوۃ حدیث ۲۲۵۵۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث بیروت ۸/ ۲۰۲

رواہ عنہ عبدالرزاق فی مصنفہ انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مر برجل لایتم رکوعا ولا سجودا فقال شیئ خیر من لاشیئ [1]۔	حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو نہ نماز کا رکوع صحیح ادا کررہا تھا نہ سجود، تو آپ نے فرمایا: کچھ ہونا بالکل نہ ہونے سے بہتر ہوتا ہے۔(ت)

امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک شخص کو بعد نماز عید نفل پڑھتے دیکھا حالانکہ بعد عید نفل مکروہ ہیں، کسی نے عرض کیا: یاامیر المومنین !آپ نہیں منع کرتے۔فرمایا:

اخاف ان ادخل تحت الوعید قال اللہ تعالٰی اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ [2]۔ذکرہ فی الدر المختار۔	میں وعید میں داخل ہونے سے ڈرتا ہوں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کیاتو نے اسے نہیں دیکھا جو منع کرتا ہے بندہ کو جب وہ نماز پڑھے،اسے درمختار میں ذکر کیا گیا۔

اُسی سے بحرالرائق میں ہے:

(ھذاللخواص) اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولاتنفل اصلا لقلۃ رغبتھم فی الخیرات [3]۔	یہ خواص کامعاملہ ہے، باقی عوام کو تکبیرات کہنے اور نوافل پڑھنے سے بالکل منع نہیں کیا کرتے، کیونکہ انھیں نیکیوں کا بہت کم شوق ہوتاہے۔(ت)

کتاب التجنیس والمزید پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

سئل شمس الائمۃ الحلوانی ان کسالی العوام یصلون الفجر عند طلوع الشمس افتز جرھم عن ذلك قال لا لانھم اذامنعوا عن ذلك ترکوھا اصلا واداؤھا مع تجویز اھل الحدیث لھا اولی من ترکھا اصلا [4]۔	مس الائمہ حلوانی سے سوال ہوا کہ عوام سستی کرتے ہوئے طلوع شمس کے وقت نماز فجر ادا کرتے ہیں کیا ہم انھیں زجر وتوبیخ کریں؟ فرمایا: ایسانہ کرو کیونکہ اگر تم اس سے ان کو روکو گے تو نماز بالکل ترک کردیں گے نماز کاادا کرلینا چھوڑ دینے سے بہتر ہےاور محدثین اسے جائز بھی سمجھتے ہیں۔(ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ عبدالرزاق ذیل الصلوۃ حدیث ۲۲۵۵۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث ۸/ ۲۰۲

[2] درمختار ، باب العیدین، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۵

[3] بحرالرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] بحرالرائق باب العیدین، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

درمختار میں ہے:

لایجوز صلٰوۃ مطلقا مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[1]۔ (ملخصًا)	طلوعِ آفتاب کے وقت کوئی نماز جائز نہیں مگر عوام کو نماز پڑھنے سے فقہاء نے نہیں روکا ورنہ وہ بالکل ترک کردیں گے، ہر وہ عمل جس کی ادا بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجالانا ترک سے بہتر ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلا یمنعون افادان المستثنی المنع لا الحکم بعدم الصحۃ عند نا قولہ کما فی القنیۃ وعزاہ صاحب المصفی الی الامام حمید الدین عن شیخہ الامام المحبوبی والی شمس الائمۃ الحلوانی وعزاہ فی القنیۃ الی الحلوانی والنسفی[2] ۔(ملخصًا)	قولہ "عوام کو منع نہ کیا جائے" بتلارہا ہے کہ استثناء "نہ روکنے کا" ہے نہ یہ کہ ہمارے نزدیک عدم صحت کا حکم نہیں ہے قولہ "جیسا کہ قنیہ میں ہے" صاحب مصفی نے اس کی نسبت امام حمید الدین کی طرف کی ہے اور انھوں نے اپنے شیخ امام محبوبی سے بیان کیا ہے اور اس کی نسبت شمس الائمہ حلوانی کی طرف کی ہے اور قنیہ میں اس کی نسبت حلوانی اور نسفی دونوں کی طرف کی ہے۔(ت)

ہاں جب سوال کیا جائے تو جواب میں وہی کہا جائے گا جو اپنا مذہب ہے وللہ الحمد یہ عوام کالانعام کے لئے ہے البتہ وہ عالم کہلانے والے کہ مذہب امام بلکہ مذہب جملہ ائمہ حنفیہ کو پس پشت ڈالتے تصحیحات جماہیر ائمہ ترجیح وفتوی کو پیٹھ دیتے اور ایک روایت نادرہ مرجوعہ عنہا غیر صحیح کی بناپر ان جہال کوردہ میں جمعہ قائم کرنے کا فتوی دیتے ہیں یہ ضرور مخالفتِ مذہب کے مرتکب اور ان جہلاء کے گناہ کے ذمہ دار ہیں نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲۸: از مدرسہ اسلامیہ امروہہ مرسلہ مولوی عبدالشکور صاحب ارکانی ۱۳ محرم ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی میں قریب تین چار سو مسلمان مرد مکلّف اور اُس کے

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۳

قریب قریب بھی اتنے مرد مقیم ہیں اُس بستی میں منصفی تھانہ ڈاک خانہ شفاخانہ بازار بھی ہیں اب یہ مصر ہے یا قریہ؟اس بستی والے پر جمعہ واجب ہے یا نہیں؟اگر واجب نہیں تو یہاں جمعہ ادا کرنے سے صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟ ہمارے ملک برہما کی آبادی میں کہیں کہیں تو مسلمان مرد مکلّف ہزار دوہزار تلک مقیم ہیں ایسی بستی کم ہے اور ادنٰی درجے میں بعض بستیوں میں دس بیس مرد مسلمان مکلّف مقیم ہیں البتہ جن بستیوں میں سو دوسو چار پانچ سو مرد مکلّف ہیں بہت ساری ہیں بعض بسیتوں میں سات آٹھ سو مکلّف مقیم ہیں، اب ان آبادیوں میں سے کوئی شہر کہلاسکتی ہے یا نہیں؟اور اگر سب کو گاؤں مانیں گے تو کوئی بڑے گاؤں میں بھی جمعہ اور عیدین فرض یا واجب ہے یا نہیں؟اور اگر واجب نہیں تو ان بستیوں میں سے کسی میں جمعہ ادا کرے تو صلوٰۃ ظہر ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟اگر آپ بڑے گاؤں میں جمعہ درست بتائیں تو ان بستیوں میں کون سی بستی بڑی کہلائے گی؟اس کی تشریح فرمادیں، جن آبادیوں میں کئی ایک حصے ہیں فقط زراعت وغیرہ کی میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر ایک دوسرے سے بسا ہے ہر ایک کا نام بھی آپس میں جداگانہ ہے مگر اطراف میں ایک ہی نام مشہور ہے اب کیا سب کو ملا کر ایک بڑی بستی ماننا پڑے گی یا ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے حتی الامکان جواب مفصل اور مدلّل سے ہم نابیناؤں کو ہدایت فرمائیں۔

الجواب:

فرضیت وصحت وجوازِ جمعہ سب کے لئے اسلامی شہر ہونا شرط ہے، جو جگہ بستی نہیں جیسے بَن سمندر یا پہاڑ، یا بستی ہے مگر شہر نہیں جیسے دیہات، یا شہر ہے مگر اسلامی نہیں جیسے روس فرانس کے بلاد، اُن میں جمعہ فرض ہے نہ صحیح نہ جائز بلکہ ممنوع وباطل وگناہ ہے اس کے پڑھنے سے فرض ظہر ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، شہر ہونے کے لئے یہ چاہئے کہ اس میں متعدد کوچے متعدد دائمی بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں کہ موضع فلاں فلاں وفلاں پرگنہ شہر فلاں اور اُس میں کوئی حاکم یا فیصلہ مقدمات کا اختیار من جانب سلطنت رکھتا ہو دونوں باتیں عادۃً متلازم ہیں سلطنت جسے پرگنہ قرار دیتی ہے ضرور اس میں کوئی حاکم لااقل منصف یا تحصیلدار رکھتی ہے اور جہاں سلطنت کوئی کچہری قائم کرتی ہے اسے ضرور ضلع یا کم از کم پرگنہ بتاتی ہے اور عادۃً پہلی دو باتیں بھی ان دو کو لازم ہیں، جو پرگنہ ہوتا ہے جہاں کچہری مقرر ہوتی ہے وہاں ضرور متعدد بازار متعدد کوچے ہوتے ہیں،

ولاعکس فقد تتعدد ولاحاکم ولا رساتیق فذکر الاولین لایغنی عن الاخیرین بخلاف الاخیرین ففیھما الکفایۃ ولذا انما بنی الامر علیھما فی اقرب الاقاویل الی الصواب۔	اس کا عکس نہیں (یعنی جہاں بازار ہوں وہاں کچہری کا ہونا ضروری نہیں) اور کبھی کوچے بازار متعدد ہوتے ہیں مگر حاکم اور متعلقہ دیہات نہیں ہوتے تو پہلے دو کاذکر آخری دو کے ذکر سے کفایت نہیں کرتا برخلاف آخری دونوں کا ذکر وہ کفایت کرتا ہے اسی لئے صحت کے قریب ترین قول میں معاملہ کی بنا ان دونوں پر کی گئی ہے۔(ت)

فتاوٰی غیاثیہ پھر غنیہ شرح منیہ میں ہے:

لوصلی الجمعة فی قریة بغیر مسجد جامع و القریة کبیرة لها قری وفیها وال حاکم جازت الجمعة بنواالمسجد اولم یبنوا و هوقول ابی القاسم الصفار وهذا اقرب الاقاویل الی الصواب[1] ۔	اگر جمعہ بغیر جامع مسجد کے قریہ میں پڑھ لیا حالانکہ وہ قریہ بڑا تھا اور اس کے ارد گرد متعدد دیہات تھے اور وہاں والی وحاکم بھی تھا تو جمعہ جائز ہے خواہ وہ مسجد بنائیں یا نہ بنائیں، شیخ ابوالقاسم الصفار کا یہی قول ہے اور یہ تمام اقوال میں سے صواب کے زیادہ قریب ہے۔ (ت)

غنیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

وهو لیس ببعید مماقبله والمسجد الجامع لیس بشرط[2] انتهی واراد بما قبله ما قدم عن تحفة الفقهاء للامام علاء الدین السمرقندی عن الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه انه بلدة کبیرة فیها سکك واسواق ولها رساتیق وفیها وال قال فی التحفة هذا هو الاصح[3] اھ وانما لم یکن بعیدامنه لما قدمنا ان السکك والا سواق تلزم عادة للامرین المذکورین کما قال فی الغنیة ایضا بعد نقل مافی التحفة ، الاان صاحب الهدایة ترك ذکر السکك والرسایتق بناء علی الغالب ان الامیر والقاضی شانه القدرة علی تنفیذ الاحکام واقامة الحدود ولایکون الا فی بلد	یہ قول اپنے ماقبل قول سے دور نہیں اور مسجد جامع ہونا جمعہ کے لئے شرط نہیں انتہی اور ماقبل قول سے وہی مراد ہے جو امام علاء الدین سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے لکھا کہ وہ مقام شہر ہے جو نہایت بڑا ہو، اس میں کوچے بازار ہوں اور اس سے متعلقہ دیہات ہوں اور اس میں کوئی والی ہو، تحفہ میں کہا یہی اصح ہے اھ اس قول کی ماقبل قول سے بعید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عادۃً کوچے اور بازار مذکورہ دونوں امور کو لازم ہوتے ہیں جیسا کہ غنیہ میں بھی قنیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد کہا البتہ صاحب ہدایہ نے کوچے اور دیہات کے ذکر کو ترک کردیا اس بناء پر کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ وہ امیر اور قاضی جو احکام کے نفاذ اور اقامتِ حدود کی شان

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[2] غنیۃ المستملی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۱
[3] غنیۃ المستملی فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۵۰

كذلك قال فالحاصل ان اصح الحدود ماذكر فی التحفة لصدقه علی مكة والمدینة وھما الاصل فی اعتبار المصریة[1] اھ	رکھتے ہیں وہ اسی طرح کے شہر میں ہی ہوتے ہیں پھر کہا اصح تعریف وہی ہے جو تحفہ میں ہے کیونکہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ میں سے ہر ایک پر صادق آرہی ہے اور وہ دونوں شہر کے حوالے سے اصل کا درجہ رکھتے ہیں اھ (ت)

اور شہر کے اسلامی ہونے کے لئے یہ ضرور ہے کہ یا تو فی الحال اُس میں سلطنت اسلام ہو خود مختار، جیسے **بحمد اللہ تعالٰی** سلطنت علیہ عالیہ عثمانیہ ودولت خداداد افغانستان حفظھما اللہ تعالٰی عن شرور الزمان یا کسی سلطنت کفر کی تابع جیسے اب چند روز سے سلطنت بخارا، **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل** (ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب سے بہتر کارساز ہے۔ت) اور اگر فی الحال نہ ہو تو دو باتیں ضرور ہیں: ایک یہ کہ پہلے اُس میں سلطنت اسلامی رہی ہو، دوسرے یہ کہ جب سے قبضہ کافر میں آئی شعارِ اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان واقامت وغیرہا کلاً یا بعضاً برابر اُس میں اب تک جاری رہی ہوں جہاں سلطنت اسلامی کبھی نہ تھی نہ اب ہے وہ اسلامی شہر نہیں ہوسکتے نہ وہاں جمعہ وعیدین جائز ہوں اگرچہ وہاں کے کافر سلاطین شعائر اسلامیہ کو نہ روکتے ہوں اگرچہ وہاں مساجد بکثرت ہوں اذان واقامت جماعت علی الاعلان ہوتی ہو اگرچہ عوام اپنے جہل کے باعث جمعہ و عیدین بلامزاحمت ادا کرتے ہوں جیسے کہ روس فرانس وجرمن وپرتگال وغیرہا اکثر بلکہ شاید کل سلطنت ہائے یورپ کا یہی حال ہے، یونہی اگر پہلے سلطنت اسلامی تھی پھر کافر نے غلبہ کیا اور شعائر کفر جاری کرکے تمام شعائر اسلام یکسر اٹھادئے تو اب وہ شہر بھی اسلامی نہ رہے اور جب تک پھر از سرنو ان میں سلطنت اسلامی نہ ہو وہاں جمعہ وعیدین جائز نہیں ہوسکتے اگرچہ کفار غلبہ یافتہ ممانعت کے بعد پھر بطور خود شعائر اسلام کی اجازت دے دیں خواہ اُن کافروں سے دوسرے کافر چھین کر اجرائے شعائر اسلام کردیں کہ کوئی غیر اسلامی شہر مجرد جریان شعائر اسلام سے اسلامی نہیں ہوجاتا، ہاں اگر اسلامی سلطنت کے کسی کافر صوبہ نے بغاوت کرکے کسی اسلامی شہر پر تسلط کیا اور شعائر اسلام بالکل اٹھادیئے مگر وہ صوبہ سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہے تو وہ شہر شہر اسلامی ہی رہے گا کہ اگرچہ کافر نے شعائر اسلام یکسر اٹھادئے مگر چار سمت سے سلطنت اسلامیہ میں محصور ہونے کے اُس کی یہ تاریک حالت محض عارضی ہے۔

وھذہ بحمدہ تعالٰی فوائد نفیسة سمح	بحمد اللہ تعالٰی یہ نہایت ہی قیمتی فوائد ہیں جیسے ہر صاحب فہم

[1] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ الجمعۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور، ص ۵۵۱

بها البراع لو استرسلنا فی الکلام علی دلیلها و تفاصیلها لخرجنا عن القصد مع ان اکثرها جلیلة عند من له اجالة نظر فی الکتب الفرعیة واجادة فکر فی الاصول الشرعیة فلنقتصر علی نقل بعض نصوص فقهیة۔	عزت کی نظر سے دیکھے گا اور اگر دلائل اور تفاصیل میں جائیں تو مقصود سے دور چلے جائیں گے۔علاوہ ازیں ان لوگوں پر آشکار ہیں جو کتب نفیسہ میں نظر اور اصول شرعیہ میں عمدہ فکر رکھتے ہیں ہم، یہاں چند مخصوص فقہیہ کے نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔(ت)

جامع الفصولین ومبسوط ومعراج الدرایہ وہندیہ وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

الحکم اذا ثبت بعلة فما بقی شیئ من العلة یبقی الحکم ببقائه فلما صارت بلدة دارالاسلام باجراء احکامه فما بقی شیئ من احکام و اثاره تبقی دارالاسلام وکل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم واماطاعة الکفرة فهی موادعة ومخادعة واما فی بلاد علیها ولادة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد[1] الخ	جب کوئی حکم کسی علت کی بناء پر ہو تو جب تک علت رہتی ہے حکم بھی باقی رہے گا تو جب کوئی شہر احکام اسلامی کے اجراء سے دارالاسلام بن گیا تو جب تک احکام وآثار میں سے کچھ نہ کچھ باقی ہوگا وہ شہر دارالاسلام ہی رہے گا اور ہر وہ شہر جس میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہو وہاں جمعہ اور عیدین کا قیام، خراج لینا، قضاکے نفاذ اور بیوگان کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ وہاں مسلمان غالب ہیں لیکن کفار کی طاعت غلط اور دھوکا ہے وہ نشہر جہاں کفار والی ہیں وہاں جمعہ اور عیدوں کا قیام مسلمانوں کے لئے جائز ہے الخ (ت)

شرح نقایہ میں کافی سے ہے:

دارالاسلام مایجری فیه حکم امام المسلمین[2]۔	دارالاسلام وہ ہوتا ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو۔(ت)

فصول عمادی میں ہے:

ان دارالاسلام لا تصیر دارالحرب اذابقی شیئ من احکام الاسلام وان زال	جب احکام اسلامی کچھ نہ کچھ باقی ہوں دارالاسلام دارالحرب نہیں بن سکتا اگرچہ اہل اسلام کا وہاں

---

[1] جامع الفصولین، فصل فی القضا، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

[2] شرح نقایہ المعروف جامع الرموز کتاب الجہاد مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، ایران ۴/ ۵۵۶

غلبۃ اھل الاسلام[1]۔	غلبہ حاصل نہ رہے۔(ت)

اسی طرح کتب کثیرہ سے مستفاد ہے:

وبالجملة یشترط لدار الاسلام ابتداء اعنی صیرورة دار الحرب دار الاسلام جریان حکم سلطان الاسلام فیھا وبقاء مجرد ظھور شعائر الاسلام ولو بعضا وان لم یبق الحکم والاسلطان واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔	الغرض دارالاسلام ابتداءً بننے کے لئے یہ شرط ہے یعنی دارالحرب کا دارالاسلام بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہاں سلطان اسلام کا حکم جاری ہو اور دارالاسلام کو باقی رہنے کے لئے شعائر اسلامی کا باقی رہنا ضروری ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ وہاں حکم اور سلطان باقی نہ ہوں اور اللہ تعالٰی ہی مددگار ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔(ت)

درر وغرر میں ہے:

تصیر دارالاسلامی دارالحرب باجراء احکام الشرك واتصال بدارالحرب بحیث لایکون بینھما مصر للمسلمین[2] الخ	دارالاسلام اس وقت دارالحرب بن جاتا ہے جب وہاں احکام شرک جاری ہوجائیں اور اس کا اتصال کسی دارالحرب سے ایسا ہو کہ ان کے درمیان مسلمانوں کا کوئی شہر نہ ہو۔(ت)

درمنتقی میں ہے: البحر المالح ملحق بدارالحرب[3] (نمکین سمندر دارالحرب کا حکم رکھتا ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

یلحق بھا البحر الملح ونحوہ کمفارة لیس ورائھا بلاد اسلام نقله بعضھم عن الحمو وفی حاشیة ابی السعود عن شرح النظم الھاملی سطح البحر له حکم دارالحرب۔[4]	نمکین سمندر دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے، اور ہر وہ جنگل بھی جس سے آگے مسلمانوں کا شہر نہ ہو، یہ بات بعض نے حموی کے حوالے سے نقل کی ہے اور حاشیہ ابی سعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطح سمندر کا حکم دارالحرب کا ہے۔(ت)

---

[1] فصول عمادی

[2] درر الحکام فی شرح غرر الحکام باب المستامن مطبوعہ مطبعۃ کامل الکاملیہ فی دار سعادت مصر ۱/ ۲۹۵

[3] درمنتقی علی ہامش مجمع الانہر فصل فی مایبقی من احکام المستامن مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۵۹

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب استیلاء الکفار۔الخ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت ۶/ ۲۵۵

اس تحقیق سے تمام صورِ مستفسرہ کا حکم واضح ہوگیا جو آبادیاں پرگنہ ہے اور اُن میں کوئی کچہری ہے (نہ فقط تھانہ یا ڈاک خانہ یا شفا خانہ فصلِ مقدمات کے لئے نہیں ہوتے) اور وہاں سلطنت اسلام ہے یا پہلے تھی اور جب سے غیر مسلم کا قبضہ ہو بعض شعائر اسلام بلامزاحمت اب تک جاری ہیں جیسے تمام بلاد ہندوستان وبنگالہ ایسے ہی ہیں وہ سب اسلامی شہر ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اور جو آبادی پرگنہ ہیں اُس میں کوئی کچہری نہیں یا کچہریاں ہیں پرگنہ ہے مگر اُس میں سلطنت کبھی نہ ہوئی یا تھی مگر اس کے بعد کفار نے شعائر اسلام یکسر بند کردئے گو بعد کو پھر اجازت بھی دے دی ہو، وہ سب یا گاؤں ہیں غیر اسلامی شہر، اُن میں جمعہ وعیدین جائز نہیں، پڑھنے سے گناہ ہوگا اور جمعہ سے ظہر کا فرض ساقط نہ ہوگا، اب فقط یہ سوال رہا کہ ایک آدمی کے چند حصے ہیں اور اُن میں باہم بوجہ زراعت فاصلہ ہے آیا وہ ایک ہی آبادی متصور ہوگی یا متعدد؟ ظاہراً اس سوال سے سائل کا مقصود مردم شماری کا لحاظ ہے کہ ان سب کے ساکنین ملا کر اُس بستی کی مردم شماری سمجھی جائے گی یا جُدا جُدا؟ جیسا کہ تمام سوال میں اس نے تعداد ساکنان کا ذکر کیا ہے، مگر تحقیق جواب سے واضح ہوگیا کہ مردم شماری وتعداد سکان پر اصلاً نظر نہیں، جو بستی پرگنہ نہیں اُس میں فیصلہ مقدمات کا کوئی حاکم نہیں مطلقاً گاؤں ہے اس کی مردم شماری کسی قدر ہو، اور جو پرگنہ ہے اس میں کچہری مقرر ہے وہ شہر ہے اگرچہ مردم شماری میں کم ہو، ہاں جو آبادی شرعاً شہر قرار پائے اور اس میں جمعہ فرض صحیح ٹھہرے اور اس کے گرد اور آبادیاں میل ڈیڑھ میل کی مسافت پر واقع ہوں بیچ میں زراعت ہوتی ہوں وہاں ایک یہ سوال متوجہ ہوتا ہے کہ اُن ساکنانِ حوالی پر بھی جمعہ فرض، اور ان مواضع میں اس کی ادا صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا جواب قولِ محقق پر یہ ہے کہ شہر کے گردا گرد جہاں تک کوئی موضع مصالح شہر کے لئے معین کیا گیا ہو مثلاً کیمپ یا عیدگاہ یا شہر کا قبرستان، وہاں وہ سب فنائے مصر ہے اس میں جمعہ صحیح اور اس کے اہل پر جمعہ فرض اگرچہ بیچ میں زراعت کا فاصلہ ہو اور اگر مصالح شہر سے اسے تعلق نہیں اور بیچ میں فصل ہے تو وہ توابع شہر سے نہیں نہ اُس میں جمعہ صحیح نہ اُس کے ساکنوں پر فرض۔ ردالمحتار میں ہے:

قدنص الائمة علی ان الفناء ماأعد لدفن الموتٰی وحوائج المصر کرکض الخیل والدواب وجمع العساکر والخروج للرمی وغیر ذلك، وبه ظهر صحتها فی تکیة السلطان سلیم بمرجة دمشق وکذافی مسجده بصالحیة دمشق فانها من فناء دمشق وان انفصلت عن	ائمہ نے تصریح کی ہے کہ فناء سے مراد وہ جگہ ہے جو اموات کی تدفین اور رشہری ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً گھوڑے اور چارپایوں کے دوڑانے کی جگہ لشکر گاہ اور نشانہ بازی سیکھنے کے لئے جگہ وغیرہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مقام مرجہ دمشق میں سلطان سلیم کے تکیہ میں جمعہ صحیح ہے اس طرح مقام صالحیہ دمشق پر ان کی مسجد میں بھی کیونکہ وہ فنائے دمشق ہے اگرچہ

دمشق بمزارع [1] اھ مختصرا	دمشق سے کاشتی زمینوں کی وجہ سے الگ ہے۔اھ مختصراً (ت)

نیز دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ بستی شہر ہو یا نہ ہو جب اُس کا ساکن تین منزلہ کے ارادے سے سفر کو چلا تو آیا جب اپنی خاص آبادی سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ٹھہرائے گا اور قصر کرے گا اگرچہ وہ دوسری آبادیاں ہنوز راہ میں آنے والی ہوں یا جب ان سب ابادیوں سے نکل جائے گا اس وقت سے مسافر ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب بیچ میں فاصلہ ہے زراعتیں ہوتی ہیں توان سے گزر جانے کا لحاظ نہ ہوگا اگرچہ وہ مصالح شہر ہی کے لئے مقرر کی گئی ہوں، جب اپنی آبادی سے نکل جائے گا مسافر ہوجائے گا، ہاں جہاں تک آبادی متصل چلی گئی ہو وہ موضع واحد ہے اس سے تجاوز ضرور ہوگا، دالمحتار میں ہے:

امام الفناء وھوالمکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتی والقاء التراب فان اتصل بالمصرا اعتبر مجاوزته وان انفصل بغلوة اومزرعة مجاوزته وان انفصل بغلوة اومزرعة فلا کما یاتی بخلاف الجمعة فتصح اقامتها فی الفناء ولو منفصلا بمزارع [2] ۔	فناء وہ جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو مثلاً چوپایوں کے دوڑنے، اموات کی تدفین اور مٹی وغیرہ پھینکنے کے لئے ہو اگر شہر کے ساتھ متصل ہو، تو پھر مسافر کا اسی سے گزر جانا معتبر ہے اور اگر بمقدار غلوۃ(تیر مارنے کا انتہائی فاصلہ) یا مزرعہ (کھیت) جدا ہے تواس کا گزرنا ضروری نہیں جیسا کہ آرہا ہے۔بخلاف جمعہ کے اس کا قیام فناء میں جائز ہوتا ہے خواہ وہ مزارع کی مقدار جدا ہو۔(ت)

نیز تیسرا سوال یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں آبادی میں نہ رہوں گا پھر اپنی خاص آبادی جس میں رہتا تھا چھوڑ کر گرد کی کسی آبادی میں سکونت اختیار کی تو آیا قسم سچی ہوئی یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب اُن آبادیوں کے خاص خاص نام جدا ہیں اور سب ملاکر ایک جدا نام سے تعبیر کی جاتی ہیں تو اگر اس نے وہ نام لے کر قسم کھائی جو خاص اس کی آبادی کا تھا اور اُسے چھوڑ کر دوسری آبادی میں جارہا جس پر وہ نام اطلاق نہیں کیا جاتا اور اس کا ساکن عرف میں اُس آبادی کا ساکن نہیں ٹھہرتا تو قسم پُوری ہوئی اور اگر وہ نام لیا تھا جس میں یہ سب داخل ہیں جس ابادی میں اب آیا وہ اسی پہلی آبادی کا حصہ سمجھی جاتی ہے اور اس کے ساکن کو اُسی کا ساکن تصور کیا جاتا ہے تو قسم پوری نہ ہوئی کفارہ دے۔

وذلك لان مبنی الایمان علی المعنی المتفاھم فی العرف فعلیه یدار الحکم ۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم ۔	یہ اس لئے ہے کہ اقسام کا مدار اس معنی پر ہوتا ہے جو عرفی ہو لہٰذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۱

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ المسافر ۱/ ۵۷۸

مسئلہ ۱۳۲۹ : از گوالیار ضلع مند سور قصبہ جادو مرسلہ عبد الملک خاں ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۲۳ھ

کیا حکم ہے شرع شریف کا اس مسئلہ میں کہ جادو ایک قصبہ ہے جہاں تین مسجدیں اباد ایک ہی محلّہ میں قریب قریب واقع ہیں جمعہ کے روز ہر مسجد والے اپنی اپنی مسجد میں مانند صلوٰۃ خمسہ کے جمعہ پڑھا کرتے ہیں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ اس طرح جمعہ پڑھنا صحیح نہیں کیونکہ جمعہ کی شرائط سے حضور سلطان ہے یا نائب یا ماذون باقامۃ جمعہ تو یہ شرط یہاں پر مفقود ہے اور ایسے مقام پر مسلمانوں کو چاہئے کہ ایک شخص کو اپنا قاضی و سردار بنا کر اس کے پیچھے جمعہ پڑھا کریں، دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت کے واسطے سلطان یا اس کے نائب مامور کا ہونا شرط نہیں، اگر ان سے ایک بھی نہ ہو تو بھی جمعہ صحیح ہے اور مسلمانوں کو قاضی بنانا اور اُس کے پیچھے نماز پڑھنے کی کچھ ضرورت نہیں اسی طرح اپنی اپنی مسجدوں میں بھی جمعہ پڑھنا کچھ حرج نہیں بلکہ ایک جگہ جمع ہونے میں حرج ہے امیدوار قولِ فیصل ہوں، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع ادائے جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا نائب یا ماذون یا ماذون الماذون **وھلم جرا** (اسی طرح اگے چلے چلو۔ت) کا اقامت کرنا باتفاق ائمہ حنفیّہ شرط ہے **کتب المذھب طافحۃ بذلك** (کتب مذہب اس سے مامور ہیں۔ت) مگر یہ ان شرائط سے ہے کہ محلِ ضرورت میں بخلفیت بدل ساقط ہو جاتی ہیں جیسے صحت نماز کے لئے وضو شرط ہے اور پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمّم اس کا خلیفہ وبدل ہے اور اس سے واضح تر استقبالِ خطبہ ہے کہ قطعًا شرط ہے اور بحال تعذر جہت تحری اس کی نائب، یوں ہی اقامت سلطان بمعنی مذکور ضرور شرط جمعہ ہے اور یہاں بوجہ تعین مسلمین قائم مقام تعین سلطان ہے تو اسے شرط نہ کہنا بھی غلط اور اس کے نہ ہونے کے سبب یہاں جمعہ صحیح نہ ماننا اس سے زیادہ باطل وغلط اور مذہب صحیح و معتمد و مفتی بہ میں تعددِ جمعہ مطلقًا جائز ہے۔ کما نص فی غیر ماکتاب **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۳۳۰: از پیلی بھیت مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امامت پنجگانہ وامامت جمعہ وعیدین کا ایک ہی حکم ہے کیا؟ فقط

الجواب:

جمعہ وعیدین وکسوف امامت نماز پنجگانہ سے بہت تنگ تر ہے، پنجگانہ میں ہر شخص صحیح الایمان صحیح القرائۃ صحیح الطہارۃ مرد عاقل بالغ غیر معذور امامت کر سکتا ہے یعنی اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی

اگرچہ بوجہ فسق وغیرہ مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہو **تجوز الصلوٰۃ خلف کل بر وفاجر** (ہر نیک وبد کے پیچھے نماز جائز ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں مگر جمعہ وعیدین وکسوف میں کوئی امامت نہیں کرسکتا اگرچہ حافظ قاری متقی وغیرہ وغیرہ فضائل کا جامع ہو مگر وہ جو بحکم شرع عام مسلمانوں کا خود امام ہو کہ بالعموم ان پر استحقاقِ امامت رکھتا ہو یا ایسے امام کا ماذون ومقرر کردہ ہو اور یہ استحقاق علی الترتیب صرف تین طور پر ثابت ہوتا ہے:

اوّلاً: وہ سلطانِ اسلام ہو۔

ثانیاً: جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں یہ امامتِ عامہ اس شہر کے اعلم علمائے دین کو ہے۔

ثالثاً: جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بمجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں، بغیر ان صورتوں کے جو شخص نہ خود ایسا امام نہ ایسے امام کا نائب وماذون ومقرر کردہ اس کی امامت ان نمازوں میں اصلاً صحیح نہیں، اگر امامت کرے گا نماز باطل محض ہوگی، جمعہ کا فرض سر پر رہ جائے گا، ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اُس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو نماز کے مثل مسلمانوں کے کاموں میں ان کا امام عام ہے اور بحکم قرآن اُن پر اس کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل فرض ہے جمعہ وعیدین وکسوف کی امامت وہ خود کرے یا جسے مناسب جانے مقرر کرے، اُس کے خلاف پر عوام بطورِ خود اگر کسی کو امام بنالیں گے صحیح نہ ہوگا کہ عوام کا تقرر بمجبوری اُس حالت میں روا رکھا گیا ہے جب امام عام موجود نہ ہو اُس کے ہوتے ہوئے ان کی اقرار داد کوئی چیز نہیں، تنویر الابصار ودر مختار باب الجمعہ میں ہے:

یشترط لصحتها سبعة اشیاء الاول المصر وفناء والثانی السلطان اوماموره باقامتها[1]۔	صحتِ جمعہ کے لئے سات چیزیں شرط ہیں: ایک یہ شہر اور فناء شہر، دوسری سلطان یا اقامت جمعہ پر اس کی طرف سے کوئی مامور ہو (ت)

فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۴۰ میں ہے:

اذاخلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر	جب کامل سلطان سے زمانہ خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر لازم ہے کہ وہ علماء کی طرف رجوع کرے اور اس وقت علماء ہی والی ہوجائیں گے اور جب ان کا کسی معاملہ پر

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۹

باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمهم فان استووا اقرع بینهم ۔[1]	جمع ہونا مشکل ہوجائے تو ہر علاقہ کے لوگ اپنی طرف کے علماء کی اتباع کرلیں، اور اگر اس علاقہ میں علماء زیادہ ہوں تو ان میں زیادہ علم والے کی اتباع کریں اور اگر وہ برابر ہوں تو قرعہ ڈال لیا جائے (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ[2] ۔	اللہ کی اطاعت کرو، رسول اللہ کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں، (ت)

ائمہ دین فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ آیہ کریمہ میں اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں نص علیه العلامة الزرقانی فی شرح المواھب وغیرہ فی غیرہ (علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اور دیگر علماء نے اپنی کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

نصب العامة الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمهم فیجوز للضرورة[3] ۔	مذکورہ لوگ (سلطان وغیرہ) ہوں تو لوگوں کا خطیب کو مقرر کرنا درست نہ ہوگا اور ان کی عدم موجودگی میں ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں وردالمحتار میں ہے:

خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز الا ان یکون الامام امرہ بذالک[4] ۔واللہ تعالٰی اعلم	اگر کسی نے امام کی اجازت کے بغیر خطبہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب امام نے اسے اجازت دی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۳۱: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سررشتہ دار تاریخ ۱۸ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ گاؤں میں درست ہے یا نہیں؟

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلثۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] القرآن ۴/۵۹

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۴

الجواب:

جمعہ وعیدین دیہات میں ناجائز ہیں اور ان کا پڑھنا گناہ، مگر جاہل عوام اگر پڑھتے ہوں تو ان کو منع کرنے کی ضرورت نہیں کہ عوام جس طرح اللہ و رسول کا نام لے لیں غنیمت کمافی البحر الرائق والدر المختار میں والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا (جیسا کہ بحر الرائق، در مختار اور حدیقہ ندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳۲تا۱۳۳۳: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۲ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ جمعہ واعیاد کا سوائے زبان عربی خواہ فارسی ہو یا دیگر زبان ہو پڑھنے کی نسبت جناب مفتی سعداللہ صاحب مرحوم اپنے فتاوی سعدیہ میں فرماتے ہیں:

نزد امام ابو حنیفہ جائز و مکروہ بکراہت تنزیہی است۔	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ جائز مگر مکروہ تنزیہی ہے۔(ت)

اور اسی جواب میں اختتام عبارت میں ہے:

اگر کسے خطبہ بقدر واجب کہ نزد صاحبین بقدر تشہد است بعربی ادا کردہ باشد خواندن ماورایش در فارسی وغیر آں نزد ایشان مضائقہ ندارد کمافی منح الغفار شرح تنویر الابصار۔	اگر کوئی شخص خطبہ بمقدار واجب جو صاحبین کے نزدیک تشہد کی مقدار عربی میں پڑھ لے اور اس کے علاوہ خطبہ کسی اور زبان میں پڑھ لے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جیسا کہ منح الغفار شرح تنویر الابصار میں ہے۔(ت)

جناب مولوی عبدالحہ صاحب اپنے مجموعہ فتاوی کے جلد دوم میں بہت شد و مد کے ساتھ خطبہ کو عربی زبان عربی میں سنت مؤکدہ اور غیر زبان میں پڑھنے کو مکروہ تریمی وبدعت ضالہ تحریر فرماتے ہیں، مگر اُسی فتاوٰی کے جلد سوم میں مکروہِ تنزیہی تحریر فرماتے ہیں، لہذا جو خطبہ کُلًا غیر زبان میں ہو یا بعضًا مخلوط بزبان عربی وزبانِ دیگر میں ہو پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور بدعت ضالہ یا مکروہِ تنزیہی یا جائز بلاکراہت، جو حکم ہو اس سے ہدایت فرمائی جائے، **بینوا توجروا**

(۲) خطبہ جمعہ مصنفہ حضرت مخدوم سعد الدین عرف مخدوم شیخ سعد قدس سرہ، خیر ابادی خلیفہ حضرت مخدوم شاہ مینا لکھنوی قدس سرہ اللہ العزیز جو منسلکہ ہذا ہے منجملہ عبارت خطبہ مذکور کے:

چوں گفتہ حضرت محمد مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

بارخدا اگر گلیم برسرکشم کوئی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُۙ(۱) قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاۙ(۲) نِّصْفَهٗۤ واگر بیروں آرم گوئی واهجرهم هجرا جمیلا، مراچہ باید کرد فرمان آمد اے توراحت می طلبی وما ازتو سرگردانی میخواہم تو میخواہی کہ بامن حساب حسنات بسربری بوگوشہ نشینی ومامی خواہم کہ مرا باتو وترا بامن صدہزار گونہ حساب بود تو کیستی کہ خاص جمع میخواہی حکم برانبیاہائے اولین کردیم بپریشانی، اگرشادت بینم گویم اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَرِحِیْنَ(۷۶) [1] واگر دل تنگت بینم گویم وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَۙ(۹۷) [2] زہے مسرگردانی کہ مشتِ خاک راست کیست کہ دریں، ماتم ومصیت وقوف دارد فریاد داز محمد برخاست یالیت رب محمد لم یخلق محمدا وفریاد عاشقاں بریں نوع ست اے کاش نزادے پسرے مادر عالم ÷ خودنہ بدی نام ونشان پدرمن ÷ عاقبت ایں دینائے مکارہ وغدارہ پابستہ نداری کہ سلطانِ مرسلاں ایں معاملہ بودہ است۔	بارگاہ خداوندی میں عرض کیا اے اللہ ! اگر میں کملی سر پر لیتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں "اے چادر اوڑھنے والے رات کو تھوڑا قیام کر نصف رات" اگر میں باہر آتا ہوں تو آپ فرماتے ہیں، "ان کو احسن طریقے سے چھوڑدے" مجھے کیا کرنا چاہئے ؟ اللہ تعالٰی کی طرف سے ارشاد ہوا کہ اے محمد ! آپ راحت کے طلبگار ہیں اور ہم آپ سے محنت وپریشانی چاہتے ہیں، آپ جانتے ہیں کہ میری نیکیوں کا حساب ہو اور گوشہ نشین رہوں، اور ہم چاہتے ہیں کہ ہم تیرے ساتھ اور آپ میرے ساتھ سوہزار قسم کا حساب رکھیں، آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا اگر میں تجھے خوش دیکھوں گا تو کہوں گا "یقینا اللہ تعالٰی خوش ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا" اور اگر تیرے دل کو تنگ پاؤں تو کہوں گا "ہم جانتے ہیں اس بات کو کہ آپ کا سینہ ان کی باتوں سے تنگ ہے" وہ پریشانی کتنی اچھی ہے جو مشت خاک کو حاصل ہوئی ہے کون ہے جو اس معاملہ میں ماتم مصیبت کا اظہار کرے، محمد کی طرف سے یہ فریاد ہوئی اے رب محمد ! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا، عشاق کی فریاد اسی طرح کی ہوتی ہے، کاش اس کائنات میں کوئی ماں بیٹا ہی نہ جنتی، یا خود، میرے باپ کا نام ونشان تک نہ ہوتا، اس مکار و غدار دنیا کے پاؤں تو نہیں باندھ سکتا جبکہ رسولوں کے سربراہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ معاملہ تھا۔ (ت)

اس عبارت پر ایک صاحب کو جو بنظر حالت زمانہ حال ذی علم خیال کئے جاتے ہیں یہ اعتراض ہے کہ اس عبارت میں اہانت وبے حرمتی حضرت نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہے جو باعثِ تکفیر قاری وسامعین خطبہ ہے کیونکہ اس مضمون کا استنباط نہ کیسی آیتِ قرآنی سے ہے نہ کسی حدیث سے، یہ اعتراض معترض کا صحیح ہے یا غلط؟ اور اگر غلط ہے تو معترض کے اعتراض کا کیا جواب ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن ۲۸/۷۶

[2] القرآن ۱۵/۹۷

الجواب:

خطبہ میں غیر عربی زبان کا خلط کرنا ضرور مکروہ تنزیہی وخلافِ سنت رسول متوارثہ ہے اور بالکل خطبہ غیر عربی زبان میں ہونا اور زیادہ مکروہ کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر اسے مکروہ تحریمی وبدعت ضلالت کہنا محض غلط وباطل وبے دلیل ہے واللہ تعالٰی اعلم

(۲) یہ خطبہ پڑھنا حرام اور محض بدخواہی عوام الاسلام ہے، یہ مخاطبہ ہائلہ کہ اس میں مذکور ہوا اصلا کسی آیت یا حدیث یا اثر یا کسی کتاب معتمد معتبر میں اس کا پتانہیں، نہ حضرت سید نا مخدوم شیخ سعد بدھن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے. بروجہ صحیح اس کا ثابت ہونا معلوم اگر ایسی ہی حکایت بے سروپا ہے جب تو اس کا واجب الرد ہونا خود ظاہر، اور اگر خطائے نساخ نہ ہو تو اس کی بے ربطی عبارت خود اس کے بطلان نسبت پر دلیل زاہر مثلاً صدر خطبہ میں افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام ومن تاب توبۃ نصوحا من التابعین (کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ تعالٰی اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور وہ شخص جس نے خالص توبہ کرلی وہ تابعی ہے۔ت) خطبہ ثانیہ میں نشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ خصوصا علی افضل الصحابۃ وافضلھم بالتحقیق (ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں خصوصا صحابہ سے افضل اور بالیقین ان سے صاحبِ فضیلت پر ۔ت) پھر اصل مقصود خطبہ کہ لوگوں کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہے یعنی اعمال صالحہ کی ترغیب دینا، معاصی سے روکنا، یہ خطبہ اس سے اصلاً بحث نہیں رکھتا بلکہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، جب ہر جمعہ جاہل لوگ سنیں گے کہ اللہ عزوجل فرماچکا ہے کہ ہر کہ گواہی دہد مرابوحدانیت ومرترابرسالت درآید بہ بہشت. برہر کاریکہ اوباشد (جو میری وحدانیت اور آپ کی رسالت کی گواہی دے دے وہ جنت میں داخل ہوگا اسکے عمل جیسے بھی ہوں) اس کا کیسا برا اثر ان پر پڑے گا وہ سمجھ لیں گے کہ بس کلمہ پڑھ لینا کافی ہے اعمال فضول ومہمل ہیں، پھر عوام کے سامنے یہ تین مصلحات خاصہ صوفیائے کرام مثل قمار بازی وقلندری وچاک دامنی وعیاری کا تذکرہ کس قدر خلاف مقاصد خطبہ ہے اور ان سب سے بدتر اور کروروں درجہ بدتر وہ تذکرہ کہ مصطفٰی سید المرسلین اکرم الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خطاب ہو تو کیستی کہ خاطر جمع می خواہی حکم برانبیائے اولین کہ دیم بہ پریشانی (آپ کون ہیں جو دل کا اطمینان چاہتے ہیں ہم نے تو سابقہ انبیاء کو پریشانی کا حکم دیا۔ت) اس سے صاف صاف انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم کی معاذ اللہ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضیلت ٹپکتی ہے، ایسے محاورات میں اعلٰی ہی سے استشہاد کیا کرتے ہیں، مثلاً کسی امیر سے کہیں تیری کیا حقیقت ہے سلاطین تو اس سے محفوظ نہ رہے، اور اگر تنزل بھی کیجئے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اگلے انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے افضل نہ ہونا تو اس کا صاف کہنا ہے یہ کیا گمراہی نہیں، پھر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف راحت کی نسبت، اور وہ بھی

یوں مرضیِ الٰہی کے خلاف ، اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس فریاد کا انتساب کہ یالیت رب محمد لم یخلق محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اے ربِ محمد ! کاش محمد کو پیدا ہی نہ کرتا ل، ت) جہاں کی نگاہ سے معاذ اللہ سقوط عظمت کا باعث ہوگا اور عیاذًا باللہ یہ عقیدہ ہو تو ایمان ہی گیا کہ ایمان تو صرف ان کی تعظیم و محبت کا نام ہے۔

قال اللہ تعالٰی لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ، اور ان کی خوب تعظیم و توقیر کرو ۔ (ت)

غرض کسی طرح گمان نہیں کیا جاتا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ الکریم نے یہ خطبہ تصنیف فرمایا ہو اور اگر بالفرض حضرت ممدوح سے اس کا ثبوت صحیح بروجہ معتمد ہو کہ حضرت نے یہ مخاطبہ کہیں ذکر فرمایا تو اب نظر اس میں ہوگی کہ آیا برسبیل نقل وحکایۃ ہے یا بربنائے کشف والہام ، برتقدیر اول جبکہ مدار روایت پر رہا تو مسئلہ علوم ظاہرہ کے دائرہ میں آگیا صحتِ سند درکار ہوگی اور کسی ولی معتمد کا کوئی نامعتمد حکایت کسی سے نقل فرمانا اس کی روایت کو صحیح وواجب الاعتماد نہ کردے گا ،

وھذا مااعتذ روابہ عن الامام محمد الغزالی قدس سرہ العالی فی ایرادہ الاحادیث الواھیۃ فی الاحیاء مع جلالۃ قدرہ فی العلوم الظاھرۃ الباطنۃ ۔	یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ اہل علم نے امام محمد غزالی کی طرف سے اس بات پر عذر کے طور پر پیش کیا جو انھوں نے باوجود علوم ظاہری وباطنی میں عظیم ماہر ہونے کے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں احادیث موضوعہ ذکر کی ہیں ۔ (ت)

مولٰی بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہ ، فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں :

(قیل کثیرا مایوجد عدول فی غیر الائمۃ علم من عادتھم انھم لایروون الاعن عدل) فارسالھم ایضا یقتضی تعدیل من رووا عنھم فیکون حجۃ کارسال الائمۃ فلا فوق اقول لانسلم وجود العدول بالصفۃ المذکورۃ فی غیر الائمہ ، بل العدول من غیرھم لایبالون عمن أخذوا و رووا ألاتری) ان الشیخ علاء الدولۃ السمنانی قدس سرہ	(کہا گیا ہے کہ غیر ائمہ میں جو اکثر عادل پائے جاتے تو ان کے معمول سے معلوم ہے کہ وہ کسی عادل ہی سے روایت کرتے ہیں) لہٰذا ان کا ارسال بھی اس کا مقتضی ہے کہ جن سے انھوں نے روایت کی ہے وہ عادل ہیں لہٰذا ان کی روایت مرسلہ ، ائمہ کے ارسال کی طرح ہی حجت ہوگی اور ان میں کوئی فرق نہ ہوگا (اقول) ہم غیر ائمہ میں صفت مذکورہ کے ساتھ عدل تسلیم نہیں کرسکتے بلکہ غیر ائمہ میں جو عادل ہیں وہ اس بات کی پرواہ نہیں

---

[1] القرآن ۹/۴۸

کیف اعتمد علی الرتن الھندی وأی رجل یکون مثلہ فی العدالۃ (ولو سلم فذلك بزعمھم وکثیرامایخطؤن) فیظنون غیر العدل عدلا[1] (ملخصًا)	کرتے کہ وہ کس سے روایت لے رہے ہیں، کیاآپ نے نہیں دیکھا کہ شیخ علاؤالدولہ سمنانی قدس سرہ نے رتن ہندی پر کیسے اعتماد کرلیا، حالانکہ ان کی مثل عدالت میں کون ہے؟ (اور اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو یہ ان کے زعم کے مطابق ہے حالانکہ عام طور پر وہ خطا کرتے ہیں) پس وہ غیر عادل گمان کرلیتے ہیں (ملخصا) (ت)

مخاطبہ ذکر فرمایا بحمد اللہ ہم غلامانِ بارگاہِ اولیاء ان میں نہیں کہ کشف والہام باطل یا نا معتبر ٹھہرائیں احتمال خطا کشف مبتدین واوساط میں ہوتا ہے اکابر واصلین نفعنا اللہ تعالٰی ببر کاتہم فی الدنیا والآخرۃ والدین کا کشفِ متین والہام مبین حق و صحیح ہوتا ہے، مولٰی بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہ، فواتح میں فرماتے ہیں:

ان تاملت فی مقامات الاولیاء وموجیدھم واذوا قھم کمقامات الشیخ محی الدین وقطب الوقت السیدمحی الملۃ والدین الیسد عبدالقادر الجیلانی الذی قدمہ علی رکا ب کل ولی والشیخ سھل بن عبداللہ التستری والشیخ ابن مدین المغربی و الشیخ ابی یزید البسطامی وسید الطائفۃ جنید البغدادی والشیخ ابی بکر الشبلی والشیخ عبداللہ الانصاری والشیخ احمد التامقی الجامی وغیرھم قدس اسرارھم علمت ان ما یلھمون بہ لا یتطرق الیہ احتمال وشبھۃ بل ھوحق حق حق مطابق لما فی نفس الا مرویکون مع علی خلق علم ضروری انہ من اللہ تعالٰی لکن لاینالون	اگر آپ اولیاء کے مقامات، وجدان اور اذواق میں غور وفکر کریں مثلاً مقاماتِ شیخ محی الدین، قطب وقت السید محی الملۃ والدین السید عبدالقادر جیلانی جن کا مبارک قدم ہر ولی کی گردن پر ہے، شیخ سہل بن عبداللہ تستری، شیخ ابومدین المغربی، شیخ ابویزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابوبکر شبلی، شیخ عبداللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی وغیرہ تو آپ بالیقین جان لیں گے کہ جو کچھ انھیں الہام کیا جاتا ہے اس میں کسی قسم کا احتمال وشبہ راہ نہیں پاسکتا بلکہ وہ حق حق حق اور نفس الامر کے مطابق ہوتا ہے، اور اس میں انھیں اس بات کا بھی علم یقینی ہوتا کہ یہ اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور وہ یہ علمی مقام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مدد وتائید سے پاتے ہیں بغیر واسطہ اور وسیلہ کے

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی، مسئلہ فی الکلام علی المرسل مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/ ۱۷۵

ھذا لوعاء من العلم الابالمدد المحمدی و تأییدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا بالذات من غیر وسیلۃ اصلا [1] الٰی اٰخرما افادو اجاد علیہ رحمۃ الملک الجواد۔	نہیں پاتے الٰی آخرہٖ جیسا کہ انھوں نے خوب بیان کیا اور ان پر مالک وجواد اللہ کی رحمت ہو۔(ت)

اب یہ مخاطبہ ان مقامات رازونیاز سے ہوگا مولٰی وعبد ومحبوب میں ہوتے ہیں جن میں دوسرے کو دخل دینا حرام، انھیں نقل مجلس بنانا حرام بلکہ بحال فسادنیت کفر صریح بلاکلام، بھلا یہ تو ایک مخاطبۂ کشفیہ ہوگا، امیر المؤمنین ایک شخص کو کہ سورہ عبس شریف کی تلاوت بکثرت کرتا زجر شدید فرمایا، امام ابن الحاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

قدقال علمائنا رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم ان من قال عن نبی من الانبیا علیھم الصلٰوۃ والسلام فی غیر التلاوۃ والحدیث انہ عص اوخالف فقد کفر نعوذ باللہ من ذلک [2]۔ وقد قال الامام ابوعبداللہ القرطبی رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب التفسیر لہ حین تکلم علی قولہ وطفقا یخصفان علیھا من ورق الجنۃ الاٰیۃ فی سورۃ طٰہٰ. قال القاض ابوبکر ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ لایجوز لاحدمنا الیوم ان یخبر بذلك عن اٰدم علیہ الصلاۃ والسلام الا اذا ذکرناہ فی اثناء قولہ تعالٰی عنہ اوقول نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاما ان نبتدی ذلك من نفسنا فلیس بجائز لنا فی اٰبائنا	ہمارے علماء رحمھم اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہر وہ شخص جوتلاوت قرآن وحدیث رسول پڑھنے کے علاوہ کہے کہ فلاں نبی نے نافرمانی کی یا شریعت کی مخالفت کی وہ کافر ہوجائے گا، ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، امام ابوعبداللہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں سورہ طٰہٰ میں "وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتّے چپکانے لگے" کے تحت لکھا کہ قاضی ابوبکر ابن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہم میں سے کسی کو اجازت نہیں کہ آج وہ حضرت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بارے میں ایسی بات کی اطلاع دے البتہ اس صورت میں جب وہ اللہ تعالٰی کا یہ فرمان پڑھ رہا ہو یا نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مبارک، ہم اپنی طرف سے ایسے واقعات کو بیان کرنا شروع کردیں تو یہ ہم اپنے قریب اپنی مثل پہلے آباء کے بارے میں نہیں کہہ سکتے

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی ھل کان یجوز لہ علیہ السلام الاجتہاد الخ مطبوعہ مطبعۃ امیر قم ایران ۲/ ۳۷۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵

الادنین الینا المماثلین لنا فکیف بابینا الاقدم الاعظم الاکبر النبی المقدم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین[1] انتهی	تو اس ہستی کے بارے میں یہ کیسے جائز ہوگا جو ہمارے باپ سب سے اقدم، اعظم، اکبر اور مقدم نبی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی جمیع الانبیاء والمرسلین انتہی (ت)

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الدعا بها (ای بالمغفرة) له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من امته لاینبغی لا یهامه القصور من المدعو له کالدعاء له بالرحمة واماقول اللہ تعالٰی لیغفرلك اللہ ماتقدم من ذنبك وماتأخرو دعاؤه لنفسه بالمغفرة فلا یقاس علیه[2]۔	امت کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دعا (برائے مغفرت) جائز نہیں کیونکہ اس میں آپ سے کوتاہی کا وہم ہوتا ہے جیسے کہ آپ کے لیے رحمت کی دعا کرنا بھی مناسب نہیں، رہا معاملہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی کا کہ "اللہ تعالٰی نے معاف فرمادئے آپ کے معاملات سابقہ اور آنے والے" اور آپ کا اپنے لئے مغفرت کی دعا کرنا تو اس پر دیگر کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، مدارج النبوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

بدانکہ ایجا ادبے وقاعدہ ایست کہ بعضے از صفیا واز اہل تحقیق ذکر کردہ اند و شناخت آں ورعایت آں موجب حل اشکال وسبب سلامت حال ست وآں اینست کہ اگراز جناب ربوبیت جل وتعالٰی خطابے وعتابے وسطوتے وسلطنتے واستغنائے واقع شود مثل انک لا تھدی، ولیحبطن عملک، ولیس لک من الامر شیئ وترید زینۃ الحیٰوۃ الدنیا وامثال آں یا از جانب نبوت عبودیتے یا انکسارے وافتقارے وعجزے ومسکنتے بوجود آید مثل انما انا بشر مثلکم، اغضب کما یغضب العبد، ولا اعلم	واضح رہے کہ یہاں ادب اور قاعدہ ہے جسے بعض اصفیا اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور اس کا جان لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکلات سے نکلنے کا حل اور سلامت رہنے کا سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر اللہ رب العزت جل وعلا کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، رعب ودبدبہ کا اظہار یا بے نیازی کا وقوع ہو مثلاً آپ ہدایت نہیں دے سکتے، آپ کے اعمال ختم ہوجائیں گے، آپ کے لئے کوئی شیئ نہیں، آپ حیات دنیوی کی زینت چاہتے ہیں، اور اس کی مثل دیگر مقامات، یا کسی جگہ نبی کی طرف سے

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/۳

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی کیفیۃ الصلوٰۃ علیہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴۸۵/۳

ماوراء هذا الجدار ما ادری ما یفعل بی ولا بکم ومانند آن مارا نباید دراں دخل کنیم اواشتراک جوئیم وانبساط نمائیم بلکہ برحد ادب وسکوت وتحاشی توقف نمائم خواجہ رامی رسد کہ بابندۂ خود ھرچہ خواہد بگوید وبکند واستعلاء واستیلا نماید وبندہ نیز باخواجہ بندگی وفروتنی کند دیگرے راچہ مجال یارائے آنکہ دریں مقام درآید ودخل کند وحدِ ادب بیروں رود ایں مقام پالغز بسیارے از ضعفا وجہلا وسبب تضررایشاں است ومن الله العصمة والعون [1] ۔ والله تعالٰی اعلم	عبدیت، انکساری، محتاجی وعاجزی اور مسکینی کا ذکر آئے مثلاً میں تمھاری طرح بشر ہوں، مجھے اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے عبد کو آتا ہے اور میں نہیں جانتا اس دیوار کے ادھر کیا ہے، میں نہیں جانتا میرے ساتھ اور تمھارے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور اس کی مثل دیگر مقامات، ہم امتیوں اور غلاموں کو جائز نہیں کہ ان معاملات میں مداخلت کریں، ان میں اشتراک کریں اور اسے کھیل بنائیں، بلکہ ہمیں پاس ادب کرتے ہوئے خاموشی وسکوت اور توقف کرنا لازم ہے، مالک کا حق ہے کہ وہ اپنے بندے سے جو چاہے فرمائے، اس پر اپنی بلندی کا غلبہ کا اظہار کرے، بندے کا بھی یہ حق کہ وہ اپنے مالک کے سامنے بندگی اور عاجزی کا اظہار کرے، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے، اس مقام پر بہت سے کمزور اور جاہل لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں جس سے وہ تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، الله تعالٰی محفوظ رکھنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۴: از افریقہ جوہانس برگ مرسلہ محمد ابراہیم صاحب شافعی ۱۳ شعبان ۱۳۲۷ھ

امام حنفی ہے اور مقتدی شوافع بھی ہیں اگر خطبہ اُولٰی جمعہ میں امام او صیکم بتقوی الله نہ پڑھے اور درود شریف نہ پڑھے تو شوافع کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

مذہب شافعی پر شافعی کی نماز نہ ہوگی کہ وصیت و درود ان کے نزدیک ارکانِ خطبہ سے ہیں اور خطبہ بالاتفاق شرط صحت نماز جمعہ، جب رکن فوت ہوئے خطبہ نہ ہوا، جب خطبہ نہ ہوا، نماز نہ ہوئی۔ کتاب الانوار میں ہے:

لصحة الجمعة وراء الشروط العامة شروط الی ان قال السابع خطبتان قبل الصلٰوة وارکانهما خمسة حمدالله تعالٰی الثانی	صحت جمعہ کے لئے شروط عامہ کے علاوہ ساتویں شرط یہ ہے کہ نماز سے پہلے دو خطبے ہوں اور اس کے ارکان پانچ ہیں ایک الله تعالٰی کی حمد، دوسرا

[1] مدارج النبوۃ وصل در ازالۂ شبہات از بعضے آیات مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۸۳

الصلٰوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الثالث الوصیۃ بالطاعۃ والتقوی[1] اھ ملتقطا	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں درود وسلام، تیسرا اطاعت وتقوی کی نصیحت اھ ملتقطا (ت)

اسی میں ہے:

لصحۃ الاقتداء شروط الاول ان یکون الامام مظھر مسلما الثانی ان تصح صلوتہ باعتقاد الماموم فلو اقتدی الشافعی بالحنفی وقد مس فرجہ اوترک البسملۃ او الحنفی بالشافعی الذی افتصد اواحتجم ولم یتوضأ بطلت صلوتہ[2] اھ مختصرا۔	صحت جمعہ اقتداء کے لئے شروط ہیں اول یہ کہ امام مسلمان ظاہر ہو دوسرا یہ کہ اس کی نماز مقتدی کے اعتقاد کے مطابق درست ہو، اگر شافعی نے کسی حنفی کی اقتداء کی تو امام نے شرمگاہ کو چھولیا یا اس نے بسم اللہ ترک کردی یا حنفی نے ایسے شافعی کی اقتداء کی جس نے رگ کٹوائی یا پچھنے لگوائے اور وضو نہ کیا تو اقتداء کرنے والے کی نماز باطل ہوجائے گی اھ اختصارًا (ت)

فتاوٰی امام ابن حجر مکی شافعی میں ہے:

ان علم انھم یترکون بعض الارکان او الشروط لم تصح منھم جمعۃ فلا یجوز لاحد ان یصلی معھم[3] (ملخصا)	اگر یہ جان لیا گیا ہو کہ انھوں نے بعض ارکان یا شرائط کو ترک کردیا ہے تو ان کا جمعہ صحیح نہ ہوگا لہٰذا ان کے ساتھ جمعہ کی ادائیگی درست نہ ہوگی اھ (ملخصًا)

ترک درود تو سخت تر ہے، درود خطبہ میں اگر نامِ اقدس نہ لیا ضمیر پر اکتفا کی مثلًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو امام مذکور نے بطلان خطبہ ونماز ثابت کیا، اسی طرح ان کے شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ، نے شرح بہجہ وشرح روض وشرح منہج میں فرمایا: کما ھو مذکور کلہ فی فتاواہ الکبری (جیسا کہ یہ تمام ان کے فتاوٰی الکبرٰی میں مذکور ہے۔ت) آدمی کہ تنہا نماز پڑھے اسے بالاجماع مستحب ہے کہ جملہ ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذاہب کی حتی الامکان رعایت رکھے اور حتی الامکان کے یہ معنی کہ جہاں تک اس کی رعایت میں اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آئے کما نص علیہ فی غیر ماموضع فی ردالمحتار وفی المسلک المتقسط للملا علی القاری وغیرھما (جیسے کہ اس پر ردالمحتار اور المسلک المتقسط للملا علی قاری وغیرہ میں متعدد مقامات پر

---

[1] الانوار لاعمال الابرار فصل الصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/۱۰۰

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل الوالی فی محل ولایۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/۸۵

[3] فتاوٰی کبرٰی فقہیہ ابن حجر مکی باب الصلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۳۹

تصریح ہے۔ت) نہ کہ وہ امور جو اپنے مذہب میں مسنون اور دوسرے مذہب ائمہ حق میں فرض ہوں کہ اب تو اس کی ترک سخت جہالت، نہ کہ امام کہ دوسرے مذہب کے اہل سنت بھی اس کے مقتدی ہوں اسے تو حتی الوسع اس مذہب کی رعایت کمال مہم ومؤکد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۵: از بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب نواب مولوی سلطان خاں صاحب ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

جمعہ کے دن چند آدمیوں نے مل کر مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی بعدہ، اور دس بارہ آدمی آگئے انھوں نے بھی اذان واقامت خطبہ کے ساتھ اسی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی پھر دس بارہ آدمی آگئے انھوں نے بھی ایسا کیا، تو دوسری تیسری جماعت والوں کا جمعہ ادا ہولیا یا نہیں، فقط، **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز جمعہ وعیدین مثل عام نمازوں کے نہیں کہ جسے امام کردیا نماز ہوگئی ان کے لئے ضرور ہے کہ اماخود سلطان اسلام ہو یا اس کا مقرر کردہ، اور یہ نہ ہوں تو بضرورت وہاں کے عام مسلمانوں نے جسے امامت جمعہ کے لئے معین ومقرر ہو، تو ان تینوں جماعتوں میں جس کا امام امامِ معین ومقرر کردہ جمعہ تھا اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز ہوگئی باقیوں کی نہیں، اور اگر کسی کا امام ایسا نہ تھا تو کسی کی نہ ہوئی مثلاً سرراہ مسجد ہے دس بارہ راہگیر گزرے ایک نے آگے ہو کر نماز جمعہ پڑھائی پھر کچھ اور آئے انھوں نے بھی ایسا ہی کیا یوں ہی دس بیس جماعتیں ہوئیں جمعہ ایک کا بھی نہ ہوا اور فرض ظہر سب کے ذمہ رہا، درمختار میں ہے:

الجمعۃ یشترط لصحتھا السلطان اومامورہ باقامتھا ونصب العامۃ غیر معتبر مع وجود من ذکر اما مع عدمہ فیجوز للضرورۃ[1] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم	صحت جمعہ کے لئے سلطان یا اس کا مقرر کردہ برائے اقامت جمعہ کا ہونا ضروری ہے، مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور اگر مذکور اشخاص نہیں تو ضرورت کے لئے عوام کا تقرر جائز ہوگا اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳۶: از گنور تحصیل سونی تپ ضلع رہتک مرسلہ حافظ احمد حسین صاحب امام مسجد ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز امام اول کا خطبہ پڑھ کے جلسہ کرنا ہے اس جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس درجہ کا، مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی؟ زید درمیان خطبتین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بدعت اور حرام بتاتا ہے۔ یہ عقیدہ

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹ و ۱۱۰

زید کا موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں؟

الجواب:

زید کا قول باطل ہے، دونوں خطبوں کے بیچ میں امام کو دعا مانگنا تو بالاتفاق جائز ہے بلکہ خود عین خطبہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مینہ کے لئے دونوں دستِ انور بلند فرما کر دعا مانگنا کتب صحاح میں موجود ہے، مقتدیوں کے بارہ میں مذہب حنفی میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف وامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہما بلا شبہ ان کے لئے بھی جائز فرماتے ہیں، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دو روایتیں آئیں، ایک مطابق قول صاحبین کے امام کے نزدیک بھی مقتدیوں کو بین الخطبتین دعا مانگنا جائز ہے امام سغناقی نے نہایہ وامام اکمل الدین بابرتی نے عنایہ شروح ہدایہ میں فرمایا: **ھو الصحیح** یہی صحیح ہے۔

سننھا خمسة عشرة رابعتھا التعوذ فی نفسہ قبل الخطبة سادستھا البداية بحمد اللہ تعالٰی [1] الخ ملخصًا	اس کی پندرہ سنتیں ہیں چوتھی یہ کہ خطبہ سے پہلے دل میں تعوذ کا پڑھنا، چھٹی یہ کہ اللہ تعالٰی کی حمد وثنا سے ابتداء کرنا الخ ملخصًا (ت)

پھر یہ کوئی ایسا امر نہیں جس پر تشدد ضروری ہو، بہ نرمی سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو گروہ بندی واثارت فتنہ کی حاجت نہیں **والفتنة اکبر من القتل** (فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۷: از جیل کانپور مرسلہ کلن خاں جمعدار ۱۲ شوال ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ جیل میں جہاں پانچ چھ سو آدمی قیدی وحوالاتی اور ملازمین رہتے ہیں نمازِ جمعہ ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جہاں پر صوم صلوٰۃ کی جماعت کو عام اجازت ہے اس میں روک ٹوک نہیں مگر باہر کے لوگ بغیر اجازت اندر نہیں آسکتے نہ اندر کے باہر جاسکتے ہیں، پس جو مسلمان اندر جیل کے ہیں اور جن کی تعداد سو سے زائد ہے جمعہ کے روز جماعت سے نمازِ جمعہ ادا کریں یا نماز ظہر کی، امید کہ بواپسی ڈاک جواب سے سرفرازی بخشی جائے، زیادہ حد آداب!

الجواب:

جمعہ کی ایک شرط اذن عام ہے، جیل میں کوئی نہیں جاسکتا تو اس میں نماز جمعہ ناممکن وباطل ہے اور ظہر کی جماعت بھی ان کو جمعہ کے دن جائز نہیں، جبکہ جیل حدود شہر میں ہو، بلکہ ہر شخص تنہا ظہر پڑھے ملازم ہو یا ماخوذ، ہاں جیل بیرونِ شہر ہو تو ظہر بجماعت پڑھیں، تنویر الابصار میں ہے:

[1] بحر الرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۷/۲

یشترط لصحتها الاذن العام فلو دخل امیر حصنا واغلق بابه وصلی باصحابه لم تنعقد [1]۔	صحت جمعہ کے لئے اذن عام شرط ہے، اگر کسی امیر نے قلعہ میں داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو جمعہ پڑھا یا تو یہ جمعہ منعقد نہ ہوگا۔(ت)

در مختار میں ہے:

کرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظهر بجماعته فی مصر قبل الجعة وبعدها [2]۔ وهو سبحٰنه وتعالٰی اعلم	شہر میں معذور، قیدی اور مسافر کے لئے جمعہ سے پہلے اور بعد نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ وہو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جہاں پر حکم مصر رکھتا ہے اور بنا بر قول معتبر کے وہاں جمعہ ہوتا ہو ان میں احتیاط ظہر پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو نہیں پڑھتے ہیں جمعہ پڑھنے سے ظہر ساقط ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر اس کا ثبوت شرع میں ہو تو اس کو کس نیت سے پڑھنا چاہئے اور جو اس کا مانع ہو از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ بینوا بالدلائل الشرعیة وتوجروا بالبراهین العقلیة (دلائل شرعیہ سے بیان کرو اور براہینِ عقلیہ سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

بلاشبہہ جو اسلامی مصر ہو اور وہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو اور امام میں کوئی شبہہ ناجوازیِ امامت کا نہ ہو وہاں احتیاطی ظہر پڑھنا ممنوع وبدعت ہے مگر یہ بات آج عامہ بلاد میں کہیں نہیں سوا حرمین شریفین وغیرہما، بعض بلاد کے، یونہی جہاں جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو جس نے سب سے اول جماعت میں پڑھا اسے احتیاطی ظہر کی اجازت نہیں، اور جہاں مصریت میں شبہہ ہو یا امام یا اس کی ماذونیت میں یا جمعہ متعدد جگہ ہوتا ہو اور اپنی جماعت سب سے پہلے ہونا معلوم نہیں وہاں اگر شبہہ ضعیف ہے احتیاطی ظہر مستحب ہے اور قوی ہے تو واجب، مگر اس کا حکم خواص کے لئے ہے عوام کو حاجت نہیں تحملا للضرر الادنی مخافة الاقوی (بڑے ضرر سے ڈرتے ہوئے ادنٰی ضرر کو برداشت کرتے ہوئے۔ت) خواص یہ نیت کریں کہ پچھلی وہ ظہر جو میں نے پائی اور ادا نہ کی اور یہ خطرہ بھی نہ آنے پائے کہ جمعہ ہوگیا تو یہ میرے نفل ہیں، ورنہ فرض، نہ جمعہ کی نیت کے وقت تردد ہو کہ تردد منافی نیت ہے، جو منع کی جگہ منع کرتا ہے حرج نہیں اور جو استحباب کی جگہ منع کرتا ہے احمق ہے اور وجوب کے

[1] تنویر الابصار مع درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۲

محل پر منع کرتا ہے توگنہگار ہے **وتفصیل المسألة فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق** (مسئلہ کی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے اور یہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳۹: نیٹھور ضلع بجنور مرسلہ محمد عبدالحہ سوداگرجفت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جس جامع مسجد میں ایسا امام نماز پڑھاتا ہو جو صاحب جائداد ہے اور دوسری جائداد سودی روپیہ لے کر خریدی اور اس کے بدلنے کو چند اشخاص اہل شہر جن کا زور زیادہ ہے پسند نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی اس بابت ذکر بھی کرے تو خوف فتنہ کا ہے ایسی صورت میں شہر میں سے کسی محلّہ کے آدمیوں کو متفق ہو کر کسی دوسری مسجد میں جمعہ کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس امام کے بدلنے پر قدرت نہ ہو تو شہر میں دوسری جگہ جہاں کوئی امام صالح امامت جمعہ پڑھاتا ہو وہاں جانا واجب ہے اور اگر شہر میں دوسری جگہ جمعہ ہوتا ہی نہ ہو یا اور امام بھی ایسا نا قابل امامت ہوں تو نیا امام سُنّی صحیح العقیدہ، صحیح خواں، صحیح الطہارۃ، مسائل داں کہ فاسق معلن نہ ہو مقرر کریں اور اس کے پیچھے جمعہ وعیدین پڑھیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۰: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطان پورہ مکان نمبر ۲۹۵۴/۶ مرسلہ مولوی محمد عبدالجلیل صاحب نعمانی مہتمم امور مذہبی ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ وعیدین عربی عوام نہیں سمجھ سکتے ہیں کیا ان کے لحاظ سے اردو زبان ہی میں پڑھا جاسکتا ہے؟ **بینوا توجروا ان اجرکم علی اللہ تعالٰی** (بیان کرکے اجر پاؤ کہ تمہارا اجر اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت)

الجواب:

زمان برکت نشان حضور پرنور سید الانس والجان علیہ علی الہ افضل الصلٰوۃ والسلام سے عہد صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تک تمام قرون وطبقات میں جمعہ وعیدین کے خطبے ہمیشہ خالص زبان عربی میں مذکور وماثور اور باآنکہ صحابہ ومن بعدہم من ائمۃ الکرام کے زمانوں میں ہزارہا بلاد عجم فتح ہوئے ہزارہا جوامع بنیں، ہزارہا منبر نصب ہوئے، عامہ حاضرین اہل عجم ہوئے، اور ان حضرات میں بہت وہ تھے کہ مفتوحین کی زبان جانتے اس میں ان سے کلام فرماتے بانیہمہ کبھی مروی نہ ہوا کہ خطبہ غیر عربی زبان میں فرمایا یا دونوں زبانوں کا ملایا ہو **کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح الموطا** (جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے۔ت) سنتِ متوارثہ کا خلاف ناپسند ہے،

فی الدرالمختار ان لمسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم [1] اھ ای ثبت وتاکد۔	درمختار میں ہے کہ یہ مسلمانوں میں توارث کے ساتھ ثابت ہے لہٰذا ان کی اتباع واجب ہے اھ یعنی ثابت اور مؤکد ہے ۔(ت)

نہ کہ ایسی سنت جہاں باوصف تحقق حاجت، جانب خلاف رخ نہ فرمایا ہو کہ اب تو اس کا خلاف ضرور مکروہ واساءت ہوگا۔

اقول: وتحقیقه ان التذکیر بالعجمیة کان المقتضی له بعینه موجودا والمانع مفقودا ثم لم یفعلوہ فکان ذلك کفامنھم لاترکا والکف فعل والفعل یجری فیه التوارث بخلاف الترك اذا لامعنی لتوارثه ولامساغ للتأسی فیه لانه غیرمفعول ولا مقدور کما نص علیه الاکابرا لصدور قال فی الاشباہ والنظائر التروك لا یتقرب بھا الااذاصار الترك کفا وہو فعل وہ المکلف به فی النھی لا الترك بمعنی العدم لانه لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر [2] اھ ای تحریر الاصول للامام المحقق حیث اطلق رحمه الله تعالٰی اتقن ھذا فانه من اجل المھمات۔	**اقول:** اس کی تفصیل یہ ہے کہ عجمی زبان میں وعظ و نصیحت کا تقاضا بعینہٖ موجود تھا اور مانع بھی کوئی نہیں تھا پھر انھوں نے ایسا نہیں کیا تو یہ ان کا رکنا ہے ترک نہیں اور رکنا فعل ہے اور فعل میں توارث جاری ہوتا ہے بخلاف ترک کے، کیونکہ اس کے نقل ہونے کا معنی نہیں اور نہ ہی اس میں اقتداء جائز ہے کیونکہ وہ معمول سے نہیں اور نہ ہی قدرت میں، جیسے کہ اس پر ہمارے اسلاف اکابر نے تصریح کی ہے، الاشباہ والنظائر میں ہے کہ تروک کے ساتھ تقرب نہیں ہوسکتا مگر اس صورت میں جب ترک کف کی صورت میں ہو اور وہ فعل ہوگا اور نہی میں یہی مکلّف بہ ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم کیونکہ معدوم قدرت عبد کے تحت نہیں ہوتا جیسا کہ تحریر میں ہے اھ۔ اس سے مراد تحریر الاصول للامام المحقق المطلق نے ذکر کیا ہے اسے اچھی طرح یاد کرلو کیونکہ یہ نہایت اہم معاملہ میں سے ہے۔(ت)

اذان ضرور بلانے اور ان لوگوں کو اطلاع وقت دینے کے لئے ہے مگر غیر عربی میں ہو تو ہرگز اذان ہی نہ ہوگی اگرچہ مقصود اعلام حاصل ہوجائے کہ اذان صرف سنت تھی جب فی نفسہٖ برخلاف سنت ہوئی راسا

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۴۷

فوت ہوگئی، تنویر میں ہے:

الاذان علامه مخصوص علی وجه مخصوص بالفاظ کذلك[1]۔	اذان، الفاظِ مخصوص میں بطریق مخصوص اطلاع دینا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انه لایصح بالفارسیة وان علم انه اذان وھو الاظھر والاصح کما فی السراج[2]۔	اس میں اشارہ ہے کہ یہ فارسی میں جائز نہیں، اگر یہ معروف ہے کہ اذان ہے اور یہی اظہر واصح ہے جیساکہ سراج میں ہے۔ (ت)

خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے خطبہ ضرور وعظ وتذکیر کے لئے ہے جیسے نماز کہ ذکر کے لئے ہے قال اللہ تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ[3] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔ ت) اور خود قرآن عظیم کہ اس کا تو نام ہی ذکر حکیم ہے اور اس کے نہ سمجھنے پر سخت انکار فرماتا ہے، اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا[4] (کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں۔ ت) پھر جس کی سمجھ میں عربی نہ آئے نہ اس کے لئے نماز وقرآن اردو یا بنگلہ یا انگریزی کردئے جائیں گے نہ خطبہ واذان، یہ اس کا اپنا قصور ہے اس کا دین عربی، نبی عربی، کتاب عربی، پھر عربی اتنی بھی نہ سیکھی کہ اپنا دین سمجھ سکتا. انگریزی کی حالت دیکھئے اس پر کیسے اندھے باولے ہو کر گرتے ہیں کہ دو پیسے کمانے کی امید ہے اور عربی جس میں دین ہے ایمان ہے اس سے کچھ غرض نہیں اللہ تعالٰی توفیق دے وہدایت بخشے، امین واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴۱ تا ۱۳۴۳: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خاں مرسلہ حاجی عزیز احمد صاحب ۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اذان ثانی جمعہ کے دن امام کے قریب اندر مسجد کے جو مروج ہے اس میں کراہت یعنی کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی؟

(۲) فصیل حوض خارج مسجد ہے یا داخل مسجد؟

(۳) ابوداؤد کی حدیث میں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت میں

---

[1] درمختار باب الاذان مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[2] ردالمحتار باب الاذان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۸۲

[3] القرآن ۲۰/ ۱۴

[4] القرآن ۴۷/ ۲۴

باب مسجد پر اذان کا ذکر ہے اُس وقت تک اذان اول شروع تھی یا نہیں؟ اگر اس وقت میں صرف ایک اذان تھی تو جب سے دوسری اذان شروع ہوئی اُس وقت بھی بقیہ خلفائے راشدین کے وقت میں اذانِ ثانی باب مسجد پر ہوتی تھی یا امام کے متصل منبر کے پاس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) علمائے کرام نے کراہت لکھی اور اسے مطلق رکھا اور مطلق کراہت غالبًا کراہت تحریم پر محمول ہوتی ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں اذان دروازۂ مسجد پر ہُوا کی، اور کبھی نہ حضور سے منقول نہ خلفائے رشدین سے کہ مسجد کے اندر اذان کہلوائی ہو، اور عادت کریمہ تھی کہ مکروہ تنزیہی کو بیان جواز کے لئے کبھی اختیار فرماتے پھر اس میں ترک ادب بارگاہِ الٰہی ہے **والعلم بالحق عند اللہ۔**

(۲) حوض قدیم کی فصیل فنائے مسجد ہے نہ عین مسجد، ورنہ اس پر وضو ناجائز ہوتا اور فنائے مسجد میں اذان جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) صدر خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ تک وہی ایک اذان خطبہ تھی انھوں نے اذانِ اول زائد فرمائی مگر اذانِ خطبہ میں کوئی تبدیلی نہ کی، نہ کسی خلیفۂ راشد سے اس میں کوئی تغییر منقول، ہاں امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں ہشام بن عبدالملک بادشاہ مروانی کی نسبت لکھا کہ اس نے سنت کو بدلا اس کا زمانہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسی ۸۰ برس بعد ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۴: مسئولہ مولوی فضل الرحمان صاحب از چھاؤنی صدر بازار فیروز پور پنجاب ۱۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ ایک قلعہ میں جہاں عام لوگوں کو جانے کی اجازت نہیں اور نہ ملازمان کو باہر بجز وقت معینہ کے منجملہ پانچ صد مردمان مسلمان ملازمان کے ایک جماعت وہاں نماز جمعہ باجازت مشتہرہ گورنمنٹ قائم کرتی ہے وہاں بنائے مسجد نہیں ہے نیز متصل قلعہ مذکور کے شہر اور چھاؤنی صدر بازار میں چند جگہ دیگر مساجد میں جمعہ پڑھا جاتا ہے کیا اس جماعت کا جمعہ ادا ہوجاتا ہے بعض علمائے دین نے بحوالۂ فتاوٰی عالمگیری ودرمختار بباعث عدم اذن عام او جماعت مذکور کو محبوسین وغیرہ کا مقیس علیہ قرار دے کر عدم جواز اور نادرست ہونے نماز جمعہ کا فتوٰی دیا ہے اور بعض نے بحوالۂ عبارت شامی کہ

قلت وینبغی ان یکون محل النزاع ما اذا کانت لاتقام الافی محل واحد اما لو تعددت فلا لانہ لایتحقق التفویت کما افادہ التعلیل تامل۔	**میں کہتا ہوں** کہ مناسب یہ ہے کہ محل نزاع وہ صورت ہے جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ جب ایک ہی مقام پر جمعہ کا قیام ہو اور اگر متعدد جگہ ہو تو پھر محلِ نزاع نہیں کیونکہ پھر تفویت متحقق نہیں جیسا کہ علت کے بیان نے فائدہ دیا ہے، غور کرو۔ (ت)

درست ہونے نماز جمعہ کا فتوٰی دیا ہے۔ بیّنوا بالدلیل توجرا بالاجر جزیل (دلیل سے بیان کرکے اجر عظیم پائیں۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ قلعہ کی بندش ہے، باہر کا کوئی شخص نماز کے لئے اس میں نہیں جاسکتا تو اذنِ عام نہ ہوا، اور اذن عام فی نفسہٖ شرط جمعہ ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ قول کسی سے نقل نہ فرمایا بلکہ یہ ان کا اپنا خیال ہے جسے وہ قُلتُ سے شروع فرماتے ہیں اور خود اُن کو بھی اس پر وثوق نہیں کہ آخر میں تامل کا حکم فرماتے ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اہل بحث نہیں ان کی بحث کا اگر مسئلہ منصوصہ کے خلاف ہونا معلوم نہ بھی ہو تاہم وہ ایک بحث ہے جو حجت نہیں ہوسکتی نہ کہ جب ان کی بحث مخالف منقول ومنصوص واقع ہے کہ ایسی بحث تو امام ابن الہمام کے بھی منقول نہیں ہوتی جس کی خود علامہ شامی نے جابجا تصریح فرمائی کما بیناہ فی کتابنا فصل القضاء فی رسم الافتاء (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "فصل القضاء فی رسم الافتاء" میں بیان کیا ہے۔ت) براہ بشریت یہ بحث اسی طرح واقع ہوئی، فقیر نے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مسئلہ کی بحث تمام کردی ہے اس میں سے یہاں صرف یہ چند کلمات کافی ہیں کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی کتاب مستطاب بدائع اور ان کے سوا اور ائمہ اپنی تصانیف میں اور ان سب سے امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نقل فرماتے ہیں:

السلطان اذاصلی فی دارہ والقوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع قال ان فتح باب دارہ جاز، وتکون الصلٰوۃ فی موضعین، ولو لم یاذن للعامۃ وصلی مع جیشہ لاتجوز صلٰوۃ السلطان وتجوز صلٰوۃ العامۃ[1]۔	جب سلطان نے اپنی دار میں اور قوم نے اس کے حکم سے جامع مسجد میں جمعہ ادا کیا تو انھوں نے فرمایا اگر دار کا دروازہ کھولا تھا تو جائز، اور نماز دونوں جگہ ہوجائے گی، اور اگر عوام کو اذنِ عام نہ تھا اور بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ جمعہ ادا کیا تو سلطان کی نماز جائز نہیں البتہ عوام کی نماز جائز ہوگی۔(ت)

دیکھو یہ نص صریح ہے اجلۂ ائمہ کی نقل اور محرر مذہب امام محمد سے بلاخلاف منقول کہ قلعہ سے باہر بھی جمعہ ہوا اور قلعہ میں بھی سلطان نے پڑھا اگر قلعہ میں آنے کا اذن عام دیا تھا تو دونوں جمعے صحیح ہوگئے ورنہ باہر کا جمعہ صحیح ہوا اور قلعہ کا باطل، صاف ثابت ہوا کہ اذن عام فی نفسہٖ شرطِ صحت جمعہ ہے اگرچہ جمعہ متعدد جگہ پایا جائے اور تقویت لازم نہ آئے ولیس بعد النص الاالرجوع الیہ (نص پائے جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ت)

[1] بدائع الصنائع مفہوماً فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۹

مسئلہ ۱۳۴۵: مسئولہ محمود حسن صاحب از بمبئی پوسٹ بائی کھلا ۲۰ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ میں اسی۸۰ اشخاص حنفیّہ اور بیس۲۰ اشخاص شافعیہ ہر دو مذہب کے درمیان شافعی امام جمعہ میں خطبہ کے دو رکعت فرض پڑھا کے حنفیوں نے نماز سے فارغ ہوئے بعدہٗ مذکور امام نے اپنے مذہب والوں کو لے کر پھر دوبارہ چار رکعت فرض نماز پڑھواتا ہے لیکن ہر دو مذہب والوں کے ساتھ دو رکعت فرض پڑھنے سے شافعیہ مذہب کی نماز جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ہو امام شافعی المذہب نیتِ جمعہ میں شک وتردد کو راہ نہیں دیتا خالص صحیح نیت فرض جمعہ کی کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے جبکہ فرائض مذہب حنفی کا پابند ہو مثلاً فصد لے کر یا زخم خواہ پھوڑیا سے پیپ یا پانی بہہ کر ضرور وضو کرلیتا ہو دہ در دہ سے کم پانی میں اگر نجاست پڑجائے اس سے طہارت نہ کرتا ہو وضو میں چہارم سر سے کم کے مسح پر قناعت نہ کرتا ہو وضو کئے ہوئے پانی سے دوبارہ وضو نہ کرتا ہو وعلی ہذا القیاس اگر ان باتوں کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے اگرچہ اولٰی حنفی کے پیچھے ہے اگر رعایت نہ کرتا ہو تو اس کے پیچھے حنفی کی نماز باطل ہے اور اگر نہ معلوم ہو تو مکروہ ہے کما حقق کل ذلک فی البحر والدر وغیرھما (جیسا کہ اس تمام کی بحر اور در وغیرہ میں تحقیق ہے۔ت) اور جمعہ کی نیت کے ساتھ شک کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز باطل ہے کہ **لانیۃ الابالعزم ولا عزم مع الشک** (عزم کے بغیر نیت نہیں اور شک کی صورت میں عزم نہیں ہوتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴۶: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر خاں مسئولہ عبداللطیف خاں صاحب ۲۲ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جامع مسجد کے امام معین کے بغیر اذن دوسرے شخص نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ بھی امام معین کے بے اذن پڑھائی اور امام مذکور اس میں شریک نہ ہوا اس صورت میں وہ نماز ہوئی یا نہیں، اگر نہ ہوئی تو ظہر کی قضا فرض ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ بے اجازت خطیب معین دوسرا شخص خطبہ نہیں پڑھ سکتا، اگر پڑھے گا خطبہ جائز نہ ہوگا، اور خطبہ شرط نماز جمعہ ہے، جب خطبہ نہ ہوا نماز بھی نہ ہوئی۔ **علمگیری** میں ہے:

رجل خطب یوم الجمعۃ بغیر اذن الامام والامام حاضر لایجوز ذلک الا ان یکون الامام امرہ بذلک کذا	کسی شخص نے اذن امام کے بغیر خطبۂ جمعہ دیا حالانکہ امام موجود تھا تو یہ جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب امام نے اسے حکم دیا ہو، جیسا کہ

فی فتاوی قاضی خاں [1]۔	فتاوٰی قاضی خاں میں ہے (ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ امام معین کے بغیر اذن اگر کوئی شخص نمازِ جمعہ پڑھائے تو نماز نہ ہوگی مگر اس صورت میں کہ امام اس نماز میں شریک ہوجائے۔ فتاوٰی سراجیہ ودرمختار میں ہے:

لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لا یجوز الااذا اقتدی بہ من لہ ولایۃ الجمعۃ [2]۔	اگر کسی نے اذن خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں البتہ اس صورت میں جب مقتدی ایسا شخص ہو جو جمعہ کا والی تھا۔ (ت)

یہاں کہ خطبہ بھی بے اجازت امام پڑھا گیا اور نماز بھی بے اُس کی اجازت کے پڑھائی گئی اور امام اس میں شریک نہ ہوا تو دو وجہ سے وہ نماز ناجائز ہوئی اُن پر ظہر کی قضا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۳۴۷: مولوی نعیم الدین صاحب از مراد آباد ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

حضور عالی سلامِ نیاز، میں جمعہ کی نماز قلعہ کی مسجد میں پڑھاتا ہوں اس مسجد کا وسیع صحن ہے مسجد سے باہر راستہ ہے جو ایک بانس کے قریب مسجد کے فرش سے نیچا ہے کوئی جگہ ہی نہیں جہاں مؤذن کھڑا ہوسکے سخت حیرانی ہے یا بعض ایسی مسجدیں ہیں کہ ان میں بعد صحن کے کسی دوسرے شخص ہندو وغیرہ کی دیواریں ہیں کہ ان دیواروں پر میذنہ نہیں بنایا جاسکتا اسی صورت میں کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی ہدایت عطا فرما۔ ت) یہاں دو سنتیں ہیں، ایک محاذات خطیب، دوسرے اذان کا مسجد سے باہر ہونا، جب ان میں تعارض ہو اور جمع ناممکن ہو تو ارجح کو اختیار کیا جائے گا کما ھو لضابطۃ المستتمرۃ الغیر المنخرمۃ (جیسا کہ دائمی اور نہ ٹوٹنے والا ضابطہ ہے۔ ت) یہاں ارجح واقوی سنت ثانیہ بوجوہ **اوّلا** مسجد میں اذان سے نہی ہے، قاضی خاں وخلاصہ وخزانۃ المفتین وفتح القدیر وبحر الرائق وبرجندی وعلمگیری میں ہے: لایؤذن فی المسجد [3]۔ (مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ ت) نیز فتح القدیر ونظم وطحطاوی علی المراقی وغیرہا میں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۵

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی کلمات الاذان والاقامۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵

مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے کی تصریح ہے اور ہر مکروہ منہی عنہ ہے، ردالمحتار میں قبیل احکام مسجد ہے:

لا یلزم منه ان یکون مکروہا الابنھی خاص لان الکراھة حکم شرعی فلا بدله من دلیل [1]۔	اس سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا مگر یہ کہ نہی خاص وارد ہو کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے، لہٰذا اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اور اجتنابِ ممنوع، ایتان مطوب سے اہم واعظم ہے، اشباہ میں ہے:

اعتناء الشرع بالمنھیات اشد من اعتنائه بالمامورات، ولذا قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا امرتکم بشیئ فاتوا منه مااستطعتم وان نھیتکم عن شیئ فاجتنبوہ وروی فی الکشف حدیثا لترك ذرة مما نھی اللہ تعالٰی عنه افضل من عبادة الثقلین ومن ثم جاز ترك الواجب دفعا للمشقة ولم یسامح فی الاقدام علی المنھیات [2]۔	شریعت کے ممنوعات کا اہتمام اس کے مامورات سے زیادہ ہے اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کسی شیئ کا حکم دوں تو اس کو استطاعت کے مطابق بجالاؤ اور اگر میں تمھیں کسی شیئ سے منع کروں تو اس سے بچو۔ الکشف میں یہ حدیث منقول سے ایک ذرہ کے برابر اس کام سے رک جانا جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا جن وانس کی عبادت سے بہتر ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رفع مشقت کے لئے واجب کا ترک جائز ہوتا ہے لیکن ممنوعات پر عمل کی اجازت نہیں۔ (ت)

ثانیًا محاذاتِ خطیب ایک مصلحت ہے، اور مسجد کے اندر اذان کہنا مفسدت اور جلبِ مصلحت سے سلبِ مفسدت اہم ہے۔ اشباہ میں ہے:

درء المفاسد اولٰی من جلب المصالح [3]۔	مفاسد کا دفع کرنا مصالح کے حصول سے بہتر ہے۔ (ت)

وجہ مفسدت ظاہر ہے کہ دربار ملک الملوک جل جلالہ کی بے ادبی ہے شاہد اس کا شاہد ہے دربار شاہی میں اگر چوب دار عین مکانِ اجلاس میں کھڑا ہوا چلّائے کہ دربار یو چلو سلام کو حاضر ہو، ضرور گستاخی بے ادب ٹھہرے گا، جس نے شاہی دربار نہ دیکھے ہوں وہ انھیں کچہریوں کو دیکھ لے کہ مدعی مدعا علیہ گواہوں کی حاضری

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۲۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۲۵

کمرہ سے باہر پکاری جاتی ہے پھر اسی خود کمرۂ کچہری میں کھڑا ہو کر چلّائے اور حاضریاں پکارے تو ضرور مستحق سزا ہو اور ایسے امورادب میں شرعًا عرف معہود فی الشاہد ہی کالحاظ ہوتا ہے محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

یحال علی المعھود من وضعھا حال قصد التعظیم فی القیام والمعھود فی الشاھد منه تحت السرة[1]۔	حالتِ قیام میں بقصد تعظیم جو معروف ہو اس کے مطابق ہاتھ باندھے جائیں گے اور جس معروف کا مشاہدہ ہے وہ یہی ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا ہے۔(ت)

اسی بناء پر علماء نے تصریح فرمائی کہ مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے حالانکہ صدرِ اول میں یہ حکم نہ تھا، فتاوٰی سراجیہ و فتاوٰی عالمگیری میں ہے: دخول المسجد متنعلا مکروہ[2] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا مکروہ ہے۔ت) عمدۃ المفتین و ردالمحتار میں ہے: دخول المسجد متنعلا من سوء الادب[3] (مسجد میں جوتا پہن کر داخل ہونا بے ادبی ہے۔ت) مسئلہ اولٰی یعنی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے میں کوئی حدیث موافق نہ تھی اور ثانیہ میں حدیث برخلاف تھی بایںہمہ امور ادب میں عرف شاہد کا اعتبار فرمایا تو جہاں خود حدیث بھی موافق ہی موجود ہے ادب معروف کا لحاظ نہ کرنا کس درجہ گستاخی وبیباکی ہے معہذا احادیث نے مسجد میں چلّانے سے بھی منع فرمایا ہے، بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

اخرج المنذری مرفوعا جنبوا مساجد کم صبیانکم ومجانینکم وبیعکم وشرائکم ورفع اصولاتکم[4]۔ **قلت** رواہ ابن ماجة عن واثلة ابن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنه وعبدالرزاق فی مصنفه بسند اسلم عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه	امام منذری نے مرفوعًا روایت کیا ہے کہ (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور دیوانو اور خرید وفروخت اور آواز بلند کرنے سے بچاؤ، **میں کہتا ہوں** اسے ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور امام عبدالرزاق نے مصنف میں محفوظ سند سے

---

[1] فتح القدیر باب صفۃ الصلٰوۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۴۹

[2] فتاوٰی سراجیہ باب المسجد از کتاب الکراہیۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۷۱

[3] ردالمحتار مطلب فی احکام المساجد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۸۶

[4] ردالمحتار مطلب فی احکام المساجد مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۴۸۶

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے(ت)

تو اس ادب کی طرف خود حدیث میں ارشاد موجود ہے اور علماء نے اس ممانعت کو ذکر کے لئے بھی عام ہونے کی تصریح فرمائی، درمختار میں ہے:

یحرم فیہ (ای فی المسجد) السوال ویکرہ الاعطاء ورفع صوت بذکر الاللمتفقھۃ[1]۔	(مسجد میں) سوال کرنا حرام ہے اور دینا مکروہ ہے اور ذکر کے لئے آواز کو بلند کرنا بھی، البتہ دین پڑھانے اور سمجھانے والا آواز بلند کرسکتا ہے۔(ت)

تو اصل منع ہے جب تک ثبوت نہ ہو جیسے اقامت وقرائتِ نماز لیکن یہاں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اندرون مسجد اذان کا ہرگز ثبوت نہیں، تو اگر کچھ اور دلیل نہ ہوتی اسی قدر اس کے بے ادبی وممنوع ہونے کو بس تھا بلکہ شرع مطہر نے مسجد کو ہر ایسی آواز سے بچانے کا حکم فرمایا ہے جس کے لئے مساجد کی بنانہ ہو، صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردھا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لھذا[2]۔	جو گمی ہوئی چیز کو مسجد میں دریافت کرے اس سے کہو اللہ تیری گمی چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنیں۔(ت)

حدیث میں حکم عام ہے اور فقہ نے بھی عام رکھا، درمختار وغیرہ میں ہے: کرہ انشاد ضالۃ(گمشدہ شئی کا (مسجد میں) اعلان کرنا مکروہ ہے۔ت) تو اگر کسی کا مصحف شریف گم گیا اور وہ تلاوت کے لئے مسجد میں پوچھتا ہے اُسے بھی یہی جواب ہوگا کہ مسجدیں اس لئے نہ بنیں، اگر اذان دینے کے لئے اس کی بنا ہوئی تو ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کے اندر ہی اذان دلواتے یا کبھی کبھی تو اس کا حکم فرماتے، مسجد جس کے لئے بنی زمانہ اقدس میں اسی کا مسجد میں ہونا کبھی ثابت نہ ہو یہ کیونکر معقول، تو وجہ وہی ہے کہ اذان حاضری دربار پکارنے کو ہے اور خود دربار حاضری پکارنے کو نہیں بنتا، ہمارے بھائی اگر گردنیں عظمتِ الٰہی کے حضور جھکا کر آنکھیں بند کرکے براہ انصاف نظر فرمائیں تو جو بات ایک منصف یا جنٹ کی کچہری میں نہیں کر سکتے

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۳/۱

[2] صحیح مسلم باب نہی من اکل ثوماالخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۱۰/۱

احکم الحاکمین عزجلالہ کے دربار کو اُس سے محفوظ رکھنا لازم جانیں نہ کہ حدیث کا وہ ارشاد پھر کتب معتمدہ فقہ کی یہ صریح تصریحات کہ مسجد میں اذان منع ہے سب کچھ دیکھیں اور ایک رواج پر اڑے رہے ہیں، ذی انصاف بھائیو! یہ آپ کی شان نہیں۔

ثالثاً محاذات خطیب ایک اختلافی سنت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہاں نقل مختلف ہے بکثرت ائمہ مالکیہ اذانِ ثانی جمعہ کے رُوئے بروئے خطیب ہونے ہی کو بدعت بتاتے ہیں، وہ فرماتے ہیں یہ اذان بھی منارہ ہی پر ہوتی تھی جیسے پنجگانہ کی اذان، علامہ خلیل ابن اسحٰق مالکی توضیح فرماتے ہیں:

اختلف النقل ھل کان یؤذون بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوعلی المنار الذی نقلہ اصحابنا انہ کان علی المنار[1] ۔ نقلہ ابن القاسم عن مالك فی المجموعۃ ونقل ابن عبدالبر فی کافیہ عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[2] ۔	نقل میں اختلاف ہے کہ کیا اذان نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے دی جاتی تھی یا اس منار پر جس کے بارے میں ہمارے اصحاب نے نقل کیا کہ اذان منار پر ہوتی تھی، اسے ابن القاسم نے "مجموعہ" میں امام مالک سے نقل کیا اور شیخ ابن عبدالبر نے کافی میں امام مالک سے نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا امر قدیم نہیں ہے۔ت)

امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذاصعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر و عمر و صدرامن خلافۃ عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم ثم زاد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانًا اٰخر بالزوراء وھو موضع بالسوق وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	جمعہ کی اذان میں سنت یہ ہے کہ جب امام منبر پر بیٹھ جائے تو مؤذن منار پر اذان دے، یہی طریقہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ابتدائی دور میں تھا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا جو بازار میں مقامِ زوراء پر دی جاتی تھی اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم والی اذان کو منار پر

[1] المختصر فی فروع المالکیۃ

[2] کافی فروع المالکیۃ

علیه وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك ثم لما تولی هشام نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر بین یدیه [1]۔ (ملخصًا)	ہی باقی رکھا اور اس وقت خطیب منبر پر ہوتا، پھر جب ہشام والی بنے تو جو اذان منار پر ہوتی تھی اسے منبر پر چڑھنے کے وقت منبر کے سامنے کردیا۔ (ت)

یہاں تک کہ فرمایا:

فقد بان ان فعل ذلك فی المسجد بین یدی الخطیب بدعة فیتمسك بعض الناس بهاتین البدعتین ثم صار کانه سنة معمول بها ولیس له اصل فی الشرع وانما هی عوائد وقع الاستئناس بها فصار المنکر لها کانه یاتی ببدعة علی زعمهم، فانا لله وانا الیه راجعون علی قلب الحقائق اھ مختصرا [2]۔	یعنی روشن ہوا کہ اس اذان کا مسجد میں خطیب کے سامنے کہنا بدعت ہے جسے ابتداءً بعض لوگوں نے اختیار کیا پھر اس کا ایسا رواج پڑ گیا گویا وہ سنت ہے حالانکہ شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں وہ تو یہی ایک عادت ہے کہ لوگوں کے جی اس میں لگ گئے تو جو اس پر انکار کرے ان کے زعم میں گویا وہی بدعت نکالتا ہے تو انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون حق لوگوں میں کیسا اُلٹا ہوگیا کہ حق کو باطل، باطل کو حق سمجھنے لگے اھ مختصرًا

علامہ یوسف بن سعید سفطی مالکی حاشیۂ جواہر زکیہ شرح عشماویہ میں فرماتے ہیں:

الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم وعلیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروه کما نص علیه البرزلی وقد نهی عنه مالك وفعله علی المنار والامام جالس هو المشروع اھ سکندری [3] اھ باختصار۔	دوسری اذان زمانہ قدیم میں منار پر ہوتی تھی، اہل مغرب کا اب تک اسی پر عمل ہے، امام کے سامنے اذان دینا مکروہ ہے جیسا کہ اس پر برزلی نے تصریح کی، اور امام مالک نے اس سے منع فرمایا، اذان کا اس وقت منار پر دینا جب امام منبر پر ہو یہی مشروع ہے اھ سکندری اھ اختصارًا (ت)

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی احدث فی المساجد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۱۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی احدث فی المساجد مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۱۲

[3] حاشیہ جواہر زکیہ شرح لمقدمۃ العشماویۃ

بخلاف اذانِ مسجد کہ مالکیہ بھی اسے ممنوع جانتے ہیں۔ مدخل میں ہے:

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد فیمنع من الا ذان فی جوف المسجد لوجوہ، احدھا انہ لم یکن من فعل من مضی [1] الخ	مسجد میں اذان ممنوع ہونے کے بیان میں فصل، مسجد میں اذان کئی وجہ سے منع ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ اسلاف کا طریقہ نہیں رہا الخ (ت)

تو ثابت ہوا کہ اذانِ بیرونِ مسجد ہونا ہی محاذاتِ خطیب سے اہم واعظم واکد والزم ہے تو جہاں دونوں نہ پڑیں محاذاتِ خطیب سے در گزریں اور منارہ یا فصیل وغیرہ پر یہ اذان بھی مسجد سے باہر ہی دیں ھذا کلہ ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی (یہ تمام مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۳۴۸: مسئولہ اقبال حسین از قصبہ سرولی ضلع بریلی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ خطبہ جمعہ کا ایک فرض ہے دوسرا سنت، یا دونوں فرض ہیں، بینوا توجروا

الجواب:

خطبہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صرف بقدر الحمد فرض ہے اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک ذکر طویل جیسے عرف میں خطبہ کہیں تو نفس فرض اگرچہ اولٰی بلکہ اس کے بعض سے ادا ہوجاتا ہے مگر جب کوئی مطلق مامور بہ ہو تو قاعدہ شرع یہ نہیں کہ اس کے ایک حصے کو جو ادنٰی درجہ کا اطلاق مطلق کا ہو مامور بہ ٹھرائیں باقی کو خارج بلکہ جس قدر واقع ہو سب اُسی مطلق کا فرد ہے تو سب اسی صفت سے متصف ہوگا جیسے فرض قراءت نماز میں ایک آیت سے ادا ہوجاتا ہے اب یہ نہ کہیں گے کہ الحمد شریف کی پہلی آیت فرض تھی باقی اُس کا غیر بلکہ الحمد اور سورت بلکہ سارا قرآن مجید اگر ایک رکعت میں ختم کرے سب زیر فرض داخل ہوں گے کہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ (پس قرآن میں سے جتنا تم پر آسان ہو اُتنا پڑھو۔ت) کا فرد ہے ولہذا اگر سورۂ فاتحہ پڑھ کر سُورت ملانا بھول گیا اور وہاں یاد آیا تو حکم ہے رکوع کو چھوڑے اور قیام کی طرف عود کرکے سورت پڑھے اور رکوع میں جائے حالانکہ واجب کے لئے فرض کا چھوڑنا جائز نہیں ولہذا اگر پہلی التحیات بھول کر پورا کھڑا ہوگیا اب عود کی اجازت نہیں مگر سُورت کے لئے خود شرع نے عود کا حکم دیا کہ جتنا قرآن مجید پڑھا جائے گا سب فرض ہی میں واقع ہوگا تو یہ واجب کی طرف عود نہیں بلکہ فرض کی طرف، ولہذا اگر دوبارہ رکوع نہ کرے گا نماز نہ ہوگی کہ

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی النہی عن الاذان مطبوعہ دارالکتاب العربیہ بیروت ۲/ ۲۵۱

پہلا رکوع عود الی الفرض کے سبب زائل ہوگیا توجس طرح **الحمد** اور سورت دونوں سے فرض ہی ادا ہوتا ہے یوں ہی دونوں خطبوں سے بھی کہ سب مطلق **فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ** (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کرآؤ۔ ت) کے تحت میں داخل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مرقاۃ الجمان فی الھبوط عن المنبر لمدح السلطان ۱۳۲۰ھ

(تعریف حاکم کے لئے خطیب کے منبر کی ایک سیڑھی اُترنے پھر چڑھنے کے بارے میں تحقیق)

مسئلہ ۱۳۴۹: از احمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دونوں جوابوں میں کون سا جواب احق بالقبول ہے:

سوال: علمائے دین متین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں خطیب کو خطبہ ثانی میں منبر سے ایک سیڑھی اُترنا اور پھر چڑھ جانا یہ شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالسند الکتاب وتوجروا فی یوم الحساب۔

الجواب ھو الصواب: صورتِ مسئولہ میں خطیب کو سیڑھی اُترنا اور چڑھنا جائز نہیں بدعت شنیع ہے جیسا کہ شامی جلد اول صفحہ ۸۶۰ میں مذکور ہے:

قال ابن حجر فی التحفۃ وبحث بعضھم ان ما اعتید الاٰن من النزول فی الخطبۃ الثانیۃ الی درجۃ سفلی ثم العود بدعۃ قبیحۃ	ابن حجر نے تحفہ میں فرمایا کہ بعض لوگوں نے یہ بحث کی ہے کہ یہ جو عادت بنالی گئی ہے کہ دوسرے خطبہ کے وقت منبر کی نچلی سیڑھی اور پھر دوبارہ اوپر والی سیڑھی پر

شنیعۃ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	چلا جانا بدترین بدعت ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

محمد عیسٰی عفی عنہ، المجیب مصیب عنداللہ عبدالرحمٰن ولد مولوی محمد عیسٰی عفی عنہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o اللھم ارنا الحق وارزقنا اتباع وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔	اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت ہی مہربان اور رحم والا ہے، اے اللہ ! ہمیں حق دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ (ت)

مجیب لبیب نے زینہ اترنے کا ناجائز ہونا بلکہ بدعت شنیعہ ہونا جو علامہ شامی نے ابن حجر شافعی کے قول سے جو ان کی کتاب تحفہ میں نقل کیا ہے ثابت کیا ہے ہر گز ناجائز ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے نہ بدعت شنیعہ ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے،
طریقہ محمدیہ کی شرح میں لکھا ہے:

ان المسئلۃ الواقعۃ متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال فی مذھبنا اومذھب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنھی عنہ وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمتہ والنھی عنہ خصوصا [2] انتھی مختصرا۔	یعنی اگر کوئی مسئلہ ایسا واقع ہو کہ اس کی تخریج ہمارے حنفی مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن ہو شافعیوں یا حنبلیوں یا مالکیوں کے مذہب کے موافق اس کی تصریح ممکن ہو تو وہ ایسا منکر نہیں کہ اس کا انکار کرنا اور اس سے منع کرنا واجب ہو بلکہ ایسا اس منکر کیلئے ہے جس کی حرمت اجماعی ہو اور شارع علیہ السلام نے اس سے بالخصوص منع کیا ہو انتہی مختصرًا (ت)

اب اہل انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہی اس زینہ اترنے کی وجہ کیا ہے، امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے صفحہ ۱۶۲ مطبوعہ نولکشور میں تحریر فرماتے ہیں: میدانیہ کہ در خطبہ روز جمعہ نام سلاطین کہ درزینہ پایہ سہ فرود آمدہ می خوانند وجہش چیست ایں تواضعیست کہ سلاطین عظام نسبت بآں سرور وبخلفائے راشدین علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات نمودہ اند و جائز نداشتہ اند کہ اسامی ایشاں بااسامی اکابردین دریک درجہ مذکور شود **شکر اللہ سعیھم** [3]
انتھی علامہ حسین کاشفی مؤلف تفسیر حسینی اپنی کتاب "ترغیب الصلوۃ" میں فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۸

[2] طریقہ محمدیہ شرح طریقہ محمدیہ النوع الثالث الثلاثون مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب نود ودوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۶۲

ازاں پایہ منبر کہ حمد وثنا ودرود گفتہ ذکر خلفائے کرام کردہ نشیب آید وذکر کرودعائے سلطان چوں تمام کند باز بالا رفتہ خطبہ باقیہ تمام کند[1] انتہی مطلب عبارت مکتوب کا یہ ہے کہ تمام مسلمان بھائی جان لیں کہ جمعہ کے دن خطبہ میں نام بادشاہوں کو نیچے کے زینے منبر پر اُتر کر پڑھتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے، آنجناب اس کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ تواضع وفروتنی ہے کہ بڑے بڑے مسلمان بادشاہوں نے بہ نسبت نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والسلام وخلفائے راشدین آں سرور کائنات علیہم الصلٰوۃ والتسلیمات کے کی ہے اور ان بادشاہوں نے یہ بات جائز نہیں رکھی ہے کہ بادشاہوں کے نام ساتھ اسامی اکابر دین کے ایک درجہ میں مذکور ہوں، حضرت مجدد الف ثانی علیہ رحمۃ الباری اُن نیک بخت بادشاہوں کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ان بادشاہوں کی کوشش کو قبول کرے اور ان کو جزائے خیر عطافرمائے۔اور مطلب عبارت "ترغیب الصلٰوۃ" کا یہ ہے کہ منبر کے اس زینۂ معلومہ پر حمد وثناء ودرود پڑھ کراور ذکر خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کرکے نیچے کے زینہ پر خطیب آئے اور ذکر ودعائے سلطان کرکے جب دعائے سلطان تمام ہوجائے پھر اوپر کے زینہ پر چڑھ کر خطبہ باقیہ تمام کرے۔اب منصفین غور فرمائیں کہ ہمارے حنفی مذہب کی کتاب میں بھی اس زینہ اُترنے کے لئے ملا حسین کاشفی حنفی مصنف تفسیر حسینی نے تحریر فرمایا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی وجہ بھی بیان کردی ہے کہ بوجہ مذکور الصدر کے یہ زینہ اُترنا جاری ہوا ہے اب جو علماء اس کو بدعتِ قبیحہ شنیعہ فرماتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں کہ بدعت قبیحہ ومنکر مطابق عبارت شرح طریقہ محمدیہ کے جب ہوتی ہے کہ اس کی تخریج ہمارے مذہب کے کسی قول کے موافق ممکن نہ ہو اور مانحن فیہ میں خود ہمارے حنفی مذہب کی کتابوں میں اس زینہ اترنے کو تحریر فرمایا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کی ہے اب یہ زینہ اترنا بدعت کیسے ہوا، ہاں جو علماء اس کو بدعت قرار دیتے ہیں حنفی مذہب کی اور کتابوں سے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت کریں یا کسی کتاب میں یہ لکھا ہو کہ زینہ اترنا حرام اجماعًا ہے یا شارع علیہ السلام نے صراحۃً منع فرمایا ہے جب اس کا منکر ہونا ثابت ہو تو اس سے منع کرنا واجب ہوگا ودونہ خرط القتاد (جبکہ اس کے آگے مضبوط رکاوٹ ہے۔ت) اور جو علماء اس زینہ اترنے کو بدعت قبیحہ شنیعہ قول علامہ ابن حجر شافعی سے ثابت کرتے ہیں ان پر یہ بات ضرور ہے کہ اس کا بدعت قبیحہ شنیعہ ہونا ثابت کریں، مرقاۃ شرح مشکٰوۃ جلد اول صفحہ ۱۷۹ میں ہے:

[1] ترغیب الصلٰوۃ لعلامہ حسین کاشفی

قال الشافعی رحمه الله تعالٰی ما احدث مما یخالف الکتاب اوالسنة اوالاثر اوالاجماع فھو ضلالة وما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذلك فلیس بمذموم [1] انتھی۔	یعنی حضرت امام شافعی (جن کے علامہ ابن حجر مقلد ہیں) فرماتے ہیں جو ایسی چیز نکالی جائے کہ وہ کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اقوال اصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا اجماع امت کے مخالف ہو وہ بدعتِ ضلالت وبدعت قبیحہ شنیعہ ہے اور جو چیز نیکی سے ایسی نکالی جائے کہ وہ اشیائے اربعہ مذکورہ میں سے کسی چیز کے مخالف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہے انتہی

بلکہ وہ بدعت حسنہ ہے بالجملہ فعل بدعت غیر مذکور میں جن کے اقسام ثلثہ مشہورہ اعنی واجبہ مندوبہ ومباحہ ہیں ان میں سے ایک میں داخل ہے۔ اب اہل انصاف بغور ملاحظہ فرمائیں کہ زینہ اترنا کون سی قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہے یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کون سی حدیث شریف کے خلاف ہے یا کون سے اقوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے۔ جب ان ادلۂ مذکورہ کے خلاف نہ ہوا تو مطابق فرمانے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس کا بدعت قبیحہ ہونا ثابت نہ ہوا اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول "وما احدث من الخیر مما لا یخالف شیئا من ذلك فلیس بمذموم" (جو ایسی نیکی ایجاد کی جائے جو مذکورہ اشیاء (کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اقوالِ صحابہ اور اجماعِ اُمت) کے خلاف نہ ہو وہ ہرگز مذموم نہیں ہوتی۔ت) میں داخل ہوا اور امام شافعی کے قول کے برخلاف علامہ ابن حجر شافعی کا قول دیکھ کر اس زینہ اترنے کو بدعت قبیحہ شنیعہ کہنا مردود ومطرود ہوگیا، عاقل منصف کے لئے اشارہ کافی ہے،

ھذا ما عندی واللہ اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	یہ میرے نزدیک ہے اور اللہ سب سے خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم اور کامل ہے۔(ت)

) حررہ الفقیر الٰی ربہ القدیم عبدالرحیم عفی عنہ

الحمد لله المنزل القراٰن المبین ÷ علی عارج معارج التقریب المکین صلی اللہ تعالٰی علیه واله وصحبه اجمعین ÷ الیه یصعد الکلم الطیب والحمدللہ رب العلمین ÷	سب تعریف اللہ کے لئے جس نے قرآن مبین اس ذاتِ اقدس پر نازل فرمایا جو لامکان کی بلندیوں پر فائز ہوئی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہٖ اجمعین، اور اسی کی طرف مبارک کلمات بلند ہوئے ہیں، الحمدللہ رب العالمین۔(ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام فصل اول مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۱۶

الجواب:

اقول: وباللّٰہ التوفیق کسی فعلِ مسلمین کو بدعت شنیعہ وناجائز کہنا ایک حکم اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو یہ حکم کہ ان کے نزدیک یہ فعل ناروا ہے انھوں نے اس سے منع فرمادیا ہے، اور مسلمانوں پر یہ کہ وہ اس کے باعث گنہگار و مستحق عذاب وناراضیِ رب الارباب ہیں، ہر خداترس مسلمان جس کے دل میں اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کامل عزت وعظمت اور کلمۂ اسلام کی پوری توقیر ووقعت اور اپنے بھائیوں کی سچی خیر خواہی ومحبت ہے کبھی ایسے حکم پر جرأت روانہ رکھے جب تک دلیل شرعی واضح سے ثبوت کافی ووافی نہ مل جائے۔

قال اللہ تعالٰی: اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ [1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یا تم ایسی بات اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں (ت)

کیا اللہ عزوجل پر بے علم حکم لگائے دیتے ہو، دلیل شرعی مجتہد کے لئے اصولِ اربعہ ہیں اور ہمارے لئے قول مجتہد صرف ایسی ہی جگہ علمائے کرام حکم بالجزم لکھتے ہیں اس کے سوا اگر کسی عالم غیر مجتہد نے کسی امر کی بحث کی تو ہر گز اس مسئلے کو یونہی نہیں لکھ جاتے کہ حکم یہ ہے بلکہ صراحۃً بتاتے ہیں کہ یہ فلاں یا بعض کی بحث ہے تاکہ منقول فی المذہب نہ معلوم ہو اور جس کا خیال ہے اسی کے ذمہ رہے وَلِّ حَارَّهَا مَنْ تَوَلّٰى قَارَّهَا (معاملہ کے گرم حال کو بھی اس کے سپرد کردو جو سرد حال کا مالک ہے یعنی اچھا پہلو جس کے سپرد کیا ہے، برا پہلو بھی اسی کے سپرد کردو یا جو نفع اٹھاتا رہا وہی بوجھ اور نقصان بھی اٹھائے۔ اہل عرب کے نزدیک گرم چیز بری اور ٹھنڈی چیز اچھی سمجھی جاتی ہے۔ حارّ العمل سخت اور کٹھن کام، اور قارّ العمل آسان کام۔ت) اگر احیانًا کوئی اسے بطور جزم لکھ جاتا ہے تو اس پر گرفت ہوتی ہے کہ ساقہا مساق المنقول فی المذہب یہ اس مسئلے کو ایسا لکھ گیا گویا مذہب میں منقول ہے خود اسی ردالمحتار وغیرہ کے مواضع عدیدہ سے نظر کرنے والوں کو یہ بیان عیاں ہوجائے گا یہاں بھی علامہ شامی نے وہی طریق برتا، یہ نہ فرمایا کہ نزول وصعود ممنوع یا بدعت شنیعہ ہے بلکہ ابن حجر شافعی کا کلام نقل فرمادیا کہ ماخذ مسئلہ متمیز رہے، منقول فی الذہب ہونا درکنار اپنے کسی عالم مذہب کا مذکور نہ سمجھا جائے، وہی تحفظ امام ابن حجر رحمہ اللہ تعالٰی نے ملحوظ رکھا، مسئلے کا حکم خود نہ لکھا جس سے جزم مفہوم ہو، بلکہ فرمایا **بحث بعضھم** بعض نے یوں بحث کی ہے، بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو نہ صراحۃً کسی کلیۂ نامخصوصہ مذہب کے

---

[1] القرآن ۲/ ۸۰

تحت میں داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث و نظر پر موقوف نہیں مثلاً سوال کیا جائے کہ ایک لڑکے نے چھ مہینے پانچ دن چار گھڑی تین منٹ کی عمر میں ایک عورت کا دودھ پیا اس کی دختر اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ جواب ہوگا کہ حرام، یہ صورت خاصہ اگرچہ اصلاً کسی کتاب میں منقول نہیں مگر اسے ہرگز بحثِ فلاں نہ کہا جائے گا کہ کتب مذہب میں اس کلیہ عامہ کی تصریح ہے کہ مدتِ رضاعت کے اندر جوار تضاع ہو موجب تحریم ہے، تو ثابت ہوا کہ علامہ شامی یا امام ابن حجر اسے کسی کلیہ مذہب کے نیچے بھی صراحۃً داخل ہونا نہیں مانتے ورنہ یہ قال ابن حجر و بحث بعضهم (ابن حجر نے کہا اور اس میں بعض نے بحث کی ہے۔ت) پر اکتفانہ کرتے، پھر بعضھم (کم از کم۔ت) کے لفظ نے اور بھی اشعار کیا کہ یہ خیال صرف بعض کا ہے اکثر علماء اس کے مخالف ہیں لااقل ان کی موافقت ثابت نہیں، خود علامہ شامی نے اسی ردالمحتار میں اس اشارہ واشعار کی جابجا تصریح کی، در مختار میں نظم الفرائد سے نقل کیا: ع

واعتاقه بعض الائمة ینکر [1]

(بعض ائمہ کا اسے آزاد اقرار دینا ناپسند ہے۔ت)

اس پر علامہ شامی نے اعتراض فرمایا ہے:

مفهوم قول بعض الائمة ینکر انه یجوزه اکثرهم ولم ینقل ذلك [2] الخ	قولہ "بعض الائمۃ ینکر" کا مطلب یہ ہے کہ اکثر نے اس نے اسے جائز قرار دیا ہے الخ (ت)

بلکہ تصریح فرمائی کہ ایسی تعبیر اس قول کی بے اعتمادی پر دلیل ہوتی ہے، در مختار کتاب الغصب میں تھا:

اختار بعضهم الفتوی علی قول الکرخی فی زماننا [3]۔	ہمارے زمانے میں بعض نے امام کرخی کے قول پر فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

شامی نے کہا:

هذامن کلام الزیلعی اتی به لاشعار هذا التعبیر بعدم اعتماده [4] (ملخصًا)	یہ امام زیلعی کا کلام ہے ان کی یہ تعبیر واضح کر رہی ہے کہ یہ معتمد نہیں (ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار فصل صفۃ الصلوٰۃ میں تھا:

---

[1] در مختار کتاب الصید مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار کتاب الصید مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۳۹

[3] در مختار کتاب العضب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[4] ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۳۳

لو بقی حرف اوکلمة فاتمه حال الانحناء لاباس به عند البعض منية المصلی[1]۔	اگر ایک حرف یا کلمہ رہ گیا تھا جو نماز میں جھکنے کی حالت میں پورا گیا تو بعض کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں، منیۃ المصلی ۔(ت)

شامی نے لکھا:

قوله لاباس به عند البعض اشار بهذا الی ان هذا القول خلاف المعتمد[2] الخ	قولہ "بعض کے نزدیک کوئی حرج نہیں "اس بات کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ یہ قول معتمد کے خلاف ہے الخ (ت)

اس تقریر منیر سے بحمد اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ علامہ شامی خواہ امام ابن حجر کی تحریر اس دعوے جزم بحکم عدم جواز کے اصلا مساعد نہیں بلکہ ہے تو مخالف ہے، اب رہی بعض کی بحث،

اقول: اوّلاً وہ بعض مجہول ہیں اور مجہول الحال کی بحث مجہول الماخذ کیا قابل استناد بھی نہیں، اسی ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی میں ہے:

قول المعراج رأیت فی موضع الخ لایکفی فی النقل لجهالته[3]۔	صاحب معراج کا قول کہ میں نے کسی جگہ پڑھا ہے الخ ان کے عدم علم کی وجہ سے نقل کے لئے کافی نہیں۔(ت)

ثانیاً محتمل بلکہ ظاہر کہ وہ بعض ائمہ مجتہدین سے نہیں اور مقلدین صرف کہ کسی طبقہ اجتہاد میں نہ ہوں نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں، نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے والا لکان تقلید مقلد وهو باطل اجماعا (ورنہ یہ مقلد کی تقلید ہوجائے گی اور وہ بالاتفاق باطل ہے۔(ت)

ثالثاً اس پر کوئی دلیل ظاہر نہیں، اگر کہیے حادث ہے اقول مجرد حدوث اصلاً نہ شرعاً دلیل منع، نہ اس کی حجیت، علامہ شامی نہ امام ابن حجر نہ ان بعض کسی کو تسلیم، ردالمحتار میں ہے:

صاحب بدعة ای محرمة والا فقد تکون	صاحبِ بدعت محرمہ ہوگا ورنہ کبھی بدعت واجبہ

[1] درمختار واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

[2] ردالمحتار واذاارادالشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۲۴/۱

[3] ردالمحتار کتاب النکاح، باب الولی مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳۹/۲

واجبة کنصب الادلة للردعلی اھل الفرق الضالة وتعلم لنحو المفھم للکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسة وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول ومکروھة کزخرفة المساجد ومباحة کالتوسع بلذیذ المأکل والمشارب الصیاد کمافی شرح جامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النوی ومثلہ فی الطریقة المحمدیة للبرکوی ا[1]۔	ہوتی ہے جیسے کہ گمراہ فرقوں کی گمراہی کارد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو کتاب وسنت کی تفہیم کے لئے ضروری ہے اور کبھی مستحب ہوگی جیسے کہ سرائے اور مدرسہ اور ہر نیکی کاکام جو پہلے دور میں نہ تھا، اور کبھی مکروہ ہوگی جیسے مساجد کو مزین کرنا، اور مباح ہوگی جیسے کھانے پینے اور لباس میں وسعت اختیار کرنا جیساکہ امام مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب نوی سے بیان کیا، اور برکوی کی طریقۂ محمدیہ میں بھی اسی طرح ہے۔(ت)

امام ابن حجر فتح المبین میں فرماتے ہیں:

الحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبھا وعمل المولد واجتماع الناس لہ کذلك[2]۔	حاصل یہ ہے کہ بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے، میلاد شریف کرنا اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بھی بدعتِ حسنہ ہی ہے۔(ت)

خود اسی قول میں بدعت کو قبیحہ شنیعہ سے مقید کرنا مشعر ہے کہ نفس بدعیت مستلزم قبیح وشناعت نہیں معہذایوں تووہ محل جس پر یہ نزول وصعود ہوتا ہے یعنی ذکر سلاطین خودہی بدعت تھا تواس نزول وصعود کے ساتھ تخصیص کلام کی وجہ نہ تھی اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت جامع الرموز:

ثم یدعو لسلطان الزمان بالعدل والاحسان متجنبا فی مدحہ عما قالوا انہ کفر وخسران کما فی الترغیب وغیرہ[3] اھ۔	پھر بادشاہِ وقت کے لئے یہ دعا کی جائے کہ اللہ تعالٰی اسے عدل واحسان کی توفیق دے لیکن بادشاہ کی مدح سرائی سے اجتناب کرے کیونکہ علماء نے کہاہے کہ ایسا کرنا کفراور خسارہ ہے جیساکہ ترغیب وغیرہ میں ہے(ت)

فرمایا:

اشار الشارح بقولہ وجوز الی حمل قولہ	شارح نے "یہ جائز ہے" کہہ کراس طرف اشارہ

1 ردالمحتار باب الامامة مطلب البدعة خمسة اقسام مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴
2 فتح المبین
3 ردالمحتار باب الجمعة مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۹

ثم یدعو علی الجواز لاالندب لانہ حکم شرعی لابدلہ من دلیل وقد قال فی البحر انہ لا یستحب لماروی عن عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ حین سئل عن ذلك فقال انہ محدث وانماکانت الخطبۃ تذکیر اھ ولامانع من استحبابہ فیھا کما یدعی لعموم المسلمین فان فی صلاحہ صلاح العالم ومافی البحر من انہ محدث لاینافیہ فان سلطان ھذا الزمان احوج الی الدعاء لہ ولامراءہ بالصلاح والنصر علی الاعداء وقد تکون البدعۃ واجبۃ اومندوبۃ[1] اھ مختصرا۔	کیا ہے کہ "پھر دعا کرے" کے الفاظ جواز پر محمول ہیں ندب پر نہیں کیونکہ ندب حکم شرعی ہے اس کے لئے دلیل کا ہونا ضروری ہے، اور بحر میں ہے کہ یہ مستحب نہیں کیونکہ حضرت عطاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ نئی ایجاد ہے اور خطبہ تو محض نصیحت کے لئے ہوتا ہے اھ تو خطبہ میں سلطان کے لئے دعا کرنا مستحب ہونے میں کوئی امر مانع نہیں جیسے کہ تمام مسلمانوں کے لئے اس میں دعا کی جاتی ہے کیونکہ سلطان کی اصلاح تمام جہاں کی اصلاح ہوتی ہے، اور جو بحر میں ہے کہ یہ نئی چیز ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ اس دور میں بادشاہ اور اس کے رفقاء اس دعا کے زیادہ محتاج ہیں کہ ان کی اصلاح ہو اور وہ دشمن پر غالب آئے اور بعض اوقات بدعت واجب یا مندوب ہوتی ہے اھ مختصراً (ت)

اگر کہئے زیادت علی السنۃ ہے **اقول:** یوں تو ذکر سلاطین بلکہ ذکر عمین کریمین وبتول زہرا وریحانتین مصطفٰی وستہ باقیہ من العشرۃ المبشرۃ بلکہ ذکر خلفائے اربعہ بھی صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم جمیعا وبارک وسلم سب سے زیادہ علی سنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھہریں گے، زیادہ علی السنۃ وہ مکروہ ہے کہ باعتقاد سنت ہو ورنہ باعتقادِ اباحت یاندب زیادت نہیں۔ درمختار بیان سنن الوضوء میں ہے:

لوزاد لطمأنینۃ القلب اولقصدالوضوء علی الوضوء لاباس بہ وحدیث فقدتعدی محمول علی الاعتقاد[2]۔	اگر کسی نے (تین سے) زائد بار اعضاء کو دھویا اور مقصد اطمینانِ قلب یا وضو پر وضو تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، باقی فرمانِ نبوی "ایسا کرنے والے نے زیادتی کی" اعتقاد (کہ اس کے بغیر وضو نہیں ہوتا) پر محمول ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۹

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲

اسی ردالمحتار میں بدائع امام ملک العلماء سے ہے:

الصحیح انه محمول علی الاعتقاد دون نفس الفعل حتی لو زاد او نقص واعتقد ان الثلاث سنة لایلحقه الوعید [1]۔	صحیح یہ ہے کہ یہ اعتقاد پر محمول ہے نفسِ فعل پر نہیں حتی کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی مگر عقیدہ یہ تھا کہ سنت تین دفعہ ہی ہے تو اسے وعید لاحق نہ ہوگی۔(ت)

خود علامہ شامی فرماتے ہیں:

اقول قد تقدم ان المنھی عنه فی حدیث قدتعدٰی محمول علی الاعتقاد عندنا کما صرح به فی الھدایة وغیرہ وقال فی البدائع انه الصحیح حتی لوزاد اونقص واعتقدان الثلاث سنة لایلحقة الوعید (الی ان قال) ان من اسرف فی الوضوء بماء النھر مثلا مع عدم اعتقاد سنة ذلك. نظیر من ملاء اِناءً من النھر ثم افرغه فیه ولیس فی ذلك محذور سوی انه عبث لا فائدة فیه وھو فی الوضوء زائد علی المامور به فلذاسمی فی الحدیث اسرافًا قال فی القاموس الاسراف التبذیر اوما انفق فی غیر طاعة ولا یلزم من کونه زائداعلی المامور به وغیر طاعة ان یکون حرامًا نعم اذا اعتقد سنیته یکون قد تعدی وظلم لا عتقادہ مالیس بقریة قربة فاذاحمل علماؤنا النھی علی ذلك [2]۔	میں کہتا ہوں کہ پہلے گزرا کہ ہمارے نزدیک فرمان نبوی "اس نے زیادتی کی" میں ممنوع اعتقاد ہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، اور بدائع میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ اگر کسی نے اضافہ کیا یا کمی کی اور اعتقاد یہ رکھاکہ سنت تین دفعہ ہی ہے تو وہ گنہگار نہ ہوگا (آگے چل کر کہا کہ) وہ شخص جو نہر کے پانی میں وضو کرتے ہوئے اسراف کرتا ہے لیکن اس کے سخت ہونے کا اعتقاد نہیں کرتا لیکن اس کے سنت ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا یہ اس شخص کی طرح ہے جس نے نہر سے برتن بھرا پھر اس میں واپس ڈال دیا، تو اس میں کوئی قباحت نہیں سوائے اس کے یہ عمل عبث ہے اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ مامور بہ وضو میں زائد شیئ ہے پس اسی لئے حدیث میں ایسے کو اسراف کا نام دیا گیا ہے۔ قاموس میں ہے اسراف، فضول خرچی یا ایسی جگہ خرچ کرنا ہے جو مقام طاعت کے علاوہ ہو، مامور بہ سے زائد یا مقامِ طاعت کے علاوہ خرچ کرنے سے اس کا حرام ہونا لازم نہیں آتا البتہ

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۹

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۸

اگر کہئے اس میں اندیشہ ہے کہ عوام سنت سمجھ لیں گے

اقول: اولاً وہی نقوض ہیں کہ یہ نفس اذکار بھی سنت نہیں تو اندیشہ یہاں بھی حاصل۔ اور تحقیق یہ ہے کہ اندیشہ مذکورہ نہ فعل کو بدعت قبیحہ شنیعہ کردیتا ہے نہ اس کے ترک کو واجب، بلکہ جہاں اندیشہ ہو صرف اتنا چاہئے کہ علماء کبھی کبھی اُسے بھی ترک کردیں تاکہ عوام سنت نہ سمجھ لیں، اسے ناجائز وبدعت قبیحہ ہونے سے کیا علاقہ! فقیر غفرالمولی القدیر نے اپنی کتاب رشاقۃ الکلام حاشیۃ اذاقۃ الاثام میں اس کی بکثرت تصریحات ائمہ دین علمائے معتمدین حنفیہّ وشافعیہ ومالکیہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے نقل کیں، اسی ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

مقتضى الدليل عدم المداومة لاالمداومة على الترك فان لزوم الايهام ينتفي بالترك احيانا اھ اختصار	دلیل کا تقاضا عدمِ مداومت ہے نہ کہ ترک پر مداومت کیونکہ کبھی کبھار ترک سے لازم وواجب ہونے کی نفی ہوجاتی ہے اھ باختصار (ت)

اب نہ رہا مگر ادعائے عبث کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں، اور عبث ہر جگہ مکروہ ہے نہ کہ خود عبادت میں۔ اس کا جواب الف ثانی کے مکتوبات سے فاضل مجیب دوم سلمہ، نے بروجہ کافی نقل کردیا جس سے اس کی مصلحت ظاہر ہوگئی اور توہم عبث زائل ہولیا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) جن اعصار وامصار میں بعض نے یہ بحث کی وہاں اس فعل پر ایک نکتہ جمیلہ ودقیقہ جلیلہ اصول شرعی سے ناشیئ ہوسکتا ہے جس سے یہ فعل شرعاً نہایت مفید ومہم قرار پاتا اور بحث باحث کا اصلاً پتا نہیں رہتا ہے خطبے میں ذکر سلاطین اگرچہ محدث ہے مگر شعارِ سلطنت قرار پاچکا یہاں تک کہ کسی ملک میں کسی کی سلطنت ہونے کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ وہاں اس کا سکّہ وخطبہ جاری ہے، سلطنتِ اسلامی میں اگر خطیب ذکر سلطان ترک کرے موردِ عتاب ہوگا، مصر ہو تو گویا باغی اور سلطنت کا منکر ٹھہرے گا اور ایسی حالت میں مباح بلکہ مکروہ بھی بقدر اندیشہ فتنہ موکد بلکہ واجب تک مترقی ہوتا ہے، اسی ردالمحتار میں اسی مسئلہ ذکر سلطان میں ہے:

وايضا فان الدعاء للسلطان على المنابر قد صار الاٰن من شعار السلطنة فمن تركه يخشى عليه ولذا قال بعض العلماء لوقيل ان الدعاء له واجب لما فى تركه	سلطان کے لئے منبر پر دعا کرنا بھی اب سلطنت کے شعار میں سے ہوگیا ہے، جو اسے ترک کرے گا اس پر نقصان کا خدشہ ہے اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ اس میں کوئی بُعد نہیں اگر یہ کہہ دیا جائے

من الفتنة غالبا لم یبعد کما قیل به فی قیام الناس بعضهم لبعض [1]۔	کہ سلطان کے لئے دعا کرنا واجب ہے کیونکہ اس کے ترک پر غالبًا فتنہ اٹھنے کا اندیشہ ہوتا ہے جیسا کہ بعض لوگوں کے بعض کے لئے قیام کے بارے میں کہا گیا ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ صدہا سال سے اکثر سلاطین زماں فسّاق ہیں، اس کا فسق اور کچھ نہ ہو تو حدود شرعیہ یک لخت اٹھادینا اور خلاف شریعت مطہرہ طرح طرح کے ٹیکس اور جرمانے لگانا کیا تھوڑا ہے، اسی ردالمحتار آخر کتاب الاشربہ میں سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی سے ہے:

قد قالوا من قال سلطان زماننا عادل کفر [2]۔	علماء نے فرمایا جو ہمارے دور کے سلطان کو عادل کہے گا وہ کافر ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ جس طرح وہ خطبہ میں اپنا نام نہ لانے پر ناراض ہوں گے یوں ہی اگر نام بے کلمات مدح و تعظیم لایا جائے تو اس سے زیادہ موجب افروختگی ہوگا اور فاسق کی مدح شرعًا حرام ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتزله العرش [3]۔ رواه ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابویعلی فی مسنده و البیهقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی فی الکامل عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش الٰہی ہل جاتا ہے اسے امام ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ، ابویعلی نے مسند اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

خطباء جب کہ مجبورًانہ اس میں مبتلا ہوئے ان بندگان خدا نے چاہا کہ اس ذکر کو خطبے سے علیحدہ بھی کردیں کہ نفس عبادت اسی امر پر مشتمل ہے اور بالکل خطبے سے جدائی بھی نہ معلوم ہو کہ آتشِ فتنہ مشتعل نہ رہے اس

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۹

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۷

[3] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ باب فی حفظ اللسان مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

کے لئے اگر یوں کرتے کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے کچھ دیر خاموش رہتے اس کے بعد ذکر سلاطین کرکے بقیہ تمام کرتے تو یہ ہر گز کافی نہ تھا کہ مجلس واحد رہی اور مجلس واحد حسب تصریح کافہ ائمہ جامع کلمات ہوتی ہے جو کچھ ایک مجلس میں کہا گیا گویا سب الفاظ دفعۃً واحدۃ معاً صادر ہوئے۔

وعن ھذا یتم ارتباط الایجاب بالقبول اذا لحقہ فی المجلس والا فی الایجاب انما کان لفظاصدر فعدم والقبول کم یوجد بعد و اذا وجد لم یکن الایجاب موجودًا و الموجود لایرتبط بالمعدوم کما افادہ فی الھدایۃ وغیرھا۔	اور اس سے ایجاب کا قبول سے ربط تمام ہوگا بشرطیکہ وہ مجلس کے اندر ہی ہو ورنہ جب ایجاب لفظًا صادر ہوا اور ابھی تک قبول معرضِ وجود میں نہیں آیا اور جب وہ معرضِ وجود میں آیا تو ایجاب نہ تھا اور موجود کسی معدوم سے مرتبط نہیں ہوسکتا، ہدایہ وغیرہ میں ایسے ہی تحریر ہے (ت)

لہٰذا یہ تدبیر نکالی کہ اس ذکر کے لئے زینہ زیریں تک اتر آئیں اور بقدر امکان مجلس بدل دیں کہ خطبہ پڑھتے پڑھتے نیچے اترنا شرعًا اس کے قطع ہی کے لئے معہود ہے تو عمومًا اجنبی خصوصًا بہ نیت قطع تبدل مجلس وانفصال ذکر کا باعث ہوگا جس طرح تلاوت آیت سجدہ میں ایک شاخ سے دوسری پر جانے کو علماء نے تبدیل مجلس گنا ہے، اسی ردالمحتار میں ہے:

لعل وجھہ ان الانتقال من غصن الی غصن و التسدیۃ ونحوذلك اعمال اجنبیۃ کثیرۃ یختلف بھا المجلس حکما کالکلام والاکل الکثیرلما مر من ان لمجلس اوالبیت یختلف حکما بمباشرۃ عمل یعد فی العرف قطعا لما قبلہ ولاشك ان ھذہ الافعال کذلك وان کانت فی المسجد اوالبیت بل یختلف بھا حقیقۃ لان المسجد مکان واحد حکما وبھذہ الافعال المشتملۃ علی الانتقال یختلف	شاید وجہ یہ ہے کہ ایک شاخ سے دوسری شاخ کی طرف منتقل ہونا اور کپڑا بنانے کے لئے تانا لگانا اعمال اجنبی اور کثیر ہیں جن کی وجہ سے مجلس حکمًا مختلف ہوجاتی ہے جیسے کثیر کلام اور طعام سے مجلس بدل جاتی ہے جیسا کہ پیچھے گزرا کہ مجلس اور گھر، ہر ایسے کام سے حکمًا تبدیل ہوجاتے ہیں جنھیں عرف میں ماقبل کام کو ختم کرنے والا کہا جاتا ہو اور ان افعال کے ایسا ہونے میں شک ہی نہیں اگرچہ یہ مسجد یا گھر میں سرزد ہوں بلکہ ان میں حقیقۃً تبدیلی آجائے گی کیونکہ مسجد حکمًا ایک جگہ کی طرح ہوتی ہے

حقیقۃ بخلاف الاکل فان الاختلاف فیہ حکمی[1]۔	اور ان افعال جو انتقال پر مشتمل ہیں کی وجہ سے حکمًا مختلف ہوجائے گی بخلاف کھانے کے، کیونکہ اس میں اختلاف حکمًا ہوگا۔ (ت)

اس میں اس قدر ہوگا کہ بیچ میں خطبہ قطع کرنا ہوا اس محظور کے دفعہ کو، اس میں کیا محذور جب خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح حدیث شاہزادوں کے لینے کے لئے خطبہ قطع فرماکر نیچے اترنا پھر اوپر تشریف لے جانا ثابت تو بعضہم کی بحث اصلا متجر نہ تھی۔ غرض نقل مذکور میں مدعی عدم جواز کے لئے کوئی محل احتجاج نہیں، جہاں صورت یہ ہو جو فقیر نے ذکر کی وہاں اس نزول وصعود سے یہی نیت کریں اور جب ذکر ومدح سلطان ترک نہ کرسکیں اس مصلح کے ترک کی کوئی وجہ نہیں اور جہاں ایسا نہ ہو جیسا ہمارے بلاد میں وہاں مدح میں الفاظ باطلہ ومخالفہ شرع ذکر کرنا خود حرام خالص ہے، خصوصًا کذب وشنائع کو عبادت میں ملانا، تو اس کے لئے یہ نزول عذر نہیں ہوسکتا، اور جب مخالفات شرع سے پاک تو بہ نیت اظہار مراتب، جس طرح شیخ مجدد رحمہ اللہ تعالٰی کے مکتوبات میں ہے: نزول وصعود ایک وجہ موجہ رکھتا ہے اس صورت میں اس پر نکیر لازم نہیں، ہاں عوام سے اندیشۂ اعتقاد سنیت کے سبب علماء کو مناسب کہ گاہ گاہ اس نزول صعود بلکہ خود ذکر سلطان اعز اللہ نصرہ کو بھی ترک کریں ورنہ دعائے سلطان اسلام محبوب ومندوب ہے اور اس نیت کے لئے نزول وصعود میں بھی حرج نہیں، اور بے دلیل شرعی مسلمانوں پر الزام گناہ وارتکاب بدعت شنیعہ باطل مبین، پس احق بالقبول حکم مجیب ثانی ہے ھذا ماظھرلی (یہ مجھ پر واضح ہوا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵۰: از ڈاک خانہ مہر گنج چڑنکی ضلع بریسال مکان منشی عبدالکریم مرسلہ محمد حسین صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک فریق اسمہ دودمیاں متواطن فرید فوری اند صلوۃ جمعہ را بملک بنگالہ بلکہ ہند را حرام گویند چرا اینجا شہر یست بمصداق قول امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وینفذ الاحکام ویقیم الحدود ایں تعریف نیست مگر اجرت تسبیح وتہلیل وغیر ذلک اخذ می کنند ویک جماعت صلوۃ جمعہ را می خوانند وایں دیار را	ایک فریق جو فرید فوری میں رہائش پذیر ہیں ان کو دودمیاں کہا جاتا ہے ان کے نزدیک بنگالہ بلکہ تمام ہندوستان میں جمعہ حرام ہے کیونکہ یہاں جو شہر ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قول کہ (وہاں حاکم احکام نافذ کرے اور حدود جاری کرے) کی تعریف پر پورے نہیں اترتے، حالانکہ

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۴

شہر گویند بمطابق قول صاحبین وہو قول البعض وہو موضع اذا اجتمع اہلہ فی اکبر مساجدہ لم یسعھم فہو مصر بمصداق ایں کہ ملک بنگالہ وہند را شہر بگویند ونماز مذکور درو ادامی کنند مگر اجرت تسبیح تہلیل را حرام گویند وایں گویند بمطابق قول امام اعظم حرام است ونزد صاحبین جائزست مگر قول متقدمین را اتباع می کنم ومتاخرین درپائے نشدم علی ہذا القیاس ایں ہر جماعت تنازع می کنند۔

وہ تسبیح و تہلیل پر اجرت لیتے ہیں ایک جماعت ________ جمعہ ادا کرتی ہے اور اس علاقہ کو صاحبین کے قول کے مطابق شہر قرار دیتی ہے، اور بعض کا قول ہے کہ شہر کی اس تعریف "ہر جگہ جس کی سب سے بڑی مسجد میں وہاں کے تمام لوگ جمع ہوں تو وہ ان کی گنجائش نہ رکھتی ہو" کے مطابق ملک بنگالہ اور تمام ہندوستان کو شہر کہتے ہیں اور نماز ادا کرتے ہیں تسبیح و تہلیل پر اجرت حرام کہتے ہیں کہ امام اعظم کے قول کے مطابق حرام اور صاحبین کے نزدیک جائز ہے مگر میں متقدمین کے قول کی اتباع کرونگا نہ کہ متاخرین کی، علی ہذا القیاس یہ دونوں جماعتیں آپس میں تنازع کررہی ہیں۔ (ت)

الجواب:

آنکہ گویند المصر مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ نہ مذہب امام ست نہ قول صاحبین بلکہ روایت نادرہ مرجوحہ است و حاجت باونیست امصار دیار ہند وبنگالہ بلا شبہہ شہر ہائے دارالاسلام ست و جمعہ درانہا فرض وترک او معصیت شدیدہ و انکار او ضلالت بعیدہ در مذہب امام وسائر ائمہ ما مصر آنست کہ کوچہاو بازارہائے دائمہ داشتہ باشد ومراوراروستاہا باشد چنانکہ اورا در اصلاح حال ضلع یا پرگنہ خوانند ودروحاکمے باشد کہ بہ حشمت وسطوت خود داد ستم زدہ از ستمگراں تواں گرفت اگرچہ نہ گیرد ہمین ست معنی ینفذ الاحکام ویقیم الحدود الاازہند وبنگالہ چہ گوئی خود حرمین محترمین ہیز از مصریت خارج شوند واقامت جمعہ انجا

یہ جو شہر کی تعریف کررہے ہیں کہ وہ مقام جس کی سب سے بڑی مسجد وہاں کے لوگوں کے لئے گنجائش و وسعت نہ رکھتی ہو یہ مذہب امام ہے نہ صاحبین کا قول بلکہ روایت نادرہ مرجوعہ ہے اور اس کی حاجت بھی نہیں ہندوستان اور بنگالہ بلاشبہہ شہر دارالاسلام ہیں ان میں جمعہ فرض ہے اس کا ترک سخت گناہ اور اس کا انکار شدید گمراہی ہے، امام اعظم اور باقی ائمہ کے ہاں شہر وہ ہوتا ہے جس کے کوچے ہوں اور دائمی بازار ہوں اور اس کے لئے دیہات ہوں جنھیں موجودہ اصطلاح میں ضلع یا پرگنہ کہا جاتا ہے اور وہاں کوئی نہ کوئی ایسا حاکم ہو جو اتنے اختیارات رکھتا ہو کہ مظلوم کو ظالم سے انصاف دلاسکے اگرچہ وہ عملاً ایسا نہ کررہا ہو" وہ احکام کو نافذ کرسکے اور

www.dawateislami.net

حرام زیراکہ حدود از صدہا سال مفقود مسدود شدہ است وبر تسبیح و تہلیل اجرت خواند گرفتن روانیست اجارہ درامور مباحہ باشد نہ درطاعت ومعصیت کماحققہ المولی بن عابدین الشامی فی ردالمحتار والعقود الدریۃ وشفاء العلیل واللہ تعالٰی اعلم۔	حدود قائم کرسکے" کا یہی معنی ہے ورنہ ہند اور بنگلہ کی کیا بات ہوئی خود حرمین شریفین بھی شہر کی تعریف سے خارج ہوجائیں گے اور وہاں جمعہ حرام ہوگا کیونکہ حدود کا قیام صدیوں سے ختم اور بند ہوگیا ہے اور تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا جائز نہیں کیونکہ کرایہ واجرت امور مباحہ میں ہوتی ہے نہ کہ امور طاعت ومعصیت میں جیساکہ ابن عابدین شامی ردالمحتار، عقود الدریۃ اور شفاء العلیل میں اس کی تحقیق کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۱: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب ۳جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

حامدا ومصلیا، ماقولکم ایھا العلماء الکرام من الاحناف العظام فی ھذہ المسئلۃ ان صلٰوۃ الجمعۃ واجبۃ علی اھل القری ام لا بینوا بجواب شاف توجروا بثواب واف۔	اللہ تعالٰی کی حمد اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہوئے، حنفی علماء کرام کا اس مسئلہ میں کیا فرمان ہے کہ اہل دیہات پر جمعہ لازم ہے یا نہیں؟ جواب کافی سے نوازر ثوابِ کامل حاصل کریں۔ (ت)

الجواب:

الجمعۃ علی اھل القری لیست بواجبۃ لقولہ علیہ الصلٰوۃ[ف] والسلام لا جمعۃ ولاتشریق ولا صلٰوۃ فطر ولااضحی الا فی مصر جامع اوفی مدینۃ عظیمۃ[1] ۔ وفی فتح القدیر ان قولہ تعالٰی فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ لیس علی اطلاقہ اتفاقا بین الامۃ اذلا یجوز اقامتھا فی البراری اجماعا ولا فی کل قریۃ عندہ فکان خصوص المکان مرادا	جمعہ اہل دیہات پر لازم نہیں کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جمعہ تکبیرات تشریق، عید الفطر، عید الاضحٰی کی نماز صرف جامع شہر یا بہت بڑے شہر میں ہی ہوسکتی ہے، فتح القدیر میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "پس تم اللہ تعالٰی کے ذکر کی طرف بھاگو" ائمہ کے ہاں بالاتفاق مطلق نہیں کیونکہ جمعہ کا قیام جنگلوں میں بالاتفاق جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک دیہات میں جمعہ نہیں ہوسکتا تو یہاں

1 مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۱

ف: مصنف ابن شیبہ میں یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً منقول ہے۔ نذیر احمد

فیھا اجماعا فقدر الشافعی القریۃ الخاصۃ وقدرنا المصر وھو اولی لحدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ولو عورض بفعل غیرہ کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مقدما علیہ فکیف ولم یتحقق معارضۃ ماذکرنا ایاہ ولھذا لم ینقل عن الصحابۃ انھم حین فتحوا البلاد اشتغلوا بنصب المنابر و الجمع الافی الامصار دون القری ولوکان النقل ولواحادا [1] ایضا ان الجمعۃ فرضت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو بمکۃ قبل الھجرۃ [2] کما اخرجہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فلم یکن اقامتھا من اجل الکفار فلما ھاجرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن ھاجرمعہ من اصحابہ الی المدینۃ لبث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی بنی عمر وبن عوف اربعۃ عشر ایام ولم یصل الجمعۃ فھذا دلیل علی عدم الجمعۃ فی القری والا لصلی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ ومع ان البخاری روی فی صحیحہ کان الناس یتنابون وفی روایۃ یتناولون الجمعۃ من منازلھم والعوالی فیأتون فی	بالاتفاق جگہ کہ تخصیص کرنا ہوگی، امام شافعی نے دیہات کی تحقیق کی اور ہم نے شہر کی، اور شہر حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وجہ سے اولٰی ہے اور اس کا معاوضہ اگر دوسرے کے عمل سے ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اس پر تقدیم ہوگی اور یہ تقدیم کیوں نہ ہو کہ ہمارے مذکور معنی کے خلاف معارضہ ثابت ہی نہیں اسی لئے صحابہ سے یہی منقول ہے کہ جب انھوں نے علاقے فتح کئے تو فقط شہروں میں جامع مسجد اور منبر بنائے نہ کہ دیہاتوں میں، اور اگر وہ دیہاتوں میں بناتے تو ان کا یہ عمل منقول ہوتا خواہ کوئی ایک ہی روایت ہوتی، اور یہ بھی مسلم ہے کہ جمعہ حضور علیہ السلام پر مکہ میں قبل از ہجرت فرض ہوا جیساکہ امام طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نقل کیا ہے لیکن وہاں کفار کی وجہ سے آپ نے جمعہ قائم نہ فرمایا جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چودہ دن تک قبیلہ بنو عمر وبن عوف کے ہاں ٹھہرے رہے مگر آپ نے وہاں جمعہ قائم نہ فرمایا، یہ دلیل ہے اس پر کہ دیہات میں جمعہ نہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں جمعہ قائم فرماتے اور باوجودیکہ امام بخاری نے صحیح روایت کیا کہ لوگ جمعہ پاتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھر اور عوالی سے جمعہ کے لئے آتے پس وہ غبار میں آتے تو انھیں غبار پہنچتی

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۳

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۳

الغبار فیصیبهم الغبار والعرق ویخرج منهم العرق[1] الحدیث وفی القدوری ولاتصح الجمعة الافی مصر جامع اوفی مصلی المصر ولاتجوز فی القری[2] قال مولنا بحرالعلوم فی ارکانه تحت قوله تعالٰی یاایها الذین اٰمنوا اذا نودی للصّلٰوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع (ای یحرم البیع ویجب السعی الی الجمعة بعد سماع النداء) ثم ان البیع قد یطول الکلام فیه فیفوت الخطبة اوالجمعة لان التجار یترکون صفقا تهم فی هذا الزمان ولذامنع من النداء الاول[3] فالبیع والشراء فی المصر ظاہر وقال ایضا فیه ویکره للمریض وغیره من المعذورین ان یصلوا الظهر یوم الجمعة بجماعة، والاباس بالجماعة للظهر للقروی لان الجمعة جامعة للجماعات فی المصر[4]۔ فعلم ان شرط المصر لوجوب الجمعة مشروع لا نه جری التوارث من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی هذا الاٰن ان لایصلی الجمعة	اور پسینہ آتا، اور قدوری میں ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کی جامع یاشہر کی عیدگاہ کا ہونا ضروری ہے دیہاتوں میں جمعہ جائز نہیں، مولٰنا بحرالعلوم "ارکان الاسلام" میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی "اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے ندادی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ اور بیع ترک کردو" کے تحت لکھتے ہیں یعنی اذان کے بعد بیع حرام ہے اور جمعہ کی طرف سعی لازم ہے پھر بیع میں گفتگو طویل ہوجانے کی وجہ سے جمعہ اور خطبہ فوت ہوجاتا ہے کیونکہ ایسے وقت تاجر سودا ختم نہیں کرتے اور اسی لئے نداءِ اوّل کے وقت ہی سے اس سے منع کردیا گیا پس بیع وشراء کا شہر میں ہونا ظاہر ہے، اور وہاں یہ بھی فرمایا کہ مریض اور دیگر معذور لوگوں کے لئے جمعہ کے دن جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا مکروہ ہے البتہ دیہاتی لوگوں کے لئے ظہر کی جماعت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شہر میں جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہوتا ہے اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وجوب جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا مشروع ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ظاہری حیات سے لے آج تک یہی متوارث ہے کہ اہل دیہات جمعہ نہیں پڑھتے،

[1] صحیح البخاری باب من این توتی الجمعۃ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۳
[2] المختصر للقدوری باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ص ۳۹
[3] رسائل الارکان فصل فی الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۸
[4] رسائل الارکان فصل فی الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۸

اھل البدو والقرٰی فالعمل علی قول صاحب القدوری لازم علی المقلدین لانہ قولہ مطابق لمذہب الحنفی واتبعوہ ورجحوہ جمہور فقہاء المحققین ولم ینکرہ احد من علماء الحنفیین کما فی الدرالمختار فعلینا اتباع مارجحوہ وما صححوہ کما لو افتونا فی حیٰی وتھم [1] الحق احق بالاتباع والمقلد الذی یخالفہ فحکم غیر جائز کما فی الدرالمختار واما المقلد فلا ینفذ قضائہ بخلاف مذھبہ اصلا [2] فشرط المصر لصحۃ الجمعۃ محقق عند الجمھور الحنفیۃ بلاانکار احدلکن البتتۃ فقال الامام الشافعی موضع فیہ بنیان غیر منتقلۃ ویکون المقیمون اربعون رجلا من اصحاب المکلفین فاذا کان کذلک لزمت الجمعۃ واختلف الروایات فی مذہبنا ففی ظاھر الروایات بلدۃ لھا امام اوقاضی یصلح الاقامۃ الحدود۔ و فی فتح القدیر قال الامام ابوحنیفۃ المصر کل بلدۃ فیھا سکك واسواق وبھا رساتیق ووال ینصف المظلوم من الظالم وعالم یرجع الیہ	تو صاحب قدوری کے قول پر مقلدین کے لئے عمل لازم ہے کیونکہ ان کا قول مذہب حنفی کے مطابق ہے اور جمہور فقہاء محققین نے اسی کی اتباع کرتے ہوئے اسے ہی راجح قرار دیا ہے اور علماء احناف میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا جیسا کہ درمختار میں ہے تو ہم پر اس کی اتباع لازم ہے جسے انھوں نے راجح کہا اور اس کی تصحیح کی جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں اس پر ہمیں فتوٰی دیتے تو اسی کی اتباع کی جاتی اور حق ہی اتباع کے لائق ہے اور وہ مقلد جو اس کی مخالفت کرے اس کا حکم جائز نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے بہر حال اپنے مذہب کے خلاف مقلد کی قضاء اصلاً نافذ ہوگی صحت جمعہ کے لئے شہر کا شرط ہونا جمہور احناف کے ہاں ثابت ہے اور اس میں کسی کو انکار نہیں، ہاں تعریف شہر میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر وہ جگہ جہاں نہ منتقل ہونے والی آبادی ہو اور وہاں چالیس مکلّف آدمی مقیم ہوں تو وہاں جمعہ لازم ہوجاتا ہے، ہمارے مذہب میں اس بارے میں روایات مختلف ہیں، ظاہر الروایت میں ہے کہ ایسا شہر ہو جس میں کوئی ایسا امام یا قاضی ہو جو اقامتِ حدود کی طاقت رکھتا ہو، فتح القدیر میں ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں شہر وہ ہوگا جس میں محلے اور بازار ہوں اور ایسا والی ہو جو مظلوم کی

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

من الحوادث [1] ورواية عن الامام ابی یوسف المصر موضع یبلغ المقیمون فیه عدد الایسع اکبر مساجد ایاھم فی الھدایة وھوا ختار البلخی [2] وبه افتی اکثر المشائخ لما رأوا فساد اھل الزمان والولاة وعنه ایضا کل موضع فیه یسکن عشرة الاٰف رجل، و عنه ایضا ان کل موضع له امیر وقاض ینفذ الاحکام ویقیم الحدود وھو اختیار الکرخی [3] کذافی الھدایة وقال بعضھم ھو ان یعیش کل محترف بحرفته من سنة الی سنة من غیر ان یحتاج الی حرفة اخری وقال بعضھم ھوان یکون بحال لوقصد ھم عدو یمکنھم دفعه وقال بعضھم ان یولد فیه کل یوم ویموت فیه انسان، وقال بعضھم ھو ان لا یعرف عدد اھله الابکلفة ومشقة فمختار اکثر الفقھاء مراعاة لضرورة زماننا والمفتی به عند جمھور المتاخرین فی تعریف المصر الروایة المختارة للبلخی ای	فریاد رسی کرسکے اور ایسا عالم ہو جس کی طرف لوگ مختلف پیش آنے والے واقعات میں رجوع کرسکیں، امام ابویوسف سے روایت ہے کہ شہر وہ جگہ ہے جہاں کے رہائشی اتنے ہوں کہ وہاں کی سب سے بڑی مسجد ان کے لئے ناکافی ہو، ہدایہ میں ہے یہ امام بلخی کا مختار ہے اور فساد زمانہ اور امراء کا فتنہ دیکھتے ہوئے اکثر مشائخ نے اسی پر فتوی دیا، اور امام ابویوسف سے یہ روایت بھی ہے کہ ہر وہ جگہ شہر ہے جہاں دس ہزار مرد مقیم ہوں یہ بھی روایت ہے کہ ہر وہ مقام جہاں ایسا امیر یا قاضی ہو جو احکام کو نافذ اور اقامت حدود کا اختیار رکھتا ہو، امام کرخی نے اسی کو اختیار فرمایا ہدایہ۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ وہاں ہر صاحب صنعت سالہاسال سے اس طرح رہتا ہو کہ اسے دوسری صنعت کی محتاجی نہ ہو، بعض کی رائے یہ ہے کہ اگر وہاں دشمن حملہ آور ہو تو ان سے دفاع ممکن ہو بعض نے کہا کہ وہاں ہر روز کوئی نہ کوئی پیدا ہو اور کوئی نہ کوئی مرے، بعض نے کہا کہ وہاں کے رہائشی لوگوں کی تعداد کا علم بغیر مشقت کے نہ ہو سکے، ہمارے زمانے کی ضرورت کے پیش نظر تعریف شہر میں اکثر فقہاء کا مختار اور متاخرین کا مفتی بہ قول وہی روایت ہے جو امام بلخی کی مختار ہے وہ مقام شہر ہے جس کی سب سے

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

[2] الہدایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۴۸

[3] الہدایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۱۴۸

مالا یسع اکبر مساجدہ اھلہ المکلفون بھا، وقال ابوشجاع ھذا حسن ماقیل فیہ وفی الولوالجیہ وھو صحیح[1] بحر وعلیہ مشی فی الوقایۃ ومتن المختار وشرحہ وقدمہ فی متن الدرر علی قول الاٰخر وظاہرہ ترجیحہ وایدہ صدر الشریعۃ بقولہ لظھور التوانی فی احکام الشرع لاسیما فی اقامۃ الحدود فی الامصار[2] وکل موضع یصدق علیہ التعریف المذکور فھو مصر تجب الجمعۃ علی اھلہ والافلا تجب سواء ذلک الموضع یتعارف بلفظ القریۃ اودونھا غیر المصر، فالاٰن ھو لاحق فی حکم المصر شرعا لا عرفا لتطبیق تعریف المتاخرین وھذا احسن ومالایصدق عیہ التعریف المذکور فھو لیس بمصر شرعا وعرفا ففی لفظ القریۃ اعتبار ان شرعا بحیث ترسم بہ وبحیث لاترسم بہ ففی الاول تصح الجمعۃ وھی مدینۃ عظمۃ اوقریۃ کبیرۃ وفی الثانی لا تصح الجمعۃ وھی قریۃ صغیرۃ ومفازۃ ومثلھا کما یدل علیہ عبارۃ القھستانی وتقع فرضا فی القصبات والقری الکبیرۃ فیھا اسواق[3]۔وفی البحر لاتصح فی قریۃ ولامفازۃ لقول	بڑی مسجد وہاں کے مکلّف لوگوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو شیخ ابوشجاع کہتے ہیں کہ ان تعریفات میں یہ حسن ہے، ولوالجیۃ میں ہے کہ یہی صحیح ہے، بحر، وقایہ، متن مختار اور اس کی شرح میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے،اور متن درر میں اسے ہی دوسری قول پر مقدم کیااور ظاہرًا ترجیح اسی کو ہے، صدرالشریعۃ نے اپنے اس قول سے تائید کی ہے کہ کیونکہ احکامِ شرع خصوصا اقامتِ حدود میں سستی واقع ہو چکی ہے، ہر وہ جگہ جس پر تعریف صادق آرہی ہو وہ شہر ہے اور وہاں کے رہنے والوں پر جمعہ لازم ہوگا اور اگر تعریف صادق نہ آئے تو وہاں جمعہ نہیں ہوگا خواہ وہ قریہ کے نام سے متعارف ہو یا کسی اور نام سے، تواب وہ مقام متاخرین کی تعریف کے مطابق حکم مصر میں شرعا ہوگا نہ کہ عرفًا اور یہی احسن ہے، اور جس پر تعریف مذکور صادق نہ ہو وہ شرعًا شہر ہے نہ عرفًا لفظ قریہ میں شرعًا دو۲ اعتبار ہیں ایک وہ جس کی یہ تعریف کی گئی، دوسری وہ جس کی یہ تعریف نہ ہوسکے، پس پہلے میں جمعہ صحیح ہے اور بڑا شہر یا قصبہ ہے اور درسرے میں جمعہ صحیح نہیں اور یہ دیہات ہے اور جنگل کا بھی یہی حکم ہے جیسا کہ اس پر قہستانی کی عبارت دال ہے کہ قصبات اور بڑے دیہاتوں جن میں بازار ہوں جمعہ فرض ہوتا ہے، اور بحر میں ہے کہ قریہ اور جنگل میں جمعہ نہیں ہوسکتا

1 بحر الرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۰

2 شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۰

3 جامع الرموز فصل صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۱

علی رضی الله تعالٰی عنه لا جمعة ولا تشریق ولاصلٰوة فطر ولااضحی الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة ثم قال فلا تجب علی غیر اهل المصر[1] کذا فی الطحطاوی فبینهما عموم وخصوص فثبت بالدلائل المذکورة فرضیة الجمعة مخصصة بالاجماع فان صلی الجمعة اهل قریة لایقال لها مصر شرعا لایسقط الظهر عن ذمته وان صلی الظهر فرادی یعصو بکبیرة لترك الواجب ای الجماعة الظهر باداء جماعة النفل وهذا من قباحة عظیمة. اعلم ان الجمعة جامعة للجماعات وفی اداء الظهر بالجماعة تفریق الجماعة عن الجمعة وتقلیلها فیها بخلاف اهل القرٰی اذلا جمعة علیهم. ولا یفضی اداء الظهر بالجماعة الٰی تفریق الجمعة و تقلیلها فیکون ذلك فی حقهم کسائرالایام فی جواز اداء الظهر بالجماعة من غیر کراهة مجالس الابرار فقول من یقول ما الفرق بین الجمعة والظهر غیر الخطبتین وصحت الجمعة بلاکراهة فی کل موضع مثل الظهر سواء کان ذلك الموضع مصرا اوقریة اوغیره وتارکها بلاعذر فاسق وعاص. مردود وقائله ضال مضل

کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے کہ جمعہ، تکبیرات تشریق، نماز عیدالفطر اوراضحٰی مصر جامع یابڑے شہر کے سوانہیں ہوسکتیں، پھر کہااہل شہر کے علاوہ یہ کسی پرلازم نہیں طحطاوی میں اس طرح ہے، توان دونوں کے درمیان عموم وخصوص کی نسبت ہے تو دلائل مذکورہ سے واضح ہوگیا کہ بالاتفاق فرضیت جمعہ مخصوص ہے تواگر ایسے اہل دیہات جمعہ قائم کریں جسے شرعًا شہر نہیں کہا جاسکتا تو ان کے ذمّے سے ظہر ساقط نہ ہوگی، اوراگروہ تنہاادا کریں گے توانھوں نے کبیرہ کاارتکاب کیا کیونکہ واجب کاترک ہوا یعنی نوافل جماعت کے ساتھ ادا کرنے کی وجہ سے ظہر کی جماعت ترک کردی اور یہ عظیم قباحت ہے۔ واضح رہے کہ جمعہ تمام جماعتوں کا جامع ہے، ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کی جماعت کو متفرق اور کم کرنا ہے. بخلاف اہل دیہات کے کہ وہاں جمعہ لازم نہیں تو وہاں ظہر کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا جمعہ کے لئے تفریق و تقلیل کا سبب نہیں ان کے لئے تو یہ دن جماعت کے ساتھ بلاکراہت ظہر ادا کرنے کے لحاظ سے دیگر دنوں کی طرح ہی ہے مجالس الابرار، تووہ شخص جو کہتا ہے کہ جمعہ اور ظہر کے درمیان خطبوں کے علاوہ کوئی فرق نہیں، جمعہ ہر جگہ ظہر کی طرح ادا ہوجاتا ہے خواہ شہر ہو یا دیہات یااور کوئی مقام ہو، اس کاتارک فاسق اور مردود ہے توایسے قول کا قائل گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے اوراس کا تعلق مقلدین سے

[1] بحرالرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰/۲

لیس منا المقلدین وعلی المقلدین اجتناب عن اقواله وافعاله واحتراز عن مصاحبته ومخالطته والله اعلم وعلمه احکم کتبه احقر الوری ابوالفیض محمد حبیب الرحمٰن عفا الله عنه۔	نہیں، اس کے اقوال وافعال، اس کی محبت و مخالطت سے مقلدین کو احتراز کرنا لازم ہے، اللہ تعالٰی کا علم کامل واکمل ہے، کتبہ احقرالوری ابوالفیض محمد حبیب الرحمٰن عفااللہ عنہ ۔(ت)

الجواب:

الذی یدعي عموم الجمعة کل محل ولا یخصه بمصر ولاقریة فقد خالف الاجماع وهو ضلال بلانزاع وقد اجتمع ائمتنا علی اشتراط المصر لها وان الاشتغال به فی القری تکره تحریما لکونه اشتغالا بمالا یصح کما فی الدر[1] وغیره وقد حققنا المسئلة فی رسالتنا لوامع البها وغیر ما موضع من فتاوٰنا واما المصر فالصحیح فی تعریفه ماهو ظاهر الروایة عن امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی کما بیناه فی فتاوٰنا بمالا مزید علیه واما ما لایسع اکبر مساجده اهله فغیر صحیح عند المحقیقن کما نص علیه فی الغنیة وکفی قاضیا علیه بالبطلان ان مکة والمدینة تخرجان علیه من المصر وتمنع الجمعة فیهما لان اتساع مسجدیهما لایوف مؤفة من یرد الیهما من الافاق مشاهد مرئی فضلا عن اهلهما خاصة۔ والله تعالٰی اعلم	جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ جمعہ ہر مقام پر ہوجاتا ہے اس کے لئے کسی شہر اور دیہات کی تخصیص نہیں، وہ بالاتفاق اجماع کے مخالف اور گمراہ ہے ہمارے ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جمعہ کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے دیہاتوں میں جمعہ کا قیام مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ نادرست کام میں مشغول ہونا ہے جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے، اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ لوامع البہا اور اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ کی ہے، شہر کی صحیح تعریف جو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ظاہر الروایت میں منقول ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وہ تفصیل دی جس پر اضافہ دشوار ہے، رہی یہ تعریف کہ "جس جگہ کی سب سے بڑی سے بڑی مسجد اس کے باشندوں کی گنجائش نہ رکھتی ہو" محققین علماء کے ہاں درست نہیں، جیسا کہ اس پر غنیہ میں تصریح ہے اور اس تعریف کے بطلان پر یہی دلیل کافی ہے کہ اس صورت میں مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ دونوں ہی شہر نہ ہوں اور ان میں جمعہ کی نماز منع ہو کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ وہ تو مشرق تا مغرب آنے والے زائرین سے نہیں پر ہوتیں، چہ جائیکہ وہاں کے لوگوں کے لئے کافی نہ ہوں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

1 درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

مسئلہ ۱۳۵۲: از بنگال

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ جمعہ کی اذان ثانی میں مقتدیوں کو بھی مناجات کرنا اور جمعہ و عیدین کے خطبہ کو بسم اللہ شریف سے شروع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جواز کہتے ہیں عدمِ جواز کی دلیل چاہتے ہیں۔

الجواب:

اذانِ ثانی کا جواب امام دے مقتدیوں کو ہمارے امام کے نزدیک جائز نہیں صاحبین اجازت دیتے ہیں تبیین الحقائق میں اول کو احوط کہا اور نہایہ اور عنایہ میں ثانی کو واضح، تو عمل اول ہی پر ہے کہ وہی قولِ امام ہے، اور اگر کوئی ثانی پر عمل کرے تو اس سے بھی نزاع نہ چاہئے کہ تصحیح اُس طرف بھی ہے ابتدائے خطبہ میں بسم اللہ کہنے کے جواز میں تو شک نہیں کہ منع شرعی نہیں مگر آہستہ کہے، کتابوں میں جس قدر لکھا ہے وہ یہ ہے کہ اعوذ آہستہ پڑھ کر خطبہ شروع کرے کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵۳: از نصیر آباد محلّہ تیلیان مرسلہ محمد عمر صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

داود ولد محمد علی عرف پیر جی پیش امام مسجد دودھیان نصیر آباد مورخہ ۵ جولائی ۱۹۱۸ء بروز جمعہ خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے اور جب خطبہ اول ختم کرکے دعا کے لئے بیٹھے اُس وقت دو شخصوں نے کھڑے ہو کر سنت پڑھنا شروع کی تب مسمّٰی داود مذکور بالا نے کچھ خطبہ ثانی پڑھ کر فرمایا کہ سنتوں کا خطبہ اول وثانی میں پڑھنا ناجائز ہے اور جب خطبہ میں نام محمد مقتدی سنیں تو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا ناجائز ہے، آیا یہ مسئلہ جو مسمّٰی داود نے بیان کیا قرآن شریف وحدیث کے مطابق ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کی نسبت جو خطبہ میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا جائز نہ جانتا ہو اس کے حق میں ازروئے شرع شریف میں کیا حکم ہے آیا خارج اسلام ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو ایسے عقیدہ والے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جس کا ذکر اوپر ہوا ہے جائز ہے یا نہیں؟ شیخ محمد عمر نصیر آباد رسول بخش اوورسیر، محمد اکبر خان، قمرالدین کلرک۔ نور محمد مستری۔ لعل محمد

الجواب:

اطراف واقطار سے ہمارے معزز اہلسنت بھائی حفظھم اللہ تعالٰی بعض سوالات بعض مسائل فقہیہ کی نسبت بھیجتے ہیں ان سوالوں میں جو قول کسی کا نقل کرتے ہیں اسے وہابیت وغیرہ ضلالتوں سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص چنین وچناں ہے جواب استفتاء میں یہاں خط ملحوظ نہیں ہوتا خصوصًا بارہا وہ بات جو اس شخص کی طرف نسبت کی فی نفسہٖ صحیح ہوتی ہے اب اس کی تصحیح کیوں نہ کیجئے، کہ بات صحیح ہے اور تصحیح کیجئے تو عوام ذہن میں وہابی وغیرہ ضالین کی باتوں کا صحیح ہونا آتا ہے جس سے اندیشہ ہے کہ وہ اس کی اور باتوں

کو بھی صحیح یا مشکوک ہی سمجھنے لگیں، اور یہ ان کے دین کا نقصان ہے، وہابی ہو یا کوئی کافر، یہودی، مجوسی، بت پرست وغیرہم کسی کی سب باتیں جھوٹی نہیں ہوتیں کوئی نہ کوئی بات ہر شخص سچ کہتا ہے، فقہ حنفی تو متعدد اشخاص مثل زمخشری وزاہدی ومطرزی معتزلہ گزرے ہیں ان کے اقوال فروعِ فقہ میں نقل ومسلم ہوتے ہیں اور عقائد میں وہ لوگ گمراہ بددین ہیں یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، بلاشبہ صحیح مذہب یہی ہے کہ دونوں خطبوں کا سننا فرض ہے اور کسی خطبے کے وقت نہ سنتیں پڑھنے کی اجازت، نہ اللہ عزوجل کا نام پاک سن کر عزشانہ وغیرہ نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ زبان سے کہنے کی اجازت کہ بحالت خطبہ سلام وکلام مطلقًا حرام ہے، ہاں دل میں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہیں، درمختار میں ہے:

اذا خرج الامام فلا صلٰوۃ ولاکلام الی تمامھا خلاقضاء فائتۃ لم یسقط الترتیب بینھا و بین الوقتیۃ. فانھا لاتکرہ سراج وغیرہ لضرورۃ صحۃ الجمعۃ والا لا فیحرم کلام ولو تسبیحا اوامر بمعروف بل یجب علیہ ان یسمع ویسکت[1] ـ (ملخصا)	جب امام آجائے تو اب اتمام تک نہ کلام نہ نماز جو فوت شدہ نماز کی قضاء کے علاوہ ہو جبکہ اس میں اور وقتی نماز میں ترتیب ساقط نہ ہوئی ہو، لہذا قضاء میں کراہت نہیں تاکہ جمعہ صحیح ہو، سراج وغیرہ، اور اگر ایسی صورت نہیں تو کلام حرام خواہ ایک تسبیح ہی کیوں نہ ہو، اسی طرح امر بالمعروف بھی، بلکہ اس پر لازم ہے کہ خطبہ سنے اور خاموش رہے۔(ت)

اسی میں ہے:

ینصت ان قرأ الامام آیۃ ترغیب اوترھیب کذا الخطبۃ فلا یأتی بمایفوت الاستماع لو کتابۃ اوردسلام وان صلی الخطیب علی البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الااذاقرأ آیۃ صلوا علیہ فیصلی علیہ المستمع سرا بنفسہ وینصت بلسانہ عملا بامری صلوا وانصتوا[2] ـ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم	جب امام کوئی آیت ترغیب یاترہیب پڑھے تو مقتدی خاموش رہے، اسی طرح خطبہ کا معاملہ ہے، پس ایسا کام نہ کرے جس سے سماع فوت ہوتا ہو اگرچہ کتابت ہی کیوں نہ ہو یا سلام کا جواب دینا ہو اگرچہ خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ رہا ہو البتہ جب خطیب آیت صلوا علیہ کہے تو سننے والا دل میں آہستہ درود شریف پڑھ لے اور زباں سے خاموش رہے تاکہ دونوں حکموں درود شریف پڑھو اور خاموش رہو پر عمل ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] درمختار فصل ویجہر الامام الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۱

مسئلہ ۱۳۵۴: از اودیپور میواڑ راجپوتانہ مہارانا اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ
جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ پڑھتا ہے تو کتاب میں دیکھ کر پڑھتا ہے اور ایک شخص یہاں بے دیکھے کتاب پڑھتا ہے لہٰذا فرمائیں دونوں میں کس کا عمل موافق سنت ہے؟

الجواب:

دیکھ کر اور زبانی نفس ادائے حکم میں یکساں ہیں مگر زبانی اوفق بالسنۃ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵۵: از بنبی اسٹیشن باندرہ محلّہ نوا پارہ مسجد مرسلہ محمد جہانگیر صاحب امام مسجد مذکور ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ
جناب مولانا صاحب حجۃ قاہرہ مجد دمائۃ حاضرہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکتہ، گزارش یہ ہے کہ یہ رسالہ آپ کی خدمت میں روانہ کرکے عرض کیا جاتا ہے کہ اس میں آپ کی مہر ہے اور آج کل یہاں دعاء بین الخطبتین میں تنازع ہے تو ہم لوگ اس رسالہ پر آپ کی مہر دیکھ کر عمل کرلیا ہے کیونکہ آپ کی دستخط تحریر ہیں اور چند علمائے ہند نامی کی بھی دستخطیں تحریر، اس وجہ سے لوگوں نے بے دغدغہ عمل کرلیا ہے تو اسی واسطے آپ کی خدمت میں ارسال کرکے عرض ہے کہ دستخط آپ کے موجود ہیں اور دیگر علمائے ہند نامی گرامی کی تحریر ہے تو عمل کریں یا نہ کریں اور اس رسالہ میں جو دلیلیں تحریر ہیں صحیح ہیں یا نہیں، جیسا آپ تحریر فرمائیں آمنا کیا جائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، دعا بین الخطبتین ہرگز ایسی چیز نہیں ہے جس سے ممانعت پر کچھ بھی زور دیا جائے ایسے مسائل میں تفرقہ اندازی، فتنہ پردازی، جدال پسندی، فریق بندی وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اس کے ذریعہ شہرت چاہتے ہیں، فقیر کی عبارت کہ اس رسالہ میں منقول ہوئی ہے کہ اس میں بہت قطع وبرید کی گئی ہے میرا مسلک اس میں ہمیشہ یہ رہا ہے کہ خود میرے سامنے مقتدین دعا کرتے ہیں اور میں کبھی منع نہیں کرتا اور یہی مسلک میرے آبائے کرام اور محققین اعلام کا رہا ہے رحمۃ اللہ تعالٰی اجمعین، خود بنبی میں بھی میں نے جمعہ پڑھایا اور حاضرین نے بین الخطبتین دعائیں مانگیں اور میں نے نہ اس وقت منع کیا نہ بعد کو، اس رسالہ میں بہت اغلاط فاحشہ ہیں اور بہت اکاذیب باطلہ ہیں، یہاں تک کہ صحیح حوالوں کو جھٹلایا ہے اور خود محض جھوٹا حوالہ کتاب پر گھڑ کر دیا ہے ان امور کی تفصیل اور مسئلہ کی تحقیق جمیل ایک رسالہ ہوسکتی ہے مسلمانوں کو سمجھ لینے کو اتنا کافی ہے کہ یہ شخص اور اس کے استاذ دیوبندی ہیں گنگوہی کے شاگرد اور گنگوہی وتھانوی کے مداح، اور یہ وہ ہیں کہ علماء کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان کے کفر کا فتوی دیا اور فرمادیا کہ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**

جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، نہ کہ وہ جو انھیں عالمِ دین جانے اور چنان وچنیں مانے، **والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۶: ہادی حسن خاں از کانپور نئی سڑک ۱۵صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک دیہات ہے جس کی آبادی تقریبًا پانچسو کے ہے اور اس میں ایک ایسی مسجد ہے کہ اگر اس گاؤں کے مکلفین اس میں جمع ہوں تو مسجد پر نہ ہوگی اور اس کے قریب دو دو کوس پر کئی قصبے ہیں تو اس گاؤں میں از روئے مذہب حنفی نمازِ جمعہ وعیدین جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

باجماع جملہ ائمہ حنفیّہ اس میں جمعہ وعیدین باطل ہیں اور پڑھنا گناہ، تمام متون وشروح وفتاوٰی میں ہے: **شرط صحتھا المصر** [1] (جمعہ کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے۔ت) درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القرٰی تکرہ تحریما لانہ اشتغال بمالا یصح لان المصر شرط الصحۃ[2]۔	دیہاتوں میں عید کی نماز مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے عمل میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں کیونکہ اس کی صحت کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے۔(ت)

خود نہ پڑھیں گے حکم پوچھا جائے گا تو فتوٰی یہ دیں گے جہاں نہیں ہوتے قائم نہ کریں گے بااینہمہ اگر عوام پڑھتے ہوں منع نہ کریں گے۔ درمختار:

کرہ تحریما صلٰوۃ مطلقا ولو نفلا مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک[3]۔ (ملخصًا)	طلوعِ آفتاب کے وقت ہر نماز مکروہ تحریمی ہے خواہ نفل ہو لیکن عوام کو نماز پڑھنے سے روکا نہیں جائے گا کیونکہ وہ بالکل ترک کردیں گے، اور جو بعض کے نزدیک جائز ہو اس کا بجالانا ترک سے اولٰی ہوتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فلایمنعون افادان المستثنٰی المنع	قولہ "فلایمنعون" واضح کررہا ہے کہ استثناء

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

لاالحکم بعدم الصحۃ عند ناقولہ عندالبعض ای بعض المجتھدین کالامام الشافعی ھنا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	منع کا ہے نہ کہ عدم صحت کے حکم کا ہمارے نزدیک، قولہ عند البعض یعنی بعض مجتہدین مثلاً امام شافعی کے نزدیک اس مقام پر جواز کا قول ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵۷: عبدالستار ابن اسمٰعیل از رنگون ۲ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں جمعہ کی نماز پڑھانے والا دیوبندی یا بدعقیدہ اور دوسری کسی مسجد میں بھی جمعہ نہ ہوتا ہو یا تمام مساجد جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے ان کے امام بدمذہب ہوں تو ایسی صورت میں اہل سنت جمعہ کو ترک کرے یا کوئی اور حکم ہے؟ نیز ایسا ہی عیدین کی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب صورت ایسی ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ کسی مسلمان صالح امامت کو اپنا امام مقرر کریں اس کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھیں، جمعہ قائم کرنے کے لئے اگر کوئی مسجد بنائیں تو اذن عام مسلمین واشتہار کے ساتھ کسی میدان خواہ مکان میں پڑھیں اور اگر اس پر قدرت نہ ہو اور سب مساجد کے امام دیوبندی یا وہابی یا غیر مقلد یا نیچری یا مرزائی وغیرہم مرتدین ہیں تو فرض ہے کہ ظہر تنہا تنہا پڑھیں ان لوگوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے جیسے کسی بت پرست یا آریہ کے پیچھے یہ ترک جمعہ نہ ہوا کہ وہ جو پڑھ رہے ہیں لغو و باطل حرکت ہے نماز ہی نہیں، اور ان کی اقتداء بوجوہ حرام قطعی ہے بلکہ ان کے عقائد پر مطلع ہو کر پھر بھی انھیں قابل امامت جانے تو کافر ہوجائے **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ت) ہاں اگر کہیں ایسا بدمذہب ہو جس پر حکم کفر نہیں جیسے تفضیلیہ، اور سنی کی امامت نہ مل سکے تو اس کے پیچھے جمعہ و عیدین پڑھ لے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۵۸: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دوسری بستی میں جمعہ ہوتا ہے لوگ وہاں جاکر جمعہ پڑھتے ہیں اب وباء یعنی ہیضہ وغیرہ آگیا ہو تو ایسی حالت میں اس ہیضہ والی بستی میں جاکر جمعہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ جگہ حوالیِ شہر ہے تو دوسری جگہ نہیں اسی کا حصہ ہے ورنہ اگر خود شہر ہے تو بغیر وبا بھی یہیں جمعہ

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۳

قائم کیا جائے نہ کہ دوسری جگہ پڑھنے جائیں، اور اگر گاؤں ہے تو ان پر جمعہ نہیں بحالت وباء وہاں نہ جائیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۵۹: از بمبئی بنجر ضلع منڈلا مسئولہ عبدالستار صاحب پیلی بھیتی ۳ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر سننا جائز ہے؟

الجواب:

خطبہ سننے کی حالت میں حرکت منع ہے اور خطبہ بلاضرورت کھڑے ہو کر سننا خلاف سنت ہے، عوام میں یہ معمول ہے کہ خطیب آخر خطبہ میں ان لفظوں پر پہنچتا ہے ولذکراللہ تعالٰی اعلٰی تو اس کے سنتے ہی نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں یہ حرام ہے کہ ہنوز ختم نہ ہوا چند الفاظ باقی ہیں اور خطبہ کی حالت میں کوئی عمل حرام ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶۰: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مطبع سرکاری مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک مسجد میں جمعہ بامامتِ خود پڑھا یا دوسری مسجد میں ایک ضرورت کی وجہ آجانے سے خود مقتدی ہو کر بھی جمعہ پڑھا، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

کوئی حرج نہیں جبکہ امامت پہلے کرچکا ہو فان التنفل بالجمعة غیر ممنوع (جمعہ کو نفل بنانا منع نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶۱: از شہر مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا قول ہے علمائے اہلسنت وجماعت کا اس مسئلہ میں کہ شہر میں بہت جگہ نماز ہوتی ہے تو ہر وہ مسجد جس میں جمعہ ہوتا ہے جامع مسجد ہے اور جامع مسجد کی فضیلت رکھتی ہے یا وہی ایک مسجد جو متصل قلعہ کے جامع مسجد مشہور ہے اور شہر میں بہت جگہ جمعہ ہونے میں کچھ ممانعت تو نہیں ہے اور جمعہ میں کم از کم کے آدمی ہوں جو نہ ہوسکے اور زیادہ ثواب شہر کس مسجد میں ہے؟

الجواب:

جامع مسجد وہی ایک مسجد ہے شہر میں متعدد جگہ جمع ہونے کی ممانعت نہیں، جمعہ کے لئے کم سے کم امام کے

سوا تین آدمی ہوں مگر جمعہ وعیدین کا امام ہر شخص نہیں ہوسکتا وہی ہوگا جو سلطان اسلام ہو یا اس کا نائب یا اس کا ماذون، اور ان میں کوئی نہ ہو تو بضرورت جسے عام نمازی امامِ جمعہ مقرر کرلیں، جمعہ کا زیادہ ثواب جامع مسجد میں ہے مگر جبکہ دوسری جگہ کا امام اعلم وافضل ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۲: از جروده ضلع میرٹھ مرسلہ سید الطاف حسین صاحب زمیندار و گورنمنٹ پنشنر ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں تین مسجدیں ہیں اور تینوں میں پنجوقتہ باجماعت نماز ہوتی ہے آٹھ سات حافظ قرآن ہیں، دو تین حاجی الحرمین الشرفین ہیں، دس پندرہ اچھی فارسی اور دو تین کچھ عربی فارسی پڑھے ہوئے ہیں، ایک صاحب مدرسہ طیبہ دہلی کے سند یافتہ اور تین چار عطائی طبیب ہیں، ایک شخص آنکھیں بناتا ہے، ایک قرآن مکتب ہے جس میں دس بارہ طالب علم قرآن شریف حفظ کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک گورنمنٹی مدرسہ ہے ڈاک خانہ بھی موجود ہے، پانچ چھ آدمی انگریزی داں ہیں جن میں بی اے اور ایف اے بھی ہیں پندرہ سولہ آدمی گورنمنٹی ملازم ہیں جو دس روپیہ سے تین سو روپیہ تک تنخواہ پاتے ہیں ایک شخص گورنمنٹ سے تیس روپیہ پنشن پاتا ہے، تین چار دکانیں ہیں جن میں ضرورت کی تمامی اشیاء ہمہ وقت دستیاب ہوتی ہیں، تین چار بزاز ہیں، دو پنواڑی کی ایک عطاء کی دکان ہے، تین چار گھر قصابوں کے ہیں، پانچ چھ پختہ مکانات ہیں، سات پختہ کنویں بستی میں آبنوشی کے ہیں سوائے گڑریوں اور چماروں کے ہندو کوئی آباد نہیں، قربانی وغیرہ آزادی سے ہوتی ہے زمیندار مسلمانوں کی ہے، بھنگی، سقہ، بڑھئی، لوہار، حجام وغیرہ پیشہ ور سب آباد ہیں قریبًا بارہ سو ۱۲۰۰ کی مردم شماری ہے، ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی رہی ہے جس میں کبھی کبھی تین تین سو آدمیوں کا مجمع ہوجاتا ہے، اب بعض بعض حضرات معترض ہیں کہ اس بستی میں جمعہ وعیدین کی نماز جائز نہیں اور چند اشخاص نے جمعہ کی نماز ترک بھی کردی ہے، حالانکہ موجودہ مذکورہ کی موجودگی میں نمازِ جمعہ وعیدین ترک کی جائے یا بدستور پڑھی جائیں۔

الجواب:

اگر وہ پرگنہ ہے اس کے متعلق دیہات ہیں اور ایسی حالت میں ضرور جانب سلطنت سے کوئی حاکم وہاں فصل خصومات وفیصلہ مقدمات کے لئے ہوتا ہے مثلاً تحصیلدار وغیرہ جب تو وہ شہر ہے اور اس میں ادائے جمعہ وعیدین ضرور لازم، اور ان کا تارک گنہگار وآثم۔

فقد صدق علیھا حد المصر الصحیح المروی فی ظاھر الروایۃ عن الامام الاعظم	اس پر شہر کی وہ صحیح تعریف صادق آرہی ہے جو ظاہر الروایۃ میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

رضی اللہ تعالٰی عنہ انہا بلدۃ فیہا سکک واسواق ورساتیق وفیہا وال [1] الخ	مروی ہے کہ وہ بڑا شہر جس میں کوچے اور بازار ہوں اور کوئی نہ کوئی والی ہو الخ (ت)

اور اگر وہ پرگنہ نہیں یا وہاں کوئی حاکم فصلِ مقدمات پر مقرر نہیں مگر زمانہ سلطنت اسلام میں وہ ایسا تھا اور جب سے اس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا۔ صلٰوۃ مسعودی باب ۳۳ میں ہے:

جائے راکہ حکم شہر دادند بعد ازاں خرابی پذیرد آں حکم شہر باقی ماندتا اگر ایشا نائب سلطان باجمع درانجا نماز آدینہ گزارند روا بود [2]۔	وہ جگہ جسے شہر قرار دیا گیا خرابی کے بعد بھی وہ حکم شہر رکھتا ہے اگر نائب سلطان نمازِ جمعہ باجماعت ادا کرے تو اب بھی ادا ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو مذہب حنفی میں وہاں جمعہ وعیدین نہیں پھر بھی جبکہ مدت سے قائم ہے اسے اکھاڑا نہ جائے گا، نہ لوگوں کو اس سے روکے گا مگر شہرت طلب،

قال اللہ تعالٰی اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ﴿۱۰﴾ [3] وفیہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے" اور اسی آیت کے تحت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے بھی ایک روایت ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۳: از کراچی صدر بازار دفتر انجمن جمعیۃ الاحناف مرسلہ ابوالرجا غلام رسول صاحب ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

جناب تقدس مآب، مجمع مکارم اخلاق، منبع محاسن اشفاق، سراپا اخلاق نبوی، مظہر اسرار مصطفوی۔ سلطان العلماء اہلسنت، برہان الفضلاء الملۃ، قدوۃ شیوخ الزمان، مولٰنا المخدوم، بحر العلوم، اعلٰحضرت، امام الشریعت والطریقت، مجدد مائۃ حاضرۃ، متع اللہ المسلمین، بطول بقائہم ودامت علی روس المسترشدین فیوضاتکم وبرکاتکم، بعد سلام مسنون واشتیاق روز افزوں آنکہ بحکم شاورو ا(مشورہ طلب کرو۔ت) حضرت سے التماس ہے ایک عرصہ ہوا غربائے اہلسنت کراچی کی صدائے محزون نے تاحال کوئی اثر پیدا نہیں کیا، جمعہ وعیدین جماعت کی جیسی کچھ تکلیف ہے ناقابل بیان ہے لہذا دعا فرمائیے، اس وقت حضور پر نور وارث سجاد رسالتمآب

[1] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴

[2] صلٰوۃ مسعودی باب ۳۳ در بیان نماز آدینہ مطبع احمدی بمبئی، انڈیا ۲/ ۱۷۴

[3] القرآن ۹۶/ ۱۰-۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اللہ تعالٰی جناب کی دعا کی برکت سے ہم فقیروں کے لئے جامع اہلسنت پیدا کردے کہ صدر کے مسلمانانِ اہلسنت فریضہ جمعہ ادا کرسکیں، صدر میں دو مسجدیں ہیں، اس وقت دونوں پر تصرف ایسی طاقتوں کا ہے کہ جن کے نزدیک دینداری اور مذہب معاذاللہ جنون ہے یااہلسنت کی موجودہ مشہور ومتعارف صورت کہ جس پر ہم اور ہمارے شیوخ کرام ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی شرک وبدعت ہے لہٰذا جامع احباب ومتعلقین تراویح وفرائض ایک کرایہ کے مکان میں جو وسیع اور قابل انعقاد محافل ہے ادا کرلیا کرتے ہیں جمعہ جاکر ایک مسجد جو صدر سے قریبًا میل بھر کے فاصل پر ہوگی یا کم وبیش پہنچ کر ادا کرلیتے ہیں لیکن بعض کو یہ مسجد قریب پڑجاتی ہے اور بعض کو دقت ہوتی کیاایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ایسے مکان میں جو کرایہ کا مکان ہو جمع ہو کر جمعہ وعیدین ادا کرسکتے ہیں جناب مجدد یہ سے جو فرمان ہو خواہ ہاں یانہ، قوم کو اور میری تسلی ہوجائے گی۔

الجواب:

جناب محترم ذی المجد والکرم اکرام اللہ تعالٰی ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، جمعہ کے لئے شہر کا یا فنائے شہر کے سوانہ مسجد شرط ہے نہ بنا، مکان میں بھی ہوسکتا ہے میدان میں بھی ہوسکتا ہے اذن عام درکار ہے، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

السلطان اذاصلی فی دارہ ان فتح باب دارہ جاز وان لم یاذن للعامۃ لاتجوز [1]۔(ملخصًا)	سلطان نے اگر اپنی دار میں نماز جمعہ پڑھی اگر دروازہ کھلا تھا توجائزاور اگر عوام کو شرکت کی اجازت نہ تھی تو جائز نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

یشترط لصحتھا المصر اوفنائہ وھو ماحولہ لاجل مصالحہ کدفن ا لموتی ورکض الخیل [2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	صحتِ جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر کا ہونا ضروری ہے فنائے مراد شہر کے اردگرد جگہ ہے جو شہر کی ضروریات کے لئے بنائی گئی ہو، مثلاً قبرستان اور گھڑ دوڑ کے لئے جگہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۴: از حبیب والا ضلع بجنور تحصیل دھامپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بستی ہے جس کی کل آبادی قریب ۹۰۰ کے ہے اور اس میں

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان شرائط الجمعہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۱

[2] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۹/۱

ہر چیز بھی وقت پر نہیں مل سکتیں، لہذا ایسی بستی میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ وجوب صلوۃ کے لئے کیا کیا شرائط ہیں؟ مدلل بیان ہوں۔

الجواب:

جمعہ صرف شہر فنائے شہر میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ شہر وہ بستی ہے جس میں متعدد کوچے دائم بازار ہوں، اور وہ ضلع یا پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات ہوں اور اس میں فیصلہ مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو، وجوبِ جمعہ کی سات شرطیں ہیں:

(۱) حریت (۲) ذکورت (۳) عقل (۴) بلوغ (۵) شہر میں اقامت (۶) اتنی صحت کہ حاضرِ جماعت ہو کر پڑھ سکے

(۷) عدم مانع مثل حبس وخوفِ دشمن وباران شدید وغیرہ

ان کی تفاصیل اور بعض استشاد درمختار وغیرہ میں **وقد ادخلنا البصر وقدرۃ المشی فی الصحۃ** (ہم نے صحت میں بینائی اور چلنے کی قدرت کو شامل کیا ہے) اور اس کے صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

(۱) شہر یا فنائے شہر

(۲) سلطانِ اسلام یا اس کا نائب یا ماذون یا بضرورت جسے عام مسلمین نے امام جمعہ بنایا ہو،

(۳) وقت ظہر ختم تک باقی رہنا۔

(۴) خطبہ وقتِ ظہر میں

(۵) قبل نماز کم از کم تین مسلمان مرد عاقلوں کے سامنے خطبہ ہونا۔

(۶) جماعت سے ہونا جس میں کم از کم تین ایسے مرد ہوں۔

(۷) جمعہ کے اذنِ عام ہونا بلاوجہ شرعی کسی کی روک نہ ہو۔

بیان دلائل سے کتب لبریز ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶۵: از مولیس پور برہما مرسلہ محمد واحد خطیب مسجد قبرستان نئی بستی ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف رحمکم اللہ تعالٰی کہ ائمہ مساجد احناف کو نواب صدیق حسن خاں کی تصنیف کا خطبہ ہر جمعہ وعیدین میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں اور حنفیّہ کے نزدیک کون سا خطبہ معتبر ہے؟

الجواب:

صدیق حسن خاں غیر مقلد لامذہب تھا اس کی تصنیف کا خطبہ اہلسنت کو پڑھنا نہ چاہئے **لان فیہ تنویھا بذکرہ**

وترویجا لمکرہ وذلك لایجوز (کیونکہ اس میں اس کے ذکر کا احترام اور اس کے مکر کی ترویج ہے اور یہ جائز نہیں۔ت) خصوصًا اگر اس میں اپنے مذہب کی خباثت درج کی ہو جب تو قطعًا حرام ہے خطب ابن نباز مصری اچھے ہیں اور اب ہند میں علمی کے خطبے، مگر اردو اشعار خطبہ میں پڑھنا مناسب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶۶: از مراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص خطبہ میں آیہ قرآنی میں تعوذ و تسمیہ پڑھتا ہے حالانکہ سلف سے کہیں یہ بدعت ثابت نہیں، اگر یہ مسنون ہوتا تو کہیں بھی علمائے کرام سے ثابت ہوتا، خصوصًا ہمارے ہادی مرشد حضرت مولانا صاحب مجدد ملت حاضرہ یعنی آپ خود ایسا تجویز فرماتے، اب یہ تجدید خلاف ائمہ سلف کے ہوئی، کہاں تک ناجائز ہے؟

الجواب:

خطبہ میں آیہ قرآنی سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے اور اگر وہ آیت ابتدائے سُورہ ہے تو بسم اللہ شریف بھی، فقیر کا ہمیشہ اسی پر عمل ہے، اور اگر سر آیت پر بھی بسم اللہ پڑھ لے گا حرج نہیں، ردالمحتار میں ہے:

فی الامداد و فی المحیط یقرأ فی الخطبۃ سورۃ اوایۃ فاذ اقرأ سورۃ تامۃ یتعوذ ثم یسمی قبلھا وان قرأ ایۃ قیل یتعوذ ثم یسمی و اکثر ھم قالوا یتعوذ ولا یسمی[1]۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم	امداد اور محیط میں ہے کہ خطبہ میں سورت یا آیت پڑھی جائے، جب سورۃ پڑھے تو تعوذ پڑھے پھر بسم اللہ اگر ایک ایت ہی پڑھنی ہو، بعض نے کہا تعوذ پڑھے پھر تسمیہ، اور اکثر کی رائے یہ ہے کہ تعوذ پڑھے اور تسمیہ نہ پڑھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۶۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رمضان علی صاحب بنگالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز جمعہ میں خطبہ نہیں ملا اور وقت بھی تنگ ہوگیا جو اور مسجد سے تلاش کرکے لاسکے اور امام صاحب کہ کوئی خطبہ نہیں دیا تھا تو اس صورت میں کس طرح نماز ادا کی جائے گی اور اگر بغیر خطبہ نماز پڑھ لی تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:

نماز جمعہ بے خطبہ باطل ہے، خطبہ مختصر کافی ہے، ایسا شخص امامِ جمعہ نہیں ہوسکتا جو خطبہ نہ پڑھ سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۱/۵۹۸

مسئلہ ۱۳۶۸: از شہر کانپور توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبیدار مرحوم معرفت مولانا مولوی حافظ عبید اللہ صاحب مرسلہ محمد جعفر ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا نماز جمعہ وعیدین میں جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ اس خطبہ میں کچھ اشعار اردو کے بھی شامل ہیں اسی وجہ سے تمام ہندوستان کے لوگ جن کی زبان اردو ہے اس کو بہت شوق سے سنتے ہیں اور اکثر بزرگ اس خطبہ کو بکثرت نماز جمعہ وعیدین میں پڑھا کرتے ہیں سید محبوب علی شاہ صاحب سکندریہ حیدر آباد دکھن جو مرید بھی کرتے ہیں اور وعظ بھی فرماتے ہیں انھوں نے بمبئی محلّہ کماٹی پورہ گلی نمبر ۵ میں باآواز بلند بعد نماز جمعہ یہ فرمایا کہ مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا اور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے اس سے نماز نہیں ہوتی ہے کیونکہ علمی کا مذہب رافضی تھا، لہٰذا بکمال ادب مستدعی ہوں کہ اس مسئلہ میں شرعا کیا حکم ہے، آیا مجموعہ خطب علمی کا پڑھنا اور سننا نماز جمعہ وعیدین میں ناجائز ہے یا نہیں، اور علمی کا مذہب کیا تھا؟ علمی نے خطبہ میں صحابہ کرام کی تعریف اور مدح بھی کی ہے مع حوالہ کتاب مطلع فرمائے، کہ نماز جمعہ وعیدین مجموعہ خطب مذکور بالا پڑھنے سے جائز ہوگی یا نہیں؟ اور درحقیقت اگر علمی کا مذہب اہلسنت والجماعت تھا تو جو شخص علمی کو رافضی کہے اس کے حق میں کیا حکم ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور اس کا مرید ہونا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مولٰنا محمد حسن علمی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سُنّی صحیح العقیدہ اور واعظ وناصح اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مداح اور میرے حضرت جد امجد قدس سرہ العزیز کے شاگرد تھے انھیں رافضی نہ کہے گا مگر کوئی ناصبی یا خارجی، دکھنی صاحب نے اگر کسی کی سُنی سنائی بے تحقیق کہہ دی تو یہ آیۃ کریمہ:

فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ۝[1]	تحقیق کرلو کہیں جہالت کی وجہ سے کسی قوم پر حملہ آور نہ ہو جاؤ تو پھر تم اپنے کئے پر نادم ہو جاؤ۔ (ت) کا خلاف کیا،

صحیح حدیث:

لاتذکروا موتاکم الابخیر[2] رواہ البخاری وغیرہ۔	اپنے فوت شدگان کو اچھائی سے یاد کیا کرو، اسے بخاری وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

[1] القرآن ۴۹/۶

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الافۃ الثامنۃ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۷/ ۴۹۰-۹۱

اور حدیث صحیح:

کفا بالمرء کذابا ان یحدث بکل ماسمع [1] رواہ مسلم وغیرہ۔	کسی آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بیان کردیتا ہے، اسے مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

آیت کا ارشاد یہ ہے کہ غیر ثقہ کی خبر خوب کی تحقیق کرلو کہیں کسی کو جہالت سے آزار دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے ہو، اور حدیث اول کا کہ اپنے اموات کو خیر ہی سے یاد کرو اور دوم یہ کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کو یہ بہت ہے کہ جو کچھ سنے اس پر اعتبار کرکے لوگوں سے بیان کردے اور اگر اپنی طرف سے کہا تو آفت سخت تر ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذکر امرأ بما لیس فیہ لیعیبہ بہ حبسہ اللہ فی نار جھنم حتی یاتی بنفاذ ماقال فیہ [2]۔	جو کسی کے عیب لگالے کو وہ بات بیان کرے جو اس میں نہیں اللہ اسے نار جہنم میں قید کرے گا یہاں تک کہ اپنے کئے کی سند لائے۔

دوسری روایت میں ہے:

کان حقا علی اللہ ان یذیبہ یوم القیٰمۃ فی النار حتی یاتی بانفاذ ماقال [3] ۔ رواہ طبرانی بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ پر حق ہے کہ جب تک اپنی اُس بات کا ثبوت پیش نہ کرے اُسے آتشِ دوزخ میں پگھلائے، اسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور بفرضِ غلط اگر معاذاللہ کوئی بدمذہب ہی خطبہ تصنیف کرے اور وہ صحیح ہو اس میں کوئی بدمذہبی نہ ہو تو اس کے پڑھنے سے نماز کیوں ناجائز ہونے لگی۔ یہ دل سے مسئلہ گھڑنا اور شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرنا ہے، ہاں اردو زبان خطبہ میں ملانا نہ چاہئے کہ خلاف سنت متوارثہ ہے یہ دوسری بات ہے اسے عدمِ جوازِ نماز سے کیا علاقہ، شخص مذکور اگر اپنی ان حرکات پر مصر رہے اور تائب نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ چاہئے نہ اس کے ہاتھ پر بیعت، ویتوب اللہ علی من تاب (اللہ تعالٰی ہر توبہ قبول کرنے والے پر کرم فرماتا ہے، ت) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

---

1 صحیح مسلم النہی عن الحدیث بکل ماسمع مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۸

2 معجم اوسط حدیث ۸۹۳۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/۴۳۲

3 معجم الاوسط بحوالہ الطبرانی الکبیر باب فی الشہود دار الکتاب بیروت ۴/۲۰۱

مسئلہ ۱۳۶۹: از سرکوں تحصیل کھٹیماڈاک خانہ ٹنک پور مرسلہ ننھّے خاں صاحب ۱۳ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

جمعہ کی نماز ہر شخص پر فرض ہے سوا اُن کے جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مستثنی فرمادیا، مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۱۳ باب وجوب الجمعہ میں طارق ابن شہاب سے مرفوعًا روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جمعہ حق ہے اور واجب ہے مگر چار پر، [1] غلام اور [2] عورت اور [3] نابالغ اور [4] بیمار، یعنی ان چار کے سوا سب پر واجب ہے، خود کسی کا نوکر ہو یا سوداگر یا کھیتی والا یا مزدور ہو، بعض روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے، اور اسی کتاب کے اُسی صفحہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعا روایت ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ باز آئیں لوگ جمعہ کا ناغہ کرنے سے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا پھر وہ منافقوں میں سے ہوجائیں گے یعنی ان کا نام منافقوں کے دفتر میں لکھا جائے گا، ہاں اتنی قید اور شرط تو حدیث میں آئی ہے کہ جماعت کے ساتھ پڑھو، سو جماعت کا مسئلہ یہ ہے کہ جب ایک سے زیادہ ہوئے خواہ دو ہوں یا زیادہ ان کو جماعت کہتے ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف **باب الجماعۃ وفضلھا** ف ۳ ابو موسٰی اشعری سے مرفوعا روایت ہے اور مشکوٰۃ شریف کے **باب الجمعہ** میں روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جو شخص تین جمعے بلا ضرورت نہ پڑھے تو لکھا جاتا ہے منافق اس کتاب میں جو نہ مٹتی ہے نہ بدلتی ہے، لہٰذا نمازِ جمعہ ہر جگہ پڑھنا چاہئے خواہ شہر ہو یا گاؤں ہو یا جنگل ہو یا بَن ہو کیونکہ حدیث شریف میں کوئی خصوصیت نہیں آتی ہے۔ فقط حررہ محمد اشرف خاں عفی عنہ۔

الجواب:

جمعہ بَن میں حرام ہے اور گاؤں میں ناجائز ہے اور عمومات اپنے شروط سے مشروط ہوتے ہیں، احادیث سے جو جاہلانہ استناد کسی جاہل نے کیا ہے وہ اگر دامنِ ائمہ چھوڑے تو یہی بتائے کہ یہ حدیثیں اس نے شروع میں کیونکر حجت قرار دیں، اللہ تعالیٰ نے سورہ جمعہ میں **یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا**[1] (اے ایمان والو) مطلق ارشاد فرمایا ہے اس میں عورت یا بچے یا غلام یا مریض یا مسافر کسی کا استثنا نہیں تو کیوں نہیں کہتا کہ چار برس کے بچے پر بھی جمعہ فرض ہے وہ احادیث سب خبر آحاد ہیں اور خبرِ احاد موجب ظن، تو ان سے استدلال کرنا اس کو حرام اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ**[2] (وہ نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی۔ت) اور فرماتا ہے: **اِنَّ الظَّنَّ**

---

[1] القرآن ۹/۶۲

[2] القرآن ۱۰/۶۶

لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا[1] (بلا شبہہ ظن حق سے بے نیاز نہیں کرسکتا۔ت) تو ان پر عمل خصوصًا عموم قرآن مجید کے خلاف کیونکر اس نے حلال کرلیا، اور یہ بھی اس وقت ہے کہ ان احادیث آحاد کی صحت ثابت کرلے، ائمہ مجتہدین کا اجتہاد نہ ماننا اور بخاری و مسلم کی تصحیح یا نسائی و دارقطنی کی تعدیل و تخریج پر اعتماد کرنا ظلم شدید و جہل بعید ہے، کون سی آیت یا حدیث میں آیا ہے کہ بخاری جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے مانو اور جسے ضعیف کہہ دیں اسے نہ مانو یا یحیٰی و شعبہ جسے ثقہ کہہ دیں اسے معتمد جانو اور ضعیف کہہ دیں تو ضعیف جانو، قرآن و حدیث متواترہ اجماع امت کو حجت بتاتے ہیں، اور اجماع امت ہے کہ جمعہ کا حکم مطلق و عام نہیں مقید بقیود مشروط بشرائط ہے اور جو اجماع کا خلاف کرتا ہے قرآن عظیم فرماتا ہے:

نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۠[2] ہم اسے جہنم میں ڈالیں گے وہ بہت بری پھرنے کی جگہ، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۰: مرسلہ جناب جد الحسین از فرید پور مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں معہ چند اشخاص اپنے محلے کی مسجد کو چھوڑ کر دوسرے محلّہ کی مسجد جاکر نمازِ جمعہ کو ادا کرنا باوجود اس کے کوئی طریقہ فضیلت نہیں رکھتی ہے نہ مسجد بڑی نہ جماعت کثیر نہ امام افقہ، ہاں اتنا ہے کہ دوسرے محلّہ کی مسجد ربع میل اور اپنے محلّہ کی مسجد ثلث میل فاصلہ پر ہے جائز یا نہیں؟ اور ان لوگوں کے جانے کی وجہ سے اپنے محلّہ کی مسجد میں جماعت کم ہوتی ہے اکنوں ان لوگوں کو منع کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر منع نہ کرنے کے ان لوگوں کے ساتھ اور لوگوں کے بھی جانے کا احتمال ہے اور بصورت جائز ہونے کے کون سی مسجد میں افضل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

جمعہ مسجد جامع میں افضل ہے، مسجد محلّہ کا حق نماز پنجگانہ میں ہے، جب ہو جامع نہیں اور دوسری جگہ جانے میں ان کو آسانی ہے تو ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۱: از شہر روہیلی ٹولہ مسئولہ طالب علم بنگالی ۲۳ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس گاؤں میں تعریف شہر کی صادق آئے مثلاً بڑی سے بڑی مسجد میں اس کے اہل نہ جمع ہوسکیں اور گلیاں اور بازار ہوں اور اس میں چند مولوی ہوں مسئلہ دین کا جاری کرتے ہوں اور قاضی ہو کر انصاف مظلوم کا کرتے ہوں اُس گاؤں کے متصل اور گاؤں بھی ہے ایسے

---

[1] القرآن ۱۰/۳۶

[2] القرآن ۴/۱۱۵

گاؤں میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گاؤں متصل ہونے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ دیہات اس کے متعلق ہوں یہ ضلع یا پرگنہ ہو اپنے اپنے طور پر فیصلہ کرنے سے شہر نہیں ہو جاتا بلکہ والیِ ملک یا اس کا مقرر کردہ حاکم ہو، اگر یہ دونوں باتیں ہیں تو اس میں جمعہ جائز و صحیح ہے ورنہ باطل و ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷۲تا۱۳۷۶: مسئولہ مکرم احمد اللہ صاحب صدر بازار ہردوئی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) جمعہ الوداع رمضان المبارک کو نبی کریم احمد مجتبٰی محمد مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبۃ الوداع پڑھا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں پڑھا ہے تو سب سے پہلے خطبہ الوداع کس نے پڑھا ہے اور اس کا موجد و مخترع کون ہے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین یا ائمہ مجتہدین فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ تعالٰی۔

(۳) شریعت مقدسہ مطہرہ منورہ محمدیہ حنفیّہ اہلسنت وجماعت میں خطبہ الوداع کا کیا درجہ ہے فرض، واجب، سنت، مستحب، مباح؟ صاف صاف مدلل تحریر فرمائیں۔

(۴) جس جمعہ الوداع کو خطبہ الوداع نہ پڑھا جائے وہ جمعہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور تارک خطبۃ الوداع کس درجہ کا خاطی و گنہگار ہے، قابل ملامت وزجر ہے یا نہیں؟ ملامت وزجر کرنے والے تو گنہگار نہ ہوں گے؟ امامت اس کی جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) کتاب شبیہ الانسان کے ص ۲۴۴ میں لکھا ہے:

اما خواند کلماتِ حسرت وافسوس در خطبہء آخر رمضان مباح است فاما از سلف منقول نیست وافضل ترک ست تا عوام راگمان وجوب و سنتش نگردد دریں شرط ست کہ روایت دروغ وبہتان بر سول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دراں نباشد والاحرام ہمچنانکہ این ست۔	رمضان کے آخری جمعہ میں حسرت وافسوس کے کلمات پڑھنا مباح ہے لیکن اسلاف سے منقول نہیں، ترک افضل ہے تاکہ عوام اسے واجب یا سنت نہ بنالیں، شرط یہ ہے کہ اس میں رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ شامل نہ ہو ورنہ حرام ہے اور وہ یہ ہے

اکثر محمد مصطفیٰ محبوب و مطلوبِ خدا	خدا کے محبوب و مطلوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
گفتے دریں حسرتا ای ماہ رمضان الوداع	حسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتے اے ماہِ رمضان! الوداع۔(ت)

یہ فتوٰی مفتی سعد اللہ نامی کسی بزرگ کا ہے جو ۱۲۹۶ھ میں مطبع نولکشور کانپور میں چھپا ہے جناب اس فتوٰی کے متعلق کیا فرماتے ہیں آیا صحیح قابلِ عمل ہے یا واجب الرد؟ جو کچھ ہو صاف تحریر فرمائے، **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) الوداع جس طرح رائج ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

(۲) نہ صحابہ کرام و مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نہ اس کا موجد معلوم،

(۳) وہ اپنی حد ذات میں مباح ہے ہر مباح نیتِ حسن سے مستحب ہو جاتا ہے اور عروض و عوارض خلاف سے مکروہ سے حرام تک۔

(۴) جمعہ کے لئے خطبہ شرط ہے خاص خطبہ الوداع کوئی چیز نہیں ان کے ترک سے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑ سکتا اس کے ترک میں کچھ خلل نہیں، نہ تارک پر نہ زجر و ملامت روا جبکہ ترک بربنائے وہابیت نہ ہو، ہاں اگر وہابیت ہے تو وہابی کے پیچھے نماز بیشک ناجائز محض باطل اور وہ زجر و ملامت سے بھی سخت تر کا مستحق ہے۔

(۵) اس فتوے میں جو کچھ لکھا حرف بحرف صحیح ہے سوائے اس لفظ کے کہ "افضل ترک است" اس کی جگہ یوں چاہئے التزامش نہ شاید گاہے ترک ہم کنند تا عوام گمان وجوب وامتنان؟ (اس کا التزام نہیں کرنا چاہئے کبھی اسے ترک کردیں تاکہ عوام کو وجوب یا سنت ہونے کا وہم نہ ہو۔ت) **فقد صرح العلماء الکرام ان الترك احیانا یزیل الایھام** (علماء کرام نے تصریح کی ہے کہ بعض اوقات ترک کردینا عوام کے وہم کو زائل کردیتا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۷: از ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ نہروی مدرسہ حافظ پور مخلص الرحمان

بخدمت شریف جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام ظلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، عرض یہ ہے کہ ہمارے ملک بنگالہ میں ایسی بستیاں ہوا کرتی ہیں کہ ہر ایک میں متعدد پارہ یعنی حصے ہوتے ہیں اور ہر ایک پارہ جُدا جُدا نام سے موسوم ہے، ایک پارہ سے دوسرے پارہ علیحدہ اور اس قدر فاصلہ سے بسا ہے کہ گویا قریہ صغیرہ مستقلہ کے درمیان مواضع منفصلہ میں مزارع اور میدان اور کہیں کہیں

بانس اور دیگر ادنٰی جنگل ہوا کرتے ہیں موسم برسات میں ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے کشتی کی ضرورت کم ہوتی ہے مگر جوتی پہن کر نہیں جاسکتے کہیں کہیں درمیانی فاصلہ میں زانوں تک پانی ہوتا ہے اور اکثر جگہ میں اس سے کچھ کم ایک پارہ سے دوسرے پارہ میں جانے کے لئے سوائے کھیتوں کی حدبندی اور چھوٹے چھوٹے راستوں کے اور کوئی بڑا راستہ نہیں ہے یعنی دوآدمی محاذی ہو کر ایسے راستہ سے چلنا دشوار ہے ہاں کہیں کہیں مواشی کے چلنے کے لئے "گوپاٹ" یعنی کچھ زمین افتادہ مثل بڑے راستے کے فراخ چھوٹی ہوئی ہے وہ بھی مثل سڑک کے اونچے نہیں، ہر ایک پارہ کے ابنیہ بھی متصل نہیں بالکل غیر منظّم حالت پر ہیں، ان پاروں کا ایک بڑا نام ہوا کرتا ہے جس سے وہ خط وکتابت وتمسک وقبالہ و گورنمنٹی کاغذات میں مشہور ہوتا ہے اکثر ان گاؤں میں ڈاکخانہ ہے نہ تھانہ وسکک واسواق، روزانہ بالکل نہیں ہاں ہفتہ میں دو ایک مرتبہ بعض گاؤں کے کنارے میں بازار (ہاٹ) لگتا ہے جس میں لوگ اشیائے خوردنی بیچتے اور خریدتے ہیں مگر بازار کے معین وقت کے سوا وہاں شاذو نادر ہی کچھ ملتا ہے مگر ایسے دکان دو ایک سے زیادہ نہیں ہوتا، ایسے گاؤں کے پاروں میں نماز جمعہ کے لئے مسجدیں بنی ہیں ان مسجدوں میں جو نہایت بڑی ہوتی ہے اس میں بمشکل چالیس آدمی سما سکتے ہیں، ہر ایک گاؤں یعنی (مجموعہ چند پاروں میں) دو ڈھائی ہزار لوگ ہندو مسلمان بستے ہیں اس تعداد میں بالغ نابالغ مردوزن سب شامل ہیں، الحاصل سوائے کثرت مردم کے شہر محکمے کی دوسری کوئی علامت ان پاروں میں نہیں ہے، نماز پنجگانہ کی جماعت نہیں ہوتی، اتفاقیہ دو چار آدمی کہیں جمع ہوتے ہیں تو جماعت پڑھتے ہیں ورنہ کچھ جماعت راتبہ نہیں اب سوال یہ ہے کہ ایسے گاؤں میں نماز جمعہ پڑھنی مطابق مذہب حنفی کے درست ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی پڑھنے والے گنہگار ہوں گے یا نہیں، ایسے گاؤں کو جو متعدد پارہائے منفصلہ سے بنا ہے اور جس میں دو ڈھائی ہزار لوگ بستے ہیں قریہ کبیرہ کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا عند اللہ اجرا حسنا۔** زیادہ والسلام

الجواب:

صورت مذکور میں وہ چھوٹے پارے اور ان کا مجموعہ سب گاؤں ہیں اور ان میں جمعہ ناجائز ہے اور پڑھنا گناہ۔ درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بمالا یصح[1]۔	دیہاتوں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسے کام میں مشغول ہونا ہے جو درست ہی نہیں۔ (ت)

اور اگر اس کے سبب ظہر ترک کریں گے تو تارک فرض ہوں گے اور ظہر احتیاطًا تنہا پڑھی تو تارک واجب

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

ہوں گے بہر حال متعدد گناہ ان پر لازم ہیں بااینہمہ جہاں لوگ پڑھتے ہوں انھیں نہ روکا جائے **کما افادہ فی الدر المختار فی الصلٰوۃ عند الشروق**[1] (جیسا کہ در مختار میں طلوع آفتاب کے وقت نماز کے بارے میں بیان کیا ہے۔ت) اور خود ہر گز نہ پڑھیں، نہ نئی جگہ قائم کریں گناہ سے بچنا لازم ہے اور پاروں کے مجموعے کو اگر چہ مجموعی طور پر قریہ کبیرہ کہہ سکیں مگر قریہ کبیرہ بمعنی بلدہ صغیرہ ہر گز نہیں جس میں جمعہ جائز ہو سکے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷۸ تا ۱۳۸۱: از قصبہ جہاں آماد خاص ضلع پیلی بھیت مرسلہ عاشق حسین بخشی قصبۂ مذکور مورخہ ۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مسائل ذیل میں:

(۱) جمعہ کے خطبوں میں عربی عبارت پڑھ کر بعد کو ترجمہ اردو زبان میں محض بہ نیت آگاہی قوم امام جمعہ پڑھے تو کیا نقص یا فضل ہے؟

(۲) خطبہ دراز یا قراءت طویل کا پڑھنا کوئی فضل رکھتا ہے یا نقصان؟

(۳) قبل اور بعد جمعہ سنتوں میں سنت رسول اللہ کہنا کوئی نقصان ہے؟

(۴) مکرر الوداع شریف کوئی عمل شرعی میں نقص رکھتا ہے اور یہ عمل درست ہے یا نادرست؟ **بشریعت بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) خطبہ میں عربی کے سوا دوسری زبان ملانا مکروہ وخلاف سنت ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قراءت بقدر سنت سے زائد نہ ہو اور اتنی زیادت کہ کسی مقتدی کو ثقیل ہو حرام ہے، اور خطبہ کی نسبت ارشاد فرمایا کہ آدمی کی فقاہت کی یہ نشانی ہے کہ اسکا خطبہ کوتاہ ہو اور نماز متوسط زیادہ طویل خطبہ خلاف سنت ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) سنتیں جمعہ کی ہوں یا اور وقت کی، ان کی سنتوں میں نام اقدس کی طرف اضافت کہ حضور کی سنت ہے اس میں کوئی حرج نہیں اس سے وہابیہ منع کرتے ہیں جو نام اقدس سے جلتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) الوداع کہ رائج ہے نہ کوئی شرعی حکم ہے نہ اس سے منع شرعی، ہاں علماء اس کا التزام نہ کریں، کبھی

[1] در مختار کتاب الصلوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/۶۱

ترک بھی کریں کہ عوام واجب نہ سمجھنے لگیں، اور سچی الوداع قلب سے ہے کہ رمضان شریف کے آنے سے خوش ہو اور جانے سے غمگین، اور اگر یہ حالت ہو کہ آنا بار تھا اور جانے کے لئے گھڑیاں گنیں تو جو جھوٹی الوداع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۲: از جانب انجمن اہلسنت وجماعت سہسوانی ٹولہ بریلی ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک فرد یا ایک گروہ حنفی المذہب اہلسنت والجماعت کا جو کہ حتی الامکان مشرکوں بدعتیوں وہابیوں اور خصوصاً رافضیوں سے مجتنب ہے اور ان سے عمل ترک موالات جائز رکھتا ہے لیکن شرکتِ نماز جماعت اور خصوصاً نماز جماعت کثیر کا شائق ہے اس جانکاہ وجگر خراش ہنگامہ محرم الحرام کے موقع پر یہ دیکھتے ہوئے کہ جمعہ کا روز عشرہ کا دن نماز جماعت اور عیدگاہ کا موقع ہے جس کا انتظام بریلی کے حنفی المذہب اہل سنت والجماعت انجمنوں کی مشترکہ کوششوں سے ہوا ہے مگر اس ہنگامہ میں تعزیہ دار بدعتی وغیرہم شامل ہیں نیز اس گروہ کثیر کا اجتماع محض تعزیہ داری وتخت بینی کی وجہ سے ہوا ہے کیا اس نماز جماعت میں شریک ہوسکتا ہے اور اس کو نماز کا اس قدر ثواب جتنا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے حاصل ہونا چاہئے حاصل ہوگا اور یہ بھی کہ آمد وشد میں اس کی نظر تخت وتعزیہ وغیرہ اور ان اشخاص پر پڑے کہ جو خوشی ومیلہ سمجھ کر اس موقع پر جمع ہوئے ہیں تو اس کے مطمح نظر کو دیکھتے ہوئے اس کے ثواب نماز جماعت وجمعہ میں فرق آتا یا اس کا گنہگار ہونا تو لازم نہ ہوگا۔

الجواب:

جبکہ جماعت کا انتظام سنی حنفی اصحاب نے کیا اور امام سنی حنفی جامع شرائط امامت ہوگا تو اس میں بلاشبہہ جماعتِ کثیر کا ثواب ملنے کی امید واثق ہے، تعزیہ داری ایک بدعت عملی ہے وہ اس حد تک نہیں کہ اس کے مرتکب معاذاللہ رافضی وہابی وغیرہم خبثاء کی مثل ہوں یا معاذاللہ ان کی جماعت جماعت نہ ہو یا ان سے اجتناب ایسا ہی فرض ہو جیسا ان خبیثوں سے ضروریات دین بالائے سر، وہ عقائد ضروریہ اہلسنت کے بھی منکر نہیں، نہ محبوبان خدا کی معاذاللہ توہین کرتے ہیں، نہ کسی محبوب بارگاہ سے معاذاللہ دشمنی رکھتے ہیں، پھر ان خبیثوں کو ان سے کیا نسبت، یہ عقیدۃً ہم میں سے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں پیش خود محبت محبوبانِ خدا کی نیت سے کرتے ہیں، براہ جہالت ونادانی اس میں لہو ولعب وافعال ناجائز شامل کرتے ہیں لہٰذا ان کی جماعت پر حکم جماعت نہ ماننا محض ظلم ہے اور جب اس کی نیت تماشا دیکھنے کی نہیں نماز باجماعت کثیر کی نیت ہے تو راستے میں ان چیزوں پر نگاہ پڑنے کا اس پر الزام نہیں جیسا کہ زمانۂ عرس میں آج کل مزارات طیبہ کی حاضری۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۴: از عیش آرا ضلع میمن سنگھ پوسٹ کالوہا خندہ کار معظم علی صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ رحمکم اللہ تعالٰی فی الدارین کہ اس دیار میں چند علماء جاہلوں کو یہ دھوکا دے رہے ہیں کہ گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور پڑھنے والا گنہگار ہوگا کیونکہ جمعہ جبکہ درست نہیں تو اس سے فرض ظہر کا ساقط نہیں ہوا بہت جگہ کے جمعہ کو ایسے ویران کردیا اور عیدین کی نماز بھی منع کرتا ہے اور خود بھی نہیں پڑھتا ہے، اور یہ بھی کہا کرتا ہے کہ جو شخص گاؤں میں نماز جمعہ ونماز عید ادا کرتا ہے وہ گناہ کبیرہ کا اصرار کرتا ہے اور گناہ کبیرہ کا اصرار کرنے والا کافر ہے، آیا ایسے عالم جو نمازین مومنین کو کافر کہتا ہے کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

دیہات میں نماز جمعہ وعیدین مذہبِ حنفی میں جائز نہیں مگر جہاں ہوتا ہے اسے بند کرنا جاہل کا کام ہے

قال اللہ تعالٰی اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی ﴿۹﴾ عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی ﴿۱۰﴾ [1]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو نماز پڑھنے سے روکتا ہے (ت)

اور جو انھیں کافر کہتا ہے گمراہ وبددین ہے نہ وہ کبیرہ ہے لاختلاف الائمۃ (ائمہ کے درمیان اختلاف کی وجہ سے۔ت) نہ کبیرہ پر اصرار اہلسنت کے نزدیک کفر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸۴ تا ۱۳۸۵: جملہ اہل اسلام قصبہ بیرہٹہ ریاست سوامی جے پور معرفت حامد محمد مدرس فارسی اسکول بیراہٹہ بذریعہ ڈاک خانہ تھانہ غازی ریاست الور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک قصبہ میں قاضی اور خطیب مسجد جامع سندی پادشاہی رہتے ہیں اور وہ دونوں حسب ونسب میں برابر اور برادر ہیں اور علم فارسی ومسائل میں حسب لیاقت خود ہیں الّا قاضی کہ بزعم قضایت ونفسانیت ونقیض باہمی، یہ کہتا ہے کہ نماز جمعہ پڑھانے کا میرا حق ہے اور خطیب مسجد جامع کہتا ہے کہ میں قاضی نہیں الّا خطیب سندی پادشاہی ہوں میں نماز جمعہ پڑھانے کا مستحق ہوں یا مجھ سے اجازت لے کر آپ قاضی صاحب یا دیگر جو افضل ہوں وہ پڑھائیں لیکن قاضی صاحب بوجوہات مندرجہ بالا کے اجازت ناگوار سمجھتے ہیں اور اسی چھوٹے قصبہ میں جامع مسجد پادشاہی کو چھوڑ کر دو تین آدمیوں میں سے دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اور مسجد جامع درمیان قصبہ کہ جہاں گردنواح میں قومِ ہنود آباد ہے ایسے مقام پر اہل اسلام کی جماعت

[1] القرآن ۹۶/۹ و۱۰

کی نماز ہونا زینت وشوکت اسلام میں داخل ہے پھر جماعت اسلام میں خلل انداز ہو کر جامع مسجد کو چھوڑ کر دیگر مسجد میں علیحدہ جمعہ پڑھتے ہیں اس حالت میں جمعہ کون پڑھانے کا مستحق ہے خطیب مسجد جامع یا قاضی صاحب یا دیگر اور جازت بھی خطیب سے لینا واجب ہے یا نہیں، اور جمعہ کون سی مسجد میں ہونا واجب ہے، اور اس چھوٹے قصبہ میں دو جمعہ بوجوہات مندرجہ بالا جائز یا ناجائز؟ از روئے شرع شریف مع تشریح کے جواب سے مطلع فرمائیں۔

(۲) ایک قصبہ میں زید نامی شخص کہ جو نابینا اور مرض بھگندر یعنی ناسور دائمی میں مبتلا ہے کہ جس کی وجہ سے جسم وجامہ کی پاکی وناپاکی مشتبہ رہتی ہے کہ جن کا پاک ہونا فرائض نماز میں سے ہے او زید بھی کہتا ہے کہ مجھ پر سے جمعہ ساقط ہو چکا پھر کیا وجہ ہے کہ عید وجمعہ کی امامت بخواہش نفسانی خود کرتا ہے اگر اس سے کہا جاتا ھے کہ بقول آپ کے جمعہ ساقط آپ پر ہو چکا ہے اور آپ معذور ہیں پھر امامت آپ کی کس طرح جائز اور درست ہو سکتی ہے، زید نے کوئی ثبوت اس بارہ میں نہیں دیا آیا زید کی امامت جائز ہے یا ناجائز؟ اس لئے مکلّف خدمت بابرکت میں ہیں کہ دونوں سوالات کے جواب بالتشریح حوالہ کتب ائمہ مجتہدین وآیات شریف واحادیث شریف تحریر فرمائیں۔

الجواب:

(۱) صورت مذکورہ میں وہ خطیب ہی قابل امامت جمعہ ہے قاضی کو کوئی حق نہیں، یہ قاضی قاضی نکاح خوانی ہوتے ہیں نہ والی قاضی کہ دو تین آدمیوں کے ساتھ الگ جمعہ پڑھتا ہے اس کا اور اس کے ساتھیوں کا جمعہ باطل محض ہے خطیب ہی بوقت ضرورت جبکہ خود بوجہ مرض یا سفر حاضری مسجد سے معذور ہو اپنی جگہ دوسرے کو نائب کرسکتا ہے نہ یہ کہ صرف اس کی اجازت سے دوسری جگہ جمعہ قائم ہوسکے اس کا اسے بھی اختیار نہیں،

فان نصب امام الجمعة لِوَالِی الاسلام فان لم یکن فللعامة لاللخطیب وحدہ۔	امام جمعہ کا مقرر کرنا والیِ اسلام کا کام ہے اور اگر والی نہ ہو تو عوام، خطیب تنہا نہیں کرسکتا۔ (ت)

جمعہ اسی مسجد میں ہوگا اور وہاں دوسری جگہ بلاضرورت جمعہ قائم نہ ہوگا فان بقیة العامة مقید بالضرورة (کیونکہ باقی عوام کا تقرر ضرورت کے ساتھ مقید ہے۔ ت) ہاں اگر وہاں کوئی عالم دین فقیہ معتمد افقہ اہل بلد ہو تو وہ حسب مصلحت اپنے حکم سے دوسری جگہ بھی جمعہ قائم کرسکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) زید اگر واقعی معذور ہے تو جمعہ وغیر جمعہ کسی نماز میں غیر معذورین کی امامت نہیں کر سکتا اور اگر معذور نہیں اور کپڑوں کی نجاست ثابت نہیں تو اور نمازوں کی امامت کر سکتا ہے اور جمعہ وعیدین کی بھی اگر جانب سلطانِ اسلام سے ماذون ہو یا عام مسلمانوں نے اسے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو اور بوجہ نابینائی اس پر جمعہ فرض نہ ہونا جمعہ میں اس کی صحت امامت کا مانع نہیں، جیسے غلام ومسافر. **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۶: از نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ایک اولیاء اللہ کا مجالس خانہ مقرر ہے وہاں عرس شریف کے دن مجلس ہوتی ہے اس مجلس خانہ میں عید نماز یا جمعہ نماز یا مطلق نماز پڑھنا جائز ہے یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب: مجلس خانہ میں نماز ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، ہاں مسجد کا ثواب نہ ملے گا اور بلا عذر ترک مسجد ہو تو گناہ ہوگا مگر نماز ہو جائے گی، یونہی جمعہ وعیدین بھی اگر عام شہرت واذن ہو کہ یہاں جمعہ یا عید پڑھیں گے جو چاہے آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸۷: از ایرایان محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دھوپ کی شدت سے اگر خطبہ سنتے وقت چھاتا لگا لے تو حرج تو نہیں؟

الجواب: بہتر نہیں، حاضری دربار کے خلاف ہے، اور یہ ضعیف یا مریض ہے اور دھوپ ناقابل برداشت تو لگا لے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸۸: از مقام درگرممالک متوسط مرسلہ جناب ڈاکٹر حسین بیگ صاحب معرفت جناب عبدالمجید صاحب مورخہ ۲ ربیع الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص فجر کی نماز پڑھ کر جمعہ کے روز بازار کرنے کو ایک مقام پر جو کہ سکونت سے نو میل کے فاصلے پر چلا جاتا ہے اور جمعہ کی نماز میں شریک نہیں ہوتا جس کو عرصہ دراز ہوگیا ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ وہ منافق ہوگیا اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں نہیں دفن کرنا چاہئے اور اس سے میل ومحبت وغیرہ سب ترک کر دئے جائیں وہ کہتا ہے کہ اپنے بچوں کی پرورش کرنے کی وجہ سے جاتا ہوں اس پر شرعی فتوٰی کی ضرورت ہے۔ **وبینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ ٹھیک دوپہر ہونے سے پہلے شہر کی آبادی سے نکل جاتا ہے تو اس پر اس اصلاً کچھ الزام نہیں اور اگر اسے شہر ہی میں وقت جمعہ ہو جاتا ہے اس کے بعد بے پڑھے چلا جاتا ہے تو ضرور گنہگار ہے مگر یہ باطل ہے کہ اسے قبرستان مسلمین میں دفن نہ کر سکیں اسے نفاقِ عملی کہہ سکتے ہیں نہ کہ حقیقی۔ ہاں اس جرم پر مسلمان اس سے میل جول ترک کر سکتے ہیں اور پہلی تقدیر پر تو جتنے احکام اس پر لگائے گئے سب غلط ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ وغیرہ شروح و درمختار وغیرہا میں ہے:

الصحیح انه یکرہ السفر بعد الزوال قبل ان یصلیھا ولا یکرہ ان یصلیھا قبل الزوال[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ زوال کے بعد جمعہ ادا کرنے سے پہلے سفر پر نکلنا مکروہ ہے البتہ قبل از زوال نکلنا مکروہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳)

مسئلہ ۱۳۸۹: مسئلہ از کشن گنج ضلع پورنیہ مسئولہ ماسٹر محمد طاہر علی صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ انجمن اسلامیہ ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار کا دستور ہے کہ اکثر لوگ احاطہ مکان میں ایک چار چھ ہاتھ کا مربع مکان دیوار یا ٹٹی کا بنام، اللہ گھر یا مسجد کے بلا لحاظ پابندی نماز بتاتے ہیں، یہ مکان ضرورتاً ادھر اُدھر ہٹا بھی دیا جاتا ہے اور کبھی کھود بھی ڈالتے ہیں غرض ایسی عرفی مسجدوں میں جو بڑی سے بڑی مسجد تھی اس میں لوگوں نے جمعہ جماعت تیار کرلی اور چلتے پھرتے واعظ لوگ آتے انھوں نے ان لوگوں کی شامل جمعہ بھی پڑھا اور پڑھتے ہیں تو ایسی حالت میں بتحقیق مقلدین احناف یہ خوانندہ جمعہ مصیب ٹھہریں گے یا خاطی؟ جواب مدلل بادلہ حنیفہ ہو۔

الجواب:

یہ مکانات مساجد البیوت کہتے ہیں یہ حقیقۃً مسجد نہیں ہوتے، نہ ان کے لئے حکم مسجد ہے، درمختار میں ہے:

کرہ غلق باب المسجد والوطء فوقه والبول والتغوط ولایکرہ ماذکر فوق بیت جعل فیه مسجد بل ولا فیه لانه لیس	مسجد کا دروازہ بند رکھنا، مسجد کی چھت پر وطی اور بول و براز مکروہ ہے لیکن یہ اس گھر کے اوپر مکروہ نہیں جس گھر میں مسجد ہو بلکہ اس کے اندر بھی مکروہ نہیں کیونکہ

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

بمسجد شرعاً[1] ۔ (ملخصًا)	وہ شرعی مسجد نہیں۔(ت)

مگر جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں مکان میں بھی ہوسکتا ہے جبکہ شرائط جمعہ پائے جائیں اور اذن عام دے دیا جائے لوگوں کو اطلاع عام ہو کہ یہاں جمعہ ہوگا اور کسی کے آنے کی ممانعت نہ ہو، کافی امام نسفی میں ہے:

السلطان اذا اراد ان یصلی بحشمه فی دارہ فان فتح بابها و اذن للناس اذنا عاما جازت ۔[2]	اگر سلطان چاہتا ہے کہ وہ اپنے گھر میں نماز جمعہ ادا کرے تو اگر اس نے دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کو اذنِ عام تھا تو جائز ہے۔(ت)

تو اگر صورت یہ تھی وہ لوگ مصیب ہوئے، ہاں اگر وہاں مسجد جمعہ موجود تھی اس میں نماز نہ ہوئی اور گھر میں قائم کی تو کراہت ہوئی، درمختار میں ہے:

لودخل الامیر قصرہ واغلق بابه وصلی باصحابه لم تنعقد ولوفتحه واذن للناس بالدخول جاز وکرہ[3] ۔	اگر امیر نے اپنے محل میں داخل ہو کر دروازہ بند کرکے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز ادا کی تو جمعہ نہ ہوا اور اگر دروازہ کھلا رکھا اور لوگوں کے لئے اجازت عام تھی تو جائز ہوئی البتہ کراہت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه لم یقض حق المسجد الجامع زیلعی و درر[4] ۔	مکروہ اس لئے ہے کہ اس نے جامع مسجد کا حق ادا نہ کیا زیلعی درر (ت)

اور اگر کوئی شرط جمعہ مفقود تھی مثلاً وہ جگہ مصر وفنائے مصر نہ تھی، یا امام امامِ جمعہ نہ تھا یا بعض نمازیوں کو بلاوجہ شرعی، وہاں نماز کے آنے سے ممانعت تھی یا نمازیوں میں وہاں اقامتِ جمعہ مشہور نہ تھی بطور خود ان لوگوں نے پڑھ لی اور عام اطلاع نہ ہوئی اگرچہ لوگوں نے اور مسجدوں میں پڑھی تو ان صورتوں میں ان کی نماز نہ ہوئی، خلاصہ میں شرح جامع صغیر امام صدر شہید سے ہے:

من جملة ذلك الاذن العام یعنی الاداء علی	ان سے ایک اذن عام بھی ہے یعنی اعلانیہ

---
[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

[4] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۱

سبیل الاشتہار [1] ۔	اداکیا جائے۔(ت)

بدائع وحلیہ وغیرہما میں ہے:

السلطان اذا صلی فی دارہ و القوم مع امراء السلطان فی المسجد الجامع ان فتح باب دارہ واذن للعامۃ جاز وتکون الصلوۃ فی موضعین ولو لم یأذن للعامۃ وصلی مع جیش لا تجوز صلٰوۃ السلطان وتجوز صلٰوۃ العامۃ [2] اھ و تمامہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔واللہ تعالٰی اعلم	سلطان نے اپنی دار میں جمعہ پڑھا، باقی لوگوں نے بمع امراء سلطان جامع مسجد میں جمع پڑھا تواب اگر دار کا دروازہ کھلا تھا توجائز ہے، اور نماز دونوں مقام پر ہوجائے گی اور اگروہاں عام لوگوں کو اجازت نہ تھی بادشاہ نے صرف اپنے لشکر کے ساتھ نماز ادا کی تواب سلطان کی نماز نہ ہوئی، ہاں عام کی ہوجائی گی اھ اسکی تفصیل ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ملاحظہ کیجئے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹۰تا۱۳۹۱: حافظ مولوی حشمت علی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگران ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا ارشاد ہے حماۃ سنت سنیہ بیضاء ومحاۃ بدعتِ قبیحہ ظلماء کا اس مسئلہ میں کہ خطبہ میں رغما لانوف الوہابیہ والرافضیہ سرکار حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام اقدس لے کر بہ تبعیّت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

(۲) اولی الامر منکم سے حقیقتًا علمائے دین مراد ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں توجو عالم اہلسنت دل وجان سے دین وسنت پر فدا ہو اور اس کی ذات سے اسلام کو بڑی تقویت پہنچتی ہو اس زمانہ کے علمائے اہلسنت کے اتفاق سے وہ پیشوائے علمائے سید الفقہاء ہو اس نے اپنی زندگی محض حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقدس قدموں پر تصدق کردینے کے لئے وقف کردی ہو، جہاں کوئی دین میں نیا فتنہ اٹھتے دیکھے، حتی الوسع اس کے مٹانے میں اپنے قلم وزبان وجان سے کوشش کرے، اس کی مبارک زندگی زیادہ ہو، غیب سے اس کی مدد نصرت فرمائی جائے، تمام اعداء اللہ واعداء الرسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ،اس کے غالب رہنے کی خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالتفصیل توجروا عند الملك الجلیل ثم لدی الحبیب**

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی بحوالہ شرح الجامع الصغیر لصدر شہید ومنہا الجماعۃ مطبوعہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۱۰/۱

[2] بدائع الصنائع بحوالہ النوادر فصل فی بیان شرائط الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۹/۱

الجمیل جل علاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تفصیل کے ساتھ بیان کرکے اللہ جل جلالہ مالک وجلیل اور اس کے حبیب جمیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اجر پائے۔ت)

الجواب:

جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹۲تا۳۹۴: از آگرہ ابوالعلائی اسٹیم پریس مسئولہ وحید الدین صاحب ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ ادا ہوتا ہے یا نہیں اور جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر احتیاطی واجب ہے یا مستحب یا مکروہ؟

(۲) کیا ایک وقت میں دو نمازیں فرض ہیں اور کیا جمعہ ادا کرنے سے ظہر ساقط نہیں ہوتی۔

(۳) ہندوستان کے جن شہروں میں جامع مسجد کا امام باتفاق مقرر کیا گیا ہے کیا وہ اقامت وادائیگی جمعہ کے لئے کافی ہے یا بادشاہِ اسلام یا نائبِ بادشاہ کی ضرورت۔ مختصر اولہ حوالہ کتب کے ساتھ جواب مرحمت ہو۔

الجواب:

(۱) ہندوستان کے شہروں میں جمعہ صحیح ہے اور ظہر احتیاطی صرف خواص کو مناسب ہے۔ درمختار میں ہے:

نصب العامۃ غیر معتبر مع وجود من ذکر۔ امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ[1]۔	جب مذکور اشخاص موجود ہوں تو عوام کا مقرر کرنا معتبر نہیں اور مذکورہ افراد نہ ہوں تو ضرورت کے پیش نظر تقرر جائز ہوگا۔(ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ **لوامع البہا** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) ایک وقت میں دو فرض ہرگز نہیں اور جمعہ جب ادا ہوجائے گا ظہر ساقط ہوجائے گی ایسے ہی خیالوں سے بچنے کو علماء نے عوام کو ظہر احتیاطی کا حکم نہ دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

ولذا قال المقدسی نحن لا نامر بذلک امثال ھذہ العوام بل ندل	ہم ایسی اشیاء کا حکم عوام کو نہیں دیتے بلکہ خواص کو بتاتے ہیں اگرچہ خواص عوام کی

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

علیه خواص ولو بالنسبة الیهم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	نسبت سے ہوں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) وہ امام کافی ہے اگر صحیح العقیدہ، صحیح القرائۃ، صحیح الطہارۃ، جامع شرائط صحت ہو، ابھی درمختار سے گزرا: یجوز للضرورۃ (ضرورت کے لئے جائز ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۵: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مسئولہ محمد یونس صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر دریا شہر میں واقع ہے اور ایک آگبوٹ یہاں مدام کھڑا رہتا ہے اور جہاز والے چند جہازوں کو اس آگبوٹ میں لاکر جوڑتے ہیں مال اور سواریاں جہازوں کی آگبوٹ اُتارتے ہیں اور آگبوٹ کے اگے ایک پُل لوہے کا بنا ہوا ہے سواریاں شہر کو اسی پُل سے پار ہوکر جاتی ہیں اور اس آگبوٹ اور جہازوں میں تین گز کا فاصلہ ہے اور جہازوں والے بوجہ خوف چوری کے شہر میں جاکر نماز ادا کرنے سے منع کرتے ہیں تو ازرُوئے شرع نماز ان کی جائز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

دریا میں نماز جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتی، اگر سمندر ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ حکم دارالحرب میں ہے اور دارالحرب میں جمعہ وعیدین باطل۔ ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیة بی السعود عن شرح النظم الهاملی سطح البحر له حکم دار الحرب [2]	۔حاشیہ ابوسعود میں شرح النظم الہاملی کے حوالے سے ہے کہ سطح سمندر کا حکم دارالحرب کا ہے (ت)

اسی میں دُرمنتقی شرح الملتقی سے ہے: البحر الملح ملحق بدار الحرب [3] (نمکین سمندر، دارالحرب سے ملحق ہے۔ت)) اور اگر دریا ہو تو دریا نہ مصر ہے نہ فنائے مصر، یہاں تک کہ شہر کے دو حصے کہ اس کے دو پہلوں پر آباد ہوں دو شہر کے مثل ہیں کہ دریا ایک جدا و مستقل چیز بیچ میں فاصل ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

اصله عند ابی حنیفه لایجوز تعدد ها فی	اس کی اصل امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہی ہے

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۶-۹۷

[2] ردالمحتار باب استیلاء الکفار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶۶-۶۷

[3] ردالمحتار باب استیلاء الکفار مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶۷

فی مصر وکذا روی اصحاب الاملاء عن ابی یوسف انه لا یجوز فی مسجد ین فی مصر الا ان یکون بینھما نھر کبیر حی یکون کمصرین وکان یأمر بقطع الجسر ببغداد کذلك[1]۔	کہ ایک شہر میں متعدد جگہ جمعہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اصحاب الاملاء نے امام ابویوسف سے روایت کیا کہ شہر میں دو مساجد میں جمعہ نہیں ہوتا، ہاں جب ان کے درمیان بڑی نہر ہو تو وہ اس وقت دو شہروں کی طرح ہوجائیں گے، اسی لئے انھوں نے بغداد میں پل ختم کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا۔(ت)

ظاہر ہے کہ فنا تابع ہے نہ کہ قاطع، اور جمعہ وعیدین نہیں ہوسکتے مگر مصر یا فنائے مصر میں، یہ سب اس صورت میں ہے کہ خوف صحیح ہو اتر نا متعذر ہو ورنہ نماز پنجگانہ ووتر وسنت فجر بھی ان جہازوں میں نہیں ہوسکتے کہ ان کا استقراء پانی پر ہے اور ان نماز کی شرطِ صحت استقرار علی الارض مگر بحال تعذر، فتح القدیر میں ہے:

فی الایضاح ان کانت موقوفه فی الشط وھی علی قرار الارض فصلی قائما جاز لانھا اذا استقرت علی الارض فحکمھا حکم الارض فان کات مربوطة ویمکنه الخروج لم تجز الصلٰوة فیھا، لانھا اذا لم تستقم فھی کالدابة انتھی بخلاف ما اذا استقرت فانھا حنیئذ کالسریر[2]	ایضاح میں ہے اگر وہ کشتی کنارے پر کھڑی ہے اور زمین پر برقرار ہے تو نماز کھڑے ہوکر ادا کرے تو نماز جائز ہے کیونکہ اب زمین پر قرار پکڑنے کی وجہ سے زمین کے حکم میں ہی ہے، اور اگر کشتی باندھی ہوئی تھی اور اس سے نکلنا ممکن تھا تو اب اس پر نماز نہ ہوگی کیونکہ جب وہ مستقر نہیں تو وہ چارپایہ کے حکم میں ہے۔ بخلاف اس صورت کے جب وہ مستقر ہے تو اس وقت وہ چارپائی کی طرح ہوتی ہے۔(ت)

اسی صورت میں اگر جبراً نہ اترنے دیتے ہوں پنجگانہ پڑھیں اور اترنے کے بعد سب کا اعادہ کریں لان المانع من جھة العباد (کیونکہ رکاوٹ بندوں کی طرف سے ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹۶: از کاٹھیاواڑ ضلع راجکوٹ شہر پور بندر پنچ ہسٹری مسئولہ سید غلام محمد صاحب قادری رضوی امام مسجد میٹھی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

امام العلماء المحققین مقدام الفضلاء المدققین حضرت سیدنا مخدومنا ومولٰنا ومولوی حاجی قاری

---

[1] فتح القدیر باب صلٰوۃ الجمعہ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵

[2] فتح القدیر باب صلٰوۃ المریض مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۶۲

احمد رضا خاں صاحب قبلہ قادری برکاتی مدظلہ ودام فیضہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ یہاں ملک کاٹھیاواڑ میں اکثر مقامات پر یہ رواج ہے کہ جمعہ کے روز خطبہ میں سلطان المسلمین کے واسطے دعا مانگی جاتی ہے تو خطیب بروقت دُعا مانگنے کے منبر پر سے ایک سیڑھی نیچے اترتا ہے اور بعد دُعا مانگ کر ایک سیڑھی اوپر چڑھتا ہے اور بعض مقامات پر اس طرح نہیں کیا جاتا ہے یعنی خطیب ایک سیڑھی بھی نیچے اترتا تو زید اس سے اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ سلطان کے لئے دعا مانگنے کے وقت ایک سیڑھی اترنا چاہئے، عرض یہ ہے کہ یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب:

خطیب کا ایک سیڑھی نیچے آنا اور پھر اوپر جانا بعض علمانے بمجبوری ایک مصلحت شرعی کے لئے رکھا تھا جس کا ذکر مکتوبات شیخ مجدد اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، یہاں وہ مجبوری نہیں، نہ سلاطین کے نام کے ساتھ مبالغہ امیز، غلط الفاظ ملانے کی حاجت، لہٰذا یہ فعل عبث محض ہے، ردالمحتار میں اس کا بدعت ہونا نقل کیا، **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۷: از بھوساول ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب صاحب ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جمعہ کی نماز باجماعت کس وقت سے لے کر اور کب تک ادا کر سکتے ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ اور ظہر کا ایک وقت ہے زوال شمس کے بعد اذانِ اول ہو پھر سنتیں پھر اذانِ ثانی پھر خطبہ پھر نماز، یہ اس کا اول وقت ہے اور ایسے وقت اذان وخطبہ ونماز ہوں کہ سایہ دو مثل ہونے سے پہلے اخیر سنتیں ہو جائیں یہ اس کا آخر وقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۸: از جے پور بیرون اجمیری دروازہ کوٹھی عبدالواجد علی خاں مسئولہ حامد حسن قادری ۱۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خطبہ جمعہ میں بعد جلسہ استراحت درمیانی، کس قدر خطبہ پڑھنا چاہئے اور اس میں کیا کیا مضامین ہوں، کیا صرف چند کلماتِ حمد اور ایک آیت قرآنی سے خطبہ ثانیہ پورا ہو جائے گا، اور کیا نعتِ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ودرود شریف وذکر خلفائے کبار واہلبیت کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ودعا برائے مومنین کے ترک سے کچھ نقصان نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خطبہ ثانیہ پورا ہونا بایں معنی کہ فرض ادا ہو جائے، یہ تو پہلے ہی خطبہ سے حاصل ہو گیا مگر بلاضرورت

سنتِ متوارثہ قدیمہ دائمہ کو چھوڑنا اور مسلمانوں کی تنفیر کا باعث ہونا اور اپنے اوپر فتح بابِ غیبت کرنا اور ارشاد اقدس **بشروا ولاتنفروا** (خوشخبری دو، نفرت نہ دلاؤ۔ت) کی مخالفت کرنا دیندار عاقل کا کام نہیں، نعتِ اقدس سے دعا برائے مومنین تک جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں سب محمود و معمول وماثور ہیں انھیں ضرور بجالانا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹۹: از شاہجہان پور محلّہ خلیل مسئولہ امیر خاں مختار عامر ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور میں ایک مسجد ہے اس میں یہ قرار پایا کہ اول ہر وقت یہاں تک کہ جمعہ کی نماز قادیانی پڑھیں، بعد کو اہلسنت مع خطبہ جمعہ کے، توحضور فرمائے کہ ہماری نماز ہوگی یا نہیں؟ پہلے قادیانی خطبہ پڑھ چکے ہم دوبارہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: نہ قادیانیوں کی نماز ہے نہ ان کا خطبہ، خطبہ کہ وہ مسلمان ہی نہیں، اہلسنت اپنی اذان کہہ کر اسی مسجد میں اپنی خطبہ پڑھیں اپنی جماعت کریں یہی اذان وخطبہ وجماعت شرعًا معتبر ہوں گے، اور اس سے پہلے جو کچھ قادیانی کر گئے باطل ومردود محض تھا۔**وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۰: از جگندل ضلع چوبیس پرگنہ نیا بازار نئی مسجد مسئولہ عبدالستار ہاشمی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے خطبہ اولٰی کے بجائے وعظ وپند عوام کو احکام شرعیہ بتانے اور سمجھانے کے لئے جائز ہے یا نہیں یا قطعی حرام ہے؟ اردو کلام کرنا اندر خطبہ کے یا خطبوں کا ترجمہ یا آیات واحادیث جو خطبوں میں ہیں ان کا ترجمہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خطبہ خود وعظ وپند ہے مگر اس میں غیر عربی زبان کا خلط مکروہ وخلاف سنتِ متوارثہ ہے اگرچہ نفس فرض خطبہ خالص دوسری زبان سے ادا ہوجائے گا صحابہ کرام نے عجم کے ہزاروں شہر فتح فرمائے اور ان میں منبر نصب کئے اور خطبے پڑھے اور ان کی زبانیں جانتے تھے ان سے گفتگو کرتے تھے مگر کبھی منقول نہیں کہ عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ فرمایا یا غیر زبان کو ملایا:

فھو کف والکف متبع قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھورد[1]۔	یہ فعل سے رکنا ہے اور رکنے میں اتباع کی جائے گی، حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے کسی معاملہ میں اختراع کی حالانکہ وہ اس میں سے نہ تھی تو وہ مردہ ہوگی۔ت)

[1] صحیح البخاری باب اذا اصطلحوا علی صلحٍ جورٍ فھو مردود مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۱

در مختار میں ہے:

صح لو شرع بغیر عربیہ وشرطا عجزہ وعلی ھذا الخلاف الخطبۃ [1]۔	صحیح ہے اگر اس نے نماز کی تکبیر غیر عربی میں شروع کی اور صاحبین کے نزدیک بشرطیکہ وہ عاجز ہو، یہی اختلاف خطبہ کے بارے میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں غررالافکار شرح دررالبحار سے ہے:

کرہ الدعاء بالعجمیۃ لان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نھی عن اطاعۃ الاعاجم [2]۔	دعا عجمی زبان میں مکروہ ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عجمی لوگوں کی پیروی سے منع فرمایا ہے۔(ت)

اسی میں ولوالجیہ سے ہے:

التکبیر عبادۃ اللہ تعالٰی لایحب غیر العربیۃ [3]۔	تکبیر، اللہ تعالٰی کی عبادت ہے اور اللہ تعالٰی غیر عربی کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

ہاں اگر اثنائے خطبہ میں مثلاً کسی ہندی کو کوئی فعل ناجائز کرتے دیکھا جیسے خطبہ ہونے کی حالت میں چلنا یا پنکھا جھلنا، اور وہ عربی نہیں سمجھتا تو اردو میں اسے منع کرے کہ یہ حاجت یونہی رفع ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۱ تا ۱۴۰۳: از بھاجی بازار شہر مسئولہ مظہر حسین صاحب آزاد پرائیویٹ سیکریٹری ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) قاضی وخطیب شہر گورنمنٹ کا خطاب یافتہ ہے اور اس کے متعلق اس کو معاش، زمانہ شاہی سے ملی ہوئی ہے اس نے ذاتی رنجشوں عداوتوں کی وجہ سے خطاب وغیرہ ترک موالات کے سلسلہ میں واپس نہیں کئے، ویسے خلافت کا ہمدرد اور قولاً فعلاً امداد کی اور کرنے کو تیار ہے، بوجہ خطیب ہونے کے عیدین میں خطبہ پڑھتا ہے کیا شرعاً ایسے شخص کا خطبہ سُننا جائز ہے؟

(۲) جامع مسجد اور عیدگاہ میں ایک شخص حافظ قاری جو دو حج بھی کرچکا ہے اور خطاب یافتہ نہیں ہے منجانب قاضی وخطیب مذکور امامت کے لئے عرصہ دراز سے مقرر ہے اس کی امامت میں نماز جائز ہے یا نہیں؟

[1] درمختار فصل واذا اراد الشروع فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۴

[2] ردالمحتار مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵

[3] ردالمحتار مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳۸۵

(۳) ایک شہر میں دو خطاب یافتہ مسلمان ہیں خلافت کمیٹی بھی قائم ہے، اس کمیٹی نے ایک خطاب یافتہ کی جانبداری اختیار کر رکھی ہے اس کو خطاب وغیرہ چھوڑنے پر مجبور نہیں کرتی اور اس کی تولیت میں جو مسجد ہے اور اس میں اسی خطاب یافتہ کی جانب سے امام مقرر ہے، اس کا خطبہ سُننا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور دوسرے خطاب یافتہ کا خطبہ سُننا اور اس کے مقرر کردہ امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے، کیا کمیٹی کا یہ فعل فتاوٰی علمائے کرام احکامِ خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور احکام شرعیہ میں کوئی تفرقہ ہے یا سب مسلمانوں کے لئے یکساں اور عام ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جو زمانہ شاہی سے منصب خطبہ وامامت پر منصوب ہے بلاوجہ شرعی اس کے خطبہ سُننے کو ناجائز بتانے والا شریعتِ مطہرہ پر افتراء کرتا ہے، خطاب واپس نہ کرنا کوئی ایسا جرم نہیں جس کے سبب اس کا خطبہ سننا منع ہو جائے اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ [1] (بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر افتراء باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ت)

(۲) جائز ہے اگر اس میں کوئی مانع شرعی نہ ہو اگرچہ خطاب یافتہ ہو.

(۳) یہ تفرقہ محض جہالت اور افتراء بر شریعت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۴: از ایرایان ضلع فتحپور سادات مسئولہ سید صغیر حسین صاحب نائب مدرس مڈل اسکول ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے روز جب امام منبر پر خطبہ پڑھنے کو آجائے اور اذان کہی جائے تو کلمات اذان کا جواب دینا اور بعد ازاں دعائے اذان پڑھنی چاہئے یا نہیں؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک پر اذان میں انگوٹھا چومنا یا خطبہ میں آں حضرت کے نام پر انگوٹھا چومنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اذانِ خطبہ کے جواب اور اس کے بعد دُعا میں امام وصاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اختلاف ہے بچنا اولٰی، اور کریں تو حرج نہیں، یوں ہی اذانِ خطبہ میں نام پاک سن کر انگوٹھے چومنا اس کا بھی یہی حکم ہے لیکن خطبہ میں محض سکوت وسکون کا حکم ہے، خطبہ میں نامِ پاک سن کر صرف دل میں درود شریف پڑھیں اور کچھ نہ کریں زبان کو جنبش بھی نہ دیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶

مسئلہ ۱۴۰۵: از قصبہ سرسی محلّہ بوچڑ خانہ کلاں پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد مسئولہ حافظ خدا بخش و شیخ عبدالعزیز یکم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ فرقہ نجدیہ کے اشخاص جابجا گشت کرتے ہیں اور مومنین مومنات کو بہکاتے پھرتے ہیں ان کا بیان سننے کو کوئی نہیں ٹھہرتا، تو انھوں نے اب یہ کید کیا ہے کہ بوقت خطبہ جمعہ اغوا شروع کرتے ہیں اور اس کا نام خطبہ رکھتے ہیں، یہ فرقہ کیا حکم رکھتا ہے ار خطبہ جمعہ دراصل اردو میں جائز بھی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہابیہ کفار مرتدین ہیں جیسا کہ علمائے حرمین شریفین کے فتوے "حسام الحرمین" سے ظاہر ہے، ان کا خطبہ باطل، ان کی نماز باطل، ان کے پیچھے نماز باطل محض جیسے کسی ہندو یا نصرانی کے پیچھے، اور اردو میں خطبہ پڑھنا سنت متوارثہ کا خلاف اور بہت برا ہے، اور وہابیہ کے طور پر تو اصل ایمان میں خلل انداز ہے کہ بدعت ہے اور ان کے نزدیک ہر بدعت اصل ایمان میں خلل انداز اگرچہ اُن کے پاس سرے ہی سے نہیں **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰۶: از اوجین گوالیار مرسلہ مولوی یعقوب علی خاں ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک قصبہ میں نسلاً بعد نسلٍ مسند قضا پر بحکم حاکم واتفاقِ جماعتِ مسلمانان مامور ہے اور امامت وخطابت اور نماز عیدین بلکہ تمام کاروبار متعلقہ عہدہ قضا کرتا ہے اور سوائے زید کے شوہرِ ہندہ نے تمام عمر امامت وخطیبی نہ کی باوجود ان وجوہات کے ہندہ نے بعد وفاتِ شوہر اپنے کے بشرارت چند کس زید کو بلاوجہ خدمتِ مذکور سے علیحدہ کرکے عمرو داماد اپنے کر بحکم حاکم قائم مقام زید کیا چاہتی ہے، ہندہ چچی زید ہے تو باجازت واعانت عورت بلااستر ضاکے اقوام اہل اسلام عمرو امامت وخطابت کر سکتا ہے یا نہیں؟ بسند کتاب بیان فرمائیں۔

الجواب:

عورت کہ سلطنت نہ رکھتی ہو اور اسی طرح سلطانِ اسلام یا اس کے نائب ماذون کے سوا کسی حاکم کا کسی شخص کو خطیب یا امام جمعہ مقرر کرنا اصلاً معتبر نہیں، نہ ایسے شخص کے خطبہ پڑھتے یا نماز پڑھانے سے جمعہ ادا ہوسکے کہ اس میں اذنِ سلطانِ اسلام شرط ہے جسے اس نے مقرر کیا یا اس کے مقرر کئے ہوئے نے اذن دیا وہی خطیب وامام ہوسکتا ہے دوسرا نہیں، درمختار میں ہے:

الجمعۃ شرط لصحتھا السلطان اومامورہ باقامتھا قالوا یقیمھا امیر البلد ثم الشرطی ثم	صحتِ جمعہ کے لئے سلطان یا اس کے مامور برائے اقامتِ جمعہ کا ہونا ضروری ہے فقہاء نے فرمایا

القاضی ثم من ولاہ قاضی القضاۃ[1] اھ ملتقطا	کہ جمعہ امیر یا شہر قائم کرے اس کے بعد محاسبہ پھر قاضی پھر وہ شخص جسے قاضی القضاۃ نے مقرر کیا ہو اھ اختصارًا (ت)

پس اگر آباء واجداد زید سلطنت اسلام سے اس عہدہ پر از جانبِ سلاطین اسلام مقرر تھے اور وہ خطباء وائمہ یکے بعد دیگرے اپنی اولاد میں ایک دوسرے کو نائب کرتے آئے یہاں تک کہ یہ نہایت زید تک پہنچی تو زید خود سلاطین اسلام کی طرف سے اس عہدہ پر مامور گنا جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے اگر تمام اہل شہر بے اس کے اذن کے دوسرے کو امام یا خطیب مقرر کرنا چاہیں گے ہر گز جائز نہ ہوگا نہ بغیر اس کی اجازت کے کسی کی خطبہ خوانی یا امامت صحیح ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

الاذن من السلطان انما یشترط فی اول مرۃ فاذا اذن باقامتھا لشخص کان لہ ان یأذن لغیرہ وذلك الغیرلہ ان یأذن لاٰخر وھلم جرا ولاتصح اقامتھا الا لمن اذن لہ السلطان بواسطۃ او بدونھا اما بدون ذلك فلا[2] اھ ملخصا	سلطان کا اذن پہلی دفعہ شرط ہے جب سلطان کسی شخص کو اقامت جمعہ کا اذن جاری کر دے تو وہ شخص کسی دوسرے کو اجازت دے سکتا ہے اسی طرح وہ آگے ایسا کر سکتا ہے، اقامتِ جمعہ وہ قائم کر سکتا ہے جس کو اذنِ سلطان حاصل ہو خواہ بلاواسطہ اذن ہو یا بالواسطہ۔ لیکن اگر اذن نہیں تو جمعہ قائم نہیں کر سکتا اھ تلخیصًا (ت)

اور اگر ایسا نہیں یعنی اس کے اجداد جانبِ سلاطین اسلام سے مامور نہ تھے یا اس کی انھوں نے نائب نہ کیا تاہم جبکہ یہ خود باتفاق مسلمین امامت وخطابت پر مامور ہے تو ہمارے اعصار وامصار میں بلاریب امام وخطیب صحیح شرعی ہے کہ جہاں سلطان نہ ہو اس امر کا اختیار عامہ مسلمین کے ہاتھ ہوتا ہے وہ جسے مقرر کردیں اسی کا تقرر ٹھیک ہے، درمختار میں ہے:

نصب العامۃ الخطیب غیر معتبر مع وجود من ذکر امامع عدمھم فیجوز للضرورۃ[3]۔	عوام کا خطیب کو مقرر کرنا مذکورہ افراد کے ہوتے ہوئے معتبر نہیں اور اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو ضرورت کی وجہ سے جائز ہوگا (ت)

تو اس صورت میں بھی دوسرا کوئی شخص بغیر اذن زید کے امامت وخطابت کا مجاز نہیں کہ آخر یہ خطیب شرعی ہے

---

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۹-۱۱۰

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۲

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۰

اور خطیب شرعی کے بے اجازت دوسرا امامت یا خطابت نہیں کرسکتا، ردالمحتار میں ہے:

قوله لوصلی احد بغیر اذن الخطیب لایجوز ظاہرہ ان لاخطیب خطب بنفسه والاخر صلی بلا اذنه ومثله مالو خطب بلااذنه لما فی الخانیة وغیرھا خطب بلا اذن الامام والامام حاضر لم یجز [1] اھ	قولہ "اگر کسی نے اذنِ خطیب کے بغیر نماز پڑھائی تو جائز نہیں" اس کا ظاہر بتارہا ہے کہ خطیب نے خود خطبہ دیا مگر نماز اس کی اجازت کے بغیر دوسرے نے پڑھادی اور اسی کی مثل وہ صورت ہے جب بلااجازتِ خطیب کسی نے خطبہ دے دیا، کیونکہ خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی نے بغیر اجازتِ امام خطبہ دیا اور امام حاضر تھا تو یہ جائز نہیں اھ (ت)

ہاں اس صورت میں اگر عامہ مسلمین جیسے آج تک تقرر زید پر متفق رہے اب بوجہ شرعی معزولی زید پر متفق ہوجائیں اور دوسرے شخص کو قائم کردیں تو اس صورت زید معزول اور دوسرے کا تعین صحیح ومقبول ہوگا صرف عورت کی جاہلانہ حرکت یا حاکم سلطنت غیر اسلامی کی شرکت واعانت محض بیکار وبے سود ہے کہ کسی منصب سے معزول کرنے کا اسی کو اختیار ہوتا ہے جسے مقرر کرنے کا اختیار تھا وہ اصالۃً سلطانِ اسلام ہے اور ضرورۃً جماعاتِ مسلمین نہ کہ عورت یا حکامِ سلطنت غیر اسلام کما لایخفی علی من له بالفقه ادنی الالمام (جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہو جو فقہ میں ادنٰی سا درک رکھتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰۷: از بنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بروز جمعہ نیت چار رکعت سنت کی باندھی، بعدہ، امام نے خطبہ شروع کیا اب وہ دو رکعت پڑھ کر سلام کرے یا چار رکعت پوری پڑھے اس میں جو کچھ اختلاف درمیان علمائے حنفیّہ سے ہے وہ جناب پر ظاہر ہے لیکن بطور نمونہ قدرے درج ذیل ہے:

فی الدرالمختار فی باب الجمعة ولو خرج و ھو فی السنة اوبعد قیامه لثالثة النفل یتم فی الاصح ویخفف القراءۃ [2] وایضا فیه فی باب ادراك الفریضة وکذا سنة الظهر	درمختار کے باب الجمعہ میں ہے کہ اگر امام آگیا اور نمازی سنن ادا کررہا تھا یا نفل کی تیسری رکعت کی طرف کھڑا ہو تو اصح قول کے مطابق اسے مکمل کرلے اور قراءت میں تخفیف کرے، اس کے باب ادراک الفریضہ میں بھی یہی ہے

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۹۴۔۵۹۳

[2] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

وسنة الجمعة اذا اقيمت اما خطب الامام يتمها اربعا على القول الراجح لانها صلٰوة واحد ليس القطع للاكمال. بل للا بطال خلا فالما رجحه الكمال [1]۔ وفی العلمگیریة ولوکان فی السنة قبل الظهر والجمعة فاقيم اوخطب يقطع على راس الركعتين يروى ذلك عنه ابی یوسف رحمه الله تعالٰى وقد قيل يتمها كذافى الهداية. وهو الاصح كذافى محيط السرخسى. وهو الصحيح هكذا فى السراج الوهاج [2]۔فی الصغیری شرح منية اذا صعدالامام المنبر يجب على الناس ترك الصلٰوة الى اٰخره [3] فی حاشیة ردالمحتار على الدرالمختار متعلق. لمارجحه الكمال حيث قال وقيلك يقطع على رأس الركعتين وهوالراجح لانه يتمكن فى قضائها بعدالفرض ولا ابطال فى التسليم على الركعتين فلا يفوت فرض الاستماع والاداء على الوجه الاكمل بلاسبب اھ۔ **اقول:** وظاهر الهداية اختياره و عليه مشى فى الملتقى ونور الايضاح والمواهب و	اور اسی طرح سنتِ ظہر اور سنتِ جمعہ میں اگر تکبیر کہی جائے یا امام خطبہ شروع کردے تو قولِ راجح کے مطابق وہ چار رکعت مکمل کرے کیونکہ یہ ایک ہی نماز کے حکم میں ہے یہاں انقطاع ، اکمال نہیں بلکہ ابطال ہوگا، اس کے خلاف ہے جسے کمال نے ترجیح دی۔ اور عالمگیری میں ہے اگر کوئی شخص ظہر اور جمعہ کی پہلی سنتوں میں تھا تکبیر کہی گئی یا خطبہ شروع ہوگیا تو دو رکعات ادا کرکے ختم کردے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اور بعض نے کہا کہ تمام کرے اسی طرح ہدایہ میں ہے اور یہی اصح ہے، محیط سرخسی میں یہی ہے اور یہی صحیح ہے، اسی طرح سراج الوہاج میں ہے، صغیری شرح منیہ میں ہے جب امام منبر پر چڑھے تو لوگوں میں نماز کا ترک کردینا لازم ہے الخ حاشیہ ردالمحتار علی الدرالمختار میں کمال کی ترجیح کے بارے میں ہے کہ بعض نے کہا دو رکعتوں پر اختتام کردے یہی راجح ہے کیونکہ فرائض کے بعد ان کی قضا ممکن ہے اور دو رکعات پر سلام ان کا ابطال بھی نہیں، پس اب خطبہ کا سننا جو فرض ہے وہ بھی فوت نہ ہوگا اور کامل طریقہ پر سنن کی ادائیگی بھی ہوجائے گی۔ **اقول:** ہدایہ کا ظاہر یہی کہ یہ ان کا مختار ہے ، اس پر ملتقی ، نورالایضاح، المواہب، جمعۃ الدرر اور فیض میں ہے شرنبلالیہ میں

[1] در مختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۲۰/۱

[3] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸۰

جمعة الدرر والفیض وعزاہ فی الشرنبلالیة الی البرھان وذکر فی الفتح انه حکی عن السغدی انه رجع الیه لما راہ فی النوادر عن ابی حنیفة وانه مال الیه السرخسی والبقالی وفی البزازیة انه رجع الیه القاضی النسفی و ظاھر کلام المقدسی المیل الیه ونقل فی الحلیة کلام شیخه الکمال ثم قال وھو کما قال ھذا[1] الخ فی شرح الوقایة اذا خرج الامام حرم الصلٰوۃ [2] وفی عمدة الرعایة حاشیة شرح الوقایة لمولٰنا واستاذنا مولوی عبدالحی صاحب مرحوم ومغفور واخرج اسحٰق بن راھویة فی مسندہ عن السائب کنا نصلی فی زمن عمر یوم الجمعة فاذا خرج عمر وجلس علی المنبر قطعنا الصلٰوۃ[3] الخ	اسے برہان کی طرف منسوب کیا گیا ہے، فتح میں ہے سغدی سے منقول ہے کہ اس کی طرف رجوع اس لئے کیا کہ نوادر میں امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے، اور اسی کی طرف سرخسی اور بقالی نے میلان کیا ہے اور بزازیہ میں ہے کہ اس کی طرف قاضی نسفی نے رجوع کیا، کلام مقدسی سے ظاہراً اسی طرف میلان معلوم ہوتا ہے، حلیہ میں کمال کا کلام نقل کر کے کہا کہ وہ اسی طرح ہے جو یہ کہا گیا ہے الخ شرح وقایہ میں ہے جب امام آجائے تو نماز حرام ہوجاتی ہے۔ عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جو ہمارے استاذ مولوی عبدالحی کا ہے میں لکھا ہے کہ اسحٰق بن راہویہ نے مسند میں حضرت سائب سے روایت کیا کہ ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں نماز پڑھتے تھے توجب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ منبر پر بیٹھتے تو ہم نماز ختم کردیتے تھے الخ (ت)

الجواب:

دونوں قول قوی و نجیح ہیں اور دونوں طرف جزم و ترجیح اور مختار فقیر قول اخیر کہ اول روایت نوادر ہے اور ثانی مفاد ظاہر الروایہ والفتوی متی اختلفت فالمصیر الی ظاھر الروایة (جب روایات مختلف ہوں توظاہر الروایت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ محرر المذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا وناھیك به حجة وقدوة (اس میں وہی مقتدا کافی ہیں، ت) فتح القدیر میں ہے: الیه اشار فی الاصل[4] (اسی کی طرف اصل میں اشارہ ہے۔ت) معہذا کثرت تصحیح وافتائے صریح بھی اسی

[1] ردالمحتار باب ادراک الفریضہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۷

[2] شرح الوقایہ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۴

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیۃ شرح الوقایۃ باب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۴

[4] فتح القدیر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۳

طرف ہے:

والقاعدة ان العمل بما علیه الاکثر کما نصوا علیه فی غیر ماکتاب وبیناه فی رسالتنا بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز۔	اور یہ قاعدہ ہے کہ عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ فقہاء نے کتب میں متعدد جگہ اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تفصیل اپنے رسالے "بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز" میں دی ہے۔(ت)

قولِ اول کی ترجیح صریح کتب معتمدہ مرجحین میں کہ اس وقت فقیر کے پاس ہیں خانیہ وفتح کے سوا کسی میں نظر سے نہ گزری

اما الحلیة فقد تبعت الفتح واما المراقی فانما تبع البرھان شرح مواھب الرحمٰن بشھادة غنیة ذوی الاحکام واما الطرابلسی فانما اقتفی اثر الکمال کما ھودابه فی کل مقال قال الکلام الی الکمال مع ان الشرنبلالی خالف نفسه فی جمعة غنیة کما یأتی۔	حلیہ نے فتح کی اتباع کی ہے، مراقی نے غنیہ ذوی الاحکام کے بیان کے مطابق برہان شرح مواہب الرحمٰن کی اتباع کی ہے، طرابلسی نے کمال کی اقتداء کی جیسا کہ ان کا ہر جگہ یہی طریقہ ہے اور کہا کہ کلام کمال کی طرف ہی ہے باوجودیکہ شرنبلالی نے جمعہ غنیہ میں خود اپنی مخالفت کی ہے جیسا کہ آرہا ہے۔(ت)

اور قولِ اخیر کو صاحب محیط وامام عبدالرشید وامام ابوحنیفہ ولوالجی وامام علی سی بن محمد قرہ شہری صاحب مبتغی وامام ظہیر الدین مرغینانی صاحب ظہیریہ وعلامہ سمشی وصاحبِ سراج وہاج نے فرمایا: **ھو الصحیح**[1] (صحیح قول یہی ہے۔ت) امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: **ھو الاصح**[2] (اصح قول یہی ہے۔ت) درمختار میں ہے: **فی الاصح**[3] (اصح قول میں یہی ہے۔ت) متنِ تنویر میں ہے: **علی الراجح**[4] (یہ راجح قول کے مطابق ہے۔ت) بحرالرائق میں ہے: **صحح المشائخ**[5] (مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) مجمع الانہر میں ہے: **صححه اکثر المشائخ**[6] (اکثر مشائخ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت) اسی طرح جامع الرموز وہندیہ ونہر وغیرہا میں اس کی تصحیح وترجیح

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ السراج الوہاج الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی الباب العاشر فی ادراک الفریضۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۰

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[4] درمختار باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۹

[5] بحرالرائق باب صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۸

[6] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ادراک الفریضۃ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۴۱

مذکور یہاں تک کہ امام اجل مجتہد الفتوی حسام الدین عمر صدر شہید قدس سرہ نے فتاوٰی صغری میں فرمایا: **علیه الفتوی**[1] (فتوٰی اسی پر ہے۔ت) شرنبلالیہ میں ہے:

اقول: الصحیح خلافه وھو انه یتم سنة الجمعة اربعا وعلیه الفتوی کما فی الصغری وھو الصحیح کما فی البحر عن الولوالجیة والمبتغی[2] **الخ۔**	**میں کہتا ہوں** صحیح اس کے خلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ جمعہ کی چار سنتیں مکمل کرے، اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ صغری میں ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ بحر میں ولوالجیہ اور مبتغی سے ہے الخ۔(ت)

لاجرم بحر میں قولِ اول کی نسبت فرمایا: **ھو قول ضعیف وعزاہ قاضی خاں الی النوادر**[3] (یہ ضعیف قول ہے اور قاضی خاں نے اس کی نسبت نوادر کی طرف کی ہے۔ت) رہیں روایات قطع وترک و تحریم نماز بخروج امام للخطبہ انھیں اس مبحث سے علاقہ نہیں وہ فریقین کی منصوصہ و متفق علیہا ہیں ان کے معنٰی یہ ہیں کہ خروج امام کے بعد کوئی نماز (سوائے فائتۃ واجب الترتیب کے) شروع نہ کرے پہلے سے جو انتظارِ امام میں نوافل وغیرہا پڑھ رہا ہے اس کا سلسلہ قطع کردے متمادی نہ رہے نہ یہ کہ جو نماز پڑھ رہا ہے وہ حرام ہوگئی اسے قطع کردے نیت توڑدے یہ قطعًا باطل ہے ورنہ اگر ہنوز نیت ہی باندھی یا ایک ہی رکعت پڑھی کہ امام خطبہ کے لئے خارج ہوا تو فورًا نیت توڑ دینا واجب ہو یہ کسی کا قول نہیں نصوص عامہ کتب مذہب اس کے بطلان پر متظافر و متواتر ہیں **کما لا یخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم**

1

2

3

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رِعَایۃُ المَذھَبَین فی الدّعاءِ بین الخُطبتین ١٣١٠ھ

(دو خطبوں کے درمیان دُعا کرنے کا بیان)

مسئلہ ١٤٠٨: از کٹھورا اسٹیشن سائن ضلع سورت مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب مدرس مدرسہ عربیہ ١٥ جمادی الآخرہ ١٣١٠ھ

اس جائے پر بروز جمعہ بین الخطبتین کے جلسہ میں ہاتھ اٹھا کر دُعا آہستہ مانگی جاتی ہے اور بعض لوگ اس کو مکروہِ شدید وحرام وبدعتِ سیئہ وشرک قرار دے کر اس فعل کو منع کرتے ہیں، لہٰذا التماس یہ ہے کہ اس کے جوابِ باصواب سے جو دافع جدال ہو تحریر فرما کر رفعِ خصومت بین المسلمین فرمائیں۔

الجواب:

امام کے لئے تو اس دُعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، جس کے لئے نہیِ شارع نہ ہونا ہی سند کافی، ممنوع وہی ہے جسے خدا ورسول منع فرمائیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بے اُن کی نہی کے ہرگز کوئی شے ممنوع نہیں ہوسکتی خصوصًا دُعا سی چیز جس کی طرف خود قرآنِ عظیم نے بکمال ترغیب وتاکید علی الاطلاق بے تحدید وتقیید بلایا اور احادیث شریفہ نے اسے عبادت ومغزِ عبادت فرمایا، پھر یہاں صحیح حدیث کا فحوی الخطاب اُس کی اجازت پر دلیل صواب کہ خود حضور پر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عین خطبہ میں دست مبارک بلند فرما کر ایک جمعہ کو مینہ برسنے اور دوسرے کو مدینہ طیبہ پر سے کھل جانے کی دُعا مانگنا، صحیح بخاری ومسلم وغیرہا میں حدیثِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حالانکہ وہ قطعِ خطبہ کو مستلزم، تو بین الخطبتین بدرجہ اولٰی جواز ثالث، لاجرم علمائے کرام نے شروح حدیث وغیرہ کتب میں صاف اُس کا جواز افادہ فرمایا، مولٰنا علی قاری مکی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی مرقاۃ شرح

مشکوٰۃ میں زیرِ حدیث یخطب ثم یجلس فلایتکلم (امام خطبہ پڑھے پھر بلا گفتگو بیٹھ جائے۔ت) فرماتے ہیں:

لایتکلم ای حال جلوسه بغیر الذکر اوالدعاء اوالقراءة سرا و الاولی القراءة لروایة ابن حبان کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقرأ فی جلوسه کتاب الله[1] الخ	نہ گفتگو کرے یعنی بیٹھنے کی حالت میں آہستہ ذکر یا قراءۃ کے علاوہ بات نہ کرے، قراءت اولٰی ہے کیونکہ ابنِ حبان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیٹھنے کی حالت میں کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے تھے الخ (ت)

حافظ الشان شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی فتح الباری شرح صحیح بخاری شریف میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

واستفید من هذ ان حال الجلوس بین الخطبتین لاکلام فیه لکن لیس فیه نفی ان یذکر الله او یدعوه سرا[2]۔	اس کا مفاد یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے درمیان بلاکلام بیٹھنا ہے لیکن اس سے اس بات کی نفی نہیں کہ آہستہ آہستہ اللہ کا ذکر اور دُعا بھی کی جائے۔(ت)

علامہ زرقانی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ثم یجلس فلا یتکلم (جهرا فلا ینافی روایة ابن حبان انه کان یقرأفیه ای الجلوس وقال الحافظ مفاده[3]) الی اخر مامر۔	پھر خطیب گفتگو کے بغیر بیٹھ جائے (یعنی بلند آواز سے گفتگو نہ کرے یہ بات روایت ابن حبان کے منافی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس (جلوس) میں قراءت فرماتے ہے اور حافظ نے کہا اس کا مفاد وہ جو پہلے بیان ہوچکا ہے۔(ت)

بلکہ صحیح حدیث حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومتعدد اقوال صحابہ وتابعین کی رو سے یہ جلسہ اُن اوقات میں ہے جن میں ساعتِ اجابت جمعہ کی امید ہے، صحیح مسلم شریف میں بروایت حضرت ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دربارۂ ساعتِ جمعہ فرمایا:

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الخطبہ والصلوٰۃ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۲۷۰

[2] فتح الباری شرح البخاری باب القعدۃ بین الخطبتین یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۵۷

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الباب الثانی فی ذکر صلوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفت بیروت ۷/ ۳۸۵

ھی مابین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰۃ[1]۔	امام کے جلوس سے نماز ختم ہونے تک ساعت جمعہ ہے۔(ت)

دوسری حدیث میں آیا حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے فرمایا: شروع خطبہ سے ختم خطبہ تک ہے رواہ ابن عبدالبر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) انہی ابن عمر وابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ خروج امام سے ختمِ نماز تک ہے۔ یونہی امام عامر شعبی تابعی سے منقول رواہ ابن جریر الطبری (اسے ابن جریر طبری نے روایت کیا ہے۔ت) انھی شعبی سے دوسری روایت میں خروج امام سے ختم خطبہ تک اس کا وقت بتایا رواہ المروزی (اسے امام مروزی نے روایت کیا۔ت) اسی طرح امام حسن بصری سے مروی ہوا رواہ ابن المنذر (اسے ابن المنذر نے روایت کیا۔ت) ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہمانے اذان سے نماز تک رکھا رواہ حمید بن زنجویہ (اسے حمید بن زنجویہ نے روایت کیا۔ت) بہر حال یہ وقت بھی ان میں داخل، تو یہاں دُعا ایک خاص ترغیب شرح کی مورد خصوصًا حدیث دوم پر جبکہ کسی مطلب خاص کے لئے دُعا کرنی ہو جسے خطبہ سے مناسبت نہ ہو تواس کے لئے یہی جلسہ بین الخطبتین کا وقت متعین بلکہ علامہ طیبّی شارح مشکوٰۃ نے بالتعیین اسی وقت کو ساعتِ اجابت بتایا اور اُسے بعض شراح مصابیح سے نقل فرمایا بلکہ خود ارشاد اقدس مابین ان یجلس الامام (امام کے بیٹھنے سے لے کر۔ت) سے یہی جسلہ مراد رکھا، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

می گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درشان ساعۃ الجمعۃ کہ آں ساعت میان نشستن امام ست بر منبر تا گزاردن نماز، طیبّی از جلوس، نشستن میان دو خطبہ مراد داشتہ[2] الخ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جمعہ کی ساعت کے بارے میں فرمایا کہ وہ گھڑی امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ادا کرنے تک ہوتی ہے، علامہ طیبّی نے جلوس سے مراد دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا لیا ہے الخ (ت)

اس قول پر تو بالخصوص اسی وقت کی دعا شرعًا اجل المندوبات واجب مرغوبات سے ہے پھر اس قدر میں اصلًا شک نہیں کہ جب بغرضِ تقویت رجاء جمع احادیث واقوال علماء چاہئے، جو امثال بابِ مثل لیلۃ القدر

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲۸۱/۱

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵۷۱/۲

وغیرہا میں ہمیشہ مسلک محققین رہا ہے، تو بقیہ اوقات کے ساتھ اس وقت بھی دعا ضرور درکار ہوگی اور اس کے نیک و مستحسن ماننے سے چارہ نہ ہوگا، لاجرم صاحب عین العلم نے کہا جو اکابر علمائے حنفیّہ سے ہیں صاف تصریح فرمائی کہ اس جلسہ میں مستحب ہے، اسی طرح امام ابن المنیر نے افادہ استحسان جمع فرمایا، طرہ یہ کہ یہ قول امام ممدوح حضرات منکرین کے امام شوکانی نے نیل الاوطار شرح ملتقی الاخبار میں نقل کیااور مقرر و مسلم رکھا

حیث قال فی عدالا قوال، الثلاثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی [1] الخ ثم قال قال ابن المنیر یحسن جمع الاقوال فتکون ساعۃ الاجابۃ واحدۃ منھا لابعینھا فیصادفھا من اجتھد فی الدعاء فی جمعیھا [2] اھ	یہاں انھوں نے تیسواں قول شمار کرتے ہوئے کہاکہ دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت، اسے طیبی نے نقل کیا ہے الخ پھر کہاکہ ابن منیر نے کہا تمام اقوال احسن ہے ساعتِ قبولیت تو ایک ہی ہے اسے وہی پائے گا جو تمام وقت دعا میں رہے گا۔(ت)

یہ حکم امام کا ہے، رہے مقتدی ان کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم مختلف، امام ثانی عالمِ ربانی قاضی الشرق والغرب حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک انھیں صرف بحالتِ خطبہ سکوت واجب، قبل شروع وبعد ختم وبین الخطبتین دعاوغیرہ کلامِ دینی کی اجازت دیتے ہیں، اور امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج امام سے ختم نماز تک عندالتحقیق دینی و دنیوی ہر طرح کے کلام یہاں تک کہ امر بالمعروف وجوابِ سلام بلکہ مخل استماع ہر قسم کے کام سے منع فرماتے ہیں اگرچہ کلام آہستہ ہو اگرچہ خطیب سے دور بیٹھا ہو کہ خطبہ سُننے میں نہ آتا ہو، امام ثالث محرر المذہب محمد بن الحسن رحمہ اللہ تعالٰی بین الخطبتین میں امام اعظم اور قبل وبعد میں امام ابویوسف کے ساتھ ہیں، درمختار میں ہے:

اذاخرج الامام من الحجرۃ والافقیامہ للصعود شرح المجمع فلا صلٰوۃ ولا کلام الی تمامھا ولو تسبیحا او رد سلام اوامرا بمعروف بلا فرق بین قریب وبعید وقالا لاباس بالکلام قبل الخطبۃ وبعدھا واذاجلس، عند الثانی والخلاف فی کلام	جب امام حجرہ سے نکلے ورنہ وہ جب منبر پر چڑھنے کے لئے کھڑا ہو، شرح المجمع، تو اس وقت سے اختتام تک نہ نماز ہے نہ کلام اگرچہ وہ ایک تسبیح یا سلام کا جواب یا امر بالمعروف ہو، قریب اور بعید بیٹھنے والے میں کوئی فرق نہیں، صاحبین کے نزدیک خطبہ سے پہلے اور بعد اور امام ابویوسف کے ہاں جب خطیب درمیان میں بیٹھے

[1] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب فضل الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۷۵/۳
[2] نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار باب فضل الجمعۃ وذکر ساعۃ الاجابۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲۷۷/۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

یتلق بالاٰخرۃ اماغیرہ فیکرہ اجماعا [1] اھ ملتقطا	گفتگو میں کوئی حرج نہیں، لیکن یہ اختلاف اس گفتگو کے بارے میں ہے جو آخرت سے متعلقہ ہو اس کے علاوہ گفتگو بالاتفاق مکروہ ہے۔(ت)

تحقیق یہی ہے، اگرچہ یہاں اختلاف نقول، حد اضطراب پر ہے کہ سب کو مع ترجیح و تنقیح ذکر کیجئے تو کلام طویل ہو، اس تحقیق کی بنا پر حاصل اس قدر کہ مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو تو بلاشبہ جائز کہ جب عین حالتِ خطبہ میں، وقت ذکر شریف حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دل سے حضور پر درود بھیجنا مطلوب، تو بین الخطبتین کہ امام ساکت ہے دل سے دعا بدرجہ اولیٰ روا، ردالمحتار میں ہے:

اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایجوز ان یصلوا علیه بالجهر بل بالقلب وعلیه الفتوی رملی [2]۔	جب سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مبارک ذکر آئے تو بالجہر کی بجائے دل میں درود شریف پڑھ لیا جائے، اسی پر فتوی ہے۔ رملی (ت)

اور زبان سے مانگنا امام کے نزدیک مکروہ، اور امام ابی یوسف کے نزدیک جائز، اور مختار قول امام ہے، تو بیشک مذہب منقح حنفی میں مقتدیوں کو اس سے احتراز کا حکم ہے نہ کہ اس بنائے فاسد پر جو مبنائے جہالات وہابیہ ہے کہ عدمِ ورود خصوص، ورودِ عدم خصوص ہے، وہ بھی خاص حقِ جواز میں، منع کے لئے ممانعت خاصہ خدا ورسول کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ تو محض جہل وسفہ وتحکم ہے بلکہ اس لئے کہ اذاخرج الامام فلا صلوٰۃ ولاکلام (جب امام نکل آئے تو نہ کوئی نماز ہے نہ کلام۔ت) پس غایت یہ کہ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہوں انھیں بتادیا جائے نہ کہ معاذاللہ بدعتی گمراہ حتی کہ بلاوجہ مسلمانوں کو مشرک ٹھہرایا جائے، کیا ظلم ہے جب ان اشقیاء کے نزدیک اللہ عزوجل کو پکارنا بھی شرک ہوا تو مگر شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین کا پکارنا توحید ہوگا حاش للہ (اللہ ہی کے لئے پاکیزگی ہے۔ت) یہ اُن بدعقلوں کی بدزبانیاں ہیں جن کا مزہ آخرت میں کھلے گا، جب لا الٰہ الا اللہ مسلمانوں کی طرف سے اُن بیباکان پُرسرف سے جھگڑنے آئے گا۔

وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ [3]	اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

[1] درمختار باب الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

[3] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

قول ارجح ممانعت سہی پھر بھی ان دعا کرنے والوں کے لئے خود ہمارے مذہب وکتب مذہب میں متعدد راہیں تجویز واجازت کی ہیں:

اوّلًا یہی قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ جو اس ترخیص کے ساتھ اس جہالت نجدیہ کا بھی علاج کافی ہے کہ وہ اس وقت تسبیح بالتصریح جائز بتاتے ہیں حالانکہ بہ لحاظ خصوص وقت ورود اس کا بھی نہیں۔

ثانیًا بعض کے نزدیک مقتدیوں کو صرف جہر ممنوع ہے آہستہ میں حرج نہیں۔ اور اس کی تائید اس قول سے بھی مستفاد کہ عین حالتِ خطبہ میں ذکر اقدس سن آہستہ کر درود پڑھنے کا حکم دیا گیا اگرچہ تحقیق وہی ہے، کہ دل سے پڑھے،

کما قدمنا عن الرملی وھو معنی ما فی الدر المختار من قولہ والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند سماع اسمہ، فی نفسہ [1] اھ وان مال القھستانی الی التاویل بالاخفاء خلافا لما فی الجوھرۃ وغیرھا من الکتب المعتبرۃ قال الشامی ای بان یسمع نفسہ اویصحح الحروف فانھم فسروہ بہ وعن ابی یوسف قلبا کما فی الکرمانی قھستانی واقتصر فی الجوھرۃ علی الاخیر حیث قال ولم ینطق بہ لانہا تدرك فی غیرھذا لحال والسماع یفوت [2] اھ مختصرا واما قول القھستانی انھم فسروہ بہ فانما ارادبہ دفع الاستبعاد عما اختارہ من التاویل فان ظاھر اللفظ ھوارادۃ القلب ومع ذلك ربما اطلقوہ وفسروہ بی ای بالاسرار	جیسا کہ رملی کے حوالے سے ذکر کر آئے ہیں، درمختار کے ان الفاظ سے بھی وہی مراد ہے کہ صواب یہ ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر دل میں درود شریف پڑھا جائے اھ اگرچہ قہستانی کا میلان اخفاء کی طرف ہے مگر جوہرہ اور دیگر کتب معتبرہ اس کے خلاف ہیں، شامی کہتے ہیں کہ اس کا اپنا نفس سن لے یا حروف کی تصحیح ہو کیونکہ علماء نے اس کی تفسیر یوں ہی کی ہے، امام ابویوسف سے مروی ہے کہ دل میں پڑھے جیسا کہ کرمانی میں ہے، قہستانی نے جوہرہ میں آخری پر ہی اکتفا کیا ہے ان کے الفاظ میں اس کے ساتھ نطق نہ کرے کیونکہ اس حال کے علاوہ میں اسے پایا جاسکتا ہے مگر اس کے ساتھ سماع فوت ہوجائیگا اھ اختصارًا۔ رہا قہستانی کا قول کہ فقہاء نے اس کی تفسیر یہی کی ہے اس سے ان کی مراد اس بُعد کو دور کرنا ہے جو ان کی اختیار کردہ تاویل

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۳

[2] ردالمحتار باب الجمعہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶

علی القولین فی تحدیدہ۔	میں تھا کیونکہ "فی نفسہٖ" ظاہراً الفاظ تو ارادۂ قلب پر دال ہیں حالانکہ اس کے باوجود اس کا اطلاق کرکے اس کی تفسیر مخفی ہونے کے ساتھ کرتے ہیں، ان دونوں اقوال پر جو اس کی تعریف کے بارے میں ہیں۔(ت)

ثالثاً امام نصیر بن یحیٰی وامام محمد بن الفضل وغیرہما عین حالت خطبہ میں بعید کو کہ خطبہ کی آواز اس تک نہ پہنچے انصات واجب نہیں جانتے، اور امام محمد بن سلمہ بھی صرف اولٰی کہتے ہیں اگرچہ مفتی بہ اس پر بھی وجوب، تو اس جلسہ میں کہ آواز ہی نہیں بدرجہ اولٰی واجب نہ کہیں گے۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

قال فی النھایۃ اذا کان بحیث لایسمعھا لاروایۃ فیه عن اصحابنا فی المبسوط وقد اختلف المشائخ المتاخرون فیه فعن محمد بن سلمۃ الانصات اولی وعن نصیر بن یحٰی انه کان بعیدا وکان یحرك شفتیه بالقراٰن وفی العنایۃ ان الانصات مختار الکرخی و صاحب الھدایۃ وقال بعضھم قراءۃ القراٰن اولی وھو اختیار الفضلاء[1]۔	نہایہ میں ہے اس وقت جب ایسے مقام پر ہو کہ وہ خطبہ نہیں سن رہا، مبسوط میں ہمارے اصحاب (احناف) سے کوئی ایک روایت نہ ہے، متاخرین مشائخ کا اس میں اختلاف ہے، محمد بن سلمہ کے نزدیک خاموشی اولٰی ہے، نصر بن یحیٰی کے بارے میں ہے کہ جب ہو خطیب سے دُور ہوتے تو ان کے ہونٹ تلاوتِ قرآن سے حرکت کررہے ہوتے تھے، عنایہ میں ہے خاموشی، کرخی اور صاحب ہدایہ کا مختار ہے، بعض نے فرمایا: تلاوت قرآن اولٰی ہے، فضلاء کے ہاں یہی مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فیض سے ہے: الاحوط السکوت وبه یفتی[2] (سکوت ہی احوط ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا۔ت)

رابعاً بعض علماء کا گمان ہے کہ ہمارے امام کے نزدیک بھی صرف کلامِ دنیوی ممنوع ہے دعاء وذکر مطلقاً جائز حتی کہ عین حالتِ خطبہ میں بھی، اگرچہ صواب اُس کے خلاف ہے کما تقدم عن الدر (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرا۔ت) عبدالغنی نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں:

اما تامین المؤذنین علی دعاء الخطیب والترضی عن الصحابۃ والدعاء للسلطان بالنصر	خطیب کی دعاء پر مؤذنین کا آمین کہنا، صحابہ کے نام سن کر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا، بادشاہ کے لئے دعا

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۰۷-۳۰

[2] ردالمحتار باب الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۰۶-۶۰

فلیس ھذا من الکلام العرفی بل ھو من قبیل التسبیح ونحوہ فلا یکرہ فی الاصح [1] الخ وبینا علی ھامشھا ان ھذا من اشتباہ عرض لہ رحمہ اللہ تعالٰی من تصحیح النھایۃ والعنایۃ بلفظ لتجویز الکلام الاخروی وانما کلامھا فیما قبل شروع الخطبۃ و بعدھا لاحالھا ثم ھو ایضا لا یخلو عن نظر کما یظھر بمراجعۃ ماعلقنا علی ھامش ردالمحتار والاصح الاحوط اطلاق المنع کم افادہ الزیلعی لذالم یمش علیہ فی عامۃ الکتب المعتمدہ کالبحر والنھر والدر ورد المحتار۔	یہ کلام عرفی نہیں بلکہ از قبیل تسبیحات وغیرہ ہے لہٰذا اصح قول کے مطابق یہ مکروہ نہیں الخ، ہم نے اس کے حاشیہ میں تحریر کیا کہ علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کو یہ اشتباہ نہایہ اور عنایہ کی تصحیح سے عارض ہوا کیونکہ انھوں نے کلام اُخروی پر محمول کیا ہے حالانکہ ان کا کلام خطبہ سے پہلے یا بعد پر محمول ہے نہ کہ درمیان میں، پھر وہ بھی محلِ نظر ہے جیسا کہ حاشیہ ردالمحتار کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوگا اصح اور احوط مطلقاً منع ہے جیسا کہ زیلعی نے فرمایا ہے یہی وجہ ہے کہ عامہ کتب معتمدہ میں اس مسلک کو اختیار نہیں کیا گیا مثلاً بحر، نہر، در اور ردالمحتار (ت)

اور مذاہب دیگر پر نظر کیجئے تو حد درجہ کی توسیعیں ہیں حتّٰی کہ محیط میں تو یہاں تک منقول کہ:

من العلماء من قال السکوت علی القوم کان لازما فی زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الیوم فغیر لازم [2] اھ ونقلہ عنہ القھستانی۔	بعض علماء نے کہا کہ لوگوں پر سکوت رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں لازم تھا اب لازم نہیں رہا اھ اسے قہستانی نے نقل کیا ہے۔(ت)

علمائے محتاطین تو ایسے مسائل اجتہادیہ میں انکار بھی ضروری و واجب نہیں جانتے نہ کہ عیاذًا باللہ نوبت تا بہ تضلیل واکفار۔ سیدی عارف باللہ محقق نابلسی کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

ان المسئلۃ الواقعۃ کما ھی الاٰن فی جوامع بلادنا وغیرہ یوم الجمعۃ من الموذنین متی امکن تخریجھا علی قول من الاقوال	مسئلہ درپیش جیسا کہ اب ہمارے شہر کی جامع مساجد میں مؤذنین جمعہ کے دن (امام کی دعا پر آمین) کہتے ہیں اس کی تخریج و ثبوت ہمارے مذہب

[1] حدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۰۹-۳۰۳

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط فصل فی صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۲۶۷۷

فی مذہبنا او مذہب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنہی عنہ وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمتہ والنہی عنہ [1]۔	یا دوسرے مسلک میں ممکن ہے، تو یہ ایسا ناجائز نہیں کہ اس کا انکار اور اس سے منع لازم ہو، منکر تو وہ ہوتا ہے جس کی حرمت اور ممانعت پر اجماع ہو۔(ت)

بالجملہ مقتدیوں کا یہ فعل تو علی الاختلاف ممنوع مگر مسلمانوں کو بلاوجہ مشرک بدعتی کہنا بالاجماع حرام قطعی تو یہ حضرات مانعین خود اپنی خبر لیں اور امام کے لئے تو اس کے جواز میں اصلاً کلام نہیں، ہاں خوف مفسدۂ اعتقاد عوام ہو تو التزام نہ کرے، فقیر غفر اللہ تعالٰی اس جلسہ میں اکثر سکوت کرتا اور کبھی اخلاص کبھی درود پڑھتا ہے اور رفع یدین کبھی نہیں کرتا کہ مقتدی دیکھ کر خود بھی مشغول بدعانہ ہوں، مگر معاذ اللہ ایسا ناپاک تشدد شرع کبھی روا نہیں فرماتی، مولٰی تعالٰی ہدایت بخشے آمین واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۴۰۹: از ہیل کتور ضلع اوٹکنڈ مکان سومار سیٹھ صاحب مرسلہ سید حیدر شاہ صاحب ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

جناب فیض مآب جامع علوم نقلیہ وحاوی فنون عقلیہ علامۂ دہر فہامۂ عصر مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہ، ادائے آداب کے بعد بندہ حیدر شاہ عرض رساں ہے کہ ایک مسئلہ کی ضرورت ہے چونکہ آپ مشاہیر علمائے انام سے ہیں اور آپ کے اخلاق واوصاف بے نہایت ہیں اور بہت لوگوں سے سنا ہے کہ آپ حنفی المذہب سنی المشرب ہیں ونیز جوابِ سوال جلد ترسیل فرماتے ہیں، لہٰذا التماس خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ احقر کو جواب سے سرفراز فرمائیں، مذہب حنفی وشافعی میں بین الخطبتین ہاتھ اٹھاکے دعا مانگنی مشروع ومسنون ہے یا نہیں؟ مترجم اردو الدرالمختار، ایک جگہ لکھتا ہے کہ ایک مرتبہ بریلی کے علماء سے اسی مسئلہ میں استفتاء طلب کیا گیا تھا چنانچہ وہاں علماء کا فتوٰی یہی ہوا کہ ہاتھ اٹھاکے دعا مانگنی بین الخطبتین بدعت سیئہ وغیر مشروع ہے، پس آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط چونکہ آپ متوطن بریلی کے ہیں آپ کو حقیقت اس کی کما ینبغی معلوم ہوگی پس آپ اطلاع دیجئے کہ مترجم نے ٹھیک لکھا ہے یا محض دھوکا دہیٔ عوام الناس ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسنونیت مصطلحہ کہ تارک، مستوجب عتابِ الٰہی یا آثم ومستحق عذاب الٰہی ہو والعیاذ باللہ یہ نہ کسی کا

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

مذہب نہ دُعا کرنے والوں میں کوئی ذی فہم اس کا قائل بلکہ وقت مرجوالاجابۃ جان کر دُعا کرتے ہیں اور بیشک وہ ایسا ہی ہے اور دعا مغزِ عبادت وانحائے ذکر الٰہی عزوجل سے ہے جس کی تکثیر پر بلا تقیید وتحدید نصوص قرآن عظیم واحادیث متواترہ نبی رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم ناطق اور ہاتھ اٹھانا حسبِ تصریح احادیث وتظافر ارشادات علمائے قدیم وحدیث سُنن و آدابِ دُعا سے ہے خطیب کے لئے اُس کی اجازت ومشروعیت تو باتفاق مذہبین حنفی وشافعی ہے یونہی سامعین کے لئے جبکہ دُعا دل سے ہو نہ زبان سے اور سامعین کا اُس وقت زبان سے دُعا مانگنا جس طرح ان بلاد میں مروج ومعمولی ہے، مذہبِ شافعیہ میں تواُس کی اجازت ومشروعیت ظاہر کہ ائمہ شافعیہ رحمھم اللہ تعالٰی میں خطبہ ہوتے وقت بھی کلام سامعین ناجائز وحرام نہیں جانتے صرف مکروہ مانتے ہیں اور کراہت کلام شافعیہ میں جب مطلق بولی جاتی ہے اس سے کراہت تنزیہی مراد ہوتی ہے بخلاف کلمات ائمتنا الحنفیہ رحمھم اللہ تعالٰی فان غالب محملھا بھا مطلقۃ فیھا کراھۃ التحریم (بخلاف ہمارے ائمہ احناف رحمھم اللہ تعالٰی کی عبارات کے کیونکہ ان میں غالب یہی ہے کہ مطلقًا کراہت مکروہ تحریمی ہے۔ت) علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ آذات الید مسئلۃ الشطرنج میں فرماتے ہیں:

الکراھۃ عند الشافعیۃ اذا اطلقت تنصرف الی التنزیھیۃ لا التحریمیۃ بخلاف مذھبنا[1]۔	شوافع کے نزدیک مطلقًا کراہت کا اطلاق مکروہ تنزیہی پر ہوتا ہے نہ کہ تحریمی پر بخلاف ہمارے مذہب کے (اس میں تحریمی پر ہے)۔(ت)

اور سکوتِ خطیب کے وقت جیسے قبل وبعد خطبہ وبین الخطبتین اصلًا کراہت بھی نہیں مانتے۔ امام ابویوسف اردبیلی شافعی کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

لایجب الاستماع وھو شغل السمع بالسماع[2]۔	استماع واجب نہیں اور استماع سے مراد کانوں کو سماع میں مشغول کرنا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایحرم الکلام حال الخطبۃ لاعلی الخطیب ولا علی المامومین السامعین وغیرھم	خطبہ کے دوران کلام حرام نہیں نہ خطبہ پر نہ مقتدیوں پر، ہاں بغیر غرض کے مکروہ ہے، مثلا

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۴۴۰

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیہ مصر ۱ /۱۰۱

لکن یکرہ الا لغرض مھم کانذار من یقع فی بئر او عقرب ویتعلم خیرا اونھی عن شیئ [1]۔	کنوئیں میں گرنے والے کو متنبہ کرنا یا بچھو سے بچانا یا خیر کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے (ت)

اسی میں ہے:

لایکرہ الکلام حال الاذان ولابین الخطبتین ولابین الخطبۃ والصلوٰۃ [2]۔	اذان، دونوں خطبوں کے درمیان اور خطبہ اور نماز کے درمیان کلام مکروہ نہیں۔ (ت)

علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکی فتح المعین بشرح قرۃ العین میں فرماتے ہیں:

یکرہ الکلام ولایحرم حالۃ الخطبۃ لا قبلھا ولو بعد الجلوس علی المنبر ولابعدھا ولابین الخطبتین ویسن تشمیت العاطس والرد علیہ ورفع الصوت من غیر مبالغۃ بالصلوٰۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ذکر الخطیب اسمہ او وصفہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال شیخنا ولا یبعد ندب الترضی عن الصحابۃ بلارفع صوت وکذا التامین لدعاء الخطیب [3] اھ مختصرا۔	دورانِ خطبہ کلام مکروہ ہے، خطبہ سے پہلے اگرچہ خطیب منبر پر بیٹھ چکا ہو اور دو خطبوں کے درمیان کلام حرام نہیں ہے، چھینک مارنے والے کا جواب دینا اور اس کے بدلہ میں دعا دینا سنت ہے اور جب خطیب نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم یا وصف ذکر کرے تو صلوٰۃ وسلام عرض کیا جاسکتا ہے البتہ آواز بلند نہ کی جائے، ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صحابہ کے نام پر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دعاء خطیب کے وقت آمین آواز بلند کئے بغیر کہنا مستحب ہونا بعید نہیں اھ اختصارًا (ت)

یونہی مذہب حنفی میں امام ثانی قاضی ربانی سیدنا امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی مطلقًا جواز ہے، اوقات ثلثہ غیر حال خطبہ یعنی قبل وبعد دعا بین خطبتین میں اگرچہ کلامِ دنیوی منع فرماتے ہیں مگر کلام دینی مثل ذکر و تسبیح مطلقًا جائز رکھتے ہیں، اور پُر ظاہر دُعا خاص کلامِ دینی عبادت الٰہی ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

اذا خرج الامام فلاصلوٰۃ ولاکلام وھو قول	جب امام آجائے تو کوئی کلام و نماز نہیں، اور یہی

[1] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/ ۱۰۱

[2] الانوار لاعمال الابرار فصل لصحۃ الجمعۃ الخ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۱/ ۱۰۱

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین فصل فی صلوۃ الجمعۃ عامر الاسلام پور پریس ترونگاری انڈیا ص ۱۴۶

الامام وقال ابویوسف ومحمد لا باس بالکلام اذاخرج قبل یخطب واذانزل قبل ان یکبر واختلفا فی جلوسه اذا سکت فعند ابی یوسف یباح لان الکراھة للاخلال بغرض الاستماع ولا استماع ، وله اطلاق الامر[1] اھ ببعض اختصار۔	امام کا قول ہے، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کہتے ہیں خطبہ شروع ہونے سے پہلے کلام میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح جب امام منبر سے اترے اور تکبیر سے پہلے بھی گفتگو میں کوئی حرج نہیں، جب منبر پر خطیب خاموش بیٹھا ہو تو اس وقت ان میں اختلاف ہے امام ابویوسف کے نزدیک مباح ہے کیونکہ کراہت کی وجہ خطبہ سننے میں خلل کا واقع ہونا ہے اور یہاں استماع نہیں ہے ان کی دلیل امر کا اطلاق ہے اھ مختصراً (ت)

صاحبِ مذہب امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ خروج امام سے فراغِ نماز تک کلام سے ممانعت فرمائی، مشائخ مذہب اس سے مراد میں مختلف ہوئے اور تصحیح بھی مختلف آئی، بعض فرماتے ہیں مرادِ امام صرف دنیوی کلام ہے، اوقاتِ ثلٰثہ میں دینی کی اجازت عام ہے، نہایہ وعنایہ میں اسی کو اصح کہا، ایسا ہی فخر الاسلام نے مبسوط میں فرمایا، مشائخ کرام نے مطلق مراد لیا، امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں اسی کو احوط کہا۔

قلت واطلاقات المتون واکثر الکتب علیه ماشیة وعامة التفاریع عنه ناشیة کما یظھر بمراجعة ما علقنا علی ردالمحتار فھو اصح التصحیحین فیما اعلم کیف لاوقد صرح المحققون ان الدنیوی مکروہ اجماعا فلو لم ینه الامام الاعنه لارتفع الخلاف مع ان الکتب المعتمدة عن اٰخرھا متظافرة علی اثباته۔	میں کہتا ہوں کہ متون کے اطلاقات پر اور اکثر کتب اسی پر جاری ہیں اور عام تفریعات اس سے مستخرج ہیں جیسا کہ ہمارے حاشیہ ردالمحتار سے ظاہر ہے اور میرے علم کے مطابق دونوں تصحیحوں میں یہ اصح ہے اور یہ کیسے نہ ہو حالانکہ محققین نے تصریح کی ہے کہ کلامِ دنیوی بالاتفاق مکروہ ہے، اور اگر امام نے اس سے ہی منع کیا ہے تو اب اختلاف مرتفع ہوجائے گا حالانکہ تمام کتب اس اختلاف کے ثبوت سے مالا مال ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں زیرِ قولِ مصنف اذاخرج الامام فلاصلٰوۃ ولاکلام (جب امام آجائے تو

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۲

کوئی نماز اور کلام نہیں۔ت) ہے:

اطلق فی منع الکلام فشمل التسبیح والذکر والقراءۃ وفی النھایۃ اختلف المشائخ علی قول ابی حنیفہ قال بعضھم انما کان یکرہ ماکان من کلام الناس اما التسبیح ونحوہ فلاوقال بعضھم کل ذلك مکروہ والاول اصح اھ وکذا فی العنایۃ وذکر الشارح ان الاحوط الانصات اھ ویجب ان یکون محل الاختلف قبل شروعہ فی الخطبۃ ویدل علیہ قولہ "علی قول ابی حنیفۃ " و اماوقت الخطبۃ فالکلام مکروہ تحریما ولوکان امرا بمعروف اوتسبیحا اوغیرہ کما صرح بہ فی الخلاصۃ وغیرھا[1] انتھی باختصار	منع کلام مطلقًا کہا، لہٰذا یہ تسبیح، ذکر اور قراءت کو بھی شامل ہوگا، نہایہ میں ہے کہ مشائخ نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر اختلاف کیا ہے بعض نے کہا یہاں وہی گفتگو مکروہ ہے جو لوگوں کی (دنیوی گفتگو) ہو، رہی تسبیح وغیرہ تو وہ مکروہ نہیں، بعض نے کہا کہ یہ تمام مکروہ ہے اور پہلا اصح ہے اھ عنایہ میں بھی اسی طرح ہے، شارح نے ذکر کیا کہ احوط خاموش ہونا ہے اور یہ ضروری ہے کہ محل اختلاف خطبہ میں شروع ہونے سے پہلے ہو اور اس پر اس کے یہ الفاظ کہ "ابو حنیفہ کے قول پر" دلالت کر رہے اور خطبہ کے وقت کلام مکروہ تحریمی ہے خواہ امر بالمعروف یا تسبیح یا اس کی مثل ہو جیسا کہ خلاصہ وغیرہ میں اس پر تصریح ہے، انتہی باختصار (ت)

طحطاوی ورد المحتار مبحث الفاظ افتا میں ہے:

قولہ وغیرھا کالاحوط والاظھر[2]۔	اس کا قول "اس کے علاوہ الفاظ "مثلًا احوط واظہر ہیں۔(ت)

درمختار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

بعض الالفاظ اٰکد من بعض فلفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح والاحوط اٰکدمن الاحتیاط[3] اھ مختصرا۔	بعض الفاظ بعض کی نسبت زیادہ موکد ہوتے ہیں لفظِ فتوٰی، لفظ صحیح سے اور احوط، احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے اھ مختصرًا (ت)

---

[1] بحر الرائق باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۸

[2] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۴

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

بالجملہ خلاصہ کلام یہ کہ دعائے مذکور خطیب کے لئے مطلقًا اور سامعین کے لئے دل میں بالاتفاق جائز مذہب امام شافعی وقول امام ابی یوسف پر اُن کے لئے زبان سے بھی قطعًا اجازت اور ارشاد امام کی ایک تخریج پر مکروہ دوسری پر جائز، ائمہ فتوی نے دونوں کی تصحیح کی تو احد التصحیحین پر دُعائے مذکور امام و مقتدین سب کو دل وزبان ہر طرح سے باتفاق مذہبین حنفی وشافعی، مطلقًا جائز ومشروع، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جب ترجیح مختلف متکافی ہو تو مکلّف کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے اصلًا محلِ اعتراض وانکار نہیں، بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں ہے:

متی کان فی المسئلۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما [1]۔	جب مسئلہ میں دو اقوال صحیحہ ہوں تو ان میں سے ایک پر فتوی اور قضاء جائز ہوتی ہے۔(ت)

ولہذا فقیر غفراللہ تعالٰی بآنکہ یہاں تصحیح تبیین کو ارجح جانتا ہے ہمیشہ سامعین کو بین الخطبتین دعا کرتے دیکھا اور کبھی منع وانکار نہیں کرتا ہے **ھذا جملۃ القول فی ھذا الباب والتفصیل فی فتاوٰنا بعون الوھاب** (اس مسئلہ میں یہ گفتگو کا خلاصہ ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالٰی کی اعانت سے ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) رہی مترجم درمختار کی علمائے بریلی سے وہ نقل معلوم نہیں کہ اس نے اپنے زعم میں علمائے بریلی سے کون لوگ مراد لئے، اُس کے زمانے میں ان اقطار کے اعلم علماء کہ اپنے عصر ومصر میں حقیقۃً صرف وہی عالم دین کے مصداق تھے یعنی خاتمۃ المحققین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد، فقیر برسوں جمعات میں اقتدائے حضرت والا سے مشرف ہُوا حضرت ممدوح قدس سرہ، جلسہ، بین الخطبتین میں دُعا فرمایا کرتے اور سامعین کو دعا کرتے دیکھ کر کبھی انکار نہ فرماتے اور مترجم کے زمانے سے پہلے بریلی میں اس امر کا استفتا ہوا، مولٰنا احمد حسین مرحوم تلمیذ اعلٰحضرت سیّد العلماسند العرفا مولٰنا الجد قدس سرہ الامجد نے جواز مشروعیت پر فتوی دیا اعلٰحضرت نوراللہ مرقدہ الشریف وفاضل اجل مولٰنا سیّد یعقوب علی صاحب رضوی بریلوی ومولوی سیّد محمود علی صاحب بریلوی وغیرہم علمائے کرام نے اُس پر مہریں فرمائیں یہ فتوی مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی مسمّٰی بمفید المسلمین میں مندرج ومشمول اور اطمینان سائل کے لئے یہاں منقول:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ بیٹھنا امام کو بعد قراءت خطبہ پہلے کے سنت ہے یا نہیں؟ اور خطیب کس قدر جلسہ میں توقف کرے اور یہ اوقاتوں

[1] درمختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴

قبولیت دعا سے ہے یا نہیں؟ اور دُعا مانگنا ہاتھ اُٹھا کے مستحسن ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بیٹھنا خطیب کا درمیان دونوں خطبوں کے سنت ہے، چنانچہ صحیح بخاری شریف میں باب القعدہ بین الخطبتین یوم الجمعہ میں مرقوم ہے:

حدثنا مسدد ثنا بشر بن المفضل ثنا عبید الله عن نافع عن عبد الله بن عمر قال کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یخطب خطبتین یقعد بینهما[1]۔	مسدد نے ہمیں اور انھیں بشر بن مفضل نے انھیں نافع نے انھیں عبداللہ بن عمر نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو دو خطبوں کے درمیان بیٹھتے۔(ت)

اور اس بیٹھنے کو سنت بمقدار تین آیات عالمگیری میں بالتصریح بیان کیا ہے:

والخامس عشر الجلوس بین الخطبتین هکذا فی البحر الرائق ومقدار الجلوس بینهما مقدار ثلث اٰیات فی ظاهر الروایة هکذا فی السراج الوهاج[2]۔	پندرھویں سنت دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا ہے، اسی طرح بحر الرائق میں ہے، ان کے درمیان بیٹھنے کی مقدار ظاہر الروایۃ کے مطابق تین آیات کی تلاوت کی مقدار ہے۔ ایسے ہی سراج الوہاج میں ہے۔(ت)

اور بیچ حصن حصین کے ایک اوقاتِ قبول دعا سے مابین الخطبتین ہے اور بیچ ظفر جلیل شرح حصن حصین کے اُس وقت مانگنا دُعا کا طیّبی سے نقل کیا:

وساعة الجمعة ارجی ذلك و وقتها مابین ان یجلس الامام فی الخطبة الی ان تقضی الصلٰوة[3] م د۔	اور ساعت جمعہ کی بہت امید والی ان وقتوں کی ہے یعنی سب وقتوں میں سے ساعتِ جمعہ میں امید قوی ہے قبولیت کی، اور وقت ساعت جمعہ کا ہے مابین بیٹھنے امام کے سے منبر پر، خطبہ کے لئے تمام ہونے نماز تک، نقل کی یہ مسلم اور ابوداؤد نے۔(ت)

ظاہر تر یہ ہے کہ مراد بیٹھنے امام کے سے بیٹھنا امام کا ہے اول شروع خطبہ کے، اور وہی وقت حرمتِ کلام کا ہے غیر امام کو، کذا قال العلی (جیسا کہ علی نے بیان کیا۔ت) اور طیّبی نے بیٹھنے سے

[1] صحیح البخاری باب القعدہ بین الخطبتین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷

[2] فتاوی ہندیۃ الباب السادس عشر فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۴۷

[3] حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۲۱

بیٹھنا درمیان دونوں خطبوں کے مراد رکھا ہے، اور ایک روایت میں ساعت جمعہ کی یہ ہے انتہی، اور بھی صاحب فتح الباری نے اُن تمام اوقات اجابتِ دُعا سے ایک جلسہ امام کو درمیان خطبتین فرمایا ہے:

حیث قال الثلثون عند الجلوس بین الخطبتین حکاہ الطیبی عن بعض شراح المصابیح [1]۔	ان کے الفاظ میں تیسواں مقام دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا وقت ہے، اسی طیّبی نے بعض شارحین مصابیح سے نقل کیا ہے۔(ت)

اور بھی شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کتنے اوقات اجابت دعا سے شمار فرمائے ہیں ایک اُن میں سے جلسہ کرنے خطیب کو درمیان خطبتین تحریر کیا،

العاشر ما بین خروج الامام الی ان تقام الصلٰوۃ الحادی عشر مابین ان یجلس الامام علی المنبر الی ان تقضی الصلٰوۃ الثانی عشرمابین اول الخطبۃ والفراغ منھا الثالث عشر عند الجلوس بین الخطبتین [2]۔	دسواں امام کے نکلنے اور اقامتِ نماز تک ہے، گیارھواں امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک ہے، بارھواں شروع خطبہ سے لے کر اس سے فراغت تک ہے، تیرھواں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت ہے۔(ت)

اور وقت جلسۂ خطیب کے کلام کرنا نزدیک امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے درست ہے تاتارخانیہ میں نقلاً عن العتابیہ مرقوم ہے:

ولوسکت الخطیب حین جلس ساعۃ قال ابو یوسف یباح لہ التکلم فی تلک الساعۃ [3]۔	امام منبر پر بیٹھ کر ایک ساعت خاموش رہا تو امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ اس وقت گفتگو مباح ہے۔(ت)

اور درمختار میں مثل اسکے مرقوم ہے، اور صحیح بخاری شریف میں کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے ہے بیچ باب رفع الیدین فی الخطبہ کے عین حالت خطبہ میں دعا مانگنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول، اور ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز جمعہ کے خطبہ فرماتے تھے کہ ایک شخص آیا پس کہا اے

[1] فتح الباری باب الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۳/۱۷

[2] حرز ثمین شرح حصن حصین للسیوطی

[3] فتاوٰی تاتارخانیۃ کتاب الصلوٰۃ، شرائط الجمعۃ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی ۲/ ۶۹

رسول اللہ کے ! ہلاک ہوئے جاتے ہیں چار پائے اور ہلاک ہوئے جاتے ہیں شاۃ (بکریاں) پس دعا فرماؤ اللہ سے یہ کہ تر کرے ہم کو، پس دراز کئے آپ نے ہاتھ مبارک اپنے اور درخواست دعا کی کی:

حدثنا مسدد ثنا حماد بن زید عن عبدالعزیز عن انس وعن یونس عن ثابت عن انس قال بینما النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخطب یوم الجمعۃ اذقام رجل فقال یارسول اللہ ھلك الکراع وھلك الشاۃ فادع اللہ ان یسقینا فمد یدیہ ودعا[1]۔	ہمیں مسدد نے انھیں حماد بن زید نے انھیں عبدالعزیز نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور یونس سے ثابت نے اور انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ہم حاضر تھے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ! چار پائے ہلاک ہورہے ہیں بکریاں ہلاک ہورہی ہیں اللہ تعالٰی سے دُعا کیجئے کہ اللہ تعالٰی ہمیں بارش عطا فرمائے تو آپ نے اللہ تعالٰی کے حضور ہاتھ پھیلادئے اور دعا کی۔ (ت)

جبکہ کلام کرنا اس وقت میں کلام مجتہد سے ثابت ہو اور دعا مانگنا دُعا کا عین حالتِ خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت اور متحقق ہے، پس مانگنا دُعا کا افضل العبادات سے ہے نزدیک حق تعالٰی جل وعلا کے، اور وہ وقت قبولیت دعا کا ہے موافق مرقومۂ بالا کے اور اکثر روایات معتبرہ کے، اور مانع کلام وغیرہ کا پڑھنا خطیب کا تھا وہ بھی اُس وقت میں نہیں ہے کمال مستحسن ہوگا، اور بھی بیچ مفتاح الصلٰوۃ کے دعا مانگنا ہاتھ اٹھا کے درست فرمایا اور مقدار جلسہ کی بقدر سہ (۳) آیات کے مجتبٰی سے اور سند اجابت دعا کی صحیح مسلم وشارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ساتھ لفظ صواب کے نقل کی، مفتاح الصلٰوۃ میں مرقوم ہے:

درمیان دو خطبہ کہ امام بنشیند دعا بطریق اولٰی جائز خواہد بود علی الخصوص دراحادیث آمدہ کہ ساعۃ الاجابۃ مابین ان یجلس الامام فی الخطبۃ الی ان تنقضی الصلٰوۃ کما صح فی صحیح مسلم وجزم الامام النووی فی شرح مسلم وقال ھو الصواب پس باید	دو خطبوں کے درمیان جب امام بیٹھتا ہے تو اس وقت دُعا کرنا خصوصًا بطریقِ اولٰی جائز ہونی چاہئے کیونکہ احادیث میں آیا ہے کہ قبولیت کی ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر اختتام نماز تک ہوتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے اور امام نووی نے شرح مسلم میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا یہی

[1] صحیح البخاری باب رفع الیدین فی الخطبۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷

کہ دروقت جلوس کہ درظاہر الروایۃ مقدار سہ ۳ آیت وارد ست کما فی المجتبی وغیرہ ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار خواند کہ عمل بر ظاہر الروایہ واحادیث صحیحہ واقع گردد واگر دست برداشتہ بخواند موافق طریقۂ دعاکہ دراحادیث ست واقع گردد وعمل بزرگان نیز ہست [1]۔	صواب ہے لہٰذا امام کے بیٹھنے کے وقت، جو ظاہر الروایۃ کے مطابق تین ۳ آیات کی مقدار ہے جیسا کہ مجتبٰی وغیرہ میں ہے، یہ دعا پڑھ لی جائے اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بہتری اور نیکی عطافرما اور آخرت میں بھی بہتری عطافرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے تاکہ ظاہر الروایت اور احادیث صحیحہ پر عمل ہوجائے اور اگر دعا میں ہاتھ اٹھائے تو یہ بھی اس طریقہ دعا کے موافق ہے جو احادیث میں آیا ہے اور اسلاف کا بھی عمل ہے۔ (ت)

اور ایسا ہی بیچ فتوح الاوراد کے مرقوم ہے اور بیچ حصن حصین کے ایک آداب دعا میں رفع یدین کو بسندِ حدیث تحریر کیا ہے، ورفعھما ع وان یکون رفعھما حذوالمنکبیبین [2] دامس، یعنی آدابِ دعا سے ہے اُٹھانا دونوں ہاتھوں کا طرف آسمان کے، نقل کی یہ صحاح ستّہ میں، اور یہ کہ ہووے ہاتھ اٹھانا برابر مونڈھوں کے، نقل کی سنن ابوداؤد واحمد وحاکم نے اس سے خوب واضح ہوا کہ دعا مانگنا ساتھ رفع یدین کے چاہئے، البتہ خالی ہاتھ اٹھانا بغیر دُعا کے عبث اور بے فائدہ ہے اور یہ بھی واضح و لائح ہُوا کہ دُعا مانگنا اور ہاتھ نہ اٹھانا، آداب دعا کے، سے دور ہوتا ہے واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع المآب۔

احمد حسین بیگ غفراللہ لہ۔ محمد رضا علی خاں۔ سید یعقوب علی رضوی، خویدیم اطلبہ سید محمود علی سیّد محمد ذاکر عفی عنہ علمائے بریلی رحمہم اللہ تعالٰی کا فتوی یہ ہے اور عمل وہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۴۱۰: اصغر علی خاں بریلی بانس منڈی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جمعہ میں کوئی سورہ کلام مجید کی

---

[1] مفتاح الصلٰوۃ

[2] حصن حصین آداب الدعاء مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۷

چھوٹی پڑھی جائے یا بڑی، اور چھوٹی پڑھی جائے تو کس قدر اور بڑی پڑھی جائے تو کس قدر، بدیں وجہ کہ مسجد کی یہ حالت ہے کہ کچھ نمازی اندر سایہ کے اور کچھ باہر فرش پر جہاں بالکل دُھوپ اور فرش بھی گرم ہوتا ہے۔

الجواب:

جمعہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ، دوسری رکعت میں سورہ منافقون، اور کبھی پہلی میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَىۙ ۝[1] اور دوسری میں هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ۝[2] ثابت ہے، اور حسبِ حاجت و مصلحت کمی بیشی کا اختیار ہے، اور اگر مقتدیوں پر تکلیف و ناگواری ہو تو اختصار لازم ہے مگر حتی الامکان قدرِ مسنون سے کمی نہ کرے کہ قدرِ مسنون کا محض کسل کی وجہ سے ناگوار ہونا ان کا قصور ہے جس میں نہ وُہ مستحق رعایت نہ اُس کے سبب ترک سنّت کی اجازت، ہاں اگر مثلاً کوئی مریض یا ضعیف ایسا ہو کہ بقدر سنت پڑھنا بھی اُس کے لئے باعثِ تکلیف ہوگا تو اُس کی رعایت واجب ہے اگرچہ نمازِ جمعہ کوثر و اخلاص سے پڑھانا ہو، **واللہ تعالیٰ اعلم**

---

[1] القرآن ۸۷ /۱

[2] القرآن ۸۸/۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اوفی اللمعۃ فی اذان یوم الجمعۃ ۱۳۲۰ھ

(اذانِ جمعہ کے بارے میں کامل رہنمائی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۴۱۱: از ملک بنگالہ موضع شاکوچپل ضلع سہلٹ ڈاکخانہ جگدیش پور مرسلہ مولوی ممتاز الدین صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اذان، مسجد کے اندر دینا کیسا ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد جو دی جاتی ہے آیا وہ اذان، مسجد کے اندر خطیب کے سامنے کھڑا ہو کر کہے یا مسجد کے، اور برتقدیر اول بلاکراہت جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں یہ بلاکراہت سب علماء کے نزدیک جائز ہے اور سلف صالحین سے لے کر اس زمانہ تک کل امصار ودیار میں اسی طریقہ مسنون پر باتفاق علمائے کرام جاری ودائر ہے، شامی میں ہے کہ مؤذن اذان خطیب کے سامنے کہے، ہدایہ میں ہے منبر کے سامنے کہے، اور اسی پر علما کا عمل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھا مگر یہ اذان، اور درمختار میں ہے خطیب کے سامنے کہے، ان عبارات سے ہویدا ہُواکہ روبروخطیب کے مسجد کے اندر کہے اور باہر مسجد یا صحن مسجد میں کھڑا ہو کر اذان کہنا خلاف کُتبِ فقہ وسلف صالحین کا ہے انتہی، اور بعض لوگ کہتے ہیں جمعے کی اذان ثانی مسجد کے اندر منبر کے سامنے کھڑے ہو کر مکروہ نہیں ہے، اگرچہ جہاں تک اطلاق بین یدیہ آتا ہے

سب جگہ درست ہے انتہی، ان میں کون سا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

ہمارے علمائے کرام نے فتاوٰی قاضی خان وفتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر و نظم و شرح نقایہ برجندی و بحر الرائق و فتاوٰی ہندیہ وطحطاوی وعلی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے فتاوٰی خانیہ میں ہے:

ینبغی ان یؤذن علی المئذنۃ اوخارج المسجد ولایؤذن فی المسجد[1]۔	یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہئے مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔

بعینہٖ یہی عبارت فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الاقامۃ فی المسجد لابد واماالاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالو لایؤذن فی المسجد[2]۔	یعنی تکبیر تو ضرور مسجد میں ہوگی، رہی اذان وہ منارے پر ہو۔ منارہ نہ ہو تو بیرونِ مسجد زمین متعلق مسجد میں ہو۔ علمافرماتے ہیں مسجد میں اذان نہ ہو۔

نیز خود باب الجمعہ میں فرمایا:

ہوذکراللہ فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ[3]۔	وُہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے مسجد میں یعنی حوالیِ مسجد کے اندر، اس لئے کہ خود مسجد کے اندر اذان دینی مکروہ ہے۔

شرح مختصر الوقایہ للعلامۃ عبدالعلی میں ہے:

فی ایرادالمئذنۃ اشعاربان السنۃ فی الاذان ان یکون فی موضع عال بخلاف الاقامۃ فان السنۃ فیھا ان تکون فی الارض وایضافیہ اشعاربانہ لایؤذن فی المسجد فقد ذکرفی الخلاصۃ انہ ینبغی الخ[4]۔اھ	یعنی صدر الشریعۃ قدس سرہ، نے اذان کے لئے منارے کا جو ذکر فرمایا اس میں تنبیہ ہے اس پر کہ اذان میں سنّت یہ ہے کہ بلند جگہ پر ہو بخلاف تکبیر کہ اس میں سنت یہ ہے کہ زمین پر ہو، نیز اس میں تنبیہ ہے، کہ اس مسجد میں نہ دی جائے، خلاصہ میں اس کی ممانعت کی تصریح ہے الخ اھ باختصار۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں مسائل الاذان مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۳۷

[2] فتح القدیر باب الاذان مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱۵

[3] فتح القدیر باب الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

[4] شرح النقایہ للبرجندی باب الاذان مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۸۴

بحر الرائق میں ہے:

فی القنیۃ یسن الاذان فی موضع عال والاقامۃ علی الارض وفی المغرب اختلاف المشائخ اھ والظاھر انہ یسن المکان العالی فی اذان المغرب کما سیأتی وفی السراج الوھاج ینبغی ان یؤذن فی موضع یکون اسمع للجیران وفی الخلاصۃ ولایؤذن فی المسجد[1] اھ مختصرا۔	یعنی قنیہ میں ہے کہ اذان بلندی پر اور تکبیر زمین پر ہونا سنّت ہے اور مغرب کی اذان میں مشائخ کا اختلاف ہے وُہ بھی بلندی پر ہونا مسنون ہے یا نہیں اور ظاہر یہ ہے کہ مغرب میں بھی اذان بلندی پر ہونا سنّت ہے اور سراج الوہاج میں ہے اذان وہاں ہونی چاہئے جہاں سے ہمسایوں کو خوب آواز پہنچے، اور خلاصہ میں فرمایا کہ مسجد میں اذان نہ دے اھ مختصرا۔

اسی میں بعد چند ورق کے ہے:

السنۃ ان یکون الاذان فی المنارۃ والاقامۃ فی المسجد[2]۔	سنّت یہ ہے کہ اذان منارے پر ہو اور تکبیر مسجد میں۔

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

یکرہ ان یؤذن فی المسجد کما فی القھستانی عن النظم، فان لم یکن ثمہ، مکان مرتفع للاذان یؤذن فی فناء المسجد کما فی الفتح[3]۔	یعنی مسجد میں اذان دینی مکروہ ہے جیسا کہ قہستانی میں نظم سے منقول ہے تو اگر وہاں اذان کے لئے کوئی بلند مکان نہ بنا ہو تو مسجد کے آس پاس اُس کے متعلق زمین میں اذان دے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔

یہ تمام ارشادات صاف صاف مطلق بلا قید ہیں جن میں جمعہ وغیرہا کسی کی تخصیص نہیں، مدعی تخصیص پر لازم کہ ایسے ہی کلماتِ صریحہ معتمدہ میں اذانِ ثانی جمعہ کا استثناء دکھائے مگر ہرگز نہ دکھا سکے گا، رہا لفظ **بین یدی الامام** (امام کے سامنے۔ت) یا **بین یدی المنبر** (منبر کے سامنے۔ت) سے استدلال مذکور فی السوال وہ محض ناواقفی ہے، ان عبارات کا حاصل صرف اس قدر کہ اذان ثانی خطیب کے سامنے منبر کے آگے مواجہہ میں ہو، اس سے یہ کہاں کہ امام کی گود میں منبر کی کگر پر ہو جس سے داخلِ مسجد ہونا استنباط

---

[1] بحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۵۵

[2] بحر الرائق باب الاذان مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۶۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

کیا جائے بین یدی (یعنی سامنے۔ت) سمت مقابل میں منتہائے جہت تک صادق ہے جو وقت طلوع مواجہہ مشرق یا ہنگام غروب مستقبل مغرب کھڑا ہو وہ ضرور کہے گا کہ آفتاب میرے سامنے ہے۔ یا فارسی میں مہر روبروئے من است (سورج میرے چہرے کے سامنے ہے۔ت) یا عربی میں الشمس بین یدی (سورج میرے سامنے ہے۔ت) حالانکہ آفتاب اس سے تین ہزار برس کی راہ سے زیادہ دور ہے، اللہ عزّوجل فرماتا ہے: یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ[1] اللہ سبحانہ، جانتا ہے جو کچھ اس کے سامنے ہے یعنی آگے آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر گیا۔ یہ ہرگز ماضی و مستقبل سے مخصوص نہیں بلکہ ازل تا ابد سب اُس میں داخل ہے۔ یونہی ملائکہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قول کہ قرآن عظیم نے ذکر فرمایا:

لَهٗ مَابَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَاخَلْفَنَا وَمَابَیْنَ ذٰلِكَ[2]۔	باللہ ہی کا ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔

تمام ماضی و مستقبل وحال سب کو شامل ہے، ہاں ایسی جگہ عرفاً بنظرِ قرآن حالیہ ایک نوع قرب ہر شَے کے لائق مستفاد ہوتا ہے نہ اتصال حقیقی کہ خواہی نخواہی وقوع فی المسجد پر دلیل ہو، قال اللہ تعالٰی:

وَهُوَالَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ[3] الاٰیۃ۔	اللہ ہے کہ بھیجتا ہے ہوائیں خوشی کی خبر لاتیں بارانِ رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب انہوں نے اُبھارے بوجھل بادل، ہم نے اس رواں کیا کسی مردہ شہر کی طرف تو اتارا اُس سے پانی۔

بین یدی (یعنی آگے۔ت) نے قربِ مطر کی طرف اشارہ فرمایا مگر یہ نہیں کہ ہوائیں چلتے ہی پانی معاً اُترے بلکہ چلیں اور بادل اُٹھے اور بوجھل پڑے اور کسی شہر کو چلے وہاں پہنچ کر برسے۔ وقال اللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا):

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ﴿۴۶﴾[4]۔	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے نہیں جیسا کہ اے کافرو! تم گمان کرتے ہو وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔

آیت نے قربِ قیامت کا اشارہ فرمایا نہ یہ کہ بعثت کے برابر ہی قیامت ہے، پھر اُس کا قرب اُسکے لائق ہے۔

[1] القرآن ۲۰/۱۱۰
[2] القرآن ۱۹/۶۴
[3] القرآن ۷/۵۷
[4] القرآن ۳۴/۴۶

تیرہ سو تینتالیس ۱۳۴۳ برس گزر گئے ہنوز وقت باقی ہے پس جو اذان درِ مسجد پر یا فنائے مسجد کی کسی زمین میں جہاں تک حائل نہ ہو محاذاتِ امام میں دی جائے اُس پر ضرور بین یدیہ (اس کے روبرو۔ت) صادق ہے بلاشبہ کہا جائے گا کہ امام کے سامنے خطیب کے روبرو منبر کے آگے اذان ہوئی، اور اسی قدر درکار ہے، غالبًا خود متدلین کو معلوم تھا کہ قریبِ مسجد، بیرونِ مسجد، مواجہہ امام ک وبھی بین یدیہ شامل ہے ولہذا روبرو خطیب کہنے کے بعد، ان لفظوں کی حاجت ہوئی کہ مسجد کے اندر مگر خاص یہی لفظ کہ اصل مدعا تھے صرف اپنی طرف سے اضافہ ہوئے۔شامی وہدایہ ودر مختار وغیرہ ہو غیرہا میں کہیں اس کی بُو بھی نہیں۔اب ہم ایک حدیث صحیح ذکر کریں جس سے اس بین یدیہ کے معنی بھی آفتاب کی روشن ہو جائیں اور اس ادعائے توارث کا حال بھی کھل جائے، سُنن ابی داؤد شریف میں بسندِ حسن مروی ہے:

حدثنا النفیلی ثنا محمد بن سلمة عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنه قال کان یؤذن بین یدی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة علی باب المسجد وابی بکر وعمر[1]۔	نفیلی نے بیان کیا کہ محمد بن سلمہ نے محمد بن اسحٰق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزِ جمعہ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو حضور کے روبرو اذان مسجد کے دروازے پر دی جاتی اور یونہی ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانے میں۔

اس حدیث جلیل نے واضح کردیا کہ اس روبروئے امام پیشِ منبر کے کیا معنی ہیں اور یہ کہ زمانہ رسالت وخلفائے راشدین کے کیا متوارث ہے، ہاں یہ کہئے کہ اب ہندوستان میں یہ اذان متصل منبر کہنی شائع ہورہی ہے مگر نصِ حدیث سے جُدا، تصریحات فقہ کے خلاف، کسی بات کا ہندیوں میں رواج ہوجانا کوئی حجت نہیں۔ہندیوں میں یہی کیا اور وقت کی اذانیں بھی بہت لوگ مسجد میں دے لیتے ہیں حالانکہ وہاں توان تصریحات ائمہ کے مقابل بین یدیہ وغیرہ کا بھی دھوکا نہیں، پھر ایسوں کا فعل کیا حجت ہوسکتا ہے۔الحمدللہ یہاں اس سنّت کریمہ کا احیاء رب عزوجل نے اس فقیر کے ہاتھ پر کیا، میرے یہاں مؤذنوں کی مسجد میں اذان دینے سے ممانعت ہے، جمعہ کی اذانِ ثانی بحمداللہ تعالٰی منبر کے سامنے دروازہ مسجد پر ہوتی ہے جس طرح زمانہ اقدس حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ہوا کرتی تھی **ذلك فضل الله یوتیه من**

[1] سنن ابی داؤد باب وقت الجمعہ مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

یشاء واللہ ذوالفضل العظیم والحمدللہ رب العٰلمین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے سب تعریف ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت) بعض دیگر جن سے سائل نے دوسرا قول نقل کیا اگرچہ اتنا سمجھے بین یدیہ سے داخل مسجد ہونا اصلاً مفہوم نہیں ہوتا مگر کتابوں پر نظر ہوتی تو خلافِ تصریحاتِ علماء یہ ادعاء نہ ہوتا کہ مسجد کے اندر مکروہ نہیں ۱۳۰۲ہجری میں فقیر بہ نیت خاکبوسی آستانہ عالیا حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ بریلی سے شدالرحال کرکے حاضر بارگاہ غیاث پور شریف ہوا تھا دہلی کی ایک مسجد میں نماز کو جانا ہوا، اذان کہنے والے نے مسجد میں اذان کہی فقیر نے حسب عادت کہ جو امر خلاف شرع مطہر پایا مسئلہ گزارش کردیا اگرچہ اُن صاحب سے اصلا تعارف نہ ہوا ان مؤذن صاحب سے بھی بہ نرمی کہا کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، کہا، کہاں لکھا ہے؟ میں نے قاضی خان، خلاصہ، عالمگیری، فتح القدیر کے نام لئے، کہا ہم ان کو نہیں مانتے، فقیر سمجھا کہ حضرت طائفہ غیر مقلدین سے ہیں، گزارش کی کہ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ معلوم ہوا کہ کسی کچہری میں نوکر ہیں۔ فقیر نے کہا احکم الحاکمین جل جلالہ کا سچا حقیقی دربار تو ارفع واعلٰی ہے آپ انہی کچہریوں میں روز دیکھتے ہوں گے چپراسی، مدعی، مدعا علیہ گواہوں کی حاضری، کچہری کے کمرے کے اندر کھڑے ہو کر پکارتا ہے یا باہر؟ کہا باہر، کہا اگر اندر ہی چلانا شروع کرے تو بے ادب ٹھہرے گا یا نہیں؟ بولے اب میں سمجھ گیا۔ غرض کتابوں کو نہ مانا جب ان کی سمجھ کے لائق کلام پیش کیا تسلیم کرلیا ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(ہر شخص کی فکر اس کی ہمت کے مطابق ہے)

الحمدللہ حق واضح ہوگیا۔

اقول: وباللہ التوفیق یہاں دو۲ نکتے اور قابل لحاظ وغور ہیں:

اول اگر بانیِ مسجد نے مسجد بناتے وقت تمام مسجدیت سے پہلے مسجد کے اندر اذان کے لئے منارہ خواہ کوئی محل مرتفع بنایا تو یہ جائز ہے، اور اتنا ٹکڑا اذان کے لئے جدا سمجھا جائے گا اور مسجد میں اذان دینے کی کراہت یہاں عارض نہ ہوگی جیسے مسجد میں وضو کرنا اصلاً جائز نہیں مگر پہلے سے اگر کوئی محلِ معین بانی نے وضو کے لئے بنوادیا ہو تو اس میں وضو جائز کہ اس قدر مستثنٰی قرار پائے گا۔ اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعدلذلك لا یصلی فیہ	مسجد میں کلی اور وضو کرنا مکروہ ہے مگر اس صورت میں جب وہاں اس کے لئے جگہ بنائی گئی ہو اور اس میں نماز ادانہ کی جاتی ہو یا کسی برتن میں وضو

اوفی اناء[1]۔	کرلیا جائے۔(ت)

در مختار میں ہے:

یکرہ الوضوء الا فیما اعدذلک[2] ملخصًا۔	وضومکروہ ہے مگر اس جگہ میں جو اس کے لئے تیار کی گئی ہو ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان ماءہ مستقذر طبعا، فیجب تنزیه المسجد عنه کمایجب تنزیهها عن المخاط والبلغم بدائع[3]۔	کیونکہ وضو کا پانی طبعًا ناپسند ہے لہٰذا اس سے مسجد کو بچانا ضروری ہے جیسے مسجد کو ناک اور بلغم سے محفوظ رکھنا ضروری ہے، بدائع۔(ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

هذا تعلیل علی مذهب محمد ن المفتی به اما علی قول الامام بنجاسة الماء المستعمل، فظاهر[4]۔	یہ امام محمد کے مفتٰی بہ قول کی دلیل ہے۔ رہا معاملہ امام اعظم کے قول کا۔ وہ ظاہر ہے کیونکہ وہ ماءِ مستعمل کو ناپاک کہتے ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله الا فیما اعدلذلك انظر هل یشترط اعداد ذلك من الواقف ام لا[5]	ان کا قول "مگر اس جگہ جو وضو کے لئے تیار کردہ ہو" دیکھئے کیا اس جگہ کا وضو کے لئے بنانا واقف سے شرط ہے یا نہیں؟(ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وهی ان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعده لیس له ولا لغیره تعریضه للمستقذرات	**اقول:** ہاں ایک اور شئ اس کے اوپر ہے وہ یہ کہ یہ وضو کے لئے رکھنا تمام مسجدیت سے پہلے ہو کیونکہ اگر اس کے بعد ہو تو اب واقف اور دوسروں

[1] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[2] در مختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۸

[4] جدالممتار علی ردالمحتار باب احکام المساجد مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۱/ ۳۱۶

[5] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

ولا فعل شئ یخل بحرمتہ اخذتہ مما یاتی فی الوقف من ان الواقف لوبنی فوق سطح المسجد بیتاسکنی الامام قبل تمام المسجدیۃ جازلانہ من مصالحہ امابعد فلا یجوز ویجب الھدم۔	کے لئے یہ جائز نہیں کہ مسجد کے کسی حصہ کو گندگی کے لئے بنائیں بلکہ ہر وہ فعل جائز نہیں جو مسجد کی عزّت کے منافی ہو، یہ اصول اس مسئلہ سے مستنبط ہے جو وقف میں آتا ہے کہ مسجد کے اوپر واقف نے تمام مسجدیت سے پہلے رہائش بنادی تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد سے ہے البتہ تمام مسجد کے بعد یہ جائز نہیں اور اسکا گرانا ضروری ہے(ت)

اسی طرح اگر منارہ یا مئذنہ بیرونِ مسجد فنائے مسجد میں تھا بعدہ، مسجد بڑھائی گئی ہو اور زمین متعلقِ مسجد مسجد میں لے لی کہ اب مئذنہ اندرونِ مسجد ہوگیا اس پر بھی اذان میں حرج نہ ہوگا کہ یہ بھی وہی صورت ہے کہ اس زمین کی مسجدیت سے پہلے اس میں یہ محل اذان کے لئے مصنوع ہوچکا تھا کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ہاں اگر داخلِ مسجد کوئی شخص اگرچہ خود بانی مسجد نیا مکان اذان کے لئے مستثنیٰ کرنا چاہے تو اُس کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ بعد تمامی مسجد کسی کو اُس سے استثناء یا فعل مکروہ کے لئے بناکا اختیار نہیں، دُرمختار میں ہے:

لو بنی فوقہ بیتاللامام لا یضرلانہ من المصالح امالو تمت المسجدیت ثم ارادالبناء منع، ولوقال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیہ فاذاکان ھذافی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدارالمسجد[1]۔	اگر مسجد کے اوپر امام کے لئے جگہ بنائی تو ضرر نہیں کیونکہ یہ ضروریاتِ مسجد میں سے ہے اگر مسجد مکمل ہوگئی اور پھر رہائش بنانا چاہتے تو اب منع ہے اور اگر واقف کہے کہ میرا ارادہ یہی تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی تاتارخانیہ، جب واقف کا یہ حال ہے تو غیر کیسے بناسکتا ہے، لہٰذا اس کا گرانا ضروری ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر ہو۔(ت)

دوم متعلقاتِ مسجد میں مسجد کے لئے اذان ہونے کو عرف میں یونہی تعبیر کرتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہوئی مثلاً منارہ بیرونِ مسجد زمین خاص مسجد سے کئی گز کے فاصلے پر ہو اور اُس پر اذان کہی جائے تو ہر شخص یہی کہے گا مسجد میں اذان ہوگئی نماز کو چلو، یُوں کوئی نہیں کہتا کہ مسجد کے باہر اذان ہوئی نماز کو اٹھو یہ عرف عام شائع ہے جس سے کسی کو مجالِ انکار نہیں، ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے ھوذکراللہ فی المسجد[2]۔(یہ مسجد میں ذکر الٰہی ہے۔ت) کی وہ تفسیر فرمادی کہ ای فی حدودہ (یعنی مسجد

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

[2] فتح القدیر باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

کے حدود میں۔ت) اور اس کی دلیل وہی ارشاد فرمائی کہ لکراہۃ الاذان فی داخلہ (کیونکہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ت) یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ کوئی سخن ناشناس نظائر حدیث مسلم:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وقفاان من سنن الھدی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ[1]۔	حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً مروی ہے کہ سُنن ہدٰی میں سے ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان ہو۔(ت)

وامثال عبارت کرہ خروج من لم یصل من مسجد اذن فیہ (اس مسجد سے نکلنا مکروہ جس میں اذان دی گئی ہو۔ت) ہے دھوکا نہ کھائے اور اشباہ حدیث ابن ماجہ:

عن امیرالمؤمنین عثمٰن الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادرك الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجتہ وھولایرید الرجعۃ فھومنافق[2]۔	امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں جس نے مسجد میں اذان کو پایا اور بغیر مجبوری کے مسجد سے نکلا اور واپسی کا ارادہ بھی نہ تھا تو وہ منافق ہے۔(ت)

سے دھوکا اور بھی ضعیف تر ہے فان المسجد ظرف الادراک دون الاذان (کیونکہ مسجد ادراک کے لئے ظرف ہے اذان کے لئے نہیں۔ت) ولہذا علامہ مناوی نے تیسیر میں اس حدیث کی یوں تشریح فرمائی:

(من ادرك الاذان) وھو (فی المسجد)[3] الخ	(جس نے اذان کو پایا) یعنی اذان کو سنا، حالانکہ وہ (مسجد میں تھا) الخ (ت)

بلکہ خود حدیث شرح حدیث کو بس ہے:

احمد بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کنتم فی المسجد فنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج	امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز ادا کئے بغیر

---

1 صحیح مسلم باب فضل جماعۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

2 سُنن بن ماجہ باب اذااذان وانت فی المسجد مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

3 التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث من ادرک الاذان کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

احد کم حتی یصلی[1] ۔	کوئی مسجد سے نہ نکلے۔(ت)

بالجملہ جہاں ایسے الفاظ واقع ہوں انہیں دو ۲ نکتوں سے ایک پر محمول ہیں۔

اقول وبه ینجلی مافی الجلابی انه یؤذن فی المسجد اومافی حکمه لا فی البعید منه[2] اھ ای یؤذن فی حدود المسجد وفنائه کما فسربه الامام المحقق علی الاطلاق اوفی نفس المسجد ان کان ثمه موضع اعدله من قبل اویؤذن فیما ھو حکمه لقربه منه بحیث یعدالاذان فیه اذاناللمسجد کما فعل عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حدیث احدث الاذان الاول علی الزوراء دارٍ فی السوق ولایؤذن للمسجد اذاکان غربی البلد مثلًا واذن شرقیه بل اذن لمسجد حیّ اٰخر لایعدذلك اذاناله کمالایخفی. فلااستدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کمازعم القھستانی .وبالله التوفیق وبماقدمنامن تحقیق مفادبین یدیه وانه یستدعی بقرینة الحال قربانیاسب المقام لاالاتصال وضح بحمدالله ماقال القھستانی تحت قول النقایه اذاجلس علی المنبر اذن ثانیا بین یدیه مانصه ، ای	**اقول:** اس سے جلابی کی یہ عبارت بھی واضح ہوگئی کہ مسجد میں یا اس جگہ میں اذان دی جائے جو حکمِ مسجد میں ہو، مسجد سے دُور اور جگہ میں نہ دی جائے اھ یعنی مسجد کے حدود اور فنائے مسجد میں اذان دی جائے جیسا کہ اس کی تفسیر امام محقق علی الاطلاق نے کی ہے، یا مسجد کے اندر بشرطیکہ وہاں پہلے سے جگہ بنائی گئی ہو یا اس جگہ دی جائے جو قرب کی وجہ سے مسجد کا حکم رکھتی ہو کیونکہ وہاں کی اذان کو مسجد کی ہی اذان شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا کہ اذانِ اوّل بازار میں مقامِ زوراء پر دینے کا حکم دیا ، مسجد سے دُور اذان نہ دی جائے مثلًا جب مسجد غربی البلاد ہو اور اذان شرقی میں دی جائے تو اب یہ اذان دوسرے محلّہ کی ہوگی اس مسجد کی اذان اسے شمار نہیں کیا جائیگا جیسا کہ واضح ہے، کلامِ جلابی کلامِ نظم پر استدراک نہیں جیسا کہ قہستانی نے گمان کیا۔ اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو کچھ ہم نے گفتگو کی اور "سامنے امام" کا معنٰی بیان کیا اس سے واضح ہوگیا کہ "بین یدیہ" کے الفاظ مقام کے مناسب قُرب کا تقاضا کرتے ہیں نہ کہ اتصال کا، بحمد اللہ نقایہ کی عبارت "جب امام منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے دوسری اذان

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۳۷

[2] جامع الرموز بحوالہ الجلابی فصل فی الاذان مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

بین الجهتین المسامتین لیمین المنبر والامام ویساره قریبًا منه ووسطهما بالسکون فیشتمل ما اذا اذن فی زاویة قائمة اوحادة اومنفرجة حادثه من خطین خارجین من ھا تین الجهتین فلیس القرب منکرا ولابالاتصال مشعرا وانما اراد به اخراج البعد الذی لایعد به الاذان اذا نافی ذلك المسجد کما ذکرناه فی کلام الجلابی۔[1] اھ	دی جائے" کہ تحت قہستانی نے جو کہا وہ بھی واضح ہوگیا کہ اذان یمینِ منبر وامام اس کے بائیں جانب اس کے قریب ہو یا ان دونوں کے وسط میں ہو، یہ ان صورتوں کو شامل ہے جب اذان زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ میں ہوئی جو ان دوخطوط مذکورہ کی دو جہات سے پیدا ہوا اھ تو یہاں قرب کا انکار نہیں اور اتصال پر دلالت نہیں، اس سے ان کا مقصد اس بُعد کا دُور کرنا ہے جس میں اذان کو اس مسجد کی اذان تصور نہ کیا جائے جیساکہ ہم نے اسے جلابی کے کلام میں ذکر کیا۔(ت)

غرض عامہ کتب معتمدہ مذہب کے خلاف اگر ایک آدھ غریب ونامتداول کتاب میں کوئی تصریح بھی ہوتی عقلاً وعرفاً وشرعاً قبول نہ ہوتی۔

الا تری ان العلامة الطحطاوی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة مافی القهستانی عن النظم ولم یعرج علی استدراکه اصلاعلما منه ان الاستدرك مستدرك لاینبغی نقلا۔	کیا آپ نے نہ دیکھا علامہ طحطاوی نے کس طرح اکتفا کیا اس حکم پر جو قہستانی نے نظم سے نقل کیا تھا اور اس کے استدراک کے بالکل درپے نہ ہوئے، انہیں علم تھا کہ استدراک فالتو ہے لہٰذا اس کا نقل کرنا مناسب نہیں۔(ت)

نہ کہ کوئی لفظ محتمل نہ صریح، صاف صاف لائق توجیہ وتصحیح ہو،

کما لایخفی علی ذی عقل نجیح هکذا ینبغی التحقیق والله سبحانه ولی التوفیق والحمدلله رب العٰلمین وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰله وصحبه اجمعین۔ اٰمین۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	جیسا کہ ہر عاقل پر مخفی نہیں، تحقیق کا حق یہی تھا، اللہ سبحٰنہ توفیق کا مالک ہے، الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولٰنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین۔ آمین۔ واللہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

[1] جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ الجمعۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب العیدین

(عیدین کا بیان)

مسئلہ نمبر ۱۴۱۲: از سہسرام محلّہ پرتلہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اعلم بالسنۃ پابندِ صلوٰۃ متقی نے اول خطبہ عیدالاضحٰی پڑھ کر لبیك اور صلوٰۃ والسلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تکبیر بآواز بلند خود کہا اور مصلیوں سے کہلایا پھر بارك اللہ لنا و لکم پڑھ کر بیٹھا پھر دوسرا خطبہ پڑھا بعد فراغ سوال کیا گیا یہ غیر مشروع فعل کیوں کیا اس نے جواب دیا میرا یہ فعل غیر مشروع نہیں حالتِ کیف میں صادر ہُوا مثل قول مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یاساریۃ الجبل ہے، یہ دعوی مدعی کا کہاں تک صحیح ہے اور ایسے فعل کا مرتکب لائق ملامت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

لبیك و درود کہ اس نے خود کہا حرج نہیں البتہ مقتدیوں سے کہلانا بے محل وُہ خطبہ میں مامور بالسکوت ہیں، اگر حالتِ وجد میں ایسا ہُوا جیسا کہ اُس کا بیان ہے تو معذور ہے اور جب سائل اسے عالم سنّی متقی کہتا ہے تو اس کا بیان کیوں نہ تسلیم کیا جائے معہذا مسئلہ شرعیہ معلوم کرلینا دوسری بات

وہ ضرور چاہئے مگر عوام کو سنّی عالم متقی پر اُس کی لغزش کے سبب ملامت کی اجازت نہیں ہوسکتی کما نص علیہ الائمۃ واشارت الیہ الاحادیث (جیسا کہ ائمہ نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث میں بھی اس پر رہنمائی ہے۔ت) یہ اس کے حق میں ہے جو سُنّی عالم ہو ورنہ آجکل بہت گمرہ بددین بلکہ مرتدین مثلاً وہابیہ دیوبندیہ اپنے آپ کو سُنی عالم کہتے ہیں وہ ملامت کیا اُس سے ہزاروں درجہ سخت ترکہ مستحق ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید ۱۳۳۹ھ

(نمازِ عید کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعاء مانگنے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ نمبر ۱۴۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی کی جلد ثانی میں یہ امر تحریر فرمایا کہ بعد دوگانہ عیدین یا بعد خطبہ عیدین دُعا مانگنا حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی طرح ثابت نہیں اب وہابیہ نے اس پر بڑا غل شور کیا ہے دعائے مذکور کو ناجائز کہتے اور مسلمانوں کو اس سے منع کرتے اور تحریر مذکور سے سند لاتے ہیں کہ مولوی عبدالحیٔ صاحب فتوی دے گئے ہیں اُن کی ممانعتوں نے یہاں تک اثر ڈالا کہ لوگوں نے بعد فرائض پنجگانہ بھی دعا چھوڑ دی اس بارے میں حق کیا ہے؟ **بینو توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵ الحمدللہ الذی حبّبنا العید وجعله مقربا لکل بعید و امرنا بالدعاء فی الیوم السعید ووعدنا بالاجابة فی الکلام الحمید والصلٰوۃ والسلام علی من وجهه عید ولقاؤہ عید ومولدہ عید وای عید وعلٰی اٰله الکرام وصحبه	اللہ کے نام سے شروع جو رحمٰن ورحیم ہے سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمارے لئے عید کو محبوب بنایا اور اسے ہر بعید کو قریب کرنیوالا بنایا، یومِ سعید میں دعا کا حکم دیا، کلامِ حمید میں قبولیت کا وعدہ فرمایا، اور صلوۃ وسلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جس کا چہرہ عید، دیدار عید، میلاد عید، آپ کی آل محترم اور صحابہ عظام

العظام مادعاالله فی العید عبدسعید وتعانق النور والسرور غداة العید واشهدان لااله الاالله وحده لاشریك له وان محمد عبده ورسوله صلی الله تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وصحبه من یوم اٰبدأ اِلی یوم یعید اٰمین اٰمین یاعزیز یامجید۵۔	پر بھی جب تک کوئی عبدسعید، عید کے موقع پر دعا کرنے والا ہے اور جب تک عید کی صبح کو نوروسرور باہم پائے جائیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ، لاشریک ہے اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں آپ کی ذات، آل اور صحابہ پر درود وسلام ابتدائی دن سے لے کر آخری دن تک ہو۔ اے غالب اے صاحبِ مجد! دعاقبول فرمادعاقبول فرما۔(ت)

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطافرمادے۔ت) نماز عیدین کے بعد دُعا حضراتِ عالیہ تابعین عظام ومجتہدین اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت،

قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضاالمحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفرالله له وحقق امله، انبانا المولٰی [1]عبدالرحمٰن السراج المکی مفتی بلد الله الحرام ببیته عندباب الصفالثمان بقین من ذی الحجة سنة خمس وتسعین بعد الالف والمائتین فی سائر مرویاته الحدیثیة والفقهیة وغیرذلك [2]عن حجة زمانة جمال بن عبدالله بن عمر المکی [3]عن الشیخ الاجل عابد السندی عن [4]عمه محمد حسین الانصاری [5]اجازنی به الشیخ عبد الخالق بن علی المزجاجی [6]قراءة علی الشیخ محمد بن علاء الدین المزجاجی [7]عن احمد النخلی عن [8]محمد الباهلی عن [9]سالم السنوری [10]عن النجم الغیطی [11]عن الحافظ زکریاالانصاری [12]عن الحافظ ابن حجر العسقلانی [13]انابه ابو عبد الله الجریری [14]انا قوام الدین الاتقانی انا	فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی (اللہ تعالٰی اس کو بخش دے اور اسکی امید بر لائے) کہتا ہے کہ ہمیں [1]شیخ عبدالرحمٰن السراجی مکی مفتی بلداللہ الحرام نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ۲۲ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ کو اپنی تمام مرویات کی اجازت دی خواہ وُہ حدیث کی صورت میں تھیں یا فقہ کی صورت میں یااس کے علاوہ تھیں انھیں مرویات کی اجازت حجتِ زمانہ [2]جمال بن عبداللہ بن عمر مکی نے دی انہیں [3]شیخ اجل عابد سندی نے انہیں ان کے چچا [4]محمد حسین انصاری نے دی، اس نے کہا مجھے ان کی اجازت شیخ [5]عبدالخالق بن مزجاجی نے، انھیں [6]شیخ محمد بن علاء الدین مزجاجی سے قرأة کے طور، انہیں [7]احمد نخلی نے انہیں [8]محمد باہلی نے انھیں [9]سالم سنوری نے انھیں [10]نجم غیطی نے انھیں [11]حافظ زکریا انصاری نے انہیں [12]حافظ ابن حجر عسقلانی نے انہیں [13]ابوعبداللہ جریری نے انہیں [14]قوام الدین اتقانی نے انہیں [15]برہان احمد بن

[15]البرهان احمد بن سعد بن محمد البخاری و الحاکم السفتاقی [16]قالاابنانا حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری هوحافظ الدین الکبیر [17]ابنانا الامام محمد بن عبدالستار الکردری [18]ابنانا عمر بن عبد الکریم الورسکی [19]انا عبد الرحمٰن بن محمد الکرمانی [20]انا بوبکر محمد بن الحسین من محمد هوالامام مخر القضاۃ الارشا بندی [21]انا عبدالله الزوزنی انا [22]ابو زید الدبوسی انا ابو جعفر الاستروشنی ح وابنأنا عالیا عـــہ باربع درج شیخی وبرکتی وولی نعمتی ومولائی وسیدی و ذخری و سندی لیومی وغدی سیدناالانام الهمام العارف الاجل العالم الاکمل السید اٰل الرسول الاحمدی المارهری رضی الله تعالٰی عنه وارضاه وجعل الفردوس متقلبه ومشواه لخمس خلت من جمادی الاولٰی سنة اربع وتسعین بداره المطهرة بمارهرة المنورة فی سائر یجوزله روایته [2]عن استاذه

سعد بن محمد البخاری اور حسام السفتاقی نے انہیں حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر بخاری نے [16]یہی حافظ الدین الکبیر ہیں انہیں [17]محمد بن عبدالستار الکروری نے انہیں [18]عمر بن عبد الکریم الورسکی نے انہیں عبدالرحمٰن بن محمد الکرمانی نے [19] انہیں [20]ابوبکر محمد بن الحسین بن محمد نے جو فخر القضاۃ الاشار بندی نے انہیں [21]عبداللہ الزورتی نے انہیں [22]ابوزید الدبوسی نے انہیں [23]ابو جعفرا لاستروشی نے "دوسری سند" جو چار درجے عالی ہے میرے شیخ، میری برکت، میرے دل، سیدی ذخری آج وکل کے لئے میرا اعتماد سیّدنا امام ہمام عارف اجل اصل العالم الاکمل السیّد آل الرسول الاحمدی المارہری رضی اللہ تعالٰی عنہ و ارضاہ اللہ تعالٰی (اللہ ان کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں بنائے) نے مارہرہ منورہ میں اپنے آستانے پر ۵ جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ کو تمام روایات کی اجازت دی جو انہیں ان کے استاد شیخ [2]عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اپنے [3]والد گرامی سے انہیں شیخ [4]تاج الدین القلعی مفتی حنفیّہ نے انہیں شیخ ۵حسن عجمی نے انہیں [6]شیخ خیرالدین رملی نے انہیں

عـــہ: انظر الی لطافة هذاالسند الجلیل وجلالة شأنه فان رجاله کلهم من سیدنا الشیخ الی صاحب المذهب الامام الاعظم جمیعا من اجلة اعلام الحنفیة ومشاہیر واکثرهم اصحاب تالیفات فی المذهب ۱۲منه (م)

اس سند جلیل کی لطافت اور شانِ جلالت مین غور کرو کہ اس کے رجال سیدنا شیخ سے صاحبِ مذہب امامِ اعظم تک سارے کے سارے معروف و مشہور حنفی ہیں اوران میں سے اکثر اصحاب کی مذہب میں تالیفات موجود ہیں ۱۲منہ (م)

عبدالعزیز المحدث الدھلوی [3]عن ابیه [4]عن الشیخ الدین القلعی مفتی الحنفیة [5]عن الشیخ حسن العجمی [6]عن الشیخ خیرالدین الرملی [7]عن الشیخ محمد بن سراج الدین الخانوتی [8]عن احمد بن الشبلی [9]عن ابراھیم الکرکی یعنی صاحب کتاب الفیض [10]عن امین الدین یحٰی ی بن محمد الاقصرائی [11]عن الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحب فصل الخطاب [12]عن الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاھری [13]عن الامام صدر الشریعة یعنی شارح الوقایه [14]عن جدہ تاج الشریعة [15]عن والدہ صدرالشریعة [16]عن والدہ جمال الدین المحبوبی [17]عن محمد بن ابی بکر البخاری عرف بامام زادہ [18]عن شمس الائمة الزرتجی [19]شمس ائمة الحلوانی کلاھما [20]عن الامام الاجل ابی علی النسفی امام حلوانی فقالا عن ابی علی وذلك عنعن الی نهایة الاسناد واما لاستروشنی فقال انا ابوعلی الحسین بن خضر النسفی [21]انا ابوبکر محمد بن الفضل البخاری ھو الامام الشھیربالفضل [22]انا ابومحمد بن عبدالله بن محمد بن یعقوب الحارثی یعنی استاذ السند مونی [23]انا عبدالله محمد بن ابی حفص الکبیر [24]انا ابی [25]انا محمد بن الحسن الشیبانی اخبرنا ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم قال کانت

شیخ [7]محمد بن سراج الدین الخانوتی نے انہیں [8]احمد بن شبلی نے انہیں [9]ابراہیم الکرکی صاحب کتاب الفیض نے انہیں [10]امین الدین یحیٰی بن محمد قصرائی نے انہیں [11]شیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحبِ فصل الخطاب نے انہیں شیخ [12]حافظ الدین محمد بن محمد بن علی بخاری طاھری نے انہیں [13]امام صدرالشریعۃ یعنی شارح الوقایہ نے انہیں ان کے جد [14]تاج الشریعۃ نے اپنے والد [15]صدر الشریعۃ سے انہیں ان کے والد [16]جمال الدین محبوبی نے انہیں [17]محمد بن ابی بکر بخاری المعروف امام زادہ نے انہیں [18]شمس الائمہ الزر تجری نے انہیں [19]شمس الائمہ حلوانی نے اوران دونوں کے امام [20]اجل ابو علی نسفی سے ان دونوں نے کہا عن ابی علی ، اسی طرح انہوں نے تمام سند کو عن کے ساتھ بیان کیا، استر وشنی نے کہا ہمیں ابو علی الحسین بن خضر النسفی انہیں [21]ابوبکر محمد بن الفضل بخاری اور یہ امام فضل کے ساتھ مشہور ہیں انہیں [22]ابو محمد عبداللہ بن محمد یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السند مونی انہیں [23]عبداللہ محمد بن ابی حفص الکبیر انہیں ان کے [24]والد نے انہیں [25]محمد بن حسن الشیبانی نے انہیں امام ابو حنیفہ نے انھیں حماد نے انھیں ابراہیم نے بیان کیا کہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے ادا ہوتی پھر نماز کے بعد امام سواری پر کھڑے ہو کر دُعا کرتا تھا۔

الصلٰوۃ فی العیدین قبل الخطبۃ ثم یقیف الامام علی راحلیہ بعد الصلوۃ فید عو ویصلی بغیر اذان ولا اقامۃ[1]۔	نماز اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔(ت)

یعنی سیّدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مجھے امام اعظم الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امام اجل حماد بن ابی سلیمان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے خبر دی کہ امام المجتہدین امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نمازِ عیدین خطبہ سے پہلے ہوتی تھی پھر امام اپنے راحلہ پر وقوف کرکے نماز کے بعد دُعا مانگتا اور نماز بے اذان واقامت ہوتی، یہ امام ابراہیم نخعی قدس سرہ، خود اجلۂ تابعین سے ہیں تو یہ طریقہ کہ اُنہوں روایت فرمایا لاقل اکابر تابعین کا معمول تھا تو نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنا ائمۂ تابعین کی سنّت ہُوا اور پُر ظاہر کہ راحلہ پر وقوف وعدم وقوف سنتِ دُعا کی نفی نہیں کرسکتا کمالایخفی، پھر ہمارے امام مجتہد امام محمد اعلی اللہ درجاتہ فی دارالابد نے کتاب الآثار شریف میں اس حدیث کو روایت فرما کر مقرر رکھا اور ان کی عادت کریمہ ہے جو اثر اپنے خلاف مذہب ہوتا اُس پر تقریر نہیں فرماتے تو حنفیّہ اہل عقیدۂ مضمون ووہابیہ اہل تثلیث قرون، دونوں کے حق میں جوابِ مسئلہ اسی قدر بس ہے مگر فقیر غفرلہ الولی القدیر ایضاح مرام واتمامِ کلام کے لئے اس مسئلہ میں مقال کو دو[2] عید پر منقسم کرتا ہے۔

عیدِ اوّل میں قرآن وحدیث سے اس دُعا کی اجازت اور ادعائے مانعین کی غلطی وشناعت۔

عیدِ دوم فتوائے مولوی لکھنوی سے اسناد پر کلام اور اوہام مانعین کا ازالۂ تام والعون من اللہ ولی الانعام (مدد اللہ کی جو انعام عطا کرنے والا ہے۔ت) **العید الاول وعلی فضل اللہ المعول** (عید اول، اللہ ہی کے فضل پر بھروسا ہے۔ت) ظاہر ہے کہ شرع مطہر سے اس دعا کی کہیں ممانعت نہیں اور جس امر سے شرع نے منع نہ فرمایا ہرگز ممنوع نہیں ہوسکتا، جو ادعائے منع کرے اثبات ممانعت اس کے ذمہ ہے جس سے ان شاء اللہ تعالٰی کبھی عہدہ برآنہ ہوسکے گا بقاعدہ مناظرہ ہمیں اسی قدر کہنا کافی، اور اسانید سائل کا مژدہ لیجئے تو جو کچھ قرآن وحدیث سے قلبِ فقیر پر فائز ہُوا بگوشِ ہوش استماع کیجئے۔

فاقول: **وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق** (اللہ ہی کی توفیق ہے اور اس سے تحقیق تک وصول ہوتا ہے۔ت) **اولا قال المولٰی سبحنہ وتعالٰی:**

---

[1] کتاب الآثار للامام محمد باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۱

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ [1]	جب تو فراغت پائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔

اس آیۂ کریمہ کی تفسیر میں اصح الاقوال قول حضرت امام مجاہد تلمیذ رشید سلطان المفسرین جرالامۃ عالم القرآن حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم ہے کہ فراغ سے مراد نماز سے فارغ ہونا اور نصب دعامیں جدجہد کرنا ہے یعنی باری عزوجل حکم فرماتا ہے جب تو نماز پڑھ چکے تو اچھی طرح دُعامیں مشغول ہو اور اپنے رب کے حضور الحاح وزاری کر۔ تفسیر شریف جلالین میں ہے:

فاذافرغت من الصلوٰۃ فانصب"تعب فی الدعاء ،والی ربك فارغب"تضرع"۔[2]	جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں تعب اور مشقت کر اور اپنے رب کے سامنے تضرع وزاری بجالا۔

خطبہ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیرالامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من الاعتماد علی ارجح الاقول وترك التطویل بذکر اقول غیر مرضیۃ [3] اھ ملخصا	یہ تفسیر امام جلال الدین محلّی کا تکملہ ہے جوانہیں کے طریقہ پر ہے یعنی راجح اقول پر اعتماد اور اقوال ضعیفہ کے ذکر سے بچتے اھ ملخصًا (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔

ھوالصحیح فقد اقتصرعلیہ الجلال وقد التزم الاقتصار علی ارجح الاقوال[4]۔	یہی صحیح ہے اسی جلال نے اکتفاء کیا ہے حالانکہ انہوں نے یہ التزام کررکھا کہ راجح اقوال ذکر کریں گے۔(ت)

اورپُرظاہر کہ آیۂ کریمہ مطلق ہے اور باطلاقہا نماز فرض وواجب ونفل سب کو شامل تو بلاشبہہ نماز عیدین بھی اس پاک مبارک حکم میں داخل، یونہی احادیث سے بھی ادبار صلوات کا مطلقاً محلِ دُعا ہونا مستفاد، ولہٰذا علماء بشہادت حدیث نماز مطلق کے بعد دُعا مانگنے کو آداب سے گنتے ہیں، امام شمس الدین محمد ابن الجزری حصن حصین اور مولانا علی قاری اُس کی شرح حرز ثمین میں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن ۹۴/ ۷و۸

[2] جلالین کلاں سورہ الم نشرح میں مذکور ہے مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند ۲/ ۵۰۲

[3] جلالین کلاں خطبۃ الکتاب مطبوعہ اصح المطابع دہلی ہند ۱/ ۴

[4] شرح الزرقانی علی مواہب اللدنیہ المقصد الثانی فی اسمائہ مطبوعہ مصر ۳/ ۱۹۵

والصلٰوۃ ای ذات الرکوع والسجود والمراد ان یقع الدعاء المطلوب بعدھا[1]۔	یعنی آداب سے ہے کہ مطلب کی دعا بعد نماز ذات رکوع و سجود واقع ہو۔

پھر فرمایا:

حب مس ای رواہ الاربعۃ وابن حبان و الحاکم کلھم من حدیث الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی یہ ادب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُس حدیث سے ثابت ہے جسے ابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ وابن حبان و حاکم نے صدیق اکبر رضی تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول یونہی یہ حدیث ابن السنی و بیہقی کے یہاں مروی اور صحیح ابن خزیمہ میں بھی مذکور، امام ترمذی نے اسکی تحسین کی۔ظاہر ہے کہ نماز ذات رکوع و سجود ،نماز جنازہ کے سوا ہر فرض وواجب ونافلہ کو شامل جن میں نمازِ عیدین بھی داخل۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) اصل یہ ہے کہ اعمال صالحہ وجہ رضائے مولٰی جل وعلاہوتے ہیں اور رضائے مولٰی تبارک وتعالٰی موجبِ اجابتِ دُعااور اس کا محل عمل صالح سے فراغ پا کر کما قال تعالٰی فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۝[3] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: پس جب آپ فارغ ہوں تو مشقت کرو۔ت) ولہذا حدیث میں آیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الم تر الی العمال یعملون فاذافرغوامن اعمالھم وفوا اجورھم[4]۔رواہ البیھقی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فی حدیث طویل۔	کیا تُو نے نہ دیکھا کہ مزدور کام کرتے ہیں جب اپنے عمل سے فارغ ہوتے ہیں اُس وقت پوری مزدوری پاتے ہیں۔اسے بیہقی نے احادیث طویل کی صورت میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

1 حواشی حصن حصین آداب الدعاء حاشیہ ۲۱۲ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص۹

2 حواشی حصن حصین آداب الدعاء حاشیہ ۲۲ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ص۹

3 القرآن ۷/۹۴

4 شعب الایمان باب فی الصیام۔حدیث ۳۶۰۳ ۳۳۶۰۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۰۳/۲

العامل انما یوفی اجرہ اذا قضی عملہ [1]۔ رواہ احمد والبزار والبیھقی وابوشیخ فی الثواب عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث۔	عامل کو اُسی وقت اجرِ کامل دیا جاتا ہے جب عمل تمام کرلیتا ہے۔ اسے امام احمد، بزار، بیہقی اور ابوالشیخ نے ثواب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

توسائل کے لئے بیشک بہت بڑا موقع دعا ہے کہ مولٰی کی خدمت وطاعت کے بعد اپنی حاجات عرض کرے ولہٰذا وارد ہُوا کہ ہر ختمِ قرآن پر ایک دُعا مقبول ہے بیہقی وخطیب وابونعیم وابن عساکر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ [2]۔ ہر ختم کے ساتھ ایک دعا مستجاب ہے۔ طبرانی معجم کبیر میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ [3]۔ جو قرآن ختم کرے اس کے لئے ایک دُعا مقبولہ ہے۔ اسی لئے روزہ دار کے حق میں ارشاد ہوا کہ افطار کے اس وقت اس کی ایک دعا رد نہیں ہوتی۔ امام احمد، مسند اور ترمذی بافادہ تحسین جامع اور ابنائے ماجہ وحبان وخزیمہ اپنی صحاح اور بزاز مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاترد دعوتھم الصائم حین یفطر [4] الحدیث۔	تین [۳] شخصوں کی دُعا رد نہیں ہوتی ایک اُن میں روزہ دار جب افطار کرے۔ الحدیث

ابن ماجہ وحاکم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان للصائم عند فطرہ لدعوۃ ماترد [5]۔	بیشک روزہ دار کے لئے وقتِ افطار بالیقین ایک دُعا ہے کہ رَد نہ ہوگی۔

امام حکیم ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پُرنور

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۹۲

[2] شعب الایمان باب فی تعظیم القرآن حدیث ۲۰۸۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۷۴

[3] المعجم الکبیر مروی از عرباض بن ساریہ حدیث ۶۴۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۸/ ۲۵۹

[4] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶

[5] سنن ابن ماجہ باب فی الصائم لاترد دعوتہ الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لکل عبد صائم دعوۃ مستجابۃ عند افطارہ اعطیھا فی الدنیا اوذخرلہ فی الاٰخرۃ[1]۔	ہر روزہ دار بندے کے لئے افطار کے وقت ایک دُعا مقبول ہے خواہ دنیا میں دی جائے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھی جائے۔

وفی الباب احادیث اُخر اور بالیقین یہ فضیلت روزہ فرض واجب و نفل سب کو عام کہ نصوص میں قید و خصوص نہیں۔ ولہذا امام عبدالعظیم منذری نے دو حدیث پیشین کو الترغیب فی الصوم مطلقًا میں ایراد فرمایا، اور علامہ مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر میں زیرِ حدیث باب مروی عقیلی و بیہقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد لفظ **دعوۃ الصائم** (روزہ دار کی دعا۔ت) کے **ولو نفلا**[2] (اگر چہ وہ نفلی روزہ ہو۔ت) تحریر کیا تو بلاشبہہ نماز بھی کہ افضل اعمال واعظم ارکانِ اسلام اور روزے سے زائد موجب رضائے ذوالجلال والاکرام ہے یُونہی اپنے عموم واطلاق پر رہے گی اور بعد فراغ محلیت دعا صرف فرائض سے خاص نہ ہوگی، اور کیونکر خاص ہو حالانکہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا: جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز ناقص ہے۔ ترمذی ونسائی وابن خزیمہ حضرت فضیل ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور احمد وابوداؤد وابن ماجہ حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن وتقنع یدیك یقول ترفعھا الی ربك مستقبلا ببطونھما وجھك وتقول یارب یارب من لم یفعل ذلك فھی کذا وکذا[3]۔	یعنی نماز نفل دو۲ دو۲ رکعت ہے ہر دو۲ رکعت پر التحیات اور خضوع وزاری وتذلّل، پھر بعد سلام دونوں ہاتھ اپنے رب کی طرف اُٹھا اور ہتھیلیاں چہرے کے مقابل رکھ کر عرض کر اے میرے رب اے رب میرے جو ایسا نہ کرے تو وہ نماز چنیں وچناں یعنی ناقص ہے۔

مطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں مصرحًا آیا:- **فمن لم یفعل ذلك فھو خداج**[4] جو ایسا نہ کرے اُس کی نماز میں نقصان ہے۔

---

[1] نوادر الاصول الاصل الستون فی ان للصائم دعوۃ الخ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۸۳

[2] تیسیر شرح الجامع صغیر حدیث ثلاث دعوات مستجابات مطبوعہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/۴۶۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی التخشع فی الصلوٰۃ مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۵۰ و ۵۱

[4] مسند احمد بنحنبل حدیث مطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۴/۱۶۷

علامہ طاہر تکملہ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

فیہ ثم تقنع یدیك وھوعطف علی محذوف ای اذافرغت منھا فسلم ثم ارفع یدیك سائلا فوضع الخبر موضع الامر[1]۔	پھر ہتھیلیاں چہرے کے مقابل کرے اس کا عطف محذوف پر ہے یعنی جب ان دو۲ رکعتوں سے فارغ ہو اور سلام کہے تو دعا کے لئے ہاتھ بلند کرے یہاں خبر امر کی جگہ مذکور ہے۔(ت)

تیسیر میں ہے:

ای اذافرغت منھما فسلم ارفع یدیك فوضع الخبر موضع الطلب[2] الخ۔	یعنی جب ان دو۲ رکعات سے فارغ ہوں پس سلام کہے پھر ہاتھ اٹھائے یہاں خبر،طلب کی جگہ ہے الخ(ت)۔

لاجرم جبکہ حصن حصین میں اس حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف برمز ترمذی ونسائی نے اشارہ کیا کہ قلنا یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الأخر ودبر الصلوات المکتوبات[3] (ہم نے عرض کی یارسول اللہ! کون سی دُعا زیادہ سُنی جاتی ہے،فرمایارات کے نصف اخیر میں اور فرض نمازوں کے بعد) مولٰنا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے اُس کی شرح میں لکھا:

دبرالصلوات المکتوبات ای عقیب الصلوات المفروضات والتقیید بھالکونھاافضل الحالات فھی ارجی لاجابۃ الدعوات[4]۔	دبرالصلوات المکتوبات کے معنی کہ فرض نمازوں کے بعد ،اور ان کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ وہ سب حالتوں سے افضل ہیں تو ان میں امیدِ اجابت زیادہ ہے۔

دیکھو صاف صریح ہے کہ نماز کے بعد محلیتِ دُعا کچھ فرضوں ہی سے خاص نہیں بلکہ اُن میں بوجہ افضلیت زیادہ خصوصیت ہے اور سائلین نے خود یہی پُوچھا تھا کہ سب میں زیادہ کون سی دُعا مقبول ہے لہذا اُن کی تقیید فرمائی گئی، بالجملہ جب تخصیصِ فرائض باطل ہوچکی تو اخراج واجبات پر کوئی دلیل نہیں بلکہ اُن پر دلائل مطلقہ

---

1 تکملہ بحار الانوار ملحق بمجمع البحار تحت لفظ قنع مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۴۷

2 تیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث صلوۃ اللیل مثنی مثنی الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۹۹

3 حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۲۲، جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۸

4 حواشی حصن حصین صفحہ مذکورہ کا حاشیہ ۱۶ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۱۴

کے سوا حدیث نافلہ بر سبیل اولویت ناطق، کہ جب ادبار نوافل تک محل دُعامظنۂ اجابت ہیں تو واجبات کہ اُن سے اعلیٰ واعظم اور ارضائے الٰہی میں اوفر واتم ہیں کیونکر اس فضل سے خارج ہوں گے **ھل ھذا الا ترجیح المرجوح** (یہ ترجیح موجوع کے سوا کچھ نہیں۔ت)

ثم اقول: بلکہ واقع نفس الامر کو لحاظ کیجئے تو فریضہ ونافلہ کے لئے ثبوت، خاص بعینہٖ واجبات کے لئے ثبوت خاص ہے کہ واجب حقیقۃً کوئی تیسری چیز نہیں بلکہ انہیں دو ۲ طرفوں سے ایک میں ہے جسے شبہہ فی الثبوت نے مجتہد کے نزدیک ایک امر متوسط کردیا صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس کے حضور روایۃً ودرایۃً ظنون وشبہات کو بار نہیں اگر اُس کے نزدیک شیئ مطلوب فی الشرع حقیقۃً مامور بہ ہے قطعاً فرض ورنہ یقینا نافلہ، **لاثالث لھما** (ان دو ۲ کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں۔ت)

تلویح میں زیر قول تنقیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمنھما مایقتدی بہ وھو مباح مستحب وواجب وفرض (آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کچھ افعال قابل اقتداء مباح، کچھ مستحب، کچھ واجب اور کچھ فرض ہیں۔ت) تحریر فرمایا:

ان فعله عليه الصلٰوة والسلام بالنسبة الينا يتصف بذلك بان جعل الوتر واجبا عليه لامستحبا اوفرضا والافالثابت عنده بدليل يكون قطعيا لا محالة حتى قياسه واجتهاده ايضاقطعى الخ [1]	یعنی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افعال ہماری نسبت ان سے متصف ہیں مثلاً وتر آپ پر واجب تھے نہ کہ مستحب یا فرض، ورنہ آپ کے ہاں دلیل ثابت شدہ امر یقینا قطعی ہوگا حتی کہ آپ کا قیاس واجتہاد بھی قطعی ہے الخ (ت)

امام محقق علی الاطلاق امامۃ الفتح میں فرماتے ہیں:

اللزوم يلاحظ باعتبار ين باعتبار صدوره من الشارع وباعتبار ثبوته فى حقنافملاحظة باعتبار الثانى ان كان طريق ثبوته عن الشارع قطعيا كان متعلقه الفرض وان كان ظنياكان الوجوب ولذا لا يثبت ہذا القسم اعنى الواجب فى حق من سمع من النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم مشافهة	لزوم میں دو ۲ اعتبار ہیں ایک یہ کہ وہ شارع علیہ السلام سے صادر ہوا اور دوسرا یہ کہ اس کا ثبوت ہمارے حق میں ہوا تو دوسرے اعتبار سے اگر اس کا ثبوت شارع سے قطعی ہے تو اس کا تقاضا فرضیت ہے، اور اگر ثبوت ظنی ہے تو وجوب۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قسم (وجوب) اس شخص کے حق میں ثابت نہیں ہوسکتی جس نے براہ راست حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے

[1] التوضیح والتوضیح فصل فی افعالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۹۱

مع قطعیة دلالة المسموع فلیس فی حقه الا الفرض اوغیر اللازم من السنة فمابعدها وظهر بهذا ان ملاحظة باعتبار الاول لیس فیه وجوب بل الفرضیة اوعدم اللزوم اصلا[1] اھ ملخصا	سُنا حالانکہ مسموع کی دلالت قطعی تھی تواس کے حق میں وہ فرض ہی ہوگا، یا لازم نہ ہوگا سنّت ہوگا یا اس سے نچلا درجہ،اس سے ظاہر ہوگیاکہ اول کے اعتبار سے وہاں وجوب نہیں بلکہ فرضیت ہے یا بالکل لزوم ہی نہیں اھ ملخصًا (ت)

پس بحمد اللہ لشہادتِ قرآن وحدیث واقوالِ علماء ثابت ہوا کہ نمازِ پنجگانہ و عیدین وتہجد وغیرہا ہر گونہ نماز کے بعد دُعا مانگنا شرعًا جائز بلکہ مندوب ومرغوب ہے وہو المطلوب۔

ثانیاً اقول: وباللہ التوفیق دُعا بنصِ قرآن وحدیث واجماع ائمۂ قدیم وحدیث اعظم مندوباتِ شرع سے ہے اوراس کے مظانِ اجابت کی تحری مسنون ومحبوب ،قال جل ذکرہ : هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ[2] (حضرت زکریا علیہ السلام نے وہاں اپنے رب سے دعا کی۔ت) حدیث میں ہے حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دهرکم نفحات،فتعرضوا له لعله ان یصیبکم نفخة منها فلاتشقون بعدها ابدا[3]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن محمد بن مسلمة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک تمہارے رب کے لئے تمہارے زمانے کے دنوں میں کچھ وقت عطاو بخشش و تجلی وکرم وجود کے ہیں توانہیں پانے کی تدبیر کروشاید ان میں سے کوئی وقت تمہیں مل جائے تو پھر کبھی بد بختی تمہارے پاس نہ آئے۔اسے طبرانی نے کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور خود حدیث نے اُن اوقات سے ایک وقت اجتماع مسلمین کا نشان دیا کہ ایک گروہِ مسلمانان جمع ہو کر دعا مانگے کچھ عرض کریں کچھ آمین کہیں۔کتاب المستدرک علی البخاری ومسلم میں ہے:

عن حبیب بن مسلمة الفهری رضی اللہ تعالٰی عنه وکان مجاب الدعوة قال سمعت رسول اللہ	یعنی حبیب بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ مستجاب الدعوات تھے،فرماتے ہیں کہ میں نے حضورپُرنور سید عالم

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۱

[2] القرآن ۳/۳۸

[3] المعجم الکبیر مروی از محمد بن مسلمہ حدیث ۵۱۹ مطبوعہ مکتبۃ فیصلیہ بیروت ۱۹/۲۳۴

یقول لایجتمع ملؤ فیدعو بعضھم یؤمّن بعضھم الا اجابھم اللہ[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی گروہ جمع نہ ہوگا کہ اُن بعض دعا کریں بعض آمین کہیں، مگر یہ کہ اللہ عزوجل اُن کی دعا قبول فرمائے گا۔

علماء نے مجمعِ مسلمان کو اوقاتِ اجابت سے شمار کیا۔ حصن حصین میں ہے: واجتماع المسلمین[2] ع یعنی مسلمین کا اوقاتِ اجابت سے ہونا حدیثِ صحاح ستّہ سے مستفاد ہے۔ علی قاری شرح میں فرماتے ہیں:

ثم کل مایکون الاجتماع فیہ اکثر کالجمعۃ والعیدین وعرفۃ یتوقع فیہ رجاء الاجابۃ اظھر[3]۔	یعنی جس قدر مجمع کثیر ہوگا جیسے جمع وعیدین وعرفات میں، اسی قدر امیدِ اجابت ظاہر تر ہوگی۔

فقیر غفراللہ کہتا ہے پھر دُعائے نماز پر اقتصار ہرگز شرعًا مطلوب نہیں بلکہ اس کے خلاف کی طلب ثابت، خود حدیث سے گزرا حضور پُرنور سیّدِ یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر دو رکعت نفل کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کا حکم دیا اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز کو ناقص بتایا، حالانکہ نماز میں دُعائیں ہوچکیں اور وہ وقت چار بار آیا جو انتہائی درجہ قُربِ الٰہی کا ہے یعنی سجود جس میں بالتخصیص حکمِ دُعا تھا، حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اقرب مایکون العبد من ربہ وھوساجد فاکثروا الدعاء[4]۔رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب سے زیادہ قرب بندے کو اپنے رب سے حالتِ سجود میں ہوتا ہے تو اس میں دعا کی کثرت کرو۔ اسے مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

بلکہ اگر سوال نہ بھی ہوں تو تسبیح کہ سجود میں ہوتی ہے خود دعا ہے کہ وہ ذکر ہے اور ہر ذکر دعا۔ مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کل ذکر دعاء[5] (ہر ذکر دُعا ہے۔ت) امام حافظ الدین النسفی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء حبیب بن مسلمہ کان مجیب الدعوات مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۴۷

[2] حصن حصین اوقات الاجابۃ مطبوعہ افضل المطابع لکھنؤ ہند ص ۲۳

[3] حرز ثمین شرح حصن حصین

[4] سنن النسائی اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۷۰

[5] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۵/ ۱۱۲

کافی شرح وافی کی فصل فی تکبیر التشریق میں فرماتے ہیں:

قال تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً[1]۔	اللہ تعالٰی کافرمان مبارک ہے: تم اپنے رب کو پکارو گڑگڑا کر اور آہستہ (ت)

کل ذکر دعاء[2] (ہر ذکر دعا ہے۔ت) اس معنی پر فقیر نے اپنے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" (دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان کے جواز پر نادر تحقیق۔ت) میں دلائل واضحہ ذکر کئے اور اس سے زیادہ کلام مستوفی فقیر کے رسالہ "نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء" (صبح کی ہوا اس بارے میں کہ اذان سے وباء ٹل جاتی ہے۔ت) میں ہے، امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب الدعوات میں باب الدعا اذاھبط وادیا (جب کسی نچلی جگہ اُترے تو دعا کرے۔ت) وضع کیا اور اس میں فرمایا: فیہ حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ[3] (اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث مروی ہے۔ت) ارشاد الساری میں ہے:

فیه ای فی الباب حدیث جابر الانصاری رضی الله تعالٰی عنه السابق فی باب التسبیح اذاھبط وادیا من کتاب الجھاد بلفظ کنا اذا صعدنا کبّرنا و انزلنا سبّحنا ھذا اٰخر الحدیث اھ بحذف السند۔	اس میں یعنی اس مسئلہ میں حضرت جابر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حدیث ہے جو کتاب الجہاد کے باب التسبیح اذا ھبط وادیا میں گزری ہے الفاظ یہ ہیں: جب ہم بلند جگہ چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب اُترتے تو سبحان اللہ کہتے۔ یہ حدیث کے آخری الفاظ ہیں اھ سند محذوف ہے۔(ت)

دیکھو امام بخاری علیہ رحمۃ الباری نے صرف تسبیح کو دُعا ٹھہرایا اور التسبیح اذاھبط وادیا والدعاء اذاھبط وادیا (جب نیچے اُترے تو تسبیح پڑھے اور جب نیچے اُترے تو دعا کرے۔ت) کا ایک مصداق بتایا تو بآنکہ ایسے قربِ اتم کے وقت میں نماز میں دعائیں ہوچکیں پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن پر قناعت پسند نہ فرمائی اور بعد سلام پھر دُعا کی تاکید شدید کی۔ علاوہ بریں نماز میں آدمی ہر قسم کی دعا نہیں مانگ سکتا کما بسط الائمۃ فی کتب الفقھیۃ (جیسا کہ ائمہ کرام نے کتب فقہیہ میں اس کی تفصیل بیان

---

[1] کافی شرح وافی فصل فی تکبیر التشریق

[2] صحیح البخاری کتاب الدعوات مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۴۴/۲

[3] ارشاد الساری باب الدعاء اذاھبط وادیا الخ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۱۸/۹

کی ہے۔ت) اور حاجت ہر قسم کی اپنے رب جل وعلا سے مانگا چاہیے اور طلب میں مظنۂ اجابت کی تحری کا حکم اور یہ وقت بحکم احادیث اعلیٰ مظّان اجابت سے، تو بلا شبہہ مجمع عیدین میں نماز دعا، خاص اذن حدیث وارشادِ شرع سے ثابت ہُوئی اور حکم فتعرضوالھا کی تعمیل ٹھہری وھوالمقصود۔ ثم اقول: اگر مجمع عیدین کے لئے شرع میں کوئی خصوصیت نہ آتی تواس عموم میں دخول ثابت تھانہ کہ احادیث نے اُس کی خصوصیت عظیم ارشاد فرمائی اوراُس میں دُعا پر نہایت تحریص وترغیب آئی یہاں تک کہ حضور پُرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس زمانۂ خیر وصلاح میں کہ فتنہ وفساد سے یکسر پاک ومنزہ تھا حکم دیتے کہ عیدین میں کنواریاں اور پردہ نشین خاتونیں باہر نکلیں اور مسلمانوں کی دُعا میں شریک ہوں حتی کہ حائض عورتوں کو حکم ہوتا مصلّے سے الگ بیٹھیں اور اس دن کی دُعا میں شریک ہوجائیں، امام احمد واصحابِ صحاح ستّہ حضرت امّ عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تخرج العواتق وذوات الخدور والحیض ویعتزل الحیض المصلی ویشھدن الخیر ودعوۃ المسلمین[1]۔	نوجوان کنواریاں اور پردہ والیاں اور حائض سب عیدگاہ کو جائیں اور حیض والیاں عیدگاہ سے الگ بیٹھیں اور اس بھلائی اور مسلمانوں کی دعا میں حاضر ہوں۔

صحیح بخاری کی دوسری روایت ان لفظوں سے ہے:

قالت کنا نؤمر ان نخرج یوم العید حتی تخرج البکر من خدرھا حتی تخرج الحیض فیکنّ خلف الناس فیکبرن بتکبیرھم ویدعون بدعائھم یرجون برکۃ ذلک الیوم وطھرتہ[2]۔	یعنی ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ ہم عورتوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ عید کے دن باہر جائیں یہاں تک کہ کنواری اپنے پردے سے باہر نکلے یہاں تک کہ حیض والیاں باہر آئیں صفوں کے پیچھے بیٹھیں مسلمانوں کی تکبیر پر تکبیر کہیں اوراُن کی دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں اس دن کی برکت پاکیزگی کی امیدیں۔

امام بیہقی اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب الثواب میں حضرت عبداللہ بن عباس عـــہ رضی اللہ تعالٰی عنہما

عـــہ: **اقول:** اس حدیث نفیس کا شاہد بروایت امام عقیلی حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرویات فقیر میں بندہ ضعیف سے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند موجود ہے الحمدللہ ۱۲منہ (م)

1 صحیح البخاری باب شھود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷ و ۱۳۴

2 صحیح البخاری باب شھود الحائض العیدین الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۲

سے راوی:

انہ سمع رسول ﷲ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذاکانت غداۃ الفطربعث اللہعزوجل الملئکۃ فی کل بلد(وذکر الحدیث الی ان قال)فاذابرزوا الی مصلاھم فیقول اللہ عزوجل (وساق الحدیث الی ان قال) ویقول یاعبادی سلونی فوعزتی وجلالی لاتسئلونی الیوم شیئا فی جمعکم لاٰخرتکم الااعطیتکم ولا لدنیاکم الانظرت لکم، فوعزّتی لاسترن علیکم عثراتکم مارقبتمونی وعزّتی وجلالی لااخزیکم ولاافضحکم بین اصحاب الحدود وانصرفوا مغفورا لکم قد ارضیتمونی ورضیت عنکم[1] (مختصر من حدیث طویل)

یعنی حضور پر نور سیّد یوم النشور علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: جب عید کی صبح ہوتی ہے مولٰی سبحٰنہ تعالٰی ہر شہر میں فرشتے بھیجتا ہے (اس کے بعد حدیث میں فرشتوں کا شہر کے ہر ناکہ پر کھڑا ہونا اور مسلمانوں کو عیدگاہ کی طرف بلانا بیان فرمایا، پھر ارشاد ہوا جب مسلمان عیدگاہ کی طرف میدان میں آتے ہیں (مولٰی سبحٰنہ تعالٰی فرشتوں سے یوں فرماتا ہے اور ملائکہ اس سے یوں عرض کرتے ہیں) پھر فرمایا رب تبارک وتعالٰی مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اے میرے بندو! مانگو کہ قسم مجھے اپنی عزت وجلال کی آج اس مجمع میں جو چیز اپنی آخرت کے لئے مانگو گے میں تمہیں عطا فرماؤں گا اور جو کچھ دنیا کا سوال کروگے اس میں تمہارے لئے نظر کروں گا (یعنی دنیا کی چیز میں خیر و شر دونوں کو متحمل ہیں اور آدمی اکثر اپنی نادانی سے خیر کو شر، شر کو خیر سمجھ لیتا ہے، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے لہٰذا دنیا کے لئے جو کچھ مانگو گے اُس میں بکمال رحمت، نظر فرمائی جائے گی، اگر وُہ چیز تمہارے حق میں بہتر ہوئی عطا ہوگی ورنہ اس کے برابر بلا دفع کریں گے یا دُعا روزِ قیامت کے لئے ذخیرہ رکھیں گے اور یہ بندے کے لئے ہر صورت سے بہتر ہے مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک تم میرا مراقبہ رکھوگے میں تمہاری لغزشوں کی ستاری فرماؤں گا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں تمہیں اہل کبائر میں فضیحت و رسوا نہ کروں گا پلٹ جاؤ مغفرت پائے ہوئے، بیشک تم نے مجھے راضی کیا اور میں تم سے خوشنود ہُوا۔

فقیر غفرلہ الغنی القدیر کہتا ہے اس کلام مبارک کا اوّل یاعبادی سلونی ہے یعنی میرے بندو! مجھ سے دعا کرو، اور آخر انصرفوا مغفورا لکم گھروں کو پلٹ جاؤ تمہاری مغفرت ہوئی۔

[1] شعب الایمان ۲۳ باب فی الصیام فصل فی لیلۃ القدر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۳۳۶۔۳۳۷

توظاہر ہُوا کہ یہ ارشاد بعد ختمِ نماز ہوتا ہے ختم نماز سے پہلے گھروں کو واپس جانے کا حکم ہر گز نہ ہوگا تو اس حدیث سے مستفاد کہ خود رب العزّت جل وعلا بعد نمازِ عید مسلمانوں سے دُعا کا تقاضا فرماتا ہے، پھر وائے بدبختی اُس کی جو ایسے وقت مسلمانوں کو اپنے رب کے حضور دُعا سے روکے نسأل الله العفو والعافیة اٰمین (ہم اللہ سے فضل وبخشش طلب کرتے ہیں۔آمین۔ت)

ثالثاً اقول: وبالله التوفیق [1]ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن حبان وحاکم باسانید صحیحہ جیّدہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [2]ابوداؤد ودارمی وابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری ومسلم حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [3]نسائی وطبرانی بسند صحیح و ابن ابی الدنیا اور حاکم بافادہ تصحیح حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور [4]نسائی وابن ابی الدنیا وحاکم وبیہقی حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاجلس احدکم فی مجلس فلایبرحن منه حتی یقول ثلث مرات سبحٰنك اللھم ربنا وبحمدك لااله الا انت اغفرلی وتب علی فان کان اتی خیرا کان کالطابع علیه وان کان مجلس لغو کان کفارة لماکان فی ذلك المجلس[1]۔	جب تم میں کوئی کسی جلسے میں بیٹھے تو زنہار وہاں سے نہ ہٹے جب تک تین [3]بار یہ دعا نہ کرلے "پاکی ہے تجھے اے رب ہمارے، اور تیری تعریف بجالاتا ہوں، تیرے سوا کوئی سچّا معبود نہیں میرے گناہ بخش اور مجھے توبہ دے" کہ اگر اس جلسے میں اس نے کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ دُعا اس پر مہر ہوجائے گی اور اگر وہ جلسہ لغو تھا جو کچھ اس میں گزرا یہ دعا اس کا کفارہ ہوجائے گی۔

یہ لفظ بہ روایت امام ابوبکر ابن ابی الدنیا حدیثِ جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں،اور ابوبرزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں یوں ہے:

کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱، المعجم الکبیر مروی از جبیر بن مطعم مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲/ ۱۳۹، المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۵۳۷

اذاجلس یقول فی اٰخرہ اذا اراد ان یقوم من المجلس سبحٰنك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الاانت استغفرك واتوب الیک[1]۔	جلسہ فرماتے تو ختم اُٹھتے وقت یہ دعا کرتے "تیری پاکی بولتا اور تیری حمد وثنا میں مشغول ہوتا ہوں اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں تیرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں میں تیری مغفرت مانگتا اور تیری طرف توبہ کرتا ہوں"۔

اسی طرح رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ **اراد ان ینھض**[2] ہے یعنی جب اُٹھنا چاہتے یہ دُعا فرماتے۔اور انہوں نے بعدِ الفاظِ مذکورہ دُعا میں اتنے الفاظ اور زائد کئے:

عملت سوءً وظلمت نفسی انہ لا یغفر الذنوب الاّ انت۔[3]	میں نے بُرا کیا اور اپنی ہی جان کو آزار پہنچایا اب میری مغفرت فرمادے بیشک تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں۔

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا میں مثل حدیث ابو برزہ ہے اُس میں بھی ارشاد ہوا: **قبل ان یقوم من مجلسہ**[4] کھڑے ہونے سے پہلے دُعا کرتے۔غرض اس حدیث صحیح مشہور علی اصول المحدثین میں جسے امام ترمذی نے حسن صحیح اور حاکم نے برشرط مسلم صحیح اور منذری نے جیّد الاسانید کہا، حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عام ارشاد وہدایت قولی وفعلی فرماتے ہیں کہ آدمی کوئی جلسہ کرے اُس سے اُٹھتے وقت یہ دعا ضرور کرنی چاہیے کہ اگر جلسہ خیر کا تھا تو وہ نیکی قیامت تک سربمہر محفوظ رہے گی اور لغو تھا تو وہ لغو باذن اللہ محو ہوجائے گا تو لفظ ومعنی دونوں کی رُو سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان کو ہر نماز کے بعد بھی اس دُعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا جہت لفظ

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن ابی داؤد کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۲، سنن الدارمی ۲۹۔باب فی کفارۃ المجلس مطبوعہ مدینہ منورہ (حجاز) ۲/ ۱۹۵

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دعاء کفارۃ المجالس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵۳۷/۱، الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۱۱

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۲

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ سنن نسائی وحاکم وابوداؤد وابن حبان مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴۱۱/۲، جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۱

سے تو یوں کہ مجلس نکرہ سیاقِ شرط میں واقع ہے عام ہوا، تلخیص الجامع الکبیر میں ہے:

النکرۃ فی الشرط تعم وفی الجزاء تخص کھی فی النفی والاثبات[1]۔	نکرہ مقامِ شرط میں عموم اور مقامِ جزا میں خصوص کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ نفی واثبات میں ہے۔(ت)

جامع صغیر میں ہے:

انہ نکرۃ فی موضع الشرط وموضع الشرط نفی والنکرۃ فی النفی تعم[2]۔	یہ موضع شرط میں نکرہ ہے اور مقام شرط نفی ہے اور نکرہ مقامِ نفی میں عموم کا مفید ہوتا ہے۔(ت)

معہذا اسمائے شروط سب صورتوں کو عام ہوتے ہیں، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

اذا عام فی الصور علی ماھو حال اسماء الشرط[3]۔	ذا تمام صورتوں میں عام ہے جیسا کہ اسماءِ شرط کا حال ہوتا ہے۔(ت)

تو قطعًا تمام صلواتِ فریضہ وواجبہ ونافلہ کے جلسے اس حکم میں داخل اور ادعائے تخصیص بے مخصص محض مردود وباطل، اور جہت معنی سے یوں کہ جلسہ خیر سے اُٹھتے وقت یہ دُعا کرنا اُس خیر کے نگاہداشت کے لئے ہے تو خیر جس قدر اکبر واعظم اُسی قدر اس کا حفظ ضروری واہم، اور بلاشبہہ خیر نماز سے سب چیزوں سے افضل واعلٰی تو ہر نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مؤکد تر ہوا یارب، مگر نمازِ عیدین نماز نہیں یا اس کے حفظ کے جانب نیاز نہیں یا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفس نفیس جلسۂ نماز کو اس حکم میں داخل فرمایا تخریج حدیث تو اوپر سُن چکے کہ نسائی وابن ابی الدنیا نے وحاکم وبیہقی نے روایت کی اب لفظ سنئے، سنن نسائی کی نوع من الذکر بعد التسلیم میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب

[1] تلخیص الجامع الکبیر
[2] الجامع الصغیر
[3] فتح القدیر

کان اذا جلس مجلسا او صلی تکلم بکلمات و سالته عائشة عن الکلمات فقال ای تکلم بخیر کان تابعا علیھن یوم القٰیمة وان تکلم بشر کان کفارة له، سبحٰنك اللھم و بحمدك استغفرك و اتوب الیک۔[1]	کسی مجلس میں بیٹھتے یا نماز پڑھتے کچھ کلمات فرماتے، ام المومنین نے وہ کلمات پُوچھے، فرمایا وہ ایسے ہیں کہ اگر اس جلسہ میں کوئی نیک بات کہی ہے تو یہ قیامت تک اس پر مُہر ہو جائیں گے اور بُری کہی ہے تو کفارہ۔ الٰہی! میں تیری تسبیح و حمد بجالاتا ہوں اور تجھ سے استغفار و توبہ کرتا ہوں۔

پس بحمد اللہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوگیا کہ نمازِ عیدین کے بعد دُعا مانگنے کی خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تاکید فرمائی لفظ لا یبرحن بنون تاکید ارشاد ہوا بلکہ انصاف کیجئے تو حدیثِ ام المومنین صلی اللہ تعالٰی علٰی زوجہا الکریم وعلیہا وسلم خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بعد نماز عیدین دعا مانگنا بتارہی ہے کہ صلی زیر اذا، داخل تو ہر صورت نماز کو عام وشامل اور منجملہ صور نماز عیدین، تو حکم مذکور انہیں بھی متناول، پس یہ حدیثِ جلیل بحمد اللہ خاص جزئیہ کی تصریح کامل۔

رابعًا اقول: وباللہ التوفیق ان سب سے قطع نظر کیجئے تو دُعا مطلقًا اعظم مندوباتِ دینیہ واجل مطلوبات شرعیہ سے ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں بے تقیید وقت و تخصیص ہیأت مطلقًا اس کی اجازت دی اور اُس کی طرف دعوت فرمائی اور اسکی تکثیر کی رغبت دلائی اور اس کے ترک پر وعید آئی، مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ط[2]۔	اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

اور فرماتا ہے:

اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا[3]۔	قبول کرتا ہوں دُعا کرنے والے کی دُعا جب مجھے پکارے۔

حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

[1] سنن النسائی کتاب السہو نوع من الذکر بعد التسلیم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۹۷

[2] القرآن ۶۰/۳۹

[3] القرآن ۲/۱۸۶

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وَاَنَا مَعَہ اِذَا دَعَانِیْ[1]۔ رواہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ۔	میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوں جب مجھ سے دعا کرے۔ اسے بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب عزوجل سے روایت کیا۔

اور فرماتا ہے:

یَااِبْنِ اٰدَمَ اِنَّكَ مَادَعَوْتَنِیْ غَفَرْتُ لَكَ عَلٰی مَاکَانَ مِنْكَ وَلَااُبَالِیْ[2]۔ رواہ الترمذی وحسنہ عن انس بن مالك عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تبارك وتعالٰی۔	اے فرزندآدم! تو جب تک مجھ سے دعامانگے جائے گا اور اُمید رکھے گا تیرے کیسے ہی گناہ ہوں بخشتا رہوں گااور مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ترمذی نے روایت کرکے اسے حسن قرار دیا ہے اور اسے حضرت انس بن مالک سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اپنے رب تبارک وتعالٰی سے بیان فرمایا۔

اور فرماتا ہے عزوجل:

مَنْ لَّایَدْعُوْنِیْ اَغْضِبْ عَلَیْہِ[3]۔ رواہ العسکری فی المواعظ بسند حسن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ تعالٰی و تقدس۔	جومجھ سے دعانہ کرے گا میں اس پر غضب فرماؤں گا اسے عسکری نے مواعظ میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے رب تعالٰی وتقدس سے بیان فرمایا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب الذکروالدعاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۱و ۳۴۳و۳۵۴

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۲

[3] کنزالعمال بحوالہ العسکری فی المواعظ حدیث ۳۱۲۷ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۲/ ۶۳، سنن ابن ماجہ باب فضل الدعاء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۰

احادیث **مصطفیٰ** صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس باب میں سرحدِ تواتر پر خیمہ زن، ایک جملہ صالحہ اُن سے حضرت ختام المحققین سنام المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے رسالہ مستطابہ "احسن الوعا لاٰداب الدعا" میں ذکر فرمایا اور فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی شرح مسمّٰی بہ "ذیل المدعا لاحسن الوعا" میں اُن کی تخریجات کا پتا بتایا، باقی کتاب الترغیب امام منذری وحصن حصین امام ابن الجزری وغیرہما تصانیف علما ان احادیث کی کفیل ہیں، میں بخوف اطالت احادیث فضائل سے عطف عنان کرکے صرف ان بعض حدیثوں پر اقتصار کرتاہوں جن میں دعا کی تاکید یا اس کے ترک پر تہدید یا اس کی تکثیر کا حکم اکید ہے۔

حدیث۱: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم عباداللہ بالدعاء[1]۔ رواہ الترمذی مستغربًا والحاکم وصححہ۔	خدا کے بندو! دعا کولازم پکڑو۔ اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

حدیث۲: زید بن خارجہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علیّ واجتھدوا فی الدعاء[2]۔ رواہ الامام احمد والنسائی والطبرانی فی الکبیر وابن سعد وسمویہ والبغوی والباوردی وابن قانع۔	مجھ پر درود بھیجو اور دعا میں کوشش کرو۔ اسے امام احمد، نسائی اور طبرانی نے کبیر میں، ابن سعد، سمویہ، بغوی، باوردی اور ابن قانع نے روایت کیا۔

حدیث۳: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعجزوا فی الدعاء فانہ لن یھلك مع الدعاء احد[3]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ۔	دعا میں تقصیر نہ کرو جو دعا کرتا رہے گا ہرگز ہلاک نہ ہوگا۔ اسے ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔

حدیث۴: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ لیلکم ونھارکم فان الدعاء	رواہ ابویعلی۔ رات دن خدا سے دعا مانگو کہ دعا مسلمان کا

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۹۳

[2] سنن النسائی باب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۹۰

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالکتب بیروت ۱/ ۴۹۴

سلاح المؤمن[1]۔	ہتھیار ہے۔اسے ابویعلٰی نے روایت کیا ہے۔

حدیث۵: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثروالدعاء بالعافیۃ[2]۔ رواہ الحاکم بسند حسن۔	عافیت کی دعا اکثر مانگ۔ امام حاکم نے اسے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

حدیث۶: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے سیّدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم[3]۔ اخرج ابوالشیخ فی الثواب۔	دعا کی کثرت کروکہ دعا قضائے مبرم کو رَد کرتی ہے۔اسے ابوالشیخ نے ثواب میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کی شرح فقیر کے رسالہ ذیل المدعا میں دیکھئے۔

حدیث۷و۸: عبادہ صامت وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے ایک بار حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی فضیلت ارشاد فرمائی، صحابہ نے عرض کی: **اذا نکثر**[4] ایسا ہے تو ہم دعا کی کثرت کریں گے، فرمایا: **اللہ اکثر**[5] اللہ عزوجل کا کرم بہت کثیر ہے **وفی الروایۃ الاخری** (دوسری روایت میں ہے۔ت) **اللہ اکبر** اللہ بہت بڑا ہے،

رواہ الترمذی والحاکم عن عبادۃ وصححاہ واحمد والبزار وابویعلی باسانید جیّدۃ والحاکم وقال صحیح الاسناد عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اسے امام ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے صحیح قرار دیا، امام احمد، بزار اور ابویعلٰی نے اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیاہے اور حاکم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ اس کی سند صحیح ہے۔(ت)

حدیث۹و۱۰: سلمان فارسی وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں ہے حضورِ والا صلی اللہ

---

[1] مسند ابی یعلٰی مروی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۸۰۶ مطبوعہ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۳۲۹/۲

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵۲۹/۱

[3] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۱۲۰ مطبوعہ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۶۳/۲

[4] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۳/۲

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید الخدری مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۸/۳

تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سرہ ان یستجیب اللہ لہ عند الشدائد فلیکثر من الدعا عند الرخاء[1]۔ رواہ الترمذی عن ابی ھریرۃ والحاکم عنہ وعن سلمان وقال صحیح واقروہ۔	جسے خوش آئے کہ اللہ تعالٰی سختیوں میں اس کی دعاقبول فرمائے وہ نرمی میں دعا کی کثرت رکھے۔ اسے ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے ان سے اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے فرمایا کہ یہ صحیح ہے اور محدثین نے اس کی صحت کو برقرار رکھا۔

حدیث ۱۱: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ[2]۔ رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجۃ والبزار وابن حبان والحاکم وصححاہ۔	جو اللہ تعالٰی سے دعانہ کرے گا اللہ تعالٰی اس پر غضب فرمائے گا۔ اسے امام احمد، ابن ابی شیبہ اور بخاری نے ادب المفرد میں، ترمذی، ابن ماجہ، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کرکے صحیح کہا۔

ایہاالمسلمون تم نے اپنے مولا جل وعلا اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سنے ان میں کہیں بھی تخصیص وتقیید کی بوہے، یہ تو بارہافرمایا کہ دعا کرو، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں نماز کے بعد نہ کرو؟ یہ تو صاف ارشاد ہوا ہے کہ جس وقت دعا کروگے میں سنوں گا، کہیں یہ بھی فرمایا کہ فلاں وقت کروگے تو سنوں گا؟ یہ تو بتاکید بار بار حکم آیا ہے کہ دعا سے عاجز نہ ہو، دعامیں کوشش کرو، دعا کو لازم پکڑو، دعا کی کثرت رکھو، رات دن دعامانگو، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد نہ مانگو؟ یہ توڈر سنایاگیاہے کہ جو دعانہ مانگے گااس پر غضب ہوگا، کہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں نماز کے بعد جومانگے گااس سے اللہ تعالٰی ناراض ہوگا؟-اور جب کہیں نہیں توخدااور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز کو عام ومطلق رکھادوسرااسے

---

1 جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴

2 جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴، ادب المفرد باب ۲۸۶ حدیث ۶۵۸ مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ص ۱۷۱، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء حدیث ۹۲۱۸ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۰/ ۲۰۰

مخصوص ومقید کرنے والا کون؟ خدا اور سول عزمجدہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس چیز سے منع نہ فرمایا دوسرا اسے منع کرنے والا کون؟ قال تعالٰی:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ [1]	اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلانہ ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ [2] حکم صرف خداہی کے لئے ہے۔جس چیز کو اس نے کسی ہیأتِ خاصہ محل معین سے مخصوص اور اس پر مقصور ومحصور فرمایا اس سے تجاوز جائز نہیں، جو تجاوز کرے گا دین میں بدعت نکالے گا اور جس چیز کو اس نے ارسال واطلاق پر رکھا ہرگز کسی ہیأت ومحل پر مقتصر نہ ہوگی اور ہمیشہ اپنے اطلاق ہی پر رہے گی جو اس سے بعض صور کو جدا کرے گا دین میں بدعت پیدا کرے گا، ذکر ودعا اسی قبیل سے ہیں کہ زنہار شرع مطہر نے انہیں کسی قید وخصوصیت پر محصور نہ فرمایا بلکہ عموماً ومطلقاً ان کی تکثیر کا حکم دیا۔ دعا کے بارے میں آیات وحدیث سن ہی چکے اور دلائل مطلقہ تکثیر ذکر جنہیں اس سلسلہ شمار میں (خامسًا) کہئے کہ ہر دعا بالبداہۃ ذکر الٰہی ہے اور اس پر علمانے تنصیص بھی فرمائی، مولانا قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: کلہ دعاء ذکر (ہر دعا ذکر ہے۔ت) تو اجازت عامہ ذکر کے دلائل بعینہا اجازت عامہ کے دلائل ہیں کہ تعیم افراد اعم [عـہ] یا مساوی، لاجرم تعیم افراد اخص ومساوی ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) ان دلائل جلائل کا وفور کامل حد احصا کا طرف مقابل، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ نسیم الصبا فی ان الاذان یحول الوباء میں اس مدعا پر بکثرت آیات وحادیث لکھیں، از انجملہ حدیث حسن ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عـــہ: ذکر اعم صرف بنظر کلیہ حاضرہ ہے ورنہ سابق گزرا کہ دوسری طرف سے یہی کلیہ ہے تو دعا وذکر قطعًا متساوی اور اب اتحاد ادلہ اور یہی واضح وجلی ۱۲منہ (م)

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶

[2] القرآن ۶/۵۷

اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا مجنون [1]۔	ذکرِالٰہی کی یہاں تک کثرت کرو کہ لوگ مجنون بتائیں۔

وحدیث حسن عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ [2] ہمیشہ ذکر الٰہی میں تر زبان رہ۔

حدیث جیّدالاسناد ام انس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضورِ والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثری من ذکر اللہ فانك لاتاتین بشیئ احب الیہ من کثرۃ ذکرہ [3]۔	اللہ کا ذکر بکثرت کر کہ تو کوئی چیز ایسی نہ لائے جو خدا کو اپنی کثرتِ ذکر سے زیادہ پیاری ہو۔

وحدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سرورِعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من لم یکثر ذکر اللہ فقد برئ من الایمان [4] جو ذکر الٰہی کی کثرت نہ کرے وہ ایمان سے بیزار ہوگیا۔

وحدیث صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علٰی کل احیانہ [5]۔	حضور پرنور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر وقت ذکرِ خدا فرمایا کرتے۔

الٰی غیرذٰلك من الاحادیث والاٰثار (ان کے علاوہ متعدد احادیث وآثار ہیں۔ت) یہاں صرف بعض آیات اور ان کی تفسیروں پر اقتصار ہوتا ہے جو عموم تمامی اوقات واحوال میں نص ہیں: **آیت۱: قال جل ذکرہ :**

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ [6]	اللہ کا ذکر کرو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

علمائے کرام اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جمیع احوال میں ذکر الٰہی و دعا کی مداومت کرو۔ بیضاوی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۹۹

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۳

[3] دُرِ منثور بحوالہ الطبرانی ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۰۵

[4] دُرِ منثور بحوالہ المعجم الاوسط ذکراً کثیراً کے تحت مذکور ہے مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۰۵، الترغیب والترہیب کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۰۱

[5] سنن ابی داؤد باب فی الرجل یذکر اللہ تعالٰی علٰی غیر وضوء مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴

[6] القرآن ۴/ ۱۰۳

میں ہے:

داوموا علی الذکر فی جمیع الاحوال[1] ای داوموا علی ذکر اللہ تعالٰی فی جمیع الاحوال[2]	تمام احوال میں ذکر پر مدامت کرو۔(ت) یعنی تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر دوام اختیار کرو۔(ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

داوموا علی الذکر اللہ تعالٰی۔ حافظوا علی مراقبتہ ومناجتہ ودعائہ فی جمیع الاحوال۔[3]	تمام احوال میں اللہ تعالٰی کے ذکر پر مداومت کرو، اور مراقبہ، مناجات اور رب سے دعا کی محافظت کرو۔(ت)

آیت ۲: قال عزّ اسمہ:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا ﴿۴۱﴾[4]	اے ایمان والو! اللہ کا ذکر بکثرت کرو۔

علامۃ الوجود مفتی ابو السعود ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں: **یعم الاوقات والاحوال**[5] یہ آیت تمام اوقات واحوال کو عام ہے۔

آیت ۳: قال تعالٰی شانہ:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[6]	اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں: **ارید بہ ذکر اللہ تعالٰی فی الاوقات کلھا**[7] اس

---

[1] انوار التنزیل المعروف بتفسیر البیضاوی آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۰۴

[2] تفسیر النسفی المعروف بتفسیر المدارک آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۴۸

[3] تفسیر ارشاد العقل السلیم آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۲/۲۲۸

[4] القرآن ۳۳/۴۱

[5] تفسیر ارشاد العقل السلیم آیہ مذکورہ کے تحت مطبوعہ احیاء التراث الاسلامی بیروت ۷/۱۰۶

[6] القرآن ۲/۲۰۰

[7] کافی شرح وافی

آیت سے یہ مراد کہ ذکر الٰہی جمیع اوقات میں کرو۔

آیت ۴: قال تبارك مجدہ : وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا[1] اور بکثرت خدا کا ذکر کرو۔ معالم میں ہے: **فی جمیع المواطن علی السراء والضراء**[2] تمام مواضع میں خوشی وتکلیف میں۔

آیت ۵: قال تقدس اوصافہ :

وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۳۵ [3]	خدا کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور بکثرت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، ماثبت بالسنۃ میں لکھتے ہیں:

لایخفی ان الذکر والتسبیح والتھلیل والدعاء لاباس بہ لانہا مشروعۃ فی کل الامکنۃ والازمان[4]۔	پوشیدہ نہیں کہ ذکر وتسبیح وتہلیل ودعا میں کچھ مضائقہ نہیں کہ یہ چیزیں وہر جگہ اور ہر وقت مشروع ہیں۔

اللہ اللہ کیا ستم جری ہیں وہ لوگ کہ قرآن وحدیث کی ایسی عام مطلق اجازتوں کے بعد خواہی نخواہی بندگان خدا کو اس کی یاد ودعا سے روکتے ہیں حالانکہ اس نے ہر گز اس دعا سے ممانعت نہ فرمائی،

آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ [5]	اے حبیب! ان سے پوچھئے کہ اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔(ت)

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ پس بحمد اللہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ دعائے مذکور فی السوال قطعًا جائز ومندوب، اور اس سے ممانعت محض بے اصل وباطل ومعیوب،

---

[1] القرآن ۸/۴۵ و ۶۲/۱۰

[2] معالم التنزیل علی ھامش خازن پ۲۱ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۵

[3] القرآن ۳۳/ ۳۵

[4] ماثبت بالسنۃ خاتمہ کتاب ادارہ نعیمیہ رضویہ لاہور ص ۳۲۶

[5] القرآن ۱۰/ ۵۹

والحمدللّٰه ھادی القلوب والصلٰوۃ والسلام علٰی شفیع الذنوب واٰله وصحبه عدیمی العیوب ماتناوب للشمس الطلوع والغروب اٰمین!	سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو دل کو رہنمائی عطا کرنے والا ہے اور صلوٰۃ وسلام ہو گناہوں کی شفاعت کرنے والے پر آپ کی آل واصحاب پر جن کے عیوب معدوم ہیں جب تلک شمس کے لئے طلوع وغروب ہے، آمین! (ت)

العیدالثانی وبجود الحبیب حصول الامانی (اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے مقاصد کا حصول ہے۔ت) پہلے وہ فتوی پیش نظر رکھ لیجئے کہ مستندین کا حاصل سعی و مبلغ وہم ظاہر ہو حاشا اس فتوے میں جواز وعدم جواز کی اصلاً بحث نہیں، نہ سائل نے اس سے پوچھا نہ مجیب نے ناجائز لکھا بلکہ **سوال** یوں ہے **ماقولھم رحمھم اللہ تعالٰی** (ان رحمہم اللہ تعالٰی کا کیا قول ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ جناب رسول مقبول علیہ الصلٰوۃ والسلام اور اصحاب وتابعین وتبع تابعین وائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بعد نماز عیدین کے دعا مانگتے تھے یا بعد پڑھنے خطبہ عیدین کے کھڑے کھڑے یا بیٹھ کر یا بدون ہاتھ اٹھائے **بیّنوا و افتوا بسند الکتاب توجروا عنداللہ یحسن الماٰب** (کتاب کی سند کے ساتھ اسے بیان کرکے اللہ تعالٰی کے ہاں سے بہتر اجر وجزا پاؤ۔ت) **اور جواب یہ ھوالمصوب** روایاتِ حدیث سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے، دعا مانگنا بعد نماز یا خطبہ کے آپ سے ثابت نہیں، اسی طرح صحابہ کرام وتابعین عظام سے ثبوت اس امر کا نظر سے نہیں گزرا۔ **واللہ اعلم**

حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابوالحسنات محمد عبدالحہ تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

محمد عبدالحئی ابوالحسنات

اقول: وباللّٰه التوفیق وبه العروج علی اوج التحقیق (اللہ کی توفیق اور تحقیق کی بلندی پر اسی سے عروج ہے۔ت) قطع نظر اس سے محل احتجاج میں کہاں تک پیش ہوسکتا ہے حضرات مانعین کو ہرگز مفید، نہ ہمیں مضر، جواز وعدم کا تو اس میں ذکر ہی نہیں، سائل ومجیب دونوں کا کلام ورود وعدم ورود میں ہے پھر مجیب نے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونے پر جزم بھی نہ کیا، صرف اپنی نظر سے نہ گزرنا لکھا اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نہیں اور نہ دیکھا میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہ ان کے جو اکابر ماہران فنِ حدیث ہیں بارہا فرماتے ہیں ہم نے نہ دیکھی اور دوسرے محدثین اس کا پتا دیتے ہیں فقیر نے اس کی متعدد مثالیں اپنے رسالہ **صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین** میں ذکر کیں پھر یہ نہ دیکھنا بھی مجیب، خاص اپنا بیان کررہے ہیں نہ کہ ائمہ شان نے اس طرح کی تصریح فرمائی، کہ ایسا ہوتا تو نظر سے نہ گزرا کے

عوض اس امام کا ارشاد نقل کرتے، خصوصًا جبکہ سائل درخواست کرچکا تھا کہ **بیّنوا و افتوا بسند الکتاب** (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کرو اور فتوٰی دو۔ت) تو آج کل کے ہندی علماء کا نہ دیکھنا نہ ہونے کی دلیل کیونکر ہوسکتا ہے آخر نہ دیکھا کہ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے حدیث صحیح سے اس کا نص صریح، ائمہ تابعین قدست اسرارہم سے واضح کردیا **والحمدللہ رب العٰلمین** پھر خصوص جزئیہ سے قطع نظر کیجئے، جس کا التزام عقلًا ونقلًا کسی طرح ضرور نہیں جب تو فقیر نے خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جس جس طرح اس کا ثبوت روشن کیا منصف غیر متعسف اس کی قدر جانے گا **والحمدللہ والمنۃ**، پھر سوال میں تبع تابعین وائمہ اربعہ سے استفسار تھا مجیب نے ان کی نسبت اس قدر بھی نہ لکھا کہ نظر سے نہ گزرا، اب خواہ ان سے ثبوت نہ دیکھا یا پوری بات کا جواب نہ ہوا، بہرحال محل نظر واسناد مستند صرف اس قدر کہ مجیب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نفی ثبوت کرتے ہیں اور تقریب یہ کہ حدیثوں میں یہی وارد ہے کہ نماز کے متصل خطبہ اور خطبہ کے متصل معاودت فرماتے تو دعا کا وقت کون سا رہا، اس تقدیر پر ثبوتِ عدم کا ادعا ہوگا، دوسرے یہ کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ ومعاودت کا ذکر ہے دعا مذکور نہیں، یہ عدم ثبوت کا دعوی ہوگا، اور کلام مجیب سے یہی ظاہر ہے کہ ثابت نہیں، کہتے ہیں، نہ کہ نہ کرنا ہی ثابت ہے، اور لفظ "اسی قدر معلوم ہوتا ہے" بھی اسی طرف ناظر، کہ اگر اس سے اثبات عدم مقصود ہوتا تو طرز ادا یہ تھی، کہ حدیثوں سے صاف ثابت کہ نماز وخطبہ ومعاودت میں فصل نہ تھا، پس دعا نہ مانگنا ثابت ہوا، بایںہمہ شاید حضرات مانعین اپنے نفع کے گمان سے کلام مجیب کو خواہ مخواہ محمل اول پر حمل کریں، لہذا فقیر غفرلہ المولی القدیر دونوں محمل پر کلام کرتا ہے **وباللہ التوفیق**۔

محمل اول پر یہ کلام خود ہی بوجوہ کثیر باطل:

اوّلًا یہ تو اصلًا کسی حدیث میں نہیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام پھیرتے ہی بفور حقیقی معًا خطبہ فرماتے تھے اور خطبہ ختم فرماتے ہی بے فصل فورًا واپس تشریف لاتے، غایت یہ کہ کسی حدیث میں فائے تعقیب آنے سے استدلال کیا جائے گا مگر وہ ہرگز اتصال حقیقی پر دال نہیں کہ دو حرف دعا سے فصل کی مانع ہو، فواتح شرح مسلم میں فرمایا:

الفاء للترتیب علٰی سبیل التعقیب من غیر مھلۃ وتراخ، یعد فی العرف مھلۃ وتراخیا[1]۔	فاء ترتیب کے لئے ہے یہ بغیر مہلت وتراخی کے تعاقب کے لئے ہے عرف میں اسے مہلت شمار کیا جاتا ہے اور تراخی بھی صحیح ہے۔(ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبعۃ امیریہ قم ایران ۱/ ۲۳۴

یاہذا یہ، تدقیقات ضیقہ فلسفیہ نہیں، محاورات صافیہ عرفیہ ہیں، اگر زید وعدہ کرلے نماز پڑھ کر فوراً آتا ہوں تو نماز کے بعد معمولی دوحرفی دعاہر گز عرفاً یاشرعاً مبطل فور و موجب خلاف وعدہ نہ ہوگی، مسئلہ سجود تلاوت صلاتیہ میں سناہی ہوگاکہ دو آیتیں بالاتفاق اور تین علی الاختلاف قاطع فور نہیں۔

ثانیاً دعاتابع ہے اور توابع فاصل نہیں ہوتے، واجبات میں ضم سورت سناہوگا مگر آمین فاصل نہیں کہ تابع فاتحہ ہے، حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تسبیح حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا کی نسبت فرمایا:

معقبات لایخیب قائلھن[1]۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی والنسائی عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کچھ کلمات نماز کے ابعد بلافاصلہ کہنے کے ہیں جن کا کہنے والا نامراد نہیں رہتا۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

باایںہمہ علمافرماتے ہیں اگر سنن بعدیہ کے بعد پڑھے تعقیب میں فرق نہ آئے گا کہ سنن توابع فرائض سے ہیں دُرمختار میں ہے:

یکرہ تاخیر السنۃ الابقدر اللھم انت السلام[2] الخ	سنتوں میں اللھم انت السلام الخ کی مقدار سے زائد تاخیر مکروہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما رواہ مسلم والترمذی عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقعد الابمقدار مایقول اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذا الجلال والاکرام واما ماورد من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوۃ فلا دلالۃ فیہ علی الاتیان بہا قبل السنۃ	کیونکہ مسلم اور ترمذی نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یاذاالجلال والاکرام کی مقدار ہی بیٹھتے تھے، اور دیگر روایات میں جو نماز کے بعد اذکار کا ذکر ہے اس میں یہ دلالت نہیں کہ وہ اذکار سنن سے پہلے ہوتے تھے بلکہ بعد میں بھی بجالائے جاسکتے ہیں

---

1 سنن النسائی نوع آخر من عدد التسبیح مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۹۸

2 درمختار فصل واذاارادوالشروع الخ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۹

بل یحمل علی الاتیان بہا بعدھا لان السنۃ من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلن تکن اجنبیۃ عنھا فمایفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ[1]۔	کیونکہ سنتیں فرائض کے لواحقات، توابع اور ان کی تکمیل کاسبب ہیں للذا یہ فرائض سے اجنبی نہیں ہیں جو ان سنن کے بعد ہو اس پر یہ اطلاق کیاجاسکتاہے کہ وہ فرائض کے بعد ہوا۔ (ت)

ثالثًا مانا کہ مفاد "**فا**" اتصال حقیقی ہے تاہم خوب متنبہ رہنا چاہئے کہ حضور پر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوبرس عید کی نمازیں پڑھی ہیں تو احادیث متعددہ کا وقائع متعددہ پر محمول ہونا ممکن، پس اگر ایک حدیث صلوٰۃ وخطبہ اور دوسری خطبہ وانصراف میں وقوع اتصال پر دلالت کرے اصلًا بکار آمد نہیں کہ ایک بار بعد خطبہ، دوبارہ بعد نماز دعا کا عدم ثابت نہ ہوگا، تو (یوں وہ) مقصود سے منزلوں دور ہے **کما لایخفی**۔

رابعًا مسلّم کہ ایک ہی حدیث میں دونوں اتصال مصرح ہوں تاہم بلفظ دوام تواصلًا کوئی حدیث نہ آئی **ومن ادعی فعلیہ البیان** (اور جو اس کا دعوی کرتا ہے وہ دلیل لائے۔ت) اور ایک آدھ جگہ **صلی فخطب فعاد** (نماز پڑھائی، پس خطبہ دیا اور لَوٹ گئے۔ت) ہو بھی تو واقعہ حال ہے اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں **کمانصواعلیہ** (جیسا کہ علماء نے اس پر تصریح کی ہے۔ت) اور ہم قائل وجوب ولزوم نہیں کہ ترک مرۃً ہمارے منافی ہو اور اگر لفظ **کان یصلی فیخطب فیعود** (آپ نماز پڑھاتے خطبہ دیتے اور لَوٹ جاتے۔ت) بھی فرض کرلیں تو ہنوز اس کا تکرار پر دلیل ہونا محل نزاع نہ کہ دوام، خود مجیب اپنے رسالہ غایۃ المقال میں کلام حافظ ابوزرعہ عراقی:

ان فی الصحیحین وغیرھما عن سعید بن یزید قال سألت انس بن مالك کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی فی نعلیہ فقال نعم وظاھرہ ان ھذاکان شانہ وعادتہ المستمرۃ دائما الخ[2]	بخاری و مسلم وغیرہما میں حضرت سعید بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کہ رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نعلین کے اندر نماز ادافرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہاں، اس کے ظاہر سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ آپ کا دائمی معمول تھا الخ (ت)

نقل کرکے لکھتے ہیں:

---
[1] ردالمحتار فصل واذاارادواالشروع الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۹۱
[2] رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحۂ فصل فی الصلوٰۃ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص ۱۰۹

ماذکرہ من دلالۃ حدیث انس علی کون العادۃ النبویۃ مستمرۃ بالصلوۃ فی النعال منظورفیہ لعدم وجود مایدل علیہ فیہ ولعلہ استخرجہ من لفظ کان وھو استخراج ضعیف لمانص علیہ الامام النووی فی کتاب صلٰوۃ اللیل من شرح صحیح مسلم من ان لفظ کان لایدل علی الاستمرار والدوام فی عرفھم اصلا[1]۔	حدیث انس سے ان کا اس پر استدلال کہ نعلین میں نماز اداکرنا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عادت دائمی تھی محل نظر ہے کیونکہ الفاظِ حدیث میں ایسی کوئی شئ موجود نہیں شاید انہوں نے لفظ کان سے استنباط کیاہو حالانکہ یہ استنباط ضعیف ہے کیونکہ امام نووی نے شرح مسلم کے کتاب صلٰوۃ اللیل میں تصریح کی ہے کہ لفظ کان محدثین کے عرف میں ہرگز دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔(ت)

اس مسئلہ کی تمام تحقیق فقیر کے رسالہ التاج ۱۳۰۵ھ **المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل** میں ہے۔

خامسًا یہ سب تو بالائی کلام تھا احادیث پر نظر کیجئے تو وہ اور ہی کچھ اظہار فرماتی ہیں صحاح ستہ وغیرہا خصوصًا صحیحین میں روایات کثیرہ بلفظ ثم وارد، ثم فاصلہ ومہلت چاہتاہے تو ادعاکہ احادیث میں اتصال ہی آیا محض غلط بلکہ حرفِ اتصال اگردوایک حدیث میں ہے تو کلمہ انفصال آٹھ دس میں، اب روایات سنئے:

حدیث۱: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

واللفظ لمسلم قال شھدت صلٰوۃ الفطر مع نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابی بکر وعمر و عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھم فکلھم یصلیھا قبل الخطبۃ ثم یخطب[2]۔	مسلم کے الفاظ یہ ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمراور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کی معیت میں نمازعیدالفطر اداکی ان سب نے خطبہ سے پہلے نمازپڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یصلی فی الاضحی والفطر ثم یخطب بعد الصلٰوۃ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدالاضحٰی اور عیدالفطر کی نمازپڑھاتے پھر نمازکے بعد خطبہ ارشادفرماتے۔(ت)

[1] رسالہ غایۃ المقال من مجموعہ رسائل عبدالحٰی فصل فی الصلٰوۃ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص۱۰۹

[2] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۸۹

[3] صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۱

حدیث ۳: اسی کے باب استقبال الامام الناس فی خطبۃ العید میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم اضحی فصلی العید رکعتین ثم اقبل علینا بوجهه وقال الحدیث[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اضحٰی کے دن تشریف لائے پھر عید کی دو رکعات پڑھائیں پھر آپ نے ہماری طرف رخ انور کیا اور خطبہ ارشاد فرمایا۔(ت)

حدیث ۴: اسی میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی یوم النحر ثم خطب الحدیث[2]۔	بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیدالاضحٰی کے روز نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا۔(ت)

حدیث ۵: اسی میں حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

صلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم النحر ثم خطب ثم ذبح[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر قربانی کی(ت)

حدیث ۶: جامع ترمذی میں بافادۂ تحسین و تصحیح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ابو بکر وعمر یصلون فی العیدین قبل الخطبة ثم یخطبون[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھاتے تھے پھر خطبہ دیتے۔(ت)

حدیث ۷: سنن نسائی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یخرج یوم العید فیصلی رکعتین ثم یخطب[5]۔	بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید کے دن باہر تشریف لاتے آپ دو رکعتیں پڑھاتے پھر خطبہ دیتے (ت)

---

1 صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

2 صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴

3 صحیح البخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۴

4 جامع الترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۰

5 سنن نسائی کتاب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۳۴

یہ سات حدیثیں ظاہر کرتی ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق وفاروق وعثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم نماز عیدین کا سلام پھیر کر کچھ دیر کے بعد خطبہ شروع فرماتے۔

حدیث۸: صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

واللفظ للبخاری کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والاضحی الی المصلی فاول شیئ یبدؤ بہ الصلٰوۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم فان کان یرید ان یقطع بعثا قطعہ او یامر بشیئ امر بہ ثم ینصرف[1]۔	الفاظ بخاری یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدالفطر اور اضحٰی کے دن باہر عیدگاہ میں تشریف لاتے سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے آپ انہیں وعظ ونصیحت فرماتے، اگر آپ نے کسی لشکر کو بھیجنا ہوتا تو روانہ فرماتے اور کسی کا حکم دینا ہوتا تو حکم فرمادیتے پھر آپ واپس تشریف لاتے۔(ت)

یہ حدیث خطبہ ومعاودت میں فصل بتاتی ہے۔

حدیث۹۹: بخاری ومسلم ودارمی وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ حضرت حبر الامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرجت مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فصلی ثم خطب ثم اتی النساء فوعظھن وذکرھن وامرھن بالصدقۃ[2]۔	فرمایا میں فطر اور اضحٰی کے روز نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نکلا آپ نے نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا پھر خواتین کے اجتماع میں تشریف لے گئے انہیں وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کا حکم دیا۔(ت)

یہ حدیث دونوں جگہ فصل کا اظہار کرتی ہے، سبحٰن اللہ! پھر کیونکر ادعا کرسکتے ہیں کہ نماز وخطبہ وخطبہ ومعاودت میں ایسا اتصال رہا جو عدم دعا پر دلیل ہوا، اگر کہئے **ثم** کبھی مجازًا بحالتِ عدم مہلت بھی آتا ہے **قال الشاعر**؎

کھز الردینی تحت العجاج

جری فی الانابیب ثم اضطرب[3]

(اس کی حرکت اس ردینی نیزے کی طرح ہے جو میدان کارزار میں اڑنے والے غبار میں حرکت کرتے ہوئے پوروں پر لگتا ہے تو جنبش کرتا ہے)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۱

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب خروج الصبیان مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳۳

[3] اوضح المسالک الی الفیہ ابن مالک بحث لفظ ثمّ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۴۳، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ فرع سادس من الفصل الثانی مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۸/۲۹

اقول: تم مستدل ہو اور مستدل کو احتمال کافی نہیں خصوصًا خلافِ اصل **کما لایخفی علی ذی عقل** (یہ کسی صاحب عقل پر پوشیدہ نہیں۔ت) معہذا **ف** بارہا مجرد ترتیب بے معنی اتصال وتعقیب کے لئے آتی ہے، امام جلال الدین سیوطی اتقان میں زیر بیان **ف** فرماتے ہیں:

قدتجیئ لمجرد الترتیب نحو فراغ الی اھلہ فجاء بعجل سمینo فقربہ الیھم فاقبلت امرأتہ فی صرّۃ فصکّت وجھھا۔ فالزاجرات زجرا o فالتالیات[1]۔	کبھی کبھی فاء محض ترتیب کے لئے آتی ہے، مثلًا ان آیات میں (ترجمہ آیات) پھر اپنے گھر گیا تو ایک فربہ بچھڑا لے آیا پھر اسے ان کے پاس رکھا۔ اس پر اس کی بیوی چلاتی آئی پھر اپنا ماتھا ٹھونکا۔ پھر قسم ان کی کہ جھڑک کر چلائیں۔ پھر ان جماعتوں کی کہ قرآن پڑھیں۔(ت)

بلکہ مسلم الثبوت میں ہے:

الفاء للترتیب علی سبیل التعقیب ولو فی الذکر[2]۔	فاء بطریق تعقیب ترتیب کے لئے آتی ہے خواہ وہاں ترتیب ذکری ہو۔

تو ایک **ف** کا مجرد ترتیب یا ترتیب فی الذکر مجاز پر حمل اولٰی ہے یا دس **ثمّ** کا مجاز پر۔

سادسًا یہ عدم فصل بطور سلب عموم لیتے ہو تو ہمیں کیا مضر اور تمہیں کیا مفید کہ ہمیں ایجاب کلی کی ضرورت نہیں، کہ سلب جزئی ہمارے خلاف ہو، اور بطور عموم، سلب تو دونوں جگہ اس کا بطلان ثابت وواضح۔ صحیح حدیثیں تنصیص کر رہی ہیں کہ بالیقین دونوں جگہ فصل واقع ہوا، نماز وخطبہ میں وہ **حدیث** عـــہ **(۱۰)** کہ ابوداؤد و

عـــہ **اقول:** یہ حدیث صحیح ہے، رواہ ابوداؤد عن محمد بن الصباح البزار صدوق والنسائی عن محمد بن یحیی بن ایوب ثقۃ وابن ماجۃ عن ھدیۃ بن عبدالوھاب صدوق وعمر بن رافع البجلی	اس کو ابوداؤد نے محمد بن الصباح البزار سے (جو صادق ہیں) اور نسائی نے محمد بن یحیٰی بن ایوب سے (جو ثقہ ہیں) اور ابن ماجہ نے ہدیہ بن عبدالوہاب سے (جو کہ صدوق ہیں) اور عمر بن رافع البجلی (جو کہ ثقہ ہیں) تمام نے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاتقان النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات الخ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۶

[2] مسلم الثبوت مسئلہ الفاء للترتیب مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ص ۶۱

نسائی وابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

واللفظ لابن ماجة قال حضرت العید مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فصلی بنا العید ثم قال قدقضینا الصلٰوة فمن احب ان یجلس للخطبة فلیجلس ومن احب ان یذهب فلیذهب[1]۔	ابن ماجہ کے الفاظ یہ ہیں میں عید میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا حضور نے نماز عید پڑھائی پھر فرمایا ہم نماز توپڑھ چکے اب جو سننے کے لئے بیٹھنا چاہے بیٹھے اور جو جانا چاہے چلا جائے۔

اگرثم کا خیال نہ بھی کیجئے تو یہ کلام نماز وخطبہ کے درمیان فاصل تھا توہمیشہ اتصال حقیقی ہونا باطل ہوا اور خطبہ ومعاودت میں تو فصل کثیر اسی حدیث ثم سے ثابت جو عنقریب گزری جس کی ایک روایت بخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی کے یہاں یوں ہے:

صلی (یعنی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم) ثم خطب ثم اُتی النساء ومعه بلال فوعظهن وذکرهن وامرهن بالصدقة فرایتهن یهوین بایدیهن یقذفنهن فی ثوب بلال ثم انطلق هو وبلال الٰی بیته[2]۔	یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نمازِ عید پڑھی پھر بعدہ، خطبہ فرمایا پھر بعدازاں صفوف زنان پر تشریف لاکرانہیں وعظ وارشاد کیا اور صدقہ کا حکم دیا تو میں نے دیکھا کہ بیبیاں اپنے ہاتھوں سے گہنا اتار اتار کر بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے میں ڈالتی تھیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ثقة ثبت کلهم قالوا ثنا الفضل بن موسی ثقة ثبت ثنا ابن جریح عن عطاء وهما ماهما عن عبدالله بن السائب رضی الله تعالٰی عنهما له ولابیه صحبته فتصویب دس وابن معین ارساله غیرمتاثر عندنا بعد ثقة الرجال فالحدیث صحیح علٰی اصولنا ۱۲منه(م)	کہاکہ ہمیں فضل بن موسٰی (جو ثقہ اور مضبوط ہیں) انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے عطاء سے (یہ دونوں مقام میں مسلم ہیں) نے عبداللہ بن السائب رضی اللہ تعالٰی عنہ (ان کو اور ان کے باپ کو صحبت ہے) پس ابوداؤد اور نسائی کی تصویب ہوئی اور ابن معین کارجال کے ثقہ ہونے کے بعد اس کو مرسل بنانا متاثر نہیں کرے گا، پس ہمارے ہاں یہ حدیث صحیح ہے ۱۲منہ (ت)

[1] السنن لابن ماجہ ماجاء فی صلوٰۃالعیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین، باب العلم بالمصلی مطبوعہ نور محمد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کاشانۂ نبوت کو تشریف فرما ہوئے۔ دیکھو خطبہ کے کتنی دیر بعد معاودت ہوئی یہ وعظ وارشاد کہ بیبیوں کو فرمایا گیا جزءِ خطبہ نہیں بلکہ اس سے جُدا ہے، صحیحین میں روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما صاف فرماتے ہیں کہ:

ثم خطب الناس بعد فلما فرغ نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزل فاتی النساء فذکرھن[1] الحدیث۔	یعنی پھر بعد نماز حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا، جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہوئے اُتر کر بیبیوں کے پاس تشریف لائے اور انہیں تذکیر فرمائی، الحدیث۔

علامہ زرقانی شرح مواہب میں ناقل:

ھذہ الروایۃ مصرحۃ بان ذلك کان بعد الخطبۃ[2]۔	یہ روایت اس پر تصریح ہے یہ عمل خطبہ کے بعد تھا۔(ت)

امام نووی منہاج میں فرماتے ہیں:

انما نزل الیھن بعد فراغ خطبۃ العید[3]۔	آپ خواتین کے اجتماع میں خطبۂ عید کے بعد تشریف لے گئے تھے۔(ت)

پس بحمد اللہ تعالٰی ماہ نیم ماہ مہر نیم روز کی طرح روشن ہوا کہ اس تقریر سے عدم دعا کا ثبوت چاہنا محض ہوس خام اور اس محمل پر یہ کلام خود باطل وبے نظام والحمدللہ ولی الانعام (سب تعریف اللہ کے لئے جو انعام کا مالک ہے۔ت)

اب **محمل دوم** کی طرف چلئے جس کا یہ حاصل کہ حدیثوں میں صرف نماز وخطبہ کا ذکر ہے ان کے بعد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دعا مانگنا مذکور نہ ہوا۔

اقول: یہ حضرات مانعین کے لئے نام کو بھی مفید نہیں، سائل نے اس فعل خاص بخصوصیت خاصہ کا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدور پوچھا تھا کہ کس طور پر ہوا، اس کا جواب یہی تھا کہ حضور اقدس

---

[1] صحیح مسلم کتاب العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۸۹/۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ فرع سادس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۹/۸

[3] منہاج نووی شرح مسلم مع مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۸۹/۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس فعل خاص کی نقل جزئی نظر سے نہ گزری مگر اسے عدم جواز کا فتوی جان لینا محض جہالت بے مزہ۔

اوّلاً عید اول میں گزرا کہ حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس دعا کا ثبوت فعلی بتارہی ہے۔

ثانیاً ثبوت فعلی نہ ہو تو قولی کیا کم ہے بلکہ من وجہ قول فعل سے اعلٰی واتم ہے۔ اب عید اول کی تقریریں پھر یاد کیجئے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما تو بعد نماز عید خود رب مجید جل وعلا کا اپنے بندوں سے تقاضائے دعا فرمانا بتارہی ہے، اس کے بعد اور کسی ثبوت کی حاجت کیا ہے، اگر کہئے وہ حدیث ضعیف ہے **اقول:** فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالاجماع مقبول اور اثباتِ استحباب میں کافی ووافی ہے **كما نص عليه العلماء الفحول** (جیسا کہ اکابر علماء نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ت) خود مجیب کے آخر جلد دوم کے فتاوٰی میں ہے:

حدیث ضعیف برائے استحباب کافی ست چنانچہ امام ہمام درفتح القدیر درکتاب الجنائز می نویسند والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع انتہی[1]۔	حدیث ضعیف استحباب کے لئے کافی ہوتی ہے جیسا کہ ابن ہمام نے فتح القدیر کے باب الجنائز میں لکھا ہے کہ حدیث ضعیف غیر موضوع سے مستحب ہونا ثابت ہوجاتا ہے انتہی (ت)

ثالثاً جب شرع مطہر سے حکم مطلق معلوم کہ جواز واستحباب ہے تو ہر فرد کے لئے جداگانہ ثبوت قولی یا فعلی کی اصلاً حاجت نہیں کہ باجماع واطباق عقل ونقل حکم مطلق اپنی تمام خصوصیات میں جاری وساری اطلاقِ حکم کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس ماہیت کلیہ یا فرد منتشر کا جہاں وجود ہو حکم کا ورود ہو اور فردیت بے خصوصیت محال اور وجود عینی وتعین متساوق تو جس قدر خصوصیات وتعینات معقول ہوں سب بالیقین اسی حکم مطلق میں داخل، جب تک کسی خاص کا استثناء شرع مطہر سے ثابت نہ ہو، اس قاعدہ جلیلہ کی تحقیق مبین حضرت خاتم المحققین امام المدققین حجۃ اللہ فی الارضین سیّدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** میں افادہ فرمائی **من شاء فليتشرف بمطالعته** (جو چاہے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کرے۔ت) یہاں اسی قدر کافی کہ خود حضرات وہابیہ کے امام ثانی ومعلم اول میاں اسمٰعیل دہلوی رسالہ بدعت میں لکھتے ہیں:

---

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحۃ کتاب الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لاہور ۱/۲۴۸

درباب مناظرہ در تحقیق حکم صورت خاصہ کسے کہ دعوے جریان حکم مطلق درصورت خاصہ مبحوث عنہا می نماید ہمانست متمسک باصل کہ دراثبات دعوے خود حاجت بدلیلے ندارد ودلیل او ہماں حکم مطلق ست وبس[1]۔	مناظرہ میں کسی صورت خاصہ کے ثبوت کے لئے یہ دعوی کہ حکم مطلق ہے اور اس کا اطلاق صورتِ خاصہ پر بھی ہوتا ہے اصل کے ساتھ استدلال ہے کیونکہ اصل کے ساتھ استدلال میں دلیل کی حاجت نہیں ہوتی یہی دلیل کافی ہے کہ حکم مطلق ہے۔(ت)

رابعًا ہم صدر جواب میں حضرت ائمہ تابعین سے اس دعا کا ثبوت روایت کر آئے پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت نہ ہونے کو مانعین کس منہ سے منع ٹھہرا سکتے ہیں کہ ان کے نزدیک تشریح احکام تابعین تک باقی رہتی اور ان کے بعد منقطع ہوتی ہے پھر قرن اول سے عدم ثبوت کیا مضر ومنافی ہے۔

خامسًا ہر عاقل جانتا ہے کہ ادعائے ثبوت میں قابل جزم وتصدیق صرف عدم وجدان قائل ہے اور عدم وجدان، عدم وجود کو مستلزم نہیں خصوصًا ابنائے زماں میں۔ اور امر واضح ہے اور سبر فاضح۔ اور گزرا اشارہ اور آئے گا دوبارہ۔ ہم نے اس کا کچھ بیان اپنے رسالہ صفائح اللجین وغیرہا میں لکھا یہاں اتنا ہی بس ہے کہ خود مجیب اپنی کتاب السعی المشکور فی رد المذہب الماثور میں لکھتے ہیں: "نفی رؤیت سے نفی وجود لازم نہیں، نظائر اس کے بکثرت ہیں کم نہیں منجملہ ان کے حدیثِ عائشہ ہے جو صحیح بخاری وغیرہ میں مروی ہے:

مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسبح سبحۃ الضحٰی وانی لاسبحہا[2] انتہی۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نماز چاشت ادا کرتے نہیں دیکھا اور میں ادا کرتی ہوں انتہی (ت)

جب ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نزدیک عدم ثبوت عدم ثبوت واقعی کو مستلزم نہ ہوا تو زید وعمرو من وتو کس شمار وقطار میں ہیں۔

سادسًا عدم ثبوت مان بھی لیں تو اس کا صرف یہ حاصل کہ منقول نہ ہوا پھر عقلاء کے نزدیک عدم نقل نقل عدم نہیں یعنی اگر کوئی فعل بخصوصہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا بھی نہ ہو، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] رسالہ بدعت میاں اسمٰعیل دہلوی

[2] کتاب السعی المشکور لعبد الحہ بحث اسکی کہ نفی رؤیت سے نفی وجود لازم نہیں مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص ۱۱۳

عدم النقل لاینفی الوجود [1] (عدم نقل نفی وجود کو مستلزم نہیں۔ت) خود مجیب اپنی سعی مشکور میں تنزیہہ الشریعۃ امام ابن عراق سے نقل کرتے ہیں: عدم الثبوت لایلزم منہ اثبات العدم [2] (عدمِ ثبوت سے اثبات عدم لازم نہیں آتا۔ت)

سابعًا خادمِ حدیث جانتا ہے کہ بارہا رواۃ حدیث امور مشہورہ معروفہ کو چھوڑ جاتے ہیں اور ان کا وہ ترک، دلیل عدم نہیں ہوتا، ممکن کہ یہاں بھی بربنائے اشتہار حاجت ذکر نہ جانی ہو، اس اشتہار کا پتا اس حدیث صحیح سے چلے گا جو ہم نے صدر کلام میں روایت کی کہ جب تابعین عظام میں بعد نماز عیدین دعا کارواج تھا توظاہرًا انہوں نے یہ طریقہ انیقہ صحابہ کرام اور صحابہ کرام نے حضور سید الانام علیہ علیہم الصلٰوۃ والسلام سے اخذ کیا، حضرات مانعین اگر دیانت پر آئیں تو سچ سچ بتادیں گے کہ عیدین کے قعدہ اخیرہ میں خود بھی دعا و درود پڑھتے اور اسے جائز و مستحب جانتے ہیں، اس کی خاص نقل حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دکھادیں یا اپنے بدعتی ہونے کا اقرار کریں، اور اگر فرائض پر قیاس یا اطلاقات سے تمسک کرتے ہیں تو یہاں کیوں یہ طرق نامقبول ٹھہرتے ہیں **واللہ الموفق**۔

ثامنًا نقل عدم بھی سہی پر وہ نقل منع نہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایاہے کہ **وَمَآاٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**ۚ [3] جو رسول دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔ یہ نہیں فرمایا کہ مافعل الرسول فخذوہ ومالم یفعل فانتھوا رسول جو کرے کرو اور جو نہ کرے اس سے بچو، کہ شرعًا یہ دونوں قاعدے منقوض ہیں۔ امام الوہابیہ کے عمِ نسب و پدرِ علم وجدِّ طریقت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفۂ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

نکردن چیزے دیگر ست و منع فرمودن چیزے دیگر [4]۔	کسی چیز کا نہ کرنا اور شئ ہے اور منع کرنا اور شئ ہے۔(ت)

تاسعًا اگر مجرد عدمِ نقل یا عدم فعل مستلزم ممانعت ہو تو کیا جواب ہوگا، شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب اور صاحب زادے شاہ عبدالعزیز صاحب اور امام الطائفہ میاں اسمٰعیل اور ان کے

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰

[2] کتاب السعی المشکور فی رد المذہب المشہور لعبد الحہ ضعیف رواۃ وجہالت الخ مطبع چشمۂ فیض لکھنؤ ص ۱۹۷

[3] القرآن ۵۹/۷

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم مطاعن ابوبکر رضی اللہ عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

پیر سیّد احمد اور شیخ السلسلہ جناب شیخ مجدّد صاحب اور عمائد سلسلہ مرزا مظہر صاحب و قاضی ثناء اللہ صاحب وغیرہم سے جنھوں نے اذکار و اشغال و اوراد وغیرہا کے صدہا طریقے احداث وایجاد کئے اور ان کے محدث و مخترع ہونے کے خود اقرار لکھے پھر انھیں سبب قُربِ الٰہی و رضائے ربانی جانا کئے اور خود عمل میں لاتے اوروں کو اُن کی ہدایت و تلقین کرتے رہے۔ شاولی اللہ قول الجمیل میں لکھتے ہیں:

لم یثبت تعین الاداب ولا تلك الاشغال [1]۔	نہ یہ تعیّن آداب ثابت ہے اور نہ یہ اشغال۔ (ت)

مرزا جان جاناں صاحب مکتوب ۱۱ میں فرماتے ہیں:

ذکر جہر یا کیفیاتِ مخصوصہ ونیز مراقبات نہ اطوار معمولہ کہ درقرونِ متاخرہ رواج یافتہ از کتاب و سنّن ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت است وداخل دائرہ اباحت وفائدہ دراں متحقق وانکار آں ضرورتے۔ [2]	ذکر بالجہر مخصوص کیفیات کے ساتھ اس طرح اطوار معمول کے ساتھ مراقبات جو متاخرین کے دور میں رواج پاچکے ہیں یہ کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں بلکہ حضرات مشائخ نے بطریقِ الہام واعلام مبدء فیاض سے حاصل کئے ہیں، اور شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے اور یہ دائرہ اباحت میں داخل، اور ان کے فوائد ہیں نقصان کوئی نہیں۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ **انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار** (۱۳۰۵ھ) ذکر کی **وباللہ التوفیق**۔

عاشراً ان سب صاحبوں سے در گزر یے، خود وہ عالم جن کا فتوٰی اس مسئلہ میں تمھارا مبلغ استناد ومنتہائے استمداد ہے یعنی مولوی لکھنوی مرحوم انھیں کے فتاوٰی کی تصریحات جلیہ تنصیصات قویہ دیکھئے کہ ان کے اصول، فروع کس درجہ تمھارے فروع واصول کے قاطع و قامع ہیں، پھر ان مسائل میں اُن کا دامن تھامنا، چراغِ خرد کا، صرصر جہل سے سامنا، عقل وہوش سے لڑائی ٹھاننا، نافع ومضر میں فرق نہ جاننا، نہیں تو کیا ہے۔ میں یہاں ان کی صرف دو ۲ عبارتیں نقل کروں گا جو حضرات وہابیہ کے اسی مغالطہ عامۃ الورود یعنی حدوثِ خصوص اور قرون ثلٰثہ سے عدمِ ورود کو دلیل منع جاننے کی قاطع وفاضح ہیں اور وہ بھی صرف اسی مجموعہ فتاوٰی، نہ ان کے دیگر رسائل سے، تاکہ سب پر ظاہر ہو ع

---

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل فصل ۱۱ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب ۱۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳

کہ باکہ باختہ عشق درشبِ دیجور

(تونے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی)

پھر ان میں بھی قصدِ استیعاب نہیں بلکہ صرف چند عبارتیں پیش کروں گا، بعض مفید ضوابط واصول اور بعض میں فروع قاطعہ اصولِ فضول واللہ المستعان علٰی کل جھول۔

الاصول ــــ عبارت ۱: مجموعہ فتاوی جلد اول کے صفحہ ۵۶ پر علامہ سید شریف کے حواشی مشکوٰۃ سے استناداً نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے حدیث:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو ردٌّ۔	جس نے ہمارے امر میں نئی ایجاد کی وہ اس میں سے نہ تھی وہ مردود ہوگی۔(ت)

کی شرح میں فرمایا:

المعنی ان من احدث فی الاسلام رأیا لم یکن له من الکتاب والسنة سند ظاھر اوخفی ملفوظ او مستنبط فھو مردود علیه انتھی [1]۔	یعنی حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ جو شخص دین میں ایسی رائے پیدا کرے جس کے لئے قرآن وسنت میں ظاہر یا پوشیدہ، صراحۃً یا استنباطًا کسی طرح کی سند نہ ہو وہ مردود ہے انتہی۔

تو صاف ثابت ہوا کہ قرونِ ثلٰثہ سے ورودِ خصوصیت، زنہار ضرور نہیں بلکہ عوام واطلاق اباحت میں دخول بسند کافی ہے کما ھو مذھب اھل الحق (جیسا کہ اہل حق کا مذہب ہے۔ت)

عبارت ۲: اُسی کے صفحہ ۵۷ پر امام ابن حجر مکی کی فتح مبین شرح اربعین سے ناقل:

المراد من قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وعلٰی اٰله وسلم من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه ماینا فیه اولا یشھدله قواعد الشرع والادلة العامة انتھی [2]۔	یعنی حدیث کی مراد یہ ہے کہ وہی نو پیدا چیز بدعت سیئہ ہے جو دین وسنت کا رد کرے یا شریعت کے قواعد اطلاق ودلائل عموم تک اس کی گواہی نہ دیں۔

عبارت ۳: اُسی صفحہ میں خود لکھتے ہیں:

گمان نبری کہ استحسان شرعی صفت آن ماموربہ	یہ گمان نہ ہو کہ استحسان شرعی ایسے ماموربہ کی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۸/۲

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعی یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۹/۲

است کہ صراحۃً در دلیلے از دلائل اربعہ امر باو وارد شدہ باشد بلکہ استحسان صفت ہر مامور بہ است خواہ صراحۃً امر باو وارد شدہ باشد یااز قواعد کلیہ شرعیہ سندش یافتہ شدہ باشد[1]۔	صفت ہوگا جس پر دلائل اربعہ میں سے صراحۃً کوئی دلیل وارد ہوگی بلکہ استحسان ہر اس مامور بہ کی صفت بن سکتا ہے خواوہ صراحۃً اس پر امر وارد ہو یا قواعد کلیہ شرعیہ سے اس پر سند ہے ۔(ت)

عبارت ۴: صفحہ ۵۸ پر لکھا:

ہر محدثیکہ وجودش بخصوصہ در زمانے از ازمنہ ثلثہ نباشد لیکن سندش در دلیلے ازادلہ اربعہ یافتہ شود ہم مستحسن خواہد شد نمی بینی کہ بنائے مدارس[2] الخ۔	ہر وہ نئی شی جس کا وجود تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہ ہو لیکن اس پر ادلّہ اربعہ سے سند موجود ہو تو وہ بھی مستحسن ہوگی آپ مدارس وغیرہ کی ایجاد نہیں دیکھتے الخ (ت)

عبارت ۵: صفحہ ۵۳۱:

کتب فقہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں ان کا وجود نہ تھا مگر بہ سبب اغراضِ صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا[3]۔

الفروع___عبارت ۶: صفحہ ۶۲:

اگر تسلیم کنم کہ ذکرِ مولد در ازمنہ ثلثہ نبود ونہ از مجتہدین حکم او منقول شد لیکن چوں در شرع ایں قاعدہ ممہد شدہ است کل فرد من افراد نشر العلم فھو مندوب وذکر مولد نیز زیر آنست لابد حکم مندوبیت اوداده خواہد شد[4]۔	اگر میں تسلیم کرلوں کہ ذکر مولد تین زمانوں میں سے کسی میں نہیں اور مجتہدین سے اس کا حکم منقول نہیں ہے لیکن شرع میں جب یہ بنیادی قاعدہ ہے کہ ہر وہ فرد جس سے علم کی اشاعت ہو وہ مندوب ہوتا ہے تو ذکرِ مولد بھی اسی میں شامل ہے تو ضروری ہے اسے بھی مندوب کہا جائے۔(ت)

عبارت ۷: صفحہ ۲۹۸:

بعد دو رکعت سنتِ ظہر و مغرب وعشا کے دو رکعت نفل پڑھنا آنخضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا

---

1 مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۹
2 مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۹
3 مجموعہ فتاوٰی کتاب المساجد مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱/ ۱۳-۹
4 مجموعہ فتاوٰی کتاب المساجد مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۱۳-۹

اب تک نظر سے نہیں گزرا لیکن جو شخص بقصدِ ثواب بدون اعتقاد سنیّت پڑھے گا ثواب پائیگا کیونکہ حدیث میں وارد ہے:

الصلٰوۃ خیر موضوع فمن شاء فلیقلل ومن شاء فلیکثر [1]۔	نماز سب سے بہتر عمل ہے جو چاہتا ہے کم کرے اور جو چاہتا ہے زیادہ کرے۔(ت)

اقول: سائل سے پوچھا تھا اصل اس کی سنت واجماع وقیاس سے ثابت ہے یا نہیں اور ان میں بعض کے لئے ثبوت خاص احادیث سے نظرِ فقیر میں حاضر مگر کلام رد خیالات وہابیت میں ہے **وھو حاصل** (اور یہی حاصل ہے۔ت)

عبارت۸ : صفحہ ۲۹۴:

الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلماتِ حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعثِ ندامت وتوبہ سامعان ہوئے توامید ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلٰثہ میں نہیں [2] الخ

عبارت۹: مجموعہ فتاوی جلد دوم صفحہ ۱۷۰ :

کسیکہ می گوید وجودیہ وشہودیہ از اہل بدعت اند قولش قابلِ اعتبار نیست ومنشاء قولش جہل و ناواقفیت است از احوال اولیاء از معنے توحید وجودی وشہودی وشاعری کہ ذم ہر دوفرقہ ساختہ قابلِ ملامت است **واللہ اعلم** [3]۔	جو شخص یہ کہتا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود والے اہل بدعت ہیں اس کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس کی وجہ اس کا احوال اولیاء اور معنی توحید وجودی اور شہودی سے جہالت و ناواقفیت ہے اور وہ شاعر جو ان دونوں طبقات پر طعن کرتا ہے وہ قابلِ مذمت ہے **واللہ اعلم**۔(ت)

ذرا تقویۃ الایمان کی بالاخوانیاں یاد کیجئے۔

عبارت۱۰ : صفحہ ۴۲۱:

فی الواقع شغلِ برزخ اُس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت،

---

1 مجموعہ فتاوی کتاب الصلوۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱/ ۱۵۳

2 مجموعہ فتاوی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۲۵، ۲۴

3 مجموعہ فتاوی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۲/ ۵۸

ہاں افراط و تفریط اُس میں منجر ضلالت کی طرف ہے، تصریح اس کی مکتوب مجدد الف ثانی میں جابجا موجود ہے واللہ اعلم [1]

سبحٰن اللہ وہ عالم کہ تمھارے مذہب نامہذب پر معاذاللہ صراحۃً مشرک و مجوز شرک ہو چکا اُس پر اعتماد اور اس کے فتوے سے استناد کس دین و دیانت میں روا۔

عبارت ۱۱: اُسی کی جلد سوم صفحہ ۵۸ میں ہے:

سوال: وقت ختم قرآن در تراویح سہ بار سورہ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ۔ **جواب:** مستحسن است [2]۔	**سوال:** تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے یا نہیں؟ **جواب:** مستحسن ہے۔

عبارت ۱۲: صفحہ ۱۲۵:

اما جمیع میان تکلم بالفاظِ سلام و دست برداشتن و بر سر یا سینہ نہادن پس ظاہر الا باس بہ است [3]۔	لفظِ سلام کہتے ہوئے سر یا سینہ پر ہاتھ رکھنے میں ظاہرًا کوئی حرج نہیں۔ (ت)

عبارت ۱۳: صفحہ ۱۲۷:

سوال: بسم اللہ نوشتن بر پیشانی میّت از انگشت درست یانہ؟ **جواب:** درست است [4]۔	**سوال:** میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟ **جواب:** درست ہے۔ (ت)

عبارت ۱۴: صفحہ ۱۳۳:

سوال: قیامِ وقت ذکر ولادت باسعادت کے جواب میں قیام بالقصد کا قرون ثلثہ سے منقول نہ ہونا اور بعض احوال میں صحابہ کرام کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام نہ کرنا نقل و تحریر کرکے لکھتے ہیں:

لیکن علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا قیام می فرمایند امام برزنجی رحمۃ اللہ تعالٰی در رسالہ مولد	لیکن حرمین شریفین (اللہ تعالٰی ان کو اور شرف عطا فرمائے) کے علماء قیام کرتے ہیں، امام برزنجی رحمۃ اللہ

[1] مجموعہ فتاوٰی

[2] مجموعہ فتاوٰی باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۵۷/۳)

[3] مجموعہ فتاوٰی باب المصافحہ والمعانقہ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱۲۱/۳

[4] مجموعہ فتاوٰی باب ما یتعلق بالموتی مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۳ / ۱۲۳

می نویسند وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو روایۃ ودرایۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ انتہی[1]۔	رسالہ مولد میں لکھتے ہیں صاحب روایۃ ودرایۃ ائمہ ذکرِ مولد شریف کے وقت قیام مستحسن تصور کرتے ہیں مبارک ہے ان علمائے کے لئے جس کا مقصد ومنزل نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تعظیم ہے انتہی (ت)

یعنی ذکرِ ولادت شریف کے وقت قیام کرنے کو ان اماموں نے مستحسن فرمایا ہے جو صاحبِ روایت و درایت تھے تو خوشی وشادمانی ہو اسے جس کی نہایت مراد و مقصد حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور خود مجیب لکھنوی حرمین طیبین کی مجالسِ متبرکہ میں اپنا حاضر وشریک ہونا بیان کرتے اور انھیں مجالس متبرکہ لکھتے ہیں حالانکہ بشادت مجیب ومشاہدہ تواتران مجالس ملائک مآنس کا قیام پر مشتمل ہونا یقینی، مجیب موصوف اسی جلد فتاوٰی صفحہ ۵۲ میں لکھتے ہیں:

در مجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحی تا آخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورہ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرکہ بودہ ایں امر را مشاہد کردہ ام ہم در مکہ معظّمہ وہم در مدینہ منورہ وہم در جدہ[2]۔	مولد شریف کی مجالس میں سورہ والضّحٰی سے لے کر آخر تک پڑھتے ہیں ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہتے ہیں راقم الحروف مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ اور جدّہ میں ان مجالس مبارکہ میں شریک ہوا ہے۔(ت)

عبارت ۱۵: طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی ودر مصرف خود آردیا تصدق نماید؟ **جواب:** ظاہرًا دراستعمال پارچہ مذکور بصرفِ خود وجہی کہ موجب ہزہ کاری باشد نیست واولے آنست کہ بمساکین وفقراء دہد[3]	**سوال:** سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے یا اسے صدقہ کردیا جائے؟ **جواب:** ظاہرًا اپنے استعمال میں لانے میں کوئی گناہ نہیں، ہاں بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء پر خرچ کردیا جائے۔(ت)

ذرا حضرات مخالفین اس اولٰی آنست (بہتر یہ ہے۔ت) کی وجہ بتائیں اور اسے اپنے اصول پر منطبق

[1] مجموعہ فتاوٰی باب قیامِ میلاد شریف مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۳/ ۱۳۰

[2] مجموعہ فتاوٰی باب القراءۃ فی الصلوٰۃ قراءۃ فاتحہ خلف الامام مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۵۲/۳

[3] مجموعہ فتاوٰی باب مایحل استعمالہ ومالایحل مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلّی لکھنؤ ۱۱۶/۳

فرمائیں ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم اس قسم کے کلام رسائل ومسائل مجیب میں بکثرت ملیں گے وفیما ذکرنا کفایۃ اللہ واللہ سبحٰنہ ولی الھدایۃ (جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ کافی ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی ذات پاک ہے اور وہی ہدایت کامالک ہے۔ت) بحمد اللہ جواب اپنے منتہی کو پہنچا اور تحقیق حق تادزدۂ علیا اب نہ رہا مگر سعی مانعین کا وہ پہلا رونما یعنی عوام کا بعد نماز فرائض بھی دعا سے دست کش ہونا، یہاں اگر میں نقل احادیث پر اتروں تو ایک مستقل رسالہ املا کروں مگر بحکم ضرورت صرف مولوی عبدالحہ صاحب کا ایک فتوٰی ملخصا نقل کرتا ہوں جس پر غیر مقلدین زمانہ کے امام اعظم نذیر حسین دہلوی کی بھی مہر ہے، مجموعہ فتاوٰی جلد دوم صفحہ ۴۷۷:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ رفع یدین در دعا بعد نماز چنانکہ معمول ائمہ ایں دیارست ہر چند فقہا مستحسن می نویسند واحادیث در مطلق رفع یدین دردعا نیز وارد دریں خصوص ہم حدیثے وارد ست یانہ، بینوا توجروا۔ ھوالمصوب دریں خصوص نیز حدیثے وارد ست حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی در عمل الیوم واللیلہ می نویسند حدثنی احمد بن الحسن حدثنا ابواسحق یعقوب بن خالد بن یزید الیالسی حدثنا عبدالعزیز بن عبدا لرحمن القرشی عن خصیف عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال مامن عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلٰوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والہ ابراھیم واسحٰق ویعقوب والہ جبرئیل و میکائیل واسرافیل اسئلك ان تستجیب دعوتی فانی مضطر و تعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی	اس بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد دعا میں ہاتھ اٹھانا جیسا کہ اس علاقے کے ائمہ کا طریقہ ہے کیسا ہے؟ فقہاء نے اسے مستحسن لکھا ہے احادیث میں مطلقًا دُعا میں ہاتھ اٹھانے کا تذکرہ بھی آیا ہے کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہے یا نہیں؟ بیان کرکے اجر پاؤ۔ ھوالمصوب، اس بارے میں خصوصًا حدیث بھی وارد ہے حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق بن السنی اپنی کتاب عمل الیوم واللیلہ میں لکھتے ہیں کہ مجھے احمد بن حسن انھیں ابواسحٰق یعقوب بن خالد بن یزید الیالسی نے انھیں عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن القرشی نے انھیں خصیف نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے بھی ہر نماز کے بعد اپنے ہاتھوں کو پھیلایا اور پھر عرض کیا: اے اللہ میرے معبود، سیدنا ابراہیم واسحٰق اور یعقوب کے معبود، جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل کے الہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ میری دعا قبول کیجئے، میں مضطر، مجھے میرے دین میں محفوظ رکھئے، میں مبتلا ہوں مجھے

برحمتك فانی مذنب وتنفی عنی الفقر فانی متمسکن الا کان حقا علی اللہ عزوجل ان لایرد یدیہ خائبتین واللہ تعالٰی اعلم [1]	اپنی رحمت عطا کیجئے میں نہایت گنہگار ہوں میرے فقر کو دور کر دیجئے میں نہایت مسکین ہوں، تو اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

الجواب صحیح: ویؤیدہ ما رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر فلما سلم انصرف ورفع یدیہ و دعاالحدیث فثبت بعد الصلٰوۃ المفروضۃ رفع الیدین فی الدعاء عن سید الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما لایخفی علی العلماء الاذکیاء۔	**جواب صحیح ہے:** اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو ابوبکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اسود عامری سے انھوں نے اپنے والد سے بیان کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی آپ نے سلام پھیرا، ہاتھ اٹھائے اور دُعا کی الحدیث. لہذا نماز فرض کے بعد سیّد الانبیاء اسوۃ الاتقیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ثابت ہے جیسا کہ علماء اذکیاء پر مخفی نہیں۔ (ت)

محمد سید نذیر حسین

لطیفہ: فقیر غفرلہ المولی القدیر نے وہابیہ کے اس خیال ضلال کے رَد و ابطال کو کہ جو کچھ بخصوصہ قرون ثلثہ سے منقول نہیں ممنوع ہے، مجیب کی پندرہ [۱۵] عبارتیں نقل کیں مگر لطف یہ ہے کہ خود ہی فتوے جس سے یہاں انھوں نے استناد کیا اس خیال کے ابطال کو بس ہے، مجیب کی عادت ہے کہ شروع جواب میں **ھوا لمصوب** (وہی درست کرنے والا ہے۔ت) یہی لفظ اُس فتوے کی ابتداء میں بھی لکھا **کما سمعت نصہ** (جیسا کہ اس کے الفاظ آپ پیچھے پڑھ چکے۔ت) اب حضرات مخالفین ثابت کر دکھائیں کہ حضور

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلٰوۃ رفع یدین در دعا بعد ادائے نماز پنجگانہ مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محلی لکھنؤ ۱/۲۴۸

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ کرام وتابعین عظام علیہم الرضوان، اللہ جل وعلا کو مصّوب کہا کرتے ہوں خصوصًا بحالیکہ اسمائے الٰہیہ توقیفی ہیں،

واذ قد بلغنا الٰی ذکر التوقیف وقف القلم و کان ذلك اللیلة بقیت من اوسط عشرات شعبان المعظم سنة، الف (۱۳۰۷ھ) وثلثمائة و سبع من ھجرة سید العالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحمد للہ علی ما الھم والصلٰوة والسلام علی المولی الاعظم واٰلہ وصحبہ سادات الامم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جب ہم لفظ توقیف پر پہنچ چکے قلم رک گیا اس کا اختتام ۱۳۰۷ھ میں شعبان المعظم کے وسط میں ہوا، سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رہنمائی کرتا ہے صلٰوۃ وسلام مولٰی اعظم پر، آپ کی آل پر اور اصحاب پر جو کہ امت کے سربراہ ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱۴تا۱۴۱۵: بنارس محلّہ کنڈی گڑ تولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ از مولوی عبدالغفور صاحب ۶ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکۃ جامع معقول ومنقول حاوی فروع واصول جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مداللہ فیضانہ از جانب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، کچھ مسائل میں یہاں درمیان علماکے اختلاف ہے لہٰذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکتہ ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں

(۱) زید کہتا ہے نماز عیدین صحرا میں پڑھنی سنت ہے لیکن شہر میں بھی جائز ہے جس شخص نے نماز مذکور شہر میں پڑھی نماز اس کی ضرور ادا ہوئی البتہ ترک سنت اس نے کیا اور ثواب سنّت سے محروم رہا، عمرو کچھ روز تک قائل تھا نماز عیدین شہر میں جائز نہیں مگر چند روز سے بذاتِ خود یا بوجہ تعلم کسی غیر کے کہتا ہے گو نماز مذکور شہر میں جائز ہے لیکن پڑھنے والے گنہگار ہوں گے۔

(۲) زید کہتا ہے نمازِ عیدین مسجد پختہ چھت دار کے اندر جو صحرا میں واقع ہے پڑھنے سے ثواب صحرا میں پڑھنے کا نہ ملے گا عمرو کہتا ہے گو مسجد پختہ چھت دار ہے مگر چونکہ صحرا میں واقع ہے لہٰذا ثواب صحرا میں پڑھنے کا ملے گا، ان سب مسائل میں قول زید کا صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) قولِ زید صحیح ہے عامہ کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ نماز عیدین بیرون شہر مصلی یعنی عیدگاہ میں پڑھنی مندوب ہے، مستحب ہے، افضل ہے، مسنون ہے، فرض نہیں کہ شہر میں ادا ہی

نہ ہو، واجب نہیں کہ شہر میں پڑھنا مطلقاً گناہ ہو، نقایہ و کنز و وافی و غرر واصلاح وملتقی وغیرہا متون میں بلفظ ندب[1]، وقایہ بکلمہ حبب[2]، ہدایہ میں بلفظ یستحب[3] تعبیر فرمایا۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن ملک سے ہے:

الافضل اداؤھا فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکۃ خلاف[4]۔	تمام شہروں میں میدان میں عید ادا کرنا افضل ہے لیکن مکہ میں اختلاف ہے۔(ت)

متنِ تنویر و فتح القدیر و درر و ہندیہ و مضمرات وبزازیہ وغنیہ و خانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین و فتاوٰی ظہیریہ وغیرہا میں ہے: الخروج الیھا سنّۃ[5] (عیدگاہ کی طرف نکلنا سنّت ہے۔ت)۔ بحر میں ہے:

التوجہ الی المصلی مندوب کما افادہ فی التجنیس وان کانت صلٰوۃ العید واجبۃ حتی لوصلی العید فی الجامع ولم یتوجہ الی المصلی فقد ترک السنۃ[6]۔	عیدگاہ کی طرف جانا مندوب ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اگرچہ نماز عید واجب ہے حتی کہ اگر کسی نے جامع مسجد میں عید پڑھی اور عیدگاہ کی طرف نہیں گیا تو اس نے سنّت کو ترک کیا۔(ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

الخروج الیہ یندب وان کان الجامع یسعھم فالخروج لیس بواجب[7]۔	عیدگاہ کی طرف نکلنا مندوب ہے اگر جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو البتہ نکلنا واجب نہیں۔(ت)

---

[1] کنز الدقائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۹

[2] شرح وقایہ باب العیدین مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۲۴۵

[3] الہدایہ باب العیدین مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۵۱

[4] مرقاۃ شرح المشکوٰۃ باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳/ ۲۹۸

[5] تنویر الابصار مع الدر المختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[6] بحر الرائق باب العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۵۹

[7] جامع الرموز فصل صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۷۱

غنیہ میں جامع الفقہ ومنیہ المفتی وذخیرہ سے ہے:

یجوز اقامتها فی المصر و فنائه و موضعین فاکثر و به قال الشافعی واحمد[1]۔	شہر اور فنائے شہر میں عید دو یا زیادہ مقامات پر ادا کی جاسکتی ہے، امام شافعی اور امام احمد کی یہی رائے ہے۔ (ت)

ہاں جو سنت مؤکدہ ہو اور کوئی شخص بلاضرورت بے عذر براہ تہاون وبے پروائی اس کے ترک کی عادت کرے اُسے ایک قسم اثم لاحق ہوگی نہ ترک سنت بلکہ اس کی کم قدری وقلّت مبالات کے باعث،

فی شرح المنیة للعلامة ابراهیم الحلبی لایترك رفع الیدین عند التکبیر لانه سنة مؤکدة ولو اعتاد ترکه یاثم لالنفس الترك بل لانه استخفاف وعدم مبالاة بسنة واظب علیها النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مدة عمره امالو ترکه بعض الاحیان من غیر اعتیاد لا یاثم وهذا مطرد فی جمیع السنن المؤکدة[2] اھ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	شرح منیۃ میں علامہ ابراھیم حلبی کہتے ہیں کہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھانا ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت مؤکدہ ہے اور اگر ترک کو عادت بنالیتا ہے توگناہ گار ہوگا مگر نفسِ ترک کی وجہ سے نہیں بلکہ ایسی سنت کو ہلکا سمجھنے اور اس سے لاپروائی کی وجہ سے ہوگا جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تمام عمر ہمیشگی فرمائی، ہاں بغیر عادت کے بعض اوقات ترک کردے تو گنہگار نہ ہوگا اور یہی اصول تمام سنن مؤکدہ میں جاری ہوتا ہے اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۲) عمرو کا قول صحیح ہے اور زید کا دعوٰی بھی وجہِ صحت رکھتا ہے اگر صحرا سے اُس کی مراد فضائے خالی ہو۔

اقول: وباللہ التوفیق تحقیق یہ ہے کہ یہاں دو۲ چیزیں ہیں ایک اصل سنت کہ نمازی عیدین بیرونِ شہر جنگل میں ہو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اُس میں حکمت اظہار شعار اسلام وشوکت وکثرت مسلمین رکھی ہے یہ بات نفس خروج واجتماع سے حاصل اگرچہ صحرا میں کوئی عمارت بنالیں پس قولِ عمرو کہ جب مسجد صحرا میں ہے تو بیرونِ شہر جانے جنگل میں پڑھنے کا ثواب حاصل بلاشبہ صحیح ہے۔ دوم سنت، سنت کہ تکمیل وتاکید اصل سنت کے لئے ہے یعنی فضائے خالی بے عمارت میں پڑھنا کہ اس میں زیادت اظہار شعار وشوکت ہے، مسجد عیدگاہ واقع صحرا میں پڑھنے سے اگرچہ اصل اظہار شعار وصلوٰۃ فی الصحرا کا ثواب حاصل، مگر صلوٰۃ فی الفضا میں اتباع اتم پر جو ثواب ازید ملتا وہ نہ ہوا جبکہ جانب تعمیر کسی مصلحتِ شرعیہ سے مترجح نہ ہوا، اس معنی پر

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فروع خروج الی المصلی مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۲

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب صفۃ الصلوٰۃ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۰۰

قول زید بھی رو بصحت ہے زمانہ اکرم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مصلائے عید کفِ دست میدان تھا جس میں اصلاً تعمیر نہ تھی مدینہ طیبہ کے شرقی دروازے پر، کما فی المقصد التاسع من المواھب (جیسا کہ مواہب اللدنیہ کے نویں مقصد میں ہے۔ت) مسجد اطہر کے باب السلام سے ہزار قدم کے فاصلے پر، کما فی الزرقانی عن فتح الباری عن عمر بن شبھۃ فی الاخبار المدینۃ عن ابن غسان الکتانی صاحب مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ زرقانی میں فتح الباری سے ہے کہ عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ میں ابوغسان الکتانی جو صاحب مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں سے روایت کیا ہے۔ت) سنن ابن ماجہ وصحیح ابن خزیمہ ومستخرج اسمٰعیل میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یغد والی المصلی فی یوم عید والعنزۃ تحمل بین یدیہ فاذا بلغ المصلی نصبت بین یدیہ فصلی الیھا وذلك ان المصلی کان فضاء لیس فیہ ما یستربہ[1]	بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عید کے دن صبح سویرے عیدگاہ کی طرف نکلتے آپ کے آگے آگے کسی کے ہاتھ میں نیزہ اٹھایا ہوتا، جب آپ عیدگاہ میں تشریف فرما ہوتے تو آپ کے سامنے نیزہ گاڑ دیا جاتا آپ اس کے سامنے ہو کر نماز پڑھاتے اور یہ عیدگاہ میدان میں تھی وہاں کوئی دیوار وغیرہ نہ تھی (ت)

اب صدہا سال سے اس کا احاطہ بن گیا، علامہ سید نورالدین سمہودی قدس سرہ استظہار فرماتے ہیں کہ یہ عمارت زمانہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تعمیر ہوئی، کما فی کتابہ قدس سرہ فی تاریخ طیبہ الطیّبۃ صلی اللہ تعالٰی علی طیب اطیب طیبھا بطیبہ واٰلہ الطائب وبارك وسلم (جیسا کہ ان کی کتاب تاریخ طیبہ میں ہے تمام پاکوں سے پاک پر صلوٰۃ وسلام ہو، اُن کی آلِ پاک پر ہو اور برکات وسلام ہو، ت) اور واقعی جب امیر المومنین ممدوح نے مسجد اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ کی تجدید تعمیر فرمائی ہے جہاں جہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نماز پڑھنا معلوم ہو اُن سب کی بھی تعمیر جدید، خواہ تجدید فرمائی کما یستفاد من عمدۃ القاری للعلامۃ الامام البدر محمود العینی عن عمر بن شبھۃ عن ابی غسان عن غیر واحد من اھل العلم (جیسا کہ عمدۃ القاری علامہ بدرالدین محمود العینی نے عمر بن شبہہ سے انھوں نے ابوغسان سے اور انھوں نے متعدد اہل علم سے بیان کیا ہے۔ت) علمائے کرام کو عیدین کے لئے مصلی کو جانا مسنون ومستحب بتاتے ہیں وہی یہ بھی

[1] السنن لابن ماجہ باب ماجاء فی الحربۃ یوم العید مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۳

بحث فرماتے ہیں کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے یا صرف بعض میں، اور اس میں بول وبراز و وطی جائز ہیں یا نہیں کہ اگرچہ وہ سب احکام میں مسجد نہ سہی مگر بانی نے یہ عمارت اس لئے نہ بنائی، بحر الرائق میں ہے:

اختلفوا فی مصلی الجنازۃ والعید فصحح فی المحیط فی مصلی الجنائز انه لیس له حکم المسجد اصلا وصحح فی مصلی العید کذلك الا فی حق جواز الاقتداء وان لم تتصل الصفوف وفی النهایة وغیرها والمختار للفتوی فی المسجد الذی اتخذ لصلٰوۃ الجنازۃ والعید انه مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس وفیما عدا ذلك لیس له حکم المسجد اھ وظاهر ما فی النهایة انه یجوز الوطئ والبول والتخلی فی مصلی الجنائز والعید ولا یخفی ما فیه فان البانی لم یعده لذلك فینبغی ان لا تجوز هذه الثلثة وان حکمنا بکونه غیر مسجد وانما تظهر فائدته فی بقیة الاحکام التی ذکرناها وفی حل دخول للجنب والحائض[1] اھ	جنازہ گاہ اور عیدگاہ میں اختلاف ہے محیط میں اسے صحیح کہا کہ جنازہ گاہ کا حکم بالکل مسجد والا نہیں اور عیدگاہ کے بارے میں یہی صحیح ہے مگر جواز اقتدا کے حق میں مسجد والا ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، عنایہ وغیرہ میں ہے کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوی میں مختار یہ ہے کہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ جوازِ اقتدا کے حوالے سے مسجد کے حکم میں ہیں اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور ان کے علاوہ میں مسجد کا حکم نہیں اھ نہایہ کی عبارت سے یہی ظاہر ہے کہ عیدگاہ اور جنازہ گاہ کے اوپر وطی اور بول وبراز جائز ہے اور یہ محل نظر ہے کیونکہ بانی نے اسے اس لئے نہیں بنایا لہذا اگرچہ انھیں ہم مسجد کا حکم نہیں دیتے مگر یہ تینوں چیزیں (وطی، بول وبراز) اس کے اوپر جائز نہیں اور اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوگا جو ہم ذکر کر رہے ہیں اور جنبی وحائضہ کا داخلہ بھی ہوسکتا ہے اھ (ت)

جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین میں ہے:

لوکان محراب المصلی عشرۃ اذرع وصف القوم مائة ذراع ولایتصل الصفوف جازت صلٰوۃ الکل[2]۔	اگر عیدگاہ کا محراب دس ذراع تھا اور لوگوں کی صف سَو ذراع، صفیں متصل نہ ہوں تو تب بھی تمام کی نماز جائز ہوگی۔ (ت)

[1] بحر الرائق باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶

[2] جواہر الاخلاطی فصل فی العیدین غیر مطبوعہ نسخہ ص ۵۱

جامع الرموز میں ہے: **المصلی محوط بالفناء**[1] (عیدگاہ وہ ہے جو میدان میں احاطہ بنا ہو۔ت) صحیح بخاری شریف میں ایک باب وضع فرمایا: **باب العلم بالمصلی**[2] یعنی مصلائے عید میں شناخت کے لئے کوئی علامت امام بدر محمود نے اس علامت میں عمارت مصلے کو بھی داخل فرمایا: عمدۃ القاری میں ہے:

ص باب العلم الذی بالمصلی ش ای ھذا باب فی بیان العلم الذی ھو بمصلی العید والعلم بفتحتین ھو الشیئ الذی عمل من بناء او وضع حجر او نصب عمود ونحو ذلك یعرف به المصلی[3]۔	باب عیدگاہ کی علامت کے بیان میں ہے ش یعنی یہ باب اس علامت کے بیان میں ہے کہ یہ جگہ عیدگاہ ہے العلم عین اور لام دونوں پر زبر ہے اس سے مراد علامت ہے خواہ بنا کی صورت میں ہو یا پتھر ولکڑی وغیرہ نصب کرنے سے ہو جس سے اس کے عیدگاہ ہونے کا پتا چل سکے۔(ت)

بالجملہ تعمیر عیدگاہ جواز ظاہر، اگر افضل فضائے خالی ہو بلکہ امام تاج الشریعۃ کی تصحیح پر نظر کیجئے (کہ انھوں نے فرمایا صحیح یہ ہے کہ مصلائے عید جمیع احکام میں مسجد ہے) جب تو اس کی تعمیر ضروری ہوگی خصوصا بلاد ہندوستان میں جہاں کفار کا غلبہ ہے کہ یوں ہی رکھیں تو آدمی جانور، جنب، حائض سب اس میں چلیں گے، پیشاب کریں گے، مسجد کی بے حرمتی ہوگی، علامہ شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام میں فرماتے ہیں:

ذکر الصدر الشهید المختار للفتوی فی الموضع الذی یتخذ لصلٰوۃ الجنازۃ والعید انه مسجد فی حق جواز الاقتداء و ان انفصل الصفوف رفقا بالناس و فیما عدا ذلك لیس له حکم المسجد کذا ذکرہ الامام المحبوبی اھ ذکرہ الکاکی و مثله فی فتح القدیر ویخالفه ماقاله	صدر الشہید نے فرمایا کہ لوگوں کی رعایت کی وجہ سے فتوی کے لئے مختار یہ کہ وہ جگہ جو جنازہ یا عید کی نماز کے لئے بنائی گئی ہو اسے جواز اقتدا میں مسجد کا حکم دیا جائے گا اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں اور اس کے علاوہ اس کا حکم مسجد والا نہ ہوگا، امام محبوبی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اھ اسے کاکی نے ذکر کیا اور اسی کی مثل فتح القدیر میں ہے

---

[1] جامع الرموز فصل صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۷۱/۱

[2] صحیح بخاری کتاب العیدین مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۳۳/۱

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب العلم بالمصلی مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶ / ۲۹۸

تاج الشریعۃ والاصح انہ ای مصلی العید یاخذ حکمہا ای المساجد لانہ اعد لاقامۃ الصلوٰۃ فیہ بالجماعۃ لاعظم الجموع علی وجہ الاعلان الا انہ ابیح ادخال الدواب فیہا ضرورۃ الخشیۃ علی ضیاعہا وقد یجوز ادخال الدواب فی بقعۃ المساجد لمکان العذر والضرورۃ اھ فقد اختلف التصحیح فی مصلی العید واتفق فی مصلی الجنازۃ[1]۔	اور تاج الشریعۃ نے اس کی مخالفت کی ہے اور اصح یہ ہے کہ عیدگاہ مسجد والا حکم رکھتی ہے کیونکہ عیدگاہ جماعتِ اعظم کے ساتھ اجتماعی صورت میں بطور اعلان اقامتِ نماز کے لئے بنائی گئی ہوتی ہے البتہ اس میں چار پایوں کا داخلہ مباح اس لئے قرار دیا گیا ہے تاکہ ان کا ضیاع نہ ہو اور عذر وضرورت کے پیشِ نظر مساجد کی جگہ میں چوپایوں کا داخلہ جائز ہوتا ہے، عیدگاہ میں تصحیح اقوال میں اختلاف ہے مگر جنازہ گاہ میں اتفاق ہے۔(ت)

اس قول پر زمانہ اقدس میں عمارت نہ ہونا وارد نہ ہوگا کہ مدینہ طیبہ میں روزِ اول سے بحمد اللہ تعالٰی اسلام ہی حاکم اسلام ہی غالب ہے عہد اطہر کے حضرات میں آدابِ شریعت کا جو تحفظ تھا روشن ہے۔ جمہور ائمہ ترجیح اگرچہ اس تصحیح کے خلاف پر ہیں تاہم قول مصحح ہے اور خلافِ علماء کا لحاظ بالاجماع مستحب اگرچہ غیر مذہب میں ہو نہ کہ خود اپنے مذہب میں خلاف قوی باختلاف تصحیح، بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ اس تعمیر سے وہ جگہ صحرا سے نکل کر آبادی نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز صحرا ہی میں نماز رہے گی اور نماز صحرا کا ثواب ہاتھ سے نہ جائے گا، تو قولِ عمرو واضح الصحۃ ہے **ہذا کلہ ماظہر لی والعلم بالحق عند العلیم العلی** (مجھ پر یہی واضح ہوا ہے اور حقیقت کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱۶تا۱۴۱۹: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب از آرہ شاہ آباد مدرسہ فیض الغربار ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

علمائے دین ان سوالوں میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نمازِ عید اور خطبہ کے درمیان یا خطبہ اول ودوم کے درمیان تحریک چندہ اور کسی (مسلمان جج) کی مدح وثناء، خوشامد وغیرہ (مثلاً امام نے جج کو قاضیِ وقت وقاضی شرع کہا اور یہ بھی کہا کہ قاضی (جج) صاحب کے ہوتے مجھے نماز پڑھانے کا حق نہ تھا لہذا ان کی اجازت سے نماز پڑھاتا ہوں قرآن و حدیث، اجماع مجتہد و تعامل علمائے ثقہ کسی سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) ثابت نہ ہونے کی صورت میں نماز اور خطبہ میں کسی قسم کی کراہت پیدا ہوئی یا نہیں؟

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر غرر باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/۱۱۰

(۳) امامت جمعہ وعیدین وامامت نماز پنجگانہ کا حکم ایک ہی ہے یا فرق ہے؟
(۴) قاضی شرع کسے کہتے ہیں، قاضی کے شرائط کیا ہیں، جج شرعی قاضی ہے یا نہیں، اگر ہے تو ہر جج یا صرف مسلمان جج، اگر صرف مسلمان جج تو کیوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چندہ کی تحریک اگر کسی امر دینی کے لئے ہو تو عین خطبہ میں اس کی اجازت اور خود حدیث میں ثابت ہے ایک بار خطبہ فرماتے ایک صاحب کو ملاحظہ فرمایا کہ بہت حالت فقر ومسکنت میں تھے، حاضرین سے ارشاد فرمایا: تصدقوا، صدقہ دو، ایک صاحب نے ایک کپڑا، دوسرے صاحب نے دوسرا کپڑا دیا، پھر ارشاد فرمایا: تصدقوا، صدقہ دو۔ یہ مسکین جن کو ابھی دو کپڑے ملے تھے اُٹھے اور ان دو کپڑوں میں سے ایک حاضر کیا، یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم کہ تصدقوا حاضرین کے لئے عام ہے اور میں بھی حاضر ہوں اور اس وقت دو ۲ کپڑے رکھتا ہوں ایک حاضر کرسکتا ہوں، ان کو اس سے باز رکھا گیا تو تمھارے ہی لئے تصدّق کا حکم فرمایا جاتا ہے نہ کہ تم کو، مگر ہندوستان میں تحریک چندہ اگرچہ کیسے ہی ضروری کام کے لئے ہو زبان اردو میں ہوگی اور خطبہ میں غیر عربی کا خلط مکروہ وخلاف سنت ہے، لہٰذا اُس وقت نہ چاہئے بلکہ بعد ختم خطبہ عید جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبہ عید تمام فرماکر گروہِ نساء پر تشریف لے گئے اور ان کو تصدق کا حکم فرمایا وہ اپنے زیور اتار اتار کر حاضر کرتی تھیں اور بلال رضی اللہ تعالٰی اپنے دامن میں لئے تھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

جو قاضی خلاف احکام شرعیہ حکم کرتا ہو، اگرچہ مسلمان ہو، اگرچہ سلطنت اسلامیہ کا قاضی ہو، ہرگز اس کی مدح جائز نہیں خصوصا منبر پر خصوصا خطبہ جمعہ یا عیدین میں اس کے سبب خطبہ میں تو کراہت یقینی ہے **لاشتمالھا علی المحرم** (کیونکہ یہ حرام پر مشتمل ہے ۔ت) اور اگر خطبہ جمعہ میں ہو تو اس کی کراہت نماز کی طرف بھی سرایت کرے گی کہ جمعہ میں خطبہ شرائط نماز سے ہے اور نماز سے قبل ہوتا ہے، ہاں عیدین میں کہ نماز ہوچکی اور خطبہ نہ اس کی شرائط نہ اس میں فرض نہ واجب بلکہ ایک سنتِ مستقلہ ہے، خطبہ کی کراہت نماز کی طرف سرایت نہ کرے گی، یہ تو خطبہ ہے کہ خاص امر دین ہے اور منبر کہ خاص مسند سید المرسلین ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطلقًا مدح فاسق کی نسبت میں ارشاد ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ عرش الرحمٰن[1] **۔ واللہ تعالٰی اعلم**	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب رحمٰن کا عرش ہل جاتا ہے۔

[1] الکامل لابن عدی تحت اسم سابق عبداللہ مطبوعہ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳/ ۱۳۰۷

شرعی احکام اور عرفی خیالات میں بہت تفاوت ہے، شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ ہر حاکم پر فرض ہے کہ مطابق احکامِ الٰہیہ کے حکم کرے، اگر خلاف حکم الٰہی کرے تو اس کی دو صورتیں ہیں: ایک عمداً اور ایک خطًا۔ عمداً کے لئے قرآن عظیم میں تین ارشاد ہوئے کہ:

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝۴۷ [1] فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۴۵ [2] فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴ [3]	جو لوگ اللہ تعالٰی کی نازل کردہ تعلیمات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے وہ فاسق ہیں، وہ ظالم ہیں، وہ کافر ہیں، (ت)

قرآن مجید ایسے حکم کو فسق وظلم وکفر فرماتا ہے یعنی اگر عناداً ہو کہ حکم کو حق نہیں مانتا تو کافر ہے ورنہ ظالم وفاسق، اور اگر خطاءً ہو تو اس کی پھر دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خطا بوجہ جہل ہو یعنی علم نہ رکھتا تھا کہ صحیح احکام سے واقف ہوتا، یہ صورت بھی حرام وفسق ہے، صحیح حدیث میں قاضی کی تین قسمیں فرمائیں: قاضی فی الجنۃ وقاضیان فی النار۔ ایک قاضی جنت میں ہے اور دو قاضی دوزخ میں، وہ کہ عالم وعادل ہو جنت میں ہے اور وہ کہ قصداً خلاف حکم کرے یا بوجہ جہل، یہ دونوں نار میں ہیں، بوجہ جہل پر ناری ہونے کا یہ سبب ہے کہ اس نے ایسی بات پر اقدام کیا جس کی قدرت نہ رکھتا تھا وہ جانتا تھا کہ میں عالم نہیں اور بے علم مطابقتِ احکام ممکن نہیں، تو مخالفتِ احکام پر قصداً راضی ہوا، بلکہ اُس سے اگر کوئی حکم مطابق شرع بھی صادر ہو جب بھی وہ مخالفتِ شرع کر رہا ہے کہ اس اتفاقی مطابقت کا اعتبار نہیں، ولہٰذا حدیث میں فرمایا:

من قال فی القراٰن برأیہ فاصاب فقد اخطأ [4]۔	جس نے قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہا اگر ٹھیک کہا تو بھی غلط کہا۔

دوسری صورت خطا کی یہ ہے کہ عالم ہے احکام شرعیہ سے آگاہ ہے قابلیت قضا رکھتا ہے احکامِ الٰہیہ کے مطابق ہی فیصلہ کرنا چاہا اور براہ بشریت غلط فہمی ہوئی۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں: اگر وہ مجتہد ہے اور اس کے اجتہاد نے خطا کی تو اس پر اُس کے لئے اجر ہے اور وہ فیصلہ جو اس نے

---

[1] القرآن ۵/۴۷

[2] القرآن ۵/۴۵

[3] القرآن ۵/۴۴

[4] السنن لابی داؤد کتاب العلم مطبوعہ آفتاب پریس لاہور ۲/ ۱۵۸

کیا نافذ ہے، اور اگر مقلد ہے جیسے عموماً قاضیانِ زمانہ، اور جد وجہد میں اس نے کمی نہ کی اور فہم حکم میں اس سے غلطی واقع ہوئی اور ہے پورا عالم اور اس عہدہ جلیلہ کے قابل، تو اس کی یہ خطا معاف ہے مگر وہ فیصلہ نافذ نہیں، یہ سب احکام قاضیان سلطنت اسلامیہ سابقہ کے لئے ہیں جو اسی کام کے لئے مقرر ہوئے تھے کہ مطابق احکام الٰہیہ فیصلہ کریں بخلاف حال کہ اکثر اسلامی سلطنتوں کے جن میں خود سلاطین نے احکام شرعیہ کے ساتھ اپنے گھڑے ہوئے باطل قانون بھی خلط کئے ہیں اور قاضیوں کو ان پر فیصلہ کرنے کا حکم ہے ان کی شناخت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ ورسول کے خلاف حکم کرنے ہی پر مقرر ہوئے، ان اسلامی سلطنتوں کے ایسے قاضیوں کو بھی قاضیِ شرع کہنا حلال نہیں ہوسکتا بلکہ اس کلمہ کی تہہ میں جو خباثت ہے قائل اگر اس پر آگاہ ہو اور اس کا ارادہ کرے تو قطعاً خارج از اسلام ہوجائے کہ اس نے باطل کا نام شرع رکھا، ولہذا ائمہ کرام نے اپنے زمانہ کے سلاطینِ اسلام کی نسبت فرمایا کہ:

من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر [1]۔	ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہنا کفر ہے۔

کہ وہ خلافِ احکام الٰہیہ حکم کرتے ہیں اور خلاف احکام الٰہیہ عدل نہیں ہوسکتا، عدل حق ہے، تو اسے عدل کہنے کے یہ معنی ہوئے کہ خلافِ احکام الٰہیہ حق ہے، تو معاذاللہ احکام الٰہیہ ناحق ہوئے اور یہ کفر ہے، بہر حال جو قاضی خلاف احکام الٰہیہ حکم کرتا ہو، ہرگز قاضیِ شرع نہیں ہوسکتا، جب قاضیان سلطنت اسلامیہ کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فیصلہ کریں، رہی رجسٹراری اس میں اگرچہ کوئی حکم نہیں مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر۔ اور فرمایا سب برابر ہیں۔

جمعہ وعیدین کی امامت پنجگانہ کی امامت سے بہت خاص ہے، امامت پنجگانہ میں صرف اتنا

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۲۷

[2] سنن ابوداؤد باب فی آکل الربا مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷

ضرور ہے کہ امام کی طہارت و نماز صحیح ہو، قرآن عظیم صحیح پڑھتا ہو، بد مذہب نہ ہو، فاسق معلن نہ ہو، پھر جو کوئی پڑھائے گا نماز بلاخلل ہو جائے گی بخلاف نماز جمعہ وعیدین کہ ان کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطان اسلام ہو یا اس کا ماذون، اور جہاں یہ نہ ہوں تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے جمعہ وعیدین کا امام مقرر کیا ہو کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) دوسرا شخص اگر ایسا ہی عالم وصالح ہو ان نمازوں کی امامت نہیں کرسکتا اگر کرے گا نماز نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲۰: از ملک بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبدالحکیم ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارہ میں کہ جمعہ مسجد میں نماز عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے مگر سنت یہ ہے کہ نمازِ عیدین عیدگاہ میں چاہئے جبکہ کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲۱: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو نماز عید کی خبر دی جائے اہل اسلام کو اور وُہ دعوی کرتا ہے اسلام کا اور اس کو فرصت بہت ہے، اگر وہ قصداً نہ آئے تو اس کو کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب:

نماز عید شہروں میں ہر مرد آزاد، تندرست، عاقل، بالغ، قادر پر واجب ہے، قادر کے یہ معنی کہ نہ اندھا ہو، نہ لولا ہو، نہ لنجھا، نہ قیدی، نہ کسی ایسے مریض کا تیماردار ہو کہ یہ اُسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے، نہ ایسا بوڑھا کہ چل پھر نہ سکے، نہ اسے نماز کو جانے میں حاکم یا چور یا دشمن کی طرف سے جان یا مال یا عزت کا سچا خوف ہو، نہ اس وقت مینہ یا برف یا کیچڑ یا سردی اس قدر شدت سے ہو کہ نماز کو جانا سخت مشقت کا موجب ہو،

فی التنویر تجب صلٰوتھما ای العیدین علی من تجب علیہ الجمعۃ بشرائطہا سوی الخطبۃ [1] اھ وفی جمعۃ الدر المختار	تنویر میں ہے عیدین کی نماز ان پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے، خطبہ کے علاوہ شرائط بھی وہی ہیں اھ تنویر میں ہے عیدین کی نماز ان پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے، خطبہ کے علاوہ شرائط بھی وہی ہیں اھ درمختار کے باب جمعہ میں ہے کہ

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

شرط لافتراضها اقامة بمصر و صحة و الحق بالمريض الممرض والشيخ الفانی وحرية وذكورة وبلوغ وعقل ووجود بصروقدرته على المشی وعدم حبس و خوف ومطر شديد ودحل وثلج و نحوهما [1] اھ ملخصا فی ردالمحتار قوله الممرض، هذا ان بقی المريض ضائعا بخروجه فی الاصح حلية وجوهرة [2]، قوله وعدم خوف ای من السلطان اولص، منح، قال فی الامداد ويلحق به المفلس اذاخاف الحبس كما جاز التيمم به قوله ونحوهما ای كبرد شديد [3] اھ ملتقطا	اس کی فرضیت کے لئے شہر میں مقیم ہونا اور صحتمند ہونا شرط ہے اور مریض کے ساتھ ممرض (مریض کا تیمار دار کہ یہ اسے چھوڑ کر گھر سے جائے تو مریض ضائع رہ جائے) شیخ فانی ملحق ہے، حریت، ذکورت، بلوغ، عقل، نظر کا ہونا، چلنے پر قدرت، نہ قیدی، نہ خوف، نہ شدید بارش، نہ کیچڑ، نہ برف وغیرہ ہو اھ ملخصًا، ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ ممرض یعنی مریض کا تیماردار وہ کہ اسے چھوڑ کر گھر سے چلا جائے تو مریض ضائع رہ جائے، حلیہ و جوہرہ، اور ماتن کا قول عدمِ خوف، سلطان کا یا چور کا، منح، امداد میں ہے اس کے ساتھ مفلس بھی لاحق ہے جب اسے حبس کا خوف ہو جیسا کہ اس کے لئے تیمّم جائز ہے، ماتن کا قول ونحوہما یعنی دونوں کی مثل یعنی شدید سردی اھ ملتقطا۔ (ت)

جو شخص شہر میں ان صفات کا جامع اور ان موانع سے خالی ہو اور وہاں عید بروجہ شرعی ہو پھر نہ پڑھے تو گنہگار اور شرعًا مستحق سزا وتعزیر ہوگا لارتکابه معصية لاحد فیها (کیونکہ یہ ایسی معصیت کا ارتکاب ہے جس میں حد نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲۲: از رام پور متصل مراد آباد محلّہ ملا ظریف گھیر فرنگن محل مرسلہ مولوی ریاست حسین صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ تکبیرات زوائد عیدین بکدام سال مشروع شدہ اند وعلتش چہ بود؟	اس بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی تکبیرات زائد کس سال شروع ہوئیں اور ان کی علت کیا ہے؟

---

[1] درمختار باب الجمعہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار مطلب فی شروط الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۲

[3] ردالمحتار مطلب فی شروط الجمعۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۳

الجواب:

تشریع نماز عید درسال اول از ہجرت ست فی الدر شرع فی الاولی من الهجرة واو معروف نه شد در شرع مگر بهمیں نهج و وضع وحکمت در تکبیرات اظهار سرور دینی وامتثال قولِ اوتعالٰی ست عز جلالہ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ [1] هذا فی عید الفطر وقوله عزو جل لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ [2] فی عید الاضحی۔ والله تعالٰی اعلم	نماز عید ہجرت کے سال اول میں شروع ہوئی، در میں ہے کہ نماز عید ہجرت کے پہلے سال شروع ہوئی، اور وہ شرع میں معروف نہ ہوئی تھی، مگر اسی سلوب وطریقہ پر، اور تکبیرات میں حکمت دینی سرور کا اظہار اور اللہ تعالٰی کے اس فرمان پر عمل ہے کہ تم اس مدت (رمضان) کو مکمل کرو اور اللہ کی عطا کردہ ہدایت پر اللہ کی بڑائی بیان کرو، یہ عید الفطر میں ہے، اور اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تم اللہ تعالٰی کی عطا کردہ ہدایت پر تکبیر کہو اور محسنین کو بشارت دو، یہ عید الاضحٰی کے بارے میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲۲: سائل مذکورہ بالا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بلاعذر عید روز اول نہ پڑھیں تو روز دوم مع الکراہت جائز ہے جیسا کہ بعض خطبوں میں لکھا ہے یا اصلاً صحیح نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز عید الفطر میں جو بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر روا رکھی ہے وہاں شرط عذر صرف نفی کراہت کے لئے نہیں بلکہ اصل صحت کے لئے ہے یعنی اگر بلاعذر روز اول نہ پڑھے تو روز دوم اصلاً صحیح نہیں، نہ یہ کہ مع الکراہت جائز ہو، عامہ معتبرات میں اس کی تصریح ہے مصنف خطبہ کہ شخص مجہول ہے قابل اعتماد نہیں اُسے نماز عید الاضحٰی سے اشتباہ گزرا کہ وہاں دو روز کی تاخیر بوجہ عذر بلاکراہت اور بلاعذر بروجہ کراہت روا ہے۔

فی الدرلمختار وتأخر کمطر الی الزوال من الغد فقط واحکامها احکام الاضحی لکن یجوز تاخیرها الی اٰخر ثالث ایام النحر	درمختار میں ہے کہ عذر مثلاً بارش کی وجہ سے فقط دوسرے دن زوال تک مؤخر کی جا سکتی ہے اور عید الفطر کے احکام عید الاضحٰی کی طرح ہیں لیکن عید الاضحٰی

[1] القرآن ۲/ ۱۸۵

[2] القرآن ۲۲/ ۳۷

بلا عذر مع الکراھۃ وبہ ای بالعذر بدونھا فالعذر ھنا النفی الکراھۃ وفی الفطر للصحۃ [1] اھ ملخصاً وفی نورالایضاح وشرحہ مراقی الفلاح کلاھما للعلامۃ الشرنبلالی تؤخر صلٰوۃ عید الفطر بعذر الی الغد فقط و قید العذر للجواز لالنفی الکراھۃ فاذا لم یکن عذر لاتصح فی الغد [2] اھ ملتقطا وفی مجمع الانھر للفاضل شیخی زادہ العذر فی الاضحی لنفی الکراھۃ وفی الفطر للجواز [3] وفی شرح النقایۃ للشمس القھستانی لوترکت بغیر عذر سقطت کما فی الخزانۃ [4] اھففی شرح المنیۃ الکبیر للعلامۃ الحلبی صلٰوۃ عید الاضحٰی تجوز فی الیوم الثانی والثالث سواء اخرت بعذر اوبدونہ اماصلٰوۃ الفطر فلاتجوز الافی الثانی بشرط حصول العذر فی الاول [5] اھ وفی الفتاوی الخانیۃ ان فاتت صلٰوۃ الفطر فی الیوم الاول بعذر یصلی فی الیوم الثانی وان فاتت بغیر عذر لا یصلی فی الیوم الثانی

کو بلاعذر ایامِ نحر کے تیسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، ہاں کراہت ہے اور عذر ہوگا تو کراہت نہیں ہوگی، یہاں عذر کا ہونا نفی کراہت کے لئے ہے اور عید الفطر میں صحت کے لئے اھ تلخیصا نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں علامہ شرنبلالی فرماتے ہیں کہ عذر کی وجہ سے عید الفطر کو دوسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے، عذر کی قید جواز کے لئے ہے نفی کراہت کے لئے نہیں، توجب عذر نہ ہو تو دوسرے دن میں نماز صحیح نہ ہوگی اھ ملتقطا، مجمع الانہر میں فاضل شیخی زادہ کہتے ہیں کہ اضحیٰ میں عذر نفی کراہت اور فطر میں جواز کے لئے ہے ، شرح نقایہ للشمس قہستانی میں ہے کہ اگر نمازِ عید بغیر عذر کے چھوڑدی تو ساقط ہوجائے گی، خزانہ میں بھی اسی طرح ہے اھ شرح منیہ کبیر للعلامہ حلبی میں ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے اور تیسرے دن بھی جائز ہے خواہ عذر کی وجہ سے موخر ہوئی یا بلاعذر، لیکن نماز عید الفطر اگر پہلے دن کسی عذر کی وجہ سے ادانہ کی جاسکی تو فقط دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے اھ فتاوٰی خانیہ میں ہے کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عید الفطر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن

Majlis of DawateIslami

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۹۳

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۷۵

[4] جامع الرموز فصل فی العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۷۵

[5] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی باب العیدین مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۱

فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر اوبغیر عذر لایصلی بعد ذلك واماعید الاضحی ان فاتت فی الیوم الاول بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثانی فان فاتت فی الیوم الثانی بعذر او بغیر عذر یصلی فی الیوم الثالث فان فاتت فی الیوم الثالث بعذر او بغیر عذر لایصلی بعد ذلك[1] وفی الهندیة عن تبیین الامام الزیلعی، العذر ههنا لنفی الکراهة حتی لواخروها الی ثلاثه ایام من غیر عذرجازت الصلٰوة وقد اساؤ اوفی الفطر للجواز حتی لو اخروها الی الغد من غیر عذر لا یجوز[2] انتهی ومثله فی رمزالحقائق للعلامة العینی۔	ادا کی جائے اور اگر عذر نہ تھاتو دوسرے دن نہیں پڑھی جاسکتی، اور اگر دوسرے دن بھی نہ پڑھی جاسکی خواہ عذر تھا یا نہیں، تو اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی، باقی نماز عید الاضحیٰ اگر عذر یا بغیر عذر پہلے دن رہ گئی تو دوسرے دن پڑھ لی جائے ، اگر دوسرے دن فوت ہوگئی عذر تہا یانہ تھاتو تیسرے دن پرھ لی جائے، اور اگر تیسرے دن بھی رہ گئی خواہ عذر تھا یانہ تھاتواس کے بعد ادا نہیں کی جاسکتی، ہندیہ میں امام زیلعی کی تبیین سے ہے کہ یہاں عذر نفی کراہت کے لئے ہے، حتی کہ اگر بغیر عذر کے تین دن نماز موخر کردی تو اب بھی نماز جائز البتہ تاخیر کرکے بُرا کیااور فطر میں عذر جواز کے لئے ہے حتی کہ اگر بغیر عذر کے نماز دوسرے دن تک مؤخر کی تو اب اس کی ادائیگی جائز نہ ہوگی انتہی، علامہ عینی کی رمزالحقائق میں اسی طرح ہے۔(ت)

بالجملہ اس کاخلاف کتب متداولہ میں فقیر کی نظر سے کسی روایت ضعیفہ میں بھی نہ گزرا۔

اللهم الا ما رأیت فی جواهر الاخلاطی من قوله اذافاتت صلٰوة عید الفطر فی الیوم الاول بعذر اوبغیره صلی فی یوم الثانی ولم یصل بعده اھ فیظن ان یکون خلطا من الاخلاطی فانی رأیت له غیر ما مسئلة خالف فیها الکتب المعتمدة والاسفار المعتبرة اویکون من خطأ الناسخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	مگر یہ کہ میں نے جواہر اخلاطی میں یہ عبارت دیکھی کہ جب نماز عید الفطر پہلے دن فوت ہو خواہ عذر تھا یا نہ تھا دوسرے دن ادا کی جائے اور اس کے بعد نہیں پڑھی جاسکتی اھ تو گمان یہ ہے کہ اخلاطی کا خلط ہے کیونکہ میں نے متعدد مسائل میں دیکھا ہے کہ وہ کتب معتمدہ اور اسفار معتبرہ کے خلاف لکھتے ہیں یا یہ کاتب کی غلطی ہوسکتی ہے، واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب صلٰوۃ العیدین مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۸۸

[2] فتاوٰی ہندیہ باب صلٰوۃ العیدین نوری کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۵۳

مسئلہ ۱۴۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ میں ایک دن ایک ہی خطبہ ہے دو امام نے دو جماعت نماز پڑھائی ان میں سے پہلے امام نے مع خطبہ نماز پڑھائی اور ثانی امام نے بدون خطبہ کے نماز ادا کی اب ان دونوں جماعتوں کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دونوں کی جائز ہوئی یا ایک کی، اور اگر ایک جائز ہوئی تو پہلے کی یا ثانی کی، اور اگر ناجائز ہے تو دونوں کی ناجائز ہے یا ایک کی؟ اگر ایک ہے تو پہلے کی یا ثانی کی؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب وتؤجروا یوم الحساب** (کتاب کے حوالے کے ساتھ بیان کرو اور حساب کے دن اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر دونوں امام ماذون باقامت نماز عید تھے دونوں جائز ہوگئیں اگرچہ امام دوم نے ترک سنّت کیا کہ عیدین میں خطبہ ہے فرض وشرط نہیں تو اس کا ترک موجب ناجوازی نہ ہوگا البتہ موجب اساءت وکراہت ہے۔

فی الدرالمختار تجب صلوٰتهما علی من تجب علیه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوی الخطبة فانها سنة بعدها[1] فی ردالمحتار قال فی البحر حتی لو لم یخطب اصلاصح واساء لترك السنة[2] فی التنویر تؤدی بمصر بمواضع اتفاقا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ عیدین کی نماز ان لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم اور خطبہ کے علاوہ تمام شرائط بھی جمعہ والی ہی ہیں کیونکہ عید کے بعد خطبہ سنت ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں ہے حتی کہ اگر بالکل خطبہ دیا ہی نہیں تو نماز صحیح ہوگی لیکن ترک سنت کی وجہ سے برا کیا۔ تنویر میں ہے کہ شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۲۵تا۱۴۲۶: از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاک خانہ بدیعار بازار موضع قاضیہ گاؤں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) جس جگہ میں عید کی نماز کے واسطے احتیاط نہیں بلکہ پنچ یا چھ ماہ تک پانی کے نیچے ڈوبا ہوا رہتا ہے

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۱

[3] تنویر الابصار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

اور باقی چھ ماہ بیل بکریاں اُسی جگہ میں چرتی ہیں اور وہ جگہ خراجی ہے وقفی نہیں، تواس جگہ کو شرع میں عیدگاہ کہتے ہیں یا نہیں اوراس میں نماز عید درست ہے یا نہیں؟

(۲) عید کے دن بعد نماز عید کے مصافحہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر مصافحہ کریں تو حرام ہے یا نہیں؟ اور معانقہ کرنا بھی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر وہ زمین کسی شخص کی ملک ہے اور اس نے نماز عید کے لئے وقف نہ کی تو وہ عیدگاہ نہ ہوگی،

فان مصلی العید عرفاھو عادی الارض المقرر من جھة سلطان الاسلام او جماعة مسلمی البلد لصلٰوة العید او للمملوك الموقوف لھا من جھة المالک۔	کیونکہ عیدگاہ عرفاً زمین کا وہ ٹکڑا ہے جسے بادشاہ اسلام یا مسلمانوں کی ایک جماعت نے نماز عید کے لئے چھوڑا ہو یا وہ مالک کی طرف سے نماز عید کے لئے وقف ہو۔ (ت)

ہاں باجازت مالک اُس میں نماز درست ہے،

فانه لیس المسجد ولاالوقف من جھة شرائط صحة صلٰوة اصلا، صلٰوة العید کانت او الجمعة اوغیر ذلك کما نصوا علیه فی کتب المذھب۔ واللہ تعالٰی اعلم	کیونکہ نہ مسجد اور نہ صحت صلٰوۃ کے لئے شرائط وقف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ نماز عید ہو یا جمعہ یا اس کے علاوہ کوئی نماز ہو جیسا کہ کتبِ میں فقہاء نے تصریح کی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بعد نماز عید مصافحہ ومعانقہ دونوں درست ہیں جبکہ کسی منکر شرعی پر مشتمل یا اس کی طرف منجر نہ ہوں جیسے خوبصورت امرد، اجنبی محلِ فتنہ سے معانقہ بلکہ مصافحہ بھی کہ بحالت خوف فتنہ اس کی طرف نظر بھی مکروہ ہے نہ کہ مصافحہ نہ کہ مضانقہ،

کما فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار وتفصیل المسائل موکول الی رسالتنا وشاح الجید فی تحلیل معانقه العید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار جیسی معتبر کتب میں ہے اور اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "وشاح الجید فی معانقة العید" میں خوب ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اگر ہلال شوال دن چڑھے تحقیق ہو اور بارش شدید ہو بعض اہل شہر نماز عید پڑھیں بعض بسبب بارش نہ پڑھیں تو جماعت باقیماندہ دوسرے دن

ادا کریں یا اب انھیں اجازت نہ دی جائے گی کہ نماز ہو چکی، اور قہستانی میں ہے:

اذا صلی الامام صلٰوته مع بعض القوم لایقضی من فاتت تلك الصلٰوۃ عنه لافی الیوم الاول ولامن الغد[1] انتھی بینوا توجروا۔	جب امام نے کچھ لوگوں کو نماز پڑھادی تو جن کی نماز فوت ہو گئی وہ اسے قضا نہیں کر سکتے، نہ پہلے دن اور نہ دوسرے دن ۔انتہی (ت) بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور صواب کی توفیق عطا فرما۔ت) صورۃ مستفسرہ میں جماعت باقیماندہ بیشک دوسرے دن ادا کرے عید الفطر میں بوجہ عذر ایک دن کی تاخیر جائز ہے اور بارش عذر شرعًا مسموع،

فی الدرالمختار و توخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط[2] انتھی	درمختار میں ہے عذر کی وجہ سے نماز فطر فقط دوسرے دن تک مؤخر کی جائے گی جیسے بارش۔انتہی (ت)

اور صلٰوۃ عید میں جواز تعدد متفق علیہ ہے بخلاف جمعہ کہ اس میں خلاف ہے اور راجح جواز،

فی الدرالمختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[3] اھ	درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے اھ (ت)

تو ادائے بعض اہل شہر سے بعض دیگر کو دوسرے روز پڑھنا کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے، کلام قہستانی وغیرہ اس صورت میں ہے جب عامہ اہل بلد پڑھ لیں اور ایک آدمی باقی رہ جائے کہ نماز عید بے جماعت مشروع نہیں ناچار پڑھنے سے باز رہے گا، ہدایہ کی تعلیل اس پر صاف دلیل،

قال من فاتته صلٰوۃ العید مع الامام لم یقضھا لان الصلٰوۃ بھذہ الصفة لم تعرف قربة الا بشرائط لاتتم بالمنفرد[4] اھ	فرمایا جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہو گئی وہ اسے قضا نہیں کرسکتا کیونکہ اس طرح کی نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ شرائط تنہا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں اھ (ت)

---

[1] جامع الرموز فصل فی صلٰوۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۷۴

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[4] الہدایۃ باب العیدین المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۵۴

اور عبارت تنویر الابصار مورث تنویر الابصار امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی رحمۃ اللہ تعالٰی نے ابتداء اس مسئلہ کو ایسے پیرا میں ادا فرمایا وہم واہم، راہ نہ پائے،

حیث یقول ولایصلیھا وحدہ ان فاتت مع الامام [1] اھ	یہاں انھوں نے کہا تنہا نماز نہ پڑھے جب امام کے ساتھ فوت ہو گئی اھ (ت)

یونہی امام حافظ الدین ابوالبرکات نسفی رحمہ اللہ تعالٰی کا اپنے متن و شرح وافی وکافی میں ارشاد ازالہ اوہام ایقاظِ افہام کے لئے کافی ووافی،

لم یقض ان فاتت مع الامام ای صلی الامام العید وفاتت من شخص فانھا لاتقضی لانھا ماعرفت قربۃ الابفعلہ علیہ الصلوٰۃ و السلام وما فعلھا الابالجماعۃ فلا تؤدی الابتلک الصفۃ [2] اھ ملخصا	نہ قضا کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو یعنی امام نے نماز عید پڑھادی اور ایک شخص کی فوت ہو گئی تو وہ اسے قضا نہ کرے کیونکہ یہ نماز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معمول کے مطابق ہی مشروع ہے اور آپ نے اسے جماعت ہی سے ادا فرمایا لہٰذا اب اس صفت کے علاوہ اسے ادا نہیں کیا جاسکتا اھ ملخصًا (ت)

علامہ بدر الدین محمود عینی رمز الحقائق میں فرماتے ہیں:

صلاھا الامام مع الجماعۃ ولم یصلھا ھو لایقضیھا الا فی الوقت ولابعدہ لانھا شرعت بشرائط لاتتم بالمنفرد [3] اھ	امام نے جماعت کروادی لیکن اس شخص نے نہیں پڑھی تو اب وہ قضا نہ کرے نہ وقت کے اندر نہ بعد میں کیونکہ یہ کچھ شرائط کے ساتھ مشروع تھی اور وہ اکیلا ہونے کی صورت میں پوری نہیں ہوتیں اھ (ت)

مستخلص میں زیر قول کنز، لم تقض ان فاتت مع الامام (قضا نہ کی جائے اگر امام کے ساتھ رہ گئی ہو۔ت) لکھتے ہیں:

معناہ لو لم یصل رجل مع الامام لم یقضھا منفردا [4]۔	معنٰی اس کا یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے امام کے ساتھ نمازِ عید نہیں پڑھی تو وہ اب تنہا قضا نہ کرے (ت)

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] کافی شرح وافی

[3] رمز الحقائق باب فی احکام صلوٰۃ العیدین مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۵۸

[4] مستخلص الحقائق باب فی احکام صلوٰۃ العیدین کانشی رام پرنٹنگ پریس، لاہور ۱/۲۹۹

یا تو یہ معنی ہیں کہ امام معین ماذون من السلطان ادا کرچکا اور ان باقیماندہ میں کوئی مامور نہیں، اقامت کون کرے، فاضل محقق حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں اس طرف ناظر

اذ قال من فاتته الصلوٰۃ فلم یدرکھا مع الامام لا یقضیھا لانھا لم تعرف قربۃ الابشرائط لاتتم بدون الامام ای السلطان اومامورہ[1]۔	کیونکہ انھوں نے کہا ہے کہ جو نماز امام کے ساتھ نہ پڑھ سکا وہ اب قضانہ کرے کیونکہ یہ نماز شرائط کے ساتھ مشروع ہے اور وہ امام یعنی سلطان یا اس کے نائب کے بغیر پوری نہیں ہوسکتیں (ت)

اس لئے فاضل سید احمد مصری اس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ای وقد صلاھا الامام اومامورہ فان کان مامورا باقامتھا لہ ان یقیمھا[2] اھ **اقول:** وقد یشیر الیہ تعریف الامام فی عبارۃ النقایۃ المذکورۃ وغیرھا کمالا یخفی علی العارف باسالیب الکلام۔	یعنی امام یا اس کے نائب نے نماز پڑھادی پس اگر وہ امامتِ عید کے لئے مامور تھا تو وہ اسے پڑھا سکتا ہے (ت) **اقول:** اس کی طرف عبارت نقایہ وغیرہ میں ہیں جو امام نے تعریف کی ہے وہ بھی اشارہ کرتی ہے جیسا کہ کلام کے اسالیب کے ماہر پر مخفی نہیں۔ (ت)

بہر طور عبارت جامع الرموز سے بدیں وجہ کہ نماز ایک بار ہوچکی باقیماندہ لوگوں کے لئے ممانعت تصور کرنا محض خطا اقول بلکہ اگر نظر سلیم ہو تو وہی عبارت بعینہا مانحن فیہ میں جواز پر دال، کہ اس میں صرف دوسرے ہی دن کی نسبت ممانعت نہیں بلکہ جب امام جماعت کرچکے تو اس روز بھی نہ پانے والے کو منع کرتے ہیں حیث قال لافی الیوم الاول ولا من الغد (نہ پہلے اور دوسرے دن۔ت) اور اول بیان ہوچکا کہ تعدد جماعت عیدین میں بالاتفاق جائز اور معلوم ہے کہ یہ تعدد تاخر سے خالی نہیں ہوتا اگر عبارت مفرح، نقایہ کے یہ معنی ہوتے کہ جب ایک جماعت پڑھ لے تو دوسروں کو مطلقاً اجازت نہیں تو یہ تعدد کیونکر روا ہوتا اور نماز عید کا بھی حکم اس امر میں اُس کے مذہب پر جو تعددِ جمعہ روا نہیں رکھتا، مانند نماز جمعہ ہوجاتا یعنی جماعت سابقہ کی تو نماز ہوگئی باقی سب کی ناجائز کما فی الدر المختار علی المرجوح فی الجمعۃ لمن سبق تحریمتہ (جیسا کہ درمختار میں مرجوح قول کے مطابق ہے کہ جمعہ ان لوگوں کا ہے جن کی تحریمہ پہلے ہو۔ت) تو بالیقین معنی کلام وہی ہیں جو ہم نے

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

بیان کئے اور قاطع شغب یہ ہے کہ در مختار میں درصورت فوات مع الامام تصریح کی:

لو امکنہ الذھاب الی الامام الاخر فعل لانھا تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا[1]۔	اگر دوسرے امام کی طرف جانا ممکن ہو تو چلا جائے کیونکہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد جگہوں پر نماز عید ادا کی جاسکتی ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

لوقدر بعد الفوات مع الامام علی ادراکھا مع غیر فعل للاتفاق علی جواز تعددھا[2] اھ	اگر ایک امام کے ساتھ فوت ہونے کے بعد دوسرے امام کے ساتھ نماز ادا کی جاسکتی ہے تو نمازی وہاں چلاجائے کیونکہ متعدد مقامات پر عید کے جواز پر اتفاق ہے اھ (ت)

دیکھو نص فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہ پڑھے تو دوسرے امام کے پیچھے پڑھے اور حالِ عذر میں روز اول و دوم یکساں، آج پڑھے تو کل کون مانع، مگر یہ ضرور ہے کہ جو امام عیدین وجمعہ کے لئے مقرر ہو اسے بھی فوت ہوئی ہو کہ امامت کے لئے امام معین مل سکے اور اگر مقرر کردہ امام سب پڑھ چکے اور بعض لوگ رہ گئے تو یہ بیشک نہیں پڑھ سکتے نہ آج نہ کل واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ ۱۴۲۸تا۱۴۳۱: از پیلی بھیت مدرسۃ الحدیث جناب مولانا وصی احمد صاحب محدّث سورتی رحمہ اللہ تعالٰی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) اگر حاکم وقت نے عام طور پر اجازت دے دی کہ تم لوگ فلاں زمیں پر اپنی عیدگاہ بنالو یا بلااجازت عیدگاہ بنانے کے، فقط دوگانہ ادا کرنے کی اجازت دی تو ان دونوں صورتوں میں نماز کا ثواب اسی قدر ملے گا جس قدر مسلمان کی وقف کردہ عیدگاہ میں ملتاہے یا اس سے کم؟

(۲) اور صورتِ اولٰی میں اگر مسلمانوں نے عیدگاہ بنالی تو وہ وقف سمجھی جائے گی اور احکام عیدگاہ اس کے لئے ثابت ہوں گے یا وہ زمین ملک حاکم پر باقی ہے اور وقف کے احکام جاری نہ ہوں گے؟

(۳) اگر بے اجازت گورنمنٹ گورنمنٹ کی زمین پر نمازِ عید پڑھی گئی تو نماز بلاکراہت ہو گئی یا نہیں؟

(۴) مصلی اعنی عیدگاہ کے مفہوم میں اس کا محاط ہونا داخل ہے جیسے کہ جامع الرموز کی عبارت سے واضح

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب احکام العیدین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۹۲

ہے یا نہیں بلکہ جس جگہ نماز ہو محاط ہو یا نہ ہو وہ عیدگاہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہاں اتنا ہی ثواب ہے، زمین وقف کردہ میں پڑھنا نہ عیدین کے سنن سے ہے نہ مستحبات سے، سنت اس قدر ہے کہ صحرا میں ہو،

وقد کان المصلی فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم و زمن الخلفاء الراشدین رضی الله تعالٰی عنهم من عادی الارض بغیر وقف ولا بناء۔	کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دور میں عیدگاہ افتادہ زمین تھی، نہ وقف تھی اور نہ تعمیر شدہ تھی۔ (ت)

(۲) صحراؤں جنگلوں کی افتادہ زمینیں بادشاہ کی ملک نہیں ہوتیں وُہ اصل ملک خدا اور رسول پر ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حدیث میں ہے:

عادی الارض لله ورسوله[1] **رواہ البیهقی فی الشعب عن طاؤس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما وقفا۔**	افتادہ زمینیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہیں، اسے بیہقی نے شعب الایمان میں طاؤس سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے یہ موقوفًا روایت ہے (ت)

حاکمِ وقت نے جب اجازت دے دی اور استرداد کا خوف نہ رہا اور مسلمانوں نے وقف کردی وقف صحیح لازم ہو گئی احکامِ مصلی اس پر جاری ہوں گے۔ **(۳)** نماز بلا کراہت صحیح ہے،

لما مر ان الارض لله ورسوله جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	جیسا کہ گزرا کہ زمین اللہ جل وعلا اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہے۔ (ت)

(۴) محاط ہونا مفہوم مصلی میں داخل نہیں،

لما قدمنا ان الصلوٰۃ فی زمنه و زمن الخلفاء کانت فی ارض بیضاء بدون بناء وما	پیچھے ہم نے بیان کیا کہ نماز عید سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات اور خلفاء کے دور

---

[1] الجامع الرموز مع فیض القدیر بحوالہ بیہقی حدیث ۵۳۶۳ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۹۸

فی القھستانی فلہ علی العادۃ الحادثۃ بناء قصد بہ التعریف لا لاشتراط بناء ۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں چٹیل میدان میں بغیر کسی عمارت کے ہوتی تھی، اور قہستانی میں جو کچھ ہے وہ عادت معروفہ پر مبنی ہے یہ نہیں کہ بناء کو بطور شرط بیان کیا گیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۳۲: قاضی عبدالحمید صاحب از قصبہ کیکڑی ضلع اجمیر شریف ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجدِ عیدگاہ میں جبکہ مسلمانوں میں رنج ہو اور مذہب غیر ہو تو اس صورت میں نماز عید کی دونوں گروہ اپنے اپنے امام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نماز و خطبہ ایک مسجد میں ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب دو پروردگار اجر دے گا۔

الجواب:

نمازِ عید مثل نماز جمعہ ہے نمازِ پنجگانہ کی طرح نہیں جن میں ہر شخص صالح امامت کر سکتا ہے، عیدین اور جمعہ کے لئے شرط ہے کہ امام خود سلطانِ اسلام ہو یا اُس کا نائب یا اس کا ماذون، اور نہ ہو تو بضرورت جسے عام مسلمانوں نے امامتِ جمعہ و عیدین کے لئے مقرر کیا ہو، ظاہر ہے کہ ایک مسجد میں ایک نماز کے لئے دو ۲ شخص امام مقرر نہیں ہوتے تو جو ان میں مقرر نہیں ہے اسکی اور اس کے پیچھے والوں کی نماز نہ ہو گی اور یہاں اختلاف مذہب حنفیت وشافعیت عذر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر ایسا اختلاف مذہب ہے کہ ان میں ایک گروہ سُنّی اور دوسرا وہابی یا غیر مقلد، تو اس صورت میں اُس امام اور اُس کے مقتدیوں کی نماز باطل محض ہے، اور سنیوں پر لازم ہے کہ اپنا امام اپنے میں سے مقرر کریں انھیں کی نماز نماز ہو گی وبس واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳۳: از شہر محلّہ بازار صندل خاں مرسلہ ہدایت اللہ صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید عید کی نماز سے پہلے درزی کا کام کرتا رہا، بکر نے کہا کہ زید نے نماز سے پہلے جتنی مزدوری کی وہ حرام ہے اس لئے کہ اس نے جتنا کام قبل از نماز کیا وہ ناجائز تھا، آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

بکر محض غلط کہتا ہے جبکہ زید نے ادائے نماز میں قصور نہ کیا تو نہ قبل نماز کام کرنا حرام تھا نہ بعد نماز نہ اُس اُجرت میں کوئی حرج ہے، ہاں اگر کام کے سبب نماز نہ پڑھتا تو وہ کام حرام ہوتا اُجرت پھر بھی حرام نہ تھی، یہ تو حلت وحرمت کا حکم ہے البتہ مستحب ہے کہ ضرورت نہ ہو تو عید کے دن نماز سے پہلے متعلقات عید کے سوا کوئی دنیوی کام نہ کرے کہ خوشی کا دن ہے نہ کہ محنت کا، اُس دن کا اور دنوں سے امتیاز چاہئے، اسی واسطے ہر گروہ میں اپنی اپنی عیدوں کے دن تعطیل کا معمول ہے پھر بھی یہ کوئی واجب نہیں، اور

ضرورت ہو جب تو کوئی گنجائش کلام ہی نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳۴: نماز عید میں امام نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ شروع الحمد اللہ رب العٰلمین کہنے کے بعد مقتدی کے یاد دلانے پر تکبیر ثلٰثہ کہیں اور بعد تکبیرات دوبارہ قرات شروع کی، اس شکل میں نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

پہلی صورت میں نماز نہ ہوئی دوسری میں ہو گئی، ایسا شخص احق بالامۃ نہیں ہو سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳۵: از پیلی بھیت محلّہ شیر مرسلہ حاجی حامد حسین صاحب وعزیز الدین صاحب ۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے ایک مسجد میں جو شہر میں واقع ہے مقتدی بن کر نماز عید الفطر پڑھی، بعد اس کے زید عیدگاہ کو گیا اور وہاں بکر امام تھا، اُس سے نماز پڑھاتے وقت اخیر رکعت میں تکبیریں چھوٹ گئی تھیں جس سے نماز فاسد ہو گئی، تب زید نے دوبارہ امام بن کر نماز عید الفطر پڑھائی حالانکہ وہ نماز مقتدی کی حالت میں پڑھ کر گیا تھا، ایسی حالت میں زید کو نماز پڑھانا چاہئے تھا یا نہیں؟ آیا زید کی نماز جو اس نے پیشتر مقتدی ہو کر پڑھی تھی صحیح ہے یا امام کی حالت میں ہے؟ اور دیگر مقتدیان کی نماز جنھوں نے زید کے پیچھے کہ جس نے دوبارہ حالتِ امام میں نماز پڑھائی اُن کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

زید کو امامت ہرگز جائز نہ تھی، جن لوگوں نے اُس کے پیچھے نماز پڑھی ان کی نماز باطل ہوئی، اُن میں جو ناواقف تھے ان کی نماز رہ جانے کا وبال بھی زید کے سر رہا، درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء مفترض بمتنفل ولاناذر بمتنفل [1]۔	فرض پڑھنے والے کی نفل پڑھنے والے کی اقتداء درست نہیں اور نہ نذر پوری کرنیوالے کی متنفل کی اقتدا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان النذر واجب فیلزم بناء القوی علی الضعیف [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ نذر واجب ہے لہذا قوی کی ضعیف پر بنالازم آئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۴

[2] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۲۹

مسئلہ ۱۴۳۶: از سلہٹ ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند محلے کے لوگ مسجد میں جمعہ و عید کی نماز پڑھتے ہیں اور ہر شخص از رُوئے تغافل و تکاسل وقتِ معیّن میں حاضر نہیں ہوتے لہٰذا بعض لوگوں کی نماز فوت ہوتی ہے اس لئے جھگڑا فساد لڑائی برپا کرتے ہیں اب سب محلّہ والے مل کر ایک صاحب علم سے مشورہ کیا اُس نے یہ امر کیا کہ تین بنگولہ جلانا مناسب ہے، یکے بعد دیگرے اگر تیسرے بنگولے کے متصل کوئی حاضر نہ ہو تو جھگڑا لڑائی نہیں، سب لوگوں نے اس بات پر متفق ہو کر یہ عمل شروع کیا کہ عید کے دن تین بنگولہ جلاتے ہیں اور کہتا ہے کہ یہ واسطے اعلام اور اعلان مصلیوں کے کرتے ہیں، اب یہ بات جب دوسرے کسی صاحب علم نے سنا تو کہا یہ آتشبازی فعل بدعت سیئہ محرمہ ہنود کا کام ہے وہ لوگ اپنے عیدوں تہواروں میں کیا کرتے ہیں، ہرگز جائز نہیں۔

الجواب:

فی الواقع یہ بدعت سیئہ ہے اور مشابہت کفار ہے، اس سے بچنا واجب، حدیث اذان میں اس کا فیصلہ ہوچکا، نار و نا قوس سب رد کردئے گئے اور اذان مقرر فرمائی گئی جس سے اعلائے کلمۃ اللہ ہے، اور عیدین کے لئے تو اذان کا بھی حکم نہیں، احادیث صحیحہ میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عیدین میں نہ اذان دلوائی نہ اقامت کہلوائی صرف الصلوۃُ جامعۃ دوبار پکارا جاتا ہے، اسی پر اختصار کریں اور اس سے زائد ہرگز کچھ نہ ہو، تغافل والوں کا وبال اُن پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۷: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ میں مسجد کے بستر وغیرہ لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عیدگاہ میں مسجد کا مال لے جانا ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳۸: از تاراکاندی مدرسہ اسلامیہ پوسٹ پاکندیہ ضلع میمن سنگھ مسئولہ محمد عبدالحافظ صاحب مدرس اول تاراکاندی ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ ذیل کہ بعد نماز عیدین قبل الخطبہ یا بعد الخطبہ دعا خواستن جائز است یا نہ۔ بر تقدیر اول دلیلش چہ بحوالہ کتب حنفیّہ باظہار دلائل متعدد بیان فرمایند در بہشتی گوہر مصنفہ مولوی اشرف علی مرقوم است	کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدین کی نماز کے بعد قبل از خطبہ یا بعد از خطبہ دعا مانگنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حنفی کتب سے متعدد حوالہ جات سے بیان فرمائیں مولوی اشرف علی کی کتابِ بہشتی گوہر میں لکھا ہے

کہ باتباع سنت دعامانگنے سے دعانہ مانگنا بہتر ہے۔	کہ اس صورت میں سنت کی پیروی کرتے ہوئے دعانہ مانگنا بہتر ہے۔

الجواب:

بہشتی گوہر و بہشتی زیور ہر دو تصنیف ہیچو کسے ست کہ ہمہ علمائے کرام حرمین شریفین زاد ہما اللہ شرفاً و تعظیماً بالاتفاق تحریر فرمودہ اند کہ اومرتدست وآنکہ ہر کہ براقوال ملعونہ او مطلع شدہ در کفر او شک آرد خود کافراست وایں کتابہابر بسیاری از مسائل فاسدہ واغلاط کاسدہ مشتمل ست دیدن آنہا حرام وموجب ضلالتِ عوام ودعابعد نماز عید باتباع سنت عامہ وآثار خاصہ جائز و مستحب است والتفصیل فی رسالتنا سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید، واللہ تعالٰی اعلم۔	بہشتی گوہر اور بہشتی زیور دونوں کتابیں اس شخص کی ہیں جس کے بارے میں علمائے حرمین (حرمین کو اللہ تعالٰی زیادہ شرف و تعظیم عطافرمائے) نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ شخص (اپنے کفریہ الفاظ کی وجہ سے) مرتد ہے، اور جو شخص اس کے کفریات پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہوگا، یہ بہت سے غلط اور فاسد مسائل پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے اور عوام کی گمراہی کا سبب ہے جبکہ عید کی نماز کے بعد سنت معروفہ اور آثار مخصوصہ کی اتباع میں جائز اور مستحب ہے، اور اس کی تفصیل ہمارے رسالہ "سرور العید فی حل الدعاء بعد صلوٰۃ العید" میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۰،۱۴۳۹: از تین سوکیاڈاک خانہ خاص ضلع ڈبروگڑھ ملک آسام مسئولہ عبداللطیف ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگرتار کی خبر پر افطار کرنا جائز ہو تو عید کی نماز پانے کے سبب دور دراز کے آدمی کی خبر گیری کے لئے ایسے موقع پر ایک روز کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور مسلم جماعت کے سردار پرہیزگار نے کہا آج تار کی خبر سے افطار تو کرلیں گے اگر شرعاً جائز ہو، لیکن ایسے تنگ وقت پڑھنے سے دور دراز کے آدمی سب نماز سے محروم رہیں گے لہٰذا بہتر ہے کہ دوسرے روز نماز پڑھی جائے تاکہ سب لوگ شامل ہوں اور کوئی محروم نہ رہے، اب بغیر رضا سردار کے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(ا) تار کی تو خبر معتبر ہی نہیں اگر شہادت شرعیہ ایسے وقت گزری کہ وقت تنگ ہے شہر میں اطلاع اور لوگوں کا اجتماع متعذر ہے تو دوسرے دن پڑھیں لانھا تؤ خر بعذر الی الغد کما نصوا علیه (کیونکہ عذر کی وجہ سے نماز عید کو دوسرے دن تک موخر کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اس پر نص ہے۔ت) اور اگر شہر کے لئے وقت کافی ہے مگر دور دراز کے دیہات کو خبر جانا اور ان لوگوں کا آنا نہیں ہو سکتا تو واجب ہے کہ عید آج کرلیں، دیہاتوں کے لحاظ سے کل کے لئے تاخیر جائز نہیں کہ نماز عید الفطر کی تاخیر بلاعذر گناہ و ممنوع ہے اور دیہاتوں کا نہ آسکنا کوئی عذر ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

تؤخر بعذر کمطر الی الزوال من الغد فقط و الاضحی یجوز تاخیرها الی آخر ایام النحر بلاعذر مع الکراهة وبالعذر بدونها فالعذر هنا لنفی الکراهة وفی الفطر للصحة[1]۔	عذر کی وجہ سے فقط دوسرے دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے مثلاً بارش، اور نماز عید الاضحیٰ کو بغیر عذر کے ایام نحر کے آخری دن تک مؤخر کیا جاسکتا ہے البتہ کراہت ہوگی، اور اگر عذر ہو تو کراہت بھی نہیں، تو یہاں عذر نفی کراہت کے لئے اور فطر میں عذر صحت کے لئے ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بعذر کمطر دخل فیه ما اذا لم یخرج الامام وما اذا غم الهلال فشهدوا به بعد الزوال اوقبله بحیث لایمکن جمع الناس[2]۔	ماتن کا قول کہ عذر ہو مثلاً بارش، تو اس میں وہ صورت بھی شامل ہے جب امام نہ آیا ہو اور وہ صورت بھی جب چاند مخفی رہا، اور اس کے نظر آنے پر زوال کے بعد گواہی ملی یا اتنی پہلے کہ لوگوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا۔(ت)

درمختار میں ہے:

تجب صلٰوتهما (ای العیدین) علی من تجب علیه الجمعة[3]۔	عیدین کی نماز انھیں لوگوں پر لازم ہے جن پر جمعہ لازم ہے ۔(ت)

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۸

[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

ردالمحتار میں برہان شرح مواہب الرحمٰن سے ہے:

وجوبھا مختص باھل المصر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا وجوب اہل شہر کے لئے مخصوص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) اوپر معلوم ہوا کہ تار پر افطار حرام ہے اور اس پر عید کرکے نماز پڑھنا بھی گناہ اور وہ نماز نہ ہوگی کہ سردار درکنار شریعت ہی کی رضا نہیں کہ پیش از وقت ہے، ہاں اگر شرعی ثبوت ہوجاتا تو دیہاتوں کے لئے تاخیر ناجائز تھی اور دوسرے دن پڑھتے تو نماز ہی نہ ہوتی، ایسی حالت میں سردار کے قول پر عمل ناجائز تھا اسی روز نماز عید پڑھ لینی واجب ہوتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴۱: از اُوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین چہ می فرمایند علماو فضلائے دین دریں مسئلہ کہ نماز عیدین در قصبہ خواہ شہر باشد بجز عیدگاہ بشرط تکرار یا ہمیں در مساجد دیگر بگزارد درست ست یا ممنوع وبر تقدیر قاضی فاسق نماز راملک خود قرار دادہ نماز عید دیگر مساجد شہر را بجماعت حکام بند کنانیدہ دہد بدیں سبب کہ مردمان شہر پس من نماز ادا نمایند پس باقتدائے فاسق نماز درست ست یا نہ وحکم قضائے قاضی فاسق پیروانِ او چیست بیان فرمایند بالتشریح بحوالہ کتب رحمہ اللہ اجمعین۔	سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور آخرت متقین کی ہے اور صلٰوۃ وسلام نازل ہو اللہ کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل واصحاب تمام پر، علماء وفضلائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز قصبہ یا شہر میں عیدگاہ کے علاوہ بشرط تکرار یا انھیں دیگر مساجد میں ادا کی جاسکتی ہے یا ممنوع ہے، اگر قاضی فاسق نماز کو اپنی ملک سمجھتے ہوئے شہر کی دوسری مساجد میں حکام کو جماعت سے منع کردیتا ہے تاکہ تمام لوگ میرے پیچھے ہی نماز ادا کریں تو فاسق کی اقتداء میں نماز درست ہوگی یا نہ؟ قاضی فاسق کی قضا کا حکم اور اس کی پیروی کرنے والوں کا کیا حکم ہے، بحوالہ کتب تفصیلاً جواب عطا کریں رحمہ اللہ اجمعین۔ (ت)

الجواب:

رفتن عیدگاہ سنت ست فی الدر المختار الخروج	عیدگاہ کی جانب جانا سنت ہے درمختار میں ہے

[1] ردالمحتار، باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۱

الیھا ای الجبانۃ لصلوۃ العید سنۃ وان وسعھم المسجد الجامع ھوالصحیح [1] اما واجب نیست اگر بہ مسجد شہر نماز گزارند قطعاً درست وبے خلل باشد اگرچہ ترک سنت کردہ باشند فی ردالمحتار الواجب مطلق التوجہ لاالتوجہ الی خصوص الجبانۃ [2] وتکرار نماز عید در مصر واحد بمواضع کثیرہ بالاتفاق جائز ست فی الدرالمختار تؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا [3] واقتداء بفاسق معلن مکروہ تحریمی قریب بحرام ست وھو الذی یقتضیہ الدلیل ولایعدل عن درایۃ ما وافقتھا روایۃ، علامہ ابراھیم حلبی درغنیہ فرمودہ یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم وکذا المبتدع [4] پس تاوقتیکہ نماز پس مصالحے صحیح القراءۃ سلیم العقیدہ زنہار اقتدا بانکنند اما اگر ظلما نماز دیگر مساجد بند کردہ شود وجز باقتدائے اوراہے نیابند مجبور باشند ومعذور ووبال ایں ظلم وجبر بر گردن آں فاسق مغرور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا [5] نماز عید از اعظم شعائر اسلام ست بایں علت عارضہ ترکش نتواں گفت فی	جماعت عید کے لئے جبانہ (نماز کی وہ جگہ جو جنگل میں بنائی جائے) کی طرف نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگوں کی گنجائش ہو، اور یہی صحیح ہے لیکن نکلنا واجب نہیں، اگرچہ شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لی تو یقینا درست ہے اس میں کوئی کمی نہیں اگرچہ سنت کا ترک ہوا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ واجب مطلق نکلنا ہے نہ کہ مخصوص عیدگاہ کی طرف نکلنا، اور ایک شہر میں تکرارِ نماز عید بالاتفاق جائز ہے، درمختار میں ہے کہ ایک شہر میں بالاتفاق متعدد مقامات پر عید ادا کی جاسکتی ہے، فاسق معلن کی اقتداء مکروہ تحریمی حرام کے قریب ہے، اور دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس درایت سے عدول مناسب نہیں جو روایت کے موافق ہو، علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں فاسق کی تقدیم مکروہ تحریمی ہے اور اسی طرح بدعتی کی، جب تک کسی صالح صحیح القرأۃ سلیم العقیدہ کی اقتداء میسر ہو ہرگز کسی فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اگر ظلماً دیگر مساجد نماز کے لئے بند کردی گئی ہیں اور اس کی اقتداء کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تو اب مجبوری اور معذوری ہے، اس کا

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴
[2] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۲
[3] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶
[4] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۵۱۳
[5] القرآن ۲/ ۲۸۶

ردالمحتار عن المعراج قال اصحابنا لا ینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعۃ لانہ فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ قال فی الفتح وعلیہ فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد المفتی بہ لانہ بسبیل الی التحول [1] واینکہ بر نکاح وامامت جمعہ واعیاد از جانب نصاری وغیرہم حکام زمانہ مقرر باشند از عہدہ قضا جز اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی بہرہ ندارند پس حکم قضائے ایشاں چہ گفتہ آید حکم بر موجود باشد و قضائے ایشاں خود معدوم ست کہ حقیقت در کنار صورت قضاہم ندار دآرے اگر مراد آنست کہ فساق را بایں کارہا معین کردن جواب آنست کہ ہر گز نشاید حال امامت خود حالے شد و غرض از تولیت انکہ توثیق واشہاد ست وآں خود از فاسق حاصل نباشد۔ واللہ تعالٰی اعلم	وہاں بھی اس فاسق پر ہی ہوگا اور اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر حکم نہیں دیتا، نماز عید اسلام کے عظیم شعائر میں سے ہے، اس عارضہ کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے، ردالمحتار میں معراج کے حوالے سے ہے کہ ہمارے اصحاب نے فرمایا جمعہ کے علاوہ فاسق کی اقتداء نہ کی جائے کیونکہ دوسری نمازوں میں کسی دوسرے کی اقتداء ہوسکتی ہے اھ فتح میں ہے کہ اس بنا پر جمعہ میں بھی اقتداء مکروہ ہے کیونکہ امام محمد کے مفتٰی بہ قول کے مطابق شہر میں متعدد جگہ جمعہ ہوسکتا ہے تو دوسرے مقام کی طرف چلے جانا ممکن ہوا اور یہ جو نصارٰی کی طرف سے نکاح، امامتِ جمعہ واعیاد کے لئے عہدہ قضاء پر مقرر لوگ ہیں، یہ اسم بے مسمّٰی اور لفظ بے معنی ہیں، ان کی قضا کیا حقیقت رکھتی ہے حکم موجود پر ہوگا اور ان کی قضا خود معدوم ہے جو درحقیقت قضا ہی نہیں، اگر سوال یہ ہے کہ ایسے فاسق لوگوں کو اس عہدہ پر مقرر کرنا کیسا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ ہرگز جائز نہیں، اور امامت کا معاملہ خود اہم ہے، والی بنانے سے مقصد ان کی توثیق واشہاد ہے جو فاسق سے حاصل نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۲: از دمن خرد ملک پرتگال محلّہ کھارا موڑ مرسلہ مولوی محمد ضیاء الدین صاحب ۱۰ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیدگاہ ایک چھوٹی سی بستی میں ۱۲۲۶ھ سے بنی ہوئی ہے، بعض مسلمان اہل شہر کو اپنے محلّہ سے ربع میل کے قریب مسافت طے کرکے جانا پڑتا ہے اور بعض اہل محلّہ ربع میل سے بھی کم چل کر داخل عیدگاہ ہوجاتے ہیں، سال مذکور سے جملہ اہل شہر اُسی عیدگاہ میں برابر

[1] ردالمحتار باب الامامۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۱۴

نماز عید ادا کرتے رہے، حال میں ان اشخاص نے جن سے بہت نزدیک عیدگاہ تھی بباعث نفسانیت دنیوی کے عیدگاہ میں نماز عید پڑھنا ترک کردیا حالانکہ ان کو کسی نے عیدگاہ سے ممانعت بھی نہیں کی، آخر صرف اسی نفسانیت کی بناپر یا کسی مفسد کے بہکانے سے یہ بات اپنی طبیعت سے گھڑلی کہ ہم بانیانِ عیدگاہ کی طرف والے عیدگاہ میں داخل ہونے سے منع کرتے ہیں بایں وجہ ہم نے عیدگاہ میں دوگانہ ادا کرنا ترک کردیا، دو تین سال سے میدان میں جو عیدگاہ کے قریب ہے نماز عید پڑھتے تھے امسال ان کا ارادہ اسی میدان میں دوسری عیدگاہ کی تعمیر کا ہے، تو آیا ان چند اشخاص کو صورتِ مذکورہ بالا میں اپنی جدید گاہ کا ایسے مختصر شہر میں تعمیر کرنا ازرُوئے شرع شریف درست ہے یا نادرست؟ اگر درست ہے تو اب دو[۲] عیدگاہوں کے ہوجانے سے قلّت جماعت عیدگاہ سابق موجب کمی ثواب ہے یا نہیں؟ اور باعث قلّت ثواب کے ایسی حالت میں بانیانِ عیدگاہ جدید ٹھہریں گے یا نہیں؟ اگر یہ لوگ ٹھہرے تو عیدگاہ سابق کو محض نفسانیتِ دنیوی کے سبب ترک کردینے والوں کی نیت اور ثواب کثیر کو قلیل کرنے والوں کی بابت ہماری شریعتِ مطہرہ کیا حکم کرتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز عید ایک شہر میں متعدد جگہ اگرچہ بالاتفاق روا ہے مگر ایک شہر کے لئے دو عیدگاہ بیرون شہر مقرر کرنا زمان برکت نشان حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اب تک معہود نہیں نہ زنہار اس میں شرع مطہر و دین منور کی کوئی مصلحت خصوصًا ایسی چھوٹی بستی میں تو اگر اس میں اس کے سوا کوئی حرج نہ ہوتا تو اسی قدر اس فعل کی کراہت کو بس تھا کہ محض بے ضرورت شرعی و مصلحتِ دینی خلاف متوارث مسلمین ہے اور ایسا فعل ہمیشہ مکروہ ہوتا ہے، درمختار باب العیدین میں ہے: **لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم**[1] (کیونکہ یہ مسلمانوں کے ہاں متوارث ہے لہذا ان کی اتباع لازم ہے۔ت) ردالمحتار کتاب الذبائح میں غایۃ البیان سے ہے: **توارثہ الناس فیکرہ ترکہ بلا عذر**[2] (لوگوں کے ہاں متوارث ہے لہذا اس کا ترک بلاعذر مکروہ ہوگا۔ت) اور یہیں سے ظاہر کہ تعدد مساجد پنجگانہ پر اس کا قیاس نہیں ہوسکتا کہ وہ خود متوارث و مطلوب فی الشرع ہے، سنن ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

---

[1] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۰۸

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء مساجد فی الدور وان تنظف وتطیب [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر علاقے میں مسجد کی تعمیر اور ان کی نظافت وطہارت کا حکم دیا۔(ت)

جب یہ تعمیر مصلحت دینی سے خالی ہوئی اور اس میں کوئی مصلحت دنیوی نہ ہونا بدیہی، تو محض عبث ہوئی اور ایسا ہر عبث ناجائز و ممنوع ہے، ہدایہ میں ہے:

العبث خارج الصلٰوۃ حرام فما ظنك فی الصلٰوۃ [2]۔	عبث کام نماز سے باہر حرام تو نماز میں کیا حال ہوگا۔(ت)

حلیہ میں ہے:

الفرق بین العبث والسفه علی ماذکرہ بدر الدین الکردی ان السفه مالا غرض فیه اصلا والعبث فعل فیه غرض لکن لیس بشرعی وعبارۃ غیرہ العبث مالیس فیه غرض صحیح لفاعله [3]۔	عبث اور سفہ میں فرق بقول علامہ بدرالدین الکردی کے یہ ہے کہ سفہ وہ عمل جس میں کوئی غرض نہ ہو اور عبث وہ فعل جس میں غرض ہو لیکن شرعی نہ ہو، دیگر لوگوں کے الفاظ میں عبث وہ فعل ہے جس کے فاعل کی غرض صحیح نہ ہو۔(ت)

یہ عمارت بے حاجت کی تعمیر ہوئی اور ہر عمارت بے حاجت اپنے بنانے والے پر روز قیامت وبال ہے۔

کما وردت به احادیث عند البیهقی عن انس والطبرانی عن واثلة وفیه عن غیرهما رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	جیسا کہ اس پر بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، طبرانی نے حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس سلسلہ میں ان کے علاوہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مرویات ہیں۔(ت)

جنگل میں بے حاجت شرعی ایک عمارت بنا کر کھڑی کر دینا اسراف ہوا اور اسراف حرام ہے قال اللہ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ [4] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور اسراف نہ کرو کہ اللہ تعالٰی اسراف

---

[1] سنن ابن ماجہ اتخاذ المساجد فی الدور مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۶

[2] الھدایۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۱۹

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] القرآن ۶/ ۱۴۱ و ۷/ ۳۱

کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ت) صورت مستفسرہ میں یہ سب شناعتیں خود اس فعل بے معنی میں موجود تھیں اگرچہ اس کی تعمیر براہِ نفسانیت نہ ہو اور جبکہ یہ بناء براہِ نفسانیت ہے جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر، تو اس کا مذموم و مردود ہونا خود واضح و روشن ہے کما لا یخفی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۳: از موضع مجھندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصیر الدین صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ عید قرباں میں مستحب ہے کہ جب تک نماز نہ پڑھی جائے کھانا نہ کھائے یعنی جو کہ نگاہ رکھے اپنے آپ کو کھانے اور پینے سے اور جماع کرنے سے دن قربانی کے یہاں تک کہ پڑھی جائے نماز عید کی، اب مردمان اہل اسلام دن قربان کے دس ذی الحجہ کو اپنے مکان سے کھانا کھا کر اور حقہ پانی پی کر واسطے نماز عید کے عیدگاہ کو جاتے ہیں، یہ حکم نہیں مانتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرتے ہیں تو ان کے واسطے شرع شریف سے کیا ہے، پس اس امر میں اس سے کیا کہا جائے گا اور نماز ان کی صحیح طور پر ہوگی و یا کوئی نقصان ان کی نماز میں عائد ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

اس باب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی حدیث قولی جس طرح سائل نے ذکر کی وارد نہیں، ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل ثابت ہوا ہے کہ عید قرباں میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے بعد نماز گوشتِ قربانی سے تناول فرماتے۔

الترمذی وابن ماجۃ عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایخرج یوم الفطر حتی یأکل وکان لا یأکل یوما النحر حتی یصلی [1] ورواہ الدار قطنی فی سننہ حتی یرجع فیأکل من اضحیتہ [2] صححہ ابن قطان۔ وفی اوسط الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ	ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیدالفطر کو کوئی چیز کھائے بغیر تشریف نہ لاتے اور یوم النحر کو نماز ادا کرکے تناول فرماتے، اسے دارقطنی نے سنن میں ذکر کیا اور اس سلسلہ میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ یہاں تک کہ نماز سے واپس لوٹتے اور اپنی قربانی سے تناول فرماتے، اسے

[1] جامع الترمذی باب فی صلوٰۃ العیدین مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۷۱

[2] سنن الدارقطنی کتاب العیدین حدیث ۷ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان ۲/۴۵

تعالٰی عنهما من السنة ان لایخرج یوم الفطر حتی یطعم ولایأکل یوم النحر حتی یرجع [1]۔	ابن قطان نے صحیح قرار دیا، طبرانی کی اوسط میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ سنت یہ ہے کہ یوم الفطر کو کھانے کے بغیر نہ نکلا جائے اور یوم النحر کو نماز سے واپسی پر کھایا جائے۔ (ت)

بہر حال یہ امر استحبابی ہے یعنی کرے ثواب، نہ کرے تو حرج نہیں، ایسے امر کے ترک کو حکم عدولی نہیں کہہ سکتے اور نماز میں نقص کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، درمختار میں ہے:

یندب تاخیر اکله عنها وان لم یضح ولو اکل لم یکرہ [2] اھ باختصار	یوم النحر میں کھانا مؤخر کرنا مندوب ہے اگرچہ قربانی نہ دینی ہو اور اگر کھایا تو اس میں کراہت نہیں اھ اختصارًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای یندب الامساك عما یفطر الصائم من صبحه الی ان یصلی قال فی البحر وھم مستحب ولا یلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھة اذ لا بدلها من دلیل خاص اھ وفی البدائع ان شاء ذاق وان شاء لم یزق والادب ان لایذوق شیأ الی وقت الفراغ من الصلٰوۃ حتی یکون تناوله من القرابین [3] اھ اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم	یعنی نماز کی ادائیگی تک ہر اس شی سے رکنا مندوب ہے جس سے صائم کا روزہ افطار ہوتا ہے، بحر میں فرمایا: یہ مستحب ہے اور ترک مستحب سے کراہت لازم نہیں آتی کیونکہ اس کے لئے مستقل دلیل ضروری ہے اھ بدائع میں ہے اگر چاہے تو چکھ لے اور نہ چاہے نہ چکھے، اور ادب یہی ہے کہ نماز سے فارغ ہونے سے پہلے کوئی شے نہ کھائے یہاں تک کہ اس کا تناول قربانی کے جانور سے ہو۔ اھ مختصرًا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۴: زید بغیر کچھ اپنی رائے ظاہر کرے علمائے حاضرہ کی تحقیق وثبوت شہادت صحیح جان کر سہ شنبہ کو دس ذی الحجہ یقینی جان کر عیدالاضحٰی کی امامت کراتا ہے لیکن شب سہ شنبہ کو ایک بڑے متدیّن مستند عالم

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والاوسط باب الاکل یوم الفطر الخ مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۲/۱۹۹

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۶

[3] ردالمحتار باب العیدین مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۸

تشریف لائے اور انھوں نے ثبوت رؤیت صحیح نہ جان کر سہ شنبہ کو عید نہیں کی، لوگوں سے کوشش کرائی گئی کہ کسی صورت سے مجھ کو ثبوت رؤیت معلوم ہو جائے تو میں بھی عید کروں مگر کسی سے پتا نہیں چلا جن کے پاس ثبوت گزرا وہ اس قدر فرما کر گئے کہ مجھے سچّا جانتے ہیں تو عید کریں ورنہ جواب کچھ نہیں، اس وجہ سے ایک عالم صاحب نے عید نہیں کی ان کے موافق موجود علماء میں سے ایک عالم اور ہوگئے زید امامت وخطبہ سے فارغ ہو کر یوں کہتا ہے کہ دینی بھائیو! آج عید ہے، اور نماز بھی پڑھئے مگر قربانی جو دس گیارہ بارہ کو جائز ہے بجائے سہ شنبہ کے چہار شنبہ کو کرو احتیاطًا تو بہتر ہو، اس آخری فقرہ پر سوال ہوتا ہے لوگوں کی جانب سے کہ کیا مطلب احتیاط کا، تو زید جواب دیتا ہے کہ اگر آج قربانی کرو تو جن علماء نے عید نہیں وہ فرمائیں گے کہ قربانی نہیں ہوئی اور اگر چہار شنبہ کو کروگے تو سب بالاتفاق فرمائیں گے کہ صحیح ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ، زید کا اس فقرہ کے تلفظ سے مجرم شرعی ہے یا نہیں، اور جو لوگ مشورہ کرکے اور لوگوں کو فراہم کرکے اپنے زعم میں زید کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں کوشش بلیغ کرتے ہیں کہ جرم ثابت ہو، یہ لوگ اچھا کام کرتے ہیں یا نا محمود؟

الجواب:

زید اس فقرہ کے سبب مجرم شرعی نہیں کہ احتیاط کرنے اور اختلاف معتبر شرعی سے بچنے کا حکم شرع مطہر میں ہے اتنی بات پر جو اسے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اچھا کام نہیں کرتے بلکہ گناہ کے ساعی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل المسلم علی المسلم حرام ماله وعرضه ودمه حسب امرئ من الشرع ان یحقر اخاه المسلم[1]۔ رواه ابوداؤد و ابن ماجة عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اُس کا مال، اُس کا آبرو، اس کا خون، آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔

البتہ وہ نماز کہ پڑھی اس میں بہت شقوق ہیں جن میں سے ملخص یہ کہ اگر وہ جن کو علمائے حاضرہ کہا رسمی علماء ہیں نہ کہ فقیہ ماہر جن کے فتوے پر اعتماد جائز ہو، ان کی تحقیق پر وثوق جائز نہ تھا اور اگر اس وقت تک ان کی بات زید کے حق میں لائق وثوق تھی اور جب دوسرے عالم جن کو بڑے متدین مستند عالم کہا ہے انھوں نے وہ ثبوت صحیح نہ جانا تو زید کو اگلوں کے بیان پر وثوق نہ رہا، اور سہ شنبہ کو دسویں ہونا بے ثبوت ہوگیا، پھر نماز پڑھی تو نماز ہی نہ ہوئی کہ نماز کے لئے جس طرح وقت شرط ہے یونہی اعتقاد مصلی میں وقت آجانا شرط ہے مثلًا اگر صبح کی نماز پڑھی اور اسے طلوعِ صبح میں شبہ تھا، نماز نہ ہوئی اگرچہ واقع میں صبح ہوگئی ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ باب حرمۃ المومن ومالہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۰

وکذا یشترط اعتقاد دخول فلو شك لم تصح صلوته وان ظهر انه قد دخل[1]۔	اسی طرح اس کے دخول کا اعتقاد بھی شرط ہے لہذا اگر شک ہوا تو نماز صحیح نہ ہوگی اگرچہ ظاہر یہی ہو کہ وقت شروع ہوچکا ہے۔(ت)

اور اگر وہ قابل وثوق تھے اور اسے وثوق ہی رہا تو قربانی میں احتیاط کی کیا حاجت تھی، اور تھی تو کیا نماز میں احتیاط درکار نہ تھی، عیدالاضحٰی کی نماز بھی بارھویں تک ہوسکتی ہے اگرچہ بلاعذر تاخیر مکروہ ہے، تنویر الابصار میں ہے:

یجوز تاخیرھا الی ثالث ایام النحر بلا عذر مع الکراھۃ وبہ بدونھا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	عذر کے بغیر نماز عیدالاضحٰی کو ایام نحر کے آخر تک مؤخر کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہے اور عذر کی صورت میں بغیر کراہت کے جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴۵: از کانپور محلّہ نئی سڑک مرسلہ حاجی فہیم بخش عرف چھٹن ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عمرو نے نماز عیدالاضحٰی اپنی امامت سے کثیر التعداد مقتدیوں کے ساتھ ادا کی، نماز خطبہ کے بعد عمرو نے بوجہ اختلاف رؤیت قربانی کے لئے بخیال مزید احتیاط ممانعت کی، بکر نے دوسرے روز نماز عیدالاضحٰی مع قلیل التعداد مقتدیوں کے شہر کی ایک مسجد میں پڑھی عمرو نے جو ہنگام ادائے نماز وہاں موجود تھا بکر کی اقتداء میں تکرار نماز کی، پس ایسی صورت میں عمرو کی کون سی نماز واجب اور کون سی نفل ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب: پہلے دن اگر عمر کو روز عید ہونے میں شک تھا یا بلاثبوت شرعی عید مان کر نماز عید پڑھی تھی تو وہ نماز ہی نہ ہوئی یہ دوسری ہی واجب واقع ہوئی اور اگر یہ ثبوت شرعی بلاتردد پہلے دن پڑھی تو وہی واجب تھی دوسری بلاوجہ رہی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۶: از ملک بنگالہ ضلع کمرلہ موضع چاندپور مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب غرہ ۱۳ صفر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص نماز عیدالاضحٰی کی نیت میں عیدالاضحٰی کہے یعنی یوں کہے نویت ان اصلی للہ تعالٰی رکعتی صلٰوۃ العید الاضحی الخ (میں نے نیت کی کہ میں اللہ تعالٰی کو راضی کرنے کے لئے نماز عیدالاضحٰی پڑھ رہا ہوں الخ۔ت) تو نماز اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟

---

[1] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۱/ ۲۹۶

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

بینوا توجروا عند اللہ۔

الجواب:

اگرچہ یہ لفظ غلط ہے صحیح صلوٰۃ عید الاضحیٰ ہے مگر نہ نیت زبانی کی نماز میں حاجت ہے نہ وہ نماز کے اندر ہے نہ اس میں فساد معنٰی ہے، تو اس غلطی کا صحتِ نماز پر اصلاً اثر نہیں ہوسکتا، دل میں عید الاضحیٰ ہی کا قصد ہے اگرچہ نام میں غلطی کی بلکہ دل میں نماز عید الاضحیٰ کا ارادہ کرتا اور زبان سے عید الفطر بلکہ مثلاً نماز تراویح کا نام نکلتا جسے اس نماز سے کوئی مناسبت ہی نہیں، جب بھی صحت نماز میں شبہ نہ تھا کہ نیت فعل قلب ہے۔ جب قلب کا ارادہ ہے زبان کا کچھ اعتبار نہیں، درمختار میں ہے:

المعتبر فیھا عمل القلب اللازم للارادۃ فلا عبرۃ للذکر باللسان ان خالف القلب لانہ کلام لانیۃ [1]۔	یہاں اعتبار فعل دل کا ہے جو ارادہ کو لازم ہے لہٰذا زبان کے ذکر کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ اس نے دل کی مخالفت کردی ہو کیونکہ وہ تو کلام والفاظ ہیں نیت نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو قصد الظھر وتلفظ بالعصر سھوًا اجزأہ کما فی الزاھدی قھستانی [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ارادہ ظہر کا تھا مگر سہواً عصر کہہ دیا تو نماز ہوجائیگی جیسا کہ زاہدی میں ہے قہستانی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴۷: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ منشی ہدایت یار خاں صاحب قیس ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عیدگاہ مثل مساجد قابل حرمت ووقعت ہے یا نہیں؟ اس کا حکم حکم مسجد ہے یا نہیں؟ اس احاطہ کے اندر غیر قوم میں جوتے پہنے ہوئے جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس چاردیواری کے اندر خرید وفروخت ہوسکتی ہے؟ خطبہ کے وقت دکانداروں یا خوانچہ والوں کا گشت اس میں جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بالتشریح اس کا جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

عیدگاہ ایک زمین ہے کہ مسلمانوں نے نمازِ عید کے لئے خاص کی، امام تاج الشریعۃ نے فرمایا صحیح یہ ہے

[1] درمختار باب شروط الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار باب شروط الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۵

کہ وہ مسجد ہے اس پر تمام احکام مسجد ہیں نہایہ میں اگرچہ مختار للفتوی یہ رکھا کہ وہ عین مسجد نہیں، مگر اس کے یہ معنی نہیں ہوسکتے کہ اس کی تنظیف و تطہیر ضروری نہیں، غیر وقت نماز و خطبہ میں اس میں خرید وفروخت قولِ اول پر مطلقاً حرام ہے اور خرید فروخت کے لئے اس متعین کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

اذ لا یجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فضلا عن ضیعتہ کما فی الھندیۃ وغیرھا [1]۔	وقف کی ہیئت وحالت میں تبدیلی جائز نہیں چہ جائیکہ اسے ضائع کرنا جائز ہو ہندیہ وغیرہ۔ (ت)

اور یوں کہ اتفاقاً غیر وقت نماز خطبہ میں ایک کے پاس کوئی شے ہو وہ دوسرے کے ہاتھ بیع کرے، قول دوم پر اس میں حرج نہیں، وقت نماز یا خطبہ میں خوانچہ والوں کا گشت بلاشبہ ممنوع وواجب الانسداد ہے کہ مخل استماع وناقض ہے اور ان کے غیر اوقات میں وہی اختلاف قولین، یونہی کفار کی آمد ورفت خصوصاً جوتا پہنے کہ یہ نجاست سے خالی نہیں ہوتے نہ وہ جنابت سے کما حققہ فی الحلیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس کی تحقیق حلیہ میں ہے اور ہم نے اپنے فتاوی میں اسے تفصیلاً بیان کیا ہے۔ت)

درمختار میں ہے:

اما المتخذ لصلٰوۃ جنازۃ اوعید فھو مسجد فی حق جوازالاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لا فی حق غیرہ بہ یفتی نھایۃ [2]	لوگوں کی سہولت کی وجہ سے عیدگاہ اور جنازہ گاہ جواز اقتداء کے حق میں مسجد ہے اگرچہ صفیں متصل نہ ہوں، ہاں اس کے علاوہ میں یہ حکم نہیں، اسی پر فتوی ہے۔ نہایہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھرہ انہ یجوز الوطئ والبول والتخلی فیہ ولا یخفی مافیہ فان البانی لم یعدہ لذلک فینبغی ان لایجوز وان حکمنا بکونہ غیر مسجد وانما تظھر فائدتہ فی حق بقیۃ الاحکام و حل دخولہ للجنب والحائض [3] انتھی	بحر میں ظاہر عبارت بتارہی ہے کہ وطی اور بول وبراز جائز ہے لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ بانی نے اس کے لئے نہیں بنائی لہذا یہ جائز نہیں ہونا چاہیے اگرچہ ہم اسے مسجد کا حکم نہیں دیتے اس کا فائدہ بقیہ احکام میں ظاہر ہوتا ہے اور اس میں جنبی اور حائضہ کے دخول کا جواز بھی انتہی (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸۶

اسی میں ہے:

صحح تاج الشریعۃ ان مصلی العید لہ حکم المساجد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تاج الشریعۃ نے عید گاہ کے لئے مسجد کے حکم کی تصحیح کی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید کو امام نے اس طور ادا کیا کہ پہلی رکعت میں بعد ثناء کے اول قراءت سے چار تکبیریں کہیں، دوسری رکعت میں قبل از قراءت کے چار تکبیریں کہیں اور قراءت کرکے نماز تمام کی پہلی رکعت میں بعد ثناء کے تین تکبیریں کہیں بعد کو قراءت اور دوسری رکعت میں اول میں تین تکبیریں کہیں اور قراءت ادا کرکے نماز تمام کی، تو اس صورت سے نماز عید ہوگئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلی صورت میں دو باتیں خلافِ اولٰی کیں چار چار تکبیریں کہنی اور دوسری رکعت قبل قراءت تکبیر ہونی، اور دوسری صورت میں یہی بات خلاف اولٰی ہوئی، مگر دونوں صورتوں میں نہ نماز میں نقصان آیا نہ کسی امر ناجائز و گناہ کا ارتکاب ہوا، ہاں بہتر نہ کیا، درمختار میں ہے:

ھی ثلاث تکبیرات فی کل رکعۃ ولو زاد تابعہ الی ستۃ عشر لانہ ماثور[2]۔	یہ ہر رکعات میں تین تکبیرات ہیں اگر امام اضافہ کردے تو سولہ تک اس کی اتباع کی جائے کیونکہ یہاں تک منقول ہیں،(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البحران الخلاف فی الاولویۃ ونحوہ فی الحلیۃ[3]۔	بحر میں ہے کہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے، اور اسی طرح حلیہ میں ہے(ت)

درمختار میں ہے: یوالی ندبا بین القرأتین[4] (دونوں رکعتوں کی قراءت کو تکبیراتِ زائدہ کے فصل کے بغیر ادا کرنا مستحب ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۴۸۶

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۵

[3] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۱۵

[4] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۵

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انه لوکبر فی اول رکعته جاز لان الخلاف فی الاولویة [1]۔	اس میں اشارہ ہے کہ اگرچہ رکعت کی ابتداء میں تکبیر کہہ لی تو جائز ہے کیونکہ اختلاف اولٰی ہونے میں ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۴۹: از اورنگ آباد ضلع گیا مرسلہ محمد اسمٰعیل مدرس مدرسہ اسلامیہ ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید عید الاضحٰی میں بعد اختتام نماز منبر پر گیااور خطبہ شروع کیا، اثنائے خطبہ اولٰی میں مستمعین سے ہی آپ لوگ ذرازور سے سبحان اللہ پڑھیں۔ سب چپ رہے، پھر دوبارہ سہ بارہ کہہ کرلوگوں کو مجبور کیا کہ کیوں نہیں پڑھتے، تم لوگوں کامنہ کیوں بند ہوگیا، تب لوگوں نے بآواز بلند سبحان اللہ پڑھنا شروع کیا پھر لبیّك واللہ اکبر کہلوایا پھر لا الٰه الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھوایا پھر نعتیہ خطبہ پڑھ کر منبر پر بیٹھااور اٹھ کر خطبہ شروع کیا، ابھی خطبہ ثانیہ تمام ہونے نہ پایا تھاکہ لوگوں کو کھڑے ہوکر یانبی سلام علیك یارسول سلام علیك پڑھنے کو کہا، چناچہ لوگوں نے اٹھ کر زور زور سے یانبی سلام علیك مع اشعار اردو کتب میلاد مروجہ ترنم سے پڑھااور زید نے پھر کچھ اردو میں دعامانگی اور خطبہ ثانیہ کواسی طرح ناتمام چھوڑدیا آیا یہ فعل موافق سنتِ متوارثہ ہوایا خلاف سنت سراسر عبث اور ایسا کرنے والے پر عندالشرع کیاحکم لگایا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب:

حالت خطبہ میں کلام اگرچہ ذکر ہو مطلقًا حرام ہے اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولاکلام [2] (جب امام آجائے توصلوٰۃ وکلام نہیں، ت) امام نے جوکچھ کیاسب بدعت شنیعہ سیئہ ہے، اُن جاہلوں کاوبال بھی اس پر بغیر اس کے کہ ان کے وبال میں کمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ینقص ذلك من	جس نے کسی اچھی بات کی طرف بلایااس کواتباع کرنے کے اجر کی مثل اجر ملے گااور ان کے اجر میں کوئی کمی

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۶

[2] نصب الرایۃ کتاب الصلوۃ باب صلوٰۃ الجمعۃ مطبوعہ المکتبہ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۲۰۱، فتح الباری کتاب الجمعۃ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳۸

اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اثام من تبعہ لاینقص ذلك من اثامھم شیئا[1] رواہ الائمۃ احمد ومسلم والاربعۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	نہ ہوگی اور جس نے برائی کی طرف بلایا اس پر گناہ ہوگا اتباع کرنے والوں کی مثل، اور ان کے گناہ میں بھی کمی نہ ہوگی، اسے امام احمد، مسلم اور چار ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] صحیح مسلم باب من سن سنۃ حسنۃ اوسیئۃ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۱

وِشاحُ الجید فی تحلیل معانقۃ العید ۱۳۱۲ھ

(نمازِ عید کے بعد معانقہ کے جائز ہونے کا ثبوت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی عید رحمتہ وسع کل قریب و بعید، وجعل اعیاد المؤمنین مُعَانَقَة بصفر الوعد وعفو الوعید، وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی من تعانق عید جمالہ بِعید نوالہ، فوجھہ عید، ویدہ عید، یسعد بھما کُلُّ سعید، وعلی حزبَیِ الاٰل والا صحاب الذین ھما العید ان لایّام الایمان، وعلی کل من عانق جیدہ وِشاح الشھادتین بجمّان الایقان ماتعانق الملوان، وتوارد العیدان، ھَنّأھم اللہ بأعیاد الاسلام، وعیدالرویۃ فی دارالسلام، ولدَیہ مزید، وانّہ یبدئ ویعید،	تمام تعریف اللہ کے لئے جس کی عید رحمت ہر دور نزدیک کو محیط ہے، اور جس نے اہل ایمان کی عیدوں کو صفائیِ وعدہ اور معافیِ وعید سے بغلگیر کیا، اور بہتر درود اور کامل ترین سلام ہو ان پر جن کی عید جمال (ان کی) عیدِ جود ونوال سے ہم آغوش ہے، جن کا چہرہ زیبا بھی عید اور دست عطا بھی عید، ہر خوش نصیب ان دونوں سے فیروز مند ہے، ان کی آل واصحاب دونوں جماعتوں پر جو ایام ایمان کی دو عیدیں ہیں اور ہر اس شخص پر جس کی گردن گوہر یقین سے آراستہ قلادہ شہادتین سے ہمکنار ہے، (یہ درود سلام ہوں) جب تک روز وشب باہم بغلگیر اور دونوں عیدیں یکے بعد دیگرے وردو پذیر رہیں، اللہ انھیں عید ہائے اسلام اور جنت میں عید دیدار کی مبارکباد سے نوازے۔ (ت)

اَمَّا بَعْدُ چند سال ہوئے کہ روز عید الفطر بعض تلامذہ مولوی گنگوہی نے بعض اہلسنت پر دربارہ معانقہ طعن وانکار کیا کہ: "شرع میں معانقہ صرف قادمِ[ف۱] سفر کے لئے وراد ہوا، بے سفر بدعت، ناروا، میں نے اپنے اساتذہ سے یوں ہی سنا"۔ ان سنیوں نے اس باب میں فقیر حقیر عبدالمصطفیٰ احمد رضا محمدی سُنی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفراللہ لہ وحقق اَمَلہ سے سوال کیا فقیر نے ایک مختصر فتوٰی لکھ دیا کہ احادیث میں معانقہ سفر و بے سفر دونوں کا اثبات اور تخصیصِ سفر تراشیدہ حضرات [ف۲]۔ بحمداللہ اس تحریر کا یہ نفع ہوا کہ ان صاحب نے اپنے دعوی سے انکار کردیا کہ: "نہ میں اس تخصیص کا مدعی تھا نہ اپنے اساتذہ سے نقل کیا"۔

خیر یہ بھی ایک طریقہ توبہ ورجوع ہے اور الزام کذب بھی زائل ومدفوع ہے کہ جب اپنے معبود کا کذب ممکن جانیں، کیا عجب کہ اپنے واسطے فرض وواجب مانیں [ف۳]۔

ف۱ قادم سفر: سفر سے آنے والا۔ (مترجم)

ف۲ یعنی میں نے اپنے فتوے میں لکھا کہ سفر سے آنے کی حالت اور اس کے علاوہ احوال میں بھی احادیث سے معانقہ کا جائز ہونا ثابت ہے۔ اور معانقہ کا جواز محض آمد سفر کی حالت سے خاص کرنا ان حضرات کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے، حدیث فقہ سے اس پر کوئی معتبر دلیل ہر گز نہیں۔ (مترجم)

ف۳ جب انھوں نے اپنے دعوے سے انکار کردیا تو اتنا ظاہر ہوگیا کہ وہ اپنے پہلے قول پر نہ رہے اور جواز معانقہ بلا تخصیص تسلیم کرلیا___ البتہ ان پر یہ الزام عائد ہوتا ہے کہ انھوں نے دروغ گوئی سے کام لیا کہ پہلے ایک بات کہی پھر کہنے سے انکار کرڈالا___ مگر دیوبندی حضرات جب اپنے معبود کے لئے جھوٹ بولنا ممکن مانتے ہیں، تو خود ان پر جھوٹ بولنے کا الزام عائد کیا جاسکتا ہے، بعید نہیں کہ وہ اسے اپنے لئے فرض وواجب مانتے ہوں، استاد محترم حافظ ملّت مولانا عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ رحمۃ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور فرمایا کرتے تھے کہ علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کا عقیدہ ہے کہ "خدا جھوٹ بول سکتا ہے مگر بولتا نہیں" اگر خود ان کا بھی یہی حال ہو کہ "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" تو ان کے عقیدے کی رو سے شرک اور خدا کے ساتھ اس وصف میں برابری لازم آجائے گی، اس لئے ان کے اپنے عقیدہ وقاعدہ پر "فرض اور ضروری ہے کہ وہ جھوٹ بولیں"۔ اگر "جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں" کی منزل میں رہ گئے تو مشرک ٹھہریں گے۔ (مترجم)

اب اس عیدالاضحیٰ ۱۳۱۱ھ میں بعض علمائے شہر کے ایک شاگرد بعض اہلسنت سے پھر اُلجھے، انھوں نے پھر وہی فتوائے فقیر پیش کیا، خیالات کے پکے تھے ہر گز نہ سلجھے، انھوں نے ان کے استاذ کو فتوی دکھایا، تصدیق نہ فرمائیں تو جواب چاہا، مدت تک انکار پھر بعد اصرار وعدہ واقرار، بالآخر مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب صفحہ ۵۳۹ جلد اول پر نشانی رکھ کر ارسال فرمایا، اور بعض عباراتِ ردالمحتار ومرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف سے حاشیہ چڑھایا، سائل مُصِر ہوئے کہ "جواب ضرور ہے آخر تحقیق حق نا منظور ہے" فقیر نے چند ورق لکھ کر بھیج دیے اور رسالہ میں فتوی سابقہ کے ساتھ جمع کئے کہ ناظر دیکھیں، نفع پائیں، فقیر کو دعائے خیر سے یاد فرمائیں وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق۔

اس رسالہ کا بلحاظ فتوی سابق وتحریر لاحق دو [۲] عید پر انقسام۔ اور بنظر تاریخ کہ بستم ۲۰ محرم ۱۳۱۲ھ لکھا گیا "وَشَاحُ الجِیْد فِی تَحْلِیْل مُعَانَقَۃِ العِید" نام [ف۱] والحمد للہ ولی الانعام (اور تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو احسان کا مالک ہے۔ت)

عیداوّل میں فتوی اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۴۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ حالتِ سفر کا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ جو اُسے قدوم مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے، قول اس کا شرعًا کیسا ہے؟

الجواب:

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور برّ وکرامت واظہار محبت۔ بے فسادِ نیت ومواد شہوت، بالاجماع جائز جس کے جواز پر احادیث کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق، اور تخصیص سفر کا دعوی محض بے دلیل، احادیثِ نبویہ وتصریحاتِ فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد، اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب اور بے مدرک شرعی تقیید وتخصیص مردود باطل، ورنہ نصوصِ شرعیہ سے امان اُٹھ جائے، کما لا یخفی [ف۲] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

ف۱: معانقہ کی تائے مدوّرہ حسب قاعدہ "ہ" مانی گئی ہے اس لئے اس کا عدد ۴۰۰ نہیں بلکہ ۵ ہوگا اور پورے نام کا عدد ۱۷۰۷ نہیں بلکہ ۱۳۱۲ ہوگا۔ (مترجم)

ف۲: ان ہی سطور میں اعلیحضرت نے پورے فتوے کا ماحصل اور تمام اعتراضات کا جواب ذکر کردیا، ان جامع سطور کی قدرے تشریح درج ذیل ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

ابن [ف] ابی الدنیا کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس اور ابو جعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی واللفظ للعقیلی:

انہ قال سألت رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم و	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا، فرمایا: تحیّت ہے امتوں کی، اور ان

جوازِ معانقہ کی مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

(۱) معانقہ کپڑوں کے اوپر سے ہو۔

(۲) نیکی، اعزاز اور اظہار محبت کے طور پر ہو۔

(۳) خرابی نیت اور شہوت کا کوئی دخل نہ ہو۔

مذکورہ بالا شرطوں کے ساتھ معانقہ سفر، غیر سفر ہر حال میں جائز ہے۔

دلیل: اس کا ماخذ وہ روایات واحادیث ہیں جن میں قیدِ سفر کے بغیر معانقہ کا ثبوت ہے، جو لوگ صرف آمدِ سفر کے بعد معانقہ جائز بتاتے ہیں ان کا جواب یہ ہے:

تمام احادیث وروایات میں مطلق طور پر جوازِ معانقہ کا ثبوت ہے، یہ کسی حدیث میں نہیں کہ بس سفر سے آنے کے بعد معانقہ جائز ہے، باقی حالات میں ناجائز__ بلکہ بعض احادیث سے صراحۃً آمدِ سفر کے علاوہ حالات میں بھی معانقہ کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(۴) شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو حکم، مطلق اور کسی قید کے بغیر ہو، اسے مطلق ہی رکھنا واجب وضروری ہے،

(۵) معانقہ کے بارے میں جب یہ حکم مطلق اور قید سفر کے بغیر ہے، تو اسے مطلق رکھتے ہوئے سفر، غیر سفر ہر حال میں معانقہ جائز ہوگا۔

(۶) ہاں اگر کسی حکم میں خود شریعت کی جانب سے تخصیص اور تقیید کا ثبوت ہو تو اس حکم کو مخصوص اور مقید ضرور ماننا جائے گا__ مگر معانقہ کے بارے میں سوااُن شرائط کے جو ابتدا میں ذکر کی گئیں آمد وسفر وغیرہ کی کوئی قید نہیں۔

لہٰذا جواز معانقہ کے بارے میں بے دلیل شرعی آمدِ سفر کی قید لگانا محض باطل اور نامقبول ہے۔ (مترجم)

ف: یہاں سے دلیل کی تفصیل فرمائی، سب سے پہلے ایک حدیث ذکر کی جس سے معانقہ کی تاریخ آغاز معلوم ہوتی ہے، پھر فقہ حنفی کے مستند مآخذ سے وہ نصوص تحریر فرمائے جن کا حاصل ابتداءً رقم فرماچکے۔ (مترجم)

صالح وُدِّھم وانّ اول من عانَقَ خلیل اللہ ابراھیم[1]۔	کی اچھی دوستی، اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقۃ من فوقِ قمیصٍ او جُبّۃٍ جاز عند الکل اھ[2] ملخصاً۔	اگر معانقہ کُرتے یا جُبّے کے اوپر سے ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے اھ ملخصًا (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذا کان علیھما قمیص اوجبۃ جاز بالاجماع[3] اھ ملخصاً۔	گر معانقہ کرنے والے دونوں مردوں پر کُرتا یا جُبّہ ہو تو یہ معانقہ بالاجماع جائز ہے اھ ملخصا (ت)

ہدایہ میں ہے:

قالوا الخلاف فی المعانقۃ فی ازار واحدٍ واما اذا کان علیہ قمیص اوجُبۃ فلا باس بھا بالاجماع وھو الصحیح[4]۔	طرفین (امام اعظم وامام محمد) اور ابویوسف میں اختلاف ایک تہبد کے اندر معانقہ کے بارے میں ہے لیکن جب معانقہ کرنے والا کُرتا یا جبہّ پہنے ہو تو بالاجماع اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان علیہ قمیص او جبۃ جاز بلاکراھۃ بالاجماع وصححہ فی الھدایہ وعلیہ المتون[5]۔	اگراس کے جسم پر کرتا یا جبہ ہو تو بلاکراہت بالاجماع جائز ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح قرار دیا، متون فقہ میں یہی ہے۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

عِناقُہ اذاکان معہ قمیص او جبۃ	اس کا معانقہ جب اسی طرح ہو کہ کُرتا یا جبّہ

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ نمبر ۱۱۴۱ عمر بن حفص بن محبر مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/۱۵۵
[2] فتاوٰی خانیہ کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۸۳
[3] مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ مطبوعہ بیروت ۲/۵۴۱
[4] ہدایہ کتاب الکراہیۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۶۶
[5] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

او غیرہ لم یُکرہ بالاجماع وھو الصحیح[1] اھ ملخصاً۔	یا کچھ حائل ہو تو بالاجماع مکروہ نہیں، اور یہی صحیح ہے اھ ملخصاً (ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر مولٰی خسرو وغیرہا میں جزم کیا، اور یہ وقایہ و نقایہ و اصلاح وغیرہا متون کا مفاد، اور شروح ہدایہ و حواشی در مختار وغیرہا میں مقرر ان سب میں کلام مُطلق ہے کہیں تخصیص سفر کی بُو نہیں۔ اَشِعَّۃُ اللّمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع ست خصوصاً نزد قدوم از سفر[2]۔	معانقہ میں اگر فتنے کا خوف نہ ہو تو جائز و مشروع ہے خصوصاً جب سفر سے آرہا ہو۔ (ت)

یہ "خصوصاً" بطلانِ تخصیص پر نصِّ صریح__ رہیں احادیث نہی، ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق۔ پھر اطلاق پر رکھے تو حالتِ سفر بھی گئی، حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق پر چلئے تو علماء کرام فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد۔ اور اوپر ظاہر کہ ایسی صورت میں تو بحالتِ سفر بھی مصافحہ بھی ممنوع، تا بمعانقہ چہ رسد[ف۱]۔

ف۱: یہ اُن احادیث سے استدلال کا جواب ہے جن میں معانقہ سے ممانعت آئی ہے۔ توضیح جواب یہ ہے کہ احادیث میں ممانعت مذکور ہے۔ اب اگر ان سے مطلقاً ہر حال میں ممانعت مراد لیں تو سفر، غیر سفر ہر جگہ معانقہ ناجائز ہوگا جب کہ سفر سے آنے کے وقت مانعین بھی معانقہ جائز مانتے ہیں۔ اس لئے وہ اگر احادیث نہی ہمارے خلاف پیش کریں تو خود ان کے بھی خلاف ہوں گی__ لامحالہ جوازِ معانقہ اور ممانعتِ جواز دونوں قسم کی حدیثوں میں تطبیق کرنا ہوگی، اور دونوں کے ایسے معنی لینے ہوں گے جن سے تمام احادیث پر عمل ہوسکے__ اور تطبیق یوں ہے کہ جہاں معانقہ سے ممانعت ہے وہاں معانقہ بطور شہوت مراد ہے__ اور جہاں جواز معانقہ کا ثبوت ہے وہاں معانقہ بے شہوت و فساد نیت مراد ہے جیسا کہ ہم نے ابتداءً ذکر کیا__ اور ظاہر ہے کہ معانقہ بطور شہوت تو سفر سے آنے کے بعد بھی ناجائز ہے بلکہ اس طرح تو معانقہ کیا مصافحہ بھی ناجائز ہے۔ احادیث جواز منع کے درمیان تطبیق مختلف فقہاء کرام نے فرمائی ہے اعلیحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے ان کا حوالہ کتاب میں پیش کردیا ہے۔ (مترجم)

---

[1] شرح نقایہ (ملّا غازی) کتاب الکراہیۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۹

[2] اشعۃ اللمعات باب المصافحۃ والمعانقۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سیدی امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر اور مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں، اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں:

وھذا لفظ الاکمل، قال وفّق الشیخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اھل السنۃ وسید الحنفیۃ) بین الاحادیث فقال المکروہ من المعانقہ ماکان علی وجہ الشھوۃ وعبر عنہ المصنف (یعنی الامام برھان الدین الفرغانی) بقولہ ازار واحدٍ فانہ سبب یفضی الیھا فاما علی وجہ البِر والکرامۃ اذاکان علیہ قمیص او جبۃ فلا باس بہ[1]۔	(یہ اکمل الدین بابرتی کے الفاظ ہیں) انھوں نے فرمایا شیخ ابو منصور (ماتریدی، اہل سنت کے امام اور حنفیّہ کے سردار) نے (معانقہ کے جواز و منع دونوں طرح کی) حدیثوں میں تطبیق دی ہے، انہوں نے فرمایا مکروہ وہ معانقہ ہے جو بطور شہوت ہو۔اور مصنف (یعنی امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ) نے اسی کو ایک تہبند میں معانقہ کرنے سے تعبیر کیا ہے، اس لئے کہ یہ سبب شہوت ہو سکتا ہے، لیکن نیکی و اعزاز کے طور پر کُرتا یا جُبہ پہنے ہوئے معانقہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اور کیونکر روا ہوگا کہ بے حالتِ سفر معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیر میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایاف۱۔

ف۱: یہاں سے استدلال نے ایک دوسرا رنگ اختیار کیا، اعلٰیحضرت رحمہ اللہ تعالٰی نے سولہ احادیث ان کے حوالوں کے ساتھ پیش فرمائی ہیں جن میں اُسی معانقہ کا ذکر ہے جو نیکی، اعزاز اور اظہار کے طور پر ہے___ خرابی نیت اور مواد شہوت سے ہر طرح دور ہے___ مگر بے حالت سفر ہے___ لہٰذا احادیث سے صراحۃً یہ ثبوت فراہم ہو جاتا ہے کہ صرف قدوم سفر کے بعد ہی نہیں بلکہ دیگر حالات میں بھی معانقہ بلاشبہ جائز درست ہے۔اور جب خود سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان تمام احوال میں معانقہ کا ثبوت حاصل ہو جاتا ہے تو کوئی دوسرا اسے "بدعت و ناروا" کہنے کا کیا حق رکھتا ہے! (مترجم)

[1] العنایۃ مع فتح القدیر شرح ہدایہ کتاب الکراھیۃ مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۵۸

حدیث اول[۱]: بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ بطُرقِ عدیدہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وھذا لفظ مؤلَّف منھا دخل حدیث بعضھم فی بعض (آئندہ الفاظ ان متعدد روایات کا مجموعہ ہے، بعض کی احادیث بعض میں داخل ہیں۔ت)

قال خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجلس بفناء بیت فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فقال اُدعی الحسن بن علی فحبستہ شیئا فظننت انھا تلبسہ سخابا او تغسلہ فجاء یشتد وفی عنقہ السخاب فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ ھکذا فقال الحسن بیدہ ھکذا حتی اعتنق کل منھما صاحبہ فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم اِنیّ اُحبُّہ، فَاَحِبَّہ، وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّہ،[1]۔	یعنی ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا، حضرتِ زہرا نے بھیجنے میں کچھ دیر کی، میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی، اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر آئے، گلے میں ہار پڑا تھا، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھائے حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلائے، یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے، حضور نے "گلے لگا کر" دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ اور جو اسے دوست رکھے اسے دوست رکھ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی حِبّہٖ وبارک وسلم۔

حدیث دوم[۲]: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا خذ بیدی فیُقعدنی علی فخِذِہٖ ویقعد الحسین علٰی فخِذِہٖ الاُخرٰی ویَضُمُّناَ ثم یقول رب انی ارحمھما فار حمھما[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری ران پر امام حسین کو، اور ہمیں "لپٹا لیتے" پھر دعا فرماتے: الٰہی! میں ان پر رحم کرتا ہوں تو ان پر رحم فرما۔

حدیث سوم[۳]: اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے:

---

[1] الصحیح للمسلم باب فضل الحسن والحسین مطبوعہ راولپنڈی ۲/ ۲۸۲

[2] الصحیح البخاری باب وضع الصبی فی الحجر مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۸

ضَمَّنِي النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی صدرہ۔ فقال اللھم علمہ الحکمۃ [1]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے "سینے سے لپٹایا" پھر دُعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھادے۔

حدیث چہارم ۴: امام احمد اپنی مُسنَد میں یعلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان حسنًا وحُسینا رضی اللہ تعالٰی عنھما یستبقا الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضمّھما الیہ [2]۔	ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو "لپٹالیا"

حدیث پنجم ۵: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ہے:

سُئِلَ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای اھل بیتك احبّ الیك قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمۃ ادعی لی ابنی فیشمھما ویضمھما [3]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہل بیت میں زیادہ پیارا کون ہے؟ فرمایا: حسن اور حسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر "سینے سے لگالیتے" اور ان کی خوشبو سُونگھتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم ۶: امام ابوداؤد اپنی سُنن میں حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

بینما ھو یحدث القوم وکان فیہ مزاحٌ بینما یضحکھم فطعنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی خاصرتہ بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصًا ولیس علیّ قمیص فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی عیہ وسلم عن قمیصہ	اس اثنا میں کہ وہ باتیں کر رہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا، لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلو میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی مجھے بدلہ دیجئے، فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کرتا اُٹھایا

[1] الصحیح البخاری مناقب ابن عباس مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۳۱

[2] مسند احمد بن حنبل مناقب ابن عباس مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۷۲

[3] جامع ترمذی مناقب الحسن والحسین مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴۰-۵۳۹

فا حتضنه و جعل یقبّل کشعه قال انما اردت هذا یا رسول الله[1]۔	انھوں نے حضور کو اپنی "کنار میں لیا" اور تہیگاہِ اقدس کو چُومنا شروع کیا پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔

ع دلِ عشّاق حیلہ گر باشد

(عاشقوں کے دل بہانہ تلاش کرنے والے ہوتے ہیں)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل من احبہ وبارک وسلم۔

حدیث ہفتم ۷: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

مالقیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت به فاتیته وهو علی سریر فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود[2]۔	میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، آیا تو خبر پائی، حاضر ہوا، حضور تخت پر جلوہ فرما تھے "گلے سے لگالیا" تو زیادہ جیّد اور نفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم ۸: ابویعلٰی اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالت رأیت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم التزمَ علیًّا وقبّله، وهو یقول بأبی الوحید الشهید[3]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولٰی علی کو "گلے لگایا" اور پیار کیا، اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

حدیثِ نہم ۹: طبرانی کبیر اور ابن شاہین کتاب السُّنّۃ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبه فسبح کل رجل منهم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے، حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پَیرے۔ سب نے

---

[1] سنن ابوداؤد باب قُبلۃ الجسد (کتاب الادب) مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی المعانقۃ (کتاب الادب) مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] مسند ابویعلٰی مسند عائشہ مطبوعہ موسسہ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۱۸

الیٰ صاحبه حتی بقی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وابوبکر فسَبّحَ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم الیٰ ابی بکر حتی اعتنقه فقال لو کنت متخذا خلیلا لا اتخذت ابا بکر خلیلا ولکنّه صاحبی [1]	ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدیق کی طرف پَیرکے تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا: میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ صاحبہٖ وبارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق الله بعدی احدا خیرا منه ولا افضل وله شفاعة مثل شفاعة النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر فقام النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقبّله والتزمه [2]۔	ہم خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر تھے، ارشاد فرمایا: اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے بعد اس سے بہتر وبزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت شفاعتِ انبیاء کے مانند ہوگی، ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر صدیق نظر آئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیام فرمایا اور صدیق کو پیار کیا اور "گلے لگایا"

حدیث یازدہم ۱۱: حافظ عمر بن محمد مُلّا اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی:

قال رأیت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واقفًا مع علی بن ابی طالب اذااقبل ابوبکر فصافحه النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وعانقه، وقبّل فاه فقال علی اتقبل فاابی بکر فقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یا ابا الحسن منزلة	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، کے ساتھ کھڑے دیکھا اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے، حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور "گلے لگایا" اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے عرض کی: کیا حضور

[1] طبرانی کبیر حدیث ۱۱۶۷۶ و ۱۱۹۳۸ مطبوعہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۱ و ۳۳۹

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۱۱۴۱ محمد بن عباس ابوبکر القاص مطبوعہ دار الکتب العربیہ بیروت ۳/ ۲۴۔ ۱۲۳

ابی بکرٍ عندی کمنزلتی عند ربی"[1]۔	ابوبکر کا مُنہ چومتے ہیں؟ فرمایا: اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا میرا مرتبہ میرے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم ۱۲: ابن عبدِ ربہ "کتاب بھجۃ المجالس میں مختصراً اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مطوّلاً، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام اور کفار سے حرب وقتال فرمانا، اور ان کے چہرۂ مبارک پر ضربِ شدید آنا، اس سخت صدمے میں بھی حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال رہنا، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمتِ اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلاً مروی، یہ حدیث ہماری کتاب **مَطْلَعُ الْقُمَرَیْن فی اَبَانَۃِ سَبْقَۃِ الْعُمَرَیْن** (۱۲۹۷ھ) میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذا ھدأت الرجل وسکن الناس خرجتابه یتّکی علیھا حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فانکبّ علیه فقبّله وانکب علیه المسلمون ورقّ له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رقّة شدیدة[2]۔الحدیث۔	یعنی جب پچل موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے ان کی والدہ اُم الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہما انھیں لے کر چلیں، بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے، یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا، دیکھتے ہی "پروانہ وار شمع رسالت پر گر پڑے" (پھر حضور کو بوسہ دیا) اور صحابہ غایت محبت سے ان پر گرے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے نہایت رقت فرمائی۔

حدیث سیزدہم ۱۳: حافظ ابوسعید شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المنبر ثم قال این عثمان بن عفان؟ فوَثَبَ وقال انا	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں؟ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بے تابانہ اُٹھے اور عرض کی: حضور! میں یہ

[1] سیرت حافظ عمر بن محمد ملّا

[2] الریاض النضرۃ ذکر ام الخیر مطبوعہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱/ ۷۶

ذا یارسولَ اللہ فقال اُدْنُ مِنِّیْ فَدَنَا مِنْہُ فَضَمَّہ اِلٰی صَدْرِہٖ وقَبَّلَ بَیْنَ عَیْنَیْہِ [1] الخ	حاضر ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "سینہ سے لگایا" اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔

حدیث چہاردہم ۱۴: حاکم صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور ابویعلٰی اپنی مسند اور ابونعیم فضائل صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّٰی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملّا سیرت میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

قال بینا نحن مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی نفر من المہاجرین منھم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحۃ والزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لِیَنْھَضْ کُلُّ رَجُلٍ الٰی کفوہ ونَھَضَ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی عثمان فاعتنقہ، وقال اَنْتَ وَلِیّی فِی الدُّنْیاَ والْاٰخِرَۃ [2]۔	ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے حاضرین میں خلفائے اربعہ وطلحہ وزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے اور خود حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اُٹھ کر تشریف لائے ان سے "معانقہ" کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دُنیا وآخرت میں۔

حدیث پانزدہم ۱۵: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبٰی وُہ اپنے والد ماجد مولٰی علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عَانَقَ عثمان بن عفان وقال قد عَانَقْتُ اَخِیْ عثمان فَمَنْ کانَ لَہ اَخ فَلْیُعَانِقْہُ۔ [3]	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا: میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہئے اپنے بھائی سے "معانقہ کرے"

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقاً حکم بھی ارشاد ہوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے۔

---

[1] شرح المصطفٰی (شرف النبی) باب بیست ونہم میدان انقلاب تہران ص ۲۹۰

[2] المستدرک باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ بیروت ۳/ ۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۶۲۴۰ مطبوعہ دار الکتب الاسلامی حلب ۱۳/ ۵۷

حدیث شانزدہم[16] : کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا کہ عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے "گلے لگالیا اور فرمایا: **ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ**"[1] (یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے۔ت) **او کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وبارك وسلم** (یا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے وارد ہے۔ت) بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد۔ بلکہ سفر وبے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحاً نہی ثابت نہ ہو، یہاں تک کہ خود امام الطائفہ مانعین اسمٰعیل دہلوی رسالہ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہوا صاف مُقِر کہ معانقہ روز عید گو بدعت ہو بدعت حسنہ ہے۔ **حیث قال** (یوں کہا۔ت)[ف۱] :

ہمہ وقت از قرآن خوانی فاتحہ خوانی وخورانیدن طعام سوائے کندن چاہ وامثال دعا واستغفار واُضحیہ بدعت ست	کُنواں کھودنے۔اور اسی طرح حدیث میں سے ثابت دوسری چیزوں، اور دعا استغفار، قربانی کے سوا تمام طریقے، قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا

ف۱: مولوی اسمٰعیل دہلوی پیشوایان علماء دیوبندی کی اس عبارت میں چند باتیں قابل غور ہیں:

(۱) ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوانا، دعا، استغفار، قربانی اور اسی طرح کی دوسری چیزیں بدعت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہیں۔

(۲) قرآن خوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا اور اس طرح کے دوسرے طریقے بدعت ہیں مگر بدعت حسنہ ہیں۔

(۳) اس سے بدعت کی دو قسمیں معلوم ہوئیں: ۱بدعتِ حسنہ۔ ۲بدعتِ سیئہ۔ لہٰذا ہر بدعت بُری نہیں۔ اور ہر نیا کام صرف بدعت ہونے کے باعث ناجائز وحرام نہیں ہوسکتا بلکہ بعض کام بدعت ہوتے ہوئے بھی حسن اور اچھے ہوتے ہیں

(۴) روزِ عید کا معانقہ، اور ہر روز فجر وعصر کے بعد مصافحہ بدعت حسنہ جائز اور اچھا ہے ع

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

منکرین اعلٰیحضرت کا پورا رسالہ نہ مانیں، تمام احادیث وفقہی نصوص سے آنکھیں بند کرلیں مگر انھیں اپنے "پیشوائے اعظم" کے اقرار صریح اور کلام واضح سے ہرگز مفر نہ ہونا چاہئے۔ (مترجم)

---

[1] القرآن ۳/ ۳۴

بدعت حسنه بالخصوص است مثل معانقه روز عید ومصافحه بعد نماز صبح یا عصر [1]۔	سب بدعت ہیں۔ مگر خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ۔اور نماز فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (بدعتِ حسنہ ہے)۔ (ت)

والله تعالٰی اعلم

کتبه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامیّ صلی الله تعالٰی علیه وسلم

سنی حنفی قادری عبدالمصطفی احمد رضاخاں ۱۳۰۱ھ

اس کے معارضے میں جو فتوی مولوی عبدالحہ صاحب کا پیش کیا گیا اس کی عبارت یہ ہے: "کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد خطبہ عیدین کے جو مصافحہ ومعانقہ لوگوں میں مروّج ہے وہ مسنون ہے یا بدعت؟ بَیِّنُوا تُوْجِرُوْا (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

هو المُصَوِّب (وہی درستی تک پہنچانے والا ہے۔ت) بعد عید مصافحہ ومعانقہ مسنون نہیں، اور علماء اس باب میں مختلف ہیں، بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ علٰی کل تقدیر ترک [عہ] اس کا

عــه: اس کے بعد فتوی مذکور میں چار [۴] عبارتیں نقل کیں:

(۱) عبارت اذکار کہ اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) عبارت درمختار کہ یہ بدعتِ مباحہ بلکہ حسنہ ہے کما ھو موجود فی الدر وان اقتصر المجیب فی النقل (یہ درمختار میں موجود ہے اگرچہ مجیب نے صرف نام پر کفایت کی ہے۔ت)

(۳) عبارت ردالمحتار کہ کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ہمیشہ بعد نماز کئے جاؤ تو جاہل سنت سمجھ لیں گے۔ اور ابن حجر شافعی نے اسے مکروہ کہا ہے۔

(۴) عبارت مدخل ابن حاج مالکی المذہب کہ غیبت کے بعد ابن عیینہ نے جائز رکھا، اور عید میں ان لوگوں سے جو اپنے ساتھ حاضر ہیں، نہیں [ف۱]۔ اور مصافحہ بعد عید مجھے معروف نہیں مگر (باقی برصفحہ آیندہ)

ف۱: یعنی عید میں ان لوگوں سے معانقہ جائز نہیں جو اپنے ساتھ حاضر ہیں۔ (مترجم)

[1] مجموعہ زبدۃ النصائح

اولٰی ہے (ف ۱) الخ۔ ابوالحسنات محمد عبدالحہ عبارات کہ حاشیہ پر لکھ کر پیش کی گئیں بحُرُوفہٖ یہ ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجحًا علٰی فعل البدعۃ ۱۲ ردالمحتار[1]	جب حکم سنت وبدعت کے درمیان مُتَرَدِّد ہو تو ارتکاب بدعت پر ترک سنت کو ترجیح دی جائیگی۔ ف۲

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عبداللہ بن نعمان فرماتے ہیں میں نے مدینہ خاص میں جبکہ وہاں علماء صالحین بکثرت موجود تھے، دیکھا کہ وہ نماز عید سے فارغ ہو کر آپس میں مصافحہ کرتے، تو اگر سلف سے نقل مساعد ہو تو کیا کہنا ورنہ ترک اولٰی ہے۔ ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

ف۱: مولانا عبدالحہ صاحب فرنگی کے اس فتوے کا حاصل یہ ہے کہ بعد عید مصافحہ ومعانقہ حدیث سے ثابت نہیں__ رہے علماء وفقہاء___ توان میں اختلاف ہے کچھ بدعت مباحہ کہتے ہیں کچھ بدعت مکروہہ۔ بہر تقدیر اسے نہ کرنا بہتر ہے۔ ("نہ کرنا بہتر ہے" سے اتنا ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ کرلیا تو جائز ہے) مولانا فرنگی محلّی کا یہی فتوٰی (جو ان کے مجموعہ فتاوٰی طبع اول کے ج۱ص ۵۲۸ پر ہے) بریلی کے ان عالم نے بھیجا جن سے اعلٰیحضرت اپنے جواب میں خطاب کررہے تھے، ساتھ ہی انھوں نے اس مجموعہ فتاوٰی کے حاشیہ پر معانقہ عید کی ممانعت کے ثبوت میں وہ عبارتیں بھی لکھ دیں جنھیں کتاب "وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید" میں اعلٰیحضرت نے بعینہٖ نقل فرمایا اور التماس چہارم سے ان پر بحث کی۔ (مترجم)

ف۲: یعنی جب معاملہ ایسا ہو کہ کرے تو کسی بدعت کا مرتکب ہوتا ہے، نہ کرے تو کوئی سنت چھوٹتی ہے، ایسی صورت میں یہی حکم ہے کہ نہ کرے اس سے سنت اگرچہ چھوٹ جائے گی مگر بدعت کا مرتکب تو نہ ہوگا۔ معانقہ عید کا بھی یہی حال ہے، لہٰذا اس سے بھی ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا۔ اعلٰیحضرت نے التماس نعم میں اس استدلال کا جواب دیا ہے کہ یہاں بدعت سے مراد بری بدعت ہے، اور معانقہ عید ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اپنی اصلیت کے لحاظ سے سنت اور خصوصیت بعد عید کے لحاظ سے مباح، اور قصد حسن کے ساتھ ہو تو مستحسن ہے۔ لہٰذا آپ کی عبارت مذکورہ معانقہ عید پر منطبق (فٹ) ہو ہی نہیں سکتی۔ (مترجم)

[1] ردالمحتار مطلب اذا تردد الحکم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸۲

نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلٰوة بکل حال لان الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم ماصافحوا بعد اداء الصلٰوة ولانها من سنن الروافض اھ ثم نُقِل عن ابن حجر من الشافعیة انها بدعة مکروهة لااصل لها فی الشرع وانه ینبه فاعلها اولًا و یعزر ثانیا ثم قال وقال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخیه لافی ادبار الصلوات فحیث وضعها الشرع یضعها فینهٰی عن ذلك و یزجرفا عله لماأتی به من خلاف السنة اھ ردالمحتار **قوله** عــه لایخرج الخ ولا یخفی ان فی کلام الامام نوع تناقض لانّ	ردالمحتار میں ہے کہ تبیین المحارم میں ملتقط سے منقول ہے کہ ادائے نماز کے بعد مصافحہ بہر حال مکروہ ہے (۱) اس لئے صحابہ نے بعد نماز مصافحہ نہیں کیا، (۲) اس لئے کہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے اھ پھر علامہ ابن حجر شافعی سے منقول ہے کہ یہ مصافحہ بدعتِ مکروہہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اس کے مرتکب کو اولًا متنبہ کیا جائے گا۔ نہ مانے تو سرزنش کی جائے گی، پھر فرمایا کہ ابن الحاج مالکی مدخل میں لکھتے ہیں کہ یہ مصافحہ بدعت ہے (۳) اور شریعت میں مصافحہ کا محل مسلمان کی اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کا وقت ہے۔ نمازوں کے بعد اوقات مصافحہ کا شرعی محل نہیں، شریعت نے جو محل مقرر کیا ہے اسے وہیں رکھے، تو نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے والے کو روکا اور زجر کیا جائے گا اس لئے کہ وہ خلاف سنت فعل کا مرتکب ہے اھ ردالمحتار (حاشیہ ذیل میں مندرج امام نووی کی عبارتِ اذکار پر

عــه: کتبه المعترض حاشیة علی مانُقل فی الفتاوی المکنویة فی عبارة الاذکار للامام النووی رحمه اللہ تعالٰی من قوله "لابأس به فان اصل المصافحة سنة وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال اواکثرها لایخرج ذلك البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها" اھ ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه (م)

فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنوی میں امام نووی کی کتاب اذکار سے منقولہ عبارت پر بریلی کے معترض مولوی صاحب نے یہ حاشیہ لکھا ہے امام نووی کی عبارت یہ ہے: "اس مصافحہ میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے، اور اکثر حالات میں لوگ مصافحہ کے اندر کوتاہی کرنے کے ساتھ صرف بعض حالات میں اگر مصافحہ کی پابندی کرتے ہیں تو اس سے بعض حالات والا مصافحہ (مثلًا مصافحہ بعد نماز) اس مصافحہ جائزہ کے دائرے سے خارج نہ ہوگا جس کی اصلیت شرع سے ثابت ہے۔ (ت)

اتیان السنة فی بعض الاوقات لایسمی بدعة مع ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین لیس علی وجه الاستحباب المشروع، لان محل المصافحة المذکورة اوّل الملاقاة وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة ویتصاحبون بالکلام وبمذاکرة العلم وغیرہ مدة مدیدة ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنة المشروعة وبھذا صرح بعض العلماء بانھا مکروھة عہ وح انھا من البدع المذمومة[1] کذا فی المرقاة۔	اعتراض کرتے ہوئے مولوی صاحب مذکور نے حاشیہ لکھاہے)ظاہر ہے کہ امام نووی کے کلام میں ایک طرح کا تعارض ہے ۔ اس لئے کہ اگر لوگ بعض اوقات "سنت کے مطابق" مصافحہ کرتے ہیں تو اسے بدعت نہیں کہا جائے گا۔ لیکن فجر وعصر کے بعد کا عمل استحبابِ مشروع کے طور پر نہیں ہے اس لئے کہ جائز مشروع مصافحہ کا محل بس اول ملاقات ہے، اور یہاں تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ملاقات بلامصافحہ کرتے ہیں اور دیر تک گفتگو و علمی بحث وغیرہ میں ایک ساتھ رہتے ہیں پھر جب نماز پڑھ لیتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں، یہ سنت مشروعہ کہاں! اسی لئے تو بعض علماء نے صراحۃً فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے اور اس کا شمار مذموم بدعتوں میں ہے، یہی عبارت مرقاۃ میں ہے۔ (ت)

عید ثانی میں

تحریر جواب و تقریر صواب وازالۂ اوہام وکشفِ حجاب ــــ یعنی اس تحریر کی نقل جو برسم جواب مولوی معترض کے پاس مرسل ہوئی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولانا ! دام مجدکم، بعد ماھو المسنون ملتمس، فتوٰی فقیر دربارۂ معانقہ کے جواب میں مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحٔی صاحب لکھنوی جناب نے ارسال فرمایا اور اس کی جلد اول صفحہ ۵۲۸ طبع اول میں جو فتوٰی معانقہ

عــہ: ھکذا بخطہ ولیست بھذہ الحاء فی عبارة المرقاة ولا لھا محل فی العبارة کما لا یخفی ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	صاحب موصوف کی تحریر میں اسی طرح یہ "ح" بنی ہوئی ہے مگر یہ عبارۃ مرقاۃ میں نہیں ہے، عبارت میں اس کا موقع بھی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ (ت)

[1]

مندرجہ ہے پیش کیااور اس کے حاشئے پر تائید کچھ عبارت ردالمحتار مرقاۃ بھی تحریر فرمادی، سائل مُظہر کہ جب جناب سے یہ گزارش ہوئی کہ آیا یہ مجموعہ آپ کے نزدیک مُستَنَد ہے تو فرمایا: "ہمارے نزدیک مستند نہ ہوتا تو ہم پیش کیوں کرتے"۔ اور واقعی یہ فرمانا ظاہر و بجا ہے، فقیر کو اگرچہ ایسے مُعارضہ کا جواب دینا ضرور نہ تھا مگر حسبِ اصرار سائل، محض بغرض احقاقِ حق وازہاق باطل چند التماس ہیں، معاذاللہ کسی دوسری وجہ پر حمل نہ فرمایئے فقیر ہر محسن مسلمان کو مستحق ادب جانتا ہے خصوصًا جناب تو اہل علم سادات سے ہیں، مقصود صرف اتنا ہے کہ جناب بھی بمقتضائے بزرگی حسب ونسب وعمر وعلم ان گزارشوں کو بنظر غور تحقیق حق استماع فرمائیں، اگر حق واضح ہو تو قبول مرجوح ومامول کہ علماء کے لئے رجوع الی الحق عارض نہیں بلکہ معاذاللہ اصرار علی الباطل ___ **قال تعالٰی**:

فَبَشِّرۡ عِبَادِ ۙ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ[1] ف[۱]۔	تو خوشی سناؤاُن بندوں کو جو کان لگا کر بات سُنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ (ت)

التماس اوّل: اس مجموعہ فتاوٰی سے استناد الزامًا ہے یا تحقیقًا؟ علی الاول فقیر نے کب کہا تھا کہ کسی مُعاصر کی تحریر مجھ پر حجت ہے، علی الثانی پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب خادمان علم پر احتجاجًا پیش کرنے کے قابل ہے ف[۲]۔

ف۱: حاصل یہ ہے کہ ہم نے معانقہ عید کا جواز احادیث کریمہ سے ثابت کیا، مستند فقہی عبارتیں پیش کیں، اس احادیث اور نصوص سے مدلل فتوے کے جواب میں آپ مولوی عبدالحہ صاحب کا فتوٰی مستند بنا کر پیش کر رہے ہیں، ایسی مخالف دلیل کا جواب تو کوئی ضروری نہ تھا مگر سائل کے اصرار پر حق کو حق دکھانے اور باطل و ناحق کو مٹانے کی خاطر آپ کی خدمت میں چند التماس ہیں، ان التماسوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ آپ بنگاہ غور دیکھیں اگر حق واضح ہو تو آپ سے اسے قبول کرلینے کی امید ہے اس لئے کہ حق کی طرف رجوع اور اسے قبول کرلینا علماء کے لئے عار نہیں بلکہ معاذاللہ باطل و ناحق بات پر اڑے رہنا شانِ علماء کے خلاف ہے۔ (ت)

ف۲: توضیح: آپ نے میرے فتوے کے جواب میں مولوی عبدالحہ صاحب کا مجموعہ فتاوٰی مستند بنا کر پیش کیا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں:

(ا) یا تو مجھے الزام دینا مقصود ہے کہ دیکھئے آپ کی مستند اور مانی ہوئی کتاب میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن ۳۹/۱۸

دوم: شاید جناب نے اس مجموعہ کو اِستیعَابًا ملاحظہ نہ فرمایا اس میں بہت جگہ وہ مسائل وکلمات ہیں جو آج کل کے فرقہ مانعین کے بالکل مخالف و قالع اصل مذہب ہیں۔ تمثیلاً ان میں سے چند کا نشان دوں۔

جلد اول صفحہ ۵۳۱ پر لکھتے ہیں: "کتب فقہیہ میں نظائر اس کے بہت موجود ہیں کہ ازمنہ سابقہ میں اُن کا وجود نہ تھا مگر بسبب اَغراض صالحہ کے حکم اس کے جواز کا دیا گیا"۔ [1]

صفحہ ۲۹۴ پر ہے: "الوداع یا الفراق کا خطبہ آخر رمضان میں پڑھنا اور کلمات حسرت ورخصت کے ادا کرنا فی نفسہٖ امر مباح ہے بلکہ اگر یہ کلمات باعث ندامت وتوبہ سامعان ہوئے تو امید ثواب ہے مگر اس طریقہ کا ثبوت قرونِ ثلثہ میں نہیں [2]

جلد دوم صفحہ ۱۷۰ میں ہے:

کسے کہ می گوید کہ وجودیہ وشہودیہ از اہل بدعت اند قولش قابل اعتبار نیست ومنشاء قولش جہل وناواقفیت است از احوالِ اولیاء واز معنی توحید وجودی وشہودی وشاعرے کہ ذم ہر دوفرقہ ساخت قابل ملامت ست [3]۔	جو کہتا ہے کہ وجودیہ اور شہودیہ اہل بدعت سے ہیں اس کا قول قابل اعتبار نہیں، اور اس کے قول کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اولیاء کے احوال اور توحید وجودی وشہودی کے معنی سے جاہل وبے خبر ہے اور جس شاعر نے دونوں فرقوں (وجودیہ وشہودیہ) کی مذمت کی ہے وہ قابل ملامت ہے۔ (ت)

صفحہ ۴۲۱ پر ہے: شغل برزخ اس طور پر کہ حضرات صوفیہ صافیہ نے لکھا ہے نہ شرک ہے نہ ضلالت۔ ہاں افراط وتفریط اس میں منجر ضلالت کی طرف ہے۔ تصریح اس کی مکتوبات مجدد الف ثانی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

آپ کے خلاف ہے، مگر میں نے کب کہا کہ اس زمانے کے کسی عالم کی تحریر مجھ پر حجت ہے۔

(۲) یا یہ کہ آپ نے خود تحقیقی طور پر اُسے سب کے لئے معتمد اور مستند جان کر پیش کیا ہے۔ تو آپ کو پہلے دلیل سے ثابت کرنا تھا کہ یہ کتاب قابل استدلال اور علماء پر حجت وسند بنا کر پیش کرنے کے لائق ہے۔ اور جب یہ دونوں صورتیں صحیح نہیں تو اس مجموعہ فتاوٰی کو یہاں پیش کرنا ہی بے محل ہے۔ (مترجم)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۴۔ ۲۵

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۵۸

میں جابجا موجود ہے[1] ف۱ جلد سوم صفحہ ۸۵ میں ہے:

سوال: وقتِ ختم قرآن در تراویح سہ بار سورۂ اخلاص می خوانند مستحسن است یانہ؟ **جواب:** مستحسن ست[2]۔	**سوال:** تراویح میں ختم قرآن کے وقت تین بار سورہ اخلاص پڑھتے ہیں یہ مستحسن ہے یا نہیں؟ **جواب:** مستحسن ہے۔(ت)

صفحہ ۱۲۷ پر ہے:

سوال: بسم اللہ نوشتن برپیشانی میت از انگشت درست ست یا نہ؟ **جواب:** درست ست[3]۔	**سوال:** انگلی سے میت کی پیشانی پر بسم اللہ لکھنا درست ہے یا نہیں؟ **جواب:** درست ہے۔(ت)

صفحہ ۱۵۲ میں ہے:

در مجالس مولد شریف کہ از سورۂ والضحی تا آخر می خوانند البتہ بعد ختم ہر سورۃ تکبیر می گویند راقم شریک مجالس متبرک بودہ ایں امر را مشاہدہ کردم ہم در مکہ معظّمہ وہم در مدینہ منورہ وہم در جدہ[4]۔	میلاد شریف کی محفلوں میں سورۂ والضحی سے آخر قرآن تک پڑھتے ہیں ہر سورۃ ختم کرنے کے بعد تکبیر کہتے ہیں، راقم نے ان متبرک محفلوں میں شریک ہو کر اس امر کا مشاہدہ کیا ہے مکہ معظّمہ میں بھی، مدینہ منورہ میں بھی اور جدہ میں بھی۔(ت)

طرفہ یہ کہ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

ف۱: ارواح سے توجہ طلبی، تصور شیخ، شغلِ برزخ وغیرہ سے متعلق اعلیحضرت قدس سرہ ایک مدلل رسالہ ہے الیاقوت الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (۱۳۰۹ھ) جس میں نصوص علماء اور مستندینِ مانعین کی عبارتوں سے اس کا جواز ثابت فرمایا ہے۔ قابل مطالعہ ہے۔(مترجم)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی باب التراویح مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۷

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی باب مایتعلق بالموتی مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۲۳

[4] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی باب القرأۃ فی الصلوٰۃ مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۲

سوال: پارچہ جھنڈا سالار مسعود غازی در مصرف خود آرد یا تصدق نماید: **جواب:** ظاہرًا در استعمال پارچہ مذکور بصرف خود وجہے موجب بزہ کاری باشد نیست واولی آنست کہ بمساکین وفقرا دہد[1]۔	**سوال:** سید سالار مسعود غازی کے جھنڈے کا کپڑا اپنے مصرف میں لائے یا صدقہ کر دے؟ **جواب:** مذکورہ کپڑا اپنے مصرف میں لانے کے اندر بظاہر گناہ کی کوئی وجہ نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ مساکین وفقراء کو دے دے۔ (ت)

جناب سے سوال ہے کہ مولوی صاحب کے یہ اقوال کیسے؟ اور ان کے قائل ومعتقد کا حکم کیا ہے؟ خصوصًا شغلِ برزخ کو جائز جاننے والا معاذاللہ مشرک یا گمراہ ہے یا نہیں؟ اور جس کتاب میں ایسے اقوال مندرج ہوں مستند و معتمد ٹھہرے گی یا پایہ احتجاج سے ساقط ہوگی؟ **بینوا توجروا**

سوم: مولوی صاحب نے اس فتوٰی میں معانقہ عید کی نسبت صرف اتنا حکم دیا ہے کہ "ترک اس کا اولٰی ہے" اس سے ممانعت درکنار اصلًا کراہت بھی ثابت نہیں ہوتی "اَوْلَوِیّت ترکہ نہ مشروعیت واباحت کے منافی نہ کراہت کو مستلزم" ف۱۔ ردالمحتار میں ہے:

الا قتصاد علی الفاتحۃ مسنون لاواجب فکان الضم خلاف الاولٰی وذلك لاینافی المشروعیۃ والاباحۃ بمعنی عدم الاثم فی الفعل والترك[2]۔	نمازِ فرض کی تیسری چوتھی رکعتوں میں سورہ فاتحہ پر اکتفا کرنا صرف مسنون ہے، واجب نہیں، تو ان رکعتوں میں سورہ ملانا خلافَ اولٰی ہوگا اور یہ اس کے جائز ومباح ہونے کے منافی نہیں، اباحت بایں معنٰی کہ کرنے نہ کرنے دونوں میں کوئی گناہ نہیں۔ (ت)

ف۱: فقہاء اگر یہ حکم کریں کہ فلاں امر کا ترک بہتر ہے تو اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ چیز ناجائز ہے بلکہ مکروہ ہونا بھی لازم نہیں آتا۔ یہ ایک عظیم قاعدہ ہے جو حفظ کرلینے کے قابل اور بہت سے مقامات میں مفید ہے۔ اس قاعدے کے پیش نظر مولانا عبدالحہ صاحب نے معانقہ عید کے متعلق جب صرف اتنا لکھا کہ اس کا نہ کرنا بہتر ہے تو اس سے معانقہ مذکورہ کا ناجائز یا مکروہ ہونا بالکل ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ کرلے تو کوئی حرج نہیں۔ پھر ممانعتِ معانقہ کے بارے میں فتوٰی مذکور سے استدلال ہی بالکل بیکار اور اپنے خلاف استدلال ہے۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب مایحل استعمالہ ومالایحل مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار مطلب کل صلوٰۃ مکروھۃ تجب اعادتہا مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۵۹

اسی میں ہے:

صَرَّحَ فی البحر فی صلوۃ العید عند مسئلۃ الاکل بانہ لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ "اذلا بُدّلھا من دلیل خاص"اھ واشار الی ذلك فی التحریر الاصولی بان خلاف الاولی مالیس فیہ صیغۃ نھی کترك صلوۃ الضحٰی بخلاف المکروہ تنزیھا[1]۔	بحر الرائق میں جہاں یہ مسئلہ کہ نماز عید سے پہلے کچھ کھا لینا مستحب ہے وہیں ہے کہ اس مستحب کو اگر کسی نے ترک کردیا تو وہ فعلِ مکروہ کا مرتکب نہ ہوگا، کیونکہ ترک مستحب سے کراہت کا ثبوت لازم نہیں، اس لئے کہ مکروہ ہونے کے لئے کوئی خاص دلیل ضروری ہے، اور اس کی طرف تحریر اصولی میں بھی اشارہ کیا ہے کہ "خلاف اولیٰ وہ ہے جس میں ممانعت اور نہی کا صیغہ نہ ہو" جیسے نماز چاشت کا ترک بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ اس میں نہی وممانعت کا صیغہ ہوتا ہے۔(ت)

پھر اگر جناب کے نزدیک بھی حکم وہی ہے جو مولوی صاحب نے اپنے فتوی میں لکھا تو تصریح فرمادیجئے کہ عید کا معانقہ شرعًا ممنوع نہیں، نہ اس میں اصلًا کوئی حرج ہے، ہاں نہ کرنا بہتر ہے کرلے تو مضائقہ نہیں،

چہارم: آپ نے جو عبارات ردالمحتار ومرقات نقل فرمائیں ان میں معانقہ عید کی ممانعت کا کہیں ذکر نہیں ان میں تو مصافحہ بعد نماز فجر وعصر یا نماز پنجگانہ کا بیان ہے، اور جناب کو منصب اجتہاد حاصل نہیں کہ ایک مسئلہ کو دوسرے پر قیاس فرماسکیں، اگر فرمائے کہ "جو دلائل اس میں لکھے ہیں یہاں بھی جاری"

اقول: یہ محض ہوس ہے اُن عبارتوں میں تین دلیلیں مذکور ہوئیں:

(۱) محلِ مصافحہ ابتدائے ملاقات ہے نہ بعد صلوات۔

(۲) یہ مصافحہ مخصوصہ سنت روافض ہے۔

(۳) صحابہ کرام نے یہ خاص مصافحہ نہ کیا۔

یہ تینوں تعلیلیں اگرچہ فی اَنفُسھا خود ہی علیل اور ناقابل قبول ہیں کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی مدد سے اپنے فتوی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) ولہٰذا قول اصح یہی ٹھہرا کہ وہ مصافحہ مخصوصہ بھی جائز ومباح ہے کما سنذکر ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ

[1] ردالمحتار مطلب لایلزم من ترک المستحب ثبوت الکراھۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۷

ہم ان شاء اللہ تعالٰی آگے ذکر کریں گے۔ت) مگر ہمارے مسئلہ دائرہ یعنی معانقہ عید سے دو دلیل پیشیں کو تو اصلاً علاقہ نہیں ۔ محلِ "مصافحہ" خاص ابتدائے لقا ہو تو بھی "معانقہ" کی اس وقت سے تخصیص ہرگز مسلم نہیں ومن ادعٰی فعلیہ البیان (جو مدعی ہو بیان اس کے ذمہ۔ت)

مولوی صاحب لکھنوی کا بے دلیل وسند لکھنا مسموع نہیں ہوسکتا۔ بلکہ معانقہ مثل تقبیل اظہار سرور وبشاشت و وداد و محبت ہے جیسے تقبیل خاص ابتدائے لقا سے مخصوص نہیں، یوں ہی معانقہ۔

جناب نے فتوی فقیر میں حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مروی کتاب السنۃ ابن شاہین و معجم کبیر امام طبرانی ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تالاب پیرنے میں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گلے لگایا___ ونیز حدیث اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ مرویِ سُنن ابی داؤد کہ انھوں نے باتیں کرتے کرتے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کُرتا اٹھانے کی درخواست کی حضور نے قبول فرمائی، وہ حضور کے بدن اقدس سے لپٹ گئے اور تہی گاہ مبارکہ پر بوسہ دیا___ ونیز حدیث صحیح مستدرک کہ اثنائے مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ذی النورین سے معانقہ فرمایا___ ونیز حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: عورت کے لئے سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی: یہ کہ کوئی نامحرم اُسے نہ دیکھے۔ حضور نے گلے سے لگالیا___ ان سب صورتوں میں ابتدائے لقا کا وقت کہاں تھا کہ معانقہ فرمایا گیا،___ یوں ہی پیار سے اپنے بچوں۔ بھائیوں، زوجہ کو گلے لگانا شاید اول ملاقات ہی پر جائز ہوگا۔ پھر ممانعت کی جائے گی؟

یوں ہی مصافحہ بعد نماز فجر وعصر اگر کسی وقت کے روافض نے ایجاد کیا اور خاص ان کا شعار رہا ہو، اور بدیں وجہ اس وقت علماء نے اہلسنت کے لئے اسے ناپسند رکھا ہو تو معانقہ عید کا زبردستی اسی پر قیاس کیونکر ہو جائے گا، پہلے ثبوت دیجئے کہ یہ "رافضیوں کا نکالا اور انھیں کا شعار خاص ہے" ورنہ کوئی امر جائز کسی بدمذہب کے کرنے سے ناجائز یا مکروہ نہیں ہوسکتا۔ لاکھوں باتیں ہیں جن کے کرنے میں اہلسنت وروافض بلکہ مسلمین وکفار سب شریک ہیں۔ کیا وہ اس وجہ سے ممنوع ہو جائیں گی؟

بحر الرائق ودر مختار ورد المحتار وغیرہا ملاحظہ ہوں کہ "بدمذہبوں سے مشابہت اُسی امر میں ممنوع ہے جو فی نفسہٖ شرعاً مذموم یا[2] اس قوم کا شعار خاص یا[3] خود فاعل کو ان سے مشابہت پیدا کرنا مقصود ہو ورنہ زنہار وجہ ممانعت نہیں"

رہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نہ کرنا، یہ دلیل منع نہیں ہوسکتا، آپ تینوں کتب مُستَنَدہ اعْنِی مجموعہ فتاوٰی وردالمحتار ومرقاۃ شریف اور ان کے سوا صدہا کتب معتمدہ اسکے بطلان پر گواہ ہیں، فقہاء کرام سیکڑوں چیزوں کو یہ تصریح فرماکر کہ نو پیدا ہیں، جائز بلکہ مستحب و مستحسن بلکہ واجب بتاتے اور مُحدَثات کو اقسامِ خمسہ کی طرف تقسیم فرماتے ہیں۔ مجموعہ فتاوٰی کی عبارتیں گزریں۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله ای صاحب بدعة ای محرمة والا فقد تکون واجبة کنصب الادلة للرد علی اھل الفرق الضالة وتعلم النحو المفھم الکتاب والسنة ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسة وکل احسانٍ لم یکن فی الصدر الاول ومکروھة کزَخْرَفَةِ المساجد ومباحة کالتوسع بلذیذ المآکل والمشارب و الثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر للمناوی عن تھذیب النووی ومثله فی الطریق المحمدیة للبرکوی[1]۔	شارح کا قول "جو صاحب بدعت" یہاں بدعت سے مراد حرام بدعت ہے، ورنہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے، جیسے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے دلائل قائم کرنا علم نحو سیکھنا جس سے کتاب وسنت سمجھ سکیں، مستحب بھی جیسے سرائے اور مدرسہ جیسی چیزیں تعمیر کرنا، اور ہر وہ نیک کام جو زمانہ اول میں نہ رہا ہو، مکروہ بھی جیسے مسجدوں کو آراستہ و منقش کرنا۔ مباح بھی جیسے کھانے پینے کی لذیذ چیزوں اور کپڑوں میں وسعت وفراخی کی راہ اختیار کرنا، جیسا کہ علّامہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں علّامہ نووی کی کتاب تہذیب سے منقول ہے، اور اسی طرح علامہ برکوی کی کتاب "الطریق المحمدیہ" میں مذکور ہے۔ (ت)

مرقاۃ شریف میں ہے:

احداث مالاینازع الکتاب والسنة کما سنقررہ بعد لیس بمذموم[2]۔	ایسا فعل ایجاد کرنا جو کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو برا نہیں، جیسا کہ ہم آگے ثابت کریں گے۔ (ت)

پھر ایک صفحہ کے بعد بدعت کا واجب وحرام ومندوب ومکروہ ومباح ہونا مفصلاً ذکر فرمایا۔ عالمگیری میں ہے:

لاباس بکتابة اَسامی السور وعدد الآی	مصحف شریف میں سورتوں کے نام، اور آیتوں کی

[1] ردالمحتار باب الامامت مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۶۰

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۱۵

وھوان کان احداثا فھو بدعۃ حسنۃ وکم من شیئ کان احداثا وھو بدعۃ حسنۃ [1]۔	تعداد لکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور وہ اگرچہ نئی ایجاد اور بدعت ہے مگر بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو نوایجاد تو ہیں مگر بدعتِ حسنہ ہیں۔ (ت)

امام ابن الہمام فتح القدیر میں رکعتیں قبل مغرب کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت نہ ہونا ثابت کرکے بتاتے ہیں:

ثم الثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیۃ اما ثبوت الکراھۃ فلا الاان یّدُلَّ دلیل اخر [2]۔	پھر اس ساری بحث کے بعد صرف یہ ثابت ہوا کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں مندوب ومستحب نہیں لیکن مکروہ ہونا ثابت نہیں، ہاں اگر ثبوتِ کراہت پر کوئی اور دلیل ہو تو البتہ۔ (ت)

مع ہذا حضرات مانعین زمانہ تین قرن تک اختیار تشریع مانتے، اور محدثاتِ تابعین کو بھی غیر مذموم جانتے ہیں تو صرف فعل صحابہ سے استدلال ان کے طور پر بھی ناقص وناتمام ہے[ف۱]۔ کلام ان مباحث میں طویل ہے کہ ہم نے اپنے رسائل عدیدہ میں ذکر کیا یہاں بھی دو حرف مجمل کافی ہیں وباللہ التوفیق۔

پنجم: ردالمحتار ومرقات کی یہ عبارتیں اگر جناب نے دیکھیں تو درر وغرر وکنزالدقائق ووقایہ ونقایہ ومجمع وملتقی واصلاح وایضاح وتنویر وغیرہا عامہ متونِ مذہب کے اطلاق ملاحظہ فرمائے ہوتے جنھوں نے مطلقًا بلاتقیید وتخصیص مصافحہ کی اجازت دی، درمختار وحاشیہ علامہ طحطاوی وشرح علامہ شہاب شلبی و

ف۱: مانعین کسی چیز کی ایجاد اور جائز ومشروع قرار دینے کا اختیار صرف تین زمانوں تک محدود مانتے ہیں:

(۱) زمانہ رسالت (۲) زمانہ صحابہ (۳) زمانہ تابعین

ان کے اس نظریہ سے اتنا ثابت ہے کہ زمانہ تابعین کی ایجادات بھی بری نہیں، تو مصافحہ مذکورہ کی ممانعت کے ثبوت میں صرف صحابہ کرام کے نہ کرنے سے استدلال ناقص وناتمام ہے، اپنے ہی نظریہ کے مطابق یہ بھی ثابت کرنا تھا کہ زمانہ تابعین میں بھی اس کا وجود وثبوت نہیں۔ (ت)

---

[1] عالمگیری (فتاوٰی ہندیہ) باب آداب المسجد مطبوعہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[2] فتح القدیر باب النوافل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

فتح اللہ المعین حاشیہ کنزوغنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر و حاشیہ مراقی الفلاح ونسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض و مجمع بحارا لانوار و مطالب المومنین ومسوی شرح موطا و تکملہ شرح اربعین علامہ برکوئی للعلامہ محمد آفندی وحدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ للعلامۃ النابلسی وفتوی امام شمس الدین بن امام سراج الدین حانوتی وغیرہم علمائے حنفیّہ کی تصریحات جلیلہ بھی دیکھی ہوتیں کہ صاف صاف مصافحہ مذکورہ اوراسی طرح مصافحہ عید کو بھی جائز بلکہ مستحسن بلکہ سنت بتاتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

اطلاق المصنف تبعاللدرر والکنز والوقایۃ و المجمع والملتقی وغیرھا یفید جوازھا مطلقا ولو بعد العصر وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ۔[1]	درر، کنز، وقایہ، مجمع، ملتقی، وغیرہا کے اتباع میں مصنف نے بھی یہاں مصافحہ کا ذکر مطلق رکھا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ مطلقًا جائز ہے خواہ بعد عصر ہی کیوں نہ ہو، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ وہ بدعت ہے تو اس سے مراد بدعت مباحہ حسنہ ہے، جیسا کہ امام نووی نے اذکار میں اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں افادہ فرمایا ہے۔(ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

کُرہ تقبیل الرجل وعناقہ فی ازار واحد وجاز مع قمیص کمصافحتہ۔[2]	آدمی کا بوسہ دینا اور معانقہ کرنا ایک ازار میں مکروہ ہے اور کرتا پہن کر ہو تو جائز ہے۔ جیسے مصافحہ جائز ہے۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

بعض المتاخرین من الحنفیۃ صرّح بالکراھۃ فی ذلك ادعاء بانہ بدعۃ مع انہ داخل فی عموم سنۃ المصافحۃ مطلقا۔[3]	بعض متاخرین حنفیّہ نے اس مصافحہ کے بدعت ہونے کا دعوی کرتے ہوئے اسے صراحۃً مکروہ بتایا ہے باجودیکہ وہ مطلق مصافحہ کے عموم میں داخل ہو کر مسنون ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۸۱

[2] اصلاح وایضاح

[3] الحدیقۃ الندیہ الخلق الثامن والاربعون الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۰

مجمع البحار میں ہے: ھِیَ مِنَ الْبِدَعِ الْمُبَاحَۃِ[1] (یہ مصافحہ ان بدعتوں سے ہے جو مباح ہیں۔ت) آپ کی اسی ردالمحتار میں بعد نقل عبارت امام نووی ہے:

قال الشیخ ابوالحسن البکری وتقییدہ بما بعد الصبح والعصر علی عادۃ کانت فی زمنہ والافعقب الصلوات کلھا کذلک، کذافی رسالۃ الشُّرُنْبُلاَلِی فی المصافحۃ ونُقِلَ مثلہ عن الشمس الحانوتی وانہ اَفتٰی بہ مستدلا بعموم النصوص الواردۃ فی مشروعیتھا وھو الموافق لما ذکرہ الشارح من اطلاق المتون[2]۔	شیخ ابوالحسن بکری فرماتے ہیں امام نووی نے بعد فجر وعصر کی قید کے ساتھ مصافحہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ ان کے زمانے میں یہی رائج تھا، ورنہ بعد فجر وعصر کی طرح تمام نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ یہی علامہ شرنبلالی کے اس رسالہ میں ہے جوانھوں نے مصافحہ کے بارے میں لکھا ہے اور اسی کے مثل علامہ شمس الدین حانوتی سے منقول ہے۔ انھوں نے جوازِ مصافحہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث اور نصوص سے استدلال فرماتے ہوئے اس مصافحہ کے بھی جائز ہونے کا فتوی دیا ہے۔ اور یہی اس کے موافق ہے جو شارح (صاحب درمختار علاء الدین حصکفی) نے متونِ فقہ کا اطلاق ذکر کیا ہے۔ (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی مسوّٰی میں کلامِ امام نووی نقل کرکے کہتے ہیں:

اقول: وھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحۃ یوم العید[3]۔	**میں کہتا ہوں** جس طرح امام نووی نے مصافحہ بعد فجر وعصر کے جواز میں استدلال کیا ہے یہی استدلال مصافحہ روز عید میں بھی جاری ہونا چاہئے۔ (ت)

اور بعض نسخِ مسوی میں "والمعانقۃ یوم العید ایضاً" (اور روز عید کے "معانقہ" میں بھی۔ت) بھی ہے۔

[1] مجمع البحار الانوار تحت لفظ صفح مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۲/ ۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۳۸۱

[3] مسوّٰی باب استحباب المصافحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۱

"مناصحۃ فی تحقیق مسائل المصافحۃ" میں تکملہ شرح اربعین سے ہے:

لاوجه لجواب ابن حجر الشافعی وقد سُئل عن المصافحة بعد الصلٰوة فقال هی بدعة انتهی، لان حالة السلام حالة اللقاء لان المصلی لما احرم صار غائبا عن الناس مقبلا علی الله تعالٰی، فلما ادی حقه قیل له ارجع الی مصالحك وسلم علی اخوانك لقدومك عن غیبتک، و لذلك ینوی القوم بسلام کما ینوی الحفظة واذاسلم یندب المصافحة اوتسن کالسلام، کما اجاب شیخ الاسلام شیخ مشائخنا شمس الدین محمد بن سراج الدین الحانوتی وقد رفع له هذا السؤال فقال نص العلماء علی ان المصافحة للمسلم لا للکافر مسنونة من غیر ان یقیدوها بوقت دون وقت لقوله علیه الصلٰوة والسلام من صافح اخاه والمسلم وحرّك یده تناثرت ذنوبه و نزلت علیها مأة رحمة تسعة وتسعون منها لاسبقهما وواحدة لصاحبه

علامہ ابن حجر شافعی نے مصافحہ بعد نماز سے متعلق جواب دیتے ہوئے اسے بدعت کہا ہے، ان کے اس جواب کی کوئی قابل قبول وجہ نہیں، اس لئے کہ مصافحہ بعد نماز بھی مصافحہ اول ملاقات ہے کیونکہ سلام نماز کی حالت، حالتِ ملاقات ہے ۔ اس لئے کہ جب مصلی نے تحریمہ باندھ لیا تو انسانوں سے غیر حاضر اور خدا کی طرف متوجہ ہوگیا، پھر جب حقّ اللہ کی ادائیگی سے فارغ ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اب اپنے کاموں اور مصالح کی طرف واپس ہو اور اپنے مسلمان بھائیوں کو سلام کر ، کیونکہ تو اپنی غیر حاضری اور غیبت سے آرہا ہے اسی لئے تو اپنے سلام میں لوگو ں کی بھی نیت کرے گا، جیسے محافظ فرشتوں کی نیت کرے گا، اور جب سلام کیا تو مصافحہ اس کے لئے مندوب یا مسنون ہے، جیسے سلام، اسی طرح شیخ الاسلام ہمارے مشائخ کے شیخ شمس الدین محمد بن سراج الدین حانوتی نے جواب دیا ہے ، ان کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے فرمایا علماء نے کافر سے تو نہیں مگر مسلمان سے مصافحہ کو کسی خاص وقت کی کوئی قید لگائے بغیر مسنون ہونے پر نص فرمایا ہے، اسی لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور اپنے ہاتھ کو حرکت دی تو اس کے گناہ جھڑتے ہیں، اور دونوں پر کل سو ۱۰۰ رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ننانوے ۹۹ اس کے لئے جس نے مصافحہ میں سبقت و پیش قدمی کی اور

وقال ایضا مامن مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لھما قبل ان یتفرقا فالحدیث الاول یقتضی مشروعیة المصافحة مطلقا اعم من ان تکون عقب الصلوات الخمس والجمعة و العیدین او غیر ذلک۔ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقیدھا بوقت دون وقت والدلیل العام عند الحنفیة اذا لم یقع فیہ تخصیص من الادلة الموجبة للحکم قطعا۔ کالدلیل الخاص وقالوا لدلیل العام یعارض الخاص لقوتہ۔ والدلیل ھھنا عام لان صیغة "مَن" من صیغ العموم وکذا نقل عن شیخ مشائخنا العلامة المقدسی حدیث "من صافح مسلما وقال عند المصافحة اللھم صل علی محمد وعلٰی آل محمد لم یبق من ذنوبہ شیئ" فصیغتہ ایضا من صیغ العموم ذکرہ الشُّرُنْبُلَالی فی رسالتہ المسماۃ "بسعادۃ اھل الاسلام"[1]

ایک اس کے دوسرے ساتھی کے لئے" اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ "جب دو مسلمان ایک دوسرے سے ملتے پھر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ان کی مغفرت ہو جاتی ہے" پہلی حدیث کا مقتضٰی ہے کہ مصافحہ مطلقًا جائز ومشروع ہو، خواہ نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کے بعد ہو یا کسی اور وقت، اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مصافحہ کو کسی خاص وقت سے مقید نہ فرمایا، اور حنفیّہ کے نزدیک دلیل عام کا بھی وہی رتبہ ہے جو دلیل خاص کا ہے جبکہ دلیل عام کا حکم کو قطعی طور پر لازم کرنے والی دلیلوں سے کوئی تخصیص نہ ہوئی ہو، بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں کہ دلیل عام اتنی قوی ہوتی ہے کہ دلیل خاص کے معارض اور اس پر ترجیح یافتہ ہوا کرتی ہے، اور یہاں دلیل مصافحہ بھی عام ہے، اس لئے کہ حدیث میں کلمہ "مَن" ہے جو صِیَغِ عموم سے ہے، یوں ہی ہمارے شیخ المشائخ علامہ مقدسی سے یہ حدیث منقول ہے "جس نے کسی مسلمان سے مصافحہ کیا اور بوقت مصافحہ (درود شریف) اللھم صل علٰی محمد وعلٰی آل محمد" پڑھا تو اس کے گناہوں سے کچھ باقی نہیں رہ جاتا" اس حدیث کا صیغہ بھی عموم کا صیغہ ہے۔ اسے علامہ شرنبلالی نے اپنے رسالہ "سعادۃ الاسلام" میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

علامہ سید ابوالسعود ازہری حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں؛

[1] مناصحۃ فی تحقیق مسائۃ المصافحہ

فی شرح لشھاب الشلبی وما اعتادہ الناس بعد صلوٰۃ الصبح والعصر فلا اصل لہ لکن لاباس بہ[1] الخ۔	شہاب الدین شلبی کی شرح میں ہے: نماز فجر وعصر کے بعد جو مصافحہ رائج ہے اس کی کوئی اصل نہیں، مگر اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ (ت)

غنیہ حاشیہ غرر ودرر باب صلوٰۃ العیدین میں ہے:

المستحب الخروج ماشیا والرجوع من طریق اٰخر والتھنئۃ بتقبل اللہ منا و منکم لاتنکر کما فی البحر وکذا المصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا عند کل لقی ولنا فیھا رسالۃ سمیتھا سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلوٰۃ والسلام"[2]۔	عید کے دن عیدگاہ کو پیادہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا یہی مستحب ہے۔ اور بالفاظ تَقَبَّلَ اللہُ مِنَّا وَ مِنْکُمْ (اللہ ہمارے تمھارے عمل قبول فرمائے) مبارکباد پیش کرنا کوئی منکر اور بُرا نہیں، جیسا کہ بحرالرائق میں ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وہ تو تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنت ہے اور اس بارے میں "سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلوٰۃ والسلام" نامی ہمارا ایک رسالہ ہے۔ (ت)

فتح اللہ المعین علٰی شرح العلامۃ الملا مسکین میں ہے:

من المستحب اظھار الفرح والبشاشۃ (الی قولہ) والتھنئۃبتقبل اللہ منا ومنکم وکذا المصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوٰۃ کلھا و عند کل لقی۔ شرنبلالیۃ[3]۔	عید کے دن مسرت و خندہ روئی ظاہر کرنا اور تقبل اللہ منا ومنکم (اللہ ہم سے اور تم سے قبول فرمائے) کے ذریعہ مبارک باد دینا مستحب ہے، اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے، شرنبلالیہ۔ (ت)

علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

کذا تطلب المصافحۃ فھی سنۃ	اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں

---

[1] فتح المعین حاشیہ علی شرح ملا مسکین کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۰۲

[2] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ غرر باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ احمد مصر ۱/ ۱۴۲

[3] فتح المعین علی شرح العلامہ الملا مسکین باب صلوٰۃ العیدین مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۵

عقب الصلوات کلھا[1]	کے بعد سنت ہے۔(ت)

حاشیہ درمختار میں ہے:

تستحب المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی، ابو السعود عن الشُّرُنْبُلَالیة[2]۔	مستحب ہے مصافحہ، بلکہ یہ تو نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے۔ابوالسعود عن الشرنبلالیہ۔(ت)

افسوس کہ دو۲ عبارتیں جناب نے دیکھیں، اور اتنی عباراتِ کثیرہ جو کہ جناب کے خلاف تھیں نظر سے رہ گئیں۔ خیر مانا کہ اس میں اکثر کتب مطالعہ سامی میں نہ آئی ہوں، آخر درمختار اور ردالمحتار تو پیش نظر تھیں، درمختار کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائی ہوگی کہ مصافحہ مذکورہ بدعت حسنہ ہے۔ ردالمحتار میں رسالہ علامہ شرنبلالی کا کلام اور علامہ شمس الدین حانوتی کا فتوی دیکھا ہی ہوگا، سب جانے دیجئے، یہ فتاوٰی لکھنؤ جو استناداً پیش فرمایا اسی میں یہیں یہیں یہ الفاظ موجود کہ علماء اس باب میں مختلف ہیں بعض بدعت مباحہ کہتے ہیں اور بعض بدعت مکروہہ۔ مسئلہ مصافحہ کا اختلافی ہونا پایا نہیں؟ بہت واضح راہ تھی کہ ترجیح تلاش فرمائی جاتی، جو قول مرجّح نکلتا اُسی پر عمل کرنا تھا، اگر جناب کی نظر ترجیح تک نہ پہنچتی تو فقیر سے سنئے علامہ شہاب الدین خُفاجی حنفی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ھی بعد الصّلوٰة بدعة عندنا ، والاَ صَحُّ انھا مباحة لما فیھا من الاشارة الی انه کانّ قدم من غیبة لانه کان عند ربه یناجیه فافھم[3]۔	یہ مصافحہ، نماز کے بعد ہمارے نزدیک بدعت ہے، اور صحیح تر یہ ہے کہ مباح ہے کیونکہ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غَیبت اور غیر حاضری سے آیا ہے اس لئے کہ وہ اپنے رب کے حضور مصروفِ مناجات تھا۔اسے سمجھو۔(ت)

ملاحظہ فرمایئے کیسی صاف تصریح ہے کہ مصافحہ مذکورہ کی اباحت ہی قولِ اصح ہے، پھر اگر بالفرض دوسری طرف بھی تصحیح پائی جاتی، تاہم، یہی قول مرجّح رہتا کہ خود باقرار ردالمحتار "مذہب اباحت ہی موافقِ اطلاقِ مُتون ہے"۔ اور خود انھیں کی تصریح ہے کہ "اختلافِ فتوی کے وقت اُسی قول پر عمل اولیٰ جو

[1] حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح باب العیدین مطبوعہ نور محمد کراچی ص ۲۸۸

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب العیدین دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۵۳

[3] نسیم الریاض شرح شفاء

اِطلاقِ مُتون کے موافق ہو"۔

حیث قال قد اختلف التصحیح والفتوی کما رأیت والعمل بما وافق اطلاق المُتُونِ اَوْلٰی۔ بحر [1]۔	اُنھوں نے یُوں فرمایا کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو تصحیح اور فتوی میں اختلاف ہوگیا، اور عمل اُسی پر اولٰی ہے جو اطلاق متون کے موافق ہو، بحر (ت)

در مختار میں ہے:

علی المعتمد لانہ متی اختلف الترجیح رجح اطلاق المتون، بحر [2]۔	یہ حکم بربنائے مُعتمد ہے، اس لئے کہ اختلاف ترجیح کے وقت اطلاقِ متون ہی کو ترجیح ہے، بحر (ت)

اور جب کہ ترجیح صرف اسی طرف ہے تو اب اس قول کا اختیار فقاہت سے بالکل برطرف ہے، در مختار میں ہے:

امانحن فعلینا اتباع مارجّحوہ و صحّحوہ۔ [3]	ہم عام مقلدین پر تو بس اُسی کی پیروی کرنا ہے جسے ان بزرگوں نے راجح و صحیح قرار دے دیا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الحکم والفُتیا بالقول المرجوح جھل و خرق للاجماع [4]۔	مرجوح قول پر حکم اور فتوی دینا جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

الحمدللہ اب حق باحسن وجوہ واضح ہوگیا، اُمید کرتا ہوں کہ جناب بھی اب تو مصافحہ مذکورہ ومعانقہ عید کے جواز واباحت پر فتوٰی دیں گے اور اپنے تلامذہ کو ان امور جائزہ کے طعن وانکار سے باز رہنے کی ہدایت کریں گے واللہُ الھادی وولیّ الاَیادی۔

ششم: الحمدللہ کہ ضمنِ تقریر میں مسئلہ مصافحہ بعدِ صلوٰۃ بھی صاف ہوگیا، اور تعلیلاتِ ثلٰثہ کا علیل ہونا بھی منکشف ہولیا، ثالث پر کلام تو صراحۃً گزرا اور اول کا جواب عبارتِ تکملہ شرح اربعین ونسیم الریاض سے واضح ہوا کہ بعد ختم نماز ملنا بھی ابتدائے لقاہے، ولہٰذا اس وقت سلام مشروع ہوا، تو مصافحہ کیوں

---

[1] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۲۷
[2] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۷
[3] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۴
[4] ردالمحتار مطلب رسم المفتی مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۷۴

نامشروع ہونے لگا۔ رہی تعلیل ثانی اس کے جواب کا اشارہ کلامِ فقیر میں گزرا مشابہت صرف ان تین صورتوں میں مذموم ہے ورنہ نہیں۔

تکمیل کلام: اتنا اور سُن لیجئے کہ کسی طائفہ باطلہ کی سنت جبھی تک لائقِ احتراز رہتی ہے کہ وہ ان کی سنت رہے، اور جب ان میں سے رواج اُٹھ گیا تو ان کی سنت ہونا ہی جاتا رہا، احتراز کیوں مطلوب ہوگا، مصافحہ بعد نماز اگر سنتِ روافض تھا تو اب ان میں رواج نہیں، نہ وہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں نہ بعد نماز مصافحہ کرتے ہیں، بلکہ شاید اول لقاء پر بھی مصافحہ ان کے یہاں نہ ہو کہ اِن اعدائے سُنن کو سنن سے کچھ کام ہی نہ رہا، تو ایسی حالت میں وہ علت سرے سے مُرتفع ہے۔ درمختار میں ہے:

یجعله لبطن کفّه فی یده الیسرٰی ، وقیل الیمنٰی الاانه من شعارالروافض فیجب التحرزعنه، قهستانی وغیره. قلت ولعله کان وبان فتبصر [1]۔	(مرد) انگوٹھی بائیں ہاتھ میں ہتھیلی کی طرف کرے، اور کہا گیا دائیں ہاتھ میں پہنے، مگر یہ رافضیوں کا شعار ہے، تو اس سے بچنا ضروری ہے، (قہستانی وغیرہ) میں نے کہا یہ کسی زمانے میں رہا ہوگا پھر ختم ہوگیا، تو اس پر غور کرلو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای کان ذلك من شعارهم فی الزمن السابق ثم انفصل وانقطع فی هذه الازمان فلا ینهٰی عنه کیفما کان [2]۔	یعنی وہ گزشتہ زمانے میں ان کا شعار تھا پھر ان زمانوں میں نہ رہا اور ختم ہوگیا تو اب اس سے ممانعت نہ ہوگی، جیسے بھی ہو۔ (ت)

اب تو بحمد اللہ سب شکوک کا ازالہ ہوگیا، فاحفظ واحمد وکن من الشاکرین والحمد للّٰہ ربّ العلمین (تو اسے یاد رکھو اور حمد کرو اور شکر گزار بنو اور ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

ہفتم: سخت افسوس کا مقام ہے کہ عبارتِ مرقات کی نقل میں بہت تقصیر واقع ہوئی، مرقاۃ شریف میں اُس عبارت کے بعد یہ الفاظ تھے:

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۶۱/۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۶۱/۶

نعم لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلٰوۃ اوعلٰی ارادۃ الشروع فیھا فبعد الفراغ لوصافحھم لکن بشرف سبق السلام علی المصافحۃ فھذا من جملۃ المصافحۃ المسنونۃ بلاشبھۃ [1]۔	ہاں اگر کوئی مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز میں، یا نماز شروع کرنے والے ہیں، تو فارغ ہونے کے بعد اگران سے مصافحہ کرے بشرطیکہ مصافحہ سے پہلے سلام ہولے تو بلاشبہہ مصافحہ مسنونہ ہی کے مجموعہ میں شامل ہوگا۔(ت)

ان میں صاف تصریح تھی کہ وہ کراہت صرف اس صورت میں ہے کہ نماز سے پہلے مل لئے، باتیں کرچکے، ملاقات ہوئی، اُس وقت مصافحہ نہ ہوانہ کچھ اور، اب بعد سلام آپس میں مصافحہ کرنے لگے اور اگرایسانہ ہو بلکہ یہی وقت ابتدائے لقاکا ہو کہ یہ اس وقت آیاکہ نماز شروع ہوگئی تھی یاشروع کاارادہ تھا، اب بعد سلام مصافحہ کرے تو یہ یقینا مصافحہ مسنونہ ہے کہ خاص اول لقاپرواقع ہوا، ظاہر ہے کہ جماعاتِ عید میں اکثر لوگوں کی باہم یہی حالت ہوتی ہے کہ بعد سلام ان کی لقااول ہوتی ہے، تو مرقاۃ کے طورپر بھی انھیں معانقہ سے اصلاً ممانعت نہیں ہوسکتی، پھر معانقہ عید شرکائے جماعت واحدہ ہی سے خاص نہیں بلکہ تمام احباب جنھوں نے مختلف مساجد میں نمازیں پڑھیں اس دن بلکہ اس دن تک دوسرے دن تک اولِ ملاقات بعد الصلٰوۃپر باہم معانقہ کرتے ہیں، یہ معانقے تویقنا ابتدائے پر ہوتے ہیں، جو عبارت مرقات سے بر سبیل قیاس جناب اور عبارت فتاوٰی لکھنؤ سے صراحۃ ٹھیک موقع پر درست وبجا واقع ہیں، حالانکہ مانعین زمانہ کا منع مصافحہ بعد نماز اور معانقہ عید دونوں میں سب صورتوں کوعام ومطلق اوروہ آپ ہی کی عبارات مستندہ کی روسے باطل وناحق، پس اگرانھیں عبارتوں پر عمل فرمادیجئے کہ نماز عید سے پہلے جولوگ مل لیتے ہیں صرف وہ بعد نماز معانقہ نہ کریں، اور جو ہنوز نہیں ملے انھیں معانقہ بلاکراہت جائز ومباح ہے، یوں ہی ایک دوسرے کے پاس جوملنے جاتے یاراہ میں ملتے ہیں وہ بھی بلاتامّل معانقہ کریں خواہ پیش از نماز یابعد از نماز مل لئے ہوں یانہ ملے ہوں کہ اس وقت توابتدائے لقاہے، ان سب صورتوں کاجواز آپ ہی کے مُستَنَدات سے ثابت۔ لاجرم آپ کواس کی تصریح کرنا ہوگی، اس کے بعد دیکھئے کہ حضرات مانعین آپ کو کیاکہتے ہیں، واللّٰہ المُستعانُ علٰی جھالاتِ الزمان (اوراللہ ہی وہ ہے جس سے زمانے کی جہالتوں کے خلاف مدد طلبی ہے۔ت)

ہشتم: اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ ان لفظوں کے متصل ہی مرقات میں اور تحقیق جلیل ونافع،

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحۃ والمعانقہ مطبوعہ امدادیہ ملتان ۹/ ۷۴

خیالات مانعین پر سیف قاطع تھی وہ بھی نقل میں نہ آئی، فرماتے ہیں:

ومع ھذا اذا مَدَّمسلم یدہ للمصافحۃ فلاینبغی الاعراض عنه بجذب الیدلما یترتّب علیه من اَذًی یزید علی مُراعاۃ الادب فحاصله ان لاابتداء بالمصافحۃ حینئذ علی الوجه المشروع مکروہ لا المجاذبۃ وان کان قدیقال فیه نوعُ معاونه علی البدعۃ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	یعنی باآنکہ اُس صورت خاصّہ میں کہ ملاقات پیش از نماز کرچکیں، اور مصافحہ تحیت بعد نماز کریں، کراہت مانی جاتی ہے، پھر بھی اگر کوئی مسلمان مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتے تو ہاتھ نہ کھینچنا چاہئے بلکہ مصافحہ کرلیا جائے، اگرچہ اسے مُعاونتِ بدعت کہا جائے کہ اس حالت میں مصافحہ نہ کرنا صرف ایک ادب واَوْلٰی تھا، اور اب اس کے ترک میں مسلمان کی ایذا ہے کہ وہ تو ہاتھ بڑھائے اور ہم ہاتھ کھینچ لیں، مسلمان کی خاطر داری اُس ادب کی مراعات پر مقدم ہےف ا، لہٰذا اس صورت میں کراہت نہیں بلکہ مصافحہ کرنا ہی چاہئے (ت)

للہ انصاف! اس منصفانہ کلام کو مانعین زمانہ کے خیالات سے کتنا بُعد ہے، یہ حضرات تو خواہی نخواہی اپنی مَشیخت بنانے اور شہرت پیدا کرنے کے لئے جماعات کی مخالفت کو ذریعہ فخر اور غایت تَشرُّع سمجھے ہوئے ہیں مگر علمائے محققین مسلمان کا دل رکھنے کو رعایت آداب اور ترک مکروہات پر بھی مقدم جانتے اور ان کے رسوم وعادات میں مخالفت کو مکروہ وباعث شہرت مانتے ہیں، ولہٰذا تصریح فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی نہی صریح، غیر قابل تاویل نہ آئی ہو، عادات اُناس میں موافقت ہی کرکے ان کا دل خوش کیا چاہے اگرچہ وہ فعل بدعت ہو، عین العلم میں ارشاد ہوا:

اَلْاِسۡرَارُ بِالْمُسَاعَدَۃِ فِیۡمَا لَمۡ یَنۡہُ وَصَارَ مُعۡتَادًا فِیۡ عَصۡرِھِمۡ	اُن امور میں لوگوں کی موافقت کرکے انھیں خوش کرنا اچھا ہے جن (امور) سے شریعت میں ممانعت نہیں ہے۔

ف ا: یعنی ادب واَولٰی چھوڑنے سے مسلمانوں کی خاطر داری ہوتی ہے تو ادب واَولٰی کی رعایت نہ کرے، دل مسلم کی رعایت کرے، دل مسلم کو تکلیف پہنچانا اور اسے شکستہ کرنا ترک اولٰی ومخالف ادب سے زیادہ بُرا ہے، البتہ جہاں رعایت ادب واَولٰی اور مومن کا پاس خاطر دونوں جمع ہوسکتے ہیں وہاں بلاشبہہ ترک ادب کا حکم نہیں، ہاں اگر کسی امر سے صراحۃً ممانعت آئی ہے تو محض مسلمان کی خاطر داری کے لئے اُس امرِ ممنوع کا ارتکاب نہ کرے۔ (مترجم)

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المصافحہ والمعانقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۹/ ۷۴

حَسَن وَّاِنْ کَانَ بِدْعَۃً [1]۔	اور لوگوں کے عہد میں وہ رائج ہو چکے ہیں خواہ بدعت اور نوایجاد ہی ہوں۔ (ت)

اما حُجۃالاسلام محمد غزالی قُدِّسَ سِرُّہُ العَالی اِحیاءُ العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی هذا الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة و لکل قوم رسم لا بدّمن مخالقة الناس باخلاقهم کما ورد فی الخبر لاسیّما اذاکانت اَخلاقافیها حسن العشرة و لمجاملة وتطییب القلب بالمساعدة وقول القائل انّ ذٰلك بدعةلم یکن فی الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وانما المحذور بدعة تراغم سنة مامورًا بها ولم ینقل النهی عن شیئ من هذا (الٰی قوله) وکذلك سائر انواع المساعدات اذقُصِدَبها تطییب القلب واصطلح علیها جماعة فلابأس بمساعدة الاّفیما ورد فیه نهی لایقبل التاویل [2]۔	یعنی ان امور میں لوگوں کی موافقت کرنا حُسن صحبت اور معاشرت سے ہے اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی کچھ رسمیں ہوتی ہیں کہ ان میں ان کا حکم آیا خصوصًا وہ عادتیں جن میں حُسن معاشرت اور باہم اچھا برتاؤ اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہو اور کہنے والے کا کہنا یہ بدعت ہے، صحابہ کے زمانے میں ہی نہ تھا، توکیا جو کچھ مباح کہا جائے سب صحابہ سے ہی منقول ہوتا ہے، بُری تو وہ عادت ہے جو کسی سنت مامور بِہا کارَد کرے اور اس فعل سے شرع میں کہیں ممانعت نہ آئی۔ اس طرح تمام مساعدت کی باتیں جبکہ ان سے دل خوش کرنا مقصود ہو، ایک گروہ کی رسم ہو گئی توان کی موافق کرنا کچھ حرج نہیں بلکہ موافقت ہی بہتر ہے مگر اُس صورت میں کہ صاف نہی وارد ہو جو قابل تاویل نہ ہو۔ (ت)

دیکھئے اطبّائے قلوب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشاد یہ ہیں، اللہ عزّوجل جسے نیک توفیق دے وہی ان نفیس الٰہی ہدایتوں پر عمل کرے۔ حضرات مانعین ان سے منزلوں دور ہیں **ولا حول ولا قوة الاّ باللّٰه العلی العظیم**

بالجملہ اگر آپ کو مرقات پر عمل ہے تو صاف تصریح فرمادیجئے کہ بعد عید جو شخص معانقے کو ہاتھ بڑھائے

---

[1] عین العلم الباب التاسع فی الصمت الخ مطبوعہ امرت پریس، لاہور ص ۴۱۲

[2] احیاء العلوم آداب السماع والوجد مطبوعہ قاہرہ، مصر ۲/ ۳۰۵

اس سے انکار ہر گز نہ کیا جائے بلکہ فوراً معانقہ کرلیں، افسوس کہ مرقاۃ سے سند لانا تو بالکل الٹا پڑا۔ مجھے جناب کی بزرگی سے امید ہے کہ شاید مرقاۃ شریف خود ملاحظہ نہ فرمائی ہو بلکہ مانعین زمانہ عبارات میں قطع وبرید وسرقہ کے عادی ہیں، کسی سارق نے آدھی عبارت کہیں نقل کردی ہے آپ کے اعتماد پر اسناد کرلیا، اب کہ پوری عبارت پر مطلع ہوئے ضرور حق کی طرف رجوع فرمائے گا **وَاللّٰہُ الْمُوَفِّق**۔

نہم: بحمد اللہ تعالٰی ہماری تحقیقات رائقہ سے آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ معانقہ عید کو بدعتِ مذمومہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ سنت مباح کے اندر دائر ہے، یعنی من حیث الاصل سنت اور من حیث الخصوص مباح، اور بقصد حسن محمود مُستحسَن، توظاہر ہوا کہ عبارت ردالمحتار:

اِذَا تَرَدَّدَ الْحُکْمُ بَیْنَ سُنَّۃٍ وَّ بِدْعَۃ الخ [1]	جب حکم کسی سنت وبدعت کے درمیان دائر ہو تو ترک سنت کو ارتکاب بدعت پر ترجیح حاصل ہے۔ (ت)

کو اسی مسئلہ سے اصلاً تعلق نہیں کہ وہاں بدعت سے مراد بدعتِ مذمومہ ہے۔ جب تو اس سے بچنے کے لئے سنت کا چھوڑنا تک گوارا کیا ورنہ بدعت مباحہ سے بچنا خود ہی مطلب نہیں، نہ کہ اس کے لئے سنت چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے، وھذا ظاھر علٰی کل من لہ حظٌّ من عقل صفی (یہ ہر اس شخص پر عیار ہے جسے پسندیدہ اور خالص عقل سے کچھ حصہ ملا ہے۔ت)

دہم: فتوٰی فقیر میں میاں اسمٰعیل دہلوی کی بھی عبارت تھی جس میں معانقہ عید کے مستحسن ہونے کی صاف تصریح ہے، اس سے جناب نے کچھ تعرض نہ فرمایا بلکہ مجموعہ فتاوٰی وعباراتِ ردالمحتار ومرقاۃ پیش فرمائیں۔ اس میں دو احتمال ہیں: ایک وہ، طائفہ مانعین جس کے خوگر ہیں یعنی ہفواتِ باطلہ وخرافات عاطلہ میں دہلوی مذکور کا امام اکبر مانتے ہیں اور جو باتیں وہ بعلت مناقضت جس کا اس کے یہاں حد سے زائد جوش وخروش ہے اصول وفروعِ طائفہ کے خلاف لکھتا ہے دیوار سے مارتے ہیں۔

دوم یہ کہ جناب کو اس سے کچھ کام نہیں جو کلام اس کا تصریحاتِ امثال مرقات وردالمحتار حتی کہ مولوی صاحب لکھنوی کے خلاف ہو قابل قبول نہیں۔ اگر شق اخیر مختار ہے اور جناب کی انصاف پسندی سے یہی مامول، تو صراحۃً اس کی تصریح فرمادیجئے کہ جو مسائل تقویۃ الایمان وصراطِ مستقیم وایضاح الحق وغیرہا تصانیف شخص مذکور، مولانا علی قاری وعلّامہ شامی یہاں تک کہ مولوی صاحب لکھنوی اور ان کے امثال کی

[1] ردالمحتار مطلب اذا تردّد الحکم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۸۲

تصریحات سے رد ہوتے ہیں ان کا بطلان تسلیم فرماتے جائیے، امید کرتا ہوں کہ بہت مسائل نزاعیہ جن میں جہلائے مانعین کو بے حد شور وشغب ہے یوں بأحسنِ وُجوہ انفصال پائیں گے اور ہم آپ بتوفیقہٖ تعالٰی شخص مذکور کی ضلالتِ عقائد وبطالت مکائد پر متفق ہو کر حقِ ناصح کے اعلان میں باہم مُمِدّ ومعاون یک دیگر ہوجائیں گے۔

وباﷲ التوفیق والوصول الٰی سواء الطریق، واٰخر دعوٰنا ان الحمد ﷲ رب العٰلمین، والصلٰوۃ و السلام علٰی سیدن المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین!	اور اﷲ ہی کی طرف سے توفیق اور سیدھی راہ تک رسائی ہے، اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری تعریف اﷲ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود وسلام ہو رسولوں کے سردار محمد صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ خداوند قبول فرما۔ (ت)

کتبہ، عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عُفِیَ عنہ بمحمد المصطفی النبی الامی صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم

باب الاستسقاء

(نمازِ استسقاء کا بیان)

مسئلہ ۱۴۵۱: از محلّہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مظہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

نماز استسقاء نماز ہے یا دُعا، اور استسقاء کیسے وقت میں ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز استسقاء صاحبین کے نزدیک سنت ہے اور اسی پر عمل ہے اور اُس وقت ہونا چاہیے جبکہ حاجت شدید ہو اور امید منقطع ہوچکی ہو اور لوگ اس کے آداب کے طور پر اسے بجالائیں خشیت وخشوع اس کی اصل ہے اور وہ آج کل اکثر قلوب سے مرتفع **الّا ماشاء اللہ** اس ملک میں ہمسایہ کفار ہیں ہماری بے طوریوں کے باعث کہ نہ دعا کے طور پر کرتے ہیں نہ نماز کے طور پر نماز پڑھتے، اگر اجابت نہ فرمائی جائے تو کفار کے مضحکہ کا اندیشہ ہے اس لئے یہاں کی حالت کے مناسب تر اس عمل پر اقتصار رہے جو قرآن عظیم میں نزول بارانِ رحمت کے لئے ارشاد ہوا یعنی کثرت استغفار و توجہ عزیز غفار **فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۟ۙ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۟** [1] (تو میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو وہ بڑا معاف کرنے والا ہے تم پر شراٹے کا مینہ بھیجے گا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۷۱/۱۰و۱۱

مآخذومراجع

نام کتاب		مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	آلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابو علی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الهدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بهجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشرعیۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الاثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

٨٦۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	٩١١
٨٧۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	٩٦٦
٨٨۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	١٠٠٨
٨٩۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	١٠١٤
٩٠۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابو سعید المعروف ملا جیون	١١٣٠
٩١۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	١٢٢٥
٩٢۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	١٢٣٩
٩٣۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	١٢٥٢
٩٤۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	١٣٢٣
٩٥۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	٩٨٦
٩٦۔	تجنیس الملتقط		
٩٧۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
٩٨۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	٩١٠
ث			
٩٩۔	الثمانون فی الحدیث	ابو بکر محمد بن الحسین الآجری	٣٦٠
١٠٠۔	ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		
ج			
١٠١۔	جامع الترمذی	ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	٢٧٩
١٠٢۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	٩٦٢
١٠٣۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	٢٥٦
١٠٤۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	١٨٩
١٠٥۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	٢٦١
١٠٦۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابو نصر احمد بن محمد العتابی	٥٨٦

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری) محمد بن جریر الطبری		۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیة علی المقدمة العشماویة	علامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیة لسعدی آفندی علی العنایة	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقة الندیة شرح طریقہ محمدیة	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیة الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیة المحلّی شرح منیة المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیّرہ الشاطبّی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود الفروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیة التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیة التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجة اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیة مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیة الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیة کفایة الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیة الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانة الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانة الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الہدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدر المختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدر النثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابو مروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبیّ)	۲۳۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبیٰ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحیٔ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔ شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰
۲۴۱۔ شرعۃ الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔ شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۶۔	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷۔	شرح الملتقی للبھنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البھنسی	۹۸۷
۲۶۸۔	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

<u>ص</u>

۲۶۹۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰۔	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱۔	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحاق ابن خزیمة	۳۱۱
۲۷۲۔	الصراح	ابوفضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳۔	صغیری شرح منیه	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴۔	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵۔	الصواعق المحرقة	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

<u>ط</u>

۲۷۶۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸۔	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹۔	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰۔	الطریقة المحمدیة	محمد بن بیر علی المعروف بیرکلی	۹۸۱
۲۸۱۔	طلبة الطلبة	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

<u>ع</u>

۲۸۲۔	عمدة القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳۔	العنایة شرح الهدایة	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴۔	عنایة القاضی حاشیة علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵۔	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶۔	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔	عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔	عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔	عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔	عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔	عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔	غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابو عبد اللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابو الحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتار خانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالٰہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

www.dawateislami.net

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاس محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الھدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	1050
۳۶۲۔	کتاب الطھور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وھبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخة	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالك ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارك الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیه سید المنتخب من الفتوحات المکیه	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقه النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳۔	م ختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصر الدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبد اللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبد اللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبد العزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدید الدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبد الوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابو حنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابو عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالك	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابو الحسنات محمد عبد الحی	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہر حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱ ۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الیٰ مناسک الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترہیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جد الممتار علی رد المحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

خ

۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابو القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

www.dawateislami.net

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضائلیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتیٰ علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	منتشق یا در منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

٩

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 6

جلد نہم 6

رموز 9

فہرست مضامین 10

فہرست ضمنی مسائل 56

باب الجنائز 82

رسالہ 108

الحرف الحسن فی الکتابة علی الکفن ۱۳۰۸ھ 108

(کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو) 108

اَلْمنَّةُ الْمُمْتَازَة فِیْ دَعْوَاتِ الْجَنَازَة ۱۳۱۸ھ (نمازِ جنازہ سے متعلق حدیث میں وارد شدہ دُعاؤں کا بیان اور تلقینِ میّت کا طریقہ) 210

طریقہ تلقینِ قبر: 222

بذل الجوائز علی الدّعاء بعد صلاة الجنائز ۱۳۱۱ھ 240

(نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنے پر انعامات کی تقسیم) 240

النہی الحاجز عن تکرار صَلاة الجنائِز ۱۳۱۵ھ 270

(نمازجنازہ کی تکرار روکنے والی ممانعت) 270

الھادی الحاجب عن جنازة الغائب ۱۳۲۶ھ 318

(غائب کی نماز جنازہ سے روکنے والا ہادی) 318

رسالہ 430

اھلاک الوھابیین علی توھین قبور المسلمین ۱۳۲۲ھ 430

(قبور مسلمین کی توہین کی بِنا پر وہابیوں کی سرکوبی) 430

رسالہ 486

بَرِیقُ الْمَنَارُ بِشُمُوْعِ الْمَزَارْ ١٣٣١ھ 486

(منارے کی چمک مزار کی شمعوں سے) 486

رسالہ 542

جُمَلُ النّورفی نهی النساء عن زیارة القبور ١٣٣٩ھ 542

(نور کے جملے، عورتوں کو زیارت قبور سے روکنے کے بارے میں) 542

رسالہ 570

الحُجّة الفائحة لطیب التعین والفاتحة ١٣٠٧ھ 570

(دن متعین کرنے اور فاتحہ کے عمدہ ہونے پر عطر بیز حجت) 570

رسالہ 651

اِتْیَانُ الْاَرْوَاح لِدِیَارِهَمْ بَعْدَ الرَّوَاح ١٣٢١ھ 651

(روحوں کا بعد وفات اپنے گھر آنا) 651

رسالہ 663

جَلِیُّ الصَّوْت لِنَهْیِ الدَّعْوَةِ اَمَامَ مَوْت ١٣٠٩ھ 663

(کسی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان) 663

رسالہ 677

حیاة الموات فی بیان سماع الاموات ١٣٠٥ھ 677

(بے جان کی زندگی، مُردوں کی سماعت کے بیان میں) 677

المقصد الاول فی الاعتراضات وازاحة الشبهات 681

(پہلا مقصد اعتراضات اور ازالۂ شُبہات میں) 681

المقصد الثانی فی الاحادیث 705

(مقصد دوم احادیث میں) 705

المقصد الثالث فی اقوال العلماء 738

(مقصد سوم علماء کے اقوال میں) 738

خاتمہ رسالہ میں دربارہ سماع موتیٰ علمائے عرب کا فتویٰ 826

تذییل اہم اجل واعظم 839
رسالہ 839
الوفاق المتین بین سماع الدّفین وجواب الیمین ۱۳۱۶ھ 839
(مدفون کے سننے اور مسئلہ قسم کے درمیان محکم مطابقت) 839

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد نہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ________۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء________۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوھاری دروازہ، لاھور نمبر (۸) پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون ۶۷۷۵۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب ______________ فتاوی رضویہ جلد نہم

تصنیف ______________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ______________ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی (بھارت)

پیش لفظ ______________ حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ______________ (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد رب نواز

باہتمام و سرپرستی ______________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنت، پاکستان

ترتیبِ فہرست ______________ حافظ محمد عبدالستار سعیدی

کتابت ______________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پروف ریڈنگ ______________ (۱) مولانا نذیر احمد سعیدی (۲) مولانا محمد عارف سعید ہمدمی

پیسٹنگ ______________

صفحات ______________ ۹۴۸

اشاعت ______________ اپریل ۱۹۹۶ء

مطبع ______________

ناشر ______________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ______________ روپے

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
باب الجنائز ۸۱
احکام واحوالِ قربِ موت ۸۱
احکام واحوال بعدِ موت ۹۰
غسل میت ۹۱
کفن میت ۹۹
جنازہ لے کر جانا ۸۲
نمازِ جنازہ ۱۵۸
امامت نمازِ جنازہ ۱۷۴
نمازِ جنازہ کی ادائیگی ۱۸۳
موضع نماز جنازہ ۲۵۹
تکرارِ نمازِ جنازہ ۲۶۹
دفنِ میّت ۳۷۰
جائے دفن ۳۷۹
تعزیّت وغیرہ ۳۷۲
احکام قبور ومقابر ۴۰۳
زیارتِ قبور ۵۲۲
فاتحہ وایصالِ ثواب ۴۲۱
دعوتِ میّت ۶۶۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست رسائل

o الحرف الحسن ____ ۱۰۷
o المنة الممتازة ____ ۲۰۹
o بذل الجوائز ____ ۲۳۹
o النھی الحاجز ____ ۲۶۹
o الھادی الحاجب ____ ۳۱۷
o اھلاك الوھابیین ____ ۴۲۹
o بریق المنار ____ ۴۸۵
o جمل النّور ____ ۵۴۱
o الحجة الفائحه ____ ۵۶۹
o اتیان الارواح ____ ۶۴۹
o جلی الصّوت ____ ۶۶۱
o حیاۃ الموات ____ ۶۷۵
o الوفاق المتین ____ ۸۳۷

پیش لفظ

الحمدُللہ اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولٰینا الشاہ احمد رضاخان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدیدانداز میں عصرحاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرعام پرلانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور"رضا فاؤنڈیشن"کے نام سے جوادارہ چندسال قبل قائم ہواتھاوہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔کتاب الطہارۃاورکتاب الصلوٰۃچارچارخوبصورت مجلدات میں آپ تک پہنچ چکی ہیں اب بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ علیہ وسلم نویں جلدپیش کی جارہی ہے۔

جلد نہم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ (قدیم) کی جلدچہارم کے شروع باب الجنائز سے کتاب الزکوٰۃتک ۲۷۳ سوالوں کے جوابات پرمشتمل ہے۔اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ فاضل جلیل، محقق شہیر، صاحب تصانیف کثیرہ، ماہرعلوم قدیمہ وجدیدہ حضرت علامہ مولٰینا محمداحمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الادب جامعہ اشرفیہ مبارکپور (بھارت) نے فرمایا۔باب التیمم (جوجلدسوم وچہارم میں شائع ہوچکاہے) کاترجمہ بھی انہی کے رشحات قلم کانتیجہ ہے۔جلدچہارم قدیم میں باب الجنائزکی ترتیب چونکہ طبعی نہ تھی للہذااس جلد کی کتابت سابق ترتیب سے ہٹ کر طبعی ترتیب کے مطابق کرائی گئی ہے۔

باب الجنائزکے مسائل کوسابقہ ترتیب غیرطبعی سے موجودہ ترتیب طبعی کی طرف منتقل کرنا بھی علامہ مصباحی صاحب کی محنت شاقہ کاثمرہے۔علاوہ ازیں اس جلدمیں شامل رسائل کی مفصل فہرست بھی افادۂ قارئین کے لئے دے دی گئی ہے

جلد اول سے لے کر جلد ہشتم کے آخر تک مسئلوں کے نمبر مسلسل چلے آرہے تھے مگر حوالہ کی سہولت کیلئے اس جلد میں یہ سلسلہ پھر نئے سرے سے شروع کیا گیا ہے اور آئندہ بھی ہر جلد میں مسئلہ نمبر نئے سرے سے شروع ہوا کرے گا۔ احکام قبور مسلمین سے متعلق رسالہ جلیلہ "اهلاك الوهابيين" بھی پیش نظر جلد میں شامل کردیا گیا ہے جو کہ فتاوٰی رضویہ (قدیم) میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل سترہ مستقل عنوانات زیر بحث ہیں:

(۱) احکام واحوال قرب موت	(۲) احکام واحوال بعدِ موت	(۳) غسل میت
(۴) کفن میت	(۵) جنازہ لے کر جانا	(۶) نمازِ جنازہ
(۷) امامت نمازِ جنازہ	(۸) نمازِ جنازہ کی ادائیگی	(۹) موضع نماز جنازہ
(۱۰) تکرارِ نمازِ جنازہ	(۱۱) دفنِ میّت	(۱۲) جائے دفن
(۱۳) تعزیّت وغیرہ	(۱۴) احکام قبور ومقابر	(۱۵) زیارتِ قبور
(۱۶) فاتحہ وایصالِ ثواب	(۱۷) دعوتِ میّت	

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تیرہ ۱۳ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (۱۳۰۸ھ)

قبروں میں شجرہ رکھنے اور کفن پر کلمہ طیّبہ اور عہد نامہ وغیرہ لکھنے کا بیان

(۲) المنّۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ (۱۳۱۸ھ)

جنازہ کی دعائیں اور قبر پر تلقین کا طریقہ

(۳) بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلٰوۃ الجنائز (۱۳۱۱ھ)

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت اور منکرین کا رد

(۴) النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز (۱۳۱۵ھ)

نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہے

(۵) الهادی الحاجب عن جنازة الغائب (۱۳۲۶ھ)

غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں

(۶) اهلاك الوهابیین علی توهین قبور المسلمین (۱۳۲۲ھ)

احکامِ قبور مومنین

(۷) بریق المنار بشموع المزار (۱۳۳۱ھ)

مزارات پر روشنی کرنے کا ثبوت

(۸) جمل النّور فی نهی النساء عن زیارة القبور (۱۳۳۹ھ)

عورتوں کو قبر پر جانا جائز نہیں

(۹) الحجة الفائحة لطیب التعیین والفاتحة (۱۳۰۷ھ)

مروجہ فاتحہ، سوم، چہلم، برسی اور عرس وغیرہ کا ثبوت

۱۰) اتیان الارواح لدیارهم بعد الرواح (۱۳۲۱ھ)

روحوں کا اپنے گھروں پر آنا

(۱۱) جلی الصوت لنهی الدعوة امام موت (۱۳۰۹ھ)

میّت کے گھر کے کھانے کا بیان

(۱۲) حیاة الموات فی بیان سماع الاموات (۱۳۰۵ھ)

مُردوں کے زائروں کو دیکھنے اور ان کے کلام کو سننے کا مدلل بیان

(۱۳) الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین (۱۳۱۶ھ)

مسئلہ یمین سے سماع موتٰی کے خلاف پر استدلال کا رد

۱۹/شوال المکرم ۱۴۱۶ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

۱۰/مارچ ۱۹۹۶ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

رموز

محقق: علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحبِ ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملاخسر وعلامہ محمد بن فراموز

بحر: البحرالرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہرالفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلّی، ابن امیر الحاج

فہرست مضامین

باب الجنائز	۸۱	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دائمی ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔	۹۳
قرب موت		شوہر بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔	۹۵
قریب الموت شخص اور اس کے عزیز و اقارب کو قرب موت کے وقت کیا کرنا چاہئے۔	۸۱	شوہر عورت کا ولی نہیں۔	۹۵
کلمہ طیبہ کے دونوں جز سے تلقین کی جائے۔	۸۳	عورت شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔	۹۵
بعد موت		غسل دینے میں ناک اور منہ میں پانی نہ ڈالا جائے اگرچہ حالت جنابت میں انتقال ہوا ہو۔	۹۸
میت کے پاس چارپائی وغیرہ پر بیٹھنے کا حکم جبکہ مردہ گھر میں ہو۔	۹۰	حالت جنابت میں کوئی مرے اس کے لیے ایک ہی غسل ہے۔	۹۸
اہل میت کے لیے کھانا بھیجنا جائز ہے، یہ کھانا صرف اہل میت کے لئے ہو دوسروں کے لیے نہ ہو۔	۹۰	میت کے بدن سے نجاست نکلے تو اسے دھو دیا جائے دوبارہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔	۹۸
غسل میت		میت کا سر بوقت غسل کس طرف ہو۔	۹۸
غسل دینے کے لیے کوئی جہت متعین نہیں، جیسے آسان ہو میت کو غسل دیں۔	۹۱	غسل میت میں غرارہ وغیرہ نہیں۔	۹۸
مردے سے بال وغیرہ کاٹنا جائز نہیں۔	۹۱	غسل میت کے بعد گھڑے وغیرہ توڑ دینا منع ہے۔	۹۸
بیوی کو غسل دینا شوہر کے لیے جائز نہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے غسل دینے کا ذکر ایک روایت میں آیا اس کے متعدد جوابات۔	۹۲		

غسل کے بعد گھڑے وغیرہ قبر یا مسجد میں رکھنا کیسا ہے۔	۹۹	میت کو قیامت تک عذاب سے محفوظ رکھنے والی دعا۔	۱۰۹
کفن میت		وہ تسبیح جس کو لکھ کر میت کے کفن میں رکھا جائے تو اسے عذاب قبر نہ ہو ورنہ نکیرین اس تک پہنچیں۔	۱۱۰
مرد، عورت، بالغ، نابالغ، مراہق، مردہ بچہ یا سقط کے کفن کی تفصیل اور کفن پہنانے کا طریقہ	۹۹	حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہاکے وصال مبارک کی تفصیل۔	۱۱۰
کفن مسنون، کفایہ اور ضرورت کی تفصیل	۱۰۰	حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وصیت۔	۱۱۱
کعبہ معظّمہ کا غلاف اور پھولوں کی چادر کفن پر رکھنا جائز ہے۔	۱۰۵	میت کی پیشانی، عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنا باعث مغفرت ہوسکتا ہے۔	۱۱۱
کفن میں سرمہ، کنگھی اور رومال رکھنا۔	۱۰۸	اصطبل فاروقی میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: "وقف فی سبیل اللہ"	۱۱۱
رسالہ الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن (قبروں میں شجرہ رکھنے اور کفنوں پر کلمہ طیبہ اور عہد نامہ وغیرہ لکھنے کا بیان)	۱۰۷	پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی وجہ سے میت کو عذاب سے امان مل گئی۔	۱۱۱
یہ رسالہ چار مقالوں پر مشتمل ہے، اول میں فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کے جزئیہ اور اس کی مؤید احادیث، دوم میں معظمات دینیہ مین کفن دینے یا انہیں میت پر رکھنے کے محل تعظیم نہ ہونے، سوم میں بعض شوافع کی طرف سے کتابت علی الکفن کو بے تعظیمی سمجھنے کی تردید، اور چہارم میں قبر کے اندر شجرہ رکھنے کا بیان ہے۔	۱۰۸	مقام دوم	۱۱۲
مقام اوّل	۱۰۸	چودہ احادیث مؤیدہ کہ میت کو معظمات دینیہ میں کفن دینا یا انہیں بدن میت پر رکھنا محل تعظیم نہیں۔	۱۱۲
میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کی مغفرت کی امید ہے۔	۱۰۸	صحابی نے اپنے کفن کے لیے بطور تبرک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ کا تہبند مانگا۔	۱۱۳
چودہ احادیث روایات سے مسئلہ مذکورہ کی تائید۔	۱۰۸	حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے کفن میں اپنا تہبند مبارک عطا فرمایا۔	۱۱۴
وہ دعا جس کو لکھ کر میت کے سینے پر رکھیں تو عذاب قبر سے محفوظ رہے اور نہ نکیرین نظر آئیں۔	۱۰۹	مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کا ثبوت حدیث سے۔	۱۱۴
امام طاؤس کی وصیت سے عہد نامہ ان کے کفن میں لکھا گیا۔	۱۰۹	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی والدہ کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا۔	۱۱۴

سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک کیوں عنایت فرمائی۔	۱۱۵	دردزہ کے لیے عورت کو قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر پلایا جائے۔	۱۲۰
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے۔	۱۱۶	آب زمزم سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔	۱۲۱
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان رحمت کو دیکھ کر ہزار آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔	۱۱۶	آب زمزم کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت ہے۔	۱۲۱
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص مبارک کو میرے کفن میں اور آپ کے مقدس ومبارک بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ اور آنکھوں میں رکھنا۔	۱۱۷	منافق کوکھ بھر کر آب زمزم نہیں پیتے۔	۱۲۱
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچا ہوا مشک میرے حنوط میں استعمال کرنا۔	۱۱۸	بالجملہ کفن پر لکھنا جائز ہے، اگر کوئی زیادت احتیاط کی وجہ سے اجتناب کرے تو جا دارد۔	۱۲۲
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا موئے مبارک اپنی زبان کے نیچے رکھے ہوئے دفن ہوئے۔	۱۱۸	امام ابن حجر مکی نے فرمایا کہ کتابت کا قیاس زکوٰۃ کے چارپایوں کی رانوں پر ممنوع ہے کیونکہ چارپایوں کی رانوں پر کتابت تمیز کے لیے جبکہ کفن پر تبرک کیلئے ہے، امام مکی کے اس کلام پر مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زوردار بحث۔	۱۲۲
حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک چھڑی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے پر رکھ کر انہیں دفن کیا گیا۔	۱۱۸	مقام چہارم	۱۳۲
حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ردا، قمیص، ناخن اور موئے مبارک کی تعظیم نقوشِ کتابتِ آیات کی طرح فرض ہے۔	۱۱۸	اسماء محبوبان خدا علیہم التحیۃ والثناء سے تبرک وتوسل بلاشبہ محبوب ومندوب ہے۔	۱۳۲
مقام سوم	۱۱۹	اصحاب کہف کے ناموں کی برکات۔	۱۳۲
اس شبہ کا ازالہ کہ بدن میت شق ہوتا ہے اور اس سے ریم وغیرہ نکلتے ہیں جس سے کفن پر لکھی ہوئی آیات وادعیہ کی بے ادبی ہوتی ہے۔	۱۱۹	امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیشاپور میں آمد اور لوگوں کو زیارت کرانے کا منظر	۱۳۳
کسی امر غیر موجود کا احتمال نیتِ صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال کے لیے منع نہیں ہوتا۔	۱۱۹	امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درس حدیث کو لکھنے والے بیس ہزار سے زائد تھے۔	۱۳۴
سورہ فاتحہ وآیات شفا وغیرہا بغرض شفا لکھ کر دھو کر پینا سلفًا وخلفًا بلانکیر رائج ہے۔	۱۲۰		

وہ سند مبارک جس کو مجنون پر پڑھو تو شفا ہو جائے۔	۱۳۴	حالت نزع میں بھی عورت بدستور شوہر کی زوجہ ہے اور مردہ عورت کو شوہر دیکھ سکتا ہے لیکن ہاتھ نہیں لگا سکتا۔	۱۳۹
نام مسمّٰی کے انحائے وجود میں سے ایک نحو ہے۔	۱۳۴	جنازہ کے ساتھ ذکر جہر کا حکم شرعی اور بعض کتابوں میں اس کو مکروہ لکھنے کی وجہ۔	۱۴۰
وجود شی کی چار صورتیں ہیں (۱) اعیان میں (۲) علم میں (۳) تلفظ میں (۴) کتابت میں۔	۱۳۴	جنازہ کے ساتھ نعت یا جہر سے ذکر کرنا۔	۱۵۸
وجود تلفظ وکتابت کی صورت میں وجود اسم کو ہی وجود مسمّٰی قرار دیا گیا ہے۔	۱۳۴	جنازہ کے ساتھ نعتیہ غزلیں پڑھنا جائز ہے۔	۱۵۸
شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شجرہ کو قبر میں رکھنے کو معمول بزرگاں بتا کر سرہانے طاق میں رکھنا پسند فرمایا۔	۱۳۴	**نماز جنازہ**	
جنازہ لے جانا		بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۵۸
جنازہ اٹھانے میں کس طرف سے سبقت کی جائے۔	۸۱	بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھنے کی وجہ۔	۱۵۹
جنازہ کو لے کر جانے کا طریقہ۔	۸۲	کس کی نماز نہیں پڑھی جائے گی۔	۱۵۹و۱۶۱
جنازہ لے جاتے ہوئے میت کا سر آگے ہونا چاہئے۔	۱۳۵	بے نمازی کی نماز جنازہ علماء زجراً نہ پڑھیں تو کوئی حرج نہیں۔	۱۶۲
جنازہ مغرب کی جانب لے جانا ہو تو سر مغرب کی طرف کیا جائے یا مشرق کی طرف۔	۴۷۵	بے نمازی اور اس کی نابالغ اولاد کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۶۳
جنازہ پر شال یا پھولوں کی چادر ڈالنا۔	۱۳۵	بے نمازی کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۱۶۳
جنازہ پر رنگ برنگ کی چادریں ڈالنا کیسا ہے۔	۱۳۸	قبر پر اذان دینا جائز ہے۔	۱۶۴
مزار پر چڑھائی ہوئی چادروں کی بیع کا حکم شرعی۔	۱۹۲	بے نمازی کی نماز جنازہ بھی لازمی ہے اور مردے کو اذیت دینا ممنوع ہے۔	۱۶۴
عورت مرجائے تو مرد اس کے جنازے کو ہاتھ لگا سکتا ہے اور کندھا دے سکتا ہے۔	۱۳۸	بے نمازی کی بیوہ کا جنازہ نہ پڑھنا سخت جرم ہے۔	۱۶۷
عورت یا شوہر مرجائے تو ایک دوسرے کو غسل وکفن اور قبر میں اتارنا۔	۱۳۸	نصرانی کے ملازم اور اس کا جوٹھا کھانے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس کا جوٹھا کھانا شنیع بد ہے۔	۱۶۹

نصاریٰ کے ساتھ رہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس کے مرنے پر کفن دفن اور نماز جنازہ لازم ہے۔	۱۷۰	اوقات مکروہہ میں جنازہ تیار ہو تو ان اوقات میں نماز جنازہ مکروہ نہیں، اور نماز عصر سے پہلے بھی جائز ہے۔	۱۸۵
عیسائی کی نماز جنازہ اور مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز وتکفین حرام قطعی ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ لازم ہے اور اگر اس کو بوجہ نصرانیت مستحق تعظیم سمجھ کر ایسا کیا تو مرتد ہوئے۔	۱۷۰	جنازہ تیار ہوا اور کھانا کھانے کی حاجت ہو تو پہلے کیا کرے۔	۱۸۶
رافضی کی نماز جنازہ پڑھنی حرام ہے اور اس کے لیے استغفار کرنا کفر ہے۔	۱۷۲	نماز جنازہ کے لیے طہارت شرط ہے۔	۱۸۷
رافضی کی نماز جنازہ پڑھانے والا قابل امامت نہیں۔	۱۷۳	جوتا پہن کر نماز جنازہ پڑھنا۔	۱۸۸
ہجڑے کے جنازے میں مرد کی نیت ہو یا عورت کی۔	۱۷۴	چارپائی پر نعش رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے۔	۱۸۹
امامت جنازہ		میت جس چارپائی پر ہو اس کی بلندی کی کوئی حد نہیں۔	۱۹۰
جنازے کا امام کون ہو۔	۱۷۴	مقتدیوں کے لیے مصلی نہ ہو اور امام مصلی پر نماز پڑھائے تو کوئی حرج نہیں۔	۱۹۱
اذن ولی کی حاجت اور امام الحی کو ترجیح کب ہے۔	۱۷۴	مصلی پر نماز جنازہ پڑھنے کی حکمت اور اس کے استعمال کرنے کا حکم۔	۱۹۲
نکاح خواں قاضی شرعی قاضی نہیں۔	۱۷۴	نماز جنازہ کے وقت امام کے سامنے جانماز بچھانا جائز ہے۔	۱۹۲
ولی سے افضل موجود ہو تو کیا حکم ہے۔	۱۷۴	مزاروں پر چڑھائی گئی چادروں کی بیع۔	۱۹۲
شوہر کو اپنی بیوی کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق نہیں جبکہ ولی موجود ہو، امام الحی کو اس کا حق ہے یا نہیں۔	۱۷۷	مذکورہ چادر اوڑھ کر نماز پڑھنے کا حکم۔	۱۹۲
نماز جنازہ میں ولی شریک نہ ہو تو نماز ہوجائے گی۔	۱۸۲	جنازہ کی دعائیں امام اور مقتدی دونوں پڑھیں مقتدی کو خاموش رہنا جائز نہیں۔	۱۹۳
نماز جنازہ کی ادائیگی		چوتھی تکبیر کے بعد دونوں ہاتھ چھوڑ کر سلام پھیرا جائے۔	۱۹۴
مغرب کے وقت جنازہ آئے تو پہلے مغرب کی نماز پڑھی جائے۔	۱۸۳	سلام ہاتھ چھوڑ کر ہو، بہار شریعت کے بارے میں سوال۔	۱۹۴
ظہر کے وقت جنازہ آئے تو پہلے ظہر کی نماز پڑھی جائے یا نماز جنازہ۔	۱۸۴	تیسری تکبیر کے بعد امام سلام پھیر دے تو کیا حکم ہے۔	۱۹۴

جنازے میں تکبیریں چھوٹ جائیں تو کیا حکم ہے۔	۱۹۴	دعا کے مطلقاً محبوب ومطلوب ہونے پر سات احادیث سے استدلال۔	۲۴۰
جنازہ میں کم آدمی ہوں تو صفوں کی ترتیب کیسے ہو۔	۱۹۶	حدیث۱: دعا بکثرت کر۔	۲۴۰
ایک آدمی کی صف بھی صف ہے۔	۱۹۶	حدیث ۲: جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو کثرت کرے کہ اپنے رب سے ہی سوال کررہا ہے۔	۲۴۱
جنازہ میں پچھلی صف افضل ہے۔	۲۰۷	مصنف کا استدلال کہ حدیث مذکور سوال ومسؤل دونوں میں تکثیر کی طرف اشارہ فرماتی ہے۔	۲۴۱
○ رسالہ المنۃ الممتازۃ فی دعوات الجنازۃ (جو دعائیں احادیث کریمہ میں وارد ہیں وہ مع ترجمہ اس رسالے میں جمع کردی گئی ہیں اور قبر پر تلقین کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے)	۲۰۹	حدیث ۳: دعا بکثرت مانگ کہ دعا قضا مبرم کو ٹال دیتی ہے۔	۲۴۱
نماز جنازہ سے متعلق احادیث میں تیرہ دعائیں وارد ہوئی ہیں۔	۲۰۹	حدیث ۴: بیشک اللہ تعالٰی نے برکت رکھی ہے آدمی کی اس حاجت میں جس میں وہ دعا کی کثرت کرے۔	۲۴۱
تفصیل ادعیہ بعد تکبیر سوم	۲۰۹	حدیث۵: کثرت دعا سے گھبرا کر دعا چھوڑ دینے والے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔	۲۴۲
طریقہ تلقین قبر۔	۲۲۱	حدیث ۶و۷: ہر وقت ہر گھڑی عمر بھر خیر مانگے جاؤ اور تجلیات رحمت الٰہی کی تلاش رکھو۔	۲۴۲
نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا جائز ہے، دعا سے متعلق احادیث اور منکرین کا رد	۲۲۴	یہاں تو بحمد اللہ نہ صرف اطلاق بلکہ صراحۃً تعمیم زمانہ ہے ۔	۲۴۳
○ رسالہ بذل الجوائز علی الدعاء بعد صلاۃ الجنائز (نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کا ثبوت اور منکرین کا رد)	۲۳۹	جس وقت دعا کیجئے بلا شبہ عین مامور بہ اور حسن فی حد ذاتہ ہے۔	۲۴۳
بہت عوام تمایز صور سے غفلت کرتے ہیں لہذا ایسی جگہ پوری بات کرنا ہمیشہ مفتی کے لیے مناسب ہے۔	۲۴۰	جب تک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو منع وانکار حکم شرع کا رد وابطال ہے۔	۲۴۳
ائمہ اہلسنت وجماعت کا اجماع ہے کہ اموات مسلمین کے لیے دعا محبوب اور شرعاً مطلوب ہے۔	۲۴۰	جب بتصریح تعمیم امر شرع وارد ہو تو جمیع ازمنہ تحت امر داخل ہوتا ہے۔	۲۴۳
نصوص شرعیہ آیتاً وحدیثاً دربارہ دعا ارسال مطلق واطلاق مرسل پر وارد جن میں کسی زمانہ کی تقیید وتحدید نہیں۔	۲۴۰	حسن فی ذاتہ کو کبھی خارج سے کوئی امر مزاحم حسن عارض ہوتا ہے۔	۲۴۳
		بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔	۲۴۳

عارض اپنے عروض ہی تک مزاحم رہے گا زائل ہوتے ہی اصل حسن کا حکم عود کرے گا۔	۲۴۳	علماء فرماتے ہیں وصل سے نہی اس لیے ہے کہ ایک نماز دوسری کا تتمہ نہ معلوم ہو۔	۲۴۹
عامہ کتب میں یہ عامہ اقوال ہر گز اطلاق وارسال پر نہیں کہ بعد نماز جنازہ مطلقاً دعا کو مکروہ لکھتے ہوں۔	۲۴۳	امام ابن حامد سے منقول حکایت پر بحث کہ انہوں نے فرمایا: دعا بعد نماز جنازہ مکروہ ہے۔	۲۵۱
اقوال مذکورہ کراہت دعا مقید بہ لفظ قیام ہے یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے قیام (طویل) نہ کرے نہ یہ کہ بعد جنازہ دعا ہی نہ کرے۔	۲۴۴	امام ابن حامد کی حکایت سے استدلال کرنے والے متعسفین کا مناظرانہ انداز میں چھ وجوہ سے رَد۔	۲۵۲
مصنف کی تحقیق کہ وہ کیا قیام ہے جس کی قید سے فقہاء یہ حکم (کراہت) دے رہے ہیں۔	۲۴۴	اس روایت کا حاکی زاہدی معتمد نہیں۔	۲۵۳
نفس دعا اصلاً صالح ممانعت نہیں اور نہ کھڑے ہو کر دعا ممنوع ہے۔	۲۴۴	زاہدی مذہب کا معتزلی ہے۔	۲۵۴
قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت ہے۔	۲۴۵	زمخشری اور زاہدی میں فرق۔	۲۵۴
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کے گرد کھڑے ہو کر دعائیں کرتے رہے۔	۲۴۵	لفظ عن مشیر غرابت و تمریض ہے۔	۲۵۵
قیام کے دو معنی ہیں۔	۲۴۵	فاتحہ ودعا برائے میت دفن سے پہلے جائز ہے۔	۲۵۵
پیش از نماز دعا خود احادیث صحیحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔	۲۴۶	"ہمیں است روایت معمولہ" یہ الفاظ قوت میں علیہ الفتوی اور بہ یفتی کے برابر ہیں۔	۲۵۵
نماز کے علاوہ کسی دعائے طویل کی غرض سے تجہیز جنازہ کو درنگ و تعویق میں ڈالنا شرعاً پسندیدہ نہیں۔	۲۴۷	لفظ فتوی، لفظ صحیح واصح اور اشبہ وغیرہ سے آکد ہے۔	۲۵۵
جنائز پر تکثیر جماعت قطعاً مطلوب ہے مگر اس کے لیے تاخیر محبوب نہیں۔	۲۴۷	لفظ علیہ العمل لفظ فتوی کے مساوی ہے۔	۲۵۵
شرع مطہر میں تعجیل تجہیز بتاکید تمام مطلوب ہے۔	۲۴۷	عبارت فقہاء میں کراہت صرف دوصورتوں سے متعلق ہے، ایک اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے دعا کرنا، دوسرے قبل نماز خواہ بعد نماز دعائے طویل کی خاص غرض سے امر تجہیز کو تعویق میں ڈالنا۔	۲۵۶
ایک نماز دوسری نماز سے نہ ملاؤ یہاں تک کہ کچھ گفتگو کرلو یا اس جگہ سے ہٹ جاؤ۔	۲۴۹	ایہام زیادت مورث کراہت تنزیہیہ ہے جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے۔	۲۵۶

مکروہ تنزیہی کو گناہ کہنا درست نہیں۔	۲۵۶	جو اراضی شامل مسجد ہو چکی ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔	۲۶۶
موضع نماز جنازہ		مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز جنازہ ہونے کی وجہ۔	۲۶۶
مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں، کتب فقہ سے اس امر کا ثبوت۔	۲۵۹	مسجد کے حوض پر جنازہ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم۔	۲۶۶
مسجد میں نماز جنازہ ممنوع ہے اگرچہ بیرون مسجد جگہ کم ہو یا سخت دھوپ ہو اور ماہ رمضان ہو۔	۲۶۲	قدیم قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا جبکہ قبریں منہدم ہو چکی ہوں۔	۲۶۷
اور اگر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی گئی تو فرض ساقط ہو جائے گا۔	۲۶۳	**تکرار نماز جنازہ**	
جو نماز میں ملنا چاہتا ہو اور کسی وجہ سے نہ مل سکا تو ثواب پائے گا۔	۲۶۳	O رسالہ النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز (نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہے)	۲۶۹
نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھی جائے۔	۲۶۳	نماز جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک مطلقًا ناجائز ہے۔	۲۷۰
صحیح یہ ہے کہ مسجد میں جنازہ یا امام یا صف ہو تو مکروہ ہے۔	۲۶۴	اگر اجنبی غیر احق بلااذن و بلامتابعت ولی پڑھ لے تو ولی اعادہ کر سکتا ہے۔	۲۷۰
مسجد کے اندر نماز جنازہ جائز نہیں۔	۲۶۵	ولی پڑھ چکا ہو تو اب کسی کو جائز نہیں۔	۲۷۰
مسجد کے مسقف حصہ کو شتوی اور صحن کو صیفی کہتے ہیں۔	۲۶۵	نماز جنازہ بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں۔	۲۷۰
میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے مگر اس حالت میں کہ وہاں زمین نرم ہو تو حفاظت کے لیے حرج نہیں۔	۲۶۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔	۲۷۰
کفن پہلے سے تیار رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور قبر پہلے سے بنانا نہ چاہئے۔	۲۶۵	اگر نماز جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا۔	۲۷۰
میت تابوت میں ہو تو نماز جنازہ اس پر اسی طرح جائز ہے کھولنے کی حاجت نہیں۔	۲۶۵	اگر کوئی شخص بلاجنازہ دفن کر دیا گیا ہو تو اس کی قبر پر نماز پڑھنا فرض جبکہ بدن نہ بگڑنے کا ظن غالب ہو۔	۲۷۱
نماز جنازہ فناء مسجد میں جائز ہے۔	۲۶۵	نماز جنازہ ہر مسلمان کا دوسروں پر حق ہے۔	۲۷۰
قبر میں شجرہ اور تبرکات رکھنا ممنوع نہیں۔	۲۶۵		

مقبول بندوں کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔	۲۷۱	جوتم میں فتوی دینے پر زیادہ جری ہے آتش دوزخ پر زیادہ جرات رکھتاہے۔	۲۸۰
مومن صالح کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کو عذاب دینے سے اللہ تعالٰی حیافرماتاہے۔	۲۷۱	نماز کا قبل فرضیت وقوع ہوابعد کو فرضیت اتری۔	۲۸۰
جب سلامت وعدم سلامت میت مشکوک ہو تو قبر پر نماز جنازہ نا جائز ہوگی۔	۲۷۱	اہل مدینہ نے قبل فرضیت جمعہ جمعہ پڑھا۔	۲۸۰
بیشک اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم السلام کے بدن کو کھانازمین پر حرام فرمادیا۔	۲۷۱	حضوراقدس صلی تعالٰی علیہ وسلم نے جماعت تراویح اس خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت سے فرض نہ ہوجائے۔	۲۸۱
تکرار نماز جنازہ کے عدم جواز پر چالیس کتب معتبرہ کی اکاون عبارات۔	۲۷۲	نماز جنازہ بالاجماع فرض کفایہ ہے۔	۲۸۱
اگر بادشاہ اسلام یاامیر المومنین یا قاضی شرع یااسلامی حاکم مصر یاامام الحہ نماز جنازہ پڑھ چکاہو تو اب ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں۔	۲۷۳	صلوٰۃ علی فلاں بمعنی دعانصوص شرعیہ میں شائع وذائع ہے۔	۲۸۱
ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہناخود گناہ ہے۔	۲۷۷	حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمہارے امام ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور بعدازوصال بھی۔	۲۸۴
عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دوگناہ۔	۲۷۷	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ عرض کرتے تھے اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔	۲۸۴
فرقہ غیر مقلدین گمراہ وبدمذہب ہے۔	۲۷۷	مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے۔	۲۸۵
جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اس پر ہے۔	۲۷۷	تکفین کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہمانے سلام عرض کیا۔	۲۸۵
نماز جنازہ جماعت سے خواہ تنہاپڑھ لی تو دوبارہ جماعت سے خواہ تنہاپڑھنی مکروہ ہے۔	۲۷۸	صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرتے اور لوگ آمین کہتے رہے۔	۲۸۵
قائلین تکرار نماز جنازہ کو مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے چیلنج کہ کوئی حدیث تقریری یا قولی یا فعلی پیش کرو۔	۲۷۹	حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے صلوٰۃ کی۔	۲۸۶

سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد گرامی ہے کہ میرے غسل وکفن کے بعد سب سے پہلے جبرائیل مجھ پر صلوٰۃ کریں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ۔	۲۸۶	عمرو ملک زید میں بے اذن زید بیع کرے زید خبر پاکر روا رکھے تو روا ہے اور اگر خود از سرنو عقد کرے توظاہر ہوگا کہ عقد فضولی پر قناعت نہ کی اب عقد یہی عقد مالک ہوگا نہ عقد فضولی۔	۲۹۵
نمازاول نہ ولی احق نے خود پڑھی نہ اس کے اذن سے ہوئی تو ہمارے نزدیک اسے اعادہ کااختیار ہے۔	۲۹۱	خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس میت پر نماز پڑھیں یہ اعادہ نماز نہیں بلکہ نماز اول یہی قرار پائے گی۔	۲۹۵
زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۲۹۱	مسجد محلّہ میں جب اہل محلّہ جماعت صحیحہ غیر مکروہہ باعلان اذان ادا کرچکیں تو دوسروں کو باعادہ اذان وہاں جماعت کی اجازت نہیں۔	۲۹۷
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی مسلمان مرے مجھے خبر کردیا کرو اس پر میرا نماز پڑھنا رحمت ہے۔	۲۹۳	اگر پہلی جماعت بے اذان یا باخفائے اذان واقع ہو تو دوسروں کو رواہے کہ اذان بروجہ مسنون دے کر محراب میں جماعت کرائیں۔	۲۹۷
نماز جنازہ شفاعت ہے۔	۲۹۴	جماعت اولٰی جب برخلاف حکم سنت ہو تو دوسری جماعت اعادہ جماعت نہیں بلکہ یہی جماعت اولٰی ہے۔	۲۹۷
جس مسلمان کے جنازے پر چالیس مسلمان نماز میں کھڑے ہوں اللہ تعالٰی اس کے حق میں ان کی شفاعت قبول فرماتا ہے۔	۲۹۴	اثبات حکم کے لیے محض صحت حدیثی کافی نہیں بلکہ صحت فقہی چاہئے۔	۲۹۹
مالک شفاعت صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۲۹۴	حدیث تعدد صلوٰۃ علٰی سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر محدثانہ گفتگو۔	۲۹۹
اور جو کوئی شفاعت کرے گا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت سے کرے گا۔	۲۹۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سے اندھیری قبریں روشن ہوجاتی ہیں۔	۳۰۱
حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز قیامت تمام انبیاء کے خطیب، ان کے امام اور مالک شفاعت ہیں۔	۲۹۵	تنویر قبر کے لیے بعد از نماز جنازہ کسی کی قبر پر نماز پڑھنا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔	۳۰۱
تصرف فضولی اذن مالک پر موقوف ہوتا ہے۔	۲۹۵	نعش مبارک کامقابر کی طرف نہ لے جانا، خاص وصال کی جگہ پر دفن ہونا، نہلانے میں قمیص اقدس کابدن سے جدانہ کیاجانا، سب صحابہ کے مشرف ہونے کے لیے جنازہ مبارک کا پونے دودن رکھارہنا اور جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روانہ ہونا خصائص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۳۰۲

مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔	۳۰۲	صدیق وفاروق ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سیدۃ النساء رضی اللہ تعالٰی عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گھر تعزیت کے لیے آئے۔	۳۰۷
بندہ مقبول کو پہلا تحفہ جو بارگاہ عزت سے ملتا ہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالٰی ان سب کی مغفرت فرمادیتا ہے۔	۳۰۳	حضرت سیدۃ النساء رضی اللہ تعالٰی عنہا نے وصیت فرمائی کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے تاکہ میرے جنازہ پر کسی غیر محرم کی نظر نہ پڑے۔	۳۰۷
جنازہ اقدس پر امامت نہ ہونے کی ایک حکمت نفیسہ ممانعت تکرار نماز جنازہ کے بارے میں چند اہم نکات و تمسکات۔	۳۰۳	اصحاب کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم دوبارہ نماز جنازہ ناجائز جانتے تھے۔	۳۰۷
کوئی نماز ایک دن میں دوبارہ نہ پڑھو۔	۳۰۵	جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو تو تیمّم کرکے نماز جنازہ پڑھ لے۔	۳۰۷
نمازوں کا سبب وقت ہے جب وقت دوبارہ آیا نماز دوبارہ آئے گی۔	۳۰۶	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وضو نہ ہونے پر تیمّم کرکے نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔	۳۰۸
نماز جنازہ کا سبب مسلم میت ہے، جب میت متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔	۳۰۶	تین چیزوں میں دیر نہ کرو (۱) نماز جب اس کا وقت آجائے۔ (۲) جنازہ جس وقت حاضر ہو۔ (۳) زن بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔	۳۰۹
ابوبکر بن ابی شیبہ امام بخاری وامام مسلم کے استاذ ہیں۔	۳۰۶	جلدی کرو کہ مسلمان کے مردے کو روکنا نہ چاہیے۔ جب تم میں سے کوئی مرے اسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔	۳۰۱
صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ اگر جنازگاہ میں نماز کی گنجائش نہ پاتے تو واپس تشریف لے جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔	۳۰۶	علماء فرماتے ہیں اگر روز جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوجائے تو جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔	۳۱۰
عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکنے کے بعد فرمایا دعا میں تو کوئی بندش نہیں میں اُن کے لیے دعا کروں گا۔	۳۰۶	جہّال کی یہ باتیں بے اصل ہیں کہ میت بھی نماز جمعہ میں شریک ہوجائے گی یا بعد نماز جمعہ دفن کریں تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا۔	۳۱۰

جنازے پر تکثیر جماعت سے میت کے لیے عفو وسیئات ورفع درجات کی امید عظیم ہے۔	۳۱۰	جواب سوال اول	۳۱۸
جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔	۳۱۱	مذہب حنفی میں جب ولی نماز پڑھ چکا ہو یا اس کے اذن سے ایک بار نماز ہو چکی ہو تو اب دوسروں کو مطلقاً نماز جائز نہیں۔	۳۱۸
جس پر سو مسلمان نماز پڑھیں وہ بخشا گیا۔	۳۱۱	تکرار نماز جنازہ کے عدم جواز پر ائمہ حنفیہ کا اجماع ہے، جو اس کے خلاف کرے وہ مذہب حنفی کا مخالف ہے۔	۳۱۸
جو نماز ہونے تک جنازہ میں حاضر رہے اس کے لیے ایک قیراط اور جو دفن تک حاضر رہے اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے۔	۳۱۱	مسئلہ مذکورہ پر کلام گیارہ انواع پر مشتمل ہے جن میں بطور پچاسی کتب سے دو سو سات ۲۰۷ عبارات ذکر کی گئی ہیں۔	۳۱۸
جو کسی جنازہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہو جائے اس کے لیے تین قیراط ثواب لکھا جائے گا۔	۳۱۲	نوع اوّل: نماز جنازہ دوبارہ روا نہیں، یہ نوع دس عبارات فقہاء سے مؤید ہے۔	۳۱۸
ایک قیراط اُحد سے بڑا ہے۔	۳۱۲	نوع دوم: دوبارہ نماز جنازہ پڑھیں تو نفل ہوگی اور یہ نماز بطور نفل جائز نہیں۔	۳۱۹
جو کسی میت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اُٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اسے چھپائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔	۳۱۲	اس نوع میں کتب معتبرہ سے چودہ عبارتیں ذکر کی گئیں۔	۳۱۹
حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں خراج تحسین۔	۳۱۳	نوع سوم: اگر کسی وجہ سے جماعت بھر کی نماز جنازہ باطل اور فقط امام کی صحیح ہوئی تو اب بھی اعادہ نہیں کر سکتے کہ اکیلے امام کی نماز سے فرض ساقط ہو گیا۔	۳۲۱
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز جنازہ کس نے پڑھائی	۳۱۴	اس نوع میں سترہ عبارات فقہاء مذکور ہیں۔	۳۲۱
٥ رسالہ الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب (غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں)	۳۱۷	نوع چہارم: ولی خود یا اس کے اذن سے دوسرا نماز پڑھا دے یا ولی تنہا پڑھ لے تو اب کسی کو نماز جنازہ کی اجازت نہیں۔	۳۲۱
نماز جنازہ کے بارے میں تین سوال	۳۱۷	اس نوع میں بائیس ۲۲ عبارات بطور حوالہ پیش کی گئیں۔	۳۲۱

نوع پنجم: حاکم اسلام یاامام مسجد جامع یاامام مسجد محلّہ کے بعد بھی دوسروں کواجازت نہیں کہ یہ بھی صاحب حق ہیں۔	۳۲۳	اس نوع میں ترپّن عبارات سے حوالے پیش کیے گئے۔	۳۳۳
اس نوع میں سات حوالہ جات مذکور ہیں۔	۳۲۳	بے وضو کووضو کرنے یاجنب کو غسل کرنے میں نماز عید کے فوت ہونے کااندیشہ ہو تو تیمّم کرکے شریک ہوجائیں۔	۳۳۳
نوع ششم: ولی وغیرہ ذی حق جس صورت میں اپنے حق کے لیے اعادہ کرسکتے ہیں اس صورت میں اپنے حق کے لیے اعادہ کرسکتے ہیں اس صورت میں بھی جوپہلے پڑھ چکاان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا۔	۳۲۴	سلطان وغیرہ جو ولی سے مقدم ہیں حاضر ہوں تو ولی کو نماز جنازہ کے لیے تیمّم جائز ہے۔	۳۳۳
اس نوع میں گیارہ عبارات فقہا سے تائید پیش کی گئی۔	۳۲۴	ولی نے دوسرے کواجازت امامت دے دی تواب بھی ولی تیمّم کرسکے گا۔	۳۳۳
نوع ہفتم: جب ولی نے دوسرے کواذن دے دیا اگرآپ شریک نماز نہ ہوا یاکوئی اجنبی بے اذن ولی خود ہی پڑھ گیامگر ولی شریک نماز ہوگیاتوان دونوں صورتوں میں ولی بھی اعادہ نہیں کرسکتا۔	۳۲۵	اگروضو یاغسل کے تیمّم سے ایک جنازہ پڑھا اب دوسرا آگیا اور وضو و غسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمّم سے دوسرا جنازہ پڑھ سکتاہے۔	۳۳۳
اس نوع میں بیس عبارات فقہاء بطور حوالہ مذکور ہوئیں۔	۳۲۵	ایسے واجب کافوت ہونا جس کابدل نہ ہو جواز تیمّم کے عذروں میں سے ہے۔	۳۳۳
نوع ہشتم: اگر سلطان وغیرہ ذی حق کہ ولی سے مقدم ہیں پڑھ لیں یا ان کے اذن سے کوئی اور پڑھ دے جب بھی ولی کو اختیار اعادہ نہیں۔	۳۲۶	جس کاانتظار ہوگا جیسے ولی واولیٰ اسے تیمّم جائز نہیں۔	۳۳۴
اس نوع میں چونتیس ۳۴ حوالہ جات ذکر کیے گئے۔	۳۲۶	نماز جنازہ یاعید فوت ہونے کے خوف سے پانی ہوتے ہوئے تیمّم کی اجازت ہے۔	۳۳۴
نوع نہم: ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی اور سلطان وغیرہ کہ اس سے اولیٰ ہیں بعد کوآئے تو بالاتفاق اعادہ نہیں کرسکتے، اگر موجود تھے ولی نے ان کے اذن کے بغیرپڑھادی اور یہ شریک نہ ہوئے تو بعض علماء کے نزدیک اعادہ کرسکتے ہیں۔	۳۲۷	ہرواجب کہ فوت پر بدل نہ رکھتاہو پانی ہوتے ہوئے اسے تیمّم سے ادا کرسکتے ہیں۔	۳۳۵
یہ نوع دس حوالہ جات پر مشتمل ہے۔	۳۲۷	صرف کراہت کے سبب سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳۳۶
نوع دہم: بے وضو یا جنب کواندیشہ ہو کہ وضو و غسل کیاتو نماز جنازہ فوت ہوجائے گی تو تیمّم کرکے شریک ہوجائیں۔	۳۳۳	نماز جمعہ یانماز پنجگانہ فوت ہونے کے خوف سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳۳۶

نوع یازدہم: تمام جہان کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار انوار پر نماز چھوڑ دی، اگر یہ نماز بطور نفل جائز ہوتی تو تمام مسلمان اس سے اعراض نہ کرتے۔	۳۳۹	جس امر سے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ مشروع نہیں ہوسکتا۔	۳۴۶
یہ نوع نو حوالہ جات پر مشتمل ہے۔	۳۳۹	دوسرے شہر کی میت پر صلوٰۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔	۳۴۶
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ متعدد بار ہونے کی توجیہ۔	۳۴۰	نجاشی، معٰویہ لیثی اور شہدائے موتہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر غائبانہ نماز کی توجیہ۔	۳۴۶
حضرت امام شافعی نے امام اعظم کے مزار کے قریب نماز فجر پڑھائی تو احتراماً بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی، نہ رفع یدین کیا اور نہ قنوت پڑھی۔	۳۴۰	واقعہ بئر معونہ	۳۴۶
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے کے لیے اتنی خلقت جمع ہوگئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے۔	۳۴۱	حضرت نجاشی کے وصال کا واقعہ۔	۳۴۷
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ چھ بار ہوئی آخری بار آپ کے صاحبزادے حضرت حماد نے پڑھی۔	۳۴۱	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو یہی ظن تھا کہ نجاشی کا جنازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے حاضر ہے۔	۳۴۷
جواب سوال دوم	۳۴۱	نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے ظاہر کردیا گیا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔	۳۴۸
مذہب حنفی میں جنازہ غائب پر محض ناجائز ہے اور ائمہ حنفیہ کا اس کے عدم جواز پر اجماع ہے۔	۳۴۱	حضرت معٰویہ بن معٰویہ مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے انتقال اور جنازہ کا واقعہ۔	۳۵۳
تئیس ۲۳ حوالہ جات سے مسئلہ مذکورہ کی تائید۔	۳۴۱	حضرت معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غائبانہ نماز جنازہ والی حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔	۳۵۴
صحت نماز جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میت مسلمان ہو، طاہر ہو اور جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔	۳۴۲	بقیہ بن ولید مدلّس ہے۔	۳۵۴
ہمارے نزدیک غائب اور عضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۳۴۴	ابن حبان نے نوح بن عمرو کو حدیث کا چور بتایا۔	۳۵۴
کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔	۳۴۶	محبوب بن ہلال مجہول ہے۔	۳۵۷
		امام نووی نے علاء بن یزید ثقفی کو ضعیف، امام بخای نے منکر الحدیث، ابوحاتم ودارقطنی نے متروک الحدیث اور امام علی بن مدینی نے دل سے حدیثیں گھڑنے والا کہا۔	۳۵۷

ابوالولید طیالسی نے کہا علاء بن یزید ثقفی کذاب تھا۔	۳۵۷	نماز جنازہ پر اطلاق صلوٰۃ مجاز ہے۔	۳۶۳
حدیث مذکور کی سب سندیں ضعیف ہیں۔	۳۵۷	صلوٰۃ کے ساتھ جب علٰی فلان مذکور ہو تو ہرگز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی۔	۳۶۳
حدیث ضعیف در بارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔	۳۵۷	مدارج النبوۃ میں مذکور ایک حکایت سے مخالفین کے استدلال کارد۔	۳۶۳
صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام کا معلوم نہیں۔	۳۵۷	نقل ہی کا اتباع ہے مسئلہ منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔	۳۶۵
زمین لپیٹ دی گئی اور جنازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہوگیا۔	۳۵۸	خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر عمل نہیں ہوگا۔	۳۶۵
فرشتوں کی دو صفیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے تھیں اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔	۳۵۸	متون کے مقابل شروح اور شروح کے مقابل فتاوٰی پر عمل نہیں۔	۳۶۵
شہدائے موتہ اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ کا واقعہ۔	۳۶۰	نماز جنازہ مجرد دعا کی مثل ہرگز نہیں۔	۳۶۵
شہدائے موتہ سے متعلق یہ حدیث دونوں طریق سے مرسل ہے۔	۳۶۰	دعا کے لیے طہارتِ بدن، طہارت جامہ، طہارت مکان اور استقبال قبلہ ضروری نہیں۔	۳۶۵
عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں اور یہ قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پوتے ہیں۔	۳۶۰	عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔	۳۶۶
عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم صغار تابعین سے ہیں اور یہ عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پر پوتے ہیں۔	۳۶۰	سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حنبلی ہیں۔	۳۶۷
شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے۔	۳۶۱	جواب سوال سوم۔	۳۶۷
معرکہ موتہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔	۳۶۱	ناجائز و گناہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔	۳۶۷
نماز جنازہ صلوٰۃ مطلقًا نہیں بلکہ دعاء مطلق و صلوٰۃ مطلقہ میں برزخ ہے۔	۳۶۲	شافعی المذہب امام فجر کی نماز میں قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی نہ پڑھے۔	۳۶۸
		حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نماز جنازہ نہیں ہوئی۔	۳۶۹

دفن		دفن کے لیے کیسی جگہ ہو۔	۳۸۲
شق کا معنی اور بنانے کا طریقہ۔	۳۷۰	پرانی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا حرام ہے جبکہ جگہ موجود ہو۔	۳۸۵
قبلہ کی جانب سے قبر میں میت داخل کریں۔	۳۷۱	خالی گورستان چھوڑ کر بھرے ہوئے میں دفن کرنا حرام ہے۔	۳۸۵
قبر میں میت کو لٹانے کی صورت۔	۳۷۱	مردہ بچہ پیدا ہو تو اسے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے۔	۳۹۰
قبر بالشت بھر اونچی ہونی چاہئے۔	۳۷۲	کافر یا مرتد مرے تو اس کے مسلمان رشتے دار کیسے دفن کریں۔	۳۹۰
بعد دفن قبروں پر پانی چھڑکنا۔	۳۷۳	**تعزیت وغیرہ**	
دفن کرنے میں بارش ہونا نیک فال ہے۔	۳۷۳	دفن کے بعد اہل میت کے ہاں جانا ضروری نہیں۔	۳۹۲
سوال نکیرین بعد دفن ہوتا ہے۔	۳۷۳	دفن کے بعد جمع ہو کر ایصال ثواب کرنے اور فاتحہ پڑھنے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی تحقیق۔	۳۹۲
قبر کھودنے کے آلات کے بارے میں سوال۔	۳۷۳	تعزیت کب کی جائے۔	۴۰۰
دفن کے بعد قبر پر کتنی دیر تک رکنا چاہئے۔ کیا جمعہ تک قبر پر بیٹھنا درست ہے۔	۳۷۷	اہل میت کو قبل دفن کھانا کھانا۔	۴۰۱
جائے دفن		ولد الزنا، زانی اور زانیہ کا فرط ہوگا یا نہیں۔	۴۰۱
بلا اجازت مالک دوسرے کی اراضی میں دفن کرنا حرام ہے۔	۳۷۹	کسی کو جنازہ کی شرکت سے روکنا منع ہے۔	۴۰۳
دوامی پٹہ والی زمین پر قبر و مسجد بنانا۔	۳۸۰	**قبر اور مقابر سے متعلق احکام**	
میونسپلٹی کی زمین میں دفن کرنا۔	۳۸۱	قبر کھل جائے تو مٹی ڈال کر بند کر دینا ضروری ہے۔	۴۰۳
مغصوب زمین میں دفن کرنا۔	۳۸۲	دفن کے بعد دوسری جگہ منتقل کرنا منع ہے اگرچہ اس کے لیے وصیت ہو۔	۴۰۵
قبر کی گہرائی کی مقدار۔	۳۸۲	قبر میں بچہ پیدا ہونے کا خواب نظر آئے تو قبر کھولنا جائز نہیں۔	۴۰۵
قبرستانوں کو تبدیل کرنے کی صورتیں۔	۳۸۲	امانت کے طور پر دفن کرنا اور پھر دوسری جگہ منتقل کرنا۔	۴۰۶
قبرستان کے قریب غلیظ ہونا یا ایسی جگہ دفن کرنا۔	۳۸۲		

قبرستان میں جوتے پہنے چلنا، چارپائی پر سونا اور گھوڑے باندھنا۔	۴۰۶	خواب میں کوئی اپنی قبر ہونا کہیں بتائے تو معتبر نہیں۔	۴۲۵
صحن مسجد میں دفن کرنا حرام ہے، اگر دفن ہوگئے ہوں اسے ختم کرنا چاہیے۔	۴۰۷	جھوٹا مزار بنانا اور اس کی تعظیم جائز نہیں۔	۴۲۷
قبرستان کا حصہ مسجد میں شامل کرنا حرام ہے۔		فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز وبدعت ہے۔	۴۲۷
وقفی اور غیر وقفی قبرستان میں مکان وغیرہ تعمیر کرنا۔	۴۰۸	نااہل کا مزار بنا کر اسے مزار ولی ٹھہرانا مکروہ ہے۔	۴۲۷
بلااجازت مالک کسی کی زمین میں دفن کرنا۔	۴۰۸	قبروں کو مٹا کر گودام، مکان اور مسجد وغیرہ بنانا۔	۴۲۷
مقبرہ میں غلیظ پانی بہانا۔	۴۰۹	رسالہ اهلاك الوهابيّين علی توهين قبور المسلمين (احکام قبور مؤمنین)	۴۲۹
قبرستان کے لیے چاردیواری بنانا اور درخت لگانا۔	۴۱۲	ایک گورستان (اہلسنت) کی قدیم قبروں کو عمداً کھود کر اپنے رہنے کے لیے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں۔	۴۲۹
قبرستانوں کے درختوں کی لکڑیاں یا قبروں کی اینٹیں مسجد میں لگانا۔	۴۱۲	قبریں کھود کر مکان وغیرہ بنانے سے اہل قبور کی توہین واہانت ہوگی یا نہیں۔	۴۲۹
مزاروں کے قریب زائروں کے لیے عمارتیں بنانا۔	۴۱۳	جواب از حضرت مولانا محمد عمرالدین ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔	۴۲۹
بزرگوں کے مزارات پر فاتحہ وقرآن پڑھنے کے لئے عمارت بنانا اور عرس کرانا جائز ہے۔	۴۱۹	فرقہ نجدیہ وہابیہ کو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور عامہ مومنین اہلسنت سے قلبی عداوت ہے۔	۴۲۹
زائروں کے لیے چھت وغیرہ بنانا۔	۴۲۰	اکابر وہابیہ کی تصانیف اہانت محبوبان خدا سے بھری پڑی ہیں۔	۴۲۹
پختہ قبریں بنانا۔	۴۲۰	انبیاء، شہداء اور اولیاء کی قبور کو منہدم اور نابود کرنا فرقہ وہابیہ کا شعار ہے۔	۴۲۹
قبر اوپر سے پختہ ہوسکتی ہے اندر سے نہیں۔	۴۲۵	شیخ نجدی نے روضہ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا۔	۴۲۹
فرضی قبریں بنانا اور اُن پر عرس کرنا۔	۴۲۵	شیخ نجدی نے شہداء وصحابہ کے مزارات توڑے۔	۴۳۰

مزارات مقدسہ کو منہدم کرنے کا کام وہی شخص کرسکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو۔	۴۳۰	اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔	۴۳۳
وہابیہ نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جس سے بعض کے جسم اور کفن بھی ظاہر ہوگئے۔	۴۳۰	حیات بعد ممات کے بارے میں چند روایات مستندہ۔	۴۳۳
وہابیہ کے نزدیک محبوبان خدا مر کر مٹی میں مل جاتے ہیں اور بالکل بے حس و بے شعور ہوجاتے ہیں۔	۴۳۱	حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آنے والا عجیب واقعہ۔	۴۳۳
تخمیناً بارہ سو ۱۲۰۰ سال گزر جانے کے باوجود صحابہ کرام کے کفن اور بدن شریف سلامت تھے۔ (حاشیہ)	۴۳۱	حضرت ابوعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ پیش آنے والا حیران کن واقعہ۔	۴۳۳
قبور مومنین کو توڑ کر اپنی رہائش وآسائش کے لیے مکان بنانا جائز نہیں۔	۴۳۱	حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ۔	۴۳۴
مومنوں کی قبروں کو توڑ کر رہائش کے لیے مکان بنانا اہل قبور کے لیے ایذا واہانت ہے۔	۴۳۱	حضرت ابویعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک مردہ مرید کو نہلانے کا انوکھا واقعہ۔	۴۳۴
اہلسنت کے نزدیک انبیاء، شہداء اور اولیاء مع اپنے ابدان واکفان کے زندہ ہیں۔	۴۳۱	ایک ولی اللہ کا قصہ جس نے بعد از موت آنکھیں کھول کر کہا میں زندہ ہوں اور اللہ تعالٰی کا ہر دوست زندہ ہے۔	۴۳۴
محبوبان خدا کو قبور میں روزی ورزق دیا جاتا ہے۔	۴۳۲	نامناسب افعال کرنے سے اموات مسلمین کو ایذا ہوتی ہے۔	۴۳۴
اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔	۴۳۲	قبور پر رہائشی مکان بنانا یا قبر پر بیٹھنا یا سونا یا اس کے قریب بول وبراز کرنا اشد مکروہ قریب بہ حرام ہیں۔	۴۳۶
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔	۴۳۲	علامہ زیلعی شارح کنز کی عبارت کے تین جواب۔	۴۳۷
محبوبان خدا کی روحیں زمین وآسمان اور جنت میں جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔	۴۳۲	قبر میں میت گل کر مٹی بھی ہوجائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے۔	۴۳۷
قبروں کی مٹی محبوبان خدا کے جسموں کو نہیں کھاتی بلکہ ان کے کفن بھی سلامت رہتے ہیں۔	۴۳۲	روح قبر پر تکیہ لگانے سے ناخوش ہوتی ہے۔	۴۳۷
محبوبان خدا قبروں میں نماز پڑھتے، ذکر کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔	۴۳۲	پرانی قبروں کو کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کرنا ضرورت شدیدہ کے باعث جائز ہے۔	۴۳۸
اولیاء اللہ کی حیات وممات میں کوئی فرق نہیں۔	۴۳۳		

تصدیقات وتائیدات علماء کرام ومفتیان عظام۔	۴۳۸	مولوی عبدالحئی لکھنوی صاحب کے اس فتوی کا رد کہ مکروہ تنزیہی صغائر میں سے ہے۔	۴۵۰
تصدیق ازاعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مشتمل بردووصل۔	۴۴۰	زیارت قبور مستحب ہے۔	۴۵۰
وصل اول بیان مجیب کی تصدیق وتصویب میں کہ قبور مسلمین کی تعظیم ضروری اوراہانت ممنوع ہے۔	۴۴۱	حضرت ابوقلابہ سے صاحب قبر کی شکایت۔	۴۵۲
مسلمان کی عزت مردہ وزندہ حالت میں برابر ہے۔	۴۴۱	حضرت ابوالحسین مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ عجیب واقعہ۔	۴۵۳
قبرستان سے سبز گھاس کاٹنا ناجائز اور خشک گھاس کاٹنا جائز ہے۔	۴۴۳	جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی ضرور ہوتا ہے۔	۴۵۳
قبرستان میں جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑنا ممنوع ہے۔	۴۴۳	**فائدہ جلیلہ:** محاورہ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلسنت کو کہتے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۵۳
قبر پر بیٹھنے سے آگ کی چنگاری پر بیٹھنا بہتر ہے۔	۴۴۴	فاجر کی برائیاں بیان کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں، مگر بعد موت فاجر کی برائیاں بیان کرنا منع ہے۔	۴۵۴
چنگاری یا تلوار پر چلنا قبر پر چلنے سے بہتر ہے	۴۴۶	مردوں کو بھلائی سے یاد کرو۔	۴۵۵
قبر پر چلنا یا بیٹھنا حرمت مومن کے خلاف ترک ادب وگستاخی ہے۔	۴۴۷	جیسا کروگے ویسا بھروگے۔	۴۵۶
قبر کو روندنا، اس پر بیٹھنا، سونا اور اس پر قضاء حاجت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۸	وصل دوم: اس امر کا بیان تام کہ مقابر عام مسلمین میں وقتی مکان بنانا بھی حرام نہ کہ اپنی سکونت وآرام کا مقام، اور یہ وصل مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے دوفتووں پر مشتمل ہے۔	۴۵۶
مسجد کی چھت پر وطی کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۹	فتوی اولٰی: ایک پرانے قبرستان کے کچھ حصے پر جس میں بظاہر کوئی قبر نہیں حاکم کی اجازت سے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کا شرعی حکم۔	۴۵۶
مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولی ہوتا ہے	۴۴۹	وقف کی تبدیلی جائز نہیں۔	۴۵۷
مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ مجتمع ہوجاتا ہے۔	۴۵۰	جو چیز جس مقصد کے لیے وقف کی گئی اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لیے دینا روا نہیں۔	۴۵۷
معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی۔	۴۵۰	مسجد ومدرسہ کو قبرستان نہیں بناسکتے نہ ہی قبرستان کو مدرسہ ومسجد بنایا جاسکتا ہے۔	۴۵۷
جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوتا ہے۔	۴۵۰	وقف گھر کو باغ، سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں مگر جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو تو جائز ہے۔	۴۵۷

قبرستان کے کسی حصے میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کرسکتا۔	۴۵۷	شے جب ایک بار وقف ہوجائے تو دوبارہ وقف نہیں ہوسکتی۔	۴۶۵
ابویوسف کے نزدیک واقف کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں نے یہ زمین مقبرہ مسلمین کردی وہ تمام زمین قبرستان ہوجاتی ہے اور امام محمد کے نزدیک ایک شخص کا اس میں دفن ہونا ضروری ہے۔	۴۵۷	زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کے لیے وقف نہیں ہوسکتی۔	۴۶۷
فتوٰی ثانیہ مدرسہ جامع العلوم کے مفتیوں نے وقف قبرستان کے بارے میں ایک غلط فتوٰی جاری کیا، مولانا احمد حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وہی فتوٰی لایا گیا آپ نے اس کے خلاف لکھا پھر وہی فتوٰی دیوبند بھیجا گیا تو انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی، مولانا احمد حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اعلیحضرت کی خدمت میں بھیجا جس کا آپ نے مدلل جواب تحریر فرمایا۔	۴۵۸	گنگوہی صاحب کی سخت نافہمی کہ متعلقہ روایتوں کے بے علاقہ بتایا۔	۴۶۸
نقل استفتاء	۴۵۹	گنگوہی صاحب پر گرفت۔	۴۶۹
جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم	۴۵۹	روایت علامہ زیلعی کی تحقیق انیق۔	۴۷۴
خلاصہ جواب جناب مولانا احمد حسن صاحب	۴۶۰	تصدیقات وتائیدات علماء کرام۔	۴۷۶
جواب مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ۔	۴۶۲	تکیہ کی زمین کرایہ پر دینا اور فقیر کو اس کا کرایہ لینا جائز ہے یانہیں۔	۴۷۹
جواب مصنف علام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔	۴۶۳	قبرستان کی بیع ورہن وغیرہ جائز ہے یانہیں۔	۴۷۹
جواب اول (از جامع العلوم) غلط صریح، حکم ثانی (از مولانا احمد حسن) حق وصحیح اور تحریر ثالث (از مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ) جہل قبیح ہے۔	۴۶۳	قبرستان کی زمین کسی کی ذاتی ملکیت ہوسکتی ہے یانہیں، اور مخصوص قبرستان بنانا کیسا ہے۔	۴۷۹
مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے گنگوہی صاحب کے فتوٰی کا دس وجہوں سے رد۔	۴۶۳	قبروں کو مسمار کرکے کھیتی وغیرہ کرنا کیسا ہے، اس کو روکنا چاہئے یانہیں۔	۴۷۹
گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ	۴۶۳	قبرستان کو گندگی کا مخزن بنانا کیسا ہے۔	۴۷۹
وقف میں شہرت کافی ہے۔	۴۶۳	مسلمانوں پر قبرستان کی حرمت کس حد تک واجب ہے۔	۴۸۰
وقف میں تبدیلی حرام ہے۔	۴۶۵	قبرستان وقف ہبہ اور بیع سے مستثنٰی ہے۔	۴۸۱
وقف کرنے کے لیے مالک ہونا شرط ہے۔	۴۶۵	قبرستان کے درختوں کا حکم۔	۴۸۱

زائروں کے لیے جو مکان وغیرہ ہوتے ہیں ان کا مالک کون ہوتا ہے۔	۴۸۱	بہت سے احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔	۴۹۴
مزارات پر لوبان وغیرہ سلگانا۔	۴۸۲	ائمہ دین نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع فرمادیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی۔	۴۹۵
٥رسالہ بریق المنار بشموع المزار (مزارات پر روشنی کرنے کا ثبوت)	۴۸۵	ائمہ دین نے نظر بہ حال زمانہ جو حکم فرمایا اسے مخالف حدیث کہنے والا احمق وکج فہم ہے۔	۴۹۵
قبروں پر چراغ لے جانا اگر بالکل فائدہ سے خالی ہو تو بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے۔	۴۹۰	تازہ تعظیمیں جو سلف صالحین کے وقت میں مکروہ تھیں اب حالات زمانہ کے پیش نظر علماء نے ان کی اجازت دی ہے۔	۴۹۵
موضع قبور میں مسجد ہے یا قبر سرِ راہ ہے یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا کسی ولی و محقق عالم کا مزار ہے تو ان کی تعظیم کے لیے شمعیں روشن کرنا ممنوع نہیں۔	۴۹۰	مزارات اولیاء اللہ پر شمعیں روشن کرنا ان کی روح کی تعظیم کے لیے کہ لوگ جان لیں یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا مزار ہے اور وہ اس سے تبرک وتوسل کریں۔	۴۹۶
روشنی دلیل اعتناء ہے اور اعتناء دلیل تعظیم اور تعظیم اہل اللہ دلیل ایمان ہے۔	۴۹۱	ہر تعظیم عبادت نہیں۔	۴۹۶
اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم دلی تقوی ہے۔	۴۹۱	تعظیم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نصوص قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔	۴۹۶
مصحف شریف کو مطلّا ومذہّب کرنا جائز ودلیل تعظیم ہے۔	۴۹۲	متعدد آیات قرآنیہ سے تعظیم انبیاء کا ثبوت۔	۴۹۶
مسجد کی آرائش اور اس کی دیواروں پر سونے چاندی سے نقش ونگار جائز ہے جبکہ تعظیم کے لیے ہو۔	۴۹۲	قرآن عظیم نے ماں باپ کی تعظیم کو فرض قرار دیا۔	۴۹۷
مساجد کے امتیاز کے لیے ان میں کنگرے بنانا جائز ہے۔	۴۹۳	تقرب وتعبد کو ایک ہی چیز قرار دینا محض باطل ہے۔	۴۹۸
اگر کوئی شخص وصیت کرجائے کہ اس کے مال سے مسجد میں گچ کاری اور اس میں سرخ وزرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔	۴۹۳	تقرب تو تعبد کے اعم سے اعم ہے کیونکہ تعبد سے تعظیم اعم ہے اور تعظیم سے تقرب اعم ہے۔	۴۹۸
اولیاء وعلماء کے مزارات پر عمارتیں بنانا مباح ہے۔	۴۹۴	مزارات پر شمعیں روشن کرنے کو تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر بدگمانی ہے۔	۴۹۸
بہت سی نوپید چیزیں اچھی بدعت ہیں۔	۴۹۴	کسی صالح واہل اللہ کا غیر خدا کا عابد ہونا محال ہے۔	۴۹۸

شرک ہر گز معاف نہ ہوگا۔	۴۹۸	سلطان اسلام زمین میں اللہ تعالٰی کا سایہ ہوتا ہے۔	۵۰۷
مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس متعدد بلاد وامصار سے ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو تک فتوے جمع ہوجاتے تھے۔	۴۹۹	مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ حرام ہے جب تک تواتر سے یقینی الثبوت نہ ہو۔	۵۰۷
اپنے خودساختہ متبوع کی خاطر حق سے صریح اعراض دیوبندیوں کا طریقہ ہے۔	۴۹۹	حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے۔	
اسمٰعیل دہلوی کی عبارت پر علماء دیوبند کا فتوائے کفر اور عبارت کے مصنف کا نام معلوم ہونے پر خاموشی۔	۴۹۹	قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے۔	۵۰۸
علماء دیوبند اپنے فتووں میں اسمٰعیل دہلوی کو ملحد وزندیق لکھنے کے باوجود اپنا امام مانتے ہیں۔	۵۰۰	فعل عوام کو دیکھ کر جماہیر علماء منع نہ فرمائیں تو استناد تقریر علماء سے ہوگا نہ کہ فعل عوام سے۔	۵۰۸
تحذیر الناس نے نئی نبوت کا سکہ جمایا اور شریعت مصطفویہ کو منسوخ کردیا۔	۵۰۱	بیشک ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔	۵۰۸
مزارات پر شمع جلانے کی ممانعت سے متعلق حوالہ جات غلط ہیں۔	۵۰۱	روضہ اطہر پر روشنی خاص روضہ اطہر کے واسطے ہے نہ کہ بنیّت مسجد۔	۵۰۹
اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہ خدا کے لیے کرے تو اس سے مسجد کا چراغ بھی جلاسکتے ہیں۔	۵۰۴	سلطان مراد بن سلطان سلیم خاں کا کعبہ معظّمہ اور روضہ اطہر کے لیے قندیلیں بھیجنے کا واقعہ۔	۵۱۱
شان وتجمل روضہ انور سے شان محبوبیت کھلتی ہے۔	۵۰۴	کعبہ معظّمہ میں قندیلیں آویزاں کرنے کا دن بزرگ دن تھا اس دن تمام اعیان مکہ جمع ہوئے۔	۵۱۱
اصالتًا بنائے مسجد فرائض کے لیے ہے۔	۵۰۴	روضہ اطہر پر قندیل مرصّع آویزاں کرتے وقت مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد اور علماء وصلحاء سب جمع تھے۔	۵۱۱
کن مساجد میں رات بھر روشنی کی اجازت ہے اور کن میں تہائی رات کے بعد روشنی گل کرنے کا حکم ہے۔	۵۰۴	سلاطین عثمانیہ سے پہلے بھی سلاطین حرمین شریفین میں قندیلیں حاضر کرتے تھے۔	۵۱۲
		سلاطین عثمانیہ میں سے سب سے پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خاں نے پائی۔	۵۱۲
امیر المومنین فاروق اعظم بعد از نماز عشاء دیکھ بھال کے لیے مسجد نبوی شریف میں دورہ فرماتے۔	۵۰۶	قنادیل مدینہ کے بارے میں امام سبکی نے "تنزل السکینۃ علٰی قنادیل المدینۃ" کے نام کتاب لکھی۔	۵۱۲
		قنادیل کا وقف صحیح ہے۔	۵۱۲

قنادیل کو مسجد کی عمارت میں صرف کرنا جائز نہیں۔	۵۱۲	جمع بین الحقیقۃ والمجاز باطل ہے۔	۵۱۵
امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل۔	۵۱۲	ملا علی قاری نے سرج قبور کے بارے میں جو تین وجوہ ممانعت نقل کیں وہ قبور عوام میں متحقق ہیں نہ کہ مزارات کریمہ میں۔	
وہ حدیث جس میں قبور پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت آئی ہے صحیح نہیں۔	۵۱۳	مزارات پر تعظیم خشت وگل کی نہیں بلکہ روح کریم کی ہوتی ہے۔	
ابو صالح باذام ضعیف ومدلس ہے۔	۵۱۳	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری کے آداب۔	۵۱۶
حدیث ضعیف دربارۂ احکام حجت نہیں ہوتی۔	۵۱۳	مزار اطہر کے حجرۂ مقدسہ اور گنبد مبارک کو دیکھتے رہنا عبادت ہے جیسے کعبہ معظّمہ پر نظر کرنا۔	۵۱۶
حدیث مانعین سے تین جواب۔	۵۱۴	نماز میں حجرہ مطہرہ مزار اطہر کو پیٹھ نہ کی جائے۔	۵۱۷
حقیقت سے بلاضرورت عدول نامقبول ہے۔	۵۱۴	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا حیات ظاہری میں تھا۔	۵۱۷
حدیث "المتخذین علیھا المساجد والسرج" میں کلمہ علٰی حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔	۵۱۴	فضائل درود شریف۔	۵۱۷
آیہ کریمہ "لنتخذن علیھم مسجدا" میں ضمیر جانب اصحاب کہف ہے اور آدمی کے جسم کے اوپر مسجد بنانے کے کوئی معنی نہیں لہٰذا کلمہ علٰی میں مجاز متعین ہے۔	۵۱۴	درود وہ تعظیم ہے جو بالاستقلال سوائے انبیاء وملائکہ علیھم الصلوٰۃ والسلام کے کسی کے لیے جائز نہیں۔	۵۱۸
"قبر پر چڑھاوا چڑھانے کی مثال" میں مجاز لفظ "پر" میں نہیں بلکہ خود لفظ "چڑھاوا" میں ہے۔	۵۱۴	میت کو بیری کے پتوں میں اُبلے ہوئے پانی سے غسل دینا چاہئے۔	۵۱۸
اوتارا اور چڑھاوا کے معنی میں فرق۔	۵۱۵	میت کو گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے۔	۵۱۸
اور کسی ایک جگہ کوئی لفظ مجازی معنی میں مستعمل ہو تو ضروری نہیں کہ دوسری جگہ بھی معنی مجازی ہی میں استعمال کیا جائے۔	۵۱۵	خاص لحد میں پکی اینٹیں لگانا ممنوع ہے ورنہ بالائے قبر اس میں حرج نہیں۔	۵۱۸
معنی حقیقی وجہ خارجی کا محتاج نہیں ہوتا۔	۵۱۵	قبہ کے اوپر چراغ جلانا ممنوع ہے نہ کہ اس کے اردگرد۔	۵۱۸
ملا علی قاری کی عبارت پر بحث۔	۵۱۵	امام علی روزباری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تعارف۔	۵۱۹

ایک بندہ صالح کی حکایت جس نے دعوت احباب میں ہزار چراغ روشن کیے۔	۵۲۰	قبر کی بلندی، قبر کو بوسہ دینا، قبر کو بوسہ دینے اور طواف کرنے کا حکم شرعی۔	۵۲۶
مزارات محبوبان اللہ پر روشنی اگر زینت قبر یا نفس قبر کی نیت سے ہو تو ممنوع ہے۔	۵۲۰	مزار کے طواف کرنے، چوکھٹ کو بوسہ دینے، آنکھوں سے لگانے اور اُلٹے پاؤں واپس ہونے کا بیان۔	۵۲۸
تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا جہالت ہے۔	۵۲۱	مزارات کو بوسہ دینے اور زیارت کے طریقے کا بیان۔	۵۲۸
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قبر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور مروان سے مکالمہ۔	۵۲۱	صاحب قبر کا مسلمان ہونا معلوم نہ ہو تو فاتحہ پڑھنا منع ہے۔	۵۳۲
تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کریم کی برکت لینا سنت صحابہ ہے۔	۵۲۱	مزارات پر مالیدہ، شیرینی وغیرہ نیاز کرنا۔	۵۳۲
"موسٰی بدین خود و عیسٰی بدین خود" کی تمثیل پر زجر و توبیخ اور توبہ کی تلقین۔	۵۲۲	مزاروں پر چادر اور پھول ڈالنے کا حکم۔	۵۳۳
زیارت قبور		مزاروں پر ڈالی گئی چادروں کا مالک کون ہے۔	۵۳۴
مزاروں پر فاتحہ پڑھنے کا طریقہ اور اس کی دعائیں۔	۵۲۲	مزارات پر عورتوں کا جانا، بعض مزاروں پر روشنیاں ہونا، زائروں کے لیے درخت لگانا، عمارت بنانا، زندہ اور مردہ ولیوں کا ہمکلام ہونا اور زندگی میں قل کرانا۔	۵۳۵
قبر پر جانے والوں یا ایصال ثواب کا علم میت کو ہوتا ہے۔	۵۲۳	عورتوں کو مزار پر جانا منع ہے۔	۵۳۶
زیارت کے لیے افضل دن جمعہ ہے، شب میں اکیلے قبرستان نہیں جانا چاہیے۔	۵۲۳	عورتوں کو مجاور بننا ممنوع ہے۔	۵۳۷
اہل قبور کے لیے الگ الگ فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے، فاتحہ پڑھنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے۔	۵۲۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روضہ اقدس کے علاوہ کسی اور مزار پر عورتوں کو نہیں جانا چاہیے۔	۵۳۸
قبر کے پاس قرآن شریف یا پنجسورہ پڑھنا، نیز قبر پر سبزی، پھول، اگربتی وغیرہ کا حکم۔	۵۲۴	مزارات پر ہر سال جمع ہو کر تلاوت و ذکر خیر کرنا، میلہ لگانا اور ایسے مجمع میں عورتوں کا جانا۔	۵۳۸
قبر پر قرآن خوانی کرنا اور پڑھنے والوں کو کھانا کھلانا	۵۲۴		

۵رسالہ جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور (عورتوں کو قبروں پر جانا جائز نہیں)	۵۴۱	دس ہزار بریانی کی دیگیں مردار مینڈھے کی اور دس ہزار مذبوح جانوروں کی مختلط ہوں تو تمام بیس ہزار حرام ہیں۔	۵۵۴
مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات نے ایک رجسٹری مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی خدمت میں بھیجی جس میں بحرالرائق اور تصحیح المسائل کے حوالے سے عورتوں کے لیے زیارت قبور کو جانے کی اجازت پر زور دیاگیا۔ آپ نے رجسٹری کا مختصر جواب دیا جس میں اس اجازت سے اختلاف فرمایا۔ مولانا موصوف نے دوبارہ رجسٹری بھیجی جس میں اپنے موقف پر شدید اصرار کیا، جس کے جواب میں مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مباحث جلیلہ پر مشتمل یہ رسالہ تحریر فرمایا۔	۵۴۱	عورتوں کے لیے زیارت قبور کو جانے کی ممانعت عام ہے صرف فاسقات کے ساتھ خاص نہیں۔	۵۵۶
تابعین کے زمانے ہی سے ائمہ نے عورتوں کو مسجد جانے کی ممانعت شروع فرمادی، پہلے جوان عورتوں کو، پھر بوڑھیوں کو بھی، پہلے دن میں، پھر رات میں بھی، یہاں تک کہ حکم ممانعت عام ہوگیا۔	۵۴۹	حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اپنی زوجہ مطہرہ کو مسجد سے روکنے کا واقعہ۔	۵۵۸
ہر بعد والا سال پہلے سے بدتر ہے۔	۵۴۹	عورت کے لیے زیارت قبور کی ممانعت کی دو علتیں ہیں: خوف فتنہ اور خوف فسّاق۔	۵۵۹
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ارشاد ہے کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کی موجودہ حالت دیکھتے تو انہیں مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔	۵۴۹	خروج زن کے سات مواضع ہیں، ان کے علاوہ اس کے لیے خروج ناجائز، اگر شوہر اجازت دے تو دونوں گنہگار ہیں۔	۵۶۱
حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیا۔	۵۴۹	خروج کے بغیر عورت کے لیے اگر زیارت قبر ممکن ہو تو چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۵۶۳
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما جمعہ کے دن کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔	۵۵۰	نادر پر حکم نہیں ہوتا۔	۵۶۳
حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مستورات کو جمعہ وجماعات میں نہ جانے دیتے۔	۵۵۰	ائمہ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہوسکتی، ہاں تدابیر ارشاد کردہ مرشد بتانے میں سفیر محض ہو تو حرج نہیں۔	۵۶۴
سلب مفسدہ جلب مصلحت پر مقدم واہم ہے۔	۵۵۱	حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ تقوی میں کمال رکھتی تھیں۔	۵۶۴

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالٰی عنہا عابدہ وزاہدہ تھیں۔	۵۶۴	امام منکرین مولوی محمد اسحاق کی تلون مزاجی اور خود منکرین کے خلاف گواہی۔	۵۷۳
فاتحہ وایصال ثواب		اکابر منکرین کی شہادت سے اثبات مطلب، اور گیارہ اقوال سے گیارھویں اور فاتحہ کا ثبوت۔	۵۷۳
ہر تاریخ میں ایصال ثواب جائز ہے، معین تاریخیں ہوں یا غیر معیّن۔	۴۲۱	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہادت کہ فاتحہ و ایصال ثواب جائز ہے۔	۵۷۴
فاتحہ بہیئت مروجہ بلاریب جائز و مستحسن ہے۔	۵۶۴	اللہ تعالٰی کی نذر سے اغنیاء کے لیے کھانا جائز نہیں۔	۵۷۵
○ رسالہ الحجۃ الفائحہ لطیب التعیین والفاتحہ (مروجہ فاتحہ، سوم، چہلم، برسی اور عرس وغیرہ کا ثبوت)	۵۶۹	اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی ہو تو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں۔	۵۷۵
ایصال ثواب اور اموات کو ہدیہ اجر پہنچانا اہلسنت کے نزدیک بالاتفاق پسندیدہ ہے۔	۵۷۰	کیا تمام اُمّت اور شاہ عبدالعزیز صاحب مشرک ہیں۔	۵۷۶
منکرین ایصال ثواب دراصل معتزلہ کی وکالت کرتے ہیں۔	۵۷۰	امام طائفہ وہابیہ مولوی خرمعلی کے نزدیک گیارھویں اگر ایصال ثواب کے لیے ہو تو منع نہیں۔	۵۷۷
جمہور ائمہ کے نزدیک ثواب کا پہنچنا عبادات مالیہ وبدنیہ دونوں کو شامل ہے۔	۵۷۰	خود امام الطائفہ کہتے ہیں کہ بکری پال کر ذبح کرکے غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلادے تو کچھ حرج نہیں۔	۵۷۷
دوران نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا اور رکوع و سجود میں قراءۃ قرآن ممنوع ہے۔	۵۷۱	امام الطائفہ کے نزدیک اولیاء کی نذر کی گائے کا گوشت اور کھانا حلال ہے۔	۵۷۸
آحاد حرام نہ ہوں تو ان کا مجموعہ بھی حرام نہیں ہوتا۔	۵۷۱	وقت مقرر کرنا دو قسم پر ہے: (۱) شرعی (۲) عادی	۵۸۰
مباحات کا مجموعہ بھی مباح ہوتا ہے۔	۵۷۱	غیر معین زمانے میں وقوع فعل عقلاً محال ہے۔	۵۸۰
مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایصال ثواب کو جائز مانا ہے۔	۵۷۱	وجود فعل اور تعین لازم وملزوم ہیں۔	۵۸۰
دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا سے ہے۔	۵۷۲	جو حکم مطلق کے لیے ہو وہی اس کے تمام افراد کے لیے ہوتا ہے۔	۵۸۱
محض کسی امر کے خصوصی طور پر وارد نہ ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا غلطی ہے۔	۵۷۳		

مطلق ثابت ہوجائے تو قائل جواز سے دلیل خصوصیت مانگنا غلط ہے۔	۵۸۱	منکرین کا عرس بزرگان کے بارے میں اعتراض اورشاہ عبدالعزیز صاحب کاجواب۔	۵۸۸
ممانعت فعل خاص کی دلیل مانع کے ذمہ ہے۔	۵۸۱	صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے۔	۵۸۸
ارادہ فاعل مختار بھی مرجح ہے۔	۵۸۲	حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہرسال کے آخرمیں مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔	۵۸۹
عبادات اور اشغال واذکار کے لیے وقت مقرر کرنے کی حکمت۔	۵۸۲	حق یہ ہے کہ تخصیصات مذکورہ یعنی تیجا اور چالیسواں وغیرہ تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے طعن وملامت نہیں ہیں۔	۵۹۰
احادیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعینات عادیہ کی چند مثالیں۔	۵۸۵	بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص کے متعلق ایک سوال کا شاہ عبدالعزیز کی طرف سے بہترین جواب۔	۵۹۰
حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی زیارت کے لیے سال کا آخر، مسجد قباء میں تشریف آوری کے لیے ہفتہ کادن اور شکررسالت کے طور پر روزہ رکھنے کے لیے پیر کادن مقرر فرمایا۔	۵۸۵	اگر مخصص کے بغیر تخصیص مفید نہیں تو نقصان دہ بھی نہیں۔	۵۹۱
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مشورہ کیلئے صبح وشام کاوقت، سفر جہاد کے لیے جمعرات کادن، اور طلب علم کے لیے دوشنبہ کادن مقرر فرمایا۔	۵۸۵	یہ گمان غلط ہے کہ ان معین دنوں کے علاوہ ایصال ثواب جائز نہیں یاثواب میں کمی آتی ہے۔	۵۹۱
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وعظ ونصیحت کے لیے جمعرات کادن مقرر فرمایا۔	۵۸۶	عوام جہلاء نے ایصال ثواب کے بارے میں جو ناپسندیدہ امورپیدا کررکھے ہیں مثلاً دکھاوا، چرچا، تفاخر، مالداروں کو جمع کرنااور فقراء کو منع کرنا وغیرہ سب ممنوع ومکروہ ہیں۔	۵۹۲
علماء سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کادن مقرر فرماتے ہیں۔	۵۸۶	کسی مستحسن عمل میں اگر کوئی خرابی پیدا کرے تو علماء کو وہ خرابی ختم کرانی چاہئے نہ کہ چرب زبانی سے کام لے کر اصل عمل بند کرادیں۔	۵۹۲
مردہ ڈوبنے والے کی طرح فریادرس کا منتظر ہوتا ہے۔ دعائیں، صدقے اور فاتحہ اس کے لیے بہت مفید ہیں۔	۵۸۷	اگر کوئی نماز بلاتعدیل ارکان ادا کرے تو اس کو اس کوتاہی سے روکا جائے نہ کہ نماز ہی سے منع کردیا جائے گا۔	۵۹۲

فاتحہ کا ثبوت۔	۵۹۳	امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام کا شربت کرنا اور پینا۔	۶۰۱
سوم و تیجہ جائز ہے، بیہودہ باتوں سے اجتناب چاہئے۔	۵۹۴	ایصال ثواب کن الفاظ کے ساتھ ہو۔	۶۰۲
فاتحہ جائز اور منکر خاطی ہے۔	۵۹۴	مردے کا نام لے کر ایصال ثواب کرنا۔	۶۰۲
اموات مسلمین کے نام پر کھانا پکا کر ایصال ثواب کے لیے تصدق کرنا بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔	۵۹۵	ایصال ثواب میں مردے کا نام کافی ہے۔ ولدیت کے اظہار کی حاجت نہیں۔	۶۰۳
مردے کے نام پر فقیر کو دونوں وقت کھانا کھلانا، جانوروں کو پانی پلانا، قرآن پاک ہدیہ کرنا، میلاد شریف کرنا اور قبر پر اگربتی جلانا۔	۵۹۶	گیارہویں شریف مرتبہ فردیّت میں مستحب اور مرتبہ اطلاق میں سنت ہے۔	۶۰۵
مزارات پر شامیانے لگانا، چراغ جلانا، شیرینی وغیرہ پر فاتحہ دینا اور عشرۂ محرم میں شربت پلانا۔	۵۹۸	گیارہویں شریف کو منع کرنے والے وہابی یا رافضی ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔	۶۰۵
تیجہ، دسواں اور چہلم وغیرہ میں فاتحہ دینا	۵۹۹	چٹکی کے طور پر نکالے ہوئے آٹے سے گیارہویں شریف کرنا۔	۶۰۶
فاتحہ میں نذر اللہ اور نذر رسول کہنا۔	۵۹۹	قبل دفن تلاوت وغیرہ کا ایصال ثواب کرنا۔	۶۰۶
نذر و نیاز کو ناجائز کہنے والے کا حکم۔	۵۹۹	صالحین کے نام ایصال ثواب کرنے پر ایک شبہے کا جواب۔	۶۰۷
تلاوت، درود شریف، سورۂ اخلاص پڑھ کر، فقیر کو کھانا اور کپڑے دے کر ایصال ثواب کرنا جائز ہے۔	۶۰۰	روزانہ فاتحہ دینا، ہر جمعرات یا چالیس یوم تک فقیر کو کھانا دینا، عرفہ کو فاتحہ دینا اور فاتحہ کے کھانے اغنیاء کو کھلانے کے بارے میں مفصل بیان۔	۶۰۸
مردے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ فلاں نے ایصال ثواب کیا ہے۔	۶۰۰	قبرستان میں جا کر فاتحہ پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔	۶۰۹
ایصال ثواب کرنے سے ثواب پہنچتا ہے۔	۶۰۰	کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ جائز ہے، ایسا کھانا اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں۔	۶۱۰
ایصال ثواب کے ذریعے مغفرت مشیت الٰہی میں ہے۔	۶۰۰	فاتحہ و ایصال کے لیے کھانے کا پیش نظر ہونا ضروری نہیں۔	۶۱۱
ایصال ثواب کے لیے گیارہ مرتبہ سورۂ اخلاص اور ایک بار سورہ ملک پڑھنی چاہئے۔	۶۰۰	حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا جہالت ہے۔	۶۱۱
گیارہویں شریف اور ایصال ثواب کا طریقہ۔	۶۰۱		

کسی نیاز پر پردہ ڈالنے کا کہیں حکم نہیں۔	٦١١	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایصال ثواب کرنے میں دوسروں کو شامل کرنا۔	٦٢١
چند افراد کی فاتحہ اکٹھی دلانا یا جداجدا دلانا دونوں صورتیں جائز۔	٦١١	چند ناموں سے فاتحہ کیا جائے تو ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا۔	٦٢١
آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایصال ثواب کرنا۔	٦١١	ایصال ثواب کا طریقہ اور فاتحہ کرنے کا فائدہ۔	٦٢١
فاتحہ کس چیز پر افضل ہے اور کسے دیں۔	٦١٢	امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت سے انقسام ثواب پر استدلال کا جواب۔	٦٢٤
تبارک کی اصل کیا ہے، اس میں کیا ہوتا ہے اور اسے کون کھائے۔	٦١٣	نابالغ بچہ ایصال ثواب کرسکتا ہے یا نہیں۔	٦٢٩
میت کے ساتھ کھانا لے جانا، قبر پر گلاب چھڑکنا اور قبر سے چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا۔	٦١٣	ششماہی، سالانہ، عرس کرنا اور عرس وغیرہ کی شیرینی کھانے والے کے لیے جنت مقام و دوزخ حرام کہنا۔	٦٤٢
طعام فاتحہ تین قسم پر ہے جن میں سے ایک قسم کا کھانا اغنیاء کو ممنوع اور ایک کا کھانا غیر مستحسن اور ایک کا کھانا بلاتکلف جائز۔	٦١٣	ایصال ثواب یا کفارہ میں قرآن شریف دینا اور ڈھیلوں پر دَم کرکے قبر میں رکھنا۔	٦٤٣
سوم وغیرہ کے چنے فقراء میں تقسیم کردیئے جائیں اغنیاء اور کفار کو نہ دیں۔	٦١٥	تلاوت پر اُجرت لینا اور دینا ناجائز ہے۔	٦٤٤
سوم کے چنے غنی بچوں کو بھی نہ کھلائے جائیں۔	٦١٥	قرآن خوانی کرنے والوں کو بطور اجرت کھانا کھلانا حرام۔	٦٤٤
میں مردکوئی چیز طلب کرے تو اس چیز پر فاتحہ دلانا اور فاتحہ میں پانی رکھنا جائز ہے۔	٦١٥	قرآن خوانی کی اُجرت حرام ہے اور اس کے جواز کی ایک صورت۔	٦٤٦
آٹے کے چراغ میں گھی ڈال کر فاتحہ دلانا۔	٦١٦	تلاوت و تہلیل میں اُجرت لینا حرام	٦٤٦
فاتحہ میں کپڑے، جوتے وغیرہ مسکین کو دینے کی نیت خواب سے رکھنا جائز ہے مگر گھی چراغ جلانا فضول ہے۔	٦١٦	المعروف کالمشروط کا مطلب۔	٦٤٦
ایصال چند ناموں سے کیا جائے تو ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا یا نہیں۔	٦١٦	معصیت میں قطعی اور غیر قطعی کا فرق نہیں ہوتا۔	٦٤٦
		تابوت لے جانے میں ہر جانب دس دس قدم لے کر چلنا اور اگر چالیس سے کم قبرستان ہو تو کیا کرے۔	٦٤٦

نماز جنازہ پڑھانے یا زیارت قبور کی اُجرت لینا۔	۶۴۶	جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد حجت ہے۔	۶۵۱
قرآن شریف یا میلاد شریف پڑھ کر خیرات لینا۔	۶۴۶	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی حجت ہے۔	۶۵۱
کیا مسلمان وارث کافر مردہ کی طرف سے مسلمانوں کو کھانا کھلا سکتا ہے۔	۶۴۶	دنیا کافر کی بہشت اور مومن کا قید خانہ ہے۔	۶۵۱
کافر کے لیے یا کافر کے مال سے ایصال ثواب کرنا جائز نہیں۔	۶۴۷	جب مسلمان مرتا ہے تو اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔	۶۵۱
کفار اور مرتد کو ایصال ثواب حرام ہے۔	۶۴۸	مسلمانوں کی روحیں جہاں چاہیں جانے کا اختیار رکھتی ہیں۔	۶۵۲
ہندو اپنے مردہ کو ایصال ثواب کے لیے میلاد وغیرہ کے واسطے روپیہ دے، لینا جائز نہیں۔	۶۴۸	کافر کی روح سجین میں مقید ہوتی ہے۔	۶۵۲
○رسالہ اتیان الارواح (گھر پر روحیں آتی ہیں)	۶۴۹	شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔	۶۵۲
میت کے لیے سات دن صدقہ کرنا مستحب ہے۔	۶۴۹	اولیاء اللہ قدست اسرارہم کی روحیں زمین، آسمان اور جنت میں سے جہاں چاہیں جاتی ہیں۔	۶۵۳
میت کی طرف سے صدقہ کرنا بلا اختلاف علماء میت کے لیے نافع ہے۔	۶۴۹	روحیں شب جمعہ چھٹی پا کر پھیلتی ہیں پہلے اپنی قبور پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔	۶۵۳
ارواح مومنین جمعرات، عید، عاشورہ اور شب برات کو اپنے گھروں کے دروازے پر آکر کہتی ہیں اے ہمارے گھر والو! ہم پر صدقہ کے ذریعے مہربانی کرو۔	۶۵۰	جو مسئلہ عقائد اور احکام حلال وحرام کا نہ ہو اس کے لیے دو ایک سندیں کافی ہوتی ہیں۔	۶۵۳
استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر جہل شدید ہے	۶۵۱	یہ گمان غلط ہے کہ ارواح کے گھروں کو آنے کا مسئلہ عقائد کا ہے لہٰذا اس کے لیے مشہور ومتواتر صحاح کی حاجت ہے۔	۶۵۴
صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر حماقت ہے۔	۶۵۱	ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو باب عقائد سے نہیں ہوتا۔	۶۵۴
حدیث حسن بالاجماع حجّت ہے۔	۶۵۱	سِیَر، مغازی اور مناقب میں صحاح وضعاف مقبول ہیں۔	۶۵۴
غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیثِ ضعیف بالاجماع حجت ہے۔	۶۵۱		

عقائد میں صحاح ظنیات مردود ہیں۔	۶۵۵	روح وجسم دونوں کے معذب ہونے کی مثال حدیث میں۔	۶۵۸
صاحب براہین قاطعہ نے وسعت علم رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال صحیح احادیث کو مردود ٹھہرایا اور وہیں اسی منہ تنقیص علم عظیم پر ایک بے اصل اور بے سند حکایت کے سند لایا۔	۶۵۵	روح کا مقام بعد موت حسب مراتب مختلف ہے۔	۶۵۸
یہ روایت کہ "مجھ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں" شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک بے اصل ہے۔	۶۵۵	خواب میں کسی مرحوم عزیز کو دیکھنے کا اثر کبھی مرحوم پر بھی پڑتا ہے۔	۶۵۸
ارواح گھروں کو آنے سے متعلق دعوی نفی کرنے والا جھوٹا کذاب ہے۔	۶۵۶	روح حکم ربی سے ایک شئی ہے اور اس کے ادراکات باقی رہتے ہیں۔	۶۵۸
عدم ثبوت، ثبوت عدم نہیں ہوتا۔	۶۵۶	قبر پر آنے والوں کا علم میت کو ہوتا ہے۔	۶۵۸
بے دلیل عدم، ادعائے عدم محض تحکم وستم ہے۔	۶۵۶	شب جمعہ، روز جمعہ اور رمضان میں مرنے والا مسلمان سوال نکیرین اور عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔	۶۵۹
روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا اور دعوی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی۔	۶۵۶	ایک کی جگہ دوسرے کی روح قبض ہونا محض غلط ہے، فرشتے غلطی نہیں کرتے۔	۶۵۹
کسی حدیث میں نہیں آیا کہ روحوں کا گھروں کو آنا باطل وغلط ہے۔	۶۵۶	دعوت میت	
ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل ہے۔	۶۵۶	٥ رسالہ جلی الصّوت لنھی الدعوۃ امام موت (میت کے گھر کے کھانے کا بیان)	۶۶۱
مرنے کے بعد میت کے اپنے عزیزوں سے اس طرح تعلقات رہتے ہیں جیسے حیات دنیا میں۔	۶۵۷	اہل میت کے ہاں دعوت ناجائز اور بدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔	۶۶۲
ارواح مومنین کس جگہ رہتی ہیں۔	۶۵۷	اہل میت کی طرف سے کھانے کی ضیافت منع ہے کیونکہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اس پر تقریباً سولہ عبارات فقہاء سے تائید۔	۶۶۲
موت سے عزیزوں پر جو صدمہ ہوتا ہے اس کا اثر میت پر ہوتا ہے۔	۶۵۸	مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے۔	۶۶۳
عذاب وثواب روح وجسم دونوں کے لیے ہے۔	۶۵۸	میت کے پہلے دن یا تیسرے دن یا ہفتہ بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔	۶۶۳

ناموری اور دکھاوے کے کاموں سے احتراز کیا جائے۔	۶۶۳	دعوت میت کا کھانا اغنیاء کے لیے ہر طرح ممنوع ہے اس میں اپنی حیات میں ہی اپنی موت کرنے والا یا نہ کرنے والا برابر ہے۔	۶۷۳
ورثا میں کوئی نابالغ ہو یا بالغ ہو مگر غیر موجود ہو یا موجود ہو مگر اس سے اذن لیے بغیر ترکہ میت سے ضیافت کرنا حرام شدید ہے۔	۶۶۴	o رسالہ حیات الموات فی بیان سماع الاموات (اموات کے زائروں کو دیکھنے اور سننے وغیرہ کا مدلل بیان)	۶۷۵
یتیم کا مال کھانے پر سخت وعید۔	۶۶۴	یہ تحقیقی رسالہ ایک مقدمہ، تین مقاصد اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔	۶۷۶
محتاجوں کو دینے کے لیے کھانا پکوانا خوب ہے بشرطیکہ کوئی عاقل وبالغ اپنے مال خاص سے کرے۔	۶۶۵	ایک مفتی کا فتوی جس میں اہل قبور کو خطاب شرک یا کم از کم شائبہ وشبہ شرک قرار دیا گیا۔	۶۷۷
سب وارث موجود وبالغ اور راضی ہوں تو ترکہ سے بھی محتاجوں کو کھانا کھلایا جاسکتا ہے۔	۶۶۵	اس مفتی کے فتوی مذکور اور اس کے ہم مذہبوں پر چار سو وجوہ سے گرفت۔	۶۷۹
عورتیں اہل میت کے ہاں جمع ہو کر افعال منکرہ کرتی ہیں جو نیاحت میں داخل ہیں اور نیاحت حرام ہے۔	۶۶۵	مقصد اول اعتراضات وازالہ شبہات میں۔	۶۷۹
بلاضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کی طرح باعث لعنت ہے۔	۶۶۶	تحریر مخالف پر پینتیس ۳۵ اعتراض دو نوع میں۔	۶۷۹
میت کے پہلے روز عزیزوں اور ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں۔	۶۶۶	نوع اول اعتراضات مقصودہ میں۔	۶۷۹
سوم، دہم، چہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے برادری کو تقسیم یا برادری کو جمع کرکے کھلانا بے معنی ہے۔	۶۶۷	اہل قبور کا کسی کی آواز کو سننا یا کسی کو دیکھنا محال نہیں، نہ محال عقلی نہ شرعی نہ عادی۔	۶۸۰
تجربہ کی بات ہے کہ جو طعام میت کے متمنی رہتے ہیں ان کے دل مرجاتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: طعام المیّت یمیت القلب۔ چہلم وغیرہ پر کھانا پکانے کے جواز کی تحقیق وتفصیل، اور اس بات کا بیان کہ اسے صرف فقراء کھائیں نہ کہ عام برادری والے اور اغنیاء۔	۶۶۸	اہل دنیا ملائکہ کو بطور خرق عادت ہی دیکھ سکتے ہیں جبکہ اہل برزخ عموماً دیکھتے ہیں۔	۶۸۰
اہل میت کے گھر کے کھانے، سوم وغیرہ کے چنے اور بتاشے وغیرہ اغنیاء کے لیے کیسے ہیں۔	۶۷۲	محال عقلی صالح تعلق اذن نہیں اور محال شرعی سے ہرگز اذن متعلق نہ ہوگا۔	۶۸۰
		ہر محال عادی ممکن عقلی ہوتا ہے لہذا محال عادی کا اعتقاد، ممکن کا اعتقاد ہے۔	۶۸۰

شرک اعظم محالات عقلیہ کااعتقاد ہے۔	۶۸۰	اویسیت کی نسبت صحیح اور قوی ہے۔	۶۸۷
اعتقاد ممکن عقلی کاشرک ہونا محال عقلی بین الفساد ہے۔	۶۸۰	اولیائے مدفونین سے انتفاع واستفادہ جاری ہے۔	۶۸۸
کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے اعمال قطعًا مقبول ہیں۔	۶۸۱	مرزا مظہر جان جاناں امراض میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم وجہہ، کی طرف توجہ کرتے تھے۔	۶۸۸
بہت سے اکابر اولیاء وعلماء کابوقت ضرورت شرعیہ لوگوں سے سوال کرنا منقول ہے۔	۶۸۱	حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی نوازش	۶۸۸
ایک فرشتہ جسے اللہ تعالٰی نے تمام جہان کی آواز سننے کی طاقت عطافرمائی قبرانور پر حاضر ہے اور درود پڑھنے والوں کادرود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتا ہے۔	۶۸۲	شاہ عبدالرحیم صاحب اپنے نانا شیخ رفیع الدین کی روح سے ادب آموز ہوئے۔	۶۸۹
نجدی شرک فروشوں نے نہ خداتعالٰی کی قدرت دیکھی نہ اس کی عظمت سمجھی۔	۶۸۳	صنف دیگر: مبحث اعتقاد نفع وضرر	۶۹۰
کسی کی بات سننے کے لیے اس کی صورت دیکھناضروری نہیں۔	۶۸۳	حدیث شریف "من حلف بغیراللہ فقداشرک" سے غلط استدلال کارَد۔	۶۹۰
ہرغلط بات شرک نہیں ہوتی۔	۶۸۴	غیر خدا کو نافع وضار سمجھنا مطلقًا شرک نہیں جب تک کہ مستقل بالذات نہ مانا جائے۔	۶۹۱
قرآن مجید کی کسی آیت میں قبور پر جاکر کلام وخطاب کرنے کو شرک نہیں کہا گیا۔	۶۸۴	غیر خدا کو نافع وضار غیر مستقل بالذات ماننا شرک نہیں۔	۶۹۱
مفتی مذکور کا سورۂ یوسف کی آیہ کریمہ سے استدلال غلط ہے۔	۶۸۴	غیر خدا کے نافع وضار ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے۔	۶۹۱
لوگ اہل قبور سے نااُمید ہو بیٹھے ہیں۔	۶۸۵	غیر خدا کے نافع وضار ہونے کا ثبوت احادیث سے۔	۶۹۱
صنف دیگر: اکابر خاندان عزیزی کے اقوال سے تحریر خلاف کارَد۔	۶۸۵	حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حجراسود کو نافع وضار قرار دیا۔	۶۹۲
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: گھر بیٹھے ہی اولیاء کی طرف متوجہ ہوکر فاتحہ پڑھو۔	۶۸۵		
وہی فرماتے ہیں مزارات اولیاء پر حاضر ہو کر بھیک مانگو، ارواح سے فیض چاہو اور یاروح یاروح پکارو۔	۶۸۵	شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرعون کو مالک نفع وضرر کہا۔	۶۹۲
شاہ عبدالعزیز کاارشاد ہے کہ اہل حاجت ارواح اولیاء سے حاجات مانگتے اور پاتے ہیں۔	۶۸۷		

اولیاء وصلحاء سے طلب دعاکے جواز پر حدیثیں	۶۹۳	اس مقصد میں دونوعیں ہیں جن میں ساٹھ احادیث کریمہ مذکور ہیں۔	۷۰۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دعا چاہی۔	۶۹۳	نوع اول بعد موت بقاء روح اور صفات وافعال روح میں، یعنی اموات کااہل دنیا کو دیکھنا، ان سے کلام کرنا اور روح مومن کا جہاں چاہنا وہاں جانا وغیرہ۔	۷۰۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد از دفن قبر پر ٹھہر کر میت کے لیے دعاء مغفرت کرنے کا حکم صحابہ کو دیتے۔	۶۹۴	دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحم مادر کو دنیا سے، پھر برزخ کو آخرت سے وہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے ہے۔	۷۰۷
حاجی کے گھر پہنچنے سے پہلے اس سے دعا مغفرت کرانا۔	۶۹۴	اہلسنت کا مسلک ہے کہ نصوص کو ہمیشہ ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کہ اس میں محذور نہ ہو۔	۷۰۷
حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دعاء بخشش کرانے کا حکم۔	۶۹۴	میت اپنے غسل دینے والے، جنازہ اٹھانے والے، کفن پہنانے والے اور دفنانے والے کو پہچانتا ہے۔	۷۰۷
دور فاروقی میں دوران قحط ایک صحابی کا قبر انور پر حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کی درخواست کرنے کا واقعہ۔	۶۹۵	حبان بن ابی حبلہ تابعی ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے ہیں۔ (حاشیہ)	۷۰۸
قاعدۂ کلیہ ہے کہ جو بات زندوں کے ساتھ شرک نہیں اموات کے ساتھ بھی شرک نہیں ہوسکتی۔	۶۹۶	حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ عظیم الشان جلیل القدر صحابی ہیں، ان چاروں میں سے ہیں جن کی جنت مشتاق ہے۔ (حاشیہ)	۷۰۹
نوع دوم مخالفات مولوی صاحب وہم مذہبان مولوی صاحب میں۔	۶۹۷	ام الدرداء دو خاتونوں کی کنیت ہے دونوں ہی صحابی رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیویاں ہیں پہلی کبرٰی کہ صحابیہ ہیں خیرہ نام ہے اور دوسری صغرٰی تابعیہ ثقہ فقیہہ مجتہدہ رواۃ صحاح ستہ سے ہیں، ہجیمۃ نام ہے۔ (حاشیہ)	۷۱۰
مائۃ مسائل کے اس خبط کارد کہ نفع زیارت میں اولیاء وفساق کی قبور یکساں بلکہ قبور اغنیاء زائد۔ (حاشیہ)	۶۹۷	مردہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں کو کیا ہو رہا ہے۔	۷۱۰
بعد حسن آحاد حسن مجموع میں کلام نہیں جب تک خصوص اجتماع میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔	۶۹۸	امام مجاہد جلیل الشان تابعی، مجتہد، مفسر، ثقہ علماء مکہ سے ہیں، سب صحاح میں ان سے روایت ہے۔ (حاشیہ)	۷۱۰
آیہ کریمہ انّک لاتسمع الموتٰی (کی بحث مقصد دوم احادیث میں۔	۷۰۳		

عمرو بن دینار تابعی جلیل ثقہ ثبت علماء مکہ سے ہیں۔ اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۱	فصل چہارم: احادیث صریحہ کہ مردے زائرین کو پہچانتے، ان کا کلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔	۴۱۹
بکر بن عبداللہ مزنی امام اجل تابعی ثقہ ثبت اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۱	مائۃ مسائل کی صریح غلطی و تناقض پرستی۔	۴۲۱
امام سفیان ثقہ، حجت، محدث، مجتہد، عارف باللہ، تبع تابعین، مجتہدان کوفہ اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۲	محمد بن واسع تابعی ثقہ عابد عارف باللہ کثیر المناقب رجال صحاح ستہ سے ہیں، (حاشیہ)	۴۲۳
عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی تابعی عظیم القدر رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۲	فصل پنجم: احادیث جلیلہ کہ مردے نہ فقط سلام بلکہ ہر کلام واصوات کو سنتے ہیں۔	۴۲۴
نوع دوم، احادیث سمع وادراک اہل قبور میں۔	۴۱۳	چھ حدیثیں کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے۔	۴۲۴
فصل اول: اصحاب قبور سے حیا کرنے کے بیان میں۔	۴۱۳	منکرین کی طرف سے احادیث سماع صوتی کو اول وضع فی القبر کے ساتھ مخصوص قرار دینے پر پانچ وجوہ سے رَد۔	۴۲۵
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بعد از دفن حیاء فرمانا۔	۴۱۳	چھ حدیثیں کفار مقتولین بدر سے کلام کے بارے میں۔	۴۲۷
فصل دوم: احیاء کے آنے، پاس بیٹھنے اور بات کرنے سے مردوں کے جی بہلنے کے بیان میں۔	۴۱۴	چار حدیثیں تلقین میت کے بارے میں۔ (حاشیہ)	۴۳۰
فصل سوم: احیاء کی بے اعتدالی سے اموات کو اذیت ہوتی ہے۔	۴۱۵	راشد بن سعد تابعی ثقہ رجال سنن اربعہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۳۰
ابوقلابہ بصری تابعی ثقہ، فاضل رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۵	ضمرہ بن حبیب تابعی ثقہ رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۳۰
ابوعثمان نہدی اکابر تابعین سے ہیں، زمانہ رسالت پائے ہوئے تھے، ثبت عمائد رجال صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۵	حکیم بن عمیر تابعی صدوق رجال ابوداؤد وابن ماجہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۳۰
امام قاسم بن مخیمرہ تابعی ثقہ فاضل رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۱۶	وصل آخر: صحابہ کرام کا اہل قبور سے باتیں کرنا۔	۴۳۰
علاء بن لجلاج تابعی ثقہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن تبع تابعین مقبول الروایۃ سے ہیں۔ دونوں رجال جامع ترمذی سے ہیں۔	۴۱۸		

مقصد سوم: اقوال علماء میں	۷۳۶	بلال بن سعد تابعی جلیل عابد فاضل ثقہ رجال نسائی وغیرہ سے ہیں۔(حاشیہ)	۷۴۴
سوائمہ دین وعلمائے کاملین کے اسمائے گرامی جومذہب کے مؤید ہیں۔	۷۳۶	روایات مناسبہ حیات اولیاء بعدوفات کے بیان میں۔	۷۴۶
گیارہ صحابہ کرام کے اسماء گرامی	۷۳۶	فصل دوم: بعد موت علوم وافعال روح بدستور رہتے ہیں بلکہ زیادہ ہوجاتے ہیں۔	۷۴۷
بارہ تابعین کے اسماء گرامی۔	۷۳۷	فصل سوم: اموات کاعلم وادراک دنیاواہل دنیا کو بھی شامل ہے۔	۷۵۰
تین تبع تابعین کے اسماء گرامی۔	۷۳۷	فصل چہارم: اموات سے حیاء کرنے میں۔	۷۵۱
چوہتراعاظم سلف واکارم خلف کے اسماء گرامی۔	۷۳۷	حیاء امام شافعی بحضور مزارامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما	۷۵۲
حاشیہ میں پینسٹھ مزید صحابہ، تابعین اور تبع تابعین وغیرہ کے اسماء گرامی۔	۷۴۰	فصل پنجم: افعال احیاء سے تاذی اموات میں۔	۷۵۴
مخالفین کے معتمد دس علماء کے اسماء۔	۷۴۲	فصل ششم: ملاقات احیاء اور ذکرخدا سے اموات کادل بہلتا ہے۔	۷۵۷
حدیث اصطلاح محدثین میں ارشادات صحابہ وتابعین کوشامل ہے۔	۷۴۲	اہلسنت کے نزدیک ہر ذرّہ عالم اپنے لائق سمع وبصر وعلم رکھتا ہے اور زبان قال سے تسبیح الٰہی کرتا ہے۔	۷۵۹
حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور صحابی کے قول، فعل، تقریر اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر کوکہتے ہیں۔(حاشیہ)	۷۴۲	اموات کی قوت سامعہ اتنی قوی کہ نباتات کی تسبیح بلاتکلف سنتے ہیں۔	۷۶۰
امور قبوراور احوال ارواح میں رائے کودخل نہیں۔	۷۴۲	قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول ڈالناخوب ہے۔	۷۶۰
امور غیر قیاسیہ کے بارے میں موقوف حدیث بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔	۷۴۲	فصل ہفتم: اموات اپنے زائرین کودیکھتے، پہچانتے اور ان کی زیارت پر مطلع ہوتے ہیں۔	۷۶۰
نوع اول: دوسو علماء سلف وخلف کے اقوال۔	۷۴۳	فصل ہشتم: اموات اپنے زائروں سے کلام کرتے اور ان کے سلام وکلام کاجواب دیتے ہیں۔	۷۶۴
تمہید: روحیں موت سے نہیں مرتیں۔	۷۴۳	امام اسمٰعیل حضرمی کے ایک مقبرہ پر رونے اور ہنسنے کاواقعہ۔	۷۶۴
فصل اول: موت صرف مکان بدلنا ہے نہ کہ جماد ہونا۔	۷۴۴	فصل نہم: اولیاء کی کرامتیں اور تصرفات بعدوصال بھی جاری رہتے ہیں۔	۷۶۶

فصل دہم: برزخ میں بھی اولیاء کا فیض اور غلاموں کی امداد جاری رہتی ہے۔	۷۶۹	فاتحہ وسورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا بالاجماع بہتر ہے۔	۷۸۷
ائمہ مذاہب واولیاء سلاسل اپنے مقلدوں اور مریدوں کی ہر وقت نگہبانی وشفاعت فرماتے ہیں مگر وہابیہ غیر مقلدین کا اس میں حصہ نہیں۔	۷۶۹	تلقین میت مذہب اہلسنت اور اس کا منع مشرب معتزلہ ہے۔	۷۸۸
حضرت امام مالک نے اپنے مقلد کی قبر میں تشریف لاکر نکیرین کو سوال سے روک دیا۔	۷۶۹	امام اعظم ابوحنیفہ صحابی کی رائے کے مقابل اپنی رائے ترک کردیتے ہیں۔	۷۸۹
نجد کے حنبلی اور ہند کے حنفی ہرگز حنبلی وحنفی نہیں بلکہ حنبلی اور حنفی ہیں۔	۷۷۱	فصل چہاردہم: ارواح کرام کو نداء اور ان سے توسّل ودعا۔	۷۹۱
جسے کوئی حاجت منظور ہو اولیاء کے مزارات پر حاضر ہوکر ان سے توسل کرے۔	۷۷۳	منکر استمداد متعصب ہے۔	۷۹۵
فصل یازدہم: تصریحات علماء میں کہ سلام قبور دلیل قطعی سماع وفہم وعلم وشعور ہے۔	۷۷۶	استمداد کا منکر ذلیل طائفہ نوپیدا ہے۔	۷۹۵
فصل دوازدہم: اہل قبور سے سوائے سلام اور انواع خطاب وکلام میں۔	۷۷۷	جواز استمداد پر دلیل کی حاجت نہیں۔	۷۹۶
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے بعد صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی بارگاہ میں حاضری کا طریقہ۔	۷۷۷	انکار استمداد سے صدہا دینیات کا انکار لازم آتا ہے۔	۷۹۶
فصل سیزدہم: بعد دفن میت کو تلقین اور اسے عقائد اسلام یاد دلانے میں۔	۷۷۹	زائر دور دراز مقاموں سے قصد مزارات کرے۔	۷۹۶
نکتہ جلیلہ تتمیم کلام وازالہ اوہام میں۔	۷۸۳	مزارات پر خشوع وخضوع کرے اور اس یقین کے ساتھ اپنی حاجتیں مانگے کہ ان کی برکت سے اجابت ہوگی۔	۷۹۷
فائدہ جمیلہ تنقیح مسئلہ تلقین میں۔	۷۸۶	سنت الٰہی جاری ہے کہ اولیاء کے ہاتھ پر حاجت روائی ہوتی ہے۔	۷۹۷
لایلقن یا غیر مشروع ممانعت وعدم جواز کے لیے متعین نہیں۔	۷۸۶	فصل پانزدہم: بقیہ تصریحات سماع اموات میں۔	۷۹۷
شاگرد استاد سے سبق پڑھتے وقت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم نہ پڑھے۔	۷۸۷	ادراکات جیسے علم وسمع یقینا تمام اموات کے لئے ثابت ہیں۔	۷۹۷
		حیات شہداء باقی اموات سے کامل تر اور حیات انبیاء حیات شہداء سے کامل تر ہے۔	۷۹۸

قبرکے پاس قرآن مجید پڑھنے سے قاری کو قراءۃ اور میت کو استماع کا ثواب ملتا ہے۔	۷۹۹	تنبیہ: اولیاء کو غریب نواز کہنا۔	۸۱۶
اموات کا کلام مخلوق کو سننا حق ہے۔	۷۹۹	اولیاء کا بعد انتقال بیداری میں آکر مدد کرنا۔	۸۱۷
برزخ اور آخرت کے کام اس روش پر نہیں جو دنیا میں دیکھی بھالی ہے۔	۸۰۰	وصل چہارم: اصل مسئلہ مسئولہ سائل یعنی استمداد ونداء اولیاء۔	۸۱۹
بعد موت علم وسماع کا باقی رہنا بنی آدم سے خاص نہیں بلکہ جنوں کو بھی حاصل ہے۔	۸۰۰	نادِ علی: یا علی، یا علی، یا علی۔	۸۲۱
خاص حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات، علم، سمع اور بصر سے متعلق وارد احادیث وآثار کو اس رسالہ میں ذکر نہ کرنے کی تین وجوہ ہیں۔	۸۰۱	اگر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور اولیاء کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو تمام خاندان عزیزی مشرک ہوا۔	۸۲۲
نوع دوم: سومقال خاندان عزیزی کے۔	۸۰۲	شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی	۸۲۳
وصل اول: علم وسمع وبصر اموات میں۔	۸۰۲	خاتمہ: دربارۂ سماع موتٰی علمائے عرب کا فتوٰی۔	۸۲۴
مولوی اسحاق کا نادانستہ علم اموات پر ایمان لے آنا۔	۸۰۵	تحکیم بے قبول طرفین معقول نہیں۔	۸۲۴
شاہ عبدالقادر صاحب کی توفیق	۸۰۶	تکمیل جمیل وتسجیل جلیل چند فوائد عالیہ کی یاددہانی میں۔	۸۲۸
وصل دوم: بقاء تصرفات وکرامات بعد از وصال	۸۰۶	فائدہ اولٰی: سماع موتٰی کا منکر بدعتی گمراہ ہے۔	۸۲۸
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مزار اقدس سے مثل احیاء تصرف فرماتے ہیں۔	۸۰۶	فائدہ ثانیہ: اہل قبور کا علم وسمع وبصر ہمیشہ ہے	۸۲۸
مولوی اسمٰعیل دہلوی کا نیا ایمان	۸۰۷	البتہ جمعہ کے دن زیادہ ہوتا ہے۔	۸۲۸
وصل سوم: بعد وصال اولیاء کے فیض وامداد میں۔	۸۰۸	فائدہ ثالثہ: ارواح مومنین جہاں چاہیں جانے کا اختیار رکھتی ہیں۔	۸۲۹
مال واسباب اولیاء کی حمایت میں سونینا اور اس پر غیبی مدد پانا۔	۸۰۹	اولیاء احیاء کا ایک وقت میں ستر جگہ تشریف فرما ہونا منقول ہے۔	۸۲۹
سب اولیاء کو مناصب حضور غوث اعظم عطا فرماتے ہیں۔	۸۱۱	جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوی میں حاضری کے وقت سدرۃ المنتہٰی پر بھی جلوہ گر رہتے۔	۸۲۹
اولیاء مشکل کشا ہوتے ہیں۔	۸۱۳	جبریل علیہ السلام کے چھ سوپَر ہیں۔ حاشیہ	۸۲۹

مجالس خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری حق ہے۔	۸۳۰	قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیر آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔	۸۳۸
فائدہ رابعہ: ارواح طیبہ کے لیے دیکھنے اور سننے میں دور ونزدیک سب یکساں ہے۔	۸۳۱	قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جائے گا تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا۔	۸۳۸
فائدہ خامسہ: اولیاء کو ہر جگہ سے نداجائز اور سب جگہ اُن کی امداد واصل۔	۸۳۱	یہ سمجھنا کہ ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک میت سے کلام حقیقتًا یا شرعًا کلام نہیں محض باطل ہے۔	۸۳۸
یا زرّوق کہہ کر پکارو میں فورًا مدد کو آؤں گا۔	۸۳۲	قسم کھائی کہ زید سے نہ بولے گا بیرون نماز زید کو کہا السلام علیکم، تو حانث ہوجائے گا۔	۸۳۸
گم شدہ چیز کا وہابی کش عمل۔ (حاشیہ)	۸۳۲	صورت مذکورہ میں زید کی اقتداء میں قسم کھانے والے نے نماز پڑھی، زید بھولا، اس نے بتایا تو حانث نہ ہوگا، اگر بیرون نماز بتایا تو حانث ہوجائے گا۔	۸۳۸
تذییل: وہابیہ کے طور پر تمام خاندانِ دہلوی غوث اعظم وغوث الثقلین کہہ کر مشرک ہوا، حتی کہ خود میاں اسمٰعیل دہلوی ومولوی اسحاق صاحب۔	۸۳۳	گوشت کھانے کی قسم کھانے والا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا۔	۸۴۱
شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ غوث اعظم اور محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہما مسجود خلائق ہیں۔	۸۳۴	اہلسنت کے تمام مخالفین پر "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی مثال صادق آتی ہے۔	۸۴۲
تنبیہ مہم واجب الملاحظہ ہر مسلم۔	۸۳۴	منکر وہابیوں کے یہاں دین وشریعت اپنی ہوا وہوس کا نام ہے۔	۸۴۲
اگر وہابیت کا مذہب ہے تو قرون ثلٰثہ سے لے کر آج تک کے تمام اولیاء وعلماء مشرک ہیں۔	۸۳۶	مقدمہ اولٰی: روح کو فنا نہیں، موت سے روحوں کا مرجانا بدمذہبوں کا قول ہے۔	۸۴۳
٥ رسالہ الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین (مسئلہ یمین سے سماع موتٰی کے خلاف پر استدلال کا جواب)	۸۳۷	موت حقیقۃً صفت بدن ہے نہ کہ وصف روح۔	۸۴۳
عائدہ جزیلہ تحقیق مسئلہ یمین میں۔	۸۳۷	نیند موت کی چھوٹی بہن ہے۔	۸۴۵
اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ زید سے نہ بولوں گا تو یہ قسم زید کی حالت حیات پر مقصود رہتی ہے اگر بعد انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا۔	۸۳۸	مقدمہ ثانیہ: مدرک حقیقتًا روح ہے نہ کہ بدن۔	۸۴۷
ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے۔	۸۳۸	بدن کی طرف مجازًا بوجہ آلیت نسبت ادراک ہوتی ہے۔	۸۴۹
لفظ کے عرفی معنی پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ لغوی وشرعی معنی پر۔	۸۳۸		

مقدمہ ثالثہ: روح کی حیات مستمرہ ہے۔	۸۵۰	بدن پر اطلاق انسان حقیقت عرفیہ ہے۔ (حاشیہ)	۸۷۰
اہلسنت کے نزدیک جسم شرط حیات نہیں۔	۸۵۰	انسان وحیوان کی تعریف میں فلاسفہ کی جہالتیں۔ (حاشیہ)	۸۷۰
قبر کی تنعیم یا تعذیب روح وجسم دونوں پر۔	۸۵۰	قرآن عظیم مطابقت عرف پر اُترا۔	۸۷۰
جماد من حیث ہو جماد سے سوال یا اسے لذت والم کا ایصال بداہۃً محال ہے۔	۸۵۱	اطلاق انسان کے لیے دو حقیقتیں ہیں: ایک حقیقت اصلیہ دقیقہ یعنی روح متعلق بالبدن، دوسری حقیقت مشہورہ عرفیہ یعنی بدن۔	۸۷۱
روح کی حیات مستمرہ غیر منقطعہ ہے مگر بدن کے لئے بعد عود بھی استمرار ضروری نہیں۔	۸۵۳	مقدمہ سادسہ: صفات بدن دو قسم ہیں: اصلیہ مطلقہ اور تبعیہ مشروط بحیات۔	۸۷۱
مقدمہ رابعہ: سمع وبصر کا لغوی وعرفی معنی	۸۵۴	بعد موت بے عود حیات بدن خالی کو شرعاً عرفاً لغتاً کسی طرح سمیع وبصیر ومرید وفاعل نہیں کہتے۔	۸۷۱
سمع وبصر کے تین معنی ہیں۔	۸۵۴	مقدمہ سابعہ: تحریر محل نزاع۔	۸۷۲
ادراک بالبصر تین امور پر موقوف ہے مواجہ بصر، تقلیب حدقہ اور ازالہ غشاوہ۔	۸۵۵	کلام سماع ارواح میں ہے ابدان سے غرض نہیں۔	۸۷۲
روز قیامت مومنین اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے اور اس کا کلام سنیں گے۔	۷۵۶	اموات کا باہم ملاقات کرنا اور آپس میں گفتگو کرنا متعدد احادیث سے ثابت۔	۸۷۴
مقدمہ خامسہ: نصوص شرعیہ اور محاورات عرفیہ میں انسان کی طرف صفات روح وجسم دونوں کی نسبت کی جاتی ہے۔	۷۵۷	جواب اول: بارہ دلائل اور پچیس شواہد پر مشتمل کہ کلام مشائخ سے مراد صرف نفی سماع بدن مردہ ہے۔	۸۷۵
رؤیت وعلم شان روح ہے اور نطفے سے پیدائش بدن کی۔	۸۶۰	احتمال قاطع استدلال ہے۔	۸۷۵
حقیقت ومصداق انسان میں چار احتمال عقلی ہیں محض بدن یا مجرد روح یا ہر ایک یا مجموع۔	۸۶۰	حتی الامکان کلمات ائمہ میں توفیق وتطبیق محمود ہے۔	۸۷۶
مصنف کی تحقیق انیق کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے۔	۸۶۰	تعصب صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۶
روح کا بدن سے تعلق چار قسم پر ہے: ایک دنیوی بحال بیداری، دوسرا بحال خواب، تیسرا برزخی اور چوتھا اُخروی۔	۸۶۴	مکابرہ قنوجی صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۸
اکمل واعلٰی تعلق اُخروی ہے اور ادون واقل تعلق برزخی ہے۔	۸۶۶	تم قلیب بدر میں پڑی لاشوں سے زیادہ نہیں سنتے۔	۸۷۸
بقاء انسانیت کے لیے تعلق برزخی کافی ہے۔	۸۶۶	بے شرمی صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۹
قرآن مجید میں صنعت استخدام کے مواقع۔ (حاشیہ)	۸۶۸		

روح میت نہیں وہ تو صرف بدن سے جدا ہوئی ہے اور اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اسے دوبارہ بدن میں لے آئے۔	۸۸۱	لوگوں کا رونا سن کر مردے کو صدمہ ہوتا ہے۔	۸۹۰
جس پر عذاب کرنا ہوتا ہے اسے قبر میں یک گونہ حیات دی جاتی ہے جس سے الم پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے۔	۸۸۲	زندوں کا رونا سن کر اُن کے ساتھی مردے بھی رونے لگتے ہیں۔	۸۹۰
صاحب مائۃ مسائل کی نقل میں تقصیر۔ (حاشیہ)	۸۸۲	مقبروں سے درخت اور گیاہ سبز کاٹنا مکروہ ہے۔	۸۹۱
آیہ کریمہ "وما انت بمسمع من فی القبور" (میں من فی القبور سے مراد بدن ہے۔	۸۸۴	صاحب تفہیم المسائل کا خبط۔	۸۹۱
صاحب تفہیم المسائل کی بدقسمتی۔	۸۸۴	مقابر پر پیشاب کرنے سے مردوں کو ایذا ہوتی ہے۔	۸۹۲
بعد سوال نکیرین سعید کی روح جنت میں اور شقی کی سجین میں رہتی ہے۔	۸۸۴	اگر کلام مشائخ کو نفی سماع روح پر محمول کیا جائے تو وہ اعتراضات قاہرہ وارد ہوں جن سے رہائی ناممکن الحصول ہو۔	۸۹۳
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا صرف سماع جسمانی کی منکر ہیں ادراک روحانی کی مثبت ومقر ہیں۔	۸۸۴	کیا کافر مجاہر سے سوال قبر ہوگا۔	۸۹۴
مبحث قسم کے مسائل دو قسم پر ہیں: ایک متقید بحیات اور دوسرے شامل موت وحیات۔	۸۸۴	مقتولین بدر سے خطاب والی حدیث نص صریح ہے کہ اُن کافروں نے گوش بدن سے سنا۔	۸۹۶
کون سی قسم مخاطب کی حیات پر مقصور اور کون سی مخاطب کی موت وحیات دونوں شامل ہے۔	۸۸۴	جو احادیث سماع جسمانی میں نص ہیں ان میں تخصیص وقت یا بعض اموات خود سبیل واضح ہے۔	۸۹۶
کلام ائمہ ومشائخ کو نفی سماع ارواح پر محمول کرنا صراحۃً باطل اور توجیہ القول مالا یرضی بہ القائل ہے۔	۸۸۶	صاحب تفہیم المسائل کی نافہمی وجہل واضح۔	۸۹۷
توہب والحاد کے جگر میں شگاف ڈالنے والا ارشادِ امام ابن الہمام۔	۸۸۷	کلام مشائخ کے مذکورہ معنی لیے جائیں سات فوائد ورنہ اتنے ہی ضرر اور حاصل کچھ نہیں۔	۹۰۰
مزارانور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضری کے وقت منہ کدھر کیا جائے۔	۸۸۷	تنبیہ: بعض مسائل میں اہل بدعت اور بعض یا کل اہلسنت متفق ہوتے ہیں اور ماخذ مختلف، مسئلہ تلقین بھی ایسا ہی ہے۔	۹۰۰
روح کی تعریف۔	۸۸۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نام لے کر مت پکارو بلکہ یوں کہو یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاخلیفۃ اللہ۔	۹۰۱
روح عالم آب وگل سے نہیں بلکہ عالم ملکوت سے ہے۔	۸۸۹		

صاحب تفہیم المسائل اختراع وافتراء کا ماہر کامل ہے۔	۹۰۲	جہالت صاحب تفہیم المسائل	۹۰۸
بدن میت کو خارجی صدمہ بھی ایذا دیتا ہے۔	۹۰۳	موت جسد سے روح کو مردہ ماننا اور ادراک روح کے لیے بدن کو شرط جاننا دونوں قول اہل بدعت، ضالین اور معتزلہ وغیرہم کے ہیں۔	۹۰۹
مقتضائے اثر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ مردہ اور زندہ کی ہڈی توڑنا درد میں برابر ہے۔	۹۰۴	فائدہ جلیلہ: بحث انکار سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	۹۱۰
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وصیت کہ بوقت دفن مجھ پر مٹی آہستہ ڈالنا۔	۹۰۴	ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے بھائی کی قبر پر حاضر ہوئیں اور دو شعر پڑھے اور انہیں خطاب فرمایا۔	۹۱۲
جن چیزوں سے زندہ دردناک ہوتا ہے ان سے مردہ بھی دردناک ہوتا ہے۔	۹۰۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخر شب مقبرۂ بقیع پر تشریف لے جاکر سلام وکلام وخطاب فرمایا کرتے۔	۹۱۲
مردہ اپنے نہلانے والے کو قسم دیتا ہے کہ مجھ پر آسانی کرنا۔	۹۰۵	ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا صرف سماع جسمانی کا انکار فرماتی ہیں۔	۹۱۳
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے مردہ عورت کو کنگھی کرنے سے منع کیا۔	۹۰۵	جمہور علماء نے حضرت ام المومنین کا سماع موتٰی کے مسئلہ میں انکار قبول نہیں کیا۔	۹۱۳
بہرحال اگر بدن میت کے لیے الم مانیے تو مسئلہ یمین فی الضرب پر کچھ نقض نہیں اور نہ مانیے تو مسئلہ سماع پر کچھ نقض نہیں۔	۹۰۶	جواب سوم: جامع الجوابین۔	۹۱۵
جواب دوم: منفی سماع بآلات بدن ہے۔	۹۰۶	قول مشائخ کہ میت یا زید بعد موت نہیں سنتا چار معانی کا محتمل ہے۔	۹۱۵
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان کہ جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ بھیجا کرو۔	۹۰۷	جواب چہارم: منکرین سماع موتٰی دراصل معتزلہ ہیں جو مذہب حنفیہ میں گھسے ہوئے ہیں۔	۹۱۶
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بدن کو کھانا زمین پر حرام ہے۔	۹۰۷	کلام مشائخ سے استناد مخالف دو مقدموں پر مبنی تھا، صغرٰی یہ کہ امتناع سماع موتٰی قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے، اور کبرٰی مطویہ مسطورہ یہ کہ جو قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے فی نفسہٖ حق ہے یا ہم پر اس کی تسلیم واجب ہے، پہلے تینوں جواب صغرٰی کے رد میں اور باقی تینوں کبرٰی کے رد میں ہیں۔	۹۱۶
اللہ تعالٰی کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔	۹۰۸		

جو تلقین نہیں مانتا معتزلی ہے۔	۹۱۷	عائدہ اولیٰ: یہاں مذہب وہابیہ ضرور مذہب معتزلہ ہے۔	۹۲۶
اہلسنت کے نزدیک تلقین امر شرعی ہے۔	۹۱۷	وہابیہ فرضی کتابیں اور خیالی علماء گھڑ لیتے ہیں۔	۹۲۶
صاحب تفہیم المسائل کی منہ زوری۔	۹۱۷	اللہ اللہ صاحب تفہیم المسائل کے حیاء کا پایہ کہاں تک پہنچا۔	۹۲۷
منع مویّد بسندِ واضح صرف استبعاد اور مخالف ظاہر سے مندفع نہیں ہوتا۔	۹۱۷	متدیّن وہابیوں کو عبارت گھڑنی بھی نہ آئی۔	۹۲۷
ظاہر صالح دفع ہے نہ حجت استحقاق۔	۹۱۸	وہابیہ کی من گھڑت عبارت کا ایک نمونہ۔ (حاشیہ)	۹۲۷
مقدمہ ممنوعہ پر ظاہر سے اقامت دلیل چاہنا جہالت ہے۔	۹۱۸	رسالہ "نشاط السکین علیٰ حلق البقرا لسمین" ایک لحیم و شحیم وہابی ہیڈ مولوی کے رَد میں لکھا گیا۔	۹۲۸
صاحب تفہیم المسائل کی نابینائی۔	۹۱۸	بطور لطیفہ وہابیہ کی ایک محدثانہ سند موضوع کا ذکر۔	۹۲۸
قاعدہ اجماعیہ ہے کہ مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے۔	۹۱۹	وہابیت کا کمال نیچریت ہے۔ (حاشیہ)	۹۲۹
آدمی وہابی ہو کر جماد لایسمع ولایفہم ہو جاتا ہے۔	۹۱۹	عائدۂ ثانیہ: نفی ادراک موتی میں تخصیص امور دنیویہ کا رَد۔	۹۲۹
اس شبہ کا ازالہ کہ بعض اہلسنت بھی تو منع تلقین کی طرف گئے ہیں۔	۹۱۹	صاحب تفہیم المسائل کی کج فہمی اور جہل اقبح۔	۹۳۰
صاحب تفہیم المسائل کا فہم سقیم۔	۹۱۹	ادراک کا ایک فرد بھی باقی ہے تو حیات ثابت اور موت منتفی ہے۔	۹۳۰
صاحب تفہیم المسائل کی بیہوشی کہ ان کہی بول گئے۔	۹۲۰	حیات باجماع عقلاء شرط ادراک ہے اور موت منافی ادراک۔	۹۳۰
صاحب تفہیم المسائل کی بوکھلاہٹ۔	۹۲۳	شروط نہ بے شرط متحقق ہوگا نہ منافی، منافی سے ملتصق۔	۹۳۰
اکثر ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کر لیتے ہیں۔	۹۲۳	وہابیہ کا معتزلہ کے فرقہ صالحیہ سے اتحاد۔	۹۳۱
وجہ تداول وتوارد نقول۔	۹۲۴	باوصف موت ادراکات امور برزخیہ سمع وبصر وعلم وغیرہ کو باقی ماننا مذہب صالحیہ ہے۔	۹۳۱
جلیلہ عظیمہ: صاحب تفہیم المسائل کی پچھلی نزاکت۔	۹۲۵	اہلسنت موصوف بالموت کو بحال موصوفی بالموت موصوف بالادراک نہیں مانتے بلکہ وہ جس کے لیے ادراکات برزخیہ مانتے ہیں اسے زندہ جانتے ہیں۔	۹۳۱
عوائد جلیلہ اربعہ برائے ازالہ ہر گونہ اوہام۔	۹۲۶	صاحب تفہیم المسائل نے اپنے پاؤں پر خود تیشہ زنی کی۔	۹۳۲

عائدہ ثالثہ: عذر حائل وحیلہ استغراق کارد۔	۹۳۲	نکیرین کی خوفناک شکلیں۔	۹۳۵
بقائے روح وادراکات روح کادعوی ایسی نصوص قاطعہ سے ثابت ہے جس میں موافق ومخالف کسی کو مجال تامّل نہیں۔ (حاشیہ)	۹۳۳	نکیرین کے لوہے کے گرز کاوزن کتنا ہے۔	۹۳۶
مخالفین بھی تنعیم وتعذیب وادراکات برزخیہ کومانتے ہیں۔ (حاشیہ)	۹۳۳	گوش سر کا ادراک بنسبت ادراک روح کے بہت قاصر و مقصور ہے۔	۹۳۷
جب مدرک باقی ہے توادراک بھی باقی ہوگا۔	۹۳۳	احوال برزخ کاقیاس احوال وعادات دنیویہ پر باطل ومہجور ہے۔	۹۳۷
نفی بعض ماننے والامدعی تخصیص ہے لہٰذا وہ دلیل پیش کرے۔	۹۳۳	عائدہ رابعہ: تعلقات بدن کی کمی وبیشی سے ادراکات روح پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔	۹۳۷
دعوی پر منع وارد نہیں ہوسکتا خصوصًا اقامت دلیل کے بعد۔	۹۳۳	اہل سنت کے نزدیک ادراکات روح بدن پر موقوف نہیں وہ ان تعلقات حادثہ سے پہلے بھی ویسے ہی مدرکہ، عالمہ، مبصرہ او رسامعہ تھی جیسے ان کے بعد۔	۹۳۷
غیب پر رجمًا بالغیب حکم لگاناضلالت وعیب ہے۔	۹۳۴	تعلقات بدن بنفسہٖ نہیں بلکہ تعلق روح کے باعث ہیں۔	۹۳۸
ممکن پر بے دلیل سمع جزم نہیں۔	۹۳۴	بحمداللہ توفیق رفیق اہلسنت اورخذلان وحرمان نصیب اہل بدعت ہے۔	۹۳۸
صاحب تفہیم المسائل کاخذلان وخسران۔	۹۳۴	جواب پنجم: یہ مسئلہ فقہیہ نہیں تو ماخذ کے خلاف چلنا جہل مبین۔	۹۳۹
فلاسفہ کا یہ قول باطل ہے کہ نفس آن واحد میں دوچیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا۔	۹۳۴	ہر سخن نکتہ وہر نکتہ مکانے دارد۔	۹۴۰
بطلان تالی سے بطلان مقدم لازم ہے۔	۹۳۴	ہر مسئلہ اپنے ماخذ ہی سے لیا جائے گا۔	۹۴۰
استغراق کوامور برزخیہ ودنیویہ میں فارق بنانا غلط ہے۔	۹۳۴	جوفرق مراتب گما کر خلط مبحث کرے وہ جاہل ہے۔	۹۴۰
موت کاادنی جھٹکاسوضرب شمشیر کے برابر ہے۔	۹۳۴	برزخ ومعاد امور غیبیہ ہیں جن میں قیاس واجتہاد کودخل نہیں۔	۹۴۰
ملک الموت کودیکھناہزار تلوار کے صدمہ سے بڑھ کر ہے۔	۹۳۵	عقائد میں تقلید نہیں۔	۹۴۰
قبر کابھیانک ماحول۔	۹۳۵	عقائد میں چار چیزوں کااتباع ہے: کتاب وسنت واجماع اور سواداعظم اہلسنّت۔	۹۴۰

ضلالت پر اجماع امت ناممکن ہے۔	۹۴۰	جب تک ضروریات دین سے کسی شیئ کاانکار نہ ہو کفر نہیں۔	۹۴۲
سواداعظم کاخلاف ابتداع ہے۔	۹۴۰	جواب ششم: بالفرض یہ اقوال مشائخ قابل احتجاج ہوں بھی تاہم تطبیق کیجئے یاترجیح لیجئے ہر طرح میدان اہلسنت کے ہاتھ میں ہے۔	۹۴۲
محتاط محققین فتوٰی مشائخ پر عمل کرکے اس وقت تک کسی کو کافر نہ کہیں گے جب تک تکفیر پر اجماع مشائخ نہ ہولے۔	۹۴۱	تطبیق اولٰی ہے ترجیح سے۔	۹۴۳
فقہ کادائرہ حیثیت حلال وحرام تک منتہی ہو جاتا ہے۔	۹۴۲	اگر باب ترجیح کھلے تو بھی دس ۱۰ وجوہ سے میدان ہمارے ہاتھ میں ہے۔	۹۴۳
کفرواسلام فقہ کانہیں بلکہ عقائد وکلام کامسئلہ ہے۔	۹۴۲		

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

استنجاء		نماز جمعہ یا نماز پنجگانہ فوت ہونے کے خوف سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳۳۶
آب زمزم سے استنجاء کرنا ممنوع ہے۔	۱۲۱	**غسل**	
تیمّم		میت کو بیری کے پتوں میں اُبلے ہوئے پانی سے غسل دینا چاہئے۔	۵۱۸
جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اس کا وضو نہ ہو تو تیمّم کرکے نماز جنازہ پڑھ لے۔	۳۰۷	میت کو گرم پانی سے غسل دینا افضل ہے۔	۵۱۸
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وضو نہ ہونے پر تیمّم کرکے نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔	۳۰۸	**اذان**	
بے وضو کو وضو کرنے یا جنب کو غسل کرنے میں نماز عید کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمّم کرکے شریک ہوجائے۔	۳۳۳	قبر پر اذان دینا جائز ہے۔	۱۶۴
ولی نے دوسرے کو اجازت امامت دے دی تو اب بھی ولی تیمّم کرسکے گا۔	۳۳۳	**نماز**	
اگر وضو یا غسل کے تیمّم سے ایک جنازہ پڑھا اب دوسرا آگیا اور وضو وغسل کی مہلت نہ پائی تو اسی تیمّم سے دوسرا جنازہ پڑھ سکتا ہے۔	۳۳۳	نماز کا قبل فرضیت وقوع ہوا بعد کو فرضیت اتری۔	۲۸۰
جس کا انتظار ہوگا جیسے ولی واولٰی اسے تیمّم جائز نہیں۔	۳۳۴	کوئی نماز ایک دن میں دوبارہ نہ پڑھو۔	۳۰۵
نماز جنازہ یا عید فوت ہونے کے خوف سے پانی ہوتے ہوئے تیمّم کی اجازت ہے۔	۳۳۴	شافعی المذہب امام فجر کی نماز میں قنوت پڑھے تو حنفی مقتدی نہ پڑھے۔	۳۶۸
ہر واجب کہ فوت پر بدل نہ رکھتا ہو پانی ہوتے ہوئے اسے تیمّم سے ادا کرسکتے ہیں۔	۳۳۵	دوران نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا اور رکوع وسجود میں قراۃ قرآن ممنوع ہے۔	۵۷۱
صرف کراہت کے سبب سے تیمّم کی اجازت نہیں۔	۳۳۶	فاتحہ وسورۃ کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا بالاجماع بہتر ہے۔	۴۸۷

جماعت		اولیاء وصلحاء سے طلب دعا کے جواز پر حدیثیں	۶۹۳
مسجد محلّہ میں جب اہل محلّہ جماعت صحیحہ غیر مکروہ باعلان اذان ادا کرچکیں تو دوسروں کو باعادۂ اذان وہاں جماعت کی اجازت نہیں۔	۲۹۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دعا چاہی۔	۶۹۳
اگر پہلی جماعت بے اذان یا باخفائے اذان واقع ہو تو دوسروں کو رواہے کہ اذان بروجہ مسنون دے کر محراب میں جماعت کرائیں۔	۲۹۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعداز دفن قبر پر ٹھہر کر میت کے لیے دعاء مغفرت کرنے کا حکم صحابہ کو دیتے۔	۶۹۴
جماعت اولٰی جب برخلاف حکم سنت ہو تو دوسری جماعت اعادۂ جماعت نہیں بلکہ یہی جماعت اولٰی ہے۔	۲۹۷	حاجی کے گھر پہنچنے سے پہلے اس سے دعا مغفرت کرانا۔	۶۹۴
جمعہ		حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دعاء بخشش کرانے کا حکم۔	۶۹۴
اہل مدینہ نے قبل فرضیت جمعہ جمعہ پڑھا۔	۲۸۰	**احکام مسجد**	
تراویح		مسجد میں نماز جنازہ جائز نہیں، کتب فقہ سے اس امر کا ثبوت۔	۲۵۹
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جماعت تراویح اس خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت سے فرض نہ ہوجائے۔	۲۸۱	مسجد میں نماز جنازہ ممنوع ہے اگرچہ بیرون مسجد جگہ کم ہو یا سخت دھوپ ہو اور ماہ رمضان ہو۔	۲۶۲
امامت		اور اگر مسجد میں نماز جنازہ پڑھی گئی تو فرض ساقط ہوجائے گا۔	۲۶۳
رافضی کی نماز جنازہ پڑھانے والا قابل امامت نہیں۔	۱۷۳	صحیح یہ ہے کہ مسجد میں جنازہ یا امام یا صف ہو تو مکروہ ہے۔	۲۶۴
گیارہویں شریف کو منع کرنے والے وہابی یا رافضی ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔	۶۰۵	مسجد کے اندر نماز جنازہ جائز نہیں۔	۲۶۵
آداب دعاء واستغفار		مسجد کے مسقف حصہ کو شتوی اور صحن کو صیفی کہتے ہیں۔	۲۶۵
دعا کے مطلقاً محبوب ومطلوب ہونے پر سات احادیث سے استدلال۔	۲۴۰	نماز جنازہ فناء مسجد میں جائز ہے۔	۲۶۵
دعا کے لیے طہارتِ بدن، طہارت جامہ، طہارت مکان اور استقبال قبلہ ضروری نہیں۔	۳۶۵	جو اراضی شامل مسجد ہوچکی ہو اس پر نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں۔	۲۶۶
دونوں ہاتھوں کا اٹھانا آداب دعا سے ہے۔	۵۷۲	مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز جنازہ ہونے کی وجہ۔	۲۶۶
		مسجد کے حوض پر جنازہ رکھ کر نماز پڑھنے کا حکم۔	۲۶۶

دوامی پٹہ والی زمین پر قبر ومسجد بنانا۔	۳۸۰	عیسائی کی نماز جنازہ اور مسلمانوں کی طرح اس کی تجہیز و تکفین حرام قطعی ہے، ایسا کرنے والوں پر توبہ لازم ہے اور اگر اس کو بوجہ نصرانیت مستحق تعظیم سمجھ کر ایسا کیا تو مرتد ہوئے۔	۱۷۲
صحن مسجد میں دفن کرنا حرام ہے، اگر دفن ہو گئے ہوں اسے ختم کرنا چاہئے۔	۴۰۷	رافضی کی نماز جنازہ پڑھنی حرام ہے اور اس کے لیے استغفار کرنا کفر ہے۔	۱۷۲
قبرستانوں کے درختوں کی لکڑیاں یا قبروں کی اینٹیں مسجد میں لگانا۔	۴۱۲	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آج بھی ایسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔	۲۷۰
مسجد کی چھت پر وطی کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۹	فرقہ غیر مقلدین گمراہ وبدمذہب ہے۔	۲۷۷
مسجد کی آرائش اور اس کی دیواروں پر سونے چاندی سے نقش ونگار جائز ہے جبکہ تعظیم کے لیے ہو۔	۴۹۲	جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اس پر ہے۔	۲۷۷
مساجد کے امتیاز کے لیے ان میں کنگرے بنانا جائز ہے۔	۴۹۳	نماز جنازہ شفاعت ہے۔	۲۹۴
اصالتًا بنائے مسجد فرائض کے لیے ہے۔	۵۰۴	مالک شفاعت صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔	۲۹۴
کن مساجد میں رات بھر روشنی کی اجازت ہے اور کن میں تہائی رات کے بعد روشنی گل کرنے کا حکم ہے۔	۵۰۴	اور جو کوئی شفاعت کرے گا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت سے کرے گا۔	۲۹۴
عقائد وکلام		ناجائز وگناہ میں کسی کی اطاعت نہیں۔	۳۶۷
حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ردا، قمیص، ناخن اور موئے مبارک کی تعظیم نقوشِ کتابتِ آیات کی طرح فرض ہے۔	۱۱۸	ولد الزنا، زانی اور زانیہ کا فرط ہوگا یا نہیں۔	۴۰۱
نام مسمّٰی کے انحائے وجود میں سے ایک نحو ہے۔	۱۳۴	مزارات مقدسہ کو منہدم کرنے کا کام وہی شخص کرسکتا ہے جو بدعتی اور گمراہ ہو۔	۴۳۰
وجود شیئ کی چار صورتیں ہیں (۱) اعیان میں (۲) علم میں (۳) تلفظ میں (۴) کتابت میں۔	۱۳۴	اہلسنت کے نزدیک انبیاء، شہداء اور اولیاء مع اپنے ابدان واکفان کے زندہ ہیں۔	۴۳۱
وجود تلفظ وکتابت کی صورت میں وجود اسم کو ہی وجود مسمّٰی قرار دیا گیا ہے۔	۱۳۴	محبوبان خدا کو قبور میں روزی ورزق دیا جاتا ہے۔	۴۳۲
کتب عقائد میں مذکور ہے کہ اسم عین مسمّٰی ہے۔	۱۳۴	محبوبان خدا کی روحیں زمین وآسمان اور جنت میں جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔	۴۳۲

قبروں کی مٹی محبوبانِ خدا کے جسموں کو نہیں کھاتی بلکہ ان کے کفن بھی سلامت رہتے ہیں۔	۴۳۲	وجود فعل اور تعین لازم وملزوم ہیں۔	۵۸۰
محبوبانِ خدا قبروں میں نماز پڑھتے، ذکر کرتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔	۴۳۲	ارادۂ فاعل مختار بھی مرجح ہے۔	۵۸۲
اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر کی طرف تشریف لے جاتے ہیں۔	۴۳۳	کیا مسلمان وارث کافر مردہ کی طرف سے مسلمانوں کو کھانا کھلاسکتا ہے۔	۶۴۶
مسلمان کی عزت مردہ وزندہ حالت میں برابر ہے۔	۴۴۱	کافر کے لیے یا کافر کے مال سے ایصال ثواب کرنا جائز نہیں۔	۶۴۷
روشنی دلیل اعتناء ہے اور اعتناء دلیل تعظیم اور تعظیم اہل اللہ دلیل ایمان ہے۔	۴۹۱	کفار اور مرتد کو ایصال ثواب حرام ہے۔	۶۴۸
اللہ تعالٰی کی نشانیوں کی تعظیم دلی تقوی ہے۔	۴۹۱	کافر کی روح سجین میں مقید ہوتی ہے۔	۶۵۲
ہر تعظیم عبادت نہیں۔	۴۹۶	شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔	۶۵۲
تقرب وتعبد کو ایک ہی چیز قرار دینا محض باطل ہے۔	۴۹۸	اولیاء اللہ قدست اسرارہم کی روحیں زمین، آسمان اور جنت میں سے جہاں چاہیں جاتی ہیں۔	۶۵۳
مزارات پر شمعیں روشن کرنے کو تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر بدگمانی ہے۔	۴۹۸	ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو باب عقائد سے نہیں ہوتا۔	۶۵۴
کسی صالح واہل اللہ کا غیر خدا کا عابد ہونا محال ہے۔	۴۹۸	ارواح گھروں کو آنے سے متعلق دعوی نفی کرنے والا جھوٹا کذاب ہے۔	۶۵۶
شرک ہرگز معاف نہ ہوگا۔	۴۹۸	روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا اور دعوی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی۔	۶۵۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا حیات ظاہری میں تھا۔	۵۱۷	عذاب وثواب روح وجسم دونوں کے لیے ہے۔	۶۵۸
درود وہ تعظیم ہے جو بالاستقلال سوائے انبیاء وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کسی کے لیے جائز نہیں۔	۵۱۸	قبر پر آنے والوں کا علم میت کو ہوتا ہے۔	۶۵۸
تعظیم روح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا جہالت ہے۔	۵۲۱	اہل قبور کا کسی کی آواز کو سننا یا کسی کو دیکھنا محال نہیں، نہ محال عقلی نہ شرعی نہ عادی۔	۶۸۰
غیر معین زمانے میں وقوع فعل عقلاً محال ہے۔	۵۸۰	اہل دنیا ملائکہ کو بطور خرق عادت ہی دیکھ سکتے ہیں جبکہ اہل برزخ عموماً دیکھتے ہیں۔	۶۸۰

محال عقلی صالح تعلق اذن نہیں اور محال شرعی سے ہرگز اذن متعلق نہ ہوگا۔	۶۸۰	شاہ عبدالعزیز صاحب نے فرعون کو مالک نفع وضرر کہا۔	۶۹۲
ہر محال عادی ممکن عقلی ہوتا ہے لہٰذا محال عادی کا اعتقاد، ممکن کا اعتقاد ہے۔	۶۸۰	قاعدہ کلیہ ہے کہ جو بات زندوں کے ساتھ شرک نہیں اموات کے ساتھ بھی شرک نہیں ہوسکتی۔	۶۹۶
شرک، اعظم محالات عقلیہ کا اعتقاد ہے۔	۶۸۰	مردہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں کو کیا ہو رہا ہے۔	۷۱۰
اعتقاد ممکن عقلی کا شرک ہونا محال عقلی بین الفساد ہے۔	۶۸۰	چھ حدیثیں کہ مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے۔	۷۲۴
کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کے اعمال قطعًا مقبول ہیں۔	۶۸۱	امور قبور اور احوال ارواح میں رائے کو دخل نہیں۔	۷۴۲
کسی کی بات سننے کے لیے اس کی صورت دیکھنا ضروری نہیں۔	۶۸۳	اہلسنت کے نزدیک ہر ذرّہ عالم اپنے لائق سمع وبصر وعلم رکھتا ہے اور زبان قال سے تسبیح الٰہی کرتا ہے۔	۷۵۹
ہر غلط بات شرک نہیں ہوتی۔	۶۸۴	اموات کی قوت سامعہ اتنی قوی کہ نباتات کی تسبیح بلاتکلف سنتے ہیں۔	۷۶۰
قرآن مجید کی کسی آیت میں قبور پر جاکر کلام وخطاب کرنے کو شرک نہیں کہا گیا۔	۶۸۴	ائمہ مذاہب واولیاء سلاسل اپنے مقلدوں اور مریدوں کی ہر وقت نگہبانی وشفاعت فرماتے ہیں مگر وہابیہ غیر مقلدین کا اس میں حصہ نہیں۔	۷۶۹
حدیث شریف "من حلف بغیر الله فقد اشرک" سے غلط استدلال کا رد۔	۶۹۰	حضرت امام مالک نے اپنے مقلد کی قبر میں تشریف لاکر نکیرین کو سوال سے روک دیا۔	۷۶۹
غیر خدا کو نافع وضار سمجھنا مطلقًا شرک نہیں جب تک کہ مستقل بالذات نہ مانا جائے۔	۶۹۱	یا شیخ عبدالقادر کہنا ناجائز نہیں۔	۷۹۱
غیر خدا کو نافع وضار غیر مستقل بالذات ماننا شرک نہیں۔	۶۹۱	حیات شہداء باقی اموات سے کامل تر اور حیات انبیاء حیات شہداء سے کامل تر ہے۔	۷۹۸
غیر خدا کے نافع وضار ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے۔	۶۹۱	اولیاء مشکل کشا ہوتے ہیں۔	۸۱۳
غیر خدا کے نافع وضار ہونے کا ثبوت احادیث سے۔	۶۹۱	مجالس خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری حق ہے۔	۸۳۰
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حجر اسود کو نافع وضار قرار دیا۔	۶۹۲	موت حقیقۃً صفت بدن ہے نہ کہ وصف روح۔	۸۴۳
		بدن کی طرف مجازًا بوجہ آلیت نسبت ادراک ہوتی ہے۔	۸۴۹

اہلسنت کے نزدیک جسم شرط حیات نہیں۔	۸۵۰	لوگوں کا رونا سن کر مردے کو صدمہ ہوتا ہے۔	۸۹۰
قبر کی تنعیم یا تعذیب روح وجسم دونوں پر ہے۔	۸۵۰	زندوں کا رونا سن کر اُن کے ساتھی مردے بھی رونے لگتے ہیں۔	۸۹۰
روح کی حیات مستمرہ غیر منقطعہ ہے مگر بدن کے لئے بعد عود بھی استمرار ضروری نہیں۔	۸۵۳	کیا کافر مجاہر سے سوال قبر ہوگا۔	۸۹۴
روز قیامت مومنین اپنے رب عزّوجل کو دیکھیں گے اور اس کا کلام سنیں گے۔	۸۵۶	مقتولین بدر سے خطاب والی حدیث نص صریح ہے کہ اُن کافروں نے گوش بدن سے سنا۔	۸۹۶
روح کا بدن سے تعلق چار قسم پر ہے: ایک دنیوی بحال بیداری، دوسرا بحال خواب، تیسرا برزخی اور چوتھا اُخروی۔	۸۶۴	جو احادیث سماع جسمانی میں نص ہیں ان میں تخصیص وقت یا بعض اموات خود سبیل واضح ہے۔	۸۹۶
بعد موت بے عود حیات بدن خالی کو شرعًا عرفًا لغتًا کسی طرح سمیع وبصیر ومرید وفاعل نہیں کہتے۔	۸۷۱	بدن میت کو خارجی صدمہ بھی ایذا دیتا ہے۔	۹۰۳
اموات کا باہم ملاقات کرنا اور آپس میں گفتگو کرنا متعدد احادیث سے ثابت۔	۸۷۴	موت جسد سے روح کو مردہ ماننا اور ادراک روح کے لیے بدن کو شرط جاننا دونوں قول اہل بدعت، ضالین اور معتزلہ وغیرہم کے ہیں۔	۹۰۹
تم قلیب بدر میں پڑی لاشوں سے زیادہ نہیں سنتے۔	۸۷۸	قول مشائخ کہ میت یا زید بعد موت نہیں سنتا چار معانی کا محتمل ہے۔	۹۱۵
روح میت نہیں وہ تو صرف بدن سے جدا ہوئی ہے اور اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اسے دوبارہ بدن میں لے آئے۔	۸۸۱	جو تلقین نہیں مانتا معتزلی ہے۔	۹۱۷
جس پر عذاب کرنا ہوتا ہے اسے قبر میں یک گونہ حیات دی جاتی ہے جس سے الم پہنچنے کے قابل ہوجاتا ہے۔	۸۸۲	اہلسنت کے نزدیک تلقین امر شرعی ہے۔	۹۱۷
بعد سوال نکیرین سعید کی روح جنت میں اور شقی کی سجین میں رہتی ہے۔	۸۸۴	اہلسنت موصوف بالموت کو بحال موصوفی بالموت موصوف بالادراک نہیں مانتے بلکہ وہ جس کے لیے ادراکات برزخیہ مانتے ہیں اسے زندہ جانتے ہیں۔	۹۳۱
روح کی تعریف۔	۸۸۹	بقائے روح وادراکات روح کا دعوی ایسی نصوص قاطعہ سے ثابت ہے جس میں موافق ومخالف کسی کو مجال تامل نہیں۔	۹۳۳
روح عالم آب وگل سے نہیں بلکہ عالم ملکوت سے ہے۔	۸۸۹	مخالفین بھی تنعیم وتعذیب وادراکات برزخیہ کو مانتے ہیں۔	۹۳۳
		جب مدرک باقی ہے تو ادراک بھی باقی ہوگا۔	۹۳۳

غیب پر رجمًا بالغیب حکم لگانا ضلالت وعیب ہے۔	۹۳۴	**قرآنی علوم و تفسیر**	
گوش سر کا ادراک بنسبت ادراک روح کے بہت قاصر ومقصور ہے۔	۹۳۷	قرآن کریم پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگوائے۔	۵۰۸
احوال برزخ کا قیاس احوال وعادات دنیویہ پر باطل ومہجور ہے۔	۹۳۷	آیہ کریمہ "لنتخذن علیھم مسجدا" میں ضمیر جانب اصحاب کہف ہے اور آدمی کے جسم کے اوپر مسجد بنانے کے کوئی معنی نہیں لہٰذا کلمہ علٰی میں مجاز متعین ہے۔	۵۱۴
اہل سنت کے نزدیک ادراکات روح بدن پر موقوف نہیں وہ ان تعلقات حادثہ سے پہلے بھی ویسے ہی مدرکہ، عالمہ، مبصرہ او رسامعہ تھی جیسے ان کے بعد۔	۹۳۷	آیہ کریمہ انک لاتسمع الموتٰی کی بحث	۷۰۰
تعلقات بدن بنفسہٖ نہیں بلکہ تعلق روح کے باعث ہیں۔	۹۳۸	آیہ کریمہ "ومانت بمسمع من فی القبور" میں من فی القبور سے مراد بدن ہے۔	۸۸۴
برزخ ومعاد امورغیبیہ ہیں جن میں قیاس واجتہاد کو دخل نہیں۔	۹۴۰	**حدیث واصول حدیث**	
عقائد میں تقلید نہیں۔	۹۴۰	حدیث تعدد صلوٰۃ علٰی سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر محدثانہ گفتگو۔	۲۹۹
عقائد میں چار چیزوں کا اتباع ہے: کتاب وسنت واجماع اور سواد اعظم اہلسنّت۔	۹۴۰	کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔	۳۴۶
ضلالت پر اجماع امت ناممکن ہے۔	۹۴۰	حضرت معٰویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غائبانہ نماز جنازہ والی حدیث ائمہ حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔	۳۵۴
سواد اعظم کا خلاف ابتداع ہے۔	۹۴۰	حدیث مذکور کی سب سندیں ضعیف ہیں۔	۳۵۷
محتاط محققین فتوی مشائخ پر عمل کرکے اس وقت تک کسی کو کافر نہ کہیں گے جب تک تکفیر پر اجماع مشائخ نہ ہولے۔	۹۴۱	شہدائے موتہ سے متعلق یہ حدیث دونوں طریق سے مرسل ہے۔	۳۶۰
کفر واسلام فقہ کا نہیں بلکہ عقائد وکلام کا مسئلہ ہے۔	۹۴۲	وہ حدیث جس میں قبور پر چراغ روشن کرنے والوں پر لعنت آئی ہے صحیح نہیں۔	۵۱۳
جب تک ضروریات دین سے کسی شیئ کا انکار نہ ہو کفر نہیں۔	۹۴۲		

حدیث ضعیف در بارۂ احکام حجت نہیں ہوتی۔	۵۱۳	امور غیر قیاسیہ کے بارے میں موقوف حدیث بھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔	۷۴۲
حدیث مانعین سے تین جواب۔	۵۱۴	سیرۃ النبی	
حدیث "المتخذین علیہا المساجد والسرج" میں کلمہ علٰی حقیقی معنی میں مستعمل ہے۔	۵۱۴	سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک کیوں دی!	۱۱۵
استناد کا روایات صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر جہل شدید ہے	۶۵۱	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقہ ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے۔	۱۱۶
صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر حماقت ہے۔	۶۵۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔	۴۳۲
حدیث حسن بالاجماع حجّت ہے۔	۶۵۱	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے آخر میں مزارات شہداء پر جلوہ افروز ہوتے اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔	۵۸۹
جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد حجت ہے۔	۶۵۱	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخر شب مقبرۂ بقیع پر تشریف لے جاکر سلام وکلام وخطاب فرمایا کرتے۔	۹۱۲
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی حجت ہے۔	۶۵۱	اسماء الرجال	
سِیَر، مغازی اور مناقب میں صحاح وضعاف مقبول ہیں۔	۶۵۴	اس روایت کا حاکی زاہدی معتمد نہیں۔	۲۵۳
عقائد میں صحاح ظنیات مردود ہیں۔	۶۵۵	زاہدی مذہب کا معتزلی ہے۔	۲۵۴
یہ روایت کہ "مجھ کو دیوار کے پیچھے کا علم نہیں" شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نزدیک بے اصل ہے۔	۶۵۵	زمخشری اور زاہدی میں فرق۔	۲۵۴
حدیث اصطلاح محدثین میں ارشادات صحابہ وتابعین کو شامل ہے۔	۷۴۲	ابوبکر بن ابی شیبہ امام بخاری وامام مسلم کے استاذ ہیں۔	۳۰۶
حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول، فعل، تقریر اور صحابی کے قول، فعل، تقریر اور تابعی کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں۔	۷۴۲		

بقیہ بن ولید مدلّس ہے۔	۳۵۴	ام الدرداء دو خاتونوں کی کنیت ہے دونوں ہی صحابی رسول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیویاں ہیں پہلی کبرٰی کہ صحابیہ ہیں خیرہ نام ہے اور دوسری صغرٰی تابعیہ ثقہ فقیہہ مجتہدہ رواۃ صحاح ستہ سے ہیں، ہجیمہ نام ہے۔	۷۱۰
ابن حبان نے نوح بن عمرو کو حدیث کا چور بتایا۔	۳۵۴	امام مجاہد جلیل الشان تابعی، مجتہد، مفسر، ثقہ علماء مکہ سے ہیں، سب صحاح میں ان سے روایت ہے۔	۷۱۰
محبوب بن ھلال مجہول ہے۔	۳۵۷	عمرو بن دینار تابعی جلیل ثقہ ثبت علماء مکہ سے ہیں۔ اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۱
امام نووی نے علاء بن یزید ثقفی کو ضعیف، امام بخای نے منکر الحدیث،	۳۵۷	بکر بن عبداللہ مزنی امام اجل تابعی ثقہ ثبت اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۱
ابوحاتم ودارقطنی نے متروک الحدیث اور امام علی بن مدینی نے دل سے حدیثیں گھڑنے والا کہا۔	۳۵۷	امام سفیان ثقہ، حجت، محدث، مجتہد، عارف باللہ، تبع تابعین، مجتہدان کوفہ اور رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۲
صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام کا معلوم نہیں۔	۳۵۷	عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی تابعی عظیم القدر رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۲
ابوالولید طیالسی نے کہا کہ علاء ابن یزید ثقفی کذاب تھا۔	۳۵۷	ابن ابی نجیح تبع تابعین وعلماء مکہ اور رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۲
عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں اور یہ قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پوتے ہیں۔	۳۶۰	ابوقلابہ بصری تابعی ثقہ، فاضل رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۵
عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم صغار تابعین سے ہیں اور یہ عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پرپوتے ہیں۔	۳۶۰	ابوعثمان نہدی اکابر تابعین سے ہیں، زمانہ رسالت پائے ہوئے تھے، ثبت عمائد رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۵
شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے۔	۳۶۱	امام قاسم بن مخیمرہ تابعی ثقہ فاضل رواۃ صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۱۶
حبان بن ابی حیلہ تابعی ثقہ ہیں اور رجال بخاری سے ہیں۔	۷۰۸	علاء بن لجلاج تابعی ثقہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن تبع تابعین مقبول الروایۃ سے ہیں۔ دونوں رجال جامع ترمذی سے ہیں۔	۷۱۸
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ عظیم الشان جلیل القدر صحابی ہیں، ان چاروں میں سے ہیں جن کی طرف جنت مشتاق ہے۔	۷۰۹	محمد بن واسع تابعی ثقہ عابد عارف باللہ کثیر المناقب رجال صحاح ستہ سے ہیں،	۷۲۳

راشد بن سعد تابعی ثقہ رجال سنن اربعہ سے ہیں۔	۷۳۰	مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے۔	۲۸۵
ضمرہ بن حبیب تابعی ثقہ رجال صحاح ستہ سے ہیں۔	۷۳۰	تکفین کے بعد حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سلام عرض کیا۔	۲۸۵
حکیم بن عمیر تابعی صدوق رجال ابوداؤد وابن ماجہ سے ہیں۔	۷۳۲	صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کھڑے ہو کر دعا کرتے اور لوگ آمین کہتے۔	۲۸۵
بلال بن سعد تابعی جلیل عابد فاضل ثقہ رجال نسائی وغیرہ سے ہیں۔	۷۴۴	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے صلوٰۃ کی۔	۲۸۶
تاریخ وتذکرہ		صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عادت کریمہ تھی کہ اگر جنازگاہ میں نماز کی گنجائش نہ پاتے تو واپس تشریف لے جاتے اور مسجد میں نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔	۳۰۶
حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہا کے وصال مبارک کی تفصیل۔	۱۱۰	عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہوسکنے کے بعد فرمایا دعا میں تو کوئی بندش نہیں میں اُن کے لیے دعا کروں گا۔	۳۰۶
حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وصیت۔	۱۱۱	صدیق وفاروق ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سیدۃ النساء رضی اللہ تعالٰی عنہا کے وصال کے بعد حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گھر تعزیت کے لیے آئے۔	۳۰۷
اصطبل فاروقی میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: "وقف فی سبیل اللہ"۔	۱۱۱	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ چھ بار ہوئی آخری بار آپ کے صاحبزادے حضرت حماد نے پڑھی۔	۳۴۱
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان رحمت کو دیکھ کر ہزار آدمی مشرف بہ اسلام ہوئے۔	۱۱۶	دوسرے شہر کی میت پر صلوٰۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔	۳۴۶
امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیشاپور میں آمد اور لوگوں کی زیارت کرانے کا منظر	۱۳۳	واقعہ بئر معونہ	۳۴۶
امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درس حدیث کو لکھنے والے بیس ہزار سے زائد تھے۔	۱۳۴	حضرت نجاشی کے وصال کا واقعہ۔	۳۴۷
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کے گرد کھڑے ہو کر دعائیں کرتے رہے۔	۲۴۵	حضرت معٰویہ بن معٰویہ مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے انتقال اور جنازہ کا واقعہ۔	۳۵۳
حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، عرض کرتے تھے اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔	۲۸۴		

شہدائے موتہ اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ کا واقعہ۔	۳۶۰	حضرت ابوالحسین مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان کردہ عجیب واقعہ۔	۴۵۳
سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حنبلی ہیں۔	۳۶۷	مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے پاس متعدد بلاد وامصار سے ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو تک فتوے جمع ہوجاتے تھے۔	۴۹۹
حضرت خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نماز جنازہ نہیں ہوئی۔	۳۶۹	امیر المومنین فاروق اعظم بعد از نماز عشاء دیکھ بھال کے لیے مسجد نبوی شریف میں دورہ فرماتے۔	۵۰۶
شیخ نجدی نے روضہ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا۔	۴۲۹	سلطان مراد بن سلطان سلیم خاں کا کعبہ معظّمہ اور روضہ اطہر کے لیے قندیلیں بھیجنے کا واقعہ۔	۵۱۱
شیخ نجدی نے شہداء وصحابہ کے مزارات توڑے۔	۴۳۰	کعبہ معظّمہ میں قندیلیں آویزاں کرنے کا دن بزرگ دن تھا اس دن تمام اعیان مکہ جمع ہوئے۔	۵۱۱
وہابیہ نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جس سے بعض کے جسم اور کفن بھی ظاہر ہوگئے۔	۴۳۰	روضہ اطہر پر قندیل مرصّع آویزاں کرتے وقت مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد اور علماء وصلحاء سب جمع تھے۔	۵۱۱
تخمیناً بارہ سو سال گزر جانے کے باوجود صحابہ کرام کے کفن اور بدن شریف سلامت تھے۔	۴۳۱	سلاطین عثمانیہ سے پہلے بھی سلاطین حرمین شریفین میں قندیلیں حاضر کرتے تھے۔	۵۱۲
حضرت ابوسعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ پیش آنے والا حیران کن واقعہ۔	۴۳۳	سلطان عثمانیہ میں سے سب سے پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خاں نے پائی۔	۵۱۲
حضرت ابوعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ پیش آنے والا حیران کن واقعہ۔	۴۳۳	قنادیل مدینہ کے بارے میں امام سبکی نے "تنزل السکینۃ علٰی قنادیل مدینہ" کے نام کتاب لکھی۔	۵۱۲
حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید کا واقعہ۔	۴۳۴	امام علی روزباری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تعارف۔	۵۱۹
حضرت ابویعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے ایک مردہ مرید کو نہلانے کا انوکھا واقعہ۔	۴۳۴	ایک بندہ صالح کی حکایت جس نے دعوت احباب میں ہزار چراغ روشن کیے۔	۵۲۰
ایک ولی اللہ کا قصہ جس نے بعد از موت آنکھیں کھول کر کہا میں زندہ ہوں اور اللہ تعالٰی کا ہر دوست زندہ ہے۔	۴۳۴	حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قبر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضر ہونا اور مروان سے مکالمہ۔	۵۲۱
حضرت ابوقلابہ سے صاحب قبر کی شکایت۔	۴۵۲		

حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اپنی زوجہ مطہرہ کو مسجد سے روکنے کا واقعہ۔	۵۵۸	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مشورہ کیلئے صبح وشام کا وقت، سفر جہاد کے لیے جمعرات کا دن، اور طلب علم کے لیے دوشنبہ کا دن مقرر فرمایا۔	۵۸۵
بہت سے اکابر اولیاء وعلماء کا بوقت ضرورت شرعیہ لوگوں سے سوال کرنا منقول ہے۔	۶۸۱	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وعظ ونصیحت کے لیے جمعرات کا دن مقرر فرمایا۔	۵۸۶
دور فاروقی میں دوران قحط ایک صحابی کا قبر انور پر حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کی درخواست کرنے کا واقعہ۔	۶۹۵	علماء سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا دن مقرر فرماتے ہیں۔	۵۸۶
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بعد از دفن حیاء فرمانا۔	۷۱۳	حق یہ ہے کہ تخصیصات مذکورہ یعنی تیجا اور چالیسواں وغیرہ تعینات عادیہ ہیں کہ ہرگز جائے طعن وملامت نہیں ہیں۔	۵۹۰
حیاء امام شافعی بحضور مزار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما	۷۵۲	بزرگوں کی فاتحہ میں کھانے کی تخصیص کے متعلق ایک سوال کا شاہ عبدالعزیز کی طرف سے بہترین جواب۔	۵۹۰
امام اسمٰعیل حضرمی کے ایک مقبرہ پر رونے اور ہنسنے کا واقعہ۔	۷۶۴	**تصوف**	
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے بھائی کی قبر پر حاضر ہوئیں اور دو شعر پڑھے اور انہیں خطاب فرمایا۔	۹۱۲	ائمہ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہوسکتی، ہاں تدابیر ارشاد کردہ مرشد بتانے میں سفیر محض ہو تو حرج نہیں۔	۵۶۴
توقیت وتعیین		اُویسیت کی نسبت صحیح اور قوی ہے۔	۶۸۷
عبادات اور اشغال واذکار کے لیے وقت مقرر کرنے کی حکمت۔	۵۸۲	**میراث**	
احادیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعینات عادیہ کی چند مثالیں۔	۵۸۵	ورثاء میں کوئی نابالغ ہو یا بالغ ہو مگر غیر موجود یا موجود ہو مگر اس سے اذن لیے بغیر ترکہ میت سے ضیافت کرنا حرام شدید ہے۔	۶۶۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہداء اُحد کی زیارت کے لیے سال کا آخر، مسجد قباء میں تشریف آوری کے لیے ہفتہ کا دن اور شکر رسالت کے طور پر روزہ رکھنے کے لیے پیر کا دن مقرر فرمایا۔	۵۸۵		

سب وارث موجود و بالغ اور راضی ہوں تو ترکہ سے بھی محتاجوں کو کھانا کھلایا جاسکتا ہے۔	۲۶۵	پچھلی صف جنازہ میں افضل ہے۔	۲۰۷
وصیت		مقبول بندوں کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔	۲۷۱
اگر کوئی شخص وصیت کرجائے کہ اس کے مال سے مسجد میں گچ کاری اور اس میں سرخ وزرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی۔	۴۹۳	مومن صالح کی نماز جنازہ پڑھنے والوں کو عذاب دینے سے اللہ تعالٰی حیا فرماتا ہے۔	۲۷۱
اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہ خدا کے لئے کرے تو اس سے مسجد کا چراغ بھی جلاسکتے ہیں۔	۵۰۴	بیشک اللہ تعالٰی نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بدن کو کھانا زمین پر حرام فرمادیا۔	۲۷۱
فضائل		حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمہارے امام ہیں دنیاوی زندگی میں بھی اور بعد از وصال بھی۔	۲۸۴
میت کو قیامت تک عذاب سے محفوظ رکھنے والی دعا۔	۱۰۹	سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے غسل وکفن کے بعد سب سے پہلے جبریل مجھ پر صلوٰۃ کریں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ۔	۲۸۶
وہ تسبیح جس کو لکھ کر میت کے کفن میں رکھا جائے تو اسے عذاب قبر نہ ہو اور نہ نکیرین اس تک پہنچیں۔	۱۱۰	حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز قیامت تمام انبیاء کے خطیب، ان کے امام اور مالک شفاعت ہیں۔	۲۹۵
پیشانی اور سینہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے کی وجہ سے میت کو عذاب سے امان مل گئی۔	۱۱۱	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز سے اندھیری قبریں روشن ہوجاتی ہیں۔	۳۰۱
آب زمزم کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت ہے۔	۱۲۱	نعش مبارک کا مقابر کی طرف نہ لے جانا، خاص وصال کی جگہ پر دفن ہونا، نہلانے میں قمیص اقدس کا بدن سے جدا نہ کیا جانا، سب صحابہ کے مشرف ہونے کے لیے جنازہ مبارک کا پونے دو دن رکھا رہنا اور جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روانہ ہونا خصائص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۳۰۲
وہ سند مبارک جس کو مجنون پر پڑھو تو شفا ہو جائے۔	۱۳۴		

بندۂ مقبول کو پہلا تحفہ جو بارگاہ عزت سے ملتاہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اللہ تعالٰی ان سب کی مغفرت فرمادیتاہے۔	۳۰۳	متعدد آیات قرآنیہ سے تعظیم انبیاء کا ثبوت۔	۴۹۶
جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔	۳۱۱	قرآن عظیم نے ماں باپ کی تعظیم کو فرض قرار دیا۔	۴۹۷
جس پر سو مسلمان نماز پڑھیں وہ بخشا گیا۔	۳۱۱	شان و تجمل روضہ انور سے شان محبوبیت کھلتی ہے۔	۵۰۴
جو نماز ہونے تک جنازہ میں حاضر رہے اس کے لیے ایک قیراط اور جو دفن تک حاضر رہے اس کے لیے دو قیراط ثواب ہے۔	۳۱۱	سلطان اسلام زمین میں اللہ تعالٰی کا سایہ ہوتا ہے۔	۵۰۷
جو کسی جنازہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہو جائے اس کے لیے تین قیراط ثواب لکھا جائے گا۔	۳۱۲	بیشک ایمان مدینہ منورہ کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔	۵۰۸
جو کسی میت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اُٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اسے چھپائے تو وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔	۳۱۲	روضہ اطہر پر روشنی خاص روضہ اطہر کے واسطے ہے نہ کہ بیّت مسجد۔	۵۰۹
حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں خراج تحسین۔	۳۱۳	امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل۔	۵۱۲
حضرت امام شافعی نے امام اعظم کے مزار کے قریب نماز فجر پڑھائی تو احتراماً بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی، نہ رفع یدین کیا اور نہ قنوت پڑھی۔	۳۴۰	مزارات پر تعظیم خشت و گل کی نہیں بلکہ روح کریم کی ہوتی ہے۔	۵۱۶
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے کے لیے اتنی خلقت جمع ہو گئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے۔	۳۴۱	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری کے آداب۔	۵۱۶
زمین لپیٹ دی گئی اور جنازہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ہو گیا۔	۳۵۸	مزار اطہر کے حجرہ مقدسہ اور گنبد مبارک کو دیکھتے رہنا عبادت ہے جیسے کعبہ معظمہ پر نظر کرنا۔	۵۱۶
فرشتوں کی دو صفیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے تھیں اور ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔	۳۵۸	فضائل درود شریف۔	۵۱۷
معرکہ موتہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔	۳۶۱	حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ تقوی میں کمال رکھتی تھیں۔	۵۶۴
تعظیم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نصوص قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔	۴۹۶		

حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالٰی عنہا عابدہ وزاہدہ تھیں۔	۵۶۴	لفظ فتوٰی، لفظ صحیح واصح اور اشبہ وغیرہ سے آکد ہے۔	۲۵۵
ایک فرشتہ جسے اللہ تعالٰی نے تمام جہان کی آواز سننے کی طاقت عطافرمائی قبرانور پر حاضر ہے اور درودپڑھنے والوں کادرود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچاتا ہے۔	۶۸۲	لفظ علیہ العمل لفظ فتوی کے مساوی ہے۔	۲۵۵
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مزار اقدس سے مثل احیاء تصرف فرماتے ہیں۔	۸۰۶	جوتم میں فتوی دینے پرزیادہ جری ہے آتش دوزخ پرزیادہ جرات رکھتا ہے۔	۲۸۰
سب اولیاء کومناصب ومراتب حضور غوث اعظم عطافرماتے ہیں۔	۸۱۱	نقل ہی کا اتباع ہے مسئلہ منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔	۳۶۵
اولیاء احیاء کاایک وقت میں ستر جگہ تشریف فرماہونا منقول ہے۔	۸۲۹	خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر عمل نہیں ہوگا۔	۳۶۵
جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوی میں حاضری کے وقت سدرۃ المنتہی پر بھی جلوہ گر رہتے۔	۸۲۹	متون کے مقابل شروح اور شروح کے مقابل فتاوی پر عمل نہیں ہوگا۔	۳۶۵
مزارانور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرحاضری کے وقت منہ کدھر کیاجائے۔	۸۸۷	نادر پر حکم نہیں ہوتا۔	۵۶۳
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کونام لے کرمت پکارو بلکہ یوں کہو یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاخلیفۃ اللہ۔	۹۰۱	حتی الامکان کلمات ائمہ میں توفیق وتطبیق محمود ہے۔	۸۷۶
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بدن کو کھانا زمین پرحرام ہے۔	۹۰۷	فوائد اصولیہ	
اللہ تعالٰی کے نبی زندہ ہیں روزی دیئے جاتے ہیں۔	۹۰۸	کسی امر غیر موجود کااحتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال کے لیے مانع نہیں ہوتا۔	۱۱۹
رسم المفتی		جب تک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو منع وانکار حکم شرع کاردوابطال ہے۔	۲۴۳
بہت عوام تمایز صور سے غفلت کرتے ہیں لہذا ایسی جگہ پوری بات کرنا ہمیشہ مفتی کے لیے مناسب ہے۔	۲۴۰	جب بتصریح تعمیم امر شرع وارد ہو تو جمیع ازمنہ تحت امر داخل ہوتے ہیں۔	۲۴۳
"ہمیں است روایت معمولہ" یہ الفاظ قوت میں علیہ الفتوی اور بہ یفتی کے برابر ہیں۔	۲۵۵	حسن فی ذاتہ کوکبھی خارج سے کوئی امرمزاحم حسن عارض ہوتا ہے۔	۲۴۳

بار ثبوت مدعی کے ذمہ ہوتا ہے۔	۲۴۳	بہت سی نوپید چیزیں اچھی بدعت ہیں۔	۴۹۴
عارض اپنے عروض ہی تک مزاحم رہے گا زائل ہوتے ہی اصل حسن کا حکم عود کرے گا۔	۲۴۳	بہت سے احکام زمانے یا مقام کی تبدیلی سے بدل جاتے ہیں۔	۴۹۴
ایہام زیادت مورث کراہت تنزیہیہ ہے جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے۔	۲۵۶	مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ حرام ہے جب تک تواتر سے یقینی الثبوت نہ ہو۔	۵۰۷
ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے۔	۲۷۷	فعل عوام کو دیکھ کر جماہیر علماء منع نہ فرمائیں تو استناد تقریر علماء سے ہوگا نہ کہ فعل عوام سے۔	۵۰۸
عالم کا گناہ ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دوگناہ۔	۲۷۷	حقیقت سے بلاضرورت عدول نامقبول ہے۔	۵۱۴
اثبات حکم کے لیے محض صحت حدیثی کافی نہیں بلکہ صحت فقہی چاہئے۔	۲۹۹	اور کسی ایک جگہ کوئی لفظ معنی مجازی میں مستعمل ہو تو ضروری نہیں کہ دوسری جگہ بھی معنی مجازی ہی میں استعمال کیا جائے۔	۵۱۵
تنویر قبر کے لیے بعد از نماز جنازہ کسی کی قبر پر نماز پڑھنا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے۔	۳۰۱	معنی حقیقی وجہ خارجی کا محتاج نہیں ہوتا۔	۵۱۵
نمازوں کا سبب وقت ہے جب وقت دوبارہ آیا نماز دوبارہ آئے گی۔	۳۰۶	ملا علی قاری کی عبارت پر بحث۔	۵۱۵
نماز جنازہ کا سبب مسلم میت ہے، جب میت متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔	۳۰۶	جمع بین الحقیقۃ والمجاز باطل ہے۔	۵۱۵
جس امر سے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ مشروع نہیں ہوسکتا۔	۳۴۶	سلب مفسدہ جلب مصلحت پر مقدم واہم ہے۔	۵۵۱
حدیث ضعیف دربارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔	۳۵۷	آحاد حرام نہ ہوں تو ان کا مجموعہ بھی حرام نہیں ہوتا۔	۵۷۱
صلٰوۃ کے ساتھ جب علٰی فلان مذکور ہو تو ہرگز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی۔	۳۶۳	مباحات کا مجموعہ بھی مباح ہوتا ہے۔	۵۷۱
مکروہ تنزیہی بھی کوئی گناہ نہیں ہوتا وہ صرف خلاف اولٰی ہوتا ہے۔	۴۴۹	محض کسی امر کے خصوصی طور پر وارد نہ ہونے کو مطلقاً ممنوع ہونے کی دلیل جاننا غلطی ہے۔	۵۷۳
مکروہ تنزیہی اباحت کے ساتھ مجتمع ہوجاتا ہے۔	۴۵۰	جو حکم مطلق کے لیے ہو وہی اس کے تمام افراد کے لیے ہوتا ہے۔	۵۸۱
معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی۔	۴۵۰	مطلق ثابت ہوجائے تو قائل جواز سے دلیل خصوصیت مانگنا غلط ہے۔	۵۸۱
جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوتا ہے۔	۴۵۰	ممانعت فعل خاص کی دلیل مانع کے ذمہ ہے۔	۵۸۱

اگر مخصص کے بغیر تخصیص مفید نہیں تو نقصان دہ بھی نہیں۔	۵۹۱	ہر مسئلہ اپنے ماخذ ہی سے لیا جائے گا۔	۹۴۰
عدم ثبوت، ثبوت عدم نہیں ہوتا۔	۶۵۶	جو فرق مراتب گما کر خلط مبحث کرے وہ جاہل ہے۔	۹۴۰
بے دلیل عدم، ادعائے عدم محض تحکم وستم ہے۔	۶۵۶	تطبیق اولٰی ہے ترجیح سے۔	۹۴۳
ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل ہے۔	۶۵۶	فوائد فقہیہ	
بعد حسن آحاد حسن مجموع میں کلام نہیں جب تک خصوص اجتماع میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔	۶۹۸	جس وقت دعا کیجئے بلاشبہ عین ماموربہ اور حسن فی حد ذاتہ ہے۔	۲۴۳
اہلسنت کا مسلک ہے کہ نصوص کو ہمیشہ ظاہر پر محمول کیا جائے جب تک کہ اس میں محذور نہ ہو۔	۷۰۷	عامہ کتب میں یہ عامہ اقوال ہرگز اطلاق وارسال پر نہیں کہ بعد نماز جنازہ مطلقاً دعا کو مکروہ لکھتے ہوں۔	۲۴۳
تحکیم بے قبول طرفین معقول نہیں۔	۸۲۴	اقوال مذکورہ کراہت دعا مقیدبہ لفظ قیام ہے یعنی نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے قیام (طویل) نہ کرے نہ یہ کہ بعد جنازہ دعا ہی نہ کرے۔	۲۴۴
احتمال قاطع استدلال ہے۔	۸۷۵	مکروہ تنزیہی کو گناہ کہنا درست نہیں۔	۲۵۶
منع مویّد بسندِ واضح صرف استبعاد اور مخالفت ظاہر سے مندفع نہیں ہوتا۔	۹۱۷	نماز جنازہ بالاجماع فرض کفایہ ہے۔	۲۸۱
ظاہر صالح دفع ہے نہ حجت استحقاق۔	۹۱۸	تصرف فضولی اذن مالک پر موقوف ہوتا ہے۔	۲۹۵
مقدمہ ممنوعہ پر ظاہر سے اقامت دلیل چاہنا جہالت ہے۔	۹۱۸	خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس میت پر نماز پڑھیں یہ اعادہ نماز نہیں بلکہ نماز اول یہی قرار پائے گی۔	۲۹۵
قاعدہ اجماعیہ ہے کہ مثبت، نافی پر مقدم ہوتا ہے۔	۹۱۹	ایسے واجب کا فوت ہونا جس کا بدل نہ ہو جواز تیمّم کے عذروں میں سے ہے۔	۳۳۳
ادراک کا ایک فرد بھی باقی ہے تو حیات ثابت اور موت منتفی ہے۔	۹۳۰	نماز جنازہ صلٰوۃ مطلقاً نہیں بلکہ دعاء مطلق وصلٰوۃ مطلقہ میں برزخ ہے۔	۳۶۲
مشروط نہ بے شرط متحقق ہو گا نہ منافی، منافی سے ملتصق۔	۹۳۰	نماز جنازہ پر اطلاق صلٰوۃ مجاز ہے۔	۳۶۳
نفی بعض ماننے والا مدعی تخصیص ہے لہٰذا وہ دلیل پیش کرے۔	۹۳۳	نماز جنازہ مجرد دعا کی مثل ہرگز نہیں۔	۳۶۵
دعوٰی پر منع وارد نہیں ہوسکتا خصوصاً اقامت دلیل کے بعد۔	۹۳۳	دس ہزار بریانی کی دیگیں مردار مینڈھے کی اور دس ہزار مذبوح جانوروں کی مختلط ہوں تو تمام بیس ہزار حرام ہیں۔	۵۵۴
ممکن پر بے دلیل سمع جزم نہیں۔	۹۳۴		

لایلقن یاغیر مشروع ممانعت عدم جواز کے لئے متعین نہیں گیارہویں شریف مرتبہ فردیت میں مستحب اور مرتبہ اطلاق میں سنت ہے۔	۶۰۵	وقفی اور غیر وقفی قبرستان میں مکان وغیرہ تعمیر کرنا۔	۴۰۸
یہ سمجھنا کہ ہمارے ائمہ مذہب کے نزدیک میت سے کلام حقیقتًا یا شرعًا کلام نہیں محض باطل ہے۔	۸۳۸	قبروں کو مٹا کر گودام، مکان اور مسجد وغیرہ بنانا۔	۴۲۷
فقہ کا دائرہ حیثیت حلال وحرام تک منتہی ہو جاتا ہے۔	۹۴۲	وقف کی تبدیلی جائز نہیں۔	۴۵۷
ولایت		جو چیز جس مقصد کے لیے وقف کی گئی اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لیے دینا روا نہیں۔	۴۵۷
شوہر عورت کا ولی نہیں۔	۹۵	مسجد ومدرسہ کو قبرستان نہیں بنا سکتے نہ ہی قبرستان کو مدرسہ ومسجد بنایا جاسکتا ہے	۴۵۷
بیع		وقف گھر کو باغ، سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں مگر جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو تو جائز ہے۔	۴۵۷
مزار پر چڑھائی ہوئی چادروں کی بیع کا حکم شرعی۔	۱۹۲	وقف میں شہرت کافی ہے۔	۴۶۳
عمرو ملک زید میں بے اذن زید بیع کرے زید خبر پا کر روا رکھے تو روا ہے اور اگر خود از سر نو عقد کرے تو ظاہر ہوگا کہ عقد فضولی پر قناعت نہ کی اب عقد یہی عقد مالک ہوگا نہ عقد فضولی۔	۲۹۵	وقف میں تبدیلی حرام ہے۔	۴۶۵
غصب		وقف کرنے کے لیے مالک ہونا شرط ہے، شے جب ایک بار وقف ہو جائے تو دوبارہ وقف نہیں ہو سکتی۔	۴۶۵
بلا اجازت مالک دوسرے کی اراضی میں دفن کرنا حرام ہے	۳۷۹	زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کے لیے وقف نہیں ہو سکتی۔	۴۶۷
مغصوب زمین میں دفن کرنا۔	۳۸۲	قبرستان کی زمین کسی کی ذاتی ملکیت ہو سکتی ہے یا نہیں، اور مخصوص قبرستان بنانا کیسا ہے۔	۴۷۹
وقف		قنادیل کا وقف صحیح ہے۔	۵۱۲
قبرستانوں کو تبدیل کرنے کی صورتیں۔	۳۸۲	قنادیل کو مسجد کی عمارت میں صرف کرنا جائز نہیں۔	۵۱۲
قبرستان کا حصہ مسجد میں شامل کرنا حرام ہے۔		**اجارہ**	
		تکیہ کی زمین کرایہ پر دینا اور فقیر کو اس کا کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں۔	۴۷۹

تلاوت پر اُجرت لینا اور دینا ناجائز ہے۔	۶۴۴	اوتارا اور چڑھاوا کے معنی میں فرق۔	۵۱۵
قرآن خوانی کرنے والوں کو بطور اجرت کھانا کھلانا حرام۔	۶۴۴	**مناظرہ**	
قرآن خوانی کی اُجرت حرام ہے اور اس کے جواز کی ایک صورت۔	۶۴۶	امام ابن حامد کی حکایت سے استدلال کرنے والے مخالف متعسفین کا مناظرانہ انداز میں چھ وجوہ سے رد۔	۲۵۲
تلاوت و تہلیل میں اُجرت لینا حرام۔	۶۴۶	قائلین تکرار نماز جنازہ کو مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے چیلنج کہ کوئی حدیث تقریری یا قولی یا فعلی پیش کرو۔	۲۷۹
نماز جنازہ پڑھانے یا زیارت قبور کی اُجرت لینا۔	۶۴۶	مدارج النبوۃ میں مذکور ایک حکایت سے مخالفین کے استدلال کا رد۔	۳۶۳
قرآن شریف یا میلاد شریف پڑھ کر خیرات لینا۔	۶۴۶	**بلاغت**	
رہن		"قبر پر چڑھاوا چڑھانے کی مثال" میں مجاز لفظ "پر" میں نہیں بلکہ خود لفظ چڑھاوا میں ہے۔	۵۱۴
قبرستان کی بیع ورہن وغیرہ جائز ہے یا نہیں۔	۴۷۹	قرآن مجید میں صنعت استخدام کے مواقع۔	۸۶۸
ہبہ		منطق	
قبرستان وقف ہبہ اور بیع سے مستثنٰی ہے۔	۴۸۱	حقیقت ومصداق انسان میں چار احتمال عقلی ہیں محض بدن یا مجرد روح یا ہر ایک یا مجموع۔	۸۶۰
سِیَر		مصنف کی تحقیق انیق کہ انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہے۔	۸۶۳
کافر یا مرتد مرے تو اس کے مسلمان رشتے دار کیسے کفن دفن کریں۔	۳۹۰	بدن پر اطلاق انسان حقیقت عرفیہ ہے۔	۸۷۰
لغت		انسان وحیوان کی تعریف میں فلاسفہ کی جہالتیں۔	۸۷۰
قیام کے دو معنی ہیں۔	۲۴۵	اطلاق انسان کے لیے دو حقیقتیں ہیں: ایک حقیقت اصلیہ دقیقہ یعنی روح متعلق بالبدن، دوسری حقیقت مشہورہ عرفیہ یعنی بدن۔	۸۷۱
لفظ عن مشیر غرابت وتمریض ہے۔	۲۵۵		

کلام مشائخ سے استناد مخالف دو مقدموں پر مبنی تھا، صغرٰی یہ کہ امتناع سماع موتی قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے، اور کبرٰی مطویہ مسطورہ یہ کہ جو قول اکثر مشائخ حنفیہ ہے فی نفسہ حق ہے یاہم پر اس کی تسلیم واجب ہے، پہلے تینوں جواب صغرٰی کے رَد میں۔	۹۱۶	اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ زید سے نہ بولوں گا تو یہ قسم زید کی حالت حیات پر مقصود رہتی ہے اگر بعد انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا۔	۸۳۸
بطلان تالی سے بطلان مقدم لازم ہے۔	۹۳۴	ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے۔	۸۳۸
فلسفہ		لفظ کے عرفی معنی پر قسم وارد ہوتی ہے نہ کہ لغوی وشرعی معنی پر۔	۸۳۸
جماد من حیث ھو جماد سے سوال یا اسے لذت والم کا ایصال بداہۃً محال ہے۔	۸۵۱	قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ بیٹھے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیر آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی۔	۸۳۸
ادراک بالبصر تین امور پر موقوف ہے: مواجہ بصر، تقلیب حدقہ اور ازالہ غشاوہ۔	۸۵۵	قسم کھائی کہ کسی گھر میں نہ جائے گا تو مسجد وغیرہ معابد میں جانے سے حانث نہ ہوگا۔	۸۳۸
حیات باجماع عقلاء شرط ادراک ہے اور موت منافی ادراک ہے۔	۹۳۰	قسم کھائی کہ زید سے نہ بولے گا بیرون نماز زید کو کہا السلام علیکم تو حانث ہو جائے گا۔	۸۳۸
فلاسفہ کا یہ قول باطل ہے کہ نفس آنِ واحد میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا۔	۹۳۴	صورت مذکورہ میں زید کی اقتداء میں قسم کھانے والے نے نماز پڑھی، زید بھولا، اس نے بتایا تو حانث نہ ہوگا، اگر بیرون نماز بتایا تو حانث ہو جائے گا۔	۸۳۸
سود		گوشت کھانے کی قسم کھانے والا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا۔	۸۴۱
حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے۔	۵۰۷	مبحث قسم کے مسائل دو قسم پر ہیں: ایک متقید بحیات اور دوسرے شامل موت وحیات۔	۸۸۴
بلاضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کی طرح باعث لعنت ہے۔	۶۶۶	کون سی قسم مخاطب کی حیات پر مقصور اور کون سی مخاطب کی موت وحیات دونوں شامل ہے۔	۸۸۴
قسم			

صدقہ		حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا موئے مبارک اپنی زبان کے نیچے رکھے ہوئے دفن ہوئے۔	۱۱۸
میت کے لیے سات دن تک صدقہ کرنا مستحب ہے۔	۶۴۹	حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مبارک چھڑی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سینے پر رکھ کر انہیں دفن کیا گیا۔	۱۱۸
میت کی طرف سے صدقہ کرنا بلااختلاف علماء میت کے لیے نافع ہے۔	۶۴۹	سورۂ فاتحہ وآیات شفا وغیرہا بغرض شفا لکھ کر دھو کر پینا سلفاً وخلفاً بلانکیر رائج ہے۔	۱۲۰
توسل وتبرک		اسماء محبوبان خدا علیہم التحیۃ والثناء سے تبرک وتوسل بلاشبہ محبوب ومندوب ہے۔	۱۳۲
صحابی نے اپنے کفن کے لیے بطور تبرک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ کا تہبند مانگا۔	۱۱۳	اصحاب کہف کے ناموں کی برکات۔	۱۳۲
حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی کے کفن میں اپنا تہبند مبارک عطا فرمایا۔	۱۱۴	مزارات اولیاء اللہ پر شمعیں روشن کرنا ان کی روح کی تعظیم کے لیے کہ لوگ جان لیں یہ اللہ تعالٰی کے محبوب کا مزار ہے اور وہ اس سے تبرک وتوسل کریں۔	۴۹۲
مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کا ثبوت حدیث سے۔	۱۱۴	صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان سے تبرک حاصل کرنا مستحسن ہے۔	۵۸۸
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی والدہ کو اپنی قمیصِ اطہر میں کفن دیا۔	۱۱۴	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: گھر بیٹھے ہی اولیاء کی طرف متوجہ ہو کر فاتحہ پڑھو۔	۶۸۵
سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کے کفن کے لیے اپنی قمیص مبارک کیوں عنایت فرمائی۔	۱۱۵	وہی فرماتے ہیں مزارات اولیاء پر حاضر ہو کر بھیک مانگو، ارواح سے فیض چاہو اور یاروح یاروح پکارو۔	۶۸۵
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وصیت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قمیص مبارک کو میرے کفن میں اور آپ کے مقدس ومبارک بالوں اور ناخنوں کو میرے منہ اور آنکھوں میں رکھنا۔	۱۱۷	شاہ عبدالعزیز کا ارشاد ہے کہ اہل حاجت ارواح اولیاء سے حاجات مانگتے اور پاتے ہیں۔	۶۸۷
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وصیت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچا ہوا مشک میرے حنوط میں استعمال کرنا۔	۱۱۸		

اولیائے مدفونین سے انتفاع واستفادہ جاری ہے۔	۶۸۸	انبیاء، شہداء اور اولیاء کی قبور کو منہدم اور نابود کرنا فرقہ وہابیہ کاشعار ہے۔	۴۲۹
جسے کوئی حاجت منظور ہو اولیاء کے مزارات پر حاضر ہو کر ان سے توسل کرے۔	۷۹۶	وہابیہ کے نزدیک محبوبان خدا مرکر مٹی میں مل جاتے ہیں اور بالکل بے حس وبے شعور ہوجاتے ہیں۔	۴۳۱
انکار استمداد سے صدہا دینیات کا انکار لازم آتا ہے۔	۷۹۶	مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے گنگوہی صاحب کے فتوٰی کا دس وجہوں سے رد۔	۴۶۳
زائر دور دراز مقاموں سے قصد مزارات کرے۔	۷۹۶	گنگوہی صاحب کی سخت نافہمی کہ متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتایا۔	۴۶۸
مزارات پر خشوع وخضوع کرے اور اس یقین کے ساتھ اپنی حاجتیں مانگے کہ ان کی برکت سے اجابت ہوگی۔	۷۹۷	گنگوہی صاحب پر گرفت۔	۴۶۹
سنت الٰہی جاری ہے کہ اولیاء کے ہاتھ پر حاجت روائی ہوتی ہے۔	۷۹۷	اپنے خودساختہ متبوع کی خاطر حق سے صریح اعراض دیوبندیوں کا طریقہ ہے۔	۴۹۹
شیئاللہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی کہنا	۸۲۳	اسمٰعیل دہلوی کی عبارت پر علماء دیوبند کا فتوائے کفر اور عبارت کے مصنف کا نام معلوم ہونے پر خاموشی۔	۴۹۹
حقوق العباد		علماء دیوبند اپنے فتووں میں اسمٰعیل دہلوی کو ملحد وزندیق لکھنے کے باوجود اپنا امام مانتے ہیں۔	۵۰۰
نماز جنازہ ہر مسلمان کا دوسروں پر حق ہے۔	۲۷۱	تحذیر الناس نے نئی نبوت کا سکہ جمایا اور شریعت مصطفویہ کو منسوخ کردیا۔	۵۰۱
مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔	۲۷۱	مزارات پر شمع جلانے کی ممانعت سے متعلق حوالہ جات غلط ہیں۔	۵۰۱
یتیم کا مال کھانے پر سخت وعید۔	۶۶۴	منکرین ایصال ثواب دراصل معتزلہ کی وکالت کرتے ہیں۔	۵۷۰
رَدِّ بدمذہباں		امام منکرین مولوی محمد اسحاق کی تلون مزاجی اور خود منکرین کے خلاف گواہی۔	۵۷۳
فرقہ نجدیہ وہابیہ کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور عامہ مومنین اہلسنت سے قلبی عداوت ہے۔	۴۲۹	اکابر منکرین کی شہادت سے اثبات مطلب اور گیارہ اقوال سے گیارہویں اور فاتحہ کا ثبوت۔	۵۷۳
اکابر وہابیہ کی تصانیف اہانت محبوبان خدا سے بھری پڑی ہیں۔	۴۲۹	صاحب براہین قاطعہ نے وسعت علم رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال صحیح احادیث کو مردود ٹھہرایا اور وہیں اسی منہ تنقیص علم عظیم پر ایک بے اصل اور بے سند حکایت کے سند لایا۔	۶۵۵

نجدی شرک فروشوں نے نہ خدا تعالیٰ کی قدرت دیکھی نہ اس کی عظمت سمجھی۔	۶۸۳	صاحب تفہیم المسائل کا خبط۔	۸۹۱
مائۃ مسائل کے اس خبط کا رد کہ نفع زیارت میں اولیاء وفساق کی قبور یکساں بلکہ قبور اغنیاء زائد۔	۶۹۷	صاحب تفہیم المسائل کی نافہمی وجہل واضح۔	۸۹۷
مائۃ مسائل کی صریح غلطی وتناقض پرستی۔	۷۲۱	صاحب تفہیم المسائل اختراع وافتراء کا ماہر کامل ہے۔	۹۰۲
منکرین کی طرف سے احادیث سماع صوتی کو اول وضع فی القبر کے ساتھ مخصوص قرار دینے پر پانچ وجوہ سے رَد۔	۷۲۵	صاحب تفہیم المسائل کی منہ زوری۔	۹۱۷
نجد کے حنبلی اور ہند کے حنفی ہرگز حنبلی و حنفی نہیں بلکہ حنبلی اور حنفی ہیں۔	۷۷۱	آدمی وہابی ہو کر جماد لایسمع ولایفہم ہوجاتا ہے۔	۹۱۹
تلقین میت مذہب اہلسنت اور اس کا منع مشرب معتزلہ ہے۔	۷۸۸	اس شبہ کا ازالہ کہ بعض اہلسنت بھی تو منع تلقین کی طرف گئے ہیں۔	۹۱۹
منکر استمداد متعصب ہے۔	۷۹۵	صاحب تفہیم المسائل کا فہم سقیم۔	۹۱۹
استمداد کا منکر ذلیل طائفہ نوپیدا ہے۔	۷۹۵	صاحب تفہیم المسائل کی بیہوشی کہ ان کہی بول گئے۔	۹۲۰
جواز استمداد پر دلیل کی حاجت نہیں۔	۷۹۶	صاحب تفہیم المسائل کی بوکھلاہٹ۔	۹۲۳
گم شدہ چیز کا وہابی کش عمل۔	۸۳۲	جلیلہ عظیمہ: صاحب تفہیم المسائل کی پچھلی نزاکت۔	۹۲۵
اگر وہابیت کا مذہب ہے تو قرون ثلٰثہ سے لے کر آج تک کے تمام اولیاء وعلماء مشرک ہیں۔	۸۳۶	عوائد جلیلہ اربعہ برائے ازالہ ہر گونہ اوہام۔	۹۲۶
منکر وہابیوں کے یہاں دین وشریعت اپنی ہوا وہوس کا نام ہے۔	۸۴۲	عائدہ اولیٰ: یہاں مذہب وہابیہ ضرور مذہب معتزلہ ہے۔	۹۲۶
تعصب صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۶	وہابیہ فرضی کتابیں اور خیالی علماء گھڑ لیتے ہیں۔	۹۲۶
مکابرہ قنوجی صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۸	اللہ اللہ صاحب تفہیم المسائل کے حیاء کا پایہ کہاں تک پہنچا۔	۹۲۷
بے شرمی صاحب تفہیم المسائل۔	۸۷۹	متدیّن وہابیوں کو عبارت گھڑنی بھی نہ آئی۔	۹۲۷
صاحب مائۃ مسائل کی نقل میں تقصیر۔	۸۸۲	وہابیہ کی من گھڑت عبارت کا ایک نمونہ۔	۹۲۷
صاحب تفہیم المسائل کی بدقسمتی۔	۸۸۴	رسالہ "نشاط السکین علٰی حلق البقر السمین" ایک لحیم وشحیم وہابی ہیڈ مولوی کے رَد میں لکھا گیا۔	۹۲۸
توہب والحاد کے جگر میں شگاف ڈالنے والا ارشادِ امام ابن الہمام۔	۸۸۴	بطور لطیفہ وہابیہ کی ایک محدثانہ سند موضوع کا ذکر۔	۹۲۸
		وہابیت کا کمال نیچریت ہے۔	۹۲۹

صاحب تفہیم المسائل کی کج فہمی اور جہل افتح۔	۹۳۰	فاتحہ ودعا برائے میت دفن سے پہلے جائز ہے۔	۲۵۵
وہابیہ کا معتزلہ کے فرقہ صالحیہ سے اتحاد۔	۹۳۱	نماز جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک مطلقًا ناجائز ہے۔	۲۷۰
باوصف موت ادراکات امور برزخیہ سمع وبصر وعلم وغیرہ کو باقی ماننا مذہب صالحیہ ہے۔	۹۳۱	نماز جنازہ بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں۔	۲۷۰
صاحب تفہیم المسائل نے اپنے پاؤں پر خود تیشہ زنی کی۔	۹۳۲	نماز جنازہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھ لی تو دوبارہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھنی مکروہ ہے۔	۲۷۸
صاحب تفہیم المسائل کا خذلان وخسران۔	۹۳۴	تین چیزوں میں دیر نہ کرو (۱) نماز جب اس کا وقت آجائے۔ (۲) جنازہ جس وقت حاضر ہو۔ (۳) زن بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔	۳۰۹
حظر واباحت		جلدی کرو کہ مسلمان کے مردے کو روکنا نہ چاہئے۔	۳۰۹
نصرانی کے ملازم اور اس کا جوٹھا کھانے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس کا جوٹھا کھانا شنیع بد ہے۔	۱۶۹	جب تم میں سے کوئی مرے اسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔	۳۱۰
نصارٰی کے ساتھ رہنے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس کے مرنے پر کفن دفن اور نماز جنازہ لازم ہے۔	۱۷۰	علماء فرماتے ہیں اگر روز جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوجائے تو جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔	۳۱۰
ائمہ اہلسنت وجماعت کا اجماع ہے کہ اموات مسلمین کے لیے دعا محبوب اور شرعًا مطلوب ہے۔	۲۴۰	ہمارے نزدیک غائب اور عضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔	۳۴۴
قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت ہے۔	۲۴۵	عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔	۳۶۶
نماز کے علاوہ کسی دعائے طویل کی غرض سے تجہیز جنازہ کو درنگ وتعویق میں ڈالنا شرعًا پسندیدہ نہیں۔	۲۴۷	مزاروں کے قریب زائروں کے لیے عمارتیں بنانا۔	۴۱۳
جنائز پر تکثیر جماعت قطعًا مطلوب ہے مگر اس کے لیے تاخیر محبوب نہیں۔	۲۴۷	پختہ قبریں بنانا۔	۴۲۰
شرع مطہر میں تعجیل تجہیز بتاکید تمام مطلوب ہے۔	۲۴۷	قبر اوپر سے پختہ ہوسکتی ہے اندر سے نہیں۔	۴۲۵
ایک نماز دوسری نماز سے نہ ملاؤ یہاں تک کہ کچھ گفتگو کرلو یا اس جگہ سے ہٹ جاؤ۔	۲۴۹	فرضی قبریں بنانا اور اُن پر عرس کرنا۔	۴۲۵
		قبور مومنین کو توڑ کر اپنی رہائش وآسائش کے لیے مکان بنانا جائز نہیں۔	۴۳۱

مومنوں کی قبروں کو توڑ کر رہائش کے لیے مکان بنانا اہل قبور کے لیے ایذا واہانت ہے۔	۴۳۱	تازہ تعظیمیں جو سلف صالحین کے وقت میں مکروہ تھیں اب حالات زمانہ کے پیش نظر علماء نے ان کی اجازت دی ہے۔	۴۹۵
قبور پر رہائشی مکان بنانا یا قبر پر بیٹھنا یا سونا یا اس کے قریب بول وبراز کرنا اشد مکروہ قریب بہ حرام ہیں۔	۴۳۶	نماز میں حجرۂ مطہرۂ مزار اطہر کو پیٹھ نہ کی جائے۔	۵۱۷
قبر میں میت گل کر مٹی بھی ہوجائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے۔	۴۳۷	خاص لحد میں پکی اینٹیں لگانا ممنوع ہے ورنہ بالائے قبر اس میں حرج نہیں۔	۵۱۸
پرانی قبروں کو کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کرنا ضرورت شدیدہ کے باعث جائز ہے۔	۴۳۸	تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کریم کی برکت لینا سنت صحابہ ہے۔	۵۲۱
قبرستان سے سبز گھاس کاٹنا ناجائز اور خشک گھاس کاٹنا جائز ہے۔	۴۴۳	اللہ تعالیٰ کی نذر سے اغنیاء کے لیے کھانا جائز نہیں۔	۵۷۵
قبرستان میں جانوروں کو چرنے کے لیے چھوڑنا ممنوع ہے۔	۴۴۳	اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی گئی ہو تو اغنیاء بھی کھاسکتے ہیں۔	۵۷۵
زیارت قبور مستحب ہے۔	۴۵۰	عوام جہلاء نے ایصال ثواب کے بارے میں جو ناپسندیدہ امور پیدا کر رکھے ہیں مثلاً دکھاوا، چرچا، تفاخر، مالداروں کو جمع کرنا اور فقراء کو منع کرنا وغیرہ سب ممنوع ومکروہ ہیں۔	۵۹۲
مزارات پر لوبان وغیرہ سلگانا۔	۴۸۲	کسی مستحسن عمل میں اگر کوئی خرابی پیدا کرے تو علماء کو وہ خرابی ختم کرانی چاہئے نہ کہ چرب زبانی سے کام لے کر اصل عمل بند کرادیں۔	۵۹۲
مصحف شریف کو مطلّا ومذہّب کرنا جائز ودلیل تعظیم ہے۔	۴۹۲	اگر کوئی نماز بلا تعدیل ارکان ادا کرے تو اس کو اس کوتاہی سے روکا جائے نہ کہ نماز ہی سے منع کردیا جائے گا۔	۵۹۲
اولیاء وعلماء کے مزارات پر عمارتیں بنانا مباح ہے۔	۴۹۴	مزارات پر شامیانے لگانا، چراغ جلانا، شیرینی وغیرہ پر فاتحہ دینا اور عشرۂ محرم میں شربت پلانا۔	۵۹۸
ائمہ دین نے عورتوں کو مساجد میں جانے سے منع فرمادیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی۔	۴۹۵	امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کا شربت کرنا اور پینا۔	۶۰۱
ائمہ دین نے نظر بہ حال زمانہ جو حکم فرمایا اسے مخالف حدیث کہنے والا احمق وکج فہم ہے۔	۴۹۵	چٹکی کے طور پر نکالے ہوئے آٹے سے گیارہویں شریف کرنا۔	۶۰۶

حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا جہالت ہے۔	۶۱۱	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ متعدد بار ہونے کی توجیہ۔	۳۴۰
آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایصال ثواب کرنا۔	۶۱۱	"موسٰی بدین خود و عیسٰی بدین خود" کی تمثیل پر زجر و توبیخ اور توبہ کی تلقین۔	۵۲۲
میت کے ساتھ کھانا لے جانا، قبر پر گلاب چھڑکنا اور قبر سے چالیس قدم ہٹ کر دعا کرنا۔	۶۱۳	ہر بعد والا سال پہلے سے بدتر ہے۔	۵۴۹
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایصال ثواب کرنے میں دوسروں کو شامل کرنا۔	۶۲۱	وقت مقرر کرنا دو قسم پر ہے: (۱) شرعی (۲) عادی	۵۸۰
مصیبت کے لیے تین دن بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے۔	۶۶۳	المعروف کالمشروط کا مطلب۔	۶۴۶
ناموری اور دکھاوے کے کاموں سے احتراز کیا جائے۔	۶۶۳	معصیت میں قطعی اور غیر قطعی کا فرق نہیں ہوتا۔	۶۴۶
عورتیں اہل میت کے ہاں جمع ہو کر افعال منکرہ کرتی ہیں جو نیاحت میں داخل ہیں اور نیاحت حرام ہے۔	۶۶۵	دنیا کافر کی بہشت اور مومن کا قید خانہ ہے۔	۶۵۱
قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول ڈالنا خوب ہے۔	۶۷۰	دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحم مادر کو دنیا سے، پھر برزخ کو آخرت سے وہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے ہے۔	۷۰۷
شاگرد استاد سے سبق پڑھتے وقت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم نہ پڑھے۔	۶۸۷	جبریل علیہ السلام کے چھ سو پَر ہیں۔	۸۲۹
مقبروں سے درخت اور گیاہ سبز کاٹنا مکروہ ہے۔	۸۹۱	نیند موت کی چھوٹی بہن ہے۔	۸۴۵
مقابر پر پیشاب کرنے سے مردوں کو ایذا ہوتی ہے۔	۸۹۲	سمع و بصر کے تین معنی ہیں۔	۸۵۴
متفرقات		اکثر ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کرلیتے ہیں۔	۹۲۳
امام ابن حامد سے منقول حکایت پر بحث کہ انہوں نے فرمایا: دعا بعد نماز جنازہ مکروہ ہے۔	۲۵۱	موت کا ادنٰی جھٹکا سو ضرب شمشیر کے برابر ہے۔	۹۳۴
صلوٰۃ علی فلاں بمعنی دعا نصوص شرعیہ میں شائع و ذائع ہے۔	۲۸۱	ملک الموت کو دیکھنا ہزار تلوار کے صدمہ سے بڑھ کر ہے۔	۹۳۵
ایک قیراط کوہ اُحد سے بڑا ہے۔	۳۱۲		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب الجنائز

مسئلہ نمبرا: از جس پور، محلّہ پہاڑ گنج چوکڑی توپ خانہ، متصل سورج پول، مرسلہ حکیم اللہ بخش، غنیہ ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) جس وقت آدمی علیل ناقابلِ صحت مثلاً مدقوق ہوجائے، اُمید زیست نہ رہے تو اس کو شرعاً کیا کرنا چاہئے؟ اور عزیز واقارب کو کیا کرنا چاہئے؟

(۲) جنازے اٹھانے میں کس طرف سے سبقت کی جائے؟

الجواب:

(۱) آدمی ہر وقت موت کے قبضہ میں ہے، مدقوق اچھا ہوجاتا ہے اور وہ جو اس کے تیمار میں دوڑتا تھا اُس سے پہلے چل دیتا ہے، ہر قت وصیّت تیار رہنی چاہئے جس میں اپنے پسماندوں کو توحیدِ الٰہی عزوجل رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واستقامت عقائد اہلسنّت واتباعِ شریعت واصلاح ذات بین، وحدت وقربِ اولیاء، ودوری وتنفر از کفار وضلال وفسق کی ہدایت ہو اور بعد کو کچھ ترکہ چھوڑے تو اس کا شرعی کافی انتظام جس میں نزاع نہ رہے اور اپنی تجہیز وتکفین میں اتباع سنّت کی ہدایت، اور ان پر لازم ہے کہ اس پر عمل کریں۔ اور سب سے پہلے خود اپنی اصلاح، گناہوں سے توبہ، اللہ اور رسول کی طرف رجوع، موت کا خوشی کے ساتھ انتظار کرنا کہ آتے وقت ناگواری نہ ہو، اس وقت کی ناگواری معاذاللہ بہت سخت ہے، عیاذاً باللہ اس میں سوءِ خاتمہ کا

خوف ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب لقاء اللہ احب اللہ لقاءہ ومن کرہ لقاء اللہ کرہ لقاءہ[1]۔	جو اللہ سے ملنا پسند کرے گا اللہ اس کا ملنا پسند فرمائے گا اور جو اللہ سے ملنے کو مکروہ رکھے گا اللہ اسکا ملنا مکروہ رکھے گا۔

صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کون ایسا ہے کہ موت کو مکروہ نہ رکھے۔ فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ جس وقت دَم سینہ پر آئے اُس وقت کا اعتبار ہے اُس وقت جو اللہ سے ملنے کو پسند رکھے گا اللہ تعالٰی اس سے ملنے کو دوست رکھے گا۔ اور ناپسند تو ناپسند اپنے ذمہ نماز یا روزہ یا زکوۃ جو کچھ باقی ہو فوراً بقدرِ قدرت اس کی ادا میں مشغول ہو حج نہ کیا ہو اور فرض تھا تو دیر نہ لگائے۔ بوجہ مرض طاقت نہ رہی تو حج بدل کرادے اگر اخیر دم تک طاقت نہ پائے گا ادا ہو جائے گا، ورنہ جب قوت پائے خود ادا کرے، حقوق العباد جس قدر ہوں جو ادا کرنے کے ہیں ادا کرے، جو معافی چاہنے کے ہیں معافی چاہے اور اس میں اصلاً تاخیر کو کام میں نہ لائے کہ یہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوتے، معافی چاہنے میں کتنی ہی تواضع کرنی پڑے اُس میں اپنی کسرِ شان نہ سمجھے اس میں ذلت نہیں ذلت اس میں ہے کہ جس روز بارگاہِ عزّت میں حاضر ہو، اس طور پر کہ، اُس کا حق دبایا ہے، اُسے بُرا کہا ہے، اُس کی غیبت کی ہے، اسے مارا ہے، اور غنیہ وہ حقدار اس سے لپٹیں، اُس کی نیکیاں اُن کو دی جائیں، اُن کے گناہ اُس پر رکھے جائیں اور جہنم میں پھینک دیا جائے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، جب تک زیست ہے آیات واحادیثِ خوف کے ترجمے اکثر سُنا اور دیکھا کرے، اور جب وقت برابر آجائے، اُسے آیات واحادیث رحمت مع ترجمہ سُنائیں کہ جانے کہ کس کے پاس جارہا ہوں تاکہ اپنے رب کے ساتھ نیک گمان کرتا اُٹھے **رزقنا اللہ تعالٰی بجاہ حبیبہ الاکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (اللہ تعالٰی اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل اسے نصیب کرے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جنازہ کو یوں لے چلیں کہ سرہانہ آگے کی جانب ہو اور پہلے سرہانے کا داہنا پایہ اپنے داہنے شانے پر لے، پھر پائینتی کا دہنا، پھر سرہانے کا بایاں پھر پائینتی کا بایاں، اور ہر بار کم از کم دس قدم چلے، یہ ایک دَور ہُوا۔ اس پر چالیس گناہ کبیرہ معاف ہونے کی بشارت ہے، حسب طاقت وحالت جتنے دورے ممکن ہو کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر۲: از پٹنہ ڈاکخانہ گلزاری باغ محلّہ ترپولیہ متصل ہسپتال زنانہ، مرسلہ باقر علی حکاک۔ ۹ رجب ۱۳۲۹ھ

مع فتوائے عبدالحکیم پٹنوی کہ وقتِ مرگ صرف لا الٰہ الّا اللہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مرنے والوں کو لا الٰہ الّا اللہ کی تلقین کرو **محمد رسول اللہ** ملانے کو نہیں فرمایا اور فرمایا۔

[1] صحیح بخاری باب من احب لقاء اللہ الخ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳، صحیح مسلم باب من احب لقاء اللہ الخ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۳

جس کا پچھلا کلام لا الٰہ الاّ اللہ ہو تو وہ جنّت میں گیا، یہاں بھی محمد رسول اللہ نہیں فرمایا، تو اگر لا الٰہ الاّ اللہ کے بعد غنیہ محمد رسول اللہ کا لفظ بڑھایا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہونے کے سبب بُرا اور منع ہو۔ المجیب عبدالحکیم صادق پوری۔

اس کے رَد میں مولٰنا عبدالواحد صاحب مجددی رام پوری کا رسالہ "وثیقہ بہشت" اس ساتھ تھا، تحریر فقیر بر "وثیقہ بہشت"۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ اللھم لك الحمد۔ اللہ عزّوجل خیر کے ساتھ شہادتین پر موت نصیب کرے۔ وقتِ مرگ بھی پورا کلمہ طیبہ پڑھنا چاہئے۔ جو اسے منع کرتا ہے مسلمان اس کے اغواواضلال پر کان نہ رکھیں کہ وہ شیطان کی اعانت چاہتا ہے۔ امام ابن الحاج مکی قدس سرہ الملکی مدخل میں فرماتے ہیں کہ دمِ نزع دو۲ شیطان آدمی کے دونوں پہلو پر آکر بیٹھتے ہیں ایک اُس کے باپ کی شکل بن کر دوسرا ماں کی۔ ایک کہتا ہے وہ شخص یہودی ہو کر مرا تو یہودی ہو جا کہ یہود وہاں بڑے چین سے ہیں۔ دوسرا کہتا ہے وہ شخص نصرانی گیا تو نصرانی ہو جا کہ نصارٰی وہاں بڑے آرام سے ہیں[1]۔ علمائے کرام فرماتے ہیں شیطان کے اغوا کے بچانے کے لئے محتضر کو تلقینِ کلمہ کا حکم ہوا۔ ظاہر ہے کہ صرف لا الٰہ الا اللہ اس کے اغوا کا جواب نہیں، لا الٰہ الا اللہ تو یہود و نصارٰی بھی مانتے ہیں، ہاں وہ کہ جس سے اس ملعون کے فتنے مٹتے ہیں محمد رسول اللہ کا ذکر کریم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یہی اس کے ذریات کے بھی دل میں چُبھتا جگر میں زخم ڈالتا ہے، مسلمان ہرگز ہرگز اسے نہ چھوڑیں اور جو منع کرے اُس سے اتنا کہہ دیں کہ "گر بتو حرام است حرامت بادا" (اگر یہ تجھ پر حرام ہے تو حرام رہے۔ت) مجمع بحار الانوار میں ہے:

سبب التلقین انه یحضرالشیطان لیفسد عقده، والمراد بلااله الا الله الشهادتان[2]۔	تلقین کا سبب یہ ہے کہ اُس وقت شیطان آدمی کا ایمان بگاڑنے آتا ہے، اور لا الٰہ الاّ اللہ سے پورا کلمہ طیّبہ مراد ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

المقصودمنه التذکیر فی وقت تعرض الشیطان[3]۔	تلقین سے مقصود تعرض شیطان کے وقت ایمان یاد دلانا ہے۔

---

[1] المدخل لابن الحاج فتنۃ المختضر مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت ۲۴۱/۳

[2] مجمع بحار الانوار تحت لفظ "لقن" مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۲۶۲/۳

[3] فتح القدیر باب الجنائز مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶۸/۲

اسی طرح تبیین الحقائق اور فتح اللہ مبین وغیرہ میں ہے۔ مرقاۃ شرح، شکوۃ میں علامہ میرک سے ہے:

من کان اٰخر کلامہ لا الٰہ الّاالله المراد مع قرینتہ فانہ بمنزلۃ علم لکلمۃ الایمان[1]۔	حدیث میں جو فرمایا کہ جس کا پچھلا کلام لا الٰہ الّاالله ہو اُس سے مراد پورا کلمہ طیبہ ہے کہ لا الٰہ الّاالله گویا اس کلمہ ایمان کا نام ہے۔

دُرر غرر میں ہے:

یلقن بذکر شہادتین عندہ لان الاولی لا تقبل بدون الثانیۃ[2]۔	کلمہ طیّبہ کے دونوں جُزمیّت کو تلقین کئے جائیں اس لئے کہ لا الٰہ الّا اللہ بے محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں۔

غنیہ ذوی الاحکام میں اس پر تقریر فرمائی، تنویر الابصار میں ہے: یلقن بذکر الشہادتین[3] دونوں شہادتیں تلقین کی جائیں۔ دُرمختار میں ہے: لان الاولی لاتقبل بدون الثانیۃ[4] کہ پہلی بے دوسری کے مقبول نہیں۔ المختصر القدوری میں ہے: لقن الشہادتین[5] پورا کلمہ سکھایا جائے۔ جوہرہ نیرہ میں ہے:

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقنوا موتاکم شہادۃ ان لا الٰہ الااللہ وھوصورۃ التلقین ان یقال عندہ فی حالۃ النزع جھراً وھو یسمع اشھدان لاالٰہ الااللہ واشھدان محمدا رسول اللہ[6]۔	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اپنے اموات کو لا الٰہ الا اللہ کی شہادت یاددلاؤ اور اس یاد دلانے کی صورت یہ ہے کہ اس نزع میں اس کے پاس ایسی آواز سے کہ وہ سنے اشھدان لاالٰہ الااللہ واشھدان محمدا رسول اللہ پڑھیں۔

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضرۃ الموت فصل ثانی مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۵/۴

[2] درر شرح غرر ملّا خسرو باب الجنائز غنیہ مطبوعہ مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ فی دار السعادت بیروت ۱/۱۶۰

[3] تنویر الابصار متن الدر المختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار غنیہ باب صلوٰۃ الجنائز غنیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی غنیہ ۱/۱۱۹

[5] المختصر للقدوری غنیہ باب الجنائز غنیہ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور بھارت ص ۴۴

[6] جوہرہ نیرہ باب الجنائز مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۲۳

مجمع الانہر میں ہے:

(ویلقن الشھادۃ) فیجب علی اخوانہ واصدقائہ ان یقولوا عندہ کلمتی الشھادۃ قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان اٰخر کلامہ لاالٰہ الا اللہ دخل الجنۃ[1]۔	میّت کو شہادت سکھائیں اس حکم سے اُس کے عزیزوں دوستوں پر واجب (نہایت مؤکد) ہے کہ دونوں شہادتیں اس کے پاس پڑھیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کا اخیر کلام لا الٰہ الا اللہ ہو وہ جنّت میں جائے۔

بحرالرائق میں ہے:

(لقن شھادۃ) بان یقال عندہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ[2]۔	میّت کو شہادت کی تلقین یُوں کہ اُس کے پاس لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں۔

شرح الکنز للملّا مسکین میں ہے:

(لقن) المحتضر (الشھادۃ) وھی ان یقول اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ، ورسولہ[3]۔	دمِ نزع شہادت کی تلقین کریں اور شہادت یہ ہے کہ اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ، ورسولہ کہیں۔

کافی شرح وافی میں ہے:

لقن الشھادۃ ای قول اشھد ان لاالٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ، ورسولہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقنوا موتاکم شھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ[4]۔	شہادت کی تلقین کریں اور شہادت یہ کہ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ، ورسولہ،اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میت کو تلقینِ شہادت کاحکم فرمایا ہے۔

جامع الرموز میں ہے:

اشار فی الکافی والمضمرات الی ان المراد	غنیہ کافی و مضمرات میں اشارہ فرمایا کہ شہادت سے مراد

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۷۹

[2] بحرالرائق کتاب الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۷۰

[3] شرح الکنز لملّا مسکین علی حاشیۃ فتح المعین باب الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۴۲

[4] کافی شرح وافی

من الشھادۃ "اشھدان لاالٰہ الااللہ واشھدان محمد عبدہ، ورسولہ"[1]۔	پوراکلمہ شہادت ہے۔

حلیہ امام ابن امیر الحاج میں ہے:

ولقن شھادۃ ان لاالٰہ الااللہ وان محمدارسول اللہ بان یقال عندہ وھو یسمع ولایقال لہ قل واذاقالھما لایلح علیہ بتکریرھما اذالم یخض فی کلام اٰخر لمخافۃ تبرمہ[2]۔	میّت کو لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کی تلقین کریں یوں کہ خود اس کے پاس پڑھیں کہ وُہ سُن کر پڑھے، اور یوں نہ کہیں کہ کہہ، اور جب دونوں جُز کلمہ کے کہہ لے تو اُس سے دوبارہ کہنے کا اصرار نہ کریں کہ کہیں اکتانہ جائے، ہاں کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی اور بات اس نے کی تو پھر تلقین کریں کہ آخر کلام لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ ہو۔

مستصفی میں ہے:

لقن الشھادتین لا الٰہ الااللہ محمد رسول اللہ[3]۔	دونوں شہادتیں تلقین کی جائیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

لقنواموتاکم لا الٰہ الااللہ تلقین کنید مردہائے خودرا یعنی آنہا کہ نزدیک بمردن رسیدہ اند کلمہ طیبہ را[4]۔	اپنے مُردوں کو جو مرنے کے قریب پہنچ گئے انہیں کلمہ طیبہ یاد دلاؤ۔(ت)

غرض نقل مستفیض سے ہے، اور مسئلہ واضح اور اسلامی نگاہ میں شیطانی قول اپنے قائل کا فاضح، ہاں بعض متاخرین شافعیہ نے یہ کہا کہ صرف لاالٰہ الااللہ کہنے پر ثواب موعود مل جائے گا، معاذاللہ وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ مرتے وقت محمد رسول کہنا منع ہے یہ ممانعت محض مردود ومطرود وخلافِ اجماع ہے۔

فالعلامۃ الشرنبلالی من متاخری علمائنا مع تقریرہ الدرر علی ماقدمناہ اجاب عن تعلیلھا ان الاولی لاتقبل	ہمارے علمائے متاخرین میں سے علامہ شرنبلالی نے دُرر میں مذکورہ حکم -دونوں شہادتوں کی تلقین- کو تو برقرار رکھا مگر اس میں حکم کی جو علّت ذکر

---

1 جامع الرموز غنیہ فصل الجنائز مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۸

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

3 ردالمحتار بحوالہ المستصفی باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۲۷

4 اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۶۰)

بدون الثانیة تبعالابن الحجر المکی من متاخری الشافعیة ان الکلام فی المسلم **اقول:** انه مسلم ولاتطلب منه انشاء ایمان لم یکن، بل تکذکیر ماکان وحفظه عن افساد الشیطان وتلك الشهادتان یجب ان تصان لان الاولٰی لاتقبل بدون الثانیة قال الشافعی قلت وقد یشیر الیه ای الی الافراد تعبیر الهدایة والوقایة والنقایة الکنز بتلقین الشهادة[1] اھ

اقول: الشهادة اسم جنس فیشمل الشهادتین الاتری الی الامام النسفی صاحب الکنز عبرفی اصله الوافی بماعبرفیه ثم فسره فی شرحه الکافی بالشهادتین وکذلك فی البحرالرائق و المضمرات وجامع الرموز ومجمع الانهر ولملا مسکین کماسمعت ومن الدلیل علیه ان نقل فی البدایة نظم القدوری وقد ثنی فعلم ان المفرد فیه کالمثنی۔

کی گئی ہے کہ "لا الٰہ الااللہ بے محمد رسول اللہ کے مقبول نہیں" اس کا شافعی متاخر عالم ابن حجر مکی کی تبعیت میں جواب دیا کہ "کلام مسلمانوں کے بارے میں ہے۔ **اقول:** ہمیں تسلیم ہے کہ وہ مسلمان ہے اور اس سے مطالبہ نہیں کہ تیرے پاس ایمان نہ تھا، تو ایمان لا، بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ اس کے پاس جو ہے اسی کی یاددہانی کی جائے اور شیطان کے فساد کاری سے بچایا جائے اور دونوں شہادتوں کا تحفظ ضروری ہے اس لئے کہ پہلی، دوسری کے بغیر مقبول نہیں۔ ابن حجر شافعی کہتے ہیں: میں کہتا ہوں بدایہ، وقایہ، نقایہ اور کنزالدقائق میں "تلقینِ" شہادت" کے الفاظ ہیں" شہادتین" نہیں۔ اس سے اشارہ ملتا ہے کہ ایک ہی شہادت سے کام ہوجائے گا۔ غنیہ

اقول: لفظِ شہادۃ اسمِ جنس ہے اس لئے یہ شہادتین کو بھی شامل ہے۔ دیکھئے کنزالدقائق کے مصنف امام نسفی نے جس طرح کنز میں شہادۃ بلفظ مفرد لکھا اسی طرح اس کی اصل "وافی" میں بھی لکھا مگر اس کی شرح "کافی" میں اس کی تفسیر "شہادتین" سے فرمائی۔ اسی طرح البحرالرائق، مضمرات، جامع الرموز، مجمع الانہر اور شرح ملّا مسکین میں بھی شہادت کی تفسیر میں پورا کلمہ ذکر ہوا جیسا کے ان سب کی عبارتیں گزریں۔ اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ھدایہ میں قدوری ہی کی عبارت نقل ہوئی ہے، قدوری میں "شہادتین" تھا۔ ہدایہ میں "شہادۃ" رکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں مفرد بھی ثنیہ (دو۲) ہی کا معنی رکھتا ہے۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ ابن حجر الشافعی باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۰

یہاں علامہ محقق محمد سنوسی پھر علامہ ابراہیم بجوریری رحمہما اللہ تعالٰی کا ایک نفیس وجلیل کلام قابلِ حفظ ہے۔علامہ باجوری شرح رسالہ فضالیہ میں فرماتے ہیں:

اعلم انه لابد بعد قول الذاکر لا اله الا الله ان یقول محمد رسول الله لاجل ان یحفظ بذلك مایحصل له من نور التوحید [1] وعبارة السنوسی من شرح الصغری مصرحة بذلك حیث قال، ولما ابتهج قلبه بنور الحقیقة وکان الانتفاع بها موقوفا علی القیام برسوم الشریعة ،وذلك لایکون الا بالادمان علی ذکر صاحبها المبلغ لها عن الله تعالٰی سیدنا محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم احتاج الذاکر بعد کلمة التوحید الدالة علی الحقیقة باثبات رسالة سیدنا محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیحفظ نور توحیده بادخاله فی منیع حرز الشریعة فلهذا یقول الذاکر لااله الا الله محمد رسول الله وهکذا ینبغی فی کل ذکر من اذکار الله تعالٰی ان لا یغفل المؤمن فیه عن ذکر سیدنا محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاما ان یصلی علیه اثره اویقر برسالة مع الصلٰوة علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتعظیمه و	یہ ذہن نشین رہے کہ ذاکر جب لا اله الا الله کہے تو اسے محمد رسول الله کہنا بھی ضروری ہے تاکہ اسے جو نورِ توحید حاصل ہوا وہ محفوظ ہوجائے۔ شرح صغری میں علامہ سنوسی کی عبارت اس سلسلے میں صاف اور صریح ہے،ان کے الفاظ یہ ہیں: لاالٰہ الا اللہ کہنے سے ذاکر کے دل میں نورِ حقیقت کی بہجت توآ گئی مگر اس سے نفع یابی آدابِ شریعت کی بجاآوری پر موقوف ہے۔اور اس ادب کی بجاآوری کی صورت یہی ہے کہ اس کلمہ والے آقا جو اسے خدائے برتر کے پاس لے کر تبلیغ فرمانے والے ہیں،سیّدنا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ،ان کا ذکر پاک جاری رکھے۔اس لئے حقیقت پر دلالت کرنے والے کلمہ توحید کو کہہ لینے کے بعد ضرورت ہے کہ ذاکر ہمارے آقا محمد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اثبات کرے تاکہ شریعت کی مضبوط پناہ میں لاکر اپنے نورِ توحید کو محفوظ رکھ سکے۔اسی لئے ذاکر کہتا ہے لا اله الا الله محمد رسول الله۔ اسی طرح اللہ تعالٰی کے اذکار میں سے کسی بھی ذکر میں مومن کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔خدا کے ذکر کے بعد سرکار پر درود بھیجے، یا ان کی رسالت کا اقرار کرے،ساتھ ہی آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی ادائیگی، تعظیم کی بجاآوری،اور سرکار

[1] شرح رسالہ فضالیہ

التمسك باذیالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب اللہ الاعظم الذی لا ینال کل خیر دینا واخری الابالتعلق بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن غفل ذکرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والتمسك بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم ینل مقصودہ وکان مرمیا بہ فی سجن القطعیة محرومابہ من خیرالدنیا والاٰخرة وسیدنا محمد لھودلیل الخلق الی اللہ تعالٰی فکیف یصل الی اللہ تعالٰی من غفل عن دلیلہ ۔وقد قال بعض من طبع اللہ علٰی قلبہ ممن یعاطی التصوف ولیس ھومن اھلہ مقالة قریبة من الکفراوھی الکفر بعینہ ان الاکثار من ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حجاب عن اللہ تعالٰی وسبك بعض الضالین مثل ھذہ العبارة فقال اذا افرد التھایل عن اثبات الرسالة کان ابلغ واسرع فی تاثیر معنی التوحید واحتج لضلالہ وتسویل شیطانہ بان قال للتھلیل معنی والاثبات الرسالة معنی واذااختلف المعانی علی الباطن ضعف التاثیر وبعدت الثمرة	اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دامنِ پاک سے وابستگی بھی رکھے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خدائے برتر عظیم ترین باب اور ذریعہ ہیں کہ دنیا وآخرت کی کوئی بھلائی ان سے وابستگی کے بغیر دستیاب نہ ہوگی۔ اس لئے جو سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر پاک اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن تھامنے سے غافل ہوا وہ نامراد رہا اور اُسے دنیا وآخرت کی بھلائی سے محروم کرکے بے تعلّقی کے قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ ہمارے آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی تو خدائے برتر کی جانب مخلوق کے رہبر ہیں، جو اپنے رہبر ہی سے غافل ہوا اسے خدا تعالٰی تک رسائی کیسے حاصل ہوگی! ایک ایسے شخص نے۔ جس کے دل پر خدا نے مُہر کردی ہے، جو تصوف کا شغل رکھتا ہے حالانکہ وہ اہلِ تصوف سے نہیں۔ کفر سے قریب یا بعینہٖ کفر کی بات کہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زیادہ ذکر کرنا خدائے تعالٰی سے حجاب بن جاتا ہے۔۔ اور ایک گمراہ نے اسی طرح کی بات تراشتے ہوئے کہا کہ صرف لا الٰہ الا اللہ کہا جائے **محمد رسول اللہ** نہ کہا جائے تو یہ معنی توحید کی تاثیر میں زیادہ بلیغ اور زیادہ تیز ہوتا ہے۔۔ وہ اپنی اسی گمراہی اور شیطان کی ملمع کاری پر یوں استدلال کرتا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کا معنی اور ہے اور **محمد رسول اللہ** کا معنی اور۔ جب باطن پر مختلف معانی کا ورود ہوتا ہے تو تاثیر کمزور ہوجاتی ہے اور ثمرہ

قال وانما یحتاج الی وصل الذکرین عندالدخول فی الاسلام۔قال بعض الائمۃ الراسخین فی العلم رضی اللہ تعالٰی عنھم وھذالمقالۃ والعیاذباللہ من الفتن التی لامورد لھا الا النار ولاعقبی لھاسوی دارالبوار وماذلك الامکر واستدراج الی رفض الشریعۃ و الانحلال من رقبتھا وتعطیل رسومھا ولوعلم ھذا الضال ماتحت قول محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الاسرارالتوحیدیۃ والحکم الالوھیۃ لانفشح عن ذلك العمی فاصاب المرمی[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دور جانا پڑتا ہے--توحید واثباتِ رسالت دونوں کوملانے کی ضرورت صرف اس وقت ہے جب اسلام میں داخل ہورہا ہو۔علم میں راسخ بعض ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کافرمان ہے کہ خدا کی پناہ! یہ کلام ان فتنوں سے ہے جن کا ٹھکانہ صرف دوزخ ہے اور ان کا انجام صرف تباہی وبربادی ہے۔یہ شریعت کو چھوڑنے،اس کا قلادہ گردن سے باہر پھینکنے، اور آدابِ شرع سے بے قیدی کی جانب شیطان کی مکّاری اوراستدراج کے سوا کچھ بھی نہیں--اگراس گمراہ کو خبر ہوتی کہ کلمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تحت توحید کے اسرار اورالوہیت کے رموزِ حکمت کیا کیا ہیں تو وُہ اس اندھے پن سے نکلتا اور گوہرِ مراد کا ہاتھ میں لیتا اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر۳: (۱) میّت کے پاس زمین پر بیٹھنا افضل ہے، چارپائی پر کیا منع ہے؟

(۲) میّت والے کے یہاں کیا روٹی پکانا منع ہے؟

الجواب:

(۱) کوئی ممانعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

(۲) موت کی پریشانی کے سبب وُہ لوگ پکاتے نہیں ہیں، پکانا کوئی شرعاً منع نہیں، یہ سنت ہے کہ پہلے دن صرف گھروالوں کے لئے کھانا بھیجا جائے اور انہیں بااصرار کھلایا جائے، نہ دوسرے دن بھیجیں، نہ گھرسے زیادہ آدمیوں کے لئے بھیجیں، واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] شرح الصغری للسنوسی

مسئلہ نمبر۴: ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کو نہلانے کے لئے جو تختے پر لٹائیں تو شرقاً غرباً لٹائیں کہ پاؤں قبلے کو ہوں، یا جنوباً شمالاً کہ دہنی کروٹ قبلہ کو ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سب طرح درست ہے، مذہبِ اصح میں اس باب میں کوئی تعیین وقید نہیں، جو صورت میسر ہواُس پر عمل کریں۔

فی الھندیہ عن الظھیریۃ کیفیۃ الوضع عند بعض اصحابنا الوضع طولا کما فی حالۃ المرض اذا ارادالصلٰوۃ بایماء، ومنھم من اختار الوضع کما یوضع فی القبر والاصح انما یوضع کماتیسر اھ[1]	ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے: ہمارے بعض علماء کے نزدیک لِٹانے کی صورت یہ ہے کہ طول میں لِٹایا جائے جیسے بیماری کی حالت میں جب اشارے سے نماز پڑھنا چاہے تو یہی صورت ہے، اور بعض حضرات نے عرض میں لٹانا پسند کیا ہے جیسے قبر میں لٹایا جاتا ہے، اور اصح یہ ہے کہ جیسے میسر ہو لٹایا جائے اھ (ت)

اس طرح بحر الرائق ودر مختار وغیرہما میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۵: ۴ صفر ۱۳۲۰ھ

کاٹنا مرد کے بال مرنے کے بعد جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے،

فی الدرلایسرح شعرہ ای یکرہ تحریما ولایقص ظفرہ الاالمکسور ولاشعرہ ولایختن[2]، وفی رد المحتار عن النھر	در مختار میں ہے: میّت کے بالوں میں کنگھانہ کیا جائے یعنی یہ مکروہِ تحریمی ہے، اور اس کے ناخن نہ تراشے جائیں مگر جو ٹوٹا ہُوا ہے، نہ ہی بال تراشے جائیں

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الغسل من الجنائز مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۸

[2] در مختار باب صلٰوۃ الجنائز غنیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

عن القنیة، التزیین بعد موتھا والامتشاط وقطع الشعر لایجوز[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	نہ ختنہ کیا جائے۔ ردالمحتار میں نہر سے، اس میں قنیہ سے منقول ہے: اس کے مرنے کے بعد زینت کرنا، کنگھا کرنا بال کاٹنا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مر جائے تو شوہر کو اسے غسل دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ناجائز ہے،

فی تنویر الابصار، یمنع زوجھا من غسلھا[2] اھ	تنویرالابصار میں ہے: خاوند کو بیوی کے غسل سے منع کیا جائے گا اھ (ت)

اور وہ جو منقول ہُوا کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ، نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کو غسل دیا،

اوّلاً اسکی ایسی صحت ولیاقت حجّیت محلِ نظر ہے۔

ثانیاً دوسری روایت یوں ہے کہ اُس جناب کو حضرت اُمّ ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دائی نے غسل دیا۔

ثالثاً بمعنی امر، شائع،

یقال قتل الامیر فلانا" وقاتل الملك القوم الفلانی "اذن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "ای امر بالتاذین۔	کہا جاتا ہے "امیر نے فلاں کو قتل کیا--" بادشاہ نے فلاں قوم سے جنگ کی"--حدیث میں آیا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اذان دی" یعنی اذان کا حکم دیا۔ (ت)

رابعاً اضافت فعل بسوئے مسبّب غیر مستنکر اور حدیثِ علی ان وجوہ پر محمول کرنے سے تعارض مرتفع یعنی ام ایمن نے اپنے ہاتھوں سے نہلایا اور سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ، نے حکم دیا یا اسبابِ غسل کو مہیّا فرمایا۔

[1] ردالمحتار غنیہ باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الاطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۵

[2] تنویرالابصار متن الدرالمختار غنیہ باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

خامساً مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کے لئے خصوصیت تھی اوروں کا قیاس اُن پر روا نہیں۔ ہمارے علماء جو غسلِ زوجہ سے منع فرماتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ موت بسبب انعدام محل، ملک نکاح ختم ہو جاتی ہے، تو شوہر اجنبی ہوگیا،

كما افاده ملك العلماء في البدائع والمحقق حيث الطلق في الفتح وغيرهما في غيرهما۔	جیسا کہ ملک العلماء نے بدائع میں، محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دوسرے حضرات نے دوسری کتابوں میں افادہ فرمایا۔ (ت)

مگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رشتہ ابدالآباد تک باقی ہے کبھی منقطع نہ ہوگا۔

فقد خرج الحاكم وصححه والبيهقي عن امن عمر والطبراني في الكبير عنه وعن ابن عباس وعن المسود رضي الله تعالٰى عنهم عن النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه قال كل سبب ونسب ومنقطع يوم القيمة الاسببي ونسبي[1] واخرج البيهقي والدار قطني بسند، قال ابن حجر المكي رجاله من اكابر اهل البيت في حديث طويل فيه عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالٰى عنه انه سمع النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول كل صهرا وسبب اونسب ينقطع يوم القيمة الاصهري وسببي ونسبي[2] وقد روى نحوه من حديث عبدالله بن زبير رضي الله تعالٰى عنهما قال ابن حجر قال الذهبي واسناده صالح[3] اھ ونقل	حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی حضرت ابن عمر سے راوی ہیں -- اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس اور حضرت مِسوَر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ سرکار نے فرمایا: ہر رشتہ اور ہر نسب قیامت کے دن ٹوٹ جائے گا مگر میرا رشتہ اور نسب باقی رہے گا۔ بیہقی اور دارقطنی ایک طویل حدیث -- جس کی سند سے متعلق امام ابن حجر مکی نے فرمایا کہ اس کے رجال، اکابرِ اہل بیت سے ہیں -- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہر رشتہ نکاح یا قرابت یا نسب قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا رشتۂ نکاح وقرابت ونسب باقی رہے گا اسی کے ہم معنی حضرت عبداللہ بن زبیر

[1] المستدرک علی الصحیحین کل نسب وسبب ینقطع الخ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۴۲

[2] در منثور تحت فلا انساب بینھم مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۱۵

[3] در منثور تحت فلا انساب بینھم مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۱۵

المناوی من الذہبی انہ قال غیر منقطع قلت ان ثبت عندنا الصحۃ وقد قال ابن حجر انہ صح عن عمر کیف وقد تعدد طرقہ وجاء عن جماعۃ من الاصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے--ابن حجر لکھتے ہیں کہ ذہبی نے کہا: اس کی سند صالح ہے اھ اور مناوی ناقل ہے کہ ذہبی نے کہا: اس کی سند غیر منقطع ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ہمارے نزدیک صحت ثابت ہو۔ ابن حجر نے حضرت عمر سے مروی حدیث کو صحیح بتایا ہے۔ اقل صحت کیوں نہیں جبکہ اس کے طریق متعدد ہیں اور ایک جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے(ت)

اسی لئے منقول ہوا کہ سیّدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس امر پر اعتراض کیا، حضرت مرتضٰی نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اما علمت ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان فاطمۃ زوجتك فی الدنیا والاٰخرۃ[1]۔	کیا تمہیں خبر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ تیری بی بی ہے دنیا وآخرت میں۔

تو دیکھو اس خصوصیت کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ رشتہ منقطع نہیں۔ یہ جواب نہ فرمایا کہ شوہر کو اپنی عورت کو نہلانا روا ہے۔ اس سے اور بھی ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے نزدیک صورتِ مذکورہ میں مذہب عدم جواز تھا۔ جب تو حضرت ابنِ مسعود نے انکار فرمایا اور حضرت مرتضٰی نے اسے تسلیم فرما کر اپنی خصوصیات سے جواب دیا۔

وھذا خلاصۃ مافی الدر المختار وردالمحتار عن شرح المجمع مع زیادات النفائس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس کا خلاصہ ہے جو دُر مختار اور ردالمحتار میں شرح مجمع الانہر سے منقول ہے مزید برآں کچھ نفیس افادات بھی ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر۷: از شہر کہنہ بریلی ۲۲ صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حالتِ زندگی میں خاوند اپنی بی بی کا ولی ہوتا ہے مانند ماں باپ کے یا نہیں؟ جو ہوتا ہے تو بعد موت کے ولایت قائم رہتی ہے یا نہیں؟ اگر رہتی ہے تو ہاتھ لگانا، منہ دیکھنا، اجازت نماز کی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور نکاح رہتا ہے یا نہیں؟ اور ایک صاحب فرماتے ہیں کہ بعد وفاتِ فاطمہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا، اگر یہ بات حق

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۶

ہے تو ہم لوگ بھی اپنی عورتوں کو غسل دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شوہر ولی نہیں، نہ حیات میں نہ بعد موت۔ نہ موتِ زوجہ سے نکاح قائم رہے۔ اور یہ کسی حدیث صحیح سے ثابت نہیں کہ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خود اپنے ہاتھ سے غسل دیا، اور بالفرض ہو بھی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاقے موت سے قطع نہیں ہوتے اور سب کے علاقے قطع ہو جاتے ہیں، یہ مضمون خود حدیث میں وارد ہے تو اوروں کو اُن پر قیاس جائز نہیں، مرد اپنی عورت کو غسل نہیں دے سکتا۔ کما فی الدر وعامۃ الاسفار (جیسا کہ دُرمختار اور عامۂ کتب میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۸: مرسلہ محمد اکرم حسین از ہردوئی بوساطت مولٰنا حامد حسین صاحب مدرس اوّل مدرسہ اہلسنت ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے روبرو یہ مسئلہ بیان کیا کہ اگر کسی شخص کی عورت یا عورت کے شوہر کا انتقال ہو جائے تو شوہر عورت کو اور عورت شوہر کو غسل نہیں دے سکتی ہیں، غسل کیا معنی بلکہ چھو نہیں سکتے ہیں خواہ غسل دینے والے موجود ہوں یا نہ ہوں، کیونکہ نکاح دنیا تک ہے جب دو۲ میں سے کسی کا انتقال ہو گیا نکاح فسخ ہو گیا۔ جب نکاح فسخ ہو گیا تو عورت مرد کو اور مرد عورت کو نہیں چھو سکتا ہے اُس پر چھونا حرام ہو گیا، آیا ایسا ہو سکتا ہے؟ مکلّف ہوں کہ بہت جلد جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مسئلہ مرد کے بارہ میں صحیح ہے کہ وُہ بعد وفاتِ زن اُسے غسل نہیں دے سکتا، نہ اُس کے بدن کو ہاتھ لگا سکتا ہے کہ موت سے عورت اصلاً محلِ نکاح نہ رہی۔ چھُونے کا جواز صرف بربنائے نکاح تھا ورنہ زن و شوہر اصل میں اجنبی محض ہوتے ہیں، اب کہ نکاح زائل ہو گیا، چھونے کا جواز بھی جاتا رہا۔ اور عورت کے بارے میں بھی صحیح ہے اُس حالت میں کہ وقتِ غسل عورت زوجیتِ زوج میں نہ ہو۔ مثلاً مرد نے طلاق بائن دے دی تھی یا بعدِ وفات شوہر عدت گزر گئی، مثلاً عورت حاملہ تھی شوہر کے انتقال ہوتے ہی بچّہ پیدا ہو گیا کہ اب عدّت نہ رہی اور زوجیت سے یکسر نکل گئی، اسی طرح عورت معاذاللہ بعد وفات شوہر مرتدہ ہو گئی، پھر اسلام لے آئی یا پسرِ شوہر کو شہوت کے ساتھ چھولیا کہ ان سب صورتوں میں نکاح زائل ہو گیا، بخلاف اس کے کہ شوہر مر گیا اور عورت عدّتِ وفات میں ہے، یا شوہر نے طلاق رجعی دی تھی اور ہنوز عدت باقی تھی کہ اس کا انتقال ہوا، ان صورتوں میں عورت اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے کہ

ہنوز حکمِ زوجیّت باقی ہے۔

فی الدرالمختار یمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لامن النظر الیھا علی الاصح وھی لاتمنع من ذلك ولو ذمیة بشرط بقاء الزوجیة والمعتبر فی الزوجیة صلاحیتھا لغسلہ حالة الغسل لاحالة الموت فتمنع من غسلہ لوبانت قبل موتہ او ارتدت بعدہ ثم اسلمت اومست ابنہ بشھوت لزوال النکاح وجازلھا غسلہ لو اسلم زوج المجوسیة فمات فاسلمت بعدہ فحل مسھا حینئذٍ اعتبارا بحالت الحیٰوة [1] اھ مختصراً۔	درمختار میں ہے شوہر کے لئے عورت کو غسل دینا اور چھُونا منع ہے، دیکھنا منع نہیں۔ یہی اصح ہے، اور عورت کے لئے یہ سب ممنوع نہیں اگرچہ ذمّیہ ہو بشرطیکہ زوجیت باقی ہو۔ اور اعتبار اس کا ہے غسل دینے کے وقت اس قابل ہو، مرنے کے وقت کا اعتبار نہیں۔ تو اسے شوہر کو غسل دینا منع ہوگا اگر اس کے مرنے سے پہلے بائن ہو گئی یا مرنے کے بعد مرتد ہو گئی پھر اسلام لائی یا اس کے بیٹے کو شہوت سے چُھو دیا کیونکہ ان صورتوں میں نکاح باقی نہ رہا۔ اور اگر مجوسیہ کا شوہر مسلمان ہو کر مر گیا اس کے بعد عورت مسلمان ہوئی تو شوہر کو غسل دینا جائز ہے اس وقت اس کو چھونے کا جواز حالتِ حیات کا اعتبار کرکے ہے اھ مختصراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

طلقھا رجعیا ثم مات فی عدتھا فانھا تغسلہ لانہ لایزل ملك النکاح بدائع [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	عورت کو طلاق رجعی دی پھر عدت میں انتقال کر گیا تو عورت اُسے غسل دے سکتی ہے اس لئے کہ اس سے ملک نکاح ختم نہیں ہوتی، بدائع (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۹: از سرونج مسئولہ عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

مدرسہ دیوبند سے ایک رسالہ مشہور کیا گیا ہے جس میں یہ مسئلہ تحریر ہے مرد حالتِ جنابت میں یا عورت حیض کی حالت میں مر جائے تو اس کے حلق سے کوئی کپڑا اتر کرکے تین مرتبہ حلق صاف کیا جائے اور ناک

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[2] ردالمحتار غنیہ باب الصلوٰۃ الجنازہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۶

میں اُس کی پانی ڈالا جائے۔آیا یہ مسئلہ درست ہے یا نادرست؟

الجواب:

یہ مسئلہ غلط وخلافِ متون وشروح وفتاوٰی وعامہ کتب مذہب ہے۔ ناک میں پانی ڈالنا تواس رسالہ والے کی اپنی گھڑت ہے، اور ترکپڑا اسے بھی صاف کرنا مذہب کے خلاف ہے۔ کنزالدقائق میں ہے: **وضی بلا مضمضة واستنشاق**[1] (میّت کو بے کلی کرائے اور ناک میں پانی ڈالے، وضو کرائے۔ت) تبیین الحائق میں ہے:

لانه لایمکن اخراج الماء منه فیترکان ویخاف الجنب فیهماوفی غسل الید فان الجنب یبداء بغسل یدیه والمیت یبداء بغسل وجهه[2]۔	اس سے پانی باہر نہیں جاسکتااس لئے یہ دونوں ترک کردئے جائیں گے۔ غسلِ میت اور غسل جنب میں ایک فرق مضمضہ واستنشاق کا ہے دوسرے ہاتھ دھونے میں، کیونکہ جنب پہلے اپنے ہاتھ دھوئے گااور میت کا پہلے چہرہ دھویا جائے گا۔(ت)

شرح الکنز للعلامۃ احمد الشلبی پھر فتح اللہ المعین للسیّد ابی السعود الازہری پھر طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

فما ذکرہ الخلخالی ای فی شرح القدوری من ان الجنب یمضمض ویستنشق غریب مخالف لعامة الکتب[3]۔	خلخالی نے شرح قدوری میں جو ذکر کیا ہے کہ جنابت والے مُردے کو کلی کرائی جائے گی اور ناک میں پانی ڈالا جائے گا، یہ غریب اور عامہ کتب کے برخلاف ہے۔(ت)

دیوبند کے رسالہ میں بہت کثرت سے مسائل غلط ہیں، اُس پر عمل جائز نہیں بلکہ اُسے دیکھنا اُسے گھر میں رکھنا مسلمانوں کو نہ چاہئے، بلکہ دیوبندیوں کی نسبت تمام علمائے کرام مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ فتوی تکفیر دے چکے ہیں اور یہ کہ **من شاك فی کفرہ وعذابه فقد کفر**[4] جواُن کے عقائد پر مطلع ہو کر اُن کے عذاب و

---

[1] کنزالدقائق باب الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۵۲

[2] تبیین الحقائق باب الجنائز مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی مصریۃ مصرغنیہ ۱/ ۲۳۶

[3] فتح المعین بحوالہ الشلبی باب الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۴، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۶۶

[4] درمختار باب المرتد غنیہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۵

کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۱۰: موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی قادری ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) کوئی سنّی اگر ناپاکی کی حالت میں فوت ہوجائے اُسے ایک غسل دیا جائے گا یا دو؟ اور ساری ناک میں پانی اور غرارہ کیونکر کیا جائے گا

(۲) بعد نہلانے کے میّت کے پانی یا دوا یا پاخانہ مُنہ یا پاخانہ کی جگہ سے نکلے تو غسل دوبارہ دیا جائے گا یا جگہ پاک کی جائے گی؟

(۳) میّت نہلاتے وقت کس طرح سر پیر ہونا بہتر ہے؟

الجواب:

(۱) غسل ایک دیا جائے گا، اور میّت کے ناک اور منہ میں پانی نہیں ڈالتے۔

(۲) غسل دوبارہ دینے کی مطلقاً کسی حال میں حاجت نہیں۔ اگر نجاست برآمد ہو دھو دی جائے۔

(۳) جدھر ہو اس کے لئے شرع نے کوئی خاص صورت معین نہیں کی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۱۱: از شہر علی گڑھ، محلّہ مدار دروازہ، مسئولہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاوّل ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گھڑے بدھنے میّت کو غسل دینے کے بعد پھوڑ ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

گناہ ہے کہ بلاوجہ تضییع مال ہے کہ اگر وہ ناپاک بھی ہوجائیں تاہم پاک کرلینا ممکن۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان اللہ کرہ لکم ثلثا اللہ تعالٰی تین باتیں تمہارے لئے ناپسند رکھتا ہے قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال فضول بک بک اور سوال کی کثرت اور مال کی اضاعت[1]۔ رواہ الشیخان وغیرہما۔

اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ان سے مُردے کو نہلایا ہے تو ان میں نحوست آگئی تو یہ خیال اوہامِ کفارِ ہند سے بہت ملتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوۃ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۰

مسئلہ نمبر ۱۲: از موضع سیسونہ ڈاکخانہ شیش گڑھ ضلع بریلی مرسلہ عنایت اللہ خاں ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

اکثر دیہات میں میّت نہلانے کے واسطے جو گھڑا باندھنا صَرف میں لایا جاتا ہے اس کو قبر کے اوپر سرہانے یا پائنتی رکھ آتے ہیں، اور بعض جگہ غسلِ میّت وہ گھڑا بدھنا مسجد میں رکھ آتے ہیں اس خیال سے کہ نمازیوں کے وضو وغیرہ کے صرف میں آئے تو اچھا ہے، امید ہے کہ اس کا جواب جو بہتر اور موافقِ شرع ہو اس سے مطلع کیا جائے۔

الجواب:

قبر کی پائنتی سرہانے رکھ آنے کے کوئی معنی نہیں، اور مسجد میں دینا ثواب ہے جبکہ ان پر ناپاک پانی کی کوئی چھینٹ نہ پڑی ہو، ورنہ پاک کرکے دیئے جائیں، اور اپنے استعمال میں رکھے جب بھی جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو کفن کے (کتنے) پارچے کا دینا چاہئے اور عورت کو کَے (کتنے) پارچے کا چاہئے؟ اور میّت نابالغ کو کتنا کفن دینا لازم ہے؟۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

سنّت مرد کے لئے تین کپڑے ہیں ایک تہ بند کہ سر سے پاؤں تک ہو، اور کفن گردن کی جڑ سے پاؤں تک، اور چادر کہ اُس کے قد سے سر اور پاؤں دونوں طرف اتنی زیادہ ہو جسے لپیٹ کر باندھ سکیں۔ پہلے چادر بچھائیں اُس پر تہبند، پھر میّت مغسول کا بدن ایک کپڑے سے صاف کریں پھر اس پر رکھ کر کفنی پہنا کر تہبند لپیٹیں، پہلے بائیں پھر دہنی طرف لپیٹیں تاکہ دہنا حصہ بائیں کے اوپر رہے۔ پھر اسی طرح چادر لپیٹ کر اوپر نیچے دونوں جانب باندھ دیں۔

اور عورت کے لئے پانچ کپڑے سنّت ہیں، تین یہی، مگر مرد و عورت کے لئے کفنی اتنا فرق ہے کہ مرد کی قمیص عرض میں مونڈھوں کی طرف چیرنا چاہئے اور عورت کا طول میں سینے کی جانب۔ چوتھے اوڑھنی جس کا طول ڈیڑھ گز یعنی تین ہاتھ ہو۔ پانچواں سینہ بند کہ پستان سے ناف بلکہ افضل یہ ہے کہ رانوں تک ہو۔ پہلے چادر اور اس پر تہ بند بدستور بچھا کر کفنی پہنا کر تہ بند پر لٹائیں اور اس کے بال دو حصّے کرکے بالائے سینہ کفنی کے اوپر لاکر رکھیں اُس کے اوپر اوڑھنی سر سے اُڑھا کر بغیر منہ لپیٹے ڈال دیں، پھر تہ بند اور اس پر چادر بدستور لپیٹیں اور چادر اُسی طرح دونوں سمت باندھ دیں، ان سب کے اوپر سینہ بند

بالائے پستان سے ناف یا ران تک باندھیں، یہ کفن سنّت ہے، اور کافی اس قدر ہے کہ مرد کے لئے دو ۲ کپڑے ہوں تہبند اور چادر۔ اور عورت کے لئے تین، کفنی و چادر اور تیسرے اوڑھنی، اسے کفن کفایت کہتے ہیں۔ اگر میت کا مال زائد اور وارث کم ہوں تو کفن سنّت افضل ہے، اور عکس ہو تو کفن کفایت اولٰی اور اس سے کمی بحالتِ اختیار جائز نہیں۔ ہاں وقتِ ضرورت جو میسر آئے صرف ایک ہی کپڑا کہ سر سے پاؤں تک ہو، مرد و عورت دونوں کے لئے بس ہے۔ جاہل محتاج جب اُن کا مورث محتاج مرتا ہے لوگوں سے پورے کفن کا سوال کرتے ہیں، یہ حماقت ہے، ضرورت سے زیادہ سوال حرام اور ضرورت کے وقت کفن میں ایک کپڑا کافی، بس اسی قدر مانگیں اس سے زائد مانگنا جائز نہیں۔ ہاں ان کو بے مانگے جو مسلمان بہ نیّتِ ثواب پُورا کفن محتاج کے لئے دے گا اللہ عزوجل سے پُورا ثواب پائے گا۔ نابالغ اگر حدِ شہوت کو پہنچ گیا ہے جب اس کا کفن جوان مرد و عورت کی مثل ہے، اور یہ حکم یعنی حدِ شہوت کو پہنچنا پسر میں بارہ ۱۲ اور دختر میں نو ۹ برس کی عمر کے بعد نہیں رکھتا، اور ممکن کہ کبھی اس سے پہلے بھی حاصل ہو جائے جبکہ جسم نہایت قوی اور مزاج گرم اور حرارت جوش پر ہو۔ لڑکوں میں یہ اُس کا عورتوں کی طرف رغبت کرنے لگے اور لڑکیوں میں یہ کہ اُسے دیکھ کر مردوں کو اس کی طرف میل پیدا ہو۔ جو بچّے اس عمر و حالت کو نہ پہنچیں اُن میں بستر مرگ ایک اور دختر کو دو کپڑوں میں کفن دیں تو کوئی حرج نہیں، اور پسر کو دو ۲، دختر کو تین ۳ دیں تو اچھا ہے۔ اور دونوں کو پورا کفن مرد و عورت کا دیں تو سب سے بہتر اور جو بچّہ مردہ پیدا ہو یا کچّا گر گیا اُسے بہر طور ایک ہی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دینا چاہئے کفن نہ دیں۔ درمختار میں ہے:

یسن فی الکفن له ازار وقمیص ولفافة، ولها ورع ای قمیص وازار وخمار ولفافة وخرقة تربط بها ثدیاها وبطنها وکفایة له ازار ولفافة فی الاصح ولها ثوبان وخمار ویکره اقل من ذلك وکفن الضرورة لهما مایوجد واقله مایعم البدن، تبسط اللفافة اولا ثم یبسط الازار علیها ویقمص ویوضع علی الازار ویلف یساره ثم یمینه ثم اللفافة کذلك لیکون الایمن علی الایسر وهی تلبس الدرع ویجعل شعرها	کفن میں مرد کے لئے ازار (تہبند) قمیص اور لفافہ (چادر) مسنون ہے، اور عورت کے لئے درع یعنی قمیص، تہبند، خمار (اوڑھنی)، چادر اور ایک کپڑا جو پستان اور شکم پر باندھا جائے -- اور کفن کفایت مرد کے اصح قول پر تہبد اور چادر -- عورت کے لئے دو کپڑے اور اوڑھنی -- کفنِ کفایت سے کم دینا مکرہ ہے۔ اور کفنِ ضرورت مرد و عورت دونوں کے لئے وُہ ہے جو مل جائے۔ کم سے کم اتنا کہ پُورے بدن کو چُھپالے پہلے چادر بچھائی جائے پھر اس پر تہبند بچھایا جائے اور قمیص پہنائی جائے اور تہبند پر

صغیرتین علی صدرھا فوقه الدرع والخمار فوق الشعرثم یفعل کمامرویعقد الکفن ان خیف انتشارہ والمراھق کالبالغ ومن لم یراھق ان کفن فی واحد جاز، والسقط یلف ولایکفن [1] اھ ملخصا۔	رکھا جائے، پھر تہبند لپیٹا جائے پہلے بایاں پھر دایاں، پھر اسی طرح چادر لپیٹی جائے تاکہ دایاں بائیں کے اوپر رہے۔۔عورت کو قمیص پہنا کر اس کے بال دو حصہ کرکے سینے پر قمیص کے اوپر ڈال دئے جائیں اور اوڑھنی بال کے اوپر ہو، پھر ویسے ہی کیا جائے جیسے مرد کے بارے میں بیان ہوا۔۔اور اگر کفن منتشر ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے تہبند باندھ دیا جائے۔۔مراھق (جو بلوغ کے قریب ہو) کا حکم بالغ کی طرح ہے جو مراہق نہیں اسے اگر ایک کفن دیا جائے تو جائز ہے۔اور ناتمام بچّہ کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے، کفن نہ دیا جائے اھ بہ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ازار ھومن القرن الی القدم والقمیص من اصل العنق الی القدمین، واللفافة تزید علی مافوق القرن والقدم لیلف فیه المیت وتربط من الاعلی الاسفل، امداد،قوله ای قمیص، اشارالی ترادفھما، کماقالو اوقدفرق بینھما بان شق الدرع الی الصدروالقمیص الی المنکب قھستانی، قوله وخماربکسر الخاء ماتغطی به المرأۃ رأسھا قال الشیخ اسمعیل مقدارحالت الموت ثلثة اذرع بذراع الکرباس یرسل علی وجھھاولایلف کذا فی الایضاح والعتابی، قوله وخرقة، الاولٰی ان	قولہ ازار۔۔یہ سر سے پاؤں تک ہوگا۔۔اور قمیص گردن کی جڑ سے قدم تک۔۔اور چادر سروقدم سے اس قدر زائد ہو کہ میت کو پہنا کر اوپر اور نیچے سے باندھ دی جائے۔۔امداد۔قولہ درع یعنی قمیص کا معنی ایک ہے جیسا کہ علماء نے فرمایا، بعض نے دونوں میں یہ فرق بتایا ہے کہ درع کا چاک سینہ کی طرف ہوتا ہے اور قمیص کا شانہ کی طرف، قہستانی۔قولہ خِمار ۔۔۔خا پر زیر۔۔جس سے عورت کا سر چھپایا جائے۔ شیخ اسمٰعیل نے فرمایا: میّت کے لئے اس کی مقدار کرباس کے گز سے تین ہاتھ ہے۔اسے چہرے پر ڈالا جائے گا، لپیٹا نہ جائے گا۔ایسا ہی ایضاح اور عتابی میں ہے۔قولہ وخرقہ (اور ایک کپڑا) بہتری ہے کہ

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

تکون من الثديين الى الفخذين نهرعن الخانية قوله وكفاية هوادنى مايكفيه بلاكراهة فهودون كفن السنة. قال فى البحر قالوا اذكان بالمال قلة والورثة كثرة فكفن الكفاية اولى، وعلى القلب كفن السنة اولى. قوله ولها ثوبان لم يعينهما كالهداية وفسرهما فى الفتح بالقميص واللفافة وعينهما فى الكنز بالازار واللفافة قال فى البحر الظاهر علامه التعين بل اما قميص وازار وازاران والثانى اولى لان فيه زيادة فى سترالراس والعنق. قوله ويكره اى عندالاختيار. قوله ويقمص اى يلبس القميص بعد تنشيفه بخرفة. قوله ثم يفعل كما مراى بان توضع بعد الباس الدرع والخمار على الازار ويلف يساره الخ قال فى الفتح ولم يذكر الخرفة وفى شرح الكنز فوق الاكفان كيلا تنتشر وعرضها مابين شدى المرأة الى السرة وقيل مابين الثدى الى الركبة كيلا ينتشرالكفن عن الفخذين وقت المشى. وفى التحفة تربط الخرقة فوق الاكفان عندالصدرفوق الثديين اھ قوله والمراهق كالبالغ الذكر كالذكر	سینہ بند پستانوں سے رانوں تک ہو نہر از خانیہ قولہ کفنِ کفایت --یہ کم سے کم اس قدر ہے جو بلا کراہت کافی ہو تو اس کا درجہ کفنِ سنّت سے کم ہے۔ اور بحر میں ہے کہ علماء نے فرمایا جب مال کم ہو اور ورثہ زیادہ ہوں تو کفنِ کفایت بہتر ہے اور برعکس ہو تو کفنِ سنّت بہتر ہے۔ قولہ عورت کے لئے دو۲ کپڑے-- دو کون ؟اس کی تعیین نہ فرمائی جیسے ہدایہ میں تعیین نہیں۔ فتح القدیر کے اندر اس کی تفسیر میں قمیص اور چادر کو بیان کیا--اور کنزالدقائق میں تہبند اور چادر معیین کیا--بحر میں کہا ظاہر عدمِ تعین ہے بلکہ قمیص اور تہبند ہو یا دو تہبند--اور ثانی بہتر ہے اس لئے کہ اس میں سر اور گردن چھپانے کے بقدر زیادہ ہوتا ہے۔ قولہ کفن کفایت سے کم مکروہ ہے--یعنی جب مجبوری نہ ہو۔ قولہ قمیص پہنائی جائے یعنی میّت کا بدن کسی کپڑے سے خشک کرلینے کے بعد قمیص پہنائی جائے۔ قولہ پھر ویسے ہی کیا جائے--یعنی یہ کہ قمیص اور اوڑھنی پہنانے کے بعد ازار پر رکھا جائے اور پہلے بایاں لپیٹا جائے الخ-- فتح القدیر میں ہے خرقہ کی جگہ نہ بتائی۔ شرح کنز میں ہے کہ سینہ بند کفن کے اوپر ہو تاکہ کفن منتشر نہ ہو۔ اس کی چوڑائی پستان سے ناف تک اور کہا گیا کہ گھٹنے تک ہوگی تاکہ چلتے وقت رانوں سے کفن منتشر نہ ہو۔ تحفہ میں ہے: سینہ بند کفن کے اوپر سینہ کے پاس پستان کے اوپر باندھا جائے ۔قولہ مراہق بالغوں کی طرح ہے--مذکر، مذکر کی طرح اور مونث،

والانثٰی کالانثٰی، قوله ومن لم یراھق الخ ھذا لوذکراقال الزیلعی وادنی مایکفن به الصبی الصغیر ثوب واحدوالصبیة ثابان اھ وقال فی البدائع وان کان صبیا لم یراھق فان کفن فی خرقتین ازار ورداء فحسن، وان کفن فی ازار واحدجاز، واما الصغیرة فلاباس ان تکفن فی ثوبین اھ اقول فی قوله فحسن اشارة الی انه لوکفن بکفن البالغ یکون احسن، لما فی الحلیة عن الخانیة والخلاصة، الطفل الذی لم یبلغ حدالشھواة، الاحسن ان یکفن فیما یکفن فیه البالغ اھ وفیه اشارة الی ان المراد بمن لم یراھق من لم یبلغ حدالشھوة، قوله والسقط یلف وکذامن ولدمیتا بدائع[1] اھ ملتقطا۔	مونث کی طرح۔قولہ جو مراہق نہیں بالخ--یہ حکم مذکر کا ہے۔زیلعی نے فرمایا: چھوٹے بچّے کو کم سے کم ایک اور بچّی کو دو۲ کپڑے دیئے جائیں گے اھ۔ بدائع میں ہے اگر ایسا بچّہ ہے جو قریب البلوغ نہیں اسے اگر دو کپڑے--تہبند اور چادر--میں کفن دیا تواچھا ہے اور اگر ایک تہبند میں کفن دیں تو جائز ہے مگر کمسن لڑکی کو دو کپڑے دیئے جائیں تو حرج نہیں اھ--میں کہتا ہوں بچّے کو دو کپڑے دینے کو "اچھا" کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر اسے بالغ کا پورا کفن دے دیا تو "زیادہ اچھا" ہے کیونکہ حلیہ میں خانیہ اور خلاصہ سے نقل ہے جو بچّہ حدِّ شہوت کو نہ پہنچا ہو اسے بالغوں کا کفن دینا بہتر ہے اھ اس عبارت میں یہ اشارہ ہے کہ غیر مراہق سے مراد وہ ہے جو حدِّ شہوت کو نہ پہنچا ہو۔ قولہ ناتمام بچہ------یہی حکم اس کا بھی ہے جو مُردہ پیدا ہوا۔ بدائع، اھ (ت)

عالمگیری میں ہے:

اماالمراۃ فتسبط لھا اللفافة والازار علی نحو ما بینا للرجل ثم توضع علی الازار وتلبس الدرع ویجعل شعرھا ضفیرتین علی صدرھا فوق الدرع ثم یجعل الخمار فوق ذلك ثم یعطف الازار واللفافة کمابینا فی الرجل ثم الخرقة بعد ذلك تربط فوق الاکفان فوق الثدیین۔	عورت کے لئے چادر اور تہبند کو اسی طرح بچھایا جائے جیسے تم نے مرد کے لئے بتایا پھر ازار پر اسے رکھ کر قمیص پہنائی جائے اور بالوں کے دو جوڑے کرکے سینے پر لاکر قمیص کے اوپر ڈال دئے جائیں، پھر اس کے اوپر اوڑھنی پہنائی جائے، پھر ازار اور چادر کو اسی طرح لپیٹا جائے جیسے مرد کے بارے میں ہم نے بتایا۔ پھر اس کے بعد کفنوں کے بعد پستانوں پر سینہ بند باندھا جائے۔

[1] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۸ تا ۵۸۰

اسی طرح محیط میں ہے اھ۔ بندہ ضعیف --خدائے برتر اس کی مغفرت فرمائے-- کہتا ہے: یہ عبارت اس بارے میں صریح ناقابل تاویل نص ہے کہ سینہ بند سارے کفن یہاں تک کہ چادر کے بھی اوپر ہوگا--یہی حکم ہم نے شامی از فتح از تبیین وتحفہ سے پہلے نقل کیا تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے۔ اگرچہ جوہرہ میں کہا جبکہ ظاہر یہ ہے کہ سینہ بند چادر کے نیچے ہو، اس کی وجہ یہ بتائی کہ علماء کا اسے کفنوں کے اوپر کہنا اسی معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ مگر صاحبِ جوہرہ سے اس کا احتمال کے بارے میں اختلاف کیاجائے گا، جیسا کہ ظاہر ہے--اس لئے کہ "کفنوں" کا لفظ چادر کو بھی قطعاً شامل ہے کوئی دلیل تخصیص موجود نہیں، اور اس کے "ظاہر" ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں-- رہی اختیار کی یہ عبارت، پھر سینہ بند کو قمیص کے اوپر باندھا جائے گا اھ تو میں کہتا ہوں یہ اس بارے میں صریح نہیں کہ سینہ بند قمیص کے علاوہ سارے کفنوں کے نیچے ہوگا اس لئے کہ جو سارے کفنوں کے اوپر ہو اس کے حق بھی یہ کہنا صادق ہے کہ وہ قمیص کے اوپر ہے۔ اسی طرح یہ عبارت ہمارے پیش کردہ نص صریح کے معارض نہیں مزید یہ کہ جو ہم نے نقل کیا اس کی تصریح اکثر کتابوں میں موجود ہے اسی لئے ہم نے اس پر اعتماد کیا۔ اور خدا ہی کی جانب سے توفیق ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم	کذا فی المحیط [1] اھ قال العبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی لہ وھذا کماتری نص صریح لایقبل التاویل فی ان الخرقۃ تربط فوق الاکفان جمیعا حتی اللفافۃ وھو الذی قدمنا عن الشامی عن الفتح عن التبیین والتحفۃ فعلیہ فلیکن التعویل وان استظھر فی الجوھرۃ کونھا تحت اللفافۃ قائلا ان قولھم فوق الاکفان یحتمل ذلك وھو منازع فی ھذا الاحتمال کمالایخفی فان الاکفان تشتمل اللفافۃ قطعا واین المخصص واین وجہ لظھور ذلك اما ما فی الاختیار ثم تربط الخرقۃ فوق القمیص [2] اھ فاقول لیس نصا فی کونھا تحت الاکفان ماخلا القمیص فان ما فوقھن جمیعا یصدق علیہ انہ فوق القمیص فلا یعارض ان النص الصریح الذی قدمنا مع انہ ھو صرح بہ فی اکثر الکتب فلذا عولنا علیہ وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التکفین مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

[2] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی تکفین المیت مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۳

مسئلہ نمبر ۱۴: از ملک مالوا شہر اندور چھینپہ باکھل مرسلہ اسمٰعیل قادری احمد آباد والا

یہاں میت ہوگئی تھی اُس کے کفنانے کے بعد پھولوں کی چادر ڈالی گئی، اس کو ایک پیش امام افغانی نے اتار ڈالا اور کہا یہ بدعت ہے ہم نہ ڈالنے دیں گے۔ دوسرے جو غلاف کا پارچہ سیاہ کعبہ شریف سے لاتے ہیں وہ ٹکڑا ڈالا ہُوا تھا اسے ہٹادیا اور کہا یہ روافض کا رواج ہے ہم نہ ڈالیں گے اسے الگ ہٹاکے اس نے نماز جنازہ پڑھائی۔

الجواب:

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعاً اصلاً کوئی حرج نہیں بلکہ نیتِ حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میّت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن [1]۔	قبروں پر گلاب اور پھولوں کا رکھنا اچھا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وامداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

انه مادام رطبا یسبح فیؤنس المیت وتنزل بذکرہ الرحمة [2]۔	پھول جب تک تر رہے تسبیح کرتا رہتا ہے جس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ (ت)

یونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبہ معظّمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے اور اسے رواج روافض بتانا محض جھوٹ ہے۔ اسد الغابہ وغیرہا میں ہے:

لما حضرہ الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیه افضل الصلٰوۃ والسلام کساہ ایاہ، وان جعل ممایلی جسدہ، وکان عندہ قلامة اظفارہ علیه افضل الصلٰوۃ والسلام فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیه وفمه، وقال افعلوا ذلك وخلوا بینی	جب حضرت امیر معاویہ کا آخری وقت آیا وصیت فرمائی کہ انہیں اُس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمائی تھی، اور یہ ان کے جسم سے متصل رکھی جائے۔ ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخن پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر

بینی وبین ارحم الراحمین[1]۔	باریک کرکے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دئے جائیں۔ فرمایا یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کردینا(ت)۔

ان باتوں کو بدعت ممنوعہ ٹھہرانا اگر محض بربنائے جہل ہو تو جہالت ہی ہے اور اگر بربنائے وہابیت یعنی غیر مقلدی یا دیوبندیت ہو تو وُہ نماز کہ اس نے پڑھائی باطل محض ہوئی، مسلمان بغیر نماز کے دفن کیا گیا، اور جو جو اُس امام کی حالت سے آگاہ تھے سب ترک فرض نماز جنازہ کے مرتکب و مستحق عذاب رہے، جبکہ خود وہابی یا وہابیہ کو صالح امام جاننے والے نہ ہوں، ورنہ بالاتفاق علمائے حرمین شریفین کا فتوی ہوچکا ہے کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو وہابیہ کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ باب المیم والعین مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض الشیخ ۴/ ۳۸۷

رسالہ

الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن ۱۳۰۸ھ

(کفن پر لکھنے کے بارے میں عمدہ گفتگو)

مسئلہ نمبر۱۵: ازمارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد محمد ابراہیم ۹رجب ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ کفن جو اماکنِ متبرکہ سے آئے اور اس پر آیاتِ کلام اللہ واحادیث وغیرہ لکھی ہوں وہ میّت کو پہنانا کیسا ہے اور شجرہ قبر میں رکھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی سترنابذیل کرمہ فی حیاتنا وبعد الممات وفتح علینا فی التوسل بایاتہ وشعائرہ ابواب البرکات والسلام علی من تبرك بأثارہ الکریمۃ الاحیاء والاموات وحی ویحیی بامطار فیوضہ العظیمۃ کل موات وعلی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ	سب خوبیاں اللہ کے لئے جس نے اپنے دامنِ کرم سے ہمیں ہماری زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی چھپایا، اور اپنی آیات وشعائر سے توسّل میں ہمارے اوپر برکتوں کے دروازے کھولے ــــ اور درود وسلام ہو ان پر جن کے آثار گرامی سے زندے اور مردے سبھی نے برکت حاصل کی اور جن کے عظیم فیوض کی بارشوں سے ہر بے جان کو زندگی ملی اور ملتی ہے اور (درود وسلام ہو) ان کی آل، اصحاب، اہل اور جماعت پر،

عدد کل ماض واٰت۔	ہر گزشتہ کی تعداد کے برابر۔(ت)

یہاں چار مقام ہیں:

اول: فقہ حنفی سے کفن پر لکھنے کا جزئیہ کہ بدرجہ اولٰی قبر میں شجرہ رکھنے کا جزئیہ ہوگا۔ اور اُس کے مؤید احادیث وروایات۔

دوم: احادیث سے اس کا ثبوت کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن میّت پر رکھی گئیں اور اسے مخلِ تعظیم نہ جانا۔

سوم: بعض متاخرین شافعیہ نے جو کفن پر لکھنے میں بے تعظیمی خیال اس کا جواب۔

چہارم: قبر میں شجرہ رکھنے کا بیان۔ وباللہ التوفیق

مقامِ اوّل: ہمارے علماءِ کرام نے فرمایا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اس کے لئے امیدِ مغفرت ہے۔

(۱) امام ابوالقاسم صفار شاگرد امام نصیر بن یحیٰی تلمیذ شیخ المذہب سیدنا امام ابویوسف ومحرر المذہب سید امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کی تصریح وروایت کی۔

(۲) امام نصیر نے فعل امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تائید وتقویت کی۔

(۳) امام محمد بزازی نے وجیز کردری **(۴)** علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اُس پر اعتماد فرمایا۔

(۵) امام فقیہ ابن عجیل وغیرہ کا بھی یہی معمول رہا۔

(۶) بلکہ امام اجل طاؤس تابعی شاگرد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ انہوں نے اپنے کفن میں عہد نامہ لکھے جانے کی وصیّت فرمائی اور حسب وصیّت ان کے کفن میں لکھا گیا۔

(۷) بلکہ حضرت کثیر بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے اور صحابی ہیں خود اپنے کفن پر کلمہ شہادت لکھا۔

(۸) بلکہ امام ترمذی حکیم الٰہی سیّدی محمد بن علی معاصر امام بخاری نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ خود حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من کتب ھذا الدعاء وجعلہ بین صدر المیت وکفنہ فی رقعۃ لم ینلہ عذاب القبر ولا یری منکرا ونکیرًا وھو ھذا لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر لاالٰہ الااللہ	جو یہ دُعا کسی پرچہ پر لکھ کر میّت کے سینہ پر کفن کے نیچے رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو نہ منکر نکیر نظر آئیں، اور وہ دعا یہ ہے: لا الٰہ الااللہ واللہ اکبر لاالٰہ الااللہ وحدہ،

وحدہ، لاشریك له لاالٰه الاالله له الملك وله الحمد لاالٰه الاالله ولاحول ولاقوۃ الابالله العلی العظیم[1]۔	لاشریك له لاالٰه الاالله له الملك وله الحمد لاالٰه الاالله ولاحول ولاقوۃ الّابالله العلی العظیم۔

نیز ترمذی میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو ہر نماز میں سلام کے بعد یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْكَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیَاۃِ الدنیا بانك انت الله الذی لآ اِلٰهَ اِلّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ فَلَاتَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ فَاِنَّكَ اِنْ تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبْنِیْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِی من الخیر وَاِنِّیْ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ لِیْ عَھْدًا عِنْدَكَ تُؤَدِّیْهِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّكَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَادِ[2]۔ فرشتہ اسے لکھ کر مُہر لگا کر قیامت کے لئے اُٹھا رکھے، جب اللہ تعالٰی اُس بندے کو قبر سے اُٹھائے، فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لائے اور ندا کی جائے عہد والے کہاں ہیں، انہیں وُہ عہد نامہ دیا جائے۔ امام نے اسے روایت کرکے فرمایا:

وعن طاؤس انه امر بھذہ الکلمات فکتبت فی کفنه[3]۔	امام طاؤس کی وصیّت سے عہد نامہ اُن کے کفن میں لکھا گیا۔

امام فقیہ ابن عجیل نے اسی دعائے عہد نامہ کی نسبت فرمایا:

اذا کتب ھذا الدعاء وجعل مع المیت فی قبرہ وقاہ الله فتنة القبر وعذابه[4]۔	جب یہ لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دیں تو اللہ تعالٰی اُسے سوالِ نکیرین وعذابِ قبر سے امان دے۔

(۹) یہی امام فرماتے ہیں:

من کتب ھذاالدعاء فی کفن المیت رفع	جو یہ دُعا میّت کے کفن میں لکھے اللہ تعالٰی قیامت تک

---

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ترمذی باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶

[2] نوادر الاصول اصول الرابع والسبعون والمائۃ مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۱۷

[3] الدر المنثور غنیہ بحوالہ حکیم الترمذی تحت الامن اتخذ عند الرحمٰن عھدا منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایرانغنیہ ۲۸۶/۴

[4] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ رالکتب العلمیۃ بیروتغنیہ ۶/۲

اللہ عند العذاب الٰی یوم ینفخ فی الصور وھو ھذا :	اس سے عذاب اٹھالے اور وہ یہ ہے :

اللھم انی اسألك یاعالم السریا یاعظیم الخطر یاخالق البشر یاموقع الظفر یامعروف الاثر یا ذاالطول والمن یاکاشف الضروالمحن یااٰلہ الاولین و الاٰخرین فرج عنی ھمومی وا کشف عنی غمومی وصل اللھم علٰی سیدنا محمد وسلم [1]۔

(۱۰) ابن حجر مکّی نے اپنے فتاوٰی میں ایک تسبیح کی نسبت جسے کہا جاتا ہے کہ اُس کا فضل اُس کی برکت مشہور ومعروف ہیں، بعض علمائے دین سے نقل کیا کہ :

من کتبه وجعله بین صدر المیت وکفنه لاینال عذاب القبر ولایناله منکر ونکیر وله شرح عظیم وھو دعاء الانس، (وھو ھذا)	جو اسے لکھ کر میّت کے سینہ اور کفن کے بیچ میں رکھ دے اُسے عذابِ قبر نہ ہو، نہ منکر نکیر اُس تک پہنچیں اور اس دعا کی شرح بہت عظمت والی ہے اور وُہ چین وراحت کی دعا ہے۔ (وہ دعا یہ ہے :)

سبحٰن من ھو بالجلال موحد بالتوحید معروف وبالمعارف موصوف وبالصفة علٰی لسان کل قائل رب بالربوبیة للعالم قاھر وبالقھر للعالم جبار وبالجبروت علیم حلیم وبالحلم والعلم رؤف رحیم، سبحٰنه کما یقولون وسبحنه کما ھم یقولون تسبیحا تخشع له السمٰوٰت والارض ومن علیھا ویحمدنی من حول عرشی اسمی اللہ وانا اسرع الحاسبین [2]۔

مصنّف عبدالرزاق اور ان کے طریق سے معجم طبرانی اور ان کے طریق سے حلیہ ابونعیم میں ہے :

اخبرنا معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل ان فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنھا لما حضرتھا الوفاة امرت علیا فوضع لھا غسلا فاغتسلت وتطھرت، ودعت بثیاب اکفانھا	معمر بن عبداللہ بن محمد بن عقیل نے ہمیں خبر دی کہ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انتقال کے قریب امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ سے اپنے غسل کے لئے پانی رکھوادیا پھر نہائیں اور کفن منگا کر پہنا

[1] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/۲

[2] فتاوٰی کبرٰی بحوالہ ابن عجیل باب الجنائز مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/۲

فلبستها ومست من الحنوط ثم امرت علیاً ان لاتکشف اذاھی قبضت وان تدرج کما ھی فی اکفانها فقلت له هل علمت احدا فعل نحو ذلك قال نعم کثیر بن عباس، وکتب فی اطراف اکفانا یشهد کثیر بن عباس ان لا اله الا الله[1]۔	اور حنوط کی خوشبو لگائی، پھر مولٰی علی کو وصیت فرمائی کہ میرے انتقال کے بعد کوئی مجھے نہ کھولے اور اسی کفن میں دفن فرمادی جائیں۔ میں نے پوچھا کسی اور نے بھی ایسا کیا، کہا ہاں کثیر بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اور انہوں نے اپنے کفن کے کناروں پر لکھا تھا: کثیر بن عباس گواہی دیتا ہے کہ لا الٰہ الّا اللہ۔

وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے:

ذکر الامام الصفار لوکتب علی جبهة المیت اوعلٰی عمامة اوکفنه عهد نامه، یرجی ان یغفر اللّٰه تعالٰی للمیّت، ویجعله اٰمنا من عذاب القبر[2]۔	امام صفار نے ذکر فرمایا کہ اگر میّت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالٰی اسے بخش دے اور عذابِ قبر سے مامون کرے۔

پھر فرمایا:

قال نصیر هذه روایة فی تجویز وضع عهدنامه مع المیّت وقدروی انه کان مکتوبا علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق رضی اللّٰه تعالٰی عنه، حبس فی سبیل اللّٰه[3]۔	امام نصیر نے فرمایا: یہ میّت کے عہد نامہ رکھنے کے جواز کی روایت ہے اور بیشک مروی ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصطبل میں کچھ گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا وقف فی سبیل اللہ۔

(۱۱) دُرمختار میں ہے:

کتب علی جبهة المیت وعمامة اوکفنه عهدنامه یرجی ان یغفر اللّٰه للمیّت اوصی بعضهم ان یکتب فی جبهة وصدره بسم اللّٰه	مُردے کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھنے سے اُس کے لئے بخشش کی امید ہے۔ کسی صاحب نے وصیت کی تھی کہ ان کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمٰن

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۳۴ غنیہ فاطمہ بنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غنیہ مطبوعہ دارالکتب العربیہ بیروت ۲/ ۴۳
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۹
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاحسان مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۹

الرحمٰن الرحیم ففعل ثم رؤی فی المنام فسئل فقال لما وضعت فی القبرجاء تنی ملئکة العذاب فلمارأوا مکتوبا علی جبھتی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قالو امنت من عذاب اللہ [1]۔	الرحیم لکھ دیں، لکھ دی گئی، پھر خواب میں نظر آئے حال پوچھنے پر فرمایا جب میں قبر میں رکھا گیا عذاب کے فرشتے آئے میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی دیکھی کہا تجھے عذابِ الٰہی سے امان ہے۔

(۱۲) فتاوٰی کبرٰی للمکی میں ہے:

بقل بعضھم عن نوادرالاصول للترمذی مایقتضی ان ھذاالدعاء لہ اصل وان الفقیہ ابن عجیل کان یأمر بہ ثم افتی بجواز کتابتہ قیاسا علٰی کتابة للہ. فی نعم الزکٰوة [2]۔	بعض علماء نے نوادر الاصول امام ترمذی سے وہ حدیث نقل کی جس کا مقتضٰی یہ ہے کہ یہ دُعا اصل رکھتی ہے، نیز ان بعض نے نقل کیا کہ امام فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم فرمایا کرتے، پھر خدا انہوں نے اس کے جوازِ کتابت پر فتوی دیا اس قیاس پر کہ زکوۃ کے چوپایوں پر لکھا جاتا ہے للہ (یہ اللہ کے لئے ہیں)۔

(۱۳) اُسی میں ہے:

واقرہ بعضھم بانہ قیل یطلب فعلہ لغرض صحیح مقصود. فابیح وان علم انہ یصیبہ نجاسة [3]۔ ھذا ما اثر. ثم نظر و فیہ نظر کما سیأتی وباللہ توفیق۔	اس فتوے کو بعض دیگر علماء نے برقرار رکھا **(۱۴)** اور اس کی تائید میں بعض اور علماء سے نقل کیا کہ غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی۔ یہ انہوں نے نقل کیا پھر اس پر کلام کی اور اس پر کلام ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔اور توفیق خدا ہی سے ہے۔(ت)

مقامِ دوم: احادیث مؤیدہ

اقول: (۱۵) حدیث صحیح میں ہے بعض اجلۂ صحابہ نے کہ غالبًا سیّدنا عبدالرحمٰن بن عوف یا

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲

[3] فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۲

سیّدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تہبند اقدس (جو کہ ایک بی بی نے بہت محنت سے خوبصورت بُن کر نذر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی ضرورت تھی) مانگا۔ حضور اجود الاجودین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے انہیں ملامت کی کہ اُس وقت اس ازار شریف کے سوا حضور اقدس صلوات اللہ سلامہ علیہ کے پاس اور تہبند نہ تھا، اور آپ جانتے ہیں حضور اکرم الاکرما صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی کسی سائل کو رَد نہیں فرماتے، پھر آپ نے کیوں مانگ لیا؟ انہوں نے کہا واللہ! میں نے استعمال کو نہ لیا بلکہ اس لئے کہ اس میں کفن دیا جاؤں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی اس نیت پر انکار نہ فرمایا، آخر اسی میں کفن دئے گئے--- صحیح بخاری میں ہے:

باب من استعد الکفن فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکر علیہ حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ فذکر باسنادہ عن سھل رضی اللہ تعالٰی عنہ ان امراۃ جاءت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببردۃ منسوجۃ فیھا حاشیتھا اتدرون ما البردۃ قالوا الشملۃ قال نعم قالت نسجتھا بیدی فجئت لاکسوکھا فاخذھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجًا الیھا فخرج الینا وانھا ازارہ، فحسنھا فلان فقال اکسنیھا ما احسنھا، قال القوم ما احسنت لبسھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محتاجًا الیھا ثم سألتہ وعلمت انہ لا یرد قال انی واللہ ماسألتہ وعلمت انہ لایرد قال انی واللہ ماسألتہ وعلمت انہ لایرد قال انی واللہ ماسألتہ لالبسھا وانما سألتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ[1]۔	باب، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ میں جس نے کفن تیار کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا، حضرت عبداللہ بن سلمہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی ایک عورت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں خوبصورت بُنی ہوئی حاشیہ والی چادر لائی، تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چادر تھی، انہوں نے جواب دیا وہ تہبند ہے، کہا ہاں، اُس عورت نے عرض کیا کہ میں نے خود یہ چادر بُنی ہے آپ کو پہننے کے لئے پیش کرتی ہوں تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بڑی خوشی سے قبول فرمائی تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کو تہبند کی صورت میں پہن کر باہر تشریف لائے تو فلاں صحابی نے اس تہبند کی تحسین کی اور عرض کیا یہ کتنی اچھی ہے مجھے عطا فرمادیجئے۔ اس پر حاضرین نے اسے کہا تو نے اچھا نہیں کیا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود اپنے لئے پسند فرمائی تھی، تو نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ آپ علیہ الصلاۃ والسلام کسی سائل کو مایوس نہیں فرماتے سوال کرلیا۔ اس نے جواب میں کہا کہ خدا کی قسم میں نے اسے پہننے کے لئے نہیں اپنے کفن کے لئے طلب کیا ہے۔ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ چادر مبارک اس سائل صحابی کا کفن بنی۔ (ت)

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۰

(۱۶) بلکہ خود حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب یا حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کفن میں اپنا تہبند اقدس عطا کیا اور غسل دینے والی بیبیوں کو حکم دیا کہ اُسے ان کے بدن کے متصل رکھیں۔ صحیحین میں اُم عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

قالت دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونحن نغسل ابنتہ فقال اغسلنھا ثلثا او خمسا او اکثر من ذٰلك ان رأیتن ذلك بماء وسدر واجعلن فی الاٰخرۃ کافورا اوشیئا من کافور فاذافرغتن فاٰذنني فلما فرغنا اذناہ فالقی الینا حقوہ فقال اشعر نھا ایاہ۔[1]	فرماتی ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جب ہم ان کی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں، فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینا تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ، یا اگر تم مناسب سمجھو تو اس سے زیادہ، اور آخری بار کافور ملالینا، فارغ ہونے کے بعد مجھے اطلاع دینا۔ ہم نے جب غسل دے لیا تو حضور کو خبر دی۔ سرکار نے اپنا تہبند دیا اور فرمایا اسے اس کے بدن سے متصل رکھنا۔ (ت)

(۱۷) علماء فرماتے ہیں یہ حدیث مریدوں کو پیروں کے لباس میں کفن دینے کی اصل ہے۔ لمعات میں ہے:

ھذا الحدیث اصل فی المتبرك باٰثار الصالحین ولباسھم، کمایفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصتھم فی القبر[2]۔	یہ حدیث صالحین کے آثار اور ان کے لباس سے برکت حاصل کرنے کے سلسلے میں اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض ارادت منداُن کی قمیصوں کا کفن پہنتے ہیں۔ (ت)

(۱۸) یونہی حضرت فاطمہ بنت اسد والدہ ماجدہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ، رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اپنی قمیص اطہر میں کفن دیا[3]۔

رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابونعیم فی الحلیۃ عن انس۔ (۱۹) وابوبکر بن ابی شیبۃ فی مصنفہ	اسے معجم کبیر و معجم اوسط میں طبرانی نے اور ابن حبان اور حاکم نے بافادہ صحیح، اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت) اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنّف میں حضرت

1 صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۸

2 لمعات التنقیح باب غسل میت فصل اول مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور ۴/ ۳۱۸

3 مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب مناقب فاطمہ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبوعہ دارالکتاب بیروت ۹/ ۲۵۷

عن جابر۔ (۲۰) وابن عساکر عن علی۔ (۲۱) والشیرازی فی الالقاب وابن عبدالبر وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جابر سے (ت) ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے (ت) القاب میں شیرازی نے ابن عبدالبر وغیرہم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)

(۲۲) اور ارشاد فرمایا کہ میں نے انہیں اپنا قمیض مبارک اس لئے پہنایا کہ یہ جنّت کے لباس پہنیں۔ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

قال لماماتت فاطمۃ اُمّ علی رضی اللہ تعالٰی عنھا، خلع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قمیصہ والبسھاایاہ، واضطجع فی قبرھا فلما سوی علیھاالتراب قال بعضھم یارسول اللہ رأیناك صنعت شیئالم تصنعہ باحد، فقال انی البستھا قمیصی لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا من ضغطۃ القبر، انھاکانت احسن خلق اللہ نیعا الیّ بعد ابی طالب۔[1]	فرمایاجب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہاکا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اتار کر انہیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کردی گئی تو کسی نے عرض کیایارسول اللہ! آج ہم نے آپ کو وہ عمل کرتے دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔فرمایا اسے میں نے اپنا کُرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابوطالب کے بعد خلقِ خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔(ت)

(۲۳) بلکہ صحاح ستّہ سے ثابت کہ جب عبداللہ بن اُبی منافق کہ سخت دشمن حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا جس نے وہ کلمہ ملعونہ لئن رجعنا الی المدینۃ (جب ہم مدینہ کو لوٹیں گے الخ۔ت) کہا، جہنم واصل ہوا، حضور پُر نور حلیم غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُسکے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ بن اُبی کی درخواست سے کہ صحابی جلیل و مومن کامل تھے، اُس کے کفن کے واسطے اپنا قمیص مقدس عطافرمایا،

[1] معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ غنیہ مکتبہ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹۔۲۷۸

پھر اس کی قبر پر تشریف فرما ہوئے، لوگ اُسے رکھ چکے تھے، حضور طیب وطاہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس خبیث کو نکلوا کر لعابِ دہن اس کے بدن پر ڈالا اور قمیص مبارک میں کفن دیا، اور یہ بدلا اس کا تھا کہ روزِ بدر جب سیّدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما گرفتار آئے برہنہ تھے، بوجہ طول قامت کسی کا کُرتا ٹھیک نہ آتا اس مردک نے انہیں اپنا قمیص دیا تھا۔ حضور عزیز صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاہا کہ منافق کا کوئی احسان حضور کے اہلبیت کرام پر بے معاوضہ نہ رہ جائے لہٰذا اپنے دو قمیص مبارک اس کے کفن میں عطا فرمائے، ونیز مرتے وقت وہ ریاکار، نفاق شعار، خود عرض کر گیا کہ حضور مجھے اپنے قمیص مبارک میں کفن دیں، پھر اس کے بیٹے رضی اللہ تعالٰی عنہ نے درخواست کی، اور ہمارے کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا ادب قدیم ہے کہ کسی کا سوال رَد نہیں فرماتے۔

یارسول اللہ یاکریم یارؤف یارحیم اسألك الشفاعة عندالمولی العظیم والوقایة من نار الجحیم والامان من کل بلاء الیم لی ولکل من اٰمن بك بکتابك الحکیم علیك من ولاك افضل الصلٰوۃ واکمل تسلیم۔	اے اللہ کے رسول، اے کریم، اے رؤف، اے رحیم! آپ سے ربِ عظیم کے حضور شفاعت، نارِ جہنم سے حفاظت اور ہر دردناک بلا سے امان کا سوال کرتا ہوں اپنے لئے اور ہر اس شخص کے لئے جو آپ پر آپ کی حکمت والی کتاب پر ایمان لایا، آپ پر اور آپ سے محبت رکھنے والوں پر بہتر درود اور کامل تر سلام ہو۔ (ت)

حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ شانِ رحمت دیکھ کر کہ اپنے کتنے بڑے دشمن کو کیسا نوازا ہے ہزار آدمی قوم ابن اُبی سے مشرف باسلام ہوئے کہ واقعی یہ حلم ورحمت وعفو ومغفرت نبی برحق کے سوا دوسرے سے متصور نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وبارک وسلم، صحیحین وغیرہما صحاح وسنن میں ہے:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه ان عبداللہ بن اُبی لما توفی جاء ابنه الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال یارسول اللہ اعطنی قمیصك اکفنه فیه وصل علیه استغفرله فاعطاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قمیصه الحدیث[1]۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی فوت ہوا اس کے فرزند نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! اپنا کُرتا عطا فرمائیں میں اسے اس میں کفن دوں گا اور اسے اپنی صلٰوۃ واستغفار سے نوازیں، تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنا کُرتا عطا کردیا۔ الحدیث (ت)

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۶۹/۱

(۲۴) نیز صحیح بخاری وغیرہ میں ہے:

عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اٰتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی بعد مادفن فنفث فیہ من ریقہ والبسہ قمیصہ[1]	حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبداللہ بن اُبی کے پاس دفن کے بعد تشریف لائے اس کے منہ میں اپنا لعابِ اقدس ڈالا اور اسے اپنا کُرتا پہنایا۔ (ت)

(۲۵) امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت میں فرمایا:

انی صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخرج لحاجۃ فاتبعتہ باداوۃ فکسانی احد ثوبیہ الذی یلی جسدہ فخبأتہ لھذا الیوم، واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اظفارہ وشعرہ ذات یوم فاخذتہ، فخباتہ لھذا الیوم فاذا انامت فاجعل ذلك القمیص دون کفنی ممایلی جسدی وخذ ذلك الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔[2]	یعنی میں صحبتِ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے شرف یاب ہوا ایک دن حضور اقدس صلی للہ تعالٰی وسلامہ علیہ، حاجت کے لئے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ میں لوٹا لے کر ہمراہ رکاب سعادت مآب ہُوا۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جوڑے سے کُرتا کہ بدنِ اقدس سے متصل تھا مجھے انعام فرمایا، وہ کُرتا میں نے آج کے لئے چھپا رکھا تھا۔ اور ایک روز حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ناخن ومُوئے مبارک تراشے وہ میں نے لے کر اس دن کے لئے اٹھا رکھے، جب میں مرجاؤں تو قمیص سراپا تقدیس کو میرے کفن کے نیچے بدن کے متصل رکھنا، وموئے مبارک وناخن ہائے مقدسہ کو میرے منہ اور آنکھوں اور پیشانی وغیرہ مواضع سجود پر رکھ دینا۔

(۲۶) حاکم نے مستدرک میں بطریق حمید بن عبدالرحمٰن رواسی روایت کی:

قال حدثنا الحسن بن صالح عن ھارون بن سعید عن ابی وائل قال کان عند علی	(انہوں نے کہا ہم نے حسن بن صالح نے حدیث بیان کی وُہ ہارون بن سعید سے، وہ ابو وائل سے راوی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۹

[2] کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ ترجمہ معاویہ بن سفیان مطبوعہ دار صادر بیروت ۳/۳۹۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ مسک، فاوصی ان یحنط بہ، وقال علی وھوفضل حنوط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] سکت علیہ الحاکم، ورواہ ابن ابی شیبہ فی مصنفہ قال حدثنا حمید بن عبدالرحمٰن بہ، ورواہ البیہقی فی سننہ، قال النووی اسنادہ حسن[2]۔ذکرہ فی نصب الرایۃ من الجنائز۔	ہیں انہوں نے کہا۔ت) کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے پاس مشک تھا وصیت فرمائی کہ میرے حنوط میں یہ مشک استعمال کیا جائے،اور فرمایاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حنوط کا بچاہُوا ہے۔(اور اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا، کہا ہم سے حمید بن عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی آگے سند دی ہے،اور اسے بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔امام نووی نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔اسے نصب الرایہ کتاب الجنائز میں ذکر کیا۔ت)

(۲۷)ابن السکن نے بطریق صفوان بن ہبیرہ عن ابیہ روایت کی:

قال قال ثابت البنانی قال لی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذہ شعرۃ من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضعھا تحت لسانی، قال فوضعتھا تحت لسانہ فدفن وھی تحت لسانہ[3]۔ذکرہ فی الاصابۃ۔	یعنی ثابت بنانی فرماتے ہیں مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: یہ موئے مبارک سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے،اسے میری زبان کے نیچے رکھ دو، میں نے رکھ دیا، وہ یوں ہی دفن کیے گئے کہ موُئے مبارک اُن کی زبان کے نیچے تھا(اسے اصابہ میں ذکر کیا گیا۔ت)

(۲۸)دلائل النبوۃ بیہقی وابن عساکر امام محمد بن سیرین سے راوی:

عن انس بن مالک انہ کان عندہ عصیۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمات فدفنت معہ بین جیبہ وبین قمیصہ[4]۔	انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی وہ ان کے سینہ پر قمیص کے نیچے اُن کے ساتھ دفن کی گئی۔

اُن کے سواہنگام تتبع اور نظائر ان وقائع کے کتب حدیث میں ملیں گے۔ظاہر ہے کہ جیسے نقوش

---

1 المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۳۶۱/۱
2 نصب الرایۃ باب الجنائز فصل فی الغسل المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہ الریاض ۲۵۹/۲
3 اصابہ فی تمیز الصحابہ ترجمہ نمبر ۲۷۷ انس بن مالک رضی اللہ عنہ مطبوعہ دار صادر بیروت ۷۲/۱
4 مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ انس ابن مالک دارالفکر بیروت ۷۵/۵

کتابت آیات واحادیث کی تعظیم فرض ہے یونہی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ردا و قمیص خصوصًا ناخن و موئے مبارک کی کہ اجزائے جسم اکرم حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل جزء جزء وشعرۃ شعرۃ منہ وبارک وسلم تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ان طریقوں سے تبرک کرنا اور حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز ومقرر رکھنا بلکہ بنفس نفیس یہ فعل فرمانا جوازِ مانحن فیہ کے لئے دلیل واضح ہے اور کتابت قرآن عظیم کی تعظیم زیادہ ماننا بھی ہر گز مفید تفرقہ نہیں ہو سکتا کہ جب علت منع خوف تجنیس ہے تو وُہ جس طرح کتابت فرقان کے لئے ممنوع و محظور، یونہی لباس واجزائے جسم اقدس کے لئے قطعًا ناجائز و محذور، پھر صحاح احادیث سے اسکا جواز بلکہ ندب ثابت ہونا بحکم دلالۃ النص اس کے جواز کی دلیل کافی **وللہ الحمد۔**

مقام سوم: کفن پر آیات اسماء ادعیہ لکھنے میں جو شبہہ کیا جاسکتا تھا وہ یہی تھا کہ میّت کا بدن شق ہونا، اس سے ریم وغیرہ نکلنا ہے، تو نجاست سے تلوث لازم آئے گا۔ اس کا نفیس ازالہ امام نفیس نے فرمادیا کہ اصطبلِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا: **حبس فی سبیل اللہ تعالٰی**[1] (وقف فی سبیل اللہ تعالٰی ہے۔ت) جو احتمالِ نجاست یہاں ہے وہاں بھی تھا تو معلوم ہوا کہ ایک امر غیر موجود کا احتمال نیت صالحہ وغرض صحیح موجود فی الحال سے مانع نہیں آتا۔ مگر ایک متاخر عالم شافعی المذہب امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اس جواب میں کلام کیا ران اِسپ پر لکھنا صرف پہچان کے لئے تھا اور کفن پر لکھنے سے تبرک مقصود ہوتا ہے، تو یہاں کلماتِ معظّمہ اپنے حال پر باقی ہیں انہیں معرض نجاست پر پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی[2]۔

ذکرہ فی فتاواہ الکبرٰی واثرہ العلامۃ الشامی فتبعہ علی عادتہ فانی رأیتہ کثیرا مایتبع ھذاالفاضل الشافعی کمافعل ھھنا مع نص ائمۃ مذھبہ الامام نصیر والامام الصفار و تصریح البزازیۃ والدرالمختار وکذا فی	اسے امام ابن حجر مکی نے اپنے فتاوٰی کبرٰی میں ذکر کیا اور علّامہ شامی نے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی پیروی کی، جیسا کہ ان کی عادت ہے اس لئے کہ میں نے بہت جگہ دیکھا کہ وہ اس شافعی فاضل کی پیروی کرتے ہیں جیسے یہاں کی باوجودیکہ ان کے ائمہ مذہب امام نصیر، امام صفار کی تصریح اور بزازیہ و درمختار کی عبارت سامنے ہے۔ اسی طرح خطبہ میں ذکر سلاطین

[1] ردالمحتار علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۷

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۷

مسئلۃ نزول الخطیب درجۃ عند ذکر السلاطین وفی مسئلۃ اذان القبر وفی نجاسۃ رطوبۃ الرحم بالاتفاق مع ان الصواب ان طھارۃ رطوبۃ الفرج عند الامام یشمل الفرج الخارج والرحم والفرج الداخل جمیعا کما بینۃ فی جد الممتار۔	کے وقت خطیب کے ایک سیڑھی نیچے اُتر آنے کے مسئلے میں اور مسئلہ اذانِ قبر میں اور رطوبت رحم کی نجاست کے بارے میں کہا جبکہ صحیح یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک رطوبتِ فرج کی طہارت فرج خارج، رحم اور فرج داخل سبھی کو شامل ہے۔ جیسا کہ جد الممتار میں اسے میں نے بیان کیا ہے (ت)

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ فارق یہاں اصلاً نافع نہیں کما بینۃ فیما علقت علی ردالمحتار (جیسا کہ میں نے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں اسے بیان کیا ہے۔ت) مقام ثانی میں جو احادیثِ جلیلہ ہم نے ذکر کیں وہ تو خاص تبرک ہی کے واسطے تھیں تو فرق ضائع اور امام نصیر کا استدلال صحیح و قاطع ہے۔

ثم اقول: بلکہ خود قرآنِ عظیم مثل سورہ فاتحہ وآیاتِ شفاء وغیرہا بغرضِ شفاء لکھ کر دھو کر پینا سلفاً خلفاً بلانکیر رائج ہے عــــہ۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے دردِ زہ کے لئے فرمایا:

تکتب لھا شیئ من القراٰن وتسقی۔[1]	قرآن مجید میں سے کچھ لکھ کر عورت کو پلائیں۔

امام احمد بن حنبل اس کے لئے حدیثِ ابن عباس، دعائے کرب اور دو آیتیں تحریر فرمایا کرتے: لا الٰہ الااللہ الحلیم الکریم سبحٰن اللہ رب العرش العظیم الحمدللہ رب العٰلمین کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾

عــــہ: بلکہ دیلمی نے مسند الفردوس میں اُن سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اذا عسرت علی المرأۃ ولادتھا خذ اناء نظیفا فاکتب علیہ قولہ تعالٰی، کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَ مَا یُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ کَاَنَّھُمْ یَوْمَ یَرَوْنَھَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ، ثم یغسل وتسقی منہ المرأۃ وینضح علی بطنھا وفرجھا۔[2] جس عورت کو جننے میں دشواری ہو پاکیزہ برتن پر آیتیں لکھ کر اُسے پلائیں اور اس کے پیٹ اور فرج پر چھڑکیں۔ ذکرہ فی نزھۃ الاسرار معزی التفسیر بحر العلوم ۱۲

[1] کنز العمال بحوالہ السنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۳۸۱ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۶۴

[2] قول عبداللہ ابن عباس

مَایُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَۃً مِّنۡ نَّہَارٍ ؕ [1]

ان کے صاحبزادہ جلیل امام عبداللہ بن احمد اسے زعفران سے لکھتے۔ امام حافظ ثقہ احمد بن علی ابوبکر مروزی نے کہا: میں نے ان کو بارہا اسے لکھتے دیکھا[2] رواہ الامام الثقۃ الحافظ ابوعلی الحسن بن علی الخلال المکی (اسے امام، ثقہ، حافظ ابوعلی حسن بن علی خلال مکی نے روایت کیا۔ت) حالانکہ معلوم ہے کہ پانی جزوِ بدن نہیں ہوتا اور اسکا مثانہ سے گزر کر آلاتِ بول سے نکلنا ضرور ہے بلکہ خود زمزم شریف کیا متبرک نہیں، ولہذا اس سے استنجا کرنا منع ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ الاستنجاء بماء زمزم لا الاغتسال[3]۔	آبِ زم زم سے استنجاء مکروہ ہے غسل نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقۃ من ثوبہ او بدنہ حتی ذکر بعض العلماء تحریم ذلک[4]۔	اسی طرح اپنے کپڑے یا بدن سے نجاستِ حقیقیہ آبِ زم زم سے زائل کرنا یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے حرام بتایا ہے۔(ت)

اور اس کا پینا اعلٰی درجہ کی سنت، بلکہ کوکھ بھر کر پینا ایمان خالص کی علامت۔ تاریخ بخاری وسنن ابن ماجہ و صحیح مستدرک میں بسندِ حسن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰیۃ ما بیننا وبین المنافقین انھم لایتضلعون من زمزم[5]۔	ہم میں اور منافقوں میں فرق کی نشانی یہ ہے کہ وہ کوکھ بھر کر آبِ زمزم نہیں پیتے۔

بلکہ بحمد اللہ تعالٰی ہماری تقریر سے امام ابن حجر شافعی اور ان کے متبع کا خلاف ہی اُٹھ گیا، اول نے اسے حدیث سے ثبوت پر موقوف رکھا تھا،

---

[1] مواہب اللدنیہ کتابات الآلام اخری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۶۳، مدارج النبوۃ باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسرولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۵

[2] مدارج النبوۃ بحوالہ خلال مکی باب ششم معجزات آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رقیہ عسرولادت) مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۵

[3] درمختار باب الہدی مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۴

[4] ردالمحتار باب الہدٰی مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۵۶

[5] المستدرک علی الصحیحین کتاب المناسک مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۷۲

قال والقول بانه قیل یطلب فعله الخ مرد ود لان مثل ذلك لا یحتج به وانما کانت تظهر الحجة لوصح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم طلب ذلك ولیس کذلك[1]۔	ان کا کلام یہ ہے "یہ کہنا کہ "غرض صحیح کے لئے ایسا کرنا مطلوب ہوگا اگرچہ معلوم ہو کہ اسے نجاست پہنچے گی" ناقابل قبول ہے کیونکہ اس طرح کی بات سے حجت قائم نہیں ہوتی، اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی طلب صحت کے ساتھ ثابت ہوتی تو حجت ظاہر ہوتی اور ایسا نہیں"۔(ت)

دوم نے حدیث یا قولِ مجتہد پر،

قال فالمنع هنا بالاولٰی مالم یثبت عن المجتهد او ینقل فیه حدیث ثابت[2]۔	انہوں نے کہا: تو یہاں ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے اس کا ثبوت نہ ہو یا اس بارے میں کوئی حدیث منقول نہ ہو(ت)

ہم نے متعدد احادیثِ صحیحہ سے اُسے ثابت کردیا اور امام نصیر و امام قاسم صفار نے خود ہمارے مذہب کے ائمہ مجتہدین سے ہیں، بالجملہ حکمِ جواز ہے اور اگر بلحاظ زیادت احتیاط کفن پر لکھنے یا لکھا ہوا کفن دینے سے اجتناب کرے تو جادارد۔ اس بحث کی تکمیل وتفصیل فقیر نے تعلیقات ردالمحتار میں ذکر کی، اُس کا یہاں ذکر خالی از نفع نہیں، امام حجر مکی نے بعد عبارت مذکورہ نمبر ۱۲ افرمایا تھا:

قیاسه علی مافی نعم الصدقة ممنوع لان القصد ثم التمیز لاالتبرك وهنا القصد التبرك فالاسماء المعظمة باقیة علی حالها فلا یجوز تعریضها للنجاسة[3] اھ واقرہ ش	صدقہ کے جانوروں کے بارے میں جو آیا ہے اس پر اس کا قیاس ممنوع ہے اس لئے کہ وہاں امتیاز مقصود ہے تبرک نہیں، اور یہاں برکت لینا مقصود ہے تو عظمت والے اسماء اپنے حال پر باقی رہیں گے انہیں معرض نجاست میں لانا جائز نہ ہوگا اھ، علامہ شامی نے اسے برقرار رکھا۔(ت)

فقیر نے اس پر تعلیق کی:

---

[1] فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۷

[3] فتاوٰی ابن حجر مکی باب الجنائز دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۳

اقول: هذاالفرق لایجدی نفعاوکیف یسلم ان قصدالتمیز یسقط تعظیم ماوجب تعظیمه شرعا افتبدل به اعیان الاسماء العظمة فهو باطل عیانا ام لایراد بهامعانیها بل تکون الالفاظ مستعملة فی معان اخری او من دون معنی وهذا ایضا باطل قطعافان قولنالله اوحبیس فی سبیل الله انمایفیدالتمیز ویفهم الصدقة بالنظر الی معانیها الموضوعة لها لاغیر ام اذااستعملت الکلمات المعظمة فی معانیها وکان الغرض هنالك افهام امر ما سوی نحوالتبرك یخرجها ذلك عن کونها معظمة وای دلیل من الشرع علی ذلك بل الدلائل بل البداهة ناطقة بخلافه ولوان مجرد قصد غرض اٰخرغیرنحو التبرك کان یسقط التعظیم فلیجز توسد القراٰن العظیم بل اولی لان الغرض ثم لایتم الاباسم الجلالة من حیث هواسم الجلالة اماھٰھنافنظر المتوسد لیس الی قراٰنیته من حیث هی هی بل الی حجمه وضخامة جلده واذاجاز ذلك لذلك جاز

اقول: یہ تفریق بے سُود ہے، یہ کیسے تسلیم کیاجاسکتا ہے کہ امتیاز کا قصد ایسی چیز کی تعظیم ساقط کردے جس کی تعظیم شرعًا واجب ہو--اگر یہ کہیں کہ اس قصد کی وجہ سے عظمت والے اسماء کی حقیقت ہی بدل جاتی ہے تواس کا بطلان عیاں ہے اور یہ کہیں کہ ان سے ان کی معانی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ دوسرے معانی میں مستعمل الفاظ ہوجاتے ہیں یا معنی سے خالی ہوجاتے ہیں -- تو یہ قطعًا باطل ہے کیونکہ کلمہ "للہ" (خدا کے لئے) یا "حبیس فی سبیل اللہ" (اللہ کی راہ میں وقف) امتیاز ونشان کا فائدہ بھی دیتا ہے اوراپنے وضعِ معنی کے لحاظ سے مال صدقہ ہونے کو بھی بتاتا ہے کوئی اور معنی نہیں دیتا--اور اگر یہ کہیں کہ عظمت والے کلمات جب اپنے معانی میں مستعمل ہوں اور وہاں تبرک کے سوا کوئی اور بات سمجھانی بھی مقصود ہو تو وہ باعظمت نہیں رہ جاتے--تواس پر کون سی دلیل شرعی ہے؟ بلکہ دلائل بلکہ بداہت اس کے خلاف ناطق ہے تبرک جیسے امر کے سوا کسی اور غرض کا محض قصد ہوجانا اگر تعظیم کو ساقط کردیتا ہے تو چاہئے کہ قرآنِ عظیم کا تکیہ لگانا جائز ہو بلکہ بدرجہ اولٰی ، اس لئے کہ وہاں جو غرض ہے وہ اسم جلالت بحیثیت اسم جلالت کے بغیر پوری نہیں ہوتی--اور یہاں تو تکیہ لگانے والے کی نظر اس کی قرآنیت بحیثیت قرآنیت کی جانب نہیں ہوتی بلکہ اس کے حجم اور جلد کی ضخامت کی جانب ہوتی ہے--اور اس بنیاد پر جب وہ جائز ہوجائیگا۔

ایضا والعیاذباللہ تعالٰی ان یضع المصحف الکریم علی الارض ویجلس علیه توقیالثیابه من التراب فانه لیس باعظم من التعریض للابوال والارواث الی غیر ذلك مما لایجیزه احد ۔ ولعل متعلا یعتل بجواز قراءۃامثال الفاتحۃ للجنب واختیه اذاقصدواالثناء والدعاء دون التلاوۃ۔

اقول: نازعه المحقق الحلبی فی الحلیۃ وخصّ الجواز بمالا یقع به التحدی ای مادون قدر ثلث اٰیات ولی فی ھذا ایضا کلام والحق عندی ان الجواز بنیۃ الدعاء والثناء ورد علی خلاف القیاس توسعۃ من اللہتعالٰی بعبیدہ رحمۃ منه و فضلا فلا یجوز القیاس علیه علا ان منع الجنب لم یکن لنفس الالفاظ بل لکونھا قراٰنا ای کلام اللہ عزوجل النازل علی نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المثبت بین الدفتین من حیث ھوکذلك حتی لو فرض ان تلك الالفاظ کانت حدیثالم یحرم علیه قراءته فاذا قرأت علی جھۃ انشاء کلامن عند نفسه

تو معاذاللہ یہ بھی جائز ہو جائے گا کہ مصحف شریف زمین پر رکھ کر اس پر بیٹھ رہے اس غرض سے کہ اس کے کپڑے مٹّی سے محفوظ رہیں-- کیونکہ یہ لید اور پیشاب وغیرہ پڑنے کی جگہ لانے سے بڑھ کر نہیں، جسے کوئی جائز نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کوئی یوں علت پیش کرے کہ جنب وحائض ونفساء کے لئے دعاوثناکے ارادے سے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا جائز ہے اور بقصدِ تلاوت جائز نہیں۔

اقول: محقق حلبی نے حلیہ میں اس سے اختلاف کیا ہے اور جواز صرف اتنی مقدار سے خاص کیا ہے جس سے تحدّی واقع نہیں ہوتی، یعنی تین آیات سے کم ہی پڑھنے کا جواز ہے-- مجھے اس میں بھی کلام ہے-- میرے نزدیک حق یہ ہے کہ دعا یا ثنا کی نیت سے جواز کا حکم --اللہ تعالٰی کی جانب سے بطور رحمت و فضل بندوں پر وسعت دینے کے لئے--خلافِ قیاس وارد ہے تو اس پر قیاس روا نہیں-- علاوہ ازیں جنب کے لئے ممانعت نفس الفاظ کے باعث نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ وہ قرآن ہیں یعنی اللہ عزوجل کا وُہ کلام جو اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہے دو دفتیوں کے درمیان ثبت ہے اس لحاظ سے کہ وہ قرآن ہیں، یہاں تک کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ الفاظِ حدیث ہیں تو جنب کے لئے ان کی قرأت حرام نہ ہوگی--تو جب ان کی قرأت اس طور پر ہو کہ خود اپنی جانب سے

لم تبق النسبة المانعة ملحوظة اماھٰھنا فالتعظیم لنفس تلك الالفاظ الموضوعة لتلك المعانی المعظمة وھی باقیة فی الکتابة علی حالھا فافھم، مع ان العلامة سیّدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نص علیه ان النیة تعمل فی تغییر المنطوق لا المکتوب [1] کمانقله العلامة ش قبیل المیاہ واقرہ۔	ایک کلام انشا کر رہا ہے توجو نسبت باعثِ ممانعت تھی وہ ملحوظ نہ رہ گئی-- لیکن یہاں تو تعظیم خود ان ہی الفاظ کے باعث ہے جو ان معانی عظمت کے لئے وضع ہوئے ہیں۔اور کتابت میں یہ اپنے حال پر باقی ہیں۔تو اسے سمجھو--اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ نے صراحت فرمائی ہے کہ نیت منطوق کو بدلنے میں اثر انداز ہوتی ہے مکتوب میں نہیں--جیسا کہ علّامہ شامی نے باب المیاہ سے ذرا قبل اس کو نقل کیا اور برقرار رکھا ہے۔
ثم اقول: علی التسلیم لامحیص عن کونه اعنی ماکتب علی افخاذ الا بل حروفا و حروف الھجاء المعظمة بانفسھا لایجوز تعریضھا للنجاسة کیف وانھا علی ماذکرالزرقانی فی شرح المواھب قراٰن انزل علی سیدناھودعلی نبینا الکریم و علیه الصلٰوة والتسلیم [2] وکذا نقله فی ردالمحتار عن بعض القراء وقدمه عن سیّدی عبدالغنی عن کتاب الاشارات فی علم القراءات للامام القسطلانی وقال اعنی الشامی فیه ان الحروف فی ذاتھا لھا احترام [3] اھ، و	**ثم اقول:** برتقدیر تسلیم ـــ اونٹوں کی ران پر جو لکھا جاتا اُس کو حروف ماننے سے مفر نہیں ـــ اور حروفِ تہجی خود باعظمت ہیں، انہیں معرضِ نجاست میں لانا جائز نہیں ـــ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ یہ وُہ قرآن ہے جو سیّدنا ہود علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم پر نازل ہوا، جیسا کہ علّامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا ہے ـــ اسی طرح ردالمحتار میں اسے بعض قراء سے نقل کیا ہے اور اس سے پہلے امام قسطلانی کی کتاب "الاشارات فی علم القراءات" کے حوالے سے سید عبدالغنی نابلسی سے نقل کیا-اور اسی میں علامہ شامی نے بھی یہ لکھا ہے خود یہ حروف محترم ہیں اھ ـ یہ بھی

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹

[2] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷

[3] ردالمحتار فصل الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۱۱۹

قال ایضا نقلوا عندنا ان للحروف حرمۃ ولو مقطعۃ[1] اھ۔ وفی الھندیۃ لوقطع الحروف فی الحرف او خیط علی بعض الحروف فی البساط اوالمصلی حتی لم تبق الکلمۃ متصلۃ لم تسقط الکراھۃ وکذلک لوکان علیہ، الملک ،لاغیر وکذلک الالف وحدھا واللام وحدھا کذا فی الکبری، اذا کتب اسم فرعون اوکتب ابو جھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلک الحروف الحرمۃ کذافی السراجیۃ[2] اھ بل صرح فی الدرالمختار وغیرہ انہ یجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولا ترمی برایۃ القلم المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[3] اھوفی ردالمحتار ورق الکتابۃ لہ احترام ایضالکونہ اٰلۃ لکتابۃ العلم ولذاعللہ فی التاتارخانیہ بان تعظیمہ من ادب الدین[4] اھ فاذا کان ھذا فی برایۃ القلم وبیاض الورق الغیر المکتوب	لکھا ہے کہ علماء نے نقل فرمایا ہے کہ ہمارے نزدیک حروف کی عزت وحرمت ہے اگرچہ یہ الگ الگ ہوں اھ-ہندیہ میں ہے اگر حرف کو حرف سے جدا کردیا، یا فرش یا جانماز میں بعض حروف پر اس طرح سلائی کردی گئی کہ پُورا لفظ مستعمل نہ رہا تو بھی کراہت ختم نہ ہوئی--اسی طرح اگر اس پر صرف الملک ہو، اسی طرح اگر صرف الف اور صرف لام ہو، ایسا ہی کبرٰی میں ہے--اگر نشانہ لگانے کی جگہ فرعون کا نام لکھ دیا گیا یا ابوجہل لکھا گیا تو اس پر تیر مارنا مکروہ ہے اس لئے کہ ان حروف ہی کی عزّت وحرمت ہے، ایسا ہی سراجیہ میں ہے اھبلکہ درمختار وغیرہ میں تصریح ہے کہ نئے قلم کا تراشا پھینکنا جائز ہے اور مستعمل قلم کا تراشہ پھینکنا جائز نہیں کیونکہ وہ محترم ہے، جیسے مسجد کی گھاس اور کوڑا ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں بے حرمتی ہو اھ۔ ردالمحتار میں ہے: کتابت کے کاغذ کا احترام ہے اس لئے کہ وہ کتابتِ علم کا سامان ہے--اسی لئے تاتارخانیہ میں اس کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس کی تعظیم دین کے آداب سے ہے اھ ـــ تو جب یہ حکم قلم کے تراشے اور بغیر لکھے کاغذ کی بیاض کے بارے میں ہے تو حروف کے

Majlis of Dawateislami

[1] ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴

[4] ردالمحتار فصل فی الاستنجاء مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۷

فما ظنك بالحروف فاذن لاشك فی صحة الاستنادولابد من اخراج کتابات الابل عن الاخلال بالتعظیم۔	بارے میں کیا ہوگا--اس سے ظاہر ہوا کہ صحتِ استناد میں کوئی شک نہیں---اور اونٹوں والی تحریروں کو بے حرمتی سے خارج ماننا ضروری ہے۔
واقول: یظهر لی فی النظر الحاضر ان لیس الامتهان من لازم تلك الکتابة ولاهو موجود حین فعلت ولاهومقصود لمن فعل وانما اراد التمیز وانماالاعمال بالنیات وانمالکل امرء مانوی[1]۔	**واقول:** (اور میں کہتا ہوں) بنظرِ حاضر مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ اہانت اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بوقتِ تحریر اہانت کا وجود ہے، نہ ہی یہ لکھنے والے کا مقصود ہے-- اس کا مقصد صرف امتیاز پیدا کرنا اور نشان لگانا ہے--اور اعمال کامدار نیتوں پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی--
قال فی جواهر الاخلاطی ثم الفتاوی الهندیة لاباس بکتابة اسم اللّٰه تعالٰی علی الدراهم لان قصد صاحبه العلامة لاالتهاون[2]اھ وهذ الاشك انه جارفیمانحن فیه فلیس التجنیس من لازم الکتابة ولاهو موجود لامقصود وانما المراد التبرك الی اٰخر مامر فان قنع بهذا فذاك والا فایاما ابدیتم من الوجه فی ذالك فانه یجری فیما هنالك ولایظهر فرق یغیر المسالک۔	جواہر اخلاطی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے: دراہم پر اللہ کا نام تحریر کرنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ تحریر کرنے والے کا مقصود صرف نشان ہوتا ہے، اہانت نہیں اھ--یہ بات بلاشبہہ تحریر کفن میں بھی جاری ہے اس لئے کہ نجاست آلود کرنا اس تحریر کو لازم نہیں، نہ ہی بروقت اس کا وجود ہے نہ ہی مقصود ہے، مقصود صرف برکت حاصل کرنا ہے--وُہ ساری باتیں جو گزر چکیں۔ اگر مخالف اسے مان لے تو ٹھیک ہے ورنہ اُس میں آپ جو بھی وجہ بتائیں وُہ یہاں بھی جاری ہوگی اور کوئی ایسا فرق رونما نہ ہوگا جس سے راہیں مختلف ہوجاتیں۔

[1] صحیح بخاری باب کیف بدءالوحی مطبوعہ قدیمی قطب خانہ کراچی ۲/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی آداب المسجد مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۲۳/۵

فان قلت التجنیس فی الابل غیر مقطوع به حتی فی اجانب الانسی من افخاذها لانها تتفاج حین تبول فکیف بالوحشی المکتوب علیه **قلت** لاقطع فی التکفین ایضا فلیس کل جسد یبلی فان الاولیاء والعلماء العالمین والشهداء والمؤذن المحتسب وحامل القراٰن العامل به والمرابط والمیت بالطاعون صابرا محتسبا والمکثر من ذکر الله تعالٰی لاتتغیر ابدانهم[1] نقله العلامة الزرقانی فی شرح المؤطا من جامع الجنائز وجعلهم عشرة کاملة بذکر الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ثم الصدیقین والمحبین لله تعالٰی وجمعت هذین فی قول الاولیاء۔ ثم تقیید المؤذن بالمحتسب هو نص حدیث اخرجه الطبرانی عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال المؤذن المحتسب کالشهید (المشتحط) فی دمه و اذا مات لم یدود فی قبره[2]

اگر یہ کہیے کہ اونٹوں میں آلودگیِ نجاست کا یقین نہیں خواہ پالتو اونٹ کی ران کے پہلو پر لکھائی ہو کیونکہ اونٹ پیشاب کرتے وقت اپنی ٹانگوں کو کھول لیتا ہے تو کھلے جنگل میں رہنے والے جانوروں پر لکھائی میں کیسے یقین ہو سکتی ہے-- میں کہوں گا کفن دینے میں بھی یہ یقینی نہیں، اس لئے کہ ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا اولیاء، باعمل علماء، شہداء، طالبِ ثواب مؤذن، باعمل حافظِ قرآن، سرحد کا پاسبان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرنے والا، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، ان کے بدن بگڑتے نہیں اسے علامہ زرقانی نے شرح مؤطا میں جامع الجنائز سے نقل کیا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پھر صدیقین اور خدا کے محبین کو ذکر کرکے ان کی تعداد کامل دس کردی ہے-- اور میں نے ان دونوں قسموں کو لفظ اولیاء میں شامل کردیا۔ مؤذن کے ساتھ محتسب (طالب ثواب) کی قید بتصریح حدیث ثابت ہے۔ طبرانی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ سرکار نے فرمایا: موذنِ محتسب اپنے خون میں آلودہ شہید کی طرح ہے جب وہ مرتا ہے تو قبر کے

---

[1] شرح زرقانی علی المؤطا باب جامع الجنائز مطبوعہ مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۸۴/۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب المؤذن المحتسب مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۳/۲

وھو محمل اثر مجاھد المؤذنون اطول الناس اعناقا یوم القیٰمۃ ولایدودون فی قبورھم [1] رواہ عبدالرزاق وذلک بدلیل الجزء الاول اطول الناس الخ۔	اندر اس کے بدن میں کیڑے نہیں پڑتے۔۔اور یہی حضرت مجاہد کے اس اثر کی بھی مراد ہے کہ اذان دینے والے روزِ قیامت سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز ہوں گے اور قبروں کے اندر ان کے جسم میں کیڑے نہ پڑیں گے۔اسے عبدالرزاق نے روایت کیا۔۔اس کی (یہاں بھی محتسب کی قید ملحوظ ہونے کی) دلیل جزء اول اطول الناس (سب لوگوں سے زیادہ گردن دراز) الخ ہے۔
اماحامل القراٰن فحدیث ابن مندۃ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذامات حامل القراٰن اوحی اللہ الی الارض ان لاتاکلی لحمہ، فتقول الارض ای رب کیف اٰکل لحمہ وکلامک فی جوفہ [2] قال ابن مندۃ وفی الباب عن ابی ھریرۃ وابن مسعود۔و زاد فیہ الشیخ قید العامل بہ **اقول:** بہ ولکن العامل بہ مرجولہ ذلک وان لم یکن حاملہ فقد اخرج المروزی عن قتادۃ قال بلغنی انا الارض لاتسلط علی جسد	حافظ قرآن سے متعلق ابن مندہ کی حدیث ہے جو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے"جب حافظ قرآن مرتا ہے خدا زمین کو حکم فرماتا ہے اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے: اے رب! میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جب تیرا کلام اس کے سینے میں ہے"۔ابن مندہ نے کہا اس باب میں حضرت ابوہریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔ شیخ نے اس پر "قرآن پر عامل" کی قید کا اضافہ کیا۔۔ **اقول:** مگر عاملِ قرآن اگر حافظِ قرآن نہ ہو تو بھی اس کے لئے یہ امید ہے۔۔مروزی نے قتادہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ زمین اس کے جسم پر مسلّط نہیں

[1] المصنف لعبدالرزاق باب فصل فی الاذان مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۸۳

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۲۸۴

الذی لم یعمل خطیئۃ الا ان یقال ان وصف العامل بہ حامل للخطّاء التواب ایضا ثم الذی لم یعمل خطیئۃ ھوالصالح المحفوظ ولایشمل الصبی فیما اظن [1] واللہ تعالٰی اعلم وبضم ھذا تمواعشرۃ وللہ الحمد نبی ۱، ولی ۲، عالم ۳، شھید ۴، مرابط ۵، میت طاعون ۶، مؤذّن محتسبین۷، ذکار ۸، حامل القراٰن۹، من لم یعمل۱۰ خطیئۃ ۔فان کان من نکفنہ احدھٰؤلاء فذالك والا فمایدریك ان ھذاالمسلم لیس من اولیاء اللہ تعالٰی او لم ینل منازل الشھداء بل من الاشرار من لایتغیر جسدہ تشدیدا للتعذیب والعیاذ باللہ القریب المجیب۔	کی جاتی جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ عاملِ قرآن کا وصف اس پر بھی صادق ہے جو خطاکار اور تائب ہو پھر، وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ایسا صالح ہوگا جو گناہ سے بالکل محفوظ رہا ہو--اور یہ وصف میرے خیال میں بچّے کو شامل نہیں،اور زیادہ علم خدائے برتر کو ہے--اب اسے ملا کر پورے دس ہوگئے۔(۱) نبی (۲) ولی (۳) عالم (۴) شہید (۵) مرابط (سرحد کا پاسبان) (۶) میّت اعون، محتسب (۷) مؤذن محتسب (۸) بہت ذکر کرنے والا (۹) حافظِ قرآن (۱۰) وہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا۔تو جسے ہم کفن دے رہے ہیں مذکورین میں سے کوئی ایک ہے تو حال واضح ہے-- ورنہ کیا معلوم کے یہ مسلمان اللہ تعالٰی کے اولیاء سے نہیں یا اسے شہداء کا درجہ حاصل نہیں--بلکہ اشرار میں بھی ایسے ہیں جن کا جسم اس لئے متغیر نہیں ہوتا کہ عذاب زیادہ سخت ہو-- پناہ خدائے قریب مجیب کی۔
ھذا واما ما ایدہ بہ المحشی مماقدم عن الفتح انہ تکرہ کتابۃ القراٰن واسماء اللہتعالٰی علی الدراھم والمحاریب والجدران ومایفرش [2] اھ ما فی الفتح　قال المحشی ما ذلك الا لاحترامہ و خشیئۃ وطئہ و نحوہ مما فیہ اھانۃ،	**اب رہاوہ** کلام جو اس کی تائید میں علّامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالے سے پیش کیا کہ درہم، محراب اور دیوار اور بچھائی جانے والی چیز پر قرآن اور اسماء الٰہی لکھنا مکروہ ہے (فتح کی عبارت ختم ہوئی) اس پر علامہ شامی لکھتے ہیں: اس کی وجہ یہی احترام اور پامالی وغیرہ سے اہانت کا اندیشہ ہے، تو یہاں

[1] مروزی مسانید فی الحدیث

[2] ردالمحتار مطلب فیمایکتب علٰی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۷

فالمنع ھنا بالاولی مالم یثبت عن المجتھد اوینقل فیہ حدیث ثابت [1] اھ وھذا الذی حملہ علی العدول عن قول امام مذھبہ الصفار الحنفی الی قول الامام ابن ا لصلاح من متاخری الشافیعۃ

فاقول: امّاالکتابۃ علی الفراش فامتھان حاضر اوقصدمالا ینفك عن التھاون فلیس ممانحن فیہ ولاکلام فی کراھتہ واما علی البواقی فالمسئلۃ مختلف فیھا وقداسمعناك اٰنفاما فی جواہر الاخلاطی فی حق الدراھم وقال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواہ لوکتب القراٰن علی الحیطان والجدران بعضھم قالوا یرجی ان یجوز وبعضھم کرھواذلك مخافۃ السقوط تحت اقدام الناس [2] اھ فقد قدم رجاء الجواز وھو کما صرح بہ فی دیباجۃ فتاواہ لایقدم الا الاظھر الاشھر ویکون کما نص علیہ العلامۃ السید الطحطاوی ثم السید المحشی ھو المعتمد فاذن فلتکن الکتابۃ المعھودۃ علی افخاذ الابل من لدن سیدنا الفاروق الاعظم رضی اللہ

ممانعت بدرجہ اولٰی ہوگی جب تک کہ مجتہد سے ثبوت نہ ہویا اس بارے میں کوئی حدیثِ ثابت منقول نہ ہو اھ ---یہی وہ بات ہے جو ان کے لئے اپنے مذہب کے امام صفار حنفی کے قول سے عدول کرکے ایک شافعی متاخر امام ابن الصلاح کا قول لینے پر باعث ہوئی۔

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) بچھونے پر لکھا تو بروقت اہانت ہے یا ایسے کام کا قصد ہے جو بے حرمتی سے جُدا ہونے والا نہیں۔ یہ تو ہمارے مبحث سے خارج ہے اور اس کے مکروہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ رہا باقی چیزوں پر لکھنا تو ان کے بارے میں مسئلہ اختلافی ہے---دراہم سے متعلق توجواہر اخلاطی کی عبارت ابھی ہم پیش کرآئے (دیوار و محراب سے متعلق ملاحظہ ہو) امام اجل قاضی خاں اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: "اگر دیواروں پر قرآن لکھا تو بعض نے کہا امید ہے کہ جائز ہوگا" اور بعض نے لوگوں کے پاؤں تلے پڑنے کے اندیشے کی وجہ سے اس کو مکروہ کہا اھ --اس عبارت میں امیدِ جواز کو انہوں نے مقدم رکھا ہے-- اور جیسا کہ اپنے فتاوٰی کے دیباچے میں وہ تصریح فرماچکے ہیں جسے وہ مقدم رکھتے ہیں وہی "اظہر اشہر" ہوتا ہے--اور جیسا کہ علامہ سید طحطاوی پھر خود علّامہ شامی نے تصریح فرمائی ہے وہی "معتمد" ہوتا ہے-- ایسی صورت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے سے اونٹوں کی ران پر

---

[1] ردالمحتار مطلب فیمایکتب علی کفن المیت مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح من الحظر مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/۷۹۲

تعالٰی عنه مرجحة لقول الجواز ان فرضنا المساواة والا فلا نسلمها من الاصل فان الكتابة على المحاريب والجدران انما يكون المقصود بها غالبا الزينة وليست من الحاجة فی شيئ فالمنع ثم لايستلزم المنع حيث الحاجة ماسة كالتمييز والتبرك والتوسل للنجاة باذن الله تعالٰی فافهم والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	لکھی جانے والی تحریر معہود و معلوم سے قولِ جواز کو ترجیح ہونی چاہئے -- اگر دونوں تحریروں میں ہم مساوات مانیں -- ورنہ اسے ہم سرے سے نہیں مانتے اس لئے کہ محرابوں اور دیواروں پر لکھنے سے عموماً زینت مقصود ہوتی ہے۔ یہ کوئی حاجت کی چیز ہی نہیں --- تو اگر اس میں ممانعت ہے تو یہ اس کو مستلزم نہیں کہ وہاں بھی ممانعت ہو جہاں حاجت ہے جیسے امتیاز پیدا کرنا، برکت حاصل کرنا، باذنِ الٰہی نجات کا وسیلہ بنانا --- تو اسے سمجھو -- اور خدائے پاک بزرگ و برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مقام چہارم: جب خود کفن پر ادعیہ وغیرہ تبرکاً لکھنے کا جواز فقہاً و حدیثاً ثابت ہے تو شجرہ شریف رکھنا بھی بداہۃً اسی باب سے بلکہ بالاولٰی، اوّل تو اسمائے محبوبانِ خدا علیہم التحیۃ والثناء سے توسّل و تبرک بلاشبہہ محمود و مندوب ہے۔ تفسیرِ طبری پھر شرح مواہبِ لدنیہ للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اذا كتب اسماء اهل الكهف فی شيئ والقی فی النار اطفئت [1]۔	جب اصحابِ کہف کے نام لکھ کر آگ میں ڈالے جائیں تو آگ بجھ جاتی ہے۔

تفسیر نیشاپوری علامہ حسن محمد بن حسین نظام الدین میں ہے:

عن ابن عباس ان اسماء اصحاب الكهف يصلح للطلب والهرب واطفاء الحريق تكتب فی خرقه ويرمی بها فی وسط النار، ولبكاء الطفل تكتب و توضع تحت راسه فی المهد، وللحرث تكتب على القرطاس وترفع على خشب منصوب فی وسط الزرع و للضربان وللحمی المثلثة والصداع	یعنی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اصحابِ کہف کے نام تحصیل نفع ودفع ضرر اور آگ بجھانے کے واسطے ایک پرچی پر لکھ کر آگ میں ڈال دیں، اور بچّہ روتا ہو لکھ کر گہوارے میں اس کے سر کے نیچے رکھ دیں، اور کھیتی کی حفاظت کے لئے کاغذ پر لکھ کر بیچ کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اُس پر باندھ دیں، اور رگیں تپکنے اور باری والے بخار اور دردِ سر

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثامن مطبوعہ معرفۃ بیروت ۷/ ۱۰۸

والغنی والجاہ والدخول علی السلاطین تشد علی الفخذ الیمنی والعسر الولادۃ تشد علی فخذھا الا یسر، ولحفظ المال و الرکوب فی البحر والنجاہ من القتل[1]۔	اور حصول تونگری ووجاہت اور سلاطین کے پاس جانے کے لئے دہنی ران پر باندھیں، اور دشواری ولادت کے لئے عورت کی بائیں ران پر، نیز حفاظت مال اور دریا کی سواری اور قتل سے نجات کے لئے۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں: جب امام علی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابوزراعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم وحدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا اپنا اجمالِ مبارک ہمیں دکھایئے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمایئے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹالیں خلقِ خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو ۲ گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش سب لوگ خاموش ہورہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی حضور نے فرمایا:

حدثنی ابوموسی الکاظم عن ابیہ جعفر الصادق عن ابیہ محمدن الباقر عن ابیہ زین العابدین عن ابیہ الحسین عن ابیہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہم قال حدثنی حبیبی وقرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الہ الااللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی[2]۔	یعنی امام علی رضا امام موسٰی کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لا الہ الااللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

[1] تفسیر غرائب القرآن ذکر اسماء اہل کہف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱۵/ ۱۱۰

[2] الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث مطبوعہ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۰۵

یہ حدیث روایت فرماکر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس ہزار سے زائد تھے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

لو قرأت ھذاالاسناد علی مجنون لبرئ من جنتہ[1]۔	یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔

اقول فی الواقع جب اسمائے اصحاب کہف قدست اسرارہم میں وُہ برکات ہیں، حالانکہ وُہ اولیائے عیسویین میں سے ہیں تو اولیاء محمدیین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کا کیا کہنا، اُن کے اسمائے کرام کی برکت کیا شمار میں آسکے۔ اے شخص! تو نہیں جانتا کہ نام کیا ہے۔ مسمّی کے انحائے وجود سے ایک نحو ہے۔ امام فخر الدین رازی وغیرہ علماء نے فرمایا کہ وجودِ شیئ کی چار۴ صورتیں ہیں: وجود اعیان میں، علم میں، تلفظ میں، کتابت میں، توان دوشق اخیر وجود اسم ہی کو وجود مسمّی قرار دیا ہے بلکہ کتبِ عقائد میں لکھتے ہیں: الاسم عین المسمی نام عین مسمّٰی ہے۔ امام رازی نے فرمایا: المشھور عن اصحابنا ان الاسم ھو المسمّی مقصود اتنا ہے کہ نام کا مسمّٰی سے اختصاص کپڑوں کے اختصاص سے زائد ہے اور نام مسمّٰی پر دلالت تراشہ ناخن کی دلالت سے افزوں ہے تو خالی اسماء ہی ایک اعلٰی ذریعہ تبرک وتوسل ہوتے نہ کہ اسامی سلاسل علیہ کی اسناد اتصال بمحبوب ذوالجلال وبحضرت عزت وجلال ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اللہ ومحبوب واولیاء کے سلسلہ کرام وکرامت میں انسلاک کی سند تو شجرہ طیبّہ سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ توسل چاہئے: پھر کفن پر لکھنا کہ ہمارے ائمہ نے جسے جائز فرمایا اور امید گاہِ مغفرت بنایا، اور بعض شافعیہ کو اس میں خیالِ تجنیس آیا، شجرہ طیبہ میں اس کا خیال بھی لزوم نہیں۔ کیا ضرور کہ کفن ہی میں رکھیں بلکہ قبر میں طاق بناکر خواہ سرہانے کہ نکیرین پائنتی کی طرف سے آتے ہیں اُن سے پیشِ نظر ہو، خواہ جانبِ قبلہ کہ میّت کے پیش رو رہے اور اس کے سکون واطمینان واعانت جواب کا باعث ہو، باذنہٖ تعالٰی ولہ الحمد۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی رسالہ "فیض عام" میں شجرہ قبر میں رکھنے کو معمولِ بزرگانِ دین بتاکر سرہانے طاق میں رکھنا پسند کیا۔ یہ امر واسع ہے بلکہ ہماری تحقیق سے واضح ہوا کہ کفن میں رکھنے میں جو کلامِ فقہاء بتایا گیا وُہ متاخرینِ شافعیہ ہیں، ہمارے ائمہ کے طور پر یہ بھی روا ہے، ہاں خروج عن الخلاف کے لئے طاق میں رکھنا زیادہ مناسب وبجا ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

---

[1] الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث فی الاحادیث الواردۃ فی بعض اہل البیت مطبوعہ مکتبہ مجدیہ ملتان ص ۲۰۵

مسئلہ نمبر ۱۶: از چھاؤنی اشرف خان ۳۰ رجب ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنازہ لے کر چلیں تو سرہانہ آگے کریں یا پائینتی؟ ایک شخص کہتا ہے کہ پائینتی آگے کرنے کا حکم ہے میں نے علمائے دین سے پوچھ لیا ہے۔ اور قبر پر اذان کہنے کو ایک شخص حرام و ناجائز کہتا ہے اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اُس شخص نے محض غلط کہا، جنازہ لے کر چلنے میں سرہانے آگے کرنے کا حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذافی المضمرات[1]۔	جنازہ لے کر چلنے میں سر آگے ہوگا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔ (ت)

قبر پر اذان دینے کو جس نے حرام کہا محض غلط کہا، اگر سچّا ہے تو بتائے کہ کس آیت یا حدیث میں اس کو حرام فرمایا ہے اگر نہ بتائے تو ہرگز نہ بتاسکے گا تو خدا اور رسول پر افتراء کرنے کا اقرار کرے۔ حرام وُہ ہے جسے خدا اور رسول نے حرام فرمایا اور واجب وہ ہے جسے خدا اور رسول نے واجب کہا حکم دیا، لیکن وہ چیزیں جن کا خدا اور رسول نے حکم دیا نہ منع کیا وہ سب جائز ہیں انہیں حرام کہنے والا خدا اور رسول پر افتراء کرتا ہے، فقیر کا خاص اس باب میں رسالہ طبع ہوگیا ہے اُسے دیکھ کر اس اذان کے فوائد معلوم کریں اس میں پندرہ ۱۵ دلیلوں سے اس کی اصل جواز کا ثبوت دیا گیا ہے، جو مدعی حرمت کا ہے پہلے اس کے حرام ہونے کا آیت وحدیثوں سے ثبوت دے جب نہ دے سکے تو اپنے کذب کا اقرار اور اذان کے جائز ہونے کا اعتراف کرے، اس کے بعد جو بیان ہوئے سب ہو جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۱۷: از ملک مالوا شہر اندور چھینپہ باکھل مرسلہ اسمٰعیل قادری احمد آباد والا

یہاں میّت ہوگئی تھی، اس کے کفنانے کے بعد پھولوں کی چادر ڈالی گئی، اس کو ایک پیش امام افغانی نے اتار ڈالا اور کہا یہ بدعت ہے ہم نہ ڈالنے دیں گے، دوسرے جو غلاف کا پارچہ سیاہ کعبہ شریف سے لاتے ہیں وہ ٹکڑا ڈالا ہوا تھا اُس ہٹادیا اور کہا یہ روافض کا رواج ہے ہم نہ ڈالیں گے، اُسے الگ ہٹا کے اس نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

الجواب:

پھولوں کی چادر بالائے کفن ڈالنے میں شرعًا اصلًا حرج نہیں بلکہ نیتِ حسن سے حسن ہے جیسے قبور پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۲

پھول ڈالنا کہ وہ جب تک تر ہیں تسبیح کرتے ہیں اس سے میّت کا دل بہلتا ہے اور رحمت اترتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ضع الورد والریاحین علی القبور حسن[1]۔	قبروں پر گلاب اور پھولوں کا رکھنا اچھا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وامداد الفتاح شرح المصنف لمراقی الفلاح وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

انه مادام رطبا یسبح فیؤنس المیت وتنزل بذکرہ الرحمۃ[2]۔	پھول جب تک تر رہے تسبیح کرتا رہتا ہے جس سے میت کو اُنس حاصل ہوتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ (ت)

یونہی تبرک کے لئے غلافِ کعبہ معظّمہ کا قلیل ٹکڑا سینے یا چہرے پر رکھنا بلاشبہہ جائز ہے اور اسے رواج روافض بتانا محض جھوٹ ہے۔ اسد الغابہ وغیرہا میں ہے:

لما حضرہ الموت اوصی ان یکفن فی قمیص کان علیه افضل الصلٰوۃ والسلام کساہ ایاہ، وان جعل ممایلی جسدہ، وکان عندہ قلامۃ اظفارہ علیه افضل الصلٰوۃ والسلام فاوصی ان تسحق وتجعل فی عینیه وفمه، وقال افعلوا ذلك وخلو بینی وبین ارحم الراحمین[3]۔	جب حضرت امیر معاویہ کا آخری وقت آیا وصیت فرمائی کہ اُنہیں اُس قمیص میں کفن دیا جائے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمائی تھی، اور یہ ان کے جسم سے متصل رکھی جائے، ان کے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناخن پاک کے کچھ تراشے بھی تھے ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ باریک کرکے ان کی آنکھوں اور دہن پر رکھ دئے جائیں۔ فرمایا کہ یہ کام انجام دینا اور مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کردینا (ت)۔

مسئلہ نمبر ۱۸: از سورت اسٹیشن سائن، موضع کٹھور، مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یہاں رواج ہے کہ شخص میت کو بعد تغسیل وتکفین کے جنازے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶

[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ باب المیم والعین مطبوعہ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۴/ ۳۸۷

میں رکھتے ہیں، اور جنازہ کی چھتری پر غلاف ڈال کے مُردے کے واسطے شال اور عورت کے واسطے دامنی ڈالا کرتے ہیں اور پھر اس شال یا دامنی کو پھولوں کی ایک چادر بنا کر ڈالتے ہیں تو آیا یہ امر واسطے مرد کے کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جنازہ زنان پر چھتری یا گھوارہ بنا کر غلاف وپردہ ڈالنا مستحب وماثور ہے، ایسا ہی چاہئے، اور جنازہ مرداں میں نہ اس کی حاجت نہ سلف سے عادت۔ ہاں بارش یا دھوپ وغیرہ کی شدت سے بچانے کو بنائیں تو کچھ حرج نہیں، فی کشف الغطاء (کشف الغطاء میں ہے):

اولٰی آنست کہ پوشیدہ شود جنازہ زنان را ومستحسن داشتہ اند گرفتن صندوق رابرائے وے نہ بروئے مرد۔ مگر آن کہ ضرورتے داعی باشد چون خوفِ باران وبرف وشدّتِ گرماونحوآن [1]۔	عورتوں کے جنازہ کو چھپادینا بہتر ہے اور اس کے لئے صندوق بنانا علماء نے مستحسن قرار دیا ہے مرد کے لئے نہیں، مگر یہ کوئی ضرورت داعی ہو بارش اور برف کا اندیشہ ہو یا سخت گرمی وغیرہ ہو۔ (ت)

اور دوشالہ وغیرہ بیش بہا کپڑے ڈالنے سے اگر ریاء وتفاخر ہو تو وہ حرام ہے نہ کہ خاص معاملہ میت واولین منازل آخرت میں، اور اگر زینت مراد ہو تو وہ بھی مکروہ۔

فی الشامیه عن الطحطاویة ویکرہ فیه کل ماکان للزینة [2]۔	شامی میں طحطاوی کے حوالے سے ہے:- اس میں وُہ سب مکروہ ہے جو زینت کے لئے ہو۔ (ت)

ہاں تصدق منظور ہو تو بے شک محمود۔ مگر تصدق کچھ اس طرح اس پر موقوف نہیں کہ جنازہ پر ڈال ہی کر دیں۔ یونہی پھولوں کی چادر بہ نیتِ زینت مکروہ، اور اگر اس قصد سے ہو کہ وہ بحکم احادیث خفیف الحل وطیب الرائحہ ومسبح خدا ومونسِ میّت ہے تو حرج نہیں۔

کما فی القبور ففی الهندیة وغیرها وضع الورد والریاحین علی القبور حسن [3] الخ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	جیسے قبروں میں کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے: قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] کشف الغطاء فصل پنجم مطبع احمدی دہلی ص ۳۲

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۷۸

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر زیارۃ القبور مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

مسئلہ نمبر ۱۹: از مانا دور ملک کاٹھیاواڑ مرسلہ ماسٹر اسمٰعیل صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

تمام لوگ بوجہ رسم کے بالوجہ اس امر کے ملّا صاحب فرماتے ہیں ہم نہیں آئیں گے، ریشمی کپڑا یارنگ برنگ کی چادریں میت پر ڈالتے ہیں اور جب اُن سے کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں تم لوگ ہم پر حسد کرتے ہو، مجبوراً ڈلوانا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب:

جبر حرام ہے اور بخوشی بھی نہ ہوا اگر ملّا فقیر نہیں یعنی چھپن روپے کے مال کا مالک ہے جو قرض وغیرہ میں مشغول نہیں، نیز ایک رسم بے ثبوت کا ایسا التزام نہ چاہئے جبر کرنے والا ملّا نہیں گھٹیا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۲۰: از دلگیر گنج پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

اگر عورت مرجائے تو شوہر اس کے جنازے کو ہاتھ لگائے یا نہیں؟

الجواب:

جنازے کو محض اجنبی ہاتھ لگاتے، کندھوں پر اُٹھاتے، قبر تک لے جاتے ہیں، شوہر نے کیا قصور کیا ہے۔ یہ مسئلہ جاہلوں میں محض غلط مشہور ہے۔ہاں شوہر کو اپنی زنِ مردہ کا بدن چھونا جائز نہیں، دیکھنے کی اجازت ہے **کما نص علیه فی التنویر والدر وغیرھما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور درمختار وغیرہما میں اسکی تصریح ہے۔ت) اجنبی کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔ محارم کو پیٹ، پیٹھ اور ناف سے زانو تک کے سوا چھونے کی بھی اجازت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۲۱: زوجہ کا جنازہ شوہر کو چھونا کیسا ہے؟ چھونا چاہئے یا نہیں؟ شوہر کا اپنی زوجہ کا منہ قبر میں رکھنے کے بعد دیکھنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

شوہر کو بعد انتقال زوجہ قبر میں خواہ بیرونِ قبر اس کا منہ یا بدن دیکھنا جائز ہے، قبر میں اتارنا جائز ہے، اور جنازہ تو محض اجنبی تک اٹھاتے ہیں، ہاں بغیر حائل کے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا شوہر کو ناجائز ہوتا ہے۔ زوجہ کو جب تک عدت میں رہے شوہر مردہ کا بدن چھونا بلکہ اسے غسل دینا بھی جائز رہتا ہے۔ یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۲۲: ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

ہندوستان کے لوگوں کا دستور ہے کہ جب عورت کی حالتِ نزع ہوتی ہے تب اُس کے شوہر کو اُس کے پاس نہیں جانے دیتے اور اس کا شوہر حالتِ نزع میں اُس کے پاس نہیں جاتا اُس عورت کی تکفین وتدفین

میں بھی شوہر کو شریک نہیں کرتے اور کہتے ہیں اب اس کا رشتہ ٹوٹ گیا، آیا یہ فعل ان کا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک جسمِ زن میں روح باقی ہے اگرچہ حالتِ نزع ہو بلاشبہ اس کی زوجہ ہے، اور اس وقت شوہر کو پاس نہ آنے دینا ظلم ہے اور اسی وقت سے رشتہ منقطع سمجھ لینا سخت جہل، اور بعد موتِ زن بھی شوہر کو دیکھنے کی اجازت ہے البتہ ہاتھ لگانا منع ہے **کمانص علیه فی التنویر والدر وغیرهما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور دُرمختار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۲۳: از پنجاب ضلع جہلم ڈاکخانہ وریلوے اسٹیشن ترقی موضع غازی ناڑہ مرسلہ محمد مجید الحسن صاحب۔ ۵ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

مشہور خدمت جناب صاحب حجتِ قاہرہ مجددِ ماتہ حاضرہ مولٰنا مولوی احمد رضاخان صاحب دام ظلکم علٰی راس المسترشدین بعد سلام سنتہ الاسلام عرض ہے کہ اس ملک میں جنازہ کے آگے مولود خوانی میں اختلاف اور جھگڑا ہے ایک طائفہ بحر الرائق و مراقی الفلاح و قاضی خان و عالمگیری وغیرہا کی عبارات سے مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور دوسری جماعت جائز و مستحب کہتی ہے، آپ کی تحریر پر جملہ مسلمانوں کا فیصلہ ہے کئی ماہ کے تنازع کا فیصلہ ہوگا۔ عبارات فریق قائل کراہت۔ ردالمحتار:

قیل تحریما وقیل تنزیها کمافی البحر عن الغایة وفیه عنها وینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالٰی یذکر فی نفسه لقوله تعالٰی انه لایحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء قلت اذاکان هذا فی الدعاء والذکر فماظنك بالغناء الحادث فی هذاالزمان [1]۔	کہا گیا کہ مکروہِ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی جیسا کہ بحر میں غایہ سے منقول ہے، اور اُس میں اسی سے یہ بھی ہے: جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو برابر سکوت رکھنا چاہیئے، اور اسی میں ظہیریہ سے ہے: اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں کرے اس لئے کہ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: وُہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔۔یعنی دُعامیں جہر کرنے والوں کو۔۔ میں کہتاہوں یہ جب دعاوذکر کا حکم ہے تواُس نغمہ اور گانے کا کیاحال ہوگاجواس زمانے

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۸

بحرالرائق ینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوات بالذکر وقراءۃ القراٰن [1] الخ	کی پیداوار ہے۔۔البحرالرائق میں ہے جنازہ کے پیچھے چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے اور بلند آواز سے ذکروتلاوت قرآن مکروہ ہے الخ (ت)

عبارت فریق قائل بحلت

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما لم یکن یسمع من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یمشی خلف الجنازۃ الاقول لا الہ الااللہ اخرجہ ابن عدی فی ترجمۃ ف براہیم بن ابی حمید وضعفہ. تخریج احادیث الھدایۃ لابن حجر [2]۔	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنازہ کے پیچھے چلتے تو حضور سے کلمہ لا الہ الااللہ کے سوا کچھ نہ سُنا جاتا۔۔ابن عدی نے ابراہیم بن ابی حمید کے حالات میں اس کی تخریج کی ہے اور اسے ضعیف کہا ہے۔ تخریج احادیث ہدایہ از علامہ ابن حجر (ت)

یعنی اس سے ادنٰی جہر ثابت ہوتا ہے وغیرہ۔ بینوا توجروا

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہاں کتبِ حنفیّہ میں جنازے کے ساتھ ذکرِ جہر کو مکروہ لکھا ہے جس طرح خود نفسِ ذکرِ جہر کو بکثرت کتبِ حنفیّہ میں مکروہ بتایا حالانکہ وہ اطلاعات قرآن عظیم واحادیثِ حضور سید المرسلین صلی تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور عندالتحقیق کراہت کا عروض نظر بعوارض خارجہ غیر لازمہ ہے جیسا کہ علامہ خیرالدین رملی استاد صاحبِ درِ مختار وغیرہ محققین نے تحقیق فرمایا اور ہم نے اپنے فتوٰی میں اُسے منقح کیا، یہاں بھی اُس کا منشاء عوارض ہی ہیں قلب ہمراہیاں کا مشوش ہونا یادِ موت سے دوسری طرف توجہ کرنا انصاف کیجئے تو یہ حکم اس زمانِ خیر کے لئے تھا جبکہ ہمراہیانِ جنازہ تصوّرِ موت میں ایسے غرق ہوتے تھے کہ گویا میّت ان میں ہر ایک کا خاص اپنا کوئی جگر پارہ ہے بلکہ گویا خود ہی میت ہیں، ہمیں کو جنازہ پر لئے جاتے ہیں اور اب

---

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۲/۲

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ ابراہیم بن احمد کے تحت مطبوعہ دارالفکر بیروت ۲۶۹/۱، صحیح بخاری کتاب الحیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۴/۱

ف: ھو ابراھیم بن احمد الحرانی الضریر، انظر حاشیۃ نصب الرایۃ ۲/ ۲۹۲. ابراھیم الحرانی ھو ابن ابی حمید متھم بوضع الحدیث، انظر اللسان ۲۸/۱ **نذیر احمد سعیدی**

قبر میں رکھیں گے، ولہذا علماء نے سکوتِ محض کو پسند کیا تھا کہ کلام اگرچہ ذکر ہی ہوا اگرچہ آہستہ ہو، اس تصور سے کہ (بغایت نافع اور مفید اور برسوں کے زنگ دل سے دھو دینے والا ہے) روکے گا یا کم از کم دل بٹ تو جائے گا تو اس وقت محض خاموشی ہی مناسب تر ہے، ورنہ خاموش للہ ذکرِ خدا اور رسول نہ کسی وقت منع ہے۔ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ تعالٰی علی کل احیانہ [1]۔ رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ وَعَلَّقَہُ البخاری۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر وقت خدا کا ذکر کیا کرتے۔اسے مسلم، احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے روایت کیا اور بخاری نے تعلیقاً روایت کیا۔(ت)

نہ کوئی چیز اس سے بہتر، قال اللہ عزوجل وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ [2] (اللہ عزوجل نے فرمایا اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا۔ت)

اب کہ زمانہ منقلب ہُوا، لوگ جنازہ کے ساتھ اور دفن کے وقت اور قبروں پر بیٹھ کر لغویات وفضولیات اور دنیوی تذکروں بلکہ خندہ ولہو میں مشغول ہوتے ہیں تو انہیں ذکرِ خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مشغول کرنا عین صواب وکارِ ثواب ہے معہذا جنازہ کے ساتھ ذکرِ جہر کی کراہت میں اختلاف ہے کہ تحریمی ہے یا تنزیہی ہے، اور ترجیح بھی مختلف آئی۔قنیہ میں کراہت تنزیہ کو ترجیح دی اور اسی پر فتاوٰی تتمہ میں جزم فرمایا اور یہی تجرید ومجتبی وحاوی وبحر الرائق وغیرہا کے لفظ ینبغی کا مفاد ہے اور ترک ادنی اصلاً گناہ نہیں کما نصوا علیہ وحققناہ فی جمل مجلیۃ (جیسا کہ علماء نے اس کی صراحت فرمائی اور ہم نے رسالے جُمَل مجلّیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ ۱۳۰۴ھ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور عوام کو اللہ عزوجل کے ایسے ذکر سے منع کرنا جو شرعاً گناہ نہ ہو محض بدخواہی عام مسلمین ہے اور اس کا مرتکب نہ ہوگا مگر متقشف کہ مقاصدِ شرع سے جاہل وناواقف ہو یا متصلف کہ مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر اپنی رفعت وشہرت چاہتا ہو، بلکہ ائمہ ناصحین تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ منع کرنا اُس منکر سے ضرور ہے جو بالاجماع حرام ہو، بلکہ تصریحیں فرمائیں کہ عوام اگر کسی طرح یادِ خدا میں مشغول ہوں ہر گز منع نہ کئے جائیں اگرچہ وہ طریقہ اپنے مذہب میں حرام ہو، مثلاً سُورج نکلتے وقت نماز حرام ہے اور عوام پڑھتے ہوں تو نہ روکے جائیں کہ کسی طرح وہ خدا کا نام تو لیں اسے سجدہ تو کریں اگرچہ کسی دوسرے مذہب پر اس کی صحت ہو سکے امام علّامہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحیض مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

[2] القرآن ۲۹/۴۵

عارف باللہ ناصح الامہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کتاب مستطاب الحدیقۃ الندیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ میں فرماتے ہیں:

قال فی شرح الطحطاوی علی مشیع الجنازۃ الصمت وعبرفی المجتبی والتجدید والحاوی ینبغی ان یطیل الصمت وسنن المرسلین الصمت معھا کذافی منیۃ المفتی ویکرہ لھم رفع الصوت کراھۃ تحریم وقیل تنزیہ، قنیۃ، وھویکرہ علی معنی انہ تارک الاولی کماعزاہ فی التتمۃ الی والدہ وفی شرح شرعۃ الاسلام المسمی بجامع الشروح یستکثرمن التسبیح والتھلیل علی سبیل الاخفاء خلف الجنازۃ ولایتکلم بشیئ من امرالدنیا لکن بعض المشائخ جوزوا الذکر الجھری ورفع الصوت بالتعظیم بغیر التغییر بادخال حرف فی خلالہ قدام الجنازۃ وخلفھا لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیہ الغفلۃ والظلمۃ و ازالۃ صداء القلوب وقساوتھا یجب الدنیا وریاستھا وفی کتاب العھود المحمدیۃ للشیخ الشعرانی قدس اللہ تعالٰی سرہ ینبغی لعالم الحارہ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ عدام اللغو فیھا وذکر من تولی وعزل عن	شرح طحطاوی میں ہے: جنازہ کے ساتھ چلنے والے پر خاموشی لازم ہے--مجتبی، تجرید اور حاوی کے الفاظ یہ ہیں کہ: اسے طول سکونت اختیار کرنا چاہئے حضرت رُسل علیہم السلام کی سنت یہی ہے کہ جنازہ کے ساتھ خاموش رہیں۔ اسی طرح منیۃ المفتی میں ہے--لوگوں کا آواز بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا کہ تنزیہی ہے، بتتغی-- کراہت تنزیہ ہے اور کہا گیا کہ کراہت تحریم ہے، قنیہ--آواز بلند کرنا مکروہ ہے یعنی ترک اولٰی ہے، جیسا کہ تتمہ میں اسے اپنے والد کے حوالے سے ذکر کیا۔ اور شرعۃ الاسلام کی جامع الشروح نامی شرح میں یہ ہے کہ: جنازہ کے پیچھے سرّی طور پر زیادہ سے زیادہ تسبیح و تہلیل کرے، کوئی دنیاوی بات نہ بولے، لیکن بعض مشائخ نے جہری ذکر کو بھی جائز کہا ہے اس طرح کہ درمیان میں کوئی بات ڈالے بغیر جنازہ کے آگے اور پیچھے تعظیم کے ساتھ بآوازِ بلند ذکر کریں تاکہ میت اور دوسرے زنداں کو تلقین ہو، غافلوں ظالموں کو تنبیہ ہو، دنیا کی محبت وریاست سے دلوں میں جو زنگ اور درشتی ہے وہ دور ہو--علامہ شعرانی قدس سرہ، کی کتاب العھود المحمدیہ میں ہے کہ عالمِ محلّہ کو چاہئے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ چلنا چاہتے ہیں انہیں تعلیم دے کر لغو سے پرہیز کریں اس طرح کی باتوں میں نہ پڑیں کہ فلاں حکمران بنا، فلاں والی

الولاة اوسافر ورجع من التجار ونحوذلك كان السلف الصالح لایتکلمون فی الجنازة الابماورد وكان الغريب لايعرف لغلبة الحزن علی الحاضرين كلهم وكان سيدی علی الخواص رضی الله تعالٰی عنه يقول اذاعلم من الماشين مع الجنازة انهم لايتركون اللغوفی الجنازة و يشتغلون باحوال الدنيا فينبغی ان يامرهم بقول لا اله الاالله محمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فان ذلك افضل من تركة ولاينبغی لفقيه ان ينكر ذٰلك الابنص او اجماع فان مع المسلمين الاذن العام من الشارع بقول لااله الاالله محمد رسول الله فی كل وقت شاؤا ويالله العجب من عمی قلب من ينكر مثل هذا و ربماعزم عند الحكام الفلوس حتی يبطل قول المؤمنين لااله الا الله محمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی طريق الجنازة وهويری للحشاش حرم عليك بل رأيت فقيها منهم ياخذ معلوم امامة من فلوس بائع الحشيش فنسأل الله العافية۔

معزول ہوا، فلاں تاجر سفر میں گیا، فلاں واپس آیا۔ سلف صالحین کی روش یہ تھی کہ جنازہ میں کچھ نہ بولتے مگر وُہ جو حدیث میں وارد ہے۔ سارے حاضرین پر حزن وغم کا ایک ایساغلبہ رہتاکہ اجنبی اور پردیسی شخص کو جب تک بتایانہ جائے یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ میّت کا قریبی کون ہے--سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ لغو سے باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے توانہیں لاالٰہ الاالله محمد رسول الله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنے کا حکم دینا چاہئے کیونکہ ایسی حالت میں اسے پڑھنانہ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور کسی فقیہ کو بغیر نص اجماع کے اس سے انکار مناسب نہیں--اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے شارع کی جانب سے وُہ جب بھی چاہیں لا الٰہ الاالله محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنے کو باطل کہہ کے حکام کے یہاں مال حاصل کرنا چاہتاہو، دُوسری طرف یہ حال ہو کہ بھنگ بکتی دیکھے تو بھنگ فروش سے یہ کہنے کی زحمت گوارانہ ہو یہ تجھ پر حرام ہے-- بلکہ اس طبقے کے فقیہ کو میں نے دیکھا کہ وہ بھنگ فروش کے مال سے اپنی امامت کی تنخواہ وصول کرتا--توخداہی سے عافیت کا

وذکر الشعرانی ایضارحمۃ اللہ تعالٰی فی کتابہ عہودالمشائخ قال لا نمکن احدامن اخواننا ینکرشیئا ابتدعہ المسلمون علی جہۃ القربۃ الی اللہ تعالٰی وراؤہ حسنالا سیماماکان متعلقا باللہ تعالٰی ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرائۃ القراٰن امامہا ونحوذٰلک فمن حرم ذلک فہوقاصرعن فہم الشریعۃ لانہ ماکل مالم یکن علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکون مذموماولوفتح ہذاالباب لردت اقوال المجتہدین فی مجیع ما استحبوامن المحاسن ولاقائل بہ قد فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعلماء امتہ ہذا الباب واباح لہم ان یسنوا کل شیئ استحسنوہ ویلحقوہ بشریعۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سن سنۃ حسنۃ فلہ اجرہ من یعمل بہا وکلمۃ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکبر الحسنات فکیف یمنع منہا وتأمل احوال غالب الخلق

سوال ہے۔علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی دینی کتاب عہود المشائخ میں فرمایاکہ اپنے ہم دوستوں میں سے کسی کو ایسے امر پر نکیر کی اجازت نہ دیں گے جسے مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں تقرب کے طور پر ایجاد کیا ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں۔ خصوصًا ایساکام جسکا تعلق خداتعالٰی اور اسکے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جیسے جنازہ کے آگے لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنا اور اس کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا، یا ایسے دوسرے کام--جواسے حرام کہے وُہ فہمِ شریعت سے قاصر ہے، اس لئے کہ ہر وہ کام جو عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ رہا ہو بُرا نہیں، اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وہ سارے اقوال مردود ٹھہریں جوانہوں نے اپنی پسند کردہ اچھی چیزوں کے بارے میں فرمائے ہیں--اور اس کا کوئی قائل نہیں--خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کھول رکھا ہے اور انہیں اجازت دی ہے کہ جو طریقہ بھی اچھا سمجھیں اسے جاری کریں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت میں شامل کریں یہ اجازت رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے ثابت ہے: جو شخص کوئی اچھا کام ایجاد کرے اسے اس ایجاد کا ثواب ملے گا اور اس طریقے پر آئندہ سارے عمل کرنے والوں کا بھی ثواب ملے گا--

الاٰن فی الجنازۃ تجدھم مشغولین بحکایت الدنیالم یعتبروابالمیت وقلبھم غافل عن جمیع ماوقع لہ بل رأیت منھم من یضحك واذا تعارض عندنا مثل ذٰلك وکون ذٰلك لم یکن فی عھدرسول اللہصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمنا ذکراللہعزوجل لوصاح کل من فی الجنازۃ لاالٰہ الااللہ فلااعتراض ولم یاتنا فی ذلك شیئ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلوکان ذکراللہتعالٰی فی الجنازۃ منھیا عنہ لبلغنا ولوفی حدیث کمابلغنافی قراءۃ القراٰن فی الرکوع وشیئ سکت عنہ الشارع صلی اللہتعالٰہ وسلم اوائل الاسلام لایمنع منہ اواخرالزمان [1] اھ باختصار قلیل	کلمہ لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسب سے بڑی نیکی ہے پھراس سے کیوں کرروکا جائے گا؟--اس زمانے میں جنازے کے اندر اکثر لوگوں کے احوال پر نظر کرو دنیا کی باتوں میں مشغول ملیں گے جنہیں میت کے حال سے کوئی عبرت نہیں، ان کا دل اس سارے واقعے سے غافل ہے، بلکہ ان میں ہسنے والے بھی نظر آئیں گے--ذکر نہ کریں تو یہ حالت اور ذکر میں مشغول ہوں تو یہ اعتراض ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔ ہمارے نزدیک جب ایسا تعارض درپیش ہے تو ہم اللہ کے ذکر کو مقدم رکھیں گے--اب اگر سارے شرکاءِ جنازہ پکار کر لاالٰہ الااللہ کہیں تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس سے ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ارشاد وارد نہیں۔ اگر جنازے میں ذکر الٰہی ممنوع ہوتا تو کسی نہ کسی حدیث میں تو یہ حکم وارد ہوتا، جیسے رکوع میں قرآن شریف پڑھنا ممنوع ہے تو اس بارے میں حدیث آئی ہے۔ تو جس چیز سے ابتدائے اسلام میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے سکوت فرمایا وہ ہمارے آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہوسکتی اھ باختصار قلیل (ت)

اس کلام جمیل امام جلیل رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کاخلاصہ ارشادات چندافادات:

(ا) سلف صالح کی حالت نماز جنازہ میں یہ ہوتی کہ ناواقف کو نہ معلوم ہوتا کہ ان میں اہلِ میت کون ہے۔ اور باقی ہمراہ کون، سب ایک سے مغموم ومحزون نظرآتے ہیں، اور اب حال یہ ہے کہ جنازے میں دنیاوی باتوں

[1] حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ الصنف الثالث کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ ۹/۲-۴۰۸

میں مشغول ہوتے ہیں، موت سے انہیں کوئی عبرت نہیں ہوتی، ان کے دل اس سے غافل ہیں کہ میّت پر کیا گزری، فرماتے ہیں: بلکہ میں نے لوگوں کو ہنستے دیکھا، تو ایسی حالت میں ذکر جہر کرنا اور تعظیم خدا اور رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھنا عین نصیحت ہے کہ ان کے دلوں کے زنگ چھوٹیں اور غفلت سے بیدار ہوں۔

(۲) نیز اُس میّت کو تلقین ذکر کا فائدہ ہے کہ وہ سن سن کر سوالات نکیرین کے جواب کے لئے تیار ہو۔

(۳) سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف مسلمانوں کو ذکرِ خدا اور رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اذنِ عام ہے تو جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت میں کوئی نص یا اجماع نہ ہو انکار کیا مناسب ہے؟

(۴) نیز انہی امام عارف نے فرمایا: الٰہی جو اس سے منع کرے اس کا دل کس قدر سخت اندھا ہے، جنازے کے ساتھ ذکر خدا و رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بند کرنے کی تو یہ کوشش اور بھنگ بکتی دیکھیں تو اُس سے اتنا نہ کہیں کہ یہ تجھ پر حرام ہے، فرماتے ہیں بلکہ میں نے انہی میں ایک کو دیکھا کہ اس سے تو منع کرتا اور خود اپنی پیش نمازی کی تنخواہ بھنگ فروش کے حرام مال سے لیتا۔

(۵) امام عارف باللہ سیّدی شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں: اکابر کرام کے یہاں عہد ہے جو اچھی بات مسلمانوں نے نئی نکالی ہو اُسے منع نہ کریں گے خصوصًا جب وُہ اللہ و رسول عزجلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تعلق رکھتی ہو، جیسے جنازے کے ساتھ قرآن مجید یا کلمہ شریف یا اور ذکر خدا اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۶) نیز امامِ ممدوح فرماتے ہیں: جو اُسے ناجائز کہے اسے شریعت کی سمجھ نہیں۔

(۷) نیز فرماتے ہیں: ہر وہ بات کہ زمانِ برکت توامان حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھی مذموم نہیں ہوتی، ورنہ اس کا دروازہ کھلے تو ائمہ مجتہدین نے جتنی نیک باتیں نکالیں اُن کے وُہ سب اقوال مردود ہوجائیں۔

(۸) فرماتے ہیں: بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اُس ارشاد سے کہ (جو شخص دینِ اسلام میں نیک بات نکالے اُسے اس کا اجر ملے اور قیامت تک جتنے لوگ اس نیک بات کو بجالائیں سب کا ثواب اُس کی ایجاد کنندہ کے نامہ اعمال میں لکھا جائے) علمائے امّت کے لئے اس کا دروازہ کھول دیا ہے کہ نیک طریقے ایجاد کریں اور انہیں شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملحق کریں، یعنی جب حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ عام اجازت فرمائی ہے جو نیک نئی بات نئی پیدا ہوگئی وہ نئی

نئی نہیں بلکہ حضور کے اس اذنِ عام سے حضور ہی کی شریعت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۹) فرماتے ہیں کہ شرح مطہر میں اُس سے ممانعت نہ آنا ہی اس کے جواز کی دلیل ہے۔ اگر جنازے کے ساتھ ذکر الٰہی منع ہوتا توکم از کم ایک حدیث تواس کی ممانعت میں آتی، جیسے رکوع میں قرآن مجید پڑھنا منع ہے، تواسکی ممانعت کی حدیث موجود ہے، توجس چیز سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا وہ کبھی ہمارے زمانے میں منع نہیں ہوسکتی۔

(۱۰) نتیجہ یہ نکلا کہ اگر جنازے کے تمام ہمراہی بلند آواز سے کلمہ طیبّہ وغیرہا ذکرِ خدا و رسول عزوعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے چلیں توکچھ اعتراض نہیں بلکہ اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل ہے۔ نیز امام نابلسی ممدوح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

لاینبغی ان ینھی الواعظ عما قال بہ امام ائمۃ المسلمین بل ینبغی ان یقع النھی عما اجمع الائمۃ کلھم علی تحریمہ[1]۔	یہ نہ چاہئے کہ واعظ ایسی چیز سے روکے جسے ائمہ مسلمین میں سے کسی امام نے جائز کہا ہو بلکہ ممانعت ایسے کام سے ہونا چاہئے جس کی حرمت پر سب ائمہ کا اجماع ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تحریما صلوۃ مع شروق الاالعوام فلا یمنعون من فعلھا لانھم یترکونھا والاداء الجائز عندالبعض اولی من الترک کما فی القنیۃ وغیرھا[2]۔اھ **قلت** ونقلہ سیّدی عبدالغنی فی الحدیقۃ عن شرح الدرر لابیہ عن المصفی شرح النسفیۃ عن الشیخ الامام الاستاذ حمدالدین عن شیخہ الامام الاجل جمال الدین	سورج نکلتے وقت نماز مکروہِ تحریمی ہے مگر عوام کواس سے منع نہ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ نماز ہی ترک کردیں گے -- جبکہ ترک سے وہ ادائیگی بہتر ہے جو بعض کے نزدیک جائز ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہا میں ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اسے سیدی عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اپنے والد کی شرح درر سے نقل کیا ہے اُس میں نسفیہ کی شرح مصفی سے۔ اس میں شیخ امام استاذ حمیدالدین نقل ہے۔ انہوں نے اپنے شیخ امامِ اجل جمال الدین محبوبی سے

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون من الاخلاق الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۵۱/۲

[2] دُرمختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱/۱

المحبوبی وایضاعن شمس الائمۃ الحلوانی وعن القنیۃ عن النسفی والحلوانی وایضافی ردالمحتار البحرعن المجتبی عن الامام الفقیہ ابی جعفر فی مسئلۃ التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر، الذی عندی انہ لاینبغی ان تمنع العامۃ عنہ لقلۃ رغبتھم فی الخیر وبہ ناخذ[1] اھ وفی الحدیقۃ الندیۃ، ومن ھذا القبیل نھی الناس عن صلوۃ الرغائب بالجماعۃ وصلوۃ لیلۃ القدر و نحو ذلك وان صرح العلماء بالکراھۃ بالجماعۃ فیھا فلا یفتی بذلك العوام لئلا تقل رغبتھم فی الخیرات[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	نقل کیا ہے۔ اور شمس الائمہ حلوانی سے اور قنیہ سے اُس میں نسفی وحلوانی سے بھی نقل کیا ہے--اور ردالمحتار میں بحر سے، اس میں مجتبٰی سے، اس میں امام فقیہ ابو جعفر سے عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں کے اندر تکبیر کہنے کے مسئلہ میں نقل ہے کہ میرے نزدیک یہ ہے کہ عوام کواس سے نہ روکا جائے کہ اس کی وجہ سے نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہو جائے گی، اور ہم اسی کو لیتے ہیں اھ --حدیقہ میں ہے: اسی قبیل سے جماعت کے ساتھ صلوٰۃ الرغائب اور نماز شب قدر اور اس جیسے افعال سے نہی کا معاملہ ہے کہ اگرچہ علماء نے جماعت کے ساتھ یہ نماز مکروہ ہونے کی صراحت فرمائی ہے مگر عوام کو اس کا فتوٰی نہ دیا جائے گا کہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم نہ ہو جائے--اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۲۴: ازاحمد آباد گجرات محلّہ جمال پور مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں جنازہ کے ہمراہ کلمہ طیّب کا ذکر احبابِ اہلسنّت درمیانی آواز سے کرتے ہیں اسے بعض مکروِ تحریمی و تنزیہی کہتے ہیں ان کی تردید میں علمائے اہلسنّت نے چار ۴ رسالے تصنیف کرکے شائع کئے ہیں اور وُہ اہل حق کے پاس موجود ہیں، الحمدللہ علٰی ذٰلک، اب ضرورت اس مسئلہ کی اہلسنّت کو ہے، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز نے اپنے جنازہ میں فارسی کے اشعار اور حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے جنازہ میں عربی اشعار پڑھنے کی مریدوں کو وصیّت کی--- مقاماتِ مظہریہ ص ۱۵۷ میں ہے:

می فرمودند کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ	فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

[1] ردالمحتار باب العیدین مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۶۴

[2] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ الخلق الثامن والاربعون مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۰

فرمودند کہ فاتحہ خواندن پیشِ جنازہ ماوکلمہ طیب و آیت شریفہ بے ادبی است ایں دو بیت بخوانیدہ:۔ (۱) مفلسانیم آمدہ در کوئے تو شیئاللہ از جمال روئے تو (۲) دست بکشا جانبِ زنبیل ما آفرین بر دست و بر پہلوئے تو من ہم میگویم پیش جنازہ من ہمیں اشعار بخدانند:۔ (۱) وقدت علی الکریم بغیر زاد من حسنات والقلب السلیم (۲) فحملی الزاد اقبح کل شیئ اذاکان الوفود علی الکریم [1]	نے فرمایا: ہمارے جنازہ کے سامنے فاتحہ، کلمہ طیب اور آیت شریفہ پڑھنا بے ادبی ہے یہ دو شعر پڑھنا: (۱) ہم مفلس آپ کی گلی میں آئے ہیں، خدا کے لئے اپنے جمالِ رُخ کا کچھ صدقہ عطا ہو۔ (۲) ہماری جھولی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، آپ کے ہاتھ اور آپ کے پہلو پر آفرین ہو۔ میں بھی کہتا ہوں میرے جنازہ کے سامنے یہی اشعار پڑھنا: (۱) کریم کے دربار میں قلبِ سلیم اور نیکیوں کا کوئی توشہ لئے بغیر جا رہا ہوں۔ (۲) کہ جب کسی کریم کے دربار میں حاضری ہو تو توشہ لے کر جانا بہت بُری بات ہے۔(ت)

حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہ العزیز مولانا خالد کردی کے مرشد برحق ہیں ضمیمہ مقاماتِ مظہریہ کے ص ۲۹ میں مولانا خالد کردی اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں:۔

(۱) وانالنی اعلی المأرب والمعنی اعنی لقاء المرشد المفضالِ (۲) من نور الآفاق بعد ظلامہا وھدی جمیع الخلق بعد ضلالِ (۳) اعنی غلام علی القرم الذی من لحظہ یحیی الرمیم البالی [2]	(۱) مجھے سب سے بلند مقصد وآرزو عطا فرمائی۔ یعنی بڑے فضل و کرم والے مرشد کی صحبت نصیب کی۔ (۲) وہ جس نے تاریک آفاق روشن کردئے اور ساری گمراہ مخلوق کو ہدایت فرمائی۔ (۳) یعنی وُہ سردار عظیم غلام علی جس کی نظر سے بوسیدہ ہڈیوں میں جان پڑ جاتی ہے۔

اور یہ مولانا خالد کردی علامہ شامی کے مرشد ہیں، اس کا ثبوت ردالمحتار جلد ۲ صفحہ ۴۵۲ کی اس عبارت سے ہے:

---

[1] مقاماتِ مظہریہ

[2] ضمیمہ مقاماتِ مظہریہ

وقد بسطنا الکلام فی رسالتنا سل الحسام الهندی لنصرة سیدنا خالد النقشبدی [1]۔	اور ہم نے اپنے رسالہ "سل الحسام الهندی لنصرۃ سیدنا خالد النقشبندی–" میں تفصیل سے کلام کیا ہے۔(ت)

علامہ شامی کے دادا مرشد کے جنازہ میں عربی اشعار اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمہ اللہ تعالٰی کے جنازہ میں فارسی اشعار پڑھے گئے، ان اشعار کا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو دلائل کیا ہیں؟ جو مکروہ تحریمی کہتے ہیں وہ علامہ شامی کی ردالمحتار ج۱ص ۹۳۲ کے اس قول کو پیش کرتے ہیں:

(قوله کما کره الخ) قیل تحریما وقیل تنزیها کما فی البحر عن الغایة وفیه عنها و ینبغی لمن تبع الجنازة ان یطیل الصمت وفیه عن الظهیریة فان اراد ان یذکر الله تعالٰی یذکره فی نفسه لقوله تعالٰی انه لایحب المعتدین ای الجاهرین بالدعاء وعن ابراهیم انه کان یکره اذیقول الرجل وهو یمشی معها استغفروا له غفر الله لکم اھ قلت واذاکان هذا فی الدعاء والذکر فماظنك بالغناء الحدث فی هذا الزمان [2]۔	(جیسا کہ مکروہ ہے) کہا گیا تحریمی، اور کہا گیا تنزیہی، جیسا کہ بحر میں غایہ کے حوالے سے ہے اور اسی میں اس کے حوالے سے یہ بھی ہے: جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو طول سکوت اختیار کرنا چاہئے، اور اس میں ظہیریہ کے حوالے سے ہے۔ اگر اللہ کا ذکر کرنا چاہے تو آہستہ کرے اس لئے کہ ارشادِ باری ہے: بے شک وُہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یعنی وُہ جو بلند آواز سے دُعا کرتے ہیں-- حضرت ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ جب وُہ جنازے کے ساتھ چلتے اور کوئی بولتا "اس کے لئے استغفار کر و خدا تمہاری مغفرت فرمائے" تو انہیں ناگوار ہوتا اھ میں کہتا ہوں جب دُعا وذکر کا یہ حکم ہے تو اس نغمہ زنی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو اس زمانے میں پیدا ہو گئی ہے۔(ت)

اس عبارت سے حضرت شاہ غلام علی وخواجہ بہاء الدین قدس سرہما نے جو فارسی وعربی کے اشعار اپنے جنازوں میں پڑھوائے اُن کی کراہت ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور عدم کراہت وجواز اُن اشعار کی کیا وجہ ہے اور غناء حادثات کی کراہت کی کیا وجہ ہے، دونوں کا حکم بیان فرمائیں، اور یہاں جنازہ کے ہمراہ یہ اشعار اردو کے بھی حضرات خوش الحانی سے پڑھتے ہیں اس اشعار کو

[1] ردالمحتار کتاب النکاح قبیل فصل فی المحرمات ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۷۶

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۸

پڑھیں یا نہیں۔

یا پنجتن بچانا جب جان تن سے نکلے نکلے تو یا محمد کہہ کر بدن سے نکلے
آوے گا میرا پیارا باجے گی دھن کی مُرلی جب وُہ مرا سنور یا جو بن کے بن سے نکلے
میرے مریضِ دل کی امید ہے تو یہ ہے زانو پہ اُس کے سر ہو اور جان تن سے نکلے
نکلے جنازہ میرا اُس یار کی گلی سے تو کلمہ شہادت سب کے دہن سے نکلے
کیا لایا تھا سکندر دنیا سے لے گیا کیا تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

الجواب:

اللہ عزوجل کا ذکر اصل مقصود واجل مقاصد و مغز جملہ عبادت ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ﴿۱۴﴾[1] (میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو۔ت) وُہ ہر حال میں مطلوب،

یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ[2] اھ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ[3]۔	وہ کھڑے بیٹھے، کروٹوں پر لیٹے اللہ تعالٰی کا ذکر کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبھی اوقات میں خدا کا ذکر کیا کرتے۔ (ت)

بلا تقیید اُس کی تکثیر کا حکم:

وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰﴾[4]۔ اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون[5]۔ (الحدیث)	اللہ کا ذکر زیادہ کرو تاکہ فلاح پاؤ (ت) خدا کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہیں کہ یہ مجنون ہے۔ (ت)

ذکر کے لئے انحاء کثیرہ ہیں، قلبی ولسانی وخفی وجلی وتلاوت و ثناء ودرود ودعا وعبادات وطاعات۔ باوصف اطلاق بعض مقامات کو بعض انحاء سے خصوصیت ہوتی ہے۔ محلِ جنازہ مقامِ تفکر ہے ذکر قلبی ہے۔ **تفکر ساعۃ خیر من عبادۃ الثقلین** (گھڑی بھر کا تفکر انسانوں اور

---

[1] القرآن ۲۰/۱۴

[2] القرآن ۳/۱۹۱

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱/۴۹۹

[4] القرآن ۶۲/۱۰

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از ابو سعید دار الفکر بیروت ۳/۶۸ و ۷۱، تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ دراج بن سمعان المصری دار احیاء التراث العرابی بیروت ۵/ ۲۲۴

جِنوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ت) ولہٰذا فقہائے ذکر ذکر لسانی پر ترجیح دی گئی ورنہ ذکر پر تفصیل محال ہوتی وذکراللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کاذکر سب سے بڑھا ہوا ہے۔ت) اس نحو ذکر کے لئے صمت یعنی خاموشی بہتر ہوتی ہے، ولہٰذا فقہاء نے **ینبغی ان یطیل الصمت** (طویل سکوت اختیار کرنا چاہئے۔ت) فرمایا، صدرِ اول میں غالبًا یہی معمول تھا یہاں تک کہ جنازہ کے ساتھ چلنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہمارے دہنے ہاتھ پر کون اور بائیں ہاتھ پر کون، ہر شخص اپنی فکر میں مشغول ہوتا اور اپنے لئے یہ وقت آنا، اور پھر اس وقت کیا ہوگا؟ کیسے گزرے گی؟ اپنے اعمال کی حالت کیا ہے؟ اس دھن میں مستغرق ہونا گویا ہر شخص اس جنازہ کو اپنا ہی جنازہ جانتا، بلاشبہ اُس وقت کیا مناسب یہی حالت ہے اور اس حالت کے مناسب وہی صمتِ مطلق کہ سانس کے سوا اصلًا آواز نہ ہو۔ جب زمانہ بدلا اور صدرِ اوّل کا سا خوف عام مسلمانوں میں نہ رہا، صمت محض بہتوں کو باعث پریشانی خیالی ہوا، اطبائے قلوب نے ذکر لسانی خفی کا اضافہ فرمایا کہ **ان اراد ان یذکر اللہ یذکر فی نفسہ** (اگر اللہ تعالٰی کا ذکر کرنا چاہے توآہستہ کرے۔ت)

اقول: اس میں حکمت یہ تھی فی نفسہٖ کوئی شہ مطلوب نہیں قولِ خیر عدمِ قول مطلق سے قطعًا افضل ہے ولہٰذا ارشاد ہوا:

ان لایزال لسانك رطبا من ذکر اللہ [1]۔	ہمیشہ تمھاری زبان خدا کے ذکر سے تر رہے۔ (ت)

اگر شرائع نے اُسے صوم میں رکھا تھا۔ ہماری شریعت عزا نے اُسے منسوخ فرمادیا۔ مجبوس کے یہاں وقت اکل صمت ہے۔ ہماری شریعت میں وہ مکروہ ولازم احتراز ہے۔ یہاں ایک ذریعہ بعد معین مقصود ہو کر مطلوب ہُوا تھا کہ عمل لسان وجہ انقسام توجہ نہ ہو۔ اب کہ دیکھنا زمانہ بدلا، اب وہ معین ہونے کے عوض بہتوں کے لئے مخل مقصود ہونے لگا، تحصیل اصل مقصود کے لئے ذکر لسانی بتایا اور خفی رکھا سب تو ایسے پریشان خیال نہیں جہر سے اہلِ تفکر کا ذہن نہ ہٹے۔ جب زمانہ اور بدلا اور عامہ ناس غالبًا اسی قسم کے رہ گئے اور فقہ میں اکثر ہی کا اعتبار ہے۔

ان درمستثنٰی ولایفرد بحکم [2] کما فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرھما۔	نادر مستثنٰی ہے اور اس کا الگ حکم بیان نہیں ہوتا، جیسا کہ فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہما میں ہے (ت)

اطبائے روحانی نے جہر بالذکر کی اجازت دی کہ وہ اوقع فی النفوس وادفع للوساوس وانفع للناس ہے۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۳/۲، مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن بسر المازنی الخ دار الفکر بیروت ۱۸۸/۴

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقہ مصطفی البابی مصر ۷۳۰/۲، ملتقی شرح ملتقی علی ھامش مجمع الانہر کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰۰/۱

ذاکرین کی زبانوں اور سامعین کے کانوں کو مشغول کرتا اور غافلین کو جگا کر لغویات سے باز رکھ کر ذکر وسماع کی طرف لاتا ہے، اور یہ سمجھ لینا کہ مسلمان ایسے ہوگئے کہ باوجود قرع وقوت قرع وتکرر بھی متاثر نہ ہوں گے، جہل وسوئے ظن ہے، تو اب ذکرِ جہر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے افراد سے ہے جس سے منع عکس ونقیض مقصود شرع ہے علامہ عارف باللہ سیّدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ اور امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی عہود محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ینبغی لعالم الحارۃ او شیخ للفقراء فی الحارۃ ان یعلم من یرید المشی مع الجنازۃ اٰداب المشی معہا من عدم اللغو فیہا وذکر من تولی وعزل من الولاۃ اوسافر اورجع من التجارۃ و نحوذلك فان ذکر الدنیا فی ذلك المحل ماله محل وکان سیّدی علی الخواص رضی اللہ تعالٰی عنه یقول اذاعلم من الماشین مع الجنازۃ انھم لا یترکون اللغو فی الجنازۃ ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان یامرھم بقول لاالٰہ الااللہ محمدرسو ل اللہ فان ذٰلك افضل من ترکه. ولاینبغی لفقیه ان ینکر ذٰلك لابنص اواجماع فان مع المسلمین الاذن العام من الشارع بقول لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ کل وقت شاءوا یااللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل ھذاو ربما عزم عندالحکام الفلوسی حتی یبطل قول المومنین (کلمۃ طیبۃ) فی طریق الجنازۃ، وھو یری الحشیش یباع فلایکلف خاطرہ ان یقول للحشاش حرام علیك بل رأیت فقیھا منھم یاخذ معلوم امامۃ من فلوس بائع الحشیش والبرش	عالمِ محلّہ یا فقرائے محلّہ کے بزرگ کو چاہئے کہ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کو اس کے ساتھ چلنے کے آداب سکھائے کہ اس میں لغو باتیں نہ ہوں، کون حاکم ہوا، کون معزول ہوا، کون تاجر سفر سے آیا کون گیا، اس طرح کی باتیں نہ ہوں اس لئے کہ اس جگہ دُنیا کی باتوں کا کوئی موقع نہیں۔۔سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے کہ جب جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ جنازہ میں لغو سے باز نہ آئیں گے اور دنیا کی باتوں میں مشغول رہیں گے تو انہیں حکم دینا چاہئے کہ کلمہ لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھیں کہ اسے پڑھنا اس کے ترک سے افضل ہے۔ اور کسی فقیہ کو بغیر نص یا اجماع کے اس سے منع نہ کرنا چاہئے اس لئے کہ مسلمانوں کو شارع کی جانب سے لا الٰہ الااللہ محمدرسول اللہ پڑھنے کا اذنِ عام ہے وہ جب چاہیں پڑھیں، الٰہی اس دل کے اندھے پن سے تعجب ہے جو اس طریقے کے عمل سے روکتاہ، شاید جنازہ کے راستے میں کلمہ طیبہ پڑھنے کو باطل قرار دے کر حکام سے مالِ دنیا کی طمع رکھتا ہے جبکہ وُہ راستے

فنسأل اللّٰہ العافیۃ واللّٰہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم [1]	میں بھنگ بکتے دیکھے تو بھنگ فروش سے اتنا کہنے کی زحمت نہ اُٹھائے کہ یہ کام حرام ہے، بلکہ میں نے ان میں ایسے فقیہ کو بھی دیکھا ہے جو بھنگ فروش کے مال سے اپنی پیش نماز کی تنخواہ وصول کرتا ہے۔ ۔تو خدا ہی سے عافیت کا سوال ہے۔۔۔اور اللہ جسے چاہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے(ت)

کتاب عہود المشائخ امام شعرانی پھر حدیقہ مبارکہ میں ہے:

ولانمکن احدامن اخواننا ینکر شیئا ابتدعه المسلمون علی جهة القربة الی اللّٰہ تعالٰی و رأوه حسنا کما مر تقریره مرارا فی هذه العهود لاسیما ماکان متعلقا باللّٰہ تعالٰی ورسوله صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کقول الناس امام الجنازة لااله الااللّٰہ محمد رسول اللّٰہ او قرائة احدالقراٰن امامها و نحو ذلك فمن حرم ذلك فهو قاصر عن فهم الشریعة لانه ماکل مالم یکن علی عهد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یکون مذموما وقدرجح النوی رحمه اللّٰہ تعالٰی ان الکلام خلاف اولی فقط ۔واعلم انه لوفتح هذاالباب لردت اقوال المجتهدین فی جمیع ما استحنبوا من المحاسن ولاقائل به وقد فتح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم العلماء امته هذاالباب و اباح لهم ان یسنوا کل شی	ہم اپنے دوستوں کو کسی ایسی چیز سے روکنے کی اجازت نہ دیں گے جو مسلمانوں نے خدا کی بارگاہ میں تقرب کے طور پر ایجاد کی ہو اور اسے اچھا جانتے ہوں، جیسا کہ بارہا اس کی تقریر اسی کتاب عہود میں گزر چکی ہے، خصوصًا وُہ چیز جس کا تعلق رب تعالٰی اور اسکے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہو، جیسے لوگوں کا جنازہ کے سامنے لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ پڑھنا، یا وہاں پر قرآن کی تلاوت کرنا اور اس طرح کی باتیں، اسے جو حرام کہے وہ شریعت کے فہم سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ ہر وہ چیز جو عہدِ رسالت میں نہ رہی ہو بری نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے تو اسے ترجیح دی ہے کہ کلام صرف خلافِ اولٰی ہے۔ یہ جان لو اگر اس کا دروازہ کھولا جائے تو مجتہدین کرام کے وُہ تمام اقوال مردود ہو جائیں جو انہوں نے اپنے پسند کردہ محاسن کے بارے میں استخراج فرمائے ہیں اور کوئی اس کا قائل کیوں ہوگا جبکہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت کے علماء کے لئے یہ دروازہ کُھلا رکھا ہے اور انہیں

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۰۹

استحسنو ویلحقوہ بشریعة رسول الله صلی الله علیه وسلم بقوله صلی اللهتعالٰی علیه وسلم من سن سنة حسنة فله اجرها واجرمن یعمل بها وکلمة لاالٰه الاالله محمدرسول اللهاکبرحسنات فکیف یمنع منها وتأمل احوال غالب الخلق الاٰن فی الجنازة تجدهم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبر وا بالمیت وقلبهم غافل عن جمیع ما وقع له بل رأیت منهم من یضحك واذا تعارض عندنا مثل ذلك وکون ذلك لم یکن فی عهد رسول اللهصلی اللهتعالٰی علیه وسلم قدمنا ذکرالله عزوجل بل کل حدیث لغو اولٰی من حدیث انباء الدنیا فلوصاح کل من فی الجنازة بلاالٰه الاالله فلااعتراض ولم یاتنا فی ذلك شی عن رسول اللهتعالٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلوکان ذکرالله فی الجنازة منهیاعنه لبلغنا ولو فیحدیث کما بلغنا فی قراءة القراٰن فی الرکوع فافهم وشی سکت عنه الشارع	اجازت دی ہے کہ ایسے طریقے ایجاد کریں جن کو وُہ اچھاجانیں اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت میں شامل کریں۔یہ اجازت اس ارشادِرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے جس نے کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تواس کے لئے اس ایجاد کا ثواب اور آئیندہ اس پر تمام عمل کرنے والوں کا ثواب ہے۔ کلمہ لاالٰہ الااللہ محمدرسول اللہ تو سب سے بڑی نیکی ہے پھراس سے کیونکر روکا جائے گا؟اس وقت نماز جنازہ میں اکثر لوگوں کے حالات کا جائزہ لوانہیں دنیاوی باتوں میں مشغول پاؤگے میّت کے حال سے کوئی عبرت نہیں، دل اس سارے واقعے سے جواسے درپیش ہے غافل ہے بلکہ ان میں ہنسی والے بھی نظر آئیں گے۔جب ایک طرف یہ حال ہو اور دوسری طرف یہ کہ اس وقت کلمہ پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا تو عمل کیا ہو، ایسے وقت ہم اللہ عزوجل کے ذکر کو مقدم رکھیں گے، بلکہ ہر لغو بات جنازے کے اندر دنیا کی باتوں کی بہ نسبت اچھی ہے، تو اگر جنازہ میں کوئی بلند آواز سے لاالٰہ الااللہ پڑھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ہمیں اس سے ممانعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کوئی حدیث نہ ملی۔اگر اللہ کا ذکر ممنوع ہوتا تو کوئی نہ کوئی حدیث اس بارے میں آتی، جیسے رکوع میں تلاوتِ قرآن ممنوع ہے تو حدیث میں وارد بھی ہے--تواسے سمجھو--وُہ چیز جس سے شارع

اوائل الاسلام لایمنع منہ اواخر الزمان[1]۔	علیہ السلام نے اسلام کے ابتدائی زمانے میں سکوت فرمایا ہے وُہ آخر زمانے میں ممنوع نہیں ہو سکتی(ت)

بالجملہ بجائے صمت، اقامت جہر بالذکر، تحصیل مقصود کے لئے تبدیل ذریعہ بمصلحت حالیہ ہے نہ کہ تفویت مقصود، جاہل وُہ جو خاموشی کو مقصود جانے، مطلوب ذکر ہے، جب خاموشی میں اور جہر بالذکر میں، خادمِ فقہ جانتا ہے تحصیلِ مقصود کے لئے بعض مکروہات سے کراہت زائل ہو جاتی ہے، جیسے نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے اور خشوع یونہی ملتا ہے تو آنکھیں بند کرنا ہی اولیٰ،

کمافی الدرالمختار کرہ تغمیض عینیہ للنھی الالکمال الخشوع[2]، وفی ردالمحتار بان خاف فوت الخشوع بسبب رؤیۃ مایفرق الخاطر فلایکرہ بل قال بعض العلماء انہ الاولی ولیس ببعید حلیۃ وبحر[3] اھ اقول: ولعل التحقیق ان بخشیۃ فوات شوع تزول الکراھۃ وبتحققہ یحصل الاستحباب واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار میں ہے: نماز میں آنکھیں بند کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس بارے میں ممانعت آئی ہے لیکن اگر کمالِ خشوع کے لئے ہو تو مکروہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: اس طرح طبیعت کو منتشر کرنے والی چیزیں دیکھنے کے سبب خشوع فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ بعض علماء نے فرمایا کہ اولیٰ ہے، اور یہ کوئی بعید نہیں--حلیہ وبحر--اھ--- **اقول:** شاید تحقیق یہ ہے کہ خشوع فوت ہونے کے اندیشہ کی وجہ سے کراہت زائل ہو جاتی ہے اور آنکھ بند کرلینے پر خشوع متحقق ہوجانے سے استحباب حاصل ہو جاتا ہے اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

تو یہاں یہ کہ ذکر اعظم مطلوبات سے تھا اور منع ایک وجہ بعید کے لئے کہ ذریعہ مقصود میں مخل نہ ہو، اور اب وہ ذریعہ ہی نہ رہا، بلکہ منعکس ہوگیا۔ تو وُہ منع اگرچہ تنزیہی باقی رہنا کس قدر فقاہت سے دور، بلکہ عقل سے مہجور ہے۔ پھر ذکر کہ عرض عریض ہے۔ ذکرِ موت وذکرِ قبر وذکرِ آخرت وذکرِ انبیاء وذکرِ اولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء سب ذکرِ الٰہی ہیں۔ ہم نے اپنی تعلیقات کتاب مستطاب اذاقۃ الاثام میں اس پر بارہ[۱۲] دلائل قائم کئے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت سیّدنا حسّان ابن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث الخ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۰۹/۲

[2] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ مطبوعہ مجتبائی دہلی ۹۲/۱

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۴۳۴/۱

مشرکین کے اشعار کا اشعار میں جواب دینا اُن شعروں کو پڑھنا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا سُننا ثابت ہے اگرچہ یہ اشعار ذکر الٰہی نہ ہوتے، مسجد میں ان کے لئے منبر بچھانے کی اجازت کیونکر!

فانما بنیت المساجد لذکر اللہ والصّلٰوۃ[1]۔	کہ مسجدیں خدا کے ذکر اور نماز ہی کے لئے بنائی گئی ہیں۔(ت)

اور جب یہ ذکر نہ ہوتا تو اس کے لئے اہتمام فرمانا معاذ اللہ غفلت کے لئے اہتمام ہوتا۔ اور یہ محال ہے لاجرم اشعارِ حمد، نعت وثناء ودُعاء ووعظ وپند ذکرِ الٰہی ہیں، اور غناوہ کہ ان سے جُدا ہو کہ غنا کو آیہ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ[2] (لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو لہو کی بات خریدتا ہے۔ت) میں داخل کرتے ہیں اور بداہۃً معلوم کہ حمد ونعت ودعا وعظ ہرگز لہوالحدیث نہیں، ولہذا جوہرہ ودر منتقی وردالمحتار میں ہے:

ما نقل انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم سمع الشعر لم یدل علٰی اباحة الغناء ویجوز حمله علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمة والواعظ[3]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شعر سُننا جو منقول ہے اس سے غنا کی اباحت ثابت نہیں ہوتی اسے ایسے شعر پر محمول کیا جاسکتا ہے جو جائز اور حکمت ونصیحت پر مشتمل ہو۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ قول علامہ شامی: فما ظنك بالغناء الحادث فی ھٰذا الزمان[4] (اس زمانے میں پیدا شدہ نغمہ زنی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ت) خود بشہادت علّامہ شامی اُن اشعار کے بارے میں ہے جو حکمت ووعظ پر مشتمل نہ ہوں، جیسے میّت کا مرثیہ یا اُس کی تعریف، مدح بافراط یا اشعار مہیجہ مکروہ، حزن مزیلہ صبر داعی نوحہ گریبان دری کہ یہ بلاشبہ حکمت ووعظ سے خالی، بلکہ اُس کے خلاف اور اپنے احوال پر حرام، مکروہ وگزاف ہیں بخلاف اُن اشعار فارسی وعربی مذکورہ سوال کا کہ ذکر الٰہی سے جدا نہیں، البتہ اشعار اردو میں حاجت ترمیم وتبدیل ہے، شعرِ اوّل میں نام پاک لے کر ندا ہے اور صحیح یہ کہ جائز نہیں

[1] مرقاۃ المفاتیح باب المساجد مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۱۹۷

[2] القرآن ۳۱/۶

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/۲۲۲

[4] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۸

بلکہ اوصاف کریمہ کے ساتھ ہو، مثلاً یارسول اللہ، یاحبیب اللہ۔دوسرا شعر مہمل ہو بے معنی، اور حیثیتِ شعری سے بھی مختل ہے اور بعض جُہّال سنّوریا سے ذات اقدس مراد رکھتے ہیں، اس وقت وہ قریب بہ کلمہ کفر ہوجائے گا۔ تیسرا شعر بھی کچھ مفید نہیں، ہاں چوتھے اور پانچویں میں حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۲۵: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے ہمراہ بلند آواز سے کلمہ طیّبہ یا وظیفہ غوثیہ یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاًللہ پڑھتے چلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں حرج نہیں کما حققه السیّد عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی فی الحدیقة الندیة (جیساکہ سید عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۲۶: بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ جنازہ کے ساتھ غزلیں نعتیہ پڑھتے جاتی ہیں اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۲۷: از موضع شرشدی جونیر مدرسہ ڈاکخانہ فیسنی ضلع نواکھالی مرسلہ مولوی عبدالکریم ۲۶ جمادی الاُخری ۱۳۳۸ھ

ماقول علمائنا رحمهم اللہ (ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ کیا فرماتے ہیں۔ت) ایک حنفی عالم کہتا ہے کہ بے نمازی کافر ومرتد ہے اس پر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں اور اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کرنا چاہئے۔ اس عالم کا قول مردود ہے یا نہیں؟ تین شخصوں کے بے نمازِ جنازہ دفن کرادیا ہے اس پر شرعاً کیا وعید عاءد ہوسکتی ہے؟ دُنیا میں ایسا مسلمان نہیں جو گاہ بگاہ پنجگانہ وعید نہ پڑھتا ہو۔

الجواب:

ایمان و تصحیح عقائد کے بعد جملہ حقوق اللہ میں سب سے اہم واعظم نماز ہے۔ جمعہ وعیدین یا بلاپابندی پنجگانہ پڑھنا ہرگز نجات کا ذمہ دار نہیں۔ جس نے قصداً ایک وقت کی نماز چھوڑی ہزاروں برس جہنم میں رہنے کا مستحق ہوا، جب تک توبہ نہ کرے اور اس کی قضا نہ کرلے، مسلمان اگر اُس کی زندگی میں اُسے یکلخت

چھوڑ دیں اُس سے بات نہ کریں، اُس کے پاس نہ بیٹھیں، تو ضرور اس کا سزاوار ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1] ۔	اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔ (ت)

مگر بعد موت ہر سنّی صحیح العقیدہ کو غسل وکفن دینا، اس کے جنازے کی نماز پڑھنا الّا ما استثنٰی ولیس ھذا منھم (اگروہ جن کا استثناء کیا گیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں۔ت) فرض قطعی علی الکفایہ ہے۔ اگر سب چھوڑ دیں جن جن کو اطلاع تھی سب گنہگار و تارک فرض و مستحق عذاب ہوں گے۔ جس نے تین مسلمانوں جو بے نماز دفن کرادیا فاسق، مرتکبِ کبیرہ، مستوجب سزائے شدید ہوا، بے نماز کے نماز کو فرض جانتا ہو اس کی تحقیر نہ کرتا اگرچہ نفس وشیطان کے پھندے میں آکر نہ پڑھتا ہو مرتکب کبائر ہے، مستحقِ عذابِ نار ہے، مگر کافر نہیں، باغی نہیں، ڈاکو نہیں، ایک تباہ کار مسلمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علٰی کل مسلم یموت براکان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر [2] ۔	تم پر ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سواچار کے، باغی، رہزن جب کہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، نہر میں اسے باغیوں سے بھی لاحق کیا ہے (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدواوین ثلثۃ فدیوان لایغفر اللہ منہ شیئا، ودیوان لایعبأ اللہ منہ شیئا، ودیوان لایترك اللہ منہ شیئا، فامّا الدیوان الذی لایغفر اللہ منہ شیئا، فلاشراك اللہ باللہ، واما الدایون الذی لا یعباء اللہ منہ شیئا فظلم العبد	دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں سے اللہ تعالٰی کچھ معاف نہ فرمائے گا، اور دوسرے کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں، اور تیسرے میں اللہ کچھ نہ چھوڑے گا، وہ دفتر جس میں اللہ تعالٰی کچھ معاف نہ فرمائے گا دفترِ کفر ہے۔ اور جس کی اللہ کو کچھ پرواہ نہیں وہ بندے کا اپنے رب کے معاملے میں اپنی جان پر

[1] القرآن ۶ /۶۷

[2] سنن ابو داؤد کتاب الجہاد مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور ۱/ ۳۴۳

نفسه فیما بینه وبین ربه من صوم یوم ترك اوصلاة ترکها فان اللہتعالٰی یغفرذلك ان شاؤیتجاوز، واماالدیوان الذی لایترك اللہ منه شیئافمظالم العباد بینهم القصاص لامحالة[1] رواه الامام احمد والحاکم فی المستدرك عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها۔	ظلم کرنا کہ کسی دن کا روزہ چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی اللہ تعالٰی چاہے گا تو معاف فرمادے گا اور درگزر فرمائیگا۔ اور وُہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا وُہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر ظلم ہیں ان کا بدلہ ضرور ہونا۔ اسے امام احمد نے اور مستدرک میں حاکم نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس صلوات کتبهن اللہعلی العباد، فمن جاء بهن فلم یضع منهن شیئا استخفافابحقهن کان له عنداللہ عهد ان یدخل فی الجنة، ومن لم یات بهن فلیس له عنداللہ عهد، ان شاء عذبه وان شاء ادکله الجنة[2]۔ رواه الائمة مالك واحمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم والبیهقی بسندصحیح عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنه۔	پانچ نمازیں اللہ تعالٰی نے بندوں پر فرض ہیں جو انہیں بجالائے اور اُن کے حق کو ہلکا جان کر اُن میں سے کچھ ضائع نہ کرے اللہ کے پاس عہد ہو کہ اُسے جنّت میں داخل فرمائے اور جو انہیں بجانہ لائے اُس کے لئے اللہ کے پاس عہد نہیں کہ چاہے اسے عذاب کرے چاہے اسے جنّت میں داخل کرے۔ اسے امام مالک، امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابنِ ماجہ، ابنِ حبان، حاکم اور بیہقی نے بسندِ صحیح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

دُر مختار میں ہے:

هی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعة	ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوائے چار کے،

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مطبوعہ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۴۰، المستدرک علی الصحیحین کتاب الاھوال مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/ ۵۷۵

[2] سنن ابوداؤد باب فیمن لم یوتر مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۱، مسند احمد بن حنبل مروی از عبادہ بن الصامت مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵/ ۳۱۵

بغاۃ وقطاع طریق اذاقتلوافی الحرب وکذا مکابرفی مصرلیلابسلاح وخناق وقاتل احد ابویه الحقق فی النهر بالبغاۃ [1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	باغی، رہزن، جبکہ یہ لڑائی میں مارے گئے ہوں۔ اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کر لوٹ مار کرنے والا، گلا دبا کر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کو قتل کرنے والا، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۲۸: از بنگلہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی محمد اکرم صاحب یکم ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ چاہئے یا نہیں۔ اگر چاہئے تو کیا دلیل، جواب بالتفصیل بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ ترک نماز سخت کبیرہ گناہ اشد کفرانِ نعمت ہے، مگر کفر وارتداد نہیں، جبکہ انکارِ فرضیت یا استخفاف واہانت نہ کرے، اور نماز ہر مسلمان کے جنازے کی فرض کفایہ ہے، اگر سب چھوڑیں گے سب گنہگار رہیں گے، نماز پنجگانہ اُس پر فرض تھی اُس نے چھوڑی، نماز جنازہ ہم پر فرض ہے ہم کیوں چھوریں، اُس نے وہ فرض چھوڑا جو خالص حق اللہ کریم غنی و عزوجل کا تھا، ہم وہ فرض چھوڑ دیں جس میں اللہ عزوجل کا بھی حق اور اس محتاج باشدّالاحتیاج کا بھی حق العبد، یہ محض نادانی اور خود اپنی بھی بدخواہی ہے، علمائے کرام نے فرضیتِ نمازِ جنازہ سے صرف چند شخصوں کا استثناء فرمایا۔ باغی اور آپس کے بلوائی کہ فریقین بطور جاہلیت لڑیں اور اُن کے تماشائی اور ڈاکو، اور وُہ کہ لوگوں کا گلہ دبا کر، پھانسی دے کر مار ڈالا کرتا ہو، اور وُہ جس نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا۔ ظاہر ہے کہ بے نمازی ان سے خارج ہے تو اس کی نمازِ جنازہ مثل عام مسلمانوں کے فرض ہے۔

فی الدرالمختارھی فرض علٰی مسلم مات خلابغاۃ وقطاع طریق اذاقتلوافی الحرب واھل عصبة ومکابرفی مصر لیلاوخناق وقاتل احدابویه اھ [2] ملخصاوفی ردالمحتار فی شرح	در مختار میں ہے: ہر مرنے والے مسلمان کی نماز جنازہ فرض ہے سوا باغی، رہزن کے جب لڑائی می مارے جائیں، اور جو براہ عصبیت آپس میں لڑیں، رات کو ہتھیار لے کر شہر میں لوٹ مار کرنے والا گلا دبا کر مار ڈالنے والا، اپنے والدین میں سے کسی کا

[1] در مختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

[2] در مختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

دررالبحار فی النوازل جعل مشائخنا المقتولین فی العصبیۃ فی حکم اھل البغی وکذاالواقفون الناظرون الیھما ان اصابھم حجرا وغیرہ وماتوافی تلک الحالۃ ولوماتوابعد تفرقھم یصلی علیھم [1] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	قاتل اھ بتلخیص۔ ردالمحتار میں ہے: شرح دررالبحار میں نوازل کے حوالے سے ہے کہ ہمارے مشائخ نے عصبیت میں مارے جانے والوں کو باغیوں کے حکم میں رکھا ہے ایسے ہی ان کے پاس کھڑے تماشا دیکھنے والے، اگر انہیں کوئی پتھر وغیرہ لگااور اسی حالت میں مرگئے، ہاں اگر جُدا ہونے کے بعد مرے تو ان کی نماز پڑھی جائے گی اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۲۹: از آرہ، مدرسہ فیض الغرباء مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب قادری برکاتی رضوی ۲۷ جمادی الاُخری ۱۳۳۴ھ

زید تمام ضروریاتِ دین کو تسلیم کرتا ہے کسی ایک کے انکار کو کفر جانتا ہے محض سستی وغفلت سے بے نماز ہے۔ پس ایسے بے نمازوں کے جنازے کی نماز ناجائز ہے یا نہیں؟ کوئی نہ پڑھے نہ پڑھائے؟

الجواب:

لاالٰہ الااللہ مسلمان اگرچہ بے نماز ہو اس کے جنازے کی نماز مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کوئی نہ پڑھے گا جتنوں کو خبر ہو سب گنہگار وتارک فرض رہیں گے۔ ہاں اگر زجر کے لئے علماء خود نہ پڑھیں دوسروں سے پڑھوادیں تو بیجا نہیں، اور اگر اُن کے نہ پڑھنے سے اور بھی کوئی نہ پڑھے یا اُن کو بھی منع کریں تو یہ علماء بھی مستحق عذابِ نار ہوں گے، بلکہ جہال سے زیادہ فانما علیك اثم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصّلٰوۃ واجبۃ علیکم علٰی کل مسلم یموت براکان اوفاجرا وان ھو عمل الکبائر [2]۔ رواہ ابو داؤد وابو یعلی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح علٰی اصولنا۔	تم پر ہر مسلمان کے جنازے کی نماز فرض ہے نیک ہو یابدا گرچہ اُس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد اور ابویعلی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہمارے اصول پر بسندِ صحیح روایت کیا۔

درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ علی الجنازۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۶۴۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۰

ھی فرض علٰی کل مسلم مات، خلا اربعة بغاة وقطاع طریق اذاقتلوا فی الحرب وکذامکابر فی مصرلیلا بسلاح خناق وقاتل احد ابویه الحقه فی النهر بالبغاة [1] ملخصًا واللّٰه تعالٰی اعلم	ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے سوا چار کے ، باغی، رہزن جبکہ یہ جنگ میں قتل ہوں۔اسی طرح رات کو شہر کے اندر ہتھیار لے کرلوٹ مار کرنے والا، گلاد باکر مارنے والا، اپنے ماں باپ میں سے کسی کا قاتل، نہر میں اسے بھی باغیوں سے لاحق کیا ہے۔ملخصًا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: از موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور، ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خان، مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کبھی نماز پڑھے اور کبھی نہ پڑھے اُس کا جنازہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟اور بے نمازی کے لڑکے نابالغ کاجنازہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بے نمازی اگرچہ فاسق ہے مگر مسلمان ہے، اوراس کی نابالغ اولاد کا غسل وکفن اور نماز ودفن میں وہی حکم ہے جواور مسلمانوں کاحدیث میں ارشاد ہوا: **صلّوا علٰی کل بر وفاجر** [2] (ہر نیک وبد کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۳۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرح متین اس مسئلہ میں کہ ایک طالب علم موضع فرید پور میں مولوی یٰسین کاشاگرد وہاں کی مسجد میں مقیم ہے اور وُہ یہ کہتا ہے کہ بے نمازی کے جنازے کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور قبرپر اذان دینا جائز نہیں ہے، اور فاتحہ وغیرہ اور گیارھویں شریف کی نیاز کرنا جائز نہیں ہے، اور یہاں پر سب گاؤں کے مسلمانوں کو گمراہ کئے دیتاہے، لہٰذایہ باتیں تحریر کردیں جائز ہیں یانہیں، بموجب شرع شریف کے جواب سے مشرف فرمایئے گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس شخص کے یہ مسئلے محض غلط اور بے سند ہیں۔جنازے کی نماز ہر مسلمان پر فرض ہے **الامااستثناہ العلماء ولیس ھذامنھم** (مگر وہ جس کا علماء نے استثناء کیاہےاور یہ ان میں سے نہیں۔ت)

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

[2] سنن الدارقطنی باب صفۃ من تجوز الصلوٰۃ معہ والصلوٰۃ علیہ نشر السنّۃ ملتان ۲/۵۷، سنن ابی داؤد باب فی الغزو مع ائمہ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳

قبر پر اذان دینا جائز ہے کما ھو مبین فی ایذان الاجر فی اذان القبر (جیسا کہ ہمارے رسالہ "ایذان الاجر فی اذان القبر" میں اسکا واضح بیان ہے۔ت) اور فاتحہ گیارھویں شریف کی نیاز وایصالِ ثواب اہلسنّت کے نزدیک جائز و بہتر ہے کما فی الھدایۃ وفتح القدیر والدرمختار وردالمحتار وغیرھما (جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) ان چیزوں کو جو شخص ناجائز کہے اس سے ایک ہی بات دریافت کرنا کافی ہے وُہ یہ کہ تو جو ناجائز کہتا ہے آیا اللہ ورسول نے انہیں ناجائز کہا ہے یا تو اپنی طرف سے کہتا ہے؟ اگر اللہ ورسول نے ناجائز کہا تو دکھا کون سی آیت یا حدیث میں ہے کہ اذان جو مسلمان کی قبر پر دفع شیطان ودفعِ وحشت وحصول اطمینان ونزول برکت کے لئے کہی جائے وہ ناجائز ہے اور فاتحہ اور گیارھویں شریف کو بغرض ایصال ثواب کی جائے ناجائز ہے، اور اگر اللہ ورسول نے ناجائز نہ کہا تو خود اپنی طرف سے کہتا ہے تو تیرا قول تیرے منہ پر مردود ہے۔ بغیر خدا اور رسول کے منع فرمائے کوئی چیز ناجائز نہیں ہوسکتی۔ ہمیں قرآن وحدیث نے یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ اور رسول جس بات کا حکم دیں وُہ واجب ہے جس سے منع فرمائیں وہ ناجائز ہے اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمائیں وُہ معافی ہے وُہ اگر واجب نہیں تو ناجائز بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرگیا بکر نے کہا زید نماز نہیں پڑھتا تھا اُس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے مگر اس شرط پر کہ اس کو کھنچوانا چاہئے، پھر زید کو بیلوں سے پاؤں باندھ کر کھنچوایا۔ یہ بات قرآن وحدیث سے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو بکر پر کیا حکم ہے؟ فرمائیے کتاب اور حدیث رسول سے۔

الجواب:

بکر گنہگار ہوا اور اُس نے مردے پر ظلم کیا۔ ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے تو میت کے کنگھی کرنے سے منع فرمایا کہ اُسے تکلیف ہوگی، فرمایا:

علام تنصون میتکم۔ رواہ الامام محمد فی کتاب الاثار قال اخبرنا ابوحنیفۃ و رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ قال اخبرنا سفیٰن عن الثوری کلاھما عن حماد بن ابی سلیمٰن عن ابراھیم النخعی	کاہے پر اپنے مُردے کے موئے پیشانی کھینچتے ہو۔ اسے امام محمد نے کتاب الاثار میں روایت کیا -- فرمایا ہمیں خبر دی امام ابو حنیفہ نے، اور اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا -- کہا ہمیں خبر دی سفیان نے، وُہ راوی ہیں سفیان ثوری سے -- دونوں حضرات

عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها انها رأت امرأة یکدّون راسها بمشط 'ف' فقالت علامه تنصون میتکم [1] ورواہ ابوعبید القاسم بن سلام، وابراہیم الحربی وکتابیها فی غیریب الحدیث عن ابراہیم عن عائشة انها سئلت عن المیّت بسرح راسه فقالت علامه تنصون میتکم [2]۔	راوی ہیں حماد بن ابی سلیمان سے --وہ ابراہیم نخعی سے --وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے انہوں نے دیکھا کہ ایک عورت کے سر میں کنگھا کررہے ہیں تو فرمایا: کیوں اپنے مُردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو--اور اسے ابوعبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے اپنی اپنی کتاب غریب الحدیث میں حضرت ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت صدیقہ سے روایت کی کہ ان سے میّت کے سر پر کنگھا کرنے سے متعلق پوچھا تو فرمایا: کیوں اپنے مُردے کی موئے پیشانی کھینچتے ہو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کسر عظم المسلم میتا ککسرہ حیا [3] رواہ الائمة مالك واحمد وسعید بن منصور وعبد الرزاق و ابوداؤد وابن ماجة بسند حسن عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها۔	بیشک مردہ مسلمان کی ہڈی توڑنی ایسی ہے جیسے زندہ مسلمان کی ہڈی توڑنی۔ اسے امام مالک، امام احمد، سعید بن منصور، عبدالرزاق، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بسندِ احسن ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

سزادینا توحاکمِ شرح کاکام ہے ہر کس وناکس کو اُس کا اختیار نہیں اور موت کے بعد تو سزادینے کے کوئی معنی ہی نہیں، سزادرکنار موت کے بعد بُرا بھلا کہنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ماقدموا [4]۔ رواہ احمد والبخاری والنسائی	مُردوں کو بُرا مت کہو کہ وُہ اپنے کیے کو پہنچ چکے۔ اسے امام احمد اور نسائی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ

---

1 المصنف لعبدالرزاق باب شعر المیت واظفارہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۷، کتاب الاثار باب الجنائز وغسل المیت مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۶

2 غریب الحدیث

3 سنن ابی داؤد کتاب الجنائز مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲

4 سنن النسائی کتاب الجنائز المکتبہ السلفیہ لاہور ۱/ ۲۲۲

ف: کتاب الاثار اور مصنف عبدالرزاق دونوں کتابوں میں ''بمشط'' کا لفظ نہیں ہے بلکہ ''کتاب الاثار'' میں ''رأیت میتا یسرح رأسہ'' اور ''مصنف'' میں ''رأیت امرأة یکدّون راسها'' ہے۔ (نذیر احمد)

عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتذکروا ھلکاکم الابخیر ان یکونوا من اھل الجنة تاثمون وان یکونوا من اھل النار فحسبھم ماھم فیه [1]۔رواہ النسائی عنھا رضی الله تعالٰی عنھا بسند جیّد۔	اپنے مُردوں کو یاد نہ کرو مگر بھلائی کے ساتھ کہ اگر وہ جنتی ہیں تو بُرا کہنے سے تم گنہ گار ہوگے اور اگر دوزخی ہیں تو انہیں وہ عذاب ہی بہت جس میں وہ ہیں۔اسے نسائی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ جیّد روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فتؤذوا به الاحیاء [2]۔ رواہ احمد والترمذی عن المغیرة رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح۔	مُردوں کو بُرا نہ کہو اس کے باعث زندوں کو ایذا دو۔اسے امام احمد اور ترمذی نے حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ صحیح روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذامات صاحبکم فدعوہ ولاتقعوا فیه [3]۔ رواہ ابوداؤد عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	جب تمہارا ساتھی مر جائے تو اسے معاف رکھو اور اس پر طعن نہ کرو۔اسے ابوداؤد نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔

عمرو بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذ صاحب ھذا القبر [4]۔رواہ الامام احمد۔	مردے کو ایذا نہ دے۔اسے امام احمد نے روایت کیا۔

سبحان اللہ! جب قبر پر تکیہ لگانے سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے تو ایسے ظلم شدید سے کس قدر

1 سنن النسائی کتاب الجنائز مطبوعہ مکتبہ سل-فیہ لاہور ۱/۲۲۲

2 مسند احمد بن حنبل حدیث مغیرہ بن شعبہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۴/۲۵۲

3 سنن ابوداؤد باب فی النہی عن سب الموتٰی مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۱۵

4 مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد باب دفن المیت مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴۹

ایذائے عظیم ہوگی ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۳۳: سیّد محمد شاہ (پتا انگریزی میں پڑھا نہ گیا) ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے نو مسلم عورت سے عقد کیا تھا، دو۲ برس کے بعد ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ کو دنیائے فانی سے ملک عدم کو رخصت ہوئی۔ اس مسلمان کا یہاں کوئی وارث اور نہ تھا اس نے مسلمانوں کو اطلاع دی، انہوں نے جواب دیا ہم تمہاری عورت کا جنازہ نہیں اُٹھائیں گے نہ قبرستان میں جگہ دیں گے کیونکہ تم نماز نہیں پڑھتے ہو اور مسجد کمیٹی وخلافت کمیٹی وغیرہ میں چندہ بھی نہیں دیتے کبھی ہماری کمیٹیوں میں شرکت نہیں کرتے، لہٰذا تم اور کوئی انتظام کرو۔ اس شخص نے جواب دیا اگر میرا عذر قابلِ اعتماد ہو تو مجھ کو معافی دیجئے جو سزا میرے لئے آپ لوگ قرار دیں قبول کرتا ہوں۔ اگر میرا قصور ہے تو مجھے سزا دیں اور معافی دے کر میّت کو اٹھائیں۔ ان لوگوں نے مطلق انکار کردیا جو خلافت کمیٹی کے ممبران وسیکریٹری وپریزیڈنٹ ہیں۔ تب اُس نے ہندو سے التجا کی، اسکی بیکسی بے بسی دیکھ کر ہنود اس محلّہ میں آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا، بمشکل تمام راضی ہوئے مگر غسل دینے والی عورت کو روک دیا۔ مجبورًا اس نے اپنے ہاتھ سے غسل دیا اور کفن پہنایا۔ بعد اس کے چار پانچ مسلمان، انہوں نے کہا ہم تم پر آٹھ روپیہ جُرمانہ کرتے ہیں، اگر منظور ہو تو ہم میّت اُٹھائیں ورنہ ہم اپنے اپنے گھر جاتے ہیں۔ وُہ چونکہ مصیبت زدہ تھا راضی ہوا۔ غرض صبح آٹھ بجے کی میت بارہ ۱۲ بجے شب اُٹھائی گئی۔ اب عرض ہے کہ آیا حدیث شریف میں یہی فرمان ہے اور خدا اور اسکے رسول کا یہی حکم ہے تو مجھے مطلع فرمائیں، اور اگر یہ حرکت مطابقِ شرع نہ ہو تو ان کی کیا سزا شرعًا وقانونًا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُن لوگوں نے سخت ظلم کیا اور شدید جرم کیا، اگر سلطنتِ اسلام ہوتی حاکمِ اسلام اُن میں ایک ایک کو کوڑے لگاتا، قید کرتا، اور وُہ آخرت میں عذابِ جہنم کے مستحق ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم براکان اوفاجرا وان عمل الکبائر [1]۔ (ملخصًا)	ہر مسلمان کے جنازے کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد، اگرچہ اس نے گناہِ کبیرہ کئے ہوں۔

خصوصًا جس مسلمان نے رمضان مبارک میں انتقال کیا تو وہ بحکم حدیث شہید ہے۔ خلافت کمیٹی میں چندہ نہ دینا یا اُس میں شریک نہ ہونا کوئی جرم نہیں، بلکہ مسجد میں چندہ نہ دینا بھی گناہ نہیں، نہ کہ جہاں امر بالعکس ہو، نماز

[1] سنن ابوداؤد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۴۳، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد باب الامامۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۰

نہ پڑھنا ضرور کبیرہ شدیدہ ہے مگر اس کا گناہ اس کی بی بی کے سر باندھنا کون سی شریعت ہے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے : وَلَاتَزِرُوَازِرَۃٌوِّزْرَاُخْرٰی[1]۔ (کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اُٹھاتی ۔ت)آٹھ روپے کہ انہوں نے لئے سخت حرام اوراُن کے حق میں مثل سُوئر کے ہیں۔اُن پر فرض ہےاُسے واپس کردیں۔

قال اللہ تعالٰی لَاتَاْکُلُوْٓااَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ[2]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تودیہ[3]۔رواہ احمد والاربعۃ والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند احسن۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے :اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔(ت) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں : ہاتھ نے جولیااس کے ذمہ ہے یہاں تک کہ اسے ادا کردے۔اسے امام احمد ،ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ اور حاکم نے سَمُرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بہ سند حسن روایت کیا۔(ت)

اوراُس شخص نے عورت کو غسل دیا یہ اُسے جائز نہ تھا، شوہر عورت کے بدن کو بعد انتقال ہاتھ نہیں لگاسکتا،اُسے چاہئے تھاکہ کسی سمجھ والی لڑکی یالڑکے کو نہلانے کاطریقہ بتاتااوراپنے سامنے اُس سے نہلواتا، یا کوئی اور عورت اگرچہ اُجرت پر ملتی اس سے غسل دلاتا۔اوراگرکچھ ممکن نہ ہوتاتواپنے ہاتھوں میں کپڑے کی تھیلیاں چڑھاکراُس کے چہرے اور کہنیوں تک ہاتھوں کا تیمّم کرادیتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۳۴: از ضلع اعظم گڑھ ڈاکخانہ اندارا موضع ادری حافظ عبدالشکور خاں ۱۴ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید مسلمان حنفی، بکر نصرانی کے یہاں ملازم تھااوراس کا جھوٹا کھالیا کرتا تھا، مسلمانوں نے اُس سے منع کیا، حتی کہ بکر نے بھی، مگر زید باز نہ آیااوراس کے مرنے پر جمیع مسلمانوں نے اس کی تجہیز و تکفین ونمازِ جنازہ سے انکار کیا، بالآخر چند مسلمانوں نے نمازِ جنازہ پڑھ کر دفن کیا، اگرایسا موقع آئندہ آئے توکیا کرنا چاہئے ؟ بینواتوجروا۔زیدکے گھروالوں کے ساتھ کیابرتاؤ کرنا چاہئے کیونکہ زیدکے

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴و۱۷/ ۱۵و۳۵/ ۱۸و۳۹/ ۷

[2] القرآن ۲/۸۸

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵ /۸

یہاں کا کھانا وغیرہ بند کر دیا گیا ہے۔

الجواب:

مسلمان کو نصرانی کا جھوٹا کھانا بہت شنیع وبد ہے کما بیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے۔ت) لیکن اگر مذہب میں کچھ فرق نہ تھا تو اس بد حرکت سے کافر نہ ہوا۔ مسلمانوں پر اس کی تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز لازم تھی، مگر یہ کام فرض کفایہ ہے بعض نے کر لیا سب پر سے اُتر گیا۔ ہر مسلمان کا اُن میں شریک ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی نہ کرتا تو سب گنہگار ہوتے۔ آئندہ کے لئے بھی یہی احکام ہیں، اس فعل میں اس کے گھر والوں کا کوئی قصور نہ تھا ان پر تعزیر بیجا ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۳۵: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اہلِ اسلام سے آخر عمر تک تارک صلٰوۃ والصیام ومشارب الخمر باللیل والایام ملحق دین نصاری رہا حتی کہ بہ تحقیق بدون توبہ ڈاک بنگلہ پر منتقل ہُوا، پھر ورثاء اس کے مکان پر لائے، معاذاللہ اور بخوف عدم شرکتِ دفن اہل اسلام کے ایک حجام اور خرادی اور کنجڑا پرورش یافتہ خود کو مصنوعی شاہد مقرر کرکے توبہ پر اس میت کی قائم کئے۔ عیاذًا باللہ۔ تب جنازہ اُٹھا اور ہمراہ جنازہ کے عیسائی بھی تھے۔ تب بھی چند کس نے دیدہ ودانستہ نمازِ جنازہ پڑھی اور اسقاط لے کر قبر پر قرآن پڑھا۔ بعد دخول قبر عیسائیوں نے ٹوپی اتار کر سلامی لی، پس مسلمانوں کو بحکم شرع میت کے اسلام پر خدشہ صادقہ تھا اور یقین کامل ہوا، اور بجمیت اسلامی اُن سے رُوکش ہوئے کہ اوروں کو عبرت ہو، کیونکہ بعملداری ہنود اور تعزیر غیر ممکن، اس خیال سے اُن لوگوں سے مرتدین کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں جب تک توبہ نہ کریں اُن کے پیچھے نماز جماعت درست ہے یا ممنوع، اس کے، حق میں اور اُن کے مشترک کے حق میں شرعًا کیا حکم ہے؟ مشرح بعبارت کتب بیان فرمائیں۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

ترک صوم صلٰوۃ وشربِ خمار گناہانِ کبیرہ ہیں جن کا مرتکب فاسق وفاجر اور عذابِ دوزخ کا مستحق ہے مگر حرام جان کر بشامتِ نفس کرے تو کافر نہیں۔ پس اگر شخص مذکور نے مذہب نہ بدلا تھا صرف باغوائے شیطان

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴ و ۱۷/ ۱۵ و ۳۵/ ۱۸ و ۳۹/ ۷

دنیا پرستان خدا ناترس کی طرح ان امور کا مرتکب ہوتا اور عیسائیوں سے میل جول رکھتا تھا تو اس پر کفر کا فتوٰی نہیں دیا جاسکتا، بلکہ جب وُہ کلمہ پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا مسلمان ہی ٹھہرائیں گے اور اس تقدیر پر اس کے تجہیز و تکفین اور جنازہ کی نماز بیشک ضروری ولازم تھی، اگر بجانہ لاتے گنہگار رہتے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلٰوۃ واجبۃ علیکم کل مسلم براکان اوفاجراوان ھو عمل اکبائر [1]۔ (ملخصًا)	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ تم پر فرض ہے نیک ہو یابد، اگرچہ اس نے گناہِ کبیرہ کئے ہوں۔ اسے ابوداؤد وغیرہ نے روایت کیا۔ (ت)

اور نصرانیوں کا معاذاللہ جنازہ کے ساتھ ہونا یا بعد دفن ٹوپی اتار کر سلامی دینا اُن کا اپنا فعل تھا جس کے سبب مسلمان کو کافر نہیں ٹھہرا سکتے۔ اور یہ بدگمانی کہ اگر یہ اُن کا ہم مذہب نہ ہوتا تو وُہ جنازہ میں کیوں شرکت کرتے، محض مردود ہے۔ ایسے اوہام پر بنائے احکام نہیں، نہ کہ معاذاللہ معاملہ کفر واسلام جس میں انتہا درجہ کی احتیاط لازم، بلکہ اس کا عکس دُوسرا گمان قوی تر ہے کہ اگر وُہ اسے اپنا ہم مذہب جانتے، اپنی روش پر تجہیز و تکفین کرتے۔ مسلمانوں کو اس کا جنازہ کیوں دیتے، غرض اس صورت میں نماز پڑھنے والوں نے فرضِ خدا ادا کیا اُن پر اصلًا لازم نہیں۔ الزام اُن پر اُن سے معاملہ مرتدین کرنا چاہیں اور اگر بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو کہ میّت عیاذًا باللہ تبدیل مذہب کرکے عیسائی ہوچکا تھا تو بیشک اُس کے جنازہ کی نماز اور مسلمانوں کی طرح اس کی جہیز و تکفین سب حرام قطعی تھی۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ [2]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ان میں سے جو بھی مرے نہ کبھی ان کی نمازِ جنازہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو (ت)

مگر نماز پڑھنے والے اگر اس کی نصرانیت پر مطلع نہ تھے اور بربنائے علم سابق اسے مسلمان سمجھتے تھے نہ اس کی تجہیز و تکفین و نماز تک اُن کے نزدیک اس شخص کا نصرانی ہوجانا ثابت ہوا، تو ان افعال میں وہ اب بھی معذور وبے قصور ہیں کہ جب اُن کی دانست میں وہ مسلمان تھا اُن پر یہ افعال بجالانے بزعم خود شرعًا لازم تھے، ہاں اگر یہ بھی اس کی عیسائیت سے خبردار تھے پھر نماز و تجہیز و تکفین کے مرتکب ہوئے قطعًا سخت گنہ گار اور وبالِ کثیر میں گرفتار ہوئے، جب تک توبہ نہ کریں نماز ان کے پیچھے مکروہ۔

[1] سنن ابی داؤد باب الغزو مع ائمۃ الجور مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳، سنن الدارقطنی باب صفۃ الصلٰوۃ مع الصلٰوۃ علیہ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۵۶
[2] القرآن ۹/ ۸۴

کما حکم هو الفاسق المصرح به فی غیر ما کتاب المحرر المنقح فی الغنیة وغیرها۔	جیسا کہ یہ فاسق کا حکم ہے جس کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے اور جس کی توضیح وتنقیح غنیہ وغیرہا میں ہوچکی ہے۔(ت)

مگر معاملہ مرتدین پھر بھی برتنا جائز نہیں کہ یہ لوگ بھی اس گناہ سے کافر نہ ہوں گے۔ ہماری شرع مطہر صراطِ مستقیم ہے، افراط وتفریط کسی بات میں پسند نہیں فرماتی، البتہ اگر ثابت ہوجائے کہ اُنہوں نے اُسے نصرانی جان کر نہ صرف بوجہ حماقت وجہالت کسی غرض دُنیوی کی نیّت سے بلکہ خود اسے بوجہ نصرانیت مستحق تعظیم وقابل تجہیز وتکفین ونمازِ جنازہ تصور کیا تو بیشک جس جس کا ایسا خیال ہوگا وہ سب بھی کافر ومرتد ہیں اور ان سے وہی معاملہ برتنا واجب جو مرتدین سے برتا جائے اور ان کی شرکت کسی اور طرح روا نہیں، اور شریک ومعاون سب گنہگار۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۳۶: از لکھیم پور کھیری مکان حافظ محمد حسین سوداگر، مرسلہ حکیم محمد تف۔ضل حسین صاحب ماہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل شیعہ کی نمازِ جنازہ پڑھنا اہلسنّت وجماعت کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی قومِ سنّت والجماعت نے نماز کسی شیعہ کی جنازہ کی پڑھی تو اس کے لئے شرع میں کیا حکم ہے۔

الجواب:

اگر رافضی ضروریاتِ دین کا منکر ہے، مثلاً قرآن کریم میں کچھ سورتیں یا آیتیں یا کوئی حرف صرف امیر المومنین عثمان ذی النورین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ یا اور صحابہ خواہ کسی شخص کا گھٹایا ہوا مانتا ہے۔ یا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصّلٰوۃ والتسلیم میں کسی سے افضل جانتا ہے۔ اور آجکل یہاں کے رافضی تبرائی عموماً ایسے ہی ہیں اُن میں شاید ایک شخص بھی ایسا نہ نکلے جو ان عقائدِ کفریہ کا معتقد نہ ہو جب تو وہ کافر مرتد ہے اور اس کے جنازہ کی نماز حرام قطعی وگناہ شدید ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ مَاتُوْا وَ هُمْ فٰسِقُوْنَ۝ [1] ۔	کبھی نماز نہ پڑھ اُن کے کسی مردے پر، نہ اس کی قبر پر کھڑا ہو، انہوں نے اللہ ورسول کے ساتھ کفر کیا اور مرتے دم تک بے حکم رہے۔

[1] القرآن ۹/۸۴

اگر ضروریاتِ دین کا منکر نہیں مگر تبرائی ہے تو جمہور ائمہ وفقہا کے نزدیک اس کا بھی وہی حکم ہے۔

کما فی خلاصۃ وفتح القدیر وتنویر الابصار والدر المختار والھدایۃ وغیرھا عامۃ الاسفار۔	جیسا کہ خلاصہ، فتح القدیر، تنویر الابصار، در مختار، ہدایہ وغیرہا عام کتب میں ہے۔

اور اگر صرف تفضیلیہ ہے تو اُس کے جنازے کی نماز بھی نہ چاہئے، متعدد حدیثوں میں بدمذہبوں کی نسبت ارشاد ہوا:

ان ماتوا فلا تشھدوھم[1] وُہ مریں تو ان کے جنازہ پر نہ جائیں۔ **ولا تصلوا علیھم**[2] انکے جنازے کی نماز نہ پڑھو۔ نماز پڑھنے والوں کو توبہ استغفار کرنی چاہئے۔ اور اگر صورت پہلی تھی یعنی وہ مُردہ رافضی منکرِ بعض ضروریاتِ دین تھا اور کسی شخص نے باآں کہ اُس کے حال سے مطلع تھا دانستہ اس کے جنازے کی نماز پڑھی اُس کے لئے استغفار کی جب تو اُس شخص کی تجدید اسلام اور اپنی عورت سے از سر نو نکاح کرنا چاہئے۔

فی الحلیۃ نقلا عن القرا فی واقرہ الدعاء بالمغفرۃ للکافر کفر لطلبہ تکذیب اللہ تعالٰی فیما اخبر بہ[3]۔	حلیہ میں قرافی سے نقل کیا اور اسے برقرار رکھا کہ: کافر کے لئے دُعائے مغفرت کفر ہے کیونکہ یہ خبر الٰہی کی تکذیب کا طالب ہے (ت)

مسئلہ نمبر ۳۷۷: از ثمن برج وزیر آباد ضلع گوجرانوالا، پنجاب۔ مرسلہ محمد خلیل اللہ صاحب پنشنر رسالدار، ۲۳ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل صُورت میں ایک شخص جو شیعہ اثناء عشری مذہب رکھتا ہے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی خلیفۃ بلا فصل وغیرہ اعتقاداتِ مذہبِ شیعہ کا معتقد ہے فوت ہوا ہے اُس کا جنازہ ہمارے امام حنفی المذہب جامع مسجد نے پڑھایا اور اس کو غسل دیا، نیز اس کے ختم میں شامل ہوا، شیعہ جماعت نے امام مذکور کے نمازِ جنازہ پڑھانے کے بعد دوبارہ

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۴۲۴۰ الحسین بن الولید الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۴/۸، سنن ابن ماجہ الحسین بن الولید الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰، مسندِ امام اعظم بیان ذم القاریۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۲۵۲۹ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۵۴۰/۱۱

[3] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

شیعہ امام سے متوفی مذکور کی نماز جنازہ پڑھائی۔ کیاامام مذکور حنفی المذہب کا یہ فعل ائمہ احناف کے نزدیک جائز ہے۔ اگر ناجائز ہے توکیاامام صاحب مذکور کا یہ فعل شرعًا قابلِ تعزیر ہے اور کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں وُہ امام سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوا، اُس نے حکمِ قرآنِ عظیم کا خلاف کیا،

قال اللہ تعالٰی وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا[1]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: ان کے کسی مُردے کی نمازِ جنازہ کبھی نہ پڑھو۔(ت)

تعزیر یہاں کون دے سکتا ہے، اس کی سزا حاکم اسلام کی رائے پر ہے، وُہ چاہتا تو پچھتّر کوڑے لگاتا اور چاہتا تو قتل کرسکتا تھا کہ اُس نے مذہب کی توہین کی۔ اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اسے امامت سے معزول کرنا واجب، تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	اس لئے کہ اسے امام بنانے میں تعظیم ہے جبکہ شرعًا ان پر اس کی اہانت واجب ہے(ت)

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: لوقدموا فاسقا یاثمون[3] (اگر لوگوں نے کسی فاسق کو امام بنایا تو گنہگار ہوں گے۔ت) یہ سب اس صورت میں ہے کہ اس نے کسی دنیوی طمع سے ایسا کیا ہو، اگر دینی طور پر اسے کارِ ثواب اور رافضی تبرائی کو مستحق غسل ونماز جان کر یہ حرکاتِ مردودہ کیں تو وُہ مسلمان ہی نہ رہا۔ اگر عورت رکھتا ہو اس کے نکاح سے نکل گئی کہ آجکل رافضی تبرائی عمومًا مرتدین ہیں کما حققناہ فی ردالرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ردالفضہ" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور بحکم فقہائے کرام تو نفسِ تبرا کفر ہے کما فی الخلاصۃ وفتح القدیر وغیرہا کتب کثیرۃ (جیسا کہ خلاصہ اور فتح القدیر وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ت) نہ کہ نمازِ جنازہ کما فی الاعلام وغیرہ وبیناہ فی فتاونا (جیسا کہ الاعلام بقواطع الاسلام میں ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن ۹/۸۴

[2] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبعہ کبرٰی امیریۃ مصر ۱/۱۳۴

[3] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

مسئلہ نمبر ۳۸: ازچتور گڑھ محلّہ چھیپان مسئولہ جمیع مسلمان گنگرار ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اگر ہجڑہ مر جائے اُس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ اور اگر پڑھی جائے تو نیّت مرد کی جائے یا عورت کی؟

الجواب:

ہجڑہ اگر مسلمان ہے تواُس کے جنازہ کی نماز فرض ہے،اور نیت میں مرد عورت کی تخصیص کی کوئی حاجت نہیں۔ مرد وعورت دونوں کی ایک ہی دعا ہے، خصوصًا یہ ہجڑے جو یہاں ہوتے ہیں مرد ہی ہوتے ہیں جو اپنے آپ کو عورت بناتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۳۹: ازمین پوری مسئولہ مجیب اللہ صاحب ۲۹ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کے لئے امامت میں احق افضل کون ہے؟ کیاامام جامع مسجد یا قاضی اس معنٰی میں نکاح خوانی کرتا ہواور لیاقت کچھ نہیں رکھتا، صرف معمولی اردو کی کتابیں دیکھے ہوئے ہو وُہ بلااذن طلب کئے میّت کے ورثاء یااولیاء سے نمازِ جنازہ پڑھا سکتا ہے؟اور بموجودگی کئی افضل واعلم بالسنۃ عالم واحق بالامامۃ اُس کا نماز پڑھنا کیسا ہے؟ یہ جو عام طور پر رائج کہ اوّل وارث یا ولی میت سے اذن لیتے ہیں نماز پڑھانے کا یہ کیا کچھ ضروری چیز ہے؟اور کون امام بلااذن طلب کئے بھی نماز پڑھا سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

نمازِ جنازہ ولیِ میّت کا حق ہے، دوسرا کہ اس کے اذن کا محتاج ہے، اگر بے اُس کے اذن کے پڑھائے اُسے اعادہ نماز جائز ہے حالانکہ نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع نہیں۔ نکاح خوانی کا قاضی کوئی عہدہ شرعی نہیں وہ بے اذنِ ولی ہر گز نہیں پڑھا سکتا۔ یونہی جامع مسجد کا امام اگر میّت جمعہ وغیرہ اُس کے پیچھے نہ پڑھتا ہو یا وُہ علم وفضل میں ولی میّت سے زائد نہ ہو۔ اسی طرح امام الحہ یعنی مسجد محلّہ کا امام، ہاں اگر میّت اُن کے پیچھے نماز پڑھا کرتا تھا۔ اور یہ فضل دینی میں ولی سے زائد ہیں تو بے اذنِ ولی پڑھا سکتے ہیں،اور اصحابِ ولایت عامہ مثلاً سلطانِ اسلام یااس کا نائب، حاکم شہر یااس نائب، قاضی شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا یااس کا نائب، یہ لوگ ولی پر مقدم ہیں،انہیں ولی سے اجازت لینے کی مطلقًا حاجت نہیں، اور صورتِ مذکورہ کے علاوہ دونوں امام اور یہ والیانِ عام اگر نماز پڑھادیں تو ولی کو حقِ اعادہ نہیں مگر فرضِ کفایہ ادا ہو جائے گا، ولی نے اگر ان کی اقتدا کرلی فبہا کہ اذن ابتدا میں نہ تھا تواب ہو گیا

اور اگر اقتدا نہ کی تو اُسے جائز ہے کہ دوبارہ پڑھے، اور جو پہلی جماعت میں شریک نہ ہو لئے تھے انہیں اس جماعتِ ولی میں شرکت کی اجازت ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

یقدم فی الصلوة علیه السلطان اونائبه (الاولی ثم نائبه کمافی الفتح وغیره ش) ثم القاضی (ثم خلیفةالولی ثم خلیفة القاضی امداد عن زیلعی ش) ثم امام الحی وتقدیم الولاة واجب وتقدیم امام الحی بشرط ان یکون افضل من الولی والا فالولی کما فی المجتبٰی (قلت عن البقالی) وشرح المجمع للمصنف (قلت عن العتابی)(وامام الحی وامام المسجد الخاص بالمحلة وانما کان اولی لان المیت رضی بالصّلٰوة خلفه فی حال حیاته فینبغی ان یّصلی علیه بعد وفاته ش) وفی الدرایة امام الجامع (عبرعنه فی شرح المنیة بامام الجمعة ش) اولی من امام الحی (قلت والظاہر ان تقدیمه ایضاندبی بشرط کونه افضل من الولی والعلة فیه ایضاکون المیت رضیه امام له فی حیاته فلو لم یکن من یصلی الجمعة کالمرأة مثلااوکان یصلی خلف غیره لم یقدم علی امام الحی اذالم یکن المیت یصلی خلفه لایقدم علی الولی قال ش	نمازِ جنازہ میں مقدم سلطان ہے یا اس کا نائب (بہتر یہ کہنا ہے کہ: پھر اس کا نائب، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں ہے--شامی) پھر قاضی (پھر حاکم شہر کا نائب، پھر قاضی ک نائب--امداد--از زیلعی--شامی) پھر امامِ محلّہ اور حکام کی تقدیم واجب ہے اور امامِ محلّہ کی تقدیم مستحب ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر جیسا کہ مجتبٰی میں (میں کہتا ہوں: بقالی سے منقول) ہے اور مصنّف کی شرح مجمع میں (میں کہتاہوں: عتابی سے منقول) ہے (امام محلّہ سے مُراد وہ کو جو مسجدِ محلّہ کا امام ہو، اس کے اولٰی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کی اقتداء پسند کی تو بعد وفات اس کی نماز جنازہ اسی کو پڑھانا چاہئے--شامی) درایہ میں ہے کہ امام جامع مسجد (شرح منیہ میں اسے امامِ جمعہ سے تعبیر کیا--شامی) امامِ محلّہ سے بہتر ہے۔ (میں کہتا ہوں: ظاہر یہ ہے کہ اس کی تقدیم بھی استحبابی ہے بشرطے کہ ولی سے افضل ہو۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اسے اپنا امام پسند کیا، تومیّت اگر جمعہ پڑھنے والا نہیں، جیسے عورت، یا دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے والا اُس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تو وہ بھی ولی پر مقدم نہ ہوگا۔ شامی

لما یأتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیه الولاۃ وامام الحی لما مر من التعلیل وھوغیرموجودھنا) ثم الولی بترتیب عصوبة الانکاح، فان صلی غیرالولی ممن لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعه عادالولی ولوھی قبرہ ان شاء لاجل حقه لا لاسقاط الفرض ولذا لیس لمن صلی علیھا ان یعید من الولی لان تکرارھا غیرمشروع[1] انتھی مزید امنی کل مصدر بلفظة قلت مختوما بھلال۔ واللہ سبحٰنه تعالٰی اعلم۔	نے کہا اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل میں حق ولی کا ہے، اس پر حکام اور امام محلّہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے باعث تھی وہ علت ہی یہاں موجود نہیں) پھر ولی جو نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی ترتیب کے اعتبار سے ہے تو اگر ولی کے علاوہ کسی ایسے نے نماز پڑھی جسے ولی پر حق تقدم حاصل نہیں اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی پھر پڑھ سکتا ہے اگرچہ قبر، اگر چاہے۔ یہ اجازت اس کے حق کے سبب ہے، اس وجہ سے نہیں کہ فرض جنازہ ادانہ ہوا۔ اسی لئے پہلے جو لوگ پڑھ چکے ہوں انہیں ولی کے ساتھ اعادہ کی اجازت نہیں اس لئے کہ نمازِ جنازہ کی تکرار غیر مشروع ہے۔ عبارت ختم ہوئی۔ درمیان میں ہلالین کے اندر **قلت** (میں کہتا ہوں) کے ساتھ حوالوں کا میری جانب سے اضافہ ہے، اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۴۰: از ملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاکخانہ آدم پور، گھوڑ مرا مرسلہ حافظ عبدالحمید صاحب امام مسجد ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ خدیجہ بی بی زوجہ مولوی عبدالحکیم صاحب رحلت نمود درحق صلوٰۃ جنازہ ولی زن شوہرش باشد یا پدرش وبرادران وعمام او مگر پدر وغیرہ اقارب مذکورین جاہلان بے علم اند بخلاف شوہر، نیز از جانب شوہر عم او حافظ عبدالحہ امام الحہ موجود ست	آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ خدیجہ بی بی زوجہ عبدالحکیم صاحب کا انتقال ہوا، نماز جنازہ کے حق میں عورت کا ولی اس کا شوہر ہوگا یا باپ، بھائی، چچا؟ مگر باپ وغیرہ اقارب مذکورین جاہل بے علم ہیں، جب کہ شوہر صاحب علم ہے اور شوہر کی جانب سے اس کے چچا حافظ

[1] درمختار شرح تنویرالابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲-۱۲۳، ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۰

پس ولایتِ نماز دو رصورت مذکورہ ازیناں کراست مخفی مبادکہ ازدو۲ سال علمائے سلہٹ دریں مسئلہ باہم اختلافہا دارند۔اُمید کہ رفع شک فرمایند۔بینوا توجروا	عبدالحمید امامِ محلّہ بھی موجود ہیں، توصورت مذکورہ میں نماز کی ولایت ان میں سے کس کے لئے ہے۔ واضح ہو کہ دو ۲ سال سے سلہٹ کے علماء اس مسئلہ میں باہم اختلاف رکھتے ہیں۔امید ہے کہ شک دور فرمائیں گے۔بیان فرمائیں اجر پائیں۔

الجواب:

درولایتِ نمازِ جنازہ شوہر از ہمہ اقارب موخرست ایں ولایت ہمچو ولایت نکاح بترتیب عصوبت و قرابت اقرب فالاقرب رارسد اگرزیناں ہیچکس نباشد شوہر مقدم بود۔ وجہل آناں مانع حق آناں نیست، ایشاں را رواست کہ ہر کراخواہند بامامت امر کنند۔مامور ایشاں ہمچوایشاں مقدم برزوج بود کہ متاخر را اگرچہ خود عصبہ باشد بامامور متقدم حقِ منازعت نیست گو اجنبی باش۔ وآں کہ امام الحہ را استحبابًا تقدیم دادہ اند بحکم تعلیل و نظر برمانِ خاص درجنازہ مردان ست۔زنان را بامسجد وامام چہ کار کہ ایشاں نہ حاضر جماعت می شوند نہ شرعًا اجازتش دادند پس درصورت مستفسرہ ولایتِ نماز پدرِ خدیجہ را بود۔ آرے اگر خدیجہ از مولوی عبدالحکیم پسرے عاقل بالغ داشتے حقِ تقدم مراورا بودے کہ پسر بر پدر در عصوبت مرجح است وآں پسر را	نمازِ جنازہ کی ولایت شوہر تمام اقارب کے بعد ہے۔یہ ولایت ،ولایتِ نکاح کی طرح عصبہ ہونے اور قریبی ہونے کی ترتیب پر قریب تر پھر قریب تر کے لئے ہوتی ہے--اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تواُس وقت شوہر مقدّم ہوگا۔ اور ان کا جہل ان کے حق سے مانع نہیں، ان کے لئے روا ہے کہ جسے چاہیں امامت کا حکم دے دیں، ان کا مامور بھی ان ہی طرح شوہر پر مقدم ہوگا کہ متاخر کو--اگرچہ عصبہ ہو--مامور کے ساتھ نزاع کا حق نہیں گو وُہ اجنبی ہو۔ اور امامِ محلّہ کو جو تقدیم دی گئی ہے اس کی علت اور زمانہ حال پر نظر کرتے ہوئے--وہ مردوں کے جنازے سے خاص ہے۔عورتوں کو مسجد اور امام سے کیاکام کہ یہ حاضر جماعت ہوتی ہیں نہ ان کو شرعًا اس کی اجازت ہی ہے--تو صورت مسئولہ میں نماز کی ولایت خدیجہ کے والد کو ہوگی۔ ہاں اگر خدیجہ کا مولوی عبدالحکیم سے کوئی عاقل بالغ لڑکا ہوتا تواسے حق تقدّم ہوتا کیونکہ عصبہ ہونے میں بیٹے کو باپ پر ترجیح حاصل ہے--اور اس لڑکے کو

شرع فرمود کہ پدرِ خود مولوی عبدالحکیم راتقدیم دہ وبپاسِ ادب پیش او پامنہ بایں صورت مولوی عبدالحکیم راتقدم بودے۔

شریعت حکم دیتی ہے کہ اپنے باپ مولوی عبدالحکیم کو آگے کر، اورادب کا لحاظ کرکے اس کے آگے قدم نہ رکھ۔ اس طرح مولوی عبدالحکیم کو تقدم ہو جاتا۔

فی الدرالمختار یقدم فی الصلٰوۃ علیه السلطان ان حضر اونائبه وهوامیرالمصر (ثم القاضی)ثم صاحب الشرط ثم خلیفة ثم خلیفة القاضی (ثم امام الحی)فیه ایهام وذلك ان تقدیم الولاۃ واجب وتقدیم امام الحی مندوب فقط بشرط ان یکون افضل من الولی والافالولی اولٰی(ثم الولی) بترتیب عصوبة الانکاح الا الاب فیقدم علی الابن اتفاقا الاان یکون عالماوالاب جاهلافالابن اولٰی فان لم یکن له ولی فالزوج ثم الجیران وله ای للولی ومثله کل من یقدم علیه (الاذن لغیرہ فیها)لانه حقه فیملك ابطاله (الا) انه (ان کان هناك من یساویه فله) ای لذلك المساوی ولواصغرسنا (المنع) لمشارکته فی الحق اماالبعیدفلیس له المنع[1] اھباختصار۔ وفی ردالمحتار قوله(ثم امام الحی)

درمختار میں ہے: نماز جنازہ پڑھانے میں مقدم سلطانِ اسلام ہے اگر وہ موجود ہو یااس کا نائب، یہ شہر کا حاکمِ اسلام ہے۔ پھر قاضی، پھر کوتوال، پھر اس کا خلیفہ پھر قاضی کا خلیفہ، پھر امام محلّہ۔ اس میں برابری کا ایہام ہے اور حکم یہ ہے کہ حکّام کی تقدیم واجب ہے اور امام محلّہ کی تقدیم صرف مندوب ہے بشرطیکہ ولی سے افضل ہو، ورنہ ولی بہتر ہے۔ پھر ولی۔ نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی یہاں بھی ہوگی مگر باپ کہ وہ بیٹے پر یہاں بالاتفاق مقدم ہے لیکن اگر بیٹا عالم اور باپ جاہل تو بیٹا اولٰی ہے۔ اگر کوئی نہ ہو تو شوہر پھر ہمسائے۔ ولی کو اور اسی کی طرح ہر اُس شخص کو جسے دوسروں پر تقدم ہے یہ حق حاصل ہے کہ کسی اور کو اذن دے دے کیونکہ یہ اس کا حق ہے تو اسے باطل کرنے کا اختیار ہوگا۔ لیکن وہاں اگر کوئی اس کے مساوی ہو تو اسے اگرچہ وُہ عمر میں چھوٹا ہی ہو۔ دوسرے کو روکنے کا حق حاصل ہے کیونکہ حق میں وہ اس کا شریک ہے ہاں بعید کو روکنے کا اختیار نہیں اھ باختصار۔
ردالمحتار میں ہے: امامِ محلّہ اس لئے اولٰی ہے

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۲

وانماکان اولی لان المیت رضی بالصّلٰوۃ خلفہ فیہ حال حیاتہ فینبغی ان یصلی علیہ بعد وفاتہ قال فی شرح المنیۃ فعلی ھذالوعلم انہ کان غیر راض بہ حال حیاتہ ینبغی ان لایستحب تقدیمہ اھ قلت ھذامسلم ان کان عدم رضاہ بہ لوجہ صحیح والافلا تامل [1] ھ مافی ردالمحتار ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ۔ **اقول:** سیأتی بعد سطران الحق انما ھوللولی وانما یستحب تقدیم امام الحی لاجل التعلیل المذکور فاذافاتت العلۃ فلیفت المعلول ولادخل فی ذلک لکون عدم رضاہ بوجہ صحیح فلیتامل۔ثم قال فی ردالمحتار واما امام مصلی الجنازۃ الذی شرطہ الواقف وجعل لہ معلومامن وقفہ فھل یقدم علی الولی کامام الحی ام لاللقطع بان علۃ الرضا بالصلٰوۃ خلفہ فی حیاتہ خاصۃ بامام المحلۃ واستظھر المقدسی انہ کالاجنبی مطلقالانہ انما یجعل للغرباء ومن لاولی لہ۔	کہ مرنے والا اپنی زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی تھا تو بعد وفات بھی اسی کو پڑھانا چاہئے--شرح منیہ میں ہے: اس تعلیل کے پیشِ نظر اگر وُہ زندگی میں اس سے راضی نہ تھا تو اس کی تقدیم مستحب نہ ہونی چاہئے اھ--میں کہتا ہوں یہ اُس صورت میں مسلّم ہے جب اُس کی ناراضی کی صحیح وجہ تحت ہو ورنہ نہیں--تامل کرو--ردمحتار کی عبارت ختم ہوئی--میں نے دیکھا اور اسکے حاشیہ پر میں نے یہ لکھا ہے: **اقول:** چند سطور بعد آرہا ہے کہ حق ولی ہی کا ہے اور امامِ محلّہ کی تقدیم تعلیلِ مذکور کے باعث مستحب ہے تو جب یہ علّت فوت ہو تو معلول بھی فوت ہوگا اور اس میں کسی وجہ صحیح کے تحت اس کی ناراضی ہونے کو کوئی دخل نہیں--تامل کرنا چاہئے۔آگے ردالمحتار میں ذکر ہے کہ: اب سوال یہ ہے کہ وہ امام جو جنازہ پڑھانے کے لئے مقرر ہو، جس کی وقف کرنے والے نے شرط کی ہے اور وقف سے اس کے لئے تنخواہ مقرر کردی ہے کیا امام محلّہ کی طرح وُہ بھی ولی پر مقدم ہوگا یا مقدم نہ ہوگا؟ کیونکہ قطعی بات ہے زندگی میں اقتدا سے راضی ہونے کی علت صرف امام محلّہ کے حق میں ہے--امام مقدسی نے اظہار فرمایا کہ وہ بالکل اجنبی کی طرح ہے کیونکہ اس کا تقرر مسافروں اور ایسے مُردوں کے لئے ہوتا جن کا کوئی ولی نہ ہو۔

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴۹

اقول: وھذا اولی لما یاتی من ان الاصل ان الحق للولی وانما قدم علیہ الولاۃ وامام الحی لما مر من التعلیل وھو غیر موجود ھنا، والفرق بینہ وبین الامام الراتب ظاھر لانہ لم یرضہ للصلٰوۃ خلفہ فی حیاتہ بخلاف الراتب، قال فی شرح المنیۃ الاصل ان الحق فی الصلٰوۃ للولی ولذا قدم علی الجمیع فی قول ابی یوسف و روایۃ عن ابی حنیفۃ لان ھذا حکم یتعلق بالولایۃ عن ابی حنیفۃ لان ھذا حکم یتعلق بالولایۃ کالانکاح الا ان الاستحسان وھو ظاھر الروایۃ تقدیم السلطان ونحوہ لما مر من الوجہ قولہ(بترتیب عصوبۃ الانکاح) فلا ولایۃ للنساء ولا للزوج الا انہ احق من الاجنبی قلت والظاھر ان ذوی الارحام داخلون فی الولایۃ، والتقیید بالعصوبۃ لاخراج النساء فقط فھم اولی من الاجنبی وھو

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بہتر ہے اس لئے کہ آگے آرہا ہے کہ اصل یہ حق ولی کا ہے اس پر حُکّام اور امام محلّہ کی تقدیم تعلیل مذکور کے سبب ہے اور وہ علت یہاں موجود نہیں-- اور اس امامِ جنازہ اور پنجگانہ کے امام مقرر کے درمیان فرق ظاہر ہے اس لئے اس نے زندگی میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا ارادہ نہ کیا جبکہ امام مقرر کا حال یہ نہیں، شرح منیہ میں ہے کہ اصل یہ ہے کہ نماز کا حق ولی کو ہے۔ اسی لئے امام ابویوسف کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں وُہ سب سے مقدم ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا حکم ہے جس کا تعلق ولایت سے ہے جیسے نکاح کرانے کا معاملہ ہے، مگر استحسان یہ ہے کہ یہاں سلطان وغیرہ مقدم ہوں جس کی وجہ بیان ہوچکی۔ اور یہی ظاہر الروایہ ہے __ عبارت درمختار (نکاح کرانے میں عصبہ ہونے کی جو ترتیب ہے وہی ہوگی) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے ولایت نہیں، اور شوہر کے لئے بھی نہیں مگر وُہ اجنبی سے زیادہ حقدار ہے-- میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ ذوی الارحام بھی ولایت میں داخل ہیں اور عصبہ ہونے کی قید صرف عورتوں کو خارج کرنے کے لئے ہے

ظاھر یؤید تعبیرالھدایۃ بولایۃ النکاح، قولہ (فیقدم علی الابن اتفاقا) ھوالاصح وقیل ھذاقول محمد وعندھمالابن اولی، قال فی الفتح انماقدمنا الاسن بحدیث القسامۃ لیتکلم اکبرھما وھذایفید ان الحق للابن عندھما وھذا یفید ان الحق للابن عندھما الا ان السنۃ عن یقدم اباہ ویدل علیہ قولھم سائر القرابات اولی من الزوج ان لم یکن لہ منھا ابن فان کان فالزوج اولی منھم لان الحق للابن وھو یقدم اباہ ولا یبعد ان یقال ان تقدیمہ علی نفسہ واجب بالسنۃ اھ، وفی البدائع وللابن فی حکم الولایۃ ان یقدم غیرہ لان الولایۃ ان یقدم غیرہ لان الولایۃ لہ وانما منع عن التقدم لئلا یستخف بابیہ فلم تسقط ولایتہ بالتقدیم قولہ (الاان یکون الخ) قال فی البحر ولو کان الاب جاھلا والابن عالماینبغی ان یقدم الابن الاان یقال ان صفۃ العلم لاتوجب التقدیم فی صلٰوۃ

تو وہ اجنبی سے اولٰی ہوں گے۔ اور یہ ظاہر ہے جس کی تائید ہدایہ کے الفاظ "ولایت نکاح" سے ہوتی ہے -- عبارت درمختار (باپ بیٹے پر یہاں بالاتفاق مقدم ہے) یہی اصح ہے۔ اور کہا گیا کہ یہ امام محمد کا قول ہے اور شیخین (امام اعظم و امام ابویوسف) کے نزدیک بیٹا اولٰی ہے -- فتح القدیر میں ہے: ہم نے زیادہ عمر والے کو مقدم کیا حدیثِ قسامت کے پیشِ نظر جس میں ہے کہ "دونوں میں جو زیادہ بڑا ہے وُہ کلام کرے" -- اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ شیخین کے نزدیک حق بیٹے کا ہے۔ مگر سنّت یہ ہے کہ وُہ اپنے باپ کو آگے کرے، اس پر علماء کا یہ کلام دلالت کررہا ہے: دیگر اہلِ قرابت شوہر سے اولٰی ہیں اگر شوہر کا اس عورت سے کوئی بیٹا نہ ہو، اگر ہو تو شوہر اُن سے اولٰی ہے۔ اس لئے کہ حق بیٹے کا ہے اور وُہ اپنے باپ کو آگے کرے گا -- اور یہ کہنا بعید نہ ہوگا کہ بیٹے کا باپ کو اپنی ذات پر مقدم کرنا ازروئے حدیث واجب ہے اھ ـــــ بدائع میں ہے: حکم ولایت کے تحت بیٹے کو یہ اختیار حاصل ہے اور خود آگے بڑھنے سے اس کو اس لئے روکا گیا کہ اپنے باپ کی بے ادبی کا مرتکب نہ ہو، تو دوسرے کو آگے بڑھانے کا حق اُس سے نہ گیا۔ عبارتِ دُرمختار (مگر یہ کہ بیٹا عالم ہو) بحر میں ہے: اگر باپ جاہل اور بیٹا عالم ہو تو بیٹے کو آگے کرنا چاہئے۔ مگر یہ کہا جائے کہ علم نماز جنازہ میں

الجنازة لعدم احتیاجها له واعترضه فی النهر بما مر من ان امام الحی انما یقدم علی الولی اذاکان افضل قال نعم علل القدوری کراهة تقدم الابن علی ابیه بان فیه استخفافابه وهذایقتضی وجوب تقدیمه مطلقااھ قلت وهذامؤید لما مر عن الفتح [1] اھ ما فی ردالمحتار ملخصا ملتقطا،وفی الخانیة ثم الهندیة من الصلٰوة، رجل بنی مسجدا وجعله لله تعالٰی فهو احق الناس بمرمته وعمارته والاذان والاقامة والامامة ان کان اهلا لذلک. فان لم یکن فالرای فی ذٰلك الیه [2] اھ(ملخصا) والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	تقدم کا موجب نہیں کیونکہ اس میں علم کی ضرورت نہیں، اس پر نہر میں یہ اعتراض ہے کہ امامِ محلّہ ولی پر اُسی وقت تقدّم پاتا ہے جب اُس سے افضل ہو۔ ہاں قدوری نے باپ پر بیٹے کا تقدم مکروہ ہونے کی علّت یہ بتائی کہ اس میں باپ کی تقدیم مطلقًا ضروری ہے اھ-- میں کہتا ہوں اس سے اس کلام کی تائید ہورہی ہے جو فتح القدیر کے حوالے سے گزرا۔ تلخیص وانتخاب کے ساتھ ردالمحتار کا مضمون ختم ہوا۔ خانیہ پھر ہندیہ کتاب الصلٰوۃ میں ہے: کسی شخص نے مسجد تعمیر کی اورا سے خدا کے لئے وقف کردیا تو اس کی مرمت، عمارت، اذان ،اقامت اور امامت کا وہ سب لوگوں سے زیادہ حقدار ہے اگر وہ اس کا اہل ہو ورنہ اس بارے میں رائے اُسی کی لی جائے گی اھ (یعنی دوسرے کو مقرر کرنے کا حق اسی کو ہوگا) اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ نمبر ۴۱: موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل، تھانہ ہری پور ڈاک خانہ نجیب اللہ خان مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۱۴ جمادی الاخرہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت اگرچہ بالغ ہو یا نابالغ ہو اُس کے جنازہ میں ولی داخل نہیں ہوا تو اس کا جنازہ ہوا یا نہیں:

الجواب:

نماز ہوگئی جو نماز بے اجازت ولی پڑھی جائے ولی کو اختیار ہے کہ دوبارہ پڑھے۔ مگر جو پہلے پڑھ

---

1 ردالمحتار باب الصلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴۹-۵۰

2 فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فیمایکرہ فی الصلٰوۃ الخ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱۰

چکے ہیں وُہ دوبارہ نہیں پڑھ سکتے۔ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ پہلی نماز کسی ایسے نے پڑھی جس پر ولی کو ترجیح تھی، ورنہ اگر مثلاً بادشاہ اسلام یا قاضی شرع یا امام حی نے نماز پڑھادی تو ولی کو اعادہ کا اختیار نہیں کہ وہ اس بات میں ولی سے مقدم ہیں۔

فی الدرالمختار یقدم فی الصلٰوۃ علیه السلطان اوامیر المصر ثم القاضی ثم امام الحی ثم الولی فان صلی غیرالولی من لیس له حق التقدم علی الولی ولم یتابعه الولی اعادالولی ولوعلی قبرہ ان شاء لاجل حقه لا لاسقاط الفرض ولذا قلنا لیس لمن صلی علیها ان یعید مع الولی لان تکرارھاغیرمشروع وان صلی من له حق التقدم کقاض اونائبه اوامام الحی اومن لیس له حق التقدم وتابعه الولی لایعید [1] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: میّت کی نماز پڑھنے میں مقدم بادشاہ یا ولیِ شہر ہے پھر قاضی پھر امامِ محلّہ پھر ولی--اگر ولی کے علاوہ ایسے شخص نے جس کو ولی پر تقدم کا حق حاصل نہیں، نمازِ جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے خواہ قبر پر ہی پڑھے اسے یہ اختیار اپنے حق کے سبب ہے اس لئے نہیں کہ فرضِ جنازہ ادا نہ ہوا تھا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پہلے جو پڑھ چکے تھے وہ ولی کے ساتھ ہو کر دوبارہ نہیں پڑھ سکتے--اس لئے کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں--اور اگر پہلے ایسے شخص نے پڑھی جسے ولی پر تقدم کا حاصل ہے جیسے قاضی یا نائب قاضی یا امامِ محلّہ یا ایسے شخص نے پڑھ لی جسے حقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تھی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصرًا (ت)

مسئلہ نمبر ۴۲: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام دریں مسئلہ کہ بوقت نمازِ مغرب جنازہ بیاید تقدیم نمازِ فرض باید یا نمازِ میّت۔	اس مسئلہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ مغرب کے وقت جنازہ آئے تو پہلے نمازِ فرض کی ادائیگی ہو یا نمازِ جنازہ کی؟

الجواب:

نمازِ مغرب راتقدیم باید کما فی ردالمحتار بلکه سنن راتبه نیز به یفتی کما فی البحر وغیرہ	پہلے نمازِ مغرب ادا کرنا چاہئے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے بلکہ مقررہ سُنتوں کو بھی ادا کرلینا چاہئے۔اسی پر

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳--۱۲۲

اقول: آرے اگر ضرورت داعیہ بتقدیم جنازہ است مثلاً شکمِ مُردہ منتفخ شد واندیشہ است کہ اگر دیر کنند منشک شود وہنوز در وقت سعتے ست کہ بتقدیم جنازہ فوت نہ شود آنگاہ لاجرم تقدیم جنازہ مے شاید بالاتفاق کما لا یخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔	فتوٰی ہے جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے **اقول:** ہاں اگر ضرورت پہلے ادائے جنازہ کی طالب ہے مثلاً مُردہ کا پیٹ پھولا ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ اگر دیر کریں تو پھٹ جائے گا، اور ابھی وقت میں اتنی وسعت ہے کہ جنازہ پہلے ادا کرنے سے مغرب فوت نہ ہوگی تو ایسے وقت میں ناچار، بالاتفاق نماز جنازہ کی ادائیگی پہلے ہوگی، جیسا کہ پوشیدہ نہیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۳: ۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ظہر کی نماز کا وقت ابھی شروع ہُوا پھر جنازہ بھی آیا، اور وقت بہت ہے، اب کون نماز مقدم ہو، اور سنّت کس وقت؟

الجواب:

جب وقتِ ظہر وسیع ہے جنازے کی تقدیم کریں، ہاں اگر جنازہ لے جانے والے بھی اسی جماعتِ ظہر میں شریک ہوں گے کہ اگر جنازہ کی نماز پہلے ہوجائے جب بھی جنازہ نمازِ ظہر سے فارغ ہونے کے لئے رکھا رہے گا اس کے تغیر کا اندیشہ نہ ہو تو ظہر کے فرض وسنّت پہلے پڑھیں اس دیر میں شاید اور نمازی بھی آجائیں اور جنازے پر تکثیر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۴۴: ازمرادآباد محلّہ گل شہید مرسلہ مولوی جمیل الدین احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۹۱۶ھ

ماقولکم ایھا العلماء الراسخون والفقھاء الماھرون فی ان ولی المیت صلی علیہ او غیرہ بانابتہ صلوۃ الجنازۃ اول وقت العصر قبل ان یصلی العصر ھل تجوز صلوۃ الجنازۃ قبل صلوۃ العصر ام لا وان تجز فمن اعادھا بعد صلوۃ العصر باعتقاد انھا لاتجوز قبلھا ھل یکون مبتدعا شرعا اولا، بینوہ بیانا شافیا توجروا عنداللہ اجرا وافیا۔	علمائے راسخین وفقہائے ماہرین کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ اول وقت عصر میں ولی میّت نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ ادائے عصر سے پہلے پڑھ لی تو عصر سے پہلے یہ نماز جائز ہوئی یا نہیں؟ اگر جائز ہوئی تو بعد عصر جنازہ دوبارہ پڑھے اس خیال سے کہ قبل عصر وہ جائز نہیں تو شرعاً مبتدع ہے یا نہیں؟ شافی طور پر بیان فرمائیں خدا کے یہاں وافی اجر پائیں۔

الجواب:

صلاۃ الجنازۃ مشروعۃ فی کل وقت حتی فی الاوقات الثلثۃ ان حضرت فیھا، فی الدر المختار ینعقد نفل بشروع فیھا بکراھۃ التحریم لا ینعقد الفرض وماھو ملحق بہ کو اجب لعینہ کوتر و سجدۃ تلاوۃ وصلٰوۃ جنازۃ تلیت الاٰیۃ فی کامل و حضرت الجنازۃ قبل لوجوہ کاملا فلایتادی ناقصا فلو وجبتا فیھالم یکرہ فعلھما ای تحریما وفی التحفۃ الافضل ان لاتؤخر الجنازۃ [1] اھ فی ردالمحتار مافی التحفۃ اقرہ فی البحر والنھر والفتح والمعراج لحدیث ثلث لایؤخرن منھا الجنازۃ اذاحضرت [2] اھ واعتقاد انھا لاتجوز قبل صلٰوۃ العصر جھل فاضح او زیغ واضح وافتراء بلا امتراء علی الشریعۃ الغراء نعم ان ضاق الوقت یجب تقدیم العصر لکن قدمت صحت واذاصلاھا الولی اوغیرہ باذنہ فلاتجوز اعادتھا کماحققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی بمالامزید فی رسالتنا	نمازِ جنازہ ہر وقت مشروع ہے یہاں تک کہ تینوں اوقات مکروہہ میں بھی، اگر اُسی وقت آیا ہو۔ درمختار میں ہے: ان اوقات میں نماز نفل کراہت تحریم کے ساتھ ہوجائے گی، فرض نہ ہوگا اور وہ بھی جو اس سے ملحق ہے جیسے واجب لعینہ، جیسے وتر اور سجدہ تلاوت و نمازِ جنازہ جبکہ آیتِ سجدہ کامل وقت میں پڑھی گئی ہو اور جنازہ وقت مکروہ سے پہلے آگیا ہو اس لئے کہ ان کا وجوب کامل ہُوا تو ناقص طور پر ادائیگی نہ ہوگی، ہاں اگر ان دونوں کا وجوب ان ہی اوقات میں ہوا ہو تو ان اوقات میں ان کی ادائیگی مکروہِ تحریمی نہیں۔ تحفہ میں ہے: افضل یہ ہے کہ جنازہ میں دیر نہ کی جائے اھ۔ ردالمحتار میں ہے: تحفہ میں جو مذکور ہے اسے بحر، نہر، فتح اور معراج میں برقرار رکھا ہے کیونکہ حدیث میں ہے: ۳ تین چیزوں میں دیر نہ کی جائے ان میں سے ایک یہ جنازہ ہے جب آجائے اھ۔ اور یہ خیال ہے کہ نمازِ عصر سے پہلے جنازہ ناجائز ہے رسواکن جہالت ہے یا کھلی ہوئی گمراہی، اور شریعت مبارکہ پر قطعی افتراء -- ہاں اگر وقت تنگ ہو تو پہلے عصر پڑھنا ضروری ہے لیکن اگر نمازِ جنازہ پہلے پڑھ لی تو وہ بھی صحیح ہوگئی -- اور جب ولی نے یا اس کی اجازت سے دوسرے نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں جیسا کہ ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے رسالہ

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/۲۷۵

النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز ۱۳۱۵ھ فی السراج الوھاج والبحرالرائق وردالمحتار و جامع الرموز الجوھرۃ النیرۃ والھندیۃ ومجمع الانھر وغیرھا ان صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ[1] اھ وفی الدر المحتار اومن لیس لہ حق التقدم وتابعہ الولی لایعید[2] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	النھی الحاجز تکرار صلٰوۃ الجنائز میں اس کی بھرپور تحقیق کی ہے۔۔سراج وہاج، بحر الرائق، ردالمحتار، جامع الرموز، جوہرہ نیّرہ، ہندیہ، مجمع الانہر وغیرھما میں ہے: اگر ولی نے جنازہ پڑھ لیا تواس کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں اھ در مختار میں ہے: یا کسی ایسے شخص نے پڑھا جسے ولی پر حقِ تقدم حاصل نہیں مگر ولی نے اس کی متابعت کرلی تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اھ مختصراً۔اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ نمبر ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھانا تیار ہے جنازہ بھی تیار ہے تو پہلے کھانا کھائے یا مُردے کو دفن کرے؟

الجواب:

جنازہ آگیا تو پہلے اس کی نماز پڑھ لے اس کی نماز میں ایسی دیر نہیں ہوتی، پھر بھوک وغیرہ وہی عــہ ضرورتیں لاحق ہیں تو دفن کے لئے بعد کھانا کھانے، کے جائے یا فقط نماز پر قناعت کرے، جبکہ لے جانیوالے موجود ہوں اور اس کے نہ جانے سے کوئی شرعی حرج شرعی نہ آتا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۴۶: از ٹاہ اسٹیشن دیوریا مرسلہ شیخ نیاز احمد صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جنازہ کی نماز میں کچھ لوگ بلاوضو وبلا تیمّم شریک ہوگئے اُن کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اور ان کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور ایک شخص نے کہا کہ انہوں نے کچھ بُرا نہ کیا کہ نمازِ جنازہ میں صرف امام کی طہارت ضروری ہے مقتدیوں کی طہارت کی حاجت نہیں، اُس کا یہ قول کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

عــہ: کھانا سامنے آیا اور کھانے کے بعد جنازہ مل جائیگا، یا پہلے جنازہ میں شرکت کرے تو بھوک کی وجہ سے دل کھانے کی طرف رہے کھانا ٹھنڈا ہو کر بے مزا ہو جائے گا، یا اس کے دانت کمزور ہیں روٹی ٹھنڈی ہو جائے گی اور چبائی نہ جائے گی ۱۲ (م)

---

[1] البحر الرائق بحوالہ سراج الوہاج فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۲/۲

[2] در مختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۲۳/۱

الجواب:

جنازہ کی نماز مثل اور سب نمازوں کے بغیر طہارت کے ہر گز صحیح نہیں۔ وہ پڑھنے والے گنہگار ہوئے اور انہوں نے بہت سخت بُرا کیا اور اُن کی نماز ہر گز ادا نہ ہوئی۔ نمازِ جنازہ میں صرف طہارتِ امام شرط ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایسا ہو جب بھی اُس میت کی نمازِ جنازہ ادا ہو جائیگی اور وہ فرض کفایہ ساقط ہو جائے گا کہ جب امام طاہر تھا تو اس کی نماز صحیح ہو گئی، اس فرض کے ادا کرنے کو اتنا کافی ہے کہ اس میں جماعت شرط نہیں یہ معنی نہیں ہیں کہ فقط طہارت امام صحت نماز مقتدیان کے لئے بھی کفایت کرتی ہے مقتدیوں کو بے طہارت پڑھ لینی جائز ہے، یہ محض جہالتِ فاحشہ ہے، جس نے یہ فتوی بیہودہ دیا وہ شرعًا تعزیر دئے جانے کے قابل ہے کہ جاہل کو مفتی بننا حرام ہے۔

فی ردالمحتار اما الشروط التی ترجع الی المصلی فہی شروط بقیۃ الصلٰوۃ من الطہارۃ الحقیقۃ بدنا وثوبا ومکانا والحکمیۃ وستر العورت و لاستقبال والنیۃ سوی الوقت [1]۔	ردالمحتار میں ہے: نمازِ جنازہ پڑھنے والے سے متعلق شرطیں وہی ہیں جو بقیہ نمازوں سے متعلق کہ بدن، جامہ، جگہ نجاستِ حقیقیہ سے پاک ہو، بدن نجاست حکمیہ سے بھی پاک ہو، ستر عورت ہو، استقبالِ قبلہ اور نیّت ہو وقت کی شرط نہیں۔ (ت)

اُسی میں ہے: لاصحۃ لہا بدون الطہارۃ [2]۔ بغیر طہارت کے نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔ ت) در مختار میں ہے:

لو ام بلاطہارۃ والقوم بہا اعیدت وبعکسہ لا کما لوامت امرأۃ ولو امۃ لسقوط فرضہا بواحد [3]۔	اگر امام بے طہارت ہے اور مقتدی باطہارت تو جنازہ پھر سے پڑھنا ہے اور اس کے بر عکس ہے تو اعادہ نہیں، جیسے اگر کوئی عورت امامت کردے خواہ کنیز ہی ہو تو اعادہ نہیں اس لئے کہ ایک کے پڑھ لینے سے بھی فرض ادا ہو جاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۸۲

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۸۲

[3] دُر مختار مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتعاد لصحۃ صلٰوۃ الامام وان لم تصح صلٰوۃ من خلفہ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یعنی اعادہ اس لیئے نہیں کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی اگرچہ پیچھے والوں کی نماز صحیح نہ ہوئی۔ واللہ سبحٰنہ، وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۷: از گوالیار مسئولہ مولوی محمد محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک جنازے کی نماز میں زید نے لوگوں کو جنہوں نے جوتوں میں سے پیروں کو نکال کر اور جُوتے کے اوپر پَیر رکھ کر نماز پڑھنا چاہا، روکا کہ پَیر جوتوں سے مت نکالو جُوتے پہنے ہوئے نماز درست ہے۔ عمرو نے ایک شخصیّت کے الفاظ میں کہا کہ کوئی کہتا ہے جوتے پہنے ہوئے نماز پڑھو، جوتے سب اتار ڈالیں۔ چنانچہ بعض نے زید کے کہنے پر عمل کیا بعض نے عمرو کے کہنے پر۔ بعد نماز بحث پیش آئی۔ زید نے تحریری جواب میں کہ رسول خدا نے نماز میں جوتا اتارا، مقتدیوں نے بھی اتارا، پیغمبر صاحب نے دریافت کیا تم نے جوتے کیوں اتارے؟ جواب دیا کہا تباع کیا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جوتے میں ناپاکی ہے۔ پس معلوم کرلینا چاہیے، عمرو کو ایسا کہنا خلاف تھا اس لئے کہ وہ کیسے برجستہ الفاظ صدر کہہ سکتا تھا اس لئے ناپاکی کا ثبوت نہیں رکھتا تھا، مقامی حالت میں جہاں جوتے اتار کر نماز پڑھنے کے واسطے عمرو نے کہا تھا یہ تھی کہ وہاں گھوڑے وغیرہ پیشاب کرتے ہیں، جوتے پہنئے ہوئے جسقدر لوگ تھے اُن کے جوتے خشک تھے، پس اس حالت میں شرعًا عمرو کا کہنا صحیح سمجھا جائے گا یا زید کا؟

(۲) عمرو مذکور نے ایک مرتبہ ایسا بھی کیا کہ نمازِ جنازہ دو بار پڑھائی، زید نے اس کو مکروہ کہا، اور جب عمرو کی جانب سے لوگوں نے بحث کی تو اُس نے علاوہ مکروہ کے آثارِ فتنہ اور بدعت بھی ثابت کیا، کیا زید کا کہنا حق ہے؟

الجواب:

(۱) اگر وہ جگہ پیشاب وغیرہ سے ناپاک تھی یا جن کے جوتوں کے تلے ناپاک تھے اور اس حالت میں جوتا پہنے ہوئے نماز پڑھی اُن کی نماز نہ ہوئی، احتیاط یہی ہے کہ جوتا اتار کر اس پر پاؤں رکھ کر نماز پڑھ لی جائے کہ زمین یا تلا ناپاک ہو تو نماز میں خلل نہ آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۸۲

قد توضع فی بعض المواضع خارج المسجد فی الشارع فیصلی علیھا ویلزم منه فسادھا من کثیر من المصلین لعموم النجاسة وعدم خلفھم نعالھم المتنجسة[1]۔	کبھی بعض مقامات مین بیرونِ مسجد سڑک پر جنازہ رکھ کر نماز پڑھی جاتی ہے اس سے بہت سے لوگوں کی نماز کا فسالازم آتا ہے کیونکہ وہ جگہیں نجس ہوتی ہیں اور لوگ اپنے نجاست آلود جوتے اتارتے نہیں (ت)۔

اُسی میں ہے:

فی البدائع لوصلی علٰی مکعب اعلاہ طاھر وباطنه نجس عندمحمد یجوز لانه صلی فی موضع طاھر کثوب طاھر تحته ثوب نجس اھ وظاہرہ ترجیح قول محمد وھوالاشبه[2] (ملخصًا)	بدائع میں ہے: اگر کسی ایسے مکعب پر نماز پڑھی جس کا بالائی حصہ پاک ہے اور اندرونی حصہ ناپاک ہے تو امام محمد کے نزدیک جائز ہے، اس لئے کہ نماز پاک جگہ ادا ہوئی جیسے کوئی پاک کپڑا ہو جس کے نیچے دوسرا ناپاک کپڑا ہو اھ۔ اس کا ظاہر امام محمد کے قول کی ترجیح ہے اور وہی اشبہ ہے (ملخصًا) (ت)

زید نے بیانِ حدیث میں غلطی کی، حدیث میں تو لفظ نجاست نہیں لفظ قذر ہے یعنی گِھن کی چیز، جیسے ناک کی آمیزش وغیرہ نجاست ہوتی ہے تو نماز سرے سے پڑھی جاتی کہ نماز کا ایک جُز باطل ہونا ساری نماز کو باطل کردیتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۲) نمازِ جنازہ جب ولی پڑھائے یا باذنِ ولی ہوجائے تو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں،

کما ھو مصرح فی جمیع الکتب وتفصیله فی رسالتنا النھی الغحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے اور اس کی تفصیل ہمارے رسالے النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ نمبر ۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ اس طرح ادا کرنا کہ میّت چارپائی پر ہو اور چارپائی کے پائے ایک ہاتھ سے زائد بلند ہوں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس دلیل سے جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نماز کے وقت میت کا چارپائی پر ہونا صدرِ اولٰی معمولی مسلمانان ہے اس کے پائے حسبِ عادت

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۴

[2] ردالمحتار باب مفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۴۲۱

ہاتھ بھر یا کم یا کبھی زائد ہر طرح کے ہوتے ہیں، کبھی اس پر انکار نہیں ہوا۔ جو ہاتھ بھر سے تھوڑے زائد کو ناجائز بتائے وہ سند دے۔ جس نے ناجائز کہا جس نے ناجائز لکھا اور ہر گز سند نہ دے سکے گا، اُس وقت اُس پر کُھل جائے کہ اُس کا ناجائز کہنا شریعت مطہرہ پر افتراء تھا۔ ہاں اگر پلنگ اتنا اونچا ہو کہ قدِ آدم سے زائد، جس میں امام کی محاذات میت کے کسی جزو سے نہ ہو البتہ نماز ناجائز ہو گی کہ محاذات شرط ہے، مگر کوئی پلنگ اتنا اونچا نہیں ہوتا۔

فی ردالمحتار عن جامع الرموز عن تحفۃ الفقھاء ان رکنھا القیام ومحاذاتہ الی جزء من اجزاء المیت[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں جامع الرموز سے، اس میں تحفۃ الفقہاء سے منقول ہے نماز جنازہ کا رکن قیام ہے اور نمازی کا میت کے کسی جز کے مقابل ہونا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۵۰: از اجمیر شریف مرسلہ محمود الحسن ۲۳ محرم ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر جنازہ کو ایسی چارپائی پر رکھ کر نماز پڑھی کہ جس کے پائے ایک بالشت سے کم تھے تب تو نماز ہو گئی ورنہ نہیں۔ اور ثبوت میں شامی اور کبیری پیش کرکے کہتا ہے کہ جنازہ مثل امام کے ہے جس طرح امام کا ایک بالشت سے اوپر کھڑا ہونا مفسدِ صلوٰۃ ہے اس صورت میں بھی پائے ایک بالشت سے زائد ہونا مانع صلوٰۃ جنازہ ہے۔ کیا واقعی اگر پائے ایک بالشت سے زیادہ ہوں تو مفسدِ صلوٰۃ جنازہ ہیں یا ایک بالشت ہونا اولٰی۔ اور اس سے زائد مکروہ یا مطلقاً خواہ جس قدر بھی پائے لمبے ہوں جائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کے اقوال سب باطل وبے اصل ہیں، نہ پایوں کی بلندی شرعاً کسی حد پر مخصوص رکھی گئی ہے، نہ ایک بالشت بلندی میں کچھ اولیت، نہ ایک بالشت یا ایک گز امام کی بلندی مفسدِ نماز، نہ ہر بات میں جنازہ مثل امام، یہ ہوساتِ عاطلہ واوہامِ باطلہ ہیں، جنازہ کا زمین پر رضا ہونا ضرور شرط ہے اگرچہ پائے کتنے ہی بلند ہوں اور امام بقدرِ امتیاز سب مقتدیوں سے اونچا ہونا مکروہ ہے نہ مفسد نماز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۱: نمازِ جنازہ میں امام کے نیچے جانماز ہوتی ہے اور مقتدی سب زمین پر، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۸

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں جواز تو یقینی ہے۔ رہی کراہت اُس کے لئے بھی کوئی وجہ نہیں۔ نہ فقیر کو یاد کہ کسی کتاب میں اُسے منع لکھا ہو۔ دُرمختار میں جو اس مقدار کو جس سے امام ومقتدی میں امتیاز پایا جائے مکروہ لکھا وہاں بلندیِ موضع میں کلام ہے یعنی امام کو مقتدیوں سے اتنا اونچا کھڑا ہونا مکروہ ہے جس سے امتیاز واقع ہو اور وجہ اس کی حدیث میں نہی آنا اور اہلِ کتاب سے مشابہت پایا جانا ہے کہ یہود وعنود اپنے امام کے لئے جائے بلند مقرر کرتے ہیں یہاں تک کہ نہی ومشابہت ثابت نہیں تو کراہت پر بھی حکم نہیں دے سکتے۔

فی الدرالمختار وانفرادالامام علی الدکان للنھی وقدرالارتفاع بذراع ولابأس بمادونه وقیل مایقع به الامتیاز ھوالاوجه [1]۔ فی ردالمحتار قوله للنھی وھوما اخرجه الحاکم انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم نھی ان یقوم الامام فوق ویبقی الناس خلفه وعللوه بانه تشبه باھل الکتاب فانھم یتخذون لامامھم دکانًا [2]۔ اھ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم صلی اللّٰه تعالٰی علیه سیدنا ومولٰنامحمد وعلٰی اٰله وصحبه اجمعین وبارك وسلم اٰمین۔	دُرمختار میں ہے: امام کا تنہا کسی دُکان (اونچی جگہ) پر کھڑا ہونا مکروہ ہے کیونکہ اس سے ممانعت آئی ہے اونچائی کی مقدار ایک ہاتھ ہے اس سے کم ہو توحرج نہیں اور کہا گیا کہ بس اتنی اونچائی جس کی وجہ سے وُہ ممتاز نظر آئے اور یہی اوجہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ممانعت کی حدیث وُہ ہے جسے حاکم نے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کہ امام اوپر کھڑا ہو اور لوگ اسکے پیچھے نیچے رہیں۔ علماء نے اس کی علّت یہ بتائی ہے کہ اس میں اہل کتاب سے مشابہت ہے اس لئے وُہ امام کے لئے کوئی اونچی جگہ بناتے ہیں، بحر، اھ۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے، اللہ تعالٰی کی رحمت، برکت اور سلام ہو ہمارے آقا ومولٰو محمد رسول اللہ اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ الٰہی قبول فرما۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۵۲: ۲۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کے نماز پڑھانے کے واسطے جو جانماز ملتی ہے اس سے کُرتا اور کچھ کپڑا بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں تو اس سے جو نمازِ مفروضہ پڑھی گئی ہو وُہ لوٹائی جائے گی یا نہیں؟ اور اس کفن سے یہ جانماز کے واسطے کپڑا نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۲

[2] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۴۳۴

الجواب:

اس جانماز سے دو۲ غرضیں لوگوں کی ہیں: ایک یہ اکثر نمازِ جنازہ راستے وغیرہا بے احتیاطی کے مقامات پر ہوتی ہے، مسجد کہ صاف و پاکیزہ رکھی جاتی ہے اُس میں نماز جنازہ منع ہے تو بغرض احتیاط امام کے نیچے جانماز بچھا دیجاتی ہے کہ سب مقتدیوں کے لئے اس کا مہیا کرنا دشوار ہوتا ہے اور اگر فرض کیجئے کہ وہ تمام جگہ ایسی ناپاک ہے کہ کسی کی نماز نظر بواقع نہ ہوسکے تو جانماز کے سبب امام کی تو ہوجائے گی اور اسی قدر سب مسلمانوں کی طرف سے ادائے فرض وابرائے ذمّہ کے لئے کافی ہے کہ نمازِ جنازہ میں جماعت شرط نہیں، دوسرے نفعِ فقیر کہ وہ جانماز بعد نماز کسی طالب علم یا اور فقیر پر تصدیق کردی جاتی ہے، اور یہ دونوں غرضیں محمود ہیں تو اس کے جواز میں کلام نہیں، اور جس فقیر پر وہ تصدق کی گئی اسکی مِلک ہے کُرتا وغیرہ جو چاہے بنائے اُس میں نماز مکروہ بھی نہیں، نہ اصلاً حاجتِ اعادہ۔ **کما لایخفی** (جیسا کہ واضح ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۵۳: از منڈی ہلدوانی، ضلع نینی تال، مرسلہ حفیظ احمد مستری ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

نماز جنازہ کے وقت امام کے سامنے جو جانماز بچھاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے **وقد بینا الحکمۃ فیہ فی فتاونا** (اور اس کی حکمت ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کی ہے۔ت)

مسئلہ نمبر ۵۴: ۲۳ شوال ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بزرگ کے مزار پر چادریں چڑھائیں، اور زیارت کے مجاور نے اپنے قبضہ میں لاکر ان چادروں کو عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور عمرو نے بکر کے ہاتھ، پس اس حالت میں بکر نے اس کا اوڑھ کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر تصریحاً عُرف ورواج سے یہ امر ثابت ہے کہ وہ چادریں مجاوروں کے لینے کے لئے چڑھائی جاتی ہیں تو مجاور مالک ہوگیا اور بیع جائز ہوئی اور اُسے اوڑھ کر نماز پڑھنے میں حرج نہیں، اور اگر چادر اس لئے چڑھائی کہ مزار پر رہے تو وُہ ملک زید پر باقی ہے اور بیعین اس کی اجازت پر موقوف ہیں، اگر جائز کردے گا نافذ ہوجائیں گی ورنہ باطل۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر ۵۵: از کلی ناگر پرگنہ پُورن پور ضلع پیلی بھیت مکان علن خان نمبر دار مرسلہ اکبر علی شاہ ۱۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں مقتدی فقط سبحانک پڑھ کر خاموش ہوجائیں اور کچھ نہ پڑھیں یا سبحان ، درود شریف ، دعا جو کچھ امام پڑھے مقتدی بھی پڑھیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مقتدی بھی سب کچھ پڑھیں کہ نمازِ جنازہ میں صرف ذکر و دُعا ہے قرائت قرآن نہیں، اور مقتدیوں کو صرف قرأت قرآن عظیم ہی منع باقی دُعا اذکار میں وہ امام کے شریک ہیں۔

فی الرحمانیہ فی الطحطاوی یکبرون الافتتاح مع رفع الیدین ثم یقرؤن الثناء ثم یکبرون ویصلون علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم یکبرون ویستغفرون للمیت ثم یکبرون ویسلمون ولایرفعون ایدیھم فی التکبیرات الثلث ولاقرأۃ فیھا [1]۔	رحمانیہ میں ہے: طحطاوی میں ہے کہ کانوں تک ہاتھ لے جانے کے ساتھ تکبیر افتتاح کہیں، پھر ثناء پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود پڑھیں، پھر تکبیر کہیں اور میت کے لئے استغفار کریں پھر تکبیر کہیں اور سلام پھیریں۔ بعد کی تینوں تکبیروں میں ہاتھ نہ اُٹھائیں۔ اور نمازِ جنازہ میں قرأتِ قرآن نہیں۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

وان کان المیت غیربالغ فان الامام ومن خلفہ یقولون اللھم اجعلہ لنا ذخرا شافعا ومشفعا [2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر میّت نابالغ ہو تو امام اور مقتدی سب کہیں گے اے اللہ! اسے ہمارے لئے آگے جانے والا کردے اور اسے ہمارے لئے ذخیرہ بنادے، اور شفاعت کرنے والا، مقبول الشفاعۃ کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ نمبر ۵۶: از لشکر کانپور محلّہ توپخانہ بازار قدیم، چھوٹی مسجد، مرسلہ محمد یوسف علی صاحب ۲۰ صفر مظفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں سلام ہاتھ چھوڑنے کے بعد پھیرنا چاہئے یا قبل ہاتھ چھوڑنے کے ، افضل کیا ہے؟

---

[1] رحمانیہ

[2] خزانۃ المفتین

الجواب:

ہاتھ باندھنا سُنّت اس قیام کی ہے جس کے لئے قرار ہو، **کما فی الدر المختار وغیرہا من الاسفار** (جیساکہ درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ت) سلام وقتِ خروج ہے اُس وقت ہاتھ باندھنے کی طرف کوئی داعی نہیں، توظاہر یہی ہے کہ تکبیر چہارم کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۵۷: ازبنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۰ذیقعدہ۱۳۳۹ھ

بہارِ شریعت جلد ۴ میں ہے چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ کھول کر سلام پھیرے (درمختار، ردمحتار) حالانکہ ان کتابوں میں ہاتھ کھولنے کاذکر نہیں سخت اضطراب ہے رفع فرمائیے۔

الجواب:

جس روز آپ کاسوال آیا حسنِ اتفاق سے اُس کے دوسرے دن بریلی سے مولوی امجد علی صاحب میرے ملنے کے لئے یہاں آئے میں نے اُن سے پوچھا انہوں نے فرمایا یہ مسئلہ طویل متعدد مسائل پر مشتمل ہے اوراس کے آخر میں میں نے درمختار اور ردالمحتار وغیرہما لکھاہے۔وغیرہما سے یہاں میری مراد فتاوٰی رضویہ ہے۔ وہاں جو کچھ مذکور ہے اس کا بعض درمختار سے لیا گیا اور بعض ردالمحتار سے اور کوئی ذکر مسنون، توہاتھ باندھے رہنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تکبیر رابع کے بعد خروج عن الصلاۃ کاوقت ہے اورخروج کے لئے اعتماد کسی مذہب میں نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر۵۸: نمازِ جنازہ میں تکبیر اخیر کے بعد السلام علیکم ورحمۃ ایک بار کہا بعدیاد دہانی تکبیر کہی اور پھر سلام پھیرا۔

الجواب:

دوسری صورت میں نماز ہوجانا بھی اُسی صورت میں ہے کہ اس نے بھول کر سلام پھیرا ہو، اور اگر قصداً پھیرا یہ جان کر کہ نمازِ جنازہ میں تین تکبیریں ہیں، تو یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ نمبر۵۹: ازشہر مرادآباد محلّہ مغلپورہ حصہ اول۔مرسلہ مولوی سید اولاد علی صاحب ۹رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ کا مسبوق فوت شدہ تکبیروں کو پُورا کرے تو ان میں کس کس تکبیر میں کیا کیا پڑھے؟

الجواب:

اگر جنازہ اُٹھالیا جانے کااندیشہ ہو جلد جلد تکبیریں بلادُعا کہہ کر سلام پھیر دے ورنہ ترتیب وار

پڑھے۔مثلاً تین تکبیریں فوت ہوئیں تو چوتھی امام کے ساتھ کہہ کر بعد سلام پہلی تکبیر کے ثناء پھر درود پھر دعا پڑھے اور دو ۲ فوت ہوئیں تیسری امام کے ساتھ دُعا، چوتھی کے بعد سلام، پھر اول کے بعد ثناء دوم کے بعد درود، اور ایک ہی فوت ہوئی تو بعد سلام ایک تکبیر کے بعد ثناء۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر۶۰: از کانپور بوچڑ خانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن جلشانی طالبعلم مدرسہ فیض عالم ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

ماجوابکم ایھاالعلماء رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ مُردہ کی نمازِ جنازہ نہ پڑھی ہو تو کتنے دن تک پڑھنا جائز ہے؟

الجواب:

جب تک بدن میت کا سالم ہونا مظنون ہو اور یہ امر اختلاف موسم وحال زمین وحال میّت سے جلدی و دیر میں مختلف ہو جاتا ہے ، گرمی میں جلد بگڑ جاتا ہے سردی میں بدیر، زمین شور یا نمک میں جلد، سخت وغیر شور میں بدیر، فربہ مرطوب جلد، خشک والاغر بدیر، تو اس کے لئے معین نہیں کرسکتے۔

فی الدر، دفن واھیل علیه التراب بغیر صلٰوۃ اوبھا بلاغسل صلی علی قبرہ مالم یغلب علی الظن تفسخه من غیر تقدیر ھو الاصح [1]۔ فی ردالمحتار لانه یختلف باختلاف الاوقات حرًا وبردًا والمیت سمنًا وھزالاوالامکنة بحر، وفی الحلیة نص الاصحاب علی انه لایصلی علیه مع الشك فی ذلك ذکرہ فی المفید والمزید وجوامع الفقه وعامة الکتب، وعلله فی المحیط بوقوع الشك فی الجواز اھ وتمامه فیھا اھ ملخصین [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے بغیر نماز کے، یا بغیر غسل کے نماز پڑھ کر میّت کو دفن کردیا گیا اور اس پر مٹی ڈال دی گئی تو اس کی قبر پر نماز پڑھی جائے جب تک اس کے پھٹنے کا ظن غالب نہ ہو، اس میں کسی حد کی تعین نہیں یہی اصح ہے۔ ردالمحتار میں ہے: اس لئے کہ اس میں سردی گرمی کے لحاظ سے مردے کے فرق سے، اور مقامات کے فرق سے فرق پڑتا ہے، بحر۔ حلیہ میں ہے کہ ہمارے علماء نے صراحت فرمائی ہے کہ اس میں شک ہو تو نماز نہ پڑھی جائے گی۔ اسے مفید، مزید، جوامع الفقہ اور عامۂ کتب میں بیان کیا ہے۔ محیط میں اس کی علّت یہ بتائی کہ جواز میں شک ہوگیا اھ اور پُوری بات اسی میں ہے اھ بہ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۴

مسئلہ نمبر ۱۶۱: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میانسرائے مدرسہ عربیہ قدیم مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب رضوی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نمازِ جنازہ میں جب ایک امام اور پانچ مقتدی ہوں تو بنظر حصولِ نعمتِ بشارت مغفرت تین صفوف اس طرح کرلی جائیں کہ صف اوّل ودوم میں دو دو نفر اور صف سوم میں ایک نفر ہو۔ کیونکہ عباراتِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ جنازہ میں ایک شخص کی صف کراہت سے مستثنٰی ہے جیسا کہ صاحب ردالمحتار بحوالہ کتاب محیط تحریر فرماتے ہیں۔

قال فی المحیط، ویستحب ان یصف ثلاثۃ صفوف حتی لوکانو اسبعۃ یتقدم احدھم للامامۃ ویقف وراء ثلاثۃ ثم اثنان ثم واحد اھ فلو کان الصف الاول افضل فی الجنازۃ ایضالکان الافضل جعلھم صفاواحداولکرہ قیام الواحد وحدہ کما کرہ[1] اھ۔	محیط میں تحریر کیا گیا کہ مستحب ہے کہ تین صفیں ہوں یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک امام ہوجائے تین اس کے پیچھے کھڑے ہوں پھر دو پھر ایک۔ تو اگر جنازہ میں پہلی صف افضل ہوئی توان سب کو ایک صف میں کردینا بہتر ہوتا ہے اور تنہا ایک کا کھڑا ہونا مکروہ ہوتا جیسے غیر نمازِ جنازہ میں مکروہ ہے اھ۔

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے بحوالہ کتاب تاتارخانیہ اور قنیہ میں بحوالہ کتاب جامع التفاریق للبقالی وعین الہدایہ میں اور رسالہ تجہیز وتکفین میں یہی ترتیب درج ہے اس اتفاق عبارات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ طریقہ پسندیدہ فقہائے کرام یہی ترتیب مذکور ہے۔ فقط

الجواب:

جس حدیث میں یہ بشارت ہے اُس میں تین صفوف مروی ہیں پس جہاں تک ہر ایک صف میں کم از کم دو تین آدمی ہوسکیں ایسا کرنا عمدہ ہے کیونکہ ایک شخص کو صف نہیں کہتے ہیں۔ ورنہ پھر تین مقتدی ہوں تو تین صف کرنی چاہئے۔ حالانکہ یہ شاید کسی فقیہ کو پسندیدہ نہ ہو۔ اس حدیث کہ شرح میں مراقاۃ ملّا علی قاری میں یہ عبارت منقول ہے:

وفی جعلہ صفوفا اشارۃ الی کراہۃ الانفراد[2]۔	اور اس کے چند صف بنانے میں اکیلے ہونے کی کراہت کی جانب اشارہ ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ دارالطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۸۶

[2] مراقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی الجنازۃ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۴

اس کا مطلب بظاہر یہی ہے کہ اکیلا نہ ہو تو یہ اشارہ ہے۔ محیط کی روایت الانفراد کے غیر صحیح ہونے پر، بہر حال پانچ مقتدیوں میں اس تکلف کی حاجت نہیں ہے۔ اور قاعدہئ کلیہ ہے کہ کراہت سے بچنا استحباب کے حاصل کرنے کا مقدم ہے اور روایات نہی عن انفراد سے استثنائے صلٰوۃ جنازہ موجہ نہیں معلوم ہوتا ہے، نیز مرقاۃ شرح مشکٰوۃ میں ہے:

واقل الصف ان یکون اثنین علی الاصح [1]۔	اصح یہ ہے کہ صف کم سے کم دو کی ہو۔ (ت)

پس کراہت انفراد اس عبارت سے خوب ظاہر ہوگئی۔ یہ تفریع تفریعاتِ مشائخ سے معلوم ہوتی ہے۔ ائمہ ثلاثہ سے منقول نہیں۔ حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے اس میں یہ فرمایا کہ ایک شخص کی صف نہیں ورنہ تین کی تین صف کرنی چاہئے۔ وھو بعید۔ کتبہ عزیز الرحمان

اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین گزارش ذیل میں کہ کتاب فقہ سے دو امر بالھدایۃ ماخوذ ہوتے ہیں۔ صلاۃ جنازہ میں شخص واحد کی صف کا کراہت سے مستثنٰی ہونا و نیز شخص واحد کو علی الاصح بہ تبعیت دیگر صفوف صف سے تعبیر کیا جانا، اولٰی ہونا زیادتی صف اول کی بمقابلہ صف دوم اور صف دوم بمقابلہ صف سوم کی، حتی کہ واسطے زیادتی صف اوّل کے سات نمازی ہونے کی حالت میں صف اولٰی میں تین اشخاص کا کھڑا کیا جانا اور صفِ سوم میں صرف ایک شخص کا رہنا پسند کیا گیا، حالانکہ ممکن تھا کہ ہر صف میں دو دو نفر کھڑے کئے جاتے۔ یہ پتا کسی کتاب سے نہیں چلتا ہے فقہائے کرام نے اس ترتیب پسندیدہئ خود کا استخراج کس حدیث یا نص سے کیا اور حضرت ملّا علی قاری نے کس بنا پر ان کی مخالفت پسند کی کہ شخص واحد کے صف کے وجود ہی سے انکار فرمادیا۔ جس سے ترتیب پسندیدہ فقہاءِ کرام بالکلیہ غلط وعبث ہوئی جاتی ہے۔ پس ہدایت خواہ ہوں کہ اس اختلاف ترتیب صفوف ثلاثہ کے متعلق جو کچھ تحقیق وتنقیح موافق ملتِ احناف رحمھم اللہ ہو بحوالہ کتب بخوبی صراحت سے تحریر فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں، نیز یہ بھی ہدایت فرمائی جائے کہ بحالت نفر اور صفِ سوم میں شخصِ واحد کا کھڑا ہو یا جملہ مقتدیوں کی ایک ہی جماعت کی جائے کہ صفوفِ ثلاثہ کی ترتیب کم از کم سات اشخاص کا ہونا سب کتب میں مرقوم ہے، اس سے کم کی نسبت کچھ ذکر نہیں ہے حالانکہ ترتیب چھ اشخاص کی بھی ممکن ہے۔

الجواب:

سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاد امامِ اجل عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل تلمیذ

[1] مرقاۃ شرح مشکٰوۃ باب المشی بالجنازہ الخ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۶۵/۴

ام المومنین صدیقہ و ام المومنین ام سلمہ وابوہریرہ و ابوسعید خدری و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین روایت فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی جنازۃ فکانوا سبعۃ فجعل الصف الاول ثلثۃ والثانی اثنین والثالث واحدا۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی، صرف سات آدمی تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہلی صف تین آدمیوں کی کی، دوسری صف دو کی اور تیسری صف ایک شخص کی۔

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

فی القنیۃ ثم ان کان القوم سبعۃ فاتموھا ثلثۃ صفوف یقدم احدھم وخلفہ ثلثہ وخلفھم اثنان وخلفھا واحد انتھی قلت ویشھدلہ ان عطاء بن ابی رباح روی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وسلم صلی علی جنازۃ فکانو سبعۃ (وساق الحدیث وقال) ولو لاھذاالحدیث لقنا بکراھۃ جعل الواحد صفالامرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وصحبہ وسلم للمنتبذ وراء الصف فی الصلٰوۃ المطلۃ با عادتھا کما تقدم فی موضعہ، اللھم الاان یقال ان ذلك ایضااذالم یکن فیہ تحصیل مصلحۃ مقصودۃ من وھی السعی فی حصول المغفرۃ للمیت کما اخبرہ	قنیہ میں ہے: اگر سات آدمی ہوں تو پوری تین صف بنائیں، ایک آگے ہو، تین اس کے پیچھے، دو ان کے پیچھے ایک ان کے پیچھے (عبارت قنیہ ختم) میں کہتا ہوں اس کا ثبوت اس حدیث سے ہے کہ حضرت عطاء بن ابی رباح نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہٖ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی صرف سات آدمی تھے (آگے حدیث ذکر کی، پھر کہا) اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو ایک شخص کی صف بنانے کو ہم مکروہ کہتے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہٖ وسلم نے صلاۃ مطلقہ میں صف کے پیچھے الگ تھلگ کھڑے ہونے والے کو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا جیسا کہ یہ اپنے موقع پر بیان ہو چکا ہے -- مگر یہ کہا جائے کہ وہ بھی اُس وقت ہے جب اس میں نماز کی مصلحت مقصودہ کہ بجاآواری نہ ہو،، اور یہاں نماز کی ایک مصلحت مقصودہ موجود ہے وہ ہے میت کے لئے

الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	احصولِ مغفرت کی کوشش، جیسا کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔(ت)

غنیہ شرح منیہ میں ہے:

یستحب ان یصفوا ثلثة صفوف حتی لوکانوا سبعة یتقدم احدھم للامامة ویقف ورائه ثلثة دوراھم اثنان ثم واحدذکرہ فی المحیط لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من صلی علیه ثلثه صفوف غفرله رواہ ابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن والحاکم وقال صحیح علی شرط مسلم [2] اھ **قلت** رواہ احمد وابن ماجة وابن سعد فی الطبقات والبیھقی فی السنن وابن مندة فی المعرفة کلھم عن مالك بن ھبیرة رضی اللہ تعالٰی عنه بالفاظ شتی وکلھافی نظری بحمداللہ تعالٰی۔	تین کرنا مستحب ہے یہاں تک کہ اگر سات آدمی ہوں تو ایک شخص امامت کے لئے آگے ہو اور اس کے پیچھے تین کھڑے ہوں، ان کے پیچھے دو، پھر ایک۔ اسے محیط میں ذکر کیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اس کی بخشش ہو جائے۔اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔اور ترمذی نے کہا حدیث حسن ہے۔اور حاکم نے روایت کیا اور کہا صحیح بر شرطِ مسلم ہے اھ **میں کہتا ہوں**: اسے امام احمد، ابنِ ماجہ، طبقات میں ابنِ سعد، سنن میں بیہقی، معرفہ میں ابن مندہ نے بھی روایت کیا ہے۔ان سبھی محدثین نے حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالفاظِ مختلفہ روایت کیا اور بحمدہ تعالٰی سب میری نظر میں ہیں۔(ت)

رحمانیہ میں عقابیہ سے ہے:

لوکان القوم سبعاقاموا ثلثة صفوف یتقدم واحد وثلثة بعدہ واثنان بعدہ وواحد بعدہ لان فی الحدیث من صلی علیه ثلثة صفوف غفرله [3] اھ قلت وافرد	اگر سات آدمی ہوں تو تین صف میں کھڑے ہوں، ایک آگے ہو، تین اس کے بعد، دو اسکے بعد، اور ایک اسکے بعد۔اس لئے کہ حدیث میں ہے جس کا جنازہ تین صفیں پڑھیں اس کی مغفرت ہو جائے اھ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] غنیۃ المستملی شرح منیہ فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی چوک اردو بازار لاہور ص ۵۸۸

[3] رحمانیہ

الضمیر فی "بعدی" فی اخرین ارجاعاله الی الصّف۔	میں کہتا ہوں دو اخیر والے "اس کے بعد" میں ضمیر واحد اس لئے رکھی کہ مرجع صف کو بنایا ہے (ت)

حلیہ وغنیہ وردالمحتار شروع معتمدہ میں اور جامع التفاریق ومحیط وعتابیہ وتاتار خانیہ وعالمگیریہ فتاوٰی مستندہ اور کتبِ مذہب میں ان کا کہیں خلاف نہیں۔ لاجرم امام ابن امیر الحاج نے جنازہ میں ایک شخص کے صف ہونے کی کراہت کو امام احمد بن حنبل سے ایک روایت کی طرف نسبت فرمایا:

حیث قال بعد ماقدمناعنه هذاوعن احمد انه کرہ ان یکون الواحد صفا[1]۔	اس طرح کہ ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا: یہ محفوظ رکھو، اور امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے ایک آدمی کی صف کو مکروہ جانا۔ (ت)

اپنے مذہب میں کراہت کی کوئی روایت ہوتی تو وہی احق بالذکر تھی، صرف مذہب غیر کی طرف نسبت پر اکتفانہ کی جاتی۔ غرض فقہ یہ ہے اور حدیث وہ، پھر مخالفت کیا معنی۔ رہا وہ اشارہ جو مرقاۃ میں استنباط کیا اور اس کے سبب جُہّال نے نصوصِ حدیث وفقہ کو بالائے طاق رکھ دیا۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) نہ وہ استنباط مقبول ہے نہ اُس پر اعتماد جائز۔

اوّلاً وہ علی قاری کی ایک بحث ہے اور منقول کے حضور بحث اصلاً قابلِ التفات نہیں

کما نص علیه فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار وقد اکثرنانقوله فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں تصریح ہے اور بہت سی عبارتیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں نقل کی ہیں۔ (ت)

اور اُسے مرقاۃ میں منقول بتانا جہل صریح ہے یا افترائے قبیح، پھر جزئیہ منصوصہ کتب مذہب کو قول قاری سے غیر صحیح کردینا سخت جرات مردود ہے۔ فتاوائے اکثر منصوصاتِ ائمہ ومرسل بلاعزو لکھتے ہیں کما لایخفی علٰی خادم الفقه (جیسا کہ خادمِ فقہ پر پوشیدہ نہیں۔ ت) بلکہ قدمائے اہل فتاوٰے غالبًا اقوالِ مشائخ کو معزو لکھتے ہیں اور نصوصِ مذہب کو بلاعزو خصوصًا جبکہ ائمہ مذہب سے ان میں اختلاف نہ منقول ہو۔ شرنبلالی علٰی دررالحکام میں ہے:

صرح به قاضی خان من غیر اسنادہ	(قاضی خان نے کسی کی طرف اسناد کئے بغیر اس کی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

لاحد فاقتضٰی کونہ المذہب [1]۔	صراحت فرمائی صراحت فرمائی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مذہب ہو(ت)

اور بالفرض ارشاد ائمہ مجتہدین فی المسائل یا تخریجِ مسائل ہی ہو تو علی قاری کو اپنی بحث سے اس کے رد کا کیا اختیار ہے، کیاوُہ ان میں نہیں جن کو فرمایا گیا:

امانحن فعلینا اتباع مارجحوہ وماصححوہ کمالوافتوافی حیاتھم [2]۔	مگر ہم پر اسی کی پیروی کرنی ہے جسے ان حضرات نے ترجیح دی اور جسے صحیح کہا جیسے اگر وُہ اپنی حیات میں فتوی دیتے تو ہمیں یہی کرنا تھا۔(ت)

جیسا کہ تصحیح القدوری للعلامہ قاسم پھر ردالمحتار میں ہے: فانہ لایسعنا مخالفتھم [3]۔(کیونکہ ہمارے لئے ان کے خلاف جانے کی گنجائش نہیں۔ت)

ثانیًا اگر وہ منقول ہی ہوتی تو شروع حدیث کی نقول نصوص کتب معتمدہ فقہیہ کے خلاف مقبول نہیں، بلکہ نصوص تو نصوص کہ شروح حدیث کی تصریح صریح اشاراتِ کتب مذہب کے بھی معارض نہ مانی گئی۔ شرح مشارق الانوار علامہ ابن مالک سے کہ علامہ علی قاری سے اقدم واعظم ہیں ایک مسئلہ منقول ہوا اس پر علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

ان ھذا الکتاب لیس موضوعًا لنقل المذہب و اطلاق المتون والشرح یردہ [4]۔	اس کی تالیف نقلِ مذہب کے لئے نہیں اور اطلاق متون وشروح اسکو رد کررہی ہے۔(ت)

ثالثًا اگر بالفرض کسی کتابِ فقہ ہی میں ایک نقل شاذ پائی جاتی تو نقل، مشہور کتبِ معتبرہ کثیرہ کے مقابل نہ مانی جاتی،

کمانص علیہ فی الشرنبلالیۃ والعقود الدریۃ وردالمحتار وغیرھا واکثرنا النقول فیہ فتاوٰنا و فی کتابنا فی رسم المفتی۔	جیسا کہ شرنبلالیہ، العقود الدریہ، ردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اور رسم المفتی سے متعلق اپنی کتاب میں ان کی بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں۔(ت)

رابعًا اگر شاذ بھی نہ ہوتی جب بھی اُسی ترتیب مذکور جامع التفاریق و محیط وحلیہ وغنیہ وغیرہا پر اعتماد

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی درر الحکام نواقض الوضوء مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت مصر ۱/ ۱۵

[2] دُر مختار خطبۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[3] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۷

[4] ردالمحتار خطبۃ الکتاب مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۷

ہوتا کہ نص حدیث اُسی طرف ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں:

لایعدل عن درایة ماوافقتہاروایة [1] کمانص علیہ فی الغنیة وردالمحتار وغیرھا۔	کسی درایت سے عدول نہ ہوگا جب تک کوئی روایت اس کی موافقت کرتی ہو جیسا کہ غنیہ اور ردالمحتار وغیرہما میں اس کی تصریح ہے(ت)

خامسًا اس بحث واستنباط کا سارا مدار اس پر ہے کہ روایت ابی داؤد میں **جزاھم ثلثة صفوف** [2] (انہیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ت) کا لفظ وارد ہے، اور ایک شخص کو صف نہ کہیں گے ترمذی کی اس حدیث میں **جزاھم ثلثة اجزا** [3]۔ (انہیں تین صفوں میں تقسیم کیا۔ت) ہے اور جز مطلق ہے اور ہم ابھی حدیثِ مرفوع سے نقل کرچکے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صف ایک ہی صاحب کی کی، علامہ قاری نے روایتِ ترمذی کی جو شرح ٹھرائی کہ تین ۳ حصے کرنے سے مراد یہ ہے کہ بوڑھے اور اُدھیڑ اور جوان یا علماء وطلبہ وعوام،

حیث قال ای قسمھم ثلثة اقسام ای شیرخا وکھولاوشبابااوفضلاء وطلبة العلم والعامة [4]	انہوں نے کہا: ان کو تین ۳ حصوں میں تقسیم کیا یعنی بوڑھوں، ادھیڑوں اور جوانوں میں یا علماء، طلباء اور عوام میں تقسیم کیا۔(ت)

یہ بھی نرا اجتہادِ علّامہ ہے جس پر نہ حدیث مرفوع میں دلالت نہ اُس کی فرع فعل صحابی میں، نہ اُسے اس کی شرط **اذا صلی علی جنازة فتقال الناس علیہا** [5] (جب نمازِ جنازہ پڑھی اور اس پر آدمی کم محسوس کئے۔ت) پر ترتب، یہ مقتضی تجزیہ ہیں، نہ طالبِ توزیع، تو یہ تفسیر بلاانشاء ہے، نہ شرع سے کہیں کسی نماز میں یہ تقسیم معہود کو بوڑھے الگ چھانٹے جائیں اور ادھیڑ جُدا اور جوان علیحدہ۔

سادسًا ہمیں مسلم کہ فی نفسہٖ مستقل صف کم از کم دو کی ہوگی، مگر صف یا صفوف کے ساتھ اگر ایک شخص صف جداگانہ ہو تو اُس پر بھی ضرور اطلاقِ صف ہے اور یہی ہمارے اس مسئلہ میں ہے۔

---

[1] ردالمحتار مطلب اذا تعارض التعمیم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۳

[2] سنن ابی داؤد باب فی الصفوف علی الجنازة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۹۵

[3] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کیف الصلٰوة علی المیت الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الجنائز (حدیث: ۱۶۸۷) المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/۱۷۰

[5] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کیف الصلٰوة علی المیّت امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲

تو اصل مبنائے انکار ہی ساقط وباطل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا[1]	جس دن کھڑے ہوں گے روح اور ملائکہ صف باندھ کر۔

ابن جریر اس آیت کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

الروح ملك فی السماء السابعة و اعظم من السموات ومن الجبال ومن الملئكة یسبح كل یوم اثنی عشر الف تسبیحة یخلق اللہ من كل تسبیحة ملكا من الملئكة یجی یوم القیمة صفا وحدہ[2]	یہ روح فرشتہ آسمان ہفتم میں ہے وہ آسمانوں اور پہاڑوں اور سب فرشتوں سے اعظم ہے، وہ روزانہ بارہ ہزار تسبیحیں کرتا ہے اللہ عزوجل ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بناتا ہے یہ روح (فرشتہ) روز قیامت اکیلا ایک صف ہوگا

معالم التنزیل میں بروایت عطاء ابن ابی رباح سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں ہے:

الروح ملك من الملئكة ما خلق اللہ تعالٰی مخلوقا اعظم منه فاذا كان یوم القیمة قام وحدہ صفا وقامت الملئكة كلهم صفا واحدا فیكون اعظم خلقة مثله۔[3]	روح ایک فرشتہ ہے اللہ تعالٰی نے کوئی مخلوق جسم میں اس سے بڑی نہ بنائی۔ جب قیامت کا دن ہوگا وُہ اکیلا ایک صف ہو کر کھڑا ہوگا اور تمام فرشتے ملکر ایک صف، تو اس کی جسامت ان سب کے برابر ہوگی۔

امام ابوعمر ابن عبدالبر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا: **المرأة وحدها صف**[4] اکیلی عورت ایک صف ہے۔ صحیح بخاری شریف میں: **المرأة وحدها تكون صفا**[5] تنہا عورت ایک صف ہوتی ہے۔ حدیث عطاء سے گزرا **جعل الصف الثالث واحد**[6] نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو تیسری صف میں کیا۔

---

1 القرآن ۷۸/ ۳۸

2 جامع البیان المعروف تفسیر ابن جریر تحت آیہ مذکورہ مطبوعہ مطبعۃ میمنیہ مصر ۳۰/ ۱۳

3 معالم النزل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیہ مذکورہ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۷/ ۲۰۳۔ ۲۰۲

4 التمہید حدیث الخامس لاسحاق مطبوعہ المکتبۃ القدوسیۃ لاہور ۱/ ۲۶۸

5 صحیح البخاری باب المراۃ وحدھا تکون صفاً مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۱

6

امام احمد کی روایت مذکورہ میں بھی ایک شخص کو صف کہا کہ کرہ ان یکون الواحد صفًا[1] (اسے ناپسند کیا کہ ایک آدمی صف ہو۔ت) نہ یہ کہ الصف لایقوم بواحد اصلا (ایک آدمی سے بالکل صف بنتی ہی نہیں۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ تین آدمیوں کی صفیں نہ ہوسکنے سے اعتراض جہالت فاحشہ ہے۔**فکم من شیئ یصح ضمنا ولایصح قصدا** (بہت سی چیزیں ضمنًا ہوں تو صحیح ہیں اور قصدًا صحیح نہیں۔ت)

سابعًا کراہت انفراد صلٰوۃ مطلقہ میں ارشاد ہوئی ہے، صلٰوۃ جنازہ کا اُس سے الحاق محلِ منع ہے، تبیین الحقائق میں فرمایا:

صلٰوۃ الجنازۃ لیست بصلٰوۃ من کل وجه وانما ھی دعاء للمیّت[2]۔	نمازِ جنازہ ہر لحاظ سے نماز نہیں، یہ تو بس میّت کے لئے دُعا ہے۔(ت)

امام نسفی کتاب کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

حتی لایحنث بصلاۃ الجنازۃ لوحلف ان لایصلی فصارت کسجدۃ التلاوۃ[3]۔	اگر نماز نہ پڑھنے کی قسم کھائی تو نماز جنازہ پڑھنے سے حانث نہ ہوگا، تو یہ سجدہ تلاوت کی طرح ہوئی (ت)

اقول: بلکہ محل مقام میں صلاۃِ مطلقہ کا اُس سے بیّن تفاوت ہے۔صلاۃ مطلقہ میں سب سے افضل صفِ اول ہے اور نماز جنازہ میں سب سے افضل صف اخیر۔صلاۃ مطلقہ میں جب تک پہلی صف پُوری نہ ہوجائے دوسری صف ہرگز نہ کی جائے گی۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فماکان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر[4] رواہ احمد وابو داؤد والنسائی وابن حبان وابن خزیمة و الضیاء فی المختارہ عن	اگلی صف پُوری کرو پھر وہ جو اس کے بعد ہے کہ جو کچھ کمی رہے پچھلی صف میں رہے۔اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور مختارہ میں ضیاء نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ مطبوعہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۱۳۷

[3] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸

[4] سنن ابوداؤد باب تسویۃ الصفوف مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۸

انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الاتصفون کماتصف الملئکة عند ربھا (کیا تم ویسے صف نہیں لگاتے جیسے ملائکہ اپنے رب کے حضور صف لگاتے ہیں۔ت) صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ وکیف تصف ملئکة عند ربھا (یارسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے حضور کیسے صف لگاتے ہیں؟۔ت) ارشاد فرمایا: یتمون الصف الاول و یتراصون فی الصف[1] (پہلی صف پُوری کرتے ہیں اور صف کے اند خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ت) رواہ مسلم وابوداؤد وابن ماجة عن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) اور نمازِ جنازہ میں تفریقِ صفوف سب کو مسلّم۔ صلوٰۃ مطلقہ میں محاذاتِ زن حسب شرائط عشرہ مفسد نماز ہے اور نمازِ جنازہ میں اصلاً مفسد نہیں کما نص علیہ فی الکتب قاطبة (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس کی تصریح ہے۔ت) تو کیا بعید ہے کہ صف کے پیچھے انفراد صلاۃِ مطلقہ میں مکروہ ہو نہ نمازِ جنازہ میں وبہ یضعف ماوقع فی الحلیة ان لو لاالحدیث لقلنا بکراھتہ[2] (اور اسی سے حلیہ میں واقع یہ کلام ضعیف ہوجاتا ہے کہ اگر حدیث نہ ہوتی تو ہم اس کی کراہت کے قائل ہوتے۔ت) بالجملہ مسئلہ واضح ہے اور بحث طائع اور برخلاف حدیث وفقہ اُس پر اعتماد جہل فاضح۔

اب رہا اصل سائل کہ یہ تفریق پانچ مقتدیوں میں بھی کی جائے یا صرف چھ سے مخصوص ہے۔

اقول: ہاں پانچ میں بھی کی جائے، ہمیں حدیث وفقہ نے بتایا کہ ارشادِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مامن مسلم یموت فیصلی علیہ ثلثة صفوف من المسلمین الا اوجب[3]۔	مسلمانوں میں سے کوئی فوت ہوگیا اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں نے نماز جنازہ پڑھا تو اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف واقامتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۱، سنن ابی داؤد باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۹۷

[2] حلیہ المحلی شرح منیہ المصلی

[3] مشکوٰۃ المصابیح باب المشی بالجنازہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۷

کی برکت حاصل کرنے کو حتی الوسع حاضرین کی تین صفیں کی جائیں، اگر صفِ اخیر صرف ایک شخص کی ہو۔ یہ بات پانچ مقتدیوں میں یقیناً حاصل۔ پہلی دو صفیں دو دو کی ہوں کہ دو آدمی صلوٰۃ مطلقہ میں بھی مستقل صف ہیں۔ موطائے امام مالک و مصنّف عبدالرزاق میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصففت اناوالیتیم من ورائہ[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور میں نے اور یتیم نے حضور کے پیچھے صف لگائی۔(ت)

موطائے امام محمد میں عبداللہ بن عتبہ سے ہے: موطائے امام محمد میں عبداللہ بن عتبہ سے ہے:

قال دخلت علی عمر بن الخطاب بالھاجرۃ فوجدتہ یسبح فقمت ورائہ فقربنی فجعلنی بحذائہ عن یمینہ فلما جاء یرفاء تاخرت فصففناوراءہ[2]۔	میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں دوپہر کو آیا تو انہیں نفل پڑھتے ہوئے پایا، میں ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا، انہوں نے مجھے قریب کرکے اپنے برابر دائیں کرلیا، پھر جب یرفا آگیا تو میں پیچھے ہوگیا، ہم دونوں نے ان کے پیچھے صف بنالی (ت)

اور تیسری صف ایک کی، فقہائے کرام نے کہ چھ ہی مقتدیوں کی صورت لکھی،

اوّلاً بعض صور پر اقتصار بعض دیگر کا نافی نہیں، ردالمحتار میں ہے: لا یلزم ان یکون ماسکت عنہ مخالفافی الحکم لماذکرہ کمالایخفی[3] ضروری نہیں کہ جس سے سکوت ہو وہ حکم میں اس کے مخالف ہو جو مذکور ہے جیسا کہ واضح ہے۔(ت)

ثانیاً اقول: اس کے لئے تین سبب ہیں: اوّل صورت مذکورہ حدیث کے ذکر سے تبرک۔

دوم اس پر تنبیہ کہ چھ مقتدیوں کی صورت میں اگرچہ ہر دو شخصوں کی ہوسکتی ہے مگر بہ اتباع سنت یونہی کریں کہ پہلی صف تین کی، دوسری دو کی، تیسری ایک کی۔

سوم کراہت انفراد کا کامل ازالہ کہ باوصف تیسر تعدد انفراد اختیار کیا، اگر کہیے چھ مقتدیوں کی اس ترتیب میں کوئی اور حکمت بھی، اقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے افعال کی حکمتیں خوب جانتے ہیں

---

[1] موطاء امام مالک جامع سبحۃ الضحٰی مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۳۷

[2] مؤطا امام محمد باب الرجلان یصلیان جماعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۲۴

[3] ردالمحتار

نظر ظاہر میں یہاں دو ۲ حکمتیں معلوم ہوتی ہیں:

اوّلاً جمع تام ہے اور جمع تام گویا صفتِ تام ہے ولہذا ایک روایت میں تین عورتوں کو جمیع صفوف مابعد کی نماز کا قاطع بتایا، اور ظاہر الروایۃ میں بھی اسے اس درجہ قوی بتایا کہ ایک صف کو دوسری کا حائل نہ جانا، اور ان کی محاذات میں آخر صفوف تک تین تین مردوں کی نماز پر حکمِ فساد فرمایا۔ فتح القدیر میں ہے:

الصحیح ان بالصلاۃ بالثلاث تفسد صلٰوۃ واحد عن یمینھن واٰخرعن شمالھن وثلثۃ ثلثۃ الٰی اٰخر الصفوف وفی روایۃ الثلث کالصف التام فتفسد صلٰوۃ جمیع الصوف التی خلفھن[1]۔	صحیح یہ ہے کہ تین عورتوں سے ایک ان کے دائیں والے مرد کی، ایک ان کے بائیں والے کی، اور آخری صف تک ہر صف سے تین تین مردوں کی نماز فاسد ہوجاتی ہے-- اور ایک روایت میں ہے تین گویا پوری صف ہے تو ان کے پیچھے کی تمام صفوں کی نماز فاسد ہوجائے گی۔ (ت)

اس معنوی کثرت وقوت کی تحصیل کو صفِ اوّل مین تین شخص رکھے۔

ثانیاً اس میں تعدیل فضل ہے کہ جمع میں برکت ہے ایک سے دو ۲ میں زائد، دو ۲ سے تین ۳ میں، اور صفوف جنازہ میں آخری فالآخر افضل ہے۔ پہلی سے دوسری افضل، دوسری سے تیسری تو اس ترتیب سے ہر صف کے لئے چار فضل حاصل ہوگے۔ پہلی صف میں باعتبار صف ایک، بلحاظِ رجال تین دوسری صف میں صف اور رجل دونوں کے اعتبار سے دو دو تیسری میں باعتبار صف تین بالحاظ رجل ایک، واللہ ذو لفضل العظیم ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (اور اللہ بڑے فضل والا ہے--اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ت)

---

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مطبوعہ نوریہ ضویہ سکّھر ۳۱۶/۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اَلْمِنَّۃُ الْمُمْتَازَۃ فِیْ دَعْوَاتِ الْجَنَازَۃ ۱۳۱۸ھ

(نمازِ جنازہ سے متعلق حدیث میں وارد شدہ دُعاؤں کا بیان اور تلقینِ میّت کا طریقہ)

مسئلہ نمبر ۶۲: مسئولہ حافظ حاجی قاری زائر سیّد محمد عبدالکریم صاحب ۲۵ جمادی الاُخری ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ نمازِ جنازہ کی کے دعائیں ہیں؟

الجواب:

مولٰنا الحافظ القاری الحاج الزائر السید الصالح القادری البرکاتی ادام اللہ تعالٰی کرامتکم فی الحاضرۃ والاٰتی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، وہ تیرہ ۱۳ دعائیں ہیں کہ نماز جنازہ کی احادیث میں وارد ہوئیں۔ فقیر نے انہیں جمع کرکے ایک اور کا اضافہ کیا انہیں میں گزارش کرتا ہوں کہ حفظ فرمالیں اور بالحاظ معنی جنائز اہلسنّت پر پڑھا کریں، جن کلمات کو دو خط ہلالی میں لے کر اُن پر خط کھینچ کر بالائے سطر دوسرے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ لفظ عورت کے جنازے میں اُن کلمات کی جگہ پڑھے جائیں۔ فقیر آپ کو وصیّت کرتا ہے کہ میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دُعائیں اپنے خالص قادری قلب کے خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبرِ فقیر محتاج پر تلقین بھی کریں وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

ادعیہ بعد تکبیر سوم

(۱) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَ

وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَه مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَ(ہٗ)ھا ، وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَ(ہٗ)ھا عــہ۱ ۔[1]

(۲) اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ لہا ، وَارْحمهٗ ھا ، وَعَافِهٖ ھا وَاعْفُ عَنْهُ ھا وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ ھا وَاغْسِلْهُ ھا بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ ھا مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَابْدِلْهُ ھا دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ ھا وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ (وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ عــہ۲) وَاَدْخِلْهُ ھا الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ ھا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ

عــہ۱ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ واحمد وابو یعلی والبیھقی وسعیدبن منصور فی سنن عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالی عنھما (م)

اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے ابو ہریرہ سے۔اور امام احمد، ابویعلی، بیہقی اور سنن میں سعید بن منصور نے حضرت ابو قتادہ سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہما۔(ت)

عــہ۲ یعنی یہ الفاظ عورت کے جنازہ پر نہ پڑھے جائیں ۱۲ کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)

[1] سنن ابوداؤد باب الدعاء للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱، جامع الترمذی باب مایقول فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۱، المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۵۸، مسند ابویعلی حدیث ۵۹۸۳ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت ۵/ ۳۷۶

وَعَذَابِ النَّارِ[1] ۔ عــہ۱

(۳) اَللّٰھُمَّ عَبْدُكَ اَمَتُكَ وَابْنُ وَبِنْتُ اَمَتِكَ یشْھَدُ تشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ وَیشْھَدُ تشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اَصْبَحَ فَقِیْرًا اَصْبَحَتْ فَقِیْرَۃً اِلٰی رَحْمَتِكَ وَاَصْبَحْتَ غَنِیًّا عَنْ عَذَابِہٖ ھَا تَخَلّٰی تَخَلَّتْ مِنَ الدُّنْیَاوَاَھْلِھَااِنْ كَانَ زَاكِیًا كَانَتْ زَاكِیَۃً فَزَكِّہٖ ھَا وَاِنْ كَانَ مُخْطِئًا كَانَتْ مُخْطِئَۃً فَاغْفِرْ (لَہٗ) لَھَا اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَااَجْرَ (ہٗ) ھَا وَلَاتُضِلَّنَابَعْدَ (ہٗ) ھَا[2] عــہ۲

(۴) اَللّٰھُمَّ (ھٰذَاعَبْدُكَ) ھٰذِہٖ اَمَتُكَ بِنْتُ اِبْنُ عَبْدٍ) بْنُ اَمَتِكَ مَاضٍ فِیْہِ) ھَا حُكْمُكَ، خَلَقْتَہٗ ھَا وَلَمْ یَكُ (تَكُ ھِیَ) شَیْئًامَّذْكُوْرًا، نَزَلَ لَتْ) بِكَ وَاَنْتَ خَیْرُمَنْزُوْلٍ بِہٖ ط اللھم لقنہ ھا حجتہ ھا و الحقہ ھا بنبیہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وَثَبِّتہ ھا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

عــہ۱: رواہ مسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابوبکر بن شیبۃ عن عوف بن مالك الاشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)	اسے مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اورابوبکر بن ابی شیبۃ نے حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا(ت)
عــہ۲ :رواہ الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ(م)	اسے حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۱، سنن النسائی الدعاء للمیت مطبوعہ طور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۸۱

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۵۹

فَاِنَّہٗ ھا اَفْتَقَرَ افتقرتْ اِلَیْكَ وَاسْتَغْنَیْتَ عَنْہُ ھا کَانَ یَشْھَدُ کانَتْ تَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ فَاغْفِرْلَہٗ ھا وَارْحَمْہُ ھا وَلاَ تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ ھا وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ھا اَللّٰھُمَّ اِنْ کَان زَاکِیًا کانَت زَاکِیَۃً فَزَکِّہٖ ھا وَاِنْ کَان خَاطِئًا کانت خَاطِئَۃً فَاغْفِرْلَہٗ ھا[1] عـــه۔

عـــه: رواہ عن امیرالمومنین علی کرّم اللہ تعالٰی وجھہ (م)

اسے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ۱۲(ت)

قال الامام ابن الجزری وشرح حصنہ (زاکیا) ای طاہرا من الذنوب فزکہ ای فطھرہ بالمغفرۃ ورفع الدرجات اھ وتعقبہ العلامۃ القاری بانہ لایخفی عدم المناسبۃ بین تفسیرہ زاکیا بطاھر ای من الذنوب وبین قولہ وطھرہ بالمغفرۃ اھ

امام ابن الجزری نے اپنی حصن حصین کی شرح میں فرمایا: زاکیا کا معنی گناہوں سے پاک، فزکہ کا معنی: اسے مغفرت فرماکر اور درجات بلند فرماکر خوب پاک کردے اھ اس پر علامہ قاری نے تنقید کی کہ زاکیا کی تفسیر (گناہوں سے پاک) اور (مغفرت فرماکر اسے گناہوں سے پاک کردے) ان دونوں میں مناسبت نہ ہونا واضح ہے اھ

اقول: لابدع فی سؤال المغفرۃ بالطاھرۃ من الذنوب قدکان سیّدالطاھرین امام المعصومین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم یستغفر الیہ کل یوم مائۃ مرّۃ و ذلك ان العبد وان جل ماجل لایبلغ عما عملہ شکر نعمۃ اللہ تعالٰی ابدا ولایخلواعامۃ الصالحین عن

اقول: جو گناہوں سے پاک ہے اس کے لئے دعائے مغفرت کوئی اجنبی اور نامناسب چیز نہیں۔ پاکوں کے سردار، معصوموں کے امام حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روزانہ خدا کی بارگاہ میں سو بار استغفار کرتے۔ بات یہ ہے کہ بندہ جتنا بھی بزرگ ہوجائے اس کا عمل اللہ تعالٰی کی نعمتوں کے کامل شکر کی حد تک کبھی نہیں

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] کنز العمال صلٰوۃ الجنائز حدیث ۴۲۸۶۴ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۷۱۸

(۵)اَللّٰھُمَّ عَبْدُكَ اَمَتُكَ وَا(بْنُ) بِنْتُ اَمَتِكَ (احتاجت) اِلٰی رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ غَنِیٌّ عَنْ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقصیر مابالنظر الی ما ینبغی لجلال وجه الکریم فالمغفرة فی حقهم ان یتجاوز عن ذلك ولا یعاملهم قدر اعمالهم بل قدر افضاله والیه اشارة بقوله رحمة الله تعالٰی ورفع الدرجات قال القاری واغرب الحنفی بقوله، الاولی ان یقال ای زدفی زکاته وطهارته اھ۔

اقول: مرجعه الی ماذکرنا ای ان کان طاهرا من الذنوب فزدنی طهارته بمغفرة التقصیر فی شکرك الخطیر وقدفسره القاری نفسه بقوله ای فزد فی احسانه کما فی روایة اھ لایبعد عن قول الحنفی کثیرا وانا اقول: وبالله التوفیق بل هومن تزکیة الشهود ای ان کان زاکیا فاظهر فی ملکوتك انه ذاك واشهدله بذاك وهذا لیس بتاویل بخلاف ماتقدم وبالله التوفیق کلها منه رضی الله

پہنچ سکتا۔ رب کریم کی بزرگی شان کے لحاظ سے عامہ صالحین کسی نہ کسی کی کمی سے خالی نہ ہوں گے تو ان کے حق میں مغفرت یہ ہے کہ اس سے در گزر فرمائے اور ان کے ساتھ ان کے اعمال کے حساب سے نہیں بلکہ اپنے فضل و کرم کے لحاظ سے معاملہ فرمائے اور ابن جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی بات کی طرف اپنے قول (اور درجات بلند فرماکر) سے اشارہ فرمایا--علامہ علی قاری فرماتے ہیں: علامہ حنفی نے یہ عجیب وغریب بات لکھی کہ اس کی تفسیر میں یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اس کی ستھرائی اور پاکی میں اضافہ فرما۔۔۔

اقول: اسکا مآل بھی وہی ہے جو ہم نے بیان کی اگر گناہوں سے پاک ہے تو اس کی پاکی میں اضافہ فرمااس طرح کہ اپنے عظیم شکر کی بجا آوری میں اس کی تقصیر کو بخش دے--اور خود مولانا قاری نے اس کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے: یعنی اس کی نیکی میں اضافہ فرما جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے اھ۔۔۔

اقول: وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق خدا ہی سے ہے) بلکہ یہ تزکیہ شہود سے ہے (گواہوں کا تزکیہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی باطنی عدالت وپرہیزگاری جانچ کر ظاہر (باقی برصفحہ آئندہ)

I.T. Majlis of Dawateislami

عَذَابِہٖ ھا اِنْ کَانَ کانَتْ مُحْسِنًا مُحْسِنَۃً فَزِدْفِیْ اِحْسَانِہٖ ھا وَاِنْ کَانَ کانَتْ مُسِیْئًا مُسِیْئَۃً فَتَجَاوَزْ عَنْہُ (عَنْھا)[1] عہ ۱ ۔

(۲) اَللّٰھُمَّ (عَبْدُکَ) اَمَتُكَ وا(بْنُ) بِنْتُ عَبْدِكَ (کانَتْ) (یَشْھَدُ) تَشْھَدُ اَنْ لَّااِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ط وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ ھا مِنَّا اِنْ کَانَ (کانَتْ) (مُحْسِنًا) مُحْسِنَۃً فَزِدْفِیْ اِحْسَانِہٖ ھا وَاِنْ (کانَتْ) (مُسِیْئًا) مُسِیْئَۃً فَاغْفِرْلَہٗ ھا وَلَاتَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ ھا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ھا عہ ۲ [2]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی عنہ۔(م)

عہ ۱: رواہ الحاکم عن یزید بن رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)

عہ ۲: رواہ ابن حبان عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کردی جائے) یعنی اگر وہ پاکیزہ ہے تو اپنی بادشاہت میں اس کی یہ حالت عیاں کردے اور اس کے لئے اس پر گواہ لے لے۔ یہ اس کا لفظی معنی ہے، تاویل نہیں کہ گزشتہ معانی تاویل تھے، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ (ت)

اسے حاکم نے یزید بن رکانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت) اسے ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۳۵۹

[2] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث ۳۰۶۲ مطبوعہ موسستہ الرسالۃ بیروت ۳۰/۶، موارد الظمأن کتاب الجنائز مطبوعہ مطبعۃ سلفیہ مدینہ منورہ ۱/۱۹۲، مسند ابویعلٰی حدیث ۶۵۶۷ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت ۶/۱۰۶

(۷) (اَصْبَحَ عَبْدُكَ هٰذَا) اَصْبَحَتْ اَمَتُكَ هٰذِهٖ قَدْ(تَخَلّٰى) تَخَلَّتْ عَنِ الدُّنْيَاوَ(تَرَكَهَاتر) كَتْهَا لِاَهْلِهَاوَ(افْتَقَر) افْتَقَرَتْ اِلَيْكَ وَاسْتَغْنَيْتَ عَنْه هَا وَقَدْ(كَانَ يَشْهَدُ)كانَتْ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ط اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ(لَه،) هَا وَتَجَاوَزْعَنْهُ هَا وَاَلْحِقْهُ هَا بِنَبِيّهٖ هَا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عليه وسلم عــہ۱ [1]۔

(۸) اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْاِسْلَامِ ط وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّهَاوَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَاشُفَعَاءَ فَاغْفِرْلَهَا۔ عــہ۲ [2]۔

عــہ۱: رواہ ابو یعلی بسند صحیح عن سعید بن المسید ان امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ، الحقنا بما قبلہ من المرفوعات للمناسبۃ ۱۲ کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

عــہ۲: رواہ ابوداؤد والنسائی والبیہقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)

اسے ابویعلی نے بسند صحیح حضرت سعید بن مصیب سے، انہوں نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہی کے قول کے طور پر (یعنی موقوفا) روایت کیا اسے ما قبل کی مرفوع دعاؤں کی مناسبت کے باعث ہم نے لاحق کردیا ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

---

1 المصنف لعبدالرزاق باب القراۃ الصلوۃ علی المیت حدیث ۶۴۲۱ مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۳/ ۴۸۷، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجنائز مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۲۹۲

2 سُنن ابوداؤد باب الدعاء للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۰

(۹) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاِخْوَانِنَا وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِنَا وَاَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِنَا اَللّٰھُمَّ (ھٰذَا عَبْدُکَ) ھٰذِہٖ اَمَتُکَ فُلَانُ (اِبْنُ) بِنْتُ فُلَانٍ وَلَا نَعْلَمُ اِلَّا خَیْرًا وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ بِھَا مِنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَلَہٗ لھا عـــہ۱ [1]

(۱۰) اَللّٰھُمَّ اِنَّ فُلَانَ (اِبْنُ) بِنْتَ فُلَانٍ فِیْ ذِمَّتِکَ وَحَبْلِ جَوَارِکَ فَقِہٖ ھَا مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَھْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَمْدِ ط اَللّٰھُمَّ فَاغْفِرْ لَہٗ ھَا وَارْحَمْھُ ھَا اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ عـــہ۲۔ [2]۔

عـــہ۱: رواہ ابونعیم عن عبداللہ بن الحارث بن نوفل عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علمھم الصلٰوۃ علی المیت اللھم اغفر، الحدیث قال فقلت انا اصغر القوم فلن لم اعلم خیر قال فلا تقل الا ماتعلم کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(م)

اسے ابونعیم نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے انہوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں نمازِ جنازہ سکھائی اللھم اغفر --آخر حدیث تک-- وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میں لوگوں میں سب سے کم عمر ہوں اگر مجھے کوئی خیر معلوم نہ ہو؟ فرمایا: تو تم وہی کہو جو جانتے ہو ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

عـــہ۲: رواہ ابو داود ابن ماجۃ عن واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

اسے ابوداود اور ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقاء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابونعیم حدیث ۴۲۸۴۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۷۱۴

[2] سنن ابی داؤد باب الدعاء للمیت مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱، سنن ابن ماجہ باب ،اجاء فی الدعاء فی الجنازہ علی الجنازۃ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۹

(۱۱) اَللّٰھُمَّ اَجِرْھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ ط اَللّٰھُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جَنْبَیْھَا وَصَعِّدْ رُوْحَھَا وَلَقِّھَا مِنْكَ رِضْوَانًا عـــہ۱۔[1]

(۱۲) اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَنَا وَنَحْنُ عِبَادُكَ ط اَنْتَ رَبُّنَا وَاِلَیْكَ مَعَادُنَا۔ عـــہ۲[2]

(۱۳) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا اَللّٰھُمَّ لَاتَحْرِمْنَا اَجْرَ(ہ)ھَا وَلَاتَفْتِنَّا بَعْدَ(ہ)ھَا عـــہ۳[3]۔

اَللّٰھُمَّ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

عـــہ۱: رواہ ابن ماجة عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔(م)

عـــہ۲: رواہ البغوی وابن مندة والدیلمی فی مسند الفرودعن ابی حاصر رضی اللہ تعالٰی عنہ(م)

عـــہ۳ رواہ البغوی عن ابراہیم الاشھلی عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ(م)

اسے ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اسے بغوی، ابن مندہ اور مسند الفردوس میں دیلمی نے ابو حاصر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اسے بغوی نے ابراہیم اشہلی سے، انہوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔(ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۲

[2] کنزالعمال بحوالہ الدیلمی حدیث ۴۲۸۴۹ مطبوعہ موسستۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/۱۵ـ۷

[3] کنزالعمال بحوالہ بغوی حدیث ۴۲۲۹۹ مطبوعہ موسستۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۵۸۶، شرح السنۃ باب فی صلوٰۃ الجنازۃ والدعاء للمیت مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۵۵

یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ یَابَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِاَنِّیْ اَشْھَدُاَنَّکَ اَنْتَ اللّٰہُ الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہ، کُفُوًا اَحَدo اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ صَلّی اللہ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ط اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْکَرِیْمَ اِذَا اَمَرَ بِالسُّؤَالِ لَمْ یَرُدَّہ اَبَدًا وَقَدْ اَمَرْتَنَا فَدَعَوْنَا وَاَذِنْتَ لَنَا فَشَفَعْنَا وَاَنْتَ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ فَشِفِّعْنَا فِیْہِ ھَا وَارْحَمْہُ ھَا فِیْ وَحْدَتِہٖ ھَا فِیْ وَحْشَتِہٖ ھَا وَارْحَمْہُ ھَا فِیْ غُرْبَتِھِھَا وَارْحَمْہُ ھَا فِیْ کُرْبَتِہٖ ھَا وَاَعْظِمْ لَہ ھَا اَجْرَہ ھَا ونَوّرلہ ھَا قَبْرَہ ھَا وَبَیِّضْ لَہ ھَا وجھہ ھَا وبَرّدلہ ھَا مضجعہ ھَا و عطّر لہ ھَا مَنْزِلَہ ھَا وَاَکْرِمْ لَہ ھَا نُزُلَہ ھَا یَاخَیْرَالْمُنْزِلِیْنَ یَاخَیْرَالْغَافِرِیْنَ وَیَاخَیْرَالرَّاحِمِیْنَ اٰمِیْنَ اٰمِیْنَ اٰمِین صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِک عَلٰی سَیِّدِالشَّافِعِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [عہ]

عــہ: زادہ الفقیر غفرلہ الکریم القدیر کلھا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

یہ دُعا فقیر نے زیادہ کی، رب کریم وقدیر اس کی مغفرت فرمائے ۱۲ کلہا منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

ترجمہ ادعیہ منقولہ

(۱) الٰہی! بخش دے ہمارے زندے اور مردے، اور حاضر اور غائب، اور چھوٹے اور بڑے، اور مرد اور عورت کو۔ الٰہی! تو جسے زندہ رکھے ہم میں سے اُسے زندہ رکھ اسلام پر، اور جسے موت دے ہم میں سے اُسے موت دے ایمان پر۔ الٰہی! ہمیں اس میّت کے ثواب سے محروم نہ کر۔ اور ہمیں اس کے بعد فتنہ میں نہ ڈال۔

(۲) الٰہی! اس میّت کو بخش دے، اور اس پر رحم فرما، اور اسے ہر بلا سے بچا، اور اسے معاف کر، اور اسے عزّت کی مہمانی دے، اور اس کی قبر کو وسیع کر، اور اسے دھودے پانی اور برف اور اولوں سے، اور اسے پاک کردے گناہوں سے جیسے تو نے پاک کیا سپید کپڑا مَیل سے، اور اسے بدل دے مکان بہتر اس کے مکان سے، اور گھر والے بہتر اس کے گھر والوں سے، اور زوجہ بہتر اس کی زوجہ سے۔ اور اسے داخل فرما بہشت میں، اور اسے پناہ دے قبر کے سوال اور دوزخ کے عذاب سے۔

(۳) الٰہی! یہ میّت تیرا بندہ اور تیری باندی کا بچّہ گواہی دیتا ہے کہ کوئی سچّا معبود نہیں مگر ایک اکیلا تُو، تیرا کوئی شریک نہیں، اور گواہی دیتا ہے کہ محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں، یہ محتاج ہے تیری مہربانی کا اور تُو بے نیاز ہے اس کے عذاب سے، یہ اکیلا رہا دُنیا اور دُنیا کے لوگوں سے، اگر یہ سُتھرا تھا تُو اسے ستھرا فرمادے اور اگر خطاوار تھا تو اسے بخش دے۔ الٰہی! ہمیں محروم نہ کر اسکے ثواب سے اور گمراہ نہ کر اس کے بعد۔

(۴) الٰہی! یہ تیرا بندہ تیری بندی کا بیٹا تیری باندی کا بچّہ ہے، نافذ اس میں حکم تیرا، تو نے اسے پیدا کیا جن کے یہاں کوئی غریب الوطن اُترے۔ الٰہی! اُسے اس کی حجت سکھادے اور اُسے اُس کے لئے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملادے، اور اُسے ٹھیک بات پر ثابت رکھ کہ یہ تیرا محتاج ہے اور تو اس سے غنی ہے، یہ گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچّا معبود نہیں سوائے اللہ کے، پس اُسے بخش دے اور اس پر رحم فرما، اور ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر، اور اس کے فتنے میں نہ ڈال۔ الٰہی! اگر یہ سُتھرا تھا تو اسے ستھرا فرمادے اور اگر یہ خطاکار تھا اور اسے بخش دے۔

(۵) الٰہی! تیرا یہ بندہ اور تیری باندی کا بچّہ تیری رحمت کا محتاج ہے اور تُو اُسے عذاب کرنے سے غنی ہے، اگر نیک تھا اُس کی نیکیاں زیادہ کر اور اگر بد تھا تو اُس سے درگزر فرما۔

(٦) الٰہی! تیرا یہ بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچّا معبود نہیں مگر اللہ، اور یہ کہ محمد تیرے

بندے اور تیرے رسول ہیں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اور تُو اُس کا یہ حال زیادہ جاننے والا ہے ہم سے، اگر یہ نیک تھا تو اس کی نیکی بڑھا اور اگر بد تھا تو اسے بخش دے، اور ہمیں اس کے ثواب سے محروم نہ کر اور اس کے فتنے میں نہ ڈال۔

(۷) تیرے اُس بندے نے صبح کی کہ الگ ہو آیا دنیا سے اور اسے چھوڑ دیا اس کے لوگوں کے لئے، اور تیرا محتاج ہُوا اور تُو اس سے غنی ہے۔ اور بیشک یہ گواہی دیتا تھا کہ کوئی سچّا معبود نہیں سوا اللہ کے اور محمد تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، الٰہی! اُسے بخش دے اور اس سے در گزر فرما اور اُسے ملادے اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔

(۸) الٰہی! تو اس جنازے کا پروردگار ہے، اور تو نے اسے پیدا کیا، اور تو نے اسے اسلام کی راہ دکھائی، اور تو نے اس کی جان قبض کی، اور تو خوب جانتا ہے اُس کا چھُپا اور ظاہر حال، ہم حاضر ہوئے ہیں اور شفاعت کرنے تو اسے بخش دے۔

(۹) الٰہی! بخش دے ہمارے سب بھائیوں بہنوں کو اور اصلاح کردے ہمارے آپس میں، اور ملاپ کردے ہمارے دلوں میں۔ الٰہی! یہ تیرا بندہ فلاں بن فلاں ہے اور ہم تو اس کو اچھا ہی جانتے ہیں اور تجھے اس کا علم ہم سے زیادہ ہے تو ہمیں اور اُسے بخش دے۔

(۱۰) الٰہی! بیشک فلاں بن فلاں تیری پناہ اور تیری امان کی رسی میں ہے تو اسے بچا سوالِ نکیرین اور عذابِ دوزخ سے کہ تو وعدہ پورا کرنے والا سب خوبیوں کا اہل ہے۔ الٰہی! تو اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بیشک تو ہی ہے بخشنے والا مہربان

(۱۱) الٰہی! اسے پناہ دے شیطان سے اور قبر کے عذاب سے، الٰہی دُور کر زمین کو اس کی دونوں کروٹوں سے، اور آسمان پر لے جا اس کی روح کو، اور اسے اپنی خوشنودی عطا کر۔

(۱۲) الٰہی! بیشک تو نے ہمیں پیدا کیا اور ہم تیرے بندے ہیں اور تُو ہمارا رب اور تیری ہی طرف ہمیں پھرنا ہے۔

(۱۳) الٰہی! بخش دے ہمارے اگلے پچھلے اور زندہ اور مردہ اور خورد وکلاں اور حاضر اور غائب کو۔ الٰہی! ہمیں محروم نہ کر اُس کے ثواب سے اور ہمیں فتنے میں ڈال اُس کے بعد۔

(۱۴) اے اللہ، اے سب مہربانوں سے زیادہ مہربان، اے زندہ، اے پائندہ، اے نہا بنانیوالے آسمانوں اور زمینوں کے، اے بزرگی وعزت بخشنے والے! میں تجھ سے مانگتا ہوں اس وسیلہ سے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ہی ہے اللہ یکتا بے نیاز کہ نہ کوئی اس کے اولاد نہ وہ کسی سے پیدا، نہ کوئی اس کے جوڑ کا۔

الٰہی ! میں تجھ سے مانگتاہوں اور تیری طرف منہ کرتاہوں وسیلے سے تیرے نبی محمد کے کہ رحمت کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔الٰہی ! بیشک کریم جب خود حکم سوال کا دیتا ہے تو اس سوال کو کبھی رَد نہیں کرتا۔اور بیشک تونے ہمیں حکم دیا تو ہم نے دُعا کی، اور تو نے ہمیں اجازت دی تو ہم نے شفاعت کی، اور تو ہر کریم سے بڑھ کر کرم والا ہے، تو ہماری شفاعت اس میّت کے حق میں قبول فرما، اور اس پر رحم کر اس کی تنہائی میں، اور اس پر رحم کر اس کی گھبراہٹ میں، اور اس پر رحم کر اس کی بیکسی میں، اور اس پر رحم کر اس کی تکلیف میں، اور اسے بڑا ثواب دے، اور اس کی قبر نورانی کر، اور اس کا چہرہ پُر نور کر، اور اس کی خواب گاہ ٹھنڈی کر، اور اس کی جگہ معطر کرے، اور اسے عزّت والی مہمانی دے، اے سب میزبانوں سے بہتر، اے سب بخشنے والوں سے بہتر، اے سب مہربانوں سے بہتر ! قبول فرما، قبول فرما، قبول فرما۔ درود و سلام وبرکات اتار سب شفیعوں کے سردار محمد اور اُن کی آل اور اصحاب سب پر۔ اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا پروردگار۔

فائدہ: نویں اور دسویں دعاؤں میں اگر میّت کے باپ کا نام معلوم نہ ہو اس کی جگہ آدَمُ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃ وَالسَّلَام کہے سب آدمیوں کے باپ ہیں۔اگر خود میّت کا نام بھی نہ معلوم ہو تو نویں دعا میں لفظ ھٰذَا عَبْدُكَ یاھٰذِہٖ اَمَتُكَ پر قناعت کرے فلاں ابن فلاں یابنت فلاں کو چھوڑ دے اور دسویں میں اُس کی جگہ عَبْدُكَ ھٰذَا (یہ تیرا بندہ) یا عورت ہو تو اَمَتُكَ ھٰذا (تیری یہ باندی) کہے۔

فائدہ: میت کا فسق وفجور اگر معاذاللہ معلوم ہو تو نویں دُعا میں لَانَعْلَمُ اِلّا خَیْرًا کی جگہ قَدْ عَلِمْنَا مِنْھُمَا خَیْرًا کہے کہ اسلام ہر خیر سے بڑھ کر ہے وَاللہ غَفُوْرٌ رَّحِیْم۔

فائدہ: ان دعاؤں میں بعض مضامین مکرر بھی ہیں اور دُعا میں تکرار مفید و مستحسن ہے، جیسے جلدی ہو یا یاد کرنے میں دِقّت جانے تو دائے اول ودوم وسوم اور چہارم بالقول الثابتتک اور ہشتم اور دوازدہم تک پڑھے، ان شاء اللہ یہی کافی ووافی ہے، یہ نصف سے کم بھی کم رہ گیا اور چاہے تو چہارم دہم بھی ملالے اب بھی نصف سے کچھ زائد رہے گا، اور وقت مساعدت کرے تو سب کا پڑھنا اولٰی ہے، امام جتنی دیر میں یہ دعائیں پڑھے مقتدی دعائے مشہور کے بعد اگر ان ادعیہ سے کچھ یاد نہ ہو صرف آمین آمین کہتے رہیں۔

طریقہ تلقینِ قبر: حدیث میں[عہ] ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب تمہارا

عــہ: عن رواہ الطبرانی المعجم الکبیر والضیاء فی الاحکام وابن شاہین فی ذکر الموت واٰخرون کما ذکرنا فی حیاۃ الموت ۱۲منہ(م)

اسے طبرانی نے معجم کبیر میں، ضیاء نے احکام میں، ابن شاہین نے ذکر الموت میں روایت کیا اور دوسرے حضرات نے بھی روایت کیا، جیسا کہ ہم نے رسالہ حیاۃ الموت میں بیان کیا ہے ۱۲منہ (ت)

کوئی بھائی مسلمان مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے یافُلَانَ ابْنَبِنْتِ فُلَانَۃٍ کہ وہ سُنے گا اور جواب نہ دے گا۔ پھر کہے یافلاں بن بنت فلانۃٍ وہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا پھر کہے، پھر کہے یافلاں بنبنت فلانۃٍ وہ کہے گا ہمیں ارشاد کر، اللہ تعالٰی تجھ پر رحم فرمائے۔ مگر تمہیں اس کے کہنے کی خبر نہیں ہوتی۔ پھر کہے اذْکُرْ اُذکری مَاخَرَجْتَ خَرَجْتِ عَلَیْہِ مِنَ الدُّنْیَا شَھَادَۃَ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ، وَرَسُوْلُہٗ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (وَاَنَّکَ رَضِیْتَ) انکِ رَضیتِ بِاللہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا[1] ط (نکیرین ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے چلو ہم اس کے پاس بیٹھیں گے جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس پر کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! اگر اس کی ماں کا نام معلوم نہ ہو، فرمایا: تو حوّا کی طرف نسبت کرے[2]۔

راشد بن سعد عـــہ وضمرہ بن حبیب وحکیم بن عمیر کہ تینوں صاحب اجلّہ ائمہ تابعین سے ہیں فرماتے ہیں جب قبر پر مٹّی برابر کر چکیں اور لوگ

عـــہ: رواہ عنھم سعید بن منصور فی سننہ ۱۲منہ (ن) | ان سے اس کو سعید بن منصور نے پنی سنن میں روایت کیا (ت)

[1] کنزالعمال بحوالہ طبرانی حدیث ۴۲۴۰۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۶۰۵

[2] کنزالعمال بحوالہ طبرانی حدیث ۴۲۴۰۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۶۰۵

واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا تھا کہ میّت سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر کہا جائے یَافُلَانُ قُلْ (قُوْلِی) لَآاِلٰہَ اِلَّا اللہ تین بار، پھر کہا جائے قُل قُوْلِی رَبِیَ اللہ وَدِیْنِیَ الْاِسْلَامُ وَنَبِیِّیْ مُحَمَّدٌ ط صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فقیر غفر اللہ تعالٰی اس قدر اور زائد کرتا ہے وَاعْلَمُوا واعلمی اَنَّ ھٰذَیْنِ الَّذِیْنَ اَتَیَاكَ ﮎ وَیَاْتِیَانِكَ نِكِ ھُوَعَبْدَانِ لِلّٰہ لَایَضُرَّانِ وَلَایَنْفَعَانِ اِلاَّ بِاِذْنِ اللہ فَلَاتَخَفْ تَخَافِیْ وَلَاتَحزَنْ تَحزَنِیْ وَاشْھَدْ وَاشْھَدِیْ اَنَّ رَبَّكَ اللہ وَدِیْنَكَ دِیْنَكِ الْاِسْلَامُ وَنَبِیَّكَ نَبِیَّكِ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ ثَبَّتَنَا اللہ وَاِیَّاكَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وِفِی الْاٰخِرَۃِ اِنَّہٗ ھُوَالْغَفُوْرُ الرَّحِیْم o

ترجمہ: کہہ میرا رب اللہ اور میرا دین اسلام اور میرا نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اس قدر اور زائد کیا) اور جان لے کہ یہ دو جو تیرے پائے پاس آئے یا آئیں گے تو یہی دو بندے ہیں اللہ کے، نہ نفع دیں نہ نقصان پہنچائیں مگر خدا کے حکم سے۔ تو نہ ڈر اور نہ غم کر، اور گواہی دے کہ تیرا رب اللہ ہے اور تیرا دین اسلام، اور تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ثابت رکھے ہمیں اللہ، اور تجھ کو ٹھیک بات پر، دُنیا کی زندگی اور آخرت میں۔ بیشک وہی ہے بخشنے والا مہربان۔

حدیثِ تلقین کی تخریج و تقویت فقیر نے کتاب **حیوۃ الموات فی بیان سماع الاموات** کے مقصد دوم و فصل پنجم اور مسئلہ تلقین کی روایات و تنقیح مقصد سوم فصل سیزدہم میں ذکر کی جس سے بحمد تعالٰی وہابیہ کے تمام اوہام کی تسکین کافی ہوتی ہے،

وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہ اجمعین واللہ	اور خدا ہی سے توفیق ہے، اور ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور خدائے برتر سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔ ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کی تمام آل پر رحمت نازل فرمائے اور خدائے پاک و برتر

وتعالٰی اعلم۔	خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ نمبر ۶۳: از بمبئی جاملی محلّہ مکان حاجی محمد صدیق جعفر مرسلہ مولوی محمد عمر الدین صاحب　۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ بعد نمازِ جنازہ کے صفوف توڑ کر یہ دُعا اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ واغفرلنا ولہ یامثل اس کے کی جاتی ہے جیساکہ بمبئی اور اس کے اطراف مانند مالا گاؤں وغیرہ بلاد میں قدیم الایام سے متعارف ومتعامل درست ہے یانہیں؟ اور برتقدیر جواز بعض اشخاص جواس کو حرام وممنوع کہتے ہیں ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ مجیب الدعوات وافضل الصلٰوۃ واکمل التحیات علی معاذ الاحیاء ومعاد الاموات خالص الخیر ومحض البرکات فی الحیٰوۃ الاولی والحیٰوۃ العینی بعد الممات وعلٰی اٰلہ وصحبہ کریمی الصفات ما بعد ماض وقرب اٰت اٰمین۔	اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔اور بہتر درود اور کامل تر تحیتیں ان پر جو زندوں کی پناہگاہ، مردوں کا مرجع، خالص خیر اور محض برکات ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی، اور بعد موت کی بالاتر زندگی میں بھی، اور ان کی آل واصحاب پر بھی، جو بزرگ صفات والے ہیں، جب تک کہ گزرا ہوا دور اور آنے والا قریب ہوتا رہے۔الٰہی قبول فرما! (ت)

اموات مسلمین کے لئے دُعا قطعًا محبوب وشرعًا مندوب جس کی ندب وترغیب مطلق پر آیات واحادیث بلاتوقیت و تخصیص، ناطق تو بلاشبہہ ہر وقت اُس پر حکم جواز صادق، جب تک کسی خاص وقت ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو مطلق شرعی کو از پیش خویش موقّت اور مرسل کو مقید کرنا، تشریع من عند النفس ہے اور نماز ہر چند اعظم واجل طرق ہے مگر اُس پر اقتصار کا حکم نہ اُس کے اغناد پر جزم، بلکہ شرع مبارک وقتًا فوقتًا بکثرت اور بار بار تعرض نفحاتِ رحمت کا حکم فرماتی ہے کیا معلوم کس وقت کی دعا قبول ہوجائے۔ صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لیکثر من الدعا[1] اخرجہ الترمذی والحاکم عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال صحیح واقروہ۔	دعا کی کثرت کرے۔اسے ترمذی وحاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور حاکم نے کہا صحیح ہے، اور علماء نے اسے برقرار رکھا۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۴

مستدرک حاکم و صحیح ابن حبان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وآلہٖ فرماتے ہیں:

لاتعجز وافی الدعاء فانہ لن یھلك مع الدعاء احد[1]۔قال فی الحرز المعنی لاتقصروا ولا تکسلوا فی تحصیل الدعاء[2]۔	دُعا میں کسل وکمی نہ کرو کہ دعا کے ساتھ کوئی ہلاک نہ ہوگا ـــ حرزِ ثمین میں ہے معنٰی یہ ہے کہ دُعاء کی بجاآوری میں کوتاہی وسستی نہ کرو۔(ت)

مسند ابویعلٰی میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تدعون اللہ تعالٰی فی لیلکم ونھارکم فان الدعاء سلاح المؤمنین[3]۔	رات دن اللہ تعالٰی سے دُعا مانگتے رہو کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے۔

طبرانی کتاب الدعاء، ابن عدی کامل، امام ترمذی، نوادر و بیہقی شعب الایمان میں بعد ابوالشیخ و قضاعی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں، حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ یحب الملحین فی الدعاء[4]۔	بیشک اللہ تعالٰی بکثرت وبار بار دعا کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

طبرانی معجم کبیر میں محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پُرنور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لربکم فی ایام دھرکم نفحات فتعرضوا لھا لعل ان یصبکم نفحۃ منھا فلا تشقون بعدھا ابدا[5]۔	یعنی تمہارے رب کے لئے زمانے کے دنوں میں کچھ عطائیں، رحمتیں، تجلّیاں ہیں توان کی تلاش رکھو (یعنی کھڑے بیٹھے لیٹے ہروقت دُعا مانگتے رہو، تمہیں کیا معلوم کس وقت رحمتِ الٰہی کے خزانے کھولے جائیں) شاید ان میں کوئی تجلی تمہیں بھی پہنچ جائے کہ پھر بدبختی نہ آئے۔

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۹۴
[2] حرز ثمین شرح حصن حصین حدیث مذکور کے تحت افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۱
[3] مسند ابویعلٰی حدیث ۱۸۰۶ الدعوات الخ مطبوعہ موسستہ علوم القرآن بیروت ۲/ ۳۲۹
[4] نوادر الاصول الاصل الثمانون والمائۃ فی الالحاء والدعاء مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۲۰
[5] المعجم الکبیر مروی از محمد بن مسلمہ حدیث ۵۱۹ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۹/ ۲۳۴

قال العلامۃ المناوی فی التیسیر تعرضوا لھا بتطھیر القلب وتزکیۃ من الاکدار والاخلاق الذمیمۃ والطلب منہ تعالٰی فی کل وقت قیاما وقعودا و علالجنب و وقت التصرف فی الشتغال الدنیا فان العبد لایدری فی ای وقت یکون فتح خزائن المنن[1]۔	علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا: تو انہیں تلاش کرو اس طرح کہ دلوں کو کدورتوں اور بُرے اخلاق سے پاک وصاف کرلو، اور باری تعالٰی سے کھڑے، بیٹھے، لیٹے، دیناوی کام کرتے، ہر وقت مانگتے رہو، اس لئے کہ بندے کو کچھ پتا نہیں کہ کس وقت رحمت کے خزانے کُھل جائیں۔(ت)

سراج المنیر میں اس کے مثل ذکر کرکے فرمایا: قال الشیخ حدیث حسن[2] (شیخ فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ت)

جب دعا کی نسبت صاف حکم ہے کہ اس میں کسل نہ کرو، بکثرت مانگو، رات دن مانگو، ہر حال مانگو۔ تو ایک بار کی دُعا پر اقتصار کیونکر مطلوبِ شرع ہوسکتا ہے۔ لاجرم حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قبل نماز وبعد نماز دونوں وقت میت کے لئے دعا فرمانا اور مسلمانوں کو دعا کا حکم دینا ثابت۔

مسلم عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا حضرتم المریض اوالمیت فقولوا خیرافان الملئکۃ یؤمنون علی ماتقولون[3] وھوعنھارضی اللہ تعالٰی عنھاقالت دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی ابی سلمۃ وقدشق بصرہ فاغمضہ (الی ان قالت) ثم قال اللھم اغفر لابی سلمۃ وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ فی عقبہ فی الغابرین واغفرلنا ولہ یارب العٰلمین وافسح فی قبرہ	امام مسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم بیمار یا میّت کے پاس آؤ تو اچھی بات بولو، اس لئے کہ ملائکہ تمہاری باتوں پر آمین کہتے ہیں۔۔ وہی امام، انہی ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابو سلمہ کی وفات پر تشریف لائے تو ابھی ان کی آنکھ کُھلی ہوئی تھی سرکار نے بند کی (یہاں تک فرمایا) پھر سرکار نے دعا کی: اے اللہ! ابو سلمہ کو بخش دے اور ہدایت یافتہ لوگوں میں اس کا درجہ بلند فرما اور پسماندان میں اس کا نیک بدل

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ان لربکم کے تحت مذکور ہے مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۳۹
[2] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکورہ کے تحت مطبوعہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۲/ ۱۱
[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۰

ونور له [1]فيه، ابوداؤد والحاكم وصححه عن امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا فرغ من دفن المیّت وقف علیه وقال استغفروا لاخیکم وسلوا له التثبیت انه الاٰن یسأل [2]۔ احمد عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نعی النجاشی لاصحابه ثم قال استغفروا له ثم خرج باصحابه الی المصلی ثم قام فصلی بھم کما یصلی علی الجنازۃ [3] ابن ماجة والبیھقی فی سننه عن سعید بن المسیب قال حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فی جنازۃ فلما وضعھا فی اللحد قال بسم اللہ وفی سبیل اللہ وعلٰی ملّة رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، فلما اخذ فی تسویة	عطا فرما، اور ہمیں اور اسے اپنی رحمت سے چھپا، اس کی قبر کشادہ فرمادے اور اس کے لیے اس میں روشنی ونور پیدا فرما۔۔۔ابوداؤد و حاکم امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حاکم نے اس حدیث کو صحیح بھی کہا۔۔وہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیکہ وسلم جب میّت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو وہاں کچھ دیر رکتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اس وقت اس سے سوال ہونے والا ہے۔۔امام احمد، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نجاشی کے مرنے کی اطلاع دی پھر فرمایا: اس کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ پھر صحابہ کو لے کر نمازگاہ تشریف لے گئے پھر انہیں نماز پڑھائی جیسے جنازہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔۔ ابن ماجہ اور بیہقی سنن میں حضرت سعید بن مسیب سے راوی ہیں۔ وُہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک جنازہ میں حاضر تھا جب انہوں نے جنازہ کو لحد میں رکھا تو کہا: اللہ کے نام سے، اللہ کی راہ میں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دین پر۔۔پھر جب لحد پر کچی اینٹیں درست

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز مطبوعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۰۳، مستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز مطبوعہ دار صادر بیروت ۱/۳۷۰

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۲/۵۲۹

اللبن علی اللحد، قال اللھم اجرھم من الشیطان ومن عذاب القبر، اللھم جاف الارض عن جنبیھا وصعد روحھا ولقھامنك رضوانا قلت یاابن عمر اشیئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام قلتہ برأیک، قال انی اذًا لقادر علی القول بل شیئ سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] ھذہ روایۃ ابن ماجۃ وفی اخری فلما اخذفی تسویۃ اللحد قال اللھم اجرھا من الشیطان ومن عذاب القبر فلما سوی اللبن علیھا قام جانب القبر ثم قال اللھم جاف الارض من جنبیھاوصعد روحھا وتلقھا رضوانا ثم قال سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔

کرنے لگے تو کہا: اے اللہ! اسے شیطان سے اور عذابِ قبر سے پناہ میں رکھ، اے اللہ! اس کی کروٹوں سے زمین جدا رکھ، اس کی روح کو اوپر پہنچا، اور اسے اپنی خوشنودی عطافرما-- میں نے عرض کیا: اے ابن عمر! یہ کوئی ایسی دُعا ہے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنی ہے یا اپنی رائے سے کی ہے؟-- فرمایا: ایسا ہے تو وُہ دُعا کرسکتا ہوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی ہے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے --اور دوسری روایت میں یُوں ہے کہ جب لحد برابر کرنے لگے تو کہا: اے اللہ! اسے شیطان سے اور عذاب قبر سے پناہ میں رکھ۔ پھر جب اس پر اینٹیں برابر کردیں تو قبر کے کنارے کھڑے ہو کر یہ دعا کی: اے اللہ اس کی کروٹوں سے زمین کوجدا رکھ، اس کی روح کواُوپر پہنچا اور اسے اپنی خوشنودی عطافرما--پھر فرمایا: میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سُنا ہے۔(ت)

احادیث اس بارہ میں حدِ شہرت واستفاضہ پر ہیں، انہیں میں سے حدیث عبداللہ بن ابی بکر وعاصم بن عمر بن قتادہ مروی مغازی واقدی ہے کہ جواب[عــہ] میں مذکور ہوئی۔

عــہ: یعنی جواب مجیب اول کہ بغرض تصدیق از

یعنی مجیب اول کا جواب جو تصدیق کے لئے بمبئی (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ادخال المیت القبر مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی ص ۱۱۲

[2] السنن الکبرٰی کتاب الجنائز مطبوعہ دار صادر بیروت ۵۵/۴

اقول: وھو وان کان مرسلا بطریقته فالمرسل حجة عندنا وعند الجمھور	**اقول:** یہ حدیث اگرچہ اپنے دونوں طریقوں مُرسل ہے مگر مُرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
بمبئی آمدہ بود عبارتش ازیں مقام اینست۔ | سے آیا تھا اس جگہ سے اس کی عبارت یہ ہے

اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو زیادہ صریح لیجئے، کبیری شرح منیہ عبداللہ بن ابی بکر سے روایت ہے:

قال لما التقی الناس بموتة جلس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی المنبر وکشف له مابینه وبین الشام فھوینظرالی معترکھم فقال علیه الصلٰوۃ والسلام اخذالرایة زید بن حارثة فمضی حتی استشھد وصلی علیه ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة وھو یسعی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضی حتی استشھد وصلی علیه رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم ودعاله وقال استغفروا له دخل الجنة فھو یطیر فیھا بجنا حین حیث شاء[1]۔

جب مقامِ موتہ میں لڑائی شروع ہوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے پردے اُٹھادئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا ور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اپنی صلاۃ ودعاء سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو، بیشک وُہ دوڑتا ہوا جنت مین داخل ہوا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: پھر جعفر بن ابی طالب نے علم اُٹھایا اور لڑتا رہا یہاں یک کہ شہید ہوا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو اپنی صلاۃ ودُعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔ (ت)

اسی حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے بعد نماز جنازہ کے دعا کی ہے اور صحابہ کرام کو بھی آپ نے امر فرمایا ہے پس صورتِ مسئولہ کے جواز میں کیا کلام رہا انتہی منہ ۱۲ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)

[1] غنیۃ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۴

ثم الثالث عندنا توثیق الواقدی کما افادہ المحقق حیث اطلق فی الفتح ثم الاصل فی الالفاظ الشرعیۃ فالصلٰوۃ حملھا علی معانیھا الشرعیۃ فالصلٰوۃ غیرادعاء ثم التاسیس خیرمن التاکید فالدعاء غیرالصلٰوۃ۔	حجت ہے۔۔۔پھر ہمارے نزدیک ثابت یہی ہے کہ امام واقدی ثقہ ہیں جیساکہ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا۔۔پھر الفاظ شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ اپنے شرعی معانی پر محمول ہوں تو صلاۃ، غیر دعا ہے۔۔پھر تاسیس (از سرنو کوئی افادہ) تاکید سے بہتر ہے، تو دعا، غیر صلاۃ ہے۔(ت)

پھر جب دُعا مستحب اور مطلقاً مستحب اور اکثار مستحب اور قبل نماز بعد نماز ہر طرح مستحب، تو بعد نماز متصلاً اس سے کون مانع، بلکہ یہ وقت تو خاص مظنہ نفحاتِ ربانیہ ہے کہ عمل صالح خصوصًا نماز حالتِ رحمت ورحمتِ الٰہی سبب اجابت، ولہٰذا دُعا سے پہلے تقدیم عمل صالح مطلوب ہوئی،

کما فی الحصن قال القاری وتقدیم عمل صالح ای قبل الدعاء لیکون سببالقبولہ کما فی حدث ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی صلٰوۃ التوبۃ علی ماسیاتی فی اصل الکتاب ورواہ الاربعۃ وابن حبان[1]۔	جیساکہ حصن حصین میں ہے۔۔اس کی شرح میں مولانا علی قاری نے فرمایا: عمل صالح کی تقدیم، یعنی دُعا سے قبل نیک کام کی بجا آوری تاکہ قبولِ دعاء کا سبب ہو، جیساکہ نماز توبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے، جیساکہ اصل کتاب حصن حصین میں آرہا ہے اور اسے اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور ابن حبان نے روایت کیا۔(ت)

ولہٰذا ختمِ قرآن واتمامِ صوم ونمازِ پنجگانہ بلکہ ہر نمازِ مفروض بلکہ ہر فرض کے بعد دعا کی ترغیب احادیث میں آئی ہے جن میں نمازِ جنازہ بھی قطعًا داخل،

الترمذی وحسنہ والنسائی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قالت یارسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الاخر ودبرالصلوات المکتوبات[2] قال	ترمذی بافادہ تحسین اور نسائی حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! کون سی دُعا سُنی جانے والی ہے؟ فرمایا: وُہ جواخیر شب کے درمیان ہو اور فرض

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین حواشی حصن حصین آدابِ دُعا ص ۱۷حاشیہ ۱۵افضل المطابع لکھنؤ ص ۹
[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات مطبوعہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲ /۱۸۸

القاری التقیید بہالکونہا افضل الحالات فہی ارجی لاجابت الدعوات اھ[1]۔ البیہقی والخطیب وابونُعَیم وابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ[2]، احمد والترمذی وحسنہ وابن ماجۃ وحزیمۃ وحبان فی صحاحھم والبزار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثلثۃ لا ترددعوتھم الصائم حین افطر[3] الحدیث، الطبرانی فی الکبیر عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی صلٰوۃ فریضہ فلہ دعوۃ مستجابۃ ومن ختم القراٰن فلہ دعوۃ مستجابۃ[4]، الدیلمی فی مسند الفردوس عن امیرالمومنین علی کرم اللہ وجھہ من ادی فریضۃ فلہ	نمازوں کے بعد ــــعلامہ علی قاری نے فرمایا: بعد فرائض کی تقیید اس لئے ہے کہ یہ سب افضل حالت تو اس میں قبولِ دعا کی امید زیادہ ہے اھ۔ بیہقی، خطیب، ابونعیم اور ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہر ختم قرآن کے ساتھ ایک دعا مقبول ہوتی ہے--امام احمد، ترمذی بافادہ تحسین، ابن ماجۃ، ابن خزیمہ، ابن حبان اپنی صحاح میں اور بزار (اپنی مسند میں) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں وُہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تین شخص ہیں جن کی دعا رد نہیں ہوتی ایک روزہ دار جب افطار کرے، الحدیث--طبرانی معجم کبیر میں حضرت عِرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وُہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: جس نے فرض نماز ادا کی اس کی ایک دعا مقبول ہوتی ہے اور جس نے قرآن ختم کیا اس کی بھی ایک دعا مقبول ہوتی ہے--دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی ہیں جس نے کوئی فریضہ ادا کیا خدا کے یہاں اس کی ایک

[1] حرز ثمین شرح حصن حصین حواشی حصن حصین اوقات الاجابۃ ص ۲۲ حاشیہ ۱۱۶ افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۴
[2] کنز العمال بحوالہ البیہقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۲۳۱۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۵۱۷
[3] سنن ابن ماجہ باب فی الصیام لاترد دعوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۶
[4] المعجم الکبیر مروی عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ حدیث ۶۴۷ مطبوعہ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹

داللہ دعوۃ مستجابۃ[1]،وفی الباب احادیث اخر اوردنا بعضھا فی رسالتنا سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (۱۳۰۷ھ)	دعا مقبول ہوتی ہے--اس باب میں اور بھی حدیثیں ہیں جن میں سے کچھ ہم نے اپنے رسالہ سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید (۱۳۰۷ھ) میں نقل کی ہیں۔

خود رب العزت عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۠ [2]۔	جب تو نماز سے فارغ ہو تو دُعا میں مشقت کر اور اپنے رب کی طرف زاری وتضرع کے ساتھ راغب ہو (ت)

جلالین میں ہے:

فاذا فرغت من الصلوۃ فانصب اتعب فی الدعاوالی ربك فارغب تضرع[3]۔	جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں مشقت کر اور اپنے رب کی طرف زاری وتضرع کے ساتھ راغب ہو۔(ت)

بالجملہ دُعائے مذکور کے جواز میں شک نہیں، ہاں دفعِ احتمالِ زیادت کو نقضِ صفوف کرلیں اسی قدر کافی ہے کہ اس کے بعد احتمالِ زیادت کا اصلاً محل نہیں ہے، جس طرح بعدِ ختمِ نمازِ ظہر ومغرب وعشاء ادائے سنن کے لئے مقتدیوں کو کسرِ صفوف مسنون، کہ اس کے بعد کسی آنے والے کو بقائے جماعت کا احتمال نہیں ہوسکتا۔علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

لفظ البدائع اما المقتدون فبعض مشائخنا قالوا الاحرج فی ترك الانتقال لانعدام الاشتباہ علی الداخل عند معاینۃ فراغ مکان الامام عنہ، وروی عن محمد انہ قال مستحب للقوم ایضا ان ینقضوا الصفوف ویتفرقوا لیزول	بدائع عبارت یہ ہے: رہا مقتدیوں کا حکم تو ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا وُہ اگر اپنی جگہ سے نہ ہٹیں تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ آنے والا جب امام کی جگہ خالی دیکھ لے گا تو اسے بقائے جماعت کا شبہہ نہ رہ جائے گا۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ اُنھوں نے فرمایا: قوم کے لئے بھی مستحب ہے کہ صفیں توڑدیں اور منتشر ہوجائیں

[1] کنزالعمال بحوالہ الدیلمی عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۹۰۴۰ مطبوعہ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۱۷/ ۳۱۳

[2] القرآن ۹۴/ ۸،۷

[3] جلالین نصف ثانی الم نشرح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۰۰

الاشتباہ علی الداخل المعاین الکل فی الصلاۃ البعید عن الامام ولمارویناہ من حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ف وھذا فی الذخیرۃ انہ روی عن محمد ومشی علیہ رضی الدین فی المحیط ناصّا علی انہ السنۃ[1]۔اھ	تاکہ ایسے شخص کو شبہہ نہ ہو جو بعد میں آئے اور سب کو نماز میں دیکھے، اور امام سے دور ہو۔ اور اس حدیث کی وجہ سے بھی جو ہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی --اور ذخیرہ میں یہ ہے کہ یہ امام محمد سے روایت ہے اور اسی پر محیط میں رضی الدین نے مشی فرمائی اس تصریح کے ساتھ کہ یہی سنّت ہے اھ (ت)

ثم اقول: یہ بھی لحاظ لازم کہ صرف اس دُعا کی غرض سے جنازہ اٹھانے کو تعویق ودرنگ میں نہ ڈالیں کہ یہاں شرعًا تعجیل مامور ہے اور دُعا کچھ تعویق پر موقوف نہیں، اتنے کلمات اللھم لا تحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ واغفرلنا ولہ، بلکہ اس سے زائد جنازہ اٹھاتے اٹھاتے کہہ سکتے ہیں کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) امام ابن حاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان بعض من یعتنون بہ من الموتی یترکونہ بعدان یصلی علیہ فی المسجد ویقفون عندہ، ویطولون الدعاء وبعضھم یفعل ماھو اکثر من ذلک وھوتکبیرالمؤذنین اذذاک علی ماتقدم من زعقاتھم ویطولون فی ذلک، والسنۃ التعجیل بالمیّت الی دفنہ ومواراتہ وفعلھم یضدذلک، فلیحذرمن ھذا واللہ المستعان[2]۔	انہیں جس مُردے سے اعتنا ہوتا اُسے نمازِ جنازہ پڑھنے کے بعد مسجد میں چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے پاس ٹھہر کر دیر تک دُعا کرتے ہیں، اور بعض اس سے زیادہ کرتے ہیں، وہ یہ کہ اُس وقت مؤذنین تکبیر کہتے ہیں جیسا کہ ان کی بلند بانگوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اور اس میں طول دیتے ہیں۔ جب کہ سنت یہ ہے کہ میّت کو لے جاکر جلد دفن کریں اور ان لوگوں کا عمل اس کے برخلاف ہے، تو اُس سے بچنا چاہئے۔ اور خدا ہی سے مدد طلبی ہے۔ (ت)

دیکھو ان امام نے باآنکہ انکار حوادث میں مبالغہ شدیدہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ بعض جگہ حد سے تجاوز واقع ہوگیا، کما نص علیہ الامام المحقق جلال الملۃ والدین السیوطی (جیسا کہ امام محقق جلال الدین

---

[1] بدائع الصنائع فصل فی بیان مایستحب للامام الخ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۶۰

[2] المدخل لابن الحاج صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۶۳

ف: حلیہ مجھے دستیاب نہیں اس لئے بدائع الصنائع کا حوالہ دیا جارہا ہے۔ نذیر احمد

سیوطی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) بعد نماز جنازہ میت کے لئے نفسِ دعا پر انکار نہ فرمایا بلکہ تطویلِ دعا کی ممانعت فرمائی کہ منافی تعجیل ہے بعض فتاوٰی میں کہ واقع ہوا **لایقوم داعیاله. لایقوم للدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ** (دعا کرتے ہوئے کھڑا نہ ہو--یا--بعد نماز جنازہ دعا کے لئے کھڑا نہ ہو۔ت) بعض علماء نے اُسے منع قیام، بمعنی انتصاب، پر محمول کرکے بیٹھ کر دعا کو، اس ممانعت میں داخل نہ ہونے کا استظہار کیا۔

کما نقل عن بعضھم بمانصه چوں منع در کتب بلفظ قیام واقع شدہ شاید کہ دراں اشارت باشد باآں کہ اگر نشستہ دُعا کند جائز باشد[1]۔	جیسا کہ بعض سے منقول ہے عبارت یہ ہے: چونکہ کتابوں میں لفظِ قیام کے ساتھ ممانعت آئی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ اُس وقت یہ اشارہ کہ اگر بیٹھ کر دُعا کرے تو جائز ہے (ت)

بلکہ کراہت اس قدر سے بھی اطلاق منع مانعین میں خلل واقع، **وانااقول: وباللہ التوفیق** (اور میں کہتا ہوں اور یہ اللہ کی توفیق سے ہے۔ت) قیام، ان کلماتِ علماء میں بمعنی توقف ودرنگ ہے کہ ان معنی مین بھی اس کا استعمال شائع،

قال تعالٰی حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا[2] **ای موضع قرار، لامحل انتصاب، اذلامحل له، وکذاقوله تعالٰی حاکیا عن الکفار،** یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ[3] **وقال تعالٰی** یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ[4] **ای یواظبون علیھا ومنه اسمائه تعالٰی القیوم القیام والقیم بمعنی الدائم القیام بتدبیر الخلق[5]۔ومنه حدیث فی معجزاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لولم تکله لقام لکم[6] ای دام وثبت ولم ینفذ و**	باری تعالٰی کا ارشاد ہے: جنت کیا ہی عمدہ ٹھکانہ اور مقام ہے۔ مقام کا معنی ٹھہرنے کی جگہ، کھڑے ہونے کی جگہ نہیں اس لئے کہ اس کا موقع نہیں۔ اسی طرح قولِ کفار کی حکایت فرماتے ہوئے ارشادِ باری ہے: اے اہل یثرب! تمہارے لئے مقام نہیں یعنی جائے قرار نہیں-- اور ارشاد باری ہے: نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی اس پر مداومت کرتے اور ہمیشگی برتتے ہیں-- اور اس سے باری تعالٰی کے اسماء قیوم، قیّام، قیم ہیں--یعنی

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰
[2] القرآن ۲۵/۶
[3] القرآن ۳۳/۱۳
[4] القرآن ۳۱/۵
[5] مجمع البحار تحت لفظ قوم منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۱۸۱
[6] صحیح مسلم کتاب الفضائل مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/۲۴۶

منه حديث، سنة قائمة[1] ای دائمة مستمرة وفی دعاء الاذان والصلاة القائمة ای الدائمة التی لایعتریهانسخ وفی حدیث حکیم بن حِزام رضی اللہتعالٰی عنه بایعت رسول الله صلی اللہتعالٰی علیه وسلم ان لااخرالاقائما[2] ای لاموت الا ثابتا علی الاسلام[3] قاله المجدفی القاموس وقال قام الماء ،جمد والدابة وقفت واقام بالمکان اقامة وقامة دام والشیئ ادامه و ماله قیمة، اذالم یدم علی شیئ[4] (ملخصا) اھ و قال فی مجمع بحار الانوار،وح قوموا الٰی سیدکم، فیه استحباب القیام عنددخول الافضل وهوغیرالقیام المنهی لان ذلك بمعنی الوقوف وهذابمعنی النهوض ط(للطیبی شارح المشکٰوة) لیس هومن القیام المنهی عنه انما هو فیمن یقومون علیه وهو جالس ویمثلون قیاما طول جلوسه[5] (ملخصًا)	دوام والا،ہمیشہ مخلوق کی تدبیر فرمانے والا--اسی سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزات کی ایک حدیث ہے:اگر تم اسے نہ ناپتے تو وہ تمہارے لئے قائم رہتا یعنی وہ غلہ دائم وثابت رہتا اور ختم نہ ہوتا--اسی سے یہ حدیث ہے۔سنت قائمہ یعنی دائمی اور ہمیشہ رہنے والا طریقہ --اور دعائے اذان میں ہے:والصلٰوۃ القائمۃ--یعنی دائمی نماز جسے نسخ عارض ہونے والا نہیں-- حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ زمین پر نہ گروں گا مگر قائم رہ کر--یعنی نہ مروں گا مگر اسلام پر برقرار اور ثابت رہ کر--اسے مجد الدین فیروز آبادی نے القاموس المحیط میں ذکر کیا--اور مزید لکھا: قام الماء--پانی جم گیا--قام الدابۃ--جانور ٹھہرا--اقام بالمکان--اس جگہ ہمیشہ رہا--اقام الشیئ--اس شیئ کو ہمیشہ رکھا--مالہ قیمۃ--اسے کسی چیز پر دوام نہیں اھ-- مجمع بحر الانوار میں ہے: حدیثاپنے سردار کے لئے قیام کرو--

1 مشکٰوۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد ابن ماجہ کتاب العلم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۵، مجمع البحار تحت لفظِ قوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳ / ۱۸۱

2 مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام مطبوعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۲

3 القاموس المحیط باب المیم فصل القاف مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۱۷۰

4 القاموس المحیط باب المیم فصل القاف مطبوعہ مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۱۷۰

5 مجمع بحار الانوار تحت لفظِ قوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۲

اس حدیث سے افضل کی آمد کے وقت قیام کا مستحب ہونا ثابت ہوتا ہے--اور یہ قیامِ ممنوع سے جدا ہے اس لئے کہ وُہ قیام بمعنی وقوف ہے اور یہ بمعنی نہوض (اٹھنا) ہے---طیبی شارح مشکوٰۃ نے فرمایا: یہ قیام ممنوع سے نہیں، وہ توان لوگوں کے بارے میں ہے جو کسی کے بیٹھے رہنے کی حالت میں جب تک وُہ بیٹھا رہے اُس کے سامنے سیدھے کھڑے رہتے ہیں(ت) پس عبارات اسی منع تطویل دعا کی طرف راجع ہیں جس کے باعث امر تجہیز و تعویق میں پڑے، ورنہ اگر کلماتِ یسیرہ کہے جائیں جیسا سوال میں مذکور یا ہنوز جنازہ لے چلنے میں کسی اور ضرورت سے دیر ہو اور ایسی حالت میں دعائے تطویل کرتے رہیں تو ہرگز زیرِ منع داخل نہیں کہ صورتِ اولیمیں تاخیر ہی نہیں اور ثانیہ میں، تاخیر بوجہ آخر ہے، نہ بغرضِ دعا۔ ولہذا فقہائے کرام نے لایقوم للدعاء (دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔ت) فرمایا نہ لایدعو قائما (ٹھہرنے کی حالت میں دُعا نہ کرے۔ت) یا لایدعو بعدھا اصلا (بعد جنازہ بالکل دعا نہ کرے۔ت) لاجرم حدیث سے ثابت کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک کے گرد ہجوم کیا اور چار طرف سے احاطہ کرکے کھڑے ہوئے اور امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم بھی اس مجمع میں شامل اور امیر المومنین شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دعاء و ثناء میں شریک ہوئے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

واللفظ لمسلم وضع عمربن الخطاب علی سریرہ فتکنفه الناس یدعون ویثنون ویصلون علیه قبل ان یرفع، وانا فیهم قال فلم یرعنی الارجل قداخذ بمنکبی من ورائی فالتفت الیه فاذاهو علی فترحم علی عمر وقال ماخلفت احدا احب الی ان القی اللہ بمثل عمله منك وایم اللہ ان کنت لاظن ان یجعلك اللہ مع صاحبیك [1]۔ وفی	یعنی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جنازہ رکھا تھا، لوگ چار طرف سے احاطہ کئے ہوئے اُن کے لئے دُعا و ثناء میں مشغول تھے، میں بھی اُنہیں دُعا کرنے والوں میں کھڑا تھا ناگاہ ایک شخص نے پیچھے سے آکر میرے شانے پر کہنی رکھی میں نے پلٹ کر دیکھا تو علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ تھے۔ جنازہ شریفہ کی طرف مخاطب ہو کر بولے: اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے اپنے بعد کوئی ایسا نہ چھوڑا جو مجھے آپ سے زیادہ پیارا ہو کہ میں اُس کے سے

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۷۶

روایۃ للبخاری قال انی لواقف فی قوم یدعون اللہ لعمر بن الخطاب وقد وضع علی سریرہ اذا رجل من خلفی قد وضع مرفقہ علی منکبی یقول رحمك اللہ ان کنت لارجو ان یجعلك اللہ مع صاحبیک[1] الحدیث	عمل کرکے اللہ تعالٰی سے ملوں، اور خدا کی قسم مجھے امید واثق تھی کہ اللہ تعالٰی آپ کو آپکے دونوں صاحبوں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفاقت نصیب فرمائے گا۔ الحدیث

ثم اقول: ہر شخص اپنے نفس میں دُعا کرے دوسروں سے تاکید وتقاضا میں مصروفی واشتغال یانہ کرنے والوں سے نزاع وجلال کا وہ محل نہیں کہ وُہ وقت اعتبار وتفکر واتعاظ وتدبر کا ہے، نہ غافلانہ رفع اصوات وبحث ومنازعت کا۔

وقد وردت فی ذلك اثار کثیرۃ عن الصحابۃ الکرام والتابعین الاعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم وصرحت بہ العلماء الحنفیۃ والمالکیۃ و الشافعیۃ وغیرھم قدست اسرارھم۔	اس بارے میں صحابہ کرام اور تابعین اَعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کثیر آثار وارد ہیں۔ حنفی، مالکی، شافعی اور ان کے علاوہ علماء قدست اسرارہم نے اس کی صراحت فرمائی ہے (ت)

امید کرتا ہوں کہ یہ وہ قول فصل وحکم عدل ہو، جسے ہر ذی انصاف پسند کرے وباللہ التوفیق رہا مظنہ فساد اعتقاد کہ ایسے مواضع میں اکثر دستاویز مانعین ہوتا ہے اور اُسے جہلاً خواہ تجاہلاً موجب منع وتحریم نفس فعل وبجائے ترک مواظبت ولو من البعض المقتدٰی بھم (اگرچہ مداومت کا ترک بعض مقتداء وپیشوا حضرات سے ہی عمل میں آجائے۔ت) مواظبت ترک مطلق کے وجوب پر دلیل ٹھہراتے ہیں، عندالتحقیق یہ صرف ان کی تلمیع سحیق ہے، حق یہ کہ جہاں ایسا ہو تو صرف ترک احیاناً اُس کے ازالہ میں کافی، کمانص علیہ العلماء فی غیر ما کتاب (جیسا کہ علماء نے متعدد کتابوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ت) (یعنی اگر یہ گمان ہو کہ لوگ واجب سمجھیں گے تو کبھی ترک بھی کردے۔ نہ یہ کہ ہمیشہ ترک کرنا واجب ہوجائے۔ مترجم) اور وہ بھی عموماً ضروری نہیں صرف علمائے مشار الیہم بالبنان کی جانب سے کفایت کرتا ہے کہ اُنہیں کے افعال پر نظر ہوتی ہے اور وہی باعثِ ہدایت عوام، واللہ الھادی الی سبل السلام والصلوۃ والسلام الی یوم القیام الی حبیبہ واٰلہ وصحبہ الکرام وعلینا بھم

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۵۱۹/۱

یا ذاالجلال والاکرام ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور اللہ ہی سلامتی کے راستوں کی ہدایت دینے والا ہے، روزِ قیامت تک درود وسلام ہو اس کے حبیب، اور ان کے معزز آل واصحاب پر، اور ان کے واسطے ہم پر بھی اے بزرگی وعزت والے ! اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کامل ومحکم ہے۔(ت)

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami
دعوتِ اسلامی

بذل الجوائِز علی الدّعاء بعد صلاۃ الجنائِز ۱۳۱۱ھ

(نمازِ جنازہ کے بعد دُعا کرنے پر انعامات کی تقسیم)

مسئلہ نمبر ۶۴: استفتاء از کانپور

بشرف ملاحظہ جامع المعقول والمنقول، واقف الفروع والاصول حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب مدظلہ العالی، پس از تسلیم معروض، براہِ کرم اس کا جواب مرحمت فرمائے گا۔ والتسلیم محمد عبدالوہاب از کانپور، مدرسہ فیض عام۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں جو بلاد دکن وغیرہ میں یہ امر مروج ہے کہ بعد سلام نماز جنازہ قبل تفرق صفوف یعنی امام ومقتدی دونوں رُوبقبلہ اسی ہیئتِ معلومہ صلاۃ جنازہ پر قائم رہتے ہیں اور میّت کے حق میں چند دعائیں وسورہ فاتحہ وغیرہ پڑھ کر بخشتے ہیں آیا یہ امر شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ امید کہ اس کا شافی جواب بحوالہ عباراتِ کتبِ معتبرہ مذہب حنفیّہ مرحمت ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والحمدللہ مجیب الدعوات وافضل الصلاۃ واکمل التحیات علی ملاذ الاحیاء ومعاذ الاموات خالص	اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان، رحم والا۔ سب خوبیاں خدا کے لئے جو دعائیں قبول فرمانے والا ہے، اور بہتر درود، کامل ترین تحیتیں ہوں اُن پر جو زندوں کی پناہ گاہ، مردوں کا مرجع، خالص اور

الخیر ومحض البرکات فی الحیاۃ الاولٰی والحیاۃ العلیٰی بعد الممات وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ کریمی الصفات مابُعد ماضٍ وقُرب اٰت اٰمین۔	محض خیر وبرکت ہمیں دنیاکی زندگی میں اور بعد موت کی بالاتر زندگی میں، اور ان کے بزرگ صفات والے آل واصحاب پر، جب تک کوئی گزرنے والادُور اورآنے والاقریب ہوتا رہے الٰہی قبول فرما۔(ت)

اواخر ماہِ فاخر حضرت مفیض المفاخر شہر ربیع الآخر ۱۳۱۱ ہجری میں اس مسئلہ کے متعلق ایک سوال بعض اہل علم وسنت نے بمبئی سے بھیجا جس کا اجمالی جواب قدرے تحقیق حدیثی پر مشتمل دیا گیا، اب کہ ۱۲رجب المرجب ۱۳۱۱ھ کو یہ سوال کانپور مدرسہ فیض عام سے آیا اس میں صورت نازلہ شکل مسئلہ بمبئی سے جدا ہے، وہاں یہ تھا کہ بعد نماز جنازہ کے صفوف توڑ کر یہ دعا **اللھم لا تحرمنا اجرہ وتفتنا بعدہ واغفرلنا ولہ** یا مثل اس کے کی جاتی ہے، یہاں یُوں ہے کہ قبل تفرق صفوف روبقبلہ اسی ہیئت معلومہ پر قائم رہتے ہیں الخ ادائے حق افتاء کو بس تھا کہ اس صورت خاصہ کا حکم لکھتا مگر ممکن کہ فتوی نظرگاہ عامہ تک پہنچے اور فقیر کو تجربہ ہے کہ بہت عوام تمایز صور سے غفلت کرتے اور بعض ناظرین قصداً بھی انہیں غلط میں ڈالتے ہیں، لہذا ایسی جگہ ہمیشہ پوری بات کا ذکر کرنا مناسب کہ **من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل** (جو اپنے زمانہ والوں سے ناآشنا ہو وہ جاہل ہے۔ت) وہاں تحقیق حدیثی تھی یہاں بعونہٖ عزّوجل ایک مقدمہ تمہید کرکے تنقیح فقہی سے کام لیجئے کہ باوصف تکرار، تکرار بھی نہ ہو اور ایضاح مرام وازاحتِ اوہام بھی بحمد اللہ تعالٰی نہایت کو پہنچے۔ **فاقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق** (تو میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی جانب سے توفیق ہے اور اسی کی مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی ہے۔ت)

سلفاً وخلفاً ائمہ اہلسنّت وجماعت رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنابہم کا اجماع ہے کہ امواتِ مسلمین کے لئے دعا محبوب اور شرعاً مطلوب، نصوص شرعیہ آیۃً وحدیثاً بارہ ارسال مطلق واطلاق مرسل پر وارد جن میں کسی زمانہ کی تقلید وتجدید نہیں کہ فلاں وقت تو مستحب ومشروع ہے اور فلاں وقت ناجائز وممنوع۔ چند حدیثیں فتوٰی اولٰی میں گزریں، یہاں بعض احادیث تازہ ذکر کردوں کہ فیض وعطائے حضرت رسالت علیہ الصّلٰوۃ والتحیۃ محدود نہیں۔

حدیث۱: حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر الدعاء [1] الحاکم فی مستدرک عن	دعا بکثرت کر۔ اسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابن عباس

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱/۵۲۹

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححه ورمز الامام السیوطی لصحته۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اسے صحیح کہا۔امام سیوطی نے بھی اس کے صحیح ہونے کانشان (رمز) لگایا۔

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذاسأل احدکم فلیکثر فانما یسأل ربه [1]۔ ابن حِبّان فی صحیحه والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها بسند صحیح۔	جب تم میں سے کوئی شخص دعا مانگے تو بکثرت کرے کہ اپنے رب سے ہی سوال کررہا ہے۔اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔

اقول: یہ حدیث سوال و مسئول دونوں میں تکثیر کی طرف ارشاد فرماتی ہے۔ مسئول میں یوں کہ بہت کچھ مانگے،بڑی چیز مانگے کہ آخر ربِ قدیر سے سوال کرتا ہے،اور سوال میں یوں بار بار مانگے، بکثرت مانگے کہ آخر کریم سے مانگ رہا ہے، وہ تکثیر سوال سے خوش ہوتا ہے۔بخلاف ابن آدم کے کہ بار بار مانگنے سے جھنجھلا جاتا ہے فللّٰه الحمد وحدہ(تو خدائے یکتا ہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں۔ت)

حدیث ۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اکثر من الدعاء فان الدعاء یرد القضاء المبرم [2] ۔ابوالشیخ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	دعا بکثرت مانگ کر دُعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے۔اسے ابوالشیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول: اس معنی کی تحقیق کہ یہاں قضاء مبرم سے کیا مراد ہے، فقیر نے اپنے رسالہ ذیل المدعالاحسن الوعاء میں ذکر کی۔

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لقد بارك اللہ لرجل فی حاجة اکثرالدعاء فیها [3]۔البیھقی فی الشعب والخطیب	بیشک اللہ تعالٰی نے برکت رکھی آدمی کی اس حاجت میں جس میں وُہ دعا کی کثرت کرے۔اسے بیہقی نے

[1] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب سؤال العبد حوائجہ کلّہا الخ مطبوعہ دار الکتاب بیروت ۱۰/۱۵۰

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۳۱۲۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۶۳

[3] شعب الایمان ذکر فصول فی الدعاء مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/

فی التاریخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	شعب الایمان میں اور خطیب نے تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا

حدیث ۵: کثرت دعا سے گھبرا کر دعا چھوڑ دینے والے کو فرمایا: ایسے کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا یزال یستجاب للعبد مالم یدع باثم اوقطعیۃ رحم مالم یستعجل قیل یارسول اللہ ماالاستعجال یقول قددعوت فلم اریستجیب لی فیستحسر عندذلك ویدع الدعاء [1]۔مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ واصل الحدیث عندالشیخین وابی داؤد والترمذی وابن ماجۃ جمیعاعنہ وفی الباب وغیرہ۔	بندے کی دعا قبول ہوتی رہتی ہے جب تک کہ کسی گناہ یا قطعِ رحم کا سوال نہ کرے اور جب تک کہ جلد بازی نہ کرے۔ عرض کیا یا رسول اللہ جلد بازی کیا ہے؟ فرمایا جب بندہ کہنے لگے کہ میں نے بار بار دعا کی، قبول ہوتی نظر نہیں آتی، اُس وقت اُکتا کر چھوڑ دے۔ یہ حدیث امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ اور اصل حدیث بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ سبھی کے یہاں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے موجود ہے اور اس باب میں اس کے علاوہ اور حدیثیں ہیں۔(ت)

حدیث ۶و۷: حدیثِ حسن میں تصریحًا ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا الخیر دھرکم کلہ وتعرضوا النفحات رحمۃ اللہ فان للہ نفحات من رحمۃ یصیب بہا من یشاء من عبادہ [2]۔ابوبکر بن ابی الدنیا فی الفرج بعد الشدۃ والامام الاجل عارف باللہ سیدی محمد الترمذی فی نوادرالاصول والبیہقی فی شعب الایمان وابونعیم فی حلیۃ الاولیاء عن انس بن مالك وفی الشعب	ہر وقت ہر گھڑی عمر بھر خیر مانگے جاؤ اور تجلیات رحمتِ الٰہی کی تلاش رکھو کہ اللہ عزوجل کے لئے اس کی رحمت کی کچھ تجلیاں ہیں کہ اپنے بندوں میں جسے چاہتا ہے پہنچاتا ہے۔ اسے ابوبکر بن ابی الدنیا نے "الفرج بعد الشدۃ" میں، امام اجل عارف باللہ سیّدی محمد ترمذی نے نوادرالاصول میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں انس بن مالک سے اور شعب الایمان میں حضرت

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الذکر والدعاء مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۵۲

[2] نوادرالاصول الاصل الرابع والثمانون والمائۃ فی طلب الخیر مطبوعہ دار صادر بیروت ص ۲۲۳

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما وتقدم نحوہ للطبرانی فی المعجم الکبیر عن محمد بن مسلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الفتوی الاولی قال العامری حسن صحیح **اقول**: وقولی حسن حسن صحیح لمارایت من تعدد طرقہ وقد حسن الشیخ محمد حجازی الشعرانی حدیث المعجم الکبیر۔	ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت کیا۔ اور اسی کے ہم معنی حدیث طبرانی کی معجم کبیر کے حوالے سے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت پہلے فتوی میں گزر چکی ہے۔ عامری نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **اقول**: اور میرا اسے حسن کہنا اچھا اور درست ہے، کیونکہ اس کے متعدد طریق ہیں۔ اور شیخ محمد حجازی شعرانی نے معجم کبیر کی حدیث کو حسن کہا ہے۔ (ت)

یہاں تو بحمد اللہ نہ صرف اطلاق بلکہ صراحۃً تعمیمِ زمانہ ہے جس میں نمازِ جنازہ سے قبل وبعد متصل ومنفصل سب اوقات قطعًا داخل، توجس وقت دعا کیجئے بلاشبہ عین مامور بہ اور حسن فی حد ذاتہ ہے، توجب تک کسی خاص وقت کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہ ہو منع وانکارِ حکم شرع کارد وابطال ہے۔ اب وہ عدمِ نقل خصوص وعدم ورود خاص کا شگوفہ جس سے حضرات منکرین امثال مسائل میں اکثر مغالطہ دیتے ہیں، ربًا ہباء منثور ہوگیا کہ جب بہ تصریح تعمیم امر شرع وارد توجمیع ازمنہ تحت امر داخل، پھر کسی خاص میں عدمِ ورود کیا معنی، بہ استناد اگر ہوگا تو ایسا ہوگا کہ زید کہے اگرچہ قرآن عظیم میں **اقیموا الصلوۃ** وغیرہا بصیغہ عموم وارد مگر خاص میرا نام لے کر حکم کہاں ہے، تو مجھ پر فرضیتِ نماز کا ثبوت نہیں۔ آپ سے ذی ہوش سے یہی کہا جائے گا کہ جب عام نازل تو تُو بھی داخل۔ اگر مدعی خروج ہے خروج ثابت کر۔ غرض ایسا مکابرہ تو مقیاس الجنون کے اعلٰی نمبر سے کچھ ہی درجے گھٹا ہوگا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ حسن فی ذاتہ کو کبھی خارج سے کوئی امر مزاحم حسن عارض ہوتا ہے، جو کسی خاص مادہ میں اس کا دعوی کرے وہ مدعی ہے بارِ ثبوت اس کے ذمّہ ہے۔ پھر ظاہر کہ عارض اپنے عروض ہی تک مزاحم رہے گا زائل ہوتے ہی اصل حسن کا حکم عود کرے گا۔ **کما لایخفی علی من لہ ادنی نصیب من عقل مصیب** (جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جسے عقل صحیح کا کوئی بھی حصہ نصیب ہوا ہے۔ت) اس مقدمہ واضحہ کے بعد اُن کلماتِ فقہاء پر نظر ڈالئے جن سے بے مایہ صاحبوں کو دھوکا ہو یا ہوشیار لوگ دانستہ عوام کو مغالطہ دیں۔

اقول: عامہ کتب میں یہ عامہ اقوال ہرگز اطلاق وارسال پر نہیں کہ بعد نماز جنازہ مطلقًا دعا کو مکروہ لکھتے ہیں، اور کیونکہ لکھتے کہ خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وائمہ سلف وخلف کے اقوال وافعال کثیرہ متواترہ اور انہیں فقہاء کی تصریحاتِ وافرہ وکلماتِ متظافرہ۔ خلاصہ یہ کہ نصوصِ شریعت و

اجماعِ اُمّت اس تعمیم واطلاق کے رَد پر شاہد عدل ہیں، معلوم نہیں حضرات منکرین کے یہاں زیارت قبور نمازِ جنازہ کے بعد ہوتی ہے یا پیشگی ہولیتی ہے، اگر بعد ہی ہوتی ہے تو شاید اُس وقت دعائے اموات میں جواحادیث واقوالِ علماء وفقہائے قدیم وحدیث وارد ہیں اپنے ظہور بین کے سبب اظہار سے غنی ہوں تو اطلاق کا تو کوئی محل ہی نہ تھا۔ ہاں انہوں نے تقیید کی اور کاہے سے کی، بلفظِ قیام یعنی یہ کہا کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لئے قیام برائے دعا نہ کرے، نہ یہ کہ بعد نماز جنازہ دعا ہی نہ کرے۔ جامع الرموز میں ہے: **لایقوم داعیا له**[1] (میت کے لئے دعا کرتے ہوئے نہ ٹھہرے ت) ذخیرہ کبری ومحیط وقنیہ میں ہے: **لا یقوم بالدعاء بعد صلاۃ الجنازۃ**[2] (نمازِ جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ ٹھہرے۔ت) کشف الغطاء میں ہے: قائم نشود بعد از نماز برائے دعا **کذا فی اکثر الکتب**[3] (نماز کے بعد دُعا کے لئے نہ ٹھہرے، ایسا ہی اکثر کتابوں میں ہے۔ت) اُسی میں منقول ہے: منع در کتب بلفظ قیام واقع شدہ[4] (کتابوں میں ممانعت لفظِ قیام کے ساتھ آئی ہے۔ت) تو مانع مطلق اگر ان اقوال سے استدلال کرے، صریح مخالف سے تمسک واستناد کرے گا **ولکن النجدیۃ قوم یجھلون** (مگر نجدیہ ایسی قوم ہے جس کے پاس علم نہیں۔ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں، اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ت) اب نظر بلند تدقیق پسند تنقیح مناط میں گرم جولاں ہوگی کہ وُہ کیا قیام ہے جس کی قید سے فقہاء یہ حکم دے رہے ہیں۔ آخر نفسِ دُعا اصلاً صالح ممانعت نہیں۔ نہ وہ خود اس کے نفس پر حکم کرتے ہیں، شاید کھڑے ہو کر دُعا منع ہو، یہ غلط ہے۔

قال اللہ تعالٰی: یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ[5]۔ وقال تعالٰی: وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: بے شک جب وُہ بندہ خدا اس سے دعا کرتا کھڑا ہو۔

[1] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۸۳
[2] قنیہ باب الجنائز مطبوعہ مشتہرہ بالمہانندیہ (انڈیا) ص۵۶
[3] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص۴۰
[4] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص۴۰
[5] القرآن ۳/ ۱۹۱

لِبَدًا ؕ﴿۱۹﴾[1]	تو معلوم ہوتا ہے کہ اس پر یہ تہ بہ تہ ٹوٹ پڑیں گے (ت)

شاید خاص میّت کے لئے استادہ دعا منع ہو، یہ بھی غلط۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کھڑے ہو کر میّت کے لئے مروی۔ خود فقہاء فرماتے ہیں: قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا سنت ہے--- فتح القدیر میں ہے:

المعھود منھا (ای من السنۃ) لیس الا زیارتھا والدعاء عندھا قائما کماکان یفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع[2]۔	سنت سے معہود صرف قبروں کی زیارت ہے اور وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنا جیسے بقیع تشریف لے جانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمل مبارک تھا۔ (ت)

مسلک متقسط میں ہے:

من اٰداب الزیارۃ ان یسلم ثم یدعوا قائما طویلا اھ ملخصا[3]۔	زیارت قبور کے آداب سے یہ ہے کہ سلام کرے پھر کھڑے ہو کر دیر تک دُعا کرے اھ ملخصًا (ت)

شاید یہ ممانعت صرف نمازِ جنازہ کی حالت میں ہو، بعد دفن اجازت ہو، یہ بھی غلط ۔ ہم نے فتوی اولٰی میں حدیث صحیحین ذکر کی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نعش مبارک امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے گرد ہجوم کیا اور چار طرف سے احاطہ کرکے کھڑے ہوئے امیر المومنین شہید کے لئے دعائیں کرتے رہے۔ پھر سب سے قطع نظر کیجئے تو اس عارض میں مزاحمت حسن وایراث قبیح کی صلاحیت بھی ہو، یا خواہی نخواہی یونہی مزاحم ہوجائے گا۔ آخر قیام میں کیا خصوصیت ہے کہ اس کا انضمام دعائے میّت کو کہ شرعًا مطلوب و مندوب تھی مکروہ و معیوب کردے گا۔ اب نظر نے ان سب احتمالات کو ساقط پا کر اتنا تو جزم کرلیا کہ کوئی معنی خاص مقصود ہے جو مناط و منشاء حکم ہوسکے۔ پھر وُہ ہے کیا اس کے لئے اس نے باریک راہ تدقیق نکالی اور معانی قیام و مناہج کلام و دلائل احکام پر نگاہ ڈالی، معانیِ قیام دو ۲ نظر آئے: برپا استادن کہ مخالف خفتن و نشستن ہے (یعنی پاؤں پر کھڑا ہونا جو سونے بیٹھنے کے مخالف ہے۔ت) اور توقف ودرنگ کہ مخالفِ مقابلِ عجلت وشتاب ہے،

---

[1] القرآن ۱۹/۷۲

[2] فتح القدیر باب الشہید مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۰۲

[3] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری فصل یستحب زیارۃ اہل المعلی مطبوعہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ص ۳۳۴-۳۳۳

کما بیّناہ فی الفتوی الاولی ومنہ قول القائل ۔ ولایقوم علی ذل یرادبہ الا الاذلان عیر النجد والوتد فلیس المراد ان حمار النجد عند ارادۃ الذل بہ یقوم ولایقعد بخلاف غیرہ وانہ یقعد انما اراد ان الحمار النجدی یدوم ویصبر علی الذل اماغیرہ فلایرضی بہ۔	جیسا کہ ہم نے اسے پہلے فتوے میں بیان کیااور اسی سے شاعر کا یہ شعر ہے ۔ اُس ذلّت پر، جس کا اس کے ساتھ ارادہ کیاجائے قائم نہیں رہتے مگر دو۲ ذلیل تر نجد کا گدھااور اس کے باندھنے کا کُھونٹا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جب نجد کے گدھے کے ساتھ ذلّت کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کھڑا رہتا ہے بیٹھتا نہیں ہے اور دوسرا بیٹھ جاتا ہے۔بلکہ مقصود یہ ہے کہ نجدی گدھا ذلّت پر دائم وصابر رہتا ہے اور دوسرا ذلّت سے راضی نہیں ہوتا۔ (ت)

مناہج کلام بھی دو۲ قسم پائے، کہیں تو بعد صلاۃ الجنازہ کی تخصیص ہے: کما فی اکثرالعبارات المذکورۃ (جیسا کہ اکثر مذکورہ عبارتوں میں ہے۔ت)اور کہیں حکم مطلق کما فی عبارۃ القہستانی (جیساکہ قہستانی کی عبارت میں ہے ہے۔ت) بلکہ کہیں قبل نماز کے بھی صاف تصریح،

فی کشف الغطا و پیش از نماز نیز بدعانہ ایستد زیراچہ دعامیکند بدعائیکہ او فرو اکبر است ببودن دعایعنی نماز جنازہ کذافی التجنیس [1]۔	کشف الغطا میں ہے: اور نماز سے پہلے بھی دُعاکے لئے نہ کھڑا ہو اس لئے کہ اسے وہ دعاء کرنی ہے جو اس دعا سے زیادہ وافر اور بڑی ہے یعنی نمازِ جنازہ، ایسا ہی تجنیس میں ہے۔ (ت)

حالانکہ پیش از نماز دُعا خود احادیثِ صحیحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت وقد مر بعضھا فی الفتوی الاولی (بعض حدیثیں پہلے فتوے میں گزر چکیں۔ت) اور کھڑے ہوکر دعاء بھی صحابہ کرام سے گزری، دلائلِ احکام بھی دو۲ ملے، کہیں نمازِ جنازہ میں زیادت کا شبہ کمافی المحیط والقنیۃ وغیرھما (جیساکہ محیط اور قنیہ وغیرہما میں ہے۔ت) کہیں یہ کہ ایک بار دُعا کرچکا کمانقل عن وجیز الکردری (جیساکہ وجیز کردری سے منقول ہے۔ت) یا اس سے افضل دعا کرے گا کما مر عن التجنیس (جیساکہ تجنیس کے حوالے سے گزرا۔ت) اب جو اصول و

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰۴

فروعِ شرع پر نظر کیجئے تو ایک بار دعا کرنے یا آئندہ دعائے افضل کا قصد رکھنے کو منع وانکارِ دعا میں اصلاً مؤثر نہ پایا ورنہ ایک بار سے زیادہ دُعا جائز نہ ہوتی یا مکروہ ٹھہرتی، حالانکہ نصوص متواترہ واجماعِ امت سے اس کی تکثیر محبوب، یا نماز پنجگانہ کے بعد دعا ممنوع ومکروہ قرار پائے گی کہ قعدہ اخیرہ میں دُعا کرچکا ہے حالانکہ احادیث میں اس کا حکم اور زمانہ اقدس سے تمام مسلمین کا اس پر عمل بلکہ قعدہ اخیرہ میں دعا مسنون نہ ہوتی کہ فاتحہ میں اس سے افضل واکمل دُعا ہوچکی، خاص محلِ سخن میں نظر کیجئے تو خود میّت کے لئے بھی قبل از نماز جنازہ وبعد از نماز دونوں وقت دعا فرمانا اور اس کا حکم دینا حضور پُرنور سیّد یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کما اسلفنا فی الفتوی الاولی (جیسا کہ ہم نے پہلے فتوے میں بیان کیا۔ت) حضور والا صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے خیال نہ فرمایا کہ ایک بار تو ہم دعا کرچکے ہیں یا افضل واکمل دعا فرمانے والے ہیں۔ معہذا ان وجوہ پر قیام وقعود سب یکساں، کیا بیٹھ کر دعا کرے گا تو یہ بات نہ رہے گی کہ افضل دعا کرچکا ہے یا کرنیوالا ہے تو کیا قید قیام پر تظافر کتب غلط وتغلیط ہے یا یہ دلائل دعوی سے بیگانہ۔ ایسی مہمل وجہ پر کلامِ علماء کا حمل جس سے وہ نصوص متواترہ واجماعِ امّت اور خود اپنی تصریحات کثیرہ اور نیز انسانی کلام وتطابق دلیل ودعوی سے صراحۃً دور پڑیں ان کی شان میں کھلی گستاخی اور معاذاللہ ان کے کلام کو کلامِ مجانین سے ملحق کردیتا ہے، جب نظرِ صحیح نے بعونہ تعالٰی سب کانٹے راہِ حق سے صاف کرلئے، قائد توفیق کے مبارک ہاتھ میں ہاتھ دے کر حکم بالجزم کیا کہ اس قسم کے اقوال میں قیام بمعنی وقوف ودرنگ ہی ہے۔ اتنا کہتے ہی بحمداللہ تعالٰی سب اعتراض واشکال دفعۃً اُٹھ گئے اور بات میزانِ شرع وعقل پر پوری جچ گئی، فی الواقع نماز کے علاوہ کسی دُعائے طویل کی غرض سے تجہیز جنازہ کو درنگ وتعویق میں ڈالنا شرع مطہر ہرگز پسند نہ فرمائے گی۔ تکثیر دُعا بیشک محبوب ہے مگر اس کے لئے تعویق مطلوب نہیں جس طرح جنائز پر تکثیر جماعت قطعاً مطلوب ہے، مگر اس کے لئے تاخیر محبوب نہیں، جیسے بعض لوگ میت جمعہ کے دن دفن ونماز میں تاخیر کرتے ہیں تاکہ بعد میں جماعتِ عظیم شریک جماعتِ جنازہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تاخیر صلاتہ ودفنہ لیصلی علیہ جمع عظیم بعد صلاۃ الجمعۃ[1]۔	اس خیال سے کہ نماز جمعہ کے بعد ایک عظیم جماعت نمازِ جنازہ میں شریک ہوگی نمازِ جنازہ اور دفن میں تاخیر کرنا مکروہ ہے۔(ت)

[1] دُرمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۴

غرض شرع مطہر میں تعجیلِ تجہیز بتاکید تمام مطلوب اور بے ضرورت شرعیہ اس کی تاخیر سے ممانعت، اور نماز کے علاوہ وشرعًا ضروری وواجب نہیں جس کے لئے قیام و درنگ پسند کریں۔ شرع میں جتنی دعا ضروری تھی یعنی نمازِ جنازہ، وہ ہوچکی یا ہونے والی ہے تو اس کے سوااور دعائے طویل کے لئے کیوں رکھ چھوڑیں، بحمد اللہ یہ معنی ہیں کلام علماء کے کہ دعا ہوچکی یا ہونے والی ہے **ھکذا ینبغی ان یفھم الکلام واللہ ولی الھدائة والانعام** (کلامِ علماء اسی طرح سمجھنا چاہئے اور خدا ہی ہدایت وانعام کا والی ہے۔ت) اور واقعی جو اس معنی قیام پر کلام فرمائیں ان کا مطلق رکھنا **کما فعل الشمس القھستانی** (جیسا کہ شمس قہستانی نے کیا۔ت) یا بالتصریح قبل وبعد نماز دونوں وقت کو لے لینا **کما صنع الامام البرھان الفرغانی** (جیسا کہ امام برہان الدین فرغانی نے کیا۔ت) کچھ بے جا نہ ہوا بلکہ یہی احسن وازین تھا کہ بایں معنی قیام قبل وبعد کسی وقت پسندیدہ نہیں اگرچہ اس تقدیر پر عبارات غیر مع للہ بشبہ زیادت میں تقیید بعد کا یہ منشا ٹھہرا سکتے ہیں کہ قبل نماز عادۃً جنازہ مہیا نہیں ہوتا۔ امور ضروریہ غسل وکفن جاری ہوتے ہیں تو اس وقت دُعائے طویل میں حرج نہیں کہ تاخیر بغرض دعا نہ ہوگی بخلاف بعد نماز کہ غالبًا کوئی حالتِ منتظرہ لے چلنے سے مانع نہیں ہوتی اور کلامِ فقہاء اکثر امورِ غالبہ پر مبتنی ہوتا ہے)

ومع ھذا فالوجه الاظھر عد جمیع المقیدات من القسم الاٰتی فانه ھو الافعد الاوفق کما لایخفی۔	اس کے باوجود زیادہ ظاہر ضرورت یہ ہے کہ تمام قیدوں کو قسم آئندہ سے شمار کیا جائے، اس لئے کہ وہ زیادہ مطابق و موافق ہے، جیسا کہ واضح ہے۔(ت)

یہ اس قسم اقوال پر کلام تھا۔۔۔ رہی قسم اوّل یعنی جن کلمات میں تخصیص بعدیت اور شبہہ زیادت سے تمسک ہے

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ت) بدیہیاتِ جلیہ سے ہے کہ یہاں مطلق بعدیت کا ارادہ ہرگز وجہِ صحت نہیں رکھتا کہ استحالاتِ سالفہ کے علاوہ نفسِ تعلیل ہی اس سے آبی کیا آج نماز ہوچکی، کل استادہ دُعا کرو، تو نماز میں کچھ بڑھادینے کا اشتباہ ہو، لاجرم بعدیت بلافاصل ہی مقصود جس میں نقض سے صفوف و تفرق رجال بروجہ اولیٰ داخل کہ جب صفیں کھل گئیں لوگ ہٹ گئے تو اس کے بعد کسی فعل کو نماز میں زیادت سے کیا مشابہت رہی۔

کما بیناہ فی الفتوی الاولی وھو بین بنفسه عند اولی النھی وان تتبغ زیادۃ فاستمع لما یتلی۔	جیسا کہ ہم نے اسے پہلے فتوے میں بیان کیا، اور اہل عقل کے نزدیک وہ خود ہی واضح ہے۔ اور اگر مزید وضاحت مطلوب ہو تو بیان آئندہ بغور سنو(ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیچھے نمازِ جمعہ پڑھی، سلامِ امام ہوتے ہی سنتیں پڑھنے کھڑے ہوگئے، امیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بلا کر

فرمایا:

لا تعد لمافعلت اذاصلیت الجمعۃ فلاتصلھا الصلاۃ حتی تکلم او تخرج فان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرنا بذلک ان لانوصل صلٰوۃ بصلٰوۃ حتی نتکلم او نخرج [1]۔	اب ایسانہ کرنا جب جمعہ پڑھو تو اُسے اور نماز سے نہ ملاؤ یہاں تک کہ بات کرو یا اس جگہ سے ہٹ جاؤ کہ ہمیں حضور پُر نور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ایک نماز دوسری نماز سے نہ ملائیں یہاں تک کہ کچھ گفتگو کریں یا جگہ سے ہٹ جائیں

علماء فرماتے ہیں وصل سے نہیں اس لئے ہے کہ ایک نماز دوسری نماز کا تمہ نہ معلوم ہو، جمعہ میں دو ۲ رکعت پر زیادت نہ موہوم ہو۔امام اجل ابوزکریا نووی منہاج میں فرماتے ہیں:

افضلہ التحول الی بیتہ والا فموضع اٰخر من المسجد اوغیرہ لیکثر مواضع سجود ولتنفصل صورۃ النافلۃعن صورۃ الفریضۃ [2]۔	بہتر تو یہ ہے کہ گھر جاکر پڑھے، ورنہ مسجد ہی میں یا بیرونِ مسجد کسی اور جگہ پڑھے تاکہ اپنی سجدہ گاہوں کی تعداد بڑھا سکے اور تاکہ نفل کی صورت فرض کی صورت سے جُدا ہوجائے۔(ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

(اذا صلیت الجمعۃ) ھی مثال اذغیرہا کذلک، ویؤیدہ ما یاتی من حکمۃ ذلک کذا ذکر الجمعۃ بعد خصوص الواقعۃ للتاکید الزائد فی حقھا، لاسیما ویوھم انہ یصلی اربعا وانہ الظھر، وھذا فی مجتمع العام سبب للایھام (فلاتصلھا بصلٰوۃ	(جب نمازِ جمعہ پڑھو) یہ بطورِ مثال ہے اس لئے کہ غیر جمعہ کا بھی یہی حکم ہے، اس کی تاکید اس سے ہوتی ہے جو اس کی حکمت بیان کی گئی ہے--اسے ابن حجر نے ذکر کیا--اور ہوسکتا ہے کہ جمعہ کا ذکر اس لئے ہو کہ اس کے بارے میں زیادہ تاکید ہے، خصوصًا اس میں یہ وہم ہوسکتا ہے کہ وہ چار رکعت ظہر پڑھ رہا ہے-- اور یہ فعل مجمع عام میں وہم پیدا کرنے کا سبب ہوگا--(تو اسے اور نماز سے نہ ملاؤ

[1] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۸۸

[2] منہاج النووی شرح صحیح مسلم مع مسلم کتاب الجمعۃ مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۸۸

حتی تکلم) ای احدا من الناس فان بہ یحصل الفصل لابالتکلم بذکراللہ (اوتخرج) ای حقیقۃ اوحکما بان تتاخرعن ذلك المکان والمقصود بھما الفصل بین الصلاتین لئلا یوھم الوصل فالامرللاستحباب والنھی للتنزیہ [1] اھ ملخصا	یہاں تک کہ کلام کرلو) یعنی کسی آدمی سے بات کرلو، اس لئے فرق اسی سے ہوگا، کلام بہ ذکر الٰہی سے فرق نہ ہوگا (یا اس جگہ سے نکل جاؤ) یعنی حقیقۃً، اس طرح کہ مسجد سے باہر چلے جاؤ--یا حکمًا--اس طرح کہ اس جگہ سے ہٹ جاؤ--دونوں کا مقصد یہ ہے کہ دونوں نمازوں میں فصل ہوجائے، تاکہ وصل اور ملانے کا وہم نہ پیدا ہو، یہ حکم استحباب کے لئے ہے اور نہی برائے تنزیہ ہے اھ ملخصا (ت)

یہاں سے صاف ثابت کہ ایسے شبہہ کے رفع کو اُس جگہ سے ہٹ جانا بس ہے تو بعض نقض صفوف اس علت کی اصلاً گنجائش نہیں۔لاجرم معنی یہ ہیں کہ نمازِ جنازہ کے بعد اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے ہوئے دُعا نہ کریں کہ زیادت فی الصلاۃ سے مشابہت نہ ہو۔ یہ معنی صحیح وسدید، بے غبار و فساد ہیں، اور عقلِ سلیم کے نزدیک نفس عبارتِ دلیل سے بالتعین مستفاد۔ یہاں سے روشن ہوا کہ اس قسم کے اقوال میں قیام بمعنی استادن بے تکلف درست اور وجہِ تقلید بھی منکشف ہوگئی، اور بعض علماء کا وُہ استظہار بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر نشستہ دُعا کند جائز باشد (اگر بیٹھ کر دعا کرے جائز ہوگا۔ت) بلا کراہت فی الواقع بیٹھ جانا بھی نمازِ جنازہ سے فاصل بیّن ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد شبہہ زیادت نہیں، مگر نقض صفوف اس سے بھی اتم واکمل ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اب بحمد اللہ تعالٰی تمام کلماتِ علماء منظّم ہوگئے اور مسئلہ کی صور و وجوہ مع دلائل شمس وامس کی طرح روشن ہوگئیں۔ بحمد اللہ نہ کلماتِ علماء میں باہم اختلاف ہے نہ اصول و قواعد شرع عقل سے خلاف۔ ہر ایک اپنے محل پر درست وبجا ہے اور منکرینِ زمانہ کی جہالت و سفاہات سے پاک و جدا۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (اسی طرح تحقیق ہونی چاہئے اور خدائے برتر ہی توفیق کا والی ہے۔ت) اور ایک نہیں کیا صدہا جگہ دیکھے گا کہ کلماتِ علمائے کرام بظاہر سخت مضطرب و متخالف معلوم ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ناواقف یا سہل گزر جانے والا شدّت تصادم سے پریشان ہوجائے یا رجماً بالغیب خواہ پیشِ خویش کوئی وجہ رجحان سمجھ کر بعض کے اختیار باقی سے اغراض وانکار

---

[1] مرقات شرح مشکوۃ باب السنن وفضائلہا مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۳ / ۱۱۹

پر آئے اور جب میزان نقد و تحقیق اُس کے ہاتھ میں پہنچے جسے مولا تعالیٰ جل وعلا نظرِ تنقیحی سے بہرہ وافی بخشے وہ ہر کلام کو اس کے ٹھیک محل پر اتارے اور بکھرے موتیوں کو متسق نظام میں گوندھ کر سلک معنی سنوارے جس سے وہی مختلف کلمات خود بخود رنگِ ایتلاف پائیں اور سب خدشے خرخشے آفتاب کے حضور شبِ دیجور کی طرح کافور ہو جائیں۔

ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم ۵ رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ وعلٰی والدی وان اعمل صالحاترضٰہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانی من المسلمین۔	وہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطافرماتا ہے اور خدا بڑے فضل والا ہے۔ اے میرے رب! مجھے یہ نصیب کر کہ میں اُس احسان کا شکرادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ میں ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند فرمائے۔ اور میرے لئے میری اولاد میں نیکی پیدا کر، بے شک میں تیری جانب رجوع لایا، اور یقیناً میں مسلمانوں سے ہوں (ت)

ہاں باقی رہی امام ابن حامد سے ایک حکایت کہ زاہدی نے قنیہ میں ذکر کی،

حیث قال عن ابی بکر بن حامد، ان الدعاء بعد الصلٰوۃ الجنازۃ مکروہ[1]۔	اس کی عبارت یہ ہے کہ ابوبکر بن حامد سے منقول ہے کہ نمازِ جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے (ت)

یہ تو حضرات مانعین کی خوشی کی چیز ہے کہ اس میں قیدِ قیام بھی نہیں، **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور خدا ہی سے توفیق ہے۔ت) یہ تو حضرات منکرین پر بڑی تشنیع کی جگہ ہے کہ اس میں قید قیام بھی نہیں، جس نے ہمارا کلام بالابنظرِ امعان و اتقان دیکھا ہے اُس پر روشن ہے کہ انکار میں جس قدر اطلاق زائد، مستدل صاحبوں پر اُتنی ہی آفت سخت، کیا نمازِ جنازہ کے بعد مطلقاً دعا کی کراہت باجماع امّت باطل نہیں، کیا نصوصِ قولیہ وفعلیہ حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واقوال تمام ائمہ سلف وخلف اس کے بطلان پر شاہد عادل نہیں، کیا یہ اطلاق یونہی عنان گسستہ رہے تو دعائے زیارتِ قبور اس میں داخل نہیں، تو واجب ہوا کہ مطلق بعدیت مراد نہ ہو، بلکہ وہی بعدیت متصلہ بے فاصل بیّن، اب قیدِ قیام خود ہی آگئی کہ یہ بعدیت بے بقائے قیام متصور نہیں **کما قررنا** (جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ت) تو اس کا مرجع بعینہٖ انہیں اقوال

---

[1] قنیہ باب الجنائز مطبوعہ مشتہرہ بالمہانندیہ ص ۵۵و۵۶

قسم اول کی طرف اور شبہہ مانعین یکسر بر طرف۔ تحقیق نظر فقہی تو بحمد اللہ یہاں تک بروجہ اتم واجل مذکور ہُوئی مگر مخالف متعسفم اس کی حکایت کے ظاہر لفظ میں بالکل آزادی دیکھ کر اپنے موافق ہی کیا چاہے، اور خواہی نخواہی اطلاق و توسیع بعدیت کی طرف کھینچتے تو بہت بہتر۔ بعونہ تعالٰی ہم سے ایرادت مناظرانہ لے۔

فاقول اوّلاً بعدیت متصلہ ہے یا مطلقہ یا بین بین اول مخالف کو مضر اور ثانی اجماع و نصوص متواترہ کے غلاف اور ثالث غیر منضبط، نہ ایک تقیید دوسری سے اولٰی بالمقبول تو کلام مجمل اور استناد مہمل، بہر حال مخالف کو گنجائش تمسک نہیں۔

ثانیاً (بعبارت اخری) جب نہ تقیید سے چارہ نہ تسلیم اطلاق کا یارا کہ زیارتِ قبور کے وقت دعا للاموات مخالف بھی جائز مانتا ہوگا، تو اب نظر تعین تقیید میں رہی، قید اتصال کے ظہور وانضباط سے قطع نظر بھی کیجئے تو اقل درجہ احتمال مساوی ہے اور مخالفِ مستدل۔ واذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب کلام میں کئی احتمال آگئے تو ایک پر اس سے استدلال باطل ہوا۔ ت)

ثالثاً یہ اطلاق کلمات باقین کے مخالف اگر بوجہ اتحاد و حکم وحادثہ حمل علی المقید کیجئے تو یہ بھی اسی طرف راجع والکلام الکلام ورنہ بسبب مخالفت اکثرین ناقابل قبول۔

فی الدرالمختار من باب التعزیر مطلق فیحمل علی المقید لیتفق کلامھم [1] اھ وقبیل فصل فی الحائط المائل، یحمل اطلاق الفتاوی علی ماوقع مقیدا لاتحاد الحکم والحادثۃ [2] اھ ونقل نحوہ فی ردالمحتار [3] اٰخر مضاربۃ عن مجموعۃ ملاعلی المولٰی علی قاری فی المسلک المتقسط اطلاقھم لاینافی تقلید الکرمانی [4] اھ قال الشامی ای	در مختار باب التعزیر میں ہے: یہ مطلق ہے تو مقید پر محمول کیا جائے گا تاکہ کلمات علماء میں باہم اتفاق ہوجائے اھ --- جُھکی ہوئی دیوار سے متعلق فصل سے ذرا پہلے ہے: فتاوٰی کا اطلاق اس پر محمول ہوگا جو مقید واقع ہے کیونکہ حکم اور حادثہ ایک ہی ہے اھ ــــ اسی کے ہم معنی ردالمحتار آخرِ مضاربت میں مجموعہ ملّا علی سے نقل کیا-- اور مولانا علی قاری مسلک متقسط میں فرماتے ہیں: ان حضرات کا اطلاق کرمانی کی تقیید کے منافی نہیں اھ ــ اس پر

[1] در مختار باب التعزیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[2] در مختار قبل فصل الحائط المائل مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰۱

[3] ردالمحتار بحوالہ ملا علی آخر باب المضارب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۴/۵۴۹

[4] ردالمحتار بحوالہ المسلک المتقسط باب الجنایات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/۲۴۹

لیحمل المطلق علی المقید [1] اھ و ذکر نحوہ بعد ھذا بقلیل ، قبیل باب الاحصار و قال قبیل باب التیمم قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر [2] اھ وفی باب صلاۃ المریض عن امداد الفتاح للعلامۃ الشرنبلالی من ان القاعدۃ العمل بما علیہ الاکثر [3] اھ واول باب صلٰوۃ الخوف لایعمل بہ لانہ قول البعض [4] اھ وقال العلامۃ البیری فی شرح الاشباہ من قاعدۃ ان الاصل فی الکلام الحقیقۃ لایجوز لاحدالاخذ بہ لان المقرر عند المشائخ انہ متی اختلف فی مسئلۃ فالعبرۃ بما قالہ الاکثر [5] اھ نقلہ فی العقود الدریۃ اٰخر الباب الاول من الوقف۔	شامی نے لکھا: مراد یہ ہے کہ مطلق مقید پر محمول کردیا جائے گا اھ ـــ اسی کے ہم معنی اس سے ذرا بعد باب الاحصار سے تھوڑا پہلے ذکر کیا اور باب التیمم سے ذرا قبل لکھا: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ عمل اُسی پر ہوگا جس پر اکثر ہیں اھ باب صلاۃ المریض میں علامہ شرنبلالی کی امداد الفتاح سے نقل ہے: قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثر ہوں اھ ـــ شروع باب صلٰوۃ الخوف میں ہے: اس پر عمل نہ ہوگا کیونکہ یہ صرف بعض کا قول ہے اھ -- علامہ بیری شرح اشباہ میں قاعدہ "کلام میں اصل حقیقت ہے" کے تحت ایک جگہ لکھتے ہیں: کسی کے لئے اسے اخذ کرنا درست نہیں اس لئے کہ مشائخ کے نزدیک طے شدہ یہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اعتبار اس کا ہوگا جس کے قائل اکثر ہوں اھ اسے العقود الدریۃ میں کتاب الوقف باب اول کے آخر سے نقل کیا (ت)

رابعًا: اس روایت کا حاکی زاہدی محی فیہ قنیہ وزاہدی معتمد نہ قنیہ معتبر خصوصًا ایسی حکایت میں کہ بمعنی مفیدِ مخالف، اصلًا قواعدِ شرع سے مطابق نہیں۔

فی ردالمحتار اول الطھارۃ کتاب القنیۃ مشھور بضعف الروایۃ [6] اھ وفی	ردالمحتار شروع کتاب الطہارۃ میں ہے: کتاب "قنیہ" ضعفِ روایت میں مشہور ہے اھ،

---

[1] ردالمحتار باب الجنایات مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۵۰
[2] ردالمحتار قبیل باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۶
[3] ردالمحتار باب صلٰوۃ المریض مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶۲
[4] ردالمحتار باب صلٰوۃ الخوف مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۲۵
[5] العقود الدریۃ بحوالہ العلامۃ البیری مطلب فی اختلف فی مسئلۃ الخ حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۱۷۵
[6] ردالمحتار کتاب الطھارۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

العقود الدریۃ اٰخر الکتاب ذکر ابن وھبان انه لایلتفت مانقله صاحب القنیة یعنی الزاھدی مخالفا للقواعد مالم یعضده نقل من غیره ومثله فی النھر [1] ایضا اھ ونقله ایضافی الدر عن المصنف عن ابن وہبان ، وفی صوم الطحطاوی قبل فصل العوارض بنحو ورقه، القنیة لیست من کتب المعتمده [2]۔	العقود الدریۃ آخر کتاب میں ہے: ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ صاحب قنیہ یعنی زاہدی خلاف قواعد جو نقل کرے اسکی جانب التفات نہ ہوگا جب تک کسی اور سے کوئی نقل اس کی تائید میں نہ ملے-- اسی کے مثل نہر میں بھی ہے۔ اسے در مختار میں مصنف کے حوالے سے ابن وہبان سے نقل کیا ہے -- اور طحطاوی کتاب الصوم میں فصل عوارض میں قریبًا ایک ورق پہلے ہے: قنیہ کتب معتمدہ سے نہیں۔(ت)

خامسًا زاہدی اس مسئلہ میں بالخصوص متہم کہ وہ مذہب کا معتزلی ہے اور معتزلہ خذلہم اللہ تعالٰی کے نزدیک اموات مسلمین کے لئے دعا محض بیکار کما نص علیه فی شرح العقائد وشرح الفقه الاکبر وغیرھما (جیسا کہ شرح عقائد اور شرح فقہ اکبر وغیرہما میں اس کی تصریح ہے۔ت) اُس کی یہ عادت ہے کہ مسائل اعتزال اپنی کتاب میں داخل کرتا ہے۔

کمافعل فی مسئلة فی الاشربة ومسئلة فی الذبائح و مسئلة فی الحج وغیره ذلك کما بینه فی الدر المختار وردالمحتار وغیرہما فی مواضعه۔	جیسا کہ اشربہ کے ایک مسئلہ، ذباح کے ایک مسئلہ، حج کے ایک مسئلہ میں، اور بھی مسائل میں اس نے ایسا کیا ہے، جیسا کہ در مختار و ردالمحتار و غیرہما میں اس کے مقامات پر مذکور ہے۔(ت)

اس کا استاذالاستاذ زمخشری بھی اس کا خوگر ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ آپ کچھ بکے مگر نقل میں ثقہ ہے. بخلاف زاہدی کے اس کی نقل پر بھی اعتماد نہیں۔ ان سفہا نے حنفیت کا نام بدنام کرکے فروع میں بعض وہ خفی شرارتیں بھر دیں جن سے بعض مصنفین نے بھی دھوکا کھایا اور شدہ شدہ وہ نقول متعدد کتب میں پھیل گئیں جو آج تک حضرات نجدیہ وامثالہم کے نزدیک علق نفیس وغنیمت بارِدہ ہیں اس کا بعض بیان فقیر غفرالله تعالٰی اپنی کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں کیا وبالله التوفیق

[1] العقود الدریۃ نقل الزاہدی لایعارض نقل المعتبرات مطبوعہ حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۶۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار قبیل فصل فی العوارض مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۴۶/۱

سادساً وہ بیچارہ خود بھی اس حکایت کو بلفظ عن کہ مشیر غرابت وتمریض ہے نقل کرتا آخر میں اسی قولِ اکثر کی راہ پر چلتا ہے۔

حیث قال بعد ما مر و قال محمد بن الفضل لاباس بہ ظ ولایقوم الرجل بالدعاء بعد صلٰوۃ الجنازۃ قال رضی اللہ تعالٰی عنہ لانہ یشبہ الزیادۃ فی صلٰوۃ الجنازۃ[1] اھ فافھم	اس طرح گزشتہ عبارت کے بعد وہ کہتا ہے: اور محمد بن فضل نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں، ظ۔ اور بعد نماز جنازہ آدمی دُعا کے لئے نہ ٹھہرے، امام موصوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس لئے کہ یہ نمازِ جنازہ میں زیادتی واضافہ سے مشابہت رکھتا ہے اھ۔ اسے سمجھو۔ (ت)

سابعاً سب جانے دو، تو غایت درجہ یہ بھی بعض مشائخ سے ایک حکایت سہی، اب ترجیح مطلوب ہوگی۔ کتبِ فقہ میں فتوٰی جانبِ جواز ہے۔ کشف الغطاء میں بعد ذکر عبارت قنیہ وغیرہا لکھا:

فاتحہ ودُعا برائے میّت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ کذا فی الخلاصۃ الفقہ انتہی[2]۔	میّت کے لئے دفن سے پہلے فاتحہ ودعا درست ہے اور یہی روایت معمول بہا ہے۔ ایسا ہی خلاصۃ الفقہ میں ہے انتہی (ت)

علامہ شامی افادہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ فتوٰی یعنی ہمیں است روایت معمولہ (یہی روایت معمول بہا ہے۔ ت) قوت وشوکت میں علیہ الفتوی وبہ یفتی (فتوٰی اسی پر ہے۔ ت) کے برابر ہے جو آکد الفاظ افتاء ہیں۔

فی الدرالمختار لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح والاصح والاشبہ وغیرہا[3] فی ردالمحتار ویظھرلی ان لفظ وعلیہ العمل مساوٍ للفظ الفتوی[4] اھ۔	درمختار میں ہے: لفظ فتوٰی، لفظ صحیح، اصح، اشبہ وغیرہا سے زیادہ مؤکد ہے ــــ ردالمحتار میں ہے میرا خیال ہے کہ لفظ "علیہ العمل" (اسی پر عمل ہے) لفظ فتوٰی کے برابر ہے اھ (ت)

[1] قنیہ باب الجنائز مطعبۃ المشتہرۃ بالمہانندیۃ ص ۵۶

[2] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰

[3] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[4] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب مطبوعہ مصطفی البابی مصر ۱/۵۴

الحمد ﷲ کہ حق بہمہ وجوہ ظاہر وباہر اور ہر شک و وہم زائل وبائر ہوا۔ امید ہے کہ اس فتوے میں اول تاآخر جتنے جواہر زواہر ہدیہ انظار اولی الابصار ہوئے سب حصّہ خاصہ خامہ فقیر ہوں کہ اس تحریر کے سوا کہیں نہ ملیں۔

ذٰلك من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون والحمدﷲ ربّ العٰلمین و الصلٰوۃ والسلام علی اجود الاجودین سیّدنا و مولٰنا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔	یہ خدا کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔اور ساری تعریف اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود وسلام سخی تر لوگوں میں سب سے زیادہ جود وسخا والے ہمارے آقا ومولا اور ان کی تمام آل واصحاب پر(ت)

بالجملہ عباراتِ فقہاء صرف دو۲ صورتوں سے متعلق ہیں: ایک بعد نماز جنازہ اسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے وہیں کھڑے دُعا کرنا۔ دوسرے قبل نماز خواہ بعد نماز دعائے طویل کی خاص غرض سے امر تجہیز کو تعویق میں ڈالنا۔ ظاہرًا اس صورت میں کراہت تحریمی تک ہوسکتی ہے اور صورت اولٰی میں تنزیہی۔ ابھی مرقاۃ سے گزرا کہ ایہام زیادت مورثِ کراہت تنزیہ ہے وبس، جس کا حاصل خلافِ اولٰی یعنی بہتر نہیں، نہ یہ کہ ممنوع وناجائز ہو۔ بعض علمائے لکھنؤ نے جو اپنے بعض رسائل میں مکروہ تنزیہی کو گناہ صغیرہ لکھ دیا سخت ذلت کبیرہ جس کے بطلان پر صدہا کلمات آیمہ ودلاءل شرعیہ رد میں چند مختصر سطور مسمّٰی بہ جُمَلِ مجلیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیۃ لکھیں۔ خیر یہ دو۲ صورتیں تھیں جن سے کلماتِ فقہا باحث، ان کے سوا تمام صورِ دعا جن میں دُعا کی غرض سے تاخیر کریں نہ بعد نماز اُس انداز پر ہو بلکہ مثلًا صفیں توڑ کر دعائے قلیل یا بوجہ خاص جنازہ میں دیر کی حالت میں دعائے طویل اصلا مضائقہ نہیں رکھتی، نہ کلماتِ علماء میں ان کا انکار، بلکہ وہ عام مامور بہ کے تحت میں داخل اور مستحب شرعی کی فرد ہے۔ باقی کلام فتوٰیاولٰیمیں مذکور ہوا، وباﷲ التوفیق ،واﷲ سبحانہ، تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

الحمدﷲ کہ یہ مبارک جواب موضع صواب چار دہم، رجب مرجب، روز جاں افروز دوشنبہ کو وقت چاشت شروع اور وقتِ عشاء تمام اور بلحاظ تاریخ بذل الجوائز الدعاء بعد الصلاۃ الجنائز نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد ﷲ رب العٰلمین والصلٰوۃ و اکمل السلام علٰی سید المرسلین محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔اٰمین!	اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ ساری حمد خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے اور بہتر درود، کامل تر سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد اور ان کی تمام آل واصحاب پر الٰہی قبول فرما (ت)

مسئلہ نمبر ۶: از جالندھر محلّہ راستہ دروازہ بھگواڑہ۔ مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۶ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، پنجاب کے اکثر شہروں میں دستور ہے کہ نمازِ جنازہ سے فارغ ہو کر بعد سلام کے اُسی جگہ جہاں نمازِ جنازہ ادا کی گئی ہے میّت کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی ہے اور بعض لوگ پیشتر دُعا کے سورہ فاتحہ ایک بار سورہ اخلاص تین بار یا گیارہ دفعہ پڑھکر میّت کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اور ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا اب فرقہ غیر مقلدین اس دستور کے ہٹانے میں کوشش کررہے ہیں، اس کے عدمِ جواز میں غیر مقلدین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت کسی حدیث سے نہیں بلکہ فقہ کی کتابوں کی عبارتیں سناتے ہیں، منجملہ ان کے مستندات کے ایک یہ ہے:

اذا فرغ من الصلٰوۃ لایقوم بالدعاء [1] سراجیہ۔	جب نمازِ جنازہ سے فارغ ہوجائے تو دعا کے لئے نہ کھڑا ہو۔ (ت) بزازیہ جلد اول برحاشیہ عالمگیری

قدوری کے حاشیہ پر ہے:

الدعا بعدصلاۃ الجنازۃ مکروہ [2] کذا فی البرجندی لایقوم بالدعاء بعدصلاۃ الجنائز لانه دعامرۃ لان اکثرھا دعاء [3]۔	دعا بعد نماز جنازہ مکروہ ہے۔ جیساکہ برجندی میں ہے نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ ہو کہ ایک مرتبہ دُعا کرچکا ہے کیونکہ نمازِ جنازہ کا اکثر حصّہ دعا ہی ہے۔ (ت)

جواب مدلّل بدلائل بحوالہ کتب معتبرہ اور تحریر عبارات معتمدہ تحریر فرماکر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا بالدلیل والتفصیل توجروا بالاجر الجزیل

الجواب:

گیارہ سال ہوئے یہ مسئلہ ۱۳۱۱ھ میں معرکۃ الآراء رہا، بمبئی و کانپور سے اس کے بارہ میں بار بار سوالات مختلف صورتوں میں آئے فقیر نے جواب کبھی تحقیقِ حدیث اور کبھی تنقیح فقہ سے کام لیا اور بالآخر اس کے باب میں ایک موجز وکافی رسالہ مسمّٰی بہ **بذل الجوائز علی الدعاء بعدصلاۃ الجنائز** لکھا جس میں تحقیق حکم فقہی و توضیح معانی عبارات مذکورہ سراجیہ وغیرہا کتب فقہ کو بعونہٖ عزوجل ذروہ عُلیا تک پہنچایا اور بفضلہٖ تعالٰی عرش تحقیق مستقر کردکھایا کہ میّت کے لئے دعا قبل نمازِ جنازہ و بعد نماز جنازہ ہمیشہ مطلقًا

---

[1] فتاوٰی سراجیہ باب الصلٰوۃ علی الجنازۃ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۳

[2] برجندی شرح نقایہ فصل فی صلوٰۃ الجنازہ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۰

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ الخامس والعشرون فی الجنائز الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۰

مستحب ومندوب ہے۔اور اس سے اصلاً ممانعت نہیں۔خود حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے قبل وبعد نماز دونوں وقت میّت کے لئے دعا فرمانا اور اس کا حکم دینا ثابت ہے، فقہائے کرام ہر گز اسے منع نہیں فرماتے، یہاں ممانعت تحریمی خواہ تنزیہی صرف دو۲ صورتوں کے لئے ہے اور وہی عبارات مذکورہ وغیر مذکورہ فقہیہ میں علی التنوع مقصود ہیں۔ایک یہ کہ خاص دعا طویل کی غرض سے بعد نماز خواہ قبل نماز تجہیز میّت کو تعویق میں ڈالنا، مثلاً نماز ہوچکی اور کوئی حالت منتظرہ لے چلنے کے لئے باقی نہیں رہی، صرف دعا کے لئے جنازہ رکھ چھوڑیں اور درنگ وتطویل کریں یہ ممنوع ہے، اکثر عبارات اُسی طرف ناظر ہیں، دوسرے یہ کہ بعد نماز اُسی ہیئت پر بدستور صفیں باندھے امام ومقتدی وہیں کھڑے دُعا کریں یہ نامناسب ہے کہ نماز پر شبہہِ زیادت نہ ہو۔بعض عبارات اُسی طرف ناظر ہیں، ان کے سوا تمام صور جن میں نہ خاص دُعاء کی غرض سے درنگ وتعویق کریں نہ بعد نماز اُسی انداز میں ہو بلکہ صفیں توڑ کر دعاءِ قلیل یا بوجہ دیگر جنازہ میں دیر کی حالت میں دعاء طویل اصلا مضائقہ نہیں رکھتے، نہ کلماتِ علماء میں اس کا انکار، بلکہ وہ عام مامور بہ کے حکم میں داخل اور مستحب شرعی کا فرد ہے۔یہ رسالہ بمبئی مطبع گلزار حسینی میں چھپ کر شائع ہوچکا۔ان تمام مراتب کی تفصیل تام اُسی رسالہ اور اُس کے پہلے کے فتوی میں ملے گی۔کشف الغطاء میں بعد ذکر عبارات قنیہ وغیرہا فرمایا:

فاتحہ ودعا برائے میت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ، کذا فی الخلاصۃ الفقہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	میت کے لئے دفن سے قبل فاتحہ ودعا درست ہے اور یہی روایت معمول بھا ہے۔ایسا ہی خلاصۃ الفقہ میں ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر ۶۶: از بنارس محلّہ کندی گڑٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ ۶ جمادی الاخرۃ ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکۃ جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مداللہ فیضانہ از جانب خادم الطلبہ عبدالغفور، سلام علیک قبول باد۔کچھ مسائل میں یہاں علماء کے درمیان اختلاف ہے لہذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکۃ ہے امید ہے کہ جواب سے مطلع فرمائیں، زید کہتا ہے نمازِ جنازہ عندالحنفیہ اندر مسجد کے پڑھنی علی العموم خواہ میّت مرض ہیضہ اسہال میں مرا ہو یا دوسرے مرض میں بچند وجوہ مکروہ ہے۔منجملہ اسکے ایک وجہ تلویثِ مسجد ہے۔عمرو کہتا ہے جو شخص مرض ہیضہ اسہال یا کسی اور مرض امراضِ معدہ کی وجہ سے مرا اُس کا جنازہ مسجد میں پڑھنا البتہ موجب احتمال تلوث مسجد کا

---

[1] کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ مطبع احمدی دہلی ص ۴۰

ہے اور اس کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنی مکروہ ہے، نہ علی العموم

الجواب:

قولِ زید صحیح ہے۔ عمرو کا مریضانِ معدہ میں حصر تو محض غلط، ہاں سیّدنا امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت نادرہ بعض کتب میں یوں نقل کی گئی کہ خوفِ تلوّث نہ ہو تو مسجد میں جائز۔ یہ عبارت بظاہر اُس بحثِ علامہ طحطاوی کی مؤید کہ قولِ تعلیل بہ تلوث پر ظنِ تلوث سے تقیید مناسب، شبہ وتوہم مانع نہیں۔ اس عبارت وروایتِ شاذہ پر بھی امراضِ معدہ وامعاء ورحم وزخم وریم وغیرہا ہر مظنہ تلوث بالاتفاق داخلِ کراہت۔ حلیہ میں فرمایا:

ونقل فی الدرایة عن ابی یوسف روایة انه لاتکره صلاة الجنازة فی المسجد اذالم یخف خروج شیئ یلوث المسجد فعلی هذا اذامن ذلك لم یکره علی سائر الوجوه الخ [1]	درایہ میں امام ابویوسف سے ایک روایت یہ نقل ہے کہ جب مسجد کو آلودہ کرنے والی کسی چیز کے نکلنے کا اندیشہ نہ ہو تو مسجد میں نمازِ جنازہ مکروہ نہیں۔ اس کی بنیاد پر جب اس سے اطمینان ہو تو تمام صورتوں میں کراہت نہیں الخ (ت)

حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے:

ینبغی تقیید الکراهة بظن التلویث فاما توهمه اوشکه فلا تثبیت به الکراهة [2]۔	کراہت کو آلودگی کے ظن مین مقید کرنا چاہئے اگر اس کا وہم یا شک ہو تو اس سے کراہت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

مگر عامہ کتبِ مذہب میں جہاں تک اس وقت نظرِ فقیر نے جولان کیا یہ روایت نوادر بھی بر سبیل اطلاق وتعمیم بے تشقیق وتفصیل ماثور ومنقول، جو علماء اس کے ترجیح وتصحیح واختیار کی طرف گئے جنازہ کا مسجد میں لانا مطلقاً مکروہ بتاتے ہیں۔ معللین اُسے احتمال وتواہم تلویث سے تعلیل فرماتے ہیں۔ تقیید وتخصیص حالتِ ظن کا پتا نہیں دیتے، علمائے کرام اختلافِ مشائخ کو اُس حالت سے مقید کرتے ہیں کہ جنازہ مسجد کے باہر ہو اور مطلقاً صاف تصریح فرماتے ہیں کہ جنازہ کا مسجد میں ہونا بالاتفاق مکروہ،

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ت) یہاں اطلاق

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ نور محمد کاخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۷

ہی اوفق واحق والصق بدلیل ہے کہ امعاء غالبًا فضلات سے خالی نہیں ہوتیں اور موت مزیل استمساک وموجب استرخائے تام ہے اور جنازہ لے چلنے کی حرکت مؤید خروج، تو ہر میت میں خوفِ تلویث موجود۔ باقی کس خاص وجہ سے غلبہ ظن کی کیا حاجت، ناسمجھ بچّوں کو مسجد میں لانا مطلقًا ممنوع ہُوا کہ سب میں احتمال تلویث قائم، کچھ یہ شرط نہیں کہ جس بچہ کو اسہال وغیرہ کا عارضہ لاحق ہو وہی مسجد میں نہ لایا جائے، یونہی میت بلکہ اس سے بھی زائد **کما لا یخفی علی افطن** (جیساکہ زیرک پر پوشیدہ نہیں۔ت) پھر یہ بھی امام ثانی سے ایک روایت نادرہ ہے ظاہر الراویۃ میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک مسجد میں جنازہ مطلقًا مکروہ ہے اگرچہ میّت بیرونِ مسجد ہو، یہی ارجح واصح ومختار وماخوذ ہے:

فان الفتوی متی اختلفت وجب المصیر الی ظاہر الروایۃ کما افادہ فی البحر والدر وغیرہما۔	اس لئے جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ضروری ہے، جیسا کہ بحر اور در مختار وغیرہما میں افادہ کیا۔(ت)

اب عبارتِ علماء سُنئے۔ تنویرالابصار و در مختار میں ہے:

کرہت تحریما وقیل تنزیہافی مسجد جماعۃ ہوای المیت فیہ وحدہ او مع القوم واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختارالکرہۃ مطلقا خلاصۃ [1]۔	مکروہ تحریمی-- اور کہا گیا کہ تنزیہی ہے مسجدِ جماعت میں، جس میں تنہا میّت ہو یا پڑھنے والوں کے ساتھ ہو، اوراس جنازہ کے بارے میں اختلاف ہے جو تنہا یا بعض لوگوں کے ساتھ بیرونِ مسجد ہو، اور مختار یہ ہے کہ مطلقًا مکروہ ہے۔ خلاصہ۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مطلقا فی ای جمیع الصور المتقدمۃ کما فی الفتح عن الخلاصۃ وفی مختارات النواز سواء کان المیت فیہ اوخارجہ و ظاہر الروایۃ ، وفی روایۃ لایکرہ اذاکان المیت خارج المسجد [2]۔	مطلقًا یعنی گزشتہ تمام صورتوں میں، جیساکہ فتح القدیر میں خلاصہ سے منقول ہے۔اور مختارات النوازل میں ہے کہ خواہ میت مسجد کے اندر ہو یا باہر، یہی ظاہر الروایۃ ہے-- اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب میت مسجد کے باہر ہو تومکروہ نہیں(ت)

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۵

اشباہ میں ہے:

منع ادخال المیت فیہ والصحیح ان المنع لصلاۃ الجنازۃ وان لم یکن المیت فیہ الا لعذر مطر ونحوہ[1]۔	مسجد میں میت کو لے جانا منع ہے اور صحیح یہ ہے کہ ممانعت نماز جنازہ کی وجہ سے ہے، اگرچہ میّت مسجد کے اندر نہ ہو، مگر بارش وغیرہ کا عذر ہو تو رخصت ہے۔(ت)

بحر الرائق میں بعد بیان مذہب مختار فرمایا:

وقیل لایکرہ اذاکان المیت خارج المسجد وھو مبنی علی ان الکراھۃ الاحتمال تلویث المسجد والاول ھوالاوفق لاطلاق الحدیث کذا فی الفتح القدیر[2]۔	اور کہا گیا کہ جب میت مسجد کے باہر ہو تو مکروہ نہیں، اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ کراہت کا حکم آلودگیِ مسجد کے احتمال کی وجہ سے ہے، اور پہلا قول ہی اطلاقِ حدیث کے مطابق ہے۔ ایسا ہی فتح القدیر میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لایصلی علی میت فی مسجد جماعۃ لقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صلی علی جنازۃ فی المسجد فلااجرلہ ولانہ بنی لاداء المکتوب ولانہ یحتمل تلویث المسجد و فیما اذاکان المیت خارج المسجد اختلف المشائخ[3]۔	مسجدِ جماعت میں کسی میت کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جس نے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی اس کے لئے اجر نہیں-- اور اس لئے کہ مسجد فرض نمازوں کی ادائیگی کے لئے بنی ہے—اور اس لئے اس میں مسجد کی آلودگی کا احتمال ہے۔ اور ہدایہ ہی میں ہے: جب میت مسجد کے باہر ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔(ت)

مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی سے حلیہ میں ہے:

عندنا اذاکانت الجنازۃ خارج المسجد	جب جنازہ مسجد کے باہر ہو تو ہمارے نزدیک

---

[1] الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[2] بحر الرائق صل السلطان احق بصلاتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۷

[3] الہدایۃ فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۶۱)

لم یکرہ ان یصلی الناس علیہا فی المسجد انما الکرھۃ فی ادخال الجنازۃ فی المسجد[1]۔	یہ مکروہ نہیں کہ لوگ مسجد کے اندر اس کی نماز پڑھیں کراہت اسے مسجد کے اندر داخل کرنے ہی کی صورت میں ہے۔(ت)

برجندی شرح نقایہ میں ہے:

کرھت صلٰوۃ الجنازۃ فی مسجد جماعۃ اتفاقا اذاوضعت الجنازۃ فیہ ولو وضع خارجہ اختلف المشائخ فیہ وذلک لان علۃ الکراھۃ اما توھم التلوث اوکون المسجد مبینا لاداء المکتوبۃ[2] اھ ملخصا۔	مسجد جماعت میں جنازہ رکھ کر نماز جنازہ پڑھنا بالاتفاق مکروہ ہے، اور اگر جنازہ باہر رکھا ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف اس لئے ہے کہ کراہت کی علّت آلودگی مسجد کا احتمال ہے یا یہ کہ مسجد فرائضِ وقتیہ کی ادائیگی کے لئے بنی ہے اھ بہ تلخیص (ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

قولہ (یعنی الغرر) کرھت فی مسجد ھو فیہ، **اقول:** والکرھۃ ھنا باتفاق اصحابنا کما فی العنایۃ[3]۔	عبارت غرر (مسجد میں جنازہ رکھا ہو تو اس میں جنازہ مکروہ) میں کہتا ہوں یہاں کراہت پر ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے، جیسا کہ عنایۃ میں ہے۔(ت)

عبارات یہاں بکثرت ہیں فیما نقلناہ کفایۃ وقد ظھر بہ کل ما القینا علیک (اور جس قدر ہم نے نقل کردیا وُہ کافی ہے، اور اس سے وُہ ساری باتیں واضح ہوگئیں جو ہم نے بیان کیں۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۶۷ تا ۷۰: از فیروز آباد ضلع آگرہ محلّہ کوٹلہ مرسلہ مسکین تاج محمد ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) رمضان المبارک کے الوداعی جمعہ کو جامع مسجد میں مسلمانوں کا جنازہ آیا، نمازیوں کی بہت زیادہ

---

[1] کتاب المبسوط باب غسل المیت مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت ۶۸/۲

[2] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۱/۱

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیہ درر الحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کامل الکائنہ دار السعادت بیروت ۱۶۵/۱

کثرت تھی، نماز جنازہ اگر بیرون مسجد پڑھائی جائے گی تو نہ صفیں سیدھی ہوں گی بسبب قبروں اور درختوں کے اور نہ نمازی آسکیں بسبب زیادتی کے، اور دھوپ تکلیف دی تھی روزہ داروں کو، اس صورت مذکورہ عذرات کو مد نظر رکھتے ہوئے نمازِ جنازہ فرش مسجد پر پڑھائی جائے یا نہیں، اور ثواب ہوگا یا نہیں؟

(۲) اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے کہ وہ جانتا ہے کہ تمام مسلمانوں سے عذرات مذکورہ بالا صحیح ہیں اور اندورن مسجد جنازہ آگیا ہے اور نماز جمعہ بھی ہوچکی ہے مگر وہ جنازہ کو مسجد سے باہر کرتا ہے اور باہر کرکے نماز جنازہ پڑھاتا ہے اور جائے کی تنگی اور صفوں کی شکستگی اور روزہ داروں کے دھوپ میں کھڑے ہونے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نمازیوں کی خواہش شرکت نماز جنازہ فوت کرے کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی عذر نہ ہو اور نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھ لی جائے تو نماز ہوگی یا نہیں، اور ثواب ہوگا یا نہیں؟

(۴) اگر بعد نمازِ جمعہ نمازِ جنازہ پڑھ لی جائے تو اولیٰ ہے یا سنت وغیرہ پڑھنے کے بعد نماز جنازہ پڑھنا اولیٰ ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جنازہ مسجد میں رکھ کر اس پر نماز مذہب حنفی میں مکروہ تحریمی ہے،

تنویر الابصار میں ہے:

کرهت تحریما فی مسجد جماعة هی فیه واختلف فی الخارجة والمختار الکراهة[1]۔	مسجدِ جماعت میں نمازِ جنازہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ جنازہ مسجد کے اندر ہو، اور اگر باہر ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے مکروہ ہے (ت)

نماز جنازہ بہت ہلکی اور جلد ہونے والی چیز ہے اتنی دیر دھوپ کی تکلیف ایسی نہیں کہ اُس کے لئے مکروہِ تحریمی گوارا کیا جائے اور مسجد کی بے حرمتی روا رکھیں۔ رہی نماز، وہ ادا ہوجائے گی، فرض اُتر جائے گا اور مخالفت حکم کا گناہ اور نفسِ نماز کا ثواب اللہ عزوجل کے ہاتھ، جیسے کوئی مغصوب زمین میں نمازِ پنجگانہ پڑھے۔

(۲) اُس نے مذہب پر عمل کیا، جو بات مذہب میں منع تھی اُس سے روکا، نمازِ جنازہ فرض کفایہ ہے جو مسلمان تنگیِ جا کے سبب نہ مل سکے اور ملنے کی خواہش رکھتے تھے اور انہیں ان شاء اللہ العزیز ملنے ہی کا ثواب ہے۔ حدیث میں ہے: جو جماعت کی نیت سے مسجد چلا، نماز ہوچکی، اس کے لئے ثواب لکھ گیا۔

قال الله تعالٰی فقد وقع اجره علی الله[2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: تو اس کا اجر خدا کے ذمہ کرم پر ثابت ہے۔ (ت)

---

[1] دُر مختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[2] القرآن ۴/۱۰۰

وقال اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما لکل امر مانوی [1]۔	اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی (ت)

نماز ہوجائے گی، اور اب مخالفت کا گناہ اور زیادہ کہ محض بلاوجہ ہے، اور ثواب کا جواب اوپر گزرا۔

(۴) سنت سے فارغ ہو کر نمازِ جنازہ پڑھیں، نوافل و وظائف قطعاً بعد کو رکھیں۔ درمختار میں ہے:

فی البحر قبیل الاذان عن الحلبی الفتوی علی تاخیر الجنازۃ عن السنۃ [2]۔	بحر میں اذان سے ذرا پہلے حلبی صاحب حلیہ سے نقل ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جنازہ سنت کے بعد ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر جنازہ کی حالت ایسی ہو کہ دیر میں متغیر ہوجائے گا تو پہلے جنازہ پڑھیں پھر سنت وغیرہ۔ اشباہ میں ہے:

اجتمعت جنازۃ و سنۃ وقتیۃ قدمت الجنازۃ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جنازہ اور سنت وقتیہ دونوں جمع ہوں تو جنازہ مقدم ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر ۷۱: از سنیا ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ بریلی کی جامع مسجد میں نبی خانہ میں نمازِ جنازہ پڑھائی جائے اور امام نبی خانہ میں ہو اور مقتدی جامع مسجد میں اور نبی خانہ میں برابر صف بندی ہو، درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ مسجد میں نہ جنازہ ہو نہ امامِ جنازہ، نہ صفِ جنازہ۔ یہ سب مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ نمبر ۷۲ تا ۷۸: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگال، مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی، مرشدی، کرمانی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) مسجد کے باہر پورب جانب جو سامنے پختہ صحن بنا ہوا ہے اکثر گرمیوں میں وہاں پر مغرب کی

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[2] درمختار باب العیدین مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۴

[3] الاشباہ والنظائر القول فی الدین مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۶۱۸، ۶۱۷

نماز پڑھی جاتی ہے

اُس جگہ جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اور لکڑی کا صندوق جو بمنزلہ تابوت کے ہوتا ہے اس کے اندر میّت رکھ کر صندوق بند کیا ہو نماز پرھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳و۴) اور کسی ولی یا سادات یا علماء کی قبریں پختہ باندھنا اور کسی ملک یا شہر سے دوسرے ملک یا شہر سے دوسرے شہر لے جاکر دفن کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۵) اور میّت کو لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) اور قبر میں میّت کے سینہ کفن کے نیچے شجرہ پیرانِ طریقت رکھ کر دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) اور بزرگانِ دین نے جو اپنے وصال سے قبل اپنا کفن تابوت وقبر پختہ اندر سے صحن پختہ کرکے تیار کر رکھا ہے ایسا قبل سے ان چیزوں کو ایسی حالتوں میں تیار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) صحن مسجد یقینا مسجد ہے، فقہائے کرام اُسے مسجد صیفی یعنی گرمیوں کی اور مسقف درجہ کو مسجد شتوی یعنی جاڑوں کی مسجد کہتے ہیں۔ اور نمازِ جنازہ مسجد میں مطلقاً مکروہ ہے **کما فی التنویر والدر وغیرھما** (جیسا کہ تنویر الابصار اور در مختار وغیرہما میں ہے۔ت) ہاں حدِ مسجد سے باہر فنائے مسجد میں جائز ہے۔

(۲) میّت اگر تابوت کے اندر ہو نماز اس پر اسی طرح جائز ہے کھولنے کی حاجت نہیں۔

(۳و۴) قبر جس قدر میّت سے متصل ہوئی اس اندرونی حصہ کو پختہ کرنا ممنوع ہے اور باہر سے پختہ کرنے میں حرج نہیں، اور معظمان دینی کے لئے ایسا کرنے میں بہت مصالح شرعیہ ہیں۔ لاش کا ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانا تو بڑی بات دوسرے شہر کو لے جانا بھی ممنوع ہے، میل یا دو میل تک لیجانے میں حرج نہیں **کما فی العالمگیریۃ وغیرھا** (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔ت)

(۵) تابوت میں دفن کرنا مکروہ وخلافِ سنت ہے مگر اُس حالت میں کہ وہاں زمین بہت نرم ہو تو حفاظت کے لئے حرج نہیں کما فی الھندیہ وغیرہا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت)

(۶) بہتر یہ ہے کہ قبر طاق کھود کر اس میں شجرہ رکھا جائے اور تبرکات اگر سینہ پر رکھیں تو اُس کی ممانعت بھی ثابت نہیں **والتفصیل فی الحرف الحسن** (اور تفصیل ہمارے رسالہ **"الحرف الحسن فی الکتابۃ علی الکفن"** میں ہے۔ت) **(۷)** کفن پہلے سے تیار رکھنے میں حرج نہیں اور قبر پہلے سے نہ بنانا چاہئے **کما فی الدر المختار وغیرہ** (جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔ت) **قال اللّٰہ تعالٰی** وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ

تَمُوْتُ ط [1] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی موت کس زمین میں ہوگی۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ نمبر۷۹تا۸۰: ازریاستکوٹہ راجپوتانہ محلّہ چندگڑھ مسئولہ فضل احمد صاحب ۶محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دن اس مسئلہ میں کہ پہلے ایک حصہ خام تھا اب بالکل ملحقہ مسجد کرکے سب پختہ بنادیا گیا آیا یہ مسجد میں داخل ہے یا نہیں، اور یہاں نمازِ جنازہ جائز ہے یا نہیں اور صحن مسجد ہے یا نہیں؟

(۲) خانہ کعبہ اور مسجد اقدس نبوی میں نماز جنازہ کیوں ہوتی ہے؟ اور جب کعبہ شریف میں نماز پڑھتے ہیں تو مسجد میں کیاحرج ہے؟

الجواب:

(۱) یہ جگہ مسجد سے خارج تھی اُسے پختہ کرکے صحنِ مسجد سے ملادینا مسجد کے طور پر نہیں بلکہ صرف اس لئے کہ جمعہ وعیدین میں نمازیوں کو آرام ہو تو وہ بدستور مسجد سے خارج ہے اور اس میں نمازِ جنازہ جائز ہے، اور اگر تمام مسلمانوں کی رائے سے اُسے مسجد کرلیا گیا تو اب اس میں نماز جنازہ جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) وہاں شافعیہ ے طور ہوتی حنفیّہ کے نزدیک جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ نمبر۸۱: ازبلند شہر بالائے کوٹ محلّہ قاضی واڑہ مرسلہ محمد عبدالسلام صاحب ۳۰رمضان ۱۳۳۷ھ

حوض مسجد کے اندر ہے اور اس کے چاروں طرف فرش ہے اس کی پٹری پر چارپائی رکھ کر نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے، آیا یہ نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قول راجح تر یہ ہے کہ نماز مذکورہ مکروہ ہے اور ایسا کرنا منع ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

کرہت تحریمافی مسجد جماعۃ ھوای المیت فیہ واختلف فی الخارجۃ عن المسجد وحدہ او مع بعض القوم والمختار الکراھۃ مطلقا خلاصۃ [2] الخ	مسجدِ جماعت میں نماز جنازہ مکروہ تحریمی ہے جبکہ جنازہ مسجد کے اندر ہو، اور اگر تنہا جنازہ یا جنازہ مع کچھ نمازیون کے بیرون مسجد ہو تو اس بارے میں اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ مطلقًا مکروہ ہے خلاصہ الخ (ت)

---

[1] القرآن ۳۱/۳۴

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنازہ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

اور دوسرے قول پر صورت مذکورہ میں یہ حرج تو نہیں اس لئے کہ میت بیرون مسجد ہے **فلا کراھة فی الصلٰوۃ قال فی الغنیة ھو المختار وذکر علیه العمل** (تو نماز میں کراہت نہیں، غنیہ میں ہے: یہی مختار ہے اور اسی پر عمل بتایا۔ت)
مگر جب فرشِ مسجد چاروں طرف محیط ہے تو اس پٹری تک جنازے کا لے جانا مسجد کے اندر ہی ہوگا اور یہ باتفاق حنفیّہ مکروہ ہے۔ یہ سب اُس وقت ہے کہ وسط مسجد میں حوض خود بانی مسجد نے قبل مسجدیت بنایا ہو، ورنہ اگر مسجد ہوچکی اس کے بعد وسط میں حوض بنوایا اگرچہ بانی نے بنایا ہو تو اس کا بنانا حرام، اور اُس سے وضو کرنا حرام، اور نمازِ جنازہ بالاتفاق مکروہ ہے **وتحقیقه فی ماعلقنا علی ردالمحتار** (اس کی تحقیق ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۲: از بانٹوہ ملک کاٹھیاواڑ مولوی عبدالمطلب صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

یہاں نمازِ جنازہ کے لئے جو جگہ تعمیر کی گئی شہر سے دُور فاصلہ پر ہے، بارش اور گرمی میں بڑی دقت ہوتی ہے لہذا برائے رفع تکالیف بستی کے جو پرانا صد سالہ قبرستان ہے کہ جس کے اندر قبریں منہدم ہوچکی ہیں، بسبب انہدام کے لوگ کُوڑا کرکٹ اس کے اندر ڈالتے ہیں اگر وہاں نماز جنازہ کے لئے چبوترہ بنایا جائے تو جائز ہوگا یا چگونہ؟

الجواب:

قبور پر نماز ہرگز جائز نہیں، نہ اُن پر کوڑا کرکٹ ڈالنا جائز، بندوبست کریں، ممانعت کریں، ہاں اگر وہاں یا اس کے قریب کوئی قطعہ، زمین ایسا ہو جہاں قبریں نہ تھیں تو وہاں نماز کی اجازت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

النھی الحاجز عن تکرار صَلاۃ الجنائِز ۱۳۱۵ھ

(نماز جنازہ کی تکرار روکنے والی ممانعت)

مسئلہ ۸۳: از کٹرہ پرگنہ منورہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولٰنا مولوی کریم رضا صاحب رجب ۱۳۱۵ھ

بملاحظہ اقدس مولانا صاحب راس العلماء تاج الفضلاء جامع کمالات صوریہ ومعنویہ جناب مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب ادام اللہ تعالٰی بالافادۃ، السلام علیکم ! عرض ضروری یہ ہے مولوی اسمٰعیل مولوی نذیر حسین صاحب دہلوی کے بھانجے اور شاگرد جو ایک مدّت سے قصبہ مرہٹ میں اقامت رکھتے ہیں غیر مقلد ہیں اور بیچارے غریب مقلدین کو اپنے مذہب میں لانا چاہتے ہیں، چنانچہ فی الحال ایک رئیس کی لڑکی مرگئی تو ان کے اصرار سے دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی انہوں نے علٰی رؤس الاشہاد کہہ دیا کہ تین روز تک جتنی بار جی چاہے نماز پڑھے۔ اس لئے حضور کو تکلیف دیتا ہوں کہ جوابِ استفتاء تحریر فرمایئے کہ افحام واسکات مخالفین ہو۔ اور ترجمہ عبارات بھی تحریر فرمائے کہ جس مقام میں یہ فتوٰی بھیجا جائے گا وہاں کے لوگ اردو، فارسی جانتے ہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولیِ میّت نے ایک بار نماز جنازہ کی لوگوں کے ساتھ پڑھی پھر دوسری بار انہی لوگوں کے ساتھ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بامامتِ شخص آخر نماز جنازہ پڑھی، تو یہ تکرارِ نماز جنازہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ولی اس مسئلہ سے ناواقف ہے اور بسبب اصرار کسی عالم کے اس نے دوبارہ نماز پڑھی تو وہ گناہگار ہوگا یا عالم یا دونوں میں کوئی نہیں؟

اور نمازِ جنازہ تین روز تک جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

الحمد للّٰہ الذی جعل الارض کفاتاواکرم المومنین احیاء وامواتًا والصلٰوۃ والسلام علی من عمرالقلوب بصلٰوتہ ونورالقلوب بصلوتہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین اٰمین!	سب خوبیاں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے زمین کو جمع کرنے والی بنایا، اور اہل ایمان کو حیات وموت دونوں حالتوں میں عزت بخشی، اوردرود و سلام ہو اُن پر جنہوں نے دلوں کو اپنے تعلقات سے آباد فرمایا اور قبروں کو اپنی نماز سے روشن کیا، اور ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے اہل، ان کے گروہ سب پر درود وسلام، الٰہی! قبول فرما(ت)

نمازِ جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک تو مطلقًا ناجائز ونامشروع ہے، مگر جب کہ اجنبی غیر احق نے بلااذن وبلامتابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کرسکتا ہے۔ امام اجل برہان الملۃ والدّین ابوبکر ہدایہ میں فرماتے ہیں:

ان صلی غیرالولی والسلطان اعادالولی ان شاء لان الحق للاولیاء وان صلی الولی لم یجز لاحدٍ ان یصلی بعدہ لان الفرض یتادی بالاول والتنفل بھا غیر مشروع ولھذا رأینا الناس ترکوامن اٰخرھم الصلٰوۃ علی قبرالنبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وھوالیوم کماوضع[1]۔	یعنی اگر ولی وحاکم اسلام کے سوااور لوگ نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو ولی کو اعادہ کا اختیار کہ حق اولیاء کا ہے اور اگر ولی پڑھ چکا تو اب کسی کو جائز نہیں کہ فرض تو پہلی نماز سے اداہوچکا اور یہ نماز بطور نفل پڑھنی مشروع نہیں ولہذا ہم دیکھتے ہیں کہ تمام جہان کے مسلمانوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑدی حالانکہ حضور آج بھی ویسے ہی ہیں جیسے جس دن قبر مبارک میں رکھے گئے تھے۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو کان مشروعالماعرض الخلق کلھم من العلماء والصالحین والراغبین	یعنی اگر نمازِ جنازہ کی تکرار مشروع ہوتی تو مزار اقدس پر نماز پڑھنے سے تمام جہان اعراض نہ کرتا جس میں

[1] الہدایہ فصل فی الصّلٰوۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۶۰

فی التقریب الیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بانواع الطرق عنہ فھذادلیل ظاھر علیہ فوجب اعتبارہ[1]۔	علماء وصلحاء اور وہ بندے ہیں جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں تو یہ تکرار کی مشروعی پر کھلی دلیل ہے پس اس کا اعتبار واجب ہوا۔

اقول: حاصل کلام یہ کہ نماز جنازہ جیسی قبل دفن ویسی بعد دفن قبر پر۔ ولہٰذا اگر کوئی شخص بے نماز پڑھے دفن کردیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نمازِ جنازہ پڑھیں جب تک ظن غالب رہے کہ بدن بگڑ نہ گیا ہوگا اور نماز جنازہ ایک تو ہر مسلمان کا حق ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس وذکرمنھا اتباع الجنائز[2] وسیأتی۔	مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں، ان میں نمازِ جنازہ کو بھی ذکر فرمایا، حدیث آگے آرہی ہے۔(ت)

دوسرے مقبول بندوں کی نماز میں وہ فضل ہے کہ پڑھنے والوں کی مغفرت ہوجاتی ہے۔ ہم عنقریب انس بن مالک و عبداللہ بن جابر و سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے متعدد احادیث ذکر کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "مومن صالح کو پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ جتنے لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی سب بخش دئے جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل حیا فرماتا ہے کہ اُن میں کسی پر عذاب کرے" اب اگر حق کا لحاظ کیجئے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق کے برابر تمام جہان میں کس کا ہوسکتا ہے، اور فضل کو دیکھئے تو افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے برابر کس مقبول پر نماز پڑھنی ہوسکتی ہے، ہاں قبر پر نماز پڑھنے سے مانع یہ ہوتا ہے کہ اتنی مدت گزر جائے جس میں میّت کا بدن سلامت ہونا مظنون نہ رہے، اسی کو بعض روایات میں دفن کے بعد تین دن سے تقدیر کیا، اور صحیح یہ کہ کچھ مدّت معین نہیں، جب سلامت وعدمِ سلامت مشکوک ہوجائے نماز ناجائز ہوجائیگی، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں معاذاللہ اس کا اصلاً احتمال نہیں وہ آج بھی یقیناً ایسے ہی ہیں جیسے روزِ دفن مبارک تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجسادالانبیاء[3]۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی	بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام فرمادیا ہے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جسم مبارک کھانا۔

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مطبوعہ المکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۸۴/۲

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبوعہ دارالفکر بیروت ۵۴۰/۲

[3] سنن ابن ماجہ ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم و الدارقطنی و ابونعیم و صححہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم و الدارقطنی وابن دِحیۃ و حسنہ عبدالغنی المنذری وغیرھم۔	اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمۃ، ابن حبان، حاکم، اور ابو نعیم نے روایت کیا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم دارقطنی اور ابن دحیہ نے صحیح کہا، اور اسے عبدالغنی اور منذری وغیرہم نے حسن کہا (ت)

جب مانع مفقود اور مقتضی اس درجہ قوت سے موجود، تو اگر نمازِ جنازہ کی تکرار شرع میں جائز ہوتی تو صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک تمام جہان تمام طبقات کے تمام علماء اور اولیاء وصلحا اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُس کے ترک پر اجماع کیا معنی، جن میں لاکھوں بندے خدا کے وُہ گزرے اور اب بھی ہیں جنہیں دن رات یہی فکر رہتی ہے کہ جہاں تک مل سکیں وُہ طریقے بجالائیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تقرب پائیں، لاجرم تیرہ سو برس کا یہ اجماع کلی دلیل ظاہر ہے کہ تکرارِ نماز جنازہ جائز نہیں، اس لئے مجبورًا سب باقیماندہ کو اس فضل عظیم سے محروم ہونا پڑا۔ امام اجل نسفی وافی اور اس کی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

لم یصل غیرہ بعدہ ای ان صلی الولی لم یجزلغیرہ ان یصلی بعدہ لان حق المیت یتادی بالفریق الاول وسقط الفرض بالصلٰوۃ الاولٰی فلوفعلہ الفریق الثانی لکان نفلا واذاغیر مشروع کمن صلی علیہ مرۃ[1] الخ	اگر ولی نے نمازِ جنازہ پڑھ لی تو اس کے بعد دوسرے کو پڑھنا جائز نہیں، اس لئے کہ میّت کا حق پہلے فریق سے ادا ہوچکا، اور پہلی نماز سے فرض ساقط ہوگیا، اب اگر کوئی دوسرا فریق ادا کرے تو یہ نفل ہوگی اور یہاں نفل مشروع نہیں، جیسے وہ جس کی ایک بار نماز پڑھی جاچکی ہو الخ (ت)

امام محمد محمد محمد بن حلبی ابن امیر الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

قال علماؤنا اذاصلی علی المیّت من لہ ولایۃ ذلک لاتشرع الصلٰوۃ علیہ ثانیالغیرہ[2]۔	ہمارے علماء نے فرمایا جب میت پر صاحب حق نماز پڑھ چکے پھر اور کوئی اس پر نماز مشروع نہیں۔

[1] کافی شرح وافی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

لا یصلی علیه لئلایودی الی تکرار الصلٰوۃ علی میت واحد فانه غیر مشروع[1]۔	اُس پر نماز نہ پڑھی جائے کہ ایک میت پر دو بار نماز نہ ہو کہ یہ نامشروع ہے۔

درر شرح غرر و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الفرض یتادی بالاولی والتنفل بھا غیر مشروع[2]۔	فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوگیا اور یہ نماز نفلی طور پر مشروع نہیں۔

دُرمختار و فتح اللہ المعین میں ہے:

لیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع[3]۔	جو پہلے پڑھ چکا وُہ ولی کے ساتھ بھی اعادہ کا اختیار نہیں رکھتا کہ اس کی تکرار غیر مشروع ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے:

لایعید مع له حق التقدم من صلی مع غیرہ لان التنفل بھا غیر مشروع[4]۔	جو اور کے ساتھ پڑھ چکا صاحبِ حق کے ساتھ نہ پڑھے کہ اس نماز میں نفل مشروع نہیں۔

ایضاح و عالمگیریہ میں ہے:

لایصلی علی میت الامرۃ واحدۃ والتنفل بصلٰوۃ الجنازۃ غیر مشروع[5]۔	کسی میّت پر ایک بار کے سوا نماز نہ پڑھی جائے اور نمازِ جنازہ نفل ادا کرنا غیر مشروع ہے۔

فتاوٰی امام قاضی خان و ظہیریہ و شرح نقایہ برجندی و خلاصہ و والوالجیہ و تجنیس و واقعات و بحرالرائق وغیرہا میں ہے:

ان کان المصلی سلطانا اوالامام الاعظم اوالقاضی اووالی المصر امام حیه	یعنی اگر بادشاہِ اسلام یا امیر المومنین یا قاضی شرع یا اسلامی حاکم مصر یا امام الحہ نماز پڑھ چکا

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۰

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الجنائز مطبوعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت ۱/۱۶۵

[3] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[4] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل السلطان احق بالصلٰوۃ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

[5] فتاوٰی ہندیہ الفصل فی الصلٰوۃ علی المیت مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۳

لیس للولی ان یعید[1]۔	تواب ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں۔

شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے: لایصلی علی میت الّا مرّۃ[2] (کسی مردے پر ایک سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔ سراج وہاج و بحر الرائق و ردالمحتار و جامع الرموز و جوہرہ نیّرہ و ہندیہ و مجمع الانہر وغیرہ میں ہے:

واللفظ للبحر عن السراج ان صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ[3]۔	سراج وہاج سے بحر الرائق کے الفاظ ہیں کہ اگر ولی نے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کے بعد اب کسی کو جائز نہیں کہ نماز جنازہ پڑھے۔

ان سب کتابوں میں بلفظ لم یجز، ولایجوز تعبیر میں فرمایا یعنی ناجائز ہے۔ ایسا ہی عبارات ہدایہ سے گزرا۔ اور یہی لایصلی ولایعید ولیس لہ کا مفاد اور یہی غیر مشروع سے مراد، مگر اس میں صاف تصریح ہے جس سے تمام اوہام منصرف اور باقی عبارات کی بھی مراد منکشف۔ یونہی ۱قدوری، ۲ہدایہ، ۳منیہ، ۴وقایہ ۵نقایہ ۶وافی، ۷کنز، ۸غرر، ۹اصلاح، ۱۰الملتقی، ۱۱تنویر، ۱۲نورالایضاح۔ ان بارہ۱۲ متنوں اور ان کی غیر سب میں تصریح ہے کہ نماز جنازہ جب ایک بار ہوچکی، فوت ہوگئی۔

مختصر: یجوز التیمم للصحیح المقیم اذا حضرت الجنازۃ والولی غیرہ فخاف ان اشتغل بالطہارۃ ان تفوتہ الصلٰوۃ[4]، ہدایۃ، تیمم الصحیح فی المصر اذاحضرت الخ وقال بالطہارۃ مکان بالوضوء وھو اشمل[5]، منیۃ، الصحیح فی المصر تیمم لصلٰوۃ الجنازۃ اذا خاف الفوت جاز	(۱) مختصر قدوری: تندرست مقیم کے لئے تیمّم جائز ہے جب جنازہ آجائے اور ولی دوسرا ہو، اندیشہ ہو اگر وضو میں لگے تو نماز جنازہ فوت ہوجائے گی۔ (۲) ہدایہ: تندرست شہر میں تیمّم کرلے جب جنازہ آجائے طہارت میں مشغول ہو تو فوت کا اندیشہ ہو۔ صاحبِ ہدایہ نے "وضو" کی جگہ "طہارت" کہا، یہ زیادہ جامع ہے۔ (۳) منیہ: تندرست شہر کے اندر

[1] بحر الرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۱/۲

[2] جامع الرموز فصل فی الجنازۃ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۸۵/۱

[3] بحر الرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۲/۲

[4] مختصر القدوری باب التیمم مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ص ۱۱

[5] الہدایۃ باب التیمم مطبوعہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۳۸/۱

الاالولی[1]۔وقایۃ، ھولمحدث وجنب وحائض ونفساء لم یقدرواعلی الماء، لخوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ، لغیرالولی[2]۔اصلاح، مثلہ وقال عجزوا عن الماء[3]۔نقایۃ، مایفوت لاالٰی خلف کصلاۃ الجنازۃ لغیرالولی[4]۔کنز ،صح لخوف فوت صلٰوۃ جنازۃ[5]۔ تنویر ،جازلفوت[6] وافی، مثل الکنز و زاد لم یکن ولیھا،غرر ،جازلمحدثٍ وجنب وحائض عجزوا من الماء ولخوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی[7] ملتقی، یجوز فی المصرلخوف فوت صلٰوۃ جنازۃ[8]۔نورالایضاح، العذر المبیح للتیمم خوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ[9]۔	نمازِ جنازہ کے لئے تیمّم کرے گا جب فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو مگر ولی کے لئے یہ نہیں۔ (۴) وقایہ: تیمّم بے وضو، جنب، حائض اور نفاس والی کے لئے ہے جب انہیں پانی پر قدرت نہ ہو اور غیر ولی کو نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ کے وقت بھی ہے (۵) اصلاح: اس کی عبارت بھی وقایہ کے مثل ہے فرق یہ ہے کہ اس میں کہا ہے جب یہ پانی سے عاجز ہوں (۶) نقایہ: جو فوت ہو اور اس کا کوئی بدل نہ ہو، جیسے غیر ولی کے لئے نماز جنازہ، کا کوئی بدل نہ ہو، (اس کے لئے تیمّم روا ہے) (۷) کنز: نماز جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ کے وقت تیمّم درست ہے (۸) تنویر: نماز جنازہ فوت ہونے کے وقت تیمّم جائز ہے۔ (۹) وافی: اس کی عبارت کنز کے مثل ہے اور یہ اضافہ ہے جب خود ولیِّ جنازہ نہ ہو (۱۰) غرر: تیمّم جائز ہے بے وضو، جنب اور حائض کے لئے جو پانی سے عاجز ہوں اور غیر ولی کے لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے۔(۱۱) ملتقی: نماز جنازہ کے فوت ہونے کے اندیشہ سے (۱۲) نورالایضاح: تیمّم کو مباح کرنے والا عذر نمازِ جنازہ فوت ہونے کا اندیشہ ہے (ت)

[1] منیۃ المصلی فصل فی التیمم مطبوعہ مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۵۸

[2] وقایہ مع شرح الوقایہ باب التیمم مطبوعہ المکتبۃ الرشید دہلی ۱/۹۵تا ۹۷

[3] اصلاح

[4] نقایۃ مختصر الوقایۃ فصل التیمم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۶

[5] کنزالدقائق باب التیمم مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷

[6] درمختار شرح تنویر الابصار باب التیمم مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳

[7] وافی

[8] ملتقی الابحر باب التیمم مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۳۲

[9] نورالایضاح باب التیمم مطبوعہ مطبع علیمی لاہور ص ۱۱

ہدایہ و مجمع الانہر میں ہے: لانہا لاتقضی فیتحقق العجز[1] (اس لئے کہ اس کی قضاء نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے۔ت) کافی امام نسفی میں ہے:

صلٰوۃ الجنازۃ والعیدتفوتان لاالی بدل لانہمالاتقضیان فیتحقق العجز البحر[2]۔	نمازِ جنازہ وعید فوت ہوں تو ان کا کوئی بدل نہیں اس لئے ان کی قضا نہیں ہوتی تو عجز متحقق ہے۔بحر۔(ت)

لانہا تفوت بلا خلف[3] (اس لئے کہ جنازہ بلا بدل فوت ہوجاتا ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایجوز التیمم مع وجود الماء الافی موضع یخشی الفوات لاالی خلف کصلٰوۃ الجنازۃ[4]۔	پانی ہوتے ہوئے تیمّم جائز نہیں مگر ایسی جگہ جہاں بلا بدل فوت کا اندیشہ ہو جیسے نماز جنازہ۔(ت)

عندالتحقیق ان سب عبارات کا بھی وہی حاصل کہ نماز جنازہ دوبارہ پڑھنی صرف مکروہ ہی نہیں بلکہ محض ناجائز ہے۔برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر شرح نظم الکنز للعلامۃ المقدسی پھر حاشیہ علامہ نوح آفندی پھر ردالمحتار شامی میں ہے:

مجرد الکراھۃ لایقتضی العجز المقتضی لجواز التیمم لانہا لیست اقوی من فوات الجمعۃ والوقتیۃ مع عدم جوازہ لہما[5]۔	محض کراہت اُس عجز کی مقتضی نہیں جو تیمّم کا جواز چاہتا ہے اس لئے کہ وہ جمعہ اور نماز وقتیہ کے فوت ہونے سے زیادہ قوی نہیں باوجودیکہ ان دونوں کے لئے تیمّم جائز نہیں(ت)

یہ چالیس ۴۰ کتابوں کی عبارتیں ہیں اور خود کثرتِ نقول کی کیا حاجت کہ مسئلہ واضح اور ظاہر، اور تمام کتب مذہب متون وشرح وفتاوٰی میں دائر وسائر صورتِ مستفسرہ میں کہ خود ولی پڑھ چکا تھا

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم مطبوعہ داراحیاالتراث العربی بیروت ۱/۴۱۴

[2] کافی وشرح وافی

[3] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب التیمم مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۳، شرح النقایہ للبرجندی فصل التیمم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/۴۶

[4] فتاوٰی خیریہ باب التیمم مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵

[5] ردالمحتار باب التیمم مطبوعہ مصطفی البابی ۱/۱۷۷

دوبارہ اعادہ نماز ہمارے سب ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اتفاق سے ناجائز وگناہ واقع ہوا، ایسی ناواقفی مانع گناہ نہیں کہ مسائل سے ناواقف رہنا خود گناہ ہے، اس لئے حدیث میں آیا:

ذنب العالم ذنب واحد وذنب الجاهل ذنبان قيل ولم يا رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم العالم يعذب علٰى ركوبه الذنب والجاهل يعذب علٰى ركوبه الذنب وترك التعلم[1]۔رواه فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عالم کا ایک گناہ اور جاہل کا گناہ دوگناہ کسی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کس لئے؟ فرمایا عالم پر وبال اسی کا ہے کہ گناہ کیوں کیا، اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کا اور دوسرا نہ سیکھنے کا۔ اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

عالم جس نے تاکید واصرار کرکے ان لوگوں سے نماز جنازہ کی تکرار کرائی اگر مدعی حنفیت ہے تو خود اپنے ہی مذہب کے حکم سے گنہگار رہے، اور فرقہ غیر مقلدین سے تو گناہگار درکنار بدمذہب وگمراہ ہے، اور ان دونوں صورتوں میں اس عالم پر اتنے گناہ لازم ہوئے جس قدر شمار حصارِ جماعت ثانیہ کا تھا، اور اس پر ایک زائد، مثلاً دوسری دفعہ اس کے اصرار سے سَو آدمیوں نے نماز پڑھی تو ان میں سے ہر ایک پر دو دوگناہ، ایک گناہِ فعل دوسرا گناہِ جہل۔ اور اس عالم پر ایک سوایک گناہ، ایک اپنا اور سو ان کے فعل کے۔ آخری یہی داعی بگناہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الٰى ضلالة كان عليه من الاثم مثل اٰثام من تبعه لاينقص ذلك من اٰثامهم شيئا[2]۔رواه الائمة الاحمد ومسلم والاربعة عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی ضلالت کی طرف بلائے سب ماننے والوں کے برابر گناہ اُس پر ہوا اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہیں آئی۔ اسے امام احمد، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

یعنی یہ نہ ہوگا کہ اس کی ترغیب کے باعث گناہ ہونے کے سبب وہ گناہ سے بچ رہیں یا اس پر صرف

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۴۵ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۲/ ۲۴۸

[2] جامع الترمذی ابواب العلم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۲

اپنے ہی فعل کا گناہ ہو، بلکہ وہ سب اپنے اپنے گناہ میں گرفتار اور اُن سب کے برابر اس ترغیب دہندہ پر بار، والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ اور بالفرض شافعی المذہب بھی ہوتا تو سخت جاہل تھا کہ دوسرے مذہب والوں کو ایسے امر پر مصر ہُوا جوان کے مذہب میں توگناہ تھا اور اس کے اپنے مذہب میں بھی مکروہ۔ امام ابویوسف اردبیلی شافعی "کتاب الانوار لاعمال الابرار" میں فرماتے ہیں:

لایستحب لمن صلی جماعة او منفردًا اعادتها جماعة او انفرادًا بل یکره[1]۔	یعنی جس نے نماز جنازہ جماعت سے خواہ تنہا پڑھ لی اس کے لئے دوبارہ جماعت میں خواہ تنہا پڑھنی پسندیدہ نہیں بلکہ مکروہ ہے۔ (ت)

اور اگر کراہت نہ بھی لیجئے تو اس قدر تو ضرور کہ باجماع تمام امت مرحومہ کسی کے نزدیک ضروری نہ تھا۔ پھر آپ نے کس آیت و حدیث کس امام کے قول سے اختیار کیا تھا کہ غیر مذہب والوں سے بااصرار ایسے امر کا ارتکاب کرائے جو اُن کے مذہب میں ناجائز اور اپنے نزدیک محض بے حاجت، شافعیہ وغیرہم بعض علماء اگرچہ اُس کے لئے جس نے ہنوز نمازِ جنازہ نہ پڑھی نماز اول ہو جانے کے بعد بھی اجازت نماز دیتے ہیں مگر اس مدعیِ علم کا پڑھ چکنے والوں پر یہ اصرار خصوصًا اس حالت میں کہ خود ولی اقرب بھی انہیں میں ہے اور اسکا وہ علی رؤس الاشہاد زعم واظہار کہ تین روز تک جتنی بار چاہے نماز پڑھے، جیسا کہ فاضل سائل نے اپنے خط میں ذکر فرمایا یہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اصلًا مذہب کے مطابق نہیں، نہ شرع مطہر سے اس پر کوئی دلیل، اگر سچّا ہے تو اس اصرار اور اس اظہار کی دلیل پیش کرے ورنہ اپنے جہل وسفاہت اور امرِ شرع میں بیباکی وجرات کا مقر ہو قل قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۶۴﴾[2] (کہو اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچّے ہو۔ ت) حضرات غیر مقلدین بلکہ تمام طوائف مبطلین کی عادت ہے کہ جب کچھ اپنے مفید مطلب نہیں پاتے الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سوار پکڑتا ہے نری بے علاقہ باتیں، جنہیں ان کے دعوی سے اصلًا مس نہیں بلکہ جوشِ غضب میں مدہوش ہو کر اپنے مضر و مخالف دلیلوں سے استناد کر بیٹھتے ہیں، جیسے ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے ان کی سب سے بڑی تالیف معیار وغیرہ میں بکثرت وبے شمار واقع ہوا، نمونہ درکار ہو فقیر کا رسالہ ملاحظہ ہو حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین جس کا لقب تاریخی بعض ظرفا نے حجة الحین عــہ علی

عــہ: حَین بالفتح بمعنی مرگ ۱۲منہ (م ۱۲)

[1] کتاب الانوار لاعمال الابرار کتاب الجنائز فصل الصلوٰۃ الجنازۃ مطبعہ جمالیہ مصر ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن ۲/ ۶۴

نذیر حسین رکھا، دو برس ہوئے بعض غیر مقلدین نے سفر میں ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھنے پر زور دیا اور اس مسئلہ کی تقریر جو دہلوی صاحب نے معیار میں بہت چمک کر کی اُس پر ناز تھا، فقیر غفراللہ تعالٰی سے سوال ہوا اس کے جواب میں یہ عجالہ لکھا گیا جس میں بحمد اللہ تعالٰی مذہب حنفیّہ کا احقاق و اثبات اور خلاف و مخالفت کا ایہان و اسکات بعون باری روشن وجہ پر واقع ہُوا کہ اس رسالہ کے سوا کہیں نہ ملے گا۔اُس کو دیکھنے سے ان محدث صاحب کی حدیث دانی کے جلوے کھلتے ہیں،ایک ہی مسئلہ کی بحث سے روشن ہوتا ہے کہ حضرت کو نہ احادیث پر نظر نہ اسانید سے خبر، نہ علم رجال نہ طریق استدلال۔ مفید و عبث میں تمیز درکنار، نافع و مضر میں فرق دشوار۔ مگر ائمہ امّت وکبرائے ملّت پر مُنہ آنے کو تیار کَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ (خدا اس طرح ہر متکبر زبردستی والے کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔ت) بھلا اس مسئلہ میں شیخ صاحب کے لئے سلف موجود تھا کتب شافعیہ وغیرہ گداگری اجتہاد کا بھرت پورا کرلیا۔ اس مسئلہ میں یہ مدعی صاحب ایجاد بندہ بنانے کو کسی کا تیار مال نہ پائیں گے،ظاہر ہے جو کچھ جوہر علم و عقل دکھائیں گے فضول و بے معنی کلمات کے رد میں خواہی نخواہی تضیع اوقات ہوتی ہے لہٰذا قصر مسافت و دفع کثافت کے لئے پہلے ہی چند ہدایتیں مناسب کہ اگرچہ بعد تنبیہ بھی اُن سے عدول ہو تو ہمارا یہی کلام اُسکا پیشگی جواب معقول ہو۔ان مجتہد صاحب کے دعوے یہ ہیں کہ نماز جنازہ اگرچہ بروجہ کامل ہو چکی اگرچہ ولی احق ادا کرچکا ہو مگر پھر اُسے اور سب پڑھ چکنے والوں کو چاہئے کہ دو بار پڑھیں، اصرار نہ ہوگا مگر کسی امر ضروری یا لااقل مستحب پر معہذا جو نماز شرعًا ماذون فیہا ہوگی کم از کم مستحبہ ہوگی، کہ یہ نماز مباح محض جس کے کرنے نہ کرنے میں کسی ثواب و فضل کی اصلًا امید نہ ہو، شرعًا زنہار معہود نہیں،اور یہ تکرار تین روز تک متواتر جائز اور تین روز پر شرعًا محدود، پچھلے دعووں کے ثبوت میں جو کچھ درکار وہ خود آشکار، دلیل معتمد شرعی چاہئے جو تین روز کی اجازت دے اور اسی قدر تحدید کرے، بیچارے بے علم مسلمانوں کے سامنے جو منہ پر آئے کہہ دے آسان ہے، ثبوت دیتے حال کھلتا ہے۔رہا پہلا دعوی اسکے لئے کوئی حدیث دکھائیں کہ حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہو نماز جنازہ کئی کئی بار پڑھا کرو، اتنا ہی ارشاد فرمایا ہو کہ جب نماز جنازہ پڑھ لو پھر اعادہ کرو، یا[۳] اسی قدر سہی کہ پڑھنے والو! جو ولی احق کے ساتھ یا اس کے اذن سے ادا کر چکے ہو پھر اعادہ کرو تو بہتر ہے یا[۴] اسی قدر کہ تمہارے لئے حرج نہیں یا نہ[۵] سہی، اتنا ہی آیا ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمازِ جنازہ بار بار یا دو[۲] ہی بار پڑھا کرتے یا[۶] اس سے درگزر کرے اسی قدر ثابت ہو کہ ولی احق پڑھ چکا تھا بعدہ پھر اُسی نے اور دیگر پڑھ چکنے والوں یا صرف اُسی نے یا صرف اور بعض مصلیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے دو بار پڑھی اور حضور نے منع نہ فرمایا،
[۷] حضور کو خبر پہنچی اور حضور

نے جائز رکھا۔ یہ سات صورتیں ثبوت کی ہیں جن میں چار پہلے ثبوت قولی اور پانچویں فعلی اور دو باقی تقریری۔ ان میں جس ہلکی سے ہلکی، آسان سے آسان صورت پر قدرت پاؤ پیش کرو اور جب جان لو کہ سب راہیں بند ہیں تو پھر شرع مطہر پر افترا یا اقل درجہ احکام اللہ میں بیباکی واجترا کا اقرار کرنے سے چارہ نہیں۔ مسلمان ان مجتہد صاحب سے بے ثبوت لئے نہ مانیں، اگر ساتوں وجہ سے عاجز پائیں تو اتنا دریافت کر دیکھیں کہ حدیث سنن دارمی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[1]۔	جو تم میں فتوٰی دینے پر زیادہ جری ہے آتشِ دوزخ پر زیادہ جرات رکھتا ہے۔

اس میں آپ حضرات تو داخل نہیں؟ اگر بحکم آنکہ ع:

وقتِ ضرورت چو نماند گریز

(ضرورت پر بھاگنے کے سوا چارہ نہیں۔ت)

مجبورًا یہ کسی واقعہ حال کا دامن پکڑلے تو اتنا یاد رہے کہ واقعہ عین لاعموم لہا، وقائعِ خاصہ احکامِ عامہ نہیں ہوتے، وُہ ہر گونہ احتمال کے محل ہوتے ہیں۔

اوّلًا آپ کو ثابت کرنا ہوگا کہ پہلے اس جنازہ پر صلوٰۃ ہوچکی تھی، مجرد استبعاد کہ بھلا صحابہ اس وقت نہ پڑھتے۔

اقول: وباللہ التوفیق یہ کافی نہ ہوگا کہ نمازِ جنازہ ہمیشہ سے فرض نہ تھی۔ حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کے جنازہ مقدس پر اس لئے نماز نہ ہوئی کہ اس وقت تک اس کی فرضیت ہی نہ تھی، تو ایک تو بہ سندِ صحیح یہ ثابت کیجئے کہ یہ کب، کس سال، کس ماہ میں اس کی فرضیت اتری۔ مجرد حکایات بے سند مسموع نہ ہوں گی کہ آپ مجتہد ہو کر قیل وقال کی تقلید نہیں کرسکتے، پھر بدلیل صریح یہ مبرہن کیجئے کہ یہ واقعہ عین بعد فرضیت ہی تھا، مجرد وقوع صلوٰۃ مفید فرضیت نہ ہوگا۔ شرع میں اس کی نظائر موجود کہ بعض افعال بلکہ خاص نماز کا قبل فرضیت وقوع ہُوا بعد کو فرضیت اتری، جیسے اسعد بن زرارہ وغیرہ انصار کرام اہل مدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قبل فرضیتِ جمعہ، جمعہ پڑھنا،

کمارواہ عبدالرزاق ومن طریقہ عبدبن حمید فی تفسیرہ بسند صحیح	جیسا کہ اسے عبدالرزاق نے اور ان ہی کے طریق سے عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں بسند صحیح روایت کیا

[1] سنن الدارمی باب الفتیا ومافیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۵۳

وقد بیناہ فی رسالتنا لوامع البھاٰفی المصر للجمعۃ والاربع عقیبھا۔	اور اسے ہم نے اپنے رسالہ "لوامع البہافی المصر للجمعۃ والاربع عقیبہا" میں بیان کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جماعت تراویح اسی خیال سے ترک فرمادی کہ مداومت کئے سے فرض نہ ہوجائے[1]۔ کما رواہ السنۃ من زید بن ثابت والشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا (جیسا کہ اسے اصحاب ستّہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرت زید بن ثابت سے اور شیخین (بخاری، مسلم) نے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت) اگر کسے نماز میں نفسِ وقوع ہی فرضیت بتادے گا کہ یہ نماز شرع میں فرض ہی ہوکر معہود ہوئی ہے نفلی طور پر اصلاً مشروع نہیں

اقول: اب راہ پر آگئے اسی لئے توائمہ کرام اس کی تکرار کو نامشروع فرماتے ہیں کہ شرع مطہر میں یہ نماز بروجہ تنفل نہیں اور اس کی فرضیت بالاجماع بسبیل الکفایہ ہے، اور فرض کفایہ جب بعض نے ادا کرلیا ادا ہوگیا، اب جو پڑھے گا نفل ہی ہوگا۔ اور اس میں تنفل مشروع نہیں۔

ثانیاً ثبوت دیجئے کہ اُس واقعہ میں صلاۃ بمعنی ارکان مخصوصہ تھی، صلاۃ علٰی فلاں بمعنی دعا نصوص شرعیہ میں شائع وذائع ہے۔

قال تعالٰی خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے نبی! مسلمانوں کے مال سے زکوٰۃ تحصیل فرماکر اس کے سبب تُو ان کو پاک اور ستھرا کرے اوران پر صلاۃ کر، بیشک تیری صلاۃ اُن کے لئے چین ہے۔

اسی آیت کے حکم سے جب لوگ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس زکوٰۃ حاضر کرتے حضوران کے حق میں دُعافرماتے:

اللھم صل علٰی فلان[3] کمارواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ و غیرھم عن عبداللہ بن	اے اللہ! فلاں پر رحمت نازل فرما۔ جیسا کہ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت ابی اوفٰی

[1] صحیح البخاری باب فضل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۹، صحیح مسلم الترغیب فی قیامِ رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۹

[2] القرآن ۹/۱۰۳

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/۲۰۳، وکتاب الدعوات ۲/۹۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ	رضی اللہ عنہمارضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔(ت)

اسی طرح آیہ کریمہ:

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾[1]۔ اللھم صل وسلم وبارك علیه وعلی اٰله وصحبه وکل منتم الیه۔	بیشک خدااوراس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! تم بھی ان پر درودپڑھواور خوب خوب سلام بھیجو۔(ت) اے اللہ! ان پر درود وسلام وبرکت نازل فرما اور ان کی آل واصحاب اوران سے ہر نسبت وتعلق رکھنے والے پر بھی۔(ت)

کریمہ ھُوَالَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ[2](وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے تم پر اوراس کے فرشتے۔ت) کریمہ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَیَتَّخِذُ مَا یُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰہِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ[3] (اور کچھ گاؤں والے وُہ ہیں جواللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھیں۔ت) وغیرہ صلوٰۃ بمعنی دُعاہے، علماء نے حدیث مؤطائے امام مالک وسنن نسائی عن ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہامیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انی بعثت الی اھل البقیع لاصلّ علیھم[4]۔	میں اہل بقیع کی طرف بھیجا گیاکہ ان پر صلوٰۃ کروں۔ صلوٰۃ کو بمعنی استغفار ودُعالیا۔

اقول: بلکہ سُنن نسائی کی دوسری روایت میں ہے:

ان جبریل اتانی (فذکر الحدیث قال) فامرنی ان اٰتی البقیع فاستغفرلھم قلت له کیف اقول یارسول اللہ قال قولی السلام علی اھل الدارمن المؤمنین	یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاجبرئیل میرے پاس آئے مجھے حکم فرمایاکہ بقیع جاکر اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کیایارسول اللہ! کس طرح

---

[1] القرآن ۳۳/ ۵۶

[2] القرآن ۳۳/ ۴۳

[3] القرآن ۹/ ۹۹

[4] سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۸۷

والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین مناوالمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون [1]۔	کہوں، حضور نے دعاءِ زیارت قبور تعلیم فرمائی السلام علٰی اھل الدار من المؤمنین والمسلمین ویرحم اللہ المستقدمین مناوالمستاخرین واناان شاء اللہ بکم لاحقون۔

یہ توخود حدیثِ بخاری ومسلم وابی داؤد والنسائی عن عقبۃ بن عامر ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرج یومًا فصلی علی اھل احد صلٰوتہ علی المیّت [2] (حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دن احد تشریف لے جاکر اہلِ احد پر صلٰوۃ پڑھی جیسے میّت پر صلٰوۃ پڑھی جاتی ہے۔ت) میں بھی علماء نے صلٰوۃ بمعنی دُعا لی۔ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

زاد(البخاری)فی غزوۃ احد من طریق حَیْوٰۃ بن شریح عن یزید بعد ثمان سنین والمراد انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعاء لھم بدعاء صلٰوۃ المیّت ولیس المراد صلٰوۃ المیت المعھودۃ کقولہ تعالٰی وصل علیھم الاجماع یدل لہ لانہ لایصلی علیہ عندناوعند ابی حنیفۃ المخالف لایصلی علی القبر بعد ثلثۃ الایام [3]۔	امام بخاری نے غزوہ اُحد کے بیان میں بطریق حَیْوَہ بن شریح عن یزید "آٹھ سال بعد"کا اضافہ کیا، یعنی اہلِ اُحد کے لئے صلٰوۃ مذکور کا واقعہ ان کی شہادت کے آٹھ سال بعد کا ہے---اور صلٰوۃ سے مراد یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے وہی دعا کی جو نمازِ میّت میں ہوتی ہے، معروف نمازِ جنازہ مراد نہیں۔ جیسے ارشاد باری تعالٰی"صل علیھم "کا معنی ان کے لئے دعا کرو۔اس مراد کی دلیل اجماع ہے اسلئے کہ ہمارے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں، اور امام ابوحنیفہ جو اس بارے میں ہمارے مخالف ہیں ان کے نزدیک تین دن کے بعد قبر پر نمازِ جنازہ نہیں۔(ت)

پھر امام نووی شرح مہذب پھر امام سیوطی مرقاۃ الصعود شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

قال اصحابنا وغیرھم ان المراد من	ہمارے علماء اور دیگر حضرات نے فرمایا کہ یہاں

[1] سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/۲۸۷

[2] سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/۲۷۷

[3] ارشاد الساری شرح البخاری باب الصلٰوۃ علی الشھید دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۴۰

یهان الصّلوة ھٰهنا الدعاء وقوله صلوته علی المیّت ای دعاء لهم کدعاء صلٰوة المیت ولیس المراد صلاة الجنازة المعروفة بالاجماع [1] اھ مختصرا۔	صلٰوۃ سے مراد دعا ہے اور صلٰوتہ علی المیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے نمازِ میّت میں دُعا ہوتی ہے وہی دعا ان کے لئے کی، اور معروف نمازِ جنازہ بالاجماع مراد نہیں اھ مختصراً(ت)

اسی طرح وصالِ اقدس کے بعد حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جو صلٰوۃ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ادا کی ایک جماعتِ علماء اسے بھی بمعنی درود ودعا لیتی ہے اور حدیثِ امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہی ظاہر:

اخرج ابن سعد عن عبداللّٰہ بن محمد بن عبد اللّٰہ بن عمر بن علی بن ابن ابی طالب عن ابیه عن جدّہ عن علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنه قال لما وضع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم علی السریر قال الایقوم علیه احد هوامامکم حیًا ومیّتًا فکان یدخل الناس رسلًا رسلا فیصلون علیه صفاصفا لیس لهم امام ویکبرون وعلی قائم بحیال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم یقول السلام علیك ایها النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته اللهم انانشهدان قد بلغ ماانزل الیه ونصح لامته وجاهدفی سبیل اللّٰہ حتی اعزاللّٰہ دینه وتمّت کلمته اللهم فاجعلنامن تبع ما انزل الیه وثبتنا بعده واجمع بینناوبینه فیقول الناس امین حتی صلی	ابن سعد نے عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن علی بن ابی طالب سے تخریج کی کہ انہوں نے اپنے والد سے بواسطہ اپنے دادا علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا یعنی جب حضور پُر نور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غسل کے دے کر سریر منیر پر لٹایا حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے کوئی امام بن کے کھڑا نہ ہو کہ وہ تمہارے امام ہیں اپنی زندگی دنیاوی میں اور بعد وصال بھی۔ پس لوگ گروہ در گروہ اور پرے کے پرے حضور پر صلٰوۃ کرتے کوئی ان کا امام نہ تھا۔ علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑے عرض کرتے تھے: سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ الٰہی! ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور نے پہنچادیا جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا اور ہر بات میں اپنی امّت کی بھلائی کی اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے اپنے دین کو غالب کیا

[1] شرح المھذب للنووی فرع فی مذاہب العلماء فی غسل الشہید الخ المکتبہ السلف۔یہ مدینہ منورہ ۵/۲۹۵

علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان [1]۔	اور اللہ کا قول پُورا ہوا۔ الٰہی! تو ہم کو ان پر اتاری ہوئی کتاب کے پیرؤوں سے کر اور اُن کے بعد بھی اُن کے دین پر قائم رکھ اور قیامت ہمیں ان سے ملا۔ مولا علی یہ دعا کرتے اور حاضرین آمین کہتے، یہاں تک کہ اُن پر مردوں پھر عورتوں پھر لڑکوں نے صلوٰۃ کی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (ت)

اور یہی ظاہر اس حدیث کا ہے جو ابن سعد و بیہقی نے محمد بن ابراہیم تیمی مدنی سے روایت کی:

لما کفن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ووضع علی سریره دخل ابوبکر وعمر فقالا السلام علیك ایها النبی ورحمة وبرکاته ومعهما نفر من المهاجرین والانصار قدرمایسع البیت فسلموا کما سلم ابوبکر وعمر وهمافی الصف الاول حیال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اللهم انا اشهد ان قد بلغ ماانزل الیه ونصح لامته وجاهد فی سبیل الله حق اعزالله دینه وتمت کلماته فاومن به وحده لا شریك له فاجعلنایاالٰهنا ممن یتبع القول الذی انزل معه راجمع بینناوبینه حتی نعرفه وتعرفه بنافانه کان بالمؤمنین رؤفا رحیما لانبغی بالایمان بدلا ولا نشتری به ثمنا ابدا فیقول الناس اٰمین اٰمین ثم یخرجون ویدخل علیه اٰخرون حتی صلوا علیه الرجال ثم النساء ثم الصبیان [2]۔	یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کفن دے کر سریر مبارک پر آرام دیا صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حاضر ہو کر عرض کی: سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی مہر اور اس کی افزونیاں، اور دونوں حضرات کے ساتھ ایک گروہ مہاجرین اور انصار کا تھا جس قدر حجرہ پاک میں سما جاتا اُن سب نے یوں ہی سلام عرض کیا اور صدیق وفاروق پہلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے کھڑے یہ دعا کرتے: الٰہی! میں گواہی دیتا ہوں کہ جو کچھ تو نے اپنے نبی پر اتارا حضور نے امت کو پہنچایا اور اس کی خیر خواہی میں رہے اور راہِ خدا میں جہاد فرمایا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے اپنے دین کو غلبہ دیا اور اللہ کی باتیں پوری ہوئیں، تو ایک اللہ پر ایمان لایا گیا اُس کا کسی کو شریک نہیں تو اے معبود ہمارے! ہمیں ان کی کتاب کے پیروؤں میں کر جو اُن کے ساتھ اُتری اور ہمیں اُن سے ملا کہ ہم انہیں پہچانیں اور تو ہماری پہچان انہیں کرادے کہ وہ مسلمانوں پر رحم دل تھے۔ ہم نہ ایمان کسی چیز سے

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر الصلٰوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/۲۹۱

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر الصلٰوۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/۲۹۰

بدلنا چاہیں نہ اس کے عوض کچھ قیمت لینا۔ لوگ اس دُعا پر آمین آمین کہتے، پھر باہر چلے جاتے اور دوسرے آتے یہاں تک کہ مردوں، پھر عورتوں، پھر بچوں نے حضور پر صلوٰۃ کی۔ (ت)

بزار وحاکم وابن سعد وابن منیع وبیہقی وطبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

از غسلتمونی وکفنتمونی علٰی سیریری ثم اخرجواعنی فاٰن اول من یصلی علی جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملك الموت مع جنودہٖ من الملئِکة باجمعھم ثم ادخلو اعلی فوجا فصلوا علی وسلمو تسلیما[1]۔	جب میرے غسل وکفن مبارک سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ، سب میں پہلے جبرئیل مجھ پر صلوٰۃ کریں گے پھر میکائیل، پھر اسرافیل، پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ، پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود سلام عرض کرتے جاؤ۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

قال البیھقی، تفردبه سلام الطویل عن عبدالملك بن عبدالرحمٰن وتعقبه ابن حجر فی المطالب العالیة باٰن ابن منیع اخرجه من طریق مسلمة بن صالح عن عبدالملك به فھذہ متابعة السلام الطویل واخرجه البزار من وجه اٰخر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه[2]۔	بیہقی نے کہا: عبدالملک بن عبدالرحمٰن سے اسکی روایت میں سلام طویل منفرد ہیں۔ اس پر علامہ ابن حجر نے "مطالب عالیہ" میں تعاقب فرمایا کہ اسے ابن منیع نے بطریق مسلمہ بن صالح، عبدالملک سے اسی سند سے روایت کیا ہے تو یہ سلام طویل کی متابعت ہو گئی اور اسے بزار نے ایک اور طریق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اس حدیث سے بھی ظاہر کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنے جنازہ اقدس کی نسبت اسی قدر تعلیم فرمائی کہ گروہ گروہ حاضر ہو کر درود وسلام پڑھتے جانا۔ شرح موطائے امام مالک للعلامۃ الزرقانی میں بعد ذکر حدیث مذکور امیر المومنین علی ہے:

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب المغازی دار الفکر بیروت ۳/ ۶۰

[2] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالصلوٰۃ علیہ افراداً الخ دار الکتب الحدیثیہ مصر ۳/ ۳۹۵

ظاہر ھذا، ان المرادبالصلٰوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماذھب الیہ جماعۃ ان من خصائصہ انہ لم یصل علیہ اصلاوانماکان الناس یدخلون فیدعون ویفترقون، قال الباجی ولھذا وجہ وھوانہ افضل من کل شھید والشھید یغنیہ فضلہ عن الصلٰوۃ علیہ وانما فارق الشھید فی الغسل لانہ حذرمن غسلہ ازالۃ الدم عنہ، وھومطلوب بقائہ لطیبہ ولانہ عنوان بشھادتہ فی الاٰخرۃ ولیس علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایکرہ ازالتہ عنہ فافترقاانتھی ای ماافادالامام ابوالولید۔ ثم نقل عنہ جواباً ان المقصود من الصلٰوۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم عودالتشریف علی المسلمین مع ان الکامل یقبل زیادۃ التکمیل۔ ثم اثرعن القاضی عیاض تصحیح ان الصلٰوۃ کانت ھی المعروفۃ لامجرد الدعا[1] فقط اھ	اسکاظاہر یہی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلٰوۃ سے مراد وہی ہے جوایک جماعت کامذہب ہے کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ ان کی نمازِ جنازہ بالکل نہ پڑھی گئی، پس یہ ہوا کہ لوگ داخل ہوتے اور دعاکرکے جداہوجاتے --باجی نے فرمایا: اس کی ایک وجہ ہے، وہ یہ کہ سرکار ہر شہید سے افضل ہیں اور شہید کواس قدر فضیلت حاصل ہے کہ اس کی نماز جنازہ کی ضرورت نہیں۔ رہایہ کہ غسل کے بارے میں سرکار کا معاملہ شہید سے الگ رہاتو اس کی وجہ یہ ہے کہ شہید کو غسل اس لئے نہیں دیاجاتا کہ اس پر جوخون لگا ہے وہ زائل ہوجائے گا جبکہ پاکیزگی کے باعث اس کا باقی رہنا مطلوب ہے--اور اس لئے بھی کہ آخرت میں وہ اس کی شہادت کانشان ہوگا--اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم پر ایسی کوئی چیز نہیں جسے زائل کرنا پسندیدہ نہ ہو--اس لئے یہ حکم الگ الگ--امام ابوالولید باجی کاافادہ ختم ہوا۔ پھراس کاجواب نقل کیاکہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو شرف حاصل ہو--- دوسرے یہ کہ کامل مزید تکمیل کے قابل ہوتا ہے۔ پھرامام قاضی عیاض سے اس کی تصحیح نقل کی کہ وہ صلٰوۃ یہی معروف نمازِ جنازہ تھی محض دعانہ تھی۔

[1] شرح الزرقانی علی موطاالامام مالک ۱۴۹ باب ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۶۶/۲

اقول: اماالجواب فلایمسماینحوالیہ ابوالولید فانہ لایدعی احالتہ الصّلٰوۃ المعروفۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانھا لاوجہ لھا حتی یثبت جوازھا ویذکر توجیھا وانمایقول ان لترکھا اوجھا ان وقع وھو کذلك ولاینافیہ ان لفعلھا ایضاوجہ اووجوھا۔ان ماذکر المجیب متمش فی الشھیدایضاوالکلام علی مذھب من یقول لایصلی علیہ اما قبول الزیادۃ فبدیھی واما انتفاع المسلیمین فکذلك وقدروی الامام الترمذی محمد بن علی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوّل تحفۃ المومن ان یغفر لمن صلی علیہ[1] ورواہ الدارقطنی فی الافراد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ اوّل مایتحف بہ المومن اذادخل قبرہ	**اقول:** امام ابوالولید کا جو مطمح نظر ہے اس سے جواب کو مس نہیں، اس لئے کہ وہ اسکے مدعی نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز جنازہ محال ہے، اور اس کی ادائیگی کوئی وجہ نہیں رکھتی، جوابًا اس کا جواز ثابت کیا جائے اور اس کی کوئی وجہ ظاہر کی جائے---وُہ صرف یہ فرمارہے ہیں کہ اگر سرکار کی نماز نہیں پڑھی گئی تو اسکی ایک وجہ ہے--اور وہ اس طرح ہے--اب اگر ادائے نماز کی بھی ایک وجہ یا چندوجہیں ہیں تو یہ ان کے بیان کے منافی نہیں۔اور مجیب نے جو ذکر کیا ہے وُہ شہید کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے-- یہ کلام ان لوگوں کے مذہب پر ہوگا جو شہید کی نمازِ جنازہ کے قائل نہیں--شہید کا زیادتی کمال کے قابل ہونا تو بدیہی ہے-- رہا مسلمانوں کا فائدہ پانا تو وہ بھی ایسا ہی تھا--امام ترمذی محمد بن علی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی سے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مومن کا سب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی ہے اور اسے دارقطنی نے افراد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن جب قبر میں

[1] نوادرالاصول الاصل الرابع والخمسون دارصادر بیروت ص ۷۸

ان یغفر لمن صلی علیه [1] ورواه عبدبن حمید والبزاروالبیهقی فی شعب الایمان عنه رضی الله عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ ان اوّل مایجازی به المومنین بعد موته ان یغفر لجمیع من تبع جنازة [2] ورواه ابن ابی الدنیافی ذکر الموت والخطیب عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ ان اوّل تحفة المؤمن ان یغفرلمن خرج فی جنازته [3] وروی الدیلمی فی مسند الفردوس عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا مات الرجل من اهل الجنة استحی الله عزوجل ان یعذب من حمله ومن تبعه ومن صلی علیه [4] وروی ابوبکر بن ابی شیبة وابوالشیخ وابن حبان فی کتاب الثواب عن سلمان فارسی	داخل ہوتا ہے تواس کو سب پہلا تحفہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس کی نماز پڑھنے والوں کی مغفرت کردی جاتی ہےاوراسے عبدبن حمید،بزار اور شعب الایمان میں بیہقی نے ان ہی (حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما) کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا کہ: مومن کوبعد موت سب سے پہلا صلہ یہ دیاجاتا ہے کہ اس کے جنازہ کے پیچھے چلنے والے سب لوگوں کو بخش دیا جاتا ہے اورابن ابی الدنیا نے ذِکر موت میں اورخطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ: مومن کاسب سے پہلا تحفہ یہ ہے کہ جولوگ اس کے جنازہ میں نکلے ان کی مغفرت کردی جاتی ہے اوردیلمی نے مسند الفردوس میں انہی(جابر بن عبداللہ) کی روایت سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب اہل جنت کاکوئی شخص انتقال کرتا ہے تو اللہ عزوجل حیافرماتاہے کہ ان لوگوں کو عذاب دے جواس کاجنازہ لے کر چلےاورجواس کے پیچھے چلے اور جنہوں نے اس کی نماز پڑھی۔ اورابوبکر بن ابی شیبہ، ابوالشیخ اورابن حبان نے کتاب الثواب میں بروایت سلمان

[1] کنزالعمال بحوالہ الدارقطنی فی الافراد حدیث ۴۲۳۵۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۵۹۵/۱۵

[2] شعب الایمان باب فی الصلٰوۃ علی من مات حدیث ۹۲۵۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/۷

[3] تاریخ بغداد ترجمہ نمبر ۲۷۶۸ محمد بن راشد البغدادی دارالکتاب العربی بیروت ۲۷۴/۵

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۱۰۸ دارالبازمکۃ المکرمہ ۲۸۲/۱

رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اول مایبشربه المومن ان یقال ابشرولی اللہ برضاوالجنة قدمت خیرمقدم قدغفر اللہ لمن تبعك واستجاب لمن استغفر لك وقبل من شهد لک[1]۔واما تصحیح عیاض اقول لامتمسك فیه للمخالف المدعی للاجتهاد وکیف یجوزله ان یقلد عیاضا وهو لایقلد من یقلده عیاض اعنی الامام مالك ولا من هو اکبرمنه اعنی الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنهما۔ثم حسبنافی قبول التصحیح ان نقول نعم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم صلٰوۃ الجنازۃ مرۃ وذلك حین تمت البیعته علی یدالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه صحت ولایته اما قبل ذلك فما کان الناس لایدعون وینصرفون ثم اذاصلی الصدّیق	فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ: سب سے پہلے مومن کو جو بشارت دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس سے کہا جاتا ہے اے خدا کے ولی! تجھے اس کی خوشنودی کا مژدہ ہو، جنت تیرے خیر مقدم کو تیار ہے اور اللہ نے تیرے جنازے کے ساتھ چلنے والوں کی مغفرت فرمادی اور تیرے لئے استغفار کرنے والوں کی دُعا قبول کی اور تیرے لئے شہادت دینے والوں کو قبول فرمایا۔ رہی قاضی عیاض کی تصحیح، تو میں کہتا ہوں اس میں مخالف مدعی اجتہاد کے لئے کوئی جائے تمسک نہیں، اس کے لئے قاضی عیاض کی تقلید کیسے روا ہوگی جب کہ وہ ان کی بھی تقلید نہیں کرتا جن کے قاضی عیاض مقلّد ہیں یعنی امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ، نہ ان کی جو ان سے بزرگ ہیں یعنی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔پھر ہمارے لئے قبول تصحیح کے معاملے میں یہ کہنا کافی ہے کہ ہاں ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی-- وُہ اس وقت جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ پر بیعت تمام ہوئی اور ان کی ولایت صحیح ہوگئی۔اس سے قبل صرف یہ تھا کہ لوگ آکر دعا کرتے اور لوٹ جاتے۔ پھر جب حضرت صدیق نے نماز ادا کی تو

[1] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۴۲۳۵۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵۹۶/۱۵

لم یصل علیه احد بعدکما سنذکر الجزم به عن الامام شمس الائمه السرخسی رحمة الله علیه۔	اس کے بعد کسی نے حضور کی نماز جنازہ نہ پڑھی-- جیسا کہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر جزم ہم آگے نقل کریں گے۔

ثالثاً ثبوت دینا ہوگا کہ پہلی نماز ولی احق نے خود پڑھی تھی پھر اعادہ کی، قطع نظر اس سے کہ جب نماز اوّل نہ ولی احق نے خود پڑھی نہ اس کے اذن سے ہُوئی تو اُسے ہمارے نزدیک بھی اعادہ کا اختیار ہے۔ ان مجتہد صاحب کا وہ حکم واصرار صحیح ٹھہرانا خاص اسی صورت کے ثبوت پر موقوف کہ یہاں واقعہ یہی تھا۔

اقول: وبالله التوفیق زمانہ اقدس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: **اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ** [1] (نبی مسلمانوں کے انکی جانوں سے زیادہ مالک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی بالمؤمنین من انفسهم [2]۔ رواه احمد و الشیخان والنسائی وابن ماجة عن ابی ہریرہ رضی الله تعالٰی عنه۔	میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہوں۔ اسے امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا (ت)

توجو نماز قبل اطلاع حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صورت ہے کہ نمازِ اول غیر ولی احق نے پڑھی، ولی احق اختیارِ اعادہ رکھتا ہے اسے ان مجتہد صاحب کی صورت سے کچھ علاقہ نہ ہوگا خصوصاً جب کہ پہلے سے ارشاد فرمایا ہو کہ فلاں مریض جب انتقال کرے ہمیں خبر دینا کہ آخر یہ ارشاد اسی لئے تھا کہ خود نماز پڑھنے کا قصد تھا تو اگر اوروں کا پڑھنا ثابت ہو تو صرف بے اذنِ ولی نہیں بلکہ خلافِ اذن ولی ہوگا، اگرچہ اُن کا اطلاع نہ دینا بمقتضائے ادب ومحبت ہو جیسا کہ سکینہ سوداخادمہ مسجد اُم محجن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے معاملہ میں واقع ہوا۔ موطائے امام مالک وغیرہ میں حدیث ابی امامہ اسعد بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، جب وُہ بیمار ہوئیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **اذا ماتت فاٰذنونی** [3] جب اس کا انتقال ہو مجھے خبر کردینا ان کا جنازہ شب کو تیار ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] القرآن ۶/۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب الکفالۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۰۸

[3] موطاامام مالک التکثیرہ علی الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۸

نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جگانا خلافِ ادب جانا (ابن شیبہ کی روایت موصولہ میں حدیث سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے) یہ بھی خوف ہُوا کہ رات اندھیری ہے زمین میں ہر طرح کے کیڑے ہوتے ہیں اس وقت حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تشریف لے جانا مناسب نہیں، قال فدفنها[1] یہ خیال کرکے دفن کردیا) صبح حضور کو خبر ہوئی فرمایا: الم امرکم ان تؤذنونی بها کیا میں نے تم کو حکم نہ دیا تھا کہ مجھے اس کی خبر کردینا۔ عرض کی: یارسول اللہ کرهنا ان نخرجك لیلا اونوقظك[2] یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! ہمارے دلوں کو گوارا نہ ہُوا کہ رات میں حضور کو باہر آنے کی تکلیف دیں یا حضور کو خوابِ راحت سے جگائیں (کہ حضور کا خواب بھی تو وحی ہے کیا معلوم کہ اس وقت حضور خواب میں کیا دیکھتے سنتے ہوں) صحیح بخاری شریف میں حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: فحقروا شانها[3] صحیح مسلم میں انہی سے ہے: وکانهم صغروا امرها[4] یعنی یہ خیال کیا کہ وہ اس قابل تھی کہ اس کے جنازہ کے لئے حضور کو جگا کر اندھیری رات میں باہر لے جائیں۔ مسند امام احمد میں حدیث عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فلا تفعلوا ادعونی لجنائزکم[5] ایسا نہ کرو مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلایا کرو۔ سنن ابن ماجہ میں حدیث زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور نے فرمایا:

فلا تفعلوا الا اعرفن مامات منکم میت ما کنت بین اظهرکم لا اٰذنتمونی به فان صلاتی له رحمة[6]۔	ایسا کبھی نہ کرنا جب تک میں تم میں تشریف رکھوں جو شخص مرے مجھے خبر کردینا کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۱، التمہید لابن عبدالبر الصلوٰۃ علی القبر رویت علی ستتہ وجوہ المکتبہ القدوسیہ لاہور ۶/ ۲۶۳

[2] مؤطا الامام مالک التکبیر علی الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۸

[3] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۸

[4] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۰

[5] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عامر بن ربیعہ دار الفکر بیروت ۳/ ۴۴۴

[6] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۱، التمہید لابن عبدالبر اباحۃ الصلوٰۃ علی قبر الخ المکتبۃ القدوسیہ لاہور ۶/ ۲۷۲

اقول: وباللہ التوفیق ابن حبان اپنی صحیح اور حاکم مستدرک میں حضرت یزید بن ثابت انصاری برادر اکبر زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں:

قال خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلما وردنا البقیع اذاھو بقبر فسأل عنہ فقالو فلانۃ فعرفھافقال الاٰذنتمونی بھا قالوا کنت قائلا صائما قال فلا تفعلواالاعرفن مامات منکم میت ما کنت بین اظھرکم الاٰذنتمونی بہ فان صلاتی علیہ رحمۃ [1]۔	یعنی ہم ہمراہ رکابِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر چلے جب بقیع پر پہنچے ایک قبر تازہ نظر آئی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: لوگوں نے عرض کی: فلاں عورت۔ حضور نے انہیں پہچانا، فرمایا: مجھے کیوں خبر نہ دی؟ عرض کی: حضور دوپہر کو آرام فرماتے تھے اور حضور کا روزہ تھا۔ فرمایا: تو ایسا نہ کرو جب تم میں کوئی مسلمان مرے مجھے خبر کردیا کرو کہ اُس پر میرا نماز پڑھنا رحمت ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ واقعہ حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا غیر ہے، وہاں یہ تھا کہ اندھیری رات تھی ہمیں گوارا نہ ہوا کہ حضور کو جگائیں، یہاں یہ ہے کہ دوپہر کا وقت تھا حضور آرام فرماتے تھے حضور کو روزہ تھا اور دونوں حدیثوں میں وہی ارشاد اقدس ہے کہ ایسا نہ کرو ہمیں اطلاع دیا کرو۔ اب خواہ یُوں ہو کہ ایک واقعہ کے حضار اور تھے اور دوسرے واقعہ کے لوگوں کو اس حکم کی خبر نہ تھی خواہ یوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس امر کو ارشادی محض، بہ نظرِ رحمت تامہ حضور رؤف رحیم علیہ افضل الصّلوٰۃ والتسلیم خیال کیا، نہ ایجابی۔ لہٰذا جہاں تکلیف کا خیال ہوا ادب وآرام کو مقدم رکھا، بہر حال ایسے وقائع اُن سب وجوہ مذکورکے مورد ہیں۔ ایک بار کے فرمان سے، کہ خبر دے دیا کرو، باقی بار کا اطلاع اقدس ہونا ثابت نہیں ہوسکتا، کمالایخفی، لاجرم طبرانی نے حصین بن وحوح انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان طلحۃ بن البراء مرض، فاتاہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعودہ فقال انی لاأری طلحۃ الا قدحدث فیہ الموت فاذنونی بہ وعجلو افلم یبلغ النبی	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت طلحہ بن براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور یہ فرماگئے کہ اب اُنکا وقت آیا معلوم ہوتا ہے، مجھے خبر کردینا اور تجہیز میں جلدی کرنا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محلّہ بنی سالم تک نہ پہنچے تھے کہ اُن کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے رات آنے پر اپنے گھر والوں کو وصیت کردی تھی کہ جن میں مروں تو مجھے دفن کردینا اور حضور اقدس

[1] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان حدیث ۳۰۸۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۵/۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنی سالم بن عوف حتی توفی، وکان قال لاھلہ لمادخل اللیل اذامت فادفنونی ولاتدعو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانی اخاف علیہ الیھود ان یصاب بسببی فاخبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین اصبح[1] ملخصاالحدیث۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ بلانا، رات کاوقت ہے مجھے یہود سے اندیشہ ہے مبادا حضور کو میرے سبب سے کوئی تکلیف پہنچے۔ ان کے گھر والوں نے ایسا ہی کیا، صبح نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ وباللہ التوفیق

ثمّ اقول: وباللہ استعین (پھر میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) حقیقتِ ولایت سے قطع نظر کرکے یہاں ایک لطیف تر تقریر ہے کہ فیضِ قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئی، نمازِ جنازہ شفاعت ہے کما صرحت بہ الاحادیث (جیسا کہ احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) احمد ومسلم وابوداؤد وابن ماجہ کی حدیث میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن رجل مسلم یموت فیقوم علی جنازتہ اربعون رجلا لایشرکون باللہ شیئا الاشفعھم اللہ فیہ[2]۔	جس مسلمان کے جنازے میں چالیس مسلمان نماز میں کھڑے ہوں اللہ تعالٰی اس کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرمائے۔

احمد ومسلم ونسائی نے ام المومنین وانس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی نے صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن میت تصلی علیہ اُمۃ من المسلمین یبلغون مائۃ کلھم یشفعون لہ الا شفعوا فیہ[3]۔	جس میّت پر سَو مسلمان نمازِ جنازہ میں شفیع ہوں ان کی شفاعت اُس کے میں قبول ہو۔

اور مالک شفاعت صرف حضور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اور جو کوئی شفاعت کرے حضور

---

[1] المعجم الکبیر حصین بن وحوح انصاری حدیث ۳۵۵۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۸/۴
[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۰۸/۱
[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۰۸/۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت سے کرے گا۔ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطیت الشفاعۃ[1]۔رواہ البخاری ومسلم والنسائی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما فی حدیث اعطیت خمسًالم یطعھن احدٌ من الانبیاء قبلی[2]۔	شفاعت مجھے عطافرمادی گئی ہے۔اسے بخاری، مسلم اور نسائی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔اس حدیث میں کہ مجھے پانچ چیزیں دی گئیں جو مجھ سے پہلے کے انبیاء کو نہ ملیں۔

حضور شافع شفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاکان یوم القٰیمۃ کنت امام النبین وخطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر[3]رواہ احمد و الترمذی وابن ماجۃ والحاکم باسانید صحیحۃ عن ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	روزِ قیامت تمام انبیاء کا امام اوران کا خطیب اور اُن کی شفاعت کا مالک ہوں اور یہ بات کچھ براہ فخر نہیں فرماتا۔اسے امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سندوں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

توجو شفاعت بے اذن والا کوئی کرے وہ فضولی کا تصرف ہے کہ اذنِ مالک پر موقوف رہے گا۔مالک اگر جائز کردے جائز ہوجائے گااور اگرآپ ابتدائے تصرف کرے تو باطل،

فان البات اذطرء علٰی موقوف ابطلہ کمانص علیہ الفقھاء فی غیر مامسئلہ۔	اس لئے کہ قطعیت والاجب کسی موقوف پر طاری ہوتو اسے باطل کردیتا ہے جیساکہ فقہا نے متعدد مسائل میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔(ت)

مثلاً عمرو ملک زید بے اذنِ زید بیع کردے، زید خبر پاکر روارکھے رواہے،اور اگر خود از سرِنو عقدِ بیع کرے تو ظاہر ہوگا کہ عقد فضولی پر قناعت نہ کی اب عقد یہی عقدِ مالک ہوگا، نہ عقد فضولی۔تو صورتِ مذکور میں جس میّت پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود نماز پڑھیں۔یہ اعادۂ نماز نہ ہوگا، بلکہ نمازِ اوّل یہی قرار پانی چاہئے۔بحمداللہ تعالٰی یہی معنٰی ہیں ہمارے بعض ائمہ کے فرمانے کے کہ نمازِ جنازہ کا فرض حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بے حضور کے پڑھے ساقط نہ ہوتا تھا یعنی حضور خود پڑھیں یا دوسروں کو اذن دیں،

---

[1] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجد اقدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۲

[2] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجد اقدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۲

[3] جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲

كما فعل فی الغال وكان يفعل اولافی من مات مديونًاولم يترك وفاء۔	جیسا کہ مالِ غنیمت کے اندر خیانت کرنے والے کے ساتھ کیا پہلے اس مدیون کے ساتھ ایسا کرتے تھے جوادائے عین کے لئے کچھ چھوڑ نہ جائے (ت)

اور اگر بے اطلاعِ حضور پُر نور لوگ خود پڑھ لیں، تو وہ شفاعت بے اذن کا مالک ہے کافی و مسقط فرض نہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

رأيت السيوطی ذكرفی انموذج اللبيب، انه ذكر بعض الحنفية ان فی عهده عليه الصلٰوة والسلام لايسقط فرض الجنازة الابصلاته فيؤل الی ان صلاة الجنازة فی حقه فرض عين وفی حق غيره فرض كفاية والله ولی الهداية[1]۔	میں نے دیکھا کہ امام سیوطی نے انموذج اللبیب میں لکھا ہے کہ بعض حنفیہ نے بیان کیا کہ حضور اقدس علیہ الصّلٰوۃ والسلام کے عہد پاک میں فرضِ جنازہ حضور کی نماز کے بغیر ساقط نہ ہوتا--اور خدا ہی ہدایت کا مالک ہے (ت)
اقول: لايؤل اليه وكيف وقدثبت ماذكرنامن امر الغال والمديون ولم يقل للقائل، ان فرض الجنازة كان لايسقط عنه الابصلاته صلی اللهتعالٰی عليه وسلم ولو ارادهذالكان تقييده بعده صلی الله عليه وسلم عبثا مستغنی عنه انما المعنی ماقررناان الفرض لم يكن يسقط عن احد فی عهده مالم يصل اويأذن، لكونه هو مالك الشفاعة صلی الله عليه وسلم۔	**اقول:** یہ مآل نہ ہوگا، یہ کیسے ہو سکتا ہے جب وہ جو ہم نے خائن اور مدیون کا معاملہ ذکر کیا وُہ ثابت ہے--اُس قائل نے یہ نہیں کہا کہ حضور سے بغیر نمازِ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرض ساقط نہ ہوتا، اگر اس کا مقصد یہ ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کی قید لگانے کی کوئی ضرورت ہی نہ تھی، مقصود وہ ہے جو ہم نے بیان کیا کہ سرکار کے عہد مبارک میں کسی سے یہ فرض ساقط نہ ہوتا جب تک حضور خود نہ پڑھیں یا دوسرے کو اذن نہ دیں اس لئے کہ شفاعت کے مالک وہی ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلٰوۃ علیہا مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۵۰

اقول: بنظرِ ارشاد مذکور کہ ہمیں خبر کردینا، اور اطلاع واقع نہ ہوئی، شرع سے اس کیلئے ایک اور نظیر مل گئی، مسجدِ محلّہ میں اہل محلّہ جب جماعتِ صحیحہ غیر مکروہہ بالاعلانِ اذان ادا کرچکیں تو دوسروں کو باعادہ اذان وہاں جماعت کی اجازت نہیں، اور اگر پہلی جماعت بے اذان یا باخفائے اذان واقع ہوئی تو انہیں روا ہے کہ اذان بروجہ مسنون دے کر محراب میں جماعت قائم کریں کہ جب وہ جماعت برخلاف حکم سنّت تھی تو اب یہ اعادہ جماعت نہیں بلکہ یہی جماعتِ اولٰی ہے کما بیّناہ فی رسلتنا القطوف الدانیة لمن حسن الجماعة الثانیة (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "القطوف الدانیۃ لمن احسن الجماعۃ الثانیۃ" میں بیان کیا ہے۔ت) یہی وجہ ہے ان تقریراتِ نفسیہ سے بحمد اللہ تعالٰی حدیثِ سکینہ اور اس کی نظراء کی بحث کا تصفیہ تمام ہوگیا اور نہ صرف ان مجتہد صاحب کے اختراع بلکہ تمسک شافعیہ کا بھی جواب تمام۔

وبه ظهر، ان لوثبت ان الذین صلوامن قبل ان کانواهم المصطفین خلف المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لم یکن فیهماینکر به علی شیئ من مذهبناولاحاجة بنا الی الجواب الذی اورد العلامة القسطلانی فی ارشاد الساری وارتضاه المولی علی القاری فی المرقاة وذکره الفاضل الزرقانی فی شرح الموطا ان صلٰوة غیره صلی اللہ علیه وسلم وقعت تبعاله صلی اللہ علیه وسلم وبه انحلت بحمداللہ تعالٰی عقدة استصعبها المحقق حیث اطلق فی الفتح واللہ سبحانه ولی التوفیق والفتح والحمد للہ ربّ العٰلمین۔	اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اگر یہ بھی ثابت ہوجائے کہ جو لوگ جنازہ پہلے ادا کرچکے تھے وہی بعد کو سرکار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے صف بستہ تھے تو اس میں کوئی ایسی بات نہ ہوگی جو ہمارے مذہب پر گرد اعتراض بٹھاسکے---اور ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں جو علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں ذکر کیا اور مولانا علی قاری نے مرقاۃ میں اسے پسند کیا اور فاضل زرقانی نے شرح موطاء میں اسے بیان کیا کہ "دوسرے حضرات کی نماز حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تبعیت میں تھی"--اور اسی سے بحمد اللہ تعالٰی ایک اور عقدہ حل ہوگیا جسے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں دشوار قرار دیا ہے۔اور خدائے پاک ہی توفیق اور کشف کا مالک ہے، اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔(ت)

تنبیہ: اقول وباللہ التوفیق ولایتِ میّت یا بذریعہ وراثت مال ہے ولہٰذا جو وراثت میں مقدم، ولایت میں اقدم یا بطور نیابت ولی احق ووالی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے یعنی خلافتِ امام وسلطنتِ اسلام بمعنی اول، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کوئی ولی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لانورث ماترکناہ صدقۃ[1]۔ رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی عن ابی بکر صدیق وابوداؤد عن ام المؤمنین ونحوہ عن الزبیر واحمد والشیخان وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمارا کوئی وارث نہ ہوگا ہم جو چھوڑ جائیں گے صدقہ ہے، اسے امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے بھی روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

حدیث اُمّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے:

فاذامت فھوالٰی ولی الامر من بعدی[2]۔	جب میں انتقال فرماجاؤں تو میرے ترکے کا اختیار اُسے ہے جو میرے بعد ولی امر وخلیفہ ہوگا۔

رہی ولایتِ خلافت وہ ہنوز کسی کو نہ تھی، یہاں تک صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئی، اگر یہی مانئے کہ جنازہ اقدس پر نماز ہوئی تو غیر والی احق سے، بے اذن ولی احق تھی، ہاں یہ ثابت کیا جائے کہ صدیق اکبر نے بعد خلافت نماز ادا کی اور پھر اعادہ کی گئی، مگر حاشا اس کا ثبوت کہاں۔۔ الحمدللہ تعالٰی اس تقریر کے بعد فقیر غفراللہ تعالٰی نے مبسوط امام شمس ائمہ سرخسی سے پایا کہ بعینہٖ اسی جواب کی طرف اشارہ فرمایا۔ منحۃ الخالق میں مبسوط سے ہے۔

لاتعادالصلٰوۃ علی المیت الاان یکون الولی ھو الذی حضر، فان	نمازِ جنازہ دوبارہ نہیں مگر یہ کہ ولی ہی بعد میں آیا تو اسے حق اور دوسرے کو اس کا حق

[1] صحیح مسلم شریف کتاب الجہاد باب حکم الفیئ نور محمد اصح المطابع کراچی ۹۱/۲، سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفئی آفتاب عالم پریس لاہور ۶۰/۲
[2] سنن ابوداؤد کتاب الخراج والفئی آفتاب عالم پریس لاہور ۶۰/۲

الحق له ولیس لغیره ولایة اسقاط وھوتاویل فعل رسول اللہصلی اللہتعالٰی علیه وسلم فان الحق له قال اللہ تعالٰی النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم وھکذا تاویل فعل الصحابة رضی اللہتعالٰی عنھم فان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنه کان مشغولا بتسویة الامور وتسکین الفتنة فکانوایصلون علیه قبل حضوره وکان الحق له لانه ھوالخلیفة فلمافرغ صلی علیه ثم لم یصل احد بعده علیه [1] اھ **اقول:** وبما قررناظھرلك سقوط ماوقع ھھنافی المنحة فافھم وتثبت وللہ المنة۔	ساقط کرنے کا اختیار نہیں---یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فعل کی تاویل ہے کیونکہ حق سرکار کا تھا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: نبی مسلمانوں کے ان کی جانوں سے زیادہ مالک ہیں-- اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے فعل کی تاویل ہے اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں لگے ہوئے تھے توان کی آمد سے پہلے لوگ صلٰوۃ پڑھتے جاتے اور حق صدیق کا تھا کیونکہ خلیفہ وہی ہوئے توجب فارغ ہوئے سرکار کی نمازِ جنازہ پڑھی پھر کسی نے حضور کی نماز نہ پڑھی۔ **اقول:** ہماری تقریر سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو یہاں منحۃ الخالق میں ہے۔ تو اسے سمجھو اور ثابت قدم رہو۔ اور احسان خدا ہی کا ہے (ت)

رابعا: ثبوت ہو کہ دوبارہ نماز پڑھنے والے خود وہی ہیں جو اول پڑھ چکے تھے کہ نئے لوگوں کا پڑھنا اگرچہ ولی احق کے بعد خلافیہ حنفیّہ وشافعیہ ہو ان مجتہد صاحب کے مذہب وفتوٰی کا مصح نہیں ہوسکتا کہ انہوں نے تو پڑھ چکنے والوں کو دوبارہ پڑھوائی۔

خامسا: ہر تقدیر پر ضرور ہے کہ حدیث ہو صحیح فقہی ہو۔ مجرد صحت حدیثی اثبات حکم کے لئے بس نہیں ہوتی، مجتہد صاحب اگر علم رکھتے ہوں گے صحت حدیثی وصحت فقہی کا فرق جانتے ہوں گے، ورنہ فقیر کا رسالہ **الفضل الموھبی فی معنی اذا اصح الحدیث فھو مذھبی** ملقب بہ لقب تاریخی "اعزالنکات بجواب سوال ارکات" جس کا سوال مقام ارکات سے آیا اس کے جواب میں لکھا گیا تھا ملاحظہ فرمائیں، نہ مثل حدیث تعدد الصلٰوۃ علی سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ:

اوّلا: حدیث صحیح بخاری شریف کے صریح خلاف جس میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری شاہد ومشاہد مشہد اُحد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

[1] منحۃ الخالق حاشیہ علی البحر الرائق فصل السلطان احق الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

امر بدفنهم بدمائهم ولم يغسلوا ولم يصلوا عليهم[1]۔ و راه ايضا احمد بسند جيد والترمذی وصححه والنسائی وابن ماجة۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان شہدائے کرام کو ویسے ہی خون آلود دفن کرنے کا حکم فرمایا اور انہیں غسل نہ دیا گیا، نہ ان کی نماز ہوئی۔ اسے احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔ ترمذی نے روایت کرکے صحیح قرار دیا۔ نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے (ت)

مجتہدین زمانہ کے مسلک کے بالکل خلاف ہے کہ حدیث صحیح بخاری کے رَد کے لئے ادھر کی روایات پر عمل حلال جانیں۔

ثانیاً: اُس کی خود حالت یہ کہ اس کی کوئی سند مسند مقال سے خالی نہیں اور متن بشدت مضطرب اگر اس کی تفصیل کیجئے ایک رسالہ مستقل ہوتا ہے، مجتہد صاحب کو ہوس ہوئی تو بعونہٖ تعالٰی تسکین کافی کی جائے گی وباللہ التوفیق لاجرم ان مجتہدین تازہ کے بزرگوار ابن تیمیہ کے جدِّ امجد نے منتقی میں کہا:

قدرويت الصلٰوة عليهم بأسانيد لاتثبت[2]۔	شہدائے اُحد کی نماز ہونا ایسی سندوں سے مروی ہے جو ثابت نہیں۔ (ت)

ہاں تو ایک اثر مرسل ابوداؤد نے مراسیل میں بسند ثقات ابومالک غفاری تابعی سے روایت کیا:

ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم صلی علی قتلٰی اُحد، عشرة عشرة، فی کل عشرة حمزة رضی اللّٰه تعالٰی عنه حتی صلی عليه سبعين صلٰوة[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے اُحد پر دس دس آدمی کرکے نماز پڑھی، ہر دس میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتے، یہاں تک کہ ان پر ستّر بار نماز پڑھی۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب الصّلٰوۃ علی الشہید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۹

[2] منتقی الاخبار مع نیل الاوطار ترک الصّلٰوۃ علی الشہید مصطفی البابی مصر ۴/۴۸

[3] السنن الکبرٰی کتاب الجنائز باب من زعم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی احد الخ دار صادر بیروت ۴/۱۲

یہ ایک تو مرسل، اور مرسل ان صاحبوں کے نزدیک مہمل، اور دوسرے فی نفسہٖ مشکل۔ شہدائے اُحد رضی اللہ تعالٰی عنہم ۷۰ ستر تھے جب دس دس پر نماز ہوئی تو سات نمازیں ہوں گی ستّر کیونکر!

ثمّ اقول: وباللہ التوفیق بعد تسلیمِ صحتِ حدیث غایت درجہ جو ثابت ہوگا وہ اس قدر کہ شہداء پر نعشیں بدل کر نمازیں ہوا کیں اور نعش مبارک سید الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہم بدستور رکھی رہی، مجرد نہ اٹھایا جانا مستلزم اعادہ صلٰوۃ نہیں کہ یہ امر نیت حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم پر موقوف اور نیت غیبت ہے اور غیبت پر اطلاع نہیں، ممکن کہ اُن کی نعش ہر بار کے برکات نازلہ میں شمول کے لئے رکھی گئی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی جگہ رویت کا مبلغ صرف صورتِ ظاہرہ تک ہے، نہ معنی باطن تک، اور مطلب مستدل کا ثبوت اُسی معنی باطن پر موقوف، اور اس کی دلیل نہیں، تو استدلال راسًا ساقط۔ ہاں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود اپنی زبان مبارک سے ایسے بیان فرماتے تو احتجاج صحیح تھا **واذالیس فلیس** اور جب وُہ نہیں تو یہ بھی نہیں۔ت)

سادسا: ذرا بھی یہ ملحوظ رہے کہ وہ محل، متحمل اختصاص نہ ہو خصوصًا جہاں خصوص پر قرینہ قریبہ قائم ہو، جیسے حدیثِ خادمہ مسجد رضی اللہ تعالٰی عنہما وغیرہا جن کی قبر پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر وجہ خود ارشاد فرمائی:

ان ھذہ القبور مملوۃ علٰی اھلھا ظلمۃ وانی انورھا بصلٰوتی علیھم [1] صلی اللہ علیہ وسلم قدر نورہ وجمالہ وجودہ ونوالہ علیہ وعلٰی اٰلہ اجمعین رواہ مسلم وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ واصل احدیث متفق علیہ۔	بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انہیں روشن کردیتا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۔اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام نازل فرمائے ان کے نور وجمال اور جود ونوال کے اندازے سے اور ان کی آل واصحاب سب پر۔ یہ حدیث مسلم اور ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ اور اصل حدیث بخاری ومسلم کی متفق علیہ ہے۔(ت)

زید بن ثابت ویزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں گزرا کہ بے میری اطلاع کے دفن نہ کردیا کرو کہ میری نماز اس کے حق میں رحمت ہے۔

اقول: خود بنظر ایمانی گواہ ہے کہ کروڑوں صلحاء واتقیاء کسی جنازہ کی نماز پڑھیں مگر وہ بات کہاں جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھنے میں ہے، وُہ برکات وہ درجات ومثوبات دوسرے کی نماز میں حاصل نہیں ہوسکتیں، اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نص قطعی قرآنِ عظیم **عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ**۝۱۲۸ [2] ہیں کہ ہر مسلمان کی کلفت اُن پر گراں، ایک ایک امتی کی بھلائی پر

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۱۰/۱

[2] القرآن ۱۲۸/۹

حریص، ہر مومن پر نہایت نرم دل مہربان۔ وُہ کیونکر گوارا فرمائیں کہ دُنیا میں اُن کے تشریف رکھتے ہوئے مسلمان سخت منزل کا سفر کرے اور ان کی رحمت اُن کی برکت کا توشہ اُس کے ساتھ نہ ہو اوروں کی نماز اُن کی نماز سے کیا مانع ہو سکتی ہے تو اس فعل کا وجہ خاص ہی سے ناشی ہونا ظاہر ولامع، وزید وعمر کا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس باطل وضائع۔ شرح موطائے امام مالک میں ہے:

والدلیل علی الخصوصیت مأزاد مسلم (فذکرہ قال) وھذا لایتحقق فی غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	خصوصیت کی دلیل وُہ ہے جو مسلم نے مزید روایت کیا (اس کے بعد حدیث مذکور بیان کی پھر کہا) اور یہ بات حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے میں متحقق نہیں (ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں علامہ ابن مالک سے ہے:

صلاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت لتنویر القبر وذالایوجد فی صلٰوۃ غیرہ [2]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نماز قبر کو روشن کرنے کے لئے تھی اور یہ بات دوسرے کی نماز میں نہیں۔ (ت)

اقول: اس سے زائد محل خصوص، خصوص واقعہ سید اہل خصائص ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ وہاں تو ان معاملات میں بہت باتیں خصوصیات سے واقع ہوئیں۔ نعش مبارک کا مقابر کی طرف نہ لے جانا، جہاں روح اقدس نے رفیق اعلٰی کی طرف رجوع فرمایا، خاص اس جگہ دفن ہونا، نہلانے میں قمیص مقدس بدنِ اقدس سے نہ جدا کیا جانا، سب صحابہ کے مشرف ہولینے کے لئے جنازہ مبارک کا پونے دودن رکھا رہنا۔ جنازہ اقدس پر کسی کی امامت روانہ نہ ہونا انہیں خصوصیات میں، یہ بھی سہی، خصوصًا جبکہ حدیث میں وارد ہے کہ یہ صورت حسب وصیّت اقدس واقع ہوئی کما قدمنا من حدیث عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہم اس کو پیش کرچکے۔ ت) نمازِ جنازہ مسلمان کا حق مسلمان پر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حق المسلم علی المسلم خمس ردّالسلام و عیادۃ المریض واتباع الجنازۃ و	مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں (۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیماری میں عیادت کرنا (۳) جنازہ کے

[1] شرح الزرقانی علٰی موطا الامام مالک لاتکبیر علی الجنائز التجاریۃ الکبرٰی مصر ۶۰/۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المشی بالجنازۃ والصلٰوۃ علیہا مکتبہ امدادیہ ملتان ۵۱/۴

اجابة الدعوة وتشميت العاطس[1]۔رواہ الشیخان عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	پیچھے ہونا(۴) دعوت قبول کرنا(۵) چھینک پر تحمید کا جواب دینا۔اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کا کیا۔(ت)

عام مومنین کا حق ایسا ہونا آسان کہ حضار سے بعض نے ادا کردیا ادا ہوگیا مگر مولائے نعمت ہر دوجہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق عظیم کہ بعد حضرتِ حق عزوجل اعظم حقوق ہے۔اگر حضار پر لازم عین ہو، کیا مستبعد معہذا،اعظم مقاصد مہمہ سے ہر مسلمان حاضر کا بالذات اس شرفِ اجل واعظم سے مشرف ہونا ہے۔ہم اوپر متعدد احادیث بیان کرچکے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بندہ مقبول کو بعد وفات پہلا تحفہ بارگاہِ عزّت سے ملتاہے یہ ہے کہ جتنے لوگ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں اللہ عزوجل سب کی مغفرت فرمادیتاہے[2]۔نہ کہ نبی کا جنازہ نہ کہ سیّدالانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کا،اس کے فضل کی مقدار کون قیاس کرسکتاہے! شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مسلمانان کے لئے خیر محض ونفعِ خاص لے کر آئی ہے نہ کہ معاذاللہ انہیں ایسے فضل عظیم سے محروم کرنا تو حکمتِ شرعیہ اسی کی مقتضی تھی کہ یہاں اجازتِ عامہ دی جائے۔حجرہ اقدس میں جگہ کتنی اور حضار تیس ہزار،کماورد فی حدیث جیساکہ ایک حدیث میں آیا ہے۔ت)،اب اگر یہ حکم ہوتا کہ اوّل بار جو پڑھ لیں پڑھ لیں تو ہزار صحابہ کی محرومی،دوسرے اس پر تنافس شدید واقع ہونا مظنون بلکہ یقینی،جب معلوم ہوتا کہ یہاں بھی مثل تمام جنائز ایک ہی بار کی اجازت ملے گی تو ہر ایک یہ چاہتا کہ میں ہی پڑھ لوں،لہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم عظیم وجودِ عمیم،مقتضی ہوا کہ اپنے معاملہ میں خود فوج فوج حاضری کی وصیّت فرمادی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔یہی سرِّ جلیل جنازہ اقدس پر جنازہ نہ ہونے کی بھی ایک حکمت نفسیہ ہے تاکہ تمام حضارِ بالذات بلاواسطہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرفیاب ہوں۔امامِ اجل سُہیلی یہاں امامت نہ ہونے کی وجہ فرماتے ہیں:

اخبرالله انه وملئكته يصلون عليه صلى الله عليه وسلم وامركل واحدمن المومنين ان يصلی عليه فوجب علی كل واحد ان يباشر	یعنی اللہ عزّوجل نے خبر دی کہ وہ اور اس کے فرشتے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اور ہر مسلمان کو حکم فرمایا کہ ان پر درود بھیجے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم۔تو ہر شخص پر واجب ہوا۔

[1] الصحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۶

[2] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل الرابع والخمسون الخ دار صادر بیروت ص ۷۸

الصلٰوۃ علیه منه الیه والصلٰوۃ علیه صلی اللہ علیه وسلم بعد موته من هذا القبیل[1]۔ نقله فی شرح الموطا۔	کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے درود بھیجے کہ بلاتوسط دیگرے اُس شخص کی طرف سے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ وصحبہٖ وامتہ اجمعین۔ اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر بعد وصال شریف صلٰوۃ بھی اسی قبیل سے ہے۔ یعنی تو اُس کا بھی بے وساطت احدے ہونا چاہئے۔ اسے شرح موطا میں نقل کیا۔

بالجملہ یہ محل، اعلٰی مواطن خصوص سے ہے ولاجرم علامہ سید ابوالسعود محمد الزہری نے حواشی کنز میں فرمایا:

تکرار الصلاۃ علی النبی عیله الصّلوۃ والسلام، کان مخصوصا به[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تکرار نماز ان ہی کے ساتھ مخصوص تھی۔ (ت)

سابعاً پھر تنبیہ کی جاتی ہے کہ مجتہد صاحب اپنے مذہب کی فکر کریں۔ وہ واقعہ جوان کے مسلک مذکور کارد ہو مثلاً مہینہ بھر بعد نماز پڑھنا کما علٰی ام سعد جیسے ام سعد پر۔ ت) یا مہینوں برسوں پیچھے کما علٰی اھل البقیع (جیسے بقیع والوں پر۔ ت) یا آٹھ برس گزرے کما علٰی اھل احد (جیسے احد والوں پر۔ ت) علاوہ اور جوابوں کے خود اُن کارد ہوگا۔ نہ اُن کی سند، کہ یہاں اُن سے مطالبہ اپنا ادعا ثابت کرنے کا ہے وانی له ذٰلك واللہ الھادی الٰی اقوم المسالک (اور ان سے یہ کہاں ہوسکے گا؟ اور خدا ہی راست ترین راہ کی ہدایت فرمانے والا ہے۔ ت)

الحمدللہ! ان چند جمل نفیسہ، مجملہ مختصرہ، نے صرف مجتہدینِ زمانہ ہی کی آنکھ کان نہ کھولے بلکہ بحمداللہ تعالٰی بنظرِ انصاف دیکھئے تو مسئلہ کا فیصلہ بحث کا تصفیہ کاملہ کردیا۔ وللہ الحمد اب بتوفیق اللہ تعالٰی بعض نکات وتمسّکات کے اس مسئلہ میں فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائز ہوئے ذکر کرکے کلام ختم کروں جو بعونہٖ تعالٰی اصل مسئلہ اعنی ممانعت تکرار جنازہ میں تائید مذہب حنفیت کریں یا مسلک طریقہ مجتہد جدید کا ابطال کلی خواہ ابطال کلیت۔

فاقول: وباللہ التوفیق وبه الوصول الیٰ ذری التحقیق (تو میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے اور اسی کی مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی ہے۔ ت)

اوّلاً نماز جنازہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں میّت کی شفاعت ہے کما قدمنا علی الحدیث (جیسا

[1] شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک ماجاء فی دفن المیت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۶۶

[2] فتح المعین فصل فی الصلٰوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۳

کہ حدیث سے اس کو ہم پیش کرآئے۔ت) اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَشۡفَعُ عِنۡدَہٗۤ اِلَّا بِاِذۡنِہٖ[1] کون ہے جو اللہ کے یہاں شفاعت کرے مگراس کے اذن سے۔ (نسخہ میں الف مذکور نہیں)اور صورتِ مذکورہ کااذن کہیں ثابت ہو یا سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اذن قولی یا فعلی یا تقریری سے، ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل اس کے ذمّہ۔ت) اجرم ان مجتہد صاحب نے بے ثبوت اذنِ الٰہی بارگاہِ عزّت میں شفاعت پر جرات وبیباکی اور اپنے ساتھ اور مسلمان کو بھی اس بلا میں ڈالا اور مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا[1] (جو کوئی بری سفارش کرے اسے بھی اس کا حصّہ ملے۔ت) سے حصہ لیادیا،

وھذادلیل ان استقصی ادی الی اثبات المذھب تادیۃ صریحۃ ونفی قول کل من خالف فعلیك بتطییب الصریحۃ۔	یہ ایسی دلیل ہے کہ اگر اسکی تہ تک جائیں تو صراحۃً اثبات مذہب تک پہنچائے اور ہر مخالف کے قول کی تردید کردے، تو صریح کی تلاش تمہارے ذمّے ہے۔(ت)

ثانیًا مسند امام احمد وسنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتصلوا صلٰوۃ فی یوم مرتین[2]۔	کوئی نماز ایک دن میں دوبارہ نہ پڑھو

نیز حدیث میں ہے:

لایصلی بعد صلاۃ مثلھا[3]۔رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وظاہر کلام الامام محمد انہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال الامام ابن الھمام ومحمد اعلم بذلك منّا۔	کسی نماز کے بعد اس کے مثل نہ پڑھی جائے۔اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے قول کی حیثیت سے نقل کیا، اور امام محمد کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔امام ابن الہمام فرماتے ہیں: امام محمد ہم سے زیادہ اس کا علم رکھتے ہیں(ت)

[1] القرآن ۸۵/۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱۹/۲، سنن ابی داؤد باب اذا صلی فی جماعۃ ثم ادرک جماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۸۶/۱

[3] مصنف ابن ابی شیبہ من کرہ ان یصلی بعد الصلٰوۃ مثلہا ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی ۲۰۶/۲

اقول: یہ حدیثیں بھی نفی تکرار پر صریح دال ہیں، حدیث ثانی تو عام مطلق ہے اور اول میں فی یوم کی قید اس نظر سے کہ مثلاً ظہر کی نمازوں کی تکرار سے تو آپ ہی مکرر ہوگی، کل کی ظہر اور آج کی اور کہ ان کا سبب وقت ہے، جب وقت دوبارہ آیا دوبارہ آئی، مگر ایک ہی سبب یعنی ایک ہی وقت میں مکرر نہ ہوگی، نمازِ جنازہ کا سبب مسلم میّت ہے۔ جب میت متکرر ہو نماز متکرر ہوگی مگر ایک ہی میّت پر مکرر نہیں ہوسکتی۔

ثالثًا ابوبکر بن ابی شیبہ استاد امام بخاری و مسلم نے روایت کی:

عن صالح مولی التوأمة عمن ادرك ابابکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما انهم کانوا اذا تضایق بهم المصلی انصرفوا ولم یصلوا علی الجنازة فی المسجد [1]۔	یعنی ابوبکر صدیق و عمر فاروق و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عادت کریمہ تھی کہ جب نمازِ جنازہ میں مصلّی تنگی کرتا اس میں گنجائش نہ پاتے واپس جاتے اور نماز جنازہ مسجد میں نہ پڑھتے۔

اقول: نماز جنازہ کے جو فضائل جلیلہ ہیں صدیق و فاروق و صحابہ رضی اللہ تعالٰی علیہم پر مخفی نہ تھے نہ اُن سے توقع کہ ایسے فضل جلیل کے لئے تشریف بھی لائیں اور پھر باوصف قدرت اُسے چھوڑ کر چلے جائیں، اگر نمازِ جنازہ دوبارہ جائز ہوتی تو تنگی مصلّی کیا حرج کرتی واپس جانے کی کیا وجہ تھی۔ جب پہلے لوگ پڑھ چکے اس کے بعد دوسری جماعت فرمالیتے۔

رابعًا عن عبداللہ بن سلام لما فاتته الصّلوة علی عمر رضی اللہ تعالٰی عنه قال ان سبقت بالصلٰوة فلم اسبق بالدعاء له [2]۔ ذکرہ السید الازهری فی فتح اللہ المعین وقد کان هذا الحدیث فی ذکری و الاستنادبه فی خاطری حتی رأیت الازهری تمسك به فاسندته الیه ولم یحضرنی الان من غیرہ۔	یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک پر نماز میرے آنے سے پہلے ہوچکی تو کہا کہ دعا کی بندش تو نہیں میں ان کے لئے دعا کروں گا۔ اسے فتح اللہ المعین میں سید ازہری نے ذکر کیا، یہ حدیث مجھے یاد تھی اور اس سے استناد میرے ذہن میں تھا یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ سید ازہری نے اس سے استدلال کیا ہے تو میں نے انہی کی طرف اس کی نسبت کی اور بروقت اس کا کوئی اور حوالہ میرے ذہن میں نہیں (ت)

[1] المصنف لابن ابی شیبہ من کرہ الصلٰوۃ علی الجنائز فی المسجد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/۳۶۵

[2] فتح اللہ المعین فصل فی الصلٰوۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳

خامسًا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں لکھتے ہیں:

در بعض روایات آمدہ کہ روزِ دیگر ابوبکر صدیق و عمر فاروق ودیگر اصحاب بخانۂ علی مرتضٰی بجہت تعزیت آمدند شکایت کردند کہ چرا مارا خبر نہ کردی تاشرفِ نماز وحضوری دریافتیم۔ علی مرتضٰی گفت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وصیت کردہ بود کہ چوں از دنیا بروم مرابہ شب دفن کنی تاچشم نامحرم برجنازہ من نیفتد، پس بموجب وصیت وے عمل کردم۔ این ست روایت مشہور[1]۔	بعض روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دن حضرات ابوبکر صدیق و عمر فاروق ودیگر صحابہ حضرت علی مرتضٰی کے گھر تعزیت کے لئے آئے اور شکایت فرمائی کہ ہمیں خبر کیوں نہ دی کہ ہم نماز اور حاضری کا شرف حاصل کرتے علی مرتضٰی نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے وصیت کی تھی کہ جب میں دنیا سے جاؤں تو مجھے رات میں دفن کریں تاکہ میرے جنازے پر نامحرم کی نظر نہ پڑے، تو میں نے ان کی وصیت کے مطابق عمل کیا۔ یہ ہے روایتِ مشہور۔ (ت)

اقول: ان روایات سے بھی روشن کہ صدیق وفاروق وعبداللہ بن سلام ودیگر اصحاب کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم دوبارہ نمازِ جنازہ ناجائز جانتے ورنہ فوت ہونا کیا معنی، اور شکایت وافسوس کا کیا محل۔

سادسًا ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفًا اور ابن عدی کامل میں بروایت ابن عباس حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

وھذاحدیث الطحاوی بطریق عمر بن ایوب الموصلی عن مغیرہ بن زیاد عن عطاء بن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما فی الرجل تفجاء الجنازۃ وھو علٰی غیروضوء قال یتیمم ویصلی علیھا[2]۔	(اور یہ امام طحاوی کی حدیث ہے جس کی سند یہ ہے عمر بن ایوب موصلی، مغیرہ بن زیاد، عطاء، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت) یعنی جس شخص کے پاس ناگاہ جنازہ آجائے اور اُسے وضو نہ ہو وہ تیمّم کرکے نماز پڑھ لے۔

ابن ابی شیبہ کی روایت یہ ہے:

حدثنا عمر بن ایوب الموصلی عن مغیرۃ	(ہم سے عمر بن ایوب موصلی نے مغیرہ بن زیاد سے

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۸۱

[2] شرح معانی الآثار باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۴

بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس قال اذاخفت ان تفوتك الجنازة وانت علی غیروضوء فتیمم وصل[1]۔	روایت کی انہوں نے عطاء سے، انہوں نے حضرت ابن عباس سے ، انہوں نے فرمایا۔ت) جب تجھے نمازِ جنازہ کے فوت ہونے کااندیشہ ہواور وضونہیں تو تیمّم کرکے پڑھ لے۔

ابن عدی کی حدیث یوں ہے:

عن معافی بن عمران عن مغیرة بن زیاد عن عطاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال اذا فجأتك الجنازة وانت علی غیر وضوء فتیمم[2]۔قال ابن عدی ھذا مرفوع غیر محفوظ والحدیث موقوف علی ابن عباس[3]۔	(معافی بن عمران، مغیرہ بن زیاد سے وہ عطاء سے،وہ ابن عباس سے، وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب ناگہانی تیرے سامنے جنازہ آجائے اور تجھے وضو نہ ہو تو تیمّم کرلے"۔(ابن عدی نے کہا یہ مرفوع غیر محفوظ ہے اور حدیث حضرت ابن عباس پر موقوف ہے۔ت)

دارقطنی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انه اتی الجنازة وھو علی غیر وضوء فتیمم ثم صلی علیھا[4]۔	یعنی ان کے پاس ایک جنازہ آیا اُس وقت وضوء نہ تھا تیمّم کرکے نماز میں شریک ہوگئے۔

اسی کے مثل ابن ابی شیبہ وامام طحاوی نے باسانید کثیرہ امام حسن بصری وامام ابراہیم نخعی وابوبکر نے عکرمہ تلمیذ ابن عباس اور طحاوی نے عطاء بن ابی رباح وعامر وابن شہاب زہری وحکم سات ائمہ تابعین سے روایت کیا اگر نمازِ جنازہ کی تکرار روا ہوتی تو فوت کے کیا معنی تھے؟ اور اُس کے لئے تندرست کو پانی موجود ہوتے ہوئے تیمّم کیونکر جائز ہوتا؟ حالانکہ رب جل وعلا فرماتا ہے: فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَیَمَّمُوْا[5]

[1] المصنف لابن ابی شیبہ فی الرجل یخاف ان تفوتہ الصلٰوۃ علی الجنازۃ ادارۃ القرآن کراچی ۳/۳۰۵

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ یمان بن سعید المصیصی دارالفکر بیروت ۷/۲۶۴۰

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ یمان بن سعید المصیصی دارالفکر بیروت ۷/۲۶۴۰ ـ ۲۶۴۲

[4] سنن دارقطنی باب الوضوء والتیمم من آنیۃ المشرکین نشر السنۃ ملتان ۱/۲۰۲

[5] القرآن ۴/۴۳

(اور تمہیں پانی نہ ملے۔ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایقبل اللہ صلٰوۃ احدکم اذاحدث حتی یتوضأ [1] ۔اخرجہ الشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے وضو جب تک وضو نہ کرے خدا اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اسے بخاری ومسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور خود حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہمارواوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقبل صلٰوۃ بغیرطھور ولاصدقۃ من غلول [2] ۔اخرجہ عنہ مسلم والترمذی وابن ماجۃ۔	کوئی نماز بغیر طہارت کے اور کوئی صدقہ مالِ خیانت سے مقبول نہیں۔اسے حضرت ابوہریرہ سے مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔(ت)

نمازِ جنازہ میں تعجیل شرعًا نہایت درجہ مطلوب۔ صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اسرعوا بالجنازۃ [3] ۔ جنازہ میں جلدی کرو۔امام احمد و ترمذی و ابن حبان وغیرہم امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث لاتؤخرھن،الصّلٰوۃ اذا اُتت والجنازۃ اذاحضرت والایم اذاوجدت لھا کفوا [4] ۔	تین چیزوں میں دیر نہ کرو: نماز جب اس کا وقت آجائے اور جنازہ جس وقت حاضر ہو، اورزنِ بے شوہر جب اس کا کفو ملے۔

سنن ابی داؤد میں حصین بن وحوح انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

عجلوافانہ لاینبغی لجیفۃ مسلم ان	جلدی کروکہ مسلمان کے جنازے کو

[1] صحیح البخاری باب لاتقبل الصلٰوۃ بغیر طھور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵/۱، صحیح البخاری کتاب الحیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۱۲۸/۲

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۱۹/۱

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۰۷/۱

[4] المستدرک علی الصحیحین کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۱۶۲/۲، جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۲۷/۱

یحبس بین ظھرانی اھله[1]۔	روکنا نہ چاہئے۔

طبرانی بہ سند حسن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

اذامات احدکم فلا تحسبوہ واسرعوابه الی قبرہ[2]۔	جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے نہ روکو اور جلدی دفن کو لے جاؤ۔

ولہٰذا علماء فرماتے ہیں: اگر روزِ جمعہ پیش از جمعہ جنازہ تیار ہوگیا جماعت کثیرہ کے انتظار میں دیر نہ کریں پہلے ہی دفن کردیں۔ اس مسئلہ کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے کہ آج کل عوام میں اس کے خلاف رائج ہے، جنہیں کچھ سمجھ ہے وہ تو اسی جماعت کثیر کے انتظار میں روکے رکھتے ہیں، اور نرے جُہال نے اپنے جی سے اور باتیں تراشی ہیں، کوئی کہتا میّت بھی جمعہ کی نماز میں شریک ہوجائے، کوئی کہتا ہے نماز کے بعد دفن کریں گے تو میت کو ہمیشہ جمعہ ملتا رہے گا۔ یہ سب بے اصل وخلاف مقصد شرع ہیں۔ درمختار میں ہے۔ یسرع فی جنازۃ[3] (جنازے میں جلدی کرے۔ت) تنویر الابصار میں ہے:

وکرہ تاخیر صلاته ودفنه لیصلی علیه جمع عظیم بعد صلٰوۃ الجمعة[4]۔	اس مقصد سے کہ جمعہ کے بعد جماعتِ عظیم شریک جنازہ ہو نمازِ جنازہ اور دفن میں تاخیر مکروہ ہے۔(ت)

نیز جنازے پر تکثیرِ جماعت شرعًا بہت محبوب کہ اس میں میت کی اعانت جسیم اور اُس کے لئے عفو سیئات ورفع درجات کی امید عظیم ہے، چالیس نمازیوں اور سَو نمازیوں کی تین حدیثیں اوپر گزریں، اور احمد اور ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من مومن یموت فیصلی علیه امة من المسلمین یبلغون ان یکونوا ثلثة صفوف الا غفرله[5]۔	جس مسلمان کے جنازے پر مسلمانوں کا ایک گروہ کہ تین صف کی مقدار کو پہنچتا ہو نماز پڑھے اس کی مغفرت ہوجائے گی۔

[1] سنن ابی داؤد باب تعجیل الجنازۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۹۴
[2] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۶۱۳ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۴۴
[3] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴
[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴
[5] سنن ابی داؤد باب فی الصفوف علی الجنازۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۹۵

ترمذی کی روایت میں ہے:

من صلی علیه ثلثة صفوف اوجب[1]۔	جس پر تین صفیں نماز پڑھیں اُس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

من صلی علیه مائة من المسلمین غفر له[2]۔	جس پر سو مسلمان نماز پڑھیں بخشا جائے۔

نسائی ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن میّت یصلی علیه امّة من الناس الاشفعوا فیه[3]۔	جس مُردے پر مسلمانوں کا ایک گروہ نماز پڑھے اُن کی شفاعت اس کے حق میں قبول ہو۔

راوی حدیث ابوالملیح نے کہا: گروہ چالیس آدمی ہیں۔ طبرانی معجم کبیر میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن رجل یصلی علیه الاغفر الله له[4]۔	جس مسلمان پر سَو آدمی نماز پڑھیں اللہ عزوجل اُس کی مغفرت فرمادے۔

لہٰذا شریعتِ مطہرہ نے صرف فرضیت کفایہ پر اکتفانہ فرمایا بلکہ نماز جنازہ میں نمازیوں کے لئے عظیم واعظم افضالِ الٰہیہ کے وعدے دئے کہ لوگ اگر نفع میّت کے خیال سے جمع نہ ہوں گے اپنے فائدے کے لئے دوڑیں گے، اس بارے میں چھ میں چھ حدیثیں اوپر گزریں، اور صحاح ستّہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شهد الجنازة حتی یصلی علیها فله	جو نماز ہونے تک جنازہ میں حاضر رہے اس کے لئے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الجنائز امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۲

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فیمن صلی علیہ جماعۃ من المسلمین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۸

[3] سنن النسائی فضل من صلی علیہ مائۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۲

[4] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر باب فیمن صلی علیہ جماعۃ دارالکتاب بیروت ۳/۳۶

قیراط ومن شهدها حتی تدفن فله قیراطان قیل وما قیراطان قال مثل الجبلین العظیمین[1]۔ ولمسلم اصغرهما مثل احد[2]۔	ایک دانگ ثواب ہے اور دفن تک حاضر رہے تو دو دانگ ، جیسے بڑے دو[2] پہاڑ ،ان میں کا چھوٹا کوہِ احد کے برابر۔

اسی کے مثل مسلم وابن ماجہ نے حضرت ثوبان اور امام احمد نے بسندِ صحیح، قیراط نماز کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتبع جنازة حتی یقضی دفنها کتب له ثلثة قراریط. القیراط منها اعظم من جبل اُحد[3]۔	جو کسی جنازے کے ساتھ رہے یہاں تک کہ دفن ہو چکے اس کے لئے تین قیراط اجر لکھا جائے، ہر قیراط کوہ احد سے بڑا۔

بزار کی یہاں حدیث موقوف ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے: جو کسی جنازہ میں اہل جنازہ کے پاس تک جائے اُس کے لئے ایک قیراط ہے، پھر اگر جنازہ کے ساتھ تک چلے تو ایک قیراط اور ملے اور نماز پر تیسرا اور دفن پر انتظار تک چوتھا قیراط پائے۔

ابن ماجہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی،

من غسل میتا وکفنه وحنطه وحمله وصلی علیه ولم یفش علیه ما رای خرج من خطیئته مثل ما ولدته امه[4]۔	جو کسی میّت کو نہلائے، کفن پہنائے، خوشبو لگائے، جنازہ اٹھائے، نماز پڑھے اور جو ناقص بات نظر آئے اُسے چھُپائے وُہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔

اب اگر نمازِ جنازہ میں تکرار کی اجازت دیتے ہیں تو لوگ تسویف وکسل کی گھاٹی میں پڑیں گے۔ کہیں گے کہ جلدی کیا ہے اگر ایک نماز ہو چکی ہم دوبارہ پڑھ لیں گے، اس تقدیر پر اگر لوگوں کا انتظار کیا جائے تو جنازہ کو دیر ہوتی ہے اور جلدی کی جائے تو جماعت ہلکی رہتی ہے اور دونوں باتیں مقصود شرع کے خلاف، لاجرم مصلحتِ

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۷

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/۳۰۷

[3] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب تجہیز المیت دار الکتاب بیروت ۳/۲۰

[4] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی غسل المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۶

شرعیہ اسی کی مقتضی ہُوئی کہ تکرار کی اجازت نہ دیں۔ جب لوگ جانیں گے اگر نماز ہوچکی تو پھر نہ ملے گی اور ایسے افضال عظیمہ ہاتھ سے نکل جائیں گے تو خواہی نہ خواہی جلدی کرتے حاضر آئیں گے اور میّت کے فائدے اور اپنے بھلے کے لئے جلد جمع ہوجائیں گے اور شرع مطہر کے دونوں مقصد باحسن وجوہ رنگ ظہور پائیں گے۔ الحمدللہ! یہ ایک ادنی شمہ ہے اُس الٰہی عالم، ربانی حاکم، کی نظر حقائق نگر کا، جو مصداق اعلیٰ عظیم بشارت والا اُس حدیث صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوکان العلم معلقا بالثریا لتناولہ قوم من ابناءِ فارس[1]۔ رواہ الامام احمد فی المسند وابونعیم فی الحلیۃ عن ابی ھریرۃ والشیرازی فی الالقاب عن قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو اولادِ فارس سے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی لے آتے۔ اسے امام احمد نے مسند میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابوہریرہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اعنی امام الائمہ سراج الامّہ کاشف الغمّہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی رائے منیر و نظر بے نظیر تمام مصالح شرعیہ کو محیط وجامع، اور مومنین کے لئے ان کی حیات وموت میں خیر محض ونافع

فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین کل خیر وقاہ وتابعیہ بحسن الاعتقاد کل ضروضیر اٰمین یاارحم الراحمین والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحابتہ ومجتھدی ملۃ اجمعین اٰمین!	تو خدا اسلام اور مسلمانوں کی جانب سے انہیں خیر کا صلہ دے اور انہیں اور حسنِ اعتقاد کے ساتھ ان کا اتباع کرنے والوں کو ہر تکلیف اور نقصان سے بچائے، اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! قبول فرما۔ اور سب خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا مالک ہے۔ اور خدائے برتر ہمارے آقا ومولا حضرت محمد، ان کی آل، ان کے صحابہ اور ان کے دین کے مجتہدین سب پر درود وسلام نازل فرمائے، الٰہی! قبول فرما!

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۹۷، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۶۹، حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ۳۲۸ شہر بن حوشب دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۶۴، جامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۴۶۴ دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۳۲۳

الحمدللہ کہ یہ مجمل و مختصر عجالہ، سلخ رجب کو غرہ سمائے تمام ہُوااور بلحاظ تاریخ النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز نام ہوا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ نمبر ۸۴: از شہر چاٹگام موضع چرباکلیہ مکان روشن علی مستری مرسلہ منشی محمد اسمٰعیل ۱۳ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز کَے مرتبہ پڑھی گئی۔اور اول کس شخص نے پڑھائی تھی؟ بینوا توجروا

الجواب:

صلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ والہ وبارک وسلم۔سائل کو جوابِ مسئلہ سے زیادہ نافع یہ بات ہے کہ درود شریف کی جگہ جو عوام و جہال صلعم یاع یام یاص یا صُللم لکھا کرتے ہیں، محض مہمل و جہالت ہے،القلم احدی اللسانین (قلم دو۲ زبانوں میں سے ایک ہے۔ت) جیسے زبان سے درود شریف کے عوض یہ مہمل کلمات کہنا درود کو ادا نہ کرے گا یوں ہی ان مہملات کا لکھنا،درود لکھنے کاکام نہ دے گا، ایسی کوتاہ قلمی سخت محرومی ہے۔ میں خوف کرتاہوں کہ کہیں ایسے لوگ فبدل الذین فَبَدَّلَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَیۡرَ الَّذِیۡ قِیۡلَ لَہُمۡ[1] (توظالموں نے بدل ڈالی وہ بات جو ان سے کہی گئی تھی۔ت) میں نہ داخل ہوں۔نام پاک کے ساتھ ہمیشہ پورادرود لکھاجائے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جنازہ اقدس پر نمازکے باب مختلف ہیں۔ایک کے نزدیک یہ نماز معروف نہ ہوئی بلکہ لوگ گروہ در گروہ حاضر آتے اور صلٰوۃ وسلام عرض کرتے بعض احادیث بھی اس کی مؤید ہیں کما بیناھا فی رسالتنا النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز (جیساکہ انہیں ہم نے اپنے رسالہ النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز میں بیان کیا ہے۔ت)اور بہت علماء یہی نماز معروف مانتے ہیں،امام قاضی عیاض نے اسی کی تصحیح فرمائی۔کما فی شرح الموطا للزرقانی (جیساکہ علامہ زرقانی کی شرح موطامیں ہے۔ت) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تسکینِ فتن وانتظام امت میں مشغول،جب تک ان کے دستِ حق پرست پر بیعت نہ ہوئی تھی،لوگ فوج فوج آتے اور جنازہ انور پر نمازپڑھتے جاتے،جب بیعت ہولی،ولی شرعی صدیق ہوئے،انہوں نے جنازہ مقدس پر نماز پڑھی،پھر کسی نے نہ پڑھی کہ بعد صلٰوۃ ولی پھر اعادۂ نمازِ جنازہ کااختیار نہیں۔ان تمام مطالب کی تفصیلِ قلیل،فقیر کے رسالۂ مذکورہ میں ہے۔مبسوط امام شمس الائمہ

---

[1] القرآن ۲/۵۹

سرخسی میں ہے:

ان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنه کان مشغولا بتسویة الامور وتسکین الفتنة فکانوا یصلون علیه قبل حضورہ وکان الحق له لانه هو الخلیفة فلما فرغ صلی علیه ثم لم یصل احد بعدہ علیه[1]۔	حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ معاملات درست کرنے اور فتنہ فرو کرنے میں مشغول تھے لوگ ان کی آمد سے پہلے آکر صلٰوۃ پڑھتے جاتے، اور حق ان کا تھا اس لئے کہ وُہ خلیفہ تھے، تو جب فارغ ہوئے نماز پڑھی، پھر اس کے بعد نماز نہ پڑھی گئی۔(ت)

بزار و حاکم وابن منیع و بیہقی اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذاغسلتمونی وکفنتمونی فضعونی علٰی سریری ثم اخرجوا عنی فان اول من یصلی علیّ جبرئیل ثم میکائیل ثم اسرافیل ثم ملك الموت مع جنودہ من الملئکة باجمعهم ثم ادخلوا علیّ فوجا بعد فوج فصلوا علی وسلموا تسلیما[2]۔	جب میرے غسل وکفن سے فارغ ہو مجھے نعش مبارک پر رکھ کر باہر چلے جاؤ۔ سب سے پہلے جبرئیل مجھ پر صلٰوۃ کریں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت اپنے سارے لشکروں کے ساتھ پھر گروہ گروہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھ پر درود وسلام عرض کرتے جاؤ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

---

[1] مبسوط امام سرخسی باب غسل المیت دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

[2] المستدرک علی الصحیحین کتاب المغازی دارالفکر بیروت ۳/ ۶۰، شرح الزرقانی علی موطا امام مالک بحوالہ البزار باب ۱۴۹ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ۲/ ۶۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

الھادی الحاجب عن جنازۃ الغائب ۱۳۲۶ھ

(غائب کی نماز جنازہ سے روکنے والا ہادی)

مسئلہ نمبر ۸۵تا۸۷: از معسکر بنگلور جامع مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مدراسی ۲۳ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے احناف رحمہم اللہ تعالٰی کہ حنفی مذہب میں نمازِ جنازہ مع اولیائے میت پڑھ لئے ہوں پھر دوبارہ پڑھنا، اور نماز جنازہ غائب پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر امام شافعی مذہب ہو تو اسکے اقتداء سے ہم حنفیوں کو یہ دونوں امر جائز ہو جائیں گے یا نہیں؟ یہ حیلہ ہمارے مذہب میں کچھ اصل ہے یا نہیں؟ ہمارے بلاد دکن اضلاع بنگلور و مدراس میں ان مسئلوں کی اشد ضرورت ہے، اُمید کہ عبارات عام فہم ہوں گی۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی لایشفع عندہ الا باذنہ والصّلوٰۃ والسّلام علی من امر بالوقوف عندحدود دینہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ قدر کمالہ وحسنہ اٰمین ط	تمام تعریف اللہ کے لئے جس کے حضور اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت کرنے والا نہیں، اور درود وسلام ہو ان پر جنہوں نے دین کی حدوں پر رُک جانے کا حکم دیا، اور ان کی آل واصحاب پر حضور کے حسن وکمال کے بقدر۔ الٰہی قبول فرما۔

جواب سوالِ اوّل: مذہب مہذّب حنفی میں جبکہ ولی عــہ۱ نماز پڑھ چکا یا اس کے اذن سے ایک بار نماز ہوچکی (اگرچہ یونہی کہ دوسرے نے شروع کی ولی شریک ہوگیا) تو اب دوسروں کو مطلقاً جائز نہیں، نہ ان کو جو پڑھ چکے نہ اُن کو جو باقی رہے۔ ائمۂ حنفیّہ کا اس پر اجماع ہے، جو اس کا خلاف کرے مذہب حنفی کا مخالف ہے۔ تمام کُتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی اس کی تصریحات سے گونج رہی ہیں۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق وتنقیح فقیر کے رسالہ **النھی الحاجز عن تکرار صلٰوۃ الجنائز** میں بفضلہٖ بروجہ اتم ہوچکی ہے یہاں صرف نصوص وعبارات ائمہ وعلمائے حنفیّہ خصھم اللہ تعالٰی بالطافہ الخفیہ، ذکر کریں اور از انجاکہ یہ تحریر فائدہ جدیدہ سے خالی نہ ہو، ان میں جدّت وزیادت کالحاظ رکھیں، وباللہ التوفیق یہاں کلام بنظرِ انتظام عــہ۲ مرام چند انواع پر خواہان انقسام:

نوع اوّل[1]: نماز جنازہ دوبارہ روا نہیں۔

(۱) درمختار میں ہے: **تکرارھا غیر مشروع**[1] نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔

(۲) غنیہ شرح منیہ میں ہے: **تکرار الصلٰوۃ علٰی میّت واحد غیر مشروع**[2] ایک میت پر دوبارہ نماز ناجائز ہے۔

(۳) امام اجل مفتی الجنّ والانس سیّدی نجم الدین عمر نسفی اُستاذ امام اجل صاحب ہدایہ رحمہما اللہ تعالٰی منظومہ مبارکہ میں فرماتے ہیں: ؎

عــہ۱: **المراد بالولی ھٰھنا ھوالاحق وبغیرہ من لیس لہ الحق فاحفظ وسیأتی التفصیل ۱۲منہ (م)**

یہاں ولی سے مراد وُہ ہے جو سب سے زیادہ حقدار ہے، اور غیر ولی سے مراد وُہ جس کا حق نہیں یہ ذہن نشین رہے تفصیل آگے آئیگی ۱۲منہ (ت)

عــہ۲: ہر نوع بعونِ الٰہی نفیس وجلیل مسائل پر مشتمل ہوگی کہ اس باب میں جن کی حاجت واقع ہوئی اور محل خلاف میں قول ارجح کی طرف بھی اجمالی اشارہ ہوگا وباللہ التوفیق ۱۲منہ (م)

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹

باب فتاوی الشافعی وحدہ ومابہ قال وقلنا ضدّہ

وجائز فی فعلها التکرار وفی القبور عــہ یدخل الاوتار[1]

یعنی نماز جنازہ کی تکرار جائز ہونا صرف امام شافعی کا قول ہے ہمارے نزدیک جائز نہیں۔(۴) ایضاح امام ابوالفضل کرمانی (۵) فتاوٰی عالمگیریہ (٦) جامع الرموز میں ہے: لا یصلی علی میّت الامرّۃ واحدۃ[2] کسی میّت پر ایک بار سے زیادہ نماز نہ پڑھی جائے۔(۷) علامہ سیّد احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں: سقوط فرضها بواحد فلواعادوا تکررت ولم تشرع مکررۃ[3] نماز جنازہ کا فرض ایک کے پڑھنے سے ساقط ہو جاتا ہے اب اگر پڑھیں تو مکرر ہو جائے گی اور وہ مکرر مشروع نہیں۔ بحرالرائق وشامل بیہقی وغیرہما کی عبارات نوع سوم میں آتی ہیں اور حلیہ کی چہارم اور عنایہ کی دہم میں۔(۸) مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی (۹) نہایہ شرح ہدایہ (۱۰) منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق میں ہے: لاتعاد الصّلٰوۃ علی المیّت الا ان یکون الولی ھوالذی حضر فان الحق لہ ولیس لغیرہ ولایۃ اسقاط حقہ۔[4] کسی میت پر دو دفعہ نماز نہ ہو، ہاں اگر ولی آئے تو حق اس کا ہے اور دوسرا اس کا حق ساقط نہیں کرسکتا (۱۱) ہدایہ (۱۲) کافی شرح وافی للامام الاجل ابی البرکات النسفی (۱۳) تبیین الحقائق شرح

عــہ: لایدخل القبر عندہ لوضع المیت الا الوتر و عندنا الوتر والشفع سواء ۱۲ منہ (م)

امام شافعی کے نزدیک میت کو اتارنے کے لئے قبر میں جانے والوں کی تعداد طاق ہی ہوگی اور ہمارے نزدیک طاق اور جفت یکساں ہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] منظومہ مبارکہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی

[2] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۸۵، فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الصّلٰوۃ علی المیت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنائز دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۷۱

[4] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحرالرائق فصل فی السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

نوع دوم [۲]: دوبارہ پڑھیں تو نفل ہوگی اور یہ نماز بطور نفل جائز نہیں۔ کنز الدقائق للامام الزیلعی **(۱۴)** جوہرۂ نیرہ شرح مختصر القدوری **(۱۵)** درر شرح غرر **(۱۶)** بحر الرائق شرح الکنز للعلامہ زین **(۱۷)** مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر **(۱۸)** مستخلص الحقائق شرح کنز **(۱۹)** کبیری علی المنیہ میں ہے:

الفرض یتادی بالاول والتنفل بها غیر مشروع (زادفی التبیین) ولهذا لایصلی علیه من صلی علیه مرة[1]۔	فرض تو پہلی نماز سے ادا ہوجاتا ہے اور یہ نماز نفل کے طور پر جائز نہیں اس لئے جو ایک بار پڑھ چکا دوبارہ نہ پڑھے۔

کافی کے الفاظ یہ ہیں:

حق المیّت یتادی بالفریق الاول وسقط الفرض بالصلٰوۃ الاولٰی فلو فعله الفریق الثانی لکان نفلا وذاغیر مشروع کمن صلی علیه مرّۃ[2]۔	میّت کا حق پہلے فریق نے ادا کردیا اور فرض کفایہ نماز اول سے ساقط ہوگیا، اب اور لوگ پڑھیں تو نماز نفل ہوگی اور یہ جائز نہیں جیسے ایک بار پڑھ چکنے والے کو دوبارہ اجازت نہیں۔

(۲۰) شرح تجرید کرمانی **(۲۱)** فتاوٰی ہندیہ **(۲۲)** مراقی الفلاح علامہ شرنبلالی میں ہے: **التنفل بصلٰوۃ الجنازۃ غیر مشروع** [3] نماز جنازہ بطور نفل جائز نہیں۔ **(۲۳)** امام محمد محمد محمد بن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

المذهب عنداصحابنا ان التنفل بها غیر مشروع[4]۔	ہمارے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ نماز جنازہ نفلاً روا نہیں۔

(۲۴) بحر العلوم ملک العلماء رسائل الارکان میں فرماتے ہیں:

لوصلوا لزم التنفل بصلٰوۃ الجنازۃ ذاغیر جائز[5]۔	پھر پڑھیں تو نماز جنازہ بطور نفل پڑھنی لازم آئیگی اور یہ ناجائز ہے۔

[1] تبیین الحقائق باب الجنائز مطبوعہ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۲۴۰

[2] کافی

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الصلٰوۃ علی المیت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۳

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[5] رسائل الارکان فصل فی حکم الجنازۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۵

ردالمحتار کی عبارت نوعِ ششم میں آئے گی۔

نوع سوم[۳]: یہاں تک کہ اگر سب مقتدی بے طہارت یا سب کے کپڑے نجس تھے یا نجس جگہ کھڑے تھے یا عورت امام اور مرد مقتدی تھے، غرض کسی وجہ سے جماعت بھر کی نماز باطل اور فقط امام کی صحیح ہوئی، اب اعادہ نہیں کرسکتے کہ اکیلے امام سے فرض ساقط ہوگیا، ہاں اگر قوم میں کوئی وجہ بطلان نہ تھی امام میں تھی تو پھر پڑھی جائیگی کہ جب امام کی صحیح نہ ہوئی کسی کی صحیح نہ ہوئی۔ **(۲۵)** خلاصہ **(۲۶)** بزازیہ **(۲۷)** محیط **(۲۸)** بدائع امام ملک العلماء ابو بکر مسعود کاسانی **(۲۹)** شامل للامام البیہقی **(۳۰)** تجرید للامام ابی الفضل **(۳۱)** مفتاح **(۳۲)** جواہر اخلاطی **(۳۳)** قنیہ **(۳۴)** مجتبٰی **(۳۵)** شرح التنویر للعلائی **(۳۶)** اسمعیل مفتی دمشق تلمیذ صاحبِ درمختار **(۳۷)** ردالمحتار **(۳۸)** ہندیہ **(۳۹)** بحر **(۴۰)** حلیہ **(۴۱)** رحمانیہ میں ہے۔

بعضھم یزید علی بعض والنظم للدر امّ بلاطھارۃ والقوم بھا اعیدت وبعسکہ لاکمالو امت امراۃ ولو امۃ لسقوط فرضھا بواحد[1]۔	امام طہارت سے نہ تھا اور مقتدی طہارت پر تو نماز پھیری جائے اور عکس میں نہیں جبکہ عورت امام ہو اگرچہ کنیز ہو کہ فرض ایک کے پڑھ لینے سے ساقط ہوگیا۔

محیط وبحر الرائق کے لفظ یہ ہیں:

لوکان الامام علی طھارۃ والقوم علی غیرھا لاتعادلان صلٰوۃ الامام صحت فلواعادوا تتکرر الصلٰوۃ وانہ لایجوز[2]۔	امام طہارت پر ہو اور مقتدی بے طہارت تو نماز نہ پھیری جائے گی کہ امام کی نماز صحیح ہوگئی۔ اب اگر پھیریں تو نماز جنازہ دوبار ہوگی اور یہ ناجائز ہے۔

شامل بیہقی کے لفظ یہ ہیں:

وان کان القوم غیرطاھر لاتعادلان الاعادۃ لا تجوز[3]۔	اگر مقتدی بے طہارت ہوں نماز نہ پھیریں کہ یہ نماز دوبار جائز نہیں۔

نوع چہارم[۴]: جب ولی خود یا اس کے اذن سے دوسرا نماز پڑھائے یا ولی خود ہی تنہا پڑھ لے تو اب

---

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

[2] بحرالرائق فصل السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۷۹

[3] شامل بیہقی

کسی کو نماز جنازہ کی اجازت نہیں۔

(۴۲) کنزالدقائق **(۴۳)** وافی للامام اجل ابی البرکات النسفی **(۴۴)** وقایہ **(۴۵)** نقایہ **(۴۶)** غرر للعلامہ مولٰی خسرو **(۴۷)** تنویر الابصار وجامع البحار، شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی **(۴۸)** ملتقی الابحر **(۴۹)** اصلاح للعلامہ ابن کمال پاشا **(۵۰)** فتح القدیر للامام المحقق علی الاطلاق **(۵۱)** شرح منیہ ابن امیر الحاج **(۵۲)** شرح نورالایضاح للمصنف میں ہے:

واللفظ لمتن العلامۃ ابراہیم لایصلی غیر الولی بعد صلاتہ[1]۔	(علامہ ابراہیم حلبی کے متن کے الفاظ یہ ہیں۔ت) ولی کے بعد کوئی شخص نماز جنازہ نہ پڑھے۔

امام ابن الہمام کے الفاظ یہ ہیں:

ان صلی الولی ان کان وحدہ لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ[2]۔	ولی اگرچہ تنہا نماز پڑھ لے اس کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

یوں ہی مراقی الفلاح میں فرمایا:

لایصلی احد علیہم بعدہ وان صلی وحدہ ولی[3]۔	ولی اکیلا ہی پڑھ چکا جب بھی اس کے بعد کوئی نہ پڑھے۔

حلیہ کی عبارت یہ ہے:

قال علماؤنا اذاصلی علی المیت من لہ ولایۃ ذلک لاتشرع الصلٰوۃ علیہ ثانیا لغیرہ[4]۔	ہمارے علماء نے فرمایا جب میّت پر صاحبِ حق نماز پڑھ لے پھر کسی کو اس پر نماز مشروع نہیں۔

(۵۳) مختصر **(۵۴)** ہدایہ للامام الاجل ابی الحسن بن عبدالجلیل الفرغانی **(۵۵)** نافع متن مستصفٰی للامام ناصرالدین ابی القاسم المدنی السمرقندی **(۵۶)** شرح الکنز للعلامۃ ابن نجیم **(۵۷)** شرح الملتقی للعلامہ شیخی زادہ **(۵۸)** شرح النقایہ للقہستانی **(۵۹)** ابراہیم الحلبی علی المنیہ

---

[1] ملتقی الابحر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۱۵۹

[2] فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۴

[3] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی فصل السلطان احق بصلٰوتہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

(۶۰) شرح مسکین للکنز (۶۱) برجندی شرح نقایہ میں ہے:

ان صلی علیه الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده[1]۔	اگر جنازے پر ولی نماز پڑھ لے تو اب کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

غنیہ کے لفظ یہ ہیں:

عدم جواز صلٰوۃ غیر الولی بعدہ مذھبنا[2]۔	ولی کے بعد سب کو نماز ناجائز ہونا ہمارا مذہب ہے۔

(۶۲) مستصفی للامام النسفی (۶۳) شلبیہ علی الکنز میں ہے:

لولم یحضر السلطان وصلی الولی لیس لاحد الاعادۃ[3]۔	اگر سلطان حاضر نہ ہو اور ولی پڑھ لے اب کوئی اعادہ نہیں کرسکتا۔

نوعِ پنجم ۵: کچھ ولی کی خصوصیت نہیں۔ حاکمِ اسلام یا امامِ مسجد جامع یا امام مسجد محلّہ میت کے بھی، پھر دوسروں کو اجازت نہیں کہ یہ بھی صاحب حق ہیں۔ (۶۴) امام فخر الدین عثمان نے شرح کنز میں بعد مسئلہ ولی فرمایا:

وکذا بعد امام الحی وبعد کل من یتقدم علی الولی[4]۔	یعنی یونہی اگر مسجد محلّہ میّت کا امام یا سلطان وغیرہ حکامِ اسلام نمازِ جنازہ پڑھ لیں تو پھر اوروں کو نماز کی اجازت نہیں۔

(۶۵) فاتح شرح قدوری (۶۶) ذخیرۃ العقبی علی صدر الشریعۃ (۶۷) حواشی سیّد حموی میں ہے:

تخصیص الولی لیس بقید لانه لو صلی	کچھ ولی کی خصوصیت نہیں بلکہ سلطان وغیرہ جو

[1] المختصر للقدوری باب الجنائز مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور بھارت ص ۴۵، الہدایہ فصل فی الصلوٰۃ علی المیت المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۶۰، شرح النقایہ للبرجندی فصل فی الصلوٰۃ الجنائز منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۵

[3] شلبی علی الکنز علی ھامش تبیین الحقائق باب الجنائز مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۲۳۸

[4] تبیین الحقائق باب الجنائز مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر ۱/۲۴۰

السلطان اوغیرہ ممن ھواولٰی من الولی لیس لاحد ان یصلی بعدہ[1]۔	ولی سے اولٰی ہیں اُن کے بعد کسی کو پڑھنا جائز نہیں۔

(۶۸) فتح القدیر (۶۹) فتح اللہ المعین میں ہے:

اذامنعت الاعادۃ بصلٰوۃ الولی فبصلٰوۃ من ھومقدم علی الولی اولٰی[2]۔	جب ولی کے دوسرے کو اجازت نہیں تو سلطان وغیرہ کہ اس سے بھی مقدم ہیں، ان کے بعد اجازت نہ ہونا بدرجہ اولٰی۔

(۷۰) قہستانی علٰی مختصر الوقایہ میں ہے:

لایجوزان یصلی غیرالاحق بعد صلٰوۃ الولی و الاحق وغیرہ[3]۔	جو اس نماز میں صاحب حق ہیں ان میں کسی کے پڑھنے کے بعد غیر کو پڑھنا جائز نہیں۔

حلیہ کی عبارت نوع چہارم میں گزری۔

نوع ششم[٦]: ولی وغیرہ ذی حق جس صورت میں اپنے حق کے لئے اعادہ کرسکتے ہیں۔ اس حال میں بھی جو پہلے پڑھ چکا ان کی نماز میں شریک نہیں ہوسکتا۔ (۷۱) نورالایضاح (۷۲) درمختار (۷۳) بحرالرائق (۷۴) قنیہ (۷۵) شرح مختصرالوقایۃ للعلامۃ عبدالعلی (۷۶) شرح الملتقی للعلامہ عبدالرحمٰن رومی (۷۷) غنیہ ذوی الاحکام للعلامۃ الشرنبلالی (۷۸) شرح منظومہ ابن وہبان للعلامۃ ابن الشحنہ (۷۹) خادمی علی الدرر میں ہے:

واللفظ لہ لیس لمن یصلی والاان یعید مع الولی[4]۔	(اور ان کے الفاظ یہ ہیں۔ت) جو ایک بار پڑھ چکا وہ ولی کے ساتھ اعادہ نہیں کرسکتا۔

(۸۰) فتح القدیر میں ہے:

ولذاقلنالم یشرع لمن صلی مرۃ	اسی لئے ہمارا مذہب ہے کہ جو ایک بار پڑھ چکا

---

[1] ذخیرۃ العقبی علی صدرالشریعۃ باب الجنائز منشی نولکشور کانپور ۱/۱۱۸

[2] فتح القدیر فصل فی صلٰوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۴، فتح اللہ المعین بحوالہ سیّد حموی فصل فی السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳

[3] جامع الرموز فصل الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۸۴

[4] خادمی علی الدرر باب الجنائز مطبعہ عثمانیہ دارسعادت ترکی ص۹۹

التکرر [1]۔	اُسے پھر پڑھنا جائز نہیں۔

(۸۱) شامی علی الدر میں ہے:

لان اعادته تکون نفلا من کل وجه بخلاف الولی لانه صاحب الحق [2]۔	اس لئے کہ اس کا اعادہ ہر طرح نفل ہی ہوگا اور یہ جائز نہیں بخلاف ولی کے کہ صاحبِ حق ہے۔

نوع ہفتم: جب ولی نے دوسرے کو اذن دے دیا اگرچہ آپ شریک نماز نہ ہوا، یا کوئی اجنبی بے اذنِ ولی خود ہی پڑھ گیا مگر ولی شریک نماز ہوگیا تو ان صورتوں میں ولی بھی اعادہ نہیں کرسکتا۔ **(۸۲)** جوہرہ میں ہے:

ان اذن الولی لغیرہ فصلی لا تجوز له الاعادۃ [3]۔	اگر ولی کے اذن سے دوسرے نے پڑھ لی تو اب ولی کو بھی اعادہ کی اجازت نہیں۔

(۸۳) بحر میں ہے:

اذن لغیرہ بالصلوۃ لاحق له فی الاعادۃ [4]۔	ولی جب دوسرے کو نماز کا اذن دے دے اب اسے اعادہ کا حق نہیں۔

(۸۴) فتاوٰی قاضی خان **(۸۵)** فتاوٰی ظہیریہ **(۸۶)** فتاوٰی ولوالجیہ **(۸۷)** واقعات **(۸۸)** تجنیس للامام صاحب ہدایہ **(۸۹)** فتاوٰی عتابیہ **(۹۰)** فتاوٰی خلاصہ **(۹۱)** عنایہ شرح ہدایہ **(۹۲)** نہایہ اول شروح ہدایہ **(۹۳)** منبع **(۹۴)** عبدالحلیم رومی علی الدرر **(۹۵)** شلبی علٰی زیلعی الکنز **(۹۶)** حلیہ **(۹۷)** برجندی **(۹۸)** بحر **(۹۹)** رحمانیہ **(۱۰۰)** شرح علائی **(۱۰۱)** ہندیہ میں ہے:

واللفظ للعنایۃ عن الولوالجی وللشلبی عن النہایۃ الولوالجی والظہیریۃ والتجنیس وللبحر عنہم وعن الواقعات رجل صلی علی جنازۃ والولی خلفه و	(الفاظ، عنایہ، شلبی اور بحر کے ہیں۔ عنایہ سے والوالجی سے منقول ہے اور شلبی میں نہایہ سے اُس میں ولوالجی، ظہیریہ اور تجنیس سے نقل ہے۔ اور بحر میں ان سب سے اور واقعات سے نقل

[1] فتح القدیر فصل الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۴
[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۵۲
[3] الجوہرۃ النیرہ باب التیمم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۲۷
[4] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۷

لم یرض بہ ان تابعہ وصلی معہ لایعید لانہ صلی مرّۃ[1]۔	ہے۔ت) ایک شخص نے نماز پڑھائی اور ولی راضی نہ تھا لیکن شریک ہو گیا تو اب اعادہ نہ کرے گا کہ ایک بار پڑھ چکا۔

نوع ہشتم^۸: یونہی اگر سلطان وغیرہ ذی حق کہ ولی سے مقدم ہیں پڑھ لیں یا خود نہ پڑھ لیں۔ ان کے اذن سے کوئی پڑھ دے جب بھی ولی کو اختیار اعادہ نہیں۔

(۱۰۲تا۱۱۹) ۸۴ سے ۱۰۱ تک تمام کتبِ مذکورہ **(۱۲۰)** فتح القدیر **(۱۲۱)** فتح المعین میں ہے:

امامن ذکرنا لفظھم آنفا فبالفاظ متفقۃ و الباقون بمعانی متقاربۃ. وھذا لفظ الخانیۃ ان کان المصلی سلطانا اوالامام الاعظم اوالقاضی او والی مصراوامام حیہ لیس للولی ان یعید فی ظاھر الروایۃ [2] زادالذین سقنالفظھم لانھم اولی بالصلٰوۃ منہ[3]	جن کی عبارت ابھی ہم نے ذکر کی وہ بہ الفاظ متفقہ اور باقی بمعانی متقاربہ بیان کرتے ہیں اور یہاں عبارت خانیہ کی ہے۔ت) اگر امیر المومنین یا سلطانِ اسلام یا قاضی یا والیِ شہر یا امام مسجد محلّہ نے نماز پڑھ لی تو ہمارے ائمہ سے ظاہر الروایۃ میں ولی کو بھی اعادہ کا اختیار نہیں کہ یہ لوگ اس نماز کے حق میں ولی سے مقدم ہیں۔

(۱۲۲) غنیہ **(۱۲۳)** حلیہ **(۱۲۴)** بحر **(۱۲۵)** طحطاوی علی مراقی الفلاح سب کے باب تیمّم میں ہے:

لوصلی من لہ حق التقدم کالسلطان ونحوہ لایکون لہ حق بالاعادۃ[4]۔	سلطان وغیرہ جو ولی پر مقدم ہیں ان کے پڑھ لینے کے بعد ولی کو حق اعادہ نہیں۔

کفایہ و مستخلص کی عبارت نوعِ دہم میں آتی ہے۔ امام عتابی نے مثل عبارت مذکورہ خانیہ ذکر کیا اور ان کی گنتی میں جو ولی پر مقدم ہیں امام مسجد جامع کو بھی بڑھایا۔ اور درایہ پھر نہر پھر درمختار اور جوامع الفقہ اور پھر شرنبلالیہ میں تصریح فرمائی کہ امامِ جامع مسجد امامِ محلّہ پر مقدم ہے۔

---

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر فصل فی الصلوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۳

[2] فتاوٰی قاضی خان باب فی غسل المیت الخ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[3] بحر الرائق فصل فی السلطان احق بصلوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۱

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی التیمم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۸۱

(۱۲۶) درایہ شرح ہدایہ (۱۲۷) شلبیہ علی الکنز میں ہے:-

ولوصلی امام المسجد الجامع لاتعاد[1]۔	جامع مسجد کا امام پڑھ لے تو پھر اعادہ نہیں۔

(۱۲۸) مجمع البحار (۱۲۹) شرح مجمع (۱۳۰) بحر (۱۳۱) ردالمحتار میں ہے:

امام الحی کالسلطان فی عدم اعادۃ الولی[2]۔	امامِ محلّہ بھی اس امر میں مثلِ سلطان ہے کہ اس کے بعد ولی کو اعادہ جائز نہیں۔

تنبیہ: امام عتابی نے ولی پر تقدیمِ امام میں یہ شرط لگائی کہ ولی سے افضل ہو ورنہ ولی ہی اولیٰ ہے۔ یہ شرط شرنبلالیہ میں معراج الدرایہ اور دُرمختار میں مجتبیٰ وشرح المجمع لمصنفہ سے نقل فرمائی۔ حلیہ میں اسے عتابی سے بحوالہ شرح مجمع اور امام بقالی سے بحوالہ مجتبیٰ نقل کرکے فرمایا وھواحسن یہ کلام عمدہ ہے۔ اسی طرح بحرالرائق میں فرمایا۔ (۱۳۲) خانیہ (۱۳۳) وجیز کردری (۱۳۴) عالمگیریہ (۱۳۵) خزانۃ المفتین میں ہے:

واللفظ للوجیز مات فی غیربلدہ فصلی علیہ غیراھلہ ثم حملہ الی منزلہ ان کانت الصلوٰۃ الاولی باذن الوالی اوالقاضی لاتعاد[3]۔	(عبارت "وجیز" کی ہے۔ت) غیر شہر میں مرا اجنبی لوگوں نے نماز پڑھ لی پھر اس کے اقارب آئے اسے اس کے وطن لے آئے، اگر پہلی نماز حاکمِ اسلام یا قاضی کے اذن سے ہوئی تھی تو اب اقارب اعادہ نہ کریں۔

نوع نہم[۹]: اگر ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان وحکام کہ اس سے اولیٰ ہیں بعد کو آئے اب وہ بھی بالاتفاق اعادہ نہیں کرسکتے، ہاں اگر وہ موجود تھے اور اُن کے بے اذن ولی نے پڑھ لی اور وہ شریک نہ ہوئے تو ایک جماعت علماء کے نزدیک انہیں اختیار اعادہ ہے۔

وھومحمل مافی الدرعن المجتبیٰ و	یہی اس کلام کا مطلب ہے جو درمختار میں مجتبیٰ سے

---

[1] شلبی علی الکنز علی ھامش تبیین الحقائق فعل السلطان احق بصلوٰتہ مطبعۃ کبریٰ امیریہ مصر ۱/۲۴۰

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مصطفی البابی مصر ۱/۶۵۲

[3] فتاوٰی بزازیہ ہامش فتاوٰی ہندیۃ الخامس والعشرون فی الجنائز نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۸۰، فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الصلوٰۃ علی المیت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۴

فی النھایۃ والجوھرۃ ثم الھندیۃ والطحطاوی وفی العنایۃ والبرجندی عن النھایۃ وفی الفاتح شرح القدوری وفی ابی سعید علی الدررعن المجتبٰی وغیرہ۔	منقول ہے، اور نہایہ، جوہرہ پھر ہندیہ اور طحطاوی میں ہے اور عنایہ و برجندی میں نہایہ کے حوالے سے ہے، اور فاتح شرح قدوری میں ہے اور حاشیہ ابو سعید علی الدرر میں مجتبٰی وغیرہ سے منقول ہے۔(ت)

اور ایک جماعت علماء کے نزدیک اب بھی سلطان وغیرہ کسی کو اختیارِ اعادہ نہیں، معراج الدرایہ میں اسی کی تائید کی، ردالمحتار میں اسی کو ترجیح دی۔ اور یہی ظاہر اطلاق متون اور ظاہراً من حیث الدلیل اقوی ہے تو حاصل یہ ٹھہرا کہ سلطان نے پڑھ لی تو ولی نہیں پڑھ سکتا ولی نے پڑھ لی تو سلطان نہیں پڑھ سکتا، غرض ہر طرح اعادہ و تکرار کا دروازہ بند فرماتے ہیں: **(۱۳۶)** غایۃ البیان شرح الہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

ھذا علٰی سبیل العموم حتی لا تجوز الاعادۃ لا لسلطان ولا لغیرہ[1]۔	یعنی ولی کے بعد کسی کو نماز کی اجازت نہ ہونے کا حکم عام ہے یہاں تک کہ پھر سلطان وغیرہ کسی کو اعادہ جائز نہیں۔

(۱۳۷) صغیری میں ہے:

ان صلی ھو فلیس لغیرہ ان یصلی بعدہ من السلطان فمن دونہ[2]۔	ولی پڑھ لے تو پھر کسی کو پڑھنے کا حق نہیں سلطان ہو یا اور کوئی۔

سراج وہاج شرح قدوری میں ہے:

من صلی الولی علیہ لم یجز ان یصلی احد بعدہ سلطانا کان او غیرہ[3]	ولی کے بعد کسی کو نماز جائز نہیں سلطان ہو یا اس کا غیر۔

(۱۳۹ و ۱۴۰) ابوالسعود میں نافع وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اطلق فی الغیر فعم السلطان فمفادہ عدم اعادۃ السلطان بعد صلٰوۃ الولی وبہ	کنز میں امام ماتن نے غیر کو مطلق رکھا جو سلطان کو بھی شامل، تو اس کا مفادیہ ہے کہ ولی کے بعد

[1] ردالمحتار بحوالہ غایۃ البیان باب صلٰوۃ الجنائز دار الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۵۹۲

[2] صغیری شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸۹

[3] بحر الرائق بحوالہ سراج الوہاج فصل السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۲

جزم فی السراج وغایۃ البیان والنافع[1]۔	سلطان بھی اعادہ نہ کرے، اور اسی پر حدادی واتقانی ونافع نے جزم کیا۔

(۱۴۱) مستصفی للامام النسفی **(۱۴۲)** شلبی علی الکنز میں ہے:

الحق الی الاولیاء حیث قال لیس لاحد بعدہ الاعادۃ بطریق العموم سلطانا کان اوغیرہ[2]۔	اصل حق ولی کا ہے ولہذا ماتن یعنی صاحب الفقہ النافع نے عام فرمایا کہ ولی کے بعد کسی کو اعادہ کا اختیار نہیں، سلطان ہو یا کوئی۔

(۱۴۳و۱۴۴) ردالمحتار میں معراج الدرایہ وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اذا صلی الولی فھل لمن قبلہ کالسلطان حق الاعادۃ. فی السراج والمستصفی لاویدل علی ھذا قول الھدایۃ ان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعدہ ونحوہ فی الکنز وغیرہ فقولہ لم یجزلاحدیشمل السلطان ونقل فی المعراج عن النافع عــہ لیس للسلطان الاعاۃ ثم اید روایۃ النافع[3] اھ ملخصا۔	کیا ولی کے بعد سلطان وغیرہ جواس سے مقدم ہیں اعادہ کا حق رکھتے ہیں، سراج و مستصفی میں منع فرمایا۔ اور ہدایہ کا قول اس پر دلیل ہے کہ فرمایا ولی کے بعد کسی کو جائز نہیں، اور یونہی کنزوغیرہ میں ہے، کسی میں سلطان بھی آگیا، اور معراج میں منافع سے سلطان کو منع اعادہ نقل کرکے اس کی تائید فرمائی۔

عــہ: المنافع ھذاھوالمستصفی للامام اجل ابی البرکات النسفی شرح الفقہ النافع الشھیر بالنافع للامام ناصرالدین ابی القاسم المدنی السمرقندی وقد قال رحمہ اللہ تعالٰی فی اٰخرکتابہ المصفی شرح المنظومۃ النسفیۃ	منافع ،یہی امام اجل ابوالبرکات نسفی کی مستصفٰی ہے جوامام ناصرالدین ابولقاسم مدنی سمرقندی کی کتاب "الفقہ النافع" مشہور بہ "نافع" کی شرح ہے۔امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی کتاب "المصفی شرح منظومہ نسفیۃ" کے آخر میں لکھا ہے کہ: جب میں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتح المعین علی شرح ملا مسکین فصل فی الصلوٰۃ علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] شلبی علی الکنز علی ہامش تبیین الحقائق فصل السلطان احق بصلوٰتہٖ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۲۳۸

[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۵۹۱-۹۲

(۱۴۵) بحر الرائق میں ہے:

صلی الولی ثم جاء المقدم علیه فلیس له الاعادة [1]۔	ولی پڑھ چکا پھر سلطان وغیرہ وُہ لوگ آئے جو ولی پر مقدم ہیں انہیں اعادہ کا اختیار نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لما فرغت من جمع المنافع واملائه وھوالمستصفٰی سألنی بعض اخوانی ان اجمع للمنظومة شرحا مشتملا علی الدقائق فشرحتها وسمیته المصفی فظهران المستصفٰی والمنافع شیئ واحد وھوشرح النافع، والمصفی غیرہ وھوشرح المنظومة فلیس عین المستصفی ولا اختصارہ ،ولا المستصفی شرح المنظومة وقد وقع ھھناغلط من العلامة الکاتبی فی کشف الظنون فتنبه ومن اشد العجب ان استدل مادعاہ من المستصفی شرح المنظومة وان المصفی اختصارہ بمامرمن کلامه رحمه اللّٰہ تعالٰی فی اٰخرالمصفی مع انه شاھد باعلی نداء علٰی نقیض مادعاہ ثم اعاد ذکرالمستصفی فی النافع فجعله شرحه علی الصواب وذکر قیلا انه المصفی ولیس بالصواب فاعلم ۱۲منه (م)

منافع —وہی مستصفٰی ہے --کی تالیف واملا سے فارغ ہُوا تو بعض عزیزوں نے مجھ سے چاہا کہ منظومہ کی ایک ایسی شرح لکھ دُوں جو اس کے دقائق کے بیان پر مشتمل ہو، تو میں نے منظومہ کی شرح لکھی اور اس کا نام "مصفّی" رکھا--اس عبارت سے واضح ہے کہ مستصفی اور منافع ایک ہی ہیں اور یہ "نافع" کی شرح ہے، اور مصفی دوسری کتاب ہے وہ منظومہ کی شرح ہے بعینہٖ مستصفی یا اس کا اختصار نہیں ہے۔نہ ہی مستصفٰی، منظومہ کی شرح ہے۔--یہاں کشف الظنون میں علامہ کاتبی سے غلطی ہو گئی ہے اس لئے متنبہ رہنا چاہئے--انہوں نے یہ لکھ دیا کہ مستصفٰی، منظومہ کی شرح ہے اور مصفی اس کا (مستصفی کا) اختصار ہے اور سخت حیرت کی بات یہ ہے کہ اس دعوے کی دلیل میں انہوں نے آخر مصفی کی یہی عبارت پیش کی ہے جو ابھی ذکر ہوئی حالانکہ وُہ بہ آواز بلند ان کے دعوے کے خلاف شہادت دے رہی ہے--اس کے بعد "النافع" کے تحت کاتبی نے مستصفے کو دوبارہ ذکر کیا وہاں بجاطور پر اس کی شرح بتایا اور ایک ضعیف قول کا ذکر کیا کہ وہ مصفے ہی ہے اور یہ درست نہیں-- تو یہ معلوم رہے ۱۲(ت)

[1] بحر الرائق فصل السلطان احق بصلوٰتہٖ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۲

وبھذا حاول البحر التوفیق فحمل مافی النھایة والعنایة علی ما اذا تقدم الولی بمحضر السلطان من دون اذنه ومافی السراج والمستصفی علی ما اذا تقدم وھم غیب ثم حضروا ونازعه فی النھر بان کلماتھم متفقة علی ان لاحق للسلطان فمن دونه قبل الولی الّا عند حضورھم فالخلاف انما ھو اذا حضروا۔	اسی سے صاحبِ بحر نے تطبیق دینا چاہا ہے، انہوں نے نہایہ وغیرہ کی عبارت کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب سلطان کے موجود ہوتے ہوئے اس کی اجازت کے بغیر ولی پڑھادے۔ اور سراج و مستصفی کے کلام کو اس صورت پر محمول کیا ہے جب ولی انکی غیر موجودگی میں پڑھادے بعد میں وہ آجائیں-- صاحب نہر نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ کلماتِ علماء اس بارے میں متفق ہیں کہ سلطان وغیرہ کو ولی پر حقِ تقدم اُسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ موجود ہوں تو اختلاف موجودگی ہی کی صورت میں ہوگا۔
اقول: کیف ماکان الامر فالذی یقول باعادة السلطان انما یقول اذا حضر وتقدم الولی بلا اذنه قال فی الحلیة فی تصویر ھذا الخلاف صلی الولی والسلطان او امام الحی ومن بینھما حاضر ولم یتابعه[1] الخ وکذلك قید فی النافع بقوله ان حضر قال فی شرحه المستصفی انما قدم السلطان بعارض ولھذا قال ان حضر[2] اھ وفی المجتبٰی صلی الولی لم یجز ان یصلی احد بعدہ	**اقول:** جیسا بھی ہو جو سلطان کے لئے دوبارہ پڑھنے کا حق مانتا ہے وہ یہی کہتا ہے کہ جب سلطان موجود ہو اور ولی اس کی اجازت کے بغیر پڑھادے تو وہ پھر پڑھ سکتا ہے-- حلیہ میں اس اختلاف کی صورت یوں پیش کی ہے "ولی نے نماز پڑھائی اور سلطان یا امامِ محلّہ یا وُہ جن کا درجہ ان کے مابین ہے موجود ہیں اور انہوں نے ولی کی متابعت نہ کی"الخ۔اسی طرح "نافع" میں یہ قید لگائی ہے کہ "اگر وہ موجود ہو"۔اس کی شرح مستصفٰی میں فرمایا: سلطان کو تقدم عارض کی وجہ سے ہے :اسی لئے فرمایا"اگر وہ موجود ہو "اھ مجتبی میں ہے ولی نے پڑھ لی تو اس کے بعد کوئی نہیں پڑھ سکتا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] المستصفی شرح الفقہ النافع للنسفی

هذا اذالم یحضر السلطان امااذاحضر صلی الولی یعید السلطان[1] اھومثله فی الفاتح وفی الدرلوصلی الولی بحضرة السلطان مثلا اعاد السلطان[2] اھ وفی المعراج والحاوی عن المجتبٰی، للسلطان الاعادة اذاصلی الولی بحضرته[3] اھ وفی ط علی المراقی صلی ولی واراد السلطان ان یصلی علیه فله ذٰلك ،جوہرہ ،یعنی اذاکان حاضراوقت الصلٰوۃ ولم یصل مع الولی ولم یاذن لاتفاق کلمتهم ان الحق للسلطان عندعدم حضورہ نہر[4] اھ فظهر سقوط ماوقع لعبدالحلیم علی الدرر من قوله ان السلطان اذالم یحضر فصلی من دونه فحضر السلطان یعیدھا ان شاء[5] اھ فلیتنبه وبالله التوفیق۔	یہ اُس صورت میں ہے جب سلطان موجود نہ ہو، اگراس کی موجودگی میں ولی پڑھ لے تو وہ پھر پڑھ سکتا ہے اھ-- اسی کے مثل فاتح شرح قدوری میں ہے-- درمختار میں ہے: اگر ولی نے مثلاً سلطان کی موجودگی میں پڑھ لیا تو سلطان دوبارہ پڑھ سکتا ہے اھ معراج اور حاوی میں مجتبٰی کے حوالے سے ہے: سلطان کو حقِ اعادہ حاصل ہے اگر ولی اس کی موجودگی میں پڑھ لے اھ -- حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں ہے: ولی نے نماز پڑھ لی اور سلطان چاہتا ہے کہ وہ بھی پڑھے تو اسے اس کا حق حاصل ہے،جوہرہ-- یعنی جب سلطان وقتِ نماز موجود رہا ہو اور ولی کے ساتھ نہ پڑھا نہ ہی اجازت دی ہو اس لئے کہ عباراتِ عُلماء اس بارے میں متفق ہیں کہ سلطان کو غیر موجودگی کی حالت میں کوئی حق نہیں ،نہر اھ --اس سے واضح ہے کہ وہ کلام ساقط الاعتبار ہے جو عبدالحلیم رومی کے قلم سے حاشیہ درر میں درج ہوا کہ سلطان کی غیر موجودگی میں اس سے کم درجہ والے نے جنازہ پڑھ لیا پھر سلطان آیا تو اگر وہ چاہے تو پھر پڑھ سکتا ہے اھ۔اس سے آگاہ رہنا چاہئے اور توفیق خداہی سے ہے (ت)

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] المجتبٰی

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

[3] المعراج

[4] طحطاوی علی المراقی فصل فی السلطان احق بصلوتہٖ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

[5] حاشیۃ الدرر علی الغرر عبدالحلیم باب الجنائز مطبعہ عثمانیہ ترکی ۱/۱۰۸

نوع دہم[1]: حدیہ کہ جنازہ ہوااور بے وضو کو وضو کرنے یاجنب یا حیض یا نفاس سے فارغ ہونے والی کو نہانے میں فوتِ نماز کا اندیشہ ہوتوشرع نے اجازت فرمائی کہ تیمّم کرکے شریک ہوجائے کہ ہوچکی توپھر نہ پڑھ سکے گا جیسے نمازِ عید، ولہذا سلطان وغیرہ جوولی سے مقدم ہیں جب حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمّم جائز ہے، بلکہ اگر ولی نے دوسرے کواجازتِ امامت دے دی تواب ولی بھی تیمّم کرسکے گا کہ اجازت دے کر اختیارِ اعادہ نہ رہا، یونہی اگر وضو یا غسل کے تیمّم سے ایک جنازہ پڑھا گیا کہ دوسرا آگیا اور وضویا غسل کی مہلت نہ پائی تواسی تیمّم سے دوسرااور تیسرا جہاں تک ہوں پڑھ سکتے ہو۔**(۱۴۶)** کنز **(۱۴۷)** تنویر **(۱۴۸)** ملتقی **(۱۴۹)** نورالایضاح **(۱۵۰)** محیط میں ہے: **صَحّ لخوف فوت الجنازۃ**[1] اندیشہ فوتِ جنازہ کے لئے تیمم جائز ہے۔**(۱۵۱)** مختصر قدوری **(۱۵۲)** ہدایہ **(۱۵۳)** وقایہ **(۱۵۴)** نقایہ **(۱۵۵)** اصلاح **(۱۵۶)** وافی **(۱۵۷)** غرر **(۱۵۸)** منیہ میں ہے:

واللفظ للاصلاح و الوقایۃ ھولمحدث وجنب وحائض ونفساء عجزواعن الماء لخوف فوت صلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی[2] اھ مثلہ فی الغرر غیرانہ قال لغیرالاولٰی[3]۔	(اصلاح اوروقایہ میں ہے۔ت) مرد یا عورت جسے وضو یا غسل کی حاجت ہو اوراس میں نماز جنازہ فوت ہوجانے کا خوف کریں ان کو تیمّم جائز ہے سوااس کے جواس نماز کا احق ہوکہ اسے خوفِ فوت نہیں۔اوراسی طرح غرر میں ہے مگر وہاں غیر ولی کی بجائے غیر اولٰی کہا۔(ت)

مختصر وقایہ کے لفظ یہ ہیں:

مایفوت لاالٰی خلف کصلٰوۃ الجنازۃ لغیر الولی[4]۔	جواز تیمّم کے عذروں سے ہے ایسے واجب کافوت جس کابدل نہ ہوسکے جیسے غیر والی کے لئے نمازِ جنازہ۔

---

[1] کنزالدقائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷

[2] غررالاحکام مع شرح الدررالحکام باب التیمم مطبعہ احمد کامل الکائنۃ فی دارالسعادت بیروت ۱/۲۹، ۳۰

[3] غررالاحکام مع شرح الدررالحکام باب التیمم مطبعہ احمد کامل الکائنۃ فی دارالسعادت بیروت ۱/۲۹، ۲۹، ۳۰۳۰

[4] النقایۃ مختصر وقایۃ فصل التیمم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۶

(۱۵۹) منتقی امام حاکم شہید (۱۶۰) فتاوی غیاثیہ میں ہے:

لایجوز التیمم لمن ینتظرہ الناس فلو لم ینتظروہ اجزاہ[1]۔	جس کا انتظار ہوگا یعنی ولی و اولٰی اسے تیمّم جائز نہیں اور جس کا انتظار نہ ہوگا یعنی غیر اولٰی اسے تیمّم جائز ہے۔

(۱۶۱) طحطاوی علی الدر میں ہے: یعتبر الخوف بغلبۃ الظن[2] خوفِ فوت میں غالب گمان کا اعتبار ہے (۱۶۲) امام اجل طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

قد رخص فی التیمم فی الامصار خوف فوت الصلٰوۃ علی الجنازۃ وفی صلٰوۃ العیدین لان ذلك اذا فات لم یقض[3]۔	نمازِ جنازہ یا عید فوت ہونے کے خوف سے پانی ہوتے ہوئے شہروں میں تیمّم کی اجازت ہے اس لئے کہ ان دونوں نمازوں کی قضا نہیں۔

(۱۶۳) ہدایہ (۱۶۴) مجمع الانہر میں ہے: لانہ لاتقضی فیتحقق العجز[4] اس لئے کہ نماز جنازہ کی قضا نہیں تو پانی سے عجز ثابت ہوا۔ (۱۶۵) حلیہ (۱۶۶) برجندی (۱۶۷) مراقی الفلاح (۱۶۸) فتاوی خیریہ میں ہے:

انہا تفوت بلاخلف (زادالبرجندی) بالنسبۃ الی غیرالولی[5]۔	نماز ہوچکے تو غیر ولی کے لئے اس کا بدل نہیں۔

(۱۶۹) کافی میں دونوں لفظ جمع فرمائے کہ:

صلٰوۃ الجنازۃ والعید تفوتان لا الی بدل لانہما لاتقضیان فیتحقق العجز[6]۔	نماز جنازہ وعید فوت ہوجائیں تو ان کا بدل نہیں کہ وُہ قضا نہیں کی جاتیں تو پانی سے عجز ثابت ہوا۔

---

[1] فتاوی غیاثیہ فصل فی التکفین مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۴۴

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر باب التیمم دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۲۹

[3] طحاوی شرح معانی الآثار باب ذکر الجنب والحائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۴

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب التیمم دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۱

[5] شرح النقایہ للبرجندی باب التیمم نولکشور لکھنؤ ۱/۴۶، مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی باب التیمم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۳

[6] کافی شرح وافی

(۱۷۰) عنایہ میں ہے:

کل مایفوت لا الی بدل جاز ادائه بالتیمم مع وجود الماء وصلٰوۃ الجنازۃ عندنا کذلك لانها لاتعاد[1]۔	ہر واجب کہ فوت پر بدل نہ رکھتا ہو پانی ہوتے ہوئے اسے تیمّم سے ادا کرسکتے ہیں اور نمازِ جنازہ ہمارے نزدیک ایسی ہی ہے کہ وہ دوبارہ نہیں ہوسکتی۔

(۱۷۱) تبیین **(۱۷۲)** ارکان میں ہے:

صلٰوۃ الجنازۃ تفوت لاالی خلف فصار الماء معدوما بالنبسة الیها[2]۔	نماز جنازہ کا بدل نہیں تو اسکے لئے پانی معدوم ٹھہرا۔

(۱۷۳) ظہیریہ **(۱۷۴)** عالمگیریہ **(۱۷۵)** سراجیہ **(۱۷۶)** شرح نورالایضاح **(۱۷۷)** دُرمختار **(۱۷۸)** رحمانیہ میں ہے:

والنظم للدر ولو جنبا او حائضا[3]۔	اس کے لئے جنب وحائض کو بھی تیمّم روا--اور یہ مسئلہ وقایہ واصلاح وغرر سے واضح تر گزرا۔

(۱۷۹) بحر **(۱۸۰)** ہندیہ **(۱۸۱)** طحطاوی علی المراقی **(۱۸۲)** حلیہ **(۱۸۳)** غنیہ میں ہے:

واللفظ للبحر یجوز التیمم للولی اذا کان من ھومقدم علیه حاضرا اتفاقا لانه یخاف الفوت[4]۔	سلطان وحکام کہ ولی سے مقدم ہیں وہ حاضر ہوں تو ولی کو بھی تیمّم جائز ہے کہ اب اسے بھی خوفِ فوت ہوسکتا ہے۔

(۱۸۴) جوہرہ **(۱۸۵)** بحر **(۱۸۶)** عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لھذین یجوز للولی اذا اذن لغیرہ بالصلٰوۃ ولایجوز لمن امرہ الولی کذا فی الخلاصة[5]۔	(ان دونوں کے الفاظ ہیں کہ۔ت) ولی دوسرے کو اذنِ نماز دے دے جب بھی اُسے تیمّم روا ہے (کہ اب اُسے خوفِ فوت ہوگیا) اور جسے ولی نے اذن دیا اب اسے تیمّم جائز نہیں جیساکہ خلاصہ میں تصریح فرمائی (کہ اب اُسے خوفِ فوت نہیں)

[1] العنایۃ علٰی ہامش فتح القدیر باب التیمم نوریہ رضویہ سکھر ۱/۱۲۲
[2] تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق باب التیمم مطبعۃ کبرٰی امیریۃ مصر ۱/۴۲
[3] درمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۲
[4] بحرالرائق باب التیمم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۵۸
[5] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱

(۱۸۷) فتاوٰی کبرٰی **(۱۸۸)** فتاوٰی قاضی خان **(۱۸۹)** خزانۃ المفتیین **(۱۹۰)** جامع المضمرات شرح قدوری **(۱۹۱)** فتاوٰی ہندیہ **(۱۹۲)** فتح القدیر **(۱۹۳)** جواہر اخلاطی **(۱۹۴)** شرح تنویر میں ہے:

تیمم فی المصر وصلی علی جنازۃ ثم اتی باخری فان کان بینھما مدۃ یقدر علی الوضوء (قال فی الدرثم زال تمکنہ)یعید التیمم وان لم یقدرصلّی بذلك التیمم اھ قال فی الدربہ یفتی اھ قال فی المضمرات والجواھر والھندیۃ، علیہ الفتوٰی[1]۔	پانی ہوتے ہوئے بخوفِ فوت تیمّم سے نمازِ جنازہ پڑھی اب دوسرا جنازہ آیا اگر بیچ میں اتنی مہلت پائی تھی کہ وضو کرلیتا اورنہ کیا اب وضو کرے تو یہ دوسرا جنازہ فوت ہوتو اس صورت میں دوبارہ تیمّم کرے اور مہلت نہ پائی تھی تو اسی پہلے تیمّم سے یہ بھی پڑھے اسی پر فتوٰی ہے۔

(۱۹۵) برہان شرح مواہب الرحمٰن **(۱۹۶)** شرح نظم الکنز للعلامۃ المقدسی **(۱۹۷)** حاشیۂ علامہ نوح آفندی **(۱۹۸)** حاشیہ علامہ ابن عابدین میں ہے:

مجرد الکراھۃ لایقتضی العجز المقتضی لجواز التیمم لانھا لیست اقوٰی من فوات الجمعۃ و الوقتیۃ مع عدم جوازہ لھما[2]۔	یعنی صرف کراہت کے سبب تیمّم کی اجازت نہیں کہ جمعہ یا پنجگانہ فوت ہونے کے خوف سے تیمّم کی اجازت نہیں،

یہ اس سے زائد تو نہ ہوگی، بلکہ اجازت اس لئے ہے کہ جنازہ فوت ہو تو بدل ناممکن ہے۔

تنبیہ: ماذکرنامن عدم جوازہ للولی نسبوہ لروایۃ الحسن عن الامام الاعظم وعزاہ فی الجوھرۃ للنوادر وصححہ فی الھدایۃ والخانیۃ والکافی والتبیین وکذانقل تصحیحہ فی الجوھرۃ والھندیۃ والمستخلص والمراقی وعلیہ مشی فی الخلاصۃ و العنایۃ والمنیۃ والھندیۃ	**تنبیہ:** ہم نے جو ذکر کیا کہ ولی کے لئے تیمّم جائز نہیں، اسے علماء نے امام اعظم سے حسن بن زیاد کی روایت بتایا ہے، اور جوہرہ میں اسے روایت نوادر کہا ہے۔ ہدایہ، خانیہ، کافی اور تبیین میں اسی حکم کو صحیح کہا،اسی طرح جوہرہ، ہندیہ، مستخلص

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۱/۱، درمختار باب التیمم مطبع مجتبائی دہلی ۴۳/۱، جواہر الاخلاطی فصل فی صلٰوۃ الجنازۃ قلمی نسخہ موجود لائبریری جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۲، فتاوٰی قاضی خان فصل فیما یجوزبہ التیمم نولکشور لکھنؤ ۳۰/۱

[2] ردالمحتار باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۶۱/۱

والکافی والدرر والمجتبٰی وجامع الرموز وقال الصدر الشھید بہ ناخذ کما فی الخلاصۃ وکذاصححہ الامام شمس الائمۃ الحلوانی کما فی الغیاثیۃ عن منتقی الشھید وفی الغنیۃ عن الذخیرۃ۔ **اقول:** فماوقع فی ابن کمال پاشا من نسبۃ تصحیح خلافہ لشمس الائمۃ وتبعہ عبد الحلیم علی الدرر و الشامی علی الدرفکانہ سبق نظر۔قالوا وفی ظاھر الروایۃ یجوز للولی ایضًا لان الانتظار فیھا مکروہ [1] وجوابہ ما نقلنا اٰنفاعن البرھان فمابعدہ وعزاہ فی الخلاصۃ للاصل الفتاوٰی الصغیری وعلیہ مشی فی الظھیریۃ و خزانۃ المفتین وصححہ فی جواھر الاخلاطی و عزا تصحیحہ فی عبدالحلیم لخواھر زادہ فی الرحمانیۃ لحاشیۃ شیخ الاسلام عن النصاب و الغیاثیۃ وفتاوی الغرائب والظھیریّۃ۔	اور مراقی میں اس کی تصحیح نقل کی، اسی پر خلاصہ، عنایہ، منیہ، ہندیہ، کافی، درر، مجتبٰی اور جامع الرموز میں مشی کی اور صدر شہید نے فرمایا"بہ ناخذ "(ہم اسی کو لیتے ہیں) جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔اسی طرح شمس الائمہ حلوانی نے اس کو صحیح کہا، جیسا کہ غیاثیہ میں صدر شہید کی منتقی اور غنیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے۔ **اقول:** توعلامہ ابن کمال پاشا سے جواس کے خلاف کی تصحیح کا انتساب شمس الائمہ کی طرف ہُوا اور حاشیۂ درر میں عبدالحلیم رومی نے اور حاشیۂ دُرمختار میں علامہ شامی نے اس کی پیروی کی گویا یہ سبقت نظر ہے۔علماء نے کہا: ظاہر الروایۃ میں ولی کے لئے بھی تیمّم جائز ہے اس لئے کہ جنازہ میں انتظار مکروہ ہے۔اس کا جواب وُہ ہے جو ابھی ہم نے برہان اور اس کے بعد ذکر شدہ کتابوں سے نقل کیا۔اور اسے (ولی کے لئے جواز تیمّم کو)خلاصہ میں اصل (مبسوط)اور فتاوٰی صغرٰی کے حوالے سے بیان کیااور اسی پر ظہیریہ وخزانۃ المفتین میں مشی کی،اور جواہر الاخلاطی میں اسے صحیح کہااور حاشیۂ عبدالحلیم میں اس کی تصحیح خواہر زادہ کی طرف،اور رحمانیہ میں نصاب، غیاثیہ، فتاوٰی غرائب اور ظہیریہ کے حوالے سے حاشیۂ شیخ الاسلام کی طرف منسوب کی۔

[1] ردالمحتار باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۶۱

اقول لکن الذی رأیت فی الغیاثیة ماقدمت ان قال الحلوانی الصحیح روایة الحسن ونفتی بھٰذا اھ[1] فلعلھا العتابیة بمھملة فتاء قرشت فموحدة ۔**اقول:** وقد اسمعناك التنصیص علی استثناء الولی عن المختصر والبدایة والوقایة والنقایة والاصلاح والوافی والغرر والھدایة وقصر الاجازة علی خوف الفوت عنھا وعن الطحطاوی والکنز والتنویر والملتقی ونور الایضاح وھذہ کلھا متون المذھب المعتمد علیھا الموضوعة لنقل المذھب فلااقل من ان یکون ایضًا ظاھر الروایة وقد تظافرت علیه تصحیحات الجلة ولایذھب علیك ما له من قوة الدلیل فعلیه یجب الاعتماد والتعویل۔ وقد اشار فی الحلیة الی التوفیق بان عدم الجواز للولی اذالم یحضر من ھو اقدم منه والجواز اذا حضر و الیه یومی کلام الغنیة والبحر۔ **اقول:** ولقد کان احسن توفیقا لولاان نص الاصل والصغرٰی سواء کان	اقول لیکن غیاثیہ میں جو میں نے دیکھا وہ جیساکہ میں نے پہلے ذکر کیا یہی ہے کہ حلوانی نے فرمایا صحیح روایت حسن ہے اور ہم اسی پر فتوی دیتے ہیں اھ۔تو ہوسکتا ہے یہ عین مہملہ پھر تائے قرشت پھر ایک نقطے والی ب سے "عتابیہ" ہو۔ **اقول:** ہم جواز تیمّم سے استثنائے ولی کی تصریح مختصر قدوری، بدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، وافی، غرر اور ہدایہ کے حوالے سے پیش کرآئے اور صرف اندیشۂ فوت کے وقت اجازت تیمّم ہونے کو کتب مذکورہ اور طحاوی، کنز، تنویر، ملتقی اور نورالایضاح کے حوالے سے بیان کیا--یہ سب متون مذہب ہیں جن پر اعتماد ہے اور جو نقل مذہب کے لئے ہی لکھے گئے ہیں تو کم سے کم اتنا ضرور ہے کہ یہ (ولی کے لئے عدم جواز تیمّم) بھی ظاہر الروایۃ ہوگا--اس پر جلیل القدر علماء کی تصحیحات بھی مجتمع ہیں اس میں دلیل کی جو قوت ہے وہ بھی عیاں ہے تو اسی پر اعتماد ضروری ہے۔ حلیہ میں تطبیق کی جانب اشارہ کیا ہے کہ ولی کے لئے عدمِ جواز اُس وقت ہے جب اس سے زیادہ تقدم رکھنے والا موجود نہ ہو اور جواز اُس وقت ہے جب اس پر تقدم والا موجود ہو--اسی کی طرف غنیہ اور بحر کی عبارتوں میں بھی اشارہ ملتا ہے۔ **اقول:** یہ بہت عمدہ تطبیق تھی اگر مبسوط اور صغرٰی کی یہ تصریح نہ ہوتی کہ خواہ وہ مقتدی ہو یا

[1] فتاوٰی غیاثیہ فصل فی التکفین مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۴۰

مقتدیا اواماما ونص الظھیریة والخزانة لوکان اماما ونص الجواہر مقتدیااواماما اومن له حق الصلٰوۃ علیه ونص النصاب یجوز التیمم للامام ومن له حق الصلٰوۃ فالصواب ابقاء الخلاف وتحقیق ان الحق ھوھذاالتفصیل واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	امام، اور ظہیریہ وخزانہ کی یہ تصریح کہ اگر وہ امام ہو، اور جواہر کی یہ تصریح کہ مقتدی ہو یاامام یا وُہ ہو جسے اس پر حق تقدم ہے اور نصاب کی یہ تصریح کہ تیمّم جائز ہے امام کے لئے اور اس کے لئے جسے حقِ نماز ہے۔-تو صحیح یہ ہے کہ خلاف باقی رکھا جائے اور تحقیق یہ کی جائے کہ حق یہ تفصیل ہے (یعنی ولی کے لئے جواز جب اس سے زیادہ تقدم والا ہو ورنہ نہیں) اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔

نوع یازدہم: (۱۹۹) ہدایہ (۲۰۰) کافی (۲۰۱) تبیین (۲۰۲) فتح القدیر (۲۰۳) غنیہ (۲۰۴) سراج وہاج (۲۰۵) امداد الفتاح (۲۰۶) مستخلص (۲۰۷) طحطاوی علی المراقی:

واللفظ للفتح ترك الناس عن اٰخرھم الصلٰوۃ علٰی قبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولوکان مشروعالمااعرض الخلق کلھم من العلماء ولاالصالحین والراغبین فی التقرب الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بانواع الطرق عنه فھذادلیل ظاھر علیه فوجب اعتبارہ[1]۔	(فتح کے الفاظ ہیں۔ت) تمام جہان کے مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس پر نماز چھوڑ دی۔ اگر یہ نماز بطور نفل جائز ہوتی تو مزار انور پر نماز سے تمام مسلمان اعراض نہ کرتے جن میں علماء اور صلحاء وہ بندے جو طرح طرح سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں تقرب حاصل کرنے کی رغبت رکھتے ہیں، تو یہ نماز جنازہ کی تکرار ناجائز ہونے پر کھلی دلیل ہے جس کا اعتبار لازم۔

حاشیہ نورالایضاح کے لفظ سراج وغنیہ وامداد سے یوں ہیں:

والایصلی علٰی قبرہ الشریف الٰی یوم القیٰمة لبقائه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کمادفن طریا بل ھو حی یرزق ویتنعم لسائر الملاذ والعبادات وکذا سائر الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام وقد اجتمعت	اس نماز کی تکرار جائز ہوتی تو مزار اقدس پر قیامت تک پڑھی جاتی کہ حضور ہمیشہ ویسے ہی تروتازہ ہیں جیسے وقتِ دفن مبارک تھے بلکہ وہ زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں اور تمام لذتوں اور عبادتوں کے ناز و نعم میں ہیں اور ایسے ہی باقی انبیا علیہم الصلٰوۃ

[1] فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت نوریہ رضویہ سکھر ۸۴/۲

الامة علی ترکھا[1]۔	والثناء، حالانکہ تمام امّت نے اس نماز کے ترک پر اجماع کیا۔

النھی الحاجز میں چالیس کتابوں کی اکاون عبارتیں تھیں، یہ پچاسی ۸۵ کتب متون وشروح وفتاوٰی کی دو سو سات ۲۰۷ عبارات ہیں۔ غرض صورت مذکورہ استثناء کے سوا نماز جنازہ کی تکرار ناجائز وگناہ ہونے پر مذہبِ حنفی کا اجماع قطعی ہے اور اس کا مخالف مخالفِ مذہبِ حنفی ہے۔ بعض نام کے حنفی برائے جہالت یا مغالطۂ عوام ان تمام روشن و قاہر تصریحاتِ مذہب کو چھوڑ کر یہاں دو کتب تاریخ تصنیفِ شافعیہ سے سند لیتے ہیں:

اوّل: تبییض الصحیفہ امام جلال الدین سیوطی شافعی میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازہ مبارک پر چھ دفعہ نماز ہوئی اور کثرتِ ازدحامِ خلائق سے عصر تک ان کے دفن پر قدرت نہ پائی۔

دوم: سیر النبلا شمس الدین ذہبی شافعی میں ہے کہ شیخ تاج الدین ابوالیمن زید بن حسن کندی حنفی نے ۶ شوال ۶۱۳ھ میں وفات پائی۔ قاضی القضاۃ جمال ابن الحرستانی نے نماز پڑھائی، پھر شیخ الحنفیہ جمال الدین حصیری نے باب الفرادیس میں، پھر شیخ موفق الدین شیخ الحنبلیہ نے پہاڑ میں یعنی جبل قاسیون کوہِ دمشق میں۔

اوّلاً: جمیع کتب مذہب کے صریح خلاف میں دو ۲ کتابِ تاریخ پر کیسی جہالت شدیدہ ہے۔

ثانیاً: دنیا میں صرف حنفی ہی مذہب کے لوگ نہیں، خصوصًا پہلی صدیوں میں کہ خود مجتہدین بکثرت تھے اور ہر ایک کے لئے اتباع تھے۔ اس حکایت میں یہ کہاں ہے کہ حنفیّہ نے چھ ۶ بار پڑھی، بلکہ ہجومِ خلائق تھا ہر مسلک ہر مذہب کے لوگ جوق درجوق آتے تھے، غیر حنفیّہ نے اگر سَو بار پڑھی تو حنفی مذہب میں اس کی کیا حجت ہو سکتی ہے، اللہ اکبر! امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وُہ عظیم الشان جلیل البرہان امام ہیں کہ مستقل مجتہد مطلق سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اس امام الائمہ سراج الامّہ کے مزارِ پُرانوار کے پاس نمازِ صبح پڑھائی بسم اللہ آواز سے نہ پڑھی نہ رفع یدین کیا نہ قنوت پڑھی کسی نے سبب پوچھا، فرمایا: ان صاحب قبر کے ادب سے کما فی الخیرات الحسان للامام ابن حجر المکی الشافعی (جیساکہ خیرات الحسان للامام ابن حجر مکی شافعی میں ہے۔ت) اور ایک روایت میں ہے مجھے حیا آئی کہ اس امام جلیل کے سامنے اس کا خلاف کروں کما فی المسلك المتقسط للمولی علی قاری (جیساکہ المسلک المتقسط للمولی علی قاری میں ہے۔ت) سبحان اللہ مجتہد مستقل توادبِ امام سے حضور امام میں اتباعِ امام اختیار کریں اور خود حنفیّہ خاص جنازہ امام پر مخالفت امام و

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلوتہٖ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۴

ترک مذہب کرتے یہ کیونکر متصور ہوسکتا ہے۔

ثالثًا: پہلی نمازیں غیر ولی نے پڑھیں تو ولی کو اختیارِ اعادہ تھا کہ امام کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سید نا حماد ابن ابی حنیفہ تھے جب انہوں نے پڑھی پھر جنازۂ مبارک پر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں:

مافرغوا من غسله الا وقد اجتمع من اهل بغداد خلق لایحصیهم الا الله تعالٰی کانهم نودی لهم بموته وحزر من صلی علیه فقیل: بلغوا خمسین الفا، وقیل: اکثر، واعیدت الصلٰوة علیه ستة مرات اٰخرها ابنه حماد [1]۔	ادھر امام ابوحنیفہ کے غسل سے فارغ ہوئے تھے کہ ادھر بغداد کی اتنی خلقت جمع ہوگئی جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے گویا کسی نے انتقال امام کی خبر پکار دی تھی، نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی کہتا پچاس ہزار تھے کوئی کہتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ تھے، اور ان پر چھ بار نماز ہوئی۔ آخر مرتبہ صاحبزادۂ امام حضرت حماد نے پڑھی۔

رابعًا: یُوں ہی واقعہ دوم میں کیا ثبوت ہے کہ پہلی نماز باذن ولی تھی، بلکہ ظاہر یہی ہے کہ نمازِ دوم ہی باذنِ ولی ہوئی کہ جنازہ ایک عالم حنفی کا تھا اور وہاں اس وقت حنفیّہ کے رئیس الرؤسا یہی امام جلال الدین محمود بن احمد حصیری تلمیذ خاص امام جلیل قاضی خان تھے جن کی تصانیف میں جابجا تصریح ہے کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں۔ تیسری نماز والے حنبلی مذہب تھے، حنبلیہ کے یہاں جواز ہے کہ ہم پر حجت نہیں۔ بالجملہ علماء وعقلاء کا اتفاق ہے کہ واقعۂ عین لاعموم لھا خاص واقعے محل ہر گونہ احتمال، ان سے استدلال محض خام خیال نہ کہ وہ بھی اجماع قطعی تمام ائمۂ مذہب کے رد کرنے کو، جس پر جرأت نہ کرے گا مگر نااہل، شدید الجہل لاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

جواب سوال دوم [۲]: مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے۔ ائمہ حنفیّہ کا اس کے عدمِ جواز پر بھی اجماع ہے خاص اسکا جزئیہ بھی مصرح ہونے کے علاوہ تمام عبارات مسئلہ اولٰی بھی اس سے متعلق کہ غالبًا نمازِ غائب کو تکرار صلواۃ جنازہ لازم۔ بلاد اسلام میں جہاں مسلمان انتقال کرے نماز ضرور ہوگی، اور دوسری جگہ خبر اس کے بعد ہی پہنچے گی، ولہذا امام اجل نسفی نے کافی میں اس مسئلہ کو اس کی فرع ٹھہرایا، اگرچہ حقیقۃً دونوں مستقل مسئلے ہیں۔ اب اس مسئلہ کی نصوص خاصہ لیجئے، اور بہ نظر تعلق مذکور سلسلہ عبارات بھی وہی رکھئے۔

[1] الخیرات الحسان فصل ۳۵ فی تجہیزہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۷

(۲۰۸) فتح القدیر (۲۰۹) حلیہ (۲۱۰) غنیہ (۲۱۱) شلبیہ (۲۱۲) بحرالرائق (۲۱۳) ارکان میں ہے:

وشرط صحتها اسلام المیت وطھارته ووضعه امام المصلی فلھذا القیدلاتجوز علی غائب [1]۔	صحتِ نمازِ جنازہ کی شرط یہ ہے کہ میّت مسلمان ہو طاہر ہو، جنازہ نمازی کے آگے زمین پر رکھا ہو۔ اسی شرط کے سبب کسی غائب کی نماز جنازہ جائز نہیں۔

حلیہ کے لفظ یہ ہیں:

شرط صحتها کونه موضوعاامام المصلی ومن ھنا قالوا لاتجوز الصلٰوۃ علی غائب مطلقا [2]۔	نمازِ جنازہ کی شرائطِ صحت سے ہے جنازہ کا مصلّی کے آگے ہونا۔ اسی لئے ہمارے علماء نے فرمایا کہ مطلقاً کسی غائب پر نماز جائز نہیں۔

(۲۱۴) متن تنویر الابصار میں ہے:

شرطھا وضعه امام المصلی [3]۔	جنازہ کا نمازی کے سامنے ہونا شرطِ نمازِ جنازہ ہے۔

(۲۱۵) برہان شرح مواہب الرحمٰن طرابلسی (۲۱۶) نہرالفائق (۲۱۷) شرنبلالیہ علی الدرر (۲۱۸) خادمی (۲۱۹) ہندیہ (۲۲۰) ابوالسعود۔

(۲۲۱) درمختار میں ہے:

شرطھا حضورہ فلاتصح علی غائب [4]۔	جنازہ کا حاضر ہونا شرطِ نماز ہے لہٰذا کسی غائب پر نمازِ جنازہ صحیح نہیں۔

(۲۲۲) متن نورالایضاح میں ہے:

شرائطھا اسلام المیت وحضورہ [5]۔	صحتِ نمازِ جنازہ کی شرطوں سے ہے میّت کا مسلمان ہونا اور نمازیوں کے سامنے حاضر ہونا۔

(۲۲۳) متن ملتقی الابحر میں ہے: لایصلی علی عضو ولاعلی غائب [6]۔ میّت کا کوئی عضو کسی جگہ ملے تو

---

[1] فتح القدیر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۸۰، غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۳

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[3] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[4] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[5] نورالایضاح فصل فی الصّلٰوۃ علی المیّت مطبع علیمی لاہور ص ۵۵۶

[6] ملتقی الابحر فصل فی الصّلٰوۃ علی المیّت موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۶۱

اس پر نماز جائز نہیں، نہ کسی غائب پر جائز ہے۔ **(۲۲۴)** شرح مجمع **(۲۲۵)** مجمع شرح ملتقی میں ہے:

محل الخلاف فی الغائب عن البلد اذلوکان فی البلد لم یجز ان یصلی علیه حتی یحضر عنده اتفاقالعدم المشقة فی الحضور[1]۔	امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس مسئلہ میں ہم سے خلاف بھی اس صورت میں ہے کہ میّت دوسرے شہر میں ہو اگر اسی شہر میں ہو تو نماز غائب امام شافعی کے نزدیک بھی جائز نہیں کہ اب حاضر ہونے میں مشقت نہیں۔

(۲۲۶) فتاوٰی خلاصہ میں ہے: لایصلی علی میّت غائب عندنا[2]۔ ہمارے نزدیک کسی میّت غائب پر نماز نہ پڑھی جائے۔

(۲۲۷) متن وافی میں ہے:

من استھل صلی علیه والّالا کغائب[3]۔	جو بچّہ پیدا ہو کر کچھ آواز کرے جس سے اس کی حیات معلوم ہو پھر مر جائے اس پر نماز پڑھی جائے ورنہ نہیں، جیسے غائب کے جنازہ پر نماز نہیں۔

(۲۲۸) کافی میں ہے:

لایصلی علی غائب وعضو خلافا للشافعی بناء علی ان صلاة الجنازة تعاد ام لا[4]۔	کسی غائب یا عضو پر نماز ہمارے نزدیک ناجائز ہے اور اس میں امام شافعی کا خلاف ہے اس بناء پر کہ نماز جنازہ ان کے نزدیک دوبارہ ہو سکتی ہے، ہمارے نزدیک نہیں۔

(۲۲۹) فتاوٰی شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے:

ان اباحنیفه لایقول بجواز الصلاة علی الغائب[5]۔	ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جنازہ غائب پر نماز جائز نہیں مانتے۔

(۲۳۰) منظومہ امام مفتی الثقلین میں ہے:ے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الصلٰوۃ علی المیت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الصلٰوۃ علی الجنازۃ اربع تکبیرات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۴

[3] وافی

[4] کافی شرح وافی

[5] فتاوٰی امام غزی تمرتاشی کتاب الطہارۃ والصّلٰوۃ مطبع اہل السنۃ والجماعۃ بریلی ص ۴

باب فتاوی الشافعی وحدہ ومابہ قال قلنا ضدہ
وھی علی الغائب والعضو تصح وذاك فی حق الشھید قد طرح [1]

صرف امام شافعی قائل ہیں کہ غائب اور عضو پر نماز صحیح ہے اور شہید کی نماز نہ ہو اور ان سب مسائل میں ہمارا مذہب اس کے خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک غائب وعضو پر نماز صحیح نہیں اور شہید کی نماز پڑھی جائے گی۔

یہ ۸۶ کتابوں کی ۲۳۰ عبارتیں ہیں، وللہ الحمد مسئلہ اولیٰ پر بحث دلائل النھی الحاجز میں بحمداللہ تعالٰی بروجہ کافی ہو چکی، یہاں بہت اختصار و اجمال کے ساتھ مسئلہ ثانیہ کے دلائل پر کلام کریں۔

فنقول وباللہ التوفیق حکم شرع مطہر کے لئے اور اس پر زیادت نا روا۔

اقول: ای ماکان بدون اذنہ الخالص والعام ولو فی ضمن الارسال او السکوت فانہ بیان ولیس یسکت عن نسیان فھذہ ھی الزیادۃ حقیقۃ لاغیرہ اذا المستند ولو الی سکوتہ مستند الیہ لا زائد علیہ والمتبع الکف دون الترک فانہ لیس بفعل العبد ولامقدور کمانص علیہ الاجلّۃ الصدور بل ھوفی العقل مدلل فان الاعدام لا تعلل فافھم ان کنت تفھم۔	**اقول:** یعنی وہ زیادتی جو شرع کے اذنِ خاص یا عام کے بغیر ہو اگرچہ وہ ارسال یا سکوت کے ضمن میں ہو اس لئے کہ وہ بھی بیان ہے اس کا سکوت نسیان سے نہیں ہوتا، یہی زیادتی حقیقۃً زیادتی ہے، اس کے علاوہ نہیں اس لئے جس کا استناد شرع سے ہو گو سکوت ہی سے ہو وہ شریعت کی طرف مستند ہے اُس پر زائد نہیں۔ اور اتباع کف (قصداً باز رہنے) میں ہوتی ہے۔نہ ہونے میں نہیں (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قصداً کسی کام سے باز رہے تو اس میں ان کی پیروی ہوگی اور یوں کوئی کام سرکار کے عمل میں نہ آیا تو وہ ممنوع نہ ہوگا نہ اس سے بچنا ضروری ہوگا) اس لئے کہ ترک بندے کا فعل ہی نہیں، نہ ہی اس کی قدرت میں ہے جیسا اجلّہ بزرگانِ دین نے اس کی تصریح فرمائی، بلکہ عقل کے نزدیک بھی یہ دلیل رکھتا ہے کیونکہ عدم کی تعلیل نہیں ہوتی، اسے سمجھو اگر سمجھ والے ہو۔ (ت)

حضور پُرنور سیّد یوم النشور بالمؤمنین رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو نماز جنازہ مسلمین کا کمال اہتمام تھا۔ اگر کسی وقت رات اندھیری یا دوپہر کی گرمی یا حضور کے آرام فرما ہونے کے سبب صحابہ نے حضور

[1] منظومہ امام مفتی الثقلین عمر النسفی

کو اطلاع نہ دی اور دفن کردیا تو ارشاد فرماتے:

لاتفعلوا ادعونی لجنائزکم [1]۔رواہ ابن ماجۃ ف۱ عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایسانہ کرو مجھے اپنے جنازوں کے لئے بلالیا کرو، اسے ابن ماجہ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا،

اور فرماتے:

لاتفعلوا لایموتن فیکم میّت ماکنت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ فان صلٰوتی علیہ رحمۃ [2]۔رواہ الامام احمد عن زید بن ثابت ف۲ رضی اللہ تعالٰی عنہ و رواہ ابن حبان والحاکم عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث اٰخر۔	ایسانہ کرو جب تک میں تم میں تشریف فرماہوں ہرگز کوئی میّت تم میں نہ مرے جس کی اطلاع مجھے نہ دو کہ اُس پر میری نماز موجبِ رحمت ہے۔اسے امام احمد نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔اور اسے ابن حبان اور حاکم نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث کے آخر میں روایت کیا۔

اور فرماتے:

ھذہ القبور مملوۃ ظلمۃً علی اھلھا وانی انورھا بصلٰوتی علیھم [3]۔صلی اللہ تعالٰی	بیشک یہ قبریں اپنے ساکنوں پر تاریکی سے بھری ہیں اور بیشک میں اپنی نماز سے انہیں روشن فرمادیتا ہوں۔

ف۱: یہ حدیث "تمہید" میں بھی منقول ہے اس پر تحقیق والے نے جنائز ابن ماجہ کا حوالہ دیا لیکن مجھے یہ حدیث ابن ماجہ میں ان الفاظ کے ساتھ نہیں مل سکی البتہ مسند احمد بن حنبل میں انہی الفاظ سے یہ حدیث منقول ہے حوالہ ملاحظہ ہو۔ ***نذیر احمد***

ف۲: یہی حدیث ابن ماجہ نے یزید بن ثابت کے حوالہ سے نقل کی اور مسند احمد بن حنبل میں بھی یزید کے حوالے سے منقول ہے اور یزید زید کے بڑے بھائی ہیں۔ ***نذیر احمد***

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عامر بن ربیعہ دارالفکر بیروت ۴۴۴/۳، التمہید اباحۃ الصلٰوۃ علی القبرالخ المکتبۃ القدوسیہ اردو بازار لاہور ۱۶۷/۶

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث یزید بن ثابت دارالفکر بیروت ۳۸۸/۴

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۱۰/۱، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوھریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳۸۸/۲، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان فصل فی الصلٰوۃ الجنائز موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۵/۵

وبارك وسلم علیه وعلی اٰله قدر نوره وجماله وجاهه وجلاله وجوده ونواله ونعمه وافضاله رواه مسلم و ابن حبان عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے ان پر اوران کی آل پر ان کے نور وجمال، جاہ وجلال، جود ونوال، نِعَم وافضال کے حساب سے۔حدیث مذکور کو مسلم اورابن حبان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

با ایں ہمہ حالانکہ زمانہ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی، کبھی کسی حدیث صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ کیا وہ محتاج رحمت والانہ تھے، کیا معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی، کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پُرنور نہ کرنا چاہتے تھے، کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انہیں کی قبور محتاج نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی۔ یہ سب باتیں بداھۃً باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن وواضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال وفور موجود اور مانع مفقود۔ لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا اور جس امر سے مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وُہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا دوسرے شہر کی میّت پر صلٰوۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ واقعہ نجاشی و واقعہ معٰویہ لیثی و واقعہ امرائے موتہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ان میں اوّل ودوم وبلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر، اور دوم وسوم کی سند صحیح نہیں، اور سوم صلٰوۃ بمعنی نماز میں صحیح نہیں۔ ان کی تفصیل بعونہ تعالٰی ابھی آتی ہے۔ اگر فرض کیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم وموفور اور تمام اموات کے اس حاجت شدیدہ رحمت ونور قبور کے صدہا کیوں نہ پڑھی، وہ بھی محتاج حضور وحاجتمند رحمت ونور، اور حضور ان پر بھی رؤف ورحیم تھے۔ نماز سب پر فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا، نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج۔ حالانکہ حریص علیکم ان کی شان ہے۔ دوایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب ان کے کرم کے شایان ہے۔ ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دوایک باوقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں خصوصیات خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بناپر عام احتراز ہے۔ اب واقعہ بیر معونہ ہی دیکھئے۔ مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاص پیاروں، اجلّہ علمائے کرام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا۔ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کا سخت و شدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نانہجار پر لعنت فرماتے رہے، مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔

ع آخر ایں ترک وبایں مرتبہ بے چیزے نیست

(آخر اجلہ صحابہ کرام کے شہید ہونے پر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کی نمازِ جنازہ کو ترک فرمانا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا)

اہلِ انصاف کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہوا مگر ہم ان وقائع ثلٰثہ کا بھی باذنہ تعالٰی تصفیہ کریں۔

واقعہ اُولٰی: جب اصحمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بادشاہ حبشہ نے حبشہ میں انتقال کیا۔ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام کو خبر دی مصلّی میں جاکر صفیں باندھ کر چار تکبیریں کہیں[1]۔ **رواہ الستۃ عن ابی ھریرۃ و الشیخان عن جابر کنت فی الصف الثانی اوالثالث**[2] **رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اسے اصحابِ ستہ نے حضرت ابو ھریرہ سے روایت کیا اور بخاری و مسلم میں حضرت جابر سے یہ بھی ہے کہ میں دوسری یا تیسری صف میں تھا، رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ ت) **اوّلاً** صحیح ابن حبان میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اخاکم النجاشی توفی فقوموا فصلوا علیه فقام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصفوا خلفه فکبر اربعا وھم لایظنون الا ان جنازته بین یدیه[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارا بھائی نجاشی مر گیا، اٹھو اس پر نماز پڑھو۔ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کھڑے ہوئے صحابہ نے پیچھے صفیں باندھیں۔ حضور نے چار تکبیریں کہیں، صحابہ کو یہی ظن تھا کہ ان کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے۔

صحیح ابوعوانہ میں انہیں میں سے ہے:

فصلینا خلفه ونحن لانری الا ان جنازۃ قدامنا[4]۔ **اقول**: ھذا فی فتح الباری ثم المواھب ثم شرحھا وکذلك فی	ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔ **اقول**: ابو عوانہ وابن حبان کے حوالے سے فتح الباری پھر مواہب پھر شرح مواہب میں یہی الفاظ

---

[1] صحیح البخاری باب الصفوف علی الجنازہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۶

[2] صحیح البخاری باب من صف صفین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۶

[3] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان فصل فی الصّلٰوۃ علی الجنائز مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/۴۰

[4] فتح الباری بحوالہ ابی عوانہ باب الصفوف علی الجنازہ مصطفی البابی مصر ۳/۴۳۲

عمدة القاری وغیرها من الکتب و وقع فی نصب الرایة فی روایة ابن حبان وهم لایظنون ان جنازته بین یدیه باسقاط الاافاحتاج المحقق علی الاطلاق الی التقریب بان قال فهذااللفظ یشیرالی ان الواقع خلاف ظنهم لانه هو فائدة المعتهد بها فاما ان یکون سمعه منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوکشف له[1] اه وتبعه فی الغنیة والمرقاة وهوکما تری کلامه نفیس لکن لاحاجة الیه بعد ثبوت الافی الکتابین الصحیحین فانه ح اظهر و ازهر ولله الحمد وبا لجملة اندفع به ماقال الشیخ تقی الدین ان هذا یحتاج الی نقل یثبته ولایکتفی فیه بمجرد الاحتمال[2]۔	مذکورہ آئے اور ایسے ہی عمدۃ القاری وغیرہ کتابوں میں نقل ہے-- نصب الرایہ کے اندر روایتِ ابنِ حبان میں وهم لایظنون ان جنازته بین یدیه (اور لوگ نہیں سمجھ رہے تھے کہ ان کا جنازہ حضور کے آگے رکھا ہُوا ہے الّا (مگر) کے اسقاط کے ساتھ واقع ہُوا تو محقق علی الاطلاق نے حدیث کو مدعا کے مطابق ثابت کرنے کی ضرورت محسوس کی اور فرمایا: اس لفظ سے یہ اشارہ ہو رہا ہے کہ واقع میں ان حضرات کے گمان کے برخلاف تھا کیونکہ اس جملے کا قابلِ شمار ولحاظ فائدہ یہی ہے (تو معنی یہ ہوا کہ وُہ ایسا نہیں سمجھ رہے تھے مگر واقع میں جنازہ حضور کے آگے موجود تھا) اب یہ ان کو حضور سے سن کر معلوم ہوا ہو یا ان پر انکشاف ہوا ہو، اھ---اس کلام میں حضرت محقق کا اتباع صاحبِ غنیہ وصاحبِ مرقات نے بھی کیا ہے۔ اور واقعی یہ نفیس کلام ہے مگر دونوں صحیح کتابوں (صحیح ابن حبان و صحیح ابی عوانہ) میں لفظ الّا ثابت ہو جانے کے بعد اس کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ جو الّا کے ساتھ ہے وہ زیادہ ظاہر اور روشن ہے۔اور خدا ہی کے لئے ساری حمد ہے۔ الحاصل اس سے وہ اعتراض دفع ہو گیا جو شیخ تقی الدین نے لکھا کہ اس پر کوئی دلیل لانے کی ضرورت ہے محض احتمال کافی نہیں۔ (ت)

یہ دونوں روایت صحیح عاضد قوی ہیں اس حدیث مرسل اصولی کی کہ امام واحدی نے اسبابِ نزولِ قرآن میں حضرت عبدالله بن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کی کہ فرمایا:

کشف النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن سریر النجاشی حتی راٰه	نجاشی کا جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ظاہر کر دیا گیا تھا حضور نے اسے دیکھا اور

[1] فتح القدیر فصل فی الصلوٰۃ علی المیت نوریہ رضویہ سکھر ۲/۸۰

[2] نصب الرایۃ بحوالہ تقی الدین احادیث الصلوٰۃ علی الغائب المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض الشیخ ۲/۲۸۳

وصلّی علیہ[1]۔	اُس پر نماز پڑھی۔

ثانیًابلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی، نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔ یہ جواب خود ایک شافعی امام قسطلانی نے مواہب شریفہ میں نقل کیااور مقرر رکھا۔

اقول ای لماتقررمن کفه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فالظاہر معناہ الاحتمال عن دلیل ثم من العجب قول الکرمانی کان غائبًا عن الصحابة[2] وارتضاہ فی الفتح قائلا سبقه الٰی ذلك ابوحامد الخ[3] وکذا استحسنه الرؤیانی واربعتهم شافعیه عـه وھذا لمانص علیه الحنفیة والمالکیة من الاتفاق علی جواز الصلٰوۃ علٰی غائب عن القوم والامام یراہ۔ **اقول:** علٰی ان فی حدیث عمران نحن لانرٰی الا	اقول یعنی جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا غائبوں کی نماز سے باز رہنا ثابت ہے تو حضرت اصحمہ نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا جنازہ سامنے تھا، توظاہر یہ ہے کہ احتمال سے مراد احتمال بدلیل ہے۔ پھر عجیب بات ہے کہ کرمانی نے لکھا: نجاشی کاجنازہ صرف نظرِ صحابہ سے غائب تھا، اس کو فتح الباری میں پسند کیایہ کہتے ہوئے کہ اس سے پہلے ابو حامد یہ فرما چکے ہیں۔اس طرح رویانی نے اسے عمدہ چیز سمجھا، یہ چاروں حضرات شافعی ہیں۔ تعجب کی چیز یہ ہے کہ اس پر حنفیہ ومالکیہ کا بھی اتفاق ہے کہ

عـه: قلدھم فیه تقلیدا جامدًا مجتهد الوھابية الشوکانی فی نیل الاوطار والبوفالی فی عون الباری غافلین عماردہ به الحنفية وھذا دیدن ھٰؤلاء المدعین للاجتهاد یقلدون المقلدین فی الغلط المبین ویحرمون تقلید الائمة المجتهدین ۱۲منه (م)	اس میں ان کی تقلید جامد کی ہے مجتہدِ وہابیہ شوکانی نے نیل الاوطار میں اور بھوپالی نے عون الباری میں۔اور اس کلام سے غافل رہے جس کے ذریعے حنفیہ نے اس جواب کو رَد کردیا ہے۔ یہی ان مدعیانِ اجتہاد کی عادت ہے کہ کھلی ہوئی غلط باتوں میں مقلدین کی تقلید کرتے ہیں اور ائمہ مجتہدین کی تقلید کو حرام ٹھہراتے ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ واحدی النوع الرابع فی صلٰوتہ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۸۷
[2] فتح الباری بحوالہ الکرمانی باب الصفوف علی الجنازہ مصطفٰی البابی مصر ۳/۴۳۲
[3] فتح الباری شرح بخاری باب الصفوف علی الجنازہ مصطفٰی البابی مصر ۳/۴۳۲

ان الجنازۃ قدامنا[1] کما قدمنا احادیث مجمع بن جاریۃ رضی اللہ تعالٰی عنه فصففنا خلفه صفین ومانری شیئا[2] رواہ الطبرانی ف (وھم من نسبه لابن ماجة مغترابقول الحافظ اصله فی ابن ماجة غافلا ان لیس عندہ "ومانری شیئا" و ھوالمقصود)ففیه حمران بن اعین رافضی ضعیف علی ان کلاحکی عن حاله فلاتعارض و لایعقل من عاقل اشتراط ان یری المیت الکل و الا لما صحت لماعداللصف الاول۔	ایسے کی نمازِ جنازہ جائز ہے جولوگوں سے غائب ہو اورامام اسے دیکھ رہاہو۔**اقول:** علاوہ ازیں حدیث عمران میں یہ ہے کہ "ہم یہی اعتقاد کرتے تھے کہ جنازہ ہمارے آگے موجود ہے "جیسا کہ ہم پیش کرچکے۔ رہی مجمع بن جاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث، ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں لگائیں اور ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے اسے طبرانی نے روایت کیا (جس نے ابن ماجہ کاحوالہ دیا اُسے وہم ہوا، دراصل ابن حجر کی اس عبارت سے کہ "اس کی اصل ابن ماجہ میں ہے" وہ فریب خوردہ ہوگیااوراس سے غافل رہاکہ ابن ماجہ میں یہ لفظ "ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے" موجود نہیں جبکہ وہی مقصود ہے) اس میں حمران بن اعین رافضی ضعیف ہے۔علاوہ ازیں ہر راوی نے اپنا حال بیان کیا ہے، اس لئے کوئی تعارض نہیں، ورنہ پہلی صف کے علاوہ کسی کی نماز ہی نہ ہو۔(ت)

ثالثاً نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کاانتقال دارالکفر میں ہوا وہاں اُن پر نماز نہ ہوئی تھی لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہاں پڑھی۔اسی بناپر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کے لئے یہ باب وضع کیا:

الصلٰوۃ علی مسلم یلیه اھل شرك فی بلد اٰخر[3]۔	دوسرے شہر میں ایسے مسلم کی نماز جنازہ جس کے قریب صرف اہلِ شرک ہیں۔(ت)

ف: معجم کبیر میں مُجَمِّع بن جاریہ کی احادیث کے تحت بحوالہ ابن ابی شیبہ کے الفاظ یوں ہیں: "فصففنا خلفه صفین" اس میں "وما نری شیئا" کے الفاظ نہیں ہیں۔ملاحظہ ہو معجم کبیر حدیث ۱۰۸۶ جلد ۱۹ص ۴۴۶۔ **نذیر احمد**

[1] شرح الزرقانی علی مواہب بحوالہ عمران بن حصین النوع الرابع فی صلٰوتہ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۸/ ۸۷

[2] شرح الزرقانی علی مواہب بحوالہ طبرانی النوع الرابع فی صلٰوتہ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۸/ ۸۷، فتح الباری شرح البخاری باب الصلٰوۃ علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲

[3] سنن ابی داؤد باب الصلٰوۃ علی المسلم یموت فی بلاد شرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱

قال الحافظ فی الفتح ھذامحتمل الا انی لم اقف فی شیئ من الاخبار علی انه لم یصل علیه فی بلدہ احد اھ[1] قال الزرقانی وھومشترك الالزام فلم یرو فی الاخبار انه صلی علیه احد فی بلدہ کماجزم به ابوداؤد محله فی اتساع الحفظ معلوم[2] اھ **اقول:** ای فقد کفاناالمؤنة بقوله ھذامحتمل **ثمّ اقول:** قد یومی له ما اخرج احمد وابن ماجة عن حذیفة بن اسید رضی اللهتعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خرج بھم فقال صلوا علی اخ لکم مات بغیر ارضکم قالوامن ھوقال النجاشی[3] ثم رأیته عــہ فی مسند ابی داؤد الطیالسی	حافظ ابنِ حجر نے فتح الباری میں کہا یہ احتمال تو ہے مگر کسی حدیث میں یہ اطلاع میں نے نہ پائی کہ نجاشی کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی اھ علامہ زرقانی نے لکھا: یہ الزام دونوں طرف سے مشترک ہے کیونکہ کسی حدیث میں یہ بھی مروی نہیں کہ ان کے اہلِ شہر میں سے کسی نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی تھی-- جیساکہ ابوداؤد نے اس پر جزم کیاہے اور وسعتِ حفظ میں ان کا مقام معلوم ہے اھ۔ **اقول:** یعنی یہ احتمال مان کر ہمارا بوجھ انہوں نے خود ہی اتار دیا **ثمّ اقول:** اس کا کچھ اشارہ اس سے ملتا ہے جوامام احمد اور ابن ماجہ نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوگوں کو لے کر باہر آئے پھر فرمایا: اپنے ایک بھائی کی۔

عــہ: ثم رأیت الشوکانی ذکرہ عن شیخ مذھبه الفاسد ابن تیمیة انه اختار التفصیل بجواز الصلٰوۃ علی الغائب ان لم یصل علیه حیث مات والا لا قال واستدل له بما اخرجه الطیالسی واحمد وابن ماجة وابن قانع والطبرانی والضیاء[4] فذکر الحدیث **اقول:** اما الاستئناس فنعم واما کونه دلیلا علیه حجة فیه فلاکما لایخفی ۱۲منه (م)

پھر میں نے دیکھا کہ شوکانی نے اپنے فاسد مذہب کے پیشوا ابن تیمیہ سے متعلق ذکر کیا اس نے یہ تفصیل اختیار کی ہے کہ غائب کی نماز جائز ہے اگر وہاں اس کی نماز نہ ہوئی ہو جہاں انتقال کیا ورنہ جائز نہیں۔ اور کہا کہ اس پر دلیل میں وُہ حدیث پیش کی ہے جو طیالسی، امام احمد، ابن ماجہ، ابن قانع، طبرانی اور ضیاء نے روایت کی پھر حدیث بالاذکر کی **اقول:** اس حدیث سے رائے مذکور پر استیناس تو ہورہا ہے مگر یہ کہ اس پر یہ دلیل اوراس بارے میں حجت ہو تو ایسا نہیں جیساکہ واضح ہے، ۱۲منہ (ت)

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۴۳۲/۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب النوع الرابع دارالمعرفۃ بیروت ۸۷/۸

[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی الصلٰوۃ علی النجاشی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۱

[4] نیل الاوطار للشوکانی الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۵۷/۴

قال حدثنا المثنی بن سعید عن قتادۃ عن ابی طفیل عن حذیفۃ بن اسیدان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اتاہ موت النجاشی فقال ان اخاکم مات بغیرارضکم فقوموافصلوا علیه[1] فھذا یقوی الاستئناس لمکان الفاء فی فقوموا۔	نماز ادا کرو جو تمھاری سرزمین کے علاوہ میں فوت ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا: وہ کون؟ فرمایا: نجاشی، پھر میں نے اسے مسند ابوداؤد طیاسی میں دیکھا، انھوں نے کہا ہم سے مثنی بن سعید نے حدیث بیان کی، وہ قتادہ سے وہ ابوالطفیل سے وہ حذیفہ بن اُسید سے راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس نجاشی کی وفات کی خبر آئی تو فرمایا: تمھارا بھائی تمھاری سرزمین کے علاوہ میں انتقال کرگیا، تو اٹھو اس کی نماز پڑھو یہ روایت استیناس کو قوت دے رہی ھے اس لیے کہ اس کے اندر فقوموا (تو اٹھو) میں فا (تو) ہے۔(ت)

ولہٰذا خود امام شافعی المذہب ابوسلیمان خطابی نے یہ مسلک لیا کہ غائب پر نماز جائز نہیں سوا اس صورت خاص کے کہ اس کا انتقال ایسی جگہ ہوا ہو جہاں کسی نے اس کی نماز نہ پڑھی ہو۔ اقول اب بھی خصوصیت نجاشی ماننے سے چارہ نہ ہوگا، جبکہ اور موتیں بھی ایسی ہوئیں اور نماز غائب کسی پر نہ پڑھی گئی۔

رابعاً بعض عـــہ کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی[2]

رواہ ابن ابی حاتم فی التفسیر عن ثابت و الدار قطنی فی الافراد والبزار عن حمید معًا عن انس وله شاھد فی کبیر الطبرانی عن وحشی واوسطه عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اسے ابن ابی حاتم نے تفسیر میں ثابت سے، دار قطنی نے افراد میں اور بزار نے مسند میں حمید سے، دونوں حضرات نے حضرت انس سے روایت کیا، اور اس حدیث کی ایک شاہد طبرانی کبیر میں حضرت وحشی سے اور معجم اوسط میں حضرت ابوسعید سے ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

اس نماز سے مقصود اُن کی اشاعتِ اسلام تھی۔ **اقول:** یعنی بیان بالفعل اقوی ہے ولہٰذا مصلّٰی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو[3]

عـــہ: روایتِ طبرانی میں ہے اس کا قائل ایک منافق تھا[4] ۱۲منہ (م)

[1] مسند ابوداؤد الطیاسی حدیث ۱۰۶۸ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۴۴

[2] فتح الباری بحوالہ ابن ابی حاتم والدار قطنی والبزار باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱

[3] فتح الباری بحوالہ ابن بزیزہ والدار قطنی والبزار باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱

[4] فتح الباری بحوالہ طبرانی اوسط باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱

قاله ابن بزيزة وغيره من الشافعية القائلين بجواز صلوٰة الجنازة فی المسجد معتلين لعدم صلوة صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی المسجد مع انه حين نعاه كان فيه هذا ولا يذهب عنك ان الطراز المعلم هما الاولان۔	یہ ابن بزیزہ وغیرہ شافعیہ نے کہا جو اس کے قائل ہیں کہ مسجد میں نماز جنازہ جائز ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب رحلتِ نجاشی کی اطلاع دی تو اس وقت مسجد ہی میں تشریف فرماتھے مگر جنازہ کیلئے باہر تشریف لے گئے اس کی علت ان حضرات نے یہ بتائی کہ اس سے مقصود تکثیر جماعت کے ذریعہ ان کے اسلام کا اعلان کرنا تھا۔ (اس واقعہ پر ہم نے چار کلام کئے مگر) خیال رہے کہ نقش زر نگار کی حیثیت صرف پہلے دو کو حاصل ہے۔(ت)

تنبیہ: غیر مقلدوں کے بھوپالی امام نے عون الباری میں حدیث نجاشی کی نسبت کہا، اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے اگرچہ جنازہ غیر جہت قبلہ میں ہو اور نماز قبلہ رُو۔

اقول: یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے، نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہتِ قبلہ کو کب تھا۔

لاجرم لما نقل الحافظ فی الفتح قول ابن حبان انه انما يجوز ذلك لمن فی جهة القبله. قال حجته الجمود علی قصة النجاشی [1] اھ	جب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن حبان کا یہ قول نقل کیا کہ صرف اسی غائب کی نماز جنازہ ہو سکتی ہے جو سمتِ قبلہ میں ہو تو اس پر کہا کہ: ان کی دلیل واقعہ نجاشی پر جمود ہے اھ (ت)

تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشا ہے جن کو سمتِ قبلہ تک معلوم نہیں۔ پھر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا دوسرا جہل ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی [2] **رواه الطبرانی عن حذيفة بن اسيد رضی الله تعالٰی عنه** (اسے طبرانی نے حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

واقعہ دوم: معاویہ بن معاویہ مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تبوک میں ان پر نماز پڑھی۔

---
[1] فتح الباری بحوالہ ابن بزیزہ باب الصفوف علی الجنازۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۱

[2] معجم کبیر مروی از حذیفہ بن اُسید حدیث ۳۰۴۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۱۷۹

اوّلاً ائمہ حدیث عقیلی وابن حبان وبیہقی وابوعمران بن عبدالبر وابن الجوزی ونووی وذہبی وابن الہمام وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف بتایا، اسے طبرانی نے معجم اوسط ومسند الشامیین میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا

بطریق نوح بن عمرو السکسکی ثنا بقیہ بن الولید عن محمد بن زیاد الالہانی عن ابی امامۃ عن محمد بن زیاد الالہانی عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ **قلت** ومن ھذا الطریق رواہ ابو احمد الحاکم فی فوائدہ والخلاّلی فی فوائد سورۃ الاخلاص وابن عبدالبر فی الاستیعاب وابن حبان فی الضعفاء واشار الیہ ابن مندۃ۔	اس کی سند اس طرح ہے: نوح بن عمرو سکسکی نے ___ کہا ہم سے حدیث بیان کی بقیہ بن ولید نے ___ عن محمد بن زیاد الالہانی ___ عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابواحمد حاکم نے فوائد میں، خلّال نے فوائد سورہ اخلاص میں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں، اور ابن حبان نے ضعفاء میں روایت کیا، اور اسی کی طرف ابنِ مندہ نے اشارہ کیا۔ (ت)

اس کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اور اس نے عنعنہ کیا یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سُننا نہ بیان کیا، بلکہ کہا کہ ابن زیاد سے روایت ہے معلوم نہیں راوی کون ہے!

بہ اعلہ المحقق فی الفتح اقول لکن سند ابی احمدالحاکم ھکذااخبرنا ابوالحسن احمد بن عمیر بدمشق ثنا نوح بن عمروبن حری ثنا بقیۃ ثنا محمد بن زیاد عن ابی امامۃ فذکرہ۔	حضرت محقق نے فتح القدیر میں اسی سے اس کو معلول ٹھہرایا۔ اقول مگر ابواحمد حاکم کی سند اس طرح ہے: ہمیں خبر دی ابوالحسن احمد بن عمیر نے دمشق میں، انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی نوح بن عمروبن حری نے، کہا ہم سے حدیث بیان کی محمد بن زیاد نے، وہ ابوامامہ سے راوی ہیں، اس کے بعد حدیث ذکر کی۔ (ت)

ذہبی نے کہا کہ حدیث منکر ہے نیز اس کی سند میں نوح ابن عمرو ہے۔ ابن حبان نے اسے حدیث کا چور بتایا، یعنی ایک سخت ضعیف شخص اسے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتا تھا، اس نے اس سے چُرا کر بقیہ کے سرا باندھی،

قال الذھبی فی ترجمۃ نوح قال ابن حبان یقال انہ سرق ھذا الحدیث[1] اھ **اقول:**	ذہبی نے نوح کے حالات میں لکھا: ابن حبان نے بیان کیا کہ "کہا جاتا ہے اس نے یہ حدیث چُرالی اھ **اقول:**

[1] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۹۱۳۹ نوح بن عمرو بن نوح دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۷۸

لفظ الحافظ في الاصابة قال ابن حبان فی ترجمة العلاء الثقفی من الضعفاء بعد ان ذکر لی هذا الحدیث سرقه شیخ من اهل الشام، فرواه عن بقیة فذکره [1] اھ ولیس فیه یقال وقدنقل عنه هکذا الذهبی فی العلاء اماقول الحافظ فما ادری عنی نوحًا اوغیره فانه لم یذکر نوحًا فی الضعفاء [2] **فاقول**: ظاهران نوحا هوالشیخ الشامی الذی رواه عن بقیة ولا مشار للشك حتی یثبت شامی اخریرویه عنه لاجرم ان جزم الذهبی بانه عنی به نوحا۔	اصابہ میں حافظ ابنِ حجر کے الفاظ یہ ہیں: ابن حبان نے علاء ثقفی ضعیف کے ترجمہ میں اس کی یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہا: اسے شام کے ایک شیخ نے چُرا کر اسے بقیہ سے روایت کردیا، پھر حدیث ذکر کی اھ ___ اصابہ کی اس عبارت میں ابن حبان کے حوالہ میں لفظِ یقال (کہا جاتا ہے) نہیں ہے ___ اور خود ذہبی نے علاء کے بارے میں ابن حبان سے اسی طرح نقل کیا ہے ___ اب رہا حافظ ابن حجر کا یہ کلام کہ "پتا نہیں ابن حبان نے نوح ہی کو مراد لیا ہے یا کسی اور کو؟ کیونکہ انھوں نے نوح کو ضعفاء میں ذکر نہیں کیا ہے" ___ **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں) ظاہر ہے کہ نوح وہ شامی شیخ ہے جس نے یہ حدیث بقیہ سے روایت کی ہے، اس میں کسی شک کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ کوئی اور شامی شیخ اس سے روایت کرنے والا ہے، لامحالہ ذہبی نے جزم کیا کہ ابن حبان نے اس سے نوح ہی کو مراد لیا ہے۔ (ت)

انس عـــہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت طبقات ابن سعد میں دو طریق سے ہے: ایک طریق محبوب بن ہلال مزنی ہے۔

عـــہ: **تنبیه**: لم یرد الحدیث عن صحابی غیر انس وابی امامة اماما وقع فی نسختی فتح القدیر والمطبوعتین بمصر والهند من قوله بعدذکر قصه النجاشی فان قیل بل قد صلی علی غیره من الغیب وهو معاویة بن معاویة المزنی، ویقال اللیثی رواه الطبرانی من حدیث ابی امامة	**تنبیہ**: یہ حضرت انس اور ابوامامہ کے علاوہ کسی اور صحابی سے وارد نہیں ___ رہی فتح القدیر کی یہ عبارت جو اس کے مصر اور ہند کے طبع شدہ دونوں نسخوں میں ہے کہ "واقعہ نجاشی ذکر کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں: اگر اعتراض ہو کہ حضور نے نجاشی کے علاوہ دوسرے پر بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے۔ وہ معاویہ بن معاویہ مزنی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ "لیثی" ___ اسے طبرانی نے حضرت ابوامامہ سے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ نمبر ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ مزنی دار صادر بیروت ۳/ ۴۳۷

[2] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ نمبر ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ مزنی دار صادر بیروت ۳/ ۴۳۷

قلت ومن ھذا الوجہ اخرجہ الطبرانی وابن الضریس وسمویۃ فی فوائدہ وابن مندۃ والبھیقی فی الدلائل [1]۔	قلت (میں کہتاہوں) اسی طریق سے اُسے طبرانی، ابن ضریس، فوائد میں سمویہ، ابن مندہ، اور دلائل میں بیہقی نے روایت کیا۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وابن سعد من حدیث انس وعلی وزید وجعفر لما استشھد بموتہ علی مافی مغازی الواقدی [2] تصحیف وصوابہ وابن سعد من حدیث انس وعلی زید و جعفر ای وصلی علیھما فقد اخذ کلام الفتح ھذا برّمتہ الحبلی فی الغنیۃ فقال وابن سعد من حدیث انس وکذ اصلی علی زید و جعفر [3] وکذا اخذہ بتمامہ القاری فی المرقاۃ فقال وابن سعد من حدیث انس وصلی علی زید وجعفر [4] وقد جمع الحافظ طرق الحدیث فی الاصابۃ فلم یذکرہ عن علی ولا عن غیرہ من الصحابۃ سوی انس و ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ۱۲ منہ (م)

روایت کیاہے اور ابن سعد نے حضرت انس اور علی سے، اور زید و جعفر پر بھی نماز پڑھی، جب یہ دونوں حضرات موتہ میں شہید ہوئے جیسا کہ مغازی واقدی میں ہے ___ تو اس عبارت (من حدیث انس وعلی وزید و جعفر) میں تصحیف (کتابت کی غلطی) ہے۔ صحیح عبارت اس طرح ہے (وابن سعد من حدیث انس وعلی زید و جعفر) یعنی اور اسے ابن سعد نے حضرت انس سے روایت کیا، اور حضور نے حضرت زید و حضرت جعفر کی بھی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اس خطائے کتابت کی دلیل یہ ہے کہ فتح القدیر کا پورا کلام لے کر علامہ حلبی نے غنیہ میں یوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، وکذاصلی علی زید و جعفر (اور ابن سعد نے اسے حضرت انس سے روایت کیا، اور اسی طرح حضور نے حضرت زید و حضرت جعفر کی نماز پڑھی) یوں ہی علامہ علی قاری نے اسے مکمل اخذ کرکے مرقات میں یوں لکھا: وابن سعد من حدیث انس، وصلی علی زید و جعفر (اور ابن سعد نے حضرت انس کی حدیث میں اسے روایت کیا اور حضور نے حضرات زید و جعفر کی نماز پڑھی ___ اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں اس حدیث کے تمام طُرق جمع کیے ہیں مگر ان میں حضرت علی یا کسی اور صحابی سے روایت کا ذکر نہیں، صرف حضرت انس وابوامامہ کا ذکر ہے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

---

[1] الاصابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ ۳/ ۳۳۶
[2] فتح القدیر ۲/ ۸۱
[3] غنیۃ المستملی ص ۵۴۴
[4] مرقات المفاتیح ۴/ ۱۴۰

ذہبی نے یہ کہا یہ شخص مجہول ہے اوراس کی یہ حدیث منکر [1]۔دوسرے طریق میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔

قلت ومن ھذا الطریق اخرجه ابن ابی الدنیا ومن طریقه ابن الجوزی فی العلل المتناھیة والعقیلی وابن سنجر فی مسندہ وابن الاعرابی وابن عبدالبرو حاجب الطوسی فی فوائدہ [2]۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) اسی طریق سے اس کو ابن ابی الدنیا نے روایت کیا ہے اور اسی کے طریق سے ابن الجوزی نے العلل المتناہیہ میں، اور عقیلی اور ابن سنجر نے اپنی مسند میں اور ابن الاعرابی، ابن عبدالبر نے اور فوائد میں حاجب طوسی نے روایت کیا ہے۔(ت)

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اس کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔امام بخاری وابن عدی وابو حاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔ابو حاتم ودار قطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔امام علی بن مدینی استاد امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گھڑتا تھا، ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسی کی گھڑی ہوئی ہے، اسی سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی [3]۔ **ذکرہ فی المیزان** (اسے میزان الاعتدال میں ذہبی نے ذکر کیا۔ت) ابوالولید طیاسی نے کہا: علامہ کذاب تھا، عقیلی نے کہا: **العلاء بن یزید ثقفی لایتابعه احد علی ھذا الحدیث الامن ھو مثله اودونه** [4] علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علاء ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر۔ **ذکرہ فی العلل المتناھیة** (ابن الجوزی نے اسے علل متناہیہ میں ذکر کیا۔ت) ابو عمر بن عبدالبر نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں اور دربارہ احکام اصلاً حجت نہیں، صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں [5]۔ **قاله فی الاستیعاب ونقله فی الاصابة** (ابن عبدالبر نے یہ استیعاب میں کہا اور حافظ نے اسے اصابہ میں نقل کیا۔ت) یونہی ابن حبان نے کہا کہ مجھے [عہ] اس نام کے

عـــہ: وہابیہ کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں یہاں عجیب تماشہ کیا ہے،

اوّلا استیعاب سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معٰویہ بن معٰویہ لیثی پر نماز پڑھی۔ پھر کہا (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۰۸۵ محبوب بن ہلال دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۴۲

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹

[4] العلل المتناہیۃ حدیث فی فضل معاویۃ بن معاویۃ دارالنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۹۹

[5] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویۃ بن معاویۃ دارصادر بیروت ۳/ ۴۳۷

کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں[1] اثرہ فی المیزان (اسے ذہبی نے میزان میں نقل کیا۔ت)

ثانیاً فرض کیجئے کہ یہ حدیث اپنے طُرق سے ضعیف نہ رہے کمااختارہ الحافظ فی الفتح (جیساکہ حافظ ابن حجر نے اسے فتح الباری میں اختیار کیا ہے۔ت) یابفرض غلط لذاتہ صحیح سہی پھراس میں کیاہے خوداسی میں تصریح ہے کہ جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظرانور کردیاگیا تھاتو نماز جنازہ حاضرپر ہوئی نہ کہ غائب پر حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ طبرانی کے یہاں یہ ہیں: جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا۔

اتحب ان اطوی لك الارض، فتصلی علیه قال نعم، فضرب بجناحه علی الارض فرفع له سریره فصلی علیه، وخلفه صفان من الملائکة کل صف سبعون	کیا حضور چاہتے ہیں کہ حضور کے لئے زمین لپیٹ دوں تاکہ حضوران پر نماز پڑھیں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے اپناپر زمین پر مارا جنازہ حضور کے سامنے ہوگیااس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، اور فرشتوں کی دو[۲] صفیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا۔ پھر کہا نیزاس کا مثل انس سے ترجمہ معاویہ بھی معاویہ مزنی میں روایت کیا[2]۔ اس میں یہ وہم لاتاہے کہ گویا تین صحابی جداجدا ہیں جن پر نماز غائب مروی ہے، حالانکہ یہ محض جہل یاتجاہل ہے وہ ایک صحابی ہیں معاویہ نام جن کے نسب ونسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہوا، کسی نے مزنی کہا، کسی نے لیثی، کسی نے معاویہ بن معاویہ، کسی نے معاویہ بن مقرن، ابوعمر نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم نہیں اور حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح دی اور لیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا بتایا اور معاویہ بن مقرن کو ایک اور صحابی مانا جن کے لئے یہ روایت نہیں بہر حال صاحب قصہ شخص واحد ہیں، اور شوکانی کا ایہام تثلیث محض باطل۔ ابن الاثیر نے اسدالغابہ میں فرمایا: معاویه بن معاویه المزنی ویقال اللیثی ویقال معاویة بن مقرن المزنی قال ابوعمر وھو اولی بالصواب[3] الخ یعنی معاویہ بن معاویہ مزنی، اور کوئی کہتا ہے معاویہ بن مقرن مزنی، ابوعمرو نے کہا یہی صواب سے نزدیک تر ہے۔ پھر حدیث انس کے طریق اول سے پہلے طور پر نام ذکر کیا اور طریق دوم سے دوسرے طور پر اور حدیث ابوامامہ سے تیسرے طور پر۔ ۱۲منہ

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۳۰ العلاء بن زید الثقفی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹۹
[2] نیل الاوطار الصلٰوۃ علی الغائب بالنیۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷
[3] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ترجمہ معاویہ بن معاویہ مزنی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۴/ ۳۸۸

الف ملك [1]۔	حضور کے پیچھے تھیں، ہر صف میں ستر ہزار فرشتے۔

ابو احمد حاکم کے یہاں یوں ہے:

وضع جناحه الایمن علی الجبال ، فتواضعت ووضعت جناحه الایسر علی الارضین فتواضعت حتی نظرنا الی مکة والمدینة فصلی علیه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وجبریل والملئکة [2]۔	جبریل نے اپنا داہنا پَر پہاڑوں پر رکھا وہ جھک گئے بایاں زمینوں پر رکھا وہ پست ہوگئیں یہاں تک کہ مکہ ومدینہ ہم کو نظر آنے لگے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور جبریل وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام نے ان پر نماز پڑھی۔

حدیث انس بطریق محبوب کے لفظ یہ ہیں: جبریل، نے عرض کی کیا حضور اس پر نماز پڑھنا چاہتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔

فضرب بجناحه الارض فلم تبق شجرة ولا اکمة الا تضعضعت ورفع له سریرہ حتی نظر الیه فصلی علیه [3]۔	پس جبریل نے زمین پر اپنا پَر مارا کوئی پیڑ اور ٹیلہ نہ رہا جو پست نہ ہوگیا اور ان کا جنازہ حضور کے سامنے بلند کیا گیا یہاں تک کہ پیش نظر اقدس ہوگیا، اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔

بطریق علاء کے لفظ یوں ہیں:

ھل لك ان تصلی علیه فاقبض لك الارض قال نعم فصلی علیه [4]۔	جبریل نے عرض کی حضور ان پر نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین سمیٹ دوں، فرمایا: ہاں۔ جبریل نے ایسا ہی کیا، اُس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی۔

اقول: بلکہ طرز کلام مشیر ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی، جب تو جبریل نے عرض کی کہ حضور نماز پڑھنی چاہیں تو میں زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور نماز پڑھیں۔ **فافھم**

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ الطبرانی باب المشی بالجنازۃ الخ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۴۶، فتح القدیر بحوالہ الطبرانی فصل فی الصلٰوۃ علی المیّت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸۱/۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب الصلوۃ علی الغائب دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۸

[3] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ دار صادر بیروت ۳/ ۴۳۶

[4] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ترجمہ ۸۰۸۰ معاویہ بن معاویہ دار صادر بیروت ۳/ ۴۳۷

واقعہ سوم: واقدی نے مغازی میں عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی:

لما التقی الناس بموتة، جلس رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی المنبر وکشف له مابینه وبین الشام، فهو ینظر الی معرکتهم، فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اخذ الروایة زید بن حارثة، فمضی حتی استشهد، وصلی علیه ودعاله وقال استغفروا له وقد دخل الجنة وهو یسعٰی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فمضٰی حتی استشهد فصلی علیه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ودعا وقال استغفروا له وقد دخل الجنة فهو یطیر فیهابجنا حین حیث شاء [1]۔ (ملخصًا)	جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرماہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور کے لئے پردے اٹھادیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور نے انھیں اپنی صلٰوۃ ودعا سے مشرف فرمایااور صحابہ کو ارشاد ہوااس کے لئے استغفار کرو بیشک وہ دوڑتا ہواجنت میں داخل ہوا۔ حضور نے فرمایا پھر جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا حضور نے ان کو اپنی صلٰوۃ ودعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوااس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوااور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔

اوّلا یہ دونوں طریق سے مرسل ہے اوّل عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں، قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی کے پوتے اور یہ عبداللہ بن ابی بکر عبداللہ بن ابی بکر محمد بن عمرو بن حزم ہیں، صغار تابعین سے عمرو بن حزم صحابی رضی اللہ عنہ کے پرپوتے۔

ثانیًا خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں، یہاں تک کہ ذہبی نے ان کے متروک ہونے پر اجماع کاادعا کیا[2]

اقول: و زدت هذا مشایعة للاوّل وکلاهما الزام فالمرسل نقبله والواقدی نوثقه۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ نقد، پہلے نقد کی روش پر میں نے بڑھا دیا ہے اور دونوں اعتراض الزامی ہیں ورنہ ہمارے نزدیک حدیث مرسل مقبول ہےاور واقدی ثقہ ہیں۔ (ت)

[1] کتاب المغازی بیان غزوہ موتۃ موسسۃ الاعلمی بیروت ۲/ ۷۶۲

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۹۹۳ محمد بن عمر واقدی دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۶۶۶

ثالثًا، اقول عبداللہ بن ابی بکر سے راوی شیخ واقدی عبدالجبار بن عمارہ مجہول ہے[1] **کما فی المیزان** (جیسا کہ میزان میں ہے۔ ت) تو مرسل نامعتضد ہے۔ (یعنی رواۃ ثقہ ہو تو یہ مرسل قوی ومقبول ہوتی، جہالت راوی کے باعث اس میں قوت نہ رہی ۱۲ مترجم)

رابعًا خود اسی روایت میں صاف تصریح ہے کہ پردے اُٹھادئے گئے تھے، معرکہ حضرتِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

اقول: لکن موتۃ بالشام علی مرحلتین من بیت المقدس وغزوتھا سنۃ ثمان وقد حولت القبلۃ قبلھا عـــہ بزمان فکیف یکفی الرؤیۃ مع اشتراط کونھا امام المصلی الاان یقال انما ارید الرد علی الاحتجاج لصلٰوۃ الغیب وقدتم واذا ثبت فیھا قولنا ثبت ذلک الشرط لنا لان الرویۃ مع الاستدبار لاتمکننا۔	**اقول:** لیکن مقام موتہ سرزمین شام میں بیت المقدس سے دو منزلہ پر واقع ہے (تو مدینہ سے سمتِ قبلہ میں نہیں بلکہ قبلہ سمت مخالف شمال میں ہوا، مترجم) اور غزوہ موتہ ۸ھ ہجری میں ہوا جس سے بہت پہلے تحویل قبلہ ہوچکی تھی پھر یہ روایت کیسے کافی ہوگی جبکہ جنازہ کا مصلی کے آگے ہونا شرط ہے۔ جوابًا کہا جاسکتا ہے کہ غائبانہ نماز پر استدلال کا رَد کرنا مقصود تھا وہ پورا ہوگیا، اوراس بارے میں جب ہمارا قول ثابت ہوجائیگا تو وہ شرط بھی ہمارے حق میں ثابت ہوگی اس لئے کہ پشت کی جانب جنازہ ہوتے ہوئے دیکھ لینا ہمارے لیے ناممکن ہے۔ت)

خامسًا، اقول: کیا دلیل ہے کہ یہاں صلٰوۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ درود ہے اور دعا لہ عطفِ تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے اور سوق روایت اسی میں ظاہر کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرماہونا مذکور اور منبر انور دیوار قبلہ کے پاس تھا اور معتاد یہی ہے کہ مبنر پر رُو بحاضرین وپشت بہ قبلہ جلوس ہو۔ اور اس روایت میں نماز کے لئے منبر پر سے اترنے پھر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں، نیز برخلاف روایت نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں، نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز کے لئے فرمایا۔ اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ۔ نیز اسی معرکہ میں تیسری شہادت عبداللہ بن رواحہ

عـــہ: لان تحویلھا فی السّنۃ الثانیۃ ۱۲ منہ (م) | اس لئے کہ تحویلِ قبلہ ۲ھ میں ہوئی ہے۔ (ت)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۴۷۴۲ عبدالجبار بن عمارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۵۳۴

رضی اللہ عنہ کی ہے ان پر صلٰوۃ کا ذکر نہیں، اگر نماز ہوتی تو ان پر بھی ہوتی، ہاں درود کی ان دو کے لئے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے اگرچہ وجہ کی حاجت بھی نہیں کہ وہ احکام عامہ سے نہیں، وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگی کہ جس میں ان دو کرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہوا ہے اور یہ کہ ان کو جنت میں منہ پھیرے ہوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض واقع ہو کر اقبال ہوا تھا۔

وھو فی اخر ھذین المرسلین رواہ البیھقی عن طریق الواقدی بسندیہ والیہ اشارفی حدیث ابن سعد عن ابی عامر الصحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعاً رأیت فی بعضھم اعراضاً کانہ کرہ السّیف[1]۔	وہ بات ان ہی دونوں مرسل کے آخر میں ہے اسے بیہقی نے بطریق واقدی اس کی دونوں سندوں سے روایت کیا ہے، اور اسی کی طرف طبقات ابن سعد کی حدیث میں اشارہ ہے جو حضرت ابو عامر صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ سرکار نے فرمایا ان میں سے ایک کے اندر میں نے کچھ اعراض دیکھا گویا شمشیر سے اسے ناگواری ہوئی۔ (ت)

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہید معرکہ ہیں، نماز غائب جائز ماننے والے شہید معرکہ پر نماز نہیں مانتے، تو باجماع فریقین یہاں صلٰوۃ بمعنی دُعا ہونا لازم، جس طرح خود امام نووی شافعی، امام قسطلانی شافعی، امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے صلٰوۃ علٰی قبور شہداء اُحد میں ذکر فرمایا کہ یہاں صلٰوۃ بمعنٰی دعا ہونے پر اجماع ہے **کما اثرناہ فی النھی الحاجز** (جیسا کہ ہم نے اسے النہی الحاجز میں نقل کیا ہے۔ت) حالانکہ وہاں **صلّی علٰی اھل احد صلٰوتہ علی المیّت**[2] (اہل اُحد پر ویسے ہی صلٰوۃ پڑھی جیسے میّت پر صلٰوۃ ہوتی ہے۔ت) ہے، یہاں اس قدر بھی نہیں، وہابیہ کے بعض جاہلان بیخرد مثل شوکانی صاحب نیل الاوطار ایسی جگہ اپنی اُصول دانی یوں کھولتے ہیں کہ صلٰوۃ بمعنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور بلادلیل حقیقت سے عدول ناجائز۔

اقول: اولاً ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقت شرعیہ صلوۃ بمعنی ارکان مخصوصہ ہے یہ معنی خود نماز جنازہ میں کہاں کہ اس میں نہ رکوع ہے نہ سجود نہ قراءت نہ قعود **الثالث عندنا والبواقی اجماعاً** (قراءت ہمارے نزدیک اور باقی تینوں بالاجماع کسی کے یہاں نہیں۔ت) ولہٰذا علماء تشریح فرماتے ھیں کہ نماز جنازہ صلوۃ مطلقاً نہیں اور تحقیق یہ کہ وہ دعائے مطلق وصلوۃ مطلقہ

---

[1] الطبقات الکبرٰی بیان سریۂ موتہ دار صادر بیروت ۲/ ۱۳۰

[2] صحیح البخاری باالصلٰوۃ علی الشھید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹

میں برزخ ہے کما اشارالیہ البخاری فی صحیحہ واطال فیہ (جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے اور اس بارے میں طویل کلام کیا ہے۔ت) محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نماز جنازہ پر اطلاقِ صلٰوۃ مجاز ہے۔ صحیح بخاری میں ہے: سماھا صلٰوۃ لیس فیھا رکوع ولاسجود[1] (اس کا نام رکھا ایسی نماز جس میں رکوع وسجود نہیں، ت) عمدۃ القاری میں ہے:

لکن التسمیۃ لیست بطریق الحقیقۃ ولا بطریق الاشتراك ولکن بطریق المجاز[2]۔	لیکن تسمیہ بطور حقیقت نہیں، نہ بطور اشتراک بلکہ بطریق مجاز ہے۔(ت)

ثانیًا: صلٰوۃ کے ساتھ جب علٰی فلاں مذکور ہو ہر گز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی، نہ ہو سکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾[3] ۔ اللّٰھم صلّ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ کماتحب وترضٰی وقال وَ صَلِّ عَلَیْهِمْؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْؕ[4] وقال صلی اللہ علیہ وسلم اللھم صلِّ علٰی اٰلِ ابی اوفٰی[5]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! ان پر صلٰوۃ بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! اُن پر اور ان کی آل پر رحمت وسلامتی وبرکت نازل فرما جیسی تجھے محبوب وپسندیدہ ہے۔ اور ارشاد باری ہے: ان پر صلٰوۃ بھیج بیشک تیری صلٰوۃ ان کے لئے سکون ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! آلِ ابی اوفی پر صلٰوۃ فرما۔(ت)

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ الٰہی! تو آلِ ابی اوفی پر نماز یا ان کا جنازہ پڑھ؟ کیا صلٰوۃ علیہ شرع میں بمعنی دورد نہیں؟ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابیہ نادان قوم ہے۔ت)

تنبیہ: بعض حنفی بننے والے یہاں یہ عذر بے معنی پیش کرتے ہیں کہ مدارج النبوۃ میں ہے:

والاٰن در حرمین شریفین متعارف ست کہ چوں خبر	اور اس وقت حرمین شریفین میں متعارف ہے کہ

[1] صحیح البخاری باب سنۃ الصلٰوۃ علی الجنازۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۶
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب سنۃ الصلٰوۃ علی الجنازۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۱۲۲
[3] القرآن ۳۳/ ۵۶
[4] القرآن ۹ / ۱۰۳
[5] صحیح البخاری باب ھل یصلی علٰی غیر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۱

می رسد کہ فلان مرد صالح در بلدے از بلادِ اسلام فوت کردہ است شافعیہ نماز بروے میکنند وبعضے حنفیّہ باایشاں شریک می شوند از قاضی علی بن جار اللہ کہ شیخ حدیث فقیر بود پرسیدہ شد کہ حنفیّہ چوں شریک می شوند در گزار دن ایں نماز، گفت دُعائے است کہ میکنند فلاباس بہ [1]۔	جب اطلاع ملتی ہے کہ فلاں مرد صالح بلاد اسلام میں سے کسی شہر میں فوت ہوگیا تو شافعیہ اس کی نماز پڑھتے ہیں اور کچھ حنفی بھی ان کے ساتھ شریک ہوجاتے ہیں۔ قاضی علی بن جار اللہ سے جو فقیر کے شیخِ حدیث تھے پوچھا گیا کہ حنفیّہ اس نماز کی ادائیگی میں کیسے شریک ہوتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ایک دعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

تمام نصوص صریحہ کتب معتمدہ واجماع جمیع ائمہ مذہب کے مقابل گیارھویں صدی کے ایک فاضل قاضی کی حکایت پیش کرتے ہوئے شرم چاہئے تھی۔

(ا) امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین ابن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی کہ متاخرین تو متاخرین خود ان کے معاصرین ان کے لئے مرتبہ اجتہاد کی شہادت دیتے، ان امام جلیل کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی مسئلہ مذہب پر بحث کرنا چاہیں تو ڈرتے ڈرتے یوں فرماتے ہیں: لوکان الیّ شیئ لقلت کذا [2] مجھے کچھ اختیار ہوتا تو یوں کہتا۔(دیکھو فتح القدیر مسئلہ آمین وکتاب الحج باب الجنایات مسئلہ حلق وغیرہما) پھر جو بحث وہ کرتے ہیں علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں مسموع نہ ہوگی، اس پر عمل جائز نہیں، مذہب ہی کا اتباع کیا جائے گا۔ ردالمحتار نواقض مسح الخف میں ہے:

قد قال العلامۃ قاسم لا عبرۃ بابحاث شیخنا یعنی ابن الہمام اذا خالف المنقول [3]۔	علامہ قاسم نے فرمایا: ہمارے استاد امام ابن الہمام کی بحثوں کا کچھ اعتبار نہیں جب وہ مسئلہ منقولہ مذہب کے خلاف ہوں۔

اسی طرح جنایات الحج میں ہے۔ نکاح الرقیق میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے ہے:

الکمال بلغ الاجتہاد وان کان البحث لایقضی علی المذہب [4]۔	امام ابن الہمام رتبہ اجتہاد تک پہنچے ہوئے ہیں اگرچہ بحثِ مذہب پر غالب نہیں آسکتے۔

[1] مدارج النبوۃ انتقال شاہِ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۷۷

[2] فتح القدیر باب صفۃ الصلٰوۃ وباب الجنایات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۵۷ و ۲/ ۴۴۸

[3] ردالمحتار باب المسح علی الخفین ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۱۸۴

[4] ردالمحتار باب نکاح الرقیق ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۳۷۸

پھر جسے ادنٰی لیاقتِ اجتہاد بھی نہیں جمیع ائمہ مذہب کے خلاف اس کی بات کیا قابلِ التفات! طحطاوی باب العدت میں ہے:

النص ھو المتبع فلا یعول علی البحث معه [1]۔	نقل ہی کا اتباع ہے تو مسئلہ منقول ہوتے ہوئے بحث کا اعتبار نہ ہوگا۔

(۲) تصریح ہے کہ خلاف مذہب بعض مشائخ مذہب کے قول پر بھی عمل نہیں، ہم نے العطایا النبویہ میں اس کی بہت نقول ذکر کیں،

حلبی علی الدر باب صلٰوۃ الخوف میں ہے:

لا یعمل به لانه قول البعض [2]۔	اس پر عمل نہ کیا جائے کہ یہ بعض کا قول ہے۔ تو جو ایک کا بھی قول نہ ہو اس پر کیونکر عمل ہوسکتا ہے۔

(۳) نصوص جلیہ ہیں کہ متون کے مقابل شروح، شروح کے مقابل فتاوٰی پر عمل نہیں۔ ہم نے ان کی نقول متوافرہ اپنی کتاب فصل القضافی رسم الافتاء میں روشن کیں اور علامہ ابراہیم حلبی محشّیٔ در کے قول میں مذکور ہے:

لایعمل به لمخالفته لاطلاق سائر المتون [3]۔	اس پر عمل نہیں کہ اطلاق جملہ متون کے خلاف ہے۔

جب نہ متون بلکہ صرف اطلاق عبارات متون کا مخالف ناقابل عمل تو جو متون و شروع و فتاوٰی سب کے خلاف ہے اس پر عمل کیونکر محتمل!

(۴) پھر وہ بحث کچھ ہستی بھی رکھتی ہو، نماز جنازہ مجرد دعا کے مثل زنہار نہیں۔ دعا میں طہارت بدن، طہارت جامہ، طہارت مکان، استقبال قبلہ، تکبیر تحریمہ، قیام تحلیل، استقرار علی الارض کچھ بھی ضرور نہیں، اور نماز جنازہ میں یہ اور ان سے زائد اور بہت باتیں سب فرض ہیں، کیا اگر کچھ لوگ اسی وقت پیشاب کرکے، بے استنجا، بے وضو، بے تیمّم جنازہ کے پاس آئیں اور ان میں ایک شخص قبلہ کو پشت کرکے جنازہ کی پٹی سے پیٹھ لگا کر بیٹھے اور باقی کچھ اس کے آگے برابر لیٹے بیٹھے، کچھ گھوڑوں پر چڑھے اور اُترّ، دکھّن، پورب مختلف جہتوں خلاف قبلہ کو منہ کئے ہوں وہ پشتوں میں کہے: الٰہی! اس میّت کو بخش دے اور یہ سب انگریزی وغیرہ میں آمین کہیں، تو کوئی

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب العدّۃ فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴۱

[2] ردالمحتار بحوالہ حلبی باب صلٰوۃ الخوف ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۸

[3] ردالمحتار بحوالہ حلبی باب صلٰوۃ الخوف ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۶۸

عاقل کہہ سکتا ہے کہ نماز جنازہ ادا ہوئی اور اس طرح کی نماز میں حرج نہیں، دعائے ست کہ می کنند فلا باس بہ (ایک دعا ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ت) اجماع ائمہ مذہب کے خلاف ایسی بے معنی استناد کیسی جہالتِ شدیدہ ہے۔ شک نہیں کہ قاضی ممدوح گیارھویں صدی کے ایک عالم تھے مگر عالم، سے لغزش بھی ہوتی ہے، پھر اس کی لغزش سے بچنے کا حکم ہے نہ کہ اتباع کا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتقوا زلۃ العالم وانتظر وافیئتہ۔[1] رواہ الحسن بن علی الحلوانی استاذ مسلم و ابن عدی والبیھقی والعسکری فی الامثال عن عمر وبن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عالم کی لغزش سے بچو اور اس کے رجوع کا انتظار رکھو۔ اسے استاذِ امام مسلم حسن بن علی حلوانی، ابن عدی، بیہقی اور امثال میں عسکری نے حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: عالم سے لغزش ہوتی ہے تو وہ اس سے رجوع کرلیتا ہے اور اس کی خبر شہروں شہروں پہنچ کر لغزش اس سے منقول رہ جاتی ہے[2] ذکرہ المناوی فی فیض القدیر (اسے علامہ مناوی نے فیض القدیر میں لکھا۔ت)

خدارا انصاف! ذرا یوں فرض دیکھئے کہ کتبِ مذہب میں جواز نماز غائب و تکرار جنازہ کی عام تصریحات ہوتیں، اور ایک قاضی ممدوح نہیں ان جیسے دوسو قاضی اسے ناجائز بتاتے اور کوئی شخص کتب مذہب کے مقابل ان دوسو سے سند لاتا تو دیکھیے یہ حضرات کس قدر غل مچاتے، اُچھل اُچھل پڑتے کہ دیکھو کتب مذہب میں تو جواز کی صاف تصریح ہے اور یہ شخص ان سب کے خلاف گیارھویں صدی کے دوسو قاضیوں کی سند دیتا ہم ان کی مانیں یا کتب مذہب کو حق جانیں، اور اب جو اپنی باری ہے تو تمام ائمہ مذہب کا اجماع، تمام کتب مذہب کا اتفاق سب بالائے طاق، اور تنہا قاضی ممدوح کو تقلید کا استحقاق، اس ظلم صریح وجہل قبیح کی کوئی حد ہے، مگر یہ ہے کہ جب کہیں کچھ نہ پایا الغریق یتشبث بالحشیش ڈوبتا سِوار (تنکا) پکڑتا ہے وباللہ العصمۃ۔

مدراج النبوۃ نہ کوئی فقہ کی کتاب ہے نہ اس میں یہ حکایت بغرض استناد، نہ شیخ کو اس پر تعویل واعتماد، وہ حنفی ہیں اور مذہب حنفی خود اسی کتاب میں اسی عبارت سے اوپر بتا رہے ہیں، مذہب امام ابو حنیفہ

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۱

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۷۴۷ ۱۱۴ تقوا الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۰

ومالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی آنست کہ جائز نیست [1] (امام ابوحنیفہ ومالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی کامذہب یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔ت) پھر اس پر دلیل بتاکر مخالفین کے جواب دیئے ہیں، نیز اس حکایت کے متصل ہی حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہرروز بہ نیت جملہ اموات مسلمین نماز غائب پڑھنے کی وصیّت نقل کرکے اس پر سکوت نہ کیاکہ کہاں قاضی علی بن ظہرہ اور کہاحضورپُرنور غوثیت مآب۔ مبادا غلامانِ حضور اس سے حنفیّہ کے لئے جواز خیال کریں لہٰذا معًا اس پر تنبیہ کو فرمادیا کہ ایشاں حنبلی اندونزد امام احمد بن حنبل جائز است (وہ حنبلی ہیں اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز ہے۔ت) اگر شیخ کو اس حکایت سے استناد مقصود ہوتا تو یہاں استدراک و دفع وہم نہ فرماتے بلکہ اسے اس کا مؤید ٹھہراتے **کما لا یخفی واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم** (جیساکہ پوشیدہ نہیں، اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ت)

جواب سوالِ سوم: اولاً جبکہ آفتاب کی طرح روشن ہوگیاکہ نماز غائب وتکرارِ نماز جنازہ پر دونوں ہمارے مذہب میں ناجائز ہیں اور ہر ناجائز گناہ ہے اور گناہ میں کسی کا اتباع نہیں۔ تو امام کا شافعی المذہب ہونا اس ناجائز کو ہمارے لیے کیونکر جائز کرسکتا ہے! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالٰی [2]۔ رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی عن امیر المؤمنین علی ونحوہ احمد والحاکم بسند صحیح عن عمران بن حصین وعن عمرو بن الحکم الغفاری رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	ناجائز بات میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اسے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے امیر المومنین علی سے اور اسی کے ہم معنی امام احمد اور حاکم نے بسند صحیح عمران بن حصین سے اور عمر بن حکم غفاری سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

ثانیاً: یہاں اطاعتِ امام کا حیلہ عجیب پادر ہوا ہے۔ بھائیو! وہ تمھارا امام تو جب ہو کہ تم اس کی اقتداء کرو۔ پیش از اقتداء اس کی اطاعت تم پر کیوں ہو، اور جب تمھارے مذہب میں وہ گناہ و ناجائز ہے تو تمھیں ایسے امر میں اس کی اقتداء ہی کب روا ہے ایہ وہی مثل ہے کہ کسی کودن نے کچھ اشعار قبیح وشنیع اغلاط پر مشتمل لکھ کر کسی شاعر کو سنائے۔ اس نے کہا یہ الفاظ غلط باندھے ہیں، کہا بضرورت

---

[1] مدارج النبوۃ انتقال شاہِ حبشہ نجاشی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷۔۵۸، صحیح مسلم کتاب السلام نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۱۲۵، مسند احمد بن حنبل مروی از عمران بن حصین دار الفکر بیروت ۵/ ۶۷ و ۶۲

شعری، کہا با با شعر گفتن چہ ضرور۔

ثالثاً : جائز یا فرض و واجب نمازیں جن میں حنفی حسب شرائط مذکور بحر الرائق وغیرہ۔ اہلسنت کے کسی دوسرے مذہب والے مثلاً شافعی وغیرہ کی اقتداء کرے۔ اس میں ہمارے ائمہ تصریح فرماتے ہیں کہ جو امور ہمارے مذہب میں اصل سے محض ناجائز ہیں، ان میں اس کی پیروی نہ کرے اگرچہ اس کے مذہب میں جائز ہوں۔ مثلاً صبح کی نماز میں وہ قنوت پڑھے تو یہ نہ پڑھے۔ نماز جنازہ میں امام پانچویں تکبیر کہے تو یہ نہ کہے عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

انما یتبعه فی المشروع دون غیره[1]۔	اس کی پیروی صرف مشروع میں کرے گا غیر میں نہیں ۔(ت)

تنویر میں ہے:

یاتی المامومر بقنوت الوتر لا الفجر بل یقف ساکتا[2]۔	مقتدی قنوتَ وتر پڑھے فجر نہ پڑھے بلکہ خاموش کھڑا رہے ۔(ت)

بحر میں ہے:

لوکبّر خمسا فی الجنازۃ حیث لا یتابعه فی الخامسة[3]۔	اگر امام نے جنازہ کے اندر پانچ تکبیریں کہیں تو پانچویں میں اس کی پیروی نہ کرے۔(ت)

جب بعد اقتداء یہ حکم ہے تو قبل اقتداء امر ناجائز و نامشروع میں اقتداء کی اجازت کیونکر ممکن۔ غرض مذہب مہذب حنفی کا حکم تو یہ ہے۔ باقی جو کوئی غیر مقلد بننا چاہے تو آج کل آزادی و بے لگامی کی ہوا چل رہی ہے ہر شخص کو شتر بے مہار ہونے کا اختیار ہے اور اس کے رَد میں بحمد اللہ تعالٰی ہمارے رسائل النہی الاکید وغیرہ کافی۔

واللّٰه المستعان علی اهل طغیان ، واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰه رب العلمین و افضل الصلوٰة و اکمل	سرکشی والوں کے خلاف خدا ہی سے مدد طلبی ہے، اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام حمد خدا کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور بہتر

---

[1] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر باب صلوٰۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۰

[2] در مختار شرح تنویر الابصار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[3] بحر الرائق باب الوتر والنوافل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۵

السلام علی سیدالمرسلین محمد وٰالہ واصحابہ اجمعین اٰمین واللہ تعالٰی اعلم۔	دورد۔کامل تر سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد پر اور ان کی آل واصحاب سب پر۔الٰہی ! قبول فرما۔اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۸۸: مرسلہ عبدالغفار بن عثمان سرش والہ مقام احمد آباد گجرات محلّہ کالو پور خشکلاکی بول جامع علوم مولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب بعد از سلام نیاز اینکہ یہاں میرے اور ایک شخص کے درمیان تقریر ہوئی کہ مقولہ میرا یہ ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین خدیجۃ الکبرٰی کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی گئی، اگر پڑھی گئی ہے تو پیش امام کون تھا؟

بنظرِ عنایت جواب باصواب مع حوالہ کتبِ معتبرہ ارقام فرمائیں کہ یہاں کے علماء سے تشفّی نہیں ہوئی۔

الجواب:

فی لواقع کتب سیَر میں علماء نے یہی لکھا ہے کہ ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کے جنازہ مبارکہ کی نماز نہیں ہوئی کہ اس وقت یہ نماز ہوئی ہی نہ تھی۔اس کے بعد اس کا حکم ہوا ہے۔زرقانی علی المواہب میں ہے:

فی رمضان بعد البعث بعشرسنین ماتت الصدیقۃ الطاھرۃ خدیجۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا ودفنت بالحجون ونزل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حفر تھا ولم تکن یومئذ الصلٰوۃ علی الجنازۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	صدیقہ طاہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہانے بعثت کے دس سال بعد ماہِ رمضان میں وفات پائی اور مقامِ حجون میں دفن کی گئیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کی قبر میں اُترے اس وقت نماز جنازہ نہ تھی۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹: از شہر بریلی، مدرسہ اہلسنت وجماعت، مسئولہ مولوی رجب الدین یکے از طلبائے مدرسہ مذکور ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ قبر شق اکثر ملک میں جو اہل اسلام بناتے ہیں، خلاف اور ناجائز طریقے سے بناتے ہی جس کا نقشہ یہ ہے۔

بلکہ قبر شق کی صورت میں وہ یہ بتاتا ہے کہ نقشہ مذکورہ کے درمیان اور

[1] شرح الزرقانی علی المواہب وفاتِ خدیجہ وابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۶

ایک بہت چھوٹی سی مثل نہر کے شق بنا کر۔ اُس نہر صغیر میں نقش قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر رکھیں۔ اور شق اسی کو کہتے ہیں۔ نقشہ یہ ہے:

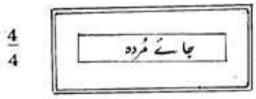

آیا یہ صورت ثانی جو شخص مذکورہ نے ایجاد کی ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، اور شق سے یہی مراد ہے؟ اور عبارت عالمگیری میں ہے: **ان تحفر حفیرۃ کالنھر وسط القبر**[1] (قبر کے درمیان میں نہر کی طرح ایک گڑھا کھودا جائے۔ت) اس حفیرہ سے یہی صورت ثانیہ مراد ہے یا اول اُس کا یہ قول جو اکثر ملکوں میں مروج ہے یہ حفیرہ ہے یعنی قبر اور بعد کھودنے قبر کے نہر صغیر بنا کر مُردہ کو اس میں رکھے اسی کو شق کہتے ہیں جو کہ نہر کے نیچے آدھ گز سے بھی کم ہوگی۔ پس حضرات مفتیانِ عظام وعلمائے کرام کثرہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں غور فرما کر موافق مذہب حنفی بحوالہ کتب فتوٰی دیں عند اللہ اجرِ عظیم پائیں۔

الجواب:

شق کی معنی یہ ہے کہ اول ایک مستطیل زیادہ عریض وطویل کھودیں پھر اس کے وسط میں دوسرا مستطیل اُس سے چھوٹا اور طویل میں قامت میّت سے کچھ زائد اور عریض میں نصف قامت کے برابر اور عمق میں سینہ تک یا قدآدم کھودیں۔ اس دوسرے مستطیل میں میّت کو قبلہ رُو رکھیں اور اس کے اوپر مستطیل اول کے اندر تختوں وغیرہ سے بند کرکے مستطیل اول کی جگہ مٹی سے بھر دیں اور سطح زمین سے پاؤ گز بلند مٹی رکھیں۔ یہی طریقہ شق کا ہے اور یہی ہندوستان میں معمول ہے۔ اور یہی عبارتِ عالمگیریہ کا مفہوم ہے۔ پہلی صورت کہ صرف ایک مستطیل کھودیں اور اس میں میّت کو رکھ کر مٹی بھر دیں یا تختے رُوئے زمیں پر رکھ کر اُن میں مٹی ڈال دیں، نہ شق ہے نہ ہندوستان خواہ کسی ملک میں رائج ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

صفۃ الشق ان تحفر حفیرۃ کالنھر وسط القبر ویبنی جانباہ باللبن اوغیرہ ویوضع المیّت فیہ ویسقف کذافی معراج الدرایۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	شق کی صورت یہ ہے کہ قبر کے بیچ میں نہر کی طرح مستطیل ایک گڑھا کھودا جائے جس کے دونوں کنارے کچّی اینٹوں یا کسی اور چیز سے بنادیں اور اس میں میّت کو رکھ کر اُوپر سے چھت کی طرح بند کر دیں۔ ایسا ہی معراج الدرایۃ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۶۶

مسئلہ ۹۰: از قصبہ مؤناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ مدرسہ دارالعلوم مرسلہ عبدالرحیم صاحب ۱۱صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مُردہ کو قبر کے پچھم جانب سے گور میں ڈالنا چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ دکھن جانب سے ڈالے۔

الجواب:

ہمارے نزدیک مستحب یہی ہے کہ میّت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں لے جائیں۔ دُرمختار میں ہے:

ویستحب ان یدخل من قبل القبلة بان یوضع من جهتها [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	مستحب یہ ہے کہ میّت کو قبلہ کی طرف سے داخل کریں اس طرح کہ اسی سمت سے اتاریں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱: از اپربرہما ضلع کتھا پوسٹ لین مسئولہ امیر خان دکاندار ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتب فقہیہ میں لکھتے ہیں کہ میّت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے، اس سے کیا مراد ہے، اس میں پانچ صورتیں ہیں: پہلی صورت تو یہ ہے کہ میّت کو صندوقی قبر میں اس طرح سے داہنی کروٹ پر لٹائیں کہ تمام بدن کا بوجھ داہنی کروٹ پر اور داہنی کروٹ کا تمام بوجھ داہنے بازو پر گرے اور میّت کی پیشانی، ناک، گھٹنا صندوق کی داہنی طرف کی دیوار سے لگا کر پشت کی طرف پتھر اور ڈھیلے رکھ دئے جائیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ میّت کے بائیں پہلو کو اٹھا کر اس کے نیچے ڈھیلے دے کر میّت کو بائیں پہلو بل رکھیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ میّت کو چِت لٹایا جائے اور فقط منہ ہی قبلہ کی طرف پھیر دی جائے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ قبر کھودتے وقت قبر کی داہنی طرف تھوڑا نیچا اور بائیں طرف تھوڑا اونچا کرکے کھودی جائے۔ لاش رکھنے کے بعد داہنے پہلو پر ہو کر قبلہ رُخ ہوجاتی ہے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ میّت کا پاؤں قبلہ کی طرف اور منہ پورب کی طرف کیا جائے جیسا کہ حالتِ نزع میں ہے۔ کتبِ فقہ میں ان صورتوں میں کون صورت مراد ہے اور اگر سب جائز ہیں تو اعلٰی و افضل کون ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پانچویں صُورت محض ناجائز ہے کہ سنت متواترہ مسلمین کے محض خلاف ہے اور افضل طریقہ یہ ہے کہ میّت کو دہنی کروٹ پر لٹائیں۔ اس کے پیچھے نرم مٹی یا ریتے کا تکیہ سا بنادیں اور ہاتھ کروٹ سے الگ رکھیں، بدن کا بوجھ ہاتھ پر نہ ہو اس سے میّت کو ایذا ہوگی۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

ان المیّت یتاذی ممایتاذی بہ الحی [1]۔	بے شک مُردے کو اس سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندے کو ایذا ہوتی ہے۔(ت)

اور اینٹ پتھر کا تکیہ نہ چاہئے کہ بدن میں چبھیں گے اور ایذا ہوگی اور ناک وغیرہ اعضاء دیوار قبر سے ملا دینے کی اجازت نہیں، نہ اس کی کوئی وجہ۔ اور جہاں اس میں وقت ہو توچت لٹا کر منہ قبلہ کو کر دیں، اب اکثر یہی معمول ہے اور اگر معاذاللہ منہ غیر قبلہ کی طرف رہا اور ایسا سخت ہوگیا کہ پھر نہیں سکتا تو چھوڑ دیں اور زیادہ تکلیف نہ دیں۔ چھوتی صورت بھی بالکل خلافِ سنت ہے اور اس میں بھی میّت کے لیے اذیت ہے کہ بیٹھنے میں دقت ہوگی۔ ملائکہ کہ سوال کے لئے آتے ہیں، میّت کو بٹھاتے ہیں، ایسی ڈھلوان جگہ پر بیٹھنا بہت دشوار ہوگا۔ اور دوسری صورت بھی ناقص ہے، بہتر پہلی صورت ہے، مگر ان اصلاحوں کے بعد جو ہم نے لکھیں۔ دُرمختار میں ہے:

ویوجه الیها وجوبًا وینبغی کونه علی شقه الایمن ۔ واللہ تعالٰی اعلم [2]	واجب ہے کہ اسے قبلہ رو کیا جائے اور اسے داہنی کروٹ پر ہونا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ تا ۹۳: (۱) قبر میں سے جس قدر مٹی نکلی وہ سب اس پر ڈال دینا چاہئے یا صرف بالشت یا سوا بالشت قبر کو اونچا کرنا چاہئے؟

(۲) میّت کو دفن کرتے ہی آدمیوں کو منتشر ہوجانا چاہئے یا گھر پر آن کر فاتحہ پڑھ کر پھر منتشر ہونا چاہئے جیسا کہ آج کل رواج ہے؟

الجواب:

(۱) صرف بالشت بھر۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بہتر یہ ہے کہ منتشر ہوجائیں، پھر میّت کے گھر جانے کو لازم نہ سمجھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از شاہجہان پور، محلّہ رنگی چوپال مسئولہ سلامت اللہ رضوی ۲۴صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ پُرانی قبر ہو یا جدید (جدید سے مراد جسے بنے ہوئے تھوڑا زمانہ گزرا ہو مگر اس یوم عاشورہ سے پہلے کی ہو) اس خاص کر عاشورہ کے دن پانی چھڑکنا بہتر ہے، یہ قول زید کیسا ہے؟ اور عمرو کا سوال یہ ہے کہ یوم عاشورہ سے علاوہ دنوں میں قبروں پر پانی چھڑکنا کیا حکم رکھتا ہے اور بعد دفن میّت کے قبر پر پانی چھڑکنا کیا حکم

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۹

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵

رکھتا ہے؟ مفصل مدلل بحوالہ کتب جواب باصواب مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بعد دفن قبر پر پانی چھڑکنا مسنون ہے اور اگر مرورِ زمان سے اس کی خاک منتشر ہوگئی ہو اور نئی ڈالی گئی یا منتشر ہوجانے کا احتمال ہو تو اب بھی پانی ڈالا جائے کہ نشانی باقی رہے اور قبر کی توہین نہ ہونے پائے بہ علل فی الدر وغیرہ ان لایذھب الاثر فیمتھن (درمختار وغیرہ میں یہ علّت بیان فرمائی ہے کہ نشانی مٹ جانے کے سبب بے حرمتی نہ ہو۔ت) اس کے لئے کوئی دن معین نہیں ہوسکتا ہے جب حاجت ہو اور بے حاجت پانی کا ڈالنا ضائع کرنا ہے اور پانی ضائع کرنا جائز نہیں، اور عاشورہ کی تخصیص محض بے اصل وبے معنی ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد صاحب سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہندہ کو قبر میں اتارنے اور تختے لگانے کے بعد مٹی کچھ ہی دی گئی کہ بارانِ رحمت شروع ہوگئی ہندہ کی قبر پر بارش کے پانی کے علاوہ اور پانی ڈالنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ کچھ اشخاص کہتے ہیں جس مُردہ کی قبر پر بجائے پانی دنیا کے بارانِ رحمت ہو وہ مُردہ جنتی ہے، اس کی کچھ اصلیّت شرع میں ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

بارش رحمت فالِ حسن ہے خصوصًا اگر خلافِ عادت ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶: از شہر کہنہ ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین کہ بعد مُردنِ میّت تا دفنِ میّت از کدام چل سوال از میّت می پرسند۔ بینواتوجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ میّت کے مرنے کے بعد سے دفن ہونے تک کون سے چالیس سوال میّت سے ہوتے ہیں؟ بینواتوجروا۔ (ت)

الجواب:

سوال از میّت بعد دفن ست پیش ازاں ہیچ سوالے در حدیث نیامدہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	میّت سے سوال دفن کے بعد ہوتا ہے اس سے پہلے کوئی سوال حدیث میں نہ آیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۹۷: از موضع شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب مسئولہ مولوی غلام ربانی صاحب ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین، خصوصًا حضرت عالم اہلسنت وجماعت مجدّد مائۃ حاضرہ زید مجدہم اس مسئلہ میں کہ ضلع کیمل پور کے پچاس ساٹھ موضع میں اور ایسا پشاور کے ضلع میں دس بیس موضع میں گاہے گاہے

امام مسجد بعد دفن میّت کے آلات کندیدنی گور قبر کے سر سے لے کر قبر کی پاؤں کی طرف کو ڈلواتا ہے اور اس کو موجب امن گور جانتا ہے اور یہ حدیث پیش کرتا ہے:

من رش الماء علی القبر و القی اٰلته التی حفر بھا القبر امن من عذاب القبر اھ	جس نے قبر پر پانی چھڑکا اور جس سامان سے قبر کھودی گئی تھی اسے ڈال دیا تو عذابِ قبر سے مامون ہوا۔(ت)

کسی کتاب کے اندر سے یہ مسئلہ نہیں دکھا سکتے، فقط کسی کتاب کے وقایہ پر لکھا، یا دکھاتے ہیں جو کہ خود انھوں نے یا ان کے باپ دادا نے لکھا ہوگا، منیۃ المریدین اور خزانۃ الروایات کا حوالہ دیتے ہیں مگر وہ بھی غلط ہے کیونکہ عرصہ تین سال سے چند کتب خانے تلاش کر چکے، نہ وہ کتابیں ان کو ملیں، نہ اور کسی کتاب سے اس کا شاہد پایا، کسی اپنے باپ دادا اور کسی مولوی اخوندزادہ کا قول و فعل ثابت کرتے ہیں اور یہ رواج بھی ابھی پچاس ساٹھ سال کا ہے اور علمائے کرام پنجاب و افغانستان کہ جو اس فعل کے مانع ہیں وہ کہتے ہیں کہ اول جملہ اس عبارت کا تو بیشک منصوص ہے مگر جملہ القائے الات کا مخترعہ ہے، ابتداء یوں ہوئی ہوگی کہ بعد دفن میّت کے آلات قبر کو بطور شمار کرنے کے سرہانے والے نے پاؤں والے کی طرف کو (جو کہ عادۃً بعد دفن کھڑے ہو کر جانا چاہتے ہیں تو اس وقت بیلچہ گروں معول شمار کرکے اپنا اپنا لے جاتے ہیں) دینے یا شمار کرنے کے لئے پھینک دیا ہوگا، کسی نے نادانی سے اس کا اس صورت سے ڈالنا ہی سمجھ لیا ہوگا۔ بعد کو جب نزاع ہوا ہوگا تو مروج نے عزت بچانے کے لئے یہ عبارت بنا کر حدیث کی عبارت سے مناسبت دیکھ کر ملالی ہوگی۔ اور واقعی ایسا بہت جگہ ہوا ہے کہ پہلے زمانے کے بعض کم علموں نے اپنی کسی بات کی تحقیق وتاکید کے لئے قلمی کتابوں میں جو جو مضمون بڑھایا یا کم کیا اب وہ چھاپے ہو جانے کے بعد ان کا پتا چل رہا ہے۔ مانعین کہتے ہیں کہ اس کام کو ثواب سے کیا علاقہ ہے، ایک مولوی اس فعل بے اصل کے فاعل نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ جیسا کہ ان آلات کو میّت کی قبر کھودنے میں تکلیف ہوئی ہے اب مناسب ہے کہ یہ آلات بھی میّت کے اوپر سے گزریں تاکہ بدلہ ہو جائے اس کا جواب بھی ترکی بہ ترکی دیا گیا کہ چاہئے کہ گورکن لوگ بھی میّت یا اس کی قبر سے کُود کر پاؤں کی طرف کو چلے جایا کریں، عجیب جہالت ہے۔ بعدہ علمائے مانعین نے اشتہار دے دیا کہ فعل بدعت سیئہ معلوم ہوتا ہے۔ ہزاروں کتابیں تلاش کی گئیں پتا نہ ملا اور مجوزین بھی نہیں دکھا سکتے۔ لہٰذا ترک کرنا چاہئے۔ زید امام مسجد کہتا ہے کہ عدم ذکر فی الکتب کے ساتھ دلیلِ عدم جواز اس فعل پر لانا درست نہیں۔ عبارت اس کے مکتوب کی یہ ہے:

عدم وجود المسئلۃ فی کتب الفقه واصول الفقه والتفسیر والحدیث وغیرھا نفی الذکر و الذکر فی الکتب من الدلیل	(۱) مسئلہ کا فقہ، اصولِ فقہ، تفسیر، حدیث وغیرہ کی کتابوں میں موجود نہ ہونا نفی ذکر ہے۔ اور دلیل کتابوں میں مذکور ہونا ہے، تو نفی ذکر سے تمسک بلا دلیل ہے

فالتمسك بنفی الذکر بلادلیل والتمسك بلادلیل من الوجود الفاسدۃ التی لاعبرۃ بہا عند الحنفیۃ کما ذکرہ صاحب غایۃ التحقیق شرح الحسامی وصاحب نور الانوار شرح المنار و [2] ایضاان الحرمۃ و الکراھۃ حکمان شرعیان لابدلھما من الدلیل کما ھو مصرح فی ردالمحتار فی قولہ و النتن الذی الخ و الاصل فی الاشیاء الاباحۃ الاصلیۃ کما ھو مسطور فی الاشباہ وھھنا لادلیل علیھا فبقی امر الالقاء المذکور فی الافتاء علی الاباحۃ الاصلیۃ مع انضمام تعامل العلماء من المواضع المتعددۃ الذی ھو قسم من الاجماع کما ھو مذکور فی فصول الحواشی لاصول الشاشی و [3] ایضا ان البدعۃ السیئۃ ماتکون رافعۃ لسنۃ مثلھا کما مصرح فی مشکوٰۃ المصابیح واذا لم یثبت سنیۃ عدم الالقاء بالدلیل المعتبر فکیف یتفوہ ببدعۃ الالقاء و [4] ایضا الذکر المنفی فی الکتب المعتبرۃ اعم من الایجاب والسلب فکیف رجح المانع السلب علی الایجاب و [5] ایضا ان الکتب ساکتۃ من منع الالقاء وفعلہ ولاحکم فی الساکت کما ذکرہ فی عدۃ من کتب اصول الفقۃ فی تعلیق ومن لم یستطع منکم طولا۔ الخ	اور تمسّک بلادلیل ان وجوہ فاسدہ سے ہے جن کا حنفیّہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، جسا کہ صاحب غایۃ التحقیق شرح حسامی اور صاحبِ نورالانوار شرح منار نے ذکر کیا ہے۔(۲) حرمت او رکراہت ایسے حکم شرعی ہیں جن کے لئے دلیل ضروری ہے جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت والنتن الذی الخ میں اس کی صراحت ہے، اور اشیاء میں اصل اباحت اصلیہ ہے، جیسا کہ اشباہ میں لکھا ہوا ہے، اور یہاں ان دونوں پر کوئی دلیل نہیں تو فتوے کی رُو سے القائے مذکور کا حکم اباحتِ اصلیہ پر باقی رہا۔ اس کے ساتھ متعدد مقامات کے علماء کا تعامل بھی شامل ہے جوایک قسمِ اجماع ہے جیسا کہ فصول الحواشی لاصول الشاشی میں مذکور ہے۔(۳) بدعتِ سیئہ وہ ہے جو ویسی ہی سنت کو ختم کرنے والی ہو جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح میں صراحت ہے۔اور جب معتبر دلیل سے عدمِ القاء کا مسنون ہونا ثابت نہیں تو لقاء کو بدعت کیسے کہا جارہا ہے! (۴) کتب معتبرہ کا سکوت (ذکر منفی) ایجاب وسلب سے اعم ہے تو مانع سلب کو ایجاب پر ترجیح کیسے دے دی گئی!(۵) کتابیں القاء کے منع وفعل سے ساکت ہیں اور ساکت کا کوئی حکم نہیں ہوتا جیسا کہ متعدد کتب اصول فقہ میں ارشاد باری تعالٰی وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا الخ کی تعلیق کے تحت مذکور ہے۔(ت)

تمام ہوئی مولوی مجوز کی جس رسم خط سے کہ اس نے لکھی تھی۔ عرضیہ نیاز فقیر خادمِ دربار محمد غلام ربانی

الجواب:

بیشک فعل مذکور بروجہ مذبور بدعت سیسہ شنیعہ واجب الترک ہے۔ فی نفسہٖ وہ ایک فعل عبث تھا جس میں عقلاً ونقلاً کوئی فائدہ نہیں اوراس کی وجہ کہ مجوز نے بیان کی محض مضحکہ ہے۔ آلات کو تکلیف ہونا کیا معنی! اور ہو بھی تواس گزار دینے میں ان کو کیاآرام، یہ بھی حرکت ہے کہ باعث تکلف ہے اور میّت پر کیاتکلیف کہ بدلہ ہو، اور ہو بھی تو میّت کا کیا قصور! تکلیف حفاروں نے دی یاحفر کرانے والوں نے، توان پر سے آلات گزارے جائیں، اور بالفرض میّت مجرم ہے کہ اس کے سبب تکلیف ہوئی تواحیاء بدرجہ اولٰی، تو عمارت بنوانے والا اگرچہ بادشاہ کہ قلعہ بنوائے روز شام کو تمام آلات معماران ومزدوران اس پر سے گزارے جائیں۔ نہیں نہیں، یہ خوداس پر سے اتریں کہ حقیقۃً تکلیف توانہی کو ہوئی۔ اور میّت پر سے چارپائی کیوں نہیں اتاری جاتی جواس نے راستے بھرتوڑی، آلات اس کا شکر نہیں کرتے کہ ان سے اقامت فرض کی' الٹے شاکی ہوتے ہیں، اور فرض میں جب یہ بدلہ ہے توخطیب کہ محض ادائے سنت کے لئے منبر پر بوجھ ڈالتا ہے وہاں توسر سے منبر اتار دینا کافی بھی نہ ہوگا بلکہ بعد خطبہ خطیب کے سرپر منبر لاد دینا چاہئے، غرض جہل عجیب چیز ہے اس کے رد میں اطاعت سے زیادہ وقت عزیز ہے، ہاں اس سے اس کا عبث ہونا زیادہ واضح ہوگیا کہ اس کے حامی بھی کوئی فائدہ نہ بتاسکے، ناچار مضحکہ تراشا، اور عبث بجائے خود بیہودہ ہے نہ کہ قبر ومیّت کے ساتھ کہ محل تذکر واعتبار ہیں، نہ کہ جائے لغویات بیکار، ایسی ہی جگہ کے لئے ارشاد ہدایہ ودرر وغنیہ وتقریر کفایہ وعنایہ وفتح القدیر ہے:

العبث خارج الصلٰوۃ حرام فماظنك فی الصلٰوۃ [1]۔	عبث نماز کے باہر ہو تو حرام ہے پھر نماز کے اندر ہو تو کیسا ہوگا۔(ت)

پھراس عبث مبغوض کو دین میں نافع اور میّت سے عذاب کا دافع سمجھ کر کرتے ہیں، یہ قطعاً شرع میں زیادت واختراع وشنیع ابتداع ہے، اور حدیث کے نام سے جو عبارت پیش کی ساختہ کذاب وضاع ہے، جاہل کو عبارت بنانی بھی نہ آئی، یااجہلوں نے اپنی جہالت بڑھائی القی اٰلتہ التی حفر بھا القبر سے یہ مضمون کیونکر ادا ہوا کہ قبر پر سے اتاریں، خصوصاً یوں کہ سرہانے سے پائنتی پھینکیں اور من کی جزامیں امن من عذاب

[1] الہدایۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۱۸

القبر تو اس کا مفید کہ ایسا کرنے والا عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، نہ کہ میّت۔ بالجملہ اس بدعت عبث عند القبر بلکہ عبث مع القبر نے سنیتِ تذکر و اعتبار کا رفع کیا اور اس ادعائے امن من عذاب القبر نے سنت ولا تقف مالیس لك به علم (اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ت) رفع کرکے اس کی جگہ کبیرہ تقولون علی الله مالا تعلمون (خدا پر تم وہ بولتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ت) رکھ دیا اس کے بدعت شنیعہ قبیحہ ہونے میں کیا شک رہا۔ دلائل منع یہ ہیں، نہ یہ کہ سکوت کتب ولا دلیل سے استدلال کیا ہو، وہ مدعی نفع نہ دفع عذاب پر رَد کو تھا کہ تلك كلمة هو تجاهلها، ما انزل الله بها سلطان (وہ ایسی بات ہے جس سے وہ نادان بنا خدا نے اس کی کوئی سند نہ اتاری۔ت) اور یہ رد قطعًا صحیح ہے۔ بلاشبہ دعوی بے دلیل۔ قطعًا باطل و ذلیل۔ فواتح الرحموت میں جس صفحہ میں لا دلیل سے فسادِ استدلال کا ذکر ہے اس میں چند سطر کے بعد ذکرِ استصحاب میں ہے: الحکم بلا دلیل باطل [1] (حکم بلا دلیل باطل ہے ۔ت) خصوصا یہاں کہ ایسا ہوتا ضرور امر تعبدی غیر معقول المعنٰی ہوتا جس کے لئے خاص نص شارع درکار۔ اور وہ قطعًا مقصود، تو ادعائے مخالف یقینا مردود۔ اور محدود مواضع کے محدود اشخاص کا پچاس ساٹھ برس سے کوئی فعل تراش لینا اسے تعامل وقسمِ اجماع قرار دینا کس درجہ علم سے بعید و مطرود۔

وقد فرغنا من ابانته فی کتابنا شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر، هذا وقد اندفعت بما ذکرنا قعاقع المجوزین بامره۔ والله تعالٰی اعلم	ہم اسے اپنی کتاب "شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر" میں بیان کرچکے ہیں، یہ ذہن نشین رہے، اور ہمارے بیان سے اس کام کو جائز کہنے والوں کی بے معنی آوازیں دفع ہوگئیں، اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۸: از دلیر گنج پرگنہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ خلیفہ الٰہی بخش ۱۸ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ یا شبِ جمعہ کے سوا کسی اور دن میں مسلمان کا انتقال ہو تو اس کو جمعہ کے سپرد کرنا یعنی جمعہ تک قبر پر بیٹھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد دفن اتنی دیر بیٹھنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے، مسنون ہے۔ صحیح مسلم شریف میں اس بارے میں حضرت عمرو بن عاص رضی الله تعالٰی عنہ سے حدیث وارد ہے [2] اور زیادہ دیر یا دنوں تک بیٹھنا بھی ممنوع نہیں، بلکہ وہاں لغو و بیہودہ باتیں کرنے، ہنسنے وغیرہ غفلت وقسوت کی حرکات سے بچیں، اور تلاوت و درود خوانی اور اعمال حسنہ میں مشغول رہیں کہ یہ امور موجب نزولِ رحمت ہوتے ہیں، اور احیاء کے پاس ہونے سے مردے کا دل بہلتا ہے کما بیناہ فی حیاۃ الموات (جیسا کہ اسے 'حیات الموات' میں بیان کیا ہے۔ت) جمعہ تک بیٹھنے کا منشاء غالبًا وہ روایت ہے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی ۲/ ۳۵۹

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۷۶

جوامام نسفی نے بحر الکلام میں ذکر فرمائی کہ مسلمان پر معاذاللہ عذابِ قبر اگر ہوتا ہے تو صرف جمعہ تک ہوتا ہے شبِ جمعہ آتے ہی اٹھالیا جاتا ہے اور پھر عود نہیں کرتا۔امام سیوطی وعلامہ علی قاری کو اگرچہ اس روایت میں توقف ہے مگر عقلاً وشرعاً امر نافع محض کو صرف احتمال کافی ہوتا ہے۔ اگر یہ روایت مطابق واقع ہے تو جب تک معاذاللہ اندیشہ تھا۔ایصالِ ثواب واستنزالِ برکات ذکر وقران سے اس کی مدد کی گئی، جب جمعہ آگیا خود رحمتِ الٰہی اس کی متکفل ہولی۔اور اگر نامطابق ہے تو اتنے دنوں آخر مسلمان محتاج کی مدد و نفع رسانی ہی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ ف فلینفعه [1]۔ رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع پہنچاسکے پہنچائے، اسے مسلم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

بہر حال یہ کام خیر سے خالی نہیں جبکہ نیۃً یا عملاً اس کے ساتھ کوئی محذورِ شرعی نہ ہو۔ شرح الصدور شریف میں ہے:

عمم النسفی فی بحر الکلام فقال ان الکافر یرفع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها وجمیع شهر رمضان، قال واما المسلم العاصی فانه یعذب فی قبرہ لکن یرفع عنه العذاب یوم الجمعة ولیلتها ثم لایعود الیه الی یوم القیمة وان مات یوم الجمعة اولیلة الجمعة یکون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر کذلك ثم ینقطع عنه العذاب ولایعود الیه الی یوم القیمة انتهی وهذا یدل علی ان عصاة المسلمین لا یعذبون سوی جمعة واحدة وحدة اودونها وانهم اذا	امام نسفی نے بحر الکلام میں عام لگاتے ہوئے کہا کہ روز شب جمعہ اور پورے ماہ رمضان میں کافر سے عذاب اٹھالیا جاتا ہے اور گنہگار مسلمان کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، مگر اس سے روز اور شب جمعہ اٹھالیا جاتا ہے پھر قیامت تک دوبارہ عذاب نہیں ہوتا، اور اگر روزِ جمعہ یا شب جمعہ کو انتقال کیا ہے تو صرف ایک ساعت عذاب ہوتا ہے۔ قبر کے دبانے کا معاملہ بھی اسی طرح ہے۔ پھر اس سے عذاب بند ہوجاتا ہے اور قیامت تک پھر نہیں لوٹتا۔ انتہی۔اس سے پتا چلتا ہے کہ گنہگار مسلمانوں کو ایک جمعہ تک یا اس سے بھی کم عذاب ہوگا اور جب

[1] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

وصلوا الی یوم الجمعۃ انقطع ثم لایعود وھو یحتاج الی دلیل[1] انتھی۔	جمعہ کا دن آجائے گا تو بند ہو جائے گا پھر دوبارہ نہ ہوگا۔ اس بارے میں دلیل کی ضرورت ہے انتہی۔(ت)

اسی طرح منح الروض الازہر میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۹ تا ۱۰۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) میّت کا دفن بلااجازت کسی شخص کی اراضی میں کوئی قابل مواخذہ فعل ہے؟

(۲) کیا ایسا کرنے والے گنہگار نہ ہوں گے؟

(۳) کیا میّت کے حق میں یہ فعل اَولٰی ہے؟

(۴) اگر میّت وصیت اس کے متعلق کرے تو کیا پسماندہ گانِ میّت اس پر اس طور سے عمل کریں کہ بلااجازت مالک زمین کے میّت کو دفن کردیں تو کیا عندالشرع ی فعل میّت یا پسماندگان کے واسطے موجبِ ثواب ہوگا؟

الجواب:

بے اجازت مالک اس کی زمین میں دفن کرنا حرام ہے۔ ایسا کرنے والے گنہگار ہیں، میّت اگر اس کی وصیّت یُوں کرگیا کہ چاہئے مالک اجازت دے یا نہ دے مجھے وہیں دفن کرنا تو وہ بھی سخت گنہگار ہے۔ میّت یا پسماندگان کے لئے ثواب کیسا! اس میں استحقاقِ عذاب ہے، مالک کو اختیار ہے کہ میّت کی نعش نکال دے اور اپنی زمین خالی کرلے یا نعش رہنے دے اور قبر برابر کرکے اس پر جو چاہے بنائے، چلے پھرے، تصرف کرے کہ قبر کی جو حدیثیں ہیں ایسی ناجائز قبر کے لیے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (کسی ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ت) درمختار میں ہے:

لا یخرج منہ بعد اھالۃ التراب الالحق ادمی کان تکون الارض مغصوبۃ ویخیر المالک بین اخراجہ ومساواتہ بالارض[3]۔	مٹی ڈالنے کے بعد میّت کو قبر سے نہ نکالا جائے گا مگر کسی آدمی کے حق کے باعث مثلاً یہ کہ زمین غصب کی ہوئی ہو اور مالک کو اختیار ہوگا کہ مُردہ کو باہر نکالے یا قبر زمین کے برابر کردے۔(ت)

[1] شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶

[2] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

[3] درمختار باب صلٰوۃ الجنازہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

یہ اصل حکم فقہی ہے، مگر مسلمان نرم دل اور دوسرے مسلمان خصوصًا میّت پر رحم دل ہوتا ہے، قال اللہ تعالٰی رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ[1] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وہ آپس میں رحم دل ہیں۔ت) اگر وہ در گزر کرے گا اللہ عزوجل اسکی خطاؤں سے در گزر فرمائے گا اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ[2] (کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ خدا تمھیں بخشے؟۔ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی پر احسان کرے گا اللہ اس پر احسان کرے گا کما تدین تدان[3] (جیسا تم کروگے ویسا ہی تمھارے ساتھ کیا جائے گا۔ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی کا پردہ فاش نہ کرے گا اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا من ستر سترہ اللہ[4] (جو کسی کی پردہ پوشی کرے خدا اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ت) اگر وہ اپنے مردہ بھائی کی قبر کا احترام کرے گا اللہ اس کی زندگی وموت میں اسے احترام بخشے گا۔ اللہ فی عون العبد ماکان العبد فی عون اخیہ[5] (اللہ بندے کی مدد فرماتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا ہے ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳: از حیدرآباد دکن شہر سکندرآباد محلّہ نلاگٹہ مکان سید محمد اکبر صاحب ماسٹر ریلوے مرسلہ سید غلام غوث صاحب ۶ صفر ۱۳۱۷ھ

زمین جو دوامی پٹہ کی ہو اس میں دفن جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ دفن کے لیے ملکی زمین چاہیے، پھر اس بناء پر تو جاگیرات میں دفن جائز نہ ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

بلاشبہ جائز ہے جبکہ باجازت مستاجر ہو۔ ملک غیر ہونا منافیِ جوازِ دفن نہیں، غایت یہ کہ مالک کو ازالہ قبر کا اختیار ہوگا۔ مگر جب اس کا اجارہ دوامی ہو تو مالک کی طرف سے یہ اندیشہ بھی نہیں یہاں تک کہ علماء نے دوامی اجارہ کی زمین میں مسجد بنانے کی اجازت دی اور اس میں وقف صحیح مانا اسی بناپر کہ وہ ہمیشہ رہے گی تو تائید حاصل ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی اسعاف وذکر فی اوقاف الخصاف	اسعاف میں ہے کہ اوقاف خصاف میں مذکور ہے

[1] القرآن ۴۸/ ۲۹
[2] القرآن ۲۴/ ۲۲
[3] الاسرار المرفوعۃ حرف الجیم حدیث ۳۹۴ دار الکتب العلمیّۃ بیروت ص ۱۰۳
[4] مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ علی الخلق مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۲
[5] صحیح مسلم باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۵

ان وقف حوانیت الاسواق یجوز ان کانت الارض باجارۃ فی ایدی الذین بنوھا لایخرجھم السلطان عنھا' من قبل انا رأیناھا فی ایدی اصحاب البناء توارثوھا وتقسم بینھم لایتعرض لھم السلطان فیھا ولایزعجھم وانما لہ غلۃ یاخذھا منھم وتداولھا خلف عن سلف ومضی علیھا الدھو روھی فی ایدیھم یتبایعونھا ویوجرونھا وتجوزفیھا وصایا ھم ویھدمون بنائھا ویعیدونہ ویبنون غیرہ فذلك الوقف فیھا جائز انتھی واقرہ فی الفتح وقد علمت وجھہ وھو بقاء التابید[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کہ دکانوں کا وقف جائز ہے اگر زمین اجارہ کے ذریعہ ان لوگوں کے قبضے میں ہو کہ سلطان ان کو اس سے نہ نکالے، اس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تعمیر کرنے والوں کے ہاتھ میں رہتی ہیں ان کے درمیان ان میں وراثت اور تقسیم جاری ہوتی ہے سلطان ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ نہ ہی ان کو پریشان کرتا ہے بس اس کے لیے کچھ مقررہ آمدنی ہوتی ہے جو ان سے وصول کرتا ہے۔ یہ دستور پشت ہاپشت سے چلا آرہا ہے اور یہ ان کے ہاتھ میں اُس طرح ہیں کہ یہ ان کی خرید وفروخت اور اجارہ پر دینے کا تصرف کرتے رہتے ہیں، ان کی وصیتیں ان میں نافذ ہوتی ہیں، عمارت گراتے بناتے رہتے ہیں، تو اسی طرح ان کا وقف بھی جائز ہوگا۔ (عبارت ختم ہوئی) اسے فتح القدیر میں بھی برقرار رکھا ہے۔ اور اس کی وجہ، جیسا کہ معلوم ہوا وہ بقائے تابید ہے___ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۴: از گورکھپور ۱۲ شوال ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میونسپلٹی مسلمانوں سے چاہتی ہے کہ تم اپنے مردے باہر شہر کے دفن کرواور اگر کوئی امر مانع ہو تو اس قطعہ زمین میں دفن کروجو اس کام کے لئے میونسپلٹی اپنے ہاتھ میں رکھے گی اور تم سے بابت دفن ان مُردہ مسلمانوں کے جن کی فیس ناداری کی وجہ سے کسی طرح ادا نہیں ہوسکتی ایک فیس مقررہ لے گی، اور خام وپختہ میں فرق ہوگا۔ اور زمین خریدنے کا قاعدہ یہ ہے کہ گو بیچنے والا راضی نہ ہو، بیچنا نہ چاہتا ہو، یہ کتنی ہی تعداد میں قیمت مانگتا ہو مگر اس کی پروانہیں کی جائے گی نہ وہ راضی کیا جائیگا بلکہ قاعدہ سرکاری کی مقررہ قیمت اس کو دے دی جائے گی اور اس زمین پر مالکانہ قبضہ کرلیا جائے گا۔ ایسی صورت میں میونسپلٹی کی آمدنی سے اس طرح زمین کا معاوضہ جبر کے ساتھ خریدنا جیسا کہ بیان کیا گیا شرعًا

[1] ردالمحتار کتاب الوقف ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۳/ ۳۹۱

ناجائز و غصب ہے یا نہیں اور اس میں مسلمان مُردوں کا دفن ہونا غیر مذہب والوں کو فیس ادا کرکے جائز ہے یا ناجائز؟ مکروہ ہے یا حرام؟ اور مُردے دفن کرنے والا مسلمان داخلِ معصیت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چونگی کا روپیہ در کنار، اگر کوئی مسلمان ہی اپنے خاص مملوک بملک حلال وطیب سے زمین اس طریقہ جبر پر خریدے وہ قطعاً حرام ہوگی اور زمین حکماً مغصوب، اور اس میں بروجہ مذکور مُردوں کا دفن کرنا حرام و معصیت، یہاں تک کہ بعد دفن مُردہ کا قبر سے نکالنا حرام مگر اسکے باوجود ایسی جگہ قبر کھود کر دوسری جگہ دفن کرنا چاہئے فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاینبغی اخراج المیّت من القبر بعد ما دفن الااذا کانت الارض مغصوبۃ او اخذت بشفعۃ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	بعد دفن میّت کو قبر سے نکالنا چاہئے مگر جب زمین غصب کی ہوئی یا حقِ شفعہ سے دوسرے نے لے لی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵تا۱۰۹: از فتحپور ہسورہ محلّہ جری ٹولہ مرسلہ محمود علی صاحب اہلمد کلکٹری ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) قبرستان باشندگانِ قرب وجوار کے لئے مضر صحت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) تبدیلی قبرستان بلاعذرِ شرعی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جدید قبرستان ایسی اراضی میں کہ جس میں پہلے غلیظ دفن ہورہا ہے جاری کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) جدید قبرستان ایسی اراضی میں کہ جس کے قرب میں اب غلیظ دفن ہورہا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۵) مُردہ کو کس طرح قبر میں دفن کرنا چاہئے؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ مرحمت ہو۔

الجواب:

(۱) شریعتِ مطہرہ نے قبر کا گہرا ہونا اسی واسطہ رکھا ہے کہ احیاء کی صحت کو ضرر نہ پہنچے درمختار میں ہے:

حفر قبرہ مقدار نصف قامۃ فان زاد فحسن۔[2]	میّت کی قبر نصف قد کے برابر کھودی جائے، اگر زیادہ ہو تو اچھا ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

ردالمحتار میں ہے:

وان زاد الی مقدار قامة فھو احسن کما فی الذخیرۃ وھذا احدالعمق والمقصود منه المبالغة فی منع الرائحة ونبش السباع [1]۔	اگر قد برابر زیادہ کیا تو زیادہ اچھا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اور یہ گہرائی کی حد ہے، اس کا مقصد بُو روکنے اور درندوں کے اکھاڑنے سے بچانے میں مبالغہ ہے۔(ت)

بلکہ ہزاروں لاکھوں آدمی مقابر کے قریب بستے ہیں بلکہ ہزاروں وہ ہیں جن کا پیشہ ہی تکیہ داری یا قبور کی مجاورت ہے ان کی صحت میں اس سے کوئی فرق نہیں آتا، جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) تبدیلی سے اگر یہ قبرستان کو کوئی اور مکان کسی کے رہنے بسنے کا یا مسجد یا مدرسہ لیا جائے اور قبور کے لئے دوسری زمین دے دی جائے تو یہ قطعی حرام اور بوجوہ حرام کہ وقف میں تصرف بیجا ہے اور وقف نہ بھی ہو تو قبور مسلمین کی توہین و بیحرمتی ہے۔ قبر پر چلنا پھرنا، پاؤں رکھنا حرام ہے چہ جائکہ انھیں پامالی کے لیے مقرر کرلینا ــــ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ **اھلاك الوھابین فی توھین قبور المسلمین** میں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لا یجوز تغییر الوقف عن ھیئته [2]۔	وقف کی ہیأت بدلنا جائز نہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

فی غایة القبح ان یقبر فیه الموتٰی سنة ویزرع سنة [3]۔	بہت زیادہ بُرا یہ ہے کہ اس میں ایک سال مردے دفن ہوں اور ایک سال کھیتی ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

انھم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فیھا حرام [4]۔	علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کے اندر نَوپیدا راستے میں چلنا حرام ہے۔(ت)

اسی طرح طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ مقبرہ بدستور رکھا جائے گا اس میں

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب العاشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[3] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[4] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ العربیۃ مصر ۱/ ۲۲۹

کوئی تصرف نہ کیا جائے گا۔ مگراس میں دفن کرنا روک دیا جائے گا اور اس کے عوض دوسری زمین میں دفن کرنے لگیں، تو یہ اگریوں ہے کہ پرانا مقبرہ بالکل بھر گیا اور اس میں کہیں قبر کی جگہ نہ رہی تو بے شک مناسب ہے اگر دوسری جگہ معقول و قابل قبور مسلمین مل سکے اور اگر یہ بھی نہیں بلکہ قبور کے لئے جگہ موجود ہے اور پھر منع کیا جائے تو دو صورتیں ہیں اگر وہ جگہ جہاں اموات دفن ہوتے تھے کسی شخص خاص کی ملک ہے کہ اس کی اجازت سے دفن ہوتے تھے تو بلاشبہ اسے اختیار ہے کہ میّت کو نکلوادے۔ درمختار میں ہے:

لایخرج منه بعد اهالة التراب الالحق اٰدمی کان تکون الارض مغصوبة اواخذت بشفعة ویخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض [1]۔	مٹی ڈال دینے کے بعد قبر سے مردے کو نکالا نہ جائے گا مگر کسی انسان کے حق کی وجہ سے، مثلاً زمین غصب کی ہو یا شفعہ کی وجہ سے لے گئی ہو اور مالک کو اختیار ہوگا کہ مردے کو نکال دے یا قبر زمین کے برابر کردے (ت)

اگر وہ کسی کا مملوک نہیں بلکہ وقف ہے تو وقف میں دست اندازی کا کسی کو حق نہیں الوقف لایملک (وقف کسی آدمی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) یہ حرام اور سخت توہین اموات اہل اسلام ہے۔ مقابر میں پاخانہ پھرنا حرام ہے حالاں کہ وہ اوپر ہی رہے گا اموات تک نہ پہنچے گا تو یہ صورت کیونکر حلال ہوسکتی ہے درمختار میں ہے: یکرہ بول وغائط فی المقابر [2] (قبرستان میں پیشاب اور پاخانہ مکروہ ہے۔ت) طحطاوی وردالمحتار میں ہے: الظاهر انها تحریمة [3] (ظاہر یہ ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۴) اس سے بھی شرعاً منع کیا جائے گا، جو لوگ دفن کے لئے جائیں انھیں ایذا ہوگی، جو فاتحہ کو جائیں انھیں ایذا ہوگی، اور ان سے قطع نظر کیجئے ان کی ایذا تو اتنی دیر کے لئے ہوگی جب تک وہاں رہیں گے اموات کے لیے یہ آٹھ پہر کی ایذا ہوگی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المیّت یتأذی مما یتأذی منه الحی [4]۔	جس چیز سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مردہ کو بھی ایذا ہوتی ہے۔

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

[2] درمختار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[3] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹

[4] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹

علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے اسی مسئلہ کی دلیل میں کہ مقابر میں پیشاب کرنا ممنوع ہے، فرمایا: لان المیّت یتأذی بہ الحی[1] (جس چیز سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے اس سے مردہ کو بھی ایذا ہوتی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۵) صالحین کے قریب دفن کرنا چاہئے کہ ان کے قرب کی برکت اسے شامل ہوتی ہے۔ اگر معاذاللہ مستحقِ عذاب بھی ہوجاتا ہے تو وہ شفاعت کرتے ہیں، وہ رحمت کہ ان پر نازل ہوتی ہے اسے بھی گھیر لیتی ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ادفنوا امواتکم وسط قوم صالحین[2]۔	اپنے اموات کو اچھے لوگوں کے درمیان دفن کرو۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ھم القوم لایشقی بھم جلیسھم[3] ان لوگوں کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ اور اگر صالحین کا قرب میسر نہ ہو تو اس کے عزیزوں قریبوں کے قریب دفن کریں کہ جس طرح دنیا کی زندگی میں آدمی اپنے اعزّا کے قرب سے خوش ہوتا ہے اور ان کی جدائی سے ملول، اسی طرح بعد موت بھی۔ ہم ابھی حدیث وفقہ کو ذکر کر آئے کہ مردے کو ہر اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے زندہ کو۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل (اور ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از گیا محلّہ مرادپور مرسلہ تیغ علی صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جس گورستان کی بوجہ کمیِ زمین وکثرت دفنِ مردگان سے یہ حالت ہوگئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں اور بصورت موجود رہنے دوسرے گورستان متصل اس کے جو کہ ان سب شکایتوں سے پاک وصاف ہو اس کو چھوڑ کر خواہ مخواہ صرف بخیال مدفن ہونے آباء واجداد اپنے ایسے گورستان میں دوسرے مردوں کی ہڈیاں اُکھاڑ کر مردا دفن کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مذکورہ محض ناجائز وحرام ہے صرح بہ علماؤنا قاطبۃ فی غیر ما کتاب (ہمارے علماء نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از گیا محلّہ مرادپور مرسلہ تیغ علی صاحب ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

جناب مولانا قبلہ ہادی صراط مستقیم دام افضالکم، بعد سلام مسنون ملتمس خدمت ہے کہ حضور نے بجواب

---

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۲۲۹

[2] الموضوعات لابن جوزی باب دفن المیّت فی جوار الصالحین دارالفکر بیروت ۳/ ۲۳۷

[3] المدخل لابن الحاج صفۃ القبور دارالکتاب العربیہ بیروت ۳/ ۲۶۹

استفتائے ہذا ارشاد فرمایا ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا محض ناجائز و حرام ہے اور مدرسہ دیوبند کا فتوی بجنسہٖ ارسال خدمت کرکے امیدوار کہ کس پر عمل کرنے کا حضور والا سے ارشاد ہوتا ہے اور جناب مولانہ سجاد حسین صاحب بہاری مدرس اول و ناظم مدرسہ انوار العلوم کا فتوی بموجب اقوالِ فقہاء حضور کی مطابقت میں ہے۔

سوال: جس گورستان میں بوجہ کمیِ زمین و کثرت دفنِ مردہ گان یہ حالت ہو گئی کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مردوں کی ہڈیاں نکلتی ہوں بصورت موجود رہنے دوسرے گورستان متصل اس کے جو ان سب شکایتوں سے پاک اور صاف ہو اس کو چھوڑ کر خواہ مخواہ صرف بخیال ہونے جائے مدفن آباء واجداد اپنے ایسے گورستان میں دوسرے مُردے کی ہڈیاں اکھاڑ کر مردہا دفن کرنا شرعاً جائز و درست ہے یا نہیں؟ راقم استفتاء ھذا بندہ عاصی تیغ علی عفاعنہ الباری ساکن مراد پور گیا۔

الجواب: دفن کرنا اس گورستان میں درست ہے اگر ہڈیاں ظاہر ہوں، ان کو ایک طرف کردیا جائے لیکن اگر دوسری جگہ صاف اور خالی ہو تو وہاں دفن کرنا اولیٰ ہے۔ فقہاء نے اس بارے میں یہ تفصیل کی ہے کہ کہنہ قبور میں دوسرے میّت کو دفن کرنا درست ہے اور قبر جدید کھود کر اس میں دوسری میّت کو دفن کرنا درست نہیں ہے۔ شامی میں ہے:

وقال الزیلعی ولو بلی المیّت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ[1] الخ	اگر میّت بوسدہ ہو کر مٹی ہو جائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا، وہاں کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے الخ (ت)

اس کے بعد تاتارخانیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ باوجود دوسری جگہ خالی ملنے کے ایسا کرنا بلا ضرورت اچھا نہیں، پس مدار ضرورت و عدم ضرورت پر ہے۔ اگر ضرورت ہو پُرانی قبر میں میّت کو دفن کرنا بلا کراہت درست ہے اور اگر ضرورت کچھ نہ ہو بلکہ دوسری جگہ صاف و خالی ہو تو اگرچہ پھر بھی درست ہے مگر غیر اولیٰ مکروہ تنزیہی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۲۶ ج ۱۳۳۶ھ

الجواب:

حکم شریعتِ مطہرہ وہی ہے کہ فقیر نے فتوی سابقہ لکھا بحالت یعنی بحالتِ مذکورہ اس قبرستان میں دفن کرنا محض ناجائز و حرام ہے۔ فتوی دیوبند صریح باطل و مردود ہے اور خیانت و تحریف وافترا و تناقض و سفاہت سے مملو۔ مسئلہ بہت ظاہر و واضح ہے لہٰذا ہم نے کسی خاص کتاب کا حوالہ نہ دیا بلکہ اتنا لکھ دیا

---

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۹

کہ ہمارے علماء نے متعدد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔ اب اوہام جہال مدعیان علم وکمال کے ازالہ کو چند نصوص ذکر کریں، امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لایدفن اثنان فی قبرواحد الا لضرورۃ ولایحفر قبر لدفن اٰخر الا ان بلی الاول فلم یبق له عظم الا ان لایوجد بد فیضم عظام الاول و یجعل بینهما حاجز من تراب [1]۔	یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، نہ بلا مجبوری دوسرے کے دفن کے لئے قبر کھودنے کی اجازت، مگر جبکہ پہلا بالکل خاک ہوگیا ہو کہ اس کی ہڈی تک نہ رہی، ہاں مجبوری ہو تو ہڈیاں ایک طرف جمع کرکے انھیں اور اس میّت میں مٹی کی آڑ قائم کردیں۔(ت)

تارتار خانیہ وامداد الفتاح میں ہے:

اذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة وان جمعوا عظامه فی ناحیة ثم دفن غیرہ فیه تبرکا بالجیران الصالحین ویوجد موضع فارغ یکرہ ذلك [2]۔	یعنی اگر میّت بالکل خاک ہوجائے جب بھی اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا ممنوع ہے کہ حرمت اب بھی باقی ہے، اور اگر مزاراتِ صالحین کے قرب کی برکت حاصل کرنے کی غرض سے میّت کی ہڈیاں ایک کنارے جمع کردیں تو اب بھی ممنوع ہے جبکہ فارغ جگہ دفن کو مل سکتی ہے۔(ت)

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج رحمہ اللہ تعالٰی حلیہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ ان یدفن فی القبر الواحد اثنان الالضرورۃ وبهذا تعرف کراهة الدفن فی الفساق، خصوصا ان کان فیها میّت لم یبل، واما ما یفعله جهلته اغبیاء من الحفارین وغیر فی المقابر المسبلة العامة وغیرها من بنش القبور التی لم یبل اربابها	یعنی بلا مجبوری ایک قبر میں دو کا دفن جائز نہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ تہ خانوں میں دفن منع ہے خصوصًا جبکہ وہاں کوئی میّت موجود ہو جو ابھی خاک نہ ہوا اور وہ جو بعض گورکن وغیرہ جاہلان بدعقل کرتے ہیں کہ وقفی یا غیر وقفی قبرستان میں وہ قبر جس کا مردہ ہنوز خاک نہ ہو کھود کر دوسرا دفن کردیتے ہیں، یہ

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

[2] فتاوٰی تاتار خانیۃ الجنائز، القبر والدفن ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۲/ ۱۷۲

وادخال اجانب علیھم . فھو من المنکر الظاھر الذی ینبغی لکل واقف علیه انکار ذلك علی متعاطیه بحسب الاستطاعة فان کف والا دفع الی اولیاء الامور وفقھم الله تعالٰی لیقابلوہ بالتادیب، ومن المعلوم ان لیس من الضرورۃ المبیحة جمع میّتین ابتداء فی قبر واحد لقصد دفن الرجل مع قریبه او ضیق محل الدفن فی تلك المقبرۃ مع وجود وغیرہا و ان کانت تلك المقبرۃ مما یتبرك بالدفن فیھا البعض من بھا من الموتٰی فضلا عن کون ھذہ الامور وما جری مجرھا مبیحة للنبش وادخال البعض علی البعض قبل البلی مع مایحصل فی ضمن ذلك من ھتك حرمة المیّت الاول وتفریق اجزائه فالحذر من ذلك[1]۔	صریح معصیت ہے۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ حتی الامکان انھیں ایسا کرنے سے خود روکے، اور اس کے روکے نہ رُکیں تو حکام کو اطلاع دیں کہ وہ ان لوگوں کو سزا دیں، اور شریعت سے معلوم ہے کہ کسی کو اس کے عزیز یا تبرک کے لئے کسی مزار کے پاس دفن کرنے کی غرض سے ابتداء دو جنازے ایک قبر میں رکھنا حلال نہیں جبکہ وہاں دوسرا مقبرہ موجود ہو، نہ کہ ان وجوہ کے لیے اگلی قبر کھودنا، اور ایک کے خاک ہونے سے پہلے دوسرے کا اس میں داخل کرنا، یہ کیسے حلال ہوسکتا ہے حالانکہ اس میں پہلے میّت کی ہتک حرمت اور اس کے اجزاء کا متفرق کرنا ہے تو خبردار اس حرکت سے بچو۔

ان نفیس عبارات کے بعد زیادہ کی حاجت نہیں۔ طرفہ یہ کہ دیوبندی نے جہاں سے شامی کی عبارت نقل کی ہے وہیں وہ فتح القدیر کا کلام منقول تھا اسے چھوڑ دیا، یہ خیانت ہے، وہیں حلیہ کا یہ قاہر کلام ملخصًا مذکور تھا اسے بھی اُڑادیا، یہ دوسری بھاری خیانت ہے۔ وہیں تاتارخانیہ کی وہ عبارت مسطور تھی جس کا ترجمہ یہ کیا کہ "بلاضرورت ایسا کرنا اچھا نہیں" جس کا حاصل خود یہ نکالا کہ "غیر اولٰی یعنی مکروہ تنزیہی" حالانکہ تارتارخانیہ میں دوجگہ یُکْرَہُ فرمایا جس کا اطلاق مفید کراہت تحریم ہے اور اس کی دلیل فرمائی تھی کہ حرمت اب بھی باقی ہے جس سے صاف ممانعت روشن تھی، کیا مسلمان میّت کی بیحرمتی درست ہے، صرف غیر اولٰی ہے۔ اس تعلیل کو اُڑا جانا تیسری خیانت ہے۔ یہیں شامی نے اس پر اپنی بحث میں کہا تھا کہ مگر اس میں بہت مشقت ہے تو اولٰی یہ ہے کہ جواز کا مدار میّت کے خاک ہونے پر رکھیں، جس سے صاف ظاہر تھا کہ وہ تارتارخانیہ میں خاک

[1] ردالمحتار بحوالہ حلیہ ملخصاً باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۸

ہونے کے بعد بھی ناجائز فرمایا ہے نہ کہ صرف غیر اولیٰ۔ یہ دیکھ کر وہ معنی بنانا تحریف ہے۔ وہیں عبارات امام محمد حلبی میں یہ دیکھنا کہ اپنے عزیز یا کسی مزار کے قریب میں دفن کا قصد وہ ضرورت نہیں جس کے باعث ابتداء ایک قبر میں دو کا دفن مباح ہو جائے، صاف ثابت ہوا کہ ایسا کرنا حلال نہیں، پھر اسے غیر اولیٰ پر ڈھالنا دوسری تحریف نیز اسی عبارت میں ارشاد ہوا تھا کہ پھر ان وجوہ سے اگلی قبر کھود کر دوسری کا دفن کرنا کیونکر حلال ہو سکتا ہے۔ اس سے آنکھ بند کرکے وہ گھڑت تیسری تحریف ہے۔ پھر وہیں یہ دیکھنا کہ اس میں مسلمان میّت کی بیحرمتی ہے اور اس پر وہ تراش چوتھی تحریف ہے۔ وہیں یہ دیکھنا کہ اس میں مسلمان میّت کی ہڈی علیحدہ کرنا ہے اور اس پر وہ اختراع پانچویں تحریف ہے۔ پھر اپنے اس معنی تراشیدہ کو فقہاء کی طرف نسبت کرنا صریح افترا ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ عبارتِ شامی نقل کی جس میں امام زیلعی سے ہے کہ میّت خاک ہو جائے تو اس کے بعد دوسرے کو اس کی قبر میں دفن کر دینا جائز ہے، صاف ثابت ہوا کہ قبل اس کے ناجائز ہے، پھر اس اپنے رَد کو اپنی سند بنانا کیسی کھلی سفاہت ہے۔ فقہائے کرام سے نقل کیا کہ کہنہ قبور میں دوسرے میّت کو دفن کرنا درست ہے جدید کھود کر اُس میں دوسرے کو دفن کرنا درست نہیں، پھر کہنہ وجدید ایجاد بندہ ہے جس کے معنی یہ ٹھہراسکے کہ دو چار مہینے یا سال دو سال گزر سکے تو اب جدید قبر ہی نہ رہی، مسلمان کی ہڈیاں کھودنا حلال ہو گیا، حالانکہ خود اس کی عبارت نقل کردہ میں ارشاد فقہاء یہ ہے کہ میّت خاک ہو جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں، اب کہنہ وجدید کے یہ معنی متعین ہو گئے اس پر اسے گورستان کی نسبت جسے سائل نے صاف لکھا تھا کہ نئی قبریں کھودنے پر کثرت سے مُردوں کی ہڈیاں نکلتی ہیں اور اس پر گورستان صاف وپاک اس کے متصل موجود ہے یہ حکم لگانہ کہ دفن کرنا دوسرے گورستان میں درست ہے، صریح تناقض، فقہائے کرام نے بحال ضرورت اجازت دی خود اسی فتوٰی میں کہا مدار ضرورت اور عدمِ ضرورت پر ہے۔ پھر بلا ضرورت صرف غیر اولیٰ رکھنا کیسی شدید سفاہت ہے، غیر اولیٰ کی اجازت کو ضرورت کیا درکار، وہ بلاضرورت بھی جائز ہوتا ہے، ہاں ناجائز بات کی اجازت کو ضرورت کی ضرورت ہوتی ہے کہ **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں منع کردہ چیزوں کو جائز کردیتی ہیں۔ت) اس فتوے کے کاتب کے قلم سے چھوٹی آٹھ سطریں ہیں ان میں یہ بارہ "کمالات بنگاہِ اولیں حاضر ہیں، تحریفیں، خیانتیں، افتراء، تناقض، سفاہتیں، معاذاللہ کہ شرع ایسوں کو قابل افتا ٹھہرائے، یہ سب درکنار علمائے حرمین شریفین نے دیوبند کے پیشواؤں پر نام بنام حکمِ ارتداد دیا اور فرمایا:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی مسلمان نہیں۔

[1] دُرمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

پھر ان لوگوں کو عالمِ دین سمجھنا یا ان سے کوئی شرعی فتوٰی طلب کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے، حرام حرام سخت حرام ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں کلام طویل ہے۔ ہمارے رسالہ اھلاک الوھابیین سے ثابت ہے کہ میّت اگرچہ خاک ہوگیا ہو بلاضرورت شدید اس کی قبر کھود کر دوسرے کا دفن کرنا جائز نہیں جیسا کہ تارتاخانیہ وغیرہا میں فرمایا، مگر کسی کی مملوک زمین ہے خاک ہوجانے کے بعد وہ اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے، عبارتِ تبیین کا یہی محل ہے، بہر حال خاک ہوجانے سے پہلے بلامجبوری کسی کی نزدیک جائز نہیں، رہی بحث شامی کی مشقت عظیمہ اقوال مدفوع ہے کہ محلِ ضرورت مستثنٰی ہے، مگر صورت سوال کہ نئی قبریں کھودنے سے بکثرت ہڈیا نکلتی ہیں اور دوسرا صاف قبرستان اس کے متصل موجود ہے۔ اس میں تو وہابیہ کے سوا جن کی نگاہ میں امواتِ مسلمین کی اصلاً عزت نہیں، کوئی مسلمان قائلِ جواز نہیں ہوسکتا، شامی کا علاوہ بھی اس کی طرف ناظر نہیں ہوسکتا۔

فانه فی المنع من الحفر ان لایبقی عظم اصلا لافی هذا' علی انه بحث فیه علی خلاف المنصوص **اقول:** وقد یکون عظم امرأة فکیف یحل للاجانب النظر الیه ومسه کشعرها المقطوع کما نصوا علیه فافهم۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	اس لئے کہ کھودنے سے ممانعت کے بارے میں ہے مگر یہ کہ اصلا کوئی ہڈی باقی نہ رہ جائے ___ اس کے بارے میں نہیں ___ علاوہ ازیں وہ نص کے خلاف ان کی بحث ہے ___ **اقول:** ایسا بھی ہوگا کہ ہڈی کسی عورت کی ہو تو نامحرموں کا اسے دیکھنا چھونا حلال نہیں، علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے __ تو اسے سمجھو ___ اور خدائے بزرگ وبرتر خوب جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۸: از موضع سنیا ضلع بریلی مسئولہ امیر علی صاحب رضوی ۱۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر دیکھا گیا مرا ہوا بچہ کسی کے پیدا ہوتا ہے اس کو ہانڈی میں رکھ کر گورستان سے علیحدہ دفن کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ پکّا مسان ہے، اس سے اہل ہنود کی طرح بچتے ہیں، یہ کیونکر ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

یہ شیطانی خیال ہے اسے مسلمانوں کے گورستان ہی میں دفن کریں۔ **واللّٰه تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۹: از مونگیر، محلّہ دلاور پور مکان شیخ رحمت علی صاحب مرسلہ مولوی سید عطاء الحق صاحب ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر کے مُردہ کو جس کا کوئی وارث نہیں، کیا کیا جائے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اس کے مذہب وملت والوں کو دے دیا جائے کہ جو چاہیں کریں، اور اگر کفار میں بھی کوئی نہ ملے تو جیفہ سگ کی طرح دفعِ عفونت کے لیے کسی گڑھے میں دبادیں۔ تفصیل مسئلہ یہ ہے کہ کافر دو قسم ہے: اصلی ومرتد۔ اصلی وہ کہ ابتداء سے کافر ہو اور مرتد وہ کہ بعد اسلام کافر ہوا یا باوصف دعوی اسلام عقائد کفر رکھے: جیسے آج کل نیچری مرتد کے لیے تو اصلًا نہ غسل، نہ کفن، نہ دفن، نہ مسلمان کے ہاتھ سے کسی کافر کو دیا جائے اگرچہ وہ اسی کے مذہب کا ہو، اگرچہ اس کا باپ یا بیٹا ہو، بلکہ اس کا علاج وہی مردار کتے کی طرح دبادینا ہے، اور کافر اصلی سے اگر مسلمان کو قرابت نہیں تو اس کے بھی کسی کام میں شریک نہ ہو بلکہ چھوڑ دیا جائے کہ اس کا عزیز قریب یا مذہب والے جو چاہے کریں، اور وہ بھی نہ ہوں تو علاج مثل علاج مرتد ہے، اور اگر مسلمان کو اس سے قرابت قریبہ ہے تاہم جب کوئی قریب کافر موجود ہو بہتر یہی ہے کہ اس کی تجہیز میں شرکت نہ کرے، ہاں ادائے حقِ قرابت کے لئے اگر اسکے جنازہ کے ساتھ جنازہ سے دور دور چلا جائے تو مضائقہ نہیں، اور اگر مسلمان ہی قریب ہے کوئی کافر قرابت دار نہیں جب بھی مسلمان پر اس کی تجہیز وتکفین ضروری نہیں، اگر اس کے ہم مذہب کافروں کو دے دے یا بے غسل وکفن کسی گڑھے میں پھنکوادے، جائز ہے۔ اور اگر بلحاظ قرابت غسل وکفن ودفن کرے تو بھی اجازت ہے مگر کسی کام میں رعایت طریقہ مسنونہ نہ کرے، نجاست دھونے کی طرح پانی بہادے، کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں دبادے۔ رب انی اعوذبك من الکفر والکافرین (اے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں کفر اور کافروں سے۔ت) درمختار میں ہے:

(یغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبه) کخاله (الکافر الاصلی) اما المرتد فیلقی فی حفرۃ کالکلب (عند الاحتیاج) فلوله قریب فالاولی ترکه لهم من غیر مراعاۃ السنة) فیغسله غسل الثواب النجس ویلفه فی خرقه ویلقیه فی حفرۃ [1] اھ اقول ولفظ البحر حفیرۃ [2] اھ قال الطحطاوی	(مسلمان اپنے قرابت دار) جیسے ماموں (کافر اصلی کو) غسل وکفن دفن کرے، رہا مرتد تو اسے کسی گڑھے میں کتے کی طرح دبادے (ضرورت کے وقت) تو اگر اس کا کوئی اور قرابت دار ہے تو بہتر یہ ہے کہ انھیں دے دے (بغیر رعایت سنت کے غسل اور کفن دفن کرے) تو کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی چیتھڑے میں لپیٹ کر کسی گھڑے میں ڈال دیں اھ اقول بحر کی عبارت میں

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

[2] بحر الرائق کتاب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۳

فی حاشیة المراقی ای بدون لحد ولا توسعة [1] اھ وفی الایضاح ومراقی الفلاح فی خرفة ، والقاہ فی حفرة من غیر وضع کالجیفة مراعاة لحق القرابة او دفع القریب الی اھل ملته، ویتبع جنازته من بعید، وفیه اشارة الی ان المرتد لایمکن منه احد لغسله لان لاملة له فیلقی کجیفة کلب فی حفرة [2] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قوله یغسل المسلم ای جواز لا ن من شروط وجوب الغسل کون المیّت مسلما [3] الخ۔	حفیرۃ (تنگ گڑھا) ہے۔ طحطاوی نے حاشیہ مراق الفلاح میں کہا یعنی لحد اور کشادگی کے بغیر اھ ایضاح اور مراقی الفلاح میں ہے اسے کسی ناپاک کپڑے کی طرح دھوئے اور کسی معمولی کپڑے میں کفن دے کر کسی گڑھے میں مردار کی طرح ڈال دے تاکہ حق قرابت کی رعایت ہوجائے یا قرابت دار اس کے اہل مذہب کو دے دے اور خود دور سے جنازے کے پیچھے چلا جائے، اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مرتد کو غسل کے لئے کسی کو نہ دے اس لئے کہ اس سے کوئی رشتہ و تعلق نہیں تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں ڈال دے گا اھ مختصرًا ــــــ ردالمحتار میں ہے مسلمان کا کافر اصلی قرابت دار کو غسل دینا صرف جوازًا ہے اس لئے کہ وجوب غسل کی شرطوں میں یہ ہے کہ میّت مسلم ہو الخ (ت)

کشف الغطاء میں جامع صغیر امام صدر شہید سے ہے:

اگر قریب نباشد دفع کردہ شود باہل دین او تاہرچہ خواہند بوے کنند [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر کوئی مسلمان قرابت دار نہ ہو تو اس کے اہل مذہب کو دے دیا جائے گا کہ اس کے ساتھ جو چاہیں کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۰: لوگوں میں رسم ہے کہ میّت کو دفن کرکے اس کے مکان میں آتے ہیں اور کہتے ہیں فاتحہ پڑھ لو، پھر کچھ پڑھتے ہیں اور ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ فعل کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل اس فعل میں کوئی حرج نہیں کہ ایصال ثواب سے اموات کی اعانت اور ان کے لئے دعائے مغفرت

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل السلطان احق بصلوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۰

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل السلطان احق بصلوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۰

[3] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۵۹۷

[4] کشف الغطاء فصل دفنِ میّت مطبع احمدی دہلی ص ۴۷

اور پسماندوں کو تسکین و تعزیت سب باتیں شرعاً محمود وروا۔

فقد روی الترمذی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن عزی مصابا فلہ مثل الجرہ[1] و ایضا عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عزی ثکلٰے کسی بردا فی الجنۃ[2] وابن ماجۃ والبیھقی باسناد حسن قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مامن مومن یعزی اخاہ بمصیبۃ الا کساہ اللہ تعالٰی من حلل الکرامۃ یوم القیٰمۃ[3]۔	ترمذی کی روایت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے: جو کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے تو اسے بھی اسی کی طرح اجر ملے۔ امام ترمذی ہی کی دوسری روایت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ ہے: جو مرگِ فرزند کی مصیبت زدہ کسی عورت کو تعزیت کرے اسے جنت میں عمدہ چادر پہنائی جائے، ابن ماجہ اور بیہقی نے بسند حسن روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو مومن بھی کسی مصیبت پر اپنے بھائی کی تعزیت کرے خدا تعالٰی اسے قیامت کے دن عزت و کرامت کا لباس پہنائے گا (ت)

علامہ ابن الحاج حلیہ میں فرماتے ہیں:

التعزیۃ مستحب قد ندب الیہ الشارع فی غیرماحدیث ومن ذلك ماروی ابن ماجۃ و البیھقی باسناد حسن الی ان قال وحسن ان یقرن مع الدعاء لہ بجزیل الثواب علی مصابہ لمیّتہ بالرحمۃ والمغفرۃ و قد نبھنا الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی ھذا المقصود فی غیرما حدیث[4] الخ اھ ملخصا۔	تعزیت مستحب ہے شارع علیہ السلام نے متعدد حدیثوں میں اس کی ترغیب دی ہے، ان میں سے ایک حدیث وہ ہے جسے ابن ماجہ و بیہقی نے بسندِ حسن روایت کیا (حدیث مذکور پیش کرنے کے بعد فرمایا) اور اچھا یہ ہے کہ مصیبت زدہ کے لئے عظیم ثواب کی دعا کرنے کے ساتھ اس کے مردے کیلئے رحمت و مغفرت کی دعا بھی کرے۔ اس خاص مقصد پر بھی شارع علیہ السلام نے متعدد حدیثوں میں ہمیں متنبہ اور خبردار کیا ہے الخ اھ تلخیص (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الجنائز کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۷
[2] جامع الترمذی ابواب الجنائز کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۷
[3] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی ثواب من عزی مصابا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶
[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اور میاں اسحٰق صاحب دہلوی کو تسلیم ہے کہ ہاتھ اٹھانا مطلقاً دعا کے آداب سے ہے۔ تو اس وقت بھی کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔
اربعین میں ہے:

مسئلہ ۳۲: در تعزیت میّت رفتن وہر دو دست برداشتہ سورہ فاتحہ خواند جائز است یا نہ؟ **جواب:** رفتن برائے تعزیت میّت جائز است و دعائے مغفرت برائے او نمودن مستحب است و ہمچنین دعائے خیر برائے اہل میّت امادست برداشتن برائے دعا وقت تعزیت ظاہرًا جواز است زیراکہ درحدیث شریف رفع یدین در دعا مطلقاً ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مضائقہ نہ دارد لیکن تخصیص آں برائے دعا وقت تعزیت ماثور نیست [1] انتہی ملخصا۔	**مسئلہ ۳۲:** میّت کی تعزیت میں جانا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر سورہ فاتحہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **جواب:** میّت کی تعزیت کے لئے جانا جائز ہے اور اس کے لئے مغفرت کی دعا کرنا مستحب ہے اسی طرح اہل میّت کے لئے دعائے خیر کرنا بھی مستحب ہے۔ رہا تعزیت کے وقت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا، تو ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے، اس لئے کہ حدیث شریف کے اندر دعا میں ہاتھ اٹھانا مطلقاً ثابت ہے تو اس وقت بھی مضائقہ نہیں مگر خاص وقت تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا حدیث میں منقول نہیں ہے۔ انتہی ملخصًا (ت)

اور تعزیت بعد دفن کے اولٰی ہے:

فی الجوھرۃ ثم ردالمحتار ھی بعد الدفن افضل منھاقبلہ [2] الخ وبمثلہ ذکر الطحطاوی فی حاشیۃ مراقی الفلاح۔	جوہرہ پھر ردالمحتار میں ہے: قبل دفن تعزیت سے بہتر بعد دفن تعزیت ہے الخ اسی کے مثل سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

اور قبر کے پاس مکروہ ہے،

فی الدرالمختار وتکرہ التعزیۃ ثانیا و عندالقبر [3]۔	درمختار میں ہے: دوسری بار تعزیت کرنا یوں ہی قبر کے پاس تعزیت کرنا مکروہ ہے۔ (ت)

حلیہ میں ہے:

یشھدلہ ما اخرج ابن شاھین	اس پر شاہد اثر ہے جو ابن شاہین نے ابراہیم نخعی

[1] اربعین میاں اسحاق دہلوی
[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۴
[3] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

عن ابراھیم التعزیۃ عندالقبر بدعۃ [1] انتھی۔	سے روایت کیا کہ قبر کے پاس تعزیت بدعت ہے انتہی (ت)

مدخل ابن الحاج میں ہے:

موضع التعزیۃ علی تمام الادب اذارجع ولی المیّت الی بیتہ [2]۔	کمال ادب کے طور پر تعزیت کا موقع اس وقت ہے جب ولیِ میّت گھر واپس آجائے۔ (ت)

اور پہلے دن ہونا بہتر و افضل ہے،

فی الدرالمختار اولھا افضلھا [3] الخ یعنی ایام تعزیت۔	درمختار میں ہے: ایّامِ تعزیت میں پہلا دن افضل ہے الخ (ت)

اور تعزیت کے لئے اولیائے میّت کے مکان پر جانا بھی سنت سے ثابت،

روی ابوداؤ والنسائی فی حدیث قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لسیدتنا البتول الزھراء رضی اللہ تعالٰی عنھا ما خرجك من بیتك یا فاطمۃ قال اتیت اھل ھذا المیّت فترحمت الیھم وعزیتھم بمیّتھم [4]۔ وفی السنن الصحاح لابن سکن عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اوذون بجنازۃ فاتی اھلھا فعزاھم کتب اللہ لہ قیراطا [5] الحدیث وللنسائی عن معٰویۃ بن قرۃ عن ابیہ	ابوداؤد اور نسائی نے ایک حدیث میں روایت کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمایا: فاطمہ تم اپنے گھر سے باہر کس لئے گئی تھیں؟ عرض کی: اس میّت والوں کے یہاں گئی تھی ان کے لئے رحمت کی دعا اور میّت کی مصیبت پر تعزیت کی۔ اور ابن سکن کی سنن صحاح میں حضرت ابوہریرہ کی روایت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے: جسے کسی جنازہ کی خبر ملے وہ اہل میّت کے پاس جاکر ان کی تعزیت کرے اللہ تعالٰی اس کے لئے ایک قیراط ثواب لکھے الحدیث

[1] ردالمحتار بحوالہ حلیہ باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۴
[2] المدخل لابن الحاج صفۃ القبر دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۷۷
[3] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶
[4] سنن ابی داؤد باب التعزیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۹، سنن النسائی کتاب الجنائز باب النعی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۶۵
[5] السنن الصحاح، امام ابن سکن

کان نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس یجلس الیہ نفر من اصحابہ فیھم رجل لہ ابن صغیر ففقدہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال مالی لا ارٰی فلا نا قالو یا رسول اللہ بنیہ الذی رأیتہ ھلك فلقیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسألہ عن بنیہ فاخبرہ انہ ھلك فعزاہ علیہ[1] الحدیث اھ ملخصاً۔	نسائی نے معاویہ بن قرہ سے انھوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب تشریف فرما ہوتے تو ان کے پاس ان کے صحابہ میں سے چند حضرات بیٹھتے، ان میں ایک صاحب تھے جن کا نام ایک کم سن فرزند تھا ایک روز مجلس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو دیکھا، ارشاد فرمایا: کیا بات ہے فلاں نظر نہیں آرہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس کا چھوٹا سا لڑکا جسے حضور نے دیکھا تھا فوت ہوگیا تو اس سے بنی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ملاقات کرکے اس کے فرزند کے بارے میں پوچھا، اس نے موت کی خبر سنائی، حضور نے اس پر اس کی تعزیت فرمائی، الحدیث، اھ بتلخیص (ت)

اور مولوی اسحٰق کا قول پہلے مذکور ہوا کہ رفتن برائے تعزیت میّت جائز ست (تعزیت میّت کے لئے جانا جائز ہے۔ت) اور تین روز تک اولیائے میّت کو بھی رخصت واجازت ہے کہ بے ارتکاب منکَرات واتباع رسوم کفار اپنے مکان میں تعزیت کے لئے بیٹھیں تاکہ لوگ ان کے پاس آئیں اور رسمِ تعزیت بجالائیں،

فی الدرالمختار لا بأس بتعزیۃ اھلہ و ترغیبھم فی الصبر وباتخاذ طعام لھم و بالجلوس لھا فی غیر مسجد ثلثۃ ایام و اولھا افضلھا[2] الخ	درمختار میں ہے: اس میں حرج نہیں کہ اہل میّت کو تعزیت کریں اور صبر کی ترغیب دیں اور ان کے لئے کھانا پکوائیں اور تعزیت کے لئے اگر اہل میّت مسجد کے علاوہ کسی جگہ بیٹھیں تو اس میں بھی حرج نہیں، اور ایام تعزیت میں پہلا دن افضل ہے الخ (ت)

حاشیہ طحطاوی علٰی مراقی الفلاح میں ہے:

قال فی شرح السیدو لا باس بالجلوس لھا الٰی ثلثۃ ایام من غیرا رتکاب محظور من فرش البسط والاطعمۃ من	شرح سیّد میں ہے: تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں حرج نہیں مگر کسی ممنوع کام کاارتکاب نہ ہو جیسے مکلّف فرس بچھانا، اہل میّت کی جانب سے

[1] سنن النسائی کتاب الجنائز باب فی التعزیۃ نور محمد کار خانہ تجارب کتب کراچی ۱/ ۲۹۶
[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

اهل المیّت[1] انتهی۔	کھانے کا اہتمام ہونا۔ (ت)

نہرالفائق میں تجنیس سے منقول:

لاباس بالجلوس لها ثلثة ایام وکونه علی باب الدار مع فرش بسط علی قوارع الطریق من اقبح القبائح[2] انتهی۔	تین دن تک تعزیت کے لئے بیٹھنے میں حرج نہیں، مگر گھر کے دروازے پر عام راستوں میں فرش فروش بچھا کر یہ کام ہو تو بہت بُرا ہے انتہی (ت)

عالمگیریہ میں ظہیریہ سے نقل کیا ہے:

لاباس لاهل المصیبة ان یجلسوا فی البیت اوفی مسجد ثلثة ایام والناس یاتونهم ویعزونهم[3] الخ	اس میں حرج نہیں کہ اہل میّت گھر میں یا مسجد میں تین دن بیٹھیں اور لوگ ان کے پاس آتے اور تعزیت کرتے رہیں الخ (ت)

بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ زید و جعفر و ابن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خبر شہادت سن کر مغموم و محزون مسجد میں تشریف رکھی، صحابہ حاضر ہوتے اور تعزیت کرتے جاتے[4] کما ذکرہ العلامة زین فی البحرالرائق (جیسا کہ علامہ زین بن نجیم نے اسے بحرالرائق میں ذکر کیا ہے۔ت) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اس امر سے منع نہ فرمایا،

واخرج الشیخان عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنهما لماجاء النبی صلی الله تعالٰی عیه وسلم قتل ابن حارثة وجعفر وابن رواحه لما جلس یعرف فیه الحزن[5] الحدیث	بخاری ومسلم نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زید بن حارثہ، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کی اطلاع ہوئی جب تشریف رکھی سرکار پر غم کا اثر نمایا تھا، الحدیث (ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی شرح میں فرماتے ہیں: جلس نشست آنحضرت صلی الله تعالٰی وعلیه

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فی حملها ودفنها نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح بحوالہ النہر الفائق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ ومما یتصل بذالک مسائل التعزیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

[4] بحرالرائق کتاب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۲

[5] صحیح البخاری باب من جلس عند المصیبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۳

وسلم یعنی در مسجد برائے عزائے ایشاں[1] (یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں ان حضرات کی تعزیت لینے کے لئے تشریف فرما ہوئے۔ت)

پس اب فعل مذکور فی السوال میں کوئی امر ایسا نہ رہا جس کا ثبوت حدیث وفقہ سے نہ ہو، صرف اتنی بات باقی ہے کہ بعد دفن کے پلٹ کر سیدھے اس مکان پر جاتے ہیں اور بعد فاتحہ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں، اس کے لئے کسی ثبوتِ خاص کی حاجت نہیں کہ جب تعزیت وایصال ثواب ودعا محمود ٹھہری اور افضل یہ قرار پایا کہ دفن کے بعد ہو اور پہلے دن ہو اور قبر سے پلٹ کر ہو، اور اس کے مکانِ میت پر جانا بھی جائز ہو، تو اسی وقت جاکر ادائے تعزیت میں کیا مضائقہ ہے۔ ہاں اگر سرے سے اس کے مکان پر جانا ہی روانہ ہوتا تو بیشک محلِ منع ہوتا۔ اور جب ایسا نہیں تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ اپنے اپنے گھر جاکر پھر وہاں جائیں، کوئی دلیل شرعی اس پر قائم نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کہ جب ایک صحابی کو دفن کرکے پلٹے اور صحابہ کرام حاضر رکابِ سعادت تھے میّت مرحوم کی زوجہ مطہرہ کا بھیجا ہوا آدمی ملا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے مکان پر تشریف لے گئے،

فقد اخرج الامام احمد بسند صحیح و ابوداؤد عن عاصم بن کلیب عن ابیه عن رجل من الانصار قال خرجنا مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی جنازة فلما رجع استقبله داعی امرأته فجاء وجیء بالطعام[2] الحدیث ملخصا۔	امام احمد نے بسند صحیح اور ابوداؤد نے عاصم بن کلیب سے انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں گئے جب سرکار واپس ہوئے تو مرنے والے کی عورت کا داعی سامنے ایا حضور اس کے گھر تشریف لے گئے اور کھانا حاضر کیا گیا۔ الحدیث بہ تلخیص (ت)

اگر دفن سے پلٹ کر مکانِ میت پر جانا منع ہوتا تو حضور کیوں قبول فرماتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ تو اصل فعل کا حکم تھا، مگر ہوا یہ کہ جہّال نے اس رسمِ شرعی میں بہت رسوم جاہلیت واختراعات بیہودہ کو دخل دیا، مثلاً گانے، باجے شمعیں، قندیلیں، عمدہ عمدہ فرش، طرح طرح کے کھانے، ریا ونا موری کے اسباب، میّت کی تعریف میں حد سے غلو، تعزیت کے وقت اُلٹی وہ باتیں جو غم والم کو زیادہ کریں اور میّت

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۰۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث رجل من انصار دار الفکر بیروت ۵/ ۲۹۳

کو بھولی ہوئی باتیں یاد دلائیں،

کما یشکوبعد ذلك العلامة الشامی حیث یقول یحصل عند ذلك غالبًا من المنکرات الکثیرة کایقاد الشموع والقنادیل التی لاتوجد فی الافراح وکدق الطبول و الغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان واخذ الاجرة علی الذکر و قراة القراٰن وغیر ذلك مما ھو مشاھد فی ھذا الزمان وماکان کذٰلك فلا شك فی حرمته [1]۔	جیسا کہ اس کے بعد علامہ شامی یُوں شکایت فرماتے ہیں: زیادہ تر اس وقت بہت سی بُری باتیں ہوتی ہیں جیسے بیش قیمت شمعیں او رقندیلیں روشن کرنا جو شادیوں میں بھی نہیں ملتیں، ایسے ہی طبل بجانا، خوش آوازی سے گیت سنانا، عورتوں امردوں کا جمع ہونا، ذکر اور تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینا، اور ان کے علاوہ ساری باتیں جو اس زمانے میں دیکھنے میں آتی ہیں، جس کام کا یہ حال ہو اس کے حرام ہونے میں کیا شک ہے! (ت)

معہذا خاص اس قصد سے یعنی تعزیت لینے کے لیے بیٹھنا بھی اگرچہ رخصت ہے مگر افضل نہ کرنا ہے

کما فی الھندیة من معراج الدرایة عن خزانة الفتاوٰی الجلوس للمصیبت ثلاثٹ ایام رخصة و ترکه احسن [2]۔	جیسا کہ ہندیہ میں معراج الدرایہ سے، اس میں خزانۃ الفتاوٰی سے منقول ہے موت کے سبب تین دن بیٹھنے کی اجازت ہے اور اس کا ترک بہتر ہے۔(ت)

لہٰذا بہت علمائے متاخرین نے میّت کے گھر اس ہجوم واجتماع کو پسند نہ فرمایا اور یہی مناسب جانا کہ لوگ دفن کرکے متفرق ہو جائیں اولیائے میّت اپنے کام میں مشغول ہوں اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف،

کما فی مراقی الفلاح للعلامة الشرنبلالی قال کثیر من متاخری ائمتنا رحمھم اللہ تعالٰی یکرہ الاجتماع عند صاحب المصیبة حتی یاتی الیه من یعزی بل اذا رجع الناس من الدفن فلیتفرقو اویشتغلوا	جیسا کہ علامہ شرنبلالی کی مراقی الفلاح میں ہے کہ ہمارے بہت سے ائمہ متاخرین رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ میّت والے کے یہاں اس مقصد سے اجتماع کہ اس کے یہاں تعزیت کرنے والے آئیں مکروہ ہے۔ لوگ جب دفن سے واپس ہوں تو

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ ومما یتصل بذلک مسائل التعزیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

بامورھم وصاحب المیّت بامرہ [1] ۔	متفرق ہو جائیں، لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں اہل میّت اپنے کام میں مصروف ہوں۔(ت)

بالجملہ قولِ فیصل جس سے اختلاف زائل، اور توفیق حاصل ہو یہ ہے کہ نفس تعزیت و دعا و ایصال ثواب بیشک محمود و مندوب اور وقتِ دُعا ہاتھ اٹھانا بھی جائز، اور اگر کوئی شخص اولیائے میّت کے مکان پر جاکر تعزیت کر آئے تو بھی قطعًا روا۔ مگر اولیاء کا خاص اس قصد سے بیٹھنا اور لوگوں کا ان کے پاس ہجوم و مجمع کرنا خواہ قبل دفن ہو یا بعد اُسی وقت اگر ہو یا کبھی مکان میّت پر ہو یا کہیں اور، بہر طور جائز و مباح ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو، مگر اس کا نہ کرنا افضل ہے، نہ یہ کہ قطعًا حرام اور گناہ اور فاعل مبتدع و گمراہ ٹھہرے۔

سبحانك ھذا بھتان عظیم قلت وبھذا تتفق الکلمات من قول قوم لاباس بہ وقوم اٰخرین انہ یکرہ ویکون ماثبت بالحدیث المذکور بیانا للجواز فاتقن ھذا التحریر الفرید فانہ ان شاء اللہ التحقیق الوسیط وان خالف زعم الفریقین من اھل الافراط و التفریط۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	تجھے پاکی ہے۔ یہ بڑا بہتان ہے۔ قلت(میں کہتا ہوں) اور اس تفصیل سے کلماتِ علماء میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ کچھ لوگوں نے کہا ہے اس میں کوئی حرج نہیں، اور دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ یہ مکروہ ہے ___ اور حدیث مذکور سے جو ثابت ہوا ہو بیانِ جواز کے لئے ہوگا ___ تو اس منفرد تنقیح کو اچھی طرح محفوظ کر لو کہ ان شاء اللہ یہ درمیانہ تحقیق ہے اگرچہ دونوں فریق کے افراط و تفریط والوں کے برخلاف ہو ___ اور خدائے پاک و برتر درستی کو خوب جاننے والا ہے اور اسی کی جانب رجوع و مآب ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کی تعزیت بعد دفن ہی چاہئے یا پیش از دفن بھی جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

افضل یہ ہے کہ بعد دفن قبر سے پلٹ کر ہو کما فی الجواھرۃ وغیرھا (جیسا کہ جوھرۃ

[1] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۸

وغیرہامیں ہے۔ت) اور قبل دفن بھی بلا کراہت جائز ہے،

فی صحیح الامام ابن السکن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من اوذن بجنازۃ فاتی اھلھا فعزاھم کتب اللہ تعالٰی قیراطا فان تبعھا کتب اللہ له قیراطین فان صلی علیھا کتب اللہ له ثلثة قراریط فان شھد دفنھا کتب اللہ له اربعة قراریط القیراط مثل احد[1]۔	صحیح امام ابن سکن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے (ت) جسے کسی جنازہ کی خبر ملے وہ اہل میّت کے پاس جاکر ان کی تعزیت کرے اللہ تعالٰی اس کے لئے ایک قیراط ثواب لکھے، پھر اگر جنازہ کے ساتھ جائے تواللہ تعالٰی دو قیراط اجر لکھے، پھر اس پر نماز پڑھے تو تین قیراط، پھر دفن میں حاضر ہو تو چار، اور ہر قیراط کوہ احد کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲: از شہر بھڑونچ، لال بازار، چنارواڑ، مرسلہ مولوی عباس میاں ولد مولوی علی میاں ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت مکان میں موجود ہے اس کو دفن نہیں کیا، اس کے پہلے اہل میّت کے لوگوں کو کھانا درست ہے یا نہیں؟ احمد سعید کا کہنا ہے کہ درست ہے اور کوئی بُرا نہیں۔ فقہ کی کتاب منافع میں تولکھا ہے کہ دفن کرنے کے پہلے کھانا حرام ہے، بلکہ ہمسایہ کے چالیس مکان تک حرام ہے۔ اب حق کون ہے وہ بیان کریں۔

الجواب:

کھاناحرام نہیں، غفلت حرام ہے۔ اور چالیس گھرتک حرام ہونا بے اصل محض۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۳: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میانسرائے قدیم مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو طفل زنا سے متولد ہو کر چار پانچ سال کی عمر میں فوت ہوجائیں اور اس کی مادر بخوف پابندی حکمِ شریعت اس سانحہ پر صبر اختیار کرے تو طفلِ متوفی مادر صابر کا فرط ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے دلائل کیا کیا ہیں؟ اور اگر پدر زانی کے قلب پر بھی اس سانحہ کا صدمہ زیادہ ہوا ہو اور وہ بھی بلحاظ امر شریعت صبر کو ملحوظ رکھے تو وہ بھی مستحق ہوگا کہ طفلِ متوفی اس کے لئے فرط ہو یا مستحق نہ ہوگا، امید کہ مفصل جواب بحوالہ عبارت کتب تحریر فرمایا جائیگا تاکہ کسی کو سُن کر بمقابلہ دلائل نقلیہ انکار کا موقع نہ ملے اور شخص مقر کو اطمینان کامل حاصل ہو جائے۔ فقط

---

[1] صحیح امام ابن سکن

الجواب:

ولد الزنا کے لئے شرعا کوئی باپ نہیں، شرع مطہر نے زانی سے اس کا نسب قطع فرمادیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر [1]۔	بچّہ بچھونے والے کا اور زانی کے لئے پتھر۔

تو وہ اس کا فرط کیونکر ہوسکتا ہے۔ رہا ماں کے لئے فرط ہونا، یہ اس پر موقوف ہے کہ والد الزنا کو منصب شفاعت دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ احادیث سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مطبوع علی الشر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ولد الزنا شر الثلثۃ [2] (ولدِ زنا تین میں سب سے بُرا ہے۔ت) دوسری حدیث میں ہے:

لایدخل الجنۃ ولد زانیۃ [3] اھ ای مع السابقین کما فی نظائرہ۔	زانیہ کا بچہ جنت میں نہ جائے گا اھ یعنی سابقین کے ساتھ، جیسے اس طرح کی دیگر حدیثوں میں یہ تاویل ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے:

لاینبغی علی الناس الا ولد بغی والابن فیہ عرق منہ [4]۔	لوگوں پر ظلم نہ کرے مگر زنا کی اولاد اور وہ جس میں اس کی کوئی رگ ہو۔ (ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلاث امامنافق واماالزنیۃ واما امرء حملت بہ امہ لغیر طھر [5]۔ رواہ الدیلمی ورواہ البیھقی من حدیث زید بن جبیر عن داؤد بن حصین عن ابن رافع	جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین میں سے ایک ہے۔ منافق ہے یا زانیہ کا بچہ یا ایسا شخص جسے اس کی ماں نے بحالت حیض حمل میں لیا۔ اسے دیلمی نے روایت کیا اور اسے بیہقی نے زید بن جبیر کی حدیث میں داؤد بن حصین سے، انھوں نے ابورافع سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے انہوں نے

---

[1] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[2] سنن ابوداؤد کتاب العتق باب فی عتق والد الزنا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹۶

[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۹۰۰ عبدالرحمٰن ابوحفص دار الکتاب العربیہ بیروت ۱۱/ ۱۹۱، شعب الایمان حدیث ۷۸۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۹۱

[4] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۳۰۹۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۳۳

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۶۲۶

عن ابیہ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولفظہ اما منافق واما ولد مزنیۃ واما لغیر طہور [1]۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا اس کے الفاظ یہ ہیں: یا تو منافق ہے یا مزنیہ کا بچہ یا بے طہارت کا (ت)

بایں ہمہ اعزوجل پر حکم نہیں کرسکتے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾ [2] اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱﴾ [3] (اللہ جو چاہے کرتا ہے بیشک خدا جو چاہے حکم فرماتا ہے۔ت) ہاں صبر بجائے خود ایک حسنہ جمیلہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ [4] اور اللہ تعالٰی نیکی کرنے والوں کا اجر رائیگاں نہیں کرتا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴: از شہر محلّہ کٹرہ چاند خاں مسئولہ جمال احمد ۱۶ شعبان ۱۳۳۶ھ

سائل کے بڑے لڑکے کی اہلیہ نے جو عرصہ سے بعارضہ دق علیل تھی اور اس کے والدین اسے اپنے گھر لے گئے تھے وہیں انتقال کیا، سائل مع پسر خبر انتقال سن کر مع چند دیگر اشخاص وجملہ سامانِ تجہیز وتکفین لے کر پہنچے انھوں نے ہمیں نہایت ترش روئی سے شریک میّت نہ ہونے دیا اور مٹی تک نہ دینے دی، یہ فعل کیسا ہے؟

الجواب:

بہت بُرا کیا، اگر بلاوجہ شرعی صحیح معتبر تھا کہ مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذٰی مسلمًا فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قدیم قبر اگر کسی وجہ سے کھل جائے یعنی اس کی م-ٹی الگ ہو جائے اور مردہ کی ہڈیاں وغیرہ ظاہر ہونے لگیں تو اس صورت میں قبر کو مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت سے دینا چاہئے؟ بینوا توجروا بالدلیل

الجواب:

اس صورت میں اُسے مٹی دینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ستر مسلم لازم ہے۔

---

[1] شعب الایمان باب فی تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۶۱۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۲

[2] القرآن ۱۴/ ۲۷

[3] القرآن ۵/ ۱

[4] القرآن ۹/ ۱۲۰

[5] کنز العمال بحوالہ طس عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۴۳۷۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۰

وقد انکشفت قدم لما انہدم جدار الحجرۃ الشریفۃ فی زمان الولید ففزع الناس وظنوا انہا قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فما وجدوا احد یعلم ذٰلک حتی قال لھم عروۃ لا واللہ ماھی قدم البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماھی الا قدم عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] کما فی صحیح البخاری عن ھشام عن ابیہ واخراج ابن زبالۃ وغیرہ ان قال عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ لمن امرہ ببناء الحائط ان غط مارأیت ففعلہ۔	ولید کے زمانے میں جب روضہ پاک کی دیوار منہدم ہوئی تو ایک قدم کھل گیا جس سے لوگ گھبرا اٹھے، انھیں گمان ہوا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے۔ کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جو اس سے آگاہ ہو یہاں تک کہ حضرت عروہ نے کہا بخدا یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قدم نہیں، یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی قدم ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہشام بن عروہ سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی ہیں اور ابن زبالہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جس کو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا اس سے فرمایا جو تم نے دیکھا اُسے چھپادو، اس نے تعمیل کی۔ (ت)

اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی ستر لازم ہے اور کشف ممنوع، اس طرح چھپائیں کہ زیادہ نہ کھولنا پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۶: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق و مولوی کریم صاحبان بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پیر نے اپنے مرض الموت میں اپنے وطن سے دُور ایک مرید سعید ورشید کے شہر میں اپنے دفن کی خواہش کی، بعد وصیت اور اسی مرض الموت ییں وہاں پہنچ گئے اور بعد انتقال وہیں دفن ہوئے، اب چار برس چند ماہ کے بعد اس پیر کا فرزند جس کے سامنے اس کے باپ نے اپنے مرید کو وصیت کی تھی کہ ہم تمھارے شہر میں دفن ہوں، بسبب نزاع کے اس مرید سے چاہتا ہے کہ نعش کو اس حجرے سے اکھاڑ کر وطنِ شیخ یا اسی شہر میں جہاں اب مزار ہے دوسری جگہ لے جاکر دفن کرے، آیا یہ امر ممکن ہے کہ نبش مسلم کیا جائے جس سے سراسر توہین میّت متصور ہے اور وصیت متوفی کو جو اس اہتمام کے ساتھ کی، توڑ دیا جائے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۶

جواب از لکھنؤ: ھوالمصوب، مالک زمین وحجرہ نے اپنی خوشی واجازت سے نعشِ شیخ کو دفن کیا، پس اب نبش قبر کا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے، جیسا کہ شامی میں مصرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبدالمجید۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں نبش حرام، حرام، سخت حرام، اور میّت کی اشد توہین وہتک سرّ رب العلمین ہے اور جو بیٹا باپ کے ساتھ ایسا چاہے عاق وناخلف ہے۔ اگرچہ وصیت دربارہ دفن واجب العمل نہیں، نہ یہاں دفن بے رضائے مالک کے مسئلہ کو کچھ دخل تھا کہ رضا پر تفریع حکم ہو، بالفرض اگر وقت دفن رضائے مالک نہ ہوتی تو اختیار نبش اُسے ہوتا نہ کہ اجنبی کو جس کا زمین میں کوئی حق نہیں۔ التجنیس والمزید میں ہے:

اذادفن فی ارض غیرہ بغیر اذن مالکھا فالمالك بالخیاران شاء امر باخراج المیّت وان شاء سوی الارض وزرع فیھا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر دوسرے کی زمین اس کے مالک کی اجازت کے بغیر دفن کردیا جائے تو مالک کو اختیار ہے اگر چاہے میّت کو نکلوادے اور اگر چاہے تو زمین کے برابر کردے اور اس میں کھیتی کرے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷: روز دوشنبہ ۲۳ صفر ۱۳۲۳ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی امرأۃ حاملۃ ماتت فی مدۃ کاملۃ ودفنت بدستور العمل فرأی رجل صالح فی المنام انھا ولدت ولداحیا ایجوز ان یحفر قبرھا ویخرج الولد معھا اویخرج ولدھا فقط باعتماد منام الرجل المذکور ام لا۔ بینوا بالبرھان توجروا من الرحمان۔	اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک عورت پوری مدتِ حمل کے بعد بحالت حمل انتقال کر گئی، دستور کے مطابق اسے دفن کردیا گیا، ایک مرد صالح نے خواب دیکھا کہ اس عورت کو زندہ بچہ پیدا ہوا ہے، اب شخص مذکور کے خواب پر اعتماد کرکے قبر کھود کر بچّے کو عورت کے ساتھ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ دلیل کے ساتھ بیان فرمائیں خدا سے اجر پائیں (ت)

الجواب:

لا۔ الابدلیل جائز والستر مصون	جائز نہیں، مگر جب کوئی روشن دلیل ہو، پردہ محفوظ

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التجنیس الفصل السادس فی القبر والدفن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

والرویا فنون، فی السراجیۃ ثم الھندیۃ حامل اُتت علی حملھا سبعۃ اشھر وکان الولد یتحرک فی بطنھا ماتت فدفنت ثم رؤیت فی المنام انھا قالت ولدت لاینبش القبر [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	ہے، اور خواب طرح طرح کے ہوتے ہیں، سراجیہ پھر ہندیہ میں ہے ایک عورت کے حمل کو ساتھ مہینے ہوئے بچہ اس کے پیٹ میں حرکت کرتا تھا وہ مر گئی اور اسے دفن کر دیا گیا، پھر کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ کہتی ہے میں نے بچہ جنا ہے، تو قبر نہ کھودی جائے گی اھ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۸: از جوہر کوٹ بار کھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مسافران راعادت است کہ در سفر بمیرند ہمانا دفن میکنند ولیکن امان میکند بعد از مدت مقررہ ازنجا بیرون کنانیدہ از مشرق بہ مغرب واز شمال بجنوب وعلی العکس می برن د، آیا ایں فعل جائز است یا ناجائز؟	مسافروں کی عادت یوں ہے کہ جو سفر میں مرتے ہیں ان کو ویسے ہی دفن کر دیتے ہیں لیکن امانت رکھتے ہیں ایک مقررہ مدّت کے بعد سے نکالا کر مشرق سے مغرب، شمال سے جنوب اور اس کے بر عکس لے جاتے ہیں، یہ فعل جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

ایں حرام ست، بعد از دفن کشودن حلال نیست، و نقل بمسافتِ بعیدہ روانیست، واللہ تعالٰی اعلم	یہ حرام ہے، دفن کے بعد کھولنا جائز نہیں، اور دور مسافت تک لے جانا بھی روا نہیں، اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۹ تا ۱۲۰: از جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مسئولہ ملک محمد امین صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) قبرستان بوجہ بہت ویرانے کے میّت کی ہڈیاں باہر نکل پڑیں تو ایسی حالت میں پختہ اینٹوں سے قبر از سر نو بنانی جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسے قبرستان میں جوتی پہن کر جانا اور چارپائی پر سونا، گھوڑا باندھنے میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اُن ہڈیوں کو دفن کرنا واجب ہے اور قبر میّت کے گرد پکی نہ ہو اوپر سے پکی کر سکتے ہیں۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

(۲) قبروں پر چلنے کی ممانعت ہے نہ کہ جُوتا پہننا۔ سخت توہینِ اموات مسلمین ہے، ہاں جو قدیم راستہ قبرستان میں ہو جس میں قبر نہیں اس میں چلنا جائز ہے اگر چہ جُوتا پہنے ہو۔ قبروں پر گھوڑے باندھنا، چارپائی بچھانا، سونا، بیٹھنا سب منع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱: از شہر بریلی کہنہ محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ مولوی حضور احمد صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے صحن میں، بعد تعمیر مسجد، ایک عرصہ کے بعد اتفاق سے تین میّت دفن ہوگئیں، قبروں کے میل میں شمال کی جانب ایک حجرہ بھی تھا کہ اس کو وارثان میّت موصوفہ نے توڑ کر دوسری جگہ حجرہ بنوادیا اور اراضی حجرہ سابق کو شامل قبروں کے حدود قائم کردئے، وارثانِ میّت کا ایما قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی حجرہ سابق بغرض آئندہ قبروں کے شامل کی گئی ہے۔ علاوہ اس کے قبروکے تین رُخ یعنی جانب مشرق و مغرب جنوب بوقت بنوانے حدود کے تھوری اراضی صحن مسجد قبروں میں اور شامل ہوگئی ہے۔ ایسی صوت میں شرعًا کیا ہونا چاہئے؟ اور چونکہ اس وقت فرش صحنِ مسجد کا پختہ اور درست ہورہا ہے اراضی حجرہ سابق و نیز اور جو اراضی کسی قدر قبروں کے حصہ میں دب گئی ہے اس کو نکال کر اور تینوں قبروں میں جس قدر اراضی ہے حدود بنادئے جائیں یا نہیں یا کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ تعمیر فرش زیر تعمیر ہے اس کے جواب کی جلد ضرورت ہے۔

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ صحنِ مسجد میں بعد تعمیر مسجد وارثانِ بانی مسجد خواہ کسی نے قبریں بنالیں تو وہ قبریں محض ظلم ہیں اور ان کا باقی رکھنا ظلم ہے نہ کہ آئیندہ قبروں کے لئے ایک حدبندی اور اس میں حجرہ مسجد اور صحنِ مسجد سے اور زمین شامل کرنا یہ سب ظلم وحرام ہے اور اس کا دفع کرنا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[1] واقع ھھنا فی ابن عابدین ایھام ازلناہ فیما علیہ عقلناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ یہاں شامی کچھ ایہام واقع ہے جس کا ازالہ ہم نے اس کے حاشیہ میں کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: مسجد کے محاذی مسجد کے دروازے سے ملحق اگر پرانا قبرستان ہو جس میں قبروں کے نشان نمایا ہوں اس کی اراضی کو مسجد کے صحن کو وسعت دینے کی غرض سے ہموار کرکے شاملِ صحن کرلیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے تو

[1] سنن ابو داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حرام، حرام، حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳: از بنگالہ ضلع سلہٹ موضع شوبید پور مرسلہ مولانا انوار لدین صاحب ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان وقف میں کسی کو اپنی سکونت یا ذاتی منفعت کے لئے مکان بنایا، یا مقبرہ غیر وقف میں مالک کا خاص قبور پر یا قبروں سے جدا مکان تعمیر کرنا، خصوصًا اس قبر پر جو بلا اجازتِ مالک اس کی زمین میں بنالی ہو، اس میں سے میّت کو نکال کر یا بے نکالے ہوئے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مقبرہ وقف میں اپنا مکانِ سکونت بنانا یا خلافِ وقف اپنے کسی تصرف وانتفاع میں لانا حرام ہے۔ فان الوقف لا یملک ولا یخالف (اس لیے کہ وقف کو نہ اپنی ملک بنایا جاسکتا ہے نہ اس کے مقررہ مقصد کے خلاف کیا جاسکتا ہے۔ت) اور مالک کو اپنی زمین مملوک میں قبروں سے جدا مکان بنانا روا، **فان الملك مطلق له والمالك لا یحجر** (اس لیے کہ ملک اس کے لیے مطلق ہے اور مالک روکا نہیں جاسکتا۔ت) اور قبور پر کہ اس کی اجازت سے بنی ہوں ناروا،

لما فیه من استهانة بالمسلمین وقد حققنا مایتعلق بهذا فی فتاوٰنا بمالا مزید علیه ومن سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه۔	اس لیے کہ اس میں مسلمان کی اہانت ہے اس سے متعلق تمام باتون کی کامل تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے اور جو اس عہد کو توڑنے کی کوشش کرے جو اسی کی جانب سے تمام ہوا تو اس کی کوشش اس پر رد کردی جائیگی۔ (ت)

مگر جو قبر ظلمًا بلا اجازت مالک بنالی جائے اس کے لیے کچھ حق نہیں۔

لقوله صلی اللہ علیه وسلم لعرق ظالم حق [1]	کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ (ت)

علماء اجازت دیتے ہیں کہ چاہے میّت کو نکلوادے' چاہے یونہی زمین اپنے تصرف میں لائے۔ درمختار میں ہے:

---

[1] سنن ابوداؤد باب احیار الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

یخیر المالك بین اخراجه ومساواته بالارض [1]۔	مالک کو اختیار ہے کہ اسے نکال دے یا زمین کے برابر کردے۔(ت)

صفوفِ نماز کی شرعًا کس قدر حرمت وتعظیم ہے، مگر جو صفیں قبل تمامی صف اول کرلی جائیں، حدیث وفقہ حکم فرماتے ہیں کہ ان صفوں کو چیرتے ہوئے جاکر صفِ اوّل پوری کریں کہ خلاف شرع قائم ہونے کے سبب ان کی حرمت نہیں، یہ حق اللہ میں ہے۔ حق العبد تو اشد ہے۔ پھر بھی اگر صاحبِ حق اس کا لحاظ کرکے اپنے حق سے درگزر کرے کہ مردہ بدست زندہ اس نے خود قصور نہ کیا۔ تو امید ہے کہ حق سبحٰنہ وتعالیٰ اُسے اجر عظیم فرمائے گا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۲۴: از بمبئی، محلّہ نل بازار، دکان سیٹھ شمس الدین وامیر الدین مرسلہ امیر الدین معرفت سید محمد مہدی حسن میاں صاحب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص قبرستان خاص یا قرب قبرستان مکان تعمیر کرے، اور پاخانہ بھی تعمیر کرے۔ پاخانہ کی موری کا غلیظ پانی قبروں پر ہوکر جائے تو ایسی جگہ مکان بغرض سکونت ورہائش بنانا جائز ہے یا ناجائز؟ ایسی جگہ کہ کپڑوں کے دھونے سے غلیظ پانی کپڑوں کا قبروں پر سے جاری ہے وہاں دھوبی کپڑے دھوسکتا ہے اور اگر وہ جگہ بقبضہ مسلمان ہے یا ملکیت مسلمان ہے تو مسلمان اگر مانع نہ آئے، یا بطمع کرایہ دھوبی کے اس عمل مذکور کو جاری رہنے دے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قبرستان وقف ہے اور وقف میں اپنی سکونت کا مکان بنانا وقف بیجا ہے اور اس میں تصرف بیجا حرام ہے پھر اگر اس قطعہ میں قبور بھی ہوں اگرچہ نشان مٹ کر ناپید ہوگئی ہوں جب تو متعدد حراموں کا مجموعہ ہے، قبروں پر پاؤں رکھنا ہوگا، چلنا ہوگا، بیٹھنا ہوگا، پیشاب پاخانہ کرنا ہوگا، اور یہ سب حرام ہے۔ اس میں مسلمانوں کو طرح طرح ایذا ہے اور مسلمان بھی کون، اموات کہ شکایت نہیں کرسکتے، دنیا میں عوض نہیں لے سکتے، بے وجہ شرعی مسلمانوں کی ایذا اللہ ورسول کی ایذا ہے، اللہ ورسول کو ایذا دینے والا مستحق جہنم۔ اسی طرح اگر قبرستان کے قریب مکان بنایا، پاخانے یا دھوبیوں کے غلیظ پانی کا بہاؤ قبور پر رکھا تو یہ بھی سخت حرام ہے اور جو باوصفِ قدرت اُسے منع نہ کرے وہ بھی مرتکب حرام ہے اور بطمع کرایہ اُسے روا رکھنا سستے داموں دوزخ مول لینا ہے، یہ کام اُسی شخص کے ہوسکتے ہیں جس کے دل میں نہ اسلام کی قدر، نہ مسلمانوں کی عزت، نہ خدا کا خوف، نہ موت کی ہیبت، **والعیاذ**

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

باللہ تعالٰی۔ امام ابن امیر الحاج حلیہ میں نوادر وتحفۃ الفقہاء وبدائع ومحیط وغیرہ سے نقل فرماتے ہیں:

اباحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کرہ وطء القبر والقعود اوالنوم اوقضاء الحاجۃ الیہ[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر پر چلنا، بیٹھنا سونا، قضائے حاجت کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں جامع الفتاوٰی سے ہے:

انہ والتراب الذی علیہ حق المیّت فلایجوز ان یوطء[2]۔	وہ اور اس پر کی مٹی حقِ میّت ہے تو اس پر چلنا جائز نہیں ۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں امام علی ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیّت[3]۔	قبروں پر چلنے سے گنہگار ہوگا اس لیے کہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے: یکرہ بول وغائط فی مقابر[4] (قبرستان میں پیشاب پاخانہ مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لان المیّت یتأذی بمایتاذی بہ الحی والظاھر انھا تحرمیۃ لانھم نصوا علی المرورفی سکۃ حادثہ فیھا حرام فھذا اولی[5]۔	اس لیے مردے کو بھی اس چیز سے اذیّت ہوتی ہے جس سے زندے کو اذیت ہوتی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اس لیے کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان کے اندر نَوپیدا راستے سے گزرنا حرام ہے تو یہ بدرجہ اولٰی حرام ہوگا۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرۃ اوسیف احب الی من ان	مجھے آگ یا تلوار پر چلنا قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے

[1] بدائع الصنائع فصل فی مسئلۃ الدفن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۰، تحفۃ الفقہاء باب الدفن وحکم الشداء دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۵۷

[2] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف الثامن نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۴

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[4] درمختار فصل فی الاستنجا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[5] ردالمحتار فصل فی الاستنجا ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹

امشی علی القبر [1]۔ رواہ ابن ماجۃ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند جید۔	اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بسند جید روایت کیا۔

نیز نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیّت یوذیہ فی قبرہ مایوذیہ فی بیتہ [2] وقال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ [3] وعن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال رانی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر [4]۔	مُردے کی ہڈیاں توڑنا اور اسے ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندے کی ہڈی توڑنا، اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہے: میّت کو قبر کے اندر بھی اس چیز سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر کے اندر ایذا ہوتی تھی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: بحالت وفات مومن کو ایذا دینا ایسے ہے جیسے اسے زندگی میں ایذا دینا۔ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر سے لگنے والے! قبر سے اُتر جا، صاحب قبر کو ایذا نہ دے۔(ت)

ان تمام صحیح حدیثوں اور ان کے سوا اور احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کہ قبر پر بیٹھنا یا پاؤں رکھنا بلکہ صرف اُس سے تکیہ لگانے سے میّت کو ایذا ہوتی ہے۔ اور مردہ مسلمان کی ایذا ایسی ہے جیسے زندہ مسلمان کی۔ تو اس پر تجھے پانی بہانا کس قدر باعث ایذا ہوگا۔ جب زندہ مردہ اس میں برابر ہیں تو کیا یہ شخص روا رکھے گا کہ پاخانے کے بدرو کا پانی اس پر بہایا جائے یا لوگ اس کے سینے اور مُنہ پر پیشاب کیا کریں، یا دھوبی ناپاک کپڑے دھو کر وہ پانی اس کے منہ اور سر پر چھڑک دیا کریں، ہر گز کوئی مسلمان بلکہ کافر اسے اپنے لیے روا نہ رکھے گا، تو میّت مسلمانوں کے لیے ایسی سخت ایذا کس دل سے روا رکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلمًا فقد اذانی ومن اذانی فقد اٰذی اللہ [5]۔ رواہ الطبرانی عنہ	جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۱۳
[2] سنن ابوداؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲
[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ ابن ابی شیبہ باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۷۹
[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ الطبرانی والحاکم باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹
[5] کنز العمال بحوالہ طب عن انس رضی اللہ عنہ حدیث ۷۰۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۰

فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	ایذادی۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۝ [1]۔	بیشک جو لوگ اللہ ورسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دینا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف کھود کر، جس میں قدیم قبریں بھی ہیں، محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں، اور درخت اگر سایہ زائرین کے لیے ہو اچھا ہے، مگر قبرستان سے جُدا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ غلام جان صاحب طالبعلم ۱۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان کی کوئی چیز مثلاً لکڑی وانیٹیں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا یا اُن کی قیمت لے کر مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب:

قبرستان میں پیڑ جس نے لگائے ان کی لکڑی اور مقبرہ جس نے بنوایا اس کی اینٹیں اس لگانے بنوانے والے کی ملک ہے وہ جو چاہے کرے، اور اگر مالک کا پتا نہیں یا درخت خودرَو ہیں تو مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: از سہانپور مرسلہ مولوی امیر یار خاں صاحب امام مسجد جامع ۲۰ شوال ۱۳۱۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے، آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ ایک بزرگ کی قبر خام ہے اس اہل قبر سے اس کے مقتدین کے لیے کمال درجہ کا فیض مثل اویسیہ کے اور حصول تسکین قلب ومراقبہ واشغال متصور ہے۔ مگر چونکہ موسم برسات میں بباعث آب وسیلاب کے اور دیگر مواسمِ گرماو غیرہ

[1] القرآن ۳۳/ ۵۷

میں معتقدین کو وہاں بیٹھنے کی بہت تکلیف رہتی ہے، پس اگر معتقدین مذکورین واسطے اپنے استفاضہ طریقت اس قبر کے گرداگرد چبوترہ پختہ دیوار اور چار دیواری پختہ بنادیں اور اوپر سے کھلی ہوئی رکھیں اور قبر کو خام رہنے دیں تو جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

صورت مذکورہ فی السوال جائز ہے۔ ائمہ دین نے مزاراتِ حضرات علماء ومشائخ قدست اسرارہم کے گرد زمین جائز التصرف میں اس غرض سے کہ زائرین ومستفیدین راحت پائیں عمارت بنانا جائز رکھا، اور تصریحات فرمائیں کہ علت منع نیت فاسدہ یا عدم فائدہ ہے تو جہاں نیت محمود اور نفع موجود منع مفقود۔ تفصیل صور و تحقیق اغراس مسئلہ میں یہ ہے کہ اگر پہلے عمارت بنالی جائے بعدہ اس میں دفن واقع ہو جب تو مسئلہ بناء علی القبر سے متعلق ہی نہیں کہ یہ اقبار فی البناء ہے، نہ بناء علی القبر، علامہ طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمٰن، پھر علامہ شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام، پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیتین درومراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

واللفظ الغنیة قال قال فی البرھان یحرم البناء علیه للزینة ویکرہ للاحکام بعد الدفن لا الدفن مقام بنی فیه قبله لعدم کونه قبر حقیقة بدونه[1] اھ	الفاظ غنیہ کے ہیں کہا کہ برہان میں ہے کہ قبر پر زینت کے لیے عمارت بنانا حرام ہے اور دفن کے بعد پختگی ومضبوطی کے لیے بنانا مکروہ ہے، جہاں پہلے سے عمارت تھی وہاں دفن مکروہ نہیں کیونکہ بغیر دفن کے وہ جگہ حقیقۃً قبر نہیں اھ (ت)

اور اگر دفن کے بعد تعمیر ہو تو اس کی دو۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ خود نفسِ قبر پر کوئی عمارت چُنی جائے اس کی ممانعت میں اصلاً شک نہیں کہ سقفِ قبر وہوائے قبر حق میّت ہے، معہذا اس فعل میں اس کی اہانت واذیت، یہاں تک کہ قبر پر بیٹھنا، چلنا ممنوع ہوا نہ کہ عمارت چننا، ہمارے بہت علمائے مذہب قدست اسرارہم نے احادیث وروایات نہی عن البناء سے یہی معنٰی مراد لیے اور فی الواقع بناء علی القبر کے حقیقی معنٰی یہی ہیں۔ گرد قبر کوئی مکان بنانا حول القبر ہے کہ علی القبر۔ جیسے صلٰوۃ علی القبر کی ممانعت بجنب القبر کو شامل نہیں کما نص علیه العلماء قاطبة وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ علماء نے بالاتفاق اس کی تصریح کی ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) امام فقیہ النفس فخر الملۃ والدین اوزجندی خانیہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیہ درر الاحکام باب الجنائز مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ دار السعادت بیروت ۱/ ۱۶۷

لا یجصص القبر لماروی عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ انھی عن التجصیص و التقضیض وعن البناء فوق القبر، قالوا اراد بالبناء السفط الذی یجعل علی القبر فی دیار نالماروی عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لایحصص القبر ولایطین ولایرفع علیہ بناء وسفط [1]۔	قبر کو گچ سے پکانہ کیا جائے گااس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ حضور نے گچ اور چونے سے پختہ کرنے سے اور قبر کے اوپر عمارت بنانے سے ممانعت فرمائی ہے، علماء نے فرمایا عمارت سے مراد وہ سفط ہے جو ہمارے دیار میں قبر پر بنایا جاتا ہے اس لیے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: قبر کو گچ اور گارے سے پختہ نہ کیا جائے اور نہ اس پر عمارت اور سفط بلند کیا جائے۔(ت)

امام طاہرین بن عبدلرشید بخاری خلاصہ میں فرماتے ہیں:

لا یرفع علیہ بناء قالوا ارادبہ السفط الذی نجعل فی دیارنہ علی القبور وقال فی الفتاوی الیوم اعتادوا السفوط [2]۔	اس پر کوئی عمارت اونچی نہ کی جائے، علماء نے فرمایا: اس سے وہ سفط مراد ہے جو ہمارے دیار میں قبروں پر بنایا جاتا ہے، اور فتاوٰی میں ہے کہ اس زمانے میں سفطوں کی عادت ہو چکی ہے۔(ت)

رحمانیہ میں نصاب الاحتساب سے ہے:

لایجوز لاحد ان یبنی فوق القبور بیتا اومسجدا لان موضع القبر حق المقبور فلا یجوز لاحد التصرف فی ھواء قبرہ [3]۔	قبر کے اوپر گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں اس لیے کہ قبر کی جگہ میّت کا حق ہے تو کسی کے لیے اس قبر کی فضا میں تصرف روا نہ ہوگا۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیّت [4]۔	قبروں پر چلنے سے گنہگار ہوگا اس لیے کہ قبر کی چھت حقِ میّت ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب غسل المیّت الخ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس والعشرون فی الجنائز مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۶

[3] رحمانیہ

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

دوسرے یہ کہ گرد قبر کوئی چبوترہ یا مکان بنایا جائے، یہ اگر زمین ناجائز تصرف میں ہو جیسے ملک غیر بے اذن مالک یا ارض وقف بے شرط واقف، تواس وجہ سے ناجائز ہے کہ ایسی جگہ تومسجد بنانی بھی جائز نہیں اور عمارت تواور ہے،

ولذا النقل فی المرقاۃ عن الازھاران النھی للحرمۃ فی المقبرۃ المسبلۃ ویجب الھدم وان کان مسجدا [1]۔	اسی لیے مرقات میں ازہار سے نقل ہے کہ عام وقفی قبرستان میں تعمیر حرام ہونے کی وجہ سے نہی ہے اور اسے ڈھادینا ضروری ہے اگرچہ مسجد ہی ہو۔(ت)

یوں ہی اگر بہ نیت فاسدہ ہومگر زینت وتفاخر جیسے امراء کی قبور پر ابنیہ رفیعہ بمصارف وسیعہ اس غرض سے بنائے جاتے ہیں، تو یہ بوجہ فساد نیت ممنوع،

کما مرعن البرھان ومثلہ فی نور الایضاح وغیرہ۔	جیساکہ برہان کے حوالے سے گزرا، اور اسی کے مثل نورالایضاح وغیرہ میں ہے۔(ت)

اسی طرح جہاں بے فائدہ محض ہو، جیسے کوئی قبر کسی بَن میں واقع ہو جہاں لوگوں کا گزر نہیں یا عوام غیر صلحا کی قبور جن سے نہ کسی کو عقیدت کہ بجہت تبرک وانتفاع ان کی مقابر پر جائیں نہ ان کے دنیادار ورثا سے امید کہ وہی جاڑے، گرمی، برسات مختلف موسموں میں بقصدِ زیارت قبر ونفع رسانیِ میّت وہاں جاکر بیٹھا کریں گے، قرآن وذکر میں مشغول رہیں گے یا بروجہ جائز قراء وذاکرین کو وہاں مقرر رکھیں گے، ایسی صورت میں بوجہ اسراف واضاعت مال نہی ہے، علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: **منھی لعدم الفائدۃ فیہ** [2] (ممنوع ہے کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ت) مجمع بحار الانوار میں ہے: **منھی عنہ لعدم الفائدۃ** [3] (بے فائدہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔ت) مرقاۃ میں ہے:

وقال بعض الشراح من علمائنا ولاضاعۃ المال [4]۔	اور ہمارے بعض علمائے شارحین نے فرمایااور اضاعت مال کی وجہ سے بھی۔(ت)

جہاں ان سب محذورات سے پاک ہو وہاں ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ ولہٰذا مولانا علی قاری نے بعد نقل کلام

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ تورپشتی باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

[3] مجمع بحار الانوار لفظ ''شرف'' کے تحت مذکور ہے منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۸۷

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیّت فصل اول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

مذکور تورپشتی فرمایا:

قلت فیستفاد منه انه اذا کانت الخیمة لفائدة مثل ان یقعد القراء تحتها فلا تکون منهیة، قال ابن الهمام واختلف فی اجلاس القارئین لیقرأوا عند القبر والمختار عدم الکراهة [1]۔	میں کہتا ہوں تواس سے مستفاد ہوا کہ جب خیمہ کسی فائدہ کے تحت ہو مثلاً یہ کہ قرآن پڑھنے والے اس کے نیچے بیٹھیں گے تو ممنوع نہ ہوگا۔ ابن ہمام نے فرمایا: قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھنے کے لیے جو ٹاٹ بچھتے ہیں ان سے متعلق اختلاف ہے، مختار یہ ہے کہ کراہت نہیں۔(ت)

شیخ الاسلام کشف الغطاء میں فرماتے ہیں:

اگر غرضے صحیح داشتہ باشد ' دراں باک نیست بآں چنانکہ دربنائے قبر بہ نیت آسائش مردم وچراغ افروختن درمقابر بقصد دفع ایذائے مردم از تاریکی راہ ونحوآں گفتہ اند، کذا یفهم من شرح الشیخ [2]۔	اگر کوئی صحیح غرض ہو تواس میں حرج نہیں جیسے لوگوں کے آرام کے لیے قبر کے پاس عمارت بنانے اور راستے کی تاریکی سے لوگوں کی تکلیف دفع کرنے کے لیے قبرستان میں چراغ جلانے اوراس طرح کے کاموں میں علماء نے فرمایا ہے____ شیخ کی شرح سے ایسا ہی سمجھ میں آتا ہے۔(ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال فی مرضه الذی مات فیه لعن الله الیهود والنصاری اتخذ واقبور انبیاء هم مسجدا قالت ولولا ذاك لابرزوا قبره [3]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتی ہے کہ حضور نے اپنے مرضِ وفات میں فرمایا: یہود ونصارٰی پر خدا کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ اگر یہ ارشاد نہ ہوتا تو حضور کی قبر انور نمایاں رکھی جاتی۔(ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیّت فصل اول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

[2] کشف الغطاء باب دفن میّت مطبع احمدی دہلی ص ۵۵

[3] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۷

علامہ قسطلانی ارشاد الساری میں زیر حدیث مذکور لکھتے ہیں:

لکن لم یبرز وہ ای لم یکشفوہ بل بنوا علیہ حائلا[1]۔	لیکن اسے نمایا اور منکشف نہ رکھا بلکہ اس پر ایک حائل بنادیا۔(ت)

جذب القلوب میں فرمایا:

چوں دفن سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وسلم بموجب حکمِ الٰہی ہم در حجرہ شریفہ شد۔ عائشہ صدیقہ نیز در خانہ خود ساکن می بود ومیان او و قبر شریف پردہ نہ بود، و در آخر بسبب جرأت و عدم تحاشی مردم از درآمدن بر قبر شریف وبرداشتن خاک ازاں خانہ را دو قسم ساخت و دیوارے درمیان مسکن خود و قبر شریف کشید وبعد ازاں کہ امیر المومنین عمر در مسجد زیادت کرد حجرہ راازخشت خام بنا کرد و تازمان حدوث عمارت ولید ایں حجرہ ظاہر بود عمر بن عبدالعزیز بحکم ولید بن عبدالملک آں راہدم کرد و بحجارہ منقوشہ برآورد۔ برظاہر آں حظیرہ دیگر بنا کرد وہیچکدام ازیں دو درے نگذاشت از عروہ روایت می کنند کہ وے بہ عمر بن عبدالعزیز گفت، اگر حجرہ شریفہ رابرحالِ خود گزارند وعمارتے گرد آں برآرند احسن باشد[2] الخ (ملخصًا)	جب سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم الٰہی کے باعث حجرہ شریفہ ہی میں دفن کردیا گیا عائشہ صدیقہ بھی اپنے گھر میں سکونت پذیر تھیں، ان کے اور قبر شریف کے درمیان پردہ نہ تھا، آخر میں قبر شریف کے پاس بیباکی سے لوگوں کے بے تحاشہ آنے اور وہاں کی خاک لے جانے کی وجہ سے گھر کو دو حصوں میں تقسیم کردیا اور اپنے مسکن اور قبر شریف کے درمیان ایک دیوار کھینچ دی، جب امیر المومنین حضرت عمر نے مسجد میں اضافہ کیا تو حجرہ کی عمارت کچی اینٹوں کی بنادی، ولید کے زمانہ کی تعمیر جدید تک یہ حجرہ ظاہر تھا، عمر بن عبد العزیز نے ولید بن عبدالملک کے حکم سے اسے منہدم کرکے منقش پتھروں سے بنایا اور اس کے بیرونی حصہ پر ایک اور حظیرہ بنایا اور ان دو[2] دروازوں میں سے کوئی نہ چھوڑا۔ حضرت عروہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا اگر حجرہ شریف کو اپنے حال پر رکھتے اور اس کے گرد ایک عمارت بنادیتے تو بہتر ہوتا الخ (ملخصًا) (ت)

لاجرم ائمہ کرام نے گردِ قبورِ علماء ومشائخ قدست اسرارہم اباحتِ بنا کی تصریح فرمائی۔ علامہ طاہر فتنی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] جذب القلوب باب ہفتم دربیان تغیرات الخ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲۱

بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں:

وقد اباح السلف ان یبنی علی قبر المشایخ والعلماء المشاهیر لیزورهم الناس و یستریحوا بالجلوس فیه [1]۔	سلف نے مشہور علماء ومشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں اور اس میں بیٹھ کر آرام پائیں۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح علامہ علی قاری مکی نے بعد عبارت مسطورہ ذکر فرمایا کہ وقد اباح السلف البناء [2] الخ (سلف نے علماء ومشائخ کی قبور پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے۔ت) کشف الغطاء میں ہے:

درمطالب المومنین گفتہ کہ مباح کردہ اند سلف بناء رابر قبر مشائخ علمائے مشہور تامردم زیارت کنند واستراحت نمایند بجلوس درآں ولیکن اگر برائے زینت کنند حرام است ودرمدینہ مطہرہ بنائے قبہا بر قبور اصحاب درزمان پیش کردہ اند ظاہر آنست کہ آں بتجویزآں وقت باشدوبرمرقدِ منورآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیز قبہ عالی ست [3]۔	مطالب المومنین میں لکھا ہے کہ سلف نے مشہور علماء ومشائخ کی قبروں پر عمارت بنانا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور اس میں بیٹھ کر آرام لیں، لیکن اگر زینت کے لیے بنائیں تو حرام ہے مدینہ منورہ میں صحابہ کی قبروں پر اگلے زمانے میں قبے تعمیر کئے گئے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ اس وقت جائز قرار دینے سے ہی یہ ہوا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرقدِانور پر بھی ایک بلند قبہ ہے۔(ت)

نورالایمان میں ہے:

قدنقل الشیخ الدهلوی فی مدارج عن مطالب المومنین ان السلف اباحوا ان یبنی علی قبر المشایخ والعلماء المشهورین قبة لیحصل الاستراحة الزائرین و یجلسون فی ظلها وهکذا فی المفاتیح شرح المصابیح وقد جوزه اسمٰعیل الزاهدی الذی من مشاهیر الفقهاء [4]۔	شیخ محقق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں مطالب المومنین سے نقل کیا ہے کہ سلف نے مشہور مشائخ وعلماء کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز ومباح رکھا ہے تاکہ زائرین کو آرام ملے اور اس کے سائے میں بیٹھ سکیں، اسی طرح مفاتیح شرح مصابیح میں بھی ہے اور مشاہیر فقہاء میں سے اسمٰعیل زاہدی نے بھی اسے جائز قرار دیا ہے۔(ت)

[1] مجمع بحارالانوار تحت لفظ "شرف" منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۱۸۷

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹

[3] کشف الغطاء باب دفن میّت مطبع احمدی دہلی ص ۵۵

[4] مدارج النبوۃ بحوالہ مطالب المومنین وصل در نماز جنازہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۲۰

علامہ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں صرحۃً فرمایا کہ اس میں کچھ کراہت بھی نہیں۔

حیث قال فی مسألۃ الدفن فی الفساق ان فی نحو قرافۃ مصر لایتأتی للحدودفن الجماعۃ لتحقق الضرورۃ واماالبناء فقدم تقدم الاختلاف فیہ، ومام الاختلاط فللضرورۃ. فاذا فعل الحاجزبین الاموات فلاکراھۃ[1]۔	تہ خانوں کے اندر تدفین کے مسئلہ میں لکھتے ہیں: قرافہ مصر جیسی جگہ میں لحد نہیں بن پاتی اور کئی ایک آدمیوں کو ایک ساتھ دفن کرنا مجبوری کی وجہ سے ہے۔ رہی تعمیر تو اس بارے میں ختلاف گزر چکا ہے، اور اختلاط تو مجبورًا ہے۔ اگر مُردوں کے درمیان آڑ کردی جائے تو کوئی کراہت نہیں ۔(ت)

نہایت یہ کہ امام اجل ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے تنویر الابصار و جامع البحار پھر علامہ محقق علاء الدین محمد دمشقی نے شرح تنویر پھر فاضل جلیل سیّدی احمد مصری نے حاشیہ مراقی میں تصریح و تقریر فرمائی کہ قولِ جواز ہی مختار و مفتی بہ ہے۔

وھذا الفظ العلامۃ الغزی لایرفع علیہ بناء، وقیل لاباس بہ وھوالمختار[2] اھ	یہ علامہ غزّی کی عبارت ہے: اس پر کوئی عمارت بلند نہ کی جائے اور کہا گیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں، اور یہی مختار ہے اھ (ت)

بعد تصریح صریح افتاء وترجیح، مجال کلام کیا ہے،

ھذا ینبغی تحقیق المقام بتوفیق الملك المنعم العلام وبہ یحصل التوفیق بین کلمات الاعلام واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اس مقام کی تحقیق اسی طرح ہونی چاہئے بادشاہ محسن علّام کی توفیق سے۔ اور اسی سے علمائے اعلام کے کلمات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کمال واستحکام والا ہے (ت)

مسئلہ ۱۲۸تا۱۲۹: از پنڈول بزرگ، ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(ا) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لیے بنادے اور عُرس

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی حمل المیّت ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵

کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کسی بزرگ کے روضے کے سامنے قبریں ہیں اور وسعتِ جگہ کے لیے اس قبہ سے لگا کر اس گرد کی قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دیگر چھپّر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے **کمافی مجمع بحار الانوار** (جیسا کہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ت) ہاں منکراتِ شرعیہ مثل ومزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۲) کسی قبر پر کوئی پایہ چننا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰: از موضع شرشدی، ڈاکخانہ رفینی، ضلع نواکھالی، مرسلہ سید حمید الدین صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۸ھ

ماقول علمائنارحمهم الله تعالٰی (ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا کیا ارشاد ہے۔ت) ایک نہایت مشہور ومعروف بزرگ کا انتقال ہوا اس کے وارث نے بایں نیت اس پر گھاس کی چھت بنوادی ہے کہ زائرین اطمینان کے ساتھ صیف وشتا میں قرآن مجید پڑھ کر ثواب رسانی کرسکیں اور اس بزرگ کی قبر کا نشان باقی رہے تاکہ لوگ اس سے فیض حاصل کرسکیں، اس میں نہ چراغ جلایا جاتا ہے، نہ چاندنی تانی گئی ہے نہ کسی کو قبر پرستی اور نہ قدمبوسی کی اجازت ہے، اصل قبر ومتصل زمین خام ہے۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں وہ بلاشُبہہ جائز ہے، اور بنوانے والا اپنی نیک نیّت پر ثواب کا مستحق ہے، اور اس میں زائروں اور تلاوت کرنے والوں کے لیے چراغ بھی روشن کریں، یہ قبر پر چراغ نہیں، مجمع بحار الانوار جلد ثالث میں ہے:

قد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماء لیزورهم الناس ویستریحون فیه [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	سلف نے اہل فضل اولیاء وعلماء کی قبروں پر عمارت بنانا مباح قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اس میں آرام لیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱: از بجنور مرسلہ شیخ معین الدین صاحب ماسٹر پٹواری اسکول ضلع بجنور ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلحاظ نرمی زمین وحفظ نعش اپنے پیر طریقت کی قبر کو پختہ بنوایا اور سالیانہ تاریخ وفات شیخ پر قرآن شریف اور درود وکلمہ پڑھوا کر شیخ مذکور کی رُوح پر فتوح کو ایصال ثواب کرتا ہے اور بامید فیضان وحلِ مشکلات شیخ کی قبر پر جاکر بیٹھتا ہے اور وساطۃً اس سے استمداد کرتا ہے تو یہ

[1] تکملہ مجمع بحار الانوار تحت لفظ "قبر" منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۴۰

ایصال ثواب اور استمداد عن الاموات زید کا جائز ہے یا نہیں ارتکاب عمل ہذا زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

امواتِ مسلمین کو ایصال ثواب بے قید تاریخ خواہ بحفظ تاریخ معیّن مثلاً روزِ وفات جبکہ اس کاالتزام بنظرِ تذکیر وغیرہ مقاصد صحیحہ ہو، نہ اس خیال جاہلانہ سے کہ تعیین شرعاً ضروریا وصولِ ثواب اسی میں محصور، یونہی عرس مشائخ کہ منکرات شرعیہ مثلاً رقص ومزامیر وغیر سے خالی ہو۔ اسی طرح اولیائے کرام وسائل بارگاہ ونوابِ حضرت احیائے معنی واموات صورۃ قدست اسرارہم سے استعانت واستمداد جبکہ بطور توسّل وتوسط وطلبِ شفاعت ہو، نہ معاذاللہ بظنِ خبیث، استقلال وقدرت ذاتیہ، جس کاتوہم نہ کسی مسلم سے معقول نہ مسلمان ہونے پر سوئے ظن مقبول، یہ سب امور شرعاً جائز وروا ومباح ہیں جن کے منع پر شرع مطہرہ سے اصلاً دلیل نہیں۔ فقیر غفراللہ تعالٰی نے متعدد مسائل ورسائل مندرجہ فتاوٰی فقری مسمّٰی بہ البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ میں ان سب مسئلوں کی تحقیق انیق بروجہ کافی ذکر کی۔اور دربارہ استعانت خاص ایک رسالہ مسمّی بہ برکات الامداد لاھل الاستمداد تالیف کیا۔ ان کے بعد تفصیل تازہ کی حاجت نہیں، اور قبر پختہ بنانے میں حاصل ارشاد علمائے امجاد رحمہم اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر پکی اینٹ میّت کے متصل یعنی اس کے آس پاس کسی جہت میں نہیں کہ حقیقۃً قبر اسی کا نام ہے بلکہ گڑھا کچّا اور بالائے قبر پختہ ہے تومطلقاً ممانعت نہیں، یہاں تک کہ امامِ اجل فقیہِ مجتہد اسمٰعیل زاہدی نے خاص لحد میں پکی اینٹ پر نص فرمایا جبکہ کچّے چوکے کی تہ ہواور اپنی قبر مبارک میں یونہی کرنے کی وصیت فرمائی اور متصل میّت ممنوع مکروہ، مگر جبکہ بضرورت تری ونرمی زمین ہو تو اس میں بھی حرج نہیں۔ درمختار میں ہے:

یسوی المین علیه والقصب لاالآجر المطبوخ والخشب لوحوله امافوقه فلا یکرہ ابن ملکوجاز حوله بارض رخوۃ کالتابوت [1]۔	اس پر کچی اینٹیں اور بانس چُن دے، پکی اینٹیں اور لکڑی اس کے گرد نہ لگائے، اوپر ہو تومکروہ نہیں، ابن الملک۔ اور نرم زمین ہو تواس کے گرد بھی جائز ہے جیسے تابوت۔(ت)

حلیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

کرھوالاجرو الواح الخشب وقال الامام	علماء نے پکی اینٹوں اور لکڑی کے تختوں کو مکروہ کہا ہے

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵

التمرتاشی ھذا ان کان حول المیّت وان کان فوقه لایکرہ لانه یکون عصمة من السبع وقال مشائخ بخارا لایکرہ الاٰجرفی بلدتنا لمساس الحاجة لضعف الاراضی [1]۔	اور امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب میّت کے گرد ہو، اور اگر اس کے اوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ یہ درندے سے حفاظت کا ذریعہ ہوگا، مشائخ بخارا نے فرمایا کہ ہمارے دیار میں پکی اینٹیں مکروہ نہیں کیونکہ زمین کمزور ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت ہے۔(ت)

خانیہ وخلاصہ وہندیہ میں ہے:

یکرہ الاٰجرفی اللحد اذاکان یلی المیّت اما فیما وراء ذلك لاباس به ویستحب للبن والقصب [2]۔	لحد میں پکّی اینٹ مکروہ ہے جبکہ میّت سے متصل ہو اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، اور مستحب کچی اینٹ اور بانس ہے۔(ت)

حسامی پھر امداد الفتاح پھر طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

وقد نص اسمٰعیل الزاھد بالاٰجر خلف اللبن علی اللحد واوصٰی به [3]۔	سمٰعیل زاہد نے لحد پر کچی اینٹ کے پیچھے پکّی اینٹ لگانے کی صراحت فرمائی اور اس کی وصیت کی (ت)

منافع ومبسوط پھر غنیہ میں ہے:

اختار والشق فی دیار نالر خاوة الاراضی فیتعذر اللحدفیھا اجاز واالاٰجر ورفوف الخشب و التابوت ولوکان من حدید [4]۔	ہمارے دیار میں شق اختیار کی گئی ہے اس لیے کہ زمین نرم ہے جس میں لحد متعذر ہے یہاں تک کہ علماء نے پکّی اینٹ، لکڑی کے صندوق اور تابوت کی اجازت دی ہے اگرچہ لوہے کا ہو۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

قیدہ الامام السرخسی بان لایکون الغالب علی الاراضی النزوالرخاوة فان کان	امام سرخسی نے اس حکم کو اس سے مقید کیا ہے کہ زمین پر تری اور نرمی غالب نہ ہو۔ اگر ایسی ہو تو پکی اینٹ

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلوٰۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۲

[3] الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی حملھا ودفنھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۵

[4] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۵

فلاباس بھما کا تخاذتا بوت من حدید لھذا [1]۔	اور لکڑی لگانے میں کوئی حرج نہیں، جیسے اس بناء پر لوہے کا تابوت لگانے میں حرج نہیں۔(ت)

نیز بحر وحاشیہ ابی السعود الازہری علی الکنز میں ہے:

وقیدہ فی شرح المجمع بان یکون حولہ امالوکان فوقہ لایکرہ لانہ یکون عصمۃ من السبع [2]۔	شرح مجمع میں یہ قید لگائی ہے کہ اس کے گرد ہو لیکن اگراوپر ہو تو مکروہ نہیں اس لیے کہ اس سے درندوں سے حفاظت رہے گی ۔(ت)

کافی پھر غرر ودرر میں ہے:

یسوی اللبن والقصب لاالخشب والاٰجر وجوز فی ارض رخوۃ [3]۔	کچّی اینٹ اور بانس چُنا جائے، لکڑی اور پکی اینٹ نہ ہو، اور نرم زمین میں اس کی بھی اجازت ہے۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

انما یکرہ الاجر فی اللحد ان کان یلی المیّت امافی وراء ذلك فلا باس بہ کذافی الخلاصۃ وقال الامام علی السغدی اتخاذ التابوت فی دیارنا افضل من ترکہ [4]۔	لحد میں پکّی اینٹ اسی صورت میں مکروہ ہے کہ میّت سے متصل ہو، اس کے علاوہ میں کوئی حرج نہیں، ایسا ہی خلاصہ میں ہے۔امام علی سغدی نے فرمایا: ہمارے دیار میں تابوت لگانا نہ لگانے سے بہتر ہے۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

یکرہ الاٰجروالخشب ای کرہ ستر اللحد بھما وبالحجارۃ والجص لکن لوکانت الارض رخوۃ جاز استعمال ماذکر [5]۔	پکی اینٹ اور لکڑی مکروہ ہے صرف لحد کو ان سے اور پتھروں سے اور گچ سے چھپانا مکروہ ہے لیکن اگرزمین نرم ہو تو ان سب کا استعمال جائز ہے۔(ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلٰوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۴

[2] فتح المعین علٰی شرح الکنز لملا مسکین باب الجنائز فصل فی الصلٰوۃ علی المیّت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۴

[3] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الجنائز مطبعۃ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/ ۱۶۷

[4] شرح نقایہ برجندی فصل فی صلٰوۃ الجنائزۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۲

[5] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی الصلٰوۃ المیّت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۶

کشف الغطاء میں ہے:

الان در دیار نانیز بسبب رخاوت زمین ہمیں متعارف است حتی کہ تجویز کردہ اند مشائخ درامثال ایں دیار بایں علت خشت پختہ وچوب و گرفتن تابوت راکہ ازآہن باشد[1]۔	اب ہمارے دیار میں بھی زمین کے ڈھیلے پن کی وجہ سے یہی متعارف ہے یہاں تک کہ مشائخ نے اس طرح کے دیار میں، اُسی علت کی وجہ سے پکی اینٹ اور لکڑی اور آہنی تابوت لگانے کو جائز کہا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

در تجنیس گفتہ رخصت دادہ است، امام اسمٰعیل زاہد کہ گردانیدہ شوند خشت ہائے پختہ خلف خشتہائے خام بہ لحد وتحقیق وصیت کردہ بود بوے ومشائخ بخارا گفتہ اند درزمین ماخشت پختہ اگر بہنند مکروہ ونباشد از برائے نرمی زمین پس بہر جاکہ زمین نرم باشد باک نیست بہنادن خشت پختہ ومانندآں ازچوب[2]۔	تجنیس میں ہے کہ امام اسمٰعیل زاہد نے اس کی رخصت دی ہے کہ لحد میں کچی اینٹوں کے پیچھے پکی اینٹیں لگائی جائیں، اور اس کی وصیت بھی فرمائی تھی، مشائخ بخارا نے فرمایا ہے کہ اگر ہماری زمین میں پکی اینٹ لگائیں تو مکروہ نہ ہوگا اس لیے کہ زمین نرم ہے تو جہاں بھی زمین نرم ہو، پکی اینٹ اور اسی طرح لکڑی کے تختے لگانے میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ان عبارات متظافرہ سے واضح ہوا کہ فعلِ زید بغرض مذکور ہرگز ہرگز کسی طرح قابل مواخذہ نہیں وانا اقول (اور میں کہتا ہوں۔ت) بالفرض کراہت ہی مانتے تو مسئلہ خصوصًا ایسے تصریحات جماعات کثیرہ ائمہ کے بعد زینہار حدِ تفسیق تک بھی نہیں پہنچ سکتا کہ اس کی اقتداء کو مکروہ ہی کہا جائے نہ کہ عدم جواز، یہ محض جہل بعید و تعصبِ شدید ہے، معہذا نصوص سابقہ سے واضح ہوا کہ پکی اینٹ اور لکڑی کا ایک حکم ہے۔ اصل سنت کچی اینٹ اور نرکل سے چھپانا ہے، لکڑی کے تختے اڑانے عام طور پر ان بلاد میں، حضرات متعرضین بھی استعمال کررہے ہیں، اپنے اور مولویوں کے پیچھے نماز ناجائز کیوں نہیں کہتے، مگر تحکم ان صاحبوں کاداب قدیم ہے، **ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ واتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۳۲: از ہائی سکول نجیب آباد ضلع بجنور، معرفت حمید حسن خاں طالبعلم درجہ نہم مسئولہ اللہ رکھا مستری ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبر کا پختہ کرانا بہتر ہے یانہ کرانا؟ اگر پختہ بنانا بہتر ہے تو

---

[1] کشف الغطاء

[2] کشف الغطاء ۵۳

اس کی تعمیر میں کن خاص اور ضروری باتوں کا لحاظ رکھنا چاہئے، مثلاً طول عرض بلندی اور صورت وغیرہ۔ بینوا توجروا

الجواب:

قبر پختہ نہ کرنا بہتر ہے، اور کریں تو اندر سے کچا رہے، اوپر سے پختہ کرسکتے ہیں، طول و عرض موافق قبر میّت ہو، اور بلندی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو، اور صورت ڈھلوان بہتر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۴: از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی ولی اللہ کا مزار شریف فرضی بنانا اور اس پر چادر وغیرہ چھڑھانا، اور اس پر فاتحہ پڑھنا اور اصل مزار کا سا ادب و لحاظ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مرشد اپنے مریدوں کے واسطے بنانے اپنے مرضی مزار کے خواب میں اجازت دے تو وہ قول مقبول ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر جنازہ میّت کا واسطے دفن کے جانب پچھم لے جائیں تو کس طرح سے لے جانا چاہئے سر جانبِ غرب ہو یا جانب پورب؟

الجواب:

(۱) فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل سا معاملہ کرنا ناجائز و بدعت ہے اور خواب کی بات خلافِ شرع امور میں مسموع نہیں ہوسکتی۔

(۲) میّت کو کسی طرف لے جانا ہو بہر حال سر آگے کی طرف رہے۔ عالمگیری میں ہے:

فی حالۃ المشی بالجنازۃ یقدم الراس کذا فی المضمرات [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم	جنازہ لے جانے میں سر آگے رکھا جائے گا۔ ایسا ہی مضمرات میں ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الرابع فی حمل الجنازۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۲

مسئلہ ۱۳۵: از نوشتہ ضلع علی گڑھ ڈاک خانہ دتاؤلی مرسلہ محمد عمر خاں ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ایک قبر فرضی اور مصنوعی جس کا پہلے سے کوئی وجود نہ تھا، بنوا کر یہ بات مشہور کی کہ اس قبر میں امروہہ کے زین العابدین تشریف لائے ہیں مجھ کو خواب میں بشارت ہوئی ہے، ایسی روایات سے اس قبر کی عظمت لوگوں کے سامنے بیان کرکے قبر پرستی کی طرف بلانے لگا۔ حتی کہ اس میں اس کو کامیابی ہونے لگی اور بہت سی مخلوق اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس قبر پر چادریں اور مرغ اور بکری اور مٹھائیاں، روپیہ اور پیسہ چڑھانے لگے۔ اور اپنی مرادیں اور منتیں اس قبر سے مانگنے لگے۔ اور زید اس آمدنی سے متمتع ہوتا ہے۔ ایسے شخص کے واسطے شریعت کیا حکم لگاتی ہے؟---------------------- آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ کیا ایسا شخص فاجر و فاسق کافر ہے؟ کیا ایسا شخص کا نکاح باطل ہوتا ہے؟ کیا ایسے شخص کے جلسوں میں شریعت شرکت کی اجازت دیتی ہے؟ آیا ایسے شخص سے رشتہ قرابت رکھا جائے؟ نیز اس شخص کے متعلق بھی استفسار کیا جاتا ہے جو زید کے اس معاملہ سے خوش ہے اور اس کا ممد و معاون اس معاملہ میں ہے یا ایک ایسا شخص ہے جو زید کو اس معاملہ سے باز رکھ سکتا ہے مگر ساکت ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قبر بلا مقبور کی طرف بلانا اور اس کے لئے وہ افعال کرانا گناہ ہے، اور جبکہ وہ اس پر مصر ہے اور باعلان اسے کررہا ہے تو فاسق معلن ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور پھیرنی واجب۔ اس جلسہ زیارت قبر بے مقبور میں شرکت جائز نہیں، زید کے اس معاملہ سے جو خوش ہیں خصوصاً وہ جو ممد و معاون ہیں سب گنہگار و فاسق ہیں **قال تعالٰی**: **وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** [1]۔ گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت) بلکہ وہ بھی جو باوصفِ قدرت ساکت ہے، **قال تعالٰی**:

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ [2]۔	وہ برے کام سے ایک دوسرے کو روکتے نہ تھے، کیا ہی برا کام وہ کرتے تھے۔ (ت)

مگر ان میں سے کوئی بات کفر نہیں کہ اس سے نکاح باطل ہوسکے۔ قرابت اپنے اختیار کی نہیں کہ چاہے رکھی چاہے توڑی۔ یونہی مرد سے رشتہ کہ اختیاری رشتہ بذریعہ نکاح ہوتا ہے اس کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، **قال تعالٰی**: **بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ** [3] (اسی کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ ت) ہاں عزیز داری کا برتاؤ اگر یہ سمجھیں کہ اس کے چھوڑنے سے اس پر اثر پڑے گا تو چھوڑدیں یہاں تک کہ باز آئے اور اگر سمجھیں کہ اسے قائم رکھ کر سمجھانا موثر ہوگا تو یوں کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: از قصبہ اوریا ضلع اٹاوہ مرسلہ عبدالحہ صاحب مدرسہ اسلامیہ ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے بعض جگہ مزار بنالیا گیا ہے بعض

---

[1] القرآن ۵/ ۲

[2] القرآن ۵/ ۷۹

[3] القرآن ۲/ ۲۳۷

لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے مزار کی اینٹ دفن ہے۔اس مزار میں ایسی جگہ جا کر عرس کرنا، چادر چڑھا کیسا ہے؟ وہ قابل تعظیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

جھوٹا مزار بنانا اور اس کی تعظیم جائز نہیں۔ **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۷: از شہر محلّہ کانکرٹولہ مرسلہ عبدالرحیم خاں ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بچپن میں حافظ قرآن ہوا اور تمام عمر بدافعالی میں گزاری، ایک شوہر دار عورت سے جس کا شوہر نامرد تھا برسوں تعلق رہا اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، ان حرکات پر ماں باپ نے گھر سے نکال دیا۔ وہ اسی عورت کے گھر جارہا، پھر بیمار ہو کر واپس آیا اور مرگیا۔ اب زید کے والدین نے کوشش کرکے مسجد میں ایک بزرگ کی قبر پرانی تھی لیکن خام تھی اس کے برابر دفن کردیا، دونوں قبروں کو بہت اچھا پختہ بنوادیا۔ اب اس کے والدین نے دنیا والوں کے خیالات بدلنے کی غرض سے اس قبر پر بہت کثرت سے ہار پھول چڑھانے شروع کردیا۔ اور مسجد میں کوڑا وغیرہ ہوا ن کو کچھ مطلب نہیں، لیکن قبر پر دن میں دو ایک مرتبہ جھاڑو دینا اور دلوانا اور لوگوں سے یہ کہنا کہ دیکھو کیسی رونق ہے اور بعض جاہل لوگ نے قبر پر سے مراد مانگنے کی ترغیب دینا شروع کیا۔ چنانچہ اسی قبر کو ابھی بیس پچیس دن گزرے ہوں گے کہ چادر بہن اور بھائی چڑھانے لگے اور قبر کو تعظیم کے ساتھ بوسہ دینا شروع کیا۔ اور آئندہ کو خدا جانے کیا حالت کو ان کے والدین پہنچادیں، ایسی حالت میں قبر کو پوجنے والے اور شہرت کرنے والے اور کرانے والے اور مسجد میں جھاڑو کو نہ دینے والے، اور قبر پر بلا ناغہ چڑھاوا دینا اور مشہور کرنا، شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے پوجنا نہیں کہتے۔ یہ سائل کی بہت زیادتی ہے۔ تکریم قبور کو وہابیہ پوجنا کہتے ہیں، اور وہابیہ خود شیطان کو پوجتے ہیں، باقی ایسے شخص کی قبر کو ولی کا مزار ٹھہرانا اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اس کے یہ اہتمام کرنا اور لوگوں کو وہاں مراد مانگنے کی ترغیب دینا یہ ضرور مکروزور ہے۔ حدیث میں فرمایا: **من غشنا فلیس منا** [1] (جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸ الف: از دہلی مدرسہ نعمانیہ محلّہ بَلّی ماراں مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مہتمم مدرسہ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ہے اور اس کے متصل قبرستان ہے جس میں کہ

---

[1] صحیح مسلم باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من غش فلیس منا نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۷۰

آثار قبور ظاہر ہیں اب مسلمان چاہتے ہیں کہ ان قبروں کے آثار کو محو کرکے اس زمین پر گودام وغیرہ بنائیں اوراس پر مسجد بنائیں، پس ایسا فعل یعنی قبور کو محو کرکے اوپر مسجد نیچے گودام بنانا اور اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں اور دلیل حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جو حضرت علی کرم اللہ تعالٰی کو حکم دیا تھا پیش کرتے ہیں **لاتدع تمثالا الاطمسته ولا قبر امشرفا الاسویته**[1] (کوئی مورت مٹائے بغیر اور کوئی قبر برابر کئے بغیر نہ چھوڑنا۔ت) اور دوسری حدیث جس میں مسجد نبوی کے بنانے کے وقت قبور توڑنے کا ذکر ہے بھی پیش کرتے ہیں اور کہتا ہے کہ اس حکم کے مطابق ہم قبور کو برابر کریں گے اور ان کے آثار کو مٹادیں گے اور مسجد ومکان اس قبرستان موقوفہ میں بنائیں گے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ احناف کا اس میں قول مفتٰی بہ کیا ہے؟

الجواب:

قول مفتی بہ امر خلافی میں ہوتا ہے۔ یہ حدیث شنیعہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے ناجائز وحرام ہے۔ توہین قبور مسلمین ایک اور قبور پر نماز کا حرام ہونا دو۔ اور وقف کی تغییر تین، عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییرالوقف عن هیأته[2] اھ فکیف عن اصله۔	وقف کی ہیأت تبدیل کرنا جائز نہیں اور پھر سرے سے وقف ہی کو بدلنا کیسے جائز ہوگا!

کہاں قبر کی بلندی کہ حدِ شرعی سے زائد ہو اس کے دور کرنے کا حکم اور کہاں یہ کہ قبور مسلمین مسمار کرکے ان پر چلیں، اموات کو ایذا دیں، اس پر نماز پڑھ کر گناہ کے مرتکب ہوں، نماز خراب کریں، ارشاد اقدس: **لاتصلوا علٰی قبر**[3] (قبر پر نماز نہ پڑھو۔ت) کی مخالف کریں اور کہاں قبور مشرکین کھود کر ان کی نجاست سے زمین پاک کرکے مسجد اقدس کا اس پر بنا فرمانا اور کہاں قبور مسلمین کو توہین، اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَؕ مَا لَكُمْ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ[4]۔	کیا ہم مسلموں کو مجرموں کی طرح کردیں، تم کیسا حکم رکھتے ہو؟ (ت)

اس مسئلہ کی تمام تفصیل ہمارے رسالہ **اهلاك الوهابیین علٰی توهین قبور المسلمین** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۲

[4] القرآن ۶۸ / ۳۵و۳۶

رسالہ

اھلاک الوھابیین علٰی توھین قبور المسلمین ۱۳۲۲ھ

(قبور مسلمین کی توہین کی بنا پر وہابیوں کی سرکوبی)

مسئلہ ۱۳۸: علمائے دین ومفتیان شرعِ متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک گورستان (اہلسنت) قدیم کی (پرانی) قبروں کو عمداً کھود کر اپنے رہنے کے لیے مکان بنانا موافق مذہب حنفی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنے میں اہل قبور کی توہین واہانت ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ومنہ الھدایۃ الی الحق والصواب

جاننا چاہیئے کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وعامہ مومنین اہلسنت کے ساتھ جو قلبی عداوت فرقہ نجدیہ وہابیہ کو ہے ایسی اور کسی فرقہ مبتدعہ کو نہیں ہے، اسی وجہ سے اس فرقہ محدثہ کے اکابر ملاعنہ کی تصانیف اباطیل اہانتِ محبوبانِ خدا سے بھری پڑی ہیں، جس کا جی چاہے وہ نجدی ملا اسمٰعیل دہلوی وصدیق حسن بھوپالی وخرم علی ورشید گنگوہی وغیرہ کی تالیفاتِ باطلہ اٹھا کر دیکھ لے کہ قِسم قِسم کی اہانتوں سے پر ہیں۔ منجملہ ان کے ایک اہانت قبور انبیاء وشہداء واولیاء علیہم السلام کا منہدم ونابود تابمقدور کرنا اس فرقے کا شعار ہوگیا ہے۔

شیخ نجدی نے روضۂ اقدس کو گرانے کا ارادہ کیا تھا

علامہ احمد بن علی بصری کتاب فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوھاب میں فرماتے ہیں:

منها انه صح انه يقول لواقدر على حجرة الرسول صلى الله تعالٰى عليه وسلم لهدمتها [1]۔	ان میں سے ایک یہ بات صحیح ہے کہ وہ کہتا ہے میں اگر قدرت پاؤں تو روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو توڑ دوں۔(ت)

شیخ نجدی نے شہداء وصحابہ کرام کے مزار توڑنے

اور یہی علامہ بصری ایک دوسرے مقام میں لکھتے ہیں:

اقول: تهديم قبور شهداء الصحابة المذكورين لاجل البناء على قبورهم ضلالةاى ضلا لته انتهى مختصرا [2]۔	یعنی نجدی کا شہداء صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی قبور کو قبّوں کی وجہ سے توڑ ڈالنا بڑی ضلالت اور گمراہی اس نجدی کی ہے(بالاختصار)۔(ت)

اور یہی علامہ مذکور تیسرے مقام میں لکھتے ہیں:

قال بعضهم ولوكان المبنى عليه مشهورا بالعلم والصلاح اوكان صحابيا وكان المبنى عليه قبّة وكان البناء على قدر قبره فقط ينبغى ان لا يهدم لحرمة نبشه وان اندرس اذا علمت هذا فهذ البناء على قبور هٰؤلاء الشهداء من الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم لا يخلو اما ان يكون واجبًا اوجائزًا بغير كراهة وعلى كل فلا يقدم على الهدم الاّرجل مبتدى ضال لاستلزامه انتهاك حرمة اصحاب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم الواجب على كل مسلمٍ محبتهم ومن محبتهم وجوب توقيرهم واى توقير هم عند من هدم قبور هم حتى بدت ابدانهم واكفانهم كماذكر بعض	بعض علماء نے فرمایا کہ صاحب قبہ اگر کوئی مشہور عالم، متقی یا صحابی ہے اور قبہ صرف قبر کے برابر ہو تو اسے منہدم نہ کرنا چاہیے کیونکہ خواہ اس کا نشان بھی کیونہ مٹ جائے مگر اس کا کھولنا جائز نہیں اب آپ معلوم ہونا چاہئے کہ ان شہید صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی قبور پر عمارات بنانا یا تو واجب ہوگا یا بلاکراہت جائز۔ اور بہر صورت منہدم کرنا جائز نہیں، اور یہ صرف وہی شخص کرسکتا ہے کو بدعتی اور گمراہ ہو کیونکہ اس سے اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بے حرمتی ہوتی ہے، حالانکہ ان کی تعلیم اور توقیر ہر مسلمان پر واجب ہے، اب وہ لوگ تعظیم کرنے والے کیسے قرار پاسکتے ہیں جنھوں نے شہداء کی قبور کھود ڈالیں جبکہ بعض کے جسم

[1] فصل الخطاب فی ردّ ضلالات ابن عبدالوہاب

[2] فصل الخطاب فی ردّ ضلالات ابن عبدالوہاب

علماء نجد فی سوال ارسلہ الی انتھی مختصرا [1] ۔	اور کفن بھی ظاہر ہوگئے، جیسا کہ بعض علماء نجد نے اس سوال کے جواب میں ذکر کیااھ مختصراً

وہابیہ رُوسیاہ کے نزدیک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام معاذاللہ منہامر کر مٹی ہوگئے ہیں

ان بد بختوں کے نزدیک ظاہری موت کے بعد یہ بالکل بے حس و بے شعور ہو جاتے ہیں اور مر کر معاذاللہ (پناہ بخدا) مٹی میں مل جاتے ہیں، ملّا اسمٰعیل دہلوی اپنی کتاب تفویت الایمان کے صفحہ ۶۰ میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ ارفع واعلیٰ میں بکتا ہے کہ: "میں عـــہ بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والاہوں [2] "۔ جب سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت ان ملاعنہ کا ایسا ناپاک خیال ہے اور ان کے روضہ اطہر اور شہداء وصحابہ کرام علیہم الرضوان کی قبور کو منہدم کرنے کا بیہودہ خیال ہے تو باقی اموات عامہ مومنین صالحین کی نسبت پوچھنا کیا ہے۔ جب قبور مومنین بلکہ اولیاء علیہم السلام اجمعین کا توڑنا اور منہدم کرنا شعارِ نجدیہ وہابیہ ہوا تو کسی کو جائز نہیں ہے کہ وہ صورت مسئولہ میں قبور مومنین اہلسنت کو توڑ کر بلکہ ان کو کھود کر ان پر اپنی رہائش وآسائش کے مکان بنا کر ان میں لذاتِ دنیا میں مشغول ومنہمک ہو، جو قطعاً ویقیناً اصحاب قبور کو ایذا دینا اور ان کی اہانت اور توہین کرنا ہے جو کسی طرح جائز نہیں۔

اہلسنت کے نزدیک انبیاء وشہداء واولیاء اپنے ابدان مع اکفان کے زندہ ہیں

اہلسنت کے نزدیک انبیاء وشہداء علیہم التحیۃ والثناء اپنے ابدان شریفہ سے زندہ ہیں بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدانِ لطیفہ زمین پر حرام کئے گئے ہیں کہ وہ ان کو کھائے، اسی طرح شہداء واولیاء

عـــہ: سابقاً علامہ بصری علیہ الرحمۃ کے قول میں گزرا کہ نجدی نے جب قبور شہداءِ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو شہید کیا تو ان میں ان کے کفن اور بدن شریف سب سلامت تھے، اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدفون ہوئے تخمیناً بارہ سو سال گزر چکے تھے، پس ہزار تف ہے ملّا اسمٰعیل اور اس کے مقلدین وہابیہ رُوسیاہ پر کہ ان کا ایسا ناپاک عقیدہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس واطہر کے ساتھ کہ جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اہلسنت کو ان کی صحبتِ بد سے بچائے۔ امین!

---

[1] فصل الخطاب فی ردّ ضلالات ابن عبدالوہاب

[2] تقویۃ الایمان مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ص ۴۲

علیہم الرحمۃ والثناء کے ابدان وکفن بھی قبور میں صحیح وسلامت رہتے ہیں وہ حضرات روزی ورزق دئے جاتے ہیں، علامہ سبکی شفاء السقام میں لکھتے ہیں:

وحیاۃ الشھداء اکمل واعلٰی فھذا النوع من الحیاۃ والرزق لایحصل لمن لیس فی رتبتھم، وانما حیاۃ الانبیاء اعلٰی واکمل واتم من الجمیع لانھا للروح والجسد علی الدوام علی ماکان فی الدنیا[1]	شہداء کی زندگی بہت اعلٰی ہے، زندگی اور رزق کی یہ قسم ان لوگوں کو حاصل نہیں ہوتی جوان کے ہم مرتبہ نہیں اور انبیاء کی زندگی سب سے اعلٰی ہے اس لیے کہ وہ جسم وروح دونوں کے ساتھ ہے جیسی کہ دنیامیں تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں: "

اولیاء اللہ گفتہ اندارواحنا اجسادنا یعنی ارواح ایشاں کار اجساد مے کنند وگاہے اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح مے برآید، می گویند کہ رسول خدا راسایہ نبود (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ارواح ایشاں از زمین وآسمان وبہشت ہر جاکہ خواہند مے روند، وبسبب ایں ہمیں حیات اجساد آنہار ادر قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم می باند، ابن ابی الدنیا از مالک روایت نمود ارواح مومنین ہر جاکہ خواہند سیر کنند، مراد از مومنین کاملین اند، حق تعالٰی اجسادِ ایشاں راقوتِ ارواح مے دہد کہ دوقبور نماز میخوانند (اداکنند) وذکر می کنند وقرآن کریم مے خوانند[2]"	اولیاء اللہ کا فرمان ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہیں۔ یعنی ان کی ارواح جسموں کا کام دیا کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے ارواح کی طرح ظاہر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ ان کی ارواح زمین آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہیں آتی جاتی ہیں، اس لیے قبروں کی مٹی ان کے جسموں کو نہیں کھاتی ہے بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیاء نے مالک سے روایت کی ہے کہ مومنین کی ارواح جہاں چاہتی ہیں سَیر کرتی ہیں۔ مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالٰی ان کے جسموں کو روحوں کی قوت عطا فرماتا ہے تو وہ قبروں میں نماز ادا کرتے اور ذکر کرتے ہیں اور قرآن کریم پڑھتے ہیں۔

اور شیخ الہند محدث دہلوی علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اولیاء خدائے تعالٰی نقل کردہ شدند ازیں دار فانی بدار بقا	اللہ تعالٰی کے اولیاء اس دار فانی سے دار بقا کی طرف

[1] شفاء السقام الفصل الرابع من الباب التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۶

[2] تذکرۃ الموتی والقبور اردو ارواح کے ٹھہرنے کی جگہ نوری کتب خانہ نوری مسجد اسلام گنج لاہور ص ۷۵

وزندہ اند نزد پرودگار خود، ومرزوق اندوخوشحال اند، ومردم را ارزاں شعور نیست[1]۔	کوچ کرگئے ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں، انھیں رزق دیا جاتا ہے، وہ خوش حال ہیں، اور لوگوں کو اس کا شعور نہیں۔

اور علّامہ علی قاری شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

لافرق لھم فی الحالین ولذ قیل اولیاء اللہ لایموتون ولکن ینتقلون من دارٍ الیٰ دار[2] الخ	اولیاء اللہ کی دونوں حالتوں (حیات وممات) میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا ہے کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں تشریف لے جاتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں اولیائے کرام علیہم الرضوان کی حیات بعد ممات کے متعلق چند روایات مستندہ لکھی ہیں جو یہاں نقل کی جاتی ہیں: امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدہ سرہ، اپنے رسالے میں بسند خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابوسعید خراز قدس اللہ ثرہ الممتاز سے روای ہے کہ میں مکہ معظہ میں تھا، بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا، جب میں نے اس کی طرف نظر کی تو مجھے دیکھ مسکرایا اور کہا:

یاابا سعید اماعلمت ان الاحبّا احیاء وان ماتو ا وانما ینقلون من دارٍ الیٰ دار[3]۔	اے ابوسعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالٰی کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مرجائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بدلائے جاتے ہیں۔

وہی عالی جناب حضرت سیدی ابوعلی قدس سّرہ، سے راوی ہیں: میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا ان کا سرخاک پر رکھ دیا کہ اللہ تعالٰی ان کی غربت پر رحم کرے۔ فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا: یا ابا علی اتذللنی بین یدی من یدللنی (اے ابوعلی! تم مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے) میں عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی ہے؟ فرمایا: بل انا حیّ وکل محب اللہ حی لانصرنک بجاھی غدا[4] (میں زندہ ہوں، اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے، بیشک وہ وجاہت وعزت جو مجھے روز قیامت ملے گی اس سے میں تیری مدد کروں گا)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء مطبع تیج کمار لکھنؤ ۳/ ۴۰۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الجمعۃ فصل الثالث مطبع امدادیہ ملتان ۳/۲۴۱

[3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتیٰ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۶

[4] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتیٰ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۶

وہی جنان مستطاب حضرات ابراہیم بن شیبان قدس سرہ، سے راوی: "میرا ایک مرید جوان فوت ہوگیا، مجھ کو سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی دہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جان پدر! تو سچا ہے مجھ سے غلطی ہوئی"۔ [1]

وہی امام، حضرت ابویعقوب سوسی نہرجوری قدس سرہ، سے راوی: "میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختے پر لٹایا اس نے میرا انگوٹا پکڑلیا۔ میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے، لے میرا ہاتھ چھوڑدے"۔ [2]

مکہ معظّمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا: پیر مرشد! میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا، حضرت ایک اشرفی لیں، آدھی میں میرا دفن اور آدھی میں میرا کفن کریں۔ جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا مرید مذکور نے آکر طواف کیا، پھر کعبے سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اتارا۔ آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا: کیا موت کے بعد زندگی؟ کہا: اَنَا حَیٌّ وَکُلُّ مُحِبٍّ اللّٰہِ حَیٌّ [3] (میں زندہ ہوں اور اللہ تعالٰی کا ہر دوست زندہ ہے)۔

نامناسب افعال کرنے سے اموات مسلمین کو ایذا ہوتی ہے۔

اور بعض عامہ مومنین اور بقیہ اموات کے ابدان گو سلامت نہ رہتے ہوں تاہم ان کی قبور پر بیٹھنے بلکہ ان پر تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتوں کی آواز کرنے سے ان کو ایذا ہوتی ہے۔ احادیثِ صحیحہ سے یہ امر ثابت بلاریب ہے۔ حاکم وطبرانی عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، فرمایا:

یاصاحب القبر، انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر ولا یؤذیك [4]۔	او قبر والے! قبر سے اتر آ، نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے۔

سعید بن منصور اپنی سنن میں راوی: کسی نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما اکرہ اذی المؤمن فی حیاتہ فانی	مجھ کو جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسند ہے

[1] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۶

[2] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۶

[3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور وعلم الموتٰی خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۶

[4] شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم باب تاذیہ بسائرہ وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

اکرہ اذاہ بعد موتہ[1]۔	یوں ہی مردہ کی۔

امام احمد علیہ الرحمۃ بسندِ حسن انھیں حضرت عمر بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا: لا تؤذی صاحب ھذاالقبر (اس قبر والے کو ایذا نہ دے) یا فرمایا: لا تؤذہ[2] (اسے تکلیف نہ پہنچا) اس ایذا کا تجربہ بھی تابعین عظام اور دوسرے علماء کرام نے جو صاحب بصیرت تھے کرلیا ہے۔ ابن ابی الدنیا ابوقلابہ بصری سے راوی: میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا، وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سوگیا، جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: لقد اذیتنی منذ اللیلۃ[3] (اے شخص! تو نے مجھ کو رات بھر ایذا دی)۔ امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابوعثمان نہدی سے، وہ ابن مینا تابعی سے راوی:، میں مقبرے میں گیا، دو رکعات پڑھ کر لیٹ گیا، خدا کی قسم میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی[4] (اُٹھ کہ تو نے مجھ کو ایذا دی)۔ حافظ ابن مندہ امام قاسم بن مخیمرہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی: "اگر میں تپائی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہوجائے تو یہ مجھ کو زیادہ پسند ہے اس سے کہ قبر پر پاؤں رکھوں۔" ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا، جاگتے میں سنا: الیك عنّی یا رجل لا تؤذینی[5] (اے شخص! الگ ہٹ مجھے ایذا نہ دے)۔ اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں:

اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفق النعال[6]۔	مجھ کو میرے استاذ علامہ محمد ابن احمد حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے خبر دی کہ جوتے کی پھچل سے مردے کو ایذا ہوتی ہے۔

[1] شرح الصدور بحوالہ سعید بن منصور باب تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶
[2] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ حم عن عمرو بن حزم باب دفن المیّت مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴۹
[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا عن ابی قلابۃ باب ینفع المیّت فی قبرہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۸
[4] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الرجل سمع صاحب القبر دارالکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰
[5] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ عن القاسم فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶
[6] مراقی الفلاح علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲

اسی واسطے ہمارے فقہائے کرام احناف علیہم الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: "قبر پر رہنے کو مکان بنانا، یا قبر پر بیٹھنا، یا سونا، یا اس پر یا اس کے نزدیک بَول وبراز کرنا یہ سب امور اشد مکروہ قریب بحرام ہیں۔" فتاوٰی علمگیری میں ہے:

ویکرہ ان یبنی علی القبر اویقعد اوینام علیہ اویطأ علیہ اویقضی حاجۃ الانسان من بول اوغائط[1] ۔ الخ	قبر پر عمارت بنانا، بیٹھنا، سونا، روندنا، بول وبراز کرنا مکروہ ہے۔

علّامہ شامی اس کی دلیل میں حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

لان المیّت یتأذی بمایتاذی بہ الحیّ[2] ۔	یعنی اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مردے بھی ایذا پاتے ہیں۔

بلکہ دیلمی نے امّ المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس کلیے کی تصریح روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

المیّت یؤذیہ فی قبرہ مایؤذیہ فی بیتہ[3] ۔	میت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی ہے قبر میں بھی اس سے ایذا پاتا ہے۔

ابن ابی شیبہ اپنی مصنف میں سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی:

اذی المومن فی موتہ کاذاہ فی حیاتہ[4] ۔	مسلمان کو بعد موت تکلیف دینی ایسی ہی ہے جیسے زندگی میں اسے تکلیف پہنچائی۔

اور اظہر من الشّمس ہے کہ قبور کو کھود کر ان پر رہنے کو مکان بنایا تو اس میں یہ سب امور موجود ہیں، جس سے یقیناً اہل قبور کی توہین ہوتی ہے اور ان کو ایذا دینا ہے۔ جو ہرگز ہمارے حنفی مذہب میں جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی معترض کہے کہ شرح کنز میں علامہ زیلعی لکھتے ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۶

[2] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۴۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۹۹

[4] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

ولو بلی المیّت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعه والبناء علیه[1]۔	اگر میّت پرانی ہوجائے اور مٹی میں مل جائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا، کھیتی باڑی کرنا اور اس پر عمارت بنانا جائز ہے۔

تو جواب اس کا اوّلاً یہ ہے کہ یہ قول علامہ زیلعی کا احادیث مذکورہ اور روایات مسطورہ کے معارض ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں ہے، اور ثانیاً یہ کہ علامہ شرنبلالی نے امداد الفتاح میں علامہ زیلعی کے اس قول کو رد کردیا ہے دوسری روایت معارضہ سے، پس قابلِ تعمیل نہیں۔

قال فی الامداد ویخالفه مافی التتار خانیة اذاصار المیّت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة[2] الخ۔	امداد الفتاح میں فرمایا اور تاتارخانیہ میں اس کے برعکس ہے، یعنی جب قبر میں میّت گل کر مٹی بھی ہوجائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کہ اس کی تعظیم وحرمت کے خلاف ہے کہ اس میّت کی تعظیم وحرمت اب بھی باقی ہے ۔الخ

اور مؤید ہے اس کی وجہ جو علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے:

معناہ ان الارواح تعلم بترك اقامة الحرمة وبالاستهانة فتاذی بذلك[3]۔	یعنی قبر پر تکیہ لگانے سے جو اہل قبور کو ایذا ہوتی ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا، لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔

اور شیخ الہند علیہ الرحمۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش میدارد وراضی نیست بتکیہ کردن بر قبر وے از جہت تضمن وے اہانت واستخفاف را بوے[4]۔	اس سے مراد غالبًا یہ ہے کہ اس کی روح قبر پر تکیہ لگانے سے ناخوش ہوتی ہے کیونکہ اس میں اس کی توہین ہے۔

جب قبر پر تکیہ لگانے سے اہل قبور کی اہانت ہوتی اور ان کی توہین اور ان کی ترک تعظیم ہوتی ہے۔ تو اس پر کھیتی کرنے سے اور اس پر مکان بنانے سے تو بطریق اولٰی ان کی توہین ہوگی، اور ثالثًا یہ کہ ہم یہاں معترض

[1] تبیین الحقائق فصل السلطان احق بصلٰوۃ مطبعۃ کبرٰی امیریۃ مصر ۱/ ۲۴۶
[2] ردالمحتار بحوالہ الامداد باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۹۹
[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النصف الثامن الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۵
[4] اشعۃ اللمعات باب الدفن فصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹

نجدی شعار سے پوچھتے ہیں کہ تجھ کو کیسے معلوم ہوا کہ میّت بالکل مٹی ہو گئ ہے اور اس کی ہڈی بھی باقی نہیں رہی ہے اس واسطے کہ قبر ابھی تک کھودی نہیں کی گئ ہے اور نہ میّت کے مٹی ہونے کا قرآن اور حدیث میں کوئی وقت مقرر ہوا ہے کہ اتنی مدت کے بعد میّت کی ہڈیاں بھی مٹی ہو جاتی ہیں، بلکہ تجربے سے بارہا مشاہدہ ہوا ہے کہ کسی بہت پرانی بستی کے اطراف میں کوئی جگہ کھودی جائے تو اس میں قبور نکلیں جن میں ہڈیاں (بلکہ بعض کے ابدان) اب تک باقی صحیح وسلامت تھیں، کتبوں سے تین تین چار چار صدیوں کی قبور معلوم ہوتی تھیں تو بلا دلیل بلا ضرورت شرعی کے کسی ممنوع امر کا کسی مبہم روایت کی بنا پر مرتکب ہونا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اگر معترض پھر عود کرے اور کہے کہ بمبئی وغیرہ عظیم شہروں میں قبور کھود کر ان میں دوسرے اموات دفن کئے جاتے ہیں، تو اگر قبور کھودنے سے اموات کی توہین ہوتی ہے تو ان شہروں میں یہ کام کیوں ہوتا ہے، تو جواب اس کا یہ ہے کہ ان شہروں میں جگہ بہت تنگ ہے، قبرستانوں میں اتنی وسعت نہیں ہے کہ میّت کے لیے الگ الگ قبر ہو، لہٰذا اس ضرورت شدیدہ سے یہ جائز ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (بوقت ضرورت منع کردہ چیزیں بھی جائز ہو جاتی ہیں۔ت) قاعدہ متفقہ ہے۔ کبیری شرح منیہ میں ہے:

ولا یحفر قبرلدفن اخرما لم یبل الاول فلم یبق له عظم الاّ عند الضرورة بان لم یوجد مکان سواہ[1] الخ۔	دوسرے مردہ کو دفن کرنے کے لیے قبر نہ کھودی جائے جب تک پہلا مردہ بوسیدہ نہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں باقی نہ رہیں مگر بوقت ضرورت قبر کھودنا جائز ہے جبکہ اس کے بغیر کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو الخ (ت)

دوسرے مردہ کو دفن کرنے کے لیے قبر نہ کھودی جائے جب تک پہلا مردہ بوسیدہ نہ ہو جائے یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں باقی نہ رہیں مگر بوقت ضرورت قبر کھودنا جائز ہے جبکہ اس کے بغیر کوئی دوسری جگہ میسر نہ ہو الخ (ت)

شھذا ماعندی والعلم الاتم عند ربی قاله بفمه وامر برقمه العبد الفقیر محمد عمرالدین السنی الحنفی القادری الھزاروی عفاالله تعالٰی عنه۔	یہ میری تحقیق ہے اور علم کامل میرے رب کے پاس ہے، یہ فتوٰی بزبانِ خود کہا ہے اور اس کے لکھنے کا حکم دیا ہے بندہ فقیر محمد عمر دین سنّی حنفی قادری ہزاروی نے (عفااللہ تعالٰی عنہ)۔(ت)

جو کچھ مجیب لبیب نے لکھا ہے حق اور صواب ہے، چنانچہ خزانۃ الروایۃ میں ہے:

فی مفید المستفید عن مفاتیح المسائل	مفاتیح المسائل سے مفید المستفید میں ہے جب قبر

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۰۷

واذا صار المیّت ترابا فی القبر یکرہ دفن غیرہ فی قبرہ لان الحرمة باقیة [1] انتھی۔	میں میّت گل کر مٹی بھی ہوجائے تب بھی اس کی قبر میں غیر کو دفن کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میّت کی تعظیم وحُرمت اب بھی باقی ہے انتہی (ت)

اور یہ بھی خزانۃ الروایۃ میں ہے:

لایجوز لاحدٍ ان یبنی فوق القبور بیتًا اومسجدا لان موضع القبر حق المقبور ولھذا لایجوز نبشه [2] انتھی مختصرا۔ نمقه الراجی الی رحمة ربه الشکور عبد الغفور صانه اللہ عن الاٰفات و الشرور۔ للہ در المجب حیث اجاب فاجاد واصاب فیما افادہ حررہ المسکین محمد بشیر الدین عفی عنه۔	قبروں پر کسی کو گھر یا مسجد بنانا جائز نہیں کیونکہ قبر والی جگہ صاحب قبر کا حق ہے، اسی وجہ سے قبر کو کھودنا جائز نہیں ہے اھ مختصرًا۔ اسے لکھا ہے اپنے رب شکور کی رحمت کے امیدوار عبدالغفور نے، اللہ تعالٰی اسے آفات اور برائیوں سے بچائے۔ (ت) اللہ تعالٰی مجیب کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے عمدۃ جواب دیا اور صحیح افادہ فرمایا، اسے لکھا ہے مسکین محمد بشیر الدین عفی عنہ نے۔ (ت)

اس فتوے کو دیکھا، فتوٰی صحیح ہے، جواب درست ہے۔ حررہ محمد عبدالرشید دہلوی عفی عنہ

الجواب صحیح۔ (جواب صحیح ہے۔ ت) محمد افضل المجید عفی عنہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الامداد ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۹۹

[2] خزانۃ الروایۃ

الجواب صحیح وصواب (جواب صحیح اور درست ہے۔ت)

حررہ العبد المفتقر مطیع الرسول عبدالمقتدر القادری البدایونی عفی عنہ۔

الرسول قادری حنفی محمد عبدالمقتدر مطیع ۱۳۱۷

ذلك كذلك (یہ جواب بے مثل ہے۔ت) محمد فضل احمد البدایونی عفی عنہ

المجیب مصیب (جواب درست ہے۔ت) محمد ابراہیم قادری

قادری محمد ابراھیم ۱۳۱۸

اصاب من اجاب واللہ اعلم بالصواب (جواب درست دیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔ت) محمد حافظ بخش المدرس بالمدرسۃ المحمدیہ بلدہ بدایوں

بخش حنفی محمد حافظ

صح الجواب (جواب صحیح ہے۔ت)

محمد احمد قادری عبدالرسول

حررہ عبدالرسول محب احمد عفی عنہ المدرس بالمدرسۃ الشمید الکائنۃ بجامع بدایوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی جعل الارض کفاتا ○ و اکرم المومنین احیاء وامواتا ○ وجعل موتھم راحۃً وسباتًا ○ وحرّم اھانتھم تحریمًا بتاتًا ○الصلٰوۃ والسلام علی من سقانا من فضلہ وفضلتہ ماء فراتا ○ واعطانا فی کل محجّۃ ابلج حجّۃ نقضا واثباتا ○ وابّد تعظیم المؤمنین ابدالابدین ولم یوقت لہ میقاتًا ○ فجعلھم عظامًا وان صاروا عظامًا○ وحرّم ایذاء ھم ولوکانوا رفاتًا ○ وعلٰی اٰلہ وصحابہ و	تمام تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے زمین کو جمع کرنیوالی بنایا، زندہ اور مردہ مومنوں کو عزت بخشی اور ان کی موت کو سکون وآرام بنایا اور ان کی توہین کو قطعی طور حرام کیا، درود سلام ہو اس ذات پر جس نے اپنے احسان اور بقیہ سے ہمیں خوب میٹھا پانی پلایا، اور ہر میدان میں ہمیں نقض واثبات کے لیے بھاری حجہ عطا فرمائی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مومنوں کو عزت بخشی اور اس کے لیے کوئی وقت مقرر نہ فرمایا اور مومنوں کو عظمت والا بنایا اگرچہ وہ ہڈیاں ہو جائیں، اور ان کو ایذا دینا حرام کیا اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں، اور آپ کے ا

اھل وحزبه المکرمین عند الله جمیعاو اشتاتا، جزی الله المجیب خیرًا ویثیب۔	آل، اصحاب، اہل اور آپ کے گروہ پر جو عند اللہ مکرم ہیں، اجتماعی اور متفرق طور پر، اللہ مجیب کو جزائے خیر اور ثواب عطافرمائے۔(ت)

جامع الفضائل، قامع الرذائل، حامی السنن، ماحی الفتن مولٰنا مولوی محمد عمرالدین جعله اللّٰه کا سمہ عمرالدین وبسعیه ورعیه عمرالدین کاجواب ناہج مناہج صواب کافی و وافی ہے، مگر بحکم المامور معذور بنظر تکثیر افاضہ دو وصل مُفید کا اضافہ منظور وصل اول اس بیان مجیب کی تائید و تصویب میں کہ قبور مسلمین کی تعظیم ضرور اور اہانت محظور، اور یہ کہ کیا کیا امور موجب ایذائے اصحابِ قبور، یہاں اگر سلسلہ سخن میں بعض امور مذکورہ جواب کا اعادہ ہو تو غیر محذور کہ تکرّر فرع موجب مزید تاکید واوقع فی الصدور ع

والمسك ما کرّرته یتضوع

وصل دوم میں احقاقِ مرام وازہاقِ اوہام وتبکیت مخطیان نجاریہ لیام، اور اس امر کا بیان کامل وتام کہ مقابر عام مسلمین میں کوئی وقفی مکان بنانا بھی حرام، نہ کہ اپنی سکونت وآرام کا مقام، نیز روایت علّامہ زیلعی کی تحقیق انیق، اس وصل میں دو فتوے فقیر کی نقل پر قناعت ہے کہ ان میں بحمد اللہ تعالٰی کفایت ہے، وباللّٰه التوفیق۔

وصل اوّل

علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مُردہ وزندہ برابر ہے۔ محقق علی الاطلاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الاتفاق علٰی انّ حُرمة المسلم میّتا کحرمته حیّا [1]۔	اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت وحرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔(ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کسر عظم المیّت واذاہ ککسرہ حیّا [2]۔ رواہ الامام احمد وابو داؤد وابن ماجة	مُردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی کو توڑنا، اسے امامِ احمد و

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲

باسناد حسن عن اُمّ المؤمنین عائشه الصدیقة رضی الله تعالیٰ عنها۔	وابوداؤد وابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔

یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المیّت یؤذیه فی قبرہٖ مایؤذیه فی بیته [1]۔	مُردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی۔

علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

افادان حرمة المؤمنین بعدموتہٖ فاقیة [2]۔	اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی حُرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔

سیدنا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اذی المؤمن فی موته کاذاہ فی حیاته [3]۔رواہ ابی بکر بن ابی شیبه۔	مسلمان مُردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

علماء فرماتے ہیں:

المیّت یتاذی بما یتاذی به الحی [4] ۔ کذافی رد المحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔	جس بات سے زندہ کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں مذکور ہے۔ (ت)

علامہ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اشعۃ اللمعات میں امام علامہ ابویوسف بن عبدالبر سے نقل فرماتے ہیں:

ازیں جامستفاد میگردد کہ میّت متألم میگردد بجمیع انچہ متألم میگرددبدان حی ولازم انیست کہ متلذذ گردد تمام انچہ متلذذم میشودبدان زندہ [5] انتھی۔	اس جگہ یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد پہنچتا ہے ان تمام سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے،اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان سب سے میّت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے انتہی۔ (ت)

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۴۵۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۹

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۶۲۳۱ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۵۵۱

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی شیبہ فصل تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[4] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۲۲۹

[5] اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۶

یہاں تک ہمارے علماء نے تصریح فرمائی، قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے،

فی الشامیہ عن الطحطاویۃ آخر کتاب الطھارۃ نصوا علی ان المرور فی سکۃ حادثۃ فیھا حرام [1]۔	آخر کتاب الطہارۃ شامی میں طحطاوی سے ہے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس پر چلنا حرام ہے۔

اور فرماتے ہیں: "مقبرے کی گھاس (سبز) کاٹنا مکروہ ہے کہ جب تک وہ (گھاس سبز) تر رہتی ہے ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے، اس (سبز گھاس) سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، ہاں خشک گھاس کاٹ لینا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کو جانوروں کے پاس لے جائیں، اور یہ ممنوع ہے کہ انھیں گورستان میں چرنے چھوڑ دیں"۔

فی جنائز ردالمحتار یکرہ ایضا قطع النبات الرطب والحشیش من المقبرۃ دون الیابس کما فی البحر والدرر وشرح المنیۃ [2] وعللہ فی الامداد بانہ مادام رطبًا یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیّت وتنزل بذکرہ الرحمۃ ونحوہ فی الخانیۃ انتھی [3]۔ وفی العالمگیریۃ عن البحر الرائق لوکان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولاترسل الدواب فیھا [4] اھ۔	ردالمحتار کے جنائز میں ہے کہ تر گھاس کا مقبرے سے کاٹنا مکروہ ہے خشک گھاس کا نہیں، جیسا کہ بحر، درر اور شرح منیہ میں ہے، اور امداد میں اس کی یہ وجہ بتائی گئی ہے کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے جس سے میّت کو انس حاصل ہوتا ہے، خانیہ میں بھی اسی طرح ہے انتہی، اور عالمگیریہ میں بحرالرائق سے ہے کہ اگر قبرستان میں خشک گھاس ہو تو کاٹ کر لائی جاسکتی ہے مگر جانور اس میں نہ چھوڑے جائیں اھ۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مقابر میں جوتا پہنے چلتے دیکھا، ارشاد فرمایا: "ہائے کم بختی تیری اے طائفی جُوتے والے! پھینک اپنی جوتی۔

[1] ردالمحتار فصل الاستنجاء ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶

[3] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱

"اخرج الائمۃ ابوداؤد النسائی والطحاوی وغیرھم عن بشیر بن الخصاصیۃ واللفظ للامام الحنفی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی رجلًا یمشی بین القبور فی نعلین، فقال ویحك یا صاحب السبتیتین الق سبتیتیك [1] اھ۔ السِّبتتہ بکسر المھملۃ وسکون الموحدۃ ھی التی لاشعر فیھا۔ قال القاضی عیاض کان من عادۃ العرب لبس النعال بشعرھا غیرمدبوغۃ وکانت المدبغۃ تعمل بالطائف وغیرہ [2] الخ۔	ابوداؤد، نسائی اور طحاوی وغیرہم نے بشیر بن خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خرابی ہو تیری اے جوتیوں والے اپنی جوتیاں اتاردے، سبتہ مہملہ کے کسرہ اور سکون باء سے مراد وہ چمڑا ہے جس میں بال نہ ہوں، قاضی عیاض نے فرمایا: عرب والے کچے چمڑے کے مع بالوں کے جوتے پہنا کرتے تھے اور پکائے ہوئے چمڑے کے جوتے طائف وغیرہ میں بنائے جاتے تھے الخ۔

فاضل محقق حسن شرنبلالی اور ان کے استاذ علامہ محمد بن احمد حموی فرماتے ہیں: "چلنے میں جو آواز کفش پا سے پیدا ہوتی ہے اموات کو رنج دیتی ہے۔"

حیث قال فی مراقی الفلاح اخبرنی شیخی العلامۃ محمد بن احمد الحموی الحنفی رحمہ اللہ تعالٰی بانھم یتأذون بخفقۃ النعال انتھی [3] اھ۔ اقول ووجھہ ماسیأتی عن العارف الترمذی رحمہ اللہ تعالٰی۔	اس لیے کہ مراقی الفلاح میں کہا کہ مجھے خبر دی میرے شیخ علامہ محمد بن احمد حموی حنفی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ مُردے جوتیوں کی پھپل سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اھ۔ میں کہتا ہوں اس کی دلیل عنقریب عارف ترمذی سے منقول ہو کر آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ حتی تخلص الی جلدہ خیرلہ من ان یجلس علی قبر [4]۔ رواہ مسلم وابوداؤد والنسائی	بیشک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد تک توڑ جائے، اس کے لیے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے، اسے مسلم وابوداؤد و

[1] شرح معانی الآثار باب المشی بین القبور بالنعال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۲
[2] تاریخ سبتتہ للقاضی عیاض
[3] مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲
[4] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴

وابن ماجة عن سیدنا ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	نسائی وابن ماجہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: مجھے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا، ارشاد فرمایا: "او قبر پر بیٹھنے والے! قبر سے اُتر آ، صاحبِ قبر کو ایذا نہ دے، نہ وہ مجھے ایذا دے۔"

اخرج الطحاوی فی معانی الاثار والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن والحاکم وابن مندة عن عمارة بن حزم رضی اللہ تعالٰی علیه رانی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم جالسًا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولایؤذیك [1] ولفظ الامام الحنفی فلایؤذیك [2]۔	طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسندِ حسن اور حاکم اور ابنِ مندہ نے عمارہ بن حزم سے روایت کی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا: اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر اور قبر والے کو تکلیف نہ دے اور وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یؤذیک (پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔ت)

اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا: عمرو بن حزم کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہٖ وسلم نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا:

لاتؤذِ صاحب القبر [3]. کما فی المشکٰوۃ قلت وھذا الحدیث لایلائمه تاویل الامام ابی جعفر والنھی عن شیئ لاینا فی النھی عن اعم منه فافھم۔	صاحب قبر کو ایذا نہ دے، جیسے مشکوٰۃ میں ہے، میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام ابو جعفر کی تاویل مناسب نہیں رکھتی ہے اور کسی چیز سے روکنا اس چیز سے عالم کے روکنے کو مستلزم نہیں، تو غور کیجئے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح میں فرماتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش می دارد وراضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبر وے جہت تضمن وے اہانت واستخفاف رابوے [4] اھ۔	شاید مراد یہ ہے کہ اس کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ لگائے کی وجہ سے اہانت محسوس کرتی ہے۔اھ

[1] شرح الصدور بحوالہ الطبرانی والحاکم وابن مندۃ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶
[2] شرح معانی الآثار باب الجلوس علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۶
[3] مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیّت فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹
[4] اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹

اقول: اس توجیہ پر امام علامہ عارف باللہ حکیم الامۃ سیدی محمد بن علی ترمذی قدس سرہ، نے جزم فرمایا، تصریح فرماتے ہیں کہ: "ارواح کو ان کی بے حرمتی و تنقیصِ شان معلوم ہو جاتی ہے لہذا ایذا پاتی ہیں۔"

قال سیدی عبد الغنی فی الحدیقۃ عن نوادر الاصول معناہ ان الارواح تعلم بالترک اقامۃ الحرمۃ وبالاستھانہ فتتأذی بذلك [1] اھ۔	سیدی عبدالغنی نے حدیقہ میں نوادر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا: اس کے یہ معنی ہیں کہ ارواح اپنی اہانت و ذلت کو محسوس کرتی ہیں اور اس سے انھیں ایذا ہوتی ہے اھ

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان امشی علی جمرۃ اوسیفٍ اواخصف نعلی برجلیہ احب الی من ان امشی علی قبر [2]۔ رواہ ابن ماجۃ عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ واسنادہ جیّد کما فاد المنذری۔	البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا جوتا پاؤں سے گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی قبر پر چلوں اسے ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اس کی سند عمدہ ہے جیسا کہ منذری نے افادہ کیا۔ (ت)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لان اطاء علی جمرۃ احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم، رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن [3] قالہ امام عبدالعظیم۔	بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے، اسے طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن روایت کیا۔ جیسا کہ امام عبدالعظیم نے کہا ہے۔ (ت)

ان ہی صحابی اجل سے کسی نے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما کرہ اذای المؤمن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ [4]۔ اخرجہ سعید بن منصور	میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ جانتا ہوں یونہی بعد موت اس کی ایذا کو ناپسند

[1] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن الاصناف القسمۃ فی آفات الرجل مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۰۵

[2] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[3] الترغیب والترتیب الترھیب من الجلوس علی القبر الخ مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۳۷۲

[4] شرح الصدور باب تأذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۶

فی سننه کما فی شرح الصدور۔ **اقول:** وھذہ الاحادیث تؤیّد ما اخترنا وتؤذن ان تاویل ابی جعفر رحمه الله تعالٰی لیس فی محله فبما فی عامة الکتب نأخذ لاعتقادھا بنصوص الاحادیث، ولانه علیه الاکثر وقد نصوا ان العمل بما علیه الاکثر، وانه لا یعدل عن روایة ماوفقتھا درایة فکیف اذاکان ھوا الاشھر الاظھر الاکثر الازھر وبھٰذا یضعف مازعم العلامة البدر فی العمدة فتبصر۔	کرتا ہوں۔اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بیان کیا جیسا کہ شرح الصدور میں ہے۔میں کہتا ہوں ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو بات ہم نے اختیار کی ہے وہ درست ہے، اور ابو جعفر رحمہ اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاویل بر محل نہیں، لہٰذا ہم وہ مسلک اختیار کرتے ہیں جو عام کتب میں ہے، کیونکہ اسے احادیث کی صراحت سے تقویت حاصل ہے، اور اس لیے بھی کہ اکثر کا یہی قول ہے کیونکہ علماء نے صراحت کردی ہے کہ عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہوگی اور یہ کہ اس روایت سے عدول نہیں کیا جاتا ہے جو درایت کے مطابق ہو، تو پھر اس سے عدول کا جواز کیا ہوگا جو اشہر، اظہر، اکثر اور واضح ہے، اور اسی سے علّامہ بدر کا زعم عمدہ میں ضعیف قرار پاتا ہے۔تو غور کیجئے۔

ان ہی احادیث سے ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے بے ضرورت [عـــه] قبر پر چلنے اور اس پر بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے منع فرمایا کہ یہ سب حرمتِ مومن کے خلاف ترک ادب گستاخی ہے،

ففی النوادر والتحفة والبدائع والمحیط وغیرھا	تحفہ، بدائع اور محیط وغیرہ میں ہے کہ

عـــه: قولہ بے ضرورت، ضرورت کی صورت مثلاً قبرستان میں میّت کے لیے قبر کھودنے یا دفن کرنے جانا چاہتے ہیں بیچ میں قبریں حائل ہیں اس حاجت کیلیے اجازت ہے، پھر بھی جہاں تک بن پڑے بچتے ہوئے جائیں اور ننگے پاؤں ہوں، ان اموات کیلیے دعا استغفار کرتے جائیں،

فی حاشیة العلامة الطحطاوی علی مراقی الفلاح عن شرح المشکوٰة الوطء الحاجة کدفن المیّت لایکرہ اھ وعن السراج فان لم یکن له طریق الاعلی القبر جازله المشی علیه للضرورة[1] ۔ ۱۲ منه	علامہ طحطاوی کے حاشیہ مراقی الفلاح میں شرح مشکوٰۃ سے ہے کہ ضرورت کے پیش نظر مثلاً میّت کو دفن کرنے جانا ہو تو قبروں پر سے گزرنا مکروہ نہیں اھ اور سراج سے ہے کہ اگر قبر پر ہی گزرنے کا راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتاً جائز ہے ۱۲منہ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰

ان اباحنیفة کرہ وطء القبر ولقعود او النوم اوقضاء الحاجة علیہ[1] کذا نقل العلامة ابن امیر الحاج فی الحلیة۔ **اقول:** والکراھة عند الاطلاق کراھة تحریم کما صرحوا بہ مع مایفیدہ من النھی الواردفی الاحادیث معللًا بالایذاء والایذاء حرام فھذا ماندین اللہ تعالٰی بہ وان قیل وقیل۔	ابو حنیفہ نے قبر کا روندنا، بیٹھنا، سونا، اس پر قضائے حاجت کرنا مکروہ کہا ہے، اسی طرح ابن امیر الحاج نے حلیہ میں نقل کیا **میں کہتا ہوں** جب کراہت مطلق ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے جیساکہ فقہاء نے تصریح کی ہے، پھر اس نہی سے بھی تائید ہوتی ہے جو احادیث میں ایذاء کی علت سے متعلق وارد ہے اور ایذا حرام ہے پس دیانتداری کی بات یہی ہے، اب خواہ کوئی کچھ کہتا رہے۔

حاشیہ طحطاوی علی شرح نورالایضاح میں سراج وہاج سے ہے:

ان لم یکن لہ طریق الاّ علی القبر جازلہ دلیل علیہ للضرورة[2] اھ **اقول:** وھذا ایضا دلیل علی مااخترنا من کراھة التحریم فان المفھوم المخالف معتبر فی الروایات وکلام العلماء بالاتفاق فافادان المشی لا یجوز بلاضرورة ومالایجوز فادناہ کراھة التحریم۔	اگر قبر پر ہی سے راستہ ہو تو اس پر چلنا ضرورتًا جائز ہے۔ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سے بھی ثابت کہ ہمارا قول کراہت تحریمی کا درست ہے، کیونکہ مفہوم مخالف روایات اور کلام علماء میں بالاتفاق معتبر ہے، تو معلوم ہوا کہ بلاضرورت قبر پر چلنا ناجائز ہے اور جو ناجائز ہو اس کا ادنٰی درجہ مکروہ تحریمی ہے۔

سیدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمہ اللہ تعالٰی فی شرح علی الدرر ویکرہ ان یوطء القبر لماروی عن ابن مسعود[3] الخ وذکر اثرالذی رویناہ۔	والد صاحب نے درر کی شرح میں فرمایا کہ قبر کا روندنا مکروہ ہے جیساکہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے الخ، پھر آپ نے وہی اثر ذکر کیا جو ہم روایت کرچکے ہیں۔

[1] بدائع الصنائع فصل فی سُنۃ الدفن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۰، تحفۃ الفقہاء باب الدفن وحکم الشہداء دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۵۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰

[3] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۴

اور محیط سے نقل فرمایا:

یکرہ ان یطاء علی القبر بالرجل ویقعد علیہ [1] اھ قولہ یعنی بالرجل قلت فسّر بذٰلك لئلاّ یحمل علی الجماع۔ **اقول:** ویکرہ ایضًا بل اشد لما فیہ من زیارۃ الاستخفاف کالوطأ علی سطح المسجد مع الدلالۃ علی تناھی القلب فی تناسی الموت، فکان الحمل علی الوطأ بالرجل لیکون ادخل فی النھی عن الوطأ بمعنی الجماع بطریق دلالۃ ینبغی ان یفھم، اور جامع الفتاوٰی سے لائے: انہ والتراب الذی علیہ حق المیّت فلا یجوز ان یوطا [2]۔ اور مجتبٰی سے لائے: ان المشی علی القبور یکرہ [3]۔ اور شرعۃ الاسلام وشرح شرعہ سے: من السنۃ ان لایطأ القبور فی نعلیہ فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یکرہ ذلك [4] الخ۔ اور امام شمس الائمہ حلوانی سے: وانہ قال یکرہ [5]۔ اور امام علی ترجمانی سے: قال یأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق المیّت [6] اھ۔ اقول وھذا نص علی مااخترنا من کراھۃ التحریم اذالا اثم فی المکروہ تنزیھا۔ لان مرجعہ الی خلاف الاولٰی، ولانہ	قبر کو پیروں سے روندنا اور اس پر بیٹھنا مکروہ ہے اھ قلت پیروں سے روندنے کی تشریح اس لیے کردی کہ جماع پر محمول نہ کیا جائے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) جماع بھی مکروہ ہے بلکہ اس کی کراہت زائد ہے کیونکہ اس میں زیادہ توہین ہے، جیسے مسجد کی چھت پر وطی کرنا، پھر اس میں موت کا بھول جانا بھی شامل ہے۔ لہٰذا پیروں سے روندنے پر محمول کرنا اس لیے ہے تاکہ جماع کی ممانعت پر بطریق دلالت النص دلالت کرے، یہ مطلب نہیں کہ وطی مکروہ نہیں، اسی طرح سمجھنا چاہئے، اور جامع الفتاوٰی سے نقل کیا کہ یہ وُہ مٹی ہے جس پر میّت کا حق ہے لہٰذا اس کو روندنا جائز نہیں، اور مجتبٰی میں ہے: قبروں پر چلنا مکروہ ہے۔ شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے: سنت یہ ہے کہ جوتوں سمیت قبریں نہ روندی جائیں کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے مکروہ سمجھتے تھے __ اور شمس الائمہ حلوانی نے کہا کہ یہ مکروہ ہے __ اور امام علی ترجمانی سے ہے کہ قبروں کے روندنے سے گنہگار ہوگا کیونکہ قبر کی چھت میّت کا حق ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بھی ہمارے اختیار کردہ قول کراہت تحریمہ صراحت کرتا ہے، کیونکہ مکروہ تنزیہی میں کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف خلافِ اولٰی ہے نیز

[1] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۴

[2] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۲/ ۵۰۴

[3] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۲/ ۵۰۴

[4] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۲/ ۵۰۵

[5] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۵

[6] حدیقہ ندیہ الصنف الثامن من الاصناف التسعۃ فی آفات الرجل نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۵

ربما تعمده النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیانًا للجواز والنبی معصوم عن تعمد الاثم ولان الموثم لایجوز فلا معنی لبیان الجواز ولانهم صرحوانه یجامع الاباحة کما فی اشربة رد المحتار، ابی السعود، والمعصیة لاتجامعها و لانهم یعبرون عنها بنفی الباس وای باسٍ اعظم من الاثم والان الموثم و اجب الترك وما وجب ترکه کان فعله مقار بالحرام وهذا معنی کراهة التحریم والانهم نصوا ان فاعل المکروه تنزیها لا یعاقب اصلا کما فی التلویح مع مااعتقدنا ان الله تعالٰی ان یعاقب علٰی کل جریرة ولوصغیرة فهذه بحمد الله تعالٰی سبعة دلائل ناطقة بان ماوقع عن بعض عـہ ابناء الزمان فی رسالة شرب الدخان من ان المکروه تنزیها من الصغائر غلط فاحش وخطاء عظیم نعم قد صرح صاحب البحر فی بحره ان المکروه تحریما منها فتثبت ولاتخبط۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان جوازِ کے لیے قصدًا ایسا کیا اور نبی قصدًا گناہ کرنے سے معصوم ہوتا ہے، اور گناہ میں مبتلا کرنے والی چیز کا ارتکاب جائز نہیں ہوتا تو بیانِ جواز کے کیا معنی ؟ پھر یہ اباحت کے ساتھ مجتمع ہوتا جیساکہ اشربہ ردالمحتار میں ابی السعود سے ہے اور معصیت اباحت کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتی ہے۔ پھر اس کی تعبیر نفی باس سے کرتے ہیں اور گناہ سے بڑھ کر کون باس عظیم ہوگا، اور اسی لیے گنہگار بنانے والی چیز واجب الترک ہے اور جس چیز کا ترک واجب ہو اس کا فعل حرام کے قریب ہوگا اور یہی معنی کراہت تحریم کے ہیں، اور اس لیے بھی کہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ مکروہ تنزیہی کے فاعل پر بالکل گناہ نہ ہوگا جیساکہ تلویح میں ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ چھوٹے سے چھوٹے جُرم پر سزادے سکتاہے بحمد اللہ تعالٰی یہ ساتھ دلائل ہیں جن سے معلوم ہواکہ بعض بناءِ زمانہ نے رسالہ شرب الدخان میں مکروہ تنزیہی کو صغائر سے بتاکر فاحش غلطی اور خطاء عظیم کی ہے۔ البتہ صاحبِ بحر نے اپنی بحر میں تصریح کی ہے کہ مکروہ تحریمی صغائر سے ہے۔ پس اسے سمجھ اور دیوانہ نہ بن۔

نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں ہے:

فصل فی زیارة القبور ندب زیارتها من غیر ان یطأ القبور[1]۔	"فصل زیارت قبور کے بیان میں "زیارت قبور مستحب ہے مگر قبریں نہ روندی جائیں۔

عـــہ: ھو المولوی عبدالحی اللکھنوی ۱۲

وہ مولوی عبدالحی لکھنوی ہے ۱۲ (ت)

[1] مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی فصل فی زیارۃالقبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰۳۴۰

اسی میں ہے:

کرہ وطؤھا بالاقدام لما فیہ من عدم الاحترام، وقال قاضی خان لو وجد طریقا فی المقبرۃ وھو یظن انہ طریق احدثوہ لایمشی فی ذلك وان لم یقع فی ضمیرہ لابأس بان یمشی فیہ[1] اھ ملخصا۔ **اقول:** وھذا ایضادلیل مااخترناہ فانہ علق نفی البأس ان لایقع فی قلبہ انہ طریق علٰی قبر فافادو البأس فیما اذا وقع ذلك فی نفسہ وایضاقد تقدم التصریح بالحرمۃ عن الشامی والطحطاوی عن علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی۔	قبروں کو پیروں سے روندنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بے حرمتی ہے۔ قاضی خاں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے قبرستان میں کوئی راستہ دیکھا جس کے بارے میں اسے گمان ہے کہ یہ لوگوں نے نیا بنالیا ہے تو وہ اس پر نہ چلے اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا نہ ہو تو چلنے میں مضائقہ نہیں اھ ملخصًا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بھی ہمارے قول کی دلیل ہے کیونکہ اس میں جواز کی صورت دل میں اس خیال کا نہ آنا ہے کہ یہ راستہ قبروں پر بنایا گیا ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اگر اس کے دل میں اس قسم کا خیال پیدا ہو تو پھر مضائقہ ہوگا۔ نیز شامی اور طحطاوی جو ہمارے علماء ہیں رحمھم اللہ تعالٰی ان سے منقول شدہ حرمت کی تصریح پہلے گزر چکی ہے۔

علامہ اسمٰعیل نابلسی حاشیہ درروغرر میں فرماتے ہیں:

لاباس بزیارۃ القبور والدعاء للاموات ان کانوا مومنین (عہ) من وطئ القبور۔ کما فی البدائع والملتقط[2] اھ۔	قبروں کی زیارت اور مردوں کے حق میں دعا کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ قبریں نہ روندی جائیں، جیساکہ بدائع اور ملتقط میں ہے۔

طریقہ محمدیہ میں ہے:

من اٰفات الرجل المشی علی المقابر[3] اھ۔	پَیر کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔اھ

امام علامہ محقق علی الاطلاق ان لوگوں پر اعتراض فرماتے ہیں جن کے اعزّاء واقرباء کے گرد مخلوق دفن ہے،

عــہ: علٰی صیغۃ المفعول ای اٰمنین | مؤمنین صیغہ مفعول ہے یعنی جب وہ محفوظ رہیں ۱۲ (ت)

[1] مراقی الفلاح علٰی ھامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۲، ۳۴۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ شرح الدرر الصنف الثامن فی آفات الرجل مکتبہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۵

[3] طریقہ محمدیہ الصنف الثامن فی آفات الرجل مطبع ہندو پریس دہلی ۲/ ۲۵۹

وہ ان قبروں کو روندتے ہوئے اپنے عزیزوں کی گور تک جاتے ہیں، انھیں چاہئے کنارِ گورستان سے زیارت اور دعا کرلیں اور ان کی قبروں کے قریب نہ جائیں۔

فقد قال فی الفتح یکرہ الجلوس علی القبر و وطؤہ فما یصنعہ الناس ممن وفنت اقاربہ ثم دفن حوالیھم خلق من وطأتك القبور الی ان یصل الی قبر قریبہ مکروہ[1]۔	چنانچہ فتح میں کہا: قبر پر بیٹھنا اور اس کو روندنا مکروہ ہے، تو وہ لوگ جن کے رشتہ داروں کے گرد دوسروں کی قبریں ہوں ان کا ان قبروں کو روندنا اپنے قریبی رشتہ دار کی قبر تک پہنچنے کے لیے مکروہ ہے۔

امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہے:

اقبلت من الشام الی البصرة فنزلت الخندق فتطھرت وصلّیت رکعتین باللیل ثم وضعت راسی علی قبرٍ فنمت۔ ثم انتبھت فاذا بصاحب القبر یشتکی ویقول لقد اٰذیتنی منذ اللیلة[2] الخ۔	یعنی میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا۔ رات کو خندق میں اُترا۔ وضو کیا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سُنا کہ صاحب قبر شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی الخ۔

ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان نہدی سے وہ میناتابعی سے راوی: "میں مقبرے میں گیا، دو رکعات پڑھ کر لیٹ رہا۔ خدا کی قسم! میں خوب جاگ رہا تھا کہ سُنا، صاحب قبر کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی[3] (اُٹھ کہ تو نے مجھے ایذا دی)۔" امام حافظ ابن مندہ قاسم بن مخیمرہ سے راوی: "کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبر سے آواز آئی: الیك عنیّ ولاتؤذنی[4] (اپنی طرف ہٹ دور ہو اے شخص میرے پاس سے) اور مجھے ایذا نہ دے"۔

ذکر ھما العلامة السیوطی فی شرح الصدور اقول وفیھما تائید لما علیہ عامة علمائنا خلافا للامام ابی جعفر ومن تابعہ من	ان دونوں کو علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے شرح الصدور میں درج فرمایا اقول ان دونوں روایتوں میں اس کو تائید ہوتی ہے جس پر ہمارے عام علماء ہیں، بخلاف

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲
[2] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب ماینتفع المیّت فی قبرہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۲۸
[3] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی الرجل الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰
[4] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ عن القاسم بن مخیمرہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

بعض المتاخرین	امام ابو جعفر اور ان کے تابع بعض متاخرین کے۔

اور اس فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے حضرت سیدی ابوالحسن نوری مدظلہ العالی سے سنا کہ ہمارے بلاد میں مارہرہ مطہرہ کے قریب ایک جنگل میں گنج شہیداں ہے، کوئی شخص اپنے بھینس لیے جاتا تھا، ایک جگہ زمین نرم تھی، ناگاہ بھینس کا پاؤں جارہا، معلوم ہوا یہاں قبر ہے، قبر سے آواز آئی: "اے شخص! تونے مجھے تکلیف دی، تیری بھینس کا پاؤں میرے سینے پر پڑا۔" فیھا قصۃ لطیفۃ تدلّ علٰی عظیم قدرۃ اللہ تعالٰی وعجیب صنعہ فی الشھداء (اس میں لطیف قصّہ ہے جو شہداء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ اور عجیب صناعی پر دلالت کرتا ہے۔ ت) اب بحمداللہ تعالیٰ حکمِ مسئلہ مثل آفتاب روشن ہوگیا، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور مقابر میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا، اور علماء نے اس خیال سے کہ قبور پر پاؤں نہ پڑے گورستان میں جو راستہ جدید نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبر پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ اس کے پاس نہ سوئیں، سنت یہ ہے کہ زیارت میں بھی وہاں نہ بیٹھیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ بلحاظِ ادب پاس بھی نہ جائیں، دور ہی سے زیارت کرآئیں اور قبرستان کی خشک گھاس اگر جانور کو کھلانا جائز فرمایا مگر یوں کہ یہاں سے کاٹ کرلے جائیں نہ کہ جانوروں کو مقابر میں چرائیں، اور تصریح فرمائی کہ مسلمان زندہ ومردہ کی عزت برابر ہے، اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مُردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور انھیں تکلیف دینا حرام، تو خود ظاہر ہوا کہ یہ فعل مذکور فی السوال کس قدر بے ادبی و گستاخی و باعث گناہ اور استحقاق عذاب ہے۔ جب مکان سکونت بنایا گیا تو چلنا پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، قبور کو پاؤں سے روندنا، ان پر پاخانہ، پیشاب، جماع سب ہی کچھ ہوگا اور کوئی دقیقہ بے حیائی اور اموات مسلمین کی ایذارسانی کا باقی نہ رہے گا والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

علماء فرماتے ہیں: جہاں چالیس مسلمان جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللہ ضرور ہوتا ہے کما صرح بہ العلامۃ المناوی رحمہ اللہ تعالٰی فی التیسیر شرح الجامع الصغیر (جیساکہ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تیسیر شرح جامع صغیر میں تصریح کی۔ ت) اور ظاہر ہے کہ مقابر مسلمین میں صدہا مسلمانوں کی قبریں ہوتی ہیں بلکہ خدا جانے ایک ایک قبر میں کس کس قدر دفن ہیں، تو بالضرور ان میں بندگان مقبول بھی ضرور ہوں گے، بلکہ اس امر کی اموات میں زیادہ امید ہے کہ بہت بندے خدا کے جو زندگی میں آلودہ گناہ تھے بعد موت پاک وطیب ہوگئے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الموت کفارۃ لکلِّ مسلمٍ[1] موت کفارہ گناہ ہے ہر سُنی عـــہ مسلمان کے لیے۔

عـــہ: **فائدہ جلیلہ:** محاورہ قرآن وحدیث میں مومن ومسلم خاص اہلسنت کو کہتے ہیں کہ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۹۸۸۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۱۷۱

اخرجه ابو نعیم والبیهقی فی شعب الایمان عن انس رضی الله تعالٰی عنه وقال السیوطی صححه ابن العربی۔	اسے ابو نعیم اور بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیااور علامہ سیوطی نے فرمایا کہ ابن عربی نے اس کی تصحیح کی۔

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فاجر معلن کے فسق وفجور کااس کی اندگی میں اعلان کیا جائے تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں۔

اخرج ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة والترمذی فی النوادر والحاکم فی الکنی، والشیرازی فی الالقاب وابن عدی فی الکامل والطبرانی فی الکبیر والبیهقی فی السنن والخطیب فی التاریخ ، کلهم عن الجارد عن بهزبن حکیم عن ابیه عن جده عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحذره الناس[1]۔	ابن ابی الدنیا نے ذمِ الغیبۃ میں اور ترمذی نے نوادر میں اور حاکم نے کنی میں اور شیرازی نے القاب میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے سنن میں اور خطیب نے تاریخ میں سب نے جارود سے ، جاورد نے بہزبن حکیم سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور ان کے دادانے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ کیاتم فاجر کاذکر کرنے سے ڈرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گے، فاجر کی بُرائیاں بیان کروتاکہ لوگ اس سے بچیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) زمانہ نزولِ قرآن عظیم وارشاد حدیث کریمہ میں صرف اہل سنت وجماعت ہی تھے، اس زمانے بر کت نشان میں کسی بدمذہب ومبتدع کا ہونا محال تھا کہ بدمذہبی شبہ وتاویل سے پیدا ہوتی ہے جسے یقین قطعی سے بدلنے والے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا میں جلوہ فرما تھے، اگر شبہ گزرتا حضور کشف فرماتے، شبہ والامانتا توسُنی ہوتا، نہ مانتا توکافر ہو جاتا، یہ بیچ کی شق وہاں ممکن ہی نہ تھی، ولہٰذا آیہ کریمہ "ویتبع غیر سبیل المؤمنین" سے جب علماء نے حجیتِ اجماع پر استدلال کیا تصریح فرمادی کہ مبتدعین کااتفاق اجماع میں ملحوظ نہیں کہ مومنین سے مراد اُمتِ اجابت ہیں۔ مبتدعین اُمتِ اجابت نہیں اُمت دعوت ہیں دیکھو توضیح و تلویح بحث اجماع وغیرہ۔ یہ فائدہ نفیسہ یادرکھنے کاہے کہ انما المؤمنون اخوۃ" وغیرہا آیات واحادیث میں مومنین سے اہلسنت ہی مراد ہیں، انھیں کے باہم اتفاق واتحاد کاحکم ہے۔ ندوۃ خذلہا اللہ تعالٰی کی تعمیم اور تمام گمراہوں، بدمذہبوں سے اتحاد وداد کی تعلیم سب بے دینوں کی تکریم و تعظیم پر ان نصوص کو پیش کرنا محض بددینی اور ضلالت ہے والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲منہ

[1] نوادر الاصول اصل نمبر ۶۶ فی ذکر الفاجر الخ دار صادر بیروت ص ۲۱۳، تاریخ بغداد ترجمہ ۳۷۴۵ و۳۷۵۱ دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۶۲ و۲۶۸ و ۳۸۲

اور بعد موت کیسا ہی فاسق فاجر ہو اس کے برا کہنے اور اس کی برائیاں ذکر کرنے سے منع فرمایا کہ وہ اپنے کیے کو پہنچ گیا۔

اخرج الامام احمد والبخاری والنسائی عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لاتسبوا الاموات فانهم قدا فضوا الی ماقدموا [1]۔ واخرج ابوداؤد والترمذی والحاکم والبیهقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذکر محاسن موتاکم وکفّوا عن مساویهم [2] واخرج النسائی بسند جید عن عائشه رضی اللہ تعالٰی عنها عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا تذکروا هلکاکم الابخیر [3]۔	امام احمد، بخاری اور نسائی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، فرمایا: "تم مردوں کو برانہ کہو کیونکہ انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ اس کی جزا کو پہنچے"۔ اور ابوداؤد، ترمذی، حاکم، بیہقی نے ابن عمر سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ "تم اپنے مُردوں کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے در گزر کرو"۔ اور نسائی نے بسند جید عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی اور انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ "تم اپنے مردوں کو بھلائی سے ہی یاد کرو۔"

بعد اس اطلاع کے بھی اگر ایسے اشخاص اپنی حرکت سے باز نہ آئیں تو اب ان کی گستاخیاں عوام مومنین کے ساتھ ہی نہیں بلکہ حضرات اولیائے کرام کے ساتھ بھی ہوں گی، اور اشد واعظم مصیبت اس کی جو اولیاء کی جناب رفیع میں گستاخی ہو، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

من عادی لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب [4]۔ رواه الامام البخاری عن سیدنا ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔ **اقول:** وکفی بالجامع الصحیح حجةً وان کان فی قلب الذهبی ماکان۔	جو میرے کسی ولی سے دشمنی باندھے میں نے اس سے لڑائی کا اعلان کردیا، اسے امام بخاری نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ **اقول:** دلیل کے طور پر جامع صحیح کا حوالہ کافی ہے اگرچہ مریب کے دل میں کچھ شک گزرے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینہی من سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

[2] سنن ابی داؤد باب مافی النہی عن سب الموتٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۱۵

[3] سنن النسائی النہی عن ذکر الہلکی الابخیر مکتبہ سلفیہ لاہور ۱/ ۲۲۲

[4] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

غرض ان لوگوں پر ضرور ہے کہ اپنے حال سقیم پر رحم کریں اور خدائے جبار قہّار جل جلالہ کے انتقام سے ڈریں اور مسلمانوں کے اموات کو ایذا نہ پہنچائیں، آخر انھیں بھی اپنے امثال کی طرح ایک دن زمین میں جانا اور بیکس بے بس ہو کر پڑنا ہے۔ جیسا کہ آج یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں ویسا ہی اور لوگ کل ان کے ساتھ کریں گے۔

عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما تدین تدان [1]۔ اخرجہ ابن عدی فی الکامل عن ابن عمرواحمد فی المسند عن ابی الدرداء وعبد الرزاق فی الجامع عن ابی قلابۃ مرسلًا وھو عند الاٰخرین قطعۃ حدیث، قلت ولہ شواھد جمۃ، وھو من جوامع کلمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے جیسا کروگے ویسا بھروگے۔ اسے ابن عدی نے کامل میں ابن عمر سے، احمد نے مسند میں ابی الدرداسے اور عبدالرزاق نے جامع میں ابوقلابہ سے مرسلًا روایت کیا ہے، اور آخری دو کے نزدیک یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس کے لیے شواہد کثیر ہیں اور یہ حدیث حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جامع کلمات میں سے ہے (ت)

اللہ تعالٰی کی طرف شکوے کہ یہ بلا ان جاہلوں میں ان اجہلوں کی پھیلائی ہوئی ہے جنھوں نے اموات کو بالکل پتھر سمجھ لیا کہ مرگئے اور خاک ہوگئے، نہ اب کچھ سنیں نہ سمجھیں، نہ کسی چیز سے ایذا یا راحت پائیں اور رجہاں تک بَن پڑا قبور مسلمین کی عظمت قلوبِ عوام سے چھیل (سلب کر) ڈالی۔ فانّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

وصلِ دوم: تنقیح مقام وتفضیح اوہام نجدیہ لیام، نقل در فتوٰی فقیر غفرلہ ملک الانعام

فتوٰی اُولٰی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ: از کلکتہ امرتلالین نمبر ۸ مرسلہ حاجی لعل خاں صاحب وبار دوم بلفظہٖ از کانپور بازار نیا گنج کمپنی دادو جی دادا بھائی سورتی، مرسلہ عبدالرحیم صاحب ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلے میں کہ ایک طرف چند پرانی قبریں پائی جاتی ہیں اور باقی ایک تہائی سطحِ میدان پڑا ہوا ہے اور وہاں عمر رسیدہ قریب اسی ۸۰ سے سو ۱۰۰ برس کے بزرگوں سے تحقیق کرنے پر وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کے ہوش سے ہم لوگوں کے جاننے میں کسی حصہ اس سطح زمین میں کوئی میّت دفن نہیں ہوا ہے،

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عدی عن ابن عمر حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اس پر چند مسلمانان عالی ہمت نے اس تہائی خالی سطح زمین پر مدرسہ اور کتب خانہ بنانے کے لیے حاکم وقت سے درخواست کی تھی۔ تحقیق کرنے کے بعد کہ وہاں کوئی قبر نہیں ہے، حاکم وقت نے اجازت دے دی، ان حضرات نے مدرسہ وکتب خانہ بنانے کے لیے تمام سامان فراہم کیا ہے۔ اس صورت میں ایسے مقام پر مدرسہ کتب خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور مدرسہ کی نیو (بنیاد) کھودتے وقت اگر احیانًا وہاں مردے کی بوسیدہ ہڈی نکلے تو اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وقف کی تبدیل جائز نہیں، جو چیز جس مقصد کے لیے وقف ہے اسے بدل کر دوسرے مقصد کے لئے کر دینا روا نہیں، جس طرح مسجد یا مدرسہ کو قبرستان نہیں کر سکتے یونہی قبرستان کو مسجد یا مدرسہ یا کتب خانہ کر دینا حلال نہیں۔ سراج وہاج پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لایجوز تغیر الوقف عن هیأته فلا یجعل بستانًا ولا الخان حمامًا ولا الرباط دکانًا الّا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[1] اھ قلت فاذالم یجز تبدیل الهیأة فکیف بتغییر اصل المقصود۔	وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں لہٰذا گھر کا باغ بنانا اور سرائے کا حمام بنانا اور رباط کا دکان بنانا جائز نہیں، ہاں جب واقف نے نگہبان پر معاملہ چھوڑ دیا ہو کہ وہ ہر وہ کام کرسکتا جس میں وقف کی مصلحت ہو تو جائز ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) جب ایک ہیئت کی تبدیلی جائز نہیں تو اصل مقصود کی تغیر کیونکر جائز ہوگی!

اور اس پارہ قبرستان میں سو برس سے کوئی قبر نہ ہونا اسے قبرستان ہونے سے خارج نہیں کر سکتا۔ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول مفتٰی بہ پر واقف کے صرف اتنا کہنے سے کہ میں نے یہ زمین مسلمان کیلئے وقف کی یا اس زمین کو مقبرہ مسلمین کر دیا، وہ تمام زمین قبرستان ہو جاتی ہے اگرچہ ہنوز ایک مردہ بھی دفن نہ ہوا۔ اور امام محمد کے قول پر ایک شخص کے دفن سے ساری زمین قبرستان ہو جاتی ہے۔ اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

تسلیم کل شیئ بحسبه ففی المقبرة بدفن واحد وفی السقایة بشربه وفی الخان	ہر چیز کا سپرد کرنا اس کی حیثت کے مطابق ہوتا ہے تو مقبرے میں ایک شخص کو دفن کرنا ہے اور سقایہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

بنزوله[1]۔	میں ایک گھونٹ پانی پینا ہے اور سرائے میں اترنا ہے۔

ہدایہ وہندیہ میں ہے:

وعند ابی یوسف رحمه الله تعالٰی یزول ملکه بالقول کما ھو أ صله ، وعند محمد رحمه الله تعالٰی اذا استقی الناس من السقایة وسکنوا الخان والرباط ودفنوافی المقبرة زال الملك ویکتفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله وعلی ھذا البئر والحوض[2]۔	اور ابو یوسف کے نزدیک اس کی ملک کہنے سے زائل ہوجائیگی جیسی کہ یہ وقف کی اصل ہے اور امام محمد کے نزدیک جب لوگ سقایہ سے سیراب ہوں اور سرائے اور رباط میں رہیں، اور مقبرہ میں دفن کریں تو ملک زائل ہوجائیگی اور ایک پر اکتفاء کیا جائے گا کیونکہ تمام جنس کا فعل متعذر ہے اور کنویں اور حوض کا حکم بھی ایسا ہی ہے۔

درمنتقی اور شامی میں ہے:

قدم فی التنویر والدرر والوقایة وغیرھا قول ابی یوسف وعلمت ارجحیته فی الوقف والقضاء[3] اھ	تنویر، درر اور وقایہ وغیرہا میں ابو یوسف کا قول مقدم رکھا اور تم اس کی ارجحیت وقف اور قضا میں جان چکے ہو۔

پس صورت مستفسرہ میں وہاں مدرسہ وکتب خانہ بنانا ہی جائز نہیں اگرچہ مُردے کی ہڈی نہ نکلے اور نکلنے کی حالت میں ممانعت اور اشد ہوجائے گی کہ قبر مسلم کی بے حرمتی ہوئی کما بیّنا فی الأمر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم نے رسالہ الآمر باحترام المقابر میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

فتوٰی ثانیہ:

مسئلہ: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی شاہ احمد حسن صاحب مرحوم بوساطت جناب مولانا مولوی وصی احمد صاحب ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

بخدمت سراپائے برکت مولٰنا مولوی صاحب مجدد مائۃ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ امام جماعت عالم سنت مولٰنا وسیدنا المولوی محمد احمد رضا خاں صاحب تمت فیوضاتہم وعمّت سکنتہ المشارق والمغارب، السلام علیکم

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۵

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کانپوری مولوی احمد حسن صاحب سے ملاقات ہوئی۔ کہتے تھے کہ بالفعل ایک اشد ضرورت ہے وہ کہ یہ جامع العلوم والوں نے ایک فتوی لکھا، مستفتی میرے پاس لایا، میں نے ان کے خلاف جواب لکھا، جامع العلوم والوں نے اس کو دیوبند بھیجا، انھوں نے اپنے ہم مذہبوں کے جواب کی تصدیق کی۔ مستفتی پھر میرے پاس آیا کہ اب میں کس کے قول پر عمل کروں، میں نے کہا کہ جو فیصلہ حکم کرے اس پر عمل کرو، حضرت مولٰنا سے بڑھ کر حکم کون ہے۔ لہٰذا اس استفتاء کو اپنے ہمراہ لیتے جاؤ اور مولانا سے جواب لکھوالاؤ، اور فورًا روانہ کردو۔ چونکہ میرا ارادہ حاضری کا تھا میں نے استفتاء لے لیا اور اتفاق کہ میں حاضر نہ ہوسکا، اور یہ بہت ضروری ہے لہٰذا اس عریضے میں ہمراہ سید عبدالشکور صاحب حاضر خدمت کرتا ہوں اسی وقت فیصلہ لکھ دیجئے اور سید صاحب ہی کے ہمراہ واپس فرمائے کہ میں روانہ کردوں، مولوی احمد حسن صاحب انتظار میں ہوں گے،

نقل استفتاء

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سطح زمین قبرستان کے نام سے مشہور ہے جس کی ایک طرف چند پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں الخ، بعینہٖ سوال آمدہ از کلکتہ امر تلالین واز کانپور بازار گنج، ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ کے عنقریب فتاوٰی میں گزرا۔

جواب اہالی مدرسہ جامع العلوم

ایسے مقام پر کتب خانہ اور مدرسہ بنانا جائز ہے **لعدم المانع** (کہ مانع معدوم ہے۔ت) اور اگر بوسیدہ ہڈی اتفاقی طور پر نکل آئے تو اس کو کہیں دفن کردے۔

وقال الزیلعی ولوبلی المیّت وصار ترابًا جاز دفن غیرہ فی قبرہ و زرعہ والبناءُ علیہ [1] اھ شامیۃ ص ۵۹۹ واللہ اعلم۔	امام زیلعی نے فرمایا اگر میّت بوسیدہ ہو کر مٹی ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا اور اس کی قبر پر کھیتی کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اھ شامیہ ص ۵۹۹ واللہ اعلم (ت)

الاحقر محمد رشید مدرس دوم مدرسہ جامع العلوم کانپور

محمد رشید دو عالم زفیض (۱۳۱۳ھ)

من اجاب فقد اصاب (جو جواب دیا گیا درست ہے۔ت) محمد عبداللہ عفی عنہ

[1] ردالمحتار مطلب فی الدفن داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۹۹

ھذاالجواب غیر صحیح لانہ مخالف لعبارۃ الفقہاء۔	یہ جواب نادرست ہے کیونکہ یہ فقہاء کی عبارات کے خلاف ہے (ت)

محمد عبدالرزاق مدرس مدرسہ امدادالعلوم کانپور

محمد عبدالرزاق

خلاصہ جواب جناب مولوی احمد حسن صاحب

صورت مسئولہ میں اس مقام پر کتب خانہ ومدرسہ بنانا ناجائز ہے اس لیے کہ یہ جگہ جب مقبرے کے نام سے مشہور اور وقف ہے تو شرعًا یہ مقبرہ سمجھا جائے گا اور اس مقبرے کے لیے زمین وقف ہوگی اور اس کی شہرت اس کے ثبوت کے لیے دلیل کافی ہے۔ درمختار میں ہے: تقبل فیہ الشھادۃ بالشُّھرۃ[1] الخ ملخصًا (اس میں شہرت کی بناپر شہادت قبول کی جاتی ہے الخ۔ت) اسی طرح ردالمحتار میں ہے عالمگیریہ میں ہے: الشھادۃ علی الوقف بالشھرۃ تجوز[2] الخ (وقت پر شہادت شہرت کی بناء پر جائز ہے الخ۔ت) اور اس کے مندرس ہوجانے سے دوسرا کوئی نفع لینا درست نہ ہوگا۔ قاضی خاں مطبوعہ مصر جلد ثالث ص ۳۱۴ پر ہے:

مقبرۃ قدیمۃ بمحلۃ لم یبق فیھا اٰثار المقبرۃ ھل یباح لاھل المحلۃ الانتفاع بھا قال ابو نصر رحمہ اللہ تعالٰی لایباح[3]۔	ایک محلے میں پرانا قبرستان ہے جس کے نشانات باقی نہیں رہے، کیا اہل محلّہ اس سے نفع حاصل کرسکتے ہیں، ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی نے کہا کہ مباح نہیں ہے۔

عالمگیری میں جلد ثانی مطبوعہ مصر صفحہ ۴۷۰ و ۴۷۱:

سئل القاضی الامام شمس الائمۃ محمود الاوز جندی عن المقبرۃ اذا اندرست و لم یبق فیھا اثر الموتٰی لاالعظم ولاغیرہ ھل یجوز زرعھا و استغلالھا قال لاولھا	قاضی شمس الائمہ محمود اوزجندی سے ایسے مقام قبرستان کے بارے میں دریافت کیا گیا جس کے نشانات مٹ گئے ہوں اور اس میں ہڈیاں تک نہ رہی ہوں کیا اس میں کھیتی باڑی کرنا او راسے کرائے پر دینا جائز ہے،

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الفصل الثانی فی الشہادۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی المقابر والرباطات ۴/ ۷۲۵

حکم المقبرۃ۔ کذافی المحیط [1]۔	فرمایا: نہیں، وہ قبرستان کے حکم میں ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔

نہ عدم جوازِ انتفاع بالمقبرہ امام زیلعی کی اس عبارت ہی کے خلاف ہے اس لیے کہ انھوں نے "جوازِ میّت" کے بوسیدہ اور خاک ہوجانے پر مرتب فرمایا ہے، اور یہاں عدمِ جواز اس وجہ سے نہیں بلکہ بہ سبب مقبرے کے وقف ہونے میں ہے۔ جیسا کہ مصحح نے عالمگیریہ مطبوعہ مصر میں لکھاہے، عبارت منقولہ عالمگیریہ پر یہ عبارت لکھی ہے:

قولہ قال لاھذا لاینا فی ماقالہ الزیلعی، لان المانع ھنا کون المحل موقوفا علی الدفن فلا یجوز استعمالہ فی غیرہٖ فلیتامل ولیحرر اھ مصححہ [2]۔ سئل شمس الائمۃ الحلوانی عن مسجد اوحوضٍ خرب لایحتاج الیہ لتفرق الناس ھل للقاضی ان یصرف اوقافہ الٰی مسجدٍ اٰخر اوحوض او اٰخر۔ قال نعم، ولو لم یتفرق الناس ولکن استغنی الحوض عن العمارۃ و ھناك مسجد محتاج الی العمارۃ اوعلی العکس ھل یجوز للقاضی صرف وقف ما استغنی عن العمارۃ الٰی عمارۃٍ ماھو محتاج الی العمارۃ فقال لا. کذافی المحیط [3]	ان کا قول "انھوں نے کہا نہیں" یہ زیلعی کے قول کے منافی نہیں کیونکہ یہاں مانع محل کا دفن کے لیے موقوف ہونا ہے تو اس کا استعمال غیر میں جائز نہیں، غور کرنا چاہیے اور اسے محفوظ کرنا چاہئے اھ مصحح۔ اور مسائل سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ غیر جنس کی طرف وقف جائز نہیں، عالمگیریہ جلد ثانی ص ۴۷۸ میں ہے۔ شمس الائمہ حلوانی سے مسجد یا حوض کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ویران ہوں اور ان کی ضرورت نہ رہی ہو کیونکہ وہاں آبادی نہیں رہی، کیا قاضی اس کے اوقاف کو دوسری مسجد یا دوسرے حوض میں صرف کرسکتا ہے؟ فرمایا: ہاں اور اگر لوگ وہیں رہتے ہوں مگر اس حوض کی ضرورت نہ رہی ہو اور وہاں مسجد عمارت کی محتاج ہو یا بالعکس تو کیا قاضی اس وقف کی آمدنی جس کی ضرورت نہ ہو دوسرے محتاج وقف کی تعمیر پر خرچ کرسکتا ہے؟ تو فرمایا نہیں۔ محیط میں اسی طرح ہے۔

لہٰذا اس زمین میں جو دفن کے لیے وقف ہو مدرسہ وغیرہ بنانا جائز نہ ہوگا گو خالی ہی کیوں نہ ہو، اور دوسرے اس کا خالی ہونا فقط شہادت سے کہ ہماری عمر میں ہمارے علم میں کوئی میّت دفن نہ کی گئی، ثابت نہیں ہوسکتا بلکہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۱۔۴۷۰
[2] حاشیہ فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱
[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثالث عشر فی الاوقاف الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۸

اس قدیم مقبرے کا پر ہونا سمجھا جاتا ہے کہ جب دو تہائی زمین میں قبریں اس قدر پرانی ہیں کہ سو'' برس کے لوگوں کے ہوش سے قبل کی ہیں تو ایک ثلث میں اس سے بھی پہلے کی ہوں گی اور وہ بالکل منہدم ہو گئی ہوں او زمین صاف معلوم ہوتی ہو، زمین بھر جانے کی وجہ سے دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہو، ہاں اگر کوئی شخص بیان کرے کہ جب سے یہ زمین مقبرے کے لیے وقف ہوئی کوئی میّت اس تہائی میں نہ دفن کی گئی تو البتہ خالی ہونا ثابت ہو سکتا ہے پھر بھی مدرسہ وغیرہ سوائے دفن کے دوسرے کام میں لانا ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ کتبہ عبدہ العاصی فضل الٰھی عفی عنہ

وھذا الجواب صحیح (یہ جواب صحیح ہے۔ت) کتبہ عبدالرزاق عفی عنہ

الجواب الثانی صحیح (جواب ثانی صحیح ہے۔ت) کتبہ احمد حسن عفی عنہ

جواب مولوی رشید احمد گنگوہی وغیرہ دیوبندیاں

الجواب:

یہ جواب صحیح نہیں ہے اور مجیب صاحب نے جو روایت نقل کہ ہے اس سے بھی مدّعا ثابت نہیں ہوتا۔ الحاصل وہ قبرستان وقف نہیں ہے تو کچھ کلام نہیں ہے اور قبرستان کو جو وقف مشہور کر دیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں، اکثر جگہ دیکھا گیا ہے کہ گورستان وقف نہیں ہوتا اور بعد تسلیم اس بات کے کہ وہ وقفی ہے اس صورت میں کہ وہاں دفن اموات کا ایک مدت دراز سے بند ہے تو اس میں دوسرا مکان وقفی بنا دینا درست ہے۔ لہٰذا مدرسہ وقفی بنانا اس گورستان میں جائز ہے، چنانچہ اس روایت سے واضح ہے، یعنی عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۵۹:

فان قلت ھل یجوز ان تبنی المساجد علی قبور المسلمین قلت قال ابن القاسم لو ان مقبرۃ من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیھا مسجدًا لم اربذالك باسا۔ وذالك لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاھم لایجوز لاحدٍ ان یملکھا فاذا درست واستغنی عن الدفن فیھا جاز صرفھا لای المسجد لان المسجد ایضًا وقف من اوقاف المسلمین، لایجوز	**اگر تم کہو،** کیا مسلمانوں کی قبروں پر مساجد کا بنانا جائز ہے؟ میں کہوں گا: ابن قاسم نے کہا اگر مسلمانوں کا کوئی قبرستان ختم ہو جائے اور وہاں کچھ لوگ مسجد بنالیں تو میں اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا، کیونکہ قبرستان بھی مسلمانوں کا ایک وقف ہے ان کے مردوں کو دفن کرنے کے لیے، کسی کے لیے اس کا مالک بننا جائز نہیں، اب جبکہ وہ مٹ گیا اور اس میں دفن کی ضرورت نہیں رہی تو اسے مسجد کے استعمال میں لانا جائز ہوا کیونکہ مسجد بھی مسلمانوں کے اوقاف میں سے ایک وقف ہے کسی کو اس کا

تملیکا لاحد فمعنا ھما علی ھذا واحدٌ[1]۔	مالک بنانا جائز نہیں۔ لہٰذا ان دونوں کا مقصد ایک ہے۔

درکُتبِ فقہیہ میں بھی روایاتِ جواز موجود ہیں مگر بندے کو مہلت نہیں، فقط، واللہ تعالٰی اعلم۔ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

رشید احمد (۱۳۰۱ھ)

الجواب صحیح۔ بندہ محمود عفی عنہ الجواب صحیح۔ بندہ مسکین محمد یسین عفی عنہ الجواب صحیح۔ غلام رسول عفی عنہ محمد یسین عفی عنہ جبکہ وہ مقبرہ نہایت کہنہ ہے اور اس وقت دفن کرنا وہاں متروک ہوگیا ہے تو بناء مدرسہ اس جگہ میں خصوصًا حصہ خالی میں درست ہے۔ البتہ اگر وہ مقبرہ فی الحال دفنِ اموات میں کام آتا ہو تو کوئی اور بناء اس میں درست نہیں ہے۔

قال فی عٰلمگیریۃ، ولوبلی المیّت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ کذا فی التبیین[2]۔	عٰلمگیریہ میں ہے کہ اگر میّت پرانی ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسرے کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اس میں کھیتی کرنا اور اس پر عمارت بنانا بھی جائز ہے جیسا کہ تبیین میں ہے۔

فقط، واللہ تعالٰی اعلم۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

فتوکل علی العزیز الرحمن (۱۳۰۷ھ)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

جواب اول غلط صریح، اور حکم ثانی حق وصحیح اور تحریر ثالث جہل قبیح ہے۔

گنگوہی صاحب کا بے محل شقشقہ

اوّلًا سوال میں صاف تصریح تھی کہ "ایک سطح وقف زمین، پھر مجیب سوم کی تشقیق کہ "اگر وہ قبرستان نہیں" الخ محض شقشقہ بے معنی ہے،

وقف میں شہرت کافی ہے اور گنگوہی صاحب کی جہالت

ثانیًا قبرستان کو جو وقف مشہور کردیتے ہیں یہ سب جگہ جاری نہیں، اس "یہ" کا مشار الیہ شہرت ہے

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب ھل تنبش قبور المشرکین الخ ادارۃ الطباعۃ المنیرۃ بیروت ۴/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السادس فی القبر والدفن نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

یا واقفیت، اول صحیح ہے مگر مہمل ونداۓ بے محل، سوال اس صورت میں خاصہ سے ہے جہاں شہرت موجود ہے اس پر حکم کے لیے ہر جگہ شہرت کیا ضرور، یوں ہی دوم بھی اگر مقصود سلب واقفیت بحال انتفائے شہرت ہو، اور ان ہی دونوں صورتوں میں یہ قول کہ "اکثر جگہ دیکھا گیا کہ گورستان وقف نہیں ہوتا" رُوبصحت رکھتا ہے اگرچہ کثیر واکثر میں فرق نہ کرنا ضیق نطاق بیان اور اگر نفی واقفیت شہرت مراد تو محض مردود وظاہر انفساد، اور اب وہ شہادت مشاہدہ اکثر بلاد صراحتًا حکایت بے محکی عنہ ہے متون وشروح وفتاوٰئے مذہب میں تصریحات جلیہ ہیں کہ شہرت مثبت واقفیت ومسوغ شہادت ہے۔

کلام مجیب دوم سلمہ میں بھی اس کی بعض نقول منقول، پھر باوصف تسلیم دلیل شرعی نفی مدلول جہل قطعی، یہاں شہادت شہرت کو نہ ماننا نہ اسی مقبرے بلکہ عامہ اوقافِ قدیمہ یکسر مٹادینا ہے، طول عہد کے بعد شہود معاینہ کہاں، اور مجرد خط حجت نہیں، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولامجرد الحجة لما صرح به علماؤُنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به کمکتوب الوقف الذی علیه خطوط القضاة الماضین وانما العمل فی ذلك بالبینة الشرعیة[1]۔	صرف تحریر پر عمل نہ ہوگا اور نہ صرف دلیل پر کیونکہ ہمارے علماء نے تصریح کردی ہے کہ خط پر اعتماد نہیں اور اس پر عمل نہیں، جیسے وہ وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کی تحریریں ہوں، اس معاملے میں شرعی گواہوں پر ہی عمل ہوگا۔

اسی میں ہے:

کتاب الوقف انما ھو کاغذ به خط وھولا یعتمد علیه ولایعمل به. کما صرّح به کثیر من علمائنا، والعبرة فی ذالك للبیّنة الشرعیة وفی الوقف یسوغ للشاھدان یشھد بالسماع ویطلق، ولایضرّ فی شھادته قول بعد شھادته لم اعائن الوقف ولکن اشتھر عندی او اخبرنی به من اثق به[2]۔	وقف کی تحریر تو ایک کاغذ ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی عمل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ہمارے بہت سے علماء نے تصریح کی ہے، اعتبار اس معاملہ میں شرعی گواہوں کا ہے اور وقف میں گواہ کے لیے جائز ہے کہ سُن کر گواہی دے اور اطلاق رکھے، اور اس کی شہادت میں اداۓ شہادت کے بعد یہ کہنا کہ میں نے وقف کا معائنہ نہیں کیا، لیکن میرے نزدیک مشہور ایسا ہی ہے یا مجھے قابل اعتماد شخص نے خبر دی ہے کچھ مضر نہیں۔

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۳

اب اگر شہرت بھی منقول نہ ہو تو ہزاروں وقف سوا اس کے کہ محض بے ثبوت و باطل قرار پائیں اور کیا نتیجہ ہے

وقف میں تبدیلی حرام ہے اور گنگوہی صاحب کی سفاہت

ثالثًا مقبرے کے لیے وقف تسلیم کرکے اس میں مدرسہ وغیرہ دوسرے مکان وقفی بنانے کو درست بتانا ظلم واضح و جہل فاضح ہے کہ اس میں صراحۃً تغیر وقف ہے اور وہ حرام ہے حتی کہ متولّی بھی وقف پر ولایت رکھتا ہے نہ کہ اجنبی حتی کہ علماء نے تغیر ہیأت کی بھی بے اذن واقف اجازت نہ دی، نہ کہ تغیر اصل وقف، عقود الدریہ میں ہے:

لا یجوز للناظر تغیر صیغۃ الواقف کما افتی بہ الخیر الرملی والحانوتی وغیرھما[1]۔	وقف کے نگہبان کے لیے واقف کے صیغے کی تبدیلی جائز نہیں، جیسا کہ خیر رملی اور حانوتی وغیرہما نے فتوی دیا ہے۔

سراج وہاج وہندیہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأتہ فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حمّاما ولا الرباط دکّانًا الاّ اذاجعل الواقف الی الناظر مایری فیہ مصلحۃ الوقف[2]۔	وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں، لہٰذا گھر کو باغ اور سرائے کو حمام اور رباط کو دکان بنانا جائز نہیں، ہاں واقف نے اگر نگرانِ وقف کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ہر وہ کام کرسکتا ہے جس میں وقف کی مصلحت ہو تو ٹھیک ہے۔

فتح القدیر وردالمحتار وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علٰی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[3]۔	وقف کو اپنی اصل حالت پر باقی رکھنا واجب ہے بغیر اس کے کہ اس پر کوئی دوسری زیادتی کی جائے۔(ت)

وقف کرنے کے لیے مالک ہونا شرط ہے، شیئ ایک بار وقف ہو کر دوبارہ وقف نہیں ہوسکتی

(اور گنگوہی صاحب کی ناواقفی)

رابعًا: مدرسہ یا کتب خانہ یا کوئی مکان کیا خالی دیواروں کا نام ہے۔ ہر عاقل ادنٰی عقل والا بھی جانتا ہے کہ زمین ضرور اس میں داخل، تنہا دیواروں کو بناء و عملہ کہتے ہیں، نہ بیت وخانہ، مدرسہ جائے درس،

---

[1] العقود الدریۃ لایجوز للناظر تغییر الوقف حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[3] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

محل درس زمین ہے یا دیواروں پر بیٹھ کر درس ہوگا؟ اور یوں بھی ہو تا ہم قرار استقرار کو انتہا علی الارض سے کیا چارہ، اور یہ زمین ایک بار ایک جہت کے لیے وقف ہوچکی ہے دوبارہ وقفیت کیونکر معقول کہ واقف کا وقتِ وقف مالک موقوف ہونا شرط وقف ہے ہمارے مذہب میں بالاتفاق اہل وقوف اس پر صحت وقف موقوف اور وقفِ بعد تمامی کسی کی ملک نہیں، تو پھر اصل واقف بھی اگر دوبارہ اسے وقف کرنا چاہے محض باطل ہوگا، نہ کہ زید وعمرو بلکہ حکم عام ہے، خواہ وقف دوبارہ جہت اُخری پر ہو یا اسی جہتِ اولٰی پر کہ علی الاول تحویل باطل ہے اور علی الثانی تحصیل حاصل والکل باطل۔ بحرالرائق وعلمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اماشرائطه فمنها العقل والبلوغ ومنها ان یکون قربة ومنها الملك وقت الوقف ویتفرع علی اشتراط الملك انه لایجوز وقف الاقطاعات ولا وقف ارض الحوز للامام [1] ملتقطا۔	بہر حال وقف کی شرائط تو ان میں سے بلوغ اور عقل ہے اور ان میں سے اس کا عبادت کیلئے ہونا ہے اور وقتِ وقف ملک کا ہونا ہے ملک کی شرط پر یہ بھی متفرع ہے کہ جاگیر کا وقف جائز نہیں، او امام کی گھیری ہوئی زمین کا وقف بھی جائز نہیں۔ ملتقطا

اسعاف میں ہے:

اتفق ابویوسف ومحمد رحمهما الله تعالٰی ان الوقف یتوقف جوازه علی شروط بعضها فی المتصرف کالملك فان الولایة علی المحل شرط الجواز والولایة تستفاد بالملك اوهی نفس الملك [2]۔	ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے اتفاق کیا ہے کہ وقف کا جواز بعض شرائط پر موقوف ہے، کچھ تو اس میں سے متصرف ہیں جیسے ملک، کیونکہ ولایت "محل" شرط جواز ہے اور ولایت یا تو ملک سے مستفاد ہے یا وہ خود ملک ہے۔

اسی میں ہے:

لو وقف ارضا اقطعه ایاها السلطان فان کانت ملکاله او مواتا صح وان کانت من بیت المال لایصحّ [3]۔	اگر کوئی شخص نے بادشاہ کی دی ہوئی جاگیر وقف کردی تو اگر وہ اس کی ملک ہے یا وہ مردہ زمین ہے تو صحیح ہے اور اگر بیت المال سے ہے تو صحیح نہیں۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف باب الاول فی تعریف الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۲ تا ۳۵۴

[2] اسعاف

[3] اسعاف

زمین وقف میں کوئی عمارت دوسری غرض کے لیے وقف نہیں ہوسکتی

(اور گنگوہی صاحب کی نادانی)

خامسًا تنہا عمارت وقف ہوگی یا تنہا زمین یا دونوں، ثانی بدیہی البطلان ہے لان الوقف لایوقف (کیونکہ وقف کا دوبارہ وقف جائز نہیں۔ت) یوں ہی ثالث لانہ علیہ یتوقف (کیونکہ وہ وقف پر موقوف ہے۔ت) اول کا جواز ارض غیر محتکرہ میں اس صورت میں ہے کہ یہ عمارت اسی کام پر وقف ہو جس پر اصل زمین کا وقف ہے ھوالصحیح بل ھو التحقیق وبہ التوفیق (یہ صحیح ہے بلکہ یہی تحقیق ہے اللہ تعالٰی کی توفیق ہے۔ت) تو زمین مقبرہ اور دیواریں مدرسہ محض وسوسہ۔ فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی کرم مشتمل علٰی عنب وتین وارضہ وقف سیدنا الخلیل علیہ وعلٰی نبیّنا وسائر الانبیاء افضل الصلٰوۃ واتم السلام من الملک الجلیل ادّعٰی رجل بانّہ وقف جدہ ھل تسمع دعواہ، اجاب لاتسمع ولاتصح، اذاالکرم اسم للارض والشجر وان ارید بہ الشجر فوقف الشجر علٰی جھتہ غیر جھۃ الارض مختلف فیہ وقد قال صاحب الذخیرۃ وقف البناء من غیر وقف الارض لم یجزھوالصحیح وان ارید کل من الارض والشجر فبطلانہ بدیھی التصور وان ارید الارض فبدیھیۃ البطلان اولٰی[1] اھ ملتقطا۔	اُس باغ کے بارے میں دریافت کیا گیا جس میں انگور اور انجیر ہیں اور اس کی زمین جس کو حضرت ابراہیم علٰی نبینا وسائر الانبیاء افضل الصلٰوۃ واتم السلام من الملک الجلیل نے وقف کیا تھا، ایسے باغ پر ایک شخص نے دعوٰی کردیا کہ یہ اس کے دادا نے وقف کیا تھا، کیا اس کا دعوٰی سُنا جائے گا؟ جواب دیا، نہیں، کیونکہ باغ زمین اور درختوں کے مجموعے کا نام ہے، اور اگر اس سے مراد درخت ہوں تو درختوں کا زمین کی جہت کے بغیر وقف کرنا مختلف فیہ ہے، صاحبِ ذخیرہ نے کہا ہے کہ عمارت کا وقف کرنا زمین کے بغیر جائز نہیں، یہی صحیح ہے۔ اور اگر زمین اور درخت سب مراد ہوں تو اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور اگر صرف زمین مراد ہو تو اس کا باطل ہونا اور بھی ظاہر ہے اھ ملتقطا۔

اسی میں اس کے متصل ہے:

کیف یصح للواقف وقفھا علٰی نفسہ و	واقف اس کو اپنے اوپر کیونکر وقف کرسکتا ہے حالانکہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۶

ھی وقف الخلیل علیه الصلٰوۃ والسلام [1] اھ وھذا معنی قوله فبطلانه بدیھی التصور۔	یہ وقف ابراہیم علیہ السلام کا ہے اھ یہی معنی ہیں ان کے قول کے کہ اس کا بطلان ظاہر ہے

ردالمحتار میں ہے:

الذی حرّرہ فی البحر اخذا من قوله الظھیریة وامّا اذا وقفه علی الجھة التی کانت البقعة وقفًا علیه جاز اتفاقًا تبعًا للبقعة وان قول الذخیرۃ لم یجزھو الصحیح مقصور علی ماعداصورۃ الاتفاق وھوماذا کانت الارض ملکًا اووقفًا علی جھة اخری [2] اھ وعلی ھذا فینبغی ان یستثنٰی من ارض الوقف ماذاکانت معدۃ للاحتکار وبه یتضح الحال ویحصل التوفیق بین الاقوال [3] اھ ملخصا، وقد اوضحناہ فیما علّقنا علیه۔	جو بحر میں تحریر کیا ہے وہ ظہیریہ کے قول سے ماخوذ ہے اور اگر اسی جہت پر وقف کیا جس پر وہ خطّہ وقف تھا تو وقف اسکی اتباع میں بالاتفاق جائز ہے، اور ذخیرہ کا قول "جائز نہیں" صحیح ہے اور یہ اتفاق کی صورت کے غیر پر مقصور ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ زمین ملک یا وقف ہو کسی دوسری جہت پر، اس بناء پر زمین وقف سے اس صورت کا استثنا ضروری ہے جبکہ وہ زمین احتکار کے لیے تیار کی گئی ہو۔ اس سے صورتِ حال واضح ہو جاتی ہے اور تمام اقوال میں توفیق حاصل ہو جاتی ہے اھ ملخصا اور ہم نے ردالمحتار کی تعلیقات میں اس کی خوب وضاحت کی ہے۔

گنگوہی صاحب کی سخت نافہمی، متعلقہ روایتوں کو بے علاقہ بتانا

سادسًا مدرسہ یا کتب خانہ جو بنایا جائے گا جبکہ شرعًا وقف نہیں ہو سکتا، لاجرم بانیان پر رہے گا اور اب یہ صراحۃً وقف تصرف مالکانہ اور اپنے انتفاع کے لیے اس میں عمارت بنانا ہوگا، تو آفتاب کی طرح واضح ہے کہ قاضی خاں و عالمگیری و محیط کی عبارات جو مجیب دوم سلمہ نے نقل کیں کہ مقبرہ اگرچہ مندرس ہو جائے اس میں قبر کا نشان درکنار، اموات کی ہڈی تک نہ رہے، جب بھی اس سے انتفاع حرام، اور ہمیشہ اس کے لیے حکم مقبرہ رہے گا، اسی طرح فتاوٰی ظہیریہ و خزانۃ المفتین واسعاف کی عبارات کہ:

مقبرۃ قدیمة بمحلة لم یبق فیھا آثار المقبرۃ	جو قبرستان پُرانا ہو اس میں مقبرے کے آثار باقی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۷
[2] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۲۸
3

لایباح لاھل المحلة الانتفاع بھا وان کان فیھا حشیش یحش منھا ویخرج الحشیش الی الدّواب، ولاترسل الدواب فیھا[1]۔	نہ رہے ہوں تواس سے اہل محلّہ نفع حاصل کرسکتے ہیں، اگر اس میں گھاس ہو تو وہ بھی کاٹی جاسکتی ہے، کاٹ کر باہر لائی جائے مگر جانور قبرستان میں نہ چھوڑے جائیں۔قطعًا مفید مدّعا تھیں۔

اور مجیب صاحب سوم کا یہ زعم کہ: "مجیب صاحب نے جو روایت نقل کی ہے اس سے بھی مدعا ثابت نہیں ہوتا، محض سوءِ فہم اور جہل مبین۔"

(گنگوہی صاحب کی سخت بے علمی، نصوص مذہب کو چھوڑ کر ایک مالکی عالم سے استناد)

گنگوہی صاحب پر گرفت

سابعًا مجیب سوم کو جب فقہ میں کوئی راہ نہ ملی، ناچار متون وشروح وفتاوائے مذہب سب بالائے طاق رکھ کر نصوص اصول وفروع فقہ حنفی سب سے آنکھ بند کرکے شرح صحیح بخاری سے ایک روایت خارج عن المذہب پر قناعت کی کہ ابن القاسم نے کہا کہ میری رائے میں جب مقبرے کے آثار مٹ جائیں اوراس کی حاجت نہ رہے تووہاں مسجد بنالینا جائز ہے۔ عربی لفظوں کاترجمہ دیکھ لیا، اب یہ ادراک کسے کہ یہ ابن القاسم کون ہیں؟ کس مذہب کے عالم ہیں؟ ان کا قول مذہب حنفی میں کہاں تک سنا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی خاص ان کی رائے، اور وہ بھی اصول وفروعِ مذہب کے صریح خلاف، مجیب صاحب علامہ عینی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ شرح جامع صحیح میں صرف اقوال مذہب پر اقتصار نہیں کرتے، بلکہ ائمہ اربعہ اور ان سے بھی گزر کر بعض دیگر سابق ولاحق بلکہ بعض بدمذہبوں مثلًا داؤد ظاہری وابن حزم تک کے اقوال نقل کرجاتے ہیں، بلکہ بارہا این وآن ہی کے قول پر قناعت فرماتے ہیں اور ائمہ مذہب کامذہب بیان میں نہیں لاتے، جاہل کہ تراجم علماء سے آگاہ نہیں آپ کی طرح دھوکا کھاتا ہے اور خادم علم بحمد اللہ تعالٰی فرقِ مراتب وتفرقہ مذاہب کی خبر رکھتا ہے۔ علامہ عینی یہاں کسی کتاب فقہ کی تحریر میں نہیں یہ استطرادی بالائی فوائد ہیں جن سے اقاویل ناس پر اطلاع مقصود اور مذہب تواصلًا وفرعًا کتبِ مذہب میں مضبوط ہوچکا۔ ان کی ان نقول کااکثر مادہ تصانیف ابن المنذر وابن بطال وغیرہما شافعیہ وغیرہم ہیں ان کی عادت ہے کہ محلِ نقل میں سطریں کی سطریں بلکہ کہیں صفحے بلاغرو بے تغیر لفظ نقل فرماتے ہیں جس پر ان کے امام عصری امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالٰی نے الدررالکامنہ میں تنبیہ کی، یہاں بھی صدر کلام

---

[1] فتاوٰی ظہیریہ

ذکر ما یستنبط منه من الاحکام سے آپ کی منقولہ حکایت تک اسی قسم کی عبارت ہے عالم تو متعدد وجہ سے پہچانے گا کہ یہ کلام حنفیّہ نہیں۔ آپ نے اتنا ہی دیکھا ہوتا کہ اس عبارت میں ہے: الٰی جواز نبش قبورهم للمال ذهب الکوفیون والشافعی واشهب بهذا الحدیث [1] (کوفہ والے، شافعی اور اشہب اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس طرف گئے ہیں کہ حصول مال کیلئے انکی قبروں کو اکھاڑنا جائز) حنفیّہ کا محاورہ نہیں کہ اپنے ائمہ کا مذہب یُوں بیان کریں کہ کوفے والے ادھر گئے ہیں، قائل حنفی ہوتا تو "ذهب ائمتنا یا اصحابنا یا علماؤنا وامثال ذلک" لکھتا۔ یہ ابن القاسم واشہب عــہ دونوں حضرات مالکی مذہب عالم ہیں۔ خود امام ہمام کے شاگرد، اور ان کے مذہب میں اہل روایت ودرایت جیسے ہمارے ہاں زفر و حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، آپ کی مقدس بزرگی کہ مذہب حنفی کے صریح خلاف ایک مالکی عالم کی رائے پر فتوی دیتے، اور اپنے زعم میں اسے مذہب حنفی کی روایت سمجھ رہے ہیں حالانکہ ہمارے ائمہ تو ہمارے ائمہ وہ اس مذہب کے بھی امام مجتہد سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ یہ ابن القاسم ہمارے علماء سے نہیں، مگر ہاں جب نافہمی کی ٹھہری تو آپ کو کیا لگتا ہے کہ اس ذکر اصحابنا کو بھی قال ابن القاسم کے تحت میں داخل اور انھیں کے مقولے میں شامل مانتے۔ گنگوہی صاحب کی تین چالاکیاں اور ان کا الٹا پڑنا

ثامنًا مجیب صاحب نے ناحق اس حکایت غیر مذہب پر قناعت کی کہ فقط بیچارے مردہ مسلمانوں کی قبریں، طلبہ اور مدرسہ کے بھنگی بہشتی سے پامال کرانے کی گنجائش ملی۔ اس ذکر اصحابنا کو کیوں نہ لیا کہ مسجدوں میں چلانے، گھوڑے یا گدھے باندھنے کی راہ چلتی۔

بل هو اشنع واخنع وهو اتخاذ موضع المسجد حشاو کنیعا لقوله وذکراصحابنا ان المسجد اذاخرب ودثر ولم یبق حوله جماعة، والمقبرة اذا عفت ودثرت تعود ملکا لاربابها. "قال" فاذا عادت ملکا یجوز ان یبنی موضع المسجد دارًا وموضع	بلکہ یہ زیادہ برا ہے کہ مسجد کو اصطبل یا باڑہ بنالیا جائے کیونکہ انھوں نے کہا: ہمارے اصحاب نے ذکر کیا کہ مسجد جب ویران ہوجائے اور اس کے گرد کوئی جماعت نہ رہے اور قبرستان جب مٹ جائے تو ان پر ان کے سابق مالک کی ملک لوٹ آتی ہے، انھوں نے فرمایا کہ جب یہ چیزیں مِلک میں آگئیں تو مسجد کی جگہ کو گھر اور قبرستان کی جگہ

عــہ: دونوں حضرات کے مزار فائض الانوار قرافہ میں یکجا ہیں، علماء فرماتے ہیں ان دونوں مزار کے بیچ میں دعا قبول ہوتی ہے ۱۲ منه حفظ ربه

---

[1] عمدۃ القاری باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیہ الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۳/ ۱۷۹

المقبر مسجد اوغیر ذلک[1] لان الدّار لابدّلها من تلك الاشیاء۔	کو مسجد وغیرہ بنانا درست ہوا، کیونکہ گھر کے لیے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔

مگر آپ نے ضرور ہوشیاری برتی، اولاً جانتے تھے کہ کتب معتمدہ مذہب مشہورہ متداولہ میں اسے صراحۃً رد کیا اور اس کے خلاف پر بشد ومد فتوٰی دیا ہے تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

ولوخرب ماحوله استغنٰی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدًا الی قیام الساعة وبه یفتی۔[2]	اور اگر اس کا ارد گرد ویران ہوگیا اور اس کی ضرورت نہ رہی تو مسجد باقی رہے گی، امام صاحب اور امام ثانی (امام ابویوسف) کے نزدیک ہمیشہ قیامت تک، اور اسی پر فتوٰی ہے

حاوی القدسی وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

واکثر المشائخ علیه مجتبی وهو الاوجه فتح[3]۔ اھ	اسی پر اکثر مشائخ ہیں، مجتبٰی، اور یہی اوجہ ہے۔ فتح (ت)

ثانیًا یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جسے علامہ عینی نے اصحابنا کی طرف نسبت کیا، خاص اسی حالت میں ہے جب وہ شے موقوف اس غرض کی صلاحیت سے بالکل خارج ہوجائے جس کے لیے واقف نے وقف کی تھی اصلاً کسی طرح اس کے قابل نہ رہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی الفتح مامعناه انه یتفرع علی الخلاف المذکور مااذا انهدم الوقف ولیس له من الغلة مایعمربه فیرجع الی البانی اوورثته عند محمد خلافا لابی یوسف لکن عند محمد انما یعود الٰی ملکه ماخرج عن الانتفاع المقصود للواقف بالکلیة۔[4]	فتح میں ذکر کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خلاف مذکور پر یہ متفرع ہوتا ہے کہ جب وقف عمارت منہدم ہوجائے اور اس کی آمدنی نہ ہو جس سے اسے تعمیر کیا جائے تو وہ بنانے والے یا اس کے ورثاء کی طرف لوٹ جائے گا امام محمد کے نزدیک، اس میں ابویوسف کے خلاف ہے۔ لیکن محمد کے نزدیک اس کی ملک میں صرف وہی لوٹے گا جس سے بالکل نفع ممکن نہ ہو۔

یہ بات مقبرہ مذکور میں کیونکر متصور ہو کہ ہنوز تہائی میدان حسبِ بیان سائل بالکل خالی پڑا ہے

ثالثًا شاید یہ بھی کچھ اندیشہ گزرا کہ اس مقبرے کے ساتھ مسجد کی بھی خیر نہیں، مبادا عوام بھڑک جائیں ان وجوہ سے ذکر اصحابنا چھوڑ کر قال ابن القاسم کا یہ سرا پکڑا، مگر غافل، کہ جن تین اندیشوں سے

---

[1] عمدۃ القاری باب هل تنبش قبور مشرکی الجاهلیه الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۴/ ۱۷۹

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۶

[4] ردالمحتار کتاب الوقف مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۰۶

گریز فرمایا وہی تینوں یہاں بھی آپ پر عائد بلکہ مع شیئ زائد:

اوّل توجہ سابع میں دیکھ چکے کہ خلاف مفتٰی بہ ہونا درکنار وہ دوسرے مذہب کا کوئی قول ضعیف بھی نہیں۔

اور **ثانی** یوں کہ کلام ابن القاسم میں عفت ودرست ہے۔ عفاء دروس نیست ونابود وناپید وبے نشان ہونا ہے، یہ اس مقبرے پر کہاں صادق کہ سائل کہتا ہے، پرانی شکستہ قبریں پائی جاتی ہیں تو ابھی نیست ونابود وناپید نہ ہوا اور اس روایت خارجہ نے بھی آپ کو کام نہ دیا۔ اور ثالث یوں کہ جب ان کی رائے میں مجرد وقفیت موجب اتحاد معنٰی وجواز اقامت بجائے یک دگر ہے تو جیسے مقبرے کو مسجد کرنا روا، یوں ہی مسجد کو مقبرہ۔ یوں مسجد کو سراء اور سرائے کو بیت الخلا، **فان الکل وقف من اوقاف المسلمین لا یجوز تملیکه لاحد فمعنی الکل علی هذا واحد** (کیونکہ یہ سب مسلمانوں کے اوقاف میں سے وقف کی صورتیں ہیں تو کسی کو اس کا مالک بنانا جائز نہیں اس اعتبار سے سب کا معنی ایک ہے) پھر مفر کدھر! تاسعًا ذرا براہ مہربانی تھوڑی دیر کو ہوش میں آکر فرمائے کہ ابن القاسم نے کہا مقبرے کو بعد بے نشانی مسجد کردینا روا، اور ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مقابر پر مسجد بنانا حرام، آپ کے نزدیک یہ دونوں حکم حالت واحد پر وارد جب تو آپ کا ایمان ہے کہ ابن القاسم کی بات کو حق جانیں اور ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد نہ مانیں، اور اگر حالت مختلف ہے تو پہلے وہ فرق معین کیجئے جس پر ان دونوں احکام کا انقسام ہوگا، کیا فقط نو کہن کا تفرقہ ہے کہ نئی قبروں پر مسجد بنانا حرام، اور جہاں ذرا پرانی پڑیں، اب ان پر نماز جائز ہوگی یا فقط اوپر کا نشان مٹ جانا چاہئے یا یہ ضرور ہے کہ لاشوں کے تمام اجزاء ساری ہڈیاں بالکل خاک ہوجائیں، مردے بجمیع اجزاء تراب خالص کی طرف استحالہ کریں، اس کے بعد روا ہے۔

اوّل تو بداہۃً باطل، اور شاید بعلّت وہابیت آپ کے یہاں تو شرک ہو اور ثانی بھی اسی کی مثل ہو کہ نشان بالا نہ قبر ہے نہ قبر کے لیے رکن شرط، تو اس کا عدم ووجود یکساں، معہذا اس مقبرے میں یہ صورت بھی ہنوز متحقق نہ ہوئی کہ نشان قبر موجود ہیں اور آپ کا حکم بے تخصیص ثلث خالی صاف مطلق ہے کہ "مدرسہ وقفی بنانا گورستان میں درست ہے" اور آپ کے مقلد نے اس اطلاق کی صریح تصریح کردی ہے کہ "بناء مدرسہ اس جگہ میں خصوصًا حصہ خالی میں درست ہے۔" اس خصوص نے عموم کو واضح کردیا، لاجرم ثالث لیجئے گا، اب یہ آپ پر لازم تھا کہ دلیل شرعی سے اس مدت کی تعیین کرتے، جس میں مردے کی ہڈی پسلی کا اصلًا نام ونشان نہیں رہتا۔ سب سے پچھلی جو میّت دفن ہوئی اسے اتنی مدت گزر چکی، ان دو مرحلوں کو بغیر طے کئے حکم جواز لگا دینا محض جہل تھا، اتنا یاد رکھئے کہ مجرد شک یہاں کام نہ دے گا کہ "**الیقین لا یزول بالشک**" (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔) عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے وجود مانع یعنی بعض اجزائے اموات پر یقین نہ ہو، حکم حرمت وممانعت ہی رہے گا اور آپ کے لیت ولعل سے کام نہ چلے گا۔

توظاہر ہوا کہ اس روایت خارجہ عن المذہب کادامن پکڑنا بھی محض سوءِ فہم وبندگی وہم تھا وباللہ العصمۃ۔

عاشراً لطف یہ ہے کہ اس روایت خارجہ میں شرط استغناء عن الدفن لگائی گئی ہے۔آیا اس سے یہ مراد کہ اس کے سوادوسری جگہ دفن ہوسکتا ہو، جب تو یہ شرط محض لغو وعبث ہے، وہ کون سا گورستان ہے جس کی طرف احتیاج دفن بمعنی **لولاہ لامتنع** (اگر وہ نہ ہو تو منع ہے۔ت) ہے۔نہ ہرگز تعطل وویرانی، اوقاف میں صرف اس قدر ملحوظ ہوتا ہے کہ یہاں مطمح النظر دوامر رہتے ہیں، ایک عدم محتاجین یعنی وہاں آبادی نہ رہی، لوگ متفرق ہوگئے، اب حاجت کسے ہو، جیسے جواب دوم میں عالمگیری ومحیط سے دربارہ مسجد وحوض گزرا کہ **خرب ولایحتاج الیہ لتفرق الناس** (جو ویران ہوجائے لوگوں کے وہاں سے چلے جانے کی وجہ سے اس کی احتیاجی نہ رہے۔ت) دوسرے عدم حاجت بوجہ عدمِ صلوح، یعنی وہ شے کسی مانع وقصور ونقص کے سبب اب اس کام کی نہ رہی، مثلاً زمین پر پانی نے غلبہ کیا کہ دفن کی گنجائش نہ رہی، فتاوٰی کبرٰی وجامع المضمرات وہندیہ واسعاف وغیرہا میں ہے:

امرأۃ جعلت قطعۃ ارض لہا مقبرۃ واخرجتہا من یدہا ودفنت فیہا ابنہا وتلك القطعۃ لاتصلح المقبرۃ لغلبۃ الماء عندہا فیصیبہا فساد فارادت بیعہا، ان کانت الارض بحال لایرغب الناس عن دفن الموتٰی لقلۃ الفساد لیس لہا البیع وان کانت یرغب الناس عن دفن الموتٰی لکثرۃ الفساد فلہا البیع[1]۔	ایک عورت نے اپنی زمین کے ایک ٹکڑے کو قبرستان بنادیا اور اسے اپنے ہاتھ سے نکالا اور اس میں اس اپنے بیٹے کو دفن کردیا مگر یہ ٹکڑا غلبہ پانی کی وجہ سے قبرستان کے لیے درست نہ رہا تو اس نے اسے بیچنے کا ارادہ کیا، اگر زمین ایسی ہے کہ لوگ اس میں اپنے مردوں کو دفن کرنے سے پہلو تہی نہیں کرتے ہیں کیونکہ فساد زائد نہ تھا تو وہ عورت اس ٹکڑے کو بیچ نہیں سکتی اور اگر لوگ اس میں زیادہ خرابی کی وجہ سے مردے دفن نہیں کرتے ہیں تو وہ عورت بیچ سکتی ہے۔

پرظاہر کہ صورت مستفسرہ میں ہرگز نہ عدم محتاجین ہے نہ عدم صلوح، پھر شرط استغناء کب متحقق ہوئی اور تغیر وقف کی اجازت کس گھر سے ملی، توروشن ہوا کہ مجیب سوم کا اس روایت خارجہ سے تمسک محض **تشبث الغریق بالحشیش** (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ت) تھا۔**ولاحول ولاقوۃ الاّباللہ العلی العظیم۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی بالتوفیق۔**

تنبیہ: یہ مجیب سوم پر تلک عشرۃ کاملۃ ہیں اور ان کاردان کے سب اتباع واذناب کے روسے مغنی۔

وکل الصید فی جوف الفراء

(یہ عرب کا قول بطور مثل اس وقت بولا جاتا ہے جب بہت سی حاجتوں میں سے بڑی حاجت پوری ہوجائے)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱

اور اذناب کے پاس ہے ہی کیا سوا امام زیلعی کے۔ روایت امام زیلعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ جسے خود مولوی گنگوہی صاحب نے کچھ سوچ سمجھ کر چھوڑ دیا اور روایت فقہیہ نہ لکھنے کے لیے بے مہلتی کا بہانہ لیا، مجیب اول نے لکھی مجیب دوم سلمہ نے جواب دیا، بعض اذناب سوم نے بے تعرض جواب پھر اسی کا اعادہ کیا، مگر جناب گنگوہی صاحب چرکے کہ یہاں مقبرہ وقف میں کلام ہے۔ مجھے خاص دوسرے مکان وقفی کی اجازت نکالنی مشکل پڑی ہے، ہل چلانا، کھیتی کرنا کہ اس روایت امام زیلعی میں جائز ہو رہا ہے، کس گھر سے جائز کرسکوں گا لہٰذا ہوشیارانہ اس سے عدول کیا جو اذناب کی سمجھ میں نہ آیا، غالبًا اب تو ناظرین نے اس روایت کا محل و محصل سمجھ لیے ہوں گے۔

صاحبو! اس سے مقصود زمین مملوک، یعنی اگر کسی کی ملک میں کوئی میّت دفن کردی گئی ہو، تو جب وہ بالکل خاک ہوجائے مالک کو روا ہے کہ وہاں کھیتی کرے، گھر بنائے جو چاہے کرے،

لان الملك مطلق والمانع زال وهذا ايضا اذاكان ذٰلك باذنه والافقی الغصب له اخراج الميّت وتسوية الارض كما هی لحديث ليس لعرق ظالم حق [1]۔	کیونکہ ملک مطلق ہے اور رمانع زائل ہوگیا اور یہ بھی اس صورت میں ہے جبکہ اس کی اجازت سے ہو، ورنہ غصب کی صورت میں اسے حق ہے کہ میّت کو نکالے اور زمین برابر کرے جیسے کہ تھی، کیونکہ حدیث میں ہے کہ زمین پر ظالم کا حق نہیں۔

علّامہ مدقق علائی قدس سرہ نے درمختار میں اسے ایسے نفیس سلسلے میں منسلک کیا جس نے معنی مرادی کو کھول دیا، مجیب اول نے یہ روایت وہیں سے اخذ کی، مگر علامہ مدقق کے اشارات تک ہر فہم کی دسترس کہاں! درمختار میں فرمایا:

لایخرج منه بعد اهالة التراب الالحق اٰدمی كان تكون الارض مغصوبة اواخذت بشفعة، ويخير المالك بين اخراجه و مساواته بالارض كما جاز زرعه والبناء عليه اذا بلی وصار ترابًا زيلعی [2]۔	مُردے کو مٹی ڈالنے کے بعد صرف حقوق العباد کی وجہ سے نکالا جائیگا، جیسے زمین مغصوبہ ہو یا شفعہ سے لی گئی ہو، اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اسے نکالے یا زمین برابر کردے، جیسے کہ اس پر عمارت بنانا اور کھیتی باڑی کرنا مردوں کے گلنے سڑنے اور مٹی ہوجانے کے بعد درست ہے زیلعی (ورنہ مقبرہ وقفی میں کھیتی کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں)

ہدایہ میں ہے:

[1] المعجم الکبیر حدیث ۵ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۷/ ۱۴

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

فی غایة القبح ان یقبر فیه الموتٰی سنة و یزرع سنة [1]۔	یہ بات انتہائی قبیح ہے کہ ایک سال اس میں مردے دفن کیے جائیں اور ایک سال کھیتی باڑی کی جائے۔(ت)

بات یہ ہے کہ وہابیہ کی نگاہ میں قبور مسلمین بلکہ خاص مزارات اولیائے کرام علیہم الرضوان ہی کی کچھ قدر نہیں، بلکہ حتی الوسع ان کی توہین چاہتے ہیں اور جس حیلے سے قابوُ چلے انھیں نیست ونابود وپامال کرانے کی فکر میں رہتے ہیں ان کے نزدیک انسان مرا اور پتھر ہوا، جیسے وہ خود اپنی حیات میں ہیں کہ مالا یسمع ولایبصر ولایغنی عنك شیئًا (جو سنے نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے، ت) حالانکہ شرع مطہر میں مزاراتِ اولیاء تو مزارات عالیہ عام قبور مسلمین مستحق تکریم وممتنع التوہین، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں: "قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حق میّت ہے۔"قنیہ میں امام علائے ترجمانی سے ہے:

یاثم بوطء القبور لان سقف القبر حق المیّت [2]۔	قبر پر پاؤں رکھنا گناہ ہے کہ سقفِ قبر بھی حق میّت ہے۔

حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کی نعلین پاک کی خاک اگر مسلمان کی قبر پر پڑ جائے تو تمام قبر جنت کے مشک، عنبر سے مہک اُٹھے، اگر مسلمان کے سینے اور منہ اور سر اور آنکھوں پر اپنا قدم اکرم رکھیں اس کی لذت ونعمت وراحت وبرکت میں ابدالآباد تک سرشار وسرفراز رہے۔ وہ فرماتے ہیں:

لان امشی علٰی جمرة اوسیف احبُّ الیّ من ان امشی علٰی قبر مسلم [3]۔ رواه ابن ماجة بسند جید عن عقبة بن عامر رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	بے شک چنگاری یا تلوار پر چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی مسلمان کی قبر پر چلوں، اسے ابن ماجہ نے سند جید کے ساتھ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اور وہابیہ کو اس کی فکر ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو قبروں پر مکان بنیں، لوگ چلیں پھریں، قضائے حاجت کریں، بھنگی اپنے ٹوکرے لے چلیں۔

اگر ایں ست پسند تو نصیب بادا
(اگر یہی تجھے پسند ہے تو تجھے نصیب ہو۔ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[2] فتاوٰی قنیہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان مکتبہ مشتہرہ بالمہانندیہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۷

[3] سنن ابن ماجۃ باب ماجاء فی النہی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

ولاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ العلی العظیم o واذا اخذت المسئلۃحقھا من البیان ولنکف عنان القلم o حامدین للّٰہ سبحنہ وتعالٰی علی ما علم وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سید نا ومولٰنا محمد واٰلہٖ واصحابہ وسلم واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عز شانہ احکم۔	طاقت وقوت صرف اللہ تعالٰی کے لیے ہے جب میں نے مسئلہ کما حقہ بیان کردیا تواب چاہئے اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے قلم کو روکیں کہ اسی نے علم دیا، اور درود وسلام ہو ہمارے آقا ومولا حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عز شانہ احکم (ت)

تمّت

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا خاں البریلوی عفی عنہ بمحمدنِ المصطفی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلّم

محمدی سنی حنفی قادری عبدالمصطفٰی احمد رضاخاں (۱۳۰۱ھ)

ان ھٰذا لھو الحق والحق بالاتباع احق۔ (بے شک حق یہی ہے اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے۔ت)

(محمد سلطان)

اس میں جو کچھ بیان ہے سب مطابق احکام شریعت وسلف صالحین ہے، مسلمان ان سب کو تمسک کریں، مؤلّف علّام کو خدائے برتر جزائے خیر دے اور مقبول خاص وعام کرے اور مجھ کو بھی ثواب سے محروم نہ فرمائے، والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر الانام وآلہٖ واصحابہ الکرام۔ المذنب الدعو محمد عبداللہ عفی عنہ

مسائل بالاکہ علمائے دین متین وفضلائے امت (رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم) تحریر وتقریر فرمودند ہمہ حق وراست ودرست اند۔ شاکی اینہا مردود وفاسق اند۔	اوپر والے مسائل جن کو علمائے دین متین وفضلائے امتِ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکھاہے اور بیان کیا سب کے سب درست اور صحیح ہیں ان میں شک کرنیوالے مردود اور فاسق ہیں (ت)

العبد الضعیف الراجی الٰی رحمۃ اللطیف محمد نعیم پشاوری عفی اللہ عنہ وعن والدیہ والمومنین والمومنات، آمین ثم آمین۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامدًا ومصلیًا ومسلمًا علی رسولہ سیدنا محمدٍ والہ واصحابہ واولیاء امتہ ومتبعیھم اجمعین o جو کچھ مولانائے مجیب جامع المعقول والمنقول حلالِ مہمات فروع واصول مولوی محمد عمر الدین صاحب الحنفی القادری "جزاہ اللہ تعالٰی خیر الجزاء" نے صورت مسئولہ میں تحریر فرمایا ہے وہ سب حق صواب ہے، جوابِ لاجواب ہے، پسندیدہ اولی الالباب ہے۔ حنیف مذہب کے مطابق قبروں کو کھود کر صاف میدان کردینا اور اس پر مکان وغیرہ بنانا ہرگز درست نہیں، اس کی تحقیق مولائے مجیب نے عمدہ طور سے فرمائی ہے۔ کوئی دقیقہ فروگذاشتہ نہیں کیا، معترضوں کے کل اعتراض نہایت خوش اسلوبی سے اٹھادئے ہیں اور منکروں کے سب خدشات دفع کردئے ہیں پھر تحریر مہر تنویر فاجل کامل، عالم، عامل، محقق علوم عقلیہ، مدقق فنون نقلیہ قالع اصول مبتدعین، قامع اوہام نجدین، حامی سنن ماحی فتن مجدد مائۃ حاضرہ، حجۃ قاہرہ مولٰنا الحاج احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ تعالٰی فیوضاتھم تو منکروں پر بجلی سی کڑک پڑی، رشید گنگوہی کی تحریر پر تزویر کے تو خوب پرخچے اڑائے، ایسا امر کوئی فروگزاشت نہ ہوا کہ جس کے لکھنے کی کسی کو تکلیف ہو۔ پس فقیر نے طول دینا مناسب نہ سمجھا۔ لہٰذا اختصار سے کام لیا گیا، ان فتووں کا انکار بجز، فرقہ نجدیہ وہابیہ، اسمٰعیلیہ، ہندیہ، اسحاقیہ، رشیدیہ گنگوہیہ شیطانیہ خذلھم اللہ تعالٰی فی الدنیا والآخرۃ کے کوئی نہ کرے گا، اہل سنت وجماعت کو ان دجاجلہ ضلالت کیش وابالسہ ابطالت اندیش کی صحبت سے پرہیز کرنا لازم ہے اور سلام وکلام قطع کرنا واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمأٰب حررہ الراجی الی لطف ربہ القوی عبدالنبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی تجاوز اللہ تعالٰی عن ذنبہ الجلی والخفی، وحفظ عن موجبات الکی والغی بحرمۃ النبی الھاشمی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم۔ متوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر بھروالہ نزیل بمبئی۔

عبدالنبی الامّی الحنفی۔ سید حیدر شاہ قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رزق الانسان علمًا وسمعًا وبصرافی الحیات وبعد الممات، فالموتٰی یعرفون الزوّار و یسمعون الاصوات والصلوۃ والسلام الاتمام الاکملان علٰی من ھدانی الی الصراط المستقیم وقانا بھا من نارالجحیم التی اعدت للکٰفرین والماردین من النیا شرۃ	سب تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے انسان کو زندگی اور بعد از موت جاننے، سننے اور دیکھنے کی قوت بخشی، اتم واکمل، درود وسلام ہو اس ذات پر جس نے ہمیں سیدھی راہ دکھائی اور ہمیں نار جہنم جو کافروں سرکشوں، رب العالمین کو جھٹلانے والوں شیطان لعین کو اولین وآخرین کے علم پر فضیلت

والمکذبین لرب العالمین، والمفضلین للشیطان اللعین علی علم الاولین والاٰخرین صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وعلی اله واصحابه وابنه وحزبه اجمعین، وعلینا بهم یا ارحم الراحمین، وبعد فلما رأیت جواب ناصر الدین المتین ومولٰنا المولوی محمد عمر الدین وجدته موافقا للسنة دافعا للفتنة، ونظرت تحریر المولوی رشید احمد گنگوہی فما هو الاضلال مبین وهتك لحرمة المومنین، ومارد به علیه خاتم المحققین عمدة المدققین عالم اهل السنة مجدد المائة الحاضرة سیدی ومرشدی وکنزی وذخری لیومی وغدی مولٰنا المولوی محمد احمد رضاخان ابدہ اللّٰہ لواهب الفیض والمواهب فلا اجد لسانا ثناء علیه غیر ان اقول لا شك انه الصدق الصراح والحق القراح فجزاهم اللّٰہ خیرالجزاء عن الاسلام والمسلمین بحرمة سید المرسلین صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم، واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب وعنده ام الکتاب قاله بفمه و رقمه بقلمه محمد المدعو بظفر الدین المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی الرضوی المجددی البهاروی العظیم اٰبادی۔

محمدی سنی حنفی قادرے ابوالبرکاتی محمد ظفرالدین

دینے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، سے بچایا، درود وسلام ہو آپ پر اور آپ کے آل، اصحاب، بیٹے، گروہ سب پر اور ان کے وسیلہ سے ہم پر یا ارحم الراحمین، بعد ازیں جب میں نے دین متین کے ناصر مولٰنا مولوی محمد عمر دین کے جواب کو غور سے دیکھا تو اسے سنت کے موافق اور فتنہ سے مدافع پایا، او رمولوی رشید احمد گنگوہی کی تحریر پر نظر کی تو اسے گمراہ کن اور توہین مومنین سے مملو پایا، اور خاتم المحققین، عمدۃ المدققین، عالم اہل سنت، مجدد مائۃ حاضرہ میرے سردار۔ یرے مرشد م میرے کل اور آج کے لیے ذخیرہ وخزانہ مولٰنا احمد رضاخاں (اللہ تعالٰی اس کی عطاؤں اور فیض کو ہمیشہ جاری رکھے) نے جو اس پر ردفرمایا میرے پاس ایسی زبان نہیں کہ اس کی تعریف کرسکوں، ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ بے شک وہ صاف سچ اور خالص حق ہے۔ اللہ تعالٰی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اصل کتاب اسی کے پاس ہے۔ محمد ظفرالدین محمدی سنی حنفی قادری برکاتی رضوی مجددی بہاروی عظیم آبادی نے اسے بزبان خو دکہاہے اور اپنے قلم سے لکھاہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از شہر کہنہ مسئولہ رحمت علی خادمِ مزار شاہدانہ رحمہ اللہ تعالٰی ۹ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اراضی مذبح جس پر دکاندار لوگ خوانچہ لگا کر بیٹھ جاتے ہیں بذریعہ ٹھیکہ مالک تھا اور دکانداروں پر دو دو چار چار پیسے روزانہ کے حساب سے مقرر کر لیے تھے بعد چند روز کے اندورن میعاد ٹھیکہ زید سے عمرو نے ٹھیکہ لگایا اور دکانداروں پر اول سے زیادہ کرایہ مقرر کرلیا، مگر دکاندار لوگ کرایہ زیادہ حسب منشاء عمرو کو نہ دے سکے اور مجبور ہوکر اراضی تکیہ جو متصل مذبح کے ہے حسب رضامندی فقیر جابیٹھے اور فقیر کو دو پیسے روز ہر دکان دار دینے لگا، عمرو کو یہ بات ناپسند خاطر ہوئی اور دینی برادروں قصابان سے اپنا عذر کیا، چنانچہ عمرو ٹھیکیدار و نیز اکثر برادرانِ عمرو کہ جو وہاں کی اشیاء کے خریدار بھی ہیں باتفاق سب نے فقیر پر دباؤ ڈالا اور کہا کہ منجملہ دو پیسے کے ڈیڑھ پیسہ عمرو کو اور نصف فقیر کو ہر دکاندار دے، ایسی صورت میں عمرو کو ڈیڑھ پیسہ لینا کہ جو عمرو کی زمین سے کسی دکاندار کو کچھ تعلق نہیں ہے چاہئے یا نہیں؟ دوم تکیہ کی اراضی میں دکانداروں کو خوانچہ لگا کر بیٹھنا اور کرایہ فقیر کو دینا اور فقیر کو لینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں باتیں حرام ہیں، نہ تکیہ کی زمین دکان داروں کو کرایہ پر دی جاسکتی ہے نہ ان کا کرایہ فقیر کو حلال ہوسکتا ہے، اور اگر فقیر کی اپنی مملوک کوئی زمین ہوتی تو اس پر دباؤ ڈال کر کوئی کوڑی عمرو کو دلوانا قطعاً حرام تھا تو یہ حرام در حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰ تا ۱۴۵: از شیر کوٹ مسئولہ مظہر الحسن صاحب ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ازروئے شریعتِ اسلام قبرستان کی بیع ورہن وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قبرستان کی زمین کسی کی ذاتی ملکیت ہوسکتی ہے یا نہیں، اور مخصوص قبرستان بنانا کیسا ہے اور اسی کی نسبت کیا احکام شرعی ہیں؟

(۳) قبروں کو منہدم یا مسمار کرکے اس میں کھیتی وغیرہ کرنا کیسا ہے، اور اگر کوئی شخص مسلمان ہوکر ایسا کرے تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

(۴) قبروں کو منہدم یا ویران کرتے یا کھودتے ہوئے دیکھ کر کوئی مسلمان ایسا کرنے والے کو روکنے کا شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

(۵) قبرستان میں یا اس کی متعلقہ زمین میں بول وبراز، گندگی وغیرہ پھینکنا یا قبرستان کو گندگی کا مخزن

بنانا کیسا اور اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(٦) مسلمانوں پر قبرستان کی حرمت کس حد تک واجب ہے؟

الجواب:

(۱ و ۲) عامہ قبرستان وقف ہوتے ہیں، اور وقف کی بیع حرام ورہن حرام ہے، اور جو خاص قبرستان کسی کی ملک ہو جس میں اس نے مردے دفن کیے ہوں مگر اس کام کے لیے وقف نہ کیا ہو، کہ وہ بھی مواضع قبور کو نہ بیچ سکتا ہے نہ رہن کرسکتا ہے کہ اس میں توہین اموات مسلمین ہے، اور ان کی توہین حرام ہے۔

(۳) حرام ہے مگر یہ کہ کسی کی مملوک زمین میں بے اس کی اجازت کے کسی نے مردہ دفن کردیا ہو اور اس نے اسے جائز نہ رکھا تو اسے اس کے نکلوادینے اور اپنی زمین خالی کرلینے اور کھیتی وعمارت ہر شے کا اختیار ہے۔

(۴) جو شخص ایسے جرم شدید کا مرتکب ہو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ بقدر قدرت اسے روکے جو اس میں پہلو تہی کرے گا اسے فاسق کی طرح عذاب نار ہوگا۔

قال تعالٰی کَانُوۡا لَا یَتَنَاہَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡہُ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾۔[1]	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وہ ایک دوسرے کو برے کام سے روکتے نہ تھے، وہ سب کیا ہی برا کام کرتے تھے (ت)

(۵) حرام، حرام، سخت حرام ہے اور اس کا مرتکب مستحق عذاب نار وغضب جبّار ہے۔

(٦) قبور مسلمین پر چلنا جائز نہیں، بیٹھنا جائز نہیں، ان پر پاؤں رکھنا جائز نہیں، یہاں تک کہ ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان میں جو نیا راستہ پیدا ہوا اس میں چلنا حرام ہے۔ اور جن کے اقربا ایسی جگہ دفن ہوں کہ ان کے گرد اور قبریں ہوگئیں اور اسے ان قبور تک اور قبروں پر پاؤں رکھے بغیر جانا ممکن نہ ہو، دور ہی سے فاتحہ پڑھے اور پاس نہ جائے زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ اهلاک الوھابیین میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴٦: از سکندرپور ضلع بلیا پاٹی گلی مسئولہ محمد حسین وعطا حسین ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زینب نے اپنے نواسہ بکر کو اپنی زمینداری ہبہ کی اور لکھ دیا کہ توابع لواحق اس کے جو کچھ ہے ہبہ کردیا۔ بکر نے عمرو کے ہاتھ اس زمینداری کو مع جملہ حقوق توابع لواحق بیع کردیا اور اس کے اندر قبرگاہ واہبہ کا بھی ہے تو اس کے اندر عمرو مشتری کی قبر بنانا جائز ہے یا نہیں یا اس قبرگاہ پر متصرف ہونا مشتری عمرو کا درختان انبہ وغیرہ کا پھل کھانا یا لکڑی لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ قبرگاہ بغیر دیوار بے مرمت اور خراب ہو تو عمرو بنواسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن ۵/ ۷۹

الجواب:

ہبہ وبیع سے قبرستان وقف مستثنیٰ ہیں۔ مشتری کی قبر بھی اس میں بن سکتی ہے۔ واہبہ وغیرہ کی قبر کی مرمت بھی وہ کرسکتا ہے۔ جو درخت اس میں ہیں وہ مشتری کی ملک ہیں جو چاہے کرے، قبرستان اگرچہ وقف ہو اس کے درخت وقف نہیں کما بینہ فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں بیان کیا گیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۷: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ نمبر ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق صاحب ومولوی مبارک کریم صاحب بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس مرید خاص نے مزار کچھ زمین ومکانات اپنے خرچ اور آفس ومال گودام کے لیے نیز اس لیے کہ زائرین قیام کریں اور مجالس اس میں قائم ہوں تیار رکھتے تھے، نہ وہ زمیں ومکانات وقف کیے نہ کبھی حالتِ حیات شیخ نے نامزد کئے نہ بعد وفات شیخ بنام مقبرہ اس نے بہ ضرورت تجارت اس اراضی ومکانات کو مبلغ کثیر پر رہن رکھا ہے۔ اب فرزند شیخ کہتے ہیں کہ یہ سب مکانات وغیرہ ہمارے نام کردو، توکیا فرزند شیخ کا یہ دعوٰی صحیح ہوسکتا ہے اور کیا مرید کو اختیار ہے کہ قبل فک رہن اس جائداد کو فرزند شیخ کے نام کردے اور کیا وہ فرزند شیخ اس مرید کی جائداد بجبر واکراہ اپنے نام کروا کرسکتا ہے۔ آیا شریعت میں مرید پر کچھ استحقاقِ مال شیخ یا وارثانِ شیخ کا ہے؟

جواب از لکھنؤ: ھو المصوب صورت مذکورہ میں زمین ومکانات وانتظام مقبرہ پر دعوٰی فرزند شیخ کا باطل ہے، مرید پر مال استحقاق شیخ کا یا وارثان شیخ کا شرعًا نہیں ہے اور مرید جائداد مرہون بغیر فک رہن کسی شخص کو دے نہیں سکتا، نہ فرزند شیخ مرید پر کوئی جبر کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ محمد عبدالمجید

الجواب:

فرزند شیخ کا دعوٰی باطل، اور اسے جبر کا کوئی اختیار نہیں۔

قال تعالٰی لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۫[1]	باری تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ مگر یہ تمھاری باہمی رضامندی سے کوئی سودا ہو۔(ت)

زمین ومکانات ومقبرہ سب ملک مرید ہیں اس کے ورثاء کے قبضے میں رہیں گے، مرید پر شیخ کا مال استحقاق بمعنی وجوب شرعی بحیثیت شیخیت نہیں، اگرچہ طریقۃً وہ اور اس کا مال سب گویا اس کے شیخ کا ہے، یا شریعۃً بوجوہ

[1] القرآن ۴/ ۲۹

دیگر وجوب ہوسکتا ہے، فرزند شیخ کا یہ مطالبہ کرنا سوال ہے اور سوال بلاضرورت حرام ہے، ہاں اگر مرید رضائے خود چاہے تو اپنا مال اس کے نام کرسکتا ہے اگرچہ قبل ادائے دین مرتہن باذن مرتہن۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۸: از جوناگڑھ کاٹھیاواڑ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بزرگ کے مزار پر لوبان جلانا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ اور جو شخص جلانے والے کو فاسق اور بدعتی کہے اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عود لوبان وغیرہ کوئی چیز نفسِ قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے اگرچہ کسی برتن میں ہو **لما فیہ من التفاؤل القبیح بطلوع الدخان علی القبر والعیاذ باللہ** (کیونکہ اس میں قبر کے اوپر سے دھواں نکلنے کا بُرا فال پایا جاتا ہے، اور خدا کی پناہ۔ت) صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

انہ قال لابنہ وھو فی سیاق الموت اذا انا مت فلا تصحبنی نائحۃ ولا نار[1] الحدیث۔	انھوں نے دم مرگ اپنے فرزند سے فرمایا جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ نہ کوئی نوحہ کرنے والی جائے نہ آگ جائے۔ الحدیث (ت)

شرح المشکوٰۃ للامام ابن حجر المکی میں ہے: **لانہا من التفاؤل القبیح**[2] (کیونکہ آگ میں فال بد ہے ت) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے: **انہا سبب للتفاؤل القبیح**[3] (یہ فال بد کا سبب ہے۔ت) اور قریب قبر سلگا کر اگر وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں نہ کوئی تالی یا ذاکر ہو بلکہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف واضاعتِ مال ہے۔ میّت صالح اس غرفے کے سبب جو اس کی قبر میں جنت سے کھولا جاتا ہے اور بہشتی نسیمیں بہشتی پھولوں کی خوشبوئیں لاتی ہیں، دنیا کے اگر لوبان سے غنی اور معاذاللہ جو دوسری حالت میں ہو اسے اس سے انتفاع نہیں۔ توجب تک سند مقبول سے نفع معقول نہ ثابت ہو سبیلِ احتراز ہے۔

ولایقاس علی الورد والریاحین المصرح باستحبابہ فی غیر ما کتاب کما اوردنا علیہ	اس کا قیاس پھولوں پر نہیں ہوسکتا جن کے مستحب ہونے کی صراحت متعدد کتابوں میں موجود ہے جیساکہ

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۷۶

[2] مرقاۃ بحوالہ امام ابن حجر مکی کتاب الجنائز مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۹۶

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الجنائز مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۹۶

تصریحات کثیرۃ فی کتابنا حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات، فان العلۃ فیہ کما نصوا علیہ انہا مادامت رطبۃ تسبح اللہ تعالٰی فتؤنس المیّت لاطیبہا۔	اس پر کثیر تصریحات ہم نے اپنی کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں نقل کی ہیں اس لیے حسبِ تصریح علماء ان کے استحباب کی علت یہ ہے کہ وہ پھول جب تک تر رہیں گے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتے اور میّت کا دل بہلاتے رہیں گے__ خوشبودار ہونا علّت نہیں (ت)

اور اگر بغرض حاضرین وقت فاتحہ خوانی یا تلاوت قرآن مجید وذکر الٰہی سلگائیں تو بہتر و مستحسن ہے۔

وقد عہد تعظیم التلاوۃ والذکر وتطییب مجالس المسلمین بہ قدیما وحدیثا۔	اور تلاوت وذکر کی تعظیم اور اس سے مسلمانوں کی مجلسوں میں خوشبو پھیلانا زمانہ قدیم وجدید میں متعارف ہے (ت)

جو اسے فسق وبدعت کہے محض جاہلانہ جرأت کرتا ہے یا اصول مردود وہابیت پر مرتا ہے۔ بہر حال یہ شرع مطہر پر افترا ہے، اس کا جواب انھیں دو آیتوں کا پڑھنا ہے:

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ [1] قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾۔ [2] واللہ تعالٰی اعلم	تم کہو اپنی دلیل لاؤ اگر سچے ہو__ تم کہو کیا خدا نے تمھیں اذن دیا ہے یا اللہ پر افترا کرتے ہو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۲/ ۱۱۱

[2] القرآن ۱۰/ ۵۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
بَرِیقُ الْمَنَارْ بِشُمُوْعِ الْمَزَارْ ۱۳۳۱ھ
(منارے کی چمک مزار کی شمعوں سے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم۔

مسئلہ ۱۴۹: از لکھنؤ محلسرا ڈاکخانہ چوک مرسلہ مولوی محمد احمد صاحب علوی خلف مولوی حبیب علی صاحب مرحوم ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مزاراتِ اولیاء اللہ پر روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ روشنی مزاراتِ اولیاء اللہ پر ناجائز ہے کیونکہ اس میں تعبد منظور ہوتا ہے، چنانچہ زید کی تحریر بجنسہٖ ذیل میں نقل کی جاتی ہے، آیا مسلک زید کا نزدیک علمائے دین ومفتیانِ شرع متین قابلِ قبول وعمل ہے یا نہیں؟

نقل تحریر زید یہ ہے:

میں بقسم شرعیہ اس کو باور کراتا ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہو جائے تو میں رسم قدیم کی مخالفت نہ کروں، چنانچہ فتاوٰی عالمگیری کو دیکھا اس میں نکلا کہ **اخراج الشموع الی المقابر بدعۃ لا اصل لہ** (مزارات پر چراغان کرنا بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) اسی طرح

فتاوی بزازیہ میں ہے۔ دُر مختار میں بھی یہی نکلا۔ پھر میں نے حدیث شریف کو دیکھا۔ مشکوۃ شریف میرے پاس تھی اس میں یہ حدیث نکلی:

لعن رسول اللہ زائرات القبور والمتخذین علیہا المساجد والسرج[1]۔ رواہ الترمذی والنسائی۔	لعنت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زائرات قبور پر اور جو پکڑیں قبروں پر مسجدیں (یعنی قبروں کی طرف سجدہ کریں) اور قبروں پر چراغ روشن کریں۔ اسے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا۔

اس کے بعد میں نے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی برادر شاہ عبدالعزیز صاحب ختم المحدثین کے فتوے مطبوعہ مطبع مجتبائی ص ۱۴ کو دیکھا اس میں لکھا ہے:

پس امداد بدعاء وختم واطعام بدعتے مباح است (یعنی در عرس سالانہ بزرگان دین اگر صلحائے وقت جمع شدہ قرآن شریف خوانند وخیرات کردہ ثواب رسانند مضائقہ ندارد، ایں رابدعت مباح باید گفت) وجہ قبح ندارد۔ اما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغ ہا وملبوس ساختن قبور وسرود ہانواختن معازف بدعات شنیعہ اند حضور چنیں مجالس ممنوع اگر مقدور باشد محلِ حدیث من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذٰلک اضعف الایمان[2] عمل باید کرد از مقام زجر پراگندہ کردن اسباب بدعت کافی[3]۔	دعا، ختم قرآن اور کھانا کھلانے کے ذریعے مدد کرنا ایک جائز بدعت ہے (یعنی بزرگان دین کے سالانہ عرس میں اگر اس زمانے کے نیک لوگ جمع ہو کر قرآن شریف پڑھیں اور خیرات کرکے ثواب پہنچائیں تو کوئی مضائقہ نہیں اسے بدعت مباحہ کہا جاسکتا ہے) قبیح ہونے کی کوئی وجہ نہیں، لیکن حرام باتوں کا ارتکاب جیسے چراغ روشن کرنا، قبروں کو ملبوس کرنا، گانے، باجے بجانا شنیع بدعتیں ہیں، ایسی مجلسوں میں شرکت منع ہے اگر قدرت ہو تو حدیث پاک "جو تم میں کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے، یہ نہ ہوسکے تو زبان سے، یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے برا جانے اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے" پر عمل کرنا چاہئے، زجر کی جگہ اسباب بدعت کو منتشر کردینا کافی ہے (ت)

[1] الجامع للترمذی باب کراھۃ ان یتخذ علی القبر مسجدًا نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۴۳

[2] الجامع للترمذی ابواب الفتن نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۳۱۶

[3] فتاوٰی شاہ رفیع الدین

اس کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے مالابدمنہ میں اور ارشاد الطالبین میں لکھا ہے کہ ؟

"چراغاں کردن بدعت است، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر شمع افروزاں نزد قبر وسجدہ کنند گان لعنت گفتہ "[1]۔ ارشاد الطالبین ص ۱۰	(قبور پر) چراغاں کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبر کے نزدیک چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (ت)

خلاصہ یہ کہ چراغاں جو بغرض خاص تقرب کیا جاتا ہے یا بغرض زینت۔ یہاں تک کہ بعض لوگ منت مانتے ہیں اور اس کا ایفاء کرتے ہیں اور اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے ہیں، اس طرح جب کتبِ حدیث وفقہ و تحریراتِ علماء میں نکلا تو میں نے بلاخوف وخطر اس کو ترک کردیا اور جس قدر رقم کا تیل آتا تھا وہ میں نے شربت وبرف میں صرف کردیا۔ نظر انصاف سے دیکھا جائے کہ یہ کیا سنگین جرم ہے، نماز نہ پڑھے، جماعت کا پابند نہ ہو، ڈاڑھی منڈائے وہ سب قابل عفو ہے لیکن چراغاں نہ کرنا جس کے لیے اس قدر شدید وعید آئی ہے وہ ایسا جرم ہے کہ فوراً وہابیت کا دعوی دے دیا جاتا ہے۔ چونکہ اس کے کہنے والے اکثر جاہل ناخواندہ لوگ تھے میں نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں کی، میں نے یہ سمجھا تھا کہ اگر صاحب فتاوٰی بزازیہ وعالمگیریہ وصاحب مشکوٰۃ اور شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی یہ سب وہابی ہیں تو میں الحمد للہ وہابی ہوں، یہ امر بھی قابل گزارش ہے کہ میں نے مولوی احمد رضاخاں صاحب کو ایک عریضہ بھیجا اور اس میں استفتاء چراغان کا کہا اور جواب کے لیے ٹکٹ بھی رکھ دئے لیکن خاں صاحب موصوف نے اس کا جواب نہیں دیا، شکل یہ ہے کہ اگر حق جواب لکھا جائے تو پیرزادے ناخوش ہوتے ہیں اگر ناحق لکھا جائے تو قرآن وحدیث وفقہ کے خلاف ہوتا ہے، بہت تلاش سے بعض لوگوں کی تحریرات سے ایک آدھ چراغ کا جواز اس طرح سے نکلتا ہے کہ کسی دوسری مصلحت سے چراغ جلایا جائے، لیکن چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی مستند عالم کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو اس معاملہ میں کدنہ ہوگی، صرف دو امور میں جس کی وجہ سے لوگوں کو خلجان ہوتا ہے:

اول یہ کہ پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادوں کا فعل ناسخ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں ہے، پیرزادگان کچھ معصوم نہیں ہیں، صالح ہوں، اہل اللہ ہوں، لیکن معصوم نہیں، جہاں تک ہزاروں نیک مشائخ زمانہ کرتے ہیں وہاں ایک امرِ ناجائز بھی کسی مصلحت سے انھوں نے کرلیا، خدا تعالٰی معاف کرنے والا ہے، غور سے دیکھا جائے کہ غیر محارم کے سامنے آنا شرعاً جائز ہوجائے گا۔

دوسرا امر باعثِ خلجان یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں قبر مبارک پر روشنی ہوتی ہے، اس خطرے کو جواب حسب ذیل ہیں:

(۱) تعامل حرمین شریفین کا بعد قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر کے سند نہیں ہے۔

---

[1] مالابدّمنہ (فارسی) کتاب الجنائز مکتبہ شرکت علمیہ ملتان ص ۷۰ و ۷۱

(۲) قبر شریف حجرہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں واقع ہے جس کے چاروں طرف مسجد نبوی ہے اور مسجد میں روشنی کرنے کا ثواب احادیث میں موجود ہے۔

(۳) قبر شریف در حقیقت روپوش ہے آج ہفت اقلیم کا بادشاہ بھی اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید نے سیڑھی لگا کر دیکھنا چاہا ناکامیاب رہا۔

(۴) مدینہ منورہ میں روشنی منجانب سُلطان ٹرکی ہوتی ہے، گورنمنٹ ٹرکی نے عثمانیہ بینک قائم کرکے سود کا لین دین شروع کردیا ہے، کیا گورنمنٹ کے بھی فعل سے سود جائز ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(۵) نزدیک اہلسنت والجماعت کے حجت شرعی صرف چار ہیں: قرآن وحدیث واجماع وقیاس مجتہدین صرف تعامل حرمین کوئی سند نہیں۔

(۶) بڑا حصہ حرمین شریفین کا داڑھی کترواتا ہے، کیا داڑھی کتروانے کے جواز میں کوئی شخص یہ سند پیش کرسکتا ہے کہ وہاں کے لوگ داڑھی کترواتے ہیں، لہٰذا یہ فعل جائز ہے، وہاں کے علماء سے خود فتوٰی لیا جائے وہ داڑھی کتراتے چراغاں کرنے کو یقینا ناجائز کہیں گے۔

(۷) اب ایک تاویل ضعیف اور ایجاد ہوئی ہے کہ متقدمین ومتاخرین کسی کو بھی نہیں سوجھی، یعنی قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے لیکن قبر کے گرد جلانے میں ممانعت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں لفظ علٰی بمعنی پر واقع ہے، اردو میں کیا قبر پر چڑھا وا صرف اسی کو کہتے ہیں جو خاص اس جگہ پر کیا جائے جتنے حصہ کو قبر کہتے ہیں، بعض قبر کی صورت کوہانِ شتر کے مانند ہوتی ہے اس پر چڑھاوا غالبًا ممکن بھی نہ ہوگا، لیکن قبر پر چڑھاوا تو اتنا وسیع ہے کہ گرد قبر سے بلکہ دروازے کے آس پاس بھی کوئی رکھ دے تو وہ قبر کا چڑھاوا سمجھا جائے گا اور رسول خدا (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے فرمانے کی یہ تاویل ضعیف ہے۔ قرآن شریف سورہ کہف میں لَنَتَّخِذَنَّ عــہ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ [1] (قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔ ت) کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ اصحابِ کہف کے سینہ پر سنگِ بنیاد مسجد کا رکھیں گے، **استغفر اللہ**۔ ایک صاحب نے یہ کمال کیا کہ ملا علی قاری کی نسبت کہہ دیا کہ انھوں نے گرد قبر کے چراغ جلانے کو جائز کہا ہے، حالانکہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ مطبوعہ مصر صفحہ ۷۴ میں حدیث مندرجہ مشکوٰۃ شریف مذکور بالا کی شرح میں انھوں نے صرف مسجد کو اطرافِ قبر میں بنانے کی اجازت اس بنیاد پر دی ہے کہ عبادت یہود ونصارٰی یہ تھی کہ وہ قبر پر مسجد بناتے تھے، اور چونکہ مشابہت یہود ونصارٰی کی وجہ سے ممانعت ہوئی تھی لہٰذا جب مشابہت نہ رہی تو یہ فعل جائز ہوگیا۔ لیکن چراغ کی ممانعت کے وجوہ حضرت ملا علی قاری نے

عــہ: زید کی اصل عبارت میں تتخذون ہے۔

---

[1] القرآن ۱۸ /۲۱

تین لکھے ہیں:

اوّلاً تضییع مال۔

دوم چراغ کا آثار جہنم سے ہونا بوجہ ناریت۔

سوم تعظیم قبور۔

ہر گز ملا قاری نے گرد قبر کے چراغ جلانے کی اجازت نہیں دی ہے، یہ ان پر اتہام ہے۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جوانھوں نے وجوہ ممانعت لکھے ہیں کیا وہ گرد قبر کے چراغ جلانے سے جاتے رہیں گے جو وہ اجازت دیتے ہیں، بقسمِ شرعی باور کراتا ہوں کہ اگر کسی عالم مستند نے چراغاں قبر کے لیے جلانے کو جائز کردیا ہو تو میں پہلا شخص اس تاویل پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں گا، سچ یہ ہے کہ مجاوروں نے جن کے لیے قبور ذریعہ معاش ہیں انھوں نے ان باتوں کی ایجاد کی ہے۔ یہ سب بحث چراغ جلانے میں ہیں نہ کہ چراغاں میں، جو محض تعبدًا یعنی ازراہ تقرب کیا جاتا ہے، لوگ تیل بتی کی منت مانتے ہیں، سال کے سال شب عرس کو کرتے اور اس کو مذہبی فعل سمجھتے ہیں، اگر تقرب یعنی تعبد منظور نہیں ہوتا تو لوگ چراغاں بزرگوں کی قبر پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے! اس سے ظاہر ہے کہ منشاءِ چراغاں محض تقرب یعنی تعبد ہے۔ اگر ایسی تاویل جائز سمجھی جائے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ چراغ جلائے کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے، **استغفر الله**! یہ تو حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ اگر اس وعید کے بعد بھی کوئی شخص پھر اس میں خلاف کرے یا کٹ حجتی کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات قبر میں تصفیہ کے قابل ہے۔ موسٰی بدین خود، عیسٰی بدین خود، انتہی تحریر زید

اب جو کچھ از راہ انصاف و تتبع کتب حضرات اہلسنت والجماعت محقق ہووے اس سے معزز فرمائے، اور کیا یہ اقوال زید کے صحیح اور موافق سلف کے ہیں، بہ تشریح و تفصیل تام ارشاد ہو، اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ سَرْمَدًا، صَلِّ عَلٰی سِرَاجِكَ الْمُنِیْرِ وَاٰلِهٖ اَبَدًا یَا نُوْرَ النُّوْرِ یَانُوْرُ قَبْلَ كُلِّ نُوْرٍ بَعْدَ كُلِّ نُوْرٍ۔ لَكَ النُّوْرُ وَبِكَ النُّوْرُ وَمِنْكَ النُّوْرُ وَاِلَیْكَ النُّوْرُ وَاَنْتَ النُّوْرَ وَنُوْرَۃ النُّوْرِ صَلِّ عَلٰی	اے اللہ! تیرے لیے دائمی حمد ہے۔ اپنے سراج منیر اور ان کی آل پر ہمیشہ رحمت نازل فرما۔ اے نور، اے نور کے نور، اے ہر نور قبل نور، اے نور کے بعد نور، تیرے لیے نور ہے، تجھ سے نور ہے، تیری طرف نور ہے، تو نور اور نور کا نور ہے اپنے نور انوار پر، اور ان کی آل پر

نُوْرِكَ الْاَنْوَرَ وَاٰلِهِ السّرُجَ الْغُرَرِ وَصَحْبِهِ الْمَصَابِيْحِ الزُّهْرِ صَلٰوةً تُنَوِّرُ بِهَا وُجُوْهَنَا وَصُدُوْرَنَا وَقُلُوْبَنَا وَقُبُوْرَنَا اٰمِيْن۔	جو روشن چراغ ہیں اور ان کے اصحاب پر جو تابناک مصباح ہیں درود نازل فرما ایسا درود جس سے ہمارے چہرے، ہمارے سینے، ہمارے دل اور ہماری قبریں روشن ہو جائیں، الٰہی قبول فرما۔(ت)

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی قدسنا اللہ بسّرہ القدسی کتاب مستطاب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد دوم ص ۴۲۹ میں فرماتے ہیں:

قال الوالد رحمه الله تعالٰی فی شرحه علی شرح الدرر من مسائل متفرقة اخراج الشموع الی القبور بدعة اتلاف مال کذا فی البزازیة اھ وھذا کله اذاخلا عن فائدة واما اذاکان موضع القبور مسجدا اوعلی طریق اوکان ھناك احد جالس اوکان قبر ولی من الاولیاء اوعالم من المحققین تعظیمًا لروحه المشرقة علی تراب جسده کاشراق الشمس علی الارض اعلاماللناس انه ولی لیتبرکوا به ویدعوا الله تعالٰی عندہ فیستجاب لھم فھو ا مرجائز لامنع منه والاعمال بالنیات [1]۔	یعنی والد رحمہ اللہ تعالٰی نے حاشیہ درر و غرر میں فتاوٰی بزازیہ سے نقل فرمایا کہ قبروں کی طرف شمعیں لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے، یہ سب اس صورت میں ہے کہ بالکل فائدہ سے خالی ہو، اور اگر شمعیں روشن کرنے میں فائدہ ہو کہ موضع قبور میں مسجد ہے یا قبور سرراہ ہیں یا وہاں کوئی شخص بیٹھا ہے یا مزار کسی ولی اللہ یا محققین علماء میں سے کسی عالم کا ہے وہاں شمعیں روشن کریں ان کی روح مبارک کی تعظیم کے لیے جو اپنے بدن کی خاک پر ایسی تجلی ڈال رہی ہے جیسے آفتاب زمین پر، تاکہ اس روشنی کرنے سے لوگ جانیں کہ یہ ولی کا مزار پاک ہے تاکہ اس سے تبرک کریں اور وہاں اللہ عزوجل سے دعامانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو تو یہ امر جائز ہے اس سے اصلًا ممانعت نہیں، اور اعمال کا مدار نیتوں پر ہے،

پھر فرماتے ہیں:

روی ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما ان رسول الله صلی الله	ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

تعالٰی علیه وسلم لعن زائرات القبور و المتخذین علیها المساجد والسرج ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثا من غیر فائدة[1] ۔ کما ذکرنا۔	نے قبروں پر جانے والی عورتوں اور قبروں پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ رکھنے والوں پر لعنت فرمائی یعنی اُن لوگوں پر جو کسی فائدہ کے بغیر قبروں پر چراغ جلاتے ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے (ت)

یعنی یہ مذکورہ بالاحدیث کہ راویت کی گئی ہے۔ اس سے بھی مراد وہی صورت ہے کہ محض عبث بلافائدہ قبور پر شمعیں روشن کریں ورنہ ممانعت نہیں، ملاحظہ ہو وہی حدیث ہے وہی عبارت فتاوٰی بزازیہ ہے، ان علامہ جلیل القدر عظیم الفخر رحمہ اللہ تعالٰی نے ان کے معنی روشن فرمادئے اور تصریحًا ارشاد کیا کہ مقابر میں شمعیں روشن کرنا جب کسی فائدہ کے لیے ہو ہرگز منع نہیں، فائدہ کی متعدد مثالیں فرمائیں:

(۱) وہاں کوئی مسجد ہو کہ نمازیوں کو بھی آرام ہوگا اور مسجد میں بھی روشنی ہوگی۔

(۲) مقابر بر سرراہ ہوں روشنی کرنے سے راہ گیروں کو نفع پہنچے گا اور اموات کو بھی کہ مسلمان مقابر مسلمین دیکھ کر سلام کریں گے۔ فاتحہ پڑھیں گے، دعا کریں گے، ثواب پہنچائیں گے، گزرنے والوں کی قوت زائد ہے تو اموات برکت لیں گے، اور اگر اموات کی قوت زائد ہے تو گزرنے والے فیض حاصل کریں گے۔

(۳) مقابر میں اگر کوئی بیٹھا ہو کہ زیارت یا ایصال ثواب یا افادہ یا استغفار کے لیے آیا ہے تو اسے روشنی سے آرام ملے گا، قرآن عظیم دیکھ کر پڑھنا چاہے تو پڑھ سکے گا۔

(۴) وہ تینوں منافع مزارات اولیاء کرام قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم کو بھی بروجہ اولٰی شامل تھے کہ مزارات مقدسہ کے پاس غالبًا مساجد ہوتے ہیں، گزرگاہ بھی بہت جگہ ہے اور حاضرین زائرین خواہ مجاورین سے تو نادرًا خالی ہوتے ہیں مگر امام ممدوح ان پر اکتفانہ فرما کر خود مزارات کریمہ کے لیے بالتخصیص روشنی میں فائدہ جلیلہ کا افادہ فرماتے ہیں کہ ان کی ارواح طیبہ کی تعظیم کے لیے روشنی کی جائے۔

اقول: ظاہر ہے کہ روشنی دلیل اعتناء ہے اور اعتناء دلیل تعظیم۔ اور تعظیم اہل اللہ ایمان وموجب رضائے رحمان عزجلالہ۔ قال اللہ عزوجل:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾[2]	جو الٰہی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

[2] القرآن ۲۲/ ۳۲

وقال اللہ تبارك وتعالٰی

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ[1]۔	جو الٰہی آداب کی چیزوں کی تعظیم کرے تو اس کے لیے اس کے رب کے یہاں بہتری ہے۔

اس کی نظیر مصحف شریف کا مطلاً ومذہب کرنا ہے کہ اگرچہ سلف میں نہ تھا، جائز ومستحب ہے کہ دلیل تعظیم وادب ہے۔ درمختار میں ہے:

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[2]۔	مصحف شریف مطلاً ومذہب کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اس کی تعظیم ہے جیسا کہ مسجد کو منقش کرنے میں (ت)

یوں ہی مساجد کی آرائش ان کی دیواروں پر سونے چاندی کے نقش ونگار کہ صدرِ اول میں نہ تھے، بلکہ یہ حدیث میں تھا:

لتزخرفنّھا کما زخرفت الیھود والنصارٰی[3]۔ رواہ ابوداؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	تم مسجدوں کی آرائش کروگے جیسے یہود ونصارٰی نے آرائش کی، اسے ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مگر اب ظاہری تزک واحتشام ہی قلوب عامہ پر اثر تعظیم پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا ائمہ دین نے حکم جواز دیا۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[4]۔	گچ اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش بنانا مکروہ نہیں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ کما فی نقش المسجد ای ماخلا محرابہ ای بالجص وماء الذھب[5]۔	اس کا قول، جیسا کہ مسجد کی آرائش میں، یعنی محراب کے علاوہ، یعنی گچ اور سونے کے پانی سے۔ (ت)

[1] القرآن ۲۲/ ۳۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] سنن ابوداؤد باب فی بناء المسجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۵

[4] تبیین الحقائق فصل کرہ استقبال القبلہ مطبعۃ کبرٰی امیریہ مصر ۱/ ۱۶۸

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی البیع ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۴۷

(۳) یونہی مسجدوں کے لیے کنگرے بنانا کہ مساجد کے امتیاز اور دور سے ان پر اطلاع کا سبب ہیں، اگرچہ صدر اول میں نہ تھے، بلکہ یہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا تھا:

اِبْنُوْا الْمَسَاجِدَ واتخذوھا جُمًّا [1] ۔ رواہ ابن ابی شیبة والبیھقی فی السنن عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسجدیں مُنڈی بناؤ، اسے ابن ابی شیبہ نے اور سنن میں بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

اِبْنُوْا مَسَاجِدَکُمْ جُمًّا وَابْنُوْا مَدَآئِنَکُمْ مُشْرَفَةً [2] ۔ رواہ ابن ابی شیبة فی المصنف عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	یعنی مسجدیں مُنڈی بناؤ اُن میں کنگرے نہ رکھو، اور اپنے شہر اونچے کنگرے دار بناؤ__ اسے مصنف میں ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

مگر اب بلا نکیر مسلمانوں میں رائج ہے۔

وَمَارَاٰہُ الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَاللہِ حَسَنٌ [3] ۔	اور جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے یہاں بھی اچھا ہے (ت)

امام ابن المنیر شرح جامع صحیح میں فرماتے ہیں:

استنبط کراھیة زخرفة المسجد لاشتغال قلب المصلی بذٰلك اولصرف المال فی غیر وجھه نعم اذا اوقع ذلك علی سبیل تعظیم المساجد ولم یقع الصرف علیه من بیت المال فلا باس به ولواوصی بتشیید مسجد وتحمیرہ وتصفیرہ نفذت وصیّته لانه قدحدث للناس	یعنی حدیث سے مستنبط کیا گیا ہے کہ مسجدوں کی آرائش مکروہ ہے کہ نمازی کا خیال بٹے گا یا اس لیے کہ مال بیجا خرچ ہوگا۔ ہاں اگر تعظیم مسجد کے طور پر آرائش واقع ہو اور خرچ بیت المال سے نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، اور اگر کوئی شخص وصیت کر جائے کہ اس کے مال سے مسجد کی گچ کاری اور اس میں سرخ و زرد رنگ کریں تو وصیت نافذ ہوگی کہ لوگوں میں جیسی

[1] السنن الکبرٰی باب فی کیفیة بناء المسجد دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۹

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ادارۃ القرآن العلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۹

[3] مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۹

فتاوی بقدر ما احدثوا وقد احدث الناس مؤمنهم وکافرهم تشیید بیوتهم وتزیینها ولوبنینا مساجد نا باللبن وجعلنٰها متطامنة بین الدور الشاهقة و ربما کانت لاهل الذمة لکانت مستهانة [1]۔	نئی نئی باتیں پیدا ہوتی گئیں ویسے ہی ان کے لیے فتوے نئے ہوئے کہ اب مسلمانوں کافروں سب نے اپنے گھروں کی گچکاری اور آرائش شروع کردی، اگر ہم ان بلند عمارتوں کے درمیان جو مسلمین تو مسلمین کافروں کی بھی ہوں گی کچّی اینٹ اور نیچی دیواروں کی مسجدیں بنائیں تو نگاہوں میں ان کی بے وقعتی ہوگی۔

اسی قبیل سے ہے مزارات اولیاء کرام وعلمائے عظام قدست اسرارہم پر عمارات کی بناء کہ باوصف حدیث مسلم وابوداؤد ونسائی ومسند احمد:

عن جابر رضی الله تعالٰی عنه نهی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان یقعد علی القبروان یجصص وان یبنی علیه [2]۔	حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبر پر بیٹھنے، اسے گچ سے پکی کرنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔(ت)

جس میں صراحۃً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی ہے سلفاً وخلفاً ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے جائز رکھی تکملہ مجمع بحار الانوار جلد ثالث صفحہ ۱۴۰ میں ہے:

قد اباح السلف البناء علی قبور الفضلاء الاولیاء والعلماء لیزورهم ویستریحون فیه [3]۔	بیشک ائمہ سلف صالحین نے اہل فضل اولیاء وعلماء کے مزارات طیبہ پر عمارت بنانا مباح فرمادیا کہ لوگ ان کی زیارت کریں اور ان میں راحت پائیں۔

جواہر اخلاطی میں ہے:

هو وان کان احداثا فهو بدعة حسنة وکم من شیئ کان احداثا وهو بدعة حسنة وکم من شیئ یختلف باختلاف	یعنی یہ اگرچہ نَو پیدا ہے پھر بھی بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں ہیں کہ نئی پیدا ہوئیں اور ہیں اچھی بدعت، اور بہت احکام ہیں کہ زمانے یا مقام کی تبدیلی سے

[1] ارشاد الساری شرح البخاری باب بنیان المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۴۰

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز البناء علی القبر نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۲

[3] تکملہ بحار الانوار تحت لفظِ قبر منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۴۰

الزمان والمکان۔[1]	بدل جاتے ہیں۔

یعنی ایسی جگہ احکامِ سابقہ سے سند لانا حماقت ہے، جو حاجت اب واقع ہوئی اگر زمانہ سلف میں واقع ہوتی تو وہ بھی حکم کرتے جو اس وقت ہم کرتے ہیں، جیسے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا:

لَوْرَاٰی النّبِی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مَااَحْدَثَ النِّسَآءُ لَمَنَعَھُنَّ الْمَسَاجِدَ کَمَا مُنِعَتْ نَسَاءُ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ[2]۔	یعنی اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب تک نکالی ہیں، انھیں مسجدوں سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجدوں سے منع کیا گیا تھا۔ (ت)

اور آخر ائمہ دین نے عورات کو مسجدوں سے منع فرما ہی دیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

اَتَمْنَعُوْا اِمَاءَ اللہِ مَسَاجِدَ اللہِ[3]۔ رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اللہ تعالٰی کی باندیوں کو اللہ تعالٰی کی مسجدوں سے نہ روکو اسے امام احمد ومسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (ت)

کیا ائمہ دین نے نظر بحال زمانہ جو حکم فرمایا اسے حدیث کی مخالفت کہا جائے گا؟ حاش للہ! ایسا نہ کہے گا مگر احمق، کج فہم، یوں ہی یہ تازہ تعظیموں کے احکام ہیں۔ سلف صالحین کے قلوب تعظیم شعائر اللہ سے مملو تھے۔ ظاہری تزک واحتشام کے محتاج نہ تھے، تو ان کے وقت میں یہ باتیں عبث وبے فائدہ تھیں اور ہر عبث مکروہ۔ اور اس میں مال صرف کرنا ممنوع، اب کہ بے تزک واحتشام ظاہری قلوب عوام میں وقعت نہیں آتی ان باتوں کی حاجت ہوئی، مصحف شریف پر سونا چڑھانے کی اجازت ہوئی مسجدوں میں سونے کے کلس، سونے چاندی کے نقش نگار کی اجازت ہوئی، مزارات پر قبہ بنانے، چادر ڈالنے، روشنی کرنے کی اجازت ہوئی، ان تمام افعال پر بھی احادیث واحکام سابقہ پیش نہ کرے گا مگر سفیہ ونافہم۔ یہ مختصر شرح ہے اس ارشاد امام ممدوح قدس سرہ کی، اور اس کی تفصیل بازغ وتحقیق بالغ ہمارے رسالہ طوالع النور فی حکم السراج علی القبور میں ہے وباللہ التوفیق۔

یہی امام جلیل کشف النور میں، پھر علامہ شامی ردالمحتار فصل اللبس اور عقود الدریہ مسائل شتی میں مزارات اولیاء کرام پر غلاف ڈالنے کی نسبت بھی اسی تعظیم سے استدلال فرماتے ہیں کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الاحسان والکراہیۃ قلمی نسخہ ص ۱۶۸۔ بی

[2] صحیح مسلم باب خروج الفساد الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۸۳

[3] صحیح مسلم باب خروج الفساد الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۸۳

اپنے فتاوٰی میں اسے بیان کیا ہے۔ت) اس کے علاوہ خاص روشنی مزار کریم کی نسبت ان سے بھی بہت اقدم امام اجل واقلم کا ارشاد بعونہٖ تعالٰی عنقریب آتا ہے۔ زید نے ایک ہی عالم مستند کا قول ملنے پر قبول وسرنہادن کا وعدہ کیا تھا۔ ان تحقیقات ائمہ مستندین اجلّہ معتمدین و وعدہ زید کے بعد زیادہ کی حاجت نہیں، مگر اجمالاً بعض جملے اور گزارش ہوں کہ عوام بھائی شبہہ میں نہ پڑیں، **واللہ الموفق**:

(۱) امام ممدوح قدس سرہ نے جس طرح اصل مسئلہ کا فیصلہ فرمایا، زید کے اس بے معنٰی اعتراض کی بھی کہ "اہل اللہ کے مزار پر کرتے ہیں معمولی آدمی کی قبر پر نہیں کرتے" غلطی ظاہر فرمادی کہ ان پہلے تین فوائد عامہ کے بعد چوتھے فائدہ میں خاص مزارات اولیاء کرام کی تخصیص فرمائی، نیز اس کا وجوب ائمہ سلف دے چکے ہیں جن کا ارشاد مجمع بحارالانوار سے گزرا کہ مزارات اولیاء کرام وعلمائے عظام پر بنائے عمارت جائز ہے، عوام وفساق کی قبور پر کیوں نہ اجازت دی،

اقول: آدمی اگر آیہ کریمہ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ[1] (وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ ان کی پہچان ہو جائے تو انھیں ایذا نہ دی جائے، ت) کہ حکمتِ جلیلہ سے آگاہ ہو جس سے وجہ استنباط طوالع النور میں مذکور تو ایسا مہمل اعتراض ہر گز خیال میں بھی نہ آئے۔ امام ممدوح قدس سرہ نے زید کے اس سوال کا کہ "بزرگوں کی قبروں پر کیوں کرتے ہیں، کسی فاسق وفاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے" جواب ارشاد فرمایا کہ **تعظیمًا لروحہ المشرقۃ علٰی تراب جسدہ**[2] الخ یعنی ان کی روح کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے اس سے تبرک وتوسل کرو کہ تمھاری دُعا مستجاب ہو۔

امام ممدوح قدس سرہ نے زید کے اس توہم کا بھی علاج فرمادیا کہ **تعظیما لروحہ** (ان کی روح کی تعظیم کے لیے۔ت) **معاذ اللہ!** یہ تو ان کی عبادت نہیں ان کی روح پاک کی تعظیم ہے۔ ہر تعظیم عبادت ہو تو تعظیم انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام تو نصوص قطعیہ قرآن عظیم سے فرض ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ[3]۔	ہم نے اپنے رسول کو اس لیے بھیجا کہ اے لوگو! تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

وقال تبارک وتعالٰی:

---

[1] القرآن ۳۳/ ۵۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

[3] القرآن ۴۸/ ۹

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الی قول عزوجل فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ [1]	وہ جو پیروی کریں گے اس رسول نبی اُمی یعنی بے پڑھے غیب کے علوم جاننے بتانے والے کی، توجو اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کی مدد کریں اور اس کے ساتھ جو نور اترا اس کے پیرو ہوں وہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَیۡتُمُ الزَّکٰوۃَ وَاٰمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡہُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُکَفِّرَنَّ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّکُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۚ [2]	بیشك اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دیا کرو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور میرے رسولوں کی تعظیم کرو اللہ کے لیے قرض حسن دو تو ضرور میں تمھارے گناہ تم پر سے اتار دوں گا ضرور تمھیں بہشتوں میں داخل فرماؤں گا جن کے نیچے نہریں بہیں۔

بلکہ قرآن عظیم نے تو ماں باپ کی تعظیم بھی فرض کی۔ قال اللہ تبارك وتعالٰی:

وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ [3]	اور جھکادو تم ان (ماں باپ) کے واسطے نرمی کے بازو رحمت سے۔

کیا معاذ اللہ قرآن عظیم نے انبیاء و والدین کی عبادت کا حکم فرمایا ہے!

(۴) امام ممدوح قدس سرہ نے شبہہ تعظیم قبر کا بھی جواب فرمادیا کہ:

تعظیما لروحه الی قوله قدس سرہ والاعمال بالنیات [4]	یعنی تعظیم خشت وگل نہیں بلکہ روح محبوب کی تعظیم مقصود ہو جو بلاشبہہ محمود ہے اور اعمال کا مدار نیت پر ہے۔

اللہ اللہ! کیسے نفیس وجامع کلمات ارشاد فرمائے، گویا اپنے نور باطن سے ادراك فرمالیا تھا کہ زید وامثالہ کو یہ شبہات عارض ہوں گے، سب کا جواب ان دو لفظوں میں فرمادیا کہ تعظیما لروحہ۔

---

[1] القرآن ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن ۵/ ۱۲

[3] القرآن ۱۷/ ۲۴

[4] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

(۵) زید نے کبھی تعبد کو تقرب سے تعبیر نہیں کیا کہ "محض تعبداً یعنی ازراہ تقرب کیا جاتا ہے" اور کبھی تقرب کو تعبد سے تفسیر کیا کہ "اگر تقرب بمعنی تعبد منظور نہیں تقرب یعنی تعبد ہے" گویا اس کے خیال میں تقرب و تعبد شیئ واحد یعنی ایک ہی چیز ہے، یہ محض باطل ہے، بلکہ تقرب تعبد کے اعم سے اعم ہے، تعبد سے تعظیم اعم ہے کما علمت (جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ۔ت) اور تعظیم سے تقرب اعم ہے کہ بنائے رباط وارسال ہدایا۔ تقرب ہے تعظیم نہیں **وتفصیل المقام فی تعلیقاتنا علی ردالمحتار** (اور اس مقام کی تفصیل ہمارے حاشیہ ردالمحتار میں ہے۔ت)

(۶) اسے تقرب بروجہ تعبد بتانا مسلمانوں پر کیسی سخت بدگمانی اور اس پر جزم کرنا مسلمان پر کیسا صریح ظلم وافتراء ہے۔ درمختار میں منیۃ الفتاوٰی وذخیرۃ وشرح وہبانیہ سے ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الاٰدمی بھٰذا النحو۔[1]	کسی مسلمان کے متعلق ہم یہ بدگمانی نہیں کرسکتے کہ وہ کسی انسان کی طرف اس طرح کا تقرب کرے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجه العبادۃ لانه المکفر وھذا بعید من حال المسلم۔[2]	یعنی عبادت کے طور پر تقرب اس لیے کہ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے اور یہ مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ (ت)

طرفہ یہ کہ زید نے کہا "پیرزادے اس کو کرتے چلے آئے ہیں مگر پیرزادہ گان صالح ہوں، اہل اللہ ہوں معصوم نہیں، جہاں ہزاروں نیک کام مشائخ زمانہ کرتے ہیں، ایک یہ ناجائز بھی کسی مصلحت سے کرلیا، خدا معاف کرنے والا ہے۔" سبحان اللہ! صالح بھی ہیں، اہل اللہ بھی ہیں، اور غیر خدا کے عابد بھی ہیں، اس سے بڑھ کر محال کیا ہوگا!

(۸) جب زید کے نزدیک وہ تعبد ہے تو قطعاً شرک ہوا، اور شرک ہرگز معاف نہ ہوگا اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ[3] (بیشک اللہ شرک کو نہیں بخشتا۔ت) پھر اس جملہ کا کیا محل رہا کہ "خدا معاف کرنے والا ہے۔"

(۹) جب ہزارہا بندگان صالحین واہل اللہ پر یہاں تک بدگمانی ہے کہ تعبد غیر کا الزام ان کے سر تھوپا جاتا ہے، اور نہ صرف ظن بلکہ اس پر جزم کیا جاتا ہے۔ تو اس کی کیا شکایت کہ فقیر کے پاس سے جواب مسئلہ نہ پہنچنے کو پیرزادوں کی رعایت کے سبب سکوت عن الحق پر محمول کیا، فتاوٰی میں اس سوال کے جواب میں، متعدد مقامات پر مذکور سالہا سال سے اس پر مستقل فتوٰی مرقوم۔ خاص اس باب میں چھبیس برس سے رسالہ "طوالع النور" مکتوب،

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۵/ ۱۹۷

[3] القرآن ۴/ ۴۸

پھر رعایت وخوف سے سکوت کیا معنی ! فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کار فتوٰی اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ شہر ودیگر بلاد امصار جملہ اقطار ہندوستان وبنگال وپنجاب وملیبار وبرہما وارکان وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین شریفین محترمین سے استفتاء آتے ہیں اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے ہیں۔ اس میں اگر جواب میں تاخیریں ہوں یا بعض استفتاء تحریرِ جواب سے رہ جائیں تو کیا جائے شکایت ہے لایکلف لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] (خدا کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ت) ان صاحب کا استفتاء باوصف تلاش کاغذات میں نہ نکلا، ممکن ہے کہ ہجوم انبار میں نہ ملا ہو یا آیا ہی نہ ہو یا بھیجا ہی نہ ہو اور جس طرح اہل اللہ پر تعبد غیر کا خیال بندھ گیا اس کا بھیجنا متخیل ہوا ہو۔ بہر حال رعایت کی صورت یہ نہیں ہوتی، ہاں ہاں ! کھلی کھلی رعایت واغماض اور اپنے ساختہ متبوع کی خاطر حق سے صریح اعراض وہ ہے جو حضرات دیوبند کرتے ہیں، اسمٰعیل دہلوی صاحب نے اپنی کتاب مسمّٰی بہ "ایضاح الحق" میں زمان ومکان وجہت سے اللہ عزوجل کو منزہ ماننا اور اس کے دیدار بلاکیف وجہت ومحاذات حق جاننا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے بتایا جبکہ اس عقیدہ کو کوئی دینی عقیدہ تصور کرے جس سے صاف روشن کہ مذہبی طور پر اللہ عزوجل کو زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف ماننا ضلالت وگمراہی وفی النار ہے۔ اور اہل سنت کے تمام ائمہ سلف وخلف معاذاللہ سب بدعتی وگمراہ تھے، ایک مسلمان نے دہلوی صاحب کے اس اقوال کا دیوبندی صاحبوں سے استفتاء کیا اور حسبِ دستور مسائل عمرو، بکر لکھ کر دریافت کرتے ہیں دہلوی صاحب کا نام نہ لکھا اس پر عالیجناب شیخ الگنا گہہ جناب مولوی رشید احمد) گنگوہی صاحب نے یہ جواب تحریر فرمایا:

الجواب:

"یہ شخص اہلسنت وجماعت صالحین سے جاہل اور بے بہرہ ہے اور یہ اعتقاد اور مقولہ جو درج سوال ہے کفر ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ حضرت سلف صالحین اور ائمہ دین کا یہی مذہب ہے اور یہی احادیث صحیحہ وکلام شریف کی آیات سے ثابت ہے کہ حق تعالٰی جل شانہ زمان ومکان وجہت سے پاک ہے، اور دیدار اس کا بہشت میں مسلمانوں کو نصیب ہوگا، چنانچہ عقاید اس سے مشحون ہیں، واللہ تعالٰی اعلم، بندہ رشید احمد گنگوہی۔" اور اس پر حضرات دیوبند مولوی محمود حسن صاحب وعزیز الرحمان صاحب وغیرہما نے مہریں کیں، اور جناب اسمٰعیل صاحب دہلوی پر بددین، ملحد، زندیق کی چوٹیں جڑیں، علی الخصوص ہمارے ذکر کے قابل عالیجناب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب ہیں جنھوں نے اس حکم کفر دہلوی صاحب پر یوں تصدیق فرمائی: "الجواب الصحیح۔اشرفعلی عفی عنہ"۔

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

جب حضرات یہ فتوی دے چکے، اب مسلمانوں نے پندرہ سوال کا استفتاء ان حضرات سے کیا اور اسمٰعیل دہلوی صاحب اور ان کی ناقص کتاب "ایضاح الحق" کانام وکلام کھول کر دکھایا کہ مفتی صاحبو! وہ شریعت کا حکم اب بھی مانو گے یا طائفہ کے پیر جی کو خدا کی حکومت سے باہر جانو گے؟ ۲۸ صفر ۱۳۲۹ھ کو یہ استفتاء طبع ہو کر شائع ہوا، تین برس ہونے کو آئے ہیں سب صاحب ساکت وخاموش درخوابِ خرگوش، مشکل تو یہ ہے کہ بولیں تو کیا بولیں، قسمت کا لکھا کیونکر دھولیں، اپنے منہ اپنے امام الطائفہ پر کفر کا فتوی لگا چکے ہیں اب اس سے پھریں تو کیونکر، اور امام الطائفہ پر حکمِ کفر کریں تو کیونکر؟ اب وہ فتوی سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہوگیا کہ اگلے تو اندھا، نگلے تو کوڑھی، چار ناچار سکوت کی اوڑھی، اسے حق پوشی کہتے ہیں، اسے ناحق کوشی کہتے ہیں، اسے پیر جی پرستی کہتے ہیں، اسے بادہ خیانت کی بدمستی کہتے ہیں، بلا پس ہو، جواب نہ دیتے دل میں پشیماں تو ہوتے کہ جسے خود اپنے فتووں میں کفر بکنے والا، بددین ملحد، زندیق لکھ چکے، اب تو اس کی غلامی چھوڑیں، اسے پیشوا ماننے سے منہ موڑیں، مگر حاشا ؎

چھٹتی کہاں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

اب تک وہ ویسا ہی چنین وچناں، ویسا ہی امام، یہ اس کے ویسی ہی چناں چنیں، ویسے ہی غلام۔

مسلمانو! انصاف کرو، یہ کون سادین ہے، کون سی دیانت ہے، اور اس پر ادعائے ایمان وامانت ہے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

مسلمانو! اس کا تعجب نہیں کہ اللہ واحد قہار محمد رسول اللہ سید الابرار جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سخت سے سخت توہینیں کرنے والے کیوں اپنے باطل پر ایسے اڑے ہیں؟ کیوں چاہِ ضلالت میں اوپر تلے یوں اوندھے پڑے ہیں، عجب تو یہ ہے کہ دیکھنے والے یہ کچھ ان کے کوتک دیکھیں اور پھر ان کے جُبّہ ودستار کے دام میں پھنسیں، گویا یہ حرکات ایک سہل سی بات، ناقابل التفات، کوئی کسی کا دس پانچ روپے کا مال چرالے یا دغا سے دبالے ہمیشہ کو نظروں سے گرجائے، چور دغا باز نام قرار پائے۔ اور معاذ اللہ! اگر کوئی کسی مشہور بنام علم پر ایسا الزام عائد ہو تو اس کی تشہیر حد سے زائد ہو، دس پانچ روپے کا جُرم یوں ناقابل تلافی، اور خاص دین ومذہب وعقائد میں ایسی چوری خیانت سب معافی، معافی کیسی خطا ہی نہیں، وضوئے تمیز کبھی ٹوٹا ہی نہیں، یہ کیا ظلم ہے؟ کیا بے پروائی ہے، کیسی آنکھوں پر چربی چھائی ہے۔ مسلمانو! آنکھ کھولو، ورنہ پیشی فرداکے لیے مستعد ہولو ؎

بروز حشر شود ہمچو صبحِ معلومت | کہ باکہ باختہ عشق درشبِ دیجور

(حشر کے دن صبح کی طرح تجھ پر واضح ہوگا کہ تو نے اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی ہے۔ت)

اس تمام شرمناک واقعہ کی تفصیل اور وہ پندرہ سوال ایک مختصر رسالے "دیوبندی مولویوں کا ایمان" میں ہے،

اسے ملاحظہ کیجئے، کہ حق واضح ہے اور خیانت و حق پوشی دونوں کی پوری پہچان ہے۔ جس صاحب کو انکار ہو، گنتے گنتے بھول گئے، پھر گن لو، جناب مولوی تھانوی صاحب سے ان سوالوں کے جواب دلوالو، بہادری تو جب ہے کہ ان کے منہ کی مہر کھلوالو۔ کچھ ایسا بہت سا قضیہ نہیں، کچھ علمی مباحث دقیقہ نہیں، حق گوئی حق پوشی کا سیدھا سا امتحان ہے کہ دہلوی صاحب کا جب تک نام معلوم نہ تھا کفر والحاد کا حکم مرقوم تھا، اب کہ قائل معلوم ہوا کہ وہ حکم کس لیے معدوم ہوا، کیا کوئی نئی شریعت آگئی، تحذیر الناس نئی نبوت کا سکہ جماگئی جس نے شریعت مصطفویہ علٰی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ منسوخ کردی۔ امام جی کی قبر اَمۡ لَکُمۡ بَرَآءَۃٌ فِی الزُّبُرِ (کیا تمھارے لیے کتابوں میں کوئی براءت ہے۔ت) سے بھردی، اور اگر نہیں تو کیوں نہیں اپنے ہونٹ کھولتے؟ کیوں نہیں وہ حکمِ کفر والحاد بولتے؟ بیّنوا توجّروا، بیّنوا توجّروا، بیّنوا توجروا (بیان کرکے اجر پاؤ۔ ت) اور نہیں تو زید صاحب ہی اتنا ثواب لیں اس فتوے کے ساتھ وہ سوال بھی حاضر ہوتے ہیں حضرت تھانوی صاحب سے اب جواب لیں، زید صاحب کی تحریر پکار رہی ہے کہ ان کو انصاف وحق جوئی سے دلچسپی ہے وہ ضرور تھانوی صاحب کی خبر لیں گے اور اب جواب نہ ملنے پر انصاف کرلیں گے، اے رب توفیق دے، ہدایت طریق دے، آمین آمین، والحمد ﷲ رب العالمین۔

(۱۰) اب زید صاحب کے حوالوں پر نظر ڈالئے، درمختار کا حوالہ محض غلط ہے۔

(۱۱) عالمگیری کی عبارت میں لااصل لہ (اس کی کوئی اصل نہیں۔ت) اپنی طرف سے بڑھالیا۔

(۱۲) بزازیہ کی عبارت سے واتلاف مالٍ (مال کا ضیاع۔ت) کم کردیا جس سے علتِ منع ظاہر ہوتی کہ جہاں بے فائدہ محض ہے وہاں ممانعت ہے۔

(۱۳) پھر اس کی کیا شکایت کہ عالمگیری میں اِلٰی رَاْسِ الْقُبُوْرِ (قبروں کے سرہانے۔ت) تھا، اسے اَلَی الْمَقَابِرِ (قبروں کی طرف۔ت) بنالیا تاکہ عموم بڑھ جائے۔

(۱۴) ہاں پوری چالاکی یہ ہے کہ عبارت عالمگیری سے فِی اللَّیَالِی الْاَوَّلِ (پہلی چند راتوں میں۔ت) کا لفظ اڑادیا، عالمگیری کی اصل عبارت یہ ہے:

اِخْرَاجُ الشُّمُوْعِ اِلٰی رَاْسِ الْقُبُوْرِ فِی اللَّیَالِی الْاَوَّلِ بِدْعَۃٌ کَذَا فِی السِّرَاجِیَّۃِ۔[1]	یعنی موت کی پہلی چند راتوں میں شمعیں گھروں سے قبروں کے سرہانے لے جانا بدعت ہے، ایسا ہی فتاوٰی سراجیہ میں ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

فتاوٰی سراجیہ دیکھئے اس میں بھی یہ عبارت بعینہٖ اسی طرح ہے۔ اس کے بعد اتنا زائد ہے۔

ذکرہ الشیخ الامام الزاھد الصفار البخاری رحمہ اللہ تعالٰی فی کتاب الاعتقاد[1]۔	یہ مسئلہ شیخ امام زاہد صفار بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔

ظاہر ہے کہ یہاں قبور عوام کا ذکر ہے کہ اعراس طیبہ یا مزارات اولیاء کی روشنی فقط پہلی چند راتوں میں نہیں ہوتی، اور ظاہر ہے کہ وہ ایک عادت خاصہ کا بیان ہے ورنہ لیالی اول کی تخصیص بے وجہ تھی، اب جس طرح یہاں جہّال میں رواج ہے کہ مردہ کی جہاں کچھ زمین کھود کر نہلاتے ہیں جسے عوام لحد کہتے ہیں، چالیس رات چراغ جلاتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ چالیس شب روح لحد پر آتی ہے اندھیرا دیکھ کر پلٹ جاتی ہے، یوں ہی اگر وہاں جہال میں رواج ہو کہ موت سے چند رات تک گھروں سے شمعیں جلا کر قبروں کے سرہانے رکھ آتے ہوں اور یہ خیال کرتے ہوں کہ نئے گھر میں بے روشنی کے گھبرائے گا۔ تو اس کے بدعت ہونے میں کیا شبہہ ہے۔ اور اس کا پتا یہاں بھی قبروں کے سرہانے چراغ کے لیے طاق بنانے سے چلتا ہے، اور بیشک اس خیال سے جلانا فقط اسراف و تضییع مال ہی نہیں کہ محض بدعت عمل ہو، بلکہ بدعتِ عقیدہ ہوئی کہ قبر کے اندر روشنی واموات کا اس سے دل بہلنا سمجھا، ولہٰذا امام صفار رحمہ اللہ تعالٰی نے اس مسئلہ کو کتاب الاعتقاد میں ذکر فرمایا۔ اب ملاحظہ ہو کہ اس روایت کو ہمارے مسئلہ سے کیا تعلق رہا! وَالْاِحْتِمَالُ یَقْطَعُ الْاِسْتِدْلَالَ (اور احتمال، استدلال ختم کردیتا ہے۔ت)

(۱۵) اس روایت میں اخراج کا لفظ بھی قابل لحاظ ہے، قبور عوام ہی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہاں نہ کوئی مکان ہوتا ہے نہ حاضر رہنے والے، نہ کوئی سامانِ روشنی، گھر ہی سے چراغ لے جانا پڑتا ہے بخلاف مزاراتِ طیبہ کے کہ وہاں گھر سے لے جانے کی حاجت نہیں ہوتی، تو ذکر قبور عوام ہی کا ہے، اور اگر زید نہ مانے اور اسے چراغاں مزارات طیبہ کی نسبت جانے تو آٹھ برس سے تو اس روشنی کا ثبوت ہوگیا، جسے زید نے مشائخ زمانہ کا فعل کہا کہ امام زاہد صفار رحمہ اللہ تعالٰی کی وفات ۵۳۴ھ میں ہے[2] کمافی الطبقات الکبری وکشف الظنون (جیسا کہ طبقات کبرٰی اور کشف الظنون میں ہے۔)

(۱۶) سب سے زیادہ خوفناک تحریف یہ ہے تَتَّخِذُوْنَ عَلَیْہِمْ مَسَاجِدَ کو قرآن عظیم کا لفظ کریم بنالیا، حالانکہ یہ جملہ قرآن عظیم میں کہیں نہیں، یہ تینوں لفظ متفرق طور پر ضرور قرآن عظیم میں آئے ہیں مثلا تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ[3]۔ اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ[4]۔ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْہَا اسْمُ اللّٰہِ[5]۔ مگر اس ترکیب و ترتیب سے کہیں نہیں۔

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراہیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۷۳

[2] کشف الظنون

[3] القرآن ۲۶ / ۱۲۹

[4] القرآن ۱/ ۷

[5] القرآن ۲/ ۱۱۴

سورہ کہف میں یُوں ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾ [1]	وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے تھے قسم ہے کہ ہم تو ان پر مسجد بنائیں گے۔(ت)

پھر بھی دیوبندی صاحبوں کے حال سے غنیمت ہے کہ وہ تو انوکھی کتابیں دل سے گھڑلیتے ہیں، اُن کے صفحے بنالیتے ہیں، ان کی عبارتیں دل سے تراش لیتے ہیں، اور اکابر اولیائے کرام وعلمائے عظام کی طرف نسبت کردیتے ہیں، دیکھو دیوبندیوں کی لال کتاب "سیف النقی" اور اس کے رَد میں العذاب البیئس وغیرہ تحریرات کثیرہ۔ ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۱۷) زید کو اقرار ہے کہ فعل مشائخ قدیم چلا آتا ہے اگرچہ کہیں تو انھیں مشائخ زمانہ لکھا، کہیں پیرزادے اور کہیں مجاور، جن کے لیے قبور ذریعہ معاش ہیں، مگر شروع میں تحریر فرماچکے ہیں کہ "میں بقسم شرعی باور کراتا ہوں کہ میں نے کوشش کی کہ چراغانِ قبور کا کسی تاویل سے استحسان ثابت ہوجائے تو میں رسمِ قدیم کی مخالفت نہ کروں۔" اور اُس کا جواب وہ دیا کہ "پیرزادگان صالح ہوں، اہل اللہ ہوں۔ معصوم نہیں۔" زید صاحب معصوم کے سوا کسی کی نہیں مانتے، مگر افسوس، جب وہ صالحین ہیں، اہل اللہ ہیں تو یہی عالمگیری جس کی سند سے آپ انھیں بدعتی بنانا چاہتے ہیں ان کے افعال کو دین میں سند وحجت بتاتی ہے، فتاوٰی عالمگیری میں مشائخ کرام ہی کے ذکر میں ہے:

یتمسك بافعال اھل الدین کذافی جواھر الفتاوٰی [2]۔	تمسک کیا جائے اہل دین کے افعال سے۔ ایسا ہی جواہر الفتاوٰی میں ہے۔

(۱۸) سرکار اعظم حضور پرنور مدینہ طیبہ صلی اللہ تعالٰی علٰی من طیبہا وآلہٖ وبارک وسلم میں وہ جلیل وجمیل روشنی، وہ جانفزا دلکشا روشنی، وہ دل افروز وہابی سوز روشنی کہ نہایت تزک واحتشام سے ہوتی ہے، اس کے جواب میں زید نے یہ تاویل گھڑی کہ وہ روشنی مسجد کریم کے لیے ہے، نہ کہ مزارِ اقدس کے واسطے صلی اللہ تعالٰی علی صاحبہٖ وآلہٖ وبارک وسلم۔ شاید زید کو زیارت سراپا طہارت نصیب نہ ہوئی، اپنے قصبہ کی کسی مسجد پر قیاس کیا جہاں دمڑی کے چراغ میں دھیلے کا تیل، وہاں کے فرشی جھاڑوں اور کثیر التعداد فانوسوں اور ہزارہا روپے کے شیشہ آلات اور ان کی دل نواز جگمگاہٹ دیکھو تو آپ کی خشن بے ذوق طبیعت کے طور پر یہ مسجد کے لیے کب جائز ہو، وہی بزازیہ جس سے یہ سند لائے اسی کی دربارہ مسجد بھی سنیے، اس کی کتاب الوصایا فصل اول میں ہے:

---

[1] القرآن ۱۸ /۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السابع عشر فی الغناء واللھو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۵۱

قال ثلث مالی فی سبیل اللہ ففی النوازل لو صرف الی سراج المسجد یجوز لکن الی سراج واحد فی رمضان وغیرہ[1]۔	یعنی اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہِ خدا کے لیے کرے تواس سے مسجد کا چراغ بھی جلاسکتے ہیں، مگر صرف ایک چراغ، رمضان ہو یا غیر رمضان۔ یعنی اگر کوئی اپنے تہائی مال کی وصیت راہِ خدا کے لیے کرے تواس سے مسجد کا چراغ بھی جلاسکتے ہیں، مگر صرف ایک چراغ، رمضان ہو یا غیر رمضان۔

(۱۹) زید صاحب کو چاہئے ذراحج وزیارت سے مشرف ہو وہاں ان مسجد الحرام شریف میں کچھ ہانڈیاں گرد مطاف نظر آئیں گی کہ ساری مسجد کریم کو پوری روشنی نہیں دیتی، اور سرکارِ اعظم میں وہ نظر آئے گا جس سے آنکھیں چندھیا جائیں، اگر یہ روشنی مسجد کے لیے ہوتی تو مسجد الحرام شریف زیادہ مستحق تھی کہ وہ مسجد مدینہ طیبہ سے افضل بھی ہے اور وسعت میں بھی کئی حصے زیادہ۔ نہیں نہیں، بالیقین وہ تجمل روضہ پر انوار حضور سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہیں، جسے ہر سمجھ والا بنگاہ اولین ادراک کرلیتا ہے۔ میرے دل سے ان لفظوں کا ذوق نہیں جاتا جو ایک مسلمان زائر نے حج کے بعد شان و تجمل روضہ انور دیکھ کر کہے تھے کہ یہاں شانِ محبوبیت کھلتی ہے۔ اس نے کہ گھر سے پاک ہے اپنا گھریوں سادہ رکھا ہے اور کاشانہ محبوب کے یہ سازوسامان ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ دیکھیے نگاہ ظاہر پر اس شان وشکوہ کا کیسا اثر پڑا کہ اس ناظر کے دل میں ایمان جگمگا اٹھا۔ اسی حکمت کے لیے تو علمائے کرام نے تجمل ظاہر پسند فرمایا ہے۔ ورنہ حاشا اللہ۔

حاجت مشاطہ نیست روئے دلآرام را

(دل کو سکون دینے والے چہرے کے لیے آرائش کی ضرورت نہیں۔ ت)

اللھم ارزقنا الایمان الکامل وامتنا علیہ بجاہ جیبك وعروس مملکتك صلی اللہ علیہ وعلٰی اٰلہ وبارك وسلم۔ اٰمین۔	اے اللہ! ہمیں ایمانِ کامل نصیب کر اور اسی پر موت دے اپنے حبیب اور اپنے عروس مملکت کے طفیل۔ اللہ تعالیٰ ان پر اور ان کی آل پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ الٰہی قبول فرما! (ت)

(۲۰) مسجد میں روشنی خشت وگل کی ذات کے لیے نہیں ہوتی بلکہ نمازیوں کے واسطے، بلکہ نماز میں بھی اصل نظر صرف فرائض پر مقصود ہے کہ اصالتًا بنائے مسجد انہی کے لیے ہے۔ ولہذا جہاں تہجد وغیرہ نوافل خواں وذاکرین شب بھر مسجد میں رہتے یا رات کے سب حصّوں میں ان کی آمد ورفت مسجد میں رہتی ہو، اور اس وجہ سے وہاں شب بھر روشنی رکھنے کی عادت ہو یا واقف نے خود اس کی تصریح کردی ہو، ایسی جگہ کے علاوہ باقی تمام مساجد میں تہائی رات کے بعد روشنی گل کردینے کا حکم ہے کہ اب اسراف وتضییعِ مال ہے۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۵

فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی علمگیریہ وغیرہ میں ہے:

لاباس بان یترك سراج المسجد الی ثلث اللیل ولایترك اکثر من ذٰلك الااذا شرط الواقف ذٰلك اوکان ذٰلك معتادًا فی ذٰلك الموضع [1]۔	مسجد کا چراغ مسجد میں تہائی رات تک جلتا چھوڑ دینے میں حرج نہیں، اور اس سے زیادہ نہ جلایا جائے، لیکن جبکہ واقف نے اس کی شرط رکھی ہو یا وہاں اس کا رواج ہو۔ (ت)

سراج وہاج پھر ہندیہ میں ہے:

لو وقف علی دھن السراج المسجد لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین وجوز الی ثلث اللیل اونصفه اذا احتاج الیه للصلٰوۃ فیه [2]۔	اگر مسجد کے چراغ کے لیے وقف کیا تو پوری رات چراغ جلانا جائز نہیں بلکہ تہائی رات تک جواز ہے یا نصف شب تک جبکہ نماز کے لیے اس کی ضرورت ہو۔ (ت)

اور مسجد اکرم سرکار اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نماز عشاء کے بعد کوئی رہنے نہیں پاتا، لوگوں کو باہر کرکے سحر تک دروازے بند رکھتے ہیں، اور یہ عادات آج سے نہیں صدہا سال سے ہے۔ امام جلیل ابوالحسن سمہودی کتاب وفاء الوفاء میں جس کی تصنیف ۸۸۶ھ میں فرمائی، پھر اس کے خلاصہ خلاصۃ الوفاء میں فرماتے ہیں:

یطاف لاخراج الناس من المسجد بعد العشاء الاخرۃ بفوانیس ستة رتبھا شیخ الخدام شبل الدولة کافور المظفری الحریری وکان الطواف قبله بشعل من السعف [3]۔	نماز عشاء کے بعد لوگوں کو مسجد کریم سے باہر کرنے کیلئے اب چھ فانوس لے کر دورہ کرتے ہیں جن کو خدام کے شیخ شبل الدولہ کافور المظفری الحریری نے بنایا ہے جبکہ قبل ازیں کھجور کی شاخ کی شمع سے دورہ ہوتا تھا۔ (ت)

نیز اس پر اس سے بہت پہلے کی وہ جلیل القدر معجزہ خسف بدخواہان ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظیم حکایت دال ہے جو اسی کتاب وفاء الوفاء تصنیف ۸۸۶ ہجری، اور اس سے پہلے کتاب ریاض النضرۃ

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[3] وفاء الوفاء فصل ۳۱ عدد قنادیل المسجد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱۔۸۲

امام محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ ہجری، وکتاب تاریخ المدینہ للامام الجلیل ابی محمد عبداللہ المرجانی میں مذکور و ماثور ہے، اور ان سب سے پہلے خادمِ روضہ مطہرہ نے امام ابو عبداللہ قرطبیؔ کے سامنے اسے روایت کیا، اس کی اصل خود امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت۔ بلاذری نے ابو سعید مولٰی ابی اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

قال کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یعس فی المسجد بعد العشاء فلا یری احدا لااخرجه الارجلا قائما یصلی۔[1]	فرمایا: امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز عشاء کے بعد مسجد کریم میں دیکھ بھال کے لیے دورہ فرماتے جسے دیکھتے مسجد سے باہر فرمادیتے مگر جو شخص کھڑا نماز پڑھ رہا ہو۔

باایںہمہ مسجد کریم میں صبح تک روشنی رہتی ہے۔ اور فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح فرمائی۔ وہی بزازیہ کتاب الوقف فصل رابعہ ملاحظہ کیجئے،

یجوز ترک سراج المسجد فیه من المغرب الی العشاء لاکل اللیل الااذاجرت العادۃ بذلك کمسجد سیدنا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔[2]	جائز ہے مسجد کے چراغ کا مسجد میں چھوڑنا مغرب سے عشاء تک نہ کہ تمام شب، مگر جب کہ اس کی عادت ہو جیسے کہ مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلم۔

اس سے بھی روشن کہ یہ روشنی نمازیوں کے لیے نہیں ہے بلکہ روضہ اقدس کے لیے ہے اور ہم عنقریب کلام ائمہ اس کی تصریح نقل کریں گے۔ وباللہ التوفیق۔

(۲۱) زید صاحب نے یہ روشنی مزار اطہر کے لیے نہ ہونے کی وہ بھاری دلیل گھڑی جس کے بوجھ میں خود ہی دب کر رہے۔ ذرا یہ نئی منطق جہاں بھر سے بھی جدا منطق الطیر سے سوا' ملاحظہ ہو کہ "قبر شریف در حقیقت روپوش ہے بھلا روشنی اس کے لیے ہو سکتی ہے" گویا جو شے نظر نہ آئے اس سے اعتناء اس کی تکریم ہو ہی نہیں سکتی۔ اہل اللہ پر عبادت قبور کا الزام رکھا تھا جس کی تکذیب کو ان کا اہل اللہ ہونا ہی بس تھا مگر کہیں یہ مسئلہ عباد صنم کی تائید نہ کرے، وہ یہی کہتے ہیں کہ بے دیکھے تعظیم کیسی؟

(۲۲) حجرہ مطہرہ کی آرائش اور اس پر وہ ہزار ہا روپے کی تیاری کا غلاف شریف یہ بھی شاید مسجد ہی کے لیے ہو کہ مزار کریم تو مستور ہے۔

---

[1] وفاء الوفاء فصل ۳۰ فی تحصیب المسجد احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۶۹

(۲۳) غنیمت ہے کہ اس مسئلہ میں تعظیم قبور کاالزام تو قطع ہوا، مزارات اولیائے کرام عموماً جہاں جہاں روشنی ہوتی ہے خصوصاً ایّام اعراس میں غلافوں سے روپوش ہوتے ہیں توبطور زید بھی یہ روشنی تعظیم قبور کے لیے نہیں ہوسکتی۔

(۲۴) دوسری بات یہ کہ روشنی منجانب سلطان ہوتی ہے جس نے بنک قائم کیا۔ اس کہنے کا محل جب تھاکہ فعلِ سلطان سے کسی نے استناد کیا ہوتا کہ یہ روشنی اس لیے جائز ہوتی ہے کہ سلطان کی طرف سے ہوتی ہے اور جب ایسا نہیں تو بے محل محض سلطان ترکی کو باتباع لہجہ نصارٰی مکروہ لفظ ٹرکی سے تعبیر کرکے بلاوجہ سلطان اسلام کی عیب چینی کیا مصلحت ہوئی حدیث میں ہے:

السلطان ظل اللّٰہ فی الارض فمن اکرمہ اکرمہ اللّٰہ ومن اھانہ اھانہ اللّٰہ [1] ۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب عن ابی بکرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔	سلطان زمین میں اللہ تعالٰی کاسایہ ہے جواس کی عزت کرے اللہ تعالٰی اس کو عزت دے، اور جو اس کی توہین کرے اللہ تعالٰی اسے ذلّت دے۔ اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔

لاجرم یہ اپنی طرف سے عدم جواز روشنی پر اقامت دلیل ہے، یہ ضرورت اس کے ذکر کی طرف ہوئی اگرچہ اب بھی شرع مطہر مسئلہ کی روش سے دور ہے کہ اس کی سند کتابت بعض اخبارات ہی ہوگی اور اخباری بیانات جیسے ہوتے ہیں معلوم ہیں۔ امام حجۃ الاسلام نے احیاء العلوم میں تصریح فرمائی ہے کہ کسی مسلمان کی طرف نسبت کبیرہ حرام ہے، جب تک تواتر سے یقینی الثبوت نہ ہو، کہ محض اخباری گپیں، اگر صحیح بھی ہوں تو ممکن بلکہ مظنون کہ وہ اس نئی جماعت حریت کی طرف سے ہوگا تو سلطان کے سر اس کبیرہ کا باندھنا محض جزاف ہے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ "بینک سود دینے کے لیے ہے یا معاذاللہ سُود لینے کے لیے، سلطنت میں اس وقت وہ وسعت کہاں کہ لوگوں کو کثیر المقدار قرض دے، وہ خود اپنی ضروریات شدیدہ کے لیے روپے کی حاجتمند ہے اور حاجت شرعیہ کے وقت سود دینے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح [2] ۔	نفع دینے کی شرط پر حاجتمند کو قرض لینا جائز ہے (ت)

بہرحال حاصل دلیل یہ ہے کہ یہ سلطان کی طرف سے ہے اور سلطان فاسق ہیں، اور جو فاسق کی طرف

[1] شعب الایمان باب فی طاعۃ اولی الامر حدیث ۷۳۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ والبغیہ القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۲۶

سے ہو سب ناجائز ہے۔ اس دلیل کی خوبی اس کے کبرٰی کی کلیت سے ظاہر قرآن پر اعراب لگانا تو شاید سخت ہی بدتر کام ہوگا کہ حجاج جیسے ظالم اظلم کی طرف سے ہے۔

(۲۵) سلطانِ اسلام سے فارغ ہو کر حرمین شریفین کی طرف متوجہ ہوئے کہ وہاں کا بڑا حصہ ڈاڑھی کترواتا ہے، الحمدللہ کہ کلیہ نہ کہا، ہر جگہ ہمیشہ بڑا حصہ عوام کا ہوتا ہے۔ اگر عام طور پر صدہا سال سے ایک فعل کریں اور وہ بھی مسجد میں، اور وہ بھی مسجد اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں، اور وہ بھی کارِ خیر و موجب اجر و تعظیم شعائر اللہ واجلال حرمات اللہ جان کر۔ باایںہمہ جماہیر علماء روزانہ دیکھیں اور منع نہ فرمائیں تواستناد تقریر علماء سے ہوگا نہ کہ فعلِ عوام سے۔

(۲۶) خود ہی سمجھ کر تعامل ہے نہ مجرد عمل عوام اس کا یہ علاج کیا کہ تعامل حرمین شریفین کا بعد قرون ثلثہ کے سند نہیں۔ قرون ثلثہ کی تخصیص کا قضیہ ہمارے رسالہ ردّ وہابیہ میں جابجا ہوچکا اور مسئلہ تعامل حرمین شریفین بھی کتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" قاعدہ یازدہم میں واضح فرمادیا گیا، یہاں اسی قدر کافی کہ شیخ محقق جذب القلوب شریف میں حدیث صحیح بخاری: انہا طیبۃ تنفی الذنوب کما تنفی الکیر خبث الفضۃ (بیشک وہ طیبہ ہے، گناہوں کو دور کرتا ہے جیسے بھٹی چاندی کا میل دور کرتی ہے۔ت) وغیرہ بیان کرکے فرماتے ہیں:

"مراد نفی وابعاد اہل شر و فساداست ازساحت عزت ایں بلدہ طیبہ وبقول اکثر علمائے دین خاصیت مذکورہ دروے درجمیع ازمان ودہور پیداست[1]۔"	اس شہر پاک کی سرزمین سے شر فساد والوں کو دور کرنا مراد ہے اور اکثر علمائے دین کے بقول اس میں یہ خاصیت ہر دور اور ہر زمانے میں ہے۔ت)

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الایمان لیارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا[2]۔	بیشک ایمان مدینہ کی طرف سمٹتا ہے جیسے سانپ اپنے بل کی طرف۔

امام قرطبی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فیہ تنبیہ علی صحۃ مذھبھم وسلامتھم من البدع وان عملھم حجۃ فی ماننا[3]۔	اس حدیث شریف میں تنبیہ ہے اس پر کہ ان کامذہب صحیح ہے اور وہ بدعتوں سے پاک ہیں ان کا عمل ہمارے زمانہ میں حجت ہے۔

[1] جذب القلوب باب دوم درذکر فضائل منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[2] صحیح البخاری باب الایمان یارز الی المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری بحوالہ قرطبی دارالطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۰/ ۲۴۰

(۲۷) آگے ترقی کرکے تعامل حرمین شریفین کو بالکل ساقط ونا معتبر کر دیا۔ قرونِ ثلٰثہ کا استثناء بھی اڑگیا، اور دلیل یہ کہ حجت صرف قرون وحدیث واجماع وقیاس مجتہدین ہیں، ابھی کہا تھا کہ "چراغاں کا جواز اگر آج بھی کسی عالم مستند کی کتاب سے نکل آئے تو مجھ کو کدنہ ہوگی۔" اور ممانعت کے لیے شاہ رفیع الدین صاحب کے فتوے اور قاضی صاحب پانی پتی کی مالا بد وارشاد دالطالبین سے استناد کیا۔ یہ لوگ اوران کا کلام بھی قرآن ہے، نہ حدیث، نہ اجماع، نہ قیاس مجتہدین۔ پھر یہ پانچویں حجت کہاں سے نکل آئی!

(۲۸) ابھی جواہر الفتاوٰی وفتاوٰی عالمگیریہ سے گزرا کہ دینداروں کے افعال سند ہوتے ہیں، یہ چھٹی حُجت ہوئی۔

(۲۹) اب یہ بفضل اللہ عزوجل ہم وہ عبارات جانفزاذ کر کریں جن سے یہ ثابت ہو کہ روضہ انور میں کیسی روشنی ہوتی ہے اور کَے برسوں سے رائج ہے۔ جب سلطنت عثمانیہ کی بنیاد بھی نہ پڑی تھی، اور یہ کہ وہ خاص روضہ اطہر ہی کے واسطے ہے نہ کہ بہ نیت مسجد، اور یہ کہ وہ بمنظوری علماء کرام ہے نہ کہ صرف فعلِ سلاطین۔ اور یہ کہ کیسے امام جلیل نے اس کے جواز کا روشن فتوٰی دیا، نہ فتوٰی بلکہ خاص اس باب میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا، والحمدللہ۔ عالمِ مدینہ طیبہ امام اجل سید ابوالحسن علی نورالدین بن عبداللہ سمہودی مدنی قدس سرہ معاصر امامِ اجل جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی نے (کہ دونوں حضرات کی وفات شریف ۹۱۱ھ میں ہوئی) کتاب مستطاب خلاصۃ الوفاء باخبار دارالمصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تصنیف ۸۹۳ ہجری کے باب رابع کی شانز دہ گانہ فصلوں میں تفصیل نمبر ۱۱ روضہ اقدس کے تزک واحتشام وشیشہ آلات وسامان روشنی کے بیان میں وضع فرمائی، اور فصل نمبر ۱۴ مسجد مقدس کے ستونوں، چراغوں وغیرہ کے بیان میں جدا لکھی، اس فصل مسجد میں فرمایا:

بصحن مسجد اربع مشاعل تشعل فی لیالی الزیارات المشهورة وماعلمت اول من احدثها وبالمسجد سلاسل کثیرة للقنادیل علمت بعد الحریق والمرتب للوقود منها یزید وینقص لما لا یخفی[1]۔	مسجد کریم کے صحن میں چار مشعلیں ہیں کہ زیارت کی مشہور راتوں میں روشن کی جاتی ہیں اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ اول یہ مشعلیں کس نے رکھیں، اور مسجد میں قندیلوں کی بہت سی زنجیریں ہیں کہ آتشزدگی کے بعد بنیں اوران کی روشنی کا راتب گھٹتا بڑھتا ہے جس کا سبب ظاہر ہے۔

[1] وفاء الوفاء فصل ۳۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱

اوراس فصل روضہ انور میں فرمایا:

امامعالیق الحجرة الشریفة التی تعلق حولها من قنادیل الذهب والفضة ونحوهما فلم اقف علی ابتداء حدوثها الاان ابن النجار قال مالفظه فی سقف المسجد الذی بین القبلة والحجرة علی رأس الزوار اذ وقفوا معلق نیف واربعون قندیلا کبارا وصغارا من الفضة المنقوشة والساذجة وفیها اثنان من بلور وواحد من ذهب وفیهما قمر من فضة مغموس فی الذهب، وهذه تنفذ من البلدان من الملوك وارباب الحشمة انتهی، وعمل من ذکر مستمر بذلك لم تزل هذه القنادیل فی زیادة ومن احسن مارأیت من معالیق الحجرة قندیل من فولاد کبیر احسن التکوین مخرما مکفتا بذهب یضیئ اذااسرج فیه وعلیه مکتوب ان الناصر محمد بن قلادون علقه بیده هناك[1]۔ انتهی ملتقطا	حاصل یہ ہے کہ روضہ انور کاسامان روشنی، سونے کی قندیلیں اور چاندی کی، اوران کے مثل اور قیمتی چیزوں کی کہ روضہ مطہر کے گرد آویزاں کی جاتی ہیں، مجھے معلوم نہ ہوا کہ ان کی ابتداء کب سے ہے، ہاں امام حافظ الحدیث محمد بن محمد بن النجار متوفی ۶۴۲ھ نے اپنی کتاب الدرالثمینہ فی اخبار المدینہ میں فرمایا کہ سقف مسجد کریم کے اتنے ٹکڑے میں کہ دیوار قبلہ سے حجرہ مقدسہ تک ہے۔ جب زائرین مواجہہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کھڑے ہوں، ان کے سروں پر چالیس سے زائد قندیلیں آویزاں ہیں۔بڑی بڑی زاور چھوٹی چاندی کی نقشی اور ساری اوران میں دو بلور کی ہیں ،ایک سونے کی اور ایک چاندی کا چاند ہے سونے میں مغرق، اور یہ شہروں شہروں سے سلاطین واُمراء حاضر کیا کرتے ہیں انتہی۔ اور یہ دستور برابر چلاآتا ہے ہمیشہ ان قندیلوں میں ترقی ہوتی رہی ، اور روضہ مطہرہ کی تمام آویزاں روشنیوں میں سب سے زیادہ خوبصورت جو میں نے دیکھی وہ فولادی بڑی قندیل ہے کہ نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہے اس کے پیٹ اور کناروں پر سونا چڑھا ہوا ہے کہ اس میں روشنی کرنے سے دمکنے لگتا ہے اس پر لکھا ہوا ہے کہ ناصرالدین محمود بن قلادون نے اسے یہاں اپنے ہاتھ سے لٹکایا، انتہی ملتقطا

یہاں توآپ کو یہ معلوم ہوا کہ روشنی خاص روضہ منورہ کے لیے ہے اور یہ کہ کتنی کثیر وشاندار ہے اور یہ کہ صدہا سال سے ہے اور یہ کہ عثمانی سلطنت سے بھی پہلے سے ہے۔ اب مجمع علمائے کرام کا ذکر سنئے

[1] وفاء الوفاء فصل ۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴ تا ۵۸۹

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کتاب الاعلام باعلام بیت الحرام ص ۳۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں، جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خان بن سلیمان خان رحمہم الرحمٰن نے ۹۸۴ھ میں باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصّع محمد چادیش خان کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ وہ کعبہ معظّمہ کے اندر آویزاں کی جائیں، اور ایک حجرہ مزار اطہر میں چہرہ انور کے مقابل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

جب مکہ معظّمہ میں آئے حضرت شریف مکہ سیدی حسن بن ابی نہی حسنی اور ناصر حرم محترم قاضی مدینہ منورہ شیخ الاسلام سید العلماء سیدی حسین حسینی مکی اور قاضی مکہ معظّمہ مولانا مصلح الدین لطفی بگ زادہ مع جملہ اعیان واکابر حرم محترم حاضر ہوئے۔ فرماتے ہیں: **وکافۃ العلماء والفقہاء والموالی**[1] یعنی مکہ معظّمہ کے تمام علماء وفقہاء وسردار گرد کعبہ معظّمہ جمع ہوئے، پھر آستانہ عالیہ کی طرف سے حضرت شریف ودیگر عظماء کو خلعت پہنائے گئے، کعبہ معظّمہ کا دروازہ کھولا گیا، سیدنا الشریف نے خلعت پہنا اور طوافِ کعبہ معظّمہ کیا، ادھر وہ طواف میں ہیں، اُدھر رئیس مؤذنان قبہ زمزم پر سلطنت وشریف کے لیے باآواز بلند دعا کر رہا ہے اور تمام حاضرین دعا وآمین میں مشغول ہیں، بعد فراغ طواف ورکعتین طواف حضرت شریف کعبہ معظّمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں، سب حاضرین جملہ علماء وفقہاء واُمراء وعظماء نے فاتحہ پڑھی اور دُعائیں کیں، اور جلسہ ختم ہوا، علامہ ممدوح فرماتے ہیں:

وکان یومًا شریفًا مشھودًا ووقتًا مبارکًا متیمنا مسعودا[2]۔	اور وہ دن بزرگ اور تمام اعیانِ مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چادیش باقی قندیل لے کر سرکار اعظم مدینہ طیبہ حاضر ہوئے، علامہ فرماتے ہیں:

واجتمعت لہ اکابر المدینۃ الشریفۃ واعیانھا وعلماؤھا وصلحاؤھا[3]۔ **وعمل محفل شریف فی الحرم الشریف البنوی**[4]۔ **وفتحت الحجرۃ الشریفۃ النبویۃ علی ساکنھا افضل الصلٰوۃ وعلیٰ ذٰلک**	ان کے پاس مدینہ طیبہ کے اکابر وعمائد وعلماء وصلحاء سب جمع ہوئے۔ حرم کریم میں محفلِ عظیم منعقد کی گئی۔ حجرہ طاہرہ مزار پرانوار حضرت سید الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھولا گیا اور وہ سونے کی قندیل جواہر

[1] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[2] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[3] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[4] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

قندیل تجاہ وجہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	بے بہا سے مرصع رُوئے انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں آویزاں کی گئی۔

وقرئت الفواتح وحصل الدعاء[2]۔ حاضرین نے فاتحہ پڑھی اور دعا کی، اور مجلس بخیر وخوبی ختم ہوئی۔ علامہ ممدوح اس حکایت کا خاتمہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

وھو اول من علق قنادیل الذھب فی الحرمین الشریفین من سلاطین اٰل عثمان خلد اللہ تعالٰی سلطنتھم وقد سبق بھذہ المنقبۃ الشریفۃ اٰبائہ السلاطین العظام[3]۔	یعنی سلاطین آل عثمان میں کہ اللہ عزوجل ان کی سلطنت کو ہمیشہ رکھے، سلطان مراد خاں نے اس کی پہل کی کہ حرمین محترمین میں سونے کی قندیلیں آویزاں کیں، وہ اس عظیم منقبت میں اپنے باپ دادا سلاطین پر سبقت لے گئے۔

اس خاتمہ سے دو۲ فائدے ظاہر ہوئے، ایک یہ کہ سلاطین عثمانیہ سے پہلے سلاطین بھی سونے کی قندیلیں حاضر کرتے، سلاطین عثمانیہ سے پہلے یہ سعادت سلطان محمد مراد خاں نے پائی۔ دوسرے یہ کہ علامہ ممدوح اس کا استحسان فرماتے، اور اسے منقبت شریفہ بتاتے ہیں۔

اب پھر عبارات سابقہ خلاصۃ الوفاء کی طرف رجوع کیجئے اور وہ سنئیے جو امام ممدوح سیدی نور الدین سمہودی اس عبارت کے اثناء میں اس جانفزا روشنی کے بیان میں حکم فرماتے ہیں وہ عبارت یہ ہے:

وقد الف السبکی تالیفا سماہ تنزیل السکینۃ علٰی قنادیل المدینۃ وذھب فیہ الی جوازھا وصحۃ وقفھا وعدم جواز صرف شیئٍ منھا لعمارۃ المسجد[4]۔	بیشک امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی متوفی ۷۵۶ھ رحمہ اللہ تعالٰی نے خاص اس باب میں ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "تنزیل السکینۃ علٰی قندیل المدینۃ" رکھا اور اس کتاب میں ان کا وقف صحیح ہونا بیان فرمایا اور یہ کہ ان کو مسجد کی عمارت میں صرف کرنا جائز نہیں۔

یہ امام اجل وہ ہیں جن کی نسبت امام ابن حجر فرماتے ہیں: الامام المجمع علٰی جلالتہ واجتھادہ[5] یہ وہ امام کہ ان کی جلالتِ شان و قابلیت اجتہاد پر اجماع ہے۔

---

[1] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[2] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[3] الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام

[4] وفاء الوفاء فصل ۲۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۵-۵۹۱

[5] امام ابن حجر

صلاح صفدی نے کہا:

الناس یقولون ماجاء بعد الغزالی مثلہ وعندی انھم یظلمونہ وما ھو عندی الامثل سفین الثوری[1]۔	لوگ کہتے ہیں امام حجۃ الاسلام کے بعد کوئی امام تقی الدین سبکی کے مثل پیدا نہ ہوا اور میرے نزدیک وہ ان کی شان گھٹاتے ہیں، میرے نزدیک تو وہ امام سفیان ثوری کے ہمسر ہیں۔

جواجلہ اکابر تابعین سے تھے وہ اس روشنی کو فقط جائز ہی نہیں بتاتے بلکہ فرماتے ہیں کہ اس پر رحمتِ الٰہی کا سکینہ اُترتا ہے۔ غالبًا اب تو زید صاحب اپنے تمام وساوس سے باز آکر اپنی قسم پوری کریں گے۔

(۳۰) حدیث مذکور کو زید نے بالجزم رسول خدا کا ارشاد بتایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یہ سخت بیباکی وجرأت ہے۔ وہ حدیث صحیح نہیں۔ اس کی سند کا مدار ابوصالح باذام پر ہے۔ باذام کو ائمہ فن نے ضعیف بتایا۔

تقریب امام ابن حجر عسقلانی میں ہے:

باذام بالذال المعجمۃ ویقال اٰخرہ نون ابوصالح مولی ام ھانی ضعیف مدلس[2]۔	باذام ذال معجمہ سے اور کہا جاتا ہے کہ اٰخر میں نون ــــ یعنی باذان ــــ ابوصالح ــــ اُم ہانی کا آزاد کردہ غلام ضعیف تدلیس کرنے والا ہے۔ (ت)

(۳۱) یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ حدیث قابلِ احتجاج نہیں کہ حدیثِ ضعیف دربارہ احکام حجت نہیں ہوتی، تحسین ترمذی باعتبار ترجمہ باب سے کہ اسے باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدا میں وارد کیا اور قبور پر مسجد نہ بنانے میں بیشک احادیث متعدد وارد۔ خود جامع ترمذی میں ہے: وفی الباب عن ابی ھریرۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما[3] (اس باب میں حضرت ابوہریرہ و حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی روایت ہے۔ ت) بخلاف چراغ کہ اِس کی ممانعت میں یہی حدیث ضعیف باذام ہے۔ اس کا یہ ٹکڑا حسن نہیں۔ خود امام ترمذی اپنی اصطلاح میں فرماتے ہیں:

ماذکرنا فی ھذا الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسنادہ عندنا کل حدیث یروی لایکون	اس کتاب میں ہم نے جسے حدیث حسن بتایا اس سے یہی مراد ہے کہ وہ ہمارے نزدیک حسن ہے جس حدیث کی

[1] صلاح صفدی

[2] تقریب التہذیب حرف الباء الموحدہ ترجمہ ۶۳۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۱

[3] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۳

فی اسنادہ من یتھم بالکذب ولایکون الحدیث شاذا ویرویہ من غیروجہ نحو ذالك فھو عندنا حدیث حسن[1]۔	سند میں کوئی متہم بالکذب نہ ہو، نہ ہی وہ حدیث شاذ ہو، اور ایسے ہی متعدد طُرق سے مروی ہو، وہ ہمارے نزدیک حدیث حسن ہے۔(ت)

(۳۲) حدیث مانعین سے تین۳ جواب ہیں:

پہلا یہ کہ حدیث سرے سے صحیح ہی نہیں اور سب میں اخیر تنزل کاجواب کہ امام نابلسی کے ارشاد سے گزرا۔ اور اوسط جواب یہ ہے کہ حدیث میں لفظ علٰی ہے اس سے قبر پر چراغ رکھنے کی ممانعت ہوئی، اسے ہم بھی تسلیم کرتے ہیں، ظاہر کہ علٰی کے معنی حقیقی یہ ہیں، اور حقیقت سے بلاضرورت عدول نامقبول، وہ عدول ہی تاویل ٹھہرے گا۔ اور اگر وجہ موجّہ نہ رکھتا ہو مردود رہے گا۔

تاویل یہ ہے کہ لفظ کو اس کے معنٰی ظاہر سے پھرا جائے، مگر طرفہ یہ کہ زید نے معنی حقیقی مراد لینے کا نام تاویل رکھا اور تاویل بھی کیسی ضعیف، اور نہ صرف ضعیف بلکہ معاذاللہ حدیث کے ساتھ مضحکہ۔ اس ظلم شدید کی کوئی حد ہے۔ اور نہ دیکھا کہ امام علامہ نابلسی قدس سرہ القدسی اس حدیث کی شرح میں کیا فرماتے ہیں:

المتخذین علیھا ای القبور یعنی فوقھا[2]۔	قبروں پر یعنی ان کے اوپر۔(ت)

دیکھو اس معنی حقیقی کی تصریح فرمائی جسے زید نے معاذاللہ مضحکہ بنایا۔

(۳۳) کریمہ لنتّخذن علیھم مسجدا میں ضمیر جانب اصحابِ کہف ہے، اور آدمی کے جسم کے اوپر مسجد بنانے کے کوئی معنٰی نہیں تو مجاز متعین ہے، بخلاف حدیث کہ اس میں ضمیر جانب قبور ہے۔ اور قبر پر چراغ رکھنا ممکن، بلکہ بعض جگہ عوام سے واقع ہے، تو اسے آیت پر قیاس کرنا محض سُوئے فہم ہے۔ وہ چمک کر کہا تھا کہ "کیا اس کے یہ معنی ہیں اصحاب کہف کے سینہ پر سنگ بنیاد مسجد کا رکھیں گے۔" وہ خود اپنے شبہہ کے پاؤں میں تیشہ ہے۔ یہ معنی صحیح نہ ہونا ہی حقیقت سے صاف اور مجاز کا قرینہ ہوا، یہاں کہ بے تکلف معنی حقیقی بن رہے ہیں ان سے پھیرنے والا کون، اور مجاز کے لیے بے قرینہ کیا۔

(۳۴) دوسری مثال قبر پر چڑھاوا چڑھانے کی دی، اور نہ سمجھا کہ یہاں مجاز لفظ "پر" میں نہیں کہ علی بمعنی عند ہو، جس طرح تم حدیث میں لے رہے ہو، قبر کے نزدیک کسی چیز کے چڑھانے کے کیا معنی، بلکہ مجاز خود یہاں چڑھاوے کے لفظ میں ہے۔ صدقہ کہ جُہّال کسی مریض وغیرہ کے لیے چوراہے میں رکھتے ہیں اسے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبرالخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

اوتارا کہتے ہیں کہ اسے ذلیلوں خبیثوں شیطانوں کے لیے کرتے ہیں، اور نذور کہ مزارات طیبہ کے حضور لاتے ہیں اسے چڑھاوا کہتے ہیں کہ بلند مرتبہ معظموں کے حضور پیش کرتے ہیں، یہ اتار چڑھاؤ باعتبار مرتبہ ہے۔ نہ باعتبار جہت تحت وفوق۔ اور نہ سہی اگر ایک جگہ کوئی لفظ معنی مجازی میں مستعمل ہو تو اس کے حوالے سے دوسری جگہ بھی خواہی نخواہی اسے حقیقت سے توڑ کر مجاز پر ڈھالنا کون سی منطق ہے!

(۳۵) ملا قاری نے جو اس حدیث میں علٰی کو معنی حقیقی پر لیا، زید صاحب اس کی توجیہ یہ فرماتے ہیں کہ وجہ ممانعت یعنی مشابہت یہود ونصارٰی معنی مجازی یعنی قریب قبر میں نہیں رہتی، اس بنیاد پر معنی حقیقی لیے، یعنی معنٰی حقیقی ہی لینا محتاج وجہ خارجی ہے، اگر خارج سے کوئی وجہ اس کی نہ ملے تو معنی حقیقی نہ لیں گے، اس اُلٹی سمجھ کا کیا ٹھکانا ہے! علامہ ملا قاری کی عبارت دیکھئے:

قید علیھا یفید اتخاذ المساجد بجنبھا لابأس بہ [1]۔"علیھا"	(قبروں پر) کی قید یہ افادہ کررہی ہے کہ ان کے پہلو میں مسجد بنائیں تو کوئی حرج نہیں (ت)

ملاحظہ ہو لفظِ "علی" سے یہ ثابت کیا کہ برابر تو حرج نہیں یا برابر میں حرج نہ ہونے سے علی کو اپنے معنی حقیقی پر لیا۔

(۳۶) علی قاری جب یہاں در بارہ مسجد علی کو معنی حقیقی پر لے چکے، جو آپ کو بھی مسلّم ہے۔ اور یہاں ایک ہی لفظ علٰی ہے جس سے مساجد و سرج کا یکساں علاقہ ہے کہ **والمتخذین علیھا المساجد والسرج** [2] (قبروں پر مسجدیں اور چراغ بنانے والے۔ت) اب اگر در بارہ قبور علٰی کو معنی مجازی پر لیجئے تو کھلا ہوا **جمع بین الحقیقۃ والمجاز** اور وہ باطل ہے۔ لاجرم در بارہ قبور بھی علٰی کو معنی حقیقی پر رکھیں گے، تو جس نے ان کی طرف اسے نسبت کیا ان کے لازم کلام سے استدلال کیا یہ ان پر اتہام کدھر سے ہو جائے گا۔

(۳۷) علی قاری نے در بارہ سُرج جو تین وجہ ممانعت نقل کرکے لکھا: **کذا قال وبعض علمائنا** [3] (ایسا ہی ہمارے بعض علماء نے فرمایا۔ت) قطع نظر اس کے کہ یہ نقل عن المجہول ہے اور ہمارے فقہاء نے اسی وجہ اول پر اقتصار فرمایا ہے کہ اسراف واتلافِ مال ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اور یہی وجہ خود آپ کی مستند بزازیہ میں

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۴۴

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجداً امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۴۳

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۴۴

مصرح تھی جسے آپ نے حذف کردیا، اور اوپر روشن ہولیا کہ یہ وجہ صرف قبور عوام میں پائی جاتی ہے، جبکہ وہاں نہ مسجد ہو نہ قبر، سرراہ نہ کوئی تلاوت وغیرہ میں مشغول۔ باقی دو وجہوں میں تعظیم قبور بھی عوام میں متحقق ہوگی خصوصا قبور فُساق میں جن کی نسبت آپ فرق پوچھ رہے ہیں، کہ "بزرگوں کی قبروں پر کیوں کرتے ہیں، فاسق فاجر کی قبر پر کیوں نہیں کرتے۔" فاسق فاجر کی قبر پر کریں تو نفس قبر کی تعظیم ٹھہرے کہ مقبور معظم نہیں بخلاف مزارات کرام کے وہاں قبر یعنی خشت وگلِ کی تعظیم نہیں بلکہ ان کی روح کریم کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ امام نابلسی نے فرمایا: **تعظیما لروحه المشرفة**[1] الخ (ان کے روح مبارک کے لیے الخ۔ت) تعظیم قبور معظمین کہ حقیقۃ تعظیم معظمین ہے۔ کس نے منع کی؟ اختیار شرح مختار اور اسی آپ کی مستند علمگیری میں ہے:

ثم ینهض فیتوجه الی قبرہ صلی ا للّٰه تعالٰی علیه وسلم ولا یضع یدہ علی جدار التربة فهو اهیب واعظم للحرمة ویقف کما یقف فی الصلوۃ[2] اھ قدر الحاجة۔	یعنی پھر کھڑا ہو کر قبر اکرم حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو، اور تربت کریمہ کی دیوار پر ہاتھ نہ رکھے کہ اس میں زیادہ ہیبت و تعظیم حرمت کریمہ ہے، اور یوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے اھ بقدر ضرورت۔(ت)

منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط علی قاری میں ہے:

ولیغتنم ایام مقامه بالمدینة المشرفة فیحرص علی ملازمة المسجد وادامة النظر الی الحجرۃ الشریفة ان تیسراو القبة المنیفة ان تعسر مع المهابة والخضوع والخشیة و الخشوع ظاهرًا وباطنًا فانه عبادۃ کالنظر الی الکعبة الشریفة[3]۔	یعنی مدینہ طیبہ میں حاضری کے دنوں کو غنیمت جانے اکثر اوقات مسجد کریم میں حاضر رہے اور ہوسکے تو مزار اطہر کے حجرہ مقدسہ ورنہ اس کے گنبد مبارک ہی کو دیکھتا رہے۔ خوف وادب اور خشوع وخضوع کے ساتھ کہ اس پر نگاہ ہی عبادت ہے جیسے کعبہ معظّمہ پر نظر۔(ت)

علامہ القاری فاکہی مکی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں: **ومنها ان لا یستدبر القبر الشریف**[4]۔ یعنی آداب میں سے ہے:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ایقاد الشموع فی القبور نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۶۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[3] المسلک المتقسط شرح منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۴۱

[4] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

کہ قبر اقدس کو پشت نہ کرے، سید اقدس قدس سرہ نے خلاصۃ الوفاء میں فرمایا: فی الصلٰوۃ ولا فی غیرھا [1] نہ نماز میں ادھر پیٹھ کرے نہ غیر نماز میں پھر امام عزالدین بن عبدالسلام سے نقل فرمایا:

اذا اردت صلٰوۃ فلا تجعل حجرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وراء ظھرک ولابین یدیك والادب معہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد وفاتہ مثلہ فی حیاتہ فما کنت صانعہ فی حیاتہ فاصنعہ بعد وفاتہ من احترامہ والا طراق بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ [2]	جب تو نماز پڑھنا چاہے تو حجرہ مطہرہ مزار اطہر کو پیٹھ نہ کر، نہ نماز میں اپنے سامنے رکھ، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب بعد وفات بھی ویسا ہی ہے جیسا عالم حیات ظاہر میں تھا، تو جیسا تو اس وقت ادب کرتا اور حضور کے سامنے سر جھکاتا ایسا ہی مزارِ اطہر کے حضور کر۔

یہ سب تعظیم نہیں تو اور کیا ہے۔ اس قسم کے ارشاداتِ ائمہ اگر جمع کئے جائیں تو ایک دفتر ہو، اور خود اس سے زیادہ اور کیا تعظیم قبر اطہر ہوگی، جو حدیث میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہونے کے لیے تعلیم فرمائی در منظم امام ابوالقاسم محمد لولوی بستی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صلی علی روح محمد فی الارواح وعلی جسدہ فی الاجساد وعلی قبرہ فی القبور راٰنی فی منامہ ومن راٰنی فی منامہ رانی یوم القیامۃ ومن رانی یوم القیامۃ شفعت لہ ومن شفعت لہ شرب من حوضی وحرم اللہ جسدہ علی النار [3]۔	جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس پر ارواح میں، اور جسد اطہر پر اجسام میں، اور قبر انور پر قبور میں درود بھیجے وہ مجھے خواب میں دیکھے، اور جو خواب میں دیکھے مجھے قیامت میں دیکھے گا۔ اور جو مجھے قیامت میں دیکھے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا۔ اور جس کی میں شفاعت فرماؤں گا وہ میرے حوضِ کریم سے پئے گا اور اللہ عزوجل اس کے بدن پر دوزخ کو حرام فرمائے گا۔

اللھم ارزقنا بجاھہ عندك اٰمین (اے اللہ! ہمیں نصیب فرما ان کی اس وجاہت کے طفیل جو تیرے حضور ان کے لیے ہے۔ الٰہی قبول فرما۔ ت)

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع من الباب الثامن احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱۰

[2] وفاء الوفاء الفصل الرابع من الباب الثامن احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱۰

[3] در منظم امام ابوالقاسم محمد لولوی بستی

علماء فرماتے ہیں یعنی یُوں درود شریف پڑھو: اللّٰھم صل علٰی رُوح سیدنا محمد فی الارواح اللّٰھم صل علی جسد سیدنا محمد فی الاجسام اللّٰھم صلّ علٰی قبر سیدنا محمد فی القبور۔ قبر کریم پر درود بھیجنے کا حکم ہوا، اور دور دوہ تعظیم ہے کہ بالاستقلال انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں۔

(۳۸) رہی تیسری وجہ کہ وہ آثار جہنم سے ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اقول: اس کی غایت ایک تفاول ہے وہ اس قابل نہیں کہ جس کے لحاظ نہ کرنے پر مسلمان لعنت کا مستحق ہو، تو یہ اس کی توجیہ نہیں ہوسکتی، شرع کو ایسی فالوں کا اتنا عظیم لحاظ ہوتا تو میّت کو گرم پانی سے نہلانے کا حکم نہ ہوتا کہ وہ بھی آثار جہنم سے ہے۔

قال اللہ تعالٰی:

یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِہِمُ الۡحَمِیۡمُ ﴿۱۹﴾ [1]۔	اس (جہنمی) پر انکے سروں کے اوپر سے گرم پانی بہایا جائے گا۔ (ت)

حالانکہ وہ شرعًا مطلوب ہے۔ درمختار میں ہے:

یصب علیه ماء مغلی بسدران تیسر والا فماء خالص [2]۔	اس (میّت) پر بیری جوش دیا ہوا پانی بہایا جائے اگر میسر ہو، ورنہ سادہ پانی۔ (ت)

ردالمحتار ونہر الفائق میں ہے:

افادان الحار افضل سواء کان علیه وسخ اولا۔ [3]	اس سے مستفاد ہوا کہ گرم پانی بہتر ہے میّت کے جسم پر میل ہو یا نہ ہو۔ (ت)

اور بفرضِ تسلیم اس کا محل وہی ہے کہ خاص قبروں پر چراغ رکھیں کہ فال ہے تو اس میں ہے نہ کہ اس کے گرد یا مناروں یا احاطہ کی دیواروں پر" علماء نے تفاول کے سبب جب پکی اینٹ قبر میں لگانی مکروہ بتائی کہ وہ آگ دیکھے ہوئے ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، تصریح فرمائی کہ یہ اس صورت میں ہے کہ خاص لحد پر پختہ اینٹیں لگائیں جو قریب میّت ہے ورنہ بالائے قبر اس میں حرج نہیں ،یہ خود آگ ہے۔ اس میں بالائے قبر بھی حرج ہے مگر حول میں حرج

---

[1] القرآن ۲۲/ ۱۹

[2] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۰

[3] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۵۷۵

مسلم نہیں، ردالمحتار میں ہے:

یسوی اللبن علیه والقصب لاالاجر المطبوخ والخشب لو حوله اما فوقه فلایکرہ۔[1]	اس پر کچّی اینٹ اور بانس چُن دیں، پکی اینٹ اور لکڑی اس کے گرد نہ رکھیں، ہاں اوپر ہو تو حرج نہیں۔(ت)

ابن ملک بدائع میں ہے:

لانہ مما مسته النار فیکرہ ان یجعل علی المیّت تفاولا[2]۔	اس لیے کہ اس پر آگ کا اثر پہنچا ہوا ہے تو تفاول کے سبب میّت پر چننا مکروہ ہے۔(ت)

حلیہ میں ہے:

قال الامام التمرتاشی ھذا اذاکان حول المیّت فلوفوقه لایکرہ[3]۔	امام تمرتاشی نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب خاص میّت کے گرد ہو، اوپر ہو تو مکروہ نہیں۔(ت)

(۳۹) کس نادانی کا اعتراض ہے کہ علی معنی حقیقی پر لیں تو کوئی شخص قبر کے نیچے یا قبر کے بیچ میں چراغ جلائے تو وہ جائز ہوجائے۔ دربارہ مسجد توآپ کو بھی مسلّم کہ علٰی معنی حقیقی پر ہے تو کوئی شخص قبر کے نیچے یاقبر کے بیچ میں مسجد بنائے یا نماز پڑھے تو وہ جائز ہوجائے، کیونکہ حدیث میں قبر پر کی ممانعت ہے۔ اب بھی کہیے کہ استغفراللہ۔ یہ حدیث کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔

(۴۰) کثرتِ چراغاں کا ذکر روشنی روضہ انور میں گزرا اور اس کے متعلق احیاء العلوم شریف کی ایک عبارت اور لکھیں کہ موافقین کے دل روشن ہوں اور مخالفین کی آنکھیں چکاچوند سے جلیں، امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی قبیل کتاب آداب النکاح میں فرماتے ہیں:

حکی ابو علی الرودباری رحمه الله تعالٰی عن رجل انه اتخذ ضیافة فاوقدفیھا الف سراج وقال له رجل قداسرفت فقال له ادخل فکلما اوقدته لغیر الله	یعنی امام اجل عارفِ اکمل، سند الاولیاء حضرت سیدنا امام ابو علی رودباری رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ اجلّہ اصحاب سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں ۳۲۲ ہجری میں وصال شریف ہے،

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵
[2] بدائع الصنائع فصل فی سنۃ الحفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۱۸
[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فاطفئہ فدخل الرجل فلم یقدر علی اطفاء واحد منہا فانقطع [1]۔	امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ نے رسالہ مبارک میں ان کی نسبت فرمایا اظرف المشائخ واعلمھم بالطریقۃ (مشائخ میں سب سے زیادہ عقلمند اور طریقت کے سب سے بڑے عالم۔ت)

حکایت فرماتے ہیں کہ ایک بندہ صالح نے احباب کی دعوت کی اس میں ہزار ہا چراغ روشن کیے، کسی نے کہا آپ نے اسراف کیا، صاحب خانہ نے فرمایا: اندر آیئے جو چراغ میں نے غیر خدا کے لیے روشن کیا وہ گُل کردیجئے، معترض اندر گئے، ہر چند کوشش کی ایک چراغ بھی نہ بجھاسکے، آخر قائل ہوگئے وللہ الحمد۔

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ قبور عامہ ناس پر روشنی جب خارج سے کوئی مصلحت مصالح مذکورہ کے امثال سے نہ ہو ضرور اسراف ہے اور اسراف بیشک ممنوع، فقہاء اسی کو منع فرماتے ہیں، کہ یہی علت منع بتاتے ہیں، اور اگر زینت قبر مطلوب ہو تو قبر محل زینت نہیں، اب بھی اسراف ہوا، بلکہ کچھ زائد، یوں ہی اگر تعظیم قبر مقصود ہو کہ یہاں تعظیم نسبت نہیں رہے مزارات محبوبان الہ، ان میں اگر زینت قبر یا تعظیم نفس قبر کی نیت ہو یہاں بھی وہی ممانعت رہے گی کہ یہ نیتیں شرعاً محمود نہیں، اور اگر ان کی روح کریم کی تعظیم وتکریم مقصود ہو، اب نہ اسراف ہے کہ نیت صالحیہ موجود ہے، نہ تعظیم قبر، بلکہ تعظیم روح محبوب، اور وہ شرعاً بلاشبہہ مطلوب، امام اجل تقی الدین سبکی وامام نورالدین سمہودی وامام عبدالغنی نابلسی رحمہم اللہ تعالٰی اسی کو جائز بتاتے ہیں اور کسی کے قلب پر حکم لگانا کہ اسے تعظیم قبر ہی مقصود ہے نہ کہ تعظیم روح ولی محض خراف وبدگمانی وحرام بنص قرآنی ہے۔ قال اللہ تبارك وتعالٰی:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا(۳۶) [2]	اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔ بیشک کان، آنکھ ہر ایک سے بازپرس ہوگی۔(ت)

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ [3]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	اے ایمان والو! زیادہ گمان سے بچو، بلاشبہہ بعض گمان گناہ ہیں(ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] احیاء العلوم والدین الباب الرابع من آداب الضیافۃ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۰

[2] القرآن ۱۷/ ۳۶

[3] القرآن ۴۹/ ۱۲

افلا شققت عن قلبه [1]۔ وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایّاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [2]۔	تو تونے اس کا دل کیوں نہ چاک کیا؟ (ت) اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: گمان سے بچو کہ گمان سب سے جھوٹی بات ہے (ت)

اور تعظیم رُوح اور تعظیم قبر میں فرق نہ کرنا سخت جہالت ہے، عارف نابلسی کا ارشاد گزرا، اور امام سمہودی فرماتے ہیں:

لیس القصد تعظیم بقعة القبر بعینها بل من حل فیها [3]۔	خاص زمین قبر کی تعظیم مقصود نہیں بلکہ اس کی تعظیم مقصود ہے جو اس میں فروکش ہے۔ (ت)

بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ مسند شریف میں بسند حسن روایت فرماتے ہیں:

اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال هل تدری ماتصنع فاقبل علیه فقال نعم انی لم اٰت الحجر انما جئت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولم اٰت الحجر سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یَقُوْلُ لَاتَبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَه اَهْلُه وَلٰکِنْ اِبْکُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَه غَیْرُ اَهْلِهٖ۔ [4]	یعنی مروان نے اپنے زمانہ تسلط میں ایک صاحب کو دیکھا کہ قبر اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اپنا منہ رکھے ہوئے ہیں مروان نے ان کی گردن مبارک پکڑ کر کہا: جانتے ہو کیا کررہے ہو؟ اس پر ان صاحب نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: ہاں میں سنگ وگِل کے پاس نہیں آیا ہوں میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں اینٹ پتھر کے پاس نہ آیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا دین پر نہ روؤ جب اس کا اہل اس پر والی ہو، ہاں اس وقت دین پر روؤ جبکہ نااہل والی ہو۔

یہ صحابی سیدنا ابوایّوب انصاری تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ__ تو تعظیم قبر وروح مطہر میں فرق نہ کرنا مروان کی جہالت اور اسی کے ترکہ سے وہابیہ کو پہنچی، اور تعظیم قبر سے جدا ہو کر تعظیم روح کریم کی برکت لینا

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث اُسامہ بن زید دارالفکر بیروت ۵/ ۲۰۷
[2] صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی من وصیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴
[3] وفاء الوفاء الفصل الثانی من الباب الثامن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶۶
[4] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ایوب الانصاری دارالفکر بیروت ۵/ ۴۲۲

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی سنت ہے۔اور اہلسنت کو ان کی میراث ملی، وللہ الحمد۔

تنبیہ: سب سے زائد اہم بات یہ ہے کہ زید صاحب سمجھیں تو بہت کچھ حق مانیں، ہدایت کے شکر گزار ہوں یہ کہ تحریر زید کا خاتمہ کلمہ سخت شنیع وشتم فظیع پر ہوا کہ "اس قدر وعید کے بعد بھی کوئی شخص اس میں کٹ حجتی کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قبر میں تصفیہ کے قابل موسٰی بدین خود عیسٰی بدین خود۔" زید نے دو فریق بنائے ایک کہ حق پر بتایا اور دوسرے کو کٹ حجتی کرنے والا، وعید الٰہی کے مقابل ہٹ دھرمی سے پیش آنے والا۔ اور اس پر مثال وہ ڈھادی کہ موسٰی بدین خود اور عیسٰی بدین خود، اس تمثیل کی تطبیق کی جائے تو معاذ اللہ جو حاصل نکلے اس کے قہر وخباثت کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، ایسی جگہ انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام کا ذکر سخت جرأت وگستاخی وبدزبانی ودریدہ دہنی ہے۔ توبہ فرض ہے اور اللہ تعالٰی ہادی،

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ہمارے آقا مولٰی حضرت محمد، ان کی آل، ان کے اصحاب، ان کے فرزند اور ان کی جماعت پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے، اور خدائے پاک برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از بنارس تھانہ بہلو پورہ محلّہ احاطہ روہیلہ مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن رفوگر ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

حضرت کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ بزرگوں کے مزار پر جائیں تو فاتحہ کس طرح سے پڑھا کریں اور فاتحہ میں کون کون سی چیزیں پڑھا کریں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم حافظ صاحب کرم فرما سلمکم، مزار شریفہ پر حاضر ہونے میں پائنتی کی طرف سے جائے اور کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے پر مواجہہ میں کھڑا ہو اور متوسط آواز باادب عرض کرے السّلام علیك یا سیدی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پھر درود غوثیہ تین بار، الحمد شریف ایک بار، آیۃ الکرسی ایک بار، سورہ اخلاص سات بار، پھر درود غوثیہ سات بار، اور وقت فرصت دے تو سورہ یٰسٓ اور سورہ ملک بھی پڑھ کر اللہ عزوجل سے دعا کرے کہ الٰہی! اس قرأت پر مجھے اتنا ثواب دے جو تیرے کرم کے قابل ہے، نہ اتنا جو میرے عمل کے قابل ہے اور اسے میری طرف سے اس بندہ مقبول کو نذر پہنچا، پھر اپنا جو مطلب جائز شرعی ہو اس کے لیے دعا کرے اور صاحب مزار کی روح کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنا وسیلہ قرار دے، پھر اس طرح سلام کرکے واپس آئے، مزار کو نہ ہاتھ لگائے نہ بوسہ دے

اور طواف بالاتفاق ناجائز ہے اور سجدہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۱و۱۵۲: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قبر پر جانے سے مردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ میرا کوئی عزیز آیا یا کوئی شخص آیا، یا نہیں معلوم ہوتا اور زندہ کو مردہ کی قبر پر جانے سے مردہ کو کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی ہے یا نہیں، اور وہ کچھ پڑھ کر ثواب بخشے تو مردہ کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید قبر پر کسی عزیز کی روز جاتا تھا پھر جانا بند کردیا، یہ دریافت طلب ہے کہ اس مردہ کو زید کے آنے اور جانے سے کسی قسم کی تکلیف یا راحت ہوتی تھی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) قبر پر کوئی جائے تو مردہ دیکھتا ہے اور جو کچھ کلام کرے وہ سنتا ہے اور جو ثواب پہنچائے مردہ کو پہنچتا ہے، اگر کوئی عزیز یا دوست جائے تو اس کے جانے سے مردہ کو راحت اور فرحت ملتی ہے، جیسے دنیا میں، یہ سب مضامین صحاح احادیث میں وارد ہیں، **وقد فصلناھا فی حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات** (ہم نے حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات میں ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت)

(۲) اس کا جواب سوال سابق کے جواب میں آگیا، بیشک اعزّہ واحباب کے جانے سے اموات کو فرحت ہوتی ہے اور دیر لگانے سے ان کا انتظار رہتا ہے، **وفیہ حکایۃ نفیسۃ فی شرح الصدور** (اس سلسلے میں شرح الصدور (للسیوطی) کے اندر ایک نفیس حکایت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۳: از شہر ممباسہ ضلع شرقی افریقہ دکان حاجی قاسم اینڈ سنز مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۶رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبرستان میں ماں باپ کی زیارت کرنا بعد نماز فجر افضل یا بعد نماز عصر یا بعد نماز مغرب؟ اور بعد مغرب زیارت کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیارت ہر وقت جائز ہے، مگر شب میں تنہا قبرستان میں نہ جانا چاہیے۔ اور زیارت کا افضل وقت روز جمعہ بعد نماز صبح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۴و۱۵۵: از بہیڑی ضلع بریلی جناب ریاض الدین صاحب کلف حکیم مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۱۰محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید قبرستان میں جاکر اس طرح پر فاتحہ پڑھتا ہے کہ اول قبرستان کے دروازے پر کھڑے ہو کر تمام اہل قبور کی ارواح کو ثواب بخشتا ہے پھر اپنے کسی عزیز خاص یا کسی اہل اللہ کی قبر پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھ کر ایک ایک کو جُدا جُدا ثواب بخشتا ہے تو کیا جدا جدا قبر پر کھڑے ہو کر پڑھنے سے اس کے عزیز جیسے والدین و بھائی بہن وغیرہ کو کچھ ثواب یا فرحت بہ نسبت دیگر اہل قبور کے زیادہ ہوگا یا نہیں؟ اور اس جدا جدا قبر پر جانے سے والدین کا حق اور ولی کا مرتبہ ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن مجید پڑھ کر بخشنے والے کو بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ زید کہتا ہے کہ جب پڑھ کر بخش چکے تو پھر ہمارے پاس کیا رہ گیا۔ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۝۶۰ [1] تو کیا احسان کا بدلہ احسان بھی جاتا رہا۔ **توجروا۔**

الجواب:

(۱) بلاشبہہ اس صورت میں جس جس کے لیے جدا فاتحہ پڑھے گا اسے ثواب زائد پہنچے گا اور فرحت زیادہ ہوگی، اور والدین واعزّہ کی قبر پر جدا جدا جانے سے انس حاصل ہوگا جیسے حیات میں۔ اور ولی کے مزار پر جدا حاضر ہونے میں اس کی خاص تعظیم ہے جو ایک عام بات میں شامل کرنے سے نہیں ہوسکتی، زید کا یہ فعل بہت حسن ہے، مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ جس قبر کے پاس بالخصوص جانا چاہتا ہے اس تک قدیم راستہ ہو، اگر قبروں پر سے ہو کر جانا پڑے تو اجازت نہیں، سرراہ دور کھڑے ہو کر ایک قبر کی طرف متوجہ ہو کر ایصال ثواب کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) زید غلط کہتا ہے وہ دنیا کی حالت پر قیاس کرتا ہے کہ ایک چیز دوسرے کو دے دیں تو اپنے پاس ہی نہ رہے۔ وہاں کی باتیں یہاں کے قیاس پر نہیں۔ صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے ان کی روحیں شاد ہوں، اور یہ ان کے ساتھ نیکوکار لکھا جائے اور دونوں کو پورے حج کا ثواب ملے اور اس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہو، اسکی نظیر دنیا میں علم ہے کہ جتنا تقسیم کیجئے اوروں کو ملتا ہے اور اپنے پاس سے کچھ نہیں گھٹتا بلکہ بڑھ جاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۶و ۱۵۷: از منجان مرسلہ علی محمد عیسٰی برادرز ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

(۱) قبرستان میں کلام شریف یا پنج سورہ قبر کے نزدیک بیٹھ کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قبر پر سبزی یا پھول یا اگربتی رکھنا، جلانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۵۶/ ۶۰

الجواب:

(۱) قبر کے پاس تلاوت یاد پر خواہ دیکھ کر ہر طرح جائز ہے جبکہ لوجہ اللہ ہو، اور قبر پر نہ بیٹھے، نہ کسی قبر پر پاؤں رکھ کر وہاں پہنچنا ہو، اور اگر بے اس کے وہاں تک نہ جاسکے تو قبر کے نزدیک تلاوت کے لیے جانا حرام ہے، بلکہ کنارے ہی سے جہاں تک بے کسی قبر کو روندے جاسکتا ہے، تلاوت کرے، درمختار میں ہے:

یکرہ المشی فی طریق ظن انه محدث حتی اذالم یصل الی قبرہ الابوطی قبر ترکه لایکرہ الدفن لیلا ولااجلاس القارئین عند القبر وھو المختار[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	قبرستان کے اندر ایسے راستے پر چلنا ممنوع ہے جس کے بارے میں گمان ہو کہ وہ نیا بنالیا گیا ہے یہاں تک کہ جب اپنی میّت کی قبر تک کسی دوسری قبر کو پامال کئے بغیر نہ پہنچ سکتا ہو تو وہاں تک جانا ترک کرے۔ رات کو دفن کرنا اور قبر کے پاس تلاوت کرنے والوں کو بٹھانا مکروہ نہیں، یہی مختار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

قبر پر سبزی پھول ڈالنا اچھا ہے۔ عالمگیری میں ہے: وضع الورد والریاحین علی القبور حسن[2]۔ قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے (ت) ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ من ذلك (ای من انه مادام رطبا یسبح اللہ تعالٰی فیونس المیّت وتنزل بذکرہ الرحمة) ومن الحدیث ندبا وضع ذلك للاتباع ویقاس علیه ماعتید فی زماننا من وضع اغصان الآس ونحوہ[3]۔	پھول جب تک تر رہتا ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرکے میّت کا دل بہلاتا ہے، اور خدا کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ اس بات سے اور حدیث پاک کے اتباع کے لحاظ سے اس کا مندوب ہونا اخذ ہوتا ہے۔ اسی پر قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیر کی شاخیں رکھنے کا دستور ہے۔ (ت)

اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے کہ اس میں سوءِ ادب اور بدفالی ہے۔ عالمگیری میں ہے: ان سقف القبر حق المیّت[4] (قبر کی چھت حقِ میّت ہے۔ت) ہاں قریب قبر زمین خالی پر رکھ کر سلگائیں کہ خوشبو محبوب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۱

[3] ردالمحتار مطلب وضع الجدید ونحو الآس علی القبور ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۷

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

مسئلہ ۱۵۸: از مراد آباد محلّہ اصالت پورہ مسئولہ کارد علی صاحب ۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پڑھنا قرآن شریف کا قبر پر بیٹھ کر جائز ہے یا نہیں؟ ونیز قرآن شریف سامنے رکھ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

قبر کے سامنے بیٹھ کر تلاوت کی جائے، حفظ خواہ قرآن مجید دیکھ کر، اس کی رحمت اترتی ہے، اور مردہ کا دل بہلتا ہے مگر قبر پر بیٹھنا جائز نہیں کہ میّت کی توہین وایذا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۹تا۱۶۱: از موضع بکہ جیبی والا علاقہ جاگل تھانہ بری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خان ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) بوسہ قبر کا کیا حکم ہے؟ **(۲)** قبر کا طواف کرنا کیسا ہے؟ **(۳)** قبر کس قدر بلند کرنی جائز ہے؟

الجواب:

(۱) بعض علماء اجازت دیتے ہیں اور بعض روایات بھی نقل کرتے ہیں، کشف الغطاء میں ہے:

درکفایۃ الشعبی اثرے در تجویز بوسہ دادن قبر والدین را نقل کردہ وگفتہ دریں صورت لاباس است شیخ اجل ہم در شرح مشکوٰۃ بود آں دربعضے اشارت کردہ بے تعرض بجرح آں[1]۔	کفایۃ الشعبی میں قبر والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک اثر نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس صورت میں کوئی حرج نہیں۔ اور شیخ بزرگ نے بھی شرح مشکوٰۃ میں بعض آثار میں اس کے وارد ہونے کا اشارہ کیا اور اس پر کوئی جرح نہ کی۔ (ت)

مگر جمہور علماء مکروہ جانتے ہیں، تواس سے احتراز ہی چاہئے، اشعۃ اللمعات میں ہے:

مسح نہ کند قبر را بدست وبوسہ نہ دہد آں را۔[2]	قبر کو ہاتھ نہ لگائے، نہ ہی بوسہ دے۔ (ت)

کشف الغطاء میں ہے: کذا فی عامۃ الکتب[3] (ایسا ہی عامۂ کتب میں ہے۔ ت)

---

[1] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶

[3] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۹

مدارج النبوۃ میں ہے:

دربوسہ دادن قبر والدین روایت بیہقی می کنند و صحیح آنست کہ لایجوز است[1]، واللہ تعالٰی اعلم	قبر والدین کو بوسہ دینے کے بارے میں ایک روایت بیہقی ذکر کرتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ ناجائز ہے (ت)

(۲) بعض علماء نے اجازت دی۔ مجمع البرکات میں ہے:

ویمکنه ان یطوف حوله ثلث مرات فعل ذلك[2]۔	گرد قبر تین بار طواف کرسکتا ہے۔ (ت)

مگر راجح یہ کہ ممنوع ہے۔ مولانا علی قاری منسک متوسط میں تحریر فرماتے ہیں:

الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء[3]۔	طواف کعبہ کی خصوصیات سے ہے انبیاء واولیاء کی قبروں کے گرد حرام ہوگا۔ (ت)

مگر اسے مطلقاً شرک ٹھہرادینا جیسا کہ طائفہ وہابیہ کا مزعوم ہے محض باطل وغلط اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔

(۳) ایک بالشت یاکچھ زائد۔

فی الدرالمختار یسنم قدر شبر[4] فی ردالمحتار او اکثر شیئا قلیلا بدائع[5]۔	ایک بالشت کی مقدار کوہان کی طرح بنادی جائے (درمختار) یا کچھ زیادہ کردی جائے، بدائع (ردالمحتار) (ت)

زیادہ فاحش بلندی مکروہ ہے۔ حلیہ میں ہے:

تحمل الکراهة علی الزیادة الفاحشة وعدمها علی القلیلة المبلغة له مقدار اربع اصابع اوما فوقه قلیل[6]۔ واللہ تعالٰی اعلم	کراہت بہت زیادہ اونچی کرنے پر محمول ہے، اور عدمِ کراہت قلیل زیادتی پر جوایک بالشت کی مقدار ہو یااس سے کچھ زائد۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مدارج النبوۃ ذکر نماز گزاردن آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلف ابوبکر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ بیروت ۲/ ۴۲۴

[2] مجمع البرکات

[3] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ الخ دارالکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

[4] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵

[5] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۰۱

[6] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

مسئلہ: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگال مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب قادری رزاقی مرشدی کرنالی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

پیر مرشد کے مزار کا طواف کرنا، اور مزار کی چوکھٹ کو بوسہ دینا اور آنکھوں سے لگانا اور مزار سے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹ کے، ہاتھ باندھے ہوئے واپس آنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مزار کا طواف کہ محض بہ نیت تعظیم کیا جائے ناجائز ہے کہ تعظیم بالطواف مخصوص بخانہ کعبہ ہے۔ مزار کو بوسہ دینا نہ چاہئے، علماء اس میں مختلف ہیں۔ اور بہتر بچنا، اور اسی میں ادب زیادہ ہے آستانہ بوسی میں حرج نہیں، اور آنکھوں سے لگانا بھی جائز کہ اس سے شرع میں ممانعت نہ آئی۔ اور جس چیز کو شرع نے منع نہ فرمایا منع نہیں ہو سکتی قال اللہ تعالٰی **اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ**[1] (اللہ کا ارشاد ہے: حکم نہیں مگر اللہ کا۔ ت) ہاتھ باندھے الٹے پاؤں واپس آنا ایک طرز ادب ہے۔ اور جس ادب سے شرع نے منع نہ فرمایا اس میں حرج نہیں، ہاں اگر اس میں اپنی یا دوسرے کی ایذاء کا اندیشہ ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۳: مزارات اولیائے کرام علیہم رحمۃ المنعام کے چومنے کو کفر یا شرک کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

فی الواقع بوسہ قبر میں علماء مختلف ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے کہ دو چیزوں داعی ومانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبہ محبت ہو اس پر مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔ اور عوام کے لیے منع ہی احوط ہے، ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارِ اکابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو، پھر تقبیل کی کیا سبیل! عالمِ مدینہ علامہ سید نورالدین سمہودی قدس سرہ خلاصۃ الوفاء شریف میں جدارِ مزار انور کے لمس و تقبیل وطواف سے ممانعت کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

فی کتاب العلل والمسؤلات لعبد اللہ بن احمد بن حنبل سألت ابی عن الرجل یمس منبر النبی صلی اللہ تعالٰی	یعنی امام احمد بن حنبل کے صاحبزادہ امام عبداللہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے باپ سے پوچھا کوئی شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر کو چھوئے

[1] القرآن ۱۲/۴۰

علیه علی اله وسلم تبرك بمسه وتقبیله ویفعل بالقبر مثل ذٰلك جاء ثواب الله تعالٰی فقال لاباس به [1]۔	اور بوسہ دے۔ اور ثواب الٰہی کی امید پر ایساہی قبر شریف کے ساتھ کرے، فرمایا، اس میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

امام اجل تقی الملّۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی شفاءُ السقام، پھر سید نورالدین خلاصۃ الوفاء میں بروایۃ یحیٰی بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی بنانۃ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا کہ مزار اعطر سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لپٹے ہوئے ہیں اور قبر شریف پر اپنا مُنہ رکھے ہیں، مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ تم کیا کررہے ہو، انھوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

نعم اِنِّی لَمْ اٰتِ الْحَجَرَ انما جِئْتُ رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سَمِعْتُ رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول لاتَبْكُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ اَهْلُه وَلٰكِنْ اَبْكُوْا عَلَی الدِّیْنِ اِذَا وَلِیَهٗ غَیْرُ اَهْلِه [2]۔	ہاں میں کسی پتھر کے پاس نہ آیا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا، دین پر نہ روجب اس کا والی اس کا اہل ہو، ہاں دین پر روجب نااہل اس کا والی ہو۔

سید قدس سرہ فرماتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن [3] امام احمد نے یہ حدیث بسند حسن روایت فرمائی۔ نیز فرماتے ہیں:

روی ابن عساکر جید عن ابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه ان بلالا رای النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو یقول له ماهٰذه الجفوة یابلال اما اٰن لك ان تزورنی فانتبه حزینا خائفا فرکب راحلته وقصد المدینة فاتی قبر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فجعل یبکی	یعنی ابن عساکر نے بسند صحیح ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ شام کو چلے گئے تھے ایک رات خواب دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں: اے بلال! یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصد زیارت اقدس سوار ہوئے، مزار پرانوار پر

[1] وفاء الوفا الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۴
[2] وفاء الوفا الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۹
[3] وفاء الوفا الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۹

عندہ ویمرغ وجهه علیه[1]۔	حاضر ہو کر رونا شروع کیااور منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

لیس الاعتماد فی السفر للزیارۃ علی مجرد منامه بل علی فعله ذٰلك والصحابة متوفرون ولاتخفی عنهم هذہ القصة[2]۔	یعنی زیارت اقدس کے لیے شدالرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ کیااور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بکثرت موجود تھے اور انھیں معلوم ہوااور کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔

عالمِ مدینہ (سید نورالدین سمہودی علیہ الرحمۃ) فرماتے ہیں:

ذکر الخطیب بن حملة ان بلالا رضی اللہ تعالٰی عنه وضع خدیه علی القبر الشریف وان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما کا ن یضع یدہ الیمنی علیه ثم قال ولا شك ان الاستغراق فی المحبة یحمل علی الاذن فی ذٰلك والقصد به التعظیم والناس تختلف مراتبهم کما فی الحیٰوۃ فمنهم من لا یملك نفسه بل یبادر الیه ومنهم من فیه اناۃ فیتا خر اھ ونقل عن ابن ابی الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمٰعیل التیمی قال کان ا بن المنکدر یصیبه الصمات فکان یقوم فیضع خدہ علی قبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعوتب فی ذٰلك فقال انه یستشفی بقبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[3]۔	یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیاکہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اورابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنا دہنا ہاتھ اس پر رکھتے، پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے، اورلوگوں کے مرتبے مختلف ہیں، جیسے زندگی میں، تو کوئی بے اختیارانہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے، اورابن ابی الصیف اور امام محب طبری سے نقل کیاکہ مزارات اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے۔ اوراسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہوجاتاوہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسار قبر انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر رکھتے، کسی نے اس پر اعتراض کیا، فرمایامیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزاراقدس سے شفا حاصل کرتاہوں۔

[1] وفاء الوفا الفصل الثانی فی بقیہ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۶

[2] وفاء الوفا الفصل الثانی فی بقیہ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۷

[3] وفاء الوفا الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۶

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں:

تمریغ الوجه والخد واللحية بتراب الحفرة الشريفة واعتابها فی زمن الخلوة المامون فيها توهم عامی محذور اشرعيا بسببه، امر محبوب، حسن لطلابها، وامره لاباس به فيها يظهر لكن لمن كان له فی ذلك قصد صالح وحمله عليه فرط الشوق والحب الطافح[1]۔	یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائے گا، ایسے وقت بارگاہ اقدس کی مٹی او رآستانہ پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب اور مستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا، مگر اس کے لیے جس کی نیت اچھی ہو اور افراط شوق او رغلبہ محبت اسے اس پر باعث ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

علا انی اتحفك بامر يلوح لك منه المعنى بان الشيخ الامام السبكى وضع حروجه على بساط دارالحديث التی مسها قدم النووی لينال بركة قدمه وينوه بمزيد عظمته كما اشار الى ذلك بقول وفی دارالحديث لطيف معنی الی بسط له اصبو واوی لعلی ان قال بحروجهی مكانا مسه قدم النووی وبان شيخنا تاج العارفين امام السنة خاتمة المجتهدين كان يمرغ وجهه ولحيته علی عتبة البيت الحرام بحجر اسمعيل[2]۔	یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتاہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہوجائیں وہ یہ کہ امام اجل تقی الملّۃ والدین سبکی دارالحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس اللہ سرہ العزیز قدم مبارک رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لیتے اور ان کی زیارت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیساکہ خود فرماتے ہیں کہ دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہیں جن کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھوا تھا۔ اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنت خاتمہ المجتہدین آستانہ بیت الحرام حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے تو اس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں، اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے۔

[1] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل
[2] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

المسئلة متی امکن تخریجها علی قول من الاقوال فی مذهبنا او مذهب غیرنا ، فلیست بمنکر یجب انکاره والنهی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع علی حرمته والنهی عنه [1] ۔ والله تعالٰی اعلم	جب کسی مسئلہ کا ہمارے مذہب یا دیگر ائمہ کے مذہب پر جواز نکل سکتا ہو تو وہ ایسا گناہ نہیں کہ اس پر انکار اور اس سے منع کرنا واجب ہو۔ ہاں گناہ وہ ہے کہ وہ اس کے حرام ہونے اور اس کے منع ہونے پر اجماع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۴: ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قبروں کو بوسہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ زیارت قبور کی نشست و برخاست کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:

قبروں کا بوسہ لینا نہ چاہیے۔ زیارت قبر میّت کے مواجہ میں کھڑے ہو کر ہو۔ اور راس کی طرف سے جائے کہ اس کی نگاہ کے سامنے ہو، سرہانے سے نہ آئے کہ اسے سر اُٹھا کر دیکھنا پڑے۔ سلام و ایصال ثواب کے لیے اگر دیر کرنا چاہتا ہے رُوبقبر بیٹھ جائے اور پڑھتا رہے، یا ولی کا مزار ہے تو اس سے فیض لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۵تا۱۶۶:

(۱) قبور شہداء یا اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم پر جاکر اور قبر شریف ہی پر مالیدہ یا شرینی مع پھول وغیرہ نیاز کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟ **(۲)** جس شہید یا اولیاء اللہ کے مزار کا حال ہم کو معلوم نہیں ہے کہ آیا کسی کی مزار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس کی ہے؟ مرد اہل اسلام، یہودی یا نصارٰی یا عورت یہود، یا نصارٰی یا مسلمان کی، تو اس مزار پر فاتحہ پڑھنا یا بطریق مذکور نیاز وغیرہ کرنا کیسا ہے، چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) قبور مسلمین کی زیارت سنّت اور مزارات اولیاء کرام و شہداء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی حاضری سعادت بر سعادت اور انھیں ایصال ثواب مندوب و ثواب۔ اور مالیدہ و شیرینی خصوصیاتِ عرفیہ میں اگر وجوب

[1] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ نوع ۳۳ الکلام فی حال الخطبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۰۹

نہ جانے حرج نہیں، اور قبر پر لے جانے کی نہ ضرورت نہ اس میں معصیت۔ ہاں اسے شرعًا لازم جانے بغیر اس کے فاتحہ کا قبول نہ سمجھے تو یہ اعتقاد فاسد ہے، اس اعتقاد سے احتراز لازم ہے۔ قبور مسلمین خصوصًا اولیاء پر پھول چڑھانا حسن ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی۔ مگر شیرینی وغیرہ جو اس قسم کی چیزیں لے جائے اس کو قبر پر نہ رکھے۔ یہ ممنوع ہے۔

(۲) جس قبر کا یہ بھی حال معلوم نہ ہو کہ یہ مسلمان کی ہے یا کافر کی، اس کی زیارت کرنی، فاتحہ دینی ہر گز جائز نہیں کہ قبر مسلمان کی زیارت سنت ہے اور فاتحہ مستحب، اور قبر کافر کی زیارت حرام ہے اور اسے ایصال ثواب کا قصد کفر،

قال اللہ تعالٰی وَلَاتَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ[1] وقال تعالٰی وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾[2] وقال تعالٰی اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس کی قبر پر کھڑے بھی نہ ہونا۔ اور فرمایا، اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور فرمایا بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۷: کسی اولیاء اللہ یا شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر پھول یا کپڑے کی چادر منت مان کر چڑھانا کیسا ہے۔ چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

یہ منت کوئی شرعی نہیں اذلیس من جنسہ واجب (اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی واجب نہیں۔ت) ہاں پھول چڑھانا حسن ہے کماتقدم (جیسا کہ گزر چکا۔ت) اور قبور اولیائے کرام قدسنا اللہ باسرارہم پر چادر بقصد تبرک ڈالنا مستحسن ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ[4]۔	وہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ پہچان ہو جائے تو انھیں ایذا نہ دی جائے۔ (ت)

امام عارف باللہ علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے کشف النور عن اصحاب القبور[5] میں اس کی تصریح فرمائی، پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں اسے نقل کیا اور مقرر رکھا۔

---

[1] القرآن ۹/ ۸۴

[2] القرآن ۲/ ۱۰۲و۲۰۰

[3] القرآن ۷/ ۵۰

[4] القرآن ۳۳/ ۵۹

[5] کشف النور عن اصحابہ القبور مع الحدیقۃ الندیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴

مسئلہ ۱۶۸: از کلکتہ زکریا اسٹیٹ ۲۲ مسئولہ مولوی عبدالحق صاحب ومولوی مبارک کریم صاحب بمعرفت حاجی لعل خاں صاحب ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نے مرید کو وصیت کی تھی کہ میری قبر کا کل سامان روشنی وقرآن خوانی ولنگر خان عرس وغیرہ کاتم انتظام کرنا۔ چنانچہ مرید نے بموجب وصیت تمام سامان کیا، کل اخراجات کا متکفل ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ جولوگ چادر وشیرینی ونقد جنس مزار پر چڑھاتے ہیں وہ کس کا حق ہے؟ اس مرید کا جس نے یہ سامان اور اخراجات کئے اور جو خادم ہے یا وہ فرزندِ شیخ کا؟

الجواب:

چادر جو مزار پر ڈالی جائے وہ کسی کا حق نہیں، نہ اس مرید خادم مزار کا، نہ فرزند صاحب مزار کا، نہ وہ وقف ہو، بلکہ وہ ڈالنے والے کی ملک پر رہتی ہے، جیسے کفن کہ تبرعاً کسی نے میّت کو دیا۔ درمختار میں ہے:

لایخرج الکفن عن ملك المتبرع [1]۔	کفن تبرع کرنے والے (بطور احسان دینے والے) کی ملک سے نہیں نکلتا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوافترس المیّت سبع کان للمتبرع لاللورثة نھر [2]۔	اگر میّت کو کسی درندے نے کھالیا تو کفن جو رہ گیا وہ تبرع کرنے والے کا ہوگا ورثہ کا نہیں۔ نہر۔ (ت)

باقی اور چڑھاوے اگرچہ وہ چادریں ہوں جو مزار پر نہ ڈالیں نہ اس پر ڈالنے کو دیں۔ بلکہ دیگر نذور کی طرح سمجھیں، ان میں عرف عام یہ ہے کہ خادم مزار ہی ان کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ اسی قصد سے لوگ لاتے اور اس کا انتفاع وتصرف دیکھتے، جانتے، روا رکھتے ہیں **والمعروف کالمشروط** (معروف، مشروط کی طرح ہے۔ت) تو وہ خدمت والا ہی ان کا مالک ہے ترکہ نہیں کہ فرزند کو جائے۔ اور اس قسم کے چڑھاوے شرع میں کہیں مطلقاً منع نہیں، نہ یہ نذورِ شرعی، بلکہ عرف ہے کہ اکابر کے حضور جو کچھ لے جاتے اسے نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہ کی نذریں گزریں۔ بعض متاخرین نے منع کیا میّت کے لیے منت ماننے کو منع کیا ہے، وہ صورت یہاں عام مواقع میں نہیں، اکثر چڑھاوے منت ہی نہیں ہوتے، نہ یہ نذر شرعی نذر۔ اور یہاں مباحث نفسیہ ہیں کہ ہم نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کیں، معہذا امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی سیدی اسمٰعیل بن عبدالغنی قدس سرہ القدسی

---

[1] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنائز ادارۃ الطباعۃ المصریۃ، مصر ۱/ ۵۷۱

حدیقہ ندیہ شریف میں فرماتے ہیں:

ومن هذا القبیل زیارة القبور والتبرك بضرائح الاولیاء والصالحین والنذر لهم بتعلیق ذلك علی حصول شفاء اوقدم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین بقبورهم کما قال الفقهاء فیمن دفع الزکوٰة لفقیر وسماها قرضا صح لانه العبرة بالمعنی لاباللفظ وکذلك الصدقة علی الغنی هبة والهبة للفقیر صدقة[1]۔	اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت اور اولیاء وصالحین کے مزارات سے برکت لینا اور کسی بیمار کی شفایابی یا کسی غائب کی آمد کی شرط کرکے ان کے لیے نذر پیش کرنا کہ دراصل یہ قبروں کے خدام پر صدقہ سے مجاز ہے جیسا کہ فقہا نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو فقیر کو زکوٰۃ دے اور اسے قرض کہے تو زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے اس لیے کہ اعتبار معنی کا ہے لفظ کا نہیں، اسی طرح غنی پر صدقہ ہو تو ہبہ وعطیہ ہے اور فقیر کو ہبہ ہو تو صدقہ ہے۔(ت)

نذر اولیاء کا نفیس بیان ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۹تا۱۷۶: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں کہ:

(۱) مردہ کے نام کھانا جو امیر وغریب کو کھلاتے ہیں کس کو کھانا چاہیے اور کس کو نہیں؟ اور یوں بھی کہتے ہیں کہ مردہ کے نام کا کھانا مصلّی امیر وغریب سب کو کھلاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بزرگوں کے مزار پر عرسوں میں یا اس کے علاوہ میں عورتیں جاتی ہیں یا ناپاکی کی حالت میں بھلائی کی طلب میں حاجت برآری کے لیے، اور وہاں ٹھہرتی ہیں اور ان کے لیے ٹھہرنے کے لیے وہی قبرستان ہے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ باتیں بری ہیں تو اس بزرگ میں تصرف اور قوت اس کے روکنے کی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہا جاتا ہے کہ دربار بزرگان میں آنے والے ان کے مہمان ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ بزرگ لوگ اپنے مزار سے تصرف نہیں کرسکتے، اور یہ دلیل لاتے ہیں کہ اگر وہ تصرف کرسکتے تو وہاں رنڈیاں گاتی ہیں، ناچتی ہیں، بجاتی ہیں، عورتیں غیر محرم رہتی ہیں، ان کے بچے پیشاب وغیرہ کرتے ہیں تو کیوں نہیں روکتے، یہ کہنا اور اس کی یہ دلیل صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا کیا جواب؟

(۳) بزرگوں کے مزار سے جو چراغ کی روشنی غیبی سے ہوتی ہے یہ کیسی ہے اور اس سے اس صاحب مزار کی بزرگی ثابت ہوتی ہے یا نہیں؟

[1] الحدیقۃ الندیۃ فی الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الناس والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۵۱

(۴) بزرگوں کے مزار پر فاتحہ، قرآن پڑھنے اور کھڑے ہو کر وسیلہ چاہنے کے لیے عمارت بنادے اور عرس کرے کرائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۵) قبر پر درخت لگانا، دیوار کھینچنا یا قبرستان کی حفاظت کے لیے اس کے چاروں طرف کھود کر جس میں جدید قدیم قبریں بھی ہیں محاصرہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) کسی بزرگ کے روضہ کے گرد قبریں اور وسعت جگہ کے لیے اس قبہ سے لگا کر اسی گرد کے قبر پر مثل سائبان کے پایہ زینہ دے کر چھپّر ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) ظاہر ولی اللہ یعنی زندہ اور صاحب مزار ولی اللہ سے ظاہر طریقہ سے ہمکلام ہونے کی کوئی خبر ہے یا نہیں؟

(۸) کوئی شخص اپنی زندگی میں قُل کرائے، فاتحہ پڑھوائے، آیا جائز ہے یا نہیں، اور اس کا ثواب اپنے لیے بعد وفات رکھے، یعنی یہ کہے کہ میرے مرنے کے بعد مجھے اس کا ثواب ملے۔

الجواب:

(۱) مردے کا کھانا صرف فقراء کے لیے ہو، عام دعوت کے طور پر جو کرتے ہیں یہ منع ہے، غنی نہ کھائے، کما فی فتح القدیر ومجمع البرکات (جیساکہ فتح القدیر اور مجمع البرکات میں ہے۔ت)

(۲) عورتوں کو مقابر اولیاء ومزارات عوام دونوں پر جانے کی ممانعت ہے۔ اولیاء کرام کا مزارات سے تصرف کرنا بیشک حق ہے۔ اور وہ بیہودہ دلیل محض باطل ہے۔ اصحاب مزارات دارِ تکلیف میں نہیں وہ اس وقت محض اہل تکوینیہ کے تابع ہیں، سیکڑوں ناحفاظیاں لوگ مسجدوں میں کرتے ہیں اللہ عزوجل تو قادر مطلق ہے کیوں نہیں روکتا؟ حاضرانِ مزار مہمان ہوتے ہیں مگر عورتیں ناخواندہ مہمان۔

(۳) اگر منجانب اللہ ہے تو ضرور بزرگی ثابت ہوتی اور اگر بزرگی ثابت ہے تو منجانب اللہ ہے ورنہ امر متحمل ہے۔ شیطان بھی بہت کرشمے دکھاتا ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ازواج مطہرات سے ایک بی بی جب اندھیرے میں جاتیں ایک شمع روشن ہو جاتی، ایک روز حضور نے ملاحظہ فرمایا اسے بجھادیا اور فرمایا کہ یہ شیطان کی جانب سے ہے پھر ایک ربانی نور ان کے ساتھ فرمادیا کما فی بھجۃ الاسرار و معدن الانوار (جیساکہ بہجۃ الاسرار اور معدن الانوار میں ہے۔ت)

(۴) جائز ہے کما فی مجمع بحار الانوار (جیساکہ مجمع بحار الانوار میں ہے۔ت) ہاں منکراتِ شرعیہ مثل رقص ومزامیر سے بچنا لازم ہے۔

(۵) حفاظت کے لیے حصار بنانے میں حرج نہیں۔ اور درخت اگر سایہ زائرین کے لیے ہوں تو اچھا ہے

مگر قبر سے جدا ہوں۔

(۶) کسی قبر پر کوئی پایہ چُننا جائز نہیں۔

(۷) بکثرت ہیں کہ امام جلال الدین (سیوطی) کی شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔

(۸) جائز ہے اور قبول ہوا تو ثواب ملے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۷: از گوالیار مرسلہ مولوی محمود الحسن صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو قبروں پر فاتحہ کو جانا درست ہے یا نادرست؟

الجواب:

اصح یہ ہے کہ عورتوں کو قبروں پر جانے کی اجازت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۸: از نصیر آباد تعلقہ جل گاؤں ضلع خانداس مرسلہ بسم اللہ منشی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارت قبور میں عورتوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ دیگر کسی کے بزرگوں کے پاس سے پشت در پشت کسی اولیاء اللہ کی مجاوری اور خدمت گزاری ملی ہے تو فاتحہ دینا اس قبر پر صندل چڑھانا، غلاف چڑھانا، مجاور مرد لوگ موجود ہو کر عورت کو جائز ہے، اس مزار پر ہمیشہ مرد مجاور رہا کرتے ہیں، وہ عورت مجاور کے خاندان سے ہے مگر نہایت بدچلن ہے۔ اس عورت کو کیا اختیار ہے؟

الجواب:

عورتوں کو زیارت قبور منع ہے۔ حدیث میں ہے: **لعن اللہ زائرات القبور**[1] اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں، مجاور مردوں کو ہونا چاہئے، عورت مجاور بن کر بیٹھے اور آنے جانے والوں سے اختلاط کرے یہ سخت بد ہے، عورت کو گوشہ نشینی کا حکم ہے، نہ یوں مردوں کے ساتھ اختلاط کا، جس میں بعض اوقات مردوں کے ساتھ اسے تنہائی بھی ہوگی، اور یہ حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از پٹنہ مرسلہ ابوالمساکین مولوی ضیاء الدین ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے واسطے زیارت قبور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لعن اللہ زوارت القبور**[2] (قبروں کی زیارت

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث حسّان بن ثابت دار الفکر بیروت ۳/ ۴۴۲

کو جانے والی عورتوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا [1]۔	میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، سن لو اب ان کی زیارت کرو۔ (ت)

علماء کو اختلاف ہوا کہ آیا اس اجازت بعد النہی میں عورات بھی داخل ہوئیں یا نہیں، اصح یہ ہے کہ داخل ہیں کما فی البحر الرائق (جیسا کہ بحر الرائق میں ہے۔ت) مگر جوانیں ممنوع ہیں جیسے مساجد سے اور اگر تجدید حُزن مقصود ہو تو مطلقاً حرام۔

اقول: قبور اقرباء پر خصوصًا بحال قُرب عہد ممات تجدید حزن لازم نساء ہے اور مزارات اولیاء پر حاضری میں احدی الشناعتین کا اندیشہ یا ترک ادب یا ادب میں افراط ناجائز تو سبیل اطلاق منع ہے ولہٰذا غنیہ میں کراہت پر جزم فرمایا البتہ حاضری وخاکبوسی آستان عرش نشان سرکار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اعظم المندوبات بلکہ قریب واجبات ہے۔ اس سے نہ روکیں گے اور تعدیل ادب سکھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰: از ترپول سولول ڈاکخانہ ہرول ضلع دربھنگہ بلگرام چرسہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۸ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کوئی آدمی کسی قبرستان میں ایک مسلمان قبر پر بزرگ سمجھ کر اس کی قبر پر درگاہ بناکر کوئی تاریخ مقرر کرکے ہر سال میلہ لگاتا ہے۔ ہر پیر وجوان عورت واسطے عرض اپنے وہاں جمع ہوتی ہیں، بلکہ عورت مرد کا مجمع کثیر ہوتا ہے اور بڑے بڑے عہدہ دار یا ہندو کو دعوت دے کر بلاتے ہیں جس میں ڈھول باجے اور فونوگرام وغیرہ بھی بجتا ہے اور عورت لوگ اس بزرگ کی قبر پر پھول، خصی مرغے، سرنی وغیرہ چڑھاتے ہیں، اور اس قبرستان پر پیشاب پاخانہ کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا ہے اس درگاہ کی شرکت کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، او شرکت کرنے والے کو برا سمجھیں یا اچھا، اور اس درگاہ کا متولی چھوٹی قوم ہے مونچھ داڑھی سے زیادہ رکھتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا مالا پہنتا ہے اور ہاتھ میں لوہے کا چھرا رکھتا ہے اور لوگوں کو گالی فحش دیتا ہے اور لوگ جو شرکت کرتے ہیں اسے بزرگ اور پیر سمجھتے ہیں، ایسے لوگ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، اس لیے دور رہنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب:

اولیاء کرام کے مزارات پر ہر سال مسلمانوں کا مجمع ہو کر قرآن مجید کی تلاوت یا اور مجالس کرنا اور اس کا

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

ثواب ارواح طیبہ کو پہنچانا جائز ہے۔ جبکہ منکرات شرعیہ مثل رقص ومزامیر وغیرہا سے خالی ہو۔ عورتوں کو قبور پر ویسے جانا نہ چاہیے نہ کہ مجمع میں بے حجابانہ اور تماشے کا میلہ کرنا، اور رفونو وغیرہ بجوانا، یہ سب گناہ وناجائز ہیں۔ جو شخص ایسی باتوں کا مرتکب ہو اسے امام نہ بنایا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
جُمَلُ النّور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور ۱۳۳۹ھ
(نور کے جملے، عورتوں کو زیارت قبور سے روکنے کے بارے میں)

بسم اللہ الرّحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۸۱: مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات محلّہ جمال پور ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ
مولانا موصوف نے ایک رجسٹری بھیجی جس میں بحر الرائق و تصحیح المسائل مولانا فضل رسول صاحب رحمہ اللہ علیہ کے حوالے سے عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کو جانے کی اجازت پر زور دیا گیا تھا، ان کو یہ جواب بھیجا گیا۔

الجواب:

مولانا المکرم مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب زید کرمہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کی دو رجسٹریاں آئیں، تین مہینے سے زائد ہوئے کہ میری آنکھ اچھی نہیں تھی،، میری رائے اس مسئلہ میں خلاف پر ہے، مدت ہوئی اس بارے میں میرا فتوٰی تحفہ حنفیہ میں چھپ چکا، میں اس رخصت کو جو بحر الرائق میں لکھی ہے مان کر نظر بحالات نساء سوائے حاضری روضہ انور کہ واجب یا قریب بواجب ہے۔ مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کو عورتوں کا جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم حلبی ہر گز پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس طوفان بے تمیزی رقص ومزامیر وسرود

میں آج کل جُہال نے اعراس طیبہ میں برپا کر رکھا ہے اس کی شرکت تو میں عوام رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا نہ کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حُدی خوانی بالحان خوش پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر انھیں نازک شیشاں فرمایا۔ والسلام

مولوی صاحب نے دوبارہ رجسٹری بھیجی۔ جس پر جواب ارسال ہوا۔

مسئلہ: از احمد آباد گجرات محلّہ جمال پور مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

مخدومی مکرمی معظمی جناب مولانا صاحب دام مجدہم، بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے واضح رائے عالی ہو کہ محبت نامہ موصول ہو۔ فتوٰی کو آپ کے دیکھا، حضرت مولانا! مجھے آپ اس مسئلہ میں سمجھائے کہ مسجد نبوی میں تین سو مرد اور ایک سو ستر عورتیں تھیں، یہ منافقین آخری صف میں کھڑے ہوئے تھے اور عورتوں کو جھانکتے تھے، نماز فجر وعشاء میں عورتیں توجہ انوار حقیقت محمدی وحقیقت قرآن کے لیے حاضر ہوتی تھیں تو منافقین کی نالائق حرکت کا انتظام خدائے تعالٰی اور قرآن عظیم نے یہ نہ کیا کہ منافقین اور فیض لینے والی عورتوں کو یہ حکم دیا ہوتا کہ دونوں مسجد نبوی میں جمع نہ ہوں، اور فیض رسانی عورتوں کی اس بہانے سے بند نہ ہوئی بلکہ انتظام رسانی یہ ہوا کہ

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ [1] وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵﴾ [2]	بیشک ہمیں معلوم ہیں تم میں کے آگے والے اور پیچھے والے اور بیشک تمہارا رب ان کو جمع کرے گا۔ بلاشبہہ وہ حکمت والا علم والا ہے۔ (ت)

اور انتظام حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسّلام نے یہ کیا:

خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا اٰخرھا و خیر صفوف النساء اٰخرھا وشرھا اولھا [3]۔	مردوں کی صفوں میں سب سے بڑھ کر اگلی ہے اور سب سے کم تر پچھلی، اور عورتوں کی صفوں میں سب سے بہتر پچھلی ہے اور سب سے کم تر اگلی ہے۔ (ت)

مسجد میں عورتوں کی نماز بند ہوئی اس کو بندہ مانتا ہے، فیض حقیقت محمدی وحقیقت قرآن لینے کو باپردہ پانچ دس عورتیں محلّہ کی مل کر مرشد کے مکان پر جائیں اور مرشد طریقت مرتعش اور شیخ فانی پردہ میں بٹھا کر ان کو توجہ حقیقت محمدی اور قرآن کی دے اس پر حکم حُرمت لگانا غلط اور فیض محمدی کا مقابلہ اور مورد یُرِیْدُوْنَ اَنْ

[1] القرآن ۱۵/ ۲۴

[2] القرآن ۱۵/ ۲۵

[3] صحیح مسلم باب تسویۃ الصفوف الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۸۲

یُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ[1] (اللہ کا نور اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں۔ت) بنتا ہے۔ شیخ طریقت تو اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ[2] الآیۃ (بیشک ہم نے امانت پیش کی الآیۃ۔ت) میں جو امانت ہے اس کو ذاکرات کے سینہ میں باپردہ بٹھا کر توجہ دے کر جماتا ہے۔ اور یہ اس امانت کی جڑ اکھاڑتا ہے۔ یہ فیض جڑ اکھاڑنے والے کو بے وقار کرکے اکھاڑ دے گا۔ محمدی المشرب سنتِ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرتا ہے۔ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ السلام نے عورتوں کو توجہ دی، اول مرید کرکے، یہ بھی عورتوں کو مرید کرکے توجہ دیتا ہے۔ طریقہ عالیہ قادریہ کی توجہ کلمہ طیبہ کے ذکر کی ہوگی، اب عورتوں کو پردہ میں بٹھا کر ذکر کلمہ طیبہ کا بتایا جائے گا ضرب الااللہ قلب پر مارنا سکھایا جائے گا۔ پردہ میں عورت خلیفہ مرشد طریقت کی بیٹھ کر ذکر کلمہ طیبہ کا سکھاتی ہے اور مرشدِ طریقت اونچ نیچ سمجھاتے ہیں، پردہ میں ایک عورت نہیں محلّہ کی دس پندرہ عورتیں بیٹھیں ہیں، یہاں خلوتِ اجنبیہ کا حکم نہیں لگتا۔ یہ جلوت ہے۔ جلوت میں فیض رسانی طریقت عالیہ قادریہ کی ہوتی ہے۔ اور اسی طرح اس مجلس میں طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی توجہ بھی عورتوں کو دی جاتی ہے۔ بریلی میں حاضری کا کئی بار موقع ہوا ہے، وہاں یہ عمل دیکھنے میں نہیں آیا، نہ وہاں سُنا کہ کوئی مشائخ یہ کرتے ہیں ہمارے یہاں ڈولی میانہ مشکل سے ملتا ہے، غرباء مساکین میں قدرت ان سواریوں میں بیٹھنے کی نہیں۔ اور نہ قرآن عظیم نے ڈولی ومیانہ کا حکم دیا ہے۔

یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ[3] (ان پر اپنی چادریں ڈال دیں۔ت)

اور قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ[4] وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ[5] (ایمان والے مردوں سے فرماؤ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور ایمان والی عورتوں سے فرماؤ اپنی نظریں پست کریں۔ت) وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ[6] (اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں۔ت) اس پردہ پر احمد آباد کی ذاکرات کا عمل ہے۔ عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۴ ص ۷۸:

حاصل الکلام من ھذا کلہ ان زیارۃ القبور مکروھۃ للنساء بل حرام فی ھذا الزمان لاسیّما نساء مصر لان خروجھن علٰی وجہ الفساد والفتنۃ وانما رخصت الزیارۃ لتذکر امرالاٰخرۃ	حاصل یہ کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور مکروہ ہے بلکہ اس زمانے میں حرام ہے خصوصًا مصر کی عورتوں کے لیے اس لیے کہ ان کا جانا فتنہ اور خرابی کے طور پر ہوتا ہے زیارت کی رخصت اس لیے ہوئی تھی کہ امر آخرت کو

[1] القرآن ۹/ ۳۲

[2] القرآن ۳۳/ ۷۲

[3] القرآن ۳۳/۵۹

[4] القرآن ۲۴/۳۰

[5] القرآن ۲۴/۳۱

[6] القرآن ۲۴/۳۱

وللاعتبار بمن مضی وللتزھد فی الدنیا[1]	یاد کریں، وفات پانے والوں سے عبرت لیں، اور دنیا سے بے رغبت ہوں۔(ت)

یہ حکم مصر کی بغایہ مغنیہ دلالہ کا ہے اس حکم کو نیک بخت عورتوں پر لگانا غلط ہے۔ لو ادرك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مااحدثت النساء (اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ دیکھتے جو عورتوں نے اب پیدا کیا۔ت) کی شرح عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۰ میں ہے:

بعضھن یغنین باصوات عالیۃ مطربۃ منھن صنف بغایا[2]	ان میں کچھ ایسی ہوتی ہیں جو طرب انگیز بلند آوازوں سے گاتی ہیں اور کچھ بدکار قسم کی ہیں۔(ت)

احمد آباد میں تین کوس درگاہ حضرت گنج احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی ہے، مکان بہت پر فضا ہے اور تالاب سنگین ہے، وہاں دھنے کی قوم کی اور لکڑ بیچنے والی قوم کی عورتیں لہنگا ساڑھی پہن کر جاتی ہیں اور گربے گاتی ہیں اور ان کی قوم کی ضیافتیں ہوتی ہیں اس میں وہ عورتیں گربے گاتی ہیں، حلقہ عورتوں کا بن جاتا ہے اور تالی بجاتی ہیں اور پھرتی جاتی ہیں رنڈیوں کی طرح گیت گاتی جاتی ہیں ان پر بل حرام فی ھذا الزمان لاسیما نساء مصر (بلکہ اس زمانے میں خصوصًا زنانِ مصر کے لیے حرام ہے۔ت) کا حکم برابر عمدہ طور پر چسپاں ہے۔ اور غنیۃ المستملی کے صفحہ ۵۹۵ میں وان یکون فی زماننا للتحریم لمافی خروجھن من الفساد[3] اھ (ہمارے زمانے میں تحریم کے لیے ہوگا کیونکہ ان کے جانے میں خرابیاں ہیں اھ۔ت) اور جو عورتیں قوالی رنڈیوں کی اور قوالی مردوں کی سننے جاتی ہیں ان کو زیارت القبور کو جانا حرام ہے، ان کے حرام ہونے سے ذاکرات اور فیض لینے جانے والی عورتوں کو کیا نقصان، اگرچہ ایک عورت ہزاروں میں ایک ہو۔ دس ہزار آدمیوں نے کُتے اور خنزیر کے گوشت کی بریانی پکائی ہے اور ایک نے بکری کے گوشت کی بریانی پکائی۔ دونوں بریانوں پر حکم حرمت اور حکم حلت غلط، او کتے کی بریانی پر حکم اور بکری کے بریانی پر حکم حلت صحیح، دونوں کا حکم جدا مفتی کو بیان کرنا پڑھے گا۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾[4] اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾[5] ۔	توکیا جو مومن ہے فاسق کی طرح ہوگا؟ دونوں برابر نہیں۔ یاپرہیزگاروں کو ہم بدکاروں کی طرح کردیں؟(ت)

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارت لقبور حدیث ۴۲ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۷۰

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد حدیث ۲۵۰ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/ ۱۵۸

[3] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی لاجنائز البحث الخامس سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۴

[4] القرآن ۱۸/۳۲

[5] القرآن ۳۸/ ۲۸

اساف اور نائلہ نے جاہلیت میں (خانہ کعبہ کے اندر) زنا کیا اور قدرت الٰہیہ نے دونوں کو مسخ کردیا ایسے متبرک مکان میں دونوں نے خباثت کی، یا کوئی سفر حرمین طیبین میں خبیث عمل سے پیش آئے تو کیا خبیث کی خباثت کو دیکھ کر اور اسی سے استناد کرکے عورتوں کے حج وزیارت حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے عدم جواز کا فتوٰی جاری کردیا جائے گا۔ ہرگز نہیں، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مقدس میں غربی دیوار میں کلام مجید رکھا ہے۔ اس دیوار کے پیچھے عورتیں بیٹھ کر توجہ لیتی ہیں۔ ذکر مراقبہ کرتی ہیں، بُرقع اوڑھ کر آتی ہیں، اختلاط مردوں اور عورتوں کا یہاں بالکل نہیں، اب یہ عورتیں نوراللہ دل میں بھرنے کے لیے حاضر ہوتی ہیں یہ فیض رسانی حقیقت محمدی کی عورتوں کو خواجہ غریب نواز قدسہ سرہ، العزیز کرتے ہیں، اور اس فیض میں وہ قوت ہیں کہ لاکھوں کوسوں سے فیض لینے والیوں کو آپ بلالیتے ہیں۔ یہ جگہ مقام قوالی سے دور ہے اور نماز فجر سے اشراق تک اور مغرب سے عشاء کے بیچ میں اس پردے والے مکان میں عورتیں جمع ہو کر فیض لیتی ہیں اور اس وقت نقصان قوالی کا بالکل نہیں، اور یہ عورتیں نیک بخت پردہ نشین بُرقع اوڑھ کر آنے والی ہیں، آپ نے اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھا اور میں نے اسکو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ بندہ اس کو شہادت کے طور پر بیان کرسکتا ہے۔ اور آپ کو آنکھوں سے دکھا کر تسلی کرسکتا ہے۔ اب ان عورتوں پر حکم حرمت لگانا غلط ہے۔ سرخیز قصبہ احمد آباد میں جو عورتیں گربے گانے والیاں فاحشات، مغنیات اور رنڈئیں اور باپردہ سوالاکھ کلمہ طیب کا ختم پڑھنے والی، ذکر خفی، مراقبہ۔ فیض حقیقت محمدی لینے والی ذاکرات پر رنڈیوں کا حکم لگا کر دونوں کو ایک پھانسی میں لٹکادینا غلط ہے۔ حقوق اولیاء وخیر خواہی اولیاء وخیر خواہی سید الاولین والاآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نہیں **الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین**[1] (دین خیر خواہی ہے اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے۔ت) یہ کہاں ہوئی۔ اولیاء فیض حقیقت محمدی کا دینے کو ذاکرات کو بلاتے ہیں، وہ باپردہ اور شریعت کے احکام کو سرپر رکھ کر حاضر ہوتی ہیں اور مفتی ان پر حکم عدم جواز لگائیں، اس صورت میں فیض حقیقت محمدی کو روکنا ہے۔ اس کا نام دوستی حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نہیں، ہم آپ سے چھوٹے اور آپ کے اقدام کو اپنے سروں پر رکھنے والے ہیں، مگر آپ کا قدم صراطِ مستقیم سے پھسل گیا تو عرض کرنا چاہئے ہُدہُد دوپیسے کی چڑیا حضرت سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں عرض کرتا ہے:

اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾[2]۔	میں نے وہ دیکھا جو آپ نے نہ دیکھا اور میں آپ کے شہر سبا سے یقینی خبر لایا ہوں۔(ت)

[1] السنن للنسائی کتاب البیعۃ النصیحۃ للامام نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۸۵/۲

[2] القرآن ۲۷/ ۲۲

اول تو ایک مدت سے آنکھیں آپ کی رمد میں مبتلا ہیں اور ہاتھ بڑوں بڑوں سے ملایا ہے۔ طبیعت پریشان ہے۔ یہ قلم اس وقت میرا نہ سمجھئے، آپ کے ہم غلام ہیں تو دست بستہ عرض کرتے ہیں، اس کو آپ بغاوت نہ سمجھیں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو زیارت قبور کے وقت سلام کرنا حضرت نبی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بتایا مشکوٰۃ شریف، مسلم شریف، نسائی جزا صفحہ ۶۳۵ میں ہے:

ایں دلالت دارد بر جواز مر نساء را[1]۔	اس میں عورتوں کے لیے جواز زیارت کی دلیل ہے۔(ت)

امام نوی شرح مسلم کی جلدا صفحہ ۳۱۴ میں فرماتے ہیں:

فیہ دلیل لمن جوز للنساء زیارۃ القبور[2] ۔ الخ	اس میں عورتوں کے لیے زیارت قبور جائز ماننے والوں کے لیے دلیل ہے۔(ت)

فتح الباری پارہ ۵ مطبع انصاری دہلی ص ۶۶۲ میں ہے:

اختلف فی النساء فقیل دخلن فی عموم الاذن وھو قول الاکثر ومحلہ اذا امنت الفتنۃ[3]۔	عورتوں کے بارے میں اختلاف ہوا، کہا گیا کہ اجازت کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں، اور یہی اکثر قول ہے۔ اور اس کا حکم کا موقع فتنہ سے امن کی حالت میں ہے(ت)

اب تطبیق سمجھ لیجئے کہ گربے گانے والی۔ قوالی سننے والی عورتوں کے لیے زیارت قبور اولیاء کو جانا حرام اور فیض الٰہی لینے والی عورتوں کو باپردہ شریف کے احکام کو بجالا کر ناجائز، میں نے مسئلہ اس طرح مشرح بیان کیا ہے۔ اس کو آپ صحیح سمجھتے ہیں یا میری سمجھ میں کوئی غلطی ہے مجھے سمجھائے، آپ میرے مربی اور قبلہ وکعبہ حاجات ہیں، خدا تعالٰی آپ کو صحت کُلیہ عاجلہ عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

رقیمہ حکیم عبدالرحیم عفی عنہ مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات دکن جماپور مسجد کانچ ۱۵ ربیع الاول شریف اور مصطفٰی میاں کو پاس بٹھا کر جواب ان سے لکھوا کر میری تسلّی کر دیجئے، میں غلط سمجھا ہوں تو صحیح سمجھائے، اور وہ فتوی جو تحفہ حنفیّہ میں عدم جواز زیارت قبور نساء کے بارے میں ہے اس کی نقل بھی کروا کر روانہ فرمائے، اس کے دلائل سے بھی واقف ہونا بندہ چاہتا ہے۔

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور فصل ثالث نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۹

[2] شرح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی الذھاب الٰی زیارۃ القبور نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۱۴

[3] فتح الباری شرح البخاری باب زیارۃ القبور مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۹

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ، ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

مولانہ المکرم اکرم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی رجسٹری ۱۵ ربیع الاوّل شریف کو آئی۔ میں ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر شام ہی سے ایسا علیل ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ بھی لکھوادیا تھا، آج تک یہ حالت ہے کہ دروازہ سے متصل مسجد ہے چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں میرے نزدیک وہی دو حرف کہ اول گزارش ہوئے کافی تھے اب قدرے تفصیل کروں،

(۱) پہلے گزارش کرچکا کہ عبارات رخصت میری نظر میں ہیں، مگر نظر بحال زمانہ میرے نہ میرے بلکہ منافقین کے باعث عورتوں کو مسجد کریم میں حاضری سے اللہ جل وعلا ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ممانعت نہ فرمائی بلکہ منافقوں کو تہدید وترہیب ارو مردوں کو تقدم عورتوں کو تاخر کی ترغیب فرمائی اور میں اتنا اور زائد کرتا ہوں کہ صرف یہی نہیں بلکہ نساء کو حضور نے عیدین کی سخت تاکید فرمائی، یہاں تک حکم فرمایا کہ برکت جماعت ودُعاءِ مسلمین لینے کو حیض والیاں بھی نکلیں، مصلّی سے الگ بیٹھیں، پردہ نشین کنواریاں بھی جائیں، جس کے پاس چادر نہ ہو ساتھ والی اپنی چادر میں لے لے۔ صحیحین میں ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

امرنا ان نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشھدن جماعۃ المسلمین ودعوتھم وتعتزل الحیض عن مصلاھن قالت امرأۃ یارسول اللہ احدٰنا لیس لھا جلباب قال لتلبسھا صاحبتھا من جلبابھا [1]۔	ہمیں حکم دیا گیا کہ عیدین کے دن حیض والی اور پردہ نشین عورتوں کو بھی ساتھ لے جائیں تاکہ یہ بھی مسلمانوں کی جماعت اور دعا میں شریک ہوں اور حیض والیاں نماز کی جگہ سے الگ رہیں، ایک عورت نے عرض کیا یارسول اللہ ہم میں کوئی عورت ایسی بھی ہوتی ہے جس کے پاس چادر نہیں، فرمایا: اس کے ساتھ والی اپنی چادر کا حصہ اُڑھادے۔ (ت)

اور یہ صرف عیدین میں ہی امر نہیں بلکہ مساجد سے عورتوں کو روکنے سے مطلقاً نہی بھی ارشاد ہوئی کہ اللہ کی

[1] صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ العیدین نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۲۹۱، صحیح البخاری کتاب صلوٰۃ العیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۴

باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ مسند احمد و صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ [1]۔	اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ (ت)

یہ عــہ حدیث صحیح بخاری کتاب الجمعہ میں بھی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امر وجوب کے لیے ہے اور نہی تحریم کے لیے، اور فیض وبرکت لینے کا فائدہ خود حدیث میں ارشاد ہوا۔ بایںہمہ آپ ہی لکھتے ہیں کہ مسجد میں عورتوں کی نماز بند ہوئی اس کو بندہ مانتا ہے۔ درمختار کی عبارت آپ کے سے مخفی نہ ہوگی کہ:

یکرہ حضور ھن الجماعۃ والجمعۃ وعید ووعظ مطلقا ولوعجوز الیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان [2]۔	جماعت میں عورتوں کی حاضری ___ اگرچہ جمعہ، عید اور وعظ کے لیے ہو ___ مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ بوڑھی عورت رات کو جائے، یہی وہ مذہب ہے جس پر فسادِ زمانہ کے باعث فتوٰی ہے۔ (ت)

اسی طرح اور کتب معتمدہ میں ہے۔ ائمہ دین نے جماعت وجمعہ وعیدین درکنار وعظ کی حاضری سے بھی مطلقاً منع فرمادیا اگرچہ بڑھیا ہو، اگرچہ رات ہو۔ وعظ سے مقصود تو صرف اخذِ فیض وسماع امر بالمعروف ونہی عن المنکر و تصحیح عقائد واعمال ہے کہ توجہ مشیخت سے ہزار درجہ اعظم اور اس کی اصل مقدم ہے۔ اس کا فیض بے توجہ مشیخت بھی عظیم مفید ودافع ہر ضرر وشدید ہے۔ اور یہ نہ ہو تو جھ مشیخت کچھ مفید نہیں بلکہ ضرر سے قریب نفع سے بعید ہے۔

عــہ: غیر انہ لم یصرح فیہ باسم الصحابی فقیل عن عمر کما عند عبدالرزاق واحمد قیل عن ابن عمر کما عند مسلم واحمد واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (م)	مگر اس میں صحابی کے نام کی صراحت نہیں، کہا گیا کہ یہ روایت حضرت عمر سے ہے جیسا کہ مصنف عبدالرزاق اور مسند امام احمد میں ہے۔ اور کہا گیا کہ حضرت ابن عمر سے ہے رضی اللہ تعالٰی عنہما، جیسا کہ صحیح مسلم اور مسند امام احمد میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] صحیح مسلم شریف باب خروج النساء الی المساجد نور محمد اصح لمطابع کراچی ۱/ ۱۸۳، صحیح البخاری کتاب الجمعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۳

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

کیاامام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد وسائر آئمہ مابعد رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فیض حقیقت اقدس سے روکنے والااور معاذ اللہ معاذاللہ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ [1] (خدا کا نور اپنے منہ سے بجھانا چاہتے ہیں۔ت) میں داخل ماناجائے گا، حاشا یہ اطبائے قلوب ہیں، مصالح شرع جانتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم وسُنن ابی داؤد میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کاارشاد اپنے زمانہ میں تھا:

لو ادرك رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مااحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل [2]۔	اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے جو باتیں عورتوں نے اب پیدا کی ہیں تو ضرور انھیں مسجد سے منع نہ فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کردی گئیں۔

پھر تابعین ہی کے زمانے سے ائمہ نے ممانعت شروع فرمادی، پہلے جوان عورتوں کو پھر بوڑھیوں کو بھی، پہلے دن میں پھر رات کو بھی، یہاں تک کہ حکم ممانعت عام ہوگیا، کیااس زمانے کی عورتیں گربے والیوں کی طرح گانے ناچنے والیاں یا فاحشہ دلالہ تھیں اب صالحات ہیں یاجب فاحشات زائد تھیں اب صالحات زیادہ ہیں یاجب فیوض وبرکات نہ تھے اب ہیں یاجب کم تھے اب زائد ہیں، حاشا بلکہ قطعًا یقینا اب معاملہ بالعکس ہے۔ اب اگر ایک صالحہ ہے توجب ہزار تھیں، جب اگر ایک فاسقہ تھی اب ہزار ہیں، اب اگر ایک حصہ فیض ہے جب ہزار حصے تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یأتی عام الا والذی بعدہ شرمنه [3]۔	جو سال بھی آئے اس کے بعد والااس سے بُراہی ہوگا۔(ت)

بلکہ عنایہ امام اکمل الدین بابرتی میں ہے کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو مسجد سے منع فرمایا، وہ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے پاس شکایت لے گئیں، فرمایا: اگر زمانہ اقدس میں حالت یہ ہوتی حضور عورتوں کو مسجد میں آنے کی اجازت نہ دیتے۔

حیث قال ولقد نهی عمر رضی الله تعالٰی	وہ فرماتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورتوں کو

[1] القرآن ۹/۳۲

[2] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۱۸۳

[3] صحیح البخاری باب الایأتی الزمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۷، فتح الباری شرح البخاری باب الایأتی الزمان الخ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳/ ۱۷

عنہ النساء عن الخروج الی المساجد فشکون الیٰ عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقالت لو علم البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماعلم عمر مااذن لکن فی الخروج [1]۔	مسجد جانے سے روک دیا، وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہاکے پاس شکایت لے کر گئیں، انھوں نے فرمایا: اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ دیکھتے جو حضرت عمر نے دیکھا تو وہ بھی مسجد جانے کی اجازت نہ دیتے۔(ت)

پھر فامایا:

فاجتمع بہ علماؤناو منعوا الشواب عن الخروج مطلقا امام العجائز فمنھن ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن الخروج فی الظھروالعصر دون الفجر والمغرب والعشاء والفتوی الیوم علی کراھۃ حضور ھن فی الصلوات کلھا الظھور الفساد [2]۔	اسی سے ہمارے علماء نے استدلال کیا، اور جوان عورتوں کو جانے سے مطلقًا منع فرمایا۔ رہ گئیں بوڑھی عورتیں، ان کے لیے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ظہر وعصر میں جانے سے ممانعت اور فجر، مغرب اور عشاء میں اجازت رکھی، اور آج فتوٰی اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں ان کی بھی حاضری منع ہےاس لیے کہ خرابیاں پیدا ہوچکی ہیں۔(ت)

اسی عینی جلد سوم میں آپ کی عبارت منقولہ سے ایک صفحہ پہلے ہے:

وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ المراۃ عورۃ واقرب ماتکون الی اللہ فی قعر بیتھا فاذا خرجت استشرفھا الشیطان وکان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقوم یحصب النساء یوم المجمعۃ یخرجھن من المسجد وکان ابراھیم یمنع نساءہ الجمعۃ والجماعۃ [3]۔	یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں عورت سراپا شرم کی چیز ہے۔ سب سے زیادہ اللہ عزّو جل سے قریب اپنے گھر کی تہ میں ہوتی ہےاور جب باہر نکلے شیطان اس پر نگاہ ڈالتا ہے۔اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جمعہ کے دن کھڑے ہوکر کنکریاں مار کر عورتوں کو مسجد سے نکالتے۔ اور امام ابراہیم نخعی تابعی استاذ الاستاذ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مستورات کو جمعہ وجماعات میں نہ جانے دیتے۔

[1] العنایہ علی ھامش فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳۱۷/۱

[2] العنایہ علی ھامش فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳۱۷/۱

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۵۷/۶

جب ان خیر کے زمانوں میں ان عظیم فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں منع کردیں گئیں، اور کاہے سے، حضور مساجد وشرکت جماعات سے، حالانکہ دین متین میں ان دونوں کی شدید تاکید ہے۔ تو کیا ان ازمنہ شرور میں ان قلیل یا موہوم فیوض کے حیلے سے عورتوں کو اجازت دی جائے گی، وہ بھی کاہے کی، زیارت قبور کو جانے کی، جو شرعا موکد نہیں، اور خصوصًا ان میلوں کھیلوں میں جو خدا نا ترسوں نے مزاراتِ کرام پر نکال رکھے ہیں، یہ کس قدر شریعت مطہرہ سے منافقت ہے۔ شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ جب مصلحت پر سلب مفسدہ کو مقدم رکھتی ہے درء المفاسد اھم جلب المصالح (خرابیوں کے اسباب دور کرنا خوبیوں کے اسباب حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہے۔ت) جبکہ مفسدہ اس سے بہت کم تھا، اس مصلحت عظیمہ سے ائمہ دین امام اعظم وصاحبین ومن بعد ہم نے روک دیا، اور عورتوں کی مسلیں نہ بنائیں کہ صالحات جائیں، فاسقات نہ آئیں، بلکہ ایک حکم عام دیا جسے آپ ایک پھانسی میں لٹکانا فرمارہے ہیں، کیا انھوں نے یہ آیتیں نہ سنی تھیں

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا[1]	کیا جو ایمان والا ہے وہ اس کی طرح ہوگا جو نافرمان ہے؟ یا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کردیں؟ (ت)
اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾[2]	

تو اب کہ مفسدہ جب سے بہت اشد ہے۔ اس مصلحت قلیل سے روکنا کیوں لازم ہوگا، اور عورتوں کی قسمیں کیونکر چھانٹی جائیں گی۔

(۳) صلاح وفساد قلب امر مضمر ہے اور دعوے کے لیے سب کی زبان کشادہ اور محقق ومبطل نامعلوم معہذا، اصلاح سے فساد کی طرف انقلاب کچھ دشوار نہیں، خصوصًا ہوا لگ کر خصوصًا عورتوں کے دل کہ قلب کیلئے بہت آمادہ۔ ولھذا رویدك انجشة رفقا بالقواریر (انجشہ! آبگینوں کے ساتھ نرمی کی خاطر سواریاں آہستہ چلاؤ۔ت) ارشاد ہوا مرد کہ اپنے نفس پر اعتماد کرے احمق ہے نہ کہ عورت، نفس تمام جہاں سے بڑھ کر جھوٹا۔ جب قسم کھائے، حلف اٹھائے، نہ کہ جب خالی وعدوں پر امید دلائے ومایعدھم وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾[3] (اور شیطان انھیں فریب ہی کے وعدے دیتا ہے۔ت) بالخصوص اب کہ قطعًا فساد غالب اور صلاح نادر ہے۔ اس صورت میں مفتی کو تفصیل کیونکر جائز۔ یہ تفصیل نہ ہوگی بلکہ شیطان کو ڈھیل اور اس کی رسی کو تطویل۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الفائز بھذا مع السلامة اقل قلیل	حرم پاک میں سکونت کرکے گناہ سے سلامت رہ جانیوالے

---

[1] القرآن ۱۸/۳۲

[2] القرآن ۲۸/۳۸

[3] القرآن ۱۲۰/۴

فلا یبنی الفقه باعتبارھم ولایذکر حالھم قیدا فی الجواز، لان شان النفوس الدعوی الکاذبة و انھا لاکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا ادعت [1]۔ (ملخصاً)	حضرات کم سے کم تر ہیں فقہی کی بنیاد ان کے اعتبار سے نہ ہوگی، نہ ہی ان کا حال حکمِ جواز کی قید بنا کر مذکور ہوگا۔ (بلکہ اکثر کا اعتبار کرکے مطلقاً عدم جواز کا حکم دیا جائے گا) اس لیے نفس کا حال یہ ہے کہ وہ جھوٹے دعوے کرتا ہے اور وہ جب قسم کھائے اس وقت بھی سب سے زیادہ جھوٹا ہوتا ہے پھر جب صرف دعوٰی کرے اس وقت کیسا ہوگا!

ساداتِ ثلاثہ علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی فرماتے ہیں:

وھو وجیه فینص علی الکراھة ویترك التقیید بالوثوق [2]۔	یہ کلام عمدہ ہے تو سکونتِ حرم کو صراحۃً مکروہ بتایا جائے گا اور یہ نہ کہا جائے گا کہ اگر اپنے نفس پر گناہ سے سلامتی کا بھروسہ رکھتا ہو تو مکروہ نہیں۔(ت)

منتقٰی شرح ملتقٰی میں ہے:

امامن کان بخلافھم فنادر فی ھذا الزمان فلایفرد بحکم دفعالحرج التمییز بین المصلح والمفسد [3]۔	اس زمانے میں ایسے طالب علم کا وجود نادر ہے جو ان بگڑے ہوئے طالبہ کے برخلاف ہو تو اس کے لیے کوئی الگ حکم نہ ہوگا کیونکہ یہ امتیاز کرنا دشوار ہے کہ مصلح کون ہے اور مفسد کون ہے! (ت)

شرح لباب میں ہے:

لو کانت الائمة فی زماننا وتحقق لھم شأننا لصرحوا بالحرمة [4]۔	اگر ائمہ ہمارے زمانے میں ہوتے اور ہماری حقیقتِ حال ان کے سامنے آتی تو وہ بھی سکونتِ حرم کو صاف صاف ناجائز ہی بتاتے (ت)۔

(ان عبارتوں سے استناد یہ ہے کہ فقہی احکام اکثر کے لحاظ سے ہوتے ہیں مترجم)

(۴) زیارتِ قبور پہلے مطلقاً ممنوع تھی پھر اجازت فرمائی، علماء کو اختلاف ہوا کہ عورتیں بھی اس رخصت میں داخل ہوئیں یا نہیں۔ عورتوں کو خاص ممانعت میں حدیث **لعن اللہ زوارات القبور** [5] (خدا کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں، ت) سے قطع نظر کرکے تسلیم کیجئے کہ ہاں عورتوں کو بھی

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منشورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورۃ بالمدینۃ الخ اداۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۵۸

[3] منقی شرح الملتقی علی ھامش مجمع الانہر کتاب النکاح فصل نفقۃ الطفل الفقیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰۰

[4] شرح الباب مع ارشاد الساری فصل اجمعہ اعلٰی الخ دارلکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲

[5] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۸/ ۶۹

شامل ہوئی، مگر جس قدر اول کی عورتوں کو جن میں خصوصًا مساجد وجمعہ وعیدین کی اجازت بلکہ حکم تھا، جب زمانہ فساد آیا ان ضروری تاکیدی حاضریوں سے عورتوں کو ممانعت ہوگئی، تو اس سے یقینا بدرجہ اولٰی اسی غنیہ کے اسی صفحہ ۵۹۵ میں اسی آپ کی عبارت منقولہ سے پہلے اس کے متصل ہے:

ینبغی ان یکون التنزیہ مختصابز منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حیث کان یباح لهن الخروج للمساجد والاعیاد وغیرہ ذلك وان یکون فی زماننا للتحریم [1] الخ	ممانعت کا تنزیہی ہونا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک سے خاص ہونا چاہئے جبکہ ان کے لیے مسجدوں اور عیدین وغیرہ کی حاضری جائز تھی ہمارے زمانے میں تو تحریمی ہونا ہی مناسب ہے۔ الخ (ت)

اسی عینی جلد چہارم میں آپ کی عبارت منقولہ سے چند سطریں پہلے امام ابو عمر سے ہے:

ولقد کرهه اکثر العلماء خروجهن الی الصلوات فکیف الی المقابر ، وما اظن سقوط فرض الجمعة علیهن الا دلیلا علٰی امساکهن عن خروج فیما عداها [2]۔	اکثر علماء نے نمازوں کے لیے عورتوں کا جانا مکروہ رکھا ہے تو قبرستانوں میں جانے کا حکم کیا ہوگا؟ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ان سے فرض جمعہ ساقط ہوجانا اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس کے ماسوا سے بھی روکا جائے گا۔ (ت)

(۵) حکم کتب میں بہت واضح ہے، جواز نفس مسئلہ کافی ذاتہ حکم ہے اور ممانعت بوجہ عارض غالب تو فتوٰی نہ ہوگا مگر منع مطلق پر۔ فقہ میں اس کے نظائر بکثرت ہیں کہ برعایت قیود حکم جوازؔ اور اس کی تصحیح تک کتب میں مصرح اور نظر بحال زمانہ حکم علماء منع مطلقًا جیسے جوارِ حرم ودخول زناں بہ حمام ونفقہ طالب علم ولعب شطرنج وغیرہا۔ اول وسوم کی عبارات گزریں، درمختار میں دربارہ دوم ہے۔ فی زماننا لا شك فی الکراهة [3] (شہر کے عام حمام میں عورتوں کا جانا ہمارے زمانے میں بلاشبہہ منع ہے۔ت) کافی وجامع الرموز وردالمحتار میں دربارہ اخیر ہے:

هوحرام وکبیرة عندنا وفی اباحته اعانة الشیطان علی الاسلام	ہمارے نزدیک شطرنج کھلینا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے اور اسے جائز ٹھہرانے میں اسلام اور مسلمانوں کے

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۵

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۶۹/۸

[3] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۷۸/۲

والمسلمین [1]۔	خلاف شیطان کو مدد دینا ہے۔(ت)

(۶) اس تقریر سے اس کا جواب واضح ہوگیا کہ اگرچہ ایسی عورت ہزاروں میں ایک ہو، جیسی ہزاروں میں ہزار ہوں، جب بھی معتبر نہیں کہ حکم فقہ باعتبار غالب کے ہوتا ہے نہ کہ ہزاروں میں ایک، یہیں سے بریانیوں کا حال کھل گیا، دس ہزار بریانیاں مردار مینڈھے دنبے بکرے کی ہوں اور ان میں دس ہزار مذبوح جانوروں کی مختلط ہوں، بیس ہزار حرام ہیں یہاں تک کہ ان میں تحری کرکے جس کی طرف علت کا خیال جمے، اسے کھانا بھی حرام نہ کہ دس ہزار میں ایک، درمختار میں ہے:

تعتبر الغلبة فی اوان طاهرة ونجسة وذکیة ومیّتة فان الاغلب طاهر تحری و بالعکس والسواء لا [2]۔	پاک وناپاک برتنوں اور مردار مذبوح جانوروں میں کثرت کا اعتبار ہوگا اگر اکثر پاک ہیں تو تحری کرے اور جس کی پاکی پر دل جمے اسے استعمال کرے اور اگر ناپاک زیادہ ہوں یا برابر ہوں تو تحری نہ کرے کہ اب کسی کا استعمال جائز نہیں۔(ت)

ہاں ایک حلال جدا ممتاز معلوم ہو تو کثرت حرام سے اس پر کیا اثر۔ مگر یہاں سن چکے کہ فساد وصلاح قلب مضمر، وتمیز متعذر، نامیسر، اور منتقٰی کی عبارت ابھی گزری پھر غلبہ فساد متیقن، تو قطعًا مطلقًا حکم ممانعت متعین، جیسے وہ بیسیوں ہزار بریانیاں سب حرام ہوئیں حالانکہ ان میں یقینًا دس ہزار حلال تھیں، یہی مسلک علمائے کرام چلے۔

(۷) عینی شرح بخاری جلد سوم کی عبارت آپ نے نقل کی اس میں نہ زنانِ مصر سے حکم خاص ہے نہ مغنیہ ودلالہ کی تخصیص۔ اس میں سولہ صنف فسادِ زناں تو بیان کیں جن میں دو یہ ہیں، اور فرمایا اور اس کے سوا اور بہت سے اصناف قواعد شریعت کے خلاف، اور بتایا کہ اُمّ المومنین اپنے ہی زمانہ کی عورتوں کو فرماتی ہیں کہ ان میں بعض امور حادث ہوئے، کاش ان حادثات کو دیکھتیں کہ جب ان کا ہزارواں حصہ نہ تھے، اپنی عبارت منقولہ سے ایک ہی ورق پہلے دیکھئے جہاں انھوں نے اپنے ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب نقل فرمایا ہے کہ حکم مطلق رکھا ہے نہ کہ زنان فتنہ گر سے خاص۔ اور اس کی علت خوف فتنہ بتاتی ہے نہ کہ خاص وقوع، یہی بعینہٖ نص ہدایہ ہے:

یکرہ لهن حضور الجماعات یعنی الشواب	جماعتوں میں عورتوں یعنی جوان عورتوں کی حاضری

---

[1] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۵/۲۵۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۳

منهن لما فيه من خوف الفتنة[1]	مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔(ت)۔

ہاں جن سے وقوع ہورہا ہے، جیسے زنانِ مصر، ان کے لیے حرام بدرجہ اولیٰ بتایا ہے کہ جب خوفِ فتنہ پر ہمارے ائمہ مطلقاً حکمِ حرمت فرماچکے تو جہاں فتنے پورے ہیں وہاں کا کیا ذکر۔ عبارت عینی یہ ہے:

قال صاحب الهداية يكره لهن حضور الجماعات وقالت عـــہ الشراح يعنى الشواب منهن و قوله الجماعات يتناول الجمع والاعياد والكسوف والاستسقاء وعن الشافعى يباح لهن الخروج قال اصحابنالان فى خروجهن خوف الفتنة وهو سبب للحرام ومايفضى الى الحرام فهو حرام فعلى هذا قولهم يكره مرادهم يحرم لاسيما فى هذا الزمان الشيوع الفساد فى اهله[2]۔	صاحب ہدایہ نے فرمایا: عورتوں کے لیے جماعتوں کی حاضری مکروہ ہے۔ بعض شارحین نے کہا یعنی جوان عورتوں کے لیے ___ اور "جماعتوں" کا لفظ جمعہ، عیدین، کسوف، استسقاء سبھی کو شامل ہے، اور امام شافعی سے روایت ہے کہ ان کے لیے جانے کی اجازت ہے۔ ہمارے مشائخ نے ممانعت کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے نکلنے میں فتنے کا اندیشہ ہے، اور یہ حرام کا سبب ہے، اور جو حرام تک لے جانے والا ہو وہ حرام ہے __ اس کے پیش نظر لفظ "مکروہ" سے ان کی مراد "حرام" ہے، خصوصاً اس زمانے میں اس لیے کہ اب لوگوں میں خرابی او ربرائی عام ہوگئی ہے (ت)

پھر اسی صفحہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا جمعہ کے دن عورتوں کو کنکریاں مار کر مسجد سے نکالنا اور امام اجل ابراہیم نخعی تابعی کا اپنے یہاں کی مستورات کو جمعہ وجماعت میں نہ جانے دینا ذکر کیا۔ **كما تقدم** (جیسا کہ پہلے گزرا۔ت) عنایہ سے گزرا کہ امیر المومنین فاروق اعظم نے عورتوں کو حضور مسجد سے منع فرمایا۔ کیا مدینہ طیبہ کی وہ بیبیاں کہ صحابیات وتابعات تھیں۔ اور ان امام اجل تابعی کی مستورات معاذاللہ فتنہ گروہ اہل فساد تھیں، حاشا ہر گز نہیں، یاللعجب اگر صحابہ وتابعین کرام کو بھی کہا جائے کہ سب کو ایک

عـــہ: **اقول:** لابل هو نفس نص الهداية كما سمعت ۔ منه غفرله (م)	میں کہتا ہوں نہیں بلکہ خود ہدایہ کی عبارت ہے جیسا کہ سن چکے۔ منہ غفرلہ (ت)

[1] الہدایۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۰۵

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۶/۱۵۶

لکڑی ہانکا اور متقین وفجار کا فرق نہ کیا__ حاشا ثم حاشا ہم__ تو ثابت ہوا کہ منع عام ہے صرف فاسقات سے خاص نہیں اور ان کا خصوصًا ذکر فرما کر زنانِ مصر کے خصائل گنانا اس لئے ہے کہ ان پر بدرجہ اولٰی حرام ہے نہ کہ فقط فتنے اٹھانے والیوں کو ممانعت ہے یا وہ بھی صرف مغنیہ ودلالہ کو۔

(۸) اسی لیے آپ کی منقولہ عبارت عینی جلد چہارم کا مطلب واضح کر دیا کہ حکم یہ بیان فرمایا کہ اب زیارتِ قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے ایسی کو حلال ہے۔ ویسی کو تو پہلے بھی حرام تھا اس زمانہ کی کیا تخصیص! آگے فرمایا: خصوصًا زنان مصر۔ اور اس کی تعلیل کی کہ ان کا خروج بروجہ فتنہ ہے۔ یہ وہی تحریم کی وجہ ہے نہ کہ حکم وقوع فتنہ سے خاص اور فتنہ گر عورتوں سے مخصوص۔ ہاں یہ مسلک شافعیہ کلا ہے۔ ابھی امام عینی سے سن چکے کہ عن الشافعی یباح لھن الخروج [1] (شافعی سے کہ ان کے لیے مسجدوں اور عیدین وغیرہ کے لیے نکلنا جائز تھا۔ت) ولہٰذا کرمانی، پھر عسقلانی، پھر قسطلانی کہ سب شافعیہ ہیں، شروح بخاری میں اس طرف گئے۔ کرمانی نے قول امام تیمی کہ اس حدیث میں فساد بعض زنان کے سبب سب عورتوں کی ممانعت پر دلیل ہے۔ نقل کرکے کہا:

قلت الذی یعول علیه ماقلنا ولم یحدث الفساد فی الکل [2]۔	میں نے کہا: معتمد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ فساد وخرابی سب عورتوں میں نہیں آئی ہے۔(ت)

ان کے اس خیال کے دو شافی جواب ابھی گزرے اور تیسرا سب سے اعلٰی باذنہٖ تعالٰی عنقریب آتا ہے۔ امام عینی نے یہاں اس سے تعرض نہ فرمایا کہ اسی حدیث کے نیچے ڈیڑھ ہی ورق پہلے اپنے مذہب اور اپنے ائمہ کا ارشاد بتا چکے تھے۔

(۹) عبارت غنیہ کہ آپ نے نقل کی اس سے اوپر کی سطر دیکھیے کہ اجازت اس وقت تھی جب انھیں مسجدوں میں جانا مباح تھا۔ اب مسجدوں کی ممانعت دیکھئے سب کو ہے یا زنانِ مصر فتنہ گر کو۔ اس کے سات سطر بعد کی عبارت دیکھیے:

یعضدہ المعنی الحادث باختلاف الزمان الذی بسببه کرہ لھن حضور الجمع والجماعات الذی اشارت الیه	اس کی تائید اختلاف زمانہ سے پیدا ہونے والے معنی سے ہوتی ہے جس کے سبب عورتوں کے لیے جمعہ اور جماعتوں کی حاضری مکروہ ہوگئی اس معنی کی جانب

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۵۶/۶

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۵۶/۶

عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها بقولها لوان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی ما احدث النساء بعدہ لمنعهن کما منعت نساء بنی اسرائیل واذا قالت عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها هذا عن نساء زمانها فما ظنك بنساء زماننا[1]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یوں اشارہ فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ باتیں دیکھتے جو عورتوں نے ان کے بعد پیدا کرلیں تو انھیں مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو روک دیا گیا، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا یہ جب اپنے زمانے کی عورتوں کے بارے میں فرمارہی ہیں تو ہمارے زمانے کی عورتوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ (ت)

دیکھیے اسی منع مساجد سے سندلی جس کا حکم عام ہے تولما فی خروجھن من الفساد (ان کے نکلنے میں خرابی ہے۔ ت) سے فسادِ بعض ہی مراد، اور اسی کی منع کل مستفاد، نہ کہ صرف فساد والیوں پر قصر ارشاد۔

(۱۰) غنیہ نے ان دونوں عبارتوں کے بیچ آپ کی عبارت منقول کردہ متصل بحوالہ تارتارخانیہ تھا، یہ شعبی سے جو کچھ نقل فرمایا وہ بھی ملاحظہ ہو:

سئل القاضی عن جواز خروج النساء الی المقابر قال لایسأل عن الجواز الفساد فی مثل هذا وانما یسأل عن مقدار مایلحقها من اللعن فیها واعلم انها کلما قصدت الخروج کانت فی لعنة اللہ و ملائکته واذا خرجت تحفها الشیاطین من کل جانب واذا اتت القبور یلعنها روح المیت واذا رجعت کانت فی لعنة اللہ[2]۔	یعنی امام قاضی سے استفتاء ہوا کہ عورتوں کا مقابر کو جانا جائز ہے یا نہیں؟ فرمایا: ایسی جگہ جواز وعدمِ جواز نہیں پوچھتے، یہ پوچھو کہ اس میں عورت پر کتنی لعنت پڑتی ہے۔ جب گھر سے قبور کی طرف چلنے کا ارادہ کرتی ہے اللہ اور فرشتوں کی لعنت میں ہوتی ہے، جب گھر سے باہر نکلتی ہے سب طرفوں سے شیطان اسے گھیر لیتے ہیں، جب قبر تک پہنچتی ہے میّت کی روح اس پر لعنت کرتی ہے، جب واپس آتی ہے اللہ کی لعنت میں ہوتی ہے (ت)

ملاحظہ ہو استفتاء کیا خاص فاسقات کے بارے میں تھا۔ مطلق عورتوں کے قبروں کو جانے سے سوال تھا اس کا یہ جواب ملا اب جواب میں کہیں فاسقات کی تخصیص ہے۔ غرض یہ تمام عبارات جن سے آپ نے

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۴
[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۴

استدلال فرمایا آپ کی نقیض مدعا میں نص ہیں۔

یہاں ایک نکتہ اور ہے جس سے عورتوں کی قسمیں بنانے، ان کے صلاح وفساد پر نظر کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، اور قطعًا حکم سب کو عام ہو جاتا ہے اگرچہ کیسی صالحہ پارسا ہو۔ فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو وہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فساق سے عورت پر اندیشہ ہو۔ یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی، حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی زوجہ مقدسہ صالحہ، عابدہ۔ زاہدہ۔ تقیہ، نقیہ حضرت عاتکہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو اسی عملی طور سے متنبہ کرکے حاضری مسجد کریم مدینہ طیبہ سے باز رکھا۔ ان پاک بی بی کو مسجد کریم سے عشق تھا، پہلے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں آئیں، قبل نکاح امیر المومنین سے شرط کرالی کہ مجھے مسجد سے نہ روکیں، اس زمانہ خیر میں محض عورتوں کو ممانعت قطعی جزمی نہ تھی جس کے سبب بیبیوں سے حاضری مسجد اور گاہ گاہ زیارت بعض مزارات بھی منقول۔ صحیحین میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

نھینا عن اتباع الجنائز ولم یعزم علینا[1]۔	ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع فرمایا گیا مگر قطعی ممانعت نہ تھی۔

اسی پر غنیہ کی اس عبارت میں فرمایا کہ یہ اس وقت تھا جب حاضری مسجد انھیں جائز تھی اب حرام اور قطعی ممنوع ہے[2]۔ غرض اس وجہ سے امیر المومنین نے ان کی شرط قبول فرمالی۔ پھر بھی چاہتے یہی تھے کہ مسجد نہ جائیں، یہ کہتیں آپ منع فرمادیں میں نہ جاؤں گی، امیر المومنین بہ پابندی شرط منع نہ فرماتے، امیر المومنین کے بعد حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح ہوا، منع نہ فرماتے وہ نہ مانتیں، ایک روز انھوں نے یہ تدبیر کی کہ عشاء کے وقت اندھیری رات میں ان کے جانے سے پہلے راہ میں کسی دروازے میں چھپ رہے۔ جب یہ آئیں اس دروازے سے آگے بڑھی تھیں کہ انھوں نے نکل کر پیچھے سے ان کے سر مبارک پر ہاتھ مارا اور چھپ رہے حضرت عاتکہ نے کہا: ان للہ فسد الناس[3] ہم اللہ تعالٰی کے لیے ہیں لوگوں میں فساد آگیا۔ یہ فرماکر مکان کو واپس آئیں اور پھر جنازہ ہی نکلا۔ تو حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں یہ تنبیہ فرمائی کہ عورت کیسی ہی صالحہ ہو اس کی طرف سے اندیشہ نہ سہی فاسق مردوں کی طرف سے اس پر خوف کا کیا علاج! اب یہ سب کو ایک پھانسی پر لٹکانا ہوا یا مقدس پاک دامنوں کی عزت کو شریروں کے شر سے بچانا! ہمارے ائمہ

[1] صحیح البخاری باب اتباع النساء الجنازۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۰

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۹۵

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ ۶۹۵ عاتکہ بنت زید الخ دار صادر بیروت ۴/ ۳۵۷

نے دونوں علتیں ارشاد فرمائیں، ارشاد ہدایہ لما فیه من خوف الفتنه [1] (اس لیے کہ اس میں فتنے کا اندیشہ ہے۔ت) دونوں کو شامل ہے، عورت سے خوف ہو یا عورت پر خوف ہو، اور آگے علت دوم کی تصریح فرمائی کہ:

لاباس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء ھذا عند ابی حنیفة وقالا یخرجن فی الصلوات کلھا لانه لافتنة لقلة الرغبة وله ان فرط الشق حاصل فتنقع الفتنة غیر ان الفساق انتشارھم فی الظھر والعصر والجمعة [2]۔	بوڑھی عورت کے لیے فجر، مغرب اور عشاء کے لیے نکلنے میں حرج نہیں، اور صاحبین کا قول یہ ہے کہ یہ تمام نمازوں میں جائے کیونکہ اس کی جانب رغبت کم ہونے کی وجہ سے کوئی فتنہ نہیں، امام اعظم کی دلیل یہ ہے کہ فاسقوں میں شہوت کی زیادتی انھیں بوڑھی عورت پر بھی برانگیختہ کرے گی اس طرح فتنہ واقع ہوگا، مگر یہ ہے کہ فاسقون کا اِدھر اُدھر چلنا پھرنا ظہر۔ عصر اور مغرب کے وقت ہوتا ہے (اس لیے فجر، مغرب اور عشاء میں اسے جانے کی اجازت دی گئی)۔(ت)

محقق علی لاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

بالنظر الی التعلیل المذکور منعت غیر المزنیة ایضا لغلبة الفساق دلیلا وان کان النص یبیحه لان الفساق فی زماننا اکثر انتشارھم و تعرضھم باللیل و عمم المتاخرون المنع للعجائز والشواب فی الصلوات کلھا لغلبة الفساد فی سائر الاوقات [3]۔	دلیل مذکور کے پیش نظر ایسی عورت کے لیے بھی ممانعت ہوئی جو خود بدکار نہیں، کیونکہ بدمعاشوں کا غلبہ ہے اور رات کو بھی ممانعت ہوئی اگرچہ امام اعظم کے نص سے اس کی اباحت ثابت ہے، وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں فاسقوں کا گھومنا پھرنا اور چھیڑ چھاڑ کرنا زیادہ تر رات ہی کو ہوتا ہے۔ اور متاخرین نے بوڑھی، جوان سب عورتوں کے لیے تمام نمازوں میں عام ممانعت کردی اس لیے کہ سبھی اوقات میں فساد وخرابی کا غلبہ ہے۔(ت)

اس مضمون کی عبارات جمع کی جائیں تو ایک کتاب ہو۔ خود اسی عمدۃ القاری جلد سوم میں اپنی عبارت منقولہ سے سوا صفحہ پہلے دیکھیے:

فیه (ای فی الحدیث) انه ینبغی (ای للزوج)	اس حدیث میں یہ مضمون ہے کہ جس کام میں عورت کے لیے

[1] الہدایۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۰۵

[2] الہدایۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۰۵

[3] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/

ان یاذن لھا ولا یمنعھا مما فیہ منفعتھا وذلك اذا لم یخف الفتنۃ علیھا ولابھا وقد کان ھو الاغلب فی ذلك الزمان بخلاف زماننا ھذا فان الفساد فیہ فاش والمفسدون کثیرون وحدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا الذی یاتی یدل علی ھذا[1]۔	منفعت ہے اس کے لیے چاہئے کہ شوہر اسے نکلنے کی اجازت دے دے اور منع نہ کرے، اور یہ حکم اس صورت میں ہے جب عورت پر اور عورت کے سبب فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اس زمانے میں اکثری حالات اطمینان وبے خوفی ہی کی تھی، مگر اب ہمارے زمانے میں تو فساد اور برائی عام ہے اور مفسد بہت ہیں، ہم نے حالتِ امن کی جو قید ذکر کی اسکی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث ہے۔ (ت)

اس کی جلد چہارم کی عبارت کا مطلب واضح کردیا کہ حکم کیا بیان فرمایا یہ کہ اب زیارت قبور عورتوں کو مکروہ ہی نہیں بلکہ حرام ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ویسی کو حرام ہے ایسی کو حلال ہے، ویسی کو تو پہلے بھی حرام تھا، اس زمانہ کی کیا تخصیص آگے فرمایا خصوصًا زنان مصر اور اس کی تعلیل کی کہ ان کا خروج بروجہ فتنہ ہے۔ یہ وہی اولویت تحریم کی وجہ سے سن چکے کہ **عن الشافعی یباح لھن الخروج**[2] (امام شافعی سے روایت ہے کہ ان کا نکلنا جائز تھا۔ ت) ولہذا کرمانی پھر عسقلانی پھر قسطلانی کہ سب شافعیہ ہیں، شروح بخاری میں اس طرف گئے۔ کرمانی نے قول امام تیمی کہ فساد بعض زناں کے سبب سب عورتوں کو ممانعت پر دلیل ہے۔ نقل کرکے کہا:

قلت الذی یعول علیہ ماقلناہ ولم یحدث الفساد فی الکل[3]۔	**میں نے کہا:** معتمد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اور فساد وخرابی سب میں نہیں آئی ہے۔ (ت)

جلد چہارم میں ابو عمر عبد البر سے دیکھیے:

اما الشواب فال تومن من الفتنۃ علیھن وبھن حیث خرجن، ولاشیئ للمرأۃ احسن من لزوم قعر بیتھا[4]۔	لیکن جوان عورتیں تو وہ جہاں بھی نکلیں ان کے سبب اور ان کے اوپر فتنہ سے بے خوفی نہیں۔ اور عورت کے لیے اپنے گھر کے اندر رہنا سب سے اچھا ہے (ت)

---

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/۱۵۷

[2] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۶/۱۵۷

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری باب خروج النساء الی المساجد ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/۱۵۹

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب زیارت القبور ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۶۹

الحمدللہ اب توضوح حق میں کچھ کمی نہ رہی۔ ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ ہمارے علماء نے خروج زن کے چند مواضع گنائے جن کا بیان ہمارے رسالہ مروج النجا لخروج النساء (۱۳۱۵ھ) میں ہے۔ اور صاف فرمادیا کہ ان کے سوا میں اجازت نہیں ۔ اور اگر شوہر اذن دے گا تو دونوں گنہگار ہوں گے، درمختار میں ہے:

لاتخرج الالحق لها اوعليها اولزيارة ابويها كل جمعة مرة اوالمحارم كل سنة ولكونها قابلة اوغاسلة لافيما عدا ذلك وان اذن كان عاصيين[1]۔	عورت نہ نکلے مگر اپنے حق کے لیے یا اپنے اوپر کسی حق کے سبب، یا ہر ہفتہ میں ایک بار والدین کی ملاقات کے لیے۔ یا سال میں ایک بار دیگر محارم کی ملاقات کے لیے۔ یا اس وجہ سے کہ وہ دایہ یا میّت کو نہلانے والی ہے۔ ان کے علاوہ صورتوں میں نہ نکلے۔ اگر شوہر نے اجازت دی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ (ت)

نوازل امام فقیہ ابواللیث وفتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر وغیرہا میں ہے:

يجوز للخروج ان يأذن لها بالخروج الى سبعة مواضع اذا استأذنته زيارة الابوين وعيادتها وتعزيتهما اواحدهما وزيارة المحارم فان كانت قابلة او غاسلة اوكان لها على اٰخرحق اوكان لاخر عليها حق تخرج بالاذن ولغير الاذن والحج على هذا وفيما عدا ذلك من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة لايأذن لها لواذن وخرجت كانا عصيين[2]۔	شوہر عورت کو سات مقامات میں نکلنے کی اجازت دے سکتا ہے: (۱) ماں باپ دونوں یا کسی ایک کی ملاقات (۲) ان کی عیادت (۳) ان کی تعزیت (۴) محارم کی ملاقات (۵) اور اگر دایہ ہو (۶) یامُردہ کو نہلانے والی ہو (۷) یا اس کا کسی دوسرے پر حق ہو یا دوسرے کا اس کے اوپر حق ہو تو اجازت سے اور بلااجازت دونوں طرح جاسکتی ہے۔ حج بھی اسی حکم میں ہے۔ ان کے علاوہ صورتیں جیسے اجنبیوں کی ملاقات، عیادت اور ولیمہ ان کے لیے شوہر اجازت نہ دے اور اگر اجازت دی اور عورت گئی تو دونوں گنہگار ہوں گے۔ (ت)

ملاحظہ ہوں ان میں کہیں زیارت قبور کا بھی استثناء کیا، کیا یہ استثناء کسی معتمد کتاب میں مل سکتا ہے۔

(۱۳) اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتا ہوں__ اور توفیق

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس الخامس فی خروج المرأۃ من البیت مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

خداہی سے ہے۔ اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ ت) ان تمام مباحث جلیلہ سے بحمد اللہ تعالٰی ایک جلیل و دقیق توفیق انیق ظاہر ہوئی، عام مجوزینِ نفس زیارت قبر لکھتے ہیں کہ اس کی اجازت عورتوں کو بھی ہوئی، زیارت قبور کے لیے خروج نساء نہیں کہتے میں عام کتب میں اسی قدر ہے اور مانعین زیارت قبر کے لیے عورتوں کے جانے کو منع فرماتے ہیں، ولہذا خروج الی المسجد کی ممانعت سے سند لاتے ہیں، اور ان کے خروج میں خوف فتنہ سے استدلال فرماتے ہیں۔ تمام نصوص کہ ہم نے ذکر کیے اسی طرف جاتے ہیں، تو اگر قبر گھر میں ہو یا عورت مثلاً حج یا کسی سفر جائز کو گئی راہ میں کوئی قبر ملی اس کی زیارت کرلی بشرطیکہ جزع وفزع وتجدید حزن وبکار ونوحہ وافراط وتفریط ادب وغیرہا منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔ کشف بزدوی میں جن روایات سے صحتِ رخصت پر استناد فرمایا ان کا مفاد اسی قدر ہے۔

حیث قال والاصح ان الرخصۃ ثابتۃ للرجال والنساء جمیعا فقد روی ان عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کانت تزور قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی کل وقت وانہا لما خرجت حاجۃ زارت قبر اخیہا عبدالرحمٰن [1]۔	وہ فرماتے ہیں اصح یہ ہے کہ رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ثابت ہے اس لیے کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہر وقت قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کرتی تھیں اور جب حج کو جاتیں تو راہ میں واقع اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی زیارت کرتیں۔ (ت)

بحرالرائق وعالمگیری وجامع الرموز ومختار الفتاوی وکشف الغطاء وسراجیہ ودرمختار وفتح المنان کی عبارتیں جن سے تصحیح المسائل میں استناد کیا۔ ہمارے خلاف نہیں۔ ہاں مائۃ مسائل پر رد ہیں جس میں مطلق کہا تھا:

زنان رازیارت قبور بقول اصح مکروہ تحریمی ست [2]۔	عورتوں کے لیے زیارت قبور بقول اصح مکروہ تحریمی ہے۔ (ت)

لاجرم وہی درمختار جس میں تھا۔ لابأس بزیارۃ القبور للنساء [3] (عورتوں کے لیے زیارت قبور میں کوئی حرج نہیں۔ ت)

اسی میں ہے: ویکرہ خروجھن تحریما [4] (عورتوں کا نکلنا مکروہ تحریمی ہے۔ ت)

---

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بیان جواز زیارۃ القبور للنسائ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۸۶

[2] مائۃ مسائل

[3] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

[4] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۴

وہی بحرالرائق جس میں تھا: **الاصح ان الرخصة لهما** [1] (اصح یہ ہے کہ رخصت مردوں عورتوں دونوں کے لیے ثابت ہے۔ت) اسی میں ہے:

لاینبغی للنساء ان یخرجن فی الجنازة لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہاھن عن ذلك وقال انصرفن مازورات غیر ماجورات [2]۔	عورتوں کو جنازے میں نہ جانا چاہیے اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لیے اس سے ممانعت کی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر جائیں تو ثواب سے خالی گناہ سے بھاری ہو کر پلٹیں گی۔(ت)

اتباع جنازہ کو فرض کفایہ ہے جب اس کے لیے ان کا خروج ناجائز ہوا تو زیارت قبور کہ صرف مستحب ہے اس کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ پھر نفس زیارت قبر جس کے لیے عورت کا خروج نہ ہو اس کا جواز بھی عندالتحقیق فی نفسہٖ ہے کہ جن شروط مذکورہ سے مشروط ان کا اجتماع نظر بعادت زنانِ نادر ہے اور نادر پر حکم نہیں ہوتا۔ تو سبیل اسلم اس سے بھی روکنا ہے۔ ردالمحتار و منحۃ الخالق میں ہے:

ان کان ذلك لتجدید الحزن والبکاء والندب علی ماجرت بہ عادتھن فلا یجوز علیہ حمل حدیث لعن اللہ زائرات القبور وان کان للاعتبار والترحم من غیر بکاء والتبرك بزیارة قبور الصالحین فلا بأس اذا کن عجائز ویکرہ اذا کن شواب کحضور الجماعة فی المسجد اھ زادفی رد المحتار وھو توفیق حسن [3] **اھ وکتبت علیہ اقول: قد علم ان الفتوی علی المنع مطلقا ولو عجوز اولو لیلا فکذلك فی زیارة القبور بل اولی۔**	اگر یہ زیارت غم تازہ کرنے اور رونے چلانے کے لیے ہو جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے تو ناجائز ہے اور اسی پر یہ حدیث محمول ہے: "خدا کی لعنت ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جائیں" اور اگر عبرت حاصل کرنے، روئے بغیر رحم کھانے اور قبور صالحین سے برکت لینے کے لیے ہو تو جماعت مسجد کی حاضری کی طرح بوڑھیوں کے لیے حرج نہیں اور جوانوں کے لیے مکروہ ہے اھ__ ردالمحتار میں مزید اتنا اور ہے کہ "یہ عمدہ تطبیق ہے اھ" اس پر میں نے (امام احمد رضا نے) یہ حاشیہ لکھا ہے: **اقول:** معلوم ہے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ جماعتوں کی حاضری عورتوں کے لیے مطلقًا ممنوع ہے اگرچہ بوڑھی عورت ہو اور اگرچہ رات کو نکلے۔ تو یہی حکم زیارت قبور میں بھی ہوگا بلکہ یہاں بدرجہ اولٰی ہوگا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[2] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار مطلب فی زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/ ۶۰۴

(۱۴) آپ نے ایک صورت شیخ فانی مرتعش سے پردے کے اندر توجہ لینے کی ذکر کی ہے۔اس میں کیا حرج ہے، جبکہ خارج سے کوئی فتنہ نہ ہو، نہ اسے یہاں سے علاقہ۔

(۱۵) مگروہ جو عورت کا خلیفہ ہونا لکھا، صحیح نہیں، ائمہ باطن کا اجماع ہے کہ عورت داعی الی اللہ نہیں ہو سکتی۔ہاں تدابیر ارشاد کردہ مرشد بتانے میں سفیر محض ہو تو حرج نہیں۔امام شعرانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اھل الکشف علی اشتراط الذکورۃ فی کل داع الی اللّٰہ ولم یبلغنا ان احدا من نساء السلف الصالح تصدرت لتربیۃ المریدین ابد النقص للنساء فی الدرجۃ وان وردالکمال فی بعضھن کمریم بنت عمران واٰسیۃ امرأۃ فرعون فذلك کمال بالنسبۃ للتقوی والدین لابالنسبۃ للحکم بین الناس وتسلیکھم فی مقامات الولایۃ وغایۃ امرالمرأۃ ان تکون عابدۃ زاھدۃ کرابعۃ العدویۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا [1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔	اہل باطن کا اس پر اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے۔ اور ہمیں ایسی کوئی روایت نہیں ملی کہ سلف صالحین کی مستورات میں سے کوئی خاتون تربیت مریدین کے لیے کبھی صدر نشین ہوئی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ عورتیں مرتبہ میں ناقص ہیں، اور بعض خواتین مثلاً حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون کے بارے میں جو کامل ہونے کا ذکر آیا ہے تو یہ کمال تقوی اور دین داری کے لحاظ سے ہے لوگوں کے درمیان حاکم ہونے اور انھیں ولایت کے مقامات طے کرانے کے لحاظ سے نہیں __ عورت کی غایتِ شان یہ ہے کہ عابدہ، زاہدہ ہو، جیسے رابعہ عَدَویّہ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاتحہ بہیئت مروجہ کہ کھانا سامنے رکھ کر درود وقرآن پڑھ کر ثواب اس کا بنام میّت کرتے ہیں اور وہ کھانا محتاج کو دے دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ کھانا محتاج کو دینے سے پہلے ثواب میت کو نہیں پہنچا سکتے، لہٰذا پہلے کھانا دے اس کے بعد ثواب پہنچائے، اور کہتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر ناجائز وناروا ہے۔ آیا قول اس کا صحیح ہے یا

[1] المیزان الکبرٰی کتاب الاقضیۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۸۹

غلط؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اور اجرا پاؤ۔ت)

الجواب:

فاتحہ بہیئت مروّجہ جس طرح سوال میں مذکور، بلاریب جائز و مستحسن ہے۔ اہلسنت کے نزدیک اموات کو ثواب پہنچانا ثابت ہے۔ اور اس میں حدیثیں صحیح اور روایتیں فقہی معتبر بہ کثرت وارد۔ باقی رہا طعام اور قرآن کا جمع، خود ان کے امام الطائفہ معلمِ ثانی اسمٰعیل دہلوی نے صراط مستقیم میں اس اجتماع کو بہتر کہا۔ کما حیث قال:

ہرگاہ ایصال نفع بمیّت منظور دارد موقوف براطعام نہ گزارد، اگر میسر باشد بہتر ست والّا صرف ثوابِ سُورۃ فاتحہ واخلاص بہترین ثوابہاست[1]۔	جب میّت کو نفع پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر ہی موقوف نہ رکھے، اگر میسر ہو تو بہتر ورنہ صرف سُورہ فاتحہ واخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے۔(ت)

اور قبل اس کے کہ صدقہ محتاج کے ہاتھ میں پہنچے ثواب اس کا میّت کو پہنچانا جائز، اور حدیث سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ سنن ابی داؤد و سنن نسائی میں مروی ثابت:

انہ قال یا رسول اللہ ان اُم سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء قال فحفر بیر اوقال ھذہ لام سعد[2]۔	یعنی انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میری ماں نے انتقال کیا تو کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: پانی۔ انھوں نے کُنواں کھود کر کہا: یہ مادر سعد کے لیے ہے۔(ت)

اس سے صاف متبادر یہ کہ کُنواں تیار ہو جانے پر یہ الفاظ کہے، اور ایک دو دن یا دس بیس برس بھی سہی تو صرف اس قدر پانی کا ثواب پہنچانا منظور تھا جو اس وقت آدمیوں جانوروں کے صَرف میں آیا، حاشا بلکہ جب تک کُنواں باقی رہے بحکم ھذہ لام سعد سب کا ثواب مادر سعد کو پہنچے گا، اور سب کا ایصال منظور تو تھا تو قبل تصرف ایصال ثواب ہر طرح حاصل۔ اور خود احادیث مرفوعہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ثواب عمل قبول ایصال فرمایا۔ اور فقیر نے انھیں حدیثوں سے کھانا سامنے رکھنے کی اصل استنباط کی جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔

---

[1] صراط مستقیم ہدایت ثالثہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۶۴

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الزکٰوۃ باب فی فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیّت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۳

رواہ البیہقی عن انس والطبرانی فی الکبیر عن سھل بن سعد وھو العسکری فی الامثال عن النواس بن سمعان والدیلمی عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنھم وزادان اللہ عزوجل لیعطی العبد علٰی نیتہ مالایعطیہ علی علمہ وذلك ان النیۃ لاریاء فیھا والعمل یخالطہ الریاء [1] ھذ ا الحدیث الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	(اسے بیہقی نے حضرت انس سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت سہل بن سعد سے اور طبرانی وعسکری نے امثال میں نواس بن سمعان سے اور دیلمی نے حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، اس میں اتنا اور ہے۔ ت) بیشک اللہ عزوجل بندہ کو اس کی نیت پر وہ ثواب دیتا ہے جو اس کے عمل پر نہیں دیتا۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ نیت میں ریاء نہیں ہوتی اور عمل کے ساتھ ریا کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ یہ حضرت اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے جو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

زید کہ اسے ناجائز کہتا ہے حدیث کی مخالفت کرتا ہے۔ طرفہ تر یہ کہ خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی اپنی تقریر ذبیحہ میں اس تقریر وہابیہ کو ذبح کرگئے۔ لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود اور اذبح کردہ پختہ فاتحہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست [2]۔	اگر کوئی شخص کوئی بکری گھر پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو پھر اس کو ذبح کرکے اور پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے۔ (ت)

ان حضرت سے پوچھا ہوتا کہ یہ "فاتحہ خواندہ بخوراند" (فاتحہ پڑھ کر کھلائے۔ت) کیسی، "خوراندہ فاتحہ بخواندہ" (کھلا کر فاتحہ پڑھے۔ت) کہا ہوتا۔

اقول: بات یہ ہے کہ فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے، اور مومن کو عمل نیک کا ایک ثواب اس کی نیت کرتے ہی حاصل، اور عمل کیے پر دس ۱۰ ہوجاتا ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا۔ بلکہ متعدد حدیثوں میں فرمایا گیا کہ: **نیۃ المومن خیر من عملہ** [3] مسلمان کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے، فاتحہ میں دو ۲ عمل نیک ہوتے ہیں: قرأتِ

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ۲۸۶/۴

[2] زبدۃ النصائح

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۶۸۴۳ دارالکتاب العلمیۃ بیروت ۲۸۶/۴

قرآن واطعام طعام۔ طریقہ مرّوجہ میں ثواب پہنچانے کی دعا اس وقت کرتے ہیں جب کہ کھانا دینے کی نیت کرلی۔ اور کچھ قرآن عظیم پڑھ لیا تو کم سے کم گیارہ ثواب اس وقت مل سکے۔ دس ثواب قراءت کے اور ایک نیتِ اطعام کا۔ کیا انھیں میّت کو نہیں پہنچاسکتے؟ رہا کھانا دینے کا ثواب۔ وہ اگرچہ اس وقت موجود نہیں تو کیا ثواب پہنچانا شاید ڈاک یا پارسل میں کیسی چیز کا بھیجنا ہوگا جب تک وہ شے موجود نہ ہو کیا بھیجی جائے۔ حالانکہ اس کا طریقہ صرف جناب باری میں دعا کرنا ہے کہ وہ ثواب میّت کو پہنچائے، خود امام الطائفہ صراط مستقیم میں لکھتا ہے:

"طریق رسانیدن آں دُعا بجناب الٰہی ست"[1] (اس کے پہنچانے کا طریقہ جناب الٰہی میں دعا ہے۔ت)

کیا دعا کرنے کے لیے بھی اُس شے کا موجود فی الحال ہونا ضروری ہے۔ مگر ہے یہ کہ جہالت سب کچھ کراتی ہے، اور وقتِ فاتحہ کھانے کا قاری کے پیش نظر ہونا اگرچہ بیکار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولِ ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں۔ جو اسے ناجائز وناروا کہے، ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا ورسول کسی چیز کو ناروا کہہ دینا خدا ورسول پر افتراء کرنا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا، تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے۔ لیکن نفسِ فاتحہ میں اس اعتقاد سے بھی کچھ حرف نہیں آتا۔ **ومن ادعی فعلیه البیان** (اور جو دعوی کرے بیان اس کے ذمہ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

الحُجّۃ الفائحۃ لطیب التعین والفاتحۃ ۱۳۰۷ھ

(دن متعین کرنے اور فاتحہ کے عمدہ ہونے پر عطر بیز حجت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۸۳:

سوم ودہم وچہلم وششماہی وسالیانہ کہ دریں دیار ہند مروہ ست، اور بعض علماء بدعت شنیعہ مکروہہ گویند واقوال چند بردرستی اوست وطعامے کہ بعد موتے بہ نیت ثواب می پزند وہر دودست برداشتہ فاتحہ ہندآں راعلماء ظواہر غیر مقلدین بباعث فاتحہ، مردار وحرام دانستہ گویند، ایں طریقہ درزمانہ نبوی واصحاب کبار مصطفوی وتابعین واتباع تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین بنود بلکہ طعام وشیرینی کہ نیاز بزرگان دین است مثل مردار پس	تیجہ، دسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی جو دیار ہند میں رائج ہے اسے بعض علماء مکروہ بدعت شنیعہ کہتے ہیں، اور کچھ کے اقوال یہ ہیں کہ وہ درست ہے۔ اور کسی موت کے بعد ثواب کی نیت سے جو کھانا پکاتے ہیں اور دونوں ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دیتے ہیں اس کو غیر مقلد ظاہری علماء فاتحہ کی وجہ سے مردار اور حرام جانتے ہیں، وہ کہتے ہین کہ یہ طریقہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ان کے بزرگ اصحابہ، تابعین اور اتباع تابعین رضوان اللہ تعالٰی اجمعین کے زمانے میں

دریں مسئلہ ہرچہ حکم شرعی واجب التعمیل باشد بیان فرمایند بسند کتاب۔ بیّنوا توجروا	نہ تھا۔ بلکہ بزرگان دین کی نیاز کے لیے جو کھانا اور شرینی ہے وہ مردار کی طرح ہے ___ تو اس مسئلہ میں جو واجب العمل حکم شرعی ہو کتاب کے حوالہ سے بیان فرمائیں۔ بیان کریں اور اجر پائیں۔ (ت)

الجواب:

قول فیصل وسخن مجمل درین باب آنست کہ ایصال ثواب وہدیہ اجر باموات مسلمین باجماع کافہ اہلسنت وجماعت امریست مرغوب ودر شرع مندوب۔ احادیث بسیار از حضور سید الابرار علیہ افضل الصلٰوۃ من ملک الجبار ودر ترغیب وتصویب ایں کار وارد شد۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق در فتح القدیر وامام علامہ فخر الدین زیلعی در نصب الرایہ وامام علامہ جلال الدین سیوطی در شرح الصدور و فاضل علامہ علی قاری در مسلک متقسط وغیرہم فی غیرہا بذکر برخی ازانہا پرداختہ اند وخود انکار ایں کار نیاید مگر از سفیہ جاہل یا ضال مطلق مبتدعان زمانہ راکہ خون پنہاں معتزلیت بجوش آمدہ است درپردہ ترخیص نیابت و تخصیص وکالت، اہدائے ثواب را انکار کنندہ و پیش خویش اجماع قطعی اہلسنت را برہم زنند باز بشہادت احادیث کثیرہ وجزم تصحیح جمہور ائمہ وصول ثواب خاص بقربات مالیہ نیست بلکہ مالیہ وبدنیہ ہر دو را عام ہمیں ست مذہب ائمہ حنفیّہ وبریں اند بسیارے از محققین شافعیہ وعلیہ الجمہور وھو الصحیح الرجیح المنصور باز اجماع ایں ہر دو کہ ہم قرآن خوانند وہم تصدق کنند وثواب ہر دو بمسلماناں رسانند نیست مگر	اس باب میں قول فیصل اور اجماع کلام یہ ہے کہ مسلمان مُردوں کو ثواب پہنچانا اور اجر ہدیہ کرنا ایک پسندیدہ اور شریعت میں مندوب امر ہے جس پر تمام اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے ___ اس عمل کو درست قرار دینے اور اس کی رغبت دلانے سے متعلق حضور سید الابرار علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بہت سی حدیثیں وارد ہیں ___ جن میں سے کچھ احادیث امام علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں امام علامہ فخر الدین زیلعی نے نصب الرایہ میں امام علامہ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں فاضل علامہ علی قاری نے مسلک متقسط میں اور دوسرے حضرات نے دوسری کتابوں میں بیان فرمائی ہیں ___ اس عمل کا انکار وہی کرے گا جو بے وقوف جاہل یا گمراہ صاحب باطل ہو ___ اس زمانہ کے بدمذہبوں میں معتزلیت کا چُھپا ہوا خون جوش میں آگیا ہے معتزلہ کی نیابت اور خصوصی وکالت کے پردے میں ایصال ثواب کے منکر ہیں اور خود اہلسنت کے اجماع قطعی کے مخالف ہیں۔ پھر احادیث کثیرہ کی شہادت اور جمہور ائمہ کے جزم اور تصحیح سے ثابت ہے کہ ثواب پہنچنا قربتِ مالی سے خاص نہیں بلکہ مالی وبدنی دونوں کو عام ہے ___ یہی ائمہ حنفیّہ کا مذہب ہے اور اسی پر بہت سے محققین شافعیہ بھی ہیں اور اسی پر جمہور ہیں۔

جمع حسن باحسن ومندوب وزنہار یکے بعد دیگرے منافی نیست کا لتلاوۃ من المصحف فی الصلوٰۃ نہ شرعی بانکار ایں جمع و ارشد کقراءۃ القراٰن فی الرکوع والسجود پس اور امحذور گفتن از دائرہ عمل بیرون رفتن ست۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی دراحیاء العلوم فرماید اذا لم یحرم الآحاد فمن این یحرم المجموع [1]؟ وہمدرانست ان افراد المباحات اذا اجتمعت کان ذلك المجموع مباحا[2]، تمام تحصیل این اصل انیق امام المدقّقین ختام المحققین حضرت والد قدس سرہ الماجد درکتاب مستطاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" ارشاد فرمودہ اندو این معنی را از حدیث صحاح استنباط نمودہ، من شاء فلیتشرف بمطالعتہ، وخود معلّم اول طائفہ مانعیں مولوی اسمٰعیل دہلوی راخوبی این اجتماع قرآن وطعام مقبول ومسلم است وصراط مستقیم چناں راہ اعتراف وتسلیم پوید، "ہرگاہ ایصال نفعے بمیّت منظور دارد موقوف بر اطعام نہ گزارد اگر میسر باشد بہتر است والاصرف ثواب سورہ فاتحہ واخلاص بہترین ثواب ہاست [3] اھ وشک نیست کہ طریقہ ایصال ثواب دعا بجناب رب الارباب ست	اور یہی صحیح، راجح اور نصرت یافتہ مسلک ہے۔ پھر بدنی ومالی دونوں کو جمع کرنا اس طرح کہ قرآن بھی پڑھیں، صدقہ بھی کریں، اور دونوں کا ثواب مسلمانوں کو پہنچائیں، یہ حسن کو حَسن اور مندوب کو مندوب کے ساتھ یکجا کرنا ہی تو ہے، ہرگز ان دونوں میں کوئی منافات نہیں، جیسے نماز کے اندر مصحف دیکھ کر تلاوت کرنے میں ہے، نہ ہی شریعت میں اس جمع سے منع وارد ہے جیسے رکوع وسجود میں قراءت قرآن سے متعلق ہے، پھر اس کو ممنوع ٹھہرانا عقل کے دائرے سے قدم باہر لانا ہے۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: جب الگ الگ افراد حرام نہیں تو مجموعہ کہاں سے حرام ہوجائے گا!___ اور اسی میں ہے: جب مباحات کے افراد مجتمع ہوں تو مجموعہ بھی مباح ہی ہوگا___ اس عمدۃ قاعدے کا پورا بیان اہل تدقیق کے پیشوا، اہل تحقیق کی مہر، حضرت والد قدس سرہ، نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں کیا ہے اور صحاح کی حدیث سے اس معنٰی کا استنباط فرمایا ہے۔ جو چاہے اس کے مطالعہ سے مشرف ہو___ خود طائفہ مانعین کے معلم اول مولوی اسمٰعیل دہلوی کو قرآن اور طعام کی اس یکجائی کا عمدہ ہونا قبول وتسلیم ہے، صراط مستقیم میں یوں اقرار وتسلیم کی راہ اختیار کی ہے: "جب میّت کو کوئی فائدہ

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد مکتبہ ومطبعہ الشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۷۳

[2] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد مکتبہ ومطبعہ الشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۷۳

[3] صراطِ مستقیم ہدایت ثالثہ دربدعاتیکہ الخ مطبوعہ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۶۴

جل جلالہ۔امام الطائفہ در صراط مستقیم گوید"ہر عبادتیکہ از مسلمان ادا شود ثواب آں بروح کسے از گزشتگان برساند وطریق رسانیدن آں دعائے خیر بجناب الٰہی ست پس ایں خود البتہ بہتر و مستحسن است [1]الخ دو دست برداشتن از آداب مطلق دُعاست در حصن حصین فرماید 'اداب الدعا منھا بسط الیدین۔ت مس : ورفعھا [2]یعنی ہر دودست برداشتن بحکم حدیث صحاح ستہ از آداب دُعا است و از ائمہ وعلمائے ماچہ گوئی خود معلم ثانی طوائف منکرین در مسائل اربعین گوید"دست برداشتن برائے دعاوقت تعزیت ظاہرا جواز است زیراکہ رفع یدین در دعا مطلقًا ثابت شدہ پس دریں وقت ہم مظائقہ نہ دارد ولیکن تخصیص آں برائے دعاوقت تعزیت ماثورہ نیست [3]اھ"ببینید باآنکہ خصوصیات راغیر ماثور گفت امابدلیل اطلاق استظہار جواز کرد۔ودر فعل او ہیچ مضائقہ ندید۔بالجملہ ازیں امور زنہار چیزے نیست کہ در شرع مطہرہ مستنکرات باشد ومجرد عدم درود خصوصیات رامطلقًا مستلزم منع دانستن غلطی ست واضح وجہلے فاضح فقیر بعون القدیر ایں مبحث را در مجموعہ مبارکہ "البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ"

پہنچانا منظور ہو کھانا کھلانے پر موقوف نہ رکھے اگر میسر ہو بہتر ہے ورنہ صرف سورہ فاتحہ واخلاص کا ثواب بہترین ثواب ہے اھ"___اور شک نہیں کہ ایصال ثواب کا طریقہ یہی ہے کہ رب الارباب جل جلالہ کی باگاہ میں دعا ہو۔ امام الطائفہ نے صراط مستقیم میں لکھا ہے:"جو عبادت کسی مسلمان سے ادا ہو اور اس کا ثواب گزرے ہوئے لوگوں میں سے کسی کی روح کو پہنچائے،اور اس کے پہنچانے کا طریقہ جنابِ الٰہی میں دعا ہے تو یہ خود بلاشبہ بہتر اور مستحسن ہے الخ"اور ہاتھ اٹھانا مطلق دعا کے آداب سے ہے___حصن حصین میں ہے:"دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ ہاتھوں کو پھیلائے(ترمذی، مستدرک حاکم)اور بلند کرے(صحاح ستّہ)۔"معلوم ہوا کہ دونوں ہاتھ اٹھانے کا آداب دعا سے ہونا صحاح ستّہ کی حدیث سے ثابت ہے۔ہمارے ائمہ اور علماء کی کیا بات ہے خود طوائف منکرین کے معلم ثانی نے مسائل اربعین میں لکھا ہے:"وقتِ تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا ظاہر یہی ہے کہ جائز ہے اس لیے کہ حدیث شریف سے مطلقًا دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے تو اس وقت میں بھی کوئی مضائقہ نہ ہوگا، مگر خاص وقتِ تعزیت کے لیے ہاتھ اٹھانا

[1] صراط مستقیم ہدایت اولٰی در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۵۵

[2] حصن حصین آداب الدعاء افضل المطابع لکھنؤ ص ۱۷

[3] مسائل اربعین

روشن تر گفتہ۔ وعلمائے سنت بارہا ایں مدعیان راتاخانہ رسانده وبرخاک مذلت نشانده اند، حاجت تفصیل و تطویل نیست، اما آنچہ امام الطائفہ باوجود تسلیم عدم ورود دریں باب گفتہ است شنیدن دارد، در تقریر ذبیحہ مطبوع رسالہ زبدۃ النصائح می گوید "ہمہ اوضاع از قرآن خوانی و فاتحہ خوانی و طعام خورانیدن سوائے کندن چاہ وامثال ودعائے واستغفار واضحیہ بدعت است، گو بدعت حسنہ بالخصوص است مثل معانقہ روز عید ومصافحہ بعد نماز صبح یا عصر[1] اھ "ارباب طائفہ امام خود شاں پرسند کہ باآنکہ ایں طریقہ ہا را عمومًا فاتحہ خوانی را خصوصًا بدعت ومحدث میدانی چہ گونہ حسنہ می گوئی وخلاف طائفہ راہ می پوئی، باز ذکر معانقہ عید سنگ آمد سخت آمد، آرے تلون ایں امام متبعانش راکار بجان وکار با استخواں رسانده است ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی وکلام معلم ثانی حالا گزشت کہ باوجود عدم ثبوت خصوصیت مضائقہ نہ دانست۔
اکنوں آمدیم بر نقل چند اقوال دیگر از کبراء وعمائد

آثار میں منقول نہیں، اھ "دیکھئے خصوصیت کو غیر ماثور بتانے کے باوجود، دلیل اطلاق سے جواز کو ظاہر کہا اور اس کے کرنے میں کبھی بھی کوئی چیز بُری نہیں ہوتی، اور ان خصوصیات کے صرف وارد نہ ہونے کو مستلزم ممانعت سمجھنا تو ایک کھلی ہوئی غلطی اور شرمناک جہالت ہے۔ فقیر نے رَبِّ قدیر کی مدد سے یہ بحث "البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ" میں زیادہ روشن طور پر تحریر کی ہے۔ اور علمائے سنت نے بارہا ان مدعیوں کو گھر تک پہنچایا اور خاک ذلت پر بٹھایا ہے، تفصیل و تطویل کی ضرورت نہیں۔ لیکن امام الطائفہ نے اس باب میں عدم ورود تسلیم کرنے کے باوجود جو کچھ لکھا ہے وہ سننے کے قابل ہے۔ رسالہ "زبدۃ النصائح" میں طبع شدہ تقریر ذبیحہ میں لکھا ہے:- "کنواں کھودنے اور اس جیسے کاموں اور دعا، استغفار، قربانی کے سوا قرآخوانی، فاتحہ خوانی، کھانا کھلانا سب طریقے بدعت ہیں، گو خاص بدعت حسنہ ہیں، جیسے عید کے دن معانقہ اور نماز صبح یا عصر کے بعد مصافحہ۔" ارباب طائفہ خود اپنے امام سے پوچھیں کہ ان طریقوں کو عمومًا اور فاتحہ خوانی کو خصوصًا بدعت اور نو ایجاد قرار دینے کے باوجود "حسنہ" کیسے کہتے ہو؟___ اور ہمارے گروہ کے خلاف کیسے جاتے ہو؟ پھر معانقہ عید کا ذکر تو "سنگ آمد وسخت آمد" ان کے لیے بڑی سخت چٹان ہے___ اس امام کو تلون مزاجی سے اس کے متبعین کی جان واستخوان پر بَن آتی ہے اور ان کا سارا کام ہی تمام کردیا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ___ اور معلم ثانی کا کلام ابھی گزرا کہ خصوصیت ثابت نہ ہونے کے باوجود کوئی مضائقہ نہ جانا۔ (ت)
اب ہم کچھ اور اقوال امام الطائفہ کے بزرگان و

[1] رسالہ زبدۃ النصائح

و اساتذہ و مشائخ امام الطائفہ تابیباک رواں دانند کہ بے منع شرعی بتحریم فاتحہ زبان کشودن وطعام فاتحہ وشیرینی نیاز بزرگان قدست اسرارہم راحرام ومراد گفتن چہ کیفرہاکہ نمی چشاند وکدام بد روز نمی نشاند۔ (۱)شاہ ولی اللہ در انفاس العارفین از والد خودشاں شاہ عبدالرحیم نقل کنندہ : "می فرمودند در ایام وفات حضرت رسالت پناہ۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چیزے فتوح نشد کہ نیاز آں حضرت طعام پختہ شود قدرے نخود بریاں وقندسیاں نیاز کردم[1] الخ در درالثمین فی مبشرات النبی الامین ہمین سخن راچناں آوردند :

الحدیث الثانی العشرون اخبرنی سیدی الوالد قال کنت اصنع طعاما صلة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یفتح لی سنة من السنین شی اصنع بہ طعاما فلم اجد الاحمصا مقلیا فقسمتہ بین الناس فرایتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبین یدیہ ہذا الحمص مبتہجا بشاشا[2]۔"

[2]شاہ صاحب مذکور درانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ نویسند : "برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت

عمائد اور اساتذہ کے نقل کرتے ہیں تاکہ ان بے باکوں کو پتا چلے کہ شریعت سے ممانعت کے بغیر فاتحہ کو حرام بتانے پر زبان کھولنا اور فاتحہ کے کھانے، بزرگوں کی نیاز کی شیرینی کو حرام ومردار کہنا کیسی سخت سزائیں چکھاتا ہے اور کیسے بُرے دن دکھاتا ہے۔(۱) شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے نقل کرتے ہیں کہ : "وہ فرماتے ہیں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایام وفات میں کچھ میسر نہ ہوا کہ آں حضرت کی نیاز کا کھانا پکایا جائے تھوڑے سے بُھنے ہوئے چنے اور قندسیاہ (گُڑ) پر نیاز کیا الخ۔' الدرالثمین فی مبشرانت النبی الامین میں اسی بات کو یوں نقل کیا ہے: " بائیسویں حدیث : مجھے سیدی والدماجد نے بتایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیاز کیلئے کچھ کھانا تیار کراتا تھا ایک سال کچھ کشائش نہ ہوئی کہ کھانا پکواؤں، صرف بُھنے ہوئے چنے میسر آئے وہی میں نے تقسیم کئے، میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ ان کے سامنے یہ چنے موجود ہیں اور حضور مسرور شادماں ہیں۔" یہی شاہ صاحب انتباہ فی سلاسل الاولیاء اللہ میں لکھتے ہیں: " تھوڑی شیرینی پر عموماخواجگان چشت

[1] انفاس العارفین (اردو) حضور کیہ نیاز کی اشیاء کی مقبولیت المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۰۶

[2] الدرالثمین مبشرات النبی الامین کتب خانہ علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۴۰

عموماً بخوانند وحاجت از خدائے تعالٰی سوال نمایند۔ ہمیں طور ہر روزے خوانده باشند[1] اھ۔" لفظ شیرینی و فاتحہ ہر روز از یاد مرد۔

۳ او شاہ صاحب مسطور در ہمعات گویند: "از ینجاست حفظ اعراس مشائخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں[2]"

۴ شاہ صاحب مزبور در فتوٰی مندرجہ زبدۃ النصائح گویند: "اگر ملیدہ شیر برنج بنا بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند وبخورانند مضائقہ نیست جائزست وطعام نذر اللہ اغنیاء راخوردن حلال نیست واگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شد پس اغنیاء راہم خوردن دراں جائزست[3]۔"

۵ شاہ صاحب مرحوم در انفاس العارفین نگارند: "حضرت ایشاں عـــہ درقصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند و شب ہنگام بود دراں فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند ومی گویند کہ چیزے خوردہ روید توقف کردند تاآنکہ اثر مردم

کے نام فاتحہ پڑھیں اور خدائے تعالٰی سے حاجت طلب کریں، اسی طرح روز پڑھتے رہیں "اھ شیرینی اور فاتحہ اور ہر روز کے الفاظ ذہن سے نہ نکلیں۔ ۳ یہی شاہ صاحب "ہمات" میں فرماتے ہیں: "یہیں سے ثابت ہے کہ اعراس مشائخ کی نگہداشت اور ان کے مزارات کی زیارت پر مداومت اور ان کے لیے فاتحہ پڑھنے اور صدقہ دینے کا التزام۔") یہی شاہ صاحب "زبدۃ النصائح" میں مندرج فتوٰی میں لکھتے ہیں: "اگر کسی بزرگ کی فاتحہ کے لیے ان کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے قصد سے ملیدہ اور کھیر پکائیں اور کھلائیں تو مضائقہ نہیں،۔ جائز ہے۔ اور خدا کی نذر کا کھانا اغنیاء کے لیے حلال نہیں۔ لیکن اگر کسی بزرگ کے نام کی فاتحہ دی جائے تو اس میں اغنیاء کو کھانا بھی جائز ہے۔" ۵ یہی شاہ صاحب انفاس العارفین میں لکھتے ہیں: "حضرت (یعنی ان کے والد مرشد شاہ عبدالرحیم صاحب) قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کے لیے گئے تھے، رات کا وقت تھا، اسی وقت فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کر رہے ہیں اور فرمارہے ہیں

عـــہ: یعنی والد مرشد ایشاں شاہ عبدالرحیم ۱۲ (م)

یعنی ان کے والد و مرشد شاہ عبدالرحیم ۱۲ (ت)

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ذکر طریقہ ختم خواجگانِ چشت برقی پریس دہلی ص ۱۰۰

[2] ہمعات ہمہ ۱۱ الاکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد سندھ ص ۵۸

[3] زبدۃ النصائح

منقطع شدہ ملال بر یاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج وشیرینی برسرو گفت کہ نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہمال ساعت ایں طعام پختہ بہ نشینندگان درگاہ مخدوم اللہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم وآرزو کردم کہ کسے آں جا باشد تا تناول کند[1] "

۶ مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب در تحفہ عشریہ فرمایند : "حضرت امیر وذریۃ طاہرہ اور اتمام اُمت بر مثال پیران و مرشداں می پرستند و امور تکوینیہ را وابستہ بایشاں می دانند وفاتحہ و درود و صدقات و نذر و منت بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ ماجمیع اولیاء ہمیں معاملہ است[2]۔ "ایں عبارت سراپا بشارت کہ حرف حرفش برسر مخالف برقے ست خالف یار یکے قاصف حرف حرف بخاطر باید داشت واز مخالفاں پرسید کہ شاہ صاحب بطور شمار جمیع اُمّۃ را صراحۃً تجویز و تحسین نمودہ کافر ومشرک شدند یانہ۔ بر تقدیر اول امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کہ غلامان غلام ومرید مرید ایشاں ست در صراط مستقیم بمدح ایشاں

کہ کچھ کھا کر جاؤ، توقف فرمایا، یہاں تک کہ لوگوں کی آمد و رفت ختم ہو گئی اور دوستوں پر اکتاہٹ غالب آ گئی، اس وقت ایک عورت چاول اور شیرینی کا طبق سر پر لیے آئی اور کہا میں نے نذر مانی تھی کہ اگر میرے شوہر آجائیں تو اسی وقت یہ کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا کی درگاہ کے حاضرین کے پاس پہنچاؤں گی، شوہر اسی وقت آئے میں نے نذر پوری کی اور میری آرزو تھی کہ کوئی وہاں موجود ہو جو اسے تناول کرے۔"

(۶) مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں : "حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی اور ان کی اولاد پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح مانتی ہے اور امور تکوینیہ ان سے وابستہ جانتی ہے اور ان کے نام فاتحہ و درود اور صدقات کا معمول ہے اور ایسے ہی تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہی معاملہ ہے۔" یہ عبارات سراپا بشارت جس کا ایک ایک حرف مخالف کے سرپر برقِ خاطف یا تباہ کن بگولا ہے دل میں محفوظ رکھنا چاہئے اور مخالفین سے پوچھنا چاہئے کہ شاہ صاحب نے تمہارے طور پر ساری امت کو صاف صاف گمراہ اور مشرک بتایا یا نہیں؟ اور خود اس طرح کی باتوں کو جائز اور عمدہ بتا کر کافر و مشرک ہوئے یا نہیں؟ بر تقدیر اول، امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی جو ان کے غلاموں کا غلام، اور ان کے

[1] انفاس العارفین (اردو) دعوتِ مخدوم الہ دیہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۱۲
[2] تحفہ اثناء عشریہ الباب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

چنانچہ ترزباں "جناب ہدایت مآب، قدوۃ ارباب صدق وصفا، زبدہ اصحاب فناء بقا، سید العلماء وسند اولیاء حجۃ اللہ علی العارفین، وارث الانبیاء والمرسلین، مرجع کل ذلیل وعزیز مولانا مرشدنا الشیخ عبدالعزیز [1]۔" معاذ اللہ کافرے مشرکے رابچنیں الفاظ عظیمہ جلیلہ ستودہ وحجتِ خدا ونائب انبیاء وکذا وکذا اعتقاد نمودہ خود کافر مرتد گوید یا ہیچ باز شمایاں کہ ایں کافر ومرتد راامام پیشوا وسرور مقتدا ومرجع ماوا گرفتہ ودرہر مسئلہ وعقیدہ سر برخط فرمانش نہادہ قدم بر قدم او رفتہ اید ازیں رو برہمہ کافر وبے دین ومرتد لعین شدید یاچہ؟ بینوا توجروا۔	مرید کا مرید ہے "صراط مستقیم" کے اندر ان کی مدح میں یوں رطب اللسان ہے "جناب ہدایت مآب، ارباب صدق وصفا کے پیشوا، اصحاب فناء وبقاء کے خلاصۃ، علماء کے سردار اولیاء کی سند، سارے جہاں پر اللہ کی حجت انبیاء ومرسلین کے وارث ہر ذلت وعزت والے کے مرجع۔ ہمارے آقا اور ہمارے مرشد شیخ عبدالعزیز۔" ان عظیم وجلیل الفاظ سے معاذاللہ ایک کافر ومشرک کی تعریف کرکے، اور اسے خدا کی حجت انبیاء کا نائب وغیرہ وغیرہ اعتقاد کرکے خود کافر مرتد ہوا یا نہیں؟ پھر تم سب اس کافر ومرتد کو امام وپیشوا، سردار ومقتداء اور مرجع وماوا بنا کر، اور ہر مسئلہ وعقیدہ میں اس کے خطِ فرمان پر سر جھکا کر، اس کے قدم بہ قدم چل کر کافر وبے دین اور مرتد ولعین ہوئے یا کچھ اور؟ بیّنوا توجروا۔ (ت)

باز بمطلب عنان تابیم (اب پھر ہم مقصد کی جانب لگام موڑتے ہیں۔ت) مولوی خرمعلٰی بلہوری معلم ثالث طائفہ حادث درنصیحۃ المسلمین گوید (مولوی خرمعلٰی بلہوری طائفہ نو کے معلم ثالث نے "نصیحۃ المسلمین" میں لکھاہے۔ ت) "حاضری حضرت عباس کی، صحنک حضرت فاطمہ کی، گیارھویں عبدالقادر جیلانی کی، مالیدہ شاہ مدار کا، سہ منی بوعلی قلندر کی، توشہ شاہ عبدالحق کا، اگر منت نہیں صرف ان کی روحوں کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو درست ہے۔ اس نیت سے ہرگز منع نہیں" [2] اھ ملخصًا۔

۸ خود امام الطائفہ در تقریر ذبیحہ سراید "اگر	(۸) خود امام الطائفہ نے تقریر ذبیحہ میں یہ نغمہ سرائی

[1] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ الخ مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۶۴

[2] نصیحۃ المسلمین چند شرکیہ رسمیں سبحانی اکیڈمی لاہور ص ۴۱

شخصے بُزے راخانہ پرور کند تا گوشت اوخوب شود، اورا ذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[1]۔"

ایں لفظ "خواندہ بخوراند" نیز نگاہ داشتن است کہ بسیارے از منکرین ایں راہم مناط انکار سازند وگویند اگرایں اجتماع اطعام وقراءت جائز بودے تاہم بایستے کہ خوراندہ نہ کہ خواندہ خوراندہ کہ عبث وباطل ست جواب کامل ازیں شبہہ باطل در "بارقہ شارقہ" یاد کردہ ایم ہمچناں ایں لفظ غوث اعظم بردل نگاہ شتنے کہ برایمان تقویۃ الایمان صراحۃً شرک است، طرفہ آنکہ اتباع جہول طعام فاتحہ راحرام ومردار دانند وامام الطائفہ طعام وگوشت گاؤنذرِ اولیا ہمہ راحلال می خواند بشرطیکہ تقرب بذبح بسوئے میّت بناشد وسپیدی گوید کہ "جانورے کہ نذر اولیا کردہ باشند اگرچہ چنداں نذر بروجہ حرام قبیح ہم کنند۔ تاہم درحلت جانورے سخنے نیست" فلیف کہ نذر اولیا بروجہ حسن باشد چہ جائے آنکہ محض بے نذر ایصال ثواب شود چہ محل آنکہ از ذبح جانور داراقت دم اثرے نبود۔ ہمیں قراءت قرآنی وتصدّق طعامے بمیان آید، مگر در تقریر مذکور چناں می نگارد،[۹] اگر شخصے نذر کنند کہ اگرفلاں حاجت من برآید ایں قدر نیاز حضرت سید احمد کبیر بکنم وایں قدر طعام نیاز ایشاں مردم ہم رابخورانم اگرچہ دریں نذر

کی ہے: "اگر کوئی شخص کسی بکری کو گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت عمدہ ہو، اس کو ذبح کرکے اور پکا کر حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ پڑھ کر کھلائے تو کوئی خلل نہیں ہے۔"

یہ لفظ "پڑھ کر کھلائے" بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بہت سے منکرین اسے مدار انکار بناتے ہیں اور کہتے ہیں اگر کھلانے اور پڑھنے کا اجتماع جائز نہ ہوتا تو بھی چاہئے تھا کہ کھلا کر پڑھے نہ کہ "پڑھ کر کھلائے" کہ عبث اور باطل ہے___ اس باطل شبہہ کا کامل جواب ہم نے بارقہ شارقہ میں بیان کیا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ "غوث اعظم" بھی دل پر لکھ رکھنے کے قابل ہے کہ "تقویۃ الایمان" کی رو سے کھلا ہوا شرک ہے ___ طُرفہ تر یہ کہ نادان تبعین تو فاتحہ کے کھانے کو حرام ومردار اور گائے کے گوشت سب کو حلال کہتا ہے بشرطیکہ ذبح سے میّت کی جانب تقرب مقصود نہ ہو___ اور صاف کہتا ہے کہ "جو جانور اولیا کی نذر کیا ہو، اگرچہ ایسی نذر حرام قبیح طور پر بھی کرتے ہیں پھر بھی جانور کے حلال ہونے میں کلام نہیں___ پھر اولیاء کی نذر عمدہ طور پر ہو تو حرمت کیسے؟___ پھر بغیر نذر کے محض ایصال ثواب ہو تو وہ حرام کیسے؟___ پھر جانور کو ذبح کرنے اور خون بھانے کا کوئی نام ونشان بھی نہ ہو صرف قرآن کی قراءت اور طعام

---

[1] رسالہ زبدۃ النصائح

گفتگو ست لیکن طعام حلال است و ہمچنیں ست حکم گوشت، مثلاً اگر شخصے بگوید کہ دو من گوشت نذر سب احمد کبیر بعد بعد برآمدن حاجت خواہم خورانید گوشت حلال است و اگر بگو کہ گوشت گاو خواہم خورانید نیز درست است و اگر بہمیں قصد گاؤ را نذر کند نیز رواست چراکہ مقصودش گوشت ست۔ و ہمچنیں اگر گاؤ زندہ بنام سید احمد کبیر کسے را بدہد بطوریکہ نقدمی دہند رواست گوشت آں حلال است[1]۔" "اہم درآں ست اگر ہمیں طور نذر برائے اولیائے گزشتگان قدس اللہ اسرارہم کند رواست، ایں قدر فرق ست کہ بسبب انتقال از عالم دنیا بعالم برزخ منتفع بنقد وجنس و طعام نمی توانند شد بلکہ ثواب صرف آں اللہ تعالٰی بارواح مطہرہ ایشان میرساند پس احوال ایشاں درحالت حیات وممات برابرست[2]۔" "ست بازمی گوید"۔ "اگر نذر بطریق حسن است خلل نہ واگر قبیح ست فعلش حرام است وحیوان حلال[3]۔" "ایں یازدہ قول ست بعد دایام یازدہم شریف حضرت غوث اعظم قطب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ سہ از ا امام الطائفہ بالا گوشت ودواز شاہ عبدالعزیز صاحب عنقریب می آید وباللہ التوفیق والهداية الى سواء الطريق۔

کا صدقہ درمیان میں آئے تو اس کے حرام ہونے کا کیا موقع؟___

تقریر مذکور میں یوں لکھا ہے:

(۹) "اگر کوئی شخص نذر مانے کہ اگر میری فلاں حاجت برآئے تو اس قدر حضرت سید احمد کبیر کی نیاز کروں گا اور ان کی نیاز کا اتنا کھانا لوگوں کو کھلاؤں گا___ اگرچہ اس نذر میں کلام ہے مگر کھانا حلال ہے__ یہی حکم گوشت کا بھی ہے__ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ میں اپنی حاجت برآنے کے بعد سید احمد کبیر کی نذر کا دو من گوشت کھلاؤں گا تو گوشت حلال ہے___ اور اگر اسی قصد سے گائے کو نذر کرے تو بھی روا ہے__ اس لیے کہ اس کا مقصود گوشت ہے__ اسی طرح اگر زندہ گائے سید احمد کبیر کے نام پر کسی کو دے دے جیسے نقد دیتے ہیں۔ تو بھی جائز ہے اور اس کا گوشت حلال ہے۔" "اُسی میں ہے: "اسی طرح اگر گزشتہ اولیا اقدس اللہ اسرارہم کے لیے نذر کرے تو جائز ہے___ فرق اتنا ہے کہ وہ عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کر جانے کے سبب نقد وجنس اور طعام سے نفع اندوز نہیں ہوسکتے بلکہ صرف ان کا ثواب اللہ تعالٰی ان کی ارواح پاک کو پہنچاتا ہے___ تو ان کے احوال بحالتِ حیات اور بعد وفات برابر ہیں۔"

(۱۱) آگے لکھا ہے: "اگر نذر کرے کہ میری حاجت برآئے تو دوسال کی فربہ گائے حضرت غوث اعظم کی نیاز کروں گا__ تو اس کا حکم بھی حکم طعام کی طرح ہے۔

[1] رسالہ زبدۃ النصائح
[2] رسالہ زبدۃ النصائح
[3] رسالہ زبدۃ النصائح

اگر نذر کنند کہ بشرط برآمدن حاجت خود گاؤ دوسالی فربہ نیاز حضرت غوث الاعظم خواہد کرد۔ پس حکم ایں مثل طعام اگر نذر بطور حسن ہے تو کوئی خلل نہیں، اور اگر قبیح طور پر ہے تو اس کا فعل حرام ہے اور جانور حلال ہے۔" یہ گیارہ اقوال ہیں حضرت غوثِ اعظم قطب اکرم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارھویں کے ایام کی تعداد کے برابر ___ اور تین اقوال امام الطائفہ کے اوپر گزرے، اور دو قول شاہ عبدالعزیز صاحب کے عنقریب آرہے ہیں، اور خدا ہی سے توفیق اور راہ راست کی ہدایت ہے۔ (ت)

سخن گفتن مانداز تعیینِ اوقات کہ در مردماں رائج ست ہمچوں سوم وچہلم وسرسال وششماہ

اقول: وبحول اللہ اصول توقیت یعنی کارے راوقت معین داشتن بردوگونہ است شرعی وعادی، شرعی آنکہ شرع مطہر عملے راوقتے تعیین فرمودہ است کہ در غیر او اصلاصورت نہ بندد واگر بجائے آرند آن عمل شرعی نہ کردہ باشند، چوں ایام نحر مراضحیہ را یا آنکہ تقدیم وتاخیرش ازاں وقت ناروا باشد چوں اشہر حرم مراحرام حج را یا آنکہ ثوابیکہ در غیر او نیاز بند چوں ثلث لیل مر نماز عشاراو عادی آنکہ از جانب شرع اطلاق است ہر وقتیکہ خواہند بجاآرند۔ اماحدث رااززمان ناگزیرست ووقوع درزمان غیر معین محال عقلی کہ وجود وتعین مساوق ہم دگراست ۔ پس از تعین چارہ نیست۔ این ہمہ تعینات بربناء اطلاق علٰی وجہ البدالیۃ صالح ایقاع بود ازینہا یکے را بربناء مصلحتے اختیار کنند بے آن کہ وقت معین را مبنائے صحت یا مدار حلت یا مناط اثابت دانند پیداست کہ بایں تقیید مقید از فردیت مطلق برنیاید وحکمے کہ مطلق راست در جمیع افرادش ساری باشد مالم یرد منع عن خصوص خصوصا پس ہمچوں جاسبیل نہ آنست کہ ثبوت خصوصیت از مجوز جویند بلکہ آنکہ تصریح بمنع ایں خاص از شرع برآرند۔ عبارت معلم

اب وقت معیّن کرنے سے متعلق گفتگو کرنی ہے جس کا لوگوں میں رواج ہے، جیسے سوم، چہلم، ایک سال چھ ماہ،

اقول: وبحول اللہ اصول (میں کہتا ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی قوت سے حملہ کرتا ہوں) توقیت یعنی کسی کام کے لیے وقت مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں: (۱) شرعی اور (۲) عادی۔ o شرعی یہ کہ شریعت مطہرہ نے کسی کام کے لیے کوئی وقت مقرر فرمایا ہے کہ (i) جو اس کے علاوہ وقت میں وہ ہو ہی نہیں سکتا، اور اگر کریں تو وہ عمل شرعی ادا نہ ہوگا۔ جیسے قربانی کے لیے ایام نحر۔ (ii) یا یہ کہ اس وقت سے اس عمل کو مقدم یا مؤخر کرنا ناجائز ہو، جیسے احرام حج کے لیے حرمت والے مہینے (شوال، ذی قعدہ، ذوالحجہ)۔ (iii) یا یہ کہ اس وقت میں جو ثواب ہو وہ دوسرے وقت میں نہ ملے، جیسے نماز عشاء کے لیے تہائی رات، o عادی یہ کہ شریعت کی جانب سے کوئی قید نہیں جب چاہیں عمل میں لائیں__ لیکن حدث (کام ہونے) کے لیے زمانہ ضروری ہے۔ اور زمانہ غیر معین میں وقوع محال عقلی ہے، اس لیے کہ وجود اور تعین ایک دوسرے کے مُساوِق (ساتھ ساتھ) ہیں، تو تعیّن سے چارہ نہیں

ثانی طائفہ دربارہ دست برداشتن بدعائے تعزیہ بالا شنیدی واینک اول وامام معول طائفہ دررسالہ بدعت چناں نغمہ سرا" طریق ثانی آنکہ بمطلق بالنظر الیٰ ذاتہ حکمے از احکام شرعیہ متعلق گردد۔ پس مطلق بنظر ذات خود در جمیع خصوصیات ہما حکم اقتضامی نماید گودر بعض افراد بحسب عوارض خارجیہ حکم مطلق مختلف گردد (الی ان قال) در تحقیق حکم صورت خاصہ کسیکہ دعوی جریان حکم مطلق درصورت خاصہ مبحوث عنہامی نماید ہمانست متمسکت بہ اصل کہ دراثبات دعوی خود حاجت بدلیلے نہ وراد۔ دلیل اوہما حکم مطلق ست وبس [1] الخ حضرت والد قدس سرہ الماجد این اصل منیف وقاعئدہ شریعت را تحقیق بالغ وتنقیح بازغ دراصول الرشاد افادہ وارشاد فرمودہ اند آنچا باید جست۔

من باول سخن باز گردم **فاقول:** باز اگر درین وقت معین مرجحے حامل براختیارش فی نفسہ موجودست فبہا ورنہ ہنگام

یہ سبھی تعینات (اوقات معیّنہ) اطلاق کی بناء پر بطور بدیست وہ عمل واقع کیے جانے کے قابل تھے، مگران ہی میں سے کسی کو کسی مصلحت کی وجہ سے اختیار کرتے ہیں۔ بغیر اس کے کہ وقت معین کو صحت کی بنیاد یا حلت کا مدار یا ثواب دئے جانے کا مناطر جانیں، ظاہر ہے کہ اس تقیید کی وجہ سے مقید، مطلق کا فرد ہونے سے خارج نہ ہوگا، اور مطلق کا جو حکم ہے وہ اس کے تمام افراد میں جاری ہوگا تب کہ کسی فرد خاص سے متعلق خاص طور پر ممانعت وارد نہ ہو___ تو ایسے مقام میں راہ یہ نہیں کہ جائز کہنے والے سے خصوصیت کا ثبوت مانگیں بلکہ راہ یہ ہوگی کہ اس فرد خاص سے متعلق ممانعت کی صراحت شریعت سے نکالیں۔ اس طائفہ کے معلم ثانی کی عبارت دعائے تعزیعت میں ہاتھ اٹھانے سے متعلق اوپر گزری، اور یہ طائفہ کے معلم اول اور امام معتمد "رسالہ بدعت" میں یوں نغمہ سرا ہیں" دوسرا طریقہ یہ کہ خود ذاتِ مطلق کی جانب نظر کرتے ہوئے اس سے کوئی حکم شرعی متعلق ہو، تو مطلق اپنی ذات کے لحاظ سے تمام خصوصیات میں اسی حکم کا مقتضی ہوگا، گو بعض افراد میں خارجی عوارض کے اعتبار سے مطلق کا حکم مختلف ہوجائے (آگے لکھا) صورتِ خاص کے حکم کی تحقیق میں جو شخص زیر بحث خاص صورت کے اندر بھی مطلق کا حکم جاری ہونے کا دعوی رکھتا ہے وہی اصل سے تمسک کرنے والا ہے، جسے اپنا دعوی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیل وہی حکم مطلق ہے اور بس "الخ حضرت والد قدس سرہ الماجد نے اس اصل اور قاعدے کی کامل اور روشن تحقیق وتنفیح اصول ارشاد میں افادہ فرمائی ہے وہاں سے اسے طلب کرنا چاہئے ۔ (ت)

میں پھر پہلی گفتگو کی طرف پلٹتا ہوں۔ **اقول:** پھر اگر اس وقت معیّن کی ذات میں خود کوئی ترجیح دینے والی

[1] رسالہ بدعت (معلم اول)

تساوی ارادہ مختار ترجیح رابسندست چنانکہ در دو جام تشنہ و دو راہ راہے مشاہدہ کنی، علی الاول مصلحت عیاں ست و علی الثانی کم نہ ازاں کہ ایں تعیین باعثِ تذکیر وتنبیہ ومانع تسویف و تفویت باشد ہر عاقل از وجدان خود یابد کہ چوں کارے راو قتے معین بنہند آمدن وقت یادش دہد ورنہ بسا باشد کہ از دست رود۔ از ہمیں جاست اوقات معین کردن ذاکرین وشاغلین وعابدین مر ذکر و شغل عبادت رایکے پیش از نماز صبح صد بار کلمہ طیبہ برخود گرفتہ است۔ دیگرے پس از نماز عشا صد بار درود واگرایں توقیت را از اقسام ثلثہ توقیت شرعی نہ دانند زنہار از شرعا معاتب نشوند جان برادر اگر بقول الجمیل شاہ ولی اللہ وصراط نامستقیم امام الطائفہ وغیر ہما کتب ایں فن کہ اکابر و عمائد طائفہ تصنیف کردہ اند رجوع آرے چیز ہا ازیں تعینات متلزمہ یابی کہ زنہار از تاقیت شرعی نشانے نہ دارد۔ ہیہات خود از تعین ایام و اوقات چہ گوئی آنجا تو دہاست از اعمال واشغال و طُرق وہیات محدثہ مخترعہ کہ در قرون سالفہ ازا نہا اثرے وخبرے پیدا نبود وایناں راباحداث وابتداع آنہا خود اعتراف است۔ شاہ ولی اللہ در قول الجمیل گویند: "صحبتنا و تعلمنا آداب الطریقة متصله الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وان لم یثبت تعین الاٰداب والاتلك الاشغال[1]۔"

چیز موجود ہے جو اسے اختیار کرنے کی باعث ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ جب تمام اوقات یکساں اور برابر ہوں تو صاحب اختیار کا ارادہ ترجیح دینے کے لیے کافی ہے، جیسے دو جام یکساں ہیں اور پیاسا اپنے ارادے سے کسی ایک کو ترجیح دے کر اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح دو راہیں یکساں ہیں اور چلنے والا کسی ایک کو اختیار کرلیتا ہے۔ پہلی صورت میں تو مصلحت خود عیاں ہے ــــ اور دوسری صورت میں کم از کم اتنا ضرور ہے کہ اس کو معین کرلینے سے یاد دہانی اور اگاہی ہوگی اور یہ ٹالنے اور فوت کرڈالنے سے مانع ہوگی ہر عقل والے کا وجدان خود گواہ ہے کہ جب کسی کام کے لیے کوئی وقت معین رکھتے ہیں تو جب وقت آتا ہے وہ کام یاد آجاتا ہے ورنہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فوت ہوجاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ذاکرین، شاغلین، عابدین اپنے ذکر و شغل اور عبادت کے لیے اوقات معین کرلیتے ہیں۔ کسی نے نماز صبح سے پہلے سو بار کلمہ طیبہ پڑھنا اپنے ذمہ کرلیا ہے۔ کسی نے نماز عشاء کے بعد سو بار درود پڑھنا مقرر کرلیا ہے ــــ اگر اس تعیین وتوقیت کو توقیت شرعی کی تینوں قسموں سے نہ جانیں تو شریعت کی جانب سے ان پر ہرگز کوئی عتاب نہیں ــــ جان برادر! اگر شاہ ولی اللہ کی القول الجمیل، امام الطائفہ کی صراط مستقیم اور ان کے علاوہ اس طائفہ کے اکابر و عمائد کی تصنیف کردہ اس فن کی کتابیں دیکھوں تو ان میں از خود لازم کیے ہوئے تعینات سے بہت سی چیزیں پاؤ گے جن میں شریعت کی جانب

[1] القول الجمیل معہ ترجمہ شفاء العلیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

²مولوی خرم علی درترجمہ این عبارت گفت۔	سے تعیین وتوقیت کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔ دُور کیوں جایئے اور تعیین ایام واوقات کی بات کیوں کیجئے، وہاں تو دسیوں اعمال واشغال اور ہیآت وطُرق ایجادی اور اختراعی ایسے موجود ہیں جن کا قرونِ سابقہ میں کوئی نام ونشان تھا، نہ ذکر وخبر۔ ان حضرات کو ان کی ایجاد اور ابتداع کا خود اقرار ہے۔ (۱) شاہ ولی اللہ القول الجمیل میں لکھتے ہیں: "ہماری صحبت اور ہماری تعلیم آداب طریقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے اگرچہ ان آداب اور ان اشغال کی تعیین حضور سے ثابت نہیں۔" (ت) (۲) مولوی خرم علی شاہ صاحب کی مذکورہ بالا عربی عبارت کا ترجمہ یہ لکھتے ہیں: (ت)

"ہماری صحبت اور طریقت کے آداب سیکھنا متصل ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک، اگرچہ تعین ان آداب کا اور تقرر ان اشغال کا ثابت نہیں[1]" اھ ملخصًا

³ہم درشفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل گوید۔	(۳) یہی صاحب القول الجمیل کے ترجمہ شفاء العلیل میں لکھتے ہیں: (ت)

"حضرت مصنف محقق نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑا۔ بعضے نادان کہتے ہیں کہ قادریہ اور چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے[2] الخ۔"

⁴ہمدران از شاہ عبدالعزیز صاحب آرد۔	(۴) اسی میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کرتے ہیں: (ت)

"مولانا حاشیے میں فرماتے ہیں اور اسی طرح پیشوایانِ طریقت نے جلسات اور ہیات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کیے ہیں مناسب مخفیہ کے سبب سے[3]" الخ

⁵باز خود می گوید۔	(۵) پھر خود لکھا ہے: (ت)

"یعنی ایسے امور کو مخالفِ شرع یا داخل بدعت سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں[4]۔"

[1] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳
[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۷
[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۱
[4] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۱

امام ۶ الطائفہ در صراط مستقیم سراید: "محققان از اکابر طریق در تجدی اشغال کوششا کردہ اند بناء علیہ مصلحت دید و وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت است تعین کردہ تجوید اشغال نمودہ شود[1]۔"اھ ملخصًا ؎ ودر حال پیر خود گوید: "در تلقین وتعلیم طریقہ چشتیہ بازوئے ہمت کشاند و تجدید اشغالے کہ ایں کتاب مستطاب براں محتوی گردیدہ فرمود[2]۔"

سبحان اللہ! اینان کہ بر اصل شما صراحۃً احداث فی الدین کروند وقطعًا چیز ہابر آوردند کہ قرون سابقہ ازانہا خبرے نہ داشتہ، ضال ومبتدع نباشد بلکہ ہمچناں امام و مقتدا و عرف و علماء مانند دیگراں برہمیں قدر جرم کہ چندا مور محمودہ ثابت فی الشرع راجمع نمودند وفعل آنہارا از جملہ اوقات جائز فی الشرع وقتے معین گرفتند، معاذاللہ گمراہ وبدعتی شوند، للہ انصاف ایں تحکم بیجاراچہ گفتہ آید، مگر شریعت گردانید۔ ہاں دہاں اے طالب حق ایناں رادر طغیان وعدوان اینان بگداز، و روئے بآثار واحادیث آرتاچیزے از تعینات عادیہ برتو خوانیم ازیں قبیل ست انچہ درحدیث آمد کہ حضور پرنور سید عالم

(۶) امام الطائفہ نے صراط مستقیم میں لکھا ہے: "محققین اکابر نے تجدید اشغال کے طریقے میں بڑی کوشش کی ہیں، اسی بنا پر مصلحت اور وقت کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کتاب کا ایک باب اس وقت کے مناسب اشغال جدیدہ کے بیان کے لیے معیّن کیا جائے اور اشغال کی تجدید عمل میں لائی جائے۔"اھ ملخصًا

(۷) اپنے پیر کے حال میں لکھا ہے: "طریقہ چشتیہ کی تلقین وتعلیم میں بازوئے ہمت کشادہ کیا، اور ان اشغال کی تجدید فرمائی جن پر یہ کتاب مستطاب مشتمل ہے۔ سبحان اللہ! یہ لوگ جو تمھارے قاعدے کے مطابق صراحۃً"احداث فی الدین"اور کھلی ہوئی بدعت جاری کرنے کے مرتکب ہیں، اور بلاشبہہ ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں جن کی قرون سابقہ میں کوئی خبر نہیں، وہ تو گمراہ اور بدعتی نہ ہوں بلکہ ویسے ہی امام ومقتداء اور عُرفاء وعُلماء رہیں___دُوسرے صرف اتنے جرم پر کہ انھوں نے شریعت میں ثابت چند پسندیدہ امور کو یکجا کردیا، اوران کو عمل میں لانے کیلئے شریعت میں جائز اوقات میں سے ایک وقت معین کرلیا، معاذاللہ گمراہ اور بدعتی ہوجائیں___للہ انصاف! اس بے جا تحکم اور ناروازبردستی کو کیا کہا جائے، شاید شریعت تمھارے گھر کا کاروبار ہے کہ جیسے چاہو الٹ پھیر کرتے رہو ہوشیار۔ ہوشیار اے طالبان حق

[1] صراط مستقیم مقدمۃ الکتاب باب اول المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۷ و ۸

[2] صراط مستقیم باب چہارم المکتبۃ السّلفیہ لاہور ص ۱۶۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیارتِ شہدائے احد راسر سال مقرر فرمودن کما سیأتی وآمدن مسجد قبارا روز شنبہ[1] کما فی الصحیحین عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وروزہ شکر رسالت راروز دوشنبہ[2] کما فی صحیح مسلم عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وباصدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ مشاورہ دینی صبح وشام[3] کما فی صحیح البخاری عن ام المؤمنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وانشائے سفر جہاد را پنجشنبہ[4] کما فیہ عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ وطلبِ علم را دوشنبہ[5] کما عند ابی الشیخ وابن حبان والدیلمی بسند صالح عن انس ابن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ، وعبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وعظ وتذکیر را روز پنجشنبہ[6] کما فی صحیح البخاری عن وائل وعلماء ہدایت درس را روز چہار شنبہ[7] کما فی تعلیم المتعلم للامام برھان الاسلام	ان کو، ان کی سرکشی اور زیادتی میں چھوڑ اور اثار واحادیث کی جانب متوجہ ہو تاکہ ہم کچھ تعیناتِ عادیہ تجھے سنائیں: اسی قبیل سے ہے جو حدیث میں آیا کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شہدائے اُحد کی زیارت کے لیے سر سال کا وقت مقرر فرمالیا تھا جیسا کہ آگے ذکر آرہا ہے۔ اور سنیچر کے دن مسجد قبا میں تشریف لانا، جیسا کہ صحیحین میں (بخاری ومسلم) میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ (۳) اور شکرِ رسالت کے لیے دوشنبہ کا روزہ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، (۴) اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دینی مشاورت کے لیے وقتِ صبح وشام کی تعیین، جیسا کہ صحیح بخاری میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے۔ (۵) اور سفر جہاد شروع کرنے کے لیے پنجشنبہ کی تعیین، جیسا کہ اسی صحیح بخاری میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ اور (٦) طلب علم

[1] صحیح مسلم باب فضلِ مسجد قبا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۸

[2] صحیح مسلم باب استحباب صیام ثلاثۃ آیام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳٦۸

[3] صحیح البخاری باب ہجرۃ النبی واصحابہ الی المدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۵۲

[4] صحیح البخاری باب من اراد غزوۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۴

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۳۷ دار لکتب العلمیہ بیروت ۱/۸۷، کنز العمال حدیث ۲۹۳۴۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/۲۵۰

[6] صحیح البخاری باب من جعل لاہل العلم ایاما معلومۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱٦

[7] تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق مطبع علیمی دہلی ص ۴۳

الزرنوجی حکایت کردش از اُستاد خود امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ وگفت ھکذا کان یفعل ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]۔ صاحب تنزیہہ الشریعۃ فرمود **وکذا کان جماعۃ من اھل العلم**[2]۔ اینہمہ ہا از باب توقیت عادی ست حاشا کہ مراد سیدالاسیاد علیہ افضل الصلوٰۃ من الملک الجواد آن باشد کہ زیارت جز بر منتہائے سال زیارت نیست یا روا نباشد یا اجر عظیم کہ این روز بر بندہ نوازی وامت پروری وتشریف مزارات شہدائے کرام بتراب اقدام برکت نظام نصیب آن شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنندر وز دیگر نہ کنند ہمچناں مقصود ابن مسعود آں نہ بود کہ وعظ جز بروز پنجشنبہ وعظ نیست یا در غیر اوجواز نے یا روز دیگر ایں اجر مقصود یا شرع مطہر این تعیین نمود، حاش اللہ، بلکہ ہمیں عادتے التزام فرمودہ تاہر ہفتہ بتذکیر مسلماناں پرداز و تعیین یوم طالبان خیر را بآسانی جمع در بعضے از انہا مرجحی جداگانہ حاصل ست ہچو وقوع بعثت وحصول علم نبوت در روز دوشنبہ وعظم برکت در بکور پنجشنبہ درجائے اہتمام در بدایت چار شنبہ کہ حدیثے ذکر کنند **ما من شیئ بدئ یوم الاربعاء الاتم**[3] ودر بعض دیگر ہمیں ترجیح ارادی ست کہ مصلحت

کے لئے دو شبہ کی تعیین جیسا کہ ابوالشیخ، ابن حبان اور ویلمی نے بسند صالح حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ (۷) اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ وتذکیر کے لیے پنجشنبہ کا دن مقرر کیا، جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوادائل سے مروی ہے۔ (۸) اور علما نے سبق شروع کرنے کے لیے بدھ کا دن رکھا، جیساکہ امام برہان الاسلام زرنوجی کی تعلیم المتعلم میں ہے۔ انھوں نے اپنے استاد امام برہان الدین مرغینانی صاحب ہدایہ سے اس کی حکایت فرمائی اور کہا کہ اسی طرح امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے، صاحب تنزیہہ الشریعۃ نے فرمایا اوراسی طرح ایک جماعت کے علماء کا دستور رہا ہے۔ یہ سب توقیت عادی کے باب سے ہیں، حاشا کہ سید سرداراں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ ہے کہ انتہائے سال کے علاوہ کسی دوسرے وقت، زیارت نہیں، یا جائز نہیں، یا اس دن بندہ نوازی امت پروری اور قدم مبارک کی خاک پاک سے مزاراتِ شہدائے کرام کو شرف بخشنے پر جو اجر عظیم اس شاہ عالم پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوگا وہ دوسرے دن نہ ملے گا۔

---

1 تعلیم المتعلم فصل فی بدایۃ السبق الخ مطبع علیمی دہلی ص ۴۳

2 تنزیہہ الشریعۃ باب ذکر البلدانج والایام الخ فصل ثانی حدیث ۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵۶/۲

3 تعلیم المتعلم فصل فی بدایہ السبق الخ مطبع علیمی دہلی ص ۴۳، تنزیہی الشریعۃ باب ذکر البلدان والایام الخ فصل ثانی حدیث ۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵۶/۲

ودروے کم از کم وتیسیر نیست۔ ہم ازیں باب ست تعینات مردم درسوم وچہلم وشش ماہ سرسال کہ بعضے ازانہار مصلحتے خاص وارد وبعض آخر بقصد آسانی ویاد دہانی معتاد معہود گردید **ولامشاحتہ فی الاصطلاح۔** اینجاکلام مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کہ امام الطائفہ راعم نسب وپدر وجد طریقت بود شنیدن دارد۔ در تفسیر عزیزی زیر قولہ عزوجل **والقمر اذا تسق** فرمود۔ وارد ست کہ مردہ درین حالت مانند غریقے ست کہ از انتظار فریاد رسی می برد۔ وصدقات وادعیہ وفاتحہ درین وقت بسیار بکار او می آید وازین ست کہ طوائف بنی آدم تایکسال وعلی الخصوص تایک چلہ از موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند"[1] اھ	اسی طرح حضرت ابن مسعود کا مقصود یہ نہ تھا کہ پنجشنبہ کے علاوہ کسی اور دن وعظ نہیں، یادوسرے دن اس کا جواز نہیں، یادوسرے دن یہ اجر فوت ہوجائے گا، شرع مطہر نے یہ تعیین فرمائی تھی۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ یہی ایک عادت مقرر کرلی تھی تاکہ ہر ہفتہ میں مسلمانوں کی تذکیر کاکام انجام دیتے ہیں، اور دن متعین ہونے کی وجہ سے طالبان خیر آسانی سے جمع ہوجائیں ___ اسی طرح باقی امور کو قیاس کرو۔ ہاں ان میں سے بعض میں کوئی الگ مرجح بھی موجود ہے۔ جیسے دوشنبہ کے دن بعثت کا وقوداور علم نبوت کا حصول ___ اور پنجشنبہ کو صبح سویرے نکلنے میں عظیم برکت کا وجود ___ اور چہارشنبہ (بدھ) کو شروع کرنے میں تکمیل کی امید ___ کہ یہاں ایک حدیث ذکر کرتے ہیں کہ "جو کام کی بھی چہارشنبہ کو شروع کیا جائے وہ پورا ہو۔" اور بعض دیگر میں یہی ترجیح ارادی ہے جس میں کم از کم یاد دہانی اور آسانی کی مصلحت ضرور کارفرما ہے۔ اسی باب سے سوم، چہلم، چھ ماہ، اور انتہائے سال کے تعینات سے جو لوگوں نے جاری کررکھے ہیں۔ ان میں سے بعض میں کوئی خاص مصلحت بھی ہے اور بعض دیگر آسانی ویاد دہانی کے خیال سے رائج ومعمول ہیں۔ اور اصطلاح میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ (ت) یہاں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (جو امام الطائفہ کے نسبی چچا، علمی باپ اور طریقت میں دادا تھے) کاکام سننے کے قابل ہے۔ تفسیر عزیزی میں قولِ باری عزوجل "والقمر اذا اتسق" کے تحت فرماتے ہیں: "وارد ہے کہ مُردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریاد رس کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ، موت سے ایک سال تک، خصوصًا چالیس دن تک اس طرح کی امداد میں بھرپور کوشش کرتے ہیں۔" اھ (ت)

[1] تفسیر عزیزی آیہ والقمر اذااتسق کے تحت مذکور ہے لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

ولطیف تر آنکہ شاہ صاحب موصوف عرس پیران وپدراں خودشاں باہتمام تمام بجامی آوردند وپیش ایشاں برقبور درویشاں اجتماع مردم وفاتحہ خوانی وتقسیم طعام وشرینی بتجویز وتقریر ایشاں می شد چنانکہ درعامہ اہل سجادہ جاری وساری است۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی بریں افعال شاہبہ بہماں شبہات واہیہ کہ حضرات منکرین بکار می برند برشاہ صاحب زبانِ مطاعن ومثالب کشود ورقم نمود "کسانیکہ اقوال اینہا مطابق افعال شان نیستندی، عرس بزرگاں خود بر خود مثل فرض دانستہ سال بسال برمقبرہ اجتماع کردہ طعام وشیرینی درانجار تقسیم نمودہ مقابر راوثنایعبدمی کنند [1] اھ ملخصا

شاہ صاحب دررسالہ ذبیحہ مطبوعہ مجموعہ زبدۃ النصائح بپاسخ ایں طعن فرمایند **قولہ** "عرس بزرگان خود آہ ایں طعن مبنی ست برجہل باحوال مطعون علیہ زیراکہ غیر ازفرائض شرعیہ مقررہ راہیچکس فرض نمیداندآرے زیارت وتبرک بقبور صالحین وامداد ایشاں باہدائے ثواب وتلاوت قرآن ودعائے خیر وتقسیم طعام وشیرینی امر مستحسن وخوب است باجماع علماء وتعین روز عرس برائے آن ست کہ آن روز مذکر انتقال ایشامی باشد، از

زیادہ پر لطف بات یہ ہے کہ شاہ صاحب موصوف اپنے پیروں اور باپ داداکا عرس پورے اہتمام سے کرتے تھے اور ان کے سامنے ان کی اجازت سے ، اور ان کے برقرار رکھنے سے درویشوں کی قبروں پر آدمیوں کا اجتماع ، فاتحہ خوانی اور طعام وشیرینی کی تقسیم ہوتی تھی، جیساکہ سبھی اہل سجادہ میں جاری وساری ہے۔ مفتی عبدالحکیم پنجابی نے ان ہی بے وزن شبہات کے تحت جو حضرات منکرین پیش کرتے ہیں، شاہ صاحب کے ان افعال کے باعث شاہ صاحب زبان لعن طعن دراز کی اور لکھا کہ وہ لوگ جن کے اقوال افعال کے مطابق نہیں اپنے بزرگوں کا عرس اپنے اوپر فرض کی طرح لازم جان کر سال بہ سال مقبرے پر اجتماع کرکے وہاں طعام وشیرینی تقسیم کرکے ان مقبروں کو بُتِ معبود بناتے ہیں۔"اھ ملخصًا (ت)

شاہ صاحب "رسالہ ذبیحہ "میں جو مجموعہ زبدۃ النصائح میں چھپا ہے اس طعن کے جواب میں فرماتے ہیں"**قولہ** عروس بزرگان خود الخ۔ یہ طعن مطعون علیہ کے حالات سے بے خبری پر مبنی ہے اس لیے شریعت میں مقررہ فرائض کے سوا کسی کام کو کوئی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبور صالحین کی زیارت قرآن ، دعائے خیر اور تقسیم شرینی وطعام سے ان کی امداد باجماع علماء مستحسن اوراچھا عمل ہے___اور

[1] مفتی عبدالحکیم پنجابی

دارالعمل بدارالثواب والاہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجبِ فلاح ونجات ست وخلف رالازم ست کہ سلف خود رابایں نوع برواحسان نماید[1]۔ باز تعین سرسال والتزامش راسند از احادیث آورند کہ ابن المنذرو ابن مردویہ ازانس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کردند ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یاتی احدا کل عام فاذا بلغ الشعب سلم علی قبور الشھداء فقال سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[2] یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال بأُحد تشریف ارزانی میداشت، چوں بردرہ کوہ می رسید برگور شہیداں سلام می کردومی فرمود سلام باد بشمابہ شکیبائی شما۔ پس چہ نیکوست سرائے آخرت، وامام ابن جریر در تفسیر خودش از محمد بن ابراہیم روایت نمود قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی قبور الشھداء علی راس کل حول فیقول السلام علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدارط وابوبکر وعمر وعثمٰن[3] یعنی سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سرہر سال برخاک شہداء قدم رنجہ می فرمود می گفت سلام علیکم الآیۃ ـ بعدہ، حضرت صدیق فاروق وذی النورین نیز ہمچناں میکردند رضی اللہ

روز عرس کا تعین اس لیے ہے کہ وہ دن دارالعمل سے دارالثواب کی جانب ان کے انتقال فرمانے کی یاد دہانی کرنے والا ہے ورنہ جس دن بھی یہ کام ہو فلاح ونجات کا سبب ہے۔ اور خلف پر لازم ہے کہ اپنے سلف کے لیے اسی طرح کی بھلائی اور نیکی کرتا رہے۔ پھر سال کے تعین اور اس کے التزام کے سلسلے میں احادیث سے سند ذکر فرمائی کہ ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال احد تشریف لاتے، جب درہ کوہ پر پہنچتے تو شہیدوں کی قبر پر سلام کرتے اور فرماتے : تمھیں سلام ہو تمھارے صبر پر کہ دارِ آخرت کیا ہی عمدہ گھر ہے، اور امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت محمد بن ابراہیم سے روایت کی ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہداء کی خاک پر قدم رنجہ فرماتے اور کہتے تم پر سلام ہو ___ آخر تک ___ حضور کے بعد حضرت صدیق و فاروق اور ذی النورین بھی ایسا ہی کرتے، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

---

[1] زبدۃ النصائح

[2] د منثور بحوالہ ابن منذر وابن مردویہ زیر آیۃ سلام علیکم الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۴/ ۵۸

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) زیر آیۃ سلام علیکم الخ مطبعۃ میمنیہ مصر ۱۳/ ۸۴

تعالیٰ عنہم۔ ودر تفسیر کبیر ست عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **انہ کان یأتی قبور الشہداء راس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ○ والخلفاء الاربعۃ ھکذا کانوا یفعلون** [1] یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال بمزار شہداء می شد وآیہ مذکورہ می خواند وہمچنان حضرات خلفاء اربعہ می کردند رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین [2]۔

بالجملہ حق آنست کہ تخصیصات مذکورہ ہمہ تعینات عادیہ است کہ زنہار جائے طعن ملامت نیست۔ این قدر احرام وبدعت شنیعہ گفتن جہلے ست صریح وخطائے قبیح۔ شاہ الدین مرحوم دہلوی برادر مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب درفتوی خودش چہ خوش سخن انصاف گفتہ عبارتش چناں آوردہ اند۔

سوال: تخصیص ماکولات درفاتحہ بزرگان مثل کھچڑا اور فاتحہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وتوشہ درفاتحہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ذلک وہمچناں تخصیص خورندگان چہ حکم وارد؟

جواب: فاتحہ وطعام بلاشبہہ از مستحسنات ست و تخصیص کہ فعل مخصص است باختیار اوست کہ باعث منع نمی تواند شد این تخصیصات از قسم عرف وعادت اند کہ بمصالح ومناسبت خفیہ ابتداءً بظہور آمدہ ورفتہ رفتہ شیوع یافتہ [3] الخ

اور تفسیر کبیر میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال شہداء کے مزار پر تشریف لے جاتے اور آیۃ مذکورہ پڑھتے۔ اور اسی طرح حضرات خلفائے اربعہ بھی کرتے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ (ت)

الحاصل حق یہ ہے کہ مذکورہ تخصیصات سبھی تعینات عادیہ سے ہیں جو ہر گز کسی طعن اور ملامت کے قابل نہیں۔ اتنی بات کو حرام اور بدعت شنیعہ کہنا کھلی ہوئی جہالت اور قبیح خطا ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین دہلوی نے اپنے فتاوٰی میں کیا ہی عمدہ انصاف کی بات لکھی ہے۔ ان کی عبارت یُوں نقل کی گئی ہے:

"**سوال:** بزرگوں کی فاتحہ میں کھانوں کو خاص کرنا، مثلا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فاتحہ میں کھچڑا، شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ کی فاتحہ میں توشہ وغیر ذلک، یوں ہی کھانے والوں کو خاص کرنا، ان سب کا کیا حکم ہے؟

جواب: فاتحہ اور طعام بلاشبہہ مستحسن ہیں، اور تخصیص جو مخصص (خاص کرنے والے) کا فعل ہے۔

---

[1] التفسیر الکبیر للرازی زیر آیۃ سلام علیکم مطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۷/۴۵

[2] زبدۃ النصائح

[3] فتاوٰی شاہ رفیع الدین

ثم اقول: بلکہ اگر اینجار خود ہیچ مصلحتے دینی بنا شد تا عدمِ وجود مفسدت نیست کہ موجب انکار این کار شود ورنہ مباح کجا رود۔ امام احمد در مسند بسند حسن از خاتونے صحابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا راوی ست حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود صیام السبت لالک ولا علیک [1] روز ہائے روز شنبہ نہ مر تراست نہ بر تو علماء در شرحش فرمایند لالک فیہ مزید ثواب ولا علیک فیہ ملامۃ ولا عتاب [2] نہ ترا در وے افزونی ثوابے نہ بر تو در وے ملامتے وعتاب۔ روشن شد کہ تخصیص بے مخصص اگر نافع نیاید مضر ہم نباشد، وھو المراد۔ آرے ہر عامی کہ ایں تعین عادی را توقیت شرعی داند وگمان بروکہ ایصالِ ثواب در غیر این ایام صورت نہ بندد یا روانہ باشد ایں ایام از ایامن دیگر اتم است وافر بلاشبہہ غلط کار وجاہل ودرین خاطی ومبطل ست، اما این قدر گمان معاذاللہ دراصل ایمان خلل نیارد نہ موجب قطعی ووعید حتمی گردد۔ چنانکہ امام الطائفہ درر تقویۃ الایمان اعتقاد دارد واین جہالتِ فاحشہ او از جہل آں عامی بدر جہا تبر ست آں

وہ اس کے اختیار میں ہے۔ ممانعت کا سبب نہیں ہو سکتا، یہ خاص کر لینے کی مثالیں، سب عرف اور عادت کی قسم سے ہیں جو ابتداء میں خاص مصلحتوں اور خفی مناسبوں کی وجہ سے رونما ہوئیں پھر رفتہ رفتہ عام ہو گئیں۔" الخ

ثم اقول: بلکہ اگر یہاں خود کوئی دینی مصلحت نہ ہو (تو بھی حرام نہیں ہو سکتا) کیونکہ مصلحت نہ ہونے کا معنٰی یہ نہیں کہ مفسدہ موجود ہے کہ باعثِ انکار ہو جائے ورنہ مباح کہا جائے گا؟ امام احمد مسند میں بسندِ حسن ایک صحابیہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنیچر کے روزے نہ تیرے لیے نہ تیرے اوپر__ علماء نے اس کی شرح میں فرمایا: نہ تیرے لیے اس میں کسی ثواب کی زیادتی ہے نہ اس میں تجھ پر کوئی عتاب اور ملامت ہے__ واضح ہوا کہ بے وجہ تخصیصِ کے خاص کر لینا اگر مفید نہ ہو تو مضر بھی نہ ہوگا، اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ ہاں جو عامی شخص اس تعین عادی کو توقیتِ شرعی جانے اور گمان کرے کہ ان کے علاوہ دنوں میں ایصال ثواب ہوگا ہی نہیں، یا جائز نہیں، یا ان ایام میں ثواب دیگر ایام سے زیادہ کامل ووافر ہے، تو بلاشبہہ وہ شخص غلط کار اور جاہل ہے اور اس گمان میں خطا کار اور صاحب باطل ہے__ لیکن اتنا گمان اصل ایمان میں خلل نہیں لاتا، نہ ہی کسی قطعی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/۳۶۸

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۵۱۲۰ دار المعرفت بیروت ۴/۲۳۰

از جہلے وجزافے بیش نیست وایں ضلال بعید و اعتزال شدید است ولاحول ولاقوۃ الاّ باللّٰہ العزیز الحمید۔ اینجانیز حصہ امام الطائف در سفاہت وسخافت و حمق وجزافت پیداست یقال لھم لیس من یعلم کمن لا یعلم ہمچناں انچہ عوام جہلہ درباب ایصال ثواب امور مستنکرہ احداث کردہ اند مثلاً ریاء وسُمعہ و تفاخر جمع اغنیاء ومنع فقراء وآنکہ ورسوم جماعتے یکجا نشستہ ہرہمہ قرآن بجہر خوانند وفریضہ استماع ازدست دہندایں ہمہ ممنوع ومحظور مکروہ ومحذ درست علما رابایدکہ برمفاسد زوائد سرزنش کنند نہ آں کہ باطلاق لسان وسلاطب زبان اصل کار راز نند، چنانکہ بسیارے از عوام درنماز خصوصًا نوافل کہ تنہا گزارند بعدم مراعات تعدیل ارکان وغیرہ محظورات عدیدہ خوکردہ اند، ایں معنی مستلزم وترہیب می باید کرد، وبرادائے نماز تحریص وترغیب این ست، سخن مجمل و قولِ فیصل کہ خواص آنسود کہ حق این است واز حق نشاید گزشت واللّٰہ الھادی الی سبیل الرشاد والصلوٰۃ والسلام علی المولی الجوادس محمد واٰلہٖ وصحبہ الامجاد. واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ، اتم۔

عذاب اور حتمی وعید کا سبب ہوتا ہے جیسا کہ امام الطائفہ کا اپنی تقویۃ الایمان میں یہ اعتقاد ہے اور اس کی یہ جہالتِ فاحشہ اس عامی کی جہالت سے بدرجہا بدتر ہے ___ وہ ایک نادانی اور اٹکل سے زیادہ نہیں، اور یہ بڑی گمراہی اور شدید اعتزال ہے والاحول والاقوۃ الاّباللّٰہ العزیز الحمد ___۔یہاں بھی سفاہت۔ سخافت، حماقت اور جزافت میں امام الطائفہ کا حصہ نمایا ہے، ان سے کہا جائے گا جاننے والا انجان کی طرح نہیں، اسی طرح جاہل عوام نے ایصال ثواب کے باب میں جو جو ناپسندیدہ امور پیدا کرلیے ہیں ___ جیسے نمائش، ناموری، مفاخرت، مالداروں کو جمع کرنا، محتاجوں کو منع کرنا، اور یہ کہ سوم میں ایک جماعت اکٹھا بیٹھی ہے اور سب کے سب بلند آواز سے قرآن پـڑھتے ہیں اور سننے کا فرض ترک کرتے ہیں، یہ سب ممنوع وناروا ہے، مکروہ اور برا ہے ___ علماء کو چاہیئے کہ ان زائد مفاسد پر سرزنش کریں نہ یہ پوری بے لگامی اور زبان درازی سے خصوصًا نوافل میں جنھیں تنہا ادا کرتے ہیں تعدیل ارکان وغیرہ کی عدم رعایت جیسے متعدد ممنوعات کے عادی ہیں، یہ حالت اس کو مستلزم نہیں کہ انھیں نماز سے روک دیا جائے ،بلکہ ان بری عادات سے بچانا اور ڈرانا چاہئے اور نماز ادا کرنے کی تشویق وترغیب ہونی چاہئے ___ یہ ہے اجمالی کلام اور قولِ فیصل، جو اس طرف کے خواص اور اس طرف کے بعض عوام دونوں پر گراں گزرے گا، مگر کیا کیا جائے کہ حق یہی ہے اور حق سے تجاوز نہیں ہوسکتا ___ اور خدا ہی راہ ہدایت کی جانب ہادی ہے ___ فیاض آقا حضرت محمد اور انکی بزرگ واصحاب پر درود وسلام ہو اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے، ور اس ذات بزرگ کا علم سب سے کامل ہے۔ (ت) ÷

مسئلہ ۱۸۴: از بغداد شریف، آرمرڈ کارٹینک کو مسئولہ علی رضا خاں فٹر مستری ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ فاتحہ دلانہ شرع سے جائز ہے یا نہیں؟ کوئی ایسی حدیث لکھ دیجئے جس سے یہ ثابت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسی طرح فاتحہ دلائی تھی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فاتحہ دلانہ شریعت میں جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان کل من ابی بعبادۃ مالہ جعل ثوابھا لغیرہ وان نواھا عند الفعل لنفسہ لظاھر الادلۃ [1]۔	اصل یہ ہے کہ جو کوئی عبادت کرے اسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اگرچہ ادائے عبادت کے وقت خود اپنے لیے کرنے کی نیت رہی ہو، ظاہر دلائل سے یہی ثابت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سواء کانت صلٰوۃ اوصوما اوصدقۃ اوقراءۃ [2]۔	خواہ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا قراءت۔ (ت)

اور جس طرح مدار اور خانقاہیں اور مسافر خانے بنائے جاتے ہیں اور سب مسلمان ان کو فعل ثواب سمجھتے ہیں، کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرح بنوائے تھے، یا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ فاتحہ جس طرح اب دی جاتی ہے جس میں قرآن مجید اور کھانے دونوں کا ثواب میّت کو پہنچاتے ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ اور جب ممانعت کا ثبوت نہیں دے سکتا اور بیشک ہرگز نہیں دے سکتا تو جس چیز سے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا دوسرا کہ منع کرے گا اپنے دل سے شریعت گھڑے گا۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیۡلٌ ۪ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱۷﴾ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کے تیسرے دن مسلمانوں کا جمع ہو کر قرآن مجید و کلمہ طیبہ پڑھنا اور چنوں وغیرہ پر کچھ پڑھ کر تقسیم کرنا، جسے سوم یا تیجا کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الحج عن الغیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۱

[2] ردالمحتار باب الحج عن الغیر ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۳۶

[3] القرآن ۱۶/ ۱۱۶۔۱۱۷

الجواب:

صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ نیک اعمال کا مردہ کو ثواب پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی حدیثوں میں آیا ہے کہ وہ ثواب پا کر خوش ہوتا ہے اور ثواب کا منتظر ہوتا ہے اور ثواب پہنچنے کا منتظر رہتا ہے، تو قرآن شریف و کلمہ طیبہ پڑھ کر ثواب پہنچانا اچھی بات ہے اور تیسرے دن کی خصوصیت بھی مصالح عرفیہ شرعیہ کی بنا پر ہے۔ اس میں بھی حرج نہیں، حدیث میں ہے: **صوم یوم السبت لالك ولاعليك**[1] (سنیچر کے روزہ میں نہ تیرے لیے کوئی مزید فائدہ ہے نہ کوئی نقصان۔ ت) اور جو کچھ تقسیم کیا جائے محتاجوں کو دیا جائے کہ یہ بھی ثواب کی بات ہے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں، باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلفات کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانہ، یہ باتیں بیجا ہیں، اور اگر یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا اور روز کم، تو یہ عقیدہ بھی اس کا غلط ہے۔ اسی طرح چنوں کی کوئی ضرورت نہیں، نہ چنے بانٹنے کے سبب کئی برائی پیدا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۶: از کرہ ڈگسائی ضلع شملہ بمعرفت کمال الدین مرچنٹ مرسلہ حبیب اللہ ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ کھانے کے اوپر کلام الٰہی یعنی **الحمد** اور **قل ھو اللہ** پڑھنا منع ہے، اور پڑھنے سے طعام حرام ہو جاتا ہے، لہٰذا امیدوار ہوں کہ کلام الٰہی سے کھانا کیوں حرام ہو گیا، اور کلام الٰہی کیا ایسا خراب ہے جس کے پڑھنے سے حلال چیز حرام ہو جائے؟

الجواب:

فاتحہ بیشک جائز ہے۔ وہ مسلمان میّت کو نفع پہنچنا ہے، اور فرض کے بعد کوئی چیز مولٰی تعالٰی کو اس سے زیادہ پسندیدہ نہیں کہ مسلمان کو نفع پہنچایا جائے۔ حدیث میں ہے:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه[2]۔	جو اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

احب الاعمال الی المولٰی تعالٰی بعد الفرائض	اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں فرائض کے بعد سب سے زیادہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث الصماء بنت بسر رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸

[2] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

ادخال السرور فی قلب المسلم [1]۔	پسندیدہ عمل یہ ہے کہ مسلمان کا دل خوش کرے(ت)

جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید پڑھنے سے کھانا حرام ہوجاتا ہے وہ کذاب ہیں،۔ شرع مطہرہ پر افتراء کرتے ہیں، قرآن مجید میں ہے ایسے لوگ فلاح نہ پائیں گے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ان پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

من افتی بغیر علم لعنته ملائکة السماء والارض [2]۔	جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر اسمان و زمین کے فرشتوں کی لعنت ہو۔ (ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [3]۔	ان سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں (ت)

مسئلہ ۱۸۷: از الہ آباد مسئولہ محمود مستری صاحب ۱۳۳۲ھ

اپنے بزرگوں وں کے نام پر کھانا پکوا کر اس کو آگے رکھ کر، پانی وغیرہ رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ موافق حدیث شریف نیت گیارھویں شریف کرکے فاتحہ پیران پیر صاحب کی جائز ہے یا نہیں؟ کس کا طریقہ ہے؟ یاسنت ہے؟ فقط

الجواب:

امواتِ مسلمین کے نام پر کھانا پکا کر ایصال ثواب کے لیے تصدق کرنا بالاشبہہ جائز و مستحسن ہے اور اس پر فاتحہ سے ایصال ثواب دوسرا مستحسن ہے، اور دو چیزوں کو جمع کرنا زیادتِ خیر ہے۔ اور پانی سے بھی ایصال ثواب کرسکتے ہیں۔ بلکہ حدیث میں ہے: افضل الصدقه سقی الماء [4]۔ سب سے بہتر صدقہ پانی پلانا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: جہاں پانی نہ ملتا ہو کسی کو پانی پلانا ایک جان کو زندہ کرنے کی مثل ہے اور جہاں پانی ملتا ہو وہاں

---

[1] مرقات المفاتیح عن ابن عباس بحوالہ الطبرانی کتاب الادب مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۷۵۳، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی لاوسط باب فضل قضاء الحوئج دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۹۳، الترغیب والترہیب کتاب البر والصلۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۹۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن دساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] الدار المنثور زیر آیۃ افیضوا علینا من الماء الخ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۹۰

پلانا غلام کو آزاد کرنے کے مثل ہے اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ت) یوں ہی گیارھویں شریف جائز ہے اور باعث برکات اور وسیلہ مجربہ قضاء حاجات ہے۔ اور خاص گیارھویں کی تاریخ کی تخصیص عرفی اور مصلحت پر مبنی ہے جبکہ اسے شرعًا واجب نہ جانے، **کمابیناہ فی فتاوٰنا وقد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوم یوم السبت لالك ولاعلیك** [1] (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے شنبہ کا روزہ تیرے لیے زیادہ نافع نہ کچھ مضر۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۸تا۱۹۸: از اودے پور میواڑ محلّہ مہاوت دوڑی مرسلہ فتح محمد ورحیم بخش نعلبند ۱۴رمضان ۱۳۳۸ھ

میرے آقا میرے ہادی، حضرت مولٰنا دام اقبالہ،

(۱) متوفی کے نام پر دونوں وقت مساکین کو کھانا کھلانے اور خیرات کرنے سے مرحومہ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟

(۲) مرحومہ کے نام پر ایک پانی کا برتن پرندوں کے پانی کے لیے رکھا ہے اور انھیں اناج بھی ڈالنا، اور مرحومہ کے نام پر کُتے کو بھی روٹی ڈالنا اس کا ثواب پہنچے گا یا نہیں؟

(۳) بیس روپے کے ہدیہ میں تیس پارے علیحدہ علیحدہ منگا کر مرحومہ کے نام پر مسجد میں نمازیوں کے پڑھنے کے لیے رکھے ہیں، اور فقیر ومساکین کو جوڑا کپڑا بھی دیا جائے تو ان کا بھی مرحومہ کو ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرحومہ کی قبر پر دونوں وقت پھول چڑھانا اور اگربتّی جلانا اور فاتحہ پڑھنا اس سے بھی ثواب ملے گا؟ اور میرے قبر پر جانے کا حال مرحومہ کو معلوم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۵) اور میلاد شریف مرحومہ کے نام سے کرنا اس کا بھی ثواب ملے گا؟

(۶) ربیع الاول کے ماہ ختم ہونے کی پنجشنبہ چاندرات کی صبح کو انتقال ہوا اور دو بجے دفن ہوئی اور بعد مغرب تک قرآن پڑھنے والے کو جمعہ کو سپرد کرنے کے لیے رکھا اور یہ جمعہ میں شریک ہوئے یا نہیں؟

(۷) مرحومہ کو شروع نوماہ کا حمل تھا، خون جاری ہو کر انتقال ہوا اور کفن پر بھی خون کا داغ تھا، گو میّت کو غسل دے دیا تھا مگر وقتِ دفن بھی خون کا داغ نظر آیا، اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۸) مرحومہ میرے خواب میں آئیں، ایک کرسی پر بیٹھے ہوئے چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھاتے ہوئے نظر آئیں، اور کسی روز خواب میں بنگلے باغیچے میں بیٹھے ہوئے خرش وخُرم دیکھنا اور مجھے صبر کے لیے کہنا اور مجھ سے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث الصماء بنت بسر رضی اللہ تعالٰی عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۳۶۸، الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۵۱۳ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

اپنا حال ظاہر کرنا، یہ معاملہ کیسا ہے؟ کوئی دن خواب میں نہیں ٹلتا۔

الجواب:

اللہ تعالٰی مرحومہ کو جنت عطافرمائے اور آپ کو صبر جمیل دے۔ لاحول شریف ۶۰ بار پڑھ کر ایک گھونٹ پانی پر دم کرکے پی لیا کیجئے، مساکین کو کھانا کھلانا اور نیک نیت سے خیرات کرنا جس میں نہ محتاج پر احسان رکھا جائے نہ اس کو تکلیف دی جائے، پرندوں کے لیے پانی رکھنا، دانا ڈالنا حتی کہ روٹی دینا، مسکین کو کپڑا دینا، میلاد شریف پڑھوانا۔ یہ سب اجر وثواب کی باتیں ہیں ان کا ثواب میّت کو پہنچتا ہے اور وہ اس سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے دنیا میں دوستوں کے ہدیے سے۔ ملائکہ ان ثوابوں کے نور طبق میں رکھ کر میّت کے پاس لے جاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ اے گہری گور والے! یہ ثواب تیرے فلاں عزیز یا دوست نے تجھے بھیجا ہے۔ قرآن مجید کے پارے پڑھنے کے لیے مسجد میں رکھنے کا صدقہ جاریہ ہے جب تک وہ رہیں گے اور پڑھے جائیں گے اس رکھنے والے اور میّت کو ثواب پہنچے گا، اور کیسا ثواب پہنچے گا، ہر حرف پر دس نیکیاں، اور صحیح حدیث میں فرمایا:

"میں نہیں فرماتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف الگ حرف ہے، لام الگ حرف ہے، میم الگ حرف ہے۔"[1]

میّت کی قبر پر پھول چڑھانا مفید ہے، وہ جب تک تر ہے رب العزت کی تسبیح کرتا ہے اور میّت کا دل بہلتا ہے اگر کوئی بتی جلانا اگر تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن کے لیے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں ان کی ترویح کے لیے ہو تو مستحسن ہے۔ ورنہ فضول اور تضییع مال، میّت کو اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ قبر مسلم پر جو زیارت کے لیے جاتا ہے میّت اسے دیکھتا ہے اور اس کی بات سنتا ہے۔ اگر دنیا میں اسے پہچانتا تھا اب بھی پہچانا ہے کہ میرا فلاں عزیز یا دوست میرے پاس آیا۔ اور اگر نہیں پہچانتا تھا تو اتنا جانتا ہے کہ ایک مسلمان آیا اور ثواب رسانی کرتا ہے۔ جمعہ کو سپرد کرنا کوئی چیز نہیں، نہ غیر جمعہ میں مرنے والے کو اس سے جمعہ مل سکے۔ حمل میں انتقال شہادت ہے۔ صحیح حدیث میں فرمایا: **المرأۃ تموت بجمع شھیدا**[2] (عورت جو حمل کی وجہ سے مرے شہید ہے۔ت) خواب بہت اچھا ہے ان شاء اللہ ان کے لیے دلیل مغفرت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۶تا۱۹۸: از چمن سرائے سنبھل مرسلہ احمد خان صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی من قرأحرفا من القرآن امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۱۵/۲

[2] مؤطاامام مالک النہی عن البقاء علی المیّت میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۶

(۱) عشرہ محرم الحرام میں کھانے یا شیرینی یا مالیدہ یا شربت جس قدر میسر ہو روبرو رکھ کر ہاتھ اٹھا کر الحمد شریف قل ہو اللہ شریف، درود شریف پڑھ کر یہ کہنا کہ نذر اللہ رسول، میں اس کھانے اور جو کھانے اور جو کلام پڑھا ہے اس کا ثواب بروح پاک جناب امامین وجمیع شہدائے دشتِ کربلا پہنچانا بخشتا ہوں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ کھانا یا جو کچھ فاتحہ کا ہے یہ حق محتاجین ہے یا غنی بھی کھاسکتے ہیں؟ اور شریعت میں شرائط اور صفات محتاج کیا ہیں؟ اور جو شخص مسلمان ہو کر نذر ونیاز بزرگانِ دین کو حرام بتائے بلکہ یہ کہے کہ شربت سبیل جناب امام حسین عالی مقام کا نعوذ باللہ مثل پیشاب ہے، ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور سلام یا مصافحہ ایسے شخص سے کرے یا نہیں؟

(۲) تیجہ، دسواں، چہلم، ششماہی، برسی جائز ہے یا نہیں؟ اور روحیں ان ایام میں اتی ہے یا نہیں؟ اور اپنے عزیزوں کا ان کو علم ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کھانا ان کی فاتحہ کا کس کا حق ہے؟ اور اگر فاتحہ دلانے والا خود محتاج ہے تو فاتحہ دلا کر خود کھالے اور بچوں کو کھلائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور الفاظ ثواب رسانی کیا ادا کرے؟ اور اگر غنی فاتحہ دے اور ثواب پہنچائے بروح اموات، تو ثواب کھانے اور فاتحہ کا فوراً اس میّت کو پہنچے گا یا ایک عبادت کا؟ اگر محتاجین کو کھانا فاتحہ دے تو نیت پر ثواب پہنچا یا نہیں؟ اگر محتاج ایسے نہ ملیں جن پر شرائط محتاج ثابت ہوں تو پھر کھانا کسے دے اور کہاں صرف کرے؟ اور حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور حضور کے صحابہ نے فاتحہ دی یا نہیں؟ اور تیجہ صحابہ میں ہوتا رہا یا نہیں؟

(۳) قبر اہل۔ اللہ پر شامیانہ چڑھانا یا شیرینی نزد قبر رکھ کر ایصال ثواب کرنا یا چراغ نزد قبر جلانا یا عروس کرنا جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب:

(۱) شیرینی وغیرہ پر حضرت شہدائے کرام کی نیاز دینا بیشک باعثِ اجر وبرکات ہے اور عشرہ محرم شریف اس کے لیے زیادہ مناسب، اور جبکہ وہ منّت مانی ہوئی نہ تو اغنیاء کو بھی اس کا کھانا جائز ہے۔ اور وقت فاتحہ کھانا سامنے رکھنے کی ممانعت نہیں مگر اسے ضروری جاننا یا یہ سمجھنا کہ بے اس کے فاتحہ نہیں ہوسکتی یا ثواب کم ملے گا، غلط وباطل خیال ہے۔ فاتحہ پڑھ کر جب ایصال ثواب کا وقت جس میں دعا کی جاتی ہے کہ الٰہی! یہ ثواب فلاں کو پہنچا، س وقت ہاتھ اٹھانا چاہئے کہ یہ دعا کی سنت ہے۔ جس وقت تک قرآن مجید کی تلاوت کر رہا ہے ہاتھ اُٹھانے کی حاجت نہیں۔ ہاں سورۃ فاتحہ شریف خود دعا ہے، یوں ہی درود شریف، حدیث میں فرمایا: **افضل الدعاء الحمد اللہ**[1] (سب سے افضل دعا الحمد اللہ ہے، ت) اور **قل ھو اللہ**

---

[1] سنن ابن ماجہ باب فضل الحامدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۸، المستدرک علی الصحیحین کتاب الدعاء دار الفکر بیروت ۴۹۸/۱

شریف ذکر حمد الٰہی ہے۔اور علماء فرماتے ہیں: کُل دعا ذکر او رکل ذکر دعا، تو وہ بھی دعا ہے۔ اس نیت سے ان کے بڑھتے وقت ابتداء ہی سے ہاتھ اٹھائے توضرور بجاہے اور اکابر کو ثواب رسانی میں بخشنے کا لفظ کہنا بیجا ہے بخشابڑے سے چھوٹے کے لیے ہوتا ہے اور ایصال ثواب میں نذر اللہ نہ کہنا چاہئے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ ثواب اسے نذر کیا جائے، ہاں نذرِ رسول اللہ کہنا صحیح ہے۔ معظمین کی سرکار میں جو ہدیہ حاضر کیا جاتا ہے اسے عرف میں نذر کہتے ہیں، جیسے بادشاہوں کو نذر دی جاتی ہے، اولیاء کی نذر کے بہت ثبوت ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہیں۔ اور تازہ ثبوت یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب انسان العین فی مشائخ الحرمین میں حالِ سید عبدالرحمٰن ادریسی قدس سرہ، میں فرماتے ہیں:

از اطراف دیار اسلام نذور برائے وے می آوردند[1]۔	مسلمان علاقوں سے ان کے لے نذریں پیش کی جاتی ہیں (ت)

جو مالک نصاب نہ ہو شرعاً اسے محتاج کہتے ہیں، جو نذر و نیاز کو حرام بتائے اور شریعت نیاز کی نسبت وہ ناپاک ملعون لفظ وہ نہ ہوگا مگر وہابی، اور وہابیہ اصلاً مسلمان نہیں اور ان کے پیچھے نماز باطل محض، اور اس سے مصافحہ حرام اور اسے سلام کرنا جائز وگناہ۔

(۲) تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ جائز ہیں جبکہ اللہ کے لیے اور مساکین کو دیں، اپنے عزیزوں کا ارواح کو علم ہوتا ہے اور کاآنا نہ آنا کچھ ضرور نہیں، فاتحہ کا کھانا بہتر یہ ہے کہ مساکین کو دے، اور اگر خود محتاج ہے تو آپ کھالے اپنے بی بی بچّوں کو کھلائے سب اجر ہے۔

حدیث میں ہے:

ماأطعمت ولدك فهولك صدقة وماأطعمت خادمك فهولك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[2]۔	جو کچھ تو اپنی اولاد کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو اپنے خادم کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو اپنے نفس کو کھلائے وہ بھی تیرے لیے صدقہ ہے۔(ت)

ثواب رسانی میں کہے کہ الٰہی! جو ثواب تو نے مجھ کو عطا فرمایا وہ میری طرف سے فلاں شخص کو پہنچادے غنی ہو یا فقیر ہو، اگر صرف فاتحہ دے گا تو اسی کا ثواب پہنچے گا اور صرف کھانا دے گا تو اسی کا، اور دونوں تو دونوں کا۔ اور ثواب پہنچانا صرف نیت ہی سے نہ ہو بلکہ اس کی دعا بھی ہو۔ یہ سوال کہ (اگر محتاج ایسے نہ ملیں جن پر شرائط محتاج شریعت ثابت ہوں) خلاف واقع ہے۔ وہ کون سی جگہ ہے جہاں محتاج نہیں۔

[1] انسان العین فی مشائخ الحرمین

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث المقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱۳۱/۴

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایصال ثواب کے لیے حکم بھی دیا، اور صحابہ نے ایصال ثواب کیا، اور آج تک کے مسلمانوں کا اس پر اجماع رہا، تخصیصات عرفیہ جبکہ لازم شرعی نہ سمجھی جائیں خدانے مباح کی ہیں۔ حدیث میں ہے: **صوم یوم السبت لالك ولا علیك**[1] (شنبہ کا روزہ نہ تیرے لیے زیادہ نافع نہ کچھ مضر۔ت)

(۳) مزار اولیاء پر نفع رسانی زائرین حاضرین کے لیے شامیانہ کھڑا کرنا، یونہی ان کے نفع کو چراغ جلانا، اور عرس کہ منہیاتِ شرعیہ سے خالی ہو اور شرینی پر ایصال ثواب۔ یہ سب جائز ہیں، اور نزد قبر رکھنے کی ضرورت نہیں، نہ اس میں جرم جبکہ لازم نہ جانے، چراغ کی تفصیل ہمارے رسالہ بریق المنار بشموع المزار میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۹: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مسئولہ احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

مُردہ کو جو پڑھ کر کلام مجید یا درود شریف یا کھانا مساکین کو کھلائیں یا کپڑا خیرات کریں تو اس کا ثواب مردہ کو پہنچتا ہے یا نہیں اور وہ کس صورت میں مردہ کو پہنچتا ہے؟ اور مردہ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کے فلاں شخص یا عزیز نے بھیجا ہے یا نہیں؟ معلوم ہوتا ہے اگر معلوم ہوتا ہے تو کس طریقہ سے؟ فقط

الجواب:

مسلمان میّت کو جو ثواب پہنچایا جائے اسے پہنچتا ہے اور اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جیسے حیات میں تحفہ بھیجنے سے اسے معلوم ہوتا ہے کہ میرے فلاں عزیز یا دوست یا مسلمان نے بھیجا ہے۔ یہ سب مضامین احادیث میں وارد ہیں **بینہا الامام الجلیل الجلال السیوطی فی شرح الصدور** (ان کو امام جلیل الدین سیوطی نے شرح ال-صدور میں بیان فرمایا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۰: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مسئولہ احمد سوداگ پارچہ بنارسی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

زید تین مرتبہ یٰس شریف اور ایک مرتبہ سورہ فاتحہ، تین مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک سو مرتبہ درود شریف اور اس کے علاوہ جو کچھ ہو سکتا ہے پڑھ کر بخشتا ہے اور دعا اس کے واسطے مغفرت کے کرتا ہے وہ اس کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور یہ دعا اور اس کا پڑھنا اس کی مغفرت کو کافی ہے یا نہیں؟ اگر کافی نہیں ہے تو موافق شرع شریف کے کوئی عمل یا دعا تحریر فرمائے تاکہ اس کے پڑھنے سے ہندہ کے مغفرت کو کافی ہو۔ فقط

الجواب:

ثواب پہنچتا ہے اور مغفرت باختیار خدا ہے، **قل ھو اللہ** شریف گیارہ بار کرے اور سورہ ملک شامل

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ رضی اللہ عنہا دارالفکر بیروت ۳۶۸/۶

کرے کہ وہ بالخصوص عذابِ قبر سے بچانے کو اکسیر اعظم ہے۔ اس کا نام واقعہ مانعہ منجیہ ہے۔ حفاظت کرنے والی، عذاب دفع کرنے والی، نجات دینے والی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۱تا۲۰۴: از شفاخانہ فرید پور، ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپاونڈر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) زید کو گیارھویں شریف کس طریقے سے کرنی چاہئے؟ آیا اس کو دل میں یہ نیت یا خیال کرنا چاہئے یا سمجھنا چاہئے کہ یہ کھانا اللہ تعالٰی کے لیے کرتا ہوں، اور جو کچھ ثواب ملے وہ ثواب گیارھویں والے میاں صاحب کو پہنچے، یا اس خیال اور نیت سے کرے کہ یہ کھانا میں گیارھویں شریف والے میاں صاحب کو کرتا ہوں وہ مجھ سے خوش اور راضی ہوں گے اور اللہ تعالٰی سے دعا کریں گے یا مجھ کو اس کا بدلہ دیں گے، اس طریقہ سے جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) فاتحہ دینا کس طریقہ سے جائز ہے، کھانے کے اوپر سے دعا کریں گے جائز ہے یا نہیں؟ جس کھانے پر زید کو فاتحہ دینا ہے اس کو تناول کرنے کے بعد یعنی کھانا چکنے کے بعد فاتحہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید کے پاس ایک شخص تین جگہ بتاسے لایا کہ ایک پر اللہ رسول کے نام پر فاتحہ دے دو، دوسری جگہ یوسف علیہ الصّلٰوۃ والسلام کی تیسری جگہ محلّہ میاں صاحب کی بعد فاتحہ کے ان بتاسوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام کا شربت کرنا اور پینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طریقہ سے کرنا اور پینا چاہئے اور کیا نیت ہونا چاہئے؟

الجواب:

(۱) یہ دو طریقے نہیں بلکہ ایک ہی طریقہ ہے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خود یہ کھانا حضور کے واسطے ہے، بلکہ قطعاً ثواب ہی مراد اور ان کی رضا جوئی اور ان سے حسن جزا اور نیک دعا کی طلب، ان میں سے کوئی بات شرعاً ممنوع نہیں۔

(۲) کھانے پر فاتحہ جائز ہے، قبل کھانے کے بھی اور بعد بھی، اور قبل دینے میں ایصال ثواب میں تعجیل ہے اور تعجیل خیر خیر ہے۔

(۳) فاتحہ یعنی ایصال ثواب ہے۔ اور اللہ عزوجل کے نام کی فاتحہ ہونا بے معنٰی ہے، وہ ثواب سے پاک منزّہ ہے۔ باقی یہ تین متفرق فاتحہ ہونے نے بتاسوں کو کیوں ناجائز کر دیا۔

(۴) نیت ایصال ثواب کی ہو اور ریا وغیرہ کو دخل نہ ہو، اس کے جواز میں کوئی شبہہ نہیں، شربت کریں اور عرض کریں کہ الٰہی! یہ شربت ترویح رُوح حضرت امام کے لیے کیا ہے۔ اس کا ثواب انھیں پہنچا اور

ساتھ فاتحہ وغیرہ پڑھیں تو اور افضل، پھر مسلمانوں کو پلائیں اور من واذی سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵: از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب　یکم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقابر میں ایک شخص سورہ اخلاص وفاتحہ ومعوذتین وغیرہ پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتا ہے: یااللہ! ان آیات کا ثواب مقدس حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ تابعین اور اولیائے امت اور آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اس وقت تک جو مسلمان مرے ہیں اور جو یہاں مدفون ہیں سب کی ارواح کو پہنچے یا پہنچادے، اس کی اصلاح فرمائی جائے۔

الجواب:

اس میں اتنا اور اضافہ کرنا انسب ہے کہ جتنے مسلمان مردوعورت اب موجود ہیں اور جتنے قیامت تک آنے والے ہیں، ان سب کی روح کو پہنچادے اسے تمام مومنین ومومنات اولین وآخرین سب کی گنتی کے برابر ثواب ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۶: از کانپور محلّہ بوچڑ خانہ مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن حبشانی طالبعلم مدرسہ فیض عام ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

ماجوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء کرام رحمکم اللہ تعالٰی! تمھارا کیا جواب ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ مُردہ کا نام لے کر فاتحہ بخش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں۔ وقد حققناہ فی البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقہ فی المسلك المتقسط للملا علی القاری وعنہ نقل فی ردالمحتار یقرأ مایتسرلہ من الفاتحۃ والاخلاص سبعًا او ثلثًا ثم یقول اللھم اوصل ثواب ماقرأناہ الٰی فلان اوالیھم [1] اھ ملخصًا وفی الشامیۃ ایضًا صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ	اور ہم نے اس کی تحقیق البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ میں کی ہے۔ ملّا قاری کی المسلک المتقسط میں ہے اور اس کے حوالے سے ردالمحتار میں بھی نقل ہے کہ سورۃ فاتحہ اور سورہ اخلاص سات بار یا تین بار جس قدر میسر ہو پڑھے، پھر یہ کہے کہ اے اللہ! ہم نے جو پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان سب کو پہنچادے اھ ملخصًا۔ شامی ہی میں یہ بھی ہے کہ ہمارے عماء نے باب الحج عن الغیر میں صراحت فرمائی ہے

[1] المسلک المتقسط فی المنسک المقسط مع ارشاد الساری فصل یستحب زیارۃ اھل المصلی دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۴

صلٰوۃ او صوماً او صدقۃ اوغیرھا کذا فی الھدایۃ[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم	کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا کچھ اور۔ ایسا ہی ہدایہ میں ہے الخ__اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۰۷تا۲۰۹: از رائے بریلی مدرسہ رحمانیہ مرسلہ حافظ نیاز حسین صاحب ۱۷شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) بوقت ایصال ثواب فلان بن فلان کہنے کی ضرورت ہوگی یا محض اس کا نام لیناکافی ہوگا؟ اگر ولدیت کے اظہار کی ضرورت ہوگی اور اس سے لاعلمی ہے توایصال ثواب کاکیاطریقہ اختیار کیا جائے گا؟

(۲) بروز وفات جو کھانا اہل میّت کے یہاں بطریق بھاتی بھیجاجاتا ہے اس کو اہل میّت کے اعزاء قریب یا اعزاء پڑوسی خواہ مرد ہوں یا عورت جو بعض مصروفیت تجہیز وتکفین رہتے ہیں اور بعض اگرچہ اپنے یہاں کھانا پکا کر کھاسکتے ہیں مگر عرفاً معیوب سمجھ کر محض بخیال ہمدردی اہل میّت اس کے شریک حال رہتے ہیں اس کھانے کو کھاسکتے ہیں یا نہیں؟ بصورت عدم جواز کھانا مکروہ ہوگا یاحرام؟

(۳) بروز سوم، دہم، چہلم، ششماہی وغیرہ کھانا بغرض ایصال ثواب پکاکر مساکین کو تقسیم کیا جاتا ہے اس میں بقدر ضرورت اضافہ کرکے علاوہ مساکین کے دیگر اعزّہ واحباب کو کھلایا اور اہل برادری میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ بصورت جواز کتب فقہ کی اس عبارت کاکیا مطلب ہوگا: **التقریب للسرور لاللحزن** (تقریب خوشی کے لیے ہوتی ہے غمی کے لیے نہیں ۔ت) بصورت عدم جواز کھانا اس کامکروہ ہوگا یاحرام؟

الجواب:

(۱) ایصال ثواب بذریعہ دعاہے اور دعارب عزوجل سے۔ اور عزوجل بکل شیئ علیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ فلاں سے اس کی مراد وہ شخص ہے ولدیت وغیرہ کی کوئی حاجت نہیں۔

(۲) پہلے دن صرف اتنا کھاناکہ میّت کے گھروالوں کوکافی ہے بھیجناسنت ہے۔ اس سے زیادہ کی اجازت نہیں نہ دوسرے دن بھیجنے کی اجازت، نہ اوروں کے واسطے بھیجا جائے نہ اوراس میں کھائیں، **وبیان ذلك فی فتاوٰنا** (اور اس کابیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

[1] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

(۳) ایصال ثواب سنت ہے اور موت میں ضیافت ممنوع۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیّت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعة مستقبحة۔ روی الامام احمد وابن ماجة باسناد صحیح عن جریر بن عبداللّٰه قال کنا نعد الاجتماع الی اھل المیّت وصنعھم الطعام من النیاحة[1]۔	اہل میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں، اور یہ بدعتِ شنیعہ ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں ہم گروہ صحابہ اہل میّت کے یہاں جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔ (ت)

جب علماء نے اسے غیر مشروع وبدعتِ قبیحہ کہا تو اس کا کھانا بھی غیر مشروع و بدعت قبیحہ ہوا کہ معصیت پر اعانت ہے اور معصیت پر اعانت گناہ۔

قال اللّٰه تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۰: ازحب والہ ضلع بجنور تحصیل دھانپور مرسلہ منظور صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کا تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں متعین کرکے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ میں نے ایک اشتہار میں جو آپ کی جانب سے تھا اور مشتہر اس کے لعل خاں تھے، دیکھا تھا کہ دسواں بیسواں متعین کرکے کرنا اور میلاد مروجہ بہتر نہیں۔ الفاظ اس کے بعینہٖ مجھے یاد نہیں۔

الجواب:

اموات کو ایصال ثواب قطعًا مستحب۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه[3]۔	جو اپنے بھائی کو نفع پہنچاسکے تو چاہیے کہ اسے نفع پہنچائے۔ (ت)

اور یہ تعینات عرفیہ ہیں، ان میں اصلًا حرج نہیں جبکہ انھیں شرعًا لازم نہ جانے، یہ نہ سمجھے کہ انہی دنوں ثواب

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۳

[2] القرآن ۵/ ۲

[3] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

پہنچے گا آگے پیچھے نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صوم یوم السبت لالك ولا علیك[1] (روز شنبہ کا روزہ نہ تیرے لیے، نہ تیرے اوپر۔ت)

میرے فتاوٰی ورسائل مجلس مبارک کے استحباب اور ان اشیاء کے جوا سے مالامال ہیں، حامیِ سنت حاجی لعل خاں نے کوئی اشتہار اس مضمون کا نہ دیا۔ وہابیہ کا کوئی افتراء آپ کی نظر پڑا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۱: از شہر بازار بانس منڈی معرفت عبدالحکیم طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص گیارھویں شریف کو منع کرے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور گیارھویں شریف کا کرنا سنت ہے یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو زائد ہے یا موکد؟ اور سنت سے کون سی سنت مراد ہوگا؟ آیا سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا سنتِ صحابہ رضوان علیہم اجمعین؟ اور جیسے گیارھویں شریف کو ہم لوگ گیارہ تاریخ میں ضرور سمجھتے ہیں، یہ سمجھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر گیارہ تاریخ کے بجائے بارہ یا تیرہ کو کرے تو ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے ہی تیجے کو یا چہلم کو ایک دن یا دو دن آگے پیچھے کریں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو جیسے ہم لوگ کرتے ہیں کہ تیسری کو تیجا اور گیارہ تاریخ کو گیارھویں اور چہلم کو چہلم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور بتاسے اور ریوڑی وغیرہ سامنے لانے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور بجز لانے کے نیاز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور چند سورہ جو مروجہ ہیں ان کے علاوہ اور کوئی سورہ شریف پڑھ کر فاتحہ و نیاز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل باجر جزیل۔**

الجواب:

یہاں گیارھویں شریف کو منع کرنے والے نہیں مگر وہابی یا رافضی، اور دونوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔ گیارھویں شریف اپنے مرتبہ فردیت میں مستحب ہے، اور مرتبہ اطلاق میں کہ ایصال ثواب سنت ہے، اور سنت سے مراد سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اور یہ سنت قولیہ مستحبہ ہے۔ یہ "ہم لوگ" کہنا اپنی تہ میں وہابیت کا فریب رکھتا ہے، سنیوں میں کوئی اسے خاص گیارھویں تاریخ ہونا شرعًا واجب نہیں جانتا، ور جو جانے محض غلطی پر ہے۔ ایصال ثواب ہر دن ممکن ہے او کسی خصوصیت کے سبب ایک تاریخ کا التزام جبکہ ایسے شرعًا واجب نہ جانے مضائقہ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر پیر کو نفلی روزہ رکھتے کیا اتوار یا منگل کو رکھتے تو نہ ہوتا، یا اس سے یہ سمجھا گیا کہ معاذاللہ حضور نے پیر کا روزہ واجب سمجھا؟ یہی حال تیجے اور چہلم کا ہے۔ روٹی کھاتے وقت روٹی کو سامنے لانے کی ضرورت نہیں، پیٹھ کے پیچھے بھی رکھ کر کھا سکتے ہیں اور سر پر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث امراۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸

رکھ کر بھی توڑ سکتے ہیں مگر وہابیہ بھی التزاماً سامنے ہی رکھ کر کھاتے ہیں کیا شرعاً فرض واجب ہے؟ وہابیہ کے نزدیک جو واجب نہ ہو اس کے التزام سے شیطان کا حصہ آجاتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ وہابیہ شیطان کا حصہ کھاتے ہیں، ایصال ثواب میں کوئی سورہ شرعاً معیّن نہیں، اور بلا اعتقاد وجوب معین کرنے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۲: از پیلی بھیت محلّہ پکریا متصل سٹی ڈاکخانہ مسئولہ ملّا لطیف احمد سوداگر لکڑی ۲۷ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آٹا جو روزمرہ پکانے کو نکالا جاتا ہے اس میں سے ایک چٹکی نکال کر جمع کی جائے، جب تین تیس دین مہینے کے پورے ہوجائیں اور گیارھویں شریف کا دن آئے تو اس آٹے جمع کئے ہوئے پر گیارھویں شریف کی فاتحہ درست ہے یا نہیں؟ اور روزمرہ ایک چٹکی آٹا برائے فاتحہ گیارھویں شریف جائز ہے یا نہیں؟ اگر روزمرہ چٹکی نکالنا جائز ہے تو دوسرا طریقہ کون سا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ طریقہ بہت برکت کا باعث ہے اور اس میں آسانی رہتی ہے، روز کے آٹے میں سے ایک چٹکی نکالنا معلوم بھی نہیں ہوتا اور وہ مہینہ بھر بعد ایک مقدار معتدبہ ہوجاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۳: از موضع گہر کھالی تھانہ منگنڈوا بازار ہانچورانہ ضلع ارکان عرف اکیاب مسئولہ مولوی ابوالحسن صاحب ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم صالح کا انتقال بروز جمعہ بوقت صبح ہوا۔ اب زید کے واسطے قبل نماز جمعہ تسبیح و تہلیل و ختم قرآن مجید پڑھ کر ایصال ثواب جائز ہے یا نہیں؟ برتقدیر اول جب زید قبر کے عذاب سے محفوظ ہے پھر ایصال وثواب کی کیا ضرورت، بناءً علیہ بعض علماء ان امور مذکورہ کو جائز مانتے ہیں، اب قول فیصل کیا ہے؟ **بینوا اجروا**

الجواب:

جائز ہے، جبکہ میّت کی تجہیز و تکفین میں اس کے باعث تاخیر نہ ہو، اس کا اہتمام اور لوگ کرتے ہوں نہ اس کے سبب ان پڑھنے والوں کو جمعہ میں تاخیر ہوجائے، اس کے اہتمام کا وقت آنے سے پہلے فارغ ہوجائیں۔ اب یہ نفع بلاضرورت اور اس حدیث صحیح کو عموم میں داخل ہے کہ:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل[1] رواہ مسلم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اپنے بھائی کو فائدہ پہنچاسکتا ہو تو چاہئے کہ اسے فائدہ پہنچائے، اسے امام مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۳

یہ خیال کہ جب ہو حکم حدیث ان شاء اللہ العزیز فتنہ قبر سے مامون ہے کہ اس مسلم کی موت روز جمعہ واقع ہوئی خصوصًا وہ خود ہی صالحین سے تھا تو اب ایصال ثواب کی کیا حاجت، محض غلط اور بے معنی ہے۔ ایصال ثواب جس طرح منعِ عذاب میں باذن اللہ تعالیٰ کام دیتا ہے یونہی رفعِ درجات وزیادت حسنات میں اور حق سبحانہ وتعالیٰ کے فضل اور اس کی زیادت وبرکت سے کوئی غنی نہیں۔

قال تعالیٰ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰی وَ زِیَادَۃٌ[1]۔	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نیکوکاروں کے لیے بھلائی ہے اور مزید بھی ہے۔ (ت)

سیدنا ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مولیٰ جلا وعلانے اموال عظیمہ عطا فرمائے تھے، ایک روز نہارہے تھے کہ اسمان سے سونے کی ٹیریاں برسیں، ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام چادر میں بھرنے لگے، رب عزوجل نے ندا فرمائی: یاایوب الم اکن اغنیک عماتری اے ایوب! جو تمھارے پیشِ نظر ہے کیا میں نے تمھیں اس سے بے پروانہ کیا تھا؟ عرض کی: بلٰی وعزتک ولکن لا غنی عن برکتك[2] ضرو غنی کیا تھا تیری عزت کی قسم مگر مجھے تیری برکت سے تو بے نیازی نہیں رواہ البخاری واحمد والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے امام بخاری وامام احمد ونسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ت) جب حق جل وعلا کی دینوی برکت سے بندہ کو غنا نہیں تو اس کی دینی برکت سے کون بے نیاز ہوسکتا ہے۔ صلحاء تو صلحا خود امام اعاظم اولیاء بلکہ حضرات انبیاء خود حضور پر نور نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایصال ثواب زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اب تک معمول ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قطعًا معصوم ہیں تو موتِ جمعہ یا صلاح کیا مانع ہوسکتی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمرا بعد موتہ من غیر وصیۃ وحج ابن الموفق (رحمۃ اللہ تعالٰی) وھوفی طبقۃ الجنید قدس سرہ) عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبعین حجۃ وختم ابن السراج عنہ صلی اللہ تعالٰی	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بغیر کسی وصیت کے ان کی طرف سے عمرے کیا کرتے تھے، ابن موفق رحمہ اللہ نے (جو حضرت جنید بغدادی قدس سرہ، کے طبقہ سے ہیں) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

[1] القرآن ۲۶/۱۰
[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل وایوب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۰، در منشور بحوالہ احمد وبخاری وبیہقی آیہ وایوبیہ اذ نادٰی ربہ مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۳۰

علیه وسلم اکثر من عشر الاف ختمة وضحٰی عنه مثل ذلك (نقله عن الامام ابن حجر المکی عنب الامام الاجل تقی الملة والدین السبکی رحمها الله تعالٰی ثم قال اعنی الشامی) احمد بن الشلبی شیخ صاحب البحر نقلا عن شرح الطیبة للنویری (رحمهم الله تعالٰی ثم قال) وقول علمائنا له ان یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانهی احق بذٰلك حیث انقدنا من الضلالة ففی ذلك نوع شکر واسداء جمیل له والکامل قابل لزیادة الکمال ملخصا [1] ۔ والله تعالٰی اعلم	طرف سے ستّر حج کیے، ابن سراج نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے دس ہزار ختم سے زیادہ پڑھے، اور اسی کے مثل سرکار کی جانب سے قربانی بھی کی۔ اسے امام ابن حجر مکی سے انھوں نے امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی سے نقل کیا، رحمہما اللہ تعالٰی، آگے علامہ شامی نے لکھا: اسی جیسا مضمون مفتی حنفیہّ شہاب الدین احمد الشلبی شیخ صاحب بحر کی قلمی تحریر میں نویری کی شرح طیبہ کے حوالے سے دیکھا رحمہم اللہ۔ آگے علامہ شامی نے فرمایا، اور ہمارے علماء کا یہ قول کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسروں کے لیے کرسکتا ہے، اسی میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہیں اسی لیے کہ وہ اس سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ حضور ہی نے ہمیں گمراہی سے نکالا تو اس میں ایک طرح کی شکر گزاری اور حسن سلوک ہے اور صاحب کمال مزید کمال کے قابل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴: از موضع سرینا ضلع بریلی تحصیل بریلی مسئولہ عبدالکریم صاحب ۶۰ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دریافت کرتا ہے کہ کفن میں تہبند ورومال، سرمہ، کنگھی وغیرہ کم کرنا جائز ہے یانہیں بلکہ ہو بہتر ہے۔ اور ہر روز خوراک پہ میّت کے فاتحہ دکھانا اور ہر جمعرات کو چند مسکین کو دعوت کرکے کھلانا اور چالیس یوم تک ہر روز فاتحہ دلانا اور جمعرات کو فقیروں کو کھلانا اور چالیسویں یوم کو گھڑے یا مٹکے میں پانی بھر کر اس پر چادر رکھتے ہیں، کچھ پکا کر فاتحہ دیتے ہیں اور اس کو روح نکالنا مکان سے قرار دیتے ہیں اور جریس یعنی چاول میں شکر ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، او رحلوہ روٹی بہ جریس برادری میں تقسیم کیا جاتا ہے اور شب برات وعرفہ تک اس میّت کی فاتحہ علیحدہ ہوتی ہے۔ بعد عرفہ شب برات کے یعنی شب برات کو شامل ہوتی ہے اور برادری کو دعوت فاتحہ میّت میں شامل نہ کریں تو بہت بُرا مانتے ہیں، یہ رسمیں جو ناجائز ہوں وہ علیحدہ تحریر فرمائی جائیں۔

الجواب:

مرد کے لیے کفن کے تین کپڑے سنت ہیں اور عورت کے لیے پانچ۔ ان کے سوا کفن میں کوئی اور تہبند یا رومال

[1] ردالمحتار مطلب فی القراۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵ و ۶۰۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

دینا بدعت و ممنوع ہے۔ سُرمہ، کنگھی اگر فقیر کو بطور صدقہ دیں تو حرج نہیں اور کفن ہیں رکھنا حرام ہے۔ ہر روز ایک خوراک پر میّت کی فاتحہ لاکر مسکین کو دینا اور ہر پنجشنبہ کی رات چند مساکین کو کھلانا، چالیس، روز تک ایسا ہی کرنا اور ہوسکے تو سال بھر تک یا ہمیشہ کرنا یہ سب باتیں بہتر ہیں اور اس طرح روح نکالنا محض جہالت و حماقت و بدعت ہے۔ ہاں فاتحہ دلانا اچھا ہے، شکر، چاول مساکین کو تقسیم کرنا خوب ہے مگر برادری میں موت کے لئے نہ بانٹا جائے، عرفہ تک یا بعد تک اگر الگ ہمیشہ فاتحہ دیں تو حرج نہیں، شامل رکھیں تو حرج نہیں، یہ سمجھنا کہ عرفہ تک الگ کا حکم ہے پھر شامل کا، یہ غلط و جہالت ہے، میّت کی دعوت برادری کے لیے منع ہے ان کا بُرا ماننا حماقت ہے، ہاں برادری میں جو فقیر ہو اسے دینا اور فقیر کے دینے سے افضل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۵ تا ۲۱۶: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود صاحب قادری برکاتی بنگالی طالب علم مدرسہ مذکورہ ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) گھر میں بیٹھ کر فاتحہ پڑھ کر ثواب رسانی کرنے سے زیادہ ثواب ہے یا قبرستان پر، اور فاتحہ پڑھنے کا وقت قبر پر پانی ڈالنا۔

(۲) اکثر مساجد بنگال میں دستور ہے کہ محلّہ والے جمعہ کے دن چاول روٹی کھانے کی چیزیں پکا کر فاتحہ کے واسطے اور نمازیوں کو تقسیم کرنے کے لیے مسجدوں میں بھیجا کرتے ہیں، ان اشیاء موصوفہ کو کھا نمازیوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور ان چیزوں کو مسجد کے اندر تقسیم کرنا چاہئے یا باہر؟ یا بالکل ممانعت کردی جائے اور کہہ دیا جائے کہ مسجدوں میں نہ بھیجا کرو۔

الجواب:

(۱) قبرستان میں جاکے پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کہ زیارتِ قبور بھی سنت ہے اور وہاں پڑھنے میں اموات کا دل بھی بہلتا ہے۔ اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے رحمتِ الٰہی اترتی ہے۔ قبر اگر پختہ ہے اس پر پانی ڈالنا فضول و بے معنی ہے، یونہی اگر کچی ہے اور اس کی مٹی جمی ہوئی ہے۔ ہاں اگر کچی ہے اور مٹی منتشر ہے تو اس کے جم جانے کو پانی ڈالنے میں حرج نہیں، جیسا کہ ابتدائے دفن میں خود سنت ہے۔

(۲) بھیجنا جائز ہے۔ اور جبکہ بھیجنے والے عام نمازیوں کے لئے بھیجیں تو اغنیاء کو ناجائز ہے۔ اور مسجد کے اندر کسی چیز کے کھانے کی غیر معتکف کو اجازت نہیں بلکہ مسجد سے باہر کھائیں، اسی کی تاکید کی جائے اور بھیجنے سے ممانعت نہ کی جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۸: از باگ ضلع الجھرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ اشرف علی صاحب پنشنر ریاست کوٹہ ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) کھانا پانی سامنے رکھ کر اور اس پر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ دینا یہ طریقہ سنت ہے یا کیا؟

(۲) جو کھانا بہ نیت خاص برائے ایصال ثواب خواہ بزرگان دین سے ہوں یا عام مسلمان، پکوایا جائے تو اس کھانے کو اغنیا کھا سکتے ہیں؟

الجواب:

(۱) کھانا پانی سامنے رکھ کر فاتحہ دینا جائز ہے۔

(۲) اغنیا بھی کھا سکتے ہیں سوا اس کھانے کے جو موت میں بطور دعوت کیا جائے وہ ممنوع و بدعت ہے۔ اور عام مسلمین کی فاتحہ چہلم، برسی، ششماہی کا کھانا بھی اغنیاء کو مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۹ تا ۲۲۲: از شہر کوٹہ راجپوتانہ محلّہ لارڈ پورہ معرفت گانس بہرو مسئولہ الٰہی بخش صاحب ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) حضرت مولانا صاحب! واقعات کو بغور ملاحظہ فرمائیں، مسجد کے پیش امام کو محلّہ میں ایک جگہ پر فاتحہ و ایصال ثواب کو بلالے گئے، چند عورتیں تھیں، گھر کا دروازہ بند کرکے کہا بیوی صاحبہ کی فاتحہ پڑھ دو۔ ملّاں جی نے کہا کہ پردہ کرکے یا کپڑے سے بند کرکے دلانا، یہ عورتوں کا مسئلہ ہے شریعت میں ایسا نہیں ہے، خیر کپڑا ڈال دو مگر کھانا تو سامنے رکھو۔ خیر بند کرکے بھی کھانا سامنے نہیں رکھا گیا۔ تھوڑا سا دروازہ کھولا گیا، پردہ کردیا گیا، ملّاں جی نے فاتحہ پڑھ دی، عورتیں کہنے لگیں یہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تھی اب بیوی کی پڑھو اور اسی طرح سے علی کی پڑھ دینا، ملّاں جی ناراض ہو کر بولے کہ تم خلاف قاعدہ اور خلاف اصولِ شرع فاتحہ دلاتی ہو اس طرح سے میں نہیں دے سکتا میرے عقیدے میں خلل ہوتا ہے اور میں اپنا اسلام نہیں بیچ سکتا ہوں، یہ کہہ کر مکان پر چلے آئے۔ بعد میں ایک عورت نے ملّاں جی کو بہت سخت وسست کہا اور لعن طعن کی۔ انھوں نے صبر کیا۔ دلی مطلوب ملّاں جی کا یہ تھا کہ سلف سے جو طریقہ فاتحہ خوانی اور ایصال ثواب کا چلا آتا ہے اور تمام بزرگان دین ایصال ثواب کرتے چلے آئے ہیں وہ بات ہونا چاہئے نئے نئے طریقے کیوں نکالتی ہو؟ جس پر اس عورت کے بعض عزیز بھی ملّاں جی پر ناراض ہوئے۔ یہ واقعات ہیں۔

(۲) یہ عورتیں حضرت بی بی فاطمہ خاتونِ جنت کی فاتحہ پردہ ڈال کر یا کپڑا ڈال کر امہات المومنین حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور جملہ پیغمبروں کی بیویوں سے علیحدہ دلاتی ہیں اور چند قیدیں لگاتی ہیں کہ سوائے شوہر والی بیوہ یا عقد ثانی والی یا مرد یہ کھانا نہ کھائیں، آیا اس کا ثبوت کہیں شریعت سے بھی ہے یا کیا؟ جیسا ہو ویسا بحوالہ کتب تحریر فرمائیں۔

(۳) حضور کی نیاز یا صحابہ کی نیاز بھی پردہ کرکے یا کپڑا ڈال کر دلانے کا کہیں حکم ہے یا ویسے ہی لغو ہے؟ اور جو لوگ امام مسجد یا کوئی دوسرا شخص کسی کے کہنے سے اس کام کو نہ کرے کیا وہ مستحق لعن ہے؟ جیسا ہو ویسا حوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

(۴) یہاں پر اکثر شب برآءت یا عید بقرہ یا عید الفطر یا شادی بیاہ دیگر خوشی کے وقت دودھ روٹی یا تھوڑا تھوڑا کھانا الگ الگ رکھ فاتحہ دلاتی ہیں اور کہتی ہیں اس پر میرے دادا کی یا باپ کی یا فلاں کی دے دو۔ شرع شریف میں یہ بات جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

(۱) فاتحہ وایصال ثواب کے لیے کھانے کا پیش نظر ہونا کچھ ضرور نہیں، یہ اس پیش امام کی غلطی تھی، اور حضرت خاتون جنت کی نیاز کا کھانا پردے میں رکھنا اور مردوں کو نہ کھانے دینا یہ عورتوں کی جہالتیں ہیں انھیں اس سے باز رکھا جائے پیش امام اور عورتیں دونوں اپنی اپنی غلطی سے توبہ کریں اور جس عورت نے پیش امام کو سخت وسست کہا وہ اس سے معافی مانگے۔

(۲) یہ محض بے ثبوت اور نری اختراعی باتیں ہیں، مردوں پر لازم ہے کہ ان غلط خیالوں کو مٹائیں۔

(۳) کسی نیاز پر پردہ ڈالنے کا کہیں حکم نہیں اور جو امام ایسا نہ کرے اس نے اچھا کیا۔ اس وجہ سے اس پر لعن سخت حرام ہے، ایسی لعنت خود لعنت کرنے والے پر پلٹتی ہے۔

(۴) ایک جگہ سب کی فاتحہ دلائیں تو جائز، اور جدا جدا دلائیں تو جائز، جیسے حیات دنیا میں، لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا[1] (تم پر حرج نہیں کہ مل کر کھاؤ یا جدا جدا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۳: از رامپور گول بازار ممالک متوسط مرسلہ محمد سلیم خاں کتب فروش ۲ جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ

ایک شخص ہے وہ کہتا ہے کہ فاتحہ میں ثواب رسانی کے سلسلہ میں ایسا لفظ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ارواح متبرکہ کو اس کا ثواب پہنچے۔ ایسا لفظ حضرت کی شان میں ارواح کا لفظ لانا بے ادبی میں داخل ہے۔ ارواح کا لفظ مت شامل کرو۔ ایسا مت کہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ارواح کو ثواب پہنچے، آپ حیات النبی ہیں، فقط

الجواب:

رُوح زندہ کے لیے بھی ہے بلکہ روح ہی سے زندگی ہے اور درود شریف کے صیغوں میں ہے:

---

[1] القرآن ۲۴/ ۶۱

اللھم صل علی روح سیدنا محمد فی الارواح تو اصل لفظ کے کہنے میں کوئی حرج نہیں، مگر جہاں عوام سے یہ سمجھتے ہوں جیسے اس نیک پاکیزہ خیال نے سمجھے تو ضرور اس کہنے سے ان کو روکا جائے یا یہ وہم ان کے دلوں سے نکال دیا جائے کہ ارواح کا اطلاق اموات ہی کے حق میں ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام حقیقۃً ایسے ہی زندہ ہیں جیسے رونق افروزی دنیا کے زمانہ میں تھے، ان کی موت یک آن کے لئے تصدیق وعدہ الٰہیہ

كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ[1] (ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ت) کے واسطے ہوتی ہے، پھر وہ ہمیشہ ہمیشہ بحیات حقیقی جسمانی دنیاوی زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، مجالس خیر میں تشریف لے جاتے ہیں، کھانا پینا سب کچھ دنیا کی طرح بے کسی آلائش کے جاری ہیں کما نطقت بہ الاحادیث وائمۃ القدیم والحدیث (جیسا کہ اس بارے میں احادیث اور زمانہ قدیم وجدید کے ائمہ کے ارشادات موجود ہیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴: از بھیرہ ضلع شاہ پور، ملک پنجاب، ملتانی دوازہ، مسئولہ فضل حق صاحب چشتی ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب سلطان العلماء، المتبحرین، برہان الفضلاء، المتصدرین، کنز الہدایہ والیقین، شیخ الاسلام والمسلمین مولٰنا المفتی العلامۃ الشاہ محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گیارھویں شریف کس چیز پر دینی افضل ہے۔ چاول یا حلوہ وغیرہ اور کن کن لوگوں میں بانٹنی چاہئے؟ آپ بھی تبرک چکھنا چاہئے یا نہیں؟ اور کس پیر صاحب یا سید کو اس میں سے حصہ دینا یا نہیں؟ ایک مسجد میں چند ایک اصحاب مل کر گیارھویں پکاتے ہیں تو کیا وہ گیارھویں شریف پکی ہوئی، مسجد کے نمازیوں میں بانٹنی چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

نیاز کا ایسے کھانے پر ہونا بہتر ہے جس کا کوئی حصہ پھینکا نہ جائے، جیسے زردہ یا حلوا یا خشکہ، یا وہ پلاؤ جس میں سے ہڈیاں علیحدہ کرلی گئی ہوں، بانٹنے کا اختیار ہے، جس سنی مسلمان کو چاہے دے اگر غنی کو ہو اگرچہ سید ہو۔ اور خود بھی تبرک کھائے تو حرج نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاوٰی میں لکھا ہے: نیاز کا کھانا تبرک ہو جاتا ہے، ہاں اگر شرعی منت مانی ہو تو اس میں سے نہ خود کھا سکتا ہے نہ کسی غنی یا سید کو دے سکتا ہے، وہ غیر ہاشمی فقرائے مسلمین کا حق ہے۔ اور بدمذہبوں خصوصًا وہابیوں رافضیوں کو دینا جائز نہیں، چندے والے جس نیت سے پکائیں اس میں صرف کریں، اگر خاص نمازیوں کے لئے پکائی ہے تو صرف انھیں کو دیں، اور سب کے لئے تو سب کو۔ ہاں کافر کو دینا جائز نہیں جیسے بھنگی، چمار، وہابی، رافضی، قادیانی۔ ہاں جس کی بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیلہ، اسے دینے میں حرج نہیں، اور سنی کو دینا افضل۔ حدیث میں ہے:

---

[1] القرآن ۳/۱۸۵

لایاکل طعامك الاتقی [1]۔ رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن حبان والحاکم باسانید صحیحۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم	تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیز گار۔ (اسے امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سندوں سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۵: از شہر محلّہ گلاب نگر ۱۹رجب ۱۳۲۷ھ

تبارک جو کیا جاتا ہے اس کی اصل کیا ہے؟ اور کس شیئ پر ادا کیا جانا افضل ہے؟ جس شیئ پر پڑھا جائے وہ شیئ اگر کھانے کی ہے تو کس کو کھلانا بہتر زیادہ ہے؟ اس کا جو رواج ہے اس سے جناب خوب واقف ہیں اس کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

تبارک کی اصل ایصال ثواب ہے جس کا حکم احادیث کثیرہ میں ہے اور خاص سورہ تبارک الذی شریف کی تخصیص اس لیے کی صحیح حدیثوں میں اسے عذاب قبر سے بچانے والی، نجات دینے والی فرمایا، جس شے پر کرتے ہیں محتاج کی حاجت روائی زیادہ ہو اس میں زیادہ ثواب ہیں، ایام قحط میں کھانے پر ہونا زیادہ مناسب ہے۔ فقیر کے یہاں کھانے پر ہوتی ہے۔ کپڑے کے جوڑوں کبھی روپوں پر موافق حالت برادران مساکین مسلمین کے جو مناسب سمجھا گیا کیا جاتا ہے۔ کھانا ہو یا کپڑے یا دام دنیا سب سے پہلے اپنے عزیزوں، قریبوں کا حق ہے جو حاجتمند ہوں، پھر ہمسایوں، پھر یتیم، بیوہ، مسکین مسلمانانِ اہل شہر کا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۶تا۲۲۸: از اجمیر شریف کارخانہ کرتیاں علاقہ نمبر ۳ لوہار خانہ مرسلہ جمال محمد ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

(۱) مردہ کے ساتھ کھانا لے جانا حلال ہے یا حرام؟

(۲) گلاب قبر میں چھڑکنا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اور قبر سے چالیس قدم جاکر دعا مانگنا؟

الجواب:

(۱) مردہ کی طرف سے تصدق کرنا چاہئے اور ساتھ لے جانا فضول ہے۔ اور علامہ طحطاوی نے اسے بدعت لکھا ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم**

(۲) قبر میں گلاب وقت دفن کے چھڑکنے میں حرج نہیں اور اوپر چھڑکنا فضول اور مال کا ضائع کرنا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسدن ابو سعید الخذری دار الفکر بیروت ۳/۳۸

(۳) دعا مانگنا ہر وقت جائز ہے اور چالیس قدم کی خصوصیت بلاوجہ۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۹: از کرتپور ضلع بجنور مرسلہ طفیل احمد صاحب بجڑ ابونی ۲۷ صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو اطعام بہ نیت ایصال ثواب بروح مردگان تقسیم کیا جاتا ہے اس کو اغنیاء بھی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ عام اموات مومنین کے لیے جو کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے اس میں اور اس طعام میں جو انبیاء عظام اور اولیاء کرام کے ارواح کے لیے ہدیہ کیا جاتا ہے کچھ ذاتی فرق ہے یا نہیں؟ برکت وعدم برکت کے اعتبار سے دونوں حالتوں میں مصروف ایک ہوگا یعنی صرف فقراء کو دینا یا اغنیاء کے لیے بھی کھانا جائز ہوگا۔ فقط **بینوا توجروا**

الجواب:

طعام تین قسم ہے: ایک وہ کہ عوام ایامِ موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز وممنوع ہے۔

لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور [1] کمافی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور۔	اس لیے کہ دعوت کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے غمی میں نہیں، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کتبِ اکابر میں ہے۔ (ت)

اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے فقراء اس کے لیے احق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہئے۔

تیسرے وہ طعام کہ نذور ارواح طیبہ حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء واغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلاتکلف رواہے۔ اور وہ ضرور باعث برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اس میں برکت آجاتی ہے۔ مسلمان اس کھانے کی تعظیم کرتے ہیں اور وہ اس میں مصیب ہیں، ائمہ دین نے بسندِ صحیح روایت فرمایا کہ ایک مجلس سماع صوفیاء کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں نذر حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک بدرہ زر رکھا ہوا تھا، بہ حالت وجد میں ایک صاحب کا پاؤں اس سے لگ گیا فوراً رب العزت وعلا نے ان کا حالِ ولایت سلب فرمالیا **نسأل اللہ العفو ولعافیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۰۲/۲، مراقی الفلاح علٰی ھامش حاشیہ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

مسئلہ ۲۳۰: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چنگی ۱۷جمادی الآخر

کیا حکم ہے علمائے اہلسنت والجماعت کا اس مسئلہ میں کہ چنوں پر جو سویم کی فاتحہ کے قبل کلمہ طیبہ پڑھا جاتا ہے اس کے کھانے کو بعض شخص مکروہ جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قلب سیاہ ہوتا ہے، آیا یہ صحیح ہے توان کو کیا کرنا چاہئے؟ اسی طرح فاتحہ کو جو عام لوگوں کی ہوتی ہے کہتے ہیں ایک موضع میں ان سوم کے پڑھے ہوئے چنوں کو مسلمان اپنا اپنا حصہ لے کر مشرک چماروں کو دے دیتے ہیں، وہاں یہی رواج ہمیشہ سے چلاآتا ہے۔ لہٰذا ان کلمہ طیبہ کے پڑھے ہوئے چنوں کو مشرک چماروں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ گناہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ چیزیں غنی نہ لے۔ اور وہ جوان کا منتظر رہتا ہے ان کے نہ ملنے سے ناخوش ہوتا ہے اس کا قلب سیاہ ہوتا ہے مشرک یا چمار کو اس کا دینا گناہ، گناہ۔ فقیر لے کر خود کھائے اور غنی لے ہی نہیں، اور لے لئے ہوں تو مسلمان فقیر کو دے دے۔ یہ حکم عام فاتحہ کا ہے، نیاز اولیائے کرام طعامِ موت نہیں وہ تبرک ہے فقیر وغنی سب لیں۔ جبکہ مانی ہوئی نذر بطور نذر شرعی نہ ہو، شرعی پھر غیر فقیر کو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ رچھاروڈ۔ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ سوم کے چنوں کا کھانا علاوہ چھوٹوں کے بڑوں کو بھی جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ چنے فقراء ہی کھائیں، غنی کو نہ چاہئے بچہ یا بڑا، غنی بچوں کو ان کے والدین منع کریں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۲: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ابوالحسینی ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

اگر مردہ کو اس کا خویش واقارب خواب میں دیکھے تنہا یا اس کو کسی قسم کی چیز طلب کرتے ہوئے دیکھے تو ایسی حالت میں مردہ کا فاتحہ کھانے پر دلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا وہ چیز جو اس نے خواب میں طلب کی ہے وہ اس کے نام پر فاتحہ دلا کر خیرات کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور فاتحہ کے وقت ہمراہ کھانے کے پانی کا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بہتر ہے کہ جو چیز طلب کی محتاج کو اس کی طرف سے دی جائے اور کھانے پر فاتحہ اس کے سبب سے منع نہ ہوگی وہ بھی اور پانی رکھنے میں حرج نہیں۔ محتاج کو وہ کھانا کھلائیں اور پانی پلائیں سب کا ثواب پہنچے گا۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۳: امانت علی شاہ قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان ۱۳۳۱ھ

مٹی کے چراغ میں گھی ڈال کر جلانا چاہئے یا نہیں؟ آٹے کے چراغ میں گھی ڈال کر جلا کر کھانا یا ملیدہ کے اوپر رکھ کر فاتحہ دینا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاضرورت گھی جلانا اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ اور فاتحہ وقرآن خوانی اور درود خوانی کے لئے اگر چراغ کے قرب کی حاجت ہو اور اس خیال سے کہ تیل میں کبھی بدبُو آتی ہے گھی سے چراغ روشن کرے اور اس لحاظ سے کہ استعمال چراغ صاف نہیں ہوتا اور کورے میں جلائیں تو گھی پیئے گا اور بے کار جائے گا لہذا آٹے کا چراغ بنائیں کہ آٹے پیئے تو اس کی روٹی پک سکتی ہے، تو اس میں حرج نہیں، مگر یہ عادت کرلینی کہ بلاضرورت بھی فاتحہ کے لیے گھی جلائیں وہی اسراف وحرام ہے، اور وہ صورتِ جواز جو ہم نے لکھی اس میں بھی وہ چراغ کھانے کے اوپر نہ رکھا جائے بلکہ کھانے سے الگ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۴: از ریاست جاورہ مکان عبدالمجید خاں صاحب سہ راستہ دار بتاریخ ۱۸/ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاتحہ وغیرہ میں اکثر لوگ گھی کے چراغ، کپڑے، جوتی وغیرہ رکھتے ہیں، یہ اشیاء رکھنا کیسا ہے؟ فقط

الجواب:

کپڑا، جوتے یا جو چیز مسکین کو نفع دینے والی مسکین کی نیت سے رکھیں کوئی حرج نہیں ثواب ہے، مگر فاتحہ کے وقت گھی کا چراغ جلانا فضول ہے، اور بعض اوقات داخلِ اسراف ہوگا، اس سے احتراز چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵: مرزا باقی بیگ رام پوری ۱۶ محرم ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس فعل نیک کا ثواب چند اموات کو بخشا جائے وہ ان پر تقسیم ہوگا یا سب کو اس پورے فعل کا ثواب ملے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللہ عزوجل کے کرمِ عمیم وفضل عظیم سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، اگرچہ ایک آیت یا درود یا تہلیل کا ثواب آدم علیہ السلام سے قیامت تک کے تمام مومنین ومومنات احیا واموات کے لیے ہدیہ کرے، علمائے اہلسنت سے ایک جماعت نے اسی پر فتوی دیا۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وسعت فضل الٰہی کے لائق یہی ہے۔علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرۃ الفاتحۃ ھل یقسم الثواب بینھم اویصل لك منھم مثل ثواب ذلك کاملہ فاجاب بانہ فتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعۃ الفضل[1] اھ۔	حضرت ابن حجر مکی سے سوال ہوا اگر اہل مقبرہ کے لئے فاتحہ پڑھا تواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو اس کا پورا ثواب ملے گا؟ انھوں نے جواب دیا کہ جماعت نے دوسری صورت پر فتوٰی دیا ہے اور وہی فضل ربانی کی وسعت کے شایان ہے اھ (ت)

اور ہر شخص کو افضل یہی کہ جو عمل صالح کرے اس کا ثواب اولین وآخرین احیاء واموات تمام مومنین ومومنات کے لیے ہدیہ بھیجے سب کو ثواب پہنچے گا اور اُسے اُن سب کے برابر اجر ملے گا۔

فی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ عن المحیط الافضل لمن یتصدق نفلہ ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیئ[2] اھ	ردالمحتار میں تارتار خانیہ سے، اس میں محیط سے منقول ہے کہ جو کوئی نفل صدقہ کرے تو بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین ومومنات کی نیت کرے اس لیے کہ وہ سب کو پہنچے گا اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا اھ (ت)

دارقطنی وطبرانی ودیلمی وسلفی امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مر علی المقابر وقرأ قل ھو اللہ احد احدی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات[3]۔	جو مقابر پر گزرے اور قل ھو اللہ گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب اموات کو بخشے بعدد تمام اموات کے ثواب پائے۔

رہا ابن قیم ظاہری المذہب کا کتاب الروح میں تقسیم ثواب کو اختیار کرنا یعنی ایک ہی ثواب ان پر ٹکڑے ہو کر بٹ جائے گا حیث قال لواھدی الکل الی اربعۃ یحصل لکل منھم ربعہ[4] اھ (اس کے الفاظ یہ ہیں:

---

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

[2] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

[3] فتح القدیر عن علی رضی اللہ عنہ باب الحج عن الغیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵، کنزالعمال رافعی عن علی حدیث ۴۲۵۹۶ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۵/۶۵۵، ردالمحتار عن علی مطلب فی اھدا الثواب الاعمال لغیر مصطفی البابی مصر ۲/۲۵۷

[4] ردالمحتار بحوالہ کتاب الروح مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۱/۶۰۵

اگر چار آدمیوں کو سب ہدیہ کیا تو ہر ایک کو چوتھائی ملے گا۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق علماء کہ سب کو ثواب کامل ملے گا، اس قولِ ابن قیم پر بچند وجہ مرجح ہے:

اولاً ابن قیم بدمذہب ہے، تو اس کا قول علمائے اہلسنت کے مقابل معتبر نہیں۔

ثانیاً وہ اسی کا قول ہے اور یہ یک جماعت کا فتوٰی والعمل بما علیہ الاکثر (اور عمل اس پر ہوتا ہے جس پر اکثر ہوں۔ت)

ثالثاً وھو الطراز المعلم (اور وہی نقش بانگار ہے، یعنی زیادہ مضبوط جواب ہے۔ت) ثواب واحدہ کا سب پر منقسم ہونا ایک ظاہری بات ہے جسے آدمی بنظرِ ظاہر اپنی رائے سے کہہ سکتا ہے۔ عالم شہود میں یونہی دیکھتے ہیں، ایک چیز دس کو دیجئے تو سب کو پوری نہ ملے گا ہر ایک کو ٹکڑا ٹکڑا پہنچے گا۔ غالباً اس ظاہری نے اسی ظاہری بات پر نظر اور معقول پر محسوس کو قیاس کرکے تقسیم کا حکم دے دیا۔ نہ کہ حدیث سے اس پر دلیل پائی ہو۔ بخلاف اس حکم کمال کے کہ اگر کروڑوں کو بخشو تو ہر ایک کو پورا ثواب ملے گا، ایسی بات بے سند شرعی اپنی طرف سے نہیں کہہ سکتے تو ظاہر کہ جماعت اہل فتوٰی نے جب تک شرع مطہر سے دلیل نہ پائی ہر گز اس پر جزم نہ فرمایا بلکہ تصریح علماء سے ثابت کہ جو بات رائے سے نہ کہہ سکیں وہ اگرچہ علماء کا ارشاد ہو حدیثِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم میں سمجھا جائے گا۔ آخر جب یہ عالم متدین ہے اور بات میں رائے کو دخل نہیں تو لاجرم حدیث سے ثبوت ہوگی، امام علامہ قاضی عیاض نے سریج بن یونس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ اللہ تعالٰی کے کچھ سیاح فرشتے ہیں جن کے متعلق یہی حدیث ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کوئی شخص ہو اس گھر کی زیارت کیا کریں۔ علامہ خفاجی مصری اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

فھو ظاھر وان کان لسریج فھو فی حکم المرفوع لان مثلہ لایقال بالرای[1] **اھ ملخصاً۔**	یہ اگرچہ سریج کا قول ہے مگر وہ مرفوع کے حکم میں ہے اس لئے کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی اھ ملخصاً (ت)

یہ سریج نہ صحابی ہیں نہ تابعی نہ تبع تابعین میں ہے، بلکہ علمائے مابعد سے ہیں، بایں ہمہ علامہ خفاجی نے ان کے قولِ مذکور کو حدیث مرفوع کے حکم میں ٹھہرایا کہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاتی، اسی طرح ما نحن فیہ (زیر بحث مسئلہ۔ت) میں بھی کہہ سکتے ہیں کہ علماء کا وہ فتوٰی بھی حدیث مرفوع کے حکم میں ہونا چاہئے،

ثم اقول: وباللہ التوفیق (میں پھر اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ،

---

[1] نسیم الریاض الباب الثالث فصل الاول دارالفکر بیروت ۲/۲۲۵

نے خاص اس بات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تین حدیثیں پائیں:

حدیث اول: امام ابوالقاسم اصبہانی کتاب الترغیب اور امام احمد بن الحسین بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حج عن والدیہ بعد وفاتھما کتب اللہ لہ عتقا من النار وکان للمحجوج عنھما اجر حجۃ تامۃ من غیر ان ینقص من اجورھما شیئ[1]۔	جو اپنے ماں باپ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد حج کرے اللہ تعالٰی اس کے لیے دوزخ سے آزادی لکھے، اور ان دونوں کے لئے پورے حج کا اجر بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔

اگر ثواب نصف نصف ملتا تو اس آدھے میں سے کمی ہوجانے کا کیا احتمال تھا جس کی نفی فرمائی گئی۔ ہاں وہی اجر یہاں اجور ہوجائے۔ ہر ایک پورا پورا بے کمی پائے، یہ خلاف عقل ظاہر تھا۔ تو اسی کا افادہ ضرور مفید واہم ہے۔

حدیث دوم: طبرانی اوسط میں اور ابن عساکر حضرت عبداللہ بن عمر ابن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روای، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماعلی احدکم اذا اراد ان یتصدق اللہ صدقۃ تطوعا ان یجعلھا عن والدیہ اذاکانا مسلمین فیکون لوالدیہ اجرھا، ولہ مثل اجورھما بعد ان لاینقص من اجورھما شیئ[2]۔	یعنی جب تم میں سے کوئی شخص کسی صدقہ نافلہ کا ارادہ کرے تو اس کا کیا حرج ہے کہ وہ صدقہ اپنے ماں باپ کی نیت سے دے کہ انھیں اس کا جواب پہنچے گا اور اسے ان دونوں اجروں کے برابر ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔

ان دونوں حدیثوں میں اگر کچھ تشکیک کی جائے تو حدیث سوم گویا نص صریح جس نے بحمدہٖ تعالٰی اس امید کمال کو قوی کردیا، اور فتوٰی علماء کی تاکید اکید فرمادی کہ ہر ایک کو کامل ثواب ملے گا۔ امام دارقطنی اور ابوعبداللہ ثقفی فوائد ثقفیات میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنھما، واستبشرت ارواحھما، وکتب عند اللہ برا[3]۔	جب آدمی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے وہ حج اس حج کرنے والے اور ماں باپ تینوں کی طرف سے قبول کیا جائے اور ان کی روحیں خوش ہوں، اور یہ

---

[1] شعب الایمان باب فی برالوالدین حدیث ۷۹۱۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۲۰۵

[2] الجامع الصغیر مع فیض القدیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۷۹۴۳ دارالمعرفۃ بیروت ۵/۴۵۶

[3] سنن الدارقطنی کتاب الحج نشر السنۃ ملتان ۲/۲۶۰

اللہ تعالٰی کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا نیکوکار لکھا جائے۔ یہ لفظ دارقطنی کے ہیں، اور ثقفیات میں ان لفظوں سے ہے:

من حج عن ابویہ لم یحجا اجزاء عنھما وبشرت ارواحھما فی السماء وکتب عند اللہ برا[1]۔	جس کے ماں باپ بے حج کئے مرگئے ہوں یہ ان کی طرف سے کرے وہ ان دونوں کا حج ہوجائے اور ان کی روحوں کو آسمان میں خوشخبری دی جائے اور یہ شخص اللہ تعالٰی کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنیوالا لکھا جائے۔

ظاہر ہے کہ حج ایک عبادتِ واحدہ ہے جس کا بعض کافی نہیں، نہ وہ کل سے مغنی ہو، بلکہ قابل اعتبار ہی نہیں، جیسے فجر کی دو رکعتوں سے ایک رکعت، یا صبح سے دوپہر تک کا روزہ، تو یہ حج کہ ان دونوں کی طرف سے کافی ہو، ضرور ہے کہ ہر ایک کی جانب سے پورا حج واقع ہو، مگر فقہ میں مبین ومبرہن ہولیا کہ یہ اجزاء بمعنی اسقاط فرض نہیں تولاجرم یہی معنی مقصود کہ دونوں کو کامل حج کا ثواب ملے۔ محدّث جلیل امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی اس حدیث کی تفسیر فرماتے ہیں:

لااعلم احدا قال بظاھر من الاجزاء عنھما بحج واحدہ وھو محمول علی وقوعہ الاصل فرضا وللفرغ نقلا[2] اھ نقلہ فی التیسیر مع التقریر والحمد اللہ رب العٰلمین ھذا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ، اتم واحکم۔	جہاں تک مجھے علم ہے کوئی اس کے ظاہر کا قائل نہیں یعنی یہ کہ وہ ایک ہی حج دونوں کی طرف سے کافی ہو جائیگا۔ وہ اس پر محمول ہے کہ اصل کے لئے فرض ادا ہوگا اور فرع کے لیے نفل ہوگا اھ۔ اسے تیسیر میں نقل کیا اور برقرار رکھا۔ اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کے پروردگار ہے۔ اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس رب بزرگ کا علم سب سے زیادہ کامل اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۶تا۲۳۹: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگالی ۲صفر المظفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت امین ان مسئلوں میں:

اول یہ کسی شخص نے ایک کلام مجید تلاوت کرکے ختم کیا اور اس کا ثواب پندرہ شخصوں کی ارواح کو اللہ بخشا ان روحوں میں تقسیم ہوجائے گا یعنی فی روح دو پارے پہنچے گا یا فی روح کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا؟

---

[1] فوائد ثقفیات لابی عبداللہ ثقفی

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من حج عن ابیہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض سعودیہ ۲/ ۴۱۳

اور نتیجہ اس کا دنیا میں ملے گا یا عقبیٰ میں؟

دوسرے یہ کہ ثواب کس طرح کہہ کر پہنچائے؟

تیسرے یہ کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ واہل بیتہ وسلم کو ثواب پہنچائے تو اس کی شمول میں اور ارواح بھی شامل کرسکتا ہے یا نہیں، اور پچھلے اولیاء اور انبیاء کا نام بھی لیا جائے یا نہیں؟

چوتھے یہ کہ دنیا میں کیا فائدہ اور عقبیٰ میں کیا بدل حاصل ہوگا؟ **بینو توجروا**

الجواب:

اللہ عزوجل کے فضل سے امید ہے کہ ہر شخص کو پورے کلام مجید کا ثواب پہنچے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

سئل ابن حجرمکی عمالو قرأ لاهل المقبرة الفاتحة هل یقسم الثواب بینهم اویصل لکل منهم مثل ثواب ذلك کاملا فاجاب بانه افتی جمع بالثانی وهو اللائق بسعة الفضل[1]۔	امام ابن حجر مکی سے سوال ہوا: اگر قبرستان والوں کے لیے فاتحہ پڑھی تو ثواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو اسی کے مثل پورا پورا ثواب ملے گا؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت علماء نے دوسری صورت پر فتوٰی دیا ہے اور ۳ وہی فضل الٰہی کی وسعت کے لائق ہے۔(ت)

اس مسئلہ کی پوری تحقیق فتاوٰی فقیر میں ہے۔ نتیجہ ملنا اللہ سبحٰنہ، وتعالیٰ کے اختیار میں ہے مسلمانوں کو نفع رسانی سے اللہ عزوجل کی رضا و رحمت ملتی ہے اور اس کی رحمت دونوں جہان کا کام بنادیتی ہے۔ آدمی کو اللہ کے کلام میں اللہ کی نیت چاہئے۔ دنیا اس سے مقصود رکھنا حماقت ہے۔ دعا کرے کہ الٰہی! یہ جو میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں شخص یا فلاں فلاں اشخاص کو پہنچا، اور افضل یہ ہے کہ تمام مسلمین و مسلمات کو پہنچائے۔ مسلک متقسط میں ہے:

یقرأ ماتیسرله من الفاتحه والاخلاص سبعا اوثلثا ثم یقول اللهم اوصل ثواب ماقرأ الٰی فلان او الیهم[2]۔	جو میسر آئے پڑھے سورہ فاتحہ، سورہ اخلاص سات بار یا تین بار۔ پھر کہے: اے اللہ! ہم نے جو پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا ان سب کو پہنچا۔(ت)

[1] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری فصل یستحب زیارۃ اہل المعلی دارالکتاب العربیہ بیروت ص ۳۳۴

محیط وتتارخانیہ وشامی میں ہے:

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیئ[1]۔	جو کوئی نفل صدقہ کرے اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین ومومنات کی نیت کرے اس لیے کہ وہ ان سب کو ملے گا اور اس کے اجر سے کچھ نہ گھٹے گا۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل میں تمام انبیاء واولیاء ومومنین ومومنات جو گزر گئے اور جو موجود ہیں اور جو قیامت تک آنے والے ہیں سب کو شامل کرسکتا ہے اور یہی افضل ہے۔ صحیحین میں ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضحّٰی بکبشین املحین احدھما عن نفسہ والاخر عن امتہ[2]۔ وزادا بن ماجۃ ذبح احدھما عن امتہ لمن شھد للہ بالتوحید وشھد لہ بالبلاغ وذبح الاخر عن محمد واٰل محمد[3] ولاحمد وغیرہ عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قولہ عند التضحیۃ اللھم لك ومنك عن محمد وامتہ[4]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مینڈھوں کی، جن کے رنگ سفیدی سیاہی ملے ہوئے تھے، قربانی کی، ایک کی اپنی طرف سے، دوسرے کی اپنی امت کی طرف سے ابن ماجہ میں یہ اضافہ ہے: ایک اپنی امت کی طرف سے قربان کیا ہر اس شخص کی طرف سے جس نے کلمہ طیبہ کی شہادت کی اور حضور اکرم کے لیے تبلیغ رسالت کی گواہی دی ور دوسرا حضرت محمد اور آلِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے ذبح کیا امام احمد وغیرہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ قربانی کے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یوں کہا تھا: اے اللہ! تیرے لیے اور تجھ سے، یہ محمد اور اس کی امّت کی جانب سے ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لافرق بین ان یکون المجعول لہ	اس میں کوئی فرق نہیں کہ جس دوسرے کے لیے اپنا ثواب

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵
[2] فتح القدیر بحوالہ الصحیحین عن الحج عن الغیر نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵، مجمع الزوائد باب اضحیۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالکتاب بیروت ۴/۲۲
[3] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲
[4] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب اضاحی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳

میّتا اوحیا[1]۔	ہدیہ کرے وہ وفات پاچکا ہو یا زندہ ہو۔(ت)

جو کچھ اللہ چاہے قال اللہ تعالٰی:

وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَاۚ وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَاؕ وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِیْنَ۝۱۴۵ [2]۔	جو کوئی دنیا کا عوض چاہے ہم اسے اس میں سے دیں گے اور جو آخرت کا ثواب چاہے ہم اسے اس میں سے عطافرمائیں گے او رقریب ہے کہ ہم شکر کرنے والوں کو جزا بخشیں۔

اور فرماتا ہے عزوجل:

مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَۚ یَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۝۱۸ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا۝۱۹ [3]۔	جو دنیا چاہے ہم اس میں سے جتنا چاہیں یہاں دے دیں، پھر اس کے لیے جہنم رکھیں اس میں بیٹھے مذمتیں ہوتا، دھکّے دیا جاتا، اور جو آخرت چاہے اس کی سی کوشش کرے اور ہو مسلمان، تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش ٹھکانے لگتی ہے۔

مسئلہ ۲۴۰: از کاراڈا کخانہ اونیرا ضلع گیا مرسلہ مولوی علی احمد صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

زید کہتا ہے اگر دو چار شخصوں کو اجمالاً ایصال ثواب کیا جائے تو ہر ایک کو پورا پورا پہنچے گا، اور بکر تقسیم کا قائل ہے۔ زید اپنے ثبوت میں شامی کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

لکن سئل ابن حجر المکی عما لو قرأ لاھل المقبرة الفاتحه ھل یقسم الثواب بینھم اویصل لکل منھم مثل ثواب ذلك کاملا فاجاب بانه افتی جمع بالثانی وھو اللائق بسعة الفضل[4]۔	ابن حجر مکی سے سوال ہوا: اگر اہل قبرستان کے لیے فاتحہ پڑھے تو ثواب ان کے درمیان تقسیم ہوگا یا ان میں سے ہر ایک کو اس کا ثواب مثل کامل طور پر پہنچے گا۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک جماعت نے صورت دوم پر فتوی دیا ہے اور وسعتِ کرم کے لائق وہی ہے۔(ت)

---

[1] بحر الرائق باب الحج عن الغیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۵۹

[2] القرآن ۳/ ۱۴۵

[3] القرآن ۱۷/ ۱۸ و ۱۹

[4] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

اور بکر کہتا ہے کہ سوال میں دو باتیں مذکور ہوئیں: ایک تو ایصال ثواب قراءت اور اس کے ساتھ تقسیم ثواب مقرؤ، اور دوسرے وصول مثل ثواب، چونکہ عند الشافعیہ عبادات بدنیہ کا ثواب ہی نہیں پہنچتا۔ اس لیے علامہ ابن حجر نے اول جواب سے تو بالکل سکوت فرمایا اور فقط شق ثانی کا بموجب مختار متاخرین شافعیہ جواب دیا جس کی تشریح علّامہ شامی اس عبارت سے کچھ اوپر بایں الفاظ فرماتے ہیں:

والذی حررہ المتاخرون من الشافعیہ وصول القرأۃ للمیّت اذاکانت بحضرتہ اودعی لہ عقبہا، والدعاء عقبہا ارجی للقبول ومقتضاہ ان المراد انتفاع المیّت بالقرأۃ لاحصول ثوابہا لہ ولہذا اختاروا فی الدعاء اللھم اوصل مثل ثواب ماقرأتہ الی فلاں واماعندنا فالواصل الیہ نفس الثواب[1]۔	متاخرینِ شافعیہ نے جو تنقیح کی ہے وہ یہ ہے کہ قرأت میّت کو پہنچتی ہے جبکہ قرأت اس کے پاس ہو یا بعد قرأت اللہ سے دعا کی جائے اس لیے کہ قرأت قرآن کے بعد دعا میں امید قبول زیادہ ہے۔ اس کا مقتضاء یہ ہے کہ میت کو قراءت سے فائدہ ملتا ہے یہ نہیں کہ قرأت کا ثواب اسے حاصل ہوتا ہے اسی لیے دعا میں وہ یہ الفاظ اختیار کرتے ہیں کہ اے اللہ! میں نے جو پڑھا اس کے ثواب کا مثل فلاں کو پہنچا مگر ہمارے نزدیک خود ثواب اسے پہنچتا ہے۔ (ت)

غرض بموجب مذہب حنفیّہ کہ وہ وصول ثواب مقرؤ کے قائل ہیں تقسیم لابدی ہے کیونکہ ہر عمل کا ثواب خواہ بتضاعیف ہی سہی عند اللہ ایک امر معدود ہے جس کا وصول دو چار شخصوں کو بلا تقسیم کے عقلاً ممتنع ہے۔ اور ابن حجر کا قول ثانی کو "لائق بسعۃ الفضل" فرمانا بھی اسی کو مقتضی ہے کہ قائلین وصول ثواب قرأت کے نزدیک تقسیم ضروری ہے اگر اول صورت بھی وصول کامل ہو تو ثانی لائق بسعۃ الفضل فرمانا بالکل بے معنی ہے لعدم الفرق بینہما (کیونکہ دونوں میں فرق نہ ہوگا۔ ت) اب علمائے کرام فرمائیں کہ حق بجانب کون شخص ہے زید یا بکر؟ اور بموجب مذہب حنفیّہ تقسیم ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

عبارت فتاوٰی ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مطلب بہت صاف ہے، بکر نے بالکل تحویل کردیا۔ امام ابن حجر مکی سے ایک سوال ہے جس میں سائل دریافت کرتا ہے کہ متعدد مسلمانوں کے لیے فاتحہ پڑھے تو ثواب ان پر تقسیم ہوگا یا ہر میّت کو کامل ثواب ملے گا مثل لفظ کہ شق ثانی میں سائل شافعی المذہب نے اپنے مذہب کی رعایت سے بڑھایا، شقِ اول میں بھی ان کے طور پر ملحوظ ہے ولہذا ثوابہا نہ کہا بلکہ الثواب بلام عہد یعنی وہی

[1] ردالمحتار مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

ثواب کہ ہم شافعیہ کے نزدیک معروف و معہود ہے کہ مثل ثواب قاری ہے۔آیا اموات پر تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو پورا ملے گا۔ روشن ہے کہ یہ ایک ہی سوال ہے اور اس میں مقصود بالاستفادہ تقسیم و تکمیل کی دو شقوں سے ایک متعین جس کا جواب امام نے دیا کہ ایک جماعت نے شق دوم پر فتوی دیا یعنی ہر ایک کو پورا ثواب پہنچے گا اور یہی وسعتِ رحمت الٰہیہ کے لائق ہے نہ یہ کہ دو سوال تھے، پہلا مذہب حنفیّہ اور دوسرا مذہب شافعیہ سے امام نے پہلے جواب سے سکوت کیا اور دوسرے کا جواب دیا۔ یوں ہوتا تو تقسیم اور لکل منھم فضول تھا کہ حنفیّہ وشافعیہ کا یہ اختلاف ایک جماعت اموات کے لیے قرات سے خاص نہیں ایک میّت کے لیے قرات بھی یہی ہے کہ ہمارے نزدیک نفس ثواب پہنچتا ہے اور ان کے نزدیک اس کا مثل۔ ایسا ہوتا تو امام اس غلطی پر متنبہ فرماتے۔ پھر جواب یُوں نہ ہوتا کہ ایک جماعت نے ثانی پر فتوی دیا، بلکہ یوں ہوتا کہ ہمارا مذہب شق ثانی ہے پھر نفس و مثل میں سعتہ رحمت کا کیا فرق ہے جسے امام ھو اللائق بسعۃ الفضل فرمارہے ہیں۔ بکر کا استدلال کہ "ابن حجر کے قول ثانی کو الخ" عجیب ہے۔ شق اول میں لفظ تقسیم خود مصرح ہے۔ سائل پوچھتا ہی یہ ہے کہ ثواب جو کچھ بھی پہنچے کہ وہ ان کے نزدیک مثل ثواب قاری ہے نہ نفس تقسیم ہوگا یا ہر ایک کو پورا پہنچے گا؟ امام نے جواب دیا کہ ہر ایک کو پورا پہنچنا الیق ہے، تو قائلین وصول ثواب سے یہ بھی ہوئے۔ شق اول میں نفس ثواب القاری کہاں تھا۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق (میں پھر اللہ تعالٰی کی مدد سے کہتا ہوں۔ت) یہاں تحقیق امر اور ہے جو شبہ کو راسًا ختم کردے۔ جب نظر عامہ اہل ظاہر پر شے واحد کا دو شخصوں کو بلا تقسیم وصول عقلاً ممتنع ہے یعنی عرض واحد دو محل سے قائم نہیں ہوسکے (ورنہ اس تعبیر میں توصریح منع ہے) تو واجب کہ حنفیّہ کے نزدیک جب نفس ثواب قاری میّت کو پہنچے قاری کے پاس نہ رہے، ورنہ یہ بھی عرض واحد کا دو محل سے قیام ہوگا حالانکہ احادیث وحنفیّہ وسائر علماء کرام خلاف پر تصریح فرماہیں، محیط پھر تاتار خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المومنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولا ینقص من اجرہ شیئ[1]۔	صدقہ نفل کرنے والے کے لیے بہتر یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرے کہ وہ سب کو پہنچے گا اور اس ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا (ت)

توجب وہی ثواب اس کے پاس بھی رہا اور دوسرے کو بھی پہنچا اور تقسیم نہ ہوا کہ **لاینقص من اجرہ شیئ** اس کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوا، تقسیم ہوتا تو قطعًا کم ہوتا، تو اگر دوسو یا لاکھ یا سب اولین وآخرین مومنین و مومنات کے وہی ثواب پورا پورا پہنچے اور تقسیم نہ ہو کیا استحالہ ہے، جیسے دو ویسے کروڑہا کروڑ۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی

[1] ردالمحتار مطلب فی القراۃ للمیّت الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۵

زہر الربٰی شرح سنن نسائی میں نقل فرماتے ہیں:

ان للروح شانا اخرفیکون فی الرفیق الاعلی وھی متصلة بالبدن بحیث اذاسلم المسلم علی صاحبه ردعلیه السلام وھی فی مکانھا ھناك وھذا جبریل علیه السلام راہ النبی صلی ا للہ تعالٰی علیه وسلم وله ستمائة جناح منھا جناحان سدا الافق وکان ید نو من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی یضع رکبتیه الی رکبتیه ویدیه علی فخذیه وقلوب المخلصین تتسع للایمان بانه من الممکن انه کان ھذا الدنو وھو فی مستقرہ من السمٰوٰت، وھذا محمل تنزله تعالٰی الی سماء الدنیا ودنوہ عشیة عرفة ونحوہ فھو منزہ عن الحرکة والانتقال وانما یأتی الغلط ھھنا من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح من جنس مایعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیرہ وھذا غلط محض، فثبت بھذا انه لا منافاة بین کون الروح فی علیین او الجنة اوالسماء وان لھا بالبدن اتصالا بحیث تدرك وتسمع وتصلی وتقرء بھا وانما یستغرب ھذاالکون الشاھد الدنیوی لیس فیه مایشاھد به ھذا وامور البرزخ والاٰخرۃ علٰی نمط غیر المالوف فی الدنیا [1] اھ مختصرًا۔	روح کی شان ہی کچھ اور ہے وہ ملاء اعلٰی میں رہ کر بھی بدن سے متصل ہوتی ہے کہ جب مسلمان صاحب قبر کو سلام کرتا ہے تو وہ اسے جواب دیتا ہے جبکہ روح وہاں اپنے مقام میں ہے ــــ یہ حضرت جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام ہیں جنھیں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سوپَر ہیں جن میں سے دوپر پورے افق پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قریب آتے ہیں یہاں تک کہ اپنے زانو حضور کے زانوؤں کے متصل اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھ دیتے، مخلصین کے قلوب اس بات پر ایمان لانے کی وسعت رکھتے ہیں کہ یہ امر ممکن ہے کہ ان کا حضور سے یہ قرب عین اسی حالت میں ہو جب وہ آسمانوں کے اندر اپنے مستقر میں موجود ہوں۔ یہی حال اس کا بھی ہے جو مروی ہے کہ رب تعالٰی آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور قریب ہوتا ہے عرفہ کی شام کو اور اس کے مثل، کیونکہ وہ تو حرکت وانتقال سے منزّہ ہے۔ یہاں غلطی غائب کو شاہد پر قیاس کرنے سے ہوتی ہے۔ آدمی یہ اعتقاد کرتا ہے کہ روح بھی معہود اجسام کی جنس سے ہے کہ جب ایک مقام میں ہو تو دوسرے مقام میں ہونا ممکن نہیں، یہ محض غلط ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس میں کوئی منافات نہیں کہ روح علیین اور جنت اور آسمان میں ہو اور بدن سے بھی اس کا ایسا اتصال ہو کہ ادراک، سماعت، نماز، قرات سارے کام کرتی ہے۔

[1] زہر الربی علی ھامش سنن النسائی ارواح المومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۲

حضرت جامی قدس سرہ، السامی نفحات الانس شریف میں فرماتے ہیں: شیخ مفرح رحمہ اللہ تعالٰی از اہل صعید مصرست بسیار جلیل القدر وکبیر الشان بود، ویکے از اصحاب او وے را روز عرفہ در عرفات دید ویکے دیگر درہمان روز درخانہ خویش دید وتمام روز باوے بود چوآں دو شخص بہم رسیدند وہریک آنچہ دیدہ بود باھم گفتند میان ایشاں نزاع شدیکے گفت وے روز عرفہ در عرفات بود، برصدق آں سوگند بطلاق خورد، یکے گفت تمام آں روز درخانہ خود بود، وے نیز سوگند بطلاق خورد، پس خصومت کنان پیش مفرح آمدند، شیخ گفت ہر دوراست گفتہ اید بذن ہیچکدام طلاق نشدہ است، یکے از اکابر میگوید کہ من از شیخ مفرح پرسیدم کہ صدق ہریک موجب حنث دیگر ست، چوں سوگند ہیچکش حانث نہ شدہ باشد، ودراں مجلس کہ من ایں پرسیدم جماعتے از علماء حاضر بودند، شیخ اشارت بہمہ کرد کہ دریں مسئلہ سخن گویند ہر کس چیزے گفت اما ہیچکس جواب شافی وکافی نہ گفت، دراں اثنا جواب آں برمن ظاہر شد کہ شیخ اشارت بمن کرد کہ جواب آں بگو، من گفتم چوں ولی بولایت متحقق گردد دراں معنی کہ روحانیت وے مصور بصورتے تواند شد، متمکن بود کہ در وقت واحد درجہات مختلفہ خود رابصور تہائے متعددہ بنماید چنانکہ خواہد، پس آنکس کہ وے رادر بعضے ازاں صور بعرفات دیدہ

یہ بات صرف اس لیے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ دنیاوی محسوسات میں ایسی کوئی چیز نہیں پاتے جو اس سے ملتی جلتی ہو مگر برزخ اور آخرت کے معاملات تو دنیا کے طرز مالوف سے جداگانہ شان رکھتے ہیں اھ مختصراً (ت)

شیخ مفرح رحمہ اللہ تعالٰی علیہ مصر کے اہل دل حضرات سے ہیں، بزرگ رتبہ اور بڑی شان رکھتے تھے، ان کے ایک مرید نے عرفہ کے دن انھیں عرفات میں دیکھا اور دوسرے مرید نے اسی دن انھیں اپنے گھر میں دیکھا اور دن بھر ان کے ساتھ رہا، جب دونوں مریدوں کی ملاقات ہوئی اور ایک نے جو دیکھا تھا آپس میں بیان کیا تو ان کے درمیان اختلاف ہوا۔ ایک نے کہا: حضرت عرفہ کے دن عرفات میں تھے، اور اس کی صداقت پر طلاق کی قسم کھائی۔ دوسرے نے کہا: اس روز دن بھر اپنے گھر میں تھے، اس نے بھی طلاق کی قسم کھائی، پھر جھگڑتے ہوئے شیخ مفرح کے پاس آئے۔ شیخ نے کہا: دونوں سچ کہتے ہیں، کسی کی بیوی کو طلاق نہیں ہوئی، اکابر میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں نے شیخ مفرح سے پوچھا: ہر ایک کی صداقت دوسرے کی قسم ٹوٹنے کی مقتضی ہے پھر کسی کی قسم کیسے نہیں ٹوٹی؟___ جس مجلس میں میں نے سوال کیا علماء کی ایک جماعت موجود تھی، شیخ نے سب کو اشارہ کیا کہ اس مسئلہ میں کلام کریں، ہر شخص نے کچھ نہ کچھ بیان کیا مگر کسی نے شافی وکافی جواب نہ دیا۔ اسی اثناء میں جواب مجھ پر منکشف ہوگیا اور شیخ نے میری طرف اشارہ فرمایا کہ تم اس کا جواب دو___ میں نے عرض کیا کہ جب ولی کی ولایت اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اس

باشد، ہم راست دیدہ باشد وآنکہ دربعضے دیگرازان صور درخانہ خودش دیدہ باشد ہم راست دیدہ باشد وبسوگند ہیچ یک حانث نہ شود، وشیخ مفرح فرمود کہ جواب صحیح این است کہ توگفتی رضی اللہ تعالٰی عنہ و نفعنابہ[1]	کی روحانیت کسی صورت سے مصوّر ہوسکے تو ممکن ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت کے اندر مختلف جہتوں میں اپنے کو متعدد صورتوں میں جیسے چاہے دکھائے۔ توجس شخص نے حضرت کوان صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں عرفات میں دیکھا صحیح دیکھا، اور اسی وقت دوسرے نے کسی اور صورت میں اپنے گھرکے اندر تشریف فرمادیکھااس نے بھی سچ دیکھا، اور کسی کی قسم نہ ٹوٹے گی، شیخ مفرح نے فرمایا: صحیح جواب یہ ہے کہ جوتم نے دیا____ خدا ان سے راضی ہواور ہمیں ان سے نفع دے(ت)

حضرت میر سید عبدالواحد قدس سرہ، الماجد سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری راقدس اللہ تعالٰی روحہ، درماہ ربیع الاول بجہت عرس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازدہ جااستدعاآمدہ کہ بعد از نماز پیشین حاضر شوند ہر دہ استدعا راقبول کردند۔ حاضران پرسیدند اے مخدوم ہر دہ استدعاراقبول فرمود وہرجا بعداز نماز پیشین حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد۔ فرمود کِشن کہ کافر بود چند صد جاحاضر می شد، اگر ابوالفتح دہ جاحاضر شود چہ عجب بعد از نماز پیشین از ہر دہ جاچوڈول رسید مخدوم ہر بارے از حجرہ بیرون می آمد برچوڈول سوار میشد و می رفت ونیز ودر حجرہ حاضر می ماند۔ خردمند ا تو ایں رابر تمثیل حمل مکن یعنی مپندار کہ تمثیلہائے شیخ بچندیں جاہا حاضر شدہ است۔ لاواللہ بلکہ عین ذات شیخ بہر جا حاضر شدہ بود، ایں خود دریک شہرویک مقام واقع شد۔ وذات ایں موحد خود دراقصائے عالم	ماہ ربیع الاول میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عرس پاک کی وجہ سے مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری قدس سرہ، کی دس جگہ سے دعوت آئی کہ بعد نماز ظہر تشریف لائیں۔ حضرت نے دسوں دعوتیں قبول کیں۔ حاضرین نے پوچھا: حضور نے دسوں دعوتیں قبول فرمائی ہیں اور ہر جگہ نماز ظہر کے بعد پہنچنا ہے یہ کیسے میسر ہوگا؟ فرمایا: کِشن جو کافر تھا سیکڑوں جگہ حاضر ہوتا تھا اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہوتو کیا عجب ہے؟ نماز ظہر کے بعد دسوں جگہ سے پالکی پہنچی، مخدوم ہر بار حجرہ سے آتے، سوار ہوجاتے، تشریف لے جاتے اور حجرہ میں بھی موجود رہتے____ اے عقل مند! اسے تمثیل پر محمول نہ کرنا، یعنی یہ نہ سمجھنا کہ شیخ کی مثالیں اتنی جگہوں میں حاضر ہوئیں۔ یہ تو ایک شہر اور ایک مقام میں واقع ہوا خوداس موحد کی ذات عالم

[1] نفحات الانس شیخ مفرح رحمۃ اللہ علیہ انتشارات کتاب فروشی مطبع توحیدی ص ۸۲۔۵۸۱

حاضر است خواہ علویات خواہ سفلیات [1]۔	کے سروں میں موجود ہے خواہ علویات ہوں خواہ سفلیات۔ (ت)

جس کا دل ان حقائق کی وسعت نہ رکھے اور امور برزخ وآخرت کو اپنے مشہودات دنیا ہی پر قیاس کرے اس پر یہ ماننا لازم ہوگا کہ حنفیّہ کے نزدیک بھی میّت کو مثل قاری ثواب پہنچتا ہے کہ قاری کا ثواب تو اس کے پاس سے نہیں جاتا اور فرق مذہبین اتنا رہے گا کہ حنفیّہ کے نزدیک وہ ثواب اثر ہبہ قاری ہے اور شافعیہ کے نزدیک اجابت دعائے قاری بہر حال وہ استبعاد جس کی بناپر تقسیم ثواب لازم سمجھے تھے باطل ہوگیا۔ لاکھوں ہو تو لاکھوں کو اتنا ہی ثواب پہنچے گا اور قاری کا ثواب کم نہ ہوگا، بلکہ بعدد اموات ترقی کرے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قرأ الاخلاص احدی عشر مرّۃ ثمّ وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات [2] ۔رواہ الطبرانی والدارقطنی۔	جو سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اموات مسلمین کو اس کا ثواب بخشے بعدد اموات اجر پائے۔ (اسے طبرانی اور دارقطنی نے روایت کیا۔ت)

باقی اصل مسئلہ کی تحقیق اور ہر ایک کو پورا ثواب پہنچنے کی توثیق ہمارے فتوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۱: از بندر کراچی محلّہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم مکرانی ۲۷ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام ومفتیان عظام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر گروہ صبیان قرآن خواندہ یا دیگر اعمال حسنہ کردہ وثواب بموتٰی بخشند، شرعاً می رسد یانہ؟ بینوا الجواب بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ بحسن المآب صاحبًا حسبۃ للہ تعالٰی، جواب ایں مسئلہ بعبارت شافی ودلائل کافی از کتب فقہ حنفیّہ وحدیث شریفہ مع حوالہ کتب فقہ نوشتہ وبمواہیر علمائے اعلام آنجائے ثبت نمودہ بفرستند کہ عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور خواہند شد، چراکہ درباب ایں	علمائے کرام ومفتیان عظام، آپ پر خدا کی رحمت ہو، اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ اگر بچوں کی جماعت قرآن پڑھ کر یا دوسرے نیک اعمال کرکے اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ کتاب کی سند سے واضح جواب دیں اور خدا کے یہاں حسن انجام کا ثواب لیں۔ حضور! خالصًا للہ اس سوال کا جواب شافی عبارت اور کتب فقہ حنفی وحدیث شریف کے دلائل سے کتب فقہ کے حوالوں کے ساتھ تحریر فرما کر اور

[1] سبع سنابل سنبلۂ ششم در حقائق وحدت الخ مکتبہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷۰

[2] کنز العمال بحوالہ رافعی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۴۲۵۹۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۶۵۵، فتح القدیر عن علی رضی اللہ عنہ باب الحج عن الغیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۶۵، ردالمحتار باب الحج عن الغیر مصطفی البابی مصر ۲/۲۵۷

مسئلہ درمیان علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است آخر الامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہر جوابیکہ علمائے کرام بریلی دہند، بباید کہ جانبین تسلیم نمایند۔	وہاں کے علمائے اعلام کی مہریں ثبت فرما کر ارسال فرمائیں، خدا کے یہاں اجر پائیں گے اور لوگ شکر گزار ہوں گے اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء میں مباحثہ اور اختلاف واقع ہوا۔ آخر طرفین نے یہ طے کیا کہ بریلی کے علمائے کرام جو جواب دیں وہ جانبین تسلیم کریں۔ (ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد صل علی المصطفی واٰلہ العمد ہر قربتے کہ صبی اہل آنست (نہ ہمچو اعتاق وصدقہ وہبہ مال کہ اصلاازوصورت نہ بندد) چو از صبی عاقل اداشود بر قول جمہور ومذہب صحیح ومنصور ثوابش ہم ازان او باشد علامہ استروشنی درجامع صغار فرماید حسنات الصبی قبل ان یجری علیه القلم للصبی لا لا بویه لقوله تعالٰی وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى هذا قول عامة مشائخنا[1]۔ علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری دراحکام الصبیان از کتاب الاشباہ فرماید: تصح عباداته وان لم تجب علیه واختلفوا فی ثوابها والمعتمد انه له وللمعلم ثواب التعلیم، وکذا جمیع حسناته[2]۔ باز علمائے ما اصولًا وفروعًا تصریحات جلیہ دارند کہ	اے اللہ! تیرے ہی لیے حمد ہے حضرت محمد مصطفٰی اور ان کی آل معتمد پر درود نازل فرما۔ ہر وہ قربت کہ بچہ جس کا اہل ہے (غلام آزاد کرنا، صدقہ کرنا، مال کا ہبہ کرنا اور اس طرح کی قربتیں نہیں، کہ یہ بچّے سے واقع ہو نہیں سکتیں) جب عاقل بچّہ سے وہ ادا ہوگی تو قول جمہور اور مذہب صحیح ومنصور یہ ہے کہ اس کا ثواب بھی بچے ہی کے لیے ہوگا، علامہ استروشنی جامع صغار میں فرماتے ہیں: بچے کی نیکیاں جو اس پر قلم جاری ہونے سے قبل ہوں وہ بچے ہی کے لیے ہیں اس کے والدین کے لیے نہیں کیونکہ ارشاد باری ہے: انسان کے لیے وہی ہے جو اس نے کوشش کی ___ یہ ہمارے عامہ مشائخ کا قول ہے۔ (ت) علامہ زین العابدین ابن نجیم مصری کتاب الاشباہ کے احکام الصبیان میں فرماتے ہیں: بچے کی عبادتیں صحیح ہیں اگرچہ اس پر واجب نہیں، ان کے ثواب کے بارے میں اختلاف ہے۔ معتمد یہ ہے کہ ثواب بچے ہی کے لیے ہوگا، اور معلم کو سکھانے کا ثواب ملے گا۔ اسی طرح اس کی تمام نیکیوں کا حال ہے۔ (ت) پھر کتب اصول وفروع میں ہمارے علماء کی روشن تصریحات

[1] جامع احکام الصغار علی ھامش جامع الفصولین مسائل الکراہیۃ مطبع ازہریہ مصر ۱/۱۴۸

[2] الاشباہ والنظائر احکام الصبیان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۲

انسان رامی رسد کہ ثواب اعمال خودش ازاں باغیرے کند کما نص علیہ فی الھدایۃ وشروحھا و الملتقی والدر و خزانۃ المفتین والھندیۃ وغیرھا من کتب المذھب۔ علمائے کرام ایں سخن راھمچناں مرسل و مطلق گزاشتہ اند وہیچ بوئے از تخصیص وتقیید ندادہ، پس آن چنانکہ باطلاق اعمال بر شمول فرائض وتناول عملیکہ ابتداء برائے خود بےنیت غیر کردہ باشد وبہ ارسال غیر بر دخول حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والثناء استدلال کردہ اند ہمچناں اطلاق انسان بردخول صبیان دلیلے کافی است تا آنکہ برہانے صحیح استثنائے آناں قائم شود وخود آں برہان کجاو کدام۔

فی ردالمحتار فی البحر بحثا ان اطلاقھم شامل للفریضۃ [1] اھ وفیہ عنہ ان الظاھر انہ لافرق بین ان ینوی بہ عند الفعل للغیر اوبفعلہ لنفسہ ثم بعد ذلک یجعل ثوابہ لغیرہ لاطلاق کلامھم [2] اھ فیہ قلت وقول علمائنا لہ ان جعل ثواب عملہ لغیرہ یدخل فیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ احق بذلک حیث انقذنا من الضلالۃ [3] اھ۔

موجود ہیں کہ انسان اپنے اعمال کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے۔ جیسا کہ ہدایہ، شروح ہدایہ، ملتقی، درمختار، خزانۃ المفتین، ہندیہ وغیرہا کتب مذہب میں اس کی صراحت ہے (ت) علمائے کرام نے یہ کلام اسی طرح مُرسَل و مطلق رکھا ہے۔ کسی تخصیص وتقیید کا اشارہ ونشان نہ دیا ___ توجس طرح اعمال کو مطلق ذکر کرنے سے علماء نے یہ استدلال کیا کہ یہ حکم فرائض کو بھی شامل ہے اوراس عمل کو بھی جسے ابتداء میں اپنے لیے دوسرے کی نیت کے بغیر کیا ہو ___ اور جس طرح "غیر" کے عموم سے یہ استدلال کیا کہ اس میں حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والثناء بھی داخل ہیں اسی طرح لفظ "انسان" مطلق مذکور ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ اس میں بچے بھی داخل ہیں جب تک کہ کوئی صحیح برہان ان کے استثناء پر قائم نہ ہوجائے مگر ایسی برہان کہاں اور کون؟ (ت) ردالمحتار میں ہے: بحر میں بطور بحث ہے کہ علماء کا اعمال کو مطلق ذکر کرنا فرض کو بھی شامل ہے اھ اور اسی میں اسی بحر کے حوالے سے ہے: ظاہر یہ ہے کہ میرے نزدیک اس میں کوئی فرق نہیں کہ عمل کے وقت دوسرے کے لیے کرنے کی نیت کی ہو یا اپنے لیے کرنے کی نیت کی ہو، پھر اس کا ثواب دوسرے کے لیے کردے۔ اس لیے کہ کلام علماء میں اطلاق ہے، ایسی کوئی قید نہیں اھ اسی میں ہے: میں نے کہا: ہمارے علما کا قول ہے کہ "وہ اپنے عمل کا

[1] ردالمحتار باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۶/۲

[2] ردالمحتار مطلب فی القراءۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۰۵/۱

[3] ردالمحتار مطلب فی اہداء ثواب القراءۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۰۵/۱ ـ ۶۰۶

نہایت آنچہ اینجا بخاطر خطور توان کرد آن ست کہ نزد اصحاب معشر حنفیہ عمّھم اللہ بالطافہ الخفیہ۔ این کار ہبہ ثواب وابدائے آنست وصبی از اہل تبرع نیست۔

اقول: وباللہ التوفیق صبی عاقل از ہر گونہ تبرع مجور نیست۔ منشائے حجر ہمیں ضررست۔ ولو فی الحال کما فی القرض ولو بالاحتمال کما فی البیع آنجاکہ ہیچ ضرر نیست در حجر نظر نیست بلکہ خلاف نظر وعین اضرارست کہ بمشابہ الحاق او بجماد واحجارست۔ آخر نہ بینی کہ صبی بالاجماع از اہل ابتداء بسلام است بلکہ مودبش را باید کہ اگر خود گرنباشد تعلیمش نماید۔ حالانکہ این نیز از باب تبرع است تاآنکہ در حدیث او را صدقہ نامیدہ اند ابو داؤد عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تسلیمہ علی من لقی صدقۃ [1]۔ ہمچنان با برادر خود بکشادہ روی سخن فرمودن وباظہار بشاشت دندان سپیدہ نمودن البخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن حبان فی صحیحھما عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تبسمك فی وجہ اخیك لك صدقۃ [2]۔

ثواب "دوسرے" (اپنے غیر) کے لیے کرسکتا ہے"___ تو اس میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہیں اس لیے کہ وہ اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ حضور نے ہی ہمیں گمراہی سے نجات دی اھ (ت) زیادہ سے زیادہ جو شبہ یہاں دل میں گزر سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے حنفیّہ کے نزدیک ___ ان پر اللہ کی پوشیدہ عنایتیں عام ہوں___ یہ عمل ثواب کا ہبہ اور ہدیہ ہے اور بچہ تبرّع (اپنی طرف سے بھلائی اور احسان کے طور پر کچھ کرنے) کا اہل نہیں ہے۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں، اور توفیق خدا ہی سے ہے۔ ت) عاقل بچہ ہر طرح کے تصرف سے مجور نہیں (حَجْر کا معنٰی تصرف سے روک دینا) حجر کا منشا یہی ضرر ہے اگرچہ فی الحال نقصان ہو جیسے قرض دینے میں یا اس کا احتمال ہو جیسے بیع میں___ جہاں کوئی ضرر نہیں وہاں حجر میں نظر اور بچہ کی رعایت نہیں بلکہ یہ خلاف نظر اور بعینہٖ ضرر رسانی ہے کہ گویا اسے جماد اور پتھر سے لاحق کردینا ہے۔ دیکھئے کہ بچہ بالاجماع اس کا اہل ہے کہ سلام میں پہل کرے بلکہ اس کے مربی کو چاہئے کہ اگر خود اس کا عادی نہ ہو تو اسے سکھائے حالانکہ یہ بھی تبرع ہی کے باب سے ہے یہاں تک کہ حدیث میں اسے صدقہ کا نام دیا گیا ہے۔ ابوداؤد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک حدیث میں راوی ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جو ملے اس سے سلام کرنا صدقہ ہے۔" اسی طرح اپنے بھائی سے کشادہ روئی سے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی اماطۃ الاذی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۵

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷

ہمچنان راہ گم کردہ را بذکر معالم طریق دلالت کردن احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دل الطریق صدقۃ[1] وفی حدیث ابی ذر المذکور ارشادك الرجل فی ارض الضلال صدقۃ[2]۔ ہمچنان کر راسخن شنواند ان الخطیب فی جامعہ عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسماع الاصم صدقۃ[3]۔ ہمچناں کہ باکسیکہ جماعت نیافت اقتداء نمودن احمد وابوداؤد وابن حبان والحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ[4]۔	بات کرنا اور اظہار بشاشت کے ساتھ مسکرانا___ امام بخاری نے ادب المفرد میں اور ترمذی وابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں ان ہی حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے بھائی کے سامنے تیرا تبسم کرنا تیرے لیے صدقہ ہے۔ (ت) اسی طرح راستہ بھول جانے والے کو راہ کے نشانات بتا کر راہنمائی کردینا___ امام احمد اور بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "راستہ بتانا صدقہ ہے"___ اور حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث مذکور میں ہے: "جہاں کوئی راہ بھٹک جائے اس کی رہنمائی کردینا صدقہ ہے۔" (ت) اسی طرح بہرے شخص کو بات سنوانا___ خطیب اپنی جامع میں سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "بہرے کو سنانا صدقہ ہے۔" اسی طرح جس شخص نے جماعت نہ پائی اس کی اقتداء کرنا___ امام احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "ارے کوئی ایسا شخص نہیں جو اس پر صدقہ کردے کہ اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔" (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الخدمۃ فی الغزو قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۴
[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۷
[3] جامع للخطیب مروی از مسند ابی سعید الخدری دارالفکر بیروت ۳/۶۴
[4] سنن ابی داؤد باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوامامہ دارالفکر بیروت ۵/۲۵۴

همچناں انواع بر کثیر ووافراست ودرآنہائے وبرروئے صبیان مسلمین فراز نیست تازیانے یااندیشہ اونباشد ازیں ہمہ بگز روبالاتر شنو، ترامیرسد کہ پسر خود پسران ماذون ہر کراخواہی کہ بے حاجت باذن کسے و مجور راز ولی پرسیدہ در خصومات خویش وکیل کنی یامتاع خودت فروختن یاکالائے برائے توخریدن فرمائی بے آنکہ نام اجرے درمیان باشد، ایں خود خبر تبرع چیست۔ امارواداشتند کہ زیانے نہ پنداشتند بلکہ تصحیح عبارات او راسود نگاشتند، درجامع الصغار است فی وکالۃ الذخیرۃ اذا وکل صبیا یبیع عبدہ، او وکلہ بان یشتری لہ شیئا فباع واشتری جاز اذاکان یعقل ذلك فلا عھدۃ علی الصبی وانما العھدۃ علی الاٰمر، وکذلك لو وکل صبیا بالخصومۃ جاز بعد ان یکون الصبی بحیث یعقل مایقول ومایقال وھذہ المسئلۃ فی الحاصل علی وجھین اما ان یکون صبیہ اوصبی غیرہ فان وکل صبیہ جاز ولایستامر احدا وان وکل صبی غیرہ فان کان ماذونا لہ فی التجارۃ لایستامرولیہ فان اذن ولیہ جاز لہ ان یوکلہ وھذا لان استعمال صبی الغیر بغیر اذن الولی لایجوز، وباذنہ یجوز، قالو اوھذہ المسئلۃ روایۃ ان للاب ان یعیرہ ولدہ وقد اتفق علیہ المشائخ وھل لہ ان یعیر مال ولدہ بعض المتاخرین

اس طرح کی بہت سی اور کثیر نیکیاں ہیں ____ اور ان کا دروازہ مسلمان بچوں پر بند نہیں جب تک کہ کوئی نقصان یا اندیشہ نقصان نہ ہو۔ ان سب سے آگے بڑھئے اور بلند تر سنئے ____ انسان اپنے لڑکے کو، یا ماذون لڑکوں میں سے جس کو چاہے ____ بغیر اس کے کہ کسی کے اذن کی حاجت ہو ____ اور مجور ہو تو اس کے ولی سے پوچھ کر، اپنے مقدمات میں وکیل بنا سکتا ہے یا اسے اپنا سامان بیچنے یا اپنے لیے کوئی سامان خریدنے کا حکم دے سکتا ہے، بغیر اس کے کہ درمیان میں کسی اجرت کا نام ہو ____ یہ خود تبرّع نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر علما نے اسے ناجائز رکھا کیونکہ اس میں کوئی نقصان نہ سمجھا، بلکہ اس کی عبارت کی تصحیح کو فائدہ قرار دیا۔ جامع الصغار میں ہے: ذخیرہ کتاب الوکالۃ میں ہے: اپنا غلام بیچنے کے لیے کسی بچے کو وکیل بنایا اور بچے نے خرید وفروخت کیا تو جائز ہے جبکہ بچہ اسے سمجھتا ہو اور ذمہ بچے پر نہیں بلکہ آمر پر ہوگا ____ اسی طرح اگر کسی بچے کو مقدمے کا وکیل بنایا تو جائز ہے جبکہ یہ سمجھتا ہو کہ خود کیا کہہ رہا ہے اور اس سے کیا کہا جارہا ہے، بلحاظ حاصل اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں: (۱) یا تو خود اس کا بچہ ہوگا (۲) یا دوسرے کا ہوگا، اگر اپنے بچہ کو وکیل بنایا تو جائز ہے اور کسی سے اجازت نہیں لینا ہے۔ اور اگر دوسرے کے بچے کو وکیل بنایا تو (دو حالت ہے) اگر وہ تجارت کے لیے ماذون تھا تو اس کے ولی سے اجازت لے ____ اگر اس نے اجازت دے دی تو اسے وکیل بنانا جائز ہے ____ یہ اس لیے کہ دوسرے کے بچے

قالو اله ذلك وعامتهم علیٰ انه لیس له ذلك ثم ان محمداً ا رحمه الله تعالیٰ جوز بیع الصبی المحجور علیه وشراه لغیره ولم یجوز بیعه وشراءه لنفسه لان بیعه وشراه لنفسه متردد ان بین النفع والضرر واما بیعه وشراءه لغیر علیٰ وجه لایلزم العهدة نفع محض لان فیه تصحیح عبارته والصبی العاقل من اهل التصرفات النافعة المحضة کقبول الهبة وغیر ذلك وانما لایلزم العهدة لان فیه ضرر للصغیرا الخ[1]

ہمچناں در فصل سی وچہارم از جامع الفصولین در احکام الصبیان ست والعبارة الاولی اتم فائدة واعظم عائدة[2]

پس بوضوع پیوست کہ صبی اگرچہ محجور است از تبرع بے ضرر، محجور نیست ھذہ کبری ولنبین صغری چوں بتوفیقہ تعالیٰ برہنمائی فقہ وحدیث درمانحن فیہ، نظرے کنیم ہبہ ثواب واہدائے او بمسلمانے راجمداللہ تعالیٰ نفع بے ضررے یابیم این نہ ہمچو ہبہ مال ست کہ چوبکسے

سے اجازت ولی کے بغیر کام لینا جائز نہیں، اور اس کے اذن سے ہوتو جائز ہے___ علماء نے فرمایا: اس مسئلہ سے متعلق ایک روایت ہے وہ یہ کہ باپ اپنے بچے کو عاریۃً دے سکتا ہے، اس پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ اپنے بچے کے مال کو عاریۃً دے سکتا ہے یا نہیں؟ بعض متاخرین نے کہا دے سکتا ہے۔ اور اکثر اس پر ہیں کہ باپ کو اس کا اختیار نہیں___ پھر جو بچہ محجور ہے وہ اگر دوسرے کے لیے خرید وفروخت کرے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے جائز رکھا ہے، اور اپنے لیے خرید وفروخت کرے تو اس کو جائز نہ قرار دیا اس لیے کہ اپنے لیے اس کی جو خرید وفروخت ہوگی اس میں نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہے اور دوسرے کے لیے جب اس طور پر خرید وفروخت ہوگی کہ ذمہ بچے پر نہ آئے تو اس میں اس کے لیے محض نفع ہے کیونکہ اس کی تعبیر اور گفتگو صحیح قرار پا جاتی ہے ___اور عاقل بچہ ایسے تصرفات کا اہل ہے جن میں صرف نفع ہو جیسے ہبہ قبول کرنا وغیرہ___ اور ذمہ بچہ پر نہ آئے گا اس لیے اس میں بچہ کا ضرر ہے الخ (ت) اس طرح جامع الفصولین کی فصل ۳۴ میں بچوں کے احکام کے بیان میں ہے ___ مگر عبارت بالا زیادہ مفید اور عظیم نفع کی حامل ہے۔

اس کی تفصیل سے واضح ہوگیا کہ بچہ اگرچہ محجور ہو مگر بے ضرر تبرُّع سے محجور نہیں ہے یہ کبری ہوا اب ہم صغری بیان کرتے ہیں، بتوفیق الٰہی جب ہم فقہ وحدیث کی رہنمائی میں زیر بحث مسئلہ میں غور کرتے ہیں تو کسی مسلمان کو ثواب ہبہ وہدیہ کرنے کو بحمدہٖ تعالیٰ ہم نفع بے ضرر پاتے ہیں___

[1] جامع احکام الصغار علیٰ ھامش جامع الفصولین مسائل الوکالۃ مطبعۃ الازہریہ مصر ۱/۶۷۔ ۲۷۵

[2] جامع الفصولین فصل ۳۴ احکام الصبیان مطبعۃ الازہریہ مصر ۲/۰۸۔ ۲۰۷

دہی از خود گم کنی، تانز دتست بدیگرے نہ رسد چوں بدیگرے رسد پیش تو نماند این جابسعت فضل وکمال کرم رب العزۃ جل جلالہ ہم ثواب تونزد توماند۔ وہم بموہوب لہ پرسد بلکہ بایں کار خوب ثواب تودہ بالا شود ۔ پس این نفع بقصور وتجارۃ لن تبوراست۔

درحدیث (۱): است کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم فرمود **من حج عن میّت فللذی حج مثل اجرہ**[1]۔ ہر کہ از جانب مردہ حج کند مراد را مثل ثواب آں میّت باشد **رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔**

حدیث (۲): کہ حضور اقدس صلوات اللہ تعالی وسلامہ علیہ فرمود **اذا تصدق احدکم بصدق تطوعا فلیجعلھا من ابویہ فیکون لھما اجرھا فلا ینقص من اجرہ شیئ**[2]۔ چوں کسے از شما صدقہ نافلہ کردن خواہد باید کہ او را از مادر وپدر خود گرداند کہ ایشاں راثواب او باشد واز ثواب ایں کس چیز نکاہد **رواہ الطبرانی فی الاوسط وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔**

حدیث (۳): روی نحوہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن معاویۃ بن حَیَدۃ القُشَیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

یہ ہبہ مال کی طرح نہیں کہ مال جب کسی کو دیا تو اپنے پاس سے گیا۔ اور جب تک اپنے پاس ہے دوسرے کے پاس پہنچ جائیگا تو اپنے پاس نہ رہے گا۔ یہاں وسعتِ فضل الٰہی اور کمال ربانی سے ہدیہ کرنے والے کا ثواب خود اس کے پاس بھی رہتاہے، اور موہوب لہ کے پاس بھی پہنچتا ہے بلکہ اس عمل کی وجہ سے خود اس کا ثواب دس گنا ہوجاتاہے تو یہ ایسا نفع ہے جس میں کوئی کمی نہیں، اور ایسی تجارت ہے جس میں ہر گز کوئی خسارہ نہیں۔

حدیث ۱: حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی وفات یافتہ کی جانب سے حج کرے اس کے لیے بھی ثواب میّت کے مثل ثواب ہو، اسے طبرانی نے معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نفل صدقہ کرنا چاہے تو چاہیے کہ اسے اپنے ماں باپ کی جانب سے کردے کہ انھیں اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔

حدیث ۳: اسی کے ہم معنی دیلمی نے مسند الفردوس میں معاویہ بن حَیدہ قُشَیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

[1] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الحج باب فیمن مات وعلیہ الحج دارالکتاب بیروت ۳/ ۲۸۲

[2] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی المیّت دارالکتاب بیروت ۳/ ۱۳۸

حدیث (۴): کہ فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **من مر علی المقابر وقرأ قل ھواللہ احد، احدٰی عشرۃ مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات**[1] ہر کہ بگورستان گزرد وسورہ اخلاص یازدہ بار خواندہ بمردگان بخشد بشمار مردگان ثوابش دادہ شود۔ **رواہ الدار قطنی والطبرانی والدیلمی والسلفی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجھہ۔**	**حدیث ۴**: حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو قبرستان سے گزرے اور سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے اسے مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔ اسے دارقطنی، دیلمی اور سلفی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی ہے۔
حدیث (۵): کہ فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنھما**[2] الحدیث چوں کسے از والدین خودش حج کند ہم از قبول کردہ شود وہم ایشاں رواہ الدارقطنی عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ پیداست کہ معنی قبول ہمیں عطائے ثواب ست **کما نص علیہ العلماء ولذا قال فی التیسیر ای اثابہ واثابھما علیہ فیکتب لہ ثواب حجۃ مستقلۃ ولھما کذالک**[3]۔	**حدیث ۵**: رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی اپنے والدین کی طرف سے حج کرے تو اس کی جانب سے بھی قبول کیا جائے اور ان کی جانب سے بھی ___ اسے دارقطنی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ظاہر ہے کہ قبول کا معنٰی یہاں ثواب دینا ہے۔ جیسا کہ علماء نے اس کی تصریح فرمائی۔ اسی لیے تیسیر میں فرمایا: یعنی اس پر اسے بھی ثواب دے اور اس کے ماں باپ کو بھی ثواب دے تو اس کے لیے بھی مستقل حج لکھے اور ان کے لیے بھی ویسا ہی۔
حدیث (۶): کہ فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **من حج عن ابیہ اوعن امہ فقد قضی عنہ**	**حدیث ۶**: رسول انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے باپ یا ماں کی طرف سے حج کیا تو

[1] کنز العمال بحوالہ رافعی عن علی حدیث ۴۲۵۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۶۵۵، اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابو محمد سمرقندی فی فضائل سورۃ الاخلاص دار الفکر بیروت ۱۰/ ۳۷۱

[2] سنن الدار قطنی کتاب الحج نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۶۰

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ما قبل مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۸۹

حجته وکان له فضل عشر حجج [1] ہر کہ از پدر و مادر خود حج کرد پس بدرستے کہ حج از او ادا کرد خودش فضیلت دہ حج یافت رواہ الدارقطنی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

در ردالمحتار است الثواب لاینعدم کما علمت [2] اھ ای اذا اھدی ثواب عمله لغیره وصل الیه ولم ینعدم من عنده۔

وفیه عن العلامة نوح آفندی عن مناسك القاضی حج الانسان عن غیره افضل من حجه عن نفسه [3] الخ

وفیه عن التاتار خانية عن المحيط، الافضل لمن يتصدق نفلا ان ينوى لجميع المومنين والمؤمنات لانها تصل اليهم ولاينقص من اجره شيئ اھ قال وهو مذهب اهل السنة والجماعة [4] الخ۔

بالجملہ اہدائے ثواب ہمچو روشن کردن چراغ از چراغ ست کہ ازیں چراغ چیزے نہ کاہد۔ وہ چراغ دیگر روشنائی یابد، وشک نیست کہ صبی از ہمچو تبرّع

بے شک اس کی جانب سے حج ادا کردیا اور خود دس حج کی فضیلت پائی ــــ اسے دارقطنی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

ردالمحتار میں ہے: ثواب معدوم نہیں ہوجاتا جیسا کہ معلوم ہوا اھ ــــ یعنی جب اپنے عمل کا ثواب دوسرے کو ہدیہ کیا تو اس کے پاس پہنچ گیا اور خود ہدیہ کرنے والے کے پاس سے فنا نہ ہوا۔

اسی ردالمحتار میں علامہ نوح آفندی سے منقول ہے وہ مناسک قاضی سے ناقل ہیں: انسان کا دوسرے کی جانب سے حج کرنا خود اپنی طرف سے حج کرنے سے افضل ہے الخ۔

اور اسی میں تاتارخانیہ سے، اس میں محیط سے منقول ہے: جو کوئی نفل صدقہ کرے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومنین و مومنات کی نیت کرلے کہ وہ ان سب کو پہنچے اور اس کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا اھ ــــ فرمایا: یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے الخ۔

مختصر یہ کہ ثواب ہدیہ کرنا ایسا ہے جیسے چراغ سے چراغ جلانا کہ اس چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا اور دوسرے چراغ کو روشنی مل جاتی ہے ــــ اور بلاشبہہ بچہ اس

---

[1] سُنن الدارقطنی کتاب الحج نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۶۰

[2] ردالمحتار باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۶

[3] ردالمحتار باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۱

[4] ردالمحتار باب مطلب فی القرأۃ للمیّت الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

زنہار مجبور نیست بلکہ چراغ افروختن نیز نظیر او نتوان شد کہ آنجا اگر از چراغ چیزے کم نشود فزوں ہم نشود وایں جا ثواب واہب یکے دہ می شود واللہ یضٰعف لمن یشاء واللہ واسع علیم۔

بمثل فرض کن اگر در محسوس نیز صورتے ہمچناں یافتہ شدے کہ صبی درہمی دہد وآن درہم ہم بموہوب لہ رسد وہم بدست صبی برقرار ماند ویکے دہ گردد آیا معقول بود کہ شرع مطہر صبی را از ہمچو تصرف بازداشتے حاش للہ حجر برائے نظر ووضع ضرر است نہ بہر دفع نفع والحاق بحجر ایں ست دریں مسئلہ طریق نظر۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق ہمانا از کلمات علماء نص جزیہ برآریم علمائے مادر عامہ کتب تصریح فرمودہ اند کہ مسئلہ حج عن الغیر برہماں اصل کلی مبتنی ست کہ انسان رامی رسد کہ ثواب عملش ازاں دیگرے کند۔ فی الہدایہ باب الحج عن الغیر:

الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلٰوۃ ا او صوما او صدقۃ اوغیرھا عنداھل السنۃ والجماعۃ [1] **اھ ومثلہ فی خزانۃ المفتین** برمز "ہ" لھا۔

و فی الدر باب الحج عن الغیر الاصل ان کل من اتی بعبادۃ مّالہ

طرح کے تبرُّع سے ہرگز مجبور نہیں ___ بلکہ چراغ جلانا بھی اس کی نظیر نہیں ہوسکتی کہ وہاں اگر چراغ سے کچھ کم نہیں ہوتا تو کچھ زائد بھی نہیں ہوتا۔ اور یہاں ہبہ کرنیوالے کا ثواب ایک کا دس ہوجاتا ہے۔ اور اللہ جس کیلئے چاہے اور زیادہ کرتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

بطور مثل فرض کیجئے اگر عالم محسوس میں بھی کوئی ایسی صورت ہوتی کہ بچہ ایک درہم دے وہ درہم موہوب لہ کے پاس بھی پہنچے اور بچے کے ہاتھ میں بھی برقرار رہے اور ایک کا دس ہوجائے تو کیا یہ متصور تھا کہ شرع مطہر بچے کو ایسے تصرف سے روک دیتی ___ حاشاللہ! حجر ضرر دور کرنے پر نظر کے لیے ہے نفع دور کرنے اور حجر (پتھر) سے لاحق کرنے کے لیے نہیں ہے ___ یہ اس مسئلہ میں طریق نظر ہے۔ (ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق خدا تعالیٰ ہی سے ہے۔ت) کلمات علماء سے ہم خود اس جزیہ کی صراحت لائیں۔ ہمارے علماء نے عامہ کتب میں تصریح فرمائی ہے کہ دوسرے کی جانب سے حج کی بنیاد اسی قاعدہ کلیہ پر ہے کہ انسان اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کرسکتا ہے ___ ہدایہ باب الحج عن الغیر میں ہے: اس باب میں اصل یہ ہے کہ اہلسنت وجماعت کے نزدیک انسان کو حق حاصل ہے کہ اپنے عمل کا ثواب کسی دوسرے کے لیے کردے۔ نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اور کچھ، اھ اسی کے مثل خزانۃ المفتین میں ہدایہ کے لیے "ہ" کے رمز کے ساتھ ہے۔

[1] الہدایۃ باب الحج عن الغیر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۲۷۶

جعلُ ثوابها لغیرہ [1] اھ وفی الهندیه عن الغایة کالهدایة مع زیادة مفیدة وفی ملتقی الابحر اخر الباب وللانسان ان یجعل ثواب عمله لغیرہ فی جمیع العبادات [2] اھ قال فی شرح مجمع الانهر هذا وقع فی معرض العلة لما قبله [3] اھ پس ثابت شد کہ حج از دیگرے کردن از باب اہدائے ثواب است، ورنہ این تفریع راچہ محل بودے، حالا باید دید کہ صبی نیز حج عن الغیر تواں کرد یانہ، در کتب مذہب تصریحات جلیہ است کہ می تواں کرد۔ در تنویر الابصار است یشترط اهلیة المامور لصحة الافعال [4]۔

درحاشیۂ علامہ طحطاوی است عبر بالصحة دون الوجوب لیعم المراهق فانه اهل للصحة دون الوجوب [5]۔

در درمختار است فجاز حج الصرورة والمرأة والعبد والمراهق وغیرهم اولی لعدم الخلاف [6] اھ ملخصا۔

ودر ردالمحتار است الشرط هو الاهلیة دون الذکورة والحریة والبلوغ [7] اھ ملخصا وہم دراں از لباب در تعداد شرائط آورد

درمختار باب الحج عن الغیر میں ہے: اصل یہ ہے کہ جو شخص بھی کوئی بھی عبادت کرے اسے اختیار ہے کہ اس کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اھ، ہندیہ میں غایہ کے حوالے سے عبارت ہدایہ کی طرح ایک مفید اضافے کے ساتھ ہے_ ملتقی الابحر باب مذکور کے آخر میں ہے: انسان کو تمام عبادات پر اختیار ہے کہ اپنے عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کردے اھ اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے: یہ عبادت بیان ماقبل کے علت کی منزل میں ہے ___ تو ثابت ہوا کہ دوسرے کی جانب سے حج کرنا اہدائے ثواب کے باب سے ہے ___ ورنہ اس تفریع کا کیا موقع ہوتا ___ اب دیکھنا چاہئے کہ بچہ بھی دوسرے کی جانب سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ ___ کتب مذہب میں روشن تصریحات موجود ہیں کہ کرسکتا ہے ___ تنویر الابصار میں ہے: صحتِ افعال کے لیے مامور کا اہل ہونا شرط ہے

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے: "صحت" سے تعبیر فرمائی "وجوب" سے نہیں۔ تاکہ مراہق (قریب البلوغ لڑکے)

---

[1] درمختار باب الحج عن الغیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۱
[2] ملتقی الابحر باب الحج عن الغیر موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۲۳۴
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۱۰
[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحج عن الغیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۱
[5] طحطاوی علی الدرالمختار باب الحج عن الغیر دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۴۹
[6] درمختار باب الحج عن الغیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۲
[7] ردالمحتار باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۴۱

والتاسع عشر تمیز المامور فلا یصح احجاج صبی غیر ممیز ویصح احجاج المراھق[1] ہم دراں ست ھذہ الشرائط کلھا فی الحج الفرض واما النفل فلا یشترط فیہ شیئ منھا الا السلام والعقل والتمییز[2] ___ ہمچناں در مناسک علامہ سندی است ودر ہندیۃ از غایۃ السروجی شرح ہدایۃ از علامہ کرمانی آورد الافضل ان یکون عالما بطریق الحج وافعالہ ویکون حرا عاقلا بالغا[3] اھ

اقول: المراد بالعاقل مایقابل المعتوہ الذی حکمہ حکم الصبی العاقل دون ما یقابل المجنون لان اصل العاقل شرط صحۃ العبادات والکلام ھٰھنا فی الافضلیۃ وکان الحاصل ان الافضل ان لایکون عبدا اولامعتوھا ولا صبیا ممیزا وانما اکثرنا من النقول فی المسئلۃ لما وقع فی بعض نسخ اللباب من تصحیف اوقع الشارح فی بحث مضطرب وقداجبنا بحول اللہ تعالٰی فی ما علقنا علی طرقہ بمالا مزید علیہ ولاحاجۃ بنا الی الاطالۃ بایرادہ ھنا ط باز برظاہر الروایۃ موید بنصوص صراح احادیث صحاح کہ نفس عمل از جانب آمر واقع شود۔ ایں معنی دراں

کو بھی شامل ہو کیونکہ حج کی ادائیگی اس سے صحیح ہے مگر اس پر واجب نہیں درمختار میں ہے: صرورہ (جس نے اپنا حج اسلام نہ کیا ہو) عورت، غلام اور مراہق کا حج جائز ہے اور ان کے علاوہ (حج بدل کے لیے) ہوں تو بہتر ہے تاکہ اختلاف ائمہ نہ رہے اھ ملخصا ___ ردالمحتار میں ہے: شرط صرف اہلیت ہے۔ مرد ہونا، آزاد ہونا، بالغ ہونا شرط نہیں اھ ملخصا اسی میں لباب سے تعداد شرائط میں نقل ہے: انیسویں شرط یہ ہے کہ مامور باتمیز سمجھدار رہو، تو ناسمجھ بچے سے حج کرانا صحیح نہیں اور مُراہق سے حج کرانا صحیح ہے ___ اسی میں ہے: یہ ساری شرطیں حج فرض میں نفل میں اسلام، عقل اور تمیز کے سوا کوئی شرط نہیں اسی طرح مناسک علامہ سندی میں ہے ___ ہندیہ میں غایۃ السروجی از علامہ کرمانی کے حوالے سے ہے: افضل یہ ہے کہ طریقہ حج اور افعال حج سے باخبر ہو اور آزاد، عاقل، بالغ ہو اھ

اقول: یہاں عاقل سے مراد معتوہ کا مقابل ہے جس کا حکم عاقل بچے کا ہے، مجنون کا مقابل مراد نہیں اس لیے کہ نفس عقل تو تمام عبادات کی "صحت" کے لیے شرط ہے، اور یہاں کلام "افضلیت" کے بارے میں ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ افضل یہ ہے کہ نہ غلام ہو،

[1] ردالمحتار بحوالہ اللباب باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۰

[2] ردالمحتار بحوالہ اللباب باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فی الحج عن الغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۵۷

کار ما را مؤید راست کہ چوں صبی ممیّز اصل عمل بہر دیگرے واز اں او مے تواں کرد وہبہ ثواب یکے از توابع اوست وذٰلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیما روینا عنه تقبل منه ومنهما کما اسفلنا پس از مجرد اہدائے ثواب مانع کیست وحاجر چیست، سخن اینجا درازاست ودر فیض الٰہی بازامابر ہمیں قدر بسندہ کنیم حامدین لربنا علٰی جوده ونو اله ومصلین علی سیدنا محمد واٰله والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	نہ معتوہ۔ نہ ممیّز بچہ ___ ہم نے اس مسئلہ میں حوالے زیادہ پیش کئے جس کی وجہ یہ ہے کہ لباب کے بعض نسخوں میں کچھ خطائے کتابت واقع ہوئی جس نے شارح کو ایک بااضطراب بحث میں ڈال دیا جس کاجواب بعونہ تعالٰی ہم نے اس کے حاشیہ میں کامل طور پر دے دیا ہے یہاں اسے ذکر کرکے کلام طویل کرنے کی ضرورت نہیں ___ پھر ظاہر الروایہ کی بنیاد پر جو صحیح احادیث کے صریح نصوص سے تائید یافتہ ہے کہ نفس عمل آمر کی جانب سے واقع ہوتا ہے۔ یہ معنی اس کام میں ہمارے لیے زیادہ مؤید ہے کہ جب ممیّز بچہ اصل عمل دوسرے کے لیے اور اس کے حق میں کرسکتا ہے اور ثواب ہبہ کرنا بھی اس کے توابع میں سے ایک ہے اور وہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا روایتِ مذکورہ میں یہ ارشاد ہے کہ "اس سے اور اس کی ماں باپ دونوں کی جانب سے قبول کیا جائے" تو ثواب ہدیہ کرنے سے مانع کون ہے اور رکاوٹ کیا ہے؟ کلام یہاں طویل ہے اور فیض الٰہی کا دروازہ کشادہ، مگر ہم اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں اس کے ساتھ اپنے رب کی، اس کے جود وکرم پر حمد کرتے ہیں اور اپنے آقا حضرت محمد اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے، اور اس ذات بزرگ کا علم زیادہ کامل اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از الہ آباد مدرسہ سبحانیہ دارالطلباء مرسلہ محمد سعید الحسن صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ دستور مقرر کر رکھا ہے کہ ہر ششماہی یا سالانہ یوم معین وتاریخ مقررہ پر اپنے پیر کا عرس ہوا کرے، لوگوں کو یہ کہتا ہے کہ جو شخص یہ عرس کرے اور عرس کی نیاز کردہ شیرینی کھائے گا اوپر بلاشبہہ جنت مقام دوزخ حرام ہے، یہ کہنا شرعًا کیا حکم رکھتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ کہنا جزاف اور یاوہ گوئی ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ کس کا جنت مقام اور کس پر دوزخ حرام، عرس کی شیرینی کھانے پر اللہ تعالٰی ورسول کا کوئی وعدہ ایسا ثابت نہیں جس کے بھروسہ پر یہ حکم لگاسکیں، تو یہ تَقَوُّل علی الله (اللہ تعالٰی پر اپنی طرف سے لگا کر کچھ بولنا۔ ت) ہوا اور وہ ناجائز ہے۔ قال الله تعالٰی:

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۷۸﴾ [1]	کیا اس نے غیب دیکھ لیا ہے یا رحمان کے یہاں کوئی عہد کر رکھا ہے۔ (ت)

[1] القرآن ۱۹/۷۸

قال اللہ تعالٰی:

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۳ تا ۲۴۴: از بنگال ضلع سلہٹ موضع شوبید پور مرسلہ مولوی انوار الدین صاحب ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) میّت کے ثواب رسانی کے لیے قرآن شریف کر ہدیہ کرنا یا چند نماز و روزہ وغیرہ کے کفارہ کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے ہو تو کون کون صورتوں میں؟ یعنی بعض میّت کے ثلث مال قدر کفارہ کے ہے اور بعض کے کم اور بعض کے بالکلیہ نہیں۔ اوران صورتوں میں مع وصیت کے کیا حکم ہے؟

(۲) بوقت دفن میّت کے دعا غیرہ پڑھ کر چھوٹے چھوٹے ڈھیلا وغیرہ پر دم کرکے قبر کے اندر رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

(۱) قرآن مجید کسی مسلمان کو دے کر اس کا ثواب میّت مسلم کو پہنچانا جائز ہے، کفارے کے عوض میں قرآن مجید دے کر جو حیلہ یہاں عوام میں رائج ہے محض باطل و بے سود ہے، بلکہ بحال وصیت ثلث مال یا باجازت ورثہ بالغین اس سے زائد، اور بلا وصیت جس قدر مال پر وارث عاقل بالغ چاہے اگر کفارہ واجبہ کی قدر کو کافی نہ ہو بطریق دور پورا کریں یعنی ایک بار فقیر کو دے دیں اس قدر کا کفارہ ادا ہوا۔ فقیر بعد قبضہ پھر اسے اپنی طرف ہبہ کردے۔ وارث پھر فقیر کو کفارہ میں دے، یہاں تک کہ الٹ پھیر میں قدر کفارہ تک پہنچ جائے کمانص علیہ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر وقد حققناہ فی فتاوٰنا (جیساکہ درمختار اور اس کے علاوہ کتب مبارکہ میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت)

(۲) کوئی حرج نہیں جبکہ قبر میں جگہ نہ گھیرے لعدم المنع وما لم یمنع لایمنع (کیونکہ اس سے ممانعت نہ آئی اور جس سے منع وارد نہیں وہ ممنوع نہ ہوگا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۵: از پوسٹ فراش گنج ضلع نواکھالی ملک بنگالہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ثواب رسانی کی نیت سے قرآن مجید پڑھ کر اس پر اُجرت دینا

[1] القرآن ۷/۲۸

اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک قرآن مجید پڑھ کر چالیس درم سے کچھ کم اُجرت لینا اور پڑھانے والے کے لیے چالیس درہم سے کم اُجرت دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ثواب رسانی کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے، اور چالیس درہم اجرت محض بے اصل ہے۔

مسئلہ ۲۴۶: از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

دستور ہے کہ اغنیاء قرآن خوانی کے واسطے بُلائے جاتے ہیں اور ان کی دعوت دی جاتی ہے، کیا ان اغنیاء کو بعد قرآن خوانی دعوت طعام چہلم جائز ہے؟ اور یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

موت میں دعوت بے معنی ہے، فتح القدیر میں اسے بدعت مستقبحہ فرمایا **لان الدعوۃ شرعت فی السرور لافی الشرور**[1] (اس لیے کہ دعوت خوشی میں مشروع ہے غمی میں نہیں۔ت) اغنیا کا اس میں کچھ حق نہیں اور اگر بنظر **المعھود عُرفاً کالمشروط لفظاً** (جو عرفاً معلوم ہے اسی کی طرح ہے جو لفظاً مشروط ہے۔ت) وہ اجرت قرآن خوانی کی حد تک پہنچ گیا ہو، کھلانے والا جانتا ہو ان کی تلاوت کے عوض مجھے کھانا دینا ہے، یہ جانتے ہوں ہمیں قرآن پڑھ کر کھانا لینا ہے، تو آپ ہی حرام ہے، کھانا بھی حرام اور کھلانا بھی حرام، وَلَاتَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا[2] (میری آیتوں کے بدلے حقیر مال دُنیا نہ لو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: از لکھنؤ محلّہ فرنگی محل احاطہ حیدر جان طوائف. بردوگان ہیزم سوختنی مسئولہ زین العابدین ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع اعظم گڑھ کے قریب وجوار یہ رسم قدیم میّت کے ایصال ثواب کے واسطے جاری تھی کہ ورثاء میّت چہلم تک قرآن خوانی کراتے تھے اور بعد اختتام میعاد قرآن خوانی کی اجرت بصورت نقد و پارچہ اور اشارے قرآن خوانی میں کھانا دیا کرتے تھے. اب چند لوگ دیوبند سے تعلیم پاکر اسی ضلع میں آئے اور ہم لوگوں کے طریقہ مستمر ایصال ثواب کو ممنوع وناجائز کہتے اور فعل عبث قرار دیتے ہیں، پس علمائے اہلسنت وجماعت سے استدعا ہے کہ طریقہ مروجہ ایصال ثواب عند الشرع جائز ودرست ہے

---

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

[2] القرآن ۲/ ۴۱

یا ممنوع، اور میّت کو ثواب قرآن خوانی وکھانا وغیرہ کاملتاہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیوبندی عقیدہ والوں کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے خارج ہیں، اور فرمایا: **من شك فی عذابه وکفره وفقد کفر**[1] جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ ان کی کوئی بات نہ سنی جائے نہ ان کی کسی بات پر عمل کیا جائے جب تک اپنے علماء سے تحقیق نہ کرلیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتونکم[2]۔	ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کریں۔ کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اور ان کا بتایا ہوا کوئی مسئلہ اگر صحیح بھی نکلے تو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ عالم ہیں، یا ان کے اور مسائل بھی صحیح ہوں گے۔ دنیا میں کوئی ایسا فرقہ نہیں جس کی کوئی نہ کوئی بات صحیح نہ ہو، مثلاً یہود ونصارٰی کی یہ بات صحیح ہے کہ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نبی ہیں۔ کیا اس سے یہودی اور نصرانی سچے ہوسکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الکذوب قد یصدق**[3] بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے، دیوبندی تو اموات مسلمین کو ثواب پہنچانے ہی سے جلتے ہیں، فاتحہ، سوم، دہم، چہلم سب کو حرام کہتے ہیں، یہ سب باتیں جائز ہیں، میّت کو قرآن خوانی وطعام دونوں کا ثواب پہنچتا ہے، تیجے وچالیسویں وغیر کا تعین عرفی ہے جس سے ثواب میں خلل نہیں آتا، ہاں قرآن خوانی پر اُجرت لینا دینا منع ہے، اس کا طریقہ یہ کیا جائے کہ حافظ کو مثلاً چالیس دن کے لیے نوکر رکھ لیں کہ جو چاہیں کام لیں گے اور یہ تنخواہ دیں گے، پھر اس سے قبر پر پڑھنے کا کام لیا جائے، اب یہ اجرت بلاشبہہ جائز ہے کہ اس وقت کے مقابل ہے نہ کہ تلاوت قرآن کے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۸تا۲۵۰: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ عبدالجبار صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف پڑھ کر یا زیارتِ قبور وختم تہلیل کرکے جس میں ایصال ثواب مقصود ہوتا ہے اُجرت لینا جو حرام ہے وہ قطعی حرام ہے یا نہ؟

(۲) بلاتعین اسی وقت اگر قاری کو کچھ دے دیا جائے وہ بھی حرام ہے یا نہ؟

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب فصل اول مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸

[3] مجمع بحار الانوار تحت لفظ صدق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۹

(۳) **المعروف کالمشروط** (جو معروف ہے وہ مشروط کی طرح ہے۔ت) قاعدہ کلیہ ہے یانہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) تلاوت و تہلیل میں اُجرت لینا ضرور حرام ہے اور گناہ ہونے میں قطعی اور غیر قطعی ہونے کا فرق نہیں، گناہ اگرچہ صغیرہ ہوں اسے ہلکا جاننا قطعی حرام ہے۔

(۲) جبکہ عادات ورواج کے مطابق قاری کو معلوم ہے کہ ملے گا اور اسے معلوم ہے کہ دینا ہوگا۔ تو ضرور اُجرت میں داخل ہے **فان المعروف کالمشروط** (معروف مشروط کی طرح ہے۔ت)

(۳) **المعروف کالمشروط** قاعدہ کلیہ ہے مگر جب صراحۃً معروف کی نفی کردے تو مشروط نہیں رہے گا۔ مثلاً قاری سے صاف کہہ دیا جائے کہ دیا کچھ نہ جائے گا۔ یا وہ کہہ دے کہ میں لوں گا کچھ نہیں، اس کے بعد پڑھے پھر جو چاہیں دے دیں وہ اجرت میں داخل نہ ہوگا، **لان الصریح یفوق الدلالۃ کما فی الخانیۃ وغیرھا** (اس لیے کہ صریح کا درجہ دلالت سے اوپر ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۱تا۲۵۵: حاجی عبدالغنی صاحب طالب علم مدرسۃ منظر الاسلام بریلی ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں عالم اہلسنت، ناصر ملت اس بارے میں کہ:

(۱) میّت کے تابوت کو لے کر دس قدم چلنا پھر جانب بدلنا، اسی طرح چاروں جانب چالیس قدم چلنا سنت ہے یا نہیں؟

(۲) اور اگر قبرستان چالیس قدم سے کم ہو تو میّت کو لے کر قبر کے چاروں طرف چالیس قدم گھومنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) نماز جنازہ پڑھ کر اور قبور کی زیارت کرکے خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) جو شخص اس کو ناجائز سمجھ کر اعلان کردے کہ میں اس کو ناجائز سمجھتا ہوں کوئی صاحب اس کی اجرت ہم کو ہرگز نہ دو، پھر اگر کوئی بطور ہدیہ دے تو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) میّت کی روح پر ثواب رسانی کے لیے قرآن شریف ومیلاد شریف پڑھ کر خیرات لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مستحب ہے (۲) جہالت وممنوع ہے (۳) ناجائز ہے (۴) جائز ہے (۵) ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: از بنگالہ ضلع میمن سنگھ موضع مرزاپور مرسلہ منشی آدم غرہ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

ماتقولون یا علماء الفحول فی ھذہ المسئلۃ کافر مات وارادورثہ ان یطعموا طعاما للمسلمین	اس مسئلہ میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں ایک کافر فوت ہوا اب اس کے ورثہ مسلمانوں کو کھانا کھلانا چاہتے ہیں، تو

هل یجوز الاکل للمسلمین ام لا۔	مسلمانوں کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟(ت)

الجواب:

لا ینبغی لهم ان یجیبوا لانها ان کانت ضیافة فالضیافة فی الموت من النیاحة روی الامام احمد وابن ماجة بسند صحیح عن جریر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنه قال کنا نعد الاجتماع الی اهل المیّت وصنعة الطعام من النیاحة [1] وان کانت بزعمه صدقة مع انه لا صدقة من کافر ولالکافر ففیه ازدراء بالمسلمین لانه یعد نفسه الخبیثة متفضلة علیهم بالتصدق و ایاهم آکلی صدقته و الید العلیا خیر من الید السفلی ولاینبغی لید کافر ان تکون علیا بل الاسلام یعلوه ولایعلی هذا ماظهر لی و ارجو ان تکون صوابا ان شاء الله تعالٰی۔ والله تعالٰی اعلم۔	انھیں یہ دعوت نہ قبول کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ اگر ضیافت ہے تو موت میں ضیافت نیاحت سے ہے، امام احمد اور ابن ماجہ نے بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: ہم گروہ صحابہ میّت کے پاس جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرنے کو نیاحت سے شمار کرتے تھے ــــ اور اگر اس کے خیال میں صدقہ ہو ــــ جبکہ صدقہ کسی کافر سے اور کسی کافر کے لیے ہو ہی نہیں سکتا ــــ تو اس میں مسلمانوں کی بے عزتی ہے اس لیے کہ وہ صدقہ کرکے اپنے نفس خبیث کو ان پر احسان کرنے والا اور انھیں صدقہ کھانے والا سمجھا جاتا ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے سے بہتر ہوتا ہے ــــ اور کسی کافر کا ہاتھ اونچا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا ــــ یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا، اور امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی درست ہوگا، اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵۷: از بریلی مسئولہ شیخ عبدالعزیز بساطی دوم ذوالقعدہ ۱۳۳۰ھ

اہل ہنود اگر فاتحہ دلوانا چاہیں تو دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فاتحہ ایصالِ ثواب ہے۔ کافر کی طرف سے یا کافر کے مال کا ثواب پہنچانا کیا معنی؟ کافر اصلاً اہل ثواب نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النھی عن الاجتماع الی اہل المیّت الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۷، کنز العمال حدیث ۲۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۶

مسئلہ ۲۵۸: از عثمان پور ڈاکخانہ کوٹھی ضلع بارہ بنکی مرسلہ محمد حسن یار خاں صاحب ۷ اربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافر یا مشرک یا رافضی کو قرآن خوانی اور کسی ذریعہ سے ایصال ثواب کرے تو اس کافر یا مشرک یا رافضی کو ثواب پہنچے گا یا نہیں؟ اور ایصال ثواب کرنے والے کی بابت کیا حکم ہے؟
بینوا توجروا

الجواب:
کافر خواہ مشرک ہو یا غیر مشرک جیسے آج کل کے عام رافضی کہ منکرانِ ضروریات دین ہیں، اسے ہر گز کسی طرح کسی فعل خیر کا ثواب نہیں پہنچ سکتا، قال اللہ تعالٰی وَمَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ت) اور انھیں ایصال ثواب کرنا معاذ اللہ خود راہ کفر کی طرف جانا ہے کہ نصوص قطعیہ کو باطل ٹھہرانا ہے۔ رافضی تبرائی کا فقہائے کرام کے نزدیک یہی حکم ہے، ہاں جو تبرائی نہیں جیسے تفضیلی، انھیں ثواب پہنچ سکتا ہے اور پہنچانا بھی حرام نہیں جبکہ ان سے دینی محبت یا ان کی بدعت کو سہل وآسان سمجھنے کی بنا پر نہ ہو، ورنہ انکم اذا مثلھم یہ بھی انھیں میں شمار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹: از منڈی ہلد وانی ضلع نینی تال مرسلہ حفیظ احمد مستری ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ
ہندو میّت کے ثواب کے لیے میلاد شریف کے واسطے کچھ روپیہ دے تو اس ہندو کے روپے سے میلاد شریف پڑھوانا کیسا ہے؟

الجواب:
ہندو سے روپیہ اس واسطے نہ لیا جائے۔ حدیث میں ہے: انی نھیت عن زبد المشرکین[2] (مجھے مشرکین کی جھاگ سے منع کیا گیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن ۲/۲۰۰
[2] سنن ابی داؤد باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۷۸

رسالہ
اِتْیَانُ الْاَرْوَاح لِدِیَارِھِمْ بَعْدَ الرَّوَاح ۱۳۲۱ھ
(روحوں کا بعد وفات اپنے گھر آنا)

بسم اللہ الرّحمن الرحیم

مسئلہ ۲۶۰: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس وقت سے روح انسان کی جسم سے پرواز کرتی ہے بعد اس کے پھر بھی اپنے مکان پر آتی ہے یا نہیں؟ اور اس سے کچھ ثواب کی خواستگار خواہ قرآن مجید یا خیرات وغیرہ طعام ہو یا روپیہ پیسہ ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کون کون دن روح اپنے مکان پر آیا کرتی ہے؟ اور اگر آتی ہے تو منکر اس کا گنہگار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس گناہ میں شامل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خاتمۃ المحدثین شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مشکوٰۃ شریف باب زیارۃ القبور میں فرماتے ہیں:

مستحب است کہ تصدق کردہ شود از میّت بعد از رفتن او از عالم تا ہفت روز تصدق از میّت نفع	میّت کے دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ کرنا مستحب ہے۔ میّت کی طرف سے

می کند او را بے خلاف میان اہل علم وارد شدہ است در آں احادیث صحیحہ بہ میّت رامگر صدقہ ودعا، ودر بعض روایات آمدہ است کہ روح میّت می آید خانہ خود راشب جمعہ، پس نظر می کند کہ تصدق می کنند ازوے یانہ۔''[1] واللہ تعالٰی اعلم	صدقہ اس کے لیے نفع بخش ہوتا ہے۔اس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں، اس بارے میں صحیح حدیثیں وارد ہیں، خصوصا پانی صدقہ کرنے کے بارے میں__ اور بعض علماء کا قول ہے کہ میّت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے__ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ رُوح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے اور انتظار کرتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

شیخ الاسلام ''کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء'' فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

''در غرائب وخزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ ہائے خودراہر شب جمعہ روز عیدوروز عاشورہ وشب برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندامی کند ہر یکے باآواز بلند اندوہ گین اے اہل واولاد من ونزدیکانِ من مہربانی کنید برما بصدقہ۔''[2]	غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ، روز عید، روز عاشورہ، اور شب برات کو اپنے گھر آکر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو۔(ت)

اسی میں ہے:

''شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در شرح الصدور احادیث شتے در اکثر ازیں اوقات آوردہ اگرچہ اکثرے خالی از ضعف نیست۔''[3]	شرح الصدور میں شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان میں سے اکثر اوقات کے بارے میں مختلف حدیثیں نقل کی ہیں اگرچہ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔(ت)

اکثرے کا لفظ صریح دلالت کررہا ہے کہ بعض بالکل ضعف سے خالی ہیں،۔ تو صاحب مأۃ مسائل کا مطلقًا اس کی طرف نسبت کرنا کہ ''این روایات راتضعیف ہم فرمودہ اند۔''[4] کذب وافترا ہے یا جہل واجترا۔

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶ و ۷۱۷
[2] کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا وصدقہ ص ۶۶
[3] کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء فصل احکام دعا وصدقہ ص ۶۶
[4] مأتہ مسائل

اور استناد کا صحیحہ مرفوعہ متصلۃ الاسناد میں حصر اور صحاح کا صرف کتب ستہ پر قصر، جیسا کہ صاحب مائۃ مسائل سے یہاں واقع ہوا۔ جہل شدید وسفہ بعید ہے، حدیث حسن بھی بالا جماع حجت ہے۔ غیر عقائد واحکام حلال وحرام میں حدیث ضعیف بھی بالا جماع حجت ہے، ہمارے ائمہ کرام حنفیہ وجمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مرسل غیر متصل الاسناد بھی حجت ہے۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قول صحابی بھی حجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنٰی طلبہ علم پر بھی روشن ہیں، اور حدیث صحیح کا ان چھ کتابوں میں محصور نہ ہونا بھی علم کے ابجد خوانوں پر بین ومبر ہن (ظاہر ودلائل سے ثابت۔ ت) ہے۔ **ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون** (لیکن وہابیہ نادان ہیں۔ ت)

طرفہ (تعجب۔ ت) یہ کہ خود صاحبِ مائۃ مسائل نے اس کتاب اور اربعین میں اور بزرگانِ خاندان دہلی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تصانیف کثیرہ میں وہ وہ روایات غیر صحاح وروایات طبقہ رابعہ اوران سے بھی نازل تر (کم مرتبہ۔ ت) سے استناد کیا ہے جیسا کہ ان کتب کے ادنٰی مطالعہ سے واضح ومبین ہے **ولکن النجدیۃ یجحدون الحق وھم یعلمون** (لیکن نجدیہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں۔ ت)

امام اجل عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے موقوفاً اور امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعاً راوی۔

وھذا لفظ ابن المبارک قال ان الدنیا جنۃ الکافر وسجن المؤمن، وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسہ کمثل رجل کان فی السجن فاخرج منہ فجعل یتقلب فی الارض یتفسح فیھا[1]۔	(اور یہ ابن مبارک کے الفاظ ہیں، ت) بیشک دنیا کافر کی بہشت اور مسلمان کا قید خانہ ہے، جب مسلمان کی جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص زندان میں تھا اب آزاد کردیا گیا تو زمین میں گشت کرنے اور بافراغت چلنے پھرنے لگا۔

روایت یوں ہے:

فاذا مات المؤمنین یخلی بہ بسرح حیث شاء[2]۔	جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

[1] کتاب الزہد لابن المبارک باب فی طلب الحلال حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۱

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن کراچی ۱۳/ ۳۵۵

ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضرت سلمان فارسی و عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ اگر مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، کہا کیا زندے اور مردے بھی ملتے ہیں؟ کہا:

نعم اما المومنون فان ارواحھم فی الجنة وھی تذھب حیث شاءت[1]۔	ہاں مسلمان کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔

ابن المبارک کتاب الزہد وابوبکر ابن ابی الدنیا وابن مندہ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال ان ارواح المؤمنین فی برزخ من الارض تذھب حیث شاءت ونفس الکافر فی سجین[2]۔	بیشک مسلمانوں کی روحیں زمین کے برزخ میں ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں، اور کافر کی روح سجین میں مقید ہے۔

ابن ابی الدنیا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال بلغنی ان ارواح المومنین مرسلة تذھب حیث شاءت[3]۔	فرمایا: مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مسلمانوں کی روحیں آزاد ہیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

رجح ابن البران ارواح الشھداء فی الجنة وارواح غیرھم علی افنیة القبور فتسرح حیث شاءت[4]۔	امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں،

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل وانفکت من القیود بالموت تحول الی حیث شاءت[5]۔	بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔

---

[1] شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۱

[2] کتاب الزہد لابن مبارک باب ماجاء فی التوکل حدیث ۴۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۸

[4] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۵

[5] تیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث ان روح المومنین الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۲۹

قاضی ثناء اللہ بھی تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین وآسمان وبہشت ہر جاکہ خواہندمی روند[1]۔"	اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں (ت)

خزانۃ الروایات میں ہے:

عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلۃ الجمعۃ وتنتش فجاؤ الی مقابر ثم جاؤا فی بیوتھم [2]۔	بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی جاتی ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔

دستور القضاۃ مسند صاحبِ مائۃ مسائل میں فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

ان ارواح المومنین یاتونی فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ و اذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا[3] الخ۔	بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز وشب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہر کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔

نیز خزانۃ الروایات مستند صاحب مائۃ مسائل میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید اویوم جمعۃ اویوم عاشوراء ولیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات ویقومون علی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا[4] الحدیث۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آکر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں: ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔

اسی طرح کنز العباد میں بھی کتاب الروضہ امام زندویسی سے منقول، یہ مسئلہ کہ نہ عقائد کا ہے نہ فقہ کے

---

[1] تذکرۃ الموتٰی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶ و ۷۵

[2] خزانۃ الروایات

[3] دستور القضاۃ

[4] خزانۃ الروایات

حلال وحرام کا، ایسی جگہ دو ایک سندیں بھی بس ہوتیں نہ کہ اس قدر کثیر و وافر۔

امام جلال الملۃ والدین سیوطی مناہل الصفافی تخریج احادیث الشفاء زیر رثائے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم اجدہ فی شیئ من کتاب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلک سندًا لمثلہ فانہ لیس مما یتعلق بالاحکام[1]۔	یعنی میں نے یہ حدیث کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحبِ اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے مدخل میں اسے ایک حدیث طویل میں بے سند ذکر کیا۔ ایسی حدیث کو اتنی ہی سند کافی ہے کہ وہ کچھ احکام سے متعلق نہیں۔

باقی رہا ضلّالِ حال کے شیخ الضّلال گنگوہی کا '' براہین قاطعہ '' میں زعم باطل کہ ارواح کا اپنے گھر آنا یہ مسئلہ عقائد کا ہے اس میں مشہور و متواتر صحاح کی حاجت ہے قطعیات کا اعتبار ہے نہ ظنّیات صحاح کا یعنی اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم وصریح حدیثوں میں ہو کہ روحیں آتی ہیں اور وہ حدیثیں بھی ان کے دھرم (مذہب ۱۲) میں مردود ہوں گی کہ ان روایات میں عمل نہیں بلکہ علم ہے اور تسلیم بھی کرلیے تو فقط عمل ہے نہ فضل عمل، براھین قاطعۃ لما امر اللہ بہ ان یوصل (اللہ تعالٰی نے جس چیز کے ملانے کا حکم دیا اسے قطع کرنے والی کتاب۔ ت) میں چار ورق سے زائد پر یہی اعجوبہ اضحوکہ، طرح طرح کے مزخرفات سے آلودہ اندودہ (مزین وملمع ۱۲) کیا ہے سخت جہالت فاحشہ ہے۔

اقول: اگرچہ ہر جملہ خبریہ جس میں کسی بات کا ایجاب یا سلب ہو اگرچہ اسے نفیاً واثباتاً کسی طرح عقاید میں دخل نہ ہو، نافی یا مثبت کسی پر اس نفی واثبات کے سبب حکم ضلالت وگمراہی محتمل نہ ہو سب باب عقاید میں داخل ٹھہرے، جس میں احادیث بخاری ومسلم بھی جب تک متواتر نہ ہوں نامقبول ٹھہریں، تو

اولاً سیر ومغازی ومناقب یہ علوم کے علوم سب گاؤ خورد و دریا بُرد ہوجائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان علوم میں صحاح در کنار ضعاف بھی مقبول، سیرت انسان العیون میں ہے:

لایخفی ان السیر تجمع الصحیح والسقیم، والضعیف والبلاغ، والمرسل والمنقطع، والمعضل دون الموضوع، وقد قال الامام	مخفی نہیں کہ کتب سیر، میں موضوع چھوڑ کر صحیح، سقم، ضعیف، بلاغ، مرسل، منقطع، معضل ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں، امام احمد وغیرہ ائمہ نے

[1] مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء

احمد بن حنبل وغیرہ من الائمۃ ، اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذرویناً فی الفضائل ونحوھا تساھلنا[1]۔	فرمایا ہے: جب ہم حلال وحرام یعنی باب احکام میں روایت کرتے ہیں تو شدت برتتے ہیں اور جب باب فضائل وغیرہ میں روایت کرتے ہیں تو نرمی رکھتے ہیں۔ (ت)

اس مبحث کی تفصیل فقیر کی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ملاحظہ ہو، یہیں دیکھیے رثائے مذکور امیر المؤمنین کیا فضائل اعمال سے تھا، وہ بھی باب علم سے ہے۔ جس میں امام خاتم الحفاظ نے بعض علماء کی بے سند حکایت بھی کافی بتائی۔

ثانیاً: علم رجال بھی مردود ہو جائے کہ وہ بھی علم ہے، نہ عمل وفضل، عمل تو غیر قطعیات سب باطل ومہمل۔

ثالثاً: دوتہائی سے زائد بخاری ومسلم کی حدیثیں محض باطل ومردود قرار پائیں۔

رابعاً: عقائد واعمال میں تفرقہ جس پر اجماع ائمہ ہے ضائع جائے، کہ احکام حلالِ وحرام میں کیا اعتقاد، حلت وحرمت نہیں لگا ہوا ہے، اور وہ عمل نہیں بلکہ علم ہے تو کسی شے کے حلال یا حرام سمجھنے کے لیے بخاری ومسلم کی حدیثیں مردود، اور جب حلالِ وحرام کچھ نہ جانیں تو اسے کیوں کریں اس سے کیوں بچیں!

خامساً: بلکہ فضائل اعمال میں بھی احادیث صحیحین کا مردود ہونا لازم۔ حالانکہ ان میں ضعیف حدیثیں بھی یہ سفیہ خود مقبول مانتا ہے، ظاہر ہے کہ اس عمل میں یہ خوبی ہے اس پر یہ ثواب یہ جاننا خود عمل نہیں بلکہ علم ہے اور علم باب عقائد سے ہے اور عقائد میں صحاح ظنیات مردود۔

سادساً: اگلے صاحب نے تو اتنی مہربانی کی تھی کہ حدیث صحیح مرفوع متصل السند مقبول رکھی تھی، انھوں نے بخاری ومسلم بھی مردود کردیں، جب تک قطعیات نہ ہوں کچھ نہ سنیں گے۔

قدم عشق پیشتر بہتر

سابعاً: ختم الٰہی کا ثمرہ دیکھئے، اسی براہین قاطعہ لما امر اللہ بہ ان یوصل میں فضیلت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے اعتقادیات میں داخل کرایا تاکہ صحیحین بخاری ومسلم کی حدیثیں بھی جو وسعت علم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دال ہیں مردود ٹھہریں، اور وہیں وہیں اسی منہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم عظیم کی تنقیص کو محض بے اصل وبے سند حکایت سے سند لایا کہ شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، حالانکہ حضرت شیخ

[1] انسان العیون خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/۳و۴

قدس سرہ، نے اسے ہر گز روایت نہ کیابلکہ اعتراضاً ذکر کرکے صاف فرمادیا تھاکہ ''ایں سخن اصلے نہ دارد و روایت بدان صحیح نشدہ است'' (اس کلام کی کوئی اصل نہیں، اور اس کے بارے میں روایت صحیح نہیں۔ت)

غرض محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ماننے کو توجب تک حدیث قطعی نہ ہو بخاری و مسلم بھی مردود اور معاذاللہ حضور کی تنقیص فضائل کے لیے بے اصل و بے سند و بے سروپا حکایت مقبول و محمود، اور پھر دعوی ایمان وامانت ودین ودیانت بدستور موجود۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ (اسی طرح اللہ ہر متکبر سخت گیر کے دل پر مہر کردیتا ہے۔ت)

بالجملہ یہ مسئلہ نہ باب عقائد سے نہ باب احکامِ حلال وحرام سے۔اسے جتنا ماننا چاہئے کہ اس کے لیے اتنی سندیں کافی ووافی، منکر اگر صرف انکار یقین کرے یعنی اس پر جزم ویقین نہیں تو ٹھیک ہے، اور عامہ مسائل سیر و مغازی واخبار وفضائل ایسے ہی ہوتے ہیں، اس کے باعث وہ مردود نہیں قرار پاسکتے، اور اگر دعوی نفی کرے یعنی کہے مجھے معلوم وثابت ہے کہ روحیں نہیں آتیں تو جھوٹا کذاب ہے، بالفرض اگر ان روایات سے قطع نظر بھی تو غایت یہ کہ عدم ثبوت ہے نہ ثبوت عدم، اور بے دلیل عدم ادعائے عدم محض تحکم وستم، آنے کے بارے تو اتنی کتب علماء کی عبارات اتنی روایات بھی ہیں نفی وانکار کے لیے کون سی روایت ہے؟ کس حدیث میں آیا کہ روحوں کا آنا باطل وغلط ہے؟ تو ادعائے بے دلیل محض باطل وذلیل۔

کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ طرف مقابل پر وایات موجودہ بربنائے ضعف مردود، اور اپنی طرف روایت کا نام ونشان اور ادعائے نفی کا بلند نشان، روحوں کا آنا اگر باب عقائد سے ہے تو نفیاً واثباتاً ہر طرح اسی باب سے ہوگا، اور دعوی نفی کے لیے بھی دلیل قطعی درکار ہوگی، یا مسئلہ ایک طرف سے باب عقائد میں ہے کہ صحاح بھی مردود، اور دوسری طرف سے ضروریات میں ہے کہ اصلاً حاجت دلیل مفقود،

ولکن الوھابیۃ لایعقلون ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔فقط	لیکن وہابیہ بے عقل ہوتے ہیں __ اور برائی سے رکنے، نیکی کے کرنے کی طاقت نہیں مگر بلند عظیم خدا ہی کی طرف سے۔اور خدائے برتر اپنی مخلوق میں سب سے بہتر محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر درود نازل فرمائے۔الٰہی! قبول کر۔اور اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس ذات بزرگ کا علم کامل اور محکم ہے(ت)

مسئلہ ۲۶۱: از کانپور محلّہ مول گنج مرسلہ امام الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مرنے کے بعد میّت کو اپنے عزیزوں سے کس طرح تعلقات رہتے ہیں؟

الجواب:

موت فنائے روح نہیں، بلکہ وہ جسم سے روح کا جدا ہونا ہے، روح ہمیشہ زندہ رہتی ہے، حدیث میں ہے **انما خلقتم للابد** ، تم ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے بنائے گئے، تو جیسے تعلقات حیات دنیوی میں تھے اب بھی رہتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ "ہر جمعہ کو ماں باپ پر اولاد کے ایک ہفتہ کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں، برائیوں پر رنجیدہ ہوتے ہیں، تو اپنے گزرے ہوؤں کو رنجیدہ نہ کرو، اے اللہ کے بندو! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: از لاہور مسجد بیگم شاہی اندرون دروازہ مستی مرسلہ صوفی احمد الدین طالبعلم ۲۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ارواح مومنین کی جگہ کون ہے، کیا جسد کے ساتھ رہتے ہیں یا علیحدہ؟

الجواب:

ارواح مومنین برزخ میں اجسام مثالی ہیں، جیسے شہداء کے لیے **حواصل طیور خضر**[1] رمایا سبز پرندوں کے بھیس میں، اور ان کے مقام حسبِ مراتب مختلف ہیں، قبور پر یا چاہ زمزم میں یا فضائے آسمان میں یا کسی آسمان پر یا عرش کے نیچے نور کی قندیلوں میں، **کما فصلہ الامام السیوطی فی شرح الصدور** (جیسا کہ امام سیوطی نے شرح الصدور میں اسے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۳تا۲۶۸: از کانپور محلّہ مول گنج مرسلہ امام الدین صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) عزیزوں پر جو اثر ہوتا ہے کیا اس کا اثر میّت پر بھی ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) عذاب وثواب کی کیا شکل ہے جبکہ انسان خاک میں مل جاتا ہے اور روح اپنے مقام پر چلی جاتی ہے۔

(۳) روح کا مقام مرنے کے بعد کہاں ہے؟

(۴) خواب میں اپنے کسی مرحوم عزیز کو دیکھتے ہیں کیا اس کا اثر مرحوم پر بھی پڑتا ہے یا نہیں؟

(۵) روح کیا چیز ہے؟ اکثر سنا گیا ہے کہ روح تمام دنیاوی کیفیات کا ادراک ہر وقت بعد موت کرتی ہے۔

(۶) قبر پر کوئی شخص جائے اس کا علم میّت کو ہوتا ہے؟

---

[1] شرح الصدور باب مقر الارواح مطبوعہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۹۶

الجواب:

(۱) عزیزوں کو اگر تکلیف پہنچتی ہے اس کا ملال میّت کو بھی ہوتا ہے، اموات پر رونے کی ممانعت میں فرمایا کہ جب تم روتے ہو مردہ بھی رونے لگتا ہے، تو اسے غمگین نہ کرو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) انسان کبھی خاک نہیں ہوتا بدن خاک ہوجاتا ہے، اور وہ بھی کُل نہیں، کچھ اجزائے اصلیہ دقیقہ جن کو عجب الذنب کہتے ہیں وہ نہ جلتے ہیں نہ گلتے ہیں ہمیشہ باقی رہتے ہیں، انھیں پر روز قیامت ترکیب جسم ہوگی، عذاب وثواب روح وجسم دونوں کے لیے ہے۔ جو فقط روح کے لیے مانتے ہیں گمراہ ہیں، روح بھی باقی اور جسم کے اجزائے اصلی بھی باقی، اور جو خاک ہوگئے وہ بھی فنائے مطلق نہ ہوئے، بلکہ تفرق اتصال ہوا اور تغیر ہیأت۔ پھر استحالہ کیا ہے۔ حدیث میں روح وجسم دونوں کے معذب ہونے کی یہ مثال ارشاد فرمائی کہ ایک باغ ہے اس کے پھل کھانے کی ممانعت ہے۔ ایک لنجھا ہے کہ پاؤں نہیں رکھتا اور آنکھیں ہیں وہ اس باغ کے باہر پڑا ہوا ہے، پھلوں کو دیکھتا ہے مگر ان تک جا نہیں سکتا، اتنے میں ایک اندھا آیا اس لنجھے نے اس سے کہا: تو مجھے اپنی گردن پر بٹھا کرلے چل، میں تجھے رستہ بتاؤں گا، اس باغ کا میوہ ہم تم دونوں کھائیں گے، یوں وہ اندھا اس لنجھے کو لے گیا اور میوے کھائے دونوں میں کون سزا کا مستحق ہے؟ دونوں ہی مستحق ہیں، اندھا اسے نہ لے جاتا تو وہ نہ جاسکتا، اور لنجھا اسے نہ بتاتا تو وہ نہ دیکھ سکتا، وہ لنجھا روح ہے کہ ادراک رکھتی ہے اور افعال جوارح نہیں کرسکتی۔ اور وہ اندھا بدن ہے کہ افعال کرسکتا ہے اور ادراک نہیں رکھتا۔ دونوں کے اجتماع سے معصیت ہوئی دونوں ہی مستحقِ سزا ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) روح کا مقام بعد موت حسب مراتب مختلف ہے۔ مسلمانوں میں بعض کی روحیں قبر پر رہتی ہیں اور بعض کی چاہِ زمزم میں اور بعض کی آسمان وزمین کے درمیان، اور بعض آسمانِ اول دوم ہفتم تک، اور بعض اعلٰی علیین میں، اور بعض سبز پرندوں کی شکلیں میں زیر عرش نور کی قندیلوں میں، کفار میں بعض کی روحیں چاہ وادی برہوت میں، بعض کی زمین دوم سوم ہفتم تک، بعض سجین میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) کبھی پڑتا ہے کبھی نہیں، دونوں قسم کے خواب شرح الصدور میں مذکور ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) روح میرے رب کے حکم سے ایک شے ہے اور تمھیں علم نہ دیا گیا مگر تھوڑا، روح کے ادراکات علم وسمع وبصر باقی رہتے، بلکہ پہلے سے بھی زائد ہوجاتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) قبر پر آنے والے کو میّت دیکھتا ہے۔ اس کی بات سنتا ہے۔ اگر زندگی میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا ہے اگر اس کا عزیز یا دوست ہے تو اس کے آنے سے انس حاصل کرتا ہے: یہ سب باتیں احادیث،

اقوال ائمہ میں مصرح اور اہلسنت کا اعتقاد ہیں، ان کی تفصیل ہماری کتاب ''حیات الموات فی بیان سماع الاموات'' میں دیکھیں۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: ۱۶ جمادی الآخری ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو جمعرات کو انتقال کرے اس پر عذاب قبر ہر جمعرات کو یا دائمی معاف ہے یا نہیں؟

الجواب:

جمعرات کے لیے کوئی حکم نہیں آیا۔ شب جمعہ اور رمضان مبارک میں ہر روز کے واسطے یہ حکم ہے کہ جو مسلمان ان میں مرے گا سوال نکیرین وعذابِ کرم سے محفوظ رہے گا **واللہ اکرم ان یعفو من شیئ ثم یعود فیہ اللہ** اس سے زیادہ کریم ہے کہ ایک شے کو معاف فرما کر پھر اس پر مواخذہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** اصل لفظ قبر ہے

مسئلہ ۲۶۵: از عبداللہ صاحب محلہ بہاری پور شہر بریلی ۱۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے آج یہ بیان کیا کہ ایک نام کے دو آدمی ہوں تو ایسا ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کے کہ جس کی قضا آئی ہو دوسرے آدمی کی روح قبض کر لیتے ہیں فرشتے، اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ وقوعہ میرے روبرو کا ہے کہ ایک کی جان قبض کر لی گئی اور چند منٹوں کے بعد وہ زندہ ہو گیا اور اس نام کا اس محلّہ کے قریب ایک شخص تھا وہ مر گیا۔ جو شخص اول مر گیا تھا جب اس سے حال دریافت کیا تو اس نے بہت کچھ قصہ بیان کیا۔ اس کے بارے میں کیا حکم صادر فرماتے ہیں۔ زیادہ حدِ ادب

الجواب:

یہ محض غلط ہے، اللہ کے فرشتے اس کے حکم میں غلطی نہیں کرتے **قال اللہ تعالٰی وَیَفۡعَلُوۡنَ مَایُؤۡمَرُوۡنَ**[1] فرشتے وہ کرتے ہیں جو انھیں حکم ہوتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۵۰/۱۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
جَلِیُّ الصَّوْتِ لِنَھْیِ الدَّعْوَۃِ اَمَامَ مَوْت ۱۳۰۹ھ
(کسی موت پر دعوت کی ممانعت کا واضح اعلان)

مسئلہ ۲۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر بلاد ہندیہ میں رسم ہے کہ میّت کے روز وفات سے اس کے اعزہ واقارب واحباب کی عورات اس کے یہاں جمع ہوتی ہیں، اس اہتمام کے ساتھ جو شادیوں میں کیا جاتا ہے۔ پھر کچھ دوسرے دن اکثر تیسرے دن واپس آتی ہیں، بعض چالیس دن تک بیٹھتی ہیں، اس مدت اقامت میں عورات کے کھانے پینے، پان چھالیا کا اہتمام اہل میّت کرتے ہیں جس کے باعث ایک صرف کثیر کے زیر بار ہوتے ہیں، اگر اس وقت ان کا ہاتھ خالی ہو تو اس ضرورت سے قرض لیتے ہیں، یوں نہ ملے تو سودی نکلواتے ہیں، اگر نہ کریں تو مطعون وبدنام ہوتے ہیں، یہ شرعًا جائز ہے کیا؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد اللہ الذی ارسل نبینا الرحیم الغفور بالرفق والتیسیر واعدل الامور فسن الدعوۃ عند السرور دون الشرور صلی اللہ	سب خوبیاں اللہ کے لیے جس نے ہمارے رحم کرنے بخشنے والے نبی کو نرمی وآسانی کے ساتھ بھیجا اور کاموں میں اعتدال رکھا، تو دعوت کا طریقہ سرور کے

تعالٰی علیه وسلم وبارك علیه وعلٰی اٰله الکرام وصحبه الصدور۔	وقت رکھا نہ کہ شرور کے وقت، خدائے تعالٰی ان پر ان کی معزز آل، اور مقدم اصحاب پر درود سلام اور برکت نازل فرمائے۔ (ت)

سبحان اللہ! اے مسلمان! یہ پوچھتا ہے جائز ہے یا کیا؟ یوں پوچھو کہ یہ ناپاک رسم کتنے قبیح اور شدید گناہوں سخت و شنیع خرابیوں پر مشتمل ہے۔ **اولاً** یہ دعوت خود ناجائز وبدعت شنیعہ قبیحہ ہے۔ امام احمد اپنے مسند اور ابن ماجہ سنن میں بہ سند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ بجلی سے راوی:

کنا نعد الاجتماع الی اھل المیّت وصنعة الطعام من النیاحة[1]۔	ہم گروہِ صحابہ اہل میّت کے یہاں جمع ہونے اور ان کے کھانا تیار کرانے کو مردے کی نیاحت سے شمار کرتے تھے۔

جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں ناطق۔ امام محقق علی الاطلاق[۱] فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیّت لانه شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعة مستقبحة[2]۔	اہل میّت کی طرف سے کھانے کی ضیافت تیار کرنی منع ہے کہ شرع نے ضیافت خوشی میں رکھی ہے نہ کہ غمی میں۔ اور یہ بدعت شنیعہ ہے۔

اسی طرح علامہ حسن شرنبلالی نے[۲] مراقی الفلاح میں فرمایا:

ولفظه یکرہ الضیافة من اھل المیّت لانھا شرعت فی السرور لافی شرور وھی بدعة مستقبحة[3]۔	میّت والوں کی جانب سے ضیافت منع ہے اس لیے کہ اسے شریعت نے خوشی میں رکھا ہے نہ کہ غمی میں اور یہ بری بدعت ہے۔ (ت)

[۳] فتاوٰی خلاصہ و[۴] فتاوٰی سراجیہ و[۵] فتاوٰی ظہیریہ و[۶] فتاوٰی تاتارخانیہ اور ظہیریہ سے[۷] خزانۃ المفتین وکتاب الکراہیۃ اور تاتارخانیہ سے[۸] فتاوٰی ہندیہ میں بالفاظ متقاربہ ہے:

والفظ للسراجیة لایباح اتخاذ الضیافة عند	سراجیہ کے الفاظ ہیں کہ غمی میں یہ تیسرے دن کی دعوت

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۴، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النہی عن الاجتماع الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۷

[2] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

[3] مراقی الفلاح علٰی ہامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

ثلثة ایام فی المصیبة [1] اھ زاد فی الخلاصه لان الضیافة تتخذ عند السرور [2]۔	جائز نہیں، اھ خلاصہ میں یہ اضافہ کیا کہ دعوت تو خوشی میں ہوتی ہے (ت)

فتاوٰی ۹ امام قاضی خاں کتاب الحظ والاباحۃ میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافة فی ایام المصیبة لانھا ایام تاسف فلا یلیق بھا مایکون للسرور [3]۔	غمی میں ضیافت ممنوع ہے کہ یہ افسوس کے دن ہیں تو جو خوشی میں ہوتا ہے ان کے لائق نہیں۔

۱۰ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

لاباس بالجلوس للمصیبة الی ثلث من غیر ارتکاب محظور من فرش البسط والاطعمة من اھل المیّت [4]۔	مصیبت کے لیے تین دن تک بیٹھنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ جیسے مکلّف فرش بچھانے اور میّت والوں کی طرف سے کھانے۔

۱۱ امام بزازی وجیز میں فرماتے ہیں:

یکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث و بعد الاسبوع [5]۔	یعنی میّت کے پہلے یا تیسرے دن یا ہفتہ کے بعد جو کھانے تیار کرائے جاتے ہیں سب مکروہ وممنوع ہیں۔

۱۲ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

اطال ذلك فی المعراج وقال وھذہ الافعال کلھا للسمعة والریاء فیتحرز عنھا [6]۔	یعنی ۱۳ معراج الدرایہ شرح ہدایہ نے اس مسئلہ میں بہت طویل کلام کیا اور فرمایا: یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔

۱۴ جامع الرموز آخر الکراھیۃ میں ہے:

یکرہ الجلوس للمصیبة ثلثة ایام اواقل فی	یعنی تین دن یا کم تعزیت لینے کے لیے مسجد میں بیٹھنا منع

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراہیۃ باب الولیمہ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۷۵
[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراہیۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳۴۲/۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراہیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۷۸۱/۴
[4] تبیین الحقائق فصل فی تعزیۃ اہل البیت مطبعہ کبرٰی امیریہ مصر ۲۴۶/۱
[5] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ الخامس والعشرون فی الجنائز نورانی کتب خانہ پشاور ۸۱/۴
[6] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطلب فی کراہیۃ الضیافۃ الخ ادارۃ الطباعۃ المصریہ مصر ۲۰۳/۱

المسجد ویکرہ اتخاذ الضیافۃ فی ھذہ الایام وکذا اکلھا کمافی خیرۃ الفتاوی [1]۔	ہے اور ان دنوں میں ضیافت بھی ممنوع اور اس کا کھانا بھی منع ہے، جیسا کہ ۱۵ خیرۃ الفتاوی میں ت۔صرح کی۔

اور ۱۶ فتاوٰی انقروی اور ۱۷ واقعات المفتین میں ہے:

یکرہ اتخاذ الضیافۃ ثلاثۃ ایام واکلھا لانھا مشروعۃ للسرور [2]	تین دن ضیافت اور اس کا کھانا مکروہ ہے کہ دعوت تو خوشی میں مشروع ہوئی ہے۔

۱۸ کشف الغطاء میں ہے:

ضیافت نمودن اہل میّت اہل تعزیت راوپختن طعام برائے آنہا مکروہ ست۔ باتفاق روایات چہ ایشاں رابہ سبب اشتغال بمصیبت استعداد وتہیہ آن دشوار است [3]۔	تعزیت کرنے والوں کے لیے اہل میّت کا ضیافت کرنا اور کھانا پکانا باتفاق روایات مکروہ ہے اس لیے کہ مصیبت میں مشغولی کی وجہ سے اس کا اہتمام ان کے لیے دشوار ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

پس انچہ متعارف شدہ از پختن اہل مصیبت طعام را درسوم وقسمت نمودن آن میان اہل تعزیت واقران غیر مباح ونامشروع است وتصریح کردہ بداں در خزانہ چہ شرعیت ضیافت نزد سرور ست نہ نزد شرور وھو المشھور عند الجمھور [4]۔	تو یہ رواج پڑگیا ہے کہ تیسرے دن اہل میّت کا کھانا پکاتے ہیں اور اہل تعزیت اور دوستوں کو بانٹتے کھلاتے ہیں ناجائز وممنوع ہے۔ خزانہ میں اس کی تصریح ہے اس لیے کہ شرع میں ضیافت خوشی کے وقت رکھی گئی ہے مصیبت کے وقت نہیں اور یہی جمہور کے نزدیک مشہور ہے۔ (ت)

ثانیًا غالبًا ورثہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا ہے۔ یا اور ورثہ موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ	بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں بلاشبہہ وہ اپنے پیٹوں میں انگارے بھرتے ہیں، اور قریب ہے

[1] جامع الرموز کتاب الکراہیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۳۲۸
[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکراہیۃ والاستحسان دارالاشاعت العربیۃ قندھار ۱/۳۰
[3] کشف الغطاء فصل نہم تعزیت ص ۷۴
[4] کشف الغطاء فصل نہم تعزیت ص ۷۴

سَعِيْرًا ۝[1]۔	کہ جہنم کے گہراؤمیں جائیں گے۔

مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے، قال تعالٰی: لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ[2] (اپنے مال آپس میں ناحق نہ کھاؤ۔ت) خصوصًا نابالغ کا مال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے ہے نہ اس کے باپ نہ اسے کے وصی کو لان الولایۃ للنظر لاللضرر علی الخصوص (اس لیے کہ ولایت فائدے میں نظر کے لیے ہے نہ کہ معین طور پر ضرر کے لیے۔ت) اور اگر ان میں کوئی یتیم ہوا تو آفت سخت تر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں توحرج نہیں بلکہ خوب ہے۔ بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں، توسب وارث موجود و بالغ وراضی ہوں، خانیہ وبزازیہ وتتارخانیہ وہندیہ میں ہے:

ان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا اذاکانت الورثۃ بالغین وان کان فی الورثہ صغیر لم یتخذوا ذلك من الترکۃ[3]۔	اگر فقراء کے لیے کھانا پکوائے تواچھا ہے جب کہ سب ورثہ بالغ ہوں، اور اگر کوئی وارث نابالغ ہو تو یہ ترکہ سے نہ کریں۔(ت)

نیز فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ان اتخذ ولی المیّت طعاما للفقراء کان حسنا الاان یکون فی الورثۃ صغیر فلا یتخذ ذلك من الترکۃ[4]۔	ولی میّت اگر فقراء کے لیے کھانا تیار کرائے تو اچھا ہے۔ لیکن ورثہ میں اگر کوئی نابالغ ہو توترکہ سے یہ کام نہ کرے۔(ت)

ثالثًا یہ عورتیں کہ جمع ہوتی ہیں افعالِ منکرہ کرتی ہیں، مثلاً چلّا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا، الٰی غیر ذلک، اور یہ سب نیاحت ہے اور نیاحت حرام ہے، ایسے مجمع کے لیے میّت کے عزیزوں اور دوستوں کو بھی جائز نہیں کہ کھانا بھیجیں کہ گناہ کی امداد ہوگی، قال تعالٰی: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[5] (گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ت) نہ کہ اہل میّت کا اہتمام طعام کرنا کہ سرے سے ناجائز ہے، تواس

---

[1] القرآن ۴/۱۰

[2] القرآن ۲/۱۸۸

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۴

[4] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/۷۸۱

[5] القرآن ۵/۲

ناجائز مجمع کے لئے ناجائز تر ہوگا، کشف الغطاء میں ہے:

ساختن طعام در روز ثانی وثالث برائے اہل میّت اگر نوحہ گراں جمع باشند است زیراکہ اعانت است ایشاں رابر گناہ [1] ۔	اگر نوحہ کرنے والیاں جمع ہوں تواہل میّت کے لیے دوسرے تیسرے دن کھانا پکوانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں گناہ پر اعانت ہے۔ (ت)

رابعًا اکثر لوگوں کواس رسم شنیع کے باعث اپنی طاقت سے زیادہ ضیافت کرنی پڑتی ہے، یہاں تک کہ میّت والے بیچارے اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہوتے ہیں کہ اس میلے کے لیے کھانا، پان چھالیا کہاں سے لائیں اور بارہا ضرورت قرض لینے کی پڑتی ہے۔ ایسا تکلف شرع کو کسی امر مباح کے لیے بھی زنہار پسند نہیں، نہ کہ ایک رسم ممنوع کے لیے، پھراس کے باعث جو دقتیں پڑتی ہیں خود ظاہر ہیں پھر اگر قرض سودی ملا تو حرام خالص ہوگیا، اور معاذ اللہ لعنت الٰہی سے پورا حصہ ملے کہ بے ضرورت شرعیہ سود دینا بھی سود لینے کے باعث لعنت ہے، جیساکہ صحیح حدیث میں فرمایا۔ غرض اس رسم کی شناعت وممانعت میں شک نہیں، اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ قطعًا ایسی رسوم شنیعہ جن سے ان کے دین ودنیا کا ضرر ہے ترک کردیں، اور طعن بیہودہ کالحاظ نہ کریں، **واللہ الھادی**۔

تنبیہ: اگرچہ صرف ایک دن یعنی پہلے ہی روز عزیزوں کو ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میّت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور باصرار انھیں کھلائیں، مگر یہ کھانا صرف اہل میّت ہی کے قابل ہونا سنت ہے۔ اس میلے کے لیے بھیجنے کا ہرگز حکم نہیں اور ان کے لیے بھی فقط روز اول کا حکم ہے آگے نہیں، کشف الغطاء میں ہے:

مستحب است خویشاں وہمسایہائے میّت راکہ اطعام کنند طعام رابرائے اہل وے کہ سیر کند ایشاں رایک شبانہ روز والحاح کنند تابخورند ودرخوردن غیر اہل میّت ایں طعام رامشہور آنست کہ مکروہ است [2] اھ ملخصًا	میّت کے عزیزوں، ہمسایوں کے لیے مستحب ہے کہ اہل میّت کے لیے اتنا کھانا پکوائیں جسے ایک دن رات وہ سیر ہو کر کھا سکیں، اور اصرار کرکے کھلائیں، غیر اہل میّت کے لیے یہ کھانا قول مشہور کی بنیاد پر مکروہ ہے اھ ملخصا! (ت)

عالمگیری میں ہے:

حمل الطعام الی صاحب المصیبة والاکل	اہل میّت کے یہاں پہلے دن کھانا لے جانا اور ان کے

---

[1] کشف الغطاء فصل نہم تعزیت ص ۷۴

[2] کشف الغطاء فصل نہم تعزیت ص ۷۴

معهم فی الیوم الاول جائز لشغلهم بالجهاز وبعده یکره کذافی التتار خانیة [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ساتھ کھانا جائز ہے کیونکہ وہ جنازے میں مشغول رہتے ہیں اور اس کے بعد مکروہ ہے۔ ایسا ہی تتارخانیہ میں ہے: واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۷تا۲۶۸: از ایرایاں محلّہ سادات ضلع فتحپور مسؤلہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) سوم ودہم وچہلم میّت کے لیے کھانا جو پکتا ہے اس کو برادری کو کھلائے اور خود جاکر کھائے تو جائز ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ تین روز کے اندر میّت کے گھر کانہ کھائے بعد کو جائز ہے۔ یہ تفریق صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو وجہ مابہ الفرق ارشاد ہو۔

(۲) مقولہ طعام المیّت یمیت القلب (طعام میّت دل کو مردہ کردیتا ہے۔ت) مستند قول ہے۔ اگر مستند ہے تو اس کے کیا معنٰی ہیں؟

الجواب

(۱) سوم، دہم وچہلم وغیرہ کا کھانا مساکین کو دیا جائے۔ برادری کو تقسیم یا برادری کے جمع کرکے کھلانا بے معنی ہے۔ کما فی مجمع البرکات (جیسا کہ مجمع البرکات میں ہے۔ت) موت میں دعوت ناجائز ہے۔ فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

انها بدعة مستقبحة لانها شرعت فی السرور لافی الشرور [2]۔	وہ بری بدعت ہے کیونکہ دعوت کو شریعت نے خوشی میں رکھا ہے، غمی میں نہیں۔ (ت)

تین دن تک اس کا معمول ہے۔ لہٰذا ممنوع ہے۔ اس کے بعد بھی موت کی نیت سے اگر دعوت کرے گا ممنوع ہے۔

(۲) یہ تجربہ کی بات ہے اور اس کے معنٰی یہ ہیں کہ جو طعام میّت کے متمنی رہتے ہیں ان کا دل مر جاتا ہے۔ ذکر وطاعت الٰہی کے لیے حیات وچستی اس میں نہیں رہتی کہ وہ اپنے پیٹ کے لقمہ کے لیے موت مسلمین کے منتظر رہتے ہیں اور کھانا کھاتے وقت موت سے غافل اور اس کی لذت میں شاغل۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الہدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۴۴

[2] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۰۲، مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۹

مسئلہ ۲۶۹: از کلی ناگر۔ پرگنہ پورن پور، ضلع پیلی بھیت، مکان علن خاں نمبردار، مرسلہ اکبر علی شاہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مرے اور اس کے گھر والے چہلم کا کھانا پکائیں اور جو برادر یا غیر ہوں ان سے کہیں کہ تمھاری دعوت ہے تو وہ دعوت قبول کی جائے یا نہیں؟ اور کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ہدایۃ الحق والصواب۔ عرف پر نظر شاہد کہ چہلم وغیرہ کے کھانے پکانے سے لوگوں کا اصل مقصود میّت کو ثواب پہنچانا ہوتا ہے، اسی غرض سے یہ فعل کرتے ہیں، ولہٰذا اسے فاتحہ کا کھانا چہلم کی فاتحہ وغیرہ کہتے ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:

وارد ست کہ مردہ دریں حالت مانند غریقے است کہ انتظار فریادرسی مے بردو صدقات وادعیہ وفاتحہ درین وقت بسیار بکار اومی آید ازیں ست کہ طوائف بنی آدم تایک سال وعلی الخصوص تایک چلہ بعد موت درین نوع امداد کوشش تمام می نمایند۔[1]	وارد ہے کہ مردہ اس حالت میں کسی ڈوبنے والے کی طرح فریادرسی کا منتظر ہوتا ہے اور اس وقت میں صدقے، دعائیں اور فاتحہ اسے بہت کام آتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ لوگ مرنے سے ایک سال تک خصوصًا چالیس دن تک اس طرح مدد پہنچانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں (ت)

اور شک نہیں کہ اس نیت سے جو کھانا پکایا جائے مستحسن ہے اور عندالتحقیق صرف فقراء ہی پر تصدق میں ثواب نہیں بلکہ اغنیاء پر بھی مورث ثواب ہے، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **فی کل ذات کبد رطبۃ اجر**[2] ہر گرم جگر میں ثواب ہے، یعنی زندہ کو کھانا کھلائے گا، پانی پلائے گا ثواب پائے گا۔ **اخرجہ البخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ واحمد عن عبداللہ بن عمرو وابن ماجۃ عن سراقۃ بن مالك رضی اللہ عنھم** (اسے بخاری ومسلم نے حضرت ابوہریرہ سے، امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے، اور ابن ماجہ نے حضرت سراقہ بن مالک سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ ت) حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فیما یاکل ابن آدم اجر وفیما یاکل	جو کچھ آدمی کھاجائے اس میں ثواب ہے اور جو

[1] تفسیر عزیزی زیر آیۃ والقمر اذا تسق الخ مسلم بک ڈپو۔ لال کنواں دہلی ص ۶۰۲
[2] سنن ابن ماجہ باب فضل صدقۃ الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۰

السبع اوالطیر اجر [1]۔ رواہ الحاکم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما وصحح سندہ۔	درندہ کھا جائے اس میں ثواب ہے جو پرند کو پہنچے اس میں ثواب ہے (حاکم نے اسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیااور اس کی سند کو صحیح کہا۔ت)

بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مااطعمت زوجك فهو لك صدقة ومااطعمت ولدك فهو لك صدقة ومااطعمت خادمك فهو لك صدقة وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة۔ [2] اخرجه الامام احمد والطبرانی فی الكبير بسند صحيح عن المقدام بن معدی كرب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کچھ تو اپنی عورت کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو اپنے بچوں کو کھلائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے اور جو کچھ تو خود کھائے وہ تیرے لیے صدقہ ہے (اسے امام احمد نے مسند میں اور طبرانی نے کبیر میں بسند صحیح حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

صرح فی الذخیرة فیها ولو علی غنی لان المقصود فیها الفقیر [3]۔	ذخیرہ میں صراحت ہے کہ غنی پر صدقہ کرنا ایک طرح کی قربت ہے جس کا درجہ فقیر پر تصدق کی قربت سے کم ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الصدقة لا رجوع فیها ولو علی غنی لان المقصود فیها الثواب [4]۔	صدقہ سے رجوع نہیں ہوسکتا اگرچہ غنی پر ہو اس لیے کہ اس کا مقصود ثواب ہوتا ہے۔(ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہ میں ہے ___ مجمع بحارالانوار میں توسط شرح سنن ابی داؤد سے ہے:

الصدقة ماتصدقت به علی الفقراء ای غالب	صدقہ وہ ہے جو تم فقراء پر تصدق کرو، یعنی صدقہ کی

[1] مستدرک علی الصحیحین کتاب الاطعمہ دارالفکر بیروت ۱۳۳/۴

[2] المعجم الکبیر مروی از مقدام بن معدی کرب حدیث ۶۳۴ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۶۸/۲۰، مسند احمد بن حنبل حدیث المقدام بن معدیکرب دارالفکر بیروت ۱۳۱/۴

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۵۷/۳

[4] درمختار فصل فی مسائل متفرقہ من کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۶/۲

انواعها کذلك فانها علی الغنی جائزة عندنا یثاب به بلاخلاف [1]۔	اکثر قسمیں فقراء ہی پر ہوتی ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک غنی پر بھی صدقہ جائز ہے بلاخلاف اس پر وہ مستحق ثواب ہے۔ (ت)

اور مدار کار نیت پر ہے انما الاعمال بالنیات۔ تو جو کھانا فاتحہ کے لیے پکایا گیا ہے بلاتے وقت اسے بلفظ دعوت تعبیر کرنا اس نیت کو باطل نہ کرے گا، جیسے کسی نے اپنے محتاج بھائی بھتیجوں کو عید کے کچھ روپیہ دل میں زکوٰۃ کی نیت اور زبان سے عیدی کا نام لے کر کے دئے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، عیدی کہنے سے وہ نیت باطل نہ ہوگی کما نصوا علیه فی عامة الکتب (جیسا کہ عامہ کتب میں علماء نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ ت) معہذا اپنے قریبوں عزیزوں کے مواسات بھی صلہ رحم وموجب ثواب ہے، اگرچہ وہ اغنیاء ہوں وقد عرف ذلك فی الشرع بحیث لا یخفی الاعلی جاهل (جیسا کہ شریعت میں یہ ایسا معروف ہے کہ کسی جاہل ہی سے مخفی ہوگا۔ ت) اور آدمی جس امر پر خود ثواب پائے وہ فعل کوئی فعل ہو اس کا ثواب میّت کو پہنچا سکتا ہے۔ کچھ خاص تصدق ہی کی تخصیص نہیں، کما تبین ذلك فی کتب اصحابنا رحمهم الله تعالٰی (جیسا کہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کی کتابوں میں یہ روشن ہو چکا ہے۔ ت) امام عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

الاصل ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلٰوۃ اوصومًا اوصدقة اوغیرها ش کالحج وقراءۃ القراٰن والاذکار وزیارۃ قبور الانبیاء والشهداء والاولیاء والصالحین وتکفین الموتی وجمیع انواع البر والعبادۃ کالزکٰوۃ والصدقة والعشور والکفارات ونحوها اوبدنیة کالصوم والصّلٰوۃو الاعتکاف وقراءۃ القراٰن و الذکر والدعاء اومرکبة منها کالحج والجهاد وفی البدائع جعل الجهاد من البدنیات وفی المبسوط جعل المال فی الحج	اصل یہ ہے کہ انسان اپنے کسی عمل کا ثواب دوسرے کے لیے کر سکتا ہے، نماز ہو یا روزہ یا صدقہ یا اس کے علاوہ، ہدایہ۔ جیسے حج تلاوتِ قرآن، اذکار، انبیاء، شہداء، اولیاء اور صالحین کے مزارات کی زیارت، مُردے کو کفن دینا، اور نیکی وعبادت کی تمام قسمیں جیسے زکوٰۃ، صدقہ، عشر، کفارہ اور ان کے مثل مالی عبادتیں، یا بدنی جیسے روزہ، نماز اعتکاف، تلاوت قرآن، ذکر، دعا یا دونوں سے مرکب جیسے حج اور جہاد ____ اور بدائع میں جہاد کو بدنی عبادتوں سے شمار کیا ہے اور مبسوط میں مال کو حج کے وجوب کی شرط بتایا ہے تو حج مالی وبدنی سے مرکب نہیں بلکہ

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ صدق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۸

شرط الوجوب فلم یکن الحج مرکبا قیل ھو اقرب الی الصواب ولھذا لایشترط المال فی حق المکی اذا قدر علی المشی الی عرفات فاذا جعل شخص ثواب ماعملہ من ذلك الیٰ اخر یصل الیہ وینتفع بہ حیا کان المھدی الیہ او میتا [1] اھ ونقلنا عبارۃ الشرح بطولھا للمافیھا من ا لفوائد۔	صرف بدنی عبادت ہوا۔ کہا گیا یہ درستی سے زیادہ قریب ہے۔ اسی لیے مکی کے حق میں مال کی شرط نہیں جبکہ وہ عرفات تک پیادہ جانے پر قادر ہو، تو جب مذکورہ عبادات میں سے اپنی ادا کی ہوئی کسی عبادت کا ثواب کوئی شخص دوسرے کے لیے کردے تو وہ اسے پہنچے گا اور اس سے اس کو فائدہ ملے گا۔ جسے ہدیہ کیا ہے وہ زندہ ہو یا وفات پاچکا ہو اھ بنایہ۔ ہم نے شرح کی یہ طویل عبارت اس لیے نقل کردی کہ اس میں متعدد فوائد ہیں۔ (ت)

یوں بھی اس نیت محمود میں کچھ خلل نہیں اگرچہ افضل وہی تھا کہ صرف فقراء پر تصدق کرتے کہ جب مقصود ایصال ثواب تو وہی کام مناسب تر جس میں ثواب اکثر و وافر، پھر بھی اصل مقصود مفقود نہیں، جبکہ نیت ثواب پہنچانا ہے۔ہاں جسے یہ مقصود ہی نہ ہو بلکہ دعوت و مہمان داری کی نیت سے پکائے، جیسے شادیوں کا کھانا پکاتے ہیں تو اسے بے شک ثواب سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ایسی دعوت شرع میں پسند نہ اس کا قبول کرنا چاہئے کہ ایسی دعوتوں کا محل شادیاں ہیں نہ کہ غمی۔ ولہذا علماء فرماتے ہیں کہ یہ بدعت سیئہ ہے، جس طرح میّت کے یہاں روز موت سے عورتیں جمع ہوتی ہیں اور ان کے کھانے دانے، پان چھالیا کا اہتمام میّت والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ وہ کھانا فاتحہ وایصال ثواب کا نہیں ہوتا بلکہ وہی دعوت و مہمان داری ہے کہ غمی میں جس کی اجازت نہیں، کما بیناہ ذلك فی فتاوٰنا (جیسا کہ اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت)

یوں ہی چہلم یا برسی یا ششماہی پر کھانا بے نیت ایصال ثواب محض ایک رسمی طور پر پکاتے اور شادیوں کی بھاجی کی طرح برادری میں بانٹتے ہیں،۔ وہ بھی بے اصل ہے، جس سے احتراز چاہئے، ایسے ہی کھانے کو شیخ محقق مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مجمع البرکات میں فرماتے ہیں:

آنچہ بعد از سالے یا ششماہی یا چہل روز درین دیار پزند درمیان برادران بخشش کنند چیزے داخل اعتبار نیست بہتر آنست کہ نخورند [2] اھ۔ ھکذا نقل عنہ	وہ جو اس دیار میں ایک سال یا چھ ماہ پر پکاتے اور برادری میں بانٹتے ہیں کوئی معتبر چیز نہیں، بہتر یہ ہے کہ نہ کھائیں اھ ____ اسی طرح ان سے شیخ الاسلام

[1] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الحج عن الغیر المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱۶۱۱/۲
[2] مجمع البرکات

شیخ الاسلام فی کشف الغطاء۔	نے کشف الغطاء میں نقل کیا ہے (ت)

خصوصًا جب اس کے ساتھ ریاء وتفاخر مقصود ہو کہ جب تو اس فعل کی حرمت میں اصلًا کلام نہیں۔ اور حدیث صحیح میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن طعام المتباریین ان یوکل [1] اخرجہ ابوداؤد والحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔ قال المناوی ای المتعارضین بالضیافۃ فخرا و ریاء لانہ للریاء لاللہ [2]۔	یعنی جو کھانے تفاخر و ریاء کے لیے پکائے جاتے ہیں ان کے کھانے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ (اسے ابوداؤد اور حاکم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نقل کیاہے۔ ت) امام مناوی نے کہا یعنی ضیافت کے ذریعہ ناموری اور دکھاوا مقصود ہو تو یہ اللہ تعالٰی کے لیے نہیں دکھاوے کے لیے ہے۔ (ت)

مگر بے دلیل واضح کسی مسلمان کا یہ سمجھ لینا کہ یہ کام اس نے تفاخر و ناموری کے لیے کیا ہے جائز نہیں کہ قلب کا حال اللہ تعالٰی جانتا ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔

ھذا ھو بحمد اللہ القول الوسط لاوکس فیہ ولاشطط وان خالف من فرط فی الباب و افرط، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔	یہ بحمد اللہ درمیانی قول ہے جس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی۔ اگرچہ اس باب میں تفریط اورافراط کرنے والوں کے خلاف ہو۔ اور خدائے پاک وبرتر خوب جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۷۰: ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کے گھر کا کھانا، جو اہل میّت سوم تک بطور مہمانی کے پکاتے ہیں اور سوم کے چنوں بتاشوں کا لینا کیساہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

میّت کے گھر کا وہ کھانا تو البتہ بلاشبہہ ناجائز ہے جیسا کہ فقیر نے اپنے فتوے میں مفصلًا بیان کیا، اور سوم کے چنے بتاشے کہ بغرض مہمانی نہیں منگائے جاتے بلکہ ثواب پہنچانے کے قصد سے ہوتے ہیں، یہ اس حکم میں داخل نہیں، نہ میرے اس فتوے میں ان کی نسبت کچھ ذکر ہے۔ یہ اگر مالک نے صرف محتاجوں کے دینے کے لیے منگائے اور یہی اس کی نیت ہے تو غنی کو ان کا بھی لینا ناجائز، اور اگر اس نے حاضرین پر تقسیم کے لیے منگائے تو اگر غنی بھی لے لے گا تو گنہگار نہ ہوگا، اور یہاں بحکم عرف ورواج عام حکم یہی ہے کہ وہ خاص مساکین کے لیے نہیں ہوتے

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الاطعمۃ دارالفکر بیروت ۱۲۹/۴

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر زیر حدیث مذکور ۹۴۹۱ دارالمعرفۃ بیروت ۳۳۵/۶، التیسیر شرح الجامع الصغیر زیر حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۴۷۴/۲

تو غنی کو بھی لینا جائز نہیں، اگرچہ احتراز زیادہ پسندیدہ۔ اور اسی پر ہمیشہ سے اس فقیر کا عمل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۱ : ۴ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی موت اپنی حیات میں کردی ہے تو اس صورت میں ہندہ کو کب تک دوسرے کے یہاں کی میّت کا کھانا نہیں چاہئے، اور اگر ہندہ کے گھر میں کوئی مرجائے تو اس کا بھی کھانا جائز ہے اور کب تک یعنی برسی تک یا چالیس دن تک۔ اور اگر ہندہ نے شروع سے جمعرات کی فاتحہ نہ دلائی ہو تو چالیس دن کے بعد سات جمعرات کی فاتحہ دلانا چاہئے، ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

میّت کے یہاں جو لوگ جمع ہوتے ہیں اور ان کی دعوت کی جاتی ہے اس کھانے کی تو ہر طرح ممانعت ہے، اور بغیر دعوت کے جمعراتوں، چالیسویں، چھ ماہی، برسی میں جو بھاجی کی طرح اغنیاء کو بانٹا جاتا ہے وہ بھی اگرچہ بے معنی ہے مگر اس کا کھانا منع نہیں، بہتر یہ ہے کہ غنی نہ کھائے اور فقیر کو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ وہی اس کے مستحق ہیں، اور ان سب احکام میں وہ جس نے اپنی موت اپنی حیات میں کردی اور جس نے نہ کی سب برابر ہیں، اور اپنی یہاں موت ہوجائے تو اپنا کھانا کھانے کی کسی کو ممانعت نہیں اور چالیس دن کے بعد بھی جمعراتیں ہوسکتی ہیں، اللہ کے لیے فقیروں کو جب اور جو کچھ دے ثواب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

www.dawateislami.net
دعوتِ اسلامی
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات ۱۳۰۵ھ
(بے جان کی زندگی، مُردوں کی سماعت کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان* علمہ البیان* واعطاہ سمعا وبصرا وعلما فزان* وجعلہ مظہر الصفات الرحمن* ولم یجعلہ معدوما بفناء الابدان* والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان* علی السمیع البصیر العلیم الخبیر الملك المستعان* المولی الکریم الرؤف الرحیم العظیم الشان* سیدنا ومولٰنا محمد النافذ حکمہ فیك عوالم الامکان* وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ الغوث الباھر السلطان* الحیّ المنعم فی القبر المکرم	تمام تعریفیں اللہ کے لیے جس نے انسان کو پیدا کیا۔ اسے بیان سکھایا۔ اسے سماعت، بصارت اور علم دے کر سنوارا۔ اسے رحمان کی صفات کا مظہر بنایا۔ اور بدنوں کے فنا ہونے سے اس کو معدوم نہ فرمایا، اور زیادہ تام وکامل تر درود وسلام ہو ان پر جو سننے، دیکھنے، جاننے، خبر دینے والے سُلطان ہیں جن سے مدد مانگی جاتی ہے۔ جو کریم آقا، بڑے مہربان، رحم کرنے والے، بڑی شان والے ہیں، ہمارے سردار اور ہمارے آقا حضرت **محمد** جن کا حکم امکان کے جہانوں میں نافذ ہے اور ان کی آل واصحاب اور ان کے

بفضل المنان* واشهدان لا اله الاّ الله وحده لاشريك له شهادة يحيى بها وجه الديان* واشهد انّ محمدًا عبده، ورسوله شهادة توردنا موارد الرضوان* فصلى الله وسلم وبارك وانعم على هذ الحبيب القريب الملتجى، البعيد المرتقى الرفيع المكان* وعلٰى اٰله وصحبه وعياله وحزبه اولى العلم والعرفان* وعلينا معهم وبهم ولهم ياجليل الاحسان* وجميل الامتنان* اٰمين اله الحق اٰمين	فرزند روشن دلیل والے غوث والے پر جو بہت احسان فرمانے والے رب کے فضل سے قبر مکرم میں زندہ انعام یافتہ ہیں، اور میں شہادت دیتاہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں ایسی شہادت جس سے جزا دینے والے رب کو تحیت پیش کی جائے۔ اور میں شہادت دیتاہوں کہ محمد اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں ایسی شہادت جو ہمیں رضوان کے مقامات میں اتارے۔ توخدا کا درود وسلام اور برکت وانعام ہو اس محبوب پر جو التجا کے لیے قریب، منزل ارتقا میں بلند مرتبے والے ہیں، اور ان کی آل و اصحاب وعیال اور علم وعرفان والی جماعت پر، اور ان کے ساتھ، ان کے طفیل، ان کے سبب ہم پر بھی، اے بزرگ احسان، جمیل امتنان والے، قبول فرما، قبول فرما، اے معبود برحق قبول فرما! (ت)

امابعد! یہ معدود سطریں ہیں یا منضود سلکیں، تنقیح مسئلہ علم وسماع موتٰی، وطلب دعا بمشاہد اولیاء ہیں، جنھیں افقر الفقراء احقر الورٰی عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی، سُنی، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی، اصلح اللّٰہ عملہ وحقق املہ، نے وائل ماہ رجب ۱۳۰۵ ہجری کی چند تاریخوں میں رنگ تحریر دیا، اور بلحاظ تاریخ حیاة الموات فی بیان سماع الوصال (۱۳۰۵ھ) سے مسمّٰی کیا، اس سے پہلے کہ فقیر غفرلہ، نے چند کلمے مسمّی بہ الاهلال بفيض الاولياء بعد الوصال (۱۳۰۳ھ) جمع کئے تھے، ان کے اکثر مطالب ومضامین بھی اس رسالہ کے بعض انواع وفصول میں مندرج ہوئے۔ اب یہ عجالہ نہ صرف علم وسماع موتٰی کا ثبوت دے گا بلکہ بحول اللہ تعالٰی خوب واضح کرے گا کہ حضرات اولیاء بعد الوصال زندہ اور ان کے تصرف وکرامات پائندہ اور ان کے فیض بدستور جاری اور ہم غلاموں خادموں محبوں معتقدوں کے ساتھ وہی امداد واعانت ویاری، والحمد لله القدير البارى۔

یہ رسالہ حق سے متصل، باطل سے منفصل مقدمہ وسہ مقصد وخاتمہ پر مشتمل وحسبنا الله ونعم الوكيل هو مولنا وعليه التعويل۔

مقدمہ باعث تالیف میں سلخ جمادی الاٰخرہ ۱۳۰۵ھ کو ایک مسئلہ بغرض تصدیق واظہار دعائے طلب تحقیق فقیر کے پاس آیا، صورت سوال یہ تھی:

مسئلہ ۲۷۲: بسم اللہ الرحمن الرحیم چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین دریں باب (کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں۔ت) کہ ایک بزرگ کے مزار شریف پر واسطے زیارت کے گیااس وقت یہ کلمہ زبان سے نکلا کہ اے بزرگ برگزیدہ درگاہ کبریائی! آپ اللہ پاک سے میرے واسطے دعاکیجئے کہ حاجت میری فلانی برآوے کیونکہ آپ بزرگ ہیں، بطفیل رسول عـــہ۱ مقبول، واسطے اللہ کے حاجت برآوے، بعد کو کچھ فاتحہ ودرود شریف پڑھااور پیشتر میں پڑھا، یوں مزارگاہ میں جانااور دعامانگنااور زیارت کرنا جائز ہے یانہیں؟زیادہ والسلام، فقط انتہی بلفظہ۔

اس پر بعض اجلہ مخادیم کا جواب مزیّن بمہرو دستخط جناب تھا۔جس میں صاف صاف صورت مذکورہ کو شرک اور ادنٰی، درجہ شائبہ شرک قرار دیا، اور دلیل میں ایک نئے طور پر اصحاب قبور کے انکار سماع بلکہ استحالہ وامتناع سے کام لیا، تحریر شریف یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم اس میں شک نہیں کہ زیارت قبور مومنین خاصہ بزرگان دین، اور پڑھنا درود شریف اور سورہ فاتحہ وغیرہ کااور ثواب خیرات، اموات کو بخشنا مندوب ومسنون ہے۔جس پر حدیث شریف جناب سید الثقلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا[1]۔	میں نے تمھیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھاتو اب تم ان کی زیارت کرو۔(ت)

نص صریح ناطق، لیکن بزرگانِ اہل قبور کو خطاب طلب دعائے حاجت روائی خود کرنا خالی از شائبہ وشبہہ شرک نہیں۔کیونکہ جب درمیان زائر اور مقبور کے حجب عدیدہ سمع وبصر حائل تو سماع اصوات اور بصارت صور محال، اگرچہ بعض اموات کو بوجہ عـــہ۲ قطع تعلق ازمادہ، زیادت عـــہ۳ ادراک بھی حاصل ہو، لیکن یہ مستلزم اس کو نہیں بلاتوجہ خاص جس کا

عـــہ۱: صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عـــہ۲: عجیب لطیفہ غیبی **اقول: وباللہ التوفیق**، ذی علم اگرچہ لغزش کریں پھر بھی سخن حق ان کے کلام میں اپنی جھلک دکھاہی جاتا ہے، یہ بوجہ مولوی صاحب نے ایسے فرمائے جس نے مذہب حق کی وجہ موجہ ظاہر کردی۔میں عرض کروں جب زیارت ادراک کی وجہ علائق مادی کاانقطاع ہے تووہ عموماً ہر میّت کو حاصل (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی زیارۃ القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳، مشکوٰۃ المصابیح باب زیارۃ القبور فصل اول مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴

انکشافِ حال خارج از علم زائر اور بحیز اختیار پروردگار عالم ہے۔ بروقت دعا زائر کے وہ بزرگ اس کی دعا کو سن لیں، جب زائر بلا حصولِ علم مرتکب سوال کا ہے تو گویا سائل نے اہل قبر کو سمیع وبصیر علی الاطلاق قرار دیا ہے، اور نہیں ہے یہ اعتقاد مگر شرک، اور ادنٰی درجہ کا شائبہ وشبہہ شرک تو ضرور ہوا، جس سے احتراز واجتناب لازم و واجب، فرقانِ حمید میں بمقاماتِ متعددہ اس کا بیان بتصریح تام وموجودہ ازانجملہ ہے۔ سورہ یوسف میں ہے:

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ[1]۔	اور ان میں اکثر خدا کو نہیں مانتے مگر شرک کرتے ہوئے۔ (ت)

اور حدیث شریف میں ہے:

من حلف بغير الله فقد اشرك[2]۔	جس نے غیر خدا کی قسم کھائی اس نے شرک کا کام کیا۔ (ت)

اور اس حرمت کا سبب سوائے اس کے نہیں کہ حالف کی اس قسم غیر خدا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے عقیدے میں غیر خدا کو بھی ضرر رسان جانتا ہے جو معنًی شرک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

اس جواب کو دیکھ کر زیادہ تر حیرت یہ ہوئی کہ مولوی صاحب کی کوئی تحریر ان خلاف محدثہ میں آج تک نظر سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کہ موت خود اسی قطع تعلق مادی کا نام ہے، تو بعض اموات کی تخصیص محض بے وجہ، بلکہ تمام اموات کو حاصل ہونا چاہئے، اور بیشک ایسا ہے۔ اسی لیے اکابر محققین تصریح فرماتے ہیں کہ موت کے بعد کا ادراک بہ نسبت ادراک حیات کے صاف تر اور روشن تر ہے۔ مقصد اخیر میں اس کی بعض تصریحیں آئیں گی، زیادہ نہیں تو نوع دوم مقصد سوم مقال چہارم میں شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کا قول ملاحظہ ہو جائے۔ منہ

عـــہ۳: مولوی صاحب اس کلام سے شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس قول کی طرف مشیر ہیں، جس کا ایک پارہ نوع ۲ مقصد ۳ مقال ۱۶ میں مذکور ہوگا۔ اور تتمہ جس نے آدھی وہابیت کا کام تمام کر دیا عنقریب سوال ۱۵ میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی، اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے شائبہ شبہہ ثابت مانا ہے کہ اللہ تعالٰی بعض اولیائے کرام کے مدارک کو ایسی وسعت دیتا ہے، مولوی صاحب کے لفظ یہاں ایسے واقع ہوئے جو اقرار وانکار دونوں کا پہلو دیں، خیر اگر شاہ صاحب کو اس قول میں خاطی پائیں اور اپنی اگرچہ کو اشاعت یا فرض ہی پر محمول رکھیں تاہم ہمیں مضر نہیں، نہ آپ کے کلام کی اصلاح کرسکتا ہے، کما ستری، ان شاء اللہ تعالٰی۔ منہ

---

[1] القرآن ۱۲/۱۰۶

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دار المعرفہ بیروت ۲/۸۷

نہ گزری تھی۔ گمان یوں تھا کہ قصداً احتراز فرماتے ہیں بلکہ غلو منکرین کو خود بھی لائق انکار ٹھہراتے ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ پہلی بسم اللہ قلم کو اذن رقم ملا تو یوں کہ طرز ارشاد فریقین کے مضاد، پھر سراپا ناتمامی تقریب وناکامی مدعاء۔ واجنبیت دلیل و بے تعلّقی دعوی اگرچہ حضراتِ نجدیہ کا قدیمی دستور، مگر فضیلت سے بغایت دور، فقیر کو بعض وجوہ سے مولوی صاحب کی رعایت ایک حد تک منظور، ولہٰذا ان سطور میں نام نامی مستور و نامسطور، مگر اظہار حق بنص قرآن ضرور، اور حدیث صحیح میں **الدین النصح لکل مسلم**[1] (دین ہر مسلم کی خیر خواہی ہے۔ت) ماثور، میرا مقصد تھا کہ اس مسئلہ میں تحقیق بالغ وتنقیح بازغ سے کام لوں، اس تفصیل جامع و تحریر لامع سے اختتام دوں کہ براہین اثبات کا حصر وافی ہو، ازہاق شبہات کا احاطہ کافی ہو، مگر جب دیکھا کہ خود جواب جناب مذہب منکرین سے منزلوں دور، اور اکثر اوہام جو ادھر سے پیش ہوتے ہیں آپ ہی کی تحریر سے ہباءً منثور، تو مجھے بہت کفایتِ مؤنت وکمی مشقت ہوئی، اور آخر رائے اس پر ٹھہری کہ بالفعل جناب کی تقریر خاص پر جواعتراضات میرے ذہن میں ہیں گزارش کرکے چند آثار واحادیث واقوال علمائے قدیم وحدیث ونبذ بحث اصل مدعا، یعنی ارواح طیبہ سے طلب دعا، اور بعد وصال ان کا فیض ونوال لکھ کر ختم کلام کروں اور بقیہ تحقیقات باہرہ وتدقیقات قاہرہ جو بحمد اللہ حاضر خاطر بندہ قاصر ہیں، انھیں بشرط جواب مولوی صاحب دور آئندہ پر محول رکھوں، باایںہمہ یہ مختصر رسالہ **ان شاء اللہ تعالٰی** ثابت کردے گاکہ مولوی صاحب کی یہ چند سطری تحریر اور اس پر مع ان کے اصل مذہب[عہ] چار سو۴۰۰ وجہ سے دار وگیر۔ **واللہ المعین وبہ استعین۔**

المقصد الاول فی الاعتراضات وازاحۃ الشبہات

(پہلا مقصد اعتراضات اور ازالۂ شُبہات میں)

اور اس میں دو نوع ہیں:

نوع اوّل اعتراضات مقصودہ میں ــــ شاید مولوی صاحب نام اعتراضات سے ناراض ہوں، لہٰذا مناسب کہ پیرایہ سوال میں اعتراض ہوں۔

فاقول: وبہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (تو میں کہتا ہوں، اور خدا ہی سے توفیق، اور اسی کی

عہ: اصل مذہب سے کبرائے مذہب مولوی صاحب کی تصریح مراد ہے کہ میّت جماد ہے ۱۲ منہ سلّمہ ربہ

---

[1] الصحیح البخاری باب الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۳

مدد سے بلندئ تحقیق تک رسائی ہے۔ت)

سوال (۱): جناب نے قبر کی مٹی حائل دیکھ کر آواز سننی، صورت دیکھنی محال ٹھہرائی، اس سے مراد محال عقلی یا شرعی یا عادی، بر تقدیر اول کاش کوئی برہان قاطع اس کے استحالہ پر قائم فرمائی ہوتی۔ میں پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ یہ حائل مانع احساس نہ ہو، اگر کہیے نہ، تو اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴿۱۰۹﴾ [1] (بیشک اللہ تعالٰی ہر شے پر قادر ہے۔ت) کا کیا جواب؟____ اور فرمایئے ہاں تو استحالہ کہاں؟____بر تقدیر ثانی آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ سے ثابت کیجئے کہ جب تک یہ حجاب حائل رہیں گے ابصار وسماع نہ ہوسکیں گے، الفاظ شریفہ ملحوظ خاطر رہیں____بر تقدیر ثالث عادتِ اہل دنیا مراد یا عادت اہل برزخ۔ در صورت اول کیا دلیل ہے کہ مانع دنیوی حائل برزخ بھی ہے۔ کیا جناب کے نزدیک برزخ دنیا کا ایک رنگ ہے؟ اہل دنیا ملائکہ کو نہیں دیکھتے مگر بطور خرق عادت اور برزخ والے عموما دیکھتے ہیں، حتی کہ کفار بھی۔ احادیث نکیرین چھپنے کی چیز نہیں، درصورت دوم جناب نے یہ عادت اہل برزخ کیونکر جانی، اموات نے تو آکر بیان ہی نہ کیا، اور طریقے سے علم ہوا تو ارشاد ہو، اور ماموں کہ دعوی بتمامہا زیر لحاظ رہے۔

سوال (۲): اسی تشقیق سے احد الشقین الاولین مراد تو آپ ہی کا آخر کلام اس کا اول راد کہ محال عقلی، صالح تعلق اذن نہیں، اور محال شرعی سے ہرگز اذن متعلق نہ ہوگا، وبر شقِ ثالث اسکا اعتقاد ممکن کا اعتقاد کہ ہر محال عادی، ممکن عقلی ہے اور شرک اعظم محالات عقلیہ کا اعتقاد، تو اعتقاد ممکن عقلی کا شرک ہونا محال عقلی **بین الفساد وبعبارۃ اخری اوضح واجلی** (اور بعبارات دیگر زیادہ واضح وروشن۔ت) جناب کی پچھلی عبارت صاف گواہ کہ بعض اموات کو ایسی زیادتِ ادراک عطا ہوتی ہے کہ وہ توجہ خاص کریں تو باذن اللہ دعائے زائرین سن سکتے ہیں____ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی قادر ہے یا نہیں کہ یہ قوت انھیں ہر وقت کے لیے بخشے____بر تقدیر انکار سخت مشکل، اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ [2] (تو کیا ہم پہلی تخلیق سے تھک گئے۔ت) درصورت اقرار میّت یہ وصف ملنے سے خدا کا شریک ہوگیا یا نہیں؟ میں جانتا ہوں ہاں نہ کہئے گا، اور جب نہ کہ ٹھہری تو میں عرض کروں، وہ وصف جس کے ثبوت سے خدا کی شرکت لازم نہ آئی، اس کے اثبات سے خدا کا شریک ہونا کیونکر قرار پایا؟ اور جس کی حقیقت شرک نہیں اس کا گویا شائبہ کیونکر ہوا؟

سوال (۳): کیا آدمی اسی کام کو حلال جانے جس کے بکار آمد ہونے پر یقین رکھتا ہو، باقی کو حرام سمجھے یا صرف امید کافی اگرچہ علم نہ ہو، درصورت اولٰی واجب کہ نماز روزہ اور تمام اعمال حسنہ کو حرام جانیں کہ وہ بے قبول وبکار آمد نہیں اور

---

[1] القرآن ۲/۱۰۹

[2] القرآن ۵۰/۱۵

ہم میں کوئی نہیں کہ سکتا کہ اس کے اعمال قطعاً مقبول ____ درصورت ثانیہ جب آپ کے نزدیک بھی بعض اکابر کا ایسا قوی الادراک عــہ۱ ہونا مسلم کہ بتوجہ خاص باذن اللہ تعالٰی دعائے زائر سن لیں تو وہاں کرم الٰہی سے ہر وقت امید و توقع موجود کہ سننے کا علم نہیں، تو نہ سننے پر بھی جزم نہیں، پھر کلام کیوں کر، ناروا ہو سکتا ہے۔ جناب کو اپنا اطلاق حکم ملحوظ خاطر عاطر رہے۔

سوال (۴): یہ تو ظاہر کہ سائل جن کے دروازوں پر سوال کرتے ہیں وہ ہر وقت فراخ دست نہیں ہوتے، اب ان سائلوں کو حضرت کے اعتقاد میں ہر شخص کے حالِ خانہ پر اطلاع و وقوف ہے یا نہیں، اگر کہے ہاں تو جس طرح جناب کے نزدیک زائر بیچاروں نے حضرت اولیاء کو سمیع وبصیر علی الاطلاق مانا، یونہی عــہ۲ آپ نے ان بھیک مانگنے والوں، جوگیوں، سادھوؤں کو علیم وخبیر علی الاطلاق جانا۔ والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، اور اگر فرمایئے نہ، توجبکہ سائل بلاحصول علم مرتکب سوال ہوتے ہیں، آپ کے طور پر گویا اہل بیوت کو معطی وقدیر علی الاطلاق قرار دیتے ہیں یا نہیں ____ بر تقدیر اول واجب ہوا کہ سوال شرک نہ ہو تو ادنٰی درجہ شائبہ وشبہہ شرک ضرور ہو حالانکہ بہت اکابر علماء اولیاء نے وقت حاجت اس پر اقدام فرمایا ہے، حضرت ابوسعید خراز قدس سرہ العزیز جن کی عظمت عرفان وجلالت شان آفتاب نیمروز سے اظہر، ہنگامہ فاقہ ہاتھ پھیلاتے اور شیئاً للہ فرماتے ____ یونہی سید الطائفہ جنید بغدادی کے استاد حضرت ابو حفص حداد وحضرت ابراہیم ادھم وامام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے وقت ضرورت شرعیہ سوال منقول [1] نقل کل ذلك العلامة المناوی فی التیسیر عــہ۳ (یہ سب علامہ مناوی نے تیسیر میں نقل کیا ہے۔ت) کتب فقہیہ شاہد عادل کہ بعض صور میں علمائے کرام نے سوال فرض بتایا ہے۔ معاذاللہ ! یہ آپ کے طور پر شرک یا شائبہ شرک فرض ہونا ہوگا۔ بر تقدیر ثانی زائر بیچارہ بلاحصول علم

عــہ۱: اگر تسلیم تحقیقی ہے تو امر ظاہر اور بطور تجویز و تقدیر ہے۔ تو یہی عرض کیا جاتا ہے کہ یہ صورت مان کر پھر اس کلام کی کیا گنجائش ہے۔ یہ نکتہ محفوظ رہنا چاہیے، ۱۲منہ

عــہ۲: تشبیہ مقصود بالذات ہے کہ یہ سوال نقض اجمالی ہے ورنہ ہمارے نزدیک نہ صرف اتنا علم وخبر مطلق نہ فقط اتنا سمع وبصر مطلق۔ ۱۲منہ

عــہ۳: تحت قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سأل من غیر فقر فکانما یاکل الجمر ۱۲ منہ

زیر ارشاد رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جس نے بغیر احتیاج کے سوال کیا گویا وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث من سأل مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیہ ۴۲۱/۲

سوال کرنے پر کیوں ان الفاظ کا مصداق ہوا۔

سوال (۵): جو شخص ایک جگہ خاص پر ہو کہ وہاں جاکر جس وقت بات کیجئے سن لے۔ اس قدر سے اسے سمیع علی الاطلاق کہا جائے گا یا نہیں۔ اور اگر کہیے ہاں، تو اپنے نفس نفیس کو سمیع علی الاطلاق مانیے، ہم نے تو ہمیشہ یہی دیکھا ہے کہ دولت خانہ پر جاکر جب کسی نے بات کی ہے آپ کے کان تک پہنچی ہے۔ اور فرمایئے نہ۔ تو مزار پر جاکر سمیع علی الاطلاق جانا کیونکر سمجھا گیا!

سوال (٦): زمانہ وجود مخاطب کے استغراق ازمنہ باوصف خصوص مکان کو جناب نے مثبت سمع علی الاطلاق ٹھہرایا تو استغراق ازمنۂ وجود وامکنۂ دنیا بدرجہ اولٰی موجب ہوگا۔ اب کیا جواب ہے اس حدیث سے کہ امام بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی و عقیلی اور ابن النجار وابنِ عساکر و ابوالقاسم اصبہانی نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا:

ان للّٰہ تعالٰی ملکا اعطاہ اسماع الخلائق (زاد الطبرانی کلھا) قائم علی قبری (زاد الی یوم القیمۃ) فما من احد یصلّی صلٰوۃ الاّ ابلغنیھا[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی کا ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے تمام جہاں کی بات سن لینی عطا کی ہے۔ وہ قیامت تک میری قبر پر حاضر ہے۔ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے جو مجھ سے عرض کرتا ہے۔ (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ عبدالرؤف شرح جامع صغیر میں اعطاہ اسماع الخلائق کی شرح میں یوں فرماتے ہیں:

ای قوۃ یقتدر بھا علی سماع ماینطق بہ کل مخلوق من انس وجن وغیرھما (زاد المناوی فی ای موضع کان[2]۔	یعنی اللہ تعالٰی نے اس فرشتے کو ایسی قوت دی ہے کہ انسان جن وغیرہما تمام مخلوقِ الٰہی کی زبان سے جو کچھ نکلے اسے سب کے سننے کی طاقت ہے چاہے کہیں کی آواز ہو (ت)

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اکثر واالصلٰوۃ علی فان اللہ تعالٰی وکل لی ملکا	مجھ پر درود بہت بھیجو کہ اللہ تعالٰی نے میرے مزار پر

[1] الترغیب بحوالہ المعجم الکبیر الترغیب فی اکثار الصلٰوۃ علی النبی مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۹۹۔ ۵۰۰

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت ان اللہ ملکا الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۳۳۰

عند قبری فاذا صلی علی رجل من امتی قال لی ذلك الملك یامحمد ان فلان بن فلان یصلی علیك الساعة[1]۔	ایک فرشتہ متعین فرمایا ہے جب کوئی امتی میرا مجھ پر درود بھیجتا ہے وہ مجھ سے عرض کرتا ہے: یارسول اللہ! فلاں بن فلاں نے ابھی ابھی حضور پر درود بھیجی ہے(ت)
اللھم صلی وبارك علی ھذا الحبیب المجتبی والشفیع المرتجی وعلی اله واصحابه واولیاء امّته وعلماء ملته اجمعین صلٰوۃ تدوم بدوامك وتبقی ببقائك كما ھو اھل له وكما انت اھل له اٰمین اٰمین اله الحق اٰمین۔	اے اللہ! درود اور برکت نازل فرما اس حبیب پر جو برگزیدہ ہیں اور اس شفیع پر جن سے کرم کی امید ہے اور ان کی آل، اصحاب، ان کی امت کے اولیاء ان کی ملت کے علماء سب پر ایسا درود جسے تیرے دوام کے ساتھ دوام اور تیری بقا کے ساتھ بقا ہو، ایسا درود جس کے وہ اہل ہیں اور جو تیری شان کے لائق ہو، قبول فرما، قبول فرمااے معبود برحق قبول فرما!(ت)

ع جاں می دہم درآرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلس آں نازنین حرفے گر ازما مے رود

(اے قاصد! اس آرزو میں جان دے رہا ہوں کہ اس محبوب کی مجلس میں پھر ایک بات پہنچادو اگر پہنچ سکے۔ت)

بھلا ارشاد ہو۔ اولیاء کرام تو خاص حاضرانِ مزار کی بات سننے پر سمیع علی الاطلاق ہوئے جاتے ہیں، یہ بندہ خداکہ بارگاہ عرش جاہ سلطانی صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے جدا نہیں ہوتا اور وہیں کھڑے کھڑے ایک وقت میں شرقاً غرباً جنوباً شمالاً تمام دنیا کی آوازیں سنتاہے اسے کیا قرار دیا جائے گا۔ آپ کو تو کیا کہوں مگر ان نجدی شرک فروشوں نے نہ خدا کی قدرت دیکھی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کیا کیا عطا فرماسکتاہے۔ نہ اس کی عظمت صفات سمجھی ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر شرک کا ماتھا ٹھنکتا ہے۔ مَاقَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ[2] (انھوں نے خدا کی قدرت نہ جانی جیسا کہ اس کی قدر کا حق تھا۔ت)

سوال(۷): کیا بات سننے کے لیے صورت دیکھنی بھی ضرور، جب تو واجب کہ تمام اندھے بہرے ہوں اور فرشتہ مذکور، آپ کے طور پر بصیر علے الاطلاق بلکہ اس سے بھی کچھ زائد، ورنہ فقط خطاب کرنے سے بصیر ماننا کیونکر مفہوم

---

[1] کنز العمال بحوالہ مسند الفردوس حدیث ۲۱۸۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۴۹۴

[2] القرآن ۲۲/۷۴

ہوا، عموم واطلاق تو بالائے طاق۔

سوال (۸) : بغرض لزوم سماع کلام کو مطلق بصر درکار۔ جو رویتِ مخاطب سے حاصل، یا بصر علے الاول ملازمت باطل، وعلی الثانی لازم کہ تمام مخلوق الٰہی بہری اور کسی بات کا سننا کسی غیر خدا کے لیے ماننا مطلقاً مستلزم شرک ہو، تو سب مشرک ہیں، یا ہر ذی سمع، بصیر علے الاطلاق تو آفت اشد ہے۔ **والعیاذ باللہ۔**

سوال (۹) : ان اولیاء کی زیارت ادراک اگر اسے مستلزم نہیں کہ ہر کلام زائر سن لیں تو اسے بھی نہیں کہ سب کو نہ سنیں آپ خود عدم استلزام فرماتے ہیں، نہ استلزام عدم، تو دونوں صورت میں محتمل رہیں، پھر ایک امر محتمل پر جزم شرک کیونکر ہو سکتا ہے، غایت یہ کہ بے دلیل ہو تو غلط سہی، کیا ہر غلط بات شرک ہوتی ہے!

سوال (۱۰) : مجھے نہیں معلوم کہ قرآن عظیم میں ایک جگہ بھی بیان فرمایا ہو کہ مزارات پر جا کر کلام وخطاب کرنا شرک یا حرام ہے۔ یا اتنا ہی ارشاد ہوا ہو۔ جو ایسا کرتا ہے گویا اصحاب قبور کو سمیع یاب۔صیر علے الاطلاق مانتا ہے۔ اور حضرات کی صحتِ استدلال انھیں امور پر مبنی، آپ فرماتے ہیں فرقان حمید میں، بمقامات متعددہ اس کا بیان بتصریح تام موجود، میں مقاماتِ متعددہ کی تکلیف نہیں دیتا۔ ایک ہی آیت فرما دیجئے جس میں صاف صاف مضمون مذکور مزبور ہو۔ **بینوا توجروا**

سوال (۱۱) : سورہ یوسف کی آیہ کریمہ کہ تلاوت فرمائی اس کا ترجمہ ومطلب میں کیوں عرض کروں مولوی اسمٰعیل سے سنئے۔ تقویۃ الایمان میں لکھا ہے: "نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں [1] یعنی اکثر لوگ جو دعوی ایمان کا رکھتے ہیں سو وہ شرک میں گرفتار ہیں" **انتہی**

خدارا اس میں مزارات اولیاء پر جانے یا ان سے کلام وخطاب کرنے کا کون سا حرف ہے۔ **استغفر اللہ !** نام کو بو بھی نہیں، تصریح تام تو بڑی چیز ہے۔ پھر اُس آیت نے جناب کا کون سا دعوی ثابت کیا یا حضار مزار کو کیا الزام دیا۔ اگر ایسے ہی بے علاقہ استناد کا نام صریح تام، تو ہر شخص اپنے دعوے پر قرآن عظیم کی آیت پیش کر سکتا ہے، مثلاً فلسفی کہے: توسیط عقول حق ہے ورنہ لازم آئے کہ تمام اشیاء متکثرہ اس واحد حقیقی سے بالذات صادر ہوئی ہوں، اور یہ خدائے عزوجل پر افتراء۔ **فان الواحد لایصدر عنه الا الواحد** (کیونکہ واحد سے واحد ہی صادر ہو سکتا ہے۔ت) اور اللہ تعالٰی پر افتراء حرام قطعی۔ قرآن حمید میں بمقامات متعددہ اس کا بیان بتصریح تام موجود، ازانجملہ ہے سورہ انعام میں: اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ [2] (جو لوگ

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۴

[2] القرآن ۱۶/۱۱۶

اللہ پر جھوٹا افتراء کرتے ہیں وہ مراد کو پہنچنے والے نہیں۔ت) یا نصرانی کہے انکار تثلیث گناہ عظیم ہے کہ تثلیث ایت انجیل محرف سے ثابت، اور آیت الٰہیہ کی تکذیب موجب عذاب شدید، فرقان حمید میں بمقامات متعددہ اس کا بیان بتصریح تام موجود ازانجملہ ہے سورۂ عنکبوت میں: وَمَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۴۹﴾ [1] (ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر وہی جو ظالم ہیں۔ ت) ارشاد فرمایئے کیا ان تقریروں سے ان کی استدلال تام ہو گئی، اور ان کے جھوٹے دعوے معاذاللہ قرآن عظیم نے ثابت کردئے؟ حاش للہ، واستغفر اللہ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ ___ میں نہیں چاہتا کہ عیاذًا باللہ فلاں وہماں کی طرح آیات الٰہیہ کو ان کے موقع ومحل سے بیگانہ کرکے بزور زبان دوسری طرف پھیرا جائے، ورنہ حضرات منکرین کے مقابل آیہ کریمہ کَمَا یَئِسَ الۡکُفَّارُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ ﴿۱۳﴾ [2] (جیسے کفار اہل قبور سے ناامید ہو بیٹھے۔ ت) بہت اچھی طرح پیش ہوسکتی ہے۔ اور وہ آیت کی نسبت جو آپ نے تلاوت کی ہزار درجہ زیادہ محل وموقع سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اہل قبور سے کافر لوگ ناامید ہو بیٹھے۔ اب غور کرلیا جائے کہ کون لوگ اہل قبور سے امید رکھتے ہیں اور کون یاس کے ہاتھوں آس توڑے بیٹھے ہیں، انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

صنف آخر من ھذا النوع

اسی نوع کی ایک اور قسم

یہاں ان اکابر خاندان عزیزی کے بعض اقوال رنگ تحریر فرمائیں گے جنھوں نے بے حصول علم ارتکاب سوال جائز رکھا اور مولوی صاحب کے طور پر شرک خالص یا بارے درجے شائبہ شرک میں گرفتار ہوئے۔

سوال (۱۲): شاہ ولی اللہ ہمعات میں حدیث نفس کا علاج بتاتے ہیں:

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود وبرائے ایشاں فاتحہ خواند یا بزیارت قبر ایشاں رود وازانجا انجذاب دریوزہ کند [3]۔	مشائخ کی پاک روحوں کی جانب متوجہ ہو اور ان کے لیے فاتحہ پڑھے یا ان کے مزارات کو جائے اور وہاں سے بھیک مانگے۔ (ت)

اقول اولًا جناب کے نزدیک مزارتِ اولیاء سے بھیک مانگنے کا کیا حکم ہے۔ وہاں تو ان سے دُعا

[1] القرآن ۲۹/ ۴۹

[2] القرآن ۶۰/ ۱۳

[3] ہمعات ہمعہ ۸ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد ص ۳۴

منگوانا شرک ہوا جاتا تھا یہاں خود ان سے بھیک مانگی جاتی ہے۔

ثانیاً کسی سے بھیک مانگنی یونہی معقول کہ وہ اس کی عرض سنے اور اس کی طرف توجہ کرے، ورنہ دیواروں پتھروں سے کیا بھیک مانگنا۔ مگر آپ فرماچکے کہ "توجہ خاص کا انکشاف حال خارج از علم زائر بحیز اختیار پرودگار عالم ہے۔" اب یہ جو بھیک مانگنے والا شاہ صاحب کے حکم سے بیحصول علم مرتکب سوال کا ہے اس نے گویا اہل قبر کو سمیع وبصیر علی الاطلاق قرار دیا یا نہیں؟ اور شاہ صاحب نے یہ شرک خالص یا شائبہ شرک تعلیم کیا یا نہیں؟ اور ایسی چیز کا سکھانے والا کافر یا مشرک یا بدعتی بدمذہب ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا

ثالثاً انھوں نے مزار پر جا کر گدائی تو پیچھے بتائی، پہلے گھر ہی بیٹھے ارواح طیبہ کی طرف توجہ کرا رہے ہیں اب تو اطلاق کا پانی سر سے اونچا ہوگیا۔

سوال (۱۳): انھی شاہ صاحب نے ایک رباعی لکھی:

آنانکہ زاد ناس بہیمی جستند ‌‌‌‌‌‌ ‌ بالجۂ انوار قدم پیوستند

فیض قدس از ہمت ایشاں می جو ‌‌‌‌‌‌ ‌ دروازۂ فیض قدس ایشاں ہستند [1]

(جو لوگ نفس حیوانی کی آلودگیوں سے باہر ہوگئے وہ ذات قدیم کے انوار کی گہرائیوں سے جاملے: فیض قدس ان کی ہمت سے طلب کرو، فیض قدس کا دروازہ یہی لوگ ہیں۔ت)

اور مکتوب شرح رباعیات میں خود اس کی شرح یوں کی:

یعنی توجہ بارواح طیبہ مشائخ در تہذیب روح وسر نفع بلیغ دارد [2]۔	یعنی مشائخ کی ارواح طیبہ کی جانب توجہ روح اور باطن کو سنوارنے میں نفع بلیغ رکھتی ہے (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں ۔ت) کیا اچھا نفع بلیغ ہے کہ بلا حصول علم ان کی ہمت سے فیض چاہ کر مشرک ہوگئے۔

سوال (۱۴): یہی شاہ صاحب "**قول الجمیل**" میں لکھتے ہیں۔ ان کی عبارت عربی لاکر ترجمہ کروں، اس سے یہی بہتر ہے کہ مولوی خرم علی صاحب بلہوری مصنفِ نصیحۃ المسلمین کا ترجمہ نقل کروں۔ یہ صاحب بھی عمائد وکبرائے منکرین سے ہیں، شفاء العلیل میں کہتے ہیں:

"مشائخ چشتیہ نے فرمایا: قبرستان میں میّت کے سامنے کعبہ معظّمہ کو پشت دے کر بیٹھے، گیارہ بار سورہ فاتحہ پڑھے پر میّت سے قریب ہو پھر کہے یارُوح اور یاروح الرّوح کی دل میں ضرب کرے،

---

[1] مکتوبات ولی اللہ از کلمات طیبات مکتوب بست ودوم در شرح بعض اشعار مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴

[2] مکتوبات ولی اللہ از کلمات طیبات مکتوب بست ودوم در شرح بعض اشعار مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴

یہاں تک کہ کشائش ونور پائے، پھر منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحب قبر سے ہو اس کے دل پر[1] اھ ملخصا

اقول: اوّلاً اس ندائے یارُوح کا حکم ارشاد ہو۔

ثانیاً یہ سائلان فیض جو تقریر وتسلیم واشاعت و تعلیم شاہ صاحب و مترجم صاحب جب چاہا بلاحصول علم قبور کے سامنے یارُوح یا رُروح کرنے اور فیض مانگنے بیٹھ گئے۔ آپ کے طور پر اہل قبور کو سمیع وبصیر ومعطی ومفیض علی الاطلاق مان کر اور ماتن ومترجم بتاجتا کر مشرک ہوئے یا نہیں؟

سوال (۱۵): شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز میں، وہیں جہاں انھوں نے بعض خواص اولیاء کو ایسی زیادت ادراک ملنی لکھی ہے۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"اویسیان تحصیل مطلب کمالات باطنی ازانہا مے نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود ازانہامی طلبند ومے یابند۔"[2]	اُویسی لوگ اپنے کمالات باطنی کا مقصد ان سے حاصل کرتے ہیں، اور اہل حاجات ومقاصد اپنی مشکلوں کا حل ان سے مانگتے اور پاتے ہیں (ت)

کہئے زیادت ادراک مسلم، مگر توجہ خاص کا انکشاف حال تو خارج از علم بحیز اختیار پروردگار ہے۔ پھر اویسی لوگ جو بلاح-صول علم مرتکب استفادہ ہوتے ہیں کیونکر مصداق ان لفظوں کے نہ ہوئے اور ایسی نسبت کہ معاذاللہ بذریعہ شرک ملتی ہے۔ کیونکر صحیح ومقبول ٹھہری، یہی شاہ صاحب اپنے والد شاہ ولی اللہ صاحب سے ناقل اویسیت کی نسبت قوی اور صحیح ہے۔ شیخ ابو علی فارمدی کو ابوالحسن خرقانی سے روحی فیض ہے اور ان کو بایزید بسطامی کی روحانیت سے، اور ان کو امام جعفر صادق کی روحانیت سے تربیت ہے[3] اھ **نقلہ البلھوری فی شفاء العلیل** (اسے مولوی خرم علی لاہوری نے شفاء العلیل میں نقل کیا۔ ت)

ثانیاً ذرا شاہ صاحب کے پچھلے لفظ کہ "اہل حاجت اپنی مشکلوں کا حل ان سے مانگتے اور پاتے ہیں" ملحوظ خاطر رہیں، کس دھوم دھام سے ارواح اولیاء کو حاجت روا مشکل کشا بتایا ہے۔ واللہ! کہا سچ، اگرچہ بُرا مانیں ناواقف۔

الناس اعداء لما جھلوا

(لوگ جس چیز کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں۔ ت)

---

[1] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل پانچویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۲

[2] تفسیر فتح العزیز پارہ عم بیان صدقات وفاتحہ الخ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۲۰۶

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل گیارھویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

؎ غوثِ اعظم بمن بے سروساماں مددے
قبلہ دیں مددے کعبہ ایماں مددے
(غوث اعظم! مجھ بے سروسامان کی مدد فرمائیں، قبلہ دیں! مدد فرمائیں، کعبہ ایمان! مدد فرمائیں)

سوال (۱۶): اُسی تفسیر عزیزی میں دفن کو نعمت الٰہی ٹھہرا کر اس کے منافع وفوائد میں لکھتے ہیں:

ازاولیائے مدفونین انتفاع واستفادہ جاریست [1]۔	مدفون اولیاء سے نفع پانا اور فائدہ طلب کرنا جاری ہے۔ (ت)

اقول اولاً انتفاع تک خیر تھی کہ بے مقصد منتفع بھی ممکن، استفادہ نے غضب کردیا کہ وہ نہیں مگر طلب فائدہ، پھر کیا اچھا نفع دفن میں نکالا کہ بندگانِ خدا بے حصول علم مرتکب سوال ہو کر معاذاللہ مشرک ہوتے ہیں۔

ثانیاً لفظ "جاری ست" پر لحاظ رہے کہ اس سے مراد نہیں مگر مسلمانوں میں جاری ہونا، اور جو مسلمانوں میں جاری ہر گز شرک نہیں کہ جن میں شرک جاری ہر گز مسلمان نہیں۔

سوال (۱۷): مرزا مظہر جانجاناں صاحب جنھیں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مکاتیب میں قیم طریقہ احمدیہ وداعی سنت نبویہ لکھتے ہیں، اور حاشیہ مکتوبات ولویہ پر انھیں شاہ صاحب سے ان کی نسبت منقول ہند وعرب وولایت میں ایسا متبع کتاب وسنت نہیں سلف میں بھی کم ہوئے اھ ملخصا مترجمًا، یہ مرزا صاحب اپنے ملفوظات میں تحریر فرماتے ہیں:

نسبت ما بجناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می رسد، وفقیر رانیازی خاص بآنجناب ثابت است۔ دروقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود وسبب حصول شفامی گردد [2]۔	امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ تک نسبت پہنچتی ہے اور فقیر کو اس جناب سے خاص نیاز حاصل ہے، جب کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہوتا ہے تو آنحضور کی جانب میری توجہ ہوتی ہے اور شفایابی کا سبب بنتی ہے۔ (ت)

سوال (۱۸): آگے فرماتے ہیں:

یکبار قصیدہ کہ مطلعش اینست ؎	ایک بار وہ قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے: ؎

[1] تفسیر فتح العزیز پارہ عم استفادہ از اولیاء مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[2] مکاتیب مرزا مظہر از کلمات طیبات ملفوظات مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

فروغ چشم اگاہی امیر المومنین حیدر	چشم معرفت کو روشنی عطا ہوا ے امیر المومنین حیدر
زانگشت ید اللّٰہی امیر المومنین حیدر	خدائی ہاتھ والی انگشت سے اے امیر المومنین حیدر
بجناب ایشاں عرض نمودم نواز شہا فرمودند اھ[1]۔	حضرت کی بارگاہ میں عرض کیا تو بڑی نوازشیں فرمائیں اھ (ت)

اقول: اولاً جب جناب مرزا صاحب امراض میں بارگاہ مشکل کشائی کی طرف توجہ کرتے تھے انھیں کیا خبر تھی کہ حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الاسنی اس وقت میری طرف متوجہ ہیں یا میری طرف سے التفات فرمائیں گے۔

ثانیًا یونہی جب قصیدہ عرض کرنے بیٹھے، کیا جانتے تھے کہ حضرت والا اس وقت سن لیں گے، توان سب اوقات میں بے حصول علم، مرتکب عرض وتوجہ ہو کر انھوں نے جناب اسد اللّٰہی کو سمیع وبصیر علی الاطلاق ٹھہرایا، اور حضرت کے طور پر وہ برا لقب پایا یا نہیں۔

ثالثًا مزار پر جاکر کلام وخطاب تو وہ آفت تھا، مرزا صاحب جو بے حضور مزار ہی توجہیں کرتے قصیدے سناتے ان کے لیے حکم کچھ زیادہ سخت ہوگا یا نہیں۔

رابعًا اس نیازی خاص پر بھی نظر رہے کہ یہ معالجہ کرے گا ان جُہال کے وہم کا جو "نیاز" کے لفظ کو خاص بجناب بے نیاز مانتے، اور اسی بناپر فاتحہ فاتحہ حضرات اولیاء کو نیاز کہنا شرک وحرام جانتے ہیں،

خامسًا یہ بڑی گزارش تو باقی ہی رہ گئی کہ دفع امراض کے لئے ارواح طیبہ کی طرف توجہ استمداد بالغیر تو نہیں۔ اور جناب کے نزدیک بھلا ایسا شخص اتباعِ شریعت میں یکتا وبے نظیر جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے کہا تھا، بالائے طاق، سرے سے متبع سنت بلکہ از روئے ایمان، تقویۃ الایمان، راسًا مسلم وموحد کہا جائے گا یا نہیں

سوال (۱۹): شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کی نسبت کیا حکم ہے؟ وہ بھی اس شرک عالمگیر سے محفوظ نہ رہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب قول الجمیل میں لکھتے ہیں: **وایضا تادب شیخنا عبدالرحیم علی روح جدہ لامہ الشیخ رفیع الدین محمد**[2]۔ شفاء العلیل میں اس کا ترجمہ یوں کیا: "اور بھی ہمارے مرشد شاہ عبدالرحیم ادب آموز ہوئے اپنے نانا شیخ رفیع الدین کی روح سے۔ "اور حاشا یہ فیض یوں نہ تھا کہ ادھر سے بے طلب آیا ہو، بلکہ یہی جاکر قبر پر متوجہ ہوا کرتے۔ خود شاہ ولی اللہ

---

[1] مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل گیارھویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۹۔۸۰

اپنے والد ماجد سے انفاس العارفین میں ناقل:

می فرمودند مرادر مبدءحال بمزار شیخ رفیع الدین الفتے پیداشد۔آں جاہی رفتم وبقبر شاں متوجہ می شدم [1] الخ	فرماتے تھے مجھے ابتدائے حال میں شیخ رفیع الدین کے مزار سے ایک الفت پیدا ہوگئی۔ وہاں جاتا اور ان کی قبر کی طرف متوجہ ہوتا تھاالخ (ت)

یارب! جب مولوی اسمٰعیل کے اساتذہ ومشائخ سب گرفتار شرک ہوئے یہ انھیں کے خوشہ چین، انھیں کے نام لیوا، ان کے مداح، ان کے مقلد کیونکر مومن موحد رہے۔

وحسن نبات الارض من کرم البذر

(زمین کا پودہ عمدہ جب ہی ہوتا ہے کہ بیج اچھاہو۔ت)

صنف آخر من ھٰذاالنوع

اسی نوع کی ایک اور قسم

اس میں وہ سوالات مذکور ہوں گے جو مولوی صاحب کے استدلال دوم یعنی تمسك بحدیث من حلف الخ سے متعلق ہیں:

سوال (۲۰): حدیث **من حلف بغیر اللہ فقد اشرك** [2] کی جو عمدہ شرح افادہ فرمائی،

ذرا کتب ائمہ حدیث وفقہ پر نظر کرکے ارشاد ہوجائے کہ کلمات علماء سے کہاں تک موافق ہے، فقیر بہت ممنون احسان ہوگا اگرایک عالم معتمد کی تحریر سے بھی آپ نے اپنا بیان مطابق کر دکھایا۔ الفاظ شریفہ پیش نظر رہیں کہ "اس حرمت کا سبب سوا اس کے نہیں" الخ

سوال (۲۱): اعتقاد نفع وضرر پر قسم کی دلالت، کسی قسم کی دلالت، آیا لغۃً اس کے معنی سے یہ امر مفہوم، یا عقلاً خواہ عرفاً لازم وملزوم، کہ آدمی اسی کی قسم کھائے جس سے نفع وضرر کی امید رکھے۔

صدر اسلام میں جو صحابہ کرام کعبہ معظمہ کی قسم کھاتے [3] **کما رواہ النسائی وغیرہ** (جیسا کہ نسائی

[1] انفاس العارفین (اردو ترجمہ) زندہ جاوید المعارف گنج بخش روڈ۔ لاہور ص ۳۶

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر دارالفکر بیروت ۲/ ۸۷

[3] سُنن نسائی الحلف بالکعبۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۴۳

وغیرہ نے روایت کیا۔ت) اس وقت کعبہ کی نسبت کیا اعتقاد[عہ] رکھتے تھے؟ **بینوا توجروا**

سوال (۲۲): غیر خدا کو کسی طرح نافع یا ضار جاننا مطلقاً شرک ہے یا خاص اس صورت میں کہ اسے نفع و ضرر میں مستقل بالذات مانے۔ بر تقدیر اول یہ وہ شرک ہے جس سے عالم میں کوئی محفوظ نہیں۔ جہان شہد کو نافع اور زہر کو مضر جانتا ہے۔ سچے دوست سے نفع کی امید، پکے دشمن سے ضرر کا خوف رکھتا ہے۔ عالم کی خدمت حاکم کی اطاعت اسی لیے کرتے ہیں کہ دینی یا دنیاوی نفع کی توقع ہے۔ مخالف مذہب سے احتیاط، سانپ سے احتراز اسی لیے رکھتے ہیں کہ روحانی یا جسمانی ضرر کا اندیشہ ہے۔ خود قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے:

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ[1]۔	تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے ان میں کون تمھیں نفع دینے میں زیادہ نزدیک ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَ مَا هُمْ بِضَآرِّیْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ[2]۔	اور وہ اس سے کسی کو ضرر نہ پہنچائیں گے بے حکم خدا کے۔

صحیح مسلم شریف میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه[3]۔	تم میں جو اپنے بھائی مسلمان کو نفع دے سکے نفع دے۔

امام احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ بسند حسن مالک بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ضارّ ضار اللہ به ومن شاق شق اللہ علیه[4]۔	جو کسی کو ضرر دے گا اللہ تعالٰی اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی پر سختی کرے گا اللہ تعالٰی اسے مشقت میں ڈال دے گا۔

عہ: ذکر نسخ نافع نہ ہوگا۔ کیا شرک وتوحید میں بھی نسخ جاری ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۱۱/۴

[2] القرآن ۱۰۲/۲

[3] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۲۴/۲

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی الخیانۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۸۷/۱

حاکم کی حدیث میں ہے مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حجرِ اسود کی نسبت فرمایا:

بلٰی یا امیر المومنین یضر وینفع [1]۔	کیوں نہیں اے امیر المومنین! یہ پتھر نقصان دے گا اور نفع پہنچائے گا۔ (الحدیث)

بر تقدیر ثانی واقع و نفس الامر اس گمان کے خلاف پر شاہد عادل، لاکھوں آدمی اپنے یا اپنے محبوب کے سر یا آنکھوں یا جان کی قسم کھاتے ہیں، اور ہر گز ان کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں بالاستقلال ہمارے نفع وضرر کی مالک ہیں۔ نہ ہر گز سامع کا ذہن اس طرف جاتا ہے۔ بھلا حضرت نابغہؔ جعدی رضی اللہ عنہ کے اس قول کے کیا معنی ہیں: ؎

لعمری وما عمری علی بھین
لقد نطقت بطلا علیّ الاقارع

(میری زندگی کی قسم، اور میری زندگی کوئی معمولی چیز نہیں__ بلاشبہہ اژدہوں (دشمنوں) نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ت) اور جناب کے نزدیک اس سے کیا اعتقاد ظاہر ہوتا ہے__ اسی طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وغیرہما پیشوایانِ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اپنے باپ اور اپنی جان کی قسم کھانی کہ خادم حدیث پر مخفی نہیں۔

سوال (۲۳): خیر قسم غیر سے توآپ کے نزدیک یہ صرف ظاہر ہی ہوتا تھا کہ وہ اپنے عقیدے میں غیر خدا کو بھی نفع وضرر رسان جانتا ہے۔ بگمان جناب اتنی ہی بات پر شرع مطہر میں بنائے تحریم ہوئی حالانکہ اس کے دل کا حال خدا جانے۔ اب ان کی نسبت حکم ارشاد ہو۔ جو صاف صاف بالتصریح غیر خدا کو نہ فقط نفع وضرر رسان بلکہ مالک نفع وضرر بتائیں، اور وہ بھی کسے۔ اس شقی کو جو مدعی الوہیت رہا ہو۔ اور برسوں خرانِ بے عقل نے اسے پوجا ہو۔ وہ کون، فرعون بے عون۔ **نسأل اللہ عن حالہ الصون** (خدا سے دعا ہے کہ ہمیں اس کی حالت سے بچائے۔ت) شاہ عبدالعزیز صاحب اس امر کے ثبوت میں کہ سامری والوں کی گوسالہ پرستی قبطیوں کی فرعون پرستی سے بدتر تھی، تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

تعظم بادشاہ صاحب اقتدار کہ مالک نفع وضرر باشد	ایسے صاحب اقتدار بادشاہ کی تعظیم جو نفع وضرر کا

[1] المستدرک للحاکم الحجر الاسود یمین اللہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۵۷

فی الجملہ وجہ معقولیت دارد۔ گوسالہ لایعقل کہ در بلادت وحمق ضرب المثل است ہیچ وجہ شایان تعظیم نیست۔[1]	مالک ہو فی الجملہ ایک وجہ معقولیت رکھتی ہے مگر بے عقلی گائے کا بچھڑا جو بلادت اور بیوقوفی میں ضرب المثل ہے کسی طرح قابل تعظیم نہیں۔ (ت)

سوال (۲۴): یہ تو آیندہ عرض کروں گا کہ طلب دعا کو اعتقاد نفع وضرر سے کتنا تعقل۔ بالفعل اسے یونہی فرض کرکے گزارش کرلوں کہ دعا منگوانے میں تو وہ اعتقاد نفع وضرر نکلا، جو معنًی شرک۔ حالانکہ وہ خود ان سے کسی حاجت کی خواستگاری نہیں۔ پھر:

(۱) ان کے مزارات عظیمہ البرکات پر حاضر ہو کر خود ان سے بھیک مانگنا۔

(۲) یارُوح یارُوح پکار کر ان کے فیض کا منتظر رہنا۔

(۳) اپنی مشکلوں کا ان سے حل چاہنا۔

(۴) بیمار پڑیں تو شفاء ملنے کو ان کی طرف توجہ کرنا کہ ابھی صنفِ سابق میں منقول ہوئے ان میں کتنا اعتقاد نفع وضرر ثابت ہوتا ہے۔اور

(۵) لفظ انتفاع واستمداد خود بمعنے نفع یافتن وفائدہ خواستن، اس کا قصد بے اعتقاد نفع، کس عاقل سے معقول، ہاں ہاں، انصاف کیجئے تو دعا طلبی سے دریوزہ گری وحاجت خواہی کہیں زیادہ ہے، اس میں صرف نیت سائل پر مدار تفرقہ ہے۔ اگر سبب ظاہری ومظہر عون باری جانا تو خالص حق، اور معاذاللہ مستقل مانا تو نرا شرک، بخلاف طلب دعا کہ وہاں نفس کلام مطلوب منہ کی غلامی وبندگی اور حضرت غنی جل جلالہ، کی طرف محتاجی پر دلیل واضح۔ یہاں تک کہ توہّم استقلال سے اس کا اجتماع محال **کما لا یخفٰی علی اولی النھٰی** (جیسا کہ اہل عقل پر مخفی نہیں۔ت) بااینہمہ اگر یہ شرک ہے تو اس کے لیے تو کوئی لفظ مجھے شرک سے بدتر ملتا بھی نہیں جس کا مصداق ٹھہراؤں ع ؎

ضاق عن وصفکم نطاق البیان

(آپ کے وصف سے بیان کا دائرہ تنگ ہے۔ت)

سوال (۲۵): اگر مان بھی لیں کہ غیر خدا کی قسم اس لیے حرام ہوئی تو اس کو مسئلہ دائرہ سے کیا علاقہ۔ کیا کسی سے دعا کے لیے کہنے میں بھی اسی طرح کے نفع وضرر کا اعتقاد ظاہر ہوتا ہے جو معنًا شرک ہے۔

(۱) خود مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دعا چاہی

[1] تفسیر عزیزی سورۃ البقرۃ بیان رفتن موسٰی علیہ السلام برائے آوردن کتاب الخ افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی ۲۳۸

جب وہ مکہ معظّمہ جاتے تھے۔ ارشاد فرمایا:

لاتنسنا یا اخی من دعائك [1]۔ رواہ ابوداؤد عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں نہ بھول جانا (اسے ابوداؤد نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

احمد وابن ماجہ کی روایت میں ہے۔ فرمایا:

اشرکنا یا اخی فی صالح دعائك ولاتنسنا [2]۔	بھائی! اپنی نیک دعا میں ہمیں بھی شریک کرلینا اور بھول نہ جانا۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب دفنِ میّت سے فارغ ہوتے تو قبر پر ٹھہر کر صحابہ کرام سے ارشاد فرماتے:

استغفروا لاخیکم واسئلوا لہ التثبیت فانہ الاٰن یسأل [3]۔ رواہ ابوداؤد والحاکم والبیھقی بسند حسن عن عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے ثابت رہنے کی دعا مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا (اسے ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے بسند حسن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

(۳) امام احمد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذالقیت الحاج فسلم علیہ وصافحہ ومرہ ان یستغفرلك قبل ان یدخل بیتہ فانہ مغفورلہ [4]۔	جب تو حاجی سے ملے سلام ومصافحہ کر اور قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر میں جائے اپنی مغفرت کی دعا اس سے منگوا کہ وہ بخشا ہوا ہے۔

(۴) حضور الحضور نے اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرکے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو حکم دیا:

فمن لقیہ منکم فلیامرہ فلیستغفرلہ [5]۔	تم میں جو اسے پائے اپنے لیے اس سے دعائے بخشش

[1] سنن ابی داؤد باب الدّعا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۰

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل دعاء الحاج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۳

[3] سنن ابی داؤد باب الاستغفار آفتاب علم پریس لاہور ۲/۱۰۳

[4] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن عمر دارالفکر بیروت ۲/۶۹

[5] صحیح مسلم فضائل اویس قرنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۱۱

اخرجه مسلم والبیھقی عن عمر فاروق رضی الله تعالٰی عنه۔	کرائے۔ اسے مسلم اور بیہقی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رروایت کیا۔ (ت)

ایک روایت میں ہے حضرت فاروق کو بالتخصیص بھی حکم ہوا ان سے دعا کرانا کہ وہ اللہ کے حضور عزت والے ہیں، اخرجه الخطیب وابن عساکر[1] (اسے خطیب اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

(۵) حسب الحکم امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے دعا چاہی[2]۔

اخرجه ابن سعد والحاکم وابو عوانه و الرویانی والبیھقی فی الدلائل وابو نعیم فی الحلیة کلھم من طریق اسیر بن جابر عن عمر رضی الله تعالٰی عنه۔	اسے بطریق اسیر بن جابر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابن سعد، حاکم، ابو عوانہ، رویائی، دلائل میں بیہقی، اور حلیہ میں ابو نعیم نے روایت کیا۔ (ت)

(۶) ایک روایت میں ہے امیر المومنین فاروق و امیر المومنین مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کو حضرت اویس سے طلب دعا کا حکم تھا۔ دونوں صاحبوں نے اپنے لیے دعا کرائی[3]۔ اخرجه ابن عساکر (اسے ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

(۷) امام ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ امام بخاری و مسلم اپنے مصنف اور امام بیہقی دلائل النبوۃ کی مجلد یازدہم میں بسند صحیح عـــہ۱ بطریق ابو معٰویۃ عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے ہیں:

قال اصاب الناس قحط فی زمن عمر بن الخطاب فجاء رجل عـــہ۲ الی قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال یا رسول الله استسق الله	یعنی عہد معدلت مہد فاروقی میں ایک بار قحط پڑا۔ ایک صاحب یعنی حضرت بلال بن حارث مزنی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مزار اقدس حضور ملجاء بیکساں صلی اللہ
عـــہ۱: نص علی صحته الامام القسطلانی فی المواھب ۱۲ منه (م)	امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی۔ (ت)
عـــہ۲: ھو بلال بن الحارث المزنی الصحابی کما عند سیف فی کتاب الفتوح ۱۲ زرقانی شرح مواھب (م)	وہ بلال بن حارث مزنی صحابی ہیں، جیسا کہ سیف کی کتاب الفتوح میں ہے ۱۲ زرقانی شرح مواہب (ت)

[1] مختصر تاریخ ابن عساکر فی ترجمہ اویس قرنی دار الفکر بیروت ۵/ ۸۲

[2] المستدرک للحاکم ذکر لقاء اویس قرنی دار الفکر بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] مختصر تاریخ ابن عساکر فی ترجمہ اویس قرنی دار الفکر بیروت ۵/ ۸۳ و ۸۴

لامتك فانهم قدهلكوا فاتاه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المنام فقیل له ائت عمر فاقرأه السلام واخبره انکم مستقیون[1] الحدیث۔	تعالٰی علیہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے اللہ تعالٰی سے پانی مانگئے کہ وہ ہلاک ہوئے جاتے ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان صحابی کے خواب میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس جاکر اسے سلام پہنچا اور لوگوں کو خبر دے کہ پانی آیا چاہتا ہے۔ الحدیث (ت)

شاہ ولی اللہ قرۃ العینین میں یہ حدیث نقل کرکے کہتے ہیں: رواہ ابو عمر فی الاستیعاب[2] (اسے ابو عمر بن عبدالبر نے استیعاب میں روایت کیا۔ت)

تنبیہ نبیہ: یہ چند حدیثیں ہیں احیائے حقیقی سے طلب دعا میں۔ اور اموات سے طلب کی قدرے بحث کہ اصل مسئلہ مسئولہ سائل ہے، ان شاء اللہ تعالٰی مقصد سوم میں مذکور ہوگی۔ یہاں ایک نکتہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو بات شرک ہے اس کے حکم میں احیاء واموات وانس وجن وملائک وغیرہم تمام مخلوق الٰہی یکساں ہیں کہ غیر خدا کوئی ہو خدا کا شریک نہیں ہوسکتا تو امور شرک میں حیات وموت تفرقہ، جیسا کہ اس طائفہ جدیدہ کا شیوہ قدیمہ ہے۔ دائرہ عقل وشرع دونوں سے خروج، کیا زندے خدا کے شریک ہوسکتے ہیں، صرف شراکت اموات ہی ممنوع ہے۔ مولوی صاحب اپنی مقیس علیہ یعنی قسم غیر کو ملاحظہ کریں کہ حلال نہیں تو مردے زندے کسی کے لیے حلال نہیں، یونہی اگر طلب دعا میں شرک ہو تو ہرگز یہ حکم فقط اموات سے خاص نہ ہوگا بلکہ یقیناً احیاء سے دعا کرانی بھی حرام ٹھہرے گی کہ خدا کا شریک نہ ہوسکنے میں زندے مُردے سب ایک سے۔ ولہٰذا شیخ الشیوخ علمائے ہند مولٰنا وبرکتنا سیدی شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ سرّہ العزیز نے شرح مشکوٰۃ شریف میں فرمایا:

اگر ایں معنی کہ در امداد واستمداد ذکر کردیم موجب شرک وتوجہ بماسوائے حق باشد چنانکہ منکر زعم می کند پس باید کہ منع کردہ شود، توسل وطلب دعا از صالحان ودوستان خدا درحالت حیات نیز وایں ممنوع نیست بلکہ مستحب ومستحسن است باتفاق وشائع است	یہ معنٰی جو ہم نے امداد اور مدد طلبی میں بیان کیا اگر شرک کا موجب اور غیر کی طرف توجہ قرار پائے، جیسا کہ منکر خیال رکھتا ہے تو چاہئے کہ صالحین اور اولیاء اللہ سے زندگی میں بھی توسل اور دعا طلبی سے منع کیا جائے حالانکہ یہ ممنوع نہیں بلکہ بالاتفاق مستحب و

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ فضائل عمر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۲/ ۳۲

[2] قرۃ العینین نوع چہلم المکتبۃ السّلفیہ، لاہور ص ۱۹

دردین[1]۔	مستحسن اور دین میں عام ہے۔(ت)

عزیز! یہ نکتہ بہت کارآمد ہے، اور اکثر اوہام وشبہات کا رَد۔ فاحفظ تحفظ وتحظی من الرشد باوفی حظ (اسے یاد رکھو گے تو محفوظ رہوگے اور ہدایت سے بھرپور حصہ پاؤ گے۔ت)

نوع دوم: مخالفات مولوی صاحب وہم مذہبانِ مولوی صاحب میں۔ یہاں اس امر کا ثبوت ہوگا کہ مولوی صاحب کی تحریر مذہب منکرین سے بھی موافق نہیں۔ بوجوہ عدیدہ واصول وفروع طائفہ جدیدہ سے صریح مخالفت اور مذہب مہذب اہل حق سے بعض باتوں میں گونہ موافقت فرمائی ہے۔ پھر یہی نہیں کہ صرف ہم مذہبوں ہی سے خلاف ہوں اور خود مولوی صاحب ان مخالفات کا بخوشی التزام فرمالیں۔ نہیں، نہیں، بلکہ بہت وہ بھی ہیں جو نادانستہ سرزد ہوگئیں کہ ظاہر ہوئے پر خود بھی آپ کو گوارانہ ہوں۔ اور اگر تسلیم فرمالیں تو اس سے کیا بہتر۔ دیکھئے تو، یہیں کتنے مسائل نزاعیہ طے ہوئے جاتے ہیں۔

مخالفت (۱): مولوی صاحب فرماتے ہیں: زیارتِ قبور مومنین خاصۃً بزرگان دین مندوب ومسنون ہے۔ یہ خصوصیت ہمارے طور پر بیشک حق، مگر صاحب مائۃ مسائل کے بالکل خلاف۔ انھوں نے جو قسم زیارت شرعًا بلا کراہت جائز مانی اس میں مزاراتِ عالیہ حضرات اولیا اور ہر شرابی زناکار کی قبر یکساں جانی۔ **حیث قال** (ان کے الفاظ یہ ہیں):

دریں قسم زیارت کردن قبر ولی وغیر ولی وشہید وغیر شہید وصالح وفاسق وغنی وفقیر برابراست[2]۔	اس قسم میں ولی، غیر ولی، شہید، غیر شہید، صالح، فاسق، غنی اور فقیر سب کی قبر کی زیارت یکساں ہے۔(ت)

پھر اس برابری پر بھی صبر نہ آیا۔ آگے الٹی ترقی معکوس کرکے فرمایا:

بلکہ زیارت قبور اغنیاء وملوک زیادہ ترعبرت حاصل می گردد۔[3]	بلکہ مالداروں اور بادشاہوں کی قبروں کی زیارت سے زیادہ عبرت حاصل ہوتی ہے۔(ت)

مطلب یہ کہ جس[عہ] فائدہ کے لیے شرع نے زیارت قبور جائز کی ہے وہ مزارات اولیاء میں ہرگز ایسا نہیں

عـــہ: **اقول: وباللہ التوفیق** ان مردعاقل محرر مائۃ مسائل سے پوچھنا چاہیے کہ اگر (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۱

[2] مائۃ مسائل سوال سیز دہم مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۴۔ ۲۳

[3] مائۃ مسائل سوال سیز دہم مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۳۔ ۲۴

جیسا روپے والوں کی قبروں میں ہے۔ تو آدمی کو چاہئے کہ وہیں جائے جہاں دو آنے زیادہ پائے، انّا للہ وانا الیہ راجعون

مخالفت (۲): مولوی صاحب وقت زیارت قبور درود وفاتحہ پڑھ کر اموات کو ثواب بخشنا مندوب ومسنون فرماتے ہیں۔ بہت اچھا، قرآن وحدیث سے درود فاتحہ کی خصوصیت ثابت کر دکھائیں، یا قرون ثلاثہ میں اس تخصیص کا رواج بتائیں، ورنہ ندب واستنان در کنار اصول طائفہ پر کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار [1] میں داخل ٹھہرائیں۔

مخالفت (۳): سوال سائل میں درود وفاتحہ دونوں کا معًا پڑھنا مذکور تھا اور اسی پر حضرت کا جواب وراد۔ بالفرض اگر فردًا فردًا ان کا پڑھنا ثابت بھی فرمالیں تو اصول طائفہ پر ہیأت اجتماعیہ محل میں کلام رہیں گے۔ اس بنا پر آپ کو حکم بدعت دینا تھا۔ یا تسلیم فرمایئے کہ بعد حسن احاد حسن مجموعہ میں کلام نہیں جب تک خصوصی اجتماع میں کوئی مفسدہ نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تمھارا بیان حق ہے تو واجب تھا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر قبور اُحد وبقیع پر سو بار رونق افروز ہوئے تو بادشاہوں جباروں کے مقابر پر دو سو بار تشریف لے گئے ہوتے تاکہ امت کو اختیار نفع وافضل کی طرف ارشاد فرمائے یا نہ سہی۔ برابر ہی سہی، کم ہی سہی، کبھی ہی سہی، ایک ہی بار ثابت کر دو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعلی علیہ وسلم کسی بادشاہ کی خاک پر تشریف فرما ہوئے ہوں یا قبر غنی کی بوجہ غناء تخصیص فرمائی ہو پھر سخت عجب ہے کہ جس خاص امر کے لیے حضور نے زیارت قبور جائز فرمائی اس کا حصول جہاں بیشتر اور منفعت شرعیہ اتم واوفر اُسی کو دائمًا ترک فرمائیں نہ وہ صحابہ کرام میں ہر گز رواج پائے۔ پھر ہر قرن وطبقہ کے اہل اسلام ہمیشہ زیارت مزارات صلحاء کا اہتمام واعتنار کھیں، نہ یہ کہ فلاں بادشاہ یا سیٹھ کی گور پر چلو وہاں نفع زائد ملے گا۔ حق یہ ہے کہ مزارات عالیہ حضرات اولیاء کرام قدست اسرارہم پر امر عبرت میں بھی ترجیح، ممنوع اور مشروعیت زیارت کی غرض اس میں منحصر ہونا قطعًا باطل ومدفوع، خود انھیں حضرت کی مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ کی بعض عبارات مقصد سوم میں ملیں گے۔ جو ظاہر کر دیں گی کہ صاحب مائۃ مسائل نسی ماقدمت یداہ (پہلے جو کچھ لکھ چکے اسے بھول گئے۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی علم ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (م)

---

[1] الدر المنثور بحوالہ مسلم وغیرہ تحت آیت من یھدی اللہ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران ۱۴۷/۳

مخالفت (۴): متکلمین طائفہ کی تقریریں گواہ کہ جو فعل فی نفسہٖ حسن ہو مگر عوام میں ان کے زعم پر خلط مفاسد کے ساتھ جاری۔ وہ اصل کو ممنوع ٹھہراتے ہیں، نہ کہ مفاسد سے منع۔ اور اصل کی تجویز کریں، جب آپ کے نزدیک زیارت مزارات متبرکہ بطور شرک رائج کہ استمداد مذکور شائع وشہور۔ تو اصول طائفہ پر اصل زیارت کو حرام کہنا تھا۔ نہ مندوب ومسنون۔

مخالفت (۵): مولوی اسحاق مائۃ مسائل میں لکھتے ہیں:

اذان دادن بعد از دفن بدعت ومکروہ است زیراکہ معہود از سنت نیست وانچہ معہود از سنت نیست بموجب روایات کتب فقہ مکروہ می باشد۔ وعبارۃ الکتب ھذا یکرہ عند القبر مالم یعھد من السنۃ والمعھود منھا لیس الازیارتہ والدعاء عندہ قائما کما فی فتح القدیر والبحر الرائق والنھر الفائق والفتاوی العالمگیری[1]۔	دفن کے بعد اذان دینا بدعت اور مکروہ ہے اس لیے کہ سنت سے معہود نہیں۔ اور جو کچھ سنت سے معہود نہ ہو کُتب فقہ کی روایات کے مطابق مکروہ ہوتا ہے اور کتابوں کی عبارت یہ ہے قبر کے پاس جو سنت سے معہود نہیں مکروہ ہے۔ اور سنت سے معہود صرف یہ ہے کہ زیارت اور وہاں کھڑے ہو کر دعا ہو جیساکہ فتح القدیر، البحرالرائق، النہرالفائق اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے (ت)

اگرچہ ان عبارات کا مطلب جو صاحبِ مائۃ مسائل نے ٹھہرایا انھیں کتابوں کی بہت عبارتوں سے مردود۔ مگر عجب ہے کہ جناب نے اس کلیہ پر عمل فرماکر وقتِ زیارت درود وفاتحہ پڑھ کر ثواب بخشنے کو کیوں نہ مکروہ فرمایا:

مخالفت (۶): جناب نے امتناع رویت وسماع کوان حجب عدیدہ کی حیلولت پر مبنی فرمایا یہ ابتنٰی باعلی ندامنادی کہ اموات کو فی انفسہم قوت سمع وابصار حاصل ہے مگر ان حائلوں کے سبب باہر کی صوت وصورت کا ادراک نہیں ہوتا ورنہ اگر خود ان میں راسًا یہ قوتیں نہ ہوتیں تو بنائے کار حیلولت پر رکھنی محض بے معنی، دیوار بیت کی نسبت کوئی نہ کہے گا کہ باہر کی چیزیں اس وجہ سے نہیں دیکھتے کہ بیچ میں آڑ ہے۔ اب متکلمین طائفہ سے استفسار ہوجائے کہ وہ اس تخصیص کے مقر ہوں گے یا راسًا منکر۔ معلم ثانی منکرین ہند یعنی مولوی اسحاق دہلوی سے سوال ہوا: سماعت موتی سوائے سلام جائزاست (سوائے سلام کے مردے کا سننا جائز ہے؟۔ت) جواب دیا ثابت نیست[2] (ثابت نہیں۔ت) کیا آدمی اسی وقت میّت ہوتا ہے جب قبر میں رکھ کر مٹی دے دیں۔

---

[1] مائۃ مسائل سوال بست وہشتم مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۶۹

[2] مائۃ مسائل سوال بست وششم مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۵۱،۵۰

مخالفت (۷): جب آپ کے نزدیک مانع ادراک حیلولت خاک۔ تو جب تک مٹی نہ دی ہو یا جہاں دفن ہے اس طرح کرتے ہوں کہ باہر کی آواز اندر جانے سے روک نہ ہو، جیسے علامہ ابن الحاج مدخل میں اہل مصر کا رواج بتاتے ہیں کہ اموات کی قبریں نہیں بناتے بلکہ تہ خانوں میں رکھ کر آتے ہیں اور ان کے لیے دروازے ہوتے ہیں جب چاہو اندر جاؤ باہر آؤ۔ وہاں کے لیے حکم الٰہی ارشاد ہو۔ اگر ایسی جگہ کوئی یوں پکارے اور اموات سے دعا کرنے کو کہے تو قطعاً مشرک یا شائبہ وشبہہ شرک میں گرفتار ہوگا یا نہیں، متکلمین طائفہ تو ہرگز نہ مانیں گے آپ اپنے کلام کا لحاظ فرمائیں۔

مخالفت (۸): الحمد اللہ کہ جناب کا طرز کلام اول سے آخر تک شاہد عدل کہ آیت کریمہ **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى**[1] کو نفی سماع سے کچھ علاقہ نہیں، نہ ہرگز اس سے یہ مفہوم۔ ورنہ کلام جناب کلام اللہ کے صریح خلاف ہوگا۔

اوّلاً آیہ کریمہ یقینا عام، پس اگر اس سے نفی سماع مستفاد ہو تو قطعاً سلب کلی پر دلالت کرے گی۔ پھر آپ ارشاد ربّانی کے خلاف بعض اموات کے لیے ایجاب کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

ثانیاً اس تقدیر پر مفاد آیت یہ ہوگا کہ نفس موت منافی سماع ہے۔ نہ یہ کہ موتٰی کو اصل قوت حاصل اور عدم ادراک بوجہ حائل۔ پھر آپ کیونکر برخلاف قرآن حیلولت حجب پر بنائے کار رکھتے ہیں۔

لاجرم واضح ہوا کہ آیہ کریمہ کے صحیح معنی ذہن سامی میں ہیں اور آپ خوب سمجھ چکے ہیں کہ اس میں نفی سماع کا اصلاً ذکر نہیں **کما ھوا الحق الناصع** (جیسا کہ یہی حق خالص ہے۔ت) اور عجب نہیں کہ اسی لیے آپ نے آیہ کریمہ کا ذکر نہ فرمایا، ورنہ اسی کے ہوتے بیگانہ باتوں کی کیا حاجت ہوتی۔ لہٰذا فقیر نے بھی اس بحث کو بشرطیکہ مولوی صاحب جواب میں اس کی طرف رجعت فرمائیں جواب الجواب پر محمول رکھا۔ **واللہ الموفق**۔

مگر ازانجا کہ مقام خالی نہ رہے بتوفیقہ تعالٰی بعض جوابوں کی طرف اشارہ کروں۔ **فاقول وباللہ استعین** (میں تو کہتا ہوں اور خدا ہی سے مدد کا طالب ہوں۔ت)

جواب اوّل: آیت کا صریح منطوق نفیِ اسماع ہے۔ نہ نفی سماع، پھر اسے محل نزاع سے کیا علاقہ۔ نظیر اس کی آیہ کریمہ **اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ**[2] ہے۔ اسی لیے جس طرح وہاں فرمایا **وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ**[3] یعنی لوگوں کا ہدایت پانا نبی کی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے ہے۔ یونہی یہاں بھی ارشاد ہوا:

---

[1] القرآن ۲۷/ ۸۰

[2] القرآن ۲۸/ ۵۶

[3] القرآن ۲/ ۲۷۲

اِنَّ اللّٰہَ یُسۡمِعُ مَنۡ یَّشَآءُ[1] (بیشک اللہ جسے چاہتاہے سناتاہے۔ت) وہی حاصل ہوا کہ اہل قبور کا سُننا تمھاری طرف سے نہیں اللہ عزوجل کی طرف سے ہے۔ مرقاہ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

الاٰیۃ من قبیل اِنَّکَ لَاتَھۡدِیۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ[2]۔	یہ آیت اس آیت کی قبیل سے ہے۔ بیشک تم ہدایت نہیں دیتے مگر خدادیتا ہے جسے چاہتا ہے۔(ت)

جواب دوم: نفی سماع ہی مانو تو یہاں سے سماع قطعًا بمعنی سمعِ قبول وانتفاع ہے۔ باپ اپنے عاق بیٹے کو ہزار بار کہتا ہے، وہ میری نہیں سنتا۔ کسی عاقل کے نزدیک اس کے یہ معنی نہیں کہ حقیقۃً کان تک آواز نہیں جاتی۔ بلکہ صاف یہی کہ سنتا تو ہے، مانتا نہیں، اور سننے سے اسے نفع نہیں ہوتا، آیہ کریمہ میں اسی معنے کے ارادہ پر ہدایت شاہد کہ کفار سے انتفاع ہی کا انتفا ہے نہ کہ اصل سماع کا۔ خود اسی آیہ کریمہ اِنَّکَ لَاتُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی کے تتمہ میں ارشاد فرماتا ہے عزوجل:

اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۸۱﴾[3]۔	تم نہیں سناتے مگر انھیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں تو وہ فرمانبردار ہیں۔

اور پُر ظاہر کہ پند ونصیحت سے نفع حاصل کا وقت یہی زندگی دنیا ہے۔ مرنے کے بعد نہ کچھ ماننے سے فائدہ نہ سننے سے حاصل قیامت کے دن سہی کافر ایمان لے آئیں گے، پھر اس سے کیا کام آٰلۡئٰنَ وَقَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ[4] (کیااب جبکہ اس سے پہلے نافرمان ہے۔ت) تو حاصل یہ ہو کہ جس طرح اموات کو وعظ سے انتفاع نہیں، یہی حال کافروں کا ہے کہ لاکھ سمجھایئے نہیں مانتے۔ علّامہ حلبی نے سیرت انسان العیون میں فرمایا:

السماع المنفی فی الاٰیۃ بمعنی السماع النافع وقد اشار الٰی ذٰلک الحافظ الجلال السیوطی بقولہ ؎ سماع موتی کلام الخلق قاطبۃ حق قد جاءت بہ عندنا الاٰثار فی الکتب	آیت میں جس سننے کی نفی کی گئی ہے وہ سماع نافع کے معنی میں ہے، اور اس کی طرف حافظ جلال الدین السیوطی نے اپنے اس کلام سے اشارہ فرمایا ہے: ؎ مردوں کا کلام مخلوق سننا حق ہے، اس سے متعلق ہمارے پاس کتابوں میں آثار وارد ہیں۔

---

[1] القرآن ۲۲/۳۵

[2] مرقاۃ المصابیح باب حکم الاسراء مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵۱۹/۷

[3] القرآن ۸۱/۲۷

[4] القرآن ۹۱/۱۰

وآیت النفی معناھا سماع ھدی لایقبلون ولا یصغون للادب [1]۔	اور آیت نفی کا معنی سماع ہدایت ہے یعنی وہ قبول نہیں کرتے اور ادب کی بات پر کان نہیں دھرتے۔ (ت)

امام ابوالبرکات نسفی نے تفسیر مدارک التنزیل میں زیر آیہ سورہ فاطر میں فرمایا:

شبہ الکفار بالموتی حیث لا ینتفعون بمسموعھم [2]۔	کفار کو مُردوں سے تشبیہ دی اس لحاظ سے کہ وہ جو سنتے ہیں اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ (ت)

مولانا علی قاری نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

النفی منصب علی نفی النفع لاعلی مطلق السمع [3]۔	مطلق سننے کی نفی نہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ان کا سننا نفع بخش نہیں ہوتا۔ (ت)

جواب سوم: مانا کہ اصل سماع ہی منفی مگر کس سے، موتٰی سے، موتٰی کون ہے؟ ابدان، کہ روح تو کبھی مرتی ہی نہیں، اہل سنت وجماعت کا یہی مذہب ہے جس کی تصریحات بعونہ تعالٰی تمہید وفصلہ اول ودوم، نوع اول مقصد سوم میں آئیں گی۔ہاں کسی سے نفی فرمائی؟ من فی قلبور سے یعنی جو قبر میں ہے۔ قبر میں کون ہے؟ جسم، کہ روحیں تو علیّین یا جنّت یا آسمان یا چاہِ زمزم وغیرہا مقامات عزوکرام میں ہیں، جس طرح ارواح کفار سجّین یا نار وادی برہوت وغیرہا مقامات ذلت وآلام میں۔ امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

لاندعی ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع انما السماع بعد الموت لحی وھو الروح [4]۔	ہم یہ دعوٰی نہیں کرتے کہ جو موت سے متصف ہے وہی سننے سے بھی متصف ہے، مرنے کے بعد سننا ایک ذی حیات کا کام ہے جو روح ہے۔ (ت)

شاہ عبدالقادر صاحب برادر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب موضح القرآن میں زیر کریمہ ومآانت بمسمع من القبور فرماتے ہیں: حدیث میں آیا ہے کہ "مردوں سے سلام علیک کرو، سنتے ہیں، بہت جگہ مردوں کو خطاب کیاہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ، وہ نہیں سُن سکتاہے [5]۔

---

[1] السیرۃ الحلبیۃ باب غزوۃ الکبرٰی المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۲/ ۱۸۲

[2] تفسیر مدارک التنزیل تحت سورہ ۳۵ آیت ۲۲ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۳/ ۳۳۹

[3] مرقاۃ المصابیح باب حکم الاسراء مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۵۱۹

[4] شفاء السقام الباب التاسع الفصل الخامس نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۵۹

[5] موضح القرآن تحت سورہ ۳۵ آیت ۲۲ ناشران قرآن مجید لمٹیڈ، اردو بازار لاہور ص ۶۹۷

یہ تینوں جواب بتوفیق الوہاب قبل مطالعہ کلام علماء ذہن فقیر میں آئے تھے، پھر ان کی تصریحیں کلمات علماء میں دیکھیں **کما سمعت وللہ الحمد** (جیسا کہ آپ نے سنا اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔ت) اور ابھی ائمہ علماء کے جواب اور بھی ہیں:

وفیما ذکرنا کفایۃ لمن القی السمع وھو شھید ان اللہ یسمع من یشاء ویھدی الی صراط الحمید۔	اور جو ہم نے بیان کیا وہ کافی ہے اس کے لیے جو کان لگائے اور متوجہ ہو۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور ذات حمید کے راستے کی ہدایت دیتا ہے (ت)

مخالفت (۹): سائل نے مطلق کہا تھا ایک بزرگ کے مزار شریف پر واسطے زیارت کے گیا جو اپنے ارسال واطلاق سے شہر میں جانے اور سفر کرکے جانے دونوں کو شامل، کمالایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور آپ نے بھی یونہی بر سبیل اطلاق زیارت قبور کی تحسین فرمائی او سند میں حدیث بھی وہ ذکر کی جس میں امر بزیارت مطلق وارد۔ یہ اطلاقات مذہب جمہور اہل حق سے تو بیشک موافق، مگر مشرب طائفہ میں آپ پر لازم تھا کہ بلاسفر کے قید لگادیتے، ورنہ سائل ودیگر ناظرین اگر اطلاق دیکھ کر زیارت مزارات کو جانا مطلق جائز سمجھے تو مانعین کے نزدیک ان کا یہ وبال اطلاق فتوٰی کے ذمہ رہے گا۔

المقصد الثانی فی الاحادیث

(مقصد دوم احادیث میں)

اگرچہ حیات وادراک وسماع وابصار ارواح میں احادیث وآثار اس درجہ کثرت ووفور سے وارد جن کے استیعاب کو ایک مجلد عظیم ودفترِ ضخیم درکار اور خود ان کے احاطہ واستقصا کی طرف راہ کہاں، مگر یہاں بقدر حاجت صرف ساٹھ حدیثوں پر اقتصار اور مثل مقصد اول اس میں بھی دونوں پر انقسامِ گفتار۔

نوع اول: بعد موت بقائے روح وصفات وافعال روح میں، یہاں وہ حدیثیں مذکور ہوں جن سے ثابت کہ روح فنا نہیں ہوتی اور اس کے افعال وادراکات جیسے دیکھنا، بولنا، سننا، آنا جانا، چلنا پھرنا، سب بدستور رہتے ہیں، بلکہ اس کی قوتیں بعد مرگ اور صاف وتیز ہوجاتی ہیں، حالت حیات میں جو کام ان آلاتِ خاکی یعنی آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان سے لیتے تھے اب بغیر ان کے کرتی ہے۔ اگرچہ جسم مثالی کی یاد آوری سہی، ہر چند اس مطلب نفیس کے ثبوت میں وہ بے شمار احادیث وآثار سب حجۃ کافیہ دلائل شافیہ جن میں:

(۱) بعد انتقال عقل وہوش بدستور رہنا۔ **(۲)** روح کا پس از مرگ آسمانوں پر جانا۔

(۳) اپنے رب کے حضور سجدے میں گرنا۔
(۴) فرشتوں کو دیکھنا۔
(۵) ان کی باتیں سننا۔
(۶) ان سے باتیں کرنا۔
(۷) اپنے منازل جنّت کا پیشِ نظر رہنا۔
(۸) نیک ہمسایوں سے نفع پانا۔
(۹) بدہمسایوں سے ایذا اٹھانا۔
(۱۰) ملائکہ کا ان کے پاس تحفے لانا۔
(۱۱) ان کی مزاج پرسی کو آنا۔
(۱۲) ان کا منتظرِ صدقات رہنا۔
(۱۳) قبر کا ان سے بزبان فصیح باتیں کرنا۔
(۱۴) ان کے منتہائے نظر تک وسیع ہونا۔
(۱۵) زندوں کے اعمال انھیں سنائے جانا۔
(۱۶) نیکیوں پر خوش ہونا، بُرائیوں پر غم کرنا۔
(۱۷) پسماندوں کے لیے دعائیں مانگنا۔
(۱۸) ان کے ملنے کا مشتاق رہنا۔
(۱۹) روحوں کا باہم ملنا جلنا۔
(۲۰) ہر گُونہ کلام کے دفتر کُھلنا۔
(۲۱) منزلوں کی فصل سے آپس کی ملاقات کو جانا
(۲۲) اگلے اموات کا مُردہ نو کے استقبال کو آنا۔
(۲۳) اس کا گزرے قریبوں کو دیکھ کر پہچاننا، ان سے مل کر شاد ہونا۔
(۲۴) ان کا اس سے باقی عزیزوں دوستوں کے حال پوچھنا۔
(۲۵) آپس میں خوبی کفن سے مفاخرت کرنا۔
(۲۶) بُرے کفن والے کا ہم چشموں میں شرمانا۔
(۲۷) اپنے اعمال حسنہ یا سیّئہ کو دیکھنا۔
(۲۸) ان کی صحبت سے انس وفرحت یا معاذ اللہ خوف ووحشت پانا۔
(۲۹) عالم دین کا علم شریعت
(۳۰) اہلسنت کا مذہب سنّت
(۳۱) مسلمان کے دل خوش کرنے والے کا اس سرور وفرحت سے صحبت دلکشا رکھنا۔
(۳۲) تالیِ قرآن کا قرآن عظیم کی پاکیزہ طلعت سے صحبت دلکشا رکھنا
(۳۳) دشمنانِ عثمان کا اپنی قبروں میں عیاذًا باللہ دجال پر ایمان لانا۔
(۳۴) نیک بندوں کا خدمتِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعباد اللہ الصالحین میں حاضر ہونا۔
(۳۵) اپنی قبور میں نمازیں پڑھنا۔
(۳۷) حج کرنا لبیک کہنا
(۳۷) تلاوت قرآن میں مشغول رہنا۔
(۳۸) بلکہ ملائکہ کا انھیں تمام وکمال قرآن عظیم حفظ کرانا۔
(۳۹) اپنے رب جل جلالہ، سے باتیں کرنا۔
(۴۰) رب تبارک وتعالٰی کا ان سے کلامِ جانفزا فرمانا۔
(۴۱) بیل اور مچھلی کا لڑتے ہوئے ان کے سامنے آنا تماشا دیکھ کر جی بہلانا،
(۴۲) جنّت کی نہروں میں غوطے لگانا۔

(۴۳) جو تلاوت قرآن میں مشغول مرے قرآن عظیم کا ہر وقت ان کی دلجوئی فرمانا، ہر صبح وشام ان کے اہل وعیال کی خبریں انھیں پہنچانا۔

(۴۴) دودھ پیتے شہزادے کا انتقال ہوا، جنت کی دائیاں مقرر ہونا، مدّت رضاعت تمام فرمانا۔

(۴۵) نیکوں کا شوق قیامت میں جلدی کرنا۔ (۴۶) بدوں کا نام قیامت سے گھبرانا۔

(۴۷) مقتولان راہِ خدا کے دل میں دوبارہ قتل کی آرزو ہونا۔

(۴۸) مسلمانوں کا سبز یا سپید پرندوں کے روپ میں جہاں چاہنا اُڑتے پھرنا۔

(۴۹) جنّت کے پھل پانی کھانا پینا۔

(۵۰) سونے کی قندیلوں میں عرش کے نیچے بسیرا لینا۔ **اللھم ارزقنا۔**

اور ان کے سوا بہت سے امور وارد ہوئے۔ جو ان کے علم وادراک وسمع وبصر وکلام سیر وغیرہا صفات واحوال حیات پر برہان ساطع، بلکہ تمام آیات واحادیث عذاب قبر ونعیم قبر اس مدعا پر حجت قاطع، جسے ان تمام باتوں پر اطلاع تفصیل منظور ہو تصانیف ائمہ دین خصوصًا کتاب مستطاب شرح الصدور بکشف حال الموتی والقبور تصنیف لطیف امام اجل خاتمہ الحفاظ المحققین امام علامہ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ، المکین کی طرف رجوع کرے۔ مگر میں اس نوع میں صرف چند حدیثیں ذکر کروں گا جن میں ارواح کا بعد انتقال، اہل دنیا کو دیکھنا، ان سے باتیں کرنا، ان کی باتیں سننا اور اسی قسم کے امور متعلقہ بدنیا مذکور ہیں، اور ان میں بھی وقائع جزئیہ نہ لکھوں گا کہ کوئی کہے **واقعۃ حال لا عموم لھا** (ایک واقعہ ہے جو عام نہیں ہوتا۔ ت) اگرچہ دقیق النظر کو ان سے دلیل کی ترتیب اور اتمام تقریب دشوار نہ ہو۔ معہذا پھر ان میں وہ اکثر جن کا ایراد موجب اطالت، لہٰذا صرف انھیں بعض امور کلیہ کی روایت پر اقتصار چاہتا ہوں، جو ایک عام طور پر حال ارواح میں وارد ہوئے۔ میرے لیے ان احادیث نوع اول میں دو غرضیں ہیں:

اولا جب بعد فراق بدن ان کا علم وادراک وسمع وبصر ثابت ہوا تو یہ بعینہٖ مسئلہ مقصودہ کا ثبوت ہے کہ اسی وقت سے نام میّت ان پر صادق ہوتا ہے۔ قبر میں بند ہونے نہ ہونے کو اس میں دخل نہیں، تو عام منکرین پر حجت ہوں گے۔

ثانیا جب ان سے ثابت ہوگا کہ روح بعد موت اپنے صفات وافعال پر باقی۔ اور ان آلات جسمانیہ سے مستغنی، تو اس وقت خاص مولوی صاحب کے مقابل یوں گزارش ہو سکتی ہے کہ جس پر جناب مٹی وغیرہ کے حائل وحجاب دیکھ رہے ہیں وہ جسم خاکی ہے نہ کہ روح پاک، اور سمع وبصر وعلم وخبر جس کے اوصاف ہیں وہ جان پاک ہے نہ کہ یہ تودہ خاک۔ **حسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

حدیث (۱): امام اجل عبداللہ بن مبارک وابوبکر بن ابی شیبہ عبداللہ [عـــہ] بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما

عـــہ: صحابی ابن صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما ۱۲ منہ (م)

سے موقوف اور امام اجل احمد بن حنبل اپنی مسند اور طبرانی معجم الکبیر اور حاکم صحیح مستدرک اور ابو نعیم حلیہ میں بسند صحیح حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا راوی:

والموقوف ابسط لفظا واتم معنی وانت تعلم انه فی الباب کمثل المرفوع وھذا لفظ امام ابن المبارك قال ان الدنیا جنة الکافر وسجن المؤمن وانما مثل المؤمن حین تخرج نفسه کمثل رجل کان فی سجن فاخرج منه فجعل یتقلب فی الارض ویتفسح فیها[1]۔ ولفظ ابی بکر ھکذا الدنیا سجن المومن وجنة الکافر فاذا مات المومن یخلی سربه یسرح حیث شاء[2]۔	(اور حدیث موقوف لفظًا زیادۃ مبسوط اور معنًا زیادہ تام ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس باب میں موقوف بھی مرفوع کا حکم رکھتی ہے۔ اور یہ روایت امام ابن مبارک کے الفاظ ہیں۔ ت) بیشک دنیا کافر کی جنت اور مسلمان کی زندان ہے، اور ایمان والے کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کوئی قید خانہ میں تھا اب اس سے نکال دیا گیا کہ زمین میں گشت کرتا اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔ (اور روایت ابوبکر کے الفاظ یہ ہیں۔ ت) دنیا مسلمان کا قید خانہ اور کافر کی بہشت ہے۔ جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے سیر کرے۔

حدیث (۲): سیدی محمد علی ترمذی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ماشبهت خروج المومن من الدنیا الامثل خروج الصبی من بطن امه من ذٰلك الغم والظلمة الی روح الدنیا[3]۔	یعنی دنیا سے مسلمان کا جانا عـــہ ایسا ہے جیسے بچے کا ماں کے پیٹ سے نکلنا اس دم گھٹنے اور اندھیری کی جگہ سے اس فضائے وسیع دنیا میں آنا۔

عـــہ **فائدہ:** اسی کے موید دو حدیثین اور ہیں مرسل سلیم بن عامر و بن دینار سے اخرجھا ابن ابی الدنیا (ابن ابی الدنیا نے ان دونوں کو روایت کیا ہے۔ ت) (م)

---

[1] کتاب الزہد لابن مبارک حدیث ۵۹۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۱

[2] المصنف لابن ابی شیبۃ حدیث ۱۶۵۷۱ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۳/ ۳۵۵

[3] نوادر الاصول الاصل الثالث والخمسون فی ان الکبائر لاتجامع دار صادر بیروت ص ۷۵

اسی لیے علماء فرماتے ہیں دنیا کو برزخ سے وہی نسبت ہے جو رحمِ مادر کو دنیا سے۔ پھر برزخ کو آخرت سے یہی نسبت ہے جو دنیا کو برزخ سے۔ اب اس سے برزخ و دنیا کے علوم وادراک میں فرق سمجھ لیجئے، وہی نسبت چاہئے جو علم جنین کو علکم اہل دنیا سے، واقعی روح طائر ہے اور بدن قفس، اور علم پرواز، پنجرے میں پرند کی پَر فشانی، کتنی؟ ہاں، جب کھڑکی سے باہر آیا اس وقت اس کی جولاناں قابل دید ہیں،

حدیث (۳): صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وصف الجنازہ واحتملھا الرجال علی اعناقھم، فان کانت صالحۃ قالت قدمونی وان کانت غیر صالحۃ قالت لاھلھا یا ویلھا ان تذھبو بھا بسمع صوتھا کل شیئ الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق[1]۔	جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، اگر نیک ہوتا ہے کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ، اور اگر بد ہوتا ہے کہتا ہے ہائے خرابی اس کی کہاں لیے جاتے ہو، ہر شے اس کی آواز سنتی ہے مگر آدمی کہ وہ آدمی وہ سُنے تو بیہوش ہوجائے۔ (ت)

اقول: اگرچہ اہلسنت کا مسلک ہے کہ نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول ہوں گے۔ جب تک کہ اس میں محذور نہ ہو۔ لہٰذا ہم اس کلامِ جنازہ کو یوں بھی کلام حقیقی پر محمول کرتے ہیں، مگر بحمد اللہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پچھلے لفظوں سے نص کر مفسر فرمادیا کہ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اب کسی طرح مجال تاویل و تشکیک باقی نہ رہی، وللہ الحمد!

حدیث (۴): ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کیا: اذا وضع المیّت علی سریرہ[2]۔ الحدیث مانند حدیث ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

حدیث (۵): امام احمد وابن ابی الدنیا وطبرانی ومروزی وابن مندہ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان المیّت یعرف من یغسلہ ویحملہ ومن یکفنہ ومن یدلیہ فی حفرتہ[3]۔	بیشک مُردہ پہچانتا ہے اسے کو غسل دے اور جو اٹھائے اور جو کفن پہنائے اور جو قبر میں اتارے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب قول المیّت وھو علی الجنازۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۷۶/۱

[2] مسند ابی داؤد الطیالسی حدیث ۲۳۳۶ دارالفکر بیروت ص ۳۰۷

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دارالفکر بیروت ۳/۳

حدیث (٦): ابوالحسن بن البراء کتاب الروضہ میں بسند خود عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن میّت یموت الاوھو یعرف غاسلہ ویناشد حاملہ ان کان بُشّر بروح وریحان وجنۃ نعیم ان یجعلہ وان کان بشر بنزل من حمیم وتصلیۃ جحیم، ان یحبسہ[1]۔	ہر مردہ اپنے نہلانے والے کو پہچانتا اور اٹھانے والے کو قسمیں دیتا ہے اگر اسے آسائش اور پھولوں اور ارام کے باغ کا مژدہ ملا، تو قسم دیتا ہے مجھے جلد لے چل، اور اگر آبِ گرم کی مہمانی اور بھڑکتی آگ میں جانے کی خبر ملتی ہے قسم دیتا ہے مجھے روک رکھ۔

حدیث (٧): ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن میّت یوضع عیل سریرہ فیخطی بہ ثلٰث خطوات الاتکلم بکلام یسمع من شاء اللہ الاّ الثقلین الجن والانس یقول یا اخوتاہ ویاحملۃ نعشاہ لاتغرنکم الدنیا کما غرتنی ولا یلعبن بکم الزمان کما لعب بی خلفت ما ترکت لورثتی والدیان یوم القیمۃ یخاصمنی ویحاسبنی وانتم تشیعونی وتدعونی[2]۔	جب مردے کو جنازہ پر رکھ کر تین قدم لے چلتے ہیں ایک کلام کرتا ہے جسے سب سنتے ہیں، جنھیں خدا چاہے سوا جن وانس کے، کہتا ہے اے بھائیو! اے نعش اٹھانے والو! تمھیں دنیا وفریب نہ دے جیسا مجھے دیا اور تم سے نہ کھیلے جیسا مجھ سے کھیلی، اپنا ترکہ تو میں وارثوں کے لیے چھوڑ چلا اور بدلہ دینے والا قیامت میں مجھ سے جھگڑے گا اور حساب لے گا۔ تم میرے ساتھ چل رہے اور اکیلا چھوڑ آؤ گے۔

حدیث (٨): ابن مندہ راوی، حِبّان بن ابی جبلہ عـــہ نے فرمایا:

بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان الشھید اذا استشھد انزل	مجھے حدیث پہنچی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شہید کے لیے جسم نہایت خوبصورت

عـــہ: یہ تابعی ثقہ ہیں رجال بخاری سے، کتاب الادب المفرد میں ١٢منہ (م)

[1] شرح الصدور بحوالہ کتاب الروضۃ باب معرفۃ المیّت من یغسلہ خلافت اکیڈمی سوات ص ٣٩

[2] شرح الصدور کتاب القبور لابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیّت من یغسلہ خلافت اکیڈمی سوات ص ٤٠

اللہ تعالٰی جسد اکاحسن جسد ثم یقال لروحه ادخلی فیه فینظر الٰی جسدہ الا ول مایفعل به ویتکلم فیظن انهم یسمعون کلامه وینظر الیهم فیظن انهم یرونه حتی یاتیه ارواجه یعنی من الحور العین فیذهبن به [1]۔	یعنی اجسامِ مثالیہ سے اترتا ہے اور اس کی روح کو کہتے ہیں اس میں داخل ہو، پس وہ اپنے بدن کو دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کیا کرتے ہیں اور کلام کرتا ہے اور اپنے ذہن میں سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی باتیں سن رہے ہیں، اور آپ جو انھیں دیکھتا ہے تو یہ گمان کرتا ہے کہ لوگ بھی اسے دیکھ رہے ہیں یہاں تک کہ حور عین میں سے اس کی بیبیاں آکر اسے لے جاتی ہیں (ت)

حدیث (۹): ابن ابی الدنیا و بیہقی سعید بن مسیب سے راوی:

ان سلمان الفارسی وعبداللہ بن سلام التقیا فقال احدھما لصاحبه ان لقیت ربك قبلی فاخبرنی فی ماذا لقیت، فقال اوتلقی الاحیاء الاموات، قال نعم اماالمومنون فان رواحه فی الجنة وھی تذھب حیث شاءت [2]۔	سلمان فارسی وعبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما ملے، ایک صاحب نے دوسرے سے فرمایا: اگر آپ مجھ سے پہلے انتقال کریں تو مجھے خبر دیں کہ وہاں کیا پیش آیا، دوسرے صاحب نے پوچھا کہ کیا زندے اور مردے بھی آپس میں ملتے ہیں؟ فرمایا: ہاں مسلمانوں کی روحیں توجنت میں ہوتی ہیں اور انھیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہے جائیں۔

مغیرہ بن عبدالرحمان کی روایت میں تصریح آئی کہ یہ ارشاد فرمانے والے حضرت سلمان عہ فارسی تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ سعید بن منصور اپنے سُنن اور ابن جریر طبری کتاب الادب میں ان سے راوی:

قال لقی سلمان الفارسی عبداللہ بن سلام فقال له ان مت قبلی فاخبرنی بما تلقی، وان مت قبلك اخبرتك الحدیث [3]۔	یعنی سلمان فارسی نے عبداللہ بن سلام سے فرمایا: اگر تم مجھ سے پہلے مرو تو مجھ خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا اور اگر میں تم سے پہلے مروں گا تو میں تمھیں خبر دونگا۔

عـــہ: صحابی، عظیم الشان الجلیل القدر صحابی ان چاروں میں سے جن کی طرف جنت مشتاق ہے ۱۲منہ سلمہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ ابن مندہ باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۳

[2] شعب الایمان حدیث ۱۳۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۲۱/۲

[3] شرح الصدور بحوالہ کتاب الادب لابن جریر خلافت اکیڈمی سوات ص ۹۸

حدیث (۱۰): ابن ابی شیبہ استادِ بخاری ومسلم اپنے مصنف میں سیدنا ابوہرہ عـــہ۱ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

لایقبض المومن حتّٰی یری البشرٰی فاذا قبض نادی فلیس فی الدار دابۃ صغیرۃ ولاکبیرۃ الاللہ وھی تسمع صوتہ الاّ الثقلین الجن والانس، تعجلو ابی الی ارحم الراحمین فاذا وضع علٰی سریرہ قال ما ابطاء ماتمشون[1]۔الحدیث	مسلمانوں کی روح نہیں نکلتی جب تک بشارت نہ دیکھ لے۔ پھر جب نکل چکتی ہے تو ایسی آواز میں جسے انس وجن کے سوا گھر کا ہر چھوٹا بڑا جانور سنتا ہے۔ ندا کرتی ہے مجھے لے چلو ارحم الراحمین کی طرف، پھر جب جنازے پر رکھتے ہیں کہتی ہے کتنی دیر لگا رہے ہو چلنے میں۔الحدیث۔

حدیث (۱۱): امام احمد کتاب الزہد میں ام الدرداء عـــہ۲ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرماتیں:

ان المیّت اذا وضع عی سریرہ فانہ ینادی یااھلاہ ویاجیراناہ ویا حملۃ سریراہ لاتغرنکم الدنیا کما غرتنی[2]الحدیث۔	بیشک مردہ جب چارپائی پر رکھا جاتا ہے پکارتا ہے اے گھروالو، اے ہمسایوں، اے جنازہ اٹھانے والو! دیکھو دنیا تمھیں دھوکا نہ دے جیسا مجھے دیا۔

حدیث (۱۲): ابن ابی الدنیا امام مجاہد عـــہ۳ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی:

اذامات المیّت فملك قابض نفسہ فما من شیئ الا وھویراہ عند غسلہ وعند حملہ حتی یوصلہ الٰی قبرہ[3]۔	جب مردہ مرتا ہے ایک فرشتہ اس کی روح ہاتھ میں لیے رہتا ہے، نہلاتے اٹھاتے وقت جو کچھ ہوتا ہے وہ سب دیکھتا جاتا ہے یہاں تک کہ فرشتہ اسے قبر تک پہنچا دیتا ہے۔

عـــہ۱: صحابی، جلیل القدر رفیع الذکر ہیں جن کی عام شہرت ان کی تعریف سے مغنی ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: یہ دو خاتونوں کی کنیت ہے دونوں حضرت ابودرداء صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیبیاں ہیں، پہلی کبرٰی کہ صحابیہ ہیں خیرہ نام، دوسری صغرٰی تابعیہ ثقہ فقیہ مجتہدہ رواۃ صیاح ستہ سے ہجیمیہ نام رضی اللہ تعالٰی عنہا ۱۲ منہ (م)

عـــہ۳: تابعی جلیل الشان امام مجتہد مفسر ثقہ علماء مکہ معظّمہ واجلہ تلامذہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سب صحاح میں ان سے روایت ہے ۱۲منہ (م)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الذہد کلام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۴۸/۱۳

[2] شرح الصدور بحوالہ کتاب الزہد لاحمد باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۳۹

حدیث (۱۳): وہی عمرو بن دینار [عـــہ۱] رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی:

مامن المیّت یموت الاّ وھو یعلم مایکون فی اھلہ بعدہ وانھم یغسلونہ ویکفونہ وانہ لینظر الیھم[1]۔	ہر مردہ جانتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں میں کیا ہورہا ہے لوگ اسے نہلاتے ہیں کفناتے ہیں اور وہ انھیں دیکھتا جاتا ہے۔

حدیث (۱۴): ابو نعیم انہیں سے راوی:

مامن میّت یموت الاروحہ فی ید ملك ینظر الی جسدہ کیف یغسل وکیف یکفن وکیف یمشی بہ ویقال لہ وھو علٰی سریرہ اسمع ثناء الناس علیك[2]۔	ہر مردے کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی جاتی ہے کیونکر غسل دیتے ہیں، کس طرح کفن پہناتے ہیں، کیسے لے کر چلتے ہیں اور وہ جنازے پر ہوتا ہے کہ فرشتہ اس سے کہتا ہے سن تیرے حق میں بھلا یا بُرا کیا کہتے ہیں۔

حدیث (۱۵): امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا کہ امام ابن ماجہ صاحب سنن کے استاد ہیں امام اجل بکر [عـــہ۲] بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

بلغنی انہ مامن میّت یموت الاوروح فی ید ملك الموت فھم یغسلونہ ویکفنونہ وھو یرٰی مایصنع اھلہ فلم یقدر علی الکلام لینھاھم عن الرنۃ والعویل[3]۔	مجھے حدیث پہنچی کہ جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے، لوگ اسے غسل وکفن دیتے ہیں اور وہ دکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں، وہ ان سے بول نہیں سکتا کہ انھیں شور وفریاد سے منع کرے۔

اقول: اس نہ بولنے کی تحقیق زیر حدیث ۳۵ مذکور ہوگی، ان شاء اللہ تعالٰی۔

عـــہ۱: یہ بھی تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں علماء مکہ معظّمہ ورجال صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: تابعی جلیل ثقہ ثبت ہیں رواۃ صحاح ستہ سے ۱۲منہ سلمہ ربہ (م)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ عمرو بن دینار باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۳۹

[2] حلیۃ الاولیاء مترجم نمبر ۲۴۶ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۴۹

[3] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰۔۳۹

حدیث (۱۶): یہی امام سفیان عـــہ۱ علیہ رحمۃ المنان سے راوی:

ان المیّت لیعرف کل شی حتی انہ لینا شد غاسلہ باللہ الاخففت علی قال ویقال لہ وھو علٰی سریرہ اسمع ثناء الناس علیك[1]۔	بیشک مردہ ہر چیز کو پہچانتا ہے یہاں تک کہ اپنے نہلانے والے کو خدا کی قسم دیتا ہے کہ آسانی سے نہلانا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے جنازے پر کہا جاتا ہے کہ سن لوگ تیرے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

حدیث (۱۷): یہی عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی عـــہ۲ علیہ رحمۃ اللہ وسبحانہ وتعالٰی سے راوی:

الروح بید ملك بمشی بہ مع الجنازۃ یقول لہ اسمع مایقال لك[2] الحدیث۔	روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اسے جنازہ کے ساتھ لے کر چلتا اور اس سے کہتا ہے سن تیرے حق میں کیا کہا جاتا ہے۔

حدیث (۱۸): یہی ابن ابی نجیح عـــہ۳ سے راوی:

مامن میّت یموت الاروحہ فی ید ملك ینظر الٰی جسدہ کیف یغسل وکیف یکفن وکیف یمشی بہ الی قبرہ[3] الحدیث۔	جو مردہ مرتا ہے اس کی روح ایک فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اپنے بدن کو دیکھتی ہے کیونکر نہلایا جاتا ہے، کیونکر کفن پنایا جاتا ہے، کیونکر قبر کی طرف لے کر چلتے ہیں۔

حدیث (۱۹): یہی ابو عبداللہ بکر مزنی عـــہ۴ رحمۃ اللہ علیہ سے راوی:

حدثت ان المیّت لیستبشر بتعجیلہ	مجھ سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ دفن میں جلدی کرنے

عـــہ۱: تبع تابعین ومجتہدان کوفہ ورجال ستہ سے ہیں، امام ثقہ حجت محدّث مجتہد عارف باللہ ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: یہ تابعی عظم القدر جلیل الشان میں رجال صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

عـــہ۳: تبع تابعین وعلمائے مکہ ورواۃِ صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

عـــہ۴: تابعی جلیل القدر کمامر ۱۲منہ (م)

---

[1] شرح الصدور عن سفیان باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[2] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[3] شرح الصدور عن ابن نجیح باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

الی المقابر [1]۔ جعلنا اللہ بمنہ وکرمہ من السرورین المستبشرین برحمۃ المسریحین بالموت بجودہ وسابغ نعمتہ اٰمین بجاہ النبی الکریم الرؤف الرحیم واٰلہ وصحبہ واولیاء امۃ افضل الصلوۃ والتسلیم عـہ۔	سے مردہ خوش ہوتا ہے۔ اللہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی رحمت سے شاداں وفرحاں ہوتے، اس کے وجود وانعام کامل کے سبب موت سے راحت پاتے ہیں، الٰہی! قبول فرما نبی کریم رؤف ورحم کی وجاہت کے صدقے، ان پر ان کی آل واصحاب اوران کی میّت کے اولیاء پر بہترین درود وسلام ہو۔

نوع دوم: احادیث سمع وادراک اہل قبور میں، اوراس میں چند فصلیں ہیں:

فصل اول اصحاب قبور سے حیا کرنے میں:

حدیث (۲۰): اُم المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ارشاد جو مشکوٰۃ شریف میں بروایت امام احمد منقول اور اسے حاکم نے بھی صحیح مستدرک میں روایت کیا اور بشرط بخاری ومسلم صحیح کہا کہ فرماتیں:

کنت ادخل بیت الذی فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانی واضع ثوبی واقول انما ھو زوجی وابی فلما دفن عمر معھما فواللہ مادخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر [2]۔	میں اس مکان جنت آستان میں جہاں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مزار پاک ہے یونہی بے لحاظ ستر وحجاب چلی جاتی اور جی میں کہتی وہاں کون ہے۔ یہی میرے شوہر یا میرے باپ صلی اللہ تعالٰی علے زوجہاثم ابیہاثم علیہاوبارک وسلم۔ جب سے عمر دفن ہوئے خداکی قسم میں بغیر سراپا بدن چھپائے نہ گئی عمر سے شرم کے باعث رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

فرمایئے اگر اربابِ مزارات کو کچھ نظر نہیں آتا اس شرم کے کیا معنی تھے؟ اور دفن فاروق سے پہلے اس لفظ کا کیا منشاء تھا کہ مکان میں میرے شوہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا میرے باپ ہی تو ہیں غیر کون ہے!

عـــہ: اس نوع کی بعض احادیث بوجہ مناسبت نوع دوم میں مذکور ہوئیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (م)

---

[1] شرح الصدور عن بکر المزنی باب معرفۃ المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

[2] مشکوٰۃ المصابیح زیارۃ القبور فصل ثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴، مستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۷/۴

حدیث (۲۱): ابن ابی شیبہ وحاکم حضرت عقبہ بن عامر صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ما ابالی فی القبور قضیت حاجتی اما فی السوق والناس تنظرون[1]۔	یعنی میں ایک سا جانتاہوں کہ قبرستان میں قضائے حاجت کو بیٹھوں یا بیچ بازار میں کہ لوگ دیکھتے جائیں۔

مقصد ثالث میں اس کے مناسب سلیم بن عمیر سے مذکور ہوگا کہ شرمِ اموات کے باعث مقابر میں پیشاب نہ کیا حالانکہ سخت حاجت تھی۔

فصل دوم: احیاء کے آنے، پاس بیٹھنے، بات کرنے سے مردوں کے جی بہلنے میں____ ظاہر ہیں کہ اگر دیکھتے، سنتے، سمجھتے نہیں تو ان امور سے جی بہلنا کیسا!

حدیث (۲۲): شفاء السقام امام سبکی واربعین طائیہ پھر شرح الصدور میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی:

انس مایکون المیّت فی قبرہ اذازارہ من کان یحبہ فی دارالدنیا[2]۔	قبر میں مردے کا زیادہ جی بہلنے کا وقت وہ ہوتا ہے جب اس کا کوئی پیارا زیارت کو آتا ہے۔

حدیث (۲۳): ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں اور امام عبدالحق کتاب العاقبہ میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن رجل یزور قبر اخیہ ویجلس عندہ الاّ استأنس وردعلیہ حتی یقوم[3]۔	جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی زیارت قبر کو جاتا ہے اور وہاں بیٹھتا ہے میّت کا دل اس سے بہلتا ہے اور جب تک وہاں سے اٹھے مردہ اس کا جواب دیتا ہے۔

حدیث (۲۴): صحیح مسلم شریف میں ہے عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ وہ بھی صحابی ہیں نزع میں فرمایا:

اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شناً ثم اقیموا حول قبری قدرما تنحر جزور ویقسم لحمھا حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجع	جب مجھے دفن کر چکو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میر قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرے رہنا کہ ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۳۳۹

[2] شرح الصدور بحوالہ اربعین طائیہ باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۵

[3] شرح الصدور بحوالہ کتاب القبور ابن ابی الدنیا باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴

بہ رسل ربی [1]۔	یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے رسول کو کیا جواب دیتاہوں۔

فصل سوم: احیاء کی بے اعتدالی سے اموات کے ایذا پانے میں ____ ظاہر ہے کہ افعال واحوال احیاء پر انھیں اطلاع نہیں تو ایذا پانی محض بے معنی۔

حدیث (۲۵): امام احمد بسند حسن عمارہ بن جزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، فرمایا: لا تؤذ صاحب ھذا القبر یعنی اس قبر والے کو ایذا نہ دے۔ یا فرمایا: لاتؤذہ [2] اسے تکلیف نہ پہنچا۔ یاصاحب القبر انزل من علی القبر لا تؤذی صاحب القبر ولایؤذیك [3] (او قبر والے! قبر سے اتر آ، نہ تو صاحب قبر کو ایذا دے نہ وہ تجھے)

مقصد سوم: میں اس حدیث کی شرح امام اجل حکیم ترمذی سے منقول ہوگی۔

روایت مناسبہ: ابن ابی الدنیا ابوقلابہ بصری عــہ۱ سے راوی: میں ملک شام سے بصرہ کو جاتا تھا، رات کو خندق میں اترا وضو کیا، دو رکعت نماز پڑھی، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سوگیا، جب جاگا تو صاحب قبر کو دیکھا کہ مجھ سے گلہ کرتا ہے اور کہتا ہے: لقد اٰذیتنی منذ اللیلۃ اے شخص تو نے مجھے رات بھر ایذا دی۔

روایت دوم: امام بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن ابی الدنیا حضرت ابو عثمان عــہ۲ نہدی سے وہ ابن مینا تابعی سے راوی: میں مقبرے میں گیا، دو۲ رکعت پڑھ کر لیٹ رہا، خدا کی قسم میں خوب جاگ رہا تھا کہ سنا کہ کوئی شخص قبر میں سے کہتا ہے: قم فقد اٰذیتنی اُٹھ کہ تو نے مجھے اذیت دی۔ پھر کہا کہ تم عمل کرتے ہو اور ہم نہیں کرتے

عــہ۱: تابعی، ثقہ، فاضل، رجال صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

عــہ۲: اجلہ اکابر تابعین سے ہیں، زمانہ رسالت پائے ہوئے ثقہ ثبت عمائد رجال صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

---

[1] صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۶

[2] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد کتاب الجنائز باب دفن المیّت مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۴۹

[3] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی الکبیر باب البناء علی القبور الخ دار الکتاب بیروت ۳ / ۶۱

خدا کی قسم اگر تیری طرح دو رکعتیں میں بھی پڑھ سکتا مجھے تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہوتا[1]۔

روایت سوم: حافظ بن مندہ امام قاسم عــہ بن مخیمرہ رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی:

اگر میں تپائی ہوئی بھال پر پاؤں رکھوں کہ میرے قدم سے پار ہوجائے تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ کسی قبر پر پاؤں رکھوں، پھر فرمایا: ایک شخص نے قبر پر پاؤں رکھا جاگتے میں سُنا **الیك عنی یا رجل ولا تؤذنی**[2] اے شخص! الگ ہٹ مجھے ایذا نہ دے۔

حدیث (۲۶): امام مالک واحمد وابوداؤد وابن ماجہ وعبدالرزاق وسعید بن منصور وابن حبان ودارقطنی اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **واللفظ لاحمد کسر عظم المیّت واذاہ ککسرہ حیا**[3] مردے کی ہڈی توڑنی اور اسے ایذا دینی ایسی ہے جیسی زندہ کی ہڈی توڑنی۔ بعض روایات دارقطنی میں لفظ **فی الالم**[4] اور زائد درد پہنچنے میں زندہ و مردہ برابر ہیں، ذکرہ فی مقاصد الحسنۃ (اسے مقاصد حسنہ میں ذکر کیا گیا۔ت) ____ مقصد سوم میں اس کے متعلق امام ابوعمر کا قول آئے گا۔

حدیث (۲۷): دیلمی وابن مندہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

احسنوا الکفن ولا تؤذوا موتاکم بعویل ولا بتاخیر وصیۃ ولا بقطعیۃ وعجلوا قضاء دینہ، واعدلوا عن جیران السوء[5]۔	کفن اچھا دو اور اپنی میّت کو چلا کر رونے یا اس کی وصیت میں دیر لگانے یا قطع رحم کرنے سے ایذا نہ پہنچاؤ اور اس کا قرض جلد ادا کرو اور برے ہمسایہ سے الگ رکھو، یعنی قبور کفار واہل بدعت وفسق کے پاس دفن نہ کرو۔

عــہ: تابعی، ثقہ فاضل رواۃ صحاح ستہ سے غیر انہ عندخ فی التعلیقات (البتہ امام بخاری نے تعلیقات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

[1] شرح الصدور بحوالہ بیہقی فی دلائل النبوۃ باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۹

[2] شرح الصدور بحوال ابن مندہ باب تاذیہ بسائر وجوہ الاذی خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[3] مسند احمد بن حنبل مرویات حضرت عائشہ دارالفکر بیروت ۶/ ۱۰۵

[4] المقاصد الحسنۃ حدیث ۸۰۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۶

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۸۰۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۹۸

حدیث (۲۸): امام احمد ابوالربیع سے راوی:

کنت مع ابن عمر فی جنازۃ فسمع صوت انسان یصیح فبعث الیه فاسکته فقلت لم اسکته یا ابا عبدالرحمن قال انه یتاذی به المیّت حتی یدخل فی قبرہ[1]۔	میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ساتھ ایک جنازہ میں تھا کسی کے چلانے کی آواز سنی، آدمی بھیج کر اسے خاموش کرادیا، میں نے عرض کی: اے ابوعبدالرحمٰن! آپ نے اسے کیوں چپایا، فرمایا: اس سے مردے کو ایذا ہوتی ہے یہاں تک کہ قبر میں جائے۔

حدیث (۲۹): امام سعید بن منصور اپنے سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انه رأی نسوۃ فی جنازۃ فقال ارجعن مأزورات غیر مأجورات ان کن لتفتن الاحیاء وتؤذین الاموات[2]۔	یعنی انھوں نے ایک جنازے میں کچھ عورتیں دیکھیں اورارشاد فرمایا پلٹ جاؤ گناہ سے بوجھل ثواب سے اوجھل۔ تم زندوں کو فتنے میں ڈالتی اور مردوں کو اذیت دیتی ہو۔

تنبیہ: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو حدیث صحیح مشہور میں فرمایا: **المیّت یعذب ببکاء الحی علیه**[3] زندوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔ جسے امام احمد و شیخین نے ۱عمر فاروق و ۲عبداللہ بن عمرو ۳مغیرہ بن شعبہ، اور ابویعلٰی نے ۴ابوبکر صدیق و ۵ابوہریرہ، اور ابن حبان نے ۶انس بن مالک و ۷عمران بن حصین اور طبرانی نے ۸سمرہ بن جندب سے روایت کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ایک جماعت ائمہ کے نزدیک اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ زندوں کے چلانے سے مردوں کو صدمہ ہوتا ہے۔ امام اجل سیوطی نے شرح الصدور میں اس معنٰی کو ایک حدیث مرفوع سے مؤید کرکے فرمایا امام ابن جریر کا یہی قول ہے، اور اسی کو ایک گروہ ائمہ نے اختیار فرمایا، پھر اس کی تائید میں یہ دو۲ حدیثیں ابن مسعود و ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کہ ہم نے بیان کیں۔ ذکر فرمائیں، اس تقدیر پر ارشاد اقدس **المیّت یعذب**، الحدیث کی آٹھوں روایتیں بھی یہاں شمار کے قابل تھیں مگر ازانجا کہ علماء کو اس کے معنی میں بہت اختلاف ہے۔ نہ ہمارا قصد و حصر و استیعاب۔ لہٰذا انہیں معدود نہ کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

حدیث (۳۰): ابن ابی شیبہ اپنے مصنف میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اذی المؤمن فی موته کاذاہ	مسلمان کو بعد موت ایذ دینی ایسی ہے جیسے زندگی میں

---

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن عبدالرحمان دارالفکر بیروت ۱۳۵/۲

[2] سنن سعید بن منصور

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۰۲/۱

فی حیاتہ [1]۔	اسے تکلیف پہنچائی۔

حدیث (۳۱): سعید بن منصور اپنے سنن میں راوی، کسی نے اس جناب سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا، فرمایا:

کما اکرہ اذی المومن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ [2]۔	مجھے جس طرح مسلمان زندہ کی ایذا ناپسند ہے یونہی مُردہ کی۔

حدیث (۳۲): طبرانی عبدالرحمٰن بن علا بن لجلاج سے ان کے والد علا (عہ) رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ان سے فرمایا:

یابنی اذا وضعتنی فی لحدی فقل بسم اللہ وعلی ملۃ رسول ثم شن لی التراب شناثم اقرأعند راسی بفاتحہ القبرۃ وخاتمھا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ذلک۔ [3]	اے میرے بیٹے! جب مجھے لحد میں رکھے بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہنا۔ پھر مجھ پر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا، پھر میرے سرہانے سورہ بقرہ کا شروع یعنی **مفلحون** تک اور خاتمہ یعنی **اٰمن الرسول** سے پڑھنا کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد صحیح مسلم سے ابھی گزرا کہ مجھ پر مٹی تھم تھم کر بہ نرمی ڈالنا، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ترجمہ مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

چہ می دفن کنید مراپس بنرمی وبسہولت بینداز ید بر من خاک رایعنی اندک اندک زید واین اشارت است بآں کہ میّت احساس می کند ودرد ناک می شود بانچہ دردناک مے شود بآن زندہ [4]۔	جب مجھے دفن کرنا مجھ پر مٹی نرمی وسہولت سے یعنی ذرا ذرا کرکے ڈالنا، یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ مردے کو احساس ہوتا ہے اور جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اسے بھی ہوتی ہے۔

عـــہ: تابعی ثقہ ہیں اوران کے بیٹے عبدالرحمان تبع تابعین مقبول الروایۃ سے دونوں صاحب رجال جامع الترمذی میں ہیں ۱۲منہ (م)

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجنائز ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۳۶۷

[2] شرح الصدور بحوالہ سنن سعید بن منصور باب تاذی المیّت خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۲۶

[3] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی باب مایقول عند ادخال المیّت قبر دارالکتب العربی بیروت ۳/ ۴۴

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الجنائز باب دفن المیّت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۷

فصل چہارم: میں وہ احادیث جن میں صراحۃً وارد کہ مُردے اپنے ائرین کو پہچانتے اور ان کا سلام سنتے اور انھیں جواب دیتے ہیں۔

حدیث (۳۳): امام ابو عمر ابن عبد البر کتاب الاستذکار والتمہید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام[1]۔	جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی قبر پر گزرتا اور اسے سلام کرتا ہے اگر وہ اسے دنیا میں پہچانتا تھا اب بھی پہچانتا اور جواب سلام دیتا ہے۔

امام ابو محمد عبدالحق کہ اجلہ علمائے حدیث سے ہیں اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں[2]، **ذکرہ الامام السیوطی فی شرح الصدور والفاضل الزرقانی فی شرح المواھب** (اسے امام سیوطی نے شرح الصدور میں اور علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا۔ت) اسی طرح امام ابو عمر سید علامہ سمہودی نے اس کی تصحیح فرمائی، **ذکرہ الشیخ المحقق فی جامع البرکات وجذب القلوب** (اسے شیخ محقق نے جامع البرکات اور جذب القلوب میں ذکر فرمایا ہے۔ت) امام سبکی شفاء السقام میں یہ حدیث لکھ کر فرماتے ہیں:

ذکرہ جماعۃ وقال القرطبی فی التذکرۃ ان عبد الحق صححہ ورویناہ فی الخلعیات من حدیث ابی ھریرۃ ایضا[3] انتہی	اسے ایک جماعت نے ذکر کیا اور امام قرطبی نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام عبدالحق نے اسے صحیح کہا اور خلعیات میں اسے ہم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے انتہی (ت)

قلت وستسمع ذلك (میں نے کہا: وہ حدیث آگے سنو گے)

حدیث (۳۴): ابن ابی الدنیا و بیہقی وصابونی وابن عساکر وخطیب بغدادی وغیر ہم محدثین ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا مر الرجل بقبر یعرفہ فسلم علیہ رد علیہ السلام وعرفہ	جب آدمی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے دنیا میں شناسائی تھی اور اسے سلام کرتا ہے میّت جوابِ سلام دیتا

[1] شرح الصدور بحوالہ التمہید لابن عبدالبر باب زیارت القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴

[2] شرح الصدور بحوالہ التمہید لابن عبدالبر باب زیارت القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴

[3] شفاء السقام الباب الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۸۸

واذا مر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السّلام [1]۔	اور اسے پہچانتا ہے، اور جب ایسی قبر پر گزرتا جس سے جان پہچان نہ تھی اور سلام کرتا ہے میّت اسے جواب سلام دیتا ہے[عہ]۔

حدیث (۳۵): امام عقیلی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال ابوزرین یا رسول اللہ ان طریقی علی الموتٰی فهل من کلام اتکلم به اذا مررت علیهم؟ قال قل السلام علیکم یا اهل القبور من المسلمین والمؤمنین انتم لنا سلفا ونحن لکم تبع تبعا وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون قال ابوزرین یا رسول اللہ یسمعون قال یسمعون ولکن لایستطیعون ان یجیبوا [2]۔	یعنی ابوزرین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! میرا راستہ مقابر پر ہے۔ کوئی کلام ایسا ہے کہ جب ان پر گزروں کہا کروں، فرمایا: یوں کہہ سلام تم پر اے قبر والو! اہل اسلام اور اہل ایمان سے تم پر ہمارے آگے ہو اور ہم تمھارے پیچھے، اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی تم سے ملنے والے ہیں، ابوزرین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! کیا مردے سنتے ہیں؟ فرمایا سنتے ہیں مگر جواب نہیں دے سکتے۔

تنبیہ نبیہ: امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

ای جوابًا یسمعه الحی والا فهم یردون حیث لایسمع [3]۔	یعنی حدیث کی یہ مراد ہے کہ مردے ایسا جواب نہیں دیتے جو زندے سن لیں ورنہ وہ ایسا جواب تو دیتے ہیں جو ہمارے سننے میں نہیں آتا۔

اقول: یہ معنی خود اسی فصل کی دو حدیث سابق سے واضح کہ ان میں تصریحًا فرمایا مُردے جواب سلام دیتے ہیں، اور اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث ۱۵ میں بکر بن عبداللہ مزنی سے گزرا کہ روح سب کچھ دیکھتی ہے مگر

عہ: سمہودی گوید کہ احادیث دریں معنی بسیار است وایں معنی درآحادست وعموم مومنین متحقق ۱۲ منہ (م)

علامہ سمہودی فرماتے ہیں اس معنی میں احادیث بہت ہیں اور یہ معنی ہونا خود ہی ثابت ہے افراد اُمت اور عام مومنین میں متحقق ہے۔ (ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۹۲۹۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۱۷

[2] کتاب الضعفاء الکبیر مترجم ۱۵۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۱۹

[3] شرح الصدور باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۴

بول نہیں سکتی کہ شور وفریاد سے منع کرے۔ اس کے معنٰی بھی وہی ہیں کہ اپنی بات احیاء کو سنا نہیں سکتے، ورنہ صحیح حدیثوں میں اس کا کلام کرنا وارد۔ جیسا کہ حدیث ۳ وغیرہ میں گزرا۔

تنبیہ دوم: فقیر کہتا ہے پھر یہ ہمارا نہ سُننا بھی دائمی نہیں، صدہا بندگانِ خدا نے اموات کا کلام وسلام سنا ہے۔ جن کی بکثرت روایات خود شرح الصدور وغیرہ میں مذکور۔ اور بعض اسی مقصد میں فقیر نے بھی نقل کیں اور عجب نہیں کہ ان شاء اللہ تعالٰی اپنے محل پر اور بھی مذکور ہوں۔

تنبیہ سوم: بس نافع ومہم۔

اقول: وباللہ التوفیق طُرفہ یہ ہے کہ جواب سوال نوزدہم میں صاحب مائۃ مسائل نے بھی اس حدیث کو عن القاری عن السیوطی عن العقیلی نقل کیا اور اموات کے لیے سلام احیاء کا سننا مسلّم رکھا[1]۔ اسی قدرے اپنی وہ سب جولانیاں جو زیر سوال ۲۶ کے ہیں باطل مان لیں کہ وہاں جن پانچ عبارتوں سے استناد کیا ان سب میں نفی مطلق ہے۔ اسی طرح آیہ کریمہ بفرض غلط نافی سماع ہو تو وہاں بھی سلام وکلام کچھ تخصیص نہیں، اور عبارت دوم میں تو صاف منافات موت وافہام مذکور کیا بعض جگہ متنافیین بھی جمع ہوجاتے ہیں، اور عبارت پنجم میں صریحًا لفظ جمادات موجود، پھر پتھروں کے آگے سلام کلام سب ایک سا۔ غرض اگر آیت اور ان عبارات کا وہی مطلب تو سماع سلام کی تسلیم میں ان سب استنادوں کو دفعتًا سلام ہوا جاتا ہے۔ پھر ناحق اپنے یہاں حدیث عقیلی سے استناد اور کلمات قاری وسیوطی کی سنئے گا تو بہت کچھ ماننا پڑے گا۔ ان کی تحقیقاتِ قاہرہ وتصریحات باہرہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی مقصد ثالث میں جگر شگاف مکابرہ واعتسفاف ہوتے ہیں، ادھر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثوں پر کان رکھا اور ارواح گزشتگان کو جماد وسنگ ماننے کا دھرم گیا۔ ذرا خدا لگتی کہنا ایک عقیلی کی حدیث سے آپ نے سماع سلام تو تسلیم کیا، بخاری ومسلم وغیرہ کی احادیث صحیحہ سے جوتوں کی پھچل اور ہاتھ جھاڑنے کی اواز اور سلام کے سوا اور انواع کلام بھی سننا اور ان پتھروں کا اپنے زائروں کو پہچاننا، ان کا جواب سلام دینا اور ان سے اُنس حاصل کرنا، اور ان کے سوا صدہا امور جو ثابت ومذکورہ وہ کس جی سے مانئے گا، یا وہاں پھر **فالف بعض الحدیث وکان ببعض** (کسی حدیث کا الف اور کسی حدیث کا کاف لیجئے گا۔ ت) کی ٹھہرے گی، علاوہ بریں خود یہ حدیث عقیلی اس تخصیص سلام کے رَد کو کیا تھوڑی ہے۔ یہاں بھی اموات سے فقط السلام علیکم

[1] مائۃ مسائل مسئلہ ۱۹ سماعتِ موتٰی مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۴۰

نہ کہا گیا۔ ذرا آنکھیں مل کر ملاحظہ ہو آگے ان پتھروں سے کچھ کلام وخطاب بھی نظر آتے ہیں کہ تم ہمارے سلف، ہم تمھارے خلف، ہم ان شاء اللہ تعالیٰ تم سے ملیں گے۔ اس سارے کلام پر ابوزرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ! کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا: ہاں سنتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ اس حدیث کے بعد امام سیوطی کا وہ قول بھی نقل کر گئے کہ حدیث میں جواب نہ دینے سے یہ مراد ہے۔ ورنہ اموات واقع میں جواب دیتے ہیں سبحان اللہ سلام بھی سنیں، کلام بھی سنیں، جواب بھی دیں۔ اور پھر پتھر کے پتّھر، انا اللہ وانآ الیہ راجعون۔

سچ فرمایا مولوی معنوی قدس سرہ، نے: ع

ما سمیعیم وبصیریم وخوشیم باشما نامحرماں ماخامشیم [1]

(ہم سمیع وبصیر ہیں اور خوش ہیں مگر تم نامحرموں کے سامنے مہر بہ لب ہیں۔ ت)

حدیث (۳۶): طبرانی معجم اوسط میں عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصعب بن عمیر اور ان کے ساتھیوں کے قبور پر ٹھہرے اور فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لایسلم علیھم احد الا ردوا الی یوم القیمۃ [2]۔	قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو ان پر سلام کرے گا جواب دیں گے۔

حدیث (۳۸): بعینہٖ اسی طرح حاکم نے صحیح مستدرک میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرکے تصحیح کی۔

حدیث (۳۸): حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں بطریق عطاف بن خالد مخزومی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ سے وہ اپنے والد ماجد عبداللہ بن ابی فروہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زیارت شہدائے احد کو تشریف لے گئے اور عرض کی:

الھم ان عبدك ونبیك یشھد ان ھٰؤلاء شھداء وانہ من زارھم اوسلم علیھم الی یوم القیٰمۃ ردوا علیہ [3]۔	الٰہی! تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہید ہیں اور قیامت تک جو ان کی زیارت کو آئے گا اور ان پر سلام کرے گا یہ جواب دیں گے۔

تتمہ حدیث: عطاف کہتے ہیں میری خالہ مجھ سے بیان کرتی تھیں میں ایک بار زیارت قبور شہداء کو گئی میرے

---

[1] مثنوی مولوی معنوی دفتر سوم حکایت مارگیری کہ اژدہائے افسردہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۲۷

[2] شرح الصدور بحوالہ المعجم الاوسط باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۵

[3] المستدرک للحاکم کتاب المغازی دارالفکر بیروت ۲۹/۳

ساتھ دولڑکوں کے سوا کوئی نہ تھا جو میری سواری کا جانور تھامے تھے۔ میں نے مزارات پر سلام کیا، جواب سنا، اور آواز ائی: **واللہ انا نعرفکم کمایعرف بعضنابعضا** خدا کی قسم تم لوگوں کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو میرے بدن پر بال کھڑے ہوگئے۔ سوار ہوئی اور واپس آئی۔[1]

روایت دوم مناسب او: امام بیہقی نے ہاشم بن محمد عمری سے روایت کی: مجھے میرے باپ مدینہ سے زیارت قبور اُحد کو لے گئے، جمعہ کا روز تھا، صبح ہوچکی تھی، آفتاب نہ نکلا تھا، میں اپنے باپ کے پیچھے تھا، جب مقابر کے پاس پہنچے انھوں نے بآواز کہا: **سلامٌ علیکم بماصبر تم فنعم عقبی الدار**۔ جواب آیا: وعلیکم السلام یا ابا عبداللہ۔ باپ نے میری طرف مڑ کر دیکھا اور کہا کہ اے میرے بیٹے! تو نے جواب دیا؟ میں نے کہا: نہ۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف کرلیا اور کلام مذکور کا اعادہ کیا، دوبارہ ویساہی جواب ملا، سہ بارہ کیا پھر وہی جواب ہوا۔ میرے باپ اللہ تعالٰی کے حضور سجدہ شکر میں گرپڑے[2]۔

روایت سوم: ابن ابی الدنیا اور بیہقی دلائل میں انھیں عطاف مخزومی کی خالہ سے راوی: ایک دن میں نے قبر سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس نماز پڑھی، اس وقت جنگل بھر میں کسی آدمی کا نام ونشان نہ تھا۔ بعد نماز مزار مطہر پر سلام کیا۔ جواب آیا اور اس کے ساتھ یہ فرمایا:

من یخرج من تحت القبر اعرفہ کما اعرف ان اللہ خلقنی وکما اعرف اللیل والنہار[3]۔	جو میری قبر کے نیچے سے گزرتا ہے میں اسے پہچانتا ہوں جیسا یہ پہچانتا ہوں کہ اللہ تعالٰی نے مجھے پیدا کیا ہے اور جس طرح رات اور دن کو پہچانتا ہوں۔

حدیث (۳۹): ابن ابی الدنیا اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت محمد بن واسع عـــہ سے راوی:

قال بلغنی ان الموتٰی یعلمون بزوارھم یوم الجمعۃ ویوما قبلہ ویوما بعدہ[4]۔	مجھے حدیث پہنچی ہے کہ مردے اپنے زائروں کو جانتے ہیں جمعہ کے دن اور ایک دن اس سے پہلے اور ایک دن اس سے بعد۔

عـــہ: یہ تابعی ہیں، ثقہ، عابد، عارف باللہ، کثیر المناقب، رجال صحاح ستہ سے، الاالطرفین ۱۲منہ (م)

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب المغازی دارالفکر بیروت ۲۹/۳

[2] دلائل النبوۃ باب قول اللہ لاتحسبین الذین دارالکتب العربیہ بیروت ۳۰۹/۳

[3] دلائل النبوۃ باب قول اللہ لاتحسبین الذین دارالکتب العربیہ بیروت ۳۰۸/۳

[4] شعب الایمان حدیث ۹۳۰۱ دارالکتب العربیہ بیروت ۱۸/۷

تنبیہ: اس حدیث کے یہ معنی کہ بوجہ برکتِ جمعہ ان تین دن میں ان کے علم وادراک کو زیادہ وسعت دیتے ہیں، جو معرفت وشناسائی انھیں ان روزوں میں ہوتی ہے اور دنوں سے بیش وافزوں ہے نہ یہ کہ صرف یہی تین دن علم وادراک کے ہوں، ابھی سن چکے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث کثیرہ مطلق ہیں جن میں بلا تخصیص ایام ان کا علم وادراک ثابت فرمایا۔ تصریح اس معنی کی ان شاء اللہ مقصد سوم میں مذکور ہوگی۔

فصل پنجم: میں وہ جلیل حدیثیں جن سے ثابت کہ سماعِ اہل قبور سلام ہی پر مقصود نہیں بلکہ دیگر کلام واصوات بھی سنتے ہیں:

حدیث (۴۰): بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی اپنے صحاح اور امام احمد مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور پرنور سید العالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واللفظ لمسلم ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم اذا انصرفوا۔[1]	(مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ت) مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور لوگ دفن کرکے پلٹتے ہیں بیشک وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

حدیث (۴۱): احمد وابوداؤد بسند جید براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان المیّت یسمع خفق نعالھم اذاولوا مدبرین۔[2]	بیشک مردہ جوتیوں کی پہچل سنتا ہے جب لوگ اسے پیٹھ دے کر پھرتے ہیں۔

حدیث (۴۲): بیہقی وطبرانی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المیّت اذا دفن یسمع خفق نعالھم اذا ولّوا عنہ منصرفین۔[3]	بیشک جب مردہ دفن ہوتا ہے اور لوگ واپس آتے ہیں وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔

حدیث بیہقی کو امام سیوطی نے شرح الصدور میں فرمایا: **باسناد حسن**[4] (اس کی سند حسن ہے۔ت) اور سند

[1] صحیح مسلم باب عرض مقعد المیّت قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۸۶/۲

[2] مسند احمد بن حنبل مرویات البراء ابن عازب دارالفکر بیروت ۲۹۶/۴

[3] کنزالعمال بحوالہ طبرانی حدیث ۴۲۳۷۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۶۰۰/۱۵

[4] شرح الصدور باب فتنۃ القبر خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۰

طبرانی کو علامہ مناوی نے تیسیر میں کہا: رجالہ ثقات[1] (اس کے رجال ثقہ ہیں۔ت)

حدیث (۴۳): ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف اور ابنِ حبان نے صحیح مسمّٰی بالتقاسیم والانواع اور حاکم نیشاپوری نے الصحیح المستدرک علی البخاری ومسلم اور بغوی نے شرح السنہ اور طبرانی نے معجم اوسط اور ہناد نے کتاب الزہد اور سعید بن السکن نے اپنی سنن اور ابن جریر وابن منذر وابن مردویہ وبیہقی نے اپنی اپنی تصانیف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حضور سید عالم۔صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ لیسمع خفق نعالھم حین یولون عنہ[2]۔	قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے کفش پائے مردم کی آواز سنتا ہے جب اس کے پاس سے پلٹتے ہیں۔

حدیث (۴۴): جویبر نے اپنی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک حدیث طویل روایت کی جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فانہ یسمع خفق نعالھم ونقض ایدیکم اذا ولیتم عنہ مدبرین[3]۔	بیشک وہ یقینا تمھارے جوتوں کی پچپل اور ہاتھ جھاڑنے کی آواز سنتا ہے جب تم اس کی طرف سے پیٹھ پھیر کر چلتے ہو۔

حدیث (۴۵): طبرانی وابن مردویہ ایک حدیث طویل میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن راوی:

قال شھدنا جنازۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم فلما فرغ من دفنھا وانصرف الناس قال انہ الان یسمع خفق نعالکم[4]۔ الحدیث	فرمایا: ہم ایک جنازہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب حاضر تھے۔جب اس کے دفن سے فارغ ہوئے اور لوگ پلٹے حضور نے ارشاد فرمایا: اب وہ تمھاری جوتیوں کی آواز سن رہا ہے۔

فائدہ جلیلہ: چالیس ۴۰ سے پینتالیس تک جو چھ حدیثیں مذکور ہوئیں پہلے ہی لاجواب ٹھہر چکی ہیں، آج تک کوئی جواب معقول ان سے نہ ملا نہ ملے۔غایت سعی ان کی طرف سے یہ ہے کہ سماع مذکور کو اول

---

[1] التیسیر بشرح الجامع الصغیر تحت ان المیّت اذا دفن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۰۳

[2] المستدرک للحاکم المیّت یسمع خفق نعالھم دارالفکر بیروت ۱/۳۸۰

[3] شرح الصدور بحوالہ جویبر باب فتنۃ القبر خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۱

[4] شرح الصدور بحوالہ طبرانی اوسط باب فتنۃ القبر خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۴

وضع فی القبر سے تخصیص کریں یعنی جب قبر میں رکھ کر مٹی دیتے ہیں اس وقت میّت کو ایسی قوت سامعہ ملتی ہے کہ اب عنقریب سوال منکر نکیر ہونے والا ہے اس کے لیے پیشتر سے ایسے حواس عطا ہو جاتے ہیں، پھر بعد سوال یہ قوت نہیں رہتی۔ حالانکہ عندالانصاف یہ ادعا محض بے دلیل ولاطائل ہے۔

اولاً یہ تخصیص ظاہر حدیث کے خلاف جس پر کوئی دلیل قائم نہیں۔ حدیثیں صاف صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ میّت کی قوت سامعہ قبر میں اس درجہ تیز اور قوی ہے کہاں سے جانا کہ یہ اسی وقت کے لیے ملتی ہے اور پھر جاتی رہتی ہے۔

ثانیاً مقدمہ سوال کے لیے پیشتر سے حواس مل جانا کیا معنٰی کیا فوراً وقتِ سوال نہ مل سکتی تھی یا عطائے الٰہی میں معاذاللہ کچھ دیر لگتی ہے کہ پہلے سے اہتمام ہو رہنا ضرور ہوا۔

یہ دونوں اعتراض شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مدارج النبوۃ میں افادہ فرمائے:

حیث قال ایں تخصیص خلاف ظاہر است ودلیلے نیست برآن وظاہر حدیث آنست کہ ایں حالت حاصل ست میّت دارد قبر و زندہ گردانیدن میت در وقت سوال است وپیش ازاں زندہ گردانیدن برائے مقدمہ سوال چہ معنی دارد۔[1]	یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اس پر کوئی دلیل بھی نہیں، ظاہر حدیث یہ ہے کہ قبر کے اندر میّت کی یہ حالت ہوتی ہے __ میّت کو زندہ کرنا سوال کے وقت ہے تو اس سے پہلے مقدمہ سوال کے لیے زندہ کرنا کیا معنٰی رکھتا ہے۔ (ت)

وثالثاً کما اقول سلمنا (جیسے کہ میں کہتا ہوں ہم تسلیم ہم کرتے) کہ پہلے ہی سے ہوش وحواس مل جانا ضروری تھا مگر حاجت اسی قدر تھی جس میں وہ نکیرین کی بات سن سمجھ لیتا اس قدر قوت عظیمہ کی کیا ضرورت تھی کہ باوجود اتنے حائلوں کے ایسی ہلکی آوازیں بے تکلف سُنے۔ خود یہی حضرات مسئلہ یمین فی الضرب (مارنے کے بارے میں قسم) کی یہی توجیہ کرتے ہیں کہ ہمارے مارے سے مُردے کو تکلیف یا ایذا عہ نہیں ہوتی اس کا ادراک عذاب الٰہی کے واسطے ہے۔ یونہی چاہیے تھا کہ اس کا سماع سوال نکیرین کے لیے ہو، نہ اصواتِ خارجہ کے واسطے۔

ورابعاً کما اقول ایضاً اگر مسئلہ یمین فی الکلام عدمِ سماع پر مبنی ہو کمازعموا۔ اور اب آپ نے بھی

عہ: **تنبیہ**: یہ بات بھی خلاف تحقیق ہے کہ بیشک ایذا ہوتی ہے۔ دیکھو اس مقصد کی فصل سوم اور مقصد سوم کی پنجم ۱۲منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

---

[1] مدارج النبوۃ اصل در سماعت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۹۵

بشوکت احادیث قاہرہ اتنی دیر کے لیے سماع تسلیم کیا تو واجب کہ اس میّت سے کلام کرنے والا حانث ہو کہ وہ مبنٰی آپ کے اقرار سے یہاں منتفی، حالانکہ مسئلہ قطعًا مطلق ہے، لاجرم ماننا پڑے گا کہ ایمان عرف پر مبنی اور عرفًا اس قسم سے بعد موت کلام کرنا نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا حالتِ حیات سے مقید رہا، ہم کہیں گے اب حق کی طرف رجوع ہوئے، واقعی اس مسئلہ کا یہی مبنٰی ہے اور اب انکار سماع موتی سے اسے کچھ علاقہ نہ رہا کما لایخفی، اسی طرح حضرات نجدیہ سے کہا جائے کہ اگر آپ بھی احادیث صحیحہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لاکر سماعت میّت تسلیم کرتے ہیں۔ اگر اس وقت خاص ہی میں سہی، تو اب حکم ارشاد ہو، اگر کوئی بندہ مسلمان کسی عبد صالح کے دفن ہوتے ہی فورًا اس سے استمداد وطلب دعا کرے تو بھی وہ بربنائے انکار یعنی عدم سماع متحقق نہ ہو۔ ذرا جی کڑا کرکے اس وقت خاص ہی میں اجازت دے دیجئے۔

وخامسًا کما اقول ایضًا موت کو تمام احواس وادراکات ودیگر اوصافِ حیات سے یکساں نسبت ہے۔ معاذ اللہ اگر پتھر ہونا ٹھہرا تو سننا، دیکھنا، سمجھنا، بولنا سب کا بطلان لازم۔ اور یہ حضرات کرام خود فرما چکے کہ موت منافی فہم ہے۔ اب کیا جواب ہے ان حدیثوں سے جو فصل اول ودوم وسوم میں گزریں، جن سے ثابت کہ اموات ہمیشہ اپنے زائروں کو پہچانتی ہے اور ان سے انس حاصل کرتی اور ان کے سلام کا جواب دیتی اور ان کی بے اعتدالیوں سے ایذا پاتی ہیں الٰی غیر ذلک من المامور المذکورۃ (امور مذکورہ جیسے دیگر امور۔ت) ____ بھلا یہاں تو مقدمہ سوال کی تخصیص نکلی تھی ان مقدمات میں کونسی خصوصیت آئے گی۔

تنبیہ: میرا یہ سب کلام حقیقتًا اُن حضراتِ منکرین سے ہے جو عبارات علماء کے یہ معنی سمجھے، ورنہ فقیر کے نزدیک ان کے ارشاد کا وہ محل ممکن جو عقیدہ اہل حق سے مخالف نہ ہو۔ مولوی صاحب اگر جواب فقیر میں ان عبارات کو یاد کریں گے اس وقت انشاء اللہ تعالٰی وہ تحقیق تدقیق انیق حاضر کروں گا۔ اور عجب نہیں کہ مقصد سوم میں اس کی بعض کی طرف عود ہو۔ والعود احمد (اور عود کرنا اچھا ہے۔ت) **وباللہ سبحٰنہ وتعالٰی التوفیق۔**

حدیث (۴۶): صحیح بخاری شریف وغیرہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

اطلع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی اھل القلیب فقال وجدتم ما وعد ربکم حقا فقیل لہ اتدعوا امواتا فقال ما انتم باسمع منھم	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چاہ بدر پر تشریف لے گئے۔ جس میں کفار کی لاشیں پڑیں تھیں۔۔ پھر فرمایا: تم نے پایا جو تمھارے رب نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا۔ یعنی عذاب۔ کسی نے عرض کی: حضور مُردہ کو پکارتے

ولکن لایجیبون [1]۔	ہیں، ارشاد فرمایا: تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سننے والے پر وہ جواب نہیں دیتے۔

حدیث (۴۷): صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یرینا مصارع اھل بدر و ساق الحدیث الی ان قال فانطلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی انتھی الیھم فقال یا فلان بن فلان ویا فلان بن فلان ھل وجھتم ما وعدکم اللہ ورسولہ حق فانی قد وجدت ماوعدنی اللہ حقا قال عمر یا رسول اللہ کیف تکلم اجسادا لا ارواح فیھا قال ما انتم باسمع لما اقول منھم غیر انھم لایستطیعون ان یردوا علی شیئا [2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا اور یہاں فلاں، جہاں جہاں حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کی لاشیں گریں۔ پھر بحکم حضور وہ جیفے ایک کنویں میں بھر دئے گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں تشریف لے گئے اور نام بنام ان کفار لیام کو ان کا اور ان کے باپ کا نام لے کر پکارا۔ اور فرمایا: تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ خدا اور رسول نے تمھیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو حق وعدہ اللہ تعالٰی نے مجھے دیا تھا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! حضور نے ان جسموں سے کیونکر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں۔ فرمایا: جو میں کہہ رہا ہوں کسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انھیں یہ طاقت نہیں کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

حدیث (۴۸): یونہی صحیح مسلم وغیرہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی اور اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تین دن بعد اس کنویں پر تشریف لے گئے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جواب میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم ولکنھم لایقدرون ان یجیبوا [3]۔	قسم اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں جو فرمارہا ہوں اس کے سننے میں تم اور وہ برابر ہو مگر وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

[1] الصحیح للبخاری باب ماجاء فی عذاب القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۳
[2] صحیح مسلم باب ماجاء مقعد المیّت قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۸۷
[3] صحیح مسلم باب ماجاء مقعد المیّت قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۸۷

حدیث (۴۹) : یوہی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حدیث ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی[1]:

اما البخاری فساقه بطاله واما مسلم فاحاله علی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	امام بخاری نے تو اسے تفصیل سے ذکر کیا مگر امام مسلم نے تفصیل حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے کی۔ (ت)

حدیث (۵۰) : طبرانی نے بسند صحیح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یسمعون کما تسمعون ولکن لا یجیبون[2]۔	جیسا تم سنتے ہو ویسا ہی وہ بھی سنتے ہیں مگر جواب نہیں دیتے۔

حدیث (۵۱) : اسی طرح امام سیلمان بن احمد مذکور نے حدیث عبداللہ بن سیدان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

تنبیہ نبیہ : ان چھ حدیثوں کے جواب میں جو کچھ کہا گیا تخصیص بے مخصص و دعوی بے دلیل سے زیادہ نہیں۔ مثلاً یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاص اعجاز تھا۔ یا یہ امر صرف ان کفار کے لئے ان کی حسرت و ندامت بڑھانے کو واقع ہوا حالانکہ ان کی تخصیصوں پر اصلاً کوئی دلیل نہیں۔ ایسی گنجائش ملے تو ہر نص شرعی جیسے چاہیں مخصص ہوسکے۔ اور ان سے بڑھ کر یہ رکیک تاویل ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ خطاب حقیقۃً اموات سے خطاب نہ تھا بلکہ زندوں کو عبرت و نصیحت تھا، حالانکہ نفسِ حدیث اس کے رد پر حجت کافیہ۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جواب میں صاف ان کا سننا ارشاد فرمایا، نہ یہ کہ ہمارا یہ کلام صرف تنبیہ احیاء کے لیے ہے۔ جیسے مرثیہ سیدنا امام حسین (رضی اللہ تعالٰی عنہ) میں کسی کا مصرع:

اے آب خاک شو کہ ترا آبرو نماند

(اے آب! خاک ہو جا کہ تیری آبرو نہ رہی۔ ت)

باقی اس کے متعلق ابحاث فتح البخاری وارشاد الساری وعمدۃ القاری شروح صحیح بخاری و

[1] الصحیح للبخاری باب ماجاء فی عذاب القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۴-۱۸۳، صحیح مسلم باب مقعد المیّت قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۸۷

[2] فتح الباری بحوالہ عبداللہ بن سیدان باب قتل ابی جہل دار المعرفہ بیروت ۸/۲۵۹

مرقاۃ و لمعات و اشعۃ اللمعات شروح مشکوٰۃ مدارج النبوہ وغیرہ صدہا تصانیف علماء میں طے ہوچکی ہیں۔ جن کی تفصیل موجب، تطویل۔ مولوی صاحب اگر امور طے شدہ کی طرف پھر رجعت کریں توذرا کتب مذکورہ پر نظر کرکے تقریر وہ فرمائی جائے جس میں ان کی تنقیحات جلیلہ سے عہدہ برآئی سمجھ لیں، اس کے بعد ان شاء اللہ فقیر بھی وہ شوارق ساطعہ وبوارق لامعہ حاضر کرے گا جو اس وقت میرے پیش نظر جولانیوں پر ہے، اور شاید ان میں سے چند حروف مقصد سوم میں استطراداً مسکور ہوں وباللہ التوفیق۔

حدیث (۵۲): ابوالشیخ عبید بن مرزوق سے راوی:

کانت امرأۃ تقم المسجد فماتت ولم یعلم بھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمر علی قبرھا فقال ما ھذا القبر قالوا ام محجن ، قال التی کانت تقم المسجد قالوا نعم فصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل قالوا یارسول اللہ اتسمع قال ما انتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ ان اقم المسجد [1]۔	یعنی ایک بی بی مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی ان کا انتقال ہوگیا۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کسی نے خبر دی حضور ان کی قبر پر گذرے۔ دریافت فرمایا یہ قبر کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کی: ام محجن کی۔ فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی عرض کی ہاں۔ حضور نے صف باندھ کر نماز پڑھائی پھر ان بی بی کی طرف خطاب کرکے فرمایا تو نے کون سا عمل افضل پایا صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ! کیا وہ سنتی ہے؟ فرمایا کچھ تم اس سے زیادہ نہیں سنتے پھر فرمایا اس نے جواب دیا کہ مسجد میں جھاڑو دینی۔

حدیث (۵۳): طبرانی معجم کبیر وکتاب الدعاء میں اور ابن مندہ اور امام ضیائی مقدسی کتاب الاحکام اور ابراہیم حربی کتاب اتباع الاموات اور ابوبکر علاء الخلال کتاب الشافی اور ابن زہیرہ وصایا العلماء عند الموت اور ابن شاہین کتاب ذکر الاموت وبگر علماء محدثین اپنی تصانیف حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات احد من اخوانکم فسویتم التراب علی قبرہ فلیقم احدکم علی راس قبرہ ثم لیقل یافلان بن فلانۃ فانہ یسمعہ	جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی مرے اور اس کی قبر پر مٹی برابر کرچکو تم میں سے کوئی اس کے سرہانے کھڑا ہو اور فلاں بن فلانہ عہ کہہ کر پکارے بیشک وہ سنے گا

عـــہ: یعنی اسے اس کی ماں کی طرف نسبت کرکے مثلاً اے زید بن ہندہ، اور اگر ماں کا نام نہ معلوم ہو تو بن حوا کہے کہ وہ سب کی ماں ہیں۔ خود اسی حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ معنی مروی ۱۲منہ

[1] شرح الصدور بحوالہ ابو شیخ باب معرفۃ المیت من یغسلہ خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۰

ولایجیب ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یستوی قاعدا ثم یقول یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا رحمك اللہ ولکن لاتشعرون، فلیقل ذکر ماخرجت علیہ من الدنیا شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ وانك رضیت باللہ ربّاوباالاسلام دینا وبمحمد نبیا وبالقران اماما فان منکرا و نکیرا یاخذ کل و احد منھما بید صاحبہ ویقول ان انطلق بنا مانقعد عند من قدلقن حجتہ[1]۔ الحدیث	اور جواب نہ دے گا دوبارہ پھر یوں ہی ندا کرے وہ سیدھا ہو بیٹھے گا سہ بارہ پھر اسی طرح آواز دے اب وہ جواب دے گا کہ ہمیں ارشاد کہ اللہ تجھ پر رحم کرے مگر تمہیں اس کے جواب کی خبر نہیں ہوتی اس وقت کہے یاد کر وہ بات جس پر توں دنیا سے نکلا تھا گواہی اس کی کہ اللہ کے سواء کوئی سچا معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور یہ کہ توں نے پسند کیا اللہ تعالٰی کو پرورد گار اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبی اور قرآن کو پیشوا منکر و نکیر ہر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہے گے چلو ہم کیا بھیٹے اس کے پاس جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔

فائدہ: امام ابن الصلاح وغیرہ محدثین اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

اعتدت بشواھد وبعمل اھل الشام قدیما[2] نقلہ العلامۃ ابن امیر الحاج فی الحلیۃ	یعنی اس کو دو وجہ سے قوت ہے ایک تو حدیث اس کی موید، دوسرے زمانہ صلف سے علماء شام اس پر عمل کرتے آئے (علامہ ابن امیر الحاج نے اسے حلیہ میں نقل کیا۔ت)

اسی طرح امام نقاد الحدیث ضیائی مقدسی وامام خاتم الحفاظ حافظ الشان، ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی نے اس کی تقویت اور امام شمس الدین سخاوی نے اس کی تقریر فرمائی اور اس باب میں خاص ایک رسالہ تالیف فرمایا، اور امام احمد رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کرنا علماء شام سے نقل فرمایا، اور امام ابوبکر ابن العربی نے اھل مدینہ اور بعض دیگر علماء میں اھل قرطبہ وغیرہ سے اس کا عمل نقل کیا میں کہتا ہوں یہ عمل زمانہ صحابہ وتابعین سے ہے حضرت ابوامامہ صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خد اپنے لئے تلقین کی وصیت فرمائی[3]۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۹۷۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۹۹/۸،۲۹۸

[2] حاشیہ الطحطاوی علی المراقی الفلاح فصل فی حملہا ودفنہا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۳۸

[3] شرح الصدور باب مایقال عند الدفن والتلقین خلاف اکیڈمی سوات ص ۴۴

کما اخرجه ابن منده من وجه اٰخر کما ذکره الامام السیوطی فی شرح الصدور قلت بل والطبرانی ایضًا علی ماساق لفظه البدر المحمود فی البنایة شرح الهدایة۔	جیسا کہ ابن مندہ نے دوسرے طریق سے اس کی روایت کی، اسے امام سیوطی نے شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں بلکہ طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے، جیسا کہ علامہ بدر الدین محمود عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں اس کے الفاظ ذکر کیے ہیں۔ (ت)

اور تین تابعیوں سے عنقریب منقول ہوگا کہ اسے مستحب کہا جاتا تھا۔ ظاہر ہے ان کی یہ نقل نہ ہوگی مگر صحابہ یا اکابر تابعین سے جوان سے پہلے ہوئے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ علامہ ابن حجر مکی کی شرح مشکوٰۃ میں ہے: اعتضد بشواهد یرتقی بها الی درجة الحسن[1] (یہ حدیث بوجہ شواہد درجہ حسن تک ترقی کیے ہے) اسی طرح ذیل مجمع بحار الانوار میں تصریح کی کہ اس نے شواہد سے قوت پائی۔ واللہ تعالٰی اعلم

حدیث (۵۴تا۵۶): امام سعید بن منصور شاگرد امام مالک واستاذ امام احمد اپنے سنن میں راشد عـــہ۱ ابن سعد وضمرہ بن حبیب عـــہ۲ وحکیم بن عمیر عـــہ۳ سے راوی، ان سب نے فرمایا:

اذا سوی علی المیّت قبره وانصرف الناس عنه کان یستحب ان یقال للمیّت عنده قبره یافلان قل لا اله الا الله ثلث مرات یافلان قل ربی الله ودینی الاسلام ونبی محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔[2]	جب میّت پر مٹی دے کر قبر درست کرچکیں اور لوگ واپس جائیں تو مستحب سمجھا جاتا تھا کہ مُردے سے اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوکر کہا جائے: اے فلاں! کہہ لا الٰہ الاّ اللہ تین بار، اے فلاں! کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام اور میرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

وصل اُخر من هذا الفصل: فصل پنجم کی حدیثوں نے جس طرح بحمد اللہ سماعِ موتٰی کی

عـــہ۱: تابعی ثقہ رجال سنن اربعہ سے ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: تابعی ثقہ رجال صحاح ستہ سے ۱۲منہ (م)

عـــہ۳: تابعی صدوق رجال ابوداؤد وابن ماجہ سے ۱۲منہ (م)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ باب اثبات عذاب القبر مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۲۰۹

[2] شرح الصدور بحوالہ سنن سعید بن منصور باب مایقال عند الدفن خلافت اکیڈمی سوات ص ۴۴

تصریح فرمائی یونہی ان میں اکثر نے ثابت کر دکھایا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا اہل قبور سے کلام صرف سلام پر مقتصر نہ تھا اور بدیہ ہے کہ جماد محض سے مخاطبہ وگفتگو معقول نہیں۔ لہذا ہم آخر فصل میں وہ بعض حدیثیں جن میں اجلہ صحابہ کا اہل قبور سے سوائے سلام دیگر انواع کلام فرمانا مذکور، نقل کرکے مقصد ثانی کو ختم اور مقصد ثالث کی طرف ان شاء اللہ تعالٰی تصمیم عزم کرتے ہیں، وباللہ التوفیق،

حدیث (۵۷): ابن ماجہ بسند عــہ حسن صحیح عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال جائز اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فذکر الحدیث الی ان قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حیثما مررت بقبر مشرك فبشرہ بالنار. قال فاسلم الاعرابی بعد وقال لقد کلفنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعبا مامررت بقبرکافر الا بشرتہ بالنار[1]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا: جہاں کسی مشرک کی قبر پر گزرے اسے آگ کا مژدہ دینا ___ اس کے بعد وہ اعرابی مسلمان ہوگیا تو وہ صحابی فرماتے ہیں مجھے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس ارشاد سے ایک مشقت میں ڈالا، کسی کافر کی قبر پر میرا گذر نہ ہوا مگر یہ کہ اسے آگ کا مژدہ دیا۔

ہر عاقل جانتا ہے کہ مژدہ دینا بے سماع محال، اور صحابی مخاطب نے ارشاد اقدس کو معنٰی حقیقی پر حمل کیا، ولہذا عمر بھر اس پر عمل فرمایا فتبصر،

حدیث (۵۸): ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انہ مر بالبقیع فقال السلام علیکم یا اھل القبور اخبار ما عندنا ان نساء کم قد تزوجن و دیارکم قد سکنت واموالکم قد فرقت فاجابہ ھاتف یاعمر ابن الخطاب اخبار ماعندنا ان ما قدمناہ فقد وجدناہ وما انفقنا فقد ربحناہ وما خلفناہ فقد	یعنی ایک بار امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بقیع پر گزرے اہل قبور پر سلام کرکے فرمایا: ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ تمھاری عورتوں نے نکاح کرلیے اور تمھارے گھروں میں اور لوگ بسے، تمھارے مال تقسیم ہوگئے۔ اس پر کسی نے جواب دیا: اے عمر بن الخطاب! ہمارے پاس کی خبریں یہ ہیں کہ ہم نے جو اعمال کئے تھے یہاں پائے اور

عــہ **فائدہ:** یہ حدیثیں طبرانی نے معجم الکبیر میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ۱۲منہ (م)

[1] سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی زیارۃ القبور المشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴

خسرناہ[1]۔	جو راہ خدا میں دیا تھا اس کا نفع اٹھایا اور جو پیچھے چھوڑا وہ ٹوٹے میں گیا۔

حدیث (۵۹) : امام احمد تاریخ نیشاپور اور بیہقی اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں سعید بن المسیّب سے راوی:

قال دخلنا مقابر المدینة مع علی ابن ابی الطالب فناذی یا اهل القبور السلام علیکم ورحمة الله تخبرونا باخبارکم تریدون ان نخبرکم قال فسمعت صوتا و علیك السلام ورحمه الله وبرکاته یا امیر المومنین اخبرنا عماکان بعدنا فقال علی رضی الله تعالٰی عنه اما ازواجکم فقد تزوجن واما اموالکم فقد اقتسمت و اولاد فقد حشر وا فی زمرة الیتاٰمی والبناء الذی شیدتم فقد سکن اعداء کم فهذه اخبار ما عندنا فما عندکم فاجابه میّت فقد تخرفت الاکفان وانتثرت الشعور و تقطعت الجلود وسالت الاحداق علی الخدود وسالت مناخیر بالقیح والصدید وماقدمناه ربحناه وماخلفناه خسرنا ونحن مرتهنون بالاعمال[2]۔ وحسبنا الله ونعم الوکیل ولاحول ولاقوة الاّ بالله العلی العظیم سبحٰن من تفرد بالبقاء وقهر عباده بالموت سبحان	یعنی ہم مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ہمرکاب مقابر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے۔ حضرت مولا علی نے اہل قبر پر سلام کرکے فرمایا: تم ہمیں اپنی خبریں بتاؤگے یا یہ چاہتے ہو کہ ہم تمھیں خبر دیں؟ سعد بن مسیب فرماتے ہیں: میں نے آواز سنی کسی نے حضرت مولٰی کو جواب سلام دے کر عرض کی: امیرالمومنین! آپ بتایئے ہمارے بعد کیا گذری؟ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: تمھاری عورتوں نے تو نکاح کرلیے، اور تمھارے مال سو وہ بٹ گئے، اور اولاد یتیموں کے گروہ میں اٹھی، اور وہ تعمیر جس کا تم نے استحکام کیا تھا اس میں تمھارے دشمن بسے، ہمارے پاس کی خبریں تو یہ ہیں اب تمھارے پاس کیا خبر ہے؟ ایک مُردے نے عرض کی کہ کفن پھٹ گئے، بال جھڑ پڑے، کھالوں کے پرزے پُرزے ہوگئے، آنکھوں کے ڈھیلے بہہ کر گالوں تک آئے، نتھنوں سے پیپ اور گندا پانی جاری ہے اور جو آگے بھیجا تھا اس کا نفع ملا اور جو پیچھے چھوڑا اسکا خسارہ ہوا اور اپنے اعمال میں محبوس ہیں، ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے، طاقت و قوت نہیں مگر عظمت و بلندی والے خدا ہی سے پاک ہے وہ جو اکیلا باقی رہنے والا ہے، اور اپنے

[1] شرح الصدور بحوالہ کتاب القبور لابن ابی الدنیا باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۷

[2] شرح الصدور بحوالہ کتاب القبور الابن ابی الدنیا تاریخ ابن عساکر خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۷

الحی الذی لایموت ابدا وھو الغفور الرحیم۔	بندوں کو موت کے تابع فرمان کردیا ہے۔ پاک ہے وہ حیات والا جسے کبھی موت نہیں، اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

تنبیہ: جن صاحبوں نے جواب حدیث چہلم میں اس خطاب جناب ولایت مآب کرم اللہ وجہہ کو محض وعظ وتنبیہ احیاء کے لیے قرار دیا **کما نقلہ فی مائۃ مسائل**[1] (جیسا کہ مائۃ مسائل میں اسے نقل کیا گیا۔ت) غالبًا انھوں نے پوری حدیث ملاحظہ نہ فرمائی ورنہ اس کے لفظ اول سے آخر تک پکار رہے ہیں کہ یہاں حقیقۃً اموات ہی سے خطاب مقصود تھا۔ اسی قدر کو دیکھ لیجئے کہ جناب مولا نے ابتداء یہ لفظ ارشاد نہ کئے بلکہ اول ان سے استفسار فرمایا کہ پہلے تم اپنی خبریں بتاؤ گے یا ہم شروع کریں، کہئے بے ارادہ خطاب حقیقی اس دریافت کرنے اور اختیار دینے کے کیا معنٰی تھے، پھر ان کی درخواست پر حضرت نے اخبار دینا ارشاد فرما کر انھیں حکم دیا: اب تم اپنی خبریں بتاؤ۔ چنانچہ انھوں نے عرض کیں۔ پھر مخاطبہ حقیقی میں کیا شک ہے! **واللہ الموفق۔**

حدیث (۶۰): ابن عساکر نے ایک طویل حدیث روایت کی جس کا حاصل یہ ہے کہ عہد معدلت مہد فاروقی میں ایک جوان عابد تھا۔ امیر المؤمنین اس سے بہت خوش تھے، دن بھر مسجد میں رہتا، بعد نماز عشاء باپ کے پاس جاتا، راہ میں ایک عورت کا مکان تھا اس پر عاشق ہو گئی، ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی، جوان نظر نہ فرماتا، ایک شب قدم نے لغزش کی، ساتھ ہولیا، دروازے تک گیا، جب اندر جانا چاہا خدا یاد آگیا اور بے ساختہ یہ آیہ کریمہ زبان سے نکلی:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۚ﴿۲۰۱﴾[2]۔	ڈر والوں کو جب کوئی جھپٹ شیطان کی پہنچتی ہے خدا کو یاد کرتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

آیت پڑھتے ہی غش کھا کر گرا، عورت نے اپنی کنیز کے ساتھ اٹھا کر اس کے دروازے پر ڈال۔ باپ منتظر تھا۔ آنے میں دیر ہوئی، دیکھنے نکلا، دورازے پر بیہوش پڑا پایا۔ گھر والوں کو بلا کر اندر اُٹھوایا، رات گئے ہوش آیا، باپ نے حال پوچھا، کہا خیر ہے، کہا بتادے، ناچار قصہ کہا۔ باپ بولا جان پدر! وہ آیت کون سی ہے؟ جوان نے پھر پڑھی، پڑھتے ہی غش آیا، جنبش دی، مُردہ پایا، رات ہی کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا، صبح کو امیر المؤمنین نے خبر پائی، باپ سے تعزیت اور خبر نہ دینے کی شکایت فرمائی، عرض کی: یا امیر المومنین! رات تھی، پھر امیر المؤمنین ہمراہیوں

---

[1] مائۃ مسائل مسئلہ بست وششم مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۵۴

[2] القرآن ۷/ ۲۰۱

کو لے کر تشریف لے گئے ___ آگے لفظ حدیث یوں ہیں:

فقال عمر یافلان ولمن خاف مقام ربه جنتٰن، فاجابه الفتی من داخل القبر یا عمر قد اعطانیھا ربی فی الجنة مرتین [1]۔ نسأل الله الجنة له الفضل والمنة وصلی الله تعالٰی علی نبی الانس والجنة واٰله وصحبه واصحابه السنة اٰمین اٰمین اٰمین!	یعنی امیر المومنین نے جوان کا نام لے کر فرمایا: اے فلاں! جو اپنے رب کے پاس کھڑے ہونے کا ڈر کرے اس کے لیے دو باغ ہیں، جوان نے قبر میں سے آواز دی، اے عمر! مجھے میرے رب نے یہ دولت عظمٰی جنت میں دو بار عطافرمائی۔ ہم اللہ سے جنت کے خواستگار ہیں، اسی کے لیے فضل واحسان ہے۔ اور خدائے برتر کا درود سلام ہو انس و جن کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل واصحاب اور اہل سنت پر۔ الٰہی! قبول فرما، قبول فرما، قبول فرما! (ت)

المقصد الثالث فی اقوال العلماء

(مقصد سوم علماء کے اقوال میں)

قال الفقیر محرر السطور غفرلہ المولی الغفور اس مسئلہ میں ہمارے مذہب کی تصریح و تلویح و تنقیص و تلمیح و تائید و ترجیح و تسلیم و تصحیح میں ارشادات متکاثرہ واقوال متوافرہ ہیں حضراتِ عالیہ صحابہ کرام وتابعین فخام واتباع اعلام و مجتہدین اسلام وسلف وخلف علمائے عظام سے رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین وحشرنا فی زمرتهم یوم الدین اٰمین (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو اور ہمیں روز قیامت ان کے زمرے میں اٹھائے۔ الٰہی قبول فرما۔ ت) فقیر غفرلہ، اللہ تعالٰی اگر بقدر قدرت ان کے حصر واستغفار کا ارادہ کرے موجز عجالہ حد مجلد سے گزرے، لہٰذا اولاً صرف سو ۱۰۰ ائمہ دین وعلماء کاملین کے اسماء طیبہ شمار کرتا ہوں جن کے اقوال اس وقت میرے پیش نظر اور اس رسالہ کے فصول ومقاصد میں جلوہ گر وفضل الله سبحانه اوسع و اکثر (اور اللہ سبحانہ کا فضل اور زیادہ وسیع افروز تر ہے۔ ت) پھر دس نام ان عالموں کے بھی حاضر کروں گا جن پر اعتماد میں مخالف مضطر وهذا لدیهم ادهٰی وامر والحمد الله العلی الاکبر (اور یہ ان کے نزدیک سخت اور تلخ ہے۔ اور سب خوبیاں بلندی وکبریائی والے خدا ہی کے لیے ہیں۔ ت)

فمن الصحابة رضوان الله تعالٰی اجمعین علیهم اجمعین: (۱) امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ک حدیث ۴۶۳۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲ / ۱۷-۵۱۶

(۲) امیر المؤمنین علی مرتضٰی (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود
(۴) حضرت سلیمان فارسی (۵) عمرو بن عاص
(۶) عبداللہ بن عمر (۷) ابوھریرہ
(۸) عبداللہ بن عمرو (۹) عقبہ بن عامر
(۱۰) ابوامامہ باہلی (۱۱) صحابی اعرابی صاحب حدیث حیثما مررت وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اور میں ان کے سوا ان صحابہ کرام کے نام یہاں شمار نہیں کرتا جنھوں نے سماع وادراک موتٰی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا یا حضور کی زبان پاک سے سُنا مثل عبداللہ بن عباس وانس بن مالک وابوزرین وبراء بن عازب وابو طلحہ وعمارہ بن حزم وابوسعید خدری وعبداللہ بن سیدان وام سلمہ وقیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، اگرچہ معلوم کہ ارشاد والا حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سن کر ان کے خلاف پر اعتقاد حضرات صحابہ سے معقول نہیں، نہ مقام مقام احکام کہ احتمال خلاف بعلم ناسخ ہو، تاہم جب قصد استیعاب نہیں تو انھیں پر اقتصار جن کے خود اقوال وافعال دلیل مسئلہ ہیں، وباللہ التوفیق۔

ومن التابعین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین: (۱۲) مجاہد مکی (۱۳) عمرو بن دینار (۱۴) بکر مزنی (۱۵) ابن ابی لیلٰی (۱۶) قاسم بن مخیمرہ (۱۷) راشد بن سعد (۱۸) ضمرہ بن حبیب (۱۹) حکیم بن عمیر (۲۰) علاء بن لجلاج (۲۱) بلال بن سعد (۲۲) محمد بن واسع (۲۳) اُم الدرداء وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی۔

ومن تبع تابعین لطف اللہ بھم یوم الدین: (۲۴) عالم قریش سیدنا ابو محمد بن ادریس شافعی (۲۵) عالم کوفہ فقیہ مجتہد امام سفیان (۲۶) عبدالرحمٰن بن العلاء وغیرہم روح اللہ تعالٰی ارواحہم۔

ومن اعاظم السلف واکارم الخلف نور اللہ تعالٰی مراقدھم: (۲۷) عالم اہلبیتِ رسالت حضرت [1]امام علی بن موسٰی بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی وبتول بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھم وبارک وسلم (۲۸) [2]امام اجل عارف باللہ محمد بن علی حکیم ترمذی (۲۹) [3]امام محدث جلیل کبیر اسمٰعیل (۳۰) [4]امام فقیہ عابد وزاہد احمد بن عصمہ ابوالقاسم صفار حنفی بدو واسطہ شاگرد امام ابویوسف وامام محمد رحمہم اللہ تعالٰی (۳۱) [5]امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی (۳۲) [6]امام ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی (۳۳) [7]امام ابوالفضل محمد بن احمد حاکم شہید حنفی صاحب کافی (۳۴) [8]امام ابوالفضل قاضی عیاض یحصبی مالکی (۳۵) [9]امام حجۃ السلام مرشد الانام ابوحامد محمد محمد محمد غزالی (۳۶) [10]امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن

فرح قرطبی صاحب تذکرہ (۳۷) [11]امام شمس الائمہ حلوائی حنفی (۳۸) [12]امام عارف باللہ فقیہ زاہد (۳۹) [13]امام محدث محی الدین طبری شافعی (۴۰) [14]امام ربانی سید ناعلاء الدین سمنانی (۴۱) [15]امام ابوالمحاسن حسن بن علی ظہیر الدین کبیر مرغینانی حنفی استاذ امام قاضی خاں وصاحب خلاصہ (۴۲) [16]بعض اساتذہ امام شیخ الاسلام علی بن ابی بکر برہان الدین فرغانی حنفی صحاب التجنیس والمزید (۴۳) [17]اما فقیہ النفس قاضی حسن بن منصور فرغانی اوزجندی حنفی (۴۴) [18]امام ابوذکریا یحیٰی بن شرف نووی شافعی صحیح مسلم (۴۵) [19]امام فخر الدین محمد رازی شافعی (۴۶) [20]امام سعد الدین تفتازانی مصنف وشارح مقاصد (۴۷) [21]امام ابوسلیمٰن احمد بن ابراہیم خطابی (۴۸) [22]امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد سہیلی صاحب الروض (۴۹) [23]امام عمر بن محمد بن عمر جلال الدین خبازی حنفی صاحب فتاوٰی خبازیہ (۵۰) [24]صاح عیاب حنفی تلمیذ امام اجل قاضی خاں (۵۱) [25]علامہ محمود بن محمد لولوی بخاری حنفی صاحب حقائق شرح منظومہ نسفیہ تلمیذ التلمیذ امام شمس الائمہ کردی (۵۲) [26]سیدی یوسف بن عمر صوفی حنفی صاحب مضمرات (۵۳) [27]امام عارف باللہ صدر الدین قونوی (۵۴) [28]امام شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی (۵۵) [29]امام ملک العلماء عزالدین بن عبدالسلام شافعی (۵۶) [30]امام محدث زین الدین مراغی (۵۷) [31]امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن علی بن جابر اندلسی (۵۸) [32]قاضی ناصر الدین بیضاوی شافعی صاحب تفسیر (۵۹) [33]امام ابوعبداللہ بن النعمان صاحب سفینۃ النجاہ لاہل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء (۶۰) [34]امام عارف باللہ عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی صاحب روض الریاحیں (۶۱) [35]امام علامہ سید الحفاظ ابوعلی ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری (۶۲) [36]امام شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی حنفی صاحب کواکب الدراری شرح صحیح بخاری (۶۳) [37]امام علامہ تقی الدین علی الکافی سبکی شافعی صاحب شفاء السقام (۶۴) [38]امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی شافعی صاحب ارتیاح الاکباد بفقد الاولیاء (۶۵) [39]امام خاتم الحفاظ مجدد المائۃ التاسعہ ابوالفضل جلال الدین بن عبدالرحمٰن سیوطی صاحب شرح الصدور وبدور سافرہ وانیس الغریب وزہر الربی شرح سنن نسائی وغیرہ (۶۶) [40]امام علامہ محمد بن احمد خطیب قسطلانی شافعی صاحب مواہب لدنیہ وارشاد الساری شرح صحیح بخاری (۶۷) [41]امام شہاب الدین رملی انصاری شافعی (۶۸) [42]سیدی ولی اللہ احمد زروق (۶۹) [43]سید عارف باللہ ابوالعباس حضرمی (۷۰) [44]امام احمد بن محمد بن حجر مکی شافعی شارح مشکوٰۃ (۷۱) [45]محقق علامہ محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حنفی صاحب حلیہ شرح منیہ (۷۲) [46]امام محمد عبدری مکی مالکی (۷۳) [47]امام صدر کبیر حسام الدین شہید عمر بن عبدالعزیز صاحب فتاوٰی کبرٰی حنفی (۷۴) [48]امام محمد بن محمد بن شہاب الدین بزازی حنفی صاحب بزازیہ (۷۵) [49]علامہ نوالدین سمہودی شافعی صاحب خلاصۃ الوفاء فی اخبار دار المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۷۶) [50]علامہ رحمۃ اللہ سندی حنفی صاحب مناسک ثلٰثہ (۷۷) [51]علامہ نورالدین علی

بن ابراہیم بن احمد حلبی شافعی صاحب سیرۃ انسان العیون (۷۸) امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی شافعی صاحب میزان الشریعۃ الکبرٰی (۷۹) علامہ محمد بن یوسف شامی صاحب سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (۸۰) علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی صاحب شرح مواہب (۸۱) علامہ عبدالرؤف محمد مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر (۸۲) امام ابوبکر بن محمد بن علی حدادی حنفی صاحب جوہرہ نیرہ شرح قدوری (۸۳) علامہ ابراہیم بن محمد ابراہیم حلبی حنفی صاحب غنیہ شرح منیہ (۸۴) فاضل علی بن سلطان محمد قاری مکی حنفی صاحب مرقاۃ شرح مشکوۃ (۸۵) علامہ محمد بن احمد بن جموی حنفی استاد محقق شرنبلالی (۸۶) علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار مصری شرنبلالی حنفی صاحب نورالایضاح و امداد الفتاح و مراقی الفلاح (۸۷) علامہ خیر الدین رملی حنفی صاحب فتاوٰی خیریہ، استاذ صاحب درمختار (۸۸) فاضل مدقق محمد بن علی دمشقی حصکفی شارح تنویر (۸۹) سیدی عارف باللہ عبدالغنی بن اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی حنفی صاحب حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ (۹۰) سید علامہ ابوالسعود محمد حنفی (۹۱) مولانا عارف باللہ نورالدین جامی حنفی صاحب نفحات (۹۲) شیخ محقق برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الھند مولانا عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی حنفی صاحب لمعات واشعۃ اللمعات وجامع البرکات وجذب القلوب ومدارج النبوۃ (۹۳) فاضل محدث مولٰنا محمد طاہر فتنی احمد آبادی حنفی صاحب مجمع بحارالانوار (۹۴) فاضل شیخ الاسلام دہلوی حنفی صاحب کشف الغطا (۹۵) مولٰنا شیخ جلیل نظام الدین وغیرہ جامعان فتاوٰی عالمگیری حنفیان (۹۶) بحرالعلوم ملک العلماء مولانا ابوالعیاش محمد بن عبدالعلی لکھنوی حنفی (۹۷) خاتمۃ المحققین علامہ غُنیمی حنفی (۹۸) فاضل سید احمد مصری طحطاوی حنفی (۹۹) سیدی امین الدین محمد شامی حنفی محشیان شرح علائی (۱۰۰) سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی حنفی وغیرہم بردالله تعالٰی مضاجعھم۔

تنبیہ: فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، نے ان ائمۃ سلف وعلمائے خلف سے صرف انھی اکابر کے اسمائے طیبہ گنے جن کے کلام میں خاص سماع وادراک وعلم وشعور اہل قبور کے نصوص خاص قاہرہ یادلائل باہرہ ہیں، پھر ان میں بھی حصر استیعاب کا قصد نہ کیا کہ اس کی راہ میں بلاد شاسعہ وبرابری واسعہ وجبال شاہقہ وبحار زاخرہ ہیں، بلکہ حاشا وہ بھی بالتمام [عہ] ذکر نہ کیے جن کے اقوال ہدایت اشتمال اس وقت میرے سامنے جلوہ فرماو

عہ: قولہ وہ بھی بالتمام ذکر نہ کیے، اقول اس دعوی کی صحت پر خود یہی رسالہ دلیل کافی ہے۔ ناظر اول تا آخر اس کے مقامات کو مطالعہ کرے گا تو ائمہ مذکورین کے سوابہت علماء ومشائخ کے اسماء دیکھے گا۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

متیسر حالت حاضرہ ہیں، **فتلك مائة کاملة فیهم وفاء القلوب وفاء عاقلة** (یہ مکمل سَو ہیں جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں اہتمام کلام کو ان کے نام بھی شمار کرتا اور عدد کو **پونے دوسو**[۱۷۵] نام تک پہنچاتا ہوں، **متن میں** سوائمہ سلف وخلف اور دس معتمدین مخالف کے اسماء گنائے کہ سب ایک سو دس "۱۱" ہوئے۔ آگے چلئے **من الصحابة والتابعین واتباعهم**: **(۱۱۱)** حضرت عبداللہ بن سلام **(۱۱۲)** حضرت ام المومنین صدیقہ **(۱۱۳)** حضرت امام زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضٰی **(۱۱۴)** حضرت امام حسن مثنٰی ابن حسن مجتبٰی ابن مولٰی مشکل کشا صلی اللہ علٰی سیدہم وبارک وسلم دائمًا ابدًا **(۱۱۵)** افضل التابعین امام سعید بن المسیب **(۱۱۶)** حبان بن ابی حیلہ **(۱۱۷)** ابن مینا **(۱۱۸)** ابوقلابہ بصری **(۱۱۹)** سلیم بن عمیر **(۱۲۰)** عبداللہ بن ابن نجیح مکی من العلماء والاولیاء من کلاالنوعین المذکورین فی المتن **(۱۲۱)** امام محدث مفسر مجتہد ابن جریر طبری **(۱۲۲)** امام محدث اجل ابو محمد عبدالحق صاحب احکام کبرٰی واحکام صغرٰی **(۱۲۳)** امام ابو عمرو بن الصلاح محدث **(۱۲۴)** امام قاضی مجدد الشریعۃ کرمانی **(۱۲۵)** امام اجل ابوالبرکات عبداللہ نسفی صاحب تصانیف مشہورہ **(۱۲۶)** امام علامہ بدالدین محمود عینی احمد عینی حنفی صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری **(۱۲۷)** علامہ ابن ملک شارح مشارق الانوار **(۱۲۸)** علامہ فضل اللہ بن الغوری حنفی **(۱۲۹)** امام فخر الدین ابو محمد عثمان بن علی زیلعی صاحب تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق **(۱۳۰)** محمد بن محمد حافظ بخاری صاحب فصل الخطاب **(۱۳۱)** امام شہاب الدین شارح منہاج استاذ ابن حجر مکی **(۱۳۲)** حضرت سیدی علی قرشی قدس سرہ العرشی **(۱۳۳)** امام جلیل نورالدین ابوالحسن علی مصنف بہجۃ الاسرار **(۱۳۴)** امام مجدالدین عبداللہ بن محمود موصلی حنفی صاحب مختار و اختیار **(۱۳۵)** صاحب مطالب المومنین **(۱۳۶)** صاحب خزانۃ الروایات **(۱۳۷)** صاحب کنزالعباد، ہر سہ از مستندان متکلمین طائفہ **(۱۳۸)** علامہ جمہوری صاحب تصانیف کثیرہ **(۱۳۹)** علامہ زیادی **(۱۴۰)** علامہ داؤدی شارح منہج **(۱۴۱)** علامہ حلبی محشّٰی صاحب درمختار **(۱۴۲)** شیخ احمد نخلی **(۱۴۳)** شیخ احمد شناوی **(۱۴۴)** شیخ احمد قشاشی **(۱۴۵)** مولانا ابراہیم کردی استاذ الاستاذ شاہ ولی اللہ صاحب **(۱۴۶)** مولٰنا ابوطاہر مدنی خاص استاذ شاہ ولی اللہ **(۱۴۷)** مولانا محمد بن حسین کبتی حنفی مکی **(۱۴۸)** مولانا حسین ابراہیم مالکی مکی **(۱۴۹)** حضرت مولٰنا شیخ الحرم احمد زین دحلان شافعی مکی مصنف سیرت نبویہ ورَدِّ وہابیہ وغیرہما تصانیف علیہ **(۱۵۰)** مولانا محمد بن غرب شافعی مدنی **(۱۵۱)** مولٰنا عبدلجبار حنبلی بصری مدنی **(۱۵۲)** مولٰنا ابراہیم بن خیار شافعی مدنی **(۱۵۳)** عبد صالح ہاشم بن محمد **(۱۵۴)** ان کے والد ماجد محمد عمری مدنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

اصحاب مہم کے لیے کافی ہیں۔ت ت

اولئك ساداتی فجئنی بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع [1]

(یہ ہیں میرے سردار، پس تو ان کی مثل پیش کر، اے جریر جب محفلیں ہم سب کو اکٹھا کریں)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۱۵۵) حضرت سیدی ابویزید بسطامی (۱۵۶) حضرت سیدی ابوالحسن خرقانی (۱۵۷) حضرت سیدی ابوعلی فارمدی (۱۵۸) حضرت سیدی ابوسعید خراز (۱۵۹) حضرت ستاد امام ابوالقاسم قشیری۔ (۱۶۰) حضرت عارف باللہ سیدی ابی علی (۱۶۱) حضرت سیدی ابراہیم بن شیبان (۱۶۲) حضرت سیدی ابویعقوب (۱۶۳) حضرت سیدی علی خواص شیخ امام شعرانی (۱۶۴) حضرت میر ابوالعلی اکبر آبادی سردار سلسلہ نقشبندیہ ابوالعلائیہ (۱۶۵) شاہ محمد غوث گوالیاری صاحب جواہر خمسہ (۱۶۶) مولانا وجیہ الدین علوی شیخ حضرت مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی (۱۶۷) حضرت سید صبغتہ اللہ بروجی (۱۶۸) شیخ بایزید ثانی (۱۶۹) مولٰنا عبدالملک (۱۷۰) شیخ اشرف لاہوری (۱۷۱) شیخ محمد سعید لاہوری کہ ساتوں صاحب مشائخ شاہ ولی اللہ سے ہیں۔ (۱۷۲) جناب شیخ مجدد الف ثانی (۱۷۳) شیخ عبدالاحد پیر سلسلہ مجددیہ (۱۷۴) شیخ ابوالرضا محمد جد شاہ ولی اللہ (۱۷۵) سید احمد بریلوی پیر میاں اسمٰعیل دہلوی کہ صراط مستقیم جن کی ملفوظات قرار دی گئی۔ یہ مجموعہ پونے دو سو ۱۷۵ ہُوا من بعضهم صریح البیان ومن بعضهم افادة البرهان ومن بعضهم التقریر والاذعان ولبعضهم لیس الخبر کالعیان والحمد لله فی کل حین واٰن (بعض کا صریح بیان ہے۔ بعض کی جانب سے افادہ برہان ہے۔ بعض سے تقریر اور اذعان ہے۔ اور بعض کا حال یہ ہے کہ خبر مشاہدے کی طرح نہیں، اور اللہ ہی کی حمد ہے ہر وقت اور ہر آن۔ت) اور ہنوز اس کتاب میں اور باقی ہیں اور جو حصر واستیعاب کی طرف راہ کیا ہے بلکہ استقصائے تمام قدرت خامہ و وسعت کاغذ کے ورا آخر نوع اول مقصد سوم میں ارشادان علماء سے مذکور ہوگا کہ علم و سمع وبصر موتی پر تمام اہلسنت وجماعت کا اجماع ہے۔ تو آج تک جس قدر عمائد اہلسنت گزرے سب کے نام اسی فہرست میں اندراج کے قابل، پھر کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کتنے لاکھ ہے، والحمد لله رب العٰلمین۔ اور لُطف یہ کہ ان مذکورین میں گنتی کے بعض ایسے ہیں جن کے دو ایک ظواہر کلمات سے وہابیہ اس مسئلہ میں استناد کرتے اور انھیں کے باقی اقوال کو پس پشت ڈال کر مقامِ تحقیق و مرام توفیق ونظام تطبیق اور موافق ومبائن جمہور کی تفریق سے محض غافل یا اغوائے عوام کو متغافل گزرتے ہیں واللہ من یشاء الی صراط مستقیم (اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ت) ۱۲ منہ دامت فیوضہ (م)

[1] مختصر المعانی تعریف المسند الیہ بالاشارۃ المکتبۃ الفاروقیہ ملتان ص ۱۱۱

والحمد للہ اولًا واٰخرًا وباطنًا وظاہرًا تمام لکلام بمسلك الالزام (اول، آخر، ظاہر، باطن میں اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔الزام کے رنگ میں کلام تام کیا جارہا ہے۔ت)

اب انھیں لیجئیے جن پر اعتماد مخالف کو ضرور: (۱) شاہ ولی اللہ صاحب (۲) ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب (۳) ان کے فرزند ارجمند مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب (۴) ان کے برادر مولٰنا شاہ عبدالقادر صاحب (۵) ان کے ممدوح جناب میرزا مظہر جانجاناں (۶) ان کے مرید رشید قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۷) مولوی اسحاق صاحب دہلوی (۸) ان کے شاگرد نواب قطب الدین خاں دہلوی (۹) مولوی خرم علی صاحب بلہوری تجاوز اللہ عنا وعن کل من صح ایمانہ فی النشاتین ورحم کل من یشھد صدقا بالشھادتین (اللہ درگزرے فرمائے ہم سے اور ہر اس شخص سے جس کا ایمان دونوں نشأتوں میں صحیح ہے اور ان سب پر رحم فرمائے جو سچائی سے دونوں شہادتوں کی گواہی دینے والے ہیں۔ت) (۱۰) ان سب سے قوی مجتہد نو میاں اسمٰعیل دہلوی واللہ الھادی منھج السوی وھو المستعان علٰی کل غوی ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ الغالب العلی (اور خدا ہی راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے اور اسی سے ہر گمراہ کے خلاف استعانت ہے۔اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر خدائے غالب و برتر سے۔ت)

واضح ہو کہ ارشادات علیہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین مقصدِ احادیث میں مذکور ہوئے کہ حدیث اصطلاح عــہ۱ محدثین میں انھیں شامل، معہذا امور قبور واحوالِ ارواح مفارقہ میں رائے کو دخل نہیں تو یہاں عــہ۲ موقوف

عــہ: علامہ سید شریف رحمۃاللہ تعالٰی مقدمہ مصطلحات الحدیث میں فرماتے ہیں:

الحدیث اعم ان یکون قول الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والصحابی والتابعی وفعلھم وتقریرھم۔	حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابی وتابعی سب کے قول، فعل اور تقریر کو شامل ہے۔(ت)

امام علامہ سیوطی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ اپنی ارجوزہ مسمّٰی بالتثبیت عند التبییت میں فرماتے ہیں:

یکرر السوال للانام* فی ماروا فی سبعۃ ایام* کذا رواہ احمد بن حنبل* فی الزھد عن طاؤس البحر العلی* وحکمہ الرفع کما	(۱) روایت محدثین کے مطابق مخلوق سے سوال سات دنوں کے اندر مکرر ہوگا (۲) امام احمد بن حنبل نے زہد میں متبحر بلند رتبہ تابعی امام طاؤس سے ایسا ہی

بھی مرفوع میں داخل۔ہاں بعض اقوال تابعین مثل بلال بن سعد اس مقصد سوم میں ذکر ہوئے اور اس کی وجہ اقوال باب سے مناسبت ، جس طرح مثلاً امام سفیان کا قول، ایسے ہی مناسب کے سبب اقوال تابعین کے ساتھ منقول ہوا۔اب بقیہ حضرات کے کلمات طیبات واقوال وتصریحات اگر بوجہ استیعاب لکھیے پھر دفتر ہوتا ہے۔ لہٰذا صرف **تین سو** ۳۰۰ **قول** پر اقتصار کرتا ہوں ۔ علماء صنف اول کے دو سو ۲۰۰ اور اہل صنف دوم کے سو کہ دیدہ انصاف صاف ہو تو اتنے کیا کم ہیں ع

درخانہ اگر کس است یکحرف بس است

(اگر خانہ عقل میں شعور ہو تواشارہ ہی کافی ہے)

تنبیہ : عدت قول، جدت مقول یا تعدد مقول سے ہے، ابتداً خواہ تقریراً اور درصورت اخیر ہر عالم کی عبارت جُدا جُدا لکھنا باعث طول۔ لہٰذا انھیں ایک ہی سرخی میں گن کر اسامی علماء پر ہندسہ لگادیا جائے گا۔یہ مقصد بھی مثل اپنے دوبرادر پیشیں کے دونوں پر منقسم **واللہ سبحٰنہ ھوالموفق للحق والصواب فی کل مھم** (اور خدائے پاک ہی ہر مہم میں ثواب کی توفیق دینے والا ہے۔ت)

نوعِ اول : اقوال علماء سلف وخلف میں، ایک تمہید اور پندرہ ۱۵ فصل پر مشتمل۔

(۱) ابن عساکر تاریخ دمشق میں امام محمد بن وضاح سے راوی، امام اجل سحنون بن سعید قدس سرہ، سے کہا گیا ایک شخص کہتا ہے بدن کے مرنے سے روح بھی مرجاتی ہے۔

فرمایا: **معاذاللہ ھذا من قول اھل البدع** [1]

خدا کی پناہ یہ بدعتیوں کا قول ہے۔

(۲) امام ابن امیر الحاج خاتمہ حلیہ میں دربارہ فوائد غسلِ میّت فرماتے ہیں:

اذا اعتنی المولی بتطھیر جسد یلقی فی التراب	یعنی جب بندہ دیکھے گا کہ مولٰی تبارک وتعالٰی نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) قد قالوا* اذالیس للرأی فیہ مجال* ولیس للقیاس فی ذاالباب* من مدخل عند ذوی الالباب* وانما التسلیم فیہ اللائق* والنقیاد حیث أبنا الصادق منہ (م)	روایت کیا ہے (۳) وہ حسبِ ارشاد عُلمائے مرفوع کے حکم میں ہے۔اس لیے کہ اس بارے میں رائے کا گذر نہیں (۴) اور قیاس کا اس باب میں ارباب عقول کے نزدیک کوئی دخل نہیں (۵) جب صادق نے خبر دی ہے تو اس میں تسلیم وقبول اور تابعداری ہی مناسب ہے۔(ت)

[1] شرح الصدور بحوالہ ابن عساکر خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۳۵

تنبه العبد الی تطهیر ماهوا باق وهو النفس فانه لایفنی عند اهل السنة والجماعة[1]۔	ہم پر اس بدن کی تطہیر فرض کی جو خاک میں ڈالا جائیگا تو متنبہ ہوگا کہ اس کی تطہیر اور بھی ضرور ہے جو باقی رہنے والا ہے یعنی روح کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک فنا نہیں ہوتی۔

(۳) امام عزالدین بن عبدالسلام عـــہ۱ فرماتے ہیں کہ:

لا تموت ارواح الحیاۃ بل ترفع الی السماء حیة[2]۔	روحیں مرتی نہیں بلکہ زندہ آسمان کی طرف اُٹھالی جاتی ہیں۔

(۴) امام جلال الحق والدین سیوطی شرح الصدور میں ناقل، باقیة بعد خلقها بالاجماع[3] روحیں پیدائش کے بعد بالاجماع جاوداں رہتی ہیں۔ (۵) خود امام ممدوح اس امر کی تائید کہ شہداء کی زندگی صرف روحانی بلکہ روح وبدن دونوں سے ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

لوکان المراد حیاۃ الروح فقط لم یحصل له تمیز عن غیرہ لمشارکة سائر الاموات له فی ذلك ولعلم المومنین باسرهم حیاۃ کل الارواح فلم یکن لقوله تعالٰی ولکن لاتشعرون[4]۔	یعنی اگر آیت کریمہ میں حیات شہید سے صرف زندگی روح مراد ہوتی ہے تو اس میں اس کی کیا خصوصیت تھی، یہ بات تو ہر مُردے کو حاصل ہے اور تمام مسلمان جانتے ہیں کہ سب کی روحیں بعد موت زندہ رہتی ہیں۔ حالانکہ حیات شہداء کی نسبت آیت میں فرمایا کہ تمھیں خبر نہیں

یہاں سے اجماع صحابہ ثابت ہوا۔

فصل اوّل: موت صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں چلا جاتا ہے نہ کہ معاذاللہ جماد ہو جانا۔

قول (۱): ابو نعیم حلیہ میں بلال عـــہ۲ بن سعد رحمۃ اللہ تعالٰی سے راوی کہ اپنے وعظ میں فرماتے:

عـــہ۱: نقله فی شرح الصدور وعن امالیه ۱۲ منه (م)	اسے شرح الصدور میں ان کے امالی سے نقل کیا۔ ت

عـــہ۲: تابعی جلیل، عابد، فاضل، ثقہ، رجال نسائی وغیرہ سے ۱۲ منہ (م)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] شرح الصدور بحوالہ عزالدین بن عبدالسلام خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۴

[3] شرح الصدور بحوالہ کتاب ابن قیم خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۵

[4] شرح الصدور باب زیارۃ القبور خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۸۵

یا اھل الخلوت یا اھل البقاء انکم لم تخلفوا للفناء وانما خلقتم للخلوت و الابداولکنکم تنتقلون من دارٍ الی دار[1]۔	اے ہمیشگی والو! اے بقاوالو! تم فنا کو نہ بنے بلکہ دوام و ہمیشگی کے لیے بنے ہو، ہاں ایک گھر سے دوسرے گھر میں چلے جاتے ہو۔

قول (۲): شرح الصدور میں ہے:

قال العلماء الموت لیس بعدم محض ولافناء صرف وانما ھو انقطاع تعلق الروح بالبدن ومفارقة وحیلولة بینھما وتبدل حال وانتقال من دار الی دار[2]۔	علماء نے فرمایا موت کے یہ معنی نہیں کہ آدمی نیست و نابُود ہوجائے بلکہ وہ تو یہی روح وبدن کے تعلق چھوٹنے اوران میں حجاب وجُدائی ہوجانے اور ایک طرح کی حالت بدلنے اور ایک گھر سے دوسرے گھر چلے جانے کا نام ہے۔

تنبیہ: تعلق چھوٹنے کے یہ معنی کہ وہ علاقہ معہودہ جو عالم حیات تھا، جاتا رہا۔ اور اس طرح حجاب وجدائی ہوجانے سے یہ مراد کہ ویسا اتصال تام باقی نہیں، ورنہ مذہب اہلسنت میں روح کو بعد موت بھی بدن سے ایک تعلق واتصال رہتا ہے جیسا کہ فصولِ آئندہ کے اقوال کثیرہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ **قول (۳)**: جامع البرکات میں فرمایا:

موت عدم محض میّت چنانکہ وہریاں وطبعیان گویند بلکہ انتقال ست از حالے بحالے واز دارے بدارے[3]۔	موت نیست و نابود ہوجانے کا نام نہیں جیسا کہ دہریہ اور طبعیین کہتے ہیں بلکہ ایک حال سے دوسرے حال اور ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوجانے کا نام ہے۔ (ت)

قول (۴): اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ:

اولیائے خدا نقل کردہ شد نداز یں دار فانی بہ دار بقاو زندہ اند نزد پروردگار و مرزوق اند خوشحال اند و مردم را ازاں شعور نیست[4]۔	اولیاء اس دار فانی سے دار بقاء میں منتقل کردئے جاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے یہاں زندہ ہیں، انھیں رزق ملتا ہے اور خوشحال رہتے ہیں اور لوگوں کو اس کی خبر نہیں۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور بحوالہ حلیہ باب فضل الموت خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۵

[2] شرح الصدور بحوالہ حلیہ باب فضل الموت خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۵

[3] جامع البرکات

[4] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل مطبوعہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

قول (۵): مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

لافرق لھم فی الحالین ولذا قیل اولیاء اللّٰہ لایموتون ولکن تنتقلون من دار الی دار[1]۔	اولیاء کی دونوں حالت وممات میں اصلاً فرق نہیں، اسی لیے کہا گیا کہ وہ مرتے نہیں بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔

روایت مناسبہ عہ: امام عارف باللہ استاذ ابوالقاسم قشیری قدس سرہ، اپنے رسالہ میں بسند خود حضرت ولی مشہور سیدنا ابو سعید خراز قدس سرہ الممتاز سے راوی کہ میں مکہ معظمہ میں تھا بابِ بنی شیبہ پر ایک جوان مُردہ پڑا پایا۔ جب میں نے اس کی طرف نظر کی، مجھے دیکھ کر مسکرایا اور کہا:

یا ابا سعید اماعلمت ان الاحباء احیاء و ان ماتوا وانما ینقلون من دار الی دار[2]۔	اے ابو سعید! کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ کے پیارے زندہ ہیں اگرچہ مرجائیں، وہ تو یہی ایک گھر سے دوسرے گھر میں بلائے جاتے ہیں۔

روایت دوم: وہی عالی جناب حضرت سیدی ابو علی قدس سرہ، سے راوی، میں نے ایک فقیر کو قبر میں اتارا، جب کفن کھولا اور ان کا سر خاک پر رکھ دیا کہ اللہ ان کی غربت پر رحم کرے، فقیر نے آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے فرمایا:

یا اباعلی أتذلنی بین یدی و من دللنی[3]۔	اے ابو علی! مجھے اس کے سامنے ذلیل کرتے ہو جو میرے ناز اٹھاتا ہے۔

میں نے عرض کی: اے سردار میرے! کیا موت کے بعد زندگی؟ فرمایا:

بلٰی اناحی وکل محب اللّٰہ حی لا یضرنك بجاھی غدا یاروذباری[4]۔	میں زندہ ہوں اور خدا کا ہر پیارا زندہ ہے بیشک وہ جاہت وعزت جو روز قیامت میں ملے گی اس سے تجھے کوئی ضرر نہ پہنچے گا بلکہ میں تیری مدد کروں گا اے روذباری۔

روایت سوم: وہی جناب مستطاب حضرت ابراہیم بن شیبان قدس سرہ، سے راوی، میرا ایک مرید جوان مرگیا، مجھے سخت صدمہ ہوا، نہلانے بیٹھا، گھبراہٹ میں بائیں طرف سے ابتداء کی، جوان نے وہ کروٹ ہٹا کر اپنی داہنی کروٹ میری طرف کی، میں نے کہا: جان پدر! تو سچّا ہے مجھ سے غلطی ہوئی۔

عہ: ھذہ والاربعۃ بعدھا کل ذلك فی شرح الصدور ۱۲ منہ (م)	یہ روایت اور اسکے بعد کی دو چاروں روایتیں سب شرح الصدور میں ہیں۔ (ت)

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۴۱/۳

[2] الرسالۃ القشیریۃ باب احوالھم عند الخروج من الدنیا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

[3] الرسالۃ القشیریۃ باب احوالھم عند الخروج من الدنیا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

[4] الرسالۃ القشیریۃ باب احوالھم عند الخروج من الدنیا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

روایت چہارم: وہی امام حضرت ابویعقوب سوسی نہرجوری قدس سرہ، سے راوی، میں نے ایک مرید کو نہلانے کے لیے تختے پر لٹایا اس نے میرا انگوٹا پکڑلیا میں نے کہا: جان پدر! میں جانتا ہوں کہ تو مُردہ نہیں یہ تو صرف مکان بدلنا ہے۔ لے میرا ہاتھ چھوڑ دے۔[1]

روایت پنجم: جناب ممدوح انہی عارف موصوف سے راوی، مکہ معظّمہ میں ایک مرید نے مجھ سے کہا پیر ومرشد! میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا، حضرت! یہ اشرفیاں لیں اور آدھی میں میرا دفن آدھی میں میرا کفن کریں، جب دوسرا دن ہوا اور ظہر کا وقت آیا مرید مذکور نے آکر طواف کیا۔ پھر کعبہ سے ہٹ کر لیٹا تو روح نہ تھی، میں نے قبر میں اتارا، آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا: موت کے بعد زندگی کہاں؟ **انا حی وکل محب اللّٰه حی**[2] میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر دوست زندہ ہے۔ اس قسم کی صدہا روایات کلماتِ ائمہ کرام میں مذکور **وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ**[3] (اور خدا جسے نور نہ دے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ت)

فصل دوم: موت سے روح میں اصلاً تغیر نہیں آتا اور اس کے علوم وافعال (عہ) بدستور رہتے ہیں بلکہ زیادہ ہوجاتے ہیں، پھر جمادیت کیسی اور اثبات تخصیص ادراک۔ ذمہ مخصص۔

قول (۶): امام سبکی شفاء السقام میں فرماتے ہیں:

النفس باقیة بعد موت البدن عالمة باتفاق المسلمین بل غیر المسلمین من الفلاسفة وغیرھم ممن یقول ببقاء النفوس یقولون بالعلم بعد الموت ولم	یعنی مسلمان کا اجماع ہے کہ روح بعد مرگ باقی اور علم وادراک رکھتی ہے۔ بلکہ فلاسفہ وغیرہم کفار بھی علم مانتے ہیں اور بقائے روح میں کسی نے خلاف

عــہ: امام سیوطی شرح الصدور میں مذہب اہلسنت کتاب الروح سے یوں نقل فرماتے ہیں:

ان الروح ذات قائمہ بنفسھا تصعد وتنزل وتتصل وتنفصل وتذھب وتجیئ وتتحرك وتسکن وعلی ھذا اکثر من مائة دلیل مقررة[4]۔	یعنی روح ایک مستقل ذات ہے کہ چڑھتی اترتی ملتی جدا ہوتی آتی جاتی حرکت کرتی ساکن ہوتی ہے اور اس پر سو سے زیادہ دلائل ثابت ہوتے ہیں۔ (م)

[1] الرسالۃ القشیریۃ فصل فان قیل فما الغالب علی الولی فی حال الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۷۰

[2] الرسالۃ القشیریۃ فصل فان قیل فما الغالب علی الولی فی حال الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۷۱

[3] القرآن ۲۴/ ۴۰

[4] شرح الصدور خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۶

یخالف فی بقاء النفوس الا من لایعتد به[1] اھ ملتقطاً۔	نہ کیامگر ایسوں نے جو کسی گنتی شمار میں نہیں اھ ملتقطا۔

قول(۷): تفسیر بیضاوی میں ہے:

فیھا دلالة علی ان الارواح جواھر قائمة بانفسھا مغائرة لما یحس به من البدن تبقٰی بعد الموت دراكة وعلیه جمھور الصحابة والتابعین وبه نطقت الاٰیات والسنن[2]۔	یہ آیۂ کریمہ دلیل ہے کہ روحیں جوہر قائم بالذات میں یہ بدن جو نظر آتی ہے اس کے سوا اور چیز ہیں، موت کے بعد اپنے اسی جوش ادراک پر رہتی ہیں، جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مذہب ہے اور اس پر آیات واحادیث ناطق۔

قول(۸): امام غزالی احیاء ف میں فرماتے ہیں:

لاتظن ان العلم یفارقك بالموت فالموت لایھدم محل العلم اصلا ولیس الموت عدما محضًا حتی تظن انك اذا عدمت عدمت صفتک[3]۔	یہ گمان نہ کرنا کہ موت سے تیرا علم تجھ سے جدا ہو جائیگا کہ موت محلِ علم یعنی روح کا تو کچھ نہیں بگاڑتی، نہ وہ نیست ونابود ہو جانے کا نام ہے کہ تو سمجھے جب تو نہ رہا تیرا وصف یعنی علم وادراک بھی نہ رہا۔

قول(۹،۱۰): امام نسفی عمدۃ الاعتقاد، پھر علامہ نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں: **الروح لا یتغیر بالموت**[4]۔ مرنے سے روح میں کچھ نہیں آتا۔

قول(۱۱): علّامہ تورپشتی فرماتے ہیں:

الروح الانسانیة متمیزة مخصوصة بالادراکات بعد مفارقة البدن[5]۔ نقله المناوی	فراقِ بدن کے بعد بھی روح انسانی متمیز ومخصوص بہ ادراکات ہے۔ (اسے علامہ مناوی نے نقل کیا۔ ت)

---

[1] شفاء السقام الفصل الثانی فی الشہداء مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۱۰

[2] تفسیر بیضاوی تحت آیۃ بل احیاء ولکن لایشعرون مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

[3] التیسیر بحوالہ الغزالی تحت حدیث من طلب العلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۲۹

[4] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثانی فی الامور الھمیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۹۰

[5] التیسیر شرح جامع صغیر بحوالہ التورپشتی تحت ان ارواح الشہداء الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۱۰

ف: سعی بسیار کے باوجود حوالہ احیاء العلوم سے دستیاب نہیں ہو سکا، تیسیر میں بحوالہ الغزالی بعینہٖ یہ عبارت موجود ہے اس لیے تیسیر سے یہ حوالہ نقل کیا ہے۔ **نذیر احمد**

قول (۱۲): علامہ مناوی کی شرح جامع الصغیر میں ہے:

الموت لیس بعدم محض والشعور باق حتی بعد الدفن[1]۔	موت بالکل عدم نہیں اور شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعد دفن بھی۔

قول (۱۳): اسی میں ہے:

ان الروح اذا انخلعت من ھذا الھیکل و انفکت من القیود بالموت تجول الی حیث شاءت[2]۔	بیشک روح جب اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے جہاں چاہتی ہے جولان کرتی ہے۔

قول (۱۴): شرح الصدور میں منقول کہ دلائل قرآن وحدیث لکھ کر کہا:

فصح ان الارواح اجسام حاملة لاعراضھا من التعارف والتناکر وانھا عارفة متمیزہ[3]۔	ان سے ثابت ہوا کہ روحیں اجسام ہیں اپنے اوصاف شناخت وناشناخت وغیرہ کی حامل جو بذاتِ خود ادراک و تمیز رکھتی ہے۔

یہاں وہ تقریر یاد کرنی چاہئے جو زیر حدیث دوم گزری۔

قول (۱۵): مقاصد وشرح مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے:

عند المعتزلة وغیرھم البدنیة المخصوصة شرط فی الادراك فعند ھم لایبقی ادراك الجزئیات عند فقد الاٰلات وعندنا یبقٰی و ھوالظاھر من قواعد الاسلام[4]۔	معتزلہ وغیرہم کے مذہب میں یہ بدن شرط ادراک ہے توان کے نزدیک جب اس کے آلات نہ رہے ادراک جزئیات بھی نہ رہا اور ہم اہل سنت وجماعت کے مذہب میں باقی رہتا ہے اور یہی ظاہر ہے قواعد دین اسلام سے۔

قول (۱۶): لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

سببیه الحواش للاحساس وللادراك عادیة	حواس کا سبب احساس وادراک ہونا اک امر عادی ہے

[1] التیسیر شرح جامع صغیر تحت ان المیّت یعرف من یحملہ الخ مکتبہ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۰۳

[2] التیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث ان روحی المومنین مکتبہ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/۳۲۰

[3] شرح الصدور باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۹۹

[4] شرح المقاصد المبحث الرابع مدرک الجزئیات دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/۴۳

کما تقرر فی المذھب اما العلم فبالروح و ھو باق [1] اھ ملتقطا۔	جیسا کہ مذہب اہل سنت میں ثابت ہوچکا اور علم تو روح سے ہے وہ باقی ہے اھ مختصراً۔

قول (۱۷): امام سیوطی فرماتے ہیں:

ذھب اھل الملل من المسلمین وغیر ھم الی ان الروح تبقی بعد موت البدن و خالف فیه الفلاسفة دلیلنا ماتقدم من الأیات والاحادیث فی بقائھا وتصرفھا [2] الخ (ملخصًا)	تمام اہل ملت مسلمین اور ان کے سواسب کا یہی مذہب ہے کہ روحیں بعد موت بدن باقی رہتی ہیں فلاسفہ یعنی بعض مدعیان حکمت نے اس میں خلاف کیا، ہماری دلیل۔ وہ آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے ثابت کہ روح بعد موت باقی رہتی اور تصرفات کرتی ہے۔ الخ

قول (۱۸): ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قد انکرعذاب القبر بعض المعتزلة والروافض محتجین بان المیّت جماد لاحیاة له ولاادراك [3] الخ۔	بعض معتزلہ اور روافض عذاب قبر سے منکر ہوئے یہ حجت لاکر کہ مُردہ جماد ہے نہ اس کے لیے حیات ہے نہ ادراک الخ۔

قول (۱۹): کشف الغطاء مستند مولوی اسحٰق دہلوی میں ہے:

مذہب اعتزال است کہ گویند میّت جماد محض است [4]۔	میّت کو جماد محض بتانا معتزلہ کا مذہب ہے۔ (ت)

قول (۲۰): اسی میں ہے:

فرقے نیست در ارواح کاملان درحین حیات و بعداز ممات مگر بترقیه کمال [5]۔	اہل کمال کی روحوں میں حالتِ حیات وموت میں کوئی فرق نہیں ہوتا سوا اس کے کہ بعد موت کمالات میں ترقی ہوجاتی ہے۔ (ت)

فصل سوم: ان تصریحوں میں کہ اموات کے علم وادراک دیناواہل دینا کو بھی شامل۔

---

[1] لمعات شرح مشکوٰۃ کتاب الجہاد

[2] شرح الصدور خاتمہ فی فوائد تتعلق بالروح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۵

[3] ارشاد الساری شرح البخاری باب قتل ابی جہل دار الکتب العربی بیروت ۲۵۵/۶

[4] کشف الغطاء فصل در احکام دفن میت مطبع احمدی دہلی ص ۵۷

[5] کشف الغطاء فصل در احکام دفن میت مطبع احمدی دہلی ص ۵۷

قول (۲۱): امام جلال الدین سیوطی رسالہ منظومہ انیس الغریب میں فرماتے ہیں:

یعرف من یغسله ویحمل　　　ویلبس الاکفان ومن ینزل[1]

(مُردہ اپنے نہلانے والے، اٹھانے والے، کفن پہنانے والے، قبر میں اتارنے والے سب کو پہچانتا ہے)

قول (۲۲تا۲۴): امام ابن الحاج مدخل اور [۲۳] امام قسطلانی مواہب اور [۲۴] علامہ زرقانی شرح میں تقریرًا فرماتے ہیں:

واللفظ لاحمد من انتقل الی عالم البرزخ من المؤمنین یعلم احوال الاحیاء غالبًا وقد وقع کثیر من ذلك کما ھو مسطور فی مظنة ذلك من الکتب[2]۔	احمد کے الفاظ ہیں جو مسلمان برزخ میں ہیں اکثر احوال احیاء پر رکھتے ہیں اور یہ امر بکثرت واقع ہے جیسا کہ کتابوں میں اپنے محل پر مذکور ہے۔

قول (۲۵): اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں علم وادراک مَوتٰی کی تحقیق وتفصیل لکھ کر فرماتے ہیں:

بالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحون اند باخبار وآثار کہ دلالت مے کند بر وجود علم موتٰی بدنیا واہل آں پس منکر نہ شود آں را مگر جاہل باخبار ومنکر دین[3]۔	الحاصل کتاب وسنت ایسے اخبار وآثار سے لبریز ہیں جو یہ بتاتے ہیں کہ مردوں کو دینا واہل دنیا کا علم ہوتا ہے تو اس کا انکار وہی کرے گا جو اخبار واحادیث سے بے خبر اور دین منکر ہو۔ (ت)

فصل چہارم: اموات سے حیا کرنے میں۔

قول (۲۶): ابن ابی الدنیا کتاب القبور میں سلیم بن عمیر سے راوی، وہ ایک مقبرہ پر گزرے، پیشاب کی حاجت سخت تھی، کسی نے کہا یہاں اتر کر قضائے حاجت کرلیجئے، فرمایا:

سبحان الله والله انی لایستحیی من الاموات کما استحیی من الاحیاء[4]۔	سُبحان الله! خدا کی قسم میں مردوں سے ایسی ہی شرم رکھتا ہوں جیسی زندوں سے۔

---

[1] انیس الغریب

[2] المواہب اللدنیہ من آداب الزیارت المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۸۱، زرقانی علی مواہب اللدنیہ المقصد العاشر المطبعۃ العامرہ مصر ۸/ ۳۴۹، المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارت سید الاولین دار الکتب العربیہ بیروت ۱/ ۲۵۳

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد فصل اول نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ ابن ابی الدنیا زیارت القبور مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۱۱۷

قول (۲۷): جب سیدنا امام شافعی مزارِ فائض الانوار حضرت امام اعظم پر تشریف لے گئے رضی اللہ تعالٰی عنہما و عن اتباعہما، نماز صبح میں قنوت نہ پڑھی، لوگوں نے سبب پوچھا، فرمایا:

کیف اقنت بحضرۃ الامام وھو لایقول بہ [1]۔ ذکرہ سیدی علی الخواص والامام الشعرانی فی المیزان و نحوہ العلامۃ ابن حجر مکی فی خیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان فی اولھا واعادہ فی اٰخرھا عن بعض شراح منہاج الامام النووی وعن غیرہ ونحوہ فی عقود الجمان فی مناقب النعمان عن شیخ شیوخہ الامام الزاھد الولی شھاب الدین شارح المنہاج	میں امام کے سامنے کیونکر قنوت پڑھوں حالانکہ وہ اس کے قائل نہیں (اسے سیدی علی خواص نے اور امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ذکر کیا اور اسی کے ہم معنی علامہ ابن حجر نے "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" کے شروع میں ذکر کیا اور اس کے آخر میں دوبارہ منہاج امام نووی کے بعض شارحین وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا۔ اسی طرح عقود الجمان فی مناقب النعمان میں اپنے شیخ الشیوخ امام، زاہد، ولی اللہ شہاب الدین شارح منہاج سے نقل کیا۔ (ت)

بعض روایات میں آیا بسم اللہ شریف بھی جہر سے نہ پڑھی

نقلہ الفاضل الشامی فی ردالمحتار عن بعض العلماء وکذا الامام ابن حجر فی الخیرات الحسان۔	اسے فاضل شامی نے ردالمحتار میں بعض علماء سے نقل کیا، ایسے ہی امام ابن حجر نے الخیراب الحسان میں ذکر کیا۔ (ت)

بعض میں ہے تکبیرات انتقال میں رفع یدین نہ فرمایا، سبب دریافت ہوا، جواب دیا:

ادبنا مع ھذا الامام اکثر من ان نظھر خلافہ بحضرتہ [2]۔ ذکرہ علی القاری فی المرقاۃ۔	اس امام کے ساتھ ہمارا ادب اس سے زائد ہے کہ ان کے حضور ان کا خلاف ظاہر کریں، (اسے ملّا علی قاری نے مرقاۃ میں ذکر کیا۔ ت)

شرح لباب میں خاص بلفظ استحیا نقل کیا کہ امام شافعی نے فرمایا:

استحیی ان اخالف مذہب الامام	مجھے شرم آتی ہے کہ امام کے سامنے ان کے

[1] المیزان الکبرٰی فصل فیما نقل عن الامام الشافعی مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۶۱

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ تذکرہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۳۰

فی حضورہ[1]۔ ذکرہ فی باب الزیارۃ النبویۃ نبوی، فصل المقام بالمدینۃ المنورۃ۔	مذہب کے خلاف کروں، (اسے علامہ قاری نے شرح لباب، باب زیارت فصل اقامتِ مدینہ منورہ میں ذکر کیا۔ت)

سبحان اللہ اگر اموات دیکھتے سنتے نہیں تو جہر واخفاء یا رفع وترک ومکث قنوت وتعجیل سجود میں کیافرق تھا، للہ انصاف، اگر بنائے قبر حجاب مانع ہو تو امام ہمام کا سامنا کہاں تھا اور اس ادب ولحاظ کا کیا باعث تھا۔

قول (۲۸تا۳۱): علامہ فضل اللہ بن غوری حنفی وغیرہ ایک جماعت علماء نے تصریح فرمائی کہ زیارت بقیع شریف میں قبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابتدا کرے کہ پہلے وہی ملتا ہے ہے تو بے سلام کے وہاں سے گزر جانا بے ادبی ہے۔ اسی طرح اس بقعہ پاک میں جو مزار پہلے آتا جائے اس پر سلام کرتا جائے کہ جو ذرا بھی عزت وعظمت رکھتا ہے اس کے سامنے سے بے سلام چلے جانا مروّت وادب سے بعید ہے۔ مولانا علی قاری نے شرح لباب میں اسے نقل فرما کر مسلم رکھا، ۳۰ شیخ محقق نے جذب القلوب میں، بعض دیگر علما سے اس کی تحسین نقل کی ہے کہ یہ ایک عمدہ مقصد ہے جس کے ساتھ افضل واشرف کی رعایت نہ کرنی کچھ مضائقہ نہیں، مسلک مقتسط میں ہے۔

ذکر العلامۃ فضل اللہ بن الغوری من اصحابنا ان البدائۃ بقبۃ العباس والختم بصفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما اولی لان مشہد العباس اول مایلقی الخارج من البلد عن یمینہ فمجاوزتہ من غیر سلام علیہ جفوۃ فاذاسلم علیہ وسلم علی من یمر بہ اولا فیختتم بصفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فی رجوعہ کما صرح بہ ایضا کثیر من مشائخنا[2] الخ۔	علامہ فضل اللہ بن غوری حنفی وغیرہ ایک جماعتِ علماء نے تصریح فرمائی کہ زیارت بقیع شریف میں قبہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابتداء کرے اور حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے مزار پر ختم کرے یہ بہتر ہے کیونکہ باہر والا جب دائیں طرف سے شروع کرے تو پہلے وہی ملتا ہے تو ان کو سلام کئے بغیر گزر جانا بے ادبی ہے، جب ان پر گزرے اور جو مزار پہلے آتا جائے سلام کرتا جائے، تو واپسی مزار حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر ختم کرے جیساکہ بہت سے ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی الخ (ت)

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ولیغتنم ایام مقامہ بالمدینۃ الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۵

جذب القلوب میں ہے:

متاخیرین علماء اختلاف کردہ اند کہ ابتداء بزیارت کہ کند طائفہ برآنند کہ ابتداء بہ زیارت حضرت عباس کند وہر کہ باوے دریک قبہ آسود انداز ائمہ اہل بیت رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین زیراکہ اسہل واقرب است واز پیش ایشاں در گزشتن وبزیارت دیگراں متوجہ شدن نوعے از جفاوسوئے ادب باشد الخ[1]۔	علمائے متاخرین نے اختلاف کیا ہے کہ زیارت میں ابتداء کسی سے کرے۔ ایک جماعت کے ہاں حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے ساتھ قبہ میں جو اہلبیت ائمہ کرام رضوان علیہم آرام فرماہیں سے شروع کرے کیونکہ یہ آسان اورا قرب ہے اور ان کے آگے سے بغیر سلام گزر جانا اور دوسروں کی زیارت میں متوجہ ہوجانا ایک قسم کی لاپروائی اور بے ادبی ہے۔ الخ (ت)

اسی میں ہے:

محصل کلام بعضے از علماء آں است کہ ابتداء قبہ عباس کند رضی اللہ تعالٰی عنہ وعمن معہ وبعد ازاں بہر کہ پیش آیا زیراکہ ہر ادانی جلالت شان بود بے سلام از پیش وے گزشتن وجائے دیگر رفتن از عالم مروت وحفظ طریقہ ادب بغایت دوراست قال بعضھم وھو مقصد صالح لایضر معہ عدم رعایۃ الافضل والاشرف[2] الخ	بعض علماء کے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور قبہ میں ان کے ساتھ والوں سے ابتداء کرے اور اس کے بعد ہر پہلے آنے والے کو سلام کرتا جائے کیونکہ کسی ادنٰی شان والے سے بے سلام گزرنا اور دوسری جگہ چلے جانا بھی مروت اور حفظِ ادب سے بعید ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مقصد صالح ہے جس کی وجہ سے افضل واشرف کی عدم رعایت مضر نہیں الخ (ت)

فصل پنجم افعال احیاء سے تاذی اموات میں:

قول (۳۲تا۳۴): مراقی الفلاح میں فرمایا:

اخبرنی شیخ العلامۃ محمد بن احمد الحموی رحمھم اللہ تعالٰی بانھم یتاذون بخفق النعال[3]۔	مجھے میرے استاذ علامہ محمد بن احمد حنفی رضی اللہ تعالٰی نے خبر دی کہ جوتی کی پھچل سے مُردے کو ایذا ہوتی ہے۔

[1] جذب القلوب باب در فضائل مقبر بقیع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۸۷

[2] جذب القلوب باب در فضائل مقبر بقیع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۸۷

[3] مراقی الفلاح علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۰

۳۴ علامہ طحطاوی نے اس پر تقریر فرمائی۔

قول (۳۵): حدیث میں جو تکیہ قبر پر لگانے سے ممانعت فرمائی اور اسے ایذائے میّت ارشاد ہوا جیسا کہ حدیث ۲ میں گزرا، شیخ محقق رحمہ اللہ اس پر شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

شاید کہ مراد آنست کہ روح وے ناخوش می دارد و راضی نیست بہ تکیہ کردن بر قبرے از جہت تضمن وے اہانت واستخفاف رابوی[1] واللہ اعلم۔	ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ اس کی روح کو ناگوار ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر پر تکیہ لگانے سے راضی نہیں ہوتی اس لیے کہ اس میں اس کی اہانت اور بے وقعتی پائی جاتی ہے، اور خدا خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

قول (۳۶ تا ۳۷): عارف باللہ حکیم ترمذی پھر علامہ نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں:

معناہ ان الارواح تعلم بترك اقامه الحرمة والاستهانة فتاذی بذلك[2]۔	اس کے یہ معنی ہیں کہ روحیں جان لیتی ہیں کہ اس نے ہماری تعظیم میں قصور کیا لہٰذا ایذا پاتی ہیں۔

قول (۳۸ تا ۳۹): حاشیۂ طحطاوی و ردالمحتار وغیرہ میں ہے: مقابر میں پیشاب کرنے کو نہ بیٹھے لان المیّت یتاذی بما یتاذی بہ الحی[3] اس لیے کہ جس سے زندوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے مُردے کو بھی ایذا پاتے ہیں۔

اقول: بلکہ دیلمی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کلیہ کی صراحتًا روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المیّت یؤذیه فی قبره مایؤذیه به فی بیته[4]۔	میّت کو جس بات سے گھر میں ایذا ہوتی تھی قبر میں بھی اس سے اذیت پاتا ہے۔

قول (۴۰ تا ۴۱): حدیث ۲۶ کے نیچے اشعہ میں امام ابوعمر عبدالبر سے نقل کیا:

ازینجا مستفاد می گردد کہ میّت متالم می گردد بجمیع انچہ متالم می گردد بداں حی ولازم این ست کہ متلذذ گردد	یہاں سے معلوم ہوا کہ میّت کو ان تمام چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے جس سے زندوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ اس کو

[1] اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت فصل ۳ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۹۹

[2] نوادر الاصول الاصل التاسع والمائتان دار صادر بیروت ص ۲۴۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر باب صلوٰۃ الجنازۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸۱

[4] شرح الصدور بحوالہ دیلمی باب تاذی المیّت الخ خلافت اکیڈمی، سوات ص ۱۲۴

بتمام انچہ متلذذ مے شود بداں زندہ[1]۔	لازم یہ ہے کہ اسے ان تمام چیزوں سے لذت بھی حاصل ہو جن سے زندوں کو لذت ملتی ہے۔(ت)

تذئیل: مسئلہ ہے کہ دارالحرب کے جن جانوروں کو اپنے ساتھ لانا دشوار ہوا نھیں زندہ چھوڑیں کہ اس میں حربیوں کا نفع ہے، نہ کونچیں کاٹیں کہ اس میں جانوروں کی ایذا ہے بلکہ ذبح کرکے جلادیں تاکہ وہ ان کے گوشت سے بھی انتفاع نہ کرسکیں، درمختار میں ہے:

حرم عقردابۃ شق نقلھا الٰی دار نا فتذبح وتحرق بعدہ اذلا یعذب بالنار الا ربھا۔[2]	جس جانور کو دارالاسلام تک لانا دشوار ہو اس کی کونچیں کاٹنا حرام ہے، پہلے ذبح کریں اس کے بعد جلادیں اس لیے کہ زندہ آگ میں ڈالنے کا عذاب دینا ربّ نار ہی کا کام ہے۔(ت)

اس پر علامہ حلبی محشیٔ درمختار نے شبہ کیا کہ یہاں سے لازم کہ مُردے کے جسم کو صدمہ پہنچائیں اس سے اسے تکلیف نہ ہو حالانکہ حدیث میں اس کا خلاف وارد ہے۔علامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے جواب دیا کہ یہ بات بنی آدم کے ساتھ خاص ہے کہ وہ اپنی قبور میں ثواب وعذاب پاتے ہیں تو ان کی ارواح کی ابدان سے ایسا تعلق رہتا ہے جس کے سبب ادراک واحساس ہوتا ہے۔ جانوروں میں یہ بات نہیں ورنہ ان کی ہڈی وغیرہ سے انتفاع نہ کیا جاتا۔ردالمحتار میں ہے:

او رد المحشی علی جواز احراقھا بعد الذبح انه یقتضی ان المیّت لا یتألم مع انه ورد انه یتألم بکسر عظمه قلت قد یجاب بان ھذا خاص ببنی آدم لانھم یتنعمون ویعذبون فی قبورھم بخلاف غیرھم من الحیوانات والالزم ان لاینتفع بعظمھا ونحوہ ثم رأیت ط ذکر نحوہ[3] انتھی۔	محشیٔ نے جانوروں کو ذبح کرکے جلانے پر یہ شبہ پیش کیا اس سے لازم آتا ہے کہ مُردے کو اذیت نہیں ہوتی حالانکہ حدیث میں اس کا خلاف ہے کہ میّت کی ہڈی توڑنے سے اس کو اذیت ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ یہ بات بنی آدم کے ساتھ ہے کیونکہ وہ اپنی قبروں میں خوشی اور تکلیف پاتے ہیں، جانوروں میں یہ بات نہیں ورنہ ان کی ہڈی وغیرہ سے انتفاع نہ کیا جاتا، پھر میں نے طحطاوی کو دیکھا تو انھوں نے ایسا ہی فرمایا، انتہی (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت تیج کمار لکھنؤ ۱/ ۶۹۶

[2] درمختار باب المغنم وقسمتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۲

[3] ردالمحتار باب المغنم وقسمتہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۲

اقول: تخصیص بنی آدم باضافت حیوانات مراد ہے ورنہ جن بھی بعد موت ادراک رکھتے ہیں **کما یاتی قول ۱۹۰** (جیسا کہ قول ۱۹۰ میں آئیگا۔ت) اور خود عذاب وثواب سے علامہ کی تعطیل اس پر دلیل، **واللہ تعالٰی اعلم**

فصل ششم: ملاقات احیاء وذکر خدا سے اموات کا جی بہلتا ہے۔

قول (۴۲): امام سیوطی نے انیس الغریب میں فرمایا۔

ویانسُونَ ان اتی المقابر [1]

(جب زائرین مقابر پر آتے ہیں مُردے ان سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ت)

قول (۴۳): امام اجل نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اقسامِ زیارت میں فرمایا ایک قسم زیارت اس غرض سے ہے کہ مقابر پر جانے سے اموات کادل بہلائیں کہ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔**وسیاتی نقلہ فی النوع الثانی ان شاء اللہ تعالٰی** (یہ بات ان شاء اللہ تعالٰی نوعِ ثانی میں نقل ہوگا۔ت) **قول (۴۴):** جذب القلوب میں فرمایا:

زیارت گاہی از جہت ادائے حق اہل قبور باشد در حدیث آمدہ مانوس ترین حالتیکہ میّت رابود در وقت کریکے از آشنایانِ او زیارتِ قبراو کند واحادیث دریں باب بسیار است [2]۔	زیارت کبھی قبر والوں کے حق کی ادائیگی کے لیے ہوتی ہے حدیث میں آیا ہے کہ میّت کے لیے سب سے زیادہ اُنس کی حالت وہ ہوتی ہے جب اس کا کوئی پیارا آشنا اس کی زیارت کے لیے آتا ہے۔ اس باب میں احادیث بہت ہیں۔(ت)

قول (۴۵ تا ۴۶): فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ان قرأ القراٰن عند القبور نوی ذٰلك ان یونسہ صوت القراٰن فانہ یقرأ [3]۔	مقابر کے پاس قرآن پڑھنے سے اگر یہ نیت ہو کہ قرآن کی آواز سے مُردے کا جی بہلائے تو بیشک پڑھے۔

قول (۴۷ تا ۴۹): ردالمحتار میں غنیہ شرح منیہ سے اور طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح شرح نورالایضاح میں تلقینِ میّت کے مفید ہونے میں فرمایا:

ان المیّت یستانس بالذکر علی ماورد	بیشک اللہ تعالٰی ذکر سے مُردے کا جی بہلتا ہے

---

[1] انیس الغریب

[2] جذب القلوب باب پانزدہم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۰

فی الاثار [1]۔	جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے۔

قول (۵۰تا۵۸): امام قاضی خاں فتاوٰی خانیہ [۵۱] شرنبلالی نورالایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح پھر [۵۲] علامہ ابوالسعود و [۵۳] فاضل طحطاوی حاشیہ مراقی میں استناداً و تقریراً، اور [۵۴] شامی حاشیہ در میں استناداً، اور [۵۵] خزانۃ الروایات میں [۵۶] فتاوٰی کبرٰی سے، اور [۵۷] امام بزازی فتاوٰی بزازیہ اور [۵۸] شیخ الاسلام کشف الغطاء میں، اوران کے سوااور علماء فرماتے ہیں:

واللفظ للخانیة یکرہ قطع الحطب والحشیش من المقبرة فان کان یابسًا لا باس لانه مادام رطبًا یسبح فیونس المیّت [2]۔	چوب وگیاہ سبز کا مقبرہ سے کاٹنا مکروہ ہے اور خشک ہو تو مضائقہ نہیں کہ وہ جب تک تر رہتی ہے تسبیح خدا کرتی ہے اور اس سے میّت کا جی بہلتا ہے۔

علامہ شامی نے اسی حدیث سے مدلل کرکے فرمایا: اس بناء پر مطلقاً کراہت ہے اگرچہ خود رَو ہو کہ قطع میں حق میّت کا ضائع کرنا ہے۔

تنبیہ: فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی لہ، علماء کی ان عبارات اور نیز چار قول آئندہ ودیگر تصریحات رخشندہ سے دو جلیل فائدے حاصل:

اولًا نباتات وجمادات وتمام اجزائے عالم میں ہر ایک کے موافق ایک حیات ہے کہ اس کی بقاتک ہر شجر وحجر زبان قال سے اس رب اکبر جل جلالہ، کی پاکی بولتا ہے اور سبحان اللہ یا اس کے مثل اور کلمات تسبیح الٰہی کہتا ہے نہ کوئی ان میں صرف زبانِ حال ہے جیسا کہ ظاہر بینی کا مقال ہے کہ اس تقدیر پر تر وخشک میں تفرقہ پر برہان قاطع کہ اس میں فرمایا:

وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِیۡحَهُمۡ [3] تم اس کی تسبیح نہیں سمجھتے۔ ظاہر کہ تسبیح حالی تو ہر شخص عاقل سمجھتا ہے یہاں تک کہ شعراء بھی کہہ گئے:

ہر گیاہے کہ از زمین روید
وحدہ، لاشریک لہ، گوید

(جو گھاس بھی زمین سے اُگتی ہے کہتی ہے وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۶
[2] فتاوٰی قاضی خاں باب احکام الجنائز نولکشور لکھنؤ ۱/۱۹۵
[3] القرآن ۱۷/۴۴

اور خود عـــہ۱ مذہب اہلسنت مقرر ہو چکا کہ تمام ذراتِ عالم کے لیے ایک نوع علم وادراک وسمع وبصر حاصل ہے۔ مولوی معنوی قدس سرہ، نے مثنوی شریف میں اس مضمون کو خوب مشرح ادا فرمایا، اور اس پر قرآن واحادیث کے صدہا نصوص عـــہ۲ ناطق۔ جنھیں جمع کروں توانشاء اللہ پانسو سے کم نہ ہوں گے۔ ان سب کو بلاوجہ ظاہر سے پھیر کر تاویل کرنا تو قانون عقل ونقل سے خروج بلکہ صراحۃً سفاہات مبتدعین میں ولوج ہے خصوصًا وہ نصوص عـــہ۳ جو صریح مفسر

عـــہ۱: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کے باب فضل الاذان میں ہے:

الصحیح ان للجمادات و النباتات والحیوانات علما وادراك وتسبیحا. قال البغوی وھذا مذھب اھل سنت وتدل علیه الاحادیث و الاٰثار یشھد له مکاشفة اھل المشاھدة والاسرار التی ھی کالانوار، والمعتمد فی المعتقدان شھادة الاعضاء بلسان القال، وما ورد عن الشارع یحمل علٰی ظاھرہ مالم یصرف عنه صارف، ولاصارف ھنا کما لایخفی [1] ملتقطا ۱۲۔ (م)

صحیح یہ ہے کہ جمادات، نباتات اور حیوانات کو بھی ایک قسم کا علم وادراک اور عمل تسبیح حاصل ہے۔ امام بغوی نے فرمایا یہی اہلسنت کا مذہب ہے جس پر احادیث وآثار سے دلیلیں موجود ہیں۔ اہل مشاہدہ اور انوار جیسے اسرار والوں کا مکاشفہ بھی اس پر شاہد ہے اور عقیدہ میں معتمد یہ ہے کہ اعضاء کی گواہی زبان قال سے ہوگی، شارع سے جو بھی وارد ہے وہ اپنے ظاہر پر محمول ہوگا جب تک ظاہر سے پھیرنے والی کوئی دلیل نہ ہو اور یہاں ایسا کچھ نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ (ت)

عـــہ۲: فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ایک جملہ صالحہ ذکر کیا اور صدہا کا پتا دیا وباللہ التوفیق۔ (م)

عـــہ۳: مثلاً وُہ حدیثیں جن میں صاف ارشاد ہوا کہ نہ کوئی جانور شکار کیا جائے، نہ کوئی پیڑ کاٹا جائے جب تک تسبیح الٰہی میں غفلت نہ کرے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما صید صید ولا قطعت شجرة الابتضییع التسبیح [2]۔ رواہ ابونعیم فی الحلیة بسند حسن عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔

نہ کوئی جانور شکار کیا جاتا ہے اور نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے جب تک تسبیح الٰہی نہ ترک کرے۔ اسے ابونعیم نے حلیہ میں بسند حسن ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت) (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب فضل الاذان فصل نمبر ا المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۳۴۸-۴۹

[2] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن ابی ھریرہ حدیث ۱۹۱۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۴۴۵

ہیں کہ تاویل کی گنجائش ہی نہیں رکھتے۔ مقام اجنبی نہ ہوتا تو میں اس مسئلے کا قدرے ایضاح کرتا۔

ثانیًا اقوال مذکورہ سے یہ بھی منصہ نبوت پر جلوہ گر ہوا کہ اہل قبور کی قوت سامعہ اس درجہ تیز وصاف وقوی تر ہے کہ بناتات کی تسبیح جسے اکثر احیاء نہیں سنتے وہ بلا تکلف سنتے اور اس سے اُنس حاصل کرتے ہیں۔ پھر انسان کا کلام تو واضح اور اظہر ہے واللہ تعالٰی الھادی۔

قول (۵۹تا۶۲): مجمع البرکات میں مطالب المومنین سے، اور کنز العباد وفتاوٰی غرائب وغیرہا میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی القبور حسن لانہ مادام رطبا یسبح ویکون للمیّت انس بتسبیحہ[1]۔	گلاب وغیرہ کے پھول قبروں پر ڈالنا خوب ہے کہ جب تک تازہ رہیں گے تسبیح الٰہی کریں گے۔ تسبیح سے میّت کو انس حاصل ہوگا۔

فائدہ: مطالب المؤمنین وجامع البرکات دونوں کتب مستندہ مخالفین سے ہیں اس سے مولوی اسحٰق نے مائۃ مسائل میں اس سے متکلم قنوجی وغیرہ نے استناد کیا۔

فصل ہفتم: وہ اپنے زائرین کو دیکھتے پہچانتے اور ان کی زیارت پر مطلع ہوتے ہیں:

قول (۶۳و۶۴): مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مسلک متقسط شرح منسک متوسط، پھر فاضل ابن عابدین حاشیہ شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ابو الشیخ نے روایت کی:

ما اخذ طائر ولاحوت الا بتضییع التسبیح[2]۔	کوئی پرندہ اور مچھلی نہیں پکڑی جاتی مگر تسبیح الٰہی چھوڑ دینے سے۔ (ت)

ابن اسحٰق بن راہویہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، ان کے پاس ایک زاغ لایا گیا جس کے شہپر سالم وکالم تھے۔ دیکھ کر فرمایا میں نے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا:

ماصید صید ولاعضدت عضباء ولاقطعت شجرۃ الابقلۃ التسبیح[3]۔ ۱۲منہ (م)	نہ کوئی جانور شکار ہوا نہ کوئی بول کٹی، نہ کسی پیڑ کی جڑیں چھانٹی گئیں مگر تسبیح کی کمی کرنے سے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵۱

[2] در منثور بحوالہ ابی شیخ عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ وان من شیئٍ الّا یسبح بحمدہ کے تحت مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۴/۱۸۴

[3] کنز العمال بحوالہ ابن راہویہ عن ابی بکر حدیث ۱۹۲۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۴۴۵

من اٰداب الزیارۃ ماقالوا من انہ لایاتی الزائر من قبل راسہ لانہ اتعب بصر المیّت بخلاف الاول لانہ یکون مقابل بصرہ[1]۔	زیارت قبور کے ادب سے ایک بات یہ ہے جو علماء نے فرمائی ہے کہ زیارت کو قبر کی پائنتی سے جائے نہ کہ سرہانے سے کہ اس میں میّت کی نگاہ کو مشقت ہوگی یعنی سر اٹھا کر دیکھنا پڑھے گا، پائنتی سے جائے گا تو اس کی نظر کے خاص سامنے ہوگا۔

قول (۶۵): مدخل میں فرمایا:

کفی فی ھذا بیانا قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام المومن ینظر بنور اللہ انتھی ونوراللہ لایحجبہ شیئ ،ھذا فی حق الاحیاء من المومنین، فکیف من کان منھم فی الدار الاٰخرۃ[2]۔	اس امر کے ثبوت میں کہ اہل قبور کو احوال احیاء پر علم وشعور ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمانا بس ہے کہ مسلمان خدا کے نور سے دیکھتا ہے اور خدا کے نور کو کوئی چیز پردہ نہیں ہوتی، جب زندگی کا یہ حال ہے تو ان کا کیا پوچھنا جو آنحضرت کے گھر یعنی برزخ میں ہیں:

قول (۶۶): شیخ محقق جذب القلوب میں امام علامہ صدرالدین قونوی سے نقل فرماتے ہیں:

درمیان قبور سائر مؤمنین وارواح ایشاں نسبت خاصی است مستمر کہ بدان زائرین رامی شناسند و ردسلام برایشاں می کنند بدلیل استحباب زیارت در جمیع اوقات[3]۔	تمام مؤمنین کی قبروں اور روحوں کے درمیان ایک خاص نسبت ہوتی ہے جو ہمیشہ موجود رہتی ہے، اسی سے زیارت کے لیے آنے والوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ زیارت تمام اوقات میں مستحب ہے۔

قول (۶۷): انیس الغریب میں فرمایا: ع

ویعرفون من اتاھم زائرًا[4]

(جو زیارت کو آتا ہے مُردے اسے پہچانتے ہیں۔ت)

---

[1] ردالمحتار حاشیہ درمختار مطلب فی زیارۃ القبور مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۶۵

[2] المدخل فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین الخ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۳

[3] جذب القلوب باب چہارم دہم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۶

[4] انیس الغریب

قول (۶۸): تیسیر میں ہے:

الشعور باق حتی بعدالدفن حتی انه یعرف زائره[1]۔	شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعد دفن بھی یہاں تک کہ اپنے زائر کو پہچانتا ہے۔

قول (۶۹): لمعات واشعۃ اللمعات وجامع البرکات میں ہے:

واللفظ للوسطی در روایات آمدہ است کہ دادہ می شود برائے میّت روز جمعہ علم وادراک پیشتر از انچہ دادہ می شود در روز ہائے دیگر تاآنکہ می شناسد زائر رابیشتر از روز دیگر[2]۔	الفاظ اشعۃ اللمعات کے ہیں: روایات میں آیا ہے کہ میّت کو جمعہ کے دن دوسرے دنوں سے زیادہ علم وادراک دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ روز جمعہ زیارت کرنے والے کو دوسرے دن سے زیادہ پہچانتا ہے

شرح سفر السعادۃ میں مفصل ومنقح تر فرمایا کہ:

خاصیّت سی ام آنکہ روز جمعہ ارواح مومناں بقبور خویش نزدیک می شوند نزدیک شدن معنوی وتعلق واتصال روحانی نظیر ومشابہ اتصال کہ ببدن دارد وزائران راکہ نزدیک قبرمی آیند می شناسد وخود ہمیشہ می شناسند ولیکن دریں روز شناختن زیادت برشناخت سائر ایام ست از جہت نزدیک شدن بقبور لابد شناخت از نزدیک پیشتر وقوی تر باشد از شناخت ودور در بعض روایات آمد کرایں شناخت دراول روز پیشتر است از آخرآں ولہذا زیارت قبور درین وقت مستحب تراست وعادت درحرمین شریفین ہمیں است[3]۔	تیسویں ۳۰ خاصیت یہ ہے کہ جمعہ کے دن مومنین کی روحیں اپنی قبروں سے نزدیک ہوجاتی ہیں، یہ نزدیکی معنوی ہوتی ہے اور روحانی تعلق واتصال ہوتا ہے جیسے بدن سے قرب واتصال ہوتا ہے۔ اس دن جو زائرین قبر کے پاس آتے ہیں انھیں پہچانتی ہیں، اور یہ پہچاننا ہمیشہ ہوتا ہے مگر اس دن کی شناخت دیگر ایام کی شناخت سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے، ضروری بات ہے کہ نزدیک سے جو شناخت سے زائد ہوتی ہے وہ دور والی شناخت سے زائد قوی ہوتی ہے ___ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ شناخت جمعہ کی شام کو بہ نسبت اور زیادہ ہوتی ہے اسی لیے وقت زیارتِ قبور کا استحباب زیادہ ہے، اور حرمین شریفین کا دستور بھی یہی ہے۔ (ت)

[1] التیسیر شرح جامع صغیر تحت ان المیّت یعرف من یحملہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۱/ ۳۰۳

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور فصل نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۶

[3] شرح سفر السعادۃ فصل دربیان تعظیم جُمعہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۱۹۹

اقول: ولاعطر بعد العروس (میں کہتا ہوں، دلہن کے بعد عطر نہیں ہے۔ت)

قول (۷۰و۷۱): شیخ و شیخ الاسلام نے فرمایا: واللفظ للشیخ فی جامع البرکات (جامع البرکات میں شیخ کے الفاظ ہیں۔ت):

تحقیق ثابت شدہ است بآیات واحادیث کہ روح باقی است واو راعلم وشعور بزائران واحوال ایشاں ثابت است وایں امریست مقرر در دین [1]۔	آیات واحادیث سے بہ تحقیق ثابت ہوچکا ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور اسے زائرین اور ان کے احوال کا علم وادراک ہوتا ہے۔ یہ دین میں ایک طے شدہ امر ہے۔ (ت)

قول (۷۲): تیسیر میں زیر حدیث من زار قبر ابویہ (جس نے اپنے باپ کی قبر کی زیارت کی۔ت) نقل فرمایا:

ھذا نص فی ان المیّت یشعر من یزورہ والا لماً صح تستمیّتہ زائرا واذا لم یعلم المزور بزیارۃ من زارہ لم یصح ان یقال زارہ، ھذا ھوالمعقول عند جمیع الامم [2]۔	یہ حدیث نص ہے اس بات میں کہ مُردہ زائر پر مطلع ہوتا ہے ورنہ اسے زائر کہنا صحیح نہ ہوتا کہ جس کی ملاقات کو جائیے جب اسے خبر ہی نہ ہو تو یہ نہیں کہہ سکتے کہل اس سے ملاقات کی، تمام عالم اس لفظ سے یہی معنٰی سمجھتا ہے۔ (ت)

قول (۷۳و۷۴): اشعۃ اللمعات آخر باب الجنائز شرح مشکوٰۃ امام ابن حجر مکی سے زیر حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ آغاز نوع دوم مقصد دوم میں گزری نقل فرمایا:

دریں حدیث دلیلے واضح ست برحیات میّت وعلم وے آنکہ واجب است احترامِ میّت نزد زیارت وے خصوصًا صالحان ومراعات ادب بر قدر مراتب ایشاں چنانکہ درحالت حیات ایشاں [3]۔	اس حدیث میں اس پر کھلی ہوئی دلیل موجود ہے کہ وفات یافتہ کو حیات وعلم حاصل ہوتا ہے اور وقت زیارت اس کا احترام واجب ہے خصوصًا صالحین کا احترام اور ان کے مراتب کے لحاظ سے رعایت ادب حیات دنیوی کی طرح ضروری ہے۔ (ت)

---

[1] جامع البرکات

[2] تیسیر شرح جامع صغیر تحت من زار قبر ابویہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۲۰

[3] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور فصل ۳ تیج کمار لکھنؤ ۱/ ۷۲۰

پھر کتاب الجہاد لمعات میں اسے ذکر کرکے لکھا ہے: **و ھل ھذا الا الاثبات العلم والادراك**[1] (یہ اگر میّت کے لیے علم وادراک ثابت کرنا نہیں تو اور کیا ہے۔ت)

فصل ہشتم: وہ اپنے زائروں سے کلام عــہ کرتے اور ان کے سلام وکلام کا جواب دیتے ہیں۔

قول(۷۵ تا ۷۸): امام یافعی پھر امام سیوطی امام محب طبری شارح تنبیہ سے ناقل ہیں امام اسمٰعیل حضرمی کے ساتھ مقبرہ زبیدہ میں تھے **فقال یامحب الدین اتؤمن بکلام الموتی قلت نعم فقال ان صاحب ھذا القبر یقول لی انا من حشو الجنۃ**[2] انھوں نے فرمایا: اے محب الدین! آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مُردے کلام کرتے ہیں؟ میں نے کہا، ہاں، کہاں اس قبر والا مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں جنت کی بھرتی سے ہوں۔

تنبیہ: اس روایت کے لانے سے یہ غرض نہیں کہ اس میّت نے امام اسمٰعیل سے کلام کیا کہ ایسی روایات تو صدہا ہیں اور ہم پہلے کہہ آئے کہ وقائع جزئیہ شمار نہ کریں گے بلکہ محل استدلال یہ ہے کہ وہ دونوں امام احیاء سے اموات کے کلام کرنے پر اعتقاد رکھتے تھے، اور ان دونوں اماموں نے اسے استناداً نقل فرمایا۔

تذییل: امام یافعی امام سیوطی انہی اسمٰعیل قدس سرہ الجلیل سے حاکی ہوئے بعض مقابر یمن پر ان کا گزر ہوا بہ شدت روئے اور سخت مغموم ہوئے، پھر کھلکھلا کر ہنسے اور نہایت شاد ہوئے، کسی نے سبب پوچھا، فرمایا: میں نے اس قبر والوں کو عذاب قبر میں دیکھا، رویا اور جناب الٰہی سے گڑگڑا کر عرض کی، حکم ہوا: فقد شفعناک فیھم ہم نے تیری شفاعت ان کے حق میں قبول فرمائی، اس پر یہ قبر والی مجھ سے بولی: **وانا معھم یا فقیہ اسمٰعیل انا فلانۃ المغنیۃ مولانا اسمٰعیل**! میں بھی انھیں میں سے ہوں میں فلانی گائن ہوں، میں نے کہا: **وانت معھم** تو بھی ان کے ساتھ ہے۔ اس پر مجھے ہنسی آئی[3] **اللّٰھم اجعلنا من رحمتہ باولیائك اٰمین** (اے اللہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما جن کو اپنے اولیاء کے طفیل رحمت سے نوازا، الٰہی قبول فرما۔ت)

قول(۷۹): زہر الربٰی شرح سنن نسائی میں نقل فرمایا:

ان للروح شانا اخرفتکون فی الرفیق الاعلی وھی متصلۃ بالبدن بحیث اذا سلم المسلم	محض روح کی شان جُدا ہے باآنکہ ملاء اعلٰی میں ہوتی ہے پھر بھی بدن سے ایسی متصل ہے کہ جب سلام

عــہ: تنبیہ: جواب سلام کا ایک قول فصل ہفتم میں علامہ قونوی سے گزرا ۱۲ منہ (م)

[1] لمعات کتاب الجہاد

[2] شرح الصدور باب فی زیارۃ القبور الخ خلافت اکیڈمی منگوہ سوات ص ۸۶

[3] شرح الصدور باب فی زیارۃ القبور الخ خلافت اکیڈمی منگوہ سوات ص ۸۶

علی صاحبہ رد علیہ السلام وھی فی مکانھا ھناك الی ان قال انما یاتی الغلط ھھنا من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقدون ان الروح من جنس مایعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکانا لم یمکن ان تکون فی غیرہ وھذا غلط محض[1]۔	کرنے والا سلام کرے جواب دیتی ہے۔ لوگوں کو دھوکا میں یوں ہوتا ہے کہ بے دیکھے چیز کو محسوسات پر قیاس کرکے روح کا حال جسم کا سا سمجھتے ہیں کہ جب ایک مکان میں ہو اسی وقت دوسرے میں نہیں ہوسکتی حالانکہ یہ محض غلط ہے۔

قول (۸۰): علامہ زرقانی شرح مواہب میں نقل فرماتے ہیں:

ردالسلام علی المسلم من الانبیاء حقیقی بالروح والجسد بجملتہ، ومن غیر الانبیاء والشھداء باتصال الروح بالجسد اتصالا یحصل بواسطتہ التمکن من الرد مع کون ارواحھم لیست فی اجسادھم وسواء الجمعۃ وغیرھا علی الاصح، لکن لامانع ان الاتصال فی الجمعۃ والیومین المکتنفین بہ اقوی من الاتصال فی غیرھا من الایام[2] اھ ملخصا۔	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جواب سلام سے مشرف فرمانا تو حقیقی ہے کہ روح وبدن دونوں سے ہے اور انبیاء وشہداء کے سوا اور مومنین میں یوں ہے۔ کہ ان کی روحیں اگرچہ بدن میں نہیں تاہم بدن سے ایسا اتصال رکھتی ہیں جس کے باعث جواب سلام پر انھیں قدرت ہے اور مذہب اصح یہ ہے کہ جمعہ وغیرہ سب دن برابر ہیں، ہاں اس کا انکار نہیں کہ پنجشنبہ وجمعہ وشنبہ میں اور دونوں کی نسبت اتصال اقوی ہے۔ اھ ملخصًا

قول (۸۱و۸۲): شرح الصدور وطحطاوی حاشیہ مراقی میں نقل فرمایا:

الاحادیث والاثار تدل علی ان الزائر متی جاء علم بہ المزور وسمع سلام وانس بہ ورد علیہ وھذا عام فی حق الشھداء وغیرھم وانہ لا توقیت	احادیث وآثار دلیل ہیں کہ جب زائر آتا ہے مُردے کو اس پر علم ہوتا ہے کہ اس کا سلام سُنتا ہے اور اس سے اُنس کرتا ہے اور اس کو جواب دیتا ہے اور یہ بات شہداء وغیر شہداء سب میں عام ہے نہ اس میں کچھ وقت کی خصوصیت عہ

عہ: انھیں امام جلیل نے انیس الغریب میں فرمایا: وسلموا ردا علی المسلم* فی ای یوم قالہ ابن القیم، مُردے سلام کے جواب میں سلام کرتے ہیں کوئی دن ہو جیسا کہ ابن قیم نے تصریح کی ۱۲ (م)

---

[1] زہر الربٰی حاشیہ علی النسائی کتاب الجنائز ارواح المومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۹۲

[2] الزرقانی شرح المواہب المقصد العاشر فی اتمام نعمۃ الطبعۃ العامرہ مصر ۸/ ۳۵۲

فی ذلك [1]۔	کہ بعض وقت ہو اور بعض وقت نہیں۔

قول (۸۳): بنایہ حاشیہ ہدایہ میں دربارہ حدیث تلقین موتٰی فرمایا:

عند اھل السنة ھذا علی الحقیقة لان اللہ تعالٰی یجیب علی ماجاءت بہ الاٰثار [2]۔	اہل سنت کے نزدیک یہ اپنی حقیقت پر ہے اس لیے کہ مُردہ تلقین کا جواب دیتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا۔

فصل نہم: اولیاء کی کرامتیں اولیاء کے تصرف بعد وصال بھی بدستور ہیں۔

قول (۸۴): امام نووی نے اقسام زیارت میں فرمایا: ایک زیارت بغرض حصول برکت ہوتی ہے، یہ مزارات عہ اولیاء کے لیے سنت ہے اور ان کے لیے۔ برزخ میں تصرفات وبرکات بے شمار ہیں وستقف علٰی ذلك اِن شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اس سے اگاہی ہوگی۔ ت)

قول (۸۵ و ۸۶): اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

تفسیر کردہ است بیضاوی آیہ کریمہ والنازعات غرقًا الآیۃ را بصفات نفوس فاضلہ درحال مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط میکنند بسوئے عالم ملکوت وسیاحت میکنند دران پس سبقت میکنند بحظائر قدس پس می گردند بشرف وقوت از مدبرات [3]۔	قاضی بیضاوی نے آیۃ کریمہ والنازعات غرقًا الخ کی تفسیر میں بتایا ہے کہ یہاں بدن سے جدائی کے وقت ارواح طیبہ کی جو صفات ہوتی ہے ان کا بیان ہے کہ وہ بدنوں سے نکالی جاتی ہیں اور عالم ملکوت کی طرف تیزی سے جاتی اور وہاں سیر کرتی ہیں پھر مقامات مقدس کی طرف سبقت کرتی ہیں اور قوت وشرف کے باعث مدبرات امر یعنی نظام عالم کی تدبیر کرنیوالوں سے ہوجاتی ہیں۔ (ت)

قول (۸۷): علامہ نابلسی قدس سرہ، نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا:

کرامات الاولیاء باقیة بعد موتھم ایضا ومن زعم خلاف ذلك فھو جاھل متعصب	اولیاء کی کرامتیں بعد انتقال بھی باقی ہیں جو اس کے خلاف زعم کرے وہ جاہل ہٹ دھرم ہے،

عہ: زیارت گاہی از جہت انتفاع بہ اہل قبور بود چنانکہ در زیارت قبور صالحین آثار آمدہ ۱۲ جذب القلوب	کبھی زیارت اہل قبور سے فائدہ اٹھانے کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ قبور صالحین کی زیارت کے بارے میں ہیں احادیث آتی ہیں۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۶۲۰

[2] البنایۃ شرح الہدایۃ باب الجنائز مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۱/ ۱۰۷۳

[3] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱

ولنا رسالۃ فی خصوص اثبات الکرامۃ بعد موت الولی[1] اھ ملخصًا۔	ہم نے ایک رسالہ خاص اسی امر کے ثبوت میں لکھا ہے اھ ملخصًا (ت)

قول (۸۸ و ۸۹): شیخ مشائخنا رئیس المدرسین بالبلد الامین مولٰنا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

قال العلامۃ الغنیمی وھو خاتمۃ محقق الحنفیۃ اذا کان مرجع الکرامات الی قدرۃ اللہ تعالٰی کما تقرر فلا فرق بین حیاتھم ومماتھم (الی ان قال) قد اتفقت کلمات علماء الاسلام قاطبۃً علٰی ان معجزات نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تحصر لان منھا ما اجرہ اللہ تعالٰی ویجریہ لاولیائہ من الکرامات احیاءً وامواتًا الٰی یوم القیٰمۃ[2]۔	علّامہ غنیمی رحمہ اللہ تعالٰی نے کہ محققین حنفیّہ کے خاتم ہیں فرمایا جب ثابت ہوچکا کہ مرجع کرامات قدرت الٰہی کی طرف سے، تو اولیاء کی حیات ووفات میں کچھ فرق نہیں، تمام علماء اسلام ایک زبان فرماتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزے محدود نہیں کہ حضور ہی کے معجزات سے ہیں وہ سب کرامتیں جو اولیائے زندہ و مُردہ سے جاری کیں اور قیامت تک ان سے جاری فرمائے گا۔

قول (۹۰): اس میں امام شیخ الاسلام شہاب رملی سے منقول ہوا:

معجزات الانبیاء وکرامات الاولیاء لاتنقطع بموتھم[3]۔	انبیاء کے معجزے اور اولیاء کی کرامتیں ان کے انتقال سے منقطع نہیں ہوتیں۔

قول (۹۱ و ۹۲): امام ابن الحاج مدخل میں، امام ابو عبداللہ بن نعمان کی کتاب مستطاب سفینۃ النجاء لاہل الالتجاء فی کرامات الشیخ ابی النجاء سے ناقل:

تحقق لذوی البصائر والاعتبار ان زیارۃ قبور الصالحین محبوبۃ لاجل التبرک مع الاعتبار فان برکۃ الصالحین جاریۃ بعد مماتھم کما کانت فی حیاتھم[4]۔	اہل بصیرت واعتبار کے نزدیک محقق ہوچکا ہے کہ قبور صالحین بغرض تحصیل برکت وعبرت محبوب ہے کہ ان کی برکتیں جیسے زندگی میں جاری تھیں بعد وصال بھی جاری ہیں۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ اولھم آدم ابوالبشر نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲۹۰/۱

[2] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[3] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[4] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۲۴۹/۱

قول (۹۳): جامع البرکات میں ارشاد فرمایا:

اولیاء را کرامات و تصرفات در اکوان حاصل است وآن نیست مگر ارواح ایشاں راچون ارواح باقی است بعد از ممات نیز باشد[1]۔	اولیاء کو کائنات میں کرامات وتصرفات کی قوت حاصل ہے اور یہ قوت ان کی روحوں کو ہی ملتی ہے تو روحیں جب بعد وفات بھی باقی رہتی ہیں تو یہ قوت بھی باقی رہتی ہے۔ (ت)

قول (۹۴): کشف الغطاء میں ہے:

ارواح کمل کہ در حینِ حیات ایشاں بہ سبب قرب مکانت ومنزلت از رب العزت کرامات وتصرفات وامداد داشتند بعد از ممات چوں بہماں قرب باقیند نیز تصرفات دارند چنانچہ در حین تعلق بجسد داشتند یا بیشتر ازاں[2]۔	کاملین کی روحیں ان کی زندگی میں رب العزت سے قرب مرتبت کے باعث کرامات وتصرفات اور حاجتمندوں کی امداد فرمایا کرتی تھیں بعد وفات جب وہ ارواح شریفہ اسی قرب واعزاز کے ساتھ باقی ہیں تو اب بھی ان کے تصرفات ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے جسم سے دنیاوی تعلق کے تھے یا اس سے بھی زیادہ۔ (ت)

قول (۹۵و۹۶): شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

یکے از مشائخ عظام عـــہ۱ گفتہ است دیدم چہار کس را از مشائخ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہائے شاں در حیات خود یا بیشتر شیخ معروف و عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہما و دو کس عـــہ۲ دیگر را از اولیاء	ایک عظیم بزرگ فرماتے ہیں میں نے مشائخ میں سے چار حضرات کو دیکھا کہ اپنی قبروں میں رہ کر بھی ویسے ہی تصرف فرماتے ہیں جیسے حیات دنیا کے وقت فرماتے تھے یا اس سے بھی زیادہ (۱) شیخ معروف کرخی

عـــہ۱: یعنی سیدی علی قرشی قدس سرہ العزیز کما روی عنہ الامام نورالدین ابوالحسن علی فی بھجۃ الاسرار بسندہ ۱۲منہ (م)	یعنی سیدی علی قرشی قدس سرہ العزیز، جیسا کہ بہجۃ الاسرار میں ان سے نورالدین ابوالحسن علی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے ۱۲منہ (م)
عـــہ۲: یعنی شیخ عقیل بسھی وحضرت شیخ حیاۃ ابن قیس الحرانی قدس اللہ تعالٰی اسرارھما کما فی البھجۃ ۱۲منہ (م)	یعنی شیخ عقیل منجبی بسی اور شیخ حیات ابن قیس حرانی رحمہما اللہ تعالٰی، جیسا کہ بہجۃ الاسرار میں ہے ۱۲منہ (م)

[1] جامع البرکات

[2] کشف الغطاء فصل دہم زیارت القبور مطبع احمدی دہلی ص ۸۰

شمردہ و مقصود حصر نیست آنچہ خود دیدہ و یافتہ است[1]۔	(۲) سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہما، اور دو اولیاء اور کو شمار کیا (شیخ عقیل منبجی بسی اور شیخ حیاۃ ابن قیس حرانی رحمہما اللہ تعالٰی ان کا مقصد حصر نہیں بلکہ خود جو دیکھا اور مشاہدہ فرمایا وہ بیان کیا۔ت)

فصل دہم: الحمدللہ برزخ میں بھی ان کا فیض جاری اور غلاموں کے ساتھ وہی شان امداد و یاری ہے۔

قول (۹۷): امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ارشاد فرماتے ہیں:

جمیع الائمۃ المجتہدین یشفعون فی اتباعھم ویلاحظونھم فی شدائدھم فی الدنیا والبرزخ ویوم القیامۃ حتّٰی یجاوز الصراط[2]۔	تمام ائمہ مجتہدین اپنے پیروؤں کی شفاعت کرتے ہیں اور دنیا و برزخ و قیامت ہر جگہ کی سختیوں میں ان پر نگاہ رکھتے ہیں یہاں تک کہ صراط سے پار ہو جائیں۔

اسی امام اجل نے اسی کتاب اجمل میں فرمایا:

قد ذکرنا فی کتاب الاجوبۃ عن ائمۃ الفقھاء و الصوفیۃ کلھم یشفعون فی مقلدیھم و یلاحظون احدھم عند طلوع روحہ وعند سوال منکر و نکیر لہ وعند النشر والحشر والحساب والمیزان و الصراط، والا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف و لما مات شیخنا شیخ الاسلام الشیخ ناصرالدین اللقانی رآہ بعض الصالحین فی المنام فقال لہ مافعل اللہ بك فقال لما اجلسنی الملکان فی القبر لیسئلانی اتاھم الامام مالك فقال مثل ھذا یحتاج الی سوال فی ایمانہ باللہ ورسولہ تنحیاعنہ فتحیا عنی اھ واذا کان مشائخ الصوفیۃ یلاحظون اتباعھم و مریدیھم	ہم نے کتاب الاجوبہ عن الفقہاء والصوفیہ میں ذکر کیا ہے کہ تمام ائمہ فقہاء وصوفیہ اپنے اپنے مقلدوں کی شفاعت کرتے ہیں اور جب ان کے مقلد کی روح نکلتی ہے، جب منکر نکیر اس سے سوال کو آتے ہیں، جب اس کا حشر ہوتا ہے، جب نامہ اعمال کھلتے ہیں، جب حساب لیا جاتا ہے، جب عمل تُلتے ہیں، جب صراط پر چلتا ہے، غرض ہر حال میں اس کی نگہبانی فرماتے ہیں اور کسی جگہ اس سے غافل نہیں ہوتے، ہمارے استاد شیخ الاسلام امام ناصرالدین لقانی مالکی رحمہ اللہ تعالٰی کا جب انتقال ہوا بعض صالحوں نے انھیں خواب میں دیکھا، پوچھا اللہ تعالٰی نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟ کہا جب منکر نکیر نے مجھے سوال کے لئے بٹھایا امام مالک تشریف لائے اور ان سے فرمایا ایسا شخص بھی اس کی حاجت رکھتا ہے کہ اس سے خدا و رسول

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور تیج کمار لکھنؤ ۱/۷۱۵

[2] المیزان الکبرٰی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/۹

فی جمیع الاھوال والشدائد فی الدنیا و الاٰخرۃ فکیف بائمۃ المذھب الذین ھم أوتادالارض وارکان الدین وأمناء الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی امتہ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین[1]۔	پر ایمان کے بارے میں سوال کیا جائے الگ ہو اس کے پاس سے، یہ فرماتے ہیں نکیرین مجھ سے الگ ہوگئے اور جب مشائخ کرام صوفیہ قدست اسرارہم ہول و سختی کے وقت دنیا وآخرت میں اپنے پیروؤں اور مریدوں کا لحاظ رکھتے ہیں تو ان پیشوایانِ عذاب کا کہنا ہی کیا جو زمین کی میخیں ہیں اور دین کے ستون، اور شارع علیہ السلام کی اُمت پر اس کے امین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

حسبی من الخیرات ما اعددتہ یوم القیامۃ فی رضی الرحمٰن

دین النبی محمد خیر الورٰی ثم اعتقادی مذھب النعمٰن

وارادتی وعقیدتی ومحبتی للشیخ عبدالقادر الجیلانی

(میرے لیے نیکیوں سے وہ کافی ہے جو روز قیامت خوشنودی الٰہی کی راہ میں، میں نے تیار کر رکھا ہے۔ نبی اکرم، مخلوق میں سب سے افضل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دین پاک، پھر مذہب نعمان امام اعظم ابو حنیفہ پر اعتقاد، اور سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی سے ارادت اور عقیدت ومحبت۔ ت)

وی بخاک رضا شدم گفتم کہ تو چونی کہ ماچناں شدہ ایم

ہمہ روز از غمت بفکر فضول ہمہ شب در خیال بہیدہ ایم

خبری گو بماز تلخی مرگ سنیّت را گدائے میکدہ ایم

شیر بودیم و شہد افروزند ماسراپا حلاوت آمدہ ایم

(ایک دن میں نے رضا خاکی خاک پر جاکر کہا تمھارا کیا حال ہے، ہمارا حال تو یہ ہے کہ دن رات تمھارے غم میں بیکار سوچتے اور فکر کرتے رہتے ہیں، بتاؤ کہ موت کی تلخی کا حال کیسا رہا؟ عرض کیا: یہ تلخ جام ہم نے تو کم ہی چکھا، قادریت ہمارا مشرب رہا اور سنیت ہمارا میکدہ۔ ہم دُودھ تھے ہی اس پر شہد کا اضافہ ہوا، ہم تو سراپا حلاوت نکلے۔ ت)

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان جملۃ من الامثلۃ المحسوسۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳

تنبیہ نبیہ: ہاں مقلد ان ائمہ کو خوشی وشادمانی اور ان کے مخالفوں کو حسرت وپیشمانی، مگر حاش صرف فروع میں تقلید سے متبع نہیں ہوتا، پہلے مہم امر عقائد ہے جو اس میں ائمہ سلف کے خلاف ہو، توبہ، کہاں وہ اور کہاں اتباع، یوں تو بہتیر حنفیت جتاتے ہیں، بعض زیدیہ روافض شافعی کہلاتے ہیں، بہت مجسمہ موجہ حنبلی کہے جاتے، پھر کیا ارواح طیبہ حضرات عالیہ امام اعظم وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ان سے خوش ہوں گے، **کلا واللہ!** ان گمراہوں کا انتساب ایسا ہے جیسے روافض اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے بیزار روح پاک ائمہ اطہار ہے رضوان اللہ تعالٰی علیہ اجمعین، یونہی نجد کے حنبلی، ہند کے حنفی جو مخترعانِ مذہب جدید ومتبعانِ قرنِ طرید ہوئے ہرگز حنبلی وحنفی نہیں بلکہ حَبَلی [عہ۱] وجنفی [عہ۲] ہیں،

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، نے اپنے قصیدہ **اکسیر اعظم** (۱۳۰۲ھ) کی شرح مجیر معظم (۱۳۰۳ھ) میں غلامان سرکار قادری کے فضائل اور ان کے لیے جو عظیم امیدیں لکھ کر گزارش کی:

اماہوس کارا ینکہ رنزد ایشاں اتباع ہوائے نفس کمالِ تصوف ورداحکام شرع تمغائے تعرف، مناہی وملاہی موصل الی اللہ وتباہی ودواہی ریاضت این راہ، روزہا دارند امابر گرد و نماز ہا گزارند بر معنی ترک کردن ونہ آنکہ ازینہا باکے دارند یاسرے خارند بلکہ فارغ زیند وحسابے ندارند وخود ازینہا چہ حکایت و ازبدعت چہ شکایت کہ متوران ایشاں ضروریاتِ دین راخلاف کنند وبدعوی اسلام برعقائد اسلام خندہ زنند من وخدائے من کہ ایناں نہ قادری باشند ونہ چشتی بلکہ غادری باشند وزشتی۔ سایہ مادور باد از مادور الخ اھ ملخصا	مگر وہ ہوس کار جن کے نزدیک ہوائے نفس کی پیروی کمال تصوف اور احکام شرع کو رَد کرنا تمغہ امتیاز، ممنوعات اور لہو کی چیزیں خدارسی کا ذریعہ، تباہی اور مصیبت کی چیزیں اس راہ کی ریاضت، روزے رکھیں مگر ذمہ میں رہیں، نمازیں پڑھیں مگر نہ پڑھنے کی طرح، اس پر بھی یہ نہیں کہ کچھ خوف یا فکر ہو بلکہ چین سے جیتے ہیں اور کوئی حساب نہیں رکھتے، ان کی کیا بات اور اس بد مذہبی کی کیا شکایت جبکہ ان کے بے باکوں کا حال یہ ہے کہ ضروریاتِ دین کا خلاف کریں اور اسلام کا دعوی کرکے عقائد السلام پر خندہ زن ہو، واللہ یہ نہ قادری ہیں نہ چشتی بلکہ غادری ہیں اور زِشتی، ان کا سایہ ہم سے دور ہو دور الخ ملخصًا (ت)

معہذا بالفرض اگر ایک فریق منکرین باعتبار فروع مقلدین سہی تاہم جب ان کے نزدیک ارواح گزشتگان

عہ۱: حَبَل بفتحتین بمعنی غضب ۱۲منہ (م)

عہ۲: جَنَف بفتحتین میل وجور ۱۲منہ (م)

مثل جماد اور محال امداد اور شرک استمداد، تو وہ اس قابل کہاں کہ ارواح ائمہ ان پر نظر فرمائیں، سنت الٰہیہ ہے کہ منکرین کو محروم رکھتے ہیں، اللہ تعالٰی حدیث قدسی میں فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی[1]۔ رواہ البخاری۔	میں بندہ سے وہ کرتا ہوں جو بندہ مجھ سے گمان رکھتا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

جب ان کے گمان میں امداد محال تو ان کے حق میں ایسا ہی ہوگا۔

گربہ تو حرام است حرامت بادا

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث متواتر میں فرماتے ہیں:

شفاعتی یوم القیٰمۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا[2]۔ رواہ ابن منیع عن زید بن ارقم وبضعۃ عشر من الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی اجمعین۔	میری شفاعت قیامت کے روز حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے اہل نہ ہوگا۔ (اسے ابن منیع نے حضرت زید بن ارقم اور تیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے روایت کیا۔ت)

اللہ تعالٰی دنیا و آخرت میں ان کی شفاعتوں سے بہرہ مند فرمائے اٰمین اللّٰھم اٰمین۔

قول (۹۸ تا ۱۰۰): امام غزالی قدس سرہ العالی پھر شیخ محقق پھر شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

واللفظ لشرح المشکٰوۃ حجۃ الاسلام امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ مے شود بوی در حیات استمداد مے شود بوی بعد از وفات[3]۔	الفاظ شرح مشکوٰۃ کے ہیں: حجۃ الاسلام امام غزالی فرماتے ہیں جس سے زندگی میں مدد مانگی جائے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جائے۔ (ت)

قول (۱۰۱ و ۱۰۲): امام ابن حجر مکی پھر شیخ نے شروح مشکوٰۃ میں فرمایا:

صالحاں رامدد بلیغ است بہ زیارت کنندگانِ خود رابر اندازہ ادب ایشاں[4]۔	صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔ (ت)

---

[1] الصحیح للبخاری باب قول اللہ ویحذرکم اللہ نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۱۰۱

[2] جامع صغیری مع فیض القدیر حدیث ۴۸۹۶ دار المعرفۃ بیروت لبنان ۴/۱۶۳

[3] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۵

[4] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۵

قول (۱۰۳) : امام علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں اہلسنت کے نزدیک علم وادراک موتٰی کی تحقیق کرکے فرمایا:

ولهذا ینتفع بزیارۃ قبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخیار [1]۔	اسی لیے قبور اولیاء کی زیارت اور ارواح طیبہ سے استعانت نفع دیتی ہے۔

قول (۱۰۴و۱۰۵) : ردالمحتار میں امام غزالی سے ہے:

انهم متفاوتون فی القرب من الله تعالٰی ونفع الزائرین بحسب معارفهم واسرارهم [2]۔	ارواح طیبہ اولیائے کرام کا حال یکساں نہیں بلکہ وہ متفاوت ہیں اللہ سے نزدیکی اور زائروں کو نفع دینے میں موافق اپنے معارف واسرار کے۔

قول (۱۰۶) : امام ابن حجر مکی مدخل میں فرماتے ہیں:

ان کانت المیّت المزار ممن ترجی برکته فیتوسل الی الله تعالٰی به. یبدأ بالتوسل الی الله تعالٰی بالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذهو العمدۃ فی التوسل والاصل فی هذا کله والمشروع له. ثم یتوسل باهل تلك المقابر اعنی بالصالحین منهم فی قضاء حوائجه ومغفرۃ ذنوبه ویکثر التوسل بهم الی الله تعالٰی لانه سبحانه تعالٰی اجتباهم وشرّفهم وکرمهم فکما نفع بهم فی الدنیا ففی الاٰخرۃ اکثر فمن ارادحاجة فلیذهب	یعنی اگر صاحب مزار ان لوگوں میں ہے جن سے امید برکت کی جاتی ہے تو اسے اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ کرے، پہلے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے توسل کرے کہ حضور ہی توسل میں عمدہ اور ان سب باتوں میں اصل اور توسل کے مشروع فرمانے والے ہیں، صالحین اہل قبور سے اپنی حاجت روائی وبخشش گناہ میں توسل اور اس کی تکرار و کرامت بخشی تو جس طرح دنیا میں ان کی ذات سے نفع پہنچایا یونہی بعد انتقال اس سے زیادہ پہنچائے گا، تو جسے کوئی حاجت منظور ہوانکے مزارات عــہ پر حاضر

عــہ: قصد زیارت مقربان آں درگاہ ومنتسبان آں

اُس بارگارہ کے قُرب یافتہ اوراس جناب سے تعلق (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع مدرک الجزئیات عند نا الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار مطلب فی زیارۃ القبور ادارۃ الطباعۃ العربیہ مصر ۱/ ۲۰۴

الیھم ویتوسل بھم فانھم الواسطة بین اللہ تعالٰی وخلقه وقد تقرر فی الشرع وعلم ماللہ تعالٰی بھم من الاعتناء وذلك کثیرہ مشھور، ومازال الناس من العلماء والاکابر کابرًا عن کابرمشرقا ومغربا یتبرکون بزیارۃ قبورھم ویجدون برکة ذلك حسًا ومعنیً اھ[1] ملخصا	ہو اور ان سے توسل کرے کہ یہی واسطہ ہیں اللہ تعالٰی اور اس کی مخلوق میں، اور بیشک شرع میں مقرر و معلوم ہو چکا کہ اللہ تعالٰی کو ان پر کیسی عنایت ہے اور یہ خود بکثرت و شہرت ہے اور ہمیشہ علمائے اکابر خلف و سلف مشرق و مغرب میں ان کی زیارت قبور سے تبرک کرتے اور ظاہر و باطن میں اس کی برکتیں پاتے رہے ہیں اھ ملخصًا۔

قول (۱۰۷تا۱۰۹): اشعۃ میں فرمایا:

سیدی احمد بن زروق کہ از عاظم فقہاء وعلماء ومشائخ دیار مغرب است گفت روزے شیخ ابوالعباس حضرم از من پرسید امدادِ حی قوی ست یا امداد میّت قوی ست من گفتم قوی می گویند کہ امداد حی قوی تراست ومن می گویم کہ امداد میّت قوی تراست پس شیخ گفت نعم زیرا کہ وی در بساط است ودر حضرت اوست (قال) ونقل دریں معنی ازیں طائفہ بیشتر ازاں ست کہ حصر واحصار کردہ شود یافتہ نمی شود در کتاب وسنت اقوالِ سلف صالح چیزے کہ منافی ومخالف	سیدی احمد بن زروق جو دیارِ مغرب کے عظیم ترین فقہاء اور علماء و مشائخ سے ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا زندہ کی امداد قوی ہے یا وفات یافتہ کی؟ میں نے کہا کچھ لوگ زندہ کی امداد زیادہ قوی بتاتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ وفات یافتہ کی امداد زیادہ قوی ہے۔ اسی پر شیخ نے فرمایا: ہاں! اس لیے کہ وہ حق کے دربار اور اس کی بارگاہ میں حاضر ہے (فرمایا) اس مضمون کا کلام ان بزرگوں سے اتنا زیادہ منقول ہے کہ حد وشمار سے باہر ہے اور کتاب و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب واستفاضہ خیرات وبرکات ازایشاں نماید[2] موجب مزید خیر وزیارت ثواب خواہد بود والسلام ۱۲منہ جذب القلوب (م)	رکھنے والوں کی زیارت کا قصد کرے اور ان سے درخواست کرے کہ اپنی برکات وخیرات کا فیض عطا کریں یہ مزید خیر وخوبی اور ثواب میں زیادتی کا باعث ہوگا، والسلام ۱۲منہ جذب القلوب (ت)

[1] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۸۔۲۴۹

[2] جذب القلوب باب دہ از دہم مکتبہ نعیمہ چوک دالگراں۔ لاہور ص ۱۳۸

ایں باشد ورد کند ایں را[1] الخ۔	سنت اور سلف صالحین کے اقوال میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اس کے منافی ومخالف اور اسے رد کرنے والی ہو۔ الخ۔ (ت)

قول (۱۱۰): اسی میں ہے:

بسیارے رافیوض وفتوح ازارواح رسیدہ وایں طائفہ را در اصطلاح ایشاں اویسی خوانند[2]۔	بہت سے لوگوں کو فیض وکشف ارواح سے حاصل ہوا ہے اور اس جماعت کو ان کی اصطلاح میں اُویسی کہتے ہیں۔ (ت)

قول (۱۱۱و ۱۱۲): شیخ الاسلام امام فخر الدین رازی سے ناقل:

چوں می آید زائر نزد قبر حاصل می شودا ورا تعلقے خاص بقبر چنانچہ نفس صاحب قبر راوبسبب ایں در تعلق حاصل مے شود میان ہر دو نفس ملاقات معنوی وعلاقہ مخصوص پس اگر نفس مزوری قوی تر باشد نفس زائر مستفیض مے شود واگر بر عکس بود بر عکس شود[3]۔	جب زائر قبر کے پاس آتا ہے تو اسے قبر سے اور ایسے ہی صاحب قبر کو اس سے ایک خاص تعلق حاصل ہوتا ہے اور ان دونوں تعلقات کی وجہ سے دونوں کے درمیان معنوی ملاقات اور ایک خاص ربط حاصل ہوجاتا ہے۔ اب اگر صاحب قبر زیادہ قوت والا ہے تو زائر مستفیض ہوتا ہے اور برعکس ہے تو برعکس ہوتا ہے۔ (ت)

قول (۱۱۳و ۱۱۴): مولٰنا جامی قدس سرہ، السامی حضرت سیدی امام اجل علاء الدولہ سمنانی رحمۃ اللہ تعالٰی سے ناقل:

درویشے از شیخ سوال کرد کہ چوں بدن را درخاک ادراک نیست ودر عالم ارواح حجاب نیست چہ احتیاج است بسر خاک رفتن۔ چہ دہر مقامیکہ توجہ کند بروح بزرگے ہماں باشد کہ بسر خاک شیخ فرمود فائدہ بسیار دارد یکے آنکہ چون بزیارت کسے مے رود چندانکہ می رود توجہ اوزیادہ می شود	ایک درویش نے شیخ سے سوال کیا کہ جب قبر کے اندر ادراک بدن کو نہیں بلکہ روح کو ہے اور عالم ارواح میں کوئی حجاب نہیں ہے تو قبر کے پاس جانے کی کیا ضرورت، جہاں سے بھی توجہ کرے بزرگ کی روح سے وہی فائدہ ہوگا جو قبر کے پاس ہوگا۔ شیخ نے فرمایا: اس میں بہت فوائد ہیں ایک یہ کہ جب آدمی کسی کی زیارت

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۷۱۶

[3] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مطبع احمدی دہلی ص ۷۰

چوں بہ سرخاک رسد بحس مشاہدہ کند خاک اوراحس او نیز مشغول اومی شود بکلی متوجہ گردد فائدہ بیشتر باشد ودیگر آنکہ ہرچند ارواح راحجاب نیست وہمہ جہاں اوراےکے است اما بآں موضع تعلق بیشتر بود [1] اھ ملخصا	کو جاتا ہے تو جس قدر آگے بڑھتا ہے اس کی توجہ بڑھتی جاتی ہے، جب قبر کے پاس پہنچتا ہے تو حواس سے اس قبر کا ادراک اور مشاہدہ کرتا ہے اب اس کے حواس بھی اس کے ساتھ مشغول ہوجاتے ہیں اور وہ پورے ظاہر وباطن کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے جس کا فائدہ فزوں تر ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگرچہ ارواح کے لیے حجاب نہیں ہے اور سارا جہان ان کے لیے ایک ہے مگر اس مقام سے تعلق زیادہ ہوتا ہے۔ اھ بہ تلخیص (ت)

قول (۱۱۵تا۱۱۶): سید جمال مکّی کے فتاوٰی میں امام شہاب الدین رملی سے منقول:

للانبیاء والرسل والاولیاء والصالحین اغاثہ بعد موتھم [2]۔	انبیاء ورسل واولیاء وصالحین بعد رحلت بھی فریاد رسی کرتے ہیں۔

فصل یازدہم: تصریحات علماء میں کہ سلام قبور دلیل قطع سماع وفہم وعلم وشعور ہے۔

قول (۱۱۷): امام عزالدین بن عبدالسلام اپنی امالی میں فرماتے ہیں:

لانا امرنا بالسلام علی القبور ولولان الارواح تدرك كان فيه فائدة [3]۔	ہمیں حکم ہوا کہ قبور پر سلام کریں اگر روحیں سمجھتی نہ ہوتیں تو بیشک اس میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔

قول (۱۱۸): امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا:

احادیث زیارۃ القبور والسلام علیھا وخطابھم مخاطبۃ الحاضر العاقل دالۃ علی ذلک [4] اھ ملخصا۔	زیارت قبور اور ان پر سلام اور ان سے حاضر عاقل کی طرح خطاب کی حدیثیں اس پر دلیل ہیں اھ ملخصا

قول (۱۱۹): شرح الصدور میں مثل قولین سابقین منقول:

قد شرح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامتہ ان یسلموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونہ	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت کے لیے اہل قبور پر ایسا مشروع فرمایا ہے جیسے سننے

[1] نفحات الانس ترجمہ ابوالمکارم رکن الدین علاء الدین السمنانی مہدی توحیدی پور طہران ص ۴۴۰

[2] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[3] شرح الصدور بحوالہ عزالدین ابن عبدالسلام باب مقرالارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۳

[4] شرح الصدور حوالہ ابن عبدالبر باب مقرالارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰

من یسمع و یعقل [1]۔	سمجھنے والوں سے خطاب کرتے ہیں۔

قول (۱۲۰): امام علامہ نووی منہاج میں امام قاضی عیاض کا قول در بارہئ سماع موتٰی نقل کرکے فرماتے ہیں:

ھوالظاھر المختار الذی یقتضیہ احادیث السلام علی القبور [2]۔	یہی ظاہر ومختار ہے جسے سلام قبور کی حدیثیں اقتضاء کرتی ہے۔

قول (۱۲۱): علامہ مناوی نے اسی امر پر دلیل یوں نقل فرمائی ہے: **فان السلام علی من لایشعر محال** [3] کہ جو نہ سمجھے اس پر سلام اصلًا معقول نہیں۔

قول (۱۲۲): شیخ محقق مدارج النبوۃ میں سلام اموات کو حدیث سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

خطاب باکسیکہ نہ شنود ونہ فہمد معقول نیست، ونزدیک ست کہ شمار کردہ شود از قبیلہ عبث چنانچہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گفت [4]۔	جو نہ سنے نہ سمجھے اس سے خطاب معقول نہیں اور قریب ہے کہ عبث کے دائرے میں شمار ہو جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔ (ت)

قول (۱۲۳) مولانا علی قاری شرح اللباب میں دربارہ سلام زیارت میں فرماتے ہیں:

من غیر رفع صوت ولا اخفاء بالمرۃ لفوت الاسماع الذی ھو السنۃ [5]۔	نہ بلند آواز سے ہو نہ بالکل آہستہ جس میں سنانا کہ سنت ہے فوت ہوجائے۔

فصل دوازدہم: اہل قبور سے سوائے سلام اور انواع خطاب وکلام میں،

قول (۱۲۴ تا ۱۲۷): منسک متوسط ومسلک متقسط واختیار شرح مختار وفتاوٰی عالمگیری میں ہے: **واللفظ للاخیرین فانہ ابسط** (الفاظ اخیرین کے ہیں اس لیے کہ یہ زیادہ مبسوط ہیں۔ت) کہ بعد زیارت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہاتھ بھر ہٹ کر سرِ اقدس صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مقابل ہو اور بعد سلام عرض کرے:

جزاك اللہ عنا افضل ماجزی اماما عن امۃ	آپ کو اللہ تعالٰی ہم سے جزاو عوض نیک دے بہتر

---

[1] شرح الصدور باب زیارۃ القبور خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۴
[2] منہاج للنووی شرح صحیح مسلم مع مسلم باب عرض مقعد المیّت من الجنتہ والنار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸۷
[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت من زار قبر ابویہ الخ مکتبۃ الامام شافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۲۰
[4] مدارج النبوۃ فصل در سماعت میّت نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۵
[5] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

نبیه ولقد خلقته باحسن خلف وسلك طریقة ومنهاجه خیرمسلك وقالت اهل الردة والبدع ومهدت الاسلام و وصلت الارحام ولم تزل قائلا للحق ناصرا لاهله حتی اتاك الیقین[1]۔	اس عوض کا جو کسی کو اس کے نبی کی امت سے عطا فرمایا ہو بیشک آپ نے بہترین خلافت سے نبیؐ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیاحت کی اور بہترین روش سے حضور کی راہ وطریقہ پر چلے، آپ نے اہل ارتداد وبدعت سے قتال کیا، آپ نے اسلام کو آراستگی دی، آپ نے صلہ رحم فرمایا، آپ ہمیشہ حق گو اور اہل حق کے ناصر رہے یہاں تک کہ آپ کو موت آئی۔

پھرہٹ کر قبر مبارک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے محاذی ہو اور بعد سلام عرض کرے۔

جزاك الله عنا افضل الجزاء ورضی عمن استخلفك فقد نصرت للاسلام والمسلمین حیًا ومیّتًا فکفلت الایتام و وصلت الارحام وقوی بك الاسلام و کنت للمسلمین اماما مرضیا وهادیا مهدیا جمعت شملهم واغنیت فقیرهم وجبرت کسیرهم[2]۔	اللہ تعالٰی نے آپ کو بہتر بدلہ دے اور ان سے راضی ہو جنھوں نے آپ کو خلیفہ کیا یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ آپ نے اپنی زندگی اور موت دونوں حال میں اسلام و مسلمین کی مدد فرمائی، آپ نے یتیموں کی کفالت اور رحم کا صلہ کیا۔ اسلام نے آپ سے قوت پائی، آپ مسلمانوں کے پسندیدہ پیشوا اور رہنما راہ یاب ہوئے آپ نے ان کا جتھا باندھا اور ان کے محتاجوں کو غنی کردیا اور ان کی شکستہ دلی دُور فرمائی۔

اسی طرح کتب مناسک میں بہت تصریحیں اس کی ملیں گی۔

قول (۱۲۸تا۱۳۰): امام خطابی نے دربارہ تلقین فرمایا:

لاباس به اذلیس فیه الاذکر الله تعالٰی و عرض الاعتقاد علی المیّت (الی قوله) وکل ذٰلك حسن. نقله القاری فی المرقاة[3]۔	اس میں کچھ حرج نہیں کہ وہ ہے کیا مگر اللہ تعالٰی کی یاد اور میّت پر عرض اعتقاد۔ یہ سب خوب ہیں (اسے ملا علی قاری نے مرقاۃ میں نقل کیا۔ت)

بعینہٖ اسی طرح ذیل مجمع البحار[4] میں مذکور۔

[1] فتاوٰی ہندیہ مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۶

[3] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الخطابی باب اثبات عذاب القبر حدیث ۱۳۳ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/۳۵۶

[4] تکملہ مجمع البحار تحت لفظ ثبت منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

وحسبنا اللہ العزیز الغفور وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ الٰی یوم النشور۔	ہمیں عزت ومغفرت والا خدا کافی ہے اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا ومولا حضرت محمد اور ان کی آل واصحاب پر تا حشر درود و رحمت بھیجے۔(ت)

فصل سیز دہم: بعد دفن میّت کو تلقین اور اسے عقائد اسلام یاد دلانے میں، یہ فصل فصل دوازدہم کی ایک صنف ہے کہ اس میں بھی میّت سے سوائے سلام اور قسم کا خطاب وکلام ہے کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) میں یہاں صرف علمائے حنفیّہ کے اقوال شمار کروں گا کہ شافعیہ تو قاطبۃً قائل تلقین ہیں الا من شاء اللہ۔

قول (۱۳۱تا۱۳۳): امام زاہد صفار نے کتاب مستطاب تلخیص الادلہ میں تصریح فرمائی کہ تلقین موتٰی مسلک اہلسنت ہے اور منع تلقین مذہب معتزلہ پر مبنی کہ وہ میّت کو جماد مانتے ہیں، امام حاکم شہید نے کافی اور امام خبازی نے خبازیہ میں ان سے نقل فرمایا:

ان ھذا (ای منع التلقین) علٰی مذھب المعتزلۃ لان الاحیاء بعد الموت عندھم مستحیل، اما عند اھل السنہ فالحدیث ای لقنوا واتاکم لا الٰہ الا اللہ محمد علی حقیقۃ۔ لان اللہ تعالٰی یحییہ علی ماجائت بہ الاٰثارت وقدروی عنہ علیہ الصلوۃ والسلام انہ امر بالتلقین بعدا لدفن [1] الخ ذکرہ فی ردالمحتار عن معراج الدرایۃ۔	تلقین سے ممانعت معتزلہ کا مذہب ہے اس لیے کہ موت کے بعد زندہ کرنا ان کے نزدیک محال ہے لیکن اہلسنت کے نزدیک حدیث تلقین (اپنے مردوں کو لا الٰہ الا اللہ سکھاؤ) اپنے حقیقی معنٰی پر محمول ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی مُردے کو زندہ فرمادیتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ سرکار نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا الخ۔ اسے ردالمحتار میں معراج الدرایہ کے حوالے سے ذکر کیا۔(ت)

قول (۱۳۴تا۱۳۵): درمختار میں جوہرہ نیرہ سے ہے: **انہ مشروع عند اھل السنۃ** [2] بیشک تلقین اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے۔

قول (۱۳۶): نہایہ شرح ہدایہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار بحوالہ الخبازیۃ مطلب فی تلقین بعد الموت ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۱

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۹

كيف لايفعل وقدروى عنه عليه الصلوٰة و السلام انه امر بالتلقين بعد دفن [1]۔	تلقین کیونکر نہ کی جائے گی حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد دفن تلقین کا حکم دیا۔

اور ان کا قول فصل ہشتم میں گزرا کہ اہلسنت کے نزدیک تلقین اپنی حقیقت پر ہے۔

قول (۱۳۷و۱۳۸): امام اجل شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا:

لايومربه ولاينهى عنه [2]۔ نقله فى النهاية وغيرها۔	تلقین کا حکم نہ دیں نہ اس سے منع کریں، اسے نہایہ وغیرہ میں نقل کیا۔ت)

حلیہ میں اسے نقل کرکے فرمایا: ظاهره انه يباح [3] اس قول سے ظاہر اباحت ہے۔

قول (۱۳۹): امام فقیہ النفس قاضی خاں نے فرمایا:

ان كان التلقين لاينفع لايضر ايضا فيجوز [4]۔ اثره المذكوران۔	تلقین میں اگر کوئی نفع نہ ہو تو ضرر بھی نہیں پس جائز ہوگی، (اسے دونوں مذکور حضرات نے ذکر کیا ہے)

اور ظاہر ہے کہ نفی نفع بر سبیل تنزل ہے۔

قول (۱۴۰تا۱۴۳): صاحب غیاث فرماتے ہیں:

انى سمعت استاذى قاضى خان انه يحكى عن الامام ظهير الدين انه لقن بعض الائمة و اوصانى بتلقينه فلقنته فيجوز [5]۔ نقله فى شرح النقاية۔	میں نے اپنے استاذ قاضی خاں کو سنا کہ اما اجل ظہیر الدین مرغینانی سے حکایت فرماتے تھے بعض ائمہ نے تلقین فرمائی اور مجھے اپنی تلقین کرنے کی وصیت کی تو میں نے انھیں تلقین کی، پس جواز ثابت ہوا۔(اسے شرح نقایہ میں نقل کیا۔ت)

[1] البدایہ فی شرح الہدایہ باب الجنائز المکتبہ الامدادیہ فیصل آباد جلد اول جز ثانی ص ۱۰۷۳

[2] البدایہ فی شرح الہدایہ بحوالہ الحلوانی المکتبہ الامدادیہ فیصل آباد جلد اول جز ثانی ص ۱۰۷۳

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] البدایۃ فی شرح الہدایۃ بحوالہ قاضی خاں المکتبۃ الامدادیہ فیصل آباد جلد اول جزء ثانی ص ۱۰۷۳

[5] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۸

اسی طرح صاحب حقائق نے بتصریح عہ اس کے کہ یہ تلقین بعد دفن تھی، صاحب غیاث سے نقل کیا کما فی الحلیۃ (جیسا کہ حلیہ میں ہے۔ ت) امام ابن امیر الحاج عبارت حقائق لکھ کر فرماتے ہیں: **یفیدون فعلہ راجح علی ترکہ**[1]۔ یہ کلام استحباب تلقین کا مفید ہے۔ پھر اس پر حدیث سے دلیل ذکر کرکے ائمہ محدثین امام ابو عمرو بن الصلاح وغیرہ سے اس کا بوجہ شواہد و عمل قدیم علمائے شام قوت پانا نقل کرتے ہیں کما فی المقصد الثانی (جیسا کہ ہم نے اسے مقصد دوم میں پیش کیا۔ ت) **قول (۱۴۴و۱۴۵)**: مضمرات میں ہے:

نحن نعمل بھما عندالموت وعند الدفن[2]۔ نقلہ فی الھندیۃ۔	ہم دونوں تلقینوں پر عمل کرتے ہیں وقت نزع بھی اور وقت دفن بھی، اسے ہندیہ میں نقل کیا گیا۔ ت)

قول (۱۴۶): ذیل مجمع البحار میں ہے: **اتفق کثیر علی التلقین**[3] بہت علماء کا تلقین پر اتفاق ہے۔

قول (۱۴۷): نورالایضاح میں ہے: **تلقینہ فی القبر مشروع**[4] مُردے کو تلقین کرنا مشروع ہے۔

قول (۱۴۸و۱۴۹): علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں کتاب التجنیس والمزید سے ناقل: **التلقین بعد الموت فعلہ مشائخنا**[5] ہمارے بعض مشائخ نے موت کے بعد تلقین فرمائی ہے۔

قول (۱۵۰و۱۵۲): جامع الرموز میں جواہر سے منقول:

سئل القاضی مجدا لدین الکرمانی عنہ قال ما راہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن و روی فی ذلک الحدیثن[6]۔	قاضی مجدالدین کرمانی سے دربارۂ تلقین سوال ہوا، فرمایا جو بات مسلمان اچھی سمجھیں خدا کے نزدیک اچھی ہے۔ اور اس بارے میں دو حدیثیں روایت کیں۔

عہ: یہ معنی خود لفظ اوصانی سے مستفاد مگر اس میں صریح تر ہے کہ **لقن بعض الائمۃ بعد دفنہ واوصانی بتلقینہ فلقنتہ بعد مادفن**[7] ۱۲منہ (بعض ائمہ نے بعد دفن میّت کو تلقین فرمائی اور مجھے میّت کو تلقین کرنے کی وصیت کی تو میں نے بعد از دفن میّت کو تلقین کی ۱۲ منہ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات الباب الحادی والعشرون فی الجنائز نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۷

[3] تکملہ مجمع بحارالانوار تحت لفظ ثبت نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[4] نورالایضاح باب احکام الجنائز مطبع علیمی لاہور ص ۵۴

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنائز دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۲۴

[6] جامع الرموز فصل فی الجنائز مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۷۹

[7] حاشیۃ الشلبی علی التبیین بحوالہ الحقائق باب الجنائز مطبعہ کبرٰی بولاق مصر ۱/۲۳۴

قول (۱۵۳): طحطاوی حاشیہ مراقی میں علامہ حلبی سے منقول:

کیف لایفعل مع انه لاضرر فیه بل فیه نفع للمیّت[1]۔	تلقین کیونکر نہ کی جائے گی حالانکہ اس میں کوئی نقصان نہیں بلکہ میّت کا فائدہ ہے۔

قول (۱۵۴): کشف الغطاء میں ہے: بالجملہ بمقتضائے مذہب اہل سنت وجماعت تلقین مناسب پھر امام صفار کا ارشاد کہ:

سزاوار آن ست کہ تلقین کردہ شود میّت برمذہب امام اعظم وہر کہ تلقین نمی کند ونمے گوید بآن پس او بر مذہب اعتزال ست کہ گویند میّت جماد محض است و روح در قبر معاد نمی شود۔	مذہب امام اعظم میں میّت کو تلقین مناسب ہے اور جو تلقین کا تارک اور منکر ہے وہ معتزلہ کا مذہب رکھتا ہے جو میّت کو جماد محض کہتے ہیں، اور قبر میں پھر روح کا اعادہ نہیں مانتے۔ (ت)

نقل کرکے فرمایا:

وانچہ درکافی گفت کہ اگر مسلمان مُردہ است، محتاج نیست بہ سوئے تلقین وے بعد از موت وگرنہ فائدہ نمی کند ناتمام است چہ باوجود اسلام احتیاج بسوئے تلقین برائے ثابت داشتن دل باقی ست چنانچہ درحدیث آمدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد از دفن فرمودی استغفار کنید برادر خود را و سوال کنید برائے وے تثبت رابدرستیکہ الآن سوال کردہ مے شود ازوے[2] الٰی اخرہ۔	وہ جو کافی میں کہا کہ "اگر بحالت اسلام مرا ہے تو وہ موت کے بعد تلقین کا محتاج نہیں، اور اگر ایسا نہیں تو تلقین بے سود ہے" ناتمام ہے اس لیے کہ اسلام کے باوجود، دل کو ثابت رکھنے کے لیے تلقین کی حاجت ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دفن کے بعد فرماتے اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا کرو کہ اس وقت اس سے سوال ہورہا ہے۔ الخ (ت)

قول (۱۵۵و ۱۵۶): علامہ زیلعی نے تبیین الحقائق میں دربارہ تلقین پہلے استحباب پھر جواز پھر منع تینوں قول نقل کرکے استحباب پر دلیل قائم کی اور بے شک تعلیل، دلیل اختیار و تعویل ہے، علامہ حامد آفندی نے مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں فرمایا: **هو المرجح اذا هو المحلی بالتعلیل**[3] (اس کی

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۰۶
[2] کشف الغطاء
[3] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

علت بیان کی گئی ہے لہٰذا اسی کو ترجیح ہے۔ت) ولہٰذا علامہ شامی آفندی تبیین کا یہ کلام نقل کرکے فرماتے ہیں: ظاھر استدلالہ للاول اختیارہ [1] یعنی قول استحباب پر دلیل قائم کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ امام زیلعی اسی کو مذہب مختار جانتے ہیں اور خود علامہ شامی کا کلام اختیار جواز واستحباب پر دلیل ہے کہ معراج الدرایہ سے عدم تلقین کا ظاہر الروایۃ ہونا نقل کرکے پھر اسی معراج سے بحوالہ کافی وخبازیہ امام صفار کا وہ ارشاد نقل کیا پھر فتح کا حوالہ دیا کہ انھوں نے حدیث تلقین کو اپنی حقیقت پر محمول کرنے کی بہت تائید فرمائی، پھر غنیہ سے تائید لائے کہ حدیث میں تجوز ہے مگر تلقین سے منع نہ کریں گے کہ میّت کو مفید ہے، پھر زیلعی کے کلام سے یوں استظہار کیا اور شارح نے جو مشروعیتِ تلقین کو قول اہلسنت کہا اسے مقرر ومسلم رکھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

نکتہ جلیلہ تتمیم کلام وازالہ اوہام میں

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الٰی ذری التحقیق، طائفہ جدیدہ ان اقول کے مقابل براہ تلبیس ومغالطہ منع تلقین کے اقوال پیش کردیتے ہیں، حالانکہ یہ محض جہالت بے مزہ ہے، ہم یہاں نفس مسئلہ تلقین کی بحث میں نہیں ہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ ان علمائے مجوزین نے ادراک وسمع موتٰی مانا، اور یہ امر اقوال مذکورہ سے یقیناً ثابت، ذرا آنکھیں مل کر دیکھیں کہ ائمہ نے کیا چیز جائز مانی، تلقین میّت۔ پھر یہ سیکھیں کہ تلقین کے معنی کیا ہیں، تفہیم وتذکیر یعنی سمجھانا اور یاد دلانا کما فی حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی (جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی الفلاح میں ہے۔ت) پھر کسی ذی عقل سے پوچھیں کہ تفہیم وتذکیر جماد ودیوار کو ہوتی ہے یا سامع فہیم وہوشیار کو؟ حاشا وکلّا ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ سمجھانا اور یاد دلانا ہرگز متصور نہیں جب تک مخاطب سنتا سمجھتا نہ ہو اور جس کے اعتقاد میں ہو کہ مخاطب نہ عقل وفہم رکھتا ہے نہ میرا کہا سنے، پھر اس کے آگے بقصد تفہیم وتذکیر بات کرے وہ قطعاً مجنون ودیوانہ ہوگا لہٰذا یقیناً واجب کہ جو ائمہ وعلماء استحباب، خواہ جواز تلقین کے قائل ہوئے انھوں نے بلاشبہ اموات کو بعد دفن بھی کلام احیاء سننے والا مانا اور اسی قدر مقصود تھا، بخلاف اقوال منع کہ وہ نہار نہ مخالف کو مفید نہ ہمیں مضر کہ ترک تلقین کی علت کچھ انکار فہم وسماع ہی میں منحصر نہیں جس سے خواہی نخواہی سمجھا جائے کہ جو تلقین نہیں مانتا وہ میّت کو سمیع وفہیم بھی نہیں جانتا، کیا ممکن نہیں کہ اس کی وجہ بعض کے نزدیک عدم ثبوت ہو، جیسا کہ حلیہ میں ہے:

---

[1] ردالمحتار مطلب فی التلقین بعد الموت ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۱/۵۷۱

نص الشیخ عزالدین بن عبدالسلام علٰی انه بدعة [1]۔	شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے اس کے بدعت ہونے پر نص کی ہے۔(ت)

دیکھو امام عزالدین شافعی اس وجہ سے قائل تلقین نہ ہوئے کہ ان کے نزدیک بدعت تھی، حالانکہ یہ وہی امام عزالدین ہیں جن کا ارشاد قول ۱۷ میں گزرا کہ مُردے ہمارا کلام نہ سمجھتے ہوتے تو سلام قبور محض لغو تھا۔ یوں ہی کیا ممکن نہیں کہ وجہ ان کی رائے میں عدم فائدہ ہوں بایں معنی کہ مُردہ باایمان گیا، تو خود رحمت الٰہی اسے بس ہے۔ وہ بتوفیق ربانی آپ ہی صحیح جواب دے گا۔

قال الله تعالٰی یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں (ت)

اور جو عیاذ باللہ نوع دیگر ہے اسے لاکھ تلقین کیجئے کیا فائدہ! دیکھو امام حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کافی شرح وافی میں انکار تلقین اسی پر مبنی کیا۔

حیث قال ولقن الشهادة لقوله علیه الصلٰوة والسلام لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله وارید به من قرب من الموت وقیل هو مجرًی علٰی حقیقته وهو قول الشافعی لانه تعالٰی یحییه وقد روی انه علیه السلام امر بتلقین المیّت بعد دفنه و زعموا انه مذهب اهل السنة والاول مذهب المعتزله الا ان نقول لافائدة بالتلقین بعد الموت لانه مات مومنا فلاحاجة الیه وان مات کافرا فلا یفید التلقین [3] اھ ببعض تلخیص۔	ان کی عبارت یہ ہے: وقت نزع شہادت یاد دلائے اس لیے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان ہے اپنے مردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ اس سے مراد وہ ہیں جو قریب الموت ہوں، اور کہا گیا کہ یہ اپنے حقیقی معنٰی میں ہے۔ یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالٰی اسے زندہ کردے گا، اور مروی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کے بعد تلقین کا حکم دیا، لوگ کہتے ہیں کہ یہ مذہب اہلسنت ہے اور اول معتزلہ کا مذہب ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ موت کے بعد تلقین کا کوئی فائدہ نہیں، اس لیے کہ اگر بحالتِ ایمان مرا ہے تو تلقین کی کوئی ضروت نہیں اور اگر کافر مرا ہے تو تلقین کارگر نہ ہوگی، اھ (ختم قدرے تلخیص کے ساتھ)۔ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی
[2] القرآن ۱۴/ ۲۷
[3] کافی شرح وافی

اگرچہ علماء نے اس شبہہ کا جواب کافی دے دیا کہ ہم شق اول یعنی موت علی ایمان اختیار کرتے ہیں، اور یہ کہنا کہ اب حاجت نہیں غیر مسلم کہ وہ وقت ہول و دہشت کا ہے ہماری تذکیر اور خدا کے ذکر سے دل میّت کا قوی ہوگا، ڈھارس بندھے گی، وحشت گھٹے گی،

قال اللہ تعالٰی اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ۞ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: سن لو خدا کی یاد سے ٹھہر جاتے ہیں دل۔

اسی لیے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد دفن حکم دیتے میّت کے لیے خدا سے تثبت مانگو کہ اب اس سے سوال ہوگا [2]۔ کما مر فی المقصد الاول (جیسا کہ مقصد اول میں گزرا۔ ت) شیخ الاسلام کا کلام قول ۱۵۴ میں سن چکے اور علامہ شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

(نفی صاحب الکافی فائدۃ مطلقا ممنوع) بان فیہ فائدۃ التثبیت للجنان) نعم الفائدۃ الاصلیۃ (و ھی تحصیل الایمان فی ھذا الوقت) منتفیۃ ویحتاج الیہ لتثبیت الجنان للسوال فی القبر [3] اھ موضحًا بحاشیۃ الطحطاوی۔	صاحب کافی کا مطلقًا فائدے سے انکار ہمیں تسلیم نہیں (کیونکہ اس میں دل کو ٹھہرانے اور ثبات دینے کا فائدہ ہے) ہاں فائدہ اصلیہ (اس وقت اُسے ایمان بخشنا) نہیں اور تلقین کی ضرورت قبر میں سوال کے وقت دل کی تقویت اور ثبات کے لیے ہے اھ (عبارت مراقی ختم حاشیہ الطحطاوی سے توضیح کے ساتھ) (ت)

علامہ ابراہیم حلبی کا جواب اسی مقصد میں گزرا کہ تلقین میں میّت کا فائدہ ہے کہ ذکر خدا سے اس کا جی بہلے گا، فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی اگر عدم فائدہ میں ایسی ہی تقریر کریں تو دعاء و دوا تمام کارخانہ اسباب سب مہمل و معطل رہ جائے کہ تقدیر الٰہی میں حصول مراد ہے تو آپ ہی ملے گی ورنہ کیا حاصل، غرض جب واضح وبین کہ تلقین بے فہم و سماع میّت کے محال اور اس کا انکار کچھ نفی سماع میں منحصر نہیں تو یقینا ثابت کہ اقوال جواز ہمارے مذہب پر دلائل ساطع اور اقوال ترک و منع اصلًا مضر نہیں پھر ان کے مقابل ان کا پیش کرنا کیا کہا جائے کہ کس درجہ کی سفاہت ہے اور یہ قدیم چالاکی ان حضرات کی ہے جہاں کسی امر کے اثبات کو بعض علماء کے وہ اقوال جن کا مبنٰی اس امر کا ماننا ہو پیش کیجئے اور وہ مسئلہ مختلف فیہا ہو تو فورًا دوسری طرف کے قول نقل کر لائیں گے، یہ نہیں دیکھتے کہ

[1] القرآن ۱۳/ ۲۸

[2] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابی داؤد باب اثبات عذاب القبر مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز نور محمد اصح کارخانہ کتب کراچی ص ۳۰۷

محل نزاع کیا تھااور موضع استدلال کون سا مقدمہ ہے، کہا تو یہ تھا کہ امر ثابت ہے ولہذا فلاں فلاں ائمہ نے اس بات پر فلاں بات مبنی کی، اس کا یہ کیا جواب ہوگا کہ فلاں فلاں نے وہ بنانہ مانی کیا انکار بنا انکار مبنی کو مستلزم ہوتا ہے، واقعی سلامت عقل عجب دولت ہے جسے خدا دے وباللہ التوفیق، یہ نکتہ واجب الحفظ ہے کہ اس سے مخالفین کی بہت چالاکیوں کا حال کُھلتا ہے۔ واللہ الھادی۔

فائدہ جمیلہ تنقیح مسئلہ تلقین میں

اقول: وباللہ استعین۔ نفس مبحث تلقین کی نسبت استطرادًا اتنی بات سمجھ لیجئے کہ ظاہر الروایۃ میں اگر لایلقن یا غیر مشروع آیا بھی ہو تو وہ ممانعت وعدم جواز کے لیے متعین نہیں۔ آخر نہ سنا کہ امام مجتہدین برہان الدین محمود نے ذخیرہ میں بروایت امام محرر المذہب حضرت محمد بن الحسن امام الائمہ مالک الازمہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا کہ سجدہ شکر مشروع نہیں۔ اور علماء نے اس کے معنٰی عدم وجوب لیے، اشباہ میں ہے:

سجدۃ الشکر جائزۃ عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لاواجبۃ وھو معنی ماروی عنہ انھا لیست مشروعۃ ای وجوبًا [1] اھ واقرہ علیہ العلامۃ السید الحموی فی غمز العیون والسیدان الفاضلان احمد الطحطاوی و محمد الشامی فی حواشی الدر۔	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سجدہ شکر جائز ہے واجب نہیں، یہی اس کا معنٰی ہے جو امام صاحب سے مروی ہے کہ سجدہ شکر مشروع نہیں یعنی وجوبًا مشروع نہیں اھ۔ اسے علامہ سیدی حموی نے غمز العیون میں اور علامہ سید احمد طحطاوی وعلامہ سید محمد شامی نے حواشی در مختار میں برقرار رکھا۔ (ت)

فتاوٰی حجہ میں فرمایا:

عندی ان قول الامام محمول علی الایجاب، وقول محمد علی الجواز والاستحباب، فیعمل بھما لا یجب بکل نعمۃ سجدۃ شکرًا کما قال ابوحنیفہ ولکن یجوزان یسجد سجدۃ الشکر فی وقت سر بنعمۃ او ذکر نعمۃ فشکرھا بالسجدۃ وانہ غیر خارج عن حد	میرے نزدیک یہ ہے کہ امام اعظم کا قول ایجاب پر اور امام محمد کا قول جواز پر واستحباب پر محمول ہے تو دونوں قولوں پر عمل کیا جائیگا ہر نعمت پر سجدہ شکر واجب نہیں جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے لیکن جب کسی نعمت سے مسرت ہو تو سجدہ شکر کرنا جائز ہے، اسی طرح جب کسی نعمت کی یاد ہو تو اس کے شکریہ میں سجدہ کرلینا یہ دائرہ استحباب سے

[1] الاشباہ والنظائر ماافترق فیہ سجود التلاوۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۴

الاستحباب [1] اھ نقلہ فی حاشیۃ المراقی و قبلہ الحلبی فی الغنیۃ۔	باہر نہیں اھ اسے حاشیہ مراقی میں اور اس سے پہلے حلبی نے غنیہ میں نقل کیا۔ (ت)

اسی ²ذخیرہ میں فرمایا:

لایتعوذ التلمیذ اذا قرأ علی استاذہ [2]۔	شاگرد استاد کے پاس درس کے وقت تعوذ نہ پڑھے۔ (ت)

درمختار میں اسے نقل کرکے کہا: ای لا یسن [3] (یعنی یہ مسنون نہیں۔ ت) نہر میں کہا:

لیس مافی الذخیرۃ فی المشروعیۃ وعدمھا بل فی الاستنان وعدمہ [4]۔	ذخیرہ کی عبارت مشروعیت اور عدم مشروعیت سے متعلق نہیں بلکہ سنیت اور عدم سنیت سے متعلق ہے۔ (ت)

³یوں ہی ہمارے ائمہ سے دربارہ عقیقہ لایعق عن الغلام (لڑکے کی طرف سے عقیقہ نہ کرے۔ ت)
منقول، علمائے کرام فرماتے ہیں اس کے معنی نفی وجوب واستنان ہیں اور اباحت ثابت ہے۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

لا یعق عن الغلام وعن الجاریۃ یرید انہ لیس بواجب ولاسنہ لکنہ مباح [5]۔	لڑکے اور لڑکی کی طرف سے عقیقہ نہ کرے، اس سے مراد یہ ہے کہ یہ واجب وسنت نہیں۔ لیکن مباح ہے۔ (ت)

⁴اسی طرح عامہ کتب میں مثلاً ¹ہدایہ و ²وقایہ و ³نقایہ و ⁴بدائع و ⁵منیہ و ⁶ملتقی و ⁷تنویر و ⁸جوہرہ وغیرہ فاتحہ وسورت کے درمیان بسم اللہ پڑھنے کے بارے میں امام اعظم وامام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہما کا قول بلفظ لایاتی و لایسمی [6] (تسمیہ نہ لائے۔ بسم اللہ نہ پڑھے۔ ت) ذکر کیا۔ پھر محققین نے تصریح فرمائی کہ اس سے مراد نفی سنیت ہے، بخلاف امام محمد کہ قائل استنان ہیں، رہی کراہت وممانعت، وہ کسی کا مذہب نہیں، کہ پڑھنا بالاجماع بہتر ہے جیساکہ ¹ذخیرہ و ²مجتبٰی و ³بحر و ⁴نہر و حاشیہ ⁵درر للعلامۃ الشرنبلالی و ⁶شرح علائی و ⁷حواشی شامی و ⁸طحطاوی وغیرہا سے واضح۔ علامہ غزی تمرتاشی نے فرمایا: لابین الفاتحۃ والسورۃ (فاتحہ وسورت کے درمیان

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب سجدۃ الشکر مکروھۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۷۲

[2] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

[3] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

[4] ردالمحتار بحوالہ نہر الفائق باب صفۃ الصلوٰۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۳۲۹/۱

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ الفصل التاسع فی المتفرقات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳۷۷/۴

[6] الدرالمختار باب صفۃ الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

نہیں۔ت) محقق علائی نے لاکے بعد لفظ تسن بڑھادیا (یعنی مسنون نہیں۔ت) پھر فرمایا ولاتکرہ اتفاقا[1] (مکروہ تو بالاتفاق نہیں۔ت) طحطاوی نے فرمایا: بل لاخلاف فی انہ لوسمی لکان حسناً، نھر[2] (بلکہ اس میں بھی کوئی خلاف نہیں کہ اگر بسم اللہ پڑھا تو اچھا ہے۔نہر۔ت) بحر الرائق میں ہے:

الخلاف فی الاستنان اما عدم الکراہۃ فمتفق علیہ، ولھذا صرح فی الذخیرۃ والمجتبٰی بانہ ای سمی بین الفاتحہ والسورۃ کان حسنا عند ابی حنیفۃ[3]۔ الخ	اختلاف مسنون ہونے میں ہے اور مکروہ نہ ہونے پر تو اتفاق ہے۔اسی لیے ذخیرہ اور مجتبٰی میں تصریح ہے کہ اگر فاتحہ اور سورہ کے درمیان بسم اللہ پڑھا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اچھا ہے۔الخ (ت)

پھر امام صفار کا ارشاد سن چکے کہ مذہب امام میں تلقین مناسب ہے، یہ امام علام صرف دو واسطہ سے شاگرد صاحبین ہیں، امام نصیر بن یحیٰی سے اخذ علم کیا وھو عن ابن سماعہ عن ابی یوسف ح وعن ابی سلیمان الجوز جانی عن محمد (انھوں نے ابن سماعہ سے انھوں نے امام ابو یوسف سے اور امام نصیر نے ابو سلیمان جوزجانی سے اخذ کیا انھوں نے امام محمد سے۔ت) یہ بالیقین اعرف بمذہب امام ومعنی ظاہر الروایۃ پھر اس سے ہزار درجہ زائد اس جناب کا وہ ارشاد ہے کہ تلقین مذہب اہلسنت اور اس کا معنی مشرب معتزلہ ہے۔اور وہ واقعی مشائخ مذہب میں اس فرقہ ضالہ کا اختلاط اور نقول مذہب میں اس کے اقوال وتخاریج کا اندراج بعض جگہ سخت لغزشوں کا باعث ہوتا ہے۔یہاں تک کہ کبھی حقیقت کارماہروں پر ملتبس ہو جاتی ہے۔ وباللہ العصمۃ جیسے بشر مَریسی معتزلی کا قول والرحمن الاافعل کذا[4] (رحمٰن کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا۔ت) اگر سورۃ رحمٰن مراد لی یمین نہ ہوگی، صاحب ولوالجیہ وخلاصہ وغیرہما نے یوں نقل کردیا کہ گویا یہی مذہب ہے، حالانکہ وہ اس معتزلی کا قول ہے۔اور مذہب مہذب ائمہ کرام کے بالکل خلاف کما حققہ فی البحر الرائق (جیساکہ البحرالرائق میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) ردالمحتار میں کہا: ھذا التفصیل فی الرحمن قول بشر المریسی[5] (الرحمٰن میں یہ تفریق، بشر مریسی کا قول ہے۔ت) ایسا

---

[1] الدر المختار باب صفۃ الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۷۵/۱

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب صفۃ الصلٰوۃ دار المعرفۃ بیروت ۲۱۹/۱

[3] البحر الرائق فصل واذا اراد الدخول ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۱۲/۱

[4] ردالمحتار کتاب الایمان مصطفی البابی مصر ۵۵/۳

[5] ردالمحتار کتاب الایمان مصطفی البابی مصر ۵۵/۳

ہی اشتباہ علامہ زین بن نجیم مصری کو مسئلہ ذبیحہ میں واقع ہوا جس پر علامہ سید احمد حموی نے فرمایا:

مبناها على الاعتزال الصريح والعجب ان المصنف لم يتفطن له مع ظهوره من القنية [1]۔	اس کا مبنٰی اعتزال پر ہے اور عجب نہ ہوا کہ مصنف کو اس پر تنبیہ نہ ہوا باآنکہ صاحب قنیہ کا معتزلی ہونا کھلا ہوا ہے۔

بالجملہ روایت کا تو یہ حال ہے۔ رہی روایت، مقصد دوم میں دیکھ چکے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس حدیث میں وارد جسے امام ابن الصلاح وامام ضیاء وامام امیر الحاج وصاحب مجمع وغیرہم، نے بوجہ شواہد وعواضد حسن وقوی کہا، پھر سیدنا ابوامامہ باہلی صحابی اور راشد وضمرہ وحکیم وغیرہم تابعین کے اقوال اس میں مروی، پھر اور صحابہ سے اس کا خلاف ہرگز ثابت نہیں، بااینہمہ قول صحابی قبول نہ کرنا اصول حنفیّہ پر کیونکر مستقیم ہوا، تقلید عہ صحابی ہمارے امام کا مذہب معلوم ہے۔

میزان الشریعۃ الکبرٰی میں امام ابو مطیع بلخی سے منقول:

قلت للامام ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه ارأيت لو رأيت رأيا و رأى ابوبكر رأيا اكنت تدع رأيك لرأيه؟ فقال نعم فقلت له ارأيت لو رأيت رأيا و رأى عمر رأيا اكنت تدع رأيك لرأيه؟ فقال نعم وكذلك كنت ادع رائی لرأی عثمان و	میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: بھلا ارشاد فرمائے اگر آپ کی ایک رائے ہو اور صدیق اکبر کی رائے اس کے خلاف ہو کیا آپ اپنی رائے ان کی رائے کے آگے چھوڑدیں گے؟ فرمایا: ہاں، میں نے عمر فاروق کی نسبت پوچھا، فرمایا: ہاں، اور یونہی میں اپنی رائے عثمان غنی و

عہ: مولانا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب الخطبہ میں فرماتے ہیں:

قول الصحابی حجة فيجب تقليده عندنا اذا لم ينفه شيئ اٰخر من السنة [2] انتهى اقول وهذا لايختص بقول الصحابی فان كل دليل يترك لدليل اقوى من ۱۲منه (م)	صحابی کا قول حجت ہے تو اسکی تقلید ہمارے یہاں واجب ہے جبکہ کوئی حدیث اس کی نفی نہ کرتی ہو انتہی اقول یہ قول صحابی سے ہی خاص نہیں اس لیے کہ ہر دلیل اپنے سے قوی تر دلیل کے باعث متروک ہوگی، ۱۲منہ (ت)

---

[1] غمز عیون الابصار شرح الاشباہ والنظائر کتاب الصید والذبائح ادارۃ القرآن کراچی ۱۰۶/۲

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبہ تحت حدیث ۱۴۱۱ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵۰۵/۳

علی وسائر الصحابة ما عدا ابا ھریرة و انس بن مالك و سمرة بن جندب [1]۔	علی المرتضی باقی تمام صحابہ کی رائے کے آگے ترک کردوں گا سوا ابوہریرہ وانس بن مالک و سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اھ۔

بلکہ علامہ ابن امیر الحاج تو حلیہ میں فرماتے ہیں: جب کسی مسئلہ میں ایک صحابی کا قول مروی ہو اور دیگر صحابہ سے اس کا خلاف نہ آئے وہ مسئلہ اجماعی ٹھہرے گا۔

حیث قال الصحیح قولنا لما روی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال فی مسافر جنب یتأخر الی اخر الوقت ولم یر و عن غیرہ من الصحابة خلافه فیکون اجماعًا [2]۔	ان کی عبارت یہ ہے: صحیح ہمارا قول ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنابت والے مسافر کے بارے میں مروی ہے کہ وہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرے، اس کے خلاف کسی اور صحابی سے مروی نہیں تو یہ ان کا اجماع مسئلہ قرار پائے گا(ت)

بہر حال انکار اگر عدم ثبوت پر مبنی، تو ثبوت حاضر، اور نفی نفع پر مبنی، تو نفع ظاہر، ہاں یہ رہ گیا کہ فہم و سماع موتٰی کا انکار کیجئے یہ بیشک اصولِ معتزلہ ہی پر درست ہوگا، ولہذا بحر العلوم نے فرمایا اس بنا پر کہ مُردہ نہیں سنتا تلقین نہ ماننا مذہب باطل ہے کما سیأتی نقله ان شاء اللہ تعالٰی (آگے ان کی عبارت ان شاء اللہ تعالٰی نقل ہوگی۔ت) لاجرم عمائد حنفیّہ سے یہ علمائے دین وائمہ ناقدین جن میں امام صفار و حاکم شہید و شمس الائمہ و ظہیر کبیر و فقیہ النفس وغیرہم ائمہ مجتہدین ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین جواز واستحباب تلقین کے قائل ہوئے اور بالیقین وہ ہم سے زیادہ روایات ودرایاتِ مذہب پر آگاہ تھے، اور قطعًا اس کے خلاف پر اصلًا کوئی دلیل نہیں اور بیشک اس میں احیاء واموات مسلمین کا نفع ہے۔ ذکر خدا ہے، رغم اعدا ہے۔ پھر وجہ انکار کیا ہے۔ تنزل درجہ اتنا سہی کہ لایؤمر به و لاینھٰی عنه (جائز و مباح ہو، نہ حکم ہو نہ ممانعت۔ت) باقی عدمِ جواز یا ممانعت حاش اللہ محض بے حجت،

ومن ادعٰی فعلیه البیان ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی واللہ تعالٰی اعلم و	جو اس کا مدعی ہو بیان اس کا ذمہ۔ یہ وہ ہے جو میرے علم میں ہے اور حق کا علم میرے رب کے

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام ابا حنیفه الخ مصطفی البابی مصر ۱/۶۵
[2] حلیۃ المحلی شرح منیہ المصلی

علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یہاں ہے۔اور خدائے برتر خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم زیادہ کامل و محکم ہے۔اسد کا مجد جلیل ہے۔(ت)

فصل چہاردہم: اصل مسئلہ مسئولہ سائل میں، یعنی ارواح کرام کو ندااور ان سے توسل وطلب دُعا۔یہ فصل بھی فصلِ دوازدہم کاایک حصہ ہے کہ یہاں بھی کلام سلام کے سوا ہے مگر مثل فصل تلقین بوجہ مہتم بالشان ہونے کے فصل جداگانہ قرار پائی واللہ التوفیق۔

قول(۱۵۷تا۱۵۹): سیدی خواجہ حافظی فصل الخطاب پھر ۱۵۸ شیخ محقق جذب القلوب میں ناقل:

قیل لموسٰی الرضا (۱۵۹) رضی اللہ تعالٰی عنہ علمنی کلاما اذا زرت واحدا منکم فقال ادن من القبر وکبراللہ اربعین مرّۃ ثم قل السلام علیکم یا اھل بیت الرسالۃ انی مستشفع بکم ومقدمکم امام طلبی وارادتی ومسأتی وحاجتی واشھد اللہ انی مومن بسرکم وعلانیتکم وانی ابرأ الی اللہ من عدم محمد واٰل محمد من الجن ولانس [1] (ملخصاً)	یعنی امام ابن الامام الٰی ستۃ آباء کرام علی موسٰی رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم جمیعا سے عرض کی گئی مجھے ایک کلام تعلیم فرمائے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کروں؟ فرمایا: قبر سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہہ پھر عرض کر سلام آپ پر اے اہلبیت رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتاہوں اور آپ کو اپنی طلب وخواہش وسوال وحاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطن کریم وظاہر طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہےاور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں ان سب جن وانس سے جو محمد وآل محمد کے دشمن ہوں صلی اللہ تعالٰی علی محمد وآلِ محمد وبارک وسلم آمین!

قول(۱۶۰تا۱۶۱): سیدی جمال مکی قدس سرہ کے فتاوٰی میں ہے:

سئلت عمن یقول فی حال الشدائد یارسول اللہ اویا علی اویاشیخ عبدالقادر مثلاً ھل ھو جائز شرعًا ام لا فاجبت نعم الاستغاثۃ بالاولیاء ونداؤھم والتوسل بھم امرمشروع ومرغوب لاینکرہ الامکابر	مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو سختیوں کے وقت کہتا ہے یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر مثلاً آیا یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ میں پکارنا اور ان کے ساتھ توسل کرنا امر مشروع وشئے

[1] جذب القلوب باب دوازدہم درذکر مقبرہ شریفہ بقیع مکتبہ نعمیہ چوک دالگراں لاہور ص ۱۳۸

اومعاند وقد حرم برکة الاولیاء الکرام، و سئل شیخ الاسلام الشهاب الرملی الانصاری الشافعی عما یقع من العامة من قولهم عند الشدائد یا شیخ فلاں ونحو ذلك من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین فاجاب بما نصه الاستغاثه بالانبیاء والمرسلین والاولیاء الصالحین جائزة بعد موتهم [1] الخ اھ ملخصا	مرغوب ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم دشمن انصاف، اور بیشک وہ برکت اولیائے کرام سے محروم ہے۔ شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری شافعی سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں کے وقت مثلاً یا شیخ فلاں کہہ کر پکارتے ہیں اور انبیاء واولیاء سے فریاد کرتے ہیں اس کا شرح میں کیا حکم ہے؟ امام ممدوح نے فتوٰی دیا کہ انبیاء ومرسلین واولیاء علماء صالحین سے ان کے وصال شریف کے بعد بھی استعانت واستمداد جائز ہے۔

قول (۱۶۲): علامہ خیر الدین رملی حنفی استاذ صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں فرماتے ہیں:

قولهم یا شیخ عبدالقادر نداء فی الموجب لحرمته [2] اھ ملخصا۔	لوگوں کا کہنا یا شیخ عبدالقادر یہ ایک نداء ہے پھر اس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

قول (۱۶۳): سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر علماء واولیائے دیار مغرب سے ہیں اپنے قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

انا لمریدی جامع لشتاته اذا ماسطا جور الزمان بنکبته وان کنت فی ضیق و کرب و وحشة فناد بیازروق اٰت بسرعته [3] ۔	میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے اور اگر تو تنگی وتکلیف ووحشت میں ہو تو یوں نداء کر: یازروق، میں فوراً آموجود ہوں گا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی صاحب اس شیر الٰہی کا حال اپنی کتاب بستان المحدثین میں یوں لکھتے ہیں:

شیخ اوسیدی زیتون رحمہ اللہ تعالٰی علیہ در حق اُو	ان کے شیخ سیدی زیتون رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے ان کے

---

[1] فتاوٰی جمال بن عمر مکی

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الکراھیۃ والاستحسان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۲

[3] بستان المحدثین بحوالہ زروق حاشیہ بخاری زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

بشارت دادہ کہ اُواز ابدال سبعہ است و باوصف علو حال باطن تصانیف او در علوم ظاہرہ نیز نافع شدہ و مفید و کثیرہ افتادہ[1]۔	حق میں بشارت دی کہ وہ ساتوں ابدال میں سے ایک ہیں، علم باطن میں بلند رتبہ کے ساتھ ظاہری علوم میں بھی ان کی کثیر تصانیف موجود ہیں جو نافع و مفید ہیں۔ (ت)

پھر شمار تصانیف کے بعد لکھا:

بالجملہ مُردے جلیل القدر یست کہ مرتبہ کمال او فوق الذکر است و او از آخر محققان صوفیہ است کہ بین الحقیقۃ والشریعت جامع بودہ اند و بشاگردی او اجلہ علماء مفتخر و مباہی بودہ اند مثل شہاب الدین قسطلانی کہ سابق حال او مذکور شدہ و شمس الدین لقانی[2] الخ۔	مختصر یہ کہ وہ ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کا رتبہ کمال بیان سے بالاتر ہے، وہ ان آخر صوفیہ محققین سے ہیں جو حقیقت و شریعت کے جامع ہوئے، ان کی شاگردی پر اجلہ علماء فخر و مباہات کرتے ہیں جیسے علامہ شہاب الدین قسطلانی جن کا حال پہلے ذکر ہوا اور شمس الدین لقانی الخ۔ (ت)

پھر کہا:

واو را قصیدہ ایست برطور قصیدہ جیلانیہ کہ بعضے ابیات او این ست[3]	قصیدہ غوثیہ کے طرز پر ان کا ایک قصیدہ بھی ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں۔ (ت)

اور وہی دوبیت مذکور نقل کیے۔

قول (۱۶۴ تا ۱۶۵): امام ابن الحاج امام ابن النعمان کی سفینۃ النجاء سے ناقل:

الدعاء عند القبور الصالحین والتشفع بھم معمول بہ عند علمائنا المحققین من ائمۃ الدین[4]۔	قبور صالحین کے پاس دعا اور ان سے شفاعت چاہنا ہمارے علمائے محققین ائمہ دین کا معمول ہے۔

قول (۱۶۶ تا ۱۷۰): لباب[۱۶۶] و شرح لباب[۱۶۷] و اختیار[۱۶۸] و فتاوٰی ہندیہ[۱۶۹] میں ہے: **واللفظ للاولین فانہ اتم** (الفاظ پہلی دونوں کتابوں کے ہیں کیونکہ وہ زیادہ کامل ہیں۔ ت) بعد زیارت فاروقی بقدر ایک بالشت کے

---

[1] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ حاشیہ بخاری سید زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۰

[2] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ حاشیہ بخاری سید زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۱

[3] بستان المحدثین مع اردو ترجمہ حاشیہ بخاری سید زروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۱

[4] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۴۹

سرہانے کی طرف پلٹے اور وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان کھڑا ہو کر بعد سلام اعادہ سلام وذکر مآثار السلام عرض کرے:

جزاکم اللہ عن ذٰلك مرافقته فی جنته وایانا معکما برحمة انه ارحم الراحمین وجزاکم اللہ عن الاسلام واھله خیر الجزاء ، جئنا یا صاحبی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم زائرین لنبینا وصدیقنا وفاروقنا ونحن نتوسل بکما الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیشفع لنا الٰی ربنا[1]۔	اللہ تعالٰی آپ دونوں صاحبوں کو ان خوبیوں کے عوض اپنی جنت میں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رفاقت عطا فرمائے اور آپ کے ساتھ ہمیں بھی، بیشک وہ ہر مہر والے سے زیادہ مہر والا ہے۔ اللہ آپ دونوں کو اسلام واہل اسلام کی طرف سے بہتر بدلہ کرامت فرمائے، اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں یارو! ہم اپنے نبی اور اپنے صدیق اور اپنے فاروق کی زیارت کو حاضر ہوئے اور ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف آپ دونوں سے توسل کرتے ہیں تاکہ حضور ہمارے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں۔

اسی طرح مدخل میں ہے:

یتوسل بھما الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویقدمھما بین یدیه شفیعین فی حوائجه[2]۔	یعنی حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توسل کرے اور انھیں اپنی حاجتوں میں شفیع بنا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے کرے۔

قول (۱۷۱): اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

لیت شعری چہ می خواہند ایشاں باستمداد وامداد کہ این فرقہ منکر آنند آنچہ ما می فہمیم ازاں این ست کہ داعی دعا کنند خدا وتوسل کند بروحانیت این بندہ مقرب راکہ اے بندہ خدا وولی وے شفاعت کن مراد بخواہ از خدا کہ بدہد مسئول ومطلوب مرا	نہ معلوم وہ استمداد وامداد سے کیا چاہتے ہیں کہ یہ فرقہ اس کا منکر ہے۔ ہم جہاں تک سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والا خدا سے دعا کرتا ہے اور اس بندہ مقرب کی روحانیت کو وسیلہ بناتا ہے یا اس بندہ مقرب سے عرض کرتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور

[1] المسلک المتقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰

[2] المدخل فصل فی احکام علٰی زیارت سید الاولین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۸

اگر ایں معنی موجب شرک باشد چنانکہ منکر زعم کند باید کہ منع کردہ شود توسل وطلب دعا از دوستانِ خدا در حالت حیات نیز واین مستحب است باتفاق وشائع است در دین وآنچہ مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں، خارج از حصر است ومذکور ست در کتب ورسائل ایشاں ومشہور ست میاں ایشاں حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم وشاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اور اکلماتِ ایشاں عافانا اللہ من ذٰلک کلام دریں مقام بحد اطناب کشید بر غم منکراں کہ درقرب ایں زماں فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر استمداد واستعانت را از اولیائے خدا ومتوجہاں بجناب ایشاں رامشرک بخدا عبدۃ اصنام می دانند ومی گویند آنچہ می گویند [1] اھ ملتقطا۔	اس کے دوست! میری شفاعت کیجئے اور خدا سے دعا کیجئے کہ میرا مطلوب مجھے عطا فرمادے ____ اگر یہ معنی شرک کا باعث ہو جیسا کہ منکر کا خیال باطل ہے تو چاہئے کہ اولیاء اللہ کو ان کی حیات دنیا میں بھی وسیلہ بنانا اور ان سے دعا کرانا ممنوع ہو حالانکہ یہ بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین معروف و مشہور ہے۔ ارواح کاملین سے استمداد اور استغفار کے بارے میں مشائخ اہل کشف سے جو روایات و واقعات وارد ہیں وہ حصر و شمار سے باہر ہیں اور ان حضرات کے رسائل وکتب میں مذکور اور ان کے درمیان مشہور ہیں، ہمیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں اور شائد ہٹ دھرم منکر کے لیے ان کے کلمات سود مند بھی نہ ہو ____ خدا ہمیں عافیت میں رکھے ___ اس مقام میں کلام طویل ہوا اور منکرین کی تردید وتذلیل کے پیش نظر جو ایک فرقہ کے روپ میں آج کل نکل آئے ہیں اور اولیاء اللہ سے استمداد واستعانت کا انکار کرتے ہیں اور ان حضرات کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک و بت پرست سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جو کہتے ہیں اھ (ت)

اور شرح عربی میں اس مضمون اخیر کو یوں ادا فرمایا:

انما اطلنا الکلام فی ھذا المقام رغما الانف لمنکرین فانہ قد حدث فی زماننا شرذمۃ ینکرون الاستمداد من الاولیاء ویقولون مایقولون ومالھم علی ذلک من علم ان ھم الایخرصون [2]۔	ہم نے اسد مقام میں کلام طویل کیا منکروں کی ناک خاک پر رگڑنے کو کہ ہمارے زمانے میں معدودے چند ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ حضرات اولیاء سے مدد مانگنے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو کہتے ہیں اور انھیں اس پر کچھ علم نہیں یونہی اپنے سے اٹکلیں لڑاتے ہیں۔

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء فصل امکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۱

[2] لمعات التنقیح باب حکم الاسراء فصل امکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۱

اسی طرح جذب القلوب شریف میں معنی توسل واستمداد بروجہ مذکور بیان کرکے فرمایا:

وورود نص قطعی دروے حاجت نیست بلکہ عدم نص بر منع آں کافی ست[1]۔	اس بارے میں نص قطعی کی ضرورت نہیں بلکہ اس کی ممانت پر نص نہ ہونا ہی کافی ہے۔(ت)

قول (۱۷۲): شیخ الاسلام جنھیں مائۃ مسائل میں علمائے محدثین سے شمار کیااوران کی کتاب کشف الغطاء پر جابجااعتماد واعتبار کیا اسی کشف الغطاء میں فرماتے ہیں:

انکار استمداد درا وجہے صحیح نمی نماید مگر انکہ از اول امر منکر شوند تعلق روح وبدن را بالکلیہ وآں خلاف منصوص است وبرین تقدیر زیارت در فتن بقبور ہمہ لغو وبے معنی گردد واین امرے دیگر است کہ تمام اخبار وآثار دال برخلاف آنست ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود راازجناب عزت الٰہی بتوسل روحانیت بندہ مقرب یاندا کند آں بندہ راکہ اے بندہ خدا وولی وے شفاعت کن مراد بخواہ از خدائے تعالٰی مطلوب مرا ودروے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ [2]اھ بالالتقاط۔	استمداد سے انکار کی کوئی صحیح وجہ نظر نہیں آتی، مگر یہ کہ سرے سے روح وبدن کے تعلق کاہی بالکل انکار کردیں اور ــــ یہ نص کے خلاف ہےــــ اس تقدیر پر تو قبروں کے پاس جانا اور زیارت کرنا سب لغو اور بے معنٰی ہوجاتا ہے، اور یہ ایک دوسری بات ہے جس کے خلاف تمام آثار واحادیث دلیل ہیں، اور استمداد کی صورت کیا ہے؟ یہی کہ حاجت مند اپنی حاجت خدائے عزوجل سے بندہ مقرب کی روحانیت کو وسیلہ کرکے طلب کرتا ہے۔ یااس بندے کو ندا کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ اے خدا کے بندے اور اس کے دوست! میری شفاعت کیجئے اور میرے مطلوب کے لیے خدا سے دعا کیجئے، اس میں تو شرک کا کوئی شائبہ بھی نہیں جیسا کہ منکر کا وہم وخیال ہے اھ ملتقطًا(ت)

قول (۱۷۳): سیدی محمد عبدری مدخل میں دربارہ زیارت قبور انبیاء سابقین علیہم الصلٰوۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

یأتی الیھم الزوائر ویتعین علیه قصد ھم من الاماکن البعیدۃ، فاذا جاء الیھم	زائر ان کے آگے حاضر ہو اور اس پر متعین ہے کہ دور دراز مقاموں سے ان کی زیارت کا قصد کرے

[1] جذب القلوب باب پانزدھم دربیان حکم زیارت قبر مکرم الخ منشی نولکشور لکھنوص ۲۲۴
[2] کشف الغطاء فصل دہم زیارت قبور مکتبۃ احمد دہلی ص ۸۱۔۸۰

فلیتصف بالذکر والانکسار والمسکنة والفقر والفاقة والحاجة والاضطر و الخضوع، و یستغیث بھم ویطلب حوائجه منھم ویجزم الحاجة ببرکتھم ، فانھم باب الله المفتوح و جرت سنة سبحانه وتعالیٰ فی قضاء الحوائج علی ایدیھم وبسببھم [1] (ملخصًا)	پھر جب حاضری سے مشرف یاب ہو تو لازم ہے کہ ذلت و انکسار ومحتاجی وفقر وفاقہ وحاجت وبے چارگی وفروتنی کو شعار بنائے اور ان کی سرکار میں فریاد کرے اور ان سے اپنی حاجتیں مانگے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے اجابت ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے در کشادہ ہیں اور سنت الٰہی جاری ہے کہ ان کے ہاتھ پر ان کے سبب سے حاجت روائی ہوتی ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

فصل پانزدہم: بقیہ تصریحات سماع اموات میں۔

قول (۱۷۴تا ۱۷۸): امام خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شفاء السقام کے باب تاسع فی حیاۃ الانبیاء میں ایک فصل "ماور فی حیاۃ الانبیاء "دوسری فصل حیات شہداء میں وضع کرکے فصل ثالث تمام اموات کے سماع وکلام وادراک وحیات میں وضع کی اور اس میں احادیث صحیحہ بخاری ومسلم وغیرہما سے علم وسماع موتٰی ثابت کرکے فرمایا:

وعلی الجملة ھذہ الامور ممکنة فی قدرۃ اللہ تعالیٰ وقد وردت بھا الأخبار والصحیحة فیجیب التصدیق بھا [2]۔	بالجملہ یہ سب امور قدرت الٰہی میں ممکن ہیں اور بے شک ان کے ثبوت میں یہ حدیثیں وارد ہوئیں تو ان کی تصدیق واجب ہے۔

فصل اول میں انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی حیات تحقیق کرکے آخر میں فرمایا:

اما الادراکات کالعلم والسماع فلا شك ان ذلك ثابت لسائر الموتٰی فکیف بالانبیاء [3]۔	رہے ادراکات جیسے علم وسماع، یہ تو یقینا تمام اموات کے لیے ثابت ہیں پھر انبیاء تو انبیاء ہیں علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

امام جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں اس جناب کا یہ قول نقل کرکے تقریر فرمائی، امام زین الدین مراغی جنھیں شرح مواہب میں المحدث العالم النحریر کہا جناب کی یہ تحقیق انیق نقل

---

[1] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربیۃ بیروت ۱/۲۵۲

[2] شفاء السقام الفصل الثالث فی سائر الموتٰی نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۳

[3] شفاء السقام الفصل الاول نوریہ رضویہ فیصل آباد الباب التاسع ص ۱۹۲۔۱۹۱

کرکے فرماتے ہیں:

انه مما یعز وجوده فی مثله فلیننا فس المتنا فسون[1]۔	یہ نایاب تحقیق ہے اور چاہئے کہ ایسی ہی چیزیں نہایت رغبت کریں رغبت کرنے والے۔

امام احمد قسطلانی نے مواہب شریف میں امام سبکی کا وہ ارشاد مبین اور امام زین الدین کی جلیل تحسین استناداً نقل کی، پھر علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب میں اس کی تقریر وتائید میں حدیثیں نقل کیں عہ۔

قول (۱۷۹): امام ممدوح نے باب مذکور کی فصل خامس میں فرمایا:

کان المقصود بهذا کله تحقیق السماع و نحوه من الاعراض بعد الموت، فانه قد یقال ان هذه الاعراض مشروطة بالحیاة، فکیف تحصل بعد الموت وهذا خیال ضعیف لان لا ندعی ان الموصوف بالموت موصوف بالسماع وانما ندعی ان السماع بعد الموت حاصل لحی، وهو اما الروح وحدها حالة کون الجسد میّتا او متصلة بالبدن حالة عود الحیاة الیه[2]۔	اس سبب سے مقصود موت کے بعد سماع وغیرہ صفات کی تحقیق تھی کہ بعض لوگ کہنے لگتے ہیں ان اوصاف کے لیے زندگی شرط ہے تو بعد موت کیونکر حاصل ہوں گے، حالانکہ یہ پوچ خیال ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جو چیز مُردہ ہے وہ سنتی ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ بعد مرگ سماع اس کے لیے ثابت ہے جو زندہ ہے یعنی روح، یا تو تنہا وہی جب بدن مُردہ ہو یا جسم سے متصل ہو کر جب حیات بدن کی طرف عود کرے۔

قول (۱۸۰): علامہ قونوی سے جذب القلوب میں ہے کہ انھوں نے بہت احادیث ذکر کرکے فرمایا:

جمیع ایں احادیث دلالت دارد برآنکہ اموات را ادراک وسماع حاصل ست وشک نیست کہ سمع از اعراضی است کہ مشروط است بحیات پس ہمہ حی اند، ولیکن حیاتِ ایشاں در مرتبہ کمتر از حیات	ان تمام احادیث میں اس بات پر دلیل موجود ہیں کہ مردوں کو ادراک وسماع حاصل ہے اور بلاشبہ سماعت ایسا وصف ہے جس کے لیے زندگی شرط ہے تو سب زندہ ہیں، لیکن ان کی زندگی حیاتِ

عہ: یونہی شیخ محقق نے مدارج میں یہ قول علماء سے نقل فرمایا ۱۲منہ (م)

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ زین الدین المراغی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۹۶

[2] شفاء السقام الباب التاسع الفصل الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۰۹

شھداست وحیاتِ انبیاء صلوات اللہ تعالٰی علیھم کامل تر از حیات شھداست[1]۔	شہداء سے کم درجہ کی ہے اور حیات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام حیاتِ شہداء سے زیادہ کامل ہے۔(ت)

قول (۱۸۱و۱۸۲): امام قرطبی پھر امام سیوطی قبر کے پاس قرآن مجید پڑھنے کے مسئلہ میں فرماتے ہیں:

وقد قیل ان ثواب القرائۃ للقاری وللمیّت ثواب الاستماع ولذلك تلحقه الرحمۃ. قال اللہ تعالٰی واذاقرئ القراٰن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون ولایبعد من کرم اللہ تعالٰی ان یلحقه ثواب القرأۃ والاستماع[2] معًا۔	بہ تحقیق کہا گیا کہ پڑھنے کا ثواب قاری کو ہے اور میّت کے لیے اس کا اجر ہے کہ اس نے کان لگا کر قرآن سنا اور اس لیے اس پر رحمت ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے جب قرآن پڑھا جائے تو کان لگا کر سنو اور چُپ رہو شاید تم پر مہر ہو اور کچھ یہ بھی خدا کے کرم سے دور نہیں کہ مُردے کو قرآن واستماع دونوں کا ثواب پہنچائے۔

اقول: ثواب قرات پہنچنے پر جزم نہ کرنے کا باعث یہ کہ وہ شافعی المذہب ہیں اور سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عبادات بدنیہ کا ثواب نہیں پہنچتا مگر جمہور اہلسنت قائل اطلاق وعموم ہیں، اور یہی مذہب ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے یہاں تک کہ خود محققین شافعیہ نے اس کی ترجیح و تصحیح کی منھم السیوطی فی انیس الغریب (ان میں سے ایک امام سیوطی نے انیس الغریب میں اسکی وضاحت کی ہے) تو ہمارے نزدیک شک نہیں کہ میّت کو تلاوت کا بھی ثواب پہنچتا ہے۔

قول (۱۸۳): مرقاۃ میں انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے علم وسماع کا ذکر کرکے فرماتے ہیں:

سائر الاموات ایضا یسمعون السلام والکلام[3]	سب مُردے سلام وکلام سنتے ہیں، پھر فرمایا: یہ سب مسائل احادیث صحیحہ وآثار صریحہ سے ثابت ہیں۔

قول (۱۸۴): علامہ حلبی سیرۃ انسان العیون میں امام ابوالفضل خاتم الحقائق سے ناقل:

سماع موتٰی کلام الخلق حق قد جائت به عندنا الاثار فی الکتب[4]۔	اموات کا کلام مخلوق کو سننا حق ہے بیشک اس باب میں ہمارے پاس کتابوں میں حدیثیں آئیں۔

قول (۱۸۵): ملک العلماء بحر العلوم مولٰنا عبدالعلی لکھنوی مرحوم ارکان اربعہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] جذب القلوب باب چہار دہم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۷-۲۰۶

[2] شرح الصدور باب فی قرأۃ القرآن للمیّت الخ خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۳۰

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الجمعہ فصل ۲ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲۳۸/۳

[4] انسان العیون باب بدءِ الاذان مصطفی البابی مصر ۴۳۵/۲

وما قیل ان التلقین لغو لان المیّت لایسمع فھذا باطل [1]۔	اس بناء پر کہ بعض نے کہا مُردہ نہیں سنتا تلقین سے انکار مذہب باطل ہے۔

قول (۱۸۶): زہر الربی شرح سنن نسائی میں بعد تحقیق وتفصیل نقل فرمایا:

فثبت بھذا انه لامنافات بین کون الروح فی علیین او الجنة اوالسماء وان لھا بالبدن اتصالًا بحیث تدرك وتسمع وتصلی وتقرء وانما یستغرب ھذا لکون الشاھد الدینوی لیس فیه مایشاھد به ھذا و امور البرزخ والاٰخرۃ علی نمط غیرالمالوف فی الدنیا [2]۔	تو ثابت ہوا کہ کچھ منافات نہیں اس میں کہ روح علیین یا جنت یا آسمانوں میں ہوتی ہو اور اس کے ساتھ بدن سے ایسا اتصال رکھے کہ سمجھے، سنے، نماز پڑھے، قرآن مجید کی تلاوت کرے، اس سے تعجب یوں ہوتا ہے کہ دنیا میں کوئی بات اس کے مشابہ نہیں پاتے، حالانکہ برزخ وآخرت کے کام اس روش پر نہیں جو دنیا میں دیکھی بھالی ہے۔

قول (۱۸۷تا۱۸۹): علامہ عبدالروف تیسیر میں قائل اور مولانہ علی قاری مرقاۃ میں قاضی سے ناقل:

واللفظ للمناوی، النفوس القدسیة اذا تجردت عن العلائق البدنیة اتصلت بالملاء الاعلی ولم یبق لھا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاھد [3]۔	(اور الفاظ مناوی کے ہیں۔ ت) پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہوتی ہیں ملاء اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لیے کوئی پردہ نہیں رہتا سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے سامنے حاضر ہے۔

قول (۱۹۰): مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث: لایسمع مدی صوت المؤذن جن ولاانس ولاشی الاشھدا له یوم القیٰمة، محدث علامہ ابن ملک سے منقول تنکیر ھما فی سیاق النفی لتعمیم الاحیاء والاموات [4] یعنی حدیث شریف کا یہ مطلب ہے کہ زندہ جن اور زندہ آدمی اور مُردہ جن اور مُردہ آدمی جتنے لوگوں کو مؤذن کی آواز پہنچتی ہے اور وہ اس کی اذان سنتے ہیں سب روز قیامت اس کے لیے گواہی دیں گے۔ یہاں تصریح ہوئی کہ بعد موت علم وسماع کا باقی رہنا کچھ بنی آدم سے خاص نہیں جن کے لیے بھی حاصل ہے

[1] رسائل الارکان فصل حکم الجنازۃ مکتب اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۰

[2] زہر الربی حاشیہ علی سنن النسائی کتاب الجنائز نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۹۳/۱

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث حیث ما کنتم فصلوا علی مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیہ ۵۰۲/۱

[4] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب فصل الاذان فصل امکتبہ امدادیہ ملتان ۱۶۰/۲

اور واقعی ایسا ہی ہونا چاہئے لانعدام المخصص (کیونکہ کوئی دلیل تخصیص نہیں۔ت)

قول (۱۹۱ تا ۱۹۸): امام اسمٰعیل پھر امام بیہقی پھر امام سہیلی پھر امام قسطلانی پھر امام علامہ شامی پھر علامہ زرقانی نے سماع موتٰی کا اثبات کیا اور دلیل انکار سے جواب دئے کما یظھر بالمراجعة الی الارشاد والمواھب وشرحھا وغیر ذلك من اسفار لعلماء (جیساکہ ارشاد الساری شرح بخاری و مواہب لدینہ شرح مواہب لدینہ اور ان کے علاوہ کتب علماء کے مطالعہ سے معلوم ہوگا۔ت) مواہب میں امام ابن جابر سے بھی اثبات سماع نقل کیا، امام کرمانی، امام عسقلانی، امام عینی، امام قسطلانی نے شروح صحیح بخاری اور امام سخاوی، امام سیوطی، علامہ حلبی، علی قاری، شیخ محقق وغیرہم نے اس کی تخصیص فرمائی، ازانجا کہ یہ اقوال ان مباحث سے متعلق جنھیں اس رسالہ میں دور آئندہ پر محمول رکھا ہے لہٰذا ان کی نقل عبارات ملتوی رہی وﷲ الموفق۔ **قول (۱۹۹)**: جذب القلوب شریف میں ہے:

تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم وسماع مر سائر اموات را۔[1]	تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ علم اور سماعت جیسے ادراکات تمام مردوں کے لے ثابت ہیں (ت)

قول (۲۰۰): جامع البرکات میں ہے:

سمہودی می گوید کہ تمام اہل سنت وجماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراک مثل علم وسمع وبصر مر سائر اموات راز آحاد بشر انتہی[2]۔ والحمد ﷲ رب العٰلمین۔	امام سمہودی فرماتے ہیں کہ تمام اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ عام افراد بشر میں سے تمام مرُدوں کے لیے ادراک جیسے علم اور سننا دیکھنا ثابت ہے۔انتہی۔والحمد ﷲ رب العالمین (ت)

فقیر غفرﷲ تعالٰی نے جن سو ۱۰۰ ائمہ وعلماء کے اسماء طیبہ گنائے تھے بحمدﷲ ان کے اور ان کے علاوہ اوروں کے بھی اقوال عالیہ دو سو ۲۰۰ شمار کردئے اور ایفائے وعدہ سے سبک دوش ہوا۔

تنبیہ: ناظرین گمان نہ کرے کہ ہمارے تمام دلائل بس اسی قدر بلکہ جو نقل نہ کیا، وہ بیشتر واکثر، پھر فقیر غفرﷲ المولٰی القدیر نے اس رسالہ میں یہ التزام بھی رکھا کہ جو آثار واحادیث اقوال علمائے قدیم وحدیث خاص حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حی باقی روح مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیاتِ عالی وعلم عظیم وسمع جلیل وبصر کریم میں وارد انھیں ذکر نہ کرے تین وجہ سے:

---

[1] جذب القلوب باب چہاردہم در فضائل زیارت سید المرسلین منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۱-۲۰۲

[2] جامع البرکات

اولاً مسلمانوں پر نیک گمان کر خاص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کوئی کلمہ گو مثل سائر اموات نہ جانے گا، ارباب طائفہ کہ ارواح موتٰی کو جماد سمجھتے ہیں شاید یہاں اس کلمہ مغضوبہ مبغوضہ سے انھیں بھی احتراز ہو، اور معاذاللہ جسے نہ ہو تو استغفر اللہ ایسا شقی لئیم قابل کلام وخطاب نہیں بلکہ اس کا جواب اللہ کا عذاب، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

ثانیاً واللہ فقیر کو حیا آتی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک ایسی بحث "لا" "**ونعم**" میں بطور خود شامل کرے، ہاں دوسرے کی طرف سے ابتداء ہو تو اظہار حق میں مجبوری ہے۔

ثالثاً وہاں دلائل کی وہ کثرت کہ نطاق نطق بیان سے عاجز پھر انھیں اقوال پر قناعت بس کہ جس سرکار کے غلام ایسے "**العظمۃ للہ**" اس کا پوچھنا ہی کیا، آخر انھیں یہ مدارج ومعارج کس نے عطا کئے، اسی سرکار ابد قرار نے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ وابنہ الاکرم سیدی ومولائی الغوث الاعظم، **والحمد للہ رب العٰلمین۔**

نوع دوم: اقوال اکبر وعمائد خاندان عزیزی میں، یہاں اقوال مختلط مذکور ہوں گے ناظر ان کے مطالب کو فصول نوع اول پر تقسیم کرلے، سردست سو (۱۰۰) مقال ان کے بھی حاضر کرتا ہوں **وباللہ التوفیق۔**

وصل اول____مقال (۱): شاہ ولی اللہ فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

اذا انتقلوا الی البرزخ کانت تلك الاوضاع والعادات والعلوم معھم لاتفارقھم[1]۔	جب برزخ کی طرف انتقال کرتے ہیں یہ وضعیں اور عادتیں اور علم سب ان کے ساتھ ہوتے ہیں جدا نہیں ہوتے۔

مقال (۲): اسی میں ہے:

اذا مات ھذا البارع لایفقد ھو ولا براعتہ بل کل ذلك بحالہ[2]۔	جب یہ بندہ کامل انتقال فرماتا ہے نہ وہ گمتا ہے نہ اس کا کمال، بلکہ بدستور اسی حال پر رہتے ہیں۔

مقال (۳): اسی میں ہے:

کل من مات من الکمل یخیل الی العامۃ انہ فقد من العالم ولا واللہ مافقد بل	جس کامل کا انتقال ہوتا ہے عوام کے خیال میں گزرتا ہے کہ وہ عالم سے گم گیا، حالانکہ خدا کی قسم وُہ

[1] فیوض الحرمین معہ ترجمہ اردو مشہد عظیم الخ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی ص ۴۲

[2] فیوض الحرمین معہ ترجمہ اردو تحقیق شریف محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی ص ۱۱۳

تجوھر وقوی [1]۔	گُما نہیں بلکہ اور جوہر دار قوی ہوگیا۔

مقال (۴): شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

چوں آدمی میر د روح راصلا تغیر نمی شود چنانچہ حاطل قوی بود حالا ہم ست شعور و ادراک کے کہ داشت حالاہم دارد بلکہ صاف تر وروشن تر [2]اھ ملخصًا۔	جب آدمی مرتا ہے روح میں بالکل کوئی تغیر نہیں ہوتا جس طرح پہلے حامل قوی تھی اب بھی ہے اور جو شعور وادراک اسے پہلے تھا اب بھی ہے بلکہ اب زیادہ صاف اور روشن ہے۔اھ ملخصًا (ت)

مقال (۵): تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

چون روح از بدن جدا شد قوائے بناتی از وجدا می شوند نہ قوائے نفسانی وحیوانی واگر وجود قوائے نفسانی وحیوانی فیضانًا یا بقًا مشروط باشد بوجود قوائے نباتی ومزاج الزم آید کہ ملائکہ را شعور و ادراک وحسے وحرکتے وغضب ودفع منافر نباشد پس حال ارواح درعالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے وبدنے کارمی کنند ومصدر رافعال حیوانی ونفسانی می گردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند [3]۔	جب روح بدن سے جدا ہوتی ہے قوائے نباتی اس سے جدا ہوجاتے ہیں مگر قوائے نفسانی وحیوانی باقی رہتے ہیں اور اگر قوائے نفسانی وحیوانی کے فیضان یا بقا کے لیے قوائے نباتی اور مزاج کا وجود شرط ہو تو لازم ہے آئے گا کہ ملائکہ میں شعور وادراک، حس وحرکت غضب ودفع ناموافق کچھ بھی نہ ہو، تو عالمِ برزخ میں روحوں کا حال ایسا ہی ہے جیسے ملائکہ کا حال ہے کہ کسی شکل اور بدن کی وساطت سے کام کرتے ہیں اور شکل اور نفس نباتی کے بغیر ان سے حیوانی ونفسانی افعال وصادر ہوتے ہیں۔ (ت)

مقال (٦): قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن سے مولوی اسحاق نے مائۃ مسائل واربعین میں استناد کیا اور جناب مرزا صاحب ان کے پیر ومرشد وممدوح عظیم شاہ ولی اللہ صاحب نے مکتوب ۷ میں انھیں فضیلت ولایت مآب، مروج شریف ومنور طریقت ونور مجسم وعزیز ترین وموجودات ومصدر انوار فیوض وبرکات لکھا اور منقول کہ شاہ عبدالعزیز صاحب انھیں بیہقی وقت کہتے، رسالۃ تذکیرۃ الموتٰی میں لکھتے ہیں:

اولیاء گفتہ اند ارواحنا اجسادنا یعنی ارواح ایشاں	اولیاء فرماتے ہیں، ہماری روح ہمارا جسم ہے۔

[1] فیوض الحرمین تحقیق شریف الخ محمد سعید تاجران کتب کراچی ص ۱۱۱

[2] تفسیر عزیزی آیت ولا تقولوا لمن یقتل الخ افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی ۱/ ۵۵۹

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب ہشتم در معاد الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۳۹۔۴۰

کا اجساد می کند وگاہی اجساد از غایت لطافت برنگ ارواح می بر آید، می گوید کہ رسول خدارا سایہ نبود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارواح ایشاں از زمین وآسمان و بہشت ہر جاکہ خواہدن می روند و بہ سبب ہمیں حیات اجساد آنہار اور قبر خاک نمی خورد بلکہ کفن ہم میماند، ابن ابی الدنیا از ملک روایت نمود، ارواح مومنین ہر جاکہ خواہند سیر کنند مراد از مومنین کاملین اند حق تعالٰی اجساد ایشاں راقوت ارواح مے دہد در قبور نماز مے خوانند و ذکر می کنند وقرآن مے خوانند [1] اھ ملخصًا۔	یعنی ان کی روحیں جسموں کاکام کرتی ہیں اور کبھی اجسام انتہائی لطافت کی وجہ سے روحوں کے رنگ میں جلوہ نما ہوتے ہیں___ اولیاء بتاتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاسایہ نہ تھا___ ان کی روحیں زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں___ اور اسی وجہ سے قبر میں ان کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی، بلکہ کفن بھی سلامت رہتا ہے، ابن ابی الدنیا امام مالک سے راوی ہے کہ "مومنوں کی روحیں جہاں چاہتی ہے سیر کرتی ہیں۔" مومنین سے مراد کاملین ہیں، حق تعالٰی انکے اجسام کو روحوں کی قوت عطافرماتا ہے، وہ قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں، ذکر کرتے ہیں، قرآن پڑھتے ہیں۔ (ختم بتلخیص)۔ (ت)

مقال (۷): تفسیر عزیزی میں ارواح انبیاء واولیاء عام وصلحا علی سیدہم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کاذکر کرکے کہ بعض علیّین اور بعض آسمان اور بعض درمیان آسمان وزمین اور بعض چاہ زمزم میں، لکھتے ہیں:

تعلقے بقبر نیز ایں ارواح رامے باشد کہ بحضور زیارت کنند گان واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس مے گردند وزیراں کہ روح راقرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود ومثال آں در وجود انسان روح بصری ست کہ ستارہائے ہفت آسمان رادر دنِ چاہ مے تواند دید۔ [2]	ان روحوں کو قبر سے بھی ایک تعلق رہتا ہے جس کے سبب زائرین اور عزیزوں، دوستوں کی آمد کاانھیں علم ہوتا ہے اور ان سے انہیں اُنس حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ مکان کی دوری ونزدیکی روح کے لیے اس ادراک سے مانع نہیں ہوتی، انسان کے وجود میں اس کی مثال روح بصر ہے جو ہفت آسمان کے ستارے کُنویں کے اندر سے دیکھ سکتی ہے۔ (ت)

یہ پچھلا جملہ زیادہ قابل لحاظ ہے۔

---

[1] تذکرۃ الموتٰی والقبور اردو ترجمہ مصباح النور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۵۔ ۷۶

[2] تفسیر عزیزی پارہ عم تحت ان کتاب الابرار لفی علیین مسلم بک ڈپو لال کنوان دہلی ص ۱۹۳

مقال (۸): مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں ہے: "پانچویں قسم مہربانی اور اُنس کے لیے ہوتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی گزرے اوپر قبر مومن بھائی اپنے کے اور سلام کرے تو پہچانتا ہے وہ اس کو اور جواب سلام کا دیتا ہے[1]۔" **وعزاہ للامام النووی** (اس پر امام نووی کا حوالہ دیا ہے۔ت) **مقال (۹)**: مولوی اسحاق صاحب نے اربعین میں عورتوں ک لیے زیارت قبر مطلقاً ممنوع ٹھہرانے کو نصاب الاحتساب سے نقل کیا کہ "جب وہ نکلنے کا ارادہ کرتی ہے ملعونہ ہوتی ہے جب نکلتی ہے چار طرف سے شیاطین اسے گھیر لیتے ہیں **واذا اتت القبر یلعنھا روح المیّت**[2] اور جب قبر پر آتی ہے میّت کی روح اسے لعنت کرتی ہے۔" اپنا ادعائے اطلاق ثابت کرنے کو نقل تو گئے مگر نہ دیکھا کہ اس نے حمایت موتی کا خاتما کردیا۔ کلام مذکور صاف دلیل واضح ہے کہ میّت حضور زائر پر مطلع ہوتا ہے اور یہ بھی پہچانتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت، اور اس کے لیے بے جا فعل سے پریشان بھی ہوتا ہے یہاں تک کہ زن زائرہ پر لعنت کرتا ہے۔ **مقال (۱۰)**: مرزا مظہر جانجاناں اپنے ملفوظات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہتے ہیں:

یک بار قصیدہ درمدح ایشاں گفتہ بودم، عنایت بیسیار بحال فقیر نمودہ، ازروئے تواضع فرموند مالائق اینمہ ستائش نیستم[3]۔	ایک بار ان کی مدح میں ایک قصیدہ عرض کیا تھا۔ اس فقیر کے حال پر بہت عنایت فرمائی اور تواضعًا فرمایا کہ ہم اس ساری ستائش کے لائق نہیں۔ (ت)

مقال (۱۱): اسی میں حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی نسبت کہا:

یک بار قصدہ بجناب ایشاں عرض نمودم[4] الخ۔	ایک بار ان کی بارگاہ میں ایک قصیدہ عرض کیا۔ الخ (ت)

مقال (۱۲): شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

اذا مات الانسان کان للنسمۃ نشأۃ اخری فینشی فیض الروح الالٰھی فیھا قوۃ فیما بقی من الحس المشترك تکفی کفایۃ السمع والبصر والکلام[5]۔	جب آدمی مرتا ہے روح حیوانی کے لیے ایک اور اٹھان ہوتی ہے تو روح الٰہی کا فیض اس کے بقیہ حس مشترک میں ایک وقت ایجاد کرتا ہے جو سننے اور دیکھنے اور کلام کرنے کا کام دیتی ہے۔

---

[1] مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح باب زیارۃ القبور فصل املک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱/۱۷۔ ۷۱۶

[2] مسائل اربعین معہ اردو ترجمہ مسئلہ ۳۹ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

[3] ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں از کلمات طیبات مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[4] ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں از کلمات طیبات مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[5] حجۃ اللہ البالغہ باب حقیقۃ الروح المکتبہ اسلفیہ لاہور ص ۱۹

مقال (۱۳): مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ موضح القرآن میں زیر کریمہ وماانت بسمع من فی القبور فرماتے ہیں "حدیث میں آیا ہے کہ مردوں سے سلام علیک کرو وہ سنتے ہیں۔ اور بہت جگہ مردوں کو خطاب کیا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ مردے کی روح سنتی ہے اور قبر میں پڑا ہے دھڑ وہ نہیں سن سکتا ہے [1]۔"

وصل دوم: بقائے تصرفات و کرامات اولیاء بعد الوصال میں۔ **مقال (۱۴)**: شاہ ولی اللہ ہمعات میں لکھتے ہیں:

در اولیائے امت واصحاب طریق اقوی کسیکہ بعدہ تمام راہِ جذب باکد وجوہ باصل ایں نسبت میل کردہ ودر آنجا بوجہ اتم قدم است حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی اند ولہذا گفتہ اند کہ ایشاں در قبور خود مثل احیاء تصرف مے کنند۔[2]	اولیائے امت واصحاب طریقت میں سب سے زیادہ قوی شخصیت ___ جس کے بعد تمام راہ عشق مؤکد ترین طور پر اسی نسبت کی اصل کی طرف مائل اور کامل ترین طور پر اسی مقام پر قائم ہوچکی ہے، حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں، اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ یہ اپنی قبروں میں رہ کر زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔ (ت)

مقال (۱۵): حجۃ اللہ البالغہ میں اہل برزخ کو چار قسم کرکے لکھا:

اذا مات انقطعت العلاقات فلحق بالملئکۃ وصار منھم۔ والھم کالھامھم وسعی فیما یسعون فیہ و ربما اشتغل ھٰؤلاء باعلام کلمۃ اللہ ونصر حزب اللہ و ربما کان لھم لمۃ خیربابن آدم[3]۔ ملخصًا۔	جب مرتے ہیں علائق بدنی منقطع ہوکہ ملائکہ سے ملتے اور انھیں میں سے ہوجاتے ہیں جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک بات کا القاء کرتے ہیں یہ بھی کرتے ہیں اور جن کاموں میں ملائکہ سعی کرتے ہیں یہ بھی کرتے ہیں اور کبھی یہ پاک روحیں خدا کا بول بالا کرنے اور اس کے لشکر کو مدد دینے یعنی جہاد و قتل کفار وامداد مسلمین میں مشغول ہوتی ہیں اور کبھی بنی آدم سے نزدیک وقریب ہوتی ہیں کہ ان پر افاضہ خیر فرمائیں۔

مقال (۱۶): تفسیر عزیزی میں ہے:

بعض خواص اولیاء راکہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گرد انند دریں حالت (یعنی بحالت عالم برزخ)	بعض خواص اولیاء جنھیں اپنے دوسرے بنی نوع کی تکمیل وارشاد کا ذریعہ بنایا ہے ان کو اس حالت میں

[1] موضح القرآن وامانت بمسمع من فی القبور کے تحت ممتاز کمپنی کشمیری بازار لاہور ص ۴۸۰

[2] ہمعات ہمعہ ۱۱ الکادیمی شاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۶۱

[3] حجۃ اللہ البالغۃ باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد[1]۔	تصرف در دنیا (یعنی عالم برزخ کی حالت میں) دنیا کے اندر تصرف بخشا ہے اور مشاہدہ الٰہی میں ان کا استغراق اس جانب توجہ سے مانع نہیں ہوتا اس لیے کہ ان کے مدارک بہت زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔ (ت)

یہی وہ عبارت ہے جس کے سبب مولوی منکر صاحب نے بھی بعض اموات کے لیے زیارت وادراک گوارا کی تھی۔

مقال (۱۷): مرزا مظہر صاحب اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

بعض ارواح کاملاں رابعد ترك تعلق اجساد آنہا دریں نشاۃ تصرفے باقی است[2] الخ	جسموں سے ترک تعلق کے بعد بھی بعض ارواح کاملین کا تصرف اس دنیا میں باقی ہے الخ (ت)

مقال (۱۸): میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں حضرت جناب مولٰی مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت خدا جانے کس دل سے یوں ایمان لاتے ہیں:

درسلطنت سلاطین وامارات امراء ہمتِ ایشاں را دخلے ہست کہ بر سیاحان، عالم ملکوت مخفی نیست[3]۔	سلاطین کی سلطنت اور حکام کی حکومت میں حضرت علی (کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) کی ہمت کو ایسا دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیاحت کرنیوالوں پر مخفی نہیں۔ (ت)

مقال (۱۹): اسی میں شوکت وعظمت جناب مرتضوی لکھ کر کہا:

شان جناب شیخین بس بلند بہ نسبت ابہت وجلال مذکورست تمثیلش بظاہر مرتبہ امیر کبیر ست کہ فارغ از امور سیاست گردیدہ ملازم بادشاہ گشتہ بہ نسبت کیسکہ قائم برخدمات ومشغول بکارپردازی است اگرچہ شوکت ظاہریہ وکثرت اتباع درحق ایں مصاحب بہ نسبت آں میر اعظم قائم بخدمات، اقل قیل است لیکن درعزت ووجاہت فوق است چہ فی الحقیقۃ	مذکور شوکت وجلال کی نسبت حضرات شیخین کی شان بلند ہے، عالم ظاہر میں اس کی مثال اس امیر کبیر کا مرتبہ ہے جو امیر سیاست سے فارغ ہو کہ بادشاہ کی خدمت میں رہتا ہے، بہ نسبت دوسرے امیر کے جو امور مملکت سے وابستہ اور کارپردازی میں مشغول ہے اگرچہ ظاہری شوکت اور تابعداروں کی کثرت، امور مملکت سے وابستہ اس امیر اعظم کی

[1] تفسیر عزیزی تحت والقمر اذا اتسق سلیم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں مع کلمات طیبات مکتوب ۱۴ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

[3] صراط مستقیم ہدایہ ثانیہ درذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۸

آں امیر باہمگی شوکت وحشمت واتباع خوہ گویا از اتباع آں مصاحب ست زیراکہ مشورت وتدبیرش درہمہ اتباع بادشاہی جاری وساری است[1] اھ ملخصا	بہ نسبت اس مصاحب کے حق میں کم سے کم تر ہے لیکن عزت ووجاہت میں یہ اس سے بالاتر ہے۔ اس لیے کہ وہ امیر اپنی تمام تر شوکت وحشمت اور تابعداروں کے باوجود گویا اس مصاحب کا ایک تابعدار ہے اس لیے کہ اس کا مشورہ اور اس کی تدبیر بادشاہ کے تمام تابعداروں میں جاری وساری ہے۔ (ختم بتلخیص)۔ (ت)

مقال (۲۰): مظاہر الحق میں ہے: تیسری قسم زیارت کی برکت حاصل کرنے کے لیے، وہ زیارت اچھے لوگوں کی قبروں کی ہے اس لیے کہ ان کے لیے برزخ میں تصرفات وبرکات بے شمار ہیں[2] **وعزاہ للامام النووی** (اسے امام نووی کے حوالے سے لکھا ہے۔ ت) وصل سوم: بعد وصال اولیاء کے فیض وامداد میں۔

مقال (۲۱تا۳۱): شاہ ولی اللہ ومولوی خرم علی نے کہا: منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحب قبر سے ہو[3]۔ عزیزی میں فرمایا:

ارباب حاجات حل مشکلات خود از انہامی یابند[4]۔	اہل حاجات اپنی مشکلوں کا حل ان سے پاتے ہیں (ت)

دونوں شاہ صاحبوں پھر مولوی خرم علی نے کہا: اویسیت کی نسبت وقوی وصحیح ہے روحی فیض ہے اور وہ روحانیت سے تربیت ہے[5] ملخصًا۔ عزیزی میں لکھا ہے: از اولیائے مدفونین انتفاع جاری است[6]۔ (دفن شدہ اولیاء سے نفع یابی جاری ہے۔ ت) [۲۹] مرزا مظہر صاحب مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت مظہر: قصیدہ عرض نمودم نواز شہافرمودند[7] (میں نے

---

[1] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۹۔ ۵۸

[2] مظاہر حق باب زیارت القبور دین محمد اینڈ سنز لاہور ۱/ ۷۱۶

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل کشف قبور واستفاضہ بداں ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۲

[4] تفسیر عزیزی پارہ عم تحت والقمر اذا اتسق مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[5] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سلسلہ طریقت مصنف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

[6] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[7] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرات ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

ایک قصیدہ عرض کیا بڑی نوازشیں فرمائیں۔ ت) شاہ ولی اللہ و مولوی خرم علی نے کہا: شاہ عبدالرحیم ادب آموز ہوئے اپنے نانا کی روح سے[1]، کہ یہ سب اقوال مقصد اول کو نوع اول میں گزرے۔

مقال (۳۲): مرزا صاحب موصوف نے اپنے ملفوظات میں فرمایا:

از فرط محبت کہ فقیر را بجناب امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثابت است و سر منشا نسبت علیہ نقشبندیہ ایشان اند بمقتضائے بشریت غشاوہ بر نسبت باطنی عارض مے شود خود بخود رجوع بآنجناب پیدا گشتہ بالتفات ایشاں رفع کدورت مے شود[2]۔	اس فرط محبت کے سبب جو فقیر کے لیے امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں ثابت رکھا۔ اور بلند نسبت نقشبندیہ کا سرمنشا وہی ہیں، یہ تقاضائے بشری نسبت باطنی پر ایک پردہ سا عارض ہو جاتا ہے خود بخود اس بارگاہ کی طرف رجوع پیدا ہوتا ہے اور ان کی وجہ سے کدورت دور ہو جاتی ہے۔ (ت)

مقال (۳۳ تا ۳۶): [۳۳] اسی میں ہے:

التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ عُلیہ ایشاں بسیار معلوم شدہ باہیچ کس ازایں طریقہ ملاقات نشد کہ توجہ مبارک آنحضرت بحالش مبذول نیست[3]۔	اپنے عالیہ کے متوسلین پر حضرت غوث الثقلین کا التفات زیادہ معلوم ہوا اس طریقہ والوں میں سے ایک شخص بھی ایسا نہ ملا جس کے حال پر حضرت کی توجہ مبارک مبذول نہ ہو۔ (ت)

[۳۴] پھر کہا:

عنایت حضرت خواجہ نقشبندیہ بحال معتقدان خود مصروف است مغلان در صحرا یا وقت خواب اسباب واسپان خود بحمایت حضرت خواجہ مے سپارند و تائیدات از غیب ہمراہ ایشاں می شود دریں باب حکایات بسیار است تحریر آں باطالت می رساند[4]۔	اپنے معتقدین کے حال پر حضرت خواجہ نقشبندیہ کی عنایت کار فرما ہے۔ مغل لوگ صحراؤں میں سونے کے وقت اپنے سامان اور گھوڑوں کو حضرت کی حفاظت کے سپرد کرتے ہیں اور غیبی تائیدات ان کے ہمراہ ہوتی ہیں اس باب میں واقعات بہت ہیں جنھیں لکھنے میں طول ہوگا۔ (ت)

---

[1] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سلسلہ طریقت حضرت مصنف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۹

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[3] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[4] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

۳۵ پھر کہا:

سلطان المشائخ نظا الدین اولیاء اللہ علیہ بحال زائران مزار خود عنایت بسیار می فرمایند۔[1]	سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مزار کی زیارت کرنے والوں کے حال پر بڑی عنایت فرماتے ہیں۔ (ت)

۳۶ پھر کہا:

ہمچنیں شیخ جلال پانی پتی التفات ہامے نمایند[2]۔	اس طرح شیخ جلال پانی پتی بھی بہت التفات فرماتے ہیں۔ (ت)

مقال (۳۷): قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کی مدح مقال ۶ میں گزری تذکرۃ الموتٰی میں لکھتے ہیں:

اولیاء اللہ دوستان ومعتقدان را در دنیا وآخرت مددگاری می فرمایند ودشمناں راہلاک می نمایند واز ارواح بطریق اویسیت فیض باطنی می رسد[3]۔	اولیاء اللہ اپنے دوستوں اور عقیدت مندوں کی دنیا وآخرت میں مدد فرماتے ہیں اور دوشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں ___ اور روحوں سے اویسیت کے طریقے پر باطنی فیض پہنچاتے ہے۔ (ت)

مقال (۳۸ تا ۴۵): یہی قاضی صاحب سیف المسلول میں مرتبہ قطبیت ارشاد کو یوں بیان کرکے کہ:

فیوض وبرکات کارخانہ ولایت کہ از جناب الٰہی براولیاء اللہ نازل مے شود اول بریک شخص نازل مے شود وازاں شخص قسمت شہد بہریک ازاولیائے عصر موافق مرتبہ وبحسب استعداد می رسد وبہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمی رسد وکسے از مردانِ خدا بے وسیلہ اور درجہ ولایت نمی یابد اقطاب جزئی واوتاد وابدال ونجباء ونقباء وجمیع اقسام ازاولیائے خدابوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی راامام و	کارخانہ ولایت کے فیوض وبرکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہو کر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ جزئی اقطاب اوتادہ ابدال، نجبا، نقبااور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے

[1] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مع کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[2] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مع کلمات طیبات ملفوظات حضرت ایشاں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[3] تذکرۃ الموتٰی والقبور اردو ترجمہ مصباح القبور باب روحوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے بیان میں نوری کتب خانہ لاہور ص ۷۶

قطب الارشاد بالاصالۃ نیز خوانند واین منصب عالی از وقت ظہور آدم علیہ السلام.بروح پاک علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ مقرر بود[1]۔	محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں__ اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا۔(ت)

پھر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم کو بترتیب اس منصب عظیم کا عطا ہونا لکھ کر کہتے ہیں:

بعد وفات ۳۸عسکری علیہ السلام تاوقت ظہور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلی ایں منصب.بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بود[2]۔	حضرت عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی کے زمانہ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی روح سے متعلق رہے گا۔(ت)

۳۹پھر کہا:

چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد ایں منصب مبارک بوے متعلق شدوتا ظہور محمد مہدی این منصب.بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد[3]۔	جب حضرت غوث الثقلین پیدا ہوئے یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہوا اور امام محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا۔(ت)

۴۰پھر کہا:

چوں امام محمد مہدی ظاہر شود ایں منصب عالی تاانقراض زمان بوے مفوض باشد[4]۔	جب امام مہدی ظاہر ہوں گے یہ منصب بلند اختتام زمانہ تک ان کے سپرد رہے گا۔(ت)

اخیر میں کہا:

استنباط ایں مدعا از کتاب اللہ واز حدیث می توانیم کرد۔[5] اھ ملخصاً۔	ہم اس مدعا کا استنباط کتاب اللہ اور حدیث پاک سے کرسکتے ہیں اھ ملخصاً (ت)

اصل ان سب اقوال ثلٰثہ کی جناب ۴۱شیخ مجدد الف ثانی سے ہے، جیساکہ جلد سوم ۴۲مکتوب نمبر ۴۳صفحہ ۱۲۳ میں مفصلاً مذکور، ۴۴ان کے کلام میں اس قدر امر اور زائد ہے کہ:

بعد از ایشان (یعنی حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی) بہریکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب	حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے لیے ترتیب وتفصیل کے ساتھ

[1] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹
[2] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹
[3] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹
[4] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹
[5] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷ تا ۵۲۹

والتفصیل قرار گوفت ودراعصارایں بزرگواران و ہمچنیں بعدازارتحال ایشاں ہر کس رافیض وہدایت می رسد بتوسط این بزرگواران بودہ ملاذ ملجائے ہمہ ایشاں بودہی اند تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ، ط [1] الخ اھ ملخصًا	قرار پذیر ہوا۔ ان بزرگوں کے زمانے میں اسی طرح ان کی رحلت کے بعد جسے بھی فیض وہدایت پہنچتی انہی بزرگوں کے توسط سے تھی اور سب کا ملجا یہی حضرات تھے یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، تک نوبت پہنچی الخ(ت)

اور انھوں نے جلد ثانی میں خود اپنے لیے بھی اس منصب کا حصول مانا اور اس اعتراض سے کہ پھر اس دورے میں منصب مذکور کا حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اختصاص کب رہا۔ جلد ثالث میں یوں جواب دیا کہ:

مجدد الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است وبنیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنانکہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس فلا محذور [2]۔	مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کا قائم مقام ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیساکہ کہا گیا ہے۔ ماہتاب کا نور آفتاب کے نور سے مستفاد ہے۔ تواگر کوئی اعتراض نہ رہا۔ (ت)

مقال (۴۶ تا ۵۸): شاہ ولی اللہ انتباہ میں اور ان کے بارہ اساتذہ ومشائخ کہ عرب وہند وغیرہما بلاد کے علماء واولیاء میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو وقت مصیبت مددگار مانتے ہیں اور ع

تجدہ عونا لك فی النوائب

(انھیں مصائب میں اپنامددگارہ پاؤگے۔ت)

کو حق جانتے، وسیاتی نقلہ فی الوصل الاتی ان شاء اللہ تعالٰی (وصل آئندہ میں یہ کلام نقل ہوگا اگر خدانے چاہا۔ت)

مقال (۵۹): شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں لکھا:

از جملہ نسبت ہائے معتبرہ نزدیک قوم نسبت اویسیہ است خواہ ایں مناسبت بہ نسبت ارواح انبیاء باشد یا اولیائے امت یا ملائکہ وبساست کہ	اہل طریقت کے نزدیک معتبر نسبتوں میں سے ایک نسبت اویسی بھی ہے خواہ یہ مناسب ارواح انبیاء کی نسبت سے ہو یا اولیائے امت یاملائکہ کی نسبت

[1] سیف المسلول مترجم اردو فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۶۹

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب دوصدوبست وسوم مطبع نولکشور لکھنؤ ۲۴۸/۳۔ ۲۴۷

مناسبت بروحی حاصل شود بجہت آنکہ فضائل وے استماع کردہ محبتی خاص بہم رسانید وآں محبت سبب کشادہ شدن راہے گرد میان روح واین کس یا بجہت آنکہ روح مرشد روے یا جد وے باشد دروے ہمت ارشاد منتسبیان خو متمکن شدہ[1] الخ انتہی ملتقطا۔	سے ہو اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ کسی روح سے مناسب پیدا ہو گئی اس لیے کہ اس کے فضائل سن کر ایک خاص محبت بہم پہنچائی ___ وہ محبت اس روح اور اس شخص کے درمیان ایک راہ کھلنے کا سبب ہو جاتی ہے ___ یا اس وجہ سے کہ وہ اس کے مرشد یا مرشد کے مرشد کی روح ہے اس کے اندر اپنے منتسبین کی رہنمائی کی ہمت خود قرار پذیر ہے۔ الخ (ختم التقاط کے ساتھ)۔ (ت)

مقال (۶۰): اسی میں ہے:

از ثمرات ایں نسبت (یعنی اویسیہ) رویت آں جماعت است درمنام وفائدہ از ایشاں یافتن ودر مہالک ومضائق صورت آں جماعت پذیر آمدن وحل المشکلات وے بآں صورت منسوب شدن[2]۔	اس نسبت اویسی کے ثمرات سے ہے خواب میں اس جماعت کا دیدار ہونا، ان سے نفع پانا، ہلاکت ومصیبت کی جگہوں میں اس جماعت کی صورت کا نمودار ہونا اور مشکلات کا حل اس صورت سے منسوب ہونا (ت)

مقال (۶۱): اسی میں ہے:

امروز اگر کسے رامناسبت بروح خاص پیدا شود واز نجا فیض برادر وغالبًا بیرون نیست از آنکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، یا بہ نسبت حضرت غوث اعظم جیلانی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ وآنکہ مناسبت بہ سائر ارواح دارند باعث خصوص آں اسباب طاریہ شدہ اند مثل آنکہ وے حجت آں بزرگ بسیار دارد، وبر قبروے بسیار می رود، واین معنی سلسلہ جنبان از جہت۔	آج اگر کسی کو کسی خاص روح سے مناسبت پیدا ہو اور وہاں سے فیض یاب ہو غالبًا اس سے باہر نہ ہوگا یہ معنی حضرت رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت سے ہو یا حضرت امیر المومنین علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی نسبت سے یا حضرت غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت سے ہو اور جو لوگ تمام ارواح سے مناسبت رکھتے ہیں ان کی خصوصیت کا باعث عارضی اسباب ہوتے ہیں مثلًا یہ کہ وہ اس بزرگ سے زیادہ محبت رکھتا ہے اور اس

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد باکستان ص ۵۷-۵۶

[2] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد باکستان ص ۵۹

قابل گشتہ است، وآں بزرگ راہمتِ قویہ بودہ است درتربیت منتسبا خود واں ہمت ہنوز در روح وے باقی است وایں معنی سلسلہ جنبان از جہت فاعل است۔[1]	کی قبر پر زیادہ جاتا ہے۔ یہ معنی قابل کی جانب سے محرک بنا ___ اور اپنے منتسبین کی تربیت میں اس بزرگ کی ہمت قوی تھی اور وہ ہمت روح میں اب بھی باقی ہے ___ یہ معنی فاعل کی جانب سے محرک ہو (ت)

مقال (۶۲): حجۃ اللہ البالغہ میں ہے:

قدا ستفاض من الشرع ان اللہ تعالٰی عباداھم افاضل الملئکۃ وانھم یکونون سفراء بین اللہ وبین عبادۃ انھم یلھمون فی قلوب بنی اٰدم خیرا، وان لھم اجتماعات کیف شاء اللہ وحیث شاء اللہ یعبر عنھم باعتبار ذلك بالملاء الاعلٰی وان ارواح افاضل الاٰدمین دخول فیھم ولحوقا بھم کما قال اللہ تعالٰی یایتھا النفس المطئنۃ ارجعی الی ربك راضیہ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی فی جنتی، والملاء الاعلی ثلثۃ اقسام، قسم ھم نفوس انسانیہ مازالت تعمل اعمالا منجیہ تفید اللحوق بھم حتی طرحت عنھا جلابیب ابدانھا فانسلکت فی سلکھم وعدت منھم[2] اھ ملخصًا۔	یعنی بے شک شرع سے بدرجہ شہرت ثبوت کو پہنچا کہ مقرب فرشتے خدا اور اس کے بندوں میں واسطہ ہوتے اور آدمیوں کے دلوں میں نیک بات کاالقاء کرتے ہیں اور ان کے لیے اجتماع ہیں جس طرح خدا چاہے اور جہاں چاہے، اسی لحاظ سے انھیں ملاء اعلٰی کہتے ہیں اور یہ بھی اسی طرح شرع سے بشہرت ثابت کہ بزرگان دین کی روحیں بھی ان میں داخل ہوتی اور ان سے ملتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اے اطمینان والی جان! چل اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش، پس داخل ہو میرے بندوں میں اور آ میری جنت میں۔" اور ملاء اعلٰی کی ایک اور قسم وہ ارواح انسانی ہیں کہ ہمیشہ رستگاری کے کام کرتے رہے جن کے باعث ان ملائکہ سے ملے یہاں تک کہ جب بدن کی نقابیں پھینکیں ملاء اعلٰی میں داخل ہوئے اور انھیں سے شمار کیے گئے۔

مقال (۶۳): عزیزی میں فرمایا:

---

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ الکادیمۃ الشاہ ولی اللہ حیدرآباد پاکستان ص ۶۳۔ ۶۲

[2] حجۃ اللہ البالغہ باب ذکر الملاء الاعلٰی المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱/ ۱۶۔ ۱۵

در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجامی باشند علاقہ روح یا بابدن زراہِ نظر عنایت بحال می ماند و توجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بہ سہولت مے شود۔[1]	دفن کرنے میں بدن کے تمام اجزاء ایک جگہ جمع ہوجاتے ہیں اور نظر عنایت سے روح کا تعلق بدن سے ہوجاتا ہے اور زائرین اور انس اور استفادہ کرنے والوں کی طرف توجہ آسان ہوجاتی ہے۔(ت)

مقال (۶۴): میاں اسمٰعیل صراط مستقیم میں لکھ گئے:

حضرت مرتضوی راک نور تفضیل بر حضرات شیخین ہم ثابت وآں تفضیل بجہت کثرت اتباع ایشاں و وساطت مقامات ولایت بل سائر خدمات است مثل قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا از عہد کرامت مہد حضرت مرتضٰی تا انقراض دینا ہمہ بواسطہ ایشاں است۔[2]	حضرت مرتضٰی کو یک گونہ فضیلت حضرات شیخین پر بھی ثابت ہے اور وہ فضیلت متبعین کی کثرت اور مقامات ولایت بلکہ تمام خدمات __ جیسے قطبیت، غوثیت، ابدالیت وغیرہا __ میں وساطت کے لحاظ سے ہے۔ سب حضرت مرتضٰی کے عہد کریم سے اختتام دینا تک ان ہی کے واسطے سے ہے۔(ت)

مقال (۶۵): اسی میں ہے:

حق جل وعلا بذاتِ پاک خود یا بواسطہ ملائکہ عظام یا ارواح مقدسہ بسبب برکت توسل قرآن محافظت طالب خواہد نمود۔[3]	حق جل وعلا بذاتِ خود یا ملائکہ عظام یا ارواح مقدسہ کے واسطہ سے، قرآن سے توسل کی برکت کے سبب طالب کی حفاظت فرمائے گا۔(ت)

مقال (۶۶): مولوی اسحاق کی مائۃ مسائل میں ہے:

سوال: شخصیکہ منکر باشد فیض روح مبارک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رادر عالم برزخ وشخصے کہ منکر باشد از فیض ارواح مقدسہ انبیاء دیگر علیہم الصلٰوۃ والسلام وشخصے کہ منکران باشد از فیض ارواح اولیاء اللہ در عالم برزخ حکمِ او چیست؟	جو شخص عالم برزخ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح مبارک کے فیض کا اور جو دیگر انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی ارواح مقدسہ کے فیض کا اور عالم برزخ میں جو اولیاء اللہ کی ارواح کے فیض کا منکر ہو اس کا حکم کیا ہے؟

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[2] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر بدعاتیکہ الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۸

[3] صراط مستقیم باب چہارم در بیان طریق سلوک راہ نبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۸

جواب: ہر فیض شرع کو ثبوت باخبار متواترہ باشد منکر آں کافر است و ہر فیضیکہ ثبوت باخبار مشہور ہی باشد منکراں ضال است ہر فیضے کہ . ثبوت اں بخبر واحد باشد منکراں بہ سبب ترک قبول گنہ گار خواہد شد بشرطیکہ ثبوت آں صحیح یا بطریق حسن خواہد شد [1] اھ ملحصًا	جس فیض شرع کا ثبوت احادیث میں متواترہ سے ہو اس کا منکر کافر ہے اور جس فیض کا ثبوت احادیث مشہورہ سے ہو اس کا منکر گمراہ ہے اور جس فیض کا ثبوت خبر واحد سے ہو اس کا منکر ترک قبول کی وجہ سے گنہ گار ہوگا بشرطیکہ اس کا ثبوت بطریق صحیح یا بطریق حسن ہو۔ (ت)

ہر چند یہ جواب سراپا عیاری پر مبنی ہے مگر سب نے دیکھا کہ سوال فیض برزخ سے تھا، واجب کہ جواب اسے بھی شامل ہو اوس قدر امر نفی جنون کے لے ضروری یا ان کی دیانت وللّٰہیت سے انکار اور اخفائے حق تلبیس بالباطل کا اقرار کیا جائے۔

مقال (۶۷): جناب شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

بعد از رحلت ارشاد پناہی قبلہ گاہی (یعنی خواجہ باقی اللہ علیہ رحمۃ اللہ) بتقریب زیارت مزار شریف بہ بلدہ محروسہ دہلی اتفاق عبود افتاد روز عید بزیارت مزار شریف ایشاں رفتہ بود دراثنائے توجہ بہ مزار متبرک التفاتے تمام از روحانیت مقدسہ ایشاں ظاہر گشت واز کمال غریب نوازی نسبت خاصہ خود راکہ بحضرت خواجہ احرار منسوب بود مرحمت فرمودند [2]۔	حضرت ارشاد پناہی قبلہ گاہی (خواجہ باقی اللہ علیہ رحمۃ اللہ) کی رحلت کے بعد مزار شریف کی زیارت کی تقریب سے شہر دہلی میں گزرنے کا اتفاق ہوا، عید کے دن حضرت کے مزار پاک کی زیارت کے لے گیا، مزار پاک کی جانب توجہ کے دوران حضرت کی مقدس روحانیت سے کام التفات رونما ہوا، اور کمال غریب نوازی سے اپنی خاص نسبت جو حضرت خواجہ احرار کی جانب تھی مجھے مرحمت فرمائی۔ (ت)

تنبیہ: لفظ "بتقریب زیارت مزار شریف الخ" ملحوظ رہے اریونہی "غریب نواز" بھی کہ حضرت خواجہ اجمیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہے جس سے متعصبان طائفہ چڑتے ہیں۔

مقال (۶۸): شاہ ولی اللہ انفاس العارفین میں اپنے استاذ محدث ابراہیم کردی علیہ الرحمۃ کا حال لکھتے ہیں:

دوسال کم وبیش در بغداد ساکن بوہ برقہر سید عبدالقادر	کم وبیش دو سال تک آپ بغداد میں مقیم رہے اس دوران آپ

[1] مائۃ مسائل سوال ششم تاہشتم مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۱۷۔۱۶

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۹۷ منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۱۳

قدس سرہ، متوجہ مے شد وذوق ایں راازآنجاپیدا کرد۔[1]	اکثر سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزار مبارک کو مرکز توجہ بنایا کرتے تھے اور یہیں سے آپ کو راہ معرفت کا ذوق پیدا ہوا(ت)

مقال(۶۹): اسی میں حضرت میر ابوالعلی قدس سرہ، کے ذکر مبارک میں لکھا:

بمزار فیض الانوار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ، متوجہ بودند وازآنجناب دل ربائہا یافتند وفیضاں گرفتند۔[2]	حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کے مزار فائض الانوار کی طرف متوجہ ہوئے اس بارگاہ سے خاص لطف و کرم پایا اور فیوض حاصل کئے۔(ت)

مقال(۷۰و۷۱): اسی میں اپنے نانا[۷۱] ابوالرضا محمد سے نقل کیا:

می فرمودندیک بار حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ را دریقظہ ویدوم اسرار عظیم دراں محل تعلیم فرمودند[3]۔	فرماتئے تھے ایک بار حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بیداری میں دیکھا اس مقام میں عظیم اسرار تعلیم فرمائے۔(ت)

مقال(۷۲): اسی میں شیخ مذکور کے حالات میں لکھا:

عجوزہ راز مخلصان بعد وفات ایشاں تپ لرزہ گرفت بغایت نزارگشت شبے بنوشیدن آب وپوشیدن لحاف محتاج شد وطاقت آں نداشت وکسے حاضر نبود ایشاں متمثل شدند وآب دادند ولحاف پوشانیدند آں گاہ غائب شدند۔[4]	مخلصین میں سے ایک بڑھیا حضرت کی وفات کے بعد تپ لرزہ میں گرفتار ہوئی، انتہائی لاغر ہوگئی، ایک رات اسے پانی پینے اور لحاف اوڑھنے کی ضرورت تھی، اس کے اندر طاقت نہ تھی، اور دوسرا کوئی موجود نہیں تھا، حضرت متمثل ہوئے پانی دیا، لحاف اڑھایا، پھر اچانک غائب ہوگئے۔(ت)

مقال(۷۳تا۷۵): القول الجمیل میں ہے:

تادب شیخنا[۷۳] عبدالرحیم من روح الائمۃ الشیخ[۷۴] عبدالقادر الجیلانی والخواجہ بھاء الدین محمد	یعنی ہمارے مرشد شیخ عبدالرحیم نے ائمہ کرام حضور غوث اعظم وخواجہ نقشبند وخواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالٰی

[1] انفاس العارفین مترجم اردو شیخ ابراہیم کردی اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۳۸۶
[2] انفاس العارفین میر ابوالعلی شیخ ابراہیم کردی اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۶۹
[3] انفاس العارفین حصہ دوم شیخ ابوالرضا محمد اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۱۹۴
[4] انفاس العارفین امداد اولیاء اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۳۶۹

نقشبند والخواجه معین الدین بن الحسن الچشتی وانه رأهم واخذ منهم الاجازة وعرف لسبة کل واحد منهم علی حدتها مما فاض منهم علی قلبه وکان یحکی لنا حکایتها رضی الله تعالٰی عنه وعنهم اجمعین [1]۔	عنہم کی ارواح طیبہ سے آداب طریقت سیکھے اور ان سے اجازتیں لیں اور ہر ایک کی نسبت جو ان سرکاروں سے ان کے دل پر فائز ہوئی جدا جدا پہچانی اور ہم سے اس کی حکایت بیان کرتے تھے اللہ تعالٰی ان سب حضرات اور ان سے راضی ہوا۔

مولوی خرم[۷۵] علی صاحب نے اگرچہ ترجمہ میں لفظ رأهم کے ترجمہ میں لفظ "خواب میں دیکھا"[2] اپنی طرف سے بڑھا دیا جس پر کلام شاہ ولی اللہ میں اصلاً دال نہیں، مگر ارواح عالیہ کا فیض بخشنا، اجازتیں دینا نسبتیں عطا فرمانا مجبورانہ مسلم رکھا۔

مقال (۷۶ و ۷۷): مرزا جانجاناں صاحب فرماتے ہیں:

از حضرت شیخ[۷۶] عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ دو کس طریقہ گرفتہ یکے طریقہ قادری اخذ کرد ودیگرے طریقہ نقشبندیہ اختیار نمود ایشاں فرمودند کہ روح مبارک حضرت غوث اعظم تشریف آوردہ صورت مثالی مرید خاندانِ خود را ہمراہ روند حضرت خواجہ نقشبند تشریف فرماشدہ صورت مثالی متعقد خود را باخود بروند رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم [3]۔	حضرت شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دو آدمیوں نے طریقت حاصل کی، ایک نے طریقہ قادری لیا دوسرے نے طریقہ نقشبندیہ اختیار کیا، حضرت فرماتے ہیں کہ حضرت غوث اعظم کی روح مبارک تشریف لائی اور اپنے خاندان کے مرید کی صورت مثالی کو ساتھ لے گئی اور حضرت خواجہ نقشبند تشریف فرما ہو کر اپنے عقیدت مند کی صورت مثالی کو اپنے ساتھ لے گئے، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ (ت)

مقال (۷۸): اسمٰعیل نے صراط مستقیم میں اپنے پیر کا حال لکھا:

روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین وجناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازع درمابین روحیں مقدسین در حق حضرت ایشاں ماندہ	حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں اور قریب ایک ماہ تک دونوں مقدس روحوں کے درمیان حضرت کے حق میں تنازع رہا اس لیے دونوں

[1] القول الجمیل معہ شرح شفاء العلیل فصل ۱۱ سند سلسلہ قادریہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۲
[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل فصل ۱۱ سند سلسلہ قادریہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۲
[3] ملفوظات مرزا مظہر از کلمات طیبات مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

زیراکہ ہر دو واحد ازیں دو امام تقاضائے جذب حضرت ایشاں بتمامہ بسوئے خود مے فرمود تا ازینکہ بعد انقراض زمانہ تنازع و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں توجہ قوی و تاثیر زور آور مے فرمودند تا اینکہ درہمان یک پاس حصولِ نسبت ہر دو طریقہ نصیبہ حضرت ایشاں گردید[1]۔	اماموں میں سے ہر ایک حضرت کو پورے طور سے اپنی طرف کھینچنے کا تقاضا کر رہے تھے یہاں تک کہ زمانہ تنازع کے ختم ہونے اور شرکت پر مصالحت واقع ہوجانے کے بعد ایک دن دونوں مقدس روحیں حضرت پر جلوہ گر ہوئیں ایک پہر کے قریب دونوں امام حضرت کے نفس نفیس پر قوی توجہ اور پر زور تاثیر ڈالتے رہے یاں تک کہ اسی ایک پہر کے اندر دونوں طریقتوں کی نسبت حضرت کو نصیب ہوگئی۔ (ت)

مقال (۷۹): اسی میں ہے:

روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز تشریف فرما شدند بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند دریں اثناء بروح پر فتور ایشاں توجہی جس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتدائے حصول نسبت چشتیہ متحقق شد[2]۔	ایک دن حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کے مرقد انور کی طرف حضرت تشریف لے گئے ان کے مرقد مبارک پر مراقبہ میں بیٹھے اس دوران حضرت کی روح پر فتوح پر علامات تحقیق ہوئیں، اور آں حضور نے حضرت پر بہت قوی توجہ فرمائی جس کے سبب نسبت چشتیہ کے حصول کی ابتداء متحقق ہوئی۔ (ت)

وصل چہارم ___ اصل مسئلہ مسئولہ مسائل یعنی اولیائے کرام سے استمداد والتجا اور اپنے مطالب میں طلب دعا اور حاجت کے وقت ان کی ندامیں۔

مقال (۸۰ تا ۸۸): شاہ ولی اللہ نے ہمعات میں کہا:

بزیارت قبر ایشان رود و از آں جا انجذاب دریوزہ کند[3]۔	ان کی قبروں کی زیارت کو جائے اور وہاں بھیک مانگے۔ (ت)

[1] صراط مستقیم باب چہارم دربیان سلوک راہِ ثبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

[2] صراط مستقیم باب چہارم دربیان سلوک راہِ ثبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

[3] ہمعات ہمعہ ۸ اکادیمیہ شاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۳۴

^۸۱^ رباعی میں کہا: ع

فیض قدس از ہمت ایشاں میجو [1]

(ان کے ہمت سے فیض قدس کے خواستگار رہو۔ت)

^۸۲^ وہ پھر مولوی ^۸۳^ خرم علی کہتے ہیں: میّت سے قریب ہو پھر کہے یاروح [2]۔ ^۸۴^ عزیزی میں فرمایا:

اویسیان تحصیل مطلب کمالات باطنی ازآنہامی نمایند [3]۔	اویسی لوگ باطنی کمالات کا مقصد ان سے حاصل کرتے ہیں۔(ت)

اور فرمایا:

ارباب حاجات حل مشکلات خود ازآنہامے طلبند [4]۔	اہل حیات اپنی مشکلوں کا حل ان سے طلب کرتے ہیں (ت)

^۸۶^ اسی میں ہے: از اولیائے مدفونین استفادہ جاری است [5] مدفون اولیاء سے استفادہ جاری ہے۔ت) ^۸۷^ مرزا صاحب نے مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت کہا: درعارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود [6] (عارضہ جسمانی میں آں حضرت کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ت) کہ یہ سب اقوال مقصد اول میں گزرے۔ ^۸۸^ شاہ عبدالعزیز نے سید احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت کہا: مردے جلیل القدریست کہ مرتبہ کمال اوفوق الذکراست [7] (ایک جلیل القدر شخصیت ہیں جن کا رتبہ کمال ذکر سے بالاتر ہے۔ت) پھر ان سے نقل کیا: "مصیبت میں یازروق کہہ کر پکار میں فوراً مدد کو آؤں گا"۔ [8] یہ اُسی مقصد میں گزرا۔

مقال (۸۹): مرزا صاحب کے وصایا میں ہے: بزیارت مزارات ولیاء دریوزہ فیض جمعیت کن [9] الخ (مزارات اولیاء کے فیض سے دل جمعی کے فیض کی بھیک مانگو۔(ت)

---

[1] ہمعات مکتوبات شاہ ولی اللہ مع کلمات طیبات مکتوب بست ودوم دشرح رباعیات مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹۴

[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل کشف قبور واستفاضہ بدان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۷

[3] تفسیر عزیزی زیر آیہ والقمر اذا اتسق مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

[4] تفسیر عزیزی استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۵/ ۱۴۳

[5] تفسیر عزیزی استفادہ از اولیائے مدفونین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۵/ ۱۴۳

[6] ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[7] بستان المحدثین حاشیۃ البخاری للزروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۱

[8] بستان المحدثین حاشیۃ البخاری للزروق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۱

[9] کلمات طیبات نصائح ووصایا مرزا صاحب مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۹

مقال (۹۰تا۱۰۲) : شاہ ولی اللہ کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں :

ایں فقیر خرقہ از شیخ ابو طاہر کردی پوشیدہ وایشاں بعمل آنچہ درجواہر خمسہ است اجازت دادند[1]۔	اس فقیر نے شیخ ابو طاہر کردی جسے خرقہ پہنا اور انھوں نے جواہر خمسہ میں جو کچھ ہے اس کے عمل کی اجازت دی۔ (ت)

پھر کہا:

وایضًا فقیر در سفر حج چوں بہ لاہور رسید و دست بوس شیخ محمد سعید لاہوری دریافت ایشاں اجازت ودعائے سیفی دادند بل اجازت جمیع اعمال جواہر خمسہ[2]۔	فقیر سفر حج میں جب لاہور پہنچا شیخ محمد سعید لاہوری کی دست بوسی پائی انھوں نے دعائے سیفی کی اجازت دی بلکہ جواہر خمسہ کے تمام عملیات کی اجازت دی۔ (ت)

یہ شیخ ابو طاہر کردی مدنی شاہ ولی اللہ کے شیخ حدیث وپیر سلسلہ ہیں، مدینہ طیبہ میں مدتوں ان کی خدمت میں رہ کر سلاسل حدیث حاصل کیے کہ وہی ان سے شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان سے مولوی اسحٰق کو پہنچے اور شیخ محمد سعید کی نسبت انتباہ میں لکھا :

یکے از اعیان مشائخ طریقہ بودند شیخ معمر ثقہ[3]۔	ممتاز شیخ مشائخ طریقت میں سے ایک عمر رسیدہ شیخ تھے (ت)

اسی میں دونوں مشائخ سے سلاسل اجازت بیان کیے جن سے ثابت کہ شیخ ابراہیم کردی والد شیخ ابوطاہر مدنی اور ان کے استاد شیخ احمد قشاشی اور ان کے استاد شیخ احمد شناوی اور شاہ ولی اللہ کے استاذ الاستاذ احمد نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ ولی اللہ کے اکثر سلاسل حدیث میں داخل ہیں کما یظھر من المسلسلات وغیرھا (جیسا کہ مسلسل احادیث وغیرہا کی سند سے ظاہر ہے۔ ت) اور ان شیخ معمر ثقہ کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولانا عبدالملک اور ان کے شیخ بایزید ثانی اور شیخ شناوی پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دونوں صاحبوں کے پیر مولنا وجیہ الدین علوی ان سب علماء ومشائخ نے سیفی وغیرہ اعمال جواہر خمسہ کی اجازتیں اپنے اساتذہ سے لیں اور تلامذہ کو عطا کیں، اور جناب شاہ محمد غوث گوالیاری توان سلاسل کے منتہی اور جواہر خمسہ کے مولف ہیں رحمہ اللہ تعالٰی علیہ اجمعین۔ اب ملاحظہ ہو کہ اسی جواہر خمسہ میں اسی دعائے سیفی کی ترکیب میں کیا لکھا ہے :

ناد علی ہفت بار یاسہ بار یایک بار بخواندہ وآں ایں است۔	سات بار، یا تین بار، یا ایک بار ناد علی پڑھے، اور وہ یہ ہے :

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء طریقہ شطاریہ برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

[2] الانتباہ فی سلاسل اولیاء طریقہ شطاریہ برقی پریس دہلی ص ۱۳۸

[3] الانتباہ فی سلاسل اولیاء طریقہ شطاریہ برقی پریس دہلی ص ۱۳۷

ناد علیا مظهر العجائب تجدہ عونالك فی النوائب كل هم وغم سينجلی بولايتك يا علی يا علی يا علی[1]	حیرت زاد چیزوں کے مظہر حضرت علی کو ندا کر انھیں ناگہانی آفتوں مصیبتوں میں اپنا مددگار پائے گا ہر رنج وغم دور ہوجائے گا آپ کی ولایت سے اے علی، اے علی، اے علی! (ت)

اگر مولا علی کو مشکل کشا ماننا، مصیبت کے وقت مددگار جاننا، ہنگامِ غم وتکلیف اس جناب کو ندا کرنا، یا علی یا علی کا دم بھرنا شرک ہو تو معاذ اللہ تمھارے نزدیک حضرات مذکورین سب کفار ومشرکین ٹھہریں، اور سب سے بڑھ کر بھاری مشرک کٹر کافر عیاذًا باللہ شاہ ولی اللہ ہوں جو مشرکوں کو اولیاء اللہ جانتے، اپنا شیخ ومرشد ومرجع سلسلہ مانتے، احادیث نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سندیں ان سے لیتے، مدتوں ان کی خدمتگاری وکفش برداری کی داد دیتے، انھیں شیخ ثقہ وعادل بتلاتے، ان کی ملاقات کو بلفظ دست بوس تعبیر فرماتے ہیں، محدثین کا تمغا، حدیث کی سندیں یوں برباد ہوئیں کہ اتنے مشرکین ان میں داخل، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب کو شاہ ولی اللہ صاحب سے یہی نسبت خدمت وارادت وتلمیذ وبیعت ومدح عقیدت حاصل، اور ان کی سب سندوں میں تمھارے طور پر یہ مشرک اعظم وکافر اکبر شامل، کہاں کی شاہی، کیسی محدثی، اصل ایمان کی سلامتی مشکل، انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ پھر مولوی اسحاق ومیاں اسمٰعیل بیچارے کس گنتی میں کہ انکی تو ساری کرامات اسی شرکستان کی بھٹی میں مشرکوں کی نسل، مشرکوں کی اولاد، مشرک ہی پیر، مشرک ہی استاد۔ آنکھ کھلتے ہی مشرک نظر پڑے، ہوش سنبھلتے ہی مشرکوں میں بگڑے، مشرکوں کی گود، مشرکوں کی بغل، مشرکوں کا دودھ، مشرکوں کا عمل، مشرکوں میں پلے، مشرکوں میں بڑھے، مشرکوں سے سیکھے، مشرکوں سے پڑھے مشرک دادا۔ مشرک نانا، عمر بھر مشرکوں کو جانا مانا، **العياذ بالله رب العٰلمين ولاحول ولاقوة الا بالله الحق المبين**، مسلمان دیکھیں کہ یا علی یا علی کو شرک ٹھہرانے کی کیا سزا ملی، نہ ناحق مسلمانوں کو مشرک کہتے نہ اگلوں پچھلوں کے مشرک بننے کی مصیبت سہتے، اس سے یہی بہتر کہ راہ راست پر آئیں، سچے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائیں ورنہ اپنوں کے ایمان کی فکر فرمائیں کہ کردکہ نیافت کو بھول نہ جائیں۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند **نسأل الله العافية وحسن العاقبة اٰمين۔**	دیکھا کہ پروانہ کے خون ناحق نے شمع کو اتنی بھی اماں نہ دی کہ شب کو سحر کرے (ت) ہم خدا سے عافیت اور انجام کی خیریت کے خواستگار ہیں، الٰہی قبول فرما! (ت)

[1] جواہر خمسہ مترجم اردو فصل ۱۳ مناجات اورادعیہ دارالاشاعت مسافر خانہ کراچی ص ۲۸۲ و ۴۵۳

مقال (۱۰۳): اسی انتباہ میں بعض مشائخ حضرات قادریہ قدست اسرارہم سے حصول مہمات وقضائے حاجات کیلیے ایک ختم یوں نقل کیا:

اول دو رکعت نفل بعد ازاں یک صد و یازدہ بار درود بعد ازاں یک صد و یازدہ بار کلمہ تمجید و یک صد و یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی الخ[1]۔	پہلے دو رکعت نفل پڑھے، اس کے بعد ایک سو گیارہ بار درود پھر ایک سو گیارہ بار کلمہ تمجید اور ایک سو گیارہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی الخ (خدا کے لیے کچھ عطا ہو سے شیخ عبدالقادر جیلانی) (ت)

مقال (۱۰۴): شاہ عبدالعزیز تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

کاش اگر قتلہ عثمان دہ دوازدہ سال دیگر ہم تن بصیر مے دادند وسکوت کردہ مے نشستند سند وہند و ترک و چین نیز مثل ایران وخراسان یا علی یا علی می گفتند[2] الخ	کاش اگر قاتلان عثمان دس بارہ سال اور صبر کرتے اور خاموش بیٹھتے تو سندھ، ہند، ترکستان اور چین بھی ایران وخراسان کی طرح یا علی یا علی کہتے الخ (ت)

مقال (۱۰۵): رسالہ فیض عام مزارات اولیاء سے استعانت میں شاہ صاحب کا یہ ارشاد ہے:

طریق استمداد از ایشاں آنست کہ بزبان گوید اے حضرت من برائے کار فلاں درجناب الٰہی التجامی کنم شمانیز بدعا وشفاعت امداد من نماید لکن استمداد از مشہورین باید کرد[3] (ملخصاً)	ان حضرات سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ زبان سے کہے: اے میرے حضور! فلاں کام کے لیے میں بارگاہ الٰہی میں التجا کر رہا ہوں آپ بھی دعا وشفاعت سے میری امداد کیجئے۔ لیکن استمداد مشہور حضرات سے کرنا چاہئے (ت)

یہ خاص صورت کا مسئولہ کا جواب ہے **واللہ الھادی الی سبیل الصواب** (اور اللہ ہی راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) **الحمد للہ** کہ یہ نوع بھی اپنے منتہی کو پہنچی، سو ۱۰۰ مقال کا وعدہ تھا ایک سو پانچ ۱۰۵ گنے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصد اول میں پنتیس ۳۵ سوال تھے، مقصد دوم میں ساٹھ ۶۰ حدیثیں، ادھر نوع اول میں دوسو ۲۰۰ قول، اب یہ ایک سو پانچ ۱۰۵ مقال مل کر چار سو ۴۰۰ کا عدد کامل اور فقیر کا وہ مدعا حاصل ہوگیا کہ مولوی صاحب سددہ اللہ

---

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء

[2] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۱۴

[3] فتاوٰی عزیزی رسالہ فیض عام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۷۷

خاتمہ رسالہ میں دربارہ سماع موتیٰ علمائے عرب کا فتوٰی

اس رسالہ کے زمانہ تالید میں فقیر کو معتبر طور پر خبر پہنچی کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے مسئلہ کا رد لکھے گا ہم دونوں تحریریں مولویان بھوپال کو بھیج دیں گے کہ وہ حکم ہوجائیں۔

اقول: تحکیم بے قبول طرفین معقول نہیں۔ مولوی صاحب ماشاء اللہ فاضل ہیں، یہیں کیوں نہ تصفیہ ہوجائے، طالبان تحقیق کو اظہار حق سے کیوں باک آئے، رسالہ فقیر کو ملاحظہ فرمائیں، اگر حق واضح ہوجائے تسلیم واجب، ورنہ جواب مناسب، ہاں تحریر جواب میں استعداد واستعانت کا اختیار ہے بھوپالیوں سے ہو یا بنگالیوں سے، اور اگر اوروں ہی پر رکھنا صلاح وقت ہے تو اہل ہند میں جسے دیکھئے گا بلا مرجح خود احد الفریقین ہے۔ بھوپالیوں کو مثلاً مصطفیٰ آبادیوں پر کیا وجہ ترجیح ہے۔ لہٰذا سب سے قطع نظر کرکے علمائے عرب کو حکم کیجئے کہ دین وہیں سے نکلا اور وہیں کو پلٹ جائے گا اور وہاں کے جمہور علماء پر ان شاء اللہ تعالٰی شیطان ہرگز قابو نہ پائے گا۔ جناب مولٰنا اگر اس رائے کو پسند فرمائیں تو ان اکابر کرام کا مہری دستخطی فتوی بالفعل فقیر کے پاس اصل موجود، جس میں اکثر مسائل وہابیت کا رد واضح فرمایا اور طائفہ جدیدہ کو ضال مضل، مبتدع، مبطل ٹھہرایا، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ اس میں سے چند سطریں متعلق مسئلہ سماع مع شرح ودستخط علماء بتلخیص والتقاط حاضر کرتا ہے، واللہ الہادی اس سوال کے جواب میں کہ وہابیہ عدمِ علم وعدمِ سماع موتی کا ادعا واعتقاد رکھتے ہیں، فرمایا:

هذا الادعاء افتراء قبيح وهذا الاعتقاد اعتداء صريح فان العلماء المحققين من الحنفية و الشافعية وغيرهم قد اثبتوا اطلاع الانسان فى البرزخ وسماعه لسلام الزائر وكلامه ومعرفته و الانس به بالاحاديث الصحيحة والاٰثار الصريحة و تلك المسئلة مع دلائلها مصرحة فى المرقاة شرح مشكٰوة لعلى القارى الحنفى وشرح الصدور للحافظ السيوطى وشفاء السقام	یعنی وہابیہ کا یہ ادعاء افترائے قبیح اور یہ اعتقاد ظلم صریح ہے۔ حنفیّہ وشافعیہ وغیرہم کے علمائے محققین نے صحیح حدیثوں اور صریح خبروں سے ثابت کیا ہے کہ آدمی برزخ میں علم رکھتا اور زائر کا سلام وکلام سنتا ہے اور اسے پہچانتا ہے اور اس سے انس حاصل کرتا ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ علی قاری حنفی وشرح الصدور حافظ سیوطی وشفار امام سبکی وغیرہا جمہور محققین کی کتب مشہورہ میں اس مسئلہ اور اس کے دلائل کی تصریح ہے یہاں تک

للامام سبکی وغیرھا من الکتب المشھورۃ لجمھور محققین حتی اشاروا الیہ فی کتب العقائد المشھورۃ فقد صرح فی المقاصد وشرحہ انہ عندالمعتزلۃ وغیرھم البدنیۃ المخصوصۃ شرط فی الادراك فعند ھم لایبقی ادراك الجزئیات عند فقد الاٰلات عند نا یبقی وھو ظاھر من قواعد الاسلام، ولھذا ینتفع بزیار القبور الابرار والاستعانۃ من نفوس الاخیار الخ[1] وبالجملۃ فالنفس الانسانیۃ تبقی لھا الادراکات ولالھاتعلقات کثیرۃ بموضع دفن جسدھا و الاحادیث والاٰثار شاھد ۃ لذلك لاینکرھا بعد العلم بھا الامکابر معاند الخ۔	کہ علماء نے عقائد کی مشہور کتابوں میں اس کی طرف اشارہ کیا، مقاصد وشرح مقاصد میں تصریح فرمائی کہ معتزلہ وغیرہم کے نزدیک یہ بدن شرط ادراک ہے توان کے مذہب میں جب آلات بدنی نہ رہے ادراک جزئیات بھی نہ رہااور ہم اہل سنت کے نزدیک ادراک باقی رہتا ہے، قواعد اسلام اسی کی تائید کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ قبور ابرار کی زیارت اور ارواح اولیاء سے استعانت نفع دیتی ہے۔ غرض روح انسانی کے ادراک باقی اور اسے موضع دفن سے بہت تعلقات ہیں، احادیث وآثار اس پر گواہ ہیں جنھیں جان بوجھ کر انکار نہ کریگا مگر باطل کوش دشمن حق۔ (ت)

اس کے بعد شبہات منکرین کانصوصِ علماء سے رد کیااور عمائد علماء حرمین طیبین نے اس پر مہر ودستخط ثبت فرمائے۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا محمد بن حسین کتبی حنفی مفتی مکہ

فان لی ذمۃ منہ بتسمیتی
محمد اوھوا و فی الخلق بالذمر

لاکلا فیہ ولا شك یعتریہ اس میں نہ کلام کی گنجائش نہ شک کی خلش۔

امر برقمہ محمد بن حسین الکتبی الحنفی مفتی بکۃ المکرمۃ عفی عنہ بمنہ امین۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا وشیخ مشائخنا رئیس المدرسین بالمسجد الحرام

مولٰنا جمال ابن عبداللہ بن عمر مکی حنفی رحمۃ اللہ علیہ

عبدہ، جمال، شیخ
عمر

لایلتفت المفید الا الیہ ولایعول المستفید الا علیہ مفید التفات نہ کرے مگر اسی طرف، اور مستفید اعتماد نہ کرے مگراسی پر، امر برقمہ رئیس المدرسین الکرام

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع مدرک الجزئیات عندنا النفس دار المعارف النعمانیہ کریم پارک لاہور ۲/ ۴۳

بالمسجد المکی الحرام الراجی لطف ربہ الخفی جمال بن عبداللہ شیخ عمر الحنفی لطف اللہ تعالٰی بھما۔

شرح دستخط مولٰنا حسین بن ابراہیم مالکی مفتی مکہ مبارکہ

لاریب فیہ ولاشك یعتریہ المالکیۃ بمکۃ کتبہ الفقیر حسین بن ابراہیم مفتی المشرقیۃ المحمیۃ

عبدہٗ، حسین

شرح دستخط حضرت مولٰنا وشیخنا وبرکتنا زین الحرم عین الکرم مولٰنا احمد زین دحلان شافعی مفتی مکہ مکرمہ قدس سرہ العزیز

رأیت ھذا المؤلف الشریف الھاوی کل برھان لطیف فرأیتہ قد نص علی عقائد اھل الحق المؤیدین وابطل عقاید اھل الضلال المبطلین میں نے یہ شریف تالیف جامع ہر دلیل لطیف دیکھی تو میں نے اسے پایا کہ اہل حق وار باب تائید کے عقیدے صاف واضح لکھے ہیں اور باطل پرست گمراہوں کے مذہب باطل کیے ہیں رقمہ بقلمہ المرتجی من ربہ الغفران احمد بن زین دحلان۔

احمد دحلان

شرح دستخط حضرت مولٰنا محمد بن غرب شافعی مدنی مدرس مسجد مدینہ طیبہ

تأملت فی ھذا المؤلف فرأیت مؤلف قد اجاد ولکل نص سنی صریح افاد میں نے یہ رسلہ بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کے مصنف نے جید کلام لکھا اور ہر نص روشن کا افادہ کیا۔

مہر صاف نخواند شد

کتبہ الفقیر الی اللہ تعالٰی محمد بن محمد الغریب الشافعی خادم العلم بالمسجد النبوی۔

شرح دستخط مولٰنا عبدالکریم حنفی از علمائے مدینہ منورہ

لما تأملت فی ھذا الرسالۃ وجدتھا کالسیف الصارم للمعاند الضلال لایطعن فیھا الا من اختل عقلہ وقبحت سیرتہ فی جمیع الأجال جب میں نے یہ رسالہ غور سے دیکھا اسے معاند اگراہ کے حق میں مثل تیغ برآں پایا۔ نہ طعنہ کرے گا مگر وہ جس کی مت کٹی اور عادت بد ہوئی ہر زمانہ میں۔ من خدام طلبۃ العلم "المتوکل علی اللہ العظیم عبدالکریم بنعبدالحکیم" بالمسجد نبوی۔

المتوکل علی اللہ العظیم عبدالکریم بن عبدالحکیم

شرح دستخط مولٰنا عبدالجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ سکینہ

وقفت علی ھذا المجموع فالفیتہ مھندا سل علی من شق عصا الجماعۃ معزا لا عن السنۃ میں اس تالیف پر واقف ہوا تو اسے ایک تیغ ہندی پایا، کھینچی گئی اس پر جس نے جماعت کا خلاف کیا اور سنت سے کنارہ کش ہوا۔ اشار برقمہ الی الشیخ الاجل الورع الفقیہ الزاھد مولٰنا عبدالجبار الحنبلی البصری نزیل المدینۃ المنورۃ متع اللہ المسلمین ببقائہ اٰمین۔

شرح دستخط حضرت مولٰنا السید ابراہیم بن الخیار شافعی مفتی مدینہ امینہ

کم طالعت بعد ما اطلعت ردو العلماء الاجلۃ علی الفرقۃ الضالۃ المضلۃ فما رأیت مثل ھذا الرسالۃ، میں نے جب سے اطلاع پائی اس فرقہ گمراہ پر علمائے جلیل کے بہت رَد دیکھے مگر اس رسالہ کا مثل نظر سے نہ گزرا۔ قال بفمہ ورقم بقلمہ خادم العلم بالحرم النبوی الشافعی ابراھیم ابن المرحوم محمد خیار الحسنی الحرمی۔

ابراہیم بن محمد خیار

الحمدُ اللہ علٰی حصول المسئول وبلوغ نہایۃ الماٰمول فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی نے اس رسالہ کا مسوّدہ اوائل رجب ۱۳۰۵ھ میں کیا پھر بوجہ عروض بعض اعراض واہتمام دیگر اغراض مثل تحریر مسائل وتصنیف بعض دیگر رسائل جن کی ضرورت اہم نظر آئی اس کی تبییض نے تاخیر پائی، اب بحمد اللہ بعنایت الٰہی واعانت حضرت رسالت پناہی علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام وعلٰی آلہ وصحبہ الکرام سلخ شعبان سند مذکورہ کو وقت عصریہ مسودہ مبیضہ ہوا اور اثنائے تبییض میں سرکار مفیض سے فیوض تازہ کا افاضہ ہوا۔

والحمد اولا واٰخرا وباطنا وظاھرا وصلی اللہ تعالٰی سیدنا مولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وعلینا بھم وبارك وسلم تسلیما کثیرا نسأل اللہ تعالٰی ان یتقبل سعینا ویغفرلنا ذنوبنا ویرحم فاقتتنا ویحیینا مسلمین ویمیتنا مومنین ویحشونا فی زمرۃ	اور اول و آخر، باطن وظاہر میں خدا ہی کے لیے حمد ہے۔ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد، ان کی آل واصحاب، ان کے فرزند، ان کی جماعت پر، اور ان کے طفیل ہم پر بھی خدا کا درود، برکت اور بکثرت سلام ہو، اللہ تعالٰی سے ہماری دعا ہے کہ ہماری کوشش قبول فرمائے، ہمارے گناہ بخشے۔ ہماری محتاجی پر رحم فرمائے۔ ہمیں اسلام کے ساتھ زندگی اور ایمان کے ساتھ موت نصیب

الصالحین وان ینفع بھذا التالیف وسائر تصانیفی جمیع اخوانی فی الدین۔ انہ سمیع قریب قدیر مجیب والحمد للہ رب العٰلمین۔	کرے، صالحین کی جماعت میں ہمارا حشر فرمائے اور اس تالیف سے اور میں دوسری تصانیف سے میرے تمام دینی بھائیوں کو فائدہ پہنچائے۔ بیشک وہ سننے والا قریب، قدرت والا مجیب ہے، اور سب خوبیاں خدا کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

تمت وبالخیر عمّت

(رسالہ تمام ہوا اور خیر کے ساتھ عام ہوا۔ ت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تکمیل جمیل وتسجیل جلیل چند فوائد عالیہ کی یاد دہانی میں

حامدا ومصلیا ومسلما

ہر چند یہ فوائد وہی ہیں جن کا ثبوت مباحث رسالہ میں گزرا مگر کتاب میں ان کے لیے کوئی فصل معین نہ تھی متفرق مواقع پر واقع ہوئے لہٰذا ان کے مہتم بالشان ہونے نے چاہا کہ یہاں ان کے مواضع پر مطلع کردیا جائے۔

فائدہ اولٰی: اس مسئلہ میں خلاف کرنے والے بدعتی گمراہ ہیں، دیکھو (قول ۱/۱۵) کہ ادراکاتِ موتٰی کا انکار مذہب معتزلہ ہے، (قول ۱۸/ ۲) کہ بعض معتزلہ رافضی جمادیت موتٰی سے سند لائے، (قول ۳/۱۹) کہ میّت کا جماد ہونا مذہب اعتزال ہے (قول ۴/۲۵) کہ علم موتٰی کا منکر نہ ہوگا مگر حدیثوں سے جاہل ہے اور دین سے منکر، (قول ۵/۱۹۹ و ۶/۲۰۰) کہ علم وسمع وبصر موتٰی پر تمام اہل سنت وجماعت کا اجماع ہے۔ پر ظاہر کہ ان کے اجماع کا مخاطب نہ ہوگا بدمذہب گمراہ۔

فائدہ ثانیہ: اہل قبور کے زائروں کو دیکھتے پہچانتے، ان کا کلام سنتے، سلام لیتے، جواب دیتے ہیں، یہ بات ہمیشہ ہے اس میں کسی دن کی تخصیص نہیں، جمعہ وغیر جمعہ سب یکساں، نہ کسی وقت کی خصوصیت، ہاں جمعہ کے دن خصوصًا صبح کو معرفت ترقی پر ہوتی ہے۔ دیکھو (قول ۱/۶۶ و ۲/۶۹ و ۸۰ / ۳ و ۴/۸۱ و ۵/۸۲ وحاشیہ قول ۶/۸۱) اور خود وہ تمام احادیث اور صدہا اقوال کہ فصول مقاصد دوم سوم میں اس مطلب پر منقول ہوئے کہ اپنے اطلاق وارسال سے اس عموم واطلاق کی دلیل کافی ہیں کما مرت الاشارۃ الیہ فی الکتاب (جیسا کہ کتاب میں اس کی طرف اشارہ گزرا۔ ت)

فائدہ ثالثہ: ارواح مومنین کو اختیار ہوتا ہے کہ زمین وآسمان میں جہاں چاہیں جائیں، سیر کرتی، جولان فرمائیں، دیکھو (حدیث ۱/۱ و ۹/ ۲ و قول ۳/۱۳ و مقال ۴/۶) یہاں تک کہ بیداری میں اپنے مخلصین سے ملتے فیض بخشتے ہیں (مقال ۵/۷۰ و ۶/۷۱) ناتواں بیماروں کو پانی پلاتے، کپڑا اُڑھاتے ہیں (مقال ۷/۷۲) جہادوں میں شرکت فرماتے ہیں (مقال ۵/۱۵) دوستوں کی مدد، دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں (مقال ۹/۳۷) یہاں تک کہ شرح سنن نسائی شریف میں تصریح فرمائی کہ روح کا جسم کا سا نہیں وہ ایک وقت میں چند جگہ ہو سکتی ہے (قول ۷۹) میں کہتا ہوں اولیائے احیاء کی حکایات منقول کہ ایک وقت میں ستر جگہ تشریف فرما ہوتے تھے پھر بعد وصال کہ روح اپنی آزادی وترقی کامل پر ہوتی ہے اس وقت کے افعال کا کہنا ہی کیا ہے۔ زہر الربی میں ہمیں یہ بھی نقل فرمایا کہ ایمان والوں کے دل اسے بے تکلف قبول کرسکتے ہیں کہ جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام جب خدمت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتے سدرۃ المنتہٰی سے جدا نہ ہوتے ہوں بلکہ اسی آن میں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی العبارۃ عـــہ علی الحاشیۃ (عبارت حاشیہ میں ہے۔ت)

عـــہ: ھذا جبریل علیہ السلام راٰہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولہ ست مائۃ جناح، منہا جناحان سدا الافق وکان یدنو من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حتی یضع رکبتیہ علٰی رکبتیہ ویدیہ علی فخذیہ وقلوب المخلصین تتسع للایمان بانہ من الممکن انہ کان ھذا الدنو و ھو فی مستقرہ من السمٰوٰت وفی الحدیث فی رؤیۃ جبریل فرفعت راسی فاذا جبریل صاف قدمیہ بین السماء والارض یقول یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل فجعلت لا اصرف بصری الی ناحیۃ الا رأیتہ کذالک[1] ۱۲ (م)

یہ جبریل علیہ السلام ہیں جنھیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حالت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو ۶۰۰ پر ہیں جن میں سے دو ۲ پروں نے سارا افق بھر دیا ہے، اور وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قریب آتے یہاں تک کہ اپنے زانوں حضور کے زانوؤں سے ملا کر اور اپنے ہاتھ حضور کی رانوں پر رکھتے۔ اور مخلصین کے دل اس بات پر ایمان کی وسعت رکھتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ یہ قرب اسی حال میں ہو جب وہ آسمان کے اندر اپنے مستقر میں موجود ہوں، اور حدیث میں حضرت جبریل کو دیکھنے کے بارے میں ہے: میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ جبریل آسمان وزمین کے درمیان اپنے قدموں پر صف بستہ کہہ رہے ہیں اے محمد! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں، پھر جس طرف بھی نگاہ پھیرتا انھیں اسی کیفیت میں دیکھتا۔ (ت)

[1] زہر الربی علٰی سنن النسائی کتاب الجنائز ارواح المؤمنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۹۲

پھر سفہائے غافلین کا خود حضور پر نور روح روح القسط روح القدس روح الارواح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ جاہلانہ وسوسہ کہ اگر وہ کسی مجلس میں تشریف لائیں تو پیش از قیامت مرقد اطہر سے خروج لازم ہو، اور چاہئے کہ اس وقت روضہ انور خالی رہ جائے، محض حماقت ہے۔

اولًا: وہ روح کا جسم پر قیاس اور زندان وہم میں سلطان عقل کا احتباس۔

ثانیًا: ہوشمندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ روحیں تو عوام مومنین کی بھی قبور میں محبوس نہیں رہتیں بلکہ اپنے اپنے مراتب کے لائق علیین یا جنت یا آسمان یا چاہ زمزم وغیرہ میں ہوتی ہیں، جسے علمائے کرام یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی تفسیر عزیزی عـــہ میں مفصلًا ذکر کیا:

ثالثًا یہ اعتراض بعینہٖ ان احادیث کثیرہ پر بھی وارد جن میں صریح تصریح کہ ارواح مومنین بعد انتقال جہاں چاہیں سیر کرتی ہیں، لازم کہ جب وہ سیر کو جائیں قبریں خالی رہ جائیں اور قیامت سے پہلے حشر ہوجائے مگر جہل وتعصب جو نہ کرائیں وہ غنیمت ہے، چند سال ہوئے فقیر کے پاس ایک سوال آیا زید کہتا ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روضہ انور سے جہاں چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں، عمرو منکر ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس کے جواب میں مفصل فتوٰی لکھا اور وہاں اس سیر واختیار کو شہداء وغیر شہداء عام مومنین کی ارواح کے لیے بہت حدیثوں سے ثابت کیا اور کلمات علمائے دین سے اس کے وقائع کئے۔ یہ

عـــہ: مقام علیین بلائے ہفت آسمان است و پائیں آن متصل بہ سدرۃ المنتہی وبالائے آن متصل بپایہ راست عرش مجید است و ارواح نیکاں بعد از قبض درآن جامی رسند ومقربان یعنی انبیاء واولیاء درآن مستقرمی مانند وعوام صلحارا بعد از نویسانیدن نام و رسانید نامہائے اعمال برحسب مراتب درآسمان دنیا یا درمیان آسمان وزمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند وتعلقے بقبر نیز ان ارواح رامی باشند[1]۔ آخر عبارت تک کہ مقال ۷ میں گزری ۱۲ از تفسیر عزیزی (م)

علیین ساتوں آسمان کے اوپر ہے اس کا زیریں حصہ سدرۃ المنتہی سے متصل ہے اور بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے سے متصل ہے، نیکوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں اور مقربین یعنی انبیاء واولیاء اس مستقر میں رہتے ہیں، اور عام صالحین کو درج کرانے اور اعمال نامے پہنچ جانے کے بعد حسبِ مراتب آسمان دنیا، یا درمیان آسمان وزمین یا چاہ زمزم میں جگہ دیتے ہیں اوران کو قبر سے بھی ایک تعلق رہتا ہے۔ (ت)

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم زیر آیۃ ان کتاب الابرار لفی علیین مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۹۳

فتوٰی فقیر کی مجلد ششم فتاوٰی مسمّٰی بہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ میں منسلک۔ **والحمد ﷲ رب العلمین**

فائدہ رابعہ بغایت نافعہ: ارواح طیبہ کے نزدیک دیکھنے سننے میں دور و نزدیک سب یکساں ہے یہ ایک مطلب نفیس و جلیل و عظیم الفائدہ ہے جس کی طرف توجہ خاص لازم۔ دیکھو (قول ۱/۶۵) کہ اولیاء احیاء نور خدا سے دیکھتے ہیں، اور نور خدا کو کوئی چیز حاجب نہیں، پھر اموات کا کیا کہنا (قول ۲/۶۹) کہ قبر سے نزدیکی توجعہ کو ہوتی ہے اور ادراک و شناخت دائمی (قول ۳/۷۸ و ۴/۸۶) کہ روح جنت یا آسمان یا علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہوتی ہے اور وہیں سے زائر کی آواز سنتی ہے جواب دیتی، ادراک کرتی، اپنے بدن سے کام لیتی ہے۔ پھر کون بتا سکتا ہے کہ زمین سے جنت تک کے لاکھ کے کروڑ منزل کا فاصلہ ہے نہ کہ بریلی سے بغداد یا ہند سے مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ مالکہا وآلہ وبارک وسلم، (قول ۵/۱۱۳ و ۶/۱۱۴) ارواح کے آگے کچھ پردہ نہیں اور انھیں سارا جہاں یکساں ہے (قول ۷/۱۸۷ و ۸/۱۸۸ و ۹/۱۸۹) کہ ارواح قدسیہ سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے سامنے حاضر ہے (مقال ۱۰/۷) شاہ عبدالعزیز صاحب کا قول کہ روح کو قرب وبُعد مکانی اس دریافت کا حاجب نہیں اس کا حال نگاہ کے سامنے کہ کنویں کے اندر سے ساتوں آسمان کے ستارے دیکھ سکتی ہے۔ یہی معنی ہیں ارشاد عالی دو امام اہلبیت طہارت، دو فرزند ریحانین، رسالت حضرت امام اجل زین العابدین علی بن حسین شہید کرب وبلا و حضرت امام حسن مثنّٰی ابن امام اکبر سیدنا حسن مجتبٰی صلوات اللہ وسلامہ علیٰ ابیہم الکریم وعلیہم کے کہ زائرین مزار اقدس سے فرمایا:

انتم ومن فی الاندلس سواء۔ حکاہ فی جذب القلوب وغیرہ۔	تم اور جو اندلس میں بیٹھے ہیں برابر ہیں (اسے جذب القلوب وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ت)

سوال ۶ میں حدیث گزری کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جو روضہ اقدس پر کھڑا تمام جہانوں کی آوازیں سنتا ہے معلوم ہوا کہ یہ خاصہ ملزومہ الوہیت نہیں بلکہ بندے کو اس کا حصول ممکن اور زیر قدرت الٰہی داخل پھر کسی کے لیے اس کا اثبات شرک ہونا عجب تماشا ہے۔ فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے اس کی تحقیق تام اپنے رسالہ **سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی** میں ذکر کی **وباللہ التوفیق**۔

فائدہ خامسہ: ولہٰذا ان کی امداد ہر جگہ جاری، کچھ نزدیکوں پر منحصر نہیں، اور اسی لیے ان سے استمداد اور ان کی ندا میں بھی حضور مزار غیر مشروط بلکہ جہاں سے چاہو صحیح و درست ہے اگرچہ حضور مزارات میں نفع اتم و زائد ہے دیکھو (قول ۱/۱۳ و ۲/۱۱۴) غور کروائمہ مجتہدین کے پیرو تمام ملک خدا میں کہاں سے کہاں تک پھیلے ہیں پھر وہ کیونکر ہر شخص کی ہر مشکل وآفت میں مدد فرماتے اور دائماً خبر گیراں رہتے ہیں، اس طرح حضرات اولیائے کرام

اپنے مریدان سلاسل کے ساتھ، دیکھو (قول ۳/۹۷) خود سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: جب کوئی مصیبت آئے یازروق ؏ کہہ کر پکار میں فوراً امداد کو آؤں گا دیکھو (قول ۴/۱۶۳) اور شاہ عبد العزیز صاحب کا قول، دیکھو (مقال ۵/۸۸) شاہ ولی اللہ کہتے ہیں گھر بیٹھے ارواح طیبہ کی طرف توجہ کرو، دیکھو (سوال ۶/۱۲) مرزا مظہر صاحب عارضہ جسمانی میں حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی طرف اور مشکل باطنی میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جانب توجہیں کرتے ادھر سے امداد فرمائی جاتی دیکھو (سوال ۷/۱۷ و مقال ۳۲ /۸) گھر بیٹھے قصائد سناتے ارواح عالیہ سے نوازشیں پاتے دیکھو (سوال ۹/۱۸ و مقال ۱۰/۱۰) حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کہا حضور کے جس متوسل سے ملاقات ہوئی توجہ والا اس کے حال پر مبذول پائی دیکھو (مقال ۱۱/۳۳) مغلوں کا بیان کہ جنگل میں سوتے وقت اپنا مال حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ العزیز کی حمایت میں سونپتے ہیں اس پر غیب سے مدد پاتے ہیں دیکھو (مقال ۱۲/۳۴) ہر شہر میں بندگانِ خدا ولایت قطبیت کے مراتب پاتے ہیں پھر کیونکر ان سب کو وہ فیض حضرت ائمہ اطہار و حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہم عطافرماتے ہیں۔ دیکھو

؏: **فائدہ جلیلہ:** علامہ زیادی پھر علامہ اجہوری پھر علامہ داؤدی پھر علامہ شامی فرماتے ہیں: جس کی کوئی چیز گم جائے مکان بلند پر رو بقبلہ کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نذر کرے پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان یمنی قدس سرہ العزیز کی خدمت میں ہدیہ کرے اسکے بعد یوں عرض سا ہو کہ: یا سیدی احمد یا ابن علوان! میری گمی ہوئی چیز مجھے مل جائے الخ۔ رد المحتار حاشیہ در مختار کے منہیہ میں ہے:

قررالزیادی ان الانسان اذا اضاع له شیئ و ارادان یرد اللہ سبحانه علیه فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلة ویقرء الفاتحة ویھدی ثوابھا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثم یھدی ثواب ذلك لسیدی احمد بن علوان ویقول یا سیدی احمد یا ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی و الا نزعتك من دیوان الاولیاء فان اللہ تعالٰی یرد علی من قال ذلك ضاله ببرکته اجھوری مع زیادة کذا فی حاشیة شرح المنھج للداؤدی رحمه اللہ تعالٰی انتھی ۱۲ (م)

زیادی نے بیان کیا ہے کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ رو کھڑا ہو جائے، فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہدیہ کرے پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان کو ہدیہ کرے اور عرض گزار ہو کہ سیدی احمد، یا ابن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کرائی تو دفتر اولیاء سے آپ کا نام نکلوادوں گا، اللہ تعالٰی یہ کہنے والے کو اس کی گم شدہ چیز ان کی برکت سے واپس دلادے گا ___ اجہوری باضافہ اس طرح داؤدی رحمۃ اللہ تعالٰی کی شرح منہج میں ہے ۱۲ (ت)

(مقال۳۸/۱۳و۳۹/۱۴و۴۰/۱۵و۴۱/۱۶و۴۲/۱۷و۴۳/۱۸و۴۴/۱۹و۴۵/۲۰و۶۴/۱۱) سلطنتیں اور امانتیں کسی ملک میں و شہر میں نہیں ہوتیں پھر ان سب میں حضرت مولیٰ مشکل کشا کا توسط کیونکر ہوتا ہے دیکھو (مقال۱۸/۲۲) حضور غوث اعظم رضی للہ تعالیٰ نے شیخ ابوالرضا کو اسرار تعلیم فرمائے دیکھو (مقال۷۰/۲۳و۷۱/۲۴) یہ ایک عجوزہ کو پانی پلا کر لحاف اڑھا کر غائب ہوگئے، دیکھو (مقال۷۲/۲۵) حضور غوث اعظم و حضرت نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے مریدان سلسلہ کی تربیت فرمائی، دیکھو (مقال۷۶/۲۶و۷۷/۲۷) اسمٰعیل دہلوی مدعی کہ دونوں ارواح طیبہ نے ان کے پیر پر جلوہ فرمایا اور پہر بھر تک توجہ بخشی، دیکھو (مقال۷۸/۲۸) ولہٰذا یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کہنا بے تخصیص مکان وقید زمان جائز ہوا اور شاہ ولی اللہ اور ان کے اکابر نے یا علی یا علی کا وظیفہ کیا، دیکھو ۱۶۰/۲۹ و ۱۶۱/۳۰ و ۱۶۲/۳۱ و مقال ۹۰/۳۲ و ۹۱/۳۳ و ۹۲/۳۴ و ۹۳/۳۵ و ۹۴/۳۶ و ۹۵/۳۷ و ۹۶/۳۸ و ۹۷/۳۹ و ۹۸/۴۰ و ۹۹/۴۱ و ۱۰۰/۴۲ و ۱۰۱/۴۳ و ۱۰۲/۴۴ و ۱۰۳/۴۵ و ۱۰۴/۴۶۔ مسلمان ان فوائد سے غفلت نہ کرے کہ بہت نافع ہیں اور ضلالت سے مانع، **واللہ الھادی الٰی صراط مستقیم** (خدا ہی سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

تنبیہ: یہ مواضع بعیدہ سے استمداد کا مسئلہ بجائے خود ایک مستقل تالیف کے قابل ہے جس کی تائید میں خود حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت احادیث اور خاص تصریح میں حضرت عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن عمرو عثمان بن حنیف وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آثار اور علاوہ ان چھیالیس [۴۶] مصرحوں، تیرہ [۱۳] مویدوں کے جن کی طرف فائدہ خامسہ و رابعہ میں ایما ہوا بہت ائمہ دین وعلمائے معتمدین وکبرائے خاندان عزیزی کے اقوال اس وقت میرے پیش نظر جلوہ گر رہے ہیں عجب نہیں کہ حضرت جل وعلا کا ارادہ ہو تو فقیر اپنے رسائل کثیرہ کی تتمیم و تبییض سے فارغ ہو کر خاص اسباب میں ایک جامع رسالہ ترتیب دے اور ان سب احادیث واقوال ماضیہ وآیۃ کو فراہم کرکے تحقیقات سلطنۃ المصطفیٰ وغیرہا میں اقامت تازہ کا اضافہ کرے **واللہ الموفق وبہ نستعین والحمد للہ رب العٰلمین** (اور خدا ہی توفیق دینے والا ہے۔ اور اسی سے ہم مدد مانگتے ہیں اور تمام تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

تذییل

نواب صدیق حسن خان بہادر شوہر ریاست بھوپال رسالہ تقصار جیود الاحرار میں تصریح کرتے ہیں کہ غوث الثقلین وغوث اعظم وقطب الاقطاب کہنا شرک سے خالی نہیں، میں کہتا ہوں نواب بہادر نے یہاں خدا جانے کس خیال سے ایسا گرا ہوا لفظ لکھا ورنہ بیشک تمام وہابیہ پر فرض قطعی کہ صرف لفظ غوث کہنے پر خالص شرک جلی کا حکم لگائیں، غوث اعظم وغوث الثقلین تو بہت اجل واعظم ہے، آخر غوث کے کیا

معنی فریاد کو پہنچنے والا، جب ان کے نزدیک استمداد فریاد شرک، تو فریاد رس، کہنا کیونکر شرک صریح نہ ہوگا، اب دیکھئے کہ ان حضرات کے طور پر کون کون مشرک ہوگیا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ومیاں اسمٰعیل دہلوی نے حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو غوث الثقلین لکھا، دیکھو (مقال ۳۸و۸۷) شاہ ولی اللہ امام معتمد اور شیخ ابوالرضاء ان کے جدّ امجد اور مرزا جانجاناں انکے ممدوح اوحد، اوران کے پیر سلسلہ شیخ عبدالاحد نے غیاث الدارین حضور غوث الثقلین کو غوث اعظم کہا، دیکھو (مقال ۶۱، ۷۰، ۷۱، ۷۷، ۷۶) شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا:

برخے از اولیاء مسجود خلائق ومحبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وسلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ تعالٰی سرہما۔[1]	کچھ اولیاء خلائق کے مسجود اور دلوں کے محبوب ہوگئے ہیں جیسے حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ تعالٰی سرّھما (ت)

تنبیہ: ذرا یہ "مسجود خلائق" کا لفظ بھی پیش نظر رہے جس نے شرک کا پانی سر سے گزار دیا، میاں اسمٰعیل نے صراط مستقیم میں کہا:

طالبان نافہم میدانند کہ مانیز ہم پایئہ حضرت غوث الاعظم شدیم[2]۔	نافہم طالب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بھی غوث الاعظم کے ہم پایہ ہوگئے۔ (ت)

انھیں بزرگوار نے حضرت خواجہ قطب الحق والدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کو قطب الاقطاب لکھا، دیکھو (مقال ۷۹) اور ہاں مولوی اسحٰق صاحب تو رہے ہی جاتے ہیں جنھوں نے مائۃ مسائل کے جواب سوال دہم کہا: "ولایت وکرامت حضرت غوث الاعظم قدس سرہ[3]" غرض مذہب کو طائفہ عجب مذہب ہے جس کی بناء پر تمام ائمہ وعمائد طائفہ بھی سو سو طرح مشرک کافر بنتے ہیں، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

تنبیہ مہم واجب الملاحظہ ہر مسلم

الحمد للہ کلام نے ذروہ منتٰی لیا اور بیان نے مسئلے کو اس کا حق دیا ذلك من فضل اللہ علینا

[1] تفسیری عزیزی پارہ عم سورۃ الم نشرح مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۲۲

[2] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

[3] مائۃ مسائل جواب سوال دہم مسئلہ ۹ مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۲۰و۲۱

وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون (یہ ہم پر اور لوگوں پر خدا کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ت)

اب حضرات وہابیہ سے اتنا پوچھ لینا چاہیئے کہ اس مختصر رسالہ کے مقصد سوم نے علماء کے تین سو پانچ[۳۰۵] قول آپ کے گوش گزار کئے جن میں ایک سو انچاس[۱۴۹] علم و سمع وبصر موتٰی کے متعلق خاص، اور پانچ[۵] میں یہ کہ اولیاء کی کرامتیں بعد وصال بھی باقی ہیں ان ایک سو چون[۱۵۴] پر تو آپ کی سرکار سے شاید صرف حکم بدعت وضلالت ہو، اگرچہ وہ بھی بتصریح امام الطائفہ مثل محل اصل ایمان ہے۔ باقی کنتے رہے ایک سو اکاون[۱۵۱] اور تین قول ابھی ابھی اسی تکملہ کے فائدے میں تازہ مذکور ہوئے۔ یہ پھر ایک سو چون[۱۵۴] ہوگئے جن کے مفاد مقاصد کی تفصیل اس جدول سے ظاہر۔

اس باب میں کہ	اقوال ائمہ وعلمائے سلف	مقالات خاندان عزیزی	کُل	مجموعہ
اولیاء بعد وصال بھی تصرف فرماتے ہیں	۸	۷	۱۵	
وُہ بعد رحلت بھی بدستور نزدیک و دُور مدد کرتے ہیں	۲۵	۵۹	۸۴	۱
وقتِ حاجت اُن سے استعانت اور ان کی ندا نزدیک و دُور ہر جگہ سے روا۔	۱۶	۲۶	۴۲	۵
ارواح طیبہ کو بعد انتقال دیکھنے سُننے میں دُور و نزدیک یکساں	۱۲	۱	۱۳	۴

اب ان کی نسبت ارشاد ہو وہ ایک سو چون[۱۵۴] بدعت تھے، یہ ایک سو چون آپ کے مذہب میں خالص شرک، اور ان کے قائل ائمہ وافاضل عیاذًا باللہ پکے مشرک ٹھہریں گے یا نہیں، اگر کہئے نہ (خدا کرے ایسا ہی ہو) تو الحمد للہ کہ ہدایت پائی اور کفر و شرک کی تیز و تند کہ مدتوں سے بیرنگ چڑھی تھی اتار پر آئی، رب قدیر کو ہدایت فرماتے کیا دیر لگتی ہے۔ آخر کلمہ پڑھتے ہو، شاید پاس اسلام کچھ جھلک دکھا جائے، اور محبوبان خدا وائمہ ہدی کو معاذاللہ کافر ومشرک کہتے جگر تھرائے، ان ذلك علی اللہ یسیر ان اللہ علی کل شیء قدیر (بیشک وہ خدا پر آسان ہے یقینا اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ت) اور اگر شاید اصرار مذہب وتعصب مشرب آڑے آئے، اور بے دھڑک آپ کے منہ سے ہاں نکل جائے، توآپ صاحبوں سے تو اتنا عرض کروں گا کہ حضرات! جنھیں آپ نے مشرک کہہ دیا ذرا نگاہ رُبرُو ان میں شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحبان اور ان کے اسلاف واخلاف یہاں تک کہ خود بانی مذہب امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی بھی ہیں، اب ان کی نسبت تصریحًا استفسار، اگر یہاں جھجکے تو کہوں گا کیوں صاحب! اسی بات پر ائمہ ہُدی تو پناہم بخدا چنین وچناں ٹھہریں اور یہ حضرات مطلق العنان

کیاان کے لیے کوئی وحی آگئی ہے کہ احکام الٰہی سے مستثنٰی رہیں، یا انھوں نے رحمان سے عہد لے لیا ہے کہ ان کی امامت میں بال نہ آئے اگرچہ شرک کے بول کہیں۔

آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ [1] مَا لَكُمْ ٝ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ ج [2]	کیاخدا نے تم کواس کااذن دیا ہے یااللہ پر جھوٹ باندھتے ہو، تمھیں کیا ہوا تم کیسا حکم لگاتے ہو؟ یا تمھارے لیے کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو کہ اس میں تمھارے لیے وہ ہے جو تم پسند کرتے ہو۔(ت)

اور اگر شاید بات کی پچ ایسی ہی آپڑی کہ یہاں بھی کُھل کر شرک کی جڑی۔

شادم کہ از قیباں دامن کشاں گزشتی گومشت خام ماہم بر باد رفتہ باشد

(میں خوش ہوں کہ تم رقیبوں سے دامن کھینچ کر نکل گئے، گو اس میں ہماری خاک بھی برباد ہوگئی۔ت)

غرض اس تقدیر پر اپ سے زیادہ عرض کا کیا محل ہوگا جز این کہ سلام علیکم لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ﴿۵۵﴾ [3] (سوائے اس کے کہ تم پر سلام ہم نادانوں کو نہیں چاہتے۔ت)

ہاں عوام اہلسنت کو بیدار کروں گا کہ بھائیو! اب بھی وضوح حق میں کچھ باقی ہے جس نامہذب ناپاک مشرب کی روح سے صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین وعلمائے دینوی واولیائے کاملین قرون ثلثہ سے لے کر آج تک سب کے سب معاذاللہ مشرک کافر بدعتی خاسر ٹھہریں ع

مذہب معلوم واہل مذہب معلوم ظاہر ہے کہ وہ طائفہ تالفہ کیسا ہوگا اور اسے سنت وجماعت سے کتنا علاقہ، سبحان اللہ سنت جماعت کو شرک بتائیں، جماعت سنت کو مشرک ٹھہرائیں، پھر سنی ہونے کا دعوی بجا۔

کلا ورب العرش الاعلی قل جاء الحق وزھق الباطن ان الباطن کان زھوقا والحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك والحمد للہ رب العالمین	عرش اعلٰی کے رب کی قسم، ہر گز نہیں! فرمادو حق آیا اور باطل مٹا، بیشک باطل مٹنا ہی تھا، ساری تعریف خداکے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور درود سلام رسولوں کے سردار حضرت محمد اور ان کے آل واصحاب پر، اے اللہ! تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، ۔میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت کاطالب اور تیری بارگاہ میں تائب ہوں،اور سب خوبیاں سارے جہانون کے مالک اللہ کے لیے ہیں(ت)

[1] القرآن ۵۹/۱۰

[2] القرآن ۳۶/۶۸تا۳۸

[3] القرآن ۵۵/۲۸

تذییل اہم اجل واعظم
رسالہ
الوفاق المتین بین سماع الدّفین وجواب الیمین ۱۳۱۶ھ
(مدفون کے سننے اور مسئلہ قسم کے درمیان محکم مطابقت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم لك الحمد وبك استعین صل وسلم وبارك علی الامان الامین المبارك الیمین حبیبك واٰلہ وصحبہ اجمعین ما بر بار او حنث حانث فی یمین۔	اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے اور میں تجھ سے مدد کا طالب ہوں امانت دار امان، یمین وبرکت والے اپنے حبیب اور ان کی تمام آل واصحاب پر درود و سلام نازل فرما جب تک کوئی قسم پوری کرنے والا قسم پوری کرے یا قسم توڑنے والا قسم توڑے۔ (ت)

عائدہ جزیلہ تحقیق مسئلہ یمین میں: حضرات منکرین کی غایت سعی وتمام مایہ ناز اس باب میں جو کچھ ہے وہ یہی مسئلہ یمین ہے جسے دکھا کر عوام بلکہ کم علموں کو متزلزل کردیتے ہیں یا کیا چاہتے ہیں، مائتہ مسائل میں کافی شرح وافی، وفتح القدیر وکفایہ حواشی ہدایہ ومستخلص وعینی شروح کنز سے طولانی عبارتیں کچھ قطع وبرید کچھ بیگانہ مزید پر مشتمل نقل کیں کہ عوام بڑی بڑی عبارات عربیہ دیکھ کر ڈر جائیں۔ اور اگر سماع موتٰی سے منکر نہ ہوں تو لااقل تردد تو کر جائیں، مگر بحمد اللہ اہل علم جانتے ہیں کہ یہ سب نری ملمع کاری ہے ورنہ وہ عبارات اور ان جیسی سو یا ہزار جتنی اور ہوں نہ ہمیں مضر نہ منکرین کو مفید، نہ اہل سنت وجماعت کا اجماعی مسئلہ جو نصوص صریحہ احادیث صحیحہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کسی مشکک کی تشکیکات بے معنی سے متزلزل ہوسکے، فقیر غفر اللہ المولی القدیر اس کی تحقیق وتنقیح میں بھی کچھ کلمات چند نافع وسود مند گزارش کرے کہ باذنہٖ تعالٰی موافق کو ثبات واستقامت، مخالف منصف کو رشاد وندامت، مکابر متعسف کو وبال وغرامت دیں،

وباللہ التوفیق بہ الوصول الی ذری التحقیق (اور خدا ہی سے توفیق اور اسی کی مدد سے بلندی تحقیق تک رسائی۔ ت) مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے زید سے بول نہ بولوں گا، تو یہ قسم زید کی حالت حیات پر متصور رہتی ہے۔ اگر بعد انتقال زید سے کلام کرے حانث نہ ہوگا، اصل مسئلہ ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے صرف اس قدر ہے۔ اور اس کی وجہ یہ کہ ہمارے نزدیک بنائے یمین عرف پر ہے۔ لفظ سے جو معنٰی عرفاً مراد و مفہوم ہوتے ہیں ان پر قسم وارد ہوتی ہے نہ معنی لغوی یا شرعی پر، تمام کتب مذہب اور خود ان کتب مذکورہ میں (جن کی عبارات کو منکرین راہ جہل یا تجاہل اپنی سند سمجھے) اس امر کی تصریحات جلیہ ہیں، مثلاً قسم کھائی بچھونے پر نہ بیٹھے گا یا چراغ سے روشنی نہ لے گا یا چھت کے نیچے نہ آئے گا تو زمین پر یا دھوپ میں یا زیر آسمان بیٹھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی اگرچہ قرآن عظیم میں زمین کو فرش اور آفتاب کو سراج اور آسمان کو سقف فرمایا،

قال اللہ تعالٰی جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا [1] وقال اللہ تعالٰی وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا [2] وقال اللہ تعالٰی وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا [3]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا، اور فرماتا ہے: اس میں ایک چراغ اور ایک روشن چاند بنایا۔ اور فرماتا ہے: ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا (ت)

یوہی قسم کھائی کسی گھر میں نہ جائے گا، تو مسجد وغیرہ معابدہ میں جانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ لغۃً ان پر بھی گھر کا لفظ صادق، وجہ وہی ہے کہ اگرچہ شرعاً یا لغۃً یہ اشیاء ان الفاظ میں داخل مگر ایمان میں عرفاً شمول درکار ہے وہ یہاں غیر حاصل، بعینہٖ اسی وجہ سے مسئلہ مذکورہ میں بعد موت بولنے سے حنث زائل کہ کسی سے نہ بولنا عرفاً اس کی موت کے بعد سلام وکلام کو غیر شامل، اس سے یہ تراش لینا کہ ہمارے اصل ائمہ مذہب کے نزدیک میّت سے کلام حقیقۃً یا شرعاً کلام نہیں محض باطل، اور ایسا گمان کرنے والا اصل مبنائے مسئلہ سے جاہل یا ذاہل، ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جس طرح یہ تصریح فرمائی یوں ہی یہ بھی کہ صورت مذکورہ میں اگر قسم کھانے والا اور زید دونوں نماز میں تھے اور زید نے سلام پھیرنے میں ہمراہیوں پر سلام کی نیت کی حانث نہ ہوگا، اور بیرون نماز اگر زید کسی مجمع میں ہو اور قسم کھانے والا السلام علیکم کہے حانث ہوجائے گا یونہی اگر زید امام تھا اور یہ مقتدی زید نماز میں کچھ بھولا اس نے بتایا قسم نہ ٹوٹے گی، اور نماز سے باہر بتایا ٹوٹ جائے گی، بحرالرائق وردالمحتار وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے:

لو سلم علی قوم فیھم حنث الا ان	اگر کسی جماعت کو سلام کیا جس میں وہ بھی موجود ہے

---

[1] القرآن ۲/۲۲

[2] القرآن ۲۵/۶۱

[3] القرآن ۲۱/۳۲

لایقصدہ فیدین ولوسلم من الصلوۃ الایحث وان کان المحلوف علیہ من یسارہ ھوا لصحیح لان اسلامین فی الصلٰوۃ من وجہ ولو سبح لہ السھو ا و فتح علیہ القرأۃ وھو مقتد لم یحنث وخارج الصلٰوۃ حنث [1]۔	(جس سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تھی) تو حانث ہوجائے گا۔ لیکن اگر سلام میں اس کا قصد نہ کیا تو دیانۃً اس کا بیان مانا جائے گا، اور اگر نماز کا سلام پھیرا اور وہ جس سے متعلق قسم کھائی تھی اس کے بائیں موجود ہے تو بھی قسم نہ ٹوٹی یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ دونوں سلام بھی ایک طرح داخل نماز ہیں۔ اور اگر وہ امام تھا یا مقتدی، سہو پر اس کے لیے سبحان اللہ کہا یا قرأت میں غلطی پر لقمہ دیا تو حانث نہ ہوگا اور بیرون نماز ایسا ہوا تو حانث ہوجائے گا۔ (ت)

اب اس سے یہ قرار دے لینا کہ نمازی پتھر ہیں نمازی کچھ سنتے نہیں، نمازیوں سے کلام حقیقۃً کلام ہی نہیں۔ اس جہالت کی کچھ بھی حد ہے، خواہ انھیں کی کتب مستندہ کی عبارتیں سنئے۔ کافی میں ہے:

الاصل ان الالفاظ المستعملۃ فی الایمان مبنیۃ علی العرف عندنا (الی ان قال) قلنا ان غرض الحالف ما ھو المتعارف فیتقید بماھو غرض الابری ان من حلف ان لایستضی بالسراج اولا یجلس علی البساط فاستضاء بالشمس او جلس علی الارض لایحنث، وان سمی فی القرآن الشمس سراجا والارض بساطا رجل حلف ان لایدخل بیتا لا یحنث بدخل الکعبۃ والمسجد والبیعۃ والکنیسۃ [2] الخ۔	اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قسم میں استعمال ہونے والے الفاظ کی بناء عرف پر ہے (آگے فرمایا) ہم یہ کہتے ہیں قسم کھانے والے کا مقصد وہی ہوتا ہے جو عرف میں جاری ہے تو اس کی قسم اس کے مقصود سے مقید رہے گی۔ دیکھئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ چراغ سے روشنی نہ لے گا یا بچھونے پر نہ بیٹھے گا اور سورج سے روشنی لی یا زمین پر بیٹھا تو حانث نہ ہوگا اگرچہ قرآن میں سورج کو چراغ اور زمین کو بچھونا فرمایا ہے۔ کسی نے قسم کھائی گھر میں نہ جائے گا تو کعبہ ومسجد یا کلیسا اور گرجا میں جانے سے حانث نہ ہوگا الخ۔ (ت)

اسی فتح القدیر میں ہے:

الاصل ان الایمان مبینۃ علی العرف عندنا لاعلی الحقیقۃ اللغویۃ کما نقل عن الشافعی	اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قسم کی بنا پر عرف پر ہے حقیقت لغویہ پر نہیں۔ جیسا کہ امام شافعی سے منقول

[1] ردالمحتار کتاب الایمان مصطفی البابی مصر ۳/۱۱۲
[2] کافی شرح وافی

ولا علی الاستعمال القراٰنی کما عند مالك ولا علی النبیة مطلقا کما عند احمد[1]۔	ہے ___ نہ ہی قرآن کے استعمال پر ___ جیسا کہ امام مالک کے یہاں ہے ___ نہ ہی مطلّقانیت پر ___ جیسا کہ امام احمد کے یہاں ہے۔ (ت)

اسی کفایہ میں ہے:

الاصل ان لالفاظ المستعملة فی الایمان مبنیة علی العرف عندنا وعند الشافعی علی الحقیقة لان الحقیقة بان یراد، وعند مالك علی معانی کلام القراٰن لانه علی اصح اللغات وافصحها ولنا ان غرض الحاف ماھو والمتعارف فینعقد بغرضه[2]۔	اصل یہ ہے کہ قسم میں جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں ہمارے نزدیک ان کی بنا عرف پر ہے۔ اور امام شافعی کے یہاں حقیقت پر ہے اس لیے کہ حقیقت اس قابل ہے کہ مراد ہو، اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں الفاظ قرآن کے معانی پر ہے اس لیے کہ قرآن سب سے زیادہ صحیح اور فصیح زبان پر وارد ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ قسم کھانے والے کی غرض وہ ہی ہوتی ہے جو عرف میں ہے تو اس کی غرض سے منعقد ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

رجحنا العرف علی الحقیقة لان مبنٰی الایمان علی العرف[3]۔	ہم نے عرف کو حقیقت پر ترجیح دی اس لیے کہ قسم کی بنا عرف ہی ہوتی ہے۔ (ت)

اسی مستخلص شرح کنز میں کفایہ کا پہلا کام بعینہٖ نقل کرکے لکھا:

کذا فی الکفایة وقد ذکر فخر الاسلام فی اصول ان من جملة ماترك به الحقیقة خمسة انواع وعدمن جملتها استعمال العرف الغالب[4]۔	اسی طرح کفایہ میں ہے۔ اور فخر الاسلام نے اصول میں بیان فرمایا ہے کہ جن امور سے حقیقت متروک ہوجاتی ہے وہ پانچ قسم کے ہیں، ان میں اکثر عرف کے استعمال کو بھی شمار کیا۔ (ت)

اسی عینی شرح کنز میں ہے:

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الدخول والسکنی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الیمین فی الدخول والسکنی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[3] الکفایۃ مع فتح القدیر مسائل متفرقہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۳

[4] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق، کتاب الایمان، باب الیمین فی الدخول والسکنی دلی پرنٹنگ پریس دہلی ۲/ ۳۳۷

الایمان عندنا مبنیة علی العرف وعند الشافعی واحمد علی الحقیقة وعند مالك علی معانی کلم القرآن[1]۔	ہمارے نزدیک قسم عرف پر مبنی ہوتی ہے اور امام شافعی وامام احمد کے نزدیک حقیقت پر اور امام مالک کے نزدیک کلمات قرآن کے معانی پر۔ (ت)

بلکہ اسی فتح القدیر میں خاص ہمارے مسئلہ دائرہ کے مبنی علی العرف ہونے کی تصریح کی، فرماتے ہیں:

یمینه لاتنعقد الا علی الحی لان المتعارف هوا لکلام معه[2]۔	یعنی یہ قسم خاص حالت زندگی ہی پر منعقد ہوگی کہ عرف میں کسی سے بولنااس کی زندگی ہی میں بات کرنے کو کہتے ہیں۔

علامہ علی قاری مکی حنفی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں اسی مسئلہ کو ذکر کرکے فرماتے ہیں:

هذا منهم مبنی علی ان مبنی الایمان علی العرف فلا یلزم نفی حقیقة السماع کما قالوا فیمن حلف لا یاکل اللحم فاکل السمکة مع انه تعالٰی سماه لحما طریا[3]۔	یعنی ہمارے علماء کا یہ ارشاد کہ بعد موت کے کلام سے قسم نہ ٹوٹے گی اس پر مبنی ہے کہ قسم کی بناء عرف پر ہے تواس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے حقیقۃً نہیں سنتے، جس طرح ہمارے علماء نے فرمایا کہ جو گوشت کھانے کی قسم کھائے مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا حالانکہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اسے تروتازہ گوشت فرمایا۔

اسی طرح شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث حنفی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بعد ذکر مسئلہ کہ:

اگر کسے سوگند خورد کہ کلام نہ کنم پس کلام کرد اور رابعد مردن اوحانث نمی گردد[4]۔	اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے بات نہ کروں گا، پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کیا حانث نہ ہوگا۔ (ت)

اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں:

مبنائے ایمان بر عرف وعادت است نہ بر حقیقت[5]۔	قسم کی بنیاد عرف وعادت پر ہے حقیقت پر نہیں (ت)

[1] رمز الحقائق شرح کنزالد قائق کتاب الایمان باب الیمین فی الدخول السکنی نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰۷
[2] فتح القدیر باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۱۷
[3] مرقاۃ المفاتیح باب حکم لاسراء فصل اول مسئلہ سماع الموتٰی مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/۱۱
[4] اشعۃ اللمعات باب حکم لاسراء فصل اول مسئلہ سماع الموتٰی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۲۹۹
[5] اشعۃ اللمعات اب حکم لاسراء فصل اول مسئلہ سماع الموتٰی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۲۹۹

اصل بات تو اتنی ہے جسے انکار سماع موتٰی سے نام کو مس بھی نہیں مگر بعض شروح مثل کتب خمسہ مذکورہ وغیرہا میں اس مسئلہ کی توجیہ وتاویل ووجہ ودلیل کچھ ایسے طور پر واقع ہوئی جس سے بنظر ظاہر فکر غائر کچھ وہم خلاف پیدا ہو، حضرات منکرین اور یہ ایک منکرین کیا اہلسنت کے تمام مخالفین ہمیشہ الغریق یتشبث بکل حشیش کے مصداق ہوتے ہیں ڈوبتا ہوا سوار (تنکا) پکڑتا ہے، اپنے صریح مضر سے بھی تو استدلال کرلاتے ہیں پھر جس میں بظاہر کچھ نفع کا وہم نکلتا ہو اس کا کہنا ہی کیا ہے۔ اب احادیث صحیحہ صریحہ جلیلہ جزیلہ کے تمام قاہر، باہر، ظاہر تصریحات سب اٹھا کر طاق نسیاں پر رکھ دیں، صحابہ وتابعین وائمہ دین، سلف صالحین وخلف کاملین سب کے ارشادات جلیلہ عُلیہ سے آنکھیں بند کرلیں، احادیث اور وہ ارشادات ائمہ کیوں دیکھے جاتے وہاں تو انکار کی قلعی کھلتی ہے۔ نبی مطلع علی الغیب کے ارشاد سے اس برزخی پنہاں کی خیر اپنی خواہش کے خلاف ملتی ہے۔ اقوال علماء میں اجماع اہلسنت کے بادل گرج رہے ہیں جنھیں سن کر اختراع انکار کی چھاتی دہلتی ہے۔ چار ناچار انھیں چند عبارات موہمہ کے معانی موہومہ پر ایمان لانا فرض ٹھہرا، خدارا انصاف اگر معاذ اللہ صورت برعکس ہوتی۔ کہ حضرات کی طرف وہ دلائل قاہرہ احادیث متواترہ و نقول اجماع اہل سنت ہوتیں اور دوسرا ان کے خلاف ایسی چند عبارات سے استناد کرتا کیا کچھ نہ بکھرتے پھرتے، طعن و تشنیع کے رنگ نکھرتے، مگر اپنے لیے سب کچھ حلال ہے کیا کریں اس میں گنجائش یہیں تک مجال ہے ذٰلک مبلغھم من العلم (یہی ان کا مبلغ علم ہے۔ ت) طرہ یہ کہ ان میں مدعیان حنفیت، درکنار حضرات غیر مقلدین بھی انکار سماع موتٰی پر مرتے جان دیتے ہیں اور نصوص صریحہ، احادیث صحیحہ چھوڑ کر ایسے ہی بعض عبارات موہمہ کی آڑ لیتے ہیں، اب نہ عمل بالحدیث کی آن، نہ اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ [1] (اپنے عالموں اور راہبوں کو خدا چھوڑ کر رب بنالیا ہے۔ ت) پر ایمان۔ بات یہ ہے کہ منکر صاحبوں کے یہاں دین شریعت اپنی ہوا و ہوس کا نام ہے جہاں جیسا موقع دیکھا اسی سے کام ہے، ان حضرات کے عمل بالحدیث کی وہی حالت ہے جو قرآن عظیم میں اصل اصول مذہب ذوالخویصرہ تمیمی کے دربارہ صدقات ارشاد فرمائے کہ:

وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّلْمِزُكَ فِی الصَّدَقٰتِۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ یَسْخَطُوْنَ﴿۵۸﴾ [2]۔	ان میں کوئی وہ ہے جو صدقات کے بارے میں تم پر عیب لگاتا ہے۔ اگر انھیں ان میں سے کچھ دے دیا جائے تو راضی ہوجائیں اور نہ دیا جائے تو ناراض ہوجائیں۔ (ت)

ارشادات حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے زعم میں ان کے ہوسات کو جگہ دی تو خوش ہیں

---
[1] القرآن ۹/۳۱

[2] القرآن ۹/۵۸

بڑے متبع حدیث ہیں، ورنہ خفا۔ حدیث کی طرف سے رو در قفا۔ اب لاکھ پکارا کیجئے **تعالوا الی الرسول** (رسول کی طرف آؤ۔ ت) کون سنتا ہے۔ کسے قبول خوبی یہ کہ سب کو چھوڑ کر جن کا دامن پکڑا ان کے کلمات میں بھی **دع ما کدر** (گدلے کو چھوڑدو۔ ت) پر عمل رہا۔ طرفہ تر یہ کہ خود ان کی عبارتوں میں عقل ودانش وانصاف کو غور ونظر کی رخصت نہ دی، نہ احتمال واستدلال میں تمیز کی، ہاں طالب تحقیق وصاحب توفیق براہ انصاف وترک اعتساب ادھر آئے کہ بعونہٖ تعالٰی رفع حجاب ودفع اضطراب وتنقیح جواب وتوضیح صواب کے دریا لہراتے پائے۔

فاقول: وبحول اللہ تعالٰی اصول تقریر جوابات سے پہلے مقدمات مفید دلائل تمہید والتوفیق من اللہ العزیز الحمید:

مقدمہ اولٰی: فصول سابقہ میں ثابت ہوا کہ اہلسنت کے نزدیک روح کے لیے فنا نہیں، موت سے روحوں کا مرجانا بدمذہبوں کا قول ہے۔ کتب عقائد مثل مقاصد ومواقف وطوالع، اور ان کی شروح غیرہا اس کی تصریحات سے مالامال ہیں، یہ مسئلہ بلکہ خود روح جسم کے علاوہ ایک شی ہونا ہی اگرچہ بنظر بعض الناس منجملہ نظریات تھا جس کے سبب امام اجل فخر الدین رازی کو تفسیر کبیر میں زیر کریمہ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ[1] اس پر سترہ[۱۷] حجج قاہرہ عـــہ کا قائم کرنا پڑا مگر قرآن وحدیث پر اتنے نصوص واضحہ قاطعہ عطا نہیں فرماتے جن کا حصر وشمار ہوسکے اور اب تو بحمد اللہ تعالٰی یہ باتیں اہل اسلام میں بدیہات سے ہیں جان کا جاننا ہر ایک جان نہیں مگر انجان جان کا جانا جسم سے نکلنا ضرور جانتا ہے اور ساتھ ہی فاتحہ وخیرات وایصال ثواب حسنات وصدقات سے بتادیتا ہے کہ وہ روح کو باقی وبرقرار مانتا ہے تو موت حقیقتاً صفت بدن ہے نہ کہ وصفِ روح ولہذا علامہ الوجود مفتی ابوالسعود محمد نے تفسیرات ارشاد العقل السلیم میں زیر قول تعالٰی بل احیاء عند ربھم (بلکہ وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں۔ ت) فرمایا:

فیه دلالة علی ان روح الانسان جسم لطیف لایفنی بخراب البدن ولایتوقف علیه ادراکه وتالمه والتذاذه[2]۔	اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی روح ایک جسم لطیف ہے جو بدن کے ہلاک ہونے سے فنا نہیں ہوتی اور اس کا ادراک اور لذت والم پانا بدن پر موقوف نہیں۔ (ت)

عـــہ: ان میں بعض دلائل کا خلاصہ قریب آتا ہے جن سے موت بدن حیات روح بھی ثابت ۱۲منہ (م)

[1] القرآن ۸۵/۱۵

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آئیہ مذکورہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۱۲/۲

پھر بھی مجازاً روح مفارق عن البدن پر بھی اس کا اطلاق آتا ہے۔ حدیث میں ہے:

اللھم رب الارواح الفانیة والاجساد البالیة [1] الحدیث ولفظه عند ابن السنی عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا دخل الجبانة یقول السلام علیکم ایتها الارواح الفانیة والابدان البالیة والعظام النخرة التی خرجت من الدنیا وهی بالله المؤمنة اللهم ادخل علیهم روحامنك وسلامامنا [2]۔	اے اللہ فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام کے رب، الحدیث۔ ابن السنی کے یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روای سے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب قبرستان میں داخل ہوتے تو فرماتے: تم پر سلام ہو اے فانی ارواح اور بوسیدہ اجسام اور گلی ہوئی ہڈیو! جو دنیا سے خدا پر ایمان کے ساتھ نکلے۔ اے اللہ! ان پر اپنی جانب سے اسائش اور ہماری طرف سے سلام پہنچا۔ (ت)

علامہ عزیزی اس حدیث کے نیچے سراج المنیر میں فرماتے ہیں: (الارواح الفانیة) ای الفسانی اجسادها [3]۔ (ارواح فانی کا مطلب یہ ہے کہ جن کے جسم فانی ہیں۔ ت) علامہ زین العابدین مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں: یعنی الارواح التی اجسادها فانیة ولا فالارواح لاتفنی [4] (یعنی وہ ارواح جن کے جسم فانی ہیں ورنہ ارواح تو فنا نہیں ہوتیں۔ ت) علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

قوله الفانیة ای الفانیة اجسادها اذا الارواح لا تقضی ولذا اتی بالجملة بعدها مفسرة لذالك اعنی والابدان البالیة ای فی غیر نحو الشهداء [5]۔	اس قول "الفانیة" یعنی جن روحوں کے جسم فانی ہیں کیونکہ روحیں فنا نہیں ہوتی اس لیے اس کی تفسیر کرنیوالا جملہ بعد میں لائے۔ میری مراد، الابدان البالیہ (بوسیدہ اجسام) یعنی شہداء کے ماسوا اجسام بوسیدہ ہیں (ت)

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ کتاب الذکر والدعاء فصل ثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۲۸

[2] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذاخرج الی المقابر حدیث ۵۹۳ نور محمد اصح المطابع کراچی ص ۱۹۸

[3] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکورہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/ ۱۲۵

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکورہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ ۲/ ۲۴۸

[5] حواشی الحفنی علی ھامش السراج المنیر شرح الجامع الصغیر مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/ ۱۲۵

ان سب عبارات کا محصل یہ کہ روح پر اطلاق فانی باعتبار جسم واقع ہوا یعنی اے وہ روحو! جن کے بدن فنا ہوگئے تم پر سلام ہو۔ ورنہ خود روح کے لیے ہر گز فنا نہیں۔ ولہٰذا دوسرے فقرے میں اس کی تفسیر فرمادی کہ گلے ہوئے بدن یعنی عام لوگوں کے لیے کہ شہداء اور ان کے مثل خواص کے جسم پر بھی سلامت رہتے ہیں، اس کے بعد تیسیر وسراج المنیر دونوں میں ہے:

فیہ ان الاموات یسمعون اذ لا یخاطب الامن یسمع [1]۔	یعنی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہو کہ مردے سنتے ہیں خطاب اس سے کیا جاتا ہے جو سنتا ہو۔

احادیث نوع اول مقصد اول پر نظر تازہ کیجئے تو وہ ایک ساتھ ان کو مطالب کو ادا کر رہی ہیں کہ بدن و روح دونوں پر میّت کا اطلاق ہوتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتی ہیں کہ حقیقت موت بدن کے لیے ہے روح اس سے پاک و مبرا ہے مثلاً حدیث پنجم میں ارشاد ہوا کہ جو شخص مردے کو نہلاتا کفناتا اٹھاتا دفناتا ہے مردہ اسے پہچانتا ہے، پُر ظاہر کہ یہ افعال بدن پر وارد ہیں نہ کہ روح پر، اور پہچاننا کہ روح پر، اور پہچاننا کام روح کا ہے۔ اور جب وہ اپنے ادراک پر باقی ہے تو اسے موت کہا! موت کی چھوٹی بہن نیند میں تو پہچان رہتی نہیں، موت میں کیونکر رہتی یونہی حدیث ۶ و ۷ و احادیث ۱۰ تا ۱۵ وغیرہ سب اسی طرح ان جملہ مطالب کی معًا مودی ہیں کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا:

موت بمعنی عدم حس وحرکت و عدم ادراک وشعور جسد را رومی دہد روح را اصلاً تغیر نمی شود چنانچہ حامل قوی بود حالاہم ہست وشعورے وادراکے کہ داشت حالاہم دارد بلکہ صاف تر و روشن تر پس ارواح رامطلقا خواہ روح شہید باشد یا روح عامہ مومنین یا روح کافر وفاسق بایں معنی مردہ نتواں گفت، مردگی صفتِ بدن است کہ شعور وادراک وحرکات وتصرفات کہ سبب تعلق روح باوی ازوی ظاہر می شدند حالا نمی شوند آری روح را بدو معنی موت لاحق می شود اول آنکہ از مفارقت بدن	موت کا یہ معنی کہ حس و حرکت ختم ہو جائے اور ادراک و شعور مفقود ہو جائے۔ صرف جسم کے لیے ہوتا ہے۔ اور روح میں بالکل کوئی تغیر نہیں ہوتا، وہ جیسے پہلے حامل قوی تھی اب بھی ہے۔ پہلے جو شعور وادراک اسکے پاس تھا وہ اب بھی ہے بلکہ اب زیادہ صاف اور روشن ہے۔ تو اس معنی کرکے روح کو مردہ نہیں کہہ سکتے، مطلقاً خواہ شہید کی روح ہو یا عام مومن کی روح یا کافر فاسق کی روح موت بدن کی صفت ہے کہ روح کے تعقل کی وجہ سے جو شعور وادراک اور حرکات تصرفات بدن سے

[1] السراج لمنیر شرح الجامع الصغیر تحت آیہ مذکورہ مطبعۃ ازہریۃ مصریۃ مصر ۳/ ۱۲۵

از ترقی بازمی مانند۔ دوم بعضے تمتعات مثل اکل و شرب از دست اُمی روند لہٰذا اور نیز درشرع حکم بموت می فرمائید اما دریں امور فقط اما شہیدان راہ خدارا در حقیقت ایں دو معنی ہم نیست بلکہ ایشاں زندگان در حقیقت ایں دو معنٰی ہم نیست بلکہ ایشاں زندگانند دائما در ترقی و تمتعات جسدانیہ نیز از ایشاں موقوف نہ شدہ[1] اھ مختصرا۔	ظاہر ہوتے تھے اب نہیں ہوتے__ہاں روح کو دو معنی میں موت لاحق ہوتی ہے__ایک یہ کہ بدن سے جدا ہوجانے کے بعد اس کی ترقی رک جاتی ہے دوسرے یہ کہ کھانے پینے جیسی لذتیں اس کے قبضے سے نکل جاتی ہے۔ اس لیے کبھی شریعت میں اس کے لیے بھی موت کا حکم دیتے ہیں لیکن وہ بھی صرف ان باتوں میں__مگر خدا کی راہ میں شہید ہونے والوں کے لیے حقیقت میں یہ دونوں معنی بھی نہیں بلکہ یہ حضرات زندہ ہیں اور ان کی ترقی ہمیشہ جاری ہے۔اور جسمانی لذتیں بھی ان سے موقوف نہیں الخ (ت)

اسی میں ہے:

جان آدمی ہر چند در شدائد و مصائب گرفتار شود بحفظ الٰہی محفوظ است شکستہ شدن وفنا پذیر فتن آں از محالات است ولہٰذا درحدیث شریف وارد است انما خلقتم لابد یعنی جان آدمی کہ در حقیقت ادمی عبارت از آنست ابدی است ہر گز فنا پذیر نیست، وآنچہ در عرف مشہور است کہ موت ہلاک جاں می کنہ محض مجاز است نہایت کا موت آن ست کہ جان از بدن جدا شود بدن بسبب نایافت مربی و محافظ از ہم باشد والاجان رافنا متصور نیست واثبات علم برزخ ومکان حشر ونشر مبنی برہمیں مسئلہ است[2] الخ۔	آدمی جس قدر بھی سختیوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہو مگر اس کی روح خدا کی حفاظت کے باعث محفوظ ہے اس کا ٹوٹنا پھوٹنا اور فنا ہونا محال ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا ہے: تم ہمیشہ کے لیے پیدا کئے گئے ہو__یعنی تمھاری جان اور روح__کہ حقیقت میں انسان اسی سے عبارت ہے__ابدی اور جاودانی ہے۔ وہ کبھی فنا نہیں ہونے والی۔ اور وہ جو عرف میں ہمیشہ میں مشہور ہے کہ موت جان کا ہلاک کردیتی ہے محض مجاز ہے۔ موت کا زیادہ سے زیادہ اثر یہ ہے کہ جان بدن سے جدا ہوتی ہے اور بدن اپنے مربی ہے و محافظ کو کھودینے کی وجہ سے بکھر کر رہ جاتا ہے۔ ورنہ جان کے لئے فنا متصور نہیں، عالم برزخ اور امکان حشر ونشر کے اثبات کی بنیاد اسی مسئلہ پر ہے۔ الخ (ت)

بالجملہ موت بہ معنی حقیقی کہ بدن ہی کو عارض ہوتی ہے وہی ایسی چیز ہے کہ جسے لاحق ہو مہمل و معطل و

[1] تفسیر عزیزی پارہ سیقول آیت ولا تقولوا لمن یقتل الخ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۵۵۹

[2] تفسیر عزیزی پارہ عم سورہ الطارق آیت ولا تقولوا لمن یقتل الخ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۲۶

معرض فساد و ملحق بالجماد کردے۔ موت مجازی کہ روح کے لیے ان سب آفات سے پاک ومبرا ہے۔ **وﷲ الحمد والحجۃ السامیہ**۔ **مقدمہ ثانیہ**: عاقل جانتا ہے کہ علم وادراک صفت جان پاک ہے نہ کہ وہ وصف مشتِ خاک، **قال اللہ عزوجل**:

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝[1] على القول المختار ان المراد بالرؤية بحاسة البصر[2]۔	دل نے غلط نہ کہا اسے جو آنکھ نے دیکھا۔ یہ معنی قول مختار کی بنیاد پر ہے کہ یہاں رؤیت سے مراد حاسہ نگاہ سے دیکھنا ہے۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

ان الانسان شيئ واحد وذلك الشی هوالمبتلی بالتکالیف الالٰهية والامورالربانية وهو الموصوف بالسمع والبصر ومجموع البدن ليس كذٰلك وليس عضو من اعضاء البدن كذٰلك فالنفس شی مغائر لجملة البدن ومغائر الاجزاء البدن وهو موصوف بكل هذه الصفات[3]۔	انسان ایک شی واحد ہے۔ اسی شی کا تکلیفات شرعیہ اور احکام ربانیہ سے ابتلا ہے۔ وہی سننے دیکھنے سے متصف ہے۔ اور پورا بدن یہ صفت نہیں رکھتا، نہ ہی اعضائے بدن میں سے کوئی عضو اس وصف کا ہے۔ تو روح پورے بدن کے مغایر اور ہر جزو بدن کے مغایر ایک شے ہے۔ وہی ان تمام صفات سے متصف ہے۔ (ت)

اس میں بعد اقامت حجج کے لکھتے ہیں:

فثبت بما ذكرنا ان النفس الانسانية شيئ واحد وثبت ان ذلك الشی هو المبصر والسامع والشام و الذائق واللامس والمتخيل والمتفكر والمتذكر و المشتهی والغاضب وهوالموصوف بجميع الادراك لكل المدركات وهو موصوف بجميع	یہاں مذکور سے ثابت ہوا کہ روح انسانی ایک شی واحد ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وہی شی دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے، چھونے، خیال کرنے، سوچنے، یاد کرنے، خواہش کرنے، غصہ کرنے والی ہے۔ وہی تمام ادراکات سے متصف ہے۔

---

[1] القرآن ۵۳/۱۱

[2] المصابیح المنیر کتاب الباء منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/۲۴۷

[3] التفسیر الکبیر تحت ویسئلونک عن الروح المطبعۃ البھیۃ العربیۃ الازہر مصر ۲۱/۵۲

الافعال الاختیاریۃ والحرکات الارادیۃ [1]۔	اور وہ تمام افعال اختیاریہ اور حرکاتِ ارادیہ سے متصف ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

لما کانت النفس شیئاواحدا امتنع کون النفس عبارۃ عن البدن وکذا القوۃ السامعۃ وسائر القوی فانا نعلم بالضرورۃ انہ لیس فی البدن جز واحد ھو بعینہ موصوف بالابصار والسماع والفکر فثبت ان النفس الانسانیۃ شیئ واحد موصوف بجملۃ ھذہ الادراکات وثبت بالبداھۃ ان البدان و شیئامن اجزاء البدن لیس کذلک، ولنقرر ھذا البرھان بعبارۃ اخری فنقول نعلم بالضرورۃ انا اذا بصرنا شیئاعرفناہ واذا عرفناہ اشتھیناہ واذا اشتھیناہ حرکنا ابداننا الی القرب منہ فوجب القطع بان الذی البصر ھو الذی عرف ھو الذی اشتھی ھوالذی حرك [2] الی اٰخرما اطال اوطاب ھذا مختصر ملتقط۔	جب روح شی واحد ہے تو محال ہے کہ روح بدن سے یا قوت سامعہ یادیگر قوی سے عبارت ہو، اس لیے کہ ہمیں بدیہی طور پر معلوم ہے کہ بدن میں کوئی ایک خاص جز ایسا نہیں کہ وہی دیکھنے سننے اور فکر کرنے سے متصف ہو تو ثابت ہو کہ روح انسانی وہ شی واحد ہے جو ان تمام ادراکات سے متصف ہے ___ اور بدیہی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ بدن اور اجزائے بدن میں کوئی جز ایسا نہیں۔ اس دلیل کی تقریر ہم دوسرے الفاظ میں یوں کرتے ہیں کہ دیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ جب ہم کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو اس کو پہچان لیتے ہیں اور جب اسے پہچان لیتے ہیں تو ہم اس کی خواہش کرتے ہیں اور جب اس کی خواہش کرتے ہیں تو اپنے بدن کو اس سے قریب ہونے کے لیے حرکت دیتے ہیں تو اس بات کا قطعی طور پر حکم کرنا ضروری ہے کہ جس نے دیکھا اس نے پہچانا، اسی نے خواہش کی اسی نے حرکت دی، امام رازی نے اس کی مزید تفصیل اور عمدہ تقریر فرمائی ہے یہاں اختیار کے ساتھ جگہ جگہ کی عبارتوں کا انتخاب نقل ہوا۔ (ت)

تفسیر عزیزی میں ہے:

جزواعظم جان است وشعور وادراک وتلذذ وتألم	جزوِاعظم جان ہے، اور شعور وادراک اور احساس

---

[1] التفسیر الکبیر تحت یسئلونک عن الروح المطبعۃ البہیۃ العربیۃ بمیدان الازہر مصر ۲۱/ ۴۷

[2] التفسیر الکبیر تحت یسئلونک عن الروح المطبعۃ البہیۃ العربیۃ بمیدان الازہر مصر ۲۱/ ۴۸و۴۷

خاصہ اوست [1] اھ ملخصا۔	لذت والم اس کا خاصہ ہے اھ بتلخیص (ت)

اقول اس معنی پر شرع سے بھی دلائل قاطعہ قائم، قرآن عظیم واجماع عقلاء دو شاہد عدل ہیں کہ انسان سمیع وبصیر ہے۔

قال اللہ تعالٰی اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۝۲ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ہم نے آدمی کو ملے ہوئے نطفے سے پیدا کیا تاکہ اسے جانچیں، پھر ہم نے اسے سننے دیکھنے والا بنادیا۔ (ت)

اور عقلاً ونقلاً بدیہات سے ہے کہ انسان کی انکھ، کان انسان نہیں تو یقیناً ثابت کہ یہ جسے سمیع وبصیر فرمایا چشم وگوش نہیں اور باقی اعضاء کا سمع وبصر سے بے علاقہ ہونا واضح تر، تو وہ نہیں مگر روح۔ ولہذا قرآن مجید فرماتا ہے:

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ یَّمْشُوْنَ بِهَاۤ ۡ اَمْ لَهُمْ اَیْدٍ یَّبْطِشُوْنَ بِهَاۤ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْیُنٌ یُّبْصِرُوْنَ بِهَاۤ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ [3]۔	کیا ان کے پاس پاؤں جن سے وہ چلتے ہیں، یا ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں، یا آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، یا کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں، (ت)

افعال وسمع وبصر کی اضافت صاحب جوارح کی طرف فرمائی اور جوارح پر بائے استعانت آئی، ثابت ہوا کہ فاعل وسامع وبصیر روح ہے۔ اور بدن صرف آلہ، اسی طرح تمام نصوص احوال برزخ کہ بعد فنائے بدن بقائے ادراکات پر شاہد ہیں جن سے جملہ کثیر فصول سابقہ میں گزرا سب سے ثابت کہ مدرک غیر بدن ہے۔ ہاں کبھی مجازاً بدن کی طرح بھی بوجہ آلیت نسبت ادراکات ہوتی ہے، قال اللہ تعالٰی وَّتَعِیَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ ۝۱۲ [4] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اور کوئی سمجھ والا کان سے سمجھے۔ ت) معالم میں ہے: قال قتادۃ اذن سمعت وعقلت ماسمعت [5] (حضرت قتادہ نے فرمایا: کوئی کان جو سنے اور سنی ہوئی بات کو سمجھے۔ ت) مدارک میں ہے:

قال قتادہ اذن عقلت من اللہ تعالٰی و انتفعت بما سمعت [6]۔	حضرت قتادہ نے فرمایا: کوئی کان جس نے خدا تعالٰی سے کلام کو سمجھا اور سنی ہوئی بات سے فائدہ اٹھایا۔ (ت)

---

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ الطارق مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۲۶

[2] القرآن ۷۶ /۲

[3] القرآن ۷/ ۱۹۵

[4] القرآن ۶۹/ ۱۲

[5] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیہ مذکورہ مصطفی البابی مصر ۷/ ۱۴۳

[6] تفسیر النسفی المعروف بہ مدارک التنزیل تحت آیہ مذکورہ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۸۶

یہ بر تقدیر مجاز عقلی ہے اور محتمل کہ مجازی الطرف ہو یعنی روح پر اطلاق اذن کما فی قول تعالٰی قُلۡ اُذُنُ خَيۡرٍ لَّكُمۡ[1] (جیسا کہ اس ارشاد باری میں: فرماؤ تمھارے لیے وہ بھلائی کے کان ہیں۔ ت) نعمائے جنت کی حدیث میں ہے: ما لا عین رأت ولااذن سمعت[2] (جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ ت) صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم جب تاکید توثیق روایت چاہتے فرماتے: ابصرت عینای وسمع اذنای ووعاہ قلبی[3] (میری آنکھوں نے دیکھا اور میرے کانوں نے سُنا اور میرے دل نے اسے سمجھا۔ ت) تفسیر کبیر میں ہے:

التحقیق ان الانسان جوهر واحد وهو الفعال وهو الدراك وهو المؤمن وهو الكافر وهو المطيع وهو العاصی، وهذه الاعضاء اٰلات له وادوات له فی الفعل فاُضیف الفعل فی الظاهر الی الاٰیة وهو فی الحقیقة مضاف الی جوهر ذات الانسان[4]۔	تحقیق یہ ہے کہ انسان ایک جوہر ہے وہی کام کرنے والا ہے وہی سمجھنے والا ہے، وہی ایمان لانے والا ہے، وہی اطاعت کرنے والا ہے، وہی نافرمانی کرنے والا ہے،۔ اور یہ اعضاء کام میں اس کے آلات واسباب ہیں تو ظاہر میں کام کی نسبت آلہ کی طرف کی گئی اور حقیقت میں وہ اسی جوہر ذات انسان کی طرف منسوب ہے۔ (ت)

مقدمہ ثالثہ: جب باجماع اہل حق روح کے لیے موت نہیں، اور تمام کُتب عقائد میں تصریح اور شرح مقاصد کی عبارت فصل دوم نوع اول مقصد سوم میں گزری کہ اہل سنت کے نزدیک جسم شرط حیات نہیں، معتزلہ اس میں خلاف کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ادراکات تابع حیات ہیں کما نص علی فی شرح طوالع الانوار للعلامة التفتازانی وللاصفهانی وشرح المواقف للسید الجرجانی (جیسا کہ علامہ تفتازانی واصفہانی کی شروح طوالع الانوار اور سید شریف جُرجانی کی شرح مواقف میں اس کی تصریح ہے۔ ت) ولہذا ہمارے نزدیک روح موت سے متغیر نہیں ہوتی اس کے کلام وادراک بدستور رہتے ہیں جس کا بیان شافی درجہ کافی فصل مذکور میں مسطور، تو روح بعد دفن فتنہ وسوال یا نعیم ونکال، کسی امر میں ہرگز اعادہ حیات کی محتاج نہیں کہ حیات وادراکات اس سے جدا ہی کب ہوئے تھے، ہاں بدن ضرور محتاج ہے۔ وجہ یہ کہ اہل سنت کے نزدیک قبر کی تنعیم یا معاذاللہ

---

[1] القرآن ۶۱/۹

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۱۳

[3] صحیح مسلم باب الضیافۃ ونحوھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۔ ۸۰

[4] التفسیر الکبیر سورہ انفال تحت ایۃ ذٰلک بما قدمت ایدیکم مطبعہ بہیہ مصریہ مصر ۱۵/ ۱۷۹

عذاب جو کچھ ہے روح وجسم دونوں پر ہے۔ امام جلیل جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں:

عذاب القبر محله الروح والبدن جمیعا باتفاق اهل السنة وکذا القول فی التنعیم [1]۔	باتفاق اہل سنت عذاب قبر اور اسائش قبر کا محل روح اور بدن دونوں میں ہیں، (ت)

اور اس پر شرع مطہرہ سے نصوص کثیرہ وشہیرہ متواتر دال ہیں جن کے استقصا کی طرف راہ نہیں، اسی کتاب کی احادیث مذکورہ میں بکثرت اس کے دلائل ہیں کما تری، اسی طرح سوال نکیرین بھی روح وبدن دونوں سے ہے۔ شرح فقہ کبر میں ہے:

لیس السوال فی البرزخ للروح وحدها کما قال ابن حزم وغیرہ منه قول من قال انه للبدن بلاروح والاحادیث الصحیحة ترد الاقولین [2]۔	برزخ میں تنہا روح سے سوال نہیں جیسے ابن حزم وغیرہ کا قول ہے اور اس سے زیادہ فاسد اس کا قول ہے جو کہتا ہے کہ سوال صرف بدن بے روح سے ہے۔ صحیح احادیث دونوں قولوں کی تردید فرماتی ہیں۔ (ت)

اور جماد میں حیث ہو جماد سے سوال یا اسے لذت، خواہ الم کا ایصال، بداہۃً محال، لاجرم وقت سوال بدن کو ایک نوع حیات کی عود سے چارہ نہیں، اگرچہ ہم اس کی کیفیت جزئنہ جانیں، امام اجل ابوالبرکات نسفی عمدۃ الکلام میں فرماتے ہیں:

عذاب القبر للکفار ولبعض العصاة من المؤمنین والانعام لاهل الطاعة. باعادة الحیاة فی الجسد وان توقفنا فی اعادة الروح حق [3]۔	کفار اور بعض گنہگار مومنین کے لیے عذاب قبر اور اہل طاعت کے لیے اسائش وانعام حق ہے اس طرح کہ جسم میں زندگی لوٹادی جائے اگرچہ روح کے لوٹانے میں ہمیں توقف ہو۔ (ت)

امام الائمہ مالک الازمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

سوال منکر ونکیر فی القبر حق واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق [4]۔	قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے، اور قبر میں بندے کی طرف روح کا اعادہ حق ہے۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶

[2] شرح فقہ الاکبر تعلق الروح بالبدن علی خمسۃ انواع مطبع قیومی کانپور بھارت ص ۱۵۴

[3] عمدۃ الکلام للنسفی

[4] فقہ اکبر ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۱۸

اسی کی شرح منح الروض میں ہے:

(اعادة الروح) ای ردھا وتعلقھا (الی العبد) ای جسدہ بجمیع اجزانه او ببعضھا مجتمعة او متفرقة (فی قبرہ حق) والواو لمجرد الجمعیة فلا ینافی ان السوال بعد اعادة الروح وکمال الحال[1] ۔	(روح کا اعادہ) یعنی اسے لوٹانا اور اس کا تعلق ہونا (بندے کی طرف) یعنی اس کے بدن کی طرف، جو اپنے تمام اجزاء کے ساتھ ہو یا بعض کے ساتھ ہو یہ مجتمع ہوں یا منتشر ہوں (اس کی قبر کے اندر حق ہے) اور "واو" محض جمعیت کے لئے ہوتا ہے تو اس کے منافی نہیں کہ سوال روح لوٹانے اور حالت کامل ہو جانے کے بعد ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ تعالٰی یخلق فی المیّت نوع حیاة فی القبر قدر مایتألم ویتلذذ ولکن اختلفوا فی انه ھل یعاد الروح الیه والمنقول عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه التوقف الا ان کلامه ھنا یدل علی اعادة الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح وقیل قد یتصور[2] الخ	جان لو کہ اہل حق کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالٰی میّت کے اندر قبر میں ایک طرح کی زندگی پیدا کردیتا ہے۔ اتنی کہ وہ لذت والم کا احساس کرے، مگر اس میں ان کا اختلاف ہے، کہ اس کی جانب روح لوٹائی جاتی ہے یا نہیں، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول یہ ہے کہ توقف کیا جائے۔ مگر یہاں پر ان کا کلام اعادہ روح پر دال ہے اس لیے کہ نکیرین کا جواب ایک فعل اختیاری ہے تو وہ بغیر روح کے متصور نہیں اور کہا گیا کہ متصور ہے۔ (ت)

امام ابن الہمام اسی فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الحق ان المیّت المعذب فی قبرہ توضع فیه الحیاة بقدر ما یحس الالم والبدنیة لیست بشرط عند اھل السنة حتی لوکان متفرق الاجزاء بحیث لاتتمیز الاجزاء بل ھی مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحیاة	حق یہ ہے کہ قبر میں عذاب دئے جانے والے مردے کے اندر اتنی زندگی رکھی جاتی ہے کہ وہ الم کا احساس کرے اور یہ بدن اس کے لئے شرط نہیں یہاں تک کہ اگر اس کے اجزاء اس طرح بکھر چکے ہوں کہ امتیاز نہ ہوسکے بلکہ مٹی سے خلط ملط ہو گئے ہوں پھر عذاب دیا جائے

[1] شرح فقہ اکبر تحت عبارت مذکورہ مطبع قیومی کانپور بھارت ص ۱۲۱
[2] شرح فقہ اکبر تحت عبارت مابعد مطبع قیومی کانپور بھارت ص ۱۲۲

فی تلك الاجزاء الّتی لایاخذھا البصروان الله علی ذٰلك لقدیر والخلاف فیه ان کان بناء علی انکار عذاب القبر امکن والا یتصور من عاقل القول بلاعذاب مع عدم الاحساس [1]۔	تو حیات ان ہی اجزاء میں کردی جائے گی جو نظر نہیں آتے اور بلا شبہہ اللہ اس پر قادر ہے۔ اس سے اختلاف اگر عذاب قبر سے انکار کی بنا پر ہو تو ہو سکتا ہے ورنہ کسی عاقل سے متصور نہیں کہ وہ اس کا قائل ہو کہ بغیر احساس کے عذاب ہوگا۔ (ت)

پھر روح کی نسبت تو اوپر واضح ہو چکا کہ اس کی حیات مستمرہ غیر منقطعہ ہے۔ مگر بدن کے لیے بعد عود بھی استمرار ضروری نہیں کہ وہ ایک تعلق خاص بمقصد خاص ہوتا ہے جس کے انصرام پر اس کا انقطاع بجا ہے۔

امام بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح البخاری میں بجواب معتزلہ دلائل اثبات عذاب قبر میں فرماتے ہیں:

لنا اٰیات احدٰھا قوله تعالٰی النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا، فھو صریح فی التعذیب الموت الثانیة قوله تعالٰی ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فان الله تعالٰی ذکر الموتة مرتین وھما لا تتحققان الا ان یکون فی القبر حیاۃ وموت حتی تکون احدی الموتتین مایتحصل عقیب الحیاۃ فی الدنیا والاخری مایتحصل عقیب الحیاۃ التی فی القبر [2]۔	ہماری دلیل میں متعدد آیتیں ہیں ایک باری تعالٰی کا یہ ارشاد "وہ (فرعون اور اس کے ساتھی) صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں" یہ بعد موت عذاب دئے جانے کے بارے میں صریح ہے دوسری آیت، ارشاد باری: "اے ہمارے رب! تو نے دو بار ہمیں موت دی اور دو بار حیات دی" اللہ تعالٰی نے دو بار موت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ اسی وقت ہوگا جب قبر میں موت وحیات ہو کہ ایک موت تو وہ ہے جو دنیا کی زندگی کے بعد ہوتی ہے اور دوسری وہ جو قبر والی زندگی کے بعد ہوتی ہے۔ (ت)

شرح الصدور میں بدائع سے ہے:

نقلت من خط القاضی ابی یعلی فی تعالیقه لابد من انقطاع عذاب القبر لانه من عذاب الدنیا والدنیا ومافیھا منقطع فلابد ان	قاضی ابو یعلی کی قلمی تحریر جو ان کی تعلیقات میں ہے، اس سے میں نے نقل کیا ہے کہ عذاب قبر کا منقطع ہونا ضروری ہے اس لیے کہ وہ عذاب دنیا کی جنس سے ہے

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۰

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب المیّت یسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۸/ ۱۴۶-۱۴۵

یلحقھم الفناء والبلاء لایعرف مقدار مدۃ ذٰلك[1]۔	اور دنیا اور دنیا کے اندر جو کچھ ہے سب منقطع ہے توانھیں فنا اور بوسیدگی لاحق ہونا ضروری ہے اور اس مدت کی مقدار معلوم نہیں (ت)

پھر فرمایا:

قلت ویؤید ھذا ما اخرجه ھنادبن السری فی الزھد عن مجاھد قال للکفار ھجعة یجدون فیھاطعام النوم حتی یوم القیامة فاذا صیح باھل القبور یقول الکافر یٰویلنا من بعثنا من مرقدنا فیقول المؤمن الی جنبیه ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون[2]۔	میں نے کہا: اس کی مؤید وہ ہے جو ہناد بن سری نے زہد میں امام مجاہد سے روایت کیا، فرمایا کفار کیلئے ایک خوابیدگی ہوگی جس میں نیند کا مزہ پائیں گے قیامت تک جب قبر والوں کو پکارا جائے گا کافر بولے گا: ہائے ہماری خرابی! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا تو اس کے پہلو سے مومن بولے گا: یہی وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا اور رسولوں نے سچ فرمایا۔ (ت)

مقدمہ رابعہ: سمع وبصر لغۃً وعرفاً ادراک الوان واضواء واصوات بحاسہ چشم و گوش کا نام ہے۔ قاموس میں ہے: السمع حس الاذن[3] (سماعت کان کی حس کا نام ہے۔ت) اسی میں ہے: "البصر "محرکة حس العین[4] (بصر___ صاد کی حرکت کے ساتھ___ آنکھ کے احساس کا نام ہے۔ت) اسی طرح تاج العروس میں محکم سے ہے۔ صحاح جوہری و مختار رازی میں ہے: البصر حاسة الرؤیة[5] (بصر حاسہ رؤیت ہے۔ت) المصباح المنیر میں ہے: البصر النور الذی تدرك به الجارحة[6] (بصر وہ نور ہے جس سے عضو کو ادراک ہوتا ہے۔ت) اسی میں ہے: ورأیت الشیئ رؤیت بحاسة البصر[7] (میں نے شیئ کو دیکھا یعنی میں نے اسے حاسہ بصر سے دیکھا) اسی معنی پر مواقف و شرح مواقف میں فرمایا انما یحصل الادراك السمعی بوصل الھواء الی الصماخ[8] (سمعی ادراک

---

[1] شرح الصدور آخر باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶
[2] شرح الصدور آخر باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۶
[3] القاموس المحیط باب العین فصل السین مصطفی البابی مصر ۳/۴۱
[4] القاموس المحیط باب الراء فصل الباء مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۷
[5] الصحاح للجوہری تحت لفظ "بصر" دار العلم للملایین بیروت ۲/۵۹۱
[6] المصباح المنیر کتاب الباء منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/۵۰
[7] المصباح المنیر کتاب الراء منشورات دار الہجرۃ قم ایران ۱/ ۲۴۷
[8] شرح المواقف المرصد الخامس فی النظر منشورات الشریف الرضی ایران ۱/۲۰۱

کان کے سوراخ تک ہوا پہنچنے سے ہوتا ہے۔ت) اور شارح نے مباحث نظر میں ذکر کیا:

الادراك بالبصر يتوقف على امور ثلثة مواجهة البصر [عہ۱] وتقليب الحدقة نحوه طلبا لرؤيته [عہ۲] و	نگاہ سے ادراک تین امور پر موقوف ہے: نظر کا روبرو ہونا، آنکھ کی پتلی کو اس کی جانب اسے دیکھنے کی طلب

عہ۱: ای للمبصر نفسه اوشجه المنطبع فی نحو مرأة على القول بالانطباع ام على القول بخروج الشعاع فمقابلة المبصر حاصلة فی الوجهين لاجل الانعكاس اقول وميل ائمتنا الفقهاء الى القول بالانطباع هو ان يقولو اكون الابصار به، وبذالك بانهم صرحوا ان الرجل اذا رأى فرج امرأة وهی فی الماء تثبت حرمة المصاهرة، ولو رأى فرجها فی الماء لامنه وهی خارجة لم تثبت لانه على الاول رأى فرجها وعلى الثانی انما رأى شجه لانفسه كما فی الخانية وغيرها، فلو قالوا بالانعكاس لكان راى نفس الفرج فی الصور تين، "فليحفظ" فانی لم ار من نبه على ثم رأيت المحقق نبه على فی فتح القدير ولله الحمد ۱۲ منه (م)

یعنی نگاہ کا خود مرئی کے سامنے ہونا یا اس کی مثال کہ جو آئینہ وغیرہ میں منطبع ہو یہ اس قول پر کہ آئینہ میں شیئ کی صورت مطبع ہوتی ہے او شعاع بصری نکلنے والے قول پر تو مرئی کا سامنا انعکاس کی وجہ سے دونوں صورتوں میں حاصل ہے۔اقول ہمارے ائمہ فقہاکا میلان قول انطباع کی طرف ہے کہ رؤیت انطباع سے واقع ہوتی ہے۔ وہ میلان یوں معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے تصریح فرمائی ہے کہ جب عورت پانی کے اندر ہو اور کوئی مرد اس کی شرمگاہ دیکھے تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے،اور جب عورت پانی سے باہر ہے اور مرد نے پانی سے نہیں بلکہ پانی میں اس کی شرمگاہ دیکھی تو حرمت نہ ثابت ہوگی،اس لیے کہ پہلی صورت میں اس نے خود شرمگاہ دیکھی اور دوسری صورت میں خود شرمگاہ نہیں بلکہ اس کی مثال دیکھی، جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے___ تو یہ فقہاء اگر انعکاس کے قائل ہوتے تو خود شرمگاہ کی رؤیت دونوں صورت میں قرار پاتی،اسے یادرکھنا چاہئے اس لیے کہ اس پر تنبیہ میں نے کہیں نہ دیکھی___ پھر حضرت محقق کو دیکھا کہ انھوں نے فتح القدیر میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔ اور حمد اللہ ہی کے لئے ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: **اقول**: قيد الطلب خرج وفاق فليس من شرط الرؤية طلبها والمراد بالازالة العدم اصليا او طاری بافعل الرائی اوغيره ۱۲ منه (م)

اقول: طلب کی قید اتفاقی ہے اس لئے کہ دیکھنے کی طلب شرط نہیں، اور ازالہ سے مراد یہ ہے کہ پردہ نہ ہو خواہ سرے سے نہ رہا ہو یا بعد میں دیکھنے والے یا کسی اور کے عمل سے زائل ہوگیا ہو ۱۲ منہ (ت)

ازالة الغشاوة المانعه من الابصار [1]۔	میں گردش دینا، دیکھنے سے مانع پردہ کاازالہ (ت)

اور اس کااطلاق بے واسطہ جوارواح وآلات ادراک تام جزئیات مذکورہ خواہ غیر مذکورہ بروجہ جزئی مخصوص پر بھی کیا جاتا ہے، یہاں نہ مدرک بالفتح میں صورت ولون وضو کی تخصیص ہے نہ مدرک بالکسر میں آلات جسمانیہ کی قید، روز قیامت مومنین اپنے رب عزوجل کو دیکھیں گے اور اس کا کلام سُنیں گے اور وہ اور اس کی صفات اعراض سے پاک ہیں، اور مولٰی عزوجل سمیع وبصیر علی الاطلاق ہے اور آلات وجوارح سے منزہ، مصباح میں ہے: سمع الله قولك علمه [2] (خدانے تیری بات سنی یعنی اسے جانا۔ت) مجمع البحار میں ہے:

البصیر تعالٰی یشاهد الاشیاء ظاهرها وخافیها من غیر جارحة، والبصر فی حقه تعالٰی عبارة عن صفة ینکشف بها کمال نعوت المبصرات [3]۔	خدائے بصیر بغیر کسی عضوکے اشیاء کا مشاہدہ فرماتا ہے ان کے ظاہر کا بھی اور باطن کا بھی، اور رباری تعالٰی کے حق میں بصر ایک ایسی صفت سے عبارت ہے جس سے مرئیات کی صفات کاکامل طورپر منکشف ہوجاتی ہیں۔(ت)

منح الروض میں ہے:

السمع صفة تتعلق بالمسموعات، والبصر صفة تتعلق بالمبصرات فیدرك ادراکا تاما لاعلٰی سبیل التخیل والتوهم ولاعلی طریق تاثیر حاسة ووصول هواء [4]۔	سمع ایک صفت ہے جس کا تعلق مسموعات سے ہے اور بصر ایک صفت ہے جس کا تعلق مبصرات سے ہے تواسے ادراک تام ہوتا ہے مگر خیال ووہم کے طور پر نہیں، نہ ہی حاسہ کی تاثیراور ہوا پہنچنے کے طورپر۔(ت)

اسی اطلاق پر مواقف وشرح میں فرمایا:

الثانیة شبهة المقابلة وهی ان شرط الرؤیة، کما علم بالضرورة من التجربة، المقابلة او مافی حکمها نحوالمرئی فی المراٰة وانها، مستحیلة فی حق الله تعالٰی لتنزهه عن المکان	دوسرا شبہہ مقابلہ کا ہے۔وہ یہ کہ رؤیت کی شرط یہ ہے کہ مرئی مقابل ہو جیسا کہ بداہت تجربہ سے معلوم ہے، یامقابلہ کے حکم میں ہو، جیسے وہ جو آئینے میں نظر آتا ہے۔اور مقابل ہونا اللہ تعالٰی کے حق میں محال ہے۔

[1] شرح المواقف المرصد الخامس فی النظر منشورات الشریف الرضی ایران ۱/۲۰۱

[2] مصباح المنیر تحت لفظ سمع منشورات دارالهجرۃ قم ایران ۱/ ۲۸۹

[3] مجمع البحار باب الباء مع الصاد مطبع عالی منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۹۶

[4] شرح فقہ الاکبر شرح الصفات الذاتیه مصطفی البابی مصر ص۱۹۔۱۸

والجھة والجواب منع الاشتراط [1]۔	اس لیے کہ وہ جہت اور مکان سے پاک ہے۔اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ مقابلہ کا شرط رؤیت ہونا ہم نہیں مانتے۔(ت)

امام نسفی مصنف کافی مذکور نے عمدۃ الکلام میں فرمایا:

ماقالوا من اشتراط المقابلة وغیرہ یبطل برؤیة اللہ تعالٰی ایانا [2]۔	یہ جو کہا گیا کہ رویت کے لئے مقابلہ وغیرہ شرط ہے۔اس دلیل سے باطل ہے کہ خدائے تعالٰی ہمیں دیکھتا ہے اور مقابلہ وغیرہ بالکل نہیں۔(ت)

روح ملاصق بالبدن کا سمع وبصر بروجہ اول ہے اور مفاق کا از قبیل دوم،

کل ذٰلك علی الاغلب و الافربما یحس الملاصق بنورہ کما فی کشوف الاولیاء والمفارق بالاٰلات الباقیة الدائمة کما فی الانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام، ومعنی المفارقة فیھم طریان الفراق اٰنی تحقیقا للوعد الربانی۔	یہ سب حکم اکثری ہے ورنہ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدن سے متعلق روح اپنے نور کے ذریعہ احساس کرتی ہے جیسا کہ اولیاء کرام کے کشف میں ہوتا ہے۔اور بدن سے مفارق روح ان آلات کے ذریعہ احساس کرتی ہے جو باقی ودائم ہوتے ہیں جیسے حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے احساسات میں ہوتا ہے،اور ان کے حق میں بدن سے روح کی مفارقت کا معنی، بس ایک آن کے لئے جدائی کا طاری ہونا تاکہ وعدہ الٰہیہ (ہر نفس کے لئے موت) کا تحقیق ہوجائے۔(ت)

اور اس معنی سے انکار کی منکران سماع موتٰی کو بھی گنجائش نہیں کہ آخر رؤیت جنت ونار ونعیم وعذاب وسماع وکلام ملائکہ ماننے سے چارہ کہا، اور جب جسم معطل اور آلات مختل تو یہی ظاہر وعیاں، وسیأتی تفصیلہ عنقریب انشاء القریب (ان شاء اللہ اس کی تفصیل عنقریب آئیگی۔ت) اور یہاں ایک تیسرے معنی مجازی اور ہیں یعنی رائی ومرئی وسامع وسموع میں بروجہ آلیت واسطہ ہونا اور صور جزئیہ کا مدرک تک پہنچانا یہ اس وقت مراد ہوتے ہیں جب سمع وبصر بدن کی طرف مضاف ہو، کما بیناہ فی المقدمة الثانیة (جیسا کہ دوسرے مقدمہ میں ہم نے اسے بیان کیا۔ت) خواہ بروجہ اثبات، اور یہ ظاہر ہے خواہ بہ ضمن سلب جہاں سلب مقتصر نا مستمر ہے لتضمنہ الاثبات کما لایخفی (اس لئے کہ وہ اثبات کو متضمن ہے جیسا کہ واضح ہے۔ت)

مقدمہ خامسہ: قرآن واحادیث نصوصِ شرعیہ ومحاورات عرفیہ سب میں انسان طرف صفات روح وجسم

[1] شرح المواقف المرصد الخامس المقصد الاول منشورات الشریف الرضی، قم ایران ۱۳۹/۸

[2] عمدۃ الکلام للنسفی

دونوں نسبت کی جاتی ہیں۔

قال اللہ تعالٰی وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ "الٰی قولہ سبحانہ" فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۴﴾ [1] وقال عزوجل وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ [2] وقال تبارک اسمہ، اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ [3] وقالک جل جلالہ، یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْؕ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى [4] الایۃ۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: بیشک ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا فرمایا، پھر اسے ایک عزت والی قرار گاہ میں ٹھہرایا، تاارشاد باری تعالٰی: توبڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا، اور فرماتا ہے: یاد کروجب تمھارے رب نے فرشتہ سے فرمایا: بیشک میں بدبودار گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے انسان بنانے والا ہوں توجب میں اسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی معزز روح پھونک دوں تو تم اس کے لیے سجدہ میں گرجانا، اور فرماتا ہے: بیشک ہم نے ان کو چپکتی ہوئی مٹی سے بنایا۔ اور فرماتا ہے: اگر تمھیں بعث سے متعلق کچھ شک ہے توبیشک ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر پانی کی بوند سے پھر خون بستہ سے پھر پارہ گوشت سے، مکمل اور نامکمل تاکہ تم پر ہم روشن کردیں، اور جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک رحموں میں ٹھہرائیں۔ الآیۃ (ت)

پرظاہر کہ کھنکھناتی چپکتی خمیر کی ہوئی مٹی، پھر پانی کے قطرے، پھر خون کی بوند، پھر گوشت کے لوتھڑے سے بننا رحم میں ایک مدتِ معین تک ٹھہرنا ٹھیک ہونے کے بعد اس میں روح کا پھونکا جانا یہ سب احوال واطوار [عہ] بدن کے ہیں۔ اور انسان کی طرف نسبت فرمائی۔

وقال عزمجدہ وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًاۙ﴿۷۲﴾ [5] و	خدائے عزوجل فرماتا ہے: اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا

عــہ: خصوصًا اخیر کہ غیر بدن کے لیے کسی طرح محتمل نہیں ۱۲منہ (م)

[1] القرآن ۲۳/۱۲و۱۳و۱۴

[2] القرآن ۱۵/ ۲۸و۲۹

[3] القرآن ۳۷/۱۱

[4] القرآن ۲۲/۵

[5] القرآن ۳۳/۷۲

قال تعالٰی و شانہ اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۞ بَلٰى قٰدِرِیْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ۞ بَلْ یُرِیْدُ الْاِنْسَانُ لِیَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۞ یَسْــٴَـلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۞ "الی قولہ جل ذکرہ "یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۞ "[1] الی قول جلت عظمتہ "یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۞ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِیْرَةٌ ۞ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ ۞ [2]۔	بڑا نادان ہے، اور فرماتا ہے: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہ کریں گے، کیوں نہیں، ہم قادر ہیں کہ اس کے پور برابر کردیں، بلکہ انسان چاہتا ہے کہ اس کے آگے بے حکمی کرے، پوچھتا ہے کب ہے قیامت کا دن (تا ارشاد:) انسان کہتا ہے اس دن مفر کہاں (تا ارشاد ربانی:) اس دن انسان کو بتادیا جائے گا جو اس نے آگے کیا اور پیچھے کیا، بلکہ انسان اپنے نفس کو خوب دیکھنے والا ہے اگرچہ اپنے عذر سامنے لائے۔ (ت)

واضح ہے کہ تکالیف شرعیہ سے مخاطب ہونا اور ظلم وجہل وحسبان وارادہ سوال وکلام واعلام ومعرفت ومعذرت یہ سب صفات وافعال روح سے ہیں یونہی فجور بھی۔

قال عزمجدہ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۞ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۞ [3]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے ٹھیک بنایا، پھر اس کے دل میں اس کی نافرمانی اور پرہیزگاری ڈالی۔

انھیں بھی انسان کی جانب اضافت فرمایا بلکہ ایک ہی آیت میں دونوں قسم کے امور اس کے لیے مذکور۔

قال عزشانہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ۞ [4]۔	باری تعالٰی فرماتا ہے: بے شک ہم نے انسان کو ملے ہوئے نطفہ سے بنایا کہ اسے آزمائیں، پھر ہم نے اسے سننے والا دیکھنے والا بنایا۔

مردوزن کے ملے ہوئے نطفے سے بدن بنا اور تکلیف وآزمائش روح کی ہے اور وہی شنوا وبینا۔

قال تعالٰی ذکرہ، اَوَ لَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۞ وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ [5] الاٰیۃ۔	ارشاد باری تعالٰی ہے: اور کیا انسان نے نہ دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا پھر وہ کُھلا جھگڑنے والا ہے اور اس نے ہمارے لئے مثل بنائی اور اپنی تخلیق کو بھول گیا۔ (ت)

---

[1] القرآن ۷۵/ ۳تا۱۰

[2] القرآن ۷۵/ ۱۳تا۱۵

[3] القرآن ۹۱/ ۷، ۸

[4] القرآن ۷۶/ ۲

[5] القرآن ۳۶/ ۷۷، ۷۸

رویت وعلم، شانِ روح ہے اور نطفے سے پیدائش بدن کی، پھر خصومت ومثل زنی ونسیان احوال روح اور ضمیر اخیر نے پھر تخلیق نطفہ سے جانب بدن مراجعت کی۔ یہی سب محاورات عرف عام میں شائع، اب چار حال سے خالی نہیں، یا تو انسان محض بدن ہے یا مجروح روح یا ہر ایک یا مجموع، احتمال ثالث تو بداہۃً مدفوع، ہر عاقل جانتا ہے کہ اس کے بنی نوع کا ہر فرد اور وہ خود ایک انسان ہے۔ نہ یہ کہ ہر شخص میں دو انسان ہوں یا ایک روح ایک بدن۔ ولہٰذا اس کی طرف کسی کا ذہاب معلوم نہیں ثلثہ باقیہ مذاہب معروفہ ہیں، اول اکثر متکلمین کا خیال ہے اور ثانی امام رازی وغیرہ کا مفاد مقال اور ثالث خود انھیں امام جلیل ودیگر اجلہ اکابر کا ارشاد جمیل۔ تفسیر کبیر میں ہے:

اما القائلون بان الانسان عبارۃ عن ھذہ البنیۃ المخصوصۃ وعن ھذا الجسم المحسوس فھم جمھور المتکلمین، وھذا القول عندنا باطل (وذکر علی حججان الی ان قال) الحجۃ الخامسۃ ان الانسان قد یکون حیا حال مایکون البدن میّتا والدلیل قولہ تعالٰی ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء فھذا النص صریح فی ان اولٰئك المقتولین احیاء والحس یدل علی ان ھذا الجسد میّت، الحجۃ السادسۃ قول تعالٰی النار یعرضون علیھا وقولہ اغرقوا فادخلوا نارا، وقول علیہ الصلٰوۃ والسلام من حفرالنار، کل ھذہ النصوص تدل علی ان الانسان یبقی بعد موت الجسد، الحجۃ السابعہ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اذاحمل المیّت علی بعشہ رفرف روحہ فوق النعش ویقول یا اھلی یا ولدی (الحدیث) ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرح	اس مخصوص ساخت اور اس محسوس جسم کو انسان بتانے والے جمہور متکلمین ہیں اور یہ قول ہمارے نزدیک باطل ہے (اس پر دلائل ذکر کئے، یہاں تک کہ فرمایا:) **پانچویں دلیل** یہ ہے کہ انسان کبھی زندہ ہوتا ہے جبکہ بدن مردہ ہوتا ہے اور اس کی دلیل یہ ارشاد باری ہے کہ انھیں جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں، یہ صریح نص ہے کہ وہ شہید زندہ ہیں، اور احساس یہ بتاتا ہے کہ بدن مردہ ہے ــــ **چھٹی دلیل**: باری تعالٰی کا ارشاد: فرعون اور اس کے ساتھی آگ پر پیش کیے جاتے ہیں، اور یہ ارشاد: وہ غرق کیے گئے پھر آگ میں ڈالے گئے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان: قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گھڑا ہے۔ یہ تمام نصوص اس پر دلیل ہیں کہ انسان بدن کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے ــــ **ساتویں دلیل**: رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد: جب میّت کو اس کی چارپائی پر اٹھایا جاتا ہے اس کی روح جنازے کے اوپر پھڑپھڑاتی ہے اور کہتی ہے اے میرے لوگو! اے میری اولاد! (الحدیث) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صراحت فرمادی

بان حال مایکون الجسد علی النعش بقی هناك شیئ ینادی ویقول جمعت المال من حله وغیر حله، ومعلوم ان الذی کان الاهل اهلاله وکان جامعا للمال وبقی فی رقبته الوبال لیس الا ذٰلك الانسان، فهذا تصریح بان فی الوقت الذی کان الجسد میّتا کان الانسان حیاباقیا فاهما، الحجة الثامنة قول تعالٰی یاایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة والخطاب انماهو حال الموت فدل ان الذی یرجع الی الله بعد موت الجسد یکون حیا راضیا ولیس الا الانسن فهٰذا یدل ان الانسان بقی حیا بعد موت الجسد، الحجة العاشرة جمیع فرق الدنیا من الهند والروم والعرب والعجم وجمیع ارباب الملل والنحل من الیهود والنصارٰی والمجوس والمسلمین یتصدقون عن موتاهم ویدعون لهم بالخیر ویذهبون الی زیارتهم، ولولا انهم بعد موت الجسد بقوا احیاء لکان التصدق والدعاء والزیارة عبثا، فیدل ان فطرتهم الاصلیة شاهدة بان الانسان لایموت بل یموت الجسد، والحجة السابعة عشرة ان الانسان یجب ان یکون عالما، والعلم لایحصل الاّ فی القلب فیلزم ان یکون الانسان عبارة عن الشیئ الموجود فی القلب اوشیئ له

کہ جس وقت بدن چارپائی پر ہوتا ہے اس وقت ایک شی باقی رہتی ہے جو ندا دیتی ہے اور کہتی ہے: میں نے مال جائز وناجائز طریقوں سے جمع کیا، اور معلوم ہوا کہ اہل جس کے اہل تھے، اور جو مال جمع کرنے والا تھا اور جس کی گردن پر وبال رہ گیا وہ نہیں مگر وہ انسان ___ تو یہ اس بات کی تصریح ہے کہ جس وقت بدن مردہ ہے اسی وقت انسان زندہ، باقی اور سمجھنے والا ہے ___ **آٹھویں دلیل:** اللہ تعالٰی کا ارشاد: اے اطمینان والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ جا اس حالت میں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ___ یہ خطاب بعد موت ہی ہے، تو معلوم ہوا کہ بدن موت کے بعد جو اللہ کی طرف لوٹنے والا ہے وہ زندہ، راضی ہوتا ہے، اور وہ انسان ہی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان جسم کی موت کے بعد بھی زندہ رہا ___ **دسویں دلیل:** ہندوستان، روم، عرب، عجم کے رہنے والے تمام اہل عالم اور یہود، نصارٰی، مجوس، مسلمان تمام ادیان ومذاہب والے اپنے مردوں کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں۔ ان کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور ان کی زیارت کے لئے جاتے ہیں، اگر وہ جسم کی موت کے بعد زندہ نہ رہتے تو صدقہ، دعا اور زیارت ایک عبث اور بے فائدہ کام ہوتا ___ اس میں دلیل ہے کہ ان کی اصل فطرت اس پر شاہد ہے کہ انسان نہیں مرتا بلکہ جسم مرتا ہے ___ **سترھویں دلیل:** ضروری ہے کہ انسان علم رکھنے والا ہو، اور علم کا حصول قلب ہی میں ہوتا ہے، تو لازم ہے کہ انسان اس شے سے عبارت ہو جو قلب میں موجود ہے یا اس شیئ سے جو قلب سے

تعلق بالقلب[1] اھ ملتقطا ملخصا۔	متعلق ہے (ختم، تلخیص اور متعدد جگہوں سے اقتباس کے ساتھ)۔(ت)

امام الطریقۃ بحر الحقیقۃ سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ شریف میں فرماتے ہیں:

لیس فی العلوم اصعب تصورا من ھذہ المسئلۃ فان الارواح طاھرۃ بحکم الاصل والاجسام وقواھا کذلك طاھرۃ بمافطرت علیہ من تسبیح خالقھا وتوحیدہ ثم باجتماع الجسم والروح حدث اسم الانسان وتعلق بہ التکالیف وظھر منہ الطاعات والمخالفات[2] الخ۔	علوم میں اس مسئلہ سے زیادہ عسیر الفہم کوئی نہیں، اس لیے کہ ارواح بحکم اصل پاک ہیں، اسی طرح اجسام اور ان کے قوی اپنے خالق کی تسبیح وتوحید کی جس فطرت پر پیدا ہوئے ہیں، پاک ہیں، پھر جسم اور روح کے ملاپ سے نامِ انسان رونما ہوا، اس سے تکلیفات و احکام وابستہ ہوئے اور اس سے فرمانبرداری وخلاف ورزی ظہور پذیر ہوئی۔(ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں امام ابوطاہر رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں:

الانسان عند اھل البصائر ھذا المجموع من الجسد والروح بما فیہ من المعانی[3]۔	ارباب بصیرت کے نزدیک انسان جسم وروح کا یہ مجموعہ ہے ان تمام معانی کے ساتھ جو اس میں ہیں۔(ت)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں زیر قولہ تعالٰی فی سورۃ النحل خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ﴿۴﴾[4] فرماتے ہیں:

اعلم ان الانسان مرکب من بدن ونفس فقولہ تعالٰی (خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ) اشارۃ الی الاستدلال ببدنہ علی وجود	معلوم ہو کہ انسان بدن اور روح سے مرکب ہے، تو ارشاد باری تعالٰی (انسان کو نطفے سے پیدا کیا) بدنِ انسان سے صانع حکیم کے وجود پر استدلال کی جانب

---

[1] التفسیر الکبیر تحت آیہ ویسئلونک الطبعۃ البہیۃ العربیۃ بمیدان جامع الازہر مصر ۲۱/۴۰ تا ۴۳

[2] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۰

[3] الیواقیت والجواہر بحوالہ شیخ محی الدین مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۴

[4] القرآن ۱۶/۴

الصانع الحکیم وقول تعالٰی (فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ) اشارۃ الی الاستدلال باحوال نفسہ علی وجود الصانع الحکیم [1] الخ	اشارہ ہے۔ اور ارشاد باری (پھر جبھی وہ کُھلا جھگڑنے والا ہے) روح انسان کے احوال سے صانع حکیم کے وجود پر استدلال کی جانب اشارہ ہے۔ الخ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) آیات کریمہ قرآن اعظم و محاورات عامہ شائعہ تمام عالم کے ملاحظہ سے بنگاہ اولین ذہین میں منقش ہوتا ہے کہ جسے انسان کہتے ہیں اور زید عمرو اعلام یا من وتو ضمائر یا این وآن اسمائے اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس میں روح وبدن دونوں ملحوظ ہیں، ایک یکسر معزول ہو ایسا ہر گز نہیں، اب خواہ یوں ہو کہ ہر ایک نسخ حقیقت انسانی میں داخل وجزوِ حقیقی ہو یا یوں کہ ایک سے تجوہر حقیقت اور دوسرے کو معیت و شرطیت مگر ساتھ ہی عقل ونقل کی طرف نظر کیجئے تو ان کا اجماع واطباق دیکھتے ہیں کہ انسان ایک شیئ مدرک عاقل فاہم مرید مکلّف من اللہ تعالٰی ہے، اور یہ صفات اس کے لیے حقیۃً ثابت ہیں کہ نہ موصوف بالذات کوئی شیئ غیر ہو اور اس کی طرف بالتبع بالعرض نسبت کئے جاتے ہوں، اس بیّن و واضح امر کی طرف التفات کرتے ہیں منجلی ہوگیا کہ جس طرح قولین اولین میں تجرد و تمحّض بہ معنی بشرط لاشیئ مراد لینا کسی عاقل سے معقول نہیں، اگر ہے تو لابشرط، اور یہ معنی منقول نہیں کہ روح بدن میں کوئی لحاظ سے بلکل معزول نہیں، اور قول اول تو اس کا قابل نہیں کہ انسان عاقل ہے اور ابدان ذوی العقول نہیں، انسان مالک و متصرف ہے بدن کی طرح آلہ و معمول نہیں، یوں ہی یہ بھی روشن ہوگیا کہ قول اخیر میں مجموع سے مراد بشرط شیئ ہے نہ ترکب نفس حقیقت، ورنہ انسان عاقل ومدرک نہ رہے کہ مجموع مدرک ونامدرک نامدرک ہے اور لازم آئے کہ آیات و محاورات عامہ خواہ مدنیات ہوں جن میں موصوف بصفات جسم کو انسان کہا گیا یا روحیات جن میں صفات نفس سے انسان کو متصف کیا۔ خواہ جامعات جن میں دونوں کو اجتماع دیا سب یکسر حقیقت سے معزول اور مجاز پر محمول ہوں کہ اب انسان نہ روح نہ بدن بلکہ شی ثالث ہے، لاجرم مجموع کا محمل اول مراد نہیں ہوسکتا۔

ومن الدلیل علیہ قول الامام ابی طاهر "بما فیہ من المعانی" فما کان لعا قل ان یتوهم دخول الاعراض فی قوام جوهر وانما المراد الدخول فی اللحاظ وکذا تنصیص الامام الرازی علی الترکیب مع اعطائہ مرارا	اس کی ایک دلیل امام ابو طاہر کے یہ الفاظ ہیں (ان تمام معانی کے ساتھ جو اس میں ہیں) کہ اسے کوئی عاقل یہ وہم نہیں کرسکتا کہ اعراض ایک جوہر کی حقیقت میں داخل ہیں مراد صرف لحاظ میں داخل ہونا ہے، اسی طرح مرکب ہونے پر امام رازی کی تصریح، جب کہ ان کے کلام سے

[1] التفسیر الکبیر تحت آئیہ مذکورہ مطبعۃ بہیۃ مصریۃ بمیدان الازہر مصر ۱۹/ ۲۲۴

كثيرة ان الانسان هو الروح۔	بہت سی جگہ مستفاد ہے کہ انسان __ وہی انسان روح ہے (ت)

رہا محمل دوم اس میں بھی دو احتمال ہیں قوام روح سے ہو اور بدن شرط یعنی انسان روح متعلق بالبدن کا نام ہو یا بالعکس یعنی بدن متعلق بالروح کا ثانی بھی اس مقدمہ مذکورہ واضحہ سے مدفوع کہ انسان عاقل مخاطب بالاصالۃ ہے، نہ بالتبع، توبفضل اللہ تعالٰی عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ مختار و منصور وہی قولِ اخیر بایں معنی و تفسیر ہے۔ اور قول ثانی بھی اس سے بعید نہیں کہ جب قوام جوہر میں صرف روح ہے انسان روح ہی کا نام ہوا بلحاظ تعلق ہونا اسے روح ہونے سے خارج نہیں کرتا، نہ ان عبارات میں لحاظ تعلق سے قطع نظر مذکور، تو اس کا اسی قول منصور کی طرف ارجاع میسور، ولہٰذا امام اجل فخر الدین رازی نے باآنکہ بار بار روح ہی کے انسان ہونے پر تسجیل و تنقیح فرمائی، خود ہی انسان کے روح و بدن سے مرکب ہونے کی تصریح فرمائی، اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں جہاں وہ عبارت لکھی کہ جان آدمی کہ در حقیقت آدمی عبارت ازان است (آدمی کی جان کہ حقیقت میں آدمی اس سے عبارت ہے۔ت) وہیں اس کی شرح یوں ارشاد کی:

تفصیل این اجمال آنکہ آدمی مرکب از دو چیز است جان و بدن جزوِ اعظم جان است کہ تبدل و تغیّر دراں راہ نمی یابد و بدون بمنزلہ لباس است کہ اختلاف بسیار دروے راہ می یابد [1] اھ مختصرًا	اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی دو چیزوں سے مرکب ہے، جان اور بدن __ جزوِ اعظم جان ہے جس میں تبدل و تغیر کو راہ نہیں __ اور بدن بمنزلہ لباس ہے کہ اس میں بہت تبدیلی ہوا کرتی ہے اھ مختصرًا (ت)

پھر روح کا بدن سے تعلق چار قسم ہے: ایک تعلق دنیوی بحالِ بیداری، دوسرا بحالِ خواب کہ من وجہ متعلق من وجہ مفارق، تیسرا برزخی، چوتھا اُخروی۔

وجعلها فی شرح الصدور عن ابن القيم خمسة قال للروح بالبدن خمسة انواع من التعلق متغائرة، الاول فی بطن الام، الثانی بعد الولادة، الثالث فی حال النوم فلها به تعلق من وجه و مفارقة من وجه۔ الرابع فی البرزخ فانها و ان كانت قد فارقته بالموت فانها لم تفارق فراقا كليا بحيث لم يبق لها اليه التفات،	اور شرح الصدور میں ابن قیم کے حوالہ سے پانچ قسم قرار دی __ عبارت یہ ہے: بدن سے روح کے پانچ الگ الگ قسم کے تعلق ہیں __ پہلا شکم مادر ہیں __ دوسرا بعد ولادت __ تیسرا حالتِ خواب میں کہ ایک طرح سے روح بدن سے متعلق ہے اور دوسری طرح سے جدا ہے، چوتھا برزخ ہے __ کہ روح موت کے باعث اگرچہ بدن سے جدا ہوچکی ہے مگر بالکل جدا نہیں ہوئی ہے کہ

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم سورۃ الطارق مسلم بک ڈپو، لال کنواں دہلی ص ۲۲۶

الخامس تعلقها به یوم البعث وهو اکمل انواع التعلقات ولانسبة لماقبله الیه اذ لایقبل البدن موه موتا ولانوما ولا فسادا [1] اھوتبعه القاری فی منح الروض،	بدن کی طرف اسے کوئی نہ رہ گیا ہو___ پانچواں روز بعث کا تعلق۔ وہ سب سے زیادہ کامل تعلق ہے جس سے ماقبل کے تعلقات کو کوئی نسبت نہیں، اس لئے کہ اس تعلق کے ساتھ بدن، موت، خواب اور فساد تغیر قبول نہیں کرتا اھ اور منح الروض میں علامہ قاری نے بھی اسی اتباع کیا___
اقول: الکلام فی الانواع المتغائرة ولا یظهر للتعلق الرحمی تغایر مع الذی بعد الولادة فان کلیهما تعلق الاتصال المحض والتدبیر والتصرف الناقص بخلاف النومی فلایتمخص للاتصال، والبرزخی فلیس مع ذٰلك تعلق التدبیر و الاُخروی فلانقص فیه اصل فیتحصل التقسیم هکذا التعلق اما ممتحض للاتصال اولا الاول ان کمل بحیث لایقبل الفراق فاخروی ، والا فدنیوی ، یقظی، والثانی ان کان تعلق تدبیر فنومی اولا فبرزخی فان قیل لیس یستعمل الجنین الاته وجوارحه فی الاعمال و الادراك مثل المولود قلت لایستعملها المولود من ساعته کالفطیم ولا الفطیم کالیافع ولا الیافع کمن بلغ اشده ولا کمثله الشیخ الهرم ثم الفانی ، فلیجعل عامة ذلك تعلقات متغائرة فافهم۔ [2]	**اقول:** گفتگو الگ الگ اور جداگانہ تعلقات کے بارے میں ہے___ جب کہ شکم مادر والے تعلق کی، بعد ولادت والے تعلق سے کوئی مغایرت ظاہر نہیں___ اس لئے کہ دونوں صورتوں میں خالص اتصال اور تدبیر وتصرف کا ناقص تعلق ہے۔ اس کے برخلاف حالت خواب کے تعلق میں خالص اتصال نہیں۔ من وجہ فراق بھی ہے۔ اور برزخ والے تعلق میں اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ تدبیر کا تعلق نہیں___ اور آخرت والے تعلق میں بالکل کوئی نقص نہیں___ تو تقسیم اس طرح حاصل ہوگی، تعلق یا تو خالص اتصال رکھتا ہے یا نہیں___ اوّل اگر ایسا کامل ہے کہ جدائی قبول نہ کرے تو اُخروی___ ورنہ دنیوی جو بیداری میں ہو___ اور ثانی اگر تدبیر کا تعلق ہے تو خواب والا ہے اور تدبیر والا نہیں تو برزخی ہے___ اگر یہ اعتراض ہو کہ شکم کا بچہ افعال اور ادراک میں اپنے آلات وجوارح کو پیدا شدہ بچے کی طرح استعمال نہیں کرتا (اس فرق کی وجہ سے دونوں کو دو شمار کیا گیا) ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اس وقت مولود بچہ بھی اپنے اعضاء وجوارح کو اس بچے کی طرح استعمال نہیں کرتا جو دودھ چھوڑ چکا ہو، اور دودھ چھوڑنے والا نوجوان یا قریب البلوغ کی طرح اور

[1] شرح الصدور باب مقر الارواح خلاف اکیڈمی منگورہ سوات ص ۱۰۰

[2] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۴

	یہ بھرپور جوانی والے کی طرح استعمال نہیں کرتا، نہ ہی اس کی طرح بہت بوڑھا، پھر مزید بڑھاپے سے فنا کو پہنچ جانے والا شخص استعمال کرتا ہے__ تو چاہئے کہ ان سب کو جداگانہ ومتغائر تعلقات قرار دیا جائے__ تو اسے سمجھو۔(ت)

ان میں جس طرح اعلی واکمل تعلق اخروی ہے جس کے بعد فراق کا احتمال ہی نہیں، یوں ہی ادون واقل تعلق برزخی ہے کہ باوصف فراق ایک اتصال معنوی ہے مگر قرآن عظیم وحدیث کریم کے نصوص قاطعہ شاہد عدل ہیں کہ اس قدر تعلق بھی بقائے انسانیت کے لئے بس ہے__ بدیہۃً معلوم کہ قبر تنعیم یا معاذاللہ تعذیب جو کچھ اسی انسان ہی کے واسطے ہے جو اپنی حیات دینوی حیات دنیوی میں مومن ومطیع یا معاذاللہ کافر وعاصی تھا، نہ یہ کہ طاعت وایمان تو انسان نے کئے اور نعمت مل رہی ہے کسی غیر انسان کو یا کافر وعصیان انسان سے ہوئے اور عذاب ہوتا ہو کسی غیر انسان پر، اسی طرح وہ تمام حجج واضحہ جو ابھی تفسیر کبیر سے بعد موت وبقا وحیات انسان پر گزریں مع اپنے نظائر کثیرہ کی اس مدعا کی کفیل ہیں تو ثابت ہوا کہ حقیقت انسانیہ میں جو تعلق ملحوظ ہے مطلق ومرسل ہے کسی وقت کا ہو۔

اما ما قال الامام ابوطاھر بعد ما اسلفنا نقلہ من انہ اذا بطلت صورۃ جسدہ بالموت وزالت عنہ المعانی بقبض روحہ لایسم انسانا فاذا جمعت ھذہ الاشیاء الیہ بالاعادۃ ثانیا کان ھو ذٰلک الانسان بعنیہ الا تری ان الجسد الفارغ من الروح والمعانی یسمی شبحا و جثۃ ولایسمی انسانا وکذلک الروح المجرد لایسمی انسانا[1] الخ **فاقول:** لیس یرید رحمہ اللہ تعالٰی ان الانسان یبطل بالموت وان الذی فی البرزخ من لدن الموت	رہا وہ جو امام طاہر نے سابقا نقل شدہ عبارت کے بعد فرمایا کہ: جب موت سے آدمی کے جسم کی صورت باطل ہوجاتی ہے اور روح قبض ہوجانے کی وجہ سے معانی اس سے زائل ہوجاتے ہیں تو اسے انسان نہیں کہا جاتا۔ پھر جب دوبارہ یہ چیزیں اس کے ساتھ جمع کردی جاتی ہیں تو بعینہٖ وہی انسان ہوجاتا ہے۔ دیکھو کہ روح اور معانی سے خالی جسم کو شبح اور جُثّہ، ڈھانچہ اور لاشہ کہا جاتا ہے، انسان نہیں کہا جاتا، اس طرح مجرد روح کو انسان نہیں کہا جاتا الخ **فاقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) امام موصوف رحمہ اللہ تعالٰی کی مراد یہ نہیں کہ انسان موت سے نیست ونابود ہوجاتا ہے اور عالم برزخ میں از دمِ موت

[1] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۴

الٰی حین البعث لیس بانسان، ومعاذاللّٰہ ان یریدہ وھو وقول اھل البدع ومصادم للقواطع وکیف یجوز ان لایکون الروح البرزخی المتصل بالبدن اتصالا فی فراق انسانا، ومعلوم قطعا ان الانسان ھوالذی کان امر وکفر واحسن وفجر وبدیھی ان غیر الانسان غیر الانسان افینعمھم من لم یعلم ویعذب من لم یعص واللّٰہ تعالٰی یقول عنھم یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا[1] فافادان المبعوثین فی الحشرھم الراقدون فی القبر ومعلوم ان المحشورین فی العقبٰی ھم الکاینون فی الدنیا فالانسان ھو ھو فی الدور الثلث لم یزل عن انسانیة ولم ینسلخ عن حقیقة، وقال تعالٰی اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا[2] وانما اعاد الضمیر الی الناس المذکورین فھم المعروضون علی النار لا غیر ھم وقال تعالٰی قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَکۡفَرَہٗ ﴿۱۷﴾[3] الی قولہ عزوجل ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقۡبَرَہٗ ﴿۲۱﴾[4] فالاقبار بعد الاماتة وقد ارجع الکنایة فیہ الی

تاوقت بَعث جو ہوتا ہے وہ انسان نہیں__ اللہ کی پناہ کہ یہ ان کی مراد ہو__ جب کہ یہ بد مذہبوں کا قول ہے اور قطعی دلائل سے متصادم ہے__ اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ روح برزخی انسان نہ ہو جو بدن سے فراق کے ساتھ ایک اتصال بھی رکھتی ہے__ اور یہ قطعاً معلوم ہے کہ انسان وہی ہے جس سے ایمان وکفر اور نیکی وبدی کا صدور ہوا__ اور بدیہی ہے کہ غیر انسان، غیر انسان ہے تو کیا انعام اسے ہوتا ہے جس نے عمل نہ کیا، اور عذاب اسے ہوتا ہے جس نے معصیت نہ کی؟__ حالانکہ اللہ تعالٰی ان کے متعلق بیان فرماتا ہے کہ وہی کہیں گے: ہائے ہماری خرابی! کس نے ہماری خواب گاہ سے ہمیں اٹھایا، اس سے افادہ ہوا کہ حشر میں جو اٹھائے جانے والے ہیں وہی قبر میں سونے والے ہیں__ اور معلوم ہوا کہ آخرت میں جو اٹھائے جائیں گے وہ وہی ہیں جو دنیا میں تھے__ تو انسان تینوں مقامات میں وہی انسان ہے۔ کسی وقت میں وہ انسانیت سے جدا اور اپنی حقیقت سے خارج نہ ہوا__ اور باری تعالٰی فرماتا ہے: وہ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں__ ضمیران ہی لوگوں کی طرف لوٹائی جو مذکور ہوئے تو آگ پر پیش کیے جانے والے وہی ہیں، غیر نہیں۔ اور ارشاد باری ہے: انسان مارا جائے کتنا بڑا ناشکرا ہے (تا ارشاد باری:) پھر اسے موت دی، پھر اسے قبر میں رکھا__ تو قبر میں رکھنا موت دینے کے بعد ہوا، اور ضمیر

[1] القرآن ۵۲/۳۶

[2] القرآن ۴۶/۴۰

[3] القرآن ۱۷/۸۰

[4] لقرآن ۲۱/۸۰

الانسان فثبت ان المیّت المقبور لیس الا انسانا، وبالجملة ففی الدلائل علی هذا کثرة لامطمع فی احاطها.	اس میں بھی انسان ہی کی طرف لوٹائی تو ثابت ہوا کہ میّت جو قبر میں ہوتا ہے وہ انسان ہی ہے ــــ بالجملہ دلائل اس بارے میں بہت ہیں جن کا احاطہ کرنے کی طمع نہیں۔
وانما اراد التنبیه علی ان الانسان لیس بمعزول اللحاظ عن شیئ من الروح والبدن فالجسد اذا ابطلت صورته بالموت وزالت عنه المعانی لخروج الروح عنه لایسمی ذلك لجسد الفارغ انسانا وقد کان یسمی قبله عرفا لمکان الاتصال کما سیأتی وکذا الروح المجرد من حیث هو مجرد لایسمی انسانا وانما الانسان المجموع اعنی الروح الملحوظ بلحاظ الاتصال اعم ان یکون دنیویا او اخرویا اوبرزخیا هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام، والله سبحانه ولی الانعام۔	امام موصوف نے بس اس بات پر تنبیہ فرمانا چاہا ہے کہ روح اور بدن دونوں میں کسی سے بھی انسان لحاظ میں جدا نہیں ــــ تو جسم کی صورت جب موت کی وجہ سے باطل ہوجائے اور اس سے روح نکل جانے کے باعث معانی اس سے زائل ہوجائیں تو اس خالی جسم کو انسان نہیں کہا جاتا، جبکہ اس سے پہلے عرفاً کہا جاتا تھا کیونکہ اتصال تھا جیسا کہ آگے آرہا ہے ــــ اسی طرح روح بھی مجرد کو، اس حقیقت سے کہ وہ مجرد ہے انسان نہیں کہا جاتا ــــ انسان تو مجموع روح وبدن ہے ــــ یعنی وہ روح جس کے ساتھ بدن سے اتصال کا لحاظ ملحوظ ہے خواہ وہ اتصال دنیوی ہو یا اخروی یا برزخی ــــ اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہئے، اور خداء پاک ہی مالک انعام ہے (ت)

یہ تحقیق حقیقت ومصداق انسان میں کلام تھا اب آیات ومحاورات مذکورہ کی طرف چلئے جب انسان و روح ہر ایک کا انسان جداگانہ ہونا بداہۃً باطل ہوچکا، تو اب اقوال ثلاثہ سے کوئی قول لیجئے آیات ومحاورات بدنیہ وروحیہ سے ایک میں تجوز اور جامعہ میں استخدام ماننے سے گریز نہ ہوگی کمالایخفی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نہ مفسرین ان میں کہیں استخدام [عـــہ] مانتے ہیں

عـــہ: بل قال بعض العلماء ان الاستخدام بهذا المعنی لم یقع فی القرآن العظیم اصلا نقله الامام السیوطی فی الاتقان، قال وقد استخرجت بفکری اٰیات وذکر ثلثا الاولی "اتی امر الله فلاتستعجلوه"	[اصطلاح بلاغت میں استخدام یہ ہے کہ کسی لفظ کے متعدد معنی ہوں اور ایک جگہ لفظ یا اس کی ضمیر سے ایک معنی مراد لیا جائے اور وہی دوسری جگہ ضمیر سے دوسرا معنٰی مراد لیا جائے ۱۲منہ مترجم] بلکہ بعض علماء نے فرمایا: استخدام اس معنی میں قرآن عظیم میں بالکل کہیں وارد نہیں، (باقی اگلے صفحہ پر)

نہ اہل عرف ان میں کسی کلام کو حقیقت سے جدا جانتے ہیں تو بوجہ شدت اختلاط گویا روح وبدن شیئ واحد ہیں بلکہ روح خفی ونظری ہے اور بدن محسوس مرئی اور اشراق شمس روح نے بدن پر حیات کی شعاعیں ڈال کر اسے اپنے رنگ میں رنگ لیا، جس طرح دہکتے کوئلے کو کہ اس کے ہر ذرے میں آگ کی سرایت نے انا النار کہنے کا مستحق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

امر الله محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، کما اخرج ابن مردویة من طریق الضحاك عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما والضمیر له مراد به قیام الساعة او العذاب، والثانیة"ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طین"المراد به آدم، ثم اعاد الضمیر علیه مراد به ولده فقال:"ثم جعلنه نطفة"قال وهی اظهرها، والثالثة لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم"، ثم قال قد سألها قوم من قبلکم ای اشیاء اُخرهذا ملخص کلام السیوطی۔

اقول: وقد استخرجت مثالین اُخرین الاول قوله عزوجل احصنت فرجها فنفخنا فیه"الفرج فرج المرأة والضمیر للفرج بمعنی فرج الجیب علی ماعلیه المحققون والاُخر ذکرته فی رسالتی الزلال الاتقٰی من بحر سبقة الاتقی التی ذکرت فیها تفسیر قوله عزوجل وسیجنبها الاتقی ۱۲منه (م)

اسے امام سیوطی نے اتقان میں نقل فرمایا وہ فرماتے ہیں میں نے اپنی فکر سے چندآیات میں استخدام نکالا ہے، تین آیتیں ذکر فرمائیں، ایک (اللہ کاامر آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ) اللہ کاامر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جیسا کہ ابن مردویہ نے بطریق ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی ضمیر سے ("جواس کی جلدی نہ مچاؤ" میں ہے) قیام قیامت یا عذاب مراد ہے ___ دوسری: ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا۔ انسان سے مراد حضرت آدم ہیں۔ پھر ہم نے اسے نطفہ کیا، یہاں انسان کی طرف راجع ضمیر "اسے" سے مراد اولاد آدم ہے، فرمایا: یہ سب سے زیادہ ظاہر ہے ___ تیسری: ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔ پھر ارشاد ہوا تم سے پہلے کچھ لوگوں نے انھیں پوچھا ___ یعنی کچھ دوسری چیزوں کو پوچھا ___ یہ امام سیوطی کے کلام کی تلخیص ہے۔

اقول: میں نے دو مثالیں اور نکالیں ہیں اول: ارشاد باری عزوجل مریم نے اپنی شرمگاہ محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں پھونک ماری، شرمگاہ سے مراد شرمگاہ زن، اور اس کی ضمیر سے مراد چاک گریبان، اس قول کی بنیاد پر جو محققین کا مختار ہے ___ یہ دوسری مثال میں نے اپنے رسالہ "الزلال الا نقی من بحر سبقة الاتقی" (۱۳۱۴ھ) میں ذکر کی ہے جس میں میں نے ارشاد باری عزوجل "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی" کی تفسیر بیان کی ہے۔ (ت)

کر دیا اب اسے آگ ہی کہا جاتا ہے، یونہی جسم کو انا الانسان کا دعوی پہنچتا ہے۔ ہم سنتا، دیکھتا، بولتا، چلتا، پھرتا کام کرتا بدن ہی دیکھتے ہیں حالانکہ مدرک و فاعل روح ہے اور بدن آلہ، لہٰذا بدن پر اطلاق انسان حقیقت عرفیہ عــه قرار پایا اور وہی تمام صفات وافعال کا منسوب الیہ ٹھہرا اور قرآن عظیم بھی مطابقت عرف پر اترا،

قال تعالٰی اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ﴿۲۳﴾ [1] ۔	باری تعالٰی فرماتا ہے: بے شک وہ حق ہے اس کے مثل جو تم بولتے ہو۔ (ت)

اب نہ تجوز ہے نہ استخدام، نظیر اس کی "رأیت زیدًا" ہے زید را دیدم، زید کو دیکھا، حالانکہ زید اگرچہ اس سے بدن ہی مراد لیجئے ہر گز ہمیں مرئی نہیں، مرئی صرف رنگ و سطح بالائی ہے اور وہ قطعاً نہ روح زید ہے نہ بدن، مگر شدت اتصال کی باعث اسے رؤیت زید کہتے ہیں اور ہر گز اس میں تجوز و مخالفت حقیقت کا توہم بھی نہیں کرتے یہاں تک کہ اگر کوئی زید کے رنگ و سطح کو یونہی دیکھے اور قسم کھائے میں زید کو نہ دیکھا قطعاً کاذب سمجھا جائے گا، لاجرم تفسیر کبیر میں روح کے غیر جسم ہونے پر کلام واسع و مشبع لکھ کر فرماتے ہیں:

اعلم ان اکثر العارفین المکاشفین من اصحاب الریاضات وارباب المکاشفات والمشاھدات مصرون علی ھذ القول جاز مون بھذا المذھب، واحتج المنکرون بقوله تعالٰی من ای شیئ خلقه من نطفة خلقه ھذا تصریح بأن الانسان مخلوق من نطفة وانه یموت ویدخل القبر ولو لم یکن عبارة عن ھذہ الجثة لم تکن الاحوال المذکورة صحیحة والجواب انه لما کان الانسان فی العرف والظاھر عبارة عن ھذہ الجثة اطلق علیه اسم الانسان فی العرف [2] اھ مختصرًا	معلوم ہوا کہ اہل ریاضت اور ارباب کشف و مشاہدہ میں سے اکثر عرفاء مکاشفین اس قول پر اصرار اور اس مذہب پر جزم رکھتے ہیں___ اور منکرین نے باری تعالٰی کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے اسے کس چیز سے پیدا کیا، نطفہ سے، یہ اس بات کی تصریح ہے کہ انسان نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے اور وہی مرنے والا اور قبر میں جانے والا ہے، اگر انسان جسم وجُثہ سے عبارت نہ ہو تو مذکورہ احوال صحیح نہ ہوں گے، جواب یہ ہے کہ نہ عرف اور ظاہر میں انسان اس بدن سے عبارت تھا تو عرفاً اس پر لفظِ انسان اطلاق ہوا۔ (ختم باختصار)

عــه: عرف تو عرف اس شدت اختلاط وعدم تمایز بحد اتحاد نے سفہائے فلاسفہ کو دھوکا دیا جو ہمیشہ تدقیق کے نام پر جان دیتے اور فضول تعمقات کو تحقیق جانتے ہیں۔ وہ بھی کہاں، خاص مقام تحدید میں انسان کی تعریف کر بیٹھے حیوان ناطق، حالانکہ حیوانیت بدن کے لئے ہے کہ وہی جسم نامی اور ناطق ومدرک روح، بلکہ خود حیوان ہی کی تعریف میں خلط ہے، جسم نامی متحرک بدن ہے اور حساس ومدید روح ۱۲منہ (م)

---

[1] القرآن ۵۱/۲۳

[2] تفسیر کبیر زیر آیہ ویسئلونک عن الروح مطبعۃ بہیہ مصریہ بمیدان الجامع الازہر مصر ۲۱/۵۳۔ ۵۲

اقول: وھذاالجواب احسن مماقدم قبله حیث قال، فان قالوا ھذه الاٰیة حجة علیکم لانه تعالٰی قال"وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِيۡنٍ ۝۱۲" وکلمة من للتبعیض وھذا یدل علی ان الانسان بعض من ابعاض الطین، قلنا کلمة"من"اصلھا لابتداء الغایة کقولك خرجت من البصرة الی الکوفة فقوله تعالٰی ولقد خلقنا الانسان من سللة من طین، یقتضی ان یکون ابتداء تخلیق الانسان حاصلان من ھذه السلالة ونحن نقول بموجبه لانه تعالٰی یسوی المزاج اولا ثم ینفخ فیه الروح فیکون ابتداء تخلیقه من السلالة[1] اھ قلت وقد یستأنس له بقوله تعالٰی وَبَدَاَ خَلۡقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ ۝[2]، فافھم۔	اقول یہ جواب اس سے بہتر ہے جو اس سے پہلے ذکر فرمایا ہے کہ اگر وہ کہیں کہ یہ آیت تمھارے خلاف حجت ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک خلاصہ سے جو مٹی سے ہے۔ کلمہ مِنۡ (سے) تبعیض کے لئے ہے۔ اور یہ بتاتا ہے کہ انسان مٹی کا ایک جُز اور بعض ہے ــــ ہم جواب دیں گے کہ کلمہ مِنۡ کی اصل ابتدائے غایت کے لئے ہے جیسے تم کہتے ہو میں بصرہ سے کوفہ گیا، تو ارشاد باری (ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک خلاصہ سے جو مٹی سے ہے) اس کا مقتضی ہے کہ تخلیق انسان کی ابتداء اس خلاصے سے ہوتی ہے (ختم) **قلت** اس جواب کے لئے اس ارشاد سے استیناس ہوتا ہے: اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی، تو اسے سمجھو۔ (ت)

بالجملہ خلاصہ مبحث یہ ہوا کہ اطلاق انسان کے لیے دو حقیقتیں ہیں: ایک حقیقت اصلیہ دقیقہ یعنی روح متعلق بالبدن اگرچہ بتعلق برزخی، دوم ۲ حقیقت مشہور عرفیہ یعنی بدن، اور اکثر متکلمین کے زعم میں یہی حقیقت اصلیہ ہے، اور اگر غرابت فن سے قطع نظر کرکے ان کا کلام انسان عرفی پر محمول کریں تو وہ بھی صحیح۔

مقدمہ سادسہ: اقول: صفات بدن دو ۲ قسم ہیں: ۱ اصلیہ کہ خود بدن کے لئے حاصل اور ۲ تبعیہ کہ حقیقۃً صفات روح ہیں، اور بوجہ اتحاد مذکور بدن کی طرف منسوب جیسے علم و سمع وبصر وارادہ و فاعلیت افعال اختیاریہ وغیرہا، عرف میں اگرچہ انسان نامِ بدن ٹھہرا مگر صفات تبعیہ کی اس کی طرف اضافت مشروط بشرط حیات ہے، بعد موت بے عود حیات بدن خالی کو عرفاً لغۃً کسی طرح سمیع وبصیر مرید فاعل عامل نہیں کہتے کہ یہ نسبتیں اس اتصال سریانی پر مبنی تھیں جس نے روح وبدن کو عرفاً امر وحدانی کردیا تھا، جب وہ مسلوب ہوا کشف محجوب ہوا، صفات تبعیہ حق بہ حقدار رسید ہوکر اپنے مرکز کو گئیں اور اس تودہ خاک کو اپنی اصلی حالتیں ظاہر ہوئیں، نظیر اس کی وہی

---

[1] تفسیر کبیر زیر آیہ ویسئلونک عن الروح مطبعۃ بہیۃ مصریۃ بمیدان الجامع الازہر ۵۱/۲۱

[2] القرآن ۳۲/ ۷

صحبت اتش وانگشت ہے، کوئلہ کالا ٹھنڈا تاریک تھا اور نار دخانی گرم وروشن، جب تک اگ کی سرایت سے دہک رہا تھا اس کے نیچے اپنے عیوب چھپے ہوئے تھے آگ ہی کے اوصاف سے موصوف ہوتا جب آگ جدا اور بر کران ہوئی اصل حقیقت عیان ہوئی تو ایمان اگرچہ عرف پر مبنی ہیں اور عرفاً انسان خواہ بلفظ انسان وبشر وآدمی تعبیر کیا جائے یا اعلام وضمائر واسماء اشارہ سے اس کا معبر عنہ یہی بدن ہوتا ہے مگر بنظر تقسیم مذکور امور محلوف علیہا کی طرف نظر ضرور، اگر صفات اصلیہ پر مقصود ہو، جیسے اٹھانا، بٹھانا، نہلانا وغیرہ تو کچھ حالت کی تخصیص نہ ہوگی کہ نفس بدن کاان کا صالح ہے، اور اگر صفاتِ تبعیہ پر موقوف ہو جیسے خطاب و اعلام وافہام وکلام، توضرورۃً متقید بحال حیات رہے گا کہ بغیر ان کے بدن ان کا صالح نہیں، بالجملہ انسان کا عرفاً بدن میں حقیقت ہونا اور معنی حقیقی عرفی میں استعمال کیا جانا زنہار اسے مقتضٰی نہیں کہ وہ کلام بدن کی ہر حالت کو مشتمل رہے یا بعض احوال پر اقتصار کے باعث حقیقت عرفیہ سے منسلخ ہو کر کسی اور معنی پر محمول بنے بلکہ وہی مراد ہو کہ بات جس حال کے قابل ہوگی اسی قدر کو شامل ہوگی مثلاً اگر کہئے زید نے کوئلے سے بدن جلالیا تو قطعاً اس سے وہی دہکتا ہوا کوئلہ مراد ہوگا کہ جلانے کی صلاحیت اسی میں ہے۔ اس سے نہ یہ لازم کہ مطلق کوئلہ اس سے مفہوم ہو نہ یہ کہ کوئلہ اپنے معنی حقیقی سے محروم ہو وھذا کلہ ظاہر جدا (اور یہ سب بہت واضح ہے۔ ت) **بحمد اللہ تعالٰی** یہ معنٰی ہیں اس ضابطے کے جو علماء نے یہاں ارشاد فرمایا، اور تنویر الابصار ودرمختار وشروح کنز وغیرہ میں مذکور ہوا کہ:

ماشارك الميّت فيه الحی يقع اليمين فيه علی الحالتين، وما اختص بحالة الحياة تقيد بها[1]۔	جس امر میں میّت زندہ کا شریک ہو اس میں قسم دونوں حالتوں پر واقع ہوگی اور جو حالتِ حیات سے خاص ہو اس میں قسم حالتِ زیست سے مقید رہے گی۔ (ت)

مقدمہ سابعہ: اقول: مناظرات میں وقت واطاعت کہ راہ پاتی ہے بیشتر اصل مقصد ومورد نزاع سے غفلت کے باعث منہ دکھاتی ہے، فریقین اس کے پابند رہیں، یہ تو معلوم ہو کہ اہل باطل اکثر اصل مطلب سے فرار ہی میں مفر مگر اہل حق پر اس کا خیال لازم، ہر وقت پیش نظر رکھیں کہ بحث کیا تھی اور چلے کدھر، اس میں باذن اللہ تعالٰی تخفیف مؤنت اور مخالف کے عجز و سکوت جلد ظاہر ہونے پر معونت ہوتی ہے، اس مسئلہ دائرہ سماع موتی میں مقصود اہلسنت کچھ اس پر موقوف نہیں کہ تمام اموات کیے بدن ہی قبر میں ہمیشہ زندہ رہیں زائروں کے سلام وکلام وہ انہی کانوں کے ذریعہ سے سنیں ہوائے متموج متکیف بالصوت انہی کے پٹھوں کو کرے، اسی طریقے پر سماع ہو، یونہی رؤیت عامہ اموات میں، ہماری اس سے کوئی غرض متعلق نہیں کہ وہ انہی انکھوں سے

---
[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۱

دیکھے، انہی سے خروج شعاع یا انھیں کے لوح میں صورت کا انطباع ہو، یہ نہ واقع ہے نہ ہمارا دعوی کو اس پر توقف، آخر اہلسنت کے نزدیک جس طرح ابھی کا مردہ سنتا دیکھتا ہے یونہی برسوں کا، جبکہ کان آنکھ جسم کا کوئی ذرہ سلامت نہ رہا سب خاک وغبار ہو کر مٹی میں مل گیا، جس طرح مسلمان قبر میں سنتا ہے یونہی ہندو کافر مرگھٹ میں، جس وقت اس کے کان آنکھ کو آگ دیتے ہیں وہ ان آگ دینے والوں کو دیکھتا ان کی باتیں سنتا اس آگ کی اذیت کا احساس کرتا ہے۔ آنکھ کان اعضاء کو جلتا دیکھتا ان پر آگ بھڑکنے کی آواز سنتا ہے اور جب جل بجھ کر راکھ ہو جاتے ہیں جب بھی دیکھتا سنتا ہے۔ جو سلام وکلام مدفون امروزہ کے لئے شرع مطہرہ میں ہے وہی مدفون ہزار سالہ کے واسطے، دونوں سے وہی کہا جائے گا کہ "سلام تم پر اے ایمان والو! اللہ تعالٰی تمھیں اور ہمیں بخشے، تم ہمارے اگلے ہو اور ہم تمھارے پچھلے، خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان صحابی اعرابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب یہ حکم دیا کہ "جہاں کسی کافر کی قبر پر گزرو اسے دوزخ جانے کا مژدہ دو،" تو ارشاد اقدس میں تخصیص تازہ مرے ہوئے کی نہ تھی بلکہ صاف تعمیم تھی اور تعمیم ہی پر ان صحابی نے کاربندی کی، غرض دلائل مطلق ہیں اور عقیدہ مطلق اور آلات جسمانیہ کی تخصیص ناحق، ہمیں اتنی بات سے کام ہے کہ مردے زندوں کی طرح صورت وصوت کا ادراک کرتے ہیں، اور اوپر روشن ہو چکا کہ ادراک کار روح ہے اور روح نہ موت سے مرتی ہے نہ متغیر ہوتی ہے، مگر اس پر بھی لفظِ میّت کا اطلاق آتا ہے ہم انھیں ارواح موتٰی کے سماع وابصار کا عقیدہ رکھتے ہیں اور اسی کو اموات کا دیکھنا سننا کہتے ہیں اس سے کچھ غرض نہیں کہ وہاں بھی ذرائع وآلات یہی ہوں یا غیر، فصل پانزدہم میں امام شیخ الاسلام خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی قدس سرہ الملکی کا ارشاد گزرا کہ ہم نہیں کہتے کہ مردہ بدن سنتا ہے بلکہ روح سنتی ہے خواہ تنہا جبکہ بدن مردہ رہے یا جسم سے مل کر جبکہ حیات جانب جسم عود کرے، آخر اس قدر سے حضرات منکرین بھی منکر نہیں کہ اموات جنت ونار وملائکہ ثواب وعذاب کو دیکھتے، ان کی بات سنتے سمجھتے، قیامت کے آنے نہ آنے کی دعائیں کرتے ہیں، تو اس کی تسلیم انھیں بھی ضرور کہ دیکھنا سننا بولنا انھیں الات جسمانیہ پر غیر مقصور۔

قال المولٰی تبارك وتعالٰی اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِيًّا ۚ وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۟ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ۝۴۶ [1]۔	مولٰی تبارک وتعالٰی کا ارشاد ہے: وہ صبح وشام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور قیامت کے دن فرعون والوں کو زیادہ سخت عذاب میں ڈالیں گے۔ (ت)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۴۰/۴۶

ان ارواح اٰل فرعون فی اجوان طیر سود یعرضون علی النار کل یوم مرتین تغدو و تروح الی النار فیقال یا اٰل فرعون ھذہ مأوٰکم حتی تقوم الساعة[1]۔	فرعونیوں کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ڈال کر انھیں روزانہ دوبار نار پر پیش کیا جاتا ہے، صبح وشام کو نار کی طرف جاتی ہیں تو کہا جاتا ہے اے فرعون والو! یہ تمھارا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔ (ت)

فرعون اور فرعونیوں کو ڈوبے ہوئے کئی ہزار برس ہوئے ہر روز صبح وشام دو وقت اگ پر پیش کیے جاتے ہیں جہنم جھنکا کر ان سے کہا جاتا ہے یہ تمھارا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ قیامت آئے۔ اور ایک انھیں پر کیا موقوف ہر مومن وکافر کو یونہی صبح وشام جنت ونار دکھاتے اور یہی کلام سناتے ہیں صحیح بخاری صحیح مسلم وموطائے امام مالک و جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامات احدکم عرض علیه مقعدہ بالغداۃ والعشی، ان کان من اھل الجنة فمن اھل الجنة وان کان من اھل النار فمن اھل النار یقال له ھذا مقعدك حتی یبعثك اللہ الی یوم القیامة[2]۔	جب تم میں سے کوئی مرتا ہے اس پر اس کا ٹھکانا صبح وشام پیش کیا جاتا ہے، اگر اہل جنت سے تھا تو اہل جنت کا مقام اور اہل نار سے تھا تو اہل نار کا مقام دکھایا جاتا ہے اس سے کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانا ہے یہاں تک کہ خدا تجھ کو روز قیامت اس کی طرف بھیجے۔ (ت)

یونہی اموات کی باہم ملاقات، آپس کی گفتگو، قبر کا ان سے باتیں کرنا، ان کی حد نگاہ تک کشادہ ہونا احیاء کے اعمال انھیں سنائے جانا، اپنے حسنات وسیئات اور گاؤماہی کا تماشا دیکھنا وغیرہ وغیرہ امور کثیر جن کی نظر صدر مقصد دوم میں اشارہ گزرا، جن کے بیان میں دس بیس نہیں صدہا حدیثیں وارد ہوئیں ان مطالب پر شاہد ہیں جس طریقے سے ہو ان چیزوں اور آوازوں کو دیکھتے سنتے ہیں اور قیامت تک جس کے گلنے خاک میں ملنے کے بعد بھی دیکھیں سنیں گے، یونہی زائروں قبروں کے سامنے گزرنے والوں اور ان کے کلام کو۔ طرفہ یہ کہ مولوی اسحاق صاحب نے بھی جواب وسوال ۱۹ میں تسلیم کیا مردے زندوں کا سلام سنتے ہیں۔ حضرت! جن کانوں سے سلام سنتے ہیں انہی سے کلام۔ یہ تو ہماری طرف سے کلام تھا، اب جانب منکرین نظر کیجئے ان کا انکار بھی قطعاً عام ہے، صرف آلاتِ جسمانیہ سے خاص نہیں، کاش وہ ایمان لے آئیں کہ اموات اصوات کا ادراک تام کرتے ہیں مگر نہ گوشِ بدن

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور تحت آیہ مذکورہ مکتبہ آیۃ اللہ ایران ۵/۵۲۔۳۵۱

[2] مؤطا امام مالک جامع الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۱

تو جھگڑا ہی کیا ہے، ابھی اتفاق ہوگیا، اہل سنت بھی تو اسی قدر فرماتے ہیں، گوش و گوشت کی تخصیص کب بتاتے ہیں مگر حاشا وہ کب اس راہ آتے ہیں، انھیں تو اولیائے مدفونین کی ندا حرام کرنی ہے۔ ان محبوبان خدا سے طلب دعا حرام کرنی ہے۔ وہ کس دل سے سننا مان لیں، اگرچہ بے زریعہ گوش، دیکھنا تسلیم کرلیں گے گو بے واسطہ چشم، انھیں مولوی مجیب صاحب کی طرح یہ کہنا کہ جب درمیان زائر و مقبور کے حجب عدیدہ سمع وبصر حائل تو سماع اصوات اور بصارت صور محال، یہ تحریر محل نزاع ہے جس کو سمجھ لینا مزیل اشکال،

الحمدﷲ المهيمن المتعال وصلى الله تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآله وصحبه خیر صحب وآل۔	تمام تعریف خدائے نگہبان برتر کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کی آل واصحاب پر جو بہترین آل واصحاب ہیں درود نازل فرمائے۔ (ت)

بحمد اللہ تقریر مقدمات سے فراغ پایا۔ تحریر جوابات کا وقت آیا جو امر جس مقدمے میں ثالث کیا گیا جواب میں اس پر علامت (مقہ) لکھ کر شمار مقدمہ کا ہندسہ بغرض یاد دہانی ثبت ہوگا کہ ہر جگہ بحکم مقدمہ فلاں یا دیکھوں مقدمہ فلاں لکھنے کی حاجت نہ ہو۔

فاقول: وباﷲ التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق (اللہ تعالٰی کی توفیق ومدد سے ذروۂ تحقیق تک پہنچا جاسکتا ہے۔ت)

جواب اول: ائمہ اہل سنت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماعی عقیدہ کہ مردے سنتے ہیں قطعًا حق ہے، اور کیوں نہ حق ہو کہ وہ اہل سنت ہیں حق انھیں میں منحصر ہے۔ اور اس کے معنٰی یہ کہ مردگان (کہ ان پر بھی اطلاق مردہ ومیّت کیا جاتا ہے اور خود وہ اور ان کے ادراکات باقی و مستمر وبحال ونا متغیر ہیں) بعد فراق بھی بدستور ادراک اصوات وکلام کرتے ہیں اور ان مشائخ وشراح اہلسنت وفلاح رحمہم اللہ تعالٰی کا بیان کہ "مردے نہیں سنتے" بے شک صحیح ہے، اور کیوں نہ صحیح ہو کہ وہ اہل فقاہت ہیں، ان کا فضل وکمال ظاہر و باہر ہے۔ اور اس کے معنٰی یہ کہ جو چیز مر گئی یعنی بدن کہ حقیقۃً وہ مردہ ہے مردہ ہے سمع سے معزول ہے آلیت وتوسط وتادیہ صور کے لائق نہیں، یہ دونوں کلام صراحۃً سچ ہیں اور آپس میں اصلاً متخالف، نہ کوئی حرف مفید مخالفن بحمد اللہ تعالٰی اس معنی نفیس کا بروجہ احتمال ہی بیان کرنا ہمیں بس تھا، مخالفان عبارات علماء سے مستدل اور ان کے منکر سماع ہونے کو مدعی ہے اور احتمال قاطع استدلال پھر سند کے لئے نظر انصاف میں متعدد دلیلیں موجود[عہ]، مثلاً:۔

دلیل ۱: جب ائمہ دین وعلمائے معتمدین سے ہزار در ہزار قاہر تصریحیں سماعِ موتٰی کے باب میں موجود اور بتصریح

عــہ: کہ بقالوں مناظرہ شواہد نقض تفصیلی ہیں ۱۲ منہ (م)

علماء حتی الامکان کلمات ائمہ میں توفیق و تطبیق محمود و مقصود، اور بے ضرورت داعیہ ابقائے خلاف و نزاع جس کے باعث خواہی نخواہی ای گروہ ائمہ کا کلام غلط باطل ٹھہرے مطرود و مردود، اور یہ توفیق کہ بتوفیق الٰہی ہم نے ذکر کی واضح و صریح اور تخالف مفقود، تولاجرم اسی کی طرف مصیر لازم، اور یہ راہ خلاف بند و مسدود۔

دلیل ۲: خلاف و تطبیق درکنار ثقات علماء اثبات سماع موتٰی پر اجماع اہلسنت نقل فرماچکے، کیا معاذاللہ انھیں جزاف و کذب کی طرف نسبت کرسکتے ہیں یا اکثر مشائخ حنفیہ عیاذًا باللہ ایسے بے مقدار و ناقابل شمار کہ ان کے خلاف کو لاشیئ ٹھہرا کر علماء ادعائے اجماع رکھتے ہیں، لاجرم سبیل یہی ہے کہ باہم خلاف ہی نہیں اجماع نسبت ارواح اور قول مشائخ نسبت اشباح۔

دلیل ۳: جب احادیث کثیرہ وافرہ صریحہ متوافرہ سماع موتٰی پر بے تخصیص و تقیید قوت ایسی ناطق جن میں ذی انصاف و دین کو مجال تاویل و تبدیل نہیں تو کیا مقتضائے حق شناسی حضرات مشائخ ہے کہ اپنی بات بنانے کے لیے خواہ مخواہ ان کا کلام مخالف احادیث سید الانام علیہ وعلٰی آلہ الصلٰوۃ والسلام ٹھہرائے اور وہ بھی کسی جرأت کے ساتھ کہ خاص اخبار متعلقہ بغیب و برزخ کا مقام اور خود ارشادات صریحہ نبی لاریب امین الغیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف کلام وان **ھذا الابلاء لا یحتمل وعنأ لایرم** (یہ ایسی بلاء ہے جو اٹھنے والی نہیں اور ایسی تکلیف جو ٹلنے والی نہیں۔ ت) رہا وہابی قنوج رفو خواہ مائۃ مسائل صاحب تفہیم المسائل کا تعصب کہ:

آنچہ از ملا علی قاری و شیخ عبدالحق آوردہ ہمہ ہا از شرح صدور نقل می کنند و مایہ تصانیف شیخ جلال الدین سیوطی کتب احادیث طبقہ رابعہ است واین احادیث قابل اعتماد نیستند[1]۔	جو کچھ ملا علی اور شیخ عبدالحق سے نقل کیا ہے سب شرح الصدور سے ناقل ہیں اور شیخ جلال الدین سیوطی کی کتابوں کا سرمایہ طبقہ رابعہ کی احادیث ہیں اور یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں۔ (ت)

اقول اوّلاً: شدت تعصب نے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث جلیلہ کو شاید دیکھنے نہ دیا۔ ان پر بھی طبقہ رابعہ کا حکم ہوگیا۔ کیا علی قاری و شیخ محقق نے ان سے استناد نہ کیا یا آپ نے ان کے کلاموں کا جواب دے لیا، شرم شرم شرم! ہاں مجھی کو سہو ہوا جواب کیوں نہ دیا، وہ دیا کہ عقل وحیا دیانت سب کو جواب دیا۔ اخر کلام میں اسے بھی سن لیجئے۔

ثانیاً: یہاں ان کے علاوہ اور حدیثیں بھی تھیں کہ ائمہ فن نے جن کی تصحیحیں کیں، زیادہ علم نہ تھا تو

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

اپنے خصم ہی کا کلام دیکھا ہوتا، مولانا علی قاری کی عبارت نقل کی تھی:

ھذہ المسائل کلھا ذکرھا السیوطی فی کتابه شرح الصدور فی احوال القبور بالاخبار الصحیحة والاٰثار الصریحة۔	یعنی یہ سب مسائل امام سیوطی نے شرح الصدور میں صحیح حدیثوں صریح روایتوں سے بیان کئے۔

شیخ محقق کی عبارت منقول تھی:

بالجملہ کتاب وسنت مملو ومشحون اند باخبار واحادیث کہ دلالت مے کند بروجود علم مرموتٰی رابد نیا واہل آں پس منکر نہ شود آں رامگر جاہل باخبار ومنکر دین [1]	بالجملہ کتاب وسنت ایسی اخبار واحادیث سے لبریز ہیں جن میں دلیل ہے کہ مردوں کو دنیا واہل دنیا سے متعلق علم ہوتا ہے، تو اس کا منکر وہی ہوگا جو احادیث سے جاہل اور دین کا منکر ہو۔ (ت)

ثالثًا: کیا مولانا قاری وشیخ محقق نے احادیث سلام وحدیث ترمذی عن ام المومنین در بارہ خطاب بہ میّت وغیرہا سے استدلال نہ کیا تھا۔ یا یہ سب بھی طبقہ رابعہ میں داخل اور ان پر اعتماد مردود وباطل۔

رابعًا: کتب سیوطی میں جو کچھ ہے کیا سب طبقہ رابعہ سے ہوتا ہے یا یہاں خاص ایسا ہے؟ اور جب دونوں باتیں بداہۃً باطل، تو طبقہ رابعہ کا ذکر مہمل ولاطائل۔

خامسًا: احادیث طبقہ رابعہ جس طرح تصانیف امام ممدوح میں مذکور ہوئیں یونہی عامہ ائمہ کی تالیف میں، اور خود یہ بلکہ ان سے نازل تر کی احادیث وروایات حجۃ اللہ البالغہ وقرۃ العینین وازالۃ الخفاء وتفسیر عزیزی وتحفہ اثنا عشریہ وغیرہا تصانیف ہر دو شاہ صاحب میں کہ یہی اس تقسیم طبقات کے موجد وقائل ہیں تودہ تودہ بھری ہیں۔

سادسًا: لطف یہ کہ خود انہی شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود اسی مسئلہ سماع موتٰی میں خود انہی احادیث سے استناد کیا۔ اسی طرح شرح الصدور شریف کا حوالہ دیا کہ:

تفصیل آں دفتر طویل مے خواہد درکتاب شرح الصدور فی احوال الموتٰی والقبور کہ تصنیف شیخ جلال الدین سیوطی است ودیگر کتب حدیث باید دید [2]۔	اس کی تفصیل ایک طویل دفتر کی طالب ہے شیخ جلال الدین سیوطی کی تصنیف شرح الصدور فی احوال الموتی والقبور اور دوسری کتب حدیث دیکھنا چاہئے۔ (ت)

[1] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۰۱/۳

[2] فتاوٰی عزیزی مکتوب درحال ہمراہیان حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مطبع مجتبائی دہلی ۸۸/۱

سابعًا: یہ سب تمھارے فہم کے لائق کلام تھا اگر طبقات کے بارے میں تحقیق حق ناصع درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مدارج طبقات الحدیث دیکھئے کہ بعونہ تعالٰی انکھیں کھلیں اور حق کے دریا لہراتے ملیں مکابرہ قنوجی اب وہ جواب سنئے جو ملا تفہیمی صاحب نے صحیح حدیثوں اور ائمہ علماء کی تمام تحقیقوں کا دو حرف میں دے دیا یہی شگوفہ طبقہ رابعہ چھوڑ کر فرماتے ہیں:

علاوہ ازیں تفسیر ابن عباس کہ شیخ جلال الدین سیوطی ذکر آں در دُر منثور کردہ صریح عدم سماع موتٰی مستفاد است[1]۔	علاوہ ازیں تفسیر ابن عباس سے ___ جس کا ذکر شیخ جلال الدین سیوطی نے در منثور میں کیا ہے: مردوں کا نہ سننا صاف طور پر مستفاد ہے۔ (ت)

پھر وہ تفسیر بحوالہ ابو جہل سدی بن سہل الجنید النیشاپوری عـــہ بطریق عبدالقادر عن ابی صالح عن ابن عباس یہ نقل کی کہ جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قلیب بدر پر ان کافروں کی لاشوں سے کلام کیا اور فرمایا: تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے، فانزل اللہ تعالٰی اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیتیں اتاریں، پھر خود اس روایت کی نسبت کہا نص است برآنکہ موتٰی راسماع نیست[2] (یہ اس پر نص ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ت)

اقول اولًا: صحاح جلیلہ مشہورہ بخاری و مسلم کے مقابل ایسی شواذ غریبہ ونوادر مجہولہ اجزائے خاملہ ذکر کرتے شرم نہ آئی، اور ایک کتاب میں رطب ویابس، مقبول ومردود جو ملے محض جمع کر دینا مقصود ہو دوسری جگہ استدلال و تفریع و تحقیق و تنقیح موجود ہو ان میں فرق کی تمیز بنائی۔

ثانیًا: محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو مؤکد بقسم کرکے والذی نفس محمد بیدہ ما انتم باسمع لما اقول منھم[3] قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں محمد کی جان پاک ہے میں جو فرمارہا ہوں اسے تم سے کچھ زیادہ نہیں سنتے، اور تو ان آیتوں کی اس کے خلاف پر

عـــہ: در نسخہ مطبوعہ تفہیم المسائل ہمچنیں است و صحیح الجنید نیشاپوری است فلیتنبہ ۱۲منہ (م)	تفہیم المسائل کے مطبوعہ نسخوں میں اس طرح ہے اور صحیح "الجنید نیشاپور" ہے، اسے یاد رکھنا چاہئے ۱۲منہ (م)

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۷۳

[3] صحیح البخاری باب قتل ابی جہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۵۶۶/۲

اتر نا مانے، کیا معاذاللہ قرآن عظیم اپنے رسول کی قسم کی تکذیب کے لئے اترا؟ ایسا لکھتے اللہ و رسول سے کچھ حیا نہ آئی۔ ام المؤمنین نے جب حدیث کو مخالف آیت گمان کیا راوی کی طرف وہم و سہو نسبت فرمایا تو نے تو اس ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یوں فرمانا اور قرآن عظیم کا معاذاللہ اس خبر کی تغلیط میں آنا مانا۔

ثالثًا: لطف یہ کہ یہ آیتیں تین سورتوں میں واقع ہوئیں، نمل، ملائکہ، روم، تینوں مکیہ ہیں کہ قبل ہجرت نازل ہوئیں اور واقعہ بدر ہجرت کے بعد ہے۔ کیا آیتیں پیشگی اتر آئی تھیں؟ علماء نے ان آیات کو نہ مستثنیات من المکیات میں شمار فرمایا نہ مستثنیات فی النزول میں۔

رابعًا: دیکھئے سباق و سیاق آیات صراحۃً کلام کفار احیاء میں ہے کہ سخن حق میں نہیں سنتے، نہیں مانتے نہ کافروں کی لاشوں میں۔ سورۂ روم میں فرماتا ہے:

وَلَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۲﴾ وَ مَاۤ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾[1]	اگر ہم ہوا بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں، بیشک تم مردوں کو نہ سناؤ گے اور نہ بہروں کو پکار سناؤ گے جب وہ پیٹھ دے کر پھریں، اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لانے والے ہو، تم ان ہی کو سناؤ گے جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں پھر وہ فرمانبردار ہوں۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح انک لا تسمع الموتٰی سے آخر تک سورہ نمل میں ہے۔ سورہ فاطر میں ہے:

بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُۙ ﴿۱۹﴾ وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُۙ ﴿۲۰﴾ وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُۚ ﴿۲۱﴾ وَ مَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُۚ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴿۲۳﴾[2]۔	بیشک تمہارا ڈر سنانا ان ہی کا کام دیتا ہے جو اپنے رب سے بے دیکھے ڈریں اور نماز قائم کریں اور جو ستھرا ہو وہ اپنے ہی نفع کے لئے ستھرا ہوگا اور اللہ ہی کی طرف پلٹنا ہے۔ اور برابر نہیں نابینا اور بینا، نہ ہی تاریکیاں اور روشنی، نہ ہی سایہ اور تیز دھوپ، اور برابر نہیں زندے اور مردے بیشک اللہ جسے چاہتا ہے سناتا ہے، اور تم انھیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں پڑے ہیں، تم تو صرف ڈر سنانے والے ہو۔ (ت) ایمان سے کہنا ان آیتوں میں یہی بیان ہے کہ کافروں کی لاشوں پر کیوں پکار رہے ہو وہ مرنے کے بعد کیا سنیں گے۔

---

[1] القرآن ۳۰/۵۱تا۵۳ و ۲۷/۸۱و۸۲

[2] القرآن ۳۵/۱۸تا۲۳

خامسًا: قطع نظر اس سے کہ اگر اس واقعہ میں اس افادے کے لیے یہ کلام پاک اترتا تو فاطر والی آیت یا نمل و روم میں کی ایک کافی تھی، انك لا تسمع جُدا اور ما انت بمسمع الگ اترنے کی کیا حاجت تھی؟ نمل و روم کی دونوں آیتیں تو حرف بحرف ایک ہی ہیں صرف زیادت فا کا فرق ہی، اس کے کیا معنی تھے کہ جبریل اس واقعہ پر انکار کے لیے ایک بار انک لاتسمع آخر تک سناتے پھر اس وقت "فانك لاتسمع" آخر تک سناتے، لاجرم ان میں کی ایک کسی دلیل سے اپنے محل سورت سے جدا نہیں ہوسکتی، اور جب مکہ معظّمہ میں پیش ہجرت انکار اتر چکا تھا تو اب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس پر بقسم اصرار کیا احتمال رکھتا تھا!

سادسًا: ظاہر حس وعقل بالبداہۃً جسم میّت کے معطل و بے حس ہونے پر شاہد ہے اگر کسی وقت اس کا مدرک ہونا ثابت ہو تو یہ قطعاً امور غیبیہ سے ہے، اب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قسم کھا کر اس غیب پر حکم فرمانا پھر قرآن عظیم کا معاذاللہ اس کے خلاف پر آنا دو صورتوں کے سوا ممکن نہیں، یا تو اولاً عیاذاللہ حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے رجما بالغیب کلام فرمادیا یا اپنی طرف سے غیب پر حکم لگادیا یا یوں کہ اول اسی طرف سے خبر غیب معاذاللہ خلاف واقع آئی، پھر اس کا رَد اُترا، تمھارا ایمان ان دونوں میں سے جسے قبول کرے مانو۔

سابعًا: اگر بفرض غلط یہ روایت غریبہ خالہ صحیح بھی ہو تو قطعاً یقینا حتماً جزماً آیات مذکورہ آیت کریمہ

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى[1] (تو انھیں تم نے قتل نہ کی بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا۔ اور تم نے کنکریاں نہ پھینکیں جب پھینکیں لیکن اللہ نے پھینکیں۔ت) کے باب سے ہیں جن میں معاذاللہ ہرگز اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قسم پر وہ انکار نہیں بلکہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ یہ جو اجسام مردہ تمھارا کلام سن رہے ہیں یہ تم نے انھیں نہ سنایا بلکہ خدا نے سنایا ان اللہ یسمع من یشاء وماانت بمسمع من فی القبور یہ اسی کی قدرت سے ہوا کہ ان خالی بدنوں میں روح نے عود کیا جس کے آتے ہی گئے ہوئے ہوش و حواس بدن کے پھر درست ہوگئے، اب یہ روایت بھی ہماری دلیل ہے اور تفہیمی ملا کے فہم خوار و ذلیل والحمد للہ الھادی الٰی سواء السبیل (اور خدا ہی راہ راست کی ہدایت دینے والا ہے۔ت) خیر بات دور پہنچی اور اب صاحب تفہیم داخل من فی القبور تو سماع قبول سے قطعاً مہجور، لہٰذا اصل سخن کی طرف عنان گردانی کیجئے، کلام مشائخ دوبارہ اجسام موتٰی ہونے پر شواہد و اسانید میں یہ تین امور بالائی کافی و

---

[1] القرآن ۸/۱۷

وافی تھے مگر خود نفس مسئلہ میں انھیں علماء کرام کے کلام ودیگر ابحاث مقام اور ان کے رد واحکام ونقص وابرام یک زبان اس معنٰی پر شہود وعدول تو قبول واجب اور عدول مخذول۔ مثلا:

دلیل ۴: بحث دیکھئے، کاہے کی ہے؟ ایمان کی۔ اور باجماع حنفیّہ وتصریحات علمائے مذکورین وغیرہم ان کا مبنی عرف اور عرف میں انسان وزید وآن وتوسب کامورد بدن تو قسم اسی پر صادق، اور یہ داوری وچالشگری اس سے متعلق۔

دلیل ۵: پر ظاہر کہ اول تا اخر ان کا کلام موت میں ہے، اور میّت نہیں مگر بدن، خود اسی کافی شرح وافی میں اسی بحث ایمان میں فرمایا:

الروح لایموت لکنه زال عن قالب فلان والله تعالٰی قادر علی اعادته[1]۔	یعنی روح میّت نہیں وہ تو صرف بدن سے جدا ہوگئی ہے اور اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اسے دوبارہ بدن میں لے آئے۔

دلیل ۶: ساتھ ہی دلائل میں صاف تحریر فرماتے ہیں کہ جس میّت میں ان کا کلام ہے وہ وہی ہے جسے ادراک نہیں، جسے فہم نہیں، جسے درد نہیں پہنچتا، جو بے حس ہے۔ کتب خمسہ مستند مائۃ مسائل میں ہے:

واللفظ للرمز، الکلام للافهام فلا یتحقق فی المیّت[2]۔	اور الفاظ رمز الحقائق شرح کنزالدقائق للعینی کے ہیں: کلام سمجھانے کے لئے ہوتا ہے تو میّت کے حق میں ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے: **والموت ینافیه**[3] (اور موت اس کے منافی ہے۔ ت) اسی مستخلص الحقائق میں بہ تبعت ہدایہ ہے:

من قال ان ضربتك فعبدی حر فهو علی الضرب فی الحیاة فلو مات ثم ضرب لا یحنث لان الضرب اسم لفعل مؤلم یتصل بالبدن والایلام لایتحقق فی المیّت[4]۔	کسی نے کہا اگر میں نے تجھے مارا تو میرا غلام آزاد ہے۔ یہ قسم زندگی کے اندر مارنے پر محمول ہوگی، اگر اسی کے مرجانے کے بعد مارا تو حانث نہ ہوگا، اس لیے کہ مارنا بدن سے متعلق الم رساں کام کا نام ہے اور الم رسانی میّت کے حق میں متحقق نہیں۔ (ت)

---

[1] کافی شرح وافی

[2] رمز الحقائق شرح کنزالدقائق باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۲۰/۱

[3] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۶۱/۴

[4] مستخلص الحقائق باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک فضل احمد تاجر کتب پشاور ۳۸۸/۲

اسی فتح القدیر میں ہے:

لا یتحقق فی المیّت لانہ لایحس[1]۔	میّت کے حق میں متحقق نہیں اس لیے کہ وہ احساس نہیں رکھتا۔ (ت)

اسی مائۃ مسائل میں عینی شرح کنز میں ہے:

الضرب ایقاع الالم وبعد الموت لایتصور[2]۔	ضرب کا معنی تکلیف پہنچانااور بعد موت یہ متصور نہیں۔ (ت)

تو قطعاً ثابت وہ بدن ہی میں کلام کر رہے ہیں کہ وہی ایسا میّت ہے جسے نہ حس رہتا ہے نہ ادراک، بخلافِ روح کہ اس کے ادراک قطعاً باقی ہے، خود یہی امام نسفی عمدۃ الکلام میں فرماچکے: **الروح لا یتغیر بالموت**[3] (روح موت سے متغیر نہیں ہوتی۔ ت)

دلیل ۷: پھر جب اس تقریر پر شبہہ وارد ہوا کہ جب حس نہیں، تالم نہیں، تو عذاب قبر کیسا! توان حضرات نے یہی جواب دیا کہ معاذاللہ جس پر عذاب قبر ہوتا ہے اسے قبر میں یک گونہ حیات دی جاتی ہے جس سے الم پہنچنے کے قابل ہو جاتا ہے،
اسی مائۃ مسائل میں عینی سے بعد عبارت مذکورہ ہے:

ومن یعذب فی القبر یو ضع فیہ الحیاۃ علی الصحیح[4]۔	جسے قبر میں عذاب دیا جاتا ہے صحیح قول یہ ہے کہ اس میں زندگی پیدا کردی جاتی ہے۔ (ت)

اسی میں کافی عہ سے ہے:

عند العامۃ یوضع فیہ الحیاۃ بقدر مایتألم	جمہور کے نزدیک اس میں اس قدر زندگی رکھ دی جاتی ہے

عہ: **لطیفہ:** مائۃ مسائل میں یہ کافی کی عبارت اسی طرح نقل کی جس سے وہم ہو کہ جمہور علماء کے نزدیک قبر میں بدن کی طرف عود حیات صرف ایک خفیف طور پر ہوتا ہے، حیات کامل ملنا قولِ بعض ومرجوح ہے کہ اسے عامہ کی (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۰

[2] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنّۃ قصہ خوانی پشاور ص ۵۶

[3] عمدۃ الکلام لامام نسفی

[4] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنّۃ قصہ خوانی پشاور ص ۵۲

لاالحیاۃ المطلقۃ وقیل یوضع فیہ الحیاۃ من کل وجہ[1]۔	کہ اسے الم کا احساس ہو، حیات مطلقہ نہیں رکھی جاتی، اور کہا گیا کہ اس میں پورے طور پر زندگی رکھ دی جاتی ہے۔(ت)

مستخلص میں بعد عبارت مسطورہ ہے:

وعذاب القبر یوضع حیاۃ جدیدۃ فیہ وھو قول عامۃ العلماء خلافا لابی الحسن الصالحی ؏ فان عندہ ویعذب المیّت من غیر حیاتہ[2]۔	عذاب قبر بدن میں ایک نئی زندگی رکھنے سے ہوتا ہے، اسی پر عامہ علماہیں بخلاف ابوالحسن صالحہ کے، اس کے نزدیک بغیر زندگی کے میّت کو عذاب قبر ہوتا ہے۔(ت)

اور بالیقین یہ شان بدن ہی کی ہے کہ اسے موت عارض ہوتی اور اس کا حس وادراک باطل کرتی، پھر معاذاللہ تعذیب کے لیے الگ گونہ حیات دی جاتی ہے اور وہ بھی کاملہ نہیں ہوتی بخلاف روح کہ اس کی حیات مستمرہ ہے۔ امام ابن الہمام نے اس مضمون کو خوب صاف فرمادیا، بعد عبارت مزبورہ لکھتے ہیں:

لانہ لایحس ولذا کان الحق ان المیّت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیاۃ بقدر مایحس بالالم، حتی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لایتمیز الاجزاء بل ھی مختلطۃ بالتراب فعذب	اس لیے کہ اس میں احساس نہیں۔ اس لیے حق یہ ہے کہ جس مردے کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے اندر اتنی زندگی رکھ دی جاتی ہے کہ وہ الم کا احساس کرے، یہاں تک کہ اگر اس کے اجزا اس طرح بکھر گئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) طرف نسبت کرکے اس بلفظ قیل نقل کیا حالانکہ فقیر کافی میں جمہور کے نزدیک اعادہ حیات اور اس کی دلیل لکھ کر انھیں سے وہ دونوں قول حیاتِ خفیفہ وحیات کاملہ کے یکساں طور پر نقل کیے کہ:

ثم اختلفوا فقیل توضع فیہ الحیاۃ بقدر مایتألم لاالحیاۃ المطلقۃ، وقیل توضع فیہ الحیاۃ من کل وجہ[3] اھ	پھر علماء مختلف ہوئے بعض نے کہا اس میں اس قدر زندگی رکھ دی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس ہو حیات مطلقہ نہیں رکھی جاتی، اور بعض نے کہا کہ اس میں پورے طور پر زندگی رکھ دی جاتی ہے اھ (ت)

اسی طرح علامہ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا فلیتنبہ ۱۲منہ (م)

؏ رجل من المعتزلہ الیہ تنسب الفرقۃ الصالحیۃ ۱۲منہ (م)	یہ معتزلہ میں سے ایک شخص ہے جس کی طرف فرقہ صالحیہ منسوب ہے۔(ت)

---

[1] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنہ قصہ خوانی پشاور ص ۵۲
[2] کافی شرح وافی
[3] مستخلص الحقائق باب الیمین فی الضرب والقتل دلی پرنٹنگ ورکس دہلی انڈیا ۳۸۸/۲

جعلت الحیاۃ فی تلك الاجزاء التی لا یاخذھا البصر وان اللّٰه علی ذلك لقدیر [1] الخ وقد تقدم تاما فی المقدمۃ الثالثۃ۔	باہم امتیاز نہ رہا بلکہ مٹی سے خلط ملط ہوگئے پھر اسے عذاب دیا گیا تو ان ہی اجزاء میں زندگی رکھ دی جاتی ہے جو نظر نہیں آتے، اور بلا شبہ اللہ تعالٰی اس پر ضرور قادر ہے الخ یہ عبارت مقدمہ سوم میں مکمل گزری۔ (ت)

اب ذرا آنکھ کھول کر دیکھئے وہ کسے میّت کہہ رہے تھے۔ کس کی طرف اعادہ حیات بقدر احساس الم مانا، کس کے اجزاء متفرق ہوگئے۔ کس کے اجزاء اتنے باریک ہوئے کہ نظر کام نہیں کرتی۔ ہاں وہ کیا ہے جس کے اجزاء مٹی میں مل گئے۔ کیا وہ روح پاک ہے۔ حاشا یہی بدن تو وہ خاک ہے۔ تو آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ اس مردہ حقیقی میں علماء کا کلام ہے۔ اسی کی نسبت انکار سماع وافہام ہے۔ وللّٰه الحجۃ السامیۃ (اور اللہ ہی کے لئے بلند حجت ہے۔ ت)

دلیل ۸: انھیں کتب میں کریمہ **وما انت بمسمع من فی القبور** سے استدلال کیا اور پر ظاہر کہ **من فی القبر** نہیں مگر بدن، خود صاحب تفہیم المسائل نے اسی بحث میں براہ بدقسمتی خود انھیں امام عینی شارح کنز کی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری سے نقل کیا:

فان قلت بعد فراغ الملکیئن من السوال مایکون المیّت قلت ان کان سعیدا کان روحه فی الجنۃ وان کان شقیا ففی سجین علی صخرۃ فی الارض السابعۃ [2]۔	یعنی بعد سوال نکیرین سعید کی روح جنت میں رہتی ہے اور شقی کی سجّین میں ساتویں زمین کی ایک چٹان پر۔

تو قبر میں نہیں مگر بدن، اسی سے آیت نفی اسماع فرماتی ہے، اور اسی سے یہ علماء نفی سماع۔

دلیل ۹: نیز یہ سب علماء قول ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے دلیل لائے۔ اور **ان شاء اللّٰه القریب المجیب** عنقریب روشن ہوتا ہے کہ ام المومنین صرف سماع جسمانی کی منکر ہیں اور ادراک روحانی کی مثبت ومقر۔

دلیل ۱۰: انھیں کتب میں اسی میّت میں مسائل دو قسم کے ذکر فرمائے: ایک متقید بحیات، دوسرے شامل حیات وممات۔ فرماتے ہیں اگر قسم کھائی کہ اگر تجھے ماروں یا تجھ سے بولوں، یا عورت سے کہا اگر تجھ سے

---

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الضرب والقتل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۰

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب المیّت یسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/ ۱۴۷

صحبت کروں یا تیرا بوسہ لوں، تو یہ قسمیں اس مخاطب مرد وزن کو زندگی پر مقتصر رہیں گی۔ اور اگر قسم کھائی کہ اگر تجھے نہلاؤں یا اٹھاؤں یا بٹھاؤں تو موت وحیات دونوں کو شامل ہوں گی۔ یہاں تک کہ اگر وہ شخص مر گیا اور اس نے اسے غسل میّت دیا اس کا جنازہ اٹھایا، اسے ہاتھ لگایا، کفن پہنایا تو حانث ہوگا، کافی میں عبارت منقولہ مائۃ مسائل کے چند سطور بعد ہے:

بخلاف ان غسلتك اوحملتك اومسستك او البستك فانها لا تنقيد بالحياة لان الغسل يرادبه التنظيف وتطهير وذايتحقق فی الميّت الاتری انه يجب غسل الميّت تطهيراله فكيف ينا فيه ولوصلی علی الميّت قبل الغسل لم يجز ولوكان غسيلا جاز والحمل يتحقق بعد الموت قال صلی الله تعالٰی عليه وسلم من حمل ميّتا فليتوضا والمس للتعظيم وللشفقة فيتحقق بعد الموت والالباس للتعظيمة والميّت محل لها[1] ۔	اس کے برخلاف اگر کہا: اگر میں نے تجھے نہلایا، یا اٹھایا، یا مس کیا، یا پہنایا، تو یہ قسمیں حالتِ حیات سے مقید نہ رہیں گی، اس لیے کہ نہلانے سے پاک صاف کرنا مقصود ہوتا ہے اور وہ میّت کے حق میں بھی ثابت ہے۔ دیکھو کہ میّت کو پاک کرنے کے لیے اسے غسل دینا واجب ہے تو وہ قسم اس کے منافی کیسے ہوگی؟__ اور اگر غسل سے پہلے میّت کا جنازہ پڑھ لیا تو جائز نہیں اور بعد غسل جائز ہے۔ اور جس نے ایسے مردے کو لیے ہوئے نماز پڑھی جسے غسل نہ دیا گیا تھا تو جائز نہیں اور اگر غسل دیا ہوا تھا تو جائز ہے۔ اور اٹھانا بعد موت بھی متحقق ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے کسی میّت کو اٹھایا تو چاہئے کہ وضو کرے۔" مس کرنا تعظیم یا شفقت کے لئے ہوتا ہے تو وہ بعد موت بھی متحقق ہوگا۔ پہنانا تعظیم کے لئے ہوتا ہے اور میّت اسی کا محل ہے۔ (ت)

دیکھئے وہی کاف ہے وہی خطاب ہے۔ اور اگر اس سے بدن مراد نہ ہوتا تو ان حلفوں میں واجب تھا کہ کبھی حانث نہ ہو کہ مسائل قسم ثانی مطلقاً وہی ہوں گے جنھیں محض بدن سے تعلق ہے۔ جب بدن مقصود نہیں تو اسے نہلانا، اٹھانا، چھونا، پہنانا کیوں موجب حنث ہونے لگا، اور ایک اسی قسم پر کیا ہے قسم اول میں ضرب وجماع وبوسہ کیا غیر بدن سے متعلق ہیں۔ نسق واحد کے ذکر کیے ہوئے تمام مسائل میں بدن مراد لینا اور صرف ایک کو اس سے الگ کردینا کس قدر دور از کار ہے کاف خطاب سے جو ان سب میں مراد ہے وہ ہی کُلمتک میں، تو لاجرم یقینا قطعاً یہ سب خطاب محاورہ عرف حلف سب متعلق بدن ہی ہیں اور فاروق وہی جلیل وجمیل جو

---

[1] کافی شرح وافی

بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے ذکر کیا کہ ضرب میں درد، کلام میں فہم، بوسے میں لذت، جماع میں قضائے شہوت درکار ہے۔ اور یہ امور بدن کے ان صفات پر مقصود کہ بہ تبعیت روح اسے حاصل ہوتے ہیں لہٰذا بعد موت جسم خالی انھیں کافی نہیں بخلاف غسل وحمل ومس والباس کہ صرف صفاتِ اصلیہ بدن کے طالب ہیں توان میں حیات وموت یکساں۔

دلیل ۱۱: ان ائمہ کرام وعلمائے اعلام کا یہ کلام ارواح موتی پر حمل کرنا صراحۃً باطل وتوجیہ القول بمالایرضی بہ القائل ہے ان کے کلمات عالیات بہزار زبان اس سے تحاشی فرمارہے ہیں شواہد سنئے:

شاہد ۱: امام اجل ابو البرکات نسفی قدس سرہ کا ارشاد اسی کافی شرح وافی سے ابھی گزرا کہ روحیں نہیں مرتیں۔

شاہد ۲: خود عقائد کی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ روح میں مرگ سے کچھ تغیر نہیں آتا کیا وہ اسی روح کو کہیں گے کہ مرگئی، فہم وادراک کے قائل نہ رہی، یہ کچھ ہوا اور تغیر نہ آیا، وائے جہالت!

شاہد ۳: یہی امام ابن الہمام اور ایک یہی کیا تمام علمائے اعلام زیارت قبور میں اموات پر سلام اور ان سے خطاب وکلام تسلیم فرماتے ہیں اور اسے سنت بتاتے ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یکرہ النوم عندالقبر وقضاء الحاجۃ بل اولٰی وکل مالم یعہد من السنۃ والمعہود منہا لیس الازیارتہا والدعاء عندہا قائما کما کان یفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم دار قوم مومنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسئل اللہ لی ولکم العافیۃ [1]۔	قبر کے پاس سونا مکروہ ہے اور قضائے حاجت بھی بلکہ بدرجہ اولٰی مکروہ ہے۔ اور ہر وہ کام جو سنت سے معہود نہ ہو، اور سنت سے معہود یہی زیارت اور وہاں اکھڑے ہو کر دعا ہے جیسا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیع تشریف ارزانی میں کیا کرتے تھے اور کہتے تم پر سلام ہو اے اہل ایمان لوگو! اور ہم بلاشبہ تم سے ملنے والے ہیں اگر اللہ نے چاہا۔ میں اپنے لیے اور تمھارے لئے عافیت مانگتا ہوں۔ (ت)

فصل یازدہم میں گزرا کہ یہ سلام وکلام ضرور دلیل سماع وافہام ہیں، مگر یہ اکابر اعلام معاذاللہ اتنی تمیز نہ رکھتے تھے کہ اینٹوں پتھروں سے سلام وکلام کیا معنی؟

شاہد ۴: یوں ہی جس نے زیارت حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کی بالاتفاق ان سے علاوہ سلام وکلام بھی تعلیم کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ موجہہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتنا ہٹے کہ صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے مواجہے میں آجائے اس وقت ان سے یوں عرض کرے۔ پھر ان کے مواجہہ سے

[1] فتح القدیر فصل فی الدفن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۰۲/۲

اتنا ہٹے کہ فاروق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے مواجہے میں آجائے اس وقت ان سے یوں گزارش کرے۔ اگر معاذاللہ یہ سلام وکلام مخفی از قبیل "اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست" (اے باد صبا! یہ سب کچھ تونے اڑایا ہے۔ ت) تھا تو ہٹ ہٹ کر مواجھوں میں آنے کی کیا حاجت تھی! ہٹ دھرم بے انصاف انصاف کی تو کہتے نہیں مگر ذی عقل منصف تو قطعًا ان تعلیمات سے یہی سمجھتا ہے کہ یہ سلام وکلام ضرور حقیقی ہے اور مواجہے سے مقصود پیش نظر آنا، اسی فتح القدیر میں ہے:

ثم یتاخر عن یمینه قدر ذراع فیسلم علی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنه فان راسه حیال منکب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیقول السلام علیك یاخلیفة رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وثانیه فی الغار ابی بکر الصدیق جزاك اللہ عن امة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیرا ثم یتاخر کذلك قدر ذراع فیسلم علی عمر رضی اللہ تعالٰی عنه لان راسه من الصدیق کرأس الصدیق من النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیقول السلام علیك یا امیر المومنین عمر الفاروق والذی اعز اللہ به الاسلام جزاك اللہ من امة محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیرا [1]۔	پھر اپنے داہنے ہاتھ بھرہٹ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض کرے اس لئے کہ ان کا سر مبارک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دوشِ انور کے مقابل ہے۔ تو عرض کرے آپ پر سلام اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیفہ اور غار میں ان کے ثانی ابوبکر صدیق! خدا آپ کو امتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جانب سے جزائے خیر دے۔ پھر اسی طرح ہاتھ بھرہٹ کر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض کرے، اس لیے کہ ان کا سر مبارک حضرت صدیق سے اسی طرح ہے جیسے حضرت ابوبکر صدیق کا سر مبارک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے۔ تو عرض کرے آپ پر سلام ہو اے امیر المومنین عمر فاروق، وہ جس سے اللہ نے اسلام کو عزت وقوت دی، اللہ آپ کو امت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے نیک جزا عطا فرمائیے۔ (ت)

شاہد ۵: چلے کہا کو، انھیں امام ابن الہمام کا وہ ارشاد ہدایت بنیاد جگر شگاف توہب والحاد سنئے کہ سارے انکاری مذہب پر مردنی چھا جائے، اموات کو پتھر سمجھنے پر حجارۃ من سجیل کا پتھراؤ آئے۔ اسی فتح القدیر کے آخر کتاب الحج میں فرماتے ہیں:

یاتی القبر الشریف ویستقبل جدارہ	یعنی مزار انور حضور سید اطہر صلی علیہ وسلم کی

[1] فتح القدیر کتاب الحج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۹۵

ویستدبر القبلة وما عن ابی اللیث انه یقف مستقبل القبلة مردود بماروی ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه فی مسنده عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قال من السنة ان تاتی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من قبل القبلة و تجعل ظهرك الی القبلة وتستقبل القبر بوجهك ثم تقول السلام علیك ایها النبی و رحمة اللہ وبرکاته[1] الا ان یحمل علی نوع مامن الا ستقبال وذٰلك انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی القبر الشریف المکرم علی شقه الایمن مستقبل القبلة، وقالوا فی زیارة القبور مطلقا الا ولی ان یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لامن قبل راسه فانه اتعب لبصر المیّت بخلاف الاول لانه یکون مقابله بصره لان بصره ناظر الی جهة قدیمه اذا کان علی جنبه فعلی هذا تکون القبلة عن یسارا لواقف من جهة قدمیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بخلاف ماذا کان من جهة وجهه الکریم فاذا اکثر الاستقبال الیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاکل الاستقبال یکون استدباره القبلة اکثر من اخذه الی جهتها فیصدق الاستدبار ونوع من الاستقبال الخ۔	زیارت کو حاضر ہو روضہ اقدس کی طرف منہ اور قبلے کو پیٹھ کرے۔ اور وہ جو فقیہ ابواللیث سے نقل کیا گیا کہ قبلہ رو کھڑا ہو مردود ہے اس حدیث سے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ سنت یوں ہے کہ مزار اقدس کے حضور قبلہ کی طرف سے آئے قبلے کو پُشت اور قبر انور کی طرف منہ کرے، پھر عرض رساں ہو سلام حضور پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک گونہ قبلے کی طرف ہونا مراد لیں اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبر انور میں دہنی کروٹ پر قبلہ رو تشریف فرما ہیں، اور علمائے کرام نے عام قبروں کی زیارت میں حکم دیا ہے کہ زائر کو چاہئے میّت کی پائنتی کی طرف سے آئے نہ کہ سرہانے کی جانب سے کہ اس میں مردے کی نگاہ کو تکلیف ہوتی ہے بخلاف پہلی صورت کے کہ یوں آنے والا میّت کی نگاہ کے سامنے ہوگا اس لیے کہ میّت جب کروٹ سے ہو تو اس کی نظر اپنے پاؤں کی طرف ہے، تو اس تقدیر پر جب حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاؤں کی طرف سے حاضر ہوگا قبلہ اس کے بائیں ہاتھ کو ہوگا، زیادہ رخ جانب قبر ہوگا، اور ایک گوشہ جانب قبلہ ہوگا تو پشت بقبلہ بھی ہوا اور ایک گونہ قبلہ کی طرف جھکا ہونا بھی صادق آیا۔ الخ

اللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد ایمان سے کہنا یہی وہ علماء ہیں جو میّت کو پتھر، بے حس، بے ادراک

[1] فتح القدیر کتاب الحج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹۵/۳

بتا رہے ہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، پھر امام ممدوح اپنا ارشاد نہیں فرماتے بلکہ ہمارے علمائے کرام سے نقل فرمارہے ہیں، خدا کی شان یہی وہ مشائخ حنفیّہ ہیں کہ سماع روح کا انکار جن کے سر باندھئے، اللّٰہ تعالٰی توفیق انصاف بخشے، آمین!

شاہد۶: یہی امام عینی شارح کنز عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الاذان بعد ذھاب الوقت میں فرماتے ہیں:

الروح جوھر لطیف نورانی مدرك للجزئیات والکلیات غنی عن الاغتذاء بری عن التحلل والنماء ولھذا یبقی بعد فناء البدن اذ لیست له حاجة الی البدن ومثل ھذا الجوھر لایکون من عالم العنصر بل من عالم الملکوت فمن شانه ان لا یضرہ خلل البدن وتلتذ بما یلائمه ویتألم بما ینافیه، والدلیل علی ذٰلك قوله تعالٰی ولاتحسبن الذیین قتلوا فی سبیل اللّٰہ امواتا بل احیاء عند ربھم الاٰیة وقول صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اذا وضع المیّت علی نعشه رفرف روحه فوق نعشه ویقول یا اھلی ویاولدی [1]۔	روح ایک جوہر لطیف نورانی ہے کہ علم سمع وبصر وغیرہا تمام ادراکات رکھتی ہے، کھانے پینے سے بے نیاز، گھٹنے بڑھنے سے بری ہے۔اسی لئے فنائے بدن کے بعد باقی رہتی ہے کہ اسے بدن کی طرف اصلاً احتیاج نہیں، ایسا جوہر عالم آب وگِل سے نہیں ہوتا بلکہ عالم ملکوت سے، تو اس کی شان یہ ہے کہ بدن کا خلل پذیر ہونا اسے کچھ نقصان نہ پہنچائے، جو بات موافق ہو اس سے لذت پائے، جو مخالف ہو اس سے درد پہنچے، اور اس پر دلیل اللّٰہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ جو راہ خدا میں مارے گئے ہرگز انھیں مردہ نہ جانیوں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (الآیۃ) اور نبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث کہ جب مردہ نعش پر رکھا جاتا ہے اس کی روح بالائے نعش پر افشاں رہتی ہے اور کہتی ہے کہ اے میرے گھروالو، اے میرے بچو!

للّٰہ انصاف! اگر روح بعد موت معطل اور اس کا فہم وادراک مختل ہو تو یہ کیونکر صحیح ہوتا کہ اسے بدن کی حاجت نہیں، خللِ بدن سے کچھ مضرت نہیں، بھلا روح تو بیکار وجماد ہوئی یہ رب کے پاس زندہ کون ہے؟ یہ نعش پر جلوہ افگن ونوازن کون ہے؟

شاہد۷: یہی امام محمود اسی عمدہ میں اس حدیث کے نیچے کہ میّت کو اپنے اہل کے رونے سے عذاب

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الاذان بعد ذہاب الوقت ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۸۸/۵

ہوتا ہے۔ امام اجل ابوزکریا نووی سے نقل فرماتے ہیں:

حکی عن طائفة ان معناه انه یعذب بسماع بکاء اهله علیه ویرق لهم وقال والی هذا ذهب محمد بن جرید الطبری وغیره قال القاضی عیاض وهو اولی الاقول واحتجوا بحدیث فیه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم زجر امرأة من البکاء علی ابنها وقال ان احدکم اذابکی استعبرله صویحبه فیاعبادالله لاتعذبوا اخوانکم۔[1]	یعنی امام ممدوح نے ایک جماعت علماء سے نقل فرمایا کہ معنٰی حدیث یہ ہیں کہ لوگ مردے پر جو روتے ہیں مردے کو ان کا رونا سن کر صدمہ ہوتا ہے اور ان کے لئے اس کا دل کڑھتا ہے، امام محمد نے فرمایا محمد بن جرید طبری وغیرہا اسی طرف گئے، امام قاضی عیاض نے فرمایا یہ سب قولوں سے بہتر ہے، اور اس پر ایک حدیث سے دلیل لائے کہ ایک بی بی اپنے بیٹے پر رو رہی تھیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں منع کیا اور فرمایا: "جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کے رونے پر مردے کے بھی آنسو نکل آتے ہیں تو اے خدا کے بندو! اپنے بھائیوں کو تکلیف نہ دو۔"

یہ تو ان ائمہ سے نقل تھی اور اس سے پہلے خود امام عینی فرما چکے ہیں:

اما تصور البکاء من المیّت فقد ورد فی حدیث ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ان احدکم اذ ابکٰی استعبرله صویحبه والمراد بصویحبه المیّت[2]۔	یعنی میّت کا رونا متصور ہے کہ ایک حدیث میں آیا ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں کوئی روتا ہے تو اس کا ساتھی وہ مردہ بھی رونے لگتا ہے، (صویحب سے مراد میّت ہے)

للہ انصاف! یہی علماء میں جوارح موتٰی کے سماع و فہم سے انکار رکھتے ہیں۔

فائدہ: یہ بی بی حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں، اور یہ حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ وطبرانی نے ان سے روایت کی وہ خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھیں اپنے ایک بیٹے کو یاد کرکے روئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کیا طریقہ ہے کہ دنیا میں زندگی تک تو اپنے ساتھی سے اچھا سلوک اور مرے پیچھے ایذا دو،

فوالذی نفس محمد بیده ان احدا کن	قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ تعالٰی

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری مایرخص من البکاء فی غیر نوح ادارۃ المنیریۃ بیروت ۸/۷۹
[2] عمدۃ القاری شرح البخاری مایرخص من البکاء فی غیر نوح ادارۃ المنیریۃ بیروت ۸/۷۹

لتبکی فتستعین له صویحبة فیا عباد الله لاتعذبوا موتاکم [1]۔	علیہ وسلم کی جان پاک ہے کہ تمھارے رونے پر تمھارا مردہ رونے لگتا ہے، تواے خدا کے بندو! اپنی اموات کو عذاب نہ کرو۔

شاہد ۸: علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں قولِ درر:

الایلام لایتحقق فی المیّت وکذا الکلام لان المقصود بهذا الافهام والموت ینافیه [2]۔	الم رسانی میّت کے اندر متحقق نہیں، اسی طرح گفتگو بھی، کیونکہ اس کا مقصودِ افہام اور سمجھانا ہوتا ہے، موت اس کے منافی ہے۔ (ت)

پر تقریر کی اور خود فرمایا:

الاصل فیه ان کل فعل یلذو یولم ویغم ویسر یقع علی الحیاۃ دون الممات [3]۔	اس بارے میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ فعل جس سے لذت والم اور غم وسرور ہو وہ حیات ہی پر واقع ہوگا موت پر نہیں۔ (ت)

اور قول ۳۲ میں ان کا ارشاد بحوالہ حضرت استاذ سن چکے کہ مردوں کو جوتوں کی پھچل سے اذیت ہوتی ہے۔

شاہد۹: قول ۵۱ دیکھو کہ گھاس اور پیڑ کی تسبیح سے مردہ کا جی بہلتا ہے۔

تنبیہ: فتاوٰی قاضی خاں وامداد الفتاح ومراقی الفلاح علامہ شرنبلالی وغیرہا میں مقبروں سے درخت وگیاہِ سبز کاٹنے کی کراہت پر دلیل مذکور قائم فرمائی اور جس غافل غیر ماؤف الدماغ کے سامنے ان الفاظ کو بیان کیجئے کہ فلاں کی تسبیح سے فلاں کا جی بہلا، اس کا ذہن قطعًا اس طرف جائے گا کہ اس نے اس کی تسبیح سنی اور اس سے انس ملا، بداہت عقل شاہد ہے کہ کسی شے سے انس پانے کو اس پر اطلاع ضرور، اور تسبیح جنس کلام سے ہے جس پر اطلاع بطور سماع تو یہ کلام علماء صراحۃ سماع موتٰی کی دلیل صاف ہے بلکہ اس درجہ قوت قویہ سمع کی جو عامہ احیاء کو حاصل نہیں کما نبهنا علیه سالفا (جیسا کہ پیچھے ہم نے اس پر تنبیہ کی۔ ت) تو صاحب تفہیم المسائل کا خبط کہ اس کلام کو ہرگز مطلب سے آشنائی نہیں، پھر کہا:

باید دید کہ ایں عبارت را از سماعتِ موتٰی چہ مناسبت [4]؟	دیکھنا چاہئے کہ اس عبارت کو مردوں کے سننے سے کیا مناسبت ہے؟ (ت)

[1] المعجم الکبیر مروی از قبیلہ بنت مخرمہ حدیث المکتبۃ فیصلیہ بیروت ۲۵ / ۱۰

[2] الدرر الاحکام لملا خسرو باب حلف الفعل مطبعہ کاملیہ مصر ۲ / ۵۳

[3] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ علی الدرر الاحکام باب حلف الفعل مطبعہ کاملیہ مصر ۲ / ۵۳

[4] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۴

محض نافہمی وجہالت ہے، ہاں بحمد ﷲ تعالٰی اس تذییل جلیل نے شمس وامس کی طرح روشن کردیا کہ اس کے مقتداء صاحب مائۃ مسائل کاان عبارات خمس سے استدلال کرنااوراس کی تائید میں اس وہابی جدید کااسی طرح کی اور عبارات نقل کرکے اوراق بھر ناسب مطلب سے ناآشنااور موردنزاع سے محض بیگانہ تھاوﷲ الحمد۔

شاہد ۱۰ تا ۱۲: یونہی سید عالم ابوالسعود ازہری صاحبِ فتح اللّٰہ المعین وسید علامہ طحطاوی وسید علامہ شامی محشیانِ دُر نے دربارہ یمین وہی تقریرات ذکر کیں اور سب حضرات نے تسبیح گیاہ سے میّت کوانس ملناذکر فرمایا، کما تقدم (جیسا کہ گزرچکا۔ت)

شاہد ۱۳ و ۱۴: سیدین اخیرین نے تصریح فرمائی کہ انسان جو قبر کے پاس ذکر الٰہی کرے اس سے میّت کاجی بہلتا ہے، دیکھو قول ۴۷ و ۴۹۔

شاہد ۱۵ و ۱۶: یونہی دونوں حضرات نے فرمایا کہ مقابر میں پیشاب کرنے سے زندوں کی طرح مردے کو بھی ایذا ہوتی ہے۔ دیکھو قول ۳۸ و ۳۹۔

شاہد ۱۷: علامہ طحطاوی نے تقریر فرمائی کہ اموات کو جوتوں کی پھچل سے اذیت ہوتی ہے، دیکھو قول ۳۴،

شاہد ۱۸ تا ۲۰: علامہ حلبی محشیٔ دُرر بھی اس تقریر یمین میں شریک ہیں اور احراق حیوانات بعد ذبح پر وہ شبہ فرمایا کہ میّت کوایذائے خارج سے درد پہنچنا ثابت ہے، سیدین اخیرین نے جواب دیا کہ یہ بنی آدم میں ہے، دیکھوتذییل زیر قول ۴۰۔

شاہد ۲۱: قول ۲۷ میں علامہ شامی کاامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وہ نقل فرمانا دیکھو کہ قبر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور نماز میں بسم اللہ شریف آواز سے نہ پڑھی۔

شاہد ۲۲: قول ۶۴ میّت کے سرہانے سے نہ آئے کہ اس کی نگاہ کوتکلیف ہوگی پائنتی سے آئے کہ میّت کے پیش نظر ہوگا۔

شاہد ۲۳: تکمیل جمیل میں علامہ زیادی وداؤدی واجہوری سے علامہ شامی کاوہ نقل کرنا دیکھو کہ کسی چیز کے ملنے کے لیے بلندی پر جاکر حضرت سیدی احمد بن علوان کوندا کرے۔

شاہد ۲۴: علامہ طحطاوی نے حاشیہ مراقی الفلاح میں قبور پر سلام ذکر کرکے فرمایا: حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شناسا قبر پر گزرتااور سلام کرتا ہے مردہ اسے پہچانتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

حیث قال واخرج ابن عبدالبر فی الاستذ کار والتمهید بسند صحیح عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی	ان کی عبارت یہ ہے: ابن عبدالبر نے استذکار اور تمہید میں بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

علیہ وسلم مامن احد یمر بقبر اخیہ المومن کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ وردّ علیہ السّلام [1]۔	فرمایا: جو شخص بھی اپنے کسی ایسے مومن بھائی کی قبر سے گزرتا ہے جو اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور اسے سلام کرتا ہے تو صاحب قبر اسے پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

شاہد ۲۵: انھیں کا قول ۸۲ دیکھو کہ اموات زائروں کا سلام سنتے، جواب دیتے، ان سے انس پاتے ہیں، پھر فرمایا: اس میں نہ شہیدوں کی خصوصیت، نہ کسی وقت کی قید، خدارا انصاف! یہ علماء سماع روح کے منکر ہونگے، حاش ﷲ حاش ﷲ، ولکن الوھابیۃ قوم یعتدون (مگر وہابیہ ایسے لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرتے ہیں، ت) پچیس شاہد ہیں اور پچیس سو ممکن مگر علماء اپنا لکھا خود نہ سمجھتے تھے لاجرم قطعاً یقیناً وہ ارواح موتٰی کے لیے سمع وبصر وعلم وفہم مانتے اور بدنِ مردہ کو جب تک مردہ رہے ان صفات سے معزول جانتے ہیں، یہی بعینہٖ ہمارا مذہب اور یہی عباراتِ علماء کا مطلب والحمدﷲ رب العٰلمین۔

دلیل ۱۲: اگر یہ کلام مشائخ کرام روح پر محمول ہو تو وہ اعتراضات قاہرہ وارد ہوں جن سے رہائی ناممکن الحصول ہو، مثلاً:

اولاً حدیث ۴۰ سے ۵۱ تک انھیں بارہ ۱۲ احادیث عظیمہ صحیحہ خفق نعال و قلیب بدر سے ایراد جلیل اور ادعائے تخصیص وقت سوال قبر یا خصوصیت کفار مقتولین بدر باطل وبے دلیل کما سمعت (جیسا کہ سن چکے۔ت) مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا

یردہ ان الاختصاص لایصح الابدلیل وھو مفقود ھھنا بل السوال والجواب ینافیانہ [2]۔	اس کی تردید اس سے ہوتی ہے کہ خصوصیت بغیر کسی دلیل کے صحیح نہیں اور دلیل یہاں مفقود ہے بلکہ سوال وجواب تو اس کے منافی ہیں۔ (ت)

ثانیاً یہاں خصوصیت سہی اور جو احادیث کثیرہ عموماً ومطلقاً اموات کے علم وسمع وبصر وادراک ومعرفت میں وارد ہیں ان سے کیا جواب ہوگا، مرقاۃ میں ہے:

مع ان ماورد من السلام علی الموتی یرد علی التخصیص باول احوال الدفن [3]۔	باوجودیکہ مُردوں پر سلام کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں وہ اول وقت دفن سے تخصیص کی تردید کرتی ہیں۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحاوی علی مراقی الفلاح فصل فی زیارۃ القبور نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۴۱

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب حکم الاسراء مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱/۸

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب حکم الاسراء مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۱/۸

ثالثًا بہت اچھا، جب ابتدائے دفن میں تم خود سماع کے قائل، یہاں تک کہ کلام لایعقل متکلم لا یعقل اعنی تفہیم المسائل بھی معترف وقائل، حیث قال در وقت سوال وجواب ہمہ قائل سماع اند[1] (اس کے الفاظ یہ ہیں: سوال وجواب کے وقت سبھی سماعت کے قائل ہیں، ت) اس وقت کلام کرنے سے کیوں حنث نہیں ہوتا کہ اب تو سمع وفہم سب کچھ حاصل، جس طرح انھیں امام ابن الہمام نے دربارہ تلقین منکرین پر اعتراض کیا کہ:

الا انہ علی ھذا ینبغی التلقین بعد الموت لانہ یکون حین ارجاع الروح[2]۔	مگر اس بنیاد پر تو بعد موت تلقین ہونی چاہئے اس لیے کہ وہ اعادہ روح کے وقت ہوتی ہے۔ (ت)

یہ اعتراضات اس تقدیر باطل یعنی انکار سماع ارواح پر اصل سے اس کلام مشائخ کو باطل وازبیخ کندہ کرتے ہیں۔ بخلاف اس تقدیر حق کے کہ صرف سماع جسم سے انکار مراد ہے، اب ان میں اصلاً کچھ وارد نہیں ہوتا۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) تقریر کلام مشائخ اعلام یہ ہے کہ بنائے ایمان عرف پر ہے اور خطابات عرفیہ متعلق بدن مگر کلام بے سمع وفہم نامتصور، لاجرم یہ قسم حالتِ حیات پر مقصور اور جسم خالی معزول ومہجور کہ بعد فراق روح بدن مردہ ہے اور اس کے حواس ومشاعر باطل وافسردہ، عذاب قبر اگرچہ روح وبدن دونوں پر ہے مگر اس کے لیے بدن کو ایک نوع حیات تازہ بقدر الم دی جاتی ہے مگر موت تو اس قدر احساس وادراک کے منافی ہے پھر اس حیات کا استمرار بھی ضرور نہیں، احادیث کثیرہ کہ سمع وبصرہ فہم وادراک ومعرفت اموات پر ناطق ہے ضرور صادق ہیں۔ ان میں مراد ارواح موتٰی ہیں کہ ادراک حقیقتًا روح ہی کا کام ہے اور اسے موت نہیں، نہ موت بدن سے میں تغیر آئے، البتہ احادیث خفق نعال ضرور سمع جسمانی بتاتی ہیں، قطع نظر اس سے کہ لفظ میّت بدن میں حقیقت، ان میں صراحۃً **اذا وضع فی قبرہ** (جب وہ قبر میں رکھا جاتا ہے۔ ت) ارشاد ہوا، اور قبر میں رکھا جانا بدن ہی کی شان ہے مگر یہ بھی بوجہ مذکور ہم پر وارد نہیں نسخہ میں تحریر نہیں کہ اس وقت بغرض سوال بدن کی طرف اعادہ حیات ہوتا ہے تو سماع حی کے لیے ثابت ہوا نہ کہ میّت کے لیے، اور احادیث قلیب اگرچہ حیات معادہ للسوال سے جدا ہیں کہ اول تو کافر مجاہر سے سوال ہونے میں کلام ہے۔ امام ابو عمر ابن عبدالبر نے فرمایا: سوال یا مومن سے ہوگا یا منافق سے کہ بظاہر مسلمان بنتا تھا بخلاف کافر ظاہر کہ اس سے سوال نہیں، امام جلیل جلال سیوطی نے فرمایا: **ھو الارجح ولا اقول سواہ**[3] **نقلہ فی ردالمحتار** (یہی ارجح ہے اور میں اس کے سوا کا قائل نہیں اھ اسے ردالمحتار میں نقل کیا۔ ت) شرح الصدور میں اس کی تائید کرکے

---

[1] تفہیم المسائل عدمِ سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۱

[2] فتح القدیر باب الجنائز مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۶۹

[3] ردالمحتار صلوٰۃ الجنائز مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۲۹

فرماتے ہیں:

وفی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند الطبرانی من قول حماد وابی عمر الضریر مایصرح بذلك[1]۔	طبرانی کے یہاں بالفاظ حماد وابو عمر ضریر جو حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے اس میں اس کی تصریح ہے۔(ت)

اور اگر سوال مانئے بھی تو اس کا وقت ابتدائے وضع ودفن ہے یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ناپاک لاشوں سے وہ گندہ کُنواں پٹ جانے کے تین دن بعد وہاں تشریف لے جاکر مخاطب ہوئے تھے، صحیح مسلم کی روایت حدیث ۴۸ میں گزری اور صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر یوم بدر باربعۃ وعشرین رجلا من صنادید قریش فقذ فوافی طوی من اطواء بدر خبیث مخبث وکان اذا ظھر علی قوم اقام بالعرصۃ ثلث لیال فلما کان ببدر الیوم الثالث امر براحلتہ فشد علیھا رحلھا ثم مشی وتبعہ اصحابہ وقالوا مانری ینطلق الا لبعض حاجتہ حتی قام علی شفۃ الرکی فجعل ینادیھم باسمائھم واسماء اٰبائھم یا فلاں بن فلاں ویا فلان بن فلان ایسرکم انکم اطعتم اللہ ورسولہ فانا قد وجدنا ماوعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ماوعد ربکم حقا قال فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یا رسول اللہ ماتکلم من اجسادا لاارواح لھا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روز بدر قریش کے چوبیس سربرآوردہ اشخاص کو بدر کے کنوؤں میں ایک گندے پلید کنویں میں پھنکوادیا، حضور کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی قوم پر فتحیاب ہوتے تو میدان میں تین دن قیام فرماتے، جب بدر کا تیسرا دن تھا تو سواری مبارک پر کجاوہ کسوایا، پھر چلے، صحابہ نے ہمرکابی کی، اور کہا ہمارا یہی خیال ہے کہ اپنے کسی کام سے تشریف لے جارہے ہیں، یہاں تک کہ کنویں کے سرے پر ٹھہر کر ان کا اور ان کے آباء کا نام لے لے کر اے فلاں بن فلاں اور اے فلاں بن فلاں کہہ کر پکارنے لگے، فرمایا "کیا اس سے تمھیں خوشی ہوتی کہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم تم نے مانا ہوتا، ہم نے تو حق پایا وہ جس کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا، کیا تم نے اس کو ثابت پایا جو تمھارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا" حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ ان جسموں سے

[1] شرح الصدور فصل فیہ فوائد خلافت اکیڈمی سوات ص ۵۹

علیه وسلم والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم قال قتادة احیاھم الله حتی اسمعهم قوله توبیخا وتصغیرا ونقمة وحسرتا وندما[1]۔	کلام فرمارہے ہیں جن میں جان نہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد کی جان ہے میری بات تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، حضرت قتادہ فرماتے ہیں: اللہ تعالٰی نے ان کی توبیخ، تذلیل، کلفت، حسرت اور ندامت کے لیے انھیں حیات دے کر حضور کا کلام سنوایا۔ (ت)

اور حدیث مذکور نص صریح ہے کہ ان کافروں نے گوش بدن ہی سے سنا کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: حضور کیا کلام فرماتے ہیں ان بدنوں سے جن میں روح نہیں، اسی کے جواب میں ارشاد ہوا کہ خدا کی قسم تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، توصاف ثابت ہوا کہ سماع جسمانی ہی واقع ہوا مگر جبکہ روح کا جسم سے فراق یقینا معلوم اور بے عود حیات سماع جسم خالی قطعاً معدوم، تو ان کافروں کے لیے تین دن بعد پھر عود زندگی ماننے سے چارہ نہیں، اور پر ظاہر کہ یہ امر عموماً نہیں ہوتا، ناچار بالخصوص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اعجاز سے ان ملاعنہ کو زیادت حسرت وندامت وعذاب واذیت ہونے کے لیے واقع ہوا کہ روح وبدن دونوں کا اشتراک تنہا روح کے ادراک سے اشد وسخت تر ہے، لہٰذا قتادہ نے کہا: اللہ تعالٰی نے ان کی حسرت وتوبیخ وتذلیل کے لیے اعادہ حیات فرماکر سنوایا، بالجملہ جو احادیث سماع جسمانی میں نص ہیں ان میں تخصیص وقت یا بعض اموات خود سبیل واضح ہے اور جو ایسی نہیں وہ رأساً غیر وارد کہ سماع روح تو آپ ہی خود ثابت ولائح ہے۔ بحمد اللہ یہاں سے روشن ہوا کہ صاحب تفہیم المسائل کا خبط بے ربط کہ:

ہر چند مبنی ایمان برعرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و حقیقی ہر دوست زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلق کردہ اند نہ بتقید عرف واگر نفی صرف سماع عرفی نہ حقیقی مقصود مے بود حاجت جواب دادن از مسئلہ عذاب قبر وتوجیہ کردن دیگر وقائع کہ برسماع موتٰی دال ست نبود[2]۔	ہر چند کہ قسم کی بنیاد عرف پر ہے مگر یہاں سماع کی نفی سے فقہا کا مقصود عرفی و حقیقی دونوں سماع کی نفی ہے، اس لیے کہ فقہا نے سماع کی نفی مطلق کی ہے عرف کی قید لگا کر نہیں، اگر حقیقی نہیں صرف عرف سماع کی نفی مقصود ہوتی تو مسئلہ عذاب قبر کا جواب دینے اور سماع موتٰی پر دلالت کرنے والے دوسرے حالات و واقعات کی توجیہ کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ (ت)

[1] صحیح بخاری باب قتل ابی جہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۶۶

[2] تفہیم المسائل عدمِ سماع موتٰی از کتبِ حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

فھل ھٰذا الاتوجیہ بما لا یرضی بہ قائلہ (یہ کیا ہے؟ کلام قائل کی ایسی توجیہ جس سے قائل راضی نہیں۔ت) محض نافہمی وجہل واضح ہے۔

فاقول: (میں کہتا ہوں۔ت) **اولاً** یہاں عرفی و حقیقی متغائر نہیں ہے۔ اوپر واضح ہو چکا کہ یہی ادراک اصوات بآلات جسمانیہ ہی حقیقت لغویہ اور یہی متعارف ہے، اور وہ معنٰی جو وقت اضافت سمع بروح مجرد یا بحضرت عزت مراد ہوتے ہیں، محل یمین میں ان کا احتمال ہی کیا تھا کہ اطلاق، نفی انھیں میں شامل ہو۔

ثانیا: مشائخ کرام نے جن وقائع کی توجیہ فرمائی وہ سماع جسمانی پر دال تھے، ان کی توجیہ کی ضرور حاجت تھی اس سے سماع روح کا انکار سمجھ لینا تمھاری خوش فہمی ہے۔

ثالثا: توجیہ عذاب قبر کی بھی ایک ہی کہی، ذی ہوش کو نافع ومضر میں تمیز تک کی لیاقت نہیں مگر تصحیح المسائل کے مقابل آنا ضروری۔

ماذا خاضك یا مغرور فی الخطر

حتی ھلکت فلیت النمل لم نظر

(اے فریب خوردہ! کس چیز نے تجھے خطرے میں ڈالا کہ تو ہلاکت کو پہنچا، کاش! چیونٹی پرواز ہی نہ کرتی۔ت)

عقلمند یہ بھی دیکھا کہ وہ توجیہ کیا کی ہے اور اس سے روح میں کلام نکلتا ہے یا صاف بدن میں گفتگو ہونا منجلی ہے۔ دلیل ہفتم کو گزرے ابھی دیر نہ ہوئی اسے ملاحظہ کیجئے اور صاحب تفہیم کی فہم سقیم کی داد دیجئے۔

رابعًا: کاش اس بطور خویش جماد شوندہ نابینا وناشنوندہ یعنی اس تحریر سے پہلے مرجانے والے تفہیم نگارندہ کو زمانہ مہلت دیتا کہ ہمارے کلام میں دلیل یازدہم اور اس کے پچیس شواہد کو آنکھوں دیکھا کانوں سنتا اس وقت کھلتا کہ **توجیہ القول بما لایرضی بہ قائلہ** (کلامِ قائل کی ایسی توجیہ جس سے قائل راضی نہیں۔ت) کا ارتکاب کس نے کیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب رہا یہ کہ جب ابتدائے دفن میں سماع مسلم تو اس وقت حنث کیوں نہیں، اقول ہاں یوں نہیں کہ یہ یمین مقتضی حیات مخاطب ہے اور نفس روح سے متعلق نہ تھی، اگر اس سے تعلق ہوتا تو اس کی حیات ادراکات تو مستمرہ ہیں ضرور حنث ہوتا۔

فلان العرض وان کان لایبقی زمانین لکنہ مادام مستمرا بتجدد الامثال یعد شیئًا واحدًا باطباق اللغۃ والعرف والشرع۔	کیونکہ عرض اگرچہ دو زمانوں تک باقی نہ رہے لیکن وہ تجدد امثال کی وجہ سے مستمر ہو تو باتفاق لغت وعرف وشرع شیئ واحد ہی شمار ہوتا ہے۔ (ت)

بخلاف بدن کہ اس کی حیات زائل حیات جدیدہ اس وقت ملی ہے اور وہ حیات اولٰی کی غیر ہے تو جس حیات

سے یمین متعلق تھی منقطع ہوچکی اور حنث کی گنجائش نہ رہی، یہی امام ابن الہمام اسی فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

الحیاۃ المعادۃ غیر الحیاۃ المحلوف علی اذنہ فیھا وقدومہ وھی الحیاۃ القائمۃ حالۃ الحلف لان تلك عرض تلاشی لایمکن اعادتھا بعینھا وان اعیدت الروح فان الحیاۃ غیرالروح لانہ امر لازم للروح فیمالہ روح[1]۔	دوبارہ دی جانے والی زندگی اس زندگی کے علاوہ ہے جس کے اندر اجازت اور آمد کی قسم کھائی تھی اور وہ زندگی وہ ہے جو قسم کھانے کے وقت اس شخص کے ساتھ قائم تھی کیونکہ وہ توایک عرض ہے جو ختم ہوگیا، بعینہٖ اس کا اعادہ ممکن نہیں، اگرچہ روح کا اعادہ ہو، اس لیے کہ حیات روح کے علاوہ ایک شی ہے، وہ ایک ایسا امر ہے جو روح کے لیے لازم ہے اس شی میں جس کے لیے روح ہوتی ہے۔(ت)

تنبیہ جلیل: الحمدللہ جس طرح اس تقریر سے یہ واضح ہوا کہ ہمارے مشائخ کرام باتباع احادیث صحیحہ ان عامیانہ اوہام حجاب وحائل خشت وگلِ قبر کو مہمل و ناقابل التفات جانتے ہیں کہ میّت مدفون کے لیے وقت اعادہ روح ایسی خفی آواز ہائے بیرونی کا سماع ثابت مانتے ہیں، یونہی یہ بھی لائح ہوا کہ یہاں سماع جسمانی سے مانع یہی موت تھی، ولہذا جس وقت جسم کو ایک نوع حیاتِ ملی سماع اصوات کی راہ کھلی، توظاہر کہ روح کہ بالاجماع ہمیشہ زندہ و مستمر بحال و نامتغیر ہے اس کا سماع عادۃً دائم ہے کہ مصحح موجود اور مانع مفقود، اب کھلا کہ مشائخ کرام کی یہ بحث وکلام، فقط مذہب منکرین سے بیگانہ ہی نہ تھی بلکہ بحمداللہ تعالٰی صراحۃً ان کارد ہیں اس تحقیق انیق کے بعد صاحب تفہیم المسائل کامزاج پوچھئے کہ آپ کی اس خوش فہمی وقوت وہمی نے کہ:

درفتح القدیر نوشتہ کہ بنائے منع تلقین نزد اکثر مشائخ نابر عدم سماع موتٰی است ودر آخر گفتہ کہ طائفہ مشائخ درحدیث تلقین قائل بحقیقت بدیں وجہ شدہ اند کہ وقت تلقین مقام ارجاع روح است برائے سوال وجواب وایں وقت موتٰی رابجہت عود روح سماع حاصل است پس ایں طائفہ ہم منکر سماع موتٰی است ودر وقتِ سوال وجواب ہمہ قائل سماع از دریں صورت از عبارت فتح القدیر معلوم مے شود کہ مذہب ہمہ فقہا انکار	فتح القدیر میں مرقوم ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک منع تلقین کی بنیاد عدم سماع موتی پر ہے، اور آخر میں کہا کہ ایک جماعت مشائخ حدیث تلقین میں حقیقت کی قائل اس وجہ سے ہوئی کہ وقت تلقین سوال وجواب کے لیے روح لوٹائے جانے کا موقع ہے اور اس وقت روح کے عود کرنے کے باعث مردوں کو سماع حاصل ہے تو یہ جماعت بھی سماع موتی کی منکر ہے اور سوال وجواب کے وقت سبھی سماع کے قائل ہیں، اس طرح یہ فتح القدیر کی

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الکلام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۴

سماع موتٰی است[1]۔	عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سماع موتٰی سے انکار تمام فقہاء کا مذہب ہے۔(ت)

کیسا حکم تیر بازگشت پیدا کیا یہ تو اسی عقلمند کے کلام سے واضح ہوا کہ وہ میّت جس کے لیے فقہاء سماع نہیں مانتے بدن ہی ہے۔ ذرا ہوش میں آکر بتانا کہ عود روح کس میں ہوتا ہے؟ پھر یہ پوچھے کہ اے ذی ہوش! وہ روح جس کے ادنٰی عود سے یہ مشت خاک اتنے حجابوں حائلوں میں بالاتفاق سمیع ہوجاتا ہے، وہ خود کہ حجاب وحائل سے منزہ اور ہمیشہ زندہ ہے، کیوں نہ بالاتفاق دائماً شنوا وبینا ہوگی! اب یاد کیجئے کہ امام ابن الحاج کا ارشاد مذکور قول ۶۵ کہ اولیائے احیاء نور خدا سے دیکھتے ہیں، اور نور خدا کو کچھ جب نہیں۔ پھر اموات کا کیا کہنا، اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا مقال ۷ کہ روح کے آگے مکان دور ونزدیک یکساں ہے جس طرح نظر کنویں میں آسمان برین کے ستارے دیکھتی ہے وغیر ذلک اقوال کثیرہ مذکورہ۔ نسخہ میں الف تحریر نہیں دیکھ ظالم! حجت الٰہی یوں قائم ہوتی ہے، ہاں یہ باقی رہا کہ ادراک روح کے لیے جسم شرط مانئے، یہ اوپر واضح ہوچکا کہ اس کے کون قائل ہیں، معتزلہ وغیرہم لیام، آگے تم جانوں اور تمھارا کام، یہی بحمداللہ تقریر وتفسیر وتنویر اس کلام حضرات مشائخ کی، جسے مخالف اپنا کمال موافق جان کر اہل حق سے الجھتے اور موافق بگمان تخالف مشکل ومعضل سمجھتے، اہل بدعت اپنی سپرپناہ ٹھہرا کر آسمان ناز پر اپنی ٹوپیاں اُچھالتے، اور اصحاب سنت بظاہر مخالف عقیدہ صادقہ پاکر سلاح معارضہ ومنافقہ سنبھالتے، اب بعونِ عزیز مقتدر عزجلالہ روشن ہوگیا کہ امر بالکل بالعکس ہے۔ وہ کلام ہدایت نظام سراپا اہل سنت کے مطابق اور مذہب مخالف کا رد ونکس ہے۔ بحمداللہ تعالٰی اب مخالف دیکھے کہ اس کے شوشے قعرِ عدم کے گوشے میں گئے، موافق نہ صرف موافق، ہر ذی عقل منصف دیکھے کہ بفضلہٖ تعالٰی اس تقریر منیر سے کیا کیا فائدے حاصل ہوئے۔

فائدہ ۱: کلام مشائخ بحمداللہ تعالٰی ہرگز عقیدہ اہلسنت کے مخالف نہیں۔

فائدہ ۲: نہ عیاذاً باللہ کسی حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف۔

فائدہ ۳: نہ تصریحات ائمہ میں اصلاً تعارض۔

فائدہ ۴: نہ خود ان علماء کے کلام میں کہیں بوئے تناقص۔

فائدہ ۵: نہ وہ اس مسئلہ ویمین میں اپنی ہی اصل مقرر یعنی بناعلی العرف سے جدا چلے بلکہ اسی جڑے یہ پودے کھلے۔

فائدہ ۶: نہ وہ ہرگز کسی تخصیص بے دلیل کے مرتکب ہوئے نہ ان کی اس دلیل پر زنہار کوئی نقض وارد، نہ تفریع وتاصیل پر کچھ الزام عائد، غرض یہ سب اور دیگر مقامات میں ان کے کلمات اور باقی ائمہ کے نصوص وتصریحات اور

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۰ و ۸۱

احادیث وآثار کے عالی ارشادات بحمداللہ تعالٰی سب متفق ومنظّم ہیں اور ایک درسرے سے متناسب وملتئم۔ اور اس تقریر معقول۔ مستنیز ومصقول، واجب القبول نہ مانیے تو یہ تمام منقلب ہو کران کے مقابل اتنے ہی ضرر حاصل اور نتیجہ کچھ نہیں کہ انجام یہ ٹھہرے گا کہ کلام مشائخ طرح طرح سے منقوض باطل اور انواع انواع زلزلوں سے متزلزل اور آپ ہی اپنی تلوار سے گھائل، پھر کیا کسی استناد کے قابل وھذا ممالا یرضاہ عاقل (اور اسے کوئی عاقل پسند نہ کرے گا) اب بحمداللہ مہر نیمروز وماہ نیم ماہ سے زیادہ رخشاں ودرخشاں ہوا کہ بعض کبرائے متاخرین شراح محدثین نے اس باب میں جو تقریریں فرمائیں اصل مرام مشائخ کرام پر وارد نہیں۔ وہ گویا بر سبیل ارخائے عنان رائحہ مخالفت مان کر جواب مخالف کی تعلیمیں تھیں اور واقعی ہمارے ائمہ کرام ومشائخ اعلام کی انظار غامضہ ایسی ہی عالیہ واقع ہوئیں کہ بعض اوقات انظار ناظرین متاخرین ماہرین اس کے مرقات مدارج ومعالی معارج تک وصول میں متساہل رہیں جیسا کہ خادم ابواب وفصول فقہ واصول پر آشکار ومبین، یہ بحمداللہ تعالٰی حق تحقیق وتحقیق حق ہے جس سے حق حقیق بقول وتصدیق یک سر مُو متجاوز نہیں ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق (اسی طرح تحقیق چاہئے اور خدائے پاک ہی توفیق کا مالک ہے۔ ت) الحمدللہ! اگر اس تمام کتاب میں ان مقدمات سبعہ کی تمہید وتزیین اور اس جواب عین الصواب کی تحریر وتبیین کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو بفضل عظیم حضرت کریم عم نوالہ، اسی قدر شافی وکافی ومغنی ووافی تھا،

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰى وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۵﴾ والحمدللہ رب العٰلمین۔	وہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، اے میرے رب! مجھے یہ عطا کر کہ میں شکرادا کروں اس احسان کا جو تم نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو راضی ہو، اور میری اولاد کو میرے فائدے کے لیے نیک بنادے، بیشک میں تیری طرف رجوع لایا اور یقینا میں اسلام والوں سے ہوں اور سب خوبیاں اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کاپرودگار ہے۔ (ت)

الحمدللہ اس جواب جلیل وجمیل کے بعد اصلاً حاجت نہیں کہ اور جوابوں کی طرف توجہ کروں، دلائل نے بفضلہٖ تعالٰی یقین قطعی دے دیا ہے کہ بلاشبہ مراد مشائخ کرام یہی ہے تو اب کیا ضرورت ہے کہ تنزلات کیجئے، ارخائے عنان سے مہلتیں دیجئے، مگر مخالف کو شکایت وحسرت نہ رہے، لہٰذا چالشکری کو کچھ اور بھی امتداد سہی، اسی جواب کے متعلق بعض تنبیہات مفیدہ لکھ کر دیگر اجوبہ کی طرف عطف عنان کروں وباللہ التوفیق۔

تنبیہ اول: اقول بعض مسائل میں اہل بدعت اور بعض یا کل اہلسنت متفق ہوتے ہیں اور ان کے

ماخذ حسب اختلاف مذہب مختلف مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک لے کر ندا کرنی ہمارے نزدیک بھی ناجائز ہے اور وہابیہ تو قاطبۃً شرک کہتے ہیں ان کا ماخذ ملوم وہی شرک موہوم اور ہمارے منع کی وجہ آیہ کریمہ
لَاتَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا[1] رسول کا پکارنا اپنے میں ایسانہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ تونام لے کر ندا ناجائز ہے بلکہ یارسول اللہ، یاحبیب اللہ، یاخلیفۃ اللہ وغیرہا اوصاف کریمہ کے ساتھ ندا چاہئے، یوں ہی مسئلہ تلقین بعد دفن کو جمہور معتزلہ تو منع کیا ہی چاہیں کہ ان سنگ ساروں کے نزدیک اموات کی روح وبدن سب اینٹ پتھر ہیں، وللہذا وہ سفہاء عذاب قبر وسوال نکیرین کے منکر ہیں اور حنفیّہ میں جمہور مانعین وہی ہیں قول ۱۳۱ میں امام زاہد صفار کا ارشاد سن چکے کہ منع تلقین مذہب معتزلہ پر ہے۔ قول ۱۳۴ و ۱۳۵ میں جوہرہ نیرہ و درمختار سے گزرا کہ تلقین اہل سنت کے نزدیک مشروع ہے، قول ۱۵۴:

ہر کہ تلقین نمی کند ونمی گوید بآں اور بر مذہب اعتزال است کہ گویند میّت جماد محض است[2]۔	جو تلقین کا عامل وہ قائل نہیں وہ مذہب معتزلہ پر ہے جو کہتے ہیں کہ میّت جماد محض ہے۔(ت)

وللہذا امام ابن ہمام نے اپنا عندیہ بیان فرمایا کہ میرے گمان میں منع تلقین انکار سماع پر مبنی ہے یہ ان جمہور مانعین کے لحاظ سے ضرور صحیح ہے مگر بعض علمائے اہل سنت کہ منع میں شریک ہوئے ان کا ماخذ یہ ہرگز نہیں بلکہ بعض کے نزدیک بدعت ہونا، **کما مر عن سلطان العلماء** (جیسا کہ سلطان العلماء سے گزرا۔ت) یا ان کے خیال میں بے فائدہ ٹھہرنا کہ ایمان پرگیا تو کیا حاجت ورنہ کیا منفعت، وللہذا امام نسفی نے مسئلہ یمین میں وہ تصریحات فرمائیں مگر انکار تلقین میں ہرگز اس کا نام نہ لیا بلکہ اسے عدم فائدہ سے استناد کیا، جیسا کہ قول ۱۵۴ اور نکتہ جلیلہ میں گزرا، وللہذا ملک العلماء بحرالعلوم عبدالعلی محمد نے جب انکار تلقین اختیار کیا اس پر اسی انعدام نفع سے استظہار اور ساتھ ہی بربنائے انکار سماع انکار ماننے پر تصریح انکار کیا ارکانِ اربعہ میں فرماتے ہیں:

لان المیّت لافائدۃ من تلقینہ اصلا لانہ ان مات مسلما فھو ثابت علی الشھادۃ بالتوحید والرسالۃ فالتلقین لغو وان مات کافرا فلا یفید التلقین لانہ لاینفعہ الایمان بعد الموت وماقیل ان التلقین لغو لان المیّت	تلقین میّت میں اصلا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ اگر وہ اسلام پر مرا ہے تو خود توحید ورسالت پر قائم ہے پھر تلقین بیکار ہے۔ اور اگر کفر پر مرا ہے تو تلقین سودمند نہ ہوگی اس لیے کہ موت کے بعد ایمان لانا اسے نفع بخش نہ ہوگا، اور یہ جو کہا گیا کہ تلقین اس لیے لغو ہے کہ میّت

[1] القرآن ۶۳/۲۴
[2] کشف الغطاء فصل احکام دفن مطبع احمدی دہلی ص ۵۷

لایسمع فھذا باطل[1]۔	سنتا نہیں تو یہ باطل ہے۔(ت)

فائدہ: امام علامہ شیخ الاسلام نسفی نے جس طرح کافی میں منع تلقین پر صرف نفی نفع بروجہ مذکور سے استدلال کیا جس سے صاف مترشح کہ وہ اصل سماع کے منکر نہیں، ورنہ سرے سے یہی فرمانا تھا کہ تلقین کسے کی جائے، اینٹوں پتھروں کو، یوں ہی آیات کریمہ کی تفسیر میں نفی انتفاع ونفی قبول ذکر فرمائی، زیر کریمہ ملائکہ فرمایا **شبه الکفار بالموتی حیث لاینفعون بمسموعهم**[2] (کفار کو مردوں سے تشبیہ دی اس لحاظ سے کہ وہ سنتے ہیں اس سے نفع یاب نہیں ہوتے۔ت) زیر کریمہ نمل **لما کانوا لایعون مایسمعون لابهم ینتفعون شبهوا بالموتی**[3] (چونکہ کفار سنتے ہیں اس کو سمجھتے نہیں اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اس لیے انھیں مردوں سے تشبیہ دی گئی۔ت) زیر کریمہ روم **وھٰو لاء فی حکم الموتی فلا تطمع ان یقبلوا منك**[4] (اور یہ مردوں کے حکم میں ہیں تو اس کی طمع نہ رکھو کہ وہ تمھاری بات قبول کریں گے۔ت) مگر صاحب تفہیم المسائل تو اختراع وافتراء کے ماہر کامل صاف لکھ دیا:

صم بکم می نویسد المعنی انهم فی حال کفرهم وتکذیبهم کمن لا یسمع ولا یتکلم فلهذا شبه الکفار بالموتٰی لان المیّت لایسمع ولایتکلم کذا قال ابن الخازن العراقی الشافعی فی تفسیرہ لباب التاویل فی معنی التنزیل انتهی[5] اھ۔	تفسیر مدارک میں آیت کریمہ "جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا بہرے گونگے ہیں" کے تحت لکھتے ہیں: معنی یہ ہے کہ وہ اپنے کفر وتکذیب کی حالت میں ان کی طرح ہیں جو سنتے بولتے نہیں، اسی لیے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی گئی اس لیے کہ مردہ سنتا بولتا نہیں، ایسے ہی ابن خازن عراقی شافعی نے اپنی تفسیر لباب التاویل فی معنی التنزیل میں فرمایا۔ انتہی یعنی عبارت مدارک ختم۔اھ (ت)

مدارک شریف میں اس عبارت کا نشان نہیں، لطف یہ کہ اس میں تفسیر لباب تاویل کا حوالہ نقل کرکے انتہی کردی یعنی یہاں تک کہ عبارت مدارک تھی، حالانکہ صاحب مدارک کی وفات ۷۰۱ھ یا ۷۱۰ھ میں علی اختلاف القولین ہے اور لباب التاویل کی تالیف ۷۲۵ھ میں ختم ہوئی۔ نہ امام اجل نسفی ایسے حوالے کے عادی، اور وہ بھی اپنے کسی

---

[1] رسائل الارکان فصل فی حکم الجنازۃ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۵۰
[2] تفسیر النسفی (مدارک التنزیل) ومآانت بمسمع من فی القبور دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۳۹
[3] تفسیر النسفی سورہ نمل زیر آیت انک لاتسمع الموتی دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲
[4] تفسیر النسفی روم زیر آیت فانک لاتسمع الموتی دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۷۶
[5] تفہیم المسائل عدم سماع موتی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۸

ایسے معاصرہ بلکہ مدارک العصر سے، مگر نابینائی جو چاہے کرائے۔

تنبیہ دوم: اقول: بحمدﷲ تعالٰی واضح ہو چکا کہ ہمیں بقائے حیات بدن وسماع جسمانی سے کچھ کلام نہ وہ عام لوگ میں ہمارا دعوٰی، نہ ہمارا کوئی مسئلہ اس پر موقوف، تو اگر بالفرض بدن کے لیے موت مطلق دائم رہتی ہمارا کچھ حرج نہ تھا، ورود نصوص کے سبب ہم نے تنعیم وتعذیب قبر روح وبدن دونوں کے لیے مانی، اور شبہات عقل ونقل بدن کے واسطے بھی ایک نوع حیات اس تلذم وتنعّم وتالم کے لے لازم جانی، ہاں یہ ضرور ہمارا مدعا ہے اور بحمدﷲ تعالٰی دلائل قاہرہ اس پر قائم ہو چکے کہ روح باقی مستقر بحال ونامتغیر وسمیع ومبصر، اور بدن کے ساتھ اس کا ایک تعلق ہمیشہ مستمر، تو جو کچھ بعد فراق بھی بدن کے ساتھ کیا جائے ضرور دیکھے گی، مطلع ہوگی، اگر وہ فعل تعظیم ہے پسند کرے گی یا اہانت ہے ناخوش ہوگی، اذیت پائے گی، فصول سابقہ اس بیان کی متکفل ہو چکیں تو خارج سے بھی جو ضرب یا صدمہ بدن میّت پر واقع ہو اگر بطور استہانت وتحقیر ہے قطعاً روح کا ایذا روحانی ہوگی، رہا یہ کہ اس سے اس اذیت ودرد جسمانی بھی لاحق ہوگا یا نہیں، یعنی جس طرح عالم حیات میں بدن پر جو صدمہ آتا ہے بدن اسے روح تک پہنچانے کا آلہ وواسطہ بنتا کہ اس کے تفرق اتصال سے روح کو درد پہنچتا، آیا بعد فراق بھی مثل عذابِ الٰہی والعیاذ باﷲ تعالٰی تعذیب بشری سے بھی الم ہوتا ہے یا اس میں درد منتفی، اور صرف وہی توہین کے باعث ناخوشی باقی ظاہر کلام مشائخ کرام جانب ودوم ہے، ‌'ولہٰذا کافی میں فرمایا:

المیّت لا یتالم بضرب بنی آدم وانما ذلك مما یتفرد به الله تعالٰی [1]۔	میّت کو بنی آدم کے مارنے سے دکھ نہیں ہوتا، یہ ایسا امر ہے جو خدائے تعالٰی کے ساتھ خاص ہے۔ (ت)

اور 'یہی مقتضائے اثر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے:

اخرج ابن سعد عن خلف معد ان قال لما انهزمت الروم یوم اجنادین انتهوا الی موضع لا یعبره الا انسان وجعلت الروم تقاتل علیه وقد تقدموه وعبروه فتقدم هشام بن العاص رضی الله تعالٰی عنه فقاتل علیهم حتی قتل، ووقع علی تلك الثلمة فسدها، فلما انتهی المسلمون الیها هابوا ان یوطؤها الخیل	ابن سعد نے خلف بن معدان سے روایت کی وہ فرماتے ہیں جب روز اجنادین رومی شکست خوردہ ہونے لگے ایک ایسی تنگ جگہ پہنچ گئے جسے بس ایک ایک آدمی پار کر سکتا تھا، اسی جگہ رومی جنگ کرنے لگے، ہشام بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ آگے بڑھے، لڑتے رہے یہاں تک کہ شہید ہو کر اسی تنگ جگہ آرہے۔ ان کے جسم سے وہ حصہ بھر گیا، جب مسلمان وہاں پہنچے تو ان کے اوپر گھوڑے

[1] کافی شرح وافی

فقال عمر و بن العاص رضی اللہ عنہ ایھا الناس ان اللہ قد استشھدہ ورفع روحہ وانما ھو جثّۃ فاوطؤہ الخیل ثم اوطأہ ھو وتبعہ الناس حیت قطعوہ۔[1]	چلانے سے خوف کیا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اے لوگو! اللہ تعالٰی نے انھیں شہادت دی اور اس کی روح کو اٹھالیا اب یہ صرف جُثہ ہے، تو اس پر سے گھوڑے گزادو، پھر انھوں نے پہل کی اور لوگوں نے آپ کی اتباع کی، یہاں تک کہ وہ جسم پارہ پارہ ہوگیا، (ت)

امام جلیل جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

ھذہ الاٰثار لا تدل علی ان الارواح لا تتصل باالا بدان بعد الموت انما تدل علی ان الاجسام لاتتضر ربما ینالھا من عذاب الناس لھا ومن اکل التراب لھا فان عذاب القبر لیس من جنس عذاب الدنیا وانما ھو نوع اخر یصلی الی المیّت بمشیۃ اللہ تعالٰی وقدرتہ[2]۔	ان کا آثار میں اس پر دلیل نہیں کہ موت کے بعد بدن سے روح کا تعلق نہیں ہوتا، ان کی دلالت صرف اس پر ہے کہ جسم کو تکلیف سے ضرر نہیں ہوتا جو انسانوں کو جانب سے اسے پہنچائی جاتی ہے، اسی طرح مٹی کے کھالینے سے اسے تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ عذاب قبر عذاب دینا کی جنس سے نہیں، وہ ایک دوسری قسم کی چیز ہے جو اللہ تعالٰی کی مشیت وقدرت سے میّت کو پہنچتی ہے۔ (ت)

اور ظواہر حدیث ودیگر آثار واخبار واقوال اخیار جانب اول ہیں، حدیث ۱ ۲۶ میں روایت دار قطنی سے زیادت لفظ فی الالم گزری یعنی مردہ وزندہ کی ہڈی توڑنی درد میں برابر ہے، ۲ علامہ طیّبی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

جم غفیر ذھبوا الی ان المراد ان کسر عظم المیّت ککسر عظمہ حیافی التألم والتاذی[3]۔	جماعت عظیم علماء اس طرف گئی کہ مراد حدیث یہ ہے کہ مردے کی ہڈی توڑنی درد وایذا میں ایسے ہی ہے جیسے زندہ کی۔

۳ امام ابو عمر ابن عبد البر ۴ شیخ محقق کا اس باب میں ارشاد قول ۴۰ و ۴۱ میں گزرا اور تینوں ۵ سید علامہ ابراہیم حلبی و ۶ احمد مصری و ۷ محمد شامی محشیان دُر کے اقوال اسی کے بعد مذکور ہوئے، ۸ حدیث ۲۴ میں بروایت صحیح مسلم شریف انہی عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزرا: اذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا[4]۔ جب مجھے دفن کرو تو مٹی مجھ پر

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابنِ سعد ترجمہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ دار صادر بیروت ۱۹۴/۴

[2] شرح الصدور باب احوال الموتٰی فی قبور ہم خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۳

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ بحوالہ طیّبی فصل ثالث من باب دفن المیّت مکتبہ امدادیہ ملتان ۷۹/۴

[4] صحیح مسلم باب کون الاسلام یہدم ما قبلہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۷۶/۱

آہستہ آہستہ نرم نرم ڈالنا۔ یہی ۹وصیت حدیث ۳۲ میں علاء بن لجلاج تابعی سے گزری اور ۱۰وہیں اس پر شیخ محقق کا قول کہ:

ایں قول اشارت است باآنکہ میّت احساس می کند ودردناک می شود بآنچہ دردناک م شود باں زندہ[1]۔	اس قول میں اس جانب اشارہ ہے کہ میّت کو احساس ہوتا ہے اور اسے بھی اس چیز سے درد پہنچتا ہے جس سے زندہ کو درد پہنچتا ہے (ت)

۱۱حدیث ۱۶ میں امام سفیان کاارشاد گزراکہ:

انہ لینا شد باللہ غاسلہ الا خففت غسلی[2]۔	مردہ اپنے نہلانے والے کو خدا کی قسم دیتا ہے کہ مجھ پر آسانی کرنا۔

۱۲ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہانے ایک عورت کی میّت کو دیکھا کہ اس کے سر میں زور زور سے کنگھی کی جاتی ہے۔فرمایا:

علام تنصون میّتکم[3]۔ الامام محمد فی الاثار اخبرنا ابو حنیفۃ ح وعبدالرزاق فی مصنفه واللفظ له قال اخبرنا سفیٰن عن الثو ری کلاھما عن حماد بن ابی سلیمان عن ابراہیم النخعی عن عائشه رضی الله تعالٰی عنها انها رأت امرأة یکدون رأسها بمشط فقالت علام تنصو میّتکم[4] ورواہ کمحمد ابو عبید القاسم بن سلام وابراھیم الحربی فی کتابیهما فی غریب الحدیث عن ابراہیم عن عائشه رضی الله تعالٰی عنها انها سئلت عن المیّت یسرح رأسه فقالت علام	کس جُرم میں اپنے مردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو۔(اسے امام محمد نے کتاب الآثار میں روایت کیا، فرمایا ہمیں ابو حنیفہ نے خبر دی__ اور عبدالرزاق نے مصنف میں روایت کیا__ الفاظ اسی کے ہیں: کہا ہمیں خبر دی سفیان نے وہ ثوری سے راوی ہیں۔ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری دونوں حماد بن ابی سلیمان سے وہ ابراہیم نخعی سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی ہیں انھوں نے دیکھا کہ ایک عورت کے بالوں میں کنگھا کررہے ہیں، فرمایا: "کیوں اپنی میّت کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو؟"اور اسے امام محمد کی طرح ابو عبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے اپنی کتاب غریب الحدیث

[1] اشعۃ اللمعات باب دفن المیّت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۶۹۷

[2] شرح الصدور عن سفیان باب معرفۃ المیّت من یغسلہ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۴۰

[3] کتاب الآثار امام محمد باب الجنائز وغسل المیّت ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ص ۴۶

[4] مصنف عبدالرزاق باب شعر المیّت واظفارہ حدیث ۶۲۳۱ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۳/۴۳۷

تنصون میّتکم [1]۔	میں ابراہیم نخعی سے، انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راویت کیا، ان سے میّت کے سر میں کنگھا کرنے سے متعلق سوال ہوا، فرمایا: کیوں اپنی میّت کا موئے پیشانی کھینچتے ہو۔ (ت)

بالجملہ رجحان اسی جانب ہے اور بہر حال اگر الم مانیے تو مسئلہ یمین فی الضرب پر کچھ نقض نہیں کہ الم پہنچے گا حیات معادہ سے، اور حلف تھا حیات موجودہ عندالحلف پر، **کما قدمنا تحقیقه عن الفتح** (جیسا فتح القدیر سے اس کی تحقیق ہم پیش کر چکے۔ ت) اور نہ مانیے تو سماع میں کچھ نقض نہیں کہ ہمارا کلام روح سے ہے آلیتِ بدن ہو نا نہ ہو نا یکساں۔ ولہذا امام اجل سیوطی نے باآں کہ اثبات سماع موتٰی میں ہو تحقیقاتِ باہرہ و قاہرہ رکھتے ہیں اس تقریر پر تقریر فرمائی:

هكذا ينبغي ان يفهم هذا المقام والله سبحانه ولى الانعام وافضل الصلٰوة واكمل السلام على سيدنا محمد اكرم الكرام واٰله وصحبه الى يوم القيام۔	اسی طرح اس مقام کو سمجھنا چاہئے اور خدائے پاک ہی انعام کا مالک ہے، اور بہتر درود، کامل تر سلام ہمارے آقا حضرت محمد پر جو کریموں میں سب سے زیادہ کریم ہیں، اور ان کی آل واصحاب پر، روز قیامت تک۔ (ت)

جواب دوم: مانا کہ روح ہی میں کلام ہے مگر کہاں سے کہ سمع منفی بمعنی ادراک بتوسط آلاتِ جسمانیہ نہیں یوں بھی مطلب حاصل، اور تنافی زائل کہ منفی یہ ہے اور مثبت بمعنی انکشاف تام اصوات. بروجہ جزئی، اس جواب کے قریب قریب کلام تنزل سے حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نے مرور فرمایا: شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

دریں جا سخن دیگر است فرضًا اگر از ثبوت سماع تنزل کنیم باعتبار آنکہ سماع بحاسہ سمع می باشد و سمع بخرابی بدن خراب شد بگوییم از نفی سماع نفی علم لازم نمی آید و علم بہ روح بود کہ باقی است پس علم بہ مبصرات و مسموعات حاصل باشد نہ بروجہ ابصار و سمع چنانچہ بعض متکلمان و سمع بصر الٰہی تعالٰی را بعلم مسموعات او مبصرات تاویل کردہ اند [2] الخ	یہاں ایک اور گفتگو ہے کہ بالفرض اگر ہم ثبوت سماع سے تنزل کریں، اس لحاظ سے کہ سننا کان سے ہوتا ہے اور کان فساد بدن کی وجہ سے فاسد ہو چکا تو ہم کہیں گے نفی سماع سے نفی علم لازم نہیں آتی، اور علم روح سے ہوتا ہے جو باقی ہے تو دیکھی سنی جانیوالی چیزوں کا علم حاصل ہوگا اگرچہ دیکھنے اور سننے کے طور پر نہ ہوگا، جیسا کہ بعض متکلمین نے خدائے تعالٰی کے سمع وبصر کی تاویل مسموعات اور مرئیات کے علم سے کی ہے الخ (ت)

[1] غریب الحدیث قاسم بن سلام وابراہیم الحربی

[2] اشعۃ اللمعات باب حکم الاسراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۰۰/۳ و ۴۰۱

اقول: وباللہ التوفیق محصل ارشاد مبارک شیخ شیوخ علماء الہند قدس سرہ یہ ہے کہ سمع حقیقۃً بمعنٰی مطلق ادراک مخصوص اصوات ہے عام ازیں کہ آلات جسمانیہ کا توسط ہو یا نہیں، ولہٰذا اللہ عزوجل کو سمیع مانتے ہیں کہ عقیدہ ایمانیہ ہے محققین کے نزدیک کوئی تاویل وتجوز نہیں اس لیے ہم قائل سماع حقیقی ارواح مفارقہ ہیں اگرچہ موت تعلیل آلات کردے اور اگر سمع کیلئے یہ معنٰی بھی مانیے بلکہ توسط آلات ہی سے مخصوص جانئے تو ہم علٰی سبیل التنزیل کہیں گے کہ سمع نہ سہی ادراک تام بروجہ جزئی تو ہے اس قدر سے ہمارا مدعا حاصل، اگرچہ بنام سمع تعبیر نہ کریں جیسے بعض متکلمین نے سمع وبصر الٰہی جل وعلا کو یونہی تاویل کیا، اور مقدمہ رابعہ میں تقریر فقیر غفرلہ المولی القدیر یاد کیجئے تو اس کا مسلک یہ ہے کہ بحمداللہ تعالٰی نہ ہمیں دعوی سمع سے تنزیل کی حاجت نہ روح مفارق، یا معاذاللہ حضرت عزت میں ارتکاب تاویل کی ضرورت سمع کے دونوں معنی مقرر ومسلم ہیں اور ایک دوسرے کا نافی نہیں، معنی آلیت نہ کبھی مراد تھی کہ اب تنزل کریں نہ کریں نہ اس معنی میں اطلاق سمع محصور ہوسکے کہ ناچار تاویل وتحمل کریں، خیر یہ طرز بحث کا تنوع تھا اصل سخن کی طرف چلئے،

فاقول: جبکہ سمع کے جسمانی وروحانی دونوں معنی اور جسمانی کی نفی میں نہ ہمیں ضرر نہ مخالف کو نفع تو احتمال قاطع استدلال نہ کہ جب جسمانی ہی کا ارادہ راجح و واضح ہو پر ظاہر کہ ادراک اصوات کا یہی طریقہ معلومہ معہودہ ہے، تو باہمی محاورات عرفیہ میں ذہن اسی طرف تباہ کرے گا، آخر نہ دیکھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد ذکر فضائل جمعہ ارشاد فرمایا:

اکثر واعلی من الصلوۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علی۔	اس دن مجھ پر درود بہت بھیجو کہ تمہارا درود مجھ پر عرض کیا جائے گا۔ (ت)

صحابہ نے گزارش کی:

یا رسول اللہ وکیف تعرض صلاتنا علیك وقد ارمت۔	یارسول اللہ! یہ کیونکر ہوگا حالانکہ بعد وصال جسم باقی نہیں رہتے۔ (ت)

فرمایا:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔[1] رواہ الامام احمد والدارمی وابوداؤد والنسائی ابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والداقطنی و الحاکم والبیہقی فی الدعوات الکبیر وابو نعیم وصححہ	بے شک اللہ تعالٰی نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ (ت) اسے امام احمد، دارمی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، دارقطنی، حاکم، دعوات کبیر میں بیہقی اور ابونعیم نے روایت کیا۔ اور ابن خزیمہ،

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از اوس بن ابی اوس دارالفکر بیروت ۴/ ۸، سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹، سنن ابوداؤد باب تفریع ابواب الجمعہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰

الاربعة السابقون على الاخيرين وابن دحية وغيرهم وحسنه وعبدالغنی والمنذری۔	ابن حبان، دار قطنی، حاکم اور ابن دحیہ وغیرہم نے اسے صحیح کہا اور عبدالغنی اور منذری نے حسن کہا۔ (ت)

اسی طرح دوسری حدیث میں ہے: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اکثروا الصلٰوۃ علی یوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملئکة وان احدا لم يصلى على الاعرضت على صلوته حتى يفرغ منها۔	جمعہ کے دن مجھ پر درود زیادہ بھیجا کرو کہ وہ دن حضور ملائک کا ہے رحمت کے فرشتے اس دن حاضر ہوتے ہیں اور جو مجھ تک درود بھیجتا رہے اس کی درود مجھ پر پیش کی جاتی ہے۔

ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: قلت وبعد الموت میں نے عرض کی اور بعد انتقال اقدس! فرمایا: ان اللہ تعالٰی حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء بے شک اللہ تعالٰی نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ تتمہ حدیث عـــہ ہے۔ فنبی اللہ حی یرزق[1]، اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رواه احمد وابوداؤد وابن ماجة عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

پر ظاہر کہ پیش ہونے کے معنی نہ تھے مگر اطلاع دی جاتی، اس سے صحابہ کرام کے ذہن ادراک واطلاع بذریعہ آلات جسمانی ہی کی طرف گئے لہٰذا وہ سوال عرض کئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حیات بدن ہی سے جواب دیے صاحب تفہیم المسائل کی جہالت کہ یہ حدیثیں ذکر کرکے لکھا:

عــہ: هكذا لان هذه القطعة محتملة الادراج فاثبتها على وجه يحتمل الوجهين وهذا من دقائق حسن التعبير فليتنبه ولله الحمد ۱۲۔	میں نے اسے اس طرح ذکر کیا اس لیے کہ اس حصہ حدیث میں یہ احتمال ہے کہ راوی نے اپنے طور پر کہا ہو اور یہ بھی کہ حضور کا کلام نقل کیا ہو تو میں نے اس طور پر اسے لکھا کہ دونوں صورتیں بن سکیں یہ حسن تعبیر کی باریکی ہے جس پر متنبہ چاہیے، اور حمد خدا ہی کے لیے ہے۔ (ت)

[1] سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

دریں ہر دو حدیث دلیل ست بارآنکہ موتی راسماع نیست و برآنکہ ایں امر مستقربود نزد صحابہ زیرا کہ ایشاں بر عرض و سماع در وبعد موت استعجاب کردہ استفسار نمودند آنحضرت عـہ جواب دادند کہ چوں انبیاء راحیات دنیاوی حاصل وجسد ایشاں نیز باقی ست لہٰذا محل استبعاد سماع وعرض نیست۔[1]	ان دونوں حدیثوں میں اس پر دلیل ہے کہ مردوں کو سماع حاصل نہیں اور اس پر کہ یہ امر صحابہ کے نزدیک قرار یافتہ تھا اس لیے کہ ان حضرات نے بعد موت درود پیش ہونے اور سننے پر تعجب کرکے سوال کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب انبیاء کو حیات دنیاوی حاصل ہے اور ان کا جسم بھی باقی ہے تو سننے اور پیش ہونے کو بعید سمجھنے کا موقع نہیں۔ (ت)

اقول: اولاً اگر یہ مراد کہ ان سے عام لوگوں کے لیے بعد موت ادراک جسمانی نہ رہنا مستفاد، تو ہمیں مسلم اور تمھیں کیا مفاد اور ادراک روح کا انکار ماننا اور اسی کو اذہان صحابہ میں مستقر جاننا معاذاللہ انھیں بدمذہب ٹھہرانا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس پر سکوت تقریر وتسلیم بتاتا ہے۔ ذی ہوش نے اتنا نہ دیکھا کہ صحابہ کرام نے فنائے جسد وبقائے ادراک میں تنافی ظاہر کی اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نفی تنافی سے جواب نہ دیا بلکہ نفی منافی سے کہ انبیاء کے اجسام بھی زندہ ہیں اب یہاں ادراک روح میں کلام ہو تو دوہی صورتیں ہیں یا تو صحابہ موت جسد سے روح کو بھی مردہ مانتے یا ادراک روح کے لیے بقائے بدن شرط جانتے، فصول سابقہ نیز مباحثِ قریبہ میں بار بار تکرار واضح ہوچکا کہ یہ دونوں قول اہل بدعت وضالین معتزلہ وغیرہم مخذولین کے ہیں۔ قول ۱۵ میں مقاصد وشرح مقاصد سے گزرا کہ بدن کو شرط ادراک جاننا اہلسنت کے خلاف معتزلہ کا اعتساف ہے۔ اسی طرح عامہ کتب عقائد وتفسیر کبیر وغیرہا میں تصریح منیر افسوس کہ اپنی بدمذہبی بنانے کے لیے معاذاللہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو عقائد فاسدہ کا معتقد ومظہر اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان پر ساکت ومقر بتاؤ اور دل میں خوفِ خدا نہ لاؤ۔

ثانیا کیا خواب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت صرف سکوت بتانا کہہ رہا ہوں وہ صراحۃً کلام اقدس کے معنی بتاچکا کہ ازآنجا کہ انبیاء کے اجسام باقی ہیں، لہٰذا سننے میں استبعاد نہیں کیا ظلم ہے کہ صاف صاف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ادراک روح کے لیے بقائے جسم کا شرط ماننے والا بتاؤ، خدا بدمذہبی کی بلا سے بچائے۔

ثالثاً طرفہ یہ کہ یہاں پیشی درود بذریعہ ملائکہ مقصود حدیث دوم میں شہود ملائک کی تصریح موجود اور خود اس کے

عـــہ: اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ منہ

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۴ و ۸۵

ترجمے میں لکھا:

گفت ابودرداء گفتیم بطریق استفہام واستبعاد کہ پس از موت نیز عرض می کنند[1]۔	ابودرداء فرماتے ہیں: میں نے بطریق استفہام واستبعاد عرض کی کہ کیا بعد انتقال اقدس بھی وہ درود پیش کریں گے۔ (ت)

ذرا اس "می کنند" کا مرجع تو بولئے مگر اذہان صحابہ میں فنا وخرابی بدن کے بعد روح کی بے ادراکی تمھاری مقررہ بے ادراکی سے بھی فنزوں تر تھی کہ ملائکہ کی بات سننے سمجھنے پر بھی تعجب واستبعاد فرماتے مگر امثال آیہ کریمہ النار یعروضون علیھا سے کہ مکیہ ہے اور اظہار فضل جمعہ وتنزیل فرض درود سے بہت پہلے نازل ہوئی ان کے کان بے خبر تھے، ہاں بدن کی یہ حالت ضرور ہے کہ اس کو وہ موت عارض ہوتی ہے جو مطلقاً منافی شعور ہے تن مردہ جب تک مردہ ہے نہ ملک کی بات سن سکتا ہے نہ بشر کی، اور وقت سوال وغیرہ عود سماع بعود حیات ہے۔ اس کا یہ بھی استمرار ضرور نہیں، تو بر قیاس عامہ ناس کہ اس وقت تک خاصہ اجسام طیبہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا علم نہ تھا بحال فنائے بدن بقائے ادراک جسمانی میں اشکال ہوا جس پر وہ سوال اور اس کا وہ جواب کاشف حقیقۃ الحال ہوا الحمد للہ تعالٰی اتنی حقیقت تھی آپ کے اس نئے ناز کی جس پر بڑی دھوم سے دکان فخر بازی کی کہ:

چوں از جواب مغالطات معترض فراغت دست داد، لہٰذا تحقیق این مسئلہ بطور دیگر ضرور افتاد[2]۔	چونکہ معترض کے مغالطات سے فراغت دستیاب ہوئی اس لیے اس مسئلہ کی تحقیق دوسرے طور پر ضروری ہوئی (ت)

ماشاء اللہ اس شرط وجزا کے ربط کو دیکھیے، یہی بتا رہا ہے کہ سخت گھبرائے ہوئے اور اعتراضات علامہ معترض قدس سرہ کا لاحل سمجھ رہے ہو، اگر واقعی اعتراض اٹھ جاتے تو اگلی ہی تحقیق کی جان بچ جاتی، آپ کے اس فراغت دست کے بعد پچھلی ضرورت پر ضرور افتاد کی افتاد کیوں آتی ع

نطق کا حوصلہ معلوم ہے بس جانے دو

فائدہ جلیلہ: جب محاورات باہمی میں مطلق سمع سے یہ تبادر تو حدیث قلیب کا ذکر ہی کیا ہے کہ اس کا تو سماع جسمانی میں نص صریح ہونا اوپر مبین ہوچکا اور ام المومنین محبوبہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا اجمعین حاضر واقعہ نہ تھیں نیز اوپر ظاہر کیا کہ آیات کریمہ متعلق باجسام ہیں خصوصاً وماانت بمسمع من فی القبور اگرچہ نفی سماع نہیں فرماتے مگر نفی سماع ظاہر ہے اور اس واقعہ سے صراحۃً سماع اجسام مفہوم، لہٰذا ام المومنین نے اسے منافی آیات خیال فرما کر وہم وسہو کا حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یعلمون فرمایا یعنی ان کی روحیں جانتی ہیں، راوی کو یسمعون یاد رہا کہ ان کے جسم سنتے ہیں پر ظاہر کہ علم صفت خاصہ روح ہے جس میں وہ بدن کی محتاج

---

[1] تفہیم المسائل سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہوری ص ۸۴

[2] تفہیم المسائل سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہوری ص ۸۴

نہیں بخلاف سمع متعارف بذریعہ آلات بدنیہ کہ بے حیات بدن ناممکن اور یہ وقت ان کافروں کی حیات جسمانی کا نہ تھا تو اس وقت اثبات سماع اجسام منافی آیات ہے، ہاں علم حاصل ہے کہ وہ روح سے ہے اور روح باقی ہے یہ حاصل ارشاد ام المومنین صلی اللہ تعالٰی علٰی بعلہا الکریم وعلیہا وسلم ہے۔ اور اسی بناء پر مشائخ کرام نے کہ قطعًا درباره ابدان کلام فرمارہے تھے اس سے استناد کیا **کما قدمنا** (جیسا کہ ہم پیچھے بیان کرچکے ہیں۔ت) اور یہ اصلا ان منکرین ومخالفین کو مفید نہیں کہ سمع جسمانی نہ ہمارے دعوے میں مقصود ومنظور نہ انکار منکرین اس پر مقصور، رہا ادراک روح کا انکار حاشا نہ وہ کلام ام المومنین سے مستفاد نہ ہرگز کسی دلیل سے ظاہر کہ یہ ان کی مراد تو منکرین کا اس سے استناد محض رجمًا بالغیب وخرط القتاد، بلکہ اس کے ضلالت وطلان اور ان کے بطالت وخذلان پر خود ارشادات صحیحہ صریحہ ام المومنین احسن الاشہاد الاول تو اسی حدیث میں جب علم مان رہی ہیں تو ادراک روح کی خود قائل ہوئیں۔ پھر انکار سمع روح کے کیا معنی، اور حدیث **علام تنصون میّتکم** ابھی گزری کہ میّت کے سر میں زور سے کنگھی کرتے دیکھا تو فرمایا: کاہے پر اس کے بال کھینچتے ہو، اس سے قطع نظر کیجئے تو حدیث جلیل صحیح بستم کہ ابتدائے نوع دوم مقصد دوم میں مذکور ہوئی، جس میں ام المومنین قسم کھا کر فرماتی ہیں: "واللہ! جب سے امیر المومنین عمر دفن ہوئے میں ان کی شرم سے بے تمام کپڑے پہنے مزرات طیبہ پر حاضر نہ ہوئی۔[1] "قطعًا لاجواب ہے۔ جب ام المومنین بعد دفن ابصار مانتی ہیں تو روح کو قطعاً مدرک اور اس کے ادراکات کو شامل، امور دنیویہ بھی جانتی ہیں۔ پھر انکار سماع ظاہر الامتناع، بلکہ محل قریب میں حال سماع حال ابصار سے بداہتہً اخف ہے کہ اس کے شرائط سے ازید ہیں، شاہد ہیں، معہود ومشہور تو یہ ہے کہ باوصف حائل وحجاب ابصار زائل اور سماع حاصل، جب ام المومنین ایسے کثیف وکثیر پردوں سے دیکھنا مانتی ہیں تو سننا کیونکر نہ مانیں گی! معہذا کوئی قائل بالفصل نہیں، جو ابصار مانتا ہے سماع بھی مانے گا، اور جو سماع نہیں جانتا ابصار بھی نہ جانے گا، تیسری حدیث جلیل ام المومنین منقول بہ نقل ائمہ اجلہ ثقات وعدول رجال بخاری ومسلم مروی جامع ترمذی شریف یہ ہے:

حدثنا الحسین بن حریث (ثقة من رجال الشیخین) ناعیسٰی بن یونس (ثقة مأمون رجال الستة کسائر السند) عن ابن جریج	ہم سے حدیث بیان کی حسین بن حریث نے (یہ ثقہ رجال بخاری ومسلم سے ہیں) انھوں نے کہا ہم سے حدیث بیان کی عیسٰی بن یونس نے (ثقہ مامون، اور باقی رجال سند کی طرح صحاح ستہ کے رجال سے ہیں)

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد باب زیارۃ القبور مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۵۴

عبداللّٰہ بن ابی ملیکۃ قال توفی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما بالحُبشی قال فحمل الی مکۃ فدفن فیھا فلما قدمت عائشۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہا اتت قبر عبدالرحمٰن بن ابی بکر فقالت ؎ وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃ من الدھر حتی قیل لن یتصدعا فلما تفرقنا کانی ومالکا لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا ثم قالت واللّٰہ لوحضرتك مادفنت الا حیث مت ولو شھدتك مازرتك [1]۔	وہ راوی ہیں ابن جریج سے ، وہ عبداللہ بن ابی ملیکہ سے ، انھوں نے فرمایا۔ ت) یعنی حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ برادر حقیقی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے مکہ معظّمہ کے قریب موضع حبشی میں انتقال فرمایا، ان کی نعش مبارک مکہ معظّمہ لائے، جنت المعلّی میں دفن ہوئے، جب ام المومنین مکہ معظّمہ آئیں توان کے مزار مبارک پر گئیں، دو شعر (کہ تمیم بن نویرہ نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں کہے تھے) پڑھے کہ ایک مدت دراز تک جذیمہ (بادشاہِ عرب وعراق وجزیرہ مقتول ملک جزیرہ زبا) کے دونوں مصاحبوں کی طرح (کہ چالیس سال تک صحبت بادشاہ میں یکجا رہے تھے) ساتھ رہے، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ یہ ہر گز جُدا نہ ہوں گے اب کہ جدا ہوئے، گویا اس قدر طول یکجائی پر کسی شب ایک جگہ نہ رہے تھے ___ پھر اپنے برادر مکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مخاطب ہو کر یہ باتیں کیں خدا کی قسم! اور اگر میں آپ کے انتقال کے وقت موجود ہوتی تو آپ وہیں دفن ہوتے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا، اور اگر میں اس وقت اپ کے پاس ہوتی تو اب آپ کی زیارت کو نہ آتی۔

وہیں دفن ہونا اسی لیے کہ یہی سنت ہے، نعش کو دور لے جانا نہ چاہئے، اور زیارت کو نہ آنا یوں کہ زیارت قبور میں عورات کا حصہ کم ہے۔ ام المومنین اگر معاذاللہ ادراک سماع ارواح کی منکر ہوتیں تو اس کلام وخطاب کے کیا معنی تھے، کیا کوئی عاقل اینٹوں پتھروں سے باتیں کرتا ہے؟ اور کیونکر منکر ہوتیں حالانکہ دیکھتی سنتی جانتی تھی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اموات سے سلام وکلام وخطاب فرمایا کرتے تھے، خود روایت فرماتی ہیں کہ میری ہر شب نوبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخر شب مقبرہ بقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے:

السلام علیکم دار قوم مومنین واتاکم ماتوعدون غدا مؤجلون وانا ان شاء اللّٰہ بکم	سلام تم پر اے ان گھروں والے مسلمانو! اب تم کو ملا چاہتا ہے جس کا تم سے وعدہ ہے تمھاری معیاد کل کے دن ہے۔ اور خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الزیارت للقبور للنساء امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۲۵

لاحقون [1]۔ راوہ مسلم ولفظ النسائی مکان قولہ اتاکم الی موجلون وانا ایاکم متواعدون غدا ومواکلون ولابن ماجۃ من وجہ آجر واشار الیہ النسائی ایضا بعد السلام انتم لنافرط وانا بکم لاحقون [2]۔	اسے مسلم، نے روایت کیا۔ اور نسائی میں اتاکم سے مؤجلون تک کی جگہ یہ الفاظ ہیں ہم اور تم آپس میں کل کے وعدے پر ہیں اور اسی پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں، اور ابن ماجہ کے الفاظ دوسرے ہیں، نسائی نے بھی لفظ "سلام" کے بعد اسی طرف اشارہ کیا ہے تم ہم سے پہلے پہنچ گئے اور خدا چاہے تو ہم تم سے ملنے والے ہیں۔ (ت)

کیونکر منکر ہوتیں، حالانکہ خود دریافت کرچکی تھیں کہ یارسول اللہ ! کہ جب میں مدفونانِ بقیع کی زیارتوں کو جاؤں تو ان سے کیا کہوں، حکم ہوا تھا سلام کرکے یوں کہوں کہ ان شاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں۔

مسلم ونسائی وغیرھما عنھا فی حدیث طویل قالت قلت کیف اقول لھم یا رسول اللہ قال قولی السلام علیکم اھل الدیار من المومنین المسلمین ویرحم اللہ المستقدمین منا والمستاخرین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون [3]۔	مسلم ونسائی وغیرہما نے حضرت صدیقہ سے ایک حدیث طویل میں روایت کیا، انھوں نے عرض کیا: میں ان سے کیا کہوں یا رسول اللہ؟ فرمایا: یوں کہو تم پر سلام اے قبرستان والو مومنین مسلمین سے! خدا ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے، بیشک ہم تم سے ملنے والے ہیں اگر اللہ نے چاہا۔ (ت)

بالجملہ ام المومنین صرف سماع جسمانی کا انکار فرماتی ہیں مگر از انجا کہ احادیث ثقات عدول شاہد ہیں ان واقعہ کے رَد کی طرف سبیل نہیں، جمہور علماء نے اس مسئلہ میں ان کا انکار قبول نہ کیا اور یہی مانا کہ اگرچہ تین دن گزر گئے ان خبیثوں کے ناپاک جسم پھول پھٹ گئے تھے اور شک نہیں کہ جسم مردہ ہرگز سننے کے قابل نہیں مگر پھر بھی انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی گوش سر سے سنا کہ اللہ عزوجل نے ان کی زیادت حسرت کے لیے ان خالی جسموں کو اس وقت پھر زندہ فرمایا تھا اور اس میں آیات کی کچھ مخالفت نہ ہوئی کہ سنا اللہ عزوجل کی طرف سے ہوا، نہ وہ جِلاتا نہ یہ ان کانوں سے سنتے، وصف موتٰی آیت میں ملحوظ ہے یعنی میّت جب تک میّت ہے اسے سنا نہیں سکتے اور بعدہ، اعادہ روح، اب وہ میّت ہی نہیں تو آیات کا اصلاً محل ورود نہ رہا۔

اقول: یہ تقریر کلام جانبین بحمد اللہ تعالٰی سب تکلفات سے مجانب ومنزہ ہے۔ اور اب ام المومنین پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز اصح المطابع کراچی ۱/۳۱۴

[2] سنن نسائی الامر بالاستغفار للمومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷

[3] سنن نسائی الامر بالاستغفار للمومنین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۲۸۷

وہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ جب علم مانتی ہیں سماع کیوں نہیں مانتیں، علم روح کے لیے ہے سمع جسمانی بحالت موت جسم کیونکر ہوا، اور اب خود ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کہ امام احمد نے بسند حسن ان سے اسی قصہ بدر میں یہی لفظ روایت کیے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ما انتم باسمع لما اقول منھم** تم میرا فرمانا کچھ ان سے زیادہ نہیں سنتے (جسے علماء نے بشرط محفوظی رجوع ام المومنین پر محمول کیا تھا کہ جب متعدد صحابہ کرام حاضران واقعہ سے روایت سنی انکار سے رجوع فرمائی) ممکن کہ اثبات سماع روح پر محمول ہو کر نفی واثبات میں تنافی نہ رہے کہ شاذ و محفوظ کا قصہ چلے یعنی ام المومنین ان لفظوں پر انکار نہیں کرتیں انھیں تو خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں بلکہ انکار[عہ] اس معنی پر ہے جو اوروں نے سمجھا یعنی جسمانی نہ مانو کہ خلاف آیت ہے بلکہ مراد حضور سمع روح ہے، میں بحمد اللہ تعالٰی بعد اتضاح مراد اس کی حاجت نہیں رکھتا کہ قول ام المومنین کے جواب میں امام اسمٰعیلی وامام بیہقی وامام سہیلی وامام سبکی وامام عسقلانی وامام سیوطی وامام قسطلانی ومولانا علی قاری وشیخ محقق وعلامہ زرقانی وغیرہم اکابر کے کلام نقل کروں اگرچہ یہ سب اس وقت میرے پیش نظر ہیں، مگر ہاں امام عینی کی بعض عبارات نقل کروں گا کہ یہ وہی عینی شارح کنز ہیں جن سے اس مسئلہ میں مخالف نے جہلا استناد کیا، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر میں فرماتے ہیں:

فان قلت ماوجه ذكر حديث ابن عمر وحديث عائشه رضى الله تعالٰى عنهم وهما	یعنی بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان

عہ: امام عینی کا بھی ایک کلام اس مسلک کی طرف ناظر: فان ام المومنين لما وهمت عبدالله بن عمر رضى الله تعالٰى عنهم فى حديث تعذيب الميّت ببكاء اهله وشبهت وهمه فيه يوهمه فى حديث القليب قال العينى وجه المشابهة بينهما حمل ا بن عمر على الظاهر المراد منهما اى من الحديث غير الظاهر[1] الخ بيدان الاظهر من كلامها رضى الله تعالٰى عنها هو المسلك الاول والله تعالٰى اعلم ۱۲ منه (م)

تو ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی میّت کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میّت کو عذاب دینے۔" والی حدیث کے بارے رائے کو وہم قرار دیا اور ان کی اس رائے کو قلیب والی حدیث میں ان کے وہم کی طرح قرار دیا، اس پر علامہ عینی نے فرمایا دونوں حدیثوں میں وجہ مشابہت یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دونوں حدیثوں کاظاہری مفہوم مراد لیا جبکہ ان دونوں کاظاہری مفہوم مراد نہیں ہے الخ مگر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کلام سے پہلا مسلک ہی زیادہ واضح ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری مخاطبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل القلوب بعد موتہم ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۹۳/۱۷

متعارضان فی ترجمة عذاب القبر قلت لما ثبت من سماع اھل القلیب کلامه وتوبیخه لھم دل ادراکھم کلام بحاسة السمع علی جواز ادراکھم الم العذاب ببقیة الحواس، فحسن ذکر ھما فی ھذہ الترجمة ثم التوفیق بین الخبرین ان حدیث ابن عمر محمول علی ان مخاطبة اھل القلب کانت وقت المسئلة وقتھا وقت اعادة الروح الی الجسد ، وان حدیث عائشة محمول علی غیر وقت المسئلة فبھذا یتفق الخبران [1]۔	لاشوں سے خطاب کیا اور فرمایا سنتے ہیں، اور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جانتے ہیں، دونوں اس عذاب قبر میں اس لیے ذکر کیں کہ جب انھوں نے حس گوش سے کلام سن لیا تو باقی حواس سے عذاب کا الم بھی ادراک کرلیں گے، اور ان حدیثوں میں موافقت یوں ہے کہ ابن عمر کی حدیث خطاب وقت سوال نکیرین پر محمول ہے اس وقت بدن میں روح آجاتی ہے اور ام المومنین کی حدیث اور وقت پر محمول ہے جب بدن خالی رہ جاتا ہے یوں دونوں حدیثیں متفق ہوجائیں گی۔(ت)

دیکھو کیسی تصریح ہے کہ سارا کلام ونقض وابرام سماع جسمانی کے بارہ میں ہے۔اسی میں ہے:

قلت ھذا من عائشه یدل علی انھا ردت روایة ابن عمر المذکورة ولکن الجمھور خالفوھا فی ذلك وقبلوا حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه الموافقة من رواہ وغیرہ [2]۔	یعنی میں کہتا ہوں یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ ام المومنین نے روایت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا رَد فرمایا مگر جمہور علماء نے اس بات میں ام المومنین کا خلاف کیا اور حدیث ابن عمر مقبول رکھی کہ اور صحابہ نے بھی اس کے موافق روایت کی۔

اسی میں ہے:

سامعین ایاما کان باٰذان رؤسھم کما ھو قول الجمھور [3]۔	یعنی ان لاشوں نے وہ ارشاد اقدس جسے جسمانی کان سے سنا، جمہور کا قول یہی ہے۔(ت)

جواب سوم: جامع الجوابین۔

اقول: قول مشائخ کہ میّت یا زید بعد موت نہیں سنتا، چار معنی کو محتمل کہ میّت حقیقی بدن مق' ہے اور روح پر بھی اطلاق کرتے اور زید عرفی بدن ہے مق [5] اور روح متعلق بالبدن بھی اس کے معنی، بہر حال موضوع میں بدن وروح دو احتمال ہوئے، یونہی سماع عرفی سمع آلات بدن ہے اور اس کے دوسرے معنی ادراک تام اصوات

[1] عمدۃ القاری شرح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰۲/۸

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰۲/۸

[3] عمدۃ القاری شرح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰۲/۸

بروجہ جزئی اگرچہ بے ذریعہ آلات تو محمول میں بھی دو احتمال ہوئے اور حاصل ضرب چار:

(۱) بدن مردہ کو سمع آلات نہیں۔

(۲) بدن مردہ کو ادراک اصوات نہیں۔

(۳) روح مردہ کو سمع آلات نہیں۔

(۴) روح مردہ کو ادراک اصوات نہیں۔

پہلے تینوں معنی حق ہیں اور ہمارے کچھ مخالف نہیں، نہ مخالف کو اصلاً مفید۔ کلام کے اگر دو ہی معنی ہوتے ایک موافق ایک مخالف، تو مخالف کو اس سے سند لانے کا کوئی محل نہ تھا، نہ احتمالی بات پر مشائخ کرام کو منکر سماع متنازع فیہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے، نہ کہ تین احتمالات صحیحہ کو چھوڑ کر از پیش خویش چوتھا احتمال جمالینا اور کلام کو بزور زبان خواہی نخواہی اپنی سند بتادینا کیسی جہالت واضحہ ہے!

جواب چہارم: مذہب حنفیّہ میں معتزلہ بکثرت پیرے ہوئے ہیں یہ مشائخ کہ برخلاف عقیدہ اہلسنت منکر سماع ہیں وہی معتزلہ ہیں یہ جواب سیف اللہ المسلول مولٰنا المحقق معین الحق فضل الرسول قدس سرہ نے تصحیح المسائل میں افادہ فرمایا۔

اقول: کلام مشائخ سے استناد مخالف دو مقدموں پر مبنی تھا، صغرٰی یہ کہ امتناع سماع متنازع فیہ قول اکثر مشائخ حنفیّہ ہے جس کے ثبوت میں وہ عبارات خمسہ پیش کیں، اور کبرٰی مطویہ مستورہ یہ کہ جو قول اکثر مشائخ حنفیّہ ہے فی نفسہٖ حق ہے یا ہم پر اس کی تسلیم واجب ہے، تقدیر اول پر دلیل تحقیقی ہوگی اور دوسرے پر الزامی، بہر حال اس کا ثبوت کچھ نہیں، اگلے تین جواب ان کے صُغرٰی کی ناز برداری میں تھے یعنی کلام مشائخ میں سماع متنازع فیہ کا انکار ہر گز نہیں، اب یہ جواب اور باقی اجوبہ کبرٰی مستورہ کی خدمت گزاری کو ہیں کہ اگر مکابرہ واصرار وعناد واستکبار سے کسی طرح باز نہ آؤ اور خواہی نخواہی معانی صادقہ صحیحہ موافقہ احادیث صحیحہ عقیدہ اہلسنت وکلمات ائمہ کرام وخود اقوال مشائخ اعلام کو چھوڑ کر بے دلیل بلکہ خلاف دلائل واضحہ معنی کلام مشائخ یہی گھڑو کہ ارواح موتی کو کسی طرح ادراک کلام نہیں ہوتا، تو اب ہم ہر گز نہیں مانتے کہ اس قول کے قائل مشائخ اہلسنت ہوں جن کے ارشاد ہم پر حجت ہوں کیا مشائخ مذہب میں معتزلہ نہیں، درمختار کتاب النکاح فصل محرمات میں ایک مسئلہ کشاف زمخشری معتزلی سے نقل کیا اس پر علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا:

نقل ذلك عنه لان الزمخشری من مشائخ المذہب وھوحجۃ فی النقل [1]۔	یہ مسئلہ اس سے اس لیے نقل کیا کہ زمخشری مشائخ مذہب سے ہے اور اس کی نقل پر اعتماد ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات مصطفی البابی مصر ۳۰۲/۲

پھر یہ منع بے شاہد نہیں بلکہ اس کی صاف سند واضح موجود خود یہی امام ابن الہمام جن کے کلام سے اکثر مشائخ کی طرف انکار سماع کی نسبت نقل کرتے ہو اسی کلام میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اکثر مشائخ کا تلقین موتٰی سے انکار کرنا اس پر مبنی ہے کہ وہ سماع موتٰی سے منکر ہیں اور خود اسی کلام میں تلقین مذکور کو فرمایا:

نسب الی اھل السنة والجماعه وخلافه الی المعتزلة[1]۔	اس تلقین کا مطلوب ہونا اہلسنت وجماعت کی طرف منسوب ہے اور اس کا انکار معتزلہ کی طرف۔

اور کلام امام صفار سے صاف صریح تصریح گزری کہ منع تلقین مذہب معتزلہ ہے۔ کشف الغطاء کا قول گزرا کہ جو تلقین نہیں مانتا معتزلی ہے، جوہرہ و در مختار کی عبارت گزری کہ اہلسنت کے نزدیک تلقین امر شرعی ہے تو صاف ظاہر ہوا کہ یہ مشائخ منکران سماع وہی منکران تلقین معتزلی ہیں، یہ سند واضح بہ تفصیل تام تصحیح المسائل میں مذکور تھی بااینہمہ صاحب تفہیم المسائل نے منہ زوری سے کہا:

از اکثر مشائخنا کہ ایں ہمام مشائخ رانسبت بخود کردہ معتزلہ مراد گرفتن از بس مستبعد ست و در کلام کدامی اہلسنت چنیں واقع نہ شدہ وابن ہمام رامعتزلی قرار دادن کار معترض است وآں مسئلہ کہ خلاف عقیدہ حنفیّہ اہلسنت باشد دراں ہرگز علی الاطلاق نخواہند گفت کہ ایں قول علمائے حنفیّہ است کما لایخفی علی من لہ ادنی رجوع الی الکتب پس مادامیکہ وقوع لفظ اکثر مشائخنا در کلام اہلسنت ومراد بودن از اں معتزلہ ثابت نہ کنند چگونہ ایں توضیح بمعرض تسلیم درآید[2]۔	اکثر مشائخنا سے کہ ابن ہمام نے مشائخ کو اپنی طرف نسبت کیا، معتزلہ مراد لینا بہت مستبعد ہے اور کسی سُنی کے کلام میں ایسا واقع نہ ہوا، ابن ہمام کو معتزلی ٹھہرانا معترض کا کام ہے، جو مسئلہ حنفیّہ اہلسنت کے عقیدے کے خلاف ہو اس میں علی الاطلاق ہرگز نہ کہیں گے کہ یہ علمائے حنفیّہ کا قول ہے۔ جیسا کہ کتابوں کی طرف ادنٰی رجوع رکھنے والے پر مخفی نہیں، تو جب تک کلام اہلسنت میں اکثر مشائخنا آنا اور اس سے معتزلہ کا مراد ہونا ثابت نہ کریں، یہ توضیح کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے (ت)

اقول: اس ساری تطویل لاطائل کا صرف اس قدر حاصل بے حاصل کہ کلام اہلسنت میں اکثر مشائخنا سے معتزلہ کا ارادہ مستبعدہ خلاف ظاہر ہے یہ کہنا اس وقت اچھا معلوم ہوتا کہ یا تو علامہ معترض نے یوں ہی بے سند فرمادیا ہو تاکہ یہاں معتزلہ مراد ہیں یا آپ جواب سند سے عہدہ برآ ہولیتے اور جب کچھ نہیں تو منع مؤید بسند واضح صرف

[1] فتح القدیر باب الجنائز مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶۸/۲

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی مطبع محمدی لاہور ص ۸۱

استعباد مخالفت ظاہر سے مندفع نہیں ہوسکتا۔ ہر ادنٰی خادم علم جانتا ہے کہ ظاہر صالح دفن ہے نہ حجت استحقاق تواس سے مقدمہ ممنوعہ پر اقامت دلیل چاہنا جہالت کہ وہ محل استحقاق ہے اور مقام دفع میں آکر منع سند مقصود ہو تو اور سخت تر جہالت **کما لایخفی علی اھل العلم** (جیسا کہ اہل علم حضرات پر مخفی نہیں۔ت) ہاں جواب سند کی طرف بھی ایک عجیب نزاکت سے توجہ کی فرماتے ہیں:

وانکار تلقین رانسبت بہ معتزلہ بعض علمائے شافعہ زعم کردہ اند نہ حنفیّہ چنانچہ در برجندی نوشتہ **ولایلقن بعد الدفن عندنا وعندالشافعی یلقن و زعم بعض اصحابہ انہ مذہب اھل السنۃ والاول مذہب المعتزلۃ** وایشا انکار تلقین را مطلقًا نسبت بمعتزلہ کردہ اند نہ انکار بخصوصیت این وجہ کہ سماع موتٰی رانیست **کما زعم المعترض**[1]۔	بعض علمائے شافعیہ نے انکار تلقین کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ حنفیّہ نے، جیسا کہ برجندی میں لکھا ہے۔ ہمارے نزدیک بعد دفن تقلین نہ ہوگی اور امام شافعی کے نزدیک تلقین ہوگی، ان کے بعض اصحاب نے فرمایا کہ یہ اہلسنت کامذہب ہے اور اول معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور انھوں نے مطلقًا انکار تلقین کو معتزلہ کی طرف منسوب کیاہے، نہ خاص اس وجہ سے انکار کہ مردہ کو سماع نہیں جیسا کہ معترض نے گمان کیا۔(ت)

اقول اولاً اس نابینائی کی کچھ حد ہے، بھلا یہ جوہرہ ودرمختار وکشف الغطا وغیرہا تصانیف حنفیّہ کو ملاجی کہہ سکتے ہیں کہ میرے پیش نظر نہ تھیں تلخیص الادلہ کی عبارت تو خود ہی اپنے خصم کے کلام سے نقل کہ امام زاہد صفار کہ در طبقہ ثانیہ از مجتہدین فی المذہب ست درکتاب تلخیص الادلہ نوشتہ **وینبغی ان یلقن المیّت علی مذہب الامام اعظم والمقتدی المکرم ومن لم یلقن فھو علی مذہب الاعتزال**[2] یعنی امام اعظم وپیشوائے مکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر میّت کو تلقین کرنا چاہئے، جو تلقین نہ مانے معتزلی ہے۔ اور انکھیں بند کرکے کہہ دیا کہ "بعض شافعیہ زعم کردہ اند نہ حنفیّہ" مگر امام اجل مجتہد فی المذہب زاہد صفار کہ صرف دو۲ واسطے سے امام ابویوسف وامام محمد کے تلمیذ رشید ہیں سرکار کے نزدیک علمائے حنفیّہ سے نہیں۔
ثانیًا شافعیہ کا نسبت کرنا حنفیّہ کے نسبت کرنے کا کیا نافی ومنافی ہے کہ عبارت برجندی سے نہ "حنفیّہ" بھی نکال لیا خود سرکار اسی تفہیم کے صفحہ ۱۱۷ پر فرماتے ہیں:

از تخصیص شیئ بذکر نفی عماد عداہ لازم نیاید ور توضیح	کسی خاص چیز کو ذکر کرنے سے اس کے ماسوا کی نفی

[1] تفہیم المسائل عدم موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص۸۱
[2] تفہیم المسائل عدم موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص۸۰

نوشتہ تخصیص الشیئ باسمہ لایدل علی نفی الحکم عما عداہ[1]۔	لازم نہیں آتی، توضیح میں ہے کسی خاص چیز کا نام لینا یہ نہیں بتاتا کہ اس کے ماسوا سے حکم نفی ہے۔(ت)

انھوں نے کلام شافعیہ میں دیکھ کر ان کی طرف نسبت کیا اس سے کیا لازم کہ حنفیّہ نے نسبت نہ کیا اور بالفرض ان کا لازم سخن یہ ہو بھی تو جب صراحۃً انکھوں کے سامنے اجلہ حنفیّہ کی تصریحات موجود تو کیا بعض علماء کے کلام سے نفی مفہوم ہونا محسوسات کو مٹادے گا، قاعدہ اجماعیہ عقل ونقل میں تو مثبت کو نافی پر مقدم رکھتے ہیں، دو علمائے معتمدین سے ایک فرماتا کہ حنفیّہ نے ایسا نہ لکھا، دوسرا فرماتا لکھا، تو لکھنا ہی ثابت ہوتا کہ اس نے نہ دیکھا لہٰذا انکار کیا اور نہ دیکھنا کوئی حجت نہیں **ومن علم حجۃ علی من لم یعلم** (علم والا حجت ہے اس پر جسے علم نہیں۔ت) نہ کہ ثبوت عیانی کو نفی بیانی سے دیدہ نادیدہ کردیں یعنی اگرچہ ہم انکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اکابر علمائے حنفیّہ نے لکھا مگر فاضل برجندی جو لکھ چکے ہیں کہ شافعیہ نے کہا لہٰذا مجبوری ہے اب حس ومشاہدہ کی تکذیب ضروری ہے۔ سچ ہے آدمی وہابی ہو کر جماد **لایسمع ولایفھم** ہوجاتا ہے۔

ثالثًا طرفہ جہالت یہ کہ مطلق انکار کی جانب معتزلہ منسوب ہے نہ اس خصوصیت سے تصحیح المسائل میں کب فرمایا تھا کہ انکار باین خصوص منسوب بہ معتزلہ ہے۔اسے ذی ہوش! حاصل کلام تو یہی تھا کہ انکار تلقین مذہب معتزلہ ہے اور امام ابن ہمام اس کا مبنٰی، بیان فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منکر سماع تھے لہٰذا تلقین سے منکر ہوئے توظاہر ہوا کہ منکرین سماع معتزلہ ہیں اگر سرے سے بخصوص انکار سماع جانب معتزلہ نسبت ہوتی تو اس توسیط کی کیا حاجت تھی ویسے ہی کہہ دیا جاتا کہ دیکھو انکار سماع قول معتزلہ بتایا گیا، ہاں اس پر ایک شبہ ہوتا تھا کہ بعض اہلسنت عـــہ بھی تو منع تلقین کی طرف گئے اور جب اس کا مبنٰی وہ ہے تو یہ بھی اس کے قائل ٹھہریں گے، تصحیح میں اس وہم کے دفع کو توجیہ فرمادی کہ ان کا انکار انکار سماع پر مبنی نہیں بلکہ ان کے نزدیک تلقین کا بیکار یا ثابت ہونا ذی ہوش نے اسے نسبت باین خصوص کا دعوٰی سمجھ لیا یہ فہم

عـــہ: **اقول:** سابقا مذکور ہوا کہ ظاہر الروایۃ سے منع ثابت نہیں اور امام صفار خود امام اعظم پر تلقین مانتے اور منکر کو معتزلی جانتے ہیں اور شک نہیں کہ معتزلہ قدیم سے شامل اہل مذہب ہیں اور انھیں بربنائے جمادیت موتٰی انکار تلقین لازم، ابتداءً وہی لوگ اپنے مذہب فاسد کی بنا پر منکر تھے، لہٰذا امام صفار اس حصہ پر حاکم بعد مرور زمان بعض متاخرین اہلسنت نے کلمات مشائخ مذکورین میں انکار اور ظاہر الروایۃ میں عدم ثبوت دیکھ کر انکار کیا اور عدم فائدہ یا عدم ثبوت سے رنگ توجیہ دیا لہٰذا اب انکار دو طرفہ منقسم ہوگیا بوجہ جمادیت خاص بمعتزلہ اور بعض اہلسنت کا بوجوہ دیگر جیسا کہ کلام امام نسفی سے گزر **افاعمله فعسی ان لا یتجاوز الواقع عنه ۱۲منه** (اسے اچھی طرح جان لے ہوسکتا ہے واقعہ اس سے متجاوز نہ ہو ۱۲منہ۔ت)

[1] تفہیم المسائل معانقہ روز عید مطبع محمدی لاہور ص ۱۱۳

سقیم اور اداعائے تفہیم ولاحول ولاقوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔

ھذا وانا اقول: وباللہ التوفیق سب این وآن سے در گزرے تواب دلائل ساطعہ قاطعہ حاکم ہیں کہ یہ قطعاً مذہب معتزلہ ہے مثلاً حجت اولٰی کلام کا ہے میں مفروض ہوا روح میں سماع سے کیا مراد لیا، ادراک مطلق اگرچہ بے ذریعہ آلات اور یہ مشائخ دلیل کیا لارہے ہیں کہ وہ مردہ ہے، بے حس ہے فہم وادراک کے قابل نہیں، یہ کہ ہزار بارسن چکے ہو کہ روح کی نسبت ان اعتقادات سے اہل سنت پاک ومنزہ ہیں یہ معتزلہ وغیرہم ضالین ہی کے خیالات بدمزہ ہیں خود آپ ہی اسی تفہیم میں فرماتے ہیں:

مذہب بعض معتزلہ آنِ است کہ اگر میّت جماد ست دران حیات وادراک نیست [1]۔	بعض معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ میّت جماد ہے اس میں حیات ادراک نہیں۔ (ت)

اور اس میں فرمایا:

بعض معتزلہ کہ آیہ کریمہ ومااَنت بمسمع من فی القبور درانکار تعذیب استدلال می کردند عینی درہمیں شرح بہ جواب ایشاں نوشتہ کہ عدم اسماع مستلزم عدم ادراک نیست [2]۔	آیت کریمہ "تم انھیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں" سے بعض معتزلہ کا انکار تعذیب پر استدلال تھا، عینی نے اسی شرح میں ان کا جواب لکھا کہ نہ سنانا عدم ادراک کو مستلزم نہیں۔ (ت)

افسوس صاحب تفہیم المسائل کی بیہوشی ص ۶۳ پر یہ اَنکہی بھی بلواگئی:

ہر چند بعضے گویند کہ شہدارا ہم حیات مثل انبیا بجسد است مگر ایں قول مختار اہل تحقیق نیست انچہ تحقیق است این ست کہ حیات انبیاء بسلامت جسد وروح ہر دوست وحیات شہداء صرف بقائے روح است بلکہ تخصیص شہدا نیز بایں معنی لغوست زیرا کہ ارواح رامطلقاً خواہ روح شہید باشد یا روح عامہ مومنین یا روح کافر وفاسق بایں معنی مردہ نتواں مردگی صفتِ بدن است کہ شعور ادراک وحرکات وتصرفات بہ سبب تعلق روح	بعض کہتے ہیں کہ انبیاء کی طرح شہید کے لیے بھی جسم کے ساتھ زندگی ہے۔ مگر یہ قول اہل تحقیق کا مختار نہیں تحقیق یہ ہے کہ انبیاء کی زندگی جسم وروح دونوں کی سلامتی کے ساتھ ہے اور شہدا کی زندگی صرف بقائے روح کے ساتھ ہے بلکہ اس معنی میں شہداء کی تخصیص لغو ہے اس لیے کہ ارواح کو مطلقاً خواہ شہید کی روح ہو یا عام مومنین کی روح یا کافر وفاسق کی روح کسی کو اس معنٰی میں مردہ نہیں کہہ سکتے، موت بدن کی صفت ہے

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی مطبع محمدی لاہور ص ۸۱

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

باوے از وے ظاہر مے شدند وحالا نمی شوند کذا فی تفسیر العزیزی وبعضے گویند کہ تحقیق ہمیں است کہ شہداء راہم حیات مثل انبیاء بجسد است چنانچہ در تفسیر روض الجنان تحت آیہ کریمہ **ولاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء** می نویسد علماء در تفسیر آیت واحوال شہداء خلاف کردند، عبداللہ ابن عباس وحسن بصری گفتند ایشاں زندہ اند باروا حھم واجسادھم بامداد وشبانگاہ روزی بایشاں می رسد وایشاں خرم اند بانچہ خدا بایشاں می دہد چنانچہ در دیگر آیت فرمود من **قولہ تعالٰی یرزقون فرحین بما اٰتاھم اللہ من فضلہ** وبعضے دیگر گفتند ارواح ایشاں زندہ باشند وروزی برایشاں عرض مے کنند بامداد وشبانگاہ چنانکہ برارواح آل فرعون اتش عرضہ می کنند فی **قولہ تعالٰی النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا** وعلمائے محققان بیشتر بر قول اول اند[1] **انتھی**	کہ شعور وادراک اور حرکات وتصرفات روح کے تعلق کی وجہ سے اس سے ظاہر ہوتے تھے اور اب نہیں ہوتے ایسا ہی تفسیر عزیزی میں ہے: اور بعض کہتے ہیں کہ تحقیق یہی ہے کہ شہداء کے لیے بھی انبیاء کی طرح جسم کے ساتھ زندگی ہے جیساکہ آیہ کریمہ "اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں" کے تحت تفسیر روض الجنان میں لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر اور شہداء کے احوال میں علماء کا اختلاف ہے۔ عبداللہ بن عباس اور حسن بصری فرماتے ہیں شہداء جسم وروح کے ساتھ زندہ ہیں صبح وشام انھیں رزق ملتا ہے اور یہ اس پر خوش ہیں جو خدا انھیں دیتا ہے جیساکہ دوسری آیت میں باری تعالٰی کا ارشاد ہے انھیں رزق دیا جاتا ہے وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے اپنا فضل انھیں عطا کیا، بعض دیگر کہتے ہیں ان کی روحیں زندہ ہوتی ہیں اور ان ہی پر صبح وشام رزق پیش کرتے ہیں۔ جیسے فرعونیوں کی روحوں پر آگ پیش کرتے ہیں ارشاد باری تعالٰی ہے: وہ صبح وشام آگ پر پیش ہوتے ہیں، اور اکثر علمائے محققین پہلے قول پر ہیں۔ ختم (ت)

کیوں ملاجی! اب نسبت کی خبریں کہیے جب اہل سنت کے نزدیک ہر فاسق وکافر کی روح زندہ ہے موت صرف بدن کے لیے ہے اسی کے ادراکات زائل ہوتے ہیں تو اب سماع موتٰی میں کیا مجال مقال رہی جوابات سابقہ کی تقریر کیسی روشن طور پر ثابت ہوگئی، تفہیم المسائل کی ساری عرق ریزی کیسی خاک میں ملی، اب یہ کلام مشائخ جس میں موت وبے فہمی وبے حسی کی تصریحیں ہیں روح پر محمول ہو مشائخ اہلسنت کا کلام نہ ہونا کیسا واضح ومنجلی **والحمد للہ العظیم العلی**، اور **عجیب لطیفہ** یہ کہ ساتھ ہی خوش وقتی میں آکر تفسیر روض الجنان کی عبارت بھی نقل فرماگئے، جس نے رہی سہی ڈھول سے کھال بھی کھوئی، اس میں صرف تصریح ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس

[1] تفہیم المسائل استمداد از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۵۸ و ۵۹

وحضرت امام حسن بصری واکثر علمائے محققین شہداء کے اجسام بھی زندہ مانتے ہیں، اور اسی کو ظاہر آیہ کریمہ سے مؤکد کیا اور بعض کی طرف سے اس کا جو جواب نقل کیا پر ظاہر کہ نری تاویل ہی تاویل ہے، کہاں ارشاد الٰہی میں یرزقون روزی دئے جاتے ہیں اور کہاں یہ معنی کہ روزی انھیں دیتے نہیں دکھا دیتے ہیں۔

شربت بنماید وچشیدن نگزارند

(یہ یوں ہی ہے کہ شربت پی لیا ہے اور چکھا نہیں)

اب خدارا اپنے اانکاری دھرم کی ایک ٹانگ توڑئے، شہداء ہی کے لیے سماعت مانیے انھیں سے استمداد جائز جانئے کہ یہاں تو جسم روح سب کچھ زندہ ہیں، کسی جھوٹے حیلے کی بھی گنجائش نہیں جس طرح کہ تم خود اس تفہیم کے صفحہ ۸۸ پر لکھ چکے ہو:

درسماع انبیاء علیہم السلام کلامے نیست کہ ایشاں راحیات حاصل است[1]۔	انبیاء علیہم السلام کے سننے میں کوئی کلام نہیں ان حضرات کو حیات حاصل ہے۔ (ت)

نیز ص ۸۹ پر:

(آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جواب دادند کہ چوں انبیاء راحیات دنیاوی حاصل وجسد ایشاں نیز باقی است لہٰذا محل استبعاد سماع وعرض نیست[2]۔	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب انبیاء کو حیات دنیاوی حاصل ہے اور ان کا جسم بھی باقی ہے تو سماعت اور پیشی کو بعید سمجھنے کا موقع نہیں۔ (ت)

طرفہ بکف چراغ دیکھیے عبارت نقل کی اور دعوی وہ نقل کیا کہ بعض گویند تحقیق ہمیں است (بعض کہتے ہیں تحقیق یہی ہے۔ ت) خیر وہ بعض ہی سہی اب اس اجماع کی خیر نہ رہی جو بکمال وقاحت ص ۹۳ پر فرمایا:

باجملہ از کتاب وسنت واجماع امت ثابت کہ موتٰی راسماع حاصل نیست[3]۔	بالجملہ کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ مردوں کو سماعت حاصل نہیں ہے۔ (ت)

مگر تم کیا شرماؤ ہر رنگ کی کہہ دینے کے قدیم دھنی ہو ص ۸۷ پر یہی جو لکھ گئے:

وآنکہ از عبارت مرقات سماع سائر کہ اموات سلام	مردوں پر بعض ایام میں اہل قرابت کے اعمال پیش

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۸۵

[3] تفہیم المسائل عدم سماع مطبع محمدی لاہور ص ۸۸

وکلام رادر عرض اعمال اقارب برآنہا در بعض ایام آرند جوابش آنکہ مراد از سلام وکلام سلام کلام زائران است نہ دیگراں [1]۔	ہونے کے تحت مرقات کی عبارت سے تمام مردوں کے لیے سلام ونقل سننا نقل کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ سلام وکلام سے مراد زیارت کرنے والوں کا سلام وکلام ہے دوسروں کا نہیں۔ (ت)

سچ ہے بوکھلائے ہوؤں کا کیا کہنا ؎

وہ شرمائی ہوئی نظریں وہ گھبرائی ہوئی باتیں
نکل کر گھر سے وہ گھرنا ترا اُمیدواروں میں

حجت ثانیہ: پھر مشائخ نے جب وقت سوال سماع مانا تو اس کی وجہ یہ بتائی کہ اب روح جسم میں دوبارہ آئی جب کلام روح کی طرف آئے تو اس جواب کا صاف یہ حاصل کہ روح جب تک بدن سے جدا تھی بے حس وبے ادراک تھی جسم میں آنے کے باعث اس وقت پھر مدرک ہوگئی۔ یہ صراحةً بدن کو شرط ادراک ماننا ہے کہ سو بار سن چکے کہ یہ مذہب نامہذب معتزلہ ہے اب یہ یا تو اکثر مشائخنا کی طرف نسبت غلط مانیے تو اپنی ہی سند بگاڑیے۔ اپنے ہی پاؤں پر تیشہ ماریے، ورنہ یقیناً قطعاً ان سے وہی معتزلہ مراد ہیں بعد قیام حجج قاطعہ کے حیلوں حوالوں ٹالے بالوں کی کیا گنجائش ہے نہ اب اس سوال کا موقع کہ پھر یہ شراح اسے کیوں بے اظہار خلاف عقل کرلائے،

اقول: ویسے ہی نقل کرلائے جس طرح امام عبدالرشید بن ابی حنیفہ ولوالجی وامام طاہر بن احمد وغیرہما اجلہ کرام نے بشیر مریسی معتزلی کا قول یوں ہی نقل کیا گویا یہی اصل مذہب ہے جس طرح علامہ محقق زین العابدین بن ابراہیم وفہامہ مدقق علاء الدین محمد دمشقی نے ابوعلی جبائی معتزلی کا قول یوں نقل کیا گویا یہی مذہب مشائخ ہے جس کا بیان فائدہ جمیلہ فصل سیزدہم میں گزرا، خود انھیں امام ابن ہمام نے فتح القدیر باب نکاح الرقیق میں ایک مسئلہ محیط سے نقل کیا، پھر فرمایا: **ھکذا توارد ھا الشارحون** [2] شارحین یکے بعد دیگرے یونہی لکھتے چلے آئے، پھر فرمایا: یہاں مقتضائے نظر اس کے خلاف ہے۔ پھر اسے بیان کرکے فرمایا: **فھذا وھو الوجہ وکثیرا مایقلد الساھون الساھین** [3] سخن موجہ یہی ہے اور اکثر ہوتا ہے کہ بھولنے والے بھولنے والوں کی پیروی کرلیتے ہیں، علامہ بحر نے بحرالرائق آخر کتاب البیوع باب المتفرقات میں ایک مسئلہ پر اعتراض کیا کہ اس میں مصنفین

---

[1] تفہیم المسائل استمداد از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۲۷

[2] فتح القدیر باب نکاح الرقیق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۷۰

[3] فتح القدیر باب نکاح الرقیق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۷۰

نے خطا کی اور یہاں خطا زیادہ قبیح واقع ہوئی، پھر فرمایا:

وانا متعجب لکونھم تداولوا ھذہ العبارات متونا والشروحا وفتاوی ولم ینتھوالما اشتملت علیہ من الخطاء بتغییر الاحکام واللہ الموفق للصواب وقد یقع کثیرا ان مؤلفا یذکر شیئا خطأفی کتاب فیأتی من بعدہ من المشائخ فینقلون تلک العبارۃ من غیر تغییر ولاتنبیہ فیکثر الناقلون لھاد اصلھا الواحد مخطی کما وقع فی ھذا الموضع ولاعیب بھذا علی المذھب لان مولنا محمد بن الحسن ضابط المذھب لو یذکر علی ھذا الوجہ قد بنھنا علی امثل ذٰلک فی الفوائد الفقھیہ فی قول قاضی خاں وغیرھم ثم نبھت علی ان اصل ھذہ العبارۃ للناطفی اخطأ فیہ ثم تداولوھا[1] (ملخصا)	یعنی مجھے تعجب ہے کیونکہ ان عبارتوں کو متون وشروح و فتاوی سب میں ایک دوسرے سے لیتے نقل کرتے چلے آئے اور اس میں خطا پر متنبہ نہ ہوئے کہ احکام بدلے جاتے ہیں اور اللہ ہی صواب کی توفیق دینے والا ہے اور کبھی بکثرت واقع ہوتا ہے کہ ایک مصنف براہ خطا ایک بات اپنی کتاب میں ذکر فرماتا ہے پھر بعد کے آنے والے مشائخ اسے ویسے ہی بلاتنبیہ نقل کرتے چلے جاتے ہیں تو اس کے ناقل بکثرت ہو جاتے ہیں، حالانکہ اصل میں ایک شخص کی غلطی تھی، جیسا یہاں واقع ہوا، اور اس سے مذہب پر کوئی طعن نہیں آتا کہ ہمارے سردار امام محمد محرر مذہب نے اس طور پر ذکر نہ کیا اور اسی طرح ایک واقعے پر ہم نے فوائد فقہیہ میں تنبیہ کی کہ امام قاضی خاں وغیرہ یعنی صاحب خلاصہ وصاحب ولوالجیہ وغیرہم نے ایک حصر فرمایا اور وہ غلط تھا پھر میں نے آگاہ کردیا کہ یہ اصل خطا ناطفی سے واقع ہوئی ان کے بعد مشائخ اسے یونہی نقل کرتے رہے۔

فقیر کہتا ہے غفراللہ تعالٰی کہ اس قسم کا ایک واقعہ عظیمہ امام اجل ابو جعفر طحاوی کی طرف ایک ترجیح وافتا کی نسبت واقع ہوا جس میں تداول وتوارد نقول آج تک چلا آیا اور ہمارے زمانے تک کسی نے اس پر متنبہ نہ فرمایا یہاں تک کہ سب میں متاخر محقق مبصر علامہ شامی کو بھی وہی راستہ بھایا مگر فقیر غفراللہ المولی القدیر نے بدلائل ساطعہ قاطعہ امام طحاوی کا فتوی نہ اس پر بلکہ قطعًا اس کے برعکس ہونا خود کلام امام ممدوح کے اٹھارہ نصوص ودلائل سے ثابت کردکھایا اور اس بارے میں محض بغرض اظہار حق وحفظ مذہب ودفع تشنیع مخالفین ایک خاص رسالہ الزھر الباسم فی حرمۃ الزکٰوۃ علی بنی ھاشم (۱۳۰۷ھ) معرض تصنیف میں لایا وللہ الحمد حمدا کثیرا علی ماوھب من جزیل العطایا مانحن فیہ (اور اللہ ہی کے لیے حمد ہے کثیر حمد اس پر جو اس نے جزیل

[1] البحرالرائق باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۵/۶

عطاؤں سے نوازا۔ت) میں اگر کلام مشائخ کے یہ معنی لوں جس سے موت وبے ادراک روح ثابت ہو تو یہاں امر آسان تر ہے کہ اصل مسئلہ میں کوئی دقت نہیں صرف بیان دلیل میں محض بے حاجت یہ تخلیط واقع ہوئی، اس تقدیر پر یہاں بھی قطعاً جزماً یہی ہوا کہ مشائخ مذہب سے معتزلہ نے یہ دلیل ذکر کی، پھر بعض مشائخ اہلسنت نے سہواً نقل کردی، پھر نقول درنقول ہوتی چلی گئیں، تنقیح وتنبیہ کی طرف توجہ رہ گئی۔ اب متاخرین اکثر **مشائخنا** کہا ہی چاہیں یہی وجہ ہے کہ خود ان علمائے اعلام اہلسنت کے کلام جابجا اس کے خلاف واقع ہوئے جس کے پچیس شواہد دلیل ۱۱ میں سن چکے یہاں سہواً معتزلہ کا قول لکھ گئے اور خود یہیں اور دیگر مواقع میں جابجا اپنا عقیدہ حقہ متعدد وجوہ سے ظاہر ہوا **وللہ الحمد**۔

کیوں مُلّا تفہیمی صاحب! اب اپنے اعذار باردہ واستبعادات کاسدہ دیکھیے کدھر گئے **وباللہ التوفیق** اور حقیقۃً یہ سب تمھاری خوبیاں ہیں، نہ تم معانی حقہ صحیحہ صادقہ چھوڑ کر بزور زبانِ وزور وبہتان یہ معنی باطل گھڑو، نہ اس جواب کی حاجت ہو، انصافاً اپنے استبعادوں کو آپ ہی بیٹھ کر روؤ۔ ہمارے نزدیک نہ مشائخ کرام نے خطا کی نہ ان کا کلام حاشا کسی عقیدہ اہلسنت نہ اپنے کسی کلام دیگر کے معارض، نہ یہاں باہم متعارض ومتناقض جس کی تحقیق قاہر اوپر سن چکے، **وللہ الحمد**۔

جلیلہ عظیمہ: رہی ملاجی کی پچھلی نزاکت کہ:

انکار سماع موتٰی بطوریکہ مامی کنیم مذہب معتزلہ فہمیدن محض غلط است زیراکہ مذہب بعض معتزلہ آن ست کہ میّت جمادا ست درحیات وادراک نیست پس تعذیب آن محال واہلسنت گویند کہ ہرچند کہ درمیّت حیات نیست مگر جائز است کہ خدا تعالٰی دران نوعے از حیات بقدر ادراک الم عذاب ولذت وتنعّم عندالایلام والتعذیب پیدا کند وآں مستلزم سماع نیست [1]۔	جس طرح ہم سماع موتٰی کا انکار کرتے ہیں اسے معتزلہ کا مذہب سمجھنا محض غلط ہے۔ اس لیے کہ معتزلہ کامذہب یہ کہ میّت جماد ہے اس میں حیات وادراک نہیں تو اس کی تعذیب محال ہے۔ اور اہل سنت کہتے ہیں کہ ہرچند کہ میّت میں حیات نہیں مگر ہوسکتا ہے کہ خداتعالٰی اس میں ایک نوع حیات پیدا کردے اس قدر کہ الم پہنچانے اور عذاب دینے کے وقت عذاب کی تکلیف اور آسائش کی لذت کا ادراک کرے اور یہ سماع کو مستلزم نہیں۔(ت)

ہمارے کلمات سابقہ کے ناظر پر اس عذر بدتر از گناہ کی حقیقت خوب منکشف ہے پھر بھی ملاجی کی خاطر کیجئے کلام کو چند

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۱

عوائد جلیلہ سے ترصیف تازہ دیجئے اور باذنہٖ تعالیٰ ازالہ ہر گونہ اوہام کا ذمہ لیجئے۔

فاقول: وبحول اللہ اصول:

عائدہ اولیٰ: نجدی صاحبو! ناحق اہلسنت کا دامن پکڑتے اور اپنے مذہب کی جان زار کے پیچھے پڑتے ہو، اہلسنت کے یہاں تمھاری گزر نہیں، وہ کہ وقت تنعیم وتعذیب اعادہ حیات کا مالہ خواہ ناقصہ بدن کے لیے مانتے ہیں نہ کہ روح کے لیے کہ وہ توان کے نزدیک مرتی ہی نہیں، اگر تم لوگ صرف سماع جسم باسماع جسمانی بذریعہ آلات جسم کے منکر اور سماع روح بے توسط بدن کے معترف ومقرر ہوتے تو ضرور اہلسنت سے موافق اور ان کے اس مسئلہ سے انتفاع کے مستحق ہوتے، مگر یوں ہی خلاف کب باقی رہتا ہے تو خاص ہمارا مذہب وعین مراد چشم ماروشن دل ماشا تھا مگر حاشا تم ہر گز اس کے قائل نہیں اس میں تمھارا مطلب کہ اولیائے مدفونین سے طلب دعا پتھر کو ندا ہے کب برآتا کیوں ملاجی! ذرا نگاہ روبرو، کیا آپ ہی وہی نہیں ہیں جو اسی تفہیم کی اسی بحث میں بکمال وقاحت وشوخ چشمی اپنا مذہب نامہذب بزور زبان بنانے کے لیے ایک گھڑی ہوئی فرضی کتاب خیال تصنیف غرائب فی تحقیق المذاہب سے سند لائے اور اس کی وساطت سے سیدنا امام اعظم وہمام اقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر جیتے افترا اٹھائے۔ آپ اگرچہ خیال [عہ۱] علماء گھڑلینے فرضی کتابوں [عہ۲] کی ساختہ عبارتیں پیش کردینے کی پختہ ماہر کار ہیں جن کے حال صواعق وتفہیم وغایۃ الکلام کے مطالعہ سے آشکار ہیں، بعض احباب فقیر نے خاص آپ حضرات کی ایسی ہی دیانتوں کے بیان میں رسالہ سیف المصطفیٰ علی ادیان الافترا لکھا اور اس میں ایک سوساٹھ دیانات کبرائے طائفہ کو جلوہ دیا مگر اس گھڑت کی ابتدا شاید سرکار سے نہ ہو، تفہیم سے پہلے ایک سہسوانی وہابی صاحب رسالہ سراج الایمان میں اس کے بادی ہوئے ہیں، بہر حال یہ گندی بوکا عطر فتنہ سہسوان کی گھانی سے ہو یا قنوج کی، ذرا ایمان سے بتائے کہ آپ حضرات کی اس خانگی ساخت پر دنیا میں کوئی اور بھی مطلع ہے کہیں اس کتاب کا نام ونشان بھی ہے، کسی اور نے بھی اس سے استناد کیا یا کہیں اس کا نام لیا ہے؟ اللہ اللہ صدہا سال سے مسئلہ سماع ومسئلہ استمداد زیر بحث ہے صدہا کتابوں میں ان کے بیان آئے آج تک کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ خود امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان میں نص صریح موجود ہے، اب

عہ۱: مثل ناصر کہانی جس کے مطالبہ پر بکمال حیاداری صاف کہہ دیا گو ناصر فاکہانی بناشد کلام درکلام است ۱۲منہ (گو ناصر فاکہانی نہیں ہے کلام درکلام ہے ۱۲منہ۔ت)

عہ۲: مثل القول المعتمد فی الکلام مع عمل المولد جس میں تک بھی ٹھیک ملانی نہ آئی، معتمد بفتح میم اور مولد بکسر لام اور پھر عمل مولد پر یا اس میں کلام کی جگہ عمل مولد کے ساتھ گفتگو وکلام ع

بے حیا باش ہرچہ خواہی کن ۱۲منہ (م)

گیارہ سو۱۱۰۰ برس بعد ان حضرات کو امام کا ارشاد معلوم ہوا، اور وہ بھی کس کتاب میں، جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے اس کا نام سنا، خیر اب تو یہ باحیا متدین حضرات کب کے مر کر جماد لایفہم ولایتکلم ہوگئے، اہلسنت نے ان کی حیات ہی میں مطالبہ کیا تھا کہ حضرت! یہ ساختہ عبارت فتاوٰی غرائب میں تو ہے نہیں جواب دیا کہ یہ اور رسالہ غرائب فی اختلاف المذاہب ہے۔ اور کبھی کہا، فی تحقیق المذاہب ہے ___ عرض کی گئی: آپ کے پاس ہے یا کہیں اور دیکھا؟ کہا: مفتی سعداللہ صاحب کے یہاں ہے۔ مفتی صاحب مرحوم سے پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا: میں اصلا اس کتاب سے واقف نہیں، اللہ اللہ حیا کا پایا یہاں تک پہنچا اور پھر ع

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

مقدس متدینوں کو عبارت بھی گھڑنی نہ آئی، سہل سہل محاورہ و قواعد کی مطابقت نہ پائی، اس کے الفاظ و بندش کی رکاکت خود ہی کافی شہادت ہے کہ بے علم ہندیوں کی اوندھی گھڑت ہے، عبارت حاشیہ عـــہ پر ہے ہر صاحب ذوق سلیم

عـــہ: در غرائب فی تحقیق المذاہب راوی الامام ابو حنیفة من یأتی القبور باھل الصلاح فیسلم ویخاطب ویتکلم ویقول یا اھل القبور ھل لکم من خبر وھل عندکم من اثرالی ان اتیتکم و نادیتکم من شھور ولیس سوالی منکم الا الدعاء فھل دریتم ام غفلتم فسمع ابو حنیفة یقول مخاطبة لھم فقال ھل اجابوالك فقال لافقال له ستحقالك وتربت یداك کیف تکلم اجساد الا یستطیعون جوابا ولایملکون شیأ ولایسمعون صوتا وقرأ وما انت بمسمع من فی القبور [1] انتھی ۱۲

غرائب فی تحقیق المذاہب میں ہے: امام ابو حنیفہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اہل صلاح کی قبروں کے پاس آتا ہے تاکہ سلام کرے اور خطاب کرے اور کہے اے اہل قبور! کیا تمھیں کچھ خبر ہے اور کیا تمھارے پاس کچھ اثر ہے یہاں تک کہ میں تمھارے پاس آیا اور مہینوں سے تم کو پکارا اور میرا سوال تم سے صرف دعا کا ہے، تو کیا تمھیں پتا چلا یا تم غافل رہے، تو ابو حنیفہ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہنے والے کو سنا تو فرمایا کیا انھوں نے تجھے جواب دیا؟ اس نے کہا نہیں، تو اس سے فرمایا: تیری بربادی ہو اور تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو کیسے کلام کرتا ہے ایسے جسموں سے جو جواب نہیں دے سکتے اور کچھ اختیار نہیں رکھتے اور کوئی آواز نہیں سنتے۔ اور یہ پڑھا: تم انھیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں ہیں۔ ختم (ت)

تفہیم المسائل ص ۹۱ جو لفظ سُرخی سے لکھے ہیں تفہیم میں یونہی ہیں انھیں کوئی غلطی ناسخ نہ سمجھے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۷

دیکھئے اور دادِ انصاف دے۔ بعض اصحاب فقیر سلمہم اللہ تعالٰی نے ایک کیم شیم وہابی ہیڈ مولوی کے رد میں مبسوط رسالہ نشاط المسکین علٰی حلق البقر السمین لکھا اس میں اس عبارت غرائب کی دھجیاں بروجہ احسن اڑا کر اخیر میں علامہ قنوجی کے اسے نقل کرکے انتہی لکھ دینے پر عجیب لطیفہ لکھا ہے جس کا ذکر خالی از لطف نہ ہوگا، قال سلمہ اللہ تعالٰی ابھی سے انتہا لکھ دی اس کے بعد تو فرضی صاحبِ غرائب نے اس قول کی محدثانہ سند گھڑی ہے:

حیث قال بعد نقلتم حدثنا بذلك المعدوم بن مسلوب العدمی ثنا ابوالفقدان الخیالی ثنا موھوم بن مفروض اللیسی ح ثنا الکذاب بن المفتری ناالوضاع الذوری انا من [عــه] لایثق بہ الانجدی کلاھما عن ابی التلبیس الضلالی	تمھاری منقولہ عبارت کے بعد ہے: ہم سے بیان کیا معدوم بن مسلوب عدمی نے ــــ کہا ہم سے بیان کی ابوالفقدان خیالی نے ــــ کہا ہم سے بیان کیا موہوم بن مفروض لیسی نے ــــ دوسری سند: ہم سے بیان کیا کذاب بن مفتری نے ــ کہا ہم سے بیان کیا وضاع زُوری نے ــــ کہا ہمیں خبر دی اس نے جس پر کوئی نجدی ہی اعتماد کرے، دونوں (موہوم اور یہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہ وہ ناسخ تفہیم کی خطاء ہیں بلکہ خود مصنف تفہیم وضاع اول کی، اس لیے کہ غلط نامہ تفہیم میں بھی ان کی تصحیح نہ کی، اور تفہیم صفحہ ۶۸ میں ہے:

احتمال غلطی کاتب ہم مرتفعہ در صحیح نامہ غلطنامہ کتاب مطبوعہ ہم بغلطی این لفظ تعرض نہ کردہ اھ	کاتب کی غلطی کا احتمال بھی مرتفع ہے کہ مطبوعہ کتاب کے غلط نامہ اور صحیح نامہ میں اس لفظ کے غلط ہونے پر توجہ نہیں کی گئی اھ (ت)

بھلے مانس کو ینطق و یتفوہ و یذکر و یحدث و یشافہ و یحاور وغیرہا یاد نہ تھے ورنہ انھیں بھی یخاطب و یتکلم و یقول کا ساتھی کردیتا ۱۲ منہ (م)

عــه: ھذا وان کان مبھما لکن لا یضر لانہ فی المتابعات فقد رواہ من الضلال موھوم بن مفروض کما سمعت منفی بن المفقود اٰخرون خرائب فی شرح الغرائب ۱۲ منہ (م)	یہ راوی اگرچہ مبہم ہے مگر کوئی ضرر نہیں اس لیے کہ وہ متابعات میں ہے کیونکہ ضلالی سے اس کو موہوم بن مفروض نے روایت کیا ہے جیسا کہ آپ نے سُنا، نیز منفی بن مفقود اور کچھ دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے ۱۲ خرائب شرح غرائب۔ (ت)

من بن ضلال قبيلة من بنى المختلق قال سمعت هاتفا من الهواء يهتف بذلك .فلا ادرى احفظت ام نسيت لكن اشهدوا ان الذى يحدثكم بهذ كذاب مبين۔	مجہول) راوی ہیں ابوالتلبیس ضلالی سے۔جو بنی مختلق کے ایک قبیلہ بنی ضلال سے ہے___اس نے کہا___میں نے ہوا سے ایک ہاتف کو یہ پکارتے سنا تو مجھے پتا نہیں کہ مجھے یاد ہے یا میں بھول گیا لیکن اس پر گواہ رہو کہ تم سے جو شخص یہ بیان کررہا ہے کُھلا ہوا کذاب ہے۔(ت)

ہم کہتے ہیں الكذوب قد يصدق (بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بول دیتا ہے۔ت) بیشک یہ پچھلا اس نے سچ کہا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اھ کلام سلمہ ربہ اچھا یہ سب جانے دو، اگر سچے ہو تو لکھ دو وہاں مردے احیاء کا کلام ضرور سنتے ہیں مگر نہ وگوش بدن بلکہ قوت روح سے، کیا اسے تم کہہ سکتے ہو؟ ہر گز نہ کہو گے، اب پردہ کُھل گیا اور صاف ادراک روح کا انکار ظاہر ہوا اور اپنے اسی دعوی پر کلام مشائخ ڈھالا اور وہ موت وبے ادراکی وبے حسی کا سارا نزلہ روح پر ڈالا، تو اب کیا محل انکار ہے کہ یہ قطعاً مذہب معتزلہ فجار ہے۔ رہا یہ کہ وہ منکر عذاب ہیں تم قائل عذاب، اس تفرقے سے تمھارا ان کا وہ اتفاق زائل نہیں ہوتا مثلاً [عہ] کوئی پورا وہابی اپنی نیچریت کے زور میں دعوی کر بیٹھے کہ سیدنا عیسٰی نبی اللہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ، علیہ ضرور سولی دئے گئے، یہود عنود نے انھیں قتل کیا، تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تیرا یہ قول مذہب نصارٰی ہے۔ کیا وہ اس کے جواب میں کہہ سکتا ہے کہ سولی دیا جانا جس طرح وہ مانتا ہے مذہب نصارٰی سمجھنا محض غلط ہے اس لیے کہ مذہب نصارٰی یہ ہے کہ وہ کفارہ ہونے کے لیے سولی دئے گئے، معاذاللہ تین دن جہنم میں رہ کر خدا کے ہاتھ پر جا بیٹھے، اور وہ شخص کہتا ہے کہ ہر چند سولی دئے گئے مگر کفارہ وغیرہ خرافات ہیں کیا اس فرقہ کے سبب اس کا وہ قول مذہب نصارٰی ہونے سے خارج ہوجائے گا!

عائدہ ثانیہ: وكانها الاولى بعبارة اخصر (گویا یہ زیادہ مختصر عبارت میں پہلا ہی ہے۔ت) میّت میں حیات نہیں، اس سے مراد روح ہے یا بدن، اگر بدن تو بحث محض بیگانہ، اور اگر روح تو تم یہی مان کر اہلسنت سے خارج وبری اور ان کی طرف ان کی طرف نسبت کرکے کذاب ومفتری ہوئے، اہلسنت ہرگز روح کے بے حیات نہیں مانتے اگر کہیے موت مجازی تو مانتے ہیں۔

عہ: وہابیت کا کمال وہی نیچریت ہے ۱۲ منہ (م)

اقول: ہاں مگر اس کا اثر ادراکات روح پر اصلا نہیں **کما مرّ مرارًا** (جیسا کہ کئی بار گزرا۔ ت) خود ملاجی کی عبارت بیہوشی مظہر حوالہ تفسیر عزیزی ابھی گزری اور تم صراحۃً وہ موت مان رہے ہو جو نافی ومنافی ادراک ہے اسی کو کلام مشائخ سے نقل کرتے اور اسی پر انکار سماع کی بناء رکھتے ہو تو قطعًا موت حقیقی مراد لیتے ہو اور اسے روح کے لیے ماننا، یہی اعتزال ہے۔ اگر کہئے معتزلہ تو روح کے لیے موت منافی مطلق ادراک مانتے ہیں، ولہٰذا عذاب قبر محال جانتے ہیں اور یہاں مراد وہ موت ہے جسے صرف ادراک صور واصوات دنیاوی سے تنافی ہونہ برزخیہ سے۔

اقول: اولًا یہ تخصیص محض بے دلیل وباطل ہے، موت بھی مانو منافی ادراک بھی جانو، جیسا کہ کلام مشائخ میں مصرح ہے پھر اسے ادراک بعض دون بعض سے خاص کرو، یہ جہل اقبح ہے موت کہ منافی ادراک ہے ہر ادراک کے منافی ہے اور نہیں تو کسی کے نہیں، خود اسی تفہیم المسائل میں براہ جہالت اپنی سند سمجھ کر نقل کیا۔

درمدارک نوشتہ **توفیہا اماتتہا وھوان یسلب ماھی بہ** عـــہ۱ **حیۃ حساسۃ دراکۃ**[1]۔	مدارک میں لکھا ہے: توفّی کا معنی انھیں موت دینا وہ یہ کہ جس امر کی وجہ سے یہ زندہ، حساس، بادراک ہیں اسے سلب کرلیا جائے۔ (ت)

پھر لکھا:

امام راغب درمفردات گفتہ کہ **الموت زوال القوۃ الحساسۃ**[2]۔	امام راغب نے مفردات میں فرمایا: موت قوت احساس کے زوال کا نام ہے۔ (ت)

کیوں حضرات! جب راسًا حس وادراک کی قوت زائل ہوگئی مدرکہ ہی چل دی تو اب ادراک بعض کا ہے سے ہوگا یارب! یہ موت کون سی کہ آدھی کو شنوا آدھی سے بہری، آدھی سے اندھی، ایک فرد ادراک بھی باقی ہے تو حیات ثابت ہے اور موت منتفی کہ حیات باجماع عـــہ۲ عقلًا شرط ادراک ہے اور موت منافی مشروط نہ بے شرط متحقق ہوگا نہ منافی

عـــہ۱: صحیح ہم چناں است ودر تفہیم المسائل ایں را ماھی جثۃ ساختہ ودر غلط نامہ ہم بہ تصحیحش نہ پرداختہ پر غلط است ۱۲منہ (م)	صحیح بھی اسی طرح ہے (ماھی بہ حیۃ) تفہیم المسائل میں اسے ماھی جثۃ بنادیا اور غلط نامہ میں بھی اس کی تصحیح نہ کی جبکہ یہ بلکل غلط ہے۔ (ت)
عـــہ۲: ای ومن خالف فقد خرج من المعقول فکان لم یبق من اھل العقول وھم الشرذمۃ الذلیلۃ الصالحیۃ ۱۲منہ (م)	یعنی جو بات ہو وہ معقول سے خارج ہوا تو اہل عقول سے نہ رہا، اور یہ فرقہ ذلیلہ صالحیہ والے چند افراد ہیں۔ (ت)

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۲

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۲

منافی سے ملتصق۔

ثانیًا یوں بھی اعتزال سے مفر کہاں، جب باوصف موت ادراکات امور برزخ علم وسمع وبصر باقی مانے تو اور معتزلہ کامذہب نہ سہی، طوائف معتزلہ سے فرقہ صالحیہ کامشرب سہی، جس کاذکر آپ نے اسی تفہیم المسائل میں بہ شدت سفاہت مقابل اہلسنت کیاتھاکہ:

درشرح مواقف نوشتہ کہ تجویز قیام علم وقدرت وارادہ وسمع وبصر میّت مذہب فرقہ صالحیہ از معتزلہ است[1]۔	شرح مواقف میں لکھا ہے کہ میّت کے ساتھ علم، قدرت، ارادہ اور سمع وبصرہ قائم ماننا معتزلہ کے فرقہ صالحیہ کامذہب ہے۔(ت)

ذی ہوش کو اتنی نہ سوجھی کہ اہل سنت نے کس دن موصوف بالموت کو بحال موصوفی بالموت موصوف بالادراک مانا تھا، وہ توجس کے لیے ادراکات مانتے ہیں اسے ہرگز میّت نہیں کہتے ہمیشہ زندہ جانتے ہیں، مگرہاں اب آپ نے روح کو میّت بھی مانا اور عذاب قبر ٹھیک کرنے کے لیے ادراکاتِ برزخیہ بھی ثابت کیے، یہ عین مذہب صالحیہ سے وہ بھی اسی طورپر قائل عذاب ہوئے ہیں، اسی متخلص الحقائق مستند مائۃمسائل کی عبارت جواب اول کی دلیل ہفتم میں گزری کہ صالحہ کے نزدیک میّت باوصف موت معذب ہوتاہے، نیزاسی کفایۃ کی اسی بحث میں ہے:

عن ابی الحسن الصالحی یعذب المیّت من غیر حیاۃ اذالحیاۃ عندہ لیست بشرط لثبوت الالم[2]۔	ابوالحسن صالحہ سے منقول ہے کہ میّت کو بغیرحیات کے عذاب ہوتاہےاس لیے کہ اسی کے نزدیک ثبوت الم کے لیے حیات شرط نہیں۔(ت)

نیزوہی امام عینی عمدۃالقاری میں بعد ذکرمذہب صالحہ فرماتے ہیں:

وھذا خروج عن العقول لان الجماد لاحس لہ فکیف یتصور تعذیبہ[3]۔	اوریہ معقول سے خروج ہے اس لیے کہ جماد کے پاس حِس نہیں ہوتی تواس کی تعذیب کیونکر متصور ہوگی۔(ت)

اگرکہیے ہم یہ ادراکات بعودِ حیات مانتے ہیں بخلاف صالحہ اقول ذراہوش میں آکر بھلااس عود حیات پہلے بھی روح کو ادراک امور برزخیہ تھا یانہیں، اگرنہیں تو حجاب منکشف اور عذر منکسف، ثابت ہواکہ تم نے روح کو وہی موت مانی جو منافی مطلق ادراک ہے۔اب عام معتزلہ میں جاملے، اور اگرہاں توعود حیات کاحیلہ اٹھ گیا۔

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہّ مطبع محمدی لاہور ص ۸۸

[2] کفایۃ مع فتح القدیر باب الیمین فی الضرب الخ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۶۱

[3] عمدۃالقاری شرح بخاری باب المیّت یسمع خفق النعال بیروت ۸/۱۴۷

روح میّت بحال ممات بے عود حیات صاحب ادراکات تھی۔ اب معتزلہ صالحیہ میں جاملے۔ مفر کدھر، کیا یاد کروگے کہ کسی سے پالا پڑا تھا، ہاں مفر اس میں تھا کہ ان سب اقوال وابحاث کو دربارہ بدن مانئے اور روح کو ان تمام بردومات سے پاک وصاف جانیے، بدن ہی کو مشائخ مردہ وبے فہم کہتے اور اسی کے سماع بحال موت سے انکار رکھتے ہیں، اب ٹھکانے سے آ گئے مگر ہیہات کہا تم اور کہا حق کا قول واللہ المستعان علی کل متکبر جھول (ہر متکبر جاہل کے برخلاف اللہ تعالٰی حامل ومدد گار ہے۔ت)

ثالثاً صریح جھوٹے ہو، کلام مشائخ میں نشان تخصیص مفقود، بلکہ ان کے بطلان پر تنصیص موجود، کیا انھوں نے موت کو منافی ادراک بتا کر شبہ عذاب قبر وارد نہ کیا؟ کیا عود حیات سے اس کا جواب نہ دیا؟ کیا خود ملا تفہیمی نے اپنی پاؤں میں تیشہ زنی کو نہ کہا کہ:

مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و حقیقی ہر دو ست زیراکہ فقہا نفی سماع مطلق کردہ اند نہ بتقیید عرف واگر نفی صرف سماع عرفی نہ حقیقی مقصود می بود حاجت جواب دادن از مسئلہ عذاب قبر نبود وتوجیہ کردن دیگر وقائع کہ بر سماع موتٰی دال است فھل ھذا الا توجیہ بما لایرضی بہ قائلہ [1]۔	اس مقام پر نفی سماع سے فقہاء کا مقصود سماع عرفی و حقیقی دونوں کی نفی ہے اس لیے کہ فقہا نے سماع کی نفی مطلق کی ہے نہ کہ عرف کی جگہ قید لگا کر۔ اگر حقیقی نہیں۔ صرف عرفی سماع کی نفی مقصود ہوتی تو مسئلہ عذاب قبر کا جواب دینے کی ضرورت نہ تھی اور وسرے وقائع جو سماع موتی پر دلالت کرتے ہیں نہ ان کی توجیہ کی ضرورت تھی یہ ایسی توجیہ ہے جس پر اس کا قائل راضی نہ ہو (ت)

تو قطعاً ثابت کہ وہ اس موت کو منافی مطلق ادراک مانتے اور اس کے ہوتے امور برزخ کا ادراک بھی منتفی جانتے ہیں تو جب کلام روح پر محمول ہوا قطعاً آفت اعتزال سے نامعزول ہوا۔

عائدہ ثالثہ: بحمد اللہ تعالٰی یہاں سے واضح ہوا کہ عدم ادراک امور دینویہ میں عذر باطل حجاب وحائل خشت وگل، اور ملا تفہیمی صاحب کا عذر طمطراق اشتغال واستغراق کہ صفحہ ۶۲ و ۶۳ میں لکھا:

ارواح طیبہ مجردہ از ابدان بہ جہت اشتغال عبادت رب حقیقی واستغراق بہ کیفیت آں التفات باکوان و حوادث این عالم ندارند [2]۔	اجسام سے مجرد ارواح طیبہ رب حقیقی کی عبادت میں اشتغال اور اس کی کیفیت میں استغراق کے باعث اس دنیا کے موجودات وحوادث کی جانب التفات نہیں رکھتیں۔ (ت)

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۸۳

[2] تفہیم المسائل استمداد از صاحب قبر مطبع محمدی لاہور ص ۵۸

محض مہمل و ناروا و پادر ہوا تھے۔

اقول: جب تم لوگ کلام مشائخ سے مستدل اور اس کے اس معنی محال پر حامل ہو تو تمھیں ان اعذارِ باردہ کی کیا گنجائش!

اولاً مشائخ تو نفس موت کو منافی ادراک اور اس کی وجہ انتفائے اصل قوت حساس و ادراک مان رہے ہیں اور ان اعذار کا یہ حاصل کہ قوت مدرکہ تو موجود و کامل مگر حجاب حائل یا التفات زائل۔

ثانیاً وہ اس موت کو منافی مطلق ادراک بے تخصیص امور دنیویہ جان رہے ہیں اور تمھارے اعذار انھی امور خارجہ سے خاص__ **ثالثاً** حائل و حجاب بدن پر ہے اور کلام روح میں،

رابعاً پردہ و حیلولت صرف مدفون کے لیے ہے صرف بعد دفن تا عدم انکشاف اور کلام عام بلا خلاف۔

خامساً تمھارے حاجب و حائل کا پردہ تو اسی دن چاک ہوچکا جس دن مشائخ نے وقت سوال سماع آواز نعال تسلیم کیا اور ملا تفہیمی نے در وقت سوال وجواب ہمہ قائل سماع اند[1] سوال وجواب کے وقت سب سماع کے قائل ہیں۔ت) کا مژدہ سنایا۔

سادساً عبادت سے اشتغال اور اسی کیفیت میں استغراق تو سب اموات کو عام نہ مانئے گا یوں کہئے کہ منعم ہے تو لذت نعمت، یا معاذاللہ معذب ہے تو عذاب کی شدت میں مستغرق ہونا مانع سماع ہے۔ میں کہتا ہوں [عہ] اس لذت یا الم کی حالت میں سوال محال ہے یا ممکن بر تقدیر اول دلیل استحالہ ارشاد ہو اور زیادہ تفصیل چاہئے تو مقصد اول نوع اول سوال اول کی تقریر یاد ہو بر تقدیر ثانی ممکن کی جانبین وجود و عدم یکساں اور برزخ غیب اور

عہ: تنبیہ: اقول: بقائے روح وادراکات روح بعد فراق میں اگر استصحاب ناکافی سمجھ کر ہمیں مدعی بھی ہونا مانیے تو یہ دعوی ایسے نصوص قواطع و اجماع ساطع سے ثابت جس میں موافق مخالف کسی کو مجال تامل نہیں، آخر مخالفین بھی تنعیم و تعذیب و ادراکات امور برزخیہ مانتے ہیں، اس کے بعد مسئلہ نزاعیہ میں بداہۃً ظاہر ہمارے ساتھ ہے کہ جب مدرک باقی ادراک باقی پھر جو نفی بعض مانے مدعی تخصیص وہ ہے دلیل پیش کرے اور اگر بالفرض بنظر ظاہر الفاظ عکس ہی مانے تو ہمارا دعوی سماع ہے، اور دلیل سمع جس کا وجوب تسلیم واجب التسلیم اور ورود مقصد دوم وسوم میں روشن ہوگیا تو کسی مقدمہ پر منع کی گنجائش نہیں اور دعوی پر تو منع کے منع ہی نہیں خصوصاً بعد اقامت دلیل لاجرم یہ اعذار بغصب منصب استدلال ہیں اور اب یہ قانون مناظرہ وظائف منعکس **فاحفظ تحفظ** ۱۲منہ (م)

---

[1] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیّہ مطبع محمدی لاہور ص۸۱

غیب پر رجما بالغیب حکم لگانا ضلالت وعیب امام الحرمین ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:

لا یتقدر الحکم بثبوت الجائز ثبوته فیما غاب عنا الا بسمع[1]۔	جو چیزیں ہم سے غائب ہیں ان میں کسی ممکن الثبوت امر کے ثابت ہوجانے کا حکم دلیل سمعی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ (ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

القضایا منها ماهی ممکنات فلاطریق الی الجزم باحدجانبیها فکان من فضل الله ورحمته ارسال الرسل لبیان ذلك[2]۔	قضایامیں سے ممکنات بھی ہیں ان کی دوجانبوں میں سے کسی ایک کے جزم کی کوئی سبیل نہیں تو اللہ تعالٰی اس کے بیان کے لیے اپنے فضل و رحمت سے رسولوں کو مبعوث فرمایا۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

کل ماجاز وجوده عدمه عقلا لم یجز المصیر الی الاثبات اوالی النفی الا بدلیل[3]۔	عقلاً جس کا وجود اور عدم دونوں ممکن ہو اس میں دلیل سمعی کے بغیر اثبات یا نفی کی طرف جانے کا جواز نہیں (ت)

لاجرم اشتغال کے سبب عدم سماع کا شگوفہ مہمل وبیکار ہو کر رہ گیااور شرع مطہر سے جدا گانا دلیل کی حاجت رہی کہ یہ تلذذ وتالم مانع سماع ہیں اگر دلیل نہیں اور بیشک نہیں تو آپ کا خذلان وخسران ظاہر وعیان، ورنہ وہ دلیل ہی نہ دکھائیے، عبث وناتمام باتوں میں کیوں وقت گنوائیے۔ **سابعًا** اگر یہ اشتغال مانع سماع ہوتا خواہ تمھاری ہوسات عاطلہ خواہ جہاں فلاسفہ کے مقدمہ باطلہ سے جس کی دھجیاں امام فخرالدین رازی وغیر علماء اڑا چکے کہ نفس آن واحد میں دو چیزوں کی طرف توجہ نہیں کرسکتا تو واجب کہ اہل برزخ کو کلام ملائک کا بھی سماع نہ ہوتا کہ استغراق مانع کے آگے سماع سماع سب ایک سے حالانکہ تالی قطعًا باطل ہے تویوں ہی مقدم، غرض استغراق کوامور برزخیہ ودنیویہ میں فارق بنانا چاہا تھا وہ خود محتاج فارق ہے۔ **ثامنًا العظمة لله والضراعة الی الله** (عظمت وبزرگی اللہ کے لیے ہے اور ضعف وذلالت اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ت) وہ موت کا تازہ صدمہ اٹھائے ہوئے روح جس کا ادنٰی[عہ] جھٹکا سوضرب شمشیر کے برابر،

عــہ: ابن ابی الدنیا عن الضحاك بن حمزة مرسلا عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ۱۲	اسے ابن ابی الدنیا نے ضحاک بن حمزہ سے مرسلًا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

[1] الارشاد فی علم الکلام

[2] شرح عقائد نسفی بحث فی ارسال الرسل دارالاشاعۃ العربیۃ شوکت لاسلام قندھار ص ۹۸

[3] تفسیر کبیر

جس کا صدمہ عہ۱ ہزار ضرب تیغ سے سخت تر، بلکہ ملک الموت عہ۲ کا دیکھنا ہی ہزار تلوار کے صدمہ سے بڑھ کر، وہ نئی جگہ وہ نرمی تنہائی، وہ ہر طرف بھیانک بیکسی چھائی، اس پر وہ نکیرین کا اچانک آنا وہ سخت ہیبت ناک صورتیں دکھانا کہ آدمی دن کو ہزاروں کے مجمع میں دیکھے تو حواس بجانہ رہیں، کالا رنگ عہ۳ نیلی آنکھیں عہ۴ دیگوں عہ۵ کے برابر بڑی، ابرق کی طرح شعلہ زن سانس عہ۶

عہ۱: الخطیب فی التاریخ عن انس ابن مالك عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والحارث ابن ابی اسامه بسند جید عن عطاء بن یسار مرسلا ۱۲۔

عہ۲: ابو نعیم فی الحلیة عن واثلة بن الاسقع عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ۱۲

عہ۳: حدیث عن الترمذی وحسنه وابن ابی الدنیا والاٰجری فی الشریعة وابن ابی عاصم فی السنة والبیهقی عن ابی هریرہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔

عہ۴: حدیث اول وابن المبارك فی الزهد وابن ابی شیبة والاٰجری والبیهقی عن ابی الدرداء من قوله۱۲

عہ۵: حدیث الطبرانی فی الاوسط وابن مردویة عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۱۲

عہ۶: حدیث و ابویعلی وابن ابی الدنیا عن النعیم، حدیث ابوداؤد فی البعث والحاکم

اسے خطیب نے تاریخ میں حضرت انس بن مالک سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، اور حارث بن ابی اسامہ نے بسند جید عطاء بن یسار سے مرسلاروایت کیا۔ (ت)

اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن اسقع سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت) (۱) اسے ترمذی نے بافادہ تحسین روایت کیا اور ابن ابی الدنیا نے، اور شریعہ میں آجری نے اور سنہ میں ابن ابی عاصم نے اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (۲) البیھقی فی عذاب القبر عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اور بیہقی نے عذاب قبر میں حضرت ابن عباس سے انھوں نے بنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت) حدیث اول و ۱۳ ابن المبارک نے زہد میں اور ابن ابی شیبہ آجری اور بیہقی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے کلام میں (موقوفاً) روایت کیا (ت) حدیث ۴ طبرانی نے معجم اوسط میں، اور ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت) حدیث ۲ و ۵ کو ابویعلی وابن ابی الدنیا نے نعیم سے روایت کیا، حدیث ۶ ابوداؤد نے بعث میں، حاکم

(باقی اگلے صفحہ پر)

جیسے آگ کی لپیٹ، بیل عـــہ۱ کے سینگوں کی طرح لمبے نوک دار کیلے، زمین عـــہ۲ پر گھسٹتے سر کے پیچدہ بال عـــہ۳، قد و قامت جسم و جسامت بلا قیامت کہ ایک شانے سے دوسرے تک عـــہ۴ منزلوں کا فاصلہ، ہاتھوں عـــہ۵ میں لوہے کا وہ گرز کہ اگر ایک بستی کے لوگ بلکہ جن وانس عـــہ۶ جمع ہو کر اٹھانا چاہیں نہ اٹھاسکیں، وہ گرج عـــہ۷ کڑک کی ہولناک آوازیں، وہ دانتوں عـــہ۸ سے زمین چیرتے ظاہر ہونا، پھر ان آفات پر آفت یہ کہ سیدھی طرح بات نہ کرنا، آتے ہی جھنجھوڑ عـــہ۹ ڈالنا، مہلت نہ دینا کڑکتی عـــہ۱۰ جھڑکتی آوازوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی التاریخ والبیھقی فی عذاب القبر عن امیر المومنین عمر، حدیث ۷ وابن ابی الدنیا عن ابی ہریرۃ، حدیث ۸ وھو وابونعیم و الاٰجری والبیھقی عن عطاء ابن الیسار مرسلا کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲

نے تاریخ میں اور بیہقی نے عذاب قبر میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، حدیث ۷ ابن ابی الدنیا نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی، حدیث ۸ ابن ابی الدنیا، ابو نعیم، آجری اور بیہقی سب نے عطاء بن یسار سے مرسلاً نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ (ت)

عـــہ۱: حدیث پنجم ۱۲ عـــہ۲: حدیث چہارم و پنجم ۱۲ عـــہ ۳: دوم و ششم و ہفتم ۱۲

عـــہ۴: حدیث سوم ۱۲ عـــہ۵: حدیث پنجم ۱۲ عـــہ۶: حدیث ششم و ہفتم ۱۲

عـــہ۷: حدیث پنجم ۱۲ عـــہ۸: حدیث دوم، چہارم، پنجم، ششم، ہفتم، ہشتم ۱۲

عـــہ۹: حدیث دوم، ششم، ہفتم ۱۲

عـــہ۱۰: حدیث دوم و ہشتم وحدیث ۹ احمد والطبرانی فی الاوسط والبیھقی وابن ابی الدنیا عن جابر۔ حدیث ۱۰ وابن ابی عاصم و ابن مردویۃ و البیھقی بوجہ اٰخرعنہ، حدیث ۱۱ والاٰجری فی الشریعۃ عن ابن مسعود کلاھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲۔

حدیث ۲ و ۸ و ۹ امام احمد نے اور معجم اوسط میں طبرانی نے اور بیہقی وابن ابی الدنیا نے حضرت جابر سے روایت کی۔ حدیث ۱۰ ابن ابی عاصم، ابن مردویہ اور بیہقی نے ان ہی سے ایک دوسرے طریق سے روایت کی۔ حدیث ۱۱ آجری نے شریعہ میں حضرت ابن مسعود سے، دونوں حضرات نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ (ت) ۱۲

میں امتحان لینا وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ارحم ضعفنا یا کریم یا جمیل صل وسلم علی نبی الرحمۃ واٰلہ الکرام وسائر الامۃ اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین۔ایسے عظیم وقت میں شاید آپ کا استغراقی خیال تو یہی حکم لگائے کہ کھلے میدان میں توپ کی آواز بھی سننے میں نہ آئے مگر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں ارشاد فرمارہی ہیں کہ ایسی حالت میں اتنے پردوں میں مردہ ایسی خفی آواز جوتوں کی پہچل سنتا ہے جس کا تمھیں خود اعتراف ہے اور وہی امام عینی مستند مائۃ مسائل شرح صحیح بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

فیہ ذھول عماورد فی بعض الاحادیث ان صاحب القبر کان یسأل فلما سمع صریر السبتتین اصغٰی الیہ فکاد یھلك لعدم جواب الملکین فقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القھما لئلا توذی صاحب القبر ذکرہ ابوعبداللہ الترمذی[1]۔	یعنی اس قائل کو یاد نہ رہا وہ جو ایک حدیث میں ایا ہے کہ قبر والے سے سوال ہورہا تھا اتنے میں جوتوں کی پہچل اس نے سنی ادھر کان لگائے جواب میں دیر ہوئی، قریب تھا کہ ہلاک ہوجائے، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس جوتا پہن کر چلنے والے سے فرمایا انھیں اتارڈال کر مردے کو ایذا نہ پہنچے۔ یہ حدیث ابوعبداللہ محمد ترمذی نے ذکر فرمائی۔(ت)

جس کا ادراک بہ نسبت ادراک روح بہت قاصر و مقصود، تو بداہۃً ثابت کہ احوال برزخ آپ کے اوہام عادیہ سے منزلوں دور، اور عادات معہودہ دار دنیا پر ان کا قیاس باطل و مہجور۔

عائدہ رابعہ: ادراک روح مشروط بجسم ہیں یا نہیں، توضیح مقام یہ کہ وہ جو ملا تفہیمی نے اہل سنت سے نقل کیا کہ ادراک الم ولذت کے لیے وقت تنعیم وتعذیب (جسے وقت ایلام وتعذیب کہا اور ان کے نصیبوں لذت کے حصے کا بھی الم ہی رہا) ایک نوع حیاتِ میّت آجاتی ہے اور اس سے سماع لازم نہیں (قطع نظر اس سے کہ فقرہ آن مستلزم سماع نیست عبارات مستندہ میں نہیں) یہ قول اہلسنت بھی قطعًا بدن ہی کے حق میں ہے کہ قبر میں عود حیات اسی کے لیے ہوتا ہے، اور اگر حدوث زیادت تعلق بالبدن وقت انعام وایلام وسوال کو روح کے لیے عود حیات سے تعبیر بھی کیجئے تو اس سے اگر فرق پڑے گا تو ادراکات جسمانیہ میں جس کا حاصل تفاوت آلیت بدن کی طرف آئل مگر اہلسنت کے نزدیک ادراکات روح بدن پر موقوف نہیں تو وہ ان تعلقات حادثہ سے پہلے بھی ویسے ہی مدرکہ عالمہ مبصرہ سامعہ تھی جیسی ان کے بعد یہ تفاوت کہ ایک نوع حیات ملتی ہے جس سے ادراک لذت والم تو ہو اور سماع نہ وہ وہاں ماشی نہیں آخر یہاں گھٹا بڑھا کیا یہی بدن سے تعلق، پھر اس سے ادراکاتِ روح کو کیا علاقہ تھا کہ اس کے تفاوت سے وہ متفاوت ہوں بخلاف بدن کہ اس کے ادراکات بنفسہٖ نہیں بلکہ تعلق روح ہی کے باعث ہیں اور تعلقات متفات

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب المیّت یسمع خفق النعال ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۸/۱۴۷

اور پھر وہ سننا بھی کا ہے سے، گوشِ سر تو وقت مفارقت سلب کلی ادراک ہوگا اور جتنا تعلق بڑھتا جائے گا ادراک بڑھے گا۔ لہٰذا ممکن کہ تعذیب وتنعیم کے لیے تعلق کے مدارج متوسط سے وہ درجہ دیا جائے کہ بدن صرف ادراک لذت والم کا آلہ کار پائے اس کے ذریعہ سے سماع وابصار ہاتھ نہ آئے اور سوال وکلام کے لیے اس سے اعلیٰ درجہ ملے جس کے باعث سمع بدن کا بھی رستہ کھلے اور وجہ وہی کہ یہ سب امور روح وجسم دونوں سے متعلق ہیں تنعیم وتعذیب میں مشارکتِ بدن کو صرف اسی قدر درکار، اور سوال میں شرکت کو سمع بھی مطلوب، غرض کلام اہلسنت بدن پر محمول کیجئے۔ اور یقینا یہی ہے تو آپ کا مطلب فوت، محنت رائگاں، اور خواہ مخواہ روح کے گلے باندھیے تو ضلال اعتزال نقد وقت ہے مفر کہاں! بالجملہ بحمداللہ توفیق الٰہی رفیق اہلسنت اور خذلان وحرمان نصیب اہل بدعت ہے جو تیر ان کی کمان سے وصل پاتے ہیں فصل سے پہلے انھیں کے منہ پر پلٹا کھاتے ہیں، علمائے اعلام کے جتنے کلام بہزار جانکاہی اپنی دلیل بنا کر لاتے ہیں وہ انہی کے دشمن قاتل اور اہلسنت کے سچے دلائل بن جاتے ہیں، الحمدللہ ملاجی کا ہاتھ یکسر خالی ہوگیا اس ساری بحث میں ان کی تمام چہ می گوئیوں کا حرف بحرف قلمع قمع ہولیا، مُلاجی! اب تو ہمیں اجازت دیجئے کہ آپ ہی کے صفحہ عکس عـــہ حلق کے شکم زاد بول آپ ہی کے منہ پر پلٹ دیں کہ:

بے چارہ (قنوجی) عیارہ پختہ جنون خام کارہ کہ ازروی کیش خویش کور وکر بل خشت وحجر بلکہ از انہم بتر شدہ است بتصور اینکہ من ہرچہ خواہم نگاشت عامہ مومنین بران اعتماد خواہند ساخت ہرچہ در شکم داشت از دہان برآورد افسوس کہ مردمان رعایت این بیچارہ کہ شبہا دریں باب محنت کشیدہ نہ کردہ تغلیط وے ظاہر کردیم پس ایں معاملہ طشت از بام شد۔ والحمد للہ رب العٰلمین وقیل بعدا للقوم الظّٰلمین۔	بے چارہ (قنوجی) عیار، پختہ جنون، خام کار، جو اپنے مذہب کی رو سے اندھا، بہرا بلکہ اینٹ پتھر، بلکہ ان سے بھی بدتر ہوچکا ہے، اس خیال سے کہ میں جو کچھ لکھ دوں گا عام مسلمان اس پر اعتماد کرلیں گے، جو کچھ شکم میں رکھتا تھا زبان پر لایا، افسوس کہ یہ بے چارہ جس نے اس باب میں کئی رات مشقت جھیلی ہم لوگوں نے اس کی رعایت نہ کرکے اس کی تغلیط ظاہر کردی تو یہ معاملہ طشت از بام ہوگیا، (ت) اور ساری تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اور کہا گیا ہلاکت ہو ظالموں کے لیے۔ (ت)

عـــہ: ارقام نجومیہ میں ۱۳۸ کو قلع لکھتے ہیں جس کا عکس حلق ۱۲ منہ (م)

جواب پنجم: فرض کیا کہ وہ معتزلہ نہیں مشائخ اہلسنت ہی ہیں، مگر یہ مسئلہ کچھ فقہیہ نہیں صاحب مائۃ مسائل کو اقرار ہے کہ فقہ سے جدا متعلق باخبار ہے سائل نے سوال کیا تھا:

سماعت موتٰی کلام احیاء در شرح جائز است یا گناہ کدام گناہ؟	مردوں کا زندوں کا کلام سننا شریعت میں جائز ہے یا گناہ، کون سا گناہ؟ (ت)

آپ اس کے جواب میں اظہار علم فرماتے ہیں کہ:

عادت وتکیہ کلام سائل آنست کہ در ہر جامی پرسد جائز است یا گناہ کدام گناہ درین مقام پرسیدن باین عبارت نمی سزد زیرا کہ جواز وگناہ در افعال واعمال مے شود واین متعلق باخبار است کہ این امر ثابت است یانہ[1]، ملخصًا۔	سائل کی عادت اور تکیہ کلام یہ ہے کہ ہر جگہ پوچھتا ہے جائز ہے یا گناہ؟ کون سا گناہ؟ یہاں ان الفاظ سے سوال مناسب نہیں اس لیے جواز اور گناہ افعال واعمال میں ہوتا ہے۔ اور یہ اخبار سے متعلق ہے کہ یہ امر ثابت ہے یا نہیں؟ ملخصًا (ت)

اور جب مسئلہ علم فقہ سے ہی نہیں تو حنفیت وشافعیت کی تخصیص یا تقلید بعض یا اکثر مشائخ سے اسے تعلق یعنی چہ۔ متعلق باخبار ہے اخبار واحادیث کے خلاف غیر ماخذ سے اخذ کیا معنی، عرض تمہید یہ اٹھا کر بخلاف نصوص صریحہ، احادیث صحیحہ جواب یوں دینا:

پس جواب این ست کہ نزد اکثر حنفیہ سماعتِ موتٰی ثابت نیست[2]۔	پس جواب یہ ہے کہ اکثر حنفیہ کے نزدیک سماعِ موتٰی ثابت نہیں۔ (ت)

اور پھر اس میں بھی تصریحات جلیلہ اصل ماخذ کے مقابل یہ توسع کہ "چنانکہ از کافی وفتح القدیر حاشیہ ہدایہ صراحۃً واشارۃً کہ قریب بتصریح است معلوم می شود[3]" (ملخصًا) (جیسا کہ کافی، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ سے صراحۃً اور اشارۃً جو تصریح کے قریب ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ ملخصا۔ ت) محض بیجا و بے محل واقع ہوا، اس جواب کی طرف بھی تصحیح المسائل میں ارشارہ فرمایا:

حیث قال ودر حقیقت این مسئلہ از علم فقہ ہم نیست چنانچہ مجیب نیز دریں جا اقرار نمودہ[4]۔	فرمایا: درحقیقت یہ مسئلہ علم فقہ سے بھی نہیں جیسا کہ مجیب نے اسی مقام پر اقرار کیا۔ (ت)

---

[1] مائۃ مسائل مسئلہ ۲۶ مکتبہ توحید وسنت پشاور ص ۵۱

[2] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۷۳

[3] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۷۳

[4] تفہیم المسائل عدم سماع موتٰی از کتب حنفیہ مطبع محمدی لاہور ص ۷۷

اقول: صدر کلام میں واضح ہوچکا کہ یہ کلام ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں، استدلال مسئلہ منصوصہ میں طبع آزمائی مشائخ ہے۔ فقہیات میں ائمہ کرام کے بعد مشائخ اعلام کی تقلید بھی علی الراس والعین کہ:

علینا اتباع مارجحوہ وصححوہ کما لوافتونا فی حیاتھم [1]۔	ہمارے ذمہ اسی کا اتباع ہے جسے ان حضرات نے راجح و صحیح قرار دیا، جیسے وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوٰی دیتے تو ہماری ذمہ داری یہی ہوتی۔ (ت)

مگر

ہر سخن نکتہ وہر نکتہ مکانے دارد
(ہر بات میں کوئی نکتہ اور ہر نکتہ کا کوئی موقع ہوتا ہے۔ ت)

موافق مخالف سب اہل عقول کا قدیمی معمولی کہ ہر فن کی بات اس کی حد تک محدود مقبول، تحقیق حلال وحرام میں فقہ کی طرف رجوع ہوگی، اور صحت وضعف حدیث میں تحقیقات فن حدیث کی طرف طبّی مسئلہ نحو سے نہ لیں گے، نہ نحوی طب سے علماء فرماتے ہیں شروح حدیث میں جو مسائل فقہیہ کتب فقہ کے خلاف ہوں مستند نہیں بلکہ تصریح فرمائی کہ خود اصولِ فقہ کی کتابوں میں جو مسئلہ خلاف کتب فروع ہو معتمد نہیں، بلکہ فرمایا جو مسئلہ کتب فقہ ہی میں غیر باب میں مذکور ہو مسئلہ مذکور فی الباب کا مقادم نہ ہوگا کہ غیر باب میں کبھی تساہل راہ پاتا ہے۔

وقد بیننا کل ذلك فی رسالتنا المبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی فصل القضاء فی رسم الافتاء۔	یہ سب ہم نے اپنے رسالہ فصل القضاء فی رسم الافتاء میں میں کیا ہے جو بابرکت ہے اگر اللہ تعالٰی نے چاہا (ت)

جو فرق مراتب گما کر خلط مبحث کرے جاہل ہے یا غافل ذاہل، برزخ ومعاد امور غیبیہ ہیں جن میں قیاس واجتہاد کو دخل نہیں، ان کا پتا تو نبی امین الغیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کے ارشاد سے چل سکتا ہے نہ مشائخ کی رائے سے۔ بلکہ علمائے کرام کو اس میں اختلاف ہے کہ عقائد میں تقلید مقبول ہے یا نہیں۔ اللہ تعالٰی کو ایک، رسول کو سچا، جنت ونار کو موجود، سوال وعذاب ونعیم قبر کو حق جاننے میں اس کا کوئی محل نہیں کہ فلاں فلاں مشائخ ایسا فرماتے تھے محض ان کے اعتبار پر مان لیا ہے۔ ہاں عقائد میں کتاب وسنت واجماعِ اُمت وسوادِ اعظم اہل سنت کا اتباع ہے۔ اس لیے کہ خدا رسول نے ہمیں بتادیا کہ اجماعِ ضلالت پر ناممکن اور سوادِ اعظم کا خلاف ابتداع ہے۔ اب کتاب مجید دیکھئے تو بلاشبہ ثابت فرمارہی ہے کہ روح میّت نہیں، روح بے ادراک نہیں، روح کے ادراک بدن پر موقوف نہیں، روح فنائے بدن کے بعد باقی ومدرک رہتی ہے۔ برخلاف

---
[1] الدر المختار مقدمۃ الکتاب (رسم المفتی) مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

ان عبارات مشائخ کے جنھیں تم نے روح پر عمل کرکے صریح کتاب اللہ کے خلاف کردیا۔ سنتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنئے تو کیسی صریح و صحیح و جلیل وجزیل حدیثیں سماع موتٰی ثابت فرمارہی ہیں جنھیں سن کر پتھر موم ہوجائے۔ اجماع مانگیے تو اس نقول اوپر منقول، سواد اعظم درکار تو اس کا نمونہ مقصد سوم سے آشکار۔ یارب! پھر خلاف کی طرف راہ کدھر، بھلا یہ تو برزخ ومعاد کا مسئلہ ہے جن کے لیے کوئی فصل و باب کُتب فقہ میں نہ پائے گا کہ وہ بحث فقہ سے یکسر جدا ہیں، کسی قول یا فعل کا موجب کفر ہونا تو خود افعالِ مکلفین ہی سے بحث ہے۔ اس کے بیان کو کتب فقہ میں "باب الردۃ" مذکور اور صدہا اقوال وافعال پر انہی مشائخ کے بیشمار فتوائے کفر مسطور، مگر محققین محتاط تارکین تفریط وافراط باآنکہ سچے دل سے حنفی مقلد اور ان مشائخ کرام سے خادم ومعتقد ہیں۔ زینہار ان پر فتوٰی نہیں دیتے اور حتی الامکان تکفیر سے احتراز رکھتے بلکہ صاف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی روایت ضعیفہ اگرچہ دوسرے ہی مذہب کی دربارہ اسلام مل جائے گی اسی پر عمل کریں گے، اور جب تک تکفیر پر اجماع نہ ہولے کافر نہ کہیں گے، وہی درمختار جس میں اما نحن فعلینا اتباع مارجحوہ[1] الخ اسی میں ہے:

الفاظه تعرف فی الفتاوٰی بل افردت بالتالیف مع انه لا یفتی بالکفر بشیئ منها الا فیما اتفق المشائخ علیه کما سیجیئ قال فی البحر وقد الزمت نفیس ان لا افتی بشیئ منها[2]۔	یعنی الفاظ کفر کتب فتاوٰی میں معروف ہیں بلکہ ان کے بیان میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں، اس کے ساتھ ہی یہ کہ ان میں سے کسی کی بناء پر فتوٰی کفر نہ دیا جائیگا مگر جہاں مشائخ کا اتفاق ثابت ہو جیسا کہ عنقریب کلام مصنف میں آتا ہے۔ بحرالرائق میں فرمایا: میں نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان میں سے کسی پر فتوٰی نہ دوں۔

تنویرالابصار میں ہے:

لایفتی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن اوکان فی کفره خلاف ولوروایة ضعیفة[3]۔	کسی مسلمان کے کفر پر فتوٰی نہ دیا جائے جبکہ اس کا کلام اچھے پہلو پر اتار سکیں یا کفر میں خلاف ہو اگرچہ ضعیف ہی روایت سے۔

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب (رسم المفتی) مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۵

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

ردالمحتار میں ہے:

قال الخیر الرملی اقول ولوکانت الروایة لغیر اهل مذهبنا ویدل علٰی ذلك اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعًا علیه[1]۔	یعنی علامہ خیر الدین رملی استاد صاحبِ دُرمختار نے فرمایا اگرچہ وہ روایت دوسرے مذہب مثلاً شافعیہ یامالکیہ کی ہو اس لیے کہ تکفیر کے لیے اُس بات کے کفر ہونے پر اجماع شرط ہے۔

یہ علامہ بحر صاحب البحر وعلامہ خیر رملی ومدقق علائی دربارہ تقلید جیسا تصلب شدید حق وسدید رکھنے والے ہیں ان کی تصانیف جلیلہ بحر واشباہ ورسائل زینبہ ودر وفتاوٰی خیریہ وغیرہا کے مطالعہ سے واضح مگر یہاں اُن کے کلمات دیکھئے کہ جب تک اجماع نہ ہو فتوٰی مشائخ پر عمل نہ کریں گے، ہم نے التزام کیا ہے کہ اس پر فتوٰی نہ دیں گے تو وجہ کیا وہی کہ یہ بحث اگرچہ افعال مکلفین سے متعلق ہے مگر فقہ کادائرہ تو حیثیت حلال وحرام تک منتہی ہوگیا، آگے کفرواسلام، اگرچہ یہ اعظم فرض وہ اخبث حرام، مگراصالۃً اس مسئلہ کافن علم عقائدوکلام، وہاں تحقیق ہوچکاہے کہ جب تک ضروریات دین سے کسی شیئ کاانکارنہ ہوکفرنہیں توان کے غیر میں اجماع ہر گزنہ ہوگا، اور معاذاللہ ان میں سے کسی کاانکار ہوتواجماع رُک نہیں سکتا، لہذا تمام فتاوٰی ونقول سے قطع نظر کرکے مسائل اجماعیہ میں حصر فرمادیا۔ جب یہاں یہ حال ہے توہمارامسئلہ جس میں نہ فعل مکلّف نہ حلت وحرمت بلکہ ایک امر برزخ کے ثبوت وعدم ثبوت کی بحث ہے کیوں کتاب وسنت واجماع امت وسوادِاعظم ساداتِ ملت سے منقطع ہوکر مرہون نقول بعض کتب فقہیہ ہونے لگا **وهذاهو حق التحقیق والحق احق بالتصدیق** (یہی حق تحقیق ہے اور حق اس کازیادہ حقدار ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے۔ت)

جواب ششم: اقول: سب جانے دو، یہ بھی مانا کہ یہ قول مشائخ یہاں حجت اور فی نفسہٖ قابلِ قبول ومتابعت ہے، اب اس سے زیادہ تنزل کاکوئی درجہ نہیں تاہم ہم پر اس سے احتجاج اصلاً موجہ نہیں، کسی دلیل کافی نفسہٖ کافی وصالح تعویل ہونا اور بات، اور اس سے ثبوت اور اتمام حجت ہونا اور، مثلاً قیاس دلیل شرعی ہے مگرنص کے آگے نامقبول، حدیث صحیح احاد حجت شرعیہ ہے مگر اجماع کے سامنے غیر معمول، وعلٰی ہذاالقیاس، ولہذاحدیث کی صحتِ حدیثی وصحت فقہی میں زمین وآسمان کافرق ہے، جس کی تحقیق انیق فقیر کے رسالہ **الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهومذهبی** عـہ میں ہے، ان مشائخ کے اگریہ قول ہیں تو صدہااکابراعلام کے ارشادات جلیلہ

عـہ: اس کاسوال شہرارکاٹ سے آیا تھالہذاتاریخی لقب "اعزالنکات بہ جواب سوال ارکات" ہے، یہ رسالہ غیر مقلدوں کے اس مشہور مغالطہ کے رَدبلیغ میں ہے کہ امام اعظم نے خود فرمادیاہے جب حدیث صحیح ہوجائے تووہی میرامذہب ہے، ایک غیر مقلد نے یہ اعتراض بہت طمطراق سے چھاپااور حنفیّہ سے طلب جواب ہوایہاں بھی وہ پرچہ بھیجاجس کے جواب میں بفضلہٖ تعالٰی یہ مختصرونافع رسالہ تحریر ہوا ۱۲منہ (م)

[1] ردالمحتار باب المرتد مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۱۶

ہماری طرف ہیں، جن کا ایک نمونہ مقصد سوم نے ظاہر کیا اور ان میں اجلہ ائمہ ومشائخ علمائے حنفیّہ بھی ہیں، تم نے پانچ متاخرین کے قول ذکر کیے ہم نے پچاس سے زائد وعلمائے حنفیّہ مجتہدین فی المذہب وفقہاء النفس وعمائد محققین سلف وخلف کے ارشادات دکھائے ہیں جن میں خود اُن پانچ سے بھی امام نسفی وامام عینی وامام ابن الہمام شامل، ادھر اگر ایک کتاب میں اکثر مشائخنا کا لفظ لکھا ہے تو ادھر متعدد کتب میں اجماع اہلسنت مذکور ہوا ہے، اب دو راہیں ہیں، تطبیق وترجیح۔ ان میں تطبیق ہی اولیٰ واول وبتصریح علماء حتی الوسع اسی پر معوّل، اسے اختیار کیجئے تو بحمد اللہ سبیل واضح ہے کہ اثبات سماع روح کے لیے ہے اور انکار سماع بدن پر محمول، اس کی تقریر اور اس کے منافع وفوائد کی تذکیر جواب اول میں مفصلاً تحریر، اور اگر توفیق نہ ملے تو بہت خوب باب ترجیح کھلے، یوں بھی باذنہ تعالیٰ میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔

اوّلاً ہماری طرف احادیث کثیرہ ہیں تمہاری طرف ایک بھی نہیں، کتنی حدیثوں میں سن چکے کہ ان المیّت لیسمع بیشک مردہ سنتا ہے۔ یہ بھی کسی حدیث میں آیا کہ المیّت لایسمع مردہ نہیں سنتا۔ اور یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ:

لایعدل عن درایة ما وافقتها روایة [1]، کما فی الغنیة وردالمحتار۔	درایت سے عدول نہ ہوگا جب کوئی روایت بھی اس کے موافق ہو، جیسا کہ غنیہ وردالمحتار میں ہے (ت)

ثانیاً روح کی موت وبے ادراکی اور اس کے ادراکات کا جسم پر توقف کہ تمہارے طور پر مفاد کلام مشائخ ہے کتاب اللہ کے خلاف ومعارض ہے۔

ثالثاً اجماع اہلسنت کے مناقض ہے۔

رابعاً خود ان کا کلام مضطرب ومتناقض ہے۔

خامساً بوجوہ قاہرہ مجروح ومرجوح ہے۔

سادساً حمل علی البدن نہ مانو محتمل تو ہے اور محتمل صالح معارضہ نہیں۔

سابعاً اگر کوئی حدیث اثبات سماع میں نہ ہوتی تو سلام خود منصوص ومجمع علیہ ہے اور کلام کا ظاہر سے صرف وعدول باجماع علماء مردود ومخذول۔

ثامناً تم خود مان چکے کہ مردے زائروں کا سلام سنتے ہیں (مائة مسائل جواب سوال ۱۹) پھر ثبوت سماعِ موتٰی میں کیا محل کلام رہا جب قوت سماع حاصل اور خود خارج کی آواز سننا سمجھنا ثابت تو آواز سب ایک سی اور

[1] ردالمحتار واجبات الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/۳۴۳

فرق تحکم باطل وعلی التنزل یہ ایجاب جزئی اس سلب کلی مشائخ کا ضرور نقیض ومبطل، توجس کلام کو خود باطل مان چکے اس سے استناد ہوس عاطل۔

تاسعًا بحث ایک امر کے وجودوعدم ونفس الامری میں ہے وہ مشائخ نافی اور یہ ائمہ مثبت ہیں، مثبت مقدم، **عاشرًا** اگر بالفرض دونوں پلے ہر طرح برابر ہوں توامر مستوی رہا، اور سماع ماننے میں نفع بے ضرر ہے کہ جب مردوں کو مدرک جانیں گے قبور کے پاس کلام بیجا سے باز رہیں گے، افعال منکرہ سے حیا کریں گے۔اور پتھر جانا توبیباک ہوں گے، یوں بھی انکار سماع میں ضرر واندیشہ ضیر ہےاور اثبات سماع محض نفع وخیر ہے۔

ختم الله تعالٰی لنا علی محض نفع وخیر وحفظنا من کل ضروضیر والحمدلله ربّ العالمین وصلی الله تعالٰی علی سیدنا محمّد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین۔	الله تعالٰی ہمارا خاتمہ محض نفع وخیر پر کرے اور ہر ضرر ونقصان سے ہمیں بچائے۔ اور سب خوبیاں الله کے لیے جو سارے جہانوں کارب ہے اور الله تعالٰی ہمارے آقا حضرت محمد اور ان کے تمام آل واصحاب پر درود نازل فرمائے، الٰہی قبول فرما! (ت)

وہ تین جواب ان کے صغرٰی پر عائد تھے، یہ تین ان کے کبرٰی پر وارد۔ اوراوپر گزارش ہوچکا کہ یہ ارخائے عنان ہے حق تحقیق وحقیقت حق جواب اول سے عیاں ہے **والحمدلله رب العٰلمین**۔ فقیر نے اس مسئلہ یمین وکلام اُمّ المومنین کے متعلق کو زیر حدیث ۴۵ وحدیث ۵۱ بشرط جواب مولوی مجیب صاحب دورآئندہ پر محول رکھا تھا مگرالله عزوجل دارین میں جزائے خیر وافی و وافر عطافرمائے۔ مولٰینا المکرم ذی الفضل والکرم، ناصر سنن، کاسر فتن، محب دین متین، صدیقنا مولوی محمد عمرالدین سنی حنفی قادری مجیدی نزیل بمبئی سلمہ الله تعالٰی کو کہ اس بحث نفیس وجلیل ومہم کی تحریر وتحبیر پر مصر ہوئے جس کے باعث ہنگام طبع کتاب دونوں مقام مذکور میں ان مباحث کی طرف عود کے وعدے بڑھائے گئے، خیال تھا کہ ایک آدھ جز لکھ دیا جائے جو مقصد سوم کی کسی فصل میں بطور فائدہ اندراج پائے گا۔ طبیعت علیل، ذہن کلیل، مدت معالجات طویل، جس کے سبب قوت ضعف معاذالله تاحد تعطیل۔ بااینہمہ نام فرصت معدوم وقلیل، روزانہ امصار واقطار سے ورود فتاوائے کثیر وجزیل، مگرجب لکھنا آغاز ہوا بارگاہ واہب الفیض عزجلالہ سے درفیوض باز ہوا، بحمدالله تعالٰی وہ جواہر عالیہ وزواہر غالیہ عطافرمائے کہ فقیر حقیر کی حیثیت ولیاقت سے بد رجہا ورا تھے لہٰذا اس تذییل جلیل کو رسالہ مستقلہ کیا اور بلحاظ تاریخ **الوفاق المتین بین سماع الدفین وجوب الیمین** (۱۳۱۶) لقب دیا جو بانصاف بے اعتساف اسے دیکھے گا ان شاءالله تعالٰی بدل صاف شہادت دے گا کہ مسئلہ یمین آج حل ہوا جسے مخالف موافق، موافق مخالف سمجھا کرتے تھے، اس کا عقدہ اب منحل ہوا، جن کلمات کو مخالفین اپنی دلیل بنایا کرتے اب وہ کلمے خود اُنہی کو ذلیل بنائیں گے، جن اقوال کو موافقین محتاج جواب سمجھے اب انہی کواپنی

دلیل بنائیں گے اور اس کے ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ تفہیم المسائل کی ساری بالاخوانیاں بھی نیچی پڑیں، صبح سنت شرق حق سے چمکی، باطل کی ظلمتیں دھواں بن کر اُڑیں۔ یہ سب بحمد اللہ تعالیٰ ادنٰی تصدق کفش برداری اعلٰحضرت سید العلماء المحققین، سند الفضلاء المدققین، حامی السنن، ماحی الفتن، حجۃ الخلف، بقیۃ السلف، اعلم علماء العالم، سیدنا الوالد الماجد المکرم حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب حنفی قادری برکاتی وکمترین برکات خاک بوسی آستان فیض نشان اقدس حضرت امام العرفاء الکاملین، سنام الاولیاء الواصلین، بدر الطریقۃ، بحر الحقیقۃ، حبر الشریعۃ، اقوی الذریعہ، سیدی ومولای ومرشدی وکنزی وذخری لیومی وغدی حضور سیدنا سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہما واتم نورھما ونور قبورھما واعاد علینا فی الدارین برکاتھما ورزقنا بمنّہٖ برھما امین الٰہ الحق امین (اللہ تعالیٰ دونوں حضرت سے راضی ہو اور ان کا نور کامل فرمائے، ان کی قبروں کو منور کرے، دارین میں ہمارے اوپر ان کی برکتیں عائد فرمائے اور اپنے کرم سے ہمیں ان کی فرمانبرداری نصیب کرے، قبول فرما اے الٰہ برحق قبول فرما۔ت) ہے۔ والحمدللہ رب العالمین جواہلسنت ان حروف سے نفع پائیں مامول کہ دونوں حضرات عالیہ کو ایصال ثواب فاتحہ سے شاد فرمائیں اور اس فقیر حقیر اور مولانا مولوی محمد عمر الدین صاحب موصوف کو کہ اس نفیسہ جلیلہ کے محرک تالیف اور الدال علی الخیر کفاعلہ (خیر کی راہ بتانے والا اسی کی طرح ہے جو خیر کو عمل میں لانے والا ہے۔ت) کے مصداق منیف ہوئے اور عالی ہمتان زمن محبان دین وسنن حاجی اسحٰق آدم صاحب صباغ پلبندری وحاجی ابوحاجی حبیب صاحب پلبندری میمن ایمن حفظہما اللہ تعالیٰ عن الفتن والمحن کو جن کی ہمت بلند سے اصل کتاب اور جامع فضائل، قامع رذائل مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب قادری نقشبندی شاذلی سلمہ العلی الولی کو جن کی سعی جمیل سے یہ اجزائے تذییل جلیل منطبع اواہلسنت ان جواہر دینیہ سے متنفع ہوئے، دعائے عفووعافیت وخیر وبرکات دنیاوآخرت سے یاد فرمائیں۔ صحیح حدیث میں ہے: پس پشت اپنے بھائی مسلمان کے لیے دعا پر ملائکہ کہتے ہیں آمین ولک بمثلہ تیری یہ دعا قبول اور اس کے مثل تجھے بھی حصول والحمد للہ ربّ العالمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

الحمدللہ! آج اس رسالہ سے تصانیف فقیر کا عدد ایک سواسی ۱۸۰ ہوا۔ اکرم الاکرمین جل جلالہ، قبول فرمائے اور فقیر حقیر و اہلسنت کے لیے دارین میں حجت نجات بنائے آمین! حسن اتفاق یہ کہ یہ رسالہ سمع ارواح کے باب میں ہے اور شمار تصانیف میں ایک سواسی ۱۸۰ اور اسمائے الٰہیہ میں صفتِ سمع پر دال اسم پاک سمیع ہے اس کے عدد بھی یہی۔

نسئل السمیع ان یسمع دعواتنا ویسترعوراتنا ویومن روعاتنا ویقضی حاجاتنا ویغفر سیّاٰتنا	ربّ سمیع سے سوال ہے کہ ہماری دعائیں سن لے، ہمارے عیوب چھپائے، ہمارے خوف کی چیزوں کوامن دے، ہماری حاجتیں پوری فرمائے، ہمارے گناہ مٹائے۔

ویصلی ویسلّم ویبارك علٰی سیّدنا الکریم النبی المکین محمد واٰله وصحبه اجعین، کان ذلك لیوم ھواول نصف الاٰخرمن اٰخرالنصف الاول من اول النصف الاٰخر من العشر الثانیة من المائة الرابعة من الالف الثانی من ھجرة سیدالمرسلین مولی الاٰمال ومولی الامانی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلّم وبارك علیه وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ وذریّتہٖ وحزبہٖ وعیالہٖ قدرحسنہٖ وجمالہٖ وجُودہٖ و نوالہٖ اٰمین اٰمین والحمدللّٰه ربّ العالمین سبحانك اللھم وبحمدك اشھد ان لاالٰه الاانت استغفرواتوب الیك سبحان ربك ربّ العزّة عمّا یصفون وسلامٌ علی المرسلین والحمدللّٰه ربّ العالمین۔	اور ہمارے کریم آقا بزرگ نبی حضرت محمد اور ان کی سب آل واصحاب پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے، یہ امیدوں کے عطافرمانے والے، آرزؤوں کے مولا، حضرت سید المرسلین کی ہجرت کے ہزارہ دوم کی چوتھی صدی کے دوسرے عشرے میں سے نصف آخر کے اوّل (۱۳۱۶) میں سے نصف اول کے ماہ آخر (جمادی الآخرہ) کے نصف آخر کے روز اول (۱۶) کو ہوا۔ اللہ تعالٰی ان پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے اور ان کی آل، اصحاب، اولاد، جماعت اور عیال پر بھی، ان کے حسن وجمال اور جود ونوال کے بقدر قبول فرما۔ اور تمام تعریف اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! تیری حمد کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، اور شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیری بارگاہ میں توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ پاکی ہے تیرے رب کے لیے جو عزت کا مالک ہے، ان باتوں سے جو وہ بناتے ہیں، اور سلام ہو رسولوں پر، اور تمام حمد اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۰

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 7

پیش لفظ 9

فہرست مضامین 13

فہرست ضمنی مسائل 49

کتاب الزکوٰۃ 67

تجلّی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزّکوٰۃ ۱۳۰۷ھ 79

(زکوٰۃ کے مسائل کو واضح کرنے کے لئے چراغ کی چمک 79

رسالہ 175

اعزّ الاکتناہ فی ردّ صدقۃ مانع الزّکوٰۃ ۱۳۰۹ھ 175

(زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کے صدقہ نفلی کے رَد کے متعلق نادر تحقیقِ حقیق) 175

رسالہ 191

رادع التعسف عن الامام ابی یُوسف ۱۳۱۸ھ 191

(حیلہ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کا رَد) 191

افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان ۱۳۱۸ھ 217

(ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام) 217

جانوروں کی زکوٰۃ 246

رسالہ الزّھر الباسم فی حُرمۃ الزکوٰۃ علٰی بنی ھاشم ۱۳۰۷ھ (بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حُرمت کے بارے میں کِھلا ہُوا شگوفہ) 275

صدقہ فطر کا بیان 295

صدقات نفل کا بیان 309

کتابُ الصّوم (روزے کا بیان) 335

ازکی الاھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال ۱۳۰۵ھ (رؤیت ہلال کے بارے میں لوگوں کی ایجاد کردہ خبر (تار اور خط) کو باطل کرنے میں عمدہ بحث) 363

رسالہ .... طرق اثبات الهلال ۱۳۲۰ھ (اثباتِ چاند کے طریقے) 409

اَلْبُدُوْرُالْاَجِلَّةِفِیْ اُمُوْرِالْاَهِلَّةِ ۱۳۰۴ھ 454

مع شرح 454

نُوْرُالْاَدِلَّةِلِلْبُدُوْرِالْاَجِلَّةِ 454

مع حاشیہ 454

رَفْعُ الْعِلَّةِعَنْ نُوْرِالْاَدِلَّةِ 454

(رؤیتِ ہلال کے تفصیلی احکام) 454

مفسدات صَوم 487

(روزۃ توڑدینے والی اشیاء) 487

الاعلام بحال البخورفی الصّیام ۱۳۱۵ھ 495

(حالتِ روزہ میں دُھونی لینے کے بارے میں اطلاع) 495

باب القضاوالكفارة 520

باب الفدية 528

تفاسیرالاحکام لفدیة الصّلوٰة والصّیام ۱۳۱۶ھ (بعد از موت نماز وروزہ کے فدیہ کے تفصیلی احکام) 530

مکروهاتِ صوم 558

سحروافطار کا بیان 568

هدایة الجنان باحکام رمضان ۱۳۲۳ھ (رمضان کے احکام میں جنت کی راہ) 574

درءالقبح عن درک وقت الصبح ۱۳۲۶ھ 624

(صبح صادق کو سمجھنے میں کوتاہی کا ازالہ) 624

العروس المعطارفی زمن دعوة الافطار ۱۳۱۲ھ 638

(افطار کی دُعاکے وقت کے بیان میں عطر آلود دُولھا) 638

صَومِ نفل 654

کتابُ الحج 664

صیقل الرّین عن احکام مجاورة الحرمین ۱۳۰۵ھ 684
(حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ) 684
شرائط حج 706
باب الجنایات فی الحج 720
(جنایاتِ حج کا بیان) 720
انوار البشارة فی مسائل الحج والزیارة ۱۳۲۹ھ 732
(حج وزیارت کے مسائل میں خوشی کی بہاریں) 732
اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ شرح الْجَوْهَرَۃِ الْمَضِیَّۃ ۱۲۹۵ھ 778
مع حاشیۃ 778
اَلطُّرَّۃُ الرَّضِیَّۃ عَلَی النَّیِّرَۃِ الْوَضِیَّۃ 778
___متن___ 778
از عالم اجل مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۱ھ) 778
___شرح وحاشیۃ___ 778
از اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضاخاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز 778
حج، عمرہ اور زیارت سراپا طہارت کے آداب ومسائل 778
تکملہ 819
حج وعمرہ کی ترکیب او ر اول سے آخر تک ان کے افعال کی ترتیب اور آدابِ زیارت قبر حبیب علیہ صلوۃ القریب المجیب میں 819

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد دہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۶۷۷۵۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب ________ فتاوٰی رضویہ جلد دہم
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۸۳۲
اشاعت ________ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ / اگست ۱۹۹۶ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________ روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
کتاب الزکوٰۃ ____ ۶۳
کتاب الصوم ____ ۳۳۱
باب رؤیۃ الھلال ____ ۳۵۲
باب القضاء والکفارۃ ____ ۵۱۳
باب الفدیہ ____ ۵۲۱
کتاب الحج ____ ۶۵۷
باب الجنایات فی الحج ____ ۷۱۳

فہرست رسائل

o تجلی المشکوٰۃ ____ ۷۵
o اعزالاکتناہ ____ ۱۷۱
o رادع التعسف ____ ۱۸۷
o افصح البیان ____ ۲۱۳
o الزھر الباسم ____ ۲۷۱
o ازکی الاھلال ____ ۳۵۹

o طرق اثبات ہلال ____ ۴۰۵
o البدور الاجلۃ ____ ۴۴۹
o الاعلام بحال البخور ____ ۴۸۹
o تفاسیر الاحکام ____ ۵۲۳
o ہدایۃ الجنان ____ ۵۶۷
o درء القبح ____ ۶۱۷
o العروس المعطار ____ ۶۳۱
o صیقل الرین ____ ۶۷۷
o انوار البشارۃ ____ ۷۲۵
o النیرۃ الوضیۃ ____ ۷۷۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلٰحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائنِ علمیہ و ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرحاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرِعام پرلانے کے لیے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں ''رضافاؤنڈیشن'' کے نام سے جوادارہ چندسال قبل قائم ہواتھا وہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔ کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃاور کتاب الجنائز پر مشتمل نوخوبصورت جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ اب بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دسویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

جلد دہم

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد چہارم میں سے کتاب الزکوۃ سے آخر تک ۳۱۶ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس طرح قدیم چار ۴ جلدیں دس ۱۰ جدید جلدوں کی صورت میں مکمل ہوچکی ہیں، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ فاضل شہیر مترجم کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمدخاں قادری نے فرمایاہے جبکہ جلد ششم، ہفتم اور ہشتم کاترجمہ بھی انہی کی رشحات قلم کاثمر ہے۔

پیش نظر جلد میں شامل رسالہ البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ، اس کی شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ اور اس کے حاشیہ رفع العلۃ من نور الادلۃ میں تقدم وتاخر اور عدم ترتیب کی وجہ سے خاصا اُلجھاؤ تھا جس کی بناء پر اس سے استفادہ بہت دشوار تھا، موجودہ ایڈیشن میں متن، شرح اور متعلقہ حاشیہ کو انتہائی حسن ترتیب کے ساتھ باہم مربوط کردیا گیا چنانچہ اب اس سے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے، نیز رسالہ النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ جو کہ پہلے فتاوی رضویہ میں شامل نہ تھا، موضوع کی مناسبت سے شامل اشاعت کردیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست راقم نے افادہ قارئین کے لیے تیار کردی ہے متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل سات عنوانات زیر بحث لائے ہیں:

(۱) کتاب الزکوٰۃ

(۲) کتاب الصوم

(۳) باب فی رؤیۃ الھلال

(۴) باب القضاء والکفارۃ

(۵) باب الفدیہ

(۶) کتاب الحج

(۷) باب الجنایات فی الحج

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سولہ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ (۱۳۰۷ھ)

ہر قسم کے مال کی زکوۃ کے حساب لگانے، ادا کرنے کے اوقات اور مصارف کا بیان

(۲) اعز الاکتناہ فی رد صدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ)

صاحب نصاب زکوۃ ادا نہ کرے اور دیگر صدقات وخیرات کرے یا ذمہ میں فرائض ہوں اور نوافل ادا کرے تو یہ مقبول نہیں۔

(۳) رادع التعسف عن الامام ابی یُوسف (۱۳۱۸ھ)

حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی جانب ایک مسئلہ کو غلط منسوب کردیا گیا اس رسالہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

(۴) افصح البیان فی حکم مزارع ھندوستان (۱۳۱۸ھ)

ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام

(۵) الزھر الباسم فی حرمۃ الزکٰوۃ علی بنی ھاشم (۱۳۰۷ھ)

بنی ہاشم پر زکوۃ اور صدقات واجبہ حرام ہیں اور ان کو دے ادانہ ہوگی۔

(۶) ازکی الاھلال بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال (۱۳۰۵ھ)

رؤیت ہلال میں تار کی خبر معتبر نہیں۔

(۷) طرق اثبات ھلال (۱۳۲۰ھ)

اثبات ہلال کے صحیح اور غلط طریقے

(۸) البدور الاجلۃ فی امور الاھلۃ مع شرح نور الادلۃ للبدور الاجلۃ مع حاشیۃ رفع العلۃ عن نور الادلۃ (۱۳۰۴ھ)

رؤیت ہلال کے تفصیلی احکام

(۹) الاعلام بحال البخور فی الصیام (۱۳۱۵ھ)

اگر بتی لوبان وغیرہ کا دھواں منہ یا ناک میں کس طرح جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔

(۱۰) تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلٰوۃ والصیام (۱۳۱۶ھ)

بعد از موت نماز روزہ کے فدیہ کے مفصل مسائل

(۱۱) ھدایۃ الجنان باحکام رمضان (۱۳۲۳ھ)

صبح صادق اور کاذب کی معرفت کرائی گئی ہے اور نقشوں سے صبح صادق سمجھایا گیا ہے نیز افطار وسحر کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔

(۱۲) درء القبح عن درک وقت الصبح (۱۳۲۶ھ)

صبح صادق معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے (سحری کے وقت کی تحقیق جلیل)

(۱۳) العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار (۱۳۱۲ھ)

دعائے افطار بعد افطار پڑھنا

(۱۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

حرمین طیبین میں سکونت کرنے کا بیان

(۱۵) انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ (۱۳۲۹ھ)

آداب سفر، مقدمات حج، احکام حج، احرام، طواف اور طریقہ حج وغیرہ کا بیان۔

(۱۶) النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ ف المضیۃ مع حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ (۱۲۹۵ھ)

مسائل حج وزیارت کا بیان

ربیع الاول ۱۴۱۷ھ اگست ۱۹۹۶ حافظ عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ف: ماتن کا نام سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکۃ المکرمہ متوفی ۱۳۰۱ھ
شرح وحاشیہ از اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ،
اعلیحضرت نے یہ رسالہ بار اول کے حج میں مکہ معظّمہ میں ایک دن میں تالیف کیا۔

فہرست مضامین

كتاب الزكوٰة		مسروقہ مال کی قیمت چور سے معاف کرکے مالک زکوۃ میں محسوب کرے۔	٧٣
زکوۃ، نماز، روزہ اور عشر کا ثبوت۔	٦٣	بلااجازت مقروض اس کا قرض کوئی مال زکوۃ سے ادا کردے۔ قرض میں دیئے ہوئے روپوں کی زکوۃ۔	٧٣
زکوۃ ادا ہونے کے لیے نیت شرط ہے عیدی یا انعام کے طور پر دینا۔ سحری جگانے والے، ڈالی لانے والے۔ خوشخبری سنانے والے کو زکوۃ دینا۔	٦٥	٥رسالہ تجلی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزکوٰۃ (ہر قسم کے مال کی زکوۃ کے حساب لگانے، ادا کرنے کے اوقات اور مصارف کے بیان)	٧٥
فائدہ: شروط فاسدہ سے زکوۃ فاسد نہیں ہوتی۔	٦٧	زکوۃ سے متعلق سات سوالات ۔	٧٥
مال زکوۃ سے غلہ وغیرہ خرید کر فقراء میں تقسیم کرنا۔	٦٩	**مسئلہ اولٰی:** زکوۃ بتدریج دی جائے یا یکمشت۔	٧٥
مال زکوۃ سے کھانا کھلانا کپڑا پہنانا۔	٧٠	زکوۃ پیشگی ادا کرنے کی صورت میں تفریق وتدریج کا کامل اختیار ہے۔	٧٥
محتاجوں کو بٹھا کر کھانے کھلانے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔	٧١	حولان حول سے پہلے زکوۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔	٧٥
قحط کے زمانے میں چھ روپیہ من غلہ خرید کر چار روپیہ من محتاجوں کے ہاتھ بیچے اور دو روپیہ زکوۃ میں محسوب کرے زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں۔	٧٢		

زکوٰۃ کی پیشگی ادائیگی تبرع ہے اور تبرع پر جبر نہیں۔	۷۶	سونے اور چاندی کے نصاب کی تفصیل اور اس پر مقدار زکوٰۃ کا بیان۔	۸۵
حولان حول کے بعد جب زکوٰۃ واجب الادا ہوچکی ہو تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فورًا تمام وکمال زر واجب الادا کرے۔	۷۶	حولان حول سے قمری سال مراد ہے۔	۸۵
مذہب صحیح ومعتمد میں ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے۔	۷۶	حولان حول سے پہلے نصاب کی جنس سے وسط سال میں جتنے مال کا اضافہ ہوگا وہ بھی اصل نصاب میں شامل کرکے سب کی زکوٰۃ دی جائے گی بشرطیکہ کسی مال پر دوبارہ زکوٰۃ لازم نہ آئے۔	۸۶
وجوب زکوٰۃ کے بعد ادائیگی میں تاخیر باعث گناہ ہے۔	۷۶	**مسئلہ ثالثہ:** اگر آئندہ زیور کم ہوجائے تو زکوٰۃ میں کس حساب سے کمی کی جائے۔	۸۸
حج کا وجوب قول راجح پر فوری ہے لیکن تاخیر کی صورت میں بھی ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔	۸۰	زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے نہ کہ عفو میں۔	۸۸
سجدہ تلاوت کا وجوب امام ابویوسف کے نزدیک فوری اور امام محمد کے نزدیک متراخی ہے مگر جب بھی کرے گا بالاتفاق ادا ہی کہلائے گا نہ کہ قضاء۔	۸۰	نصاب میں نقصان اگر حولانِ حول سے قبل ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔	۸۹
ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے۔ اور یہی منقول ہے حضرت امام محمد سے۔	۸۰	نصاب پر سال پورا ہوگیا اور زکوٰۃ واجب ہوچکی مگر ابھی ادا نہیں کی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ کمی کا سبب استہلاک ہوگا یا تصدق یا ہلاک۔	۹۰
بعد از وجوب زکوٰۃ ادائیگی کی تاخیر میں آفات ہیں۔	۸۳	صورت اولیٰ یعنی استہلاک کا حکم۔	۹۱
امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان افروز واقعہ۔	۸۴	صورت ثانیہ یعنی تصدق کا حکم	۹۱
امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ کے فضائل۔	۸۴	امام ابوالسعود محمد آفندی مفتی دیار رومیہ صاحب بحر پر، صاحب بحر شرنبلالی پر اور شرنبلالی اس ابوالسعود پر مقدم ہیں جو شرنبلالی کی کتب کے محشی ہیں۔	۹۴
لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تدریج پر راغب کرنے والی باتیں۔	۸۴	صورت ثالثہ یعنی ہلاک کا حکم۔	۹۵
مسئلہ ثانیہ: زید کے پاس زیور ہے وہ اس کی زکوٰۃ دیتا ہے، آئندہ کو زیور زیادہ ہو تو کس حساب سے زر زکوٰۃ زیادہ کرے۔	۸۵		

www.dawateislami.net

مسئلہ رابعہ: سادات محتاجین کو زکوٰۃ دینے کا بیان۔	۹۹	اس زمانہ پُر آشوب میں سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو!	۱۰۵
زکوٰۃ سادات کرام اور تمام بنی ہاشم پر حرام قطعی ہے۔	۹۹	حضرات سادات اور اہل بیت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت ومعاونت کے فضائل۔	۱۰۵
سادات کرام پر صدقات مفروضہ کی حرمت ائمہ اربعہ کے اجماع اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔	۹۹	قیامت کا دن سخت ضرورت وحاجت کا دن ہے۔	۱۰۵
سادات کرام پر صدقات مفروضہ کے حرام ہونے سے متعلق بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حدیثیں روایت فرمائی ہیں	۹۹	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک نگاہ لطف جملہ مہمات دو جہاں کو بس ہے۔	۱۰۵
سادات کے لیے تحریم صدقات کی علت ان حضرات عالیہ کی عزت وکرامت اور نظافت وطہارت ہے۔	۱۰۰	وہ تدبیر جس سے خدمت سادات بھی بجا ہو اور زکوٰۃ بھی ادا ہو۔	۱۰۶
زکوٰۃ مال کا مَیل اور گناہوں کا دھوون ہے۔	۱۰۰	مال زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا جائز نہیں۔	۱۰۶
غنی استحقاق کرامت میں بنی ہاشم کے برابر نہیں۔	۱۰۱	مال زکوٰۃ سے کفن میت کے جواز کا حیلہ۔	۱۰۶
ہاشمی کے غلام مکاتب کو زکوٰۃ جائز نہیں۔	۱۰۲	تعمیر مسجد وغیرہ تمام نیک کاموں میں مال زکوٰۃ صرف کرنے کا حیلہ۔	۱۰۶
بنی ہاشم کے لیے جواز زکوٰۃ کے فتوٰی کی بنیاد ایک مرجوح ومجروح روایت پر ہے۔	۱۰۲	نیک کام کی راہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نیک کام کرنے والے کو۔	۱۰۶
بوقت اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے۔	۱۰۳	نیک کام میں شریک ہونے والے تمام افراد کو کامل ثواب ملتا ہے شراکت کی وجہ سے کسی کے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی۔	۱۰۶
جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔	۱۰۳	نیک کاموں میں زکوٰۃ خرچ کرنے کے لیے کسی مستحق زکوٰۃ سے تملیک کرانے میں دونوں کو ثواب ملتا ہے۔	۱۰۷
قوت دلیل موجب تعویل ہے۔	۱۰۴	جس سے تملیک کرائی اس سے جبرًا واپس نہیں لے سکتے کیونکہ وہ مستقل مالک ہوچکا ہے لہٰذا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔	۱۰۷
روایت کی موافقت مانع عدول از درایت ہے۔	۱۰۴	ہبہ وصدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔	۱۰۸
سادات کرام کے لیے نہ زکوٰۃ لینا جائز، نہ انہیں دینا جائز، اور نہ ان کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے۔	۱۰۴	مصنف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سید یا مسجد پر مال زکوٰۃ صرف کرنے کا ایک بے خلش طریقہ۔	۱۰۸
قول مرجوع پر فتوٰی جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔	۱۰۴		

دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو اس کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے۔	۱۰۸	اپنے اصول وفروع، شوہر اور بیوی کے مملوک کو زکوۃ دینا ناجائز اگرچہ مکاتب ہو۔	۱۰۹
دائن اپنے مدیون فقیر کو زکوۃ دے کر دین کی وصولی کے طور پر واپس لے سکتا ہے، نہ دے تو چھین سکتا ہے۔	۱۰۸	غنی، اس کی نابالغ اولاد اور اس کے غیر مکاتب مملوک کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔	۱۰۹
اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچے تو جامع صغیر سے بظاہر تقابض بدلین کی شرط معلوم ہوتی ہے مگر روایت مبسوط پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔	۱۰۸	ہاشمی کے آزاد کردہ غلام کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔	۱۰۹
کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔	۱۰۹	کافر کو زکوۃ نہیں دے سکتے۔	۱۰۹
مال زکٰوۃ کو اپنے خورد بُرد میں لانے کے لئے حیلوں کا سہارا الینا مقاصد شرع کے خلاف اور گویا رب تعالٰی کو فریب دینا ہے۔	۱۰۹	ان سولہ اشخاص کا بطور خاص ذکر جنہیں زکوۃ دینا جائز ہے مگر عدم جواز کا وہم ہوسکتا تھا۔	۱۰۹
مسئلہ خامسہ: زکوۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے۔	۱۰۹	جس کی ماں ہاشمیہ اور باپ غیر ہاشمی ہو کیا وہ ہاشمی کہلا سکتا ہے!	۱۰۹
مصرف زکوۃ کی تعریف۔	۱۰۹	شرع میں نسب باپ سے ہے۔	۱۰۹
سولہ اشخاص کو زکوۃ دینا ناجائز ہے باقی سب کو دینا جائز ہے۔	۱۰۹	جو فقط ماں کے سیّدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے اور اس پر اصرار کرے وہ بحکم حدیث مستحق لعنت ہے۔	۱۰۹
ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔	۱۰۹	حوائج اصلیہ سے فارغ نصاب پر دسترس نہ رکھنے کی چند صورتیں۔	۱۱۰
عورت اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو زکوۃ نہیں دے سکتے اگرچہ بیوی کو طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدت سے باہر نہ آئے۔	۱۰۹	نصاب مذکور پر دسترس رکھنے والا زکوۃ نہیں لے سکتا، چاہے غازی ہو یا حاجی ہو یا طالب علم۔	۱۱۰
اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔	۱۰۹	عامل زکوۃ بحالت غنا بھی بقدر عمل زکوۃ سے لے سکتا ہے۔	۱۱۰
اپنے والدین اور والدین کے والدین کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔	۱۰۹	زکوۃ دینے میں تملیک شرط ہے۔	۱۱۰
اپنی اصل وفروع کو زکوۃ دینا ناجائز اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے بذریعہ زنا ہوں۔	۱۰۹	محتاجوں کو اپنے دستر خوان پر بٹھا کر بطور اباحت کھانا کھلادینے، میت کے کفن ودفن میں لگانے یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل اور سرائے وغیرہ بنوانے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔	۱۱۰
		مسافر اپنی حاجت سے زائد زکوۃ نہیں لے سکتا جبکہ فقیر حاجت سے زائد بھی لے سکتا ہے۔	۱۱۲

مسئلہ سادسہ: اڑسٹھ تولے دوماشے طلائی زیور اور تین سو اکتالیس تولے نقرئی زیور پر زکوٰۃ کتنی ہوگی اور آئندہ ہر سال کے لیے دستور العمل کیا ہے۔	۱۱۳	ضروری قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ۔	۱۲۰
جو شخص سونے اور چاندی دونوں مالوں کا مالک ہو اس پر وجوب زکوٰۃ سے متعلق بعض ضوابط ضروریہ کا بیان۔	۱۱۳	شرح ضابطہ ثانیہ۔	۱۲۳
مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوب زکوٰۃ کا سبب اور ایراث حکم میں مستقل ہے۔	۱۱۳	ضابطہ اولیٰ کی چوبیس ۲۴ صورتیں۔	۱۲۳
اگر سونا اور چاندی الگ الگ نصاب نہ بنتے ہوں اور ملانے سے نصاب بن جاتے ہوں دونوں کو بطور تقویم ملاکر نصاب بنالیا جائے گا۔	۱۱۳	عالم میں کوئی اختلاط زر وسیم ۷۳ صورتوں سے خارج نہیں ہوسکتا۔	۱۲۴
سونے اور چاندی کو آپس میں ملانا صرف بغرض تکمیل نصاب ہوتا ہے۔	۱۱۴	صورت جزئیہ مسئول عنہا کا حکم۔	۱۲۵
ضم سیم و زر سے مقصود تحصیل واجب ہے نہ کہ تبدیل واجب۔	۱۱۵	مسئلہ سابعہ: صحیح تعداد زکوٰۃ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدار واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ محسوب زکوٰۃ ہوا یا نہیں!	۱۲۶
ذہب وفضّہ کے کامل نصابوں میں حکم ضم نہیں بلکہ دونوں پر جدا زکوٰۃ واجب ہوگی۔	۱۱۵	ادائے زکوٰۃ میں نیت ضروری ہے مقدار واجب صحیح معلوم ہونا شرائط صحت سے نہیں۔	۱۲۶
دونوں نصابوں کا مالک اگر چاہتا ہے کہ ایک ہی زکوٰۃ میں دوں تو قیمت لگاکر دونوں کو ضم کرلینے میں مضائقہ نہیں مگر ایسی تقویم واجب ہے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو۔	۱۱۵	دینِ عبد انسان کے حوائج اصلیہ سے ہے۔	۱۲۶
غیر نصاب کو نصاب سے تقویم کرکے ملائیں گے نہ کہ نصاب کو غیر نصاب سے۔	۱۱۶	دینِ عبد سے کیا مراد ہے!	۱۲۶
اختلاط زر و سیم تین حال میں منحصر ہے۔	۱۱۷	دینِ عبد مِنہا کرکے اگر نصاب باقی رہتا ہے تو باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر نصاب باقی نہیں رہتا تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔	۱۲۶
جدول اختلاطات زر و سیم مع اشارہ احکام۔	۱۱۸	جس شخص کے پاس دوسو چالیس درہم چاندی ہے اس پر چھ ۶ درہم شرعی زکوٰۃ واجب ہے ایسا شخص اگر ہر سال پانچ درہم دیتا گیا تو کیا حکم ہوگا!	۱۲۷
شرح ضابطہ اولیٰ۔	۱۱۸	چندسال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو ادائیگی کا طریقہ۔	۱۲۸
ضابطہ اولیٰ کی بارہ صورتیں اور ان سب کی مثالیں۔	۱۱۸		

زکوۃ کے نصاب۔	۱۲۹	عورت کا مہر مانع زکوۃ نہیں۔	۱۴۳
چند سال کی زکوۃ ادا کرنا۔	۱۳۰	عورتوں کو دئے ہوئے زیوروں کی زکوۃ شوہر پر ہے۔	۱۴۳
صاحب نصاب عورت کی زکوۃ عورت کے ذمہ ہے، جو زیورات عورت کو پہننے کے لیے دئے گئے ان کی زکوۃ شوہر پر ہے۔	۱۳۲	کمالِ نصاب کے بعد اضافہ شدہ مال پر بھی زکوۃ ہے۔	۱۴۳
مالِ تجارت، نقد، مال قرض کی صورت میں ہو تو زکوۃ کیسے ادا ہو۔	۱۳۳	شادیوں میں خرچ کرنے کے لیے رکھے ہوئے روپوں پر زکوۃ ہے۔	۱۴۴
بازار کا نرخ کہاں معتبر ہے !	۱۳۳	نابالغ پر زکوۃ نہیں۔	۱۴۴
مرہون زیوروں کی زکوۃ نہ راہن پر نہ مرتہن پر۔	۱۳۴	نوٹ اور روپوں کا حکم۔	۱۴۴
سونے چاندی اور روپے کے نصاب۔	۱۳۴	نصاب وخمس نصاب پر زکوۃ۔	۱۴۴
مختلف قسم کی زکوۃ سے متعلق سوال۔	۱۳۶	فی سیکڑہ ڈھائی روپیہ زکوۃ۔	۱۴۴
سونے چاندی میں سال تمام ہونے پر جو بھاؤ ہو اس کا اعتبار ہے۔	۱۳۹	مال نصاب سے کم نہ ہوجائے زکوۃ تو ہر سال واجب ہوگی۔	۱۴۴
فی سیکڑہ ڈھائی روپیہ زکوۃ ہے۔	۱۳۹	نابالغ لڑکیوں کو ہبہ شدہ زیوروں کی زکوۃ نہ باپ پر نہ لڑکیوں پر۔	۱۴۵
زکوۃ کن چیزوں پر ہے۔	۱۳۹	نابالغ لڑکیوں کے مملوکہ زیوروں پر زکوۃ نہیں، نہ مرہون زیوروں پر۔	۱۴۵
بغیر اجازت دوسرے کی زکوۃ ادا نہ ہوگی چاہے باپ بیٹے کی یا بیٹا باپ کی ادا کرے۔	۱۳۹	کتنے روپیہ پر آدمی صاحب نصاب ہوگا۔	۱۴۵
زکوۃ میں سال تمام کا نرخ معتبر ہے۔	۱۳۹	سال تمام تک اضافہ شدہ مال زکوۃ میں شامل ہوگا۔	۱۴۵
حج کے لئے پس انداز مال پر زکوۃ قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوں گے۔	۱۴۰	امانت اور قرض کے روپے نصاب میں شمار ہوں گے۔	۱۴۵
چند سال کی زکوۃ باقی ہو تو ان کی زکوۃ معلوم کرنے کا قاعدہ۔	۱۴۰	تین سال تک عورت کے پاس زیورات تھے اور زکوۃ ادا نہ کی......	۱۵۳
بینک، ڈاک خانہ یا امانت میں روپیہ ہوں تو ان پر زکوۃ واجب ہے۔	۱۴۱	نصاب سے کم مال نہ ہوجائے ہر سال زکوۃ واجب ہوگی۔	۱۵۴
ڈاک خانہ کے پرامیسری نوٹوں کا حکم۔	۱۴۲		

سونے، چاندی، روپیہ کا نصاب۔	۱۵۴	دین کے اقسام اور احکام۔	۱۶۲
مال تجارت پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی۔	۱۵۵	روپے قرض میں ہوں یا کسی نے غصب کرلیے ہوں ان کی زکوٰۃ۔	۱۶۶
منافع کے جزء حصہ کی خیرات کرنے کی کسی نے منت مانی اور زائد خرچ کردیا تو زائد زکوٰۃ میں شمار نہ ہوگا۔	۱۵۶	قرض کے روپیہ پر زکوٰۃ۔	۱۶۷
مال تجارت کے اصل اور منافع دونوں پر زکوٰۃ ہے۔	۱۵۶	شوہر مقروض ہو تو اس کی عورت کو مقروض قرار نہیں دیا جائے گا۔	۱۶۸
زکوٰۃ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے انگریزی مہینوں کا نہیں۔	۱۵۶	عورت صاحب نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔	۱۶۸
پیروز و فنڈ میں زکوٰۃ کا حکم۔	۱۵۷	عورت قرض ادا کرنے کے لیے شوہر کو روپیہ دے تو شوہر پر قرض ہوگا یا نہیں۔	۱۶۸
ظاہر اور پوشیدہ طور پر زکوٰۃ دینا۔	۱۵۸	عورت پر مہر کی زکوٰۃ کب ہے۔	۱۶۹
پورے مال تجارت پر زکوٰۃ ہوگی صرف منافع پر نہیں۔	۱۵۸	رسالہ اعزالاکتناہ فی ردّصدقۃ مانع الزکٰوۃ (صاحب نصاب زکوٰۃ ادانہ کرے اور دیگر صدقات وخیرات کرے یا ذمہ میں فرائض ہوں اور نوافل ادا کرے تو یہ مقبول نہیں)	۱۷۱
زکوٰۃ ادا کرنے کا وکیل اپنے مصرف میں روپیہ خرچ کرسکتا ہے یا نہیں۔	۱۵۸	زکوٰۃ اعظم فروضِ دین واہم ارکانِ اسلام سے ہے۔	۱۷۲
زکوٰۃ کے روپے تجارت میں نہیں لگ سکتے ہیں۔	۱۵۹	قرآن مجید میں بتیس جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا۔	۱۷۲
مسکونہ مکان ہزاروں روپیہ کا ہو یا کرایہ کے ہزاروں روپے آتے ہوں مگر ضرورت سے زائد نہ ہوں وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے۔	۱۶۰	زکوٰۃ ادا کرنے سے مال بڑھتا ہے جیسے اجزائے فاسدہ زائدہ کے کاٹنے سے درخت بڑھتا ہے۔	۱۷۲
مکان اور اسباب خانہ داری پر زکوٰۃ نہیں۔	۱۶۱	زکوٰۃ دینے سے مال میں برکت اور نہ دینے سے بربادی ہوتی ہے اس پر چار احادیث کا ذکر۔	۱۷۲
زکوٰۃ والے مال کا بیان، بہ نیتِ زکوٰۃ مقدارِ زکوٰۃ الگ کردی جائے تو فقیر کو دیتے وقت نیت کی ضرورت نہیں۔	۱۶۱	پہلی حدیث: زکوٰۃ کا مال جس مال میں ملا ہوگا اسے تباہ وبرباد کرے گا۔	۱۷۲
فقیر کے پاس دی ہوئی رقم موجود ہو تو اس وقت بھی نیت کرلینا کافی ہوگا۔	۱۶۱	دوسری حدیث: خشکی اور تری میں جو مال تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے ہوتا ہے۔	۱۷۲

تیسری حدیث: جس نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کردی اللہ تعالٰی نے اس کے مال سے شر کو دور کردیا۔	۱۷۲	کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے۔	۱۷۹
چوتھی حدیث: زکوۃ دے کر اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو اور خیرات سے اپنے بیماروں کا علاج کرو۔	۱۷۳	سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتاب مستطاب فُتوحُ الغَیب شریف سے چند جگر شگاف مثالیں۔	۱۷۹
زکوۃ ادا نہ کرنے والے اس گنوار کسان سے بھی گزر گئے جو زیادہ غلے کے حصول کے لیے تخم گندم کو زمین میں ڈال دیتا ہے۔	۱۷۳	اسلام کے فرائض اربعہ نماز، زکوۃ، روزہ رمضان اور حج میں سے اگر تین ادا کرے اسے کچھ کام نہ دیں گے جب تک چاروں کو نہ بجالائے۔	۱۸۱
عدمِ ادائیگی زکوۃ کی آفات سے متعلق اٹھارہ (۱۸) حدیثیں۔	۱۷۳	زکوۃ نہ دینے والے شخص نے جو خیرات کی، مسجد بنوائی اور گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے مگر جب تک زکوۃ پوری پوری ادا نہ کرے ان پر اُمیدِ ثواب وقبول نہیں۔	۱۸۱
زکوۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتوں کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔	۱۷۸	دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس نہیں لے سکتا۔	۱۸۱
ضعیف البنیان انسان کی کیا جان زکوۃ نہ دینے کی آفتیں اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں تو خاک میں مل جائیں۔	۱۷۸	وقف بعد تمام لازم وحتمی ہوجاتا ہے اس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔	۱۸۱
سب سے بڑا احمق وہ شخص ہے جو اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ تعالٰی کا قرض اپنی گردن پر رہنے دے۔	۱۷۸	وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔	۱۸۲
شیطان کا یہ بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے۔	۱۷۸	دکھاوے کے لیے پڑھی ہوئی نماز صحیح تو ہوگئی، فرض اُتر گیا مگر قبول نہ ہوگی نہ ثواب پائے گا بلکہ گنہگار ہوگا کیونکہ کسی فعل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور مقبول ہونا اور بات۔	۱۸۲
نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے اس کے قبول کی اُمید تو مفقود، اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔	۱۷۸	اللہ تعالٰی کو بندے کی بھلائی اور عذاب شدید سے اس کی رہائی منظور ہے۔	۱۸۲
فرضِ خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ۔	۱۷۸	زکوۃ ادا کئے بغیر وقف، مسجد اور خیرات وغیرہ مقبول کرانے کی ایک نیک تدبیر۔	۱۸۲
حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بوقت وفات سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو وصیت۔	۱۷۹	مدت دراز گزرنے کے باعث اگر زکوۃ کا تحقیقی حساب معلوم نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے۔	۱۸۲

اپنوں کو زکوۃ دینے سے دوگنا ثواب ہے، ایک صلہ رحمی اور ایک تصدّق کا۔	۱۸۳	ثبوت شفعہ کے بعد اس کے اسقاط کا حیلہ کرنا مکروہ ہے البتہ دفع ثبوت کے لیے حیلہ امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔	۱۸۹
اگر کوئی شخص پچھلے تمام سالوں کی واجب الادا زکوۃ دے تو خالی ہاتھ رہ جاتا ہے تو اس کے چھٹکارے کا حیلہ۔	۱۸۳	اسقاط زکوۃ کے حیلہ کے عدم جواز پر فتوٰی ہے یہی طرفین کا مذہب ہے۔	۱۹۰
سال تمام پر فورًا زکوۃ ادا کرنا واجب ہے اور پیشگی ادائیگی کے لیے ماہ رمضان بہتر۔	۱۸۳	حیلہ اسقاطِ زکوۃ کے بارے میں امام ابویوسف نے اپنے سابق قول سے رجوع فرمالیا۔	۱۹۲
زکوۃ میں قیمت کا اعتبار ہے ثمن کا نہیں۔	۱۸۴	امامِ دین جب ایک قول سے رجوع فرمالے تو وہ اب اس کا قول نہ رہا، نہ اس سے اس پر طعن روا ہے۔	۱۹۲
مصرف زکوۃ کے ہاتھ کوئی چیز بیع کرکے زکوۃ ادا کرنے کی صورت۔	۱۸۵	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما جوازِ متعہ کے قائل تھے پھر حرمتِ متعہ کی طرف رجوع فرمایا۔	۱۹۲
قرض کی ایک صورت۔	۱۸۵	زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ پہلے سود کی بعض صورتوں کے جواز کے قائل تھے پھر رجوع فرمایا۔	۱۹۲
مال تجارت وغیرہ پر سال تمام پر زکوۃ واجب ہوگی۔	۱۸۶	امام ابویوسف کی طرف منسوب کردہ حکایت کسی سندِ مستند سے ثابت نہیں	۱۹۲
اعزّہ کون لوگ ہیں۔	۱۸۶	مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات ہے اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات ہے۔	۱۹۳
٥رسالہ رَادِعُ التَّعَسُّف عن الامام ابی یوسف (حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی جانب ایک مسئلہ کو غلط منسوب کردیا گیا ہے اس رسالہ میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔	۱۸۷	اساطینِ دینِ الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے ہیں اور خود عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔	۱۹۳
امام ابویوسف کے بارے میں جو حکایت امام بخاری کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے وہ بخاری شریف میں کہیں نہیں۔	۱۸۸	امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے شاگرد کے شاگرد محمد بن مقاتل رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نبیذِ تمر کی حرمت کا فتوٰی نہیں دیتے مگر اس کے باوجود اس کو پیتے بھی نہیں ہیں۔	۱۹۳
سال تمام ہونے سے پہلے اگر کوئی زکوۃ ادا کرے تو جائز و روا ہے۔	۱۸۸	کیا یزید پر لعن کرنا جائز ہے؟	۱۹۳

طاعنینِ امام ابویوسف پر مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی مناظرانہ گرفت ۔	۱۹۴	حق یہ ہے کہ امام ابویوسف کا قول اس لیے نہیں کہ لوگ زکوٰۃ سے بچیں بلکہ وہ وقتِ ضرورت وحاجت پر محمول ہے۔	۱۹۶
مجتہد اپنی خطاپر بھی ثواب پاتاہے اگر چہ صواب کاثواب دُونا ہے۔	۱۹۴	حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے جائزہے نہ کہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔	۱۹۷
اپنے فرض سے معاندت قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔	۱۹۴	حیلِ شرعیہ کاجواز قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔	۱۹۷
سخت کبیرہ بلکہ اکبرالکبائر کی نسبت امام المسلمین کی طرف بے سند کردینا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔	۱۹۴	حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم پوری کرنے کاحیلہ ۔	۱۹۷
مجرد استقباح و استبعاد بے دلیل شرعی مسموع نہیں۔	۱۹۵	ایک کمزور شخص پر حد لگانے کاحیلہ ۔	۱۹۷
احکامِ زہد،احکامِ شرع پر حاکم نہیں ۔	۱۹۵	سود سے بچنے کاایک حیلہ شرعیہ ۔	۱۹۷
جس نماز میں قلّتِ خشوع ہو اہلِ سلوک اس کو باطل، مہمل، فاسداور مختل سمجھتے ہیں۔	۱۹۵	بقول امام شافعی تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں ۔	۱۹۹
فقہاء کااجماع ہے کہ خشوع نہ نمازکارکن ہے، نہ فرض، نہ شرط۔	۱۹۵	امام بخاری کا اپنے زمانے میں حفظِ حدیث، نقدِ رجال اور تنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں پایہ رفیع ہے۔	۱۹۹
کرنے اور کیا کرتے میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۱۹۵	کتبِ احادیث میں امام بخاری کی کتاب بیشک چیدہ ومنتخب ہے۔	۱۹۹
کَانَ یَفْعَلُ تکرار میں نص نہیں ۔	۱۹۵	بخاری کی تعالیق، متابعات اور شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے توگنجائش کلام ہے۔	۱۹۹
واقعہ حال، محتمل صد احتمال ہوتاہے۔	۱۹۵	امام ابوحنیفہ کے فضائل۔	۱۹۹
مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں۔	۱۹۵	امام بخاری نے امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔	۱۹۹
امام زین الملۃ والدین کے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھنے کاواقعہ ۔	۱۹۵	امام بخاری کو اللہ تعالٰی نے خدمتِ الفاظِ حدیث کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصًا امام ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔	۱۹۹
بعد وجوب زکوٰۃ منع کاحیلہ بالاجماع حرام قطعی یہاں کلام منع وجوب میں ہے۔	۱۹۶	محدث ومجتہد کی نسبت عطار وطبیب کی مثل ہے۔	۱۹۹

عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے۔	۲۰۰	دوسرے شہروں میں مال زکوٰۃ بھیجنے کی صورت۔	۲۰۲
امام بخاری نہ تابعین میں سے ہیں نہ تبع تابعین میں سے بلکہ امام اعظم کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں۔	۲۰۰	منی آرڈر وغیرہ کی فیس زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہوگی۔	۲۰۳
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو امام اعمش رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خراج تحسین۔	۲۰۰	سالی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔	۲۰۳
حضرت امام عامر شعبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فضائل۔	۲۰۰	عشر کاشتکار پر ہوگا اور بٹائی میں زمیندار پر۔	۲۰۳
ہمارے نزدیک امام بخاری کو امام ابوحنیفہ سے وہ نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔	۲۰۱	دسویں بیسویں کی صورتیں ۔	۲۰۳
فرقِ مراتب بے شمار حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فُجّار۔	۲۰۱	غلے میں زکوٰۃ نہیں اس میں عشر ہے۔	۲۰۳
جو حمایتِ معاویہ میں حضرت علی کی اولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیرے وہ ناصبی یزیدی، اور جو محبتِ علی میں حضرت معاویہ کی صحابیت وخدمتِ بارگاہ رسالت کو بھلادے وہ شیعی زیدی ہے۔	۲۰۱	ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔	۲۰۴
یہی نسبت مذکورہ ہی ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوث اعظم اور مولانا علی قاری کو شیخ اکبر سے ہے۔	۲۰۱	مالگزاری عشر میں داخل نہیں ۔	۲۰۴
امام بخاری، ابن جوزی اور ملا علی قاری کے اعتراضوں سے مذکورہ ہستیوں کی عظمت شان میں فرق نہیں پڑتا۔	۲۰۱	٥رسالہ افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان (ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام۔)	۲۱۳
ان معترضین حضرات پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کے اعتراضوں کا منشاء نفسانیت نہ تھا بلکہ انچ اکابر محبوبانِ خدا کے مدارک عالیہ تک عدمِ رسائی تھا۔	۲۰۱	ہندوستان کے مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو بلکہ وہ عشری ہیں، یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔	۲۱۳
اعتراض باطل، معترض معذور اور معترض علیہم کی شان ارفع واعلٰی۔	۲۰۱	عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں ۔	۲۱۴
حولان حول کے معنی۔	۲۰۲	عدمِ نقل، نقلِ عدم نہیں۔	۲۱۴

جو زمین نہ عشری ہو نہ خراجی اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔	۲۱۴	وضع مقدم سے وضع تالی پر استدلال کیا جاتا ہے۔	۲۲۸
عشر مالک زمین پر ہوگا یا مزارع پر؟	۲۱۶	وضع تالی سے وضع مقدم پر استدلال نہیں کیا جاتا۔	۲۲۸
لفظ "ناخذ" آکد الفاظ فتویٰ سے ہے۔	۲۱۶	جو زمین ذمی نے احیاء کی بالاتفاق خراجی ہے۔	۲۳۰
صحت مزارعت کے بارے میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔	۲۱۷	خراج، آب خراجی کے ساتھ خاص نہیں۔	۲۳۲
حرج مدفوع بالنص ہے۔	۲۱۷	مسلمان نے گھر کو باغیچہ بنالیا یا مردہ زمین احیاء کی تو اگر عشری پانی سے سیراب کرے گا تو عشر، اور اگر خراجی پانی سے سیراب کرے گا تو خراج واجب ہوگا۔	۲۳۲
جس زمین کی نسبت خراجی ہونا ثابت ہو جائے اس کا وظیفہ خراج ہے۔	۲۱۸	خراج کے لیے سببِ وجوب، ارضِ نامیہ ہے۔	۲۳۴
خراج شرعی سے مالگزاری انگریزی کو کوئی تعلق نہیں۔	۲۱۸	خراج کسے دیں؟	۲۳۵
مطالبہ خراج مشروط بہ تسلط ہے۔	۲۱۸	خراج میں کیا دیں؟	۲۳۷
جن بلاد پر جتنے دن تسلط، شرعی سلطنت کا نہ رہا بعد از تسلط بھی ان ایام کے خراج کا مطالبہ نہیں کیا جاسکتا۔	۲۱۸	خراج دو قسم ہے: (۱) خراج مقاسمہ، (۲) خراج مؤظف	۲۳۷
خراج کا مصرف کیا ہے؟	۲۱۹	خراج کتنا دیں؟	۲۳۷
جس شیئ کا مصرف نہ رہے اس کا مطالبہ عبث ہے۔	۲۲۱	جریب اور صاع کی مقدار کیا ہے؟	۲۳۹
مطالبہ سلطنت اور وجوب دیانت میں فرق ہے۔	۲۲۲	آم کی بہار کا عشر کس پر ہے؟	۲۴۱
بہت چیزوں کا مطالبہ سلطان کو نہیں پہنچتا مگر شرعًا واجب ہیں۔	۲۲۲	بہار کب بیچی جائے؟	۲۴۱
تسلط وحمایت شرط مطالبہ سلطانی ہے نہ کہ شرطِ نفسِ وجوب۔	۲۲۳	جانوروں کی زکوٰۃ۔	۲۴۲
مصرفِ خراج صرف لشکر اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں۔	۲۲۳	مصارف زکوٰۃ کون لوگ ہیں؟	۲۴۶
یہاں موجبہ کلیہ یوں ہے کہ حیثما وجدت الحمایۃ وجبت الجبایۃ، نہ یوں کہ حیثما وجبت الجبایۃ وجدت الحمایۃ، تاکہ اس کا عکسِ نقیض اس طرح آتا کہ کلمالم توجد الحمایۃ لم تجب الجبایۃ۔	۲۲۶	مقروض کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔	۲۵۰
عبارت عنایہ میں لفظ یختصّ موہم واقع ہوا ہے اور وہ زائد و خلاف مقصود ہے۔	۲۲۶	چند اقارب کا بیان جنہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔	۲۵۱

طلبہ کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔	۲۵۱	طلبہ زکوۃ لے سکتے ہیں۔	۲۶۱
جو بظاہر مصرفِ زکوۃ ہو اسے بھی دے سکتے ہیں۔	۲۵۱	زکوۃ تنخواہ میں صرف نہیں ہوسکتی۔	۲۶۲
لحاف بنوائے جائیں تو دھنائی سلائی کے مصارف زکوۃ میں شمار نہ ہوں گے۔	۲۵۱	یتیم کو زکوۃ دینا جائز ہے۔	۲۶۲
نیاز یا میلاد مالِ زکوۃ سے کیا جائے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔	۲۵۱	یتیم وغیرہ کو کھانے کھلانے، کپڑے پہنانے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ کھانے کپڑے کی قیمت زکوۃ میں محسوب ہوگی، پکوائی وغیرہ کے مصارف محسوب نہ ہوں گے۔	۲۶۲
صدقہ فطر کی مقدار اور اس کے مصارف، کس پر اور کب ادا کرنا واجب ہے؟	۲۵۲	یتیم خانہ کے لیے مکان خریدنا یا اس کے مقدمہ میں زکوۃ خرچ کرنا۔	۲۶۲
اپنے عزیز مقروض کو زکوۃ دینے میں دُونا ثواب ہے۔	۲۵۳	ضرورت پر حیلہ شرعی کرنا چاہئے، اپنے صرف میں لانے کے لیے نہیں، بچوں کے اخراجات کے روپوں سے عورت زکوۃ ادا نہیں کرسکتی۔	۲۶۳
علم دین پڑھنے والے طلبہ کو زکوۃ دینا افضل ہے۔	۲۵۳	عیدی وغیرہ کے نام سے زکوۃ دی جاسکتی ہے۔	۲۶۴
گداگروں کو زکوۃ دینا۔	۲۵۳	بہن مصرف زکوۃ ہے بیٹی نہیں۔	۲۶۴
زکوۃ کے روپے طلبہ میں صرَف کرنے کی صورتیں۔	۲۵۴	باپ کو زکوۃ دینے کی صورت۔	۲۶۵
تنخواہ یا تعمیرِ مدرسہ میں زکوۃ کے روپے صرف نہیں ہوسکتے، ان کاموں میں صرف کرنے کی صورتیں۔	۲۵۴	زکوۃ اور صدقہ فطرہ کے مصارف واحد ہیں۔	۲۶۶
مالِ زکوۃ سے کتاب وغیرہ خرید کر وقف نہیں کرسکتے، ان میں صرف کرنے کی صورت۔	۲۵۵	ماں کی کفالت لڑکے پر اور بہن کی کفالت بھائی پر۔	۲۶۶
مسجد کے لیے دریاں خریدنے یا دینی کتاب طبع کرانے میں زکوۃ خرچ کرنے کی صورت۔	۲۵۶	مسجد میں زکوۃ خرچ کرنے کی صورت۔	۲۲۷
چندہ کے روپے مخلوط کرنے میں کب ضمان ہے؟	۲۵۷	حیلہ شرعی کے طریقے اور شرط۔	۲۶۷
دفاعی فنڈ میں زکوۃ دینا۔	۲۵۸	ساداتِ کرام پر مالِ زکوۃ حرام ہے، زکوۃ سے ان کی مدد کرنے کی صورت۔	۲۶۷
جنگ یا فساد زدہ مقامات کو زکوۃ بھیجنے کا طریقہ۔	۲۶۰	مدارسِ دینیہ میں زکوۃ خرچ کرنے کی صورت۔	۲۶۹
چندہ کی رقوم باذنِ مالک مخلوط کی جاسکتی ہیں۔	۲۶۰	زکوۃ کا رکن تملیک فقیر ہے۔	۲۶۹
غنی صدقہ لے تو اس کا حکم۔	۲۶۱		

○رسالہ الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم (بنی ہاشم پر زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ حرام ہیں)	۲۷۱	صعید طیب کی عدم موجودگی میں تیمّم بھی ساقط ہوجاتا ہے۔	۲۷۴
کیا خمس الخمس کے سقوط کی وجہ سے بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقہ واجبہ لینا جائز ہے۔	۲۷۱	تحریمِ صدقہ وتقریرِ سہم دونوں بنی ہاشم کے لیے مستقل کرامتیں ہیں۔	۲۷۴
صدقاتِ واجبہ نہ بنی ہاشم کو دینا جائز، نہ انہیں لینا جائز۔	۲۷۲	خمس الخمس بنی ہاشم کے لیے عوض صدقات کس معنی میں ہے؟	۲۷۴
بنی ہاشم کے لئے تحریمِ صدقات سے متعلق متواتر حدیثیں آئی ہیں۔	۲۷۲	معاوضتِ عرفیہ اور معاوضتِ مصطلحہ میں فرق۔	۲۷۵
علتِ تحریم صدقات برائے بنی ہاشم ان کی عزت وکرامت ہے۔	۲۷۲	خمسُ الخمس اور صدقات میں معاوضتِ مصطلحہ کا ہونا محل کلام ہے۔(حاشیہ)	۲۷۵
زکوٰۃ مال کا مَیل ہے جس کا مال ماءِ مستعمل کی طرح ہے۔	۲۷۲	خمسُ الخمس اور صدقاتِ واجبہ میں انفصالِ حقیقی نہیں بلکہ منعُ الجمع ہے۔	۲۷۵
احادیث صحیحہ سے علتِ مذکورہ کی تصریح۔	۲۷۲	منفصلہ حقیقیہ کو منعِ خلو لازم ہوتا ہے۔	۲۷۵
تقریرِ خمسُ الخمس، تحریمِ صدقات پر مبتنی ہے نہ کہ تحریمِ صدقات تقریرِ خمسُ الخمس پر۔	۲۷۳	بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ کا عدم جواز ظاہر الروایۃ ہے۔	۲۷۵
سقوطِ عوض سے رجوعِ معوض وہیں ہے جہاں زوالِ معوض، حصولِ عوض پر موقوف ہو۔	۲۷۳	جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں۔	۲۷۶
مشتری نے ثمن بائع کو دے دئے اور مبیع بائع کے پاس ہی ہلاک ہوگیا تو مشتری ثمن کے لئے رجوع کرے گا۔	۲۷۳	قولِ مرجوع عنہ پر عمل ناجائز ہے۔	۲۷۶
زوالِ معوض اگر عوض کے علاوہ کسی اور علت سے معلل ہو تو جب تک وہ علت باقی رہے گی زوالِ معوض بیشک رہے گا۔	۲۷۴	امام طحاوی کی طرف روایتِ شاذہ کو اختیار کرنے کی نسبت مسلم نہیں۔	۲۷۷
مریض سے بعلتِ ضرر فرضیتِ وضوء ساقط ہوجاتا ہے اور اس کے عوض اس پر تیمّم لازم ہوتا ہے۔	۲۷۴	امام طحاوی کے کچھ اختیارات مفردہ ہیں کہ بترک مذہب ان پر عمل کے کوئی معنی نہیں۔	۲۷۷
		امام طحاوی کی جلالتِ شان مسلم مگر عظمتِ قاہرہ اصلِ مذہب چیزے دیگر است۔	۲۷۷

مصنف کی تحقیق کہ امام طحاوی کے نزدیک بھی ظاہر الروایۃ ہی مختار ہے اور وہ قطعاً ظاہر الروایۃ کو ہی "بہ ناخذ" فرمارہے ہیں۔	۲۷۷	شرعی گز کی مقدار۔	۲۹۵
متعدد کتابوں میں امام طحاوی کی طرف خلاف ظاہر الروایۃ یعنی اختیارِ جواز کی نسبت غلط فہمی سے کی گئی ہے۔	۲۷۷	نابالغ بچوں کا فطرہ باپ کے ذمہ ہے۔	۲۹۶
امام طحاوی کے اپنے کلام کے محاوی ظاہرہ اور مطاوی باہرہ سے استدلال کی سترہ ۱۷ وجوہ کہ امام طحاوی کے نزدیک روایتِ تحریم مختار ہے نہ کہ روایت جواز۔	۲۸۱	عورت کا فطرہ نہ باپ پر نہ شوہر پر۔	۲۹۶
سباقِ کلام سے چھ قرینے۔	۲۸۱	مہمان کا فطرہ میزبان پر نہیں۔	۲۹۶
سیاقِ کلام سے چھ قرینے۔	۲۸۱	فطرہ میں چاول دیا جائے تو قیمت کا اعتبار ہوگا وزن کا نہیں۔	۲۹۶
نفسِ عبارت سے قرائن وشواہد۔	۲۸۲	انگریزی روپے سے صاع کا تعین۔	۲۹۶
بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ کی حرمت کا ثبوت احادیثِ کریمہ سے۔	۲۸۸	فطرہ کی احتیاطی مقدار۔	۲۹۷
کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو زکوٰۃ دینا حرام ہے۔	۲۹۰	صاع کے وزن کی تحقیق۔	۲۹۸
صدقاتِ واجبہ غنی کے لیے حرام اور صدقاتِ نافلہ جائز۔	۲۹۰	صاع میں سیر کا اعتبار نہیں۔	۳۰۲
سمرنافنڈ میں زکوٰۃ یا قربانی کی قیمت دینا۔	۲۹۰	انگریزی روپے سے صاع کا تعین۔	۳۰۲
صدقہ فطر کا بیان ۔	۲۹۱	مسجدوں میں چندہ کرنا۔	۳۰۲
امام کو زکوٰۃ، چرمِ قربانی یا تیل کے پیسے لینا۔	۲۹۱	ضرورت شرعیہ کے بغیر سوال کرنا حرام ہے۔	۳۰۳
صدقہ فطر میں چار چیزوں میں صاع کا اعتبار ہے باقی میں قیمت کا۔	۲۹۲	عام گداگروں کو دینا کیسا ہے ؟	۳۰۳
نابالغ بچوں کا فطرہ باپ کے ذمہ	۲۹۴	بے سوال کوئی دے تو لینے میں حرج نہیں ۔	۳۰۳
عورت کا فطرہ شوہر کے ذمہ نہیں۔	۲۹۴	سوال کرنے کی ایک صورت ۔	۳۰۴
بالغ کی جانب سے باپ یا شوہر کا فطرہ عورت ادا کرے تو اذن کی ضرورت ہے۔	۲۹۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام ہونے والے سالانہ فاتحہ کے پیسے محتاج کو دینا۔	۳۰۵
صدقہ فطر اور زرِ زکوٰۃ کے نصاب میں فرق۔	۲۹۴	گداگروں کو دینا، بھیک مانگنے کی مذمت ۔	۳۰۷
صدقہ فطر کی مقدار۔	۲۹۵	میلاد شریف کی شیرینی کا حکم ۔	۳۰۸
انگریزی روپوں سے صاع کا تعین۔	۲۹۵		

کوئی کل آمدنی بچوں پر خرچ کرے، اور دوسرا بچوں پر خرچ اور خیرات بھی کرے ان میں کون افضل ہے؟	۳۱۱	رمضان شریف میں قرآن پاک کی تلاوت کی فضیلت۔	۳۵۱
فاتحہ کے روپے جنگی فنڈ میں دینے کی ایک صورت۔	۳۲۷	**باب رؤیۃ الھلال**	
زکوٰۃ سے زمین خرید کر وقف کرنا۔	۳۲۷	رؤیتِ ہلال میں تار کی خبر معتبر نہیں اور نہ اس کی خبر پر افطار جائز۔	۳۵۲
حدیث تَصَدَّقُوا علی الادیانِ کلّھا سے کفار حربی کو صدقہ دینے پر استدلال کا جواب۔	۳۲۸	o رسالہ ازکی الاھلال بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال (رؤیتِ ہلال میں تار کی خبر معتبر نہیں)	۳۵۹
کتاب الصوم		تحقیق ہلال سے متعلق ایک تراشیدہ طریقہ کا پانچ تنبیہات پر مشتمل رد۔	۳۶۰
حرام چیزوں سے سحری اور افطار کرنا۔	۳۳۱	**تنبیہ اوّل**: شریعت مطہرہ نے دربارہ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بناء فرمایا اور ان میں کافی و شرعی ہونے کے لئے بہت قیود و شرائط لگائیں۔	۳۶۰
تراویح پڑھانے کے سبب حافظ سے روزہ ساقط نہیں ہوگا۔	۳۳۲	تار نہ تو کوئی شہادت شرعیہ ہے نہ خبرِ متواتر۔	۳۶۰
نابالغ حافظ نوافل میں قرآن پاک پڑھنے کے سبب روزہ نہ رکھ سکے۔	۳۴۵	**تنبیہ دوم**: تار کی حالت خط سے زیادہ ردی و سقیم ہے۔	۳۶۱
رمضان کو رؤیت کی خبر ملنے پر روزہ توڑ دیا گیا اور پھر خبر کی تکذیب ہوگئی۔	۳۴۷	امور شرعیہ میں خطوط و مراسلت کا اعتبار نہیں تو تار کا کیسے ہوسکتا ہے۔	۳۶۱
سفر میں روزہ رکھنا۔	۳۴۷	خطوط کے غیر معتبر ہونے پر ائمہ دین کی عبارات۔	۳۶۱
مختلف موسموں میں رمضان شریف آنے کا سبب۔	۳۴۹	**تنبیہ سوم**: اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ بھی ہو تو تار میں آکر کئی وجوہ سے اس کا دامنِ اعتبار یکسر تار تار ہوجاتا ہے۔	۳۶۳
یوم الشک سے متعلق دو مسائل۔	۳۵۰	**تنبیہ چہارم**: علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضی شرع سے خاص جسے سلطان نے فصل مقدمات پر والی مقرر فرمایا ہو یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں۔	۳۶۴
پانچ دنوں میں روزہ کیوں ممنوع ہے ؟	۳۵۱	جو حکم خلاف قیاس مانا جاتا ہے وہ مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا۔	۳۶۴

جب مقبول الکتاب کا تار ناچیز ہے تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز ہے؟	۳۶۵	ہلالِ رمضان کے بارے میں اکیلے شخص کی گواہی کب قبول ہوگی؟	۴۰۶
تنبیہ پنجم: قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اسی وقت مقبول ہے جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد دو عورتیں عادل دار القضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اسی قاضی کا ہے اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز قبول نہیں۔	۳۶۵	عقل جتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم وکافر سب کی مقبول ہے۔	۴۰۶
تار، ٹیلیفون، خط، جنتری وغیرہ کے غیر معتبر ہونے کے بیان میں۔	۳۶۷	**طریق دوم:** شہادۃ علی الشہادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ کیا۔	۴۰۹
عید کی نماز سے متعلق متعدد مسائل۔	۳۷۲	شہادۃ علی الشہادۃ کا طریقہ۔	۴۰۹
رؤیت ہلال میں پیشگوئی معتبر نہیں۔	۳۸۴	گواہ فرع کو چاہئے کہ گواہ اصل اور اس کے باپ اور دادا سب کا نام دے ذکر کرے یہاں تک کہ اگر اسے چھوڑ دے گا تو حاکم اس کی گواہی کو رَد کرسکتا ہے۔ (حاشیہ)	۴۱۱
عید کا چاند ۳۰ رمضان کو دن میں نظر آئے۔	۳۸۸	**طریق سوم:** شہادۃ علی القضاء یعنی قاضیِ شرع کے فیصلہ پر گواہی دینا۔	۴۱۲
رؤیت ہلال میں اخبار کی خبریں اور خطوط معتبر نہیں۔	۳۹۰	شہادۃ علی القضاء کا طریقہ۔	۴۱۲
اختلاف مطالع سے متعلق دو مسائل۔	۳۹۴	**طریق چہارم:** کتاب القاضی الی القاضی یعنی ایک قاضی شرع کا دوسرے قاضی شرع کے نام خط لکھنا۔	۴۱۳
رؤیت ثابت ہونے پر روزہ رکھنا فرض ہوگا جہاں بھی رؤیت ہو۔	۴۰۳	کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ اور اس کے شرائط۔	۴۱۳
٥ رسالہ طرق اثباتِ ھلال (اثباتِ ہلال کے سات شرعی طریقوں کا بیان اور سات اختراعی طریقوں کا رد)۔	۴۰۵	**طریق پنجم:** استفاضہ	۴۱۴
ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے شرع میں سات طریقے ہیں۔	۴۰۵	استفاضہ کی صورت اور اس کے شرائط۔	۴۱۴
طریقِ اول: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی۔	۴۰۶	اثباتِ احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے۔	۴۱۷
		جو شہادت تواتر کے خلاف ہو وہ رَد کردی جاتی ہے۔	۴۱۷

نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔	۴۱۷	فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا، ایسی گواہی معتبر نہیں۔	۴۴۱
طریق ششم: اکمالِ عدت یعنی جب ایک مہینہ کے تیس دن پورے ہوجائیں توماہِ متصل کاہلال آپ ہی ثابت ہوجائے گا اگرچہ اس کے لیے رؤیت شہادت اور حکم استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو۔	۴۱۹	یوم صومکم یوم نحرکم کے معنی۔	۴۴۲
طریق ہفتم: توپوں کی آواز حوالیِ شہر کے دیہات والوں کے لیے دلائلِ ثبوتِ ہلال سے ہے۔	۴۲۰	قاضی کے حکم میں علماء ہیں یانہیں۔	۴۴۲
اسلامی شہر میں منادی پر عمل کب ہوگا؟	۴۲۰	عیدالاضحٰی کی رؤیت سے متعلق سوال۔	۴۴۳
تنبیہ: دربارہ ہلال غیر رمضان وشوال۔	۴۲۱	چاند بڑے ہونے کا اعتبار نہیں، یونہی جنتری اور موقتین کا۔	۴۴۴
ثبوتِ ہلال کے غلط طریقے جو جہال میں زیادہ رائج ہیں وہ سات ہیں۔	۴۲۴	فاسق کی شہادت معتبر نہیں۔	۴۴۶
یکم: حکایتِ رؤیت	۴۲۵	اختلافِ مطالع معتبر نہیں۔	۴۴۷
دوم: افواہ	۴۲۵	○ رسالہ البدور الاجلة فی امور الاهلة (رؤیت ہلال کے تفصیلی احکام)	۴۴۹
سوم: خطوط واخبار	۴۲۶	فصل اول: رؤیتِ ہلال کے حکم اور اس کے متعلق مسائل وفوائد میں پندرہ ہلال پر مشتمل۔	۴۴۹
چہارم: تار جو کہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار ہے۔	۴۲۷	فرضِ کفایہ کسے کہتے ہیں۔	۴۵۰
پنجم: جنتریوں کا بیان	۴۲۸	اگر چاند ہوگیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزہ حرام میں مبتلا ہوں گے۔	۴۵۰
ششم: قیاسات وقرائن	۴۲۸	۲۹ ذی القعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش ضروری ہے۔	۴۵۰
ہفتم: کچھ استقرائی اور کچھ اختراعی قاعدے	۴۲۹	موصل الی الفرض فرض، اور موصل الی الواجب واجب ہوتا ہے۔	۴۵۱
رؤیتِ ہلال سے متعلق دو مسائل	۴۲۹	تنبیہ: لوگ تین قسم ہیں۔ (۱) عادل (۲) مستور (۳) فاسق	۴۵۲
استفاضہ کی تعریف۔	۴۳۲	عادل، مستور اور فاسق کی تعریفات۔	۴۵۲
ابر وغبار میں ایک شخص چاند دیکھے۔	۴۳۶	صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے۔	۴۵۲
شعبان کے چاند میں اختلاف ہو اور رمضان اور عید میں ۲۹ کو ابر ہو تو کیا حکم ہے؟	۴۳۷	جہاں ریاست اسلامی ہے ان بلاد میں جو عالم دین سنی المذہب سب سے زیادہ علم فقہ رکھتا ہو وہ بحکم شرع سردارِ مسلمانان ہے۔	۴۵۴

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قضاۃ وحکام اکثر بے علم ہوتے ہیں توعالمِ دین ان پر بھی مقدم اور وقتِ اختلاف فتوائے عالم پر ہی عمل واجب ہے۔	۴۵۵	عادت اکثری یوں ہے کہ تیسری شب کا چاند غروب نہیں ہوتا جب تک عشاء کاوقت نہ آجائے۔	۴۶۹
امام الحرمین ابوالمعالی رحمۃاللہ علیہ کے زمانے کی ایک حکایت۔	۴۵۵	تنبیہ: خط بعض صورتوں میں مقبول ہوتا ہے، کتاب القاضی الی القاضی، یعنی حاکمِ شرع حاکمِ شرع کو خط لکھے توبشرائطِ کثیرہ حجتِ ملزمہ ہے۔	۴۷۱
تنبیہ: علمِ دین فقہ وحدیث ہے۔	۴۵۵	بازاری افواہ اصلاً کوئی چیز نہیں۔	۴۷۱
جہلِ مرکب، جہلِ بسیط سے ہزار درجہ بدتر ہے۔	۴۵۵	یقین دو قسم کا ہوتا ہے (۱۱) شرعی (۲۲) عرفی۔	۴۷۷
جس شام احتمالِ ہلال ہوجب تک حکم حاکمِ شرعی یافتوائے عالم دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یاآواز کی آتشبازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی نہ کریں۔	۴۵۷	مدرک عرفی و شرعی میں فرق نہ کرنا صریح خطا ہے۔	۴۷۷
بغیر علم کے فتوی دینے والے بحکم حدیث ضال ومضل ہیں۔	۴۵۸	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی "شھرانِ لاینقصانِ" کا کیا مطلب ہے؟	۴۷۸
رؤیتِ ہلال کی دعائیں۔	۴۵۹	**مفسدات صوم**	
فصل دوم: ان امور میں جن کا دربارہ تحقیقِ ہلال کچھ اعتبار نہیں، یہ بیس قمر پر مشتمل ہے۔	۴۶۱	عورت شرمگاہ میں دوایابتّی ڈالے یاتلاعب سے مرد کو منی نکلے۔	۴۸۱
اہلِ ہیئت کون لوگ ہیں؟	۴۶۱	صبح تک پان کابیڑا منہ میں پڑا رہے۔	۴۸۵
صحیح مذہب میں اہلِ ہیئت کااعتبار نہیں اگرچہ وہ ثقہ عادل ہوں۔	۴۶۱	پانی سے استنجا کرنے میں ریاح خارج ہو۔	۴۸۵
تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں جو بات وہ بطورِ ہیأت کہیں قبول نہیں ورنہ اگر شہادتِ رؤیت ادا کریں تو مثل اور لوگوں کے ہیں جن شرائط سے اوروں کی گواہی سنی جاتی ہے ان کی بھی گواہی قبول ہوگی۔	۴۶۳	روزہ کی حالت میں پان کھانا، تمباکو پینا، نسوار لینا۔	۴۸۶
بطور علمِ ہیأت بھی ثابت ہے کہ ۲۹ کاچاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن ہے۔	۴۶۸	کھٹی ڈکار سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔	۴۸۶
ازروئے ہیأت ثابت ہے کہ کبھی انتیس کاہلال تیس کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیرپا ہونا متصور ہے۔	۴۶۹		

روزے کے نواقض۔	۴۸۶	تحقیقِ شے بے حقیقت شئ محالِ عقلی ہے۔	۴۹۴
فصد اور پچکاری کا حکم؟	۴۸۷	خارج سے جوفِ صائم میں داخل ہونے والی مختلف اشیاء کے احکام۔	۴۹۴
○ رسالہ الاعلام بحالِ البخور فی الصیام (اگربتی، لوبان وغیرہ کا دھواں منہ یا ناک میں کس طرح جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے)	۴۸۹	تکلیف بالمحال اور تکلیف مالایطاق باطل ہے۔	۴۹۵
دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں بلاقصد چلا جائے تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔	۴۹۰	بقاء شئ مع انتفاء حقیقت اور اجماعِ ذات ومنافی ذات باطل ہیں۔	۴۹۵
صائم اگر دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً، بے حالتِ نسیان صوم داخل کرے گا تو روزہ فاسد ہوگا۔	۴۹۲	بیمار قریب الموت نے مجبوراً دوائی پی تو روزہ ٹوٹ گیا۔	۴۹۵
مسئلہ غبار و دخان میں دخول بلاقصد اور ادخال بالقصد پر مدار کار ہے، اول غیر مفسد اور ثانی مفسد ہے۔	۴۹۴	کسی نے قتل کی دھمکی دے کر روزہ دار کو کچھ کھلادیا تو روزہ جاتا رہا۔	۴۹۵
حقیقتِ صوم، مفطراتِ شرعیہ سے امساک میں محصور ہے۔	۴۹۴	مخمصہ والے مفطر نے مجبوراً کچھ کھایا پیا تو روزہ ٹوٹ گیا اگرچہ گنہگار نہ ہوگا۔	۴۹۵
تکالیفِ شرعیہ قدرِ وُسع پر مقصور ہیں۔	۴۹۴	سوتے ہوئے حلق میں مفطر چلا جائے تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔	۴۹۵
انتفائے حقیقت کو انتفائے شئ قطعاً لازم ہے۔	۴۹۴	کلی کرنے کے بعد جو تری منہ میں رہتی ہے مفطر نہیں۔	۴۹۷
حقیقتِ نکاح ایجاب وقبول ہے۔	۴۹۴	نکتہ دقیقہ	۴۹۷
کوئی عورت مجرد ایجاب سے بغیر قبول کے کسی کی زوجہ نہیں بن سکتی۔	۴۹۴	سبب مُفضی الی الشئ دو قسم ہے، ایک مفضی کلیۃً اور دوسرا مفضی نادراً۔	۴۹۷
حقیقتِ زکوٰۃ تملیک فقیر ہے۔	۴۹۴	کان میں پانی کا بالقصد ادخال، اصحُّ الاقوال پر مفسد صوم ہے۔	۴۹۸
زمان برکت نشان سیدنا مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں زکوٰۃ کا کوئی مصرف نہ ملے گا۔	۴۹۴	نہاتے یا دریا میں داخل ہوتے ہوئے پانی اگر کان میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔	۴۹۸
ارکانِ ساقط بضرورت، حقیقۃً ارکانِ سعت ہوتے ہیں نہ کہ ارکانِ اصلِ حقیقت۔	۴۹۴	نان پز اگر گرمی کے دنوں میں سارا دن کھانا پکائے تو ضعف کی وجہ سے روزہ میں خلل آتا ہے تو آدھا دن پکائے۔	۵۰۰

کنیز کو پکانے وغیرہ کی وجہ سے ایسا ضعف لاحق ہوا کہ مجبوراً روزہ توڑنا پڑا تو قضا کرے۔	۵۰۰	**باب الفدیہ**	
غلام وکنیز کن احکام میں اطاعت مولیٰ نہ کریں۔	۵۰۰	شیخ فانی کے لیے فدیہ ہے۔	۵۲۱
کون سے روزہ دار کو کن شرائط کے تحت سالن وغیرہ میں نمک چکھنے کی اجازت ہے۔	۵۰۱	○ رسالہ **تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصلوٰۃ والصیام** (نماز اور روزے کے فدیہ کی مقدار کا بیان)	۵۲۳
روزہ دار، بچے کو کوئی چیز چبا کر کب دے سکتا ہے؟	۵۰۱	نماز و روزہ کے فدیہ سے متعلق بارہ سوالات۔	۵۲۳
دھواں جب حلق میں جاتا ہے تو اس کی تلخی محسوس ہوتی ہے اور طبیعت کی دافعہ فوراً دفع کرتی ہے اور جب دماغ میں جاتا ہے تو اس کی سوزش معلوم ہوتی ہے جو دماغ کو اذیت دیتی ہے۔	۵۰۳	وزن بلاد میں مختلف ہوتے ہیں۔	۵۲۵
پانی میں غوطہ لگانا، سرمہ لگانا، خوشبو سونگھنا، سر یا بدن میں تیل لگانا، مسواک کرنا، منجن لگانا۔	۵۱۰	ایک نماز اور ایک روزہ کا فدیہ یا کفارہ کی مقدار کیا ہے؟	۵۲۵
باب القضاء والکفارہ		صاع دو سو ستر ۲۷۰ تولے ۲ اور نیم صاع ایک سو پینتیس ۱۳۵ تولے ہے۔	۵۲۵
روزہ یا نماز کے کفارے میں قرآن دینا۔	۵۱۳	تولہ میں بارہ ماشے، اور ماشہ میں آٹھ رتی، اور رتی میں آٹھ چاول ہوتے ہیں۔	۵۲۵
سحری کھانے میں صبح ہونے کا علم نہ ہو۔	۵۱۶	انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے۔	۵۲۵
مرض کی وجہ سے روزہ توڑنے میں قضا ہے۔	۵۱۷	مثقال کا وزن پچیس ۲۵ رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہے۔	۵۲۵
۲۹ کے چاند ثابت ہونے پر ایک روزہ کی قضا واجب ہوگی۔	۵۱۸	سات مثقال دس درہم کے برابر ہوتے ہیں۔	۵۲۵
صبح ہونے کے بعد سحری کھائی، شبہ ہو جائے کہ جماع صبح صادق سے قبل ہوا یا بعد، بلاعذر شرعی روزہ توڑنا۔	۵۱۹	ہمارے نزدیک صاع عراقی معتبر ہے جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔	۵۲۶
مریض روزہ رکھے یا نہیں۔	۵۲۰	ایک رطل بیس ۲۰ استار، ایک استار ساڑھے چار مثقال، ایک مثقال بیس ۲۰ قیراط، اور ایک قیراط (۱-۴/۵) رتی کا ہوتا ہے۔	۵۲۶
مرد کے عوض عورت روزہ نہیں رکھ سکتی۔	۵۲۰	دو سو درہم نصاب چاندی کے ساڑھے باون اور بیس مثقال نصاب سونے کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں۔	۵۲۶

بریلی، لکھنؤ، دہلی اور رامپور میں رائج سیروں کے وزن میں فرق۔	۵۲۶	قاعدہ شرعیہ ہے کہ ادائے کامل بہ کامل نہ کہ ادائے کامل بہ ناقص۔	۵۳۴
مذکورہ شہروں میں صاع کاوزن مختلف ہے۔	۵۲۶	اوقات ثلٰثہ مکروہہ میں کوئی نماز جائز نہیں سوائے اسی دن کی عصر کے۔	۵۳۴
فدیہ میں گندم اور جو کے علاوہ کوئی اور غلہ دیاجائے تو اس میں وزن کالحاظ نہ ہوگا، بلکہ گندم وجو کی قیمت کالحاظ ہوگا۔	۵۲۶	جو جنازہ اوقات مکروہہ ثلٰثہ میں لایا گیا اس کی نماز ان اوقات میں جائز ہے۔	۵۳۴
سوال پنجم کی چاروں صورتیں جائز ہیں یعنی دس روزوں کافدیہ ایک ہی دن بیک وقت ایک شخص یا دس شخصوں یا دس دنوں میں ایک شخص یادس شخصوں کو دینا۔	۵۲۷	قضانمازیں عموماً کامل ہیں لہٰذا اوقات ثلٰثہ میں ناجائز ہیں۔	۵۳۵
سوال چہارم کی تمام صورتیں جائز یعنی فدیہ بیک وقت بھی دے سکتاہے اور متفرق طور پر بھی، مگر جس صورت میں فقیر کو نصف صاع سے کم دیتاہو وہ صورت قول راجح کے مطابق ناجائز ہے۔	۵۲۷	جو مال کسی پر دَین ہے جب تک وصول نہ ہو مالِ کامل نہیں ناقص ہے۔	۵۳۵
فدیہ نماز وروزہ کامصرف مثل کفارات وصدقات واجبہ کے ہے۔	۵۲۸	لاکھوں روپے قرض میں پھیلے ہوئے ہیں اگر پاس کچھ نہیں توقسم کھاسکتاہے کہ میرا کچھ مال نہیں۔	۵۳۵
بعد مرگ زوج کافدیہ زوجہ اور زوجہ کافدیہ زوج کو دینے کاحکم۔	۵۲۹	دین بہ نیت زکوٰۃ معاف کردینے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوتی۔	۵۳۵
فدیہ میں قیمت دینا افضل ہے مگر قحط سالی کی صورت میں کھانا دینا بہتر ہے۔	۵۳۰	جو نصاب کسی فقیر پر دین تھی وہ کُل یا بعض اسے معاف کردے توقدر معاف شدہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔	۵۳۵
چار چیزیں جن میں نص شرعی وارد ہے یعنی گندم، جو، خرما اور کشمش ان میں قیمت کااعتبار نہیں، وزن شرعی ہی معتبر ہے۔	۵۳۰	ناقص ناقص سے اداہوسکتا ہے۔	۵۳۵
جن اشیاء میں قیمت معتبر ہے ان میں روزِ وجوب کی قیمت کااعتبار ہوگا نہ کہ روزِ ادا کی قیمت کا۔	۵۳۱	اداء دَین دین سے، اور اداءِ عین دین و عین سے جائز ہے۔	۵۳۵
مدیون فقیر کو فدیہ میں دَین چھوڑدینے سے فدیہ اداہوجائے گا یا نہیں۔	۵۳۲	اداء دین، عین سے ناجائز ہے۔	۵۳۵
کیاوصیت بالمال فقط عین کو متناول ہوتی ہے یادین کو بھی۔	۵۳۳		

دَین معاف کر دینے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔	۵۳۶	شیخ فانی اگر اپنی زندگی میں روزہ کا فدیہ ادا کرے یا فدیہ روزہ کی وصیت کر جائے تو اس فدیہ کے کافی ہونے پر یقین کیا جائے۔	۵۴۵
فدیہ کی ادائیگی کا جو حیلہ ہندوالوں میں متعارف ہے ناتمام و ناکافی ہے۔	۵۳۶	شیخ فانی کے علاوہ کوئی شخص اپنی زندگی میں قضا شدہ روزہ کا فدیہ دے تو روزہ ساقط نہ ہوگا بلکہ قضا فرض ہے۔	۵۴۶
ادائیگی فدیہ کا حیلہ جمیلہ۔	۵۳۷	روزہ کی قضا سے پہلے موت آجائے تو فدیہ کی وصیت واجب ہے۔	۵۴۶
متاخرین کی نصوص میں حیلہ کے لیے طریق دَوَر مذکور ہے طریق دین کا کہیں ذکر نہیں۔	۵۳۹	کوئی شخص انتقال کر جائے اور اس کے ذمہ روزہ یا نماز باقی ہے تو اس کی طرف سے کسی اور کے ادا کرنے سے ساقط نہ ہوں گے۔	۵۴۶
بہتر سال کی عمر میں مرنے والے شخص کا فدیہ کیسے ادا کیا جائے گا؟	۵۳۹	۷۵ سالہ آدمی کے لیے فدیہ۔	۵۴۷
سال قمری تین سو چپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔	۵۳۹	فدیہ کے مصارف۔	۵۴۸
جو شیئ قطعی و یقینی ہو وہ احتیاط کی محتاج نہیں۔	۵۴۰	تولوں سے فدیہ اور صاع کی مقدار۔	۵۴۸
ایک سال کی نمازوں کے دو ہزار ایک سو تیس فدیے ہوتے ہیں۔	۵۴۰	شیخ فانی کی تعریف۔	۵۴۸
فدیہ صوم و صلٰوۃ کے علاوہ بھی بہت سے فدیے لازم ہوتے ہیں جن میں سے دس کا ذکر۔	۵۴۰	**مکروہاتِ صوم**	
بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔	۵۴۲	مسواک کرنا، منجن لگانا۔	۵۵۱
فائدہ: علماء نے حتی الامکان تقلیل دَور پر نظر فرمائی ہے۔	۵۴۲	عورت سے مَس کرنا یا شرمگاہ دیکھنا۔	۵۵۱
تخفیف دَور یا دَور سے بچنے کا حیلہ۔	۵۴۳	جنابت کی حالت میں روزہ رکھنا۔	۵۵۴
شیخ فانی اور موتی کے احکام فدیہ میں متعدد فرق ہیں۔	۵۴۵	دن بھر جنابت کی حالت میں رہنے کی مذمت اور روزے کا حکم۔	۵۵۴
شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے نماز کا نہیں۔	۵۴۵	صرف جمعہ کو روزہ رکھنا۔	۵۵۹
شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے۔ اگر قادر ہو، بعد مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔	۵۴۵	**سحر وافطار کا بیان**	
		آیہ کریمہ فالٰان باشروھن سے متعلق سوال۔	۵۶۱

سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل مستحب ہے۔	۵۶۲	مسلمانو! یہ دین ہے جس پر خدا کی دین ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا یکھنا مجھ پر دین ہے۔	۵۶۹
تعجیل وتاخیر کے معنی۔	۵۶۲	وقت پہچاننا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔	۵۶۹
یہ غلط مشہور ہے کہ جب رات کا ساتواں حصہ باقی رہے تو سحری نہ کھائی جائے، اس کا مدلل رد۔	۵۶۳	بقولِ امام غزالی صبح صادق وکاذب میں امتیاز کرنا ابتدا میں مشکل ہوتا ہے لیکن بغور مشاہدہ کرتے رہنے سے بعنایتِ الٰہی دونوں صبحیں خوب نگاہ میں بچ جاتی ہیں۔	۵۷۰
٥رسالہ ھدایۃ الجنان باحکام رمضان (صبح صادق اور کاذب کی معرفت کرائی گئی ہے اور نقشوں سے صبح صادق سمجھایا گیا ہے، افطار وسحر کے مسائل بیان کئے گئے ہیں)	۵۶۷	صبح صادق وکاذب میں اشتباہ پیدا کرنے والی پانچ وجوہ کا بیان۔	۵۷۰
افطار و سحری رمضان المبارک اور چند مسائل روزہ پر مشتمل ایک اشہار کے بارے میں استفتاء اور اس کے صحیح وغلط ہونے کے متعلق استفسار۔	۵۶۷	صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل اور صبح کاذب کو مستطیر کہا گیا۔	۵۷۰
اوقات صحیح نکالنے کے فن کو علم توقیت کہتے ہیں۔	۵۶۸	صبح کاذب کی وجہ تسمیہ سے پیدا ہونے والا اشتباہ۔	۵۷۰
علمِ توقیت سے ہندوستان کے اکثر علماء غافل ہیں نہ یہ ہیئت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے۔	۵۶۸	صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے وہاں ہرگز تاریکی نہیں آتی۔	۵۷۰
مرزا خیر اللہ منجم کی دوحرفی جدول سے ناواقفِ فن نفع نہیں پاسکتا۔	۵۶۸	بعض کتبِ ہیئت اور ان کی اتباع میں بعض کتبِ فقہ میں یہ بات غلط لکھ دی گئی کہ جب آفتاب افق سے پندرہ[15] درجے نیچے ہوتا ہے تو صبح صادق ہوتی ہے، اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے ہوتی ہے۔	۵۷۰
زیج بہادر خانی کی جداولِ تعدیل سے سحری کو توکچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں ناقص ہے۔	۵۶۸	صبح کی سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ زمین کے کنارہ سے اُٹھتی ہوئی بلندی پر آتی ہے۔	۵۷۱
مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے نقشہ سحر وافطار کا تعارف جس میں برہان وعیان کو مطابق کردیا گیا۔	۵۶۸	یہ قول کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے ہر موسم اور ہر مقام کے لیے عام نہیں۔	۵۷۱
جو ہیئت کا علم رکھتا ہے وہ نقشہ مصنف کو برہان کے مطابق دیکھ کر صبح صادق وکاذب کو پہچان سکنے والا اس کو مشاہدہ کے مطابق پائے گا۔	۵۶۸	صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک سفیدی کو پیش آنے والی سات صورتوں کا بیان۔	۵۷۱

مسائل مذکورہ اشتہار میں تیس ۳۰ اغلاط کی نشاندہی	۵۷۳	فقہ میں بڑا کام قولِ منقح کا ادراک ہے۔	۵۷۷
ہلالِ رمضان میں بحالتِ ابر وغبار اجلہ ائمہ کی تصحیح کے مطابق مستور کی شہادت بھی مقبول ہے۔	۵۷۳	جب رمضان دو عادلوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہو اور تیس روزے پورے ہونے پر اکتیسویں شب مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم ہے۔	۵۷۷
مستور سے مراد وہ ہے جس کی عدالتِ باطنی مجہول ہو	۵۷۳	مذہبِ مفتی بہ کے مقابل بعض مشائخ کے قول پر اعتماد کرنا جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۵۷۸
ظاہر الروایۃ مصححہ بالتصریح سے عدول صریح جہل ونامقبول ہے۔	۵۷۳	یومِ شک کون سا دن ہے۔	۵۷۹
قبولِ شہادت کے لیے مطابقت قواعدِ شرعیہ کے ساتھ مطابقت قواعدِ عقلیہ کی قید بڑھانا خلافِ مذہب معتمد ہے۔	۵۷۴	شک استوائے طرفین کی حالت میں ہے۔	۵۷۹
جو قواعد اہلِ ہیئت نے دربارہ ہلال اپنے ظنون وتخمینات سے گھڑے ہیں شرع نے اصلًا ان کی طرف التفات نہ فرمایا۔	۵۷۴	ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں۔	۵۸۱
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ سیر تیرین عزیز علیم کے حساب مقدر پر ہے دربابِ رؤیتِ ہلال حساب کو یک لخت ابطال واہمال کیوں فرمایا۔	۵۷۵	ضروریات کے لیے گواہی کی حاجت نہیں۔	۵۸۱
امامِ اہلِ ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں رؤیتِ ہلال کا ذکر کیوں نہیں کیا۔	۵۷۵	فتوٰی عدمِ اعتبار اختلافِ مطالع پر ہے اور یہی احوط واقوی ہے۔	۵۸۲
متاخرین اہلِ ہیئت کے تخمینات کا تخلف دشوار نہیں۔	۵۷۵	ظاہر الروایۃ کو اپنانا ہی احوط ہے۔	۵۸۲
اہلِ ہیئت رؤیتِ ہلال کے بارے میں کوئی ضابطہ صحیحہ نہیں بتاسکے۔	۵۷۵	دو دلیلوں میں سے اقوی پر عمل کرنے میں ہی احتیاط ہے۔	۵۸۲
منجمین کے حسابات میں اکثر خطا پڑی ہے۔	۵۷۵	جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب اور قول نہیں۔	۵۸۳
ثقہ عادل کی شہادتِ شرعیہ کو رد کرنے والے قواعدِ عقلیہ قابلِ لحاظ نہیں۔	۵۷۶	جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ امام صاحب کا قول نہ رہا۔	۵۸۳
مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک ثقہ کی شہادت کب مردود اور کب مقبول ہے۔	۵۷۶	جو ظاہر الروایہ کے مخالف ہے وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔	۵۸۳

قولِ مرجوع پر فتویٰ دینا جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۵۸۳	مولوی صاحب نے اپنے فتاویٰ کی تیسری جلد آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی لہٰذا ان کا فتاویٰ دیکھنے والوں کو اس کا لحاظ ضروری ہے۔	۵۹۴
اختلافِ مطالع کا اعتبار کرنے والے کتنی مسافت میں اس کو معتبر مانتے ہیں۔	۵۸۴	نیم صاع کا وزن انگریزی سیر سے کتنا بنتا ہے اور بریلی اور رامپور کے سیر سے کتنا بنتا ہے۔	۵۹۴
معتبرینِ اختلافِ مطالع کا تین وجوہ سے رَد	۵۸۴	جس نے بعذرِ شرعی روزہ نہ رکھا ہو اسے ماہِ رمضان کی حرمت کے پیشِ نظر حتی الوسع چھپ کر کھانا چاہئے۔	۵۹۵
ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلیٰ درجہ تحقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اس کی ہوا بھی نہیں آئی۔	۵۸۸	جو اشیاء نہ غذا ہیں نہ دوا، اور نہ ہی مرغوبِ طبع ہیں، وہ پیٹ بھر کر بھی کھالینے سے فقط قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔	۵۹۵
ہمارے ائمہ نے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیوں نہیں کیا۔	۵۸۸	روزے توڑنے پر وجوب کفارہ کی شرائط۔	۵۹۵
رؤیتِ ہلال کے بارے میں اختلافِ مطالع کا دربارہ صلوات اختلافِ مطالع پر قیاس محض مع الفارق ہے۔	۵۸۹	کفارے میں ترتیب شرعی کا لحاظ ضروری ہے۔	۵۹۵
اختلافِ مطالع کے بارے میں مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کے مؤقف کا رَد۔	۵۸۹	جب تک انزال نہ ہو جلق سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔	۵۹۶
امام زیلعی صاحبِ مذہب نہیں، نہ محدثینِ حنفیّہ ان میں منحصر ہیں۔	۵۸۹	قے سے روزہ کب ٹوٹتا ہے۔	۵۹۶
امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے۔	۵۸۹	مفطرات غیر مکفرات کا بار بار کرنا مطلقاً موجبِ کفارہ نہیں جب تک بہ نیتِ معصیت نہ ہو۔	۵۹۶
حدیثِ کریب پر بحث۔	۵۸۹	حاملہ اور مرضعہ کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت کب ہے۔	۵۹۷
مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثِ کریب کے بارے میں توجیہ صاحب فتح القدیر کی توجیہ سے اولیٰ ہے۔	۵۹۱	رکعاتِ تراویح کی تعداد میں اختلاف ہو کہ بیس [۲۰] پڑھی ہیں یا اٹھارہ [۱۸]، تو اس کی متعدد صورتیں ہیں۔	۵۹۷
مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کو تاتارخانیہ کی عبارت سمجھنے میں غلطی لگی۔	۵۹۱	حافظ ایک بار تراویح میں سنا چکا تو دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنا سکتا ہے۔	۵۹۸
مولوی صاحب مذکور کا اختلافِ مطالع کے بارے میں حق کی طرف رجوع۔	۵۹۳		

تراویح میں ختمِ قرآن سنت ہے واجب نہیں۔	۵۹۸	جماعتِ نفل بہ تداعی مشروع نہیں۔	۶۰۳
دوبارہ ختمِ قرآنِ تراویح میں اگرچہ حافظ کے لیے قبل ایقاع سنت مؤکدہ نہیں مگر بعد وقوع سنت تو در کنار جتنا پڑھے گا فرض واقع ہوگا۔	۵۹۸	تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہوں گی اسی طرح مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی۔	۶۰۳
نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک ہی رکعت میں پڑھے تو سب فرض ہی واقع ہوگا۔	۵۹۸	نذر سے جو وجوب آتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے۔	۶۰۵
ضمِ سورت واجب ہے تو اس کے لیے فرض رکوع سے عود کیوں۔	۵۹۸	وجوبِ عارضی وجوبِ اصلی سے اضعف ہوتا ہے۔	۶۰۵
واجب کے لیے رفضِ فرض ناجائز جبکہ فرض کے لیے رفضِ فرض جائز ہے۔	۵۹۸	اضعف پر اقوی کی بناء صحیح نہیں۔	۶۰۵
قعدہ اولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اب اسے عود حلال نہیں۔	۵۹۸	اختلافِ سبب وجوب مانعِ صحتِ بناء ہے۔	۶۰۵
ضمِ سورت بھول کر رکوع میں جانے والا واپس کھڑا ہو کر سورت پڑھے تو دوبارہ رکوع لازم ہے۔	۵۹۸	ناذر ناذر کی اقتداء نہیں کرسکتا۔	۶۰۵
فرض کے لیے جو فرض چھوڑا وہ جاتا رہا۔	۵۹۸	ناذر مفترض کی اقتداء نہیں کرسکتا۔	۶۰۵
جو ایک بار تراویح پڑھا چکا اسی رات دوسرے لوگوں کو نہیں پڑھا سکتا۔	۵۹۹	فرض جماعت سے اور تراویح تنہا پڑھنے والا وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔	۶۰۵
نفل محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے۔	۶۰۰	فرض تنہا اور تراویح جماعت سے پڑھنے والا وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔	۶۰۵
تراویح سارے ماہِ مبارک میں سنتِ مؤکدہ ہے۔	۶۰۱	نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو۔	۶۰۷
مولوی عبداللہ صاحب لکھنوی کے ایک فتوی کا چھ وجوہ سے رد۔	۶۰۳	نماز میں آیتِ سجدہ تلاوت کی تو سجدہ فوراً واجب ہے۔	۶۰۷
سنن ونوافل میں اضعفیت مانعِ صحتِ بناء نہیں۔	۶۰۳	حرمتِ نماز سے خروج جس طرح مانع سجدہ تلاوت ہے یوں ہی مانع سجدہ سہو بھی ہے۔	۶۰۷
عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہوسکتی۔	۶۰۳	سجدہ تلاوت نماز میں کرنا بھول گیا اور حرمتِ نماز سے خارج نہ ہوا تھا کہ یاد آگیا تو سجدہ تلاوت پھر سجدہ سہو دونوں کرے۔	۶۰۷
کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز جائز ہے۔	۶۰۳	در بارہ ہلال تار کی گواہی شرعاً محض باطل ونامعتبر۔	۶۰۸

تارا صلاً اہلیتِ شہادت نہیں رکھتا۔	۶۰۹	ادراک اوقات کے لیے شمس وقمر کے تقرر پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	۶۱۸
جواستفاضہ شرع نے رؤیتِ ہلال کے بارے میں معتبر فرمایا اس کے معنی کی تحقیق۔	۶۱۰	ہلال کے ظہور وخفا کے اسباب کثیر و نامنضبط ہیں۔	۶۱۹
استفاضہ بمنزلہ خبرِ متواتر ہے۔	۶۱۱	بطلیموس نے متحیرہ خمسہ وکواکب ثوابت کے ظہور و خفا کے لیے باب وضع کرنے کے باوجود رؤیتِ ہلال سے اصلاً بحث نہ کی۔	۶۱۹
دربارہ ہلالِ اضحیٰ علامہ شامی کو اشتباہ ہوا۔	۶۱۲	متاخرین اربابِ ہیئت نے بلحاظ درجہ ارتفاع یا بعد معدل وقوس تعدیل الغروب وغیرہ کی کچھ باتیں رؤیتِ ہلال کے بارے میں کیں لیکن وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں۔	۶۱۹
تنبیہ	۶۱۳	اہلِ ہیئتِ جدیدہ فضول باتوں میں نہایت تدقیق و تعمق کرتے ہیں اس کی چند مثالیں۔	۶۱۹
حج میں رَدِ شہادت اختلافِ مطالع کی بناء پر نہیں بلکہ دفعِ حرج کی وجہ سے ہے۔	۶۱۳	ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ رؤیتِ ہلال کے بارے میں اہلِ توقیت کا قول منظور نہیں۔	۶۱۹
٥ رسالہ درء القبح عن درك وقت الصبح (صبح صادق معلوم کرنے کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے)	۶۱۷	رؤیت کے تکرار سے تجربہ نے کچھ ضوابط کلیہ دیئے جن کی مدد سے وقت کو قوانینِ علمِ ہیئت وزیج کے ضابطہ میں لے آنا میسر ہوا۔	۶۱۹
کیا شریعت میں صبح صادق معلوم کرنے کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے یا آنکھوں سے دیکھنا ضروری ہے۔	۶۱۷	شہر کا عرض اور جزء شمس کا میل معلوم ہونا طلوع وغروب کا وقت بتانے کے لیے کافی و وافی ہے۔	۶۲۰
مفتاح الصلوٰۃ میں جو بحوالہ خزانۃ الروایات لکھا ہے کہ رات کا ساتواں حصہ فجر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے۔	۶۱۷	شرع مطہر میں طلوع وغروب عرفی معتبر ہے۔	۶۲۰
شریعتِ مطہرہ نے نماز، روزہ اور حج وغیرہ کے لیے جو اوقات مقرر فرمائے ان کا مدار رؤیت پر ہے۔	۶۱۷	بالائے زمین ۴۵۵ سے ۵۲۵ میل تک علی الاختلاف بخارات وہواءِ غلیظہ محیط ہوتی ہیں۔	۶۲۰
شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تمام جہان کے لیے اُتری ہے۔	۶۱۸	شعاعِ بصر پہلے ملاءِ غلیظ پھر ملاءِ صافی میں گزر کر افق میں پہنچتی ہے۔	۶۲۰
اوقات کے لیے حکیم رحیم جل جلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرمادیں یعنی چاند اور سورج۔	۶۱۸	انکسار کیا ہے اور اس کی مقدار دریافت کرنے کا ضابطہ	۶۲۰

صبح کاذب و صبح صادق کے وقت انحطاطِ شمس کے درجات میں اہلِ ہیئت کا اختلاف۔	۶۲۱	افطار کی دعا پڑھنے کا وقت۔	۶۲۹
صبح کاذب اور صبح صادق کی شرعی تعریف۔	۶۲۱	○ رسالہ العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار (دعائے افطار بعد افطار پڑھنا)	۶۳۱
صبح کاذب اور صبح صادق میں کتنے درجات کا فاصلہ ہے۔	۶۲۱	دعائے افطار "اللّٰھم لك صمت الخ" کے بارے میں تین اقوال ہیں کہ قبل افطار پڑھی جائے یا وقتِ افطار یا بعدِ افطار ان اقوالِ ثلاثہ میں سے کون سا قول صحیح ہے۔	۶۳۱
امام اعظم کے نزدیک وقتِ مغرب شفقِ ابیض مستطیر تک ہے۔	۶۲۲	مقتضائے دلیل یہ ہے کہ یہ دلیل روزہ افطار کرکے پڑھی جائے، اس پر پانچ وجوہ سے استدلال۔	۶۳۴
صبح صادق کے لیے ۱۵ درجے انحطاط کے بطلان اور۱۱۸ ۸ درجے انحطاط کی صحت کا مؤید مشہور واقعہ۔	۶۲۳	الفاظِ احادیث "اذا افطر قال اللّٰھم الخ" کا مفاد صریح یہی ہے کہ افطر شرط او قال کذا اس کی جزا ہے۔	۶۳۵
امام شمس الائمہ حلوانی کا سن وفات کیا ہے۔ (حاشیہ)	۶۲۳	مجرد قول، مقولے کے بغیر صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتب جو لازم جزائیت ہے کہاں سے آئے گا۔	۶۳۵
فرع جب تکذیبِ اصل کرے تو فرع باقرارِ خود کاذب ہے کیونکہ فرع اصل پر مبتنی ہے جب مبنی باطل تو مبتنی بھی باطل۔	۶۲۵	اللّٰھم کو کلامِ مستانف قرار دینا ایسی غلطی ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا۔	۶۳۵
سحری کے لیے نقارہ بجانا جائز ہے۔	۶۲۵	جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی بلکہ شرط سے مؤخر اور اس پر مرتب ہوتی ہے۔	۶۳۵
الموڑہ اور بریلی کے سحر وافطار کے وقت میں تفاوت۔	۶۲۵	دعا مذکور اور افطار میں مقارنتِ حقیقیہ یہاں معقول نہیں۔	۶۳۵
سہادر کے افطار وسحر کے اوقات۔	۶۲۶	قولِ ثانی وثالث کا مآل ایک ہی ہے۔	۶۳۵
غروب پر یقین ہونے پر فوراً افطار سنت ہے۔	۶۲۶	ادعیہ افطار میں ماضی کے صیغوں سے انشاء مقصود نہیں تو لاجرم اخبار متعین ہے۔	۶۳۶
الموڑہ میں پہاڑی اور میدانی طلوع وغروب میں فرق۔	۶۲۷	ارتکاب تجوّز خلافِ اصل ہے۔	۶۳۶
خرما، پانی سے افطار کرنا، حقہ اس طور پر پینا جس سے تفتیر ہو حرام ہے۔	۶۲۹		

جب تک کوئی حاجت نہ ہو نصوص کو ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔	۶۳۶	جس حدیث سے بظاہر افطار سے قبل دعاء کا وقوع ثابت ہے اس کی توجیہ۔	۶۴۴
اَفۡطَرۡتُ کا ترجمہ "میں افطار کرتا ہوں" صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ "میں نے افطار کیا"۔	۶۳۶	داؤد بن زبرقان متروک ہے۔	۶۴۴
حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ جلد افطار کرنے والا اللہ تعالٰی کو زیادہ محبوب ہے۔	۶۳۶	**صوم نفل**	
تین حدیثیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افطار قبل از دعا کا پتا دیتی ہیں۔	۶۳۷	۲۷ رجب کا روزہ۔	۶۴۷
ملا علی قاری اور ابن الملک کی تصریح کہ دعاء افطار کے بعد ہے۔	۶۳۸	۲۷ رجب اور دوسرے نفلی روزے۔	۶۴۹
اللھم لك صُمۡتُ دعا ہے۔	۶۳۸	حضرت علی مشکل کشا کا روزہ۔	۶۵۳
احادیثِ کثیرہ میں ذکر کو بھی دعا قرار دیا گیا۔	۶۳۹	رمضان شریف کے اخیر عشرہ میں اعتکاف۔	۶۵۴
بہترین دُعا دُعاءِ عرفہ ہے۔	۶۳۹	**کتاب الحج**	
افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ اور افضل دعاء الحمد للہ ہے۔	۶۴۰	عورت پر حج فرض ہو تو اسے حج کے لیے جانا فرض ہے۔	۶۵۷
کنایہ تصریح سے ابلغ ہے۔	۶۴۰	حج فرض میں والدین کی اجازت کی حاجت نہیں۔	۶۵۸
وقت الافطار، عندالافطار، بعدالافطار، ہنگام افطار، نزدیک افطار اور پسِ افطار سب کا حاصل ایک ہی ہے۔	۶۴۱	والدین پر قرض ہونا لڑکے پر حج فرض ہونے میں مانع نہیں۔	۶۵۸
لفظ عند کے لغوی معنی کی تحقیق۔	۶۴۱	جس پر حج فرض ہو وہ حج کو نہ جائے اور دوسرے حاجیوں کی مدد کرے وہ گنہگار ہے۔	۶۵۸
مکانیات سے قربِ مکانی اور زمانیات سے قربِ زمانی ہوگا۔	۶۴۱	**حج بدل**	
اتحادِ جہت مستلزمِ قرب اور وہ ہنگام حقیقت قربِ مکانی کہ جہتِ حقیقیہ مختص بمکانیات ہے۔	۶۴۱	حاجی راستہ میں مرجائے تو اس کا حج ادا ہو جاتا ہے۔	۶۵۹
کبھی افطار مقابلِ سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔	۶۴۲	جس پر حج فرض ہو اس سے حج بدل کرانا مکروہ ہے۔	۶۵۹

حجِ بدل کے شرائط۔	۶۵۹	حج کے بعد مدینہ طیبہ نہ جائے تو کیا حکم ہے۔	۶۷۱
جس عجز کی وجہ سے بدل کرایا گیا ہے وہ مرتے دم تک باقی رہے۔	۶۵۹	حج سے قبل یا بعد مدینہ طیبہ جانا۔	۶۷۲
بدل کے لیے آدمی کیسا ہو، کہاں سے جائے، اور کہاں سے حساب لگائے۔مکہ مکرمہ سے حج بدل کافی ہوگا یا نہیں۔	۶۶۲	رمضان اور غیر رمضان میں مکہ مکرمہ میں نماز، روزہ، عمرہ کے حکم۔	۶۷۲
بدل کے روپے اپنی ضرورتوں میں خرچ کرنے سے تاوان دینا ہوگا۔	۶۶۳	حجاز ریلوے کی امداد سے متعلق سوال۔	۶۷۴
بغیر سِلا لنگوٹ باندھنا جائز ہے۔	۶۶۴	رسالہ صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (حرمین طیبین میں سکونت کرنے کا بیان)	۶۷۷
معتاد طور پر سلے کپڑے پہننا۔	۶۶۴	جس مکلّف شخص کے والدین زندہ ہوں اور معاشی طور پر اس کے محتاج نہ ہوں وہ ان سے اجازت لیے بغیر حرمین شریفین کی طرف ہجرت کرکے وہاں مجاورت اختیار کرسکتا ہے یا نہیں۔	۶۷۷
سر یا مونچھ چھپانا احرام میں منع ہے۔	۶۶۴	والدین سے نیک سلوک اعظم واجبات اور اہم قربات سے ہے۔	۶۷۸
سر کھلے رہنے پر ضرر ہو تو اس کی تدبیر۔	۶۶۴	قرآن وحدیث سے والدین اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے فضائل۔	۶۷۸
غسل ضرر کرے تو احرام کے لیے وضو کرے، تیمّم نہ کرے۔	۶۶۵	حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ خیر التابعین ہیں۔	۶۸۴
منٰی سے عرفات اور مزدلفہ جانے کے اوقات۔	۶۶۶	ہجرت کا صحیح مفہوم کیا ہے۔	۶۸۴
ان اوقات میں کوئی مجبوری ہو تو کیا کرے۔	۶۶۶	فقیہِ واحد شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔	۶۸۵
بارھویں کو قبلِ زوال رمی کرنا۔	۶۶۶	اگر جریج راہب عالم ہوتا تو جانتا کہ ماں کی پکار پر لبیک کہنا عبادتِ رب سے اولٰی ہے۔	۶۸۶
عورت کی جانب سے دوسرا رمی کرسکتا ہے یا نہیں۔	۶۶۶	اطاعتِ والدین حج نفل سے اولٰی ہے۔	۶۸۶
احرام کی قربانیاں۔	۶۶۹	سید جلیل ابوعبداللہ الفاسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا واقعہ۔	۶۸۹
ایک اونٹ میں آٹھ آدمی شریک ہونا۔	۶۶۹	مجاورتِ مکہ مکرمہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔	۶۹۱
قربانی کے لئے حرم شرط ہے۔	۶۷۰	مدینہ منورہ میں رحمت اکثر، الطف اور اوفر ہے۔	۶۹۵
قربانی کی بجائے قیمت خیرات کرنا۔	۶۷۰		

بالجملہ ہمارے زمانے میں عدمِ جوازِ مجاورت کاحکم ہے۔	۶۹۸	سر چھپانے سے تاوان آئے گا۔ تاوان کی تفصیل۔	۷۱۳
شرائط حج		احرام کے سلے ہوئے کپڑے۔	۷۱۵
حج کے لیے صحت شرط ہے۔	۶۹۹	احرام کی حالت میں عورتوں کا پنکھے وغیرہ سے منہ چھپانا	۷۱۵
مال جملہ حاجات سے فاضل ہونا شرطِ وجوب ہے۔	۶۹۹	خوشبودار تمباکو پان میں کھانا۔	۷۱۶
عورت کے ساتھ محرم ہونا ضروری ہے۔	۷۰۱	عورت پر حج فرض ہو اور محرم دستیاب ہو تو حج کو جائے اگرچہ شوہر اجازت نہ دے۔	۷۱۷
محرم نہ ہو تو نکاح کرنا۔	۷۰۱	قدرت کے باوجود زیارت شریف رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تارک اور منکرِ فضل کاحکمِ شرعی۔	۷۱۸
عورت کے ساتھ متقیہ عورت کاہونا کافی نہیں۔	۷۰۱	حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کاواقعہ۔	۷۲۱
فاسق کے ساتھ عورت نہ جائے۔	۷۰۱	۵ رسالہ انوار البشارہ فی مسائل الحج والزیارہ (آدابِ سفر، مقدماتِ حج، احکامِ حج احرام، طواف اور طریقہ حج وغیرہ کا بیان)	۷۲۵
محرم نہ ہو تو عورت نکاح کرے۔	۷۰۴	یہ مختصر اور جامع رسالہ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے والدماجد الحاج مولینا محمد نقی علی قادری رحمہ اللہ تعالٰی کی کتاب مستطاب "جواہر البیان" سے ملتقط ہے اور اس میں صدہا مسائل مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسائل سے بھی بڑھائے جوکہ حضرت سید محمد احسن صاحب بریلوی کی فرمائش پر معرض تحریر میں آیا۔ یہ رسالہ سات فصلوں پر مشتمل ہے۔	۷۲۵
عورت کے ساتھ محرم ہونا ضروری ہے اگرچہ عورت بوڑھی ہو۔	۷۰۵	فصل اول: آداب سفر ومقدماتِ حج میں۔	۷۲۶
بغیر محرم کے عورت حج کرے تو گنہ گار ہوگی۔	۷۰۵	اس فصل میں اڑتالیس مسائل مذکور ہیں۔	۷۲۶
حرام مال سے حج واجب نہیں ہوگا۔	۷۰۸	فصل دوم: احرام اور اس کے احکام اور داخلی حرم محترم ومکہ مکرمہ ومسجد الحرام کے بیان میں۔	۷۳۱
معذور حج بدل کرائے۔	۷۰۹	اس فصل میں بیس مسائل بیان کئے گئے ہیں۔	۷۳۷
کسی پر حج فرض تھا اور حج نہیں کیا اب اس کے پاس مال نہیں تو وہ کیسے حج کرے۔	۷۱۰	فصل سوم: طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان۔	۷۳۷
راستہ کامامون ہونا حج کے لیے شرط ہے۔	۷۱۰	اس فصل میں چھتیس مسائل بیان کئے گئے ہیں۔	۷۳۷
قبرِ انور، کعبہ معظمہ اور عرش سے افضل ہے۔	۷۱۱	فصل چہارم: منٰی کی روانگی اور وقوفِ عرفہ کا بیان۔	۷۴۵
مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں کون افضل ہے۔	۷۱۱	اس فصل میں چوبیس مسائل بیان کئے گئے ہیں۔	۷۴۵
جنایات			

یوم الترویہ یعنی آٹھ ذوالحجہ کو طلوعِ آفتاب کے بعد منی کے لیے روانہ ہوں اگر ہوسکے تو پیدل چلیں کیونکہ پیدل حج کرنے سے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گے۔ سو ہزار کا لاکھ، سولاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سوارب کا کھرب تو اس طرح مکہ مکرمہ واپس پلٹ کر آنے تک یہ نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں۔	۷۴۶	اس فصل میں صدقہ سے کیا مراد ہوگی۔	۷۵۷
موقف کیا ہے۔(حاشیہ)	۷۴۸	جرمِ غیر اختیاری کا حکم۔	۵۷۵
بطن عرنہ سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۴۸	چار پہر سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۵۷
موقف میں بلاعذر چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچنا چاہئے۔	۷۵۰	پوری ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگائی تو دم واجب ہے۔(حاشیہ)	۷۵۸
تنبیہ ضروری ضروری، اشد ضروری۔	۷۵۰	مسئلہ: سنگِ اسود پر ملی ہوئی خوشبو اگر بہت سی منہ کو لگ جائے تو دم اور اگر تھوڑی ہو تو صدقہ دینا ہوگا۔	۷۵۸
فصل پنجم: منیٰ ومزدلفہ وباقی افعال حج کا بیان۔	۷۵۰	مسئلہ: جہاں ایک دم یا صدقہ ہے قارن پر دو ہیں۔	۷۶۲
اس فصل میں ستاون مسائل کا ذکر ہے۔	۷۵۰	مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قارن ومتمتع کے شکرانہ کی قربانی غیرِ حرم میں نہیں ہوسکتی۔	۷۶۲
وادی محسر کیا ہے۔	۷۵۱	شکرانہ کی قربانی خود بھی کھاسکتا ہے اور غنی کو بھی کھلاسکتا ہے مگر کفارہ کی قربانی صرف محتاجوں کا حق ہے۔	۷۶۲
محتاج محض اگر قِران یا تمتع کی نیت کرے تو اس پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے۔(حاشیہ)	۷۵۲	نصیحت	۷۶۲
جنۃ المعلّٰی اور وادی محصّب سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۵۵	وصل ہفتم: حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیان۔	۷۶۳
فصل ششم: جرم اور ان کے کفارے کا بیان۔	۷۵۷	اس وصل میں چالیس مسائل ذکر کئے گئے ہیں۔	۷۶۳
اس فصل میں ساٹھ مسائل بیان کئے گئے۔	۷۵۷	انبیاء علیہم السلام کی موت صرف ایک آن کے لیے ہوتی ہے۔	۷۶۴
اس فصل میں دم سے مراد بھیڑ یا بکری اور بدنہ سے مراد اونٹ یا گائے ہوگی۔	۷۵۷	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات ووفات میں کوئی فرق نہیں۔	۷۶۴
دم اور بُدنہ میں جانوروں کے شرائط وہی ہیں جو قربانی میں ہیں۔	۷۵۷		

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زائرین کی حاضری، کھڑے ہونے، سلام عرض کرنے بلکہ تمام افعال واحوال اور کوچ و مقام سے آگاہ ہیں۔	۷۶۴	احرام کا مسنون ومستحب طریقہ۔	۷۸۱
حضور علیہ السلام کے سامنے ایسے کھڑے ہونا چاہئے جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔	۷۶۵	وہ امور جو احرام میں حرام ہیں۔	۷۸۲
روضہ کی جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچنا چاہئے کہ خلافِ ادب ہے۔	۷۶۵	سیاہ خضاب ہمیشہ ناجائز ہے مگر جہاد میں۔	۷۸۴
ہر مسجد میں جاتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے۔	۷۶۸	نماز کا ایک اہم مسئلہ (حاشیہ)	۷۸۵
ترک جماعت بلاعذر گناہ ہے، کئی بار ہو تو سخت حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔	۷۶۸	حج وعمرہ کے ارکان۔	۷۸۶
روضہ انور کا طواف، سجدہ اور رکوع کے برابر جھکنا ممنوع ہے۔	۷۶۹	رکن، شرط اور فرض میں فرق۔	۷۸۶
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔	۷۶۹	حج کے فرض	۷۸۹
٥ رسالہ النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ (مسائلِ حج و زیارت کا بیان)	۷۷۱	حج کے واجب۔	۷۸۹
خطبہ الطرۃ الرضیہ	۷۷۱	حج کی سنتیں۔	۷۹۲
شرح خطبہ متن	۷۷۲	طوافِ قدوم، متمتع اور اہل مکہ کے لئے نہیں۔	۷۹۲
ناسک کا معنی ومراد	۷۷۲	کھلا معجزہ (حاشیہ)	۷۹۵
خطبہ النیرۃ الوضیہ	۷۷۳	جرمانے کا بیان۔	۷۹۷
ماتن وشارح رحمہ اللہ تعالٰی کی ملاقات کا واقعہ۔	۷۷۳	زیارت سراپا طہارت کا بیان ۔	۷۹۸
سببِ شرح	۷۷۴	حدیث "لاتشد الرحال" کا جواب (حاشیہ)	۸۰۰
شرائطِ وجوب حج۔	۷۷۵	زائرین کے مستحقِ شفاعت ہونے کا ثبوت بیس احادیث سے۔	۸۰۱
مکاتب، مدبر اور امِ ولد کی تعریف۔	۷۷۶	عجیب لطیفہ (حاشیہ)	۸۰۲
کیا ایمان کے سوا عبادتیں کفار پر فرض ہیں۔	۷۷۶	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام عرض کرنے والے کو جواب دیتے ہیں۔	۸۰۶
احرام کی کیفیت۔	۷۷۸		

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیامت تک کے احوال کوایسے دیکھ رہے ہیں جیسے اپنی ہتھیلی کو۔	۸۰۶	حج وعمرہ کی ترکیب۔	۸۱۳
سرورِعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاعلم وفات کے بعد بھی ایساہی ہے جیساآپ کی زندگی میں۔	۸۰۷	حاجیوں کااحرام تین طرح ہوتا ہے۔	۸۱۳
حضور سرورِعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات ووفات دونوں امت کے لیے بہتر ہیں۔	۸۰۷	مفرد، متمتع اور قارن کی تعریف۔	۸۱۳
ہمارے اعمال حضورپرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں، نیکیوں پرآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شکرادا کرتے ہیں اور گناہوں پر ہمارے لیے استغفار کرتے ہیں۔	۸۰۷	زیادہ ثواب قارن کو حاصل کو ہوتا ہے۔	۸۱۴
زمین پر پیغمبروں کاجسم کھاناحرام ہے۔	۸۰۷	حج کے لیے منٰی اور عرفات پیدل چلیں توہر قدم پرسات کروڑ نیکیاں ہیں۔	۸۱۷
نبی زندہ ہوتے ہیں اورانہیں رزق دیا جاتا ہے۔	۸۰۷	مکہ مکرمہ سے عرفات اور پھرعرفات سے واپس مکہ مکرمہ تک ۲۸ میل بنتے ہیں اور ایک میل میں چارہزار قدم اورہر قدم پرسات کروڑ نیکیاں، تواس طرح کل نیکیاں تخمیناً اٹھتر کھرب چالیس ارب ہوجاتی ہیں۔ (حاشیہ)	۸۱۷
مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت۔	۸۰۸	قدرتِ الٰہی کاعجیب کرشمہ۔ (حاشیہ ا)	۸۲۱
حرمین میں مرنے والے کے لیے قیامت میں امن۔	۸۰۸	قدرتِ ربانی کاصریح نمونہ۔ (حاشیہ ا)	۸۲۲
مدینہ مکہ سے افضل ہے۔	۸۰۹	حاضری مدینہ طیبہ۔	۸۲۳
مدینہ منورہ میں مرنے والے کے لیے شفاعت کی ضمانت۔	۸۰۹	عبد بمعنی غلام کااطلاق وجواز (حاشیہ ا)	۸۲۵
حسنین کریمین میں سے کون افضل ہے (حاشیہ ا)	۸۱۱	ہمیشہ جلوسِ مسجد میں نیت اعتکاف رکھے۔	۸۲۷
حضرات آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خلاصہ مخلوق کہنا صحیح ہے۔	۸۱۲	مسجدِ نبوی شریف کے سات ستونوں کی تفصیل۔ (حاشیہ)	۸۲۷
تکملہ	۸۱۲	فائدہ جلیلہ	۸۲۸
تکملہ لکھنے کی وجہ۔	۸۱۲		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

تیمّم		قضا نمازیں عموماً کامل ہیں لہٰذا اوقات ثلٰثہ میں ناجائز ہیں۔	۵۳۵
مریض سے بعلتِ ضرر، فرضیتِ وضو ساقط ہوجاتا ہے اور اس کے عوض اس پر تیمّم لازم ہوتا ہے۔	۲۷۴	ایک سال کی نمازوں کے دوہزار ایک سو تیس فدیے ہوتے ہیں۔	۵۴۰
صعیدِ طیّب کی عدم موجودگی میں تیمّم بھی ساقط ہوجاتا ہے۔	۲۷۴	ضم سورت واجب ہے تو اس کے لیے فرض رکوع سے عود کیوں۔	۵۹۸
نماز		قعدہ اولیٰ بھول کر سیدھا کھڑا ہوگیا تو اب اسے عود حلال نہیں۔	۵۹۸
دکھاوے کے لیے پڑھی ہوئی نماز صحیح تو ہوگئی، فرض اُتر گیا مگر قبول نہ ہوگی نہ ثواب پائے گا بلکہ گنہ گار ہوگا۔	۱۸۲	امام اعظم کے نزدیک وقتِ مغرب شفقِ ابیض مستطیر تک ہے۔	۶۲۲
فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ نماز کا رکن ہے، نہ فرض، نہ شرط۔	۱۹۵	نماز کا ایک اہم مسئلہ (حاشیہ)	۷۸۵
اوقاتِ ثلٰثہ مکروہہ میں کوئی نماز جائز نہیں سوائے اسی دن کی عصر کے۔	۵۳۴	**جماعت**	
		جماعتِ نفل بہ تداعی مشروع نہیں۔	۶۰۳

فرض جماعت سے اور تراویح تنہا پڑھنے والا وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔	۶۰۵	جوایک بار تراویح پڑھا چکا اسی رات دوسرے لوگوں کو نہیں پڑھا سکتا۔	۵۹۹
فرض تنہا اور تراویح جماعت سے پڑھنے والا وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہوسکتا۔	۶۰۵	تراویح سارے ماہ مبارک میں سنتِ موکدہ ہے۔	۶۰۱
ترک جماعت بلاعذر گناہ ہے، کئی بار ہو تو سخت حرام وگناہِ کبیرہ ہے۔	۶۲۸	تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہوں گی اسی طرح مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی۔	۶۰۳
امامت		**قراءت**	
عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہوسکتی۔	۶۰۳	نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک ہی رکعت میں پڑھے تو سب فرض ہی واقع ہوگا۔	۵۹۸
کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز جائز ہے۔	۶۰۳	ضمِ سورت بھول کر رکوع میں جانے والا واپس کھڑا ہو کر سورت پڑھے تو دوبارہ رکوع لازم ہے۔	۵۹۸
نازر ناذر کی اقتداء نہیں کرسکتا۔۶۰۵	۶۰۵	نفلِ محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے۔	۶۰۰
ناذر مفترض کی اقتداء نہیں کرسکتا۔	۶۰۵	**سجدہ سہو**	
نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو۔	۶۰۷	حرمتِ نماز سے خروج جس طرح مانعِ سجدہ تلاوت ہے یونہی مانعِ سجدہ سہو بھی ہے۔	۶۰۷
تراویح		**سجدہ تلاوت**	
رکعاتِ تراویح کی تعداد میں اختلاف ہو کہ بیس پڑھی ہیں یا اٹھارہ، تو اس کی متعدد صورتیں ہیں۔	۵۹۷	سجدہ تلاوت کا وجوب امام ابویوسف کے نزدیک فوری اور امام محمد کے نزدیک متراخی ہے مگر جب بھی کرے گا بالاتفاق ادا ہی کہلائے گا نہ کہ قضاء۔	۸۰
حافظ ایک بار تراویح میں سنا چکا تو دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنا سکتا ہے۔	۵۹۸	نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی تو سجدہ فوراً واجب ہے۔	۶۰۷
تراویح میں ختمِ قرآن سنت ہے واجب نہیں۔	۵۹۸	سجدہ تلاوت نماز میں کرنا بھول گیا اور حرمتِ نماز سے خارج نہ ہوا تھا کہ یاد آگیا تو سجدہ تلاوت پھر سجدہ سہو دونوں کرے۔	۶۰۷
دوبارہ ختمِ قرآن تراویح میں اگرچہ حافظ کے لیے قبلِ ایقاع سنتِ مؤکدہ نہیں مگر بعد وقوع سنت تو در کنار جتنا پڑھے گا فرض واقع ہوگا۔	۵۹۸		

جنائز		اللھم لك صمتُ دعا ہے۔	۶۳۸
مالِ زکوٰۃ سے میت کو کفن دینا جائز نہیں۔	۱۰۶	احادیثِ کثیرہ میں ذکر کو بھی دعا قرار دیا گیا۔	۶۳۹
جو جنازہ اوقاتِ ثلٰثہ مکروہہ میں لایا گیا اس کی نماز ان اوقات میں جائز ہے۔	۵۳۴	بہترین دعا دعاءِ عرفہ ہے۔	۶۳۹
عیدین		**قرآنی علوم و تفسیر**	
عید کی نماز سے متعلق متعدد سوال۔	۳۷۲	قرآن مجید میں ۳۳ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔	۱۷۲
عید کا چاند تیس ۳۰ رمضان کو دن میں نظر آئے۔	۳۸۸	آیہ کریمہ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ الْاٰیَۃ سے متعلق سوال۔	۵۶۱
عید الاضحیٰ کی رؤیت سے متعلق سوال۔	۴۴۳	**حدیث واصول حدیث**	
احکام مسجد		امام ابویوسف کے بارے میں جو حکایت امام بخاری کے حوالے سے بیان کی جاتی ہے وہ بخاری شریف میں کہیں نہیں۔	۱۸۸
مسجد میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی صورت۔	۲۶۷	بخاری کی تعالیق، متابعات اور شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو گنجائشِ کلام ہے۔	۱۹۹
مسجدوں میں چندہ کرنا۔	۳۰۲	حدیث تَصَدَّقُوا علی الادیانِ کلّھا سے کفار حربی کو صدقہ دینے پر استدلال کا جواب۔	۳۲۸
ہمیشہ جلوسِ مسجد میں نیتِ اعتکاف رکھے۔	۸۲۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادِ عالی "شھرانِ لاینقصانِ" کا کیا مطلب ہے؟	۴۷۸
اعتکاف		صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل اور صبح کاذب کو مستطیر کہا گیا۔	۵۷۰
رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف۔	۶۵۴	حدیثِ کریب پر بحث۔	۵۸۹
ہر مسجد میں جاتے ہوئے اعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے۔	۷۶۸	مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حدیثِ کریب کے بارے میں توجیہ صاحب فتح القدیر کی توجیہ سے اولیٰ ہے۔	۵۹۱
دعا واستغفار		الفاظِ احادیث "اذا افطر قال اللھم الخ" کا مفادِ صریح یہی ہے کہ افطر شرط اور قال کذا اس کی جزا ہے۔	۶۳۵
رؤیتِ ہلال کی دعائیں۔	۴۵۹		

جس حدیث سے بظاہر افطار سے قبل دعاء کا وقوع ثابت ہے اس کی توجیہ۔	٦٤٤	نیکیوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شکرادا کرتے ہیں اور گناہوں پر ہمارے لیے استغفار کرتے ہیں۔	٨٠٧
حدیث "لاتشد الرحال" کا جواب (حاشیہ ۱)	٨٠٠	**تاریخ وتذکرہ**	
زائرین کے مستحقِ شفاعت ہونے کا ثبوت بیس احادیث سے۔	٨٠١	امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان افروز واقعہ۔	٨٤
اسماء الرجال		امام ابوالسعود محمد آفندی مفتی دیارِ رومیہ صاحبِ بحر پر، صاحبِ بحر شرنبلالی پر اور شرنبلالی اس ابوالسعود پر مقدم ہیں جو شرنبلالی کی کتب کے محشیٰ ہیں۔	٩٤
داؤد بن زبرقان متروک ہیں۔	٦٤٤	امام زین الملۃ والدین کے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھنے کا واقعہ۔	١٩٥
سیرت		امام بخاری نہ تابعین میں سے ہیں نہ تبع تابعین میں سے بلکہ امام اعظم کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں۔	٢٠٠
		امام الحرمین ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کی ایک حکایت۔	٤٥٥
حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلام عرض کرنے والے کو جواب دیتے ہیں۔	٨٠٦	صبح صادق کے لئے ۱۵ درجے انحطاط کے بطلان اور ۱۸ درجے انحطاط کی صحت کا مؤید مشہور واقعہ۔	٦٢٣
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت تک کے احوال کو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے اپنی ہتھیلی کو۔	٨٠٦	امام شمس الائمہ حلوانی کی سنِ وفات کیا ہے (حاشیہ)	٦٢٣
سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہے جیسا آپ کی زندگی میں۔	٨٠٧	سید جلیل ابوعبداللہ الفاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ۔	٦٨٩
حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ووفات دونوں امت کے لیے بہتر ہیں۔	٨٠٧	حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ۔	٧٢١
ہمارے اعمال حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔	٨٠٧	امام احمد رضا اور مولانا مکی شافعی رحمۃ علیہما کی ملاقات کا واقعہ۔	٧٧٣

عقائد وکلام		فضائل ومناقب	
سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک نگاہِ لطف جملہ مہماتِ دوجہاں کو بس ہے۔	۱۰۵	امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی کے فضائل۔	۸۴
اللہ تعالٰی کو بندے کی بھلائی اور عذابِ شدید سے اس کی رہائی منظور ہے۔	۱۸۲	سادات کے لیے تحریم صدقات کی علت ان حضراتِ عالیہ کی عزت وکرامت اور نظافت وطہارت ہے۔	۱۰۰
کیا یزید پر لعن کرنا جائز ہے؟	۱۹۳	غنی استحقاقِ کرامت میں بنی ہاشم کے برابر نہیں۔	۱۰۱
فرقِ مراتب بے شمار حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن ان پر بھی کارِ فجار۔	۲۰۱	حضرات سادات اور اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت ومعاونت کے فضائل۔	۱۰۵
جو حمایتِ معاویہ میں حضرت علی کی اولیت وعظمت واکملیت سے آنکھ پھیرے وہ ناصبی یزیدی، اور جو محبتِ علی میں حضرت معاویہ کی صحابیت وخدمتِ بارگاہِ رسالت کو بھلادے وہ شیعی زیدی ہے۔	۲۰۱	نیک کام کی راہنمائی کرنے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا نیک کام کرنے والے کو۔	۱۰۶
ہجرت کا صحیح مفہوم کیا ہے۔	۶۸۴	اپنوں کو زکوۃ دینے سے دوگنا ثواب ہے ایک صلہ رحمی کا اور ایک تصدّق کا۔	۱۸۳
انبیاء علیہم السلام کی موت صرف ایک آن کے لیے ہوتی ہے۔	۷۶۴	بقولِ امام شافعی تمام فقہاء امام ابوحنیفہ کے بال بچے ہیں۔	۱۹۷
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات ووفات میں کوئی فرق نہیں۔	۷۶۴	امام بخاری کا اپنے زمانے میں حفظِ حدیث، نقدِ رجال اور تنقیحِ صحت وضعفِ روایات میں پایہ رفیع ہے۔	۱۹۹
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زائرین کی حاضری، کھڑے ہونے، سلام عرض کرنے بلکہ تمام افعال واحوال اور کوچ ومقام سے آگاہ ہیں۔	۷۶۴	کتبِ احادیث میں امام بخاری کی کتاب بیشک چیدہ ومنتخب ہے۔	۱۹۹
کیا ایمان کے سوا عبادتیں کفار پر فرض ہیں۔	۷۷۶	امام ابوحنیفہ کے فضائل۔	۱۹۹
زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام ہے۔	۸۰۷	امام بخاری نے امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔	۱۹۹
نبی زندہ ہوتے ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔	۸۸۰		

امام بخاری کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ الفاظِ حدیث کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصًا امام ابوحنیفہ کا حصہ تھا۔	۱۹۹	قرآن وحدیث سے والدین اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے فضائل۔	۶۷۸
امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خراج تحسین۔	۲۰۰	حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر التابعین ہیں۔	۶۸۴
حضرت امام عامر شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل۔	۲۰۰	فقیہ واحد شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے۔	۶۸۵
ہمارے نزدیک امام بخاری کو امام ابوحنیفہ سے وہ نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔	۲۰۱	اگر جریج راہب عالم ہوتا تو جانتا کہ ماں کی پکار پر لبیک کہنا عبادتِ رب سے اولیٰ ہے۔	۶۸۶
یہی نسبتِ مذکورہ ہی ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیدنا غوث اعظم اور مولانا علی قاری کو شیخ اکبر سے ہے۔	۲۰۱	اطاعتِ والدین حج نفل سے اولیٰ ہے۔	۶۸۶
اپنے عزیز مقروض کو زکوۃ دینے میں دُونا ثواب ہے۔	۲۵۳	مدینہ منورہ میں رحمت اکثر، الطف اور اوفر ہے۔	۶۹۵
علمِ دین پڑھنے والے طلبہ کو زکوۃ دینا افضل ہے۔	۲۵۳	مسجدِ نبوی میں نماز کی فضیلت۔	۸۰۸
تحریم صدقہ وتقریرِ سہم دونوں بنی ہاشم کے لیے مستقل کرامتیں ہیں۔	۲۷۴	حرمین میں مرنے والے کے لیے قیامت میں امن۔	۸۰۸
امام طحاوی کی جلالتِ شان مسلم مگر عظمتِ قاہرہ اصلِ مذہب چیزے دیگر است۔	۲۷۷	مدینہ مکہ سے افضل ہے۔	۸۰۹
رمضان شریف میں قرآن پاک کی تلاوت کی فضیلت۔	۳۵۱	مدینہ منورہ میں مرنے والے کے لیے شفاعت کی ضمانت۔	۸۰۹
ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلیٰ درجہ تحقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اس کی ہوا بھی نہیں آتی۔	۵۸۸	حسنین کریمین میں سے کون افضل ہے (حاشیہ ۱)	۸۱۱
امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے۔	۵۸۹	حضرات آل اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خلاصہ مخلوق کہنا صحیح ہے۔	۸۱۲
حدیثِ قدسی سے ثابت ہے کہ جلد افطار کرنے والا اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔	۶۳۶	حج کے لیے منٰی اور عرفات پیدل چلیں تو ہر قدم پر سات کروڑ نیکیاں ہیں۔	۸۱۷
افضل ذکر لاالٰہ الا اللہ اور افضل دعاء الحمد للہ ہے۔	۶۴۰		

ہیئت وتوقیت		صبح کی سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے نہ کہ زمین کے کنارہ سے اُٹھتی ہوئی بلندی پر آتی ہے۔	۵۷۱
بطورِ علم ہیأت بھی ثابت ہے کہ ۲۲ کا چاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن ہے۔	۴۶۸	یہ قول کہ صبح رات کا ساتواں حصہ ہے ہر موسم اور ہر مقام کے لیے عام نہیں۔	۵۷۱
ازروئے ہیأت ثابت ہے کہ کبھی ۲۹ کا ہلال ۳۰ کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیر پا ہونا متصور ہے۔	۴۶۹	صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک سفیدی کو پیش آنے والی سات صورتوں کا بیان۔	۵۷۱
سال قمری تین سو چپن دن سے زائد نہیں ہوتا۔	۵۳۹	امام اہل ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں رؤیتِ ہلال کا ذکر کیوں نہیں کیا۔	۵۷۵
اوقات صحیح نکالنے کے فن کو علمِ توقیت کہتے ہیں۔	۵۶۸	متاخرین اہل ہیئت کے تخمینات کا تخلف دشوار نہیں۔	۵۷۵
علمِ توقیت سے ہندوستان کے اکثر علماء غافل ہیں نہ یہ ہیئت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے۔	۵۶۸	اہل ہیئت رؤیت ہلال کے بارے میں کوئی ضابطہ صحیحہ نہیں بتاسکے۔	۵۷۵
مرزا خیر اللہ منجم کی دوحرفی جدول سے ناواقفِ فن نفع نہیں پاسکتا۔	۵۶۸	منجمین کے حسابات میں اکثر خطاپڑی ہے۔	۵۷۵
زیج بہادر خانی کی جداولِ تعدیل سے سحری کو توکچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں ناقص ہے۔	۵۶۸	اوقات کے لیے حکیم رحیم جل جلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرمادیں یعنی چاند اور سورج۔	۶۱۸
وقت پہچاننا ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے۔	۵۶۹	ہلال کے ظہور وخفا کے اسباب کثیر و نامنضبط ہیں۔	۶۱۹
صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے وہاں ہرگز تاریکی نہیں آتی۔	۵۷۰	بطلیموس نے متحیرہ خمسہ و کواکبِ ثوابت کے ظہور وخفا کے لیے باب وضع کرنے کے باوجود رؤیتِ ہلال سے اصلاً بحث نہ کی۔	۶۱۹
بعض کتبِ ہیئت اور ان کی اتباع میں بعض کتبِ فقہ میں یہ بات غلط لکھ دی گئی کہ جب آفتاب افق سے پندرہ درجے نیچے ہوتا ہے تو صبح صادق ہوتی ہے، اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے ہوتی ہے۔	۵۷۰	متاخرین ارباب ہیئت نے بلحاظ درجہ ارتفاع یابعد معدل وقوس تعدیل الغروب وغیرہ کی کچھ باتیں رؤیت ہلال کے بارے میں کیں لیکن وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں۔	۶۱۹

اہلِ ہیئتِ جدیدہ فضول باتوں میں نہایت تدقیق و تعمق کرتے ہیں اس کی چند مثالیں۔	٦١٩	مثقال کا وزن ۴-۱/۲ ماشے ہے۔	۵۲۵
رؤیت کے تکرار سے تجربہ نے کچھ ضوابط کلیہ دیئے جن کی مدد سے وقت کو قوانینِ علمِ ہیئت وزیج کے ضابطہ میں لے آنا میسر ہوا۔	٦١٩	درہم شرعی کا وزن پچیس رتی اور رتی کا پانچواں حصہ ہے یعنی ۲۵-۱/۵ رتی۔	۵۲۵
شہر کا عرض اور جزء شمس کا میل معلوم ہونا طلوع وغروب کا وقت بتانے کے لیے کافی ووافی ہے۔	٦٢٠	ایک رطل بیس استار، ایک استار ساڑھے چار مثقال، ایک مثقال بیس قیراط، اور ایک قیراط ۱-۴/۵ رتی کا ہوتا ہے۔	۵۲٦
انکسار کیا ہے اور اس کی مقدار مدت دریافت کرنے کا ضابطہ	٦٢٠	تولوں سے فدیہ اور صاع کی مقدار۔	۵۴۸
صبح کاذب وصبح صادق کے وقت انحطاطِ شمس کے درجات میں اہلِ ہیئت کا اختلاف۔	٦٢١	**فلسفہ طبیعیات**	
صبح کاذب اور صبح صادق میں کتنے درجات کا فاصلہ ہے۔	٦٢١	دھواں جب حلق میں جاتا ہے تو اس کی تلخی محسوس ہوتی ہے اور طبیعت کی دافعہ فوراً دفع کرتی ہے اور جب دماغ میں جاتا ہے تو اس کی سوزش معلوم ہوتی ہے جو دماغ کو اذیت دیتی ہے۔	۵۰۳
حساب		بالائے زمین ۴۵۴۵ سے ۵۲ ۵۲ میل تک علی الاختلاف بخارات وہواءِ غلیظہ محیط ہوتی ہے۔	٦٢٠
انگریزی روپے سے صاع کا تعین۔	۲۹٦	شعاع بصر پہلے ملاءِ غلیظ پھر ملاءِ صافی میں گزر کر افق میں پہنچتی ہے۔	٦٢٠
سات مثقال دس درہم کے برابر ہوتے ہیں۔	۵۲۵	مکانیات سے قرب مکانی اور زمانیات سے قرب زمانی ہوگا۔	٦۴۱
صاع دوسوستر (۲۷۰) تولے ۲ اور نیم صاع ایک سو پینتیس (۱۳۵) تولے ہے۔	۵۲۵	اتحادِ جہت مستلزمِ قرب اور وہ ہنگام حقیقت قرب مکانی کہ جہت حقیقیہ مختص بمکانیات ہے۔	٦۴۱
تولہ میں بارہ ماشے، اور ماشہ میں آٹھ رتی، اور رتی میں آٹھ چاول ہوتے ہیں۔	۵۲۵	**وصیت**	
انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے۔	۵۲۵	حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بوقتِ نزع سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو وصیت۔	۱۷۹

کیاوصیت بالمال فقط عین کو متناول ہوتی ہے یا دین کو بھی۔	۵۳۳	مسلمانو! یہ دین ہے جس پر خدا کی دین ہے وہ جانتا ہے کہ اس کا سیکھنا مجھ پر دین ہے۔	۵۶۹
روزہ کی قضا سے پہلے موت آجائے تو فدیہ کی وصیت واجب ہے۔	۵۴۶	**رسم المفتی**	
ترغیب وترہیب		بوقتِ اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے۔	۱۰۳
بعداز وجوب زکوٰۃ ادائیگی کی تاخیر میں آفات ہیں۔	۸۳	جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔	۱۰۳
لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی میں تدریج پر راغب کرنے والی باتیں۔	۸۴	قولِ مرجوع پر فتوٰی جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔	۱۰۴
قیامت کادن سخت ضرورت وحاجت کادن ہے۔	۱۰۵	اسقاطِ زکوٰۃ کے حیلہ کے عدمِ جواز پر فتوٰی ہے یہی طرفین کا مذہب ہے۔	۱۹۰
نیک کام میں شریک ہونے والے تمام افراد کو کامل ثواب ملتا ہے شراکت کی وجہ سے کسی کے اجر میں کمی واقع نہیں ہوتی۔	۱۰۶	حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے بارے میں امام ابویوسف نے اپنے سابق قول سے رجوع فرمالیا۔	۱۹۲
نیک کاموں میں زکوٰۃ خرچ کرنے کے لیے کسی مستحقِ زکوٰۃ سے تملیک کرانے میں دونوں کو ثواب ملتا ہے۔	۱۰۷	مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کاجواز آنا اور بات ہے اور خود اس کامرتکب ہونا اور بات ہے۔	۱۹۳
زکوٰۃ ادا کرنے سے مال بڑھتا ہے جیسے اجزائے فاسدہ زائدہ کے کاٹنے سے درخت بڑھتا ہے۔	۱۷۲	اساطینِ دین الٰہی بارہا عوام کے لیے رخصت بتاتے ہیں اور خود عزیمت پر عمل کرتے ہیں۔	۱۹۳
زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتوں کی کوئی تاب نہیں لاسکتا۔	۱۷۸	لفظ "ناخذ" آکد الفاظ فتوٰی سے ہے۔	۲۱۶
ضعیف البنیان انسان کی کیاجان زکوٰۃ نہ دینے کی آفتیں اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں تو خاک میں مل جائیں۔	۱۷۸	صحتِ مزارعت کے بارے میں فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے۔	۲۱۷
سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتابِ مستطاب فتوح الغیب شریف سے چند جگر شگاف مثالیں۔	۱۷۹	حرج مدفوع بالنص ہے۔	۲۱۷
		بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ کاعدمِ جواز ظاہر الروایۃ ہے۔	۲۷۵

جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے ائمہ کا قول نہیں۔	۲۷۶	مطالبہ خراج مشروط بہ تسلط ہے۔	۲۱۸
قول مرجوع عنہ پر عمل ناجائز ہے۔	۲۷۶	جس شیئ کا مصرف نہ رہے اس کا مطالبہ عبث ہے۔	۲۲۱
امام طحاوی کے کچھ اختیارات مفردہ ہیں کہ بترک مذہب ان پر عمل کے کوئی معنی نہیں۔	۲۷۷	مطالبہ سلطنت اور وجوبِ دیانت میں فرق ہے۔	۲۲۲
بغیر علم کے فتوی دینے والے بحکم حدیث ضال ومضل ہیں۔	۴۵۸	بہت چیزوں کا مطالبہ سلطان کو نہیں پہنچتا مگر شرعًا واجب ہیں۔	۲۲۲
مذہبِ مفتی بہ کے مقابل بعض مشائخ کے قول پر اعتماد کرنا جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۵۷۸	عبارتِ عنایہ میں لفظ یختصّ موہم واقع ہوا ہے اور وہ زائد و خلاف مقصود ہے۔	۲۲۶
فتوٰی عدم اعتبار اختلافِ مطالع پر ہے اور یہی احوط واقوی ہے۔	۵۸۲	جریب اور صاع کی مقدار کیا ہے؟	۲۳۹
ظاہر الروایۃ کو اپنانا ہی احوط ہے۔	۵۸۲	تقریرِ خمس الخمس، تحریم صدقات پر مبتنی ہے نہ کہ تحریمِ صدقات تقریرِ خمس الخمس پر۔	۲۷۳
دو دلیلوں میں سے اقوی پر عمل کرنے میں ہی احتیاط ہے۔	۵۸۲	معاوضتِ عرفیہ اور معاوضتِ مصطلحہ میں فرق۔	۲۷۵
جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب اور قول نہیں۔	۵۸۳	صدقہ فطر میں چار چیزوں میں صاع کا اعتبار ہے باقی میں قیمت کا۔	۲۹۲
جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ امام صاحب کا قول نہ رہا۔	۵۸۳	صاع کے وزن کی تحقیق۔	۲۹۸
جو ظاہر الروایہ کے مخالف ہے وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں۔	۵۸۳	تار نہ تو کوئی شہادت شرعیہ ہے نہ خبر متواتر۔	۳۶۰
قولِ مرجوع پر فتوٰی دینا جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۵۸۳	جب مقبول الکتاب کا تار ناچیز ہے تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز ہے؟	۳۶۵
فوائد فقہیہ		استفاضہ کی صورت اور اس کے شرائط۔	۴۱۴
حولانِ حول سے قمری سال مراد ہے۔	۸۵	اثباتِ احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اس سے اقوی ہے۔	۴۱۷
زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے نہ کہ عفو میں۔	۸۸	اسلامی شہر میں منادی پر عمل کب ہوگا؟	۴۲۰
زکوٰۃ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے انگریزی مہینوں کا نہیں۔	۱۵۶	عادل، مستور اور فاسق کی تعریفات۔	۴۵۲
حولانِ حول کے معنی۔	۲۰۲		

جہاں ریاست اسلامی ہے ان بلاد میں جو عالم دین سنی المذہب سب سے زیادہ علم فقہ رکھتا ہو وہ بحکم شرع سردارِ مسلمانان ہے۔	۴۵۴	رکن، شرط اور فرض میں فرق۔	۷۸۶
مسئلہ غبار و دخان میں دخول بلاقصد اور ادخال بالقصد پر مدارِ کار ہے، اول غیرِ مفسد اور ثانی مفسد ہے۔	۴۹۴	عبد بمعنی غلام کا اطلاق وجواز (حاشیہ ۱)	۸۲۵
حقیقتِ صوم، مفطراتِ شرعیہ سے امساک میں محصور ہے۔	۴۹۴	**فوائدِ اصولیہ**	
ہمارے نزدیک صاع عراقی معتبر ہے جو آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔	۵۲۶	تبرع پر جبر نہیں ہوتا۔	۷۶
چار چیزیں جن میں نص شرعی وارد ہے یعنی گندم، جو، خرما اور کشمش ان میں قیمت کا اعتبار نہیں، وزنِ شرعی ہی معتبر ہے۔	۵۳۰	مذہبِ صحیح و معتمد میں ادائے زکوۃ کا وجوب فوری ہے۔	۷۶
جن اشیاء میں قیمت معتبر ہے ان میں روزِ وجوب کی قیمت کا اعتبار ہوگا نہ کہ روزِ ادا کی قیمت کا۔	۵۳۱	حج کا وجوب قولِ راجح پر فوری ہے لیکن تاخیر کی صورت میں بھی ادا ہی ہوگا نہ کہ قضاء۔	۸۰
شیخ فانی اور موتی کے احکامِ فدیہ میں متعدد فرق ہیں۔	۵۴۵	قوتِ دلیل موجب تعویل ہے۔	۱۰۴
شیخ فانی کی تعریف۔	۵۴۸	روایت کی موافقت مانع عدول از درایت ہے۔	
فقہ میں بڑا کام قول منقح کا ادراک ہے۔	۵۷۷	ضم سیم وزر سے مقصود تحصیلِ واجب ہے نہ کہ تبدیلِ واجب۔	۱۱۵
یوم شک کون سا دن ہے۔	۵۷۹	فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔	۱۷۸
نیم صاع کا وزن انگریزی سیر سے کتنا بنتا ہے اور بریلی اور رامپور کے سیر سے کتنا بنتا ہے۔	۵۹۴	کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے۔	۹۱۷
فرض کے لئے جو فرض چھوڑا وہ جاتا رہا۔	۵۹۸	کسی فعل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا اور مقبولِ بارگاہ ہونا اور بات ہے۔	۱۸۲
نذر سے جو وجوب آتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے۔	۶۰۵	امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمالے تو وہ اب اس کا قول نہ رہا، نہ اس سے اس پر طعن روا ہے۔	۱۹۲
استفاضہ بمنزلہ خبرِ متواتر ہے۔	۶۱۱	مجتہد اپنی خطا پر بھی ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دُونا ہے۔	۱۹۴
		فرض سے معاندت قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔	۱۹۴

مجرد استقباح واستبعاد بے دلیلِ شرعی مسموع نہیں۔	۱۹۵	تکلیف بالمحال اور تکلیف مالایطاق باطل ہے۔	۴۹۵
احکامِ زہد، احکامِ شرع پر حاکم نہیں۔	۱۹۵	سببِ مفضی الی الشیئ دو قسم ہے، ایک مفضی کلیۃً اور دوسرا مفضی نادرًا۔	۴۹۷
واقعہ حال، محتمل صد احتمال ہوتا ہے۔	۱۹۵	قاعدہ شرعیہ ہے کہ ادائے کامل بہ کامل نہ کہ ادائے کامل بہ ناقص۔	۵۳۴
مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں۔	۱۹۵	ناقص ناقص سے ادا ہوسکتا ہے۔	۵۳۵
عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں۔	۲۱۴	اداءِ دَین دین سے، اور اداءِ عین دین وعین سے جائز ہے۔	۵۳۵
عدمِ نقل نقلِ عدم نہیں۔	۲۱۴	اداءِ دین، عین سے ناجائز ہے۔	۵۳۵
تسلط وحمایت شرطِ مطالبہ سلطانی ہے نہ کہ شرطِ نفسِ وجوب۔	۲۲۳	جو شیئ قطعی ویقینی ہو وہ احتیاط کی محتاج نہیں۔	۵۴۰
خراج کے لیے سبب وجوب، ارضِ نامیہ ہے۔	۲۳۴	ظاہر الروایۃ مصححہ بالتصریح سے عدول صریح جہل ونامقبول ہے۔	۵۷۳
سقوطِ عوض سے رجوع معوض وہی ہے جہاں زوالِ معوض حصولِ عوض پر موقوف ہو۔	۲۷۳	ضروریات کے لیے گواہی کی حاجت نہیں۔	۵۸۱
زوالِ معوض اگر عوض کے علاوہ کسی اور علت سے معلل ہو تو جب تک وہ علت باقی رہے گی زوال معوض بیشک رہے گا۔	۲۷۴	مفطراتِ غیر مکفرات کا بار بار کرنا مطلقًا موجبِ کفارہ نہیں جب تک بنیتِ معصیت نہ ہو۔	۵۹۶
جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے وہ مورد سے آگے تجاوز نہیں کرسکتا۔	۳۶۴	واجب کے لئے رفضِ فرض ناجائز جبکہ فرض کے لیے رفضِ فرض جائز ہے۔	۵۹۸
نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔	۴۱۷	سنن ونوافل میں اضعفیت مانعِ صحت بناء نہیں۔	۶۰۳
موصل الی الفرض فرض، اور موصل الی الواجب واجب ہوتا ہے۔	۴۵۱	وجوبِ عارضی وجوبِ اصلی سے اضعف ہوتا ہے۔	۶۰۵
مدرک عرفی وشرعی میں فرق نہ کرنا صریح خطا ہے۔	۴۷۷	اضعف پر اقوی کی بناء صحیح نہیں۔	۶۰۵
تکالیفِ شرعیہ قدرِ وسع پر مقصور ہیں۔	۴۹۴	اختلاف سبب وجوب مانع صحت بناء ہے۔	۶۰۵
ارکانِ ساقط بضرورت، حقیقۃً ارکانِ سعت ہوتے ہیں نہ کہ ارکانِ اصلِ حقیقت۔	۴۹۴	ارتکابِ تجوّز خلافِ اصل ہے۔	۶۳۶
		جب تک کوئی حاجت نہ ہو نصوص کو ظاہر پر محمول کرنا واجب ہے۔	۶۳۶

نکاح		دائن اپنے مدیون فقیر کو زکوۃ دے کر دین کی وصولی کے طور پر واپس لے سکتا ہے، نہ دے تو چھین سکتا ہے۔	۱۰۸
حقیقتِ نکاح ایجاب وقبول ہے۔	۴۹۴	دین کے احکام اور اقسام۔	۱۶۲
کوئی عورت مجرد ایجاب سے بغیر قبول کے کسی کی زوجہ نہیں بن سکتی۔	۴۹۴	مقروض کو زکوۃ دے سکتے ہیں۔	۲۵۰
نسب		مدیون فقیر کو فدیہ میں دَین چھوڑ دینے سے فدیہ ادا ہوجائے گا یا نہیں۔	۵۳۲
جس کی ماں ہاشمیہ اور باپ غیر ہاشمی ہو کیا وہ ہاشمی کہلاسکتا ہے۔	۱۰۹	**شفعہ**	
شرع میں نسب باپ سے ہے۔	۱۰۹	ثبوتِ شفعہ کے بعد اس کے اسقاط کا حیلہ کرنا مکروہ ہے البتہ دفعِ ثبوت کے لیے حیلہ امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔	۱۸۹
جو فقط ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے اور اس پر اصرار کرے وہ بحکمِ حدیث مستحقِ لعنت ہے۔	۱۰۹	**وقف**	
بیع		وقف بعد تمامی، لازم وحتمی ہوجاتا ہے اس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔	۱۸۱
اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچے تو جامع صغیر سے بظاہر تقابضِ بدلین کی شرط معلوم ہوتی ہے مگر روایت مبسوط پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔	۱۰۸	وقف میں میراث جاری نہیں ہوتی۔	۱۸۲
مشتری نے ثمن بائع کو دے دئے اور مبیع بائع کے پاس ہی ہلاک ہوگیا تو مشتری ثمن کے لئے رجوع کرے گا۔	۲۷۳	مالِ زکوۃ سے کتاب وغیرہ خرید کر وقف نہیں کرسکتے، ان میں صرف کرنے کی صورت۔	۲۵۵
مداینات		زکوۃ سے زمین خرید کر وقف کرنا۔	۳۲۷
دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو اس کی رضامندی کے بغیر لے سکتا ہے۔	۱۰۸	**رہن**	
		مرہون زیوروں کی زکوۃ نہ راہن پر نہ مرتہن پر۔	۱۳۴

ہبہ		فرع جب تکذیب اصل کرے توفرع باقرار خود کاذب ہے کیونکہ فرع اصل پر مبتنی ہے جب مبنی باطل تو مبتنی بھی باطل۔	۶۲۵
ہبہ وصدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتے۔	۱۰۸	**لُغت**	
دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس نہیں لے سکتا۔	۱۸۱	کرنے اور کیا کرنے میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۱۹۵
منطق		کَانَ یَفْعَلُ تکرار میں نص نہیں۔	۱۹۵
یہاں موجبہ کلیہ یوں ہے کہ حیثما وجدت الحمایة وجبت الجبایة، نہ یوں کہ حیثما وجبت الجبایة وجدت الحمایة، تاکہ اس کا عکسِ نقیض اس طرح آتا کہ کلمالم توجد الحمایة لم تجب الجبایة	۲۲۶	اَفْطَرْتُ کا ترجمہ "میں افطار کرتا ہوں" صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ "میں نے افطار کیا"۔	۶۳۶
وضعِ مقدم سے وضعِ تالی پر استدلال کیا جاتا ہے۔	۲۲۸	وقت الافطار، عندالافطار، بعدالافطار، ہنگامِ افطار، نزدیک افطار اور پسِ افطار سب کا حاصل ایک ہی ہے۔	۶۴۱
وضعِ تالی سے وضعِ مقدم پر استدلال نہیں کیا جاتا۔	۲۲۸	لفظ عند کے لغوی معنی کی تحقیق۔	۶۴۱
خمس الخمس اور صدقات واجبہ میں انفصال حقیقی نہیں بلکہ منع الجمع ہے۔	۲۷۵	کبھی افطار مقابل سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔	۶۴۲
منفصلہ حقیقیہ کو منع خلو لازم ہوتا ہے۔	۲۷۵	**نحو**	
انتفائے حقیقت کو انتفائے شئ قطعًا لازم ہے۔	۲۹۴	مجرد قول، مقولے کے بغیر صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتب جولازم جزائیت ہے کہاں سے آئے گا۔	۶۳۵
تحقیق شئ بے حقیقت شئ محال عقلی ہے۔	۲۹۴	اللّٰھم کو کلام مستانف قرار دینا ایسی غلطی ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا۔	۶۳۵
بقاءِ شئ مع انتفاء حقیقت اور اجماع ذات ومنافی ذات باطل ہیں۔	۲۹۵	جزاء شرط سے مقدم نہیں ہوتی بلکہ شرط سے مؤخر اور اس پر مرتب ہوتی ہے۔	۶۳۵
شک استوائے طرفین کی حالت میں ہے۔	۵۷۹		

ادعیہ افطار میں ماضی کے صیغوں سے انشاء مقصود نہیں تولاجرم اخبار متعین ہے۔	۶۳۶	طلبہ زکوۃ لے سکتے ہیں۔	۲۶۱
مناظرہ		زکوۃ تنخواہ میں صرف نہیں ہو سکتی۔	۲۶۲
طاعنینِ امام ابویوسف پر مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کی مناظرانہ گرفت۔	۱۹۴	کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو زکوۃ دینا حرام ہے۔	۲۹۰
معتبرینِ اختلافِ مطالع کا تین وجوہ سے رَد	۵۸۴	امام کو زکوٰہ، چرم قربانی یا تیل کے پیسے لینا.	۲۹۱
اختلافِ مطالع کے بارے میں مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کے مؤقف کارَد۔	۵۸۹	ضرورتِ شرعیہ کے بغیر سوال کرناحرام ہے۔	۳۰۳
مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کے ایک فتوی کاچھ وجوہ سے رد۔	۶۰۳	عام گداگروں کو دینا کیسا ہے؟	۳۰۳
بلاغت		بے سوال کوئی دے تو لینے میں حرج نہیں۔	۳۰۳
کنایہ تصریح سے افضل ہے۔	۶۴۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام ہونے والے سالانہ فاتحہ کے پیسے محتاج کو دینا۔	۳۰۵
حظروا باحت		میلاد شریف کی شیرینی کا حکم۔	۳۰۸
سادات کرام کے لیے نہ زکوۃ لیناجائز، نہ انہیں دیناجائز، اور نہ ان کو دینے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے۔	۱۰۴	حرام چیزوں سے سحری اور افطار کرنا۔	۳۳۱
مالِ زکوۃ کواپنے خورد بُرد میں لانے کے لئے حیلوں کاسہارا لینا مقاصدِ شرع کے خلاف اور گویا رب تعالٰی کوفریب دیناہے۔	۱۰۹	جس شام احتمالِ ہلال ہوجب تک حکمِ حاکمِ شرعی یافتوائے عالمِ دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یاآواز کی آتشبازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی نہ کریں۔	۴۵۷
سخت کبیرہ بلکہ اکبرالکبائر کی نسبت امام المسلمین کی طرف بے سند کردینا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔	۱۹۴	جس نے بعذرِ شرعی روزہ نہ رکھاہو اسے ماہِ رمضان کی حرمت کے پیش نظر حتی الوسع چھپ کر کھاناچاہئے۔	۵۹۵
تنخواہ یاتعمیرِ مدرسہ میں زکوۃ کے روپے صرف نہیں ہوسکتے، ان کاموں میں صرف کرنے کی صورتیں۔	۲۵۴	سحری کے لیے نقارہ بجاناجائز ہے۔	۶۲۵
دفاعی فنڈ میں زکوۃ دینا۔	۲۵۸	موقف میں بلاعذر چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچناچاہئے۔	۷۵۰
چندہ کی رقوم باذنِ مالک مخلوط کی جاسکتی ہیں۔	۲۶۰	شکرانہ کی قربانی خود بھی کھاسکتا ہے اور غنی کو بھی کھلاسکتا ہے مگر کفارہ کی قربانی صرف محتاجوں کا حق ہے۔	۷۶۲

حضور علیہ السلام کے سامنے ایسے کھڑے ہونا چاہئے جیسے نماز میں کھڑے ہوتے ہیں۔	۷۶۵	قبولِ شہادت کے لیے مطابقتِ قواعدِ شرعیہ کے ساتھ مطابقتِ قواعدِ عقلیہ کی قید بڑھانا خلافِ مذہب معتمد ہے۔	۵۷۴
روضہ کی جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچنا چاہئے کہ خلافِ ادب ہے۔	۷۶۵	ثقہ عادل کی شہادت شرعیہ کو رَد کرنے والے قواعد عقلیہ قابلِ لحاظ نہیں۔	۵۷۶
روضہ انور کا طواف، سجدہ اور رکوع کے برابر جھکنا ممنوع ہے۔	۷۶۹	مطلع صاف ہونے کی صورت میں ایک ثقہ کی شہادت کب مردود اور کب مقبول ہے۔	۵۷۶
سیاہ خضاب ہمیشہ ناجائز ہے مگر جہاد میں۔	۷۸۴	دربارہ ہلال تار کی گواہی شرعًا محض باطل و نامعتبر۔	۶۰۸
قضاء		تار اصلاً اہلیتِ شہادت نہیں رکھتا۔	۶۰۹
کتاب القاضی الی القاضی کا طریقہ اور اس کے شرائط	۴۱۳	حج میں رَدِ شہادت اختلافِ مطالع کی بناء پر نہیں بلکہ دفعِ حرج کی وجہ سے ہے۔	۶۱۳
شہادت		**وکالت**	
ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، اور یہی منقول ہے حضرت امام محمد سے۔	۸۰	زکوۃ ادا کرنے کا وکیل اپنے مصرف میں روپیہ خرچ کرسکتا ہے یانہیں۔	۱۵۸
ہلال رمضان کے بارے میں اکیلے شخص کی گواہی کب قبول ہوگی؟	۴۰۶	**کفالت**	
شہادۃ علی الشہادۃ کا طریقہ۔	۴۰۹	ماں کی کفالت لڑکے پر اور بہن کی کفالت بھائی پر۔	۲۶۶
شہادۃ علی القضاء کا طریقہ۔	۴۱۴	**حِیَل**	
فاسق کی شہادت معتبر نہیں۔	۴۴۶	اس زمانہ پُرآشوب میں سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو۔	۱۰۵
ہلال رمضان میں بحالتِ ابر و غبار اجلہ ائمہ کی تصحیح کے مطابق مستور کی شہادت بھی مقبول ہے۔	۵۷۳	وہ تدبیر جس سے خدمت سادات بھی بجا ہو اور زکوۃ بھی ادا ہو۔	۱۰۶
		مالِ زکوۃ سے میت کو کفن دینا جائز نہیں۔	۱۰۶

مالِ زکوٰۃ سے کفنِ میت کے جواز کا حیلہ۔	۱۰۶	بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی دو صورتیں ہیں۔	۵۴۲
تعمیرِ مسجد وغیرہ تمام نیک کاموں میں مالِ زکوٰۃ صرف کرنے کا حیلہ۔	۱۰۶	تخفیف دَور یا دَور سے بچنے کا حیلہ۔	۵۴۳
مصنف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سید یا مسجد پر مالِ زکوٰۃ صرف کرنے کا ایک بے خلش طریقہ۔	۱۰۸	**قربانی**	
اگر کوئی شخص پچھلے تمام سالوں کی واجب الادا زکوٰۃ دے تو خالی ہاتھ رہ جاتا ہے تو اس کے چھٹکارے کا حیلہ۔	۱۸۳	حج کے لئے پس انداز مال پر زکوٰۃ قربانی اور صدقہ فطر واجب ہوں گے۔	۱۴۰
بعد وجوبِ زکوٰۃ منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی یہاں کلام منعِ وجوب میں ہے۔	۱۹۶	سمرنافنڈ میں زکوٰۃ یا قربانی کی قیمت دینا۔	۲۹۰
حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے جائز ہے نہ کہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔	۱۹۷	احرام کی قربانیاں۔	۶۶۹
حیلِ شرعیہ کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے	۱۹۷	ایک اونٹ میں آٹھ آدمی شریک ہونا۔	۶۶۹
حضرت ایوب علیہ السلام کی قسم پوری کرنے کا حیلہ۔	۱۹۷	قربانی کے لیے حرم شرط ہے۔	۶۷۰
ایک کمزور شخص پر حد لگانے کا حیلہ۔	۱۹۷	قربانی کی بجائے قیمت خیرات کرنا۔	۶۷۰
سود سے بچنے کا ایک حیلہ شرعیہ۔	۱۹۷	**عتق**	
حیلہ شرعی کے طریقے اور شرط۔	۲۶۷	غلام وکنیز کن احکام میں اطاعتِ مولٰی نہ کریں۔	۵۰۰
مدارسِ دینیہ میں زکوٰۃ خرچ کرنے کی صورت	۲۶۹	مکاتب، مدبّر اور امّ ولد کی تعریف۔	۷۷۶
فدیہ کی ادائیگی کا جو حیلہ ہندوالوں میں متعارف ہے ناتمام وناکافی ہے۔	۵۳۶	**تصوف**	
ادائیگی فدیہ کا حیلہ جمیلہ۔	۵۳۷	جس نماز میں قلّتِ خشوع ہو اہلِ سلوک کے ہاں اس کو باطل، مہمل، فاسد اور مختل سمجھتے ہیں۔	۱۹۵
متاخرین کی نصوص میں حیلہ کے لیے طریقِ دور مذکور ہے طریقِ دین کا کہیں ذکر نہیں۔	۵۳۹	**قسم**	
		لاکھوں روپے قرض میں پھیلے ہوئے ہیں اگر پاس کچھ نہیں تو قسم کھاسکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں۔	۵۳۵

متفرقات		صبح کاذب اور صبح صادق کی شرعی تعریف۔	۶۲۱
اعزّہ کون لوگ ہیں۔	۱۸۶	موقف کیا ہے۔(حاشیہ)	۷۴۸
مختلف موسموں میں رمضان شریف آنے کا سبب۔	۳۴۹	بطن عرنہ سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۴۸
جہل مرکب، جہل بسیط سے ہزار درجہ بہتر ہے۔	۴۵۵	وادی محسر کیا ہے۔	۷۵۱
بریلی، لکھنؤ، دہلی اور رامپور میں رائج سیروں کے وزن میں فرق۔	۵۲۶	جنۃ المعلّٰی اور وادی محصّب سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۵۵
مولوی صاحب نے اپنے فتاوٰی کی تیسری جلد آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی للہذا ان کا فتاوٰی دیکھنے والوں کو اس کا لحاظ ضروری ہے۔	۵۹۴	چار پہر سے کیا مراد ہے۔(حاشیہ)	۷۵۷
جو استفاضہ شرع نے رؤیت ہلال کے بارے میں معتبر فرمایا اس کے معنی کی تحقیق۔	۶۱۰	مسجد نبوی شریف کے سات ستونوں کی تفصیل۔ (حاشیہ)	۸۲۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الزکوۃ

مسئلہ ۱: از بکا جبی والا علاقہ علاقہ جاگل ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد خاں ۷ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۲ھ
جناب عالی فیض بخش فیض رساہ امید گاہ جاویداں بندہ سے ایک مولوی امرت سر سے آئے ہیں وہ کسی بات کا جھگڑا کیا تھا تو بندہ نے کہا کہ نماز کا اللہ نے بہت بار قرآن شریف میں ذکر کیا ہے اور زکوۃ کا بھی بہت بار ذکر کیا ہے مگر روزہ کا ایک بار ذکر کیا ہے، جناب عالی یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور عُشر کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یا نہیں؟

الجواب:

فی الواقع نماز وزکوۃ کی فرضیت وفضیلت ومسائل تینوں قسم کا ذکر قرآن مجید میں بہت جگہ ہے یہاں تک کہ مناقب بزازی و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار و فتح المعین وغیرہا میں واقع ہوا کہ علاوہ اُن مواقع کے جن میں نماز وزکوۃ کا ذکر جُدا جُدا ہے دونوں کا ساتھ ساتھ ذکر قرآنِ عظیم میں بیاسی ۸۲ جگہ آیا ہے، مگر علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی ساداتِ کرام محشیانِ درِ مختار فرماتے ہیں: صحیح یہ ہے کہ اُن کا ساتھ ساتھ بتیس ۳۲ جگہ فرمایا ہے۔ علامہ حلبی کے استاد نے وُہ سب مواقع گنا دیئے در مختار میں ہے: **قرنها بالصلوۃ فی اثنین وثمانین موضعا**[1] (بیاسی ۸۲ مقامات پر زکوۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ت) شرح مسکین وحاشیہ سید ازھری

---

[1] در مختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

میں ہے:

قرن الزکوۃ فی اٰی من القراٰن اثنین و ثمانین موضعا[1] ھ	ملخصا آیات قرآنی میں بیاسی ۸۲ جگہ زکوۃ کو نماز سے متصل بیان کیا گیا ہے اھ تلخیصًا (ت)

طحطاوی وردالمحتار میں ہے:

واللفظ لط قولہ فی اثنین وثمانین مو ضعا تبع فیہ صاحب النھر والمنح وتبعا صاحب البحر معزیا الی المناقب البزازیۃ وصوابہ اثنین و ثلاثین کما عدھا شیخنا السید اھ حلبی بزیادۃ[2]۔	اس کی عبارت ط ہے کہ ان کا قول بیاسی ۸۲ مقامات پر ایسا ہے، اس میں صاحبِ نہر اور منح نے اتباع کی ہے، اور ان دونوں نے صاحبِ بحر کی اتباع کی ہے، انہوں نے مناقبِ بزازیہ کی طرف نسبت کی ہے، اور درست یہ ہے کہ زکوۃ کو نماز سے متصل جن مقامات پر بیان کیا گیا ان کی تعداد بتیس ۳۲ ہے جیسے کہ اس تعداد کو ہمارے شیخ سید نے شمار کیا اھ حلبی مع اضافہ۔ (ت)

اور فرضیتِ روزہ کا ذکر صرف ایک ہی جگہ ہے، ہاں عبارۃً واشارۃً اس کی فضیلت اور مواقع پر بھی ظاہر فرمائی گئی ہے:

کقولہ تعالٰی فی سورۃ الاحزاب اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (الٰی قولہ تعالی) وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ[3] (الٰی ان قال تعالٰی) o اَعَدَّ اللّٰہُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۳۵﴾[4] وقولہ تعالٰی فی سورۃ التوبۃ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ[5] الایۃ وقولہ تعالٰی فی سورۃ	مثلًا سورہ احزاب میں اللہ تعالٰی کا قول ہے: بلا شبہ مسلمان مرد اور مسلمان خواتین (اللہ تعالٰی کے اس فرمان تک) روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی خواتین (یہاں تک کہ فرمایا) اللہ تعالٰی نے ان کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار رکھا ہے اور سورہ توبہ میں ارشادِ باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والے

[1] فتح المعین علی شرح ملا مسکین کتاب الزکوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۶۹
[2] ردالمحتار کتاب الزکوۃ مصطفی البابی مصر ۲/۲
[3] القرآن ۳۳/۳۵
[4] القرآن ۳۳/۳۵
[5] القرآن ۹/۱۱۲

التحریم "تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ" السائح ھو الصائم [1]۔	عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے الآیۃ

اور سورہ تحریم میں ارشاد باری تعالٰی ہے: توبہ کرنے والیاں عبادت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ السائح کا معنی روزہ رکھنے والا ہے (ت) عشر کا ذکر بھی قرآنِ عظیم میں ہے:

قال تعالٰی فی سورۃ الانعام وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ [2] ۔قاله ابن عباس و طاؤس والحسن و جابر بن زید و سعید بن المسیّب [3] ۔ رضی اللہ تعالٰی عنھم کما فی المعالم وغیرھا. واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے سورۃ الانعام میں فرمایا: کھیتی کٹنے کی دن اس کا حق ادا کرو۔ (اکثر مفسرین کے نزدیک اس حق سے مراد عشر ہے) (حضرت ابن عباس، طاؤس، حسن، جابر بن زید اور سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالٰی عنھم ان تمام حضرات نے اس سے عشر مراد لیا ہے جیساکہ معالم التنزیل وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمانوں نے ایک صاحب کا کچھ ماہوار نقد بطور چندہ مدز کوۃ میں سے اور طعام شبانہ روز مقرر کر دیا اور کوئی کام خدمت یا بدل وغیرہ ان کے ذمہ نہیں کیا، غرض ان لوگوں کی ایک مسلمان بزرگ و مسکین کے ساتھ سلوک کرنا تھا اور ایسے شخص کا اپنے محلّہ و مسجد میں رہنا موجبِ خیر و برکت سمجھا، اسی طور پر عرصہ قریب چار سال کی گزرا کہ یہ لوگ موافق اپنے وعدے اور نیّت کے خواہ وہ بزرگ اپنے وطن کو گئے یا یہاں رہے، دیتے اور ادا کرتے رہے، مگر بعض نے ان میں عذر کیا اور کہا ہم ایام غیر حاضری کا نہ دیں گے، تو اس صورت میں زکوۃ ان لوگوں کی ادا ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب: اصل یہ ہے کہ زکوۃ میں نیّت شرط ہے بے اس کے ادا نہیں ہوتی. فی الاشباہ ماالزکوٰۃ فلایصح ادا ھا الّا بالنیۃ [4] (اشباہ میں ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی نیت کی بغیر درست نہیں۔ ت) اور نیّت میں اخلاص

[1] القرآن ۵/۶۶

[2] القرآن ۱۴۲/۶

[3] معالم التنزیل علٰی ھامش الخازن تحت آیہ مذکورہ مصطفی البابی مصر ۱۹۱/۲

[4] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی من الفن الاول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۰/۱

شرط ہے بغیر اس کے نیّت مہمل، فی مجمع الانھر الزکوٰۃ عبادۃ فلابدّ فیھا من الاخلاص [1] (مجمع الانہر میں ہے زکوٰۃ عبادت ہے لہٰذا اس میں اخلاص شرط ہے۔ ت) و راخلاص کے یہ معنٰی کہ زکوٰۃ صرف بہ نیّتِ زکوٰۃ وادائے فرض و بجا آوری حکم الٰہی دی جائے، اس کی ساتھ اور کوئی امر منافیِ زکوٰۃ مقصود نہ ہو۔ تنویر الابصار میں ہے:

الزکوٰۃ تملیك جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن المملك من کل وجه ﷲ تعالٰی۔ [2]	زکوٰۃ شارع کی مقرر کردہ حصہ کا فقط رضائے الٰہی کے لئے کسی مسلمان فقیر کو اس طرح مالک بنانا کہ ہر طرح سے مالک نے اس شے سے نفع حاصل نہ کرنا ہو بشرطیکہ وُہ مسلمان ہاشمی نہ ہو اور نہ ہی اس کا مولٰی ہو۔ (ت)

در مختار میں ہے:

ﷲ تعالٰی بیان لاشتراط النیّة۔ [3]	"اللہ کے لئے ہو" کے الفاظ نیت ہی کو شرط قرار دینے کیلئے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

متعلق بتملیك ای لاجل امتثال امرہ تعالٰی۔ [4]	ان کلمات (ﷲ تعالٰی) کا تعلق لفظ تملیک سے ہے یعنی یہ عمل فقط اپنے رب کریم کے حکم کی بجا آوری کے طور پر ہو۔ (ت)

پھر اس میں اعتبار صرف نیّت کا ہے اگرچہ زبان سے کچھ اور اظہار کرے، مثلاً دل میں زکوٰۃ کا ارادہ کیا اور زبان سے ہبہ یا قرض کہہ کر دیا صحیح مذہب پر زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ شامی میں ہے:

لااعتبار للتسمیة فلو سماھا ھبة او قرضا تجزیه فی الاصح۔ [5]	نام لینے کا اعتبار نہیں، اگر کسی نے اس مال کو ہبہ یا قرض کہہ دیا تب بھی اصح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (ت)

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

[2] در مختار کتاب الزکٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[3] در مختار کتاب الزکٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[4] ردالمحتار کتاب الزکٰوۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴

[5] ردالمحتار کتاب الزکٰوۃ مصطفی البابی مصر ۲/۴

پھر نیت بھی صرف دینے والے کی ہے لینے والا کچھ سمجھ کرلے اس کا علم اصلاً معتبر نہیں،

فی غمزالعیون العبرۃلنیۃ الدافع لاالعلم المدفوع۔[1]	غمزالعیون میں ہے کہ اعتبار دینے والے کی نیّت کا ہے نہ کہ اس کے علم کا جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے (ت)

وللہذا اگر عید کے دن اپنے رشتہ داروں کو جنھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے کچھ روپیہ عیدی کا نام کرکے دیا اور انہوں نے عیدی ہی سمجھ کرلیا اور اس کے دل میں یہ نیّت تھی میں زکوٰۃ دیتا ہوں بلاشبہ ادا ہوجائیگی۔ اسی طرح اگر کوئی ڈالی لایا رمضان مبارک میں سحری کو جگانے والا عید کا انعام لینے آیا یا کسی شخص نے دوست کے آنے یا اور کسی خوشی کا مژدہ سنایا اس نے دل میں زکوٰۃ کا قصد کرکے ان لوگوں کو کچھ دیا، یہ دینا بھی زکوٰۃ ہی ٹھہرے گا، اگرچہ ان کے ظاہر میں ڈالی لانے یا سحری کو جگانے یا خوشخبری کو سنانے کا انعام تھا، اور انہوں نے اپنی دانست میں یہی جان کرلیا، خلاصۃ الفتاوٰی وخزانۃ المفتین وغیرھما معتبرات میں ہے:

لودفع علیٰ صبیان اقاربہ دراھم فی ایام العید یعنی عیدی بنیّۃالزکوٰۃ اودفع الیٰ من یبشرہ بقدوم صدیق او یخبرہ بخبر او یھدی الیہ الباکورۃ او الی الطبال یعنی سحر خوان او الی المعلم بنیّۃ الزکوٰۃ جائز۔[2]	اگر کسی نے ایامِ عید میں اپنے رشتہ داروں کے بچوں کو نیّت زکوٰۃ سے عیدی دیدی یا اس شخص کو جس نے اس کے دوست کی آمد کی اطلاع دی یا کوئی خوشی والی خبر دی یا کسی کو عید مبارک پر دی یا سحری کے وقت بیدار کرنے والوں یا استاد کو دی تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی (ت)

پھر زکوٰۃ صدقہ ہے اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے، مثلاً زکوٰۃ دی اور یہ شرط کرلی کہ یہاں رہے گا تو دُوں گا ورنہ نہ دونگا اس شرط پر دیتا ہوں کہ تو یہ روپیہ فلاں کام میں صرف کرے اس کی مسجد بنادے یا کفنِ اموات میں اٹھادے تو قطعاً زکوٰۃ ادا ہوجائیگی اور یہ شرطیں سب باطل ومہمل ٹھہریں گی،

فی مصارف الزکوٰۃ من الدارالمختارلا الی بناء مسجد او کفنِ میّت و الحیلۃان یتصدق علی الفقیر ثم یا مرہ بفعل ھذہ الاشاء وھل لہ ان یخالف امرہ ولم ارہ والظاھر	درمختار کے مصارف زکوٰۃ میں ہے کہ مسجد کی تعمیر یا کفنِ میّت پر زکوٰۃ نہیں لگتی اور حیلہ یہ ہے کہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے، پھر اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہا جائے، کیا اس فقیر کے لئے اس دینے والے کے حکم کی خلاف ورزی جائز ہے، میری نظر سے نہیں گزرا۔ ہاں ظاہر یہی ہے کہ

[1] غمزعیون البصائر کتاب الزکوٰۃ، فن ثانی مصطفی البابی مصر ۱/۲۲۱

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الزکوٰۃ الفصل الثامن فی اداء الزکوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۴۳

نعم [1] ھ ملخصًا قوله (والظاهر نعم) البحث لصاحب النهر وقال لانه مقتضى صحة التمليك قال الرحمتى والظاهر انه لا شبهة فيه لا نه ملكه اياه عن زكوٰة ماله و شرط عليه شرطا فاسدا او الهبة و الصدقة لا تفسدان بالشرط الفاسد [2] اھ ردالمحتار۔	فقیر اس کے خلاف کرسکتا ہے اھ ملخصًا۔ قولہ والظاہر نعم، صاحب نہر نے اس پر بحث کرتے ہُوئے فرمایا کہ حُرمت تملیک کا تقاضہ یہی ہے کہ وہ خلاف ورزی کرسکتا ہے۔ رحمتی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں اس لیے کہ اس نے فقیر کو اپنے مال کی زکوۃ دے کر اسے مالک بنادیا اور ساتھ شرط فاسد کا اضافہ کردیا حالانکہ ہبہ اور صدقہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتے اھ ردالمحتار (ت)

پھر جب صریح شرط باوجود خلوصِ نیّت اداءِ زکوۃ میں خلل انداز نہیں تو ایسا برتاؤ جو بظاہر معنیِ شرط پر دلالت کرے مثلًا جب یہاں رہے تو دے اور نہ رہے تو نہ دے، بدرجہ اولٰی باعث خلل نہ ہوگا۔

اقول: وقد ظهر هذا من مسائل البشير والطبال ومهدى الباكورة فانه انما يحمل الناس على الدفع اليهم افعالهم هذه ولو لم يفعلو افلر بمالم يد فع اليهم شيئ ومن ذلك مسئلة دفع العيدى بنية الزكوٰة الى خدامه من الرجال و النساء حيث يقع عن الزكوٰة كما فى المعراج وغيره مع العلم بانه لو لم يخدموه لما اعطاهم و بالجملة فهذه العلائق تكون بواعث للناس علىٰ تخصيصهم بصرف الزكوٰة فدوران العطاء معها وجودا وعدما لا يعين معنى التعويض وانما المراجع النية فاذا خلصت اجزت۔	اقول: بشارت دینے والے، سحر خواں (سحری کے وقت بیدار کرنے والا) اور نئے پھلوں کا ہدیہ دنے والے کے مسائل سے بھی یہ بات واضح ہوگئی ہے کیونکہ لوگ ان کو ان کے عمل کی وجہ سے دیتے ہیں، اگر وُہ یہ کام نہ کریں تو اکثر اوقات ان بیچاروں کو کچھ بھی نہیں دیا جاتا، اسی طرح یہ مسئلہ کہ خدام (خواہ مرد ہوں یا خواتین) کو نیت زکوۃ سے عیدی دینے سے زکوۃ ادا ہوجاتی ہے، جیسا کہ معراج وغیرہ میں ہے، حالانکہ یہ بات مسلّمہ ہے کہ اگر وُہ خدمت نہ کرتے تو انھیں یہ رقم نہ ملتی، الغرض یہ وہ تعلقات ہیں جن وجہ سے لوگ ان مخصوص لوگوں کو زکوۃ دیتے ہیں تو اب عطا کا تعلقات کے ساتھ دوران وجودًا وعدمًا عوض بنانے کے معنٰی کو معیّن نہیں کرتا، نیّت پر مدار ہوگا جب نیّت خالص ہوگی تو زکوۃ ادا ہوجائیگی۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب المصرف مصطفٰی البابی مصر ۲/۶۹

جب یہ امور ذہن نشین ہولیے تو جوابِ مسئلہ بحمدہٖ تعالٰی واضح ہوگیا، اگر وُہ اگر دینے والے بقصدِ معاوضہ وبطورِ اُجرت دیتے یانیتِ زکوۃ کے ساتھ یہ نیت بھی ملالیتے تو بیشک زکوۃ ادا نہ ہوتی۔

امّا علی الاوّل فلعدم النیة واما علی الثانی فلعدم الاخلاص ولایکون کنیة الحمیة مع نیة الصوم حیث تجزی لانها نیة لازم لا نیة مناف کما افادہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ولاکذلك ماھنا فان التعویض یبائن التصدق۔	پہلی صورت (بقصدِ معاوضہ واجرت) میں نیتِ زکوۃ ہی نہیں اور دوسری صورت یعنی (زکوۃ کے ساتھ معاوضہ کی نیت بھی ہو) تو اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے زکوۃ ادا نہ ہوگی اور اس طرح نہیں جیسے بخار کی بناء پر رخصت کی نیت روزہ کی نیت کے ساتھ کہ یہ جائز ہے کیونکہ نیت اس صورت میں لازم کی نیّت ہے منافی کی نہیں، جیساکہ مولی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ معاوضہ میں دینا صدقہ کہ منافی ہے۔ (ت)

جبکہ تقریر سوال سے ظاہر کہ انہوں نے محض بنیت زکوٰۃ دیا اور اسے زکوۃ ہی خیال کیا، معاوضہ و اُجرت کا اصلًا لحاظ نہ تھا تو بے شک زکوۃ ادا ہوگئی اگرچہ وہ شخص جسے زکوۃ دی گئی اپنے علم میں کچھ جانتا ہو، اگرچہ انہوں نے اس سے صاف کہہ بھی دیا کہ یہاں رہوگے تو دیں گے ورنہ نہ دیں گے، اگرچہ وُہ عمل بھی اس کے مطابق کریں یعنی ایام حاضری میں دیں غیر حاضری میں نہ دیں کہ جب نیت میں صرف زکوۃ کا خاص قصد ہے تو اُن میں کوئی امر اُس کا نافی و منافی نہیں۔

کما حققنا فالا فتاء ھھنا بعدم الاجزاء بناء علٰی مخالفة علم المدفوع الیه کماوقع عن بعض المدعین علوا الکعب فی العلم الدینیة ناش عن قلة التدبیر او سوء الفهم واللّٰه المستعان وعلٰی ازالة الوھم والحمد للّٰه واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جیساکہ ہم نے تحقیق کی ہے، پس اب اس پر فتوٰی دینا کہ یہاں زکوۃ دینا اسلئے جائز نہیں کہ جس کو دی جارہی ہے اس کے علم میں یہ نہیں ہے، جیساکہ علم دین میں اپنے فوقیت کا اعلان کرنے والے بعض حضرات نے کیا، یہ قلّت تدبر یا سوءِ فہم کی وجہ سے ہُوا۔ اللہ تعالٰی ہی ازالہ وہم پر مددگار ہے والحمد اللّٰه واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳: مسئولہ مولوی علی احمد صاحب مصنّف تہذیب الصبیان ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں قحط میں بعض آدمی مدزکوۃ میں بھوکوں کو غلّہ مکّا وغیرہ تقسیم کرتے ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

زکوۃ میں روپے وغیرہ کہ عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوۃ مالک

کردینا جائز وکافی ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مجرا ہوگی بالائی خرچ محسوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکّا کا نرخ نَو سیر ہے نَو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا باربرداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائے گی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کو جو قیمت بازار میں وہی محسوب ہوگی،

لان رکنھا التملیك من فقیر مسلم لوجه الله تعالٰی من دون عوض۔	کیونکہ اس کا رکن یہ ہے کہ کسی فقیر کو اللہ کی رضا کی خاطر اس کا مالک بنایا اور بطور معاوضہ نہ ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لایجزیه الا اذا دفع الیه المطعوم کمالو کساہ۔[1]	جب کسی نے یتیم کو نیتِ زکوٰۃ سے کھانا کھلایا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کھانا اس کے حوالے نہ کردے، ایسے ہی لباس کا معاملہ ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

ماسواہ من الحبوب لایجوز الابالقیمة۔[2]	یہ دانوں کے علاوہ میں ہے کیونکہ وہاں قیمت ہی ضروری ہے (ت)

اسی میں ہے: الخبز لایجوز الا باعتبار القیمة[3] (روٹی کا اعتبار قیمت کے بغیر جائز نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۴: کیافرماتے علمائے دین اس صورت میں کہ اگر کسی شخص نے عوض اس زرزکوٰۃ کہ جو اس کہ ذمّہ واجب ہے محتاجوں کو کھانا کھلادیا یا کپڑے بنادئے تو زکوٰۃ ادا ہوجائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عوض زرزکوٰۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنادینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ اس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کردیا جائے

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۲

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۲

اسی واسطے اگر فقراء و مساکین کو مثلاً اپنے گھر بلا کر کھانا پکا کر بطریقِ دعوت کھلادیا تو ہر گز زکوۃ ادانہ ہوگی کہ یہ صورت اباحت ہے نہ کہ تملیک، یعنی مدعو اس طعام کو ملک داعی پر کھاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہو جاتا اسی واسطے مہمانوں کو روا نہیں کہ طعامِ دعوت سے بے اذنِ دعوت میزبان گداؤں یا جانوروں کو دے دیں، یا ایک خوان والے دوسرے خوان والے کو اپنے پاس کچھ اٹھادیں یا بعد فراغ جو باقی بچے اپنے گھر لے جائیں۔

فی الدرالمختار لو اطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لا یجزیه الااذادفع الیه المطعوم کما لو کساہ [1] انتھی قوله کما لو کساہ ای کما یجزیه [2] ھ طحطاوی عن الحلبی وفی الحاشیة الطحطاویة ایضا فی باب المصرف لا یکفی فیھا الاطعام الا بطریق التملیك ولواطعمه عندہ ناویا الزکوٰۃ لا یکفی [3] انتھی۔	درمختار میں ہے کہ کسی نے یتیم کو بنیتِ زکوۃ کھانا کھلایا تو زکوۃ ادانہ ہوگی مگر اس صورت میں جب کھانا اس کے سپرد کردیا گیا ہو، جیسا کہ اگر اسے لباس پہنادیا گیا ہو انتہی قولہ "کمالو کساہ" یعنی اس صورت میں بھی زکوۃ ادا ہو جائیگی اھ طحطاوی عن الحلبی اور حاشیہ طحطاویہ کے باب المصرف میں یہ بھی ہے کھانا کھلادینا کافی نہیں البتہ اگر مالک کردے تو پھر کافی ہے، اور اگر کسی نے نیتِ زکوۃ سے کھانا کھلایا تو کافی نہ ہوگا انتہی (ت)

ہاں اگر صاحبِ زکوۃ نے کھانا خام خواہ پختہ مستحقین کے گھر بھجوادیا یا اپنے ہی گھر کھلایا مگر بتصریح پہلے مالک کردیا تو زکوۃ ادا ہو جائیگی،

فان العبرۃ للتملیك ولا مدخل فیه لا کله فی بیت المزکی اوارساله الی بیوت المستحقین وما ذکرہ الطحطاوی محمول علی الدعوۃ المعروفة فانھا المتبادرۃ منه وانھا لا تکون الا علی سبیل الا باحة، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اعتبار تملیک کا ہے اس میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ زکوۃ دینے والے کی گھر کھانا کھایا یا مستحق لوگوں کے گھر بھیج دیا ہو۔ اور جو طحطاوی نے ذکر کیا وہ دعوتِ معروفہ پر محمول ہے کیونکہ اس سے متبادر ہے کہ یہ دعوت بطورِ تملیک نہیں ہوتی بلکہ بطورِ اباحت ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الزکوۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۳۸۸

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب المصرف دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۲۵

مسئلہ ۵ : مرسلہ مولوی عبدالواحد صاحب متعلّم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۲۷ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زکوۃ کا روپیہ نکالا اور اس روپیہ سے غلّہ خریدا اور تمام محتاجوں کو جمع کرکے اور کھانا پکواکر کھلوایا تو آیا زکوۃ ادا ہوجائیگی کہ نہیں، کیا ضروری ہے کہ جو روپیہ نکالا وہی بعینہٖ دے؟

الجواب:

کھانا جمع کرکے کھلادینے سے زکوۃ ادا نہ ہُوئی لانہ اباحۃ ورکنھا التملیك (کیونکہ یہ اباحت ہے حالانکہ زکوۃ کا رکن مالک بنانا ہے۔ت) نہ بعینہٖ روپیہ دینا ضرور، بلکہ اگر اس کا اناج یا کپڑا خرید کر محتاجوں کو دے دیتا یا کھانا پکا کر اُن کے گھر بھیج دیتا یا حصّے انھیں تقسیم کردیتا تو بازار کے بھاؤ سے جو اُس کی قیمت ہوتی اس قدر زکوۃ ادا ہوجاتی پکوائی وغیرہ اجرت میں جو صرف ہُوا وہ محسوب نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶: از دھوراجی ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب ۲۱صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قحط سالی میں مسلمان لوگ چندہ کرکے روپیہ جمع کرکے گندم چھ روپیہ کے بھاؤ سے ایک من خرید کرکے چار روپیہ کے بھاؤ سے مسلمان غریب لوگوں کو دینا اور جو دو روپیہ کا نقصان ہوتا ہے وہ مالِ زکوۃ سے ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر نہ ہوتا ہو تو کس صورت سے ادا ہو؟ مہربانی فرماکر جلدی عنایت فرمائیں، بہت ضروری ہے، یہاں پر بالکل بارش نہیں ہُوئی ہے، اور غریب مسلمان لوگوں کو بہت ضرورت ہے، اس مسئلہ کو سوال بناکر جواب لکھ کر روانہ کردینا۔

الجواب:

زکوۃ اس طرح ادا نہیں ہوسکتی،

فان البیع یبائن الصدقۃ والمحاباۃ لیست فی القدر الزائد المتروك من التملیك فی شیئ فانك لم تملکه حتی تملکه۔	کیونکہ بیع، صدقہ کے مبائن چیز ہے، خریداری میں رعایت سودے سے کسی زائد چیز کی تملیک نہیں ہے کیونکہ رعایت تیری ملکیت نہیں، تاکہ تو کسی کو مالک بنائے۔(ت)

بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھ۶ ہی روپے من اُن کے ہاتھ بیچیں اور فی من دو۲ روپے اُن کو زکوۃ میں اپنے پاس سے دیں اور قیمت میں چھ۶ روپے اُن سے وصول کریں، اُن کے دو روپے زکوۃ میں محسوب ہوں گے اور اُن کو من بھر گیہوں پر چار۴ ہی روپے اپنے پاس سے دینے پڑے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷ : ۱۲رجب ۱۳۳۱ھ

چار پانچ آدمی بزاز کے یہاں کپڑا خریدنے گئے اُن میں سے ایک نے کوئی کپڑا چُرالیا، بعد معلوم ہونے کے دُکاندار نے اس کو معاف کردیا اور نیّت صدقہ یا زکوٰۃ کی کی، تو یہ نیت اس کی صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور یہ کپڑا صدقہ یا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر وُہ کپڑا ہنوز موجود ہے تو نہ وُہ صدقہ میں محسوب ہوگا، نہ زکوٰۃ میں، نہ اس کی معافی ہوگی **فان الابراء عن الاعیان باطل** (کیونکہ اعیان سے بری کرنا باطل ہے۔ت) ہاں اگر اسے ہبہ کردیا تو ہبہ ہوجائیگا، اور اگر ہبہ کرنے سے زکوٰۃ یا صدقہ کی نیّت کی اور وُہ شخص اس کا مصرف ہو تو زکوٰۃ و صدقہ ادا ہوجائیں گے، اور اگر وُہ کپڑا اُس نے تلف کردیا یہاں تک کہ اُس کا اُس پر تاوان لازم آیا اور اُس نے وہ تاوان معاف کردیا تو معافی صحیح ہے اور نیت محمود ہو تو اجر پائے گا اور یہ خود ایک صدقہ نفل ہے مگر اس میں زکوٰۃ کی نیت صحیح نہیں، ہاں اس سے اتنے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جتنا تاوان اس پر واجب تھا مگر یہ اُس کے دیگر اموال کی زکوٰۃ ہوسکے یہ نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸ تا ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں :

(۱) زید نے اپنے برادرِ حقیقی یا بہنوئی یا بہن یا کسی دوست کو اپنی ضمانت سے مبلغ پچاس ۵۰ روپیہ سُودی قرض دلادئے، اب وُہ روپیہ اصل وسُود مل کر سو روپیہ ہوگئے، زید نے وُہ روپے اپنی زکوٰۃ کے روپے سے ادا کردئے مگر شخص مذکور سے یہ نہیں کہا کہ روپیہ زکوٰۃ کا ہم نے تمھارے قرضہ میں دیا کیونکہ اگر اُس سے کہا جائیگا تو وُہ شخص بوجہ برادری کے زکوٰۃ لینا پسند نہیں کرتا اس صورت میں زید سے زکوٰۃ ادا ہوگیا یا نہیں؟

(۲) زید نے مبلغ ہزار روپیہ کا رس خریدا اور روپیہ بموجب رواج کھنڈسالیوں کے بالیوں کو دے دیا، وقتِ وصول رس کے، پانچ سو روپیہ کا رس وصول ہُوا، اور باقی روپیہ کے سال آئندہ پر وصول ہونے کی امید رہی، اب زید پر زکوٰۃ پانچ سو روپیہ کی چاہئے یا ہزار کی؟ اور اس بقیہ روپے کا یہ انتظام کیا کہ کچھ روپیہ اور دے کر دستاویز تحریر کرالی اس دستاویز کا روپیہ بشرطِ پیداوار اس تحریر دستاویز سے دس ماہ بعد وصول ہوگا ورنہ سال آئندہ پر کیا قرضہ دستاویز پر زکوٰۃ چاہئے یا نہیں؟

(۳) کچھ قرضہ زید کا اس طور ہے کہ زید نے دستاویز تحریر کراکے روپیہ قرض کردیا، منجملہ اس کے کچھ روپیہ وصول ہوا اور کچھ باقی رہا، اس بقیہ کی نہ دستاویز ہے اور نہ کوئی شَے ایسی اس شخص کے پاس ہے کہ جس سے وُہ قرضہ اپنا ادا کرے، اور اگر ہے تو بغرض بدنیتی اُس شَے کو دوسرے کے نام کردیا، اب زید کو صرف اُمید ہی امید

وصول کی ہے لہٰذا اس روپے پر زکوٰۃ دی جائے یا نہیں؟

(۴) زید نے پانچ سو روپیہ اپنے اور ہزار قرض لے کر دکان کے منجملہ پندرہ سو روپیہ کے ہزار روپیہ کا مال دُکان میں ہے اور پانچ سو روپیہ قرضہ میں ہیں، اس صورت میں زکوٰۃ دی جائے یا نہیں اور دی جائے تو کس قدر کی؟

الجواب:

(۱) اگر زید نے وُہ روپیہ اپنے اس عزیز کو دل مین نیّتِ زکوٰۃ کرکے دیا تو زکوٰۃ ادا ہو گئی خواہ کسی خرچ میں صرف کرے، اور اگر بطور خود بلا اجازت اس کے قرضہ میں دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زکوٰۃ کُل روپیہ کی واجب ہوگی مگر مقدارِ قرضہ کے ابھی ادا کرنا لازم نہیں، بعد وصول ادا کرسکتا ہے۔

(۳) جبکہ اس کے پاس ثبوت نہیں اور نہ وُہ ادا پر آمادہ اور نہ اس کے پاس جائداد، تو اُس قرضہ کی زکوٰۃ لازم نہیں۔

(۴) منجملہ پندرہ سو کے کسی قدر زکوٰۃ فی الحال واجب الادا نہیں جبکہ وُہ وہی مال رکھتا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

تجلّی المشکوٰۃ لانارۃ اسئلۃ الزّکوٰۃ ۱۳۰۷ھ

(زکوۃ کے مسائل کو واضح کرنے کے لئے چراغ کی چمک)

مسئلہ ۱۲ تا ۱۸: از گونڈہ بہرائچ، محلّہ چھاؤنی، مکان مولوی اشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سیّد حسین حیدر میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین لُطف اللہ بہم اجمعین، ان مسائل میں:

مسئلہ اولٰی: زکوۃ بتدریج دی جائے یا یکمشت دینے میں کیا نقصان ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر زکوۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہُوا کہ وجوب ادا ہو جاتا، خواہ یُوں کہ ابھی نصاب نامی فارغ عن الحوائج کا مالک ہُوئے سال تمام نہ ہُوا، یا یُوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق وتدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول سے پہلے زکوۃ واجب الادا نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے:

شرط افتراض ادائھا حولان الحول	ادائیگی زکوۃ کے فرض ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مال

وھو فی ملکہ۔[1]	کی ملکیت پر سال گزرے۔(ت)

تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرع ہے ولا جبر علی المتبرع وھذاظاھر جدًا (نفلًا دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہی۔ت) اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الادا ہو چکی تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فورًا اتمام و کمال زر واجب الادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و معتمد و مفتی پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کی تصریح ثابت۔

رواہ الفقیہ ابو جعفر عن الامام الاعظم و ذکرہ ابو یوسف فی الامالی کما فی الخلاصۃ وفی منتقی الامام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشھید رحمہ اللہ تعالٰی علی ما نقل القھستانی عن المحیط انہ علی الفور عندھما وعن محمد لا تقبل شھادۃ من اخر،[2] فھذاظاھر فی انہ ھو المذھب المروی عن الشیخین فی ظاھر الروایۃ۔	یہی فقیہ ابو جعفر نے امامِ اعظم سے روایت کیا، امام ابویوسف نے اسے امالی میں ذکر کیا جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم الشہید رحمہ اللہ تعالٰی کی منتقی میں ہے جیسا کہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے وُہ یہ ہے کہ شیخین کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ علی الفور لازم ہو جاتی ہے، اور امام محمد سے ہے کہ جس نے ادائیگی میں تاخیر کی اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ یہ بات اس بارے میں واضح ہے کہ شیخین سے یہی مذہب ظاھر الروایۃ میں مروی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

یلزم بتاخیرہ من غیر ضرورۃ الاثم کما صرح بہ الکرخی والحاکم الشھید فی المنتقی، وھو عین ما ذکرہ الفقیۃ ابو جعفر عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یکرہ ان یؤخرھا من غیر عذر فان کراھۃ التحریم ھی المحمل عند اطلاق اسمھا عنھم	بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے المنتقی میں تصریح کی ہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابو جعفر نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰے عنہ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مؤخر کرنا مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقًا ہو تو اس وقت وہ مکروہِ تحریمی پر محمول ہوتی ہے،

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۰۱

وکذاعن ابی یوسف وعن محمد ترد شھادتہ بتاخیر الزکوٰۃ حق الفقراء فقد ثبت عن الثلثہ وجوب فوریۃالزکوٰۃ[1] اھ مخلصاً۔	امام ابویوسف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہوجائیگی کیونکہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، تو تینوں بزرگوں سے یہ ثابت ہُواکہ زکوٰۃ کی ادائیگی فی الفور لازم ہوتی ہے اھ مخلصًا (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

ھل یأثم بتأخیر الزکوٰۃ بعدالتمکن ذکر الکرخی انہ یأثم وھکذا ذکر الحاکم الشھید فی المنتقی وعن محمد ان من اخر الزکوٰۃ من غیر عذرلا تقبل شھادتہ وروی ھشام عن ابی یوسف لایأثم [2] اھ ملخصاً۔ **قلت:** فقد قدم التاثیم و ما یقدمہ فھوالراجح الاظھر الاشھر عندہ کما نص علیہ بنفسہ ویکون ھو المعتمد کما صرح بہ الطحطاوی و الشامی وغیرہما وکذاقدمہ فی الھدایۃوالکافی۔	آدمی قدرت کے بعد تاخیر زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کرخی نے فرمایا: گنہ گار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے منتقی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابُویُوسف سے نقل کیا کہ وُہ گنہگار نہ ہوگا اھ ملخصًا۔ **قلت:** (میں کہتا ہوں کہ) گنہگار ہونا (امام ابویوسف کے حوالے سے) پہلے ذکر کیا ہے اور وہی قاضی خاں کے ہاں راجح، اظہر اور اشہر ہے، جیسا کہ اس پر خود انہوں نے تصریح کی ہے، اور یہی معتمد ہے، جیسا کہ اس پر طحطاوی، شامی اور دیگر لوگوں نے تصریح کی ہے، اسی طرح ہدایہ اور کافی میں اسی کو مقدم رکھا ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرازی علی التراخی حتی یأثم عند الموت والاول اصح	سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے حتّٰی کہ بغیر عذر تاخیر سے گناہ ہوگا، رازی کی روایت کے مطابق فی الفور لازم نہیں (حتّٰی کہ مؤخر کرنے سے گناہ نہ ہوگا) البتّہ اسی حالت میں موت آگئی تو

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۱۱۴/۲
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۱۹/۱

کذا فی التھذیب۔[1]	قریب موت گنہگار ہوگا، لیکن پہلا قول اصح ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے:

یجب الزکوٰۃ علی الفور حتیّ یأثم بتاخیرہ بلا عذر وقیل علی التراخی والاول اصح[2] اھ ملخصاً۔	زکوۃ علی الفور واجب ہو جاتی ہے حتی کہ بغیر عذر مؤخر کرنے سے گناہ گار ہوتا ہے بعض کے نزدیک فی الفور نہیں ہوتی لیکن پہلا قول اصح ہے اھ ملخصًا(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

قال محمد لاتقبل شھادۃ من لم یؤد زکوٰتہ وھذا یدل علی الفور کما قال الکرخی و علیہ الفتوی۔[3]	امام محمد نے فرمایا: جو شخص زکوۃ ادانہ کرے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی، یہ بات دلالت کرتی ہے کہ زکوۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے۔ امام کرخی نے بھی یہی فرمایا ہے، اور اسی پر فتوی ہے(ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

(وقیل فوری) ای واجب علی الفور (وعلیہ الفتوی) کما فی شرح الوھبانیۃ (فیاثم بتاخیرہا) بلا عذر (وترد شھادتہ) لان الامر بالصرف الی الفقیر معہ قرینۃ الفور وھی انہ لدفع حاجتہ وھی معجلۃ فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجہ التمام وتمامہ	(بعض نے کہا کہ زکوۃ فوری ہے) یعنی زکوۃ فی الفور لازم ہوجاتی ہے (اور اسی پر فتوی ہے) جیساکہ شرح وہبانیہ میں ہے (تو تاخیر ادائیگی سے گناہ لازم لائے گا) جب تاخیر بغیر عذر ہو (اور ایسے شخص کی شہادت مردود ہے) کیونکہ حکم زکوۃ کے ساتھ مصرفِ زکوۃ فقراء کا ذکر کرنا اس پر قرینہ ہے کہ فی الفور ادائیگی ہو کیونکہ زکوۃ دینا ضروریاتِ فقیر کو پورا کرنے کیلئے ہوتا ہے اور اس میں تعجیل مقصود ہے اور اگر یہ فی الفور لازم ہی نہ ہو تو کامل طور پر ایجاب زکوۃ کا مقصد حاصل نہ ہوگا۔ تفصیل اس کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوۃ فصل فی مال التجارۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

[2] جواھر الاخلاطی کتاب الزکوۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۳

[3] مجمع الانہر ملتقی الابحر کتاب الزکوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

فی الفتح [1] اھ۔**اقول**:فاذا کان ھذا ھواقضیة الدلیل والا لصق بمقصد الشرع الجلیل وھو الا حوط فی الدین والا دفع لکید الشیاطین والا نفع لفقراء المسلمین و قد جزم به المولیٰ فقیه النفس قاضی الامّة وصححه کمامر ویاتی من کبار الائمة و قد ثبت عن سا داتنا الثلثة مالکی الازمة وقد نص کثیرون ان علیه الفتوی ومعلوم ان ھذا اللفظ اکد و اقوی فعلیه فلیکن التعویل وا لاعتماد وان حکی التراخی ایضاعن الثلثةالامجادوصححه الباقانی والتاتارخانی بل قال المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ما ذکر ابن شجاع عن اصحابناان الزکوٰۃعلی التراخی یجب حمله علی ان المراد بالنظر الی دلیل الافتراض ای دلیل الا فتراض لا یو جبھا وھولا ینفی وجوددلیل الایجاب [2] اھ قال العلّامة السید احمد المصری فی حاشیة الدرالمختار واختار الکمال ان الزکوٰۃ فرضیة وفوریتھاواجبة ویصلح ھذا توفیقا بین القولین [3] اھ **قلت**: وکان ظھرلی التوفیق بان من قال بالتراخی	فتح میں ہےاھ **اقول**: جب دلیل کا معاملہ یہ ہے تو یہ مقصد شرع جلیل سے متصل اور قریب ہےاور یہی دین میں احوط اور شیاطین کے مکر کو دفع کرنے والااور فقراء مسلمین کے لئے زیادہ نافع ہے، اسی پر ہمارے سربراہ فقیہ النفس قاضی الامّت نے جزم فرمایا اور اسکو صحیح قرار دیا جس کا ذکر گزرااور کبار ائمہ سے اس کی تصحیح آرہی ہے ، اور ہمارے تینوں ائمہ جو مسلک کے سرتاج ہیں سے یہی ثابت ہے،اور کثیر فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی اسی پر ہے،اور یہ بات مسلّمہ ہے کہ یہ الفاظ مؤکد اور قوی ہیں ، لہٰذا اسی پر اعتماد ہونا چاہیے اگرچہ ان تینوں بزرگوں سے تراخی بھی منقول ہے اور اسے باقانی اور تاتارخانی نے صحیح کہا ہے بلکہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا : ہمارے احناف میں سے ابن شجاع نے جو یہ کہاکہ زکوٰۃ فی الفورم لازم نہیں اسے زکوٰۃ کی فرضیت کی دلیل سے منسلک کرنا ضروری ہے یعنی فرضیت کی دلیل فی الفورادائیگی کو واجب نہیں کرتی جبکہ اس سے فوری ادائیگی کی علیحدہ دلیل کی نفی نہیں ہوتی۔علّامہ سیّداحمد مصری نے حاشیہ درمختار میں کہاکہ کمال کا مختار یہ ہے کہ زکوٰۃفرض ہےاور فی الفور ادا کرنا واجب ہے، اس سے دونوں اقوال کے درمیان موافقت ممکن ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) : میرے نزدیک تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ جس نے تراخی کی

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[2] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۱۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۹۶

فمراده ان وقته العمرفتكون اداء متى ادى وان اثم بالتاخير ومن قال بالفور اراد انه ياثم بالتاخير وان لم يصربه قضاء ولا بدع فى ذلك فان الحج فورى على الراجح مع الاجماع على انه لوتراخى كان اداء ونظيره سجدة التلاوة وجوبها فورى عندابى يوسف ومتراخ عند محمد و هو المختار كما فى النهر والامداد والدرالمختار واذا اداها بعد مدةكان مؤديا اتفاقًا لاقاضيا كما فى النهر الفائق وغيره۔ **اقول:** لكن يخدش التوفيقين ما قد منا عن الخانية حيث فرض المسئلة فى التأثيم ونص رواية هشام عن ابى يوسف لا يأثم فلابدمن ابقاء الخلاف وترجيح الراجح اويقال ان هشامًا انما سمع التراخى فنقل هو او من روى عنه بالمعنى على ما فهم ولعل فيه بُعدًا يعرف وينكر فليتدبر . والله تعالٰى اعلم۔	بات کی ہے اس کی مراد یہ ہے کہ وقتِ ادا تمام عمر ہے، تو جس وقت بھی ادائیگی کریگا زکوۃ ادا ہی ہوگی اگرچہ تاخیر سے گنہگار ہوگا، اور جس نے کہا "فی الفور واجب ہے" اس کی مراد یہ ہے کہ تاخیر سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے اگرچہ تاخیر سے قضا نہیں ہوگی، اور یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ حج راجح قول کے مطابق فی الفور لازم ہے، حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی نے دیر کے بعد حج کیا تو ادا ہی ہوگا، اس کی نظیر سجدہ تلاوت ہے جو امام ابویوسف کے نزدیک فی الفور اور امام محمد کے نزدیک علی التراخی واجب ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ نہر، امداد اور درمختار میں ہے اگر کسی نے مدت کے بعد سجدہ کیا تو بالاتفاق ادا ہی ہوگا، اسے قضا کرنے والا نہ کہا جائیگا، جیسا کہ النہر الفائق وغیرہ میں ہے۔ **اقول:** ان دونوں تطبیقات کو خانیہ کی سابقہ عبارت مخدوش کر دیتی ہے کہ وہاں عنوانِ مسئلہ ہی گنہگار ہونے کے بارے میں ہے، اور امام ابویوسف سے روایتِ ہشام میں گنہگار نہ ہونے کی تصریح ہے لہٰذا اثباتِ اختلاف اور ترجیح راجح ضروری ہے یا یہ کہا جائے کہ ہشام نے تراخی سنا اور اسے نقل کردیا جس نے ان سے روایت بالمعنی کی اس نے اپنی سمجھ کے مطابق نقل کردیا، شاید اس میں بعد معلوم ہو اور اجنبی سمجھا جائے، تو غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بلکہ ہمارے بہت ائمہ نے تصریح فرمائی کہ اس (زکوۃ) کی ادائیگی میں دیر کرنے والا مردود الشہادۃ ہے، یہی منقول ہے محرر مذہب سیّدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے،

كمامر عن الفتح والخانيةومجمع النهر ومثله فى خزانةالمفتين وفى شرح النقايةعن المحيط وفى جواهر الاخلاطى وبه جزم فى	جیسا کہ فتح، خانیہ اور مجمع الانہر میں ہے۔ اسی طرح خزانۃ المفتین اور شرح نقایہ میں محیط سے اور جواہر الاخلاطی میں ہے، اور اسی پر تنویر اور در میں جزم

التنویر والدر کما سمعت ونقل الامام الخاصی وصاحب المضمرات شرح القدوری و الطحطاوی والشامی وغیرھم عن الامام قاضی خان ان علیه الفتوی وبه اخذ الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی ۔**اقول:** وقول من قال ترد شهدته یؤید کا لا یخفی ومن قال لافقوله لا یخالفنا اذلیس کل ما یتر جح فیه الاثم وان صغیرة مایرد به الشهادة کما لیس بخاف علی من طالع کتاب الشهادة۔	کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے۔ امام خاصی، صاحب المضمرات شرح قدوری، طحطاوی اور شامی وغیرہ نے امام قاضی خاں سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اور فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے ہی لیا ہے۔ **اقول:** جس نے یہ کہا کہ "اس کی شہادت مردود ہے" اس نے ہماری تائید کی جیسا کہ مخفی نہیں، جس نے کہا "مردود نہیں" وُہ ہمارے مخالف نہیں کیونکہ ہر وُہ شی جس میں گنہگار ہونا راجح ہو اگرچہ گناہ صغیرہ ہی ہو ایسی نہیں جس سے شہادت رد ہو جائے جیسا کہ یہ اس پر واضح ہے (مخفی نہیں) جس نے کتاب الشهادة کا معالعہ کیا ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تدریج میں اگر کُل کی تاخیر نہ ہوئی تو بعض کی ضرور ہوگی حالانکہ اس پر واجب تھا کہ کل مطالبہ فی الفور ادا کرے۔

لان الا یجاب الفوری انما هو للکل لا للبعض و هذا ظاهر جدًّا ثمّ فی معنی الفور ههنا بحث للعلامة الشامی قدس سرّه السامی حیث قال قوله فیأثم بتاخیر ها الخ ظاهره الاثم بالتاخیر ولو قلّ کیوم او یومین لانهم فسروا الفور باول اوقات الامکان وقد یقال المراد ان لا یؤخر الی العام المقابل لما فی البدائع عن المنتقی با لنون اذا لم یود حتی مضی حولان فقد اساء و أثم اھ فتأمل اھ[1] **اقول:** لایخفی ان هذا القول المعتمد منقول فی عامة الکتب بلفظ الفور	کیونکہ فوری واجب کرنا کُل کے لئے ہے نہ کہ بعض کے لئے، اور یہ نہایت ہی واضح ہے، پھر یہاں علّامہ شامی قدّس سرّہ السّامی کو معنی فور میں کلام ہے وُہ کہتے ہیں مصنّف کے قول "تاخیر زکوٰۃ سے گنہگار ہوگا" الخ اس سے ظاہر یہی ہے کہ تاخیر اگرچہ تھوڑی ہو مثلاً ایک یا دو ۲ دن، اس سے گنہگار ہوگا کیونکہ فقہاء نے فور کی تفسیر اوّل اوقاتِ امکان سے کی ہے، اور کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ آئندہ سال تک تاخیر نہ ہو کیونکہ بدائع میں منتقی سے ہے کہ جب کئی سال گزر جائیں اور (زکوٰۃ کی) ادائیگی نہ کی ہو تو یہ بُرا اور گناہ ہے اھ فتامل۔ **اقول:** واضح رہے کہ یہ قول معتمد عام کتب میں لفظِ فور اور عدم تاخیر سے منقول ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

وعدم التاخیر انما معناہ کما نصوا علیہ وافدتم انتم ھو الا تیان فی اول اوقات الامکان فالتقیید بعدم التاخیر عاما تغییر لا تفسیر و یظھر لی ان قضیۃ الدلیل ایضا تخالفہ فان العلماء کا لاما م فقیہ النفس والامام المحقق علی الاطلاق والامام حسین بن محمد السمعانی صاحب خزانۃ المفتین والعلامۃ برھان الدین ابی بکربن ابراھیم الحسینی صاحب جواھر الا خلاطی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی ذکر وا تعلیل تفرقۃ محمد با یجاب الزکوٰۃ علی الفور و الحج متراخیا بان الزکوٰۃ حق الفقراء فیأثم بتاخیر حقھم[1] بخلاف الحج فانہ خالص حق المولٰی سبحانہ وتعالٰی وانت تعلم ان حق العبد بعد وجوب الداء والتمکن منہ لا یتا خر اصلا الا تری ان الاجل اذا حل فمطل الغنی ظلم وان قل، وکذا ماحقق المولی المحقق حیث اطلق من ان مع النص قرینۃ الفوروھو الشرع لدفع حاجۃ الفقراء وھی معجلۃ یدل علی الفور الحقیقی ولایتفاوت التسویف بعام و اعوام فی عدم حصول المقصود علی وجہ التمام لا جرم ان قال فی مجمع الانھر بعد ذکرہ الفتوی علی فوریۃ الزکوٰۃ	اس کا معنٰی جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی اور آپ خود افادہ کر چکے ہو کہ اوّل اوقاتِ امکان میں بجالانا ہے لہٰذا عدمِ تاخیر کو سال کے ساتھ مقید کرنا تغییر (بدل دینا) ہے تفسیر نہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ معاملہ دلیل بھی اس کی مخالفت کر رہا ہے کیونکہ علماء مثلاً امام فقیہ النفس، امام محقق علی الاطلاق، امام حسین بن محمد سمعانی صاحبِ خزانۃ مفتین اور علّامہ برہان الدین ابو بکر بن ابراھیم الحسینی صاحب جواھر الاخلاطی وغیر ہم رحمہم اللہ تعالٰی نے امام محمد کے زکوٰۃ کو فی الفور اور حج کو علی التراخی لازم قرار دینے کی علّتوں میں فرق کرتے ہوئے کہا کہ زکوٰۃ فقراء کا حق ہے تو ان کے حق میں تاخیر کی وجہ سے وُہ شخص گنہگار ہوگا بخلاف حج کے کہ وہ خالصۃً اللہ سبحانہ وتعالٰی کا حق ہے، اور آپ جانتے ہیں کہ حق عبد وجودِ قدرت اور وجوبِ ادا کے بعد بالکل متاخر نہیں ہوتا، کیا آپ نے نہیں دیکھا جب قرض کی ادائیگی کا وقتِ مقررہ آجائے تو غنی کا ڈھیل و تاخیر کرنا ظلم ہوتا ہے اگرچہ وُہ تاخیر تھوڑی ہی کیوں نہ ہو، اور اسی طرح مولی محقق نے تحقیق کرتے ہوئے کہا کہ نص میں قرینہ فور ہے کہ زکوٰۃ حاجتِ فقراء کو دور کرنے کے لئے ہے اور اس میں تعجیل ہے جو فورِ حقیقی پر دال ہے، اب کامل طور پر مقصد کے عدم حصول میں سال یا متعدد سالوں کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں ہوگا خصوصًا جبکہ مجمع الانہر میں فوریتِ زکوٰۃ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا فتوی فورِ زکوٰۃ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۱۳

معنی یجب علی الفور انه یجب تعجیل الفعل فی اوّل اوقات الامکان اھ [1]۔قد سمعت نص الخانیة اذقال هل یأثم بتاخیرالزکٰوۃ بعدالتمکن اھ [2] وقال فی خزانةالمفتین یأثم بتاخیرالزکٰوۃ بعد التمکن ومن اخرمن غیر عذر لا تقبل شهاته لان الزکٰوۃحق الفقراء فیأثم بتأ خیر حقهم اھ [3]ملخصًا فهذه نصوص صرائح ومافی المنتقی مفهوم مع انه هوالذی یقضی به الدلیل فحق ان یکون علیه التعویل نعم لاغرو فی تقیید رد الشهادة بمرورة المدةفان دلیل الفورظنی و الثابت به الوجوب فترکه صغیرة لا ترد به الشهادة الا بعد الاصرار ولا بد لذلك من مرور مدةکما افاد البحرفی مسئلة تاخیر الحج، و اللہتعالٰی اعلم۔	پر ہے "یجب علی الفور" کا معنی یہ بیان کیا کہ اوّل اوقاتِ امکان میں فعل کو بجالانا واجب ہے اھ۔اور آپ خانیہ کی اس تصریح پر بھی آگاہ ہیں کہ کیا تمکن کے بعد تاخیر زکوٰۃ سے انسان گنہگار ہوتا ہے یا نہیں اھ ۔ اور خزانۃالمفتین میں فرمایا: تمکن کے بعد تاخیر زکوٰۃ سے گنہگار ہوتا ہے، اور جس نے بغیر عذر ادائیگی مؤخر کی اس کی شہادت مقبول نہیں کیونکہ فقراء کا حق ہے، تو ان کے حق میں تاخیر کرنا گناہ ہوگا اھ ملخصًا، پس یہ صریح نصوص ہیں۔ اور جو کچھ المنتقٰی میں ہے وہ مفہوم ہے باوجودیکہ دلیل کا تقاضا بھی یہی ہے، لہٰذا اسی پر اعتماد کرنا حق ہے، ہاں رَدِّ شہادت کو مدّت کے گزرنے کے ساتھ مقیّد کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دلیلِ فور ظنّی ہے جس سے وجوب ثابت ہوگا، لہٰذا اس کا ترک صغیرہ گناہ ہے، اس سے شہادت مردود نہیں ہوگی، ہاں مگر اس صورت میں جب ترک پر اصرار ہو، لہٰذا اس کے لئے مدّت کا گزرنا ضروری ہے جیسا کہ بحر میں مسئلہ تاخیرِ حج میں تفصیل مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر بعد وجوبِ ادا تدریج کی مضرت اظہر من الشّمس کہ مذہبِ صحیح پر ترک فور کرتے ہی گنہگار ہوگا اور مذہب تراخی پر بھی تدریج نامناسب کہ تاخیر میں آفات ہیں۔

وقال تعالٰی "سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ" [4] وقال تعالٰی "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ" [5]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: نیکیوں میں آگے بڑھو۔ (ت)

---

1 مجمع الانہر کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۹۲

2 فتاوٰی قاضی خان کتاب الزکوٰۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۹

3 خزانۃ المفتین فصل فی مال التجارۃ قلمی نسخہ ۱/۵۳

4 القرآن ۳/۱۳۳

5 القرآن ۲/۱۴۸

ظاہر ہے کہ وقتِ موت معلوم نہیں، ممکن ہے کہ پیش از ادا آ جائے تو بالاجماع گنہگار ہوگا۔

فان کل موسع یتضیق عند الموت کما نصوا علیه ولذا صرح القائلون بتراخی الوجوب انه یأثم عند الموت کما قدمنا۔	کیونکہ واجب موسع، موت کے قریب مضیق ہو جاتا ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح کی ہے، اور اسی وجہ سے علی التراخی وجوب کے قائلین موت کے قریب تارک کو گنہگار کہتے ہیں جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے (ت)

اسی طرح تدریج میں اور دقتیں بھی محتمل، کما لا یخفٰی علٰی خادم الفقة (جیسا کہ کسی بھی خادم فقہ پر مخفی نہیں۔ت) اور مالی و جانی حوادث سے محفوظ بھی رہا تو نفس پر اعتماد کسے ہے فان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم [1] (شیطان، اسی انسان میں خُون کی طرح گردش کرتا ہے۔ت) ممکن کہ بہکادے اور آج جو قصداً ادا ہے کل یہ بھی نہ رہے۔ سیّدنا امام ابن الامام کریم ابن الکرام حضرت امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی نے ایک قبائے نفیس بنوائی، طہارت خانے میں تشریف لے گئے، وہاں خیال آیا کہ اسے راہِ خدا میں دیجئے فوراً خادم کو آواز دی، قریب دیوار حاضر ہُوا، حضور نے قبائے معلّی اتار کر دی کہ فلاں محتاج کو دے آ۔ جب باہر رونق افروز ہُوئے خادم نے عرض کی: اس درجہ تعجیل کی وجہ کیا تھی؟ فرمایا: کیا معلوم تھا باہر آتے آتے نیت میں فرق آجاتا۔ سبحان اللہ! یہ اُن کی احتیاط ہے جو اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ [2] (بلاشبہ میرے بندوں پر تیری حکومت نہیں چلے گی۔ت) کی آغوش میں پلے اور اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ

وَ یُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡرًا ﴿۳۳﴾ [3] (اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ اے اہلبیتِ نبوی! تم سے پلیدی کو دُور کرے اور تمھیں خُوب پاک فرمادے۔ت) کے دریا میں نہائے دُھلے صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیهم الکریم الاکرام و علیهم اجمعین وبارك وسلّم (ان کے والد گرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں اور ان تمام پر بھی اور برکات وسلام۔ت) پھر ہم کہ سخرہ دست شیطان ہیں، کس امید پر بے خوف و مطلق العنان ہیں و حسبنا اللہ و نعم الوکیل ولا حول ولا قوّۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ میرے نزدیک چند باتیں لوگوں کو تدریج پر حامل ہوتی ہیں، کبھی یہ خیال کہ اہم فالاہم میں صرف کریں یعنی جس وقت جس حاجتمند کو دینا زیادہ مناسب سمجھیں اُسے دیں۔ کبھی یہ کہ سائل بکثرت آتے ہیں یہ چاہتا ہے مالِ زکوٰۃ اُن کے لئے رکھ چھوڑے کہ وقتاً فوقتاً دیا کرے کبھی یکمشت دینا ذرا نفس پر بار ہے اور تھوڑا تھوڑا نکلتا جائے گا تو معلوم نہ ہوگا۔ جنھیں یہ خیال ہوں اُن کے لئے راہ یہی ہے کہ زکوٰۃ پیشگی دیا کریں مثلاً ماہِ مبارک رمضان میں اُن

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب فی الوسوسۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸

[2] القرآن ۱۵/ ۴۲

[3] القرآن ۳۳ / ۳۳

پر حولان حول ہوتا ہے تو رمضان ۸ ھ کے لئے شوال ۷ ھ سے دینا شروع کریں اور ختمِ سال تک بتدریج حسبِ رائے و مصلحت دیتے رہیں کہ اس میں ان کے مقاصد بھی حاصل ہوں گے اور تدریج مذموم وممنوع سے بھی بچیں گے **واﷲ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ثانیہ: زید کے پاس زیور ہے وہ اُس کی زکوٰۃ دیتا ہے آئندہ کو زیور زیادہ ہو تو کس حساب سے زرِ زکوٰۃ زیادہ کیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعتِ مطہرہ نے سونے کی نصاب پر کہ حوائجِ اصلیہ سے فارغ ہو خواہ وُہ روپیہ اشرفی ہو، گہنا یا برتن یا ورق یا کوئی شَے، حولان حول قمری کے بعد چالیسواں حصّہ زکوٰۃ مقرر فرمایا ہے، سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے، پھر نصاب کے بعد جو کچھ نصابِ مذکور کے پانچویں حصہ تک نہ پہنچے معاف ہے اُس پر کچھ واجب نہیں **ھذا ھومذھب صاحب المذھب رضی اﷲ تعالٰی عنہ وھو الصحیح کما فی التحفۃ ثم مجمع الانھر** (یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں پھر مجمع الانہر میں ہے۔ت) جب خمس کامل ہو جائے اس پر پھر اس خمس کا چالیسواں حصہ فرض ہوگا یونہی ایک خمس سے دوسرے تک عفو اور ہر خمسِ کامل پر اس کا ربع عشر، مثلاً ایک شخص کے پاس ۷ تولے سونا اس پر ۲ ماشے سونا زکوٰۃ دیتا ہے اور اگر ایک تولہ سے کم اس پر زائد ہے مثلاً ایک رتی کم ۹ تولہ ہے جب بھی وہی ۲ ماشے ۲ سُرخ واجب ہے یہ رتی کم ایک تولہ معاف ہے، ہاں اگر پورا چھ ۶ ماشے ایک تولہ ہے کہ خمس نصاب ہے اور ہو تو اس کا بھی ربع عشر (۵/۳ء ۳) سُرخ، اور واجب ہوگا کل ۹ تولے پر ۶ ماشے، (۵/۳ء ۵) سُرخ ہے، پھر ایک تولہ پورا ہونے تک کچھ نہ بڑھے گا، جب ۱۰ تولے ۶ ماشے کامل ہو وہی (۵/۳ء ۵) سُرخ اور بڑھ کر ۳ ماشہ (۵/۱ء ۳) سُرخ واجب الادا ہوگا، وعلٰی ہذا القیاس۔ اسی طرح جس کے پاس (۵۳) تولہ ۶ ماشہ چاندی ہے اس پر ا تولہ ۳ ماشہ چاندی واجب ہے اور جب تک ۱۰ تولے چاندی کہ خمس نصاب ہے نہ بڑھے، یہی واجب رہے گا۔ جب (۶۳) تولے کامل ہو جائے تو اس ۱۰ تولے کا (۴۰/۱) یعنی ۳ ماشہ ا (۵/۱) سُرخ، اور زائد ہو کر ایک تولہ ۱۰ ماشہ (۵/۲) سُرخ کا وجوب ہوگا وعلیہ قس۔ درمختار میں ہے:

نصاب الذھب عشرون مثقالا والفضۃ مائتا درھم کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل و المعتبر وزنھما اداءً ووجوبًا لا قیمتھما واللازم فی مضروب کل منھما	سونے کا نصاب بیس ۲۰ مثقال اور چاندی کا دوسو ۲۰۰ ایسے درھم ہے کہ ان میں سے دس ۱۰ درہم سات ۷ مثقال کا وزن رکھتے ہوں، ان کا وزن ادائیگی اور وجوب میں معتبر ہے، ان دونوں کی قیمت کا اعتبار نہیں، پھر ان

ومعموله ولو تبرًا وحليًا مطلقًا مباح الاستعمال اولا ربع عشر، وفی کل خمس بضم الخاء بحسابه ففی کل اربعین درهمادرهم وفی کل اربعة مثاقیل قیراطان وما بین الخمس الی الخمس عفو وقالا مازادبحسابه وهی مسئلة الکسور اھ[1] ملخصًا۔	دونوں سے بنی ہُوئی اشیامیں چالیسواں حصہ زکوۃ لازم ہے اگرچہ یہ ڈلی کی صورت میں یا زیورات کی صورت میں ہوں، خواہ ان کا استعمال مباح ہو یا ممنوع ہو (یعنی مردون کیلئے) ہر خمس میں اس کے حساب سے زکوۃ ہوگی، پس ہر چالیس دراہم میں ایک درہم اور ہر چار مثقال میں دو قیراط زکوۃ ہوگی جو خمس سے دوسرے خمس تک ہے، اس میں زکوۃ نہیں، صاحبین کے نزدیک جتنا اضافہ ہو اس میں اسی کے حساب سے زکوۃ ہوگی، یہی مسئلہ کسور کہلاتا ہے اھ ملخصًا (ت)

پھر جو شخص مالک نصاب ہے اور ہنوز حولان حول نہ ہوا کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہبہ یا میراث یا شرایا وصیّت یا کسی طرح اس کی ملک میں آیا تو وُہ مال بھی اصل نصاب میں شامل کرکے اصل پر سال گزرنا اُس سب پر حولان حول قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقًا ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مال تجارت بھی انہی کی جنس سے گِنا جائیگا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر انھیں کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زر و سیم ہی کی جنس سے ہیں اور وسط سال میں حاصل ہوئے تو ذہب وفضہ کے ساتھ شامل کردئے جائیں گے بشرطیکہ اس ملانے سے کسی مال پر سال میں دو بار زکوۃ لازم نہ آئے پھر ملانے کے بعد عفو وایجاب کے وہی احکام ہیں جو اوپر گزرے، مثلًا ایک شخص یکم محرم ۱۳۰۷ھ کو تیس ۳۰ تولے سونے کا مالک ہوا اور اس کے سوا جنسِ زرِ و سیم سے اور کوئی چیز اس کی مِلک نہیں تو اس پر ۹ ماشے سونا زکوۃ میں فرض ہے کہ سلخ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ کو واجب الادا ہوگا، ہنوز سال تمام نہ ہوا کہ مثلًا یکم رجب کو ایک تولہ اور یکم ذی الحجہ کو دو ۲ تولے سونا اسے اور ملا کہ اب کل ۳۳ تولے ہوگیا تو سلخ ذی الحجہ کو اس مجموع کی زکوۃ ۹ ماشہ (۱/۵ء۷) سُرخ سونا واجب الادا ہوگا، گویا اس سب پر سال گزر گیا اگرچہ واقع میں اس ایک تولے کو ہنوز چھ ۶ مہینے اور اس دو ۲ تو کو ایک ہی مہینہ گزرا ہے اور اس تولہ بھر کے بعد اور نہ ملا کہ سال تمام پر صرف ۳۱ تولے تھا تو وہی ۹ ماشہ واجب رہیں گے کہ نصاب کے بعد خمس پورا ہونے تک زیادت معاف ہے، اسی طرح اگر تین ۳ تولے سونا تو نہ ملا مگر مثلًا ۲۰ ذی الحجہ کو اس نے اپنی زمین یا غلّے یا اثاث البیت کے عوض اس قدر مالِ تجارت خریدا جس کی قیمت ۳ تولے سونے تک پہنچی تو اگرچہ اسے مِلک میں آئے ابھی دس ۱۰ ہی دن گزرے مگر مجموع

[1] درمختار کتاب الزکوۃ باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵-۱۳۴

۳۳ تولے کی زکوۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر اس کے پاس مثلاً ایک نصاب بکریوں اور ایک دراہم کی تھی اس نے دراہم کی زکوۃ ادا کردی اور اُن کے عوض اور بکریاں لیں، ان نئی بکریوں کے لئے آج سے سال شمار کیا جائے گا اگلی بکریوں میں ضم نہ کریں گے کہ آخر یہ اُسی روپے کے بدل میں جس کی زکوۃ اس سال کی بابت ادا ہوچکی اب اگر انھیں نصابِ شاۃ میں ملاتے ہیں تو ایک مال پر ایک سال میں دو ۲ بار زکوۃ لازم آئی جاتی ہے اور یہ جائز نہیں۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

المستفاد ولو بهبة [1] (اوشراء میراث او وصیّة اھ ش [2]) وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه [3] (مالم یمنع منه مانع هو الثنی المنفی بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولا ثنی فی الصدقة اھ ش [4]) فیزکیه بحول الاصل ولوادی زکوٰة نقده ثم اشتری به سائمه لاتضم [5] (الیٰ سائمة عنده من جنس السائمة التی اشتراهابذٰلك النقد المزکی ای لا یزکیها عند تمام حول السائمة الاصلیة عند الامام للمانع المذکور اھ ش [6]) اھ بالتلخیص وفی ش ایضا احد النقدین یضم الی الاٰخرو عروض التجارة الی النقدین للجنسیة باعتبار	سال کے وسط میں جو بھی حاصل شدہ ہو خواہ بصورت ہبہ ہو (یا شراء یا میراث یا وصیّت کی صورت میں ہو اھ ش) اسے ہم جنس نصاب میں شامل کیا جائیگا بشرطیکہ اس میں کوئی مانع نہ ہو اور وہ تکرارِ زکوۃ ہے جس کی نفی سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمائی کہ صدقہ میں تکرار نہیں اھ ش) تو حول اصل کی زکوۃ ادا کی جائے گی، اگر کسی نے نقدی کی زکوۃ ادا کی پھر اس نے سائمہ جانور خریدا تو وُہ اسے نہ ملائے (اصلی سائمہ کے ساتھ) جن کو اس نے اس نقدی سے خریدا تھا جس کی زکوۃ ادا کردی گئی یعنی امام کے نزدیک مانع مذکور کی وجہ سے حول سائمہ اصلیہ کے اختتام پر مذکورہ سائمہ پر زکوۃ نہیں ہوگی اھ ش) اھ باتلخیص، ش میں یہ بھی ہے کہ دونوں نقدیں (سونے اور چاندی)

[1] در مختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[2] ردالمحتار باب زکوۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۵
[3] در مختار باب زکوۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[4] ردالمحتار باب زکوۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶
[5] در مختار باب زکوۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳
[6] ردالمحتار باب زکوۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/۲۶

قیمتھما بحر اھ[1] ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔	کو ایک دوسری جنسیت کے اعتبار سے ملایا جائے، سامانِ تجارت کو قیمت کے اعتبار سے نقدین کے ساتھ ملایا جائے، بحر اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثالثہ: اگر آئندہ زیور کم ہو جائے تو کس حساب سے کمی کی جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو دو ماشہ سونا کہ اس پر واجب ہوا، وُہ صرف ۷ تولے کے مقابل ہے نہ کہ پورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشے جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یُوں ہی اگر ۱۰ تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف ۹ تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔ ملتقی الابحر میں ہے:

الزکوٰۃ تتعلق بالنصاب دون العفو فلو ھلك بعد الحول اربعون من ثمانین شاۃ تجب شاۃ کاملۃ اھ[2] ملخصًا۔	زکوٰۃ کا تعلق نصاب سے ہوتا ہے عفو سے نہیں، اب اگر سال کے بعد اس کی بکریوں میں سے چالیس ۴۰ ہلاک ہو گئیں تو اب بھی ایک کامل بکری زکوٰۃ لازم ہو گی اھ ملخصًا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لافی عفو وھو ما بین النصب فی کل الاموال۔[3]	عفو میں زکوٰۃ نہیں اور یہ ہر حال میں وہ مقدار وحصّہ ہے جو نصابوں کے درمیان ہوتا ہے (ت)

پس اگر نقصان مقدارِ عفو سے تجاوز نہ کرے یعنی اُسی قدر مال کم ہو جائے جتنا عفو تھا، مثلاً مثال اوّل میں ۶ ماشہ اور دوم میں ایک تولہ، جب تو اصلاً قابل لحاظ نہیں کہ اس قدر پر تو پہلے بھی زکوٰۃ نہ تھی کل واجب بمقابلہ مال باقی تھا وُہ اب بھی باقی ہے تو زکوٰۃ اسی قدر واجب ہے اور کمی نظر سے ساقط کما مثل لہ فی المنتقی (جیسا کہ منتقی میں اس کی مثال دی گئی۔ ت) اور اگر مقدار عفو سے متجاوز ہو یعنی اُس کے باعث کسی نصاب میں نقصان آئے خواہ یُوں کہ مال میں جس قدر عفو تھا نقصان اس سے زائد کا ہوا۔ جیسے امثلہ مذکورہ میں دو ۲ تولے یا یُوں کہ ابتداءً

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶

[2] ملتقی الابحر فصل فی زکوٰۃ الخیل موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۷۷

[3] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۳

مال صرف مقادیر نصاب پر تھا عفو سرے سے تھا ہی نہیں جیسے ۱۵ یا ۳۰ یا ۵۰ تولے سونا کہ اس میں رتی چاول جو کچھ گھٹے گا کسی نہ کسی نصاب میں کمی کرے گا۔ ایسا نقصان دو[2] حال سے خالی نہیں یا حولان حول سے پہلے ہے یا بعد، بر تقدیرِ اوّل دو ۲ حال سے خالی نہیں، یا سال تمام پر رقم نصاب ہائے پیشیں پھر پُوری ہو گئی یا نہیں، اگر پُوری ہو گئی تو یہ نقصان بھی اصلًا نہ ٹھہرے گا اور اس مجموع رقم پر حولان حول سمجھا جائے گا، مثلًا ایک شخص یکم محرم ۱۳۰۰ھ کو ۱۵ تولے سونا کا مالک تھا بعدہ اس میں سے کسی قدر قلیل خواہ کثیر ضائع ہو گیا یا صَرف کر دیا یا کسی کو دے ڈالا اور تھوڑا سا اگرچہ بہت خفیف باقی رہا، پھر جس قدر کم ہو گیا تھا سلخ ذی الحجہ سے پیشتر اگرچہ ایک ہی دن پہلے پھر آ گیا تو پورے ۱۵ ۱۵ تولہ دو نصاب کامل کی زکوٰۃ دینی ہو گی کہ ایک مثقال سونا ہے یونہی اگر مثلًا آٹھ تولے سونے کا مالک ہے اور وسط میں تولہ پھر گھٹ گیا کہ نصاب بھی پوری نہ رہی، ختم سال سے پہلے چھ سات ماشے مل گیا تو وہی زکوٰۃ تمام و کمال لازم آئے گی کہ چھ ماشہ جو عفو تھا جس طرح اس کے ہلاک کا اعتبار نہیں یونہی بعد ہلاک اس کا عود درکار نہیں صرف اس قدر چاہئے کہ شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا، ختم سال پر وُہ نصابیں پُوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وجوب بحالتِ استمرار ہوتا اُسی قدر پُوری واجب ہو گی اور نقصان درمیانی پر نظر نہ کی جائے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصل مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہو جائے ورنہ مِلکِ اوّل سے شمار سال جاتا رہے گا اور جس دن ملک جدید ہو گی اُس دن سے حساب کیا جائے گا، مثلًا یکم محرم کو مالک نصاب ہُوا صفر میں سب مال سفر کر گیا، ربیع الاوّل میں پھر بہار آئی تو اسی مہینہ سے حول گنیں گے حسابِ محرم جاتا رہا۔ درمختار میں ہے:

شرط کمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك كله بطل الحول۔[1]	سال کے دونوں اطراف میں کمالِ نصاب کی شرط ہے ابتداء میں انعقاد اور انتہاء میں وجوب کے لئے، درمیانی مدّت میں کمی نقصان دہ نہیں۔ ہاں اگر سارا مال ہلاک ہو گیا تو سال باطل ہو جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

فان وجد منه شیأ قبل الحول ولو بیوم ضمه وزکی الکل۔[2]	اگر کوئی شئی سال کے اختتام سے حاصل ہوئی خواہ ایک ہی دن پہلے ہوا سے ملایا جائے گا اور تمام کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الزکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۵

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/۲۳

اُسی میں ہے:

قولہ ھلك کلہ ای فی اثناء الحول حتی لو استفاد فیہ غیرہ استأنف لہ حولا جدیدا۔[1]	قولہ اگر سارا سال مال ہلاک ہوگیا، یعنی سال کے وسط میں، حتی کہ اگر اس مال کے علاوہ حاصل ہوتا ہے تو اس کے لئے نیا سال ہوگا۔ (ت)

اور اگر یہ نقصان مستمر رہا یعنی ختم سال پر وُہ نصابیں پُوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہی احکام حسابِ نصاب ولحاظ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہُوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوٰۃ راسًا ساقط۔

وذالك لان الحولان شرط الوجوب فاذا نقص عن النصاب لم یجب شیئ والا وجب فیما حال علیہ الحول۔	کیونکہ سال کا گزرنا شرط وجوب ہے، جب نصاب سے کم ہے تو کوئی شیئ لازم نہ ہوگی اور اگر نصاب ہے تو جس پر سال گزرا ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لازکوٰۃ فی مال حتی یحول علیہ الحول[2] اخرجہ ابن ماجۃ عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	مال پر زکوٰۃ سال گزرنے سے پہلے لازم نہیں ہوتی، اسے ابن ماجہ نے ام المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

حاشیہ شامی میں ہے:

لو استھلکہ قبل تمام الحول فلا زکوٰۃ علیہ لعدم الشرط۔[3]	اگر اس نے مال سال گزرنے سے پہلے ہلاک کر یا تو عدمِ شرط کی وجہ سے زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔ (ت)

بر تقدیر ثانی یعنی جبکہ مال پر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجب الاداء ہوچکی، اور ہنوز نہ دی تھی کہ مال کم ہوگیا، یہ تین حال سے خالی نہیں کہ سبب کمی استہلاک ہوگا یا تصدّق یا ہلاک۔ استہلاک کے یہ معنی کہ اس نے اپنے فعل سے اُس رقم سے کُچھ اتلاف، صرف کر ڈالا، پھینک دیا، کسی غنی کو ہبہ کر دیا۔ اور یہاں تصدّق سے یہ مراد کہ بلانیتِ زکوٰۃ کسی فقیر محتاج کو دی دیا۔ اور ہلاک کے یہ معنی کہ بغیر اس کے فعل کے ضائع و تلف ہوگیا، مثلاً

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۳۳

[2] سُنن ابن ماجہ ابواب الزکوٰۃ باب استفاد مالا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۹

[3] درالمحتار باب زکوٰۃ الغنم ادارۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۱۲

چوری ہوگئی یا زر وزیور کسی کو قرض ورعایت دے دیا وُہ مکر گیا اور گواہ نہیں یا مر گیا اور ترکہ نہیں یا مال کسی فقیر پر دین تھا مدیون محتاج کو ابرا کردیا کہ یہ بھی حکم ہلاک میں ہے۔

اب **صورتِ اُولیٰ** یعنی استہلاک میں جس قدر زکوٰۃ سال تمام پر واجب ہولی تھی اُس میں سے ایک حبّہ نہ گھٹے گا یہاں تک کہ اگر سارا مال صرف کردے اور بالکل نادار محض ہوجائے تاہم قرضِ زکوٰۃ بدستور ہے، سراجیہ ونہایہ وغیرہما میں ہے:

لواستهلك النصاب لا يسقط۔[1]	اگر نصاب کو کسی نے ہلاک کردیا توزکوٰۃ ساقط نہ ہوگی (ت)

نہرالفائق وحاشیہ طحطاوی میں ہے:

لو وهب النصاب لغنى بعد الوجوب ضمن الواجب وهواصح الروايتين۔[2]	اگر کسی نے نصاب کسی غنی کو وجوب کے بعد ہبہ کردیا تو وُہ واجب (مقدار) کا ضامن ہوگا اور یہی دونوں روایات میں اصح ہے۔(ت)

محیط سرخسی وعالمگیریہ میں ہے:

فى رواية الجامع يضمن قدر الزكوٰة وهو الاصح۔[3]	روایۃ الجامع میں ہے کہ مقدار زکوٰۃ کا ضامن ہوگا اور یہی اصح (ت)

اور صورتِ ثانیہ یعنی تصدّق میں اگر نذر یا کفارے یا کسی اور صدقہ واجبہ کی نیت کی تو بالاتفاق اس کا حکم بھی مثلِ استہلاک ہے یعنی زکوٰۃ سے کچھ ساقط نہ ہوگا جو دیا اور باقی رہا سب کی زکوٰۃ لازم آئیگی۔ درمختار میں ہے:

اذانوى نذرًا اوواجبًا آخر يصح ويضمن الزكوٰة۔[4]	جب کسی نے نذر کی نیّت کرلی یا کسی اور واجب کی تو صحیح ہے مگر زکوٰۃ کی ضمانت دینا ہوگی۔(ت)

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الزکوٰۃ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

[4] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰۰

اور اگر تطوّع یا مطلق تصدق کی نیّت تھی اور سب تصدق کر دے تو بالاتفاق زکوۃ ساقط ہو گئی۔ ہندیہ میں ہے:

من تصدّق بجمیع نصابه ولا ینوی الزکوٰۃ سقط فرضها عنه وهذا استحسان کذا فی الزاهدی ولافرق بین ان ینوی النفل او لم تحضره النیة۔[1]	جس نے تمام مال صدقہ کر دیا اور زکوۃ کی نیت نہ کی تو اس سے فرض ساقط ہو جائے گا اور یہ استحسان ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ اس نے صدقہ نفلی کی نیّت کی یا ذہن نیت سے خالی تھا۔ (ت)

اور اگر بعض تصدّق کیے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جس قدر صدقہ کیا اُس کی زکٰوۃ ساقط اور باقی کی لازم، مثلاً دو سو ۲۰۰ درہم پر حولانِ حول ہو گیا اور زکوۃ کے پانچ درہم واجب ہو لئے، اب اس نے سو درہم للہ دے دئے تو ان سَو کی زکوۃ یعنی ڈھائی درہم ساقط ہو گئی دین رہے،

وهو روایة عن صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه کما فی الزاهدی والعنایة وغیرهما وعن الامام ابی یوسف ایضا کما فی القهستانی عن الخزانة ۔**قلت** وبه جزم القدوری فی مختصره والسمعانی فی خزانة المفتین عن شرح الطحاوی ولما قال الاکمل روی ان الامام مع محمد فی هذه المسئلة[2] قال الطحاوی عن ابی السعود عن شیخه وهذا کالتصریح بارجحیته[3] اه وقد نص فی القهستانی والهندیة اثرین عن الزاهدی انه الاشبه.[4]	اور یہی صاحبِ مذہب (امام اعظم) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے جیسا کہ زاہدی اور عنایہ وغیرہ میں ہے اور امام ابویوسف سے بھی یہی مروی ہے، جیسا کہ قہستانی نے خزانہ سے نقل کیا ہے ۔**قلت** (میں کہتا ہُوں) اسی پر قدوری نے مختصر میں، سمعانی نے خزانۃ المفتین میں شرح طحاوی سے جزم کیا ہے، اکمل نے کہا کہ امام صاحب اس مسئلہ میں امام محمد کے ساتھ ہیں، طحطاوی نے ابوالسعود سے انہوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا کہ یہ راجح ہونے پر تصریح کی طرح ہے اھ قہستانی اور ہندیہ میں زاہدی سے یُوں نقل کیا کہ یہی اشبہ ہے (ت)

1 فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

2 العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الزکوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۱۲۶

3 حاشیہ طحطاوی علی درالمختار کتاب الزکوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹۵

4 فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۱

مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بعض کا تصدق مطلقاً مثل استہلاک ہے کہ کسی نیت سے ہو اصلاً زکوۃ سے کچھ نہ گھٹے گا، تو صورتِ مذکورہ میں اگرچہ سو روپیہ خیرات کردے زکوۃ کے پانچ درہم بدستور واجب رہے، یہ مذہب زیادہ قوی و مقبول و شایانِ قبول ہے۔

اقول: فقد اعتمد عامة المتون کالوقایة[1] و [2]النقایة و[3]الکنز و[4]الصلاح، و[5]المنتقی و[6]التنویر و غیرها حتی لم یتعرض کثیر منهم لخلافه اصلا و اقرتهم علیه الشروح [7]کذخیرة العقبیٰ و[8]البر جندی و [9]تبیین الحقائق و[10]الایضاح و [11]مجمع الانهر، و[12]الدر المختار و غیرها وقدمه [13]قاضی خان وابراهیم الحلبی فی متنه وهما لایقدمان الا الاظهر الاشهر الارجح کما نصا علیه فی خطب الکتابین وکذا قدمه فی [14]الخلاصة ومعلوم ان التقدیم یشعر بالاختیار کما فی کتاب الشرکة من العنایة والنهر والدر المختار واخر دلیله فی [15]الهدایه وهولایؤخر الادلیل ما هو المختار عنده لیکون جوابًا من دلیل ما تقدم واقره علی هذا اشارة [16]المحقق فی الفتح وکذا ذکر [17]الزیلعی فی التبیین دلیل القولین وشید دلیل ابی یوسف واجاب عن دلیل محمد ونسب فی الایضاح والملتقی والدر المختار الخلاف لمحمد وهو تضعیف له کما عرف من محاوراتهم واقر الدر علی ذٰلك [18]الشامی وقواه ببعض ماذکرنا هنا وهو صنیع الملتقی و

اقول: اکثر متون نے اسی پر اعتماد کیا ہے مثلاً [1]وقایہ، [2]نقایہ، [3]کنز، [4]اصلاح، [5]منتقی، [6]تنویر وغیرہ، حتی کہ اکثریت نے اس میں کسی قسم کے اختلاف کا تذکرہ تک نہیں کیا اور شروحات نے بھی انھیں کے قول کو ثابت رکھا ہے مثلاً [7]ذخیرۃ العقبی، [8]برجندی، [9]تبیین الحقائق، [10]ایضاح، [11]مجمع الانہر اور [12]درمختار وغیرہ۔ [13]قاضی خان اور ابراہیم حلبی نے اپنے متن میں اسے مقدم رکھا ہے اور وُہ دونوں حضرات اظہر، اشہر اور ارجح قول کو ہی مقدم ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اُنھوں نے اپنی کتب کے خطبہ میں اس پر تصریح کی ہے ،اور [14]خلاصہ میں بھی اسے مقدم رکھا اور یہ مسلّمہ ہے کہ تقدیم مختار ہونے پر دال ہے جیسا کہ عنایہ، نہر اور درمختار کی کتاب الشرکت میں ہے، اور [15]ہدایہ میں اس قول کی دلیل کو مؤخر بیان کیا ہے اور وہ مختار قول کی دلیل ہی کو موخر ذکر کرتے ہیں تاکہ ما قبل دلیل کا جواب بن سکے۔ [16]محقق علی الاطلاق نے بھی فتح القدیر میں اسی کو اشارۃً ثابت رکھا ہے، اسی طرح [17]زیلعی نے تبیین میں دونوں اقوال کی دلیل بیان کی اور امام ابو یوسف کی دلیل کو مضبوط کرتے ہُوئے امام محمد کی دلیل کارَد کیا، ایضاح، ملتقی اور درمختار میں کہا کہ اس میں امام محمد کو اختلاف ہے اور وہ اس قول کے ضعیف ہونے پر دال ہے جیسا کہ محاوراتِ فقہاء سے واضح ہے، امام شامی نے در کے قول کو اسی طرح ثابت رکھا اور بعض

تقدیم قاضی خان وتاخیر الهدایةفقد ترجح هذا ۔**اوّلا** بتظافرعامة المتون علیه۔و **ثانیا:** بجلالة شان من اعتمد وه و اقروه ک[1]الامام فقیه النفس الذی قالو افیه انه لا یعدل عن تصحیحه و[2]الامام المحقق صاحب الهدایة و عصریهما [3]الامام صاحب الخلاصة و [4]الامام النسفی صاحب الکنز فالامام [5]برهان الدین محمود وحفیده الامام [6]صدر الشریعة و[7]الامام المحقق حیث اطلق و[8]الامام الفخر الزیلعی و[9]العلامة الامام ابن کمال الوزیر وهم جمیعًامن ائمةالاجتهادبوجه اقرلهم بذلك علماء معتمدون ولا كذلك من عددنافی القول الاول الاالقدوری وشارح الطحاوی اماالسمعانی فلم ارمن اعترف له بذلك وابوا لسعودهذا لیس هو الامام المحقق علامة الوجودخاتمة المجتهدین محمدافندی مفتی الدیارالرومیة فانه متقدم علی صاحب البحر المقدم علی الشرنبلالی السابق علی السیّدابی السعود هذاالمتکلم علی کتب الشرنبلالی تحشیا و تعلیقا فتصحیح هؤلاء الجلةولوالتزامًا لا یقاومه قول المجروح المطروح ان غیره اشبه ثم ما فیهم وفی من تبعهم من اعاظم المتاخرین من الکثرة کما عملت یقضی بترجیحه فانما العمل

ہمارے مذکورہ دلائل سے اس کو تقویت دی اور وُہ ملتقی کا طریقہ ہے، تقدیم قاضی خان اور تاخیر طریقہ ہدایہ ہے، لہٰذا یہ قول ترجیح پائے گا۔ **اوّلا:** تو اس لئے کہ اس پر اکثر متون ہیں۔ **ثانیا:** اس پر بزرگ ترین شخصیات نے اس کی تصریح کی اور اسے ثابت رکھا ہے، مثلاً امام [1]فقیہ النفس جن کے بارے فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ان کی تصحیح سے عدول نہیں کیا جاسکتا [2]امام محقق صاحبِ ہدایہ اور اُن کے معاصرین امام [3]صاحب الخلاصہ اور [4]امام نسفی صاحب الکنز پھر [5]امام برھان الدین محمود اور ان کے پوتے [6]امام صدر الشریعۃ، [7]امام محقق علی الاطلاق، [8]امام فخر زیلعی اور [9]علامہ ابن کمال الوزیر اور یہ تمام بالوجہ ائمہ اجتہاد ہیں، جس کا اقرار کرنے والے علمائے معتمدین ہیں، اور قولِ اوّل میں ہمارے شمار کا معاملہ اس طرح نہیں ماسوائے قدوری اور شارح الطحاوی کے۔ رہا معاملہ سمعانی کا، تو میں ان کیلئے اجتہاد کا اعتراف کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور ابو سعود سے امام محقق علامۃالوجود خاتمۃ المجتہدین محمد آفندی مفتی دیارِ روم مراد نہیں کیونکہ وہ صاحب بحر سے پہلے گزرے ہیں اور صاحبِ بحر شرنبلالی سے مقدم اور شرنبلالی سیّد ابوالسعود سے مقدم ہیں جنھوں نے کتبِ شرنبلالی پر حواشی وتعلیقات تحریر کی ہیں، پس ان عظیم علماء کی تصحیح اگر چہ التزاماً ہوکا مقابلالہ کوئی مجروح ومطروح قول نہیں کرسکتا اس بات میں کہ اس کا غیر مختار ہے، پھر ان علماء اور ان کے متبعین علماءِ متاخرین کی کثرت جیساکہ معلوم ہوچکا ہے بھی ترجیح کا تقاضا کرتی، کیونکہ عمل اس پر

بما علیه الاکثر کما فی العقود الدریة وغیرہا، **وثالثًا**: بقوة دلیله کما یظهر بمراجعة التبیین وغیرہ۔ **ورابعًا**: ان فرض تساوی القولین من جهة الترجیح فیترجح هذا بانه قول ابی یوسف کما عرف ذٰلك فی رسم المفتی۔ **وخامسًا**: بانه الاحوط فان فیه الخروج عن العهدة بیقین، **وسادسًا**: بانه الانفع للفقراء وقد علم ان للعلماء بذٰلك اعتناءً عظیمًا فی الزکوٰة والاوقاف هذا ماظهر لی فانظر ماذا ترٰی، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	ہوتا ہے جس پر اکثریت ہو جیسا کہ عقودالدریہ وغیرہ میں ہے۔ **ثالثًا**: اس کی دلیل قوی ہونے کی وجہ سے جیسا کہ تبیین وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ **رابعًا**: اگر جہت ترجیح کی وجہ سے دونوں اقوال میں مساوات فرض کرلیں تب بھی یہی قول ترجیح پاجائے گا کیونکہ یہ امام ابو یوسف کا قول ہے جیسا کہ رسم المفتی میں معلوم ہوچکا۔ **خامسًا**: احوط یہی ہے کیونکہ اس صورت میں ذمہ داری سے بالیقین نکلا جاسکتا ہے، **سادسًا**: یہ فقراء کیلئے زیادہ سُود مند ہے اور یہ معلوم ہے کہ علماءِ زکوٰۃ و اوقاف میں اس کا بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں مجھ پر تو یہی واضح ہوا، آپ کی کیا رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رہی **صورتِ ثالثہ** یعنی ہلاک، اس میں بالاتفاق کم یا بہت جس قدر تلف ہو بحساب اربعہ متناسبہ اُتنے کی زکوٰۃ ساقط ہوگی اور جتنا باقی رہے اگرچہ نصاب سے بھی کم، اُتنے کی زکوٰۃ باقی، مثلاً دو سو بیس ۲۲۰ درہم شرعی کا مالک تھا حولان حول کے بعد ۵ درہم واجب الادا ہُوئے، ابھی نہ دئے تھے کہ ۴۰ درہم ہلاک ہوگئے تو اب نیم درہم ساقط اور ۴ واجب کہ ۲۰ تو عفو تھے جن کے مقابل زکوٰۃ سے کُچھ نہ تھا وُہ تو بیکار گئے، نصاب میں سے صرف بیس ۲۰ گھٹے، وہ نصاب کی عشر ہیں تو زکوٰۃ کا بھی دسواں حصہ یعنی آدھا درہم ساقط ہوگا باقی باقی، یایُوں دیکھ لیا کہ نصاب سے ۲۰ ہلاک ہوئے ہیں ان کا (۱/۴۰) نیم درہم ہے اُسی قدر ساقط ہوگیا، یایُوں خیال کرلیا کہ ایک سواسّی ۱۸۰ باقی ہیں ان کا (۱/۴۰) ساڑھے چار ہیں اسی قدر واجب رہا، تینوں کا حاصل ایک ہے، اور اگر صورت مذکورہ میں ۲۱ درہم ضائع ہوئے ہیں تو زکوٰۃ سے درہم کا صرف بیسواں حصہ کہ کل واجب کا نصفِ عشرِ عشر یعنی (۱/ ۲۰۰) ہے ساقط ہوگا باقی (۱۹/۲۱) واجب کہ نصاب سے فقط ایک درہم ہلاک ہوا ہے یہ نصاب کا (۱/۲۰۰) تھا، اور اگر (۲۱۹) تلف ہُوئے تو درہم کا فقط (۱/۲۰) دینا آئے گا باقی ساقط کہ اسی حساب سے حصّہ نصاب باقی ہے وعلی ھذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

لا شیئ فی عفو ولا فی هالك بعد وجوبها تعلقها بالعین لا بالذمة وان هلك بعضه سقط حظه ویصرف	عفو میں کوئی شَے لازم نہیں، وجوبِ زکوٰۃ کے بعد ہلاک ہوجانے والے مال پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ زکوٰۃ کا تعلق اس مال سے تھا نہ کہ ذمہ کے ساتھ، اور اگر تھوڑا ہلاک

الھالك الی العفو اوّلا ثم الی نصاب یلیه ثم و ثم بخلاف المستھلك لوجودالتعدی والتوی بعد القرض والاعادۃ ھلاك اھ[1] ملتقطا۔	ہوا تو اس کے مطابق زکوٰۃ ساقط ہوگی اور ہلاک ہونے والے کو پہلے عفو کی طرف پھر اس سے متصل نصاب کی طرف پھیرا جائے گا۔ اسی طرح آگے سلسلہ ہوگا بخلاف ہلاک کیے جانے والے کے، کیونکہ یہاں زیادتی ہے، قرض لینے والے کے انکار، اور دوبارہ ادا کرنے کا نقصان ہلاک کہلائے گا اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والتوی ھنا ان یجحد ولا بینه علیه او یموت المستقرض لاعن ترکۃ۔[2]	"توٰی" سے یہاں مراد یہ ہے کہ مقروض، گواہ نہ ہونے پر قرض سے انکار کردے یا مقروض قرضہ کی ادائیگی کے لیے ترکہ چھوڑے بغیر فوت ہوجائے (ت)

اُسی میں ہے:

من الاستھلاك ما لوأبرأمدیونه الموسر بخلاف المعسر اھ[3] **اقول**: وما اشار الیه فی الدر من الترتیب فی الصرف الی النصب فھو مذھب سیّدناالامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه خلافا للامام ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی فانه یصرف الھالك بعدالعفو الی جمیع النصب شائعا ولکنی لم الم بذکرہ ھٰھنا لان الکلام فی الذھب والفضة وفیھما لاثمرۃ لھذا لعدم تفاوت نصبھا فی الواجب اصلافانه ربع العشر علی الاطلاق وانما تظھر فی السوائم	ہلاک کیے جانے والے مال کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی اپنے امیر مقروض کو معاف کردے بخلاف تنگدست کو معاف کردینے کے۔ **اقول**: در میں نصاب کے مصارف کی جس ترتیب کی طرف اشارہ ہے وُہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے۔ اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے کیونکہ وہ عفو کے بعد ہلاک ہونے والے حصّہ کو مشترکہ طور پر تمام نصابوں کی طرف لوٹاتے ہیں لیکن میں نے یہاں اسے ذکر نہیں کیا کیونکہ کلام سونے اور چاندی میں ہے اور ان دونوں میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے کہ ان کے وجوبِ نصاب میں اصلاً تفاوت نہیں، وہ تو مطلقاً چالیسواں

[1] ردمحتار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱

[3] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱

امالا ختلاف الواجب فیہا باختلاف النصب فقد یکون شاۃ و تارۃ بنت مخاض واخری بنت لبون وھکذا فمن ملك ستۃ وثلثین من الابل فھلك احدی عشرۃ فالواجب عند الامام بنت مخاض وعند الثانی (۲۵/۳۶) بنت لبون ای خمسۃ و عشرون جزء من ستۃ و ثلثین جزء من اجزاء بنت لبون واما لانعدام المثلیۃ فیتصور تفاوت الحسابین کمن ملك مائتی شاۃٍ و شاۃً فالواجب ثلث شیاہ ھلکت منھا ثمانون فالواجب عندالامام شاتان صرفا للھلاك الی اقرب النصب وعند ابی یوسف (۱۲۱/۲۰۱)ثلث شیاہ ای مائۃ واحد و عشرون جزء من مائتی اجزاء وجزء من ثلث شیاہ ولا یجب ان یکون ھذا کمثل شاتین ویظھر ذلك عند التقویم فان دفع القیمۃ جائز فی الزکوٰۃ قطعًا فلنفرض ان شاۃ بسبعۃ وستین قرشا فقیمۃ الواجب عند الامام ۱۳۴ قرشا و عندابی یوسف ۱۲۱ وھٰکذا اماھٰھنا فالتعیین والشیوع سواء بلا تفاوت اصلافان من ملك مثلا۴۴ مثقالامن ذھب فالواجب مثقال وقیراطان لان کل مثقال عشرون قیراطا فاذا	حصہّ ہے ، ہاں چارپایوں میں ثمرہ (اختلاف) ظاہر ہوگا، یا تو اس میں اختلافِ نصاب اختلافِ واجب کی وجہ سے ہوگا، مثلاً کبھی بکریاں ہوں گی کبھی بنت مخاض اور کبھی بنت لبون، پس جو شخص چھتیس اونٹوں کا مالک بنا، ان میں سے گیارہ ہلاک ہوگئے، امام کے نزدیک یہاں بنت مخاض لازم ہے اور دوسرے کے نزدیک بنت لبون کا ۲۵/۳۶ یعنی بنت لبون کے چھتیس اجزاء میں سے پچیس اجزاء لازم ہوں گے، یا وہاں مثلیت معدوم ہونے کی وجہ سے دونوں حسابوں میں تفاوت متصوّر ہوگا، مثلاً ایک شخص دوسوایک ۲۰۱ بکری کا مالک ہے اب تین بکریاں لازم ہوگئیں مگران میں سے اسّی ہلاک ہوگئیں توامام کے نزدیک اقرب نصاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے یہاں دو۲ بکریاں لازم ہوں گی اور امام ابویوسف کے نزدیک تین بکریوں کا۱۲۱/۲۰۱ یعنی تین بکریوں کے دوسوایک ۲۰۱ اجزاء میں سے ایک سواکیس ۱۲۱ لازم ہوں گے اور اس کا دو۲ بکریوں کی مانند ہونا لازم نہیں اوراس چیز کا اظہار قیمت لگانے کے وقت ہی ہوگا کیونکہ قیمت دینے سے زکوٰۃ بالیقین ادا ہوجاتی ہے، مثلاً ہم فرض کرتے ہیں کہ بکری کی قیمت سڑسٹھ ۶۷ قرش ہے توامام کے نزدیک ایک سوچونتیس ۱۳۴ قرش اور امام ابویوسف کے نزدیک ایک سواکیس ۱۲۱ قرش زکوٰۃ لازم ہوگی، اسی طرح باقی قیاس کرلیں، لیکن زیر نظر مسئلہ میں تعیین اور اشتراک برابر ہیں ان میں کوئی تفاوت ہی نہیں، جو شخص مثلاً چوالیس ۴۴ مثقال سونے کا مالک بنا تواس پر ایک مثقال اور دوقیراط زکوٰۃ لازم ہے کیونکہ ہر مثقال بیس ۲۰ قیراط ہوتا ہے، مثلاً

هلك ۲۴ مثقالًا مثلًا و بقی ۲۰ فالواجب علی طریقة الامام نصف مثقال و علیٰ طریقة ابی یوسف (۵/۱۱) ای خمسة اجزاء من احد عشر جزء من اجزاء مثقال و قیراطین فاذا جنسنا حصل ۲۲ قیراطا فحصتها المذکورة عشرة قراریط و ذلك نصف مثقال و کذا اذا ملك ۱۸ تولجة من ذهب وهو نصابان وخمسان فالواجب ۵ ماشه (۱/۵۳) سرخ فاذا هلك ۳ تولجات مثلا بقی نصابان فالواجب علی طریقة الامام ۴ ماشه ۴ سرخ وعلی طریقة ابی یوسف ۶/ ۵ من الواجب الاول فاذا جعلنا الکل اخماس حبة کانت ۲۱۶ خمسانا خذ منها ۵/۶ یحصل ۱۸۰ خمسا وهو ۴ ماشه ۴ سرخ سواءً بسواء وان شککت فانظر الی هذا العمل:

٦) ٢١٦(٣٦

٥

٥) ١٨٠(٣٦

ماشه ۴) ٣٦(٨

ثم اعلم ان ابراء المدیون الغنی ایضاقد یکون هلاکًا وذلك اذا کان الدین ضعیفا وهو الذی لیس فی مقابلة ۴ سرخ مال کالمهر والدیة و بدل الخلع و تمام الکلام علیه فی ردالمحتار والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔

چوبیس ۲۴ مثقال ہلاک ہوگیا اور باقی بیس ۲۰ رہ گیا تو امام کے طریق پر نصف مثقال اور امام ابو یوسف کے مطابق ۵/۱۱ یعنی گیارہ ۱۱ مثقال اور دو ۲ قیراط کے اجزاء میں پانچ اجزاء لازم ہوں گے، جب ہم انھیں ہم جنس قرار دیں تو یہ بائیس ۲۲ قیراط بن جائیں گے، اب ان میں حصّہ مذکورہ دس ۱۰ قیراط ہوگا اور یہ نصف مثقال ہے۔ اسی طرح مثلًا کوئی شخص اٹھارہ تولے سونے کا مالک بنا تو یہ دو ۲ نصاب اور دو ۲ خمس ہیں تو اب پانچ ماشے (۳-۱/۵) رتی بنے گا تو اب اگر تین ۳ تولے مثلًا ہلاک ہوگیا تو دو ۲ نصاب باقی رہ گئے۔ اب امام کے طریق کے مطابق چار ۴ ماشے اور چار رتی، اور امام ابو یوسف کے طریقہ پر ۵/۶ واجبِ اول کا ہوگا، تو اگر ہم سب کو حبہ کے خمس بنائیں تو کل ۲۱۶ خمس ہوئے ان میں سے ۶/ ۵ لے لیں تو ۱۸۰ خمس حاصل ہوئے اور ۴ ماشے ۴ رتی ہُوئے جو برابر برابر ہیں، اگر تمھیں شک ہو تو اس عمل کو دیکھو:

٦) ٢١٦(٣٦

٥

٥) ١٨٠(٣٦

ماشہ ۴) ٣٦(٨

پھر معلوم ہونا چاہئے کہ کسی غنی مقروض کو بری کرنا بھی کبھی ہلاک قرار پاتا ہے اور یہ جب ہوگا کہ قرض یا دین بہت کم ہو اور وہ یہ ۴ رتی سے کم ہو تو مال نہ قرار پائیگا جیسا کہ مہر، دیت، خلع کے بدل میں اس مقدار کو مال نہیں دیا جاتا، اس کی مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ رابعہ: سادات محتاجین کو زرِ زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں، بہت سادات محتاج ایسے ملتے ہیں کہ خود مانگتے ہیں اور میں نے سُنا ہے کہ علمائے رام پور نے جواز کا فتوی دیا ہے مگر میں نے اب تک یہ جرأت نہ کی۔ اس بارہ میں آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب، زکوۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ میزان میں فرماتے ہیں:

اتفق الائمۃ الاربعۃ علی تحریم الصدقۃ المفروضۃ علی بنی ھاشم و بنی عبد المطلب وھم خمس بطون اٰل علی واٰل العباس و اٰل جعفر واٰل عقیل واٰل الحارث بن عبد المطلب ھذامن مسائل الاجماع و الاتفاق اھ[1] ملخصًا۔	باتفاقِ ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے، اور وُہ پانچ خاندان ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبدالمطلب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

اول تاآخر تمام متون مذہب قاطبۃً بے شذوذ شاذ وعامہ شروح معتمدہ و فتاوائے مستندہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پر نور سیّد السادات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیں:

حضرت سیّدنا [1] امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی عنہ احمد والبخاری ومسلم (ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت سیّدنا [2] امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی احمد وابن حبان برجال ثقات (ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے احمد اور ابن حبان نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت) حضرت سیّدنا [3] عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روی الامام الطحاوی والحاکم وابو نعیم وابن سعد فی الطبقات وابو عبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال و [4] روی عنہ الطحاوی [5] حدیثًا اٰخرو الطبرانی حدیثًا ثالثًا (امام طحاوی، حاکم، ابونعیم، ابن سعد نے طبقات اور

---

[1] المیزان الکبرٰی باب قسم الصدقات مصطفی البابی مصر ۲/۱۳

ابو عبید قاسم بن سلام نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے اور طحاوی نے ان سے دوسری حدیث اور طبرانی نے تیسری حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت [6] عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ احمد و مسلم والنسائی (ان سے احمد، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [7] سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ ابن حبان والطحاوی والحاکم وابو نعیم (ان سے ابن حبان، طحاوی، حاکم اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [8] ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الشیخان و لہ عند [9] الطحاوی حدیثان [10] اٰخران (ان سے بخاری و مسلم نے روایت کیا اور انہی سے امام طحاوی نے دو [2] اور احادیث نقل کی ہیں۔ت) حضرت [11] انس بن مالک رضی اللہ عنہ روی عنہ البخاری ومسلم ولہ عند [12] الطحاوی حدیث اٰخر (ان سے بخاری اور مسلم نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث روایت کی ہے۔ت) حضرت [13] معاویہ بن حیدہ قشیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ الترمذی والنسائی ولہ عند [14] الطحاوی حدیث اٰخر (ان سے ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور انہی سے طحاوی نے ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت [15] ابو رافع مولٰی رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد وداؤد والترمذی والنسائی والطحاوی و ابن حبان و ابن خزیمۃ والحاکم (ان سے امام احمد، داؤد، ترمذی، نسائی، طحاوی، ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [16] ہرمز یا کیسان مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روی عنہ احمد والطحاوی (ان سے احمد اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [17] بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہ اسحاق بن راھویۃ و [18] ابو یعلی الموصلی والطحاوی والبزاز ولطبرانی والحاکم (ان سے اسحاق بن راھویہ، ابویعلی الموصلی، طحاوی، بزاز، طبرانی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت ابویعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت [19] ابو عمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہما الطحاوی (ان دونوں سے طحاوی نے روایت کیا ہے۔ت) حضرت [20] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت [21] عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقال صحابی (ان کو صحابی کہا گیا ہے۔ت) حضرت [22] عبدالرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ علق عن الثلثۃ الترمذی (امام ترمذی نے ان تینوں سے تعلیقاً حدیث بیان کی ہے۔ت) حضرت [23] ام المومنین صدیقہ بنت الصدّیق رضی اللہ تعالٰی عنہما روی عنہا الستۃ (ان سے اصحابِ ستّہ نے بیان کیا۔ت) حضرت ام المومنین [24] ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روی عنہ احمد و مسلم (ان سے امام احمد اور مسلم نے روایت کیا۔ت) حضرت [25] ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روی عنہا احمد و البخاری و مسلم (ان سے امام احمد، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ت) اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضرات عالیہ کی عزّت و کرامت و نظامت و طہارت کہ زکوٰۃ مال کا میَل ہے اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے مقابل نہیں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالے

علیہ وسلم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی،

کما فی حدیث المطلب عند مسلم و ابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضٰی عند الطحاوی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیثِ مُطّلب، طبرانی کے ہاں حدیث ابن عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین میں ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ علماء مثل امام ۱ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار اور امام ۲شمس الائمہ سرخسی محیط اور امام ۳صدر شہید شرح جامع صغیر اور امام ۴برہان الدین فرغانی ہدایہ اور امام ۵حافظ الدین نسفی کافی اور امام ۶فخر الدین زیلعی تبیین اور امام ۷سمعانی خزانۃ المفتین اور ۸علامہ یوسف چلپی ذخیرۃ العقبٰی اور ۹محقق غزی منح الغفار اور مدقق ۱۰علائی در مختار اور ۱۱فاضل رومی مجمع الانہر اور ۱۲سیّد حموی غمز العیون اور ان کے غیر میں اس حکم کی یہی علّت بیان فرماتے ہیں اور شک نہیں کہ یہ علّت تغیّر زمانہ سے متغیر نہیں ہوسکتی تو دائماً ابداً بقائے حکم میں کوئی شُبہ نہیں، یہاں تک کہ جمہور علمائے کرام مثل امام ۱ابوالحسن کرخی وامام ۲ابوبکر جصاص و امام ۳حسام الدین عمر صدر شہید وامام ۴علی بن ابی بکر مرغینانی صاحبِ ہدایہ وامام ۵طاہر بخاری صاحبِ خلاصہ وامام ۶سغناقی صاحبِ نہایہ وامام ۷نسفی صاحبِ کافی وامام ۸زیلعی شارح کنز وامام ۹حسین بن محمد صاحبِ خزانہ وامام ۱۰ہمام محمد بن الہمام صاحبِ فتح ۱۱علامہ اتقانی صاحبِ غایۃ البیان وعلامہ ۱۲برجندی شارح نقایہ و ۱۳علامہ زین بن نجیم صاحبِ اشباہ و بحر و ۱۴علامہ عمر بن نجیم صاحبِ نہر و ۱۵علامہ ابراہیم حلبی صاحبِ ملتقی و ۱۶علامہ محمد حصکفی صاحب در مختار و مصنفانِ اختیار شرح مختار و فتاوٰی ہندیہ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم بنی ہاشم کو مالِ زکوٰۃ سے عمل صدقات کی اجرت لینا ناجائز ٹھہراتے ہیں حالانکہ یہ اغنیاء کے لیے بھی روا کہ من کل الوجوہ زکوٰۃ نہیں مگر آخر شبہ زکوٰۃ ہے اور بنی ہاشم کی جلالتِ شان شبہ لوث سے بھی برائت کی شایاں۔ تبیین الحقائق میں ہے

یستحقه عمالة الا ان فیه شبهة الصدقة بدلیل سقوط الزکوٰة عن ارباب الاموال فلا یحل للعامل الهاشمی تنزیها لقرابة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن شبهة الوسخ و تحل للغنی لانه لا یوازی الهاشمی فی استحقاق الکرامة فلا تعتبر الشبهة فی حقه اھ[1] ملخصًا۔	عاملین زکوٰۃ کے حقدار ہیں مگر چونکہ اس میں شبہ زکوٰۃ ہے کیونکہ اس سے صاحب اموال کی زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے لہٰذا ہاشمی عامل کے لئے حلال نہیں تاکہ قرابتِ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مَیل کے شبہ سے بھی محفوظ رکھا جاسکے البتہ غنی عامل کے لیے جائز ہے کیونکہ وُہ مرتبہ کرامت میں ہاشمی کے برابر نہیں، لہٰذا ان کے حق میں اس شبہ کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اھ ملخصًا (ت)

1 تبیین الحقائق باب المصرف مطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۲۹۷

محیط و بحر و درر وغیرہا میں ہے: زکوۃ ہاشمی کے غلام مکاتب کو بھی جائز نہیں حالانکہ مکاتبِ اغنیاء کیلئے حلال، اور وجہ وہی کہ ملک مکاتب من وجہ ملک مولٰی ہے اور یہاں شبہہ مثلِ حقیقت۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المحیط وقد قالو اانه لا یجوز لمکاتب ھاشمی لان الملك یقع للمولی من وجه و الشبهة ملحقة بالحقیقة فی حقهم اھ ای ان المکاتب وان صار حرایدا حتی یملك مایدفع الیه لکنه مملوك رقبة ففیه شبهة وقوع الملك لمولا ہ الھاشمی والشبهة معتبرة فی حقه لکرامة بخلاف الغنی کما مر فی العمل فلذا قید بقوله فی حق بنی ھاشم اھ۔[1]	بحر میں محیط سے ہے کہ علماء نے فرمایا ہے کہ ہاشمی کے مکاتب کے لیے زکوۃ جائز نہیں کیونکہ یہاں ایک لحاظ سے مولٰی کی ملکیت باقی ہوتی ہے اور یہاں شبہ ہاشمیوں کے حق میں حقیقی طور پر برقرار ہوتا ہے اھ یعنی مکاتب اگرچہ آزاد متصوّر ہوتا ہے حتی کہ جو کچھ اسے دیا جائے وُہ اس کا مالک بن جاتا ہے لیکن گردن کے اعتبار سے مملوک ہوتا ہے لہذا اس صورت میں اس کے ہاشمی مولٰی کی ملکیت کا شبہ ہے اور یہاں ہاشمی کی شرافت کی وجہ سے شبہ کا اعتبار ہوتا ہے بخلاف غنی کے، جیسا عامل میں گزرا ہے، اسی لیے مصنّف نے حقِ بنی ہاشم کی قید لگائی ہے اھ (ت)

بالجملہ جب حدیث وُہ اور فقہ یہ، پھر خلاف کی طرف راہ کہاں، اب جو صاحب جواز پر فتوٰی دیں ان کا منشاء غلط ایک مقدوح و مرجوح و مجروح روایت ہے جو ابوعصمہ نوح بن ابی مریم جامع نے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حکایت کی کہ ہمارے زمانے میں بنی ہاشم کو زکوۃ روا ہے کہ سببِ حُرمت مالِ غنیمت سے خمسِ خمس ملنا تھا اب کہ وُہ نہیں ملتا زکوۃ نے عود کیا۔

اقول: یہ حکایت نہ روایۃً رجیح نہ درایۃً نجیح، ہم ابھی بیان کر آئے کہ علّتِ حرمت بنصِ صریح صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تصریحاتِ متظافرہ حاملانِ شرع رحمۃ اللہ علیہم کثافتِ صدقات و نظامتِ سادات یعنی بنی ہاشم ہے، اور تبدلِ زمانہ سے متبدل نہیں ہو سکتی، اور جو دلیل اس ضعیف قیل پر بیان میں آئی، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ' نے اس کی کامل ناتمامی اپنے فتاوٰی یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ ہجریہ مندرجہ مجموعہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں بحمد اللہ تعالٰی روشن بیانوں سے واضح کردی اسی میں اٹھارہ ۱۸ دلائل ساطعہ قائم کیے کہ امام اجل ابوجعفر طحاوی قدس سرہ' کی طرف اس روایت مرجوحہ کے اخذ و اختیار کی نسبت میں بڑا دھوکا واقع ہوا

---

[1] درالمختار باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰

جن میں سترہ ۱۷ خود کلام امام ممدوح کی شہادات سے ہیں بلکہ وُہ بلاشُبہ اسی مذہب حق وظاہر الروایۃ کو بھذا ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرماتے اور معتمد ومفتی بہ ٹھہراتے ہیں، ایک سہل سی عام فہم بات یہ ہے کہ وہی امام ممدوح اپنی اسی کتاب شرح معانی الآثار کی اُسی کتاب، اُسی باب، اسی بحث میں جہاں ان سے اس ترجیح معکوس کا وقوع بتایا جاتا ہے خاص اسی بھذا ناخذ سے صاف صریح تصریح فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بنی ہاشم کے غلام تو غلام، موالی پر بھی زکوۃ حرام فرماتے ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کا خلاف معلوم نہیں۔ سبحان اللہ جب ان کے نزدیک خود بنی ہاشم کے لیے زکوۃ حلال تھی تو ان کے غلاموں پر حرام ماننا کیونکر معقول تھا، طرفہ یہ کہ یہیں امام طحاوی نے اس مذہب کو اختیار فرمایا ہے کہ بنی ہاشم پر نہ صرف زکوۃ صدقات واجبہ بلکہ صدقہ نافلہ بھی حرام ہے۔ اور فرماتے ہیں ہمارے ائمہ ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی قول ہے، پھر انھیں قائل جواز ماننا کیسا سخت قول بالمحال ہے جسے اس مطلبِ جلیل کی تنقیح جمیل پر اطلاع منظور ہو فتاوٰی فقیر کی طرف رجوع کرے، اور جب یقینا معلوم کہ وُہ روایت شاذہ مذہب اجماعی ائمہ ثلٰثہ کے خلاف واقعہ اور تمام متون کا اس کے خلاف پر اجماع قاطع' اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیثِ متواترہ اس کی دافع، اور دلیل ودرایت میں بھی اُس کا حصّہ محض ذاہب وضائع، اور فتوٰی امام طحاوی یقینا جانب ظاہر الروایۃ راجع، تو اس پر فتوٰی دینا قطعًا مردود، جس سے شرع مطہر جزمًا مانع، کون نہیں جانتا کہ اطباقِ متون کی کیسی شان جلیل ہے جس کے سبب بارہا محققین نے جانبِ خلاف کی تصحیحوں کو قبول نہ کیا نہ اس طرف تصحیح وترجیح کا نام بھی نہ ہو نہ کہ صراحۃً امام مجتہد نے اسی جانب پر فتوٰی دیا ہو بااینہمہ اسے چھوڑ کر اُدھر جانا کس قدر موجب عجب شدید ہے، درمختار میں ہے:

قال فی الخانیة وعلیه الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیها المعول [1]	خانیہ میں ہے کہ فتوی اسی پر ہے لیکن متون میں پہلا قول ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہوگا۔(ت)

کون نہیں جانتا کہ ہنگامِ اختلاف ظاہر الروایۃ ہی مرجح ہے اگرچہ دونوں مذیل بفتوٰی ہوں۔ بحرالرائق میں ہے:

اذااختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاہر الروایة والرجوع الیها۔[2]	جب تصحیح اقوال میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کی تلاش اور اس کی طرف ہی رجوع کرنا چاہئے (ت)

علماء فرماتے جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں۔ درالمختار کی کتاب

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] بحر الرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۵۰

احیاء الموات میں ہے:

ما خالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا۔[1]	جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا۔ (ت)

پھر جبکہ خاص اسی طرف فتوٰی ہُوا اور اُس جانب کچھ نہیں تو اُدھر چلنا روشِ فقہی سے کتنا بعید ہے، کون نہیں جانتا کہ قوتِ دلیل کس قدر موجبِ تعویل، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں:

لا یعدل من درایۃ ما وافقھا روایۃ[2] کما فی الغنیۃ شرح المنیۃ ورد المحتار وغیرھما۔	اس عقلی دلیل سے اعراض نہیں کیا جائے گا جو نقلی دلیل کے مطابق ہو جیسا کہ منیہ شرح غنیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس تنکیر روایۃ پر نظر کیجئے اور مانحن فیہ کی حالت دیکھئے، جب روایت کی موافق مانع عدول تو ماھی الروایۃ کا خلاف کیونکر مقبول، پھر اس طرف احادیث متواترہ، ان سب کے جن کے صحت پر ایسا یقین کہ گویا بگوش خویش کلام اقدس حضور پُر نور صلوٰۃ اللہ تعالٰے وسلامہ علیہ سُن رہے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کے وجوہ کے بعد بھی وُہ روایت قبول تو قبول، التفات کے قابل ٹھہرے۔ لاجرم ملاحظہ کیجئے کہ بکثرتِ علماءِ اصحاب متون وشروح وفتاوی اپنی تصانیف عظیمہ جلیلہ معتمدہ مثل قدوری وبدایہ ووافی وکنز ووقایہ ونقایہ واصلاح وملتقی وہدایہ وتنویر وکافی وشرح وقایہ وایضاح واشباہ ودرمختار وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وخانیہ وخلاصہ وخزانۃ المفتین وجواہر اخلاطی وعلمگیری وغیرہا میں اُس روایت کا نام تک زبان پر نہ لائے اور طبقۃً فطبقۃً منع وتحریم روشن تصریحیں کرتے آئے، کیا وہ اس روایت شاذہ سے آگاہ نہ تھے، یقینا تھے، مگر اسے قابلِ التفات نہ سمجھے، اور بے شک وُہ اسی قابل تھی۔ یہ باون عبارتیں اور ستائیس ۲۷ حدیثیں جن کی طرف فقیر نے اس تحریر میں اشارہ کیا، بحمد اللہ اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں، سب کی نقل سے بخوفِ تطویل دست کشی کی۔ بالجملہ اصلاً محلِ شک وارتیاب نہیں کہ سادات کرام وبنی ہاشم پر زکوٰۃ یقیناً حرام، نہ انھیں لینا جائز نہ دینا جائز، نہ ان کے دئے زکوٰۃ ادا ہو تو اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور اس کے جواز پر فتوٰی دینا محض غلط باطل، اور حیلہ صحت بلکہ قابلیتِ اغماض سے عاری وعاطل، کیا معلوم نہیں کہ علمائے کرام نے ایسے فتوٰی کی نسبت کیسے سخت الفاظ ارشاد کیے ہیں۔ درمختار میں ہے:

الحکم و الفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع اھ[3] ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	قول مرجوح پر فیصلہ وفتوٰی جہالت اور اجماع کو توڑنا ہے اھ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دار احیاء التراث العربی ۲۷۸/۵

[2] ردالمحتار دار احیاء التراث بیروت ۳۱۲/۱ وغنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵

[3] درمختار خطبۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱۵/۱

رہا یہ کہ پھر اس زمانہ پُرآشوب میں حضرات سادات کرام کی مواسات کیونکر ہو، **اقول:** بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطور ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وُہ وقت یاد جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا وماوی نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وُہ مال جو اُنھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم رؤف ورحیم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔ ابنِ عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع الیٰ اھل بیتی یدًا کافاتہ علیھا یوم القیٰمۃ۔[1]	جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا مَیں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صنع صنیعۃ الی احد من خلف عبد المطلب فی الدّنیا فعلی مکافاتہ اذا لقینی۔[2]	جو شخص اولادِ عبدالمطلب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وُہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اللہ اکبر. اللہ اکبر! قیامت کا دن، وُہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم سا صاحب التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کُچھ نہال فرمادیں، ایک نگاہِ لُطف اُن کی جملہ مہمات دوجہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صلے سے اعلٰی وانفس ہے، جس کی طرف کلمہ کریمہ **اذا لقینی** (جب روز قیامت مجھ سے ملے گا۔ت) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ اذا تعبیر فرمانا بحمد اللہ بروزِ قیامت وعدہ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت وسعادت کو لو **وباللہ التوفیق** اور متوسط حال والے اگر مصارف

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابنِ عساکر حدیث ۳۴۱۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹۵/۱۲

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۲۲۱ عبداللہ بن محمد الفزاری دارالکتاب العربی بیروت ۱۰۳/۱۰

مستحبہ کی وسعت نہیں دیکھتے تو بحمداللہ وُہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوۃ کی زکوۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوۃ معتمد علیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوۃ دے کر مالک کردے، پھر اس سے کہے تم اپنے طرف سے فلاں سیّد کی نذر کردو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہوگیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا، ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

ذا اراد ان یکفن میتاعن زکوٰۃ مالہ لا یجوز والحیلۃ ان یتصدق بھا علی فقیر من اھل المیّت ثمّ ھو یکفن بہ فیکون لہ ثواب الصدقۃ ولاھل المیت ثواب التکفین وکذلک فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد و بناء القناطیر والحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علیٰ فقیر ثمّ یا مرہ بالصرف الیٰ ھذہ الوجوہ فیکون للتصدق ثواب الصدقۃ والفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ اھ ملخصًا۔[1] **اقول**: و یظھر لی ان ثواب تلک القرب لھما جمیعًا لان من دل علی خیر کان کفاعلہ وقد تو اتر عن البنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی نظائرہ تکامل الثواب لکل شریک فی الخیر لا تنقص الشرکۃ من اجورھم شیئًا فھذا الذی حدانی علی الجزم بما سمعت ثم رأیت فی الدر المختار	اگر کوئی شخص زکوۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں، ہاں یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ خاندان میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کردے اور وُہ میّت کا کفن تیار کردے، تواب مالک کے لیے صدقے کا اور اہلِ میّت کے لیے تکفین کا ثواب ہوگا، اسی طرح کا حیلہ تمام امورِ خیر مثلاً تعمیر مساجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تُو ان امور پر خرچ کردے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا اور بناءِ مسجد وپُل کا ثواب فقیر کو ہوگا اھ ملخصًا (ت) **اقول**: پھر یہ بات واضح ہُوئی ہے کہ ان امورِ خیر کا ثواب دونوں کے لیے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور علیہ السّلام سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے شرکت سے اجر شرکاء میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جسے تُو سُن چکا، پھر میں نے درمختار

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل الثالث فی مسائل الزکوۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

حیلة التکفین بھا التصدق علی الفقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما اھ[1] قال الشامی ای ثواب الزکوٰۃ للمزکی و ثواب التکفین للفقیر وقد یقال ان ثواب التکفین یثبت للمزکی ایضا لان الدال علی الخیر کفاعلہ وان اختلف الثواب کما و کیفا ط قلت و اخرج السیوطی فی الجامع الصغیر لو مرّت الصدقة علی یدی مائة لکان لھم من الاجر مثل اجر المبتدئ من غیر ان ینقص من اجرہ شئ اھ[2] فھذا عین ما بحث وللّٰہ الحمد۔	میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لیے ہوگا اھ۔امام شامی نے کہا کہ زکوٰۃ کا ثواب مزکی کے لیے اور تکفین کا ثواب فقیر کے لیے ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکفین کا ثواب مزکی کے لیے بھی ہے کیونکہ خیر پر رہنمائی کرنے والا فاعلِ خیر کی طرح ہی ہوتا ہے اگرچہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوگا،ط۔ قلت امام سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا کہ اگر صدقہ سَو ہاتھ بھی گزرے تو اجر میں بغیر کسی کمی کے ہر ایک کو اتنا ہی اجر حاصل ہوگا جتنا پہلے کو ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا، وللّٰہ الحمد (ت)

مگر اس میں دقّت اتنی ہے اگر اس نے نہ مانا تو اسے کوئی راہ جبر کی نہیں کہ آخر وُہ مالک مستقل ہوچکا اسے اختیار ہے چاہے دے یا نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لحیلة ان یتصدق علی الفقیر ثم یا مرہ بفعل ھذہ الاشیاء وھل لہ ان یخالف امرہ لم ارہ والظاھر نعم۔[3]	حیلہ یہ ہے کہ فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر اسے ان امور کو بجالانے کا کہا جائے، کیا وُہ فقیر اس کی مخالفت کرسکتا ہے یا نہیں؟ یہ میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے کہ مخالفت کرسکتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

البحث لصاحب النھر وقال لانہ مقتضی صحة التملیک، قال الرحمتی والظاھر انہ لا شبھة فیہ لانہ ملکہ ایاہ عن زکوٰۃ مالہ وشرط	صاحبِ نہر نے بحث کی ہے، اور کہا یہ مخالفت کرسکنا صحتِ تملیک کا تقاضا کرتا ہے۔ شیخ رحمتی نے فرمایا یہی ظاہر ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ اپنی زکوٰۃ کا

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۳

[3] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

علیه شرطاًفاسدا او الهبة والصدقة لاتفسدان بالشرط الفاسد۔[1]	مالک بنایا گیا ہے اور اس پر ایک فاسد شرط لگائی گئی ہے اور ہبہ اور صدقہ شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔(ت)

لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اس کا بے خلش طریقہ یہ ہے کہ مثلاً مالِ زکوٰۃ سے بیس ۲۰ روپے سیّد کی نذر یا مسجد میں صرف کیا چاہتا ہے کسی فقیر عاقل بالغ مصرفِ زکوٰۃ کو کوئی کپڑا مثلاً ٹوپی یا سیر سوا سیر غلّہ دکھائے کہ یہ ہم تمھیں دیتے ہیں مگر مفت نہ دیں گے بیس روپے کو بیچیں گے، یہ روپے تمھیں ہم اپنے پاس سے دیں گے کہ ہمارے مطالبہ میں واپس کردو وہ خواہ مخواہ راضی ہوجائے گا، جانے گا کہ مجھے تو یہ چیز یعنی کپڑا یا غلّہ مفت ہی ہاتھ آئے گا، اب بیع شرعی کرکے بیس ۲۰ روپے بنیّتِ زکوٰۃ اسے دے، جب وہ قابض ہوجائے اپنے مطالبہ ثمن میں لے لے۔ اول تو وہ خود ہی دے دے گا کہ سرے سے اسے ان روپوں کے اپنے پاس رہنے کی اُمید ہی نہ تھی کہ وُہ گرہ سے جاتا سمجھے اسے تو صرف اس کپڑے یا غلّہ کی امید تھی وُہ حاصل ہے تو انکار نہ کرے گا اور کرے بھی تو یہ جبراً چھین لے کہ وہ اس قدر میں اس کا مدیون ہے اور دائن جب اپنے دین کی جنس سے مال مدیون پائے تو بالاتفاق بے اس کی رضامندی کے لے سکتا ہے، اب یہ روپے لے کر بطورِ خود نذرِ سیّد یا بناءِ مسجد میں صرف کردے کہ دونوں مرادیں حاصل ہیں۔ درمختار میں ہے:

یعطی مدیونه الفقیرزکوٰته ثم یا خذها من دینه ولوامتنع المدیون مد یده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه اھ[2]	اپنے مدیون فقیر کو زکوٰۃ دی پھر اس سے دین وصول کرے، اگر مدیون نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس کو پاتا ہے اھ (ت)

اور فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اُس مصرف زکوٰۃ کے عاقل بالغ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اس کے ساتھ یہ غبن فاحش کی مبایعت بلا تکلّف روا ہو اور کپڑے غلّے کی تخصیص اس لیے کی کہ اگر کچھ پیسے بعوض روپوں کے بیچنا چاہے گا تو ظاہر مفاد جامع صغیر پر تقابض البدلین شرط ہوگا وُہ یہاں حاصل نہیں اگرچہ روایت اصل پر ایک ہی جانب کا قبضہ کافی اور اکثر علماء اسی طرف ہیں اور یہی قول منقح،

کما بیناہ فی البیوع من فتاونا بل حققنا فیھا ان لا دلالة لکلام الجامع الصغیر ایضا علی اشتراط التقابض و ان ظن	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی بیوع میں بیان بلکہ اس کی تحقیق کی ہے کہ جامع صغیر عبارت میں بھی تقابض کے شرط ہونے پر کوئی دلالت نہیں

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹/۲

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰/۱

العلامة الشامی ماظن۔	اگرچہ علّامہ شامی کا گمان کچھ ہو۔ (ت)

بہر حال اس حتی الوسع محلِ خلاف سے بچنا احسن اور زرِ زکوٰۃ پر اُس کا قبضہ کرا کر اپنے مطالبے میں لینے کی قید اسلیے کہ کوئی صدقہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا کما نص علیہ العلماء (جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت) اور یہ تو پہلے بیان میں آچکا کہ اغنیاء کثیر المال شکر نعمت بجالائیں۔ ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہر آرائش میں اُٹھانے والے مصارف خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام صرف کرنے کے لیے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ اُن کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کرکے روپیہ اپنے خُرد بُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصد شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجاب زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عزوجل کو فریب دینا ہے۔

والعیاذ باللہ رب العالمین واللہ یعلم المفسد من المصلح، نسئلہ تعالٰی ان یصلح اعمالنا ویحصل اٰمالنا والحمد للہ ربّ العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	رب العالمین سے پناہ چاہتا ہوں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے مفسد کو مصلح سے، اللہ تعالٰے سے دعا ہے کہ ہمارے اعمال کی اصلاح فرمائے اور ہماری امیدیں بَر لائے، والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ خامسہ: زکوٰۃ کن مصارف میں دینا جائز ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند ہے جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو، جب تک عدّت سے باہر نہ آئے نہ وُہ اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی وفرعی رشتے عیاذًا باللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یا ان پانچواں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر مکاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجتمند کہنے سے کافر و غنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا، مثلًا ہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض مشہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے ہیں اور وہ باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکمِ حدیثِ صحیح مستحق لعنتِ الٰہی

ہوتے ہیں والعیاذ باللہ وقد اوضحنا ذلك فی فتاونا (اللہ تعالٰی بچائے، ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) اسی طرح غیر ہاشمی کا آزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اور اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ وہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یا زن غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن، بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں، بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے زکوٰۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یا ماں کا شوہر یا باپ کی عورت یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد ان سولہ ۱۶ کو بھی دینا روا جبکہ یہ سولہ اُن سولہ سے نہ ہوں ازانجاکہ اُنھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں بھی عدمِ جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انہیں بالتخصیص شمار کردیا، اور نصاب مذکورہ پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔ سوم نصاب بھی ہو مگر حوائجِ اصلیہ میں مستغرق، جیسے مدیون۔ چہارم حوائج سے بھی فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر جس کے پاس خرچ نہ رہا، تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے، اس سے زیادہ اُسے لینا روا نہیں، یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے ہنوز میعاد نہ آئی اب اُسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدرِ حاجت لے سکتا ہے یا وُہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگرچہ یہ ثبوت رکھتا ہو، کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں۔ بالجملہ عہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے، تو جو نصاب مزبور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عامل زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیلِ زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے تو بحالتِ غنا بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطور اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کے وہی حیلے ہیں جو مسئلہ رابعہ میں گزرے۔

هذا كله ملخص ما استقرا عليه الا مر فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار وغیرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفیق الله احسن تلخیص لعله لا یو جد من غیرنا ولله الحمد فمن شك فی شئی من هذا فلیرا جع الاصو	تمام گفتگو خلاصہ ہے اس چیز کا، جس پر تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار جیسی معتبر کتب میں استقرار ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے خوب تلخیص کردی ہے شاید ہمارے علاوہ کہیں اور اس کا وجود نہ ہو وللہ الحمد اور جس کو اس بارے میں شک ہو وہ کتبِ اصول

عـــہ: اگر دین معجّل ہے خواہ ابتداءً یُوں کہ جو اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے ۱۲ منہ (م)

التی سمینا او لم یسم نعم لا بأس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب۔ ففی رد المحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولدہ من الزنا الخ وفیه تحت قوله او بینهما زوجیة ولو مبانة ای فی العدّة ولو بثلاث نهر عن معراج الدرایة اھ[1] وفیه تحت قوله ولا الی مملوك المزکی ولو مکاتبًا وکذا مملوك من بینه وبینه قرابة ولاد او زوجیة لما قال فی البحر والفتح اھ[2] وفیه تحت قوله بخلاف طفل الغنیة فیجوز ای ولو لم یکن له اب بحر عن القنیة اھ[3] وفیه وقید بالو لاد لجوازہ لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام والاخوال الفقراء بل هم اولی لانه صلة وصدقة و یجوز دفعها لزوجة ابیه وابنه وزوج ابنته تاتر خانیة اھ ملخصًا[4] وفیه من کتاب الوصایا تحت قوله الشرف من الام فقط غیر معتبر، یؤیدہ قوله قول الهندیة عن البدائع فثبت ان الحسب والنسب یختص بالاب دون الام اھ فلاتحرم علیه الزکوٰة ولا یکون کفوا للهاشمیة ولایدخل فی الوقف علی الاشراف ط اھ[5] وفیه قال	کی طرف رجوع کرکے دیکھ لے خواہ ہم نے ان کا نام لیا ہو یا نہ۔ ہاں اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر بعض ایسی تصریحات کا ذکر کریں جو مخفی ہیں یا غریب۔ ردالمحتار میں ہے: یہ نکاح اور زنا دونوں کی اولاد کو شامل ہے۔ پس اس کے ولدِ زنا کو نہیں دیا جائے گا الخ اور اسی میں "او بینهما زوجیة" کے تحت ہے اگرچہ وہ تین طلاقوں کی عدت بسر کر رہی ہو۔ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "ولا الی مملوک المزکی" کے تحت ہے اگرچہ مکاتب ہو اور اسی طرح وہ مملوک کہ مالک اور اس کے درمیان اولاد یا زوجیت والا رشتہ ہو، جیسا کہ بحر اور فتح میں ہے۔ اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف طفل الغنیة فیجوز" کے تحت ہے تو جائز ہے یعنی اگر اس کا والد نہ ہو۔ بحر میں قنیہ سے ہے اھ۔ اور اسی میں ہے کہ اولاد کے ساتھ مقید اس لیے کیا ہے کہ بقیہ اقارب کے لیے جائز ہے مثلاً فقراء بھائی، چچے اور خالو بلکہ اولیٰ ہیں کیونکہ یہاں صلہ اور صدقہ دونوں ہیں زکوۃ سوتیلی والدہ، سوتیلے بھائی اور اپنے داماد کو دی جاسکتی ہے تاتار خانیہ اھ ملخصًا اور اسی کے کتاب الوصایا میں ماتن کے قول "الشرف من الام فقط غیر معتبر" کے تحت ہے کہ اس کی تائید ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے یہ قول کرتا ہے کہ یہ بات ثابت ہے کہ حسب و نسب والد کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ اور اس پر زکوۃ حرام نہ ہوگی اور نہ وہ ہاشمی کے لیے کفوء ہوگا اور وہ وقف علی الاشراف میں داخل نہ ہوگا ط اھ۔ اور اسی میں ہے

1 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹۰/۲
2 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹۰/۲
3 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۷۲/۲
4 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹/۲
5 ردالمحتار باب الوصیة للاقارب وغیرہم مصطفی البابی مصر ۴۴۷/۵

فی الفتح ایضاً ولا یحل لہ ای لا بن السبیل ان یا خذ اکثر من حاجتہ قلت وھذا بخلاف الفقیر فانہ یحل لہ ان یا خذ اکثر من حاجتہ و بھذا فارق ابن السبیل کما افادہ فی الذخیرۃ اھ[1] وفیہ تحت قولہ ومنہ ما لو کان مالہ مؤجلا ای اذا احتاج الی النفقۃ یجوزلہ اخذالزکوٰۃ قدر کفایتہ الی حلول الاجل نہر عن الخانیۃ اھ[2] فیہ تحت قولہ او علیٰ غائب ای ولو کان حالا لعدم تمکنہ من اخذہ[3] ط اھ وفیہ تحت قولہ او معسر او جاحد ولو بینۃ فی الاصح فیجوز لہ الاخذ فی اصح الاقاویل لانہ بمنزلۃ ابن السبیل ولو موسرا معترفاً لا یجوز کما فی الخانیۃ[4] اھ وفیہ تحت قولہ وفی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم و فسرہ فی البدائع بجمیع القرب قال فی النہر والخلاف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر[5] الخ وفیہ تحت قولہ و بھذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوز لہ اخذ الزکوٰۃ، ولو غنیا اذا فرغ نفسہ	کہ فتح میں بھی کہا اور مسافر کے لیے جائز نہیں کہ وہ حاجت سے زائد لے قلت اور یہ بخلاف فقیر ہے کہ اس کے لیے حاجت سے زائد لینا حلال ہے اور اسی سے فقیر اور مسافر میں فرق ہوگیا جیسا کہ ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول "منہ ما لو کان مالہ مؤجلا" (اس کا مال مؤخر ہو جائے) کے تحت ہے یعنی جب نفقہ کا محتاج ہو تو آنے کی مدّت تک بقدر کفایت زکوٰۃ کا حصول جائز ہے، یہ نہر میں خانیہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "او علیٰ غائب" (یا غائب پر) کے تحت ہے یعنی اگرچہ یہ اس حال پر ہو کہ جس سے لینے پر قدرت نہ رکھتا ہو، ط اھ۔ اور اسی میں ماتن کے قول "او معسر او جاحد الخ" یا تنگدست یا منکر ہو، اگرچہ اصح قول کے مطابق اس کے لیے گواہ ہوں تو اس کے لیے اصح قول کے مطابق زکوٰۃ لینا درست ہے کیونکہ یہ مسافر کی مانند ہے اور اگر امیر و معترف ہے تو اب جائز نہیں کمافی الخانیہ اھ اور اسی میں ماتن کے قول "فی سبیل اللہ" کے تحت ہے یعنی وہ غازی جس کا خرچہ و اسلحہ ختم ہوگیا ہے بعض کے نزدیک اس سے حاجی اور بعض کے نزدیک طالبعلم مراد ہے، اور بدائع میں اس سے تمام امورِ خیر کے مصارف بیان کئے ہیں۔ نہر میں ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے عامل کے سوا تمام اصناف کو بشرط فقر زکوٰۃ دی جا سکتی ہے الخ اور اسی میں ماتن کے قول "وبھذا التعلیل یقوی الخ" اس تعلیل کے ساتھ وہ قوی ہوگیا جو واقعات کی طرف منسوب ہے کہ طالب علم کے زکوٰۃ کا لینا جائز ہے

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷
[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷
[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷
[4] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷
[5] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

لا فادۃ العلم واستفادتہ. ھذاالفرع مخاف لا طلاقھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط قلت وھو کذلك والاوجہ تقییدہ بالفقیر [1] الٰی اٰخر ماافادہ علیہ رحمۃ الجواد واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	اگرچہ وُہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے افادہ واستفادہ علم کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا ہو، یہ جزئیہ فقہاء کے اس اطلاق کے خلاف ہے جوانھوں نے کہا کہ اگر غنی ہے توزکوۃ لینا حرام ہے اور اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا،ط۔ **قلت** وہ اسی طرح ہے، اور اوجہ یہ ہے کہ اسے بھی فقر کے ساتھ مقید کردیا جائے جیساکہ انہوں نے افادہ کیاان پر رحمتِ جواد ہو۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ سادسہ: میرے کل زیور طلائی سادے اور جڑاؤ میں سونے کا وزن، موتی اور نگینے اور لاکھ وغیرہا منہا کرکے اڑسٹھ ۶۸ تولے ہے اا اور زیور نقرئی تین سو اکتالیس تولے، اس صورت میں جو سالانہ زکوۃ ہو اس سے مشرح مطلع کیا جاؤں، اور ایک دستور العمل ایسا ہو کہ آئندہ جس قدر اور بنے اس پر زکوۃ بڑھالی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سونے چاندی کا نصاب اور ان پر واجب وعفو کا حساب مسئلہ ثانیہ میں مشرحًا گزرا اور زیادت و نقصان کے تمام احکام بتفصیل تمام مسئلہ ثانیہ وثالثہ میں مبین ہُوئے۔ وہ دونوں مسئلے بجائے خود دستور العمل تھے مگر اختلاط زر و سیم یعنی دونوں مال کا مالک ہونا' البتہ بعض نئے احکام کا موجب ہوتا ہے جن کا بیان اوپر نہ گزرا لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ بعض ضوابطِ ضروریہ اور ذکر کرکے دستور العمل کی تکمیل کرتا اور حضرت مستفتی دامت برکاتہ، ودیگر ناظرین منتفعین سے اس کے صلے میں دعائے عفو عافیتِ دارین کی تمنّا رکھتا ہے۔ **فاقول: وباللہ التوفیق** مال جب بشرائط معلومہ نصاب کو پہنچے تو بنفسہٖ وجوبِ زکوۃ کا سبب اور ایراثِ حکم میں مستقل ہے جسے اپنے حکم میں دوسری شئی کی حاجت نہیں اور نصاب کے بعد جو خمس نصاب ہو وُہ بھی نصاب وسبب ایجاب ہے، ہاں جو خمس سے کم ہے وُہ اپنے نوع میں مثلًا چاندی یا سونا، سونے میں موجبِ زکوۃ نہیں ہوسکتا کہ شرع مطہر نے اسے عفو رکھا ہے **کما قدمنا فی المسئلۃ الثانیۃ** (جیساکہ ہم مسئلہ ثانیہ میں پیچھے بیان کر آئے۔ت) اسی طرح جو راسًا نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وجوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زر و سیم مخلط ہوں تو ازانجا کہ وجہ سببیت ثمنیت تھی اور وُہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے

---

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۵

ذھب وفضّہ جنسِ واحد لہٰذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں موجب زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لیے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لیے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقویم کرکے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا موجب زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو پس اگر اس ضم سے کچھ مقدار زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوع ثانی قبل ضم نصاب نہ تھی اسکے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب خمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضم کے بعد بھی کوئی مقدار زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہوجائے گا کہ یہ اصلاً موجبِ زکوٰۃ نہ تھا۔ ہدایہ میں ہے:

تضم قیمۃ العروض الی الذھب و الفضۃ حتی یتم النصاب و یضم الذھب الی الفضۃ للمجانسۃ من حیث الثمیۃ ومن ھذا الوجہ صار سببًا ثم یضم بالقیمۃ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت کے ساتھ ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے اور ثمن کی بناپر ہم جنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سببِ وجوب ہوگا پھر امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قیمت کے لحاظ سے ملایا جائے گا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

النقدان یضم احدھما الی الأخر فی تکمیل النصاب عندنا۔[2]	ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کے لیے دونوں نقود (سونے و چاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

یضم الذھب الی الفقۃ بالقیمۃ فیکمل بہ النصاب لان الکل جنس واحد۔[3]	سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائیگا تاکہ نصاب مکمل ہوجائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں (ت)

خلاصہ میں ہے:

اصل ھذا ان الذھب یضم الی فضۃ	ہمارے نزدیک تکمیل نصاب کی خاطر سونے کو چاندی

[1] الہدایہ کتاب الزکوٰۃ فصل فی العروض مکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۱۷۶

[2] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکّھر ۲/۱۶۹

[3] تبیین الحقائق باب زکوٰۃ المال مطبعۃ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱/۲۸۱

فی تکمیل النصاب عندنا و ھذا استحسان۔[1]	کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطورِ استحسان ہے۔ (ت)

نقایہ میں ہے:

یضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ لاتمام النصاب۔[2]	اتمامِ نصاب کے لیے سونے کو قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (ت)

ان عباراتِ ائمہ و تقریر فقیر سے واضح ہُوا کہ یہ ملانا صرف بغرضِ تکمیل نصاب ہوتا ہے، نصاب کہ بنفسہٖ کامل ہے محتاج ضم نہیں کہ خود سبب مستقل ہے تو شرح مطہر اُس کے سبب ایک مقدار واجب فرماچکی اب نصاب کو دوسری چیز سے ضم کرنے کا ایجاب تکمیل نصاب نہیں تعطیل نصاب ہے، یایُوں کہئے کہ اس ضم سے مقصود تحصیل واجب ہے نہ تبدیل واجب۔ ولہٰذا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ذھب و فضہ کا کامل نصابوں میں حکمِ ضم نہیں بلکہ نصابِ ذھب پر جُدا زکوۃ واجب ہوگی اور نصابِ فضّہ پر جُدا۔ ہاں اگر کوئی یہ چاہے کہ میں ایک ہی نوع زکوۃ میں دوں اور وہ قیمت لگا کر ضم کرلے تو ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ بھی نہیں، مگر اس وقت واجب ہوگا کہ تقویم ایسی کرے جس میں فقراء کا نفع زائد ہو مثلاً ایک نقد زیادہ رائج ہے دوسرا کم، توجو رائج تر ہے اُس سے تقویم کرے۔ امام ملک العلاء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرّہ الربانی بدائع میں فرماتے ہیں:

اذا کان کل واحد منھما نصابًا تامًا ولم یکن زائدًا علیہ لا یجب الضم بل ینبغی ان یؤدی من کل واحد منھما زکوٰتہ ولو ضم احدھما الی الاٰخر حتی یؤدی کلہ من الفضۃ اومن الذھب فلا باس بہ عندنا ولکن یجب ان یکون التقویم بما ھو انفع للفقراء رواجا والا فیؤدی من کل واحد منھما ربع عشرۃ۔[3]	اگر دونوں (سونا و چاندی) کا نصاب بلا اضافہ کیے کامل ہے تو اب ایک دوسرے کے ساتھ ملانا واجب نہیں بلکہ ہر ایک کی زکوۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے ملا کر سونے چاندی میں سے ہر ایک کی زکوۃ ادا کردی تو بھی ہمارے ہاں کوئی حرج نہیں لیکن یہ لازم ہے کہ قیمت اس کے ساتھ لگائی جائے جو رواجًا فقراء کے لیے زیادہ نافع ہو، ورنہ ہر ایک میں سے چالیسواں حصہ ادا کردیا جائے۔ (ت)

اس نفیس تقریر سے یہ **فائدے** حاصل ہُوئے کہ اگر ایک جانب نصابِ تام بلاعفو ہے اور دوسری

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی زکوۃ المال مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۳۷
[2] النقایہ کتاب الزکوۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴
[3] بدائع الصنائع فصل واما مقدار الواجب فیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقہ ضم متعین ہوگا کہ اس غیر نصاب کو اُس نصاب سے تقویم کرکے ملادیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کرکے غیر نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیر نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔ اسی طرح اگر ایک طرف نصابِ تام بلا عفو ہے اور دوسری جانب نصاب مع عفو، تو صرف اس عفو کو اس نصاب سے ملائیں گے نصاب مع العفو مجموع کو ضم نہ کریں گے کہ محتاج تکمیل صرف وہی عفو ہے نہ کہ نصاب، مثلاً ۷ یا ۹ یا ۱۲ تولے سونا اور ۶۰ تولے چاندی ہے جس میں ۷ تولے چاندی عفو ہے تو صرف اس ۷ تولے چاندی کو سونا کریں گے نہ کہ مجموع ۶۰ تولے کو۔ یونہی اگر دونوں جانب عفو ہے تو صرف ان عفووں کو باہم ملائیں گے، دونوں طرف کے نصاب الگ نکال لیں گے۔ ہندیہ میں ہے:

لوفضل من النصابین اقل من اربعة مثاقیل واقل من اربعین درهما فانه تضم احدی الزیا دتین الی الاخری حتی یتم اربعین درهما او اربعة مثاقیل ذهب کذافی المضمرات۔[1]	اگر دونوں نصابوں پر چار مثقال سے کم اور چالیس ۴۰ دراہم سے کم اضافی ہُوتو ایک اضافہ کو دوسرے کے ساتھ ملایا جائے حتی کہ چالیس درہم کامل ہوجائیں یا چار مثقال سونا مکمل ہوجائے، جیسا کہ مضمرات میں ہے۔(ت)

پس ثابت ہُوا کہ قابلِ ضم وہی ہے جو خود نصاب نہیں، پھر اگر یہ قابلیت ایک ہی طرف ہے جب تو طریقہ ضم آپ ہی متعین ہوگا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) اور دونوں جانب ہے تو البتّہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تقویم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقلّت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی کہ خواہی نخواہی قلیل ہی کو کثیر سے ضم کریں کثیر کو نہ کریں کہ جب نصابیت نہیں تو قلیل و کثیر دونوں احتیاج تکمیل میں یکساں۔ ردالمحتار میں ہے:

لافرق بین ضم الاقل الی الاکثر وعکسه۔[2]	اقل کو اکثر ساتھ ملانا یا اس کے برعکس کرنے میں کوئی فرق نہیں۔(ت)

بلکہ حکم یہ ہوگا جو تقویم فقیروں کے لیے انفع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں، اور چاندی کو سونا ٹھہراتے ہیں تو یہی ٹھہرائیں، اور دونوں صورتیں نفع میں یکساں تو مزکی کو اختیار۔ درمختار میں ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی زکوٰۃ الذھب والفضّہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۹

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۵

لو بلغ باحدھما نصابًا دون الاخر تعین مایبلغ بہ ولو بلغ باحدھما نصابًا وخمسًا وبالاخر اقل قومہ بالانفع للفقیر سراج اھ [1] وفی ردالمحتار عن النھر عن الفتح یتعین ما یبلغ نصابًا دون مالا یبلغ فان بلغ بکل منھما واحدھما اروج تعین التقویم بالاروج اھ [2] وفی شرح النقایہ للقھستانی وان تساویا فالمالك مخیر۔ [3]	اگر ایک کو ضم کرنے نصاب بنتا ہے دوسری سے نہیں، تو جس سے بنتا ہو وہ ضم کے لیے متعین ہوگا،اور اگر ایک کو ضم کرنے سے نصاب اور خمس بنتا ہے اور دوسرے سے کم بنتا ہے تو فقیر کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو اس سے قیمت بنائے، سراج اھ۔اور ردالمحتار میں بحوالہ نہر، فتح سے منقول ہے کہ نصاب کو پہنچانے والے کی قیمت ضم کے لیے متعین ہوگی دوسرے کی نہیں، اگر دونوں سے نصاب پورا ہو جبکہ ایک رواج سے زائد ہے تو جو زیادہ رائج ہو اس کے ساتھ قیمت لگانا متعین ہوگا اھ اور شرح نقایہ للقھستانی میں ہے:اگر دونوں برابر ہوں تو مالک کو اختیار ہے۔(ت)

جب یہ امور ممہد ہو لیے تمام صورتوں کے احکام معلوم ہوگئے کہ اختلاطِ زر وسیم انہی تین ۳ حال میں منحصر:

(۱) یا کسی کی طرف کوئی مقدار قابلِ ضم نہ ہوگی اور یہ جب ہی ہوگا کہ دونوں نصاب ہوں اور دونوں بے عفو،اس کا حکم،اول ہی گزرا کہ ہر ایک کی زکوۃ جدا واجب ہوگی اور ایک ہی نوع سے دینا چاہیے تو نفع فقراء کا لحاظ واجب۔

(۲) یا صرف ایک طرف مقدار قابلِ ضم ہوگی یہ یونہی ہوگا کہ ایک نصاب بلا عفو ہو اور دوسرا اصًا غیر نصاب یا نصاب مع العفو، تو اس کی دو ۲ صورتیں نکلیں،ان کا ضابطہ ۱ بھی معلوم ہوچکا کہ خاص اسی قابل ضم کو دوسرے کے ساتھ تقویم کریں گے۔

(۳) یا دونوں طرف مقدار قابل ضم ہو یہ اس طرح ہوگا کہ دونوں نصاب سے کم یا ایک کم اور ایک میں عفو یا دونوں میں عفو، اس کی تین ۳ صورتیں ہوئیں،ضابطہ ۲ بھی مذکور ہُوا کہ جو مقداریں دونوں طرف قابلِ ضم ہیں انہی کو آپس میں ملائیں گے اور نفعِ فقراء کا لحاظ رکھیں گے یعنی جس تقویم میں زیادہ مالیت واجب الادا ہو وہی اختیار کرینگے اور مالیت برابر ہو تو جس کا رواج زیادہ ہے اسے لیں گے اور قدر رواج سب یکساں ہوں تو اختیار دیں گے۔

---

[1] درمختار باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۵

[2] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۴

[3] جامع الرموز کتاب الزکوۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۱۳

جدول اختلاطات زروسیم مع اشارۂ احکام

ذہب ← / فضہ ↓	نصاب سے کم	نصاب[عہ] بے عفو	نصاب با عفو
نصاب سے کم	دونوں کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کو سونا کریں	سونے کا عفو اور چاندی کا کل بلحاظ انفع ملائیں
نصاب بے عفو	سونے کو چاندی کریں	ہر ایک کی جُدا زکوٰۃ اور ملانا ہی ہو تو لحاظ انفع	سونے کے عفو کو چاندی کریں
نصاب باعفو	چاندی کا عفو اور سونے کا کل بہ لحاظ انفع ملائیں	چاندی کے عفو کو سونا کریں	دونوں عفووں کو بلحاظ انفع ملائیں

ہر چند اس بیان وجدول نے مسئلہ واضح کردیا، مگر بوجہ پیچیدگی عام مسلمان کے لیے ان دونوں ضابطوں میں ایضاح امثلہ کی بیشک ضرورت۔ لہٰذا فقیر غفرلہ المولی القدیر پھر جانبِ تفصیل عنان گردانی کرتا ہے، **وباللّٰہ التوفیق**

شرح ضابطہ اُولٰی: چاندی سونے میں جب ایک نصابِ تام بلاعفو ہو اور دُوسرا نصاب نہ ہو خواہ کُلًّا یعنی سرے سے نصاب تک پہنچا ہی نہ ہو یا بعضًا، یعنی نصاب کے بعد جو عفو بچا ہو، اس غیر نصاب کل یا بعض کو اس دوسرے کے ساتھ ضم کریں گے، مثلًا چاندی کل بعض غیر نصاب ہے تو اُسے بلحاظ قیمت سونا قرار دے کر سونے کے نصاب سے ملائیں گے اور سونا کل یا بعض غیر نصاب ہو تو اسے چاندی سے تو ضابطہ اولٰے کی دو[۲] صورتیں بعد بسط چار[۴] ہو گئیں جیساکہ مطالعہ جدول سے واضح ہوا ہوگا۔ اب ہم بعد ضم دیکھیں گے کچھ زکوۃ بڑھی یا نہیں، اگر اب بھی نہ بڑھی تو وُہ غیر نصاب عفو مطلق تھا کہ کسی طرح موجبِ زکوۃ نہ ہُوا اور بڑھی تو یا کچھ عفو نہ بچے گا اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ غیر نصاب اپنی نوع میں نہ موجب زکٰوۃ نظر آتا تھا حقیقۃً بالکل موجب تھا یا قدرے بچے گا تو ثابت ہوگا کہ واقع میں اسی قدر عفو ہے باقی پر زکوۃ، تو یہ تین[۳] حالتیں ہوئیں جنھیں ان چار میں ضرب دیے سے بارہ[۱۲] صُورتیں نکلیں، اب ہر ایک کی مثال لیجئے اور حساب کے لیے فرض کیجئے کہ تولہ بھر سونے کی قیمت چوبیس[۲۴] تولے چاندی ہے

عـــہ: اس مثلثانہ خانہ احکام کا خانہ قطب وُہ صورت ہے جس میں اصلاً حکم ضم نہیں اور اس کے چاروں خانہ آتشی بادی آبی خاکی متعلق ضابطہ اولٰی اور باقی چاروں خانے کہ چاروں گوشوں پر ہیں متعلق ضابطہ ثانیہ ۱۲منہ (م)

اور تولہ بھر چاندی کا چار ۴ رتی سونا۔

مثال ۱: ایک شخص کے پاس ۵۲ -۱/۲ تولے چاندی اور سوا پانچ ماشے سونا ہے تو چاندی نصاب تام بلا عفو ہے اور سونا کُلّاً غیر نصاب۔ لہٰذا سونے کو چاندی کرکے چاندی سے ملایا یعنی بلحاظِ قیمت دیکھا کہ اس قدر سونے کی کتنی چاندی ہُوئی، نرخ مذکور پر یہ سونا دس ۱۰ تولے چاندی کا ہُوا تو گویا وُہ ۵۲-۱/۲ تولے چاندی ۵ ماشے سونے کا مالک نہیں بلکہ ۶۳ تولے چاندی کا مالک ہے، یہ چاندی ایک نصابِ کامل اور ایک نصابِ خمس پُورا ہُوا جس پر عفو کچھ نہ بچا۔

مثال ۲: اسی صُورت میں ۱۰ ماشے سونا فرض کیجئے جس کے ۲۰ تولے چاندی، تو گویا ۷۲- ۱/۲ تولے چاندی کا مالک ہے جس میں وہی نصاب کامل و نصابِ خمس نکل کر ۹ تولے چاندی عفو بچی کہ خمس نصاب سے کم ہے یہ عفو حقیقی ہُوا یعنی سونے کو چاندی سے ضم نہ کرتے تو بوجہ عدمِ نصاب بالکل عفو نظر آتا تھا ضم کرنے سے کھُل گیا کہ اس میں صرف ۴-۱/۲ ماشے جس کی ۹ تولے چاندی ہُوئی عفو پر زکوۃ واجب۔

مثال ۳: صُورتِ مسطورہ میں صرف ۵ ماشے سونا مانیے تو کُل عفو رہے گا کہ اس کی دس ۱۰ ہی تولے چاندی ہُوئی اور مال جب تک نصاب کے بعد خمس نصاب تک نہ پہنچے عفو اور چاندی میں خمس ۱۰ -۱/۲ تولے ہے۔

مثال ۴: اسی صورت میں ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا لیجئے تو ۷-۱/۲ تولے سونا تو نصابِ کامل ہے اُس کے بعد ۵ ماشے عفو نظر آتا ہے، بس اسی قدر کو چاندی سے ضم کرینگے، اور ایک نصابِ زر اور ایک نصاب و خمس نصاب سیم کی زکوۃ واجب مانیں گے جس میں عفو کچھ نہ رہا۔

مثال ۵: اسی صورت میں ۸ تولے ۴ ماشے سونا ہے تو بدلیل مثال دوم وہی ۴-۱/۲ ماشے سونا عفو رہے گا۔

مثال ۶: ۷ تولے ۱۱ ماشے سونا ہے تو نصابِ زر سے جتنا یعنی ۵ ماشے، سب عفو مطلق ہے کہ بعد ضم بھی زکوۃ نہیں بڑھاتا۔

ان چھ ۶ مثالوں میں چاندی نصاب تام بلا عفو تھی اور سونا قابلِ ضم، پہلی تین میں راسًا نصاب سے کم اور پچھلی تین میں عفو۔ اب وُہ مثال لیجئے کہ سونا تام بلا عفو اور چاندی انہی دو ۲ وجھوں پر قابلِ ضم۔

مثال ۷: ایک شخص ۷- ۱/۲ تولے سونا ۳۶ تولے چاندی کا مالک ہے کُلّاً غیر نصاب ہے۔ اسے بحساب قیمتِ سونا کیا تو ۱-۱/۲ تولے ہوا، یہ پُورا نصاب خمس ہے تو سونے کا ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس ہوا اور عفو اصلًا نہ بچا۔

مثال ۸: اسی صورت میں چاندی ۵۰ تولے رکھئے تو ۱۴ تولے عفو رہے گی کہ ۳۶ تولے کا نصاب خمس ہو گیا ۱۴ تولے کا ۷ ماشے سونا ہُوا کہ خمس سے کم ہے وُہ عفو رہا۔

مثال ۹: اسی صورت میں چاندی ۳۰ تولے فرض کیجئے تو کل عفو ہے کہ اس کا سوا ہی تولے سونا ہُوا بعد

ضم بھی کچھ نہ بڑھا۔

مثال ۱۰و۱۱و۱۲ : اب ہمیں وُہ تین صورتیں بیان کرنا ہیں جن میں سونا نصاب بے عفو ہو اور چاندی نصاب با عفو، جس کے عفو کو سونے سے ملائیں تو جب بھی عفو رہے یا کچھ زکوٰۃ واجب کرے، کچھ عفو بچے یا بالکل زکوٰۃ واجب کرے۔ یہ پچھلی دو۲ صورتیں بظاہر محال عادی نظر آتی ہیں کہ نصاب میں عفو وہی ہوتا ہے جس خمس سے کم ہو اور نصاب کے بعد زکوٰۃ واجب کرتا ہے جو خمس تک پہنچے، تو ان صورتوں کا وقوع جب ہی ہوگا کہ ۱۰ تولے کم چاندی ۱-۱/۲ تولے سونے کے برابر یا اس سے بھی زائد ہو مگر یہ عادۃً ہو نہین سکتا بلکہ ۱۰ تولے یا اس سے کچھ زیادہ چاندی تولہ بھر سونے کی قیمت کو بھی نہیں پہنچی، تو بادی النظر میں یہاں صرف صورتِ اولٰی ہی قابلِ وقوع ہے یعنی عفو سیم کو نصاب ذہب سے جب ملایئے عفو ہی رہے' مگر ایک نفیس و شریف و جلیل و لطیف قاعدہ معلوم کرنے سے کھل جائیگا کہ دو۲ صوتین بھی قابلِ وقوع ہیں، اُس باعظمت قاعدے کا جاننا نہ صرف انہی صورتوں کے لیے ضرور ہے بلکہ جو اہلِ زکوٰۃ زر و سیم دونوں قسم کے مالک ہوں اور عموماً ایسے ہی ہوتے ہیں اُن سب پر اُس کا علم فرض عین ہے کہ اس کے نہ جاننے میں بہت غلطیاں اور خرابی و زیاں واقع ہوتے ہیں لوگ اکثر سمجھ لیتے ہیں ہم زکوٰۃ ادا کرچکے اور واقع میں مطالبہ باقی ہوتا ہے، وہ ضروری قاعدہ عظیم الفائدہ واجب الحفظ یہ ہے کہ اگرچہ زر و سیم کی قیمت و وزن باہم اکثر مختلف ہوتے ہیں خصوصاً جبکہ صنعت کا قدم درمیان ہو، مثلاً ممکن کہ تولہ بھر سونے کا کوئی گہنا صناعی کے سبب پچاس ۵۰ روپے کی قیمت کا ہو اگرچہ ایک تولہ سونے کی قیمت پچیس ۲۵ ہی روپیہ ہو یا تولہ بھر چاندی کی چیز چار روپے کو بکے اگرچہ چاندی ایک ہی روپیہ تولہ ہو، دہلی کی سوداکاریوں میں یہ بات خوب واضح ہے یونہی جب مال ہارتا ہو تو قیمتِ وزن گھٹ جاتی ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔) مگر شرع مطہر نے سونے چاندی میں وجوباً و اداءً ہر طرح وزن ہی کا اعتبار فرمایا ہے نہ کہ قیمت کا، مثلاً کسی کے پاس صرف ۷ تولے سونے کا گہنا ہے کہ قیمت میں ۷-۱/۲ تولے سونے تک پہنچا ہے یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ وزن ۷-۱/۲ تولے کامل نہ ہوا یا ۷-۱/۲ تولے ہارتے سونے کا مال ہے کہ قیمت ۷ تولے سے بھی کم ہے اس پر زکوٰۃ واجب، کہ وزنِ نصاب پورا ہے' یا ایک شخص کے پاس ۷-۱/۲ تولے سونے کا زیور ہے جو بوجہ صنعت ۱۵ تولے سونے کی قیمت ہے اس پر صرف ۲ ماشے سونا واجب ہوگا کہ وزن کا چالیسواں حصّہ ہے نہ چار ماشہ کی قیمت کا ۱/۴۰ ہے، ۱۵ تولے وزن کی چیز قیمت میں ۷-۱/۲ تولے کے برابر ہے، تو باعتبارِ وزن ہوا اور ادا کی یہ صُورت کہ مثلاً اس پر ۶ ماشے سونا واجب الادا تھا اس نے اُس کے بدلے ۲ ماشے نفیس کُندن کہ قیمت میں ۶ ماشے سونے کے برابر بلکہ زائد تھا ادا کیا تو عہدہ برآنہ ہُوا کہ واجب کا وزن پُورا نہ ہُوا اور ہارتا سونا ۲ ماشے دے دیا جو قیمت میں دو۲ ہی ماشے کے برابر تھا تو ادا ہوگیا اگرچہ اس میں کراہت ہے لقولہ عزوجل:

لَسْتُمْ بِاٰخِذِیْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِیْهِ ؕ۔[1]	تمھیں ملے تو نہ لوگے جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو۔(ت)

درمختار میں ہے:

المعتبر وزنهما اداءً ووجوبًا لا قیمتهما۔[2]	اداء و وجوب میں ان دونوں کے وزن کا اعتبار ہے نہ کہ قیمت کا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یعنی یعتبر فی الوجوب ان یبلغ وزنهما نصابا، نهر، حتی لو کان له ابریق ذهب او فضة وزنه عشرة مثاقیل اومائةدرهم وقیمته لصیاغته عشرون او مائتان لم یجب فیه شیئ اجماعًا قهستانی۔[3]	وجوب کے لیے یہ معتبر ہے کہ وُہ وزن کے اعتبار سے نصاب کو پہنچیں، نہر۔ اگر کسی کے پاس سونے یا چاندی کا کُوزہ تھا جس کا وزن دس مثقال یا سَو درہم کے برابر تھا اور زیور کی صورت میں اس کی قیمت بیس ۲۰ یا دوسو ۲۰۰ ہے تو اب اس میں بالاجماع کوئی شئی لازم نہیں، قہستانی۔(ت)

اسی میں ہے:

لوله ابریق فضّة وزنه مائة وقیمته بصیاغته مائتان لا تجب الزکوٰة باعتبار القیمة لان الجودة و الصنعة فی اموال الربا لا قیمة لها عند افرادها ولا عند المقابلة بجنسها۔[4]	اگر کسی پاس چاندی کا ایسا کُوزہ تھا جس کا وزن سو درہم ہو اور اس کی زیور کی صورت میں قیمت دو سو درہم ہے تو اب قیمت کے اعتبار سے زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیونکہ اموالِ ربا میں جو جودت اور صنعت ہوتی ہے اس کی انفرادی صُورت میں کوئی قیمت نہیں ہوتی نہ ہی اس وقت کوئی قیمت ہے جب کسی ہمجنس کے مقابل ہو۔(ت)

اُسی میں ہے:

یعتبر یکون المؤدی قدر الواجب وزنا	جس کی زکوۃ ادا کی جائے اس کا وزن کے اعتبار سے

---

[1] القرآن ۲/ ۲۶۷

[2] درمختار باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[3] ردالمحتار باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳

[4] ردالمحتار باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷

فلوادی عن خمسة جیّدة خمسة زیوفاقیمتها اربعة جیدة جاز وکرہ ولواربعة قیمتها خمسة ردیئةلم یجزاھ[1] ملخصًا۔	نصاب ہونا ضروری ہے، اگر کسی نے پانچ جید دراہم کی جگہ پانچ زیوف سے ادا کی جن کی قیمت چار جید دراہم تھی تو جائز مگر مکروہ ہے، اور ان چار کی قیمت پانچ ردی درہم تھے تو جائز ہی نہیں اھ ملخصا(ت)

مگر جب ان میں ایک کو دوسرے سے تقویم کریں مثلاً چاندی کو سونے یا سونے کو چاندی سے جیساکہ ضم کی صُورتوں مین دیکھتے آتے تو بالاجماع قیمت کا اعتبار ہے کہ جودت وصنعت خلاف جنس کے مقابلہ میں بالاجماع قیمت پاتا ہے، مثلاً بارہ ۱۲ تولے چاندی کا وزنی گہنا اور قیمت میں ۲۴ تولے چاندی کے برابر، اب اس کی قیمت سونے سے لگائے گا تو بہ لحاظ قیمت پُورا تولہ بھر سونا ہوگا، نہ بلحاظ وزن چھ ماشہ ولہٰذا جس کہ پاس ۲۰۰ تولے چاندی کا زیور چار سو روپے کا قیمتی ہو جس ۵ تولے چاندی واجب، وہ اگر ۵ تولے چاندی دے دے گا ادا ہو جائے گا اور ۵ تولے چاندی کی قیمت کا سونا دے گا ہر گزادا نہ ہوگا بلکہ ۱۰ تولے چاندی کا قیمتی سونا دینا آئے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

عدم اعتبار الجودة انما ھو عند المقابلة بالجنس اما عند المقابلة بخلافه فتعتبر اتفاقا۔[2]	جیّد ہونے کا اعتبار، جنس کے ساتھ مقابلہ وقت نہیں کیا جاسکتا اور اگر غیر جنس سے مقابلہ ہو تو بالاتفاق معتبر ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

لو کان له ابریق فضة وزنه مائتان وقیمته ثلث مائة ان أدی خمسة من عینه اومن غیرہ جاز واجمعواانه لوأدی من خلاف جنسه اعتبرت القیمة حتی لوأدی من الذھب ما تبلغ قیمته خمسة دراہم من غیر الاناء لم یجز فی قولھم لتقوم الجودةعندالمقابلة	اگر کسی کے پاس چاندی کا کوزہ ہے دوصد درہم وزنی اور قیمت تن سو درہم ہے تو اب وہ اس میں سے یا اس کے غیر سے پانچ درہم ادا کرتا ہے تو جائز ہے اور اس پر اتفاق ہے کہ اگر اس کی مخالف جنس سے ادا کرے تو قیمت کا اعتبار ہوگا حتی کہ اگر اتنا سونا جسکی قیمت پانچ درہم ہو غیر مصنوعہ سے ادا کیا تو ان کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ مقابلہ کے وقت جودت

[1] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۷

بخلاف الجنس کذا فی لامعراج نهر اھ ملخصًا۔[1]	کی قیمت اعتبار ہوتا ہے بخلاف جنس کے، معراج میں اسی طرح ہے، نہر اھ ملخصًا (ت)

جب یہ قاعدہ معلوم ہولیا تو اب ان دو صورتوں کی مثالیں بھی واضح ہو گئیں مثلاً ایک شخص کے پاس ۷-۱/۲ تولے سونا اور ۶۱-۱/۲ تولے چاندی کا گہنا ہے جو بوجہ صناعی چوگنی قیمت کا ہے اس میں ۵۲-۱/۲ تولے چاندی تو نصاب کامل ہو گئیں ۹ تولے بچی وہ عفو نظر آتی ہے، اسے بلحاظِ قیمت سونے سے ملایا تو یہ ۹ تولے بہ سبب صنعت ۳۶ تولے کی قیمت میں ہے جس کا ۱-۱/۲ تولے سونا ہُوا کہ خمس نصاب زر ہے تو ایک نصاب سیم اور ایک نصاب و خمس نصابِ زر کی زکوٰۃ واجب ہُوئی اور عفو کچھ نہ بچا، اور اسی صورت میں ۶۲ تولے چاندی ہے تو ماشہ بھر سونا کہ اس ۶ ماشے چاندی کی قیمت ہُوا اور عفو رہے گا کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

شرح ضابطہ ثانیہ: ملاحظہ جدول سے یہ بھی کھلا ہوگا کہ دونوں جانب مقدار قابلِ ضم ہونے کی تین صورتیں بھی عندالبسط چار ہو گئیں یعنی چاندی سونا دونوں غیر نصاب یا دونوں نصاب مع العفو یا چاندی غیر نصاب اور سونے میں عفو یا سونا غیر نصاب اور چاندی میں عفو۔ پھر ہر صورت چھ ۶ حال سے خالی نہیں:

(۱) یہ کہ بعد ضم بھی اصلاً زکوٰۃ نہ بڑھے یعنی خواہ قابلِ ضم چاندی کو سونا کیجئے یا قابلِ ضم سونے کو چاندی، کسی طرح یہ مقدار موجبِ زکوٰۃ نہ ہو، اس صورت میں وہ عفو حقیقی رہے گا، مثلاً ایک شخص ۲۰ تولے چاندی اور ایک تولے سونے کا مالک ہے، چاندی کو سونا کیجئے تو کُل سونا ایک تولہ ۱۰ ماشے ہو، اور سونے کو چاندی تو کل چاندی ۴۴ تولے، نہ اتنا سونا موجبِ زکوٰۃ نہ اتنی چاندی۔

(۲) سونے کو چاندی کیجئے تو نصاب بنے اور چاندی کو سونا کیجئے تو نہ بنے، مثلاً ۱۰ تولے چاندی ۵ تولے سونا ہے، سونے کو چاندی کیا تو کُل چاندی ۱۳۰ تولے ہوئی کہ دو[2] نصاب کامل اور دو[2] نصاب خمس، اور ۴ تولے عفو ہے، اور چاندی کو سونا کیا تو کل ۵ تولے ۵ ماشے سونا ہُوا کہ نصاب تک بھی نہ پہنچا، لہٰذا سب کو چاندی ہی ٹھہرائیں گی۔

(۳) اس کا عکس کہ چاندی کو سونا کرنے سے نصاب بنے اور سونے کو چاندی کرنے سے نہ بنے، مثلاً ۷ تولے ۷ ماشے سونا اور ۵۰ تولے چاندی ہے ۷-۱/۲ تولے سونا تو نصابِ کامل ہو کر الگ ہو گیا، بچا ۱ ماشہ سونا، اُدھر وہ عفو ہے اور اِدھر ۵۰ تولے چاندی یہ بے نصاب ہے، انھیں دونوں کا باہم میل ہونا ہے، اب اگر ماشہ بھر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو کل چاندی ۵۲ تولے آتی ہے، یہ نصاب بھی نہ ہُوئی اور چاندی

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲/۳۳

سونا کرتے ہیں تو یہ کُل سونا ۲ تولے ۲ ماشے ہوتا ہے کہ ۱-۱/۲ تولہ نصاب خمس ہو کر موجبِ زکوٰۃ ہوگا اور باقی ۸ ماشے عفو رہے گا۔

(۴) دونوں سے نصاب بنے مگر چاندی فقراء کے لیے انفع ہو، مثلاً ۷ تولے سونا ۴۲ تولے چاندی کہ سونا کیجئے تو ۸ تولے ۹ ماشے ہوا، ۷-۱/۲ تولے پر زکوٰۃ اور ۱ تولہ عفو، تو صرف ۲ ماشے سونا دینا ہوگا جس کی قیمت ۴-۱/۲ تولے چاندی، اور چاندی کیجئے تو دو سو دس ۲۱۰ تولے ہُوئی کہ پُورے چار نصاب بلا عفو ہے جس پر ۵ تولے چاندی واجب، تو چاندی کرنے میں فقراء کو ۹ ماشے چاندی زیادہ ملے گی۔

(۵) سونا انفع ہو، جیسے ۷ تولے سونا ۴۸ تولے چاندی کہ چاندی کیجئے تو چار نصاب کامل کے بعد ۶ تولے عفو رہے گی اور صرف ۵ تولے چاندی دینا ہوگی جس کی قیمت ۲ ماشے ۵ سُرخ سونا، اور سونا کیجئے تو پُورا ۱۵ تولے ہوا، ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خمس بلا عفو ہے جس پر ۲ ماشے ۵-۳/۵ سُرخ واجب، تو سونا کرنے میں فقراء کو ۳/۵ سُرخ زیادہ جائے گا۔

(۶) دونوں یکساں ہوں، مثلاً فرض کیجئے تولہ بھر سونے کی قیمت ۲۱ تولے چاندی ہے اور یہ ۴۲ تولے چاندی ۵۰ تولے سونے کا مالک ہے اگر چاندی کو سونا کرتے ہیں تو ۷-۱/۲ تولے یعنی ایک نصاب کامل ہوا جس پر ۳-۱/۲ ماشے سونا قیمتی ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سرخ چاندی کا واجب ہوا، اور سونے کو چاندی کیجئے تو ۱۵۷ تولے ۶ ماشے چاندی یعنی تین نصاب کامل ہُوئی جس پر ۳ تولے ۱۱ ماشے ۲ سُرخ چاندی قیمتی ۲ ماشہ سونے کی واجب ہُوئی، ہر طرح حاصل ایک ہی رہتا ہے، اس صورت میں مزکی کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں جس سے چاہے تقویم کرے بشرطیکہ دونوں رواج میں یکساں ہوں ورنہ رائج تر متعین ہوگا۔

اس ضابطہ کی چار ۴ صورتوں میں ان چھ حالتوں کو ضرب دیجئے تو چوبیس ۲۴ ہوتی ہیں جس کے امثلہ کی پُوری تفصیل موجبِ تطویل، اور جبکہ ہم ہر صورت کی ایک مثال لکھ چکے، وضوح مسئلہ بحمد اللہ اپنے منتہی کو پہنچا جس کے بعد زیادہ اطالت کی حاجت نہیں، اب بحمد اللہ یہ دستور العمل کامل و مکمل ہوگیا کہ عالم میں کوئی اختلاطِ زر و سیم ان ۳۷ صورتوں سے خارج نہیں ہوسکتا۔ ایک صورت دونوں جانب کمال نصاب بلا عفو کی اور ۱۲ صورتیں ضابطہ اولیٰ، اور ۲۴ ضابطہ ثانیہ کی، اور دو ۲ صورتیں کہ صرف چاندی کا مالک ہو یا صرف سونے کا، ان کے احکام مسئلہ ثانیہ میں واضح ہوچکے، انتالیس ۳۹ ہوئیں۔ چالیسویں صورت کہ سونا چاندی کچھ نہ رکھتا ہو اس کا حکم خود واضح۔ اب یہ مسائل بحمد اللہ تعالیٰ تمام صور کے بیان احکام کو کافی و وافی ہوگئے انھیں سے آئندہ کی زیادت و نقصان کے احکام نکل آئیں گے کہ آخر بڑھ کر انھیں سینتیس ۳۷ صورتوں میں سے ایک میں رہے گا، غایت یہ کہ تبدیل صورت ہوجائے، مثلاً پہلے جو مال تھا ضابطہ اولیٰ کی صورت یکم پر تھا، اب بڑھ کر ضابطہ ثانیہ یا اولیٰ کی دوم یا اول الصور پر ہوگیا،

وعلیٰ ھذا القیاس، یُوں ہی گھٹ کر ۴۰ صورتوں سے باہر نہ جائے گا تو کوئی حکم ایسا نہیں جسے یہ مسائل نہ بتائیں، زیادت و نقصان میں کہاں زکوٰۃ گھٹے بڑھے گی کہاں نہیں، یہ مسئلہ ثانیہ و ثالثہ سے دیکھ لیجئے، امید کرتا ہوں یہ شرح و ایضاح بحول الفتاح اسی تحریر فقیر کا حصّہ خاصہ ہو، **والحمدُ للہ ربّ العالمین۔**

اب صُورتِ جزئیہ مسؤل عنہا کا حکم: نکالنا کتنی بات ہے، ۶۸ تولے ۲ ماشے سونا اور ۳۴۱ تولے چاندی، اوّل ہر ایک نصاب الگ نکال لیجئے، ۶۸ تولے ۲ ماشے میں سونے ۹ نصاب کامل ہوئے جن پر ایک تولہ ۸ ماشے ۲ سُرخ سونا واجب ہُوا اور ۸ ماشے فاضل بچا کہ اپنے نصاب میں عفو ہے، ۳۴۱ تولے میں ۳۱۵ تولے کے چھ ۶ نصاب کامل جن پر ۷ تولے ۱۰ ماشے ۴ سُرخ چاندی واجب، اور ۲۱ تولے کے ۲ نصاب خمس ہُوئے جن پر ۶ ماشے ۲-۲/۵ سُرخ واجب، ان کا مجموعہ ۸ تولے ۴ ماشے ۶-۲/۵ سرخ ہوا اور مال میں پانچ تولے چاندی فاضل رہی کہ اپنی نوع میں عفو ہے، اب یہ صورت ضابطہ ثانیہ کی ہُوئی کہ دونوں جانب ایک رقم عفو قابلِ ضم موجود ہے، اس میں اُن چھ ۶ حالتوں کی جانچ باقی رہی، چاندی کو سونا کیجئے تو ۵ تولے چاندی عام نرخ سے اس قابل نہیں کہ ۱۰ ماشے سونے کی قیمت پہنچے جو اس ۸ ماشہ سے مل کر خمس نصاب ذہب یعنی ۱-۱/۲ تولے سونا بنائے اور زکوٰۃ واجب کرے۔ اب سونے کو چاندی کیجئے تو آج کل کے بھاؤ[عہ] سے ۸ ماشے سونا بیشک ۱۶ تولے چاندی سے کچھ زیادہ ہی کا ہے تو وہ اس پانچ تولے چاندی سے مل کر ۲۱ تولے چاندی مع شے زائد ہوگیا یہ دو نصاب خمس اور حاصل ہُوئے جب پر ۶ ماشے ۲-۲/۵ سُرخ چاندی، اور بڑھی تو یونہی کریں گے اور ۶۸ تولے سونے ۳۴۱ تولے چاندی پر ایک تولہ ۸ ماشے دو سُرخ سونا، اور ۸ تولے ۱۱ ماشے ۴/۵ سرخ چاندی واجب مانیں گے ۴/۵ سُرخ کے معنی رتی کے چار خمس، جسے تقریبًا ایک رتی چاندی کہیے، یہ عام بھاؤ کے اعتبار سے ہے، اور اگر بوجہ صنعت نفس مال کے کوئی قیمت بڑھ گئی ہو تو اس کا حساب مالک کو معلوم ہوگا اُس کے لیے وُہ قاعدہ ضرور یہ واجب الحفظ ہم اوپر لکھ ہی چکے، غرض للہ الحمد والمنّۃ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ ان مسائل کو ایسی شرح و تکمیل و بسط جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اُن کی نظیر کتب میں نہ ملے امید کرتا ہُوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزار ہا مسائلِ زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرگا جیسے کوئی عالم محقق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مدعیان فقاہت و تحدیث بلکہ امامتِ فنون فقہ و حدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جو ان تحریراتِ فقیر کو بنہج احسن سمجھ لے گا اِن شاء اللہ تعالٰی بے تکلّف صحیح و صاف ادا کرے گا، مگر

[عہ]: نرخ باختلافِ امصار بھی مختلف ہوتا ہے، اگر وہاں ۸ ماشے سونا ۱۶ تولے چاندی سے کم کا ہو تو نصب فضّہ میں ایک خمس کم ہو جائیگا جس کے سبب مقدار واجب سے ۳ ماشے ۱-۱/۵ سرخ چاندی گھٹا دیں گے ۱۲ منہ (م)

حاشا ہر گزاردو عبارت جان کر اپنی فہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی استعداد سے ورا ہو کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بحول اللہ تعالٰی اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔

واستغفر اللہ العظیم الاعظم مما جری علی لسان القلم وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیّدنا ومولانا محمدن النبی الاکرم و صحبہ وبارك وسلم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	قلم سے جو لکھا گیا اس پر عظیم و اعظم اللہ تعالٰی سے معافی طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں نازل ہوں ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد نبی اکرم پر اور آپ آل واصحاب پر برکتیں اور سلام بھی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے، اور اسی کا علم کامل اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ سابعہ: صحیح تعدادِ زکوٰۃ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے جو ہر سال مقدار واجب سے کم زکوٰۃ میں دیا گیا ہے وہ محسوب زکوٰۃ ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بیشک محسوب ہُوا کہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضرور ہے مقدار واجب کا صحیح معلوم ہونا شرائطِ صحت سے نہیں، غایت یہ کہ ایک جزءِ واجب کے ادا میں تاخیر ہوئی اس سے مذہبِ راجح پر گناہ سہی زکوٰۃ مؤدّی کی نفی صحت تو نہیں والامر بین غنی عن التبیین (معاملہ واضح ہے مزید وضاحت کا محتاج نہیں۔ت) پس ہر سال جتنا زکوٰۃ میں دیا وہ قطعًا ادا ہُوا اور جو باقی رہتا گیا وہ اس پر دین ہوا حتی کہ اگر کسی نصاب سے معارض ہو جائے گا تو اُسی قدر مقدار واجب گھٹ جائے گی۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ دین عبد (یعنی بندوں میں جس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اگرچہ دین حقیقۃً اللہ عزوجل کا ہو جیسے دین زکوٰۃ جس کا مطالبہ بادشاہ اسلام اعزاللہ نصرہ کو ہے) انسان کے حوائج اصلیہ سے ہے ایسا دین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحالتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدر نصاب ہو، مثلاً ہزار روپے پر حولانِ حول ہو اور اس پر پانسو قرض ہیں تو پانسو پر زکوٰۃ آئے گی اور ساڑھے نوسو دین ہے تو اصلاً نہیں کہ باقی قدر نصاب سے کم ہے۔ درمختار میں ہے:

لازکوٰۃ علی مدیون للعبد بقدر دینہ فیزکی الزائد ان بلغ نصابا۔[1]	بندہ کے قرضدار پر قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

اُسی میں ہے:

فارغ عن دین له مطالب من جهة العباد سواء کان ﷲ تعالٰی کزکوٰۃ وخراج او للعبد[1] الخ۔	اس دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہے خواہ وُہ اللہ کے لیے ہو مثلاً زکوٰۃ و خراج یا بندے کے لیے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المطالب هنا السلطان تقدیرا لان الطلب له فی زکوٰۃ السوائم وکذا فی غیر ھالم یبطل حقه عن الاخذ[2] اھ ملخصًا وایضاحه فیه۔	یہاں مطالبہ کرنے والا سلطان کو تسلیم کیا جائیگا کیونکہ چار پایوں کی زکوٰۃ وہی طلب کرسکتا ہے اور اس طرح ان کے علاوہ میں اس کے لیے اخذ زکوٰۃ کا حق باطل نہیں ہوگا اھ ملخصًا اور اس کی وضاحت اس میں ہے (ت)

یونہی دو سو چالیس ۲۴۰ درہم شرعی کہ ایک نصاب کامل وایک خمس ہے (دو سو درم کی ۵۲-۱/۲ تولے چاندی ہوئی اور چالیس کی ۱۰-۱/۲ تولے) ان پر چھ ۶ درم شرعی زکوٰۃ کے واجب، اگر مالک جہلاً یا سہواً یا عمداً ہر سال پانچ درہم دیتا گیا عـــہ تو سال اوّل ایک درم زکوٰۃ کا اس پر دین رہا، دوسرے سال وُہ گویا دو سو انتالیس ۲۳۹ ہی درہم کی جمع رکھتا ہے کہ ایک درہم مشغول بہ دین ہے تو نصاب خمس کہ دو سو کے بعد چالیس کامل تھا جاتا رہا اور اس سال تمام صرف دو سو ۲۰۰ درہم کی زکوٰۃ یعنی پانچ ہی واجب ہُوئے،

پس وُہ جب تک ایک درہم مذکور ادا نہ کرے یا سال تمام پر اُس کی حاجت سے فارغ ایک درہم اور جمع نہ ہوجائے جب تک ایک درہم مذکور ادا نہ کرے یا سال تمام پر اُس کی زکوٰۃ کی تاخیر سے گنہگار ہوگا اور یہ گناہ اصرار کے بعد کبیرہ ہوجائے گا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اگر صورتِ مذکورہ میں فرض کیجئے کہ وُہ ہر سال ایک ہی درم دیتا رہا تو سالِ اوّل اس پر پانچ درم زکوٰۃ کے دین رہے، سالِ دوم میں گویا صرف دو سو پینتیس ۲۳۵ جمع ہیں اس سال وہی پانچ ہُوئے اور دیا ایک ہی، تو اب چار اور قرض ہو کر نو درم دین ہوگئے تیسرے سال تیرہ ۱۳، چوتھے سال ۱۷، یونہی ہر سال دینِ زکوٰۃ میں چار چار بڑھتے جائیں گے اور واجب وہی پانچ پانچ

عـــہ: یعنی اپنی آمدنی سے دیتا رہا اور جمع اُسی قدر قائم رہی نہ کم ہُوئی نہ زائد ۱۲ منہ (م)

1 درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۹

2 ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۵

ہوتے رہیں گے دو سو ۲۰۰ دو سوانتالیس ۲۳۹ تک پانچ ہی درم ہیں، جب سالِ دہم میں اکتالیس ۴۱ درہم دین ہوجائیں گے تو گیارھویں سال اس پر زکوٰۃ ہی نہ ہوگی کہ جمع صرف ایک سو ننانوے ۱۹۹ ٹھہریں گے کہ نصاب سے کم میں سالِ یازدہم بھی اگر اس نے ایک درہم حسبِ دستور دے دیا تو پھر پانچ درہم واجب ہوجائیں گے کہ اب دین میں صرف چالیس درہم رہے اور دو سو پورے جمع قرار پائے وعلی ہذاالقیاس۔ غرض سنین ماضیہ میں کم دینے والا اس نفیس حساب کو خوب سمجھ کر جتنا دین اس کے ذمّے نکلے فی الفور ادا کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

لو کان له نصاب حال علیه حولان ولم یزکیه فیهما لا زکوٰۃ علیه فی الحول الثانی ۔ اھ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی کے پاس ایک ہی نصاب ہے جس پر ۲ سال گزرے حالانکہ اس نے ان میں زکوٰۃ نہیں دی تو اب دوسرے سال اس پر زکوٰۃ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مولوی شفاعت اللہ صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ ہندہ عرصہ تین سال سے زیور طلائی ونقرئی کی حسبِ تفصیل ذیل اور نقد روپے کی عرصہ تین سال سے مالک ہے، اس کے علاوہ اثاث البیت ضروری خرچ کا بھی رکھتی ہے اور روپیہ مذکور میں سے چار روپے ماہوار عرصہ تین سال سے متواتر خرچ ہوتا رہا ہے اب مسماۃ مذکورہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتی ہے کس طرح سے ادا کرے، بیان فرمائیے، زیور طلائی ۴ تولے ۱۰ ماشے ۳ سُرخ، زیور نقرئی (معہ) نقد روپیہ (صمامہ)۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زیور ہر سال اتنا ہی رہا کم وبیش نہ ہُوا تو ہر سال جو سونے کا نرخ تھا اُس سے ۴ تولے ۶ ماشے ۳ سرخ کی قیمت لگا کر زیور نقرہ کے وزن میں شامل کی جائے گی اور ہر ساڑھے باون تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصّہ، پھر ہر ساڑھے دس تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصہ واجب آئے گا، اخیر میں جو ساڑھے دس تولے چاندی سے کم بچے معاف رہے گی، ہر دوسرے سال اگلے برسوں کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی آئی مال موجود میں سے اتنا کم ہو کر باقی پر زکوٰۃ آئے گی، تین سال سے یہ نقد روپیہ بھی بدستور حساب میں شامل کیا جائیگا اور ہر دوسرے سال جتنے روپے خرچ ہوگئے کم کرلئے جائیں گے۔ یُوں تین سال کا مجموعی حساب کرکے جس قدر زکوٰۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۵

فرض نکلی سب فوراً فوراً ادا کردینی ہوگی اور اب تک جو ادا میں تاخیر کی بہت زاری کے ساتھ اُس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سال تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے تین برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں وقت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نرخ لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹: از درؤ ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب دکاندار ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ پُورا نصاب کتنا ہوتا ہے جیسا کہ علمی خطبہ کے اندر تحریر کرچکے ہیں وُہ ٹھیک ہے اُن کا قول یہ ہے کہ ساڑھے سات تولے سونا ہو یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو، دونوں میں سے ایک چیز ہو وُہ اہلِ زکوٰۃ اہلِ نصاب ہوگیا علمائے دین کو غور کرنا چاہئے کہ ساڑھے باون تولے چاندی ہے اور گھر میں چار چھ آدمی کھانے والے اور خرچ کرنے والے ہیں تو وُہ شخص اہلِ نصاب اہلِ زکوٰۃ ہوگیا، دوسری گزارش یہ ہے کہ مالابدمنہ میں لکھا ہوا ہے کہ کارروائی سے زیادہ ہو سال بھر اُس پر گزر جائے، یعنی حاجت سے زائد ہو تو جس قدر ایک شخص کے پاس پچاس روپے کا کپڑا تجارت کا ہے اور اس سے اس کی اوقات بسری ہوتی ہے ساٹھ روپیہ کا زیور ہر وقت کے پہننے کا ہے اور اسّی روپے اس کے پاس نقد ہیں اور گھر میں کھانے کو کل ایک مہینے کا ہے اور پچانوے روپے مہر عورت کا ہے یعنی قرضدار ہے وہ مال نصاب کا ہوگیا یا نہیں، حضور! ہم لوگوں کا آپ پر یقین کامل ہے جب تک کوئی حکم حضور کے یہاں سے نہ ملے گا ہم کچھ نہیں کرسکتے اور ایک تحریر پیشتر حضور کی خدمت میں روانہ کرچکا ہوں اس کا کوئی جواب نہیں ملا، حضور کو غور کرنا چاہئے، یہاں پر حضور مولوی کبھی کچھ فرماتے ہیں کبھی کچھ۔ شرع کے اندر رخنہ بازی ہے ہم لوگوں کا یقین آپ پر ہے آپ جیسا لکھیں گے ویسا ہم مانیں گے آپ کے خلاف نہیں کرسکتے، ایک مسئلہ کو چار جگہ دریافت کرو علیحدہ علیحدہ راہ ہوگی اس کی کیا وجہ ہے، رائے کا اتفاق کیوں نہیں ہے ہم لوگوں کو بہت پریشانی ہوتی ہے کوئی مطلب ٹھیک نہیں ہم لوگوں پر عنایت فرمائیے اور دلی مراد پوری کیجئے۔

الجواب:

فی الواقع سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے ان میں سے جو اُس کے پاس ہو اور سال پُورا اس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اُس پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ پہننے کا زیور ہو زیور پہننا کوئی حاجت اصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعت مطہرہ نے پہلے ہی فرمالیا، سال بھر کے کھانے پینے پہننے تمام مصارف سے جو بچا اور سال بھر رہا اُسی کا تو چالیسواں حصّہ فرض ہوا ہے اور وہ بھی اس لیے کہ تمھیں آخرت میں بھی عذاب سے نجات ملے جس سے آدمی تمام جہان دے کر چھوٹنے کو غنیمت سمجھے اور دُنیا میں تمھارے مال میں ترقی ہو برکت ہو یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ سے مال گھٹے گا نرا ضعفِ ایمان ہے۔ مولٰی تعالٰی قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے کہ وُہ زکوٰۃ کو ترقی و افزونی دیتا رہے جسے وہ بڑھائے وہ کیونکر گھٹ سکتا ہے، یہ

خیال کہ اس وقت سو روپیہ سے ڈھائی روپے حکم ماننے میں اُٹھا دیں گے تو آئندہ بال بچّے کیا کھائیں گے، محض شیطانی وسوسہ ہے۔ زکوۃ سے اگر برکت بھی ملتی تو ڈھائی روپیہ سَو میں سے کم ہو جاتا رزق نہ چھینتا، آئندہ سال اگر مال بڑھ گیا کہ سال بھر کا بال بچّوں سب کا خرچ ہُوا وُہ روپیہ بدستور رکھے رہے جب تو اس وسوسہ کا جھوٹ ہونا علانیہ ظاہر ہو جائے گا اور اگر اُن میں سے کھانے پینے کی حاجت پڑی یہاں تک کہ نصاب سے کم رہ گیا تو اب آپ سے کوئی زکوۃ نہ مانگے گا مگر بال بچّوں کی فکر اگلے سال کے لیے کیا ہوگی، وُہ جو جمع تھے کھانے پینے میں اٹھ گئے اور اب زکوۃ بھی نہیں جس کے سر الزام دھرو، آگے کیونکر جیوگے، ایسی کمزوریاں شیطان سکھاتا ہے، عورت کا مہر جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوتا ہے اور عمر بھر ادا کا خیال تک نہیں آتا اُسے زکوۃ نہ دینے کا حیلہ نہ بنانا چاہئے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۴۴ برس ہوئے جو میں ۱۳ تولے ۶ ماشے سونے اور ۸۰ بھر چاندی کی مالک ہُوئی، چاندی نو دس برس تک بدستور رہی، گیارھویں سال خرچ ہو گئی، اور سونا دو ۲ برس تک اُسی قدر رہ کر تیسرے سال پانچ تولہ خرچ ہو گیا کہ سال تمام میں صرف ۸ تولے ۶ ماشے تھا پانچویں سال ڈھائی تولہ اور خرچ ہوا کہ سال تمام میں صرف ۶ تولہ تھا اور وہی بیالیس برس تک رہا، پھر وُہ بھی اپنے دختر کو ہبہ کر دیا، جن برسوں تک وُہ چاندی میرے پاس تھی بلکہ اُس کے بعد بھی سونے کا بھاؤ (۱۶؍) تولہ رہا اور چاندی روپیہ کی روپیہ بھر، اس صورت میں مجھ پر زکوۃ کس قدر واجب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ظاہر ہے کہ:

سالِ اوّل میں سونا بقدرِ نصاب بلکہ زائد ہُوا اور چاندی نصاب تک بھی نہ پہنچی تو اُسی کے سونے سے قیمتاً ضم کریں گے اُس وقت کے نرخ سے ۸۰؍ کا ۳ ماشہ ۴ سرخ سونا ہُوا تو گویا اُس سال ۱۶ تولے، ۷ ماشہ ۴ سرخ سونا تھا جس میں ۱۵ تولے دو نصاب کامل ہیں اُن پر واجب ۴ ماشہ ۴ سرخ سونا اور ڈیڑھ تولہ نصاب خمس ہے جس پر واجب ۳-۳/۵ سرخ، کل واجب ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ، باقی ایک ماشہ ۴ سرخ عفو رہا۔

سالِ دوم بعد اخراج دین زکوۃ گویا ۱۶ تولے ۲ ماشہ ۷-۲/۵ سرخ سونا تھا جس میں دو ۲ نصاب کامل کا واجب ۴ ماشہ ۴ سُرخ، باقی ایک تولہ ۲ ماشہ ۴-۱/۵ سُرخ عفو، مجموع واجبین ۹ ماشہ ۳-۳/۵ سرخ۔

سال سوم صرف ۸ تولے ۶ ماشے سونا تھا بعد ضم فضّہ ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ ہوا اس سے مجموع واجبین منہا کیا تو ۱۰ تولے ۱۰ ماشے ۲/۵ سرخ سونا بچا کہ ایک نصاب کامل ہے واجب ۲ ماشہ ۲ سرخ، اور دو نصاب خمس واجب ۷-۱/۵ سرخ، کل واجب ۳ ماشہ ۱-۱/۵ سرخ، باقی ۱۰ تولے سے جو زائد تھا عفو ہوا۔ کل واجبات ایک تولہ ۴-۴/۵ سرخ۔

سال چہارم بھی اُتنا ہی سونا یعنی ۱۱ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ تھا بعد اخراج واجبات ۱۰ تولے ۶ ماشہ ۵/۱ سرخ بچا کہ اس پر بھی وہی نصاب کامل و دو ۲ نصاب خمس کا ۳ ماشہ ۱-۵/۱ سرخ واجب ہوا، زیادہ کی رتیاں عفو ہیں، کل واجبات ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ سرخ۔

سال پنجم صرف ۶ تولے سونا تھا کہ بعد اخراج واجبات ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ رہا، یہ بھی نصاب نہیں اور اُدھر چاندی بھی نصاب نہیں، اب اگر سونے کو چاندی کرتے ہیں تو اس کی قیمت ہو کر ماعہ کی چاندی ٹھہرتی ہے جس میں دو ۲ نصاب کامل ماعہ، ایک نصابِ خمس لعہ/ ۳/ ۲-۵/۲ پائی، کل ماعہ/ ۲ - ۵/۲ پائی، باقی ۱۲ عہ /۹- ۵/۳ عفو، اور اگر چاندی کو سونا کرتے تو کا ۳ تولے ۱ ماشہ ۴ سرخ سونا مل کر کل سونا ۷ تولہ ۹ ماشہ ۶ سرخ قرار پاتا ہے جس میں صرف ایک نصاب کامل، باقی ۳ ماشے ۶ سرخ سونا معاف رہے گا۔ ظاہر ہے کہ عصہ اُس عفو سے کہیں زیادہ ہے تو اس صورت میں نفعِ فقراء چاندی ہی کرنے میں ہے لہٰذا وہی کریں گے اور ۲ تولہ ۱۰ ماشہ ۵-۵/۱ سرخ چاندی واجب مانیں گے۔

سالِ ششم سونا وہی ۴ تولہ ۸ ماشہ ۲ سرخ ہے مگر چاندی بوجہ دین سال پنجم گھٹ گئی کی چاندی کا وزن ۴۶ تولے ۱۰ ماشے ۴ سرخ ہے جس سے واجب سالِ پنجم گھٹا کر ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ چاندی بچی۔ کُل کو چاندی کرتے ہیں تو سونے کے روپیہ کے ۷۰ تولے ۳ ماشے ۶ سرخ چاندی مل کر کُل چاندی ۱۱۴ تولے ۳ ماشے ۴- ۵/۴ سرخ ہوتی ہے جس میں ۱۰۵ تولے کے صرف دو ۲ نصاب کامل، باقی ۹ تولے ۳ ماشے ۴- ۵/۴ سرخ عفو رہے گی، اور کل کو سونا کرتے ہیں تو ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ چاندی کا سونا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۱- ۲۵/۱۳ سرخ ملا کر کل سونا ۷ تولے ۷ ماشے ۳- ۲۵/۱۳ سرخ ہوا جس میں ۷-۲/۱ تولے نصاب کامل اور صرف ایک ماشہ ۳- ۲۵/۱۳ سرخ عفو بچا، پُر ظاہر ہے کہ یہ عفو عفوِ سیم سے بہت کم ہے لہٰذا اس سال سونا ہی کریں گے اور ۲ ماشہ ۲ سرخ طلا واجب مانیں گے، کل واجباتِ ذہب ایک تولہ ۶ ماشہ، فضّہ ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ۔

سال ہفتم چاندی تو وہی ۴۳ تولے ۱۱ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ رہی مگر سونا صرف ۴ تولے ۶ ماشے رہا کہ واجب سال ششم نکل گیا جس کا ۶۷ تولے ۶ ماشے چاندی کرنے میں کل فضّہ ۱۱۱ تولے ۵ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ جس میں وہی دو ۲ نصاب کامل نکل کر ۶ تولے ۵ ماشے ۶- ۵/۴ سرخ عفو ہوگی، اور سونا کرنے میں کل ذہب ۷ تولے ۵ ماشے ۱- ۲۵/۱۳ سرخ ہوتا ہے کہ نصاب سے بھی گھٹ کر سب عفو ہوا جاتا ہے، لہٰذا اس سال سب چاندی ہی کریں گے اور وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ سیم واجب مانیں گے، اب کل واجباتِ ذہب وہی ایک تولہ ۶ ماشہ، اور فضّہ ۵ تولے ۹ ماشے ۲- ۵/۲ سرخ۔

سال ہشتم سونا وہی ۴ تولے ۶ ماشے، اور چاندی ۴۱ تولے ایک ماشہ ۱- ۵/۳ سرخ رہی کہ واجب سال ہفتم

خارج ہو گیا، ظاہر ہے کہ اب کبھی سونا نہیں کر سکتے کہ جب سال ہفتم چاندی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ اس سے زائد تھی وہ اس سونے میں مل کر تو نصاب ذہب نہ بناتی تھی اب اتنی گھٹ کر کس طرح نصاب بنا سکے گی، لہٰذا اس سونے کے وہی ۷۶ تولے ۶ ماشے چاندی ملا کر کل چاندی ۱۰۸ تولے ۷ ماشے ۱-۵/۳ سرخ مانی، اس میں بھی ۱۰۵ تولے پر وہی ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۵/۱ سرخ سیم واجب ہوئی، باقی معاف، وہی کل واجبات ذہب ایک تولہ ۶ ماشے، فضہ ۸ تولے ۷ ماشے ۷-۵/۳ سرخ۔

سال نہم واجب سالِ ہشتم گھٹ کر مع سیم ذہب کُل چاندی ۱۰۵ تولے ۸ ماشے ۴-۵/۲ سرخ بچی جس پر تولوں کے ۷ تولے کی کسریں عفو ہو کر واجب مذکور لازم آیا، کل واجباتِ ذہب بدستور فضہ ۱۱ تولے ۶ ماشے ۴-۵/۴ سرخ۔

سال دہم واجب سالِ نہم گھٹ کر کل چاندی ۱۰۲ تولے ۹ ماشے ۷-۵/۱ سرخ بچی، اب دوسرا نصاب کامل نہ رہا بلکہ صرف ایک نصاب کامل اور چار نصاب خمس ہیں جب پر واجب ۲ تولے ۷ ماشے ۴ سرخ، کل واجباتِ ذہب بدستور۔ فضہ ۱۴ تولے ۲ ماشے ۵/۴ سرخ۔

سال یازدہم میں چاندی نہ رہی اور سونا کہ باقی رہا قابلِ نصاب نہیں لہٰذا دس سال کے بعد آج تک کچھ واجب نہ ہُوا اور کل مطالبہ سونا ڈیڑھ تولہ، چاندی ۱۴ تولے ۲ ماشے ۵/۴ سرخ لازم آیا۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری و دیگر سکانِ مفتی گنج ۷ ۲ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

زید کی بیوی ہندہ صاحبِ نصاب ہے اور مال از قسم زیورات ہے جو خاص ہندہ کی ملکیت ہے یعنی وُہ اپنے میکے سے لائی ہے زید اس کو ہدایت ادائے زکوٰۃ کی کرتا ہے مگر اس کی سمع قبول میں نہیں آتی ہے تو یہ فرمائیے کہ شوہر سے اُس کے عصیاں پر مواخذہ ہے یا نہیں اور اس کی طرف سے درانحالیکہ اس کی آمدنی وجہ کفاف سے بیش نہیں، ادائے زکوٰۃ کا مکلّف شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں اور اُس عورت پر زجر اور فہمائش کی ضرورت ہو تو کس حد تک، اور اگر زید نے اپنے روپیہ سے کچھ زیور بنوا کر ہندہ کو دیا ہو تو اس زیور پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

زیور کہ ملک زن ہے اس کی زکوٰۃ ذمہ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اس کے دینے کا اس پر کچھ وبال لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔ت)

[1] القرآن ۶/۱۶۴

اس پر تفہیم و ہدایت اور بقدر مناسب تنبیہ و تاکید (جس کی حالت اختلاف حالات مرد وزن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا[1] (اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ت) اور وُہ زیور کہ عورت کو دیا اور اس کی مِلک کر دیا اُس پر بھی یہی حکم ہے، اور اگر مِلک نہ کیا بلکہ اپنی ہی مِلک میں رکھا اور عورت کو صرف پہننے کو دیا تو بیشک اس کی زکوٰۃ مرد کے ذمّہ ہے جبکہ خود دیا یا دوسرے مال سے مل کر قدر نصاب فاضل عن الحاجۃ الاصلیہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: مرسلہ عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجۃ ۱۳۲۱ھ

ایک شخص نے ایک ہزار روپے کسی روزکار میں لگائے، بعد سال ختم ہونے کے اُس کے پاس مال دوسو ۲۰۰ روپیہ کا رہا اور قرض میں پانچ سو روپیہ رہا اور نقد چار سو روپیہ مع منافع ایک سو رہا، آیا کُل گیارہ سو روپیہ کی زکوٰۃ نکالی جائے یا کس قدر کی؟

الجواب سالِ تمام پر کُل گیارہ سو کی زکوٰۃ واجب ہے مگر چار سو نقد اور دو سو کا مال، ان کی زکوٰۃ فی الحال واجب الادا ہے اور پانچسو کہ قرض میں پھیلا ہُوا ہے جب اس میں سے بقدر گیارہ روپے تین آنے ۲-۵/۲ پائی کے وصول ہوتا جائے اُس کا چالیسواں حصّہ ادا کرتا ہے اور اگر فی الحال سب کی زکوٰۃ دے دے تو آئندہ کے بار بار محاسبہ سے نجات ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از شہر مسؤلہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۱۸ ذی الحجۃ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حساب قیمت کا جس وقت زیور بنوایا تھا وہ رہے گا یا نرخ بازار جو بروقت دینے زکوٰۃ کے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں، وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا، ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقت ادا کا، اگر ادا سال تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالک نصاب ہُوا تھا وہ ماہ عربی و تاریخ وقت جب عود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت نرخ لیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۶۶/۶

مسئلہ ۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید کے پاس تخمیناً ۵۲ تولے حبہ ماشہ زیور طلائی موجود ہے اور علاوہ اس کے تخمیناً ۱۵ تولے زیور نقرئی و ۲ تولے زیور طلائی بالعوض مبلغ ؎ روپیہ کی رہن ہے اور ؎ روپے نقد بھی موجود ہیں اور مالِ تجارت میں کہ جو فروخت سے باقی رہ گیا ہے وہ تخمیناً ما ۱۴۶ ؎ ۲ اکا ہے تو اس میں زکوٰۃ کس طور سے ادا کی جائے گی۔

الجواب:

اتنا زیور رہن ہے، اس کے دو۲ معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اتنا زیور دوسرے شخص کا اس کے پاس پر رہن ہے، دوسرے یہ کہ اتنا اس کو دوسرے کے پاس پر رہن ہے، پہلی صورت میں وُہ زیور اس کا نہیں اس کی زکوٰۃ اس پر نہیں ہوسکتی، بلکہ اُس چھپن ۵۶ پر زکوٰۃ ہوگی جو اس نے اس راہن کو قرض دئے ہیں اور اس تقدیر پر اس کے پاس مال زکوٰۃ یہ ہوا دو ماشے سونا ۵۲ چاندی اور ؎ روپیہ اور ؎ ۱۲ اکا مالِ تجارت ۲ ماشے سونا ہونے کا نصاب نہیں اسے بھی چاندی میں شامل کیا جائے گا، اگر للعہ تولے کا ہے تو چار روپے اس کے پڑیں گے اور ۵۲ تولے ۶ ماشے وزن کے ؎ ہوئے تو کل مال ۲۷ ؎ ۱۲ بھر چاندی ہوا، جس میں چار نصاب کامل ماللعہ ہیں اور چار خمس نصاب للعہ للعہ ۱۲ ۹ - ۵/۳ پائی اُس پر واجب ۶ تولے ۳ ماشے ۴- ۵/۴ رتی چاندی ہوئی باقی عفو ہے، دوسری صورت میں وُہ زیور اُسی کا ہے مگر اس کی زکوٰۃ اس پر واجب نہیں جب تک وُہ قبضہ مرتہن میں رہے، اس تقدیر پر فی الحال اس کے پاس مال زکوٰۃ یہ ہوا دو ۲ ماشے سونا ۵۲ تولے اور چھ ۶ ماشہ چاندی اور ما ؎ ۱۲ نقد و مال تجارت جس میں سے ؎ دین کے نکل کر ایک سو روپیہ بارہ ۱۲ آنے رہے، سونا چار روپے کا ہو تو کُل ما ؎ ۱۲ ہوئے جس میں دو۲ نصاب کامل ما ؎ ہیں اور چار خمس نصاب للعہ للعہ ۵/۳ پائی، اُس پر واجب ۳ تولے ۸ ماشے ۵/۴ رتی چاندی ہُوئی باقی عفو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے زکوٰۃ کے واسطے چاندی کا نصاب کس قدر روپیہ یا کس قدر وزن ہے اور ایسے ہی سونے کا کس قدر ہے؟ رانی کھیت میں چند دنوں سے ایک عالم واعظ وارد ہیں، انہوں نے وعظ میں فرمایا کہ پانچ کم دو سو پر زکوٰۃ فرض نہیں، جس وقت دو سو روپے ہوجائیں اور ایک سال اُن پر گزر جائے اس وقت زکوٰۃ دینا فرض ہوگی اور روپیہ رائج الوقت گورنمنٹ انگلشیہ کا، جس کا وزن سوا گیارہ ماشے ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق اور صواب کی ہدایت عطافرما۔ ت) چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے جس کے سکّہ رائجہ سے چھپن ۵۶ روپے ہوئے، اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے۔

درمختار میں ہے:

نصاب الذہب عشرون مثقال والفضة مائتا درھم کل عشرة دراھم وزن سبعة مثاقیل۔[1]	سونے کا نصاب بیس ۲۰ مثقال اور چاندی کا دو سو درہم جن سے ہر دس ۱۰ درہم کا وزن سات مثقال ہوسکے (ت)

ثقال ساڑھے چار ماشے ہے تو درہم کہ اس کا ۷/۱۰ ہے تین ماشے ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوا۔ کشف الغطاء میں ہے:

مثقال بیست قیراط وقیراط ایك حبه و چهار خمس حبه وحبه که آنرا بفارسی سرخ گویند هشتم حصّه ماشه است پس مثقال چهار و نیم ماشه باشد۔[2]	مثقال بیس قیراط، اور قیراط ایک رتی اور رتی کے خمس کی چوتھائی ہوتا ہے، رتی جسے فارسی میں سرخ کہا جاتا ہے ماشہ کا آٹھواں حصہ ہوتا ہے، تو ایک مثقال ساڑھے چار ماشے کا ہوگا۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

الدرھم الشرعی خمس و عشرون حبة و خمس حبّة۔[3]	یعنی درہم شرعی پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہے۔

اب حساب سے واضح ہوسکتا ہے کہ دوسو درم نصاب فضہ کے ۵۲ تولے ۶ ماشے اور بیس مثقال، نصاب ذہب کے ۷ تولے ۶ ماشے ہوئے اور یہاں کا روپیہ کہ ۱۱ ماشہ ہے اس سے ۵۶ روپے دوسو درہم کے برابر ہوئے، یہی وزن معین متون مذہب و عامہ شروح وفتاوٰی میں ہے، ردالمحتار میں فرمایا:

علیه الجم الغفیرو الجمھور الکثیر و اطباق کتب المتقدمین والمتاخرین۔[4]	جم غفیر اور جمہور اسی پر ہیں اور کتب متقدمین و متاخرین کا اسی پر اتفاق ہے۔ (ت)

تو اس کے خلاف پر عمل جائز نہیں، عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے: العمل بما علیه الاکثر[5] (عمل اسی پر ہوگا

---

1 درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

2 کشف الغطاء فصل دراحکام دعاء وصدقہ مطبع احمدی دھلی ص ۶۸

3 جواہر الاخلاطی کتاب الزکوٰۃ غیر مطبوعہ قلمی نسخہ ص ۴۴

4 ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/۳۲

5 ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۶

جس پر اکثریت ہو۔ت) فقیر نے اپنے تعلیقات حاشیہ شامی میں لکھا:

اقول: ویظھر للعبد الضعیف انه الا وجه فان الشرع المطھر انما اعتبر النصاب تحدیدا لغنی یوجب الزکوٰۃ والغنی با لمالیة النامیة دون العدد فمن ملك مائة ساوت مائتی درھم فقد ساوی الغنی الشرعی فی الموجب ارأیت لو تعورف فی بلد درھم یساوی فی الوزن مائتی درھم ولم یوجب علیه الابعد مایملك مائتین من ھذا کان حاصله ان من ملك فی العرب مثلاً ھذا القدر من الفضة کان غنیاقد انعقد علیه النصاب ومن ملك فی ذلك البلد قریبا من مائتی امثال تلك الفضة یکون فقیرًا لا یخاطب بالزکوٰۃ بل یحل له اخذ الزکوٰۃ فیؤل الی ان من ملك قدر ربیة یا مره الشرع بان یعطی من ربیته لمن یملك مائتی ربیة الاواحدۃ مسد الخلته، فانه لقلة ماله فقیر وھذا غنی، ھذا مما لا یقبله العقل فافھم، واللّٰہ تعالٰی اعلم اھ[1] ما کتبته۔	**اقول:** اس عبدِ ضعیف پر واضح ہوا ہے کہ یہی مختار ہے کیونکہ شریعتِ مطہرہ نے غنا کی حد بندی کرتے ہوئے ایسے نصاب کا اعتبار کیا ہے جو زکوٰۃ کے وجوب کا سبب ہو اور غنا مالیتِ نامیہ کی وجہ سے ہے نہ کہ تعداد کی وجہ سے، پس جو شخص ایسے سَو کا مالک ہوا جو دو سو درہم کے برابر ہے تو وہ موجب میں غنائے شرعی کے برابر ٹھہرا۔ بتایئے اگر کسی شہر میں ایک ایسا درہم رواج پائے جس کا وزن دو سو درہم کے برابر ہو، تو کیا اس پر زکوٰۃ صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب وہ اس درہم جیسے دو سو درہم کا مالک بنے، تو حاصل یہ ہوگا کہ کوئی عرب دو سو درہم کے برابر چاندی کا مالک بن جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جائے کیونکہ وہ نصاب کا مالک ہو کر غنی ہوگیا، اور جو شخص اس بھاری درہم والے شہر میں اس چاندی کے دو سو گنا کے قریب کا مالک بنے وُہ فقیر رہے اور نصاب کا مالک نہ ہونے پر زکوٰۃ لے سکے، تو گویا عدد کے اعتبار سے بات یُوں ہُوئی کہ جو شخص ایک روپے کی مقدار کا مالک ہوا سے شریعت حکم دے رہی ہے کہ وُہ اپنے ایک روپے سے اس شخص کو زکوٰۃ دے جو ایک کم دو سو روپے کا مالک ہے تاکہ اس کی حاجت پُوری ہوسکے کیونکہ یہ قلّتِ مال کی وجہ سے فقیر ہے اور ایک روپے والا غنی ہے، اور یہ ایسی چیز ہے جسے عقل قبول نہیں کرتی، غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶/ ۲۷: از اٹاوہ کچہری کلکٹری مرسلہ مولوی وصی علی صاحب ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھاتین المسألتین (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے ان دو مسئلوں میں

[1] جد الممتار باب زکوٰۃ المال مطبع مبارکپور (بھارت) ۱۲۸/

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت):

(۱) زید اس وقت ۸ تولے ٦ ماشے زیور طلائی اور ۹۷ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے۔

(۲) عمرو سَو تولے چھ ماشے زیور طلائی اور ۲۵۱ تولے ۳ ماشے زیور نقرئی کا مالک ہے، دونوں کو کس قدر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے۔

المستفتی عبدالودود

بموجب ضوابط مندرجہ تحفہ حنفیہّ میں نے اس کو یُوں نکالا ہے: (۱) ۸ تولے ٦ ماشے جس میں سے ۷-۱/۲ تولے نصاب سونے کے بعد خمس ڈیڑھ تولہ تک نہیں پہنچا لہذا دو ماشے ۲ رتی واجب الاداز کوۃ ہُوئی اور ایک تولہ عفو ہوا، ۹۷ تولے ٦ ماشے میں ایک نصاب چاندی ۵۲ تولے اور ۲ خمس ۲۱ تولے، کل ۷۳ تولے پر ایک تولہ ۱۰ ماشے ۲/۵ رتی واجب الادا اور ٦ تولے چاندی عفو ہوئی۔ اب دونوں عفو بلحاظ انفع للفقراء ایک تولہ سونے کی ۷۳ تولے ٦ ماشے چاندی اس طرح ہُوئی کہ ایک تولہ سونا بحساب نرخ حال برابر ہے روپے کے اور کی چاندی ۰٦۔۔۔۔۔ چاندی میں ٦ تولے چاندی جو عفو تھی شامل کی گئی تو ۱۴ تولے ٦ ماشے ہُوئی جس میں ٦ ماشے کم چار خمس ہیں:

(۱) پُورے چار خمس کا ربع عشر ۲ ماشے ۴-۴/۵ سُرخ لیے جو ایک تولہ ۱۰ ماشے ۴/۵ واجب پر بڑھائے تو ۲ تولے ۱۰ ماشے ۵-۱/۵ سرخ واجب الادا ہُوا۔

(ب) اگر تین نصاب خمس ۳۱-۱/۲ تولہ اضافہ کیا جائے تو ۹ ماشے ۳-۳/۱۵ اضافہ ہوا اور دس ۱۰ تولے پھر فاضل ہوگا اور ۲ تولے ۷ ماشے ۴ رتی واجب ہوگا، اگر یہ حساب صحیح ہے تو کون سا اختیار کیا جائے، الف یا ب؟

(۲) عمرو والے معاملہ اسی طریقہ سے ۱٦-۱/۲ تولہ سونے میں ۲ نصاب ۱۵ تولے اور ایک خمس ۱-۱/۲ تولہ ہے تو دو ۲ نصاب کے ۴ ماشے ۴ سُرخ اور خمس کا ۳-۳/۵، کل ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اور عفو کچھ نہیں، اور ۲۵۱ تولے ۳ ماشے چاندی میں ۴ نصاب ۲۱۰ تولے اور تین خمس ۳۱-۱/۲ تولے مجرا ہو کر ۹ تولے ۹ ماشے عفو رہتا ہے اور ۴ نصاب کے ۵ تولے ۳ ماشے اور تین خمس کا ربع عشر ۹ ماشے ۳-۳/۵ سرخ ہمگیں ٦۰ تولے ۳-۳/۵ سرخ واجب الادا ہوتا ہے اب ایک جانب عفو نہیں اور دوسری جانب ہے اس صورت میں ۹ تولے ۹ ماشے عفو کو چھوڑ دیا جائے یا اس کو سونا کیا جائے، اگر سونا کیا جائے تو اس کے خمس کا ربع عشر لے کر ۴ ماشے ۷-۳/۵ سرخ اضافہ کیا جائے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوۃ عمرو کا حساب صحیح ہے مگر ۹ تولے ۹ ماشے چاندی جبکہ سونا کرنے سے ۱-۱/۲ تولہ سونے کی قدر نہ ہو تو اُسے

نصاب ذہب میں ملانے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ صورتِ مذکورہ میں وُہ مطلقاً عفو رہے گی، ہاں اگر اپنی صنعت کی وجہ سے اُس مقدار تک پہنچ جائے یا بڑھ جائے تو جتنے خمس نصابِ ذہب اس میں پیدا ہوں گے اُن کا ربع عشر زکوۃِ ذہب پر زیادہ کرلیا جائے گا باقی جو خمس کامل سے کم رہا چھوڑا دیا جائے گا، حسابِ زکوۃِ زید میں تین سہو واقع ہوئے:

(۱) تولہ بھر سونا کہ اپنی نوع میں عفو تھا جبکہ نرخ حال سے پچیس روپے کا ہے تو اُسے پچیس ہی روپیہ بھر چاندی قرار دیں گے جس کی تیئیس ۲۳ تولے پانچ ماشے دو ۲ رتی چاندی ہوئی کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے نہ یہ کہ تولہ بھر سونے کی قیمت روپیہ لے کر پھر ان روپے کی چاندی خریدیں اور ۳۷ تولے چاندی قرار دیں سکّہ ہی سے لگائی جاتی ہے نہ کہ پتّھر یا اینٹ سے۔ فتح القدیر میں ہے:

التقویم فی حق اللہ تعالٰی یعتبر بالتقویم فی حق العباد متی قومنا المغضوب اوالمستھلك نقوم بالنقد الغالب کذاھذا۔[1]	اللہ تعالٰی کے حق میں قیمت لگانے کا اعتبار اسی طرح ہوگا جو بندوں کے حق میں مفید ہو جب ہم کسی مغضوب یا ہلاک شدہ چیز کی قیمت لگائیں گے نقد غالب سے لگائیں گے، اسی طرح یہ ہے۔ (ت)

فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

یقوم بالمضروبۃ کذافی التبیین۔[2]	مضروبہ سے قیمت لگائی جائے گی، جیسا کہ تبیین میں ہے۔ (ت)

پس مقدار مذکور ۶ تولے عفو سیم میں ملانے سے ۲۹ تولے ۵ ماشے ۲ رتی چاندی ہوئی جس میں صرف ۲ خمس ہیں جن پر ۶ ماشے ۲-۵/۲ سرخ اور واجب ہو کر کل واجب ذمہ زید سونا ۲ ماشے ۲ سرخ، چاندی ۲ تولے ۴ ماشے ۲-۵/۴ سرخ۔

(۲) ۲۵ روپوں کے پھر ۳۷ تولے چاندی اگر کی جائے تو ۶ تولے عفو سے مل کر ۴۳ تولے ہوتی نہ کہ ۴۱، یہ لغزش قلم تھی۔

(۳) اگر بالفرض ۳۷ تولے اور ملاتے اور حاصل جمع ۴۱ ہی تولے ہوتا حساب ب متعین تھا الف کی طرف کوئی راہ نہ تھی جو خمس سے چاول بھر بھی کم ہے وہ خمس کامل ہر گز نہ مانا جائے گا، یہ ہمیشہ یاد رکھا جائے اور فائدہ اولٰے خوب سمجھ لیا جائے کہ فقیر کا ضابطہ جو تحفہ حنفیّہ میں چھپا اس میں اس کی صاف تصریح کی گئی تھی اس کا جاننا اس کے

[1] فتح القدیر فصل فی العروض مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۷۹

ضوابط کے اجراء پر معین ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱/۲۸: از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زکوۃ زیور طلائی و نقرئی پر کس حساب سے دی جائے، آیا قیمتِ خرید پر یا جو قیمت اس کی خرید کرنے سے ملتی ہے؟

(۲) زرِ نقد پر زکوۃ ۸ سیکڑہ ہے یا اس سے کم و بیش؟

(۳) زکوۃ کن کن اشیاء پر واجب ہے؟ (۴) صدقہ فطر و زکوۃ والدین کی جانب سے اولاد اور اولاد کی جانب سے والدین جبکہ خور دونوش یک جا ہو دے سکتے ہیں؟

الجواب:

(۱) سال تمام پر بازار کے بھاؤ سے جو قیمت ہو اس کا لحاظ ہوگا، اگر مختلف جنس سے زکوۃ دینا چاہیں مثلاً سونے کی زکوۃ میں چاندی، ورنہ سونے چاندی کی خود اپنی جنس سے زکوۃ دیں تو وزن کا اعتبار ہے قیمت کا کچھ لحاظ نہیں۔

(۲) صاحبین کا یہی مذہب ہے اور اس میں فقیر کا نفع زیادہ ہے اور دینے والے کو بھی حساب کی آسانی ہے۔

(۳) سونا چاندی اور مالِ تجارت اور چرائی پر چھوٹے ہوئے جانور۔

(۴) خورد و نوش یکجا ہو یا ان میں دوسرے کی طرف سے کوئی فرض و واجب مالی ادا کرنے کے لیے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ فطر یا اس کی زکوۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کردی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہُوئی تو ادا نہ ہوگی **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۲: ایک شخص کے پاس گیارہ تولے سونا اور دوسیر چاندی ہے تو اس کو کس قدر زکوۃ دینا چاہئے، یعنی ان دونوں کی مقدار تحریر فرمائیے کہ اس قدر سونے کی زکوۃ کے روپے ہوئے اور اس قدر چاندی کی زکوۃ کے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک بات لکھئے، چاندی کا ٹھیک وزن کتنا ہے صاحبین علیہما الرضوان کے مذہب پر تو حساب سب اتنا ہے تین ماشے دو رتی ۳-۱/۵ چاول بھر سونا اور پانچ روپے بھر چاندی دے۔ اگر امام اعظم علیہم الرضوان کے مذہب

پر چاہیں جس دن سال تمام ہوا اُس دن وُہ سونا اور چاندی جو اس کے پاس ہیں بازار کے بھاؤ میں کس نرخ کے تھے اس کے معلوم ہونے پر حساب موقوف ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۳: مسئولہ سید ایّوب علی صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور کا سگر

زید بشوقِ زیارت حرمین طیبین کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے، اس طرح پر اب وہ صاحب نصاب عرصہ ڈیڑھ سال سے ہوگیا تو اس کو صدقہ فطر و زکوۃ قربانی عید الاضحیٰ کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس پر زکوۃ فرض ہے اور صدقہ قربانی واجب۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۴: از خواجہ قطب ۲۷ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۲۱ھ : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس انیس اشرفیاں جے پوری وزنی ۱۷ تولہ ۵ ماشہ اور چار اشرفیاں انگریزی وزنی ۳ تولہ ۹ ماشہ جملہ ۲۳ اشرفیاں وزنی ۲۱ تولہ ۲ ماشے ہیں اور پچیس سال سے اُس نے زکوۃ نہ دی اور ان کے سوا کوئی مالِ زکوۃ نہ اس کے پاس تھا، نہ ہے، تو اس صورت میں اس پر کس قدر زکوۃ واجب ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

۹ تولے ۷ ماشے ایک رتی چاول سونا اور ایک چاول کے چار خمس ۴/۵، تفصیل یہ ہے کہ نصاب ذہب ۷ تولے ض ۶ ماشے ہے، واجب ۲ ماشے ۲ سرخ، اور خمس نصاب ایک تولہ ۶ ماشے واجب ۳-۳/۵ سرخ خمس نصاب سے زائد بچے معاف ہے، ہر سال گزشتہ کی زکوۃ سال آئندہ دین ہو کر اس قدر مال کم ہوتا جائیگا یہاں تک کہ اگر دیون زکوۃ جمع ہوتے ہوتے باقی مال نصاب سے کم رہ جائے تو اب کچھ تازہ واجب نہ ہوگا واجب مجموع سنین گزشتہ معلوم کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کچھ سال اخیر میں بعد منہائے دیون زکوۃ باقی ہے اسے اصل مال اول سے تفریق کرکے باقی میں اس اخیر کا واجب جوڑ دیں حاصل جمع برسوں کا مجموعہ واجبات ہوگا۔ طریقہ استخراج اس جدول سے واضح ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(جدول اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

برس	باقی تولہ	باقی ماشہ	باقی سرخ	باقی خمس سرخ	سے کم پانچ	واجب ماشہ	واجب سرخ	پانچ سے کم	واجب ماشہ	واجب سرخ	واجب خمس	کل واجب سال ماشہ	کل واجب سال سرخ	کل واجب سال خمس
۱	۲۱	۲	۰	۰	۲	۴	۴	۴	۱	۶	۲	۶	۲	۲
۲	۲۰	۷	۵	۳	〃	〃	〃	۳	۱	۲	۴	۵	۶	۴
۳	۲۰	۱	۶	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۶	۴
۴	۱۹	۸	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۶	۴
۵	۱۹	۲	۱	۱	〃	〃	〃	۲	۰	۷	۱	۵	۳	۱
۶	۱۸	۸	۶	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۳	۱
۷	۱۸	۳	۲	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۵	۳	۱
۸	۱۷	۹	۷	۳	〃	〃	〃	۱	〃	۳	۲	۴	۷	۳
۹	۱۷	۵	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۷	۳
۱۰	۱۷	۰	۰	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۷	۳
۱۱	۱۶	۷	۰	۴	〃	〃	〃	۰	〃	۰	۰	۴	۴	۳
۱۲	۱۶	۲	۱	۱	〃	〃	〃	۰	〃	۰	۰	۴	۴	۰
۱۳	۱۵	۹	۵	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۴	۱۵	۵	۱	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۵	۱۵	۰	۵	۱	〃	〃	〃	۴	〃	〃	〃	۴	۴	۰
۱۶	۱۴	۸	۱	۱	۱	۲	۲	۴	۱	۶	۲	۴	۰	۲
۱۷	۱۴	۴	۰	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۱۸	۱۴	۰	۰	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۱۹	۱۳	۸	۰	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۴	۰	۲
۲۰	۱۳	۳	۷	۳	〃	〃	〃	۳	〃	۲	۴	۳	۴	۴
۲۱	۱۳	۰	۲	۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۲	۱۲	۸	۶	۰	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۳	۱۲	۵	۱	۱	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۴	۱۲	۱	۴	۲	〃	〃	〃	〃	〃	〃	〃	۳	۴	۴
۲۵	۱۱	۹	۷	۳	〃	〃	〃	〃	۰	۷	۱	۳	۱	۱۰

مسئلہ ۳۵: ۱۲ربیع الاوّل ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ متین وفضلائے شریعت اس مسئلہ میں کہ بینک یاڈاکخانہ میں جو روپیہ جمع کیا جاتاہے اس کی نسبت زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقًا اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۶/ ۳۷: ۲ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

(۱) میں نے مبلغ سو روپیہ سیونگ بینک میں جمع کررکھاہے وُہ پورا سال بھر میرے قبضہ میں نہیں رہا، اس پر زکوٰۃ

واجب ہے یاجب دو یا تین سال وغیرہ میں برآمد کرکے قبضہ لیا جائے اس وقت زکوۃ دی جائے اور جب قبضہ میں آئے تو ہر سال کی بابت زکوۃ دی جائے یا صرف اسی سال قبضہ والے کی بابت؟

(۲) میں نے مبلغ دو سو روپے کے پرامیسری نوٹ ڈاک خانے سے خرید کئے اب اگر مجھ کو روپے کی خواہ کسی قدر سخت ضرورت ہو تو فوراً وصول نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ کوئی خریدار غیر ان پرامیسری نوٹ کا پیدا نہ ہو تب تک وہ روپیہ مجھ کو وصول نہیں ہو سکتا خواہ دو روز میں پیدا ہو جائے یا سال بھر میں پیدا ہو تو اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) وہ جب تک بینک میں ہے اپنے قبضے میں سمجھا جائے گا اور ہر سال اُس پر زکوۃ واجب ہوگی خواہ سال بسال ادا کرتا رہے یا جب اس میں سے گیارہ روپے سوا تین آنے کی وصول ہو اُس میں سے چالیسواں حصہ دے اور جتنے برس رہا ہے سب برسوں کی زکوۃ واجب ہوگی، ہاں ہر سال اگلے برسوں کی زکوۃ کی قدر اس پر دین سمجھ کر اتنا زکوۃ سے جُدا رہے گا، مثلاً دو سو روپیہ جمع ہیں تو پہلے سال دو سو پر پانچ روپیہ تقریباً واجب ہُوئے، دوسرے سال پانچ روپیہ سال گزشتہ کی زکوۃ کے اُس پر واجب ہیں لہٰذا اس سال ایک سو پچانوے پر زکوۃ واجب ہوگی تقریباً چار روپے چودہ آنے۔ تیسرے سال اُس پر دو سال کی زکوۃ کے نو روپے چودہ آنے قرض ہیں یہ مستثنٰی ہو کر ایک سو نوّے روپے دو آنے پر زکوۃ واجب ہوگی وعلی ھذا القیاس، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) پرامیسری نوٹوں کا یہ قاعدہ ہے کہ روپیہ گورنمنٹ کو دے دیا جاتا ہے جس پر وُہ یہ نوٹ دیتی ہے اب یہ روپیہ کبھی واپس نہ ملے گا نہ خود اصل مالک لے سکتا ہے نہ اس کا وارث نہ اس کا کوئی قائم مقام، ہاں گورنمنٹ اس روپے چھ آنے فیصدی ماہوار کے حساب سے ہمیشہ سود دے گی تو یہ نوٹ نوٹوں کی طرح خود مال نہیں بلکہ سند قرض ہیں لہٰذا اس پر گورنمنٹ سود دیتی ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ سُود نہ دے گی کہ وہ بیع تھی معاوضہ تمام ہو گیا ہے اور یہاں قرض ہے اور عام نوٹ خزانے سے خریدے جائیں تو ایک پیسہ قرض رہا اور وہ قرض کسی طرح واپس نہیں مل سکتا تو قرض مردہ ہوا اور قرض مُردہ پر زکوۃ نہیں، نہ ان نوٹوں کا بیچنا جائز کہ وہ حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کی بیع ہے اور وُہ جائز نہیں تو ان کو بیچ کر جو روپیہ لے گا اس کے لیے خبیث ہوگا اور اس پر فرض ہوگا کہ جس سے لیا تھا اسے واپس دے اور اس بیع فاسد کو فسخ کرے تو زکوۃ ان نوٹوں پر ہے کہ یہ مال نہیں، نہ اس روپیہ پر جو انھیں بیچ کر ملے گا یہ تمام و کمال خبیث ہے، نہ اس روپیہ پر جو گورنمنٹ کو قرض دے کر یہ نوٹ لیے تھے کہ وہ قرض مردہ ہے جو کبھی واپس نہ ملے گا۔ درمختار میں ہے:

الاصل فیہ حدیث علی، لازکوٰۃ فی مال	اس میں اصل علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے

الضمار وھو مالا یمکن الانتفاع بہ مع بقاء الملک۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ مالِ ضمار پر زکوٰۃ نہیں، مالِ ضمار وہ کہ ملکیت ہونے کے باوجود اس سے انتفاع ممکن نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۸: از مقام درو ضلع نینی تال، مسئولہ عبداللہ دکاندار صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس ساٹھ روپے نقد ہیں اور پچاس روپے کا اس کی عورت پر زیور ہر وقت پہننے کا اور پچاس روپے کی دکانداری کرتا ہے کل یہی اسباب ہے اور اس میں پچانوے روپے مہر عورت کا قرض ہے اور جو دُکان کرتا ہے وہ ایسا سمجھنا چاہئے کہ جیسے کاشتکار کے ہل جوتنے کے بیل اور گھوڑا پچیس ۲۵ روپے کی قیمت کا ہے دکانداری کا سوت لادنے کے واسطے، اس حالت میں اوّل مال پر زکوٰۃ ہونی چاہئے یا نہیں؟ جیسا کہ شرع شریف کا حکم ہو عمل کیا جائے، اور سال بھر کے کھانے کا اناج بھی اس کے گھر میں نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

آج کل عورتوں کا مہر عام طور پر مہر مؤخّر ہوتا ہے جس کا مطالبہ بعد موت یا طلاق ہوگا مرد کو اپنے تمام مصارف میں کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ مجھ پر یہ دین ہے ایسا مہر مانع وجوبِ زکوٰۃ نہیں ہوتا، سال تمام پر اس کے پاس اگر یہ ساٹھ روپے بچے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، زکوٰۃ کا نصاب ۵۶ روپے (۵۲-۱/۲ تولہ چاندی) ہے، اور وہ زیور اگر شوہر کی ملک ہے تو وہ بھی شامل کیا جائے گا ایک سو دس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر وہ مالِ تجارت بھی بچا تو وُہ بھی شامل ہوگا ایک سو ساٹھ پر ہوگی، غرض ان تینوں مالوں میں سے سال تمام پر اگر ۵۶ روپے کی قدر ہوگا تو زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں، اور اگر زیور عورت کی ملک ہے تو اس کی زکوٰۃ اس پر واجب ہوگی جبکہ وُہ خود یا اس کی ملک کا اور سونا چاندی ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی ہو ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹: از نینی تال کاشی پور مسئولہ ڈاکٹر اشتیاق علی، ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متعلق زکوٰۃ پار سال میرے پاس ایک سو پچاس روپے رمضان میں جمع تھے اور زکوٰۃ میں نے ایک سو پچاس روپے پر دی تھی، دو ماہ بعد ۲۰۰ ہوگئے اور ۶ ماہ بعد ۲۵۰ ہوگئے اور اب رمضان میں پورے تین سو ہوگئے، اور میں ہر سال رمضان میں زکوٰۃ نکالا کرتا ہوں تو اب مجھ کو تین سو روپے پر دینا ہوگی یا صرف ۱۵۰ پر کیونکہ ۱۵۰ کے بعد جو روپے بڑھے ہیں ان کو پُورا ایک سال نہیں گزرا ہے۔

الجواب:

نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سال تمام پر اس کُل کی

[1] درمختار، کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۲۹

زکوۃ فرض ہوگی، مثلاً یکم رمضان کو سال تمام ہوگا اور اس کے پاس صرف سو روپے تھے تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سال تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رمضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوۃ فرض ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: از شہر بریلی محلہ جسولی مسئولہ حافظ علی شاہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے تین لڑکیوں کی شادی کے واسطے روپیہ علیحدہ کردیا ہے جس میں سے دو ۲ لڑکیاں نابالغ ہیں اور ایک قابل ہے شادی کے، اب اس روپیہ کی زید پر زکوۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

ضرور واجب ہے مگر اُس حالت میں ہر نابالغہ کا حصّہ جُدا کرکے یہ کہہ دے کہ میں نے اسے اُس کا مالک کیا، اس کی زکوۃ ان کے بلوغ تک کسی پر واجب نہ ہوگی، بعد بلوغ اگر شرائطِ زکوۃ پائے گئے تو ان لڑکیوں پر واجب ہوگی اور بالغہ کا حصّہ جُدا کرکے اُسے مالک کردے اور اس کے قبضے میں دے دے اگرچہ پھر اس سے لے کر اپنے پاس رکھ لے، اس حصّہ کی زکوۃ حسبِ شرائط اُس بالغہ پر ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۱ تا ۴۳: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی فاروقی ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کیا نوٹ اور روپیہ کا ایک ہی حکم ہے، نوٹ تو چاندی سونے سے علیحدہ کاغذ ہے۔

(۲) فی صدی زکوۃ کا کیا دینا ہوتا ہے۔

(۳) جس روپیہ سے زکوۃ پہلے سال میں دے دی اور باقی روپیہ بدستور دوسرے سال تک رکھا رہا اب دوسرے سال آنے پر کیا پھر اُسی روپیہ میں سے جس میں پہلے سال زکوۃ دے چکا ہے زکوۃ دینا ہوگی **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) نوٹ اور روپیہ کا حکم ایک نہیں ہوسکتا، روپیہ چاندی ہے کہ پیدائشی ثمن ہے اور نوٹ کاغذ کہ اصطلاحی ثمن ہے تو جب تک چلے اس کا حکم پیسوں کے مثل ہے کہ وُہ بھی اصطلاحی ثمن ہے۔

(۲) زکوۃ ہر نصاب وخمس پر چالیسواں حصّہ ہے اور مذہب صاحبین پر نہایت آسان حساب اور فقراء کے لیے نافع ہے کہ فیصدی ڈھائی روپے۔

(۳) دس برس رکھا، ہر سال زکوۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لیے کہ جب پہلے سال کی زکوۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کرکے باقی پر زکوۃ ہوگی، تیسرے

سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی یونہی اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ منہا کرکے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مال زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴: مسئولہ شمس الدین احمد از فرخ آباد ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

وُہ زیور جو کسی نے اپنے بچّوں یعنی لڑکیوں کو بنوادیا اور ان کی مِلک میں کردیا اور وُہ بچّے ابھی نابالغ ہیں زکوٰۃ دینے کے لائق ہی نہیں یعنی اپنی بی بی کے زیور اور نقد دیتے وقت بچّوں کا زیور حساب میں شامل کرے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جو زیور بچّوں کو ہبہ کردیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچّوں پر، اُس پر اس لیے نہیں کہ یہ ملک نہیں، اُن پر اس لیے نہیں کہ وُہ بالغ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۵تا۴۷: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) جو لڑکیاں نا کتخدا ہیں اور نابالغ، ان کے زیور کی بھی زکوٰۃ ہونے چاہئے یا نہیں؟

(۲) میں نے لڑکی کی شادی کی ضرورت سے اپنا زیور رہن کیا، شوہر اس وقت میں بیکار تھے، باقی زیور جو میرے پاس تھا اس کی زکوٰۃ تو میں ادا کرتی رہی، جو رہن تھا اس کی زکوٰۃ نہ دی، سات آٹھ برس رہن رہا، اب میں نے چھڑایا تو اس سات آٹھ برس کی زکوٰۃ چاہئے یا نہیں؟

(۳) شوہر نے جس وقت قرض لیا تھا تو زیور میرا بطور رہن کے رکھ دیا تھا میری والدہ کے پاس، تو اور تھوڑا زیور جو اُس وقت میں بھی رہن نہ رکھا تھا جب سے اب تک میرے پاس ہے اور زکوٰۃ جب سے نہیں دی گئی قرضے کا خیال کرکے۔

الجواب:

(۱) نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اگر ابھی انھیں مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی مِلک پر رکھا اور ان کے پہننے کے صرف میں آتا ہے اگرچہ نیت یہ ہو کہ بیاہ ہُوئے پر ان کے جہیز میں دے دیں گے، جب تو وُہ زیور ماں باپ جس نے بنایا ہے اُسی کی مِلک ہے، اگر تنہا یا اُس کے اور مال سے مل کر قدرِ نصاب اُسی مالک پر اس کی زکوٰۃ ہے اور اگر نابالغ لڑکیوں کی مِلک کردیا گیا تو اس کی زکوٰۃ کسی پر نہیں، ماں باپ پر تو یُوں نہیں کہ اُن کی مِلک نہیں، اور لڑکیوں پر یُوں نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں، جب جوان ہوں گی اُس وقت سے ان پر احکام زکوٰۃ

وغیرہ کے جاری ہوں گے۔

(۲) ان برسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں کہ جو مال رہن رکھا ہے اس پر اپنا قبضہ نہیں، نہ اپنے نائب کا قبضہ ہے، بحرالرائق میں ہے:

اطلق الملك فانصرف الى الكامل وهو المملوك رقبة ویدا فلا یجب علی المشتری فیما اشتراہ للتجارۃ قبل القبض کذا فی غایۃ البیان ولایلزم علیه ابن السبیل لان ید نائب کیدہ کذا فی معراج الدرایة ومن موانع الوجوب الرهن اذا کان فی ید المرتهن لعدم ملك الید بخلاف العشر حیث یجب فیه کذا فی العنایة اھ[1] مختصرًا۔	مِلک کا ذکر مطلق کیا ہے لہٰذا اس سے ملکیتِ کاملہ مراد ہوگی اور وہ رقبۃً اور یدًا دونوں طرح مملوک ہونا ہے لہٰذا مشتری پر قبض سے پہلے اس شئ پر زکوٰۃ نہ ہوگی جو اس نے بطورِ تجارت خریدی، غایۃ البیان میں اسی طرح ہے۔ اس پر مسافر کے ساتھ اعتراض لازم نہیں آتا کیونکہ اس کے نائب کا قبضہ اسکے اپنے قبضے کی طرح ہے، معراج الدرایہ میں ایسے ہی ہے۔ اور موانع وجوب میں رہن بھی ہے جبکہ وہ مرتہن کے قبضہ میں ہو کیونکہ اس صورت میں ملکیت نہیں بخلاف عشر کے، وہاں واجب ہے، العنایہ اھ مختصرًا (ت)

درمختار میں ہے: ولافی مرهون بعد قبضه[2] (قبضہ کے بعد مرہونہ شئ میں زکوٰۃ نہیں۔ ت) طحطاوی میں ہے:

ای علی المرتهن لعدم الملك ولاعلی الراهن لعدم الید واذااستردہ الراهن لایزکی من السنین الماضیة وهو معنی قول الشارح بعد قبضه ویبدل علیه قول البحر ومن موانع الوجوب الرهن اھ حلبی وظاهرہ ولو کان الرهن ازید من الدین اھ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی مرتہن پر زکوٰۃ اس لیے نہیں کہ وہاں ملکیت نہیں، نہ ہی راہن پر ہے کیونکہ اس کا قبضہ نہیں جب راہن اس شئ کو واپس لے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نہیں دے گا، شارح کے قول "قبضہ کے بعد" کا یہی معنٰی ہے اور اس پر بحر کی یہ عبارت دال ہے، موانع وجوب میں سے رہن ہے اھ حلبی، اس کا ظاہر بتارہا ہے کہ اگرچہ رہن قرض سے زائد ہو اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۹۲-۱/ ۳۹۱

(۳) اظہار سائلہ سے واضح ہُوا کہ یہ زیور بغرضِ رہن اس نے خود اپنے شوہر کو دیا اس نے اس کی اجازت سے رہن کیا تھا تو یہ رہن بھی رہن بالحق تھا، تو ظاہر یہاں بھی یہی ہے کہ اُس مدّت کی زکوۃ واجب نہ ہو،

لعدم الملك الكامل فانه ليس مملوكا يدا لان قبض الرهن قبض استيفاء، كما في الهداية۔[1]	ملکیت کاملہ نہ ہونے کی بناپر کیونکہ وہ قبضہ کے لحاظ سے مملوک نہیں ہے کیونکہ رہن کا قبضہ وصولی کا قبضہ ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔(ت)

اور بعد تعلق حق مذکور کے کچھ یہ ضرور نہیں کہ وُہ دین خود اسی پر ہُو لہٰذا اگر کوئی شخص کسی کی طرف سے اُس کے دَین کی ضمانت کرلے تو بمقدار دَین اس کا مال مشغول سمجھا جائیگا کہ دائن کو حقِ استیفاء اس سے حاصل ہے اگرچہ دَین اصالۃً اس پر نہیں۔ درمختار میں ہے:

فارغ عن دين مطالب من جهة العباد سواء كان لله تعالٰى كزكوٰة وخراج اوللعبد ولو كفالة۔ الخ[2]	ایسے دَین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو خواہ اللہ تعالٰی کے لیے ہو مثلاً زکوۃ، خراج یا بندے کا حق ہو اگرچہ بطور کفالت ہو۔ الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال في المحيط لو استقرض الفا فكفل عنه عشرة ولكلٍ الف في بيته وحال الحول فلا زكوٰة على واحد منهم لشغله بدين الكفالة لان له ان يا خذ من ايهم شاء بحر الخ۔[3]	محیط میں ہے اگر کسی نے ہزار روپیہ قرض لیا اور اس کی طرف سے دس آدمی کفیل بنے اور ہر ایک کے پاس ایک ایک ہزار روپیہ ہے جس پر سال گزرا تو ان میں سے کسی پر زکوۃ نہیں کیونکہ وہ قرض کفالت میں مشغول ہے کیونکہ قرضخواہ ان میں سے کسی سے بھی قرض لے سکتا ہے، بحر الخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو كانت العارية عبدا فاعتقه المعير جاز لقيام ملك الرقبة ثم المرتهن بالخيار ان شاء رجع بالدين	اگر عاریۃً غلام تھا اسے معیر نے آزاد کردیا تو جائز ہے کیونکہ وہ اس کی گردن کا مالک ہے پھر مرتہن کا اختیار ہے اگر وہ چاہے تو راہن سے دین وصول کرے کیونکہ اس نے

[1] الہدایہ کتاب الرھن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۱۷

[2] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الزکوۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶

علی الراھن لانہ لم یستوفہ و ان شاء ضمن المعیر قیمتہ لان الحق قد تعلق برقبتہ وقد اتلفہ بالاعتاق الخ[1]	بدل حاصل نہ کیا اگر وُہ چاہے تو معیر سے اس کی قیمت وصول کر سکتا ہے کیونکہ حق کا تعلق گردن سے اس کی رضامندی سے ہے جو اس نے آزاد کرکے ضائع کیا ہے الخ (ت)

ہاں جو زیور رہن نہ تھا اور جب سے پاس ہے اگر وُہ خود دیا اور مالِ زکوۃ سے مل کر نصاب تھا تو جب تک نصاب پُورا رہا اُس مدّت کی زکوۃ واجب ہے اور قرضے کا خیال باطل خیال ہے کہ قرض شوہر پر تھا اور زیور عورت کا زکوۃ عورت پر ہے نہ کہ شوہر پر، البتّہ یہ زکوۃ جو چڑھتی گئی ہر سال اس کا حساب لگانے سے جس سال اُسے مجرا کرکے مال بقدرے نصاب نہ رہے اس سال کی زکوۃ واجب نہ ہوگی، مثلاً زیور وغیرہ اموال زکوۃ ملا کر پہلے سال دو سو دس ۲۱۰ درہم کا ملا تھا اُس سال پانچ درہم زکوۃ کے واجب ہوئے، دوسرے سال یہ پانچ درم کا کہ زکوۃ کا قرضہ کے مجرا کرکے گویا دو سو ۲۰۰ کا مال تھا اب بھی پانچ واجب ہوئے، چوتھے سال پندرہ مجرا کرکے پانچ کم دو سو کا ملا رہا، یہ نصاب نہیں اب زکوۃ نہیں، وہی پندرہ ہی واجب الاداء رہے، مگر یہ کہ ختمِ سال پر اور کہیں سے پانچ درہم مل گئے ہوں کہ دو سو درہم پُورے ہو کر پھر پانچ درہم لازم آئیں گے اور بیس واجب ہو جائیں گے، یہی حساب ہر سال میں خیال کرلینا لازم ہے، دو سو درہم شریعت میں چھپن روپے کے ہوتے ہیں اور پانچ درہم کا ایک روپیہ سوا چھ آنے ایک دھیلا اور پیسے کا دسواں حصّہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۴۸: از فرید پور شرقی مرسلہ منشی محمد علی صاحب نائب ناظر تحصیل فرید پور ۵ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ زید کے پاس چار سو روپیہ علاوہ خرچ روز مرہ کے اس تفصیل سے ہیں کہ دو سو روپیہ بابت خرید مکان مسکونہ کے مالک مکان کو دے چکا ہے اور دو سو روپے نقد رکھے ہیں، اب زید کو زکوۃ ادا کرنا چار سو روپے پر چاہیے یا دو سو پر، جو اس کے پاس نقد رکھے ہیں، کب اور کس حساب سے اُس کو ادا کرنا چاہیے، مثلاً اگر اسی مہینہ جمادی الثانی سے اُس کے پاس دو سو روپے نقد جمع ہوگئے، تو اب زید کو کس مہینہ میں اور کس قدر ادا کرنا چاہئے، اور در صورت نہ ادا کرنے کے کیا مواخذہ اس کے ذمّے ہوگا، امید کہ للہ تعالٰے جواب بالتفصیل مرحمت فرمایا جائے تاکہ عام فہم ہو کر سب کو فائدہ دارین عطا فرمائے۔

---

[1] الہدایۃ باب التصرف فی الرہن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۴۵

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہُوا کہ ہنوز اُس مکان کی بیع نہیں ہُوئی، وعدہ خرید وفروخت درمیان آیا ہے، اور اِسی بناء پر زید نے مالک مکان کو دوسو روپے پیشگی دے دئے اور اُسے اجازت دی کہ خرچ کرلے، یہ صورت قرض کی ہُوئی ثمن کہہ نہیں سکتے کہ ابھی بیع ہی نہیں ہوئی امانت نہیں کہہ سکتے کہ خرچ کی اجازت دی لاجرم قرض ہے

فی لسان الحکام والعقود الدریة وغیرھما دفع الیه دراھم فقال له انفقھا ففعل فھو قرض کما لوقال اصرفھا الی حوائجک۔[1]	لسان الحکام اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے کہ کسی کو دراہم دیئے گئے اور کہا گیا کہ انھیں خرچ کر، اس نے خرچ کردئے تو یہ قرض ہے جیسا کہ اگر کسی نے یہ کہا ہو کہ انھیں اپنی ضروریات پر خرچ کرلے۔(ت)

تو دوسو کہ اس کے پاس رکھے ہیں اور دوسو جو مالک مکان کو دئے ہیں چاروں سو اسی کی ملک میں اور مالِ زکوٰۃ ہیں، زکوٰۃ کا نصاب ان روپوں سے چھپن روپے ہے، جس تاریخ چھپن ۵۶ روپے یا زائد کا مالک ہُوا اُسی تاریخ سے مالک نصاب سمجھا گیا، جب ہی سے سالِ زکوٰۃ کا حساب ہوگا، سال کے اندر جو مال اور ملتا گیا اُسی کے ساتھ ملتا رہے گا، تمام پر دیکھیں گے سب خرچوں سے بچ کر حوائجِ اصلیہ سے فاضل کتنا روپیہ اس کی مِلک میں ہے خواہ اس کے اپنے پاس رکھا ہو یا کسی کے پاس امانت ہو یا کسی کو قرض دے دیا ہو اُس قدر پر زکوٰۃ واجب آئے گی، اور جو سال تمام ہونے سے پہلے صَرف ہوگیا ہو وُہ حسابِ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا مثلاً یکم محرم ۱۵ سنہ کو چھپن روپے کا مالک ہُوا تھا، ربیع الاوّل میں سَو اور ملے، جمادی الآخر میں دوسو اور ملے، یہ دوسو مالک مکان کو قرض دے دے تو اُس پر اُسی یکم محرم سے سال چل رہا ہے اور ابھی کہ سال تمام نہ ہوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ کس قدر پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب اگر یکم محرم ۱۶ سنہ کے آنے سے پہلے مکان کی بیع واقع ہوگئی اور وُہ دوسو کے قرض دئے تھے سال تمام سے پہلے قیمتِ مکان میں محسوب ہوگئے تو یہ دوسو حسابِ زکوٰۃ سے خارج ہوگئے کہ ان پر سال نہ گزرا، اسی طرح اگر بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس لے لیا اور سال تمام سے پہلے کُل یا بعض خرچ ہوگیا تو اُس سے بھی تعلق نہ رہا تمامی سال پر جو باقی رہے اُسے دیکھیں گے کہ روپیہ زائد ہے تو اُس پر ایک سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی، اور اگر سال تمام پر ۵۶ سے بھی کم رہے تو کچھ نہیں کہ اگرچہ ابتداء میں نصاب بلکہ نصاب سے زائد کا مالک تھا مگر سال نہ گزرنے پایا کہ نصاب سے کم ہوگیا تو وجوبِ زکوٰۃ کا محل نہ رہا اور اگر سال تمام تک یعنی جب سے یہ شخص مالک نصاب ہُوا سال پُورا ہونے تک نہ بیع ٹھہری نہ روپیہ واپس ہُوا

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب ارگ بازار قندھار ۲/ ۹۱

بلکہ مالک مکان پر قرض ہی رہاتواب اس پر کہ خود نصاب بلکہ چند نصاب ہیں اور اس کے سوااور جو نقد اُس وقت موجود ہو، غرض جس قدر روپیہ سونا یا چاندی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مِلک میں ہے خواہ شروع سال زکوٰۃ سے تھاخواہ بیچ میں ملااُس سب پر زکوٰۃ واجب ہُوئی، جو نقد ہے اس پر تو واجب کے ساتھ وجوبِ ادا ابھی ہوگا فی الحال دی جائے،اور جو قرض ہے اس پر ہنوز وجوبِ ادا نہیں وصول پانے پر ہوگا خواہ روپیہ ہی وصول ہو یُوں کہ بیع نہ ٹھہری اور روپیہ واپس ملے خواہ بیع ہو کر قیمت میں مجرا ہوجائے کہ یہ بھی وصول پالینا ہے، پھر ازانجا کہ قرض دین قوی ہے،اور صورتِ مسئولہ میں ابتدائے نصاب مالِ نقد سے ہے کہ اسی پر سالِ زکوٰۃ شروع ہُوا،اس سال تمام پر یا اُس کے بعد جو رقم قرض سے وصول ہوگی اُسے دیکھا جائے گا کہ خُمس نصاب یعنی کے پانچویں حصّے لہ ۳ ۲-۵/۲/۲ پائی سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے اور کوئی مالِ نقد نہ اس وقت موجود نہ سالِ رواں کے ختم پر آکر ایسا ملا جو اس رقم وصولی سے مل کر خمس نصاب ہوجاتا تو اس کی زکوٰۃ دینی اصلاً واجب نہ ہوگی، نہ سالِ گزشتہ کے لیے، نہ رواں کے لیے، اور اگر ایسا مال نقد پایا جائے تو اسے اُس کے ساتھ ملادیں گے، پھر اگر عین سال تمام کے وقت وصول ہُوا تو خود روزِ وصول، ورنہ سال تمام رواں پر جو باقی ہوگا اس پر یہ حکم لگائیں گے کہ ہر خمس نصاب پر اُس کا چالیسواں حصّہ واجب الادا، اور خمس سے کم پر کچھ نہیں، اور اگر رقم وصول مذکور خمس نصاب سے کم نہیں تو جس قدر برس اس پر، حالت دین میں گزرے ہوں اُن سب کی زکوٰۃ دینا آئے گی جب تک زکوٰۃ نکالتے نکالتے خمس نصاب سے کم نہ رہ جائے۔ پھر بہر حال جس قدر خمس سے کم رہے گا اُس کا وہی حکم ہے اور مال نقد ہو تو اس کے ساتھ ملا کر تمام رواں پر حکم دیکھا جائے گا، ورنہ کچھ نہیں، سب صورتوں کی مثال لیجئے، مثلاً ۲۵ ذی الحجہ ۱۴ھ کو تین سو درہم شرعی کا مالک ہوا اس وقت سے سالِ زکوٰۃ شروع ہوگیا، یہ سب روپے وسط سال میں کسی کو قرض دے دیئے خاص سال تمام کے دن اُن سے اُنتالیس درہم شرعی وصول ہُوئے اور آج کچھ نقد اس کی ملک نہیں تو ان لعہ درہم پر بھی کچھ دینا نہ آئے گا کہ یہ خمس نصاب یعنی چالیس درہم سے کم ہیں اور اگر سال تمام سے پہلے مثلاً ۲۴ ذی الحجہ ۱۵ھ کو یا شروع سال میں مالکیّت دن کے بارہ ۱۲ بجے ہوئی تھی اب ۲۵ ذی الحجہ ۱۵ھ کو بارہ بجے سے ایک لحظہ پہلے انتالیس لعہ درہم کہیں اور سے مل گئے اور اُسی وقت ایک درہم اس قرض میں سے وصول ہوا تو اسے اُن اُنتالیس لعہ درہم میں ملادیں گے، اب یہ چالیس درہم ہوگئے کہ خمس کامل ہے تو ایک درہم دینا واجب آیا اور اگر اسی صورت میں مثلاً قرض میں سے بھی انتالیس درہم وصول ہوئے کہ نقد موجود سے مل کر اٹھتر ۷۸ درہم ہوگئے تو بھی ایک ہی درہم کہ ایک خمس کامل یعنی چالیس درہم کی زکوٰۃ ہے واجب الادا ہوگا، باقی اڑتیس درہم زائد کہ خمس سے کم ہیں سالِ تمام آئندہ کے انتظار میں رہیں گے، اور اگر سرے سے فرض کیجئے کہ شروع سال زکوٰۃ کو پانچ سال کامل گزر گئے اُس وقت تک کُچھ نہ ملا اُس کے بعد چوالیس درہم

قرض سے وصول ہُوئے اور اُن کے سوا اور کچھ نقد نہیں تو اس رقم میں صرف ایک خمس نصاب ہے اُوپر کے چار درہم زیادہ ہیں، یہ خمس پانچ برس تک فرض تھا تو ہر سال کی بابت ایک درہم دینا واجب ہُوا پانچ درہم زکوٰۃ دے اور اگر اُسی صورت میں تینتالیس درہم وصول ہوئے تو چار درہم زکوٰۃ دینا واجب ہوگی جب بابت سالِ اول ایک درہم زکوٰۃ کا ان للعہ پر ڈالا تو سالِ دوم کے لیے للعہ رہے ان پر ایک درہم اس سال کا ڈالا، سوم کے لیے لہ للع رہے، چہارم کے لیے، تو یہ چار درہم واجب الادا ہوئے، پنجم کے لیے صرف لعہ ہی رہ گئے کہ خمس سے کم ہیں ان پر کچھ نہیں، اسی طرح اگر للعہ وصول ہوتے تو تین ہی درہم دینے آتے اور لہ للعہ تو دو اور للعہ تو ایک ہی اور للعہ للعہ سے زیادہ پانچ ہی دینے ہوں گے جب تک پُورے اسی [80] تک نہ پہنچیں اسی لہ پر چھ [6] لازم آئیں گے، پہلے سال دو خمس کے دو [2] درہم، اب سالِ دوم اٹھتر لعہ رہ گئے کہ ایک ہی خمس کامل ہے، تو باقی چار سال میں ایک ہی ایک لازم آیا، یُوں ہی بیاسی [82] وصول ہوں تو سات دے گا کہ دو سال تک دو خمس کامل رہے، چوراسی [84] پر آٹھ، چھیاسی [86] پر نو، اٹھاسی [88] سے زیادہ سب پر دس [10]، جب تک ایک سو بیس [120] کامل نہ ہوں۔ پھر ایک سو بیس [120] پر گیارہ وعلٰی ہذا القیاس۔ یہ اس صورت میں ہے کہ کچھ نقد نہ ہو، ورنہ اس کے ساتھ ملا کر حساب لگائیں گے، مثلاً تینتالیس [43] وصول ہونے پر چار درہم لازم آتے تھے، اگر نقد ایک درہم بھی موجود ہے تو پُورے پانچ آئیں گے کہ اُس کے ساتھ مل کر چوالیس [44] ہوگئے اور چوالیس پر پانچ لازم تھے وقس علی ھذا۔ پھر بہر صورت جو فاضل بچا وہ سال تمام آئندہ کا انتظار کرے گا، یہ ہے جو کلماتِ علماء سے فہم فقیر میں آیا،

وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللّٰہ تعالٰی واللّٰہ تعالٰی باحکامہ علیم۔	میں امید وار ہوں کہ یہ اِن شاء اللّٰہ تعالٰے صواب ہے اور اللّٰہ تعالٰی اپنے احکام کو خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

الدیون تجب زکوٰتھا اذا تم نصابا بنفسہ اوبما عندہ یتم بہ النصاب وحال الحول ولو قبل قبضہ فی القوی والمتوسط لکن لا فورًا بل عند قبض اربعین درھما من القوی کقرض فکلما قبض اربعین درھمًا یلزمہ درھم عند قبض مائتین من متوسط، و	قرضوں پر زکوٰۃ لازم ہے جب خود نصاب ہوں یا اپنے پاس جو کچھ ہے اس سے مل کر نصاب بن جائیں اور اس پر سال گزر جائے اگرچہ قوی اور متوسط میں قبضہ سے قبل گزرے لیکن فی الفور نہیں بلکہ قوی میں چالیس درہم کے قبضہ پر جیسے قرض قوی ہے پس جب بھی چالیس دراہم پر قبضہ ہوگا ایک درہم لازم ہوگا، اور متوسط میں دو سو درہم کے قبضہ پر۔

فی البدائع قال الکرخی ھذااذا لم یکن لہ مال سوی الدین والا فما قبض منہ فھو بمنزلۃالمستفاد فیضم الی ما عندہ وکذلك فی المحیط اھ[1] ملتقطًا۔	بدائع میں ہے امام کرخی نے فرمایا: یہ تب ہے جب دین کے علاوہ اس کے پاس مال نہ ہو، اور اگر مال ہو تو جتنے حصّے پر قبضہ ہوگا وہ بمنزلہ منافع ہوگا اپنے پاس موجود مال سے اسے ضم کیا جائے گا، اور محیط میں بھی اسی طرح ہے اھ ملتقطًا (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی المنتقی رجل لہ ثلثمائۃ درھم دین حال علیھا ثلثۃ احول فقبض مائتین فعند ابی حنیفۃ یزکی للسنۃ الاولٰی خمسۃ وللثانیۃ والثالثۃ اربعۃ اربعۃ عن مائۃ وستّین ولا شئی علیہ فی الفضل لانہ دون الاربعین۔[2]	منتقی میں ہے کہ ایک شخص کا تین سو درہم دَین ہے اور اس پر تین سال گزر گئے اُسے دو سو درہم وصول ہوئے تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک پہلے سال کے پانچ اور دوسرے و تیسرے سال کے چار چار درہم ایک سو ساٹھ دراہم پر ہونگے اور چالیس سے کم زائد پر کچھ نہیں۔ (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

لو کان لہ الف علی معسر فاشتری منہ بھادینا را ثم وھبہ منہ فعلیہ زکوٰۃ الالف لانہ صارقابضا لھا بالدینار اھ۔[3]	اگر کسی تنگدست پر ہزار درہم قرض ہے تو اس سے ایک دینار خرید کر پھر اسے ہبہ کردیا تو اب زکوٰۃ ہزار ہی کی ہے کیونکہ وُہ دینار کی وجہ سے ہزار ہی کا قابض متصور ہوگا اھ (ت)

شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

یضم الحادث ولوقبیل اٰخر الحول لانہ قبل وقت الوجوب اھ۔[4]	نئے مال کو شامل کیا جائیگا اگرچہ سال کے آخر سے تھوڑا سا پہلے ملا ہو کیونکہ یہ وقتِ وجوب سے پہلے ہے اھ (ت)

---

[1] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوٰۃالمال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸تا۴۰

[2] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوٰۃالمال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸

[3] ردالمحتار مع درمختار شرح تنویرالابصار باب زکوٰۃالمال مصطفی البابی مصر ۲ /۴۰

[4] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۱۶

ادانہ کرنے کی حالت میں جو مواخذہ زکوۃ دینے پر ہے اس کا سزاوار ہوگا معاذاللہ، وہ نہ ہلکا ہے نہ قابلِ برداشت، اس کے بارے کچھ آیات واحادیث فقیر کے رسالہ اعزالاکتناۃ فی ردصدقۃ مانع الزکوٰۃ (۱۳۰۹ھ) میں مذکور ہوئیں، اُن میں بعض کا خلاصہ یہ کہ جس سونے چاندی کی زکوۃ نہ دی جائے روزِ قیامت جہنّم کی آگ میں تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیاں، کروٹیں، پیٹھیں داغی جائیں گی۔ اُن کے سر، پستان پر جہنم کا گرم پتّھر رکھیں گے کہ چھاتی توڑ کر شانے سے نکل جائے گا اور شانے کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینے سے نکل آئے گا پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا، گُدّی توڑ کر پیشانی سے اُبھرے گا۔ جس مال کی زکوۃ نہ دی جائے گی روزِ قیامت پُرانا خبیث خونخوار اژدہا بن کر اُس کے پیچھے دوڑے گا، یہ ہاتھ سے روکے گا، وہ ہاتھ چبالے گا، پھر گلے میں طوق بن کر پڑے گا، اس کا مُنہ اپنے منہ میں لے کر چبائے گا کہ میں ہُوں تیرا مال، میں ہُوں تیرا خزانہ۔ پھر اس کا سارا بدن چباڈالے گا۔ والعیاذ باللہ رب العالمین، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: ۵ جمادی الاُولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی رخصت جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ میں ہُوئی اور اُس وقت وُہ جہیز کی مالک ہُوئی، اس سے پہلے مالک نہ تھی، اس وقت اس کی مِلک میں زیور طلائی لہ ۰۹مہ تولے تھا اور زیور نقرئی ما روپیہ بھر، اس قدر اخیر عُمر تک اس کے پاس رہا، تین سال دس ماہ تئیس دن کے بعد ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ میں ہندہ نے انتقال کیا، اُس وقت اُس کے پاس چار عدد طلائی اور تھے، ایک سات ۷ تولہ گیارہ ۱۱ ماشہ کا جس کی دس ماہ پیش از مرگ مالک ہُوئی، دوسرا دو ۲ تولے کا کہ موت سے ڈیڑھ سال پہلے مِلا تھا، تیسرا چار ۴ تولے کا دو ۲ سال پہلے، چوتھا پانچ تولے کا تین سال پہلے، اس صورت میں ہندہ پر زکوۃ کس قدر ہُوئی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہندہ پر تین سال زکوۃ واجب ہُوئی کہ چوتھے سال میں ایک ماہ سات ۷ روز باقی تھے کہ اس نے وفات پائی مال کہ وقتِ رخصت ملا اُس پر تینوں برسوں کی زکوۃ ہے۔ یُوں ہی چوتھا عدد پانچ تولے کا جب مرگ سے تین سال پہلے مِلا تو رخصت کے ۱۰ ماہ ۲۳ دن بعد، بالجملہ پہلے سالِ تمام سے پہلے پایا تو وُہ بھی مالِ اوّل میں شامل ہُوا اور تینوں سال کی زکوۃ اس پر آئی، اور یہیں سے واضح ہوا کہ تیسرے عدد پر دو ۲ سال اخیر کی زکوۃ ہے اور دوسرے پر ایک ہی برس کی، اور پہلے پر اصلاً نہیں تو سونے میں حاصل ملک ہندہ باعتبار ہر سہ سال یہ ہوا سالِ اوّل (۰۹/ما) دوم (۰۹ما) سوم للعہ (۰۹ما) صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ اسی قدر مال کی مالک تھی اور زکوۃ تینوں سال نہ دی تو ہر پہلی زکوۃ کا دین سال کے مال سے مجرا ہوتا رہا واجب سال اول طلائی ۱۱ ماشہ ۷ سرخ نقرہ تین روپیہ بھر اور

تین ماشے تین سرخ، مال سال دوم سے استثناء کیا تو سال دوم طلا لعہ (۱۰ امہ) ۲ سرخ رہا، واجب ۱۱ ماشہ ۷ سرخ ۵-۵/۱ چاول، اور نقرہ ماعصہ (۷ مہ ۷ سرخ) رہا، واجب تین روپے بھر ۲ مہ ۲ سرخ ۲ ۴-۵/۳ چاول، سال سوم طلا واجب دو سال ایک تولہ ۱۱ ماشے ۱ سرخ ۵-۵/۱ چاول، نقرہ واجب دو ۲ سال سے روپے بھر ۵ ماشہ ۶ سرخ ۴-۵/۳ چاول منہا کرکے، باقی طلا للعہ (۱۰ امہ) ۲ سرخ ۲-۵/۴ چاول، واجب ایک تولہ دو سرخ ۷ ۱۰۰/۴ اچاول نقرہ ماعصہ روپیہ بھر ۵ ماشہ تین سرخ ۳-۵/۲، واجب ۳ روپیہ بھر ایک ماشہ ۴ سرخ ۲-۷ ۲۰۰/۱۳ چاول جمیع واجب سہ سالہ طلا ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ سرخ ۵-۷ ۱۰۰/۴ اچاول یعنی دو ۲ تولے ۱۱ ماشے ۳ رتی ۵ چاول کے سَو حصّوں سے سڑسٹھ ۶۷ حصّے، نقرہ لعہ تولہ ۷ ماشہ ۲ سرخ ۷-۷ ۲۰۰/۵ یعنی نَو روپیہ بھر اور ۷ ماشے ۲ رتی ۷ چاول اور چاول کے دو ۲ حصّوں سے ستاون ۵۷ حصّے، یہ سب مذہبِ صاحبین پر ہے اور مذہبِ امام پر کچھ کمی خفیف ہوجائے گی، سائل اس پر راضی نہ ہو اور تخفیف ہی چاہے تو یہ ضرور ہے کہ تینوں برس ہر سال تمام کے صَحیح تاریخ پر سونے اور چاندی کا صحیح نرخ بازار دریافت کرکے بتایئے نیز یہ کہ کس کس عدد کے قیمت بوجہ صنعت اپنے وزن سے کس کس قدر زائد ہے بے اس کے حساب ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۰: از بنگالہ ضلع سلہٹ پرگنہ بیجواڑہ موضع ناران گولہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی ایک سو روپے کی زکوٰۃ دے کر مدفون کیا پھر دوسرے سال میں زکوٰۃ دینا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا بحوالہ کتاب توجروا یوم الحساب۔** فقط

الجواب:

ہر برس ضرور ہے جب تک کل مالِ زکوٰۃ جو اُس کی ملک ہے حقیقۃً یا حکماً نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونے یا ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی انگریزی چھپن ۵۶ روپے سے کم نہ ہوجائے، حقیقۃً کم ہوجانا یہ کہ زکوٰۃ وغیرہ میں صَرف کرتے کرتے خواہ کسی اور طور سے گھٹ جائے اور حکماً یہ کہ ہر برس زکوٰۃ واجب ہوتی رہی اور ادا نہ کی کہ ہر سال زکوٰۃ کا دین اس پر چڑھتا رہا یہاں تک کہ مالِ زکوٰۃ قدر نصاب نہ رہا مثلاً صرف یہی سو روپے، مگر اس کے پاس مالِ زکوٰۃ تھا اور یہی رہا اور مال زیادہ نہ ہوا تو اب پہلے سال تمام پر بربنائے مذہب صاحبین ڈھائی روپے واجب ہوئے مگر اس نے ادا نہ کی، دوسرے سال تمام پر زکوٰۃ صرف ۹۷ روپے ۸ آنے رہی کہ ۲ روپے ۸ آنے دین زکوٰۃ سال گزشتہ میں مشغول ہیں اس سال ۲ روپے ۷ آنے واجب ہوئے، تیسرے سال تمام پر دو ۲ سال گزشتہ کا دین زکوٰۃ ۴ روپے ۱۵ آنے مستثنٰی ہو کر فقط پچانوے روپے ایک آنہ پر زکوٰۃ آئی کہ ۲ روپیہ چھ آنے اور ایک پیسے کی چاندی کا دسواں حصّہ ہُوا، وعلٰی ھذا القیاس جب گھٹتے گھٹتے ۵۶ روپے سے کم رہ جائے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

فی الدر المختار سبب افتراضها ملك نصاب حولی فارغ من دین له مطالب من جهة العباد کزکوٰة وخراج اھ[1] ملخصًا وفی الهندیة رجل له الف درهم لامال له غیرها استاجر بها دارا عشر سنین لکل سنة مائة فدفع الالف ولم یسکنها حتی مضت السنون والدار فی ید الأجر یزکی الأجر فی السنة الاولیٰ عن تسع مائة وفی الثانیة عن ثمان مائة الا زکوٰة السنةالاولیٰ ثم یسقط لکل سنة زکوٰة مائة اخرٰی وما وجب علیه با لسنین الماضیة الخ[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔	درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گزرا ہو اور وہ ایسے دین سے فارغ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو مثلاً زکوٰۃ، خراج وغیرہ اھ تلخیصا۔ ہندیہ میں ہے ایک آدمی کے پاس ہزار دراہم ہیں اس کے علاوہ کوئی مال نہیں، اس نے ان کے عوض دس سال تک گھر کرایہ پر لے لیا کہ ہر سال کے عوض ایک صد درہم ادا کرے گا، اس نے ہزار درہم دے دئے مگر اس گھر میں وہ کسی سال تک رہائش پذیر نہ ہُوا اور گھر آجر کے پاس ہی رہا، تو آجر پہلے سال نو سو کی، دوسرے سال آٹھ سو کی، مگر گزشتہ سال زکوٰۃ کی مقدار نکال کر۔ پھر ہر سال ایک سو اور وُہ جو گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی مقدار ہو، سالانہ ساقط ہوتی جائے گی، واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۵۱: ۶ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے جس مالِ تجارت پر ایک مرتبہ زکوٰۃ ادا کردی پھر دوسرے سال اس پر زکوٰۃ دینا نہ چاہیے بلکہ اس کے نفع پر زکوٰۃ دینا چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مالِ تجارت جب تک خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دین، زکوٰۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی زید کا بیان محض غلط ہے، **تشهد به الکتب قاطبة۔ واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۵۲ تا ۵۴: مسؤلہ محمد صبور سوداگر میز کرسی بریلی متصل کٹرہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنی تجارت کے آغاز کے وقت یہ قرار دیا کہ جو منافع ہوگا اس کا سولھواں حصّہ اللہ تعالیٰ نام

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی فی الفروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۲-۱۸۱

صَرف کرنا شروع کیا، وقت کرنے حساب کے، منافع کی تعداد کا سولھواں حصّہ کم نکلا اُس صرف سے جو وُہ کارِ خیر میں صَرف کر چکا، یہ فاضل روپیہ بمدِ زکوٰۃ داخل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

(۲) ایک شخص حق الحنث کے ساتھ ایک تجارت میں شریک ہے، قبل حاصل ہونے منافع کے اس تجارت سے بتدریج اپنے صرف کے واسطے لیتا رہا، وقت معلوم ہونے منافع کے وہ قرضدار تجارت کا تھا، جو منافع اس کے نامزد ہُوا وُہ قرضہ میں داخل کیا، اس حالت میں اس منافع کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد ہے یا نہیں ؟

(۳) ایک شخص وقت شروع کرنے تجارت کے دیگر شخص سے جو اُس کی تجارت میں شرکت روپے کے ساتھ دینا چاہتا تھا ظاہر کیا کہ میں وقت چٹھہ کے (معلوم کرنا منافع کا) پہلے زکوٰۃ نکال دیتا ہُوں بعدہ، منافع تقسیم کیا جاتا ہے، اُس دیگر شخص نے اس بات کو پسند کیا اور روپیہ کے ساتھ منافع میں برابر کا شریک ہوا، اس بات کے ظاہر کرنے سے کیا اس کے ذمّہ اس کے روپیہ کی بھی زکوٰۃ عائد ہوگی یا صرف منافع کی رقم رہی جو طرفین کے حصّہ سے خرچ میں داخل ہوتی ہے۔ بیّنوا توجّروا

الجواب:

(۱) جبکہ بہ نیّت زکوٰۃ وُہ دینا نہ تھا تو جو زائد دیا گیا زکوٰۃ میں محسوب نہیں ہو سکتا، ہاں آئندہ سال کے اُس سولھویں حصّہ میں مجرا ہو سکتا ہے جو اس نے اللہ عزّوجل کے لیے دینا ٹھہرا رکھا ہے، مثلاً اس وقت دس روپیہ زیادہ پہنچے اور آئندہ سال منافع کا سولھواں حصّہ سو روپے ہو تو اُسے اختیار ہے کہ یہ دس ۱۰ اس میں محسوب کرکے نوّے روپے دے۔

(۲) نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دوسرے کی زکوٰۃ اس کے ذمّہ عائد نہیں ہو سکتی، ایک پر اُس کے حصّہ کی زکوٰۃ لازم ہے، اور زکوٰۃ صرف منافع مالِ تجارت پر نہیں ہوتی، جس طرح مکان زمین دکان کے صرف منافع پر ہوتی ہے یہاں ایسا نہیں بلکہ کُل مالِ تجارت پر لازم ہوتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۵: از محلّہ چاہ بائی مسؤلہ حافظ محمد صادق مختار عام منشی رحیم داد خاں صاحب تحصیلدار ۲۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مالک ہے جائداد زمینداری وغیرہ کا اور اس کی آمدنی مختلف اوقات میں وصول ہوتی رہتی ہے اور مالگزاری و نیز دیگر اخراجات میں خرچ ہوتی رہتی ہے اور ایسی صورت میں حساب سالانہ انگریزی ماہِ کتوبر سے شروع ہوتا ہے اور ماہِ ستمبر میں ختم کیا جاتا ہے لہٰذا جو رقم بعد اخراجات کے آخر سال پر باقی رہتی ہے اس پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی ؟ کس وقت اس کو ادا کرنا چاہئے ؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

ستمبر اکتوبر کا اعتبار حرام ہے، نہ اس کے اوقاتِ آمدنی پر لحاظ، بلکہ سب میں پہلی جس عربی مہینے کی جس تاریخ جس گھنٹے منٹ پر وہ ۵۶ روپیہ کا مالک ہُوا اور ختمِ سال تک یعنی وہی عربی مہینہ وہی تاریخ وہی گھنٹہ منٹ دوسرے سال آنے تک اُس کے پاس نصاب باقی رہا وہی مہینہ تاریخ منٹ اس کے لیے زکوٰۃ دینا فرض ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی اسٹیشن ریلوے سٹی آر،کے،آر نعمت حسین دراپور ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید عرصہ تخمیناً بیس سال سے ریلوے کمپنی کے یہاں ملازم ہے اور ریلوے اپنے قاعدے کے موافق بشمول دیگر ملازمان کے زید کی تنخواہ ماہواری سے ایک آنہ چار پائی فی روپیہ بطور ضمانت مجرا کرلیتی ہے اور بعد چھ ماہ کے اُس روپے کو کسی دوسری تجارت وغیرہ میں لگادیتی ہے، درصورت نفع و نقصان کے رسدی کمی بیشی کرکے پھر ششماہی پر رسید دے دیتی ہے، ابتدا میں ایک روپیہ دو ۲ آنہ مجرا ہوتا تھا جُوں جُوں تنخواہ میں ترقی ہوتی گئی اُس میں بھی اضافہ ہوتا گیا، چنانچہ اب مبلغ تین روپے ماہوار مجرا کیا جاتا ہے اور اب اصل تعداد مبلغ پانچسو کی ہو گئی ہے اور کُل تعداد ایک ہزار سے زائد ہو گئی ہے، جس وقت زید ملازمت سے علیحدہ ہوگا اُس وقت اُس کو اور اُس کے ورثا کو وصول ہوگا بشرطیکہ میعاد ملازمت اچھے طریقہ پر ختم ہوجائے اور کوئی قصور وغیرہ واقع نہ ہو، مگر پانچسو روپے جو اصلی ہے اُس میں کسی طرح اندیشہ نہیں ہے سوا اس کے کہ درمیان ملازمت کے روپے کا وصول ہونا ناممکن ہے جب تک ملازمت سے مستعفی نہ ہو، ازرُوئے شریعت اُس روپے پر زکوٰۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس وقت سے دی جائے گی؟ اصلی تعداد پر دی جائے گی یا کُل روپے پر؟ اور نصابِ زکوٰۃ کس قدر اور اس پر مقدارِ زکوٰۃ کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سے وُہ اصلی روپیہ خود یا مع اور زکوتی مال کے جو زید کے پاس ہے، قدر نصاب یعنی ۵۶ روپے تک پہنچا اور حوائجِ اصلیہ سے بچ کر اُس پر سال گزرا اُس وقت سے اُس پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور سال بسال جدید زکوٰۃ واجب ہوتی رہی، ہاں اگلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب ہُوئی ہے اس سال جمع میں سے اُتنا کم کرلیں گے کہ اُتنا اس پر اللہ عزّوجلّ کا دین ہے باقی مع جدید مقدار سال حال پر زکوٰۃ آئے گی، تیسرے سال کی جمع میں سے دو۲ برس گزشتہ کی زکوٰۃ واجب شدہ مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر پر زکوٰۃ آئے گی چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا کریں گے اور سال حال کا اضافہ شامل کریں گے اس قدر زکوٰۃ آئے گی، چوتھے سال کی جمع میں سے تین سال کی زکوٰۃ مذکور مجرا اور امسال کا اضافہ شامل ہوگا، اخیر تک یونہی کرینگے،

تجارت میں وُہ روپیہ اگر اس کی اجازت سے لگایا جاتا ہے تو اس کا منافع شامل ہوگا اس طور پر زکوۃ سال بہ سال واجب ہوا کرے گی، مگر اس روپیہ کی زکوۃ ادا کرنا اس وقت لازم ہوگا جب وُہ وصول ہوگا، اور جو اضافہ کمپنی سُود کے طریقے پر کرتی ہے اُس پر کبھی زکوۃ نہ ہوگی، نہ وہ اس کی ملِک ہے نہ اُسے سُود کی نیت سے کسی طرح جائز ہے، ہاں بعد ختم اگر کمپنی بطور خود اس کو وُہ اضافہ دے اور کمپنی میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو تو یہ اُس اضافہ کو اس نیت سے لے سکتا ہے کہ ایک غیر مسلم جماعت ایک مال بخوشی دیتی ہے، یُوں مال مباح سمجھ کرلے سکتا ہے سُود کی نیت نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۷: از کوسی کلاں ضلع متھرا مرسلہ اللہ مہر ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ اس میں کہ زکوۃ اعلان سے دینا بہتر ہے یا خفیہ طور سے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

زکوۃ اعلان کے ساتھ دینا بہتر ہے اور خفیہ دینا بھی بے تکلّف روا ہے، اور اگر کوئی صاحبِ عزّت حاجتمند ہو کہ اعلانیہ نہ لے گا یا اس میں سبکی سمجھے گا تو اُسے خُفیہ ہی دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸: از سیّد پور ڈاک خانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغاز علی خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

تجارت کے سرمایہ اصلی پر یعنی اس کی لاگت پر زکوۃ دینا واجب ہے یا منافع پر؟

الجواب:

تجارت کی نہ لاگت پر زکوۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سال تمام کے وقت جو زر منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوۃ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۹: مسئولہ حافظ محمود حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

زید نے بکر کو کچھ دیا اور کہا اس کو مساکین کو جہاں مناسب سمجھو دے دیجیو، اگر زید خود اس کا مصرف ہو اپنے اوپر اس کو صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

جس کے مالک نے اُسے اذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صرف کرنے کا اختیار حاصل ہے، جبکہ یہ اس کا مصرف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے اُسے اپنے نفس پر صَرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی یا اولاد کو دے دینا جب بھی جائز ہوتا اگر وُہ مصرف تھے۔ درمختار میں ہے:

للوکیل ان یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لا لنفسہ الا اذا قال ربھا	وکیل کو جائز ہے کہ اپنے نابالغ فقیر بچّے اور اپنی بیوی مستحق کو زکوۃ دے دے جبکہ خود نہیں لے سکتا،

ضعھا حیث شئت۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاں اگر مال والے نے یہ کہا ہو کہ جہاں مناسب سمجھو خرچ کرو، تو اپنے لیے بھی جائز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۰ تا ۶۲: ازاندور سیاگنج مرسلہ طاہر محمد عبدالغنی صاحب ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) اگر چند اشخاص دولتمند کئی ہزار روپے زکوٰۃ کا جمع کرکے چند معتبر لوگوں کے سپرد اس غرض سے کریں کہ وہ روپیہ حقداران زکوٰۃ حسبِ ضرورت ان کے دیا جائے۔

(۲) وُہ لوگ جن کی سپردگی میں مالِ زکوٰۃ دیا گیا ہے وہ اس مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، یا کسی تاجر کی شرکت میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) ایک ایسا شخص کہ جس کے نزدیک اپنا ذاتی مکان ہے اور اس مکان کی سالانہ آمدنی سوروپے تھی مگر بوجہ عیالدار ہونے کے اُس کا خرچ تین سوروپے سالانہ ہے تو ایسے شخص کو زکوٰۃ کے مال سے امداد دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(او۲) ان لوگوں پر فرض ہے کہ وُہ روپیہ مستحقینِ زکوٰۃ پر تقسیم کردیں اُس سے تجارت کرنا ان کو حرام ہے جب تک اذنِ جملہ مالکان نہ ہو، اور مالکوں کو بھی جائز نہیں کہ اگر اُن پر زکوٰۃ کا پورا سال ہوچکا ہو تو زکوٰۃ روکیں اور تجارت کے منافع حاصل ہونے پر ملتوی کریں۔ سال تمام پر زکوٰۃ فوراً فوراً ادا کرنا واجب ہے، ہاں جس نے پیشگی دیا ہُوا بھی سال تمام اُس پر نہ آیا ہو وہ سال تمام آنے تک ٹھہرے سکتا ہے، پھر اگر یُوں کرے کہ مثلاً ہزار روپے سال آئندہ کی زکوٰۃ کی نیت سے تجارت میں لگادئے کہ ان سے جو نفع ہو وہ بھی مع ان ہزار کے فقراء کو دے گا تو یہ نہایت محبوب عمل ہے،

وفیہ حدیث من زرع شعیر اجرۃ الاجیر وحصل منہ اموالا فلما جاء الاجیر سلم کلھا الیہ ففرج اللہ بہ منہ وھم اصحاب الرقیم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔[2]	اس بارے میں وُہ حدیث ہے کہ جس نے مزدور کی اُجرت جَو کو بویا اور اس سے جو اموال حاصل ہوئے جب مزدور آیا تو وُہ تمام اموال اسے دے دئے، تو اللہ تعالٰی نے انھیں (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کو راستہ دیا جب وہ غار میں پھنس گئے تھے اور وُہ اصحاب کہف ہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] صحیح مسلم باب قصہ اصحاب الغار الثلثۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۵۳

مگر یہ ضرور ہے کہ اگر تجارت میں نقصان ہو تو نقصان فقراء پر نہیں ڈال سکتا، اُن کو سال تمام پر پورے ہزار دینے لازم ہوں گے۔

(۳) ہاں اُسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں اگرچہ اُس کی حاجت سکونت کا مکان ہزار روپے کا ہو یا کرائے پر چلالے کہ مکان سے ہزار روپے سالانہ آتا ہو اور اُس کا ضروری مصارف و نفقہ اہل و عیال سے اتنا نہ بچتا ہو کہ وُہ اپنی حاجت اصلیہ سے فارغ ۵۶ روپے کا مالک ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوکان له حوانیت او دارغلة تساوی ثلاثة الاف درهم وغلتها لا تکفی لقوته وقوت عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه فی قول محمد رحمه اللهتعالٰی ولو کان له ضیعة تساوی ثلٰثةالاف ولا تخرج مایکفی له ولعیاله اختلفوا فیه قال محمد بن مقاتل یجوز له اخذالزکوٰة هکذا فی فتاوی قاضیخان۔[1] واللهتعالٰی اعلم۔	اگر کسی شخص کی دُکانیں اور کرایہ کی جگہ ہے جو تین ہزار دراہم کے مساوی ہیں لیکن کرایہ اس کے اور اس کے عیال کے لیے کافی نہیں تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس پر زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے، اور اگر اس کی زمین ہے جو تین ہزار کے مساوی ہے لیکن اس سے اتنی پیداوار نہیں ہوتی جو اُس کے اور اس کے اہل و عیال کے لیے کافی ہو تو اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے محمد بن مقاتل کہتے ہیں کہ اس کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳ تا ۶۴: مرسلہ محمد قاسم صاحب از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے علمائے دین وشرع متین ذیل کے مسئلوں میں:

(۱) ایک شخص نے چالیس یا پچاس ہزار کے مکانات اپنی حاجات سے زیادہ صرف کرایہ وصول کرنے کی غرض سے خرید کیے، آیا اس صُورت میں حاجت سے زیادہ مکانات میں ان کی قیمت کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے یا جو کرایہ آتا ہے اس کے اوپر ہے؟

(۲) جو صاحب مکان کی زینت کے لیے تانبے، پیتل، چینی وغیرہ کے برتن خرید کرکے مکان کو سجاتا ہے اور کبھی وہ برتن استعمال میں بھی آتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے ہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف، نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۹

الجواب:

(۱) مکانات پر زکوۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں کرایہ سے جو سال تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدر نصاب ہو۔

(۲) برتن وغیرہ اسبابِ خانہ داری میں زکوۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپے کے ہوں، زکوۃ صرف تین ۳ چیزوں پر ہے: سونا، چاندی کیسے ہی ہوں، پہننے کے ہوں یا برتنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۵: از بدایوں خانہ اسسٹنٹ کمشنر ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

ایک شخص کے پاس مال زکوۃ کے قابل ہے، اُس نے سال گزشتہ کے بعد یکمشت روپیہ مسلمان محتاج کو دیا لیکن اس نے زکوۃ کی نیت بر وقت دینے کے نہ کی، نہ اس کے دل میں خیال آیا کہ زکوۃ ادا کرتا ہوں، بعد کو خیال آیا ہو تو یہ دیا ہوا روپیہ زکوۃ میں داخل ہُوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ مال محتاج کو دیا خالص بہ نیتِ زکوۃ الگ رکھا تھا یعنی اس نیت سے جُدا کرکے رکھ چھوڑا کہ اسے زکوۃ میں دیں گے تو جس وقت اس میں سے محتاج کو دیا گیا زکوۃ ادا ہوگئی اگرچہ دیتے وقت زکوۃ کا خیال نہ آیا اور ایسا نہ تھا وُہ مال جب تک محتاج کے پاس موجود ہے اب اس میں زکوۃ کی نیّت کرلے صحیح ہوجائے گی، اور اگر اس کے پاس نہ رہا تو اب نہیں کرسکتا، یہ مال خیرات نفل میں گیا زکوۃ جُدا ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

شرط صحة ادائها نية مقارنة للاداء ولوكانت المقارنة حكما كما لودفع بلانية ثم نوى والمال قائم في يدالفقير اومقارنة بعزل ماوجب كله او بعضه ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء اه[1] ملخصا والله تعالٰی اعلم۔	صحت ادائیگی زکوۃ کے لیے ادا کے وقت نیت کا متصل ہونا ضروری ہے خواہ اتصال حکمی ہو، مثلاً کسی نے بلانیت زکوۃ ادا کردی اور ابھی مال فقیر کے قبضہ میں ہو تو نیت کرلی یا کل یا بعض مال برائے زکوۃ جدا کرتے وقت نیت کرلی جائے، باقی جدا کرنے سے ذمہ داری پُوری نہیں ہوتی بلکہ فقراء تک پہنچانے سے ہوگی اھ تلخیصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

مسئلہ ٦٦: از مونگیر محلّہ بٹون بازار مرسلہ شیخ امداد علی صاحب ۲۱صفر ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ قرض و دین میں لوگوں پر پھیلا ہو اور زر وصولی ہو تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر واجب ہوگی تو فی الحال یا بعد وصول، اور کتنے وصول پر واجب ہوگی اور اس پر سال تمام کب سے لیا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دین تین ۳ قسم ہے:

اول: قوی یعنی قرض، جس عرف میں دست گردان کہتے ہیں اور تجارتی مال کا ثمن یا کرایہ، مثلاً اُس نے بہ نیت تجارت کچھ مال خریدا وہ قرضوں کسی کے ہاتھ بیچا تو یہ دین جو خریدار پر آیا دینِ قوی ہے، یا کوئی مکان یا دکان یا زمین بہ نیتِ تجارت خریدی تھی اب اسے کسی کے ہاتھ سکونت یا نشست یا زراعت کے لیے کرایہ پر دیا، یہ کرایہ اگر اس پر دین ہوگا تو دینِ قوی ہوگا۔

دوم: متوسط کہ کسی مال غیر تجارتی کا بدل ہو، مثلاً گھر غلّہ یا اثاث البیت، یا سواری کا گھوڑا کسی کے ہاتھ بیچا، یونہی اگر کسی پر کوئی دین اپنے مورث کے ترکہ میں ملا تو مذہبِ قوی پر وُہ بھی دین متوسط ہے۔

سوم: ضعیف کہ کسی مال کا بدل نہ ہو، جیسے عورت کا مہر کہ منافع بضع کا عوض ہے، یا وُہ دین جو بذریعہ وصیّت اسے پہنچا یا بسبب خلع عورت پر لازم آیا، یا مکان زمین کہ بہ نیّت تجارت نہ خریدی تھی اُن کا کرایہ چڑھا قسم سوم کے دین پر، جب تک دین رہے اصلاً زکوۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ دس برس گزر جائیں، ہاں جس دن سے اس کے قبضہ میں آئے گا شمارِ زکوۃ میں محسوب ہوگا یعنی اس کے سوا اور کوئی نصاب زکوۃ اسی کی جنس سے اس کے پاس موجود تھا اس پر سال چل رہا تھا تو جو وصول ہُوا اس میں ملا لیا جائے گا اور اسی کے سال تمام پر کل کی زکوۃ لازم ہوگی، اور اگر ایسا نصاب نہ تھا تو جس دن سے وصول ہُوا اگر بقدرِ نصاب ہے اُسی وقت سے سال شروع ہو اور نہ کچھ نہیں اور دو قسم سابق میں تجارت دین ہی سال بسال زکوۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس ادا کرنا اُسی وقت لازم ہوگا جبکہ اُس کے قبضہ میں دین قوی سے بقدر خمس نصاب یا متوسط سے بقدر کامل نصاب آئیگا یہاں کے روپے میں نصاب کامل ۵۶ روپیہ ہے اور اس کا خمس لعہ ۲۳-۲/۵ پائی، پھر اگر دین کئی سال کے بعد وصول ہو تو ہر سال متقدم کی زکوۃ جو اس کے ذمہ دین ہوتی رہی وُہ پچھلے سال کے حساب میں اسی وصولی رقم پر ڈالی جائے گی، مثلاً عمرو پر زید کے تین سو درہم شرعی دین قوی تھے، پانچ برس بعد چالیس درہم سے کم وصول ہوئے تو کچھ نہیں اور چالیس ہُوئے تو صرف ایک درہم دینا آئے گا اگرچہ پانچ برس کی زکوۃ واجب ہے کہ سال اوّل کی بابت ان چالیس درہم سے ایک درہم دینا آیا یا اب انتالیس رہ گئے کہ خمس نصاب سے کم ہے لہٰذا باقی برسوں کی بابت ابھی

کچھ نہیں، اور اگر تین سو درہم دین متوسط تھے تو جب تک دو سو وصول نہ ہوں کچھ واجب الادا نہیں اور دو سو درہم اگر پانچ برس بعد وصول ہُوئے تو اکیس درہم دینے ہوں گے، سال اول کے پانچ درہم، اب سال دوم میں مایہ رہ گئے تو کہ خمس سے کم تھے عفو ہو کر ماہ درہم' سال سوم میں مالہ رہے اب بھی چار درہم، چہارم میں مامعہ، پنجم میں مالعہ، ان پر بھی چار چار' کل لہ درہم واجب الادا ہُوئے، یونہی جب دین قوی سے خمس نصاب اور متوسط سے پُورا نصاب ہوتا جائے گا اسی حساب سے اتنے کی زکوٰۃ سنین گزشتہ کی زکوٰۃ واجب الادا ہوتی جائے گی، اگر کل وصول ہو گا کل کی، پھر دین ہونے کی تاریخ سے سال اول حالت میں مانا جائے گا جبکہ اس سے پہلے اس کی کسی جنس کے نصاب کا سال رواں نہ تھا ورنہ جو دین وسط سال میں اس کا یا فتنی ہُوا وہ اسی مال موجود میں ملا کر اس کے سال سے حساب رہے گا مثلاً یکم محرم کو دو سو درم کا مالک ہوا، یکم رجب کو اس کا کوئی دین قوی یا متوسط کسی پر لازم آیا تو اس دین کا سال بھی یکم محرم سے لیں گے نہ کہ یکم رجب سے، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الدیون عند الامام ثلثة قوی، متوسط ضعیف، فتجب زکوٰتها اذا تم نصابا (بنفسه اوبما عنده ممایتم به) وحال الحول (ای ولو قبل قبضه فی القوی و المتوسط) لکن لافورًا بل عند قبض اربعین درهما من القوی کقرض وبدل مال تجارت فکلما قبض اربعین درهما یلزمه درهم و عند قبض مائتین من بدل مال لغیرتجارۃ وهو المتوسط کثمن سائمة وعبید خدمة ویعتبر مامضی من الحول قبل القبض فی الاصح ومثله مالوورث دینا علی رجل وعند قبض مائتین مع حولان الحول بعده من ضعیف و	امام صاحب کے نزدیک دیون کی تین اقسام ہیں: قوی، متوسط، ضعیف۔ دیون پر زکوٰۃ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ خود یا مالک کے پاس موجودہ مال سے مل کر نصاب کو پہنچیں اور ان پر سال گزرا ہوا اگرچہ قوی اور متوسط قبضہ سے پہلے ہو لیکن فورًا نہیں بلکہ قوی میں چالیس دراہم کے قبضہ پر ایک درہم ہوگا جیسا کہ قرض اور بدلِ مالِ تجارت میں ہوتا ہے تو جب بھی چالیس درہم پر قابض ہوگا ایک درہم لازم ہوگا، غیر تجارت کے بدلے میں جو دین ہوتا ہے اسے متوسط کہا جاتا ہے اس میں سے دو سو دراہم کے قبضہ کے بعد زکوٰۃ ہوگی مثلاً سائمہ کے قیمت، خدمت والے غلاموں کے قیمت، اصح قول کے مطابق قبضہ سے قبل گزشتہ سالوں کا بھی اعتبار کیا جائیگا، اسی کی مثل وُہ صورت ہے جب کوئی دین میں کسی کا وارث بنا، اور ضعیف میں دو سو کے

هو بدل غير مال كمهرو بدل خلع الا اذا كان عنده مايضم الى الدين الضعيف (الاولى ان يقول ما يضم الدين الضعيف اليه و الحاصل انه اذا قبض منه شيأ وعنده نصاب يضم المقبوض الى النصاب و يزكيه بحوله ولا يشترط له حول بعد القبض)[1] اھ ملخصًا۔مزيد امن رد المحتار اقول والاولى فى رسم الضعيف ماليس بدل يشتمل ماليس بدلا اصلا كالدين الموصى به فى ردالمحتار عن المحيط اما الدين الموصٰى به فلا يكون نصابًاقبل القبض لان الموصى له ملكه ابتداء من غير عوض ولا قائم مقام الموصى فى الملك فصار كما لو ملكه بهبة اھ[2] هذا۔وفى الخانية والفتح والبحر واللفظ لقاضى خان اذا اُجر داره اوعبده بمائتى درهم لاتجب الزكوٰة مالم يحل الحول بعد القبض فى قول ابى حنيفة رحمة اللّٰه‌تعالٰى عليه فان كانت الدار و العبد للتجارة وقبض	قبضہ کے وقت زکوۃ ہوگی بشرطیکہ اسکے بعد سال گزرے اور دین ضعیف غیر مال کا بدل ہوتا ہے مثلاً مہر، بدل خلع، مگر ایسی صورت میں جب دین ضعیف کے ساتھ مالک کے پاس موجود مال ہو تو ملایا جائے (بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ دین ضعیف کو اس مال کے ساتھ ملایا جائے، حاصل یہ ہے کہ اس میں سے جب کسی شئی پر قبضہ ہوا حالانکہ مالک کے پاس نصاب بھی تھا تو اب مقبوض کو نصاب سے ملا کر سال کی زکوۃ دی جائے اس میں قبضہ کے بعد سال کا گزرنا شرط نہیں) اھ تلخیصًا، اضافی عبارت ردالمحتار کی ہے، اقول: ضعیف کی تعریف یُوں کرنا بہتر ہے کہ جو مال کا بدل نہ ہوتا اسے بھی شامل ہوجائے جو اصلًا بدل ہی نہیں مثلًا وہ دین جس کی وصیّت کی گئی ہو۔ ردالمحتار میں محیط سے ہے وُہ دین جس کی وصیت کی گئی ہو وہ قبض سے پہلے نصاب نہیں بن سکتا کیونکہ موصی لہ بغیر عوض کے ابتداءً مالک بن رہا ہے اور یہ ملکیت میں وصیت کرنے والے کا قائم مقام بھی نہیں یہ ایسے ہوگا جیسے وہ ہبہ کا مالک بنا ہو اھ۔ خانیہ، فتح اور بحر میں ہے، اور الفاظ قاضی خاں کے ہیں جب کسی نے دار یا غلام دوسو دراہم کے عوض اجرت پر دیا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے مطابق قبضہ کے بعد سال گزرنے سے پہلے زکوۃ لازم نہ ہوگی، اگر دار اور غلام تجارت کے لیے تھے اور سال کے

[1] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوۃ باب زکوۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۶/۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب زکوۃ المال مصطفی البابی مصر ۳۸/۲ تا ۴۰

اربعین درھما بعد الحول کان علیه درھم بحکم الحول الماضی قبل القبض لان اجرۃ دارالتجارۃ وعبدالتجارۃ بنزلۃ ثمن مال التجارۃ فی الصحیح من الروایۃ اھ[1] **قلت:** فتقدم علی روایۃ انھا من الضعیف اوالوسیط وان مشی علی الاخری فی المحیط وکذلك کون الموروث من المتوسط ھو الرجیح وان جزم فی الھندیۃ عن الزاھدی انه من الضعیف، فقد مرضھا فی الخانیۃ واخر وھٰکذااشار الی تضعیفه فی الفتح والبحر وفی ردالمحتار عن المنتقی رجل له ثلثمائۃ ردھم دین حال علیھا ثلثۃ احوال فقبض مائتین عند ابی حنیفۃ یزکی للسنۃ الاولی خمسۃ وللثانیۃ والثالثۃ اربعۃ اربعۃ من مائۃ وستین ولا شئی ولیه فی الفضل لانه دون الاربعین اھ[2] وفی الھندیۃ عن شرح المبسوط للامام السرخی ان الدین مصروف الی المال الذی فی یدہ االخ[3] وفی ردالمحتار اذا کانت لالف ،من دین قوی کبدل عروض تجارۃ فان ابتداء الحول ھو حول الاصل الا من حین البیع ولا من حین القبض فاذا قبض منه نصابًااواربعین	بعد چالیس دراہم پر قبضہ ہوا تو اب ایک درہم لازم اس سال کی وجہ سے ہوا جو قبضہ سے پہلے گزرا ہے کیونکہ صحیح روایت مطابق دار تجارت اور عبد تجارت کی اجرت مال تجارت کے ثمن کی مثل ہوتی ہے اھ **قلت**: پہلے ایک روایت میں گزرا ہے کہ یہ دین ضعیف یا متوسط سے ہے اگرچہ محیط میں دوسری روایت کو اختیار کیا ہے، اسی طرح مال موروثہ بھی متوسط میں سے ہے اور یہی راجح ہے، اگرچہ ہندیہ میں زاہدی سے اس کے ضعیف ہونے پر جزم کیا ہے، خانیہ میں اسے کمزور قرار دیا ہے۔ اسی طرح فتح اور بحر میں اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے۔ ردالمحتار میں منتقی سے ہے کہ کسی شخص کا تین سو دراہم دین تھا اور اس پر تین سال گزرے تو اس کا دوسو پر قبضہ ہُوا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلے سال پانچ، دوسرے و تیسرے میں ایک سو ساٹھ میں سے، چار چار درہم زکوٰۃ دے، فضل میں کوئی شئی لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ چالیس سے کم ہیں اھ۔ ہندیہ میں امام سرخسی کی شرح مبسوط سے ہے کہ دین اس مال کی طرف لوٹے گا جس پر قبضہ ہوا الخ ردالمحتار میں ہے کہ جب دین قوی مثلاً بدل سامان تجارت، ہزار دراہم ہوں تو سال کی ابتداء حولِ اصل سے ہوگی نہ کہ وقتِ بیع سے اور نہ وقتِ قبضہ سے، تو جب اس نے دین سے نصاب یا چالیس درہم پر قبضہ کیا تو اس سال کا

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مال التجارۃ نولکشور لکھنؤ ۱ /۱۹- ۱۱۸

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال مصطفی البابی مصر ۲ /۳۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الزکوٰۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۷۳

درھما زکاہ عما مضی بانیا علی حول الاصل فلو ملك عرضا للتجارۃ ثم بعد نصف الحول باعہ ثم بعد حول و نصف قبض ثمنہ فقد تم علیہ حولا ن فیزکیھما وقت القبض بلا خلاف اھ [1] **اقول:** وانما خص الکلام بالقوی لان اصلہ من اموال الزکوٰۃ بخلاف المتوسط فلا حول لاصلہ فلو لم یکن لہ قبلہ نصاب من جنسہ لا یبتدأ الحول الامن حین البیع لانہ بہ صار مال الزکوٰۃ کما نقلہ ھٰھنا عن المحیط ولیس یرید ان فی الوسیط لا یبتدأ الامن وقت البیع وان وجد قبلہ نصاب یجانسہ تحت حولان الحول فانہ خلاف مسئلۃ المستفاد والمتفق علیھا عند علمائنا المصرح بھا فی جمیع کتب المذھب متونا وشروحا وفتاوٰی فافھم وتثبت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اعتبار کرتے ہُوئے گزشتہ عرصہ کی زکوٰۃ دے اگر کوئی شخص تجارت کے لیے سامان کا مالک ہُوا پھر اس نے نصف سال کے بعد سامان بیچ ڈالا اور ڈیڑھ سال کے بعد اس کے ثمن پر قبضہ کیا تو اب اس پر دو سال گزر چکے ہیں تو اب بلااختلاف وقت قبض سے اس کی زکوٰۃ دی جائے گی اھ اقول: دین کے ساتھ کلام مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کا اصل اموال زکوٰۃ سے ہوتا ہے بخلاف دین متوسط کہ وہاں اس کے اصل پر سال شرط نہیں ہے اب اگر اس کی جنس سے پہلے نصاب نہ تھا تو اب سال کی ابتداء بیع کے وقت سے ہی ہوگی کیونکہ اس کی وجہ سے وہ مالِ زکوٰۃ بنا ہے جیسا کہ اس مقام پر محیط سے منقول ہُوا ہے اور یہ مراد نہیں کہ متوسط میں وقتِ بیع سے پہلے ابتداء نہیں ہوسکتی اگرچہ سال پہلے اس کی جنس سے نصاب ہو کیونکہ یہ مسئلہ مستفاد اور اس متفق علیہ مسئلہ کے خلاف ہے جس پر ہمارے علماء نے تمام کتب کے متون، شروحات اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے، پس اسے اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر قائم رہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

جب قرضہ کے ادا کی شکل نہ ہُوئی تو شوہر نے والدہ کو رقعہ لکھ دیا اور وُہ زیور ان سے واپس لے کر فروخت کر ڈالا اور روپیہ تجارت میں لگایا، بیچنا مجھے منظور نہ تھا مگر مجبوری تھی کہ روزگار نہ تھا، شوہر کی بیکاری تھی، قرضہ ابھی ادا نہ ہُوا اور وُہ تجارت بھی نقصان ہو کر چھوٹ گئی، مالک تجارت شوہر ہی سمجھے جاتے تھے، اس کی آمد گھر میں سب بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہوتی تھی، تجارت چھٹنے کے بعد جو روپیہ بچا وہ سب گھر کے خرچوں میں صرف ہوا، کبھی یہ ذکر درمیان نہ آیا کہ میرے زیور کا روپیہ ہے کیونکہ معاملہ ایک سمجھا جاتا تھا اب وُہ روپیہ بھی نہیں اور

[1] ردالمحتار باب وجوب الزکوٰۃ فی دین المرصد مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹

نہ شوہر کا روزگار ٹھیک ہے اور قرضہ بدستور ہے، بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر زیور تمھاری اجازت سے بیچ کر شوہر نے اپنی تجارت میں لگایا اگرچہ وُہ اجازت اسی مجبوری سے تھی کہ شوہر کی بیکاری ہے تو اس کی قیمت شوہر پر قرض رہی، اور اگر بے تمھاری اجازت کے بطور خود بیچ ڈالا اگرچہ تم نے سکوت کیا تو حکم غصب میں تھا بہر حال سال بسال اُس کی زکوۃ تم پر واجب ہوتی رہی اور واجب ہُوا کرے گی جب تک نصاب باقی ہے مگر اس زکوۃ کا دینا تُم پر واجب نہ ہوگا، جب تک شوہر اس میں سے بقدر گیارہ روپے سوا تین آنہ کچھ کوڑیاں کم کے تمھیں ادا نہ کرے یعنی لعہ ۳/۲-۲/۵ پائی جس وقت اس قدر اس میں سے تمھارے قبضہ میں آئے گا اُس وقت اس مقدار کا چالیسوں حصّہ دینا واجب ہوگا اور اگر کچھ قبضہ میں نہ آئے گا تو اس زکوۃ کا ادا کرنا تو واجب نہ ہوگا،

قال الشامی فی مسئلۃ المغصوب قال والظاھر علی القول بالوجوب ان حکم الدین القوی اھ ای فتجب عند قبض اربعین درھما۔[1]	مغصوب میں فرمایا کہ ظاہر وجوب کا قول ہی ہے کیونکہ یہی دین قوی کا حکم ہے اھ یعنی چالیس درہم کے قبض پر ایک درہم لازم۔ (ت)

ہاں اگر تم نے وہ زیور انھیں دے ہی دیا تھا اس کی قیمت کبھی لینے کا خیال نہ تھا تو تم پر اس کی زکوۃ واجب ہی نہیں کہ ایسی حالت میں تمھیں استحقاقِ واپسی نہ رہا جبکہ کسی قرینہ سے شوہر کو مالک کر دینا سمجھا گیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص کا روپیہ اگر قرض میں پھیلا ہو تو اس کی زکوۃ اس کے ذمّہ فرض ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوۃ لازم ہے مگر جب بقدر نصاب یا خُمس نصاب وصول ہو اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۹: ۸ شوال ۱۳۱۴ھ

(۱) شوہر میرا قرضدار ہے اور میرے پاس زیور ہے زکوۃ کے لائق، اور میرا شوہر کا معاملہ ایک ہے، اور میرے پاس جو کچھ روپیہ ہوا تو شوہر کے قبضہ میں دے دیا یہ سمجھ کر کہ میرا اور اُن کا معاملہ واحد ہے بلکہ شوہر کو معلوم بھی

[1] ردالمحتار باب وجوب الزکوۃ فی دین المرصد مصطفی البابی مصر ۳۹/۲

بعد کو ہوا، اب میرانہ شوہر پر تقاضا ہے نہ یہ گفتگو ہُوئی کہ میں نے معاف کردیا بلکہ اپنا اُن کا معاملہ ایک سمجھ کر قرضہ میں دے دیا، اب جو زیور ہے وہ قرضہ سے بہت کم ہے لیکن زکوۃ کے لائق ہے اس صورت میں زکوۃ دینا فرض ہے یا نہیں؟ اور خرچ بال بچّوں کا بہت ہے آمد بہت کم ہے، اگر زکوۃ فرض ہو تو کچھ ایسی صورت بتائے کہ جس میں زکوۃ بھی ادا ہوجائے اور خرچ کو تکلیف نہ ہو۔

(۲) جو روپیہ میری والدہ کے پاس سے مجھ کو ملا تھا میں نے شوہر کے قرضہ میں دے دیا یا گھر میں بال بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا زکوۃ کا حال معلوم نہ تھا مجھ پر فرض ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عزّوجل کے حکم میں وُہ جدا جدا ہیں، جب تمھارے پاس زیور زکوۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوۃ کی کوئی چیز تمھاری اپنی ملک میں تھی اس پر بھی زکوۃ واجب ہُوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطور خود ان کے قرضہ میں دے دیا وہ تمھارا احسان سمجھا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا بال بچّوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمھارے ذمّہ نہیں، زکوۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھوں بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اللہ تعالٰے برکت وفراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالٰے سچّا اور اس کا وعدہ سچّا، والسّلام۔

(۲) اگر روپیہ تم نے شوہر کو دیا کہ اس سے اپنا قرض ادا کرلو اور اُسے دے ڈالنا مقصود نہ تھا تو وہ روپیہ تمھارا شوہر پر قرض ہے۔

فی العقود الدریۃ عن لسان الحکام دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لو قال اصرفھا الی حوائجک۔[1]	عقود الدریہ میں لسان الحکام سے ہے کہ اگر کسی کو یہ کہتے ہُوئے دراہم دئے گئے کہ تم انھیں خرچ کرو اب اس نے خرچ کرلیے تو یہ قرض ہے جیسا کہ کہا ہو کہ تُو اسے اپنی ضروریات میں خرچ کرے (ت)

اس صورت میں تو وہی حکم ہے کہ اس کی زکوۃ تم پر سال بسال واجب جب تک نصاب باقی رہے، مگر یہ زکوۃ دینا اسی وقت لازم ہوگا جب شوہر سے بقدر للعہ ۳/کے وصول پاؤ گی، اُس وقت اس زکوۃ میں سے ساڑھے چار آنے دینے واجب ہوں گے کچھ کوڑیاں کم یعنی ۴/ ۵-۱۹/۲۵ پائی، اور اگر شوہر کو دے ڈالا یا بطور خود شوہر کی

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بزار قندھار افغانستان ۹۱/۲

درخواست کے اُن کے قرضہ دے دیا تو یہ روپیہ اور نیز وُہ جو بچّوں کے خرچ میں صرف ہُوا اُن میں یہ دیکھا جائے گا کہ زکوٰۃ کا سال تمام ہونے سے پہلے یہ روپیہ دے ڈالا اور صَرف ہوگیا جب تو کچھ نہیں، اور اگر بعد زکوٰۃ واجب ہونے کے دے دیا اور اُٹھ گیا تو جب تک باقی تھا اتنی مدّت کی زکوٰۃ واجب رہے جب سے دے ڈالا خرچ ہوگیا زکوٰۃ لازم نہ ہوئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱: ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

عورت پر مہر کی زکوٰۃ کون سی صورت سے واجب ہوگی مثلًا مہر غیر معجّل ہے یا کہ معجّل اور غیر معجّل دونوں میں عورت نے معاف کردیا یا کہ معجّل اور غیر معجّل دونوں شوہر نے ادا نہ کیا، عورت پر جب بھی کیا زکوٰۃ واجب؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

معجّل مہر سے جب بقدر خمس نصاب ہو اُس وقت عورت پر زکوٰۃ واجب الادا ہوگی اور پہلے دیتی رہے تو بہتر ہے اور یہ مہر جو عام طور پر بلا تعیّنِ وقت باندھا جاتا ہے جس کا مطالبہ عورت قبلِ موت و طلاق نہیں کرسکتی اس پر زکوٰۃ کی صلاحیّت بعد وصول ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

اعزّالاکتناہ فی ردّصدقۃ مانع الزّکٰوۃ ۱۳۰۹

(زکوۃ ادانہ کرنے والے کے صدقہ نفلی کے رَد کے متعلق نادر تحقیقِ حقیق)

مسئلہ ۷۲: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرزاق خاں ذیقعدہ الحرام ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے روپیہ کی زکوۃ نہیں دیتا ہے مگر روپیہ مصرفِ خیر میں صرف کرتا ہے یعنی ہر روز فقراء کو زرِ نقد وغلّہ تقسم کرتا ہے، اور ایک مسجد بنوائی ہے، اور ایک گاؤں اس روپیہ سے خرید کرواسطے خیرات کے ہبہ کردیا ہے اور تاحیات خود زرتوفیر اس کا صرف کرتا رہے مصرف خیر میں۔ اب ایک اور شخص یہ کہتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوۃ نہیں دی گئی ہے، اس روپیہ سے کسی قسم کی خیرات جائز نہیں ہے ہر روز کی خیرات اور بنانا مسجد کااور گاؤں کا ہبہ کرنا سب اکارت ہے۔ فلہذا فتوی طلب کیا جاتا ہے کہ جس روپیہ کی زکوۃ نہیں دی گئی ہے اس روپیہ کو مصرفِ خیر میں صَرف کرنا جیساکہ بالامذکور ہے درست ہے یا نہیں؟ اور اگر درست نہیں تواس موضع کو ہبہ سے واپس لے کر دوبارہ اس قصد سے ہبہ کرے کہ اس موضع کی توفیر ہو جو ہر سال وصول ہوا کرے گی بالعوض اس زرِ زکوۃ کے جو اس کے ذمّہ زمانہ ماضیہ کی دین ہے، صرف ہُوا کرے۔ **بینوا توجروا**

المکلّف: عبدالرزاق خاں ولد نتھو خاں کھنڈ ساری ساکن پیلی بھیت محلّہ اشرف خاں

الجواب:

زکوٰۃ اعظم فروضِ دین واہم ارکانِ اسلام سے ہے ولہٰذا قرآن عظیم میں بتیس ۳۲ جگہ نماز کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا اور طرح طرح سے بندوں کو اس فرضِ اہم کی طرف بُلایا، صاف فرمادیا کہ زنہار نہ سمجھنا کہ زکوٰۃ دی تو مال میں سے اتنا کم ہوگیا، بلکہ اس سے مال بڑھتا ہے۔

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَ یُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ[1]	اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو (ت)

بعض درختوں میں کچھ اجزائے فاسدہ اس قسم کے پیدا ہوجاتے ہیں کہ پیڑ کی اُٹھان کو روک دیتے ہیں، احمق نادان انھیں نہ تراشے گا کہ میرے پیڑ سے اتنا کم ہوجائے گا، پر عاقل ہوشمند تو جانتا ہے کہ ان کے چھانٹنے سے یہ نونہال لہلہا کر درخت بنے گا ورنہ یُوں ہی مرجھا کر رہ جائے گا۔ یہی حساب زکوتی مال کا ہے۔ حدیث میں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما خالطت الصدقة او مال الزکوٰۃ مالا الا افسدته۔[2] رواہ البزار والبیھقی عن ام المومنین الصدیقه رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	زکوٰۃ کا مال جس میں ملا ہوگا اسے تباہ و برباد کردے گا۔ اسے بزار اور بیہقی نے ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔

دوسری حدیث میں ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماتلف مال فی بر ولا بحر الّا بحبس الزکوٰۃ۔[3] اخرجه الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ عن امیر المومنین عمر الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	خشکی وتری میں جو مال تلف ہوا ہے وُہ زکوٰۃ نہ دینے ہی سے تلف ہوا ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ سے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

تیسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ادی زکوٰۃ ماله فقد اذھب اللہ شرہ[4]۔ اخرجه ابن خزیمة فی صحیحه والطبرانی	جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی بیشک اللہ تعالٰی نے اس مال کا شر اس سے دُور کردیا۔ اسے ابن خزیمہ

---

[1] القرآن ۲ /۲۷۶

[2] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۳۵۲۲ فصل الاستعفاف عن المسئلۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳ /۲۷۳

[3] مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳ /۶۳

[4] صحیح ابن خزیمۃ حدیث ۲۲۵۸ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۱۳

فی الاوسط والحاکم فی المستدرك عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کردی بیشک اللہ تعالٰی نے اس مال کا شر اس سے دُور کردیا۔ اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں، طبرانی نے معجم اوسط میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

چوتھی حدیث میں ہے حضورِ علٰی صلوٰۃ واللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

حصّنوا اموالکم بالزکوٰۃ وداووا مرضاکم بالصدقۃ [1] رواہ ابوداؤد فی مراسیلہ عن الحسن والطبرانی و البیہقی وغیرھما من جماعۃ من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں کرلو زکوٰۃ دے کر، اور اپنے بیماروں کا علاج کرو خیرات سے۔ اسے ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں امام حسن بصری سے اور طبرانی و بیہقی اور دیگر محدثین نے صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اے عزیز! ایک بے عقل گنوار کو دیکھ کہ تخمِ گندم اگر پاس نہیں ہوتا بہزار دقت قرض دام سے حاصل کرتا اور اسے زمین میں ڈال دیتا ہے، اس وقت تو وُہ اپنے ہاتھوں سے خاک میں ملا دیا مگر امید لگی ہے کہ خدا چاہے تو یہ کھونا بہت کچھ پانا ہو جائے گا۔ تجھے اس گنوار کے برابر بھی عقل نہیں، یا جس قدر ظاہری اسباب پر بھروسہ ہے اپنے مالک جل وعلا کے ارشاد پر اتنا اطمینان بھی نہیں کہ اپنے مال بڑھانے اور ایک ایک دانہ ایک ایک پیڑ بنانے کو زکوٰۃ کا بیج نہیں ڈالتا۔ وُہ فرماتا ہے: زکوٰۃ دو تمھارا مال بڑھے گا۔ اگر دل میں اس فرمان پر یقین نہیں جب تو کُھلا کفر ہے، ورنہ تجھ سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنے یقینی نفع دین و دنیا کی ایسی بھاری تجارت چھوڑ کر دونوں جہانوں کا زیاں مول لیتا ہے۔

حدیث ۱: میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان تمام اسلامکم ان تؤدوا زکوٰۃ اموالکم۔ [2] رواہ البزار عن علقمۃ۔	تمھارے اسلام کا پُورا ہونا یہ ہے کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ ادا کرو۔ اسے بزار نے حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۲: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرتے ہیں:

من کان یؤمن باللہ ورسولہ فلیؤد زکوٰۃ	جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہو اسے لازم

[1] کتاب المراسیل باب الصائم یصیب اھلہ (۲۰) مکتبہ علمیہ لاہور ص ۶۲

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب وجوب الزکوٰۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۶

مالہ۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اللہ اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتا ہو اسے لازم ہے کہ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔

حدیث ۳: حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جس کے پاس سونا یا چاندی ہو اور اس کی زکوٰۃ نہ دے قیامت کے دن اس زر و سیم کی تختیاں بنا کر جہنم کی آگ میں تپائیں گے، پھر ان سے اس شخص کی پیشانی اور کروٹ اور پیٹھ پر داغ دیں گے، جب وُہ تختیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی پھر انھیں تپا کر داغیں گے قیامت کے دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے، یونہی کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب ہو چکے۔[2] اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (بخاری و مسلم نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) مولٰی تعالٰی فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍۙ (۳۴) یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ (۳۵)[3]	اور جو لوگ جوڑتے ہیں سونا چاندی اور اسے خدا کی راہ میں نہیں اٹھاتے یعنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے انھیں بشارت دے دُکھ کی مار کی، جس دن تپایا جائے گا وہ سونا چاندی جہنم کی آگ سے، پس داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، یہ ہے جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

پھر اس داغ دینے کو بھی نہ سمجھے کہ کوئی چہکا لگا دیا جائے گا یا پیشانی و پشت و پہلو کی چربی نکل کر بس ہو گی بلکہ اس کا حال بھی حدیث سے سُن لیجئے:

حدیث ۴: سیّدنا ابُوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ان کے سر، پستان پر وُہ جہنم کا گرم پتھر رکھیں گے کہ سینہ توڑ کر شانہ سے نکل جائے گا اور شانہ کی ہڈی پر رکھیں گے کہ ہڈیاں توڑتا سینہ سے نکلے گا۔[4] اخرجہ الشیخان

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۱ عن عبداللہ ابن عمر مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۲۴

[2] صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۸

[3] القرآن ۹/ ۳۴

[4] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب ما ادی زکوٰتہ فلیس بکنز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹

عن الاحنف بن قیس (اسے امام بخاری و مسلم نے حضرت احنف بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اور فرمایا: میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ پیٹھ توڑ کر کروٹ سے نکلے گا اور گُدّی توڑ کر پیشانی سے۔[1] رواہ مسلم (اسے امام مسلم نے روایت کیا۔ ت) اور اس کے ساتھ اور بھی ایک کیفیت سن رکھئے:

حدیث۵: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کوئی روپیہ دوسرے روپے پر نہ رکھا جائے نہ کوئی اشرفی دوسری اشرفی سے چُھوجائے گی بلکہ زکوٰۃ دینے والے کا جسم اتنا بڑھادیا جائے گا کہ لاکھوں کروڑوں جوڑے ہوں تو ہر روپیہ جُدا داغ دے گا۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر (اسے طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔ ت) اے عزیز! کیا خدا و رسول کے فرمان کو یونہی ہنسی ٹھٹھا سمجھتا ہے یا پچاس ہزار برس کی مدّت میں یہ جانکاہ مصیبتیں جھیلنی سہل جانتا ہے، ذرا یہیں کی آگ میں ایک آدھ روپیہ گرم کرکے بدن پر رکھ دیکھ، پھر کہاں یہ خفیف گرمی کہاں وہ قہر آگ، کہاں یہ ایک ہی روپیہ کہاں وُہ ساری عمر کا جوڑا ہوا مال، کہاں یہ منٹ بھر دیر کہاں وہ ہزار دن برس کی آفت، کہاں یہ ہلکا ساچھکا کہاں وُہ ہڈیاں توڑ کر پار ہونے والا غضب۔ اللہ تعالٰی مسلمان کو ہدایت بخشے، آمین!

حدیث۶: مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا وہ مال روزِ قیامت گنجے اژدہے کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑے گا۔ پھر سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق پڑھی کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

سَیُطَوَّقُوْنَ مَابَخِلُوْابِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ[3] [4] رواہ ابن ماجۃ والنسائی وابن خزیمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس چیز میں بخل کر رہے ہیں قریب ہے کہ طوق بنا کر ان کے گلے میں ڈالی جائے قیامت کے دن۔ اسے ابن ماجہ، نسائی اور ابن خزیمہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)

حدیث۷: فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وُہ اژدہا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا، اس سے فرمایا جائے گا: لے اپنا وُہ خزانہ کہ چھپا کر رکھا تھا کہ میں اس سے غنی ہُوں۔ جب دیکھے گا کہ

---

1 صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوٰۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱/ ۳۲۱

2 کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیمن منع الزکوٰۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۸، المعجم الکبیر مروی از ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۰۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲/ ۹۱

3 صحیح البخاری باب اثم مانع الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۸

4 مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۶۲

اس اژدہا سے کہیں مفر نہیں، ناچار اپنا ہاتھ اس کے مُنہ میں دے دے گا، وہ ایسا چبائے گا جیسے نراونٹ چباتا ہے۔[1] **رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جب وُہ اژدہا اس پر دوڑے گا یہ پُوچھے گا تُو کون ہے؟ کہے گا میں تیرا وُہ بے زکوٰتی مال ہوں جو چھوڑ مرا تھا جب یہ دیکھے گا کہ وُہ پیچھا کیے ہی جارہا ہے ہاتھ اس کے منہ میں دے دے گا وہ چبائے گا، پھر اس کا سارا بدن چباڈالے گا۔[2] **اخرجه البزار والطبرانی وابنا اخزیمة وحبان عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے بزار، طبرانی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۹: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وُہ اژدہا اُس کا منہ اپنے پھن میں لے کر کہے گا: میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہُوں۔[3] **رواہ البخاری والنسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۱۰: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: فقیر ہرگز ننگے بُھوکے ہونے کی تکلیف نہ اُٹھائیں گے مگر اغنیاء کے ہاتھوں، سُن لو ایسے تونگروں سے اللہ تعالٰی سخت حساب لے گا اور انھیں دردناک عذاب دے گا۔[4] **رواہ الطبرانی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجهه** (اسے طبرانی نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا ملعون ہے زبانِ پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر۔[5] **رواہ ابن خزیمة واحمد وابو یعلٰی وابن حبان** (اسے

---

1 صحیح مسلم باب اثم مانع الزکوۃ نور محمد اصح المطابع کراچی ۳۲۱/۱

2 کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیمن منع الزکوۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۱۸، المعجم الکبیر مروی از ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۰۸ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲ /۹۱

3 صحیح البخاری باب اثم مانع الزکوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۸۸/۱

4 مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط باب فرض الزکوۃ دارالکتاب العربی بیروت ۶/۳، صحیح ابن خزیمہ باب ذلعن لادی الصدقۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹

5 صحیح ابن خزیمہ باب ذلعن لادی الصدقۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹، کنز العمال بحوالہ ن عن ابن مسعود حدیث ۹۷۵۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴ /۱۰۴

ابن خزیمہ، احمد، ابویعلیٰ اور ابن حبان نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس پر گواہی کرنے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے، زکوٰۃ نہ دینے والے ان سب کو قیامت کے دن ملعون بتایا۔[1] **رواہ الاصبھانی** (اسے اصبہانی نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: قیامت کے دن تونگروں کے لیے محتاجوں کے ہاتھ سے خرابی ہے۔ محتاج عرض کرینگے اے رب ہمارے! انہوں نے ہمارے وُہ حقوق جو تُو نے ہمارے لیے ان پر فرض کیے تھے ظلمًا نہ دئے اللہ عزوجل فرمائے گا: مجھے قسم ہے اپنے عزّت کی وجلال کی کہ تمھیں اپنا قُرب عطا کروں گا اور انھیں دُور رکھوں گا۔[2] **رواہ الطبرانی وابو الشیخ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اسے طبرانی اور ابو شیخ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ لوگ دیکھے جن کے آگے پیچھے غرقی لنگوٹیوں کی طرح کچھ چیتھڑے تھے اور جہنّم کی گرم آگ پتّھر اور تھوہر اور سخت کڑوی جلتی بدبو گھانس چوپایوں کی طرح چرتے پھرتے تھے۔ جبریل امین علیہ الصّلٰوۃ والسلام سے پُوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ عرض کی: یہ زکوٰۃ نہ دینے والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔[3] **رواہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (اسے بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: دو عورتیں خدمتِ والا میں سونے کے کنگن پہنے ہُوئیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ عرض کی؟ نہ۔ فرمایا: کیا چاہتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: زکوٰۃ دو۔[4] **رواہ الترمذی والدارقطنی واحمد وابوداؤد والنسائی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما** (اسے ترمذی، دارقطنی، احمد، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: ایک بی بی چاندی کے چھلّے پہنے تھیں، فرمایا: ان کی زکوٰۃ دوگی؟ انہوں نے کچھ انکار سا کیا۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ھب عن علی حدیث ۹۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰۴/۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۶۲/۳

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار باب منہ فی الاسراء حدیث ۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳۸/۱

[4] جامع الترمذی باب ماجاء فی زکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۸۱/۱

فرمایا: تو یہ ہی جہنّم میں لے جانے کو بہت ہیں۔[1] **رواہ ابو داود والدار قطنی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا** (اسے ابو داؤد اور دار قطنی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۷: کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: زکوٰۃ نہ دینے والا قیامت کے دن دوزخ میں ہوگا۔[2] **رواہ الطبرانی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۸: فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: دوزخ میں سب سے پہلے تین شخص جائیں گے، ان میں ایک وُہ تونگر کہ اپنے مال میں عزوجل کا حق ادا نہیں کرتا۔[3] **رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہما عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

غرض زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وُہ نہیں جن کی تاب آسکے، نہ دینے والے کو ہزار سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنا چاہئے کہ ضعیف البنیان انسان کی کیا جان، اگر پہاڑوں پر ڈالی جائیں سُرمہ ہو کر خاک میں مل جائیں، پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جُھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور راس بادشاہ قہار کا وُہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے، شیطان کا بڑا دھوکا ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے، نادان سمجھتا ہی نہیں، نیک کام کر رہا ہوں، اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔ اے عزیز! فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے وُہ قابلِ قبول ہوں گے خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز؟ یوں یقین نہ آئے تو دنیا کے جُھوٹے حاکموں ہی کو آزمالے، کوئی زمین دار مال گزاری تو بند کرلے اور تحفے میں ڈالیاں بھیجا کرے، دیکھو تو سرکاری مجرم ٹھہرتا ہے یا اس کی ڈالیاں کچھ بہبود کا پھل لاتی ہیں! ذرا آدمی اپنے ہی گریبان میں منہ ڈالے، فرض کیجئے آسامیوں سے کسی کھنڈ ساری کا رس بندھا ہوا ہے جب دینے کا وقت آئے وُہ رس تو ہرگز نہ دیں مگر تحفے میں آم خربوزے بھیجیں، کیا یہ شخص ان آسامیوں سے راضی ہوگا یا آتے ہوئے اس کی نادہندگی پر جو آزار انھیں پہنچا سکتا ہے ان آم خربوزے کے بدلے اس سے باز

---

[1] سنن ابی داؤد باب الکنز ماھو وزکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۲۱۸/۱

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الصغیر باب فرض الزکوٰۃ دار الکتاب العربی بیروت ۶۴/۳

[3] صحیح ابن خزیمہ باب لذکر اذ خال مانع الزکوٰۃ الخ المکتب الاسلامی بیروت ۸/۴

آئے گا۔سبحان اللہ! جب ایک کھنڈ ساری کے مطالبہ کا یہ حال ہے تو ملک الملوک احکم الحاکمین جل وعلاکے قرض کا کیاپُوچھنا! لاجرم محمد بن المبارک بن الصباح اپنے جزءِ املا اور عثمان بن ابی شیبہ اپنی سنن اور ابو نعیم حلیۃ الاولیاء اور ھنّاد فوائد اور ابن جریر تہذیب الآثار میں عبدالرحمٰن بن سابط وزید وزبید پسران حارث ومجاہد سے راوی:

لما حضراباابکرن الموتُ دعا عمر فقال اتق اللہیا عمر واعلم ان له عملا بالنهار لا یقبله باللیل و عملا باللیل لا یقبله بالنهار واعلم انه لایقبل نافلة حتی تؤدی الفریضة [1] الحدیث۔ ذکرہ العلامۃ ابراھیم بن عبد اللہالیمنی المدنی الشافعی فی الباب الثالث عشر من کتاب"القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب"وفی الباب التاسع عشر من کتاب"التحقیق فی فضل الصدیق"وھو اول کتب کتابه"الاکتفا فی فضل الابعة الخلفاء"ورواہ الامام الجلیل الجلال السیوطی رحمه اللہتعالیٰ فی الجامع الکبیر فقال عن عبدالرحمٰن بن سابط و زید و زبید بن الحارث و مجاھد قالو الما حضر الخ [2]	یعنی جب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیّد ناصدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرنا اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انھیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں کہ انھیں دن میں کرو تو مقبول نہ ہوں گے، اور خبر دار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے الحدیث (اسے علامہ ابراہیم بن عبد اللہالیمنی المدنی الشافعی نے القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب کے باب نمبر ۱۳ میں اور کتاب التحقیق فی فضل الصدیق کے باب نمبر ۱۹ میں ذکر کیا ہے، یہ پہلی کتاب ہے، جو انہوں نے خود لکھی ہے جس کا نام "الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء" ہے' اسے امام جلیل جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے جامع الکبیر میں عبدالرحمٰن بن سابط اور زید وزبید بن الحارث اور مجاہد سے روایت کیا کہ جب نزع کا وقت آیا۔ت)

حضورپُرنور سیّدنا غوث اعظم مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملّۃ والدّین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کے لیے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے۔ فرماتے ہیں: اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ

[1] حلیۃ الاولیاء ذکر المہاجرین نمبر ا ابو بکر الصدیق دار الکتاب العربی بیروت ۱ /۳۶

[2] المسانید والمراسیل من الجامع الکبیر حدیث ۱۸۹ام سند ابو بکر الصدیق دار الفکر بیروت ۵۳/۱۳

اپنی خدمت کے لیے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہُوا اور اس کے غلام کی خدمتگاری میں موجود رہے۔ پھر حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولیٰ علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں: ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا جب بچّہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب وہ نہ حاملہ ہے نہ بچّہ والی۔ یعنی جب پُورے دنوں پر اگر اسقاط ہو تو محنت تو پُوری اٹھائی اور نتیجہ خاک نہیں کہ اگر بچہ ہوتا تو ثمرہ خود موجود تھا حمل باقی رہتا تو آگے امید لگی تھی، اب نہ حمل نہ بچّہ، نہ اُمید نہ ثمرہ اور تکلیف وہی جھیلی جو بچّہ والی کو ہوتی۔ ایسے ہی اس نفل خیرات دینے والے کے پاس روپیہ تو اٹھا مگر جبکہ فرض چھوڑا یہ نفل بھی قبول نہ ہُوا تو خرچ کا خرچ ہوا اور حاصل کچھ نہی۔ اسی کتاب مبارک میں حضور مولیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ:

فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منه واهین۔[1]	یعنی فرض چھوڑ کر سنت و نفل میں مشغول ہوگا یہ قبول نہ ہوں گے اور خود کیا جائے گا۔

یُوں ہی شیخِ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ، نے اس کی شرح میں فرمایا کہ:

ترک آنچہ لازم وضروری ست واہتمام بآنچہ نہ ضروری است از فائدہ عقل وخرد دوراست چہ دفع ضرر اہم ست.بر عاقل از جلب نفع بلکہ بحقیقت نفع دریں صورت منتفی است۔[2]	لازم اور ضروری چیز کا ترک اور جو ضروری نہیں اس کا اہتمام عقل وخرد میں فائدہ سے دُور ہے کیونکہ عاقل کے ہاں حصولِ نفع سے دفعِ ضرر اہم ہے بلکہ اس صورت میں نفع منتفی ہے۔ (ت)

حضرت شیخ الشیوخ امام شہاب الملّۃ والدّین سُہروردی قدس سرہ العزیز عوارف شریف کے باب الثامن والثلثین میں حضرت خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

بلغنا ان اللہ لایقبل نافلة حتی یؤدی فریضة یقول اللہ تعالٰی مثلکم کمثل العبد السوء بداء بالهدایة قبل قضاء الدین۔[3]	ہمیں خبر پہنچی کہ اللہ عزّوجل کوئی نفل قبول نہیں فرماتا یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے، اللہ تعالٰی ایسے لوگوں سے فرماتا ہے کہاوت تمھاری بد بندہ کی مانند ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے تحفہ پیش کرے۔

خود **حدیث** میں ہے: حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

1 فتوح الغیب مع شرح عبدالحق الدہلوی المقالۃ الثامنۃ والاربعون منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳

2 فتوح الغیب مع شرح عبدالحق الدہلوی المقالۃ الثامنۃ والاربعون منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳

3 عوارف المعارف ملحق باحیاء العلوم باب ۳۸ فی ذکر آداب الصلوٰۃ المکتبۃ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ص ۱۶۸

اربع فرضھن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلث لم یغنین عنہ شیئًا حتی یاتی بھن جمیعًا الصّلوۃ والزکوٰۃ وصیام رمضان وحج البیت۔[1] رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند حسن عن عمارۃ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	چار ۴ چیزیں اللہ تعالٰی نے اسلام میں فرض کی ہیں جو ان میں سے تین ادا کرے وہ اسے کچھ کام نہ دیں جب تک پُوری چاروں نہ بجالائے نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حجِ کعبہ (اسے امام احمد نے اپنی مسند میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

امرنا باقام الصلٰوۃ وایتاء الزکٰوۃ ومن لم یزک فلا صلٰوۃ لہ۔[2] رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح۔	ہمیں حکم دیا گیا کہ نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں اور جو زکوۃ نہ دے اس کی نماز قبول نہیں (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

سبحان اللہ! جب زکٰوۃ نہ دینے والے کی نماز، روزے، حج تک مقبول نہیں تو اس نفل خیرات نام کی کائنات سے کیا امید ہے بلکہ انہی سے اصبہانی کی روایت میں آیا کہ فرماتے ہیں:

من اقام الصلٰوۃ ولم یؤت الزکوۃ فلیس بمسلم ینفعہ۔[3]	جو نماز ادا کرے اور زکوۃ نہ دے وہ مُسلمان نہیں کہ اسے اس کا عمل کام آئے۔

الٰہی! مسلمان کو ہدایت فرما آمین! بالجملہ اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا، یہ سب امور صحیح ولازم تو ہوگئے کہ اب نہ دی ہوئی خیرات فقیر سے واپس کرسکتا ہے نہ کئے ہوئے وقف کو پھیر لینے کا اختیار رکھتا ہے، نہ اس گاؤں کی توفیر ادائے زکٰوۃ، خواہ اپنے اور کسی کام میں صرف کرسکتا ہے کہ وقف بعد تمامی لازم و حتمی ہو جاتا ہے جس کے ابطال کا ہرگز اختیار نہیں رہتا۔

فی الدرالمختار الوقف عند ھما ھو حبسھا علی ملك اللہ تعالٰی فیلزم فلا یجوز	درمختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہو جاتا ہے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث زیاد بن نعیم دارالفکر بیروت ۴ /۲۰۱، کنزالعمال بحوالہ ھب عن عمارہ بن حزم حدیث ۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱ /۳۰

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر باب فرض الزکوٰۃ دارالکتاب العربی بیروت ۳ /۶۲

[3] الترغیب والترھیب بحوالہ اصبہانی الترھیب من منع الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱ /۵۴۰

له ابطاله ولا يورث عنه وعليه الفتوى.[1] ملخصاً۔	درمختار میں ہے کہ وقف صاحبین کے نزدیک اللہ تعالٰی کی ملکیت میں چلے جانے کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے لہٰذا اس کا ابطال جائز نہیں، اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہوسکتا ہے، اسی پر فتوی ہے۔(ت)

مگر بااین ہمہ جب تک زکوۃ پُوری پُوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب و قبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہوجانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا مقبول بارگاہ ہونا اور بات ہے، مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کے لیے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہوگئی فرض اُتر گیا، پر نہ قبول ہوگی نہ ثواب پائے گا، بلکہ الٹا گناہگار ہوگا، یہی حال اس شخص کا ہے۔اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدو مبین ہے بالکل ہلاک کردینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصد خیرات کا لگا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے اسے بھی کاٹ دینے کے لیے یوں فقرہ سُجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ، چلو اسے بھی دُور کرو، اور شیطان کی پوری بندگی بجالاؤ، مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذاب شدید سے رہائی منظور ہے، وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ اس حکم شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل ہی متمرد و سرکش بنایا بلکہ تجھے تو فکر کرنی تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کہ یہ وقف و مسجد و خیرات بھی سب قبول ہوجانے کی اُمید پڑتی، بھلا غور کرو وُہ بات بہتر کہ بگڑتے ہُوئے کام پھر بن جائیں، اکارت جاتی محنتیں از سرِ نو ثمرہ لائیں یا معاذاللہ یہ بہتر کہ رہی سہی نام کو جو صورتِ بندگی باقی ہے اسے بھی سلام کیجئے اور کھلے ہوئے سرکشوں، اشتہاری باغیوں میں نام لکھا لیجئے، وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوۃ نہ دینے سے توبہ کیجئے، آج تک جتنی زکوۃ گردن پر ہے فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے اور اسے راضی کرنے کو ادا کردیجئے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولا جس نے جان عطا کی، اعضا دئے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں، اس کے حضور منہ اُجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی اُمید ہوگی کہ جس جُرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے جب وہ زائل ہوگیا انھیں بھی باذن اللہ تعالٰی شرفِ قبول حاصل ہوگیا۔ چارہ کار تو یہ ہے آگے ہر شخص اپنی بھلائی بُرائی کا اختیار رکھتا ہے، مدّتِ دراز گزرنے کے باعث اگر زکوۃ کا تحقیقی حساب نہ معلوم ہوسکے تو عاقبت پاک کرنے کے لیے، بڑی سے بڑی رقم جہاں تک خیال میں آسکے فرض کرلے کہ زیادہ جائے گا تو ضائع نہ جائے گا، بلکہ تیرے رب مہربان کے پاس تیری بڑی حاجت کے وقت کے لیے جمع رہے گا

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

وہ اس کا کامل اجر جو تیرے حوصلہ و گمان سے باہر ہے عطا فرمائے گا، اور کم کیا تو بادشاہ قہار کا مطالبہ جیسا ہزار روپیہ کا ویسا ہی ایک پیسے کا۔ اگر بدیں وجہ کہ مال کثیر اور قرنوں کی زکوٰۃ ہے یہ رقم وافر دیتے ہُوئے نفس کو درد پہنچے گا، تو اول تو یہ ہی خیال کرلیجئے کہ قصور اپنا ہے سال بہ سال دیتے رہتے تو یہ گٹھڑی کیوں بندھ جاتی، پھر خدائے کریم عزّوجل کی مہربانی دیکھئے، اس نے یہ حکم نہ دیا کہ غیروں ہی کو دیجئے بلکہ اپنوں کو دینے میں دُونا ثواب رکھا ہے، ایک تصدّق کا، ایک صلہ رحم کا۔ تو جو اپنے گھر سے پیارے، دل کے عزیز ہوں جیسے بھائی، بھتیجے، بھانجے، انھیں دے دیجئے کہ ان کا دینا چنداں ناگوار نہ ہوگا، بس اتنا لحاظ کرلیجئے کہ نہ وہ غنی ہو نہ غنی باپ زندہ کہ نابالغ بچّہ، نہ اُن سے علاقہ زوجیت یا ولادت ہو یعنی نہ وُہ اپنی اولاد میں نہ آپ انکی اولاد میں۔ پھر اگر رقم ایسی ہی فراواں ہے کہ گویا ہاتھ بالکل خالی ہُوا جاتا ہے تو دئے بغیر تو چھٹکارا نہیں، خدا کے وہ سخت عذاب ہزاروں برس تک جھیلنے بہت دشوار ہیں، دُنیا کی یہ چند سانسیں تو جیسے بنے گزر ہی جائیں گی، تاہم اگرچہ یہ شخص اپنے ان عزیزوں کو بہ نیّتِ زکوٰۃ دے کر قبضہ دلائے پھر وہ ترس کھا کر بغیر اس کے جبر واکراہ کے اپنی خوشی سے بطور ہبہ جس قدر چاہیں واپس کردیں تو سب کے لیے سراسر فائدہ ہے، اس کے لیے یہ کہ خدا کے عذاب سے چھُوٹا اللہ تعالٰی کا قرض وفرض ادا ہُوا اور مال بھی حلال وپاکیزہ ہو کر واپس ملا، جو رہا وُہ اپنے جگر پاروں کے پاس رہا، ان کے لیے یہ فائدہ ہیں کہ دنیا میں مال ملا عقبٰے میں اپنے عزیز مسلمان بھائی پر ترس کھانے اور اسے ہبہ کرنے اور اس کے ادائے زکوٰۃ میں مدد دینے سے ثواب پایا، پھر اگر ان پر پُورا اطمینان ہو تو زکوٰۃ سالہا سال حساب لگانے کی بھی حاجت نہ رہے گی، اپنا کل مال بطور تصدّق انھیں دے کر قبضہ دلادے پھر وہ جس قدر چاہیں اسے اپنی طرف سے ہبہ کردیں، کتنی ہی زکوٰۃ اس پر تھی سب ادا ہو گئی اور سب مطلب بر آئے اور فریقین نے ہر قسم کے دینی ودنیوی نفع پائے، مولٰی عزوجل اپنے کرم سے توفیق عطا فرمائے آمین آمین یارب العالمین۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔**

مسئلہ ۷۳: از شہر ملوک پور مرسلہ جناب سیّد محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ زکوٰۃ کس ماہ میں دینا اولٰی ہے یا یہ کہ زیور اور روپیہ تو جب پورا سال گزر جائے؟

الجواب:

جب سال تمام ہو فورًا فورًا پُورا ادا کرے، ہاں اوّلیّت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے، اس کے لیے بہتر ماہِ مبارک رمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستّر فرضوں کے برابر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: از بنارس مسجد بی بی راجی متصل شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۳۱۲ھ **ماقولکم ایھا العلماء** (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے) دریں مسئلہ کہ زید پیشہ طبابت کرتا ہے اور کُچھ گولیاں اس کے پاس ہیں کہ بحساب فی روپیہ ۴ گولیاں علی العموم بیماروں کو دیتا ہے لیکن لاگت اصل چار گولیوں کے چار پیسے ہے، جب مطب میں کوئی غریب مصرفِ زکوۃ آجاتا ہے تو ۴ گولی مذکور الصدر جس کی قیمت اصلی ۴ پیسے ہے دے کر ایک روپیہ ادائے زکوۃ میں شمار کرتا ہے، اس صورت میں بموجب اس کے خیال کے ایک روپیہ زکوۃ میں سے ادا ہوگا یا ایک آنہ جو لاگتِ اصلی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہر چند شخص کو اختیار ہے کہ اپنے پیشہ کی چیز برضائے مشتری ہزار روپے کے بیچے جبکہ اس میں کذب وفریب ومغالطہ نہ ہو، مگر زکوۃ وغیرہا صدقاتِ واجبہ میں جہاں واجب شیئ کی جگہ اس کی غیر کوئی چیز دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جاسکتی ہے،

فی التبیین لوادی من خلاف جنسہ تعتبر القیمۃ بالاجماع اھ[1] وفی التتارخانیۃ عن التحفۃ الواجب فی الابل الانوثۃ حتی لایجوز الذکور الابطریق القیمۃ اھ[2] وفی محیط الامام السرخسی فی صدقۃ الفطر ان دقیق الحنطۃ والشعیر وسویقھما مثلھما والخبز لایجوز الاباعتبار القیمۃ وھوالاصح اھ[3] الکل فی الھندیۃ۔	تبیین میں ہے کہ اگر شیئ کے غیر جنس سے زکوۃ ادا کرنا ہو تو بالاتفاق قیمت کا اعتبار ہوگا اھ اور تاتارخانیہ میں تحفہ سے ہے کہ اونٹوں میں اگر مؤنث لازم ہے تو اب مذکر سے ادائیگی جائز نہیں مگر بطورِ قیمت اھ امام سرخسی کی محیط کے صدقۃ الفطر میں ہے کہ گندم وجو کا آٹا اور ان کے ستّو ایک دوسرے کی مثل ہیں لیکن روٹی نہیں دی جاسکتی، ہاں قیمت کے اعتبار سے، اور یہی اصح قول ہے اھ، مکمل تفصیل ہندیہ میں ملاحظہ کیجئے۔ (ت)

اور قیمت وُہ کہ نرخ بازار سے جو حیثیت شیئ کی ہو، نہ وہ کہ بائع اور مشتری میں اُن کی تراضی سے قرار پائے کہ وہ ثمن ہے،

---

[1] تبیین الحقائق باب زکوۃ المال مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱ / ۲۷۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تاتارخانیہ الفصل الثانی فی الفروض نورانی کتب خانہ پشاور ۱ / ۱۸۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ محیط السرخسی الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۹۱

فی ردالمحتار الفرق بین الثمن والقیمة ان الثمن ما تراضی علیه المتعاقد ان سواء زاد علی القیمة او نقص والقیمة ما قوم به الشئی بمنزلة المیعاد من غیر زیادة ولا نقصان۔[1]	ردالمحتار میں ہے کہ ثمن اور قیمت میں فرق ہے، جس پر متعاقدان راضی ہوجائیں وہ ثمن ہوں گے خواہ قیمت شئی سے زائد ہو یا کم، بغیر کسی کمی و زیادتی کے شئی کے معیاری عوض کا نام قیمت ہے۔ (ت)

تواُن گولیوں کی بہ لحاظ نرخ بازار جسقدر مالیّت ہواسی قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوں گے اُس سے زائد دینِ الٰہی رہا کہ فوراً واجب الادا ہے، ہاں اگر زیادہ محسوب کرنا چاہے تواس کی سبیل یہ نہیں بلکہ یُوں ہے کہ مصرف زکوٰۃ کو گولیاں ہبہ تنہ دے اس کے ہاتھ بیع کرلے، اب بیع میں اختیار ہے جو ثمن چاہے اس کی رضامندی سے ٹھہرالے اگرچہ شئی کی حیثیت سے کتنا ہی زائد ہو بشرطیکہ مشتری عاقل بالغ ہو، اوراسے سمجھادے کہ اگر تیرے پاس قیمت نہیں تواس کا اندیشہ نہ کر میں خود اپنے پاس سے تجھے دے کر سبکدوش کردوں گا، اب مثلاً ۴ گولیاں ایک روپیہ کو اس کے ہاتھ بیچے وُہ خریدے اس کا ایک روپیہ اس پر دین ہوگیا پھر ایک روپیہ بہ نیت زکوٰۃ اسے دے کر قبضہ کرادے پھر اپنے آتے میں روپیہ اس سے واپس لے، اگر وہ عذر کرے تو جبراً لے سکتا ہے کہ اتنی میں وُہ اس کا مدیون ہے، یوں اسے ۴ گولیاں مفت ملیں گی اوراس کی زکوٰۃ سے ایک روپیہ ادا ہوجائے گا،

فی الدر المختار حیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوٰته ثم یا خذھا من دینه ولوامتنع المدیون مدیده واخذ ھا لکونه ظفر بجنس حقه،[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ حیلہ جوازیہ ہے کہ آدمی اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دے پھر اس سے قرضہ وصول کرے، اگر مقروض نہ دے تو چھین لے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قادر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵ تا ۷۷: از بمبئی نمبر ۹ ہوٹل آئسکریم مسئولہ شیخ امام علی صاحب رضوی ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے کچھ زمین کسی زمیندار سے ٹھیکہ میں لی اس کے پاس دس ہزار روپیہ جمع کیا، میعاد ٹھیکہ مقرر نہیں، یہ طے ہوا کہ جس وقت روپیہ واپس کریں گے زمین ٹھیکہ سے نکال لیں گے اور اس شخص نے زمین سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دی، اس روپیہ کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اور کس طریقہ سے اس کی زکوٰۃ دی جائے؟

(۲) اگر ایک شخص کے پاس دس بیگھ زمین کاشتکاری کی ہے اور وُہ پانچ بیگھہ زمین میں بارش سے غلّہ

[1] ردالمحتار باب خیار الشرط مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

اگاتا ہے اور پانچ بیگھ زمین کو کُنویں یا دریائی پانی سے سینچ کر غلّہ پیدا کرتا ہے اور غلّہ صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ جو خاندان کے لیے کافی ہوتا ہے بچت نہیں، اس صورت میں اس کے عشر اور زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کسی نے ایک دُکان میں دس ۱۰ہزار روپیہ کا سامان یعنی میز کرسی اور برتن وغیرہ خرید کر گاہکوں کے استعمال کے لیے لگادیا اور دُکان میں فروخت کی اشیاء روزانہ یا دوسرے تیسرے دن لاکر فروخت کرتا ہے تو اس دس ہزار روپیہ کی زکوۃ کا کیا حکم ہے، اور روزانہ جو آمدنی ہوتی ہے اس کو اپنے خرچ میں لاتا ہے؟

الجواب:

(۱) یہ کوئی صورت ٹھیکہ کی نہیں، ٹھیکہ میں نفع کے مقابل روپیہ ہوتا ہے نہ یہ کہ نفع لیا جائے اور واپسی زمین پر روپیہ واپس ہوجائے، یہ صورت قرض کی ہے اور زمین رہن اور اس سے نفع لینا جائز نہیں اور اس کی زکوۃ اس روپے والے پر واجب، اگرچہ واجب الادا اس وقت ہوگی جب وُہ قرض بقدر نصاب یا خمس نصاب اُس کو وصول ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) زکوۃ تو نہ غلّہ پر ہے نہ زمین پر، اگر سونا یا چاندی تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب ہو اور سال گزرے تو زکوۃ واجب ہوگی اور عشر بہر حال واجب ہے، مینہ کی پیداوار پر دسواں حصّہ اور پانی دی ہوئی پر بیسواں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جس دن وُہ مالک نصاب ہُوا تھا جب اُس پر سال پُورا گزرے گا اُس وقت جتنا سونا چاندی یا تجارت کا مال میز کرسی وغیرہ جو کچھ بھی ہو بقدر نصاب اس کے پاس تمام حاجات اصلیہ سے فارغ موجود ہوگا اس پر زکوۃ فرض ہوگی، روزمرہ کے خرچ میں جو خرچ ہوگیا ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۸: ازکانپور محلّہ فیل خانہ کہنہ مسئولہ سیّد محمد آصف صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

حضور کے فتاوٰی جلد اول مطبوعہ کے حاشیہ پر یہ عبارت ہے کہ: "جس کے عزیز محتاج ہوں اسے منع ہے کہ انھیں چھوڑ کر غیروں کو اپنے صدقات دے، حدیث میں فرمایا: ایسے کا صدقہ قبول نہ ہوگا اور اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔" عزیز سے کون کون شخص مراد ہیں؟

الجواب:

عزیزوں میں ذورحم محرم مقدم ہیں پھر باقی ذورحم، ان سے پھیر کر اجنبی کو صدقہ نہ دے پھیرنے کے معنی کا صدق چاہئے، مثلاً گداگروں کو جو ایک آدھ پیسہ یا روٹی کا ٹکڑا جاتا ہے کہ اپنے اعزّا کو نہیں دے دسکتا، اور دے تو وہ نہ لیں گے، وُہ ان سے پھیر کر دینا نہ ہُوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

رسالہ
رادع التعسف عن الامام ابی یُوسف ۱۳۱۸ھ
(حیلہ زکوۃ کے بارے میں امام ابو یوسف پر غیر مقلدین کے اعتراض کارَد)

مسئلہ ۷۹: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب مدرس مذکور ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۱۸ھ

کتاب غفر المبین مؤلفہ محی الدین غیر مقلد میں لکھا ہے کہ جناب قاضی ابو یوسف صاحب آخرِ سال پر اپنا مال اپنی بی بی کے نام ہبہ کردیا کرتے تھے اور اس کا مال اپنے نام ہبہ کرالیا کرتے تھے تاکہ زکوۃ ساقط ہوجائے، یہ بات کسی نے امام ابو حنیفہ صاحب سے نقل کی انہوں نے فرمایا کہ یہ اُن کے فقہ کی جہت سے ہے اور درست فرمایا، چنانچہ اس امر کو ایک عالم مقلد نے بھی تصدیق کیا بلکہ یہ کہا اس معاملے کو امام بخاری صاحب نے بھی درج کتاب کیا ہے اور بہت نفرت کے ساتھ لکھا ہے اس کی تشرح و توضیح مدلّل ارشاد فرمائی جائے۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

اللھم لك الحمد صل وسلم علی سیّد انبیائك وٰالہ وصحبہ وسائر اصفیائك اسألك حبّك وحبّ	اے اللہ تیرے ہی لیے حمد ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے سربراہ پر صلوٰۃ وسلام، ان کی آل واصحاب اور باقی تمام اصفیاء پر بھی۔ اے اللہ! میں آپ سے آپ کی

احبائك وحسن الادب مع جميع اوليائك و اعوذبك من غضبك و سخطك و سوء بلائک۔	محبت، آپ کے محبوبوں کی محبت اور آپ کے تمام دوستوں کے ساتھ حُسنِ ادب کا سوال کرتاہُوں، اور آپ کے غضب، ناراضگی اور گرفت سے پناہ مانگتاہُوں (ت)

اوّلاً: صحیح بخاری شریف میں اوّل تا آخر کہیں اس حکایت کا پتا نہیں کہ امام ابویوسف اس کے عامل تھے امام اعظم مصدّق ہوئے، امام بخاری نے صرف اس قدر لکھا کہ بعض علماء کے نزدیک اگر کوئی شخص سال تمام سے پہلے مال کو ہلاک کردے یا دے ڈالے یا بیچ کر بدل لے کہ زکوٰۃ واجب نہ ہونے پائے تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور ہلاک کرکے مرجائے تو اس کے مال سے کچھ نہ لیا جائے گا، اور سال تمام سے پہلے اگر زکوٰۃ ادا کردے تو جائز وروا۔ اُن کی عبارت یہ ہے:

وقال بعض الناس فی عشرین ومائة بعير حقتان فان اهلكها متعمدااووهبها او احتال فيها فرارا من الزکوٰة فلا شئی علیه۔[1]	بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ایک سو بیس ۱۲۰ اونٹوں میں دو ۲ حقہ ہیں اور اگر انھیں عمداً ہلاک کردیا یا انھیں کسی کو ہبہ کردیا یا زکوٰۃ سے بھاگنے کے لیے کوئی حیلہ کرلیا تو اب مالک پر زکوٰۃ نہیں ہوگی (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس فی رجل له ابل فخاف ان تجب علیه الصدقة فباعها بابل مثلها او بغنم او ببقر او بدراهم فرارا من الصدقة بيوم واحتيالا فلا شئی علیه وهو يقول ان زکی ابله قبل ان يحول الحول بيوم او بسنة جازت عنه۔[2]	بعض لوگوں نے اس شخص کے بارے میں کہا جس کے پاس اونٹ ہوں وُہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس پر صدقہ لازم نہ ہوجائے پس وُہ زکوٰۃ سے فرار اور حیلہ کرتے ہوئے ایک دن پہلے اس کی مثل اونٹوں سے بیچ دیتا ہے یا بکری یا گائے یا دراہم کے عوض بیچ دیتا ہے تو اب اس پر کوئی شئے لازم نہیں، اور وُہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر مالک نے اپنے اونٹ کی زکوٰۃ سال گزرنے سے ایک دن یا سال پہلے زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوجائیں گی۔ (ت)

پھر کہا:

وقال بعض الناس اذا بلغت الابل عشرين	بعض لوگوں نے کہا جب اُونٹ بیس ۲۰ ہوجائیں تو اس

1 صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوۃ وانّا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۲۹/۲
2 صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوۃ وانّا یفرق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۲۹/۲

ففیھا اربع شیاہ فان وھبھا قبل الحول او باعھا فرارا اواحتیالا لاسقاط الزکوٰۃ فلاشئی علیہ وکذٰلك ان اتلفھا فمات فلاشئی فی مالہ۔[1]	بعض لوگوں نے کہاجب اُونٹ بیس ۲۰ ہوجائیں تواسمیں چار بکریاں لازم ہوں گی، اب اگر اسقاطِ زکوٰۃ کیلئے حیلہ کرتے ہُوئے سال گزرنے سے پہلے ان اونٹوں کو ہبہ کردیا تواب کوئی شیئ لازم نہ ہوگی، اسی طرح اگرمالک نے ہلاک کردیااور مالک فوت ہوگیا تو اس کے مال میں کوئی شیئ لازم نہ ہوگی۔(ت)

کیاہے کہ کوئی ایسا کرے تواس پر کُچھ واجب نہ ہوگا۔

ثانیًا: ہمارے کتب مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابویُوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کااختلاف نقل کیااور صرف لکھ دیاکہ فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسافعل جائز نہیں۔ تنویر الابصار ودرمختار ودرر وغرر وجوہرہ وغیرہامیں ہے:

واللفظ للاولین(تکرہ الحیلۃ لاسقاط الشفعۃ بعد ثبوتھا وفاقا)کقولہ للشفیع اشترہ منی ذکرہ البزازی (وامّاالحیلۃ لدفع ثبوتھا ابتدأ فعند ابی یوسف لاتکرہ وعند محمد تکرہ، ویفتی بقول ابی یوسف فی الشفعۃ)قیدہ فی السراجیۃ بما اذکان الجار غیر محتاج الیہ و استحسنۃ محشی الاشباہ (وبضدہ)وھوالکراھۃ (فی الزکوٰۃ)والحج واٰیۃ السجدۃ جوھرۃ۔[2]	پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے(ثبوتِ شفعہ کے بعد اسقاط کے لیے حیلہ کرنا بالاتفاق مکروہ ہے)مثلًا شفیع کے لیے یہ کہنا کہ وُہ چیز آپ مجھ سے خریدلیں۔ اسے بزازی نے ذکر کیا(لیکن ابتداءعدمِ ثبوت کے لیے حیلہ کرناامام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں۔اورامام محمد کے ہاں مکروہ ہے۔ شفعہ میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ہے)سراجیہ میں اس قید کااضافہ ہے کہ بشرطیکہ پڑوسی اس کے محتاج نہ ہو محشّیِ اشباہ نے اسے پسند کیاہےاور زکوٰۃ، حج اور آیتِ سجدہ میں (اس کی ضد) بھی کراہت پر فتوٰی ہے۔جوہرہ(ت)

ردالمحتار میں شرح دررالبحار سے ہے: ھذا تفصیل حسن[3] (یہ تفصیل خوبصورت ہے۔ت) غمزالعیون

---

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ والّا یفرق بین مجتمع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰۲۹/۲

[2] درمختار کتاب الشفعۃ کتاب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۶/۲

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ کتاب مایبطلہا مصطفٰی البابی مصر ۱۷۳/۵

میں ہے:

الزکوٰۃ علی عدم جواز الحیلۃ لاسقاط الزکوٰۃ وھو قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی وھو المعتمد۔[1]	فتوٰی حیلہ اسقاطِ زکوٰۃ کے عدمِ جواز پر ہے اور یہی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے(ت)

مجمع الانہر میں شرح الکنز للعینی سے ہے:

المختار عندی ان لا تکرہ فی الشفعۃ دون الزکوٰۃ۔[2]	میرے نزدیک مختار یہ ہے کہ شفعہ میں حیلہ مکروہ نہیں لیکن زکوٰۃ میں مکروہ ہے۔(ت)

وقایہ واصلاح وایضاح میں ہے:

واللفظ لھذین لا یکرہ حیلۃ اسقاط الشفعۃ الزکوٰۃ عند ابی یوسف خلافا لمحمد و یفتی فی الاول بقول الاول وفی الثانی بقول الثانی۔[3]	ان دونوں کی عبارت یہ ہے: اسقاط شفعہ زکوٰۃ کے لیے حیلہ امام ابویوسف کے نزدیک مکروہ نہیں لیکن امام محمد کو اس میں اختلاف ہے پہلے (شفعہ) میں پہلے امام (ابویوسف) کے قول پر اور دوسرے (زکوٰۃ) میں دوسرے امام (محمد) کے قول پر فتوٰی ہے۔(ت)

امام الائمہ سراج الامہ حضرت سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب بھی یہی مذہبِ امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع و بد ہے۔ غمز العیون میں تاتارخانیہ سے ہے:

کان ممنوع مکروھا عند الامام و محمد۔[4]	یہ (حیلہ) امام اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔(ت)

توامام کے طرف وُہ نسبت تصویب کہ انہوں نے فرمایا (ابویوسف نے درست فرمایا) خود مذہبِ امام کے صریح خلاف ہے۔

ثالثًا: بلکہ خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۹۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل وتبطل الشفعۃ بتسلیم الکل اوبعض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۴۸۶

[3] شرح الوقایۃ کتاب الشفعۃ باب ماھی فیہ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۷۰

[4] غمز عیون البصائر الفن الخامس من الاشباہ والنظائر وھو فن الحیل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۹۲

الحیلة فی ابطال الشفعة بعد ثبوتها یکرہ لانه ابطال لحق واجب واما قبل الثبوت فلا باس به وھو المختار والحیلة فی منع وجوب الزکوٰۃ تکرہ بالاجماع۔[1]	ثبوت کے بعد ابطال شفعہ کے لیے حیلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حق واجب کو باطل کرنا ہے لیکن ثبوت سے پہلے حیلہ میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اور وجوب زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لیے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔(ت)

یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابویوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لیے ہے خصوصًا نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امام اعظم وامام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمزالعیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے

اقول: اگر بتظافر نقولِ خلاف، بغرض توفیق اس روایت اجماع میں کراہت کو معنی اعم پر حمل کریں،

فربما تجئی کذا کقولھم فی الصلوٰۃ کرہ کذا وکذا وارادوا به المکروھات من القسمین۔	تو کبھی یوں بھی آتا ہے جیسا کہ فقہاء کا نماز کے باب میں کہنا کہ فلاں فلاں چیز مکروہ ہے اور مکروہات کی دونوں قسموں کو مراد لیتے ہیں(ت)

تو حاصل یہ ہوگا کہ اس حیلہ کے مکروہ و ناپسند ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابویوسف مکروہِ تنزیہی فرماتے ہیں اور امام اعظم وامام محمد مکروہِ تحریمی۔ اور فقیر نے بچشمِ خود امام ابی یوسف رضی اللہ عنہ کی متواتر کتاب مستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی (مطبع میری بولاق مصر صفحہ ۴۵):

قال ابو یوسف رحمه اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الاٰخر منع الصدقة ولا اخراجها من ملکه الی ملك جماعة غیرہ لیفرقها بذٰلك فتبطل الصدقة عنها بان یصیر لکل واحد منھم من الابل والبقر والغنم مالا یجب فیه الصدقة ولایحتال فی ابطال الصدقة بوجه ولا سبب بلغنا عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه	یعنی امام ابُویُوسف فرماتے ہیں کسی شخص کو جو اللہ و قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی ملک سے دوسروں کی ملک میں دے دے جس سے ملک متفرق ہوجائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہر ایک کے پاس نصاب سے کم ہے اور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے، ہم کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی ہے کہ انہوں نے فرمایا زکوٰۃ نہ دینے والا مسلمان نہیں رہتا، اور جو زکوٰۃ نہ دے اس کی

[1] خزانة المفتین

انہ قال مامانع الزکوٰۃ بمسلم ومن لم یؤدھا فلا صلوٰۃ لہ۔[1]	نماز مردود ہے۔

فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین کی نقلِ اجماع عبارتِ اطلاق کی تائید کر رہی ہے اور اس کا اطلاق اُس اجماع کی، امام ابویوسف نے یہ کتاب مستطاب خلیفہ ہارون کے لیے تصنیف فرمائی ہے جبکہ امام خلافت ہارونی میں قاضی القضاۃ و قاضی الشرق والغرب تھے اُس میں کمال اعلانِ حق کے ساتھ خلیفہ کو وُہ ہدایات فرمائی ہیں جو ایک اعلیٰ درجے کے امام ربّانی کے شایانِ شان تھیں کہ اللہ کے معاملے میں سُلطان و خلیفہ کسی کا خوف و لحاظ نہ کرے اور خلیفہ رحمہ اللہ تعالٰے نے ان ہدایات کو اسی طرح سنا ہے جو ایک خدا پرست سلطان وامیر المومنین کے لائق ہے کہ نصائحِ ائمہ وعلماء اگرچہ بظاہر تلخ ہوں گوشِ قبول سے سُنے اور اُن کے حجور فروتنی کرے، یہ زمانہ امام کا آخر زمانہ تھا، حاضرین مجلس مبارک سیّدنا امام اعظم یا اُس کے بعد کا قریب زمانہ جس میں خلافیاتِ ائمہ ثلٰثہ منقول ہُوئی ہیں، اس سے متقدم تھا، تو اس تقدیر پر نقل اجماع کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت نہیں، تطبیق یُوں ہوگی کہ امام ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور اُن کا آخر قول یہی ٹھہرا جو ان کے استاذ اعظم امام الائمہ اور شاگرد اکبر امام محمد کا ہے رضی اللہ تعالٰے عنہم اجمعین، اور ایک امام دین جب ایک قول سے رجوع فرمائے تو اب وہ اس کا قول نہ رہا، نہ اس پر طعن روا، نہ سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما پر طعن کیا کہ وُہ ابتداء میں جوازِ متعہ مدتوں قائل رہے ہیں یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے زمانہ خلافت میں اُن سے فرمایا کہ اپنے ہی اُوپر آزمادیکھئے، اگر متعہ کرو تو میں سنگسار کروں، آخر زمانہ میں اس سے رجوع کیا اور فرمایا: اللہ عزوجل نے زوجہ وکنیز شرعی بس ان دو کو حلال فرمایا ہے **فکل فرج سواھما حرام**[2] ان دو کے سواجو فرج ہے حرام ہے، رواہ الترمذی (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ت) زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کیا جائے کہ وُہ پہلے سُود کی بعض صُورتیں حلال بتاتے ہیں یہاں تک ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا کہ زید کو خبر دے دو کہ اگر وہ اس قول سے باز نہ آئے تو انہوں نے جو حج و جہاد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب کیا اللہ تعالٰے اسے باطل فرمادے گا۔[3] **رواہ الدارقطنی** (اسے دار قطنی نے روایت کیا۔ت)

رابعًا: یہ حکایت کسی سند مستند سے ثابت نہیں، اور بے سند مذکور ہونا طعن کے لیے کیا نفع دے سکتا ہے

---

[1] کتاب الخراج باب فی الزیادۃ والنقصان الخ مطبعہ بولاق مصر ص ۸۶

[2] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی نکاح المتعۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱ /۱۳۴

[3] سنن الدار قطنی کتاب البیوع حدیث ۲۱۱ نشر السنۃ ملتان ۳ /۵۲

وہ بھی ایسی کتاب میں خصوصًا جس میں تو وُہ حدیثیں خود رسول اللہ صلے تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ایسی منسوب ہیں جن کی نسبت ائمہ حدیث نے جزم کیا کہ باطل و موضوع و مکذوب ہیں۔

ولکل فن رجال و لکل رجال مجال ویا بی اللہ العصمة الا لکلامه و لکلام رسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	ہر فن کے ماہرین ہیں اور تمام ماہرین میں خطا کا امکان ہے۔ اللہ تعالٰے نے عصمت صرف اپنے کلام اور اپنے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام ہی کو عطا فرمائی ہے۔(ت)

مجتہد کے اجتہاد میں کسی فعل کا جواز آنا اور بات اور خود اس کا مرتکب ہونا اور بات، یہ اساطین دین الٰہی بار با عوام کے لے رخصت بتاتے اور خود عزیمت پر عمل کرتے۔ سیّدنا امام اعظم امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں:

لا احرم النبیذ الشدید دیانة ولا اشربه مروءة۔	میں نبیذ کو دیانۃً حرام نہیں کہتا لیکن مروتًا اسے پیتا نہیں ہُوں۔(ت)

اُن کے شاگرد کے شاگرد محمد بن مقاتل رازی کہتے ہیں:

لواعطیت الدنیا بحذافیرها ماشربت المسکر یعنی نبیذ التمروالزبیب ولو اعطیت الدّنیا بحذافیرها مافتیت بانه حرام۔[1] ذکرہ الامام البخاری فی الخلاصة۔	اگر تمام دنیا مجھے دے دی جائے تو میں نشہ آور چیز یعنی تمر اور زبیب کا نبیذ نہ پیوں گا، اور اگر مجھے تمام دنیا عطا کردی جائے تو میں اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دے سکتا، امام بخاری نے خلاصہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔(ت)

خامسًا: امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ الشریف احیاء العلوم شریف فرماتے ہیں:

فان قیل هل یجوز لعن یزید لانه قاتل الحسین واٰمربه قلنا هذالم یثبت اصلا فلا یجوز ان یقال انه قتل او امربه مالم یثبت فضلا عن اللعنة لانه	اگر سوال کیا جائے کہ کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ وُہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قاتل ہے یا اس نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اصلًا ثابت نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے تو اسے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲۰۵/۴

لانه لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لؤلؤ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فان ذلك ثبت متواتر افلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق وکفر من غیر تحقیق۔[1]	قاتل یا اس کا آمر نہ کہا جائے چہ جائیکہ اس پر لعنت کی جائے کیونکہ بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف کبیرہ گناہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ابنِ ملجم اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کو ابو لؤلؤ نے شہید کیا کیونکہ یہ تواتر سے ثابت ہے تو بغیر تحقیق کسی مسلمان کی طرف فسق یا کفر کی نسبت کرنا ہرگز جائز نہیں۔(ت)

اقول: یہ فعل امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے حکایت کیا جاتا ہے آیا خطاء اجتہادی ہے یا اس کی قابلیت نہیں رکھتا بلکہ معاذاللہ عمداً فریضۃ اللہ سے معاندت ہے، بر تقدیر اوّل اس سے طعن کے کیا معنی مجتہد اپنی خطا پر ثواب پاتا ہے اگرچہ صواب کا ثواب دونا ہے۔ اور اگر عیاذاً باللہ شق ثانی فرض کی جائے فرض خود سے معاندت قطعاً کبیرہ ہے خصوصًا وہ بھی بر سبیل عادت جو (کردیا کرتے تھے) کا مفاد ہے خصوصا اس زعم کے ساتھ کہ آخرت میں اس کا ضرر ہر گناہ سے زائد ہے تو معاذاللہ اکبر الکبائر ہوا پھر کیونکر حلال ہوگیا کہ ایسے سخت کبیرہ شدیدہ نہ کبیرہ بلکہ اکبر الکبائر کو ایک مسلمان نہ صرف مسلمان بلکہ امام المسلمین کی طرف بلاتواتر نہ فقط بے تواتر بلکہ محض بلاسند صرف حکِی کی بناپر نسبت کردیا جائے۔ سبحان اللہ! یزید پلید کی طرف تو یہ نسبت ناجائز وحرام ہو کہ اس نے امام مظلوم سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرایا اس لیے کہ اس کا حکم دینا اس خبیث سے متواتر نہیں اور سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایسی شدید عظیم بات نسبت کرنا حلال ٹھہرے حالانکہ تواتر چھوڑ کر اصلاً کوئی ٹوٹی پھوٹی سند بھی نہیں۔

فقد تمت الحجة بالحجة علی الحجة و طهر به ذیل امام المحجة وللہ الحجة البالغة ولکل جواد کبوة ولکل صارم نبوة ولکل عالم هفوة ولقد صدق امام دارالهجرة عالم المدینة سیّدنا الامام مالك بن انس رحمة اللہ تعالیٰ اذیقول کل ماخوذ من قوله ومردود علیه الا صاحب هذا القبر صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم الا	اب حجت پر حجت کے ساتھ حجت تام ہوگئی اور امام المحجۃ کا دامن پاک ہوگیا اور کامل حجت اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے ہر شہسوار کو گرنا اور ہر تلوار کُند ہونا ہے اور ہر عالم کو لغزش کا سامنا ہے ____ امام دارالہجرت عالم مدینہ سیّدنا امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سچ فرمایا کہ ہر ایک کا قول ماخوذ بھی ہوسکتا ہے اور مردود بھی ماسوائے اس قبر کے مکین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

[1] احیاء العلوم الآفۃ الثامنۃ اللعن مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۳/ ۱۲۵

ان الذین فی قلو بھم زیغ فیتبعون ھفوات بدرت مھما ندرت یبتغون الفتنۃ فی الدین وایذاء قلوب المسلمین واللہ المستعان علی الطاغین والمردۃ الباغین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	____بلاشبہ وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان ہفوات کی اتباع کرتے ہیں جیسے بھی وُہ ظاہر ہوں اور اس سے دین میں فتنہ برپا کرکے مسلمانوں کے دلوں کو ایذا دیتے ہیں، ان سرکشوں اور مردود باغیوں کے خلاف اللہ تعالٰی مدد فرمانے والا ہے۔ (ت)

سادسًا: مجرد استقباح واستبعاد بے دلیل شرعی مسموع نہیں، نہ احکام زہد احکامِ شرع پر حاکم نماز میں قلّتِ خشوع کو اہلِ سلوک کیا کیا سخت و شنیع مذمتیں نہیں کرتے، ایسی نماز کو باطل و مہمل و فاسد و مختل سمجھتے ہیں۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ خشوع نہ رکنِ نماز ہے نہ فرض نہ شرط، مانحن فیہ کا محلِ اجتہاد نہ ہونا مخالف نے نہ بتایا نہ قیامت تک بتاسکتا ہے، پھر اجتہاد مجتہد پر طعن کیا معنی رہا، فعل اگر بفرضِ غلط ایک آدھ بار وقوع بسندِ معتمد ثابت بھی ہو جائے تو کرنے اور کیا کرنے میں زمین آسمان کا بل ہے، نہ کان یفعل تکرار میں نص، کما بیّناہ فی التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل (جیسا کہ ہم نے اس بات کو اپنے رسالہً التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل'' میں بیان کیا ہے۔ت) واقعہ حال محتمل صد احتمال ہوتا ہے عروض ضرورت یا امر اہم یا کُچھ نہ سہی تو بیان جواز ہی کہ فعلًا قولًا سے اکمل واتم اور (یہ اُن کی فقہ سے ہے) تصویب نہیں، اس کے معنی اس قدر کہ یہ اُنکا اجتہاد ہے جس کا حاصل صرف منع طعن ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد پر ملام نہیں، جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عکرمہ کو جب اُنھوں نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شکایت کی کہ وتر کی ایک رکعت پڑھی، جواب دیا دعہ ف فانہ فقیہ [1] انھیں کچھ نہ کہہ کہ وہ مجتہد ہیں رواہ البخاری (اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ت). ہاں در بارہ تصویب و تصدیق یہ حکایت کُتب میں منقول ہے کہ امام زین الملّۃ والدّین ابوبکر خواب میں زیارتِ اقدسِ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہُوئے کسی شافعی المذہب نے امام ابویوسف کا یہ قول حضور کے سامنے عرض کیا، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابویوسف کی تجویز حق ہے، یا فرمایا درست ہے۔ شرح نقایہ میں ہے:

وقد ایدہ ما صح عندنا ان افضل العلماء فی زمانہ واکمل العرفاء فی اوانہ زین الملۃ والدین ابوبکر	اس کی تائید وُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء اکمل العرفاء، زین المّلت والدّین

ف: بخاری کے مقام مذکور پر دو حدیثیں منقول ہیں ایک کے الفاظ یہ ہیں دعہ فانہ صحب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسری کے الفاظ یوں قال اصاب انہ فقیہ۔ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ نے دونوں حدیثوں کا اختیار نقل کیا ہے۔ نذیر احمد)

[1] صحیح بخاری باب ذکر معاویہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۵۳۱/۱

التائبادی قدرأی فی المنام ان شافعی المذہب قال فی مجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابا یوسف جوزحیلۃ فی اسقاط الزکوٰۃ فقال صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ماجوزہ ابو یُوسف حق اوصدق۔[1]	اس کی تائید وُہ واقعہ کرتا ہے جو ہمارے نزدیک صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنے وقت کے افضل العلماء اکمل العرفاء، زین الملّت والدّین ابوبکر التائبادی نے خواب میں دیکھا کہ شافعی المذہب شخص نے مجلسِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا کہ ابو یوسف نے اسقاطِ زکوٰۃ میں حیلہ کو جائز رکھا ہے تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابو یوسف نے جو تجویز کیا ہے وہ حق یا درست ہے (ت)

سابعًا: بعد وجوب، منع کا حیلہ بالاجماع حرام قطعی ہے، یہاں کلام منع وجوب میں ہے یعنی وُہ تدبیر کرنی کہ ابتدًا زکوٰۃ واجب ہی نہ ہو۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں اس میں کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی، اللہ عزوجلّ نے سال تمام ہونے پر زکوٰۃ فرض کی جو بعد وجوب ادا نہ کرے بالاجماع عاصی ہے، یہ کہاں فرض کیا ہے کہ اپنے مال پر سال گزر بھی جانے دو، جس طرح یہ فرض فرمایا ہے کہ جو زاد و راحلہ و قدرت رکھتا ہو حج کرے یہ کب فرض کیا ہے کہ زاد و راحلہ واستطاعت کے قابل مال جمع بھی کر، یونہی ہر گز واجب کیا مستحب بھی نہیں کہ قدر نصاب مال جوڑ کر سال بھر رکھ چھوڑو تاکہ زکوٰۃ واجب ہو، ائمہ دین کو تعلیم غل کی طرف منسوب کرنا بدگمانی ہے جو عوام مسلمین پر بھی جائز نہیں، اور حق یہ ہے کہ امامِ ممدوح کا یہ قول بھی اس لیے نہیں کہ لوگ اسے دستاویز بنا کر زکوٰۃ سے بچیں بلکہ وہ وقتِ ضرورت و حاجت پر محمول ہے، مثلًا کسی پر حج فرض ہوگیا تھا، مال چوری ہوگیا، مصارفِ حج ونفقۂ عیالی کے لیے ہزار درہم کی ضرورت ہے اس سے کم میں نہ ہوگا محنت و کوشش سے جمع کئے، آج قافلہ جائے کو ہے کل سالِ زکوٰۃ تمام ہوگا، اگر پچیس درہم نکل جائیں گے مصارف میں کمی پڑے گی، یہ ایسا حیلہ کرے کہ حج فرض سے محروم نہ رہے، یا کوئی شخص اپنے حال کو جانتا ہے کہ زکوٰۃ اُس سے ہر گز ہر گز قطعًا نہ دی جائے گی، اُس کا نفس ایسا غالب ہے کہ کسی طرح اس فرض کی ادا پر اصلًا قدرت نہ دے گا، یہ اس خیال سے ایسا کرے کہ بعد فرضیّت ترک ادا وارتکابِ گناہ سے بچوں تو از قبیل من ابتلی ببلتیین اختارا ھو نھما (جو شخص دو مشکلات میں گھِر جائے ان میں سے آسان کو اختیار کرے۔ت) ہوگا۔ سراجیہ میں ہے:

اذا ارادان یحتال لامتناع وجوب الزکوٰۃ لما انہ خاف ان لا یؤدی فیقع فی المأثم فالسبیل ان یھب النصاب قبل تمام الحول من یثق بہ	جب کوئی امتناعِ وجوب زکوٰۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو گنہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی باعتماد آدمی کے

[1] شرح نقایہ

ویسلمه الیه ثم یستوهبه۔[1]	جب کوئی امتناعِ وجوب زکوۃ کے لیے حیلہ کرتا ہے کہ وُہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر اس نے زکوۃ ادا نہ کی تو گناہگار ہوگا، تو اس کے لیے راستہ یہ ہے کہ سال گزرنے سے پہلے نصاب کسی باعتماد آدمی کے حوالے کردے پھر اس سے بطور ہبہ واپس لے لے۔ (ت)

دیکھو تصریح ہے کہ یہ حیلہ گناہ سے بچنے کے لیے، نہ کہ معاذاللہ گناہ میں پڑنے کے واسطے۔ حیلِ شرعیہ کا جواز خود قرآن واحادیثِ سیّد المرسلین صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، ایّوب علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی زوجہ مقدّسہ کو سو۱۰۰ کوڑے ماریں گے، رب العزت عزجلالہ نے فرمایا:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ[2]	یعنی سَو قمچیوں کی ایک جھاڑو بنا کر اُس سے ایک دفعہ مار لو اور قسم جھوٹی نہ کرو۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کمزور شخص پر حد لگانے میں اسی حیلہ جمیلہ پر عمل فرمایا ارشاد ہوا:

خذواله عثكالا فيه مائة شمراخ ثم اضربوه به ضربة واحدة۔[3] رواه احمد وابن ماجة وابو داؤد و بمعناه البغوی فی شرح السنة الاولان عن ابی امامة بن سهل عن سعيد بن سعد بن عبادة والثالث عن ابی امامة بن سهل عن بعض الصحابة من الانصار والرابع عن سعيد بن سعد بن عبادة رضی اللہ تعالیٰ عنه اتی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم برجل، الحديث،[4] هذا حديث حسن الاسناد ورواه الرؤیانی فی مسنده فقال حدثنا محمد بن المثنی نا عثمٰن بن عمر نا فليح عن سهل بن سعد ان وليدة فی عهد رسول اللہ	شاخہائے خرما کا ایک گُچھّا لے کر جس میں سوشاخیں ہوں اُس سے ایک بار مار دو (اسے امام احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد نے اور معنًا بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا ہے، پہلے دونوں محدثین نے حضرت ابوامامہ بن سہل اور انہوں نے سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور تیسرے نے حضرت امامہ بن سہل سے، انہوں نے ایک انصاری صحابی سے روایت کی ہے، اور چوتھے نے حضرت سعید بن سعد بن عبادہ سے روایت کیا کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کو لایا گیا، الحدیث. اس حدیث کی سند حسن ہے اور اسے رؤیانی نے اپنی سند یُوں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن مثنیٰ نے انھیں

[1] فتاوٰی سراجیۃ کتاب الحیل والخوارج منشی نولکشور لکھنؤ ص ۱۵۴

[2] القرآن ۳۸/ ۴۴

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سعید بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۲

[4] شرح السنۃ باب حد المریض حدیث ۲۵۹۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۰۳

صلی اللہ تعالٰی وسلم حملت من الزنا. فسئلت من احبلک؟ فقالت احبلنی المقعد. فسئل عن ذٰلك فاعترف فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لضعیف عن الجلد فامر بمائۃ عثکول فضربہ بہا ضربۃ واحدۃ اھ[1] ھٰکذا وقع فیما رأیت انما المعروف ابن سھل سعید بن سعد وفی اخری لابن ماجۃ عن ابن سھل عن سعد بن عبادۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عثمان بن عمر نے انھیں فلیح نے حضرت سہل بن سعد سے بیان کیا کہ ایک لڑکی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں زنا سے حاملہ ہو گئی، پوچھا گیا یہ حمل کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ اس لُولے کا ہے، پُوچھا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کمزور ہے سَو کوڑوں کی سزا نہیں جھیل سکتا، لہٰذا آپ نے سَو شاخوں والے خُرما کی شاخ سے اسے ایک ضرب لگوائی اھ دیکھا تو میں نے، یہی ہے مگر معروف ابن سہل سعید بن سعد ہیں، اور ابن ماجہ کی دوسری روایت میں ابن سہل نے حضرت سعد بن عبادہ سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے (ت)

خود صحیح بخاری شریف بلکہ صحیحین میں حضرت ابوسعید وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل بنا کر بھیجا، وُہ عمدہ خرمے وہاں سے لائے، فرمایا: کیا خیبر کے سب خُرمے ایسے ہی ہیں؟ نہیں یا رسول اللہ! واللہ کہ ہم چھ سیر خُرموں کے بدلے یہ خرمے تین سیر، اور نو سیر دے کر اس کے چھ سیر خریدتے ہیں۔ فرمایا:

لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جیئبًا۔[2]	ایسا نہ کرو بلکہ ناقص یا بچپیل خرمے پہلے روپوں کے عوض بیچو پھر ان روپوں سے یہ عمدہ خرمے خریدو۔

اور ہر موزوں کے بارے میں یہی حکم فرمایا، نیز صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ برنی چھوہارے کے عمدہ قسم ہیں خدمتِ اقدسِ حضور سیّد عالم صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر لائے، فرمایا: یہ کہاں سے آئے ہیں؟ عرض کی: ہمارے پاس ناقص چھوہارے تھے اُن کے چھ سیر دے کر یہ تین سیر لیے، فرمایا:

اَوّہٗ عین الربا لاتفعل ذٰلك ولکن	اُف خاص سُود ہے ایسا نہ کرو، ہاں جب بدل

[1] مسند الرؤیانی حدیث نمبر ۱۰۵۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸/۱، کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۱۳۵۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۴۲۶
[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اراد بیع تمر بتمر خیر منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳

اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتر بہ۔[1]	ناچاہو تو اپنے چھوہارے اور چیز سے پہلے بیچ پھر اس سے اچھے چھوہارے مول لے لو۔

یہ شرعی حیلے نہیں تو اور کیا ہیں، باب حیل واسع ہے، اگر کلام کو وسعت دی جائے تطویل لازم آئے۔ اہلِ انصاف کو اسی قدر بس ہے، پھر جب اللہ و رسول اجازت دیں تعلیمیں فرمائیں تو ابو یوسف پر کیا الزام آسکتا ہے، ہاں ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ خیال فرمایا کہ کہیں اس کی تجویز عوام کے لیے مقصد شنیع کا دروازہ کھولے، لہٰذا ممانعت فرمادی، اور ائمہ فتوٰی نے اسی منع ہی پر فتوی دیا، امام بخاری بھی اگر امام محمد کا ساتھ دیں اور یہ قول امام ابی یوسف پسند نہ کریں تو امام ابی یوسف کی شانِ جلیل کو کیا نقصان، وُہ کون سا مجتہد ہے جس کے بعض اقوال دوسروں کو مرضی نہ ہوئے، یہ رَد و قبول تو زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بلا نکیر رائج و معمول ہے، نہ بخاری کے اقوال مذکورہ میں کوئی کلمہ سخت نفرت کا ہے، اُن سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ یہ قول انھیں مختار نہیں، اور ہو بھی تو ان کی نفرت امامِ مجتہد کو کیا ضرر دے سکتی ہے خصوصًا ائمہ حنفیّہ لاسیما امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ و عنہم کہ امام بخاری کے امام و متبوع سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰے عنہ جن کی نسبت شہادت دیتے ہیں کہ تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ کے بال بچّے ہیں، حفظِ حدیث ونقدِ رجال و تنقیح صحت و ضعفِ روایات میں امام بخاری کا اپنے زمانے میں پایہ رفیع والا، صاحبِ رتبہ بالا، مقبولِ معاصرین ومقتدائے متاخرین ہونا مسلّم۔ کتبِ حدیث میں ان کی کتاب بیشک نہایت چیدہ وانتخاب جس کے تعالیق و متابعات و شواہد کو چھوڑ کر اصولِ مسانید پر نظر کیجئے تو ان میں گنجائش کلام تقریبًا شاید ایسی ہی ملے جیسے مسائل ثانیہ امام اعظم میں، اور یہ بھی بحمد اللہ حنفیّہ وشاگردان ابو حنیفہ وشاگردانِ شاگرد ابو حنیفہ مثل امام عبد اللہ بن المبارک و امام یحیٰی بن سعید قطان وامام فضیل بن عیاض وامام مستعر بن کرام وامام وکیع الجراح وامام لیث بن سعد وامام معلّٰی بن منصور رازی وامام یحیٰی بن معین وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا فیض تھا کہ امام بخاری نے اُن کے شاگردوں سے علم حاصل کیا اور اُن کے قدم پر قدم رکھا اور خود امام بخاری کے استاذ اجل امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے شاگرد ہیں، وہ امام محمد کے، وہ امام ابو یوسف کے، وہ امام ابو حنیفہ کے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، مگر یہ کارِ اہم ایسا نہ تھا کہ امام بخاری اس میں ہمہ تن مستغرق ہو کر دوسرے کار اجل واعظم یعنی فقاہت واجتہاد کی بھی فرصت پاتے، اللہ عزوجل نے انھیں خدمت الفاظ کریمہ کے لیے بنایا تھا، خدمتِ معانی ائمہ مجتہدین خصوصًا امام الائمہ ابو حنیفہ کا حصّہ تھا۔ محدّث و مجتہد کی نسبت عطّار و طبیب کی مثل ہے، عطّار دواشناس ہے اُس کی دُکان عمدہ عمدہ دواؤں سے مالامال ہے مگر تشخیصِ مرض و معرفتِ علاج وفریقِ استعمال طبیب کا کام ہے،

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالت باب اذ باع الوکیل شیئاً فاسداً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۰

عطار کامل اگر طبیب حاذق کے مدارک عالیہ تک نہ پہنچے معذور ہے خصوصًا ملک اطبائے حذّاق امام ائمہ آفاق جو ثریا سے علم لے آیا، جس کی دقتِ مقاصد کو اکابر ائمہ نے نہ پایا، بھلا امام بخاری تو نہ تابعین سے ہیں نہ تبع تابعین سے، امام اعظم کے پانچویں درجے میں جاکر شاگرد ہیں، خود حضرت امام اجل سلیمٰن اعمش کہ اجلہ تابعین وامام ائمہ محدثین سے ہیں حضرت سیّدنا انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاد، ان سے کچھ مسائل کسی نے پُوچھے اس وقت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں تشریف فرماتھے امام اعمش نے ہمارے امام سے فتوٰی لیا، ہمارے امام نے سب مسائل کا فورًا جواب دیا، اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ سے سُنیں اور وُہ احادیث مع اسانید پڑھ کر بتادیں، امام اعمش نے کہا:

حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة، ماعلمت انك تعمل بهذه الاحادیث، یامعشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل بكلا الطرفین۔[1]	یعنی بس کیجئے میں نے جو حدیثیں سَو دن میں بیان کیں آپ نے گھڑی بھر میں مجھے سنا دیں، مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ احادیث میں یہ کام کرتے ہیں اے مجتہد! تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے دونوں کنارے گھیر لیے۔

یہ روایت امام ابن حجر مکّی شافعی وغیرہ ائمہ شافعیہ وغیرہم نے اپنی تصانیف خیرات الحسان وغیرہا میں بیان فرمائی، یہ تو یہ خود ان سے بدرجہا اجل واعظم ان کے استاذ اکرم واقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانسو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا حضرت امیر المومنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابوہریرہ وانس بن مالک وعبد اللہ بن عمر وعبد اللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم بکثرت اصحابِ کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے استاذ جن کا پایہ رفیع، حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس ۲۰ سال گزرے ہیں کسی محدّث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس محدث سے زائد نہ ہو۔ ایسے مقام والا مقام باآں جلالتِ شان فرماتے ہیں:

انالسنابالفقهاء ولكنا سمعنا الحدیث فرویناه للفقهاء من اذا	ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایم ایچ سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

علم عمل۔ [1] نقلہ الزین فی تذکرۃ الحفاظ۔	ہم لوگ فقیہ و مجتہد نہیں ہم نے تو حدیثیں سُن کر فقیہوں کے آگے روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی کرینگے۔ (اسے شیخ زین نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ت)

کاش امامِ اجل سیّدنا امام بخاری علیہ رحمۃ الباری اگر فرصت پاتے اور زیادہ نہیں دس بارہ برس امام حفص کبیر بخاری وغیرہ ائمہ حنفیّہ رحمہم اللہ تعالٰی سے فقہ حاصل فرماتے تو امام ابو حنیفہ کے اقوال شریفہ کی جلالتِ شان و عظمتِ مکان سے آگاہ ہو جاتے، امام ابو جعفر طحاوی حنفی کی طرح ائمہ محدثین وائمہ فقہاء دونوں کے شمار میں یکساں آتے مگر تقسیمِ ازل جو حصّہ دے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

میل او اندر دلش انداختند

(جس کو کسی کام کے لیے تیار کرنا ہوتا ہے اس کام کی محبت اس کے دل میں ڈال دیتے ہیں)

اور انصافاً یہ تمنّا بھی عبث ہے، امام بخاری ایسے ہوتے تو امام بخاری ہی نہ ہوتے، ان ظاہر بینوں کے یہاں وُہ بھی ائمہ حنفیّہ کی طرح معتوب و معیوب قرار پاتے فالی اللہ المشتکی وعلیہ التکان (اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں ہی درخواست ہے اور اسی پر بھروسا ہے۔ت)

بالجملہ ہم اہلِ حق کے نزدیک حضرت امام بخاری کو حضور پُر نور امام اعظم سے وہی نسبت ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور پُر نور امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا و مولٰنا علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے کہ فرقِ مراتب بے شمار اور حق بدست حیدر کرار، مگر معاویہ بھی ہمارے سردار، طعن اُن پر بھی کارِ فجّار، جو معاویہ کی حمایت میں عیاذ باللہ اسد اللہ کے سبقت واولیت و عظمت واکملیت سے آنکھ پھیر لے وہ ناصبی یزیدی، اور جو علی کی محبت میں معاویہ کی صحابیت و نسبت بارگاہِ حضرت رسالت بُھلادے وہ شیعی زیدی، یہی روشِ آداب بحمد اللہ تعالٰی ہم اہلِ توسط و اعتدال کو ہر جگہ ملحوظ رہتی ہے، یہی نسبت ہمارے نزدیک امام ابن الجوزی کو حضور سیّدنا غوثِ اعظم اور مولانا علی قاری کو حضرت خاتمِ ولایت محمدیہ شیخِ اکبر سے ہے، نہ ہم بخاری و ابن جوزی و علی قاری کے اعتراضوں سے شان رفیع امامِ اعظم و غوثِ اعظم و شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم پر کچھ اثر سمجھیں نہ ان حضرات سے کہ بوجہ خطا فی الفہم معترض ہوئے الجھیں، ہم جانتے ہیں کہ ان کا منشاءِ اعتراض بھی نفسانیت نہ تھا بلکہ ان اکابر محبوبان خدا کے مدارک عالیہ تک درس ادراک نہ پہنچنا لاجرم اعتراض باطل اور معترض معذور، اور معترض علیہم کی شان ارفع واقدس، والحمد للہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسلام علٰی سید المرسلین

---

[1] تذکرۃ الحفّاظ ترجمہ ۷۷ الشعبی علامۃ التابعین دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۱/ ۷۹

محمد وٰاٰلہٖ وصحبہٖ واولیائہٖ وعلمائہٖ واھلہٖ وحزبہٖ اجمعین، اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۸۰: از مرزاپور بنگلہ نابالغ مرسلہ شجاعت حسین بیگ صاحب بریلوی

بنظر اشرف عالم المعی فاضل لوذعی مجدّد مائۃ حاضرہ جناب مفتی صاحب زاد اللہ فیوضہ، بعد سلام مسنون گزارش ہے مُجھ پر عرصہ قرض تھا، یکم رمضان ۱۳۳۸ھ کو اپنی دکان بیع کرکے قرضہ دے دیا، بے حد و بے شمار شکر ہے کہ اُس نے مجھے اُس بارِ عظیم سے اپنے فضل و کرم سے سبکدوش فرمایا، بعد ادائے کل قرضہ دوہزار دوسو پچانوے زائد علی الاحتیاج باقی رہے، دُوسری ماہِ مبارک کو بامتثالِ رب عزوجل قبل گزرنے حولانِ حول کے روپے علیحدہ کردئے باقی رہے اُن روپے کی زکوۃ بحکم شریعتِ مطہرہ ہُوئے بقیہ میں ایک کا اضافہ کرکے بہ نیت زکوۃ علیحدہ کردئے، یہ طریقہ بحکمِ شریعتِ مطہرہ صحیح ہوا یا نہیں؟ ۲۳ رمضان تک میں بریلی رہا جب تک زرِ زکوۃ طلباء و فقراء کو دیتا رہا باقی تھے کہ مجھے بضرورت ۲۴ کو مرزاپور آنا پڑا، اب یہاں یہ بقیہ اہل حاجت کو دیا جائے تو خلافِ حکمِ شرعی تو نہ ہوگا؟ میرے ایک سالے ہیں جو کٹرہ میران پور ضلع تلہر میں منسوب ہیں قلیل آمدنی ہے اور کثیر اولاد ہیں اگر اُن کو کچھ بھیجا جائے تو صلہ رحم بھی ہوگا مگر یہ ارشاد ہو کہ جس قدر ان کو بذریعہ ڈاک روانہ کیا جائے، مثلاً پانچ روپے بھیجے اور ڈاک کی فیس ایک آنہ یا دوآنے ہُوئی تو یہ پیسے انھیں ص ے سے دئے جائیں یا علیحدہ اپنے پاس سے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جس دن تاریخ وقت پر آدمی صاحبِ نصاب ہُوا جب تک نصاب رہے وہی دن تاریخ وقت جب آئے گا اُسی منٹ حولانِ حول ہوگا اس بیچ میں جو اور روپیہ ملے گا اُسے بھی اسی سال میں شامل کرلیا جائے گا اور اسی حولان کو اُس کا حولان مانا جائے گا اگرچہ اسے ملے ہوئے ابھی ایک ہی منٹ ہُوا، حولانِ حول کے بعد ادائے زکوۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں، جتنی دیر لگائے گا گنہ گار ہوگا، ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سال تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پُورا دے چکا بہتر، اور کم ہوگیا ہے تو باقی فوراً اب دے، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مُجرا لے۔ آپ پر حولانِ حول جس دن تاریخ وقت پر ہوتا ہے اُسے اس بیچ میں جو یہ روپے ملے سب زکوۃ میں شامل کیے جائیں گے وہ چھپن بھی جو بہ نیت زکوۃ علیحدہ رکھے، اور ان سب کو ملا کر ۱/۴۰ لیں گے، ہاں اسے پہلے نصاب نہ ہوتا تو جس وقت یہ روپے ملے اُسی وقت سے شروع سال لیتے اور اس وقت آپ نے ادا کیے یا بیش و کم کا اعتبار نہ ہوتا سال تمام پر دیکھیے کہ کیا باقی ہے اتنے کی زکوۃ کا مطالبہ ہوتا وہ مطالبہ نکلتا یا بیش و کم، بقیہ زکوۃ وہاں کے مساکین کو دیجئے

حرج نہیں سالے سے اگر نسبی رشتہ نہیں تو رحم میں شامل نہیں، دوسرے شہر کو وُہ زکوۃ بھیج سکتے ہیں جو ابھی واجب الادانہ ہُوئی، حولانِ حول نہ ہوا، اس کے بعد نہیں، جتنا روپیہ زکوۃ گیرندہ کو ملے گا اتنا زکوۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۱ تا ۸۲:

(۱) اگر زمیندار زمین بٹائی پر جتوائے یا کاشتکار دیگر کاشت کار سے کاشت کرائے اور نصف پیداوار کے مستحق ہوں تو دونوں پر زکوۃ فرض ہوگی؟

(۲) فصل ربیع میں جس کھیت کو پانی نہ دیا اس کا دسواں حصّہ، پانی دئے ہوئے کا بیسواں اور فصل خریف میں دسواں کیوں کہ بارش کے پانی سے پیدائش ہے، یُونہی صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتوی دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتوی ہونا چاہئے اور بٹائی مین حسبِ قولِ امام فقط زمیندار پر ہے۔

(۲) جسے بارش یا نہر یا تالاب کا پانی دیا گیا اُس میں دسواں حصّہ ہے، اور جسے چرسے یا ڈھکلی سے پانی دیا گیا اس میں بیسواں حصّہ اور جسے مول کا پانی دیا گیا اس میں بھی بیسواں حصّہ چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۳: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ کاشت کار نے زکوۃ کی پیداوار میں سے دسواں حصہ بلا پانی دیا ہوا اور بیسواں حصہ پانی دئے ہوئے میں سے دیا اگر کاشت کار کے بعد سال تمام کے اسی پیداوار میں سے جس کی زکوۃ دسواں یا بیسواں حصہ دے چکا تھا، بچ رہے تو زکوۃ چالیسواں حصہ دینا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب:

کھیت کی پیداوار پر زکوۃ نہیں، وہی عشر ہے، اس کے سوا سال تمام پر اور کوئی زکوۃ نہیں آتی، زکوۃ صرف تین [3] مالوں پر ہے: [1]سونا [2]چاندی یا وہ مال جو تجارت کی نیّت سے خریدا یا [3]جنگل میں چرتے ہُوئے جانور۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۴: از درو ضلع نینی تال ڈاکخانہ کچھار مرسلہ عبدالعزیز خاں ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

زمین نہری عشری ہے یا خراجی؟ اور جو روپے کہ انگریز زمینداروں سے بطورِ قسط ہیں وُہ محسوب زکوۃ عشر یا خراج؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زمین بہت صورتوں میں عشری ہوتی ہے بہت میں خراجی، بعض میں نہ عشری نہ خراجی، جن کی تفصیل کتبِ فقہ باب العشر و الخروج میں مذکور ہندوستان کہ ایک ملک وسیع ہے اس کی مختلف زمینوں میں غالبًا وُہ سب یا اکثر صور متحقق، تو اس کی زمین کو نہ مطلقًا عشری کہہ سکتے ہیں نہ مطلقًا خراجی، عشر و خراج جو محاصل شرعیہ کے اقسام ہیں جن کے لیے شرع مطہر نے اصول و ضوابط و مواقع و مقادیر کی تقدیر فرمائی، انگریز اپنی قسطیں لینے میں اُس اصول کے پابند نہیں بلکہ اُن کا قانون مالگزاری جُدا ہے کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

مسئلہ ۸۵: از لودھیانہ محلّہ گرچو منگلی مرسلہ شیخ محمد مقبول صاحب تاجر　　　۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

ماقول الفقهاء الحنفية فی ان اراضی الهندية التی فی ايدی المسلمين خراجية ام عشرية۔ بينوا توجروا۔	فقہاء احناف کا ہندوستان کی اس زمین کے بارے میں کیا موقف ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے، کیا وہ خراجی ہیں یا عشری؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب:

الارض كثيرا ماتكون عشرية كما فتح [1] وقسم بيننا، وما اسلم [2] اهله طوعا قبل ان تظفر بهم و عشرية اشتراها ذمی من مسلم فاخذ ها مسلم بشفعة [3] اوردت على البائع لفساد البيع [4] اوبخيار [5] اورؤية [6] مطلقا او عيب [7] بالقضاء وما احياه [8] مسلم بقرب العشريا ت او لتسا وی القرب [9] اليها والى الخراجيات على قول ابی يوسف المفتی به وسقاه بماء عشری وحده اومع خراجی على قول الطرفين و كالاحياء جعله [10،11] داره بستانا اومزرعة، كثير اما تكون خراجية كما	زمین بہت سی صورتوں میں عشری ہوتی ہے جیسا کہ ان صورتوں میں ہے مثلًا (۱) زمین مفتوحہ اور مسلمانوں میں تقسیم شدہ ہے (۲) وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کے غلبہ سے پہلے پہلے خوشی سے اسلام قبول کرلیا ____ (۳) زمین عشری تھی اسے کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لیا پھر کسی مسلمان نے بذریعہ شفعہ حاصل کرلی (۴) یا فساد بیع کی وجہ سے (۵) یا خیار شرط (۶) یا خیار رؤیت ہر حال میں (۷) یا عیب کی صورت میں قاضی کی قضا سے وُہ زمین بیچنے والے مسلمان کی طرف واپس لوٹ آئی ہے (۸) جو مسلمان نے آباد کی ہو عشری زمین کے قریب (۹) یا اس زمین کا قرب خراجی اور عشری زمین کے مساوی ہے امام ابو یوسف کے مفتی بہ قول کے مطابق، اور اسے صرف عشری پانی یا عشری اور خراجی دونوں پانی سیراب کرتے ہوں طرفین کے

فتح[1] ومنّ على اهلها او نقل اليه[2] كفار أُخر وما فتح صلحا[3] و عشرية[4] اشتراها ذمّي من مسلم و خراجية[5] اشتراها مسلم وما احياه[6] ذمي باذن الامام او رضخ له[7] مطلقا او مسلم[8] بقرب الخراجيات، او سقاه بماء خراجي صرفا على القولين ومثله[9] مسئلة الدارفى المسلم والذمى جميعا، وقد تكون لا عشرية ولا خراجية كما فتحناه وابقيناه لنا الیٰ يوم القيمة اومات ملا كها وألت لبيت المال على نزاع فى هذا قال فى ردالمحتار عن الدرالمنتقى شرح الملتقى، هذا نوع ثالث يعنى لا عشرية ولا خراجية من الاراضى تسمى ارض المملكة واراضى الحوز و هو ما مات اربابه بلا وارث وأل لبيت المال او فتح عنوة ابقى للمسلمين الى يوم القيامة وحكمه على مافى التاتارخانية انه يجوز للامام دفعه للزارع باحد طريقين اما باقامتهم مقام الملاك فى الزراعة واعطاء الخراج

قول کے مطابق (۱۰،۱۱) اور دار کی زمین کو باغ یا زرعی بنانا، آباد بنانے کی طرح ہےاور بہت سی صورتوں میں زمین خراجی ہوتی ہے(۱) زمین فتح کرلی گئی مگر اس کے باشندوں کو ہی بطورِ حسن سلوک واپس کردی گئی (۲) ایسی زمین کی طرف دوسرے کفار کی منتقلی کی گئی ہو (۳) وُہ زمین بطور صلح فتح کی گئی ہو (۴) زمین عشری تھی مگر کسی ذمّی نے مسلمان سے خرید لی۔ (۵) ایسی زمین خراجی جسے کسی مسلمان نے خرید لیا۔ (۶) ایسی زمین جسے اذنِ امام سے کسی ذمی نے آباد کیا۔ (۷) جو زمین ذمّی کو بطور عطیہ دے دی گئی (۸) کسی مسلمان نے اس زمین کو خراجی زمین کے قریب آباد کیا یا اسے دونوں قولوں کے مطابق محض خراجی پانی سے سیراب کیا (۹) اسی کی مثل مسئلہ دار ہے مسلمان اور ذمی کے حق میں کہ ذمی کیلئے خراجی ہے بعض اوقات زمین نہ شرعی ہوتی ہے اور نہ ہی خراجی، مثلاً ہم نے زمین فتح کی اور تا قیامت اسے مسلمانوں کے لیے وقف رکھا یا اس زمین کے مالک فوت ہوگئے اور وُہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئی، اس میں نزاع ہے۔ ردالمحتار میں درالمنتقی شرح الملتقی سے ہے کہ یہ زمین کی تیسری نوع ہے یعنی نہ وُہ عشری ہے اور نہ وُہ خراجی زمینوں میں سے ہے، ایسی زمینوں کو ارض مملکت اور اراضی حوز کہا جاتا ہے، اور یہ ایسی زمینیں ہیں جن کے مالک بلا وارث فوت ہوجائیں اور وہ زمین بیت المال کی طرف لوٹ آئے یا وہ زمین بطور غلبہ مفتوحہ ہو اور وُہ تا قیامت مسلمانوں کیلئے باقی رکھ دی ہو، تاتارخانیہ کے مطابق اس کا حکم یہ ہے کہ حاکمِ وقت اسے دو[2] طریقوں

واما باجارتها بقدرالخراج فیکون الماخوذ فی حق الامام خراجا وفی حق الاکرۃ اجرۃ لا غیر لا عشر ولاخراج اھ[1] باختصار۔ و قال فی الدر المختار المشتراۃ من بیت المال اذاوقفها مشتریها فلا عشر ولاخراج،شرنبلالیۃ معزیا للبحر،وکذا لولم یوقفها کما ذکرتہ فی شرح الملتقی اھ[2] قال الشامی لم یذکرفی البحر، العشر وانما قال بعد ما حقق ان الخراج ارتفع عن اراضی مصر لعودھا الی بیت المال بموت ملا کها فاذااشتراها انسان من الامام، ملکها ولا خراج علیها لان الامام قد اخذالبدل للمسلمین و تمامه فی التحفۃ المرضیۃ اھ نعم ذکر العشرفی تلك الرسالۃ فقال انه لایجب ایضا لانه لم یر فیه نقلا ۔ **قلت** ولا یخفی مافیه لانهم قد صرحوابان فرضیۃ العشرثابتۃ بالکتاب و السنۃ والاجماع والمعقول وبانه یجب فیمالیس بعشری ولا خراجی کالمفاوز والجبال وبان الملك غیر شرط

میں سے کسی ایک کے مطابق زراعت کیلئے دے سکتا ہے یا زراعت اور خراج دینے میں مالکوں کے قائم مقام بنادے یا بقدر خراج اجارہ پر دے دے اب اس زمین سے حاصل شدہ حاکم کے حق میں خراج اور کرایہ پر لینے والوں پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہوگا، تو ان پر نہ عشر ہے نہ خراج اھ اختصارا۔اسی طرح اس وقت حکم ہے جب وقف نہ کرے جیسا کہ میں نے شرح الملتقی میں ذکر کیا ہے۔شامی کہتے ہیں کہ بحر میں عشر کا ذکر نہیں، انہوں نے اس کی تحقیق کے بعد کہا کہ اراضی مصر کے مالک فوت ہونے اور ان کے بیت المال کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خراج ختم ہوگیا، تو اب کوئی انسان امام سے ایسی زمین خریدتا ہے تو وہ مالک بن جائیگا اور خراج نہیں ہوگا کیونکہ امام نے اس کا بدل مسلمانوں کے لیے حاصل کرلیا ہے، اس کی تفصیل تحفہ مرضیہ میں ہے اھ ہاں اس رسالہ میں عشر کا ذکر ہے کہ عشر بھی واجب نہیں کیونکہ اس میں نقل نہیں پائی گئی۔میں کہتا ہوں یہ محلِ نظر ہے کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فرضیتِ عشر کتاب اللہ، سنّت، اجماع اور قیاس سے ثابت ہے، اور اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ عشر اس زمین میں واجب ہے جو نہ عشری ہو اور

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۸۰/۳

[2] درمختار باب العشر والخراج والجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۸

فیہ بل الشرط ملك الخارج ولان العشر یجب فی الخراج لا فی الارض فکان ملك الارض و عدمہ سواء کما فی البدائع ولا یلزم من سقوط الخراج سقوط العشر علی انہ قد ینازع فی سقوط الخراج حیث کانت من ارض الخراج او سقیت بمائہ الخ[1] ملتقطاوبواقی المسائل معروضۃ فی الدرر وغیرہ من الاسفار الغروارض الھند علی سعتھا لا یبعد ان یوجد فیھا تلك الصور کلھا اوجلھا فالمصیر الی التبین فای ارض ثبتت فیھا صورۃ اجری علیھا حکمھا من کونھا خراجیۃ او عشریۃ او لا ولا سبیل الی الجزم بحکم واحد من دون تحقیق وما یتوھم من ان القاسم بن محمد الثقفی افتتحھاعنوۃ سنۃ ثلث وتسعین[2] کما فی الفتح والبنایۃ ولم یعلم قسمتھا بین المسلمین فوجب کیف وان قاسمالم یفتح منھاالا شیأنزر ایسیر ا من احدی نواحیھا مما یلی ملتان والافتتاح عنوۃ لاتستلزم الخراجیۃ کما	نہ خراجی، مثلاً جنگل اور پہاڑ کی زمین، اور یہ بھی تصریح ہے کہ ملکیت اس پر شرط نہیں بلکہ زمین سے حاصل ہوئی چیز کی ملکیت شرط ہے اور اس لیے بھی کہ عشر حاصل شدہ میں لازم ہوتا ہے نہ کہ زمین میں، لہٰذا زمین کی ملکیت اور عدمِ ملکیت برابر ہے البدائع، سقوط خراج سے سقوط عشر لازم نہیں آتا، علاوہ ازیں سقوطِ خراج میں بھی اختلاف ہے جبکہ وہ زمین خراجی ہو یا خراجی پانی سے سیراب ہو الخ اختصارًا۔ باقی مسائل در مختار اور دیگر کتب میں معروف ہیں۔ ہندوستان کی زمین نہایت وسیع ہے اس میں مذکورہ تمام صورتوں یا اکثر کا پایا جانا بعید نہیں لہٰذا یہ حکم لگانے کے لیے کہ یہ عشری ہے یا خراجی، یا نہ عشری ہے نہ خراجی۔ زمین کا تعیّن ضروری ہے کہ کون سی زمین کا معاملہ درپیش ہے، تحقیق کے بغیر یقینی طور پر ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اور جو یہ وہم کیا گیا ہے کہ قاسم بن محمد الثقفی نے ۹۳ھ کو ہندوستان کی زمین بطورِ غلبہ حاصل کی تھی۔ جیسا کہ فتح اور بنایہ میں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا خراجی ہونا ضروری ہے، یہ وہم نہ کافی ہے اور نہ قوی، اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے کیونکہ قاسم نے بہت تھوڑا سا حصّہ فتح کیا تھا جو ہندوستان کے ایک گوشہ ملتان کے ساتھ متصل تھا، اور بطور غلبہ حصول زمین اس کے خراجی ہونے کو مستلزم نہیں جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے تو جس طرح

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۷۹/۳

[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۸۰/۵

علمتو کمالم یعلم قسمتها بیننا کذٰلك لم یثبت المن بها علی اهلها فکیف یحکم بایجاب الخراج علی المسلمین مع عدم ثبوت موجبه، الایمکن ان تکون الارض مما ابقی للمسلمین بل لعله الظاہر من صنیع السلاطین فاذن لا تکون فی اصل الوضع عشریة ولا خراجیة وما کان منها بایدی الناس یتملکونها ویتوارثونها، یحکم بانها مملوکة لهم و یحمل علی ان منها ما کان مواتًا فاحییت و منها ما انتقل الیهم بوجه صحیح من بیت المال وبعد هذا لا تکون خراجیة قطعا لانها لم تکن فی بدء امرها منها ولا یوضع الخراج علی مسلم بدأ تکون عشریة علی ما حققه فی ردالمحتار وفارغة الوظیفتین فی الصورة الثانیة علی مافی التحفة المرضیة وغنیة ذوی الاحکام والدرالمختار.قال ابن عابدین عدم ملك الزراع غیر معلوم لنا الا فی القری و المزارع الموقوفة او المعلوم کونها لبیت المال اما غیرها فنراهم یتوارثونها جیلابعد جیل وفی الخیریة اذا ادعی واضع الید الذی تلقاهاشراء أوارثاوغیرهامن اسباب

مسلمانوں کے درمیان تقسیم کرنا معلوم نہیں اسی طرح ان باشندوں کو بطور حسنِ سلوک دینا بھی تو ثابت نہیں، تو عدمِ ثبوت مقتضی کے باوجود مسلمانوں پر وجوب اخراج کا حکم کیسے لگایا جاسکتا ہے البتہ ایسا ممکن بلکہ مسلمان سلاطین سے زیادہ ظاہر یہی ہے کہ انہوں نے یہ زمین مسلمانوں کے لیے رکھی ہو تو اب اصل مصرف کے اعتبار سے نہ یہ عشری ہے اور نہ خراجی، اور جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں ہو وہی اس کے مالک ووارث ہوں تو وہاں اس زمین کو انہی کی مملوکہ کہا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا ان میں سے کچھ زمین غیر آباد تھی اسے مسلمانوں نے آباد کرلیا اور کچھ انکی طرف بیت المال سے بطریق صحیح آئی، اس کے بعد تو وہ قطعًا خراجی نہ ہوگی کیونکہ ابتداءً وُہ خراجی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کسی مسلمان پر ابتداءً خراج لازم ہو سکتا ہے اور وہ عشری ہوگی جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے، اور وہ دوسری صورت میں دونوں وظیفوں (عشر و خراج) سے فارغ ہوگی جیسا کہ تحفہ مرضیہ، غنیہ ذوی الاحکام اور در مختار میں ہے: ابن عابدین کہتے ہیں کہ ہمیں قری اور وقف شدہ کھیتوں کے علاوہ عدم ملک زراع کا علم نہیں یا ہمیں معلوم ہے کہ یہ زمین بیت المال کی ہے، اس کے علاوہ زمین کے مسلمان ہر دور میں وارث بنتے اور خرید و فروخت کرتے چلے آرہے ہیں، خیریہ میں ہے کہ قبضہ کرنے والا جب کوئی دعوی کرے کہ یہ زمین مجھے شراءً یا وراثۃً یا دیگر کسی

الملك انها ملکه فالقول له اوعلی من یخاصمه فی الملك البرهان اھ وقد قالوا ان وضع الید والتصرف من اقوی ما یستدل به علی الملك ولذا تصح الشهادة بانه ملکه ۔ وفی رسالة الخراج لابی یوسف لیس للامام ان یخرج شیأ من ید احد الا بحق ثابت معروف اھ والائمة اذاقالوافی الکنائس المبنیة للکفر انها کانت فی بریة فاتصلت بها عمارة المصر فا ولی ان یقولو ابقاء تلك الاراضی بید من ھی تحت ایدیهم با حتمال انها کانت مواتا فاحییت او انها انتقلت الیهم بوجه صحیح اھ[1] ملتقطا الی اٰخر ما اطال واطاب واوضح الصواب. اما ما قال فی اٰخرہ و الحاصل فی الاراضی الشامیة والمصریة ونحوها ان ما علم منها کونه لبیت المال بوجه شرعی فحکمه ما ذکرہ الشارح عن الفتح (ای سقط الخراج وماخوذ اجرة)ومالم یعلم فهو ملك لاربابه والماخوذ منه خراج لااجرة	سبب ملک کے ذریعے حاصل ہُوئی ہے تو وہ اس کی ملک ہوگی اور اسی کا قول معتبر ہوگا یا جو اس کے ساتھ ملکیت میں مخاصمت کرے اس پر دلیل کا لانا ہوگا اھ اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ قبضہ اور تصرف، ملکیت پر قوی دلیل بنتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس کے مالک ہونے پر شہادت دینا صحیح ہوتا ہے۔امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ہے کہ کسی حاکم کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کے قبضہ سے کوئی شَے خارج کرے ماسوائے اس صورت کے جب دوسرے کا حق ثابت و معروف ہو،اھ،اور ائمہ نے ان گرجوں کے بارے میں تصریح کی ہے جو کفار کی خاطر بنائے گئے وُہ ایسے بیابان میں تھے جو شہر کی عمارتوں سے متصل ہے تو یہاں اولیٰ یہی کہنا ہے کہ زمین انہی کی ملکیت میں باقی رہے گی جن کے وہ قبضہ میں ہے کیونکہ ممکن وُہ زمین غیر آباد ہو اور ان لوگوں نے اسے آباد کیا یا وہ ان لوگوں کی طرف بطریق صحیح منتقل ہُوئی ہو اھ یہ ان کی طویل، خوبصورت اور صواب کو واضح کرنے والی عبارت کا خلاصہ ہے،اور اس کے آخر میں یہ جو کہا کہ شام، مصر اور ان کی طرح دیگر علاقوں کی اراضی کے بارے میں اگر یہ علم ہو کہ بطریق شرعی بیت المال کو حاصل ہُوئی ہیں تو ان کا حکم وہی ہے جس کا ذکر شارح نے فتح سے کیا (یعنی خراج ساقط ہوجائے گا اور جو حاصل کیا جائے گا وُہ اجرت ہوگی) اور جن زمینوں کا علم نہیں وہ ان کے مالکوں کی ہی ہوں گی اور اس سے خراج

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیة مصطفی البابی مصر ۲۸۰/۳

لانہ خراجی فی اصل الوضع اھ[1] فقد ابان ان الوجہ کونہا خراجیۃ فی بدء الامرلما قدم فی ھذا البیان مستندا للامام الثانی ان ارض العراق والشام ومصر عنویۃ خراجیۃ ترکت لاھلہا الذین قھر واعلیہا اھ[2] وقال قبلہ قال ابو یوسف فی کتاب الخراج ان ترکہا الامام فی ایدی اھلہا الذین قھرواعلیھا فھو حسن فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسمواشیأ من ذلک بل وضع عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علیہا الخراج ولیس فیہا خمس اھ[3] فھذا ماقال انہ خراجی فی اصل الوضع اما ما نحن فیہ اذلم یثبت ذٰلک لا یمکن جعلہا خراجیۃ بالاحتمال وایجابہ علی المسلمین الذین لیسو امن اھلہ بتصریح ذوی الکمال ھذا ماظھرلی واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال ثم رأیت فی الفتاوی العزیزیۃ. نقل عن رسالۃ مولٰنا الشیخ الجلیل جلال التھانیسری	وصولہ کیا جائے گا نہ کہ اُجرت، کیونکہ اصلًا یہ زمین خراجی ہے اھ تو اب واضح کیا کہ ابتداءً ان کے خراجی ہونے کی وجہ وہی ہے جس کو پہلے بیان کیا جو امام ثانی کی دلیل ہے کہ عراق، شام اور مصر کی زمینیں بطورِ غلبہ حاصل ہوئی ہیں اور خراجی ہیں کیونکہ انھیں اس کے ان سابقہ باشندوں کو دے دیا گیا جن سے بطور غلبہ حاصل کی گئی تھی اھ اور اس سے پہلے لکھا کہ امام ابویوسف نے کتاب الخراج میں فرمایا اگر حاکم نے انھیں لوگوں کے پاس زمین رہنے دی جن سے بطور غلبہ حاصل کی تھی تو یہ بہت اچھا کیا کیونکہ مسلمانوں نے عراق، شام اور مصر کی زمینیں حاصل کیں تو انھیں تقسیم نہ کیا بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان زمینوں پر خراج لگایا اور ان میں خمس نہ رکھا گیا اھ یہ وہی ہے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ اصل کے اعتبار سے خراجی ہیں مگر وہ جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں جب تک ثابت نہ ہو ان کا احتمال کی بنیاد پر خراجی قرار دینا اور مسلمانوں پر ایسی چیز کا وجوب جس کے وہ بقول صاحبِ کمال کے اہل نہیں، ممکن نہیں، یہ مجھ پر ظاہر ہوا ہے اور حقیقتِ حال سے اللہ تعالٰی زیادہ واقف وآگاہ ہے، پھر میں نے فتاوٰی عزیزیہ میں دیکھا کہ انہوں نے مولانا شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ السری کے رسالہ

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۸۲/۳

[2] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۸۱/۳

[3] ردالمحتار باب العشر والخراج والجزیۃ مصطفی البابی مصر ۲۷۹/۳

قدس سرہ السری ما نصہ بالعجمیۃ زمین ہندوستان درابتدائے فتح مانند سواد عراق کہ در عہد حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتوح شدہ بود موقوف بر ملک بیت المال است وزمینداراں را بیش از تولیت و داروغگی تر ددو فراہم آوردن مزارعین واعانت وزراعت وحفظ دخلے نیست چنانچہ لفظ زمیندار نیز اشعارے بآں می کند و تغیر و تبدل زمینداری عزل و نصب زمینداران و اخراج بعضے از آنہاواقرار بعضے وعطائے آراضی بافغاناں وبلوچاں وسادات وقدوائیاں بصیغہ زمینداری دلالت صریحہ بریں می کند پس دریں صورت جمیع اراضی ہندوستان مملوک بیت المال گشت و بعقد مزارعت علی النصف اواقل منہ دردست زمینداران [1] فھذا صریح فیما استظھرنا ہ من ان الفاتحین لم یقسموھا ملکا للمسلمین و الحکم فیہ ما بیناہ وذکر رحمہ اللہ تعالٰی فی سوادالعراق فمختار الائمۃ الشافعیۃ کما بینہ فی ردالمحتار اما عندنا فممنون بہا علی اھلھا ولا یضرنا الکلام فی التمثیل فعلی ھذا ماباید ی المسلمین	سے نقل کیا جو فارسی الفاظ میں یُوں ہے: ہندوستان کی زمین ابتداءً اسی طرح فتح ہوئی جس طرح عراق کی زمین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور میں فتح ہُوئی تھی، یہ بیت المال کی ملکیت میں بطور وقف رہے گی اور زمینداروں کا اس سے زیادہ دخل نہیں کہ وہ ان زمینوں کے متولی، منتظم، مزارعین مہیا کرنے اور بیت المال کے لیے تعاون وزراعت اور نگرانی کرنیوالے ہیں، جیسا کہ لفظ زمیندار بھی اس کی طرف اشارہ کررہا ہے، زمینداری میں تغیر و تبدل، اور انھیں معزول و مقرر کرنا، ان میں سے بعض کارکھنا اور بعض کا نکالنا، افغانیوں، بلوچوں، سادات اور قدوائیوں کو لفظ زمینداری کے ساتھ بعض زمینوں کا دینا بھی اسی پر تصریح ہے لہٰذا اس صورت میں ہندوستان کی تمام زمین بیت المال کی ملکیت ہے، نصف یا اس سے اقل پر مزارعت کے عقد کے ذریعے زمیندار کے قبضہ میں ہوگی۔ یہ تمام اس پر تصریح ہے جیسے ہم نے اختیار کیا کہ فاتحین نے جن زمینوں کو نہ تقسیم کیا نہ وہاں کے باشندوں کو دیں بلکہ انھیں مسلمانوں کی ملکیت میں رکھا تو ان کا وہی حکم ہے جو ہم نے بیان کردیا ہے، اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے عراق کی زمین کے بارے میں جو کہا تو یہ ائمہ شوافع کا مختار ہے جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہوا ہے اور ہمارے نزدیک تو وہ زمین وہاں کے باشندوں کو بطور احسان دے دی گئی تھی البتہ بطور مثال لانا

[1] فتاوٰی عزیزی مسئلہ اراضی عطائے سلطانی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۴۳

من الاراضی لا تجعل الا عشریة مالم یثبت فی شئی منھا کو نھا خراجیة بوجه شرعی واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہمیں نقصان دہ نہیں تو اب اس ضابطہ پر جو زمین مسلمانوں کے قبضہ میں ہوگی وہ عشری ہی ہوگی مگر اس صورت میں جب اس کے خراجی ہونے پر کوئی وجہ شرعی موجود ہو واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ واتم احکم (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

افصح البیان فی حکم مزارع ہندوستان [۱۳۱۸ھ]

(ہندوستان کی زمینوں کے تفصیلی احکام)

مسئلہ ۸۶: از بہار شریف مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ وُہ سب زمین ہندوستان کی جس کی مالگزاری زمیندار نقد دیتے ہیں آیا عشری ہے یا خراجی، اگر عشری ہے تو بعد منہائی مالگزاری کے واجب ہے یا بلا منہائی، اور یہ بھی کہ اس صورت میں کہ زمیندار سب اپنی رعایا کے ساتھ زمین کو بندوبست کرتے ہیں اس صورت میں عشر کس پر واجب ہے زمیندار پر یا رعایا پر؟ اور بصورت خراجی ہونے کے وُہ مال گزاری جو نقد دیتے ہیں وہی خراج تصور کیا جائیگا اور کوئی دوسرا، اور جب دوسرا ہوگا تو مالگزاری منہا دے کر خراج شرعی دینا ہوگا یا بغیر منہاء، اور کس قدر اور کس حساب سے دینا ہوگا، اور بصورت عدم عشری و عدم خراجی ہونے کے ہم زمینداروں کو کیا کرنا چاہیئے جو مواخذہ سے بری ہوں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہ سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل

شرعی سے ثابت نہ ہو۔ کما حققناہ بتوفیق اللّٰہ تعالٰی فی فتاوٰنا بمالایتجاوز الحق عنہ (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے جس سے حق متجاوز نہیں۔ت) بلکہ وہ عشری ہیں یا نہ عشری نہ خراجی، اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔

اماعلی الاول فظاہر واماعلی الثانی فکما حققه فی ردالمحتار خلافا لما فی التحفه المرضیة ثم الشرنبلالیة ثم الدرالمختار وما حققه واضح نفیس، والدر ،انماعزاہ للشرنبلالی و الشر نبلالی لصاحب التحفة عن العلامة صاحب البحر ، فالیه دار فیه الامر ، وھو رحمه اللّٰہ تعالٰی وما فی التحفة لم یستند فیه النقل انما اعتمد علی عدم رؤیته نقلا بلزوم العشرفیه وانت تعلم ان عدم الروية لیست رؤیة العدم ولا عدم النقل نقل العدم والنصوص مطلقة، والعشریجب فیما لیس بعشر ولا خراجی کا لمفاوز والجبال ۔**اقول:** ومعنی کون مافتحناہ فا بقیناہ لنا الی یوم القیامة من دون ان نعطیها ملاکها او کفارا اخرین اونقسمها بین الغانمین وکذا مامات ملاکها فالت لبیت المال، ان العشر والخراج انما یوجب حقا للمسلمین وھذہ قد کانت اوصارت لهم فلا وجه لان یوجب شئی لهم	پہلی صورت میں تو معاملہ واضح ہے اور دوسری صورت میں بھی عشر ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل ہے البتہ تحفہ مرضیہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار کا اس میں اختلاف ہے اور صاحب درمختار کی تحقیق نہایت نفیس ہے، در نے شرنبلالی اور شرنبلالی نے صاحبِ تحفہ سے اور وہاں علامہ صاحبِ بحر کی طرف منسوب ہے، اور معاملہ کی بنیاد یہاں یہی ہے اور مذکور شیخ رحمہ اللہ تعالٰی نے اور جو کچھ تحفہ میں ہے اس کے نقل پر کوئی دلیل نہیں، اس پر اعتماد صرف اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ ایسی زمین میں عشر کے لازم ہونے پر کوئی روایت ہماری نظر سے نہیں گزری اور آپ جانتے ہیں کہ عدمِ رؤیت، رؤیتِ عدم نہیں ہوتی۔ عدمِ نقل، نقلِ عدم نہیں۔ حالانکہ نصوص مطلق ہیں، اور جو زمین نہ عشری ہو اور نہ خراجی وہاں عشر لازم ہوتا ہے جیسا کہ جنگل اور پہاڑ۔ **اقول:** اس عبارت کہ "ہم نے زمین کی فتح کی اور اسے تا قیامت اپنے لیے رکھا" کا معنی یہ ہے کہ اسے مالکوں کو واپس نہ دیا یا دیگر کفار کو نہ دی یا بطورِ غنیمت اسے لشکریوں میں تقسیم نہ کیا اسی طرح وہ زمین جس کا مالک فوت ہوگیا اور وُہ بیت المال کی ہوگئی کیونکہ عشر اور خراج مسلمانوں کے حق کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ یہ مذکورہ زمیں یا تو ہے ہی مسلمانوں کی یا ان کی طرف لوٹ آئے گی، لہٰذا مسلمانوں کے لیے ان پر کوئی

علیهم ففراغ الوظیفة لعدم من یوظف علیه كارض خربة لم تزرع اصلا اما اذا وجدنا من نوجب علیه فلا معنی للفراغ وقد نص المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر "اواخر باب زكوٰة الزروع" فی تعلیل قول الامام رضی الله تعالیٰ عنه، ان الذمی اذااشتری عشریة من مسلم تصیرخراجیة ،[1] مانصهوجه قول ابی حنیفة انه تعذرالعشرلان فیه من معنی العبادة والارض لا تخلوا فیه من معنی العبادة والارض لا تخلوا عن وظیفة مقررة فیها شرعااه[2] مختصرا، فهذا بحمد الله نص فیما عولنا علیه ولله الحمد ۔ وبالجملة مالبیت المال فارغة مادامت لها فاذا انتقلت لملك احد بوجه صحیح كما هوالمحل فی الاراضی التی بایدی الناس یتوارثونها ویتصرفون فیها تصرف الملاك كما حققه فی ردالمحتار وبیناه فی فتاوٰنا فلا محید عن التوظیف الاتری ان الموات تكون لبیت المال	شئی واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں، یہاں عشر و خراج کا نہ لازم ہونا اس لیے ہے کہ یہاں کوئی ایسا شخص ہی نہیں جس پر کچھ لازم کیا جائے جیسے کہ بنجر زمین جو بالکل ہی کاشت نہ کی گئی ہو اور اگر ہم یہاں ایسے شخص کو پالیں جس پر کوئی شئی لازم کریں تو فراغ کا کوئی معنیٰ نہ ہوگا۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں باب زکوۃ الزروع کے آخر میں امام صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی علت بیان کرتے تصریح کی ہے کہ ذمی نے جب عشری زمین کسی مسلمان سے خریدی تو وُہ خراجی ہوجائے گی۔ امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ یہ بیان کی کہ یہاں عشر نہیں ہوسکتا کیونکہ عشر مین عبادت کا پہلو ہے اور زمین شرعی طور پر کسی مقرر وظیفہ سے خالی نہیں ہوسکتی اھ اختصارًا بحمداللہ یہ ہمارے مختار پر تصریح ہے وللہ الحمد۔ الغرض بیت المال کی زمین جب تک بیت المال کی ہے وُہ ہر وظیفہ سے فارغ رہے گی حتی کہ وہ کسی طریق صحیح سے کسی کی ملکیت میں چلی جائے جیسا کہ معاملہ ان اراضی کا ہے جو لوگوں کے پاس بطور وراثت منتقل ہوتی ہیں اور ان میں وُہ مالکوں جیسا تصرف کرتے ہیں جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے پس ان میں وظیفہ سے چھٹکارا نہیں، کیا تمھارے علم میں نہیں کہ جب بے آباد زمین

1 فتح القدیر باب زکوۃ الزروع الثمار مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۶

2 فتح القدیر باب زکوۃ الزروع الثمار مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

وھی فارغۃ فاذاھی تحییٰ باذن الامام فتصیرذات وظیفۃ کذاھذا۔	بیت المال کی ملکیت ہو تو وہ وظیفہ سے فارغ ہوتی ہے تو جب وُہ حاکم کی اجازت سے وہ آباد ہوجائے تو وُہ زمین صاحبِ وظیفہ کی ہوجائیگی یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔(ت)

اور عشر پوری پیداوار کالیا جائے گا۔

فی تنویر الابصار یجب العشر بلا رفع مؤن الزرع،[1] فی الدرالمختارلتصریحھم بالعشر فی کل الخارج اھ[2]	(تنویرالابصار میں ہے کہ کھیتی کے تمام اخراجات نکالے بغیر عشر لازم ہے۔ درمختار میں اس کی دلیل یہ دی ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عشر تمام پیداوار پر ہے۔ت)

قلت: ومن یظلم لا یظلم (میں کہتا ہوں ظلم کے بدلے ظلم نہ کیا جائے گا۔ت) زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کاحصّہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر بقدر حصہ کا عشر آئیگا مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سو۱۰۰ من غلہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ من عشر میں دے، اور اگر اجارہ میں دی گئی جسے لوگ نقشی کہتے ہیں مثلاً سو۱۰۰ روپیہ بیگھہ پر اٹھائی تو سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کل عشر مالک زمین پر ہے اور صاحبین رحمہمااللہ تعالٰی کے نزدیک کل مزارع پر ہے زمیندار سے کچھ مطالبہ نہیں۔ امام قاضی خاں نے قولِ اوّل کے اظہر ہونے کاارشارہ کیا،

وعلیہ اقتصرالامام الخصاف وبہ جزم فی منظومۃ النسفی والاسعاف واعتمدہ المتاخرون کالخیر الرملی واسمٰعیل الحائك وحامد آفندی وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی۔	امام خصاف نے اسی پر اکتفاء کیا ہے اور منظومہ نسفی اور اسعاف میں اسی پر جزم کیا ہے اور متاخرین مثلاً خیر رملی، اسمٰعیل حائک، حامد آفندی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی پر اعتماد کیا ہے(ت)

مگر حاوی قدسی میں قول دوم پر فتوٰی اور وُہ بھی لفظ ناخذ (ہم اسی کو لیں گے۔ت) کہ آکد الفاظ فتوٰی سے ہے وہ تصحیح التزامی تھی اور یہ صریح ہے،

فی الدرالمختار العشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولھما ناخذ و	درمختار میں ہے کہ عشر کرایہ پر دینے والے پر ہے جیسا کہ مقرر خراج، صاحبین کے نزدیک عشر کرایہ دار پر ہے جیسے کہ مسلمان عاریۃً کوئی چیز لے۔حاوی

[1] درمختار شرح تنویرالابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹

[2] درمختار شرح تنویرالابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹

فی المزارعة ان کان البذر من رب الارض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة[1] فی ردالمحتار تحت قوله وفی المزارعة الخ ما ذکره الشارح هو قولهما اقتصر علیه لما علمت ان الفتوی علی قولهما بصحة المزارعة لکن ما ذکر من التفصیل یخالفه مافی البحر والمجتبیٰ والمعراج والسراج والحقائق والظهیریة وغیرها من ان العشر علی رب الارض عنده وعلیهما عندهما من غیر ذکر هذا التفصیل وهو الظاهر لما فی البدائع من ان المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما الخ۔[2]	میں صاحبین کا قول لیتے ہیں اور مزارعت میں اگر بیج زمین کے مالک کا ہے تو اس پر عشر ہے اور اگر عامل کا ہے تو حصّہ کے مطابق دونوں پر ہوگا، ردالمحتار میں ماتن کے قول "وفی المزارعۃ الخ" کے تحت یہ شارح نے جو کہا یہ صاحبین کا قول ہے، اور اس پر اکتفاء کی وجہ آپ جان چکے کہ صحتِ مزارعت کے بارے میں صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے لیکن جو تفصیل میں بیان ہُوا وہ اس کے مخالف ہے، جو بحر، مجتبٰی، معراج، سراج، حقائق، ظہریہ وغیرہ میں ہے کہ امام صاحب کے نزدیک عشر مالک زمین پر ہے اور صاحبین کے نزدیک دونوں پر ہے مگر تفصیل کا ذکر نہیں، اور عشر پیداوار میں واجب ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان تقسیم ہوگی لہذا عشر دونوں پر ہوگا الخ (ت)

بالجملہ: قول دوم بھی ضعیف نہیں اور ہمارے بلاد میں وہی ارفق بالناس ہے یہاں اجرتیں بلحاظ عشر ہر گز مقرر نہیں ہوتیں، اگر پیداوار کا عشر اُجرت سے دلائیں تو غالباً کچھ نہ بچے بلکہ بہت جگہ عشر ہی میں گھر سے دینا پڑے باقی مصارف دیہی و مالگزاری انگریز جُدا رہے۔اور اگر اس پر مجبور کیجئے کہ اب وہ اجرتیں مقرر کرلیجئے کہ عشر و مالگزاری و جملہ مصارف دے کر تمھارے لیے بقدر کفالت بچے تو یہ ہر گز میسر نہیں، مزارعین اس پر کیوں راضی ہونے لگے۔

وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج والحرج مدفوع بالنص لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰهَا ؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا ۝[3] وهذا کما ذکر العلامة الشامی رحمه الله تعالیٰ فی اوقاف	لوگوں کو ان کی عادت سے روکنا حرج ہے اور حرج کا مدفوع ہونا نص سے ثابت ہے۔ ارشاد باری ہے اللہ تعالٰی ہر نفس کو اتنی تکلیف دیتا ہے جتنا اسے عطا فرمایا عنقریب اللہ تعالٰی دشواری کے بعد

[1] درمختار شرح تنویرالابصار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۹-۱۴۰

[2] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۱

[3] القرآن ۶۵/ ۷

بلادہ انہ لا تفی الاجرۃ ولا اضعافھا بالعشر او خراج المقاسمۃ قال فلا ینبغی العدول عن الا فتاء بقولھمافی ذلك لانھم فی زماننا یقدرون اجرۃ المثل بناء علی ان الاجرۃ سالمۃلجھۃ الوقف ولا شئی علیہ من عشرو غیرہ امالو اعتبر دفع العشر من جھۃ الوقف وان المستاجرلیس وعلیہ سوی الجرۃ فان اجرۃ المثل تزید اضعافا کثیرۃ کما لا یخفی فان امکن اخذ الجرۃ کاملۃ یفتی بقول الامام والا فبقولھما لما یلزم علیہ من الضرر الواضح الذی لا یقول بہ احد واللہ تعالٰی اعلم اھ۔[1]	آسانی فرمادے گا، یہ اسی طرح ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے شہروں کے ان اوقاف کے بارے میں ذکر کیا ہے جن میں نہ اجرت نہ اس کے ساتھ عشر کا اضافہ اور نہ ہی غلّے کی تقسیم پوری ملتی ہے، انہوں نے کہا کہ اس سلسلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دینے سے اعراض مناسب نہیں کیونکہ ہمارے دَور میں لوگ اجرت مثلی مقرر کرتے ہیں اس بناء پر کہ وقف کے لئے اجرت مثلی مقرر کرنے میں نقصان سے سلامتی ہے اور اس پر کوئی عشر وغیرہ نہیں اور اگر وقف کی جانب سے عشر دینے کا اعتبار کیا جائے اور مستاجر پر سوائے اجرت کے کچھ نہ ہو تو اجرت مثلی کئی گنا بڑھ جاتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں، تو اگر کامل اجرت لینا ممکن ہو تو امام صاحب کے قول پر فتوی ہوگا ورنہ صاحبین کے قول پر، تاکہ اس سے وہ واضح نقصان لازم آئے جس کا قول کسی نے بھی نہیں کیا واللہ تعالٰی اعلم اھ (ت)

رہی وُہ زمین جس کی نسبت خراجی ہونا ثابت ہوجائے مثلاً تحقیق ہو کہ ابتدائے زمانہ سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں ابتداءً یہ زمین کسی کافر ذمی کی تھی کہ اس نے باذنِ سلطان احیاء کی، سلطان نے اسے عطا کی، اُس سے مسلمان نے خریدی یا مسلمان نے خراجی زمین کے قرب میں احیاء کی اس کا وظیفہ ضرور خراج ہے اور بلاشبہ خراج شرعی سے مالگزاری انگریزی کا کوئی تعلق نہیں، نہ حساب ادامیں وہ مجرادی جائے **وھذا ظاھر جلی لا خفاء بہ** (اور یہ ظاہر روشن ہے اس میں کوئی خفا نہیں۔ ت) امر تحقیق طلب یہ ہے کہ جب یہاں نہ سلطنتِ اسلام نہ لشکرِ اسلام تو خراج شرعی بھی واجب رہا یا نہیں، اور رہا تو کسے اور کیا اور کتنا دیا جائے۔ **اقول: وباللہ التوفیق:** یہ تو کتب میں مصرح ہے کہ مطالبہ خراج مشروط بہ تسلط ہے، جب بلاد پر جتنے دنوں سلطنت شرعیہ کا تسلط نہ رہے بعد تسلّط بھی اُن ایام کے خراج کا مطالبہ نہیں انہوں نے اتنے دنوں کسی اور قوم کو خراج دیا یا اُسے بھی نہ دیا ہو کہ خراج لینا حمایت فرمانے کے ساتھ

[1] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۶۰/۲

ہے جب اُتنے دنوں سلطنتِ دینیہ ان کی حمایت سے جُدا رہی اس مدت کا خراج نہیں لے سکتی۔ کنز میں ہے:

لواخذ العشر والخراج والزکوٰۃ بغاۃ لم یوخذ اخری۔[1]	اگر باغی عشر، خراج اور زکوٰۃ وصول کرلیں تو دوبارہ نہ لیا جائے گا۔ (ت)

ہدایہ، بحر وغیرہما میں ہے:

لان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ۔[2]	کیونکہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج تو حمایت کی بنا پر ہوتا ہے (ت)

تبیین و بحر وغنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

اشتراط اخذھم الخراج ونحوہ وقع اتفاقا حتی لولم یاخذوا منه سنین وھو عندھم لم یوخذ منه شئی ایضا لما ذکرنا۔[3]	خراج وغیرہ لینے کی شرط لگانے کا ذکر اتفاقاً ہوا ہے حتی کہ اگر کئی سال ان سے وصولی نہ کی حالانکہ ذمی ان کے پاس تھا تو اب سابقہ سے بھی کوئی شیئ نہ لی جائیگی جیسا کہ ہم نے بیان کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویظھر لی ان اھل الحرب لو غلبوا علی بلدۃ من بلادنا کذلك للتعلیلھم اصل المسئلۃ بان الامام لم یحمھم والجبایۃ بالحمایۃ وفی البحر وغیرہ لو اسلم الحربی فی دارالحرب واقام فیھا سنین ثم خرج الینا لم یاخذ منه الامام الزکوٰۃ لعدم الحمایۃ الخ[4]	مجھ پر یہ ظاہر ہُوا ہے کہ اگر اہلِ حرب ہمارے کسی شہر پر غالب آجائیں تو حکم یہی ہوگا کیونکہ یہاں دلیل وعلّت وہی ہے کہ حاکم نے ان کی حمایت نہیں کی اور خراج حمایت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور بحر وغیرہ میں ہے اگر حربی نے دارالحرب میں اسلام قبول کرلیا اور وُہ وہاں ہی کئی سال تک مقیم رہا پھر ہمارے ہاں آیا تو حاکم عدمِ حمایت کی وجہ سے اس سے کچھ وصول نہیں کرسکتا الخ (ت)

اور یہ بھی تصریح ہے کہ مصرف خراج لشکر اسلام ہے فقراء کا اس میں کچھ حق نہیں،

---

[1] کنزالدقائق فصل فی الغنم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۹
[2] بحرالرائق فصل فی الغنم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۳
[3] تبیین الحقائق فصل فی صدقۃ الغنم مطبعہ کبرٰی بولاق مصر ۲/ ۲۷۴
[4] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۶

فی العنایۃ تحت مسئلۃ شراء ذمّی عشریۃ من مسلم، فی توجیہ روایۃ عن محمد حق الفقراء تعلق بہ فھو کتعلق حق المقاتلۃ بالاراضی الخراجیۃ ثم قال فی توجیہ اخری، مایصرف الی الفقراء ھو ماکان للہ تعالٰی بطریق العبادۃ و مال الکافر لیس کذلك فیصرف فی مصارف الخراج[1]

وفی الدرالمحتار عن ابن الشحنۃ فی نظم بیوت المال ع

وثالثھا خراج مع عشور الی ان قال:

فمصرف الاولین اتی بنص

وثالثھا حواہ مقاتلونا اھ[2] وفی الفتح والعنایۃ وغیرھما قبیل باب الجزیۃ، مصرف العشر الفقراء و مصرف الخراج المقاتلۃ اھ[3] وقد اعترض فی الفتح فی المسألۃ المارۃ علی جعل العشریۃ بشراء الذمّی خراجیۃ، بان التغییر ابطال لحق الفقراء بعد تعلقہ فلا یجوز الخ۔[4]

عنایہ میں اس مسئلہ "ذمی نے کسی مسلمان سے عشری زمین خریدی" کے تحت امام محمد رحمہ اللہ سے مروی روایت کی توجیہ میں ہے کہ فقراء کا اس کے ساتھ حق متعلق ہے، پس یہ اسی حق کی طرح ہے جس طرح خراجی زمینوں کے ساتھ حق مقاتلہ کا تعلق ہوتا ہے پھر دوسری توجیہ کرتے ہُوئے کہا کہ جو کچھ فقراء پر خرچ کیا جاتا ہے وہ اللہ تعالٰی کے لیے بطور عبادت ہوتا ہے اور مالِ کافر میں یہ بات نہیں ہوتی لہذا اسے مصارف خراج میں ہی خرچ کیا جائے گا اور در مختار میں ابن شحنہ سے بیوت المال کی نظم میں ہے:

اور تیسری قسم خراج مع عشر ہے۔ آگے چل کر کہا:

پہلی دونوں کے مصارف ہمارے نص میں موجود ہیں اور تیسری کا مصرف ہمارے مقاتلہ (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں۔ اھ اور فتح اور عنایہ میں باب الجزیہ سے تھوڑا پہلے ہے کہ عشر کا مصرف فقراء اور خراج کا مصرف مقاتلہ کرنیوالے (لشکرِ اسلام) ہوتے ہیں اھ فتح میں گزشتہ مسئلہ کہ عشری زمین کا ذمّی کے خریدنے سے خراجی ہونے پر اعتراض کیا ہے کہ زمین کے ساتھ فقراء کا حق متعلق ہونے کے بعد تغیّر ان کے حق کو باطل کردیتا ہے جو جائز نہیں الخ (ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر باب العشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۶

[2] درمختار باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۸۶

[4] فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۹۷

اور شک نہیں کہ جب مصرف نہ باقی ہو، مطالبہ کس کے لیے ہو ولہٰذا ہمارے امام کے نزدیک عاشر تاجر سے خربوزے، کھیرے، ککڑی وغیرہا جلد بگڑ جائے والی پیداوار کا عشر نہ لے گا جبکہ فقراء موجود نہیں کہ مصرف ہی نہیں اور وُہ اشیاء رکھنے سے بگڑ جائیں گی، تو مطالبہ عبث ہے۔

فی الفتح قبیل باب المعادن، من مر بر طاب اشتراھا للتجارۃ کالبطیخ والقثاء و نحوہ لم یعشرہ عند ابی حنیفۃ فانھا تفسد بالاستبقاء و لیس عند العامل فقراء فی البر لیدفع لھم فاذا بقیت لیجد ھم فسدت فیفوت المقصود اھ[1] مختصرًا۔	فتح میں باب المعادن سے تھوڑا پہلے ہے، کہ جو شخص سبزیوں کے کھیت کے پاس سے گزرا اس نے تجارت کے لیے انھیں خریدا مثلاً خربوزہ اور کھیرا وغیرہ، تو اب امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس پر عشر نہ ہوگا کیونکہ وہ باقی رکھنے سے خراب ہوجاتی ہیں، اور عامل کے پاس جنگل میں فقراء نہیں ہوتے جنہیں وُہ عشر دے دے، اور اگر انھیں فقراء کے پانے کے لیے باقی رکھتا ہے تو وہ خراب ہوجاتے ہیں تو اس سے مقصود فوت ہوجاتا اھ اختصارًا (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی کہ کل خراج کا وجوب ہی لشکرِ اسلام کے حق کے لیے اور ان کی حمایت کا معاوضہ ہے۔ فتح القدیر، کتاب السیر، باب العشر میں ہے:

الخراج جزاء المقاتلۃ علی حمایتھم فما سقی بما احموہ وجب فیہ اھ۔[2]	خراج لشکرِ اسلام کی حمایت کا معاوضہ ہے، جو زمین ان کی حمایت سے سیراب ہوگی اس میں خراج واجب ہوگا اھ (ت)

عنایہ میں اسی جگہ ہے:

الخراج یجب جبرا للمقاتلۃ فیختص وجوب الخراج بما یسقی بماء حمتہ المقاتلۃ (الیٰ قولہ) الی ھذا اشار شمس الائمۃ اھ[3]	خراج، مقاتلہ کے نقصان کو پُورا کرنے کے لیے ہوتا ہے لہٰذا خراج انہی زمینوں کے ساتھ مخصوص ہوگا جو لشکر کی حمایت کے تحت سیراب ہوں گی (آگے چل کر کہا) شمس الائمہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ (ت)

---
[1] فتح القدیر باب فیمن یمر علی العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۷۸
[2] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۱
[3] العنایہ مع فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۰

اُسی کے اواخر باب زکوٰۃ الزروع میں ہے:

الخراج یجب حقاللمقاتلة فیختص وجوبه بما حمته القاتلة۔[1]	خراج حق مقاتلہ کے طور پر لازم ہوتا ہے لہٰذا یہ اسی کے ساتھ مخصوص رہے گا جو مقاتلہ کے تحت ہوگا۔ (ت)

یہ کلمات بظاہر سقوطِ خراج کی طرف ناظر مگر نظر دقیق حاکم، کہ نفس وجوب ثابت و قائم، مطالبہ سلطنت و وجوب دیانت میں فرق بعید ہے، بہت چیزیں ہیں کہ سلطان کو اُن کا مطالبہ نہیں پہنچا اور شرعًا واجب ہ

کزکوٰۃ الاموال الباطنة کما فی الدر وغیرہ عامة الاسفار وقد قال الشامی عن البحر وغیرہ فی مسئلة اسلام الحربی فی دارالحرب بعد العبارة المذکوۃ ونفتیه بادائها ان کان عالما بوجوبها والّا فلا زکوٰۃ علیه لان الخطاب لم یبلغه وھو شرط الوجوب اھ[2]	جیسے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ جیسا کہ در اور دیگر کتب میں ہے، شامی نے بحر وغیرہ کے حوالے سے دارالحرب میں کسی حربی کے اسلام لانے کے بارے میں گفتگو کرتے ہُوئے عبارت مذکورہ کے بعد کہا، کہ اگر وُہ حربی مسلمان وجوب زکوٰۃ کا علم رکھتا ہے ہم اسکی ادائیگی کا فتوٰی دینگے ورنہ اس پر زکوٰۃ ہی نہیں کیونکہ اسے ایسا حکم ہی نہیں پہنچا جو وجوب کے لیے شرط ہے اھ (ت)

ولہٰذا صورت مذکورہ عدم تسلط میں تصریح فرمائی کہ متغلبین اگر زکوٰۃ و عشر لے کر ان کے مصارف میں سبب نہ کریں تو اربابِ اموال پر اُن کا دوبارہ دینا واجب ہے اور خراج میں جو اعادے کی حاجت نہیں اس کا سبب یہ کہ وہ متغلبین خود بھی ایک اسلامی لشکر کی حیثیت سے اُس کے مصرف ہیں تو خراج اپنے محل کو پہنچ گیا

فی الدرالمختار، اخذ البغاة والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الاموال الظاھرۃ کالسوائم والعشر و الخراج لا اعادۃ علی اربابها، ان صرف الماخوذ فی محله الاٰتی ذکرہ والا یصرف فیه فعلیهم فیما بینهم وبین اللہ تعالٰی اعادۃ غیرالخراج لانهم مصارفه۔[3]	درمختار میں ہے اگر باغیوں اور ظالم حکمرانوں نے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرلی مثلاً چارپایوں کی زکوٰۃ، یا عشرہ خراج وصول کرلیا تواب مالکوں سے دوبارہ نہیں لیا جائیگا (بشرطیکہ ان کی جگہ خرچ کیا گیا جن کا ذکر آرہا ہے) اور اگر وہاں خرچ نہیں کیا تو مالکوں پر بطور دیانت عشرہ زکوٰۃ کا اعادہ لازم ہے خراج کا نہیں کیونکہ باغی لشکر خود خراج کا مصرف ہیں۔ (ت)

[1] العنایہ مع فتح القدیر باب زکوٰۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ الغنم مصطفی البابی مصر ۲ /۲۶

[3] درمختار باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۳۴

در منتقی پھر طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

اماالخراج فلا یفتون باعادته لانهم مصارفه اذا هل البغی یقاتلون اهل الحرب و الخراج حق المقاتلة۔[1]	خراج دوبارہ لینے کا فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس کا مصرف ہیں کیونکہ اہلِ بغاوت نے اہلِ حرب کے ساتھ مقاتلہ کیااور خراج مقاتلہ کا حق ہے(ت)

ہدایہ وبحر وغیرہما میں ہے:

افتوابان یعید وهادون الخراج لانهم مصارف الخرج لکونهم مقاتلة والزکوٰة مصرفها الفقراء ولا یصرفونها الیهم۔[2]	علماء نے فتوٰی دیا ہے کہ خراج کے علاوہ کااعادہ ہوگا کیونکہ اہلِ بغاوت خراج کامصرف ہیں اس لیے کہ یہ مقاتل ہیں اور زکوٰۃ کا مصرف فقراء ہیں لہٰذاان پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔(ت)

توثابت ہُواکہ تسلّط وحمایت شرط مطالبہ سلطانی ہے نہ شرط نفس وجوب اوراس تعلیل نے کہ اعادہ خراج اس وجہ سے نہیں کہ وُہ خود بھی مصرف ہیں واضح کردیا کہ اگر وُہ مصرف نہ ہوں جیسے نامسلم قومیں توخراج کااعادہ بھی ضرور ہے مصرف خراج صرف لشکر اسلام نہیں بلکہ تمام مصالح عامہ مسلمین ہیں جن میں تعمیر مساجد ووظیفہ امام ومؤذن وبنائے پل وسراو تنخواہ مدرسین علم دین وخبر گیری طلبہ علوم دین وخدمت علمائے اہلِ حق حامیانِ دین مشغولین درس ووعظ وافتاوغیرہاامور دین سب داخل ہیں۔

فی ردالمحتار تحت قول ابن الشحنة المار انه یصرف فی مصالحنا کسد الثغور و بناء القناطیر والجسور و کفایة العلماء و القضاء والعال ورزق المقاتلة وذراریهم اھای ذراری الجمیع۔[3]	ردالمحتار میں ابن شحنہ کے گزشتہ قول جو ہدایہ اور اکثر کتب معتبرہ میں ہے،کے تحت یہ ہے، خراج ہمارے مصالح پر خرچ کیا جاسکتا ہے مثلاً دفاعی بند، پُل، راستے، علماء، قضاء، علماء کی خدمت، مقاتلہ کرنے والے اور ان کی اولاد، یعنی مذکورہ تمام لوگوں کی اولاد پر خرچ کیا جاسکتا ہے(ت)

در مختار میں ہے:

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب زکوۃ الغنم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۴

[2] الہدایۃ کتاب الزکوۃ فصل فی مالاصدقۃ فیہ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۷۳

[3] ردالمحتار باب العشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳

مصرف الجزیۃ والخراج مصالحنا کسد ثغورنا و بناء قنطرۃ و جسر کفایۃ العلماء والمعلمین، تجنیس، وبہ یدخل طلبۃ العلم، فتح ،و القضاۃ والعمال ککتبۃ قضاۃ وشھود قسمۃ ورقباء سواحل ورزق المقاتلۃ وذراریھم ای ذراری من ذکر، مسکین (ملخصًا)[1]	جزیہ اور خراج کا مصرف ہمارے رفاہی کام ہیں مثلاً دفاعی معاملات، جیسے دارالاسلام کی سرحدوں کی حفاظت کرنا، سڑکوں اور پُلوں کا بنانا، علماء اور اساتذہ کو بطورِ کفالت دینا، تجنیس۔ اس میں طالبعلم بھی داخل ہیں، فتح۔ قضاۃ اور عمال، جیسے قاضیون کے کاتب، ورثاء اور شرکاء کے درمیان تقسیم کے گواہ اور سواحلِ دریا کے نگہبان یعنی عشر لینے والے کذافی الطحطاوی۔ مجاہدین کی روزی اور ان سب کی ذریّت کی، یعنی جن کا ذکر اُوپر ہوا ان سب کی اولاد کی روزی۔ کذافی شرح مسکین۔ (ملخصًا) (ت)

ہدایہ میں ہے:-

الخراج یصرف فی مصالح المسلمین ویعطی قضاۃ المسلمین وعمالھم وعلماؤھم منہ ما یکفیھم لانہ مال بیت المال وھو معد لمصالح المسلمین وھٰؤلاء عملتھم۔[2]	خراج مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوگا۔ مسلمان قضاۃ، عمال، علماء کی ضروریات کو اس سے پُورا کیا جائے گا کیونکہ یہ بیت المال کا مال ہے اور بیت المال مسلمانوں کے مفاد کے لیے ہوتا ہے، اور یہ لوگ مسلمانوں کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ (ت)

فتح میں ہے:

زاد فی تجنیس، المعلمین والمتعلمین وبھذا تدخل طلبۃ العلم اھ[3] الکل مختصرا۔	تجنیس المعلمین و المتعلمین میں یہ اضافہ ہے کہ اس کے ساتھ طالب علم اس میں داخل ہوگئے اھ تمام عبارتوں میں اختصار ہے۔ (ت)

خود امام مذہب سیدنا ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں خلیفہ ہارون رشید سے ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] در مختار فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۴

[2] الہدایۃ فصل و نصارٰی بنی تغلب الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/۵۷۹

[3] فتح القدیر فصل و نصارٰی بنی تغلب الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۰۷

وسألت من ای وجه تجری علی القضاۃ و العمال الارزاق فاجعل (اعزاللہ امیرالمؤمنین بطاعته) ما یجری علی القضاۃ والولاۃ من بیت مال المسلمین من جبایۃ الارض اومن خراج الارض والجزیۃ لانھم فی عمل المسلمین فیجری علیھم من بیت مالھم ویجری علی والی کل مدینۃ وقا ضیھا بقدر مایحتمل، وکل رجل تصیرہ فی عمل المسلمین فاجر علیه من بیت ما لھم ولا تجر علی الولاۃ والقضاۃ من مال الصدقة شیأ الا والی الصدقة فانه یجری علیه منھا کما قال اللہ تبارك وتعالٰی وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا۔[1]	اے امیر المومنین! تُو نے یہ پُوچھا ہے کہ قضاۃ اور عمال کے وظائف کا معاملہ کیسے کیا جائے تو (اللہ تعالٰی امیر المومنین کو رعایا کی فرمانبرداری کے ذریعے عزت بخشے) قضاۃ اور عمال کو مسلمانوں کے بیت المال یعنی زمین کی ضمان، خراج اور جزیہ س وظائف دئے جائیں کیونکہ وُہ مسلمانوں کے کام میں مصروف ہوتے ہیں، پس ان پر بیت المال سے خرچ کرو اور ہر شہر کے والی اور قاضی کے لیے اتنا وظیفہ جاری کرو جتنا وُہ کام کرتے ہیں، اور جو شخص مسلمانوں کے کام میں مقرر کرو اس پر بیت المال سے خرچ کرو، والیوں اور قاضیوں پر مال صدقہ سے خرچ نہ کرو، ہاں والی صدقہ پر کر سکتے ہو کیونکہ اس پر اس میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور صدقات وصول کرنے والے کے لیے۔ (ت)

اور اگر بالفرض خاص لشکرِ اسلام ہی اس کا مصرف ہوتا تو بحمد اللہ تعالٰی وہ بھی جابجا موجود، اور اوپر معلوم ہو چکا کہ خاص یہاں ہونا ان بلاو کی حمایت کا، شرط مطالبہ ہے نہ شرط وجوب، اور اشیائے سریعۃ الفساد پر خراج کی قیاس نہیں ہو سکتا، پھر وہاں بھی صرف مطالبہ منتفی ہے نہ وجوب، خود اسی مسئلہ میں تصریح ہے کہ عاشر اگرچہ اس سے عشر نہ لے گا مگر تاجر کو اس کے ادا کا حکم کرے گا۔

فی ردالمحتار عن الشرنبلالیۃ صورۃ المسألۃ ان یشتری بنصاب، قرب مضی الحول علیه، شیأمن ھذہ الخضراوات للتجارۃ فتم علیه الحول، فعندہ لا یاخذ الزکٰوۃ لکن یامر المالك بادائھا	ردالمحتار میں شرنبلالیہ سے ہے صورتِ مسئولہ یُوں ہے کہ سال ختم ہونے کے قریب اگر کسی نے تجارت کے لیے نصاب کے عوض سبزیات خریدیں اور اس پر سال مکمل ہوا تو امام صاحب کے نزدیک اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی لیکن

[1] کتاب الخراج من ای وجہ تجری علی القضاۃ الخ مطبعۃ بولاق مصر ص ۲۰۲

بنفسہ الخ۔[1]	مالک سے کہا جائیگا کہ خود ادا کردے۔(ت)

ایجاب خراج میں لشکرِ اسلام کا حق اور اس کی حمایت پر تقرر معاوضہ ضرور منظورِ نظرِ شرع ہے مگر اس سے وجود حمایت کا شرط وجوب ہونا لازم نہیں، تصریحات ائمہ سے واضح ہو لیا کہ خراج صرف انہی کے لیے مقرر نہ ہُوا بلکہ جمیع مصالح عامّہ اہلِ اسلام اس میں متساویۃ الاقدام، ہاں جہاں حمایت ہو ان کا بھی حق ضرور ہے اور جہاں اُن کا حق ہو وہی معاوضہ منظور ہے، بالجملہ ادھر سے کلیہ ہے یعنی حیثما وجدت الحمایۃ وجبت الجبایۃ (جہاں حمایت ہو گی وہاں خراج لازم ہوگا۔ت) اُدھر سے نہیں کہ حیث ما وجبت الجبایۃ وجدت الحمایۃ (جہاں خراج ہوگا وہاں حمایت ہو گی۔ت) تاکہ اس کا عکس نقیض کیجئے کلما لم توجد الحمایۃ لم توجب الجبایۃ (جب حمایت نہ ہو گی تو خراج لازم نہ ہوگا۔ت) فتح القدیر کی عبارت مذکور کا منشاء اسی قدر ہے البتہ عبارتِ عنایہ میں لفظ یختص موہم واقع ہوا ہے اور وُہ قطعاً زائد بے حاجت محض بلکہ خلافِ مقصود ہے،

وذلك لان محمدا رحمه الله صرح فی الزیادات ان المسلم لا یبتدأ بتوظیف الخراج[2] ثم وقع بینهم الخلاف فیما اذا احیا مسلم مواتا فقال ابو یوسف تعتبر بحیزها ای بما یقرب منها فان کانت من حیز ارض الخراج فخراجیة اوارض العشر فعشریة لان القرب من اسباب الترجیح وقال محمد ان کان صفتها انها یصل الیها ماء الانهار فخراجیة او ماء عین ونحوه فعشریة کل ذلك فی الفتح[3] وقد لزم من هذا توظیف	یہ اس لیے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے زیادات میں تصریح کی ہے کہ مسلمان پر ابتداءً خراج نہیں آسکتا، پھر ان ائمہ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب کسی مسلمان نے غیر آباد زمین کو آباد کیا، امام ابو یوسف نے فرمایا اس کے قُرب کا اعتبار کیا جائیگا، اگر خراجی کے قریب ہے تو خراجی، اگر عشری کے قریب ہے تو عشری، کیونکہ قرب اسبابِ ترجیح میں سے ہے۔ امام محمد نے فرمایا اگر اسے نہری پانی سیراب کرتا ہو تو خراجی، اور اگر چشمہ وغیرہ کا پانی ہو تو عشری۔ یہ تمام تفصیل فتح میں ہے۔ بعض کے گمان کے مطابق اس سے مسلمان پر

[1] ردالمحتار باب العاشر مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۷

[2] فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[3] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۸۰

الخراج علی المسلم بدأ اذا سقاھا بماء الخراج علی ما ظن عــــہ۱ وھو خلاف نص الزیادات فا جیب عــــہ۲ بتقیید مافی الزیادات بما اذالم یکن منه صنیع یستد عی ذٰلك وھوالسقی بماء الخراج اما اذا وجد ذٰلك فھو دلالة التزامه الخراج	ابتدائی طور پر خراج کا تقرر لازم آتا ہے جبکہ وُہ زمین خراجی پانی سے سیراب ہورہی ہو، حالانکہ یہ زیادات کی تصریح کے خلاف ہے، اس کا جوب یہ دیا گیا ہے کہ زیادات کی عبارت میں اس قید کا اعتبار ہے کہ بشرطیکہ اس مسلمان سے کوئی ایسا عمل نہ پایا جاتا ہو جو خراج کا تقاضا کرتا ہو اور وہ عمل خراجی پانی سے سیرابی ہے، اور اگر ایسا ہے تو بطور التزام اس کا

عــــہ۱: ظنه جماعة منھم الشیخ حسام الدین السغناقی فی النھایة ولیس کما ظنوا بل انما ھو انتقال ما تقرر فیه الخراج بوظیفة الیه وھو الماء فان فیه وظیفة الخراج فاذا سقی به انتقل ھو بوظیفة الی ارض المسلم کما لواشتری خراجیة وھذا لان المقاتلة ھم الذین حموا ھذاالماء تثبت حقھم فیه وحقھم ھوالخراج فاذا اسقی به مسلم اخذ منه حقھم کما ان ثبوت حقھم فی الارض اعنی خراجھا لحمایتھم ایا ھا یوجب مثل ذٰلك افادہ فی الفتح من باب زکوٰۃ الزروع ۱۲منه غفرله۔ (م)

عــــہ۲: المجیب الامام شمس الائمة السرخسی کما فی الفتح ۱۲منه غفرله (م)

عــــہ۱: یہ گمان ایک جماعت نے کیا ہے جن میں سے شیخ حسام الدین سغناقی ہیں جنھوں نے نہایہ میں اظہار کیا ہے، جبکہ معاملہ وُہ نہیں جو انھوں نے گمان کیا ہے بلکہ یہ مسلمان کی طرف وظیفہ خراج والی چیز کا انتقال ہے۔ اور وُہ پانی ہے کیونکہ اس میں خراج والا وظیفہ ہے۔ تو جب اس سے زمین سیراب ہوگی تو اس کا وظیفہ بھی مسلمان کی زمین پر لاگو ہوگا جیسا کہ کوئی خراجی زمین خریدے تو اس پر خراج آتا ہے یہ اس لیے کہ مقاتلہ وُہ لوگ ہیں جو اس پانی کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اس لیے اس پانی میں ان کا حق ثابت ہوگا جبکہ وُہ خراج ہے تو جب کوئی مسلمان اس پانی کو استعمال کرے گا تو اس سے پانی کا حق لیا جائیگا جس طرح خراجی زمینوں میں تحفظ فراہم کرنے پر مقاتلہ کا حق واجب ہوتا ہے، اس کا افادہ فتح کے باب زکوۃ الزروع سے حاصل ہے ۱۲منہ غفرلہ۔ (ت)

عــــہ۲: جواب دینے والے شمس الائمہ سرخسی ہیں جیسا کہ فتح میں ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

رضاہ بہ لان الخراج جزاء المقاتلة علی حما یتھم فما سقی بما حموہ وجب فیہ[1] ھذاما فی الھدایة والفتح، ولاحاجة فیہ الیٰ تخصیص الخراج بماحموہ اصلا بحیث لم یوجد لم یجب انما الحاجة الیٰ استتباع حمایتھم ایجاب الخراج بحیث اذا وجدت وجب لان المقصود اثبات الوجوب لاجل ثبوت الحمایة فتکون الحمایة ملزومة والخراج لا زمالیستدل بوضع المقدم علی وضع التالی واللازم لایجب تساویہ اما اذا قلنا بان الخراج یختص بالحمایة کان المعنی ھو انتقاء ہ بانتقاء ھا فیکون اللازم ھو الحمایة فلا یصح الاستدلال بوجودہ علی وجوب الخراج لان وضع التالی لاینتج وضع المقدم فظھران حدیث الخصوص لا یوافق المقصود فاذن التقریر الصحیح مااشار الیہ فی الھدایة وبینہ فی الفتح وانعم ایضاحہ فی زکوٰتہ الزروع کمانقلنا نصہ انفافی المنھیة۔	خراج پر راضی ہونا ثابت ہوجاتا ہے کیونکہ خراج تو حمایت پر مقاتلہ کا معاوضہ ہے اور جو حمایتی (خراجی) پانی سے سیراب ہوگی اس خراج واجب ہوگا۔ یہ ہدایہ اور فتح میں تھا۔ یہاں خراج کو اس چیز کے ساتھ مقیّد کرنے کی اصلاً ضرورت نہیں کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں حمایت ہو، اور جہاں حمایت نہ ہوگی وہاں خراج کا وجوب نہ ہوگا۔ یہ ضرورت تو ان کی حمایت کی وجہ سے ایجابِ خراج کے لیے ہے یعنی جہاں حمایت ہوگی وہاں خراج کا وجوب ہوگا کیونکہ مقصود ثبوت حمایت کی خاطر وجوبِ خراج کا اثبات ہے تو اب حمایت ملزوم اور خراج لازم قرار پائے گا تاکہ وضع مقدم سے وضع تالی پر استدلال کیا جاسکے اور لازم کے لیے (ملزوم کے) مساوی ہونا ضروری نہیں ہوتا لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ خراج حمایت کے ساتھ مخصوص ہے، تو اب معنٰی ہوگا کہ خراج کی نفی سے حمایت کی نفی ہو تو اب اس صورت حمایت کا لازم ہونا لازم آجائے گا تو اب وجود لازم (حمایت) سے وجوب خراج پر استدلال درست نہ ہوگا کیونکہ وضع تالی سے وضع مقدم پر منتج نہیں ہوتی۔ تو اب ظاہر ہوگیا کہ مخصوص کرنے والی بات مقصود کے موافق نہیں، اب تقریر صحیح وہی ہے جس کی طرف ہدایہ میں اشارہ ہے اور فتح میں بیان ہوئی اور اس کی وضاحت زکوۃ الزروع میں کی، جیسا کہ ہم نے ابھی منھیہ میں اس کی عبارت بصور نص نقل کی ہے (ت)

پھر اس اختصاص کو اپنے ظاہر اطلاق پر رکھئے تو قطعاً غلط و باطل ہے، جوز مینیں ہم نے

[1] فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵/ ۲۸۱

قہراً خواہ صلحاً فتح کیں اور ان کے اہل کو اُن پر برقرار رکھا یا قہراً فتح کرکے اور جگہ کے کافروں کو دے دیں اُن پر یقیناً خراج ہے اگرچہ انھیں آب عشری مثل باران وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہو۔ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ ہمارے ائمہ کا اجماعیہ ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

نحن نقطع ان الارض التی اقر اھلھا لو کانت تسقی بعین اوبماء السماء لم تکن الاخراجیة لان اھلھا کفار وا کفار لو انتقلت الیھم ارض عشریة و معلوم ان العشریة قد تسقی بعین او بماء الساء لاتبقی علی العشریة بل تصیر خراجیة فی قول ابی احنیفة وابی یوسف خلافا لمحمد فکیف یبتدأ الکافر بتوظیف العشر ثم کونھا عشریة عند محمد اذا انتقلت الیہ کذلك اما فی الابتداء فھو ایضا یمنعه۔[1]	ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جس زمین پر اس کے اہل برقرار رہے اگرچہ وہ چشمہ یا آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہو تو وُہ خراجی ہی ہوگی کیونکہ اس کے مالک کافر ہیں اور کافر کی طرف اگرچہ عشری زمین منتقل ہو اور یہ بات معلوم ہو کہ اگر عشری زمین کو چشمہ یا آسمانی پانی سے سیرب کیا جاتا ہے تو وہ عشری نہ رہے گی بلکہ وُہ امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے قول کے مطابق خراجی ہوجائے گی، ہاں امام محمد کا اس میں اختلاف ہے، تو اب کافر پر ابتدائی طور پو عشر کیسے مقرر کیا جاسکتا ہے، پھر امام محمد کے نزدیک جب عشری زمین کسی کافر کی طرف منتقل ہوگی تو وہ عشر ہی رہے لیکن ابتداءً وُہ بھی کافر پر عشر سے منع کرتے ہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وقد اطال المحقق فی فتح القدیر فی تقریرہ ثم قال والحاصل ان التی فتحت عنوة ان اقر الکفار علیھا لا یوظف علیھم الاالخراج ولوسقیت بماء المطر وان قسمت بین المسلمین لا یوظف الا العشر وان سقیت بماء الانھار۔[2]	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بڑی طویل گفتگو کرکے کہا کہ حاصل یہ ہے کہ جو زمینیں بطور غلبہ حاصل ہوں اگر کفار کو ہی ان پر قابض رکھا تو اب ان پر خراج ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ بارش سے سیراب ہوتی ہوں، اور اگر وُہ زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کردی گئیں تو ان پر عشر ہی مقرر کیا جائیگا اگرچہ وہ نہری پانی سے سیراب کی جاتی ہوں۔ (ت)

---

1 فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۰

2 بحرالرائق، باب العشر والخراج، ایچ سعید کمپنی کراچی، ۵ /۵۰۱

امام محقق زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

هذا التفصيل فی حق المسلم اما الكافر فيجب عليه الخراج من ای ماء سقی لان الكافر لا يبتدأبالعشرفلا يأتی فيه التفصيل فی حالة الابتداء اجماعاً۔[1]	یہ تفصیل حقِ مسلم میں ہے، رہا کافر کا معاملہ تو اس پر خراج ہوگا خواہ جو پانی بھی سیراب کرے کیونکہ کافر پر ابتداءً عشر نہیں ہوتا لہٰذا ابتداءً اس میں بالاتفاق تفریق و تفصیل نہیں ہوگی۔ (ت)

اسی طرح بحر الرائق و مجمع الانہر میں اس سے نقل کیا اور مقرر رکھا، ولہٰذا علامہ حلبی نے متن متین ملتقی الابحر میں اُن زمینوں کو خراجی ہونے کا مسئلہ مطلق رکھا ارض السواد خراجية (سواد کی زمین خراجی ہے۔ت) کے بعد فرمایا:

وكذا كل مافتح عنوة واقر اهلها عليه اوصولحو اسوی مكّة۔[2]	اسی طرح ماسوائے مکّہ کے وُہ زمین جو بطور غلبہ فتح ہُوئی اور اس کے باشندوں کو وہاں قابض رکھا یا ان سے صلح کرلی گئی۔ (ت)

اور اصلاً خلاف کا ذکر نہ کیا حالانکہ انہیں التزام ہے کہ جس مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ مذہب سے کسی کا خلاف ہو ضرور نقل کریں گے۔

قال فی خطبته وصرحت بذكر الخلاف بين ائمتنا الخ[3]	علامہ حلبی نے خطبہ کتاب میں فرمایا ہمارے ائمہ کے درمیان اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہوگا تو میں اس کی تصریح کروں گا۔ (ت)

اسی طرح متن جلیل کنز میں مطلق فرمایا:

فتح عنوة و اقر اهله عليه اوفتح صلحا خراجية۔[4]	وُہ زمین جو بطور غلبہ حاصل ہُوئی اور وہاں کے قابضین کو برقرار رکھا یا بطور صلح فتح ہُوئی تو وہ خراجی ہوگی۔ (ت)

اور خلاف کی طرف باوصف التزام رمز ایمانہ کیا یُونہی جو زمین ذمی نے احیا کی بالاتفاق خراجی ہے اگرچہ

---

[1] تبیین الحقائق باب العشر والخراج الخ مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۳ /۲۷۲

[2] ملتقی الابحر باب العشر والخراج الخ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۷۰

[3] ملتقی الابحر خطبۃ الکتاب (مقدمۃ المؤلف) مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۱۰

[4] کنزالدقائق باب العشر والخراج والجزیۃ ایچ ایم سعید کراچی ص ۱۹۱

پانی عشری دیا ہو، فتح القدیر و تبیین الحقائق و بحر الرائق وغیرہا میں ہے:

لو احیاھا ذمّی کانت خراجیة سواء سقیت عند محمد بماء السما ونحوہ او لا وسواء کانت عند ابی یوسف من حیز ارض الخراج اوالعشر اھ [1] فظھر ضعف ما انتحاہ فی العنایة تبعا للنھایة رکونا الیٰ ظاہر نقل فی الھدایة علی خلاف نقل فی الغایة کما بینہ المحقق فی الفتح واللہ ولی الھدایة والفتح۔	اگر کسی ذمی نے زمین کو آباد کیا تو وُہ خراجی ہوگی خواہ آسمانی پانی وغیرہ سے سیراب ہو یا نہ ہو اور امام ابو یوسف کے نزدیک خواہ خراجی کے قریب ہو یا عشری کے قریب اھ اس سے اس کا ضعف ظاہر ہوگیا جو عنایہ میں نہایہ کی اتباع کرتے ہُوئے میلان کیا ہے ہدایہ میں نقل ظاہر کی طرف اور وُہ نقل غایۃ کے خلاف ہے جیسا کہ محقق نے فتح میں کیا، اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت اور فتح کا مالک ہے۔ (ت)

تصریح فرمائی مسئلہ اعتبار آب مطلق نہیں، ہدایہ میں فرمایا تھا:

اذا کانت لمسلم دار خطة فجعلھا بستانا فعلیہ العشر معناہ اذا سقاھا بماء العشر واما اذا کانت تسقی بماء الخراج ففیھا الخراج لان المؤنة فی مثل ھذا تدور مع الماء۔ [2]	جب بطور قبضہ کسی مسلمان کی خالی زمین پر گھر بنایا پھر اسے اس نے باغ بنادیا تو اس پر عشر ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ جب وُہ عشری پانی سے سیراب ہوتا ہو اور جب وہ خراجی پانی سے سیراب ہو تو اس میں خراج ہوگا کیونکہ ایسی صورتوں میں عشر وخراج کا معاملہ پانی کے ساتھ ہے۔ (ت)

اس پر عنایہ میں لکھا ہے:

معنی قولہ "فی مثل ھذا" الارض التی لم یتقرر امرہ علی عشر او خراج وھو احتراز عما اذا کان لمسلم ارض تسقی بماء العشر وقد اشتراھا ذمی فان ماء ھا عشری وفیہ الخراج۔ [3]	ماتن کے قول "فی مثل ھذا" سے مراد وہ زمین ہے جس کا معاملہ عشر وخراجی کے اعتبار سے مستحکم نہ ہوا ہو، اس سے اس صورت سے احتراز ہوگیا جب کسی مسلمان کی ایسی زمین تھی جو عشری پانی سے سیراب ہوتی تھی اور اسے ذمی نے خرید لیا تو اب اس کا پانی عشری ہے لیکن اس میں خراج ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۱

[2] الہدایۃ، باب زکوۃ الزروع والثمار، المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱ /۱۸۴

[3] العنایۃ مع فتح القدیر باب زکوۃ الزروع والثمار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۷

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ خراج آب خراجی کے ساتھ خاص نہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اب بھی اطلاق صحیح نہیں، مسئلہ احیائے ذمی وغیرہا کے متعلق تصریحات ابھی گزریں، ہاں امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اعتبار آب صرف اس صورت میں ہے جہاں مسلمان پر ابتداءً وظیفہ مقرر کرنا ہو جیسے اس نے اپنے گھر کو باغیچہ بنالیا یا مردہ زمین احیاء کی، محقق علی الاطلاق نے یُوں شرح فرمائی:

قوله الوظيفة فى مثله فيما هوابتداء توظيف على المسلم من هذاومن الارض التى احياها.لا كل مالم يتقرر امره فى وظيفة كمافى النهاية بان الذمى لو جعل دار خطته بستانا اواحيا ارضا اورضخت له لشهوده القتال كان فيها الخراج وان سقاها بماء العشر عند ابى حنيفة رحمه الله‌تعالٰى۔[1]	ماتن کا قول "الوظیفۃ فی مثلہ "یعنی اس زمین کا جس کا ابتداءً مسلمان پر وظیفہ مقرر کرنا ہے اور جسے اس نے آباد کیا ہو' نہ کہ ہر وُہ زمین جس کا وظیفہ مستحکم نہ ہوا ہو جیسا کہ نہایہ میں ہے کیونکہ اگر ذمی نے قبضہ شدہ گھر کو باغ بنالیا یا زمین کو آباد کیا یا اسے جہاد میں شرکت کی وجہ سے بطور عطیہ ملی تو اس میں خراج ہوگا اگرچہ اسے اس نے ماء عشری سے سیراب کیا ہو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک۔(ت)

خود ہدایہ میں فرمایا:

ان جعلها (اى المجوسى داره) بستانا فعليه الخراج وان سقاها بماء العشر لتعذر ايجاب العشر اذفيه معنى القربة فتعين الخراج وهو عقوبة تليق بحاله اھ[2] **اقول:** وبه ظهر سقوط مافى العناية على هذا القول من الهداية ما نصّه لقائل ان يقول اما ان يكون الاعتبار للماء اولحال من توضع عليه الوظيفة فان كان الاول وجب عليه العشر وان كان الثانى ناقض هذا	اگر (کسی مجوسی نے اپنے دار کو) باغ بنادیا تو اس پر خراج ہے اگرچہ اسے عشری پانی سے سیراب کیا ہو کیونکہ یہاں وجوبِ عشر متعذر ہے اس لیے کہ عشر میں عبادت کا پہلو ہے لہٰذا خراج متعین ہوگا جو بطور عقوبت مجوسی کے حال کے مناسب ہے **اقول:** اس سے عنایہ کے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کے قول پر، ان الفاظ میں کیا کہ معترض کہ سکتا ہے کہ یہاں اعتبار پانی کا یا اس شخص کا ہے جس پر عشر و خراج لازم کرنا ہے، اگر پانی کا اعتبار ہے تو مجوسی پر عشر لازم آئے گا اور اگر شخص مکلّف کا اعتبار ہو تو اس کا

[1] فتح القدیر، باب زکوۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۹۸

[2] الہدایۃ، باب زکوۃ الزروع والثمار، المکتبۃ العربیہ کراچی ۱ /۱۸۴

قولہ (لان المؤنۃ فی مثل ھذا تدور مع الماء)(وجب علی المسلم العشر اذا سقی ارضہ بماء الخراج)اھ[1] وجہ السقوط ان الکلام ھٰھنا فی الذمی و مامر من دوران المؤنۃ مع الماء انما کان فیما فیہ ابتداء التوظیف علی المسلم فلا مساغ للتناقض اصلا ولا حاجۃ الی تجشم الجواب بما قال ان الاعتبار للماء ولکن قبول المحل شرط وجوب الحکم والکافر لیس بمحل لایجاب العشر علیہ لکونہ عبادۃالخ[2] وکیف ماکان فمقصودنا حاصل وھو بطلان تخصیص الخراج بالماء الخراج اما مطلقا واما فیما لم یتقرر امرھا علی وظیفۃ نعم ھو صحیح عند صاحب المذہب فیما فیہ بدء التوظیف علی مسلم فقط۔	اس قول سے تضاد لازم آئیگا کہ "ایسی صورت میں وظیفہ کے تعیّن کے لیے پانی کا اعتبار کیا جاتا ہے" اور مسلمان پر عشر لازم ہوتا ہے جب وہ اپنی زمین کو خراجی پانی سے سیراب کرتا ہو" اھ۔ وجہ سقوط یہ ہے کہ یہاں گفتگو ذمی میں ہورہی ہے، اور جو گزرا ہے کہ تعین وظیفہ میں پانی کا اعتبار ہے، وہ اس صورت میں ہے جب ابتداءً کسی مسلمان پر وظیفہ کا تعین کرنا ہو تو یہاں تناقض کا ثبوت ہی نہیں ہوا لہٰذا یہ کہہ کر جواب میں تکلّف کی ضرورت نہیں، کہ اعتبار تو پانی کا ہی ہوتا ہے مگر وجوبِ حکم کے لیے محل کا قبول کرنا شرط ہے اور کافر ایجابِ عشر کا محل نہیں کیونکہ عشر ادا کرنا عبادت ہے الخ بہر حال ہمارا مقصد حاصل ہے وہ یہ کہ خراج پانی کے ساتھ خراج کو مخصوص کرنے کا بطلان ہے، یا تو ہر حال میں یا اس صورت میں جب زمین پر کسی وظیفہ کا تقرر نہ ہوا ہو، ہاں یہ صاحبِ مذہب کے نزدیک اس وقت فقط صحیح ہے جب کسی مسلمان پر ابتداءً وظیفہ کا تقرر کرنا ہو۔(ت)

پھر مفتی بہ یہ ہے کہ یہاں بھی پانی کا اعتبار نہیں بلکہ قرب دیکھیں گے اگر زمین خراجی سے نزدیک ہے خراج ہوگا اگرچہ آب عشری دیا ہو، اور عشری سے تو عشر اگرچہ پانی خراج کا ہو۔ تنویر میں ہے:

لو احیاہ مسلم اعتبر قربہ۔[3]	اگر کسی مسلمان نے زمین کو آباد کیا تو وہاں اس کے قریب زمین کا اعتبار کیا جائیگا۔(ت)

---

[1] العنایۃ مع فتح القدیر، باب زکوۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[2] العنایۃ مع فتح القدیر، باب زکوۃ الزروع والثمار، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۸

[3] تنویر الابصار متن در مختار، باب العشر والخراج الخ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۹

ردالمحتار میں ہے:

ھذا عند ابی یوسف واعتبر محمد الماء فان احیاھا بماء الخراج فخراجیة والا فعشریة بحر وبالاول یفتی، درمنتقی۔[1]	یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے، امام محمد نے پانی کا اعتبار کیا ہے، اگر مسلمان نے زمین، خراجی پانی سے آباد کی ہے تو وُہ خراجی ہوگی ورنہ عشری، بحر۔ فتوی پہلے قول پر ہے، درمنتقی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وھو مامشی علیه المصنف اولا کالکنز وغیرہ وقدمه فی متن "الملتقی" فافاد بترجیحه علی قول محمد وقال ح وھو المختار کما فی الحموی علی الکنز عن شرح قراحصاری وعلیه المتون۔[2]	یہی وُہ ہے جس پر پہلے مصنّف چلے مثلاً کنز وغیرہ۔ اور ملتقی کے متن میں اسے مقدم کیا ہے۔ یہ اس بات کو مفید ہے کہ انہوں نے اسے امام محمد کے قول پر ترجیح دی ہے اور ح نے کہا کہ یہی مختار ہے جیسا کہ حموی علی الکنز میں شرح قراحصاری کے حوالے سے ہے، اور متون اسی پر ہیں۔ (ت)

معہذا اگر تخصیص مان بھی لیجئے تو لشکر اسلام کا ید قبضہ پانی پر وارد ہونا ابتداءً اس کی خرجیتکا مفید ہوگا، بقاءً بھی خراجیت، بقاءً ید پذیر پر موقوف رہنے کی کیا دلیل ہے، اور پُر ظاہر کہ ہمارا کلام بقاء میں ہے:

الا تری ان الخراج یجب عقوبة الا الکفر ثم لا یحتاج فی بقائه حتی لو اسلموا لم یسقط الخراج عن اراضیھم کما نصوا علیه قاطبة	(آپ جانتے ہیں کہ خراج کفر کی سزا کے طور پر واجب ہوتا ہے پھر اپنی بقاء میں اس کا محتاج نہیں حتی کہ اگر کافر مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینوں سے خراج ساقط نہ ہوگا جیسا کہ اس پر فقہاء نے قطعی تصریح کی ہے۔ ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے یہاں کی اُن زمینوں سے جن کا خراجی ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہو لیا بلاوجہ شرعی وجوب خراج کا اُٹھ جانا ثابت نہیں ہوتا اور کیونکر ثابت ہو حالانکہ خراج کے لیے سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور وہ حاصل تو وجوب بھی حاصل، ہدایہ مسئلہ عدم اجتماع عشر و خراج میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۲۸۴/۳

[2] ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفی البابی مصر ۲۸۴/۳

سبب الحقین واحد وھوالارض النامیة الا انه یعتبر فی العشر تحقیقا وفی الخراج تقدیر ا و لهذا یضافان الی الارض۔[1]	دونوں حقوق عشر و خراج کا سبب ایک ہے اور وُہ ارض نامی ہے، ہاں عشر میں اس کا نامی ہونا عملاً اور خراج میں بالفرض ہے، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی نسبت زمین کی طرف ہوتی ہے(ت)

فتح القدیر میں ہے:

قال الشافعی یجمع بینهما لان سبب العشر الارض النامیة بالخارج تحقیقا وسبب الخراج الارض النامیة به تقدیرا وقد تحقق سبب کل منهما ولا منافاۃ بین الحقین فیجبان ولنا ان تعدد الحکم واتحادہ بتعدد السبب واتحادہ وسبب کل من الخراج والعشر، الارض النامیة ولهذا یضافان الیها فیقال خراج الارض وعشر الارض والاضافة دلیل السببیة وکون الارض مع النماء التقدیری غیرالارض مع التحقیقی مخالفة اعتباریة لاحقیقة فالارض النامیة هی السبب واذا اتحد السبب اتحد الحکم اھ[2] ملتقطا	امام شافعی فرماتے ہیں کہ ان دونوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کہ عشر کا سبب ارض نامی سے عملاً پیداوار اور خراج کا سبب ارض نامی سے پیداوار کا امکان ہے اور یہاں دونوں کا سبب متحقق ہے اور دونوں کے حقوق میں منافات بھی نہیں لہٰذا دونوں واجب ہوں گے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حکم کا متعدد اور واحد ہونا سبب کے متعدد اور واحد ہونے پر موقوف ہے، خراج و عشر کا سبب ارض نامی ہے اسی لیے زمین کی طرف ان کی نسبت کرتے ہوئے کہا جاتا ہے، زمین کا خراج، زمین کا عشر اور کسی کی طرف اضافت اس کے سبب ہونے پر دلیل ہے۔ زمین کا امکانی نمو پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کا ایسی زمین کا غیر ہونا جو واقعۃً نمو پر مشتمل ہے، یہ اعتباری طور پر ہے، یہاں حقیقۃً مخالفت نہیں تو ارض نامی ہی سبب قرار پائے گی، توجب سبب ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہوگا اھ اختصارًا(ت)

ہنوز بعض وجوہ اور ذہن فقیر میں ہیں کہ بخوفِ اطالت ترک کیں وفیما ذکرنا کفایة واللّٰه ولی الهدایة (ہم نے جو ذکر کیا یہ کافی ہے اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک ہے۔ت) کسے دیں، اس کا

[1] الهدایة، باب العشر والخراج الخ، المکتبۃ العربیۃ کراچی، ۲ /۵۷۳

[2] فتح القدیر، باب العشر والخراج الخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵ /۸۷-۲۸۶

جواب، بیان سابق سے واضح ہولیا کہ اس کے بہت مصارف مثل مساجد ومدارس وطلبہ وعلماء یہاں موجود ہیں ان پر صرف کریں اور اگر بالفرض لشکر ہی اُس کا مصرف ہوتا اور عساکر اسلامیہ سے کسی تک پہنچانے پر قدرت نہ ملتی جب بھی سقوط کے کوئی معنی نہ تھے، خراج ذمہ مکلّف پر واجب ہوتا ہے، عنایہ میں ہے:

الخراج فی ذمة المالك والعشر فی الخارج۔[1]	خراج، مالک کے ذمّہ ہے اور عشر پیداوار پر ہوتا ہے۔(ت)

فتح میں ہے:

العشر فی الخارج والخراج فی الذمة۔[2]	عشر، پیداوار پر ہے اور خراج مالک کے ذمہ ہوتا ہے۔(ت)

اور وُہ ایک حق ثابت معروف مثل ملک ودین ہے

حتی لایحل لصاحب ارض خراجیة اکل غلتها قبل اداء خراجها[3] کما فی التنویر ای فی خراج المقاسمة فکانه کان مالا مشترکا، وللامام حبس الخارج للخراج[4] کمافی الدر ای فی الخراج الموظف وقد قال فی الهدایة الرهن والکفالة جائزان فی الخراج لانه دین مطالب به ممکن الاستیفاء فیمکن ترتیب موجب العقد علیه فیهما۔[5]	حتی کہ خراجی زمین کے مالک کے لیے خراج کی ادائیگی سے پہلے اس کا غلّہ کھانا حلال نہیں، جیسا کہ تنویر یعنی خراج مقاسمہ میں ہے، گویا یہ مال مشترک ہے اور حاکم کو خراج لینے کے لیے پیداوار کا روک لینا جائز ہے جیسا کہ دُر میں ہے یعنی خراج موظف میں ہے، ہدایہ میں ہے رہن اور کفالۃ خراج میں دونوں جائز ہیں کیونکہ یہ ایسا دین ہے جس کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا حصول بھی ممکن ہوتا ہے لہذا تقاضائے عقد کا ان دونوں پر مرتب ہونا ممکن ہوگا۔(ت)

---

1 العنایۃ مع فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵ /۲۸۶

2 فتح القدیر باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۵ /۲۸۶

3 تنویر الابصار متن در مختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۹

4 در مختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹

5 الھدایۃ، کتاب الکفالۃ، مطبع یوسفی لکھنؤ، ۳ /۱۱۶

اور ذمہ دین سے مشغول ہو تو بے ادا یا ابراصرف اس بناپر کہ مستحق نہ رہا ساقط نہ ہوگا بلکہ اُس کے ورثہ کو دیں گے وُہ بھی نہ رہیں تو فقراء کو دے کر براءت ذمہ کریں گے خراج میں اصالۃً حق فقراء نہ ہونا ضرورۃً انھیں دئے جانے منافی نہیں کما فی سائرالدیون (جیسا کہ تمام دیون میں ہے۔ت) کیا دیں خراج دو قسم ہے: خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہ پیداوار کا نصف یا ثلث یا ربع یا خمس مقرر ہو اور خراج موظف کہ ایک مقدار معین ذمے پر لازم کردی جائے خواہ روپیہ، مثلاً سالانہ روپے بیگھہ جیسے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلّے کی ہر جریب پر ایک صاع غلّہ اور ایک درہم مقرر فرمایا، ظاہر یہ ہے کہ بلاد کا خراج موظف ہی تھا، بیت المال میں روپیہ ہی لیا جاتا نہ کہ غلّہ، میوہ، ترکاری وغیرہ۔ بلکہ مدتوں سے عامہ بلاد میں سلاطین کا یہی داب معلوم ہوتا ہے، ہدایہ میں فرمایا:

وفی دیارنا وظفوامن الدراہم فی الاراضی کلھا وترک کذلك لان التقدیر یجب ان یکون بقدر الطاقۃ من ای شئی کان۔[1]	ہمارے علاقہ میں تمام زمینوں پر دراہم کا تقرر کیا جاتا ہے، اور ترکوں کے ہاں بھی یہی ہے کیونکہ بقدرِ طاقت مقدار مقرر کرنا ضروری ہے چاہے وہ جنس سے ہی ہو۔ (ت)

توظاہرًا یہاں کا خراج موظف ہی سمجھنا چاہئے مگر جس زمین کی نسبت ثابت ہو کہ زمان سلطنت اسلام سقی اللہ تعالٰی عہدہا میں اُس پر خراج مقاسمہ تھا، خراج موظف بالاتفاق مالک زمین پر ہے اور خراج مقاسمہ صاحبین کے نزدیک مزارع پر امام کے نزدیک زمیندار پر کما فی الدر والشامیۃ (جیسا کہ در اور شامیہ میں ہے۔ت) **کتنا دیں**، اگر مقدار معلوم ہو کہ زمانہ اسلام میں، سقی اللہ تعالٰی عہدہا کیا مقرر تھا، جب توظاہر ہے کہ اُسی قدر دیں دو شرط سے، اوّلاً: خراج موظف میں جہاں جہاں مقدار مقرر فرمودہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ منقول ہے وہاں اس پر زیادت نہ ہو کہ مذہب صحیح میں اس پر اضافہ کسی سلطان کو نہیں پہنچتا، زائد ہو تو زیادت نہ دیں اور جہاں کوئی مقدار امیر المومنین سے منقول نہیں وہاں اور خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو کہ خلافِ انصاف ہے زائد ہو تو نصف ہی دیں۔ **ثانیاً** اُتنے کی ادا اس زمین سے اب بھی ممکن ہو ورنہ بلحاظِ طاقت دیں۔

فی التنویر التصنیف عین الانصاف فلا یزاد علیہ اھ[2] فی ردالمحتار لا یزاد علیہ فیہ ولافی	تنویر میں ہے نصف دینا عین انصاف ہے لہٰذا اس پر اضافہ نہ کیا جائے اھ۔ اور ردالمحتار میں ہے اس میں اضافہ

[1] الہدایہ باب العشر والخراج المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲ /۵۷۲
[2] تنویر الابصار متن در مختار، باب العشر والخراج، مطبع مجتبائی دہلی، ۱ /۳۴۹

خراج المقاسمة ولا فی الموظف اھ[1] فی الدرالمختار ولا فی الموظف علی مقدار ماوظفه عمر رضی الله تعالیٰ عنه اھ[2] فی التنویر و ینقص مما وظف ان لم تطلق اھ[3] فی ردالمحتار قال فی النهر لا یزید علی النصف وینبغی ان لا ینقص عن الخمس قاله الحدادی اھ[4] وکان عدم التنقیص عن الخمس غیر منقول فذکره الحدادی بحثا لکن قال الخیر الرملی، یجب ان یحمل علی ما اذا کانت تطیق فلو کانت قلیلة الریع کثیرة المؤن ینقص اذیجب ان یتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة کما فی ارض العشر اھ[5] مختصرات۔	نہ کیا جائے اور نہ ہی خراج مقاسمہ اور خراج موظف میں اھ درمختار میں ہے اور نہ ہی خراج موظف میں اس مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقررہ میں کمی کی جاسکتی ہے اھ تنویر میں ہے اگر طاقت نہ ہو تو مقررہ میں کمی کا جاسکتی ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ نہر میں ہے کہ نصف سے زیادہ نہیں کیا جاسکتا، حدادی نے کہا مناسب ہے خمس سے کم نہ کیا جائے اھ اور خمس سے کم نہ کرنا منقول نہیں تو حدادی نے اسے بطور بحث ذکر کیا ہے۔ لیکن خیر رملی نے کہا ہے کہ اسے اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جب وہ زمین طاقت رکھتی ہو، اور اگر رقبہ کم ہو مگر اخراجات اس کے زیادہ ہوں تو پھر کم کیا جاسکتا ہے کیونکہ اخراجات کے تفاوت کی وجہ سے واجب میں تفاوت ضروری ہوتا ہے جیسا کہ عشری زمین میں ہے اھ مختصراً (ت)

اور اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا معین تھا تو ظاہراً خراج مقاسمہ وخراج موظف غیر مقرر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں، نصف دیں اور مقرراتِ امیر المومنین میں، اُسی کا لحاظ رکھیں، غرض ہر جگہ پوری مقدار دیں جس سے زیادت جائز نہ تھی۔

لان التنقیص انما کان یثبت بنقص الامام ولم یثبت فلم یثبت فکان الاستقصار فیه فراغ الذمة یقینا فکان الحوط هذا کله	کیونکہ کمی امام کے کرنے سے ہوگی اور جب وُہ ثابت نہیں تو وظیفہ میں کمی بھی ثابت نہ ہوگی تو یہاں یقینی فراغ ذمّہ کے لیے مقرر پر اکتفاء ہوگا تو یہی احوط ہوگا، اوّل سے

[1] العنایۃ مع فتح القدیر، باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۶
[2] فتح القدیر باب العشر والخراج، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۶
[3] تنویر الابصار متن درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹
[4] درمختار، باب العشر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۹
[5] الہدایۃ، کتاب الکفالۃ، مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۱۶

من اول الکلام الیٰ ھنا مما اخذہ الفقیر تفقھا وارجون یکون صوابا ان شاء اللہ تعالیٰ فان اصبت فمن اللہ وحدہ وانا احمداللہ علیہ وان اخطأت فمنی ومن الشیطان وانا ابرؤ الی اللہ منہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	لے کر یہاں تک یہ گفتگو فقیر نے بطور تفقہ کی ہے اور میں امید کرتا ہُوں کہ اِن شاء اللہ یہ صواب ہوگی، اگر تو میں درست ہُوا تو اللہ وحدہ کی طرف سے ہے اور میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتاہُوں، اور اگر یہ غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے اور میں اس سے برأت کا اعلان کرتے ہُوئے اپنے اللہ کے دامن میں آتاہُوں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔(ت)

وظیفہ مقررہ فاروقیہ فی جریب سالانہ یہ ہے ہر قسم غلّے پر اُسی سے ایک صاع اور ایک درہم اور کہ طاب یعنی خربوزے تربوز کی پالیزوں، کھیرے ککڑی بینگن وامثالہا کی باڑیوں پر پانچ درہم انگور وخرما کے گھنے باغوں پر، جن کے اندر زراعت نہ ہوسکے، دس درہم ان کے ماوراء میں وہی تقدیر طاقت ہے جس کی انتہا نصف تک، پھر ان اقسام میں حیثیت زمین وقدرت کا اعتبار ہے جو زمین جس چیز کے بونے کی لیاقت رکھتی ہو اور یہ شخص اس پر قادر ہو اُس کے اعتبار سے خراج ادا کرے مثلاً انگور بو سکتا ہے تو انھیں خراج دے اگرچہ گیہوں بوئے ہوں، اور گیہوں کے قابل ہے تو اس کا خراج دے، اگرچہ جو بوئے ہوں ہر حال میں خراج سال بھر میں ایک ہی بار لیا جائے گا اگرچہ سال میں چار بار زراعت کرے یا باوصف قدرت بالکل معطل رکھ چھوڑے اور یہ جریب انگریزی گز سے کہ ان بلاد میں رائج ہے (جس کی مقدار سولہ [16] گرہ ہے ہر گرہ تین [3] انگل) پینتیس گز مسطح ہے یعنی ۳۵ گز طول ۳۵ گز عرض، اور صاع دوسوستّر [270] تولے ہے یعنی انگریزی روپیہ سے دوسواٹھاسی [288] روپیہ بھر کہ رامپور کے سیر سے پورے تین سیر ہُوئے اور دس [10] درہم کے عص/ ۱۲اِ ۹-۳/۵ پائی یعنی دو [2] روپے پونے تیرہ آنے اور پانچواں حصّہ پیسے کا پانچ درم کے عص/ ۶/ ۴-۴/۵ پائی ایک درم کے ۴/ ۵-۱۹/۲۵ پائی یعنی ۴/۲۵ کم ساڑھے چار آنے۔

فی الدرالمختار وضع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکل جریب ھو ستون ذراعا فی ستین، بذراع کسری (سبع قبضات) صاعا من بر اوشعیر (والصحیح انہ مما یزرع فی تلک الارض کما فی الکافی، شرنبلالیۃ ومثلہ فی البحر) ودرھما من اجود	درمختار میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر جریب میں ایک صاع گندم یا جو مقرر فرمائے اور جریب طولاً عرضاً ساٹھ ذراع کا ہوتا ہے اور ہر ذراع سات مُٹھیوں کا ہوتا ہے اور صحیح یہ ہے اس زمین سے جو کچھ پیدا ہورہا ہے اسی سے وظیفہ ادا کیا جائی گا جیسا کہ کافی، شرنبلالیہ میں اور اسی کی مثل بحر میں ہے

النقود(وزن سبعة کما فی الزکوٰۃ بحر) ولجریب الرطبة (وھی القثاء والخیار والبطیخ والباذ نجان وما جری مجراہ) خمسة دراھم ولجریب الکرم اوالنخل متصلة (قید فیھما)ضعفھاوما لیس فیه توظیف عمر کزعفران وبستان فیھا اشجار متفرقة یمکن الزرع تحتھا طاقته وغایة الطاقة نصف الخارج لان التنصیف عین الانصاف اھ[1] مختصرا مزید امابین الاھلة من ردالمحتار ۔ وفی الدرلوزرع الاخس قادراعلی الاعلی کزعفران فعلیه خراج الاعلیٰ وھذا یعلم ولا یفتی به کیلا یتجرئ الظلمة[2] فی ردالمحتار عن العنایة رد بانه کیف یجوز الکتمان وانھم لو اخذواکان فی موضعه لکونه واجبا واجیب بانا لوافتینا بذلك لادعی کل ظالم فی ارض لیس شانھا ذلك انھا قبل ھذاکانت تذرع الزعفران فیاخذخراج

اور نقود میں سے ایک درہم لازم ہوگا (جس کا وزن سات مثقال ہو جیسا کہ زکوٰۃ میں ہوتا ہے، بحر) اور سبزیات (اور وُہ کھیرے، تر، خربوزے، بینگن اور ایسی دیگر اشیاء) کی جریب میں پانچ دراہم، انگور اور خرما کے گھنے باغوں (یہ قید دونوں کے لیے ہے) میں دس درہم ہے،اور جس میں سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی وظیفہ مقرر نہیں فرمایا مثلاً زعفران، اور وُہ باغ جس میں متفرق درخت ہوں اور وہاں کاشت کرنا ممکن ہو تو طاقت کے مطابق وظیفہ ہوگا اور انتہائے طاقت نصف پیداوار ہے کیونکہ نصف ادا کرنا عین انصاف ہے اھ مختصراً، ہاں قوسین کے اندر ردالمحتار سے اضافہ میری طرف سے کیا گیا ہے، اور در میں ہے کہ اگر کسی نے اعلیٰ پر قادر ہوتے ہوئے ادنیٰ کو کاشت کیا مثلاً زعفران، اس پر اعلیٰ کا خراج ہوگا، یہ جان تو لیا جائے مگر اس پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ ظالم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں۔ ردالمحتار میں عنایہ کے حوالے سے یہ رد کیا گیا ہے کہ ایسی بات کا چھپانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اور اگر ظالم لیتے ہیں تو وُہ ٹھیک کرتے ہیں کیونکہ وُہ واجب ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ہم اس پر فتوی دیتے ہیں تو ظالم ہر زمین کے بارے میں یہ دعوی کرے گا کہ اس سے پہلے اس میں زعفران بویا جاتا تھا اگرچہ

[1] در مختار، باب العشر والخراج الخ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۴۹، ردالمحتار باب العشر والخراج الخ مصطفیٰ البابی مصر ۳ /۸۶-۲۸۵
[2] در مختار باب العشر والخراج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۰،

ذٰلك وھو ظلم وعد وان اھ[1] واللفظ للفتح قالو الایفتی بھذالما فیه تسلط الظلمة علی اموال المسلمین اذید عی کل ظالم ان ارضه تصلح لزراعة الزعفران ونحوہ وعلاجه صعب اھ[2] قلت والذی یؤدی بنفسه ولاجابی کما فی بلا دنا فلا یخشی ذلك فلذا عولت علی ماھناك وفی الھدایة ان غلب علی ارض الخراج الماء انقطع الماء عنھا اواصطلم الزرع آفة فلاخراج علیه،وان عطلھا صاحبھا فعلیه الخراج، ولا یتکررالخراج بتکرر الخارج فی سنةاھ بالالتقاط[3]، واللہ سبحانه وتعالٰی۔	وُہ ایسی نہ ہو تو اس سے خراج وصول کرے گااور یہ ظلم وزیادتی ہو گی اھ، فتح کی عبارت یہ ہے کہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کے مال پر ظالموں کو مسلط کرنا لازم آئے گااور ہر ظالم یہ دعوٰی کرے گا کہ یہ زمین کاشتِ زعفران وغیرہ کے قابل تھی اور اس کا حل مشکل ہے اھ میں نے کہا جو شخص خود بخود ادا کرے اور وصولی کرنے والا نہ ہو، جیساکہ ہمارے علاقے میں ہے اس میں ایسا کوئی خوف و خدشہ نہیں اس لیے یہاں اسی پر اعتماد کیا جائیگا، ہدایہ میں ہے کہ اگر خراجی زمین پر پانی کا غلبہ ہوگیا یا اس سے پانی منقطع ہوگیا کسی آفت نے فصل ختم کردی تو اس پر خراج نہ ہوگا اور اگر مالک نے زمین کو معطل رکھا ____ تو اس پر خراج ہوگا۔ ایک سال میں دوبارہ پیداوار پر خراج نہ ہوگا اھ اختصاراً، واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۷ : از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

زید دریافت کرتا ہے کہ آم کی بہار میں کس صورت سے دسواں حصّہ نکال کے فروخت کرسکتا ہے جس سے فروخت خبیث نہ ہو۔

الجواب :

بہار اس وقت بیچنی چاہیے جب پھل ظاہر ہوجائیں اور کسی کام کے قابل ہوں، اس سے پہلے بیع جائز نہیں اور اس وقت اُس میں عشر واجب ہوتا ہے پھل اپنی حد کو پہنچ جائیں کہ اب کچےّ اور ناتمام ہونے کے باعث ان کے بگڑ جانے، سُوکھ جانے، مارے جانے کا اندیشہ نہ رہے اگرچہ ابھی توڑنے کے قابل نہ ہُوئے ہوں، یہ حالت جس کی ملک میں پیدا ہوگی اُسی پر عشر ہے، بائع کے پاس پھل ایسے ہوگئے تھے اُس کے بعد بیچے تو عشر بائع پر ہے، اور جو اس حالت

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخراج مصطفی البابی مصر ۳ /۲۸۹

[2] فتح القدیر، باب العشر والخراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۲۸۵

[3] الہدایۃ، باب العشر والخراج، المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲ /۵۷۳

تک پہنچنے سے پہلے کچے بیچ ڈالے اور اس حالت پر مشتری کے پاس پہنچے تو عشر مشتری پر ہے بعینہٖ یہی حکم کھیتی کا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جانوروں کی زکوٰۃ

مسئلہ ۸۸: ۱۹محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانورانِ حسب ذیل پر جو کہ بغرض کاشتکاری ہیں اور تجارت کی غرض سے نہیں ہیں اور سال میں زیادہ حصّہ جنگل میں چرتے ہیں اُن پر زکوٰۃ دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

تفصیل: بیل ۱۸، گائے ۲۱، بچہ گائے ۲سال کے ۱۳، بچہ اندر ایک سال ۳، بھینس ۲، بھینس زائد از دوسال ۲، بچہ بھینس کم از ایک سال ۲، بھینسے ۶۔ کل ۶۷ راس۔

الجواب:

اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ نر خواہ مادہ خواہ دونوں مختلط، جبکہ قدر نصاب[1] ہوں (کہ اونٹ میں پانچ، گائے بھینس میں تیس، بھیڑ بکری میں چالیس ہے) اور بونے[2]، جوتنے، لادنے، کھانے کے لیے نہ رکھے گئے ہوں بلکہ تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ صرف دُودھ یا نسل یا قیمت بڑھنے کے لے پالے جاتے یا شوقیہ پرورش وفربہی کے واسطے ہوں اور سال کا اکثر حصہ جنگل میں چھوٹے ہُوئے چرنے پر اکتفا کرتے ہوں اور اُن پر سال پُورا گزرے اور تمامی سال کے وقت وہ سب جانور ایک نوع کے یعنی سب اونٹ یا سب گائے بھینس یا سب بھیڑ بکری ایک سال سے کم کے نہ ہوں بلکہ اُن میں کوئی ایک سال کامل کا بھی ہو اگرچہ ایک ہی ہو توان پانچوں باتوں کے اجتماع سے ان کی زکوٰۃ دینی فرض ہوگی ورنہ نہیں۔ زکوٰۃ میں گائے بھینس ایک ہی نوع ہیں اور ان کا حساب زکوٰۃ یہ ہے کہ تیس ۳۰ سے کم پر کچھ نہیں، تیس ۳۰ پر ایک بچّہ دو ۲ سال کامل کا، پھر اُنسٹھ تک یہی واجب رہے گا، ساٹھ پر کہ دو تیس کا مجموعہ ہے، انہتّر تک دو ۲ بچّے ایک سالہ، ستّر پر کہ ایک تیس اور ایک چالیس کا مجموعہ ہے۔ اُناسی تک ایک بچہ یک سالہ ایک دوسالہ، اسّی پر کہ دو چالیس ہے نواسی تک دو بچے دو سالہ، نوے پر کہ تین تیس ہیں ننانوے تک تین بچے یک سالہ، سو پر کہ دو تیس اور ایک چالیس ہے ایک سو نو تک دو بچے یک سالہ ایک دوسالہ، ایک سو دس پر کہ ایک تیس دو چالیس ہے ایک سوانیس پر ایک بچّہ یک سالہ ایک سو بیس پر کہ چاہے چار تیس سمجھ لو چاہے تین چالیس ایک سوانتیس تک چاہے چار بچے یک سالہ دے چاہے تین بچے دوسالہ۔ اسی قیاس پر ہر تیس پر ایک بچہ یکسالہ، اور ہر چالیس پر ایک بچہ دوسولہ لازم آتا جائے گا اور دہائیوں کے بیچ میں جو اکائیاں نوتک آتی جائینگی سب معاف ہوں گی، اور گائے بھینس مخلوط ہوں تو جو گنتی میں زیادہ ہو اُسی کا بچّہ یک سالہ یا دوسالہ لیں گے، اور برابر

ہوں تواُن میں جو قسم اعلیٰ ہے اس کا ادنی لیا جائے گا یا ادنی کا اعلیٰ۔ یونہی بھیڑ بکری مخلوط ہونے میں، مثلاً ایک شخص کے پاس پندرہ پندرہ گائے بھینسیں ہیں جن میں ایک ایک سال کے متعدد بچّے دونوں قسم کے ہیں، کوئی زیادہ فربہ کوئی ہلکا کوئی متوسط، تو جہاں گائے کا بچّہ زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہو تواُن یک سالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا بھینس کے یک سالہ بچّوں میں سب سے فربہ لیا جائے گا، اور جہاں بھینس کا بچّہ بیش قیمت ہو تو اس کے یک سالہ بچّوں میں سب سے ہلکا یا گائے کے یک سالہ بچوں میں سب سے فربہ دیا جائے گا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(السائمة المکتفیة بالرعی اکثر العام لقصد الدر والنسل) والسمن، فی البدائع لواسامها للحم فلا زکوٰة کما لواسام للحمل والرکوب، ولوللتجارة ففیها زکوٰة التجارة (فلوعلفها نصفه لا تکون سائمة) فلا زکوٰة للشك فی الموجب[1] (نصاب البقر والجاموس) (ثلثون سائمة وفیها تبیع ذوسنة) کاملة (اوتبیعة) انثاه (وفی اربعین مسن ذو سنتین اومسنة) ولاشئی فیما زاد (الی ستین ففیها ضعف مافی ثلثین) وعلیه الفتوی (ثم فی کل ثلثین تبیع وفی کل اربعین مسنة الااذا تداخلا کمائةوعشرین فیخیربین اربع اتبعة وثلاث مسنات وهکذا[2] (ولاشئی فی عوامل وحمل) بفتحتین ولد	سائمہ وہ چوپایہ ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چر کر گزارا کرے، اگر ایسا جانور کسی نے دُودھ، نسل اور گھی کے لیے رکھا ہو، بدائع میں ہے کہ اگر گوشت کے لیے ہو تو زکوٰۃ نہیں، جیسا کہ اگر کسی نے بوجھ لادنے یا سواری کے لیے رکھا تو زکوٰۃ نہیں، اگر تجارت کیلئے ہے تو اس میں زکوٰۃ ہوگی (اگر نصف سال چارہ ڈالا تو وہ جانور سائمہ نہ ہوگا) اس میں زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ موجب میں شک ہے (گائے) بھینس (کا نصاب) تیس ہے ان میں (تبیع) ایک کامل سال کا واجب ہوگا) (یا تبیعہ) اسکی مونث (اور چالیس میں ایک مسن دوسال یا ایک مسنہ) اس پر اضافہ میں کوئی شئی نہیں، (ساٹھ تک پھر ساٹھ پر تیس میں جو کچھ تھا اس کا دوگنا لازم ہے اور اس پر فتوی ہے) پھر ہر تیس پر ایک تبیع اور ہر چالیس پر ایک مسنہ ہوگا مگر اس صورت میں جب تداخل ہو جائے مثلاً تعداد ایک سو بیس ہوگی تو اب اختیار ہے چار تبیع دے دے یا تین مسنے، اسی طرح آگے معاملہ ہے (محنت و مشقت لینے والے

[1] درمختار باب السائمہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱

[2] درمختار، باب زکوۃ البقر، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۲

الشاۃ (وفصیل) ولد النّاقۃ (وعجوّل) بوزن سنّور ولد البقرۃ وصورتہ ان یموت کل الکبار ویتم الحول علی اولا دھا الصغار (الاتبعًا لکبیر ولو واحدا (و) لافی (عفووھو مابین النصب فی کل الاموال اھ [1] ملخصا ملتقطا۔	جانوروں، بکری کے بچّوں، اونٹنی کے بچوں اور گائے کے بچّوں میں زکوۃ نہیں۔ اسکی صورت یہ ہے کہ بڑے جانور مر جاتے ہیں اور سال ان کے چھوٹے بچوں پر مکمل ہوتا ہے (تواب زکوۃ نہیں) مگر اس صُورت میں کہ بڑے موجود ہوں توان کی اتباع میں زکوۃ ہوگی اگرچہ بڑا ایک ہو اور عفو میں زکوۃ نہیں، اور یہ تمام اموال میں نصابوں کے درمیانی حصہ کو کہا جاتا ہے ملخصًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجاموس ھو نوع من البقر کما فی المغرب فھو مثل البقر فی الزکوٰۃ والاضحیۃ والربا ویکمل بہ نصاب البقر وتوخذ الزکوٰۃ من اغلبھا وعند الاستواء یوخذ علی الادنی وادنی الاعلٰی، نھر، وعلی ھذا الحکم البخت والعراب والضأن والمعز، ابن ملک۔ [2]	بھینس، گائے کی ایک نوع ہے جیسا کہ مغرب میں ہے لہذا یہ زکوۃ، قربانی اور ربا میں گائے کے حکم میں ہوگی، اس سے گائے کا نصاب مکمل ہوجاتا ہے اگر گائیں غالب ہوں تو زکوۃ لی جائے گی اور اگر برابر ہوں تواُن میں جو قسم اعلٰی ہے اس کا ادنی لیا جائیگا یا ادنی کا اعلٰی، نہر۔ اور اسی کے حکم میں بختی اور عربی اونٹ، بھیڑ اور بکری وغیرہ ہوتے ہیں، ابن الملک۔ (ت)

اسی میں ہے:

النصاب اذا کان ضأنا یوخذ الواجب من الضان ولو معز افمن المعز ولومنھما فمن الغالب ولو سواء فمن ایھما شاء جوہرۃ ای فیعطی ادنی الاعلٰی اوعلی الادنی کما قدمناہ۔ [3]	نصاب اگر بھیڑ کا ہے تو بھیڑ ہی وصول کی جائے، اور اگر نصاب بکری کا ہے تو بکری ہی لی جائے گی، اور اگر دونوں سے نصاب ہے تو پھر غالب کا اعتبار ہوگا، اور دونوں برابر ہوں تو جس سے چاہو لے لو، جوہرہ۔ یعنی اعلٰی سے ادنی یا ادنی سے اعلٰی لیا جائیگا۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے (ت)

[1] درمختار باب زکوۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۳

[2] ردالمحتار باب زکوۃ البقر مصطفی البابی مصر ۲/۱۹

[3] ردالمحتار، باب زکوۃ الغنم، مصطفی البابی مصر، ۲/۲۰

عالمگیریہ میں ہے:

ادنی السن الذی یتعلق بہ وجوب الزکوٰۃ فی الابل بنت مخاض، وفی البقر تبیع، وفی الغنم ھو الثنی کذا فی شرح الطحاوی اھ[1] ملتقطا	کم از کم وُہ عمر جس کے ساتھ اونٹوں پر زکوۃ متعلق ہوتی ہے بنت مخاض ہے، گائے میں تبیع، اور بھیڑ بکریوں میں ثنی، جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے اھ اختصارًا (ت)

درمختار میں ہے:

بنت مخاض ھی التی طعنت فی السنۃ الثانیۃ، وتبیع ذوسنۃ کاملۃ، والثنی من الضان والمعز ھو ماتمت لہ سنۃ اھ[2] بالالتقاط۔	بنت مخاض، جو عمر کے دوسرے سال میں داخل ہو۔ تبیع، ایک سال کی عمر۔ اور بھیڑ وبکری میں ثنی وُہ ہوتا ہے جس پر سال مکمل ہوجائے اھ اختصارًا (ت)

ہندیہ میں ہے:

السوائم تجب الزکوٰۃ فی ذکورھا واناثھا ومختلط ھما والسائمۃ ھی التی تسام فی البراری لقصد الدر والنسل والزیادۃ فی الثمن والسمن کذا فی محیط السرخسی۔[3]	سائمہ چوپایوں مذکر ومؤنث اور ان دونوں کے اختلاط پر زکوۃ ہے۔ اور سائمہ وہ چوپائے ہوتے ہیں جو جنگل میں چریں اور ان سے مقصد دودھ، نسل، ثمن میں اضافہ اور گھی کا حصول ہو۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔ (ت)

جب یہ قواعد معلوم ہولئے حکم مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا۔ اٹھارہ بیل اور دو بھینسے کہ کاشتکاری کے لے ہیں اُن پر کچھ نہیں، اور ایک سال سے کم کے بچّے اگرچہ خود محلِ وجوب نہیں مگر یک سالہ کے ساتھ مل کر ان پر بھی وجوب ہوتا ہے تو سب جانور سینتالیس ۴۷ ہُوئے جن پر ایک بچّہ دوسال کامل کی عمر کا واجب ہے اور ازانجا کہ ان میں زیادہ گائے ہیں تو یہ دوسالہ گائے کا ہی بچہ دیا جائے گا بچھڑا ہو خواہ بچھیا، اور ازاں جاکہ ان میں زیادہ مادہ ہیں سینتالیس میں اکیس گائے ہیں اور دو بھینسیں پوری، دو جھوٹیاں۔ تو افضل یہ ہے کہ دوبرس کامل کی بچھیا زکوۃ میں دے،

فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ عن العتابیۃ	ہندیہ میں تتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ، الباب الثانی فی صدقۃ السوائم فصل ثانی، نورانی کتب خانہ پشاور، ۱/ ۷۸-۱۷۷

[2] درمختار　باب نصاب الابل وزکوۃ البقر وزکوۃ الغنم　مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۱تا۱۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی صدقۃ السوائم　نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۷۶

الافضل فی البقر ان یؤدی من الذکر التبیع ومن الاثنی التبیعۃ۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں تاتارخانیہ سے عتابیہ سے ہے گائے میں افضل یہ ہے کہ مذکر میں تبیع اور مؤنث میں تبیعہ دیا جائے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۹: از گونڈہ بہرائچ محلّہ چھاؤنی مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ سید حسین صاحب دامت برکاتہم ۱۳جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں لطف اللہ بہم اجمعین زکوٰۃ کن کن مصارف میں دینا جائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجتمند جسے اپنے مال مملوک سے مقدار نصاب فارغ عن الحوائج الاصلیہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت، اگرچہ طلاق مغلظہ دے دی ہو جب تک عدّت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا، بیٹی، پوتاپوتی، نواسانواسی، نہ وُہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی نانا نانی، اگرچہ یہ اصلی وفروعی رشتے عیاذًاباللہ بذریعہ زنا ہوں، نہ اپنا یاان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کاغلام غیر کاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کاآزاد بندہ، اور مسلمان حاجت مند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہوچکے۔ یہ سولہ شخص ہیں جنھیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سواسب کو روا، مثلًاہاشمیہ بلکہ فاطمیہ عورت کا بیٹا جبکہ باپ ہاشمی نہ ہو کہ شرع میں نسب باپ سے ہے۔ بعض متہورین کہ ماں کے سیدانی ہونے سے سیّد بن بیٹھے اور باوجود تفہیم اس پر اصرار کرتے ہیں بحکم حدیثِ صحیح مستحق لعنتِ الٰہی ہوتے ہیں والعیاذباللہ تعالٰی وقد اوضحنا ذٰلك فی فتاونا (اللہ تعالٰی کی پناہ اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں خوب واضح کردیا ہے۔ت) اسی طرح غیر ہاشمی کاآزاد شدہ بندہ اگرچہ خود اپنا ہی ہو یا اپنے اصول وفروع وزوج وزوجہ ہاشمی کے علاوہ کسی غنی کا مکاتب یازنِ غنیہ کا نابالغ بچہ اگرچہ یتیم ہو یا اپنے بہن بھائی، چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں بلکہ انھیں دینے میں دُونا ثواب ہے، زکوٰۃ وصلہ رحم یا اپنی بہو یا داماد یاماں کا شوہر یا باپ کی عورت یااپنے زوج یازوجہ کی اولاد کہ ان سولہ کو بھی دینا روا، جبکہ یہ سولہ، اول سولہ سے نہ ہوں، ازانجاکہ انھیں اُن سے مناسبت ہے جس کے باعث ممکن تھا کہ ان میں ہی عدم جواز کا وہم جاتا، لہٰذا فقیر نے انھیں بالتخصیص شمار کردیا اور نصاب مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو، اسے مسکین کہتے ہیں۔

دوم: مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی زکوٰۃ البقر نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۷۸

سوم نصاب بھی مگر حوائج اصلیہ میں مستغرق جیسے مدیون۔

چہارم: حوائج سے فارغ ہو مگر اسے دسترس نہیں، جیسے ابن السبیل یعنی مسافر، جس کے پاس خرچ نہ رہا تو بقدر ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے اس سے زیادہ اسے لینا روا نہیں۔ یا وُہ شخص جس کا مال دوسرے پر دین مؤجل ہے اور ہنوز میعاد نہ آئی اب اسے کھانے پہننے کی تکلیف ہے تو میعاد آنے تک بقدر حاجت لے سکتا ہے یا وہ جس کا مدیون غائب ہے یا لے کر مکر گیا اگرچہ ثبوت رکھتا ہو کہ ان سب صورتوں میں دسترس نہیں عہ بالجملہ مدار کار حاجتمند بمعنی مذکور پر ہے تو جو نصاب مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہر گز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالب علم یا مفتی مگر عاملِ زکوٰۃ جسے حاکمِ اسلام نے اربابِ اموال سے تحصیل زکوٰۃ پر مقرر کیا وہ جب تحصیل کرے بحالت غنی بھی بقدر اپنے عمل کے لے سکتا ہے، اگر ہاشمی نہ ہو۔ پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھلا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اگر ان میں صرف کیا چاہے تو اس کی وہی حیلے ہیں جو ہمارے فتاوٰی میں مسطور ہیں،

هذا كله ملخص ما استقر عليه الامرفى تنوير الابصار والدرالمختار وردالمحتاروغيرها من معتبرات الاسفار وقد لخصناه بتوفيق الله تعالىٰ احسن تلخيص لعله لا يوجد من غيرنا ولله الحمد،فمن شك فى شئى من هذا فليراجع الاصول التى سمينا	یہ اس تمام گفتگو کا خلاصہ ہے جس پر تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار اور دیگر کتبِ معتبرہ میں معاملہ کو ثابت کیا ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس کی سب سے اچھی تلخیص کی ہے، شاید یہ ہمارے علاوہ کہیں نہ ملے وللہ الحمد۔ اور جس شخص کو اس بارے میں شک ہو وہ ان اصول وکتب کی طرف رجوع کرے خواہ

عہ: اگر دین معجّل خواہ ابتداءً یا یُوں کہ اجل مقرر ہوئی تھی گزر چکی اور مدیون غنی مقر حاضر ہے تو یہ صورت دسترس کی ہے اور یاد رکھنا چاہئے کہ قرض جسے لوگ دست گرداں کہتے ہیں شرعاً ہمیشہ معجّل ہوتا ہے، اگر ہزار عہد وپیمان ووثیقہ وتمسک کے ذریعہ اس میں میعاد قرار پائی ہو کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہ ہوگا اگر مطالبہ کرے تو باطل ونا مسموع ہو وغیرہ وغیرہ ہزار شرطیں اس قسم کی کرلی ہوں تو وُہ سب باطل ہیں اور قرض دہندہ کو ہر وقت اختیارِ مطالبہ ہے،

لانه تبرع ولا جبر على المتبرع وقد نصّ فى الاشباه والدروغيرهما انه لايصح تاجيل القرض ۱۲منه غفرله(م)	کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں جبر نہیں۔ اشباہ، در اور دیگر کتب میں یہ تصریح ہے کہ ادائیگی قرض کا وقت مقرر کرنا صحیح نہیں ۱۲منہ غفرلہ (ت)

اولم نسم نعم لاباس ان نورد نصوص بعض مایکاد یخفی او یستغرب، ففی ردالمحتار شمل الولاد بالنکاح والسفاح فلا یدفع الی ولدہ من الزنا الخ[1] وفیه تحت قوله او بینهما زوجیة ولو مباینة ای فی العدة ولو بثلاث نهر عن معراج الدرایة اھ[2] وفیه تحت قوله ولو الی مملوك المزکی ولو مکاتبا وکذا مملوك من بینه وبینه قرابة ولاد او زوجیة لما قال فی الفتح الخ[3] وفیه تحت قوله وبخلاف طفل الغنیة فیجوز ای ولولم یکن له اب بحر عن القنیة اھ[4] وفیه وقید بالولاد لجوازہ لبقیة الاقارب کالاخوة والاعمام و الاخوال الفقراء بل هم اولیٰ لانه صلة وصدقة ویجوزدفعها لزوجة ابیه وابنه و زوج ابنته، تاترخانیه اھ[5] ملخصا وفیه من کتاب الوصایا تحت قوله، الشرف

ان کے ہم نے نام لیے ہیں یا نہیں، ان میں سے بعض ایسی نصوص کے ذکر میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں کرتے جنھیں مخفی یا نادر سمجھا گیا ہے۔ ردالمحتار میں ہے یہ تمام اولاد کو شامل ہے خواہ وہ نکاح کی وجہ سے ہو یا زنا کی وجہ سے، لہٰذا اولادِ زنا کو بھی زکوۃ نہیں دی جائیگی الخ اور اسی میں ماتن کے قول "یا ان کے درمیان زوجیت کا رشتہ ہو خواہ وہ مبائنہ ہو یعنی خواہ وُہ تین طلاق ہو جانے پر عدّت بسر کررہی ہو، یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ اور اسی میں ماتن کے قول "زکوۃ دینے والا اپنے غلام کو نہ دے خواہ وہ مکاتب ہو کے تحت ہے "اور اسی طرح اس غلام کا حکم ہے جس کے اور زکوۃ دینے والے کے درمیان رشتہ اولاد یا زوجیت ہو، اس دلیل کے پیش نظر جو بحر اور فتح میں ہے اور اسی میں ماتن کے قول "بخلاف غنی عورت کے بچّے کے کہ اسے دینا جائز ہے یعنی اس کا والد نہ ہو، یہ بحر میں قنیہ سے ہے اھ اور اسی میں ہے کہ اولاد کی قید اسی لیے ہے کہ باقی اقارب مثلاً بھائی بہنیں، چچا اور خالو اگر فقراء ہوں تو انھیں زکوۃ دی جاسکتی ہے بلکہ یہ لوگ زکوۃ کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ یہاں صلہ رحمی اور صدقہ دو۲ چیزیں جمع ہوجاتی ہیں، اپنے والد اور بیٹے کی بیوی اور اپنے داماد کو زکوۃ جائز ہے تاتارخانیہ اھ ملخصًا اور اس میں کتاب الوصایا سے ماتن کے قول" فقط

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[2] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[3] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹
[4] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۷۲
[5] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۹

من الام فقط غير معتبر، يؤيده قول الهندية عن البدائع فثبت ان الحسب والنسب يختص بالاب دون الام اھ فلا تحرم عليه الزكوٰة ولا يكون كفوًالهاشمية ولا يدخل فی الوقف علی الاشراف ط اھ[1] وفيه وقال فی الفتح ايضاً ولا يحل له ای لا بن السبيل ان ياخذ اكثر من حاجته، قلت وهذا بخلاف الفقير فانه يحل له ان ياخذ اكثر من حاجته وبهذا فارق ابن السبيل كما افاده فی الذخيرة اھ فيه تحت قوله ومنه مالو كان ماله مؤجلا،ای اذا احتاج الی النفقة يجوزله اخذ الزكوٰة قدر كفايته الی حلول الاجل،نهر عن الخانية اھ، وفيه تحت قوله او علی غائب ای ولوكان حالا لعدم تمكنه من اخذه ط اھ[2] وفيه تحت قوله او معسر او جاحد ولوله بينة فی الاصح، فيجوزله الاخذ فی اصح الاقاويل لانه بمنزلة ابن السبيل ولوموسرا معتر فالا يجوز كما فی الخانية[3]اھ، وفيه تحت قوله و فی سبيل الله وهو منقطع	ماں کی وجہ سے شرف معتبر نہیں" کے تحت ہے کہ ہندیہ نے بدائع سے جو لکھا ہے وُہ اس کا موئد ہے تو ثابت ہوگیا کہ حسب و نسب والد کے ساتھ مختص ہے نہ کہ ماں کے ساتھ اھ پس اس پر زکوٰۃ حرام نہیں اور نہ ہی وہ ہاشمی کا کفو بنے گا اور سادات پر وقف میں شامل نہ ہوگا۔ اور اسی میں ہے فتح میں بھی ہے کہ اس (مسافر) کے لیے ضرورت سے زائد لینا جائز نہیں۔ میں کہتا ہُوں بخلاف فقیر کے کہ اس کے لیے ضرورت سے زاید لینا جائز ہے، اسی سے فقیر اور مسافر کے درمیان فرق واضح ہوگیا، جیسا کہ اس کا بیان ذخیرہ میں ہے اھ اور اس میں ماتن کے قول" اور ایسی ہی صورت وُہ ہے جس میں مال کے حصول کیلئے وقت مقرر ہو یعنی خرچہ کی ضرورت ہو تو وقت مقرر آنے تک بقدر کفایت زکوٰۃ لینا جائز ہے یہ نہر میں خانیہ سے ہے اور اس میں ماتن کے قول" یا وہ قرضہ کسی غائب پر ہے" کے تحت ہے یعنی اگرچہ قرضہ حالی ہو کیونکہ اس وقت اس کے حصول پر قادر نہیں اور اسی میں ماتن کے قول" یا مقروض تنگ دست یا منکر ہو اگرچہ اصح قول کے مطابق گواہ بھی ہوں" کے تحت ہے کہ اصح قول کے مطابق ایسے شخص کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے کیونکہ وہ مسافر کی طرح ہے اور اگر مقروض امیر اور معترف ہو تو جائز نہیں جیسا کہ خانیہ میں ہے اھ اور اسی میں ماتن کے

1 ردالمحتار باب الوصیۃ للاقارب مصطفی البابی مصر ۵ /۴۸۴

2 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۷

3 ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲ /۶۷

الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم وفسرہ فی البدائع بجمیع القرب، قال فی النھر والخلاف لفظی للاتفاق علی ان الاصناف کلھم سوی العامل یعطون بشرط الفقر اھ[1] (ملخصًا)وفیہ تحت قولہ وبھذا التعلیل یقوی مانسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزلہ اخذالزکوٰۃ ولوغنیا اذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم واستفادتہ، ھذاالفرع مخالف لا طلا قھم الحرمۃ فی الغنی ولم یعتمدہ احد ط، قلت وھو کذٰلك والاوجہ تقییدہ بالفقیر[2] الیٰ اخرما افادہ ،علیہ رحمۃ الجواد۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔	قول "اور اللہ کی راہ میں" سے مراد وہ غازی ہیں جن کے پاس جہاد کا خرچہ نہیں، بعض نے حاجی قرار دیا، بعض کے نزدیک طلبہ مراد ہیں۔ بدائع میں اس کلمہ کی تفسیر "تمام ثواب والے کام" سے کی ہے، نہر میں ہے کہ عامل کے سوا تمام مصارف پر تب خرچ کیا جائے گا جب وہ فقیر ہوں اھ اور اسی میں ماتن کے قول، اس علت کے بیان سے واقعات کی طرف منسوب اس قول کی تقویت ہو جاتی ہے کہ طالبعلم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے خواہ وہ غنی ہو بشرطیکہ اس نے اپنے آپ کو علم پڑھانے اور پڑھنے کے لیے مختص کر رکھا ہو کہ یہ تفریع فقہاء کرام کے حرمتِ زکوٰۃ کو غنی کے لئے مطلق رکھنے کے خلاف ہے جبکہ اس پر کسی نے اعتماد نہیں کیا، ط۔ میں کہتا ہوں یہ معاملہ یونہی ہے، موزوں یہی ہے کہ طالبعلم کو فقیر ہونے سے مقید کیا جائے (ان کے افادہ کے آخر تک) ان پر اللہ تعالیٰ جواد کی رحمت ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر بہرائچ محلّہ ناظر پورہ مسؤلہ حکیم محمد عبدالوکیل صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے مسجد یا کنواں مسجد سے متعلق طاہر پانی کے لیے تیار کیا اور بوجہ کمی سرمایہ کے بالآخر قرضدار ہو گیا لہٰذا اس صورت میں مالِ زکوٰۃ دینا جائز ہے کیونکہ قرضدار کو اس کے قرضہ ادا کرنے کے لیے مالِ زکوٰۃ لینا شرعًا جائز ہے کیونکہ منجملہ مصارف مال زکوٰۃ کے قرضہ بھی ایک مصرف ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس پر اتنا دین ہو کہ اُسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کے اولاد میں ہو، نہ باہم زوج وزوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بیشک جائز

---

1 ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر ۶۷/۲

2 ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر ۶۵/۲

بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں قال اللہ تعالٰی وَالْغٰرِمِیْنَ[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے اور مقروض لوگوں پر زکوٰۃ خرچ کی جائے۔ت) دُر مختار میں ہے:

ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه وفی الظهیریة الدفع للمدیون اولی منه للفقیر۔[2]	مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ونقل ط عن الحموی انه یشترط ان لا یکون هاشمیا۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اور طحطاوی نے حموی سے نقل کیا کہ شرط یہ ہے کہ مدیون ہاشمی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱ تا ۱۰۲: مسئولہ رشید احمد متعلّم مدرسہ اہلسنت والجماعت ۷ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ کسی شخص نے اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکالی وُہ روپیہ ان شخصوں کو دینا چاہئے یا نہیں؟

(۱) یہ کہ اگر چچا چچی و چچازاد بھائی و بہنوں کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ ماموں و ممانی و نانا و نانی اور ماموں زاد بھائی اور بہنوں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ پھوپھا و پھوپھی اور ان کی اولاد کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) یہ کہ اگر اپنی ہمشیرہ ہے اور اس کی شادی کر دی اور اس کا خاوند کم توجہ کرتا ہے تو اس کو زکوٰۃ کا مال دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) یہ کہ بھانجی بھانجے کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) یہ کہ اگر زکوٰتی روپے سے لحاف میں رُوئی ڈلوا کر غریبوں کو تقسیم کردیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) یہ کہ اگر طالب علم کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۸) یہ کہ اگر بہنوئی کو کچھ دے دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن ۹/۶۰

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] ردالمحتار، باب المصرف، مصطفی البابی مصر، ۲/۶۷

(۹) یہ کہ اگرچہ معلوم ہو کہ یہ شخص غریب معلوم ہوتا ہے اور پوشیدہ اس کے پاس چاہے کچھ ہو اس کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۰) یہ کہ ان روپوں میں سے فقیروں کو جو مانگتے پھرتے ہیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۱) علاوہ اس کے وُہ بات کہ جس میں روپیہ زکوتی صرف کیا جائے وہ برائے مہربانی تحریر کردیجئے گا۔

(۱۲) یہ کہ اگر مولود شریف میں یا نیاز دعا میں صرف کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہاں جائز ہے جبکہ مصرف ہو۔

(۲) نانا نانی کو ناجائز باقی چاروں کو جائز۔

(۳) ان سب کو دے سکتے ہیں جبکہ نہ غنی ہوں نہ غنی باپ کے بچّے نہ ہاشمی۔

(۴) جائز ہے جبکہ محتاج ہو۔

(۵) ان کو بھی بشرائط مذکورہ جائز ہے۔

(۶) ہاں رُوئی کی قیمت زکوۃ میں لگا سکتا ہے جبکہ بہ نیت زکوۃ دے مگر بھرائی کی اُجرت زکوۃ میں شمار نہ ہوگی۔

(۷) جائز ہے جبکہ غنی ہاشمی نہ ہو۔

(۸) بشرطِ مذکورہ جائز ہے۔

(۹) جبکہ اُسے اُس کا اندرونی حال معلوم نہیں تو ظاہر محتاجی پر عمل کرکے زکوۃ دے سکتا ہے۔

(۱۰) جائز ہے مگر جوان سے تندرست جو بھیک مانگنے کا پیشہ کرلیتے ہیں جیسے جوگی سادھو بچے ان کو دینا جائز نہیں۔

(۱۱) محتاج فقیر جو نہ ہاشمی ہو نہ غنی باپ کا نابالغ بچّہ، نہ اپنی اولاد جیسے بیٹا بیٹی، پاتا پوتی، نواسا نواسی، نہ یہ کہ اس کی اولاد جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، نہ اپنی زوجہ، نہ عورت کا اپنا شوہر، ایسے محتاج جو ان سب کے سوا ہو بہ نیت زکوۃ دے کر مالک کردینے سے زکوۃ ادا ہوتی ہے وبس۔

(۱۲) مجلس میلاد پاک میں حصّہ عام تقسیم ہوتا ہے غنی فقیر مصرف غیر مصرف کی تخصیص نہیں ہوتی، یونہی نیاز کی تقسیم میں تو اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں جو حصّے خاص فقراء مصرف زکوۃ کو دے اُس کا شمار ان کو دینے میں زکوۃ کی نیت کرے تو وہ زکوۃ میں محسوب ہوسکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۳: از مراد آباد مسئولہ امیر حسن صاحب رضوی ۹ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ صدقہ فطر کس قدر دینا چاہئے اور کس کو دینا چاہئے اور کس وقت ادا کرے اور کس طرف سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صدقہ فطر سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر اٹھنی بھر اوپر دیا جائے اور اس کے مصرف وہی لوگ ہیں جو مصرف زکوٰۃ ہیں اور اس کے دینے کا وقت واسع ہے، عیدالفطر سے پہلے بھی دے سکتا ہے اور بعد بھی، مگر بعد کو تاخیر نہ چاہئے بلکہ اولٰی یہ ہے کہ نمازِ عید سے پہلے نکال دے کہ حدیث میں ہے: صاحبِ نصاب کے روزے **معلق** رہتے ہیں جب تک یہ صدقہ ادا نہ کرے گا۔ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے دینا واجب ہے اور باندی غلام کی طرف سے بھی جو اس کی ملک ہیں، بی بی یا نا بالغ بچوں کی طرف سے دینا واجب نہیں اگر وہ صاحبِ نصاب ہیں، آپ دیں یا اُن کی اجازت سے یہ دے، بلا اجازت ان کی طرف سے ادا نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۴: میرے عزیزوں میں ایک شخص نابینا اور قرضدار ہیں جائیداد ان کے ہے لیکن قرضداری سے کم ہے اور قبضہ دوسرے شخص کا ہے، اُن کو آمد بھی پُورے پُورے طور سے نہیں ملتی، زکوٰۃ کو ان دینی چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب: ہاں بلکہ عزیزوں کو دینے میں دُونا ثواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۵: از حاجی عبدالکریم نور محمد جنرل مرچنٹ چوک ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زکوٰۃ کا پیسہ طلبہ کو دے سکتے ہیں امداد کے لیے یا نہیں؟

الجواب: طلبہ کہ صاحبِ نصاب نہ ہوں انھیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بلکہ اُنھیں دینا افضل ہے جبکہ وہ طلبہ علمِ دین بطور دین پڑھتے ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۶: از شہر بریلی دفتر انجمن خادم المسلمین ۲۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ پیشہ ور گداگروں کو زکوٰۃ و خیرات کا مال دینے سے زکوٰۃ ادا ہوتی ہے یا نہیں اور مذہبی و تمدنی نقطہ نظر سے کہاں تک یہ گروہ زکوٰۃ کا مستحق ہے اور پیشہ ور گداگروں کی ہمت افزائی نہ کرنا کہاں تک جائز ہے؟

الجواب:

گدائی تین قسم ہے:

ایک غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچّے، انھیں سوال کرنا حرام اور انھیں دینا حرام، اور اُن کے دئے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

دوسرے وُہ کہ واقع میں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی و تندرست کسب پر قادر ہیں اور سوال کسی ایسی ضروریات کے لیے نہیں جوان کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لیے بھیک مانگتے پھرتے ہیں انھیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انھیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث کہ حدیث شریف میں:

لاتحل الصدقة لغنی ولا لذی مرة سوی۔[1]	صدقہ حلال نہیں کسی غنی کے لیے اور نہ کسی توانا و تندرست کے لیے (ت)

انھیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۔[2]	اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو (ت)

مگر ان کے دئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں،

قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ۔[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے صدقات فقراء کے لیے ہیں (ت)

تیسرے وُہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں، انھیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لیے طیّب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ سے ہیں اور انھیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وُہ جنھیں جھڑکنا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از ناگوار مارواڑ از دکان قادر بخش مرسلہ محمد بخش پریزیڈنٹ انجمن مدرسہ حمیدیہ اسلامیہ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالِ زکوٰۃ مدرسہ اسلامیہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنت کا ہو۔ نیچریوں، وہابیوں، قادیانیوں، رافضیوں، دیوبندیوں وغیرہم مرتدین کا نہ ہو تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیک فقیر کے مصارف میں صرف کرے مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی۔

[1] جامع الترمذی، ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء من لاتحل لہ الصدقۃ، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۱/۸۳

[2] القرآن ۵/۲

[3] القرآن ۹/۶۰

نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صرف ہو سکتی ہے، نہ یہ ہو سکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اُس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم ہاں یُوں کر سکتے ہے کہ جن طلبہ کو کھانا دیا جاتا ہے اُن کو نقد روپیہ بہ نیّت زکوٰۃ دے کر مالک کردیں پھر وُہ اپنے کھانے کیلئے واپس دیں یا جن طلبہ کا وظیفہ نہ اجرۃً بلکہ محض بطور امداد ہے اُن کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ اُن کا مالک کردیں۔ ہاں اگر روپیہ بہ نیّت زکوٰۃ کسی مصرف زکوٰۃ کو دے کر مالک کردیں وُہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارف مدرسہ میں صرف ہو سکتا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸: از حافظ ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پور ۲۴ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زکوٰۃ کے روپے سے دو چار کتب دینی مثل فتاوٰی عالمگیری و مشکوٰۃ شریف وغیرہ خرید کرکے دوسرے شخص کے پاس بطور وقف رکھ دی جائیں تاکہ عوام کو اس سے فیض پہنچے اس وجہ سے ایسی کتاب بوجہ بیش قیمت ہونے کے یہاں میسر نہیں ہے تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہئے کہ زکوٰۃ بھی ادا جائے اور کتابوں کی کاروائی بھی ہو جائے۔

الجواب:

مال زکوٰۃ سے وقف ناممکن ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا اور زکوٰۃ میں فقیر کی تملیک شرط ہے اس کی تدبیر یوں ہو سکتی ہے کہ کسی نیک بندہ کو جو زکوٰۃ کا مصرف ہے بہ نیت زکوٰۃ دے کر ملک کر دیا جائے اور وُہ اپنی طرف سے کتابیں خرید کر وقف کردے۔ ایک اور حیلہ بھی ممکن ہے مثلاً سو روپے کی کتابیں وقف کرنے کے لیے خریدنی ہیں اور اس پر سو۱۰۰ روپے زکوٰۃ کے آتے ہیں تو مَن دو مَن گیہوں مثلاً کسی فقیر کے ہاتھ سو روپے کو بیچ کرے اور اُسے سمجھا دے کہ یہ قیمت تمھیں ہم ہی دینگے جب وُہ خرید لے تو اب اسے سو روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دیے جائیں، جب وُہ قبضہ کرلے اب اس سے اس آتی ہوئی قیمت میں روپے لے لیے جائیں، اگر نہ دے تو جبراً لے سکتا ہے کہ وُہ اس کا مدیون ہے، اب اس روپے سے کتابیں خرید کر وقف کردیں، المسئلة منصوص علیها فی الدرالمختار والمعتمدات الاسفار (درمختار اور دیگر معتمد کتب میں اس مسئلہ پر نص ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۰: حاجی عیسٰی صاحب کاٹھیاوار ۲۲ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک مسجد میں بلحاظ مصلیان بہت کم گنجائش ہے یا بایں وجہ کہ ہر وقت کی نماز میں کش مکش کا سامنا ہوتا ہے لہٰذا ایسی حالت میں اگر کوئی صاحب زکوٰۃ اپنی زر زکوٰۃ کو کسی غریب مسلمان شخص کی ملکیت قائم کرکے اس مکان کو جو مسجد سے ملا ہوا ہے خرید کرکے شاملِ مسجد کردے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ مکرر آنکہ

مسجد مذکور کے قُرب وجوار کے مسلمانوں میں اس قدر استطاعت نہیں کہ جو چندہ فراہم کرکے مکان مذکور کو خرید سکیں۔
(۲) ایسی کتاب دینی جو اگر طبع کی جائے تمام مسلمانانِ عالم میں مفید ثابت ہوسکتی ہے اگر کوئی شخص زرِ زکوۃ سے چندہ فراہم کرکے کتاب مذکور بغرض رفاہِ عام چھپوائے تو ان چندہ دہندہ گان اصحاب کا زرِ زکوۃ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جبکہ اس نے فقیر مصرف زکوۃ کو بہ نیّت زکوۃ دے کر مالک کردیا زکوۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگادے دونوں کے لیے اجرِ عظیم ہوگا، درمختار میں ہے:

وحیلۃ التکفین بہا التصدّق علی فقیر ثم ہو یکفن، الثواب لہما وکذافی تعمیر المسجد۔[1]	کفن بنانے کے لیے یہ حیلہ ہے کہ صدقہ فقیر کو دیا جائے پھر وُہ فقیر کفن بنا دے تو ثواب دونوں کے لئے ہوگا، اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں زیر قول متن لا الی بناء مسجد وتکفین میّت وقضاء دینہ وشراء قن یعتق (زکوۃ سے تعمیر مسجد، میّت کے لیے کفن اور اس کا اداءِ قرض اور ایسے غلام کا خریدنا جائز نہیں جسے آزاد کردیا گیا ہو۔ت) فرمایا:

والحیلۃ فی الجواز فی ہذہ الاربعۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰتہ علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذٰلک الصرف فی ہذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکوٰۃ وللفقیر ثواب ہذہ الصرف کذافی المحیط۔[2]	ان چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ آدمی زکوۃ فقیر کو دے پھر اسے کہے کہ ان چاروں پر خرچ کرے، صاحبِ مال کیلئے زکوۃ کا ثواب اور فقیر کے لیے خرچ کا ثواب ہوگا۔ کذافی المحیط (ت)

(۲) جائز ہے اور اس میں چندہ دہندوں کے لیے اجرِ عظیم اور ثواب جاری ہے، جب تک وہ کتاب باقی رہے گی اور نسلاً بعد نسلٍ جن جن مسلمانوں کو فائدہ دے گی ہمیشہ ان کا اجر ایک چندہ دہندے کو اُس کی حیات میں اور اُس کی قبر میں پہنچتا رہے گا۔ رسولٍ اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مات الانسان انقطع عملہ الامن ثلث صدقۃ جاریۃ او عمل ینتفع بہا	جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین صورتوں میں جاری رہتا ہے: ایک، اس نے

[1] درمختار کتاب الزکوۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۳۰
[2] بحرالرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۳

اوولد صالح ید عولہ۔[1] رواہ البخاری فی ادب المفرد او مسلم فی الصحیح وابوداؤد و الترمذی عن النسائی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صدقہ جاریہ کیا تھا، دوسرا اس کا ایسا عمل جواب بھی نافع ہے یا اس کی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرے اسے امام بخاری نے ادب المفرد میں، مسلم نے صحیح میں، ابو داؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر **اولاً** فقیر کو بہ نیت زکوٰۃ دے کر مالک کر دینا ضرور ہے پھر وُہ فقیر طبع کتاب میں خود دے دے یا اس سے دلوادے، جیسا کہ درمختار و بحرالرائق کی عبارت سے گزرا، یا جو طریقے ائمہ نے کتبِ فقہ میں لکھے ہیں بجالائے۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکوٰتہ ثم یأخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدّیدہ واخذ ھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی۔[2]	حیلہ جواز یُوں ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوٰۃ دی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لی جائے اور اگر مقروض نہ دے تو اس سے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق پر قدرت کا معاملہ ہے، اگر اس پر بھی نہ دے تو قاضی کی طرف معاملہ لے جایا جائے(ت)

اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ ہے طریقہ شرعیہ پر بعد تملیک فقیر طبع میں ہمارے ثواب کے لئے صرف کر، وہ ایسا ہی کرے، سب زکوتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وُہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائیگا اور یہ اموال کا ملانا کہ باذن مالکانہ ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لوخلط زکوٰۃ موکلیہ ضمن وکان متبر عا الا اذا وکلہ الفقراء۔[3]	اگر اپنے موکلین کی زکوٰۃ خلط کر دی تو وکیل ضامن ہوگا اور وُہ تبرع کرنے والا ہوگا مگر اس صورت میں جب فقراء نے اسے اپنا وکیل قرار دے دیا ہو۔(ت)

---

1 صحیح مسلم باب مایلحق الانسان الثواب بعد وفاتہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۱، الادب المفرد باب ۱۹ برالوالدین بعد موتہما حدیث ۳۸ مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ص ۲۱

2 درمختار کتاب الزکوٰۃ، مبطع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

3 درمختار کتاب الزکوٰۃ مبطع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

ردالمحتار میں ہے:

قال فی التتارخانیة اذا وجد الاذن أو اجاز المالکان اھ۔[1]	تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی اذن کی وجہ سے ہو یا مؤکل اسے جائز کردیں اھ (ت)

اسی میں ہے:

ثم قال التتارخانیة اووجدت دلالة الاذن بالخلط کما جرت العادة الخ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر تاتارخانیہ میں کہا کہ یا دلالۃً اختلاط کی اجازت ہو جیسے کہ عادت معروفہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۱: مسئولہ ناصرالدین صاحب پیلی بھیتی از آگرہ محلّہ نئی بستی، گلی بدھو بیگ، مکان حافظ سعید الدین سوداگر لٹھا ۱۶ جمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جنگ اٹلی و شہنشاہِ روم کے واسطے اہل اسلام نے اکثر چندہ جمع کیا ہے، اگر زیور کی زکوٰۃ کا روپیہ جنگ مذکور کے واسطے شہنشاہِ روم کو بھیجا جائے تو یہ روپیہ دینا جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا الحج والجھاد وکل مالا تملیك فیه کذا فی التبیین۔[3]	زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں، اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ وُہ مقام جہاں تملیک نہ ہو۔ تبیین میں یہی ہے۔ (ت)

ہاں فقیر مجاہدوں کو دی جائے یا شہیدوں کے فقیر پس ماندوں کو یا ان مجاہدوں کو جو سفر کرکے آئے گھر پر اموال رکھتے ہیں یہاں مصارف کے لیے کچھ پاس نہیں ان کو دینا جائز ہے اول فی سبیل اللہ ہے، ثانی فقراء اور

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۸۸

ثالث ابن السبیل، اور یہ سب مصارف زکوۃ ہیں۔ درمختار میں ہے:

مصرف الزکوٰۃ فقیر و فی سبیل اللہ وھو منقطع الغزاۃ وابن السبیل وھو کل من لہ مال لامعہ۔[1] (ملخصًا)	زکوۃ فقراء خرچ کی جائے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں، اور اس سے مراد محتاج غازی اور مسافر، اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس کا مال تو ہو مگر اس کے پاس نہ ہو۔ (ت)

یا یہ ہو کہ یہاں کسی معتمد فقیر کو دے کر مالک کرکے قبضہ دے دیں وُہ اپنی طرف سے اس چندہ میں دے دے، اب کوئی شرط نہیں ہر مصرف میں صرف ہوسکتی ہے، اور زکوۃ دہندہ اور فقیر دونوں کو ثواب ملے گا۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد۔[2]	تکفین کے لیے حیلہ یہ ہے کہ زکوۃ فقیر کو دی جائے فقیر کفن بنوادے، تو اب ثواب دونوں کے لیے ہوگا، اسی طرح تعمیر مسجد میں حیلہ کی صورت ہے۔ (ت)

پھر صورت اولیٰ میں کہ خود زکوۃ ہی ان جائز مصارف کے لیے وہاں بھیجے، اگر ابھی اس کی زکوۃ کا سال تمام نہ ہُوا تھا پیشگی دیتا ہے جب تو دوسرے شہر کو بھیجنا مطلقاً جائز ہے اور اگر سال تمام کے بعد بھیجے جب بھی اس صورت میں حکم جواز ہے کہ مجاہدوں کی اعانت میں اسلام کا زیادہ نفع ہے۔ درمختار میں ہے:

کرہ نقلھا الا الی قرابۃ او احوج او اصلح او اورع او انفع للمسلمین، اوکانت معجلۃ قبل تمام الحول فلا یکرہ خلاصۃ۔[3] (ملخصًا)	زکوۃ کو دوسری جگہ منتقل کرنا مکروہ، ہاں اس صورت میں مکروہ نہیں جب دوسری جگہ کوئی رشتہ دار، زیادہ محتاج، نیک، صاحبِ تقویٰ یا مسلمانوں کا زیادہ فائدہ ہو یا سال سے پہلے جلدی زکوۃ دینا چاہتا ہو، خلاصہ (ت)

مگر اطمینان ضرور ہو کہ ٹھکانے پر پہنچے بیچ میں خُورد بُرد نہ ہوجائے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

---

[1] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[2] درمختار، کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[3] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۲-۱۴۱

مسئلہ ۱۱۲: از دہرہ دوں محلّہ دھامان مسئولہ مختار حسین قادری ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ موجودہ حالتِ زار جو مظلومین تُرک کی ہے مثلاً سمرنا، اناطولیہ وغیرہ میں جو یونانیوں کی دست درازیوں کے شکار ہورہے ہیں ان کی امداد زکوٰۃ کے مال سے کی جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی روپیہ بھیجنے اور دینے کی کیا صورت ہونی چاہئے، موجودہ طریق جو سیٹھ چھوٹانی بمبئی والا کررہا ہے کہ امداد مظلومین ترکوں کی جس میں وُہ زکوٰۃ کو بھی شامل کرنا چاہتا ہے اپنے اختیار سے زکوٰۃ اور دیگر چندہ لے کر جتنی جہاں ضرورت ہوتی ہے مثلاً بیماروں کی مدد، لُٹے ہُوئے گھروں کی امداد وغیرہ اپنی رائے کے موافق صرف کرتا ہے، تو جو لوگ اس میں زکوٰۃ دیتے ہیں ادا ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس طریقہ سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی، یہ لوگ بطور خود چندہ کرتے ہیں اور زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ بلکہ مسلم وغیر مسلم سب کے چندے غلط کرلیتے وُہ روپیہ فوراً اہلاک ہوجاتا ہے اور قابل ادائے زکوٰۃ نہیں رہتا، **فان الخلط استھلاک** (کیونکہ خلط ملط کرنا ہلاک کرنا ہوتا ہے۔ت) فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجلان دفع کل منھما زکوٰۃ مالہ الی رجل لیؤدی عنہ فخلط مالھما ثم تصدق ضمن الوکیل مال الدافعین وکانت الصدقۃ عنہ کذا فی فتاوٰی قاضی خاں۔[1]	دو۲ اشخاص نے اپنے مال کی زکوٰۃ ایک شخص کو دی تاکہ وُہ ان کی طرف سے ادا کرے اس نے دونوں کے مال کو ملادیا پھر زکوٰۃ ادا کی تو وکیل ان کے مال کا ضامن ہوگا اور صدقہ وکیل کی طرف سے ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں (ت)

درمختار میں ہے:

لو خلط زکوٰۃ مؤکلیہ ضمن وکان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء۔[2]	اگر اپنے مؤکلین کی زکوٰۃ میں خلط ملط کردیا تو وہ وکیل ضامن ہوگا اور متبرع ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب اسے فقراء نے اپنا وکیل بنایا ہو۔ (ت)

اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ زکوٰۃ دینے والے خالص مسلمان اپنی اپنی زکوٰۃ ایک معتمد متدین کے پاس جمع کریں اور وُہ روپیہ ملالینے کی اجازت دیں اور اُس میں کوئی پیسہ غیر زکوٰۃ کا خلط نہ کیا جائے نہ کسی وہابی یا رافضی یا نیچری یا قادیانی یا حدِ کفر تک پہنچے ہُوئے گاندھوی کی زکوٰۃ اس میں شامل ہو کہ ان لوگوں کی زکوٰۃ شرعاً

---

[1] فتاوٰی ہندیہ، الباب الثالث فی زکوٰۃ الذہب الخ، نورانی کتب خانہ پشاور، ۱/۱۸۳

[2] درمختار، کتاب الزکوٰۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۰

زکوۃ نہیں، یہ خالص زکوۃ شرعی کا جمع کیا ہوا مال کہ مالکوں سے اذن سے خلط کیا گیا اُن فقراء مظلومین کو پہنچایا جائے۔ ردالمحتار میں زیرِ عبارت مذکورہ درمختار ہے

قوله ضمن وکان متبرعا، لانه ملکه بالخلط وصار مؤدیا مال نفسه قال فی التتارخانیة الااذا وجد الاذن أو اجازا المالکان اھ ویتصل بھذا العالم اذا سئل للفقراء شیأ و خلط یضمن قلت و مقتضاه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الاذن حینئذ دلالة۔[1] واللہ سبحانہ وتعالیٰ۔	ان کا قول ہے وکیل ضامن ہوگا اور اس کی ادائیگی بطور تبرع ہوگی کیونکہ خلط ملط کرنے سے وہ مالک ہو جاتا ہے اور اب وہ اپنے مال کو ادا کرنے والا ہوگا۔ تتارخانیہ میں ہے کہ مگر اس صورت میں جب اجازت ہو یا مالک اسے جائز کردیں اھ اس کے ساتھ وہ صورت بھی ملحق ہے جب کسی عالم نے فقراء کے لیے کچھ مانگا اور خلط ملط کردیا تو وُہ ضامن ہوگا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضایہ ہے اگر عرفاً ایسا کیا جاتا ہو تو اب ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس وقت دلالۃً اجازت موجود ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ امیر حسن بنگالی طالب علم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

مالدار کے لیے صدقہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صدقہ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لیے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لیے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذلّت نہیں وُہ غنی کو بھی جائز ہیں جیسے حوض کو پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پل پر سے گزرے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۱۴: از بریلی محلّہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ الطاف علی خاں مورخہ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ دینیہ میں زکوۃ وصدقہ مدرسین کو دینا جائز ہے یا نہیں، تنخواہ میں دینا و طلباء کو جو کہ یتیم ہیں ان کی تعلیم کے اخراجات کے واسطے دینا جائز ہے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار، کتاب الزکوۃ، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۱۲

الجواب:

تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے، ہاں طلبہ کو تملیک کر سکتے ہیں اگرچہ یتیم نہ ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ سٹی ضلع جودھ پور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ یتیموں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ بچہ اپنی قرابت کا ہے اُس کا وارث کوئی نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یتیم بچّہ خصوصًا جبکہ اپنا قرابت دار ہو زکوٰۃ دینا بہت افضل ہے جبکہ وہ نہ مالدار نہ سید وغیرہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد ہو۔ ہاں بھائی بھانجا ہو تو وہ بشرائط مذکورہ سب سے زیادہ مستحق ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶: از شہر محلّہ مملوک پور مرسلہ جناب سید محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

زرِ زکوٰۃ میں سے اگر یتیموں مساکین کو کھلایا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کپڑا بنا کر ان کو دے کر مالک کر دینا، کھانا پکا کر اُن کے گھر کو بھیج کر قبضہ میں دے کر مالک کر دینا تو حالت موجود پر یہ سِلا ہو کپڑا اور پکا ہوا کھانا بازار کے بھاؤ سے جتنے کا ہے اُس قدر زکوٰۃ میں مجرا ہوگا، سلائی پکوائی وغیرہ مجرا نہ ملے گی اور اگر اپنے یہاں پکا کر دستر خوان پر بٹھلا کر کھلا دیا جس طرح دعوتوں میں ہوتا ہے تو وہ زکوٰۃ نہیں ہو سکتا **لانہا تملیك وھذہ اباحۃ** (کیونکہ زکوٰۃ میں مالک بنانا ہوتا ہے اور اس صورت میں ملکیت نہیں بلکہ اباحت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷ تا ۱۱۸: ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو مکان واسطے یتیموں کے خریدا جائے اس کی بیع میں زکوٰۃ کا روپیہ دینا درست ہے یا نہیں، اور وہ مکان نام یتیم خانہ کے ہو۔

(۲) کہ مضحومہ جو واقعہ جسولی میں کنگھر والوں سے ہوا ہے اس کے صرف میں زکوٰۃ کا روپیہ دیا جائے یا نہیں کیونکہ وہ مذہبی معاملہ قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:

یتیم خانہ کی خریداری میں روپیہ لگا دینے سے زکوٰۃ ہرگز ادا نہ ہوگی **لانہ ان کان وقفا والزکوٰۃ تملیك فلا یجتمعان** (کیونکہ یتیم خانہ اگر وقف ہے اور زکوٰۃ میں تملیک ہوتی ہے للذا ان دونوں کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ت) نہ کسی غنی کو صرف مقدمہ کے لیے دینے سے ادا ہو سکے اگرچہ وہ مقدمہ مذہبی دینی ہو **فان الغنی لیس بمصرف**

(کیونکہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے۔ت) نہ کسی فقیر نہ مسکین کے دینی خواہ دنیوی مقدمہ میں وکیلوں، مختاروں کو دینے یا اور خرچوں میں اٹھانے سے ادا ممکن، جب فقیر کو دے کر اُس کے قبضے کے بعد اُس سے لے کر صرف نہ کیا جائے فان الصدقۃ لا تحصل الا بتملیک مصرفھا ولاتتم الا بقبضۃ (کیونکہ صدقہ تب ادا ہوگا جب کسی مصرف کو مالک بنایا جائے گا اور تملیک کا اتمام قبضہ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ت) پس اگر اس قسم کے معاملات میں اٹھانا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جو شخص شرعاً مصرفِ زکوٰۃ ہے اسے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر اُس کا قبضہ کرادیں پھر وُہ اپنی طرف سے اپنے آپ خواہ اُسے دے کر خریداری یتیم خانہ خواہ کسی دینی مقدمہ امورِ خیر میں لگادے۔ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

فی جمیع ابواب البر کعمارۃ المساجد وبناء القناطیر. الحیلۃ ان یتصدق بمقدار زکوٰۃ علی فقیر ثم یامرہ بالصرف الیٰ ھذہ الوجوہ فیکون للمتصدق ثواب الصدقۃ وللفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرۃ[1] (ملخصًا) واللہ تعالیٰ اعلم۔	تمام امور خیر مثلاً تعمیر مساجد اور پُلوں کی تعمیر وغیرہ میں حیلہ یہ ہے کہ مقدارِ زکوٰۃ فقیر پر صدقہ کی جائے پھر اسے ان امور پر خرچ کرنے کے لیے کہا جائے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لیے صدقہ کا ثواب اور فقیر کے لیے مسجد اور پُل کی تعمیر کا ثواب ہوگا (ملخصًا) واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

سوالِ اوّل بعد سلام کے عرض ہے میرے پاس سوا اس کے جو شوہر کے پاس سے صرف کے لیے آتا ہے اور کوئی آمد نہیں، اور وُہ اتنی ہے کہ گزر بھی مشکل ہوتی ہے عرض ہے کہ ایسی صورت بتائیے کہ جس میں زکوٰۃ بھی ادا ہو اور خرچ کی بھی دقت نہ ہو، یہ بڑی بی کہتی ہیں کہ آپ کے یہاں مجھ کو کچھ روپیہ دئے اور پھر وہ دوآنہ میں مول لئے یا جو خرچ مجھ کو شوہر کے پاس سے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کرکے بچوں کے صرف کی جائے تو کچھ بُرائی تو نہیں؟ یا جو روپیہ والد کے ترکہ کا ملا تھا وہ میرا بچوں کے صرف میں ہوگیا وہ ہوسکتا ہے کہ میں زکوٰۃ میں مجرا کرلوں اس واسطے کہ آپ فرماتے ہیں بچوں کا صَرف باپ کے ذمّہ ہے۔

الجواب:

زیور خود مال ہے اُس میں سے زکوٰۃ ادا کی جائے، شوہر سے جو کچھ خرچ بچوں کے لیے ملتا ہے اُس میں سے زکوٰۃ دینے کا ہرگز اختیار نہیں تمہارے خرچ کو جو کچھ دیتے ہیں اُس میں سے زکوٰۃ دے سکتی ہو، اپنے مال کی زکوٰۃ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ، کتاب الحیل، الفصل الثالث فی مسائل الزکوٰۃ، نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۲

اپنے بچّوں کے صَرف میں نہیں کی جاسکتی، اس سے زکوۃادانہ ہوگی، ماں کا جو کچھ بچّوں کے صَرف میں اُٹھ گیا زکوۃ میں مجرا نہیں ہوسکتا اگرچہ بچوں کا خرچ باپ پر ہے ماں پر نہیں، وہ طریقہ کہ زکوۃ کا مال بہ نیت زکوۃ کسی محتاج کو دے کر مالک کردیا جائے پھراس کی رضامندی سے تھوڑے داموں کواس سے خرید لیں، یہ حیلہ بضرورت صرف ایسی جگہ ہو کہ مثلاً کسی سیّد صاحب کو حاجت ہے مالِ زکوۃ انھیں دے نہیں سکتے اور اپنے پاس زرِ زکوۃ سے زیادہ دینے کی وسعت نہیں تو اس طرح زکوۃ ادا کرکے برضامندی مول لے کر سید صاحب نذر کردیا جائے یا مسجد کی تعمیر یا میّت کے کفن میں لگادیا جائے کہ یہ سب نیتیں اللہ ہی کے لیے ہیں، خرید کر اپنے یا اپنے بچّوں کے صرف میں لانے کی غرض سے یہ حیلہ نہیں کہ اس میں راہِ خدا میں مال خرچ کرکے، پھر جانا پایا جائیگا والعیاذ باللہ تعالٰی، آسان طریقہ جو یہاں ہوسکے یہ ہے کہ آدمی جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی یاجو اپنی اولاد میں ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی اور شوہر وزوجہ ان رشتوں کے سوا اپنی جو عزیز قریب حاجتمند مصرفِ زکوۃ ہیں اپنے مال کی زکوۃ انھیں دے جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، ماموں، خالہ، چچا، پھوپھی کہ انھیں دینے میں دونا ثواب ہے اور نفس پر بار بھی کم ہوگا کہ اپنے سگے بہن بھائی یا بھتیجے بھانجے کادیا ہوا آدمی اپنے کام میں ہی اٹھنا جانتا ہے پھر یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انھیں زکوۃ جتا ہی کردے بلکہ دل میں زکوۃ کی نیت ہوا نھیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کرکے مالک کردے زکوۃ ادا ہوجائیگی، پھر اگر مثلاً اپنے بہن بھائی کو دیا اور اُنھوں نے اُس کے بچوں پر خرچ کی تنگی دیکھ کر اپنی خوشی سے اس کے بچوں پر ہبہ کردیا تو زکوۃ میں کچھ خلل نہ آئے گا نہ مقصود شریعت کے خلاف ہوگا اور دونوں مطلب یعنی ادائے زکوۃ اور بچّوں کے خرچ کی وسعت حاصل ہوجائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۰: از موضع مکہ جبی والا علاقہ جاگل تھانہ پر ہپوڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی محمد شیر صاحب ۱۴ جمادی الاآخر ۱۳۱۴ھ

اپنی دختر یا حقیقی ہمشیرہ کو زکوۃ یا زمین کا عشر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہن کو جائز ہے جبکہ مصرفِ زکوۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں،

فی الدر المختار مصرف الزکوٰۃ والعشر فقیر الخ وفیہ لایصرف الی من بینھما ولاد الخ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ زکوۃ وعشر کا مصرف فقیر ہے الخ اور اسی میں ہے کہ زکوۃ وعشر ایسے لوگوں پر صرف نہ کی جائے جن سے اپنی ولادت کا تعلق ہو الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۱-۱۴۰

مسئلہ ۱۲۱: مرسلہ محمود حسن صاحب شاگرد رشید احمد گنگوہی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارہ میں کہ میری زکوۃ کا روپیہ اپنے والد کو کسی حیلہ سے دے سکتی ہُوں یا نہیں، کیونکہ والد ایسی غربت میں ہیں کہ باہر نکلنے بیٹھنے میں شرم آتی ہے اور وہ ایک آبرو دار آدمی ہیں اور نہ کوئی ایسا آدمی ہے کہ میں اس آدمی کو دے دُوں وُہ اپنی طرف سے بھی والد کو دے اس صورت میں کسی حیلہ سے اپنے والد کو زکوۃ کا پیسہ دے سکتی ہُوں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

باپ کو زکوۃ دینا کسی طرح جائز نہیں، نہ اُس کی دی زکوۃ ادا ہوسکے۔ یہ بات اگر واقعی ہے کہ باپ ایسا ہی حاجتمند ہے اور سائلہ میں یہ طاقت نہیں کہ زکوۃ بھی دے اور باپ کی بھی خدمت کرے اور ایسا اطمینان کا شخص کوئی نہیں پاتی کہ اسے زکوۃ دے اور وُہ اپنی طرف سے اُس کے باپ کو دیں تو اس کا یہ طریقہ ممکن ہے کہ مثلاً دس روپیہ زکوۃ کے دینے ہیں اور چاہتی ہے کہ یہ روپیہ اُس کے باپ کو پہنچے تو کسی فقیر مصرف زکوۃ کے ہاتھ مثلاً دس سیر یا پانسیر گیہوں دس روپیہ کو بیچے اور اسے سمجھا دے کہ زر ثمن ادا کرنے کی تمھیں دقت نہ ہوگی ہم زکوۃ دیں گے اسی سے ادا کر دینا، جب وُہ بیع قبول کرے گیہوں اس کو دے دے اب اُس کے دس درہم بابت ثمن گندم اُس پر قرض ہوگئے اُس کے بعد اسے دس روپیہ زکوۃ میں دے کر قبضہ کرادے زکوۃ ادا ہوگئی پھر گیہوں کی قیمت میں روپے واپس لے وہ یوں نہ دے تو جبراً لے سکتی ہے کہ وہ اس کا مدیون ہے اب یہ روپیہ اپنے باپ کو دے دے۔ درمختار میں ہے:

حیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکٰوتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولوامتنع المدیون مدیّدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ فان مانعہ رفعہ للقاضی۔[1]	حیلہ جواز یہ ہے کہ اپنے مقروض فقیر کو زکوۃ دی جائے پھر قرض کے عوض اس سے وہ رقم واپس لے لی جائے اگر مقروض نہ مانے تو اس سے چھین لی جائے کیونکہ یہ اپنے مال کے حصول پر قدرت کی صورت ہے، اگر اس میں بھی رکاوٹ بنے تو معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے۔ (ت)

مگر اس کا لحاظ لازم ہے کہ محتاج باپ کا نفقہ اُس کی سب غنی اولاد پر لازم ہے، بیٹا بیٹی سب پر برابر، تو اگر تنہا یہی اس کی اولاد ہے تو اس پر اس کا کل خرچ کھانے پہننے رہنے کے مکان کا لازم ہے، اور اگر اور بھی ہیں تو

[1] درمختار، کتاب الزکوۃ، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۳۰

حصّہ رسد، اور زکوۃ بھی اللہ عزوجل کا غنی پر فرض ہے حیلہ کرکے دو ۲ واجبوں میں ایک کو ساقط نہ کرے، اللہ عزّوجل دلوں کی نیت جانتا ہے، ہاں حقیقۃً قدرت نہ ہو تو حیلہ مذکورہ عمدہ وسیلہ ہے جس سے دونوں واجب ادا ہوسکیں۔ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ[1] (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: مرسلہ مولوی نیاز محمد خاں بدایونی وارد حال مانوگاچہ ملک پیراک ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

فطرہ کا پیسہ کون کون سے کام میں صرف ہوسکتا ہے اور کس کس شخص کو دیا جاسکتا ہے؟

الجواب:

فطرہ کے مصارف بعینہٖ مصارفِ زکوۃ ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳: از بریلی محلّہ کانکر ٹولہ متصل مسجد خورد مرسلہ جناب الطاف علی صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنی والدہ اور ہمشیرہ کو باوجود بیوہ اور یتیم ہونے کے کچھ نہ دے اور وہ تکالیف اٹھاتی ہوں اس حالت میں اگر زید صاحبِ نصاب ہو اور زکوۃ صدقہ ادا کرے تو وہ قبول ہوگا یا نہیں؟ اور زید کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زید کی ماں اگر کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی تو اس کا نفقہ زید پر فرض ہے یُوں ہی یتیم بہن کہ جس کی شادی نہ ہوئی ہو، نہ اس کے پاس کچھ مال ہو، ان کو نہ دینے سے اس پر گناہِ عظیم ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت۔[2]	آدمی کے گناہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وُہ ایسے لوگوں کو محروم رکھے جن کا خرچہ اس کے ذمہ ہو۔ (ت)

رہی زکوۃ، وہ ماں کو نہیں دے سکتا بہن کو دے اور ماں کی خدمت اپنے پاس سے کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کاٹھیاواڑ مولوی سیف اللہ صاحب پیش امام حبت پور ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام وفضلائے عظام دامت علینا برکاتہم اس مسئلہ میں کہ بضرورت

---

[1] القرآن ۲/۲۲۰

[2] سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی صلۃ الرحم، آفتاب عالم پریس لاہور، ۱/۲۳۸، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دار الفکر بیروت ۲/۱۹۵، ۱۹۴، ۱۶۰

زکوۃ کا روپیہ کوئی مسلمان قبضہ کرکے جو خود بھی مستحقِ زکوۃ ہو توسیعِ مسجد میں صرف کرے تو جائز ہے یا کس صورت سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زکوۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوۃ مصرف زکوۃ کو دے کر اس کی تملیک کردی تو اب اُسے اختیار ہے جہاں چاہے صرف کرے کہ زکوۃ اس کی تملیک سے ادا ہو گئی، یُوں ہی اگر مزکی نے زرِ زکوۃ اسے دیا اور ماذون مطلق کیا کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگا دیا تو یہ بھی صحیح وجائز ہے، یونہی اگر مزکی نے زرِ زکوۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعد اطلاع اس کا لینا جائز کردیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صَرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے، اور اگر فقیر نے بطور خود قبضہ کرلیا اور مالک نے اُسے جائز نہ کیا یا بعد اس کے کہ یہ مسجد میں لگا چکا، جائز کیا، تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ یونہی اگر مالک نے اسے روپیہ دیا اور وکیل کیا کہ میری طرف سے کسی فقیر کو دے دو یہ بھی فقیر ہے خود لے لیا اور مسجد میں لگا دیا تو اب بھی زکوۃ ادا نہ ہوئی اگرچہ اسے ماذون مطلق کیا ہو کہ تملیک نہ پائی گئی اور اس پر روپے کا تاوان آئے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از مقام ترسائی کاٹھیاواڑ مرسلہ احمد داؤد صاحب یکم جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

فی زمانہ سیّدوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں، فاقوں تک بعض کی نوبت پہنچی ہے، ایسی صورت میں زکوۃ لینا یا بغیر اس عذر کے بھی زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سیّد کو زکوۃ لینا دینا حرام ہے اور اسے دئے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، اور فاقوں پر نوبت اگر اس بنا پر ہو کہ نوکری یا مزدوری پر قدرت ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو یہ فاقہ بھی عذر نہیں ہوسکتا کہ یہ اپنے ہاتھ کا ہے کیوں نہیں کسبِ حلال کرتا، اور اگر واقعی کسب پر قادر نہیں تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کی اعانت کریں، اور اگر لوگ بے پروائی کریں اور اُسے کوئی ذریعہ رزق کا سوا زکوۃ لینے کے نہ ہو تو بقدر ضرورت لے اور قدر ضرورت میں صرف کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: از مرزا پور سول لائن بنگلہ مولوی محب اللہ صاحب ڈپٹی کلکٹر مرسلہ محمد عبدالقادر صاحب بدایونی ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کو صدقہ دیا، بکر کو علم ہے کہ صدقہ ہے، ایسی صورت میں بکر اُس مال کو سیّد کو دے سکتا ہے یا نہیں، اور وُہ مال بکر کی ملکیت ہے یا زید کی، جبکہ زید بکر کو دے چکا۔

الجواب:

جب زید نے بکر کو مال صدقہ میں دیا اور بکر قابض ہوگیا اور وہ محل صدقہ تھا یا نہ تھا اور زید جانتا تھا کہ بکر محلِ صدقہ نہیں غنی جان کر صدقہ دیا تو دونوں صورتوں میں بکر مالک ہوگیا،

فقد نص العلماء کما فی ردالمحتار وغیرہ ان الصدقۃ علی الغنی لھا اجروان کان دون اجر الصدقۃ علی الفقیر۔[1]	ردالمحتار وغیرہ میں علماء سے تصریح ہے کہ غنی پر صدقہ کا بھی اجر ہے مگر اس اجر سے یہ اجر کم ہوگا جو فقیر پر صدقہ سے حاصل ہوتا ہے۔(ت)

اور جب وہ مالک ہوگیا اور اپنی طرف سے سیّد کو نذر کرے نہ بطور صدقہ زکوۃ بلکہ بطور ہدیہ وہبہ تو سیّد کو اس کا لینا جائز ہے اگرچہ بکر کو زکوۃ ہی دی گئی ہو،

قال علیہ الصلوۃ والسلام ف لك صدقۃ ولنا ھدیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۷: مسئولہ محمد عمر جوان المعروف بہ قادری سکنہ موضع باسنی پرگنہ ناگوار مارواڑ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

الحمد للہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ والسلام علٰی سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین،

امّا بعد! کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ضلع مارواڑ تحت حکومت ناگوار میں ایک قصبہ ہے معروف بہ باسنی جہاں تخمیناً نو صد گھر مسلمانوں کے ہیں اور بفضلہٖ سب صغیر وکبیر برنا وپیر صوم صلوٰۃ کے اس حد تک پابند ہیں کہ سفر وحضر، صحت سقم، رنج وراحت غرضکہ ہر حالت میں نماز گزار اور پابندِ صلوٰۃ ہیں۔ قصبہ بھر میں شاذ ونادر کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو نماز نہ پڑھتا ہو، اما بوجہ نہ ہونے علم کے احکامِ شرعیہ ومسائلِ ضروریہ سے محض نابلد ہیں، جہالت کی اس قدر گرم بازاری ہے کہ آباواجداد کی رسوم کو کافی ووافی سمجھ کر مسائل شرعیہ سے (نہ بوجہ تعصب کے بلکہ بباعث نہ ہونے علم کے) یک لخت گریز ہے حق وباطل میں امتیاز ہو نہیں سکتا لیکن باوجود اس بات کے بھی اگر حُسنِ اتفاق سے کوئی عالم آجائے تو اس کے وعظ میں بیٹھ کر تحصیل فیضان کرتے ہیں، افعالِ بد پر متنبّہ ہونے کے بعد توبہ استغفار بھی کرتے ہیں اور کسی مسائل گو کی بات پر چنداں چُون وچرا بھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اباحۃ الھدیۃ للنبی صلے اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۵

ف: صحیح مسلم میں الفاظ یُوں ہیں: ھو لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ نذیر احمد سعیدی)

نہیں کرتے مگر چونکہ قصبہ نراکانراہی علم سے معرّا ہے، کوئی وجود ایسا نہیں جو اس کی اصلاح ودرستی کرسکے، آخر قصبہ کے چند سربرآوردہ و دُور اندیش اصحاب نے سوچا اگر قصبہ میں ایک اسلامی مدرسہ کھول دیا جائے جس کے ذریعہ ایسے وجود و نفوس علمائے اسلام کہ قصبہ میں آرہیں جو علاوہ وعظ گوئی کے مدرسہ میں علمِ تجوید و تفسیر وحدیث وفقہ واصول ومعانی کا طلبہ کو درس بھی دیتے رہیں تو البتّہ قصبہ کی اصلاح حسبِ دلخواہ ممکن ہے، آخر انھیں حضرات مذکور الصدر کی سعی بلیغ سے مدرسہ کی عمارت تیار ہو کر سلسلہ تعلیم بھی شروع کردیا گیا اور گاؤں کی اصلاح بھی روبہ ترقی ہے اور امید ہے کہ مدرسہ اگر قائم رہ گیا پوری درستی ہوجائیگی مگر چونکہ اتنے بڑے قصبہ کے طلباء صغار وکبار جو تخمیناً پانسو ہیں ان کی تعلیم کے لیے کم از کم دس مدرسین درکار ہیں، اور یہ انتظام بھی کرلیا گیا کہ جمیع طلباء داخل مدرسہ کرکے مدرسین بھی مقرر کرلیے مگر مصارف مدرسہ رقومِ زکوٰۃ سے متعلق ہیں، اب ہمیں تشویش ہے کہ زکوٰۃ کس حیلہ سے مصارفِ مدرسہ میں مثل مشاہرات مدرسین فرش وفروش وتیل وچراغ ونیز مثل اس کے ضروریاتِ مدرسہ میں خرچ ہوسکتے ہیں، آیا اس پر کوئی مفلس آدمی امین مقرر ہو کہ جس کے پاس سے حساب وغیرہ نہ لیا جائے یا اور حیلہ ہوسکتا ہے یا امین کے مزید شرائط ہوں غرضکہ مذہب حنفیّہ میں کوئی ایسا پہلو نکل آئے کہ جس سے مصارف مدرسہ میں جائز ہونے کا کوئی حیلہ نکل آیا جب تو مدرسہ کی بقا کی امید قصبہ کی اصلاح کی صورت ہے ورنہ بدون ان رقوم کے اہلِ قصبہ میں اتنی وسعت نہیں کہ سوا زکوٰۃ کے اخراجاتِ مدرسہ کو اٹھا سکیں کیونکہ صاحبِ نصاب تو چند ہی ہوں گے باقی سب مسکین، اور اپنا نان ونفقہ قوتِ ضروری پیدا کرکے کھانے والے ہیں لیکن مسکین ومتمول سب بالاتفاق مدرسہ میں امداد دہی کے لیے حاضر ہیں کسی کو اختلاف نہیں، جواب مدلل بدلائل قاطعہ وبراہینِ ساطعہ مطابق مذہب حنفیّہ مع صفحاتِ کتب ارقام ہو۔ بینوا توجروا

الجواب:

زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میّت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہوسکتی۔ مدرسہ علمِ دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین [3] حیلے ہیں:

[1] ایک یہ متولیِ مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ دے اور اُسے مطلع کردے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے۔ اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کردے یا اُن کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو، نہ کسی کام کی اُجرت۔

[2] دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وُہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسہ کی نذر کردے۔

[3] تیسرے یہ کہ مثلاً سَو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسہ علمِ دین کی ان سے مدد کرے تو

مثلاً دس ۱۰ سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سَو روپے کو بیچے اور اسے مطلع کردے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمھیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وُہ قبول کرلے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کردے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وُہ روپے اس سے لے لے، اگر وُہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے، اب یہ روپے مدرسہ میں دے، ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صرف ہوسکتا ہے والمسئلۃ فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر (اس مسئلہ کی تفصیل در اور دیگر معتبر کتب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

الزّھر الباسم فی حُرمۃ الزکوٰۃ علٰی بنی ھاشم ۱۳۰۷ھ

(بنی ہاشم پر زکوٰۃ کی حُرمت کے بارے میں کِھلاہُوا شگوفہ)

مسئلہ ۱۲۸: مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب مدرس اوّل عربیہ اکبریہ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقہ واجبہ دینا بجہت سقوط خمس الخمس جائز ہے یا نہیں؟

کفایہ میں ہے:

قولہ ولا یدفع الٰی بنی ہاشم وفی شرح الاثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لا باس بالصدقات کلھا علی بنی ھاشم والحرمۃ فی عھد النبی علیہ الصلوٰۃ و السلام للعوض وھو خمس الخمس، فلما سقط ذٰلك بموتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حلت لھم الصدقۃ وفی النتف	قولہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے، شرح الاثار للطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بنو ہاشم پر تمام صدقات کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ حضور علیہ السلام کی ظاہری حیات میں خمس الخمس کی وجہ سے حرام تھے، جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کی وجہ سے خمس الخمس ساقط ہوگیا توان کے صدقات حلال ٹھہرے اور النتف میں ہے

یجوز الصرف الیٰ بنی ہاشم فی قوله خلافا لهما، وفی شرح الاٰثار ،الصدقة المفروضة والتطوع محرمة علی بنی هاشم فی قولهما وعن ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالیٰ روایتان فیها قال الطحاوی رحمه اللّٰه تعالیٰ وبالجواز ناخذ انتهی۔[1] بینوا توجروا	کہ امام صاحب کے نزدیک صدقات کو بنی ہاشم پر خرچ کیا جاسکتا ہے مگر صاحبین کو اس میں اختلاف ہے۔ شرح الآثار میں ہے کہ صاحبین کے قول کے مطابق فرض و نفل صدقہ بنو ہاشم پر ناجائز ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں دو ۲ روایات ہیں، امام طحاوی نے فرمایا کہ ہم جواز پر عمل کریں گے انتہی۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد اَلھِم الصواب (اے اللہ! حمد تیرے ہی لیے ہے، اے اللہ! درستگی عطافرما۔ت) بنی ہاشم کو زکوۃ و صدقات واجبات دینا زنہار جائز نہیں، نہ انھیں لینا حلال۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزّت و کرامت ہے کہ زکوۃ مال کا مَیل ہے اور مثل سائر صدقاتِ واجبہ غاسل ذنوب، تو ان کا حال مثل ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھو کر لایا اُن پاک لطیف سُتھرے لطیف اہلبیت طیب و طہارت کی شان اس سے بس ارفع و اعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں، خود احادیثِ صحیحہ میں اس علّت کی تصریح فرمائی،

احمد ومسلم عن المطلب بن ربیعة عن الحارث رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالی علیه وسلم ان الصدقة لا تنبغی لاٰل محمد انما هی اوساخ الناس،[2] الطبرانی عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما انه لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شئی ولا غسالة الایدی،[3] هذا مختصرا، لطحاوی	مسند احمد اور مسلم میں ہے کہ مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ آلِ محمد کیلئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مال) کی مَیل ہے۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اے اہلبیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شئے حلال نہیں اور نہ ہی لوگوں کے ہاتھوں کی مَیل، یہ مختصراً ہے، طحاوی میں حضرت علی

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر، باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ ومن لایجوز، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۱۱تا۲۱۳

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب تحریم الزکوۃ علی رسول اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۴

[3] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/۲۱۷

اعن علی کرم اللہ تعالٰی عنہ قال قلت للعباس سل النبی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یستعملك علی الصدقات فسأله فقال ما کنت لا ستعملك علی غسالة ذنوب الناس۔[1]	کرم اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عباس سے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے گزارش کرو تاکہ تمھیں آپ صدقات کے لیے عامل مقرر فرمادیں تو حضرت عباس نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا: میں تجھے لوگوں کے گناہوں کی مَیل پر عامل نہیں بناسکتا۔ (ت)

اسی طرح کلماتِ علماء میں اس تعلیل کی بکثرت تصریحیں ہیں، رہا خمس الخمس **اقول: وباللہ التوفیق** اس کی تقریر، تحریم صدقات سے ناشی تھی نہ کہ تحریم صدقات اس کی تقریر پر مبتنی ہو،

فان اللہ تعالٰی لما حرم علیهم الصدقات رزقهم خمس الخمس لان اللہ تعالٰی لما رزقهم ذٰلك حرم علیهم الصدقات حتی لولم یسهم لهم ذلك لم یحرم علیهم غسالة السیأت وهل من دلیل علی ذلك بل الدلیل ناطق بخلافه وبعد تحریری هذاالمحل وجدت بحمد اللہ نصاعن الامام المجتهد التابعی مجاهد رحمه اللہ تعالٰی ان تقریر خمس الخمس مبتن علی تحریم الصدقة فقد روی ابن ابی شیبة والطبرانی عن خصیف ف عن مجاهد قال کان اٰل محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتحل لهم الصدقة فجعل لهم خمس الخمس اھ[2]۔	کیونکہ اللہ تعالٰی نے بنو ہاشم پر صدقات حرام فرمائے تو ان کے لیے خمس الخمس کو رزق کا ذریعہ بنایا، نہ یہ کہ جب خمس الخمس انھیں عطا فرمایا تو ان پر صدقات حرام فرمادئے حتی کہ اگر ان کے لیے یہ حصّہ نہ ہوتا تو ان پر گناہوں کی مَیل حرام نہ ہوتی اور اس پر کوئی دلیل ہے؟ بلکہ اس کے خلاف دلیل ناطق ہے۔ فقیر نے جب یہ اس مقام پر لکھا تو پھر بحمد اللہ مجتہد تابعی امام مجاہد رحمہ اللہ تعالٰی سے میں نے یہ تصریح پائی کہ خمس الخمس کا اثبات تحریم صدقہ کی بناپر ہے، محدّث ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے خصیف سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ حلال نہ تھا لہٰذا ان کے لیے خمس الخمس رکھا گیا اھ (ت)

اور سقوط عوض سے رجوع معوض وہیں ہے جہاں زوال معوض حصول عوض پر موقوف ہو،

کما فی البیع اذا سلم المشتری الثمن وهلك المبیع فی ید البائع رجع بالثمن	جیسا کہ بیع میں ہے جب مشتری رقم سپرد کردے اور مبیع، بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو مشتری ثمن واپس

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۲

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزکٰوۃ، من قال لاتحل الصدقۃ علی بنی ہاشم، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳/ ۲۱۵

ف: ابن ابی شیبہ میں بطریق حصین عن مجاہد مروی ہے وفی ن خصیف انظر حاشیۃ مصنف ابن ابی شیبۃ صفحہ مذکورہ بالا۔ نذیر احمد سعیدی)

لان زوال الحق عن الثمن کان موقوفا علی حصول المبیع فاذالم یسلم المبیع عادالحق فی الثمن۔	لے سکتا ہے کیونکہ ثمن سے حق کا زوال، حصول مبیع پر موقوف تھا تو جب بائع نے مبیع سپرد نہ کیا تو حقِ ثمن لوٹ آئے گا۔(ت)

بخلاف اس کے کہ زوال معوض کسی اور علّت سے معلل ہو تو جب تک وُہ علّت باقی رہے گی زوال معوض بیشک رہے گا اگرچہ حصول عوض ہو یا عوض ہی ساقط ہوجائے۔

والالزم تخلف المعلول عن علته وذٰلك کا لمریض سقطت عنه فرضیة الوضوء لعلة الضر روعوض عنها بفرض التیمم. فان سقط التیمم ایضا لعدم وجدان الصعید الطیب مثلا لا تعود فرضیة الوضوء قطعا لبقاء الضرر المقتضی لسقو طها فاذن یسقطان جمیعا کذا ھذا۔	ورنہ معلول کاعلّت سے تخلّف لازم آئے گااور یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی مریض جس سے کسی ضرر کی بناء پر فرضیتِ وضو ساقط تھی اوراس کے عوض تیمّم تھااب اگرپاک مٹّی نہ ہونے کی وجہ سے تیمّم بھی ساقط ہوجاتا ہے توفرضیتِ وضو قطعًالوٹ کر نہیں آئے گی اس ضرر کے باقی ہونے کی وجہ سے جس سے وُہ ساقط ہوتی تھی تواب دونوں(وضواور تیمّم)کااجتماعی طورپر سقوط ہوجائیگا،اسی طرح یہاں ہے(ت)

ثمّ اقول: (پھر میں کہتاہوں۔ت) یہ جواب ہی اس وقت ہے جبکہ ہمیں خمس الخمس کا بایں معنی عوض صدقات ہونا مسلّم ہو کہ اگر تحریم صدقات نہ ہوتی تقریر خمس الخمس عمل میں نہ آتی اور یہ بے شک محلِ کلام ہے نہ اس پر کوئی دلیل قائم، ہم کہہ سکتے ہیں کہ تحریمِ صدقہ و تقریر سہم دونوں مستقل کرامتیں ہیں کہ حق عزمجدہ نے اہلبیت کرام کو عطافرمائیں، اور لفظ، تعویض اوّل تو کسی حدیثِ ثابت سے اس وقت فقیر کے خیال میں نہیں **وما فی کتب الفقه عوضکم منها بخمس الخمس فغیر معروف کما صرح المخرجون** (یہ جو کتبِ فقہ میں ہے کہ صدقہ کے عوض خمس الخمس ہے تو یہ غیر معروف ہے جیساکہ اصحابِ تخریج نے تصریح کی ہے۔ت) اور ہو بھی تو کھلا ہوا محاورہ دائرہ سائرہ ہے کہ ایک شیئ جاکر جو دوسری ملتی ہے اسے اس کا عوض کہتے ہیں اگرچہ اُن میں ایک کا حصول دوسرے کے زوال پر موقوف ہو نہ ایک کازوال دوسرے کے حصول کو مستلزم،

کما ان من مات له ولد ثم ولد اٰخر احسن منه یقال له نعم البدل وکما ان من طلق امرأة یدعو ربه ان ابدلنی خیرا منها مع	جیساکہ کسی شخص کاایک بیٹافوت ہوگیا ہو پھر اس سے اچھادوسرا بیٹا پیدا ہو تو اسے نعم البدل کہا جاتا ہے ___اور جس طرح کوئی شخص عورت کو طلاق دیتاہےاوراپنے رب سے دُعا کرتا ہے کہ

ان الوالدین و المرأتین کان یمکن ان یجتمعا والعوض والمعوض لایجتمعان۔	مجھے اس کے بدلے بہتر بیوی عطا فرما، باوجودیکہ دونوں بیٹوں اور دونوں بیویوں کا اجتماع ممکن ہے حالانکہ عوض اور معوض دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ (ت)

تو ہمیں ہر گز مسلّم نہیں کہ یہاں معاوضت عرفیہ کے سوا معاوضت مصطلحہ مراد ہو جس کی بنا پر ایک سقوط سے دوسرے کا عود چاہیں ^{عہ}۔ لاجرم ظاہر الروایۃ میں ہمارے ائمہ ثلٰثہ بالاجماع بنی ہاشم پر تحریم صدقات فرماتے ہیں کافہ متون علی الاطلاق اسی پر ماشی اور اجلّہ محققین اہل شروح و فتاوٰی وار باب تصحیح و فتوی مثل امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ و امام فقیہ النفس قاضیخان وامام طاہر صاحبِ خلاصہ وامام نسفی صاحبِ کافی وغیرہم رحمہ اللہ تعالٰی علیہم بے اشعار خلاف اس پر جازم کہ مسئلہ میں کوئی روایتِ مرجوحہ مخالفہ آنے کی بو بھی نہیں دیتے قابلِ التفات سمجھنا تو درکنار اور جن بعض نے اس کا ذکر کیا ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ مذہب کے خلاف اور ظاہر الروایۃ سے جدا ہے جس کے حاکی فقط نوح جامع ہیں، ۱محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

لاترفع الی بنی ہاشم ھذا ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز فی ھذا الزمان۔[1]	بنو ہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔ اور ابو عصمۃ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اِس دور میں جائز ہے۔ (ت)

۲مجمع الانہر میں ہے:

لاتدفع الٰی ھاشمی وھو ظاہر الروایۃ وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز فی زمانہ اھ[2] ملخصاً۔	بنو ہاشم کو زکوٰۃ کا عدمِ جواز ظاہر الروایہ میں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے اس دَور میں جواز کی روایت بھی ہے اھ ملخصًا (ت)

۳شیخ محقق دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

عدمِ جواز دفع زکٰوۃ بہ بنی ہاشم ظاہر روایت است و	بنو ہاشم کو زکوٰۃ کا عدمِ جواز ظاہر الروایۃ ہے اور

عــہ: حاصل یہ کہ اوّلاً معاوضت مصطلحہ مراد ہونا محل کلام ہے اور اثبات، ذمہ مستدلین، ثانیًا عوضین میں مانعۃ الجمع ہونا ضرور ہے نہ منفصلہ حقیقیہ کو منع خلو بھی لازم ہو اور تمام استدلال اسی پر موقوف، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ غفرلہ (م)

---

1 فتح القدیر، فصل من یجوز دفع الصدقۃ الیہ و من لایجوز الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۱۱

2 مجمع الانہر باب فی بیان احکام المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۴

در روایتے از امام ابی حنیفہ جائز ست دریں زمان۔[1]	امام ابو حنیفہ سے ایک روایت میں اس زمانہ میں جائز ہے۔(ت)

در مختار میں ہے: ظاہر المذہب اطلاق المنع[2] (ظاہر مذہب ہر حال میں منع ہے۔ت) ردالمحتار وطحطاوی حاشیہ در مختار و حاشیہ مراقی الفلاح میں ہے وروی ابو عصمۃ عن الامام انہ یجوز[3] (شیخ ابو عصمۃ نے امام صاحب سے نقل کیا کہ بنو ہاشم کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ت) ذخیرۃ العقبٰی حاشیہ شرح وقایہ میں ہے:

روی عن الامام الاعظم جواز دفع الزکوٰۃ الی الھاشمی فی زمانہ۔[4]	امام اعظم سے روایت ہے کہ ہمارے دور میں ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔(ت)

شرح نقایہ برجندی میں فتاوٰی عتابی سے ہے: عن ابی حنیفۃ انہ یجوز[5] (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ ہاشمی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ت)

اقول: فلا علیك مما فی قول النتف المنقول فی السوال من الایھام۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) النتف میں جو کچھ منقول ہے اس سے وہم نہیں ہونا چاہئے۔(ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارے ائمہ کا قول نہیں بلکہ مرجوع عنہ ہے اور مرجوع عنہ پر عمل ناجائز۔ امام خیر الدین رملی عالم فلسطین اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

ھذا ھو المذھب الذی لا یعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ، وما خرج عن ظاہر الروایۃ، وما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قررہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین	یہ وُہ مذہب ہے جس کے غیر کی طرف عدول جائز نہیں، اس کے علاوہ دیگر روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہے، اور جو ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے کیونکہ اصول میں مسلّمہ ہے کہ کسی مجتہد سے دو[2] مختلف مساوی اقوال صادر نہیں ہو سکتے لہٰذا مرجوع عنہ

[1] اشعۃ اللمعات، کتاب الزکوۃ باب لاتحل لہ الصدقۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲/ ۲۵
[2] در مختار، باب المصرف، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۱۴۱
[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب المصرف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۲۸
[4] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح وقایہ، کتاب الزکوۃ باب المصارف منشی نولکشور کانپور، ۱/ ۱۳۸
[5] شرح النقایۃ للبرجندی فصل فی مصارف الزکوۃ منشی نولکشور کانپور ۱/ ۲۰۷

مختلفین متساویین من مجتهد والمرجوع عنه لم یبق قولاله کما ذکروه وحیث علم ان القول هو الذی تواردت علیه المتون فهو المعتمد المعمول به الخ[1]	مجتہد کا قول نہیں رہے گا، جیسا کہ علماء نے تصریح کی ہے اور جب علم ہو جائے کہ فلاں قول متون میں برابر نقل ہو رہا ہے تو وہی معتمد، اور اسی پر عمل کیا جائے گا الخ (ت)

اسی طرح بحر الرائق کی کتاب القضامیں ہے در مختار میں ہے:

المجتهد اذا رجع عن قول لا یجوز الاخذ به۔[2]	جب مجتہد کسی قول سے رجوع کرے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں رہتا۔ (ت)

یوں ہی بحر کی کتاب الطہارۃ میں لکھ کر فرمایا: **کما صرح به فی التوشیح**[3] (جیسا کہ توشیح میں اس پر تصریح ہے۔ت) اب نہ رہا مگر امام اجل سیدی ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا بہ ناخذ (ہمارا اس پر عمل ہے) فرمانا **اقول: وباللّٰه التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اگر مان بھی لیا جائے کہ امام طحاوی اسی روایتِ شاذہ کو اختیار فرماتے ہیں تاہم معلوم ہے کہ اُن کے لیے بعض اختیارات مفردہ ہیں کہ بترک مذہب ان پر عمل کے کوئی معنی نہیں ان کی جلالتِ شان بیشک مسلّم مگر عظمت قاہرہ اصل مذہب چیزے دیگر ست، پھر اطباقِ احادیث پھر اتفاق متون پھر احقاق جماہیر ائمہ ترجیح وفتیا ایسی شیئ نہیں جس کا پلّہ اختیار مفرد امام طحاوی کے باعث گر سکے آخر ائمہ کرام نے ان کا **به ناخذ** (ہمارا اسی پر عمل ہے۔ت) فرمانا دیکھا، پھر کیا باعث کہ اصلاً اُدھر التفات نہ فرمایا، غرض خادم فقہ جانتا ہے کہ ایسی روایت مرجوحہ مجروحہ جو نہ روایۃ معتمد نہ درایۃ مؤید، صرف ایک اختیار کی بنا پر جسے جمیع متون وسائر مرجحین نے مقبول نہ رکھا ہر گز صالح تعویل نہیں ہو سکتی، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ امام طحاوی کا روایتِ جواز کو اختیار فرمانا تسلیم کرلیں ورنہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اگر کلام امام طحاوی کی طرف بنظرِ غائر عطف عنان ہو تو اِن **شاء اللّٰه تعالٰی** سپیدہ صبح کی طرح ظاہر وعیاں ہو کہ وہ قطعاً ظاہر الروایۃ ہی کو **به ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمارہے ہیں اگرچہ یہ وُہ نئی بات ہے جسے سُن کر بہت علمائے زمانہ سخت تعجب فرمائیں گے کہ [۱]کفایہ و [۲]شرح نقایہ قہستانی و [۳]مراقی الفلاح و [۴]غمز العیون و [۵]در منتقی و [۶]مجمع الانہر و [۷]حاشیہ طحطاوی و [۸]عقود دریہ وغیرہا متعدد کتابوں میں امام طحاوی کی طرف اختیار جواز کی نسبت مصرح، مگر کیا کیجئے کہ اتباع نظر

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] در مختار، فصل فی البئر، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۴۱

[3] بحر الرائق کتاب الطہارت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۸

خواہی نخواہی فقیر کو ایضاح حقیقۃ الامر پر مجبور کرتا ہے **فاستمع لما یتلی علیک** (کی جانے والی گفتگو کو اچھی طرح ملاحظہ کیجئے۔ت) امام اجل طحاوی نے اپنی کتاب مستطاب شرح معانی الآثار کی کتاب الزکوۃ میں پہلا باب لاصدقۃ علی بنی ہاشم وضع فرمایا اور اس میں ایک حدیث نقل کرکے ارشاد کیا کچھ لوگ اس کی بناء پر بنی ہاشم کے لیے صدقہ جائز رکھتے ہیں پھر اُن کے تمسک کا جواب شافی دیا پھر حدیثِ فدک سے اُن کا استناد ذکر کرکے اُس کا بھی جواب کافی تحریر کیا پھر فرمایا:

قد جاءت ھذہ الاٰثار عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متواترۃ بتحریم الصدقۃ علیٰ بنی ھاشم۔[1]	ان آثار کے بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر طور پر احادیث سے ثابت ہے کہ بنو ہاشم پر صدقہ حرام ہے۔(ت)

پھر احادیث امام حسن مجتبیٰ وعبداللہ بن عباس وعبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث و سلمان فارسی وابو رافع وہرمز یا کیسان ورشید بن مالک وابی لیلیٰ وبریدہ اسلمی وانس بن مالک ودو حدیث ابی ہریرہ ودو حدیث معٰویہ بن حیدہ قشیری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین چودہ حدیثیں حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے باسانید کثیر روایت کرکے فرمایا:

فھذہ الاٰثار کلھا قد جاءت بتحریم الصدقۃ علی بنی ھاشم لانعلم شیأ نسخھا ولا عارضھا الاما قد ذکرناہ فی ھذاالباب مما لیس فیہ دلیل علیٰ مخالفتھا۔[2]	یہ تمام آثار بنو ہاشم پر صدقہ کی حرمت پر شاہد ہیں، ہمیں ان کے منسوخ ہونے یا انکے مقابل روایات کا علم نہیں مگر جو کچھ ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے وُہ کوئی ایسی دلیل نہیں جو ان آثار کی مخالفت پر ہو۔(ت)

پھر حدیثاً وفقہاً اس مذہب کو مدلّل کیا کہ زکوۃ توزکوۃ صدقہ نافلہ بھی بنی ہاشم پر حرام ہے اُن کے فقراء بعینہٖ حکمِ اغنیاء رکھتے ہیں، جو غنی کے لیے جائز ہے انھیں بھی مباح ہے اور جو غنی کو حلال نہیں اُنھیں بھی روا نہیں، پھر فرمایا:

ھذا ھو النظر فی ھذاالباب وھو قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالیٰ۔[3]	اس باب میں یہی دلیل ہے اور یہی امام ابو حنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے(ت)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۴۹

[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۲

[3] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۲

اس کے بعد اس روایت کایوں ذکر فرمایا کہ:

قد اختلف ابی حنیفة رحمه اللہ تعالٰی فی ذٰلك فروی انه قال لا باس بالصدقات کلها علٰی بن ھاشم وذھب فی ذٰلك عندنا الی ان الصدقات انما کانت حرمت علیھم من اجل ماجعل لھم فی ا لخمس من سھم ذوی القربٰی فلما انقطع ذلك عنھم ورجع الٰی غیرہم بموت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حل لھم بذٰلك ما قد کان محرما علیھم من اجل ماقد کان احل لھم وقد حدثنی سلیمان بن شعیب عن ابیه عن محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفة فی ذٰلك مثل قول ابی یوسف فبھٰذا ناخذ۔[1]	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مختلف روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ بنو ہاشم پر تمام صدقات خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس میں ہمارے ہاں دلیل یہ ہے کہ صدقات بنی ہاشم پر حرام ہونے کی وجہ یہ تھی کہ خمس کے ذوی القربٰی کے حصہ میں سے پانچوں حصہ ان کا ہوتا تھا، رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب ان کا وہ حصہ منقطع ہو کر غیر کی طرف چلاگیا تواب ان کے لیے وُہ حلال ہوجائے گا جو ان پر حرام ہُوا تھا اس وجہ سے کہ ان پر خمس حلال تھا، مجھے حدیث بیان کی سلیمان بن شعیب نے اپنے والد سے انھوں نے محمد سے انھوں نے ابویوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ سے اس سلسلہ میں ابویوسف کے قول کے مطابق نقل کیا ہے پس اس کے ساتھ ہی ہمارا عمل ہے۔ (ت)

پھر فرمایا:

فان قال قائل افتکرھھا علی موالیھم قلت نعم لحدیث ابی رافع ن الذی قد ذکرنا ہ فی ھذا الباب وقد قال ذٰلك ابو یوسف رحمه اللہ تعالٰی فی کتاب الاملاء وما علمت احدا من اصحابنا خالفه فی ذلک۔[2]	اگر کوئی سوال اٹھائے کہ بنو ہاشم کے والی کے لیے مکروہ ہے تو میں کہوں گا ہاں اس حدیث کی وجہ سے جو ابورافع سے مروی ہے اور ہم نے اس باب میں اسے ذکر کردیا ہے، اور یہی بات امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الاملاء میں کہی ہے اور میں نہیں جانتا کہ ہمارے اصحاب میں سے کسی نے اس کی مخالفت کی ہو۔ (ت)

[1] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۵۲
[2] شرح معانی الآثار، کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علی بنی ہاشم، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱/۳۵۲

پھر فرمایا:

فان قال قائل افتکرہ للهاشمی ان یعمل علی الصدقة قلت لا وقد کان ابو یوسف یکرہ اذا کانت جعالتهم منها وخالف ابا یوسف اٰخرون فقالوا لاباس ان یجتعل منها الهاشمی لانه انما یجتعل علی عمله وذٰلك قد یحل للاغنیاء فلا یحرم علی بنی هاشم الذین یحرم علیهم الصدقة وقد روی عن رسول اللہصلی اللہتعالٰی علیه وسلم فیما تصدق علیٰ بریرة انه اکل منه (ثم اسند الطحاوی فی ذٰلك احادیث عن امهات المؤمنین عائشة وجویریة وام سلمة وعن ابن عباس وام عطیة رضی اللہتعالٰی عنهم ثم قال) فلما کان ماتصدق به علی بریرة رضی اللہتعالٰی عنها جائزاللنبی صلی اللہتعالٰی علیه وسلم اکله لانه انما ملکه بالهدیة جاز ایضا للهاشمی ان یجتعل من الصدقة لانه انما یملکه بعمله لا بالصدقة فهذاهو النظروهواصح مما ذهب الیه ابو یوسف رحمه اللہتعالٰی فی ذلك اھ[1] ملخصًا۔	اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ہاشمی کے لیے صدقات کیلئے عامل بننا مکروہ ہے تومیں کہوں گا کہ نہیں، امام ابویوسف ان کی تنخواہ کو صدقات میں مکروہ کہتے ہیں، لیکن دوسرے لوگوں نے امام ابویوسف کی مخالفت کرتے ہُوئے کہا کہ ہاشمی کو اس میں تنخواہ ووظیفہ دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ اس کے عمل و محنت پر دیا جارہا ہے اور یہ تو اغنیاء کے لیے بھی جائز ہے تو اب ان بنوہاشم پر یہ کیسے حرام ہو سکتا ہے جن پر صدقہ حرام تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدقہ بریرہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے اس سے تناول فرمایا (پھر اس کے بعد امام طحاوی نے سند کے ساتھ امہات المومنین حضرت عائشہ، حضرت جویریہ، حضرت ام سلمہ، حضرت ابن عباس اور حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے احادیث ذکر کیں، پھر کہا) حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر کئے گئے صدقہ کا تناول کرنا رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز تھا کیونکہ آپ بطور ہدیہ اس کے مالک قرار پائے تو اب ہاشمی کے لیے بھی صدقہ بطور وظیفہ جائز ہوگا، کیونکہ وہ عمل کی وجہ سے اس کا مالک بن رہا ہے نہ کہ صدقہ کی بنا پر۔ بس یہ اس میں نظر ہے اور یہی مختار ہے اور یہ اس معاملہ میں اقوال ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی میں سے اصح ہے اھ ملخصًا (ت)

اب اس کلام امام کے محاوی ظاہرہ و مطاوی باہرہ پر نظر کیجئے:

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علٰی بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۳-۳۵۲

اول: شروع سخن سے دلائل تحلیل کارد۔
دوم: دلائل تحریم کی تکثیر میں کد۔
سوم: اُن کاآغاز یُوں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تحریم میں متواتر حدیثیں آئیں۔
چہارم: ختم یُوں کہ ہمارے علم میں ان حدیثوں کا کوئی ناسخ یا عارض نہیں سواان چیزوں کے جو اہل تحلیل نے ذکر کیں اور وُہ اصلاً اُن کی مؤید نہیں۔
پنجم: حدیثاً وفقہاً ثابت فرمانا کہ نہ صرف زکوۃ یا دیگر واجبات بلکہ مطلقاً تمام صدقات بنی ہاشم پر حرام ہیں یہاں تک کہ نافلہ بھی، اور یہی مذہب ائمہ ثلاثہ کا ہے۔
ششم: صاف صاف حصر فرمادینا کہ اسباب میں یہی مقتضائے نظر فقہی ہے، اب روایت خلاف کے لیے کہاں گنجائش رکھی، حدیثیں بے ناسخ و معارض متواتر نظر فقہی اسی میں منحصر، پھر اختیار خلاف کس دلیل سے صادر۔ یہ چھ قرینے تو سباق میں ہیں اب سیاق کی طرف چلئے کہ دلائل دیکھئے۔
ہفتم: روایت کے اختلاف اور اپنے اختیار کو ذکر کرکے بایرادفائے تعقیب سوال قائم فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی مجھ سے پُوچھے بھلا بنی ہاشم کے غلامان آزاد شدہ کے لیے اخذ زکوۃ ممنوع جانتے ہو، **سبحان الله اگراس به ناخذ** (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ ت) کے معنی یہی تھے کہ امام طحاوی نے خود بنی ہاشم کو زکوۃ حلال مانی تواب اس سوال کا کون سا موقع اور کیا محل تھا، موالی تواس فرعیت کی بناء پر داخل ہوئے تھے کہ **مولی القوم منهم** (کسی قوم کاغلام اُنہی میں سے ہوتا ہے۔ت) جب اصول کے لیے جواز ٹھہرا فروع کی نسبت کیا پوچھتا رہا۔
ہشتم: اس سوال کاجواب سُنئے کہ میں فرماؤں گاہاں یعنی میرے نزدیک موالی بنی ہاشم کواخذِ زکوۃ ممنوع ہے کہ حدیث ابورافع اسی پر ناطق اور ارشاد امام ابی یوسف موافق اور بقیہ ائمہ سے خلاف نامعلوم، **سُبحان الله** کہاں بنی ہاشم کے لیے زکوۃ جائز ماننا اور کہاں اُن کے غلاموں پر حرام جاننا۔
نہم: پھر حدیث ابورافع تو یونہی تھی کہ:

ان اٰل محمد لا یحل لھم الصدقة وان مولی القوم من انفسھم۔[1]	آلِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے لیے صدقہ حلال نہیں اور قوم کاغلام اُنھی میں سے ہوتا ہے (ت)

کیا معنی کہ حدیث کافرعی حکم اس وجہ سے کہ حدیث وارد ہے اخذ فرمائیں اور اسی حدیث کا اصلی حکم جس پر اس کے ساتھ اور احادیث متواترہ بھی ناطق ترک کرجائیں **فافھم ولاتعجل۔**

[1] شرح معانی الآثار کتاب الزکوۃ باب الصدقۃ علیٰ بنی ہاشم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱

دہم: جو بنی ہاشم کے لیے جواز مانے اور موالی پر حرام جانے، حدیث ابورافع ہر گز اس کے لیے حجت نہیں بلکہ صاف اس پر منقلب ہے کہ اُس میں موالیٔ قوم کو حکم قوم میں فرماتے ہیں جب حکم قوم جواز ہے حکم موالی بھی لاجرم جواز ہوگا ورنہ موالی بالذات مستحق تحریم نہیں تو بر تقدیر اختیار جواز امام طحاوی کا یہ استدلال بالمخالف ٹھہرتا ہے۔

یازدہم: طرفہ یہ کہ فرماتے ہیں امام ابویوسف نے مولی پر زکوٰۃ ناروا مانی اور ہمیں اپنے باقی ائمہ سے اسکا خلاف معلوم نہیں، خلاف تو بنا بنایا پیشِ نظر ہے کہ جس روایت میں خود بنی ہاشم کو زکوٰۃ روا ہوئی، مولیٰ کے لیے بدرجہ اولیٰ ہوئی، تو لاجرم وہ اس روایت کو نظر سے ساقط اور ناقابلِ اعتداد جانتے ہیں، جب تو علم خلاف کی نفی فرماتے ہیں۔

دوازدہم: اس کے بعد دوسرا سوال قائم کرتے ہیں کہ بھلا تمھارے نزدیک بنی ہاشم کا تحصیلِ زکوٰۃ پر متعین ہو کر اس کی اجرت لینا بھی جائز ہے یا نہیں۔ سبحان اللہ! جب حقیقت زکوٰۃ انھیں جائز کرچکے تو شبہ زکوٰۃ میں کلام کا کیا موقع رہا، اگر امام طحاوی کی وہی مراد ہوتی تو میں ان دونوں سوالوں کی مثال اس سے بہتر نہیں جانتا کہ عالم شافعی المذہب کہے میرے نزدیک بنت الفجور سے نکاح حلال ہے زید پُوچھے بھلا اس کی دختر رضاعی بھی حلال جانتے ہو یا نہیں، یا وہ کہے میرے نزدیک زنا موجب حرمت مصاہرت نہیں، زید پوچھے بھلا بے نکاح مس میں کیا کہتے ہو۔

یہ چھ دلائل جلائل سیاق میں تھے، اب نفس عبارت پر نظر کیجئے کہ اس کی شہادت سب سے اتم واکمل و قاطع جدل ہے۔ امام طحاوی نے بنی ہاشم پر مطلق صدقات کی حرمت ثابت کرکے فرمایا: یہ امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف وامام محمد کا مذہب یعنی ان سے ظاہر الروایۃ ہے کہ قول نہیں کہتے مگر ظاہر الروایۃ کو، پھر امام سے اختلاف روایت ذکر کیا اور اول بلفظ روی عنہ کہ صریح ضعفِ روایت پر دلیل ہے وہ روایتِ شاذہ بلا سند ذکر کی پھر بسند متصل نقل کیا کہ امام کا قول مثل قول امام ابویوسف ہے اور اس پر فرمایا **فبھذا ناخذ**۔ اب دیکھ لیجئے کہ امامِ طحاوی نے امام ابویوسف کا کیا مذہب بیان فرمایا تھا جس پر حوالہ کرتے ہیں کہ ہمیں اس سند کے ساتھ امام سے اسی مذہب ابویوسف کے مطابق پہنچا، آخر وُہ نہ تھا مگر اطلاق تحریم، تو قطعًا اسی کو **بھذا ناخذ** فرما رہے ہیں، یہ تو یقینًا معلوم کہ اوپر امام ابویوسف کا کوئی قول نہ گزرا مگر تحریم، اور یہ بھی نہایت واضح و جلی کہ حوالہ نہیں کرتے، مگر امر مذکور پر لاجرم ماننا ہوگا کہ اختلافِ روایت بتا کر پہلے لفظ **روی عنہ** روایت ابوعصمہ روایت کی پھر **وحدثنی** (مجھے بیان کیا۔ ت) سے مذہب تحریم کہ اصول اسی طریق **محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ** (امام محمد نے امام ابویوسف سے انھوں نے امام ابوحنیفہ رحمھم اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ت) سے مروی رنگ اسناد دیا اور اسی کو **بھذا ناخذ** (اسی پر عمل ہے۔ت) سے مذیل کیا، اب سارا بیان اوّل سے آخر تک

منتظم وملتئم ہوگیااور تمام اعتراضات واستغربات دفعۃً دفع ہوگئےو اخذ الکلام بعضہ بحجر بعض (ورنہ یہ تو بعض کلام کو لینااور بعض کو چھوڑنا ہے۔ت)

تامل کیجئے تو کلامِ امام کا یہ وہ یقینی محمل ہے جس کے سوا دوسرا محتمل نہیں اور ہنوز اس کے مؤیدات نفس کلام و دیگر وجوہ سے بکثرت باقی ہیں مثلاً:

سیزدہم: آشنائے کلامِ محدثین جانتا ہے کہ وہ جس قول کو مسنداً لاتے ہیں یا تو سند لکھ کر اُسے بیان فرماتے ہیں وھو الاکثر (اکثر کا طریقہ یہی ہے۔ت) یا قول بیان کرکے سندیُوں ذکر کرتے ہیں کہ حدثنی بذلك فلان عن فلان یا حدثنی فلان عن فلان مثلہ (مجھے فلاں سے فلاں نے بیان کیا فلاں نے فلاں سے اسی کی مثل بیان کیا۔ت) تاکہ اسناد مسند سے مرتبط ہوجائے نہ یُوں کہ بالکل تغایر وانقطاع رہے کہ روی عن ابی حنیفۃ کذا وحدثنی فلان عن ابی حنیفۃ (امام ابوحنیفہ سے اسی طرح مروی ہے اور مجھے فلاں نے امام ابوحنیفہ سے فلاں کی مثل قول کیا ہے۔ت)

چہاردہم: اگر ایسا ہی مانئے تو ضرور ہے کہ قولِ ابی یوسف بھی جواز ہو حالانکہ قولِ ابی یوسف قطعاً تحریم ہے بلکہ قول درکنار شاید اُن سے کوئی روایت شاذہ بھی مثل روایت نوح نہیں۔

پانزدہم: خود امام طحاوی چند سطر کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ قول ابی یوسف موالی پر بھی تحریم ہے نہ کہ خود اصول کے لیے جواز۔

شانزدہم اور چند سطر بعد فرمایا قول ابی یوسف میں ہاشمی کو شبہ زکوۃ روا نہیں یعنی اپنے عمل کی اُجرت مالِ زکوۃ سے لینا، پھر اجازت حقیقت چہ معنی، تو لاجرم قول ابی یوسف وہی تحریم ہے اور اس سند کا متن اسی پر محول، اور وہی بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) سے مذیل۔

ہفدہم اوپر سُن چکے کہ روایتِ جواز روایت نوح ابن ابی مریم ابوعصمہ مروزی تلمیذ امام ابوحنیفہ وامام ابی لیلٰی وکلبی ہے اور امام طحاوی اپنی روایت اپنی روایتِ مختارہ کو بطریق سلسلۃ الذہب محمد عن ابی یوسف عن ابی حنیفۃ (امام محمد نے امام ابو یوسف سے اور انھوں نے ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے۔ت) روایت فرماتے ہیں اگر وہی روایت اس طریق سے مروی ہوتی روی ابو یوسف عن ابی حنیفۃ (امام ابویوسف نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا۔ت) کہا جاتا، نہ روی ابو عصمۃ (شیخ ابوعصمہ نے روایت کیا۔ت) کہ مہر عالم افروز کو چھوڑ کر چراغ کی طرف نہیں جاتے نہ ہرگز فقہاء کا داب کہ امام کی وُہ روایتیں جو بطریق صاحبین مروی ہیں کسی اور کے نام سے منسوب کیا کریں خصوصاً وُہ صاحب بھی ایسے کہ جن کی نسبت کلامِ ائمہ معلوم ہے، نہیں نہیں بلکہ بیشک یہ روایت جسے بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) فرمایا، انہی روایاتِ اصول سے ہے جو

اس طریقہ انیقہ صاحبین سے آتی ہیں۔ یہ مجموع اٹھارہ باتیں تو اس نفس عبارت میں ہیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ وضوح حقیقۃ الامر میں اصلاً مجالِ کلام نہیں اس کے سوا بعض دلائل قاہرہ وباہرہ اسی شرح معانی الآثار کے دوسرے مقام سے سُنیے جس سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ امام طحاوی اُس روایت مردودہ کے اصل مبنی یعنی بنی ہاشم کے لیے خمس الخمس عوض صدقات ہونے ہی کا بہ نہایت شدومد انکارِ بلیغ فرماتے ہیں کتاب وجوہ الفیئ وخمس المغانم میں ایک قول فرمایا کہ بعض کے نزدیک آیہ کریمہ میں ذوی القربٰی سے صرف بنی ہاشم مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبکہ ان پر صدقہ حرام کیا یہ خمس کا حصہ اس کا عوض دیا، پھر اس کا رد فرماتے ہیں کہ:

ان قولهم هذا عندنا فاسد لان رسول الله صلى الله تعالیٰ علیه وسلم لما حرمت الصدقة علی بنی هاشم قد حرمها علی موالیهم کتحریمه ایاها علیهم وتواترت عنه الاٰثار بذٰلک۔[1]	علماء کا قول ہے کہ یہ ہمارے نزدیک فاسد ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے جب صدقہ بنو ہاشم پر حرام فرمایا تو آپ نے ان کے غلاموں پر بھی اسی طرح حرام فرمایا جس طرح بنو ہاشم پر حرام ہے اور اس پر آپ سے متواتر آثار ہیں۔(ت)

پھر احادیث ابن عباس وابو رافع وہرمز یا کیسان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ذکر کرکے فرمایا:

فلما کانت الصدقة المحرمة علیٰ بنی هاشم قد دخل فیهم موالیهم ولم یدخل موالیهم معهم فی سهم ذوی القربی باتفاق المسلمین ثبت بذٰلك فساد قول من قال انما جعلت لذی القربیٰ فی اٰیة الفیئ وفی اٰیة خمس الغنیمة بدلا مما حرم علیهم الصدقة۔[2]	صدقہ کی حرمت میں بنو ہاشم کے ساتھ ان کے غلام بھی شامل تو ہیں مگر ذوی القربیٰ کے حصّہ میں بالاتفاق بنو ہاشم کے ساتھ شامل نہیں اس سے ان لوگوں کے قول کا فساد واضح ہوگیا جو کہتے ہیں کہ ایک آیت فیئ اور آیت خمسِ غنیمت میں جو کچھ حضور کے رشتہ داروں کے لیے مقرر کیا گیا یہ اس صدقہ کے عوض ہے جو اُن پر حرام کردیا گیا ہے(ت)

پھر دوسری دلیل نظری سے اس عوض ہونے کا فساد ثابت کرکے فرمایا:

فدل ذٰلك ان سهم ذوی القربیٰ لم یجعل لمن له خلفا من الصدقة التی	یہ اس پر دال ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ جن لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہ ان پر حرام کردہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۴

[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۸۴

حرمت علیہ۔[1]	صدقہ کا عوض نہیں۔(ت)

پھر تصریح کی کہ بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے اور اسے احادیثِ متعددہ سے ثابت فرما کر ارشاد کیا:

افلا یری ان الصدقة التی تحل لسائر الفقراء من غیر بنی ھاشم من جھة الفقر لاتحل لبنی ھاشم من حیث تحل لغیرھم فکذلك الفیئ الغنیمة لوکان مایعطون منھا علی جھة الفقر اذا لماحل لھم۔[2]	کیا وہ یہ ملاحظہ نہیں کرتے کہ بنوہاشم کے علاوہ فقر کی وجہ سے تمام فقراء کے لیے صدقہ حلال ہے، لیکن بنوہاشم پر اس علت کی بناپر حلال نہیں جس کی بناپر اوروں کے لیے حلال ہے تو اسی طرح فیئ اور غنیمت، اگر یہ فقر کی وجہ سے انھیں عطا کیے جائیں تو یہ بھی ان کے لیے حلال نہ ہونگے۔(ت)

اب بھی کچھ وضوح حق باقی رہا وللہ الحمد ھکذا اینبغی التحقیق اللہ سبحانہ ولی التوفیق (اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے حمد وثناء اور تحقیق کے لیے ہی مناسب ہے اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) رہا کہ امام طحاوی ضمن کلام میں اُس روایت کی ایک توجیہ ذکر فرماگئے کہ ہمارے خیال میں اس روایت کی بناپر امام کی نظر اس طرف گئی، حاشا یہ اصلًا اس کے اختیار سے علاقہ نہیں رکھتا، علماء کا داب ہے کہ اقوال مختلفہ میں ہر ایک کی دلیل ذکر فرماتے ہیں ہدایہ وکافی وغیرہما اس رنگ کی کتابیں اسی انداز پر ہیں، پھر مختار وہی ہے جو مختار ہے اور قول کو صرف ابویوسف کی طرف نسبت کرنا کچھ مستغرب نہیں کہ امام سے تو اختلاف روایت کا بیان ہی ہے اور صاحبین میں اعظم واقدم ابویوسف ہیں، معہذا مذہب تو سب کا اوپر لکھ ہی چکے، یہاں فقط بتادینا تھا بالجملہ کلام امام طحاوی بہ اعلٰی ندامنادی، کہ وہ ہر گز اس روایت ضعیفہ کی ترجیح وتصحیح کے پاس بھی نہیں بلکہ قطعًا تحریم پر جازم، اور اس میں بھی یہاں تک جازم کہ تحریم نافلہ پر بھی حاکم، کما ھو المرجح عند المحقق علی الاطلاق والبعض الاٰخرین من الحذاق (جیسا کہ محقق علی الاطلاق اور بعض دیگر اکابرین کے نزدیک راجح ہے۔ت) غالبًا ابتداء میں بمقتضائے یابی اللہ العصمة الالکلامه وکلام رسوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم (عصمت صرف کلام اللہ اور کلام رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہی حاصل ہے۔ت) بعض علمائے ناقلین کی نظر نے لغزش فرمائی اور بھذا ناخذ (اسی پر ہمارا عمل ہے۔ت) کی مشار الیہ وُہ روایت ضعیفہ خیال میں آئی پھر علمائے مابعد، نقل در نقل فرماتے چلے آئے نقد یا مراجعت کا اتفاق نہ ہُوا

---

[1] شرح معانی الآثار، کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۲/ ۱۸۴

[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۴

ورنہ حاش ﷲ ان کی جلیل شانیں اس سے بس ارفع ہیں کہ بامعاون وتدبر شرح آثار پر نظر فرماتے اور اس کی عبارت کے یہ معنی ٹھہراتے، علامہ زین نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

قدیقع کثیر ا ان مولفایذکر شیأ خطأ فی کتابه فیأتی من بعده من المشائخ فینقلون تلك العبارة من غیر تغییر فیکثر الناقلون لها واصلها الواحد مخطی الخ[1]	بہت دفعہ ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک مصنف اپنی کتاب میں خطا کرتا ہے تو بعد کے مشائخ اسے بغیر کسی تبدیلی کے نقل کردیتے ہیں، ناقلین کثیر ہوجاتے ہیں حالانکہ اصل خطا کرنے والا ایک ہی تھا الخ (ت)

مشتغل علم اگرچہ میری اس طویل تقریر کو بالکل گوش ناآشنا پائے گا مگر امید کرتا ہُوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی اس مقام کی تنقیحِ جمیل و تنقیدِ جلیل برکات علماء سے اس بے بضاعت کا حصہ تھاع

وللارض من کاس الکرام نصیب (زمین کے لیے بھی سخیوں کے دستر خوان سے حصّہ ہوتا ہے)

فتبصر وتشکر و الحمد ﷲ الاکبر. وانما اطلنا الکلام فی هذا المقام لما بلغنا عن بعض علماء العصر من اجلة رامفور من اباحة الزکٰوة لحضرات الاشراف اغترارا بتلك الروایة وذاك الاختیار، وماالعصمة الا باﷲ العزیز الغفار۔	غور کر، شکر کر، حمد اللہ کے لیے جو سب سے بڑا ہے۔ ہم نے اس مقام پر خوب طویل گفتگو اس لیے کی ہے کہ بعض معاصرین علمائے رامپور نے اس روایت کی بنا پر غلط فہمی کا شکار سادات کرام کے لیے زکوٰۃ کو مباح قرار دیا ہے، عصمت اللہ غالب غفار کے لیے ہی ہے (ت)

غرض میں جزم کرتا ہُوں کہ بے شک بنی ہاشم پر زکوٰۃ حرام ہے اور بیشک اسی پر افتاء واجب اور بیشک اس سے عدول ناجائز، اور بے شک وہ روایت روایۃً مرجوح اور درایۃً مجروح اور بیشک امام طحاوی اس کے خلاف پر قاطع، اور بے شک اُن کی تصحیح جانب ظاہر الروایۃ راجع، والی اﷲ الرجعی والیه مناب (اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہی ماوٰی وملجا ہے۔ت) واﷲ سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹:　　مرسلہ مولوی حافظ محمد امیر اللہ صاحب　　۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ احوج کو دینا اولٰی ہے خصوصًا جو احوج اپنا قریب ہو یہ حکم مطلق ہے مثلًا بنی ہاشم اپنے اقارب احوجین کو زکوٰۃ دیں یا یہ مخصوص ہیں بوجہ حدیث:

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب التفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۵/۶

یا بنی ھاشم حرم اللہ تعالٰی علیکم غسالۃ الناس واوساخھم الخ۔[1]	اے بنی ہاشم ! اللہ تعالٰی نے تم پر لوگوں کا بچا ہوا اور ان کی مَیل حرام کردی ہے الخ (ت) کے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک زکوٰۃ اور سب صدقات اپنے عزیزوں قریبوں کو دینا افضل اور دو چند اجر کا باعث ہے، زینب ثقفیہ زوجہ عبداللہ بن مسعود اور ایک بی بی انصاریہ رضی اللہ تعالٰی عنہم درِ اقدس پر حاضر ہوئیں اور حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زبانی عرض کرا بھیجا کہ ہم اپنے صدقات اپنے اقارب کو دیں، حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لھما اجران اجر القرابۃ واجر الصدقۃ۔[2] رواہ احمد والشیخان من زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	ان کے لیے دو ثواب ہوں گے ایک ثواب قرابت اور دوسرا تصدق کا (اسے امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ علی المسکین صدقۃ وعلٰی ذی الرحم ثنتان، صدقۃ وصلۃ۔[3] اخرجہ النسائی و الترمذی وحسنہ وابن خزیمۃ و ابن حبان فی صحیحھما والحاکم وقال صحیح الاسناد۔	مسکین کو دینا اکہرا صدقہ ہے اور رشتہ دار کو دینا دوہرا، ایک تصدق اور ایک صلہ رحم (اسے نسائی اور ترمذی نے بیان کیا اور اسے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور کہا اس کی سند صحیح ہے۔ ت)

بلکہ حدیث میں ہے حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یا امّۃ محمد والذی بعثنی بالحق لا یقبل اللہ صدقۃ من رجل ولہ قرابۃ محتاجون الی صلتہ و یصرفھا الی غیرہم	اے امت محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا اللہ تعالٰی اس کا صدقہ قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اُس کے

---

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ المکتبۃ الاسلامیہ صاحبہا الحاج ریاض الشیخ ۲/ ۴۰۳

[2] صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ فصل النفقۃ والصدقۃ علی الاقربین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

[3] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی الصدقۃ علٰی ذی القرابۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۳

والذی نفسی بیدہ لا ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ۔[1] اخرجہ الطبرانی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سلوک کی حاجت رکھیں اور وہ انھیں چھوڑ کر اوروں پر تصدّق کرے، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ تعالٰی روزِ قیامت اُس پر نظر نہ فرمائے گا۔ (اسے طبرانی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

مگر یہ اسی صورت میں ہے کہ وُہ صدقہ اس کے قریبوں کو جائز ہو، زکوۃ کے لیے شریعتِ مطہرہ نے مصارف معین فرمادئے ہیں اور جن جن کو دینا جائز ہے صاف بتادئے، اس کے رشتہ داروں میں وُہ لوگ جنھیں دینے سے ممانعت ہے ہر گز استحقاق نہیں رکھتے، نہ اُن کے دئے زکوۃ ادا ہو جیسے اپنے غنی بھائی یا فقیر بیٹے کو دینا، یونہی اپنا قریب ہاشمی کہ شریعت مطہرہ نے بنی ہاشم کو صراحۃً مستثنٰی فرمالیا ہے اور بیشک نصوص مطلق ہیں۔

الشیخان واللفظ لمسلم عن ابی ہریرہ ف رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا تحل لنا الصدقۃ[2] احمد و ابوداؤد و الترمذی وصححہ والنسائی والحاکم وقال علی شرط الشیخین واقروہ الشیخان، وابن خزیمۃ وابن حبان والطحاوی عن ابی رافع مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الصدقۃ لا تحل لنا[3] احمد وابن حبان بسند صحیح عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی	اور الفاظِ مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے صحیح کہا۔ نسائی، حاکم نے کہا یہ شیخین کے شرائط پر ہے۔ محدثین نے اسے ثابت رکھا۔ ابن خزیمہ، ابن حبان اور طحاوی نے حضرت ابورافع (جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں) نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا کہ صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں۔ مسند احمد اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

1 مجمع الزوائد بحوالہ معجم اوسط، باب الصدقۃ علی الاقارب الخ دار الکتاب العربی بیروت، ۳/ ۱۱۷

2 صحیح مسلم کتاب الزکوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۴

3 جامع الترمذی ابواب الزکوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الصدقۃ للنبی الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۳

ف: صحیح مسلم میں مذکورہ حوالہ میں "عن ابی ہریرۃ" کی جگہ "عن شعبہ لھذا الاسناد" ہے۔

عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا اٰل محمد لا تحل لنا الصدقة.[1] احمد عن ام کلثوم رضی الله تعالٰی عنها ومسلم عن مهران مولٰی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رسول الله صلی الله علیه وسلم مثله وهو عند الطحاوی عن ام کلثوم ان مولی لنا یقال له هرمز او کیسان[2] الحدیث الطبرانی عن ابن عباس یرفعه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه لا یحل لکما اهل البیت من الصدقات شیئ.[3] احمد و ابوداؤد والنسائی والحاکم وصححه۔ والطحاوی عن بهز بن حکیم عن ابیه عن جده عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا یحل لاٰل محمد منها شیئ۔[4] الٰی غیر ذٰلك من العمومات والاطلاقات التی لا تکاد تحصی لکثرتها۔	مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں۔ مسند احمد میں حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا اور مسلم میں حضرت مہران (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام) سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی کی مثل روایت کیا ہے، امام طحاوی کے نزدیک یہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ ہمارے آزاد شدہ غلام تھے جنھیں ہرمز یا کیسان کہا جاتا ہے الحدیث، طبرانی نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے اہل بیت! تمھارے لیے صدقات میں سے کوئی شیئ حلال نہیں۔ مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ طحاوی نے حضرت بہز بن حکیم انھوں نے اپنے دادا سے انھوں نے رسالتمآب صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آلِ محمد کے لیے صدقات میں سے کوئی شیئ حلال نہیں۔ اور ان کے علاوہ دیگر عمومی اور اطلاق دلائل جن کا احصا کثرت کی وجہ سے دشوار ہے۔ (ت)

تو بیشک حکم احادیث ہاشمیوں پر مطلق زکوٰۃ کی تحریم ہے خواہ ہاشمی کی ہو یا غیر ہاشمی کی، اور یہی مذہب امام کا ہے اور یہی اُن سے ظاہر الروایۃ اور اسی پر متون، تو یہی معتمد ہے،

فی الدر المختار ظاہر المذہب اطلاق المنع وقول العینی والهاشمی یجوزله دفع زکوٰته	درمختار میں ہے ظاہر مذہب یہی ہے کہ سادات کو صدقہ دینا ہر حال میں منع ہے، امام عینی کا قول کہ ہاشمی اپنی زکوٰۃ ہاشمی

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از حسن بن علی رضی اللہ عنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۰۰

[2] شرح معانی الآثار کتاب وجوہ الفیئ وقسم الغنائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۸۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۵۴۳ مروی از عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۱۱/۲۱۷

[4] مسند احمد بن حنبل، دیث بہز بن حکیم الخ دار الفکر بیروت، ۵/۲ و ۴

لمثلہ، صوابہ لا یجوز نھر اھ [1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کو دے سکتا ہے، اسے درست قرار دینا جائز نہیں، نہر اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ کا روپیہ کافر، مشرک، وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ان کو دینا حرام ہے اور ان کو دئے زکوٰۃ ادانہ ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالصًا للہ ولوجہ اللہ جو چیز دی جائے اس کا کھانا امیر وغنی کو کیسا ہے؟

الجواب:

صدقہ واجبہ جیسے زکوٰۃ وصدقہ فطر غنی پر حرام ہے اور صدقہ نافلہ جیسے حوض یا سقایہ کا پانی یا مسافرخانے کا مکان غنی کو بھی جائز ہے، مگر میّت کی طرف سے جو صدقہ ہوتا ہے غنی نہ لے، نہ غنی کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از راندیر یہ ضلع سورت ڈاکخانہ خاص مسئولہ جناب مولٰنا مولوی فقیر غلام محی الدین صاحب ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل سمرنافنڈ میں صاحب زکوٰۃ سے زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن سے قربانی کی قیمت طلب کررہے ہیں اور اس کے لیے گجراتی بڑے لمبے چوڑے اشتہار چھپے ہیں کیا صاحبِ زکوٰۃ اور جن پر قربانی واجب ہے اُن کی قربانی سمرنافنڈ میں دینے سے ہوجائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جس پر قربانی واجب ہے اُسے حرام ہے کہ قربانی نہ کرے اور اس کی قیمت کسی فنڈ میں دے دے اس سے ہرگز قربانی ادانہ ہوگی واجب کا تارک ہوگا اور عذاب کا مستحق، اور ایسے چندوں میں دینے سے کہ لوگ بطور خود کرتے ہیں اور سب کے چندے زکوٰۃ وغیر زکوٰۃ کے بلکہ مرتدین نااہل زکوٰۃ مثل وہابیہ وغیرہم کے سب خلط کرلیتے ہیں

---

[1] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی، ہاں اعانتِ مسلمین کی نیّت پر ثواب پائے گا مگر فرضِ زکوۃ سر پر باقی رہے گا **وھو تعالٰی اعلم۔**

صدقہ فطر کا بیان

مسئلہ ۱۳۳: ازنینی تال مرسلہ شیخ عنایت حسین صاحب ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ واقعہ کان پور میں مسلمانوں سے دربارہ مسجد پولیس سے فساد ہوگیا، پولیس نے اُنھیں نشانہ بندوق بنالیا، اب ان کے غریب بچّے یتیم ہوگئے اور نادار مسلمان زخمی ہوکر گرفتار کرلیے گئے، اب ان کی رہائی اور پرورش حفاظت جان وعزّت کے لیے روپے کی ضرورت ہے، مسلمان چاہتے ہیں کہ صدقہ فطر رمضان المبارک اس کارِ خیر کے متعلق دے دیا جائے عندالشرع دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صدقہ فطر میں مسلمان فقیر کو دے کر مالک کردینا شرط ہے، تو اگر غرباء کو دے کر مالک کردیں تو جائز ہے یا فقیر کو دیں اور وُہ اپنی طرف سے مقدمہ میں لگانے کو دے دیں تو جائز ہے، ورنہ مقدمے اٹھانے یا وکیلوں کو دینے سے صدقہ ادا نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صدقۃ الفطر کالزکوٰۃ فی المصارف وفی کل حال۔[1]	صدقہ فطر مصارف اور تمام احوال میں زکوہ کی طرح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

من اشتراط النیۃ واشتراط التملیك فلا تکفی الاباحۃ کمافی البدائع۔[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	یعنی نیت اور تملیک دونوں شرائط ہیں تو محض اباحت کفایت نہ کرے گی کمافی البدائع۔(ت)

مسئلہ ۱۳۴ تا ۱۳۵: از راولپنڈی لال کرتی مرسلہ دین محمد صاحب فروش ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) صدقہ فطر لینا امام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

[2] ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/۸۶

(۲) مُردوں کے مال یعنی صدقہ وغیرہ لینا بالامذکور کو جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ امام مسجد صاحبِ زکوۃ وصاحبِ مال ہو، دیگر امام مسجد کو ہر جمعرات کو برائے تیل کے نقد و تیل منگانا اور اپنے ذاتی مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ قربانیوں کی کھالیں وغیرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صاحبِ نصاب کو اگرچہ امام مسجد ہو، کوئی صدقہ واجبہ مثل زکوۃ یا صدقات عیدالفطر یا کفارات جائز نہیں حرام ہے، اور اس کے دئے وُہ زکوۃ وصدقہ ادا نہ ہوں گے۔ قربانی کی کھال اگر لوگ اپنی خوشی سے دیں لے سکتا ہے مانگ کر اپنا حق قرار دے کر لینا جائز نہیں۔ اموات کی طرف سے جو نفل صدقہ دیا جاتا ہے اگر دینے والے نے اسے فقیر سمجھ کر دیا اور اس نے اپنا صاحبِ نصاب ہونا چھپایا تو یہ بھی حرام ہے ورنہ مکروہ و ناپسند۔ تیل وغیرہ کے لیے نقد منگا کر جو بچے اپنے صَرف میں کرنا بھی حرام ہے مگر اس صورت میں کہ دینے والے اس بات سے آگاہ اور اس پر راضی ہوں تو کچھ مضائقہ نہیں۔ **بقولہ تعالٰی عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ** [1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے تمھاری رضامندی سے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: از دیو بند ضلع سہارنپور مسجد جامع مرسلہ مولوی اظہر الدین بنگالی ۹ ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

السّلامُ علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں چاول کثرت سے پیدا ہوں اور وہاں کے باشندوں کی غذا چاول ہی ہو اور گندم مطلقاً پیدا نہ ہو مگر دوسرے ملکوں سے کچھ آتا ہے لیکن وُہ بھی ہر جگہ نہیں ملتا ہے بلکہ شہر و قصبہ میں ملتا ہے اور اس کو کوئی غذا کھاتا بھی نہیں بلکہ دوامی اتفاقاً استعمال میں لاتے ہیں اور جَو بھی بہت قلّت طور پر پیدا ہو مثلاً چار پانسو یا ہزار دو ہزار بیگھ میں سے کسی ایک آدھ بیگھ میں بولیا اور اس کو ستّو بنا کر برس چھ ماہ میں کبھی ناشتہ کے طور پر کھالیتے ہیں اور خرما ناپیدا ہے اور نہ کہیں ملتا ہے، بس ایسے ملک کے باشندوں پر صدقہ فطر نصف صاع گندم کی قیمت میں جس قدر چاول آئے وُہ واجب ہوگا یا ایک صاع چاول واجب ہوگا **بینوا بالدلیل جزاکم اللہ الجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کیجئے اللہ تعالٰی آپ کو جزادے۔ت)

الجواب:

شرع مطہر نے یہ صدقہ صرف چار چیزوں سے مقرر فرمایا ہے: گیہوں، جَو، خرما، زبیب۔ ان کے سوا پانچویں کوئی چیز چاول ہو یا دھان یا کپڑا وہ اُنھی میں ایک کی قیمت کے اعتبار سے جائز ہے ورنہ نہیں،

[1] القرآن ۲۹/۴

گیہوں سے نیم صاع واجب ہے یعنی ایک سو پینتیس تولے کہ انگریزی روپیہ سے ایک سو چوالیس روپیہ بھر ہُوا، اور اسی ۸۰ روپیہ کے سیر سے پونے دوسیر اور پون چھٹانک اور بیسواں حصّہ چھٹانک کا، اور جَو سے اس کا دونا گیہوں یا جَو کا وہاں کم پیدا ہونا یا غذا میں مستعمل نہ ہونا یا دیہات میں نہ ملنا چاول کو بے لحاظ قیمت صرف صاع یا نیم صاع دے دینے کے قابل نہیں کرسکتا، بلکہ واجب ہے کہ اپنے ضلع میں گیہوں نیم صاع یا جَو، ایک صاع کی جو قیمت ہو اُس قدر دام یا اُتنے دام کے چاول یا اور چیز ادا کردیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة و الشعیر والتمر والزبیب وماسواه من الحبوب لا یجوز الابالقیمة اھ[1] بالالتقاط	چار اشیاء میں واجب ہے: گندم، جَو، کھجور اور زبیب۔ ان کے ماسوا میں قیمت کے علاوہ جائز نہیں اھ اختصارًا (ت)۔

منسک متوسط میں ہے:

هذه اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الاباعتبار القیمة کالارز والذرة والماش والعدس والحمص وغیر ذٰلک۔[2]	یہ چار انواع ہیں ان کی پانچویں نہیں ان کے علاوہ دانوں میں قیمت کے علاوہ کسی کا اعتبار نہیں مثلاً چاول، باجرہ، مسور اور چنے وغیرہ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مالم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة۔[3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	جس پر نص نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی، ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت) ت

مسئلہ ۱۳۷: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اندریں مسئلہ کہ اگر در خانہ کسے مثلاً دہ کس موجود باشند بعض از ان غلام و پسر صغیر و بعض زوجہ خود و پسر کبیر پس صدقہ فطر ہفت کس یا ہشت کس ادا کردہ شود	علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے گھر میں دس ۱۰ افراد ہوں بعض ان میں سے غلام، بعض چھوٹے بچّے، بعض کے ساتھ بیوی اور بڑے بچّے ہوں تو صدقہ فطر

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۱-۹۲

[2] منسک متوسط متن مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الجزاء اللبس والتغطیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۶۴

[3] درمختار باب صدقۃ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۵

وصدقہ دو آدمی یاسہ آدمی از غلام و پسر صغیر باشد یا غیر آں دادہ نہ شود پس صدقہ کسانے کہ ادا کردہ شد شرعًا صحیح ودرست خواہد شد یانہ؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔	سات افراد کا ہوگا یا آٹھ کا، دو آدمیوں یا تین غلام اور چھوٹے بچّوں کا صدقہ نہ دیا ہو، جن اشخاص کا صدقہ دیا ہے وہ شرعًا درست ہوگا یانہیں؟ کتاب سے جواب دے کر روزِ حساب اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

ہر چہ مؤدی از اطفال صغار خود ادا کرد ادا شد کہ وجوب ہم بروست نہ بر اطفال وانچہ از زوجہ و اولاد کبار عاقلین داد اگر باذن ایشاں بود نیز از ایشاں ادا شد ورنہ نے فی ردالمحتار عن البحر لوادی زکوٰۃ غیرہ بغیر امرہ فبلغہ فاجاز لم یجز لانھا وجدت نفاذا علی المتصدق لانھا ملکہ ولم یصر نائبا عن غیرہ فنفذت علیہ ولو تصدق عنہ بامرہ جاز[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی سبحٰنہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	چھوٹے بچّوں کی طرف سے جو ادا کیا وُہ ادا ہو جائے گا کیونکہ وہ واجب ہی والد پر تھا۔ اور جو بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے ادا کیا اگر ان کا اذن تھا تو بھی ادا ہو جائیگا اور اگر اذن نہ تھا تو صدقہ ادا نہ ہوگا۔ ردالمحتار میں بحر سے ہے: اگر کسی نے دوسرے کی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر زکوٰۃ ادا کر دی پھر دوسرے تک خبر پہنچی اور اس نے اسے جائز بھی رکھا تب بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کیونکہ اس کا نفاذ صدقہ کرنے والے پر ہے، کیونکہ وُہ زکوٰۃ اس کی ملکیت ہے اور غیر سے نائب بن نہیں سکتا کہ اس کی اجازت کا نفاذ ہو، ہاں اگر اجازت سے زکوٰۃ ادا کی ہو تو پھر جائز ہوگا (ملخصًا) واللہ تعالٰی سبحانہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر کا نصاب برابر ہے یا کچھ فرق ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مقدار نصاب سب کے لیے ہے کچھ فرق نہیں، ہاں زکوٰۃ میں مال نامی ہونا شرط ہے کہ سونا چاندی، چرائی پر چھوٹے جانور، تجارت کا مال ہے وبس، اور سال گزرنا شرط ہے، صدقہ فطر وقربانی میں یہ کچھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

درکار نہیں کما فی جمیع الکتب (جیسا کہ سب کتابوں میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مرسلہ جناب سیّد محمد علی صاحب نائب ناظر فرید پور رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ

صدقہ فطر کی مقدار فی کس کیا ہے؟

الجواب:

تین سواکاون روپے بھر جو، یا اُس کے آدھے گیہوں کہ بریلی کی تول سے پونے دوسیر ایک اٹھنی بھر ہُوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم احکم۔

مسئلہ ۱۴۰: از کمریٹ روٹی گودام چھاؤنی لکھنؤ مرسلہ مولوی سید باسط احمد ۷ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

(۱) وزن فطرہ بحساب سیر لکھنؤ کتنا دینا چاہئے؟ نصف صاع بوزن سیر لکھنؤ کتنا ہوتا ہے؟

(۲) گز شرعی بہ حساب گز نمبر مروجہ لکھنؤ کس قدر ہے؟

الجواب:

(۱) گیہوں کا صاع دوسوستر ۲۷۰ تولے ہے کہ انگریزی روپے سے دوسواٹھاسی ۲۸۸ روپے بھر ہوئے۔ نصف صاع کے ایک سوچوالیس ۱۴۴ روپے بھر گیہوں۔ لکھنؤ کا سیر اسی ۸۰ روپے بھر کا ہے تو اس سے دوسیر ہوئے، سیر کا ۵/۱ یعنی پونے دوسیر سے چار روپے بھر اوپر، لیکن زیادہ احتیاط یہ ہے کہ جَو کے صاع سے گیہوں دئے جائیں جَو کے صاع میں گیہوں تین سواکاون ۳۵۱ روپے بھر آتے ہیں تو نصف صاع ایک سوپچھتّر ۱۷۵ روپے آٹھ آنے بھر ہوا، لکھنؤ کا سوا دوسیر اٹھنی بھر کم۔

(۲) نمبری گز کہ تین فٹ کا ہے، ہر فٹ بارہ ۱۲ انچ، گز شرعی جسے ذراع کرباس کہتے ہیں، اس کا نصف یعنی آٹھ گرہ کے برابر ہے کہ وہ چوبیس انگل ہے اور ہر گرہ تین انگل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲تا۱۴۳: از موضع خورد مئوڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین امورِ ذیل میں:

(۱) زید کی بیوی ہندہ جو مالک نصاب نہیں ہے مع اپنے ایک خورد سال بچّے کے اپنے باپ بکر کے یہاں یعنی میکے میں عیدالفطر کو قیام رکھتی ہے تو اُس کا اور اس کے لڑکے کا صدقہ کس کو دینا چاہئے، آیا زید کو جو ہندہ کا شوہر ہے یا بکر کو جو ہندہ کا باپ ہے۔

(۲) اگر کوئی مہمان یہاں ۲۷ یا ۲۸ رمضان شریف سے مقیم ہے یا قبل طلوعِ فجر عیدالفطر آیا تو کیا ان مہمانوں کا صدقہ شرعًا میزبان کو ادا کرنا چاہئے یا مہمان اپنا صدقہ خود ادا کریں؟

الجواب:

(۱) خورد سال بچّہ کا صدقہ فطر اُس کے باپ پر ہے، اور عورت کا نہ باپ پر نہ شوہر پر، صاحبِ نصاب ہوتی تو اس کا صدقہ اسی پر ہوتا ہے۔

(۲) مہمان کا صدقہ میر بان پر نہیں، وہ اگر صاحبِ نصاب ہیں اپنا صدقہ آپ دیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴: ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فطرہ رمضان کے نصف صاع آٹے کے عوض میں اگر نصف چاول دے دے تو کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: چاول کی قیمت کے اعتبار سے دئے جائیں گے خواہ وزن میں نصف صاع ہوں یا زیادہ یا کم یعنی نصف صاع گندم کی قیمت میں جتنے چاول آئیں اتنے دئے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۵: (جلد میں سوال نہیں)

الجواب: صاع چار مُد ہے اور مد دو ۲ رطل، اور رطل بیس استار، اور استار ساڑھے چار مثقال، اور مثقال ساڑھے چار ماشے، اور تولہ بارہ [۱۲] ماشے، اور انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو صاع دو سو ستّر [۲۷۰] تولے، اور روپیوں سے دو سوا ٹھاسی [۲۸۸] روپے بھر، تو اسی [۸۰] روپے کے سیر سے ۳ سیر ۹ چھٹانک اور ۳/۵ چھٹانک، یا یُوں کہئے کہ ساڑھے تین سیر ڈیڑھ چھٹانک اور ۱/۱۰ چھٹانک۔ اس حساب میں کوئی شک نہیں، اسی تول کے گیہوں دئے جاتے تھے۔

لما فی الفتح یعتبر نصف صاع من بر من حیث الوزن عند ابی حنیفة۔[1]	کیونکہ فتح میں ہے کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں وزن کے اعتبار سے نصف صاع گندم کا اعتبار ہے (ت)

رمضان المبارک ۲۷ سے علامہ شامی کی یہ احتیاط زیادہ پسند آئی کہ صاع لیا جائے جو کا، اور اس کے وزن کے گیہوں دئے جائیں، ظاہر ہے کہ جو ہلکا ہے جتنے برتن میں دو سو ستّر [۲۷۰] تولے جو آئیں گے جب وہ گیہوں سے بھر اجائے گا تول میں زیادہ چڑھیں گے، اس میں فقیروں کا نفع زیادہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

علی ھذا الاحوط تقدیرہ بالشعیر ولھذا	اس بنا پر احتیاط اسی میں ہے کہ اس کا تقرر جو

[1] فتح القدیر، فصل فی مقدار الواجب وقتہ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۲/۲۲۹

نقل بعض المحشین عن حاشیۃ الزیلعی للسید محمد امین میر غنی، ان الذی علیہ مشائخنا بالحرم الشریف المکی ومن قبلھم من مشائخھم وبہ کانوا یفتون تقدیرہ بثمانیۃ ارطال من الشعیر ولعل ذلك لیحتاطوا فی الخروج عن الواجب بیقین لما فی مبسوط السرخسی من ان الاخذ بالاحتیاط فی باب العبادات واجب اھ فاذا قدر بذلك یسع ثمانیۃ ارطال من العدس ومن الحنطۃ ویزید علیھا البتۃ بخلاف العکس فلذا کان تقدیر الصاع بالشعیر احوط اھ الخ[1]	سے ہو، اسی لیے بعض محشین نے حاشیہ زیلعی للسید محمد امین میر غنی سے نقل کیا، حرم مکی کے مشائخ اور ان سے پہلے ان کے مشائخ نے اسی پر اعتماد کیا اور وہ اسی پر فتوی دیا کرتے تھے کہ آٹھ رطل جَو کا اعتبار ہوگا، اور شاید انھوں نے یہ اس لیے کیا تاکہ واجب کی ادائیگی بالیقین ہوجائے اور اس لیے بھی کہ مبسوط سرخسی میں ہے کہ عبادات کے معاملے میں احتیاط پر عمل واجب ہوتا ہے اھ جب صاع کا تقرر یُوں ہوا تو اب مسور اور گندم کے آٹھ رطل کی گنجائش بھی ہوگی اور یہ اس سے بہر صورت بڑھ جائیں گے بخلاف عکس کے۔ اسی لیے صاع کا تقرر جَو کے ساتھ کرنا احوط ہے اھ الخ (ت)

اس بناپر بنظرِ احتیاط وزیادتِ نفع فقراء نے ۲۷ ماہ مبارک ۱۳۲۷ھ کو ایک سو چوالیس روپیہ بھر جَو وزن کئے کہ نصف صاع ہُوئے اور انھیں ایک پیالے میں بھرا حُسنِ اتفاق کہ تام چینی کا ایک بڑا کاسہ گویا اسی پیمانہ کا ناپ کر بنایا گیا تھا وُہ جَو اس میں پوری سطح مستوی تک آگئے من دون تکویم ولا تقعیر (بغیر ابھار اور گہرائی کے۔ت) تو وہی کاسہ نصف صاع شعیری ہُوا، پھر میں نے اُسی کاسہ میں گیہوں بھر کر تولے تو بریلی کے سیر سے (۱۰۔۔۔) ثار اور ایک اٹھنی بھر ہُوئے یعنی ایک سو پچھتّر روپے آٹھ آنہ بھر، تو یہ وزنِ گندم ہوا، اور اس کا دوچند ۳۵۱ روپیہ بھر وزن جَو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست کشمیر ضلع میر پور ڈاک خانہ نوشہرہ موضع پھڈہ مرسلہ مولوی محمد عبداللہ صاحب ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درمختار میں صاع ۱۰۴۰ درہم لکھا ہے اور اکثر کتب میں من ۱۸۰ مثقال کا ہے وبقول معروف کل عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل (معروف قول کے مطابق ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال ہونا چاہئے۔ت) ایک من ۱۸۲ مثقال کا ہوتا ہے تو صاع میں آٹھ مثقال زیادہ آئے، اور ایسے ہی شیخ دہلوی نے شرح سفر السعادۃ و شرح مشکوۃ میں وزن صاع لکھا ہے قاعدہ مذکور سے پورا موافق

[1] ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۸۴

نہیں آتا ہے، یہ تحقیق وتدقیق فرما کر جلد عنایت کیجئے۔

الجواب:

صاع چار من چالیس استار اور استار ساڑھے چار مثقال ساڑھے چار ماشے اور ماشہ آٹھ رتی، اور رتی آٹھ چاول، اور بارہ ماشے کا ایک تولہ، تو صاع دو سو ستّر تولے ہے اور انگریزی روپیہ رائج سے کہ روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، صاع دو سو اٹھاسی روپیہ بھر، اور من ایک سو اسّی مثقال یعنی سڑسٹھ تولے چھ ماشے، یعنی بہتّر روپیہ بھر۔ یہ وزن محقق ہے جس میں اصلا شبہ نہیں، غرر الافکار شرح درر البحار میں ہے:

الصاع اربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالاستار اربعون والاستار بالمثاقيل اربعة ونصف اھ[1] مختصرا۔	صاع چار مُد کا ہوتا ہے، اور مد دو رطل کا، رطل نصف من کا، من چالیس استار کا، اور استار ساڑھے چار مثقال کا ہوتا ہے اھ اختصارًا (ت)

کشف الغطاء میں ہے:

بدانکہ معتبر نزد ما عراقی وآن ہشت رطل ست ورطل بست استار واستار چار ونیم مثقال ومثقال بست قیراط یک حبہ وچہار خمس حبہ وحبہ کہ آنرا بفارسی سُرخ گویند ہشتم حصّہ ماشہ است پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد۔[2]	واضح رہے کہ ہمارے نزدیک معتبر عراقی (صاع) ہے اور وُہ آٹھ رطل کا ہوتا ہے، ایک رطل بیس ۲۰ استار اور استار ساڑھے چار مثقال، مثقال بیس ۲۰ قیراط ایک حبہ اور چہار خمس حبہ ہے۔ حبہ جسے فارسی میں "سُرخ" کہتے ہیں ماشہ کا آٹھواں حصّہ ہوتا ہے، پس مثقال ساڑھے چار ماشہ ہوا۔ (ت)

حضرت شیخ محقق دہلوی قدس سرہ القوی کا بیان اصلًا اس سے مخالف نہیں، مثقالوں کا یہی حساب رکھا ہے کہ سات سو بیس ۷۲۰ مثقال کا صاع اکبری وجہانگیری سیروں سے اس کا اندازہ بتایا ہے، اکبری سیر تیس ۳۰ استار کا تھا اور صاع ایک سو ساٹھ استار، تو صاع ۱۶۰÷۳۰ = ۵-۱/۳ سیر اکبری ہوا، اور سیر جہانگیری ۳۶ استار، تو صاع ۱۶۰÷۳۰ = ۴-۴/۹ سیر جہانگیری ہوا۔ شرح صراطِ مستقیم فصل زکوۃ فطر میں فرماتے ہیں:

صاع عراقی ہشت رطل وصاع حجازی پنج رطل وثلث رطل	عراقی صاع آٹھ رطل اور حجازی پانچ رطل اور ثلث رطل

[1] ردالمحتار، بحوالہ شرح درر البحار، باب صدقۃ الفطر، مصطفی البابی مصر، ۲/ ۸۳

[2] کشف الغطاء فصل دراحکام دعا وصدقہ ونحوان از اعمال خیر برائے میّت مطبع احمدی، دہلی ص ۶۸

وواجب نزد شافعی صاع حجازی ست ونزد ما نصف صاع عراقی وآن دو من ست و من چہار استار واستار چہار ونیم مثقال۔ پس من صد و ہشتاد مثقال بود کذا قال شارح الوقایۃ واز کتب دیگر نیز ہمچنیں معلوم می گردد وچوں ایں حساب را بوزن دیار خود کار فرمائیم نصف صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود دو ونیم سیری می شود وپنج سیر شاہی، وبوزن حال جہانگیر شاہی ابداللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش سیر شاہی بود دو سیر یک پاؤمی شود بیک سیر شاہی کم، بایں حساب کہ صاع ہفت صد وبست مثقال ست ازانکہ صاع چہار من ست و من چہل استار واستار چہار و نیم مثقال، پس ہر من صد و ہشتاد مثقال ست لازم آید کہ نصف صاع ہشتاد شیر شاہی باشد وہشتاد سیر شاہی دوونیم سیر وسیر وپنج سیر شاہی بود بوزن قدیم و دوسیر ویک سیر شاہی کم بوزن حال۔ واللہ تعالٰی اعلم اھ[1]

ہے۔ امام شافعی کے نزدیک صاع حجازی واجب ہے اور ہمارے نزدیک صاع عراقی، جو دو من کا ہوتا ہے، اور من چار استار، اور استار ساڑھے چار مثقال ہے، لہٰذا من ایک سواسّی مثقال ہوا جیسا کہ شارح وقایہ نے کہا، اور دوسری کتب سے بھی اسی طرح معلوم ہوتا ہے، جب ہم اس کا حساب اپنے شہروں کے وزن کے اعتبار سے کرتے ہیں تو نصف صاع اکبری سیروں کے مطابق ۲-۱/۲ سیر ۱۵ استار ہوگا اور جہانگیری (اللہ تعالٰی اس کے ملک و سلطنت کی حفاظت کرے) سیروں کے مطابق ۲-۱/۴ سیر اور ایک استار کم بن جاتا ہے یہ اس حساب سے کہ صاع ۷۲۰ مثقال ہو اور اگر صاع ۴ من، اور من ۴۰ استار اور استار ۴-۱/۲ مثقال ہو تو ہر من ۱۸۰ مثقال ہوگا، جب استار ۴-۱/۲ مثقال ہے تو لازم آیا کہ نصف صاع ۸۰ استار، اور ۱۸۰ استار ۲-۱/۲ سیر اور ۱۵ استار قدیم وزن ہُوا، اور ۲-۱/۴ سیر ایک استار کم موجودہ وزن ہوا۔ واللہ تعالٰے اعلم اھ (ت)

سیر شاہی اور پیسہ اور استار ایک ہی وزن ہے یعنی ساڑھے چار مثقال کہ سوا بیس ماشے ہُوئے، اور وزن قدیم سے مراد اکبری اور حال سے جہانگیری۔ صدر باب طہارت میں بھی یہی حساب افادہ فرمایا ہے۔ اتنا ہے کہ وہاں مُد عراقی ومُد حجازی دونوں کا سیروں سے اندازہ کیا اور بعض جگہ تہائی پیسہ کی کسر کو کہ ڈیڑھ ماشہ ہوئی مسامحۃً ترک فرمادیا ہے حیث قال صاع چہار مُد ست ومُد بقولے دو رطل ست (یہاں انھوں نے کہا کہ صاع چار مُد ہے اور مُد دو رطل کا ہوتا ہے۔ت) (یہ قول ہمارے ائمہ کا ہے کہ صاع کو آٹھ رطل لیتے ہیں)

---

[1] شرح سفر السعادۃ، فصل در زکوۃ فطر، مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۲۸۶-۸۷

ودلالت ظاہر احادیث ہم برین است چہ در بعض احادیث وضو بمد واقع شدہ ودر بعضے بدو رطل و تطبیق دراں است کہ مصداق ہر دویکے باشد بقولے مد رطل و ثلث رطل عراقی ست۔

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵-۱/۳رطل÷۴=۱۱/۳رطل)

ورطل بست استار چہار ونیم مثقال کہ وزن یک پیسہ است وایں حساب ابہامے دارد وما آنرا بوزن ایں دیار فرود آریم تا واضح گردد بدانکہ مد بقول اول (حنفی) یک من شرعی ست ومن شرعی چہل استار وآں بوزن جہانگیر شاہی ابد اللہ فی مراضیہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش پیسہ است یک سیر و چہار پیسہ پس صاع (یعنی عراقی) کہ چہار مدست پنج سیر و ثلث سیر اکبری باشد و بوزن جہانگیری چہار سیر ونیم سیر دو پیسہ کم ومد بقول ثانی (شافعی) یک سیر اکبری سہ پیسہ و چیزے کم (یعنی ۳-۱/۳ پیسہ کم ۲۶-۲/۳پیسہ ہوا) وسہ ربع سیر جہانگیری چیزے کم (یعنی ثلث پیسہ کم کہ جہانگیری تین پاؤ ۲۷پیسہ ہے) وصاع (یعنی حجازی) بوزن اکبری سہ ونیم سیر و دو پیسہ (یعنی تہائی پیسہ کم کہ ساڑھے تین سیر اکبری اور دو پیسے کے ۱۰۷پیسے ہوئے اور صاع حجازی ۱۰۶-۲/۳پیسہ) وبوزن جہانگیری سہ سیر یک پیسہ کم[1] (بلکہ ۱-۱/۳پیسہ کم) کہ

ظاہر احادیث کی دلالت بھی اسی پر ہے کیونکہ بعض احادیث وضو میں ہے کہ اس کے لیے ایک مُد کافی ہے، اور بعض احادیث میں دو رطل کا تذکرہ ہے، ان میں تطبیق یوں ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہی ہے۔ ایک قول کے مطابق رطل اور ثلث عراقی ہے (ت)

(یہ قول شافعیہ ہے کہ صاع ۵-۱/۳رطل÷۴=۱-۱/۳رطل)

اور رطل بیس ۲۰استار اور استار ۴-۱/۲مثقال جو کہ ایک پیسہ کا وزن ہے، اس حساب سے بناتے ہیں تاکہ واضح ہوجائے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مُد پہلے (حنفی) قول پر ایک من ہے، اور شرعی من چالیس ۴۰ استار ہے، یہ اکبری وزن ہے جس میں سیر، تیس ۳۰ پیسہ برابر ہے تو مُد ایک سیر اور سیر کا ثلث ہُوا۔ جہانگیر بادشاہ اللہ تعالٰی اس کے ملک وسلطنت کو ہمیشہ پسندیدہ فرمائے، کہ اس کا سیر چھتیس ۳۶ پیسہ، تو مُد ایک سیر اور چار پیسہ برابر ہوا، پس صاع عراقی جو چار مُد ہے پانچ سیر اور ایک سیر کا ثلث، اکبری حساب سے ہُوا۔ اور جہانگیری حساب سے چار سیر اور دو پیسہ کم آدھ سیر ہُوا۔ اور دوسرے قول (شافعی) کے مطابق مُد، ایک اکبری سیر اور تین پیسہ سے قدرے کم، یعنی ۳-۱/۳پیسہ کم ۲۶-۲/۳ پیسہ ہوا۔ اور جہانگیری حساب سے تین پاؤ سے کم یعنی پیسے کا تہائی حصّہ کم جو کہ تین پاؤ ۲۷پیسہ ہے۔ اور صاع حجازی، اکبری حساب سے ۳-۱/۲سیر ایک پیسہ کم (بلکہ ۱-۱/۳پیسہ کم) تین سیر جہانگیری ۱۰۸پیسہ ہے)

[1] شرح سفر السعادۃ، فصل در طہارت الخ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ص ۳۰

تین سیر جہانگیری ۱۰۸ پیسہ ہے) انتھی مزیدًامابین الھلالین منی۔	عبارت ختم ہوئی اور قوسین میں اضافہ میری طرف سے ہے۔(ت)

البتہ اشعۃ اللمعات مطبع مصطفائی محمد حسین خاں باب الغسل میں سیر جہانگیری سے صاع عراقی کا حساب ظاہرًا خطا سے کاتب سے غلط ہوگیا ہے حیث قال صاع بوزن اکبر شاہی کہ سیرے سی سیر شاہی بود پنج سیر ودہ سیر شاہی مے شود (اکبر شاہی کے حساب سے کہ ایک سیر تیس استار کا ہے، صاع ۵ سیر ہُوا اور دس ۱۰ استار ہے۔ت) (یہ صحیح ہے اور حساب اول کے مطابق کہ دس ۱۰ سیر شاہی ثلث پیسہ اکبری ہے کمالایخفی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

وبوزن حال جہانگیری ابد اللہ ملکہ وسلطنتہ کہ سیرے سی وشش سیر شاہی ست چہار سیر ویک پاؤمی شود بیک سیر شاہی کم۔[1]	اور جہانگیری حساب سے جس میں ایک سیر ۳۶ استار کا ہے، عراقی صاع چار سیر ایک پاؤ اور ایک سیر کم ہے۔(ت)

(یہ غلط ہے کہ صاع ۱۶۰ پیسہ ہے اور سوا چار سیر جہانگیری ایک پیسہ کم کے ۱۵۲ ہی پیسے ہُوئے آٹھ پیسے کا فرق ہے صحیح وہی ہے جو اوپر گزرا کہ ساڑھے چار سیر جہانگیری ہے دو پیسے کم)

مسئلہ ۱۴۷ تا ۱۴۹: از یہان پورہ مکسر اسٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں عید الفطر کے خطبہ میں فطرہ فی کس ایک سیر ساڑھے گیارہ آنے بھر مبلغ ایک سو پانچ روپیہ بھر کے حساب سے دینا بتایا، کیا یہ صحیح ہے؟

(۲) صاع کتنے سیر کا، سیر کتنے روپیہ بھر، روپیہ کتنے ماشے کا، اور کون روپیہ شرع سے، اس میں کیا حکم ہے؟

(۳) خطبہ علمی میں نصف صاع یعنی دو سیر جس کا وزن بریلی کے سیر سے ایک سیر نو چھٹانک سے کچھ بتایا کیا یہ صحیح ہے؟ رائج الوقت سیر سے فطرہ فی کس کتنا دینا چاہئے؟

الجواب:

(۱) خالد کا یہ قول محض غلط ہے گیہوں صدقۃ الفطر ایک سو چوالیس ما للعہ روپیہ بھر ہے اور زیادہ احتیاط اٹھنی اوپر ایک سو بچھتّر ملعہ روپے بھر، کما بیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے بیان

[1] اشعۃ اللمعات باب الغسل فصل ثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۳

کیا ہے۔ت) ایک سو پانچ روپے ساڑھے گیارہ آنے بھر سے کسی طرح صدقہ ادا نہیں ہو سکتا۔

(۲) سیر مختلف ہوتے ہیں، صاع کا حساب ہر جگہ کے سیر سے بدلے گا، صاع اس انگریزی روپیہ رائج الوقت سے دو سو اٹھاسی روپے بھر ہے، اور تولوں سے دو سو ستّر تولے۔ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشہ بھر ہے۔

(۳) گیہوں کا فطرہ انگریزی روپے سے ایک سو چوالیس روپے بھر ہے جو بریلی کے سیر سے کہ سو[۱۰۰] روپیہ بھر کا ہے چھٹانک کم ڈیڑھ سیر ہوا سیر کا پانچواں حصّہ کم۔ حساب صحیح و منقح یہ ہے، زیادہ احتیاط وہ ہے جو اوپر گزری کہ گیہوں بریلی کے سیر سے پونے دو سیر دیں اٹھنی بھر اوپر، اور اسی[۸۰] کے سیر سے تین چھٹانک دو سیر دس اٹھنی بھر اوپر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال کسے جائز ہے کسے ناجائز

مسئلہ ۱۵۰: از مولوی محمد اسمٰعیل محمود آبادی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ بعد نماز قبل فاتحہ اخیرہ کے ایک شخص اُٹھ کر مسافروں مسکینوں کے واسطے مسجد کے اندر مقتدیوں میں چندہ کرتا ہے، بعد ہو جانے کے فاتحہ پڑھی جاتی ہے بعدہ جو کچھ رقم بذریعہ چندہ جمع ہوتی ہے اس کو مسافروں اور مسکینوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، آیا یہ امر اس طرح مسجد کے اندر جائز ہے؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وُہ چندہ کرنے والا خود اسمیں سے نہ لیتا ہو، بلکہ مسجد میں مسکین کے لیے اس طرح چندہ کرنا خود سنّت سے ثابت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ جو صحیح وسالم جوان تندرست ہیں مگر بوجہ آرام طلبی کے طلبِ معاش کی محنت سے جی چُرا کر سوال کو کہ بظاہر آسان ہے پیشہ اپنا مقرر کیا ہے، چنانچہ بعض نے تو چند کتابیں فارسی اردو وغیرہ کی دیکھ کر وعظ گوئی اختیار کی ہے اور دوسرے وطنوں میں جا کر اسی کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں اور بعض مشائخین کی شکل بنا کر کماتے ہیں اور بعضے مسافر بن کر مسجدوں میں ٹھہرتے ہیں اور اقسام اقسام کی حاجتیں ظاہر کرکے سوال کرتے ہیں اور بہ سبب کثرت اور رواج اس قسم کے لوگوں کی جو کوئی محتاج سچی حالت والا مسکین اور مسافر مصیبت زدہ ہوتا ہے، اس کی تصدیق اور شناخت بھی کم ہوتی ہے، علاوہ سوال کرنے کے یہ بھی ہوتا ہے کہ جس شہر یا محلّہ میں پہنچے ہیں وہاں کے باشندوں سے وہاں کے لوگوں کا حال معلوم کرکے جس کسی کو اہلِ شہر یا محلّہ سے ذی وجاہت معلوم کرتے ہیں اس کو جا گھیرتے ہیں

اور کہتے ہیں کہ ہمارے واسطے تم اپنے محلّہ یا شہر سے آگاہ کرادو بعض لوگ ان کی باتوں میں آکر ان کی طرف سے لوگوں سے مانگ مانگ کران کے واسطے کچھ فراہم کرادیتے ہیں، ایسا شخص جو ایسے لوگوں کے واسطے کوشش کرکے کچھ دلوادے تو بمقتضائے اس حدیث شریف کے **الدال علی الخیر کفاعلہ**[1] (بھلائی پر رہنمائی کرنے والا اسے بجالانے والے کی طرح ہوتا ہے۔ت) ثواب پائے گا اور یہ فعل اس کا موجب اجر ہوگا یا بحکم **وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**[2] (گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ت) کے سوال حرام کے معاونت کا مرتکب ہوگا اور ایسے لوگوں کو دینے والا بھی ثواب پائے گا یا نہیں یا گنہگار ہوگا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بے ضرورتِ شرعی سوال کرنا حرام ہے، اور جن لوگوں نے باوجود قدرت کسب بلاضرورت سوال کرنا اپنا پیشہ کرلیا ہے وہ جو کچھ اس سے جمع کرتے ہیں سب ناپاک وخبیث ہے اور ان کا یہ حال جان کر اُن کے سوال پر کچھ دینا داخل ثواب نہیں بلکہ ناجائز وگناہ، اور گناہ میں مدد کرنا ہے۔ اور جب انھیں دینا ناجائز تو دلانے والا بھی **دال علی الخیر** نہیں بلکہ **دال علی الشر** ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ذکر کی، لیکن اگر بے سوال کوئی کچھ دے جیسے لوگ علماء ومشائخ کی خدمت کرتے ہیں تو اس کے لے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ نیت نیک ہو تو دینے اور لینے والے دونوں داخلِ ثواب ہیں خصوصًا جبکہ لینے والا حاجت رکھتا ہو، سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کچھ عطا بھیجی اُنھوں نے واپس حاضر کی کہ حضور نے ہمیں حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ لینے میں بھلائی ہے، فرمایا یہ بحالتِ سوال ہے اور جو بے سوال آئے وُہ تو ایک رزق ہے کہ مولٰی تعالٰی نے تجھے بھیجا، امیر المومنین نے عرض کی واللہ اب کسی سے کچھ سوال نہ کروں گا اور بے سوال جو چیز آئے گی لے لُوں گا،[3]

رواہ مالک فی الموطا اصل الحدیث	اسے موطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے اور اصل

[1] المعجم الکبیر مروی از ابو مسعود الانصاری المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۸-۲۲۷

[2] القرآن ۵/ ۲

[3] صحیح البخاری باب من اعطاہ اللہ شیئا من غیر مسئلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹، صحیح مسلم باب جواز الاخذ بغیر سوال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۴، مسند احمد بن حنبل مروی از عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۷، ۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب البیوع والاقضیہ حدیث ۲۰۱۶ ادارہ علوم القرآن والعلوم الاسلامیہ ۶/ ۵۵۲

عند الشیخین من حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وفی الباب عن ام المومنین الصدیقۃ عند احمد والبیہقی وعن واصل بن الخطاب عند ابی یعلی وعن خالد بن عدی الجھنی عند احمد وابی یعلی والطبرانی وابن حبان والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند الامام احمد وعن عائذ بن عمر رضی اللہ تعالی عنھم عنداحمد والطبرانی والبیھقی وھذاکلھا احادیث قویۃ باسانید جیاد۔	حدیث بخاری ومسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے، اور اس بارے میں امام احمد اور بیہقی نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، ابویعلی نے حضرت واصل بن خطاب سے، امام احمد، ابویعلی، طبرانی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت خالد بن عدی الجہنی سے، امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے حضرت عائذ بن عمر رضی اللہ تعالے عنہم سے روایت کیا ہے، اور یہ تمام احادیث جیّد اسناد کی وجہ سے قوی ہیں۔(ت)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماالمعطی من سعۃ بافضل من الاٰخذ اذا کان محتاجا۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وشاھدہ عندہ فی الاوسط کابن حبان فی الضعفاء من حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تونگری سے دینے والا کچھ لینے والے سے افضل نہیں جبکہ وہ حاجت رکھتا ہو(اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کیا اور اوسط میں ان کے ہاں اس کا شاہد بھی ہے جیسا کہ ابن حبان نے الضعفاء میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از پکھریرا محلہ نورالحلیم شاہ شریف آباد رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ
زید مالدار چھ سات ہزار روپے یا کچھ کم وبیش کی زمین رکھتا ہے اور اس کو پانچ چھ سو روپیہ قرض ہے آیا وُہ زمین بیچ کر ادا کرے یا بھیک مانگ کر، شرعًا اس کو اس غرض سے بھیک مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس کا ذریعہ رزق اس زمین کے سوا کچھ نہیں، نہ وُہ کسی کسب پر قادر ہے نہ اس زمین کا کوئی حصہ

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۲/ ۴۲۳

جدا کرکے باقی لائق کفایت بچے یا کوئی حصہ لینے پر راضی نہ ہو، غرض یہ کہ سوائے سوال جمیع اسباب بند ہوں تو بحکم ضرورت بقدرِ ضرورت سوال حلال، ورنہ حرام،

فان الضرورۃ تبیح المحظورات وما کان لضرورۃ تقدرھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ضرورت ممنوعات کو مباح کردیتی ہے اور ضرورت کے پیش نظر اتنی ہی مقدار جائز ہوگی (ت) واللہ تعالٰی اعلم

صدقات نفل کا بیان

مسئلہ ۱۵۳: از سرکار مارہرہ مطہرہ از درگاہ مسکین پناہ مسئولہ حضرت سیّد شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۱۰ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب بغرض ثواب اپنے جائز روپے سے ماہواری یا سالانہ کھانا پکوا کر فاتحہ حضور پُر نور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا کرتے ہیں اور کھانا مساکین وغیر مساکین کو کھلادیتے ہیں یا تقسیم کردیتے ہیں ایک طالبعلم حنفی قادری سنّی سیّد کہ جس کی تعلیم دینی بوجہ نہ استطاعت ہونے کے اُس کے ولی کے غیر مکمل رہی جاتی ہو اور علومِ دینی حاصل نہ کرنے کی وجہ سے اُس طالب علم آلِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بد عقیدہ ہوجانے کا اندیشہ ہو اس صورت میں اگر وہ روپیہ کو جو فاتحہ میں صرف کیا جاتا ہے اگر اس طالب علم کے تعلیم دینی میں بہ نیتِ ثواب فاتحہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صرف کردیا جائے تو بدل اُس فاتحہ سالانہ یا ماہواری کا ہو کر باعثِ خوشنودی سردارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوگا یا نہیں اور ثواب میں کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب:

یہ اُس کا نعم البدل ہوگا اور ثواب میں کمی کیا معنی، اُس سے ستّر گُنا ثواب کی زیادہ اُمید ہے بطور مذکور کھانا پکا کر کھلانے یا بانٹنے میں ایک کے دس ہیں۔

قال اللہ تعالٰی مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ۔[1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے جو نیکی بجالاتا ہے اس کے لئے اس کی دس مثل ہیں۔ (ت)

اور طالبِ علمِ دین کی اعانت میں کم سے کم ایک کے سات سو۔

قال اللہ تعالٰی مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ	اللہ تعالٰی کا فرمان عالی ہے: انکی کہاوت جو اپنے

[1] القرآن ۶/۱۶۱

فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ کُلِّ سُنۡۢبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ ؕ وَاللّٰہُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۱﴾ [1]	مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیاں، ہر بالی میں سودانے، اور اللہ اس سے بھی زیادہ بڑھائے جس کے لیے چاہے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فی سبیل اللہ ھو منقطع الغزاۃ وقیل الحاج وقیل طلبۃ العلم خصوصا۔[2]	فی سبیل اللہ سے مراد وُہ غازی ہیں جن کے پاس خرچہ و اسلحہ نہ ہو، بعض نے کہا حاجی، اور بعض نے کہا اس سے خصوصًا طلبہ علم مراد ہیں (ت)

جبکہ اس میں حفظِ ہدایت ہو، صحیح حدیث ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یھدی اللہ بك رجلا خیر لك مما طلعت علیك شمس و غربت۔[3] واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	تیری وجہ سے کسی ایک کا ہدایت پاجانا ہر اس شئی سے بہتر ہے جس پر طلوعِ آفتاب ہو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۵۴: از رامپور چاہ شور مرسلہ مولوی عبدالصمد صاحب ۱۸ محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ جو لوگ تندرست و توانگر کھاتے پیتے ہیں انھوں نے اپنا پیشہ گدائی اور فقیری اور محتاجگی کا مقرر کیا ہے اور دربدر شہر بہ شہر بھیک مانگتے سوال کرتے پھرتے ہیں اور ہر گز محنت مزدوری نہیں کرتے اگرچہ مالدار آسودہ حال ہیں ایسے لوگوں کو بھیک مانگنا اور سوال کرنا حلال ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو دینا بھی بوجہ اعانت علی الحرمۃ، حرام اور ممنوع ہے یا نہیں، جبکہ مسجد میں سوال اور اس عطا کو کتبِ فقہ میں حرام و مکروہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ درمختار میں مرقوم ہے: ویحرم فیه السوال ویکرہ الاعطاء [4] (مسجد میں مانگنا حرام اور دینا مکروہ ہے۔ت) بینوا بالکتاب وتوجروا بیوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور یومِ حساب اجر پاؤ۔ت)

---

[1] القرآن ۲/۲۶۱

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

[3] الجامع الصغیر مع فیض القدیر حدیث ۷۲۱۹ دارالمعرفۃ بیروت ۵/۲۵۹، اتحاف السادۃ المتقین بیان ترک الطاعات خوفاً من الریاء دارالفکر بیروت ۸/۳۲۰

[4] درمختار باب مایفسد الصلٰوۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳

الجواب:

جو اپنی ضروریات شرعیہ کے لائق مال رکھتا ہے یا اس کے کسب پر قادر ہے اُسے سوال حرام ہے اور جو اس مال سے آگاہ ہو اُسے دینا حرام، اور لینے اور دینے والا دونوں گنہگار و مبتلائے آثام۔ صحاح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقة لغنی ولذی مرة سوی۔[1] رواہ الائمة احمد والدارمی والاربعة عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	صدقہ حلال نہیں ہے کسی غنی کے لیے، نہ کسی تندرست کے لیے (اسے امام احمد، دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز صحاح میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سأل الناس وله مایغنیه جاء یوم القیامة ومسئلته فی وجهه خموش۔[2] رواہ الدارمی والاربعة عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو لوگوں سے سوال کرے اور اس کے پاس وہ شیئ ہو جو اُسے بے نیاز کرتی ہو روزِ قیامت اس حال پر آئیگا کہ اُس کا وہ سوال اس کے چہرہ پر خراش وزخم ہو (اسے دارمی اور چاروں ائمہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل الناس اموالهم تکثر افانما یسأل جمر جهنم فلیستقل منه او یستکثر۔[3] رواہ احمد و مسلم وابن ماجة عن	جو اپنا مال بڑھانے کے لیے لوگوں سے اُن کے مال کا سوال کرتا ہے وہ جہنّم کی آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے، اب چاہے تھوڑی لے یا بہت۔ (اسے امام احمد،

[1] سنن الدارمی نمبر ۱۵ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۳۲۵، جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۳

[2] جامع سنن الدارمی نمبر ۱۵ باب من تحل لہ الصدقۃ نشر السنۃ ملتان ۱/۳۲۵، جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۳، سنن ابن ماجہ باب من سأل عن ظہر غنی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۳

هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل من غیر فقر فانما یاکل الجمر۔[1] رواہ احمد وابن خزیمة وایضا فی المختارة عن حبشی بن جنادة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	جو بے حاجت وضرورتِ شرعیہ سوال کرے وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (اسے امام احمد اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے اور المختارہ میں حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لایحل ان یسئل من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالصحیح المکتسب ویا ثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی المحرم اھ۔[2] وتمام الکلام فی ھذاالمقام مع دفع الاوھام فی فتاوٰنا وقد ذکر ناشیأ منه فیما علقنا علی رد المحتار واللہ تعالٰی یقول جل مجدہ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص کے پاس عملًا ایک دن کی روزی موجود ہو یا وہ روزی کمانے کی صحیح طاقت رکھتا ہو (یعنی وہ تندرست وتوانا ہو تو) اس کے لیے روزی کا سوال جائز نہیں، اس کے حال سے آگاہ شخص اگر اسے کچھ دے گا تو وہ گنہ گار ہوگا کیونکہ وہ حرام پر اس کی مدد کر رہا ہے اھ (ت) اور اس پر ایسی تفصیلی گفتگو جس سے تمام اوہام کا رد ہو جائے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے اور اس میں کچھ ردالمحتار کے حاشیہ میں بھی ذکر کی ہے اور اللہ تعالٰی سبحانہ کا مبارک فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر مدد نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: مرسلہ مظفر علی ساکن قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی محلّہ سید باڑہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

میلاد شریف اور گیارہویں شریف اور فاتحہ اولیاء اللہ کی شیرینی کھانا اور شربت محرّم کا پینا درست ہے یا نہیں اور ان کا حرام جاننے والا اور مثل زکوٰۃ کے مال کے، بجز مساکین اور سب کے واسطے، حرام قطعی بتانے والا

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث حبشی بن جنادۃ السلولی رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱۶۵/۴، صحیح ابن خزیمہ نمبر ۴۱۲ باب التغلیظ فی مسئلۃ الغنی من الصدقۃ حدیث ۲۴۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰۰/۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۲/۱

حنفی مقلد ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص حنفی مقلد اشخاص میں قابلِ امامت ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اشیاء مذکورہ سے کوئی چیز نہ زکوٰۃ ہے نہ صدقہ واجبہ، اس کا کھانا غنی، فقیر، سیّد وغیرہ سب کو بالاتفاق حلال ہے، اُسے سوائے مساکین اوروں پر حرام بتانے والا، اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور سخت عذاب شدید کا مستحق ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾ [1]	اور نہ کہو اپنی زبانی جھوٹ بناوٹوں سے کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جُھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا میں تھوڑا سا کھا پہن لیں پھر آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فتاوٰی عتابیہ پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر سعدی آفندی علی العنایہ میں ہے:

یجوز النفل للھاشمی مطلقا بالاجماع وکذا یجوز النفل للغنی۔ [2]	ہر نفلی صدقہ بالاتفاق ہاشمی کے لیے جائز ہے اور اسی طرح نفلی صدقہ غنی کے لیے بھی جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

جازت التطوعات من الصدقات و غلۃ الاوقاف لھم۔ [3]	نفلی صدقات اور غلہ اوقاف ان (اغنیاء) کے لیے جائز ہے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ردالمحتار میں ہے:

ان فی التصدیق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر۔ [4]	غنی پر صدقہ کی صورت میں وہ قربت ہوتی ہے جو فقیر پر صدقہ سے کم ہے۔ (ت)

معہذا ان اشیاء میں تصدق کی نیّت نہیں ہوتی بلکہ عام حاضرین پر ہدیہ تقسیم اور ہدیہ یقیناً مطلقاً سب کے لیے جائز

---

[1] القرآن ۱۶/۱۱۶ و ۱۱۷

[2] حاشیۃ سعدی آفندی علی العنایہ مع فتح القدیر باب یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۱۱

[3] درمختار باب لمصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۱

[4] ردالمحتار، کتاب الوقف، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۳/۳۵۷

اور زمانہ رسالت سے علی العموم بلا تخصیص مساکین رائج ہے، ایسا شخص کہ صراحۃً اللہ و رسول پر افتراء کرتا ہے اور حلالِ خدا کو حرام بتاتا ہے، اگر جاہل بے علم ہے اور اپنے قولِ باطل پر مُصرِ ہے تو دو۲ وجہ سے فاسق ہے:

اولا: حلال کو حرام کرنا، دوسرے بے علم فتویٰ دینا، حلال حرام میں زبان کھولنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔[1] رواہ البخاری واحمد ومسلم والترمذی و ابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔	بے علم کہ شرعی حکم لگا بیٹھے تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام بخاری، احمد، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء و الارض ۔[2] رواہ ابن عساکر عن امیرالمومنین علی کرم اللہ وجھہ۔	جو بغیر علم کے کوئی حکمِ شرعی بتائے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کریں (اسے ابن عساکر نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰے وجہہ سے روایت کیا۔ت)

اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے:

کما فی الحجۃ والغنیۃ والتبیین والطحطاوی علی المراقی وغیرھا وقد حققنا فی النھی الاکید۔	جیسا کہ حجہ، غنیہ، تبیین اور طحطاوی علی المراقی وغیرہ میں ہے اور ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید" میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔(ت)

اور اگر ذی علم ہے تو اُس کا حکم اور سخت تر ہے کہ وہ دانستہ اللہ عزوجل پر افتراء کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ[3]	جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

1 صحیح البخاری، کتاب العلم، باب کیف یقبض العلم، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۲۰

2 کنز العمال بحوالہ ابن عساکر، عن علی کرم اللہ وجہہ حدیث ۲۹۰۱۸، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۰/۱۹۳

3 القرآن ۱۶/۱۰۵

اور اس کے غیر مقلد ہونے میں شک نہیں وُہ نہ حنفی ہے نہ شافعی نہ مالکی نہ حنبلی کہ کسی مذہب میں ہدیہ تقسیم اغنیاء پر حرام نہیں، ہاں وہ شیطان کا مقلد ہے، جس نے صحابہ کرام کے زمانہ سے اس وقت تک تمام مسلمانوں کو مرتکب حرام واکل حرام، بنانے کا ناپاک وسوسہ اُس کے بے باک دل میں ڈالا، اور غیر مقلد کے پیچھے نماز حرام، بلکہ محض باطل ہے **کما حققناہ فی کتابنا المذکور** (جیسا ہم نے اپنی کتاب مذکور میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الصلوٰۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اہلِ ہوا کے پیچھے نماز جائز نہیں۔(ت)

مسئلہ ۱۵۶: از کلکتہ کولھوٹولہ۔اسٹریٹ نمبر ۶۵ مرسلہ حاجی محمد لعل خاں صاحب، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

قبلہ وکعبہ حضرت مولائی مرشدی مدظلہ العالی تمنائے قدم بوسی کے بعد مؤدبانہ گزارش ہے کہ ایک شخص اہل وعیال رکھتا ہے اپنی ماہانہ یاسالانہ آمدنی سے بلاافراط وتفریط اپنے بال بچّوں پر خرچ کرکے بقایا خدا کی راہ میں دیتا ہے آئندہ کو اہل وعیال کے واسطے کچھ نہیں رکھتا، دوسری اپنی آمدنی سے بچوں پر ایک حصہ خرچ کرکے دوسرا حصہ خیرات کرتا اور تیسرا حصّہ آئندہ انکی ضرورتوں میں کام آنے کی غرض سے رکھ چھوڑنے کو اچھا جانتا ہے، ان دونوں میں افضل کون ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حُسنِ نیّت سے دونوں صورتیں محمود ہیں، اور باختلافِ احوال ہر ایک افضل، کبھی واجب، ولہذا اس بارہ میں احادیث بھی مختلف آئیں اور سلف صالح کا عمل بھی مختلف رہا۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس میں قول موجز وجامع اِن شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ آدمی دو ۲ قسم ہیں منفرد کہ تنہا ہو اور معیل کہ عیال رکھتا ہو، سوال اگرچہ معیل سے متعلق ہے مگر ہر معیل اپنے حق نفس میں منفرد اور اس پر اپنے نفس کے لحاظ سے وہی احکام ہیں جو منفرد پر ہیں، لہذا دونوں کے احکام سے بحث درکار۔

اوّل: وُہ اہلِ انقطاع وتبتل الی اللہ اصحاب تجرید وتفرید جنھوں نے اپنے رب سے کچھ نہ رکھنے کا عہد باندھا ان پر اپنے عہد کے سبب ترک ادخار لازم ہوتا ہے اگر بچار کھیں تو نقضِ عہد ہے اور بعد عہد پھر جمع کرنا ضرور ضعفِ یقین سے ناشئی یا اُس کا موہم ہوگا، ایسے اگر کچھ بھی ذخیرہ کریں مستحقِ عقاب ہوں، حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی

[1] فتح القدیر، باب الامامۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۱/۳۰۴

علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ خُرمے جمع دیکھے، فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کی: شیئ ادخرتہ لغد میں نے آئندہ کے لیے جمع کر رکھے ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے: اعد ذٰلک لا ضیافک حضور کے مہمانوں کے خیال سے انھیں رکھا ہے۔ فرمایا:

اما تخشی ان یکون لك دخان فی نار جهنم انفق یا بلال ولا تخشی من ذوی العرش اقلالا۔[1] رواه البزار بسند حسن و الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود و ابو یعلی والطبرانی فی الکبیر والاوسط بسند حسن والبیهقی فی شعب الایمان واللفظ الاول له عن ابی ہریرة رضی الله تعالیٰ عنهما۔	کیا ڈرتا نہیں کہ تیرے آتش دوزخ کا دُھواں ہو، اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کرو۔ اسے بزار نے سند حسن سے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے، ابویعلیٰ اور طبرانی نے المعجم الکبیر اور اوسط میں سند حسن سے، اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے پہلے الفاظ اسی کے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ (ت)

ایک بار انہی بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اے بلال! فقیر مرنا اور غنی ہو کر نہ مرنا"۔ عرض کی: اس کی کیا سبیل ہے؟ فرمایا: جو ملے نہ چھپانا اور جو مانگا جائے منع نہ کرنا (ظاہر ہے کہ جب نہ مال چھپانا ہو نہ کسی کا سوال رَد کیا جائے تو سائلین کسی وقت بھی کچھ پاس نہ چھوڑیں گے) عرض کی: ایسا کیونکر کروں؟ فرمایا:

هو ذاك او النار۔[2] والعیاذ بالله تعالیٰ رواه الطبرانی فی الکبیر وابو الشیخ فی الثواب والحاکم فی المستدرك عن بلال رضی الله تعالیٰ عنه۔	یا تو یونہی کرنا ہوگا یا آگ۔ (اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں پناہ لیتا ہُوں۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں، ابو شیخ نے الثواب میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

دوم: فقر و توکّل ظاہر کرکے صدقات لینے والا اگر یہ حالت مستمر رکھنا چاہے تو اُن صدقات میں سے کچھ جمع کر رکھنا

---

[1] شعب الایمان باب فی الزکوۃ حدیث ۳۳۴۸ دار لکتب العلمیہ بیروت، ۳/۲۰۹، المعجم الکبیر، روی از بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث ۱۰۲۰، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۱/۳۴۰، جمع الزوائد، بحوالہ البزار باب فی الانفاق والامساک دار الکتاب العربی بیروت، ۱۰/۲۴۱

[2] المعجم الکبیر مروی از بلال رضی اللہ عنہ حدیث ۱۰۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/۳۴۱

اُسے ناجائز ہوگا کہ یہ دھوکا ہوگا اور اب جو صدقہ لے گا حرام و خبیث ہوگا، انہی دونوں باب سے ہیں وہ احادیث جن میں ایک اشرفی ترکہ چھوڑے والے کو ایک داغ فرمایا، دو پر دو، تین پر تین یعنی فی اشرفی ایک داغ دیا جائیگا۔

فلا حمد والطبرانی عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنه توفی رجل من اهل الصفة فوجد فی مئزره دینار فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کیة ثم توفی اٰخرفو جد فی مئزره دیناران، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم کیتان [1] ولا حمد وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنه قال توفی رجل من اهل الصفة فوجد وافی شملته دینارین فذکروا ذٰلك للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فقال کیتان [2] ولهما وللبخاری من سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنه کنت جالسا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ عنه وسلم فاتی بجنازة فقال هل ترك من شئی قالو انعم ثلثة دنانیر فقال باصبعه ثلث کیات۔ مختصرًا [3]	امام احمد اور طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہُوئے ان کے پلّے میں ایک دینار پایا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے لیے ایک داغ ہے، دوسرا فوت ہوا اس کے دامن میں دو ۲ دینار تھے، رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو ۲ داغ ہیں۔ امام احمد اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اصحابِ صفہ میں سے ایک فوت ہوئے ان کے شملہ میں دو ۲ دینار پائے گئے تو لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا: یہ دو ۲ داغ ہیں۔ احمد، ابن حبان اور بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ میں رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہُوا تھا جنازہ لایا گیا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس نے کچھ چھوڑا ہے؟ عرض کیا: ہاں اس نے تین دراہم چھوڑے ہیں۔ آپ نے مبارک انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یہ تین داغ ہیں (ت)

ظاہر ہے کہ ان حدیثوں کا محل وُہ نہیں ہو سکتا جو آیہ کریمہ:

وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ ﴿۳۴﴾	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی

1 مسند احمد بن حنبل مروی از ابوامامہ دارالفکر بیروت ۵/۲۵۳

2 مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ ابن مسعود دارالفکر بیروت ۱/۴۵۷

3 مسند احمد بن حنبل مروی از سلمہ بن اکوع دارالفکر بیروت ۴/۴۷

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ [1]	بشارت دیجئے کہ جس دن جہنم کی آگ میں انھیں پگھلایا جائے گا اور ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھیوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جسے تم اپنے لیے جمع کرتے تھے اب اپنے جمع کئے ہوئے کا عذاب چکھو۔ (ت)

وحدیثِ صحیح:

من اوکی علی ذھب اوفضة ولم ینفقه فی سبیل اللّٰه کان جمرا یوم القیامة یکوی به۔[2] رواہ احمد والطبرانی واللفظ له کلاھما بسند صحیح عن ابی ذر رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔	جس نے سونا و چاندی جمع کیا اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کیا وہ روزِ قیامت اس کے لیے آگ کا انگارہ بن جائے گا اور اس سے مالک داغا جائے گا۔ اسے امام احمد اور طبرانی (الفاظ اسی کے ہیں) نے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (ت)

کا محمل ہے کہ جب زکوٰۃ دے دے حقوق واجبہ شرعیہ ادا کردے کنز نہ رہا اور سبیل اللہ میں خرچ نہ کرنا صادق نہ آیا لہٰذا استحقاقِ داغ نہ رہا،

فالبیھقی فی سننه ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنھما موقوفا ومرفوعا الی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کلما ادی زکوٰۃ فلیس بکنز وان کان مدفونا تحت الارض وکلما لا تؤدی زکوٰته فھو کنز وان کان ظاھرا[3] ولابی داؤد عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنھما قال لما نزلت ھذہ الاٰیة و الذین یکنزون الذاب والفضة کبُر ذٰلك علی المسکین فقال عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه انا	بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفاً اور مرفوعاً نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا، ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں کہلاتا اگرچہ وہ زمین میں مدفون ہو اور ہر مال جس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو وُہ کنز ہے اگرچہ ظاہر ہو، ابو داؤد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیہ کریمہ والذین یکنزون الذھب والفضة نازل ہُوئی تو مسلمان پریشان ہوئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا میں

[1] القرآن ۹/۳۴و۳۵

[2] المعجم الکبیر مروی ازابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۶۴۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/۱۵۳

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الزکوٰۃ، باب التفسیر الکنزالخ، دار صادر بیروت، ۴/۸۳

افرج عنکم فانطلق فقال یانبی اللہ انه کبر علی اصحابك هذه الاٰیة فقال ان اللہلم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب مابقی من اموالکم وانما فرض المواریث لتکون لمن بعد کم قال فکبر عمر رضی اللہعنه۔[1]	تمھاری یہ پریشانی دُور کرتاہُوں، حضور کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا: یانبی اللہ! اس آیہ مبارکہ نے آپ کے اصحاب کو پریشان کردیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے زکوٰۃ فقط اسی لیے فرض فرمائی تاکہ تمھارا باقی مال پاک ہوجائے اور وراثت اس لیے فرض کی ہے تاکہ بعد کے لوگوں کو مال ملے۔ راوی کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ (ت)

اور یہ اس لیے کہ بیس دینار سے کم پر نہ زکوٰۃ ہے نہ کوئی صدقہ واجبہ۔ لاجرم یہاں استحقاقِ داغ انہی دو ۲ وجہ سے ایک پر ہو،

قال اللہ تعالٰی وَ اَوۡفُوۡا بِالۡعَہۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَہۡدَ کَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾[2] وفی قوت القلوب والترغیب وغیرھما انما کان کذٰلك لانه ادّخرمع تلبسه بالفقر ظاہرا و مشارکته الفقراء فیما یأتیھم من الصدقة۔[3]	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: عہد پُورا کرو عہد کے بارے میں پُوچھا جائے گا۔ (ت) قوت القلوب اور ترغیب وغیرہ میں ہے یہ داغ اس لیے ہے کہ ذخیرہ کرنے کے ساتھ اس نے ظاہرًا فقر کا اظہار کیا اور وہ صدقات میں فقراء کے ساتھ شریک ہوگیا۔ (ت)

یہ اُسی تقدیر پر ہے کہ داغ سے مراد عیاذًا باللہ آتشِ دوزخ میں تپا کر داغ دینا ہو، اور اگر اس سے دھبہ مراد ہو یعنی اس کے جمال ونورانیت میں وہ ایسے معلوم ہوں گے جیسے چہرہ پر چیچک وغیرہ کا داغ، اور جن موردوں کے بارے میں یہ حدیثیں آئیں وہاں بلاشُبہہ یہی معنی دوم انسب واقرب ہیں تو وہ ان دونوں قسموں سے الگ ہیں، امام حجۃ الاسلام نے احیاء میں بعد ذکرِ وجہِ اول فرمایا:

الثانی ان لایکون ذٰلك عن تلبیس، فیکون المعنی به النقصان عن درجته فی الاٰخرۃ اذلا یؤتی احد من الدنیا شیأ الانقص	دوسرا یہ کہ دھوکا کی بنا پر نہ ہو، اب معنٰی یہ ہوگا کہ آخرت کے درجات میں کمی ہوجائے گی کیونکہ دنیا میں جس کو بھی کچھ دیا گیا ہے اس کے عوض آخرت

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب حقوق المال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۴

[2] القرآن ۱۷/ ۳۴

[3] الترغیب والترھیب کتاب الصدقات الترغیب فی الانفاق فی وجوہ الخیر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۸

بقدرہ من الاٰخرۃ[1] (ملخصا)	میں کمی ہو جائے گی (ملخصًا) (ت)

زبیدی نے اتحاف السادہ میں فرمایا:

وھذا الوجه ھو اللائق بمقام الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنھم کما لا یخفی۔[2]	صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقام کے یہی وجہ مناسب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

سوم: جسے اپنی حالت معلوم ہو کہ حاجت سے زائد جو کچھ بچا کر رکھتا ہے نفس اُسے طغیان و عصیان پر حامل ہوتا، یا کسی معصیت کی عادت پڑی ہے اس میں خرچ کرتا ہے تو اس پر معصیت سے بچنا فرض ہے اور جب اُس کا یہی طریقہ معین ہو کہ باقی مال اپنے پاس نہ رکھے تو اس حالت میں اس پر حاجت سے زائد سب آمدنی کو مصارفِ خیر میں صرف کر دینا لازم ہوگا،

وذٰلك لان فقد ان الاٰلة احد العصمتین وما تعین طریقا لواجب وجب۔	یہ اس لیے کہ ذریعہ کا مفقود ہو جانا بھی عصمت کی ایک صورت ہے اور جو شیئ کسی واجب کا ذریعہ بن رہی ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے۔ (ت)

چہارم: جو ایسا بے صبرا ہو کہ اُسے فاقہ پہنچے تو معاذاللہ رب عزوجل کی شکایت کرنے لگے اگرچہ صرف دل میں، نہ زبان سے، یا طرق ناجائز مثل سرقہ یا بھیک وغیرہ کا مرتکب ہو، اس پر لازم ہے کہ حاجت کے قدر جمع رکھے، اگر پیشہ ور ہے کہ روزکا روز کھاتا ہے، تو ایک دن کا، اور ملازم ہے کہ ماہوار ملتا ہے یا مکانوں دکانوں کے کرایہ پر بسر ہے کہ مہینہ پیچھے آتا ہے، تو ایک مہینہ کا، اور زمیندار ہے کہ فصل یا سال پر پاتا ہے تو چھ مہینہ یا سال بھر کا، **فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح** (مصالح کے حصول سے مفاسد کا ختم کرنا اہم ہوتا ہے۔ ت) اور اصل ذریعہ معاش مثلاً آلاتِ حرفت یا دکان مکان دیہات بقدر کفایت کا باقی رکھنا تو مطلقاً اس پر لازم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رزق فی شیئ فلیلزمه۔[3] رواہ البیھقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه بسند حسن۔	جو شیئ کسی کا ذریعہ رزق ہو وُہ اسے لازم پکڑے امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسندِ حسن بیان کیا ہے۔ (ت)

[1] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل الفن الثانی فی التعرض لاسباب الادخار مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲۷۸/۴

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب التوحید والتوکل الفن الثانی فی التعرض لاسباب الادخار دارالفکر بیروت ۵۰۵/۹

[3] شعب الایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ، ۸۹/۲

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مامن عبد یبیع تالدًا عـــہ الاسلط اللہ علیہ تالفا۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ وعن الصحابۃ جمیعا۔ عـــہ: المال القدیم۔	جو بندہ قدیم جائداد کو بیچ دے اللہ تعالٰی اس پر تلف کرنے والا مسلط کر دیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے اور تمام صحابہ سے منقول ہے۔ (ت) 'تالد' قدیم مال کو کہتے ہیں۔

تیسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من باع عقر دار من غیر ضرورۃ سلط اللہ علٰی ثمنھا تالفا یتلفہ۔[2] رواہ فی الاوسط عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ العقر بالفتح الاصل۔	جس نے بغیر ضرورت اصل دار کو بیچا اللہ تعالٰی اس کے ثمنوں پر کسی تلف کرنیوالے کو مسلط کر دیتا ہے۔ اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ لفظ عقر بالفتح ہے اس کے معنی اصل کے ہیں (ت)

پنجم: جو عالمِ دین مفتی شرع یا مدافع بدع ہو اور بیت المال سے رزق نہیں پاتا، جیسا یہاں ہے، اور وہاں اس کا غیر ان مناصب دینیہ پر قیام نہ کرسکے کہ افتا یا دفع بدعات میں اپنے اوقات کا صرف کرنا اس پر فرض عین ہو اور وُہ مال و جائداد رکھتا ہے جس کے باعث اسے غنا اور ان فرائضِ دینیہ کے لیے فارغ البالی ہے کہ اگر خرچ کر دے محتاج کسب ہو اور ان امور میں خلل پڑے، اس پر بھی اصل ذریعہ کا ابقا اور آمدنی کا بقدر مذکور جمع رکھنا واجب ہے **فان مقدمۃ الفریضۃ فریضۃ** (کسی فریضہ کا مقدمہ فرض ہوتا ہے۔ت) ایسے عالم کو جہاد کے لیے جانے کی اجازت نہیں کسبِ مال میں وقت صرف کرنے کی کیونکر اجازت ہوسکتی ہے، تنویر و درمختار میں ہے:

عالم لیس فی البلدۃ افقہ منہ فلیس لہ الغزو۔[3]	کسی شہر میں فقیہ ہو اور وہاں اس سے بڑھ کر دین جاننے والا نہ ہو تو ایسا شخص جہاد پر نہیں جاسکتا ہے۔ (ت)

ششم: اگر وہاں اور بھی عالم یہ کام کرسکتے ہوں تو ابقاء و جمع مذکور اگرچہ واجب نہیں مگر اہم و موکد

[1] المعجم الکبیر، مروی از عمران بن حصین، حدیث ۵۵۵، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۲۲۲/۱۸
[2] الجامع الصغیر مع فتح القدیر بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۸۵۵۳ دار المعرفہ بیروت ۶/ ۹۳
[3] درمختار، کتاب الجہاد، مطبع مجتبائی دہلی، ۳۳۹/۱

بیشک ہے کہ علمِ دین حمایتِ دین کے لیے فراغ بال، کسبِ مال میں اشتغال سے لاکھوں درجے افضل ہے معہذا ایک سے دو اور دو سے چار بھلے ہوتے ہیں، ایک کی نظر کبھی خطا کرے تو دوسرے اسے صواب کی طرف پھیر دیں گے، ایک کو مرض وغیرہ کے باعث کچھ عذر پیش آئے تو جب اور موجود ہیں کام بند نہ رہے گا لہٰذا تعدد علمائے دین کی طرف ضرور حاجت ہے۔

ہفتم: عالم نہیں مگر طلبِ علمِ دین میں مشغول ہے اور کسب میں اشتغال اُس سے مانع ہوگا تو اس پر بھی اُسی طرح ابقاء وجمع مسطور آکد واہم ہے۔

ہشتم: تین صورتوں میں جمع منع ہُوئی، دو[۲] میں واجب، دو[۲] میں مؤکد۔ جو ان آٹھ سے خارج ہو، وہ اپنی حالت پر نظر کرے اگر جمع نہ رکھنے میں اس کا قلب پریشان ہو توجہ بعبادت وذکرِ الٰہی میں خلل پڑے تو بمعنی مذکور بقدرِ حاجت جمع رکھنا ہی افضل ہے اور اکثر لوگ اسی قسم کے ہیں ع

پراگندہ روزی پراگندہ دل

(روزی پراگندہ ہو تو دل بھی پراگندہ ہوتا ہے۔ت)

ے شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

(رات کو نماز میں دل کیا لگے جب یہ پریشانی ہو کہ صبح بچّے کیا کھائیں گے۔ت)

عین العلم میں ہے:

یترك المضطرب طریق المتوکل بالادخار لان الغرض صلاح القلب۔[1]	مضطرب ذخیرہ کے ذریعے متوکل کا طریق ترک کردے کیونکہ مقصد اصلاح قلب ہے(ت)

احیاء العلوم میں ہے:

بل لوامسك ضیعة یکون دخلها وافیا بقدر کفایته وکان لا یتضرع قلبه الابه فذلك له اولیٰ۔[2]	بلکہ اگر قدر کفایت کو پُورا کرنیوالی جائیداد کو محفوظ کرے جبکہ (عبادت میں) تضرع اسی سے حاصل رہتا ہے تو یہ بہتر ہے۔(ت)

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کو توجہ بخدا کا قصد ہے ورنہ منہمکین فی الدنیا تو کسی وقت بھی متوجہ نہیں ہوتے، غنی

1 عین العلم، الباب العشرون فی التوحید والتوکل الخ، مطبع اسلامیہ لاہور ص ۳۳۸

2 احیاء العلوم، الباب العشرون فی التوحید والتوکل الخ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۷

ہوں تو بھول جائیں اللهم انّا نعوذبك من غنی یطغی و من فقر ینسی (اے اللہ! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس غنا سے جو تیرا باغی بنادے اور اس فقر سے جو تجھے بُھلادے۔ت)

نہم: اگر جمع رکھنے میں اس کا دل متفرق اور مال کے حفظ یا اس کی طرف میلان سے متعلق ہو تو رکھنا ہی افضل ہے کہ اصل مقصود ذکرِ الٰہی کے لیے فراغ بال ہے جو اُس میں مخل ہو وہی ضم ہے ان ہی دونوں مقاموں کی طرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس دُعا میں اشارہ فرمایا جو اپنی اُمّت کو تعلیم فرمائی کہ:

اللهم ما رزقتنی مما احب فاجعله قوة لی فیما تحب اللهم وما زویت عنی مما احب فاجعله فراغا لی فیما تحب۔[1] رواه الترمذی عن عبدالله بن یزید رضی الله تعالٰی عنه وحسنه۔	اے اللہ! تُو نے جو مجھے میرا پسندیدہ رزق دیا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے قوت کا ذریعہ بنادے، اور وُہ پسندیدہ رزق جو تُو نے مجھ سے روک رکھا ہے تو اسے اپنے پسندیدہ کاموں میں میرے لیے ذریعہ فراغت بنادے۔ اسے امام ترمذی نے حضرت عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے حسن قرار دیا ہے۔(ت)

امام حجۃ الاسلام بعد عبارتِ مذکورہ فرماتے ہیں:

المقصود اصلاح القلب لیتجرد لذکر الله، ورب شخص یشغله وجود المال ورب شخص یشغله عدمه، والمحذور ما یشغل عن الله عزوجل، والا فالدنیا فی عینها غیر محذورة لا وجودها ولا عدمها۔[2]	مقصود تو دل کی اصلاح ہے تاکہ وہ ذکرِ الٰہی کے لیے خالی ہوجائے اور بہت سے لوگوں کو مال کا ہونا اللہ تعالٰی سے غافل کردیتا ہے اور بہت سے لوگوں کو مال کا نہ ہونا غافل کردیتا ہے، اور منع تو وُہ ہے جو اللہ عزوجل سے غافل کردے ورنہ فی نفسہٖ دنیا کا وجود وعدم ممنوع نہیں۔(ت)

دہم: اصحاب نفوس مطمئنہ ہوں، نہ عدم مال سے اُن کا دل پریشان نہ وجودِ مال سے ان کی نظر، وہ مختار ہیں۔ حق سبحانہ اپنے نبی سیّدنا سلیمان علیہ السلام سے فرماتا ہے:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾۔[3]	یہ ہماری عطا ہے اب تُو چاہے تو احسان کر یا روک رکھ، تجھ پر کچھ حساب نہیں۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۸۷

[2] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل، احوال المتوکلین الخ مکتبہ ومبطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۷

[3] القرآن ۳۸/ ۳۹

اور کچھ نہ کہنا کہ عباد اللہ کا فائدہ ہے۔ احیاء کتاب الزکوۃ وظیفہ سادسہ مزکی میں ہے:

المال کله ﷲ عزوجل وبذل جمیعه هو الاحب عندالله سبحٰنه وانما لم یأمر به عبده لانه یشق علیه بسبب بخله کما قال عزوجل "فیحفکم تبخلوا"۔[1]	تمام مال اللہ عزوجل کے لیے ہے اور تمام کا تمام خرچ کردینا اللہ سبحانہ کے ہاں پسندیدہ عمل ہے باقی تمام کو خرچ کردینے کا اللہ تعالٰی نے اس لیے حکم نہیں دیا کہ بندے پر بخل کی وجہ سے ایسا کرنا مشکل تھا جیسا کہ باری تعالٰی نے ارشاد فرمایا: تم سے زیادہ طلب کرے تو تم بخل کروگے۔(ت)

یازدہم: حاجت سے زیادہ کا مصارفِ خیر میں صرف کردینا اور جمع نہ رکھنا صورتِ سوم میں تو واجب تھا باقی جملہ صُوَر میں ضرور مطلوب، اور جوڑ کر رکھنا اس کے حق ناپسند و معیوب کہ منفرد کو اس کا جوڑنا طولِ امل یا حُبِ دنیا ہی سے ناشئی ہوگا اور طولِ امل غرور ہے، اور دُنیا اشر الشرور۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل وعدّ نفسك من اصحاب القبور اذااصبحت فلا تحدّث نفسك با لمساء واذاامسیت فلا تحدث نفسك بالصباح۔[2] رواہ الترمذی والبیهقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما وهو فی صحیح البخاری برفع اوله ووقف اٰخره۔	دنیا میں یُوں رہ گویا تو مسافر بلکہ راہ چلتا ہے اور اپنے آپ کو قبر میں سمجھ کر صبح کرے تو دل میں یہ خیال نہ لا کہ شام ہوگی، اور شام ہو تو یہ نہ سمجھ کہ صبح ہوگی۔ (اسے ترمذی اور بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ صحیح البخاری میں اس کا اول حصّہ مرفوعًا اور آخری موقوفًا مروی ہے۔ت)

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یاایھاالناس اماتستحیون اے لوگو! کیا تمھیں شرم نہیں آتی؟ حاضرین نے عرض کی: یارسول اللہ کس بات سے۔ فرمایا:

تجمعون مالا تاکلون وتبنون مالا تعمرون وتاملون مالا تدرکون الاتستحیون	جمع کرتے ہو جو نہ کھاؤ گے اور عمارت بناتے ہو تو جس میں نہ رہوگے اور وہ آرزوئیں باندھتے ہو جن تک

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الزکوۃ، بیان دقائق الآداب الباطنہ الخ مکتبہ ومطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ۲۱۸/۱، القرآن ۴۷/ ۳۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۵۷/۲

ذٰلک۔[1] رواہ الطبرانی عن ام الولید بنت عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	نہ پہنچوگے اس سے شرماتے نہیں۔ (اسے طبرانی نے حضرت ام الولید دختر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

ایک حدیث میں ہے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ایک مہینے کے وعدے پر ایک کنیز سَو دینار کو خریدی، رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الاتعجبون من اسامۃ یشتری الی شھر، ان اسامۃ طویل الامل، والذی نفسی بیدہ ماطرفت عیناہ الاظننت ان شفریّ لا یلتقیان حتی یقبض اللہ روحی ولا رفعت قدحا الی فی فظننت انی واضعہ حتی اقبض ولا لقمت لقمۃ الاظننت انی لاسیغھاحتی اعض بھا من الموت، والذی نفسی بیدہ ان ما توعدون لات وما انتم بمعجزین۔[2] رواہ ابن ابی الدنیا فی قصر الامل وابو نعیم فی الحلیۃ والاصبھانی فی الترغیب والبیھقی عن ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا اسامہ سے تعجب نہیں کرتے جس نے ایک مہینے کے وعدے پر (کنیز) خریدی، بیشک اسامہ کی امید لمبی ہے قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں توجب آنکھ کھولتا ہُوں یہ گمان ہوتا ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے موت آجائیگی، اور جب پیالہ منہ تک لے جاتاہُوں کبھی یہ گمان نہیں کرتا کہ اس کے رکھنے تک زندہ رہوں گا، اور جب کوئی لقمہ لیتاہُوں گمان ہوتاہے کہ اسے حلق سے اتارنے نہ پاؤں گا کہ موت اسے گلے میں روک دے گی، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک جس بات کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے تم تھکانہ سکوگے۔ اسے ابن ابی الدنیا نے باب فی قصر الامل میں، ابونعیم نے حلیہ میں، اصبہانی نے ترغیب میں اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیوار پر کہگل اور ٹٹی درست کرتے دیکھا، فرمایا: اے عبداللہ! کیا ہے؟ عرض کی درست کرتاہُوں۔ فرمایا:

[1] المعجم الکبیر مروی از ام الولید بنت عمر بن خطاب حدیث ۴۲۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۵/ ۱۷۲

[2] حلیۃ الاولیاء ابوبکر ابی مریم الغسانی نمبر ۳۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۹۱، الترغیب والترہیب کتاب التوبہ والزہد مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۲۴۲

الامر اسرع من ذٰلک۔[1] رواہ ابو داؤد و الترمذی ف وحسنه وصححه وابن ماجة وابن حبان عنه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	معاملہ اس سے قریب تر ہے(اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کرکے حسن اور صحیح کہا۔ ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گردن مبارک پر دستِ اقدس رکھ کر فرمایا: ھذاابن اٰدم وھذااجلہ یہ ابن آدم ہے اور یہ اس کی موت ہے۔ پھر دستِ انور پھیلا کر فرمایا:

وثم امله وثم امله۔[2] رواہ الترمذی وابن حبان وبنحوہ النسائی وابن ماجة عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اور وہ اتنی دور اُس کی امید ہے اُتنی دور اس کی امید۔ (اسے ترمذی، ابن حبان اور اسی کی مثل نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

الدنیا دارمن لادارله ولها یجمع من لا عقل له۔[3] رواہ احمد والبیهقی فی شعب الایمان عن ام المومنین وھذا عن ابن مسعود من قوله رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	دُنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اس کے لیے وُہ جمع کرتا ہے جو بے عقل ہے۔ (اسے امام احمد اور بیہقی نے شعب الایمان میں اُم المومنین سے روایت کیا ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے طور پر نقل کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کنز دنیا یرید حیاۃ باقیة فان الحیاۃ بیداللہ الاوانی لاا کنزدینارا	جو دنیا جوڑ کر رکھے بقائے زندگی چاہتا ہو تو زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے، سُن لو میں نہ اشرفی

[1] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۵۷/۲، سنن ابن ماجہ ابواب الزہد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی قصر الامل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۵۷/۲

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دارالفکر بیروت ۷۱/۶

ف: جامع الترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حدیث کے الفاظ یُوں ہیں: ما اری الامر الا اعجل من ذٰلک۔ نذیر احمد)

ولا درھما ولا اخبأ رزقا لغد۔[1] رواہ ابو الشیخ فی الثواب عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جوڑ کر رکھتاہُوں نہ روپیہ، نہ کل کے لے کھانا اٹھا کر رکھوں۔ (اسے ابوالشیخ نے الثواب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاہے۔ت)

یہ سب منفرد کا بیان رہا عیالدار، ظاہر ہے کہ وُہ اپنے نفس کے حق میں منفرد ہے، تو خود اپنی ذات کے لیے اُسے اُنھیں احکام کا لحاظ چاہئے اور عیال کی نظر سے اس کی صورتیں اور ہیں ان کا بیان کریں۔

دوازدہم: عیال کی کفالت شرع نے اس پر فرض کی، وہ ان کو توکل و تبتل و صبر علی الفاقہ پر مجبور نہیں کرسکتا، اپنی جان کو جتنا چاہے کَسے مگر ان کو خالی چھوڑنا اس پر حرام ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت[2] رواہ الامام احمد وابوداؤد والنسائی والحاکم والبیھقی بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما وعزاہ فی المقاصد المسلم۔	آدمی کو گناہ کافی ہے کہ جس کا قُوت اس کے ذمہ ہے اُسے ضائع چھوڑے۔ (اسے امام احمد، ابوداؤد، نسائی، اور بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ حسن روایت کیاہے۔ مقاصد میں اس کی نسبت مسلم کی طرف ہے۔(ت)

حجۃ الاسلام فرماتے ہیں قدس سرہ،:

لایجوز تکلیف العیال الصبر علی الجوع فلا یمکنہ فی حقھم ولا توکل المکتسب فاما ترک العیال توکل فی حقھم او القعود عن الاھتمام بامرھم توکلا فھٰذا حرام وقد یفضی الی ھلاکھم ویکون ھومواخذا بھم۔[3] (ملخصا)	عیال کو بُھوک پر قائم رکھنا جائز نہیں اس ان کے حق میں ایسا ممکن نہیں اور اسی طرح کمانے والے کو توکل کرلینا بھی جائز نہیں، عیال کے حق میں توکل کرتے ہُوئے انھیں چھوڑ دینا یا توکل کرتے ہُوئے ان کے اخراجات کا اہتمام نہ کرتے ہُوئے بیٹھ جانا حرام ہے اور اگر یہ ان کی ہلاکت کا سبب بن گیا تو یہ شخص پکڑا جائے گا۔(ت)

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ابی الشیخ فی کتاب الثواب کتاب التوبہ والزہد مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۸۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۴، ۱۹۵

[3] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۴/ ۲۷۲

حضور پُر نور سیّد المتوکّلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے نفس کریم کے لیے کل کا کھانا بچار کھنا پسند نہ فرماتے۔ ایک بار خادمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے پرند کا گوشت کہ آج تناول تو فرمایا تھا بچاہُوا دوسرے دن حاضر کیا، فرمایا:

الم انهك ان ترفعی شیأ لغد، فان الله یأتی برزق غدا۔[1] رواه ابو یعلی بسند صحیح والبیهقی عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	کیا ہم نے منع نہ فرمایا کہ کل کے لیے کچھ اٹھا کر نہ رکھنا کل کی روزی اللہ کل دے گا۔ (اسے ابو یعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ اور بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اپنی عیال کے لیے مال سال بھر کا قُوت جمع فرمادیتے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینفق منه (ای مما افاء الله علی رسوله من اموال بنی النضیر) علی نفقة سنة ثم یجعل مابقی منه مجعل مال الله عزوجل۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اس (مال فَیْئے جو اللہ نے بنو نضیر کے اموال سے حضور کو عطا کیا تھا) سے سال بھر خرچ کرتے پھر باقی کو جمع کر کے بیت المال میں دے دیتے۔ (ت)

سیز دہم: وہ جس کی عیال میں صورت چہارم کی طرح بے صبرا ہو اور بے شک بہت عوام ایسے نکلیں گے تو اس کے لحاظ سے تو اس پر دوہرا وجوب ہوگا کہ قدر حاجت جمع رکھے،

قال الله قوا انفسکم واهلیکم نارا۔[3]	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

چہاردہم: ہاں جس کی سب عیال صابر و متوکل ہوں اسے روا ہوگا کہ سب راہِ خدا میں خرچ کردے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار صدقہ کا حکم فرمایا، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مَیں خوش ہُوا کہ اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سبقت لے جاؤں گا تو اس بار میرے پاس مال بہت ہے اور ان کے پاس کم۔ فاروق اپنے تمام مال کا نصف حاضر لائے۔ ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اتنا ہی۔

---

[1] مسند ابی یعلٰی از مسند انس بن مالک حدیث ۴۲۰۸ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۱۹۲، شعب ایمان باب التوکل والتسلیم حدیث ۱۳۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/ ۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/ ۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/ ۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم باب حکم الفئی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹ و ۹۱

[3] القرآن ۶۶/ ۶

صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام و کمال اتنا اپنا سارا مال حاضر لائے، ارشاد ہُوا: عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کی: اللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حضور اقدس نے فرمایا: ؎۱ بینکما مابین کلتیکما (تم دونوں کے مرتبوں میں وُہ فرق ہے جو تمھاری ان باتوں میں ہے) اگر صاحب ؎۲ جائداد ہے اور اسکی آمدنی خرچ سے زائد ہے تو اس کی آمدنی سے بقدر خرچ رکھ کر باقی کا تصدق مطلقاً افضل ہے، اگر دخل ماہانہ ہے تو ایک مہینہ کا خرچ رکھ کر، اور سالانہ تو ایک سال کا، اس سے زائد کا جمع رکھنا حرص وحُبِ دنیا سے ناشئی ہوتا ہے، اور حُبِ دنیا خطا کی جڑ ہے۔ صحیحین میں امیر المومنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان ینفق علٰی اھلہ نفقۃ سنتھم من ھذا المال ثم یاخذ مابقی فیجعلہ مجعل مال اللہ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسی مال سے اپنے اہل پر سال بھر خرچ کرتے پھر بقیہ کو اللہ کے راہ میں خرچ کردیتے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدنیا دار من لادار لہ ولھا یجمع من لاعقل لہ۔[2] رواہ الامام احمد والبیہقی فی الشعب عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا بسند صحیح۔	دنیا بے گھروں کا گھر ہے اور اُس کے لیے احمق ہی جمع کرے گا۔(اسے امام احمد، بیہقی نے شعب الایمان میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا ہے۔ت)

احیاء العلوم شریف میں ہے:

ماوراء السنۃ لایدخرلہ الابحکم ضعف القلب فھو غیر واثق بتدبیرالحق فان اسباب الدخل تتکرر بتکرر السنین[3] ملخصًا۔	سال سے زائد رزق جمع نہ کیا جائے مگر اس صورت میں دل ضعیف ہو اور تدبیر حق کے ساتھ واثق نہ ہو کیونکہ اسبابِ جمع مختلف سالوں کی وجہ سے مختلف ہونگے (ت)

اور اگر جائداد نہیں رکھتا عیال کے لیے اتنا پس انداز کرنا کہ اگر یہ مرجائے تو وہ اس بقیہ سے متنفع ہوں اور انھیں بھیک مانگنی نہ پڑے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

؎۱: یہاں تک یہ جواب دستیاب ہوا (اس سے آگے عربی جملہ اور اسکا ترجمہ "جواہر البیان فی سرار الارکان" ص۱۰۶ میں اسی حدیث کے تحت ملا ہے) ؎۲: یہاں سے سوال مذکور کا یہ مختصر جواب ہے ۱۲

---

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم، باب حکم الفیئ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/۸۹و۹۱

[2] صحیح البخاری کتاب النفقات ۲/۸۰۶ وکتاب الفرائض ۲/۹۹۶ وکتاب الاعتصام ۲/۱۰۸۶ قدیمی کتب خانہ کراچی،

[3] احیاء العلوم کتاب التوحید والتوکل بیان احوال التوکلین مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/۲۷۷

انك ان تذر ورثتك اغنياء خيرمن ان تذرھم عالة يتكففون الناس فی ايديھم۔[1] رواه الشيخان عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تیرا ورثاء کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ محتاجی میں لوگوں سے مانگتے پھریں۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اس کی مقدار جواُن کے لیے چھوڑنا مناسب ہے ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے چار ہزار درہم مروی ہے یعنی ہر ایک کو اتنا حصّہ پہنچے، اور امام ابوبکر فضل سے دس ہزار درہم، اور اگر ان کے حصّے مختلف ہیں تو لحاظ اس کا کیا جائیگا جس کا حصّہ سب سے کم ہے، اور اس سے زیادہ پھر ہوس ہے، درمختار میں ہے:

ندبت(ای الوصية) باقل منه (ای من الثلث) ولو عند غنی ورثته او استغنا ھم بحصتھم، كما ندب تركھا بلا غنی واستغناء[2] (ملخصًا)	جب ورثاء غنی یا اپنے حصّہ کے سبب مستغنی ہوں تو تیسرے حصہ وراثت سے کم میں وصیّت کرنا مستحب ہوتا ہے جیساکہ ورثا غنی و مستغنی نہ ہوں توترک وصیّت مستحب ہے(ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

استغنائھم بحصتھم بان يرث كل منھم اربعة الاف درھم علی ماروی عن الامام اويرث عشرة الاف درھم علی ماروی عن الفضلی قھستانی عن الظھيرية واقتصر الاتقانی علی الاول۔[3]	ورثاء کا اپنے حصہ کے ساتھ مستغنی ہونا یہ ہے کہ ان میں سے ہرایک چار ہزار درہم کا وارث بنے، جیساکہ امام صاحب سے مروی ہے۔ یا دس ہزار، جیساکہ فضلی قہستانی نے ظہیریہ سے نقل کیا ہے۔ اتقانی نے پہلے قول پر ہی اکتفاء کیا ہے۔ (ت)

چار ہزار درہم کے انگریزی روپے سے گیارہ سو بیس ہوئے اور دس ہزار کے دوہزار آٹھ سو۔ ہاں اگر عیال خود غنی ہوں تو پس اندازنہ کرنا ہی افضل، یُونہی اگر فاسق ہوں کہ مال معصیت میں خرچ کریں گے تو اُن کے لیے کچھ نہ چھوڑنا ہی بہتر۔ فتاوٰی خلاصہ ولسان العلوم وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوكان ولده فاسقاواردان يصرف ماله	اگراولاد فاسق وفاجر ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں اس

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات باب فضل النفقہ علی الاہل قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۰۶/۲، صحیح مسلم کتاب الوصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۹/۲
[2] درمختار کتاب العاقل مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۸/۲
[3] ردالمحتار کتاب العاقل مصطفی البابی مصر ۴۶۱/۵

الٰی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذاخیرمن ترکہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	وراثت سے محروم کرکے مال کو اچھے کاموں پر خرچ کردوں تو یہ وراثت چھوڑنے سے بہتر ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۷: از جبلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد حسین احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ۶ربیع الاآخر ۱۳۳۱ھ

مخزن علوم حقانی وربانی ادام اللہ فیوضہم، تسلیم بعد تعظیم میری اہلیہ عرصہ سے ہر سال حضرت غوث الاعظم کی گیارھویں میں سوامن بریانی پکواکر نیاز دلاتی ہے اور مساکین کو تقسیم کی جاتی ہے کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ رقم امسال شہداء ویتامٰی عساکر عثمانیہ کی امداد کے لیے بھیجی جائے اور گیارہویں شریف معمولاً قدرے شیرینی یاطعام پر دلادی جائے؟ زیادہ نیاز

الجواب:

اگردونوں باتیں نہ ہوں تویہی بہتر ہے کہ قدرے نیاز دے کروُہ تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذرِ رُوح اقدس حضرت سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از بلتھرا بازار ضلع بلیا مرسلہ شیخ واجد علی محمد سلطان سوداگرِچرم ۱۶شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شخص مالدار ہے اور سالانہ مد زکوٰۃ میں ہزاروں روپیہ نکال کر مستحقین میں تقسیم کرتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس رقم زکوٰۃ سے زید حقیت زمینداری خرید کر اُس کے خالص منافع کو مستقل طور پر مستحقین اور طالبِ علم دینیات کو دے سکتا ہے، کیا اس کے جواز کی کوئی صورت ہے، چونکہ زید اپنے کاروبارِ تجارت کو بہ مقابلہ حقیت زمینداری کے مستحکم نہیں خیال کرتا وُہ چاہتا ہے کہ اس صورت میں ہمیشہ وُہ زکوٰۃ سے مستحقین میں اس کا نفاذ رکھے۔

الجواب:

زکوٰۃ تملیک فقیر ہے، نہ جائداد خریدنے سے ادا ہوسکتی ہے نہ جائداد فقراء پر وقف کردینے سے ہاں اگر وُہ روپیہ کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو باجازتِ شرعی دے کر بہ نیتِ زکوٰۃ مالک کردے تو اُس فقیر کی اجازت سے اس کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو یہ صورت بہت مستحسن ہے اور اُس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مثلاً دس ہزار روپیہ زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ ان کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کرے تو کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کے ہاتھ مثلاً سو پچاس روپیہ کا مال دس ہزار روپیہ کو بیچے اور وہ قبول کرلے تو دس ہزار روپیہ اس کو بہ نیتِ زکوٰۃ اور اُس قیمت کے مطالبہ میں واپس لے کر اُن کی جائداد خرید کر وقفِ فقراء کردے، یُوں وقف بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ، الباب السادس فی الھبۃ للصغیر، نورانی کتب خانہ پشاور، ۳۹۱/۴

ہوجائیگا اور زکوۃ بھی ادا ہوجائیگی اور فقیر کو بھی سو پچاس روپیہ کا مال مل جائے گا اور وُہ بعد ادائے زکوۃ دس ہزار روپیہ واپس دینا نہ چاہئے یہ جبراً لے سکتا ہے کہ اس کا اتنا اس پر آتا ہے۔ دُرمختار میں ہے:

ولو امتنع المدیون مدیدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	اگر مدیون نہیں دیتا تو اسے چھین لے کیونکہ یہ اپنے حق کے حصول پر قدرت پاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹: از کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب زید فیضہم ۷ ۲ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کتاب کنوز الحقائق میں یہ حدیث شریف ہے: تصدقوا علی اھل الادیان کلھا[2] (تمام دینوں والوں پر صدقہ کرو۔ت) اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے۔ ائمہ کرام کفار حربی سے سلوک کو کیوں منع کرتے ہیں، ان کے کیا دلایل ہیں اور احادیث کے کیا جواب؟ کتاب السنیۃ الانیقہ میں ہے:

لا تکون برا شرعا ولذالم یجز التطوع الیہ فلم یقع قربۃ۔[3]	یہ شرعاً نیکی نہیں ہوگی اسی وجہ سے ایسے کافر پر نفلی صدقہ جائز نہیں اور نہ وہ قربت بنے گا۔ (ت)

الجواب:

بہ ملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرام مولانا مولوی سیّد آصف دامت فضائلہم، تصدقوا علی اھل الادیان کلھا میں امر بتصدق ہے اور تصدق قربت جہاں قربت نہ ہو صدقِ تصدق محال ہے اور بہ تصریح ائمہ اہل حرب کو کُچھ دینا اصلاً قربت نہیں تو وہاں صدق تصدق ناممکن اور قطعاً حاصلِ حدیث یہ کہ جن کو دینا قربت ہے وُہ کسی دین کے ہوں ان پر تصدق کرو یہ ضرور صحیح ہے اور صرف اہلِ ذمّہ کو شامل نصرانی ہوں خواہ یہودی خواہ مجوسی خواہ وثنی، کسی دین کے ہوں، اگر وُہ قول لیں کہ غنی کو دینا صدقہ نہیں ہوسکتا تو مسلمان غنی بھی اس عموم اہل الادیان کلہا میں نہیں آسکا کہ وہ محلِ صدقہ ہی نہیں اور کلام تصدق میں ہے، یہی جواب اس حدیث سے ہے کہ ہر جاندار سے بھلائی صدقہ ہے، ورنہ صحیح مسلم شریف کی صحیح حدیث میں فرمایا کہ جو وزغ کو ایک ضرب مارے سَو نیکیاں پائے۔[4] دوسری حدیث میں ہے: جس نے سانپ کو قتل کیا اس نے گویا ایک مشرک حلال الدم کو قتل کیا۔[5] **رواہ الامام احمد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے

---

[1] درمختار کتاب الزکوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

[2] کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق لعبد الرؤف المناوی حدیث نمبر ۲۳۲، ۲۹۴۳

[3] السنیۃ الانیقۃ

[4] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات باب استحباب قتل الوزغ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۳۶

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود دارالفکر بیروت ۱/۳۹۵

روایت کیا ہے۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثأرھن فلیس منا[1]۔ رواہ ابوداؤد والنسائی والطبرانی فی الکبیر عن جریر بن عبداللہ وعن عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	سب سانپوں کو قتل کرو، جو ان کے بدلہ لینے سے ڈرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (اسے ابوداؤد، نسائی اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

من قتل حیۃ اوعقربا فکانما قتل کافرا۔[2] رواہ الخطیب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے سانپ یا بچھّو مارا گویا ایک کافر مارا (اسے خطیب نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

کفار کی نسبت خود قرآن عظیم میں ہے: وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ[3] (اور ان کو جہاں پاؤ مارو۔ت) اور فرمایا: اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾ [4] (جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں۔ت) اور فرمایا: وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ[5] (ان پر سختی کرو۔ت) اور فرمایا: وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً[6] (وہ پائیں تمہارے اندر سختی۔ت) تو وہ اصلاً محلِ احسان نہیں۔ ابتدائے اسلام میں غیر محارب و محارب کفار میں فرق فرمایا تھا اُن سے نیک سلوک اور برابری کا برتاؤ جائز تھا اور اِن سے منع، اور اسی کو ان سے دوستی رکھنے سے تعبیر فرمایا تھا ورنہ دوستی تو کسی کافر سے کبھی حلال نہ تھی۔

قال اللہ تعالٰی لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ	اللہ تعالٰی کا ارشادِ گرامی ہے: اللہ تمھیں ان سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین میں نہ لڑے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہ نکالا کہ ان کے ساتھ احسان کرو اور ان سے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات، آفتاب عالم پریس لاہور ۳۵۶/۲

[2] تاریخ بغداد، ترجمہ نمبر ۶۹، محمد بن الحسین الخثعمی الاشنائی، دارالکتاب العربی بیروت، ۲۳۴/۲

[3] القرآن ۱۹۱/۲ و ۹۱/۴

[4] القرآن ۶۱/۳۳

[5] القرآن ۷۳/۹

[6] القرآن ۱۲۳/۹

اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَ اَخۡرَجُوۡکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ وَ ظٰهَرُوۡا عَلٰۤی اِخۡرَاجِکُمۡ اَنۡ تَوَلَّوۡهُمۡ ۚ وَ مَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۹﴾[1]	انصاف کابرتاؤ برتو۔ بیشک انصاف والے ،اللہ کو محبوب ہیں اللہ تمھیں انہی سے منع کرتا ہے جوتم سے دین میں لڑے یا تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا یا تمھارے نکالنے پر مدد کی کہ ان سے دوستی کرواور جوان سے دوستی کریں تووہی ستمگار ہیں۔(ت)

معالم شریف وغیرہ میں ہے:

ثم ذکر الذین نھاھم عن صلتھم فقال اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ[2] الاٰیۃ	پھر اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے احسان سے منع فرمایا: اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ۔(ت)

خازن میں ہے:

ثم ذکر اللہ الذی نھی عن صلتھم وبرھم فقال تعالٰی انما ینھٰکم اللہ۔[3]	پھر ان لوگوں کا ذکر کیا جن سے نیکی واحسان منع ہے توفرمایا اِنَّمَا یَنۡهٰکُمُ اللّٰهُ۔(ت)

تومعلوم ہُواکہ ان کے ساتھ نیک سلوک موالات ہے اور ان سے موالات مطلقًا کثیر آیات میں حرام فرمائی۔اسی سُورہ کریمہ کے آخر میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ[4]	اے ایمان والو! ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہے۔(ت)

لاجرم کبیر میں ہے: قال قتادۃ نسختھا اٰیۃ القتال[5] (حضرت قتادہ نے فرمایا اس آیت کو آیتِ قتال نے منسوخ کردیاہے۔ت) تواب کسی کافر حربی سے برّوصلہ جائز نہ رہا اگرچہ اس نے بالفعل محاربہ نہ کیاہو۔واللہ تعالٰی اعلم

---

1 القرآن ۶۰/۸و۹

2 تفسیر معالم التنزیل مع الخازن زیرآیت لاینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۷/۷۷

3 تفسیر الخازن، زیرآیت لاینھٰکم اللہ الخ ، مصطفی البابی مصر ۷/۷۷

4 القرآن ۶۰/۱۳

5 تفسیر کبیر ،زیرآیت لاینھٰکم اللہ الخ ،المطبعۃ البھیۃ مصر ۲۹/۴

کتابُ الصّوْم

(روزے کا بیان)

مسئلہ ۱۶۰:

کسی نے حرام کھانا کھا کر روزہ رکھا اور حرام چیز سے افطار کیا فرضِ صوم اُس پر سے ساقط ہُوا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بیشک صورتِ مستفسرہ میں فرض ساقط ہوگیا **فان الصوم انما ھو الامساك من المفطرات الثلثة من الفجر الی اللیل** (روزہ صبح سے لے کر شام تک تین چیزوں (کھانا، پینا اور ہمبستری) سے رک جانا ہے۔ت) سحری کھانا یا افطار کرنا روزے کی حقیقت میں داخل نہ اس کی شرائط سے، پھر اگر یہ مالِ حرام سے واقع ہوئی تو اس کا گناہ جُدا رہا مگر سقوطِ فرض میں شبہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۱:

چہ می فرمایند علمائے دین و مفتیان شرع متین در مسئلہ کہ روزہ فرض بر حافظِ قرآن بوجہے کہ تراویح می گزارد معاف ست یا نا؟ **بینوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک حافظِ قرآن پر تراویح پڑھانے کی وجہ سے روزہ رکھنا معاف ہے یا نہیں؟

ایھا العلماء۔	اے علماء ! جواب تحریر فرما کر اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

ختمِ قرآن در تراویح از سنتے بیش نیست و فرقے کہ از سنت تا فرض ست خود ہویداست چہ بلا وسفاہتے باشد ایں را بہر آں گزشتن وادرِ دین داو اثر گونہ داشتن بلکہ ایں بہانہ دروغ خود بفہم در نمی آید زیرا کہ قرأتِ قرآن مانع روزہ نیست ہزارا ں ہزار حافظان قرآن در اقطارِ عالم واکنافِ زمین از پیران وبچگان وکم طاقتان ھم بروز روزہ مے دارند وہم شب قرآن می خوانند و بدیں معنی ہیچ مضرتے بچشم ایشاں نمی رسد وچہ گونہ رسد کہ ہم روزہ صحت ست وہم قرآن شفامااعتقادے صحیح باید تا ازیں دہائے الٰہی نفع رونماید۔ قال اللہ تعالٰی وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا۝۸۲ [1] قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اغزوا تغنمو او تصوموا تصحوا وسافروا تستغنوا۔[2] اخرجه الطبرانی فی المعجم الاوسط من طریق زھیربن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن ابیه	تراویح میں ختمِ قرآن سنت سے بڑھ کر نہیں، سنت اور فرض میں جو فرق ہے وُہ نہایت ہی ظاہر و باہر ہے، یہ کتنی بیوقوفی اور کم عقلی ہے کہ سنت کی خاطر فرض چھوڑ دیا جائے، یہ دین سے برگشتگی، بلکہ یہ جھُوٹا بہانہ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ قرات قرآن روزہ رکھنے سے مانع نہیں ہوسکتی۔پُوری دُنیا میں ہزار ہا حفّاظِ قرآن جن میں بُوڑھے، بچّے اور کمزور شامل ہیں دن کو روزہ رکھتے ہیں اور رات کو قرآن سناتے ہیں اور کبھی کسی کو ایسا معاملہ نقصان دہ نہیں ہُوا اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ روزہ بھی صحت ہے اور قرآن سراپا شفا ہے لیکن اعتقاد کا صحیح ہونا ضروری ہے تاکہ اللہ تعالٰے یہ نفع عطا فرمائے۔ اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے: ہم نے قرآن نازل کیا جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے خسارہ میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جہاد کرو غنیمت حاصل کرو، روزہ رکھو صحت حاصل کرو، بغرض تجارت سفر کرو اور نفع حاصل کرکے غنی حاصل کرو۔ اسے طبرانی نے معجم اوسط میں زہیر بن محمد سے، انھوں نے سہیل بن ابی صالح سے، انھوں نے اپنے والد سے،

1 القرآن ۱۷/۸۲

2 مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الاوسط باب اغزوا وتغنموا الخ دار الکتاب العربی بیروت ۵/۳۲۴، مقاصد الحسنۃ حرف السین المہملۃ حدیث ۵۴۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۳۶

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی المقاصد الحسنۃ وروایۃ ثقات کما فی ترغیب المنذری واخرجہ الامام احمد ایضا کما قال السخاوی، وروی قولہ صوموا تصحوا [1] عن ام المنومنین عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخرجہ ابن السنی وابو نعیم فی الطب النبوی کما فی الجامع الصغیر للسیوطی لکن اسنادہ ضعیف [2] کما قال المناوی قلت ولا یضر لثبوتہ برجال ثقات مع ان الضعیف معمول بہ فی الفضائل اجماعا کما افاد النووی وغیرہ۔

انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے جیسا کہ مقاصد حسنہ میں ہے اور یہ ثقہ لوگوں روایت ہے جیسا کہ ترغیب منذری میں ہے اور اسے امام احمد نے بھی تخریج کیا جیسا کہ سخاوی نے کہا، اور یہ الفاظ بھی ام المومنین نے حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیے کہ روزہ رکھو اور صحت پاؤ۔ اسے ابن سنی نے اور ابو نعیم نے طبِ نبوی میں روایت کیا، جیسا کہ جامع الصغیر للسیوطی میں ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے، جیسا کہ مناوی نے کہا **قلت** اس کا ضعیف ہونا نقصان دہ نہیں کیونکہ ثقہ لوگوں سے مروی ہے، علاوہ ازیں ضعیف پر فضائل میں عمل بالاتفاق جائز ہے جیسا کہ نووی وغیرہ نے بیان کیا ہے۔

ہیچ باور نمی آید کہ ایں کس را قرآن خواندن از روازہ باز می دارد پس نباشد مگر عذر باطل و دون ہمتی و نفس پروری والعیاذ باللہ اگر بالفرض ہمچنان ست کہ قرآن خواندن او را بہ حدے ناتواں می کند کہ طاقت روزہ طاق می گردد تا دریں صورت ایں قرآن خواندن در حق وے نہ سنت و باعثِ ثواب باشک بلکہ حرام و موجبِ عذاب ورنگ کسیکہ تلاوت قرآن دراز کرد تا آں کہ وقتِ نماز از دست رفت ایں چنیں قرآن خواندن در آں قولِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داخل است کہ فرمودہ رب تالی القراٰن والقراٰن یلعنہ [3]

کسی طرح بھی یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ اس شخص کو قراءتِ روزہ رکھنے سے مانع ہے، یہ صرف عذر باطل، کم ہمتی اور العیاذ باللہ اگر بالفرض قرآن پڑھنا اتنا کمزور کردیتا ہے کہ اسے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رہتی تو اس صورت میں اس کے لیے قرآن پڑھنا نہ سنّت ہے نہ باعثِ ثواب، بلکہ حرام اور موجبِ عذاب ہے جس طرح کوئی شخص قرآن کی تلاوت اتنی طویل کرے کہ نماز کا وقت ہی فوت ہوجائے تو وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے تحت داخل ہوگا۔ "بہت سے لوگ قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت

[1] الجامع الصغیر مع التیسیر تحت حدیث صوموا تصحوا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۹۵/۲

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث صوموا تصحوا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۹۵/۲

[3] المدخل لابن الحاج بیان فضل تلاوت القرآن الخ دار الکتاب العربی بیروت ۸۵/۱

ای بسا قرآن خواناں کہ قرآن ایشاں را لعنت مے کند، علماء مطلق فرمودہ اند ہر عملے کہ ضعیف واز روزہ باز دارد، روانیست فی الدر المختار لا یجوزان ان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف[1] واگر مردے راحالتے باشد کہ چوں روزہ دارد قیام در نماز نہ تواند اُو را روانیست کہ روزہ رمضان ترک دہد بلکہ روزہ دارد و نماز نشستہ گزارد فی الدر المختار عن البزازیۃ لو صام عجز عن القیام صام وصلی قاعدا جمعا بین العبادتین[2] سبحان اللہ! نزد علماء قیام نماز کہ خود فرض است بغرض مراعات روزہ ساقط گردد ایجار روزہ رمضان بہرادائے سنّتے حاشا بلکہ بہر تفاخرے بہ حصول امامتے بلکہ بہر فعلے ناجائزے گناہے حرامے عفو مے شود ان ھذا الاجھل صریح او عناد قبیح ایں عزیز را گویند کہ حق سبحانہ، وتعالٰی صومِ رمضان بر تو وہمگناں فرض عین فرمودہ است و قرآن در تراویح ختم کردن نہ فرض ست ونہ سنتِ عین، اگر بسبب تکثیر تلاوت ہنگام دور کہ اکثر حافظاں رااز اں ناگزیر ست ضعفے بتوراہ می یابد ایں خود بر گردن تو نہ نہادہ اند بحافظے دیگر اقتدا کن وتراویح گزار و روزہ دار ھم فرض بیاب وہم بہ سنت شتاب وایں قدر نیز نمے توانی

کرتا ہے۔" علماء نے مطلقاً فرمایا ہے کہ جو بھی عمل روزہ رکھنے سے کمزور کرے یا مانع ہو وہ جائز نہیں، در مختار میں ہے کہ ہر وُہ عمل جو انسان کو کمزور کردے وُہ جائز نہیں ہوتا۔ اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص اتنا کمزور ہوجاتا ہے کہ نماز میں قیام کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کے لئے رمضان کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں بلکہ وہ روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ در مختار میں بزازیہ سے ہے اگر کسی نے روزہ رکھا اور وہ ماز میں قیام سے عاجز ہوگیا تو وہ دونوں عبادات کو جمع کرتے ہوئے روزہ رکھے اور نماز بیٹھ کر ادا کرے۔ تمام قرآن در تراویح مخواں ومشنو ہمیں بست رکعت بہ نحیکہ قادر باشی بجاآور روزہ از دست دادہ مستحق نار جحیم وعذاب الیم مباش سبحان اللہ! علماء کے نزدیک روزہ کی خاطر نماز میں قیام ساقط ہوجاتا ہے حالانکہ یہ قیام فرض ہے صورتِ مذکورہ میں تو سنت کی خاطر نہیں بلکہ حصول امامت پر تفاخر کے لیے روزہ رمضان ترک کیا جارہا ہے ببلکہ ناجائز، حرام اور گناہ فعل کے لیے ترک ہے، اللہ تعالٰی معاف فرمائے۔ یہ تو جہالت صریح اور عناد قبیح ہے اس عزیز سے کہا جائے کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے تجھ پر روزہ رمضان فرضِ عین فرمایا ہے اور تراویح میں قرآن خرم کرنا نہ فرض نہ سنّتِ عین۔ اگر بسببِ کثرت تلاوت دَور کی وجہ سے جو حفّاظ کے لیے جاگزیر ہوتا ہے ایسا ضُعف لاحق ہونے کا خطرہ ہے تو یہ بوجھ اپنے اوپر نہ لے بلکہ کسی دوسرے حافظ کی اقتداء کرے، تراویح ادا کرے اور روزہ رکھے، فرض کو بجالائے، اور سنّت بھی حاصل کرے، اور اگر اس قدر کی بھی طاقت نہیں تو

1 در مختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

2 در مختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

تمام قرآن در تراویح مخواں ومشنو ہمیں بست رکعت بہ نہجیکہ قادر باشی بجاآورد روزہ از دست دادہ مستحق نار جحیم و عذاب الیم مباش اے برادر! روزہ فرضِ عین ست و فرض عین بر فرضِ کفایہ مقدم وختمِ قرآن در تراویح سنّتِ کفایہ است وسنت کفایہ از سنت عین مؤخرایں چہ ستم بے خردی باشک کہ سنتِ کتایہ بر فرضِ عین مقدم دارند، **من العلماء من وسع فی ترك الختم لکسل القوم قائلاان من لم یکن عالما باھل زمانه فھو جاھل**[1] **کما فی الدرمختار عن الزاھدی عن الو بری والکرمانی وفیه عن الاختیار الافضل فی زماننا قدر مالا یثقل علیھم قال اقرہ الصنف یعنی الغزی وغیرہ وعن المجتبیٰ عن الامام لوقرأ ثلاثا قصارا او اٰیة طویلة فی الفرض فقد احسن ولم یسیئ قال الزاھدی فما ظنك بالتراویح**[2] **قلت فانظر الیٰ جھل ھذاالذی یترك صوم رمضان لشئی یرخص فی ترکه لمثل ھذا** روزے امیر المنو منین

تو تمام قرآن تراویح میں نہ پڑھے اور نہ سُنے، جس طریقہ سے بیس تراویح ادا کرنے پر قادر ہے ادا کرے، روزہ اگر نہ رکھا تو نارِ جہنّم اور عذاب الیم کا مستحق ٹھہرے گا، اے میرے بھائی! روزہ فرض عین ہے اور فرضِ عین فرضِ کفایہ پر مقدم ہوتا ہے، اور ختمِ قرآن تراویح میں سنتِ کفایہ ہے اور سنت کفایہ سنتِ عین سے مؤخر ہوتی ہے، یہ کیا ظلم ہے کہ سنتِ کفایہ کو فرض عین پر مقدم کردیا گیا ہے، **بعض** علماء نے قوم میں سُستی و کاہلی پیدا ہوجانے کی وجہ سے ختمِ قرآن کو ترک کردینے کی بھی گنجائش یہ کہتے ہوئے روا رکھی ہے کہ جو شخص اپنے زمانے کے حالات سے آگاہ نہیں وُہ جاہل ہے جیسا کہ درمختار میں زاہدی سے اور وہاں وبری اور کرمانی کے حوالے سے ہے اور اسی میں الاختیار سے ہے کہ ہمارے زمانے میں اتنی مقدار افضل ہے جو بوجھ نہ بنے، اور کہا کہ اسے ہی مصنّف الغزی وغیرہ نے ثابت رکھا ہے، المجتبیٰ میں امام صاحب سے منقول ہے کہ اگر کسی نے فرائض میں تین آیات چھوٹی یا بڑی پڑھیں تو اس نے بہت اچھا کیا اور وہ گنہگار نہیں۔ زاہدی کہتے ہیں کہ پھر تراویح کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟ **میں کہتاہوں** اس جاہل کو دیکھو جو رمضان کا روزہ ایسے عمل کی خاطر ترک کر رہاہے جس کا ترک روزے کی خاطر کیا جاسکتا تھا۔ ایک دن امیر المومنین حضرت

[1] در مختار، باب الوتر والنوافل، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۹۹

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۸

فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سلیمان بن ابی حثمہ را درجماعت صبح نہ دید مادرش راپرسید عرض داد اوہمہ شب نماز گزاردہ است صبح دم خوابش برد و حضور جماعت نتوانست امیرالمومنین فرمود مرا درجماعت صبح حاضر شدن محبوب ترست از شب زندہ داشتن مالك فی المؤطاعن شھاب عن ابی بکر بن سلیمان بن ابی حثمۃ عن عمر الخطاب فقدَ سلیمان بن ابی حثمۃ فی صلٰوۃ الصبح وان عمر بن الخطاب غدا الی السوق وسکن سلیمان بین السوق والمسجد فمر علی الشفاء ام سلیمان فقال لھالم ارسلیمان فی صلٰوۃ الصبح فقالت انہ بات یصلی فغلبتہ عیناہ فقال عمر لان اشھد صلٰوۃ الصبح فی الجماعۃ احب الی ان اقوم لیلۃ اھ[1] رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن عبدالرحمٰن عن عمر ولفظہ لان اصلیھما فی جماعۃ احب الی من احیی مابینھما یعنی الصبح والعشاء[2]

فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سلیمان بن ابی حثمہ کو صبح کی جماعت میں نہ دیکھا آپ نے ان کی والدہ سے وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیاوہ تمام رات نماز پڑھتے رہے صبح کے وقت انھیں نیند آگئی جس کی وجہ سے وُہ جماعت میں شریک نہ ہوسکے، امیرالمومنین نے فرمایا: میرے نزدیک صبح کی نماز میں شریک ہونا تمام رات کی عبادت سے کہیں افضل ہے۔ مؤطا میں امام مالک نے شہاب سے انھوں نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے انھوں نے حضرت عمر بن خطاب سے بیان کیا کہ انہوں نے سلیمان بن ابی حثمہ کو نمازِ صبح میں غائب پایا، دوسرے دن حضرت عمر بازار کی طرف تشریف لے گئے سلیمان مسجد اور بازار کی درمیانی جگہ پر رہائش پذیر تھے،آپ سلیمان کی والدہ حضرت شفاکے پاس سے گزرے فرمایا: میں نے سلیمان کو نمازِ صبح میں نہیں دیکھا وُہ کہنے لگیں: وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا صبح اس پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔آپ نے فرمایا: نمازِ صبح کیلئے حاضر ہونا مجھے تمام رات قیام سے زیادہ محبوب ہے۔ اسے ابوبکر ابن ابی شیبہ نے عبدالرحمٰن سے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: " مجھے جماعت کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کرنا ان دونوں (عشاء اور صبح) کے درمیان

1 موطاامام مالک باب ماجاء فی العتمۃ والصبح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

2 مصنف ابن ابی شیبہ فی التخلف فی العشاء والفجر الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۳

حضورپُرنور سیّد غوث الثقلین پیر دستگیر محی الدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ در کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف مقالہ در ترتیب عبادات فرمود آنجا بر ہیچو جاہلے کہ در حفظ سنّت و نفل فرائض راز دست می دہد اقامت قیامت کُبرٰی نمود، فقیر غفر اللہ تعالیٰ برخے ازاں سخن کریم مع ترجمہ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کنم باشد کہ جاہلاں را از خوابِ غفلت بیدار ساز واللہ الھادی ے فرماید رضی اللہ تعالیٰ عنہ **ینبغی للمؤمن ان یشتغل اولا بالفرائض** ے باید وسزد مر مسلمان راکہ کار بندو نخست بہ چیزہائے کہ فرض وواجب گردانیدہ است حق تعالیٰ از عبادت کہ ترک آنہا آثم ومعاقب می گردد **فاذا فرغ منھا اشتغل بالسنن** چوں بہ پرداز د از فرائض مشغول گرد بسنتہائے راتب راکہ معین ومؤکدہ شدہ است ہمراہ فرائض وترک آں سبب اسائت وعتاب ست **ثم یشتغل بالنوافل والفضائل** پستر مشغول گردد بعبادت ہائے نافلہ کہ زیادت ست برآں وفضیلت دارد وفعل آنہا ثواب ست وبترک آں اثمی واساءتے نے **فمالم یفرغ من الفرائض فاشتغال بالسنن حمق ورعونۃ** پس مادام کہ

قیام سے محبوب ہے۔ حضور پُر نور سیّد نا غوث الثقلین پیر دستگیر محی الدّین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی مبارک کتاب فتوح الغیب شریف کے ترتیب عبادات کے مقالہ میں فرماتے ہیں اور ایسے جاہل پر جو سنّت و نفل کی وجہ سے فرائض ترک کردیتا ہے قیامتِ کبرٰی برپا فرماتے ہیں، فقیر (اللہ تعالیٰ اسے بخش دے) اس مبارک گفتگو سے کچھ حصّہ مع ترجمہ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتا ہے تاکہ جاہل لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت عطا فرمانے والا ہے، حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ "مومن کو چاہیے کہ وُہ پہلے فرائض بجالائے" مسلمانوں کو چاہیے کہ وُہ پہلے ان عبادات کو بجالائے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض وواجب کی ہیں جن کے ترک سے وہ گنہگار اور قابلِ گرفت بن جاتے ہیں "جب ان فرائض سے فراغت ہوجائے تو پھر سُنن میں مشغول ہو" جب مسلمان ان فرائض سے فارغ ہوجائے تو پھر ان سُنن میں مشغول ہو جو فرائض کے ہمراہ معین مؤکد ہیں جن کا ترک اساءت اور عتاب کا سبب ہے" پھر نوافل و فضائل میں مشغول ہو" پھر ان نفلی عبادات میں مشغول ہو جو ان فرائض و سُنن سے زائد ہیں اور فضیلت رکھتے ہیں، ان کا بجالانا ثواب، لیکن ان کا ترک گناہ نہیں "جب تک فرائض سے فراغت نہ ہو سُنن میں مشغول ہونا بیوقوفی اور رعونت ہے) توجب تک فرائض

نہ پرداز داز فرائض وتمام نہ کند آنہار اپس مشغول شدن بسنتہا نشان جہل و بے خردی وسبک عقلی ست چہ ترک انچہ لازم و ضروری ست واہتمام بہ انچہ نہ ضروری ست از قاعدہ عقل وخرد دورست چہ دفع ضرر اہم است بر عاقل از جلب نفع بلکہ بہ حقیقت نفع دریں صورت منتفی ست بایں قیاس کردن نوافل باترک فرائض نیز نامقبول و باطل ست چنانچہ مے فرمایند **فان اشتغل بالسنن والنوافل قبل الفرائض** پس اگر مشغول گردد بسنتہا ونفلہا پیش از اتیانِ فرائض **لم تقبل منه واهين** در پذیرفتہ نہ شود از وبلکہ خوار کردہ شود وگفتہ اند کہ اتیانِ نوافل باترک فرائض بداں ماند کہ یکے ہدیہ برد کسے کہ دام وے دارد ودام ندہد ایں ہرگز قبول نیفتد ونیز گفتہ اند کہ ہرکہ نوافل نزد وے اہم از فرائض باشد وے مخدوع وممکورست ونیز گفتہ اند ہلاک مردم دو چیز ست اشتغال نافل باتضییع فرائض وعمل جوارح بے مواطات قلب، **فمثله كمثل رجل يدعوه الملك الٰى خدمته** پس حال وقصہ غریب آں کسے کہ ترک مے کند فرائض راباتیان سنن ونوافل ہمچو حال مردے ست کہ مے خواند اورا بادشاہ بخدمت خود، کنایت ست از اتیانِ فرائض کہ پروردگار تعالٰی کہ حامل و بادشاہ علی الاطلاق ست بداں خواندہ وامر کردہ است **فلا یأتی الیه**

مکمل نہ ہو جائیں سنتوں میں مشغول ہونا جہالت اور بے عقلی ہے کیونکہ ایسی چیز کا ترک کرنا جو لازم وضروری تھی اور ایسی چیز کا اہتمام جو ضروری نہیں تھی عقل وخرد کے قاعدے سے دُور ہے کیونکہ عاقل کے لیے منافع کے حصول سے ضرر کا دُور کرنا اہم وواجب ہوتا ہے بلکہ حقیقۃً اس صورت میں نفع ہے ہی نہیں۔ اسی پر قیاس نوافل ادا کرنا اور فرائض ترک کردینا بھی نامقبول و باطل ہے جیساکہ فرمایا" پس اگر سنن ونوافل میں فرائض سے پہلے مشغول ہوگیا" یعنی اگر فرض کی ادائیگی سے پہلے ہی سُنن ونوافل میں مصروف ہوگیا تو" وہ مقبول نہ ہوں گے بلکہ ذلت ورسوائی ہوگی۔" علماء فرماتے ہیں کہ نوافل کا بجالانا اور فرائض کو ترک کردینا ایسے ہی جیسے کوئی اپنے قرض خواہ کو ہدیہ دے دے مگر اس کا قرض ادا نہ کرے تو یہ ہدیہ ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا کہ جس کے نزدیک نوافل فرائض کی نسبت اہم ہوں وہ دھوکا وفریب زدہ ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو۲ چیزیں لوگوں کو ہلاک کردینے والی ہیں نفلی عبادات میں مشغول ہوکر فرائض کو ضائع کردینا اور قلب کی موافقت کے بغیر ظاہری اعضاء کا عمل کرنا، "اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں بلائے" یعنی اس شخص کا حال جو فرائض ترک کرکے سنن و نوافل بجالائے اس کا حال اس شخص کی طرح ہے جسے بادشاہ اپنی خدمت میں طلب کرے، اس سے مراد وہ فرائض ہیں جن کا حکم اللہ تعالٰی نے دیا ہے جو علی الاطلاق حاکم و بادشاہ ہے اور وہ اس اعلٰی طریقے پر بلاتا ہے" پس وہ اس کی طرف

پس نمی آید آں مرد بسوئے بادشاہ **ویقف بخدمة الامیر الذی ھو غلام الملك وخادمه** می ایستد در چاکری یکے از امرائے بادشاہ کہ غلام بادشاہ وچاکر اوست وتحت یدہ وولایتہ وزیرِ دست قدرت وتصرف اوست ایں مثال اتیان سنن ونوافل ست کہ بر طریقہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ بندہ وامیر وزیرِ خاص درگاہِ اوست وباستحسان واستحباب علماء کہ بندگان وغلامان اویند عمل کردن ست اگرچہ ہمہ بحکم حضرت پروردگار تعالٰی وتشریع اوست، ولیکن فرائض را بہ جہت الزام وایجاب نسبت بجناب ایزدی کنند وسُنن ونوافل را کہ نہ دراں مرتبہ اند بخدمتِ رسول واصحاب واتباع او صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین عن علی بن ابی طالب روایت ست، از امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ **قال قال رسول الله** گفت گفت پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ان مثل مصلی النوافل** بدرستیکہ قصہ وحال گزارندہ نفلہا **وعلیه فریضة** وحال آنکہ بر ذمّہ او فرضی ست کہ نہ گزاردہ است آں را کمثل حبلی حملت ہیچو قصہ وحال زنے باردار است کہ تمام شدہ است مدت حمل او **فلمادنی نفاسھا اسقطت** پس ہر گاہ نزدیک شد وقت زائیدن وے افگند بچہ رانا تمام از شکم ووجہ تشبیہ رنج دیدن ومشقت کشیدن ست بے فائدہ زیراکہ چوں

نہیں آتا" یعنی وہ آدمی بادشاہ کی طرف نہیں آتا "اور وُہ بادشاہ کے ایسے امیر کے پاس کھڑا رہے جیسے اس کا غلام اور خادم ہو) یعنی وُہ ایسے چاکر کے پاس کھڑا رہتا ہے جو بادشاہ کا غلام ہے "اور اس کے قبضہ وولایت میں ہے" وہ اس کے تصرف اور قدرت کے تحت ہے، یہ ان سنن ونوافل کی مثال ہے جو رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم (جو بارگاہ خداوندی میں امیر اور خصوصی وزیر ہیں) کے طریقہ پر یا علماء کے استحباب پر (جو اللہ تعالٰی کے غلام اور بندے ہیں) کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اگرچہ تمام پروردگار کے حکم سے ہی لیکن فرائض کی نسبت الزام وایجاب کی وجہ سے اللہ تعالٰی کی طرف کی جاتی ہے اور وہ سنن ونوافل جن کا درجہ یہ نہیں ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب واتباع کی طرف کر دی جاتی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "نوافل ادا کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو نوافل ادا کرتا ہے حالانکہ اس پر فرائض ہیں" حالانکہ اس کے ذمّہ ایسے فرائض ہیں جنھیں اس نے ادا نہیں کیا "اس حاملہ خاتون کی طرح ہے" جس کی مدتِ حمل مکمل ہوگئی "جب ولادت کا وقت آیا تو اس نے بچّے کو گرادیا) یعنی ناتمام بچّے کو اس نے جننے کے وقت گرادیا۔ وجہ تشبیہ بے فائدہ تکلیف ومشقّت اٹھانا ہے کیونکہ جب وُہ نوافل عدمِ ادائیگیِ فرائض مقبول ہی نہیں

قبول نیفتاد نوافل بجہت عدم ادائے فرائض حاصل شد مرآں مصلّے رارنج و مشقت بے فائدہ چنانچہ حاصل شدآں زنِ حاملہ راکہ مدت مدید گزشت و مشقت کشید و فائدہ کہ حصول ولد ست برآں مراتب نہ گشت **فلاھی ذات حمل** پس آں زن نہ خداوند حمل ست باعتبار انتفائے مقصود کہ ولد ست **ولا ھی ذات ولاد** نہ خداوند ولادست بجہت اسقاطِ حمل **وکذلك المصلی لا یقبل اللہ لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ** وہمچنیں مصلّی مذکور درنمی پذیر دخدائے تعالٰی مراد رانمازِ نفل راتاآنکہ بجاآرد فرض راپس نہ فرض باشداوراونہ نفل و مثالِ دیگر مصلی نفل رابے ادائے فرائض مثل تاجر است کہ سود می خواہد بے سرمایہ چنانچہ می فرمایند **ومثل المصلی کمثل التاجر** وحال مصلّی مذکور حال سوداگرست کہ **لایحصل لہ ربحہ** حاصل نمی شود مراورا سود درسودا **حتی یاخذ راس مالہ** تاآنکہ بگیرد سرمایہ خودرا **فکذلك المصلی بالنوافل لایقبل لہ نافلۃ حتی یؤدی الفریضۃ** ہمچنیں حال مشغول شوندہ بہ نوافل پذیرفتہ نمی شود مراوراونفل کہ بمنزلہ سوداوست تاآنکہ ادا کند فرض راکہ بمشابہ سرمایہ است اھ [1] مع اختصار فی کلمات الشرح۔

بالجملہ ایں کسے باجماعِ علماء فاسق و فاجر ومرتکب کبیرہ و مستحق عذاب الیم وخزی عظیم است۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قومے رادیدکہ

تو وہ نمازی بے فائدہ مشقّت اٹھارہا ہے جیسے کہ حاملہ خاتون نے کتنی طویل مدّت تکلیف اٹھائی مگر اس پر فائدہ بصورتِ اولاد مرتّب نہ ہوا" پس اب یہ حاملہ نہیں ہے" کیونکہ مقصود فوت ہوگیا" نہ ہی یہ صاحبِ اولاد ہے" کیونکہ حمل ساقط ہوگیا" اسی طرح وہ نمازی جب تک فرائض ادا نہیں کرے گا اللہ تعالٰی اس کے نوافل قبول نہیں فرمائے گا" تو جب تک نمازی فرائض بجا نہیں لاتا نہ اس کے نوافل ہوں گے نہ فرائض۔ بے ادا فرائض کے نوافل ادا کرنے والے نمازی کی دوسری مثال یُوں ہے جیسے کوئی تاجر بغیر سرمایہ کے نفع حاصل کرنا چاہے، لہٰذا فرمایا" نمازی کی مثال تاجر کی طرح ہے" یعنی مذکور مصلّی کا حال سوداگر کی طرح ہے" اسے تجارت میں نفع حاصل نہیں ہوتا" یعنی اسے سوداگری میں اس وقت تک نفع نہیں ہوسکتا" یہاں تک کہ وُہ اپنا سرمایہ حاصل کرے" جب تک وُہ سرمایہ نہیں لگائے گا اسے نفع کیسے ہوگا" اسی طرح معاملہ ہے نوافل ادا کرنے والے نمازی کا، اس کے نفل ادائیگی فرائض کے بغیر مقبول نہیں ہوسکتے" کیونکہ نفل بمنزلہ نفع کے اور فرض بمنزلہ سرمایہ کے ہیں اھ کلماتِ شرح میں کچھ اختصار کیا گیا ہے۔

بالجملہ یہ شخص باجماعِ علماء فاسق، فاجر مرتکبِ کبیرہ، عذاب الیم اور ذلّت عظیم کا مستحق ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وُہ

---

1 فتوح الغیب مع شرح فارسی مقالہ ۴۸ منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۷۳ تا ۲۷۵

ایشاں راسرنگوں آویختہ اند وکنجہائے دہاں ایشاں دریدہ کہ ازآنہاخون می ریزد فرمود ایناں چہ باشند، فرشتہ عرضداشت کسانیکہ قبل از وقت افطار رمضان مے کنند اخرجہ ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسو ل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول بینا انا نائم اذا تانی رجلان فاخذا بضبعی فأتیابی جبلا وعرا، وساق الحدیث الٰی ان قال ثم انطلقا بی فاذا انا بقوم معلقین بعراقیبھم مشققۃ اشداقھم دمًا قال قلت من ھٰؤلاء، قال الذین یفطرون رمضان قبل تحلۃ صومھم[1] چوں پیش از وقت افطار راایں عذاب ست اصلًا روزہ نہ داشتن راخود قیاس کن کہ چنداں باشد والعیاذباللہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماید رسن ہائے اسلام وبنیاد ہائے دین سہ چیزست کہ برایشاں بنائے اسلام نہادہ اند ہر کہ ازآنہایکے راترک دہد کافرست بداں خونِ او حلال، یکے شہادت کلمہ توحید، دوم نماز فرض، سوم روزہ رمضان، ودر روایتے فرماید ہر کہ ازانہا یکے بگزارد پس آں کافرست بخدا ونہ پذیرند ازوہیچ فرض ونہ نفل و	اُلٹے لٹکے ہوئے ہیں اور ان کی باچھوں کو چیرا جارہا ہے اور اُن سے خون بہ رہا ہے، آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ فرشتے نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ لوگ رمضان کا روزہ قبل از وقت افطار کرلیتے تھے۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میں سویا تھا میرے پاس دو ۲ آدمی آئے وُہ مجھے اٹھا کر ایک پہاڑ پر لے گئے (تفصیلاً حدیث بیان کی جس کا ایک حصہ یہ ہے) پھر مجھے آگے لے گئے تو وہاں ایک قوم الٹی لٹکی ہوئی تھی ان کی باچھوں کو چیرا جارہا تھا جن سے خُون بہہ رہا تھا، فرمایا: میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتایا گیا: یہ رمضان کا روزہ وقت آنے سے پہلے ہی افطار کرلیتے تھے۔ جب قبل از وقت روزہ افطار کرنے پر یہ عذاب ہے تو خود سوچئے بالکل روزہ نہ رکھنے پر کتنا عذاب ہوگا العیاذ باللہ۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام اور دین کی بنیاد تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے ان میں سے اگر کسی نے ایک کو ترک کردیا تو وہ کافر ہوگا اور اس کا خُون مباح ہوگا، ان میں سے ایک ۱ کلمہ توحید کی شہادت، ودوم ۲ نمازِ فرضِ سوم ۳ روزہ رمضان۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو ان میں سے کسی کو بجانہ لایا وُہ خدا کا منکر ہے، اس کا کوئی نفل و فرض قبول نہیں

[1] صحیح ابن خزیمہ باب تعلیق المفطرین قبل وقت الافطار حدیث ۱۹۸۶ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۳۷

بدرستی کہ روا باشد خون ومال او ابویعلی باسناد حسن وقال المنذری ایضا اسنادہ حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال حماد بن زید ولا اعلمہ الاقد رفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال عری الاسلام وقواعد الدین ثلثۃ علیھن اسس الاسلام، من ترك منھن واحدۃ فھو بھا کافر حلال الدم، شھادۃ ان لا الہ الا اللہ والصلٰوۃ المکتوبۃ وصوم رمضان۔=[1] وفی روایۃ من ترك منھن واحدۃ فھو باللہ کافر ولا یقبل منہ صرف ولا عدل وقد حل دمہ ومالہ وروی ھذہ سعید بن زید بن عمرو بن مالك النکری عن ابی الجوزاء عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم یشك فی رفعہ،[2] وھم منقول باشد آں حضرت علیہ علیہ الصّلوٰۃ والتحیۃ کہ فرمود حق تعالٰی در دینِ اسلام چہار چیز رافرض کردہ است ہر کہ از انہا سہ بجاآرد او راہیچ بکار نیاید تاہر ہمہ چہار راادا سازد، نماز وزکوٰۃ و

کیا جائے گا اور اس کا خون ومال مباح ہوگا۔ اسے ابویعلٰی نے اسناد حسن کے ساتھ ذکر کیا، منذری نے بھی اسے سند حسن کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، حماد بن زید کہتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا مگر یہ کہ اس کی نسبت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اسلام کے رسے اور دین کے ستون تین ہیں جن پر اسلام کی بنیادیں ہیں جس نے بھی ان میں سے کسی ایک کو ترک کیا وُہ کافر ہے اور اس کا خون مباح ہے، پہلی لاالٰہ الّااللہ کی شہادت، دوسری نمازِ فرض، تیسری رمضان کا روزہ۔ دوسری روایت میں ہے کہ جس نے ان میں سے کسی ایک کو چھوڑا وُہ اللہ کا منکر ہے، اس کا کوئی نفل وفرض قبول نہیں، اس کا خون ومال مباح ہے۔ یہ روایت سعید بن زید نے عمرو بن مالک النکری سے انھوں نے ابوالجوزاء سے انھوں نے حضرت ابن عباس سے انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے اور اس کے مرفوع ہونے میں شک نہیں کیا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی منقول ہے کہ حق تعالٰی نے دین اسلام میں چار چیزوں کو فرض کیا ہے ان میں سے اگر کوئی تین بجالاتا ہے تو وہ اس کے کسی کام نہیں آسکتے یہاں تک کہ وُہ چاروں کو بجالائے (وُہ

---

[1] مسند ابویعلی الموصلی ترجمہ ۲۳۴۵ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۳/ ۱۳

[2] الترغیب والترھیب من ترک الصلوٰۃ عمداً الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۲ و ۲/ ۱۱۰

روزہ رمضان و حجِ کعبه الامام احمد عن زیاد بن نعیم الحضر می مرسلا قال قال رسول الله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اربع فرضهن اللہ فی الاسلام فمن جاء بثلاث لم یغنین عنه شیأ حتی یأ تی بهن جمیعا الصلٰوۃ والزکٰوۃ وصیام رمضان وحج البیت[1] ونیز مروی شد ازاں سرور علیہ افضل الصّلٰوۃ والسلام کہ فرمود ہر کہ یک روز از رمضان بے رخصتِ شرع و بے مرض روزہ ندارد اگر ہمہ عمر خودش روزہ خواہد داشت عوض آں یک روزہ نخواہد شد فقد اخرج الترمذی واللفظ له وابو داؤد والنسائی و ابن ماجة و البیهقی وابن خزیمة فی صحیحه والبخاری تعلیقا عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قال من افطر یوما من رمضان من غیر رخصة ولا مرض لم یقض عنه صوم الدهر کله وان صامه[2] مسلماناں را باید کہ پس ایں کس تراویح نگزارند بدو وجہ **اولا** او فاسق ست ونماز پس فاسق مکروہ کما صرحت به المتون و الشروح والفتاوٰی	جاریہ ہیں) نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان، حجِ کعبہ امام احمد نے زیاد بن نعیم الحضرمی سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، چار چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ایمان میں فرض فرمایا ہے جوان میں سے تین بجالائے گا وہ اسے کسی شیئ کا فائدہ نہیں دیں گے حتّٰی کہ تمام کو بجالائے، وہ نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان اور حج کعبہ ہے، نیز حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ اگر کسی نے شریعت کی اجازت اور مرض کے بغیر روزہ رمضان نہ رکھا اگر ساری عمر روزہ رکھے تب بھی اس کا عوض نہیں ہوسکتا، ترمذی نے روایت کیا یہ الفاظ اسی کے ہیں، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، ابن خزیمہ نے صحیح میں اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے بغیر رخصت اور مرض کے ایک دن رمضان کا روزہ چھوڑدیا اب اگر سارازمانہ روزہ رکھتا رہے تو اس کا ازالہ نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو چاہئے کہ وُہ دو۲ وجوہ کی بنا پر ایسے شخص کو تراویح نہ پڑھانے دیں: **اوّلا** یہ فاسق ہے اور فاسق کی اقتداء میں نماز مکروہ ہوتی ہے جیسا کہ اس پر متون، شروحات اور فتاوٰی کی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث زیاد ابن نعیم الحضرمی المکتب الاسلامی بیروت ۲۰۱/۴
[2] صحیح بخاری باب اذا جامع فی رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۹/۱، جامع الترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۰/۱

قاطبة **ثانیًا** غالب آنست کہ ایں کس بغایت پست ہمّت و بد شوق در امورِ دینیہ است وخواندن قرآن در تراویح ہمیں بغرضِ تحصیل امامت وتقدم وتفاخر بروجہ ریاء وسمعہ اختیار کردہ است پس باید کہ غرضش راحاصل شدن نہ دہند وچوں کسے اقتدا نہ کند، لاجرم ایں فعل حرام راگز اردو ان شاء اللہ تعالیٰ رجوع بروزہ آرد، **قال تعالیٰ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ**[1] ایں قرآن خوانی ازاں کس گناہ عظیم ست ومقتدیان باقتدائے اعانت برگناہ می کنند پس خود آثم باشد ہر چند سخن قدرے دراز شد اما بحمد اللہ خالی از نفع نیست یکے از جہت تحقیق مسئلہ دوم ازروئے ذکر شریف ونقل کلام لطیف حضورپُرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ **فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة**[2] **لاسیما ھذا السیّد رأس الاولیاء وتاج الاقطاب وسیّد الصّلحاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عنھم اجمعین، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**	قطعی تصریحات ہیں ثانیًا غالب گمان یہ ہے کہ یہ شخص انتہائی درجہ کا کم ہمت اور امورِ دینیہ کے معاملے میں بدذوق ہے اور وُہ تراویح میں قرآن محض حصولِ امامت کیلئے سُنارہاہے اور ریا کاری کرتے ہُوئے تقدم وتفاخر پر عمل پیرا ہے لہٰذا اسے اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیں، جب کوئی اس کی اقتداء نہیں کرے گاتو ان شاء اللہ تعالیٰ وُہ اس فعلِ حرام سے رجوع کرے گا، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: گناہ اور زیادتی پر ہر گز تعاون نہ کرو۔ ایسے شخص سے قرآن پڑھوانا گناہِ عظیم ہے، اور اقتداء کی صورت میں مقتدی گناہ پر اس کی اعانت کرنے والے ہوں گے لہٰذا یہ بھی گنہ گار ہوں گے، ہر چند گفتگو قدرے طویل ہوگئی ہے بحمد اللہ نفع سے خالی نہیں، ایک تو تحقیق مسئلہ کی وجہ سے اور دوسرا حضورپُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام وذکر شریف کے نقل کرنے کی وجہ سے، کیونکہ صالحین کے تذکرہ سے خصوصًا اس اولیاء کے سربراہ اقطاب کے تاج اور سید الصلحاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین کے تذکرے پر رحمت کا نزول ہوتاہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔** (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از میرٹھ کمبوہ دروازہ مکان داروغہ یاد الٰہی صاحب مرسلہ مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نابالغ لڑکا کہ نوافل میں قرآن شریف پڑھتا ہے اگر

---

1 القرآن ۲/۵

2 مرقات شرح مشکوٰۃ الفصل الثانی من باب الصلوٰۃ علی الجنازۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۶۱/۴

بوجہ کثرت ضعف ومحنت دَور، روزہ افطار کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نابالغ پر تو قلمِ شرع جاری ہی نہیں وُہ اگر بے عذر بھی افطار کرے اُسے گنہ گار نہ کہیں گے۔

لقوله عــه صلی الله تعالٰی علیه وسلم رفع القلم عن ثلثة الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وعن الصبی حتی یحتلم۔[1]	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔ ان میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بچّے کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا۔ (ت)

مگر بیان کرنا اس کا ہے کہ بچّہ جیسے آٹھویں سال میں قدم رکھے اس کے ولی پر لازم ہے کہ اسے نماز روزے کا حکم دے، اور جب اُسے گیارھواں شروع ہو تو ولی پر واجب ہے کہ صوم وصلوٰۃ پر مارے بشرطیکہ روزے کی طاقت ہو اور روزہ ضرر نہ کرے۔ حدیثِ صحیح میں ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر۔[2]	جب بچّے سات سال کے ہوجائیں تو انھیں نماز کو کہو اور دس سال کے ہوجائیں تو انھیں ترکِ نماز پر سزا دو۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

وجب ضرب ابن عشر علیھا۔[3]	ترکِ نماز پر دس سال کے بچّے کو سزا دینا واجب ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عــه: رواہ احمد وابو داؤد والحاکم عن امیر المومنین عمر و علی کالنسائی وابن ماجة عن ام المومنین عائشة الصدیقة رضی الله تعالٰی عنهم ۱۲ منه غفرله (م)	اسے امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے امیر المومنین حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، اور نسائی وابن ماجہ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

---

1 المستدرک للحاکم، رفع القلم عن الثلاث، دار الفکر بیروت، ۲۵۸/۱

2 سنن ابی داؤد، باب متی یؤمر الغلام الخ، آفتاب عالم پریس لاہور، ۷۱/۱

3 تنویر الابصار مع درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۵۸/۱

ظاہر الحدیث ان الامر لابن سبع واجب کا لضرب والظاہر ایضاان الوجوب بالمعنی المصطلح علیه لا بمعنی الافتراض لان الحدیث ظنی فافهم۔[1]	ظاہر حدیث میں ہے کہ سات سال کے بچے کو نماز کا کہنا اسی طرح واجب ہے، جیسے دس سال کے بچے کو سزا دینا واجب ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ یہاں وجوب سے اصطلاحی وجوب مراد ہے نہ کہ بمعنی فرض، کیونکہ حدیث ظنی ہے۔ پس غور کیجئے۔(ت)

درمختار میں ہے: والصوم کالصّلوٰۃ علی الصحیح[2] (صحیح قول کے مطابق روزہ کا حکم نماز ہی کی طرح ہے۔ت) عالمگیری میں ہے: قال الرازی یؤمر الصبی اذااطاقه[3] (امام رازی نے فرمایا: جب بچہ توانا ہوجائے تو اسے (نماز و روزہ کا) حکم دیاجائے۔ت) اُسی میں ہے:

ھذا اذالم یضرالصوم ببدنه فان اضر لایؤمر به۔[4]	یہ اس وقت ہے جب روزہ جسمانی تکلیف کا سبب نہ بن رہا ہو، اگر بن رہا ہو تو پھر اسے نہ کہاجائے(ت)

اورپُر ظاہر کہ یہ احکام حدیث وفقہ میں مطلق وعام، تو ولی نابالغ ہفت سال یااس سے بڑے کہ اُسی وقت ترک صوم کی اجازت دے سکتا ہے جبکہ فی نفسہٖ روزہ اُسے ضرر پہنچائے ورنہ بلاعذر شرعی اگر روزہ چھڑائے گا یا چھوڑنے پر سکوت کرے گا گنہ گار ہوگا کہ اس پر امر یاضرب شرعًا لازم اور تارک واجب، بزہ کار وآثم، اور دَورِ کلام اللہ کی محنت عذر وافطار نہیں۔ **اوّلًا** اکثر ہوتا ہے کہ بچّے بہت جوان قوی تندرست لوگ ایسے امور میں کم ہمتی کو بے قدرتی سمجھ لیتے حالانکہ کمرِ ہمّت چست باندھیں تو کھل جائے کہ عجز سمجھنا صرف وسوسہ تھا، اور واقعہ میں عجز ہو بھی یعنی روزہ رکھ کر کلام اللہ شریف پر محنتِ شاقہ نہیں ہوسکتی توراہ یہ ہے کہ روزہ رکھوائیں اور قرآن مجید کا جتنا شغل بے کلفت ہوسکے لیں، اور جس قدر کی طاقت نہ دیکھیں بعد رمضان دورِ آئندہ پر ملتوی رکھیں کہ شرعًا صیام کے لیے ایّام معین ہیں جن کے فوت سے ادافوت ہوگی اور دورے کے لیے کوئی دن مقرر نہیں ہمیشہ وہر وقت کرسکتے ہیں فرض کیجئے اگر مرد نوجوان تندرست مقیم کی یہی حالت ہوتی ہے کہ روزے کے ساتھ محنت دَور نہ کرسکتا تو کیا شرع اسے اجازت دیتی کہ دورے کے لیے روزہ ترک کرے، حاشا وکلّا، بلکہ لازم فرماتی کہ روزہ رکھ اور دَور دَور دیگر پر موقوف رکھ، تو معلوم ہوا اسی میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الصّلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۳۵

[2] دُرمختار کتاب الصّلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ المتفرقات من باب الاعتکاف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱۴

[4] فتاوٰی ہندیۃ المتفرقات من باب الاعتکاف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۱۴

خیر ہے، اور اس کے عکس میں شر، اور ولی کو چاہئے بچّہ کو ہر خیر کا حکم دے اور ہر شر سے باز رکھے۔ محشیانِ دُر سادات نا حلبی و طحطاوی وشامی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مراده من هذين النقلين بيان ان الصبى ينبغى ان يومر لجميع المأمورات وينهى عن جميع المنهيات۔[1]	ان دونوں تصریحات کا مقصد یہ ہے کہ ولی پر لازم ہے کہ وُہ بچّہ کو تمام اوامر کو بجالانے اور تمام منہیات سے باز رہنے کا کہے۔(ت)

علّامہ طحطاوی نے فرمایا:

فلا خصوصية للصلٰوة والصوم والخمر كما يرشد اليه التعليل اھ[2] هذا ماعندى والعلم بالحق عند ربى انه سبحانه وتعالٰى اعلم۔	اس میں نماز، روزہ اور شراب ہی مخصوص نہیں جیسا کہ علت کا بیان اسے واضح کر رہا ہے اھ۔ یہ مجھ پر واضح ہوا ہے علمِ حق میرے رب کے پاس ہے، انہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳: از کمپ معرفت حکیم سیّد نورالحسن صاحب دہلوی ۴ شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے جو کہ بوجہ اختلاف ہونے رؤیت ہلال کے ۳۰ تاریخ رمضان المبارک کو روزہ افطار کیا گیا اور بعد معلوم ہوجانے خبر تکذیب رؤیت کے روزہ قائم نہیں کیا گیا اور اکل وشرب برابر رکھا، اب اس روزے کے واسطے کفارہ لازم ہے یا قضا ونیز جن صاحبوں نے بعد خبر پانے تکذیب رویت کے پھر اپنے صوم کو کلی غرارہ سے دہن کو پاک کرکے قائم کرلیا ہے اُن کو کیا امر لازم ہے آیا کفارہ یا قضا؟

الجواب:

جنھوں نے اکل وشرب قائم رکھا حالانکہ کذب پر مطلع ہوچکے تھے وُہ گنہ گار ہوئے لیکن کفارہ ان پر بھی نہیں، جنھوں نے فورًا کلی غرارہ کرلیا وُہ ثواب پائیں گے اور ایک روزہ اُس کے عوض کا وُہ بھی رکھیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۶۴: از گلگت چھاؤنی جونال مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ خاص کرکے لڑائی کے موقع پر جانا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو اپنے گھر سے تین منزل کامل یا زیادہ کی راہ کا ارادہ کرکے چلے خواہ کسی نیت اچھی یا بُری سے جانا ہو، وُہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الصّلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/۲۵۹

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصّلٰوۃ دارالمعرفہ بیروت ۱/۱۷۰

جب تک مکان کو پلٹ کرنہ آئے یا بیچ میں کہیں ٹھہرنے کی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت نہ کرلے مسافر ہے، ایسے شخص کو جس دن کی صبح صادق مسافرت کے حال میں آئے اُس دن کا روزہ ناغہ کرنا اور پھر کبھی اس کی قضا رکھ لینا جائز ہے، پھر اگر روزہ اسے نقصان نہ کرے نہ اُس کے رفیق کو اُس کے روزہ سے ایذا ہو جب تو روزہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ قضا کرنا بہتر ہے،

فی الدرالمختار،لمسافر سفر اشرعیاً ولو بمعصیة الفطر، ویندب الصوم ان لم یضرہ فان شق علیه او علی رفیقه فالفطر افضل لمو افقة الجماعة،یجب علی مقیم اتمام صوم یوم من رمضان سافر فی ذٰلك الیوم اھ[1] ملتقطاً	درمختار میں ہے وُہ مسافر جس کا سفر شرعی (مقدار کے برابر) ہو خواہ گناہ کی خاطر ہو روزہ چھوڑ سکتا ہے اور اگر اسے روزہ تکلیف نہ دے تو روزہ رکھنا مستحب ہے، اور اگر روزہ مشکل ہو یا اس کے ساتھی پر مشکل ہو تو پھر جماعت کی موافقت میں افطار افضل ہے۔ مقیم پر اس روزہ رمضان کا اتمام لازم ہے جس دن اس نے سفر شروع کیا اھ مختصراً (ت)

یُونہی غازی اگر یقینا جانے کہ اب دشمن سے مقابلہ ہونے والا ہے اور روزہ رکھوں گا تو ضعف کا اندیشہ ہے تو وُہ بھی ناغہ کرے اگرچہ سفر میں نہ ہو۔

فی ردالمحتار عن النهر عن الخلاصة الغازی اذا اکان یعلم یقیناً انه یقاتل العدو فی رمضان ویخاف الضعف ان لم یفطر افطر۔[2]	ردالمحتار میں نہر سے خلاصہ سے ہے کہ غازی کو جب یقین ہو کہ رمضان میں دشمن سے مقابلہ ہوگا اور اگر روزہ رکھا تو کمزور ہو جائے گا تو روزہ نہ رکھے (ت)

مگر یہ اجازت بلاسفر صرف اُسی کو مل سکتی ہے جو حمایت یا اعانتِ دینِ اسلام میں لڑتا ہو، باقی ملکی لڑائیاں یا معاذاللہ کفر کی حمایت یا کافر کی طرف ہو کر اگرچہ دوسرے کافر ہی سے لڑنا، یہ سب گناہ ہیں۔ گناہ پر طاقت کے لیے روزہ قضا کرنے کی اجازت ممکن نہیں۔

فی مستامن فتح القدیر، فرع نفیس فی المبسوط لوغار قوم من اهل الحرب	فتح القدیر کے باب المستامن میں ہے کہ مبسوط میں نہایت نفیس جزئیہ ہے کہ اگر اہلِ حرب میں سے

[1] درمختار باب مایفسد الصوم فصل فی العوارض مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲ تا ۱۵۴

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصوم فصل فی العوارض، مصطفی البابی مصر، ۲/۱۲۶

علی اهل الدار التی فیهم المسلم المستامن لایحل له قتال هٰؤلاء الکفار الاان خاف علٰی نفسه لان القتال لما کان تعریضا لنفسه علی الهلاك لایحل الا لذٰلك اولا علاء کلمة الله تعالٰی وهو اذالم یخف علی نفسه لیس قتاله لهٰؤلاء الاعلاء لکفر۔[1]	کچھ لوگوں نے کسی ایسے علاقے پر حملہ کردیا جس میں کسی مسلمان نے پناہ لے رکھی تھی تواس مسلمان کے لیے ان کفار کے ساتھ لڑائی کرنا جائز نہ ہوگا، البتہ اس صورت میں جب اسے اپنی جان کا خوف ہو، کیونکہ قتال میں اپنے آپ کو ہلاکت پر پیش کرنا ہوتا ہے اور یہ جائز نہیں مگر اس صورت میں جب اپنی جان کا خوف ہو یا کلمۃ اللہ تعالٰی کی سربلندی کے لیے ہو، اور جب اسے اپنے نفس کا خوف نہیں تواب اس کا قتال سوائے کفر کی بلندی کے کچھ نہ ہوگا۔(ت)

ہاں جب یہ لوگ سفر میں ہوں تو بوجہ سفر اجازت ہوگی اگرچہ وُہ سفر جانب سقر ہو۔

کما قدمنا عن الدرالمختار والخلاف فیه معروف بیننا وبین الشافعی رضی الله تعالٰی عن الجمیع۔ والله تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ ہم نے دُرمختار کے حوالے سے پیچھے بیان کیا ہے اور اس میں ہمارے اور امام شافعی (اللہ تعالٰی ان تمام سے راضی ہو) کے درمیان مشہور اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۵: عرفان علی صاحب رضوی بیسل پوری ملازم کچہری کلکٹر پیلی بھیت ۱۶ شعبان ۱۳۳۳ھ

ماہ رمضان شریف کبھی موسمِ گرما میں ہوتا ہے کبھی موسمِ سرما، کبھی موسمِ بہار میں کبھی برسات میں۔ فرض کیجئے کہ ایک مرتبہ ماہِ رمضان گرمیوں میں ہو تو دوسرے سال بھی گرمیوں میں ہونا چاہئے کیونکہ وہی موسم دوبارہ سال بھر بعد آتا ہے، شمسی مہینے کے حساب سے کبھی رمضان موسمِ گرما میں ہوتا ہے اور کبھی موسمِ سرما میں، اس کی وجہ کیا ہے؟ چونکہ حضور علمِ ہیأت میں ید طُولیٰ رکھتے ہیں پس سوائے حضور کے کسی اور سے اس کا حل ہونا غیر ممکن۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

موسموں کی تبدیلی خالق عزوجل نے گردشِ آفتاب پر رکھی ہے مثلاً تحویلِ برج حمل سے ختمِ جوزا تک فصل ربیع ہے، پھر تحویل سرطان سے ختمِ سنبلہ تک گرمی، پھر تحویلِ میزان سے ختمِ قوس تک خریف، پھر تحویل جدی سے ختمِ حوت تک جاڑا، یہ آفتاب کا ایک دَور ہے کہ تقریبًا ۳۶۵ دن اور پونے چھ گھنٹے میں کہ پاؤ دن کے قریب ہُوا پُورا ہوتا ہے۔ اور عربی شرعی مہینے قمری ہیں کہ ہلال سے شروع اور ۳۰ یا ۲۹ دن میں ختم ہوتے ہیں۔ یہ بارہ ۱۲ مہینے

---

[1] فتح القدیر باب المستامن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۶۷

یعنی قمری سال ۳۵۴ یا ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے تو شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہے، سمجھنے کے لیے کسرات چھوڑ کر شمسی سال ۳۶۵ قمری ۳۵۵ میں رکھے کہ دس دن کا فرق ہوا، اب فرض کیجئے کہ کسی سال یکم رمضان شریف یکم جنوری کو ہُوئی تو آئندہ سال ۲۲ دسمبر کو یکم رمضان ہوگی کہ قمری ۱۲ مہینے ۳۵۵ دن میں ختم ہو جائیں گے اور شمسی سال پورا ہونے کو ابھی دس دن اور درکار ہیں، پھر تیسرے سال یکم رمضان ۱۲ دسمبر کو ہوگی، چوتھے سال یکم دسمبر کو ہوگی، تین برس میں ایک مہینہ بدل گیا، پہلے یکم جنوری کو تھی اب یکم دسمبر کو ہُوئی، یونہی ہر تین برس میں ایک مہینہ بدلے گا اور رمضان المبارک ہر شمسی مہینہ میں دورہ فرمائے گا، بعینہٖ یہی حالت ہندی مہینوں کی ہوگی، اگر وہ لوند نہ لیتے، انھوں نے سال رکھا شمسی اور مہینے لیے قمری، تو ہر برس دس دن گھٹ گھٹ کر تین سال بعد ایک مہینہ گھٹ گیا، لہٰذا ہر تین سال پر وہ ایک مہینہ مکرر کرلیتے ہیں تاکہ شمسی سال سے مطابقت رہے، ورنہ کبھی جیٹھ جاڑوں میں آتا اور پوس گرمیوں میں، بلکہ نصارٰی جنہوں نے سال وماہ سب شمسی لیے اگر یہ چوتھے سال ایک دن بڑھا کر فروری ۲۹ کا نہ کرتے تو اُن کو بھی یہی صورت پیش آتی کہ کبھی جُون کا مہینہ جاڑوں میں ہوتا اور دسمبر گرمیوں میں، یوں کہ سال ۳۶۵ دن کا لیا اور آفتاب کا دَورہ ابھی چند گھنٹے بعد پُورا ہوگا کہ جس کی مقدار تقریبًا چھ ۶ گھنٹے، تو پہلے سال شمسی سال دورہ یافتہ سے ۶ گھنٹے پہلے ختم ہوا، دوسرے سال ۱۲ گھنٹے پہلے، تیسرے سال ۱۸ گھنٹے پہلے، چوتھے سال تقریبًا ۲۴ گھنٹے، اور ۲۴ گھنٹے کا ایک دن رات ہوتا ہے لہٰذا ہر چوتھے سال ایک دن بڑھا دیا کہ دورہ آفتاب سے مطابقت رہے، لیکن دورہ آفتاب پُورے چھ گھنٹے زائد نہ تھا بلکہ چوتھے تقریبًا پونے چھ گھنٹے، تو چوتھے سال پورے ۲۴ گھنٹے کا فرق نہ پڑا تھا بلکہ تقریبًا ۲۳ گھنٹے کا اور بڑھا لیا ایک ایک کہ ۲۴ گھنٹے ہے، تو یوں ہر سال میں شمسی سال دورہ آفتاب سے کچھ کم ایک گھنٹہ بڑھے گا، سَو برس بعد تقریبًا ایک دن، لہٰذا صدی بعد گھٹا کر پھر فروری ۲۸ دن کا کرلیا، اسی طرح اور دقیق کسرات کا حساب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: از رائے پور سی پی محلہ بیجناتھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

شعبان کی ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو علاوہ قاضی و مفتی کے عوام کو روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو کس نیت سے؟

الجواب:

اگر ۲۹ کی شام کو مطلع صاف ہو اور چاند نظر نہ آئے تو ۳۰ کو قاضی مفتی کوئی بھی روزہ نہ رکھے اور اگر مطلع پر ابر وغبار ہو تو مفتی کو چاہیے کہ عوام کو ضحوہ کبرٰی یعنی نصف النہار شرعی تک انتظار کا حکم دے کہ جب تک کچھ نہ کھائیں پئیں، نہ روزے کی نیّت کریں، بلانیّتِ روزہ مثل روزہ رہیں، اس بیچ میں اگر ثبوت شرعی سے

رویت ثابت ہو جائے تو سب روزے کی نیت کرلیں روزہ رمضان ہو جائے گا، اور اگر یہ وقت گزر جائے کہیں سے ثبوت نہ آئے تو مفتی عوام کو حکم دے کہ کھائیں پئیں، ہاں جو شخص کسی خاص دن کے روزے کا عادی ہو، اور اگر اس تاریخ وُہ دن آکر پڑے مثلاً ایک شخص ہر پیر کو روزہ رکھتا ہے اور یہ دن پیر کا ہو تو وُہ اپنے اسی نفلی روزے کی نیت کر سکتا ہے شک کی وجہ سے رمضان کے روزے کی نیت کرے گا یا یہ کہ چاند ہو گیا تو آج رمضان کا روزہ رکھتا ہوں ورنہ نفل، تو گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من صام یوم الشك عصی ابا القاسم [1] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم	جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضرت ابو القاسم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے کہ بروز پیر روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں کیونکہ اگر ابر رہا تو چاند کا ثبوت ہونا غیر ممکن ہے اور اگر مطلع صاف ہوا تو دیکھ کر چاند روزہ ہوگا۔ اس غرض سے دریافت کیا گیا ہے بغیر چاند دیکھنے کے روزہ ناجائز ہوگا، حضور تحریر فرمادیجئے تاکہ دیہات میں خبر کردی جائے، جیسا بھی تحریر ہوگا ویسا کیا جائے گا۔

الجواب:

اگر چاند ہو جائے یا شرعی شہادت گزر جائے تو کل کا روزہ ہے ورنہ دوپہر تک کچھ کھائیں پئیں نہیں اس خیال سے کہ شاید چاند ثابت ہو جائے، پھر اگر ثابت ہو جائے تو روزہ کی نیت کرلیں ورنہ کھانا کھالیں اور جب تک رویت یا ثبوتِ رویت نہ ہو جائے رمضان کی نیت سے کل کا روزہ رکھنا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۸: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

ان پانچ روزوں میں جو روزہ رکھنا منع ہے یعنی ایک خاص عید الفطر اور عید الاضحٰی کے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ دن اللہ عزوجل کی طرف سے بندوں کی دعوت کے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۹:

ماہ رمضان المبارک اور غیر رمضان المبارک میں قرآن خوانی یا اور کوئی ختم مثلاً تسبیح و تہلیل کے کوئی شخص پڑھے یا پڑھائے تو دونوں میں ثواب برابر ہے یا کم وبیش ہے، تو کیا وجہ ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتموا الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۶/۱

الجواب: رمضان المبارک میں ہر عمل نیک کا ثواب باقی مہینوں کے عمل سے اکثر واوفر ہے، رمضان کا نفل اور مہینوں کے فرض اور اس کا فرض اور مہینوں کے ستّر فرض کے برابر ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فضل اوسع واکبر ہے۔ سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شہر مبارک کی نسبت فرمایا:

من تقرب فيه بخصلة من الخير كان كمن ادى فريضة فيما سواه، ومن ادى فيه فريضة كان كمن ادى سبعين فريضة فيما سواه.[1] الحديث رواه ابن خزيمة والبيهقي، والله تعالیٰ اعلم	جس نے رمضان میں کوئی نفلی نیکی کا کام کیا اسے اس شخص جیسا ثواب ملے گا جس نے رمضان کے علاوہ میں فرض ادا کیا، اور جس نے اس میں فرض ادا کیا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے رمضان کے علاوہ میں ستّر فرض ادا کئے، الحدیث اسے ابن خزیمہ اور بیہقی نے روایت کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۰: از مونگیر بہار مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب ولایتی مقیم مونگیر مسجد ٹوٹی ۵ شوال ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مونگیر میں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ کو باوجود صفائے مطلع چاند نظر نہ آیا مگر کلکتہ سے بذریعہ تار برقی خبر آئی کہ یہاں ۲۹ رمضان روز یکشنبہ چاند دیکھا گیا بعد اس کے یہاں کے ایک رئیس نے کلکتہ کے امام جامع مسجد سے بذریعہ تار برقی دریافت کیا امام صاحب نے بھی یہی جواب دیا کہ کلکتہ میں بتاریخ ۲۹ رمضان چاند دیکھا گیا اس پر اُس رئیس نے مع اور چند آدمیوں کے روزے توڑ ڈالے مگر کسی ذی علم نے ان کی موافقت نہ کی ان اشخاص مفطرین کی نسبت درصورتِ صحت خبر مذکور کیا حکم ہے، اور درصورت عدمِ صحت صرف اس روزے کی قضا اُن اشخاص پر لازم ہوگی یا کفارہ اور تعزیر بھی کسی قسم کی؟ بینوا توجروا

الجواب:

تار کی خبر شرعًا محض نامعتبر كما حققناه فی فتوی مفصلة بما لا مزيد عليه (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ ت) اس کی بناء پر افطار محض ناجائز واقع ہُوئی اور اشخاص مذکورین بیشک مرتکب گناہ ہوئے اگرچہ بعد کو تحقیق ہوجائے کہ اس دن واقعی عید ہی تھی کہ جب تک انھوں نے روزے توڑے اصلًا ثبوتِ شرعی نہ تھا اور اُنھوں نے بے اذنِ شرع افطار پر اقدام کیا اور یہ قطعًا گناہ ہے۔ شرع مطہر نے صوم وافطار کو رؤیت پر معلق فرمایا۔

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان حدیث ۱۸۸۷ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۲-۱۹۱

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ۔[1] اخرجہ الشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والحدیث مشہور۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور یہ حدیث مشہور ہے۔ (ت)

انہوں نے بے ثبوتِ رؤیت عید کرلی اور حکم احکم حاکم اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مخالفت کی، ہم نے فتوٰی مفصلہ میں ثابت کیا کہ تار کی خبر مجہولین وفسّاق بلکہ بعض کفار کی وساطت سے آتی ہے اور ایسی خبر میں شرع نے فرض کیا تھا کہ زنہار بے تحقیق عمل نہ کریں۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے اہلِ ایمان! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرلو کہ کہیں تم کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہو۔ (ت)

انہوں نے صرف اُسی کے اعتماد پر کاربندی کرلی، شرع مطہر نے حکم دیا تھا تمھیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو۔

قال اللہ تعالٰی فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۔[3]	اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (ت)

انہوں نے اہل علم سے بے پوچھے کارروائی کی، قرآن عظیم نے ارشاد کیا تھا جو بات پیش آئے علماء سے عرض کرو وُہ حقیقتِ کار تک پہنچ جائیں گے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ[4]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جب انکے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے ان لوگوں سے جو ان میں سے اجتہاد کرتے ہیں (ت)

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتموا الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] القرآن ۴۹/۶

[3] القرآن ۲۱/۷

[4] القرآن ۴/۸۳

انہوں نے اپنی رائے مستقل سمجھی فرقانِ حکیم نے فرمایا تھا جب تک شرع اجازت نہ دے آپ کچھ نہ کر بیٹھو

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے اہلِ ایمان! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالٰی سے ڈرو یقینا اللہ سُننے جاننے والا ہے (ت)

انہوں نے بے ثبوت شرعی جسارت کی، رمضان شریف بالیقین ثابت تھا، اور مسلمانوں کو شرع مطہر نے بحکم فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُؕ[2] (جو ماہِ رمضان کو پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ت) روزے پر جمع فرمایا تھا واجب تھا کہ جب شرع اذن دیتی کہ اب وُہ کام ختم ہوا اُس وقت روزہ چھوڑتے،

قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُؕ[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بلاشبہ ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے اور وہ جب حضور کے پاس کسی معاملہ میں حاضر ہوتے ہوں جس کیلئے جمع کے گئے ہوں تو آپ اجازت کے بغیر وہاں سے نہیں جاتے (ت)

انہوں نے بے اذن شرع کہ ہنوز اس تاریخ رمضان کا ختم ہو جانا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہوا تھا اُس امر جامع سے جدائی کی، مانا کہ بعد کو عید ہی ظاہر ہو مگر اُس وقت تک اُن کے شہر میں تو رمضان ہی معلوم تھا، انہوں نے قطعًا امر دین ناواقفانہ جسارت اور احکامِ شرع سے جاہلانہ مخالفت کی، تو یہ اگرچہ نفس الامر میں مصیب ہوں عند الشرع خطاوار ہوئے،

کما قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قال فی القراٰن برأیه فاصاب فقد اخطأ۔[4] اخرجه ابو داؤد و الترمذی والنسائی عن جندب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک کی تفسیر اپنی رائے سے کی وہ درست بھی ہو تو پھر بھی اس نے خطاء کی۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔ (ت)

اور یہیں سے ثابت وہ بہر تقدیر اپنی بے باکی وجرات واستقلال بالرائے ومخالفتِ اہل علم واختراعِ حکم

[1] القرآن ۴۹/۱

[2] القرآن ۲/۱۸۵

[3] القرآن ۲۴/۶۲

[4] سنن ابی داؤد باب الکلام فی کتاب اللہ بلاعلم آفتاب عالم پریس، لاہور ۲/۱۵۸

کے باعث مستحقِ تعزیر ہوئے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ہر گناہ جس میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے،

فی الاشباہ کل معصیة لیس فیھا حد مقدر ففیه التعزیر۔[1]	اشباہ میں ہے جس معصیت پر کوئی حد متعین نہ ہو اس میں تعزیز ہوگی (ت)

اور اس کی تعیینِ قسم حاکمِ شرع ایدہ اللہ تعالٰی کی رائے پر ہے، ضرب، حبس، گوشمال، سخت کلام، تیز نگاہ وغیرہا جس طریقہ سے مصلحت جانے زجر فرمائے اختیار کرے تو انتالیس کوڑے سے زیادہ نہ ہو۔

فی شرح التنویر، التعزیر لیس فیه تقدیر بل ھو مفوض الی رائ القاضی وعلیه مشائخنا زیلعی لان المقصود منه الزجر واحوال الناس فیه مختلفة، بحر۔[2]	شرح تنویر میں ہے کہ تعزیر مقدر نہیں بلکہ قاضی کی رائے کے مطابق ہوگی، اور ہمارے مشائخ اسی پر ہیں، زیلعی، کیونکہ اس سے مقصود زجر ہے اور اس بارے میں لوگوں کے طبائع مختلف ہوتے ہیں، بحر۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعة وثلثون سوطالوبالضرب۔[3]	تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہے اگر ضرب کرنی ہو (ت)

اور جہاں والی شرع نہ ہو جیسے ہمارے بلاد، وہاں یہ لوگ تعزیر سے محفوظی پر خوش نہ ہوں کہ یہ خوشی اُن کے گناہ کو ہزار چند کردے گی، بلکہ اس سے ڈریں جس کی حکومت ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر بات پر قادر ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ فوراً صدقِ دل سے تائب ہوں، اور جیسے یہ معصیّت اعلانیہ کی توبہ بھی بالاعلان کریں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة[4] اخرجه الامام احمد فی الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر عن معاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه باسناد حسن۔	رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم کوئی بُرائی کرو تو اس پر توبہ کرو، اگر گناہ خفیہ ہے تو توبہ بھی خفیہ طور پر کی جائے اور اگر گناہ اعلانیہ ہے تو توبہ بھی اعلانیہ کی جائے۔ اسے امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

---

1 الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن والعلوم السلامیہ کراچی ۱/۲۸۵

2 درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

3 درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

4 کنز العمال حدیث ۱۰۱۸۰ بحوالہ احمد فی الزہد عن عطا بن یسار، باب التعزیر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/۲۰۹، المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ مروی از معاذ بن جبل المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/۱۵۹

آئندہ کیلئے عہد واثق ہو کہ کبھی امورِ دین میں بیباکی وجرات نہ کرینگے اور بے ارشادِ علماء اپنی رائے سے قدم نہ رکھیں گے،

وَیَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ[1] وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ[2]	اللہ تعالٰی جس کی چاہے توبہ قبول فرمائے۔ اور اپنی طرف اسی کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع لائے (ت)

پھر اگر طرق مقبولہ شرع سے ثابت ہو جائے کہ وہ خبر سچی اور عید واقعی تھی تو ان پر اس روزے کی قضا نہیں کہ تحقیق ہوا وہ دن روزے کا نہ تھا،

ولاقضاء الاعن وجوب وافساد النفل بعد الشروع وان اوجب القضاء لکن ھذا فی غیر صوم الایام الخمسۃ کمافی التنویر و شرحہ للعلائی، علی ان محلہ فی الشروع قصدا الا تری ان من شرع فی صلٰوۃ ظانا انہ لم یصلھا ثم تذکر فقطع لا قضاء علیہ۔	وجوب کے سوا کسی کی قضا نہیں، نفلی روزہ شروع کرکے توڑ دینے سے روزہ واجب ہو جاتا ہے لیکن وہ حکم ان پانچ دنوں کے علاوہ ہے جیسا کہ تنویر اور اس کی شرح للعلائی میں ہے، علاوہ ازیں اس کا محل قصداً شروع ہونا ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص کسی نماز میں یہ گمان کرتے ہُوئے شروع ہُوا کہ اس نے ادا نہیں کی تھی، پھر اسے یاد آگیا کہ اس نے ادا کرلی ہے تو اس نے نماز توڑ دی تو اب اس پر قضا نہیں۔ (ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ ابھی غروبِ شمس محقق نہ ہُوا اور کسی شخص نے جزافاً روزہ کھول لیا یہ امر اسے روانہ تھا، کما فی السراج الوھاج والبحر الرائق ووجیز الکردری (جیسا کہ سراج الوہاج، بحر الرائق اور وجیز کردری میں ہے۔ت) لیکن اگر بعد کو ثابت ہو کہ فی الواقع اُس وقت آفتاب ڈوب چکا تھا تو روزے کی قضا نہیں، کما نص علیہ الامام الزیلعی ثم الطحطاوی ثم الشامی (جیسا کہ اس پر امام زیلعی نے پھر طحطاوی اور پھر شامی نے تصریح کی ہے۔ت) کہ ظاہر ہُوا کہ وقوعِ افطار اپنے محل میں تھا، اور اگر منکشف ہو کہ خبر غلط تھی اور وہ دن رمضان کا تھا یا کچھ تحقیق نہ ہو تو بے شک اُس روزے کی قضا لازم ہے، تقدیر اول پر تو وجہ واضح اور بر تقدیر ثانی رمضان کا آنا یقینی تھا اور اُس کا جانا شرعاً ثابت نہ ہوا والیقین لایزول بالشک (یقین شک سے زائل نہیں ہُوا کرتا۔ت) تو وہ دن عند الشرع رمضان ہی کا تھا کہ شرع نے عدم رؤیت میں تیس ۳۰ دن پُورے کا مہینہ رکھا ہے،

[1] القرآن ۹/۱۵

[2] القرآن ۱۳/۲۷

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان غم علیکم فاکملو العدۃ ثلثین[1] اخرجہ البخاری ونحوہ مسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم پر چاند (بادل کی وجہ سے) مخفی رہے تو تم تیس دن مکمل کرو۔ اسے امام بخاری نے اور اس کی مثل امام مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے (ت)

نظیر اس کی یہ ہے کہ بے تحقیقِ غروب افطار کرلیا پھر ثابت ہُوا کہ آفتاب باقی تھا یا کچھ نہ کُھلا، دونوں حالت میں قضا ہے کما صرح بہ الزیلعی ومن بعدہ (جیسا کہ اس پر زیلعی اور ان کے بعد آنے والوں نے تصریح کی ہے۔ت) بایں ہمہ مانحن فیہ میں کفارہ کسی تقدیر پر نہیں کہ آخر انہوں نے اپنے نزدیک عید ہی جان کر روزے توڑے اور وُہ خبریں اگرچہ شرعًا نامقبول ہیں۔ مگر ان عامیوں کے لیے مورث ظن بلکہ اُن کے گمان میں موجب یقین ہوچکی تھیں تواُن کی طرف سے جنایت کاملہ نہ پائی گئی وان تبتنی الکفارۃ علیہا (اور کفارہ جنایت کاملہ پر ہوتا ہے۔ت) نظیر اس کی وہ شخص ہے جس کے ایک دوست نے اُس سے بیان کیا میں نے عید کا چاند دیکھا اس نے اُسے معتمد سمجھ کر روزہ توڑ ڈالا اگرچہ گنہگار ہُوا کہ ایک کی خبر ہلال عید میں محض نامعتبر، اور اسی وجہ سے قضا بھی آئی مگر کفارہ نہیں، علامہ حسن شرنبلالی نورالایضاح اور اس کی شرح مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

ان افطر من رأی الھلال وحدہ فی شوال قضی ولا کفارۃ علیہ ولا علی صدیق للرائی شھد عندہ بھلال الفطر وصدقہ فافطر لانہ یوم عید فیکون شبھۃ۔[2]	جس نے شوال کا چاند تنہا دیکھا اور روزہ نہ رکھا تو وُہ قضا کرے اس پر کفارہ نہیں اسی طرح جس نے اس کی گواہی کی تصدیق کی عیدالفطر کے چاند میں، اور روزہ نہ رکھا کیونکہ اس کے نزدیک یہ عید کا دن ہے لہٰذا یہاں شبہ کا وقوع ہوگیا ہے (لہٰذا قضا ہوگی کفارہ نہیں۔(ت)

اسی طرح فتح القدیر وہندیہ وغیرہا میں ہے، بلکہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر گاؤں والوں نے تیسویں رمضان کو شہر سے نقارے کی آواز سُنی اور وُہ سمجھے کہ نقارہ عید کا ہے روزے توڑدئے، حالانکہ وہ نقارہ کسی اور بات کا تھا کفارہ لازم نہیں، فتاوٰی منہیہ پھر شرح نقایہ پھر مجمع الانہر پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما ثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۷

لوافطر اهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانين انه يوم العيد وهو لغيره لم يكفر۔[1] واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم و احکم۔	اگر اہل علاقہ نے تیسویں دن ڈھول کی آواز پر یہ گمان کرتے ہُوئے روزہ افطار کرلیا کہ یہ عید کا دن ہے حالانکہ وُہ کسی اور وجہ سے بجایا گیا تھا تو اب ان پر کفارہ نہیں ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدا تم احکم ۔(ت)

[1] ردالمحتار باب مایفسد ومالایفسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰۶/۲

ازکی الاھلال بابطال مااحدث الناس فی امرالھلال ۱۳۰۵ھ

(رؤیت ہلال کے بارے میں لوگوں کی ایجاد کردہ خبر (تار اور خط) کو باطل کرنے میں عمدہ بحث)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ربُّ محمّد صلی اللہ علیہ وسلما

مسئلہ ۱۷۱:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں در بارہ رؤیت ہلال تار کی خبر شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ اور اگر کچھ لوگ یہ انتظام مقرر کریں کہ در باب رؤیت ہلال رمضان و شوال و ذی الحجہ و محرم کے پیشتر سے مراسلات مقام دیگر کو جہاں جہاں مناسب خیال کیا جائے اس مضمون سے بھیجے جائیں کہ اگر ان مقاموں میں ۲۹ کی رؤیت ہو تو خبر رؤیت کی بذریعہ تار کے پہنچ جائے اور بعد پہنچنے خبر شہادت کافی کے مشتہر کردیا جائے تو یہ طریقہ شرعًا مقبول یا محض باطل، اور اس کی بنا پر اعلان ہو تو مسلمانوں کو اس پر عمل جائز یا حرام؟ اور اعلان کرنے والوں کے حق میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

الحمد للہ الذی بشکرہ یصیر ھلال النعمۃ	سب تعریف اللہ کے لیے جس کے شکر سے نعمتوں کا چاند

بدروالصّلٰوۃ والسلام علی اجل شموس الرسالۃ قدرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی واقمار التقی مااتی البرق بخبر الودق فصدق مرۃ وکذب اخری اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔	بدر بن جاتا ہے، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جو قدر ومنزلت میں رسالت کا سب سے اعلٰی آفتاب ہیں، آپ کے آل واصحاب پر جو ہدایت کے ستارے اور تقوٰی کے چاند ہیں جب تک بجلی کی چمک بارش کی خبر دے کبھی وُہ سچ ہو اور کبھی غلط، اے اللہ! حق وصواب کی ہدایت عطافرما۔(ت)

امورِ شرعیہ میں تار کی خبر محض نامعتبر، اور یہ طریقہ کہ تحقیق ہلال کیلئے تراشا گیا باطل وبے اثر، مسلمانوں کو ایسے علان پر عمل حرام، اور جو اس کی بنا پر مرتکب اعلان ہو سب سے زیادہ مبتلائے آثام۔ اس طریقے میں جو غلطیاں اور احکامِ شرع سے سخت بیگانگیاں ہیں۔ اُن کی تفصیل کو دفتر درکار، لہذا یہاں بقدر ضرورت وفہم مخاطب چند آسان تنبیہوں پر اقتصار۔

تنبیہ اول: شریعتِ مطہرہ نے دربارہ ہلال دوسرے شہر کی خبر کو شہادت کافیہ یا تواتر شرعی پر بنافرمایا اور ان میں بھی کافی وشرعی ہونے کے لیے بہت قیود وشرائط لگائیں جس کے بغیر ہرگز گواہی وشہرت بکار آمد نہیں اور پُر ظاہر کہ تار نہ کوئی شہادتِ شرعیہ ہے نہ خبر متواتر، پھر اس پر اعتماد کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ فتح القدیر ودرمختار وحاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

واللفظ للدر یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب۔[1]	در کے الفاظ یہ ہیں اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رویت کی وجہ سے لازم ہوجاتا ہے بشرطیکہ جب اس رویت کا ثبوت ان کے ہاں بطریق موجب ہو۔(ت)

علامہ حلبی وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی حواشیِ در میں فرماتے ہیں:

بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھد اعلی حکم القاضی او یستفیض الخبر بخلاف ما اذااخبر ان اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ۔[2]	طریق موجب یہ ہے کہ شہادت لانے والے دو ہوں یا وہ قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب دونوں نے یہ خبر دی ہو کہ فلاں اہلِ شہر نے دیکھا ہے کیونکہ یہ تو حکایت ہے۔(ت)

جو یہاں تار کی خبر پر عمل چاہے اس پر لازم کہ شرعًا اس کا موجب وملزم ہونا ثابت کرے مگر حاشانہ ثابت ہوگا جب تک ہلال مشرق اور بدر مغرب سے نہ چمکے، پھر شرع مطہر پر بے اصل زیادت اور منصب رفیع فتوٰی پر جرأت کس لیے۔ **والعیاذ**

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار، باب صدقۃ الفطر، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۲/۹۶

باللہ سبحانہ وتعالٰی اور یہ خیال کہ تار میں خبر تو شہادت کافیہ کی آئی، محض نادانی کہ ہم تک تو نامعتبرہ طریقے سے پہنچی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ معتبر کس کی خبر، پھر جو حدیث نامعتبر راویوں کے ذریعہ سے آتی ہے کیوں پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے!

تنبیہ دوم: تار کی حالت خط سے زیادہ ردی وسقیم کہ اس میں کاتب کا خط تو پہچانا جاتا ہے، طرز عبارت شناخت میں آتا ہے، واقف کار دیگر قرائن سے اعانت پاتا ہے۔ بایں ہمہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ امور شرعیہ میں ان خطوط ومراسلات کا کچھ اعتبار نہیں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور بن بھی سکتا ہے تو یقین شرعی نہیں ہوسکتا کہ یہ اُسی شخص کا لکھا ہُوا ہے۔ ائمہ دین کی عبارتیں لیجئے: اشباہ[۱] میں ہے: **لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**[1] (خط پر نہ اعتماد کیا جائے گا نہ عمل۔ت) ہدایہ[۲] میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم**[2] (خط دوسرے خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا اس سے علم حاصل نہ ہوگا۔ت) فتح القدیر[۳] میں ہے: **الخط لاینطق وھو متشابہ**[3] (خط بولتا نہیں اور اس میں مشابہت ہوتی ہے۔ت) درمختار[۴] میں ہے: **لایعمل بالخط الخ**[4] (خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا الخ۔ت) فتاوٰی قاضیخاں[۵] میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ اوالاقرار اماالصك فلا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط۔[5]	قاضی فیصلہ دلیل پر کرے اور دلیل گواہ ہیں یا اقرار پر فیصلہ کرے، اشٹام حجت نہیں کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے(ت)

کافی شرح وافی[۶] میں ہے: **الخط یشبہ الخط وقد یزور ویفتعل**[6]۔ (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور

---

[1] اشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن وعلوم اسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

[2] ہدایہ کتاب الشہادت فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۷

[3] فتح القدیر

[4] درمختار کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳

[5] فتاوٰی قاضی خاں، فصل فی دعوی الوقف الخ، منشی نولکشور لکھنؤ ۴/۷۴۲

[6] کافی شرح وافی

یہ ان اشیاء میں سے ہے جن سے کسی کی طرف جُھوٹ منسوب کیا جاتا اور جعلسازی کی جاتی ہے۔ت) مختصر ظہیریہ[۷] پھر شرح الاشباہ للعلامۃ البیری[۸] پھر ردالمحتار میں ہے:

لایقضی القاضی بذلك عن المنازعة لان الخط مما یزور ویفتعل۔[1]	قاضی جھگڑے کے وقت اس پر فیصلہ نہ کرے کیونکہ خط میں کسی کی طرف جُھوٹ منسوب کیا جاسکتا ہے اور بنالیا جاتا ہے(ت)

عینی[۱۰] شرح کنز میں ہے:

الخط یشبه الخط فلا یلزم حجة لانه یحتمل التزویر۔[2]	خط خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا وہ دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ اس میں جعلسازی کا احتمال ہوتا ہے(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر[۱۱] میں ہے:

الشهادة والقضاء والرؤیة لا یحل الاعن علم ولا هنا لان الخط یشبه الخط۔[3]	شہادت اور قضا اور رؤیت یقین کے بغیر حلال نہیں اور یہاں حاصل نہیں کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے(ت)

فتاوٰی عالمگیری[۱۲] میں ملتقط[۱۳] سے ہے:

الکتاب یفتعل ویزور، الخط یشبه الخط و الخاتم یشبه الخاتم۔[4]	خط میں جعل سازی اور من گھڑت بات بھی ہوسکتی ہے اور خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے(ت)

غمز العیون[۱۴] میں فتاوٰی امام اجل ظہیر الدین مرغینانی[۱۵] سے ہے:

العلة فی عدم العمل بالخط کونه مما یزور ویفتعل ای من شانه ذلك وکونه من شانه ذلك یقتضی عدم العمل به وعدم الاعتماد علیه،	خط پر عمل کرنے کی علّت یہ ہے کہ اس کے ذریعے جعلسازی کی جاسکتی ہے یعنی اس کی یہ صفت بن سکتی ہے اور اس صفت کا ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس پر عمل نہ کیا جائے اور نہ اعتماد کیا جائے اگرچہ

---

[1] ردالمحتار، باب کتاب القاضی الی القاضی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۳۵۲/۴

[2] عینی شرح کنزرمزالحقائق شرح کنزالد قائق کتاب الشہادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸۰/۲

[3] مجمع الانہر، کتاب الشہادت، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۲/۲

[4] فتاوٰی ہندیہ اسباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۱/۲

وان لم یکن مزورا فی نفس الامر کما ھو ظاھر۔[1]	نفس الامر میں اس میں جعلسازی نہ کی گئی ہو جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

دیکھئے کس قدر روشن وواضح تصریحیں ہیں کہ خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل نہ اس کے ذریعہ سے یقین حاصل ہو، نہ اس کی بناپر حکم و گواہی حلال کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مانند ہو سکتی ہے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ خط کا صرف اپنی ذات میں قابلِ تزویر ہو ناہی اس کی بے اعتباری کو کافی ہے اگرچہ یہ خاص خط واقع میں ٹھیک ہو، پھر یہ تار جس میں خبر بھیجنے والے کے دست وزبان کی کوئی علامت تک نام کو بھی نہیں اور اس میں خط کی بہ نسبت کذب وتزویر نہایت آسان کیونکر امورِ دینیہ کی بنااُس پر حرام قطعی نہ ہوگی۔ سبحان اللہ ائمہ دین کی وُہ احتیاط کہ مُہر خط کو صرف گنجائش تزویر کے سبب لغو ٹھہرایا حالانکہ مُہر بنالینا اور خط میں خط ملادینا سہل نہیں شاید ہزار میں دوایک ایسا کرسکتے ہوں اور یہاں تو اصلاً دشواری نہیں جو چاہے تار گھر میں جائے اور جس کے نام سے چاہے تار دے آئے، وہاں نام ونسب کی کوئی تحقیقات نہیں ہوتی، نہ رجسٹری کی طرح شناخت کے گواہ لیے جاتے ہیں، علاوہ بریں تار والوں کے وجوبِ صدق پر کون سی وحی نازل ہے کہ اُن کی بات خواہی نخواہی واجب القبول ہوگی اور اس پر احکام شرعیہ کی بنا ہونے لگی ہزار افسوس ذلّتِ علم وقلّتِ علماء پر، انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

تنبیہ سوم: قطع نظر اس سے کہ خبر شہادت منگانے کے لیے جنہیں مراسلات بھیجے جائیں گے غالباً ان کا بیان حکایت واخبار محض سے کتنا جُدا ہوگا جس کی بے اعتباری تمام کتبِ مذہب میں مصرح۔ بالفرض اگر اصل خبر میں کوئی خلل شرعی نہ ہو تاہم اس کا جامہ اعتبار تار میں آکر یکسر تار تار کہ وُہ بیان ہم تک اصالتًا نہ پہنچا بلکہ نقل در نقل ہو کر آیا، صاحبِ خبر تو وہاں کے تار والے سے کہہ کر الگ ہوگیا اُس نے تار کو جنبش دی اور اس کے کھٹکوں سے جن کے اطوارِ مختلفہ کو اپنی اصطلاحوں میں علامتِ حروف قرار دے رکھا ہے اشاروں میں عبارت بتائی اب وہ بھی جُدا ہوگیا یہاں کے تار والے نے اُن کھٹکوں پر نظر کی، اور ضرباتِ معلومہ سے جو فہم میں آیا نقوش معرفہ میں لایا اب یہ بھی الگ رہا وہ کاغذ کا پرچہ کسی ہرکارے کے سپرد ہُوا کہ یہاں پہنچا کر چلتا بنا۔ **سبحان اللہ!** اس نفیس روایت کا سلسلہ سند تو دیکھئے مجہول عن مجہول عن مجہول، نامقبول از نامقبول از نامقبول، اس قدر وسائط تو لابدی ہیں پھر شاید کبھی نہ ہوتا ہو کہ معزز لوگ بذاتِ خود جاکر تار دیں، اب جس کے ہاتھ کہلا بھیجا مانیے وُہ جدا واسطہ، اس پر فارم کی حاجت ہُوئی تو تحریر کا قدم درمیان، آپ نہ آئے تو کسی انگریزی دان کی وساطت، اُدھر تار کا بابُو اردو نہ لکھے تو یہاں مترجم کی جُدا ضرورت، اینہمہ فصل زائد ہُوا اور تار وصل نہیں، جب تو نقل در نقل کی گنتی ہی کیا ہے، وائے بے انصافی

---
[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۳۹/۱

اس طریقہ تراشیدہ پر عمل کرنے والوں سے پُوچھا جائے ان سب وسائط کی عدالت و ثقاہت سے کہاں تک آگاہ ہیں، حاش للہ نام بھی نہیں معلوم ہوتا، نام در کنار اصل شمار وسائط بتانا دشوار، سب جانے دیجئے اسلام پر بھی علم نہیں اکثر ہنود وغیرہم کفار ان خدمات پر معیّن، غرض کوئی موضوع سی حدیث اس نفیس سلسلے سے نہ آتی ہوگی، پھر ایسی خبر پر امورِ شرعیہ کی بنا کرنا استغفر اللہ علماء تو علماء میں نہیں جانتا کہ کسی عاقل کا کام ہو۔

تنبیہ چہارم: علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دوسرے شہر سے بذریعہ خط خبر شہادت دینا صرف قاضیِ شرع سے خاص جسے سلطان نے مقدمات پر والی فرمایا ہو، یہاں تک کہ حکم کا خط مقبول نہیں، در مختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وھو نقل الشھادۃ حقیقۃ ولا یقبل من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام الخ ملتقطا۔[1]	قاضی، دوسرے قاضی کی طرف لکھ سکتا ہے اور یہ حقیقۃً نقلِ شہادت ہے اور یہ فیصل سے قبول نہیں بلکہ اس قاضی سے قبول ہے جسے حاکم نے مقرر کیا ہو الخ ملتقطا (ت)

فتح میں ہے:

ھذاالنقل بمنزلۃ القضاء ولھذا لایصح الامن القاضی۔[2]	یہ نقل بمنزلہ قضاء کے ہے لہٰذا یہ قاضی کے علاوہ کسی سے صحیح نہیں۔(ت)

غیر قضاۃ تو یہیں سے الگ ہُوئے، رہے قاضی، ان کی نسبت صریح ارشاد کہ اس بارے میں نامہ قاضی کا قبول بھی اس وجہ سے ہے کہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے برخلاف قیاس اسکی اجازت پر اجماع فرمالیا ورنہ قاعدہ یہی چاہتا تھا کہ اس کا خط بھی اُنہی وجوہ سے جو اوپر گزریں مقبول نہ ہو، اور پُر ظاہر کہ جو حکم خلافِ قیاس مانا جاتا ہے مورد سے آگے تجاوز نہیں کر سکتا ،اور دوسری جگہ اس کا اجراء محض باطل و فاحش خطا، پھر حکم قبول خط سے گزر کر تار تک پہنچنا کیونکر روا۔ ائمہ دین تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر قاضی اپنا آدمی بھیجے بلکہ بذاتِ خود ہی آکر بیان کرے کہ میرے سامنے گواہیاں گزریں ہرگز نہ سُنیں گے کہ اجماع تو صرف دربارہ خط منعقد ہوا ہے، پیام ایلچی وخود بیانِ قاضی اس سے جدا ہے۔ امام محقق علی الاطلاق شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

الفرق بین رسول القاضی وکتابہ حیث	قاضی کے قاصد اور اس کے خط میں یہ فرق ہے کہ

[1] در مختار، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۸۳ و ۸۴

[2] فتح القدیر باب کتاب القاضی الی القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۸۹

یقبل کتابہ ولا یقبل رسولہ، فلان غایۃ رسولہ ان یکون کنفسہ، وقد منا انہ لوذکر مافی کتابہ لذلك القاضی بنفسہ لا یقبلہ، وکان القیاس فی کتابہ کذلک، الا انہ اجیز باجماع التابعین علی خلاف القیاس فاقتصر علیہ۔[1]	خط قبول کیا جائے گا لیکن قاصد مقبول نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ قاصد، قاضی کے قائم مقام ہے جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ اگر قاضی خود جاکر دوسرے قاضی کو خط والا مضمون بتائے تو دوسرا قاضی اسے قبول نہیں کرے گا، خط کے بارے میں قیاس کا تقاضا یہی ہے کہ قبول نہ ہو لیکن تابعین حضرات کے اجماع سے اس کو جائز و مقبول قرار دیا گیا جو کہ خلاف قیاس ہے اسی لیے اسی میں اجازت محصور رہے گی۔(ت)

سبحان اللہ! پھر تار بیچارے کی کیا حقیقت کہ اسے کتاب القاضی پر قیاس کریں اور جہاں خود بیان قاضی شرعًا بے اثر وہاں اس کے سر، بنائے احکام دھریں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا
(راستے کا تفاوت دیکھیں کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

اور جب شرعًا قاضی کا تاریُوں بے اعتبار، تو اوروں کے تار کی جو ہستی ہے وہ ہماری تقریر صدر سے آشکار کہ مقبول الکتاب کا تار، ناچیز، تو مردود الکتاب کا تار کیا چیز، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ الملك العزیز۔

تنبیہ پنجم: قاضی شرع کا نامہ بھی صرف اُسی وقت مقبول جب دو مرد ثقہ یا ایک مرد دو عورتیں عادل دارالقضاء سے یہاں آکر شہادت شرعیہ دیں کہ یہ خط بالیقین اُسی قاضی کا ہے اور اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے ورنہ ہرگز قبول نہ ہوگی اگرچہ ہم اس قاضی کا خط پہچانتے ہوں اور اس کی مُہر بھی لگی ہو اور اُس نے خاص اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجا ہو۔ ہدایہ میں ہے:

لا یقبل الکتاب الابشہادۃ رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب یشبہ الکتاب فلا یثبت الابحجۃ تامۃ وھذالانہ ملزم فلا بدمن الحجۃ۔[2]	خط نہیں قبول کیا جائے گا مگر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین کی گواہی پر قبول ہوگا کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوسکتا ہے لہٰذا اس حجتِ کاملہ کے بغیر خط کا ثبوت نہ ہوگا اور یہ اس لیے کہ خط کی وجہ سے حکم لازم ہوتا ہے اور اس لیے حجت کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

---

[1] فتح القدیر شرح ہدایہ باب القاضی الی القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۸۶/۶
[2] ہدایہ، باب القاضی الی القاضی، مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۹/۳

یجب ان یعلم ان کتاب القاضی الی القاضی صار حجۃ شرعاً فی المعاملات بخلاف القیاس لان الکتاب قد یفتعل ویزور، والخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم ولکن جعلنه حجۃ بالاجماع ولکن انما یقبله القاضی المکتوب الیه عند وجود شرائطه ومن جملة الشرائط البینة حتی ان القاضی المکتوب الیه لایقبل کتاب القاضی مالم یثبت بالبینة انه کتاب القاضی۔[1]	یہ جان لینا ضروری ہے کہ قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف معلامات میں شرعًا حجت ہے لیکن خلاف قیاس کیونکہ خط میں جعلسازی اور جھوٹ لکھا جاسکتا ہے، اور خط، خط کے مشابہ، اسی طرح مہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لیکن ہم نے اسے اجماع کی وجہ سے حجّت مانا ہے لیکن جس قاضی کی طرف لکھا گیا ہو تب قبول کرے جب اسکی شرائط پائی جائیں، اور ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس پر گواہ ہوں حتی کہ قاضی دوسرے قاضی کے خط کو اس وقت تک قبول نہیں کرسکتا جب تک گواہ گواہی نہ دیں کہ یہ قاضی کا خط ہے(ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی علّامہ قاری الہدایہ سے ہے:

اذا شهد وا انه خطه من غیر ان یشاهد واکتابته فلا یحکم بذلک۔[2]	جب وُہ گواہی دیں کہ یہ اس کا خط مگر انہوں نے لکھتے ہوئے نہیں دیکھا تو ایسے خط پر فیصلہ نہ دیا جائے(ت)

سبحان اللہ! یہ خطوط یا تار جو یہاں آتے ہیں اُن کے ساتھ کون سے دو گواہ عادل آکر گواہی دیتے ہیں کہ کہ فلاں نے ہمارے سامنے لکھا یا تار دیا مگر ہے یہ کہ ناواقفی کے ساتھ امورِ شرع میں بے جامداخلت سب کچھ کراتی ہے نسأل اللہ توفیق الصواب وبه نستعین فی کل باب (ہم اللہ تعالٰی سے توفیقِ صواب کا سوال کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی سے مدد چاہتے ہیں۔ت)

اے عزیز! اس زمانہ فتن میں لوگوں کو احکامِ شرع پر سخت جرأت ہے خصوصًا ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے جیسے تار برقی وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالٰی مساعیهم الجمیلة (اللہ تعالٰی ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔ت) نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے تصریحًا تلویحًا تفریعًا تاصیلًا سب کچھ فرمادیا ہے زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوگا جو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] عقود الدریہ الکتابۃ علٰی ثلاثۃ مراتب الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف سے، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالٰی قادر ہوں۔

لاخلاالکون عن افضالھم وکثر اللہفی بلادنا الراحمین وصلی اللہتعالٰی علٰی خاتم النبیین سیّدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین واللہسبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔	زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں اور اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں زیادہ کرے آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی خاتم النبیین سیّدنا محمد وآلہٖ وصحبہ اجمعین واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از رامپور بوساطت مولوی بشیر احمد صاحب مدرس اول مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی ۴ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹ تاریخ کو کسی شہر میں چاند نظر نہ آئے اور دُوسرے شہر میں وہی چاند ۳۰ کا نظر آیا اور وہاں کے لوگ ٹیلی فون یا ٹیلی گراف میں اطلاع دیں تو وہ خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر گز معتبر نہیں ہو سکتی، اصلًا قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی، تارکی کی سخت بے اعتباری میں فقیر کا فتوٰی مفصلہ طبع ہو چکا ہے، اُس کی حالت ٹیلی فون درکنار، خط سے بہت گری ہُوئی ہے کہ اس میں مرسل کے ہاتھ کی علامت تک نہیں ہوتی اور اکثر بنگالی بابُوؤں وغیرہم کفّار کو توسط ہوتا ہے ورنہ مجاہیل ہونا ضروری ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ خط بھی معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے: **الخط یشبہ الخط**[1] (تحریر ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ت) تو شرعًا تار پر عمل کیونکر ممکن! یُونہی ٹیلیفون کہ اس میں شاہد ومشہود نہیں ہوتا صرف آواز سنائی دیتی ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں آڑ سے جو آواز مسموع ہو اُس پر احکامِ شرعیہ کی بناء نہیں ہو سکتی کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوسمع من وراء الحجاب لایسعہ ان یشھد لاحتمال ان یکون غیرہ	اگر کسی نے پردہ کے پیچھے سے سُنا تو اس کو گواہی دینا جائز نہیں کیونکہ وہ کوئی دوسرا ہو سکتا ہے کیونکہ

[1] الہدایہ فصل مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۷

اذا لنغمة تشبه النغمة [1] الخ وصورة الثنيا التی ذکرت لا تحقق لها فيما نحن فيه کما لايخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔	آواز ایک دوسرے کے مشابہ ہوسکتی ہے الخ اور جو صورت مستثنٰی قرار دی گئی ہے اس کا ہماری اس بحث میں تحقق نہیں ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: مرسلہ منظور علی علوی کاکوروی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ پہاڑ میں ایسی ہے جہاں بغیر بہت دقت سے اونچی چوٹیوں پر گئے چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے اور جہاں جاکر بھی اکثر بسبب ابر غبار کے چاند نہیں دکھائی دیتا ہے ایسی جگہ میں مسلمانوں کو شوال کی رؤیت ہلال کی اطلاع بذریعہ تار کے پاکے روزہ افطار کردینا اور عید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ تار اگر ایک ہو، دو ہوں، یا دس بارہ ہوں، کسی صورت میں ان پر اعتبار جائز ہے یا نہیں؟ اگر خبر بذریعہ تار کی نہ مانی جائے تو پہاڑوں میں (مثلاً نینی تال میں) کبھی رمضان کا مہینہ انتیس کو نہیں ختم ہوسکتا ہے، اس لیے کہ دس بارہ برس کا مشاہدہ ہے کہ ہمیشہ ابر غبار کی وجہ سے شوال کا چاند نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا لرؤيته وافطر والرؤيته** [2] چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ اور فرماتے ہیں: **ان اللہ امده لرؤيته** [3] اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ تار اگرچہ دس بیس ہوں اصلاً شرعاً امورِ دینیہ میں قابلِ التفات نہیں کہ اس کی حالت خط سے بھی بدتر ہے اپنے شناسا کا خط پہچانا جاتا ہے، طرزِ عبارت سے پتا چلتا ہے، تار میں یہ کچھ بھی نہیں، پھر ہمارے تمام ائمہ نے عام کتب مذہب میں مثل ہدایہ ودر مختار واشباہ وخیریہ وعقود الدریہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ خط کا اعتبار نہیں بلکہ صاف فرمایا کہ مُہر کا بھی ان معاملات میں اعتبار نہیں ہوتا، پھر تار کیونکر قابلِ اعتبار ہوسکتا ہے، خصوصاً تار بابوؤں کی عدالت درکنار اسلام کا بھی علم نہیں، بلکہ اکثر ہنود وغیرہ ہوتے ہیں دس بیس جگہ سے آنا کافر یا فاسق مجہول کی خبر کو معتبر شرعی نہ کردے گا، نہ یہاں حدِ تواتر پہنچنا معقول کہ دس نہیں ہزار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

[2] صحیح بخاری، باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۲۵۶

[3] سنن دار قطنی، کتاب الصیام نمبر ۲۶، نشر السنۃ ملتان، ۲/ ۱۶۲

جگہ سے تار آئیں ہم کو تو ایک ہی تار گھر سے ملیں گے اور کہیں دو چار بھی ہوئے تو یہ تواتر نہیں، اپنے دنیوی معاملات کو دیکھیے دو۲ روپے کا دعوٰی ہو اور گواہ بیس دفعہ تار پر اپنی گواہی بھیجے کیا کچہریوں میں قبول ہو جائیگی، پھر عید کر لینا کیسے حلال ہو جائے گا! رہا یہ کہ اس صورت میں کہ انتیس کا چاند ہی وہاں نہ ہوگا، شعبان سے ذی الحجہ تک پانچ ہلالوں کا بغور دیکھنا تلاش کرنا ہر جگہ کے مسلمانوں پر واجب ہے اونچی چوٹیوں پر جانے کی دقت اگر صرف بوجہ تکلیف یا کاہلی ہو تو یہ عذر ہرگز نہ سُنا جائے گا، اور اوپر جاکر دیکھنا واجب ہوگا۔ اگر کوئی نہ جائے گا سب گنہ گار رہیں گے اور اگر واقعی ناقابلِ برداشت تکلیف ہے تو معاف ہے۔ [عہ]

فان غم علیکم فاکملوا العدۃ ثلثین۔[1]	چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

مسلمانوں کو حکم سے غرض ہے ۲۹، ۳۰ سے کیا کام! اور اگر یہ خیال ہے کہ ۲۹ کے رمضان کی خوشی زیادہ ہوتی ہے، یہ کیونکر ہوگی، تو یہ محض بے معنی خیال ہے، اور غور کریں تو اُس کی کسر ادھر شعبان میں نکل جائیگی کہ وُہ بھی کبھی ۲۹ کا نہ ہوگا، تو رمضان کہ ۳۰ کا چاند وہاں ۲۹ کو نظر آئے گا، اہتمام کریں تو ۲۹ تاریخ نزدیک کی آبادیوں میں دو چار معتبر مسلمان بھیج کر پہاڑ سے باہر بھی رؤیت کر سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ محمود میاں ابن قاضی عبدالغنی صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

اس ریاست میں ٹیلیفون ہونے کی وجہ سے بذریعہ ٹیلیفون رؤیت ہلال رمضان یا عید رُوبرو آمنے سامنے دونوں مسلمان ہوں اور ایک جگہ کا مسلمان دوسرے کو خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور دوسری جگہ والا بھی مسلمان ہو اور اس کی آواز پہچانتا ہو کہ فلاں شخص یہ خبر دے رہا ہے تو اس کی آواز پہچان کر ان کے قول پر عمل کیا جائیگا یا نہیں؟ یا ٹیلیفون دینے والا اور لینے دونوں ملازم مسلمان ہیں، ایک نے دوسرے کو بذریعہ ٹیلیفون خبر دی رؤیت ہلال کی، اس نے دوسرے سے کہا فلاں جگہ سے مجھ کو فلاں نے کہا کہ وہاں پر رؤیت ہلال ہُوئی تو ایسی خبر پر اعتماد چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

ٹیلی فون دینے والا اگر سُننے والے کے پیشِ نظر نہ ہو تو امورِ شرعیہ میں اس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ آواز پہچانی جائے کہ آواز مشابہ آواز ہوتی ہے، اگر وہ کوئی شہادت دے معتبر نہ ہوگی، اور اگر کسی بات کا اقرار کرے

عـــہ: اصل میں یہاں بیاض ہے ۱۲

[1] سنن دار قطنی، کتاب الصیام نمبر ۲۹، نشر السنۃ ملتان، ۱/ ۱۶۳

سننے والے کو اس پر گواہی دینے کی اجازت نہیں، ہاں اگر وہ اس کے پیش نظر ہے جسے دوبدو آمنے سامنے سے تعبیر کرتے ہیں، یعنی اس کی دونوں آنکھیں اس کی دونوں آنکھوں کے سامنے ہوں، ایک دوسرے کو دیکھ رہا ہو، اور ٹیلی فون کا واسطہ صرف بوجہ آسانی آواز رسانی کے لیے ہو کہ اتنی دُور سے آواز پہنچنا دشوار تھا، تو اس صورت میں اس کی بات جس حد تک شرعًا معتبر ہوتی اب بھی معتبر ہوگی، مثلًا خود اپنی رؤیت کی شہادت ادا کرے تو مانی جائے گی اگر وہ مقبول الشہادۃ ہے، لیکن اتنی بات کہ فلاں جگہ رؤیت ہُوئی اگرچہ متصل آکر ادا کرے جب بھی معتبر نہیں کہ یہ محض حکایت ہے نہ کہ شہادت، اور یہ کہ فلاں نے مجھ سے کہا کہ فلاں جگہ ہُوئی، اور زیادہ مہمل کہ حکایت در حکایت ہے۔ تبیین الحقائق پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ولو سمع من وراء الحجاب لایسعه ان یشهد لاحتمال ان یکون غیره اذ النغمة تشبه النغمة الااذاکان فی الداخل وحده ودخل وعلم الشاهد انه لیس فیه غیره ثم جلس علی المسلك ولیس له مسلك غیره فسمع اقرار الداخل ولایراه لانه یحصل به العلم وینبغی للقاضی اذا فسرله ان لایقبله۔[1]	اگر کسی نے پردے کے پیچھے سے سُنا تو سننے والا گواہی نہیں دے سکتا، ممکن ہے کوئی اور شخص ہو، کیونکہ آواز آواز سے مشابہ ہو سکتی ہے مگر اس صورت میں جب داخل ہونے والا اکیلا ہو اور شاہد جانتا اور علم رکھتا ہو کہ اس کے علاوہ دوسرا نہیں، پھر وُہ گواہ راستہ پر بیٹھتا ہے جبکہ اس راستہ کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں، اور داخل ہونے والے کا اقرار سُنتا ہے اور اسے دیکھتا نہیں (تو اب گواہی قبول ہے) کیونکہ اب اسے یقین حاصل ہے، اور اگر گواہ پردے والے کی بات کی از خود تفسیر کرے تو قاضی کے لیے مناسب ہے کہ وُہ تفسیر قبول نہ کرے۔ (ت)

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

کان الفقیه ابو اللیث یقول اذااقرت المرأة من وراء الحجاب وشهد عنده اثنان انها فلانة لا یجوز لمن سمع اقرارها ان یشهد علی اقرارها الا اذا رأی شخصا یعنی حال مااقرت فح یجوزله ان	فقیہ ابولیث فرمایا کرتے تھے کہ جب پردہ کے پیچھے عورت نے اقرار کیا اور دو آدمیوں نے گواہی دی کہ یہ فلاں عورت ہے تو اقرار سننے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس کے اقرار پر گواہی دے مگر اس صورت میں جب اس نے اس خاتون کو دیکھا ہو یعنی

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

یشھد علی اقرار ھا، شرط رؤیۃ شخصھا لارؤیۃ وجھھا۔[1]	اقرار کرتے وقت تواب اس کے لیے جائز ہے کہ اس کے اقرار پر گواہ بنے باقی شرط شخصیت کو دیکھنا ہے نہ کہ چہرے کو۔(ت)

در مختار میں ہے:

شھد وا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھد ان برؤیۃ الھلال فی لیلۃ کذا وقضی القاضی بہ ووجد استجماع شرائط الدعوی جازلھذا القاضی ان یحکم بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھد وابہ لا لو شھد وابرؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ اھ[2] وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گواہوں نے گواہی دی کہ قاضیِ مصر کے پاس فلاں رات چاند دیکھنے پر دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ دیا اور شرائطِ دعوی پائی جائیں تواس قاضی کے لیے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضاءِ قاضی حجّت ہے اور گواہوں نے اس قضاء پر ہی گواہی دی ہے، ہاں اس صورت میں فیصلہ نہیں دے سکتا جب انہوں نے یہ گواہی دی ہو کہ فلاں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے اھ اس کی تمام تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۵: از دفتر صحیفہ حیدر آباد دکن مبطوعہ ۱۶ رمضان ۱۳۳۳ھ

تار اور ٹیلیفون زمانہ حال کی ایجاد ہے یعنی فقہائے ماسبق کے زمانہ میں یہ چیزیں ایجاد نہیں ہُوئی تھیں اس لئے قدیم کتبِ فقہ اس تذکرے سے خالی ہیں کہ تار اور ٹیلیفون کے ذریعہ سے جو خبریں آتی ہیں وہ قابل تقسیم ہیں یا نہیں، اس مسئلہ کی نسبت علماء کے ایک عام اجماع واتفاق کی ضرورت ہے، پس براہِ کرم بیان فرمایا جائے کہ تار اور ٹیلی فون کے ذریعہ سے جو خبر آئے وہ از رُوئے احکامِ شریعت قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟ اور ایسی خبر کی بناء پر احکامِ شرعیہ مثلاً ترک واختیارِ صوم اور تقرر یوم حج وغیرہ کا تصفیہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تار محض بے اعتبار، یُونہی ٹیلی فون، اگر خبر دہندہ پیشِ نظر نہ ہو۔ تفصیل فقیر کے فتاوی مرسلہ سے معلوم ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی بیان تحمل الشہادۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۳

[2] در مختار کتاب الصیام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۸: مسئولہ عبدالعزیز تاجر چرم قصبہ ٹکاری محلّہ تاگنج ضلع گیا ۱۶ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائلِ مفصل ذیل میں بحوالگی کتبِ فقہ وفتاوٰی **بینوا توجروا۔**

سوال اوّل: نمازِ عید کہ جس کی ادائیگی رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے اگراس کی رؤیت کی خبر ایسی بستی میں جہاں ابر وباد کی وجہ سے چاند نہ دیکھا گیا ہو اور معتبر شخص کی زبانی کہ اُس شخص کو بھی خبر غیر شہر میں بذریعہ تار کے ملی ہو اور وُہ شخص اپنے مکان پر نماز عید کی پڑھ کر آیا ہو اس شخص معتبر کے بیان پر روزہ افطار کرنا اور نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اور بعد پڑھنے نماز عید کے جو لوگ کہ سفر میں عید کے روز کلکتہ وغیرہ میں ہیں وہ لوگ یہاں آئے اور بیان کیا کہ ہم نے اور جماعت کثیرہ نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھ کر نماز عید روزِ جمعہ کو پڑھی ہے ایسی صورت میں روزِ جمعہ کو افطار کرنا اور نمازِ عید جمعہ کو پڑھنا جائز ہوا یا نہیں، اور اطراف وجوانب میں بمعائنہ رویتِ ہلال عید روزِ جمعہ کو ہُوئی اس کے لیے شہادت کثیر ہے۔

سوال دوم: ایک بستی کے بعض افراد نے شخص معتبر کے بیان پر کہ جس کو خبر بذریعہ تار کے دوسر شہر میں ملی ہو اُس کے بیان پر جہاں بوجہ ابر وباد رؤیت نہ ہوئی وہاں کے بعض افراد نے روزہ افطار کیا اور نمازِ عید پڑھی اور بعض افراد نے وہیں کے کہ جن کو اشتباہ ماہِ رمضان کی رؤیت میں تیس کا تھا اور اُن کے حساب سے انتیس رمضان پڑتا تھا اور خبر اُن لوگوں کو بھی قبل باقی رہنے پورے وقت نماز کے ملی مگر شخص معتبر کے قول وخبر وتار پر اعتبار نہ کرکے روز جمعہ کو نہ روزہ افطار کیا اور نہ نمازِ عید پڑھی بلکہ سینچر کے روز روزہ افطار کیا اور نماز عید پڑھی، جمعہ کا روزہ جائز ہولیا یا ناجائز؟

سوال سوم: ایک مسجد میں دو۲ روز نمازِ عید پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جواب سوال اول: دربارہ ہلال، خط اور تار محض بے اعتبار، اور دربارہ ہلالِ عید، ایک عادل ثقہ کی خود اپنی رؤیت کی گواہی بھی مقبول نہیں جب تک پُورا نصابِ شہادت نہ ہو، درمختار میں ہے:

شرط للفطر مع العلۃ والعدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ اشھد۔[1]	عید الفطر میں بادل وعدالت کی موجودگی میں نصاب شہادت اور لفظ شہادت ضروری ہے (ت)

تو ایک معتبر شخص کی خبر محض اور وُہ بھی اپنی رؤیت کی نہیں دُوسرے کی، اور وُہ بھی تار کی معلوم ہوئی، چار وجہ سے

[1] درمختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

مردود تھی اور اس کی بناپر عید کرنا حرام، جن لوگوں نے اس بناپر روزہ توڑا سخت گناہ شدید کے مرتکب ہوئے اور اس دن کی نمازِ عید بھی گناہ و مکروہِ تحریمی و ناجائز ہوئی، اور دوسرے دن نمازِ عید نہ پڑھنے سے بھی ترک واجب کے گنہ گار ہُوئے اور بعد کو ثبوت کتنے ہی کثیر ہو جائیں اُن کے اُن گناہوں کو رفع نہیں کرسکتا کہ جس وقت تک انہوں نے یہ افعال کئے ثبوت شرعی نہ تھا ان پر سے مخالفتِ حکمِ شرع کا الزام بے توبہ زائل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

جواب سوال دوم: جن لوگوں نے اُس خبر پر عمل نہ کیا اور روزہ قائم رکھا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی انہوں نے مطابق حکمِ شرع کیا، ایسا ہی کرنے کا شرعًا حکم تھا اگرچہ جمعہ ضرور روزِ عید تھا مگر وہاں نہ رؤیت نہ ثبوتِ شرعی گزرا تو اُن پر جمعہ کا روزہ ہی فرض تھا اور سینچر کی عید واجب، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ**[1] (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ت)

جواب سوال سوم: یہ صورت دوروز نماز عید کی نہ تھی کہ وہاں جمعہ کو عید ناجائز تھی جنہوں نے پڑھی وُہ ایک ناجائز نفل تھا کہ جماعت سے ادا کیا اور گنہگار ہُوئے۔ درمختار میں ہے:

صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای لانہ اشتغال بما لایصح۔[2]	دیہاتوں میں نمازِ عید مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ یہ ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو درست نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو نفل مکروہ لادائہ بالجماعۃ ح۔[3]	یہ نوافل ہیں اور نوافل کی جماعت کے ساتھ ادائیگی مکروہ ہے۔(ت)

نمازِ عید وہی ہُوئی جو دوسرے گروہ نے روزِ شنبہ پڑھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از ضلع بتیا ڈاک خانہ و مقام رتسڑ رحیم اللہ و عبدالرحمٰن ۱۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں مسلمان باشندوں میں سے ایک شخص حاجی مصدی صاحب ہیں جو کہ احاطہ بنگلہ خطہ آسام ضلع تبرپور رہتے ہیں اور وہیں تجارت کرتے ہیں لہذا انہوں نے خط لکھا کہ یہاں کے لوگوں نے چاند ماہ رمضان المبارک کا روز سہ شنبہ یعنی منگل کے ہُوا، قریب قریب پچاس آدمیوں نے دیکھا اور دو تین آدمی خاص ہمارے آدمیوں میں سے جو کہ کاروبار دُکان کے کرتے ہیں دیکھا مگر جناب حاجی مصدی صاحب انکار

---

[1] صحیح بخاری، باب اذا رایتم الھلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲۵۶/۱

[2] درمختار، باب العیدین، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۱۴/۱

[3] ردالمحتار، باب العیدین، مصطفٰے البابی مصر، ۶۱۱/۱

کرتے ہیں کہ ہم نے بچشمِ خود نہیں دیکھا اور جتنے اُس اطراف کے ملک آسام میں رہتے ہیں کسی نے چاند نہیں دیکھا جس وقت یہ خط آیا اُس وقت جناب مولانا مولوی عبدالغفار صاحب ساکن موضع اعظم گڑھی شاگرد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلسلہ مدرسہ دیوبند تشریف لائے تھے انہوں نے خط دیکھ کر فرمایا کہ دوبارہ خط سے دریافت کروکہ اگر واقعی ان لوگوں نے چاند دیکھا تو تم لوگ بھی جمعہ کی عید کرلینا پنجشنبہ کو چاہے چاند ہو یا نہ ہو اور ایک روزہ قضاء کارکھ لینا، تو پھر جب دوبارہ لکھا گیا تو اسی مضمون کا جواب آیا کہ چاند کا دیکھنا سچ ہے ۵۰ آدمیوں نے باشندہ ملک آسام کے دیکھا لہٰذا محض ملک آسامیوں کا دیکھنا اور بہ موجب فتوی دینے مولوی عبدالغفار صاحب یہ قابل سند ہوسکتا ہے کہ نہیں اور جمعہ کو ہم لوگ عید کرسکتے ہیں کہ نہیں، بر تقدیر نہ چاند ہونے پنجشنبہ کے عید جمعہ کو کرسکتے ہیں یا نہیں، اور واقعی ایسا ہُوا کہ پنجشنبہ کو عید کا چاند نہیں نظر پڑا، ہزاروں آدمیوں نے دیکھا اور نہ کہیں چاند دیکھنے کی خبر آئی جو لوگ کہ معتقد مولوی عبدالغفار صاحب کے نہیں تھے جبکہ دیکھا یہ لوگ نہیں مانیں گے تو محض رفع نزاع کے لیے انہی لوگوں کے ساتھ عید جمعہ کو کرلی بغیر چاند دیکھے تفریق جماعت اور دو فریق ہوجانے کے خیال سے، لہٰذا ازروئے شرع کے تفصیل بالا کی تحقیق۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دربارہ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ شروع کرو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ (ت)

ہدایہ واشباہ ودرمختار وغیرہ عام کتب میں ہے: **الخط لایعمل بہ**[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ت)

دیوبندی کا فتوٰی محض باطل تھا اور بغیر رؤیت یا ثبوت شرعی جمعہ کو عید کرلینا حرام تھا اور تفریق جماعت سے بچنے کا خیال خام تھا اگر کچھ لوگ بے ثبوتِ شرعی جمعہ کو عید کرلیتے تو نہ وہ عید عید تھی، نہ وہ نماز نماز، نہ وہ جماعت جماعت، تفریق کاہے کی ہُوئی! اب صورتِ تفریق تو نہ ہُوئی مگر حقیقۃً ابطال ہوگیا، نماز بھی گئی، سب گنہگار ہوئے، اگرچہ واقعہ میں عید جمعہ کی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از ریاست چھتاری ضلع بلند شہر مسئولہ عبدالغفور خاں صاحب محلّہ کٹرہ ۱۵ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہمارے قصبہ میں ہلال رمضان شب پنجشنبہ میں دیکھا گیا اور پنجشنبہ کا روزہ ہوا، ۲۰ روز بعد مولوی ناظر حسن دیوبندی کا ایک خط بنام رئیس پہنچا جس کا مضمون یہ تھا کہ

1 صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

2 درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳، الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

دیوبند میں کچھ آدمی بہرائچ کے آئے اور اُن سے تحقیق ہُوا کہ رؤیت ہلال شب چہار شنبہ میں ہُوئی اور روزہ چہار شنبہ کا ہوا، لہٰذا علمائے دیوبند نے حکم دیا کہ روزہ چہار شنبہ سے رکھا جائے، جن لوگوں نے جمعرات سے رکھا ہے وُہ ایک روزہ قضا رکھیں، اسی بناء پر ۲۳ رمضان کے جمعہ کو اعلان کیا گیا کہ لوگ ایک روزہ قضا رکھیں اور ہر حال میں عید جمعہ سے متجاوز نہ ہوگی، جمعرات کو ۲۹ رمضان تھی باوجود صاف ہونے مطلع کے اور کمال کوشش کے چاند نہیں دکھائی دیا حالانکہ قصبہ نے مولوی صاحب کے خط پر استدلال کرکے جمعہ کو عید کا حکم دے دیا، آیا مولوی صاحب کا خط شرعًا قابلِ پابندی ہے اور اس کی بناء پر باوجود عدمِ رؤیت حکم فطر کا صحیح یا غلط ہے اور ہم لوگوں کو اب کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا رحمکم اللّٰہ تعالٰی بالکتاب** (اللہ تعالٰی آپ پر رحم کرے کتاب اللہ سے بیان کیجئے۔ت) جواب تفصیلًا مع عباراتِ کتب مرحمت ہو اور حمایت فرمائی جائے۔

الجواب:

دربارہ ہلال خط اور تار محض بے اعتبار،

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ۔[1]	حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو(ت)

ہدایہ واشباہ ودرمختار وغیرہا عامہ کتب میں ہے: **الخط لا یعمل بہ**[2] (خط پر عمل نہیں کیا جاتا) (ت) دیوبند والوں کے پاس بہرائچ کے آدمیوں نے اگر یہ بیان کیا وہاں چاند ہُوا یا یہی کہا کہ بہت لوگوں نے دیکھا اور اپنی روایت کی شہادت نہ دی یا دی اور اُن میں کوئی شخص قابل قبول شرع نہ تھا جب تو دیوبندیوں کا وہ حکم ہی سرے سے باطل تھا، اور ایسا نہ بھی ہو تو اس قصبہ والوں کو اس کے خط پر عمل حرام تھا کہ اول تو خط دربارہ ہلال خود ہی مردود، دوسرے وہ بھی ایک ایسے فرقے کا جس کا پیشہ توہینِ خدا و رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بہرحال گناہ ہُوا اور توبہ لازم۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: از بلالند شہر ڈاکخانہ چھتاری مدرسہ احمدیہ مسئولہ محفوظ الحق قادری ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۴ھ

حضرت مولٰنا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، معروض خدمت شریف ہے کہ جناب والا کا ایک مختصر سا پرچہ جس پر جناب کی مہر لگی ہوتی ہے اور ایک سطر میں یہ عبارت مرقوم ہے (میرے سامنے شہادتیں گزر گئیں کل جمعہ کو عید ہے) خاکسار کو موصول ہُوا اس کے متعلق فتوٰی شرعی دریافت طلب ہے کہ جس جگہ یہ پرچہ

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۴، الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادت الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

پہنچے تو وہاں کے لوگوں کو جمعہ کو عید کرنا تھی یا نہیں اور روزے توڑ دینا ضرور تھے یا نہیں اور اس کی عام تشہیر اور دیگر بلاد میں اشاعت سے کیا مفاد تھا؟ بینوا توجروا

الجواب:

وہ پرچے دیگر بلاد میں نہ بھیجے گئے، تقسیم کرنے والوں نے اسٹیشن پر بھی دئے، ان میں سے کوئی لے گیا ہوگا۔ بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عادل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیونکر بھیجے جاتے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲تا۱۸۴: از راجپوتانہ چتوڑ گڑھ عبدالکریم ۱۸شوال المکرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان عبارات کی بنا پر

قال فی العیون والفتوی علی قولھما اذا تیقن انہ خطہ سواء کان فی القضاء اوالرؤیۃ او الشھادۃ فی الصك وان لم یکن الصك فی ید الشاھد لان الغلط نادر واثر التغییر یمکن الاطلاع علیہ وقلما یشتبہ الخط من کل وجہ فاذا تیقن ذٰلك جازالاعتماد علیہ توسعۃ علی الناس۔[1]	عیون میں ہے فتوی اس وقت صاحبین کے قول پر ہے جب یہ یقین ہو کہ فلاں کا خط ہے خواہ قضاء کا معاملہ ہو یا رؤیت وشہادتِ اشٹام کا، اگرچہ اشٹام گواہ کے ہاتھ میں نہ ہو کیونکہ غلط ہونا نادرالوقوع ہے اور تبدیلی پر اطلاع ممکن ہے اور بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تحریر دوسری تحریر کے کلیۃً مشابہ ہو توجب اسے خط کا یقین ہو تو لوگوں پر آسانی کی خاطر اس پر اعتماد جائز ہے(ت)
اور اما خط البیاع والصراف والسمسار فھو حجۃ وان لم یکن مصدرا معنونایعرف ظاھرا بین الناس وکذٰلك مایکتب الناس فیما بینھم یجب ان یکون حجۃ للعرف۔[2]	عام خرید وفروخت کرنے والے، سونے چاندی کا سودا کرنے والے اور دلّال کا خط تمہید، تقریر اور عنوان کے بغیر بھی حجّت ہے جو لوگوں میں واضح طور پر معروف ہیں، اور یُونہی لوگوں کی آپس کی خط وکتابت عرف کی بناء پر حجت ہونا واجب ہے۔ (ت)

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸، ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۳

[2] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۲

فتوی دیا جاسکتا ہے کہ رؤیت ہلال کی شہادت کے لیے کسی عزیز کا خط جو اس کی طرز عبارت اور رات دن کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرور اسی کا خط ہے معتبر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی دینی معاملہ میں خط معتبر نہ ہوگا جو علماء دُور دراز سے فتوی تحریر کرتے ہیں اس پر کیسے اعتماد ہو؟

(۳) بالخصوص رمضان شریف کے چاند کے لیے بجائے شہادت کے صرف خبر ہی کافی ہے اس کے لیے بھی خط معتبر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حکم اللہ و رسول کے لیے (جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمام کتب میں تصریح ہے:

الخط لایعمل بہ، الخط یشبہ الخط، الخاتم یشبہ الخاتم۔[1]	خط پر عمل نہیں کیا جاسکتا۔ خط، خط کے مشابہ اور مُہر مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔(ت)

بیاع و صراف و مفتی کے خطوط بالاجماع مستثنٰی ہیں علی خلاف القیاس **لضرورۃ الناس وماکان خلاف القیاس لا یجوز القیاس علیہ، مکاتبات ناس فیما بینھم** (لوگوں کی ضرورت کے پیشِ نظر خلاف قیاس حجت ہیں اور جو خلافِ قیاس ہو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لوگوں کی آپس کی خط وکتابت اور چیز ہے۔ت) دوسری چیز ہیں اور امر حلال **فیما بینھم وبین ربھم** (ان کے اور ان کے رب کے درمیان معاملہ ہے۔ت) متون وشروح وفتاوٰی تمام کتب متعمدہ مذہب دیکھ لیے جائیں جہاں یہ گنتی کے استثناء وہ بھی بہت مباحث کے ساتھ کرتے ہیں کہیں بھی ہلال کا استثناء ہے تو اپنی طرف سے زیادت فی الشرع کیونکر جائز ہُوئی، قاضی الشرق والغرب نے شاہد کے اپنے خط کا استثناء فرمایا جس کے ساتھ سو وجوہ مذکور ہوسکتی ہیں اور اپنے خط کا اشتباہ بغایت بعید ہے انہوں نے بھی کہیں ہلال میں خط کا اعتبار فرمایا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ان اللہ امدہ لرؤیتہ**[2] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) اور فرماتے ہیں:

صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[3]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر ۱/۳۳۸ والہدایۃ کتاب الشہادۃ ۳/۱۵۷ وفتاوٰی ہندیہ ۳/۳۸۱

[2] سنن الدار قطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/۱۶۲

[3] صحیح بخاری باب اذارأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

تمام کتب میں تصریح ہے کہ خود رؤیت ہو یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہو اور ان طرق موجبہ کی بھی تفصیل فرماتے ہیں کہ شہادت ہو یا شہادۃ علی الشہادۃ یا شہادۃ علی الحکم یا استفاضہ مع التحقیق مجرد حکایت اگرچہ متعدد ثقات عدول کریں تصریح ہے کہ مقبول نہیں، حتی کہ ہلال رمضان میں لفظ اشہد کی حاجت نہیں پھر خط کہ حکایت مجردہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا بلکہ اکثر اوقات اسکے برابر بھی نہیں ہوسکتا جیسے ڈاک کا خط کہ وسائط مجاہیل بلکہ اکثر بذریعہ کفار آتا ہے کیونکر کوئی چیز ہوسکتا ہے **والتفصیل فی رسائلنا** (اور تفصیل ہمارے رسالوں میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۹۳: از رائے پور سی پی محلّہ بیجناتھ پارہ مرسلہ بہادر علی خاں سپرنٹنڈنٹ پنشنر محکمہ بندوبست ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) رؤیت ہلال کے بارے میں تار اور خط کی خبریں معتبر ہیں یا نہیں؟

(۲) جہاں چاند ۲۹ کو نظر نہ آئے وہاں چاند کی رؤیت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کن کن ذرائع سے ثابت ہوسکتی ہے؟

(۳) اخباروں کے اندر جو لفظ تاریخ ماہ لکھی ہوتی ہے مثلاً ۸ شعبان یا ۵ رمضان یا ۴ ذی الحجہ، اور رؤیت ہلال کا ذکر نہیں ہوتا تو فقط تاریخ لکھ دینے سے وہاں جہاں ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی اُس ماہ کے ہلال کی رؤیت ثابت ہوسکتی ہے۔

(۴) یہ جو فقہاء نے فرمایا کہ ۲۹ کو اگر چاند نظر نہ آئے ۳۰ دن پُورے کرنا چاہئیں تو رمضان اور عید الفطر کے ساتھ خاص یا سب ماہ کے لئے ہے۔

(۵) جنتری کے حساب سے روزہ رکھنا یا عید کرنا یا کسی دیگر ماہ کی تاریخ مقرر کرنا درست ہے۔

(۶) شعبان کی ۲۹ کو چاند نظر نہ آئے اور افواہ ہو کہ چاند ہوگیا لیکن شہادت دینے والا نہ ملے تو شب کو تراویح مع جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں اور صبح کو روزہ رکھنا درست ہے یا نہیں؟

(۷) یہ جو مشہور ہے کہ رجب کی چوتھی جس دن کی ہوتی ہے اُسی دن رمضان کی پہلی ہوتی ہے اور جو شوال کی پہلی ہوتی ہے اُسی روز عاشورہ ہوتا ہے یہ معتبر ہے یا نہیں؟

(۸) اگر کسی جگہ سے ایک یا دو آدمی آکر فقط اتنا کہیں کہ ہمارے شہر فلاں دن عید ہے اور چاند کی رؤیت کا ذکر نہ کریں نہ اپنا نہ دُوسروں کا، تو ان کی اس خبر پر اس شہر والے عید کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۹) اگر متواتر یا تین ماہ میں رؤیت کے دن ابر ہوجائے تو ایسے موقع پر ایک ماہ ۲۹ کا اور ایک ماہ تیس ۳۰ کا لے کر عید لوگ اپنی رائے سے مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر یُوں نہیں مقرر کرکے عید کرلی تو نماز ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر اکثر شہر کے لوگوں نے یونہی عید کی اور سو پچاس نے خلاف کیا اور دوسرے دن نمازِ عید پڑھی تو حق پر

کون ہے، کثیر یا قلیل؟

الجواب:

(۱) رؤیت ہلال میں تار اور خط اصلا معتبر نہیں، تار کی حالت تو خط سے بھی نہایت ردی ہے کہ وہ نہ مرسل کے ہاتھ کا لکھا ہوتا ہے نہ اُس پر اُس کے دستخط ہوتے ہیں نہ اُس کی مُہر ہو سکتی ہے اور ذرائع وصول مجاہیل بلکہ اکثر کفّار ہوتے ہیں اور خط ان سب وجوہ سے اُس پر فائق ہو سکتا ہے بااں ہمہ تمام کتبِ مذہب میں تصریح ہے کہ خط کا اعتبار نہیں، نہ اس پر عمل ہو سکے کہ خط خط کے مثل ہوتا ہے اور مُہر مُہر کی مثل بن سکتی ہے۔ اشباہ میں ہے:

لایعتمد علی الخط لایعمل بہ۔[1]	خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے گا اور نہ ہی عمل۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یحصل العلم۔[2]	تحریر تحریر کے مشابہ ہوتی ہے تو اس سے علم یقینی حاصل نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الکتاب قد یزور ویفتعل والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔[3]	تحریر میں جھوٹ اور جعلسازی ہو سکتی ہے۔ خط خط کے اور مُہر مُہر کے مشابہ ہو سکتی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی پوری تفصیل ہمارے رسالہ **ازکی الھلال بابطال ما احدث الناس فی امر الھلال** میں ہے۔

(۲) ثبوتِ ہلال کے لیے ضرور ہے کہ یا تو رؤیت پر عینی شہادت ہو یا عینی شاہدوں نے جن شاہدوں کو حسب شرائطِ شرعیہ اپنی شہادت کا حامل کیا ہو اُن کی شہادت شہادت پر ہو یا حاکم شرعی کے حکم شرعی پر شہادت بروجہ شرعی ہو یا شرائط معتبرہ فقہیہ کے ساتھ کتاب القاضی الی القاضی ہو یا جس شہر میں قاضیِ شرع ہو اور اس کے حکم سے وہاں روزہ عید ہُوا کرتے ہیں وہاں سے لوگ گروہ کے گروہ آئیں اور بالاتفاق اُس حاکمِ شرع کا حکم بیان کریں، اور ان میں سے کُچھ نہ ہو تو اخیر درجہ تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرنا ہے یعنی جب اگلے مہینہ کی رؤیت ہولی یا کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہُوئی اور اس مہینے ۲۹ کو رؤیت نہ ہُوئی تو تیس دن پُورے ہو کر ہلال خواہی نخواہی ہوگا کہ شرعی مہینہ تیس ۳۰ سے زائد نہیں ہو سکتا، ان طریقوں اور ان کی شرائط کا مفصّل اور مدلّل بیان ہمارے رسالہ

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۳۸

[2] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث والعشرون فی کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۸۱

طرق اثباتِ ہلال میں ہے۔

(۳) اخباروں کا صرف تاریخ لکھنا تو کوئی چیز نہیں، اخباروں میں اگر رؤیت کی خبر چھپے تو وہ بھی محض نامعتبر ہے کہ نہ شہادت علی الرؤیۃ ہے، نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، پھر اخبار نہیں مگر ایک خط اور اُوپر گزرا کہ ان امور میں خط اصلاً معتبر نہیں، خصوصاً اخباری دُنیا کہ بے سروپا اڑانے میں ضرب المثل ہے۔

(۴) یہ حکم بارہ مہینے کے لیے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بار دسوں انگشتانِ مبارک تین دفعہ اٹھا کر فرمایا: **الشہر ھکذا وھکذا وھکذا**[1] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے، یعنی تیس ۳۰ دن کا۔ اور ایک بار دسوں انگشت مبارک تین دفعہ اٹھائیں مگر اخیر میں ایک انگشت مبارک بند فرماکر فرمایا: **الشہر ھکذا وھکذا وھکذا**[2] مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا ہوتا ہے یعنی ۲۹ دن کا۔ تو کوئی قمری عربی مہینہ کہ یہی شریعتِ مطہرہ میں معتبر ہیں نہ ۲۹ دن سے کم ہوسکتا ہے نہ تیس ۳۰ سے زائد، جس مہینے کی رؤیت کافی ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوا اور اس کی ۲۹ کو رؤیت نہ ہو تو ۳۰ پُورے کرکے خواہی نخواہی دوسرے مہینے کا ہلال ہے۔

(۵) شریعتِ مطہرہ میں جنتری کا حساب اصلاً معتبر نہیں، درمختار میں ہے: **وقول اولی التوقیت لیس بموجب**[3] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں بن سکتا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب**[4] (ہم بظاہر اَن پڑھ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں۔ت) یہ ان کے بارے میں ہے جو واقعی ہیئت داں تھے، نہ کہ آج کل کے جنتری والے جنھیں ہیئت کی ہوا بھی نہیں لگی، بڑے بڑے نامی جنتری دانوں کی نہایت واضح تقاویم شمسیہ میں وُہ اغلاط فاحشہ دیکھے ہیں کہ مدہوش کے سوا دوسرے سے متوقع نہیں تابہ حساب ہلال چہ رسد حسابِ ہلال وُہ دشوار چیز ہے جہاں اہلِ ہیئت کے مسلم امام بطلیموس نے گھٹنے ٹیک دئے مجسطی میں ظہور وخفائے کواکب وثوابت تک کے لیے باب وضع کیا اور ظہورِ ہلال کو ہاتھ نہ لگایا۔

(۶) ایسی صورت میں نہ شب کو تراویح پڑھنی جائز، نہ صبح کو روزہ رمضان رکھنا حلال، **اما الثانی فللحدیث واما الاول فللتداعی فی النفل** (دوسرا حدیث کی وجہ سے اور پہلا نفل کی طرف تداعی کی وجہ سے منع ہے۔ت) بلالکہ اگر جماعت نہ کریں اکیلے ہی بیس ۲۰ رکعتیں پڑھیں اور تراویح کی نیت کریں جب بھی شرع مطہر

---

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[4] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶، سنن ابی داؤد باب الشہر یکون تسع وعشرین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

پر زیادت کرنے والے ہوں گے کہ تراویح شرع مطہر نے شب ہائے رمضان میں رکھی ہیں اور یہ رات اُن کے لیے شبِ رمضان نہیں۔

(۷) یہ محض بے اصل ہے اور تجربہ بھی اس کے خلاف پر شاہد، اور اس پر اعتماد شرعًا ہر گز جائز نہیں، والمسئلۃ فی البزازیۃ وخزانۃ المفتین وغیرھما (یہ مسئلہ بزازیہ اور خزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے۔ت) تمام قیاسات وحسابات وقرائن کہ عوام میں مشہور ہیں شرعا باطل ومہجور ہیں صرف انھی طریقوں پر اعتماد جائز ہے جو جوابِ سوال دوم گزرے اور ہمارے رسالہ طرق اثباتِ ہلال میں مفصل مذکور ہیں وبس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۸) فقط اتنی خبر پر عید کرنا حرام ہے۔ فتح القدیر و بحر الرائق وعالمگیری میں ہے:

لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ قد راؤ اھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھٰؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا ترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھد وابالرؤیۃ ولا شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے پہلے ایک دن رمضان کا چاند دیکھا، اور انہوں نے روزہ رکھا، ان کے حساب سے آج کا دن تیسواں ہے جبکہ خود ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کو آئندہ دن کا روزہ چھوڑنا جائز نہیں، اور نہ ہی اس رات کی تراویح کو ترک کرنا مباح ہوگا کیونکہ گواہوں کی چاند کی رؤیت پر گواہی نہیں، اور نہ غیر کی شہادت پر گواہی ہے بلکہ اُنہوں نے صرف غیر کی رؤیت حکایت کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۹) جب تک رؤیت نہ ہو یا ثبوت صحیح شرعی سے ثابت نہ ہو ہر مہینہ تیس کا لیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان غم علیکم فاکملوا العدّۃ ثلاثین۔[2]	چاند تم پر پوشیدہ رہے تو تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرو (ت)

یہ قاعدہ کہ ایک مہینہ ۳۰ اور ایک ۲۹ کا محض باطل ہے جس کے بطلان پر مشاہدہ شاہد عادل ہے کئی کئی مہینے متواتر ۳۰ کے ہو جاتے ہیں کئی کئی ۲۹ کے، اور علمِ ہیئت کی رُو سے ۴ مہینے پے در پے ۳۰ کے ہو سکتے ہیں اور تین ۲۹ کے،

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹

[2] سنن دار قطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

کماھو مصرح بہ فی الزیجات القدیمۃ والجدیدۃ و شروحھا واحالوہ علی التجربۃ والاستقراء ومنھم من تکلف بیانہ بالاستدلال ولم یتم۔	جیسا کہ قدیم و جدید زائچوں اور ان کی شروح میں اس پر تصریح ہے اور انہوں نے اسے تجربہ اور تتبع کے سپرد کردیا ہے بعض نے استدلال کرنے کی کوشش کی وُہ کامیاب نہ ہوسکے۔(ت)

شریعت مطہرہ میں ہیئت والوں کی اس تحدید استقرائی کا بھی اعتبار نہیں۔ ثبوت شرعی سے اگر ۴ مہینے لگاتار ۲۹ کے ہوں تومانے جائیں گے، اور مثلاً چھ مہینے متواتر روزِ ہلال ابر رہے اور ثبوت نہ ہو تو سب مہینے ۳۰ کے لیے جائیں گے لان الثابت لایزول بالشک (کیونکہ ثابت شدہ شیئ کا زوال شک سے نہیں ہوتا۔ت) جن لوگوں نے ایک مہینہ ۳۰ ایک ۲۹ کا لے کر عید کرلی اُن کی وہ عید اور نماز سب باطل ہُوئی اور ان پر چار گناہ رہے:

اوّل: گناہ عظیم روزہ رمضان کا عمداً ترک کہ وُہ اُن کے لیے رمضان تھا۔

دوم: نفل کا بجماعتِ کثیرہ پڑھنا کہ وُہ نمازِ عید کہ اُنہوں نے پڑھی نمازِ عید نہ تھی نافلہ محضہ ہُوئی اور نفل کا جماعت کثیر کرکے پڑھنا گناہ۔

سوم: واجب نماز عید کا ترک کہ دُوسرے دن اُن کے لیے عید تھی اُس دن نماز نہ پڑھی۔

چہارم: شریعت میں دل سے نیا حکم گھڑنے کا وبال شدید سب سے علاوہ، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو جائے کہ جس دن انھوں نے نماز پڑھی واقعی اسی دن عید تھی، اگرچہ وہ سارا شہر ہو اور جنھوں نے تیس تیس کی گنتی پُوری کرکے عید کی اُن کی عید اور نماز سب صحیح ہُوئی اور وہ ان سب گناہوں سے بچے، اگرچہ بعد کو تحقیق ہو کہ عید ایک دن یا دو۲ دن پہلے تھی اگرچہ صرف یہ دو۲ ہی شخص ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۴: از کٹرہ مرسلہ حافظ جنو خاں ۲۹ شعبان ۱۳۰۰ھ

بعد سلام مسنون کے گزارش یہ ہے تراویح اور روزہ کے بارے میں کیا حکم ہے بموجب شرع شریف کے کیفیت یہ ہے مولوی محمد شکر اللہ صاحب کا بیان ہے کہ گردونواح بنارس کے حساب سے آج تاریخ ۳۰ ہے مولوی صاحب تشریف بنارس لائے ہیں۔ مولوی محمد احسان کریم صاحب کا یہ بیان ہے کہ بچشمِ خود چاند شعبان کا دیکھا اُس کے حساب سے آج تیس ہے۔ حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان ہے دو شخصوں معتبر نے چاند شعبان کا بیان کیا دیکھنا، اس کے حساب سے آج ۳۰ شعبان ہے اور مولوی محمد شکر اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ چند صاحبانِ معتبر نے چاند شعبان کا دیکھنا بیان کیا اور میں بنارس میں موجود تھا۔

الجواب:

بعد ازماھو المسنون، مولوی شکر اللہ صاحب کا پہلا بیان کہ گردونواح بنارس کے حساب سے

آج تیس ۳۰ ہے مجرد حکایت ہے کہ شرعاً مقبول نہیں۔

فی الدرالمختار لا لو شھد وابرؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[1]	درمختار میں ہے اگر غیر کے دیکھنے پر گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

مولوی احسان کریم صاحب تنہا ہیں اور ہلالِ شعبان میں ایک کی گواہی معتبر نہیں۔ فی ردالمحتار،

وبقیۃ الاشھر التسعۃ فلا یقبل فیھا الا شھادۃ رجلین اورجل و امرأتین عدول احرار غیر محدودین کما فی سائر الاحکام۔[2]	ردالمحتار میں ہے باقی نو مہینوں کے ثبوت کے لیے ایک کی گواہی معتبر نہیں بلکہ دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین جو عادل، آزاد ہوں اور حدِ قذف ان پر نافذ نہ ہوئی ہو جیسا کہ دیگر احکام میں ہے۔ (ت)

حافظ حبیب الحسن صاحب کا بیان اور مولوی شکراللہ صاحب کی دوسری تقریر بالفرض اگر شہادت علی الشہادت مانی جائے تو عدد ناقص،

فی ردالمحتار لا تقبل مالم یشھد علی شھادۃ کل رجل رجلان اور جل وامرأتان۔[3]	ردالمحتار میں ہے اس وقت تک شہادت پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی جب تک ہر ایک شخص کی شہادت پر دو مرد یا ایک مرد اور دو خواتین شہادت نہ دیں (ت)

بالجملہ بیانوں میں ایک بھی قابلِ اعتبار شرعی نہیں حکم شرعی قاعدہ شرعیہ ہی کے طور پر ثابت ہو سکتا، نہ مجرد خیالات پر۔ مطلع شعبان کا نہایت صاف تھا اور بہت آدمی چاند دیکھتے رہے کسی کو نظر نہ آیا، اب اگرچہ عنداللہ آج ۳۰ ہی سہی مگر شرع بے ثبوت شرعی کیونکر حکم دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۵: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ شام کو مطلع بالکل صاف تھا سب لوگوں نے چاند پر غور کیا رؤیت نہ ہوئی مگر ایک پیر صاحب نے پیش گوئی کی تھی کہ جمعہ کو یکم رمضان ہوگی اُن کے معتقدین نے بلارؤیت جمعہ سے روزہ رکھ لیا اب ایک صاحب کہ شاید بغداد شریف کے ہیں یہاں آئے، اُن پیر صاحب نے انہیں پیش کیا اپنی پیشگوئی کی تصدیق کے لیے انہوں نے اپنی رؤیت

[1] درمختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۳
[3] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۲/۹۹

نہر سویز میں شام پنجشنبہ کی بیان کی، پھر اُسی جلسہ میں دوسرا شخص کھڑا ہُوا کہ میں نے اور بہت آدمیوں نے امر تسر میں شام پنجشنبہ کو دیکھا، یونہی تیسرے شخص نے کہ وُہ بھی کہیں سے آیا ہے اُس جلسہ سے جُدا اپنی رؤیت بیان کی مگر یہ سب لوگ اُن پیر صاحب کے موافقین ہیں اس صورت میں رمضان شریف کی پہلی بروز جمعہ قرار پائیگی اور روزہ جمعہ کا کلکتہ والوں اور دوسرے ہندوستان پر فرض ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں وُہ پیشگوئی اور بلارؤیت اس پر عمل کرنے والے سب گنہ گار ہُوئے اگرچہ اب کیسے ہی قطعی ثبوت سے یکم جمعہ کی ثابت ہو جائے کہ جس وقت انہوں نے حکم دیا اور عمل کیا تھا اُس وقت شرعی نہ تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **صوموا الرؤیتہ وافطر والرؤیتہ**[1] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی عید کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے:

لا تقدموا الشھر حتی تروا الھلال وتکملوا العدۃ الحدیث رواہ ابوداؤد والنسائی۔[2]	چاند دیکھنے سے پہلے مہینے کو شروع نہ کرو بلکہ گنتی پوری کرو، الحدیث، اسے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے (ت)

جب صوم شک کے لیے ہے **قد عصی ابا القاسم محمدا**[3] **صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ تو باوصف مطلع رؤیت نہ ہونے پر رمضان بنالینا کیسی سخت بیباکی و نافرمانی تھی، رہا ان گواہیوں کا حال مذہب مشہور و مختار متون و مصحح کبار ائمہ پر، تو یہ شہادت محض مہمل و نامسموع ہیں کہ بحالت صفائی مطلع دوچار کی شہادت سے کچھ نہیں ہوتا جمع عظیم چاہئے، اور جبکہ مسلمین نے تلاشِ ہلال میں تقصیر و تکاسل کو راہ نہ دی جیسا کہ **بحمد اللہ تعالٰی** اب یہاں مشاہد ہے، تو ایسی جگہ اُس روایت پر عمل کی بھی ضرورت متحقق نہیں کہ دو کافی ہیں۔

فی الدر المختار قیل بلاعلۃ جمع عظیم لیقع العلم بخبر ھم وھو مفوض الی رأی الامام من غیر تقدیر	درمختار میں ہے کہ اگر بادل وغیرہ نہ ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی ضروری ہے تاکہ ان کی خبر سے یقین حاصل ہو جائے اور مذہب کے مطابق یہاں جماعت

[1] صحیح بخاری باب اذارائیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] سنن ابی داؤد باب اذا اغمی الشہر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۸

[3] صحیح البخاری، باب اذارایتم الہلال فصوموا، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/۲۵۶

بعدد علی المذهب وعن الامام انه یکتفی بشاهدین واختاره فی البحر اھ[1] ملخصا فی رد المحتار قوله وهو مفوض قال فی السراج الصحیح انه مفوض الی رأی الامام ان وقع فی قلبه صحة ماشهدوابه و کثرت الشهودامر بالصوم اھ کذاصححه فی المواهب وتبعه الشرنبلالی وفی البحر عن الفتح والحق ان العبرة بمجیئ الخبروتواتره من کل جانب اھ وفی النهر انه موفق لما صححه فی السراج تامل. قوله واختاره فی البحر حیث قال وینبغی العمل علی هذه الروایة فی زماننا لان الناس تکاسلت عن ترائی الاهلة فانتفی قولهم مع توجههم طالبین لما توجه هو الیه فکان التفرد غیر ظاهر فی الغلط الخ[2] اھ ملخصا۔	، کی تعداد کا کوئی تعین نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے اور امام سے یہ بھی مروی ہے کہ دو گواہ کافی ہیں، بحر میں اسے اختیار کیا گیا ہے اھ ملخصًا ردالمحتار میں قولہ مفوض، سراج میں ہے کہ یہی صحیح ہے کہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے کہ اگر گواہی اور کثرتِ شہود کی بنا پر اس کے دل میں اس کی صحت کا یقین ہو جائے تو وہ روزے کا حکم دے اھ مواہب میں اسی کی تصحیح کی ہے، اور اسی کی اتباع شرنبلالی نے کی ہے، اور بحر میں فتح سے ہے کہ حق یہ ہے کہ ہر جانب سے خبر کے آنے اور تواتر سے اس کے ثبوت کا اعتبار ہے اھ اور نہر میں ہے کہ یہ اسی کے موافق ہے جس کی تصحیح سراج میں ہے تامل، قولہ بحر نے اسی کو اختیار کیا ہے، عبارتِ بحر یہ ہے ہمارے زمانے میں اس روایت پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ لوگ چاند دیکھنے میں سُستی کرتے ہیں، تو اس سے فقہاء کا ایک شخص کے دیکھنے اور اس کی خبر کو رد کرنے کے متعلق یہ قول کہ کثیر لوگوں کی طلب وتلاش کے باوجود وہاں ایک شخص کو نظر آتا ہے تو اس ایک کی خبر کا غلط ہونا غیر ظاہر ہے، ختم ہو جاتا ہے الخ اھ ملخصا (ت)

مگر راجح یہ ہے کہ جب شاہد میں کوئی خصوصیتِ خالصہ ایسی ہو جس سے اُس کا دیکھنا اور اوروں کو نظر نہ آنا مستبعد نہ رہے، مثلاً عام لوگ شہر میں تھے اس نے جنگل میں دیکھا یا وُہ زمین پر تھے اس نے بلندی پر دیکھا تو دربارہ ہلال رمضان المبارک ایسے ایک کی بھی گواہی مقبول ہوگی جبکہ وُہ شرعًا قابل قبول شہادت ہو،

فی الدرالمختار وصحح فی الاقضیة الاکتفاء بواحدان جاء من خارج البلد او	درمختار میں ہے اور الاقضیۃ میں صحیح قرار دیا ہے کہ ایک کی گواہی پر اکتفاء کرلیا جائے

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

کان علی مکان مرتفع واختارہ ظہیر الدین۔[1]	جب وہ خارج شہر سے آیا ہو یا وُہ کسی بلند جگہ پر ہو اسے ظہیر الدین نے پسند کیا ہے(ت)

صوتِ مستفسرہ میں شاہد بغدادی میں خصوصیت مذکورہ تو بیشک ہے کہ اگر یہ بیان صحیح ہے تو ایک تو آبادی سے دور، دوسرے دریا کہ اُس کی ہوا گرد وغبار ودُخان سے صاف تر ہوتی ہے، پھر کلکتہ کا طول بلد نہر سویز سے اتنا زائد کہ کلکتہ میں پہر بھر رات سے زائد گزر لیتی ہے تو وہاں شام ہوتی ہے، اس مدت میں چاند آفتاب سے اور زیادہ ہٹ آئے گا اور رؤیت آسان تر ہوگی بلکہ یہ وجہ گواہِ امرتسری میں ہے کہ اقل درجہ بہتر ۷۲ میل کے تفاوت طول پر ایسا فرق ممکن ہے: کما اعتمد علیه التاج التبریزی الشامی عن شرح المنہاج للرملی۔ جیسا کہ اس پر تاج تبریزی شامی نے رملی کی شرح منہاج سے نقل کرتے ہوئے اعتماد کیا ہے(ت) بس یہ دیکھنا رہا گواہ خود بھی مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، اگر خصوصیت مذکورہ کے ساتھ ایک گواہ بھی مستور الحال تک ہے یعنی اس کے وضع لباس حرفت معیشت کلام وغیرہ سے اُس کا مرتکب کبیرہ یا مصر صغیرہ یا خفیف الحرکات ہونا ظاہر نہیں، نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس میں یہ امور معلوم تو ناز نجا کہ ہلال رمضان مبارک میں مستور کی گواہی بھی مقبول ہے،

کما نص علیه الامام ابو عبداللہ الحاکم الشہید فی الکافی۔	جیسا کہ اس پر امام ابو عبد اللہ الحاکم شہید نے الکافی میں تصریح کی ہے(ت)

اُس کی شہادت مان کر روزہ جمعہ کی قضاء کی جائے گی مگر جبکہ گواہ کی حالت اور پیر مسطور سے اُس کی شدّت عقیدت پر نظر کرنے سے وہ اس کی بات سچّی بنانے پر متہم ٹھہرتا ہو جیسا کہ آجکل بہت لااُبالی لوگوں کا اپنے ساختہ مشائخ کے ساتھ حال ہے تو البتہ اس کی گواہی نہ سُنی جائے گی کہ تہمت بھی اسباب ردّ شہادت سے ہے،

فی الدرالمختار امیر کبیرادعی فشہد له عماله وتوابعه ورعایا هم لاتقبل اھ[2] قال العلامة الرملی یؤخذ منه ان شہادة خدامه الملازمین له ملازمة کملازمة العبد لمولاہ کذٰلك لا تقبل وهو ظاهر	درمختار میں ہے کسی بڑے امیر نے دعوی کیا اس کے عمال، نائبین اور رعایا اس پر گواہی دیں تو یہ مقبول نہ ہوگی اھ علامہ رملی کہتے ہیں کہ اس سے متفرع ہوجاتا ہے کہ اس کے خدام ملازمین کی گواہی اسی طرح ہے جیسے غلام کی گواہی اس کے مولیٰ کے حق میں ہو تو وہ بھی مقبول

---

[1] درمختار کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

[2] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۴

لا سیمافی زماننا اھ[1] وفیه ایضا اعنی الدرلا تقبل شھادۃ الا جیرالخاص اوالخادم اوالتابع اوالتلمیذ الخاص الذی یعد ضرر استاذہ ضرر نفسه درر اھ ملتقطا[2] وانت تعلم ان حال کثیر من عوام الزمان مع من شیخوہ علیھم ربما یبلغ اشد واکثر من حال النواب والامیر و المستاجر والاجیرفحیث وجد التھمة عدم القبول والحکم یدور مع علته۔	نہیں اور یہی ظاہر ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں اھ اور اسی در میں یہ بھی ہے کہ اجیر خاص یا خادم یا تابع یا وہ شاگرد جو استاد کی تکلیف کو اپنی تکلیف محسوس کرے، کی گواہی مقبول نہیں درر اھ اختصارًا، اور آپ جانتے ہیں کہ اس دور میں عوام کے ان لوگوں کے ساتھ جنہیں یہ اپنے شیخ بناتے ہیں بعض اوقات نواب، امیر اور مستاجر اور اجیر سے زیادہ شدید ہوتے ہیں تو مقامِ تہمت میں گواہی مقبول نہ ہوگی، اور حکم کا وُرُود اس کی علّت پر ہوتا ہے۔(ت)

یُوں ہی اگر سب گواہ ظاہر الفسق وُہ لوگ کہ جماعت کے پابند نہیں یا ناجائز تماشا دیکھا کرتے یا حرام نوکری یا پیشہ رکھتے یا داڑھی حدِ شرع سے کم رکھواتے یا ریشمیں کپڑے یا سونے چاندی کے ناجائز لباس یا زیور پہنا کرتے یا ضروریات دین سے غافل بے علم جاہل ہیں کہ نماز، روزہ، وضو، غسل کے فرائض وشرائط ومفسدات سے آگاہ نہیں یا تجارت کرتے ہیں اور بیع وشراء کے ضروری احکام نہ سیکھے وعلٰی ھذا القیاس جن مسائل کی ضرورت پڑے اُن کی تعلیم سے باز رہنے والے کہ یہ سب فسّاق مردود الشھادۃ ہیں تو ایسوں کی گواہی تو شرع مطہر میں اصلًا معتبر نہیں،

فی الدرالمختار،لاتقبل شھادۃ الجاھل علی العالم لفسقه بترك مایجب تعلمه شرعا ومجازف فی کلامه اویحلف فیه کثیرا او اعتاد شتم اولادہ او غیرھم لانه معصیة کبیرۃ کترك جماعة وخروج لفرحة قدوم امیرولبس حریر[3] اھ بالتقاط،وفیه سئل القاضی عمایجب علیه من الفرائض فان لم یعرفھا	در مختار میں ہے جاہل شخص جو ضروری علم شرعی کے ترک، گپ بازی، زیادہ قسمیں کھانے کی عادت، اپنی اولاد اور غیر کو گالی دینے کی عادت جیسے گناہ کبیرہ، ترک جماعت، کسی حاکم کے آنے کی خوشی منانے اور ریشم پہننے جیسے امور کی وجہ سے فاسق شخص کی شہادت قبول نہ ہوگی اھ اختصارا، اور اسی میں ہے کہ قاضی کا ان چیزوں کے بارے میں امتحان لیا جائے گا جن سے اس کا

[1] بحوالہ منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب من تقبل شہادتہ الخ ایچ ایم سعید کراچی ۷/ ۹۶

[2] در مختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[3] در مختار، باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۹۵

ثبت فسقه لما فی المجتبٰی من ترك الاشتغال بالفقة لا تقبل شهادته والمرادمایجب علیه تعلمه منه نهر۔[1]	آگاہ ہونا لازم ہے، اگر وُہ ان سے آگاہ نہ ہُوا تو فاسق ہوگا کیونکہ مجتبٰی میں ہے کہ جس نے فقہ میں دلچسپی نہ لی اس کی گواہی قبول نہیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جس فقہ کی تعلیم ضروری تھی اگر اسے ترک کردیا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی، نہر۔ (ت)

پھر جس صُورت میں کہ وُہ گواہی مقبول ہوگی اس کا اثر کلکتہ پر ہوگا، نہ دیگر بلادِ ہند پر جب تک وہاں بھی یہ شہادت و ثبوت بروجہ شرعی نہ پہنچے، خالی خط وکتابت سے کچھ نہیں ہوتا،

فی الدرالمختار یلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب[2] وفی ردالمحتار بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشهادة اویشهدا علی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف مااذااخبرا ان اهل بلدة کذا رأوه لانه حکایة اھ[3] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی وجہ سے لزوم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہُوئی ہو۔ ردالمحتار میں طریق موجب کا معنی یوں بیان ہُوا ہے کہ دو آدمی گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہ ہوں یا خبر خوب مشہور ہو بخلاف اس صورت کے جب وُہ یہ خبر دیں کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا، کیونکہ یہ حکایت ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۶:　　　　۳۰ رمضان المبارک ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ اخیر تاریخ رمضان شریف کا روزہ چاند دیکھ کر افطار کرلینا جائز ہے یا نہیں یعنی تیسویں کا چاند اکثر تیسرے پہر سے نظر آتا ہے تو آیا اُسی وقت روزہ کھول لیں یا غروبِ آفتاب کے بعد؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کسی تاریخ کا روزہ دن سے افطار کرلینا ہرگز جائز نہیں بلکہ حرام قطعی ہے، اللہ تعالٰی نے فرض کیا کہ روزہ رات تک پُورا کرو یعنی جب آفتاب ڈوبے اور دن ختم اور رات شروع ہو اُس وقت کھولو۔

قال اللّٰه تعالٰی ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ۔[4]	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: پھر روزہ کو شام تک پورا کرو۔ (ت)

---

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۵

[4] القرآن ۲/ ۱۸۷

درمختار ف میں ہے:

لا عبرة برؤية الهلال نهارا مطلقا على مذهب الامام الصحيح المعتمد، واما على قول الثانی من انه ان رأی قبل الزوال فللماضية.[1] فليس الافطار بمعنی ا نهارالصوم بل لثبوت العيد عنده بذاك وليس هذا معنی قوله صلی الله تعالٰی عليه وسلم صوموا لرؤيته وافطر والرؤيته والايوجب الصوم بمجرد رؤية الهلال بعد المغرب وهذا واضح جدا، والله تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	امام کے صحیح معتمد مذہب کے مطابق ہر حال میں دن کو چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں، مگر امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر ہے کہ اگر زوال سے پہلے دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا ہوگا تو اب افطار کا یہ معنٰی نہیں کہ یہ دن کے روزے کا افطار ہے بلکہ اس سے امام ثانی کے نزدیک ثبوت عید ہورہا ہے کیونکہ گزشتہ رات کا چاند ہے تو عید کی وجہ سے افطار ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمان مبارک "چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو" کا معنی یہ نہیں کہ جب دیکھو تو افطار کرو ورنہ یہ لازم آئے گا کہ مغرب کے بعد محض چاند دیکھنے سے اُسی وقت روزہ لازم ہوجائے اور یہ نہایت ہی واضح ہے۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت رؤیت ہلال ماہ رمضان المبارک ہندوستان میں اختلاف ہے بذریعہ اخبار ودیگر تحریر معلوم ہُوا کہ کلکتہ و دیگر جا میں رؤیت بروز دوشنبہ اور روزہ بروز سہ شنبہ ہوا و دیگر بلاد وامصار میں رؤیت بروز سہ شنبہ اور روزہ بروز چہار شنبہ اور بعض جا روز پنجشنبہ ہوا، پس اب فتوی علماء کا کیا ہے، آیا بحالت عدم رؤیت ہلال شوال کے روزہ رمضان چار شنبہ آئندہ کو ختم کرکے پنجشنبہ کو عید کی جائے یا بروز چہار شنبہ عید ہو؟ **بینوا توجروا**

ف: درمختار میں جو عبارت ملی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "ورؤيته بالنهار لليلة الاتية مطلقا علی المذهب ذكره الحدادی، واختلاف المطالع ورؤيته نهارًا قبل الزوال او بعده غير معتبر علی ظاهر المذهب۔" درمختار میں لاعبرۃ الخ کے الفاظ نہیں ہیں۔ **نذیر احمد سعیدی**

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

الجواب:

واللہ الموفق المصدق والصواب(اللہ تعالٰی ہی صدق و ثواب کی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ت)شارع علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے صوم وفطر کو منوط برؤیت فرمایا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ[1] کما فی الصحاح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ جیسا کہ احادیثِ صحاح میں ہے(ت)

پس ہر شہر اور اس کی رؤیت اور اسی پر ابتنائے عدت، مجرد اخبارات وخطوط، صالح تعویل واعتماد نہیں نہ صرف شہرت افواہ(کہ فلاں بلد میں فلاں روز چاند ہُوا جیسے بعض خبریں شہر میں مشتہر ہوجاتی ہیں اور اُن کا اشاعت کنندہ معلوم نہیں) قابلِ اعتبار، ہاں اگر کسی شہر جماعات متعددہ آئیں اور ہر ایک بیان کرے کہ فلاں روز وہاں رؤیت ہُوئی تو بیشک اس خبر مستفیض پر عمل واجب ہوگا اگرچہ ان دو بقاع میں بعد المشرقین ہو کہ مذہبِ معتمد پر اختلاف مطالع غیر معتبر ہے۔

قال العلامۃ المفتی عمدۃ المتاخرین محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی فی الدرالمختار شرح تنویر الابصار، نعم لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری لزمھم علی الصحیح من المذھب مجتبٰی وغیرہ انتھی وفیہ ایضاً ان اختلاف المطالع غیرمعتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب کمامر وقال الزیلعی الاشبہ انہ یعتبر لکن قال الکمال، الاخذبظاھر الروایۃ	عمدۃ المتاخرین علامہ مفتی محمد بن علی بن محمد علاء الدین الحصکفی رحمہ اللہ تعالٰی نے در مختار شرح تنویر الابصار میں فرمایا: ہاں اگر ایک شہر کی رؤیت دوسرے شہر میں خبر مشہور کے طور پر ہوجائے تو ان پر صحیح مذہب کے مطابق روزہ رکھنا لازم ہوجائیگا مجتبٰی وغیرہ انتہی، اور اسی میں ہے کہ اختلافِ مطالع ظاہر مذہب کے مطابق معتبر نہیں، اسے بحر نے خلاصہ سے نقل کیا ہے، پس اہلِ مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت سے روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ اہلِ مشرق کے ہاں یہ بات بطریق موجب ثابت ہو جیسا کہ سابق میں گزرا۔ امام زیلعی نے فرمایا مشابہ بحق یہ ہے کہ (اختلاف مطالع) معتبر ہے لیکن امام کمال

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

احوط[1] انتھی (ملخصا) **قلت** وقد ذکروا ان الفتوی اٰکد من الاشبه وان الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایة[2] کما فی البحر والدرر و غیرھما. وفی حاشیة ردالمحتار للفاضل السیّد محمد امین ابن عابدین الشامی رحمه الله عن الشیخ مصطفی الرحمتی الانصاری رحمه الله. ان معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل تلك البلدة انھم صاموا عن رؤیة ، لا مجرد الشیوع من غیر یتحدث بھا سائر اھل البلدة ولایعلم من اشاعه کما قد تشیع اخبار یتحدث بھا سائر اھل البلدة ولایعلم من اشاعھا کما ورد ان فی اٰخر الزمان یجلس الشیطان بین الجماعة فیتکلم بالکلمة فیتحدثون بھا ویقولون لاندری من قالھا فمثل ھذا لاینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت به حکم اھ (قال الشامی) **قلت** وھو کلام حسن ویشیر الیه قول الذخیرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لایوجد بمجرد الشیوع انتھی.[3]	کہتے ہیں کہ ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے انتہی (ملخصًا) **قلت** فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ لفظ فتوٰی لفظ اشبہ سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے اور جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ کو ترجیح حاصل ہوگی جیسا کہ بحر، درر وغیرہ میں ہے، فاضل سیّد محمد امین ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے شیخ مصطفٰی رحمتی انصاری رحمہ اللہ تعالٰی سے اپنے حاشیہ ردالمحتار میں نقل کیا ہے، مشہور ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وہ تمام اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیسا کہ کبھی کبھی بعض خبریں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آخری دور میں شیطان جماعت کے درمیان بیٹھ کر کوئی بات کرے گا تو لوگ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے ہم نہیں جانتے اس کا قائل کون ہے، تو ایسی باتیں سُننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے کوئی حکم ثابت کیا جائے اھ امام شامی کہتے ہیں **قلت** یہ تمام گفتگو نہایت ہی خوب ہے اور ذخیرہ کی یہ عبارت بھی اسی طرف اشارہ کررہی ہے جب خبر مشہور اور متحقق ہوجائے، کیونکہ تحقق محض شہرت اور پھیل جانے سے نہیں ہوتا انتہی (ت)

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] بحرالرائق، کتاب الرضاع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۲۲

[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

پس ہر شہر میں اپنی رؤیت، خواہ غیر شہر کی شرعًا معتبر خبر پر، جو پہلی رمضان کی قرار پائے اسی پر بنائے کار رکھیں اور روزہ متروک ہوجانا ثابت ہو تو بعد رمضان قضا کریں اُسی یکم کے اعتبار سے شمار ثلثین کامل کرکے عید کرلیں لیکن اگر اکتیسویں شب کو باوجود صفائی مطلع چاند نظر نہ آئے اور ابتدائے صیام صرف ایک شاہد کی شہادت پر کی گئی ہو تو اس صورت میں تیس کے بعد عید حضرت امام اعظم وامام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما ناروافرماتے ہیں کہ کذب اُس شاہد واحد کا ظاہر وہیں ہوگیا اور یہی مذہب و مرجح،

هذا ماتحرر لنا من اقوال متشتتة وكلمات متشوشة، ولنذكر طرفا من كلام الشامى فى هذا المقام ليستبين لك ما لخصته عن المرام. قال العلامة الشارح رحمه الله فى الدر وبعد صوم ثلثين بقول عدلين حل الفطر وبقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لا يحل على المذهب خلا فالمحمد كذا ذكره المصنف لكن نقل ابن الكمال عن الذخيرة ان غم هلال الفطر حل اتفاقا وفى الزيلعى الاشبه ان غم حل والا لا[1] انتهى مختصرا. قال الفاضل المحشى قوله حل الفطر اى اتفاقا ان كانت ليلة الحادى والثلثين متغيمة وكذا لومصحية على ماصححه فى الدراية والخلاصة والبزازية وصححه عدمه فى مجموع النوازل والسيد الامام الاجل ناصرالدين	یہ وہ تمام گفتگو تھی جو متفرق اقوال اور تشویش میں ڈالنے والے کلمات سے اخذ کی گئی، یہاں امام شامی کی کچھ گفتگو نقل کرنا نہایت ہی مناسب ہے تاکہ وہ مقصد واضح ہوجائے جس کی خاطر میں نے یہ خلاصۃً گفتگو نقل کی ہے، علامہ شارح رحمہ اللہ تعالٰی نے در میں فرمایا جبکہ دو عادلوں کے قول سے روزہ رکھا ہو تو تیس دن کے بعد افطار حلال ہے یعنی جائز ہے اور حال یہ ہو کہ عید کے چاند کے دن ابر ہو، تو افطار حلال نہیں صحیح مذہب پر، اس میں امام محمد کا اختلاف ہے جیسا کہ مصنّف نے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ اگر عید کے چاند کے دن بادل وغیرہ ہو تو بالاتفاق افطار حلال یعنی جائز ہے، زیلعی میں ہے اگر چاند بادل وغیرہ کی وجہ سے دکھائی نہ دے تو عید حلال ہے ورنہ نہیں انتہی اختصارًا۔ فاضل محشّی نے کہا قولہ حل الفطر یعنی اگر اکتیسویں رات ابر آلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع صاف ہو تب بھی یہی حکم ہے، مجموع النوازل میں اور السّید امام اجل ناصرالدین نے

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

کما فی الامداد نقل العلامة نوح، الاتفاق علی حل الفطرفی الثانیة ایضا عن البدائع والسراج و الجوهرة قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثة وما حکی فیه من الخلاف انما هو لبعض المشائخ قلت وفی الفیض،الفتوی علی حل الفطرالخ[1] ثم قال قوله لکن الخ استدراك علی ماذکره المصنّف من ان خلاف محمد فیما اذاغم هلال الفطر بأن المصرح به فی الذخیرة وکذافی المعراج عن المجتبٰی ان حل الفطر هنا محل وفاق وانما الخلاف فیما اذا لم یغم ولم یرالهلال فعندهما لایحل الفطروعند محمد یحل قال شمس الائمة الحلوانی وحرره الشرنبلالی فی الامداد قال فی غایة البیان وجه قول محمد وهو الاصح ان الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناءً وتبعًا الخ[2] ثم قال قوله وفی الزیلعی الخ نقله لبیان فائدة لم تعلم من کلام الذخیرة وهی ترجیح عدم الفطر ان لم یغم شوال لظهور غلط الشاهد لانه الاشبه من الفاظ الترجیح لکنه مخالف لما علمته من تصحیح غایة البیان	اس کے برخلاف تصحیح کی ہے جیسا کہ امداد میں ہے،اور علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوھرہ سے نقل کیا ہے کہ دُوسری صورت میں بھی بالاتفاق عید جائز ہوگی، اور کہا کہ یہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف جو منقول ہے تو وُہ بعض مشائخ کا ہے قلت فیض میں ہے فتوٰی عید کے جواز پر ہے الخ پھر کہا قوله لکن الخ یہ استدراک ہے اس پر جو مصنف نے کہا کہ جب موسم ابر آلود ہو تو ہلال فطر کے بارے میں امام محمد کا اختلاف ہے۔ اسی طرح ذخیرہ میں اور معراج میں مجتبٰی سے تصریح ہے کہ افطار کی حلت بالاتفاق ہے اور اختلاف اسی صورت میں ہے جب موسم ابر آلود نہ ہو اور چاند دکھائی نہ دے تو اب شیخین کے نزدیک عید جائز نہیں اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے، جیسا کہ شمس الائمہ حلوانی نے بیان کیا اور شرنبلالی نے امداد میں نقل کیا کہ غایۃ البیان میں کہا ہے کہ امام محمد کے قول کی دلیل اور وہی اصح ہے کہ افطار ایک شخص کے قول سے ابتداءً ثابت نہیں ہوتا بلکہ تبعًا اور بناءً ثابت ہوا ہے الخ پھر فرمایا قوله وفی الزیلعی الخ یہ اس فائدہ کے لیے منقول ہے جو کلام ذخیرہ سے نہ جانا گیا اور وُہ یہ ہے کہ اگر شوال ابر آلود نہ ہو تو عدم افطار کو ترجیح ہوگی اس لیے کہ اس سے گواہ کا غلط ہونا واضح ہوگا کیونکہ یہ لفظ اشبہ الفاظِ ترجیح میں سے ہے لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو آپ غایۃ البیان

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۰۳-۱۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۳

لقول محمد بالحل، نعم حمل فی الامداد مافی غایۃ البیان علی قول محمد بالحل اذا غم شوال بناء علی تحقق الخلاف الذی نقله المصنف وقد علمت عدمه وح فمافی غایۃ البیان فی غیر محله لانه ترجیح لما هو متفق علیه[1] تامل انتهی ملتقطا فعلیك بتلطیف القریحة فی هذاالباب کیلا تغفل فیستزلك الاضطراب. واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب والیه تعالٰی المرجع والمآب۔	کی تصحیح میں جان چکے ہیں جو امام محمد کے قول بالحل (جواز) سے متعلق تھی، ہاں امدادیہ میں غایۃ البیان کی عبارت کو امام محمد کے قول بالحل (جواز) پر محمول کیا جائے گا جبکہ شوال کا چاند ابر آلود ہو، اس بنا پر جو اختلاف مصنف نے نقل کیا ہے حالانکہ آپ نے جان لیا اختلاف نہیں، اب جو کچھ غایۃ البیان میں ہے وُہ بے محل ہے کیونکہ یہ تو متفق علیہ کو ترجیح دینا ہے، غور کرو انتہی ملتقطا اس معاملہ میں خوب باریک بینی سے کام لو تاکہ غفلت دُور ہو اور اضطراب ختم ہوجائے، واللّٰہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۸: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مولوی سیّد شجاعت علی صاحب از شہر کہنہ بریلی

ماقولهم رضی اللّٰه تعالٰی عنهم اجمعین (اللہ تعالٰی تم سے راضی ہو تمہارا قول کیا ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ غیر معتبر ہونا اختلاف المطالع کا جو اس عبارت تنویر الابصار سے ظاہر ہے **واختلاف المطالع غیر معتبر علی المذهب فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب** (مطالع کا اختلاف ہمارے مذہب میں معتبر نہیں ہے تو اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہلِ مشرق پر حکم لازم ہوگا۔ت) عام ہے، شامل ہے حج واضحیہ کو، یا خاص بصوم یا بہ فطر ہے اور نیز یلزم کی ضمیر کا مرجع ثبوت ہلال عام ہے، شامل ہر حج واضحیہ کو یا صوم یا فطرہ سے خاص ہے، عام سمجھنا اس کو صواب ہے یا خطا، ایک شہر میں عید الاضحٰی سہ شنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیت ہلال وہاں کی، اور دوسرے شہر میں چہار شنبہ کو ہُوئی بموجب رؤیت ہلال یہاں کی، اب قربانی کرنا دوسرے شہر والوں کو جمعہ کے آخر تک کہ وہ یومِ رابع قربانی کا ہے باعتبار رؤیۃ اول کے، اور یومِ ثالث قربانی کا ہے باعتبار ثانی کے، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا بیوم الحساب** (کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور روزِ حساب اجر پایئے۔ت) فقط

الجواب:

علّامہ سیّد حلبی وعلّامہ سیّد طحطاوی وعلامہ سیّد شامی محشیان در مختار علیہم رحمۃ اللہ العزیز الغفار نے ضمیر

[1] در مختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱۰۳/۲

یلزم کا مرجع ہلال صوم وفطر کو قرار دیا،

وھذا عبارۃ الشامی قولہ فیلزم فاعلہ ضمیر یعود الٰی ثبوت الھلال ای ہلال الصوم اوالفطر۔[1]	شامی کی عبارت یہ ہے قولہ فیلزم فاعلہ، یہ ضمیر ثبوت ہلال کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی رمضان یا عید کا چاند۔(ت)

اس قدر چنداں قابلِ انکار نہیں، نہ حج واضحیہ سے نفی لزوم میں نص، ہاں علّامہ شامی نے تصریح فرمائی کہ کلماتِ ائمہ کرام سے حج میں اختلاف مطالع کا معتبر ہونا مفہوم اور استظہار کیا کہ اضحیہ میں یہی معتبر ہونا چاہئے اس تقدیر پر اہلِ عید چار شنبہ کو جمعہ تک قربانی جائز ہوگی اگرچہ منگل والوں کے نزدیک وُہ روزِ چہارم ہو جبکہ مطالع بلدین کا مختلف ہونا وہاں کی رؤیت کو یہاں لازم نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

تنبیہ: یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لوظھر انہ رؤی فی بلدۃ اخرٰی قبلھم بیوم، وھل یقال کذٰلک فی حق الاضحیۃ لغیرالحجاج لم ارہ، والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بما عند ھم فتجزی الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشروان کان علٰی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر۔[2]	تنبیہ: کتاب الحج میں فقہا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلافِ مطالع کا حج میں اعتبار ہے تو ان حجاج پر کوئی شئی لازم نہ ہوگی، جب یہ ظاہر ہوجائے کہ دوسرے شہر میں چاند ان سے ایک دن پہلے دیکھا گیا ہے، کیا حجاج کے علاوہ قربانی کے حق میں بھی یہی حکم ہوگا؟ یہ مسئلہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا، ہاں ظاہرًا یہی حکم معلوم ہوتا ہے کیونکہ اختلافِ مطالع کا اعتبار صوم (روزہ) اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے، بخلاف قربانی کے، تو اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے، ہر قوم پر ان کے اپنے وقت میں نماز لازم ہوگی تو تیسرے دن کی قربانی کفایت کرجائے گی اگرچہ دوسروں کے اعتبار سے وہ چوتھا دن ہو۔(ت)

اُن کے خیال کا منشا یہ ہے کہ طلاق، صلٰوۃ، زکٰوۃ، صوم، نکاح، عتق، ایمان، سیر، بیع، اجارہ، شفعہ، میراث وغیرہا تمام ابوابِ فقہ میں اختلافِ مطالع بلاشبہ معتبر ہے، ہلالِ صوم وفطر میں اصح التصحیحین

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱۰۵/۲

[2] ردالمحتار کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر، ۱۰۵/۲

پر اُس کا نہ ماننا بربنائے ورود نص ہے کہ:

صوموا الرؤیتہ وافطروا الرؤیتہ۔[1]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر افطار کرو۔(ت)

مگر یہ علّامہ ممدوح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اپنا خیال ہے جس پر انہوں نے کوئی نقل معتمد پیش نہ کی، نہ کلماتِ علماء اُس کی مساعدت کریں، مسئلہ حج کی بناء، دفع حرج شدید پر ہے نہ کہ اختلافِ مطالع پر اور یہاں عدمِ ورودِ نص ماننا بھی صحیح نہیں، خاص در بارہ ذی الحجہ بھی حدیث صریح صحیح سے رؤیت پر تعلیق ثابت ہے اور ظاہر سیاق کلام ماتن و شارح رحمہما اللہ تعالٰی رجوع ضمیر مطلق ثبوت ہلال کی طرف جس میں ذی الحجہ بھی داخل ہے، نظمِ عبارت یہ ہے:

وھلال الاضحٰی وبقیۃ الاشھر التسعۃ کالفطر علی المذھب ورؤیتہ بالنھار للیلۃ الاٰتیۃ مطلقا علی المذھب ذکرہ الحدادی، واختلاف المطالع ورؤیتہ نھارا قبل الزوال اوبعدہ غیر معتبر علٰی ظاھر المذھب، وعلیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی بحر عن الخلاصۃ فیلزم اھل المشرق الخ[2]	عید الاضحٰی اور باقی نو ماہ کا چاند صحیح مذہب پر عید الفطر کی طرح ہے، جو چاند دن کو نظر آئے ہر حال میں صحیح مذہب پر آنے والی رات کا شمار ہوگا، اسے حدادی نے ذکر کیا، ظاہر مذہب کے مطابق اختلافِ مطالع اور دن کو زوال سے پہلے یا بعد چاند کا نظر آنا غیر معتبر ہے اکثر مشائخ اسی پر ہیں اور اسی پر فتوی ہے، بحر عن الخلاصۃ، لہٰذا مشرق پر لازم ہوگا الخ (ت)

وہ یہاں احکامِ عامہ کے بیان میں ہیں علی الخصوص اس تصریح کے بعد ذی الحجہ وغیرہ کہ سب مہینوں کے ہلال کا وہی حکم ہے جو رمضان و فطر کے تو عند التحقیق اگر دوسری جگہ کی رؤیت بطریق شرعی ثابت ہو جائے تو اُسی پر عمل واجب ہوگا،

والعبد الضعیف لطف بہ المولی اللطیف، یرید ان یأتی بھذا التحقیق الجلیل الشریف ان شاء اللہ تعالٰی فی تحریر منفصل نفیس۔	عبد ضعیف اپنے مولٰی لطیف کے چاہتا ہے کہ اس پر مستقبل تحریر میں تفصیلاً تحقیق کر دے اِن شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

ورنہ بے تحقیق باتوں پر اس نظر و بحث کی اصلاً گنجائش نہیں، شرعًا نہ ہرگز خط پر عمل، نہ پرچہ اشتہار کوئی چیز، نہ ایسی مہمل دو ایک تحریروں سے، استفاضہ شرعی حاصل ہو سکے، ایسے طریق کو موجب سمجھ لینا محض خطا و ناواقفی اور ایسے

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الھلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] درِ مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

بیہودہ ثبوتوں پر عید کرلینا مسلمانوں کی نماز وقربانی خراب کردینا اور عرفہ کے روزے تڑوانا سخت جرأت وبیباکی ہے درمختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیتہ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب کمامر۔[1]	اہلِ مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت کی بنا پر روزہ یا افطار لازم ہوگا بشرطیکہ ان کے ہاں وہ رؤیت بطریق موجب ثابت ہو۔ جیسا کہ گزرا۔(ت)

ایسی حالت میں ہم پر باتفاقِ علماء اپنی رؤیت پر عمل واجب ہے اور اُن بے اصل شوشوں کی طرف التفات ہی باطل وذاہب واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۹تا۲۰۰: از شاہجہان پور محمد خلیل غربی ۲۱ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

اوّلاً: مرسلہ محمد اعزاز حسین بعبارت: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہجہان پور کے رہنے والے دو شخص ثقہ عادل بمبئی سے آئے اور انہوں نے بیان کیاکہ ہم نے خود ۲۹ ذیقعدہ کو بمبئی میں چاند دیکھا تو بمبئی کے آئے ہُوئے لوگوں کی شہادۃ اہلِ شاہجہانپور پر عید الاضحٰی ۲۹ کے حساب سے ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ کتبِ فقہیہ حنفیّہ معتبرہ جواب تحریر فرمائیے **بینوا توجروا**

ثانیاً: مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب بعبارتِ: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخص کسی دوسرے شہر سے ۲۹ تاریخ کا چاند دیکھ کر آئیں، گو مسافت اُس شہر کی ایک ماہ سے زائد ہو تو گواہی اُن کی درباب رؤیت ہلال عیدالاضحٰی معتبر ہوگی یانہیں؟ اور اگر معتبر ہوگی تو قول شامی کاکہ:

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم شیئ لو ظھر انہ رأی فی بلدۃ اخری قبلھم بیوم الخ[2]	کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع معتبر ہے تو حجاج پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی اگر دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند کا دیکھنا ظاہر ہوجائے الخ (ت)

کیا مطلب ہے، اور یہ قول شامی کا معارض قول مفتی بہ اور ظاہر الروایۃ کے ہے تو ترجیح قول شامی کو دی جائیگی یا مفتی بہ قول کو کہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اختلاف مطالع کامطلقاً اعتبار نہیں ہے گو عیدالاضحٰی کا ہو

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۰۵

اور نیز فتوٰی مولوی عبدالحہ صاحب کا کہ جو مؤید بحدیث ہے اعتبار کیا جائے گا یا ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ قول کا کیونکہ مولوی عبدالحہ اپنے مجموعہ فتاوٰی میں یہ لکھتے ہیں کہ ایک ماہ یا زائد کی مسافت کی گواہی درباب رؤیتِ ہلال معتبر اور مقبول نہ ہوگی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: ان لوگوں کی شہادت عادلہ مستجمعہ شرائط شرعیہ واجب الاعتبار ہے اور اُس کا خلاف ناجائز، اور شاہجہان پور میں اس کی بناپر ضرور ماہ ذیقعدہ ۲۹ کا ثبوت ہو کر اُس کے حساب سے چہار شنبہ کو **عیدالضحٰی** کرنی لازم ہُوئی اور اسی حساب سے جو بارہویں تھی یعنی روز جمعہ اُسی تک میعاد قربانی رہی جس نے اُس کے بعد شنبہ کو قربانی کی وُہ قربانی نہ ہُوئی کہ مذہب حنفی مین اختلاف مطالع کا اصلا اعتبار نہیں یہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ اصلاً مذہب ائمہ حنفیہّ نہیں خصوصًا جب وہی مذیل بفتوٰی ہو کہ اب تو کسی طرح اس سے عدول روا نہیں۔

خلاصہ و بحر الرائق و تنویر الابصار و دُر مختار میں ہے:

واللفظ لهذین ملتقطا هلال الاضحٰی وبقیة الاشهر التسعة کالفطر علی المذهب واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی۔[1] (ملخصًا)	خلاصۃً ان دونوں کتابوں کے الفاظ میں صحیح مذہب پر عید الاضحٰی اور بقیہ نو ماہ کے چاند کا معاملہ عید الفطر کی طرح ہے، اختلافِ مطالع کا ظاہر مذہب کے مطابق اعتبار نہیں، اس پر اکثر مشائخ ہیں، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحوابان ما خرج عن ظاهر الروایة لیس مذهبا لابی حنیفة ولاقولاله۔[2]	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے وہ امام ابو حنیفہ کا نہ مذہب ہوتا ہے نہ قول۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

ما خرج عن ظاهرالروایة فهو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم یبق قولاله۔[3]	جو ظاہر الروایۃ سے نکل جائے اس سے رجوع کرلیا گیا ہوتا ہے اور مرجوع عنہ امام صاحب کا قول باقی نہیں رہتا۔ (ت)

[1] در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ الطباعۃ والنشر بیروت ۱/۵۲

[3] بحر الرائق فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۷۰

ردالمحتار میں ہے:

ما خالف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔[1]	جو ظاہر الروایت کے خلاف ہو وہ ہمارے احناف کا مذہب نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع۔[2]	مرجوح قول پر فتوٰی و فیصلہ جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذالم یصحح اویقوّوجھہ واولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاھرالروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ اھ[3] ھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جیسا کہ امام ابو یوسف کے قول کے باوجود امام محمد کے قول پر جس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی تقویت بیان نہ کی گئی ہو اور اس سے زیادہ باطل وُہ فتوٰی ہوگا جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو جبکہ اس خلاف کی تصحیح نہ کی گئی ہو، اور وُہ فتوٰی جو مرجوع عنہ ہو اھ ح، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم(ت)

جواب سوال ثانی: صُورت مستفسرہ میں جب وُہ شہادت شرعیہ عادلہ ہو تو ضرور معتبر ہوگی اگرچہ ہلال عید اضحٰی ہوا گرچہ اُن میں مسافت ایک ماہ سے زیادہ ہو، یہی ہمارے ائمہ کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اس سے عدول باطل وناروا، علّامہ شامی **نور قبرہ السامی** نے یہاں ظاہر الروایۃ وقول مفتٰی بہ کا معارضہ نہ چاہا بلکہ براہِ بشریت ایک خطائے فکری سے اُسے مختص بہ ہلال صوم وفطر سمجھا، فقط ہلال اضحٰی کو اُن نصوص سے مخصوص جانا اور یہ لغزشِ نظر تھی کہ اطلاقات بلکہ تنصیصات کتب معتمدہ مذہب کے مقابل اُس کی طرف التفات بھی ناممکن، چہ جائے اعتماد، علامہ ممدوح کا **یفھم من کلامھم** فرمانا اُسی لغزشِ فکر کے باعث ہے ورنہ وُہ ہرگز ہمارے علماء کے کلام سے مفہوم بلکہ موہوم بھی نہیں اُن کے کلمات عالیات صاف اس مزعوم سے ابافرمارہے ہیں۔ مولوی لکھنوی صاحب نے نہ صرف اضحٰی بلکہ صوم وفطر سب میں اختلافِ مطالع معتبر ٹھہرایا اور ضرور ظاہر الروایۃ اور مفتٰی بہ کا بالقصد معارضہ کیا اور

---

[1] ردالمحتار کتاب احیاء الموات دارالتراث العربی بیروت ۲۷۸/۵

[2] درمختار خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱۵/۱

[3] ردالمحتار تحت عبارتِ مذکور مصطفی البابی مصر ۵۵/۱

خود اپنی تصریحات کی رُو سے بوجوہ کثیرہ فاحش خطاؤں اور باطل بناؤں سے کام لیا علامہ شامی کی بحث سے جسے وُہ فتوٰی نہیں بتاتے، اور مولوی لکھنوی صاحب کا فتوٰی جس پر وہ جزم واعتماد کررہے ہیں علمِ فقہ وعلمِ حدیث وعلمِ ہیئت تینوں علوم کی رُو سے صریح باطل ومحض ناقابل، اور خود ان دونوں حضرات کی دوسری تصریحات کے معارض ومناقض ومقابل ہیں، احادیث کی مخالفت تو دونوں صاحبوں نے یکساں کی ہے اگرچہ اس کا الزام بھی مولوی لکھنوی صاحب پر زائد وقوی ہے کہ علّامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ایک متفقہ مقلد سے زیادہ نہیں بنتے اور فاضل لکھنوی ایک محقق محدّث اہلِ نظر اعتبار، نقّادارشادات ائمہ کبار بننا چاہتے ہیں، حتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزہ عظیمہ سراج الامہ کاشف الغمہ امام الائمہ نائل العلم والایمان من الثریا سیّدنا امام اعظم ہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاداتِ عالیہ کو محک نقد ونقض ورد پر رکھتے ہیں کہ ابوحنیفہ نے یہ کہا اور حق یُوں ہے ابوحنیفہ کے دلائل یہ ہیں اور یہ سب باطل ہیں، ایسے جلیل الشان رفیع المکان محدّث، احادیث وآثار کے محیط وحاوی، فخر بخاری ورشک طحاوی کا احادیث واضحہ مشہورہ معروفہ صحیحہ صریحہ سے مخالف پڑنا ضرور محل عجب ہے۔ فتوائے مولوی صاحب ہرگز مؤید بحدیث بلکہ صریح مخالف احادیث ہے اور اس کی شکایت بھی کُچھ نہیں، بڑے بڑوں پر بھی بدزبانی کی ہے کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے کسی مذہب کو اپنے زعم ناقص میں مخالف حدیث سمجھے اور بعد تنقیح، آفتاب کی طرح روشن ہُوا کہ یہ معترضین خود ہی حدیث نہ سمجھتے تھے، وللہ درمن قال (اور اللہ تعالٰی ہی کے لیے بھلائی ہے، جس نے یہ شعر کہا:

وکم من عائب قولا صحیحا　　　　وآفتہ من الفہم السقیم

(بہت سے لوگ صحیح بات کو معیوب قرار دیتے ہیں جبکہ یہ مصیبت کمزور فہم کی وجہ سے آئی ہے۔ت)

اور مبارک فقہ کی مخالفت کا زیادہ حصّہ تو انہی فاضل محقق نے لیا۔ علامہ شامی پر اگر یہاں ایک اعتراض ہے تو ان پر چار پھر جیسا کہ ہم اشارہ کر آئے ہیں، اتنی مخالفت باوصف کثرت قصدیہ ہیں، اور علامہ شامی سے ایک مسئلہ کے فہم میں لغزش ہُوئی جس پر انہوں نے بنائے کلام فرمائی تو وہ قاصد موافقت ہیں، نہ مرتکب مخالفت، طرفہ یہ کہ یہ اپنی تصریحوں سے تعارض وتناقض میں بھی، انہی ہمارے محقق مدقّق معاصر کا پلّہ بھاری ہے اور علمِ ہیئت سے یکسر بیگانگی کا الزام تو صرف انہی پر ہے کہ علامہ شامی کو ان فنون کی جانب التفات نہ تھا اور ہمارے محقق معاصر تو ہمہ داں ہیں، یہ سب اجمالی بیان بعونہٖ تعالٰی دربارہ اہلہ فقیر کی متفرق تحریرات سے واضح ہیں اور احباب کی خواہش ہُوئی تو فقیر بعون القدیر تفصیل کے لیے حاضر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱: ازگیا محلّہ بارہ قریب مسجد غلام المصطفٰی صاحب

مظہرِ انوار شریعت حضرت مولانا دامت برکاتکم وفیوضاتکم بعد سلام باکرام آنکہ ایک مسئلہ جو رمضان

کی تیس تاریخ پیش آیا تھا وہ دریافت طلب ہے امید کہ جواب باصواب زود تر ارسال فرکر سرفراز و ممتاز فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، بصورتِ فرصت و مہلت حدیث ماخذ و حوالہ کتاب بھی ارشاد فرمادیجئے گا فقط، زیادہ آفتاب ہدایت تاباں ودرخشاں باد۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جس روز رمضان شریف کی تیس ۳۰ تاریخ تھی اُسی روز ایک شہر کے مختار کچہری کے آئے اور اُنہوں نے کہا کہ آج ہم جس شہر سے آئے ہیں وہاں آج عید کی نماز ہوگی، سامان نماز کو ہورہا تھا، آپ لوگ بھی پڑھیے۔ مختار صاحب مذکور کسی عالم کے فرستادہ میں سے نہ تھے اور نہ کسی عالم صاحب کا خط لائے تھے اب قطع نظر امورِ خارجہ کے اور اس بات کے کہ آئندہ کیا متحقق ہوگا، صرف یہ ارشاد ہو کہ اس قصبہ میں ازرُوئے شریعت کے اس روز مختار صاحب موصوف کی خبر معتبر تھی یا نہیں اور مختار صاحب کی خبر کا اعتبار کرکے نمازِ عید کے واسطے فتوٰی دینا صحیح ہوگا یا نہیں، ارشاد فرماکر عنداللہ ماجور و داخلِ حسنات ہوں اور اس قصبہ کا ہندو تار بابُو خبر دیتا تھا کہ تار آیا ہے آج عید فلاں شہر میں ہوگی، اب تار بابُو کا خبر دینا معتبر تھا یا نہیں؟

الجواب:

دربارہ ہلال خط و تار محض بے اعتبار، اشباہ والنظائر میں ہے: **لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**[1] (خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے نہ ہی اس پر عمل کیا جائے۔ت) مخبر واحد اور کچہری کے مختار اور وُہ بھی محض حکایت و اخبار کہ دو شاہدِ عدل بھی ایسی حکایت کرتے تو اصلاً معتبر نہ تھی۔ درمختار میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھدان برؤیۃ الھلال وقضی بہ و وجد استجماع شرائط الدعوی قضی القاضی بشھادتھما لان قضاء القاضی حجۃ وقد شھدوا بہ، لالوشھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[2] (ملخصًا)	گواہ کہتے ہیں کہ قاضی مصر کے پاس فلاں دو ۲ گواہوں نے فلاں تاریخ کو چاند دیکھنے پر گواہی دی ہے اور وہاں کہ قاضی نے اس پر فیصلہ کردیا ہے اور شرائطِ دعوی ساری کی ساری پائی گئی ہوں تو اب قاضی کو جائز ہے ان کی گواہی پر فیصلہ کردے کیونکہ قاضی کی قضاء حجّت ہے اور اسی پر وہاں کے گواہوں نے گواہی دی ہے۔ ہاں اگر وُہ دوسروں کی رؤیت پر گواہی دیتے تو قبول نہ ہوتی کیونکہ یہ حکایت ہے (ملخصًا)۔(ت)

[1] اشباہ والنظائر، کتاب القضاء والشہادات والدعاوی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۳۳۸/۱

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۹/۱

صورتِ مذکورہ میں اہلِ قصبہ کو عید کرنی حرام تھی اگرچہ بعد کو عید ثابت ہی ہوجائے کہ اُنہوں نے قبل ثبوت عید کی اور ارشادِ حدیثِ صحیح **صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ**[1] (چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو۔ت) کے مخالف ہوئے جس نے بربنائے مذکورہذیان تار وحکایت نامختار عید کافتوٰی دیا سخت حرام ہوا ایسے فتوے پر کبھی عمل نہ کریں، حدیث میں ہے:

اذا وسد الامر الی غیراھلہ فانتظر الساعۃ۔[2] **واللہ تعالٰی اعلم**	جب غیر اہل کو کام سپرد کردیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۲: از مقام سوجت مارواڑ بازار کے اندر مسئولہ شیخ ننّے میاں کلاہ فروش داہن منڈی ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ سوجت مارواڑ میں ۲۹ شعبان کو چاند نظر نہیں آیا اور شعبان کے تیس روزپُورے کرکے رمضان شریف کے روزے رکھنے شروع کئے، بعد میں کسی وجہ سے دو تین آدمی دہلی گئے، وہاں کے لوگوں نے ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنے کے حساب سے روزے رکھے تھے اب وہ شخص اخیر رمضان مبارک میں سوجت واپس آگئے اور کہنے لگے کہ دہلی میں ۲۹ کے حساب سے روزہ رکھنا شروع ہُوا ہے ہم بھی وہاں کے حساب سے عید کرینگے سوجت کے چاند دیکھنے کا خیال نہیں کریں گے، اب سوجت کی ۲۹، اور دوسری جگہ ۳۰ کو کہاکہ کل عید کرینگے تو انہوں نے ضد اور نفسانیت کرکے روزہ نہیں رکھا، اور جن لوگوں نے روزہ رکھا تھا بہکا بہکا کر افطار کردیا اور بعض لوگوں نے کہاکہ بغیر چاند نظر آئے ہم روزہ افطارنہ کریں گے اور ۳۰ دن پُورے کرکے عید کریں گے کیونکہ ہم کو شرع شریف کا یہی حکم ہے اور ایک فتوٰی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب کا دیکھا گیا تھا جس میں تحریر تھاکہ خطوط اور تار وغیرہ سے روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے اور پھر اسی قسم کی ایک حدیث بھی نظر آئی جس کا مضمون یہ ہے کہ حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس گئے اور رمضان المبارک کا چاند اُن کو نظر آگیا تھا پھر اخیر رمضان شریف کو مدینہ منورہ میں آئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اُن سے وہاں کے حالات دریافت کئے اور یہ بھی دریافت کیاکہ تم نے چاند کو دیکھا تھا اُنہوں نے کہاکہ جمعہ کی رات کو دیکھا تھا، پھر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا تم نے خود دیکھا تھا، انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا تھا اور دوسرے آدمیوں نے بھی دیکھا اور سب نے روزہ رکھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایاکہ ہم نے تو ہفتے کی رات چاند دیکھا سواسی حساب سے ہم روزہ رکھیں گے۔ پھر حضرت کریب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہاکیاآپ

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری کتاب العلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۴

حضرت معاویہ اوراُن کے روزہ رکھنے پر عمل نہیں کرینگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ نہیں کیونکہ اسی طرح حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ اپنے اپنے ملک کی رؤیت لازم آتی ہے دوسرے ملک یاعلاقہ والوں پر لازم نہیں ہوتی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور دُوسروں کے روزے قریب آٹھ بجے کے تُڑوادئے بغیر چاند دیکھے، تواب ۲۹ روزے رکھنے والے کو توبہ کرنااور روزہ کی قضاء رکھنا چاہئے یانہیں؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صوموالرؤیته وافطر والرؤیته فان غم علیکم فاکملواعدة شعبان ثلثین۔[1]	چاند دیکھنے پر روزہ رکھواور چاند دیکھنے پر عید کرو، اگر موسم ابر آلود ہوتوتم پر تیس ۳۰ دنوں کاپورا کرنا ضروری ہے(ت)

روزہ اور افطار دونوں کی بناء حضور نے رؤیت پر رکھی، توخود رؤیت ہو یادوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت شرعی ہو، اگرچہ دونوں جگہ فاصلہ مشرق ومغرب کاہو، یہی ظاہر الروایۃ ہےاور یہی صحیح و معتمد ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیة اھل المغرب اذا ثبت ذلك عندھم رؤیة اولئك بطریق موجب شرعی ۔[2]	اہل مشرق پر اہلِ مغرب کی رؤیت کی بناپر روزہ افطار لازم ہے بشرطیکہ ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو۔(ت)

اس کے ثبوت کے سات ۷ طریقے ہیں جو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کئے، یہ بات کہ ایک دوآدمی گئےاور دوسرے شہر سے خبر لائے کہ وہاں ۲۹ کاچاند ہوا، نہ رؤیت ہے، نہ شہادت ہے، نہ شہادت علی الشہادت، نہ شہادت علی الحکم، غرض کوئی طریقہ شرعیہ نہیں محض حکایت ہے، اور وہ دربارہ ہلال اصلاً معتبر نہیں کما نص علیه فی الدر وغیرہ من الاسفار (جیساکہ اس پر درو غیرہ کتب میں تصریح ہے۔ت) اوروں کے روزے تُڑوانے میں یہ مرتکب کبیرہ ہوئے اور وہ روزہ توڑنے والے اور سخت کبیرہ کے مرتکب ہُوئے اور اُن پر قضاء لازم، اور اُن کو دہلی میں اگر کوئی ثبوتِ شرعی بہم نہ پہنچا تھا توان کا جرم اور اشد ہے، اور ان پر بھی قضاء لازم، یہ ایسی صورت کا مطلق حکم ہے مگر اس سال کی نسبت کافی شرعی ثبوتوں سے ۲۹ دن کا ثابت ہوگیا، لہذا قضاء کی حاجت نہیں،

---

1 صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

2 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

البتّہ بلا ثبوت شرعی جو حکم شرع پر جرأت کی اُس سے توبہ کی حاجت مگر جبکہ شعبان ۳۰ کا سمجھ کر روزے رکھے تو یکم رمضان کے روزے کی قضا لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

طرق اثبات الھلال ۱۳۲۰ھ

(اثباتِ چاند کے طریقے)

مسئلہ ۲۰۳: از بڑودہ گجرات باڑہ نواب صاحب مرسلہ نواب سیّد معین الدین حسن خاں بہادر ۲۵ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رؤیت ہلال شریعت میں کس طرح ثابت ہوتی ہے؟ بحوالہ کتب مع ترجمہ اردو جواب عطا ہو۔ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم:

الحمدللہ الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا والصلٰوۃ والسلام علی من صار الدین بطلوع ہلالہ بدرا منیرا وعلٰی اٰلہ وصحبہ الکاملین نورا والمکملین تنویرا۔	سب تعریفات اللہ کے لیے جس نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور بنایا، صلٰوۃ وسلام اس ذاتِ اقدس پر جس کی آمد سے دینِ اسلام تمام ادیان میں بدر منیر بن گیا، آپ کے آل واصحاب پر جو نور کے اعتبار سے کامل اور تنویر کے اعتبار سے مکمل ہیں (ت)

ثبوتِ رؤیتِ ہلال کے لیے شرع میں سات ۷ طریقے ہیں:

طریق اوّل: خود شہادتِ رؤیت یعنی چاند دیکھنے والے کی گواہی، ہلال رمضان مبارک کے لیے ایک ہی مسلمان عاقل، بالغ، غیر فاسق کا مجرد بیان کافی ہے کہ میں نے اس رمضان شریف کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اگرچہ کنیز ہو اگرچہ مستور الحال ہو، جس کی عدالت باطنی معلوم نہیں، ظاہر حال پابندِ شرع ہے اگرچہ اس کا یہ بیان مجلسِ قضاء میں نہ ہو، اگرچہ گواہی دیتاہُوں نہ کہے، نہ دیکھنے کی کیفیت بیان کرے کہ کہاں سے دیکھا کدھر کو تھا کتنا اونچا تھا وغیر ذٰلک۔ یہ اس صورت میں ہے کہ ۲۹ شعبان کو مطلع صاف نہ ہو، چاند کی جگہ ابر یا غبار ہو، اور بحال صفائی مطلع اگر ویسا ایک شخص جنگل سے آیا یا بلند مکان پر تھا تو بھی ایک ہی کا بیان کافی ہو جائے گا، ورنہ دیکھیں گے کہ وہاں کے مسلمان چاند دیکھنے میں کوشش رکھتے ہیں، بکثرت لوگ متوجہ ہوتے ہیں یا کاہل ہیں دیکھنے کی پروانہیں، بے پروائی کی صورت میں کم سے کم دو درکار ہوں گے اگرچہ مستور الحال ہوں، ورنہ ایک جماعتِ عظیم چاہئے کہ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرے جس کے بیان سے خوب غلبہ ظن حاصل ہو جائے کہ ضرور چاند ہُوا اگرچہ غلام یا کھلے فساق ہوں، اور اگر کثرت حدِ تواتر کو پہنچ جائے کہ عقل اتنے شخصوں کا غلط خبر پر اتفاق محال جانے تو ایسی خبر مسلم وکافر سب کی مقبول ہے۔ **باقی گیارہ ہلالوں** کے واسطے مطلقاً ہر حال میں ضرور ہے کہ دو۲ مرد عادل یا ایک مرد دو۲ عورتیں عادل آزاد جن کا ظاہری و باطنی حال تحقیق ہو کہ پابند شرع ہیں، قاضی شرع کے حضور لفظ اشھد گواہی دیں یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس مہینے کا ہلال فلان دن کی شام کو دیکھا اور جہاں قاضی شرع نہ ہو تو مفتی اسلام اُس کا قائم مقام ہے جبکہ تمام اہلِ شہر سے علمِ فقہ میں زائد ہو اُس کے حضور گواہی دیں اور اگر کہیں قاضی و مفتی کوئی نہ ہو تو مجبوری کو اور مسلمانوں کے سامنے ایسے عادل دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ عورتوں کا بیان بے لفظ اشھد بھی کافی سمجھا جائے گا، ان گیارہ ہلالوں میں ہمیشہ یہی حکم ہے مگر عیدین میں اگر مطلع صاف ہو اور مسلمان رؤیتِ ہلال میں کاہلی نہ کرتے ہوں اور وہ دو۲ گواہ جنگل یا بلندی سے نہ آئے ہوں تو اس صورت میں وہی جماعتِ عظیم درکار ہے، اسی طرح جہاں اور کسی چاند مثلاً ہلالِ محرم کا عام مسلمان پُورا اہتمام کرتے ہوں تو بحالتِ صفائی مطلع جبکہ شاہدین جنگل یا بلندی سے نہ آئیں توظاہراً جماعت عظیم ہی چاہئے کہ جس وجہ سے اُس کا ایجاب رمضان و عیدین میں کیا گیا تھا یہاں بھی حاصل ہے۔ درمختار میں ہے:

قیل بلادعوی وبلا لفظ اشھد وحکم و مجلس قضاء، للصوم مع علة کغیم وغبار، خبر عدل او مستور لا فاسق اتفاقا ولوقنّا او انثی بیّن کیفیة الرؤیة اولا، علی	ابرو غبار کی حالت میں ہلال رمضان کے لیے ایک عادل یا مستور الحال کی خبر کافی ہے اگرچہ غلام یا عورت ہو رؤیت کی کیفیت بیان کرے خواہ نہ کرے، دعوی یا لفظ اشھد یا حکم یا مجلس قاضی کسی کی شرط نہیں مگر فاسق کا بیان بالاتفاق مردود ہے اور عید

المذہب، وشرط للفطر مع العلة العدالة و نصاب الشهادة ولفظ اشهد ولو كانوا ببلدة لاحاكم فيها، صاموا بقول ثقة وافطروا باخبار عدلين مع العلة للضرورة،وقيل بلاعلة جمع عظيم يقع غلبة الظن بخبرهم وعن الامام، يكتفى بشاهدين واختاره فى البحر وصحح فى الاقضية الاكتفاء بواحد، ان جاء من خارج البلد، او كان على مكان مرتفع واختاره ظهيرالدّين، وهلال الاضحى وبقية الاشهر التسعة كالفطر على المذهب اھ[1] مختصرا	کے لیے بحال ناصافی مطلع عدالت کے ساتھ دو مرد یا ایک مرد دو عورت کی گواہی بلفظ اشھد ضرور ہے اور اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کوئی حاکم اسلام نہیں تو بوجہ ضرورت بحال ابر و غبار ایک ثقہ شخص کے بیان پر روزہ رکھیں اور دو عادلوں کی خبر پر عید کرلیں، اور جب ابر و غبار نہ ہو تو ایسی بڑی جماعت کی خبر مقبول ہوگی جس سے ظنِ غالب حاصل ہوجائے اور امام سے مروی ہوا کہ دو گواہ کافی ہیں اور اسی کو بحر الرائق میں اختیار کیا، اور کتاب الاقضیہ میں فرمایا صحیح یہ ہے کہ ایک بھی کافی ہے اگر جنگل سے آئے یا بلند مکان پر تھا اور اسی کو امام ظہیر الدین نے اختیار فرمایا اور ذی الحجہ اور باقی نو مہینوں کے چاند کا وہی حکم ہے جو ہلالِ عید الفطر کا۔ اھ مختصرًا

ردالمحتار میں ہے:

شرط القبول عند عدم علة فى السماء لهلال الصوم اوالفطر اخبار جمع عظيم لان التفرد من بين الجم الغفير بالرؤية مع توجههم طالبين لما توجه هو اليه مع فرض عدم المانع ظاهر فى غلطه،بحر، ولا يشترط فيهم العدالة، امداد ولا الحرية قهستانى،[2] قوله واختاره فى البحر حيث قال ينبغى العمل على هذه الرواية فى زماننا لان الناس تكاسلت عن ترائى الاهلة فانتفى قولهم مع توجههم طالبين و	جب آسمان صاف ہو تو ہلالِ روزہ و عید کے قبول کو جماعتِ عظیم کی خبر شرط ہے اس لیے کہ بڑی جماعت کہ وُہ بھی چاند دیکھنے میں مصروف تھی اُس میں صرف دو ایک شخص کو نظر آنا حالانکہ مطلع صاف ہے ان دو ایک کی خطا میں ظاہر ہے، ایسا ہی بحر الرائق میں ہے اور جماعت عظیم میں عدالت شرط نہیں، ایسا ہی امداد الفتاح میں ہے، نہ آزادی شرط ہے ایسا ہی قہستانی میں ہے، اور بحر الرائق میں فرمایا کہ جب لوگ چاند دیکھنے میں کاہلی کریں تو اس روایت پر عمل چاہئے کہ دو گواہ کافی ہیں کہ اب وُہ وجہ نہ رہی "کہ سب چاند دیکھنے میں مصروف تھے اور مطلع صاف تھا تو فقط انہی دو کو نظر آنا"

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹-۱۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰

ظاہر الولوالجیة والظهیریة یدل علی ان ظاہر الروایة هو اشتراط العدد والعدد یصدق باثنین اھ وفی زماننا مشاهد من تکاسل الناس فلیس فی شهادة الاثنین تفرد من بین الجم الغفیر حتی یظهر غلط الشاهد، فانتفت علة ظاہر الروایة فتعین الافتاء بالروایة الاخری،[1] وفی کافی الحاکم الذی هو جمع کلام محمد فی کتبه ظاہر الروایة وتقبل شهادة المسلم و المسلمة عد لاکان اوغیر عدل بعد ان یشهد انه رأی خارج المصر اوانه رأه فی المصر وفی المصر علة تمنع العامة من التساوی فی رؤیته اھ ولا منا فاة بینهما لان اشتراط الجمع العظیم اذاکان الشاهد من المصر فی مکان غیرمرتفع، فالثانیة مقیدة لاطلاق الاولی بدلیل ان الاولی علل فیها ردالشهادة بان التفرد ظاہر فی الغلط وعلی مافی الثانیة لم توجد علة الردولهذا قال فی المحیط فلایکون تفرده بالرؤیة خلاف الظاہرالخ[2] قوله وبقیة الشهر التسعة لا یقبل فیها الاشهادة رجلین اورجل وامرأتین عدول احرار غیر محدو دین کما فی سائرالاحکام، بحر عن شرح

بعید از قیاس ہے، اور ولوالجیہ وظہیریہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہر الروایۃ میں صرف تعدد گوہان کی شرط ہے اور تعدد دو۲ سے بھی ہوگیا انتہی اور ہمارے زمانے میں لوگوں کا کسل آنکھوں دیکھا ہے تو دو۲ کی گواہی کو یہ نہ کہیں گے کہ جمہور کے خلاف انہی کو کیسے نظر آگیا جس سے گواہ کی غلطی ظاہر ہو تو ظاہر الروایۃ کی وجہ نہ رہی تو اس دوسری روایت پر فتوی دینا لازم ہُوا اور کافی حاکم جس میں امام محمد کا تمام کلام، کتب ظاہر الروایۃ کا جمع فرمادیا ہے یُوں ہے کہ رمضان میں ایک مسلمان مرد یا عورت عادل یا مستور الحال کی گواہی مقبول ہے جبکہ یہ گواہی دے کہ اس نے جنگل میں دیکھا یا شہر میں دیکھا اور کوئی سبب ایسا تھا جس کے باعث اوروں کو نظر نہ آیا انتہی اور ان دونوں روایتوں میں منافات نہیں اس لیے کہ جماعت عظیم کی شرط وہاں ہے کہ گواہ شہر میں غیر مکان بلند پر ہو تو یہ پچھلی روایت اُس پہلی کے اطلاق کی قید بتاتی ہے اور اس پر دلیل یہ کہ پہلی میں ایک کی گواہی نہ ماننے کی وجہ یہ فرمائی کہ تنہا اُس کا دیکھنا غلطی میں ظاہر ہے اور اُس پچھلی صورت یعنی جبکہ وُہ جنگل میں یا بلند مکان پر تھا وہ رَد کی وجہ نہ پائی گئی اس لیے محیط میں فرمایا کہ اس حالت میں تنہا اُس کا دیکھنا خلاف ظاہر نہ ہوگا الخ اور باقی نو مہینوں میں مقبول نہ ہو گی مگر گواہی دو۲ مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل آزاد کی جن پر حدِ قذف نہ لگ چکی ہو جیسے باقی تمام معاملات میں۔ اسی طرح

1 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱
2 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

مختصر الطحاوی للامام الاسبیجابی والظاھر انه فی الاھلة التسعة لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الجمع الکثیر وھی توجه الکل طالبین ویؤیدہ قوله کما فی سائر الاحکام اھ[1] ملتقطا۔	بحر الرائق میں امام اسبیجابی شرح مختصر طحاوی سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ ان نو چاندوں میں صفائی وعدم صفائی مطلع کا کچھ فرق نہیں ہر حال میں دو۲ کی گواہی قبول ہوگی کہ وہ وجہ جو وہاں شرط جماعت عظیم کی باعث تھی کہ سب ہلال کو تلاش کرتے ہیں یہاں موجود نہیں کہ ان نو مہینوں کا چاند عام لوگ تلاش نہیں کرتے ہیں، اور اس کی تائید کرتا ہے امام اسبیجابی کا وُہ فرمانا کہ اُن میں وُہ درکار ہے جو باقی تمام معاملات میں اھ ملتقطا

حدیقہ ندیہ میں ہے:

اذا خلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیھم و یصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم۔[2]	جب زمانہ ایسے سلطان سے خالی ہو جو معاملاتِ شرعیہ میں کفایت کرسکے تو شرعی سب کام علماء کو سپرد ہونگے اور مسلمانوں پر لازم ہوگا کہ اپنے ہر معاملہ شرعیہ میں اُن کی طرف رجوع کریں وُہ علماء ہی قاضی وحاکم سمجھے جائیں گے، پھر اگر سب مسلمانوں کا ایک عالم پر اتفاق مشکل ہو تو ہر ضلع کے لوگ اپنے علماء کا اتباع کریں گے، اگر ضلع میں عالم کثیر ہوں تو جو سب میں زیادہ احکامِ شریعت کا علم رکھتا ہے اُس کی پیروی ہوگی، اور اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈالیں ۱۲منه غفرله۔

طریق دوم: شھادۃ علی الشھادۃ یعنی گواہوں نے چاند خود نہ دیکھا بلکہ دیکھنے والوں نے ان کے سامنے گواہی دی اور اپنی گواہی پر انہیں گواہ کیا، اُنہوں نے اُس گواہی کی گواہی دی، یہ وہاں ہے کہ گواہاں اصل حاضری سے معذور ہوں اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ گواہ اصل گواہ سے کہے میری اس گواہی پر گواہ ہوجا کہ میں گواہی دیتا ہوں میں نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا۔ گواہانِ فرع یہاں آکر یُوں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتا ہُوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھے اپنی اس گواہی پر گواہ کیا کہ فلاں بن فلاں مذکور نے ماہ فلاں سنہ فلاں کا ہلال فلاں دن کی شام کو دیکھا اور فلاں بن فلاں مذکور نے مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہوجا، پھر اصل شہادت رؤیت میں اختلافِ احوال کے ساتھ جو احکام گزرے ان کا لحاظ ضرور ہے، مثلاً ماہِ رمضان میں مطلع صاف تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] الحدیقۃ الندیہ، النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ۱/ ۳۵۱

تو صرف ایک کی گواہی مسموع نہ ہونی چاہئے جب تک جنگل میں یا بلند مکان پر دیکھنا نہ بیان کرے ورنہ ایک کی شہادت اور اس کی شہادت پر بھی صرف ایک ہی شاہد اگرچہ کنیز مستورۃ الحال ہو بس ہے، اور باقی مہینوں میں یہ تو ہمیشہ ضرور ہے کہ ہر گواہ کی گواہی پر دو۲ مرد یا ایک مرد دو عورت عادل گواہ ہوں اگرچہ یہی دو مرد اُن دو اصل میں ہر ایک کے شاہد ہوں مثلاً جہاں عیدین میں صرف دو۲ عادلوں کی گواہی مقبول ہے زید وعمرو دو۲ عادلوں نے چاند دیکھا اور ہر ایک نے اپنی شہادت پر بکر و خالد دو مرد عادل کو گواہ کر دیا کہ یہاں آکر بکر اور خالد ہر ایک نے زید وعمرو دونوں کی گواہی پر گواہی دی کافی ہے یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ کے جُدا جُدا دو۲ گواہ ہوں، اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک اصل خود آکر گواہی دے اور دوسرا گواہ اپنی گواہی پر دو گواہ جداگانہ کر بھیجے، ہاں یہ جائز نہیں کہ ایک گواہ اصل کے دو۲ گواہ ہوں اور انہیں دونوں میں سے ایک خود اپنی شہادت ذاتی بھی دے۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ علی الشھادۃ مقبولۃ وان کثرت استحسانا فی کل حق، علی الصحیح، الافی حد وقود بشرط تعذر حضورالاصل بمرض اوسفر و اکتفی الثانی بغیبتہ بحیث یتعذران یبیت باھلہ واستحسنہ غیر واحد، وفی القھستانی والسراجیۃ وعلیہ الفتوٰی واقرہ المصنف اوکون المرأۃ مخدرۃ لاتخالط الرجال وان خرجت لحاجۃ وحمام، قنیۃ، عندالشھادۃ عند القاضی قید للکل، وبشرط شھادۃ عددنصاب ولو رجلا وامرأتین عن کل اصل، ولوامرأۃ، لاتغایر فرعی ھذاوذاک، وکیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع ولوابنہ، بحر، اشھد علی شھادتی انی اشھد بکذا ویقول الفرع اشھد ان فلانا اشھد نی علی شھادتہ بکذا وقال لی اشھد علی شھادتی	گواہی مقبول ہے اگرچہ یکے بعد دیگرے کتنے ہی درجے تک پہنچے مثلاً گواہانِ اصل نے زید وعمرو کو گواہ بنایا انہوں نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر بکر و خالد کو گواہ کر دیا خالد نے اپنی اس شہادت علی الشہادت پر سعید و حمید کو شاہد بنالیا وعلی ھذاالقیاس) اور مذہب صحیح پر یہ امر حدود و قصاص کے سوا ہر حق میں جائز ہے اس شرط سے کہ جس وقت قاضی کے حضور ادائے شہادت ہُوئی اُس وقت وہاں اصل گواہ کا آنا مرض یا سفر یا زن پردہ نشین ہونے کے باعث متعذر ہو اور امام ابی یوسف کے نزدیک تین منزل دُور ہونا ضرور نہیں بلکہ اتنی دُوری کافی ہے کہ گواہی دے کر رات کو اپنے گھر نہ پہنچ سکے بکثرت مشائخ نے اس قول کو پسند کیا اور قہستانی و سراجیہ میں ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔ مصنف نے اسے مسلّم رکھا اور عورت کی پردہ نشینی یہ کہ مردوں کے مجمع سے بچتی ہو اگرچہ اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر نکلے یا حمام جائے، ایسا ہی قنیہ میں ہے۔ اور یہ بھی شرط ہے کہ ہر اصل

بذلك اھ[1] مختصرا۔	گواہ اگرچہ عورت کی گواہی پر پورا نصاب شہادۃ ہو یعنی دو مرد یا ایک مرد دو۲ عورتیں گواہی دیں، ہاں یہ ضرور نہیں کہ ہر گواہ اصل کے دو دو جُدا گانہ گواہوں اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ گواہِ اصل گواہِ فرع سے اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہو خطاب کرکے کہے تو میری اس گواہی پر گواہ ہو جاکہ میں یہ گواہی دیتا ہُوں اور گواہِ فرع یُوں ادائے شہادت کرے کہ میں گواہی دیتا ہُوں کہ فلاں نے مجھے اپنی گواہی پر گواہ کیا اور مجھ سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ ہو جا۔اھ مختصرًا۔

اُسی کے بیان ہلال رمضان میں ہے:

وتقبل شھادۃ واحد علی اٰخر کعبد وانثی ولو علی مثلھما۔[2]	ایک کی گواہی دوسرے پر مثلاً غلام یا عورت کی شہادت اگرچہ اپنی ہی جیسے پر ہلالِ رمضان میں مقبول ہے جبکہ ایک کی گواہی وہاں مسموع ہونے کے قابل ہو جیسے بحالت ناصافی مطلع۔

ردالمحتار میں ہے:

لو شھدا علی شھادۃ رجل واحد ھما یشھد بنفسہ ایضالم یجز کذا فی المحیط السرخسی فتاوی الھندیۃ ولو شھد واحد علی شھادۃ نفسہ واٰخران علی شھادۃ غیرہ یصح وصرح بہ فی البزازیۃ اھ[3] مختصرا	اگر دو گواہوں نے ایک مرد کی شہادت پر شہادت کی اور اُن میں ایک خود بذاتہ گواہ ہے تو یہ جائز نہیں، ایسا ہی فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام سرخسی سے ہے اور اگر ایک نے خود گواہی دی اور دوسرے دو۲ نے اور شخص کی شہادت پر شہادت ادا کی تو یہ درست ہے، بزازیہ میں اس کی تصریح ہے ۱۲

فتاوٰی علمگیریہ میں ذخیرہ سے ہے:

ینبغی ان یذکر الفرع اسم الشاھد الاصل واسم ابیہ وجدّہ حتی لوترك ذلك فالقاضی لا یقبل شھادتھما کذا فی الذخیرۃ۔[4]	گواہِ فرع کو چاہئے کہ گواہ اصل اور اس کے باپ اور دادا سب کا نام ذکر کرے یہاں تک کہ اسے چھوڑدے گا تو حاکم اس کی گواہی قبول نہ کرے گا کذا فی الذخیرہ۔۱۲

---

[1] دُر مختار باب الشہادت علی الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

[2] دُر مختار، کتاب الصّوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۸

[3] ردالمحتار باب الشہادت علی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۳۷

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب الحادی عشر فی الشہادۃ علی الشہادۃ نورانی کتب خانہ پشاور، ۳/ ۵۲۴

شهادة علی الشهادة میں یہ بھی ضرور ہے کہ اُسکے مطابق حکم ہونے تک، گواہانِ اصل بھی اہلیتِ شہادت پر باقی رہیں اور شہادت کی تکذیب نہ کریں مثلاً گواہانِ فرع نے ابھی گواہی نہ دی یا دی اور اس پر ہنوز حکم نہ ہوا تھا کہ گواہان اصل سے کوئی گواہ اندھا یا گونگا یا مجنون یا معاذاللہ مرتد ہوگیا یا کہا کہ میں نے ان گواہوں کو اپنی شہادت کا گواہ نہ کیا تھا یا غلطی سے گواہ کردیا تھا تو یہ شہادت باطل ہوجائے گی۔ درمختار میں ہے:

تبطل شهادة الفروع بخروج اصله عن اهليتها کخرس وعمی، وبانکار اصله الشهادة کقولهم مالنا شهادة اولم نشهد اواشهد ناهم وغلطنا اھ مختصرا[1]	اصل شاہد کے اہلیت سے نکل جانے کے سبب سے فروع کی شہادت باطل ہوجاتی ہے مثلاً شاہد گونگا یا نابینا ہوگیا یا اصل شاہد شہادت سے انکاری ہو، مثلاً اصول یُوں کہیں ہم گواہ نہیں یا ہم نے ان کو گواہ نہیں کیا یا ہم نے ان کو گواہ کیا اور غلط کہا۔(ت)

طریق سوم: شهادة علی القضاء یعنی دوسرے کسی اسلامی شہر میں حاکم اسلام قاضیِ شرع کے حضور رؤیت ہلال پر شہادتیں گزریں اور اُس نے ثبوتِ ہلال کا حکم دیا، دو۲ شاہدانِ عادل اس گواہی وحکم کے وقت حاضر دارالقضاء تھے، انہوں نے یہاں حاکم اسلام قاضیِ شرع یا وُہ نہ ہو تو مفتی کے حضور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں ہمارے سامنے فلاں شہر کے فلاں حاکم کے حضور فلاں ہلال کی نسبت فلاں دن کی شام کو ہونے کی گواہیاں گزریں اور حاکم موصوف نے اُن گواہیوں پر ثبوت ہلال مذکور شام فلاں روز کا حکم دیا، فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

لوشهدواان قاضی بلد کذا شهد عنده اثنان برؤیة الهلال فی لیلة کذاوقضی بشهادتهما جاز لهذاالقاضی ان یحکم بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به۔[2]	اگر گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے فلاں قاضی کے پاس فلاں رات میں چاند دیکھنے پر دو۲ آدمیوں نے گواہی دی تو قاضی ان کی شہادت پر فیصلہ دے دیا ہے تو اس قاضی کے لیے ان دونوں کی شہادت کی وجہ سے فیصلہ دینا جائز ہے کیونکہ قضائے قاضی حجت ہے اور انہوں نے اس پر گواہی دی ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرھما میں ہے۔

قلت وقیده فی التنویر تبعًا للذ خیرة عن مجموع النوازل باستجماع شرائط	**قلت** تنویر میں ذخیرہ کی اتباع کرتے ہوئے مجموع النوازل کے حوالے سے نقل کرتے ہُوئے یہ قید لگائی کہ دعوی

---

1 درمختار باب الشہادۃ علی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۰

2 فتح القدیر کتاب الصوم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳

الدعوی و وجهه العلامة الشامی بتوجیهین، لنا فی کل منهما کلام حققناه فیما علیه علقناه فراجعه ثمه فانه من الفوائد المهمة۔	کے تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہے اور علامہ شامی نے اس کی دو۲ توجیہات بیان کی ہیں ان میں سے ہرایک پر ہمیں کلام ہے، اس کی پوری تفصیل ہم نے حاشیہ ردالمحتار میں بیان کردی ہے وہاں سے ملاحظہ کریں وُہ نہایت ہی اہم ہے (ت)

طریق چہارم: کتاب القاضی الی القاضی یعنی قاضیِ شرع جسے سلطانِ اسلام نے فصلِ مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے شرعی گواہی گزری اُس نے دوسرے شہر کے قاضیِ شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادتِ شرعیہ قائم ہُوئی اور اُس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پُورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وُہ خط دو۲ گواہانِ عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضیِ فلاں شہر کے نام ہے وُہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اُس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لیے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے (اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سُنادے یا اس کا مضمون بتادے اور خط بند کرکے اُن کے سامنے سربمہر کردے، اور اولٰی یہ کہ اُس کا مضمون ایک کُھلے ہُوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اُسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالہ کریں یہ زیادہ احتیاط کے لیے ہے ورنہ خیر اُسی قدر کافی ہے کہ دو۲ مردوں یا ایک مرد دو۲ عورتیں عادل کو خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وُہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں) بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہر گز مقبول نہیں اگرچہ وُہ خط اُسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور اس کے محکمہ قضا کی مہر بھی لگی ہو (اور یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو پہنچے اور وہ اُسے پڑھ لے اُس وقت تک کاتب زندہ رہے اور معزول نہ ہو ورنہ اگر خط پڑھے جانے سے پہلے مرگیا یا برخاست ہوگیا تو اس پر عمل نہ ہوگا اور بحالتِ زندگی یہ بھی ضرور ہے کہ جب تک مکتوب الیہ اس خط کے مطابق حکم نہ کرلے اُس وقت تک کاتب عہدہ قضا کا اہل رہے ورنہ اگر حکم سے پہلے کاتب مثلاً مجنوں یا مرتد یا اندھا ہوگیا تو بھی خط بیکار ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی بحکمه وان لم یکن الخصم حاضر الم یحکم وکتب الشهادة لیحکم المکتوب الیه بها علی رائه وقرأالکتاب علیهم اوا علمهم به	ایک قاضی دوسرے قاضی کی طرف حکم نامہ لکھے، اگر خصم حاضر نہ ہو تو قاضی فیصلہ نہ کرے اور گواہی لکھ لے تاکہ قاضی مکتوب الیہ گواہی کے ذریعے اپنی رائے کے مطابق فیصلہ صادر کردے اور قاضی کاتب خط مذکور کو شہود پر

وختم عندهم وسلم اليهم بعد كتابة عنوانه وهوان يكتب فيه اسمه واسم المكتوب اليه وشهر تهما واكتفى الثانى بان يشهد هم انه كتابه وعليه الفتوى، ويبطل الكتاب بموت الكاتب وعزله قبل القرأة وبجنون الكاتب وردته وحده لقذف وعمائه لخروجه عن الاهلية وكذا بموت المكتوب اليه لخروجه عن الاهلية الااذاعمم ولايقبل كتاب القاضى من محكم بل من قاض مولى من قبل الامام (ملخصًا)۔[1]	پڑھے یا انہیں اس کے مضمون سے آگاہ کردے، پھر خط پر پتایُوں تحریر کرے کہ اپنا اور مکتوب الیہ کا نام اور دونوں کی شہرت یعنی وہ لفظ یا لقب ضرور لکھے جس سے وُہ مشہور ہوں۔ اور امام ابویوسف نے اس پر اکتفاء کیا ہے کہ قاضی کاتب شاہدوں کو صرف اس پر گواہ کرلے کہ وہ اس کا خط ہے۔ فتوٰی اسی قول پر ہے۔ اور خط پڑھے جانے سے قبل قاضی کاتب کی موت اور اس کی معزولی کے سبب باطل ہوجاتا ہے۔ اسی طرح قاضی کاتب کے مجنون، مرتد، محدود فی القذف اور نابینا ہوجانے پر بسبب نکل جانے اہلیت قضا سے خط باطل ہوجاتا ہے، یونہی مکتوب الیہ قاضی کی موت سے سبب نکل جانے اہلیت قضاء سے خط باطل ہوجائے گا مگر اس صورت میں مکتوب الیہ قاضی کی موت سے خط باطل نہیں ہوتا جب کاتب قاضی تعیم کردے مثلًا یوں کہ جو وہاں کا قاضی ہو یہ خط اس کی طرف ہے، اور خط حکم کی طرف سے مقبول نہیں بلکہ اس قاضی کی طرف سے مقبول ہے جو سلطان کی طرف سے معین ہو (ملخصًا) (ت)

درر وغرر میں ہے:

لايقبله ايضًا الابشهادة رجلين او رجل و امرأتين لان الكتاب قد يزورا ذالخط يشبه الخط والخاتم يشبه الخاتم فلا يثبت الابحجة تامة۔[2]	تحریر مقبول نہ ہوگی مگر دو۲ مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور خواتین کی گواہی کے بعد، کیونکہ تحریر میں جعلسازی ہوجاتی ہے اور تحریر دوسری تحریر کی مشابہ ہوسکتی ہے اسی طرح مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوسکتی ہے لہٰذا حجت کاملہ کے بغیر تحریر کا ثبوت نہ ہوگا۔ (ت)

طریق پنجم: استفاضہ یعنی جس اسلامی شہر میں حاکم شرع قاضی اسلام ہو کہ احکامِ ہلال اُسی کے یہاں سے صادر ہوتے ہیں اور خود عالم اور ان احکام میں علم پر عامل و قائم یا کسی عالمِ دین محقق معتمد پر اعتماد کا ملتزم و

---

[1] درمختار باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴-۸۳

[2] درر غرر، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار صادر بیروت، ۲/ ۴۱۴

ملازم ہے یا جہاں قاضیِ شرع نہیں تو مفتیِ اسلام مرجع عوام ومتبع الاحکام ہو کہ احکامِ روزہ وعیدین اُسی کے فتوے سے نفاذ پاتے ہیں عوام کالانعام بطور خود عید و رمضان نہیں ٹھہرالیتے وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب یک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن بربنائے رؤیت روزہ ہُوا یا عید کی گئی مجرد بازادی افواہ خبر اُڑ گئی اور قائل کا پتا نہیں۔ پُوچھے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سُنا ہے یا لوگ کہتے ہیں، یا بہت پتا چلا تو کسی مجہول کا انتہا درجہ، منتہائے سند دو ایک شخصوں کے محض حکایت کہ اُنہوں نے بیان کیا اور شدہ شدہ شائع ہو گئی، ایسی خبر ہر گز استفاضہ نہیں بلالکہ خود وہاں کی آئی ہُوئی متعدد جماعتیں درکار ہیں جو بالاتفاق وُہ خبر دیں، یہ خبر اگرچہ نہ خود اپنی رؤیت کی شہادت ہے نہ کسی شہادت پر شہادت، نہ بالتصریح قضائے قاضی پر شہادت نہ کتاب قاضی پر شہادت، مگر اس مستفیض خبر سے بالیقین یا بہ غلبہ ظن ملتحق بالیقین وہاں رؤیت صوم وعید کا ہونا ثابت ہوگا اور جبکہ وُہ شہر اسلامی اور احکام وحکام کی وہاں پابندی دوامی ہے تو ضرور مظنون ہوگا کہ امر بحکم واقع ہُوا تو اس طریق سے قضائے قاضی کہ حجتِ شرعیہ ہے ثابت ہو جائیگی اور یہیں سے واضح ہُوا کہ تاریک شہر جہاں نہ کوئی قاضیِ شرع نہ مفتیِ اسلام، یا مفتی ہے مگر نااہل جسے خود احکامِ شرع کی تمیز نہیں، جیسے آج کل کے بہت مدعیان خامکار، خصوصًا وہابیہ، خصوصًا غیر مقلدین وغیرہم فجّار، یا بعض سلیم الطبع سنّی ناقص العلم ناتجربہ کار، یا مفتی محقق معتمد عالم مستند ہے مگر عوام خود سر، اس کے منتظر احکام نہیں، پیش خویش اپنے قیاساتِ فاسدہ پر جب چاہیں عید ورمضان قرار دے لیتے ہیں، ایسے شہروں کی شہرت بلکہ تواتر بھی اصلًا قابلِ قبول نہیں کہ اس سے کسی حجتِ شرعیہ کا ثبوت نہ ہُوا، درمختار میں ہے:

شهدوا انه شهد عند قاضی مصر کذا شاهدان برؤيته الهلال وقضى به. قضى القاضی بشهادتهما لان قضاء القاضی حجة وشهدوا به. لالو شهدوا برؤية غيرهم لانه حكاية نعم لو استفاض الخبر فی البلدة الاخرى لزمهم على الصحيح من المذہب مجتبٰی وغیرہ[1] (ملخصًا)	دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس چاند دیکھنے کی فلاں دو گواہوں نے گواہی دی ہے اور قاضی نے اس پر فیصلہ صادر فرمادیا ہے تو ان کی گواہی کی بناپر یہ قاضی بھی فیصلہ دے سکتا ہے کیونکہ قاضی کی قضاحجت ہے اور اس پر وہ گواہ موجود ہیں البتہ اس صورت میں قاضی فیصلہ نہیں دے سکتا جب وُہ صرف غیر رؤیت پر گواہی دیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے، ہاں اگر خبر دوسرے شہر میں مشہور ہو جاتی ہو تو پھر صحیح مذہب کے مطابق ان پر روزہ لازم ہو جائے گا، مجتبٰی وغیرہ (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

هذه الاسفاضة ليس فيها شهادة على قضاء قاض ولا على شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها لان البلدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلابد من ان يكون صومهم مبنيا على حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور الخ[1]	یہ شہرت نہ تو قضاء قاضی پر شہادت ہے اور نہ ہی کسی اور شہادت پر، لیکن یہ خبر متواتر کے درجہ پر فائز ہے اور اس سے یہ ثابت ہوا ہے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے اس دن روزہ رکھا تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ ہر شہر عادۃً حاکمِ شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو اب ان کا روزہ ان کے حاکم شرعی کے حکم کی بنا پر ہی ہوگا گویا وہ شہرت حکمِ قاضی کا منقول ہونا ہے۔ الخ (ت)

اُسی میں ہے:

قال الرحمتی معنى الاستفاضة ان تأتي من تلك بلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لامجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولايعلم من اشاعها كما ورد. ان في اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة ويتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لاندری من قالها فمثل هذا لاينبغی ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ قلت وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا يوجد مجرد الشيوع۔[2]	امام رحمتی نے فرمایا: شہرت کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور وُہ تمام یہ اطلاع دیں کہ اس شہر میں لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ وہ، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے کہ بہت سی خبریں شہر میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور بات کرے گا لوگ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے ہم نہیں جانتے یہ بات کس نے کہی، تو ایسی باتیں تو سُننا ہی مناسب نہیں چہ جائیکہ ان سے حکم ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت اچھا ہے اور اسی کی طرف قولِ ذخیرہ کا اشارہ ہے کہ جب خبر مشہور اور ثابت ہو، کیونکہ ثبوت محض افواہ کی بنا پر نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

تنبیہ الغافل والوسنان علی احکام ہلالِ رمضان میں ہے:

لما کانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر وقد ثبت بہا ان اھل تلك البلدۃ صاموا یوم کذالزم العمل بہا لان المراد بہا بلدۃ فیہا حاکم شرعی الخ[1]	جب چاند نظر آنے کی خبر، خبر متواتر کی طرح مشہور ہو، اور اس سے ثابت ہوجائے کہ فلاں شہر کے لوگوں نے چاند نظر آنے پر روزہ رکھا ہے تو ایسی خبر پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے وہ شہر مراد ہوگا جس میں حاکم شرعی ہوگا الخ(ت)

دربارہ استفاضہ یہ تحقیق علامہ شامی کی ہے اور اس تقدیر پر وُہ شرائط ضرور ہیں کہ صوم وعید بر بنائے حکم حاکمِ شرع عالم متبع احکام ہوا کرتا ہو، اور ایک صُورت یہ بھی متصوّر کہ دوسرے شہر سے جماعاتِ کثیرہ آئیں اور سب بالاتفاق بیان کریں کہ وہاں ہمارے سامنے لوگ اپنی آنکھ سے چاند دیکھنا بیان کرتے تھے جن کا بیان مورث یقین شرعی تھا ظاہر اس تقدیر پر وہاں کسی ایسے حاکم شرع کا ہونا ضرور نہیں کہ رؤیت فی نفسہا حجتِ شرعیہ ہے۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ۔[2]	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔(ت)

جب جماعت تواتر، جماعت تواتر سے اُن کی رؤیت کی ناقل ہے تو رؤیت بالیقین ثابت ہوگئی اور شہادت کی حاجت نہ رہی کہ اثباتِ احکام میں تواتر بھی قائم مقام شہادت بلکہ اُس سے اقوی ہے کہ شہادت. برخلاف تواتر آئے تو رَد کردی جائے اور نفی پر تواتر مقبول ہے اور شہادت نامسموع۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

ان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد علی ذلك بتواتر الاخبار۔[3]	اگر وہ تمام غیر ثقہ ہوں تب بھی تواتر خبر کی بنا پر اعتماد کیا جائے گا۔(ت)

درمختار میں ہے: شہادۃ النفی المتواتر مقبولۃ۔[4] (نفی متواتر کی گواہی مقبول ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی النوادر الثانی شہدا علیہ بقول او	نوادر میں امام ابویوسف سے مروی ہے کہ دو گواہوں نے

---

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ التاسعۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۲

[2] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الجرح والتعدیل نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۵۲۹

[4] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۸

فعل، یلزم علیه بذٰلك اجرة او بیع او کتابة اوطلاق اوعتاق او قتل او قصاص فی مکان او زمان اوصفات فبرھن المشھود علیه انه لم یکن ثمه یومئذ لاتقبل لکن قال المحیط فی الحادی والخمسین ان تواتر عند الناس وعلم الکل عدم کونه فی ذلك المکان والزمان لاتسمع الدعوی ویقضی بفراغ الذمة لانه یلزم تکذیب الثابت بالضرورۃ۔[1]	کسی کے خلاف اس کے قول یا فعل پر گواہی دی تو مکان، وقت اور صفات کو بیان سے مدعا علیہ پر الزام ثابت ہوجائے گا۔ جب یہ گواہی اجارہ، بیع، کتاب، طلاق، عتاق، قتل اور قصاص سے متعلق ہو، اور اگر مشہود علیہ گواہ قائم کرکے ثابت کرے کہ اس دن وہ وہاں موجود نہ تھا تو پھر گواہی مقبول نہ ہوگی۔ لیکن محیط میں مسئلہ ۵۱ کے تحت کہا کہ اگر لوگوں سے متواترًا ثابت ہو اور ہر کوئی جانتا ہو کہ یہ شخص اس وقت تک اس جگہ موجود نہ تھا تو اب دعوٰی قابلِ سماعت نہ ہوگا اور اسے بری الذمہ قرار دیا جائے گا ورنہ ثابت بالبداہت کی تکذیب لازم آئیگی (ت)

عقود الدریہ میں فتاوٰی صغیری سے ہے:

البینة اذاقامت علی خلاف المشھور المتواتر لاتقبل وھوان یشتھر ویسمع من قوم کثیر لایتصور اجتماعھم علی الکذب۔[2]	جب مشہور متواتر کے خلاف گواہ قائم ہوں تو انکی گواہی مقبول نہیں، مشہور متواتر وہ خبر ہے کہ اتنی کثیر قوم و کثیر لوگوں میں مشہور و مسموع ہو جن کا جُھوٹا ہونا متصور نہ ہوسکتا ہو۔ (ت)

کلامِ علماء مثلًا قول مذکور درمختار کے :لو استفاض الخبر فی البلدۃ الاخری [3] (اگر دوسرے شہر میں خبر مشہور ہوجائے۔ت) اور قولِ ذخیرہ:

قال شمس الائمة الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذااستفاض وتحقق فیما بین اھل البلدۃ الاخری یلزمھم حکم ھذہ البلدۃ اھ[4] وغیر ذٰلک۔	شمس الائمہ حلوائی نے کہا کہ ہمارے احناف کا صحیح مسلک یہ ہے کہ خبر مشہور متحقق ہوجائے تو اس شہر والوں پر بھی وُہ حکم لازم ہوجاتا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۴ /۴۳۱

[2] العقود الدریۃ کتاب الشہادۃ ومطالبہ ارگ بازار قندھار ۱/۳۶۱

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[4] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

بلا شبہ اس صورت کو بھی شامل، واللہ تعالٰی اعلم باحکامہ۔

طریق ششم: اکمالِ عدّت یعنی جب ایک مہینہ کے تیس ۳۰ دن کامل ہو جائیں تو ماہِ متصل کا ہلال آپ ہی ثابت ہو جائیگا اگرچہ اس کے لیے رویت شہادت حکم استفاضہ وغیرہ کچھ نہ ہو کہ مہینہ تیس ۳۰ سے زائد کا نہ ہونا یقینی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان غم علیکم فاکملوا العدّۃ ثلثین۔[1] رواہ الشیخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس ۳۰ کی تعداد مکمل کرو۔ اسے بخاری و مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ طریقہ صفائی مطلع کی حالت میں کافی ہے اگرچہ ہلال نظر نہ آئے جبکہ گزشتہ ہلال رؤیت واضحہ یا دو گواہان عادل کی شہادت سے ثابت ہولیا ہو، ہاں اگر ایک گواہ کی شہادت پر ہلالِ رمضان مان لیا اور اُس حساب سے تیس دن آج پُورے ہوگئے اور اب مطلع روشن ہے اور عید کا چاند نظر نہیں آتا تو یہ اکمالِ عدّت کافی نہ ہوگا بلکہ صبح ایک روزہ اور رکھیں کہ اگلے ہلال کا ثبوت حجت تامہ سے نہ تھا اور باوصف صفائیِ مطلع تیس کے بعد بھی چاند نظر نہ آنا صاف گواہ ہے کہ اس گواہ نے غلطی کی اور جبکہ وہ ہلال حجت تامہ دو گواہانِ عادل سے ثابت تھا تو آج بوصف صفائی مطلع نظر نہ آنا اس پر محمول ہوگا کہ ہلال بہت باریک ہے اور کوئی بخار قلیل المقدار خاص اُسی کے سامنے حاجب ہے جسے صفائی عامہ افق کے سبب نظر صفائی مطلع گمان کرتی ہے یا اس کے سوا کوئی اور مانع خفی خلاف معتاد ہے، ہاں اگر آج ابر غبار ہے تو مطلقاً تیس پُورے کرکے عید کرلیں گے اگرچہ ہلالِ رمضان ایک ہی شاہد کی شہادت سے مانا ہو کہ اب اس کی غلطی ظاہر نہ ہُوئی۔ تنویر میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر وبقول عدل لا۔[2]	دو۲ عادل گواہوں کی بناپر رمضان کے روزے تیس ہوجانے پر عید الفطر جائز ہے اور ایک عادل کی شہادت پر جائز نہیں (ت)

درمختار میں ہے:

نقل ابن الکمال عن الذخیرۃ انہ ان غم ھلال الفطر حل اتفاقا الخ[3] وتمام تحقیقہ فی ردالمحتار وما علقنا علیہ۔	ابن کمال نے ذخیرہ سے نقل کیا کہ اگر مطلع ابر آلود ہُوا تو عید بالاتفاق جائز الخ (ت) اسکی تمام تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے (ت)

---

[1] صحیح بخاری باب اذارایتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] تنویر الابصار مع درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

طریق ہفتم: علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے توپیں سُننے کو بھی حوالی شہر کے دیہات والوں کے واسطے دلائل ثبوت ہلال سے گنا۔ ظاہر ہے کہ یہاں بھی وہی شرائط مشروط ہوں گے کہ اسلامی شہر میں حاکمِ شرع معتمد کے حکم سے انتیس کی شام کو توپوں کے فائر صرف بحالتِ ثبوت شرعی رؤیت ہلال ہوا کرتے ہوں کسی کے آنے جانے کی سلامی وغیرہ کا اصلاً احتمال نہ ہو ورنہ شہر اگرچہ اسلامی ہو مگر وہاں احکام شرعیہ کی قدر نہیں احکام نہال بے خرد یا نیچری رافضی وغیرہم بد مذہبوں کے حوالے ہیں جنہیں نہ قواعد شرعیہ معلوم نہ اُن کے اتباع کی پروا، اپنی رائے ناقص میں جو آیا اس پر حکم لگادیا، توپیں چل گئیں، تو ایسی بے سروپا باتیں کیا قابل لحاظ ہو سکتی ہیں کما لایخفی، پھر جہاں کی توپیں شرعاً قابلِ اعتماد ہوں اُن پر عمل اہلِ دیہات ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عند التحقیق خاص اس شہر والوں کو بھی اُن پر اعتماد سے مفر نہیں کہ حاکم شرع کے حضور شہادتیں گزرنا اُس کا اُن پر حکم نافذ کرنا ہر شخص کہاں دیکھتا سُنتا ہے بحکم حاکم اسلام اعلان عام کے لیے ایسی ہی کوئی علامتِ معہودہ معروفہ قائم کی جاتی ہے جیسے توپوں کے فائر یا ڈھنڈورا وغیرہ۔

اقول: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ایسے اسلامی شہر میں منادی پر بھی عمل ہوگا حتی کہ اس کی عدالت بھی شرط نہیں جبکہ معلوم ہو کہ بے حکم سلطانی ایسا اعلان نہیں ہو سکتا۔ عالمگیریہ میں ہے:

خبر منادی السلطان مقبول عدلاکان او فاسقا کذافی جواھر الاخلاطی۔[1]	سلطان کے منادی کی خبر مقبول ہوگی خواہ منادی عادل ہو یا فاسق، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع اورؤیۃ القنادیل من المصر لانہ علامۃ ظاہرۃ تفید غلبۃ الظن وغلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل کما صرحوا بہ، واحتمال کون ذلک لغیر رمضان بعید، اذلا یفعل مثل ذلک عادۃ فی لیلۃ الشک الا لثبوت رمضان۔[2]	قلّت اور ظاہری یہی ہے کہ اہلِ دیہات پر شہر سے توپوں کی آواز اور قندیلوں کو دیکھنے سے روزہ لازم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ علامت ظاہرہ ہے اس سے غلبہ ظن حاصل ہوتا ہے اور غلبہ ظن، عمل کا موجب ہوتا ہے جیسا کہ فقہانے اس پر تصریح کی ہے، اور یہ احتمال کہ یہ عمل رمضان کے علاوہ کسی کام کے لیے ہو بعید ہے کیونکہ شک کی رات یہ عمل ثبوت رمضان کے علاوہ کسی اور کام کے لیے عادۃً نہیں ہوتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الاول فی العمل بخبر واحد نورانی کتب خانہ پشاور ۳۰۹/۵

[2] ردالمحتار، کتاب الصوم، مصطفی البابی مصر ۹۹/۲

منحۃ الخالق میں ہے:

لم یذکروا عندنا العمل بالامارات الظاھرۃ الدالۃ علی ثبوت الشھر کضرب المدافع فی زماننا والظاھر وجوب العمل بھا علی من سمعھا ممن کان غائبا عن المصر کاھل القری ونحوھا کما یجب العمل بھا علی اھل المصر الذین لم یروا الحاکم قبل شھادۃ الشھود وقد ذکر ھذا الفرع الشافعیۃ فصرح ابن حجر فی التحفۃ انہ یثبت بالامارۃ الظاھرۃ الدالۃ التی لاتتخلف عادۃ کرؤیۃ القنادیل المعلقۃ بالمنابر ومخالفۃ جمع فی ذٰلک غیر صحیحۃ اھ[1]	علماء نے یہ ذکر نہیں کیا کہ ہمارے نزدیک امارات ظاہر مثلاً ہمارے دَور میں توپوں کا چلنا جو ثبوتِ ماہ پر دال ہیں، پر عمل لازم ہے، اور ظاہر یہی ہے کہ اس پر شہر سے غائب، آواز سننے والے پر عمل واجب ہے مثلاً اہلِ دیہات وغیرہ پر جیسا کہ اس پر عمل کرنا ان اہل شہر کیلئے واجب ہے جنہوں نے گواہوں کی گواہی سے پہلے حاکم کو نہ دیکھا ہو، اور یہ جزئیہ شوافع نے بھی بیان کیا ہے ابنِ حجر نے تحفہ میں تصریح کی ہے کہ روزے کا ثبوت ان علاماتِ ظاہرہ سے ہوجاتا ہے جو عادۃً اس موقع پر معروف ہوں مثلاً مناروں پر معلق قنادیلِ روشن کا دیکھنا، اور کہا کہ ایک جماعت نے اس کی مخالفت کی ہے جو صحیح نہیں اھ (ت)

تنبیہ دربارہ ہلال غیر رمضان وشوال: جہاں دوسرے شہر کی رؤیت سے یہاں حکم ثابت کیا جائے جیسے دوم سے پنجم تک چار طریقوں میں اُن کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر وُہ دوسرا شہر اس شہر سے اس قدر مغرب کو نہ ہٹا ہو جس کے باعث رؤیت ہلال میں اختلاف پڑسکے جب تو وہ طریقے ہر ہلال میں کام دیں گے ورنہ غیر رمضان و شوال میں معتبر نہ ہوں گے یعنی اگر وہ شہر اس شہر سے اتنا غربی ہے جس کی مقدار بعض علماء نے یہ رکھی ہے کہ بہتر ۷۲ میل یا زیادہ اُس کا طول شرقی اس کے طول شرقی سے کم ہو اور وہاں کی رؤیتِ ہلال ذی الحجہ پر مثلاً شہادت یا شہادت علی الشھادت یا شہادت علی القضا گزری یا کتاب القاضی یا خبر متواتر آئی تو یہاں اس پر عمل نہ ہوگا بلکہ اپنے ہی شہر یا اس کے قریب مواضع یا شرقی بلاد سے اگرچہ کتنے ہی فاصلے پر ہوں ثبوت آنے پر مدار رکھیں گے، اور نہ ملا تو تیس کی گنتی پُوری کریں گے۔ ردالمحتار میں فرمایا:

یفھم من کلامھم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیہ معتبر فلا یلزمھم	کتاب الحج میں فقہاء کے کلام سے مفہوم ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے لہٰذا ان حجاج پر

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق، کتاب الصوم قبیل باب یفسد الصوم الخ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

شئی لو ظھر انه رؤی فی بلدة اخری قبلھم بیوم وھل یقال کذٰلك فی حق الاضحیة لغیر الحجاج لم ارہ والظاھر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیة وھذا بخلاف الاضحیة فالظاھر انھا کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بماعندھم فتجزئ الاضحیة فی الیوم الثالث عشروان کان علٰی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر۔[1]	کوئی شئی لازم نہ ہوگی، اگر یہ ظاہر ہُوا کہ فلاں شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا، کیایہی بات غیر حجّاج کے لیے قربانی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے یا نہیں؟ میرے مطالعہ میں اس کاجواب نہیں آیا لیکن ظاہر یہی ہے کہ معتبر ہے کیونکہ روزہ میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کیا جاتا کہ اس کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے بخلاف قربانی کے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقاتِ نماز کی طرح ہے کہ ہر قوم پر اپنے اپنے وقت کے مطابق لازم ہوگی توانکی تیرھویں کی قربانی کافی ہوجائے گی اگرچہ غیر کی رؤیت کے مطابق وہ چودھویں ہو۔(ت)

اقول: مگر صحیح اس کے خلاف ہے کلامِ علماء صاف مطلق وعام اور اس تخصیص میں بوجوہ کلام،

فان رسول اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم علل اسقاط اعتبار الحساب بانا امة امیّة لانکتب ولا نحسب۔[2] کما رواہ الشیخان وابوداؤد والنسائی وغیرھم عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما، وھذہ العلة تعم الاھلة وھذا وان کان خلاف القیاس فلا یمتنع الالحاق به دلالة وان امتنع قیاسا کما قد نص علیه العلماء ومنھم العلامة الشامی فی نفس ھذاالکتاب، ولا شك ان ذا الحجة کالفطر سواء بسواء،	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حساب وکتاب کی اسقاط کی علّت یہ بیان فرمائی کہ ہم امّی لوگ ہیں نہ لکھتے ہیں نہ حساب کرتے ہیں، جیساکہ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اور یہ علّت تمام چاندوں کو شامل ہے اور یہ اگرچہ قیاس کے مخالف ہے لیکن دلالۃً الحاق سے مانع نہیں اگرچہ قیاسًا مانع ہے جیسے کہ اس پر علماء نے تصریح کی ہے اور ان میں سے خود اس کتاب میں امام شامی نے بھی تصریح کی ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ذی الحجہ کا چاند بعینہٖ فطر کے چاند کے مطابق ہے

---

1 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

2 صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لانکتب ولانحسب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶، سنن ابی داؤد اول کتاب الصیام مطبع مجتبائی لاہور ۱/۳۱۷

وقد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفطر یوم یفطر الناس والا ضحی یوم یضحی الناس،[1] اخرجه الترمذی بسند صحیح عن ام الومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فطر کم یوم یفطرون و اضحا کم یوم تضحون،[2] رواہ ابوداؤد و البیہقی بسند صحیح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ فطر کا دن وہی ہے جس دن لوگوں نے افطار کیا اور قربانی اسی دن ہے جس دن لوگوں نے قربانی دی۔ ترمذی نے اسے صحیح سند کے ساتھ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے تمھاری فطر کا دن وہ ہے جس میں تم افطار کرو، اور تمہاری اضحٰی کا دن وہ ہے جس میں تم قربانی کرو۔ اسے ابوداؤد اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے (ت)
ثمّ اقول: هذاکله کلام معه علی تسلیم ان النوط بالرؤیۃ انما وردفی الصوم والفطر ولیس کذلك بل قد ثبت کذلك فی الاضحیۃ فقد اخرج ابوداؤد والدارقطنی عن امیر مکّۃ الحارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عهد الینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ننسك للرؤیۃ فان لم نرہ وشهد شاهد اعدل نسکنا بشهادتهما[3] قال الدارقطنی هذا اسناد متصل صحیح[4] فانقطع مبنی	**ثمّ اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) یہ تمام کلام اس صُورت میں ہے جب یہ تسلیم ہو کہ رؤیت پر مدار صرف صوم اور فطر کے بارے میں وارد ہے حالانکہ ایسی بات نہیں بلکہ اسی طرح ثبوت تو قربانی میں بھی ہے، امام ابوداؤد اور دارقطنی نے امیر مکہ حضرت حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس بارے میں یہ عہد لیا تھا کہ ہم چاند دیکھنے کی بناء پر قربانی کریں اور اگر ہم چاند نہ دیکھ سکیں اور دو۲ عادل آدمی گواہی دے دیں تو ان کی شہادت کی بناء پر قربانی کریں۔ دارقطنی نے فرمایا اسکی سند متصل اور صحیح ہے

1 الجامع للترمذی، باب ماجاء فی الفطر والاضحٰی متی یکون، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۹/۱

2 سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذااخطاء القوم الہلال مطبع مجتبائی لاہور ۳۱۸/۱

3 سنن الدارقطنی باب الشہادت علی رؤیۃ الہلال نشر السنۃ ملتان ۱۶۷/۲

4 سنن الدارقطنی باب الشہادت علی رؤیۃ الہلال نشر السنۃ ملتان ۱۶۷/۲

البحث من راسه واستبان الحق ولله الحمد اما ما تمسك به من مسئلة الحج فاقول لاحجة فيها فانهما فيما ارى لدفع الحرج العظيم ونظيره مافي التنوير والدر، تبين ان الامام صلی بغير طهارة تعاد الصلٰوة دون الاضحية لان من العلماء من قال لا يعيد الصلٰوة الا الامام وحده فكان للاجتهاد فيه مساغ زيلعي، كما لو شهدوا انه يوم العيد فصلو اثم ضحوا ثم بان انه يوم عرفة اجز أتهم الصلٰوة والتضحية لانه لايمكن التحرز عن مثل هذاالخطاء فيحكم بالجواز صيانة لجمع المسلمين زيلعی اھ[1] ملخصا مصححا، ثم رأيت بحمدالله التصريح به فی اللباب وشرحه بل فی نفس الشرح المتعلق به الدرالمختار حيث قال شهدوا بعد الوقوف بوقوفهم بعد وقته، لا تقبل شهادتهم والوقوف صحيح استحسانا حتی الشهود للحرج الشديد الخ[2] فقد ظهر الحق والحمد لله رب العالمين۔	تو بحث کی بنیاد ہی ختم ہوگئی اور حق واضح ہوگیا وللہ الحمد، رہا معاملہ مسئلہ حج سے استدلال، تو میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ میرے خیال کے مطابق حج کا مسئلہ دفع حرج عظیم پر مبنی ہے اوراس کی نظیر تنویر اور در میں ہے کہ اگر واضح ہوگیا کہ امام نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی تو نماز لوٹائی جائے گی نہ کہ قربانی، کیونکہ بعض علماء نے یہ فرمایا کہ نماز کا صرف امام ہی اعادہ کرے، تواب یہ مسئلہ اجتہادی قرار پایا، زیلعی۔ جیسا کہ گواہوں نے گواہی دی کہ یہ عید کا دن ہے تو لوگوں نے نماز پڑھی پھر قربانی دی، بعد میں واضح ہوا کہ یہ عرفہ کا دن تھا تو ان کی نماز اور قربانی جائز قرار دی جائے کیونکہ ایسی غلطی سے بچنا ممکن نہیں تو مسلمانوں کے اجتماع کے تحفظ کے پیش نظر جواز کا حکم یہی لگایا جائے گا زیلعی اھ ملخصًا مصححا، بحمداللہ پھر میں نے اللباب اور اس کی شرح بلکہ خود شرح درمختار کے مسئلہ سے متعلق درمختار میں تصریح دیکھی کہ اگر گواہوں نے وقوفِ عرفہ کے بعد گواہی دی کہ یہ وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور حاجیوں کا وقوف استحساناً صحیح ہوگا یہاں تک کہ گواہوں کا وقوف بھی صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئیگا الخ تواب حق ظاہر ہوگیا والحمد للہ رب العالمین۔

غرض ثبوت ہلال کے شرعی طریقے یہ ہیں، ان کے سوا جس قدر طُرق لوگوں نے ایجاد کئے محض باطل و مخذول و ناقابلِ قبول ہیں، خیالاتِ عوام کا حصر کیا ہو مگر آج کل جہّال میں غلط طریقے جو زیادہ رائج ہیں وُہ بھی

1 درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۲

2 درمختار باب الہدی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۳

سات ہیں:

یکم حکایتِ رؤیت: یعنی کچھ لوگ کہیں سے آئے اور خبر دی کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھا گیا وہاں کے حساب سے آج تاریخ یہ ہے ظاہر ہے کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے کہ اُنہوں نے خود نہ دیکھا، نہ شہادت علی الشہادت کہ دیکھنے والے ان کے سامنے گواہی دیتے اور انہیں اپنی گواہیوں کا حامل بناتے اور یہ حسبِ قواعدِ شرعیہ یہاں شہادت دیتے بلکہ مجرد حکایت جس کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں اگرچہ یہ لوگ بھی ثقہ معتمد ہوں اور جن کا دیکھنا بیان کریں وُہ بھی ثقہ مستند ہوں نہ کہ جہال، جہال میں تو یہ رائج ہے کہ کوئی آئے، کیسا ہی آئے، کسی کے دیکھنے کی خبر لائے اگرچہ خود اُس کا نام بھی نہ بتائے بلکہ سرے سے اُس سے واقف ہی نہ ہو، ایسی مہمل خبروں پر اعتماد کرلیتے ہیں۔ فتح القدیر و بحر الرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لو شهد جماعة ان اهل بلدة كذارأواهلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهذا اليوم ثلثون بحسابهم ولم يرهؤلاء الهلال لايباح فطر غد ولا تترك التراويح فى هذه الليلة لانهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وانما حكوا رؤية غيرهم۔[1]	اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے تم سے ایک دن پہلے چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن اُن کے حساب سے تیسواں بنتا ہو اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تھا تو ان کے لیے آئندہ دن افطار کی اجازت نہیں اور نہ یہ اس رات تراویح چھوڑ سکتے ہیں کیونکہ گواہوں نے نہ تو رؤیت پر گواہی دی اور نہ غیر کی رؤیت پر شہادت دی بلکہ انہوں نے رؤیت غیر کی حکایت کی ہے (ت)

دوم افواہ: شہر میں خبر اُڑ جاتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا، جاہل اسے تواتر و استفاضہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ جس سے پوچھئے سُنی ہُوئی کہتا ہے، ٹھیک پتا کوئی نہیں دیتا، یا منتہائے سند صرف دو ایک شخص ہوتے ہیں اسے استفاضہ سمجھ لینا محض جہالت ہے، اُس کی صورتیں وُہ ہیں جو ہم نے طریق پنجم میں ذکر کیں۔ منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

اعلم ان ا لامراد بالاستفاضة تواتر الخبر من الواردين من بلدة الثبوت الى بلدة التى لم يثبت بها، لا مجرد الاستفاضة لانها قد تكون مبينة على اخبار رجل واحد مثلا فيشيع الخبر عنه ولا شك ان هذا	واضح ہو کہ شہرت سے مراد چاند ہونے والے شہر سے دوسرے شہر میں آنے والے لوگوں کی خبر کا تواتر ہے محض شہرت کافی نہیں کیونکہ بعض اوقات کسی ایک آدمی کی خبر کی بناء پر مشہور ہوجاتا ہے اور یہ بلاشُبہ کافی نہ ہوگی کیونکہ فقہاء کا قول یہ ہے کہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۹، بحر الرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۷۰

لایکفی بدلیل قولھم اذااستفاض الخبر وتحقق فان التحقق لایکون الابما ذکرنا۔[1]	جب خبر مشہور اور متحقق ہو کیونکہ تحقق مذکورہ بات کے علاوہ ہو ہی نہیں سکتا۔(ت)

قیر کو بارہا تجربہ ہُوا کہ ایسی شہرتیں محض بے سروپا نکلتی ہیں اسی ذی الحجہ میں خبر شائع ہُوئی کہ آنولے میں چاند ہُوا ہے وہاں عامل لوگوں نے دیکھا اور فقیر کے ایک دوست کا خاص نام بھی لیا گیا، وُہ آئے اور خود اپنی رؤیت اور وہاں سب کا دیکھنا بیان کرتے تھے، فقیر نے اُن کے پاس ایک معتمد کو بھیجا وہاں سے جواب ملا کہ یہاں ابر غلیظ تھا نہ میں نے دیکھا نہ کسی اور نے دیکھا، پھر خبر اُڑی کہ شاہجہان پور میں تو ایک ایک شخص نے دیکھا فقیر نے وہاں بھی ایک معتمد ثقہ کو اپنے ایک دوست عالم کے پاس بھیجا انہوں نے فرمایا اس کا حال میں آپ کو مشاہدہ کرائے دیتا ہوں، اُن کا ہاتھ پکڑ کر شہر میں گشت کیا، دروازہ دروازہ دریافت کرتے پھرتے عید کب ہے، کہا جمعہ کی، کہا کیا چاند دیکھا، کہا کہ دیکھا تو نہیں، کہا پھر کیوں؟ اس کا جواب کچھ نہ تھا، شہر بھر سے یہی جواب ملا، صرف ایک شخص نے کہا میں نے منگل کو چاند دیکھا تھا اور میرے ساتھ فلاں فلاں صاحب نے بھی۔ اب یہ عالم مع اُن معتمد کے دوسرے صاحب کے پاس گئے اُن سے دریافت کیا، کہا وہ غلط کہتا تھا، اور خود ان دونوں صاحبوں کے ساتھ اُن گواہ صاحب کے پاس آئے، اب یہ بھی پلٹ گئے کہ ہاں کچھ یاد نہیں۔ پھر خبر گرم ہُوئی کہ رامپور میں چاند دیکھا گیا اور جمعہ کی عید قرار پائی، فقیر نے دو ثقہ شخصوں کو وہاں کے دو علمائے کرام اپنے احباب کے اپس بھیجا معلوم ہُوا وہاں بھی ابر تھا کسی نے بھی نہ دیکھا، اس بارے میں اتنا معلوم ہُوا کہ وہاں دو۲ شخص دہلی سے دیکھ کر آئے ہیں، ان علماء نے ان دو۲ شاہدوں کو بلا کر ان دو۲ ثقات کے سامنے شہادت دلوائی اور جو الفاظ فقیر نے انہیں لکھوادئے تھے وُہ ان سے کہلوا کر ان کو تحمیلِ شہادت کرائی اور دونوں عالم صاحبوں نے خود ان دونوں شہود اصل کا تزکیہ کیا، اب ان دونوں فرع نے یہاں آکر شہادت علی الشہادت حسبِ قاعدہ شرعیہ دی اُس وقت فقیر نے عید کا فتوی دیا، دیکھئے افواہِ اخبار کی یہ حالت ہوتی ہے، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

سوم خطوط واخبار: بڑی دوڑ یہ ہوتی ہے کہ فلاں جگہ سے خط آیا، فلاں اخبار میں یہ لکھا پایا، حالانکہ ہم طریق چہارم میں بیان کرچکے کہ حاکمِ شرع کا خاص مُہری دستخطی خط جس پر خود اس کی اور محکمہ دارالقضا کی مُہر لگی اور اُس کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہو، اور یہاں بھی حاکمِ شرع کے نام آئے، ہرگز بغیر دو۲ شاہدوں عادل کے جنہیں لکھ کر اپنی کتاب کا گواہ بنا کر خط سپرد کیا اور یہاں اُنہوں نے حاکمِ شرع کو دے کر شہادت ادا کی ہو، مقبول نہیں، پھر یہ ڈاک کے پرچے کیا قابل التفات ہوسکتے ہیں، اور اخبار گپیں تو اصلًا نام لینے کے بھی قابل نہیں۔ درمختار میں ہے: **لا یعمل بالخط**[2] (خط پر عمل

---

[1] منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق کتاب الصوم قبیل باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

[2] درمختار، باب کتاب القاضی الی القاضی، مطبع مجتبائی دہلی۔ ۲/ ۸۳

نہیں کیاجائے گا۔ت) ہدایہ میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلم یحصل العلم**[1] (تحریر، دوسری تحریر کے مشابہ ہوسکتی ہے توعلم قطعی حاصل نہ ہوا۔ت)

چہارم تار: یہ خط سے بھی زیادہ بے اعتبار، خط میں کاتب کے ہاتھ کی علامت تو ہوتی ہے، یہاں اُس قدر بھی نہیں، تواس پر عمل کو کون کہے گا مگر اجہل سا اجہل جسے علم کے نام سے بھی مَس نہیں، فقیر نے اس کے رَد میں ایک مفصل فتوٰی لکھا اور بحمد اللہ تعالٰی اس پر ہندوستان کے بکثرت علماء نے مُہریں کیں کلکتے میں چھپ کر شائع ہوا تھا، گنگوہی مُلّا نے اپنے ایک فتوٰی میں تار کی خبر اسباب میں معتبر ٹھہرائی اور اُسے تحریر خط پر قیاس کیا تھا کہ تار کی خبر مثل تحریر خط کے ہے کیونکہ تحریر میں حروف اصطلاحی ہیں جس سے مطلب معلوم ہوجاتا ہے خواہ بحرکتِ قلم پیداہوں خواہ کسی لاٹھی یا بانس طویل کی حرکت سے (الٰی **قولہ**) بہر حال خبر تار کی مثل خط ہے اور معتبر ہے، یعنی خط میں قلم سے لکھتے ہیں تار دینا ایسا ہے کہ کسی بڑے بانس سے جوہزاروں کوس تک لمبا ہے لکھ دیا تو جیسے وہ معتبر ہے ویسے ہی یہ، بلکہ یہ توزیادہ معتبر ہونا چاہئے کہ وہاں چھوٹا سا قلم ہے اور یہاں اتنا بڑا بانس، تواعتبار بھی اسی نسبت پر بڑھنا چاہئے، شملہ بہ مقدار قلم، قیاس تو اچھا دوڑا تھا مگر افسوس کہ شرعًا محض مردود وناکام رہا۔ اوّلًا: خط وتار میں جو فرق ہیں ہم نے اپنے فتوٰی مفصلہ میں ذکر کئے جو اس قیاس کو ازبیخ برکندہ کرتے اور ان سے قطع نظر بھی کیجئے تو بحکم شرع خط ہی پر عمل حرام، پھر اس بانس کے قیاس کا کیا کام، حکم مقیس علیہ میں باطل ہے تو مقیس آپ ہی عاری وعاطل ہے، مولوی صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں خط وتار کو بے اعتبار ہی ٹھہرایا اور اس حکم میں حق کی موافقت کی مگر یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ خبر تار یا خط بدرجہ کثرت پہنچ جائے تو اس پر عمل ہوسکتا ہے، اسے استفاضہ میں داخل سمجھنا صریح غلط، استفاضے کے معنے جو علماء نے بیان فرمائے تھے وُہ تھے کہ طریق پنجم میں مذکور ہُوئے، متعدد جماعتوں کا آنا اور یک زبان بیان کرنا چاہئے، یہاں اگر متعدد جگہ سے خط یا تار آئے بھی تو اوّلًا وہ اُن وجوہ ناجوازی سے جنہیں ہم نے اس فتوٰی میں مفصلًا ذکر کیا ہرگز بیان مقبول کے سلسلے میں نہیں آسکتے، ڈاک کے منشی، تار کے بابو، چٹھی رساں اکثر کفار یا عمومًا مجاہیل یافساق فجار ہوتے ہیں، اور بفرضِ باطل آئیں بھی تو یہ تعدد مخبر عنہ میں ہوا نہ کہ مخبرین میں کہ یہاں تار لینے والے بابو اگر مسلمان ثقہ ہوں بھی تو ہرگز اتنی جماعاتِ متعددہ نہ ہوں گی جن کی اخبار پر یقینِ شرعی حاصل ہو بلکہ عامہ بلاد میں صرف دو ایک ہی تار گھر ہوتے اور صدر ڈاک خانہ تو ایک ہی ہوتا ہے اگرچہ بڑے شہر میں تقسیم کے لیے دو چار برانچ اور بھی ہوں، بہر حال یہ خط یا تار ہم کو تو معدود ہی شخصوں کے ذریعہ سے ملیں گے پھر استفاضے سے کیا علاقہ ہُوا، کیا اگر زید آکر کہہ دے کہ فلاں جگہ لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا تو یہ خبر مستفیض

[1] ہدایہ باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۹

کھلائے گے ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔

پنجم جنتریوں کا بیان: کہ فلاں دن پہلی ہے، اول بعض علمائے شافعیہ وبعض معتزلہ وغیرہم کا خیال اس طرف گیا تھا کہ مسلمان عادل منجموں کا قول اس بارے میں معتبر ہوسکتا ہے اور بعض نے قید لگائی تھی کہ جب اُن کی ایک جماعت کثیر یک زبان بیان کرے کہ فلاں مہینے کی یکم فلاں روز ہے تو مقبول ہونے کے قابل ہے اگرچہ واجب العمل کسی کے نزدیک نہیں، مگر ہمارے ائمہ کرام اور جمہور محققین اعلام اسے اصلاً تسلیم نہیں فرماتے اور اس پر عمل جائز ہی نہیں رکھتے اور یہی حق ہے کہ حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحیح حدیث میں یہاں قولِ منجمین سے قطع نظر وعدمِ لحاظ کی تصریح فرماچکے، پھر اب اُس پر عمل کا کیا محل۔ درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولوعدولا علی المذہب۔[1]	صحیح مذہب کے مطابق اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولایجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ۔[2]	بلکہ معراج میں ہے کہ اہلِ توقیت کا قول بالاجماع معتبر نہیں اور منجمین کے لیے جائز نہیں کہ وُہ اپنے حساب پر عمل پیرا ہوں(ت)

جب منجمین مسلمین ثقات عدول کے بیان کا یہ حال تو آجکل کی جنتریوں جو عموماً ہنود وغیرہم کفار شائع کرتے ہیں یا بعض نیچری نام کے مسلمان یا بعض مسلمان بھی، تو وُہ بھی انہی ہندوانی جنتریوں کی پیروی سے، کیا قابلِ التفات ہوسکتی ہیں؟ فقیر نے بیس ۲۰ برس سے بڑی بڑی نامی جنتریاں دیکھیں، اول مصرانی ہیئت ہی ناقص ومختل ہے پھر ان جنتری سازوں کو اس کی بھی پُوری تمیز نہیں، تقویماتِ کواکب میں وہ وہ سخت فاحش غلطیاں دیکھنے میں آئیں جن میں کوئی سمجھ دار بچّہ بھی نہ پڑتا پھر یہ کیا اور ان کی جنتری کیا، اور ان کی دوج اور پروا کی کسے پروا!

ششم قیاسات وقرائن: مثلاً چاند بڑا تھا روشن تھا دیر تک رہا تو ضرور کل کا تھا، آج بیٹھ کر نکلا تو ضرور پندرھویں ہے، اٹھائیسویں کو نظر آیا تھا مہینہ تیس کا ہوگا، اٹھائیسویں کو بہت دیکھا نظر نہ آیا مہینہ انتیس کا ہوگا۔ یہ قیاسات تو حسابات کی وقعت بھی نہیں رکھتے، پھر ان پر عمل محض جہل وزلل۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب الصّوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰

من اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قُربِ قیامت کی علامات سے ہے کہ ہلال پُھولے ہوتے نکلیں گے۔ یعنی دیکھنے میں بڑے معلوم ہوں گے۔ (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا ویقال ھو للیلتین۔[2] رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علاماتِ قیامت سے ہے کہ چاند بے تکلف نظر آئے گا کہا جائیگا دو۲ رات کا ہے (اسے طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سعید بن فیروز سے ہے:

قال خرجنا للعمرۃ فلما نزلنا ببطن نخلۃ قال تراء ینا الھلا ل فقال بعض القوم ھو ابن ثلاث وقال بعض القوم ھو ابن لیلتین فقال ایّ لیلۃ رأیتموہ قال قلنا لیلۃ کذا وکذا، فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدہ للرؤیۃ فھو للیلۃ رأیتموہ۔[3]	ہم عمرے کو چلے جب بطنِ نخلہ میں اُترے ہلال دیکھا، کوئی بولا تین رات کا ہے، کسی نے کہا دو۲ رات کا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ملے اُن سے عرض کی کہ ہم نے ہلال دیکھا، کوئی کہتا ہے تین شب کا مدار ہے کوئی دو شب کا۔ فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں شب۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے تو وُہ اسی رات کا ہے جس رات نظر آیا۔

ہفتم کچھ استقرائی کچھ اختراعی قاعدے: مثلاً رجب کی چوتھی رمضان کی پہلی ہوگی۔ رمضان کی پہلی ذی الحجہ کی دسویں ہوگی۔ اگلے رمضان کی پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوگی۔ چار مہینے برابر تیس تیس کے ہوچکے ہیں یہ ضرور انتیس کا، تین پے درپے انتیس کے ہُوئے ہیں یہ ضرور تیس کا ہوگا۔ ان کا جواب اسی قدر میں ہے: مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ[4] (حق سبحانہ نے ان باتوں پر کوئی دلیل نہ اتاری۔) وجیز امام کردری میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۴۵۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۴۴

[2] کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط، حدیث ۳۸۴۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۱۴/ ۲۲۰

[3] صحیح مسلم باب بیان انہ لااعتبار بکبر الھلال وصغرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۸

[4] القرآن ۱۲/ ۴۰

شهر رمضان جاء یوم الخمیس لایضحی ایضا فی یوم الخمیس مالم یتحقق انه یوم النحر، وما نقل عن علی رضی الله تعالٰی عنه ان یوم اول الصوم یوم النحر لیس بتشریع کلی بل اخبار عن اتفاق فی هذه السنة وکذاما هو الرابع من رجب لایلزم ان یکون غرة رمضان بل قد یتفق۔[1]	رمضان کا مہینہ جمعرات کو شروع ہُوا تو یوم خمیس کو قربانی جائز نہ ہوگی جب تک اس بات کا ثبوت نہ ہوجائے کہ یہ قربانی کا دن ہے، اور جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ روزے کا پہلا دن عید کا دن ہوتا ہے، یہ شریعت کا قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اس سال اتفاقاً ایسا ہوجانے کا بیان ہے۔ اسی طرح جو رجب کا چوتھا دن ہے لازم نہیں وہ رمضان کا پہلا دن ہو ہاں کبھی ایسا اتفاقاً ہوجاتا ہے(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

ما یروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذلك العام بعینه دون الابدلان من اول یوم رمضان الی غرة ذی الحجة ثلاثة اشهر فلا یوافق یوم النحر یوم الصوم الاان یتم شهر ان من الثلثة وینقص الواحد فاذا تمت الشهور الثلثة تتأخر عنه واذا نقصت الشهور الثلثة اوشهران تقدم علیه فلا یصح الاعتماد علی هذا۔[2]	یہ جو مروی ہے کہ تمھاری عید کا دن تمہارے روزے کا دن ہے، یہ ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ معین سال میں ایسا واقعہ ہوا تھا کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کے پہلے دن تک تین ماہ ہوتے تو یوم نحر اور یوم صوم میں موافقت نہیں ہوسکتی مگر اس صورت میں کہ جب ان تین ماہ میں سے دو کامل ہوں اور ایک ناقص، اب اگر تینوں ماہ کامل ہوتے ہیں تو اس سے تاخر ہوگا اور اگر تین یا دو ناقص ہوجاتے ہیں تو پھر اس پر تقدم ہوگا لہذا اس پر اعتماد درست نہیں۔(ت)

یہ کلام اجمالی بقدر کفایت ہے اور ان احکام کی تفصیل تام رسائل و مسائلِ فقیر میں ہے وبالله التوفیق، والله تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از پیلی بھیت مسئولہ عبدالجلیل سوداگر ۱۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب مکرم دام اکرامکم بعد ہدیہ سلام سنّت الاسلام کے گزارش یہ ہے کہ اس مرتبہ

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۹۲/۴

[2] خزانۃ المفتین، کتاب الصوم، قلمی نسخہ، ۱/۶۰

رمضان المبارک کے چاند میں اختلاف ہو کر عیدالفطر میں اکثر اتفاق ہوگیا ہے، چنانچہ بریلی میں بھی جمعہ کی عید ہوئی، سنا گیا ہے کہ آپ نے پنجشنبہ کی شام کو بعد مغرب ارشاد فرمایا تھا کہ چونکہ آج ۳۰ رمضان المبارک ہے اس وجہ سے ہم تراویح نہیں پڑھیں گے اور کل سے بروز جمعہ روزہ نہیں رکھیں گے لیکن دوسروں کو حکم نہیں دیتے ہیں، بعد کو شہادتوں سے چاند رمضان کا منگل کے دن ثابت ہو کر پنجشنبہ کو ۳۰ رمضان قرار پائی اور جمعہ کو عید ہُوئی، کارڈ ثانی پر جلد تحریر فرمائیے کہ آپ کا یقین مردوں کی باتوں پر تھا یا ذریعہ اطمینان کوئی اور تھا اور شہادتیں مصر سے آئے ہُوئے لوگوں کی ہیں یا ہندوستان سے کس مقام سے تحقیق ہوا اس لیے تصدیق کیا جاتا ہے کہ آئندہ کو کام آئے۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہاں نہ منگل کو ہلال رمضان دکھائی دیا نہ پنجشنبہ کو ہلالِ عید، ابر تھا اور بہت گھرا، شبِ جمعہ میں میں نے تراویح پڑھیں اور صبح روزہ کی نیت کی تھی کہ دفعۃً مصر سے کچھ لوگوں کے آنے کی خبر سُنی جنہوں نے وہاں ہلالِ رمضان منگل کی شام کو دیکھا تھا وُہ بُلائے گئے اور اُنہوں نے شہادتیں دیں اور پوری تنقیح کی گئی اور رات کے ایک بجے صبح عید کا حکم دیا گیا اور اُسی وقت سے شہر و شہر کُہنہ واطرافِ شہر میں اعلان کیا گیا، یُوں یہاں جمعہ کی عید ہُوئی ورنہ افواہیں تو پہلے سے سُنی جاتی تھیں جن پر حکم نہیں ہو سکتا تھا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵: از منڈی افریقہ مسئولہ حاجی عبداللہ حاجی یعقوب ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

منڈی شہر میں سب آدمی مذہب شافعی ہیں اور حنفی مذہب والے ہم چند آدمی ہیں، اب یہاں پر روزے ۲۹ ہُوئے، ۳۰ کی رات کو ابر بہت ہونے کے سبب سے چاند دیکھنے میں نہیں آیا لیکن بعد نماز مغرب کے تین شہروں سے ٹیلی گراف آئے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے شوال کا، اور کل عید ہے، لیکن یہاں کے قاضی صاحب نے ٹیلی گراف کی خبر کو قبول نہ کیا اور تراویح کی نماز پڑھی اور پڑھائی اور روزہ بھی سب سے رکھایا، لیکن جب سورج طلوع ہوا، بعد دو[۲] ساعت کے منڈی شہر کے آس پاس کے باغیچوں سے آدمی آئے اُنہوں نے گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا، تب قاضی صاحب نے شاہدوں سے گواہی لے کر روزہ کھولنے کا حکم دیا، تب تمام آدمیوں نے روزہ توڑ دیا اور خود بھی قاضی صاحب نے روزہ توڑ دیا، اُس دن بہت دیر ہونے کے سبب سے عید کی نماز نہیں پڑھی گئی دُوسرے دن عید کی نماز ہُوئی، اب ہم کو دُوسرے آدمی کہتے ہیں کہ ہم کو ایک روزہ قضا کرنا چاہئے۔ اب ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا ہم کو ایک روزہ قضا کرنا پڑے گا؟

الجواب:

تاربرقیوں پر کہ قاضی نے اعتبار نہ کیا بہت صواب کیا، ایسا ہی چاہئے تھا، دربارہ ہلال خط یا تار کا کچھ اعتبار نہیں، صبح کو جو چند شہادتیں گزریں وہ لوگ اگر ثقہ اور ہلال عید میں قابلِ شہادت تھے اور اتنے فاصلہ پر تھے

کہ رات کو آکر گواہی نہ دے سکتے تھے تو اُن کی گواہی مان کر روزہ کھولنے کا حکم دینا بھی صحیح ہے اور اُس روزہ کی قضا نہیں کہ ثبوتِ شرعی سے ثابت ہوگیا کہ وہ روزِ عید تھا نہ کہ روزہ رمضان کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہرت واستفاضہ جو در بارہ ہلال شرعاً معتبر ہے اُس کے کیا معنی ہیں؟ اور مجرد شیوع واشتہار خبر کافی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ مدارِ کار حقیقۃً رؤیت پر ہے وبس،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ۔[1] اخرجہ الشیخان و غیرھما والحدیث مشھور مستفیض۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھنے پر عید کرو۔ اسے بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے روایت کیا، اور یہ حدیث مشہور و معروف ہے (ت)

اور رؤیت کا ثبوت شہادت سے منوط فان البینۃ کاسمھا مبینۃ (کیونکہ بینہ (گواہ) اپنے نام کی طرح واضح کرنیوالے ہیں۔ت) اور شہادت کی حلّت رؤیت سے مربوط اذلا شھادۃ الاعن شھود (کیونکہ شہادت معائنہ کرنیوالوں کے بغیر نہیں ہوتی۔ت) شہادت علی الشہادت والشہادت علی القضاء مقبول ہوتی ہے اُن کی وجہ قبول یہی ہے کہ وُہ مثبت شہادت معائنہ ہیں،

اما الاولی فظاھر واما الاخری فلانہ لاحکم الاعن شھادۃ ومثبت المثبت مثبت۔	پہلی صورت تو واضح ہے، رہی دُوسری تو وہ اس لیے کہ حکم شہادت کی بنا پر ہی ہوسکتا ہے اور مثبت کو ثابت کرنے والا مثبت ہی ہوتا ہے (ت)

توہر وُہ گواہ کہ ان امور سے خالی ہو زنہار قابل قبول نہیں، مثلاً ایک جماعت ثقات عدول یُوں گواہی دے کہ فلاں جگہ چاند ہُوا یا فلاں دن اُس شہر والوں نے روزہ رکھا یا آج اُن کے حساب سے فلاں تاریخ ہے ہرگز نہ مانیں گے یہاں تک کہ جو اس پر عمل کرے گا گناہگار ہوگا کہ یہ نہ شہادت رؤیت ہے، نہ شہادت علی الشادت، نہ شہادت علی القضا، بلکہ مجرد حکایت ہے جو کسی طرح حجت نہیں۔ فتح القدیر و فتاوٰی عٰلمگیریہ میں ہے:

انما یلزم الصوم علی متأخری الرؤیۃ	تاخیر سے چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوگا

[1] صحیح بخاری باب اذا رأیتم الہلال فصوموا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولٰئك بطریق موجب حتی لو شھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذا رأوا ھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھٰؤلاء الھلال لایباح فطر غد ولا ترك التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لھم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1]	تاخیر سے چاند دیکھنے والوں پر روزہ تب لازم ہوگا جب ان کے ہاں چاند کا ثبوت بطریق موجب شرعی ہو حتی کہ اگر کسی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہل شہر نے تم سے پہلے ایک دن چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا ہے اور یہ دن ان کے حساب سے تیسواں بنتا ہے، لیکن انہوں نے چاند نہیں دیکھا تو ان کے لیے آئندہ کل عید جائز نہیں اور نہ ہی اس رات کی وُہ تراویح ترک کرسکتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے چاند کے دیکھنے پر گواہی نہیں دی اور نہ غیر کے چاند دیکھنے کی گواہی پر گواہی دی ہے اُنھوں نے دُوسروں کی رؤیت کو حکایت کیا ہے(ت)

ہاں اگر رؤیت شہر دیگر کی خبر اُس حدِ شہرت واستفاضہ کو پہنچے جو باعثِ ثبوت رؤیت یقینی و محقق ہوجائے تو صحیح یہ ہے کہ اعتبار کریں گے، ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ قال شمس الائمۃ الحلوانی الصحیح من مذھب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض وتحقق فیما بین اھل البلدۃ الاخری یلزمھم حکم ھذہ البلدۃ اھ ومثلہ فی الشرنبلالیۃ عن المغنی۔[2]	ذخیرہ میں ہے کہ شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہمارے احناف کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب دوسرے شہر میں خبر مشہور و متحقق ہو تو تب ان پر اس شہر کا حکم لازم ہوگا اھ شرنبلالیہ میں المغنی کے حوالے سے اسی طرح ہے۔(ت)

مگر حاشا مجرد شیوع و شہرت کافی نہیں کہ صدہا خبریں خصوصاً آج کل ایسی اڑتی ہیں جن کا تمام شہر میں چرچا ہوتا ہے، پھر تجربہ گواہ ہے کہ بعد تنقیح محض بے اصل نکلتی ہیں انہیں افواہ کہتے ہیں، نہ استفاضہ شرعیہ، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایسا چرچا محض نامعتبر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو، اختیار شرح مختار میں یوم الشک کی نسبت لکھا:

ذٰلك بان یتحدث الناس بالرؤیۃ ولا تثبت۔[3]	وہ یہ ہے کہ لوگوں میں رؤیت کا چرچا ہو مگر ثبوت نہ ہو۔(ت)

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳، فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

[3] الاختیار لتعلیل المختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱/۱۳۰

واقعی ایسی خبروں کی ظاہری شوکت عام لوگوں کو دھوکا دیتی ہے مگر تفتیش کے بعد کھلتا ہے کہ حقیقت امر کیا ہے یا ان کی ٹھیک سند منتہی تک ملتی ہی نہیں، جس سے پُوچھئے سُنا، کہے گا، بعض اپنے مخبر کا نام بھی بتائیں اُن مخبر سے پُوچھئے وہ سُنا کہہ کر چُپ رہیں گے، یا بہزار کاوش و عرق ریزی اصل نکلی تو اتنی کہ فلاں کا خط آیا فلاں نے تار دیا چند مسافر معقول صورت ملے، کہتے تھے فلاں شہر میں لوگوں نے دیکھا ہمارا فلاں قریب اُس شہر بعید سے آیا بیان کیا وہاں ہزاروں نے دیکھا، ہزاروں کا لفظ تو بیشک ہے مگر یہ نہ دیکھا کہ منقول عنہم میں میں ہے یا ناقل میں، غرض ایسی افواہ و حکایات شرعًا قابلِ التفات بھی نہیں، نہ ان کی بناپر کوئی حکم ثابت ہو، ولہٰذا امام شمس الائمہ وذخیرہ ومغنی وامداد کا ارشاد سُن چکے کہ ہمارے ائمہ نے صرف استفاضہ واشتہار کافی نہ جانا بلاکلہ اُس کے ساتھ تحقیق ہو جانے کی قید زیادہ فرمائی۔ علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

اما خبر التواتر من الناس لبعضهم بعضا بذٰلك فهو ممنوع لاسناد الكل فيه الى الظن والتوهم والتخمين واستفاضة الخبر من بعضهم لبعض بحيث لوسألت كل واحدمنهم عن رؤية ذٰلك و معاينته لقال لم اعاينه وانما سمعت، ومن قال عاينته تستكشف عن حاله فتراه مستندالٰى ظنون وامارات وهمية وعلامات ظنية و ربما اذا تأملت وتفحصت وجدت خبرذٰلك التواتر الذى تزعمه كله مستند افى الاصل الى خبرواحد او اثنين[1] الٰى اٰخرماافادواجاد رحمه الله تعالٰى۔	کسی خبر کو لوگوں میں سے بعض کا بعض سے تواتر نقل کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس سلسلہ میں ان میں سے ہر ایک کی نسبت ظن، وہم اور تخمین کی ہے، اور خبر کا ایک دوسرے سے اس طرح مشہور ہونا کہ اگر ان میں سے ہر ایک سے پُوچھا جائے کہ تُونے دیکھا ہے اور مشاہدہ کیا ہے تو وُہ کہے گا میں نے مشاہدہ تو نہیں کیا ہاں سُنا ہے، اور جو کہے میں نے مشاہدہ کیا ہے تو اس کا حال معلوم کیا جائے گا تو اسے علاماتِ ظنیہ اور اماراتِ وہمیہ اور ظنیات کو سند بنائے ہوئے پائیگا اور اکثر طور پر ایسا ہوتا ہے کہ تو غور وتلاش کرے تو وُہ خبر جس کو تُو متواتر مستند گمان کر رہا تھا وہ اصل میں ایک یا دو[2] کی خبر ہوتی ہے الخ انہوں نے جو کہا خوب کہا اللہ تعالٰی ان پر رحمتیں نازل فرمائے (ت)

اور یہ زعم ہم کو تو یقین ہو گیا صحیح نہیں، یقین وُہ ہے جو حجتِ شرعیہ سے ناشئی ہو، یُوں تو ایک جماعت ثقات عدول کی وقعت ان چند مجہولوں یا ساقطوں یا تار وخطوط کی اوہام وضبوط سے کیا کم تھی، انصاف کیجئے تو بدر جہازائد تھے

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف التسعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۵۲۱

پھر کیوں علمائے دین نے اسکی بے اعتباری کی تصریح فرمائی،

کمامر نقله عن الهندية والفتح ونحوه فی البحر الرائق والدر المختار ومجمع الانهر وغيرها من الاسفار۔	جیساکہ ہندیہ اور فتح کے حوالے سے گزرچکا، اسی طرح بحرالرائق، درمختار، مجمع الانہر اور دیگر کتبِ معتمدہ میں ہے۔(ت)

بلکہ وہ استفاضہ جو شرعًا معتبر ہے اُس کے معنی یہ ہیں کہ اُس شہر سے گروہ کے گروہ متعدد جماعتیں آئیں اور سب بالاتفاق یک زبان بیان کریں کہ وہاں فلاں شب چاند دیکھ کر لوگوں نے روزہ رکھا یہاں تک کہ اُن کی خبر پر یقین شرعی حاصل ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنى الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون كل منهم يخبر عن اهل تلك البلدة انهم صاموا عن رؤية لامجرد الشيوع من غير علم بمن اشاعه كما قد تشيع اخبار يتحدث بها سائر اهل البلدة ولا يعلم من اشاعها كما ورد ان فی اٰخر الزمان يجلس الشيطان بين الجماعة فيتكلم بالكلمة فيتحدثون بها ويقولون لاندری من قالها فمثل هذا لا ينبغی ان يسمع فضلا من ان يثبت به حكم اھ (**قلت**) وهو كلام حسن ويشير اليه قول الذخيرة اذا استفاض وتحقق فان التحقق لايوجد بمجرد الشيوع۔[1]	شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کامفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور تمام اس بات کی اطلاع دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو، جیساکہ بعض اوقات بہت سی باتیں شہر میں پھیل جاتی ہیں لیکن وہ یہ نہیں جانتے ہوتے کہ انہیں کس نے پھیلایا ہے، جیساکہ حدیث میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان لوگوں کے درمیان آکر بیٹھے گا اور وہ کچھ گفتگو کرے گا تو لوگ وہ گفتگو بیان تو کریں گے مگر کہیں گے ہمیں علم نہیں کہ یہ بات کس نے کی ہے، ایسی بات تو قابلِ سماعت ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ اس سے حکم ثابت ہواھ (**میں کہتا ہوں**) یہ کلام نہایت ہی خوبصورت ہے اور ذخیرہ کا یہ قول کہ "جب خبر مشہور و متحقق ہوتو تب لازم ہے ورنہ محض شہرت ثبوت نہیں ہوتا" بھی اسی کی طرف اشارہ کررہاہے۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

الشھادۃ بان اھل البلدۃ رأوا الھلال وصاموا لانھا لا تفید الیقین فلذا لم تقبل الااذا کانت علی الحکم اوعلی شھادۃ غیرھم لتکون شھادۃ معتبرۃ والافھی مجرد اخبار بخلاف الاسفاضۃ فانھا تفید الیقین۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	اس بات پر گواہی کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے چونکہ مفید یقین نہیں اس لیے گواہی مقبول نہیں، البتہ اس صورت میں جب قاضی کے فیصلہ ہو یا غیر کی گواہی پر گواہ ہوں تاکہ یہ شہادت معتبرہ قرار پائے تو مفید یقین ہے ورنہ یہ محض خبر ہوگی بخلاف استفاضہ، کیونکہ وہ مفید یقین ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۷: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

رمضان شریف کا چاند غبار یا ابر ہونے کی حالت میں صرف ایک شخص نے دیکھا اور قاضی نے اُس پر فتوٰی چاند ہونے کا دے دیا اب کیا غرہ شوال اُس سے تیس دن پُورے ہوجانے پر ثابت ہوجائے گا گو چاند بوجہ غبار یا ابر کے اُس رات کو نظر نہ آئے یا ایسا ایک سے زائد عادل گواہ ہونے پر کیا جاسکتا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ ہلال ماہ مبارک بوجہ غبار ایک کی شہادت سے مان کر ۳۰ روزے پُورے کئے اور ہلالِ شوال بوجہ ابر نظر نہ آیا تو صحیح یہ ہے کہ بالاتفاق اس صورت میں عید کرلی جائے، ہاں اگر تیس ۳۰ روزوں کے بعد مطلع صاف ہُوا اور عید کا چاند نظر نہ آئے اور رمضان کا چاند شاہد واحد کے قول پر مانا تھا تو راجح یہ ہے کہ عید نہ کریں گے اور اگر دو ۲ عادلوں کی گواہی سے روزے رکھے تھے تو قول ارجح پر ۳۰ کے بعد عید کرلیں گے اگر مطلع صاف ہو اور ہلال نظر نہ آئے، درمختار میں ہے:

بعد صوم ثلثین بقول عدلین حل الفطر۔[2] (اتفاقا ان کانت لیلۃ الحادی والثلثین متغیمۃ وکذا لوکان مصحیۃ علی ماصححہ فی الدرایۃ والخلاصۃ و البزازیۃ وفی الفیض الفتوی	دو ۲ عادل آدمیوں کی گواہی پر رمضان کے روزے رکھنے شروع کئے تھے تو ۳۰ روزوں کے بعد عید جائز ہوتی ہے (اتفاقاً اگر اکتیسویں رات ابر آلود ہو اور اگر مطلع صاف ہو پھر بھی درایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق یہی حکم ہے اور فیض

---

1 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳-۱۰۲

2 درمختار کتاب الصوم قبیل مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

علی حل الفطر اھ [1] شامی) ولوصاموابقول عدل لایحل علی المذھب کذاذکرہ المصنف لکن قول الفطر حل اتفاقا وفی الزیلعی الاشبہ ان غم حل والالا اھ [2] وتنقیحہ فی ردالمحتار وماعلقنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے کہ فتوٰی اسی قول پر ہے ک عیدالفطر جائز ہوگی اھ شامی) اواگرایک عادل کے قول پرانہوں نے روزہ رکھناشروع کیا تھا تو صحیح مذہب پر عید کرنا درست نہیں، مصنف نے اسی طرح اسے ذکر کیا ہے لیکن ابن کمال نے ذخیرہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اگر چاند رات مطلع ابرآلود ہو تو بالاتفاق عید جائز ہے، زیلعی میں ہے کہ مشابہ بالحق یہ ہے کہ اگر مطلع ابرآلود ہو تو عید جائز، ورنہ جائز نہیں اھ اس کی تفصیل ردالمحتار اور اس پر ہمارے حواشی میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۸: ازافضل گڑھ ضلع بجنور مرسلہ یوسف خاں وغیرہ ۲۶رمضان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذامیں کہ چاند شعبان کااکثر جگہ دیکھااور بہت سے آدمیوں نے نہیں دیکھامثلاً قصبہ افضل گڑھ میں تخمیناً پندرہ بیس آدمی اقراری چاند دیکھنے یک شنبہ کے ہیں باقی تمام قصبہ خلاف ہے یعنی باقی نے نہیں دیکھا، اب رمضان شریف میں ابرمحیط رہااُسی بناپر ۳۰یوم پُورے کرکے روزہ ہردوفریق نے رکھا، تھوڑے فریق نے ایک یوم پیشتراور زیادہ فریق نے ایک روز بعد رکھا، اب عید قریب آگئی اگرابرمحیط ہواتوعید فریق اوّل ودوم کوایک ساتھ کرنا چاہئے یاعلیحدہ علیحدہ پورے روزے کرکے کرنا چاہئے حالانکہ ہرفریق اپنے اپنے روزے پُورے ۳۰ کرے گا، اگر دونوں اتفاق سے عید کرتے ہیں تو ایک فریق کے روزے ۳۰ ہوتے ہیں دوسرے کے ۳۱ ہوتے ہیں، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگراُس کم فریق میں دو ۲ مردیاایک مرددو ۲ عورتیں ثقہ عادل شرعی جونہ کسی کبیرہ کے مرتکب ہیں نہ صغیرہ پر مُصِر، نہ خفیف الحرکات، اور انہوں نے ہلالِ شعبان شام یک شنبہ کو دیکھ کر وہاں اگر کوئی عالم فقیہ سنی المذہب دین دار ہے اس کے حضور بلفظ اشھد یعنی میں گواہی دیتاہُوں کہہ کر گواہی دی، یا وہاں ایسا کوئی عالم نہ تھاتو مسلمانوں کو اپنی رؤیت کی خبر دی اور وہاں شامِ یکشنبہ یاتو مطلع صاف نہ تھایالوگوں نے چاند دیکھنے کی کوشش نہ کی یاکی توبے وقت کی، یاان دیکھنے والوں نے جہاں سے دیکھا جگہ بلاندپر یاآبادی سے باہر تھی توان صورتوں میں

---

1 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۰۳-۱۰۲

2 درمختار کتاب الصوم قبیل مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

شرطوں سے یکم شعبان روز دو شنبہ کی ثابت ہو گئی اور اُس کی بناپر بضرورت چہار شنبہ کا پہلا روزہ ہوا، جنھوں نے نہ رکھا اُس کی قضا رکھیں، پھر پنجشنبہ آئندہ کو رمضان کے ۳۰ ہو کر بضرورت جمعہ کی عید ہو گی، دونوں فریق بالاتفاق جمعہ کی عید کرینگے، ایک کے ۳۰ روزے ایک کے ۲۹ ہوں گے، ۲۹ والے ایک قضا رکھیں گے، اور اگر اُس فریق میں دو۲ گواہ بھی عادل نہیں یا انہوں نے اس صفت والے عالم کے سامنے لفظ اشھد بمعنی مذکور شہادت نہ دی، یا مطلع صاف تھا اور عام لوگوں نے وقت پر چاند دیکھنے کی کافی کوشش کی اور نظر نہ آیا اور ان لوگوں میں کوئی خصوصیت مثل بلندی مقام یا بیرون آبادی کی نہ تھی توان صورتوں میں دو شنبہ کی یکم شعبان ثابت نہ ہُوئی اور یہ بعض کہ دیکھنا بیان کرتے ہیں غلط کہتے ہیں ان کو دھوکا ہُوا (اور نظر واقع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس دن حال ہلال عادةً قابلِ رؤیت نہ تھا) لہٰذا شعبان کی ۳۰ چہار شنبہ کو ہُوئی، اور یکم ماہِ مبارک پنجشنبہ سے ہو کر پنجشنبہ ۲۹ کو اگر ابر رہے جمعہ کی ۳۰ ہو گی اور اس کم فریق کو بھی جائز نہ ہو گا کہ اپنے زعم کی بناپر جمعہ کی عید کرلے بلالکہ ان پر بھی روزہ رکھنا واجب ہوگا، عام کے ۳۰ ہوگے اور ان کے ۳۰ ہی ہوں گے، پہلا روزہ چہار شنبہ کا رمضان میں محسوب نہ ہوگا اگر چہ ان پر اپنی رؤیت عین کے سبب اُس دن بھی روزہ کا حکم تھا، یہ سب اُس صورت میں ہے کہ غرہ رمضان چہار شنبہ کا کسی اور ثبوتِ شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ورنہ آپ ہی جمعہ کی عید ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

بقیۃ الاشھر التسعۃ (ای ماعدا رمضان و العیدین) لا یقبل فیھا الا شھادۃ رجلین او رجل و امرأتین عدول احرار غیر محد ودین کما فی سائر الاحکام، بحر عن شرح الامام الاسبیجابی۔[1]	باقی نوماہ (یعنی رمضان، عید الفطر اور عید الاضحٰی کے مہینوں کے علاوہ) میں ایسے دو۲ مرد یا ایک مرد دوخواتین کی گواہی قبول کی جائے گی جو عادل، آزاد اور محدود فی القذف نہ ہوں جیسا کہ بقیہ احکام میں ہوتا ہے، بحر میں شرح امام اسبیجابی سے اسی طرح منقول ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للفطر مع العدالۃ نصاب الشھادۃ ولفظ اشھد ولوکانوا ببلدۃ لا حاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وافطروا باخبار عدلین للضرورۃ[2] (ملخصًا)	عیدالفطر کے چاند کے لیے عدالت کے علاوہ نصابِ شہادت اور لفظِ شہادت (یعنی اشہد) کا ہونا بھی ضروری ہے اور وہ ایسا شہر ہو جہاں کوئی حاکم نہ ہو تو ضرورت کے پیش نظر ایک ثقہ کے قول پر لوگ روزہ رکھ لیں اور دو۲ عادل گواہوں کی خبر پر عیدالفطر کرلیں۔ (ملخصًا) (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

ردالمحتار میں بعد عبارت مذکور ہے:

وذکرفی المداد انها فی الصحو کرمضان والفطر ای فلا بد من الجمع العظیم ولم یعزہ لاحد لکن قال الخیر الرملی الظاهر انه فی الاهلة التسعة لافرق بین الغیم والصحو فی قبول الرجلین لفقد العلة الموجبة لاشتراط الکثیر وهی توجه الکل طالبین فلو شهدا فی الصحو بهلال شعبان وثبت بشروط الثبوت الشرعی ثبت رمضان بعد ثلثین یوما من شعبان وان کان رمضان فی الصحو لایثبت بخبرهما لان ثبوته حینئذ ضمنی اھ[1] مافی الشامی **اقول:** فاذا ثبت توجه الکل طالبین تحقق المانع فلا یقبل تفرد البعض ما لم یتفردوا بما یقرب الرؤیة لهم دون عامة الناس فکانت شهادتهم مردودة فلایعملوا بها حتی فی انفسهم کما فی الدر رأی مکلف هلال رمضان او الفطر ورد قوله بدلیل شرعی صام مطلقا وجوبا[2] وفی ردالمحتار وافاد	امداد میں ہے کہ اگر مطلع صاف ہو (تو باقی ماہ بھی) رمضان اور عیدالفطر کی طرح ہیں یعنی عظیم جماعت کی گواہی ضروری ہے، مگر انہوں نے اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہیں کی لیکن خیر الدین رملی نے کہا کہ ظاہر یہی ہے کہ باقی مہینوں میں چاند کے معاملہ میں دو۲ مردوں کی گواہی کی مقبولیت کے لیے ابر آلود اور غیر ابر آلود میں کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ یہاں وُہ علّت ہی مفقود ہے جو جماعتِ کثیر کیلئے شرط ہے اور وُہ ہے سب کا چاند کو تلاش کرنا، پس اگر دو۲ مردوں نے صاف موسم میں شعبان کے چاند کی گواہی دی اور شعبان کے تیس دن مکمل ہونے پر رمضان کا ثبوت ہوجائے گا اگرچہ صاف موسم میں دو۲ شخصوں کی گواہی سے رمضان ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اب اس کا ثبوت ضمناً ہوگا اھ (شامی کی عبارت ختم ہوئی) **اقول:** تو جب سب کا چاند تلاش کرنا ثابت ہوجائے تو مانع کا ثبوت ہوگا لہٰذا بعض کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب تک یہ بعض، عام لوگوں کے مقابلہ میں چاند کی رؤیت کے قریب (بلند جگہ یا آبادی سے باہر) ہونے میں منفرد نہ ہوں پس ان کی شہادت مردود ہوگی اور اس پر عمل نہیں کیا جائیگا حتی کہ گواہ بھی عمل نہیں کرسکتے جیسا کہ در میں ہے کسی مکلّف نے رمضان اور عیدالفطر کا چاند دیکھا لیکن اس کا قول دلیل شرعی کی بنا پر رد کردیا گیا تو وُہ وجوباً روزہ رکھے۔ ردالمحتار میں ہے خیر رملی نے

---

1 ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

2 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

الخیر الرملی، انہ لوکانوا جماعۃ وردت شھادتھم لعدم تکامل الجمع العظیم فالحکم فیھم کذٰلک۔ تنبیہ: لوصام رأی ھلال واکمل العدۃ لم یفطر الامع الامام لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صومکم یوم تصومون وفطر کم یوم تفطرون رواہ الترمذی وغیرہ والناس لم یفطر وافی مثل ھذا الیوم فوجب ان لایفطر نھراھ [1] ھذا مااخذتہ تفقھا من کلامھم والنزاع واضح کما تری بتوفیق اللہ والعلم بالحق عند ربی وھو تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے خیر رملی نے کہا اگر چاند، ایک جماعت دیکھے لیکن عظیم جماعت نہ ہونے کی بناپر ان کی گواہی مسترد کردی گئی تو ان کا حکم بھی یہی ہے (یعنی وہ روزہ رکھیں)۔(ت) تنبیہ: اگر چاند دیکھنے والے نے روزہ رکھا اور تیس روزے مکمل کئے تو اب وُہ عیدالفطر امام کے ساتھ ہی کرے (نہ کہ اکیلا) کیونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "روزے کا وہ دن ہے جس میں تم روزہ رکھتے ہو اور عید کا وہ دن ہے جس میں تم عید کرتے ہو"۔ اسے ترمذی اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے، اور باقی دیگر لوگ اس دن عید نہیں کررہے لہذا اس شخص پر واجب ہے کہ وہ عید نہ کرے نہر اھ یہ وہ تفصیل ہے جو بندہ نے فقہاء کے کلام سے سمجھی ہے اور اللہ کی توفیق سے اب نزاع بھی واضح ہوگیا جیسا کہ آپ نے پڑھ لیا، اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، وھو تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹تا۲۱۲: از سہسرام عربیہ مرسلہ مولوی ظفر الدین صاحب مدرس اوّل ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) عید یہاں پنجشنبہ کو ہُوئی مگر پھلواری میں سات آدمیوں کی رؤیت کے مطابق حسب الحکم شاہ بدرالدین صاحب چہار شنبہ کی عید ہُوئی اس کے بارے میں انہوں نے مجھے خط لکھا پھر جب میں بانکی پور گیا تو بطور استفاضہ خبر مجھے پھلواری میں سات آدمیوں کا چاند دیکھنا اور شاہ صاحب کا حکم دینا معلوم ہوا تو جب عید چہار شنبہ کی ہُوئی تو ذیقعدہ وذی الحجہ دونوں مہینوں کے چاند تیس ہی کے مانے جائیں جب بھی سہ شنبہ کو ذی الحجہ ہوتی ہے مگر اس طریقہ پر ثبوت یہاں سوائے میرے کسی کو نہیں، تو آیا میرے فتوٰی دینے سے یہاں کے لوگوں کو نماز پڑھنا جائز ہوگا خود اسی شہر میں وُہ خبر بطور استفاضہ آنے کی ضرورت ہے۔

(۲) **یوم صومکم یوم نحرکم** یہ کیسی حدیث ہے اور کس کتاب میں ہے اور کس موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تھا یہاں بالاتفاق روزِ شنبہ کو عید ہُوئی مگر یہاں کے کسی شخص نے نہ عید کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۸

چاند دیکھا نہ ذی قعدہ کا، صرف میرے فتوٰی وحکم کے مطابق ایسا ہوا میں نے اپنی تسلّی کے لیے یہ سوالات کئے ہیں، شامی، قاضیخان، سراجیہ، بحرالرائق، عالمگیریہ، فتح القدیر، کافی میں ثبوت نہیں ملا، اس لئے حضور کو تکلیف دی۔

(۳) آج کل کے علماء قاضی کے حکم میں ہوں گے یا نہیں؟ اور اس کے لیے کیا کیا شرط ہے؟ یہ تمام عالم جس نے درسی کتابیں پڑھ لی ہوں اور درس یا وعظ میں مشغول ہو۔

(۴) نماز عیدالاضحٰی کے لیے لوگوں کا چاند دیکھنا یا دوسری جگہ کی رؤیت بطریق موجب ثابت ہونا بایں معنی ضرور ہے کہ جب تک نہ ہوگا اُن لوگوں پر نماز واجب نہ ہوگی یا باوجود رؤیت عامہ بلاد اگر کسی جگہ کے لوگ بوجہ ابر خود نہ دیکھ سکے، نہ دس دن کے اندر کہیں سے کچھ معلومات یقینی بہم پہنچا سکے، حالانکہ جس وقت لوگ اس غفلت سے بیدار ہُوئے تو اس کا موقع تھا کہ طریق موجب کے ذریعہ ثبوت حاصل کرسکتے تھے، مگر ایسا نہ کیا اور باوجود ان سب باتوں کے پھر نماز عیدالاضحٰی اُس دن جو ہر جگہ ۱۰ ذی الحجہ تھی اور اُن کے حساب سے ۹ تھی یہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور قربانی جو کی گئی وُہ ٹھیک ہُوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) یہ گواہی کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا مقبول نہیں اگرچہ شاہد ایک جماعت ہو کہ یہ نہ **شہادۃ علی الرؤیۃ** نہ **شہادت علی الشہادت**۔ فتح القدیر و بحرالرائق و عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لوشھد جماعۃ ان اھل بلدۃ کذارأواھلال رمضان قبلکم بیوم فصاموا وھذا الیوم ثلثون بحسابھم ولم یرھؤلاء الھلال، لا یباح فطر غدولاترک التراویح فی ھذہ اللیلۃ لانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولاعلی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم۔[1]	اگر لوگوں کی جماعت نے گواہی دی کہ فلاں اہلِ شہر نے تم سے ایک دن پہلے رمضان کا چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا اور اُن کے حساب سے تیسواں دن ہے لیکن ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تو آئندہ کل وہ عید نہ کریں اور نہ ہی اس رات کی تراویح ترک کریں کیونکہ اس جماعت نے نہ تو چاند دیکھنے پر گواہی دی اور نہ دوسروں کی شہادت پر گواہی دی، اُنہوں نے صرف دوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ (ت)

استفاضہ کے بعد تحقیق معتبر ہے خاص اس شہر کا جہاں حاکم شرعی ہو کہ اب یہ **شہادۃ علی الحکم** ہوگی، تنبیہ الغافل الوسنان میں ہے:

لماکانت الاستفاضۃ بمنزلۃ الخبر المتواتر و	جب شہرت، خبر متواتر کے درجہ پر ہو اور شہرت سے یہ

[1] فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۴۳، فتاوٰی عالمگیری الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۹، بحرالرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۰

وقد ثبت بہا ان اھل تلك البلدۃ صاموا یوم کذا لزم العمل بہا لان المراد بہا بلدۃ فیہا حاکم شرعی۔[1]	جب شہرت، خبر متواتر کے درجہ پر ہو اور شہرت سے یہ ثابت ہوجائے کہ فلاں اہلِ شہر نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل لازم ہوگا کیونکہ اس سے مراد وہی شہر ہے جس میں کوئی نہ کوئی حاکمِ شرعی ہوگا (یعنی حاکم کے فیصلہ کے بعد ہی وہاں عمل ہُوا)۔(ت)

(ردالمحتار میں ہے:

فکانت تلك الاستفاضۃ بمعنی نقل الحکم المذکور۔[2]	وہ شہرت بمعنی حکم مذکور کے منقول ہونے کے ہے۔(ت)

حاکمِ شرعی سلطانِ اسلام یا قاضی مولی من قبلہ ہے، یا امورِ فقہ میں فقیہ بصیر افقہ بلد، نہ آج کل کے عام مولوی۔ یہی جوابِ سوال نمبر ۳ ہے۔ آج کل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقت لسان کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں، خصوصًا جبکہ خاص مسائل رؤیت ہلال میں جمیع ائمہ سے تفرد ہو۔

(۲) مولٰی علی سے نہ فرمایا بلاکہ مولٰی علی نے فرمایا کرم اللہ وجہہ، یہ اثر کسی کتابِ حدیث سے نظر میں نہیں، فقہا نے ذکر کیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ یہ اُسی عام (سال) کو تھا نہ عام کو، یعنی اسی سال کے لئے تھا اور سالوں کے لیے نہیں۔ فتاوٰی کبرٰی وخزانۃ المفتین میں ہے:

مایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذلك العام بعینہ دون الابد۔[3]	یہ جو مروی ہے کہ تمہاری قربانی کا دن ہی تمہارے روزے کا دن ہے۔ یہ صرف اسی ایک معین سال کا معاملہ تھا دائمی نہیں۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

مانقل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ان یوم اول الصوم یوم النحر لیس بتشریع کلی	جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ روزے کا پہلا دن ہی قربانی کا دن ہے، یہ ضابطہ شرعی کا

---

[1] تنبیہ الغافل والوسنان رسالہ من رسائل ابن عابدین رسالہ نمبر ۹ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۵۲
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۲
[3] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/ ۶۰

بل اخبار عن اتفاق فی هذه السنة۔[1]	جو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ روزے کا پہلا دن ہی قربانی کا دن ہے، یہ ضابطہ شرعی کا بیان نہیں بلکہ اسی سال اتفاقی معاملہ کے بارے میں اطلاع ہے۔(ت)

تحقیق میں تقصیر سے الزام نہ ہُوا مگر بے تحقیق محض افواہ پر عید و قربانی صحیح نہ ہوئی اگرچہ واقع میں دہم میں ہو، کہ جس طرح صحتِ نماز کے لیے دخولِ وقت شرط ہے یونہی اعتقادِ دخول بھی۔ اگر اسے شک ہے کہ ثبوت نہیں اور جزافاً نماز پڑھ لی نماز فاسد ہوئی اگرچہ وقت حقیقۃً ہوگیا ہو، یونہی نمازِ عید بھی کہ ہر مفسد صلواتِ خمس مفسدِ عیدین بھی ہے، امداد الفتاح و مراقی الفلاح وردالمحتار میں ہے:

یشترط اعتقاد دخوله لتکون عبادته بنیة جازمة لان الشك لیس بجازم حتی لوصلی وعنده ان الوقت لم یدخل فظهرانه کان قد دخل لاتجزیه۔[2]	نماز کے لیے دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے تاکہ نیّتِ جازمہ کے ساتھ عبادت ادا ہو کیونکہ شک سے جزم پیدا نہیں ہوتا حتی کہ اگر کسی نے یہ خیال کرتے ہوئے نماز پڑھی کہ ابھی وقت داخل نہیں ہُوا اور بعد میں پتا چلا کہ وقت داخل ہوچکا تھا تو اس صورت میں اس کی نماز کافی نہ ہوگی (ت)

ردالمحتار میں امداد کے لفظ یہ ہیں:

وکذا یشترط اعتقاد دخوله فلوشك لم تصح صلوته وان ظهر انه قد دخل۔[3]	اسی طرح دخولِ وقت کا اعتقاد بھی شرط ہے پس اگر نمازی کو وقت کے بارے میں شک تھا تو اس کی نماز نہ ہوگی اگرچہ بعد کو پتا چلے کہ وقت داخل ہوچکا تھا۔(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

کل ما یفسد سائر الصلوات وما یفسد الجمعة یفسد صلٰوة العیدین۔[4]	ہر وہ شیئ جو باقی نمازوں اور نماز جمعہ کو فاسد کرتی ہے وُہ نمازِ عیدین کو بھی فاسد کرتی ہے (ت)

اور جب نماز نہ ہُوئی قربانی نہ ہُوئی کہ شہر میں تقدمِ صلٰوۃ صحتِ اضحیہ ہے والا فهو لحم

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیہ الاوّل فی الشادۃ من کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۹۶/۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب شروط الصّلوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۷

[3] ردالمحتار، باب شروط الصّلوٰۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۶۹/۱

[4] بدائع الصنائع فصل فی بیان مایفسدھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷۹/۱

قدمہ لاھلہ کمانص علیہ حدیثاوفقھا (ورنہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے عید سے پہلے تیار کیا جیسا کہ اس پر حدیث و فقہ میں تصریح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: از بریلی مسئولہ ابن سید صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں شام پنجشنبہ کو ابر محیط تھا رؤیت نہ ہوئی مگر دوسرے دن چاند کو قدرے بڑا دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ شاید کل کا ہو جنتری میں اگرچہ عید اتوار کی لکھی مگر ساتھ ہی رؤیت کو مشکوک لکھ دیا ہے ایسی صورت میں شرعاً عید دوشنبہ کی ہونا چاہئے یا اتوار کی، اگر عید قربانی اتوار کو کرلیں تو درست ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع مطہر میں رؤیت کا اعتبار ہے (خود یہیں دیکھا جائے یا دوسرے شہر کی رؤیت پر شرعی شہادتیں گزریں) حدیث میں فرمایا: **ان اللہ امدہ لرؤیتہ**[1] (اللہ تعالٰی نے اس کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) خط یا تار یا عقلی قیاسوں یا دوسرے شہر کی حکایتوں کا شرع میں اصلاً اعتبار نہیں مثلاً کچھ لوگ آئے اور بیان کیا کہ وہاں فلاں دن کی عید ہے یا وہاں رؤیت ہوئی اس پر اصلاً لحاظ نہیں جب تک گواہان عادل شرعی خود اپنا دیکھنا نہ بیان کریں، درمختار میں ہے:

لالو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ۔[2]	اس صورت میں ثبوت نہیں ہوگا اگر گواہوں نے غیروں کی رؤیت پر گواہی دی ہو کیونکہ یہ حکایت ہے (ت)

جنتریوں کا مشکوک لکھنا تو آپ ہی مشکوک و مہمل ہے اگر وُہ یقینی بھی لکھیں تو بھی شرع میں اس پر اعتبار نہیں، درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولوعدولاعلی المذھب۔[3]	صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کے قول کا اعتبار نہیں اگرچہ وُہ عادل ہوں۔ (ت)

چاند کے بڑے ہونے پر بھی لحاظ ناجائز ہے، حدیث میں فرمایا:

اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[4] رواہ	قربِ قیامت (کی نشانیوں) میں سے ہے کہ چاند

---

1 سنن الدارقطنی کتاب الصیام نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۳

2 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

3 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۸

4 المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۱۰۴۵۱، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۲۴۴

الطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قربِ قیامت (کی نشانیوں) میں سے ہے کہ چاند بڑا نظر آئے گا۔ اسے طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین۔[1] رواہ فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ چاند واضح ہوگا تو کہا جائے گا کہ دوسری رات کا ہے۔اسے طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ قربِ قیامت کی یہ بھی ایک علامت ہے کہ ہلال بُھولا ہُوا نکلے، لوگ کہیں کل کا ہے، پس ایسی صورت میں اتوار کی عید اور قربانی بالکل باطل اور خلافِ شرع ہے۔ عید کوئی دنیوی تقریب نہیں حکمِ الٰہی ہے، جب مطابقِ شرع نہ ہو محض بیکار بلکہ گناہ ہے، بالفرض اگر چاند پنجشنبہ ہی کو ہوگیا ہے جب بھی دوشنبہ کو نماز قربانی بلاشبہ صحیح ہےاور جمعہ کو ہوا تو یکشنبہ کو نماز وقربانی محض باطل، تو ایسے امر میں پڑنا شرع اور عقل دونوں کے خلاف ہے، مسلمان بھائیوں کو چاہئے کہ شرع کے کام شرع کے طور پر کریں اپنے خیالات کو دخل نہ دیں۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ محمد امین خاں تاجر سبز منڈی شہجہانپور　　۲۰رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہلالِ رمضان مبارک یا عیدین اگر دس یا پانچ آدمیوں مسلمانوں نے مشاہدہ کیا اور کل ناقصان شرعی ہیں، محلوق اللحیہ ہے کوئی قصر اللحیہ، کوئی ستر کشادہ رکھتا ہے کسی کی عورت بلا حجاب پیش اجانب جاتی ہے، کوئی سُود لیتا ہے کوئی کذب وغیبت میں مبتلا رہتا ہے، کوئی اور منہیات میں۔ لیکن وہ سب معاملات میں ایسے ثقہ ہیں کہ مفتی کو ان کی شہادت پر یقین تام ہوتا ہے کہ اس امر خاص یعنی شہادت مسلمان میں یہ لوگ کاذب نہیں اور کوئی متقی اس شہادت میں اُن کا شریک نہیں کہ متقی پرہیزگار شہر میں بہت کمیاب ہیں، یا دیہات میں ایسا اتفاق ہو کہ وہاں ایسے لوگ زیادہ ہوتے ہیں اور متقی پرہیزگار شاذونادر، اس صورت میں روزہ رمضان شریف کا فرض ہوگا یا نہیں؟ اور نمازِ عید درست ہوگی یا نہیں؟ اور مفتی کو ایسے لوگوں کی شہادت باوجود یقین اہلِ شہر پر فرضیتِ صوم کا حکم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر روزہ نہ رکھے تو اثم ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ واجب ہے یا نہیں؟

---
[1] کنز العمال بحوالہ طبرانی اوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲۲۰/۱۴

الجواب: صحیح یہ ہے کہ مسلمان اگرچہ فاسق ہو اہلِ شہادت ہے مگر اس کی شہادت قبول کرنی ناجائز ہے ماسوا اُس حالت کے کہ اُس کے بارے میں کہ حاکم کو تمرّی صدق ہو کہ یہ بھی تبین میں داخل ہے۔

کما قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝۶ ۔[1]	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (ت)

جب مفتی اہلِ فتوٰی کو ان کے بارے میں تمرّی صدق ہو تو اُس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے، رمضان و فطر واجب ہو جائیں گے اور اسکے حکم کے بعد عوام میں کسی کو خلاف کی گنجائش نہ ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۵: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور مسئولہ منشی سید محمد علی فورمین ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں حضور فیض گنجور اعلٰحضرت تاج العلوم الشرعیہ اس معاملہ میں کہ اخبار دبدبہ سکندری سے معلوم ہُوا کہ ملک آسام میں رؤیت ہلال سہ شنبہ کو ہو کر چہار شنبہ کو ہو کر پہلا روزہ ہُوا، یہاں پنجاب اور عموماً اکثر حصّہ ملک ہندوستان ومارواڑ میں چہار شنبہ کو رؤیت جمعرات کا پہلا روزہ ہُوا اب اس صورت میں ہمارے واسطے کیا حکم ہے، کیا ہم پر اُس روز کی قضاء لازم آئے گی اور کس قدر فاصلہ تک رؤیت ہلال کا ایک حکم مانا جاسکتا ہے؟ اگر ۲۹ رمضان المبارک کو جو رؤیت ملک آسام کے حساب سے ۳۰ ہو جائے گی چاند نہ دیکھے یا گردوغبار کی وجہ سے نہ دیکھا جاسکے تو یہاں پُورے تیس روزے کئے جائیں یا ملک آسام کی تحقیق تصدیق پر عید کرلی جائے، یہ بھی واضح خیالِ انور رہے کہ یہاں رؤیتِ رمضان پر کوئی غبار یا ابر نہیں تھا مطلع کُھلا ہوا تھا چاند کوشش سے بھی نظر نہیں آیا۔ اس حکم سے جلد اطلاع فرمائیے کہ رمضان المبارک کا وقفہ کم رہ چکا ہے۔

الجواب:

ہمارے ائمہ مذہب صحیح معتمد میں دربارہ رمضان و عید فاصلہ بلاد کا اصلاً اعتبار نہیں، مشرق کی رؤیت مغرب والوں پر حجت ہے وبالعکس، ہاں دوسری جگہ کی رؤیت کا ثبوت بروجہ صحیح شرعی ہونا چاہئے، خط یا تار، یا تحریر اخبار، افواہِ بازار یا حکایت امصار محض بے اعتبار، بلاکہ شہادتِ شرعیہ یا استفاضہ شرعیہ درکار، درمختار میں ہے:

[1] القرآن ۴۹ /۶

اختلاف المطالع غیرمعتبر علی المذھب وعلیه الفتوی فیلزم اھل المشرق برؤیة اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیة اولئك بطریق موجب کمامر [1]	صحیح مذہب کے مطابق مطالع کا اختلاف معتبر نہیں، اور فتوٰی اسی پر ہے، تو اہلِ مغرب کی رؤیت کی بناء پر اہلِ مشرق پر روزہ لازم ہوگا بشرطیکہ ان کی رؤیت بطریقِ شرعی ان تک پہنچے، جیسا کہ گزرچکا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بطریق موجب کان یتحمل اثنان الشھادة اویشھد اعلی حکم القاضی اویستفیض الخبر بخلاف مااذا اخبراان اھل بلدة کذارأوه لانه حکایة ح۔[2]	قولہ "بطریق موجب" سے مراد یہ ہے کہ دو ۲ مرد شہادت پر گواہی دیں یا قاضی کے فیصلہ پر گواہی دیں یا خبر مشہور ہوجائے بخلاف اس صورت کے کہ جب یہ خبر دیں کہ فلاں اہلِ شہر نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ حکایت ہے، ح۔(ت)

اسی میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضة ان تاتی من تلك البلدة جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اھل البلدة انھم صاموا عن رؤیة الخ۔[3]	شیخ رحمتی نے فرمایا: شہرت کا مفہوم یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر ایک یہ اطلاع دے کہ اس شہر کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ(ت)

پس صورت مستفسرہ میں ہم کو نہ خبر آسام پر عمل جائز نہ خبر حیدرآباد، بلاکلہ جب تک ثبوت شرعی نہ ہو پنجشنبہ ہی کہ پہلی ہے، اور اگر آئندہ پنجشنبہ کو خدانخواستہ ابر یا غبار ہوا اور رؤیت نہ ہو تو حرام ہے کہ اس پنجشنبہ کو ۳۰ مان کر جمعہ کی عید کرلیں بلاکلہ اُس صورت میں ہم پر جمعہ کا روزہ بھی فرض ہوگا اگرچہ قواعدِ علم ہیأت سے جمعہ آئندہ یکم شوال ہے اور جبکہ ہمیں سہ شنبہ کی رؤیت ثابت نہ ہُوئی تو جس نے چہار شنبہ کو بہ نیتِ نفل بھی روزہ نہ رکھا اُس پر بھی اُس روزہ کی قضاء نہیں کہ ہمارے حق میں یکم شنبہ کو تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اَلْبُدُوْرُ الْاَجِلَّةِ فِیْ اُمُوْرِ الْاَهِلَّةِ ۱۳۰۴ھ

مع شرح

نُوْرُ الْاَدِلَّةِ لِلْبُدُوْرِ الْاَجِلَّةِ

مع حاشیه

رَفْعُ الْعِلَّةِ عَنْ نُوْرِ الْاَدِلَّةِ

(رؤیتِ ہلال کے تفصیلی احکام)

مسئلہ ۲۱۶:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ ربّ محمد صلی علیہ وسلّما

(م) عــہ ، **فصل اوّل**: رؤیتِ ہلال کے حکم اور اس کے متعلق مسائل و فوائد میں پندرہ ہلال پر مشتمل۔

ہلال نمبرا: ۲۹ شعبان کو غروبِ آفتاب کے بعد ہلالِ رمضان کی تلاش فرض کفایہ ہے۔

عــہ: قوسین کے اندر م، ش، ح سے بالترتیب متن، شرح اور حاشیہ مراد ہے۔

(ش) نمبر۱: فرض کفایہ، یعنی سب ترک کریں تو سب گنہگار، اور بعض بقدر کفایت عہ کریں تو سب پر سے اُتر جائے، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شاید شعبان ۲۹ کا ہو جائے تو کل سے رمضان ہے۔ اگر چاند کا خیال نہ کیا تو عجب نہیں کہ ہو جائے اور یہ بے خبر رہیں۔ تو کل شعبان سمجھ کر ناحق رمضان کا روزہ جائے۔

یجب کفایۃ التماس الھلال لیلۃ الثلثین من شعبان لانہ قد یکون ناقصا[1] (مراقی الفلاح) الظاہر منہ الافتراض لانہ یتوصل بہ الی الفرض[2] (ط ط) (حاشیۃ العلامۃ الطحطاوی علیھا)	شعبان کی تیسویں رات چاند کا تلاش کرنا وجوب کفایہ ہے کیونکہ بعض اوقات وہ ناقص ہوتا ہے (مراقی الفلاح) (ت) اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ فرض ہے کیونکہ فرض تک پہنچنے کا یہ وسیلہ ہے (ط ط)

عہ: حاشیہ رفع العلۃ عن نور الادلّۃ: قلت بقدر کفایت،

فقیر نے یہ لفظ اس لیے زائد کر دیا کہ اگر التماس ہلال ایسے شخص نے کیا جس کا بیان عندالشرع مقبول نہ ہو تو اُس کا التماس کرنا نہ کرنا یکساں ہوا اور مقصود شرع کہ اُس کے ایجاب سے تھا یعنی ثبوتِ ہلال، وُہ حاصل نہ ہُوا۔ مثلاً صفائے مطلع کی حالت میں صرف ایک آدمی نے تلاش کیا یا ہلالِ عیدین میں فقط عورتوں یا غلاموں نے تلاش کی، وعلٰی ھذا القیاس انما زدتہ تفقھًا فلیحرر۔

(م) نمبر۲: یوں ہی ۲۹ رمضان کو ہلال عید کی۔

(ش) نمبر۲: اگر چاند ہو گیا اور نہ دیکھا تو نادانستہ عید کے دن روزہ حرام میں مبتلا ہوں گے،

کذا یجب التماس ہلال شوال فی غیوب التاسع والعشرین من رمضان[3] (ط ط)	اسی طرح شوال کا چاند انتیسویں رمضان کی شام کو دیکھنا بھی واجب ہے (ط ط) (ت)

(م) نمبر۳: ۲۹ ذیقعدہ کو ہلال ذی الحجہ کی تلاش بھی ضروری ہے۔

(ش) نمبر۳: اقول: یہ یوں ضروری ہوا کہ حج و نماز عید و قربانی و تکبیراتِ تشریق کے اوقات جاننے اسی پر موقوف ہیں، تو اس کی تلاش عام لوگوں پر واجب کفایہ ہونی چاہئے اور اہلِ موسم پر فرضِ کفایہ کہ وہاں بے خیالی میں چاند ۲۹ کا ہو گیا اور بنا رکھا ۳۰ کا، تو وقوفِ عرفہ کہ حج کا فرضِ اعظم رُکن اکبر ہے، اپنے وقت سے باہر یوم النحر میں واقع ہو گا اور عام لوگوں کو کسی فرض میں خلل کا اندیشہ نہیں، پر واجبات میں دقّت آئے گی، مثلاً کسی ضرورت سے نمازِ عید کی تاخیر بارھویں تک چاہی تو یہ جسے بارھویں سمجھے ہیں وُہ تیرھویں ہے۔ اور ایّامِ نماز کہ ایامِ نحر تھے گزر چکے، نماز بے وقت ہوئی،

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴
[2] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴
[3] حاشیۃ الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۵۴

بہت لوگ بارہویں کو قربانی کرتے ہیں، ان کی قربانیاں بے وقت ہونگی، عرفہ کی صبح سے ہر نماز کے بعد تکبیر واجب ہوتی ہے، واقع میں جو عرفہ ہے یہ اُسے آٹھویں جان کر تکبیریں نہ کہیں گے۔

وکما ان مایتوصل به الی الفرض فرض فکذا ان مایتوصل به الی الواجب واجب فصح الافتراض علی اهل الموسم والوجوب علی غیرهم هذا کله ماذکرته تفقها وارجوان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی۔	جیساکہ فرض تک پہنچانے والی چیز فرض ہوتی ہے اسی طرح واجب تک پہنچانے والی چیز واجب ہوتی ہے تو اہلِ موسم پر کوشش کرنا فرض اور دوسروں پر واجب ہے، تمام جو میں نے بیان کیا یہ بطورِ تفقہ ہے اور امید ہے کہ یہ انشاء اللہ تعالٰی صواب ہوگا۔ (ت)

(م) نمبر۴: ۲۹ رجب کو ہلالِ شعبان، ۲۹ شوال کو ہلالِ ذیقعدہ کی بھی تلاش کریں۔

(ش) نمبر۴: ہلالِ شعبان کی تلاش کا حکم خود حدیث عــہ۱ میں ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ جب رمضان کا چاند بوجہ ابر نظر نہیں آتا تو حکم ہے کہ شعبان کی گنتی تیس پُوری کرلیں۔ جب شعبان کا چاند بہ تحقق نہ معلوم ہوگا تو اس کی گنتی پر کیا یقین ہوسکے گا۔ یُوں ہی اگر ذی الحجہ کا چاند نظر نہ آئے تو ذیقعدہ کی گنتی تیس رکھیں گے، اور وہی بات یہاں پیش آئے گی۔

کذا ینبغی ان یلتمسوا هلال شعبان ایضافی حق اتمام العدد[1] (ع) (فتاوی عالمگیریة) عن السراج الوهاج، قلت وزدت عــہ۲ علیه هلال ذی القعدة تفقها۔	یُوں ہی اتمامِ تعداد کے لیے شعبان کے چاند کا تلاش کرنا بھی ضروری ہے (ع) یہ فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے بندہ اس پر بطور استخراج اضافہ کرتا ہے کہ ذی القعدہ کے چاند کا بھی تلاش کرنا ضروری ہے۔ (ت)

عــہ۱: **قلت** خود حدیث میں ہے: اخرج الترمذی فی الجامع والحاکم فی المستدرك عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم احصوا هلال شعبان لرمضان۔[2] ۱۲ (م) عــہ۲: **قلت**، وزدت علیه هلال ذی القعده	ترمذی نے جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان کے لیے شعبان کے چاند کو شمار کرو ۱۲ (م) **قلت** اس پر میں نے بطور استنباط ذوالقعدہ کے چاند (باقی اگلے صفحے پر)

[1] الفتاوی الهندیة الباب الثانی فی رؤیة الہلال دارالمعرفة بیروت ۱ /۱۹۷

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی احصاء ہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ /۱۲۳

تنبیہ: لوگ تین قسم ہیں: (۱) عادل (۲) مستور (۳) فاسق

عادل وُہ مرتکبِ کبیرہ عــہ۱ یا خفیف عــہ۲ الحرکات نہ ہو۔ اور مستور پر پوشیدہ حال جس کی کوئی بات مسقطِ شہادت معلوم نہیں۔ اور فاسق جو ظاہرًا بد افعال ہے۔

عادِل کی گواہی ہر جگہ مقبول ہے اور مستور کی ہلالِ رمضان میں، اور فاسق کی کہیں نہیں۔ پر بعض روایات کے بعض الفاظ بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ رمضان میں فاسق کی شہادت بھی سُن لیں۔ ممکن ہے کہ اُس شہر کا حاکمِ شرع یہی خیال رکھتا ہو، اگرچہ محققین نے اِسے رَد کردیا۔ تو جس فاسق کو معلوم ہو کہ یہاں کے حاکم کا یہ مسلک ہے اس پر بیشک گواہی دینی واجب ہوگی ورنہ نہیں، اور رمضان میں جبکہ عادل و مستور کا ایک حکم ہے، تواِس وجوب میں بھی یکساں رہیں گے۔ رہا عادِل، جب وُہ دائم المقبول ہے تواُس پر وجوب بھی مطلقا ہے یعنی رمضان ہو خواہ عید الفطر خواہ عید الاضحٰی،

یلزم العدل ان یشھد عند الحاکم فی لیلۃ رؤیتہ کیلا یصبحوا مفطرین[1] وھی من فروض العین واما الفاسق ان علم ان الحاکم یمیل الی قول الطحاوی و یقبل قولہ یجب علیہ، واما	عادِل پر لازم ہے کہ اس نے جس رات چاند دیکھا ہے اسی رات حاکم کے پاس گواہی دے تاکہ لوگ صبح کو بے روزہ نہ اُٹھیں، اور یہ گواہی فرض عین ہے، اور فاسق اگر جانتا ہے کہ حاکم کا میلان طحاوی کے قول کی طرف ہے اور اس کا قول قبول کرلیتا ہے تواس پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفقھا ھذا والذی قبلہ فی ھلال ذی الحجۃ لیس ما یتفکر فان امثال ذلك تلتحق علی وجہ دلالۃ النص وھو مما یشترك فیہ الفقھاء والعوام کما نص علیہ العلامۃ ط وغیرہ ۱۲ (م)	کا اضافہ کیا ہے یہ اور اس سے پہلے ذوالحج کے چاند میں تفکر کی ضرورت نہیں کیونکہ اس طرح کے معاملات بطور دلالۃ النص ملحق ہوجاتے ہیں اور اس میں فقہاء اور عوام دونوں مشترک ہیں جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی وغیرہ نے تصریح کی ہے ۱۴ (ت)

عــہ۱: قلّت مرتکب کبیرہ نہ ہوا قول ارتکاب کبیرہ میں اصرار صغیرہ بھی آگیا کہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے اما قول العلماء ھو ترك الکبائر والاصرار علی الصغائر الخ فارادوا الایضاح لاالتتمیم کما لا یخفی (رہا علماء کا یہ قول کہ کبائر کا ترک اور صغائر پر اصرار الخ تواس سے مراد وضاحت ہے نہ کہ تکمیلِ تعریف، جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت)

عــہ۲: قلت خفیف الحرکات نہ ہو جیسے بازار میں کھاتے پھرنا یا شارع عام چلنے پر راہ میں پیشاب کو بیٹھنا ۱۲ (م)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الہلال نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸

المستورففیه شبهة الرویتین[1](ش عن الحلوانی) اقول:واذقد تقررقبول المستور کما سیأتی فارتفع النزاع وقد افاد بمفهوم الشرح ان الفاسق لایجب علیه ان لم یعلم ذلك وھو الذی افاد(در)عن البزازی ونبه علیه(ش)۔	گواہی دینا واجب ہے۔ رہا مستور الحال شخص تو اس کے بارے میں دو[2] روایات کا شبہ ہے(ش عن الحلوانی) **اقول:** جب مستور کے قول کا مقبول ہونا ثابت ہے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے تو نزاع ختم ہوگیا اور مفہوم شرح سے یہ واضح ہوا ہے اگر فاسق اس معاملہ کو نہ جانتا ہو تو اس پر گواہی لازم نہیں، یہ وُہ ہے جو(در) نے(بزازی) سے افادہ کی اور اس پر تنبیہ کی (شامی) نے۔(ت)

پھر وجوب کا سبب یہ ہے کہ اگر دیکھنے والے نے اسی شب گواہی نہ دی تو ہلال رمضان میں صبح کو لوگ بے روزہ اٹھیں گے اور ہلال فطر میں روزہ دار۔ اور یہ دونوں ناروا جس کا الزام گواہی نہ دینے والے پر ہوگا۔

فان تاخیر الحجة عن وقت الحاجة اثم، وقد قال تعالٰی وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ[2]	کیونکہ ضرورتِ وقت سے گواہی میں تاخیر گناہ ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: گواہی کو مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپائے گا تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے۔(ت)

اقول: مگر ہلال ذی الحجہ میں آٹھویں تک کوئی حاجت ایسی نہیں جو بوجہ تاخیر خلل پذیر ہو۔ بس یُوں معلوم ہو جانا چاہئے کہ فجر عرفہ سے لوگ تکبیر میں مشغول ہوں اور حجاج سامان وقوف کریں،

فان اخر الی ھذا فلا یؤخّر وقت الحاجة ط انما کان الاثم به، فلیکن التاخیر الی ھنا سابعًا ھذا ماقلته تفقّھا فلیحرّر۔	پس اگر یہاں تک مؤخر کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، لیکن وقت حاجت سے مؤخر نہ کرے، ط۔ کیونکہ اس سے گنہ گار ہوگا تو یہاں تاخیر سات ذوالحجہ تک ہوسکتی ہے۔ یہ بندہ نے بطور استخراج کہا ہے، اسے محفوظ کیجئے۔(ت)

(م) نمبر۵: ہلال دیکھنے والے عادل پر مطلقًا اور مستور پر رمضان میں، اور فاسق پر جب سمجھے کہ حاکم میری گواہی مان لے گا، واجب ہے کہ رمضان و عید الفطر میں اسی شب، اور ذی الحجہ میں آٹھویں تک حاکمِ شرع کے پاس حاضر ہو کر رؤیت پر گواہی دے۔

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۱

[2] القرآن ۲/ ۲۸۳

(م) نمبر ۶: یہاں تک زن پردہ نشین نکلے اگرچہ شوہر اذن نہ دے، اگرچہ کنیز اجازتِ مولٰی نہ پائے۔ اگر سمجھیں کہ ثبوتِ رؤیت ہم پر موقوف ہے ورنہ یہ نکلنا ناجائز ہوگا۔

(ش) نمبر ۶: یجب علی الجاریۃ المخدرۃ ان تخرج فی لیلتھا۔[1] (د) (درمختار) ای لیلۃ الرّؤیۃ[2] (ش) بلا اذن مولاھا وتشھد کما فی الحافظیۃ[3] (د) وکذا یجب علی الحرۃ ان تخرج بلا اذن زوجھا کذا غیر المخدّرۃ والمزوجۃ بالاولی[4] (ش) محلہ اذا تعیّنت للشھادۃ والا حرم علیھا[5] (طط)	پردہ نشین لونڈی پر اس رات نکلنا لازم ہے۔ (د) سے مراد در مختار ہے یعنی چاند رات۔ (ش) سے مراد شامی ہے یعنی اپنے مولٰی کی اجازت کے بغیر نکلے اور گواہی دے جیسا کہ حافظیہ میں ہے (د) اسی طرح آزاد عورت پر بھی بلا اجازتِ خاوند نکلنا لازم ہے، اسی طرح وُہ لونڈی جو پردہ نشین نہ ہو اور وُہ عورت جو منکوحہ نہ ہو ان کا نکلنا تو بطریقِ اولٰی ہوگا (ش) یہ اس وقت ہے جب شہادت کے لیے اس کا تعیّن ہو ورنہ اس کا نکلنا حرام ہوگا (طط)۔ (ت)

یہ حکم اس صورت میں ہے جب خاص اِنہی لوگوں پر گواہی متعین ہو ورنہ پردہ نشین کو جانا یا عورت کو بے اذنِ شوہر یا غلام وکنیز کو بے اجازتِ مولٰی نکلنا روا نہیں،

قال ط (الطحاوی) والظاھر ان محل ذٰلک عند توقف اثبات الرؤیۃ والافلا[6] (ش)	طحاوی نے فرمایا: ظاہر یہی ہے کہ اس کی ضرورت اس وقت ہے جب رؤیتِ چاند کا اثبات ان پر موقوف ہو ورنہ ضروری نہیں (ش) (ت)

(م) نمبر ۷: جہاں ریاستیں اسلامی ہیں اُن بلاد میں جو عالمِ دین سُنّی المذہب سب سے زیادہ علمِ فقہ رکھتا ہو وہ بحکمِ شرع سردارِ مسلمانان ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنی دینی باتوں میں اُسی کی طرف رجوع کریں اور اُس کے فتووں پر عمل کریں، تو چاند دیکھنے پر بھی واجب ہے کہ اُس شب اُس کے حضور ہو کر ادائے شہادت کرے۔

---

1 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۸/۱

2 ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۲

3 درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۸/۱

4 ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۲

5 طحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۸

6 ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۱/۲

(ش) نمبر ۷: علّامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وفی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامورمؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم۔[1]	عتابی میں ہے کہ جب دَور ایسے بادشاہ سے خالی ہو جو صاحبِ قدرت ہو تو اس وقت امور علماء کے سپرد ہوں گے اور اُمت پر لازم ہے کہ اس وقت وہ علماء کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المتبع اعلمھم فان استووااقرع بینھم۔[2]	علماء میں جو سب سے زیادہ صاحبِ علم ہوگا لوگ اُس کی اتباع کریں، اگر علم میں برابر ہوں تو ان میں قرعہ ڈال لیں۔ (ت)

تنبیہ: آج کل اسلامی ریاستوں میں بھی قضاۃ وحکام اکثر بے علم ہوتے ہیں، تو عالمِ دین اُن پر بھی مقدّم۔ اور وقتِ اختلاف فتوٰی عالم پر ہی عمل واجب۔

حکایت: امام الحرمین ابو المعالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے زمانے میں بادشاہِ وقت کے یہاں ۲۹ کے ہلال پر گواہیاں گزریں۔ بحکم سلطان اعلان ہوا کہ کل عید ہے، یہ خبر امامِ الحرمین کو پہنچی۔ گواہیاں قابلِ قبول نہ تھیں، امام کے حکم سے معًا دوسرا اعلان ہو اکہ بحکم امام ابو المعالی کل روزہ ہے۔ صبح کو تمام شہر روزہ دار اٹھا۔ حاسدوں نے یہ خبر خوب رنگ کر بادشاہ تک پہنچائی کہ اگر امام چاہیں تو سلطنت چھین لیں۔ ملاحظہ ہو کہ اُنہیں کا حکم مانا گیا اور حکمِ سلطان کی کچھ پروانہ ہُوئی۔ بادشاہ نے برافروختہ ہو کر چوب دار بھیجے کہ جیسے بیٹھے ہیں تشریف لائیں۔ امام ایک جبّہ پہنے تھے، ویسے ہی دربار میں رونق افروز ہوئے، اشتعال شاہی دوبالا ہوا کہ لباس درباری نہ تھا سوال کیا، فرمایا، اطاعتِ اولوالامر واجب ہے۔ حکم تھا جیسے بیٹھے ہیں آئیں، میں یُوں ہی بیٹھا تھا چلا آیا، کہا اعلان خلاف پر کیا باعث تھا؟ فرمایا: انتظامِ دنیا تمہارے سپرد ہے اور انتظام دین ہمارے متعلق۔ بادشاہ پر ہیبتِ حق طاری ہُوئی۔ باعزازِ تمام رخصت کی اور بدگویوں کو سزادی۔

تنبیہ: علمِ دین فقہ وحدیث ہے منطق وفلسفہ کے جاننے والے علماء نہیں، یہ امور متعلق بہ فقہ ہیں، تو جو فقہ میں زیادہ ہے وہی بڑا عالمِ دین ہے، اگرچہ دُوسرا حدیث وتفسیر سے زیادہ اشتغال رکھتا ہو پھر بھی عالمِ دین نہ ہوگا مگر سنی المذہب کہ فاسد العقیدہ جہل مرکب میں گرفتار جو جہل بسیط سے ہزار درجہ بدتر، خصوصًا غیر مقلدین کہ

---

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث فی المندوب الیہا مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث فی المندوب الیہا مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

فقہ وفتوٰی میں ان پر اعتماد تو ایسا ہے جیسے چور کو پاسبان بنانا۔

(م) نمبر۸: جہاں کوئی عالم بھی نہ ہو مجمع مسلمین مثلاً مسجد جامع وغیرہ میں گواہی دیں۔

(ش) نمبر۸: وان لم یوجد حاکم یشھد فی المسجد (جا)[1] جامع الرموز **قلت:** انما خص المسجد لہ بمحل الاجتماع و انما المقصود الاعلان لیحصل حیثما وجد وامجتمعین کما لایخفی۔	اگر حاکم موجود نہ ہو تو وہ مسجد میں گواہی دے (جامع الرموز) **قلت:** خاص مسجد کا ذکر اس لیے کہ وُہ محلِ اجتماع ہے اور مقصود اعلان ہوتا ہے تاکہ اعلان ایسی جگہ ہوجائے جہاں لوگ جمع ہوں، جیساکہ مخفی نہیں (ت)

(م) نمبر۹: جو بلاعُذر گواہی دینے میں تاخیر کرے گا پھر کہے گا میں نے دیکھا تھا اُس کی گواہی مردود ہوگی۔

(ش) نمبر۹: عذر کی صورت یہ کہ مثلاً شہر میں نہ تھا، دیہات میں دیکھا، وہاں سے اب آیا ہے، تواس کی گواہی سُن لیں گے، اور تاخیر سے وہی مراد کہ وقت حاجت کے بعد پھر نہ اُٹھا رکھے ہلال رمضان وعید الفطر میں پہلی ہی شب ہے۔

شھد وافی اٰخررمضان عــہ برؤیۃ ھلالہ قبل صومھم بیوم ان کانوافی المصر ردّت لترکھم الحسبۃ وان جاء وامن خارج قبلت من الفتح (ش)[2] **(ح) عــہ نمبر۹:** قولہ فی اٰخر رمضان، اقول من احاط بالدلیل علم ان الاٰخرلیس بقید بل لو شھد وامن غد بعد ما اصبح الناس مفطرین انارأینا الھلال البارحۃ وکانوافی المصر ولاعذر فسقواو ردت شھادتھم لترکھم الحسبۃ وقد علمت ذٰلک من نص العلماء ان الشھادۃ من	گواہوں نے رمضان کے آخری دن گواہی دی کہ انہوں نے اہلِ شہر کے روزہ شروع کرنے سے ایک دن پہلے چاند دیکھا تھا، اگر وُہ گواہ شہر کے رہنے والے ہوں تو گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انہوں نے گواہی میں تاخیر کی ہے اور اگر وُہ خارج شہر سے آئے ہوں تو ان کی گواہی مقبول ہوگی، یہ فتح سے شامی میں ہے۔ (ت) قولہ فی اٰخر رمضان۔ **اقول:** جس شخص نے دلیل کو خُوب جان لیا ہے اس پر واضح ہوگا کہ "الاٰخر" کا لفظ قید نہیں بلکہ اگر انہوں نے اس دن سے دوسرے دن گواہی دی جب لوگ صبح بے روزہ اُٹھے، اُنہوں نے کہا ہم نے گزشتہ رات چاند دیکھا اور وہ شہر کے رہنے والے تھے اور عذر بھی کوئی نہ ہو تو وُہ فاسق قرار پائیں گے ان کی گواہی مسترد ہوگی کیونکہ انہوں نے ذمہ داری کی خلاف ورزی

---

[1] جامع الرموز کتاب الصوم مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۱

فروض العین وانھا تجب فی لیلۃ الرؤیۃ حتی تخرج المخدرۃ والمنکوحۃ بدون اذن زوجھا ومولاھا[1] ۱۲(ملخصًا)	کی ہے اور آپ یہ بھی جان چکے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ شہادت فرضِ عین ہے اور یہ چاند دیکھنے والی رات میں ہی گواہی دینا لازم ہے حتی کہ پردہ نشین اور منکوحہ خواتین پر بغیر اجازت خاوند اور مولیٰ کے (چاند دیکھنے کے لیے نکلنا لازم ہے)۔(ت)

(م) نمبر۱۰: جب چاند پر نظر پڑے اور دیکھنے والوں کی گواہی کفایت نہ کرتی ہو، فوراً جہاں تک بن پڑے ایسے مسلمانوں کو دکھا دیں، جن کی گواہی کافی ہو، اور ویسے بھی دکھا دینا چاہئے کہ کثرت بہر حال بہتر ہے۔

(ش) نمبر۱۰: اقول: اگر مطلع صاف نہیں، دفعتاً ابر ہٹا اور اسے چاند نظر پڑا، اب یہ اس قابل نہیں کہ اس کی گواہی مسموع ہو، خواہ فاسق ہے یا مستور یا اکیلا یا صرف عورتیں یا غلام ہیں اور ہلال ہلالِ عیدین تو ان لوگوں کا دیکھنا کافی نہ ہوگا۔ اور عجب نہیں کہ ابر پھر آجائے۔ لہٰذا نہایت تعجیل کرکے ایسے معتمد مسلمانوں کو دکھا دے جن کی گواہیاں کفایت کرجائیں قال اللہ تعالٰی وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی[2] (اللہ تعالٰی کا فرمانِ مبارک ہے۔ نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ت) اس صورت میں تو بشرط قدرت معتمدین کو دکھانا لازم ہونا چاہئے، اور اگر ایسا نہیں بلکہ خود ان کی گواہی بس ہے، تاہم اوروں کا دکھانا اچھا ہی ہے کہ کثرتِ شہود بہر حال بہتر ہے عجب کیا کہ یہ اپنے نزدیک اپنی گواہی کافی سمجھیں اور حاکمِ شرع کو کسی وجہ سے اعتبار نہ آئے تو اور شہود کی حاجت پڑے ھذا کلہ ما ذکرتہ تفقھا وارجو ان یکون حسنًا اِن شاء اللہ تعالٰی (بندہ نے یہ تمام بطور استنباط کہا ہے اور امید ہے یہ اِن شاء اللہ درست ہوگا۔ت)

(م) نمبر۱۱: جس شام احتمالِ ہلال ہو جب تک حکم حاکمِ شرعی فتوٰی عالمِ دین نہ ہو ہرگز ہرگز کسی وجہ سے بندوقیں یا آواز کی آتش بازی اپنے دنیوی کاموں کے لیے بھی ہرگز نہ کریں۔

(ش) نمبر۱۱: اصطلاح یُوں ٹھہری ہُوئی ہے کہ جہاں اسلامی ریاست ہے بعد تحقیق ہلال توپ کے فَیر ہوتے ہیں اور شہروں میں بندوقیں یا ہوائیاں وغیرہ چھوڑتے ہیں، اب اگر ثبوت شرع ہوگیا اور حاکمِ شرع نے بھی حکم دے دیا جب تو یہ فعل مستحسن ہے کہ ایک نیتِ صالحہ سے کیا جاتا ہے اور آتشبازی کا ناجائز ہونا بوجہ اضاعت مال تھا، یہاں جاری نہیں کہ بعد غرض محمود کے اضاعت کہاں۔ ورنہ دو۲ صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اعلانِ ہلال کے سوا اور کسی وجہ سے یہ فعل کریں، مثلاً دوست کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، بندوقیں سرکیں، یا خالی بیٹھے مال ضائع کرنا چاہا، ہوائیاں،

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیما یثبت بہ الھلال نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۳۵۸، ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۱

[2] القرآن ۵/ ۲

ناٹریاں، توملریاں چھوڑیں۔ یہ ممنوع ہے کہ اس میں مسلمانوں کو دھوکا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ جاہلوں نے جو اپنے جاہلانہ مسئلوں سے بے حکمِ حاکم وفتوٰی عالم اپنے نزدیک رویت کی خبر ٹھیک جان کر پٹاخہ بازی شروع کردی۔ اور یہ بھی زیادہ ناجائز وحرام ہے کہ منصب رفیع شرع پر جرات ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم افتوا بغیرعلم فضلّوا واضلّوا۔[1] وعنه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اجئر کم علی الفتیا اجئر کم علی النار۔[2] ھذا کله ایضًا تفقهًا، ولااظن احدا یخالف فیه۔ واللّٰہ الهادی للصواب۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے: جو بغیر علم کے فتوٰی دیں گے خود بھی گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ بھی فرمانِ مبارک ہے: تم میں سے جو فتوٰی دینے میں زیادہ جرات کرے گا وہ جہنم میں جانے میں زیادہ جرات مند ہوگا۔ یہ تمام بھی بطور استخراج ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اس میں کوئی مخالفت نہیں کرے گا۔ اللہ ہی صواب کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے۔ (ت)

(م) نمبر ۱۲: ہلال دیکھ کر اس کی طرف اشارہ نہ کریں۔ **(ش) نمبر ۱۲:** کہ افعالِ جاہلیت سے ہے،

تکرہ الاشارۃ الی الهلال عندرؤیته لانّه فعل اهل الجاهلیة[3] (فتح القدیر)	چاند دیکھنے پر اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہلِ جاہلیت کا عمل ہے (فتح القدیر) (ت)

(م) نمبر ۱۳: ہلال دیکھ کر منہ پھیرلے۔ **(ش) نمبر ۱۳:** اقول حدیث میں ہے:

ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان اذارأی الهلال صرّف وجهه عنه۔[4] رواہ ابوداؤد عن قتادۃ مرسلا ولاشواهد وسنده ثقات۔	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب نیا چاند دیکھتے اپنا منہ (مبارک) اس کی طرف سے پھیر لیتے۔ اسے ابوداؤد نے حضرت قتادہ سے مرسلًا روایت کیا ہے اور اس کا شاہد کوئی نہیں اور اس کی سند ثقہ ہے (ت)

---

1 صحیح مسلم باب رفع العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۰

2 سنن الدارمی باب الفتیا حدیث ۱۵۹ نشر السنۃ ملتان ۱/۵۳

3 فتح القدیر فصل فی رؤیۃ الہلال نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

4 سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول الرجل اذارای الہلال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳۹

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ شر کی چیز ہے **افادہ المناوی فی التیسیر**[1] (مناوی نے تیسیر میں افادہ کیا۔ت)

اقول: یا یہ کہ کفار نے اُس کی عبادت کی اور شرع میں اُسے دیکھ کر اللہ جل جلالہ سے دُعا کرنی آئی، تو پسندیدہ ہُوا کہ منہ پھیر کر کی جائے تاکہ کفار سے مشابہت نہ لازم آئے۔ **واللہ و رسولہ اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔**

(م) **نمبر ۱۴:** یہ جو جاہلوں میں مشہور ہے کہ فلاں چاند تلوار پر دیکھے فلاں آئینے پر۔ یہ سب جہالت وحماقت ہے، بلکہ حدیث میں جو دُعائیں فرمائیں وُہ پڑھنی کافی ہیں۔

(ش) **نمبر ۱۴:** حدیث میں رؤیتِ ہلال کی بہت دُعائیں عـــہ۱ آئیں، بعض حصن حصین میں مذکور ہیں۔

(ح) عـــہ۲ **نمبر ۱۴:** فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ جہاں تک اس وقت اپنی نظر میں ہیں تمام ادعیہ حدیث کو مع اشارہ رموز مخرجین جمع کرتا ہے وباللہ التوفیق:

(می) اللہ اکبر اللہ اکبر الحمد للہ لاحول ولا قوّۃ اِلّا باللہ۔ اللھم انی اسئلک من خیر ھذا الشھر اعوذبک من شرّ القدر ومن شر یوم المحشر۔[2] (اطب) عن عبادہ بن الصامت، ھلال خیر ورشد امنت بالذی خلقک۔[3] (د) عن قتادۃ بلاغا، اللھم انی اسئلک من خیر ھذا (۳) اللھم انی اسئلک من خیر ھذا الشھر وخیر القدر واعوذ بک من شرہ[4] (۳) (طب) عن رافع بن خدیج باسناد حسن اللھم	(می) اللہ اکبر اللہ اکبر، الحمد للہ، برائی سے پھرنے اور نیکی کی طاقت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ماہ میں خیر مانگتا ہوں اور شر تقدیر اور شر قیامت سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں۔ (اطب) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اے خیر و رشد کے چاند، میں تیرے پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتا ہوں۔ (د) حضرت قتادہ سے مرسلاً مروی ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس میں خیر مانگتا ہوں۔ (۳) اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی اور تقدیر کی خیر مانگتا ہوں اور اس کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتا ہوں (۳) (طب) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ مروی ہے: اے اللہ!

[1] التیسیر تحت حدیث کان اذارای الہلال مکتبۃ الامام الشافعی ریاض سعودیۃ ۲/ ۲۴۹

[2] مسند احمد بن حنبل مرویات عبادہ بن الصامت دار الفکر بیروت ۵/ ۲۳۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب مایقول الرجل اذارای الہلال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳۹

[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۰۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۷۶

اهلّه علینا بالیمن والایمان والسلامة والسّلام۔[1] (اق ت ك حب) عن طلحة بن عبید الله باسناد حسن، والتوفیق لما تحب وترضی۔[2] حب عن طلحة (طب) عن ابن عمر، والسکینة والعافیة والرزق الحسن[3] (سن)عن حدیر السلمی مرسلا، ربی وربك الله۔[4] امی ت ك (حب) عن طلحة طب عن ابن عمر، الحمد لله الذی ذهب بشهر کذا[5] وعن قتادة بلاغا(سنّ) عن عبد الله بن مطرف اسئلك من خیر هذاالشهرونوره و برکته وهداه وطهوره ومعافاته[6] (سنّ)مثله، اللهم ارزقنا خیره ونصره وبرکته وفتحه ونوره ونعوذبك من شره وشرما بعده[7] (مومص)عن علی موقوفا۔	اس چاند کو ہم پر برکت، ایمان، سلامتی اور امن والا بنادے۔(ا،ق ت ک حب) حضرت طلحہ بن عبید اللہ سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے اور اس چیز کی توفیق دے جو تجھے پسند اور تو اس سے راضی ہے(حب) نے طلحہ سے اور (طب) نے حضرت ابن عمر سے یہ الفاظ بھی نقل کئے سکون، عافیت اور رزق حسن مانگتا ہوں، (سن) نے حضرت حدیر السلمی سے مرسلًا روایت کیا میرا رب اور تیرا رب اللہ ہے (امی ت ک حب) نے حضرت طلحہ سے اور طب نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا، تمام حمد اس اللہ کی جو گزشتہ ماہ اسے لے گیا، حضرت قتادہ سے بلاغًا، اور (سن) نے حضرت عبداللہ بن مطرف سے روایت کیا ہے اے اللہ! میں تجھ سے اس ماہ کی خیر، اس کا نور، اس کی برکت، اس کی ہدایت، اس کی طہارت اور عافیت مانگتا ہوں۔

(سن) نے اس کی مثل روایت کیا۔ اے اللہ! ہمیں اس کی خیر، مدد، برکت، رحمت، فتح اور نور عطا فرما اور ہم اس کے اور اس کے مابعد کے شر سے تیری پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اسے (مومص) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے موقوفًا روایت کیا ہے۔(ت)

1 جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۴۹۸/۲

2 الاحسان بترتیب ابن الحبان حدیث ۸۸۵ باب الادعیۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷۰/۳

3 عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۶۴۵ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن انڈیا ص ۱۷۵

4 جامع ترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۴۹۸/۲

5 عمل الیوم واللیۃ حدیث ۶۴۷ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن انڈیا ص ۱۵۷

6 عمل الیوم واللیۃ حدیث ۶۴۷ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن انڈیا ص ۱۵۷

7 المصنف ابن ابی شیبہ حدیث ۹۷۹۶ کتاب الدعوات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۳۹۹/۱۰ - ۴۰۰

(م) **نمبر ۱۵:** چاند پر جب کبھی نظر پڑے تواس کے شر سے پناہ مانگے۔

(ش) **نمبر ۱۵:** ترمذی، نسائی، حاکم اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چاند کو دیکھ کر فرمایا:

یاعائشۃ استعیذی باﷲ من شر ھذا. فانّ ھذا ھوالغاسق اذا وقب۔[1]	اے عائشہ! اللہ تعالٰی کی پناہ مانگ اس شر سے کہ یہی ہے وہ اندھیری ڈالنے والاجب ڈوبے یاگہنائے،

یعنی قرآن عظیم میں جس غاسق کا ذکر فرمایا وَمِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ[2] اور اس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم آیا اس سے یہی چاند مراد ہے۔

فصل دوم:

اُن امور میں جن کا دربارہ تحقیق ہلال کچھ اعتبار نہیں، بیس ۲۰ قمر پر مشتمل

(م) **قمر ا نمبر ۱۶:** اہل ہیأت کی بات کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ عادل ہوں اگرچہ کثیر ہوں، نہ ہی خود اس پر عمل جائز۔ (ش) قمر ا/۱۶ اہل ہیئت وُہ لوگ جو آسمانوں کے حال اور ستاروں کی چال سے بحث کرتے ہیں، وُہ اپنے حساب ؏۱ سے بتاتے ہیں کہ فلاں دن رؤیت ہوگی فلاں مہینہ انتیس ۲۹ کا ہوگا فلاں تیس ۳۰ کا۔ پھر اُن کی بات کہ ایک حساب ہے ٹھیک بھی پڑتی ہے، پر صحیح مذہب میں اُس کا کچھ اعتبار نہیں اگرچہ وُہ ثقہ عادِل ہوں، اگرچہ اُن کی جماعت کثیر یک زبان ایک ہی بات پر اتفاق کرے۔ مثلاً وہ ۲۹ شعبان کو کہیں آج ضرور رؤیت ہوگی کل یکم رمضان ہے۔ شام کو ابر ہوگیا، رؤیت کی خبر معتبر نہ آئی، ہم ہرگز رمضان قرار نہ دیں گے، بلکہ وہی یوم الشك ٹھہرے گا، یا وہ کہیں آج رؤیت نہیں ہوسکتی، کل یقیناً ۳۰ شعبان ہے، پھر آج ہی رؤیت پر معتبر گواہی گزری، فوراً قبول کرلیں گے اور کچھ خیال نہ کریں گے کہ بربنائے ہیئت تو آج رؤیت ناممکن تھی۔ گواہ نے دیکھنے میں غلطی کی، یا غلط کہا، دلیل اس مسئلے اور اکثر مسائل آئندہ کی جو قمر ۵ تک آئیں گے یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صوم وفطر کا حکم رؤیت پر معلّق فرمایا، صحیحین وغیرہما میں بطریق کثیرہ بہت صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے مروی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ الفلق، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۴۸۵

[2] القرآن ۱۱۳/ ۳

صوموا الرؤیتہ وافطروا لرؤیتہ فان اغمی علیکم فاکملوا عدّۃ شعبان ثلثین۔[1]	چاند دیکھ روزہ رکھو، چاند دیکھ کر ختم کرو۔ اور اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس ۳۰ کی گنتی پُوری کرلو۔ (ت)

پس ہمیں اسی پر عمل فرض ہے، باقی رہا حساب، اسے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یک لخت ساقط کردیا، صاف ارشاد فرماتے ہیں،

انا امیۃ لا نکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا والشھر ھکذا وھکذا۔[2] رواہ عـــہ۲ الشیخان ابوداؤد و نسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ہم اُمّی امت ہیں، نہ لکھیں نہ حساب کریں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں تین بار اُٹھا کر فرمایا مہینہ یُوں اور یُوں اور یُوں ہوتا ہے۔ تیسری دفعہ میں انگوٹھا بند فرمالیا یعنی انتیس' اور مہینہ یوں اور یُون ہوتا ہے، ہر بار سب انگلیاں کھلی رکھیں یعنی تیس۔ (اسے امام بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

ہم بحمد اللہ ولہ المنّۃ اپنے نبی اُمّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمّی اُمّت ہیں، ہمیں کسی کے حساب کتاب سے کیا کام، جب تک رؤیت ثابت نہ ہوگی نہ کسی کا حساب سُنیں' نہ تحریر مانیں، نہ قرائن دیکھیں، نہ اندازے جانیں۔

لاعبرۃ بقول الموقتین ولو عدولا' علی المذھب بل فی المعراج' لا یعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ وفی النھر' فلا یلزم بقول الموقتین انہ ای الھلال یکون فی السماء لیلۃ کذا وان کانوا عدولا فی الصحیح کما فی الایضاح اھ وفی القنیۃ عن ابن مقاتل انہ کان یسألھم ویعتمد علی قولھم اذا اتفق علیہ جماعۃ منھم ثم نقل عن شرح السرخسی انہ بعید وعن مجد الائمۃ انہ اتفق اصحاب ابی حنیفۃ الا النادر عـــہ۳	صحیح مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول معتبر نہیں اگرچہ وُہ عادل ہوں، بلکہ معراج میں ہے کہ ان کا قول بالاجماع معتبر نہیں' اور نجومی کو خود اپنے حساب پر عمل کرنا درست نہیں۔ نہر میں ہے نجومیوں کا یہ قول کہ فلاں رات کو آسمان پر چاند نظر آئے گا صحیح روایت کے مطابق ان کے اس قول سے روزہ لازم نہ ہوگا، اگرچہ نجومی عادل ہو جیسا کہ ایضاح میں ہے اھ قنیہ میں ابن مقاتل سے مروی ہے کہ نجومیوں سے سوال کیا جائے اور اگر ان کی ایک جماعت کا اتفاق ہوجائے تو ان کے قول پر اعتماد کیا جائے، پھر شرح سرخسی سے نقل کیا ہے کہ یہ بعید (از قیاس) ہے، مجد الائمہ

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

[2] صحیح بخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۶

والشافعی انہ لا اعتماد قولھم [1] ش ملخصا	سے مروی ہے کہ کچھ شاذ احناف کو چھوڑ کر باقی تمام احناف اور شوافع اس پر متفق ہیں کہ نجومیوں کے قول پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ شامی ملخصاً (ت)

تنبیہ: اس مسئلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو بات وہ بطور ہیأت کہیں مقبول نہیں ورنہ اگر شہادت رؤیت ادا کریں تو مثل اور لوگوں کے ہیں، جن شرائط سے اوروں کی گواہی سُنی جاتی ہے اُن کی بھی گواہی قبول ہوگی، پھر اُن کا قابل شہادت ہونا جبھی ہے کہ ہیأت و نجوم کی خلافِ شرع باتوں پر اعتقاد نہ کرتے ہوں صرف صناعی طور پر آسمان کی گردشوں، ستاروں کی چالوں، طلوع وغروب، جوع واستقامت، بطؤ و سرعت، قرآن، تسدیس تربیع، تثلیث، مقابلہ، اجتماع وغیرہ سے بحث کرتے ہوں، ورنہ مثلاً امورِ غیب پر احکام لگانا سعد و نحس کے خرخشے اٹھانا، زائچہ کے راہ پر چلنا چلانا، اوتاد اربع، طالع رابع، عاشر، سابع پر نظر رکھنا زائلہ مائلہ کو جانچنا پرکھنا، شرعاً ہجر ہے۔ اور اعتقاد کے ساتھ ہو تو قطعاً کفر، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ اسی قبیل سے ہے ان کا کہنا کہ فلاں دن رؤیت واجب ہے فلاں دن محال۔ اگر وجوب واستحالہ عادی مراد لیتے ہیں تو خیر کہ سنۃ اللہ کیلئے تبدیل نہیں، ورنہ حقیقی و عقلی کا قصد معاذاللہ کُھلا ہوا کفر ہے۔ اعاذنا اللہ بمنہ العظیم، اٰمین (اللہ تعالٰی اپنے بڑے احسان پر ہمیں محفوظ رکھے، آمین۔ ت)

اہل تنجیم میں قرار پایا ہے کہ جب تک چاند آٹھ درجے آفتاب سے دور نہیں ہوتا ہرگز نظر نہیں آتا صرح بہ الفاضل الرومی (اس پر فاضل رومی نے تصریح کی ہے۔ ت) اور جب ۱۲ درجے جُدا ہوتا ہے ضرور نظر آتا ہے نص علیہ علامۃ الشریف (علامہ شریف نے اس پر نص کی ہے۔ ت) پھر وہ ۲۹ تاریخ مغرب کی تقویم یعنی اُس وقت فلک بروج سے شمس و قمر کے مواضع نکال کر فصل دیکھتے ہیں اگر آٹھ درجے سے کم پایا حکم لگادیا کہ آج رؤیت ہرگز نہ ہوگی اور ۱۲ یا ۱۲ سے زائد دیکھا تو جزم کردیا کہ ضرور ہوگی، اور اس کے مابین معلوم ہوا تو رؤیت ہلال مشکوک رکھتے ہیں، پھر منجمان ہند کی ادا کچھ نرالی ہے۔ فقیر نے بارہا دیکھا کہ ۲۹ کی مغرب کو قمر ۱۲ درجے سے بہت زیادہ دُور ہے پھر بھی اُنہوں نے کل کی رؤیت رکھی۔ خیر یہاں یہ کہنا ہے کہ حکمائے یُونان اُن کے قواعد وضع کرچکے خود بھی ان پر مطمئن نہیں، تصریح کرتے ہیں کہ احوال قمر کا آج تک انضباط نہ ہُوا پھر ایسے شاک وشاک فی انہ شاک بات کا کیا اعتبار،

سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾ [2] اقول: و	پاک ہے تیری ذات ہمیں علم نہیں مگر اتنا جو تُونے ہمیں سکھایا، بلاشبہ تُو ہی جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۰

[2] القرآن ۲/ ۳۲

وبھذا یردما اعتمدہ الامام السبکی من الشافعیة وصوبه الزرکشی منھم وجنح الیه بعض منّا من جوزالاعتماد علی قولھم بناءً علی ان الحساب قطعی والشھادۃ ظنّی قلنا ھذا الحساب ایضا لیس من القطع فی شئی کما علمت واحتمال الغلط لیس باقل من احتماله فی خبر العدل والشارع صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قد الغی الحساب ونزل الشھادۃ بمنزلة الیقین وبالجملة فالمذھب عدم جواز الاعتماد علیھم اصلا ۱۲۔	اقول اس سے اس کا رَد ہو جاتا ہے جس پر شوافع میں سے امام سبکی نے اعتماد کیا ہے اور ان میں سے زرکشی نے اس کی تصویب کی۔ اور ہم احناف میں سے بعض نے ان کی طرف جھکاؤ کیا کہ ان کے قول پر اعتماد جائز ہے اس بناء پر کہ حساب قطعی ہوتا ہے اور شہادت ظنی۔ ہم کہتے ہیں کہ حساب بھی کسی معاملہ میں قطعی نہیں جیسا کہ آپ جان چکے، اور غلطی کا احتمال خبر عادل میں احتمال سے کم نہیں، اور شارع صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیه وسلم نے حساب کو لغو قرار دیا اور شہادت کو بمنزل یقین فرمایا، الغرض مذہب صحیح یہی ہے کہ اہل، توقیت (نجومیوں) پر اعتماد جائز نہیں (ت) اسے بخاری نے کتاب الصوم میں روایت کیا ہے اور باب کا نام "حضور علیه الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہم نہ لکھیں اور نہ حساب کریں" فاضل مرحوم عبدالحٰہ لکھنوی کا "القول المنشور" میں اسے صرف مسلم کی طرف منسوب کرنا قلّتِ مطالعہ ہے ۱۲ (ت) **اقول**: یہاں حرف استثناء لفظ شافعی کے بعد ہونا چاہئے کیونکہ ان میں سے کچھ حضرات نے اہلِ ہیئت پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ آپ سُن چکے ہیں۔ (ت)
(ح) ۱/ ۱۶: عــہ۲ :قدرواہ البخاری فی کتاب الصوم وعقدله، باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانکتب ولانحسب، فقصر الفاضل المرحوم عبدالحی اللکھنوی فی "القول المنشور" عزوہ علی مسلم تقصیر ۱۲۔	
(ح) ۱۶/۱: عــہ۳: **اقول**: الاولٰی تاخیر الاستثناء بعد الشافعی لان من اصحابه ایضامن اعتمد علیھم کما سمعت ۱۲۔	

(م) قمر ۲: اخیر میں دو ایک رات ضرور بیٹھتا ہے **نمبر ۱۷** پر شریعت میں اس پر مدارِ حکم نہیں۔

(ش) قمر ۲/ ۱۷: مہینہ انتیس کا ہوتا ہے تو ایک رات بیٹھتا ہے، تیس کا ہو تو دو رات، پھر آج صبح کو طلوعِ شمس سے پہلے چاند جانبِ شرق نظر آیا تھا اور آج شام کی نسبت شہادت شرعی رؤیت پر گزری، بلاشُبہ قبول کی جائے گی اور یہ لحاظ نہ ہوگا کہ آج صبح تک تو چاند موجود تھا بن ڈوبے کیونکر ہلال عــہ ہو گیا۔

روی یوم التاسع والعشرین قبل الشمس	طلوع شمس سے پہلے انیتسویں دن کو چاند دیکھا گیا

ثم رؤی لیلة الثلاثین بعد الغروب و شھدت بینة شرعیة بذلك فان الحاکم یحکم برؤیته لیلا کما ھو نص الحدیث ولا یلتفت الی قول المنجّمین انه لا یمکن رؤیته صباحًا ثم مساء فی یوم واحد، کیف وقد صرحت ائمة المذھب الاربعة بان الصحیح انه لا عبرة بقول المنجمین [1] ش ملخصا۔	طلوع شمس سے پہلے انیتسویں دن کو چاند دیکھا گیا پھر غروب کے بعد تیسویں رات کو دیکھا گیا اور اس پر شرعی گواہی بھی ہُوئی تو حاکم رات کی رؤیت پر فیصلہ دے جیسا کہ اس پر حدیث میں تصریح ہے اور اہل نجوم کے اس قول کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ایک ہی دن میں چاند صبح اور شام دکھائی دے، یہ کیوں نہ ہو، حالانکہ ائمہ مذاہب نے تصریح کی ہے کہ صحیح مذہب یہی ہے کہ اہلِ نجوم کے قول کا اعتبار نہیں، شامی ملخصًا (ت)

(ح) ۱۷/۲: عـــہ چاند سورج دونوں کی اپنی چال مغرب سے مشرق کو ہے، اور حرکتِ یومیہ جس کے بسبب طلوع و غروب روزانہ ہوتا ہے مشرق سے مغرب کو تو چاند صبح کے وقت جب ہی نظر آئیگا کہ سورج کے پیچھے ہو یعنی جانب مغرب ہٹا ہوا ہو کہ اگر جانبِ مشرق بڑھا ہو تو آفتاب اس سے پہلے طلوع کرے گا، صبح کے وقت چاند آفتاب سے بھی زیادہ زیرِ زمین اترا ہو گا نظر کیونکر آئے، اور جب پیچھے ہے تو افقِ مشرقی پر سورج سے پہلے چمک آئیگا، آفتاب ہنوز زیرِ زمین ہوگا، تو نظر آسکتا ہے بشرطیکہ ۸ درجے سے کم نہ ہو، ورنہ اتنے قرب میں سورج کی شعاعیں اُسے چُھپالیں گی، نظر کام نہ کرسکے گی۔ اسی طرح شام کو مغرب میں جب ہی نظر آتا ہے کہ سورج کے آگے یعنی جانبِ مشرق بڑھا ہو کہ اگر جانبِ مغرب ہٹا ہوگا تو سورج سے پہلے ڈوب جائے گا، اور جب آگے ہے تو افق غربی پر بعد غروب آفتاب باقی رہے تو نظر آنا ممکن بشرطیکہ آٹھ درجہ سے کم فصل نہ ہو۔ جب یہ بات سمجھ لی تو اگر آج صبح کو نظر بھی آئے پھر شام کو ہلال بھی ہو تو لازم ہے کہ صبح کو آٹھ درجے پیچھے تھا شام کو لااقل آٹھ درجے آگے ہوگیا، چار پہر میں سولہ درجے طے کرگیا، حالانکہ وہ کبھی آٹھ پہر کامل میں بھی اتنا نہیں چلتا اس وجہ سے ہیأت والے اجتماع رؤیتِ صبح و شام کو ناممکن کہتے ہیں، مگر جب ثبوت شرعی ہو تو انکار کا کیا یارا، اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (بلاشبہ اللہ تعالٰی ہر شیئ پر قادر ہے۔ ت)

(م) قمر ۳ نمبر ۱۸: انتیس ۲۹ رات کی صبح کو چاند نظر نہیں آتا، شرع اِسے بھی نہیں سنتی۔

(ش) ۱۸/۳: یہ دعوی دعوی اول سے اخصّ ہے وہاں دو ایک رات بیٹھنا تھا، عام ازیں کہ ۲۹ کو ڈوبے یا ۳۰ کو، یہاں خاص دعوی ہے کہ ۲۹ کو ضرور ڈوبتا ہے، شرع میں اس پر بھی لحاظ نہیں۔ مثلاً ۲۹ شعبان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲ /۱۰۴

روز یکشنبہ کو شام کے وقت ابر تھا، گواہانِ شرعی نے رؤیت بیان کی، صبح کو رمضان ٹھہرا، اب جو گنتی ہوئی آئی تو ۲۹ رمضان دو شنبہ کو طلوع شمس سے پیشتر چاند موجود تھا، اس پر کوئی خیال کرے دوشنبہ کی پہلی ہوئی تو آج ۲۹ کو چاند صبح کے وقت کیونکر نظر آتا، ضرور ہے کہ گواہوں نے غلطی کی شعبان ۳۰ کا ہُوا، آج ۲۸ ہے ابر ہُوا تو اسی حساب پر رمضان کے ۳۰ پُورے ہوں گے، تو یہ خیال محض غلط ہوگا بلکہ وہی دوشنبہ کی ۲۹ ٹھہرے گی اور اسی پر بناء احکام رہے گی والدلیل علی ذلک مع السند قد انطوی فیما قدمنا (اور اس پر دلیل مع سند ہماری سابقہ گفتگو میں آچکی ہے۔ت)

(م) قمر ۴ نمبر ۱۹: دن کو دوپہر سے پہلے چاند جب ہی نظر آتا ہے کہ شبِ گزشتہ ہلال ہو چکا ہو، پر صحیح مذہب میں اس کا بھی لحاظ نہیں۔

(ش) ۱۹/۴: یعنی مثلاً پنجشنبہ ۲۹ شعبان یا ۲۹ رمضان کو ابر تھا رؤیت نہ ہوئی جمعہ کی دوپہر عہ سے پہلے چاند نظر آیا تو اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ شبِ جمعہ میں ہلال ہوگیا، ورنہ دوپہر سے پہلے نظر نہ آتا۔ تو آج پہلی ہونی چاہئے۔ مگر صحیح مذہب میں اس کا کچھ لحاظ نہ ہوگا اور آج تیس ہی ٹھہرے گی۔

رؤیته بالنهار للیلة الاٰتیة مطلقا علی المذهب ذکره الحدادی(ای سواء روی قبل الزوال او بعده علی المذهب الذی هو قول ابی حنیفة و محمد[1] (ملخصاً)(ش) اوجب الحدیث ای قوله علیه الصلٰوة والسلام صوموالرؤیته وافطر والرؤیته،فوجب فسبق الرؤیة علی الصوم و الفطر و المفهوم المتبادر منه الرؤیة عند عشیة اٰخرکل شهر عند الصحابة والتابعین ومن بعدهم بخلاف ماقبل الزوال من الثلثین و المختار	دن کو دیکھا جانے والا چاند مذہب صحیح کے مطابق ہر حال میں آئندہ رات کا شمار ہوگا۔ اسے حدادی نے ذکر کیا مذہب صحیح جو امام اعظم اور امام محمد کا مذہب ہے کے مطابق خواہ زوال سے پہلے دکھائی دے یا زوال کے بعد) (شامی) یہ اس حدیث نبوی علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام سے ثابت ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو، تو اس سے چاند کی رؤیت کا روزے اور عید سے پہلے ہونا ضروری ہے، اس سے متبادر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند کی رؤیت جو ہر ماہ کی آخری شام کی ہو، مراد ہے۔ یہی صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے اہلِ علم نے کہا ہے، بخلاف تیسویں دن کے ماقبل الزوال دکھائی دینے کے، اور مختار امام اعظم

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۰۳

قولهما[1] (فت)(فتح القدیر) وکذا صرح باختیارہ فی ع وخز (خزانة المفتین) و ص (خلاصة) و ق(قاضی خان) ومروبز(بزازیة) وجو (جواهر الاخلاطی) ومج(مجمع الانهر) وب (بحرالرائق) والاختیار وجامع المضمرات والعنایة والغیاثیة والتتارخانیة والتجنیس وغیرها۔	اور امام محمد کا قول ہی ہے (فتح القدیر) اس کے مختار ہونے پر ع، خزانۃ المفتین، خلاصہ، قاضی خاں، مر، بزازیہ، جواہر الاخلاطی، مجمع الانہر، بحر الرائق، اختیار، جامع المضمرات، عنایہ، غیاثیہ، تتارخانیہ اور تجنیس وغیرہ میں تصریح ہے۔(ت)

(ح) ۱۹/۴ عــہ: دوپہر سے پہلے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر بعد زوال نظر آیا تو عامہ کتب پر کسی کے نزدیک گزشتہ رات نہ ٹھہرے گا کہ تیس ۳۰ کا چاند بھی اکثر دن سے نظر آجاتا ہے مگر دوپہر ڈھلنے کے بعد،

هکذا فی عامة الکتب کالبدائع والایضاح والمنظومة والخانیة وطم وش والبزازیة والعتابیة والذخیرة والتتارخانیة وجامع الرموز وجواهر الاخلاطی والاختیار والبحرو التبیین والمجتبٰی والقنیة ومجمع البحرین و شرحه لابن ملك وشرح الکنز لملّامسکین و غیرها و وقع فی المجمع الانهر تبعالما فی الفتح من التحفة انه عند ابی یوسف اذارؤی قبل الزوال اوبعدہ الی وقت العصر فللما ضیة وبعدہ للمستقبل[2]	عام کتب میں اسی طرح ہے مثلاً بدائع، ایضاح، منظومہ، خانیہ، طم، شامی، بزازیہ، عتابیہ، ذخیرہ، تتارخانیہ، جامع الرموز، جواہر الاخلاطی، اختیار، بحر، تبیین، قنیہ، مجمع البحرین اور اس کی شرح لابن ملک، اور شرح کنز لملّا مسکین وغیرہ اور مجمع الانہر میں فتح کی اتباع میں اور وہاں تحفہ سے ہے کہ امام ابو یوسف کا قول یہ ہے کہ جب چاند زوال سے پہلے یا اس کے بعد عصر تک دکھائی دے تو وہ گزشتہ رات کا ہوتا ہے اور اگر اس کے بعد نظر آئے تو وُہ آئندہ رات کا ہوگا۔(ت)

(م) قمر ۵ نمبر ۲۰: کے بڑے ہونے کا کچھ خیال نہ چاہئے۔

[1] کنزالعمال بحوالہ معجم الکبیر حدیث ۲۳۸۴۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴/ ۲۲۰

[2] کنزالعمال بحوالہ معجم الاوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴/ ۲۲۰

(ش ۲۰/۵): بہت لوگ چاند کو بڑا دیکھ کر کہنے لگتے ہیں کہ کل کا ہے یا آج ۲۹ نہ تھی ۳۰ تھی کہ ۲۹ کا چاند اتنا بڑا نہیں ہوتا، یہ اُن کی خام خیالی ہے، شرعی معاملے تو اوپر ہو چکے کہ وہاں قیاسی باتوں کا دخل نہیں اور بطور علم ہیأت ہی چلئے تو اِن شاء اللہ تعالٰی فقیر ثابت کرسکتا ہے کہ ۲۹ کا چاند بعض ۳۰ کے چاندوں سے بڑا ہونا ممکن۔ اور سب سے بڑھ کر دافع اوہام یہ ہے کہ طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اقتراب الساعۃ انتفاخ الاھلۃ۔[1]	قربِ قیامت کا ایک اثر یہ ہے کہ ہلال بڑے نظر آئیں گے۔

اور معجم اوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مِن اقتراب الساعۃ ان یری الھلال قبلا فیقال ھو للیلتین[2] الحدیث۔	قُربِ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ ہلال سامنے ہی نظر پڑے گا دیکھنے والا کہے گا کہ دو ۲ رات کا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں ابوالبختری سے مروی ہے کہ ہم عمرے کو نکلے بطنِ نخلہ میں ہلال دیکھا کسی نے کہا تین ۳ رات کا ہے، کسی نے کہا دو ۲ رات کا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حال عرض کیا، فرمایا: تم نے کس رات دیکھا؟ ہم نے کہا فلاں رات۔ کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّ اللہ تعالٰی امدہ عہ۱ للرؤیۃ فھو للیلۃ عہ۲ رأیتموہ۔[3] (ح ۱۲/۵): عہ۱ ای جعل وقت الصوم ممتدّا الی زمان رؤیۃ الھلال ۱۲۔ عہ۲: وقع ھٰھنا فی القول المنشور للفاضل اللکھنوی لرؤیۃ رأیتموہ وھو تصحیف ۱۲	اللہ تعالٰی نے اُسے رؤیت پر موقوف فرمایا ہے تو جس رات تم نے دیکھا اُسی رات کا ہے۔ اللہ تعالٰی نے وقت صوم کو رؤیت کا چاند کے زمانہ تک طویل (ممتد) کیا ہے ۱۲ (ت) اور القول المنشور میں فاضل لکھنوی نے "لرؤیۃ رایتموہ" تحریر کیا ہے یہ تصحیف ہے ۱۲ (ت)

(م) قمر ۶: نہ اس نمبر ۲۱ کے اونچے ہونے پر نظر قمرے نہ اس کے دیر تک ٹھہرنے پر التفات۔

(ش ۲۱/۶) بہت لوگ چاند عہ اونچا دیکھ کر بھی ایسی ہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، بعض کہتے ہیں اگر ۲۹ کا ہوتا تو اتنا

[1] کنز العمال بحوالہ معجم الکبیر حدیث ۳۸۴۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴ /۲۲۰

[2] کنز العمال بحوالہ معجم الاوسط حدیث ۳۸۴۷۰ مکتبۃ التراث الاسلامی مصر ۱۴ /۲۲۰

[3] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۸

نہ ٹھہرتا۔ یہ سب بھی ویسے ہی اوہام ہیں جن پر شرع میں التفات نہیں، خصوصًا یہ باتیں تو ازرُوئے ہیأت بھی کلیہ نہیں ہوسکتیں، میں اِن شاء اللہ تعالٰی ثابت کرسکتاہوں کہ کبھی ۲۹ کا ۳۰ کے بعض ہلالوں سے اونچا اور دیر پا ہونا متصور۔

(ح) ۲۱/۶ عہ: اونچا ہونا اور دیر تک رہنا غالبًا زیادت فصل سے ہوتا ہے اور یہ ہم اوپر واضح کرچکے کہ کبھی ۲۹ کا بہ نسبت ۳۰ والے کے سورج سے دُور تر ہوتا ہے تو غالبًا اُتنا ہی اُونچا بھی ہوگا اور اتنا ہی دیر میں ڈوبے گا۔ علاوہ ازیں دقائق ہیأت پر نظر کیجئے تو باوجود استوائے فصل ایک حالت میں بلند تر و دیر پا تر ہونا ممکن وذلک یبتنی علی مقدمات طویلۃ لو تکلمنا علیہا لخرجنا عما نحن بصددہ ۱۲ (اور یہ طویل مقدمات پر مبنی ہے اگر ہم ان پر گفتگو شروع کردیں تو زیرِ نظر موضوع سے کہیں دُور نکل جائیں گے ۱۲۔(ت)

(م) قمر ۸: آج کا ہلال نمبر ۲۲: شفق سے پہلے ڈوبتا ہے کل کا بعد کو، یہ بھی معتبر نہیں۔

(ش) ۲۲/۸: شفق سے مراد شفقِ احمر ہے یعنی وُہ سرخی جو غروبِ آفتاب کے بعد جانبِ مغرب رہتی ہے۔ عادت یُوں ہے کہ جو ہلال اسی شب ہُوا وہ اس سُرخی کے غائب ہونے سے پہلے ڈوب جاتا ہے، اور جو کل ظاہر ہُوا تھا اس کے بعد غروب کرتا ہے۔ پھر یہ بھی تجربہ کی بات ہے، صحیح مذہب میں اس پر اعتماد نہیں

فی مختارات النوازل وقیل ان غاب بعد الشفق فھو للماضیۃ وان غاب قبل الشفق فھوللمستقبلۃ اھ[1] وھکذا ذکرہ مضعفا مقابلا لمذھب الصحیح المختار اعنی کونہ للمستقبلۃ مطلقا فی مج وفت وق وبزوغیرھا من اسفار کثیرۃ۔	مختار النوازل میں ہے بعض نے کہا کہ اگر شفق کے بعد چاند غروب ہوگیا تو وُہ گزشتہ رات کا ہوگا اور اگر شفق سے پہلے غروب ہوگیا تو وُہ آئندہ رات کا ہوگا اھ یُونہی یہ ضعیف قول مذہب صحیح اور مختار کے مقابل ذکر کیا ہے، اور مذہب صحیح یہ ہے کہ وہ چاند ہر حال میں آئندہ رات کا ہوگا مج، فتح القدیر، قنیہ، بزازیہ، اور دیگر کتبِ معتمدہ میں یُونہی ہے (ت)

(م) قمر ۹: تیسری رات نمبر ۲۳ عشاء سے پہلے چاند نہیں ڈوبتا، پر یہ بھی قابلِ لحاظ نہیں۔

(ش) ۲۳/۹: عادت اکثری یُوں ہے کہ تیسری شب کا چاند غروب نہیں کرتا جب تک عشاء کا وقت نہ آجائے۔ حدیث شریف میں نمازِ عشاء کی نسبت ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلّیھا لسقوط القمر	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھا کرتے جس وقت تیسری رات کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

لثالثۃ۔[1] رواہ ابوداؤد عن النعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ نماز اس وقت پڑھا کرتے جس وقت تیسری رات کا چاند ڈوبتا ہے (اسے ابوداؤد نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

پر معاملہ ہلال میں شرعًا اس پر بھی التفات نہیں مثلًا گواہی گزری کہ آج چاند ہوا کل جمعہ کی یکم رمضان ہے اب شنبہ کے بعد جو شب یکشنبہ آئی کہ اس شہادت کی رُو سے تیسری شب تھی، اس میں دیکھا تو چاند مغرب ہی کے وقت عشاء کا وقت آنے سے پہلے ڈوب گیا جس کے سبب گمان ہوتا ہے کہ آج شبِ دوم ہے اس کا کچھ خیال نہ کریں گے اور تیسری ہی رات قرار دیں گے۔تنبیہ: اقول: وباللہ التوفیق بے شک اِس شہادت پر عمل میں معاذاللہ حدیث کی کچھ مخالفت نہیں، بلکہ عین حکمِ حدیث پر چلنا ہے۔ حضور اقدس سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقتِ عشاء دیکھ کر نماز شروع فرماتے، وہ اس اکثری امر کے سبب غالبًا اس وقت سے موافق پڑتی، یایُوں سہی کہ زمانہ اقدس میں ہمیشہ ہی مطابق آئی، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ حضور نے ایک وقت بھی اِس غروبِ قمر پر وقتِ نماز کی بنا رکھی ہو نہ کہ اُسے ابدی غیر ممکن الخلف جانتے نہ کہ اس کے سبب امر صوم میں شہادتِ شرعیہ جسے شرع نے مثلِ رؤیت عین قرار دیا رو کی جائے۔

سئل فیما غاب الھلال باللیلۃ الثالثۃ قبل دخول وقت العشاء ھل یعمل بالشھادۃ امر لا، اجاب، المعمول بہ ما شھدت البینۃ لان الشھادۃ نزلھا الشارع منزلۃ الیقین ولیس فی العمل بالبینۃ مخالفۃ لصلٰوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] (ش)عن فتاوی العلامۃ الشھاب الرملی الکبیر الشافعی ملخصا وھذاواضح جدّاعہ وللہ الحمد۱۲۔ (ح) ۲۳/۹: عــہ **اقول**: وبتقریرنا ھذا	سوال کیا گیا کہ جب تیسری رات کا چاند دخولِ وقتِ عشا سے پہلے غائب ہو جائے تو کیا شہادت پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب یہ دیا کہ اس پر عمل کیا جائیگا جس پر گواہی ہُوئی کیونکہ گواہی کو شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام نے یقین کا مقام قرار دیا ہے اور گواہوں پر عمل کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے مخالف نہیں یہ شامی نے علامہ شہاب رملی الکبیر الشافعی کے فتاوٰی سے ملخصًا نقل کیا ہے اور یہ نہایت ہی واضح ہے، حمد اللہ کے لیے ہے ۱۲(ت) **اقول: بحمد اللہ** ہماری اس تقریر سے واضح

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۶۰/۱

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۱۰۰/۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ظهر بحمد الله انه لاحاجة الى ماتجشمه الفاضل عبدالحی اللكهنوی فی القول المنشور مجيبا عن هذاالاشكال انه ليس فی الحديث ما يدل علی الدوام فقد يكون هكذاولا تغتربقوله"كان"فانه لايدل علی الاستمراركما بسطه النووی فی شرح صحيح مسلم فی ابواب النوافل فتشكر انتهی، فقد علمت ان لااشكال بالحديث اصلا ولو"كان"للدوام دوامًا علی ان هذه المسئلة كثيرة الخلاف وقد عقدنا لبيانها رسالتنا"التاج المكلل فی انارة مدلول كان يفعل"فبناء التفصی علی امر مختلف فيه مع عدم الحاجة اليه مما لا معول عليه ۱۲	**اقول:** بحمداللہ ہماری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ اس کی ضرورت نہیں جو فاضل عبدالحٰی لکھنو نے القول المنشور میں اس اشکال کے جواب میں کہا کہ حدیث میں کوئی ایسی شئی نہیں جو دوام پر دال ہو، ہاں کبھی ایسا ہوجاتا تھا اور لفظِ"کان" سے بھی ضابطہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ دوام واستمرار پر دال نہیں ہوتا جیساکہ شرح صحیح مسلم کے ابواب النوافل میں امام نووی نے اس پر تفصیلاً گفتگو کی ہے۔ پس اللہ کا شکرادا کروانتہی یقیناآپنے جان لیا کہ حدیث کے ساتھ یہاں کوئی اشکال ہی نہیں اگرچہ کانَ ہمیشہ دوام پر دال ہو، علاوہ ازیں اس مسئلہ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ہم نے اس کے لیے ایک رسالہ لکھا جس کانام "التاج المکلل فی انارۃ مدلول کان یفعل" رکھا ہے، لہٰذا چھٹکارے کے لئے ایسے معاملہ پر بنیاد رکھنا جو مختلف فیہ ہو اور ضرورت بھی نہ ہو قابلِ اعتماد نہیں ہے ۱۲(ت)

(م) قمر۱۰: چودھویں کا سُورج ڈوبنے سے پہلے نکلتا ہے **قمر۱۱** پندرھویں کا بیٹھ کر، یہ دونوں بھی نامعتبر ہیں۔

(ش) ۱۰-۱۱/۲۴: حاکم شرع یا عالمِ دین نے شہادتِ شرعیہ لے کر شعبان کا مہینہ ۲۹ کا ٹھہرایا اور کل بروز جمعہ رمضان کا حکم دیا، اب اس حساب سے شبِ جمعہ ۱۵ کو چاند غروب سے پہلے نکلا، توبہت جاہل اعتراض کرینگے کہ وُہ حکم غلط تھا بلکہ ۳۰ کا چاند ہوا، اور ہفتہ کی پہلی، جب توآج چاند بیٹھ کر نہ چمکا، یا حاکم وعالم نے گواہی ناکافی سمجھ کر شعبان کی گنتی ۳۰ پُوری کی، شنبہ سے یکم رمضان رکھی۔ شبِ جمعہ میں چاند بیٹھ کر نکلا، جاہل لوگ کہیں گے کیوں صاحب! ہفتہ کی پہلی سے توآج شبِ بدر ہوتی ہے یہ چاند بیٹھ کر کیوں نکلا، ضرور جمعہ کی پہلی تھی اور آج پندرھویں، یہ اور اس قسم کے سب خیالات محض مہمل وبیہودہ ہیں جن پر اصلاً مدارِ احکام نہیں، نہ حاکم وعالم پر شرع یہ لازم فرمائے کہ عنداللہ جو بات نفس الامر میں ہے اس پر مطلع ہوجائیں کہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے، بلاکہ شرع ان پر یہی فرض کرتی ہے کہ دلیل شرعی سے جو بات ثابت ہو اس پر عمل کرو۔ عام ازیں کہ عنداللہ کچھ ہو، خود حضور اقدس عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

انكم تختصمون الی ولعل بعضكم ان	تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید

یکون الحن بحجته من بعض فاقضی بنحو مما اسمع فمن قضیت له من حق اخیه شیأفلا یا خذہ فانما اقطع له قطعة من نار۔[1] رواہ احمد والستة عن ام المومنین ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	تم میرے حضور اپنے مقدمات پیش کرتے ہو اور شاید تم پر ایک دوسرے سے زیادہ اپنی حجّت بیان کرنے میں تیز زبان ہوتو میں جو سنوں اس پر حکم فرماؤں پس جس کے لیے میں اُس کے بھائی کے حق سے کچھ حکم کروں وُہ اسے نہ لے کہ یہ تو ایک آگ کا ٹکڑا ہے اس کے لیے قطع کرتا ہوں (اسے امام احمد وائمہ ستّہ نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا سے روایت کیا ہے۔ت)

علاوہ بریں چاند کا چودھویں کو غروبِ شمس سے پہلے نکلنا اگرچہ اکثر ہے، اور اسی لئے اسے بدر کہتے ہیں مگر، بحساب ہیأت بھی اس کا خلاف ممکن، کما لایخفی علٰی من یعلمه (جیسا کہ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(م) قمر ۱۲: غلط ہے کہ ہمیشہ رجب **نمبر ۲۵** کی چوتھی رمضان کی پہلی ہو۔

(ش) ۲۵/۱۲: عوام میں مشہور ہے کہ سال میں جس دن رجب کی چوتھی اسی دن آکر رمضان کی پہلی پڑے گی۔ یہ بات محض بے اصل ہے، اس کا شرعی نہ ہونا تو خود ظاہر، تجربہ بھی خلاف پر شاہد۔ بعض دفعہ رجب کی تیسری اور رمضان کی پہلی مطابق ہوئی ہے۔

ماھو الرابع من رجب لا یلزم ان یکون غرۃ رمضان بل قد یتفق (بز)[2]	رجب کی چوتھی کا رمضان کی پہلی ہونا لازم نہیں بلکہ بعض دفعہ اتفاقاً ایسا ہو جاتا ہے (بزازیہ) (ت)

(م) قمر ۱۳: رمضان کی پہلی نمبر **۲۶** ذی الحجہ کی دسویں ہونا بھی ضروری نہیں۔

(ش) ۲۶/۱۳: کہیں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعض آثار میں آگیا کہ تمہارے روزہ کا دن وہی تمہاری قربانی کا دن ہے، یہ اُس سال کا ایک واقعی بیان تھا، نہ کہ ہمیشہ کے لیے حکم شرعی ہو۔ بارہا یکم رمضان ودہم ذی الحجہ مختلف پڑتی ہیں، مثلاً یکم رمضان جمعہ کی ہو اور رمضان شوال ذیقعدہ تینوں مہینے ۲۹ کے تو عیدِ اضحٰی چہار شنبہ کی ہوگی اور دو ۲۹ کے تو پنجشنبہ کی، اور تینوں تیس ۳۰ کے تو شنبہ کی۔ ہاں دو ۲ تیس کے اور ایک ۲۹ کا، تو بے شک جمعہ کی پڑے گی۔ پھر یونہی ہونا کیا ضرور ہے!

[1] صحیح بخاری باب موعظۃ الامام للخصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۹۶

شھر رمضان اذا جاء یوم الخمیس ویوم عرفۃ جاء یوم الخمیس ایضا کان ذٰلك یوم عرفۃ لایوم الضحٰی حتّٰی لا تجوز التضحیۃ فی ھذا الیوم ومایروی ان یوم نحرکم یوم صومکم کان وقع ذٰلك العام بعینہ دون الابدلان من اوّل یوم رمضان الی غرۃ ذی الحجۃ ثلثۃ اشھر لا یوافق یوم النحر یوم الصوم الا ان یتم شھران من الثلاثہ وینقص الواحد فاذا تمت الشھور الثلاثۃ تأخر عنہ واذا نقصت الشھور الثلاثۃ او شھران تقدم علیہ فلا یصح الاعتماد علٰی ھذا[1] (خز) عن الفتاوی الکبری۔	جب رمضان المبارک جمعرات کو آیا اور یوم عرفہ بھی جمعرات ہی کو آیا تو اب یہ یومِ عرفہ تو ہوسکتا ہے یوم اضحٰی نہیں ہوسکتا حتی کہ اس دن قربانی جائز نہ ہوگی، اور جو یہ مروی ہے کہ تمہارا یوم نحر تمہارے روزہ کا دن ہے یہ ایک معیّن سال میں اتفاق ہُوا تھا، نہ کہ دائمی ضابطہ ہے، کیونکہ رمضان کے پہلے دن سے لے کر ذوالحجہ کی ابتداء تک تین ماہ ہیں تو یومِ نحر یومِ صوم کے موافق تب ہی ہوگا جب ان تین ماہ میں سے دو۲ کامل اور ایک ناقص ہو، تو جب تینوں کامل واقع ہُوئے تو یومِ نحر اس سے مؤخر ہوجائے گا، اور اگر تینوں یا دو ناقص واقع ہُوئے تو یومِ نحر اس پر مقدم ہوگا لہٰذا اس پر اعتماد صحیح نہیں۔ یہ فتاوے الکبرٰی کے حوالے سے خزانۃ میں ہے (ت)

(م) قمر ۱۴: اکثری کہ اگلے رمضان کی نمبر ۲۷ پانچویں اس رمضان کی پہلی ہوتی ہے، پر شرع میں اس پر اعتماد نہیں۔

(ش ۲۷/۱۴): سیّدنا امام جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ:

خامس رمضان الماضی اوّل رمضان الاٰتی۔[2]	گزشتہ رمضان کی پانچویں آئندہ رمضان کی پہلی ہے۔ (ت)

بعض علماء نے کہا اس کا پچاس برس تک تجربہ ہُوا، ٹھیک اُترا۔ بعض معاصرین نے لکھا، ۱۲برس سے میں بھی تجربہ کرتا اور درست پاتاہُوں۔

اقول: مگر فقیر نے ۱۲۹۷ھ سے اب تک کے ۹ رمضانوں میں خیال کیا چند ہی سال میں صاف فرق پڑ گیا۔ پانچ برس تک تو حساب ٹھیک تھا اور اس قاعدے کے مطابق رمضان ۱۳۰۱ھ کی پنجم روز یکشنبہ

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الصوم قلمی نسخہ ۱/۶۰

[2] الاستبصار کتاب الصوم دار الکتب الاسلامیہ تہران ۲/۷۶ من لایحضرہ الفقیہ دار الکتب الاسلامیہ تہران ۲/۷۸

آئی مگر ۱۳۰۲ھ بحساب تقویم یکم اسی دن مظنون تھی، مگر فقیر ۲۹ شعبان روز پنجشنبہ کو دیہات میں تھا کشادہ جنگل، صاف مطلع، ابر، غبار، دُخان کسی علّت کا نام نہ نشان۔ میں اور میرے ساتھ اور مسلمان ہر چند غور کرتے رہے روّیت نہ ہُوئی، شب جمعہ کی خبر بھی نہ آئی، شنبہ کی عید قرار پائی۔ اب ۱۳۰۲ھ کا حساب تقویم اگر غلط بھی مانئے تو مطلع صاف نہ تھا اور بحکمِ ہیأت یکم یکشنبہ بھی ممکن تھی، تو تصحیح قاعدہ کو اسی دن یکم رکھئے تو پنجم پنجشنبہ کی ٹھہرےگی۔ ۱۳۰۳ھ میں یکم بھی جمعرات کو ہونی چاہیے حالانکہ وُہ بشہادت عین بھی غلط، اور بحکمِ ہیأت بھی ناممکن۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ ۱۳۰۳ھ میں ٹوٹ گیا۔ بااینہمہ اگر دائمہ بھی ہو تو صرف ایک تجربہ ہے، نہ حکم شرعی جس پر احکامِ شرعیہ کی بناء ہوسکے۔

(م) قمر ۱۵: برابر چار مہینے سے زیادہ ۲۹ کے نہیں ہوتے، پر اس پر بھی مدار نہیں۔

(ش) ۲۸/۱۵: امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قد یقع النقص متوالیاً شھرین او ثلثۃ ولایقع اکثر من اربعۃ اشھر۔[1]	دو۲ یا تین ۳ ماہ مسلسل انتیس کے ہوسکتے ہیں، چار ماہ سے زائد ناقص نہیں ہوسکتے۔ (ت)

اسی طرح شرح صحیح مسلم میں ہے: لکن مصدرا بلفظۃ قالوا[2] (لیکن اسے لفظ "قالوا" سے تعبیر کیا ہے۔ ت) پھر بھی یہ اسی قبیل سے تجربہ ہے، یا حساب جس پر شرع میں اعتماد نہیں۔ مثلاً ربیع الآخر سے رجب تک چار مہینے ۲۹ کے ہوتے آئے، اب شعبان کی ۲۹ کو شہادت رؤیت گزری، بلاشُبہ مقبول ہوگی، اور یہ خیال نہ کریں گے کہ ۵ برابر ۲۹ کے ہوئے جاتے ہیں۔

(م) قمر ۱۶: ان امور میں خط کا اعتبار جس طرح عوام میں رائج محض مردود ہے اگرچہ مہر شدہ ہو اور کاتب ثقہ اور خط معروف۔

(ش) ۲۹/۱۶ : جاہل لوگوں بلکہ بعض اُن مدعیان علم میں بھی جو بزعمِ خود فقیہ العصر وحیدالدہر ہوں، اعتماد خط کا عجیب جوش ہے۔ اپنے کسی معتمد کا خط آگیا اور شہادت شرعی میں کچھ باقی نہ رہا، گویا خط کاہے کو ہے۔ خاص فلک قمر سے ان پر تفسیر ہلالین نازل ہُوئی، پھر کورے جُہّال کا تو کہنا ہی کیا ہے، وہاں خط سے گزر کر تاریخ خط سے استناد ہوتا ہے، حالانکہ علماء فرماتے ہیں خط پر اعتماد نہیں، نہ اس پر عمل ہو کہ خط خط کے

[1] ارشادالساری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم دارالکتاب العربی بیروت ۳/۳۵۷

[2] شرح نووی علی صحیح مسلم کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۷

مشابہ ہوتا ہے اور مُہر مُہر کے مثل ہوسکتی ہے۔

المقرر عند علماء الحنفية انه لا اعتبار بمجرد الخط والالتفات اليه خ[1] (خیریه) الخط لایعتمد علیه ولا یعمل به خ[2]۔لیس الموجودفیه سوی خط فی ورق لیس من حجج الشرع فی شئی خ عــہ۱[3] مجرد الخط علامة لا تبنٰی علیها الاحکام خ[4]۔ صرّح علماؤنابعدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به خ[5]۔ملخصا. العبرة لما تقوم البینةالشرعیة علیه لالما یوجد من الخطوط والکواغذ خ[6]۔انما هو کاغذ به خط وهو لا یعتمد علیه ولایعمل به کما صرّح به کثیر من علمائنا خ[7]۔مجرد خط لا یعتمد علیه ولایعمل له شرعا خ عــہ۲ [8]۔لیس الورق والخط من حجج الشرع خ[9]۔	علمائے احناف کے ہاں یہ مسلم ہے کہ محض خط قابل توجّہ نہیں، خیریہ۔خط پر نہ تو اعتماد کیا جائے نہ ہی عمل، خیریہ۔ اس میں ایک ورق پر خط کے علاوہ کچھ نہیں جو کوئی شرعی دلیل نہیں، خیریہ۔ محض خط علامت ہے اس پر احکام کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی خیریہ۔ ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ خط پر اعتماد اور عمل نہیں کیا جاسکتا خیریہ ملحصًا۔اعتبار اس کا ہے جس پر شرعی گواہی ہو، نہ کہ خطوط اور کاغذ موجود ہونے پر، خیریہ ۔کیونکہ وہ کاغذ ہی ہے جس پر تحریر ہے اور اس پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے اور نہ عمل، جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے تصریح کی ہے خیریہ۔شرعی طور پر خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل خیریہ۔کاغذ اور خط دلائلِ شرعی سے نہیں خیریہ۔

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت۔ ۱۲/۲
[2] فتاوٰی خیریۃ باب خلل المحاضر والسجلات دارالمعرفۃ بیروت ۱۹/۲
[3] فتاوٰی خیریۃ باب خلل المحاضر والسجلات ۲۴/۲
[4] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱۱۹/۱
[5] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱۱۸/۱
[6] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۲۰۰/۱
[7] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۲۰۳/۱
[8] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمرفۃ بیروت ۲۰۹/۱
[9] فتاوٰی خیریۃ کتاب البیوع دارالمرفۃ بیروت ۲۲۸/۱

من کتاب البیوع لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ ولاشك ان الخط اعم من ان یکون بالقلم اوبالطابع الذی ھو الختم خ ملخصًا[1]۔	کتاب البیوع میں ہے کہ خط پر نہ اعتماد کیا جاسکتا ہے نہ عمل، اوراس میں شک نہیں کہ خط سے مراد عام ہے خواہ وہ قلم سے تحریر کیاہُوا ہو یااس پر مُہر مطبوع ہو خیریہ ملخصًا(ت)

ان کے سوا بے اعتبارئ خط پندرہ کتابوں کی عبارتیں فقیر نے فتوی تار مندرجہ رسالہ ازکی الاہلال میں ذکر کیں وباللہ التوفیق۔تنبیہ: خط بعض صورتوں میں مقبول ہوتا ہے،کتاب القاضی الی القاضی یعنی حاکم شرع کو خط لکھے تو بشرائط کثیرہ حجتِ ملزمہ ہے

(ح۲۹/۱۶: عــہ۱:الثلثۃ من کتاب الدعوی کالاخیرۃ ۱۲	آخری کی طرح یہ تینوں بھی کتاب الدعوی سے ہیں ۱۲(ت)

(م) قمر۱۷: تار محض نمبر **۳۰** مہمل اور ناقابلِ التفات اگرچہ متعدد شہروں سے وارد ہو۔

(ش) ۳۰/۱۷ : فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس بارے میں ایک مفصل فتوی لکھا اور علمائے بدایوں ورام پور وحیدرآباد ودہلی نے مُہریں کیں، وُہ فتوی آخر رسالہ ازکی الاہلال میں مذکور ہُوا، اور ہم ان شاء اللہ بحثِ استفاضہ میں یہ بھی ظاہر کریں گے کہ تار جیسا ایک جگہ ویساہی دس بیس مقام کا، سب نامعتبر ہیں، یعنی اگر کسی شہر میں متعدد تار مختلف امصار سے آئیں توان کی بھی کچھ وقعت نہ ہوگی کہ کثرتِ تار شرعی تواتر واشتہار سے اصلاً علاقہ نہیں۔

(م) قمر۱۸نمبر۳۱: بازاری افواہ اصلاً کوئی چیز نہیں۔

(ش) ۱۸ /۳۱: اکثر دیکھا گیا ہے کہ خبر رؤیت میں شہر میں شہرہ اور عام عوام کی زبان پر چاند چاند کاچرچا ہوگیا، پھر تحقیق کیجئے تو کچھ اصل نہ تھی۔اسے افواہ کہتے ہیں۔ شرع جس تواتر وشہرت کو قبول فرماتی ہے وہ اور چیز ہے۔

(م) قمر۱۹نمبر۳۲: مجرد حکایت محض نامسموع۔

(ش) ۳۲/۱۹: گواہوں کا مجرد بیان کہ فلاں شہر میں چاند ہُوا، یافلاں فلاں نے چاند دیکھا، یافلاں روز سے روزہ رکھا۔ مجرد حکایت ہے جس پر اصلاً التفات نہیں، بلکہ یاتواپنے معائنہ کی شہادت ہو، یا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۵۱

شہادت پر شہادت، یا شرعی شہرت۔ یہ مسئلہ بہت ضروری الحفظ ہے۔ یہ صرف عوام بلکہ آج کل کے بہت مدعیانِ علم، بلکہ بعض ذی علم بھی ناواقف پائے،

واللہ الھادی ھذہ الجماعۃ لم یشھد وابا لرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا بالرؤیۃ غیرھم فلا یلتفت الی قولھم[1] خز، وقد نص علی المسئلۃ فی دط طم ش فتح ع ب و غیرہا کما ذکرنا بعض نصوصھا فی ازکی الاھلال۔	اور اللہ ہی ہدایت عطا فرمانے والا ہے، اس جماعت نے چاند دیکھنے کی گواہی نہیں دی اور نہ ہی دُوسروں کی گواہی پر گواہی دی ہے انہوں نے صرف دُوسروں کی رؤیت کی حکایت کی ہے لہٰذا ان کا قول قابل توجہ نہیں ہوگا، خزانۃ۔ اور اس مسئلہ پر در، طحاوی، طم، ش، فتح القدیر، ع، ب وغیرہ نے تصریح کی ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض کو ہم نے ازکی الاھلال میں ذکر کردیا ہے (ت)

(م) قمر ۲۰ نمبر ۳۳: یقین عرفی کچھ بکار آمد نہیں، وصلی اللہ علی خیر خلقہ سیّدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وَالحمد للہ ربّ العالمین۔

(ش) ۲۰/۳۳: اقول: یہ ایک نفیس مسئلہ ہے جس پر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے تنبیہ کی، یقین دو۲ طرح کا ہوتا ہے: ایک شرعی کہ طریقہ شرع سے حاصل ہو۔ دوسرا عرفی کہ باوجود عدم طریقہ شرعی صرف اپنے مقبولات و مسلّمات یا تجربیات، مشہورات اور قرائن خارجیہ کے لحاظ سے اطمینان حاصل ہوجائے۔ ناواقف لوگ مدرک عرفی و شرعی میں تفرقہ نہ جان کر اسے کافی ووافی ودلیل شرعی گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ صریح خطا ہے، مثلاً جہاں شرع مطہر نے شہادت میں عدد شرط کیا دو۲ مرد یا ایک مرد دو عورتیں ہوں، وہاں ہمارے اعظم کسی معتمد اجل مستند نے جسے افضل اولیاء عالم جانیں، اور وُہ واقع میں بھی غوثِ زمانہ ہی ہو۔ شہادت دی کہ میرے سامنے ایسا ہُوا اور میں نے بچشمِ خود دیکھا، ہمیں جو اعتبار اس کے فرمانے پر آئے گا ہرگز دو چار دس بیس کی بات پر بھی اس سے زیادہ نہ ہوگا مگر شرع دوسرا گواہ اور مانگے گی، اور معاملہ زنا میں تین۔ تو اگر ایسے ہی تین گواہی دیں جب بھی نامسموع کہ قرآن کریم نے بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[2] فرمایا، اگرچہ اس میں شک نہیں کہ سامع مطلع کو ان کے ارشاد میں اصلاً محلِ شک نہ ہوگا۔ اسی طرح ہزاروں نظیریں اس مسئلہ کی ہوں گی اور

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲، فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

[2] القرآن ۴/۲۴

پھر قرائن بے چارے کس گنتی شمار میں ہیں۔ ذی علم کو بارہا واقع ہوتا ہے کہ بہت امور خارجہ کے لحاظ سے چاند ہونے میں اطمینان کامل رکھتا ہے، مگر جب تک ثبوت شرعی نہ ہو ہرگز حکمِ رؤیت نہیں کرتا۔ یُوں ہی جب ثبوت میزانِ شرع پر ٹھیک اُترے گا مجبورًا حکمِ رؤیت کرے گا، اگرچہ بنظر امور دیگر کسی طرح ہلال کا ہونا دل پر نہ جمے۔ ایسی ہی جگہ عالم و جاہل کا فرق کھلتا ہے، جب قرائن اس کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں جہال حکم عالم پر اعتراض کرنے لگتے ہیں، حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ جو میں نے کیا وہی رائے صائب تھی اور مجھ پر بہر حال مدرک شرعی کی پابندی واجب اس امر کی طرف اشارہ زیر یا زدہم بھی گزرا، اور ان یقینوں کی زیادہ توضیح رسالہ ازکی الاھلال میں مذکور ہُوئی، وباللہ التوفیق وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمدٍ واٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔

فائدہ: صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شھران لاینقصان شھراعید رمضان وذی الحجۃ[1]۔ رواہ احمد والستۃ عن ابن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عید کے دونوں مہینے ناقص نہیں ہوتے یعنی رمضان اور ذوالحجہ۔ (اسے امام احمد اور ائمہ ستہ نے حضرت ابنِ ابی بکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

بعض علماء نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ یہ دونوں مہینے ایک سال میں ۲۹ کے نہیں ہوتے۔ صحیح بخاری میں ہے:

قال محمد لا یجتمعان کلاھما ناقص[2]۔	محمد بن سیرین کہتے یہ دو ۲ مہینے جمع نہیں ہوتے اس حال میں کہ دونوں ناقص (یعنی ۲۹ کے) ہوں۔ (ت)

امام سراف نے فرمایا: لاینقصان جمیعا فی سنۃ واحدۃٍ[3] (ایک سال میں عید کے دو ۲ ماہ جمع نہیں ہوتے کہ دونوں ہی ناقص ہوں۔ ت)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان نقص رمضان تم ذوالحجۃ وان نقص ذو الحجۃ تم رمضان[4]۔	رمضان ۲۹ کا ہوگا تو ذوالحجہ ۳۰ کا، اور ذوالحجہ ۲۹ کا ہوگا رمضان ۳۰ کا۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالمعرفۃ بیروت ۵ /۳۸، صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۵۶)

[2] صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الصوم دارالمعرفہ بیروت ۴/ ۱۰۷

[4] صحیح البخاری کتاب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

ف: فتح الباری میں امام سراء کی بجائے امام بزار سے یہ عبارت منقول ہے۔)

اور اس معنی کی مؤیّد وُہ حدیث ہے جو بطریق زید بن عقبہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی کہ **شھر اعید لایکونان ثمانیۃ وخمسین یوما**[1] عید کے دونوں مہینے ۵۸ دن کے نہیں ہوتے۔

بااین ہمہ محققین کے نزدیک اس سے اکثری اغلبی حکم مراد ہے۔ نہ کہ دائمی ابدی۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: **قد وجدنا ھما ینقصان فی اعوامھم**[2] نے برسوں دیکھا کہ یہ دونوں مہینے سال میں ۲۹ کے ہوئے۔

اقول: معہذا حدیث اول کے تو عمدہ معانی علماء نے بیان فرمائے، اور تحقیق روشن یہی ہے کہ اس کا ثواب نہیں گھٹتا اگرچہ گنتی میں پُورے ہوں، اور حدیث دوم کی صحت معلوم نہیں، اگر صحیح ہو تو بعض رواۃ سے اپنی فہم کی بناء پر نقل بالمعنی محتمل، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

بالجملہ غرض یہ ہے کہ ایسے تجربیات کا دائمی ہونا ضرور نہیں، اور دائمی ہوں بھی تو احکامِ شرع کا اُن پر مدار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم، واللہ الھادی وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین**ط

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب الصوم دارالمعرفۃ بیروت ۴/۱۰۷

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصیام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مفسدات صَوم

(روزہ توڑ دینے والی اشیاء)

مسئلہ ۲۱۷تا۲۱۹: از علی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

(۱) رمضان میں عورت کوئی دوا خشک اپنے جسم میں رکھے تو روزے میں کچھ فساد آئے گا یا نہیں؟

(۲) عورت بتّی کسی دوا کی یا انگلی سے دوا اپنے جسم میں داخل کرے، یا مرد انگلی کرے تو روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟

(۳) عورت کو لپٹا یا یا خیال باندھا، کچھ دیر بعد جس وقت کہ خواہش بالکل نہ رہی بُوندیں خارج ہو چکی ہیں، پیشاب کو جاتے وقت بعد پیشاب کے کچھ گاڑھا پانی سفید نکلے جس کی شکل منی کی سی ہو تو اس کو منی کہا جائے گا یا نہیں؟ اور روزہ اس سے ٹوٹے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر روزے کی حالت میں یعنی طلوعِ صبح صادق سے غروبِ شمس تک رمضان خواہ غیر رمضان میں دوا خشک یا تر خواہ کوئی چیز فرج میں اس طرح رکھی گئی کہ فرج داخل کے اندر بالکل غائب کردی تو روزہ جاتا رہا، اور اگر مثلاً دوا کسی کپڑے میں باندھ کر فرج میں اس طرح رکھی کہ کپڑے کا سِرا فرج داخل سے باہر رہا اگرچہ فرج خارج میں غائب ہو جائے تو روزہ نہ جائے گا جب تک دوا کا کوئی حصہ کپڑے سے چھین کر فرج داخل کے اندر نہ گرے یا دوا ایسی تر ہو کہ کپڑے میں ٹپک کر فرج داخل میں لگے یا حرکت کے سبب کپڑا چڑھ جائے کہ بالکل فرج داخل کے اندر غائب ہو جائے، ان صورتوں میں روزہ جاتا رہے گا۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار (ادخل عودا ونحوہ (فی مقعدتہ وطرفہ خارج) وان غیبہ فسد وکذالوابتلع خشبۃ اوخیطا ولوفیہ لقمۃ مربوطۃ الاان ینفصل منہا شیئ ومفادہ ان استقرارالداخل فی الجوف شرط للفساد، بدائع، ولوادخلت قطنۃ ان غابت فسد وان بقی طرفہا فی فرجہا الخارج لا (لم یفطر) اھ[1] ملتقطا وفی ردالمحتار مادخل فی الجوف ان غاب فیہ فسد وھو المراد بالاستقرار وان لم یغب بل بقی طرف منہ فی الخارج اوکان متصلا بشیئ خارج لایفسد لعدم استقرارہ[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویرالابصار اور درمختار میں ہے: کسی نے عود (کی لکڑی وغیرہ کو) دبر میں اس طرح داخل کیا کہ ایک کنارہ اس کا باہر ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اگر سب اندر چڑھالے تو ٹوٹ جائے گا اور یہی حکم ہے اس کا جو کوئی لکڑی نگل لے یا دھاگہ اگرچہ اس میں لقمہ بندھا ہُوا ہو مگر اس صورت میں کہ جب لقمہ سے کچھ جُدا ہو کر اندر رہ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ پیٹ میں داخل ہونے والی چیز کا وہاں (پیٹ میں) استقرار (ٹھہرنا) فساد کے لیے شرط ہے بدائع، اگر عورت نے رُوئی داخل کی جو غائب ہو گئی تو روزہ فاسد ہو جائیگا، اور اگر اس کی کوئی طرف فرج خارج میں نکلی ہُوئی رہی تو روزہ فاسد نہ ہوگا (یعنی روزہ نہیں ٹوٹے گا) اھ اختصارًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ جو کچھ جوف میں داخل ہُوا اگر وُہ غائب ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اور استقرار سے یہی مراد ہے اور اگر غائب نہ ہو بلکہ اس کی کوئی جانب خارج باقی رہ گئی یا خارج شیئ سے متصل رہی تو عدمِ استقرار کی وجہ سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) بتّی اور دوا کا حکم مسئلہ سابقہ میں گزرا، اور انگلی فرج میں داخل کرنے سے عورت کا روزہ صرف چار صورت میں فاسد ہوگا:
ایک یہ کہ انگلی داخل کرنے سے اُسی حالت میں کہ انگلی فرج کو مَس کر رہی ہے عورت کو انزال ہو جائے **لوجود معنی الفطر وھو الامناء عن مباشرۃ[3] کما فی الھدایۃ وغیرھا** (اس صورت میں معنی افطار پایا گیا اور وُہ مباشرت کی وجہ سے منی کا خروج ہے، ہدایہ وغیرہ۔ت) دوسرے یہ کہ انگلی پانی یا روغن کی مانند کسی شے سے ایسی تر ہو کہ اُس کی تری چھُوٹ کر فرج داخل میں لگے۔ تیسرے یہ کہ خشک انگلی داخل کی وُہ فرج کی رطوبت سے ایسی تر ہو گئی کہ اب اس سے چھوٹ کر دوسری چیز میں لگے، بعدہ انگلی باہر کرکے ایسی ہی

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۷
[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۹

تری کی حالت میں پھراندر کی کہ تری چُھوٹ کر فرج داخل میں لگی۔ چوتھے یہ کہ انگلی کٹی ہوئی جسم سے جُدا تھی وہ فرج داخل کے اندر غائب کردی گئی کہ سرا باہر نہ رہا، یہ احکام بھی اُسی مسئلہ سے ظاہر ہیں ان میں برابر ہے خواہ انگلی مرد کی ہو یا عورت خود اپنی

ادخل اصبعه الیابسة فی دبره اوفرجها لم یفطر ولومبتلة فسد اھ[1] ملتقطا	اگر کسی نے انگلی دُبر میں دی یا عورت نے اپنی فرج میں داخل کی توروزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر انگلی تر تھی توروزہ ٹوٹ جائے گا اھ اختصارًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو مبتلة فسد لبقاء شئی من البلة فی الداخل۔[2]	قولہ اگر(انگلی) تر ہُوئی تو ٹوٹ جائے گا، یہ اس لیے ہے کہ اس صورت میں داخل دبر وفرج میں کچھ تری باقی رہ جائے گی۔(ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

ظاہر کلامه یقتضی ان الذی ادخل فی فرجها الرجل والحکم واحد۔[3]	ظاہر کلام کا تقاضا یہ ہے کہ فرج عورت میں انگلی داخل کرنے والامرد ہو، حالانکہ (دونوں صورتوں میں خواہ مرد ہو یا عورت) حکم ایک ہے(ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو ادخل الاصبح فی دبره اوفرجها الداخل لا یفسد الصوم الاان تکون مبلولة بماء اودھن علی المختار وقیل یجب علیه القضاء والغسل۔[4]	اگر کسی نے مرد کی دبر یا عورت کی فرج داخل میں انگلی داخل کی تو مختار قول پر روزہ فاسد نہ ہوگا مگر اس صورت کہ جب وُہ پانی یا تیل کے ساتھ تر ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں روزہ کی قضاء اور غسل لازم ہوجائے گا۔(ت)

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار، باب مایفسد الصوم، مصطفی البابی مصر، ۲/۱۰۸

[3] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار باب مایفسد الصوم دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۵۱

[4] فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۷

تنبیہ: فتح القدیر و مراقی الفلاح و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں جو انگلی کی تری میں آب و روغن کا ذکر ہے محض تمثیل و تصویر ہے، نہ تخصیص و تقیید کہ اگر دودھ یا گھی لعاب دہن میں تر ہو جب بھی بِداہۃً حکم یہی ہے کہ مدار صرف کسی تری کا خارج سے جوف میں جاکر رہ جانا ہے کما افادہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہُوا۔ت) ولہٰذا درمختار میں مطلق مبتلۃ (تر ہوئی۔ت) فرمایا، اور شک نہیں کہ فرج کی رطوبت جب انگلی سے لگ کر باہر آئی اب وُہ بھی رطوبتِ خارجہ ہوگئی، اب دوبارہ جو باہر سے جاکر فرج داخل کے اندر رہ جائے گی ضرور فسادِ صوم لائے گی جس طرح لعابِ دہن اگر قبل خروج اُسے نگل جائے روزہ میں خلل نہیں، اور اگر دہن سے جُدا کردینے کے بعد کھائے گا روزہ جائے گا کمافی ردالمحتار عن البدائع ومثلہ فی کثیر من الکتب (جیسا کہ بدائع سے ردالمحتار میں اور اسی طرح اکثر کتب میں ہے۔ت) رہا علماء کا فرمانا کہ اگر کان سے میل نکالا اور میل لگی ہوئی سلائی دوبارہ سہ بارہ کان میں کی تو بالاجماع روزہ نہ جائے گا۔ بزازیہ و نورالایضاح و درمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للوجیز، اجمعوا انہ لو حك اذنہ بعود فاخرج العود وعلٰی راسہ درن ثم ادخلہ ثانیا وثالثا کذلك انہ لایفسد۔[1]	وجیز کی عبارت یہ ہے فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر کسی نے عود (لکڑی) کے ساتھ اپنا کان کُھرچا پھر لکڑی جب باہر نکالی تو اس کے سرے پر میل تھی اب اسی لکڑی کو دوبارہ یا سہ بارہ اسی طرح (کان میں) داخل کیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔(ت)

وہ اس مسئلہ سے جُدا ہے وہاں روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہ ہے کہ کان کریدنے میں سلائی دماغ تک نہیں جاتی تو میل جوف میں داخل نہ ہُوا بخلاف یہاں کے کہ فرج داخل خود جوف ہے۔ مراقی الفلاح میں ہے:

حك اذنہ بعود فخرج علیہ درن ممافی الصماخ ثم ادخلہ ای العود مرارا الی اذنہ لایفسد صومہ بالاجماع، کما فی البزازیۃ جلعدم وصول المفطر الی الدماغ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کان کو لکڑی کے ساتھ کُھرچا پھر جب لکڑی واپس نکالی تو اس پر کان کے اندر سے میل آئی پھر اس لکڑی کو کئی دفعہ کان میں داخل کیا تو بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا، جیسا کہ بزازیہ میں ہے کیونکہ کوئی چیز روزہ توڑنے والی دماغ تک نہیں پہنچی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۹۸

[2] مراقی الفلاح معہ حاشیہ طحطاوی باب فی مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

(۳) منی اپنی رنگت اور بُو اور قوام وغیرہا کے باعث اور پانیوں سے ممتاز ہوجاتی ہے بہر حال صورت مستفسرہ میں جو کچھ نکلا اگرچہ منی ہی ہو جبکہ بالکل شہوت ساکن ہوجانے کے بعد بلاشہوت بعد پیشاب نکلا تو اس سے نہ غسل واجب ہو نہ روزے میں کچھ خلل آیا اور مجرد خیال باندھنے سے تو روزہ اصلاً نہیں جاتا اگرچہ اسی حالت تصوّر ہی میں شہوت کے ساتھ انزال ہوجائے، ہاں لپٹانے یا بوسہ لینے یا ہاتھ لگانے کی حالت میں اگر انزال ہو تو روزہ فاسد ہوکر قضا لازم آئے گی اور ان افعال کے ختم کے بعد شہوت ہنوز باقی رہی اور اس حالت میں کہ یہ عورت کے جسم سے جدا ہے منی اُتری اور بشہوت نکل گئی تو اگرچہ غسل واجب ہوگا مگر روزہ نہ جائے گا کہ یہ انزال اُن افعال سے نہ ہوا بلکہ مجرد تصوّر ہُوا،

فی الدرالمختار انزل بفکر وان طال او نزع المجامع حال کونہ ناسیافی الحال عند ذکرہ وکذا عند طلوع الفجر وان امنی بعد النزع لانہ کالاحتلام لم یفطر اھ[1] ملتقطا وبہ یعلم ماذکرنا بالاولی کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر سوچنے سے انزال ہوگیا اگرچہ وُہ سوچ طویل تھی یا نسیانًا جماع شروع کیا تھا، روزہ یاد آنے پر فورًا چھوڑ دیا، اسی طرح حکم ہے اگر اس نے طلوعِ فجر ہوتے ہی جماع چھوڑ دیا، اگر چھوڑنے کے بعد منی کا خروج ہوا اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ احتلام کی طرح ہے اھ مختصرًا۔ اس سے زیرِ بحث مسئلہ کا حکم بطریق اولٰی معلوم ہوگیا جو نہایت ہی واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۰ تا ۲۲۱: ۲۶ صفر ۱۳۱۷ھ

(۱) ایک شخص پان کھاکے اوّل شب میں سویا، صبح کو اُٹھ کر نیت روزہ کرتا ہے، روزہ درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) حالتِ روزہ میں اگر کوئی پانی سے استنجا کرے اور بائی اخراج ہو اور بدستور استنجا کرنے میں مشغول رہے تو روزہ رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) اگر پان کھالیا تھا مُنہ میں صرف چند دانے چھالیا کے دانتوں میں لگے رہ گئے تو روزہ صحیح ہوجائے گا اور اگر صبح کے بعد بھی ایسا اُگال کثیر منہ میں تھا جس کا جرم خواہ عرق لعاب کے ساتھ حلق میں جانا مظنون ہے تو روزہ نہ ہوگا۔

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰-۱۴۹

(۲) اس سے روزہ میں کوئی خلل نہیں آتا لعدم المفطر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۲: مسئولہ عبدالرحمان صاحب جونپوری از گولڑہ ضلع راولپنڈی ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ پان یا تمباکو یا نسوار کے عادی ہیں وہ اگر روزہ کی حالت میں پان تمباکو نسوار منہ میں رکھ لیں اور اس کا جرم حلق کے اندر نہ جانے دیں تو روزہ ٹوٹ جائیگا یا نہیں؟ اور بصورت ٹوٹ جانے کے قضالازم آئے گی یا کفارہ؟ مدلل بیان کیجئے، **بینوا توجروا**

الجواب:

پان جب مُنہ میں رکھا جائے گا اُس کا عرق ضرور حلق میں جائیگا، اور تمباکو جیسی کھائی جاتی ہے وہ اگر منہ میں ڈالی جائیگی تو یقینا اس کا جرم لعاب کے ساتھ حلق میں جائے گا اور نسوار تو بہت باریک چیز ہے جب اوپر کو سُونگی جائے گی ضرور دماغ کو پہنچے گی اور ان طلب والوں کے مقاصد بھی یونہی برآئیں گے اور فقہیات میں ایسا مظنون مثل متیقن ہے، یہ سب شیطانی وسوسے ہیں، ان چیزوں کے استعمال سے جو روزہ جائے اس کی فقط قضا نہیں بلکہ کفارہ بھی ضرور ہوگا کہ ان میں صلاح بدن وقضائے شہوت ہے اور اگر بالفرض ان میں احتیاط یقینی کی صورت متصور بھی ہوتی جب بھی ممانعت میں شک نہ تھا جیسے مباشرتِ فاحشہ کہ بے انزال ناقص نہیں مگر ممنوع ضرور ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقع فی الشبھات فی الحرام کالراعی یرعی حول الحمی یوشك ان یرتع فیه[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جو شبہات میں داخل ہوتا ہے وہ حرام میں داخل ہوجائے گا جیسا کہ محفوظ جگہ کے قریب بکریاں چرانے والا قریب ہے کہ وُہ حرام میں واقع ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از کلکتہ پور نزدیک اسپتال ای، بی، ایس، آر، یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ کس کس حالت میں نہیں ہوتا؟ مثلاً اگر کوئی شخص پچھلے کو اتنا زیادہ کھالے کہ صبح کو اُسے کھٹّی ڈکاریں آئیں تو روزہ ہُوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہُوا تو کیا خرابی واقع ہوئی؟ دوسری یہ بات کہ روزہ کس کس حالت میں درست نہیں رہتا؟

الجواب:

کھٹّی ڈکار سے روزہ نہیں جاتا، یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا۔ روزہ تین باتوں سے جاتا ہے 'جماع اگرچہ

[1] صحیح مسلم، باب اخذ الحلال وترک الشبہات، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/۲۸

انزال نہ ہو، اور ۲مس جبکہ انزال ہو، اور ۳ باہر سے کوئی چیز جوف میں اس طرح داخل ہو کہ باہر اُس کا علاقہ نہ رہے مثلاً ڈورے میں بوٹی باندھ کر نگل لی اور ڈور باہر ہے تو اگر اسے نکال لے گا روزہ نہ جائے گا اور اگر ڈور باہر نہ رہی یا نکالنے میں بوٹی یا اس کا کچھ حصہ جوف میں رہ گیا تو روزہ جاتا رہا،

کل ذٰلك منصوص علیه فی الدرالمختار [1] وغیرہ من الاسفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس تمام پر درمختار اور دیگر کتب میں تصریح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۴: مرسلہ قاری عبدالنبی طالب علم ۲رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ روزہ دار کو فصد کھلوانا اور سوزاک میں پچکاری لگوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور فصد یا پچکاری لگوایا تو روزہ باطل ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:

فصد سے روزہ نہ جائے گا، ہاں ضعف کے خیال سے بچے تو مناسب، اور پچکاری سے مرد کا روزہ نہ جائے گا عورت کا جاتا رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

الاعلام بحال البخور فی الصّیام ۱۳۱۵ھ

(حالتِ روزہ میں دُھونی لینے کے بارے میں اطلاع)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۲۵: از جوناگڑھ کاٹھیاواڑ سرکل مدار المہام مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کامل عارف باللہ کے مقبرہ میں بارہ بارہ چند حضرات مل کر بعد ۴ بجے دن کے فاتحہ کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور بوقتِ فاتحہ ہمیشہ مزار شریف سے کچھ فاصلہ پر لوبان جلایا جاتا ہے اور حاضرین مزار شریف کے قریب کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے ہیں مگر حضار میں سے کسی شخص کا ارادہ خوشبو یا دُھواں لینے کا ہرگز نہیں ہوتا، اگر بغیر قصد وارادے کے دُھواں ناک وحلق وغیرہ میں چلا جائے تو کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟ ماہِ رمضان المبارک میں ایک شخص نے بیان کیا کہ اس خفیف دُھوئیں سے روزہ جاتا رہا اور کفارہ لازم آیا، اور جہاں لوبان جلتا ہے روزہ دار وہاں سے علیحدہ کھڑے ہوتے ہیں اگرچہ مکان ایک ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

الحمد للہ الذی فرض علینا الصیام طھرا وجعل ھذاالدین یسراوالصلوۃ والسلام علی اطیب ریحان الرحمان طیبا ونشرا وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ الذین من اقتفاھم لایصل الیہ دخان الضلال ورداولاصدرا۔	تمام تعریف اللہ عزوجل کی جس نے طہارت کے لیے ہم پر روزے فرض فرمائے اور اس دین کوآسان بنایا، اور صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات اقدس پر جو خوشبو کے لحاظ سے رحمان کے تمام گلستان میں اعلٰی ہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر جنہوں نے آپ کی اس طرح اتباع کی کہ انہیں کسی بھی طرف سے گمراہی کی کوئی غبار لاحق نہ ہوسکے۔(ت)

متون وشروح وفتاوٰی عامہ کتب مذہب میں جن پر مدارِ مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دُھواں یا غبار حلق یا دماغ میں آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا ہو تو روزہ نہ جائے گا اگرچہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ [1]وقایہ و[2]نقایہ و[3]اصلاح و[4]ملتقی و[5]تنویر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاصلاح دخل غبار اودخان او ذباب حلقہ لم یفطر[1]۔	اصلاح کے الفاظ یہ ہیں: حلق میں اگر غبار، دُھواں یا مکھی داخل ہوگئی تو روزہ نہ ٹوٹے گا(ت)

[6]غرر متن درر میں ہے:

دخل حلقہ غبار اودخان او ذباب ولو ذاکرا لم یفسد[2]۔	روزہ دار کے حلق میں غبار، دُھواں یا مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا تو روزہ فاسد نہ ہوگا(ت)

[7]بدایہ و[8]ہدایہ و[9]وافی و[10]کافی میں ہے:

واللفظ للکافی، لودخل حلقہ ذباب وھو ذاکر لصومہ یفسد قیاسالوصول المفطر الی جوفہ وکونہ ممالایتغذی لاینافی الفساد کالتراب وفی الاستحسان لایفسد لانہ لایمکن التحرز عنہ فان	کافی کی عبارت یہ ہے روزہ دار کے حلق میں مکھی چلی گئی حالانکہ اسے روزہ یاد تھا روزہ قیاسًا فاسد ہوجائے گا ___ اس لئے کہ روزہ توڑنے والی چیز اس کے حلق میں چلی گئی اور اس کا غذا والی چیز نہ ہونا فساد کے منافی نہیں جیسا کہ مٹی کا حکم ہے اور استحسانًا روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے

---

[1] درمختار، باب یفسد الصوم، مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] غرر مع درر الحکام باب موجب الافساد احمد کامل الکائنہ دار السعادۃ بیروت ۱/۲۰۲

الصائم لا یجد بدامن ان یفتح فمه لیتکلم فصار کالغبار والدخان[1]۔	کیونکہ روزہ دار کو بات کرنے کے لئے مُنہ کھولنا پڑتا ہے تو مکھی کا حکم غبار اور دُھوئیں کی طرح ہے۔(ت)

[۱۱]فتح القدیر میں ہے:

قوله فاشبه الغبار والدخان اذا دخلا فی الحلق فانه لایستطاع الاحتراز عن دخولهما لدخولهما من الانف اذاطبق الفم وصار ایضا کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة۔[2]	مصنف کا قول مکھی کا داخل ہونا غبار اور دھوئیں کی طرح ہے کیونکہ جب وہ حلق میں داخل ہوجائیں توان کے دخول سے بچنا ممکن نہیں ہوتا، منہ اگر بند بھی ہو تو وہ ناک کے ذریعے داخل ہوجائیں گے اور یہ اس تری کی مانند بھی ہے جو کُلی کے بعد منہ میں رہ جاتی ہے۔(ت)

[۱۲]نورالایضاح متن امداد الفتاح میں ہے:

لایفسد الصوم لودخل حلقه دخان بلاصنعه او غبار ولو غبارالطاحون او ذباب او اثر طعم الادویة وهو ذاکر لصومه[3]۔	ان صورتوں میں روزہ نہیں ٹوٹتا جب حلق میں بلاقصد دُھواں داخل ہوجائے یا غبار خواہ وہ آٹے کی چکی کا ہو یا مکھی یا دوائیوں کے ذائقے کا اثر منہ میں داخل ہوجائے اگرچہ روزہ دار کو روزہ دار ہونا یاد ہو۔(ت)

[۱۳]خانیہ و[۱۴]خلاصہ و[۱۵]خزانۃ المفتین میں ہے:

واللفظ للخانیة اذا دخل الدخان او الغبار او ریح العطر اوالذباب حلقه لایفسد صومه[4]۔	خانیہ کی عبارت یہ ہے: حلق میں دھواں، غبار، عطر کی خوشبو یا مکھی داخل ہوجائے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔(ت)

[۱۶]سراج الوہاج و[۱۷]ہندیہ میں ہے:

---

1 ہدایۃ باب مایوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱۹۸/۱

2 فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲۵۸/۲

3 نورالایضاح مالایفسد الصوم مطبع علیمی، لاہور ص ۶۴

4 فتاوٰی قاضی خان الفصل فیمالایفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۹۸/۱

لودخل حلقه غبارالطاحونة اوطعم الادوية اوغبار الهرس واشباهه، او الدخان او ماسطح من غبارالتراب بالريح او بحوافر الدواب واشباه ذلك لم يفطره[1]۔	اگر روزہ دار کے حلق میں چکّی کا غبار، ادویات کا ذائقہ، گھوڑے کے دوڑنے یا اس کی ہم مثل کی غبار، دُھواں، ہوا کے ذریعے اڑنے والی، چوپایوں اور اس کے ہم مثل کی وجہ سے اڑنے والی غبار چلی جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔(ت)

۱۸ وجیز و ۱۹ انقرویہ و ۲۰ واقعات المفتین میں ہے:

دخل الذباب اوالدخان اوالغبار حلقه او بقى بلل بعد المضمضة فابتلعه مع البزاق لم يفطر[2]۔	روزہ دار کے حلق میں مکھی، دُھواں یا غبار چلی گئی یا کُلّی کے بعد تری منہ میں رہ گئی اور اسے وہ تھوک کے ساتھ نگل گیا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا ت

ہاں اگر صائم اپنے قصد وارادہ سے اگر یا لوبان خواہ کسی شَے کا دُھواں یا غبار اپنے حلق یا دماغ میں عمداً بے حالت نسیان صوم داخل کرے، مثلاً بخور سلگائے اور اسے اپنے جسم سے متصل کرکے دُھواں سُونگھے کہ دماغ یا حلق میں جائے تو اس صورت میں روزہ فاسد ہوگا۔ ۲۱ درمختار میں ہے:

مفاده انه لوادخل حلقه الدخان افطراىّ دخان كان ولو عودا اوعنبرالوذاكرا لامكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالى[3]۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی روزہ دار نے بقصد اپنے حلق میں دُھواں داخل کیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وُہ دُھواں عود یا عنبر کا ہو، اگر اسے روزہ یاد ہو کیونکہ اس سے بچنا ممکن ہے اس پر متنبہ رہنا چاہئے، جیسا کہ اس پر شرنبلالی سے تفصیلی گفتگو کی ہے۔ت

علامہ شرنبلالی نے ۲۲ غنیہ ذوی الاحکام و ۲۳ امداد الفتاح و ۲۴ مراقی الفلاح تینوں کتابوں میں فرمایا:

وهذالفظ المراقى وفيماذكرنا اشارة الى انه من ادخل بصنعه دخانا حلقه باى صورة كان الادخال، فسد صومه	مراقی الفلاح کی عبارت یہ ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں یہ اشارہ ہے کہ اگر کسی نے ارادۃً حلق میں دُھواں داخل کیا خواہ ادخال کی کوئی صورت

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع فیمایفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۳

[2] فتاوٰی انقرویۃ کتاب الصوم دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۱۵

[3] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

سواء کان دخان عنبراوعود اوغیرھما حتی من تبخر ببخور فآواہ الی نفسہ واشتم دخاناذا کرا لصومہ افطر لامکان التحرز عن ادخال المفطر جوفہ ودماغہ وھذا مما یغفل عنہ کثیرمن الناس فلیتنبّہ لہ ولا یتوھم انہ کشم الورد ومائہ والمسك لوضوح الفرق بین ھواء تطیب بریح المسك وشبھہ وبین جوھر دخان وصل الی جوفہ بفعلہ[1]۔	ہوتو روزہ ٹوٹ جائے گا خواہ وہ دُھواں عنبر، عود یا ان کے ہم مثل کسی کا ہو حتّٰی کہ جس نے دُھونی سلگائی اور اپنے قریب کرکے اس کا دُھواں سُونگھا حالانکہ روزہ یاد تھا روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس صورت میں پیٹ اور دماغ کو روزہ توڑنے والی شے سے محفوظ رکھنا ممکن ہے، یہ ان چیزوں میں سے ہیں جن سے اکثر لوگ غافل ہیں، لہٰذا اس پر خصوصی توجہ دیجئے، یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ توپھول اور کستوری سُونگھنے کی طرح ہی ہے کیونکہ خوشبو کی مہک اور جوہر دخان میں جوارادۃً جوف میں جائے بڑا واضح فرق ہے(ت)

اسی طرح ۲۵ ردالمحتار میں امداد الفتاح اور ۲۶ طحطاویہ میں غنیہ سے نقل فرماکر مقرر رکھا۔ ۲۷ مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

علی ھذالوادخل حلقہ فسد صومہ حتی ان من تبخر ببخور فاستشم دخانہ فادخلہ حلقہ ذا کرا لصومہ افطر لانھم فرقوا بین الدخول و الادخال فی مواضع عدیدۃ لان الادخال عملہ والتحرز ممکن ویؤیدہ قول صاحب النھایۃ اذا دخل الذباب جوفہ لایفسد صومہ لم یوجد ماھو ضد الصوم وھوادخال الشیئ من الخارج الی الباطن وھذا ممایغفل عنہ کثیرفلیتنبہ لہ[2]۔	اس بناء پر اگر کسی روزہ دار نے مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کو اپنے حلق میں داخل کیا تو اس کا روزہ فاسد ہوجائیگا حتی کہ جس نے بخور کے ساتھ دُھونی دی اور اس کا دُھواں سُونگھا اور روزہ یاد ہوتے ہوئے حلق میں داخل کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ فقہاء نے متعدد جگہ پر دخول اور ادخال میں فرق کیا ہے کیونکہ ادخال صائم کا اپنا عمل ہے جس سے بچنا ممکن ہے اس کی تائید صاحبِ نہایہ کا یہ قول کرتا ہے کہ جب مکھی پیٹ میں داخل ہوگئی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو روزہ کی ضد ہو اور وُہ خارج سے کسی شے کا باطن میں داخل کرنا ہے، اس سے بہت سے لوگ غافل ہیں لہٰذا اس پر توجہ چاہئے۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۲-۳۶۱

[2] مجمع الانہر، باب موجب الفساد، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۲۴۵/۱

۲۸؎ حاشیہ الکنز للعلّامۃ السیّد ابی السعود الازہری پھر طحطاوی علی المراقی میں ہے:

واللفظ للاول قوله اودخل حلقه غبار والتقييد بالدخول للاحتراز عن الادخال ولهذا صرحوا بان الاحتواء على المبخرة مفسد[1]۔	قوله "دخل حلقه غبار" دخول کی قید ادخال سے احتراز کے لئے اسی لئے فقہاء نے تصریح کی کہ بخوردان پر محتوی ہونا مفسد روزہ ہے۔(ت)

بداہۃً واضح کی صورت مذکورہ سوال صورتِ دخول ہے نہ کہ شکلِ ادخال، تواس میں انتقاضِ صوم کاحکم محض بے سند وبے اصل خیال۔

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق تحقیق مقام وتنقیح مرام بتوفیق الملک العلام یہ ہے کہ حقیقت صوم امساک عن المفطرات الشرعیہ میں محصور، اور تکالیفِ شرعیہ قدروسع پر مقصور، اور انتفائے حقیقت کو انتفائے شیئ قطعًا لازم وضرور، جس میں ضرورت وعدم ضرورت کا تفرقہ عقلًا ونقلًا باطل ومہجور، مثلًا حقیقتِ نکاح ایجاب وقبول ہے اگرچہ جانب ولی سے، اب اگر کوئی شخص ایسی جگہ ہو جہاں نہ کوئی ولی نہ حاکمِ اسلام اور بوجہ شدتِ احتیاج زن حالت تا بجنون حقیقی پہنچے کہ اہلیت تصرف سے خارج ہوجائے تواس ضرورتِ شدیدہ کے لحاظ سے ہرگز روانہ ہوگا کہ کوئی عورت بمجرد ایجاب بے قبول اس کی زوجہ بن جائے یا حقیقت زکوٰۃ کہ تملیک فقیر الخ ہے، اگر کہیں ایسا ہو کہ مصرف کوئی نہ ملے جیسا کہ زمان برکت نشان سیدنا مسیح کلمۃ اللہ صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں ہونے والا ہے تو یہ ممکن نہیں کہ براہِ ضرورت زکوٰۃ اپنی حقیقت سے منسلخ ہوکر کسی غنی کو دینا زکوٰۃ قرار پائے، ارکان ساقطہ بضرورت، حقیقت ارکان سعت ہوتے ہیں نہ ارکان اصل حقیقت، ورنہ تحقق شیئ بے حقیقت شیئ محال عقلی ہے تومنافیات سنخ ذات میں ضرورت وبے ضرورت سے تفرقہ نہیں کرسکتے، اب ہم ان اشیاء کو جو خارج سے جوف صائم میں داخل ہوں نظر کریں توانحائے مختلفہ کو پاتے ہیں ان میں بعض وُہ ہیں جن سے کسی وقت صائم کو احتراز ممکن نہیں، جیسے ہوا، بعض وُہ جن سے احیانًا تلبس ہر شخص کو ضرور، اور ان سے تحرز کلی نامقدور، جیسے دخول غبار ودخان کہ کسی نہ کسی طرح انسان کو ان سے قرب کی حاجت ضروری ہے اور وُہ اپنی حد ذات میں ممکن الاحتراز نہیں، آدمی کو کلام سے چارہ نہیں، اور کلام نہ بھی کرے تو بے تنفس کیونکر گزرے، اور ہوا کہ ان کی حامل ہوتی ہے اور تمام

[1] فتح المعین حاشیہ علی شرح ملامسکین باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۴۳۱، طحطاوی علی مراقی الفلاح باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

فضامیں بھری اور متحرک رہتی، جابجالیے پھرتی ہے، آدمی مُنہ بند بھی رکھے تو یہ ناک کی راہ سے داخل ہو سکتے ہیں اور بعض وُہ جن سے ہمیشہ تحرز کرسکتا ہے اگرچہ نادرًا بعض اشخاص کو بعض حالات ایسے پیش آئیں کہ تلبس پر مجبور کریں، جیسے طعام و شراب، اور انہیں دخان وغبار کا بالقصد ادخال کہ یہ تو اپنا فعل ہے انسان اس میں مجبور محض نہیں، شرع مطہر نے کہ حکیم ورحیم ہے جس طرح قسم اوّل کو مفطرات سے خارج فرمایا کہ اگر اسے ملحوظ رکھیں تو صوم ممتنع اور تکلیف روزہ تکلیف بالمحال ٹھہرے، اسی قسم ثانی کو مطلّقاً شمار مفطرات میں نہ رکھا اگر مفطر مانیں تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو حکمِ فطر ہمیشہ ثابت رکھیں تو وہی تکلیف مالایطاق ہوتی ہے یا وقتِ ضرورت باوصف حصول مفطر روزہ باقی جانیں تو بقائے شے مع انتفائے حقیقت یا اجتماعِ ذات ومنافی ذات لازم آئے اور یہ باطل ہے، ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ دربارہ حقائق ضرورت کارگر نہیں ہوتی ولہذا شرع مطہر سے ہرگز معہود نہیں کہ کسی شے کو بخصوصہ مفطر قرار دے کر بعض جگہ بنظرِ ضرورت حکمِ افطار ساقط فرمایا مثلاً کتبِ فقہیہ پر نظر ڈالے،

اوّلاً: بیمار قریبِ مرگ ہو گیا مجبورًا دواپی ضرورت کیسی شدید تھی جس نے روزہ توڑنا جائز کردیا مگر روزہ ٹوٹنے کا حکم مرتفع نہ ہُوا۔

ثانیاً: تلوار سرپر لئے کھڑا ہے کہ نہیں کھاتا تو قتل کردے گا کیسی سخت ضرورت ہے حکم ہوگا کھالے مگر یہ نہ ہوگا کہ روزہ نہ جائے۔

ثالثاً: مخمصہ والے مضطر کی ضرورت سے زیادہ کس کی ضرورت ہے، جس کے لئے مردار سے مردار حرام سے حرام میں اثم زائل، اور بقدر حفظ رمق، تناول فرض ہُوا مگر یہ نہیں کہ یہ حالت بصورت صوم واقع ہو تو ضرورت کے لحاظ سے روزہ نہ ٹوٹے۔

رابعاً: سوتا مرابرابر ہوتا ہے **النوم اخوالموت** (نیند موت کی بہن ہے۔ت) سوتے کے پاس بچنے کا کیا حیلہ، احتراز کا کیا چارہ، مگر یہ ناممکن الاحترازی، بقائے صوم کا حکم نہ لائی، سوتے میں حلق میں کچھ چلاجائے تو روزے پر وہی فساد کا حکم آئے گا، غرض خادم فقہ کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ شرع مطہر کبھی کسی چیز کو مفطر مان کر ضرورت وعدمِ ضرورت کا فرق نہیں فرماتی، لحاظِ ضرورت صرف اس قدر ہوتا ہے کہ افطار جائز بلکہ کبھی فرض ہوجائے مگر مفطر مفطر نہ رہے یہ ناممکن، تو ثابت ہُوا کہ اس اصل اجماعی عقل ونقل وقاعدہ شرعیہ آیہ **لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا**[1] (اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر کلّف نہیں ٹھہراتا۔ت) نے واجب کیا کہ قسم ثانی بھی راسًا عداد مفطرات سے مہجور اور مفطر شرعی صرف قسم ثالث میں محصور ہو۔ **بحمد اللہ تعالٰی** اس تقریر منیر سے روشن ہُوا کہ مفطر نہ ہونے کے لئے جس طرح قسم سوم کی ضرورت نادرہ

[1] القرآن ۲ /۲۸۶

کہ اتفاقاً بعض صائمین کو بعض احوال میں لاحق ہو جیسے مفطر و مکروہ و نائم و مریض کی مجبوری کافی نہیں ہو سکتی، یونہی قسم اول کی ضرورت دائمہ لازمہ غیر منفطر بھی درکار نہیں بلکہ صرف قسم دوم کی ضرورت عامہ فعلیہ بس ہے اور جب اس کی بناء پر وُہ شے شمار مفطر سے خارج رہی تو اب تفصیل و تفریق اوقات و حالاتِ ضرورت، نہیں کر سکتے ورنہ وہی استحالہ لازم آئے گا جسے ہم ابھی عقلاً ونقلاً باطل کر چکے بس دخولِ دخان و غبار بے قصد واختیار کبھی کہیں پایا جائے اصلاً مفسدِ صوم نہیں ہو سکتا، نہ اس کہنے کی گنجائش کہ فلاں جگہ اتفاق دخول وہاں جانے سے ہوانہ جاتا نہ ہوتا، اور جانا قصداً تھا تو ممکن الاحتراز ہُوا۔امام ۲۹ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

اذا بقی بعد المضمضة ماء فابتلعه بالبزاق ثم لم یفطر لتعذر الاحتراز[1]۔	اگر کلی کے بعد منہ میں کچھ پانی باقی رہ جائے اور روزہ دار اسے تھوک کے ساتھ نگل جائے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس سے بچنا ممکن نہیں (ت)

فتح سے اسی مسئلہ میں گزرا:

صار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة[2]	یہ اس تری کی طرح ہے جو کلی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے۔(ت)

شرنبلالیہ میں امام زیلعی سے ہے:

اذادخل حلقه غبار او ذباب وھو ذاکر لصومه لا یفطر لانه لا یقدر علی الامتناع عنه فصار کبلل یبقی فی فیه بعد المضمضة[3]۔	جب روزہ دار کے حلق میں غبار یا مکھی داخل ہو جائے اگرچہ اسے روزہ یاد ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ اس سے بچنے پر قادر نہیں یہ اس تری کی طرح ہے جو کُلی کے بعد اس کے منہ میں باقی رہتی ہے(ت)

شرح الملتقی للعلامہ عبدالرحمٰن الرومی میں ہے:

انه لایقدر علی الامتناع عنه فانه اذا اطبق الفم لایستطاع الاحتراز عن الدخول من الانف فصار کبلل یبقی فی	روزہ دار اسے روکنے پر قادر نہیں کیونکہ اگر منہ بند بھی رکھے پھر بھی ناک کے ذریعے غبار کے دخول سے احتراز کی طاقت نہیں رکھتا تو یہ یُونہی جیسے کہ وُہ

[1] بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۰

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۵۸

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ درر الحکام باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت ۱/ ۲۰۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فیہ بعد المضمضۃ[1]۔	تری جو کُلّی کے بعد منہ میں باقی رہ جاتی ہے (ت)

دیکھو کُلّی کے بعد جو تری منہ میں باقی رہتی ہے اُسے بھی شرع نے اسی تعذر تحرز کی بنا پر مفطر نہ ٹھہرایا اب وہاں یہ لحاظ ہر گز نہیں کہ یہ کُلّی خود بھی ممکن الاحتراز تھی یا نہیں، اگر محض بے ضرورت کُلّی کی جب بھی وُہ تری ناقضِ صوم نہ ہوگی حالانکہ ضرور کہہ سکتے تھے کہ یہ اس کا دخول اس کُلّی کرنے سے ہوا، نہ کرتا نہ ہوتا، اور کُلّی بے ضرورت تھی تو ممکن الاحتراز ہُوا۔ ۳ بزازیہ میں ہے:

یکرہ ادخال الماء فی الفم بلاضرورۃ وفی ظاہر الروایۃ لاباس لان المقصود التطہیر فکان کالمضمضۃ[2]۔	بلا ضرورت پانی کا منہ میں داخل کرنا مکروہ ہے اور ظاہر روایت کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مقصود تطہیر ہے لہذا یہ کُلّی کی طرح ہے (ت)

حدیہ کہ بے ضرورت کُلّی کرنی ظاہر الروایۃ میں مکروہ بھی نہیں حالانکہ عنقریب آتا ہے کہ بے ضرورت نمک دیکھنے کے لئے شور با چکھنا مکروہ وناجائز ہے، تو وجہ وہی کہ شرع مطہر اسے شمار مفطرات سے خارج فرماچکی تو اب ضرورت وعدمِ ضرورت پر نظر نہ ہوگی نہ اس میں کسی مفطر کا احتمال پیدا ہوگا کہ کراہت آئے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق اس پر تو عرشِ تحقیق مستقر ہُوا کہ **دخول بلا صنعہ کیف ما کان** (بلا قصد دخول جیسے بھی ہو۔ت) اصلا صالح افطار نہیں، ولہذا علمائے کرام نے مدار فرق صرف دخول وادخال پر رکھا، دخول کا کوئی فرد مفطر میں داخل نہ کیا **کما سمعت من نصوصھم** (جیسا کہ ان کی تصریحات آپ سُن چکے۔ت) مگر یہاں ایک نکتہ دقیقہ اور ہے سبب شئی **مفضی الی الشئی** (شئی کا سبب شئی تک پہنچانے والا ہوتا ہے۔ت) دو ۲ قسم ہے: ایک مفضی کلیۃً یا غالبًا جس کے بعد وقوع مسبّب عادت متیقن یا مظنون بظن غالب ہو کہ فقہیات میں وُہ بھی ملتحق بالیقین۔

دوسرا مفضی نادرًا جس کے بعد مسبّب کبھی واقع ہو جائے قسم اوّل کے قصد کو قصدِ مسبّب کہنا مستبعد نہیں کہ جب صاحب قصد کو معلوم کہ اس کے بعد مسبّب ضرور یا اکثر واقع ہی ہوتا ہے اور اس نے سبب کا ارتکاب بالقصد کیا تو گویا وقوع سبب کا التزام کرچکا بایں معنی خیال کرسکتے ہیں کہ ایسا دخول داخل شق ادخال ہوگا، مگر قسم دوم ہر گز اس قابل نہیں، پُر ظاہر کہ یہ سبب سببِ کافی نہ ہوگا۔ اور اس کے بعد وقوع مسبّب

---

1 مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب موجب الفساد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۴۵/۱

2 بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱۰۵/۴

حالت شک واحتمال ہی میں آئے گا اس کے قصد کو مجازًا بھی قصد نہیں کہہ سکتے **وھذا لایذھب عن عقل عاقل نبیه، فضلا عن فاضل فقیه** (یہ تو کسی عقل عاقل سے مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل فقیہ کے علم سے مخفی ہو۔ت)

حجتِ ساطعہ لیجئے کان میں بالقصد پانی کا ادخال اصح الاقوال پر مفسد صوم ہے مگر یہی ائمہ کرام جو بحالتِ قصد ادخال افساد وابطال کی تصحیح فرماتے ہیں نہانے یا دریا کے اندر جانے میں اگر پانی کان میں چلا جائے تو روزہ نہ جانے کی تصریح فرماتے ہیں ائمہ نے اصلًا اس کا اعتبار نہ فرمایا کہ اس دخولِ آب کا سبب نہانا یا غوطہ لگانا ہُوا اور یہ افعال اس نے بالقصد کئے تو گویا بالقصد پانی کان میں پہنچایا وجہ وہی ہے کہ یہ افعال غالبًا دخولِ آب کے موجب نہیں ہوتے اگرچہ کبھی واقع ہوتا بھی ہے تو اُن کا قصد اس کا قصد نہیں ہوسکتا۔ خانیہ میں ہے:

لوخاض الماء فدخل الماء فی اذنه لایفسد صومه وان صب الماء فی اذنه اختلفوا فیه والصحیح هو الفساد لانه وصل الی الجوف بفعله فلا یعتبر فیه صلاح البدن[1]۔	اگر پانی میں غوطہ لگایا اور پانی کانوں میں داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر کان میں پانی خود ڈالا اس بارے میں اختلاف ہے، مذہب صحیح یہی ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ اس صورت میں پانی پیٹ تک اس کے عمل سے پہنچا ہے لہٰذا اس میں اصلاح بدن کا اعتبار نہیں ہوگا۔(ت)

فتاوٰی امام بزازی میں ہے:

خاض الماء فدخل اذنه لایفسد بخلاف دخول الدھن وان صب الماء فی اذنه افسده فی الصحیح لوجود الفعل لایعتبر فیه صلاح البدن[2]۔	روزہ دار پانی میں غوطہ زن ہُوا، اس کے کان میں پانی داخل ہوگیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا بخلاف تیل کے دخول کے، اور اگر پانی کان میں ڈالا تو یہ صحیح قول کے مطابق روزہ کو فاسد کردے گا کیونکہ یہ اس کے اپنے عمل سے ہوا ہے، پس اس صورت میں اصلاح بدن کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔(ت)

[۳۴] جواہر الاخلاطی میں ہے:

لو اغتسل اوخاض فی الماء فدخل الماء اذنه لا یفسد صومه بلاخلاف ولو ادخل الماء فی اذنه ففیه الاختلاف	اگر غسل کیا یا پانی میں غوطہ زن ہُوا تو پانی کان میں داخل ہوگیا بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر پانی کان میں داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے

---

1 فتاوٰی قاضیخان الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ۱/ ۹۹

2 بزازیہ برحاشیہ فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۸

والاصح ھو الفساد دلوصوله الی الراس و وصول مالافیه صلاح البدن غیرمعتبر کمالوادخل خشبة فی دبرہ وغیبھا[1]۔	اگر غسل کیا یا پانی میں غوطہ زن ہُوا تو پانی کان میں داخل ہوگیا بالاتفاق روزہ فاسد نہ ہوگا اور اگر پانی کان میں داخل کیا تو اس میں اختلاف ہے اصح قول یہ ہے کہ روزہ فاسد ہوجائے گا کیونکہ یہ دماغ تک پہنچ جاتا ہے اور دماغ تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں اصلاح بدن نہ ہو غیر معتبر ہے، جیساکہ اگر کسی نے اپنی دبر میں لکڑی داخل کی اور وُہ غائب ہوگئی (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الفساد اذاأدخل الماء أذنه لااذا دخل بغیرصنعه کما اذا خاض نھرا[2]۔	روزے کا فساد تب ہوگا جب خود اپنے کان میں پانی داخل کرے، اپنے عمل کے بغیر پانی داخل ہونے سے فاسد نہ ہوگا جیسا کہ نہر میں غوطہ زن ہُوا۔ (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحیں ہیں کہ ایسے سبب کا قصد قصدِ مسبّب نہیں، یہاں تک کہ اس صورت میں باوصف فعل سبب وقوعِ مسبّب کو **بغیر صنعه** (اپنے عمل کے بغیر۔ت) فرماتے ہیں۔ اب ہم اپنے مسئلہ دائرہ کو دیکھیں تو کسی مکان میں جہاں بخور سلگتا ہو موضع بخور سے جدا دُور جاکھڑا ہونا کہ دُھواں لینے کا قصد درکنار دُھوئیں کے پاس تک نہ ہو، ہر گز کسی عاقل کے نزدیک دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں ہوسکتا ورنہ واجب تھا کہ رمضان المبارک میں دن کو آگ روشن ہونا، شام کے لئے کچھ کھانا پکنا حرام و باعثِ افطار صیام ہوتا اس میں تو شاید خود یہ معترضین بھی شامل ہوں اور امکان احتراز ہی کی ہوس ہوا گرچہ عندالتحقیق مفطرات میں اس کو دخل نہیں **کما بیّناه بابین وجه لا یحوم حوم حماه شبھة** (ہم نے اسے ایسی واضح وجہ کے ساتھ بیان کیا جسے شبہ کا کوئی جالا ڈھانپ نہیں سکتا۔ت) تو وُہ بداہۃً حاصل، کیا ممکن نہ تھا کہ جو کچھ پکانا ہو سحری تک پکار کھیں یا شام کے وقت بازاری اشیاء پر قناعت کریں خصوصًا اہلِ عرب کہ ویسے بھی کھجوروں پر قناعت کے عادی تھے، ہاں سحر کا پکا سرد ہوجاتا یا بازاری اشیا میں مزہ نہ آتا، یہ عدم امکان تحرز نہ ہوا زبان کا مزہ ٹھہرا، کیا اس کے لئے روز روزے رکھ کر باطل کر دینا حلال ہوجاتا، جس گھر میں دُھواں ہو وہاں موجود ہونا درکنار، نصوصِ علماء شاہدِ عدل، کہ خود کھانا پکانا، صبح سے شام تک روٹی لگانا بھی دخولِ دخان کا سبب غالب نہیں،

اوّلًا: [5] قنیہ و [6] تاتارخانیہ و [7] بحرالرائق ودرمختار وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

---

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الصوم قلمی نسخہ ص ۴۷

[2] فتح القدیر باب مایوجب القضاء نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۷

والنظم للدر، لا یجوزان یعمل عملا یصل بہ الی الضعف فیخبز نصف النہار ویستریح الباقی فان قال لا یکفینی کذب باقصر ایام الشتاء[1]۔	در کے الفاظ میں کوئی ایسا عمل جائز نہیں جو کمزور کردے تو نانبائی مثلاً یوں کرے کہ نصف دن روٹی پکائے اور باقی دن آرام کرے، پس اگر وہ شخص کہے کہ اس قدر عمل مجھے کفایت نہیں کرتا تو اس کی تکذیب کی جائے سردیوں کے سب سے چھوٹے دن ہیں (ت)

دیکھو نان پز کو فرماتے ہیں اگر گرمی کے دنوں میں سارے دن روٹی لگانے سے وہ ضعف پیدا ہو کہ ادائے صیام میں خلل انداز ہو تو آدھے دن پکائے کہ چھوٹے دنوں میں دن بھر پکاتا تھا، نمازوں وغیرہ کے وقت نکال کر گرمیوں کا نصف دن اسی کے قریب قریب ہو جائے گا، یہ نہیں فرماتے کہ ضعف تو جب آئے گا آئے گا اور چوتھائی دن در کنار روٹی پکانے سے دُھواں جو حلق و دماغ میں جا کر روزہ ہی کھودے گا۔ **ثانیا:** [۳۸] سراجیہ وغیرہا میں ہے:

امة افطرت فی رمضان متعمدة لضعف اصابہا من عمال السید من طبخ او غیرہ کان واسعا وقضیة للمملوك ان یمتنع عما یعجزہ عن اداء الفرائض[2]۔	وہ لونڈی جس نے اپنے مالک کی خدمت مثلاً کھانا پکانا وغیرہ پیدا ہونے والے ضعف کے پیش نظر مجبوراً روزہ توڑ دیا تو جائز ہے اور غلام کو یہ حکم ہے کہ وہ ایسے کاموں سے رُک جائے جو ادائے فرائض سے عاجز کر دینے والے ہوں (ت)

یہ فرمایا کہ کنیز کو پکانے کی محنت سے ضعف ایسا لاحق ہوا کہ مجبوراً روزہ توڑنا پڑا، جائز ہے اور قضا رکھے، یہ کیوں نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی سببِ افطار ہے، اور کنیز کو جائز نہیں کہ اس میں مولیٰ کی اطاعت کرے۔ [۳۹] ظہیریہ و [۴۰] ولوالجیہ و بحر الرائق وغیرہا میں ہے:

للامة ان تمتنع من امتثال امر المولی اذا کان ذلك یعجزہا عن اقامة الفرائض لانہا مبقاة علی اصل الحریة فی حق الفرائض[3]۔	لونڈی کے لئے مولی کے ایسے احکام سے رک جانا ہے جس سے وہ ادائے فرض سے عاجز آجائے گی کیونکہ ادائے فرض کے اعتبار سے وہ اصلاً آزاد ہے۔ (ت)

---

1 در مختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

2 فتاوٰی سراجیہ کتاب الصوم منشی نولکشور لکھنؤ ص ۲۹

3 بحر الرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۱-۸۲

ثالثاً: نورالایضاح ومراقی الفلاح میں ہے:

کرہ للصائم ذوق شئی لمافیه من تعرض الصوم للفسادوکرہ مضغه بلا عذر کالمراۃ اذاوجدت من یمضغ الطعام لصبیها کمفطرۃ لحیض، امااذا لم تجدبدامنه فلا باس بمضغها لصیانۃ الولد وللمرأۃ ذوق الطعام اذاکان زوجها سئی الخلق لتعلم ملوحته وان کان حسن الخلق فلایحل لها وکذا لامۃ قلت کذاالاجیر[1]۔	روزہ دار کے لئے کسی شئے کا چکھنا مکروہ ہے کیونکہ یہ روزہ کو فاسد کرنے کے درپے ہونا ہے۔ اسی طرح طعام کا چبانا بھی بلاعذر مکروہ ہے جیسے خاتون بچّے کے لئے کسی دوسرے کو چبانے والا پالے (مثلاً حائضہ عورت کو پائے تو چبانا مکروہ ہے) عورت کو اگر چبانے کے سوا چارہ نہ ہو تو بچّے کی حفاظت کے لئے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور خاتون کے لئے طعام کا چکھنا بھی جائز ہے جبکہ خاوند بد خلق ہو تاکہ وہ نمک وغیرہ چکھ سکے اور شوہر حسن اخلاق والا ہے تو پھر چکھنا جائز نہیں۔ اور لونڈی کا حکم اسی طرح ہے۔ میں کہتا ہوں اجیر بھی اسی حکم میں ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قوله کذاالاجیرای للطبخ[2]۔	قوله "کذاالاجیر" یعنی کھانے پکانے کامزدور۔ (ت)

کنزوبحرونہروہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاولین کرہ ذوق شئی و مضغه بلا عذر لما فیه من تعریض الصوم للفسادولایفسد صومه لعدم الفطر صورۃ ومعنی قید بقوله بلا عذر لان الذوق بعذر لا یکرہ کما قال فی الخانیة، فیمن کان زوجها سئی الخلق او سیدها، لا باس بان تذوق بلسانهاوالمضغ بعذربان لم تجدالمرأۃ من یمضغ لصبیها الطعام من حائض او نفساء اوغیرهما	پہلی دونوں کتب کی عبارت یہ ہے بلاعذر شئی کا چکھنااور چبانا مکروہ ہے کیونکہ یہ فسادِ صوم کے درپے ہونا ہے، اس سے روزہ فاسد نہ ہوگا کیونکہ صورۃً و معنیً افطار نہیں پایا گیا" بلا عذر" کی قید اس لئے لگائی کہ عذر کی صورت میں چکھنا مکروہ نہیں، جیساکہ خانیہ میں اس عورت و لونڈی کے بارے میں ہے جس کاخاوند یا مولٰی بد خلق ہو، اگر ایسا عذر ہو تو زبان کے ساتھ چکھنے میں حرج نہیں اور چبانے میں عذر یہ ہے مثلاً کوئی خاتون نہیں جو بچے کے لئے

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیمایکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۳۷۱

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی فصل فیمایکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۳۷۱

من لایصوم ولم تجد طبیخا ولا لبنا حلیبا لاباس به للضرورة، الاتری انه یجوز لها الافطار اذا خافت علی الولد فالمضغ اولی[1]۔(ملخصًا)	طعام چبادے مثلاً حائضہ یا نفاس والی کوئی عورت یا جو روزہ دار نہ ہوں ، اور نہ روٹی پکی ہُوئی اور نہ دودھ میسر ہو تو اب ضرورت کے پیش نظر کوئی حرج نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کسی خاتون کو بچّے کے ضائع ہونے کا خوف ہو تو روزہ چھوڑ سکتی ہے، تو چبانا تو بطریقِ اولیٰ جائز ہوگا۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذوق لیس بافطار بل یحتمل ان یصیر ایاہ اذقد یسبق شئی منه الی الخلق فان من حام حول الحمی یوشك ان یقع فیه انتهت،[2]	مختصرات۔ چکھنا افطار نہیں بلکہ اس میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ کہیں کوئی شئے حلق میں چلی جائے (یعنی افطار کا سبب ہے) کیونکہ جو محفوظ جگہ کے قریب جاتا ہے قریب ہے کہ اس میں داخل ہو جائے۔ گزشتہ عبارتیں اختصار کے ساتھ ختم ہو گئیں۔(ت)

دیکھو کنیز مولیٰ یا عورت شوہر کے لئے یا نان پز مزدوری پر روزے میں کھانا پکائے تو اسے نمک چکھنا جائز نہیں بتاتے جبکہ مولیٰ و شوہر و مستاجر خوش خلق و حلیم ہوں کہ نمک کی کمی بیشی پر سختی نہ کریں گے اور کج خلق و بدمزاج ہوں تو روا رکھتے ہیں، اور بچّے کو کوئی چیز چبا کر دینے میں شرط لگاتے ہیں کہ جب کوئی حیض یا نفاس والی عورت خواہ کوئی بے روزہ دار ایسا نہ ملے جو چبا سکے، نہ بچّہ کو دودھ وغیرہ اشیاء جن میں چبانے کی حاجت نہ ہو دے سکے اور ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہی کہ چکھنے چبانے سے روزہ جاتا نہیں بلکہ احتمال ہے کہ شاید حلق میں چلا جائے، لہٰذا بے ضرورت ناجائز ہوا مگر یہ نہیں فرماتے کہ سرے سے پکانا ہی حلال نہیں۔ ابھی گزر چکا کہ غلام و کنیز ایسے احکام میں اطاعت مولیٰ نہ کریں، پھر زن واجیر تو دوسرے درجے میں ہیں، اور پُر ظاہر کہ نمک ہر گز حلق میں چلے جانے کا سبب کُلی یا اغلبی کیسا، سبب مساوی بھی نہیں، ہاں احتمال قریب ہے۔ ولہٰذا محقق علی الاطلاق نے بلفظِ احتمال ہی تعبیر فرمایا، اب پکانے کی ان اجازتوں کا منشا دو[۲] حال سے خالی نہیں یا تو امر وہی ہے کہ دخولِ دخان جبکہ شرعًا دائرہ مفطرات سے خارج ہو چکا مدار کار حقیقةً قصدِ ادخال پر رہا، بغیر اس کے جب افطار ہی نہیں تو اس کے قرب و تعریض میں کراہت کیوں ہو، یا اگر قصد سبب اغلب قصد مسبّب ٹھہراؤ تو واجب

---

1 بحر الرائق باب مایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۸۰-۲۷۹

2 فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۶۸

کہ دخول دخان کے لئے طبخ وغیرہ کی سببیت اُس سے بھی اضعف و نادر تر ہو جو دخول شوربا کے لئے ذوق کی اور فی الواقع تجربہ بھی اس کی ندرت کا گواہ، دھواں جب حلق میں جاتا ہے اس کی تلخی محسوس ہوتی اور طبیعت کی دافعہ فوراً دفع کرتی ہے، اور جب دماغ میں جاتا اس کی سوزش معلوم ہوتی اور دماغ کو اذیت دیتی ہے، یہ حالت کھانا پکانے والوں کو شاذ و نادر واقع ہوتی ہے نہ کہ ہر وقت یا ہر روز، تو دُھوئیں سے دُور جدا کھڑا ہونا اور بھی زیادہ سبب شاذ تر ہوگا، اُسکے قصد کو قصدِ مسبّب کہنا کیونکر ممکن، لاجرم یہاں اگر ہوگا تو وہی محض دخول جسے تمام کُتب میں تصریحاً فرمایا کہ ہر گز مفسدِ صوم نہیں، بالجملہ اصول و فروعِ شرعیہ پر نظر ظاہر اسی طرف منجر کہ اسباب علی الاطلاق ساقط النظر، ولہذا جس طرح رمضان مبارک میں [1]نہانا، [2]دریا میں جانا حرام نہ ہُوا حالانکہ اس کے سبب کان میں پانی بھی چلا جاتا ہے۔ [3]دن کو کھانا پکانا اور [4]کاموں کے لیے آگ جلا نا حرام نہ ہوا۔ مسلمان [5]نانبائیوں، [6]حلوائیوں، [7]لوہاروں، [8]سناروں وغیر ہم کی دُکانیں قطعاً معطل کر دینا واجب نہ ہو حالانکہ ان میں دُھوئیں سے ملاسبت ہے۔ [9]جزّاروں، [10]قصابوں، [11]شکّر سازوں، حلوائیوں کا بازار ہڑتال کر دینا لازم نہ ہوا کہ کثرتِ مگس کا موجب ہے۔ دن کو [12]چکّی پیسنا، [13]غلّہ پھٹکنا، [14]باہر نکلنا گلیوں میں چلنا حرام نہ ہوا۔ حالانکہ وہ غالباً غبار سے خالی نہیں ہوتیں۔ یونہی [15]کو مساجد بلکہ گھروں میں بھی جھاڑوں دینا خصوصاً صدرِ اوّل میں فرش کچّے ہوتے تھے۔ [16]عطاروں کا دوائیں کُوٹنا، [17]مزارعوں کا غلّہ ہوا پر اڑا کر صاف کرنا۔ [18] معماروں کا مٹی کی دیوار گرانا۔ [19]مسافروں کا خوب چلتی ہوئی ریگستان میں سفر کرنا۔ [20]فوج صائمین کا گھوڑوں پر سوار نرم زمینوں سے گزرنا کہ غالباً دخول غبار کے اسباب ہیں ان کی حرمت بھی کہیں مذکور نہیں بلکہ فوجی مجاہدوں کا روزہ احادیث سے ثابت اور بے ضرورت کُلی کا جواز تو صراحتاً منصوص، بہر حال اس قدر تو قطعی یقینی اسباب غیر غالبہ کلیۃً نا ملحوظ، لہٰذا علمائے کرام نے بخور کے سبب فساد صوم ہونے کی یہی تصویر فرمائی کہ اگر دان پر محتوی ہوجائے یعنی ایسا جھک جائے کہ گویا وُہ اس کے جسم کے اندر اور اس کا بدن اُس پر مشتمل ہے اور شرنبلالیہ و امداد و مراقی و طحطاوی و شامی و مجمع الانہر میں تو اس پر بھی قناعت نہ فرمائی کہ **فآواہ الی نفسہ**[1] بخوردان کو اپنے بدن کے متصل کرلیا بلکہ صراحتاً اس پر زیادت کی **واشتم دخانہ**[2] قریب کرکے اس کا دھواں اُوپر کو سونگھا، یہ خاص قصد ادخال اور اس کا مفطر ہونا بے مقال اور صورتِ سوال پر حکمِ افطار باطل خیال **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین**

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصو، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی، ص ۳۶۱

[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ دررالحکام باب موجب الافساد مطبعہ کامل الکائنہ دار سعادت مصر ۱/ ۲۰۲

(تحقیق کا حق یہی تھا اللہ سبحانہ ہی توفیق کا مالک ہے والحمد للہ رب العالمین۔ت) اور اس پر ایجاب کفارہ تو صریح بہتان۔ کفارہ کے لئے جنایت کاملہ چاہئے اور بے قصد وبے ارادہ کون سی جنایت کاملہ ہوسکتی ہے، اگر بفرضِ غلط اس صورت میں روزہ جانا بھی ٹھہرالیتے تو کیا شرع سے کوئی اس کی نظیر بتاسکتا ہے کہ بلا قصد جو افطار واقع ہو اس میں حکم کفارہ دیا گیا ہو، بھلا یہ تو بلاارادہ حلق یا دماغ میں دُھواں جاتا ہے، بلاتعمّد جماع بھی تو موجب کفارہ نہیں جو اکبر واشنع مفطرات ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ان جامع فی رمضان اداء اوکل اوشرب عمدا، قضی وکفر[1]۔	اگر ادائے رمضان عمداً جماع کیا یا کھاپی لیا تو قضاء وکفارہ دونوں لازم ہوں گے۔(ت)

درمختار میں ہے: عمدا راجع للکل[2] (قصداً کی قید ہر ایک سے متعلق ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

المراد تعمد الافطار والناس وان تعمد استعمال المفطر لم یتعمد الافطار[3]۔	یہاں ارادۃً افطار مراد ہے، بھول جانے والا اگرچہ کھانے پینے کا قصد تو کرتا ہے مگر اس کا افطار کا ارادہ نہیں ہوتا۔(ت)

یہ مسئلہ بدیہیاتِ فقہیہ سے ہے حاجتِ ایضاح سے غنی۔

قلت: وانما اطنبنا الکلام فی ھذا المقام حرصا علی احکام الاحکام وادغام الاوھام احترا سا ان لایعثر عاثر حین یعثر علی بحث للعلامۃ الشرنبلالی فی ھذا المرام حیث قال رحمہ اللہ تعالٰی فی غنیۃ ذوی الاحکام قولہ اودخل حلقہ غبار اواثر طعم الادویۃ فیہ لانہ لایمکن الاحتراز منھا اھ لدخولہ من الانف اذا اطبق الفم کما فی الفتح قلت فھذا یفید	**قلت:** ہم نے اس مقام پر اتنی طویل گفتگو اس لئے کی ہے کہ احکام میں استحکام اور اوہام کا ازالہ ہو اور اگر آپ علامہ شرنبلالیہ کی بحث پر مطلع ہوں تو وہاں ہر کسی کے اعتراض سے محفوظ ہوجائیں انہوں (رحمہ اللہ تعالٰی) نے غنیہ ذوی الاحکام میں فرمایا قولہ یا روزہ دار کے حلق میں غبار یا ادویات کا ذائقہ داخل ہوجائے کیونکہ اس سے احتراز ممکن نہیں اھ کیونکہ اگر منہ بند بھی ہو تو ناک کے ذریعے دخول ہوجائیگا، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، **قلت** یہ عبارت بتارہی ہے

---

[1] تنویر الابصار متن درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[2] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۸)

انه اذاوجدبدامن تعاطی مایدخل غبارہ فی حلقه افسد لوفعل اھ [1] وقال السیّد الطحطاوی فی حاشیة علی المراقی وعلی الدرواللفظ للاولی قوله اودخل حلقه غبارالخ به عرف حکم من صناعته الغربلة اوالاشیاء التی یلزمها الغبار وھو عدم الصوم وفی سکب الانھرعن المؤلف ولووجدبدامن تعاطی مایدخل الخ ویدل علیه التعلیل بعدم امکان التحرز [2] اھوقال السید الشامی فی ردالمحتار قوله لعدم امکان التحرز عنه ھذایفید انه اذاوجدبدامن تعاطی الخ شرنبلالیه [3] اھ ملخصًا فیظن ان مانحن فیه من باب تعاطی سبب ممکن التحرز عنه، وحقیقة الامر ان العلامة الباحث رحمه اللّٰه تعالٰی لاینکر ان مدارالاحکام ھٰھنا علی التفرقةبین الدخول والادخال، فحسب اما سمعت الی مامرمن قوله فی متنه لایفسد الصوم۔	اگر ایسے کام میں مشغولیت سے چارہ ہو جس سے غبار حلق میں داخل ہوجاتی ہے تو اب اگر عمل کیاتو روزہ فاسد ہوجائے گا اھ سید طحطاوی نے حاشیہ مراقی اور حاشیہ در میں کہا ہے اور یہ عبارت پہلی کتاب کی ہے قولہ یا غبار روزہ دار کے حلق میں داخل ہوگئی الخ اس سے ان لوگوں کا حکم معلوم ہوگیا جو گیہوں چھانتے یا ایسے کام کرتے ہیں جن کے ساتھ غبار لازمی ہے اور وہ ہے روزہ کا نہ ہونا، سکب الانہر میں مؤلف سے ہے اگر ایسے کام سے بچنے کا چارہ ہو جس سے دخولِ غبار ہوتا ہے اب اگر ایسا عمل کیاتو روزہ فاسد ہوجائے گا، دلیل یہ علت ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں اھ سیّد شامی نے ردالمحتار میں فرمایا قولہ "اس سے بچنا ممکن ہو تو الخ شرنبلالیہ اھ تو اس سے گمان کرلیا گیا ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ ان میں سے ہے یہاں غبار والے سبب میں مشغول ہونے سے بچنا ممکن ہے اور حقیقت امر یہ ہے کہ علّامہ رحمہ اللہ تعالٰی اس بات کے منکر نہیں کہ احکام کامدار یہاں فقط دخول اور ادخال کے فرق پر ہے کیاآپ نے ملاحظہ نہیں کیاکہ متن کے حوالے سے پیچھے گزراکہ روزہ اس صورت میں فاسد نہ ہوگا

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ دررالحکام باب موجب الفساد احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۱/۲۰۲

[2] طحطاوی علٰی مراقی الفلاح باب بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۲

[3] ردالمحتار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۶

ولودخل حلقه دخان بلا صنعه [1] وشرحیه له وحاشیته علی الدرر من قوله فیما ذکرنا اشارة انه من ادخل بصنعه فسد صومه [2] وقوله لامکان التحرزعن ادخال المفطر [3] ولذا اتی العلامة المدقق العلائی فی الدرعلی تلخیص کلام الشرنبلالی لم یلخص الاحر فا واحدا وھو التفرقة بالدخول والادخال کما اسمعناك نصه وانما مطمع نظره وملمح بصره رحمه اللہ تعالٰی ما القینا علیك ان السبب اذا کان مفضیا ولابد کان قصده قصدالمسبب فکان من باب الادخال بصنعه، وانما یستقیم ان استقام فیما یفضی قطعا اوظنًا غالبًا ومن الدلیل علیه نوطه فی الکتب الثلثة حکم الفساد بمجردتعاطی تلك الاسباب حیث قال"افسد لوفعل"ولم یقل"لو فعل ودخل"فانما ینظر الی ان فعله یوجب الدخول فاجتزأبذکرہ عنه والافلایتوھم عاقل فضلا عن فاضل فضلا عن مثل ھذاالفاضل ان	جب دُھواں حلق میں بلا قصد و عمل داخل ہُوا، اس کی دونوں شروحات اور حاشیہ درر کے حوالے سے یہ قول بھی گزرچکا کہ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روزہ دار نے اگر خود دُھوئیں کو داخل کیا توروزہ ٹوٹ جائے گا، قولہ کیونکہ اس صورت میں روزہ توڑنے والی اشیاء کے ادخال سے احتراز ممکن ہےاس لئے در میں علامہ مدقق علائی نے شرنبلالی کے کلام کی تلخیص کرتے ہُوئے صرف ایک حرف کی تلخیص کی ہےاور وہ دخول اور ادخال میں فرق ہے جیسا کہ پیچھے ہم نے ان کے الفاظ آپ کے سامنے رکھے، جو ہم نے بیان کیااس سے علامہ رحمہ اللہ تعالٰی کا مطمح نظریہ ہے کہ سبب اگر لازمی طور پر مفضی ہے تو اس سبب کا قصد مسبّب کا ہی قصد ہوگا تو یہ ادخال بالقصد کے باب سے ہوگا، اگر یہ درست ہے تو یہ صرف وہاں ہی ہوگا جہاں سبب قطعی یا ظن غالب کے طور پر مفضی ہوگا اس پر دلیل یہ ہے کہ تینوں کتب میں حکم فساد کا مدار محض ان اسباب میں مشغول ہونے کو قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں "اگراس نے ایسا کیا توروزہ ٹوٹ جائے گا"، یہ نہیں کہا "اگر کیا اور داخل ہوگیا"، کیونکہ ان کی نظراس پر تھی کہ ایسے اسباب کا کرنا ہی دخول کا موجب ہے لہٰذااس کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ورنہ کوئی عاقل چہ جائیکہ ایسا فاضل یہ بات کہے کہ محض ان کاموں

[1] نورالایضاح باب مایفسد الصوم مطبع علیمی لاہور ص ۶۴

[2] مراقی الفلاح مع حاشیہ طحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۶۱

[3] غنیہ ذوی الاحکام مع حاشیہ درر باب موجب الافساد مطبعہ احمد کامل الکائنہ دار سعادۃ مصر ۱ /۲۰۲

مجرد تعاطی تلك الافعال یفسد الصوم وان لم یدخل شئی ثم ھو رحمه اللّٰہ تعالٰی دار یقیقنًا ان الکینونة فی بیت فیه بخور لیس سببا غالبا لدخول الدخان ولذا علق الفساد فی کتبه الثلثة "بایوائه الٰی نفسه" بل ولم یقنع به حتی زاد "واشتم دخانه" فقد وضح اتضاح الشمس فی رابعة النھاران لامساس بمسألتنا لما بحث العلامة الفاضل ھنا۔

ثمّ اقول: وبه ظھر وللّٰه الحمد انه لایرد علی بحثه ماقد منا من مسائل الطبخ والذوق و الاغتسال وخوض الماء والطحن والسف و دخول الطرقات وامثالھا، فھذا غایة ماوصل الیه ذھنی القاصر فی تصحیح بحثه لکن یرد علیه من المنصوصات مسألة المضمضة ورودًا لامردله فانھا سبب اغلبی بل کلی لدخول البلل ولم یکن تعاطیھا ولو بلا ضرورۃ بل بلا حاجة لیفسد الصوم بالاجماع وان قیل فی النوادر بکراھتھا ولعل مجیبا یجیب بان لیس الحامل فیه علی الحکم بعدم الفطر مجرد امتناع التحرز بل وشئی اٰخر وھو کونه قلیلا تابعا للریق کما قالوا فی لحم بین اسنانه قال فی الھدایة لو

میں مشغول ہونا روزہ توڑدیتا ہے اگرچہ کوئی شیئ داخل نہ ہوتی ہو، پھر علّامہ رحمہ اللہ تعالٰی یہ بھی یقینا جانتے ہیں کہ جس گھر میں بخور ہو وہاں موجود ہونا دھوئیں کے دخول کا سبب غالب نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ تینوں کتب میں یہ قید لگائی ہے کہ اسے اپنے قریب کرے بلکہ اس پر بھی اکتفانہ کیا حتی کہ یہ زائد کیا کہ اس کا دھواں سُونگھے، اب تو روشن دن کی طرح واضح ہوگیا کہ علامہ فاضل نے جو یہاں کہاہے اس کا تعلق ہمارے زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے۔

ثمّ اقول: بحمداللہ اس سے واضح ہوگیا کہ جو ہم نے پیچھے مسائل بیان کئے مثلًا کھانا پکانا، چکھنا، غسل کرنا، پانی میں غوطہ لگانا، چکّی پیسنا، غلّہ پھٹکنا اور گلیوں میں چلنا وغیرہ، یہ سب علامہ کی بحث کارد نہیں کرتے۔ علّامہ کی بحث کی تصحیح میں بندہ کا ذہن قاصر اسی انتہائی مقام پر پہنچاہے، لیکن اس پر منصوصات میں سے مسئلہ کلی کرنا ایسا وارد ہوتا ہے جس کا جواب نہیں کیونکہ وہاں تری کا دخول سبب اغلب ہی تک نہیں بلکہ کلی سبب ہے اور روزہ دار کا اس میں مشغول ہونا اگرچہ بلا ضرورت بلکہ بلاحاجت ہو حالانکہ اس صورت میں روزہ بالاتفاق نہیں ٹوٹتا، اگر یہ کہا جائے کہ نوادر میں ہے کہ اس میں کراہت تو ہے تو شاید جواب دینے والا یہ کہے کہ کُلی میں عدم فطر کے حکم کا باعث محض احتراز کا امتناع ہی نہیں بلکہ ایک اور شیئ بھی ہے اور وہ اس کا قلیل اور تھوک کے تابع ہونا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس گوشت کے بارے میں کہاہے جو

اکل لحما بین اسنانه فان کان قلیلا لم یفطر لان القلیل تابع لاسنانه بمنزلة ریقه، بخلاف الکثیر لانه لایبقی فیما بین الاسنان والفاصل مقدار الحمصة ومادونها قلیل[1] اھ۔

اقول: ولا یجدی فان عدم الافطار ھٰھنا ایضا انما ھو معلل بعدم امکان التحرز، فرجع الامر الی ماوقع. قال فی الفتح وانما اعتبر تابعا لانه لایمکن الامتناع عن بقاء اثر مامن المآکل حوالی الاسنان وان قل ثم یجری مع الریق التابع من محله الی الحلق فامتنع تعلیق الفطار بعینه فیعلق بالکثیر وھو مایفسد الصلٰوۃ لانه اعتبر کثیرا فی فصل الصلوۃ ومن المشائخ من جعل الفاصل کون ذٰلك ممایحتاج فی ابتلاعه الی الاستعانة بالریق او لا الاول قلیل والثانی کثیر وھو حسن لان المانع من الحکم بالافطار بعد تحقق الوصول کونه لا یسھل الاحتراز عنه وذٰلك فیما

دانتوں میں پھنس جاتا ہے۔ ہدایہ میں ہے کسی نے دانتوں کے درمیان پھنسا ہوا گوشت کھالیا اگر وُہ تھوڑا تھا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا کیونکہ قلیل دانتوں کے تابع ہونے کی وجہ سے بمنزل تھوک ہوگا بخلاف کثیر کے، کیونکہ وُہ دانتوں کے درمیان باقی نہیں رہ سکتا اور قلیل و کثیر میں فرق یُوں ہے کہ اگر چنے کی مقدار ہو تو کثیر اور اس سے کم ہو تو قلیل اھ۔

اقول: یہاں یہ بات بھی مفید نہیں کیونکہ روزہ نہ ٹوٹنے کی وجہ یہی بیان کی گئی کہ تری سے بچنا ممکن نہیں تو معاملہ پھر اسی طرف لوٹ آیا جہاں تھا، فتح میں ہے تابع اس لیے قرار دیا کہ کھانے کے بعد دانتوں کے ارد گرد پر اثر کا باقی نہ رہنا ناممکن ہے اگرچہ وہ اثر بہت قلیل ہو پھر وُہ تھوک کے ساتھ اپنی جگہ سے حلق کی طرف چلا جاتا ہے تو اب روزہ ٹوٹ جانے کو بعینہٖ اس اثر کے ساتھ متعلق کرنا ممکن نہ رہا، ہاں کثیر سے متعلق ہوگا اور وُہ اتنی مقدار ہے جو نماز کو فاسد کردے کیونکہ اسے نماز کے معاملہ میں کثیر اعتبار کیا گیا ہے، مشائخ میں سے بعض نے قلیل و کثیر میں یُوں فرق کیا کہ اس شیئ کو نگلنے کے لئے تھوک کی مدد کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر مدد درکار ہے تو قلیل ورنہ کثیر، اور یہ بہت خوب فرق ہے کیونکہ جوف میں وصول کے بعد روزہ نہ ٹوٹنے کے حکم میں مانع صرف یہ ہے کہ اس سے احتراز آسان نہ تھا اور یہ بات اس میں

[1] الہدایة باب مایوجب القضاء والکفارة المکتبة العربیة کراچی ۱/۱۹۸

يجرى بنفسه مع الريق الى الجوف لافيما يتعمد فى ادخاله لانه غير مضطر فيه اھ؎ وقد نقل كلامه العلامة الشرنبلالى نفسه فى المراقى تصريحا وفى الغنية تلويحامقرا عليه، وهذاايضا بحمدالله‌تعالٰى مشيد اركان مانحونا اليه من ان المناط هو الفرق بالدخول والادخال لاغير وان لا نظر فى الدخول الى كون سببه ممايستهل التحرز عنه، الاترى ان الانسان غير مضطرالى اكل مايبقى منه فى اسنانه كاللحم وامثاله، بل يمكن الاجتزاء بمثل اللبن ثم ان سلم له ان تعاطى الاسباب الغالبة من باب الادخال المفطر لوجب ان يكون مفطرا مطلقا وان احتاج اليها كما قد منا بحقيقته فليس من لم يكن عنده ما يغنيه يومه ولم يقدر على الاكتساب الابحرفة غر بلة وهرس وخبز وطبخ ونحوها ممايدخل فيه الغبار و الدخان باجلّ ضرورة واقل حيلة من مريض اونائم اومكره او ذى مخمصة فاذالم يستحق اولئك اسقاط	جاری ہوسکتی ہے جو تھوک کے ساتھ جوف میں جائے، لیکن اس میں جاری نہیں ہوسکتی جس کا ادخال عمداً ہو کیونکہ اس میں روزہ دار مجبور نہیں اھ علامہ شرنبلالی نے یہ کلام مراقی میں تصریحًا اور غنیہ میں اختصار کے ساتھ اسے ثابت رکھتے ہُوئے نقل کیا ہے، بحمد اللہ یہ بھی ہماری اس گفتگو کی بنیادوں کو مستحکم کرتا ہے کہ فرق کامدار دخول اور ادخال پر ہے، اس کے علاوہ کوئی فرق نہیں اور دخول میں اس طرف نظر کرنا بھی مناسب نہیں کہ اس کا سبب ہونا ایسا تھا جس سے بچنا آسان تھا، کیاآپ ملاحظہ نہیں کرتے کہ دانتوں میں جو بچ جاتا ہے مثلاً گوشت وغیرہ تو انسان اس کے کھانے پر مجبور نہیں بلکہ انسان کااس سے محفوظ رہنا ممکن بھی ہے، مثلاًدودھ وغیرہ کے ذریعے، پھر اگر یہ تسلیم کرلیا جائے ایسے اسباب میں مشغول ہونا جن سے غالبًا دخولِ غبار ہوجاتا ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے، تو ضروری ہوگا کہ یہ ہر حال میں روزہ ٹوٹنے کا سبب بنے اگرچہ آدمی ان کا محتاج ہو، جیسا کہ ہم پیچھے اس کی حقیقت بیان کرآئے، تو وہ شخص جس کے پاس دن گزارنے کے لیے کوئی چیز نہ ہو اور وُہ آٹا چھاننے، گھوڑا دوڑانے، روٹی کھانے اور پکانے وغیرہ جو دخولِ غبار کا سبب ہیں ان کے علاوہ کسی کاروبار پر قادر بھی نہ ہو تو ایسا شخص مریض، سونے والے، مکرہ اور صاحبِ اضطرار سے ضرورت

حکم الفطر فانّٰی یستحقه من هو دونهم وقد جری هو بنفسه فی متنه علی تعمیم الغبار غبار الطاحونة فالاوفق الارفق الالصق بالاصول بالقبول عندی هوالاطلاق الذی جرت علیه المتون والشروح و الفتاوی قاطبة الی اواسط القرن الحادی عشر حتی جاء العلامة الشرنبلالی فنظر مانظر ولقد احسن واجاد فی کتبه الثلثة اذا علق الفساد بالبخور علی اشتمام الدخان والعلم بالحق عند الملك المنّان۔	میں زیادہ اور حیلہ میں کم نہیں ہوتا، توجب مذکورہ لوگ اسقاط حکم افطار کے مستحق نہیں توجوان سے کم درجہ کا معذور ہے وہ اسقاط کا کیسے مستحق ہوگا، علامہ نے خود متن میں عام غبار کا اعتبار کیا ہے جیسے چکّی کی غبار، تواصول کے زیادہ موافق و مناسب ہوگی اور قبول کے زیادہ لائق۔ میرے نزدیک وہ اطلاق ہے جس پر گیارہویں صدی کے وسط تک تمام متون وشروحات اور فتاوٰی کی نقل جاری رہی حتی کہ علّامہ شرنبلالی کادور آیا توانہوں نے اس پر غور وفکر کیا جواُن کی شان کے لائق تھا، اُنہوں نے اپنی تینوں کُتب میں یہ لکھ کر بہت ہی خُوب کیا کہ بخور کا دُھواں قصداً سُونگھنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔ حق کا علم مالک اور احسان فرمانے والے اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ (ت)

الحمدللہ یہ جواب عجاب، کاشف صواب، ورافع حجاب اوائل ذی القعدۃ الحرام کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ "الاعلام بحال البخور فی الصیام" نام ہوا، وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه وبارك وسلم، واللہ وسبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ امانت علی شاہ ساکن قصبہ نواب گنج ضلع بریلی ۱۷ رمضان ۱۳۳۱ھ

اس سے پہلے میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ روزہ دار کو غوطہ لگانا چاہئے یا نہیں؟ اور سُرمہ لگانا چاہئے یا نہیں؟ تو ایک شخص کہتا ہے کہ غوطہ لگانا کیا بلکہ ناف کے اُوپر پانی پہنچ جائے گا توروزہ ٹوٹ جائے گا، اور سُرمہ بعد عصر کے لگانا چاہئے۔ اور ایک شخص نے یہ بھی کہا کہ سُرمہ لگا کر سونا نہ چاہئے، اور روزہ دار کو خوشبو سُونگھنا چاہئے یا نہیں؟ اور سر میں تیل ڈالنا چاہئے یا نہیں؟ اور بدن پر روغن ملنا چاہئے یا نہیں؟ اور ہلاس سُونگھنا چاہئے یا نہیں؟ اور مسواک کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور مسواک کی لکڑی چبانا چاہئے یا نہیں؟ اور دانتوں میں خلال کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور منجن ملنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

وہ شخص غلط کہتا ہے، پانی بدن کے اُوپر ہونے سے روزہ جائے تو نہانے سے بھی جائے، وضو سے بھی جائے۔ ہاں جوف کے اندر مسام کے سوامنافذ سے پہنچے تو روزہ جائے گا مگر غوطے میں ایسا نہیں، غوطہ لگا کر کھلے ہُوئے منفذ نتھنوں کو دیکھئے کہ ان میں بھی پانی نہیں پہنچتا اور سُرمہ بھی ہر وقت لگانے کی اجازت ہے اور لگا کر سو بھی سکتا ہے اور سونے سے بھی کھکھار میں سُرمہ کی رنگت آجائے تو کچھ حرج نہیں کہ یہ مسام سے پہنچا اور آنکھوں میں معاذاللہ کان یا ناک کے سوراخ نہیں کہ اُن میں داخل روزہ کو مضر ہو۔ روزہ دار خوشبو سُونگھ سکتا ہے، سُونگھنے سے جس کے اجزاء دماغ میں نہ چڑھیں بہ خلاف اگر لوبان کے دُھوئیں کے کہ اسے سونگھ کر دماغ کو چڑھ جائے گا تو روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار سر میں روغن ڈال سکتا ہے، کہ یہ بھی مسام میں کوئی منفذ نہیں۔ بدن پر بھی روغن مل سکتا ہے مل کر خوب جذب کر سکتا ہے، ہاں مثلاً کان میں نہیں ڈال سکتا، اگر ڈالے گا روزہ جاتا رہے گا۔ روزہ دار کو ناس لینا حرام ہے اُس کا کوئی ذرّہ دماغ کو پہنچا تو روزہ جاتا رہے گا۔ مسواک کرنا سنّت ہے، ہر وقت کر سکتا ہے، اگرچہ تیسرے پہر یا عصر کو چبانے سے لکڑی کے ریزے چھوٹیں یا مزہ محسوس ہو تو نہ چاہئے۔ خلال کرنے میں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر رات کا دانتوں میں کچھ بچا رکھنا نہ چاہئے جسے دن کو خلال سے نکالے، ہاں سحری کھا کر فارغ ہُوا تھا کہ صبح ہوگئی تو اب ہی خلال کرے گا اس کا حرج نہیں، روزہ میں منجن ملنا نہ چاہئے۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب القضا والکفارۃ

مسئلہ ۲۲۷: از بنگال ضلع کمرلا پرگنہ سرائل ڈاک خانہ ہرن بیڑ موضع بھوپن مرسلہ عاصم علی صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میّت کے نماز و روزہ وغیرہ کے کفارے کے عوض میں قرآن شریف کو حیلہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مع دلائل قویہ وحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمایا جائے کیونکہ اس ملک بنگالہ میں اکثر علماء حیلہ مذکورہ کو جائز رکھتے ہیں اور جو نا جائز کہتا ہے اُس کے ساتھ جھگڑنے پر آمادہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دلیل بیان کرو، اس لیے حضور پُر نور کو تکلیف دی جاتی ہے۔ بیّنوا بالدلیل توجروا عند الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ حیلہ دو۲ طور پر ہے:

اوّل: یہ کہ نماز روزے وغیرہ جس قدر ذمہ میّت ہوں سب کے کفارے میں خود قرآن مجید ہی مسکین کو دے دیا جائے یعنی مصحف مبارک ہی کو اُن فرائض کا معاوضہ و کفارہ بنالیا جائے، یہاں جہاں اسی طرح کرتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ قرآن بے بہا چیز ہے اُس کی قیمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے تو اگر لاکھوں کفارے ہوں ایک مصحف میں سب ادا ہو جائیں گے، ولہذا انہیں میّت کی عمر اور اس کی قضا

نمازوں روزوں کا حساب کرنے کی بھی حاجت نہیں ہوتی کہ حساب تو جب کیجئے کہ کچھ کمی کا احتمال ہو اور جہاں ہر طرح یقیناً زیادہ ہی چیز جارہی ہے وہاں حساب کس لئے۔ یہ طریقہ یقیناً قطعاً باطل و مہمل ہے شرع مطہر نے کفارے میں مال معین فرمایا ہے کہ ہر نماز ہر روزے کے عوض نیم صاع گندم یا ایک صاع جو یا اُن کی قیمت۔ اور اس سے مقصود شرع اِدھر نفع رسانی مساکین ہے اُدھر اپنی رحمتِ کاملہ سے ترک فرائض پر مالِ جرمانہ لے کر اِن شاء اللہ بندہ تارک کو مطالبہ سے سبکدوش فرمانا، ولہٰذا ہر نماز روزہ کے ایک مقدارِ مال معیّن فرمائی کہ جرم کم وزائد میں امتیاز رہے، جس نے تھوڑے چھوڑے ہیں تھوڑا مال دے کر پاک ہوجائے، جس نے زیادہ چھوڑے اس پر اُسی حساب سے جرمانہ بڑھتا جائے، مصحف شریف میں دو[۲] لحاظ ہیں: ایک کاغذ و سیاہی وجلد کا اعتبار، اس لحاظ سے وہ ایک مال ہے اسی لحاظ سے اس کی بیع وشرا ہوتی ہے، بایں معنی اس کی قیمت وہی ہے جتنے پر بازار میں ہدیہ ہو، روپیہ دو روپیہ یا دس پندرہ جو حیثیت ہو اسی لحاظ سے وہ کفارے میں دیا جاسکتا ہے تو بازار کے بھاؤ سے جتنے داموں پر ہدیہ ہو اُسی قدر مال دینا ٹھہرے گا، اور کفارہ ادا ہوا تو صرف اُتنے ہی نماز روزوں کا ادا ہوگا جو ان داموں کے مقابل ہوں مثلاً روپے کے پانچ صاع گیہوں آتے ہیں اور یہ مصحف شریف کہ دیا گیا دو[۲] روپے ہدیہ کا تھا تو گویا دس[۱۰] صاع گیہوں دئے گئے صرف بیس[۲۰] نمازوں یا بیس[۲۰] روزوں کا عوض ہُوئے، دو چار روپے مالیت کی چیز سے عمر بھر کی نمازوں کا کفارہ کیونکر ادا ہوسکتا ہے۔ دوسرا لحاظ اُس کلام کریم کا اعتبار ہے جو اُس میں لکھا ہے اصلاً مال نہیں بلکہ وُہ اس احد صمد جل وعلا کی صفت قدیمہ کریمہ اُس کی ذات پاک سے قائم اور اُس کے کرم سے ہمارے ورقوں، ہمارے سینوں، ہماری زبانوں، ہماری آنکھوں، ہمارے کانوں، ہمارے دلوں پر کتابت و حفظ و تلاوت و نظر وسماعت و فہم میں متجلی ہے، **فلوجهه الكريم الحمد كما ينبغي لجلاله وعظم جوده وافضاله**، عوام نے سچ کہا کہ وُہ بے بہا ہے اور غلط سمجھا کہ اُس کہ قیمت حد سے سوا ہے بلکہ وُہ بے بہا بایں معنٰی ہے کہ تقویم و مالیت سے پاک و ورا ہے بایں معنٰی وہ کفارہ نہیں ہوسکتا کہ کفارہ مال سے ہوتا ہے اور وہ مال نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

لاقطع فی سرقة المصحف لانه لامالية له علی اعتبار المكتوب واحرازه لاجله لا للجلد و الاوراق[1]۔	چوری مصحف میں قطع ید نہیں کیونکہ مکتوب کے اعتبار سے یہ مالیت سے بالاتر ہے باقی اس کی حفاظت مکتوب کی وجہ سے ہوئی ہے نہ کہ جلد اور اوراق کی وجہ سے۔ (ت)

[1] ہدایہ باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۲

فتح القدیر میں ہے:

لافی سرقة المصحف وقال الشافعی یقطع وھو روایة عن ابی یوسف لانه مال محرز یباع ویشتری ولان ورقه مال وبما کتب فیه ازدادبه ولم ینتقص وجه الظاھران المالیة للتبع وھی الاوراق المتبوع وھوالمکتوب[1]۔	مصحف کی چوری میں قطع ید نہیں اور امام شافعی نے کہا قطع ید ہے۔امام ابویوسف سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ یہ مال محفوظ ہے، بیچا اور خریدا جاتا ہے، اور اس لیے بھی کہ اس کے اوراق مال ہیں اور جو کچھ اس میں تحریر ہے اس سے مالیت میں اضافہ ہوگا نہ کہ کمی۔ظاہر مذہب کی دلیل یہ ہے ہے کہ مالیت تابع یعنی اوراق کی ہیں نہ کہ متبوع کی جو کہ مکتوب ہے(ت)

اسی طرح کافی شرح وافی و تبیین الحقائق و بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ بالجملہ مصحف میں جو چیز بے بہا ہے یعنی قرآن وُہ مال نہیں کہ کفارہ بن سکے، اور جو مال ہے یعنی کاغذ وجلد، وُہ بے بہا نہیں کہ عمر بھر کی نمازروزوں کا بدلہ ہوسکے، کاغذ کے اعتبار سے مال ٹھہرانا اور مکتوب کے لحاظ سے بیحد قیمت سمجھ کر میت کی تمام عمر بلکہ ہفت پشت کا کفارہ کرنا ایسا ہے جیسے زید پر کسی کے لاکھ روپے آتے ہوں وہ اس کے بدلے ایک روپے کا مصحف شریف بلکہ ایک آنے کا کوئی پارہ دے کر ادا ہوجانا چاہئے کہ یہ لاکھوں کروڑوں روپے کا ہے بے بہا ہے یُوں تو ایک آیت بلکہ ناخن برابر کاغذ پر ایک اسم اللہ لکھ کر دے دیجئے اور کروڑوں روپے کا قرضہ اتار دیجئے کہ دُنیاومافیہا ایک اسمِ جلالت کی قیمت نہیں ہوسکتی جیسے بندوں کے دین میں یہ حیلہ پیش نہیں کیا جاتا ویسے ہی رب العزّت عزّجلالہ کے دین میں۔ حدیث میں ارشاد ہُوا: فدین اللہ احق ان یقضی[2] (اللہ تعالٰی کا دین زیادہ حق رکھتا ہے کہ اسے پورا کیا جائے۔ت)

دوسرا طریقہ: یہ کہ میّت پر جس قدر نماز روزے وغیرہا قضا ہوں سب کا حساب لگائیں اور اس کا کفارہ معین کریں کہ مثلاً ہزار من گندم ہوئے مصحف شریف اُتنے گیہوں یا اُن کی قیمت کے عوض مسکین کے ہاتھ بیع کریں وُہ قبول کرلے مصحف تو اس نے پایا اور اس پر ہزار من گندم یا مثلاً تین ہزار روپے ثمن مصحف کے دین ہوگئے، اب اس سے کہیں کہ اتنے گیہوں یا روپے جو ہمارے تجھ پر واجب الادا ہیں وہ ہم نے فلاں میّت کے کفارہ میں تجھے دئے، فقیر کہے میں نے قبول کئے۔ یہ حیلہ قرآن عظیم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر کتاب یا کپڑے یا

---

1 فتح القدیر باب مایقطع فیہ ومالایقطع المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱۳۲/۵

2 صحیح بخاری باب من مات وعلیہ صوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶۲/۱

برتن وامثالہا سے ہوسکتا ہے، دہلی کے متاخرین علماء نے یہ حیلہ لکھامگر نظرِ فقہی میں یہ بھی صحیح نہیں آتا، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس کی تحقیق منیر اپنے فتاوٰی میں ذکر کی یہاں اسی قدر کافی کہ کفارے میں مال دینا چاہئے اور دین کہ ساقط کردیا مال نہیں۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لوکان له دین علی فقیر فابرأہ منه سقط زکٰوته عنه لانه کا لهلاك فلو ابرأہ عن البعض سقط زکٰوۃ ذٰلك البعض لما قلنا وزکٰوۃ الباقی لاتسقط عنه ولو نوٰی به الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالافکان الباقی خیرا منه فلایجوز الساقط عنه[1]۔	اگر کسی کا فقیر پر قرض تھا معاف کرکے قرض سے اسے بری کردیا تو اس قرض کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی کیونکہ ہلاک ہونے والے مال کی طرح ہے اور اگر کچھ معاف کیا تومذکورہ دلیل کی بناپر اتنے حصّہ کی زکٰوۃ ساقط ہوجائے گی لیکن باقی حصّہ کی زکوۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ وُہ ساقط ہونیوالے حصہ کو باقی کی زکوۃ میں شمار کرے کیونکہ ساقط ہونے والا مال نہیں اور باقی رہنے والے کا مال ہونا ممکن ہے اوربقیہ حصہ اس سے بہتر ہے لہٰذا اس سے اسقاط جائز نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ ضرور ہے کہ وہ دین اس سے وصول کرکے قبضہ میں لاکر کفارے میں دیں۔ درمختار میں ہے:

اوصی لصلواته وثلث ماله دیون علی المعسرین فترکها الوصی لهم عن الفدیة لم تجزہ ولابد من القبض ثم التصدق علیهم[2] اھ وتمام الکلام علی ازالة الاوهام فی فتاوٰنا فلیرا جعها من یتخالج فی صدرہ شئی ولایعجل. واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی نے اپنی نمازوں کے لئے وصیت کی اس حال میں کہ اس کا ثلث مال تنگ دستوں پر قرض تھا تو وصی نے نمازوں کے فدیہ کے طور پر ان تنگ دستوں کاقرض چھوڑ دیا تو یہ کافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے اس مال پر قبضہ ضروری ہے اس کے بعد ان پر صدقہ کرنا جائز ہوگا اھ ازالہ اوہام کے لئے تفصیلی گفتگو ہمارے فتاوٰی میں ہے، جس کے سینے میں کوئی شے کھٹک رہی ہو وہ اس کا مطالعہ کرے اور جلد بازی سے کام نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۱۴رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

شبِ سہ شنبہ ۱۲رمضان المبارک کو ہم لوگوں کی آنکھ قریب ساڑھے چار بجے کھلی، جلد جلد ہم لوگوں نے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الزکوۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۲۵۸/۱

[2] درمختار فصل فی وصایا الذمی وغیرہ مجتبائی دہلی ۳۳۴/۲

یعنی سحری کھا کر حقّہ پی رہے تھے کہ یکایک اذان ہو گئی فوراً کُلی کرکے اور کاموں میں مصروف ہوگئے، صبح کو ایک بزرگ سے سب حال کہا گیا انہوں نے اس قسم کے کلمات کہے جس سے ابطالِ صیام معلوم ہوا نہایت تشویش ہُوئی، جب ہم لوگوں نے جان لیا کہ روزہ یقیناً نہیں ہے تب ہم چند آدمیوں نے دن کو یعنی ۱۲ بجے اسی ماہ کھالیا اور یہ امر تخمیناً دس آدمیوں سے واقع ہُوا اعنی روزہ کھول لینا، بعد کو اور لوگوں سے ذکر ہُوا تو اُن لوگوں نے تنبیہ کی اور کہا کہ کھانا کھانا مناسب نہ تھا استطاعتِ کفارہ نہیں حتی کہ دوماہ متواتر روزے رکھنے کی بھی بظاہر قدرت نہیں، اب جیسی رائے ہو مطلع فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کہ آفتاب اوائل بُرج حمل میں ہے۔ بریلی بلگرام کے قریب قریب عرض کے شہروں میں سحری چار بجے تک کھانی چاہئے، ساڑھے چار بجے کب کی صبح ہو چکتی ہے، اس وقت کچھ کھانے پینے کے معنی ہی نہ تھے، وہ روزہ یقیناً نہ ہوا اُس کی قضا فرض ہے مگر غیر مریض و مسافر کو روزہ جاتے رہنے کی بھی حالت میں بوجہ ادب وحُرمت ماہ مبارک دن بھر مثل روزہ رہنا واجب تھا، دن کو پھر جو قصداً کھایا حرام تھا گناہ ہُوا، توبہ کی جائے، مگر روزہ تو تھا ہی نہیں جسے اس کھانے نے توڑا ہو، لہٰذا کفارے سے کچھ علاقہ نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۲۲۹: از خورجہ ضلع بلند شہر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید رمضان شریف میں روزہ سے تھے اخیر رمضان المبارک میں جبکہ وُہ روزہ سے تھے ان کے درد صدر میں ہوا ور دست آئے اور استفراغ کئی بار ہُوا، درد کی بہت سخت تکلیف تھی، بالآخر ۴ بجے بخوف ترقی مرض بعد ظہر ڈاکٹری دوا حالتِ صوم میں پلادی گئی، روزہ تڑوا دیا گیا، ایسی حالت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ روزہ توڑنے کی وجہ سے آیا ساٹھ روزے رکھے جائیں یا ساٹھ مسکین کھلائے جائیں یا کچھ نہ کیا جائے؟ درد سے آرام ہونے کے بعد جو آٹھ سات روزے باقی تھے وہ بوجہ ضعف وناطاقتی کے نہیں رکھے گئے تا عید الفطر۔ ایسی صورت میں شارع کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں نہ ساٹھ روزے ہیں نہ ساٹھ مسکین غرض کفارہ نہیں صرف اُس روزہ کی جو توڑا اور ان روزوں کی جو نہ رکھے قضا ہے ہر روزہ کے بدلے ایک روزہ وبس۔

فی الدرالمختار من مبیحات الفطر خوف هلاك اونقصان عقل ولو بعطش اوجوع	درمختار میں عوارض مبیحہ سے ہے یعنی روزہ نہ رکھنے کو مباح کرنے والی چیزوں میں سے یہ ہیں ہلاکت کا خوف یا نقصانِ عقل کا خوف، یہ خوف خواہ پیاس سے ہو

شدید اولسعة حیّة[1]۔	سخت بھوک کی وجہ سے یا سانپ کے کاٹنے سے ہو(ان صورتوں میں روزے کاترک جائز ہے)(ت)

شامی میں ہے:

فله شرب دواء ینفعه[2]۔	روزہ دار کے لیے ایسی دواکاپینا جائز ہے جواسے نفع دے۔(ت)

مسئلہ ۲۳۰: از بہرائچ چوک بازار مرسلہ حافظ محمد شفیع صاحب ۲۶ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

اگر رمضان شریف کاچاند مکہ معظّمہ یاہندوستان سے دُور دراز ملکوں میں ۲۹ شعبان کو ہُوااور مثلاً بہرائچ میں اُس تاریخ کو چاند نہیں نظرآیابلکہ ۳۰ شعبان کو چاند ہُواکیااس صورت میں بہرائچ کے باشندوں کوایک روزہ کی قضاعلم وواقفیت قطعی ہونے پر لازم آتی ہے یانہیں؟ زید کہتاہے صورت مذکورہ میں قضاایک روزہ کی لازم نہیں اس لیے کہ جب قریب ملک میں چاند نظر آئے تواُس کااعتبار ہے دُور ملک کااس بارے میں اعتبار نہیں، عمروکاقول اُس کے برخلاف ہے یعنی وُہ قضالازم ہونے کاالتزام کرتاہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

عمروکاقول صحیح ہے، ہمارے ائمہ کرام کامذہب صحیح ومعتمد یہی ہے کہ درباره ہلالِ رمضان وعید اختلاف مطالع کاکچھ اعتبار نہیں، اگرمشرق میں رؤیت ہو مغرب پر حجت ہے، اور مغرب میں تومشرق پر، مگر ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خط یاتار یاتحریرِاخبار یاافواہ بازار یاحکایتِ امصار محض بے اعتبار۔ **كما فصلناه فی فتاوٰنا بما لا مزید علیه** (جیساکہ اس کی ایسی تفصیل اپنے فتاوٰی میں تحریر کی ہے جس پراضافہ دشوار ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی المذهب وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی فیلزم اهل المشرق برؤیة اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤیة اولئك بطریق موجب[3] (ملخصاً) واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مذہب صحیح کے مطابق مطالع کے اختلاف کااعتبار نہیں، اس پراکثر مشائخ ہیں اور فتوٰی اسی قول پر ہے، لہٰذااہلِ مشرق پراہلِ مغرب کی رؤیت کی بناپر روزہ رکھنالازم ہوگابشرطیکہ ان کے ہاں ثبوت چاند موجب شرعی سے ثابت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] درمختار، فصل فی العوارض، مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

[2] ردالمحتار فصل فی العوارض مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۶

[3] درمختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

مسئلہ ۲۳۱: از موضع درؤ ضلع نینی تال مسئولہ عبدالجلیل خاں ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے طعام سحری ساڑھے چار بجے سے پانچ بجے تک کھانا باہر صحنِ مکان میں نکلنے سے کچھ سفیدی شرق میں آسمان پر معلوم ہوئی اور اذانِ صبح بھی ہو گئی چونکہ تین روزے ہو چکے تھے روزہ رکھ لیا گیا دن میں کچھ اشخاص نے کہا یہ روزہ نہیں ہوا اس واسطے ایک بجے دن کو توڑ ڈالا، پس اندریں صورت ایک روزہ قضا واجب ہوا یا ساٹھ؟ دیگر یہ کہ ماہ صیام میں جو روزے قضا ہوگئے ہوں اور وُہ قضا بھی ادا نہ ہُوئے تو بقول بعض بالعوض ایک قضا کے کیا ساٹھ کا حکم ہے یا ہر وقت میں ایک ہی رکھنا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس رمضان شریف میں پانچ بجے تک کسی طرح وقت نہ تھا جبکہ پانچ بجے تک سحری کھائی تو روزہ بلاشبہ ہواہی نہیں کہ توڑنا صادق آئے قضا لازم ہے اور کفارہ نہیں، ہاں رمضان مبارک میں اگر کسی وجہ سے روزہ نہ ہو تو غیر معذور شرعی کو دن بھر روزہ کی طرح رہنا واجب اور کھانا پینا حرام، ایک بجے کھانا کھالیا یہ دوسرا گناہ ہوا، توبہ فرض ہے **واللہ تعالٰی اعلم** ایک روزہ کی قضا ایک ہی ہے ساٹھ کا حکم کفارہ میں ہے کہ کسی نے بلاعذر شرعی رمضان المبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی تھی بالقصد کسی غذا یا دوا یا نفع رساں شیئ سے توڑ ڈالا اور شام تک کوئی ایسا عارضہ لاحق نہ ہوا جس کے باعث شرعاً آج روزہ رکھنا ضرورت نہ ہوتا تو اُس جُرم کے جرمانہ میں ساٹھ روزے پے درپے رکھنے ہوتے ہیں ویسے جو روزہ نہ رکھا ہو اس کی قضا صرف ایک روزہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۳۲: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مسئولہ عبدالستار بن محمد اسمٰعیل ۱۴ رجب ۱۳۳۴ھ

ماہ رمضان المبارک میں ایک شخص نے قبل صبح صادق سحری کا کھانا کھا کر روزے کی نیت کرکے کھانا پینا بند کیا، بعد اس کے اپنی منکوحہ سے خوش طبعی کرتے ہوئے بلاجماع منزّل ہوا اور یہ امر قبل صبح صادق یا بعد صبح صادق ہوا اب اس کا روزہ رہا یا قضا کرے یا کفارہ دے؟ اور عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب:

عورت کے لئے کچھ حکم نہیں اور مرد پر بھی کفارہ نہیں، اور اگر انزال قبل صادق ہُوا تو قضا بھی نہیں، اور بعد صبح صادق ہوا اور اس وقت مس وغیرہ نہیں کررہا تھا اُس کے بعد مجرد بقائے تصور سے واقع ہُوا جب بھی قضا نہیں، ورنہ اس روزہ کو پُورا کرے اور ایک روزہ اس کے عوض رکھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۳۳:
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر دو صاحب کسی شخص کاروزہ زبردستی تڑوادیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اور جو صاحب روزہ توڑیں وہ کیا کریں اور اُن کے لیے کیا حکم ہے؟ دوسرے کسی صاحب کے بار ڈالنے سے روزہ توڑا جائے توہر دو صاحبان کے لئے کیا حکم ہوگا؟

الجواب:
بلاضرورت و مجبوری شرعی فرض روزہ زبردستی تڑوانے والا شیطانِ مجسم و مستحقِ نارِ جہنم ہے اور بغیر سچی مجبوری کے فقط کسی کے بار ڈالنے یازیر کرنے سے فرض روزہ توڑ دینے والے پر عذاب ہے، اور روزہ ادائے رمضان تھاتو حسبِ شرائط اس پر کفارہ واجب جس میں ساٹھ روزے لگاتار رکھنے ہوتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴: ازلاہور مسئولہ گلاب خلیفہ ۱۱صفر المظفر ۱۳۳۴ھ
بخدمت شریف جناب عالی خاندان دام اقبالکم بعدادائے آداب کے عرض کمترین کی یہ ہے کہ جو شخص اس ماہِ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں پورا روزہ رکھے جس طرح حکم رسول ہو تحریر فرمائیں کیونکہ اس ماہ میں طاقت نہیں ہے رکھنے کی، کمزوری ناطاقتی بدن میں ہے۔ جناب کواس وجہ پر تکلیف دیتاہُوں صاف تحریر فرمائیں، اور ایک شخص روزہ نہیں رکھتا ہے اپنے عوض ایک عورت کوروزہ رکھاتا ہے، آپ فرمائیں مرد کامرد کولازم ہے یا عورت کا عورت کو؟ غیر عورت ہے جس کو روزہ رکھاتاہے۔ فقط

الجواب:
جو ایسا مریض ہے کہ روزہ نہیں رکھ سکتا روزہ سے اُسے ضرر ہوگا، مرض بڑھے گا یا دن کھنچیں گے، اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہو یا مسلم طبیب حاذق کے بیان سے جو فاسق نہ ہو تو جتنے دنوں یہ حالت رہے اگرچہ پُورا مہینہ وہ روزہ ناغہ کرسکتا ہے اور بعد صحت اس کی قضا رکھے، جتنے روزے چھوٹے ہوں ایک سے تیس تک۔ اپنے بدلے دوسرے کو روزہ رکھوانا محض باطل وبے معنی ہے، بدنی عبادت ایک کے کئے دوسرے پر سے نہیں اُتر سکتی، نہ مرد کے بدلے مرد کے رکھے سے نہ عورت کے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب الفدیۃ

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ قاضی عبدالحمید صاحب پیش امام از قصبہ ککڑی ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ امام اگر عذر سے روزہ نہیں رکھتا ہے پر اعادہ روزہ کا یقینی ایک مسکین کو ہمیشہ کھانا کھلادیتا ہے مگر نمازِ تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ اور تراویح کے پڑھانے میں حرج تو نہیں ہے؟ جواب دو

الجواب:

بعض جاہلوں نے یہ خیال کرلیا ہے کہ روزہ کا فدیہ ہر شخص کے لئے جائز ہے جبکہ روزے میں اسے کچھ تکلیف ہو، ایسا ہرگز نہیں، فدیہ صرف شیخ فانی کے لیے رکھا ہے جو بہ سبب پیرانہ سالی حقیقۃً روزہ کی قدرت نہ رکھتا ہو، نہ آئندہ طاقت کی امید کہ عمر جتنی بڑھے گی ضُعف بڑھے گا اُس کے لیے فدیہ کا حکم ہے، اور جو شخص روزہ خود رکھ سکتا ہو اور ایسا مریض نہیں جس کے مرض کو روزہ مضر ہو، اس پر خود روزہ رکھنا فرض ہے اگرچہ تکلیف ہو۔ بھوک پیاس گرمی خشکی کی تکلیف تو گویا لازم روزہ ہے اور اسی حکمت کے لیے روزہ کا حکم فرمایا گیا ہے، اس کے ڈر سے اگر روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہو تو معاذاللہ روزے کا حکم ہی بیکار ومعطل ہوجائے، امام مذکور اگر واقعی کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے جسے روزہ سے ضرر پہنچتا ہے تو تاحصولِ صحت اُسے روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے اُس کے بدلے اگر مسکین کو کھانا دے تو مستحب ہے ثواب ہے جبکہ اُسے روزہ کا بدلہ نہ سمجھے اور سچے دل سے نیت رکھے کہ جب صحت پائے گا جتنے روزے قضا ہُوئے ہیں ادا کرے گا۔ اس صورت میں وہ امامت کرسکتا ہے اور اگر ویسا مریض نہیں اور کم ہمتی کے سبب روزے قضا کرتا ہے تو سخت فاسق ہے اور اسے امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

تفاسیر الاحکام لفدیۃ الصّلوٰۃ والصّیام ۱۳۱۶ھ

(بعد از موت نماز و روزہ کے فدیہ کے تفصیلی احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۳۶تا۲۴۷: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب فردوسی ۱۰صفر ۱۳۱۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) موتی کے روزہ کا فدیہ جو فقہ کی کتابوں میں نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جَو لکھا ہے، اس وزن کی تطبیق اس ہندوستان کے کس وزن کے برابر کی گئی ہے، کتبِ فقہ میں جو فی روزہ دو سیر گیہوں یا چار سیر جَو لکھا ہے وہ بیس ۲۰ گنڈے کے حساب سے ہے یا انیس ۱۹ گنڈے کے؟ غرض پٹنہ ضلع میں اگر کوئی شخص فدیہ دینا چاہے تو وہ کس وزن سے فی روزہ دے گا؟

(۲) چاول کا حساب کس چیز میں ہوگا گیہوں یا جو میں؟ یعنی فی روزہ چاول مثل گیہوں کے ۲ ثار یا مثل جو کے ۴ ثار دیا جائے گا؟ اور اگر چاول دیا جاسکتا ہے تو کل اقسام کے چاول ایک ہی حساب میں ہیں یا باسمتی، سلیہا، جوشاندہ مثل گیہوں کے اور موٹا چاول مثل جَو کے ہے؟

(۳) دھان مثل جَو کے فی روزہ چار ۴ ثار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) فدیہ روزہ کا اگر کسی کے ذم بہت سا باقی ہے تو وہ کل بیک دفعہ بیک وقت ادا کرے یا بدفعات جزو جزو کرکے دے سکتا ہے مثلاً زید متوفی کے ذمہ ۳۰ روزوں کا فدیہ باقی ہے تو یہ ۶۰ ثار گیہوں بیک دفعہ بیک وقت دینا چاہئے یا ایک ایک دو دو کرکے ادا کردینے کا مجاز ہے کہ نہیں؟ اس میں ایک صورت یہ بھی نکلتی ہے کہ اگر زید کے ذمّہ ایک ہی روزہ کا فدیہ باقی رہے تو وہ اس دو سیر گیہوں کو پاؤ پاؤ کرکے ۸ دفعہ یا آدھ آدھ سیر کرکے ۴ دفعہ دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۵) متعدد روزوں کا فدیہ کل ایک ہی دن ایک شخص کو دے سکتے ہیں یا روز روز دوسرے دوسرے کو دینا چاہئے؟ مثلاً زید متوفی کے ذمہ دس روزوں کا فدیہ چاہئے تھا اگر یہ ادا کیا جائے تو کل ایک ہی شخص کو ایک ہی دن بیک وقت بیک دفعہ دے دے یا ایک ہی آدمی کو دس روز پیہم دے یا ایک ہی دن میں دس آدمیوں کے دے دے یا دس روز کرکے دوسرے دوسرے کو دے، اس کی چار ۴ شکلیں نکلیں، **وھو ھذا**:

شکل اوّل: ایک ہی دن ایک شخص کو کل دسوں روزوں کا بیک دفعہ بیک وقت دیا جائے۔

شکل دوم: ایک ہی آدمی کو دس روزوں تک برابر دیا جائے۔

شکل سوم: ایک ہی دن میں دس آدمیوں کو دیا جائے۔

شکل چہارم: دس روز کرکے دس آدمیوں کو دیا جائے ___ یہ چاروں شکلیں جائز ہیں یا نہیں؟

(۶) اس کے مستحق کون کون اشخاص ہیں؟ سیّد کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اقربا میں جو لوگ غریب ہیں ان کو دینے کا حکم ہے یا نہیں؟ گھر کے نوکر چاکر کو اگر دیں اور مشاہرہ یا کھانے میں وضع نہ کریں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۷) غلّہ دینا بہتر ہے یا اس کی قیمت باندھ کر جو اُس زمانہ میں نرخ بازار ہو، کون زیادہ مناسب ہے؟ اور نقد روپیہ کا بھی کل وہی حکم ہے جو غلّہ کا ہے یا فرق ہے؟

(۸) اگر کسی غریب کے ذمّہ روپیہ قرض کا باقی ہے اور فدیہ پانے کا مستحق ہے تو روپیہ فدیہ میں روزے کے دے سکتا ہے یا نہیں؟

(۹) فدیہ ادا کرتے وقت یہ لفظ کہنا چاہئے کہ یہ غلّہ یا نقد فلاں کے روزہ کا فدیہ ہے یا **انما الاعمال بالنیات**[1] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) کافی ہے؟

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدؤالوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

(۱۰) شیخ فانی اور موتٰی کے فدیہ کے احکام میں کوئی فرق ہے یا دونوں کا ایک حکم ہے، اور اگر فرق ہے تو وہ کونسا فرق ہے؟

(۱۱) اگر اپنی زندگی میں ہی روزہ قضا شدہ کا فدیہ کوئی شخص دے دے حالانکہ وہ شیخ فانی نہیں ہے تو وہ روزہ اس سے ساقط ہوگا یا نہیں؟

(۱۲) اگر زید نے انتقال کیا اور اس کے ذمّہ روزہ فرض باقی رہ گیا ہے تو اس کے وارث یا اقربا اُس روزہ کے بدلے میں روزہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) وزن بلاد میں مختلف ہوتے ہیں لہٰذا ہم تولوں اور انگریزی روپوں کا حساب بتاتے ہیں کہ ہر شخص اپنے یہاں کے وزن رائج کو بآسانی اس سے تطبیق دے سکے، ایک روزہ یا ایک نماز کا فدیہ یا کفارہ میں ایک مسکین کی خوراک یا ایک شخص کا صدقہ فطریہ سب گیہوں سے نیم صاع اور جو سے ایک صاع ہے۔ صاع دوسوستر ۲۷۰ تولے ہے، نیم صاع ایک سو پینتیس ۱۳۵ تولے۔ تولہ بارہ ۱۲ ماشہ، ماشہ آٹھ ۸ رتی، رتی آٹھ چاول۔ انگریزی روپیہ سکّہ رائجہ سوگیارہ ماشے ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان الصاع اربعة امداد والمد بالاستار اربعون والاستار بکسرالهمزة بالمثاقیل اربعة ونصف کذافی شرح درر البحار اھ[1] ملخصاً۔	معلوم ہونا چاہئے کہ صاع چار مُد اور مُد چالیس استار اور استار (ہمزہ پر کسرہ کے ساتھ) ساڑھے چار مثقال ہے، جیسا کہ شرح درر البحار میں ہے اھ ملخصاً (ت)

صاع چار مُد ہے اور ہر مُد چالیس استار اور ہر استار ساڑھے چار مثقال، تو ہر مُد ایک سو اسی ۱۸۰ مثقال ہُوا اور مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے ولہٰذا درہم شرعی کہ مثقال کا ۱۰/۷ سات عشر ہے۔

فی الدرالمختار کل عشرة دراهم وزن سبعة مثاقیل[2]۔	درمختار میں ہے ہر دس درہم بوزن سات مثقال کے ہے۔ (ت)

پچیس رتی اور پانچواں حصّہ رتی کا ہُوا یعنی ۳ ماشہ ۱-۱/۵ سرخ۔ جواہر الاخلاطی میں ہے:

الدرهم الشرعی وعشرون حبّة وخمس حبّة[3]۔	درہم شرعی پچیس رتّیاں اور رتی کا پانچواں حصّہ ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۳

[2] الدرالمختار باب زکوٰۃ المال مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[3] الجواہر الاخلاطی (قلمی نسخہ) کتاب الزکوٰۃ ص ۲۲

کشف الغطاء میں ہے:

بدانکہ معتبر نزد ماصاع عراقی ست وآں ہشت رطل ست، ورطل بیست استار، واستار چارو نیم مثقال، ومثقال بیست قیراط، وقیراط یک حبّہ وچہار خمس حبہ، وحبہ کہ آنرا بفارسی سُرخ گویند ہشتم حصہ ماشہ است، پس مثقال چہار ونیم ماشہ باشد[1]۔	واضح رہے ہمارے نزدیک عراقی صاع معتبر ہے اور وُہ آٹھ رطل ہے، رطل بیس استار کا ہوتا ہے اور استار ساڑھے چار مثقال کا، مثقال بیس قیراط کا اور قیراط ایک اور حبہ کے چار خمس کا ہوتا ہے، اور حبہ جسے فارسی میں سُرخ کہا جاتا ہے وہ ماشہ کا آٹھواں حصّہ ہوتا ہے، لہٰذا اب مثقال ساڑھے چار ماشے قرار پایا۔(ت)

اسی حساب سے دوسو ۲۰۰ درہم نصاب فضّہ کے ساڑھے باون تولہ اور بیس ۲۰ مثقال نصاب ذہب کے ساڑھے سات تولے ہوتے ہیں، پس چہارم صاع کی مقدار آٹھ سودس ماشے یعنی ساڑھے سڑسٹھ (۶۷-۱/۲) تولے ہوئے اور نیم صاع ۱۳۵ تولے اور اس انگریزی روپیہ سے ایک سو چالیس روپیہ بھر جہاں سیر سو روپے بھر یعنی ترانوے تولے نوماشے کا ہو جیسے بریلی، وہاں نیم صاع کے کچھ کم ڈیڑھ سیر یعنی ایک سیر سات چھٹانک دوماشے ساڑھے چھ رتی ہوئے۔ اور ایک صاع کے آدھ پاؤ کم تین سیر اور پانچ ماشے رتی، اور انگریزی سیر سے کہ اسّی روپے بھر یعنی پورے بچھتّر تولے کا ہے، اور دہلی ولکھنؤ میں وہی رائج ہے، ساڑھے تین سیر اور ڈیڑھ چھٹانک اور دسواں حصہ چھٹانک کا ریاست رام پور کا سیر چھیانوے روپے یعنی پورے نوّے تولے کا ہے وہاں تین سیر کامل کا ایک صاع وعلٰی ھٰذا القیاس فی سائر البقاع (اسی قاعدے پر باقی علاقوں کو قیاس کیا جائے۔ت)

(۲و۳) گندم وجو کے سوا چاول دھان وغیرہ کوئی غلّہ کسی قسم کا دیا جائے اُس میں وزن کا کچھ لحاظ نہ ہوگا بلکہ اُسی ایک صاع جو یا نیم صاع گندم کی قیمت ملحوظ رہے گی اگر اس کی قیمت کے قدر ہے توکافی مثلاً نیم صاع گیہوں کی قیمت دو ۲ آنے ہے تو روپے کے چار سیر والے چاول سے صرف آدھ سیر کافی ہوں گے، اور چالیس سیر والے دھان سے پانسیر دینے ہوں گے، درمختار میں ہے:

مالم ینص علیہ کذرۃ وخبز یعتبر فیہ القیمۃ[2]۔	وُہ چیزیں جن پر نص مذکورہ نہیں مثلاً باجرہ اور روٹی، توان میں قیمت کا اعتبار ہے(ت)

[1] کشف الغطاء فصل دراحکام دعاوصدقہ ونحو ان ازاعمال خیر برائے میت مطبع احمدی، دہلی ص ۶۸

[2] الدرالمختار، باب صدقۃ الفطر، مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۵

ہندیہ میں ہے:

انما تجب من اربعة اشیاء من الحنطة والشعیر والتمر والزبیب وما سواه من الحبوب لایجوز الا بالقیمة اھ[1] ملتقطا۔	یہ صرف ان چار چیزوں میں لازم ہے گندم، جو، کھجور، اور منقٰی۔ اور جو ان کے سوا غلہ جات ہیں ان میں فقط قیمت کا ہی اعتبار ہوگا اھ ملتقطا (ت)

لباب میں ہے:

ھذه اربعة انواع لاخامس لها واما غیرها من انواع الحبوب فلا یجوز الا باعتبار القیمة کالارز والذرة والماشی والعدس والحمص وغیر ذٰلک[2]۔	ان کی چار ہی اقسام ہیں پانچویں کوئی نہیں، لہٰذا ان کے علاوہ غلّہ جات میں قیمت ہی کا اعتبار ہوگا مثلاً چاول، باجرہ، ماش، مسور اور چنے وغیرہ (ت)

(۴و۵) فدیہ نماز و روزہ میں سوال پنجم کی چاروں صورتیں تو بلاشبہ جائز ہیں اور سوال چہارم کی بھی سب صورتیں روا، مگر جس میں فقیر کو نصف صاع سے کم دینا ہو اس میں قول راجح عدم جواز ہے، سراجیہ، و در مختار و ہندیہ وغیرہا میں اسی پر جزم کیا اور یہی مختار امام ابواللیث ہے۔

فی السراجیة لایجوزان یؤدی عن صلٰوة لفقیرین اھ[3] وفی الدرلوادی للفقیر اقل من نصف صاع لم یجز ولو اعطاه الکل جاز[4] اھ وفی الھندیة عن التتارخانیة عن الوالجیة لودفع عن خمس صلوات تسع امنان لفقیر واحد ومنا لفقیر واحد اختار الفقیه انه یجوز عن اربع صلوات ولا یجوز عن	سراجیہ میں ہے کہ ایک نماز کا فدیہ دو فقراء کو دینا جائز نہیں اھ اور در میں ہے اگر کسی فقیر کو نصف صاع سے کم دیا تو جائز نہ ہوگا، ہاں اگر اسے تمام دے دیا تو جائز ہے اھ اور ھندیہ میں تاتارخانیہ سے وہاں ولوالجیہ سے ہے کہ اگر کسی نے پانچ نمازوں کا فدیہ نو مد ایک فقیر کو دیا اور ایک مد ایک فقیر کو ، تو فقیہ ابواللیث کہتے ہیں کہ وہ فدیہ چار نمازوں کا ادا ہو جائے گا پانچویں

---

[1] الفتاوی الھندیة الباب الثامن فی صدقة الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۹۱

[2] الباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی احکام الصدقہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۴

[3] فتاوٰی سراجیہ باب قضاء الفوائت نولکشور لکھنؤ ص ۱۷

[4] در مختار، باب قضاء الفوائت مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

الصلٰوۃ الخامسۃ اھ[1] وفی البحر قال ابوبکر الاسکاف یجوز ذٰلك کله وقال ابوالقاسم وھو اختیار الفقیہ ابی اللیث یجوز عن اربع صلوات دون الخامسۃ لانہ متفرق ولایجوز ان یعطی کل مسکین اقل من نصف صاع فی کفارۃ الیمین فکذٰلك ھذا فالحاصل ان کفارۃ الصلٰوۃ تفارق کفارۃ الیمین فی حق انہ لا یشترط فیہا العدد وتوافقہا من حیث انہ لوادی اقل من نصف صاع الی فقیر واحد لایجوز اھ[2]۔ وفی ظہار التنویر جاز لواطعم واحدا استین یوما اھ[3] **قلت** فاذا جاز ھذا فیما یشترط فیہ التعدد فما لا یشترط فیہ اولی بالجواز۔	کا نہیں اھ۔ بحر میں ہے کہ شیخ ابوبکر اسکاف نے کہا کہ وُہ تمام نمازوں کا فدیہ ہوگا، ابوالقاسم کہتے ہیں اور یہی فقیہ ابواللیث کا مختار ہے کہ یہ چار نمازوں کا فدیہ ہوگا پانچویں کا نہیں کیونکہ اس سے تفریق ہو گئی، اور کفارہ قسم میں ہر مسکین کو نصف صاع سے کم نہیں دیا جاسکتا، یہاں بھی حکم اسی طرح ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ نماز کا کفارہ اس لحاظ سے کفارہ قسم سے الگ ہے کہ اس میں تعداد شرط نہیں، اور اس لحاظ سے موافق ہے کہ اگر ایک فقیر کو نصف صاع سے کم دیا جائے تو جائز نہیں اھ تنویر کے مسئلہ ظہار میں ہے کہ اگر ایک ہی فقیر کو ساٹھ دن کھانا کھلایا تو یہ جائز ہوگا اھ **قلت** جب یہ وہاں جائز یہاں تعدد شرط ہے تو وہاں بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے جہاں تعدد شرط نہیں ہے۔(ت)

(۶) مصرف اس کا مثل مصرفِ صدقہ فطر و کفارہ یمین وسائر کفارات وصدقات واجبہ ہے بلکہ کسی ہاشمی مثلاً شیخ علوی یا عباسی کو بھی نہیں دے سکتے۔ غنی یا غنی مرد کے نابالغ فقیر بچے کو نہیں دے سکتے کافر کو نہیں دے سکتے، جو صاحبِ فدیہ کی اولاد میں ہے جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، یا صاحبِ فدیہ جس کی اولاد میں جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، انہیں نہیں دے سکتے، اور اقربا مثلاً بہن بھائی، چچا، ماموں خالہ، پھوپھی، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ان کو دے سکتے ہیں جبکہ اور موانع نہ ہوں، یونہی نوکروں کو جبکہ اجرت میں محسوب نہ کریں۔

فی ردالمحتار مصرف الزکوٰۃ ھو مصرف	ردالمحتار میں ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے صدقۃ الفطر،

[1] الفتاوی الہندیۃ باب قضاء الفوائت نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۲۵

[2] البحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۹۱

[3] تنویر الابصار متن درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱

ایضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیرذلك من الصدقات الواجبة کما فی القھستانی [1] ۔ **اقول**: وھو متمش علی تصحیح ما عن ابی یوسف من عدم جواز شئی من الصدقات الواجبة لکافر ذمی قال فی الدرلاتدفع (ای الزکوٰۃ) الی ذمی وجاز دفع غیرھا وغیرالعشر والخراج الیه ای الذمی ولو واجبا کنذروکفارة وفطرة خلافا للثانی وبقوله یفتی حاوی القدسی اھ [2] وفیه لو دفعھا المعلم لخلیفة ان کان بحیث یعمل له لولم یعطه صح والالا اھ [3] وفی معراج الدرایة ثم الھندیة وکذا مایدفعه الی الخدم من الرجال والنساء فی الاعیاد وغیرھا بنیة الزکوٰۃ [4] ۔	کفارہ ، نذر اور دیگر صدقاتِ واجبہ کا بھی وہی مصرف ہے قہستانی۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس راہ کو اختیار کیا گیا جو امام ابویوسف سے مروی قول کی تصحیح کے مطابق ہے کہ صدقاتِ واجبہ کسی کافر ذمی کو دینا ناجائز ہے۔ در میں ہے ذمی کو (زکوٰۃ) نہیں دی جاسکتی البتہ زکوٰۃ، عشر اور خراج کے علاوہ صدقات ذمی کو دئے جاسکتے خواہ وہ صدقہ واجبہ ہی ہوں مثلاً نذر، کفارہ اور صدقہ فطر، اس میں امام ابویوسف کا اختلاف ہے، امام مذکور کے قول پر حاوی مقدسی نے فتوی دیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر معلم نے اپنے خلیفہ کو زکوٰۃ دی اگر وہ اس طرح کام کرتا ہے کہ اگر معلم نہ دیتا تب بھی وہ اس کا کام کرتا ایسی صورت میں دینا درست ہے ورنہ نہیں اھ اور معراج الدرایہ اور ہندیہ میں ہے اسی طرح حکم ہے اس رقم کا جو بہ نیتِ زکوٰۃ عید وغیرہ کے موقعہ پر خدام مردوں یا عورتوں کو دی جاتی ہے (ت)

صدقاتِ واجبہ زوجین کو بھی نہیں دے سکتے۔**اقول**: فدیہ نماز و روزہ جب بعد مرگ دیا جائے تو مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ زوجہ کا فدیہ شوہر فقیر کو فوراً اور شوہر کا زوجہ فقیرہ کو بعد عدت گزرنے کے دینا جائز ہو کہ اب زوجیت نہ رہی اور شوہر زوجہ کے مرتے ہی اجنبی ہو جاتا ہے ولہذا اسے مَس جائز نہیں۔

فی الدرالمختار لایصرف الی من بینھما زوجیة ولومبانة [5] قال الشامی ای	درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ ان کو نہ دی جائے جن کے درمیان زوجیت کا تعلق ہو خواہ خاتون کو طلاق بائنہ

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴
[2] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱
[3] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲
[4] الفتاوی الہندیۃ الباب السابع فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۰
[5] درمختار باب المصرف مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

فی العدۃ ولو بثلاث نھر معراج الدرایہ اھ[1] وفی ردالمحتار عن بدائع الامام ملک العلماء المرأۃ تغسل زوجھا لان اباحۃ الغسل مستفادۃ بالنکاح فتبقی مابقی النکاح والنکاح بعدالموت باق الی ان تنقضی العدۃ بخلاف مااذا ماتت فلا یغسلھا لانتھاء ملک النکاح لعدم المحل فصار اجنبیا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوچکی ہو اھ۔علامہ شامی نے فرمایا یعنی وہ عدت میں ہو اگرچہ تین طلاقیں ہوچکی ہوں یہ نہر میں معراج الدرایہ سے ہے اھ ردالمحتار میں امام ملک العلماء کی بدائع سے ہے کہ خاتون اپنے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کیونکہ غسل کی اباحت نکاح کی وجہ سے حاصل ہُوئی تو جب تک نکاح باقی ہے اباحت بھی باقی رہے اور نکاح تو خاوند کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے یہاں تک کہ عدت گزر جائے بخلاف اس صورت کہ جب بیوی فوت ہوجائے تو خاوند اسے غسل نہیں دے سکتا کیونکہ محل نہ رکھنے کی وجہ سے نکاح ختم ہوگیا لہٰذا اب خاوند اجنبی قرار پائے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) قیمت افضل ہے مگر قحط میں کھانا دینا بہتر۔

فی الدرالمختار دفع القیمۃ ای الدراھم افضل من دفع العین علی المذھب المفتی بہ۔جوھرۃ بحرعن الظھیریۃ وھذا فی السعۃ امام فی الشدۃ فدفع العین افضل[3]۔	درمختار میں ہے مفتی بہ مذہب کے مطابق قیمت یعنی دراھم کاادا کرنا عین شے سے افضل ہے جوہرہ۔ اور بحر میں ظہیریہ سے ہے کہ یہ عام حالات یعنی آسانی کے وقت ہے اگر کسی وقت شدت اور قحط ہو تو عین شیئ کا دینا افضل ہوگا۔(ت)

باقی احکام نقد وغلّہ یکساں ہیں مگر وُہ تفاوت جو خاص گندم وجَو میں بسبب اعتبار وزن معتبر، شرعی اسقاط میں لحاظ مالیت کا ہے مثلاً فرض کیجئے کہ نیم صاع گندم کی قیمت دوآنہ ہے اور ایک صاع جَو کی ایک آنہ تو ایک آنہ کی قیمت کی کوئی چیز کپڑا، کتاب، چاول، باجرا وغیرہا بلحاظ قیمت جو دے سکتے ہیں اگرچہ گندم کی قیمت نہ ہُوئی مگر چہارم صاع گندم کافی نہیں اگرچہ قیمت اُن کی بھی ایک صاع جَو کے برابر ہوگئی کہ چار چیزیں جن پر نص شرعی وارد ہوچکی ہے یعنی گندم، جَو، خُرما، کشمش ان میں قیمت کا اعتبار نہیں، جتنا وزن شرعًا واجب ہے اُس قدر دینا ہوگا۔

[1] ردالمحتار باب المصرف مصطفی البابی مصر ۶۹/۲

[2] ردالمحتار باب الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۷۶/۱

[3] الدرالمختار باب الصدقۃ الفطر مجتبائی دہلی ۱۴۵/۱

فی محیط الامام السرخسی ثم الھندیۃ، لوادی ربع صاع من حنطۃ جیدۃ تبلغ قیمتہ قیمۃ نصف صاع من شعیر لا یجوز عن الکل، بل یقع عن نفسہ وعلیہ تکمیل الباقی وکذا لا یجوز ربع صاع من حنطۃ عن صاع من شعیر اھ[1] ملخصًا، فی البدائع لان القیمۃ انما تعتبر فی غیر المنصوص علیہ[2]	محیطِ امام سرخسی پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایسی جید گندم کا چوتھائی صاع ادا کیا جس کی قیمت جَو کے نصف صاع کو پہنچ جاتی ہے تو یہ کل کی طرف سے جائز نہیں بلکہ یہ اپنی طرف سے عطیہ ہے، باقی کی تکمیل کرنا اس پر لازم ہوگا، اور اسی طرح گندم کا چوتھائی صاع جَو کے صاع کی قیمت کو پہنچ جائے دینا جائز نہیں اھ بدائع میں ہے کیونکہ قیمت کا اعتبار وہاں ہے جہاں نص میں عین کی تصریح نہیں (ت)۔

قیمت میں نرخ بازار آج کا معتبر نہ ہوگا جس دن ادا کر رہے ہیں بلکہ روزِ وجوب کا مثلاً اُس دن نیم صاع گندم کی قیمت دو آنے تھی آج ایک آنہ ہے تو ایک آنہ کافی نہ ہوگا۔ دو[2] آنے دینا لازم، اور ایک آنہ تھی اب دو آنے ہوگئی تو دو آنے ضرور نہیں ایک آنہ کافی۔

فی الدرالمختار جاز دفع القیمہ فی زکوٰۃ وعشر وخراج وفطرۃ ونذروکفارۃ غیرالعتاق وتعتبر القیمۃ یوم الوجوب وقالا یوم الاداء[3]	درمختار میں ہے کہ زکوٰۃ، عشر، خراج، صدقہ فطر، نذر، عتاق کے علاوہ کفارہ میں قیمت کا دینا جائز ہے اور قیمت یوم وجوب کے اعتبار سے ہوگی اور صاحبین کی رائے کے مطابق یومِ ادا کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا (ت)

(۸) یہاں صُورتیں متعدد ہیں، فدیہ والا اپنی حیات میں فدیہ ادا کرتا ہے جیسے شیخ فانی روزے کا یا اُس کے بعد وارث بلا وصیت بطور خود دیتا ہے یا بحکم وصیت ادا کیا جاتا ہے اور درصورت وصیت مدیون پر یہ دین بعد موت مورث، حادث ہوا ہے جیسے کسی نے ترکہ سے کوئی چیز غصب کرکے صرف کرڈالی کہ اس کے تاوان کا اس پر دین آیا یا دین حیات مورث کا ہے تو یہ چار صورتیں ہیں۔ صورت اخیر میں عدمِ صحت کا حکم درمختار وغیرہ میں مصرح ہے یعنی زید پر نماز روزے وغیرہما کا فدیہ تھا اس نے وصیّت کی کہ میرے مال

---

[1] الفتاوی الہندیۃ الباب الثامن فی صدقۃ الفطر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۲

[2] بدائع الصنائع کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کراچی ۲ /۷۳

[3] الدرالمختار باب زکوٰۃ الغنم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۳

سے ادا کرنا عمرو فقیر حیات زید سے زید کا مدیون تھا، وصی نے وُہ دین فدیہ میں عمرو کو چھوڑ دیا فدیہ ادانہ ہوا

قال قبیل باب الوصی ،اوصی لصلواته و ثلث ماله دیون علی المعسرین فترکھا الوصی لھم عن الفدیة لم تجزه ولا بد من القبض ثم التصدق علیھم ولو امران یتصدق بالثلث فمات فغصب غاصب ثلثھا مثلًا واستھلکه فترکه صدقة علیه وھو معسر یجزیه لحصول قبضه بعد الموت بخلاف الدین، الکل من القنیة اھ[1]	باب الوصی سے تھوڑا پہلے ہے کسی نے اپنی نمازوں پر فدیہ کی وصیّت کی اور اس کے مال کا تہائی حصہ تنگ دست لوگوں پر دین تھا وصی نے وہ حصہ ان تنگ دستوں پر نمازوں کے فدیہ کے طور پر چھوڑ دیا توکافی نہ ہوگا کیونکہ پہلے قبضہ ضروری ہے اور اس کے بعد ان پر صدقہ کرے تو تب درست ہوگا، اگر اس نے کہا میرا تہائی مال صدقہ کردیا جائے پھر وُہ فوت ہوگیا اور کسی غاصب نے مثلًا تہائی مال غصب کرلیا اور اسے ہلاک کردیا (حالانکہ وُہ غریب تھا) وصی نے بطور صدقہ وہ مال اس سے نہ لیا تو جائز ہوگا کیونکہ موت کے بعد وصی کو قبضہ حاصل تھا بخلاف اس صورت کے جب مال کسی پر قرض ہو، یہ مسائل قنیہ سے مروی ہیں اھ
فی ردالمحتار قوله اوصی لصلواته او صیاماته، منح، قوله لم تجزه وقیل تجزه قال فی القنیة قال استاذنا والاول احب الی حتی توجد الروایة، قوله بخلاف الدین ای فی المسألة السابقة فانه مقبوض قبل الموت، بقی لو اوصی بکفارة صلواته والمسألة بحالھا ھل یجزیه لحصول قبضه بعد الموت اولا، یراجع اھ[2]	ردالمحتار میں ہے قولہ "فوت ہونے والے نے اپنی نمازوں یا روزوں کے بارے میں وصیت کی"، منح۔ قولہ "یہ کفایت نہیں کرے گا" لیکن بعض کے نزدیک یہ کافی ہے۔ قنیہ میں ہے کہ ہمارے استاذ نے فرمایا مجھے پہلا قول بہت محبوب ہے حتی کہ کوئی دوسری روایت آجائے۔ قولہ "بخلاف قرض" یعنی گزشتہ مسئلہ میں کیونکہ مال موت سے پہلے قبضہ میں نہیں ہوگا۔ باقی رہا یہ معاملہ کہ اگر کسی نے

[1] الدرالمختار، فصل فی وصایاالذمی، مجتبائی دہلی، ۲/ ۳۳۴

[2] ردالمحتار فصل فی وصایاالذمی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۷

ارادبقوله والمسألة بحالها مسألة الغصب، ورأيتنی کتبت عليه مانصه **اقول**:وبالله التوفيق وله الحمد تبتنی عندی مسألتا الفديه والغصب علی ان الوصية بالمال لاتتناول الدين ماکان دينا فاذاصار عينا بالقبض تناولته کما صرح به فی الظهيرية حيث قال اذا کان مائة عين ومائة درهم علی اجنبی دين فاوصی لرجل بثلث ماله فانه يا خذ ثلث العين دون الدين الاتری ان حلف ان لامال له وله ديون علی الناس لم يحنث ثم ماخرج من الدين اخذ منه ثلثه حتی يخرج الدين کله لانه لما تعين الخارج مالا، التحق بماکان عينًا فی الابتداء، ولا يقال لما لم يثبت حقه فی الدين قبل ان يتعين کيف يثبت حقه فيه اذا تعين لانا نقول مثل هذا غير ممتنع الاتری	نمازوں کے کفارہ کی وصیّت کی اور صورت مذکورہ ہی ہو تو موت کے بعد حصول قبضہ کی وجہ سے یہ کافی ہوگا یا نہیں اس پر غور کیا جائے اھ والمسئلۃ بحالہا سے مراد مسئلہ غصب ہے ردالمحتار کے حاشیہ پر بندہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے۔ **اقول**: اللہ کی توفیق اور اسی کے لیے حمد ہے، سے کہتا ہوں میرے نزدیک فدیہ اور غصب کا مسئلہ اس پر مبنی ہے کہ وصیت بالمال دین کو شامل ہی نہیں جب تک وہ دین رہے، ہاں جب وہ دین قبضہ کی وجہ سے عین ہو جائے تو پھر وصیت اسے شامل ہوگی جیسا کہ ظہیریہ میں ان الفاظ سے صراحت کی ہے کہ جب ایک سودرہم عین اور ایک سو درہم کسی اجنبی پر دین تھے تو فوت ہونے والے نے تہائی مال کی وصیت کی تو اب عین کی تہائی سے وُہ مال لیا جائے گا نہ کہ دین سے کیا آپ کے علم میں نہیں اگر کوئی آدمی حلف اٹھاتا ہے کہ اس کے پاس مال نہیں حالانکہ اس نے لوگوں سے قرض لینا ہے تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، پھر دین میں جو حصّہ خارج ہوگا اس سے تہائی لیا جائے یہاں تک کہ سارا دین خارج ہو جائے کہ جب خارج ہونے والا مال متعین ہو جائے تو اس مال کے ساتھ لاحق ہو جائے گا جو ابتدائی طور پر عین تھا یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ جب متعین ہونے سے پہلے دین میں مالک کا حق ثابت نہیں ہوا تو متعین ہو جانے کے بعد حق کیسے ثابت ہوگا کیونکہ ہم کہتے ہیں اس طرح کا معاملہ ممتنع نہیں ہوتا، کیا آپ نہیں جانتے کہ جس کے حق میں تہائی

ان الموصی له بثلث المال لایثبت حقه فی القصاص ومتی انقلب مالا یثبت حقه فیه اھ۔ وبه یحصل التوفیق بین قولی الخانیة لا تدخل الدیون ای فی الوصیة بالمال والوهبانیة ان الدخول اجدر کما جنح الیه فی منحة الخالق فراجعها من شتی القضاء . ففی مسألة الفدیة لما کان الدین سابقا علی الموت وقد اراد الوصی اسقاطه قبل القبض فیکون انفاذ الوصیة فیما لم تتناوله فلا یجوز مالم یقبض فیتصدق و فی مسألة الغصب لما کان المال عینا عندالوفاة وانما حصل قبض الغاصب واستهلاکه وصیرورته دینا بعد الموت فقد تناولته الوصیة فجاز هذا ماظهر لی وبه یظهر الجواب عما توقف فیه العلامة المحشی بقوله یراجع فانه لاغبار علیه من هذه الجهة الا ان یثبت ان اداء الکفارات بترك الدین لایجوز اصلا وفیه وقفة فلیراجع ولیحرر اھ ما کتبت علیه۔

مال کی وصیّت کی گئی اس کا حق قصاص میں ثابت نہیں ہوتا وہ جب تبدیل ہو کر مال بن جائے تو اس میں اس کا حق ثابت ہو جائے گا اھ۔ اس سے خانیہ اور وہبانیہ کے دونوں اقوال میں تطبیق ہو جائے گی۔ خانیہ میں ہے کہ دیون وصیت بالمال میں داخل نہیں ہوتے۔ وہبانیہ میں ہے کہ دیون کا اس میں دخول زیادہ مناسب ہے جیسا کہ منحۃ الخالق میں اسی طرف میلان ہے تو اس کے لیے منحۃ الخالق میں قضا کے متفرق مسائل کی طرف رجوع کرو۔ رہا مسئلہ فدیہ کا معاملہ تو دَین موت سے پہلے تھا اور وصی نے قبضہ سے پہلے ہی اس کے اسقاط کا ارادہ کیا تو یہ وصیّت کا ایسی چیز میں اجرا ہوگا جس کو یہ شامل ہی نہیں، تو جب تک قبضہ نہ ہو اور صدقہ نہ کیا جائے یہ جائز نہ ہوگا اور مسئلہ غصب میں وفات کے وقت مال عین تھا، پھر غاصب کا قبضہ، اس کا اسے ہلاک کرنا اور اس کا دَین بننا یہ سب موت کے بعد ہوا ہے تو اسے وصیت شامل ہوگی تو اس طرح یہ جائز ہے، یہ وُہ تھا جو مجھ پر واضح ہوا۔ اور اس سے اس چیز کا جواب بھی آگیا جس میں علامہ محشیٰ نے لفظ "یراجع" سے توقف کیا کیونکہ اس اعتبار سے اس پر کوئی غبار نہیں، مگر جب یہ ثابت ہو جائے کہ کفارات کی ادائیگی ترک دین سے اصلاً جائز ہی نہیں اور اس میں توقف ہے، چاہئے یہ کہ جو ہم نے تحریر کیا ہے اس تمام کا مطالعہ کیا جائے اھ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

باقی صور کا حکم قابل تفتیش و مراجعت ہے۔ **اقول:** وباللہ التوفیق امر محتمل ہے اور قائل کہہ سکتا ہے کہ قاعدہ شرعیہ ادائے کامل بہ کامل ہے، نہ کامل بناقص۔ ولہٰذا اوقات ثلٰثہ میں کوئی نماز ادا و قضا جائز نہیں، مگر آج کی عصر یا اُس جنازے کی نماز جو انہیں اوقات میں لایا گیا لتأدیهما حینئذ کما وجبتا

والمسائل بتعلیلا تھا مذکورۃ متونا وشروحا (کیونکہ ان کی ادائیگی اس طرح ہورہی ہے جس طرح وہ واجب ہوئے تھے اور یہ تمام مسائل اپنی تعلیلات کے ساتھ متون اور شروحات میں مذکور ہیں۔ت) روزوں میں کوئی ناقص نہیں اور قضا نمازیں عموماً کامل ہیں ولہٰذا کل کی عصر آج آفتاب ڈوبتے قضا نہیں کی جاسکتی اور جو مال کسی پر دین ہو جب تک وصول نہ ہو مال کامل نہیں ناقص ہے خصوصاً جبکہ کسی مفلس پر ہو کہ وہ تو گویا مردہ مال ہے ولہٰذا حاصل ملک مال کہ تمول وغنا نہیں ہوتا زید کے لاکھ روپے کسی مفلس پر قرض آتے ہوں جب تک پاس نصاب نہ ہو فقیر ہے خود زکوۃ لے سکتا ہے۔

فی الاشباہ من لہ دین علی مفلس مقر، فقیر علی المختار[1]۔	اشباہ میں ہے جس کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو مفلس اقرار کرنے والا ہو تو مختار قول پر وہ فقیر ہے۔(ت)

بلکہ عرفاً دین کو مال ہی نہیں کہتے اگر لاکھوں قرض میں پھیلے ہوں اور پاس کچھ نہیں تو قسم کھاسکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں کما تقدم عن الظهیریة ومثله فی البحر والتنویر وغیرهما (جیسا کہ ظہیریہ کے حوالے سے پہلے گزرا، اس کی مثل بحر، تنویر، اور دیگر کتب میں ہے۔ت) ولہٰذا کسی عین یعنی نصاب موجود کی زکوٰۃ، دین بہ نیت زکوٰۃ معاف کردینے سے ادا نہیں ہوسکتی کہ نصاب موجود مال کامل ہے تو مال ناقص اس کی زکوۃ نہیں ہوسکتا بلکہ جو دین آئندہ ملنے کا ہے اس کی زکوۃ بھی معافی دین سے ادا نہ ہوگی کہ دین باقی، دین ساقط سے بہتر ہے، دین ساقط اب کبھی مال نہیں ہوسکتا اور دین باقی میں احتمال ہے شاید وصول ہوکر مال ہوجائے، ہاں جو نصاب کسی فقیر پر دین تھی وُہ کُل یا بعض اسے معاف کردے تو قدر معاف شدہ کی زکوۃ ساقط ہوگئی کہ ناقص ناقص سے ادا ہوسکتا ہے۔

فی الدرالمختار، لو ابرأالفقیر عن النصاب صح و سقط عنه، واعلم ان اداء الدین عن الدین و العین عن العین وعن الدین یجوز واداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لا یجوز اھ[2] فی تبیین الحقائق لو کان له	درمختار میں ہے: اگر کسی نے فقیر کو نصاب سے بری کردیا تو صحیح ہوگا اور اس سے زکوۃ ساقط ہوجائیگی۔ واضح رہے کہ دین کی ادائیگی دین سے اور عین کی ادائیگی عین سے، اور دین دونوں سے جائز ہے لیکن دین کی ادائیگی عین سے اور اس دین سے جو عنقریب مقبوض ہوگا ان دونوں سے جائز نہیں اھ تبیین الحقائق میں ہے اگر کسی کا فقیر پر

[1] الاشباہ والنظائر، تاب الزکوۃ، دارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱/۲۲۰

[2] درمختار کتاب الزکوۃ مجتبائی دہلی ۱/۱۳۰

دین علی فقیر فابرأہ عنہ سقط منہ زکوٰۃ نوی بہ عن الزکوٰۃ او لا لانہ کالھلاك ولوابرأہ عن البعض سقط زکوٰۃ ذلك البعض لما قلنا وزکوٰۃ الباقی لاتسقط ولو نوٰی بہ الاداء عن الباقی لان الساقط لیس بمال والباقی یجوز ان یکون مالافکان خیرا منہ فلایجوز الساقط عنہ اھ[1]۔	دین تھااس نے فقیر کو قرض سے بری کردیا تواس سے زکوٰۃ ساقط ہوجائے گی خواہ اس سے زکوٰۃ کی اس نے نیت کی ہو یا نہ، اس لیے کہ یہ ہلاک ہونیوالے مال کی طرح ہے اور اگر بعض نے ساقط کیا تو سابقہ دلیل کی بناپر بعض سے ساقط ہوجائیگی لیکن باقی سے زکوٰۃ ساقط نہ ہوگی اگرچہ باقی سے ادائیگی کی نیت کی گئی ہو کیونکہ جو ساقط ہے مال نہیں اور جو باقی ہے اس کا مال ہونا ممکن ہے تو باقی ساقط سے بہتر ٹھہرالہذااس سے سقوط نہیں ہوگااھ (ت)

یہ تقریر منیر بتوفیق القدیر اقتضاء کرتی ہے کہ دین معاف کرنے سے فدیہ مطلقًا ادانہ ہوجب تک وصول کرکے فدیہ میں نہ دی، اس تقدیر پر وُہ حیلہ ہند والوں میں متعارف ہے اور بعض متاخرین فضلائے ہند نے اسے کشف الغطامیں ذکر کیا کہ:

متعارف چنان ست کہ حساب کنند سالہائے میّت را داد نی مدت بلوغ کہ در مرد دوازدہ سال ودر زن نہ سال ست وضع کنند باقی را مقابل ہر شش نماز واجب شبانہ روز سہ صاع کامل گیرند وماہ کامل سی روز اعتبار کنند تافدیہ نماز ہائے یک سال کہ سی صد وشصت روز ست یک ہزار وہشتاد صاع حاصل آید وپانزدہ صاع فدیہ رمضان افزایند ہمگی فدیہ تمام سال یک ہزار ونودوپنج صاع شود ہمیں طریق سالہائے تمام عمر را حساب کنند وحاصل آن را موافق قیمت مبلغ شخص نمایند وبنا بر ضرورت عسرت	معروف یہ ہے کہ میّت کی عمر کے تمام سالوں کا حساب لگاتے ہیں، کم از کم مدتِ بلوغ جو مرد میں بارہ سال اور عورت میں نو سال ہے نکال کر باقی عمر ہر دن رات کی چھ نمازوں کے مقابل (اعتبار سے) تین صاع لیتے ہیں اور ہر ماہ کے تیس دن شمار کئے جاتے ہیں حتی کہ ایک سال (جو تین سو ساٹھ دنوں کا ہے) کی نمازوں کا فدیہ ایک ہزاراسّی صاع بنتا ہے اور ۱۵صاع رمضان کا فدیہ زیادہ کرتے ہیں تو تمام سال کا فدیہ ایک ہزار پچانوے(۱۰۹۵) صاع ٹھہرا، پس اسی طریقے سے تمام سالوں کا حساب کرلیا جائے اور اس کے حاصل کے مطابق اس کی قیمت

[1] تبیین الحقائق کتاب الزکوٰۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/۲۵۸

مصحفے را بمثل آنقدر زر بدست فقیرے فروشند وتسلیم نمایند تا آنقدر زر بر ذمہ اش دین شود پس بگویند کہ ایں قدر زر راکہ بر ذمہ تو دین ست عوض فدیہ نماز وروزہ ہائے فلاں میّت کہ بایں قدر می رسد ترادادیم وبگوید فلاں کردیم واگر مبلغ حساب بکنند وقرآن را بمثل آں را عوض فدیہ بوے بخشند داد قبول نماید نیز کفایت می کنند[1]۔	دے دی جائے، اگر تنگ دستی ہو تو ایک مصحف کو اس مقدار کے زر پر کسی فقیر کو فروخت کردیں اور یہ اس کے ذمّہ دین کردیں اس کے بعد اسے کہیں کہ تیرے ذمّہ جو دین آیا ہے یہ فلاں کی نماز اور روزوں کا فدیہ میں نے تجھے دیا ہے وہ فقیر کہ اسے قبول کرتا ہو، اگر قیمت کا حساب نہ کریں اور قرآن کو اس کی مقدار جنس کے ساتھ ہدیہ کریں تاکہ یہ جنس اس کے ذمّہ ہوجائے اور اسے فدیہ کے عوض بخش دیں اور وُہ قبول کرے تو یہ بھی کفایت کر جائے گا(ت)

اہرًا محض ناتمام وناکافی ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ عامہ کتب معتمدہ مذہب میں ضرور تمند کے لیے جو حیلہ اس کا ارشاد فرمایا سخت دقت طلب اور بہت طول عمل ہے جس کا خود ان فاضل کو اعتراف ہے، یہ متعارف طریقہ ذکر کرکے لکھا:

ومشہور ومنقول دراکثر کتب چنانست کہ قدرے گندم کہ میسر شود منجملہ فدیہ بایں نام بہ فقیر دہند واو قبول کند پس از وے طلب نمایند وبستانند بازبوے بدہمان نام دہند وہمچنیں مکرر کنند تاآنکہ فدیہ نماز وروزہ در فدیہ ہاتمام ادا شود وایں حیلہ خالی از تکلف نیست[2]۔	مشہور اور اکثر کتب میں منقول یہ ہے کہ جو بھی گندم میسر ہو نماز روزہ کے فدیہ کے طور پر اسے فقیر کو دیا جائے وہ قبول کرے اس کے بعد اس سے بطور ہبہ لے لیں پھر اسے بطور فدیہ دے دیں اسی طرح بار بار کریں حتی کہ نماز وروزہ کا فدیہ مکمل ہوجائے اور یہ حیلہ تکلّف سے خالی نہیں۔(ت)

اقول: اسی حیلہ جمیلہ کی تصریح فرمائی درمختار وبزازیہ وخلاصہ وعالمگیریہ وبحر الرائق وغنیہ وصغیری شروح منیہ وفتح اللہ المعین حاشیہ کنز ومنحۃ الخالق وطحطاوی علی الدرالمختار وردالمحتار میں زائدین علی مافی الشرح کلھم فی باب قضاء الفوات (جو شرح میں ہے اس پر اضافہ کرتے ہوئے ان سب نے یہ مسئلہ باب قضاء الفوات میں ذکر کیاہے۔ت) اور جامع الرموز وبرجندی شروح نقایہ و

---

[1] کشف الغطا فصل دراحکام دعاوصدقہ ونحوان ازاعمال خیر برائے میت مطبع احمدی دہلی ص ٦٧

[2] کشف الغطا فصل دراحکام دعاوصدقہ ونحوان ازاعمال خیر برائے میت مطبع احمدی دہلی ص ٦٨

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں کلهم فی الصوم (ان سب نے کتاب الصوم میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے۔ت) اسی کو علامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی نے شرح ہدایہ ابن العمار میں اپنے والد ماجد علّامہ اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی محشّی درر وغرر انہوں نے احکام الجنائز سے نقل فرمایا کما فی منحة الخالق (جیسا کہ منحۃ الخالق میں ہے۔ت) اسی پر امام اجل ناصر الدین ابو القاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی نے ملتقط میں نص فرمایا کما فی شرح مختصر الوقایة عبد العلی (جیسا کہ شرح مختصر الوقایہ عبد العلی میں ہے۔ت) اسی طرح علّامہ مدقّق علائی نے در منتقی شرح ملتقی اور علّامہ شریف ابو السعود ازہری نے شرح نورالایضاح میں تصریح فرمائی کما فی شرحه للسّید احمد المصری (جیسا کہ سیّد احمد مصری کی شرح میں ہے۔ت) یہی تبیین المحارم، علامہ سنان الدین یوسف مکی میں مذکور کما فی شفاء العلیل و بل العلیل للعلامة الشامی (جیسا کہ شفاء العلیل وبل العلیل للعلامۃ الشامی میں ہے۔ت) یہ سب عبارات اور ان سے زائد اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں بلکہ شفاء العلیل سے ہمارے ائمہ کی کتبِ فروع واصول کی طرف اس کی نسبت ظاہر۔

حیث قال اعلم المذکور فیما رأیته من کتب ائمتنا فروعا واصولا انه اذالم یوص بفدیة الصوم یجوز ان یتبرع منه ولیه وهو من له التصرف فی ماله بوراثة او وصایة قالو اولولم یملك شیأ ایستقرض الولی شئیا فید فعه للفقیر ثم یستو هبه منه ثم یدفعه لاخروهکذا حتی یتم[1]۔	اس کے الفاظ یہ ہیں میرے مطالعہ کے مطابق ہمارے ائمہ کی کتب خواہ فروع یا اصول میں ہوں یہ مذکور ہے کہ جب میت نے فدیہ صوم کی وصیت نہ کی ہو تو اس کا ولی بطور نفل فدیہ دے سکتا ہے، اور ولی سے مراد وہ شخص ہے جو اس کے مال میں بطور وارث یا وصی ہونے کے ناطہ سے تصرف کر سکتا ہو، فقہاء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ولی کسی شیئ کا مالک نہ ہو تو کسی سے قرض لے کر فقیر کو دے اس سے بطور ہبہ واپس لے پھر فقیر کو دے، اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ فدیہ پُورا ہو جائے۔(ت)

اور فاصل سیّد علاءُ الدین شامی نے منۃ الجلیل میں اسے متون وشروح وحواشی کی طرف نسبت کیا

حیث قال والمنصوص فی کلامهم متونا و شروحا وحواشی ان الذی یتولی	اس کی عبارت یہ ہے متون، شروح اور حواشی میں یہ منصوص ہے یہ سارا کچھ ولی کر سکتا ہے، اور ولی

[1] شفاء العلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالۃ السابعۃ، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۹۶

ذٰلك انما هو الولی وان المراد بالولی من له ولایة التصرف فی ماله بوصایة اووراثة وان المیّت لولم یملك شیأ یفعل له ذٰلك الوارث من ماله ان شاء فان لم یکن للوارث مال یستوهب من الغیر اویستقرض بیلید فعه للفقیر ثم یستوهبه من الفقیر وهکذا الی ان یتم المقصود [1]۔	سے مراد وہ شخص ہے جو میت کے مال میں اس کی وصیت یا وارث ہونے کی حیثیت سے تصرف کرسکتا ہو اور میت اگر کسی شے کا مالک نہ ہو تو وارث اپنے مال سے بھی یہ حیلہ کرسکتا ہے تاکہ کسی فقیر کو دے پھر فقیر سے بطور ہبہ واپس لے اسی طرح کرے یہاں تک کہ مقصود ہوجائے۔(ت)

یہ ائمہ متقدمین سے لے کر ہمارے زمانے تک کے علمائے متاخرین کے نصوص ہیں جن میں سوااُس طریقہ دور کے طریقہ دین کااصلاً پتانہ دیااور طریقہ دور میں جو سخت تکلیف ہے مخفی نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

ان لم یکن له مال یستقرض نصف صاع و یعطیه المسکین ثم یتصدق به المسکین علی الوارث الی المسکین ثم الوارث الی المسکین ثم وثم حتی یتم لکل صلٰوۃ نصف صاع کما ذکرنا [2]۔	اگر وارث کے پاس مال نہ ہو تو وارث نصف صاع قرض لے اور کسی مسکین کو دے پھر وہ مسکین اس وارث پر صدقہ کرے پھر وارث، مسکین پر صدقہ کرے اسی طرح بار بار کیا جائے حتی کہ ہر ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہوجائے جیسے ہم ذکر کر آئے(ت)

بعینہٖ اسی طرح نیم صاع، بحرالرائق و خلاصہ وہندیہ وطحطاوی علی نورالایضاح وابی السعود علی مسکین وملتقط وبرجندی ودرمختار و غیرہا معتمدات اسفار میں ہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے بہتّر ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی، بارہ برس نکال کر ساٹھ ۶۰ رہے۔ ہر سال کے دن تین سو ساٹھ ۳۶۰ نہ رکھئے جس طرح کشف الغطاء میں اختیار کیا ہر سال قمری کبھی تین سو پچپن ۳۵۵ دن سے زائد نہیں ہوتا۔

هذاالعرفی الماخوذ بالاهلة اماالحقیقی فیکون اقل منها بساعات کما فصل فی محله. اقول وکذا لاحاجة بنا الی اخذ الشمسیة ثلثمائة و	یہ عرفی سال ہے جو چاند کی بنا پر ہوتا ہے، رہا حقیقی سال تو وُہ اس سے کچھ ساعتیں کم ہوتا ہے جیساکہ اس کی تفصیل اپنے مقام پر کی گئی ہے اقول اسی طرح ہمیں شمسی سال تین سو پینسٹھ دن کا لینے کی ضرورت

[1] منۃ الجلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الثامنۃ، سہیل اکیڈمی لاہور، ۲۱۲/۱
[2] الفتاوی البزازیۃ علی حاشیہ فتاوٰی ہندیۃ التاسع عشر فی الفوائت نورانی کتب خانہ پشاور ۶۹/۴

خمسة وستین یوما کما فعل فی احکام الجنائز قائلا ینبغی ان تحسب فدیة الصلٰوة بالسنة الشمسیة اخذا بالاحتیاط من غیر اعتبار ربع الیوم اھ[1] فان سن العمر اذا حسبت بالقمریات علمنا قطعا ان الایام لاتزید علی مانحسب، والمقطوع به لا یحتاج الی الاحتیاط فان قیل لعلهم اخذ واالزائد لیقع عمایؤد عنه من الصلوات التی عسٰی ان یکون المیت فرط فیها قلت قالوا بعد ذٰلك ثم یحسب سن المیت فیطرح منه اثنا عشرة سنة لمدة ببلوغه ان کان المیت ذکرا وتسع سنین ان کانت انثی الخ[2] کما فی احکام الجنائز ایضافا ذا اتوا علی جمیع العمر فماذا عسٰی ان یکون شاذا یحتاط له۔	نہیں جیسا کہ احکام جنائز میں یہ کہتے ہوئے لیا گیا ہے کہ فدیہ نماز میں احتیاطًا شمسی سال کا اعتبار کرنا چاہئے ماسوائے دن کے چوتھائی حصّہ کے اھ۔ کیونکہ جب عمر کے سالوں کا اعتبار چاند کے اعتبار سے ہے تو یقینا دن ہمارے حساب سے زائد نہ ہوں گے اور یقینی بات میں احتیاط کی محتاجی نہیں ہوتی، اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے زائد دن اس لیے لئے ہیں شاید میّت نے بعض نمازوں میں کوتاہی کی ہو تو اس کا فدیہ ہو جائے قلت اس کے بعد فقہاء نے فرمایا ہے پھر میّت کی عمر شمار کی جائے اس سے ببلوغ کی مدّت بارہ سال خارج کردی جائے اگر وہ مذکر ہو، اور اگر مؤنث ہے تو نو سال خارج کی جائے الخ جیسا کہ احکام جنائز میں بھی ہے تو جب وہ ساری عمر کی بات کررہے ہیں تو اس سے خارج کوئی نہیں رہا جس کے لیے احتیاط کی ضرورت ہو۔ (ت)

تو یہی تین سو پچپن کافی ہیں پس ایک سال کی نمازوں کے دوہزار ایک سو تیس (۲۱۳۰) فدیے ہُوئے، اور تیس ۳۰ فدیئے یعنی فدیے رمضان المبارک کے ملا کر دوہزار ایک سو ساٹھ ۲۱۶۰، انہیں ساٹھ میں ضرب دینے سے ایک لاکھ انتیس ہزار چھ سو (۱۲۹۶۰۰) ہوتے ہیں، اتنی بار وارث وفقیر میں تصدّق وہبہ کی اُلٹ پھیر ہونی چاہئے تو فدیہ ادا ہو، یہ صرف صوم وصلٰوۃ کا فدیہ ہُوا اور ہنوز اور بہت فدیے وکفارے باقی ہیں مثلاً (۳) زکوٰۃ فرض کیجئے ہزاروں روپے زکوٰۃ کے اس پر مجتمع ہوگئے تھے اور نیم صاع کی قیمت دو آنے ہے تو آٹھ ہزار دور بہ نیت زکوٰۃ دینے لینے کو درکار ہیں (۴) قربانیاں، اگر فی قربانی ایک ہی روپیہ قیمت رکھئے تو ساٹھ ۶۰ قربانیوں کے لیے چار سو اسّی ۴۸۰ دور ہوں۔ (۵) قسموں کے کفارے، ہر قسم کے لیے دس مسکین جدا جدا درکار ہیں ایک کو دس بار دینا کافی نہ ہوگا (۶) ہر سجدہ تلاوت کے لیے بھی احتیاطًا ایک فدیہ مثل ایک نماز کے ادا چاہئے وان لم یجب علی الصحیح کما

[1] منحۃ الخالق بحوالہ احکام الجنائز حاشیہ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۰/۲

[2] منحۃ الخالق بحوالہ احکام الجنائز، حاشیہ بحر الرائق، باب قضاء الفوائت، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۰/۲

فی التاتار خانیۃ (اگرچہ صحیح قول کے مطابق واجب نہیں جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ت) (۷) صدقاتِ فطر اپنے اور اپنے اہلِ وعیال کے جس قدر ادا نہ ہوئے ہوں (۸) جتنے نوافل فاسد ہُوئے اور ان کی قضانہ کی (۹) جو جو منّتیں مانیں اور ادا نہ کیں (۱۰) زمین کا عشر یا خراج جو ادا سے رہ گیا وغیرہ وغیرہ اشیائے کثیرہ،

علی ماذکر بعضها فی ردالمحتار وزاد کثیرا فی شفاء العلیل وفصل جلها فی منة الجلیل فراجعها ان اردت التفصیل وافاد فی الدرالمختار ضابطة کلیة ان ماکان عبادة بدنیة فان الوصی یطعم عنه بعد موته عن کل واجب کالفطرة والمالیة کالزکوٰة یخرج عنه القدر الواجب والمرکب کالحج یحج عنه رجلا من مال المیت بحر اھ[1] **قلت** وکلام البحر اجمع وانفع حیث قال الصلوٰة کالصوم، ویؤدی عن کل وتر نصف صاع، وسائر حقوقه تعالٰی کذٰلك مالیا کان أوبدنیا عبادة محضة اوفیه معنی المؤنة کصدقة الفطر او عکسه کالعشر اومؤنة محضة کالنفقات او فیه معنی العقوبة کالکفارات اھ[2] (ملخصًا)	ان میں سے بعض کا تذکرہ ردالمحتار میں ہے اس پر بہت سا اضافہ شفاء العلیل میں کیا اور منۃ الجلیل میں ان میں سے بڑی بڑی کی تفصیل ہے اگر تفصیل چاہتے ہو تو اس کی طرف رجوع کرو۔ درمختار میں یہ ضابطہ کلیہ بیان کیا جس کا حاصل یہ ہے ہر وہ عبادت جو بدنی ہو (جیسے نماز) تو وصی اس کے مرنے کے بعد میّت کی طرف سے ہر واجب کے عوض صدقۃ الفطر کی مقدار فدیہ دے، اگر عبادت مالی ہو مثلاً زکوٰۃ تو وصی مقدار واجب میّت کی طرف سے ادا کرے اور اگر مالی اور بدنی کا مرکب ہو جیسے حج تو کسی شخص کو بھیج کر میّت کے مال سے حج کرائے کذافی البحر اھ۔ **قلت** بحر کا کلام بہت جامع اور نافع ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ نماز، روزے کی طرح ہے اور ہر وتر کے عوض نصف صاع ادا کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے بقیہ حقوق کا معاملہ بھی اسی طرح ہے خواہ وُہ مالی ہوں یا بدنی، عبادت محضہ ہوں یا اس میں ذمہ داری کا پہلو بھی ہو مثلاً صدقۃ الفطر یا اس کا عکس ہو مثلاً عشر یا اس میں محض ذمّہ داری ہو مثلاً نفقات یا اس میں معنی عقوبت ہو مثلاً کفارات اھ (ملخصًا) (ت)

ان کے لیے کوئی حد معین نہیں کرسکتے اس قدر ہونا چاہئے کہ براءت ذمہ پر ظن حاصل ہو **واللہ تعالٰی یقبل الحسنات ویقیل السیئات** (اللہ تعالٰی حسنات کو قبول کرے اور برائیوں کو ختم کرے۔ت)

[1] الدرالمختار کتاب الصوم فصل فی العوارض مجتبائی دہلی ۱/۱۵۳

[2] البحرالرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۵

ان ہزاروں لاکھوں بار کے ہیر پھیر کی دقّت دیکھئے اور اس ہندی طریقہ کی سہولت کہ ایک ہی دفعہ میں اُس کے اور اس کی سات ے پشت کے تمام انواع واقسام کے فدیے، کفارے، مواخذے دو حرف کہنے میں معًا ادا ہوسکتے ہیں تو اوّل تا آخر تمام علمائے مذہب کا اس کلفت کے اختیار اور اس سہولت کے ترک پر اتفاق قرینہ واضحہ ہے کہ اُن کے نزدیک اُس آسانی کی طرف راہ نہ تھی ورنہ اسے چھوڑ کر اس مشقت پر اطباق نہ ہوتا بالجملہ دین سے فدیہ ادا کرنے کی دو ۲ صورتیں ہیں:

ایک وہ کہ در مختار کتاب الوصایا عبارت مذکورہ سابقًا میں ذکر فرمائی کہ مدیون سے دین وصول کرکے بعد قبضہ پھر اسے فدیہ میں دے دے۔

دوسری وُہ کہ در مختار کتاب الزکوۃ میں مذکور ہُوئی کہ مال فدیہ میں دے کر آتے میں واپس کرے اگر مدیون نہ دینا چاہے ہاتھ بڑھا کر لے لے کہ اپنا عین حق لیتا ہے،

حیث قال وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکٰوته ثم یاخذها عن دینه ولو امتنع المدیون مدیده واخذها لکونه ظفر بجنس حقه فان ما نعه رفعه للقاضی[1]۔	اس کے الفاظ یہ ہیں مال موجود کی زکوۃ دَین سے ادا کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ فقیر مقروض کو اپنی زکوۃ حوالہ کردے پھر اس سے دَین کے عوض زکوۃ کی رقم واپس لے لے، اگر مقروض نہ دے تو اس کا ہاتھ پکڑ کر چھین لے کیونکہ یہ اسے اس کے حق کی جنس ملی ہے پھر اگر مدیون فقیر مزاحمت کرے تو اس کو قاضی کے پاس لے جائے کہ وہ اس سے دِلوادے گا۔(ت)

اسی طرح ذخیرہ وہندیہ واشباہ وغیرہا میں ہے باقی یہ صورت کہ جو دَین فقیر پر آتا تھا یا اب اس کے ہاتھ کچھ بیچ کر مدیون کرلیا یہ فدیہ میں چھوڑ دیا جائے اس کے جواز کا پتا کلماتِ علماء سے اصلاً نہیں چلتا بلکہ ظاہر عدم جواز مفہوم ہوتا ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ جب تک مشائخ مذہب سے اُس کے جواز کے پتے کی تصریح نہ ملے ایسے امر پر اقدام نہ کیا جائے **هذا ماظهر لی والعلم بالحق عند ربی** (یہ مجھ پر ظاہر ہُوا ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت)

فائدہ: علماء نے حتی الامکان تقلیل دور پر نظر فرمائی ہے، علامہ شمس قہستانی نے تین صاع سے دَور فرض کیا کہ ہر بار میں ایک دن کامل کی نماز ادا ہو۔ احکام الجنائز میں چار ہزار بہتّر ۴۰۷۲ درہم سے دَور رکھا کہ اُن اعصار وامصار کے حساب سے ہر دَور میں ایک سال کی نمازکا فدیہ ہو۔ ردالمحتار میں دَور یک سالہ

---

[1] الدر المختار کتاب الزکوۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

ذکر کرکے کہااس سے زیادہ قرض لے تو ہر بار میں زیادہ ساقط ہو،

ویشمل کل ذلك وما سواہ مافی منة الجلیل ومماتعارفه الناس ونص علیه اهل المذهب ان الواجب اذاکثر اداروا صرة مشتملة علی نقوداوغیرها کجواهراوحلی اوساعة وبنواالامر علی اعتبار القیمة الخ[1]۔	یہ تمام کو شامل ہے، اس کے علاوہ جو منة الجلیل میں ہے کہ جو لوگوں کے ہاں معروف ہے اسی پر اہلِ مذہب نے تصریح کی کہ جب واجب کثیر ہوں تو ایک تھیلی میں نقدی وغیرہ مثلاً جواہر، ہار، زیور ڈال کر دَور کریں تو فقہاء نے قیمت کا اعتبار کیا ہے الخ (ت)

یہ سب واضحات ہیں اور ہر فہیم بعد ادراک حساب حتی المقدور تخفیف دَور کرسکتا ہے یہاں تک کہ اگر ممکن ہو کہ جس قدر اموال تمام فدیوں، کفاروں، مطالبوں کی بابت محسوب ہوئے سب دفعۃً تھوڑی دیر کے لیے کسی سے قرض مل سکیں تو دَور کی حاجت ہی نہ رہے گی کہ کوئی شے اُتنے اموال کے عوض فقیر کے ہاتھ بیچے، اور اگر کفارہ قسم بھی شامل ہے تو دس کے ہاتھ۔ پھر وُہ اموال قرضہ گرفتہ فدیہ میں دے کر شئی مبیع کو ثمن میں لے لے اور حسبِ مقدرت فقراء کو کچھ دے کر اُن کا دل خوش کر دے، ہنوز اس مسئلہ میں بہت تفاصیل باقی ہیں کہ بخیال طول ان کے ذکر سے عنان کشی ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۹) دینے والے کی نیت کافی ہے لفظ کی حاجت نہیں،

کما صرحوابه فی الزکوٰة وقال العلامة السید الحموی فی شرح الاشباہ والنظائر العبرة لنیة الدافع لالعلم المدفوع الیه اھ[2] وفی ردالمحتار لا اعتبار للتسمیة الخ[3] وقد فصلناہ فی زکوٰة فتاوٰنا۔	جیسا کہ مسئلہ زکوٰۃ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ سیّد حموی نے شرح الاشباہ والنظائر میں فرمایا دینے والے کی نیت کا اعتبار ہے، اسے معلوم ہونا ضروری نہیں جسے دی جارہی ہو اھ ردالمحتار میں ہے زبان سے نام لینے کا اعتبار نہیں الخ ہم نے اس کی پُوری تفصیل اپنے فتاوٰی کے کتاب الزکوٰۃ میں دی ہے۔ (ت)

مگر زبان سے بھی کہہ دینے کو علماء مناسب بتاتے ہیں یہاں تک کہ طریقہ ادا میں میّت کے باپ دادا تک کا نام لینا فرماتے ہیں کہ مسکین سے کہا جائے یہ مال تجھے فلاں بن فلاں کے اتنے روزوں یا اتنی

---

[1] منة الجلیل، رسالہ من رسائل ابن عابدین، الرسالۃ الثامنۃ، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۱۲

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الزکوٰۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۲۲۱

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۱

نمازوں کے فدیہ میں دیا، وہ کہے میں نے قبول کیا، شرح نقایہ علامہ قہستانی میں ہے:

ینبغی ان یقول الدافع للمسکین فی کل مرۃ انی ادفعك مال کذافدیه صوم کذا لفلان بن فلان المتوفی ویقول المسکین قبلته[1]۔	مسکین کو دینے والا ہر دفعہ کہے میں تجھے فلاں بن فلاں میت کی طرف سے فدیہ صوم کے طور پر مال دے رہا ہُوں اور مسکین کہے میں نے اسے قبول کیا۔(ت)

منحۃ الخالق وشرح ہدایۃ ابن عمار واحکام الجنائز میں ہے:

یقول المسقط لواحد من الفقرأ ھکذا افلان بن فلان ویذکر اسمه و ابیه. فاتته صلوات سنة، ھذہ فدیتھا من ماله. نملکك ایاھا ویعلم ان المال المدفوع الیه صار ملکاله ثم یقول الفقیر ھکذا وانا قبلتھا وتملکتھا منک[2]۔	وارث فقراء میں سے کسی ایک کو یُوں کہے کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، میت کا نام اس کے والد کا نام ذکر کرکے کہے اس کی سال کی نمازیں فوت ہو گئی تھیں ہم ان کے فدیہ کے طور پر اس مال کا تجھے مالک بنارہے ہیں، اور وُہ مال فقیر کی ملک میں چلانا معلوم کرے، پھر فقیریُوں کہے میں نے قبول کیا اور تجھ سے اسے اپنی مِلک میں لیا۔(ت)

پُر ظاہر کہ یہ سب اولویتیں ہیں جن پر توقف ادا نہیں،

کما علمت فلا نظرلما یوھمه کلام الفاضل المعاصر فی منة الجلیل حیث قال و یدفع عن الجنایة علی الحرم والاحرام مما یوجب دما او صدقة نصف صاع اودون ذٰلك فلابد من التعرض لاخراجھا بان یقال خذھذا عن جنایة علی حرم او احرام اھ[3] وانما الواجب التعرض فی النیة والقول یعم النفسی	جیسا کہ آپ جان چکے، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے جس کا وہم فاضل معاصر کے رسالہ منۃ الجلیل میں کلام سے پیدا ہورہا ہے انہوں نے کہا حرم اور احرام میں جس جنایت کی وجہ سے دم لازم آیا ہو یا نصف صاع صدقہ یا اس سے کم صدقہ لازم آیا ہو تو اس کے نکالتے وقت یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ حرم یا احرام میں جنایت کا فدیہ ہے تو اُسے وصول کر اھ کیونکہ تعرض نیت میں ضروری ہے اور قول کلامِ نفسی

[1] جامع الرموز فصل موجب الافساد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۷-۳۷۰
[2] منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق باب قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۹۰
[3] منۃ الجلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین الرسالۃ الثامنۃ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۲۴

فافهم، والله تعالٰی اعلم۔	کو شامل ہوتا ہے، فافہم واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۱۰) متعدد فرق ہیں:

(۱) شیخ فانی اپنی حیات میں روزہ کا فدیہ دے گا اور وُہ کافی ہوگا۔ اگر زندگی میں عجز زائل ہو کر قوت نہ آجائے مگر نماز کا فدیہ نہیں دے سکتا کہ اس سے عجز مستمر متحقق نہیں ہوتا مگر دمِ واپسیں کھڑے ہو کر نہ ہوسکے بیٹھ کر پڑھے، بیٹھ کر نہ ہوسکے لیٹ کر اشارہ سے پڑھے۔

(۲) شیخ فانی پر روزہ کا فدیہ حیات میں دینا واجب ہے اگر قادر ہو، بعد مرگ وجوب نہیں جب تک اپنے مال میں وصیت نہ کرے۔

(۳) شیخ فانی کہ زندگی میں روزہ کا فدیہ دے اس کے کافی ہونے پر یقین کیا جائے گا کہ اس میں صراحۃً نص وارد، یونہی اگر فدیہ روزہ کی وصیت کرے اور فدیہ روزہ بے وصیت اور فدیہ نماز بوصیت میں شبہ ہے اور فدیہ نماز بے وصیت میں شبہ اقوی، **وحسبنا الله ونعم الوكيل۔**

(۴) زندگی میں فدیہ صوم شیخ فانی پر اس کے کل مال میں ہے اور بعد مرگ بے وصیت، بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہوگی۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار، لومات و علیه صلوات فائتة واوصی بالکفارة یعطی لکل صلوٰة کالفطرة وکذاالوتر والصوم وانما یعطی من ثلث ماله ولو فدی عن صلوته فی مرضه لایصح بخلاف الصوم اھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار اذا اوصی بفدیة الصوم یحکم بالجواز قطعا، واذالم یوص فتطوع بها الوارث فقال محمد فی الزیادات یجزیه	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر کوئی فوت ہُوا اور اس کی نمازیں رہ گئی تھیں اور اس نے کفارہ کی وصیت کی تو ہر نماز کے عوض صدقہ فطر کے برابر فدیہ دیا جائے، اسی طرح وتر اور روزے کا حکم ہے، باقی یہ فدیہ صرف اس کے تہائی مال سے ادا کیا جائیگا، اگر کسی نے اپنی نماز کا فدیہ مرضِ موت میں دیا تو صحیح نہیں بخلاف روزہ کے کہ اس کا فدیہ مرض موت میں دینا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے جب کسی نے فدیہ صوم کی وصیت کی تو قطعًا جواز کا حکم دیا جائے، اور اگر اس نے وصیت نہ کی مگر وارث نے بطور نفل فدیۃً ادا کردیا تو امام محمد نے زیادات میں فرمایا اگر

[1] درمختار باب قضاء الفوائت مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۱

ان شاء اللہ تعالٰی وکذا علقه بالمشئیة فیما اذااوصی بفدیة الصلٰوة فاذالم یوص فالشبهة اقوی[1] وفی التنویروالدر فدی لزوما عن المیت ولیه بوصیة وان تبرع ولیه جاز ان شاء اللہ تعالٰی والشیخ الفانی یفدی وجوبالو موسرا ومتی قدر قضی لان استمرار العجز شرط الخلیفه اھ[2] (الکل باالا لتقاط) وفی صوم البحر الرائق وقید بالوصیة لانه لولم یأمر لایلزم الورثة شئی کالزکوٰة۔[3]	اللہ تعالٰی نے چاہاتو یہ فدیہ کفایت کرجائے گا، اسی طرح انہوں نے اسے مشیتِ باری تعالٰی سے معلق فرمایا، جب کسی نے نماز کے فدیہ کی وصیت کی توجب اس نے وصیت نہ کی ہو تو شبہ بہت قوی ہوگا۔ نیز تنویر اور در میں ہے وصیت کی بنا پر وارث کو میّت کی طرف سے فدیہ دینا لازم ہے اور اگر وارث نے بطوراحسان فدیہ دے دیا تب بھی ان شاء اللہ یہ فدیہ دینا جائز ہے، اور شیخ فانی اگر امیر ہوتو اس پر فدیہ دینا لازم ہے اور اگر روزہ رکھنے پر قادر ہوگیاتو قضا کرے کیونکہ دوام عجز کا شرط ہے یعنی فدیہ کے روزے کا خلیفہ ہونے کے لیے دوام عجز شرط ہے، یہ تمام عبارتیں اختصارًا ذکر کی گئی ہیں۔ بحر الرائق کے باب الصوم میں ہے وصیت کے ساتھ مقید اس لئے کیاکہ اگر میت وصیت نہ کرے تو ورثاء پر کوئی شئے لازم نہ ہوگی، جیساکہ زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔(ت)

ان کے سوااور فرق ہیں کہ مطالعہ بحر الرائق وغیرہ سے ظاہر مگر مقدار فدیہ وغیرہ جس قدر احکام نَو مسائل سابقہ میں مذکور ہُوئے اُن میں فدیہ حیات وممات یکساں ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۱۱) نہ کنز میں ہے للشیخ الفانی وھو یفدی[4] (شیخ فانی فدیہ ادا کرے۔ت) فقط غیر فانی پر قضافرض ہے پیش از قضا قضا آجائے تو فدیہ کی وصیت واجب، کما فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار (جیساکہ ردالمحتار اور دیگر کتب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۲) انه فی البحرا الرائق، الولی لایصوم عنه و لایصلی لحدیث النسائی عـــہ لایصوم	بحر الرائق میں ہے ولی میت کی طرف سے نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے کیونکہ حدیث نسائی میں ہے کوئی

عـــہ: ای فی سننه الکبری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما (م)

---

[1] ردالمحتار باب قضاء الفوائت مصطفی البابی مصر ۱/۵۴۱

[2] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۳

[3] البحر الرائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۸۴

[4] کنزالدقائق فصل فی العوارض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۰

احد عن احد ولا یصلی احد عن احد اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	شخص کسی کی طرف سے نہ روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔ اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۸: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد شفیع علی خاں مرحوم ۲۴ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی عمر ۷۵ سال کی ہے اور بوجہ کمزوری کے برداشت اور طاقت روزہ رکھنے کی نہ ہو ایسی صورت میں اس کو کیا کرنا چاہئے اور کفارہ روزوں کا کس طرح ہو اور کفارہ ہر روز دیا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب:

طاقت نہ ہونا ایک تو واقعی ہوتا ہے اور ایک کم ہمتی سے ہوتا ہے کم ہمتی کا کچھ اعتبار نہیں، اکثر اوقات شیطان دل میں ڈالتا ہے کہ ہم سے یہ کام ہرگز نہ ہوسکے اور کریں گے تو مرجائیں گے، بیمار پڑجائیں گے، پھر جب خدا پر بھروسہ کرکے کیا جاتا ہے تو اللہ تعالٰی ادا کرادیتا ہے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچتا، معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان کا دھوکا تھا ۷۵ برس عمر میں بہت لوگ روزے رکھتے ہیں، ہاں ایسے کمزور بھی ہوسکتے ہیں کہ ستّر ہی برس کی عمر میں نہ رکھ سکیں تو شیطان کے وسوسوں سے بچ کر خوب صحیح طور پر جانچ چاہئے، ایک بات تو یہ ہُوئی، دوسری یہ کہ ان میں بعض کو گرمیوں میں روزہ کی طاقت واقعی نہیں ہوتی مگر جاڑوں میں رکھ سکتے ہیں یہ بھی کفارہ نہیں دے سکتے بلکہ گرمیوں میں قضا کرکے جاڑوں میں روزے رکھنا ان پر فرض ہے، تیسری بات یہ ہے کہ ان میں بعض لگاتار مہینہ بھر کے روزے نہیں رکھ سکتے مگر ایک دو دن بیچ کرکے رکھ سکتے ہیں تو جتنے رکھ سکیں اُتنے رکھنا فرض ہے جتنے قضا ہوجائیں جاڑوں میں رکھ لیں، چوتھی بات یہ ہے کہ جس جوان یا بوڑھے کو کسی بیماری کے سبب ایسا ضعف ہو کہ روزہ نہیں رکھ سکتے انہیں بھی کفارہ دینے کی اجازت نہیں بلکہ بیماری جانے کا انتظار کریں، اگر قبل شفا موت آجائے تو اس وقت کفارہ کی وصیت کردیں، غرض یہ ہے کہ کفارہ اس وقت ہے کہ روزہ نہ گرمی میں رکھ سکیں نہ جاڑے میں، نہ لگاتار نہ متفرق، اور جس عذر کے سبب طاقت نہ ہو اُس عذر کے جانے کی امید نہ ہو، جیسے وہ بوڑھا کہ بڑھاپے نے اُسے ایسا ضعیف کردیا کہ گنڈے دار روزے متفرق کرکے جاڑے میں بھی نہیں رکھ سکتا تو بڑھاپا تو جانے کی چیز نہیں ایسے شخص کو کفارہ کا حکم ہے، ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر گیہوں اٹھنی اُوپر بریلی کی تول سے، یا ساڑھے تین سیر جو ایک روپیہ بھر اُوپر۔ واللہ تعالٰی اعلم، اسے کفارہ کا اختیار ہے کہ روز کا روز دے دے یا مہینہ بھر کا پہلے ہی ادا کردے یا ختمِ ماہ کے بعد کئی فقیروں کو دے یا سب ایک ہی فقیر کو دے سب جائز ہے۔

---

[1] البحرالرائق، فصل فی العوارض، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۲/ ۲۸۵

مسئلہ ۲۴۹: ازمدرسہ اہلسنّت وجماعت بریلی، مسئولہ مولوی اشرف علی صاحب طالبعلم ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے انتقال کیا اور اس کے ذمّہ کچھ روزہ فرض اور کچھ وقتوں کی نماز رہ گئی اب اس کی نماز روزہ کا فدیہ ادا کرنا چاہتے ہیں تو اس فدیہ کا کون مستحق ہے، کس قسم کے لوگوں کو دیا جائے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کے وہی مستحق ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں، فقیر محتاج مسلمان کہ نہ ہاشمی ہوں، نہ اس کی اولاد، نہ یہ اُن کی اولاد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۰: ازمارہرہ شریف ضلع ایٹہ سرکار کلاں، مرسلہ حضرت سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۷ شعبان ۱۳۳۱ھ

فدیہ صوم جو شخص فانی کے لیے ہو اس کی مقدار بحساب انگریزی اسّی تولہ کے سیر سے کیا ہے اُس سے مطلع فرمایا جاؤں فتوٰی رضویہ میں فتوٰی بارق النور میں ایک صاع کی مقدار آٹھ رطل اور ہر رطل کی مقدار ۳۶ روپے بھر ہے اس حساب سے ایک صاع دو سو اٹھاسی روپیہ بھر ہوا مگر اس میں ایک سو اٹھاسی بھر لکھا ہے شاید غلطی سے لکھا گیا ہو مجھے خیال پڑتا ہے کہ سال گزشتہ کے اشتہار افطار وسحر میں صدقہ فطر کی مقدار سوا دو سیر اور ایک اٹھنی انگریزی بھر لکھی ہُوئی تھی یہ اس فتاوٰی کے مقدار صاع سے جو دو سو اٹھاسی ہو یا ایک سو اٹھاسی ہو بہر حال مختلف رہتی ہے میں صرف بحساب اسّی تولہ سیر کے مقدار صدقہ فطر وفدیہ دریافت کرنا چاہتاہُوں فقط۔

الجواب:

صاع وہی دو سو ستّر تولے ہے جس کا سکہ رائجہ ہند سے دو سو اٹھاسی روپے بھر وزن ہوا کہ یہ روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے مگر احسن واحوط یہ ہے کہ گیہوں کا صدقہ جو کی صاع سے ادا کیا جائے یعنی جس پیمانہ میں ایک سو چوالیس ۱۴۴ روپے بھر جو آئیں اُس بھر گیہوں دئے جائیں ظاہر ہے کہ گیہوں وزن میں زیادہ آئیں گے جو سے بھاری ہیں فقیر نے صاع شعیری حاصل کیا اور اس میں گیہوں بلاتکویم وتقعیر بھر کر تولے تو پُورے تین سو اکاون ۳۵۱ روپے بھر ہُوئے تو صدقہ فطر فدیہ صوم وغیرہا میں نیم صاع گندم کے اٹھنی اُوپر پونے دو سو روپے بھر گیہوں دینا احوط ہے جس کے بریلی کے سیر سے اٹھنی بھر اوپر پونے دو سیر ہُوئے اور اسّی روپے بھر کے سیر سے اٹھنی بھر اور تین چھٹانک دو سیر ہُوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۱ : ازگونڈہ محلّہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد مسئولہ حافظ محمد اسحٰق ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

شیخ فانی کی تعریف کیا ہے اور اُس کی عمر کی کچھ تعداد بھی معیّن ہے یا نہیں، احکامِ شرعیہ مثل نماز روزہ، وضو وغسل کے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شیخ فانی کی عمر اسّی یا نوّے سال لکھی ہے اور حقیقۃً بنائے حکم اس کی حالت پر ہے اگر سَو برس کا بوڑھا روزہ پر قادر رہے شیخ فانی نہیں اور اگر وہ ستّر برس میں بوجہ ضعف بیّنہ بڑھاپے سے ایسا زار ونزار ہو جائے کہ روزہ کی طاقت نہ رہے تو شیخ فانی ہے۔ غرض شیخ فانی وُہ ہے جسے بڑھاپے نے ایسا ضعیف کر دیا ہو، اور جب اُس ضعف کی علّت بڑھاپا ہوگا تو اُس کے زوال کی اُمید نہیں اُسے روزے کے عوض فدیہ کا حکم ہے باقی نماز وطہارت کے بارہ میں پیر جوان سب کا ایک حکم ہے، جو جس وقت جس حالت میں جتنی بات سے معذور ہوگا بقدر ضرورت تا وقت اُسے تخفیف دی جائے گی **قال تعالٰی** لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَا[1] (اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے اللہ ہر کسی کو اس کی طاقت کے مطابق ہی حکم دیتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن ۲/۲۸۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مکروھاتِ صوم

مسئلہ ۲۵۲: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزے میں منجن جو بادام، کوئلہ، سپاری وگل وغیرہ کا بنتا ہے اُس کا استعمال کرنا کرنا کیسا ہے اور درباره مسواک کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسواک مطلقًا جائز ہے اگرچہ بعد زوال، اور منجن ناجائز وحرام نہیں بلکہ اطمینان کافی ہو کہ اس کا کوئی جزو حلق میں نہ جائے گا، مگر بے ضرورتِ صحیحہ کراہت ضرور ہے۔ درمختار میں ہے: **کرہ لہ ذوق شیئ**[1] (روزہ دار کو شَے کا چکھنا مکروہ ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۳تا۲۵۴: از علی گڑھ بوساطت رحیم اللہ خاں ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **بینوا توجروا:**

(۱) روزے میں اپنی عورت کو لپٹانا یا پاس لیٹنا جس سے خواہش غالب ہو اور مذی نکلے تو روزہ مکروہ ہوگا یا جاتا رہے گا؟

---

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

(۲) عورت کی شرمگاہ دیکھنا روزے کو توڑے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ان افعال سے روزہ جانے کی تو کوئی صورت ہی نہیں جب تک انزال نہ ہو اور خالی پاس لیٹنا جس میں بدن چھُونا یا بوسہ لینا کچھ نہ ہو مکروہ بھی نہیں رہا، لپٹانا یا بوسہ لینا یا بدن چھُونا ان میں اگر بہ سبب غلبہ شہوت فساد صوم کا اندیشہ ہو یعنی خوف ہے کہ صبر نہ کرسکے گا اور **معاذ اللہ** جماع میں مبتلا ہو جائے گا یا بلا جماع ہی ان افعال کی حالت میں انزال ہو جائے گا تو یہ سب فعل مکروہ ممنوع ہیں اور اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، مگر مباشرتِ فاحشہ یعنی ننگے بدن لپٹانا کہ ذکر فرج کو مس کرے روزے میں مطلقاً مکروہ ہے۔ اسی طرح سراج وہاج میں بوسہ فاحشہ کو بھی مطلقاً مکروہ فرمایا، بوسہ فاحشہ عورت کے لب اپنے لبوں میں لے کر چبائے، اور زبان چوُسنا بدرجہ اولٰی مکروہ جبکہ عورت کا لعابِ دہن جو اس کی زبان چوُسنے سے اُس کے مُنہ میں آئے تھوک دے، اور اگر حلق میں اُتر گیا تو کراہت در کنار روزہ ہی جاتا رہے گا، اور اگر قصداً بحالتِ لذّت پی لیا تو کفارہ بھی لازم آئے گا۔

فی الدرالمختار کرہ قبلۃ ومس و معانقۃ ان لم یأمن المفسد وان امن لاباس [1] ملخصًاوفی رد المختار جزم فی السراج بان القبلۃ الفاحشۃ بان یمضغ شفتیھا تکرہ علی الاطلاق ای سواء أمن اولا .قال فی النھر ، والمعانقۃ علی التفصیل فی المشھور وکذا المباشرۃ الفاحشۃ فی ظاھر الروایۃ وعن محمد کراھتھا مطلقا وھو روایۃ الحسن .قیل وھو الصحیح اھ واختار الکراھۃ فی الفتح وجزم بھا فی الولوالجیۃ بلاذکر خلاف ، وھی ان یعانقھا وھما	در مختار میں ہے: بوسہ لینا، چھونا اور معانقہ کرنا مکروہ ہے اگر جماع یا انزال مفسد روزہ کا خوف ہو، اور اگر مفسدِ روزہ کا خوف نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے: سراج میں اس پر جزم کیا ہے کہ بوسہ فاحشہ یہ ہے کہ اس کے دونوں ہونٹ اپنے منہ میں لے کر دبانا مطلقاً مکروہ ہے خواہ فسادِ روزہ سے خوف ہو یا نہ ہو۔ نہر میں ہے مشہور روایت کے مطابق بوسہ میں تفصیل ہے ظاہر الروایۃ میں مباشرت فاحشہ کا بھی یہی حکم ہے اور امام محمد سے مطلق اس کی کراہت مروی ہے اور یہ روایت حسن سے ہے، بعض نے کہا یہی ہے اھ ذکر اختلاف کے بغیر فتح میں کراہت کو مختار قرار دیا ہے، اور ولوالجیہ میں کراہت پر جزم کا اظہار ہے۔ اور مباشرت فاحشہ سے مراد یہ ہے

[1] الدرالمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

متجردان ویمس فرجه فرجها بل قال فی الذخیرۃ ان ھذا مکروہ بلا خلاف لانه یفضی الی الجماع غالبا اھ وبه علم ان روایة محمد بیان لکون مافی ظاھر الروایة ومامر عن النھر لیس مما ینبغی ثم رأیت فی التتار خانیة عن المحیط، التصریح بما ذکرته من التوفیق بین الروایتین وانه لافرق بینھما وللہ الحمد اھ[1] باختصار وفی الدر، الضابط وصول مافیه صلاح بدنه لجوفه ومنه ریق حبیبه فیکفرلوجود معنی صلاح البدن فیه، درایة، وغیرہا [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ مرد عورت دونوں معانقہ کریں اس حال میں کہ دونوں ننگے ہوں اور مرد کا فرج خاتون کی شرمگاہ کو مس کررہا ہو، بلکہ ذخیرہ میں یہ کہا ہے کہ ایسا عمل بالاتفاق مکروہ ہے کیونکہ یہ غالبًا جماع کا سبب بن جاتا ہے اھ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام محمد کی روایت ظاہر روایت کا بیان ہے اور جو کچھ نہر کے حوالے سے گزراوہ مناسب نہیں، پھر میں نے تتارخانیہ میں محیط سے اس پر تصریح دیکھی جو میں نے دونوں روایات میں مطابقت دیتے ہوئے ذکر کی ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں وللہ الحمد اھ اختصارًا در میں ہے غذا اور دوا کی شناخت کا ضابطہ یہ ہے پیٹ میں ایسی شئی کا پہنچ جانا جو بدن کی اصلاح کا سبب ہو (وہ غذا یا دوا کہلاتی ہے) محبوب کا لعابِ دہن اسی قبیل سے ہے، اگر کوئی نگل جائے تو ایسی صورت میں چونکہ اصلاح بدن موجود ہے لہذا وہ کفارہ ادا کرے جیسا کہ درایہ وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) نہ۔ اگرچہ بار بار بتکرار دیکھے، یہاں تک کہ دیکھنے ہی کی حالت میں بے چُھوئے انزال ہوجائے، ہاں اس صورت میں کراہت ضرور ہے،

فی الدرالمختار انزل بنظر ولوالی فرجها مرارا لم یفطر [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر انزال ہوجائے نظر کرنے سے اگرچہ عورت کی شرمگاہ کی طرف نظر مکرر ہو روزہ نہ ٹوٹے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصوم الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۳-۱۲۲

[2] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۱

[3] درمختار باب مایفسد الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

مسئلہ ۲۵۵: از فرید پور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۲۷ رمضان مبارک ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں ایک شخص ہے اس کو حاجت غسل کی ہے مگر روزہ اس نے رکھا مگر قصداً بوقت ظہر تک اُس نے غسل نہ کیا، وقت نماز ظہر کے غسل کیا، کیا روزہ اُس کا رہا یا گیا؟

الجواب:

روزہ ہوجائے گا اگرچہ شام تک نہ نہائے، ہاں ترک نماز کے سبب سخت اشد کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: از بانکی پور پٹنہ محلّہ مراد پور مرسلہ علی حسن صاحب تاجر ۲۳ محرم شریف ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رمضان شریف کا روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اور قصداً دن بھر افطار کے وقت تک غسل نہیں کیا تو کیا یہ روزہ اُس کا بغیر کسی نقص کے درست ہوگا یا نہیں؟ اور روزے کے لیے طہارت شرط ہے یا نہیں؟ اور کیا کوئی ایسی عبادت بدنی بھی ہے جو بے طہارت صحیح ہو؟

الجواب:

وہ شخص نمازیں عمداً کھونے کے سبب سخت کبائر کا مرتکب اور عذابِ جہنم کا مستوجب ہُوا مگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل نہ آیا طہارت باجماعِ ائمہ اربعہ شرطِ صوم نہیں۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

اُحِلَّ لَكُمۡ لَيۡلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآٮِٕكُمۡ[1]	روزے کی راتوں میں تمھارے لئے بیویوں سے جماع حلال کیا گیا ہے۔ (ت)

آیہ کریمہ نے ہر جزو شب میں جماع و تلبیس بالجماع حلال فرمایا اور محض تحلیل ہی نہیں بلکہ بصیغہ امر ارشادی ارشاد ہوا۔

فَالۡـٰٔنَ بَاشِرُوۡهُنَّ وَابۡتَغُوۡا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَـكُمۡ[2]	اور اب ان سے مباشرت کرو اور تلاش کرو جو اللہ تعالٰی نے تمہارے لیے لکھ رکھا ہے (ت)

اور ظاہر ہے کہ جزو اخیر شب کو بھی لیلۃ الصیام شامل، اور وہ بھی اس احل لکم اور باشروھن کے امر میں داخل، اور اسے بحالتِ جنابت صبح کرنا اور تاتمامی غسل، روزے میں جنب رہنا بداہۃً لازم، تو قرآن عظیم اس کی حلّت و دخول زیر امر ارشادی پر حاکم۔ اگر اس سے روزے میں کوئی نقص و خلل

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

[2] القرآن ۲/ ۱۸۷

آتا ضرور اتنے حصے کا استثناء فرمادیتا، پھر صاحبِ شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عملاً اُس کا بے نقص و بے خلل ہونا فرمادیا۔
صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ وام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یدرکہ الفجر وھو جنب من اھلہ ثم یغتسل و یصوم[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات سے قربت فرماتے اور صبح ہوجاتی جب تک نہ نہاتے اس کے بعد غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

صحیح مسلم وموطامالک وسُنن ابی داؤد ونسائی میں اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان رجلا قال لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو واقف علی الباب وانا اسمع یا رسول اللہ انی اصبح جنبا وانا ارید الصیام فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا اصبح جنبا وانا ارید الصیام فاغتسل واصوم فقال الرجل یا رسول اللہ انک لست مثلنا قد غفر اللہ لک ما تقدم وماتاخر فغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انی ارجوان اکون اخشٰیکم للہ اعلمکم بما اتقی[2]۔	یعنی حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے دراوزہ اقدس کے پاس کھڑے تھے ایک شخص نے حضور سے عرض کی اور میں سُن رہی تھی کہ یارسول اللہ! میں صبح کو جنب اٹھتا ہوں اور نیت روزے کی ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں خود ایسا کرتا ہُوں اُس نے عرض کی حضور کی ہماری کیا برابری، حضور کو تو اللہ عزوجل نے ہمیشہ کے لیے پُوری معافی عطافرمادی ہے۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضب ناک ہُوئے اور فرمایا: بیشک میں امید رکھتا ہوں کہ مجھے تم سب سے زیادہ اللہ عزوجل کا خوف ہے اور میں تم سب سے زیادہ جانتا ہوں جن جن باتوں سے مجھے بچنا چاہئے۔

اس حدیث صحیح نے خوب واضح فرمادیا کہ اس سے روزہ میں کوئی نقص نہیں آتا ورنہ وہ صاحب سائل تھے محل بیان میں سکوت نہ فرمایا جاتا، سکوت کیسا خیر کے ارشاد نے اور بھی روشن فرمادیا کہ اس میں کوئی بات خوف کی نہیں، نہ یہ اس میں داخل جس سے بچنا چاہئے۔ اور پُر ظاہر کہ روزہ غیر متجزی ہے جو چیز اس میں نقص پیدا کرے گی اگر سارے روزے میں ہُوئی تو موجبِ نقص ہوگی اور اس کے اوّل یا آخر کسی لطیف حصہ میں ہوئی تو ضرر دے گی،

---

1 الصحیح البخاری باب الصائم یصبح جنبا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۸

2 سنن ابی داؤد کتاب الصائم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۵

ولہذا ہمارے علمائے کرام نے انہیں آیات واحادیث سے ثابت فرمایا کہ اگر تمام دن جنب رہا جب بھی روزہ کو کچھ مضر نہیں۔
مراقی الفلاح میں ہے:

او اصبح جنبا ولو استمر علی حالته یوما او ایاما لقوله تعالٰی فالئن باشروهن لاستلزام جواز المباشرة الی قبیل الفجر وقوع الغسل بعد ضرورة وقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وانا اصبح جنبا وانا ارید الصیام واغتسل واصوم[1]۔	یا کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی اگرچہ وُہ اسی حالت میں ایک دن یا کئی دن رہا، کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی "اب تم مباشرت کرسکتے ہو" اس بات کا متقضی ہے کہ فجر سے تھوڑا سا پہلے تک مباشرت جائز ہو اور اس کے بعد غسل لازم ہو، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "میں نے حالتِ جنابت میں صبح کی ہے اور میں روزے کا ارادہ رکھتا ہوں میں غسل کروں گا اور روزہ رکھوں گا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لو اصبح جنبا لا یضرہ کذا فی المحیط[2]۔	اگر کسی نے حالتِ جنب میں صبح کی تو نقصان دہ نہیں، محیط میں اسی طرح ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ومن اصبح جنبا او احتلم فی النهار لم یضرہ کذا فی محیط السرخسی[3]۔	جس نے بحالتِ جنابت صبح کی یا دن کو احتلام ہوگیا تو یہ اسے نقصان دہ نہیں۔ محیط سرخسی میں اسی طرح ہے(ت)

ہاں بوجہ ارتکاب کبیرہ اس کی نورانیت بالصوم میں فرق آئے گا، نہ اس لیے کہ جنب تھا کہ جنابت سے نورانیت میں تفاوت آتا تو بحالِ جنابت صبح کرنے سے بھی آتا بلکہ اس لیے کہ نماز فوت کی، یہاں تک کہ اگر نماز بحالِ جنابت ہو سکتی تو دن بھر بلکہ مہینہ بھر جنب رہنے سے بھی حصول نورانیت بصوم میں فرق نہ ہوتا، یہ فرق بوجہ فوت نماز ایسا ہوگا جیسے روزہ میں کسی کو ظلماً مارنے سے، مگر اس سے کوئی نہ کہے گا کہ نفسِ صوم میں کوئی نقص آگیا، گناہ کے سبب روزے میں خلل آنا ظاہر یہ کا مذہب فاسد ہے، اس کی نظیر ایسی ہے کہ کوئی ریشمیں

1 مراقی الفلاح علی حاشیۃ الطحطاوی باب فی بیان مالایفسد الصوم نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۳۶۲

2 البحرالرائق، باب فی بیان مالایفسد الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۳

3 الفتاوی الہندیۃ الباب الثامن مایفسد الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۰

کپڑے پہن کر قرآن عظیم کی تلاوت کرے اس سے نہ تلاوت میں کوئی نقص ہُوا نہ اُس کے ثواب میں کمی، ہاں ظلمتِ گناہ ملنے کے باعث اُس کے لیے نورانیتِ خالصہ نہ رہی۔ یہ ان میں داخل ہوا جن کو فرماتا ہے:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَیِّئًا[1]	اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا اور دُوسرا بُرا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قرأالقراٰن ولم یعمل بموجبه یثاب علی قرأته کمن یصلی ویعصی[2]۔	کسی نے قرآن حکیم پڑھا لیکن اس کے احکام پر عمل نہ کیا تو تلاوت پر ثواب ملے گا، جیسا کہ کوئی نماز پڑھے اور گناہ کرے۔ (ت)

طحاوی وردالمحتار میں ہے:

یثاب علی قرأته وان کان یأثم بترك العمل فالثواب من جهة والاثم من اخری[3]۔	قراتِ قرآن پر ثواب ملے گا اگرچہ ترک عمل کی وجہ سے گناہ گار ہوگا، تو ثواب ایک جہت سے اور گناہ دوسری جہت سے ہے۔ (ت)

بہت عبادات بدنیہ ہیں جن میں طہارت شرط نہیں، جیسے یاد پر تلاوت اور مسجد میں اعتکاف کہ ان دونوں میں وضو ضرور نہیں اور قرآن عظیم کو بے چُھوئے دیکھنا، کعبہ معظّمہ پر بیرون مسجد سے نظر کرنا، عالم کو بنگاہِ تعظیم دیکھنا، ماں باپ کو بنظرِ محبت دیکھنا، عالم سے مصافحہ کرنا، یہ سب عباداتِ بدنیہ ہیں اور سب بحالِ جنابت بھی روا ہیں۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خمس من العبادة قلة الطعم والقعود فی المساجد والنظر الی الکعبة والنظر الی المصحف والنظر الی وجه العالم[4]۔ رواه فی مسند الفردوس عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	پانچ چیزیں عبادت سے ہیں کم کھانا اور مسجد میں بیٹھنا اور کعبہ کو دیکھنا اور مصحف کو دیکھنا اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔ (اسے مسند فردوس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن ۹/۱۰۲

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ مجتبائی دہلی ۲/۲۴۸

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مصطفی البابی مصر ۵/۲۸۱

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۹۶۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/۱۹۵

دار قطنی وغیرہ کی روایت یُوں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خمس من العبادۃ النظر الی المصحف والنظر الی الکعبۃ والنظر الی الوالدین والنظر فی زمزم وھی تحط الخطایا والنظر فی وجہ العالم[1]۔	پانچ چیزیں عبادت سے ہیں مصحف کو دیکھنا اور ماں باپ کو دیکھنا اور زمزم کے اندر نظر کرنا اور اس سے گناہ اُترتے ہیں اور عالم کا چہرہ دیکھنا۔

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا جنب فاخذ بیدی فمشیت معہ حتی قعد فانسللت فاتیت الرحل فاغتسلت ثم جئت وھو قاعد فقال این کنت یا اباھریرۃ فقلت لہ فقال سبحان اللہ یا باھریرۃ ان المؤمن لایتنجس[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اچانک ملاقات ہوگئی حالانکہ میں حالتِ جنابت میں تھا توآپ نے میرا ہاتھ پکڑلیا مَیں آپ کے ساتھ چلتا رہا حتی کہ آپ تشریف فرما ہُوئے تو میں چپکے سے نکل گیا رہائش گاہ میں جاکر غسل کیا پھر واپس آیا توآپ تشریف فرما تھے، فرمایا: اے ابوھریرہ! کہاں چلے گئے تھے؟ میں نے ساری بات عرض کی۔ توآپ نے فرمایا: سبحان اللہ، ابوھریرہ! مومن ناپاک نہیں ہوتا۔(ت)

اور افضل واعلٰی تمام عباداتِ بدنیہ جن کے لیے طہارت صغری، نہ کبری، کچھ شرط نہیں، ذکر الٰہی ہے اور دعا وذکر کا عبادت ہونا بدیہی ہے بلکہ ذکر ہی اصلِ جملہ عبادات ہے قال تعالٰی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ﴿۱۴﴾[3] (میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ت) اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

الدعاء مخ العبادۃ[4]۔ رواہ الترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دعامغزِ عبادت ہے (اسے ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور ان کے لیے طہارت شرط نہ ہونا ظاہر، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

[1] کنز العمال بحوالہ دار قطنی حدیث ۴۳۴۹۴ التراث الاسلامی مصر ۵/ ۸۸۰

[2] الصحیح للبخاری کتاب الغسل باب الجنب یخرج ویمشی فی السوق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲

[3] القرآن ۲۰/ ۱۴

[4] جامع للترمذی ابواب الدعوات ماجاء فی فضل الدعاء امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۳

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ علٰی کل احیانہ[1]۔ رواہ مسلم وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے جمیع اوقات میں ذکرِ الٰہی فرماتے تھے (اسے مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ت)

جنب کو بہ نیتِ دُعا وثنا الحمد وآیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے والمسئلۃ مشھورۃ وفی الکتب مزبورۃ (یہ مسئلہ نہایت مشہور ہے اور کتب میں مسطور ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: ۲۶ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کا روزہ نفل رکھنا کیسا ہے۔ ایک شخص نے جمعہ کا روزہ رکھا دوسرے نے اُس سے کہا جمعہ عید المومنین ہے روزہ رکھنا اس دن میں مکروہ ہے اور باصرار بعد دوپہر کے روزہ تُڑوادیا اور کتاب سر القلوب میں مکروہ ہونا لکھا ہے دکھلادیا ایسی صورت میں روزہ توڑنے والے کے ذمّے کفارہ ہے یا نہیں؟ اور تُڑوانے والے کو کوئی الزام ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

جمعہ کا روزہ خاص اس نیت سے کہ آج جمعہ ہے اس کا روزہ بالتخصیص چاہئے مکروہ ہے مگر نہ وہ کراہت کہ توڑنا لازم ہُوا، اور اگر خاص بہ نیتِ تخصیص نہ تھی تو اصلاً کراہت بھی نہیں، اُس دوسرے شخص کو اگر نیتِ مکروہہ پر اطلاع نہ تھی جب تو اعتراض ہی سرے سے حماقت ہوا، اور روزہ توڑ دینا شرع پر سخت جرأت، اور اگر اطلاع بھی ہوئی جب بھی مسئلہ بتادینا کافی نہ تھا نہ کہ روزہ تڑوانا، اور وُہ بھی بعد دوپہر کے، جس کا اختیار نفل روزے میں والدین کے سوا کسی کو نہیں، توڑنے والا اور تڑوانے والا دونوں گنہ گار ہوئے، توڑنے والے پر قضا لازم ہے کفارہ اصلاً نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] سُنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

سحروافطار کا بیان

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۰: از پنڈرارو ڈضلع بلاسپور ملک متوسط مرسلہ منشی عتیق احمد صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ[1]۔	اب تم مباشرت کر سکتے ہو، کھاؤ پیو، یہاں تک، پھر روزہ کو رات تک پُورا کرو، اور نہ مباشرت کرو جبکہ تم۔(ت)

ان چاروں اوامر مشروطہ، ونہی ظاہر آیہ آخر، آیہ کریمہ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا[2] (یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ۔ ت) سے متعلق ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو جمع کا صیغہ کیوں فرمایا گیا، اگر صرف نہی آخر سے متعلق ہے تو حدود اللہ کس طرح ایک پر عائد۔

(۲) جیسا کہ اَلْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ[3] (سفید دھاگا کالے دھاگے سے واضح ہو جائے۔ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۱۸۷

[2] القرآن ۲/ ۱۸۷

[3] القرآن ۲/ ۱۸۷

میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے حقیقی تاگے کو سمجھا تو **من الفجر** (فطر ہونے تک۔ت) نازل ہوا۔ **تلك حدود الله** (یہ اللہ کی حدود ہیں۔ت) کا نزول بھی کیا اسی طرح ہُوا ہے جبکہ بعض نے سفیدہ صبح تک کھایا ہو جس سے اندیشہ روزے میں خلل ہونے کے باعث ان احکامِ اربعہ کے بعد **تلك حدود الله** نازل ہُوئی ہو یا یہ آیت نازل ہونے پر بھی صبح ظاہر ہونے تک کھانے کا معمول برابر جاری رہا عموماً ہر ایک سحری کھاتا رہا۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سحری کھانا بالکل قریب صبح کے دوامی تھا یا اتفاقی، جیسا کہ بعض حدیثوں میں مروی ہے اور اگر معمول دوامی تھا تو کیا آخر تک رہا اور اسی طرح عموماً سب کو اجازت تا آخر وقت بالقصد ہے یا اس حالت میں کہ آخر وقت ہی اس کو ملا ہو تب۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سب احکام مذکورہ کی طرف اشارہ ہے، معالم میں ہے:

تلك حدود الله یعنی تلك الاحکام التی ذکرھا فی الصیام والاعتکاف[1]۔	یہ اللہ کی حدود ہیں یعنی یہ وہ احکام ہیں جن کا ذکر اس نے روزے اور اعتکاف کے بارے میں فرمایا ہے (ت)

بیضاوی میں ہے: **ای الاحکام التی ذکرت**[2] (یعنی وُہ احکام جو پیچھے ذکر ہُوئے ہیں۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم**

(۲) اس آیت کا نزول **مِنَ الْفَجْرِ**[3] کے طور پر نہیں سحری کی تاخیر مستحب ومسنون ہے، احادیثِ صحیحہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعجیلِ افطار وتاخیرِ سحور کا حکم فرمایا اور ارشاد ہوا: "میری اُمت ہمیشہ خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرے گی۔"[4] مگر تعجیلِ افطار کے معنی یہ ہیں کہ جب غروبِ آفتاب پر یقین ہوجائے فوراً افطار کرلے وہم ووسوسہ کو دخل نہ دے نہ بلاوجہ رافضیوں کی طرح شب کا ایک حصہ داخل ہونے کا انتظار کرے، ایسی جلدی کہ ہنوز غروب میں شک ہو حرام ومفسدِ صوم۔ اور تاخیر سحری کے معنی یہ ہیں کہ اُس وقت تک کھائے جب تک طلوعِ فجر

---

[1] معالم التنزیل مع الخازن تحت آیت تلک حدود اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

[2] بیضاوی (انوار التنزیل) علی حاشیۃ القرآن الکریم مصطفی البابی مصر ۱/۴۱

[3] القرآن ۲/۱۸۷

[4] صحیح بخاری باب تعجیل الافطار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۳، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوذر دار الفکر بیروت ۵/۱۴۷

کا ظن غالب نہ ہو بخلاف افطار کے کہ وہاں بحالتِ شک روزہ جاتا رہتا ہے، وجہِ فرق یہ ہے کہ شرعِ مطہر کا قاعدہ کلیہ ہے کہ **الیقین لایزول بالشك** یعنی شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ رات میں طلوعِ فجر کا جب تک شک نہ ہوا تھا بقائے لیل پر یقین تھا وقوعِ شک سے بھی یہ یقین زائل نہ ہوگا اور رات ہی کا حکم رہے گا جب تک طلوعِ فجر کا ظن غالب نہ ہو۔ ولہٰذا ارشاد فرمایا: **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ** یہاں تک کہ سفید ڈورا تمہارے لیے خوب ظاہر ہوجائے۔ اور افطار میں غروبِ شمس جب تک مشکوک نہ ہوا تھا دن پر یقین تھا تو حالتِ شک میں بھی وہی یقین حاصل، اور دن باقی سمجھا جائے گا اور اُس وقت روزہ کھولنا دن میں کھولنا ٹھہرے گا، زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اب تک انہیں قواعد پر عمل رہا ہے۔

(۳) تاخیرِ سحور بمعنی مذکور مطلقاً مستحب و مسنون ہے' صرف اسی حالت کی خصوصیت نہیں کہ اخیری وقت آنکھ کُھلی ہو، عادتِ مستمرہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہی تاخیر تھی ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا، حضور صاحبِ وحی، صاحبِ **علمته علم الاولین والاٰخرین** (تمام اولین وآخرین کے علوم کے جامع۔ت) وصاحبِ **عَلَّمَكَ مَالَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا** ﴿۱۱۳﴾[1] (اللہ نے تعلیم دی ہر اس کی جو آپ نہ جانتے تھے اور اللہ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔ت) ہیں اوقات حقیقۃً جن میں حدِ مشترک صرف ایک آن ہوتی ہے، اُن کا امتیاز حقیقی طاقتِ بشری سے خارج ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُس پر مطلع تھے، لہٰذا احیاناً ایسی تاخیر واقع ہُوئی کہ دوسرا اس پر قادر نہیں، ایک شب سحری تناول فرمانے کے بعد صرف اتنے وقفہ پر کہ آدمی پچاس آیات پڑھ لے نمازِ صبح شروع فرمادی۔ ایسے امور میں اتباع کی قدرت نہیں، ہمارے لیے وہی حکم ہے جو جوابِ سوالِ ثانی میں مذکور ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۱: از شہر کہنہ بریلی ۲۷ رجب ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسئلہ جو مشہور ہے کہ رمضان شریف میں رات کے سات حصے کئے جائیں، جب ایک حصّہ رات کا باقی رہے کھانا پینا ترک کردے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ قاعدہ ہرگز صحیح نہیں بلکہ کبھی رات کا ہنوز حصّہ باقی رہتا ہے کہ صبح ہوجاتی ہے اور کبھی ساتواں

---

[1] القرآن ۴/۱۱۳

آٹھواں، نواں، یہاں تک کہ کبھی صرف دسواں حصہ تقریبًا رہتا ہے اُس وقت صبح ہوتی ہے ہم رؤس بروج کے لیے بریلی اور اس کے موافق العرض شہروں میں ایک تقریبی نقشہ دیتے ہیں جس سے اس اجمال کی تفصیل ظاہر ہوگی، افقِ حقیقی پر انطباق مرکز شمس، جانبِ مغرب سے، اُسی پر انطباق مرکز، جانب شرق تک شب نجومی ہے اور افق حسی بالمعنی الثانی سے تجاوز کنارہ آخرین شمس، جانب غرب سے اُسی افق سے ارتفاع کنارہ اولین شمس، جانب شرق تک شب عرفی ہے اس کی تحصیل میں دونوں جانب کے دقائق انکسار بھی شب نجومی سے ساقط کئے جاتے ہیں اور افق حسی مذکور بے تجاوز کنارہ آفریں شمس سے طلوعِ فجر صادق تک شب شرعی ہے تحصیلِ فجر میں بھی جانب طلوع شمس کہ دقائق انکسار وقت باقی سے مستثنٰی ہیں۔ یہ نقشہ خود فقیر کا ایجاد ہے جس کا اجمالی بیان یہ ہُوا اور جو شخص اس فن میں کچھ ادراک رکھتا ہو اُسے تفصیل بھی بتائی جاسکتی ہے، وباللہ التوفیق وللہ الحمد والمنۃ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

تاریخ شمسی	راس برج	نصف شب نجومی		نصف شب عرفی		نصف صبح		نصف شب شرعی		مجموع شب شرعی	مجموع صبح	نسبت صبح بہ شب شرعی	تخمینی نسبت
		گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ	گھنٹے	منٹ				
۲۰ مارچ	حمل	۱۲	۰	۱۱	۵۴	۱	۲۰	۱۰	۳۴	۷۱۴	۸۰	۴۰/۳۵۷	نواں حصہ
۲۲ اپریل	ثور	۱۱	۱۰	۱۱	۵۴	۱	۲۴	۹	۴۰	۶۶۴	۸۳	۲۱/۱۶۶	آٹھواں حصہ
۲۲ مئی	جوزا	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ جون	سرطان	۱۰	۱۲	۱۰	۶	۱	۳۶	۸	۳۰	۶۰۶	۹۶	۱۶/۱۰۱	چھٹا حصہ قدرے کم
۲۲ جولائی	اسد	۱۰	۲۸	۱۰	۲۲	۱	۳۱	۸	۵۱	۶۲۲	۹۱	۹۱/۶۲۲	ساتواں حصہ
۲۲ اگست	سنبلہ	۱۱	۱۰	۱۱	۵۲	۱	۲۳	۹	۲۹	۶۶۲	۸۲	۸۳/۶۶۲	آٹھواں حصہ
۲۳ ستمبر	میزان	۱۲	۰	۱۱	۵۲	۱	۱۹	۱۰	۳۳	۷۱۲	۷۹	۷۹/۷۱۲	نواں حصہ
۲۲ اکتوبر	عقرب	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس عہ حصوں سے دو حصے
۲۲ نومبر	قوس	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۲ دسمبر	جدی	۱۳	۴۸	۱۳	۴۰	۱	۲۵	۱۲	۱۵	۸۲۰	۸۵	۱۷/۱۶۴	دسواں حصہ
۲۲ جنوری	دلو	۱۳	۳۲	۱۳	۲۲	۱	۲۲	۱۲	۰	۸۰۲	۸۲	۴۱/۴۰۱	دسواں حصہ
۲۱ فروری	حوت	۱۲	۵۰	۱۲	۴۲	۱	۱۹	۱۱	۲۳	۷۶۲	۷۹	۷۹/۷۶۲	انیس عہ حصوں سے دو حصے

عـــہ: یعنی نواں حصہ قدرے کم

مختصر جدول یہ ہے

تاریخ	برج	نسبت صبح وشب عرفی	برج	تاریخ
۲۲ جون	سرطان	چھٹا حصہ کچھ کم	سرطان	۲۲ جون
۲۳ جولائی	اسد	ساتواں حصہ کچھ زیادہ	جوزا	۲۲ مئی
۲۴ اگست	سنبلہ	آٹھواں حصہ	ثور	۲۱ اپریل
۲۴ ستمبر	میزان	نواں حصہ	حمل	۲۰ مارچ
۲۴ اکتوبر	عقرب	نواں حصہ قدرے کم	حوت	۲۰ فروری
۲۳ نومبر	قوس	دسواں حصہ کچھ زیادہ	دلو	۲۱ جنوری
۲۲ دسمبر	جدی	دسواں حصہ اس سے کچھ کم	جدی	۲۲ دسمبر

ان بیانوں سے واضح ہوا کہ راس السرطان کی صبح جس طرح تمام سال میں سب صبحوں سے باعتبار نسبت بڑی ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا بڑا حصہ نہیں ہوتی یُونہی وہ مقدار میں بھی جمیع صبحوں سے زائد ہے کہ اتنی مدت کوئی صبح نہیں پاتی مگر اس کے خلاف راس الجدی کی صبح باآنکہ نسبت میں تمام صبحوں سے کم ہے کہ کوئی صبح اپنی رات کا اتنا چھوٹا حصّہ نہیں ہوتی لیکن وُہ مقدار میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب سے زائد مقدار کی فجر ہے، سال میں سب سے چھوٹی فجر فجر اعتدالین ہے مگر وُہ نسبت میں سب سے کم نہیں بلکہ نصف جنوبی میں سب نسبتوں سے زائد ہے، نیز روشن ہُوا کہ صبح کا اپنی مقدار چھوٹی بڑی ہونے میں مطلقاً تابع روز ہونا کہ جتنا دن گھٹے صبح چھوٹی ہوتی جائے اور جتنا بڑھے ترقی پائے، یا مطلقاً تابع شب ہونا کہ ہمیشہ اس کی کمی فزونی رات کی کاہش وبیشی پر رہے جیسا کہ آج کل کے ناواقف محاسبوں میں کسی نے اسے نہار کسی نے لیل کا ٹکڑا سمجھ کر گمان کیا ہے محض غلط ہے بلکہ صبح اپنی کمی بیشی میں میل شمسی کی تابع ہے اعتدالین پر کہ میل منتفی ہوتا ہے صبح سب سے چھوٹی مقدار پر ہوتی ہے پھر جتنا میل بڑھتا جاتا ہے صبح کی مقدار زیادہ ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ انقلاب پر اپنی اعظم مقادیر پر آتی ہے، پھر جس قدر میل گھٹتا ہے صبح چھوٹی ہوتی جاتی ہے حتی کہ اعتدال پر پھر اپنی انقص مقادیر پر آتی ہے اور انقلاب قطب ظاہر کے اعظم مقادیر، انقلاب قطب خفی کے اعظم مقادیر، سے بھی اعظم ہوتی ہے، یا عام فہمی کے لیے یُوں کہئے کہ صبح ہر دو نصف شمالی و جنوبی میں بڑے کی تابع ہے نصف شمالی میں دن، رات سے بڑا ہوتا ہے صبح اس کی زیادت وقلت کے ساتھ بڑھتی گھٹتی ہے اور نصف جنوبی میں رات، دن سے بڑی ہوتی ہے، صبح افزائش وکاہش میں اُس کے ساتھ چلتی ہے، **راس الحمل** پر اپنی اقل مقدار تک پہنچ کر دن کے ساتھ بڑھنی شروع ہوئی، جب انقلاب صیفی میں دن اپنی نہایت زیادت پر آیا، صبح بھی غایت ازدیاد پر پہنچی، پھر دن گھٹنا شروع ہُوا، صبح بھی انہیں قدموں پر رجعت قہقری کرتی ہوئی گھٹتی چلی یہاں تک کہ اعتدال خریفی پر پھر اسی اقل مقادیر پر آگئی، اب رات کے ساتھ فزونی کرنے لگی جب انقلاب شتوی نے شبِ یلدا (اندھیری اور طویل رات) دکھائی صبح بھی اس نصف میں اپنی اعظم مقادیر پر آئی، آگے رات

کم ہوتی چلی، صبح بھی بدستور اُلٹے پاؤں کمی پر پلٹی، حتی کہ اعتدال ربیعی پر پھر انقص مقدار ہوئی، وھٰکذا الیٰ ماشاء اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

ھدایۃ الجنان باحکام رمضان ۱۳۲۳ھ

(رمضان کے احکام میں جنت کی راہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور محلّہ جگدل نگر متصل اسٹیشن ریلوے مرسلہ محمد فصاحت اللہ خاں ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

بعد ادائے آداب کے عرض پرداز ہُوں کہ ایک اشتہار مولوی اعظم شاہ صاحب نے بابت افطار وسحری رمضان المبارک ونیز چند مسائل روزے کے جو اوپر نقشہ اور پشت پر نقشہ لکھے ہیں، شائع کرکے تقسیم کرائے ہیں جو کہ شاہجہان پور میں سال گزشتہ میں بابت چاند عید اضحیٰ نزاع ہوچکا ہے اس خیال سے اس نقشہ کی بابت تحقیقات کرنا ضروری ہے۔ آج کے روزے کا نقشہ دیا ہُوا بابت افطار و سحری اور نقشہ مولوی اعظم شاہ اور نقشہ مولوی ریاست علی خان صاحب کا مقابلہ کیا گیا جو اعظم شاہ کے نقشہ اور آپ کے نقشہ سے بہت فرق آیا بابت سحری کے، اور آپ کا نقشہ اور مولوی ریاست علی خاں کا نقشہ قریب قریب ہے جو کہ اب ایسی حالت میں بڑا نقصان کم علموں کا ہورہا ہے اور ہوگا کیونکہ کل کے روز ایک عورت نے چار بج کر چالیس منٹ پر سحری کھائی، اور جب اُس کی حالت مولوی اعظم کو معلوم ہُوئی تو اُنہوں نے فرمایا کہ روزہ جاتا رہا اس پر اس نے روزہ توڑ ڈالا

جب مولوی ریاست علی خاں صاحب سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ اُس کا روزہ تھا کیونکہ وُہ وقت سحری کھانے کا تھا اور نیز اس اشتہار میں جو مسائل بابت رمضان المبارک اور وقت افطار اور وقت سحری اور مسائل تراویح کے لکھے ہیں وہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صحیح لکھے ہیں یا نہیں، بندہ اشتہار مذکور روانہ خدمت عالی کرتا ہے اور بعد ملاحظہ جملہ اشتہار کے اس کے صحیح اور غیر صحیح پر توجہ فرمائی جائے، اور اگر غلط ہے تو جس جس مسئلہ میں غلطی ہو اُس کا جواب بحوالہ کتاب ارقام فرماد یجئے، اگر نقشہ غلط ہو تو بابت نقشہ کے اسی قدر کافی ہے کہ نقشہ غلط ہے اور اس اشتہار کے بھیجنے کی بابت جناب مخدوم و مکرم مولوی ریاست علی خان صاحب نے بھی تاکید فرمائی تھی جب میں نے عرض کیا تھا کہ اس اشتہار کو بریلی روانہ کروں گا تو فرمایا کہ ضرور بھیج دو تاکہ وہاں سے جواب آنے کے بعد اُس اشتہار کی صحت اور غلطی کا اعلان کرادیا جائے۔ فقط۔

الجواب:

بعد مراسم سنت ملتمس، بعد سوال، جواب واجب اور وقتِ وجوب اظہارِ صواب لازم، اوقاتِ صحیح نکالنے کا فن جسے علمِ توقیت کہتے ہیں، ہندوستان کے طلبہ تو طلبہ اکثر علماء اس سے غافل ہیں، نہ وہ درس میں رکھا گیا ہے نہ ہیأت کی درسی کتابوں سے آسکتا ہے اور جو کچھ مسالہ مولوی مسیح الدین خاں کاکوروی وغیرہ بنا گئے وہ فقط ناکافی ہی نہیں بلکہ سخت اغلاط میں ڈالنے والا ہے، یونہی مرزا خیر اللہ منجم کی دوحرفی جدول سے کوئی ناواقف فن نفع نہیں پاسکتا، اگر کسی نے بڑی تحقیقات چاہی تو زیچ بہادر خانی کی جد اول تعدیل النہار سے کام لیا سحری کو تو اُن سے کچھ تعلق ہی نہیں اور افطار میں بھی ناقص ہے جب تک متعدد ضروری اصلاحیں اُس کے ساتھ شریک نہ ہوں، پھر جسے وُہ اصلاحیں آتی ہیں اُسے اُن جدول کی کیا حاجت، فقیر نے اس فن میں نہ نری کتابی باتوں پر اعتماد کیا، نہ خالی دلائل ہندسہ پر، نہ تنہا تجربہ و مشاہدہ پر، بلکہ سب کو جمع کیا اور بتوفیق الٰہی اپنی ذہنی جدّتوں سے بہت کچھ کام لیا یہاں تک بفضلہٖ تعالٰی برہان وعیان کو مطابق کردیا، میرا نقشہ **بفضلہ تعالٰی** جزاف نہیں ہوتا جو ہیأت وہندسہ جانتا ہو وُہ اُسے براہین کے مطابق پائے گا، اور جو نگاہ رکھتا ہو صبح صادق وکاذب کو دیکھ کر پہچان سکتا ہو وُہ اسے مشاہدہ سے موافق پائے گا، میرے نقشوں میں بریلی کی سی سحری وافطار میں پانچ پانچ منٹ کی احتیاط ہوتی ہے اور دوسرے شہروں کا تقریبی وقت بھی اُسی صحت کے ساتھ دیا جاتا ہے کہ کم وبیش چار پانچ منٹ احتیاطی رہیں۔ جو نقشہ میرے بتائے ہوئے وقت سے جتنا مخالف ہو یقین جانئے کہ وہ اتنا ہی غلط ہے اگرچہ کسی کا بنایا ہوا ہو، دو۲ نقشے اگر صحیح باقاعدہ دیئے ہوں تو صرف اس قدر فرق کرسکتے ہیں کہ احتیاطی منٹ کسی نے دو ایک کم رکھے کسی نے زائد، یا ایک منٹ کی تحتانی کسروں میں کسی نے زیادہ تعمق کیا کسی نے بے ضرورت سمجھ کر مساہلت سے کام لیا وبس۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ

ان مولوی صاحب کے نقشے میں کتنا فرق ہے، شاہجہان پور، بریلی، بدایوں، پیلی بھیت، دہلی، رامپور، لکھنؤ، مرادآباد کے وقت یہاں اور شاہجہان پور والے دونوں نقشوں میں دئے ہیں ان میں ہر شہر کے لیے سحری کے اوقات میں بیس بائیس منٹ تک کا فرق ہے اور دہلی کے لیے تو ۲۸ منٹ تک ہے کہ دو منٹ کم آدھا گھنٹا ہوا مگر پیلی بھیت کے لیے اللہ اعلم کس وجہ سے اس قدر ترقی واقع ہُوئی کہ ابتداء میں وقت ٹھیک آیا اور آخر ماہ میں بڑھتے بڑھتے احتیاطی منٹ کا بھی اصلاً نشان نہ رہا کنارے ہی پر آ لگا بلکہ تدقیق کی جائے تو عجب نہیں کہ کچھ حصہ صبح کا آجائے۔ بات یہ ہے کہ مولوی صاحب نے شاہجہان پور کے وقت بطورِ خود تجویز کرکے باقی شہروں کے لیے صرف اُن کا تفاوت طول جو اُن کے خیال میں تھا گھٹا بڑھا لیا حالانکہ تبدلِ اوقات میں بڑا حصہ تفاوت عرض کا ہے دو شہروں میں تفاوت طول اصلًا نہ ہو صرف اختلاف عرض سے طلوع و غروب و صبح و عشا میں گھنٹوں کا فرق پڑ جاتا ہے شاہجہان پور و پیلی بھیت میں اکیس منٹ کا تفاوت کسی طرح نہیں بنتا، یہی حال کلکتے کا ہے کہ اخیر کی تاریخوں میں کچھ ہی خفیف نام احتیاط کا رہ گیا ہے دو ۲ سال ہوئے کہ خاص کلکتے کے اوقات یہاں سے شائع ہوئے تھے ۲۱ نومبر سے ۲۸ تک تاریخیں اس سال بھی پڑی ہیں ان سے ملا کر دیکھ سکتے ہیں پرچہ مرسل ہے افطار کے اوقات میں اتنا زیادہ تفاوت نہیں مگر اس کا تھوڑا بھی بہت ہے، مثلاً شاہجہان پور میں احتیاطی منٹ گھٹتے گھٹتے آخر میں صرف ایک ہی رہ گیا مگر دہلی پر آفت پوری ہے اول سے آخر تک غروب سے پہلے افطار لکھا خصوصًا آخر میں تو پانچ منٹ پیش از غروب افطار ہوئی ہے، شاہجہان پور میں جس نے ۴ بج کر ۴۰ منٹ تک سحری کھائی اس کا روزہ یقینا صحیح ہوا، وہ عورت توڑنے سے سخت گنہ گار ہوئی اس کا روزہ نہ ہونے کا حکم محض غلط تھا۔ ابوداؤد، دارمی ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمه علی من افتاہ[1]۔	جس نے بے علم فتوٰی دیا اس کا وبال فتوٰی دینے والے پر ہے۔ (ت)

اگر گھڑی صحیح تھی تو یقینا پاؤ گھنٹے سے زیادہ وقت باقی تھا۔ مسلمانو! یہ دین ہے، جس پر خدا کی دین ہے وُہ جانتا ہے کہ اس کا سیکھنا مجھ پر دَین ہے قواعد و براہین ہیأت و ہندسہ بالائے طاق سہی، وقت پہچاننا تو ہر مسلمان پر فرض عین ہے، افسوس کہ ہزاروں آدمی حتی کہ بہت ذی علم بھی صبح صادق و کاذب کی ٹھیک تمیز دیکھ کر نہیں بتا سکتے اور اس پر کتب ہیئت وغیرہ کی پریشان بیانوں نے انہیں اور دھوکے میں ڈالا ہے، سچ

---

[1] سنن ابی داؤد باب التوقی فی الفتیا ای الفتوی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹

فرمایا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے کہ ابتداء میں انسان کو ان دونوں صبح میں امتیاز مشکل ہوتا ہے بکثرت بار بار بغور مشاہدہ کرتا رہے تو بعنایت الٰہی دونوں صبحیں خوب نگاہ میں بچ جاتی ہیں کہ بہ نگاہِ اولیں دیکھ کر کہہ سکتا ہے کہ ابھی صبح صادق ہوئی یا نہ ہوئی، یہاں متعدد وجوہ سے لوگ اشتباہ میں ہیں اُن کا بیان کردینا ضرور ہے کہ مسلمان سمجھ لیں اور اغلاط سے بچیں۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) **اولاً** صبح کاذب کو حدیث میں مستطیل یعنی لمبی اور صادق کو مستطیر پھیلی ہوئی فرمایا ہے، ناواقف گمان کرتے ہیں کہ صبح کاذب کوئی ڈورے کی مثل باریک سفید ہے اور جہاں ذرا چوڑی سفیدی ہُوئی تو صبح صادق ہوگئی یہ محض غلط وہم ہے، رات کی چھائی ہوئی اندھیری میں باریک ڈورا کیا نظر آسکتا صبح کاذب بھی ضرور عرض رکھتی ہے اور نگاہ میں دو تین گز بلکہ اس سے زیادہ تک چوڑی ہوتی ہے بلکہ حدیث کی مراد وہ ہے جو خود حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دستِ اقدس کے اشارے سے تعلیم فرمائی کہ شرقاً غرباً جو سفیدی پھیلی ہوتی ہے وُہ صبح کاذب ہے اور دونوں دست مبارک کی کلمے کی انگلیاں ملا کر ہاتھ پھیلائے یعنی جنوباً شمالاً افق میں پھیلنے والی سپیدی پھیلی صبحِ صادق ہے۔

ثانیاً: بعض کتب میں صبح کاذب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی کہ **یعقبہ ظلمۃ فالافق یکذبہ** یعنی اس کے عقب میں ظلمت ہوتی ہے، یہ سپیدی تو کہہ رہی ہے صبح ہوگئی، افق اسکی تکذیب کرتی ہے لہٰذا اسے صبح کاذب کہتے ہیں۔ اس کے معنے علمائے[عہ] زمانہ قریب نے یہ سمجھ لیے کہ صبح کاذب کی سپیدی جا کر اُس کے بعد اندھیرا ہوجاتا ہے پھر صبح صادق نکلتی ہے حالانکہ یہ محض باطل ہے، صبح کاذب کی سپیدی جہاں شروع ہوتی ہے وہ اخیر تک بڑھتی ہی جاتی ہے ہرگز غروبِ آفتاب تک وہاں تاریکی نہیں آتی بلکہ اس کے معنٰی یہ ہیں کہ صبح کاذب کی سپیدی افق سے بہت اونچی ظاہر ہوتی ہے اور اس کے عقب میں اس کے پیچھے یعنی افق میں اس کے نیچے بالکل اندھیرا ہوتا ہے، جب صبح صادق پھیلتی ہے یہ تاریکی بھی روشنی سے بدل جاتی ہے۔

ثالثاً: بعض کتب ہیئت اور ان کے اتباع سے بعض کتب فقہ مثل ردالمحتار میں لکھ دیا کہ جب آفتاب افق سے ۱۵ درجے نیچے رہتا ہے وقت صبح صادق ہوتی ہے اور صبح کاذب اس سے صرف تین درجے پہلے یعنی ۱۸ درجے کے انحطاط پر ہوتی ہے مگر ہزاروں بار کا مشاہدہ شاہد ہے کہ یہ بھی محض غلط ہے بلکہ جب آفتاب کا انحطاط قریب ۱۸ درجے کے رَہ جاتا ہے اس وقت یقیناً صبح صادق ہوجاتی ہے، صبح کاذب اس سے بہت درجوں پہلے ہوچکتی ہے، میں نے آج ہی رات کہ شب ہشتم ماہ مبارک ہے بچشمِ خود معائنہ کیا کہ آفتاب ہنوز تینتیس درجے سے زیادہ افق سے نیچا تھا کہ صبح کاذب اپنی جھلک دکھا رہی تھی، صبح صادق ہونے کو ایک گھنٹے کامل سے بھی زیادہ وقت باقی تھا۔

عہ: یعنی سعد اللہ صاحب رام پوری ۱۲

رابعًا: عوام صبح کا طلوع ہونا سُنتے ہیں تو اپنے زعم میں یہ گمان کرتے ہیں کہ افق یعنی زمین کے کنارہ سے یہ سپیدی اُٹھتی ہوئی جب بلندی پر آتی ہے تو ہمیں مکانوں میں یا چھت پر دکھائی دیتی ہے جیسے آفتاب وغیرہ ستارے شہر میں اپنے طلوع سے دیر کے بعد نظر آتے ہیں اس بنا پر وہ صبح ہوتی دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بہت پہلے ہوچکی ہے جب تو اتنی بلندی آگئی ہے حالانکہ یہ بھی ان کا محض وہم ہے بلکہ یہ سفیدی افق سے بہت اونچی ہی ہماری نظروں میں پیدا ہوتی ہے۔ فرض کیجئے کہ آدمی جنگل بلکہ سمندر میں ہو کہ نگاہ کے سامنے درخت، غبار، ابر وغیرہ کوئی شے اصلاً حائل نہ ہو تو وہاں بھی یہ بیاض افق سے بہت اوپر ہی حادث ہوگی اور اس کے نیچے تمام کنارہ آسمان تاریک ہوگا، اسی کو **تو یعقبہ ظلمۃ** (اس عقب میں ظلمت ہوتی ہے۔ت) کہا گیا، اپنی ہی سمجھ کے قابل یوں سمجھیں کہ نظر بواقع ضرور رہے کہ آفتاب کی کرنیں پہلے اُس حصّے میں سپیدی لاتی ہوں گی جو کنارہ زمین کے متصل ہے مگر وہ نہ کبھی محسوس ہوئی، نہ ہو، افق میں بخارات کا ازدحام اور خطوط نظر کا صدہا مِیل بخار وغیرہ کثافات کو طے کرکے اُفق تک جانا، آفتاب کی دھوپ جیسی روشن چیز کو کتنا میلا کرکے دکھاتا ہے کہ سپیدی کی جگہ سرخی معلوم ہوتی ہے اور تیزی نام کو نہیں ہوتی پھر یہ خفیف ضعیف سپیدی کیا اس قابل ہے کہ افق میں نظر آسکے جو صاف بھی کم ہے اور نظر سے دُور بھی بہت ہے یہ تو ہمیشہ اوپر چمکے گی جہاں نظر سے قُرب بھی ہے اور جگہ بہ نسبت افق صاف تر ہے۔

خامسًا: بعض کتب میں واقع ہُوا کہ صبح رات کا ساتواں حصّہ ہے، اسے لوگ ہر موسم میں وہر مقام کے لیے عام سمجھ لیے، حالانکہ جن عالم نے ایسا فرمایا وہ اُس موسم اور اُس عرض بلد کے لیے خاص تھا ورنہ یقینا صبح ہمارے بلاد میں رات کے چھٹے حصّے سے دسویں حصے تک ہوتی جس کی مفصل جدول فقیر نے اپنے فتاوٰی میں لکھی ہے اس ماہِ مبارک میں بھی صبح رات کے نویں حصے سے دسویں حصے تک ہے، جو لوگ ساتواں حصہ لگائیں گے وُہ آپ ہی رات کو دن بنائیں گے، اب ہم بتوفیق اللہ تعالٰی صبح کاذب کے شروع سے صبح صادق کے انتشار تک جو صُورتیں اس سپیدی کی پیش آتی ہیں اُن کا واضح بیان کرتے ہیں جو آج تک کسی کتاب میں نہ لکھا گیا جو ہمارا برسوں کا مشاہدہ ہے اور جسے بغور سمجھ لینے والا اِن شاء اللہ تعالٰی بہت جلد صبح کاذب و صادق میں امتیاز کا ملکہ پیدا کرسکتا ہے:

(۱) اُفق سے کئی نیزے بلندی پر جانب مشرق آج جہاں سے آفتاب نکلنے کو ہو، اس کی سیدھ میں یعنی دائرہ منطقۃ البروج کی سطح کرہ بخار پر رات کی اندھیری میں ایک خفیف سپیدی کا دھبّہ پیدا ہوتا ہے جسے چاروں طرف سے رات کی اندھیری گھیرے ہوئے ہے اس انداز پر ا 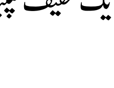 یہ صبح کاذب کی بنیاد پڑتی ہے۔

(۲) جُوں جوں آفتاب افق کے نزدیک آتا جاتا ہے یہ سپیدی ترقی کرتی ہے مگر ترقی معکوس یعنی اوپر سے

نیچے کو بڑھتی جاتی ہے، افق سے بہت اُونچی چمکی تھی اور نیچے دُور تک اندھیرا تھا اب وُہ اونچی سپیدی تو اپنی جگہ رہتی ہے اور اس کے نیچے سپیدی اور اس میں ملتی جاتی ہے یہاں کہ شدہ شدہ افق کے قریب تک آنے کو ہوتی ہے مگر ان سب حالتوں میں وُہ ایک طولانی ستون کی حالت میں ہوتی ہے گویا ایک سفید چادر اوپر سے نیچے لٹکائی گئی ہے کہ اسی حد تک سپیدی ہے اور آس پاس بالکل اندھیرا ان شکلوں پر

یہاں امیج کی شکل میں ڈبے بنانے ہیں جلد ۱۰ ص ۵۷۲

(۳) ان تمام اشکال کے بعد اس عمود کے حصّہ زیریں کے دونوں پہلوؤں پر نہایت تھوڑی دُور تک ایک خفیف بھوراپن خاکستری رنگ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی تمیز میں آتا ہے اور معًا نگاہ کے نیچے سے نکل جاتا ہے اس طرز پر اب یہ وہ وقت کہ صبح صادق اپنے رُخِ روشن سے نقاب اُٹھایا چاہتی ہے مگر ہنوز صبح نہیں کہ اُس کے لئے تبیُّن شرط ہے اور یہ متبیّن نہیں:

حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ [1]	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہوجائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے پَو پھٹ کر۔ (ت)

ان تمام حالتوں تک صبح کاذب ہی ہے اور نمازِ عشاء اور سحری کھانے کا وقت بالاتفاق باقی ہے۔

(۴) اس کے بعد وہ دونوں پہلو سپید ہوجاتے ہیں اگرچہ ان کی سپیدی مائل بہ تیرگی ہوتی ہے اور جنوبًا شمالًا اس کا عرض بہت خفیف ہوتا ہے، اس وضع پر یہ ابتدائے صبح ہے اور اس وقت میں ہمارے مشائخ کرام کو اختلاف ہے: بعض نے اُسے صبح قرار دیا اور یہی احوط ہے، بعض نے بلحاظ شرط استطارہ وانتشار اسے بھی صبح کاذب کے حکم میں رکھا اور یہی اوسع ہے۔ ان جمیع حالتوں میں عمود کے تمام بالائی حصے کے آس پاس نری سیاہی ہوتی ہے۔

(۵) اس کے بعد دونوں پہلوؤں کی یہ سپیدی آنًا فانًا جنوبًا شمالًا پھیلنا شروع ہوتی ہے اور ایک خفیف دیر میں پھیل جاتی ہے۔ اس طور پر یہ یقینی اجماعی صبح صادق ہے اور ہنوز وہ عمود بدستور باقی، اور اس کے تین طرف سیاہی ہوتی ہے مگر یہ سچی سپیدی جیسی جیسی جنوب شمال میں پھیلتی ہے ساتھ ہی نیچے سے اوپر چڑھتی جاتی ہے، برعکس سپیدی کاذب کے کہ اوپر سے نیچے بڑھتی آتی تھی یہاں تک کہ اب وہ عمود سپید رفتہ رفتہ اس منتشر سپیدی میں گم ہوتے ہوتے فنا ہوجاتا ہے یعنی اُس کے اطراف کی

---

[1] القرآن ۲/۱۸۷

ساری سیاہی کو سپیدی گھیر لیتی ہے اور اب اس عمود کی صورت متمیز نہیں رہتی ان صورتوں پر

(۶) اب یہ سپیدی جس طرح آسمان پر بڑھی زمین کی جانب بھی متوجہ ہوتی اور صحن و بام کو روشن کردیتی ہے یہ وقت اسفار ہے کہ نماز صبح کا مستحب وقت ہے اور اس پہلے اندھیرے میں پڑھنی خلافِ مستحب۔

(۷) جب آفتاب اور زیادہ قریب افق آتا ہے یہ سپیدی سُرخی لاتی ہے پھر سنہراپن پھر چمکدار سپیدی اُس کے متصل طلوعِ آفتاب ہے، پانچویں شکل جو اجماعی صبح ہے اسے جانے دیجئے، تو چوتھی شکل بھی اس رمضان مبارک اور اس سے پہلے کے متعدد رمضانوں میں بریلی وشاہجہان پور میں تیسری شب کی صبح اُن گھڑیوں سے بھی جو پارسال تک حال کی گھڑیوں سے نومنٹ کم تھیں کبھی کسی دن ٹھیک پانچ بجے بھی نہ ہُوئی اور اخیر تاریخوں میں جو چاہے آزما کر دیکھ لے، سواپانچ بجے تک بھی ہرگز نہ ہوگی تو چارنج کر ۴۰ منٹ پر روزہ نہ ہونے کا حکم کیونکہ صحیح ہوسکتا ہے تمیز کے لیے ایک اور پہچان گزارش کروں، آسمان پر چند کواکب سے ایک شکل حرف کاف بنتی ہے اس وضع پر یہ کاف آج کل پچھلی رات کو طالع ہوتا ہے اس سے ایک نیزے کے فاصلے پر ان دنوں بڑا روشن ستارہ زہرہ ہے۔ بریلی میں صبح کاذب کا عمود آج کل اس کاف کے الف یعنی حصہ وسطانی کے گرد ہوتا ہے اور زہرہ تک پھیلتا ہے پھر زہرہ کے دونوں پہلوؤں سے جنوب و شمال کو صبح صادق تجلی کرتی ہے اس شکل پر، اوقات کے متعلق تجلی کرتی ہے اس شکل پر،

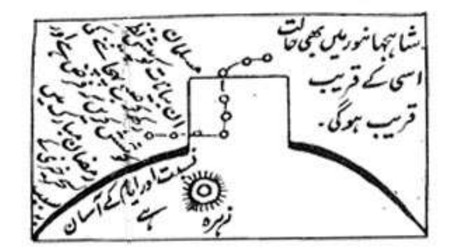

اوقات کے متعلق بیان سے فراغ ہوا۔ رہے مسائل مذکورہ اشتہار، ان میں بھی سخت اغلاط بشدت ہیں، مثلاً: اول ہلالِ رمضان بحال ابر و غبار ایک ثقہ کی گواہی شرط کرنی اس مذہب معتمد وظاہر الروایۃ مصححہ کے خلاف ہے کہ اجلہ ائمہ مثل امام شمس الائمہ حلوانی وامام برہان الدین فرغانی وامام بزازی وغیرہم نے جس کی تصحیح فرمائی اور نظر بحال زمانہ اس پر اعتماد واجب ہے کہ یہاں شہادت مستور بھی مقبول ہے یعنی جس کا فسق معلوم نہیں اور اس کا ظاہر حال صلاح ہے محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ہلالِ رمضان میں ثقہ وغیر ثقہ دونوں کی شہادت مقبول ہے غیر ثقہ سے وہی مستور مراد جس کی عدالت باطنی مجہول ہے آج کل ثقہ کی کمیابی ظاہر ہے تو اس ظاہر الروایۃ

مصحح بالتصریح سے عدول صریح جہل نامقبول، کافی امام حاکم شہید میں ہے:

تقبل شھادۃ المسلم والمسلمۃ عدلاکان الشاھد او غیرعدل[1]۔	مسلمان مرد اور عورت کی شہادت مقبول ہو گی خواہ شاہد عادل ہو یا نہ ہو۔(ت)

درمختار میں ہے: صححہ البزازی[2] (اس کو بزازی نے صحیح قرار دیا ہے۔ت) فتح القدیر میں ہے: وبہ اخذالحلوانی[3] (اسے حلوانی نے اختیار کیا ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

وکذاصححہ فی المعراج والتجنیس ومشی علیہ فی نورالایضاح وانہ ظاھر الروایۃ ایضا فا لحاکم الشھید فی الکافی جمع کلام محمد فی کتبہ التی ھی ظاھر الروایۃ والمراد بغیر العدل المستور[4]۔ملخصًا	معراج اور تجنیس میں اسے صحیح کہا، نورالایضاح نے بھی اسی کو اختیار کیا، اور ظاہر روایت بھی یہی ہے تو حاکم شہید نے الکافی میں امام محمد کا وہ کلام جمع کیا ہے جو ان کی کتب میں مذکور ہے اور یہی ظاہر الروایۃ ہے اور غیر عادل سے مراد مستور الحال ہونا ہے(ت)

دوم: قبول شہادت کے لیے مطابقت قواعد شرعیہ کے ساتھ مطابقت قواعد عقلیہ کی قید بڑھانی بھی خلافِ مذہب معتمد ہے، رؤیت ہلال میں جس قدر عقلی بات کہ شرع مطہر نے بھی قبول فرمائی ہے مثلاً اٹھائیس کو چاند نہیں ہوسکتا اُتنی قواعد شرعیہ میں آگئی اس سے زائد جو قواعد اہلِ ہیئت نے دربارہ ہلال اپنے ظنون و تخمینات سے گھڑے ہیں شرع نے اصلاً اُن کی طرف التفات نہ فرمایا اور صراحتًا ارشاد فرمایا:

انا امۃ امیۃ لانکتب ولا نحسب الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[5] الحدیث	ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ ہی حساب جانتے ہیں مہینہ اس طرح، اس طرح، اس طرح ہے، الحدیث۔(ت)

درمختار میں ہے:

لاعبرۃ بقول الموقتین ولوعدولا	مذہب کے مطابق نجومیوں کا قول مقبول نہیں اگرچہ

---

[1] ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۹۹/۲-۹۸

[2] درمختار، کتاب الصوم مجتبائی دہلی، ۱۴۸/۱

[3] فتح القدیر، کتاب الصوم، نوریہ رضویہ سکھر ۲۵۰/۲

[4] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۹۹/۲-۹۸

[5] سنن ابی داؤد کتاب الصوم آفتاب عالم پریس لاہور ۳۱۷/۱

علی المذھب[1]۔	وُہ عادل ہوں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بل فی المعراج لایعتبر قولھم بالاجماع ولا یجوز للمنجم ان یعمل بحساب نفسہ[2]۔	بلکہ معراج میں ہے کہ نجومیوں کا قول بالاتفاق معتبر نہیں، اور منجم کے لیے اپنے حساب پر بھی عمل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

اقول: یہ شرع مطہر عالم ماکان ومایکون کے ارشادات ہیں عالم امّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ سیر نیرین ضرور اُس عزیز علیم کے حساب مقدر پر ہے ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴿۹۶﴾[3] (یہ سادھا ہے زبردست جاننے والے کا۔ت) اور کیوں نہ معلوم ہوتا حالانکہ انہیں پر نازل ہوا کہ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾[4] (سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ت) باایں ہمہ اس عالم حقائق عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درباب رؤیت ہلال حساب کو یک لخت ابطال واہمال فرمایا کہ حضور جانتے تھے کہ یہ اُن محاسبات قطعیہ سے نہیں جن کا ذکر کریمہ بحسبان میں ہے بلکہ ناقص ونامنضبط متاخرین اہلِ ہیئت کے تخمینات ہیں جن کا تخلف دشوار نہیں، ولہٰذا امام اہلِ ہیئت بطلیموس نے مجسطی میں باآنکہ ثوابت تک کے ظہور واخفاء کے لیے فصل جداگانہ وضع کی، رؤیت ہلال کا اصلاً ذکر نہ کیا کہ وُہ اصلاً اس کے انضباط پر قادر نہ ہوا اور متاخرین نے جو کچھ لکھا اُن شدید باہمی اختلافات کے بعد (جو مطالعہ شرح مواقف وشرح زیج سلطان وغیرہ سے ظاہر ہیں) خود بھی کوئی ضابطہ صحیحہ نہ بتاسکے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ﴿۶۶﴾[5] (وُہ پیچھے نہیں جاتے مگر گمان کے اور وُہ تو نہیں مگر اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ت) کے مصداق رہے، ولہٰذا منجمین کے ان حسابات میں اکثر خطا پڑی ہے، ابھی چند سال کا ذکر ہے کہ رمضان مبارک جنتریوں میں بلااشتباہ ۳۰ روز کا لکھا تھا اور یہاں سے نقشہ سحری وافطار میں ۲۹ دن کا مہینہ شائع ہوا بفضلہٖ تعالٰی ایسی صاف عام رؤیت ۲۹ کی ہوئی جس میں اصلاً اختلاف نہ ہوا، مخالفین میں سے ایک صاحب نے بعض خاص احباب سے کہا میں ۲۹ کو نقشہ ہاتھ میں لیے منتظر رہا

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۰

[3] القرآن ۶/ ۹۶

[4] القرآن ۵۵/۵

[5] القرآن ۱۰/۶۶

کہ آج رؤیت نہ ہو اور فورًا نقشہ لے کر پہنچوں کہ ۲۹ کا مہینہ کب ہُوا، حالانکہ یہ اُن کی خام خیالی تھی، یہاں نقشوں میں تصریح کردی جاتی ہے کہ بربنائے قواعد علم ہیئت ہے، شرع مطہر میں رؤیت پر مدار ہے، اگر رؤیت اس کے خلاف ہو نقشہ پر لحاظ نہ ہوگا، بالجملہ ایسے قواعد عقلیہ کیا قابلِ لحاظ ہوسکتے ہیں جن کے سبب ثقہ عادل کی شہادتِ شرعیہ رَد کی جائے۔

وبه ظهر الجواب عما ذكرههنا الامام السبكى الشافعى ان الشهادة ظنية والحساب قطعى فانه رحمه الله تعالٰى ظن انه كسائر حسابات الهيئة من الطلوع والغرب والتحويل والتقويم والخسوف وليس كذلك بل هو مثل حساب وقت الكسوف بداية ونهاية بل ادون رتبة فانه يتم بعد تكرار الاعمال الطوال مرة بعد اخرى بخلاف هذا ومن جرب تجربتى عرف معرفتى لا جرم رده كل من جاء بعده من محققى الشافعية ايضا وحققوا ان العبرة بالشهادة الشرعية وان خالفت تلك القواعد العقلية كما فصله فى رد المحتار۔	اس سے امام سبکی شافعی کی گفتگو کا جواب بھی آگیا کہ شہادت ظنی ہے اور حساب قطعی، کیونکہ انہوں نے اسے باقی حسابات مثلًا طلوع، غروب، تحویل، تقویم اور خسوف کی حالت پر قیاس کیا ہے حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو ابتداء وانتہا کے اعتبار سے کسوف بلکہ رتبہ کے اعتبار سے اس سے بھی کم درجہ پر ہے کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے تکرار عمل سے تام ہوجاتا ہے. بخلاف مذکورہ کے، جو بھی مجھ جیسا تجربہ کرے گا اسے ہماری طرح ہی معرفت ہوگی، یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد آنے والے محققین شوافع نے بھی ان کا رَد کیا ہے اور یہی ثابت کیا کہ اعتبار شہادت شرعیہ کا ہے اگرچہ وُہ قواعد عقلیہ کے مخالف ہو، جیسا کہ اس کی تفصیل ردالمحتار میں ہے۔(ت)

سوم: رمضان مبارک میں بحال صفائی مطلع ایک ثقہ کی گواہی مطلقًا رَد کردینا مذہب منقح کے خلاف ہے بلکہ وہ بتصریح محرر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس حالت سے مقید ہے جبکہ اس اکیلے کا رؤیت سے تفرد خلاف ظاہر ہو ورنہ اگر بیرون شہر سے آیا اور اہلِ شہر نے نہ دیکھا یا یہ بلندی پر تھا اور لوگ زمین پر، یا لوگوں نے تلاشِ ہلال میں کوشش نہ کی تو صفائے مطلع میں بھی ایک کی شہادت ظاہر الروایۃ مصححہ معتمدہ منقحہ پر مقبول ہے۔ درمختار میں ہے:

صحح فى الاقضيه، الاكتفاء بواحد، ان جاء بخارج البلد اوكان على	کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرون شہر سے

مکان مرتفع واختارہ ظھیرالدین[1]۔	کتاب الاقضیہ میں اس بات کی تصحیح ہے کہ ایک گواہ پر اکتفاء درست ہے جبکہ وہ بیرون شہر سے آیا ہو یا وُہ کسی جگہ بلند پر ہو، اور ظہیر الدین نے اسی کو مختار کہا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

واعتمدہ فی الفتاوی الصغری ایضا وھو قول الطحاوی واشارالیہ الامام محمد فی کتاب الاستحسان من الاصل قال فی النھایۃ اذاجاء من خارج المصر اوکان فی موضع مرتفع فانہ یقبل عندنا اھ فقولہ عندنا یدل علی انہ قول ائمتنا الثلثۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وقد جزم بہ فی المحیط وعبر عن مقابلہ بقیل ففیہ التصریح بانہ ظاھرالروایۃ وھو کذلک، ویظھر لی ان لامنافاۃ بینھما لان روایۃ اشتراط الجمع العظیم محمولۃ علی ما اذاکان الشاھد من المصرفی مکان غیر مرتفع فتکون الروایۃ الثانیۃ مقیدۃ لاطلاق الروایۃ الاولٰی الخ اھ باختصار[2]۔	فتاوٰی صغرٰی میں بھی اسی پر اعتماد کیا ہے اور یہی امام طحاوی کا قول ہے، امام محمد کی اصل کتاب الاستحسان میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، فرمایا: نہایہ میں ہے جب گواہ بیرونِ شہر سے آیا ہو وہ کسی بلند جگہ پر ہو تو ہمارے نزدیک اس کی گواہی مقبول ہوگی اھ نہایہ کا عندنا یہ واضح کررہا ہے کہ یہ تینوں ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے۔ محیط میں اس پر جزم ہے اور اس کے مقابل قول "قیل" سے ذکر کیا اور اس میں تصریح ہے کہ یہ ظاہر الروایت ہے، اور وُہ اسی طرح ہے، میرے نزدیک ان روایات میں کوئی منافات نہیں کیونکہ یہ روایت کہ جم عظیم کا ہونا ضروری ہے، یہ اس صورت پر محمول ہے جب گواہ شہری بلند جگہ والا نہ ہو، تو اب دوسری روایت پہلی مطلق روایت کے لیے مقید بن جائے گی الخ اھ اختصارًا (ت)

یہاں تین ۳ روایتیں ہیں اور تینوں مصحح، اور تینوں ظاہر الروایۃ ہیں، اور فقیر نے اپنی تعلیقات حاشیہ شامی میں بیان کیا ہے کہ وُہ سب اپنے اپنے محامل پر مقبولہ معمولہ ہیں، اور فقہ میں بڑا کام یہی قول منقح کا ادراک ہے وباللہ التوفیق۔

چہارم: جب رمضان دو ۲ عادلوں کی شہادت سے ثابت ہُوا ہو اور ۳۰ روزوں کے بعد اکتیسویں شب

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۸

[2] درمختار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۱

باوصف صفائے مطلع ہلال نظر نہ آئے تو علماء کو اختلافِ شدید ہے ایسی نادر صورت کے ذکر کی اشتہار میں حاجت نہ تھی، اور ذکر ہوا تومذہب مفتی بہ کااتباع ضرور تھااور یہاں مفتی بہ یہی ہے جس کے ضعف کی طرف اشتہار میں اشعار کیایعنی عید کرلی جائے اگرچہ چاند نظرنہ آئے، بلکہ علامہ نوح نے فرمایاکہ یہی مذہب ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے، اور دوسرا قول کہ ۳۱روزے رکھے جائیں صرف بعض مشائخ کاہے تواس تقدیر پر تووُہ اصلاً قابلِ لحاظ نہ رہا۔ تنویرالابصار میں ہے:

بعد صوم ثلثین عدلین حل الفطر[1]۔	تیس روزوں کے بعد دو ۲ عادل گواہوں کی شہادت پر عید الفطر جائز ہوتی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای اتفاقاان کانت لیلۃ حادی والثلثین متغیمۃ وکذا لومصحیۃ علی ماصححہ فی الدرایۃ والخلاصۃ والبزازیۃ[2]۔	یعنی یہ جواز بالاتفاق ہے جب اکتیسویں رات مطلع ابرآلود ہو اوردرایہ، خلاصہ اور بزازیہ کی تصحیح کے مطابق اگر مطلع ابرآلود نہ بھی ہوتب بھی یہی حکم ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

ونقل العلامۃ نوح الاتفاق علی حل الفطر فی الثانیۃ ایضاعن البدائع والسراج والجوھرۃ قال والمراد اتفاق ائمتنا الثلثۃ وما حکی فیھا من الخلاف انما ھو لبعض المشائخ. قلت وفی الفیض. الفتوی علی حل الفطر[3]۔	علامہ نوح نے بدائع، سراج اور جوہرہ سے نقل کیاکہ دوسری صورت (جب اکتیسویں رات مطلع ابرآلودنہ ہو)میں بھی جواز عیدالفطرپر بھی اتفاق ہے اور پھر کہایہاں اتفاق سے مراد ہمارے تینوں ائمہ کااتفاق ہے اور اس میں جواختلاف منقول ہے وُہ بعض مشائخ کا ہے۔میں کہتاہُوں فیض میں ہے فتوٰی جواز فطرپر ہے(ت)

مذہب مفتی بہ بلکہ اپنے تمام ائمہ کے مذہب صحیح ومعتمد کو ضعیف بتانااوراُس کے مقابل بعض مشائخ کے قول

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹
[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲
[3] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

پر اعتماد کرنا بحکم درمختار و تصحیح القدوری وغیرہما جہل و خرقِ اجماع ہے۔

پنجم: ۳۰ شعبان کو مطلع صاف ہونے کے ساتھ یوم شک کی تخصیص محض باطل ہے بلکہ مطلع صاف نہ ہو تو ۲۹ شعبان کے بعد کا دن بالاتفاق یوم الشک ہے اور بہ نیتِ رمضان اس کا روزہ رکھنا ممنوع، اختلاف اگر ہے تو اس میں ہے کہ بحال صفائے مطلع بھی ۳۰ شعبان یوم الشک ہے یا نہیں، معراج الدرایہ شرح ہدایہ و مجتبٰی شرح قدوری و جامع الرموز شرح نقایہ میں تصریح کی کہ وہ اصلاً یوم الشک نہیں، اور درمختار میں بحوالہ شرح مجمع العینی زاہدی سے نقل کیا کہ بربنائے عدمِ اعتبار اختلاف مطالع وہ بھی یوم الشک ہے کہ شاید کہیں اور رؤیت ہوئی ہو، ردالمحتار میں ہے:

القهستاني قيده بما اذا غم فلو مصحية ولم يراحد فليس بيوم شك اھ ومثله فى المعراج عن المجتبٰى[1]۔	قہستانی نے اسے اس صورت کے ساتھ مقید کیا جب مطلع ابر آلود ہو، اگر مطلع ابر آلود نہ ہوا اور کسی نے چاند بھی نہ دیکھا ہو تو یہ یومِ شک نہ ہوگا اھ معراج میں مجتبٰی کے حوالے سے اسی طرح منقول ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

هو يوم الثلثين من شعبان وان لم يكن علة اى على القول لعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤية فى بلدة اخرى، شرح المجمع للعينى عن الزاهدى[2]۔	یومِ شک شعبان کا تیسواں دن ہوگا اگرچہ علّت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) یعنی اس قول پر جس میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کیونکہ کسی دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ یہ امام عینی کی شرح المجمع میں زاہدی کے حوالے سے منقول ہے۔(ت)

اقول: تو کلام زاہدی مضطرب ہوا اور کلام معراج معارض سے سالم رہا اور اُسی کے مثل تبیین الحقائق وغیرہ معتمدات میں ہے اور وہی اظہر وازہر ہے کہ شک استوائے طرفین کی حالت ہے۔ یہی بحرالرائق میں ہے:

هو استوا طرفى الادراك من النفى والاثبات[3]۔	نفی واثبات کے ادراک کی دونوں اطراف کے برابر ہونے میں شک ہے(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۵

[2] درمختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷

[3] بحرالرائق کتاب الصوم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۶

اور جبکہ مطلع صاف ہو اور چاند اصلاً نظر نہ آئے تو صرف اس احتمال بعید پر کہ شاید کہیں اور سے رؤیت کا ثبوت آجائے شک متحقق ہونا کس درجہ بعید ہے۔

فان مجرد الرؤیة ببلدة اخری لا یلزمنا مالم تثبت بطریق شرعی وھو احتمال لاعن دلیل فلا یعارض الظن الحاصل من استقراء الحس الصحیح فی المرای الصریح فافھم۔	محض دوسرے شہر میں دیکھ لینا ہمارے لیے لزوم کو کافی نہیں جب تک طریقِ شرعی سے اس کا ثبوت نہ ہو، یہ تو بغیر دلیل محض احتمال ہے، اب یہ اس ظن کے مقابل و معارض کیسے ہوسکتا ہے جو حس صحیحہ سے رؤیت صحیحہ میں حاصل ہوتا ہے غور کرو(ت)

ششم: یہ کہنا کہ جو لوگ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کرتے اُن کے قول پر روزہ شک کا جائز ہونا چاہئے سخت عجیب، اور دونوں قول سے مخالف وغیر مصیب ہے ۳۰ شعبان کو جب رؤیت نہ ہو تو اس میں ہرگز اختلاف قولین نہیں کہ اُس دن روزہ رمضان رکھنا گناہ ہے، اختلاف علت حکم میں ہے، جو بحال صفائے مطلع اُسے یوم الشك نہ قرار دیں، اُن کے نزدیک اس لیے کہ لاتقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین (رمضان سے پہلے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو۔ت)، خود اشتہار میں درمختار سے نقل کیا:

اما علی مقابله فلیس بشك ولا یصام اصلا[1]۔	اسکے مخالف قول پر یوم شک نہیں تو اب ہرگز روزہ نہ رکھا جائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولایجوز صومه ابتداء لا فرضا ولا نفلا[2]۔	رمضان سے پہلے نہ فرضی روزہ رکھا جائے اور نہ نفلی(ت)

اسی میں ہے:

لانه احتیاط فی صومه للخواص بخلاف یوم الشک[3]۔	اس لیے کہ اس روزہ کے رکھنے میں خواص کے لیے کچھ احتیاط نہیں بخلاف یومِ شک کے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۷

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۵

[3] ردالمحتار کتاب الصوم ۲/ ۹۶-۹۵

اور جو اس حال میں بھی یوم الشك کہیں ان کے نزدیک اس لیے کہ:

من صام یوم الشك فقد عصی ابا القاسم صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم[1]۔	جس نے یومِ شک کا روزہ رکھا اس نے حضور ابوالقاسم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔(ت)

درمختار میں ہے:

لایصام یوم الشك هو یوم الثلثین من شعبان وان لم یکن علة، الا تطوعا ویکرہ غیرہ[2]۔ (ملخصا)	یومِ شک میں روزہ نہ رکھا جائے اور یہ شعبان کا تیسواں دن ہوسکتا ہے اگرچہ کوئی علت نہ ہو، ہاں نفلی روزہ رکھا جاسکتا ہے، اس کے علاوہ مکروہ ہے(ت)

ہفتم: اس ایجادی اختراعی حکم کی یہ تعلیل "کیونکہ بالضرور دنیا میں اس روز چاند ہوا ہوگا" اس بالضرور پر کیا دلیل، خود ہی اشتہار میں درمختار و شرح مجمع عینی سے اتنا نقل کیا کہ: لجواز تحقق الرؤیة فی بلدۃ اخری[3] (کیونکہ دوسرے شہر میں رؤیت کا ثبوت ہوسکتا ہے۔ت) نہ کہ لوجوب وقوع الرؤیة فی مکان من الدنیا (دنیا کے کسی گوشے میں رؤیت کا وقوع واجب ولازم۔ت)

ہشتم: اگر ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی ضرور ہو تو عدم اعتبار اختلاف مطالع پر کہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا وہی مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی اور اسی پر اعتماد ہے ہمیشہ رمضان ۲۹ ہی دن کا ہونا لازم ہو کہ بالضرور دنیا میں چاند ہوا ہوگا اور اختلافِ مطالع معتبر نہیں حالانکہ یہ اجماعِ اُمّت و نصوص صریحہ کے خلاف ہے۔

نہم: جب بالضرورۃ کہیں نہ کہیں رؤیت ہونی معلوم، تو ائمہ کا ارشاد کہ ثبوتِ شرعی مثل شہادت واستفاضہ شرعیہ سے دوسری جگہ رؤیت ہونی ثابت ہو تو ہم پر لازم ہوگا ورنہ نہیں کما نص علیه فی الدر المختار وسائر الاسفار (جیسا کہ درمختار اور دیگر کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) محض لغو و مہمل بلکہ غلط و باطل ہو، کہ جب یقیناً دوسری جگہ وقوعِ رؤیت معلوم ہے تو یقین سے زیادہ اور کون سا ثبوت چاہئے، کیا ضروریات کے لیے بھی گواہی کی حاجت ہے افسوس کہ علماء نے طریق موجب شرعی سے

---

[1] سنن ابی داؤد باب کراہیۃ صوم یوم الشک آفتاب عالم پریس لاہور ۹۶/۲-۹۵

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۷/۱

[3] درمختار، کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۷/۱

مقید کیا، اشتہاری فتوٰی دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ خود ہی بالضرور ثابت ہے **ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔**

دہم: اب یہ تعلیل عجب ہوگی کہ خود مدعا کا ابطال محض کرے گی، جب بالضرورت رؤیت معلوم تو جو لوگ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ **یوم الشك** کدھر سے آیا بلکہ یقین یوم الیقین ہے اور روزہ جائز ہونا کیا معنی، بلکہ فرض ہونا چاہئے کہ یقینا رمضان ہے، بالجملہ ہر ۲۹ کو کہیں نہ کہیں رؤیت ضروری ولازم مان لینا معاذاللہ ائمہ کرام کو مخالفِ اجماعِ مسلمین و مخالفِ نصوص قاطعہ و مجانین قرار دینا ہے جس پر راضی نہ ہوگا مگر بد دین یا مجنون، ہاں احتمال کہئے، پھر اگر ہوا تو **یوم الشك** ہوا اور **یوم الشك** کا روزہ جائز نہیں، پھر جواز کدھر سے آیا۔

یازدہم: رمضان و فطر میں اعتبار اختلاف مطالع کو قول محققین حنفیّہ و محدثین مذہب و مجتہدین روایات فقہیہ قرار دینا محض غلط تہمت ہے بلکہ اُس کا عدمِ اعتبار ہی ہمارے ائمہ کرام و مجتہدینِ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور اسی پر جمہور، اور یہی احوط واقوی من حیث الدلیل، تو بوجوہ کثیرہ اسی پر عمل واجب، اور اس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔ تنویر الابصار و در مختار و بحر الرائق و فتاوٰی خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذہب و علیہ اکثر المشائخ وعلیہ الفتوی[1]۔	ظاہر مذہب پر اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کی یہی رائے ہے اور اسی پر فتوی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو المعتمد عندنا عند المالکیۃ والحنابلۃ[2]۔	ہمارے، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں یہی معتمد ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے: **الاخذ بظاھر الروایۃ احوط**[3] (ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے: **الاحتیاط العمل باقوی الدلیلین**[4] (دونوں دلیلوں سے قوی پر عمل بہتر ہے۔ت)

---

[1] در مختار، کتاب الصوم، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

[3] فتح القدیر، کتاب الصوم، نوریہ رضویہ سکھر، ۲/۲۴۳

[4] ردالمحتار بحوالہ النہر خطبہ کتاب مصطفی البابی مصر ۱/۵۴

عقود الدریہ میں ہے: العمل بما علیه الاکثر [1] (عمل اس پر کیا جائے جس پر اکثر ہوں۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرحو ابه ان ماخرج عن ظاھر الروایة لیس مذھبا لابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ولا قولا له [2]۔	فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ ظاہر الروایۃ سے جو خارج ہے وُہ نہ تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی قول (ت)

بحر میں ہے:

ما خرج عن ظاھر الروایة فھو مرجوع عنه و المرجوع عنه لم یبق قولا له [3]۔(ملخصًا)	جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ قول مرجوع عنہ ہوتا ہے اور مرجوع عنہ آپ (امام اعظم) کا قول نہیں ہوتا۔(ت)

شامی میں ہے:

ماخالف ظاھر الروایة لیس مذھبا لاصحابنا [4]۔	جو قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہوتا (ت)

اسی میں ہے: العمل بما علیه الفتوی [5] (جس پر فتوٰی ہو اس پر عمل کیا جائے۔ت) تو ان تمام عظیم قولوں کے خلاف دو ایک متاخرین علماء کا قول خلاف کو اشبہ کہہ دینا کیا شبہ ڈال سکتا یا کیا قابلِ التفات ہو سکتا ہے، درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع [6]۔	قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی محض جہالت اور اجماع کی مخالفت ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے۔

---

[1] عقود الدریۃ، مسائل وفوائد شتّٰی من الحظر والاباحۃ حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۳۵۶/۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۵۲/۱

[3] بحر الرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷۰/۶

[4] ردالمحتار کتاب احیاء الموات، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷۸/۵

[5] ردالمحتار باب صدقۃ الفطر داراحیاء التراث العربی بیروت ۷۸/۲

[6] درمختار مقدمہ کتاب، مجتبائی دہلی، ۱۵/۱

کقول محمد مع وجود قول ابی یوسف اذا لم یصحح او یقووجهه واولی من هذا بالبطلان ،الافتاء بخلاف ظاهر الروایة اذا لم یصحح والافتاء با لقول المرجوع عنه[1] اھ۔	جیسا کہ امام محمد کا قول امام ابو یوسف کا قول کی موجودگی میں جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو یا اس کی دلیل قوی نہ ہو اور اولی بالبطلان ہے ظاہر الروایۃ کے مخالف پر فتوی دینا جبکہ اس کی تصحیح نہ کی گئی ہو اور اسی طرح قول مرجوع عنہ پر فتوی دینا ہے اھ (ت)

دوازدہم اقول: وباللہ التوفیق ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم جس پر عرش تحقیق مستقر فرمائیں وُہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے ارکان کسی کے متزلزل کئے متزلزل ہوجائیں، رؤیت ہلال میں اختلافِ مطالع معتبر ماننے والے ذرا سمجھ کر بتائیں کہ اس اعتبار سے کیا مراد، اور وہ کتنی مسافت ہے جس میں اختلافِ مطالع معتبر ہوگا:

اوّلاً اس کے قائلین اس بارے میں خود مختلف ہیں اور مختلف بھی اتنے کہ آٹھ گنے کا فرق، جواہر ولباب وغیرہما میں اُسے ایک مہینہ کی راہ سے مقدر کیا، روزانہ بارہ کوس کی منزل معتاد کے لحاظ سے ازانجا کہ میل یہاں کے کوسوں کا ۸/۵ ہے ۲ء۱۹ میل مسافت یکروزہ ہوئی اور مہینہ بھر کی راہ ۵۷۶ میل جس کے ۱۹۲ فرسخ ہُوئے، جواہر میں اس تحدید پر قصہ سیدنا سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسلام سے استدلال کیا:

غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ[2] قال فانه قد انتقل کل غدوورواح من اقلیم الی اقلیم وبین کل منهما مسیرة شهر[3]۔	اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ فرمایا وہ ہر صبح وشام ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف تشریف لے جاتے اور ان کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہوتی۔ (ت)

یہ دلیل جیسی ہے رُویش بیبیں وحالت بپرس (اس کا چہرہ دیکھو اور اس کا حال پوچھو۔ت) ولہذا ایقاظ الوسنان میں اسے نقل کرکے کہا: فی دلالة القصة علی ذٰلك نظر[4] (اس مسئلہ پر واقعہ کی دلالت محلِ نظر ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمہ کتاب مطلب لایجوز العمل بالضعیف حتی لنفسہٖ مصطفی البابی مصر ۱/۵۵

[2] القرآن ۳۴/۱۲

[3] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

[4] تنبیہ الغافل والوسنان عن رسائل ابن عابدین بحوالہ القہستانی عن الجواہر، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۲۵۰

ردالمحتار میں فرمایا: لایخفی مافی ھذا الاستدلال[1] (اس استدلال میں جو نظر ہے ہو مخفی نہیں۔ت) تاج تبریزی نے کہا: بہتّر میل سے کم میں اختلاف مطالع ممکن نہیں۔ علامہ رملی شافعی نے شرح منہاج میں اسی کو اختیار کیا اور اسی پر اپنے والد کا فتوٰی بتایا۔ ایقاظ الوسنان میں اسی کو اولٰی کہا،

حیث قال فالاول ای ماذکر التاج من ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ و عشرین فرسخا اولی لان الظاھر من قولہ لایمکن الخ انہ قدرہ بالقواعد الفلکیۃ ولا مانع من اعتبارھا ھٰھنا کاعتبارھا فی اوقات الصلوٰۃ[2]۔	الفاظ یہ ہیں کہ پہلا قول کہ تاج تبریزی نے جو ذکر کیا کہ اختلاف مطالع چوبیس فرسخ سے کم ممکن نہیں اولٰی ہے کیونکہ یہ ان کے قول لایمکن الخ سے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے قواعد فلکیہ سے اندازہ لگایا ہے اور اس مقام پر ان کا اعتبار کرنے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اوقاتِ نماز میں ان کا اعتبار ہے۔(ت)

کہاں چوبیس ۲۴ کہاں ایک سو بانوے ۱۹۲، پُورے آٹھ گُنے کا فرق ہے، اور ضرور ہونا تھا کہ ائمہ مجتہدین کا نورِ علم اس کے ساتھ نہیں،

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾[3]۔	اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔(ت)

ثانیًا سب حضرات نے مطلق فرمایا کوئی تخصیص سمت وجانب کی نہ رکھی حالانکہ معظم معمورہ خصوصًا بلاد ہندوستان اور اُن کے امثال کثیرہ مثل خطہ مقدسہ عرب وغیرہ میں جہاں عرض میل کلی کے اندر ہے یا اُس سے بہت متفاوت نہیں، یہ اختلاف معتبر ہو تو یونہی کہ غربی شہر کی رؤیت شرقی پر حجت نہ ہو کہ ممکن کہ شرقی میں وقت غروب شمس فصل نیرین کم تھا قمر کا شعاع شمس سے انفصال قابل رؤیت ہلال نہ ہوا تھا جب حرکت فلکیہ نیریں کو بلد غربی کی افق پر لے گئی اتنی دیر میں انفصال بقدر استہلال ہو گیا مگر غربی میں شرقی کی رؤیت مطلقًا کیوں نامعتبر ہو خصوصا جب کہ عرض متحد یا متقارب ہو کہ اضطجاع وانتصاب افق یکساں ہو، پُر ظاہر کہ جب مشرق میں بعد قابلِ رؤیت ہو چکا تھا تو غربی میں تو اور زیادہ فصل و ظہور ہو جائے گا، اور جنوب و

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۵

[2] تنبیہ الغافل والوسنان من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۵۰

[3] القرآن ۴/ ۸۲

شمال میں ۲۴فرسخ در کنار ۱۹۲ کا فصل ہونا ضرور نہیں، فرض کیجئے آفتاب شمالی ہے اور قمر وقت استہلال عدیم المیل اور ایک شہر خطِ استواء سے ۸ درجہ شمال کو ہے کہ ایک مہینہ کی راہ سے کم، فاصلہ ہوا، اور دوسرا سترہ ۱۷ درجے کہ دو مہینے سے بھی زیادہ فصل ہُوا اس لئے کہ غایت تدقیق کے بعد ثابت ہوا ہے کہ زمین عہ کا ایک درجہ ۳۶۵۱۵۵ قدم ہے اور قدم ۱/۳ گز اور میل ۱۷۶۰ گز، تو ایک درجہ ارضیہ ۱۲۹ء ۶۹ میل ہوا، راہ ایک ماہ، ۵۷۶ کو اس پر تقسیم کئے سے ۷۷۲۰۳۰۳ء ۸ ہوتے ہیں یعنی ۵۴ً ۱۰َ ۱۸ُ ۸ رح لح ی ند اور تینوں شہر ایک ہی نصف النہار کے نیچے ہیں۔ اب فرض کیجئے کہ صورتِ مذکورہ میں خطِ استوا میں رؤیتِ ہلال ہوئی تو شہر ابعد در کنار شہر وسطانی میں بھی رؤیت ضرور نہیں، حالانکہ یک ماہہ راہ سے کم فاصلہ ہے، اس لیے کہ خطِ استوا میں ادھر تو آفتاب جلد ڈوبے گا تو اندھیرا جلد ہو کر رؤیت کا معین ہوگا، ادھر افق منتصب ہے تو آفتاب بعد غروب جلد افق سے دُور ہو کر نورِ شفق کہ عائق رؤیت ہوتا جلد کم ہو جائے گا، اُدھر قمر کا ارتفاع زائد ہے تو دیر تک بالائے اُفق رہے گا اور یہ بھی مؤید رؤیت ہوگا بخلاف بلد شمالی کہ وہاں سب امور بالعکس ہیں، اور اسی صورت میں فرض کیجئے کہ شہر ابعد میں رؤیت ہوئی تو شہر وسطانی درکنار خط استوا میں بھی بدرجہ اولٰی رؤیت ہوگی کہ مؤیدات رؤیت وہاں بافراط ہیں حالانکہ دوماہہ راہ سے زیادہ کا فاصلہ ہے، تو معلوم ہُوا کہ جنوبًا شمالًا کبھی ایک مہینے سے بھی کم کا فاصلہ اختلاف رؤیت لاتا ہے اور کبھی دو۲ مہینے سے زیادہ کا بھی فاصلہ اختلاف نہیں لاتا۔ اب یہ تقریر اس طرف لے جائے گی کہ شہروں کا باہم بُعد معتبر نہ ہو حالانکہ اختلاف مطالع ماننے والوں کی عبارات اس میں نص ہیں، نہ تفاوتِ عرض معتبر ہو نہ تفاوتِ طول شرقی بلکہ صرف تفاوت طول غربی معتبر ہو، یعنی جس کا طول غربی اس شہر سے یک ماہہ راہ یعنی ۸ درجے ۱۸ دقیقے ہو وہاں کی رؤیت

عہ: **اقول:** اور تدقیق ادق سے ۳۶۴۰۹ قدم اس لیے کہ زمین کا نصف قطر استوائی ۲۹۶ء ۳۹۶۳ میل ہے اور نیم قطر قطبی ۷۰ء ۳۹۴۹ پس نیم قطر معدل ۵۴۳ء ۳۹۵۶ پھر کمال تدقیق ادق سے قطر: محیط::۱: ۱۴۱۵۹۲۶۵ء ۳ لوغار شمس ۱۴۹۹۱۷۲۹۷ء ۰ ولوغارثم معدل ۵۹۷۳۱۵۹ء ۳ مجموعہ ۹۴۴۶۵۸ء ۳ پھر نسبت انصاف مثل نسبت اضعاف ہے تو ۱۸۰ کے لوگارثم ۲۵۵۲۷۲۵ء ۲ کو اس تفریق کیا بلکہ ۷۵ ۶۸۴۲۷۴ء ۷ جمع کیا حاصل ۸۳۹۱۹۳۳ء ۱ عدوش ۰۵۴۷ء ۶۹ یہ ایک درجہ محیطیہ کے میل ہُوئے اور گز ۱۲۱۵۳۶ تو قدم ۳۶۴۶۰۹ بالرفع یوں بھی وہی مطلب ثابت ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اب حاصل قسمت ۳۴۱۲۱۵۸ء ۸ ہوگا یعنی ۸ درجے ۲۰ دقیقے ۲۸ ثانئے ۲۳ ثالثے ۱۲ منہ غفر اللہ تعالٰی لہ (م)

معتبر ہو، مگر بنے گی یہ بھی نہیں کہ تفاوتِ عرض بھی قطعًا اختلافِ رؤیت لاتا ہے جس کے بعض وجوہ کی طرف ابھی اشارہ ہو چکا تو اُس کا نظر سے اسقاط ناممکن، تفاوت عرض سے یہاں تک تو ہوگا کہ ایک شہر میں ہلال مرئی ہو اور دوسرے شہر میں چاند اس وقت زیرِ زمین جاچکا ہو رؤیت و عدمِ رؤیت ہلال تو بالائے طاق رہی، غرض یُوں بھی ٹھیک نہیں آتی، اور حقیقتِ امر یہ ہے کہ تحدید کرنے والوں نے محض سرسری طور پر ایک حد کہہ دی تنقیح پر آیئے تو قیامت تک وُہ خود اس کی حد بست نہ کرسکیں گے۔

ثالثًا اس سب سے قطع نظر کیجئے تو اب ہمارا وُہ سوال متوجہ ہے کہ اس اعتبار اختلاف سے کیا مراد، آیا دو ۲ شہروں کا ایسا فصل کہ چاند جب اک میں مرئی ہو تو دوسرے میں رؤیت ہمیشہ ناممکن ہو، یہ وہ اختلافِ مطالع ہے جسے معتبر مانتے ہیں یا صرف ایسا فصل کہ ایک میں رؤیت ہونے کے ساتھ دوسرے میں رؤیت نہ ہونا ممکن ہو یہ معتبر ہے، بالجملہ بنظر فاصلہ بلدین دوسرے شہر میں عدمِ امکان چاہئے یا امکان عدم، اوّل تو یقینا باطل ہے دنیا میں کوئی فاصلہ ایسا نہیں کہ ایک جگہ ۲۹ کی رؤیت کو صرف نظر بفصل مسافت بے لحاظ خصوص حال ہلال حال دوسری جگہ محال کرتا ہو، اختلاف معتبر ماننے والوں نے بڑی حد یک ماہہ راہ بتائی، اور انہیں بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ہزارہا بار یہاں بھی ۲۹ کا چاند ہُوا اور یہاں سے مہینوں راہ کے فاصلے پر بھی ہُوا بلکہ جب یہاں ۲۹ کا ہو تو اس عرض میں غرب کو جتنا بڑھیے بدرجہ اولیٰ ۲۹ ہی کا ہوگا تو بالضرورۃ ثانی ہی مقصود اور اب بالیقین راہِ تحدید مسدود، مہینے بھر کی راہ تو بہت ہے، ۲۴ فرسخ کا فاصل جس پر تاج تبریزی نے ادعا کیا کہ اس سے کم ہیں اختلاف ممکن نہیں، اور علّامہ شامی نے براہِ تحسینِ ظن فرمایا کہ اُن کا یہ دعوٰی قواعد فلکیہ پر ہی مبنی ہوگا۔

اقول: ہر گز قواعد فلکیہ اس عدمِ امکان کے ساتھ مساعد نہیں بلکہ صراحۃً اس کا رد کرتے ہیں، ایک درجہ زمین یقینا ۲۴ فرسنگ سے کم ہے کہ یہ ۶۹ میل ہے اور وہ بہتّر، مگر ایک درجے بلکہ اس سے کم فصل غربی پر بھی اختلافِ رؤیت ممکن، درباره ہلال کہ کب صالح رؤیت ہوتا ہے اگرچہ اختلاف اقوال بکثرت ہے، اس میں دس قول تو اس وقت میرے پیش نظر ہیں جن کی وجہ وہی **ولوکان من عند غیر اللہ** (اگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا۔ت) ہے مگر متاخرین اہلِ ہیئت نے بعد تطاول تجارب جس پر استقرار رائے کیا، وہ یہ ہے کہ نیرین میں بُعد، سوا دس ۱۰ درجے سے زائد ہو اور بُعد معدل ۱۰ سے کم نہ ہو۔ زیچ سلطانی میں ہے:

اگر بُعد معدل میان دہ درجہ و دوازدہ درجہ باشد و بُعد سواء از دہ بیش تر باشد ہلال بتواں دید باریک[1]۔	بُعدِ معدل اگر دس ۱۰ اور بارہ درجہ کے درمیان ہو اور بُعد، سوا دس ۱۰ درجہ سے زائد ہو تو چاند ایک بار دیکھا جاسکتا ہے (ت

[1] زیچ سلطانی

علامہ عبدالعلی برجندی شرح میں فرماتے ہیں:

تاہر دو شرط وجود نگیر وہلال مرئی نہ شود و متعارف درین زمان این ست[1]۔	جب تک یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں چاند نظر نہیں آسکتا اور اس زمانہ میں یہی متعارف ہے(ت)

اب فرض کیجئے کہ یہاں وقتِ غروب بعد سواء ط حہ لظ یعنی دس درجے سے ایک دقیقہ کم تھا تو ہلال قابل رؤیت نہ تھا اور ایک درجہ حرکت وسطی ۴ دقیقہ میں ہے اور اس مدّت میں سبق قمر تقریبًا دو دقیقے بلکہ کبھی اس سے بھی زائد ہے تو جب قمر اس شہر سے ایک درجہ بلکہ کم فاصلے کے مقام رؤیت پر آیا بُعد دس درجے سے زائد ہوگیا اور رؤیت ہوگئی، اسی طرح ارتفاعِ قمر وغیرہ اختلاف کے ذرائع سے بھی تقریر مدعا ممکن، تو ثابت ہوا کہ ۲۴ بلکہ ۲۳ فرسخ سے کم بھی اختلاف ممکن ہے، اب کوئی راہ نہ رہی سوا اس کے کہ حد اصلًا نہ باندھیے بلکہ یا تو ہمیشہ ہر جگہ ہر ماہ کے لیے خصوص حال ہلال، حال و محال استہلال پر نظر کیجئے یا مطلقًا کہہ دیجئے کہ ایک شہر کی رؤیت دوسرے کے لیے اصلًا معتبر نہیں اگرچہ ۲۴ فرسخ سے بھی کم فاصلہ ہو، ثانی تو بالاجماع مردود ہے اختلاف معتبر ماننے والے بھی ایسے عموم واطلاق کے ہر گز قائل نہیں، اور اوّل کی طرف راہ نہیں، مگر انہیں حسابات دقیقہ طویلہ مرئی و عرض مرئی وانکسار اُفقی اختلاف منظر افقی و تعدیل الغروب وبُعد معدل وغیرہا کے ذرائع سے جن کے بعد بھی بہت اوقات سواظن و تخمین کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ یہ وہی محاسبات ہیں جن کو شریعتِ مطہرہ دربارہ ہلال یک لخت ساقط و باطل فرماچکی، تو بحمد اللہ تعالٰی نہ ہلال روشن بلکہ آفتاب پردہ برافگن کی طرح آشکار ہُوا کہ اختلاف مطالع معتبر ماننا ہی خلافِ تحقیق تھا اور یہ کہ وہ مؤید بحدیث نہیں بلکہ وہی حدیث مجمع علیہ کے ارشاد واجب الانقیاد سے دُور و سحیق تھا اور یہ کہ نہ صرف رمضان وشوال بلکہ کسی مہینے میں شرع مطہر اُس کی طرف اصلًا دعوت نہیں فرماتی اور یہ کہ ہمارے ائمہ کا مذہب مہذب اس اعلٰی درجہ تدقیق انیق پر ہوتا ہے کہ مدعیانِ تحقیق تک اس کی ہوا بھی نہیں آتی **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (تحقیق یُوں ہی ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔ت) کیا انہیں معلوم نہ تھا اختلاف مطالع ہوتا ہے، ضرور معلوم تھا، مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتے تھے کہ اسکا فتح باب اسی حساب ناقص النصاب کی طرف کھینچ کر لے جائے گا، جسے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رَد فرماچکے ہیں، لاجرم صاف فرمادیا کہ اختلاف مطالع اصلًا معتبر نہیں **ان اللہ امدہ لرؤیتہ**[2] حق تعالٰی نے مدار رؤیت پر رکھا ہے، اگر رؤیت ثبوت شرعی سے ثابت ہے اگرچہ کتناہی فاصلہ ہو، اور نہیں تو نہیں اگرچہ کتنا ہی قریب ہو، اور یہیں سے ظاہر

---

[1] شرح زیج سلطانی لعبد العلی البرجندی

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۹

ہوا کہ درباره صلوات اختلافِ مطالع پر اس کا قیاس محض مع الفارق ہے حساب طلوع و غروب و صبح و شفق و مثل اول وثانی واضحاک جلیلہ ومنضبطات کلیہ ہیں بخلاف حساباتِ رؤیت ہلال کہ قدمائے اہل ہیئت نے اپنے بوتے کا روگ نہ پا کر سرے سے اس کی طرف التفات ہی نہ کیا اور متاخرین نے ہزار اضطراب واختلاف کے بعد آخر علّامہ برجندی کی طرح لکھ دیا کہ، بالجملہ ضبط آں برسبیل تحقیق متعسرست بلکہ متعذر (رؤیت ہلال کا تحقیقی ضابطہ انتہائی مشکل اور متعذر ہے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہُوا کہ یک ماہہ راہ پر اختلافِ مطالع کو بحسبِ قواعد مبرہنہ علمِ ہیئت ماننا جیسا کہ مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی سے اپنے فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۳۰۹ پر واقع ہوا، محض قلّتِ تدبّر سے ناشئ تھا، نیز ہماری تقریر سے ظاہر ہُوا کہ اختلافِ مطالع کے یہ معنی قرار دینا کہ ایک شہر میں رؤیت ہو سکتی ہے دُوسرے میں نہیں جیسا کہ اُنہیں سے اُسی صفحہ پر واقع ہوا، محض باطل ہے یہاں ہر گز امکان وامتناع کا اختلاف نہیں بلکہ وقوع وامکان عدم کا، **کما اوضحناسابقا** (جیسا کہ سابقہ گفتگو میں ہم نے اسے واضح کردیا ہے۔ت) خود مولوی صاحب مذکور نے اسی فتوے کے آخر میں صفحہ ۳۱۰ پر حق کی طرف رجوع کرکے اختلافِ مطالع کے معنی یُوں لکھے: "یہ ممکن ہے کہ ایک جگہ ہلال دیکھا جائے اور دوسری جگہ نہیں۔" یہ عبارت پھر بھی متحمل ہے، جلد دوم ص ۱۴۷ پر صاف تر لکھا: "اگر دو شہروں میں اس قدر بُعد مسافت ہے کہ اختلاف مطالع ہوتا ہے اور یہ ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ طلوع ہلال ہو اور دوسری جگہ اس روز نہ ہو۔" اور ایک امام زیلعی کے "اشبہ" لکھ دینے پر مولوی صاحب مذکور کا فرمانا کہ "یہی مذہب محدثین حنفیّہ کا ہے" محض دعوی ہے، زیلعی صاحبِ مذہب نہیں نہ محدثینِ حنفیّہ ان میں منحصر، ابو حنیفہ وابویوسف ومحمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کے برابر کون سے محدثین ہوں گے جن کا مذہب عدم اعتبار اختلاف مطالع ہے، اور محدثی اگر محدثین ومتاخرین ہی سے خالص ہے تو بالغ مرتبہ اجتہاد امام ابن الہمام کیا کم محدث ہیں، جو فرما چکے کہ، ظاہر الروایۃ ہی پر عمل احوط ہے۔ رہی حدیث کریب کہ انہوں نے ملک شام میں رمضان مبارک کا چاند شبِ جمعہ کو دیکھا پھر مدینہ طیبہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آکر بیان کیا انہوں نے فرمایا ہم نے شب شنبہ میں دیکھا تو ہم اپنے ہی حساب سے ۳۰ پُورے کریں گے، کریب نے کہا کیا آپ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رؤیت وحکم پر اکتفانہ کرینگے فرمایا: **لا، ھکذاامرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[1] (نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں یہی حکم دیا۔ت) جس سے امام زیلعی نے استناد کیا اور اس کی بناپر مولوی صاحب مذکور نے اسے موافقِ حدیث بتایا۔ **اقول: حدیث مذکور واقعۃ عین لاعموم لھا** (یہ ایک خاص

---

[1] جامع ترمذی ابواب الصیام امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۸۷

واقعہ ہے اس کا حکم عمومی نہیں۔ت) بحال صفائے مطلع بکثرت ائمہ ایک کی گواہی نہیں مانتے ممکن کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اسی بناپر نہ مانی ہو، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حکم تو بے نصاب شہادت ثابت ہو ہی نہ سکتا تھا، تنویر میں ہے:

شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا الخ[1]	گواہوں نے کہا کہ انہوں نے قاضیِ شہر کے پاس اس طرح گواہی دی ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ شھدوا من اطلاق الجمع علٰی مافوق الواحد وفی بعض النسخ شھدا بضمیر التثنیۃ وھو اولٰی[2]۔	قولہ "شھدوا" یہاں جمع کا اطلاق ایک سے زائد پر ہے، بعض نسخوں میں ضمیر تثنیہ کے ساتھ شھدا ہے اور یہی اولٰی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یلزم اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب کما مرّ[3]۔	اہل مشرق پر اہل مغرب کی رؤیت روزہ رکھنا لازم تب آئے گا جب ان کی رؤیت بطریق موجب شرعی ثابت ہوگی جیسا کہ گزرا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کان یتحمل اثنان الشھادۃ او یشھدا علی حکم القاضی او یستفیض الخبر[4]۔	دو آدمی شہادت پر شہادت دیں یا حکمِ تام پر شہادت دیں یا خبر مشہور ہو۔(ت)

لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے لا فرمایا: بنگاہِ اولیں یہ جواب فقیر کے خیال میں آیا تھا، پھر دیکھا امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور جواب دیا اور اس کے بعض کی طرف بھی اشارہ کیا، فرماتے ہیں:

قد یقال ان الاشارۃ فی قولہ	یُوں کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کے ارشاد

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۲

[3] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۹

[4] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع مصطفی البابی مصر ۲/۱۰۵

ھکذا الی نحوماجری بینه وبین ام الفضل و حینئذ لادلیل فیه لان مثل ماوقع من کلامه لو وقع لنا لم نحکم به لانه لم یشھد علی شھادۃ غیرہ ولا علی حکم الحاکم .فان قیل اخبارہ عن صوم معاویة یتضمنه لانه الامام یجاب بانه لم یات بلفظ الشھادۃ ولو سلم فھو واحد لا یثبت بشھادته وجوب القضاء علی القاضی واللہ سبحانه و تعالٰی اعلم والاخذ بظاھر الروایة احوط اھ[1] **اقول:** لکن فی الحدیث قال انت رایته قلت نعم[2] و الاخبار فی رمضان کاف فماذکر الفقیر اولی۔	ھٰکذا میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ان کے اور حضرت ام فضل کے درمیان جاری ہوئی تو اب یہ دلیل نہیں کیونکہ ان کے کلام کی طرح ہمارے سامنے معاملہ آجائے تو ہم اس پر فیصلہ نہیں کریں گے کیونکہ ایسا بیان کرنے والے نے نہ تو کسی کی شہادت پر گواہی دی ہے اور نہ کسی حاکم کے فیصلہ پر، اگر کوئی سوال اٹھائے کہ حضرت معاویہ کے روزہ کی اطلاع اس گواہی کو متضمن ہے کیونکہ وہ امیر تھے، اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ یہاں لفظ شہادت کا ذکر نہیں، اور اگر اس بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو وہ تنہا ہیں، تو ان کی شہادت سے قاضی پر قضا کا فیصلہ لازم نہ ہوگا اللہ تعالٰی بزرگ و برتر بہتر جانتا ہے اور ظاہر الروایۃ پر عمل احوط ہے اھ **اقول:** حدیث میں ہے تونے اسے دیکھا ہے، میں نے کہا ہاں، اور رمضان کے لیے یہ اطلاع ہی کافی ہے، تو بندہ حقیر نے جو ذکر کیا وہ اولٰی ہے (ت)

معہذا مولوی صاحب مذکور کو حدیث سے استناد اس وقت پہنچتا کہ دمشق ومدینہ طیبہ میں یک ماہہ راہ کا فصل ثابت کیا جاتا ورنہ حدیث خود ان کے بھی مخالف ہوگی کما لا یخفی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) یہاں ایک امر یہ بھی قابلِ تنبیہ ہے کہ مولوی صاحب مذکور نے اپنے فتاوٰی میں تین جگہ عبارتِ تاتارخانیہ:

اھل بلدۃ اذا رأو الھلال ھل یلزمه ذٰلك فی حق کل بلدۃ اخری اختلف المشائخ فیه. فبعضھم قالو الا یلزم ذٰلك فانما المعتبر فی حق اھل بلدۃ رؤیتھم وفی الخانیة لا عبرۃ لاختلاف المطالع فی ظاھر الروایة وفی القدوری	جب ایک شہر والوں نے چاند دیکھا تو کیا ہر شہر والوں پر روزہ لازم ہوگا؟ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے اس سے روزہ لازم نہیں، ہر شہر والوں کے حق میں ان کی اپنی رؤیت ہی معتبر ہے۔ خانیہ میں ہے ظاہر الروایت کے مطابق اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اور قدوری

[1] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳
[2] فتح القدیر کتاب الصوم نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۴۳

اذاکان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع یلزمه وذکر شمس الائمة الحلوانی انه الصحیح من مذهب اصحابنا[1]۔	میں ہے جب دونوں شہروں کے درمیان اتنا تفاوت ہو جس سے مطالع میں اختلاف نہ ہو تو لازم ہوگا، شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا ہے کہ ہمارے مذہب میں صحیح یہی ہے۔(ت)

نقل کی اور ظاہرًا خیال کیا کہ تصحیح امام شمس الائمہ اعتبار اختلاف کی طرف ناظر ہے حالانکہ وہ **مذهب اصحابنا** فرمارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ **مذهب اصحابنا** نہیں مگر ظاہر الروایۃ **کما قدمنا نقوله فیما سبق** (جیسا کہ ہم نے پہلے تذکرہ کردیا ہے۔ت) اور ظاہر الروایۃ نہیں مگر عدم اعتبار اختلاف جیساکہ خود مولوی صاحب کو اعتراف، ج ۲ص ۱۶۲ پر لکھا:

نزد اکثر مشائخ حنفیه موافق ظاهر الروایة اختلاف مطالع رامطلقا اعتبار نیست[2]۔	ظاہر الروایۃ کے موافق اکثر مشائخ حنفیّہ کے نزدیک اختلافِ مطالع کامطلقًا اعتبار نہیں(ت)

ج ۲ص ۱۶۷ پر کہا: جب کسی شہر میں ثابت ہوجائے کہ فلاں شہر میں چاند ہوا تو ان پر موافق اس کے حکم دیا جائے گا گو دونوں شہروں میں بُعدِ مسافت ہو اور یہی ظاہر الروایۃ ہے[3]۔

لاجرم پھرغنیه ذوی الاحکام میں فرمایا:قال الامام الحلوانی الصحیح من مذهب اصحابنا ان الخبر اذا استفاض فی بلدة اخری وتحقق یلزمهم حکم تلك البلدة[4]۔	امام حلوانی نے فرمایا ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہی ہے کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور و متحقق ہوجائے تو پھر دوسرے شہر والوں پر پہلے اہلِ شہر کا حکم لازم ہوگا۔(ت)

مسلک متقسط شرح منسک متوسط میں فرمایا:

ان ثبت فی مصر لزم سائر الناس فی ظاهر الروایة و علیه اکثر المشائخ	جب شہر میں ثبوت ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق باقی لوگوں پر لازم ہوگا، اکثر مشائخ کی یہی

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحہ کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۵، ۲۷۵، ۲۷۳، فتاوٰی تاتارخانیہ کتاب الصوم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۵

[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحہ کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۷۴

[3] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحہ کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۲۶۶

[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ دررالحکام کتاب الصوم احمد کامل الکائنہ فی دارالسعادت بیروت ۱/۲۰۱

وبہ کان یفتی ابو اللیث وشمس الائمۃ الحلوانی وھو مختار صاحب التجرید والکافی وغیرھم من المشائخ[1]۔	رائے ہے، فقیہ ابواللیث اور شمس الائمہ حلوانی نے بھی اسی پر فتوٰی دیا ہے، صاحبِ تجرید وکافی اور دیگر مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے۔(ت)

خلاصہ وعالمگیریہ وغیرہما معتمدات میں فرمایا:

علیہ فتوی الفقیہ ابی اللیث وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوانی قال لورأی اھل مغرب ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل المشرق[2]۔	فقیہ ابواللیث کا اسی پر فتوٰی ہے، شمس الائمہ اسی پر فتوٰی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اہلِ مغرب رمضان کا چاند دیکھ لیں تو اہلِ مشرق پر رمضان کا روزہ لازم ہوجائے گا(ت)

دیکھو کیسی صریح تصریحات ہیں کہ امام شمس الائمہ کا فتوٰی اسی پر ہے کہ اختلافِ مطالع اصلاً معتبر نہیں، بالجملہ بعد اس جاننے کے کہ اختلاف مطالع کا نامعتبر ہونا ہی ظاہر الروایۃ ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور وہی معتمد جمہور وقولِ کثیر ہے، اس سے عدول کی کوئی راہ نہیں مگر الحمدللہ مولوی لکھنو صاحب نے اپنے فتاوٰی کی جلد سوم میں حق کی طرف صاف رجوع کی، صفحہ ۷۶ پر کہتے ہیں:

سوال: رؤیت یکجا مفید حکم بجائے دیگرے شود یا آنکہ اختلاف مطالع معتبر ست۔ **جواب:** اختلافِ مطالع معتبر نیست و حکم یکجا مفید حکم بجائے دیگرے شود اگر خبر رؤیت مشتہر شود وانتشار پذیرد ودر مختار مے آرد واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاھر المذھب وعلیہ الکثر المشائخ وعلیہ الفتوٰی بحر عن الخلاصۃ انتھی درجامع رموز مے آرد الصحیح من مذھب اصحابنا انہ یلزم	**سوال:** آیا ایک جگہ رؤیت کا حکم دوسری جگہ پر لاگو ہوتا ہے یا اختلافِ مطالع معتبر ہے؟ **جواب:** اختلافِ مطالع ک اعتبار نہیں ہے اور ایک جگہ کا حکم دوسری جگہ کے لیے معتبر و مفید ہوتا ہے جبکہ خبر مشہور ہوکر اطراف میں پھیل جائے، ظاہر مذہب میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اکثر مشائخ کا یہی قول ہے اور فتوٰی بھی اسی پر ہے کذافی البحر عن الخلاصہ انتھی، اور جامع الرموز میں یہ مذکور ہے ہمارے ائمہ کا صحیح مذہب یہی ہے

[1] مسلک متقسط شرح منسک متوسط فصل فی اشتباہ یوم عرفہ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصوم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۹۹-۱۹۸

اذااستفاض الخبر فی البلدۃ الاخری [1]۔ملخصًا۔	کہ جب خبر دوسرے شہر میں مشہور ہوجائے تو روزہ لازم ہوجاتا ہے۔(ت)

یہ وہی صحیح من مذھب اصحابنا ہے کہ پہلے قول خلاف کی طرف منسوب سمجھا گیا تھا اور ایک اور سوال کے جواب میں بھی مطلقًا مقام بعید کی شہادت مقبول مانی، ص ۷۴و ۷۳:

سوال: گواہان بروز بست ونہم از رمضان گواہی دادند کہ ماہلال رمضان یک روز قبل دیدہ ایم کہ بداں حساب امروز سیم رمضان ست پس شہادت ایشاں مقبول خواہد شد یانہ؟ **جواب:** اگر گواہاں ہمانجا بودند وازاول رمضان ساکت ماندہ بست ونہم رمضان گواہی دادند گواہی ایشاں مقبول نخواہد شد و اگر از سفر از مقام بعید می آیند شہادت مقبول خواہد شد کذافی الخلاصۃ [2]۔	**سوال:** گواہوں نے ۲۹ رمضان کو یہ گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند ایک روز پہلے دیکھا تھا اس حساب سے آج ۳۰ رمضان بنتا ہے تو ان گواہوں کی گواہی مقبول یا نہ؟ **جواب:** اگر گواہ اسی مقام کے رہنے والے ہوں اور رمضان کے پہلے دن خاموش رہے اور اب ۲۹ رمضان کی گواہی دے رہے ہیں تو ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر کہیں دور کے مقام سے سفر کرکے آئے ہوں تو ان کی شہادت قبول کی جائیگی کذا فی الخلاصہ۔(ت)

یہ تیسری جلد مولوی صاحب نے آپ ہی سوالات قائم کرکے لکھی ہے اور اس میں بہت جگہ پہلی جلدوں کے اغلاط کی اصلاح کردی ہے اُن کے فتاوٰی دیکھنے والے کو اس کا لحاظ ضرور ہے، مدت سے خیال تھا کہ مسئلہ اختلاف مطالع میں ایک بیان شافی لکھا جائے کہ ابرِ اختلاف اُٹھ کر مطلع صاف نظر آئے، الحمد ﷲ کہ آج کا وقت آیا وﷲالحمد فی الاولٰی والاخری وصلی اللہ تعالٰی علی بدرتجلی من البطحاء وعلٰی اٰلہ وصحبہ نجوم الھدی۔

سیزدھم نیم صاع گیہوں سے روزے کا فدیہ اور فطر کا صدقہ ہے ایک سو پینتیس تولہ ہے انگریزی سے اسّی ۸۰ روپے بھر ہے اور روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے آدھ پاؤ کم دوسیر نہ ہوا بلکہ تین چھٹانک اور بیسواں حصہ چھٹانک کا کم دوسیر، جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی جلد [3] "صدقہ فطر کے بیان" میں

[1] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحہ لکھنوی باب رؤیۃہلال مطبع یوسفی لکھنو ۳/ ۷۱-۷۰

[2] مجموعہ فتاوٰی محمد عبدالحہ لکھنوی باب رؤیۃہلال مطبع یوسفی لکھنو ۳/ ۷۱

[3] فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ہذا صفحہ ۲۳۹

مشرحًا بیان کیا ہے اور یہ فتوٰی تحفہ حنفیہ عظیم آباد میں چھپ بھی گیا ہے اور بریلی کے سیر سے کہ پورے سَو روپے بھر کا ہے ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی اور رامپور کے سیر سے کہ چھیانوے کا ہے پورا ڈیڑھ سیر، فاحفظ ولاتزل

چہار دہم جس نے بعذر شرعی روزہ نہ رکھا اسے دقت نہ ہو تو حرمت ماہ مبارک کے لحاظ سے حتی الوسع چھپا کر کھانا پینا چاہئے مگر کسی روزہ دار کے سامنے کچھ نہ کھانے کا مطلقًا وجوب محتاج دلیل ہے۔

پانزدہم کاغذ یا کنکر یا خاک وغیرہا اشیا کو کہ نہ دوا ہیں نہ غذا، نہ مرغوبِ طبع، اگر تل بھر نہیں پیٹ بھر کھالے گا صرف قضا ہوگی کفارہ نہ آئے گا۔ یونہی روزہ توڑنا عمدًا حقنہ وغیرہا اشیائے مذکورہ مابعد کو بھی شامل، مگر اس میں کفارہ نہیں۔ نیز کفارہ صرف ادا روزہ رمضان کے توڑنے میں ہے، جبکہ یہ نہ صاحبِ عذر تھا نہ اُس دن میں کوئی آسمانی عذر مثل حیض یا مرض پیدا ہو جائے، نہ ہی توڑنا کسی کے جبر و اکراہ سے ہو اور روزے کی نیت رات سے کی ہو، درمختار میں ہے:

ثم انما یکفر ان نوی لیلا ولم یکن مکرھا ولم یطرأ مسقط کمرض وحیضٍ[1]۔	پھر کفارہ تب ہوگا جب تک رات کو نیت کی ہو اور مجبور بھی نہ ہو اور کفارہ چھوڑنے کا کوئی عارضہ مثل مرض و حیض وغیرہ کے لاحق نہ ہوا ہو (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ مسقط ای سماوی لاصنع لہ فیہ ولا فی سببہ، رحمتی[2]۔	قولہ مسقط یعنی وہ عارضہ سماوی جس میں بندے کا کوئی دخل نہ ہو اور نہ اس کے سبب میں دخل ہو، رحمتی۔ (ت)

تو یہ اشتہاری مطلق احکام سب غلط ہیں۔

شانزدہم کفارے میں شرعًا ترتیب ہے سب میں پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، اس کی طاقت نہ ہو تو دو۲ مہینے کے لگاتار روزے، یہ بھی نہ ہوسکے تو اخیر درجہ ساٹھ مسکین کما نص اللہ تعالٰی علیہ فی اٰیۃ الظھار (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے آیتِ ظہار میں تصریح فرمادی ہے۔ت) غلام آزاد کرنا تو شاید اشتہار میں اس لیے مذکور نہ ہُوا کہ یہاں غلام کہاں، مگر روزوں اور ساٹھ مسکینوں میں ترتیب نہ رکھنا صحیح نہیں،

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[2] ردالمحتار مطلب فی الکفارۃ مصطفی البابی مصر ۱/۱۲۰

یہ اگر جہل نہ ہو تو سخت تر ہے کہ تجہیل و تضلیل ہے۔

ہفدہم جلق سے روزہ نہیں ٹوٹتا جب تک اس سے انزال نہ ہو۔ درمختار میں ہے: **استمنی بہ ولم ینزل**[1] (مشت زنی کی، انزال نہ ہُوا تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔) تو یہ اطلاق بھی غلط ہے۔

ہیجدہم قصداً قے کرنے سے بھی روزہ نہیں جاتا مگر جبکہ روزہ یاد ہونے کی حالت میں منہ بھر کر ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لافطر فی الکل علی الاصح الا فی الاعادۃ والاستقاء بشرط الملأ مع التذکیر شرح الملتقی[2]۔	اصح قول کے مطابق ان تمام میں افطار نہ ہوگا البتّہ اس صورت میں جب قے کو لوٹائے یا خود قے کرے بشرطیکہ منہ بھر کر ہو روزہ ہونا یاد ہو، شرح الملتقی (ت)

نوزدہم مفطرات غیر مکفرات مثل حقنہ وغیرہا کا مطلقاً دوبارہ کرنا موجب کفارہ نہیں جب تک بقصد معصیت نہ ہو۔ درمختار میں ہے:

کل ما انتفی فیہ الکفارۃ محلہ ما اذا لم یقع ذلک منہ مرّۃ بعد اخری لاجل قصد المعصیۃ فان فعلہ وجبت زجرا لہ[3]۔	جس صورت میں کفارہ لازم نہ ہو اس کا محل یہ ہے کہ جب اس شخص سے وہ فعل بتکرار گناہ کے قصد سے صادر نہ ہو، پس اگر اس فعل کو مکرر کرے گا تو زجراً کفارہ واجب ہوگا۔ (ت)

اور اس عبارت سے اگرچہ علامہ طحطاوی نے یہ استظہار کیا کہ دو ہی بار کرنے میں کفارہ واجب کردیں گے اور علامہ شامی نے اسے نقل کرکے مقرر رکھا مگر اس معنی پر جزم انہیں بھی نہیں، اتنا ہی فرمایا ہے:

ظاھرہ انہ بالمرۃ الثانیۃ تجب علیہ الکفارۃ ولو حصل فاصل بایام[4]۔	ظاہر یہ ہے کہ اگر دوسری دفعہ کیا تو کفارہ لازم اگرچہ درمیان میں متعدد ایام کا فاصلہ ہو (ت)

اور فقیر کے نزدیک یہ ہنوز محتاج مراجعت ہے، اگر یہ مراد ہوتی تو **مرۃ اخری** (دوبارہ کرنا۔ت) کہنا کافی تھا **مرۃ بعد اخری** (بار بار کرنا۔ت) ظاہراً بار بار تکرار کی طرف ناظر ہے **فلیراجع و**

---

[1] درمختار باب مایفسد الصوم ومالایفسدہ، مجتبائی دہلی ۱/۱۵۰

[2] ردالمحتار مطلب فی الکفارۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۰

[3] درمختار باب مایفسد الصوم الخ مجتبائی دہلی ۱/۱۵۱

[4] ردالمحتار باب مایفسد الصوم الخ مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۵

لیحرر (غور طلب ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

بستم حاملہ کو بھی مثل مرضعہ روزہ نہ رکھنے کی اجازت اسی صورت میں ہے کہ اپنے یا بچّہ کے ضرر کا اندیشہ غلبہ ظن کے ساتھ ہو نہ کہ مطلقاً جیسا کہ اشتہار نے زعم کیا۔

بست ویکم جب رکعاتِ تراویح میں اختلاف پڑے کہ بیس ۲۰ پڑھیں یا اٹھارہ ۱۸، تو اس میں نہایت کثرت سے مختلف صورتیں ہیں، اُن کی تمام تر تفصیل اور اُن کے اصول کی تاصیل اور اُن کے احکام تحقیق و تحصیل فقیر نے تعلیقاتِ ردالمحتار میں ذکر کی یہاں اجمالاً اتنا گزارش کہ نہ مطلقاً اختلاف امام و قوم کی حالت میں مقتدیوں کو دو ۲ رکعت پڑھنے کا حکم، نہ مطلقا تنہا پڑھنے کا حکم، نہ یہ حکم مطلقاً امام کو کسی عدد پر یقین نہ ہونے کے ساتھ خاص، مثلاً مقتدیوں کا یقین ہے کہ بیس ہو گئیں اور امام کو شک تھا یا اٹھارہ کا یقین ہی ہے تو مقتدی اصلاً دو ۲ رکعت نہ پڑھیں گے، نہ جماعت سے نہ تنہا، کہ جب اُنہیں تراویح کامل ہوجانے کا یقین ہے تو اب اُنہیں امام کے شک یا یقین سے زیادہ کا کیونکر حکم ہوسکتا ہے، اپنے جزم پر غیر کا جزم بھی حاکم نہیں ہوسکتا نہ کہ شک، ردالمحتار میں ہے:

لو تیقن الامام بالنقص لزمهم الاعادة الامن تیقن منهم بالتمام [1]۔	اگر امام کو کم کا یقین ہو تو ان پر اعادہ لازم ہے مگر ان میں سے جسے تکمیل کا یقین ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لان یقینه لایبطل بیقین غیره [2]۔	کیونکہ اس کا یقین کسی دوسرے کے یقین سے باطل نہیں ہوسکتا۔ (ت)

اور اگر مقتدیوں کو ۱۸ کا یقین ہے اور امام کو بیس ۲۰ کا شک ہو تو خود امام بھی دو اور پڑھے گا اور یقین مقتدیاں کی اقتداء کرے گا اور جماعت سے پڑھی جائیں گی۔ درمختار میں ہے:

لو اختلف الامام والقوم فلو الامام علی یقین لم یعد والااعاد بقولهم [3]۔	اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان اختلاف ہوگیا اگر امام کو یقین ہو تو اعادہ نہ کرے اور اگر یقین نہ ہو تو مقتدیوں کا قول معتبر ہونے کی وجہ سے اعادہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۰۷

[2] فتح القدیر باب سجود السہو نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۵۷

[3] درمختار باب سجود السہو مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۳

فتح القدیر میں ہے:

ان اعاد الامام الصلٰوۃ واعادوامعہ مقتدین بہ صح اقتدائھم[1]۔	اگر امام نے اعادہ نماز کیا اور لوگوں نے اس کی اقتدا میں اعادہ کیا توان کی اقتدا درست ہوگی (ت)

بست ودوم حافظ کہ ایک بار ختم کرچکا اب دوسری تاریخوں میں دوسری جگہ سنانا چاہتا ہے جہاں ابھی لوگوں نے قرآن عظیم نہیں سُنا ہے تومذہب صحیح ومعتمد پر اس کے عدمِ جواز کی اصلاً کوئی وجہ نہیں نہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہونے کے کوئی معنی، ظاہر ہے کہ ان راتوں میں وہ بھی تراویح ہی پڑھے گا نہ کہ نفل محض، توضرور تراویح کا امام ہوسکتا ہے اور جب امامِ تراویح ہوسکے گا تو دوبارہ قرآن عظیم پڑھنے سے کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، اور جب اس سے ممنوع نہیں تو بلاشبہ جو کچھ قرآن عظیم اُس میں پڑھے گا وُہ تراویح صحیحہ مسنونہ ہی میں ہوگا، پھر ثواب نہ ملنا چہ معنٰی، اور اس کی یہ تعلیل کہ "وہ اب نفل سناتا ہے اور مقتدی واجب سُننا چاہتے ہیں" اس سے بھی زیادہ فاسد وعلیل۔ تراویح میں پہلا ختم بھی واجب نہیں صرف سنّت ہی ہے اور دوبارہ ختم کرنا اگرچہ حافظ پر سنّت مؤکدہ نہ تھا مگر یہ قبل ایقاع ہے بعد وقوع سنّت درکنار جتنا پڑھے گا فرض ادا ہوگا کہ نماز میں فرض ابتدائی اگرچہ ایک ہی آیت ہے مگر سارا قرآن عظیم اگر ایک رکعت میں پڑھے سب فرض ہی واقع ہوتا ہے لانہ فرد فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ[2] (کیونکہ یہ بھی (ارشاد باری تعالٰی) "جو قرآن میں سے آسان ہے پڑھو" کافرد ہے۔ت) ولہٰذا اگر سُورت بھول کر رکوع میں چلا جائے پھر رکوع میں یاد آئے تو حکم ہے کہ رکوع کو چھوڑے اور کھڑا ہو کر سُورت پڑھے اور پھر رکوع کرے حالانکہ ضم سورت صرف واجب تھا اور واجب کے لیے رفض فرض جائز نہیں جیسے قعدہ اولٰی بُھول کر جو سیدھا کھڑا ہوجائے اب اُسے عود حلال نہیں کہ قعدہ واجب تھا اور قیام فرض ہے مگر سورت جو پڑھے گا یہ بھی فرض واقع ہوگی تو فرض کے لیے رفض فرض ہوا، ولہٰذا اگر کھڑا ہو کر سُورت پڑھے اور اس خیال سے کہ رکوع تو پہلے کرچکا ہُوں دوبارہ رکوع نہ کرے نماز باطل ہوجائیگی کہ فرض کے لیے جو فرض چھوڑا گیا وُہ جاتا رہا تھا اس پر فرض تھا کہ رکوع دوبارہ کرتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی المبتغٰی لوسھا عن السورۃ فرکع یرفض الرکوع و یعود الی القیام ویقرأ اھ فی البحر انہ اذا عاد و قرأ السورۃ	المبتغٰی میں ہے اگر سُورت پڑھنا بھول گیا رکوع کرلیا تو رکوع چھوڑ کر قیام کی طرف لوٹ آئے اور قرات کرے اھ بحر میں ہے جب لوٹ کر سُورت پڑھی تو سورت بطور

[1] فتح القدیر باب سجود السہو نوریہ رضویہ سکھر ۱/۴۵۷

صارت فرضا فقد عاد من فرض الٰی فرض لان کل فرض طولہ یقع فرضا[1] اھ ملتقطا	فرض ادا ہوگی تو یہ ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف لوٹا ہُوا کیونکہ ہر فرض کی طوالت بھی فرض میں شامل ہوئی ہے اھ ملتقطا (ت)

ایک بار ختم کرکے دُوسری راتوں میں دوسرا ختم نئے لوگوں کو سنانا تو نہایت صاف امر ہے اگر بالفرض کوئی شخص آج اپنی تراویح پڑھ کر آج ہی رات اور لوگوں کی امامت تراویح میں کرے اور قرآن عظیم سنائے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس قرآن سُننے کا ثواب نہ ہوگا۔ روایت مختارہ امام قاضی خاں پر تو ظاہر ہے کہ وہ متنفل محض کے پیچھے تراویح کی اقتداء بلا کراہت جائز مانتے ہیں، صرف امام کے حق میں کراہت کہتے ہیں اگر نیتِ امامت کرے ورنہ اس پر بھی کراہت نہیں، خانیہ میں فرمایا:

لوصلی العشاء والتراویح والوتر فی منزلہ ثم ام قوما اٰخرین فی التراویح ونوی الامامۃ کرہ ولایکرہ للقوم، ولو لم ینوالامامۃ اولاو شرع فی الصلٰوۃ و اقتدی بہ الناس فی التراویح لم یکرہ لواحد منھما[2]۔	اگر کسی نے نماز عشاء، تراویح اور وتر گھر ادا کئے پھر تراویح میں لوگوں کی امامت کی نیّت سے تراویح کی امامت کی تو یہ مکروہ ہے لیکن قوم کے لیے یہ مکروہ نہیں ہے اور اگر اوّلاً اس نے امامت کی نیت نہ کی نماز میں شروع ہُوا تھا کہ لوگوں نے تراویح میں اقتدا کرلی تو اب کسی کے حق میں کراہت نہیں۔ (ت)

اور روایت مختارہ امام شمس الائمہ سرخسی پر اگرچہ یہ ناجائز ہے اور ان لوگوں کی تراویح نہ ہوں گی،

لان التراویح سنۃ مستقلۃ شرعت بوجہ مخصوص فلا تتأدی الابہ۔	کیونکہ نماز تراویح مستقل سنّت ہے جو وجہ مخصوص پر مشروع ہے تو یہ اسی وجہ مخصوص کے ساتھ ہی وُہ ادا ہوگی (ت)

اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

الامام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال لایجوز۔[3]	ایک امام جو دو مساجد میں مکمل طور پر نمازِ تراویح پڑھائے تو یہ جائز نہیں ہے (ت)

[1] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی ۱/۵۰۰

[2] فتاوٰی قاضیخان فصل فی نیۃ التراویح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۱۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

اسی میں جامع المضمرات شرح قدوری سے ہے: الفتوی علی ذٰلک[1] (فتوٰی اسی قول پر ہے۔) جوہرہ نیرہ میں ہے:

لو صلی امام التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال قال ابو بکر الاسکاف لایجوز وقال ابو نصر یجوز لاھل المسجدین واختار ابو اللیث قول الاسکاف وھو الصحیح[2]۔	اگر کوئی امام دو مساجد میں مکمل طور پر نماز تراویح پڑھائے تو شیخ ابو بکر اسکاف نے فرمایا یہ جائز نہیں، اور شیخ ابو نصر نے کہا دونوں مساجد والوں کے لئے جائز ہے، شیخ ابو اللیث نے اسکاف کے قول کو اختیار کیا اور یہی صحیح ہے (ت)

نیز ہندیہ میں محیط سے ہے:

لوصلی التراویح مقتدیا بمن یصلی مکتوبۃ او وترا ونافلۃ الاصح انہ لایصح الاقتداء بہ لانہ مکروہ مخالف لعمل السلف[3]۔	اگر کسی نے نماز تراویح ایسے شخص کی اقتدا میں ادا کی جو فرض یا وتر یا نفل پڑھا رہا تھا تو یہ اقتداء درست نہیں کیونکہ یہ مکروہ اور عملِ اسلاف کے مخالف ہے (ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز ہی نہ ہوگی، تراویح نہ ہونا اور بات ہے اور نماز نہ ہونا اور بات،

الاتری انہ انما علل بالکراھۃ ومخالفۃ الماثور وھما لاینفیان الاقتداء ولا یفسدان الصّلوٰۃ۔	آپ نے دیکھا نہیں کہ علت کراہت اور مخالفت ماثور کو قرار دیا گیا ہے اور یہ دونوں اقتداء کے منافی نہیں اور نہ ہی نماز کو فاسد کرتی ہے (ت)

تو وہ نماز اگرچہ تراویح نہیں یقینا نماز صحیح و نفل محض ہے اور نفل محض میں بھی استماعِ قرآن فرض ہے اور اس ادائے فرض پر ثواب نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تو قرآن سننے کا ثواب یہاں بھی ہے ہاں روایت مفتی بہا پر اس صورت خاصہ میں یعنی جبکہ امام اپنی تراویح پڑھ کر اُسی رات اوروں کی امامت کرے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تراویح میں ختم قرآن کا انہیں ثواب نہ ملے گا کہ یہ تراویح نہیں، اور صورتِ اولٰی میں تو اس کی طرف بھی اصلا راہ نہیں کہ وہ نماز بلا شبہ تراویح اور وہ ختم ختم فی التراویح ہے، بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحہ صاحب

[1] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۶

[2] الجوہرۃ النیرہ باب قیام شہر رمضان مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/۱۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۷

لکھنوی کا اتباع کیا ہے۔ مولوی صاحب لکھنوی خزانۃ الروایات سے ناقل ہیں:

قال السغناقی، امام ختم فی التراویح مرۃ و ختم ثانیا بغیر ھذا القوم لایخرج ھذا القوم الثانی عن السنیۃ لان الامام خرج السنیۃ فصار لہ نفلا فیدرکون ثواب صلٰوۃ النفل ولایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح[1]۔	شیخ سغناقی کہتے ہیں امام نے ایک مرتبہ تراویح میں قرآن ختم کیا تو دوسری قوم سنت کو ادا کرنے والی قرار نہیں پائے گی کیونکہ امام سنت ادا کرچکا تھا اب اس کے لئے وُہ نفل ہے، لوگ نماز نفل کا ثواب تو پائیں گے مگر تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے (ت)

ظاہر ہے کہ اس کا مبنی وہ قول ضعیف ہے کہ جب ختم قرآن ہوجائے تو تراویح سنت نہیں رہتیں،

کما یفصح عنہ قولہ یدرکون ثواب صلٰوۃ النفل وقولہ ولایدرکون ثواب صلٰوۃ التراویح۔	جیسا کہ ان کا یہ قول واضح کررہا ہے کہ وہ نماز نفل کا ثواب پائیں گے اور یہ قول بھی کہ وہ تراویح کا ثواب نہیں پائیں گے۔ (ت)

اور یہ قول ضعیف و ناماخوذ ہے اصح و معتمد و معمول بہ یہی ہے کہ ختم اگرچہ ہوجائے تراویح سارے ماہِ مبارک میں سنّتِ مؤکدہ ہیں، اسی پر جوہرہ میں جزم کیا اور اسی کو سراج وہاج میں اصح کہا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحصل الختم لیلۃ التاسع عشر اوالحادی و العشرین لایترك التراویح فی بقیۃ الشھر لانھا سنۃ کذا فی الجوھرۃ النیرۃ الاصح انہ یکرہ لہ الترك کذا فی السراج الوھاج[2]۔	اگر قرآن انیسویں یا اکیسویں کو ختم ہوگیا تو باقی ماہ میں تراویح کو ترک نہ کیا جائے کیونکہ یہ سنت ہیں، جیسا کہ الجوہرۃ النیرۃ میں ہے۔ اصح یہ ہے کہ تراویح کا ترک مکروہ ہے، جیسا کہ السراج الوہاج میں ہے۔

تو اب اس سے عدول کا اختیار نہ رہا۔ فتاوٰی خیریہ جلد اول میں فرمایا:

انت علی علم بانہ بعد التنصیص علی اصحیتہ لایعدل عنہ الٰی غیرہ[3]۔	آپ باخبر ہیں کہ جب اس حکم کے اصح ہونے پر تصریح مل جائے تو دوسرے قول کی طرف عدول نہیں کیا جائیگا (ت)

اسی کی جلد ثانی میں فرمایا: حیث ثبت الاصح لایعدل عنہ[4] (جب اصح کا ثبوت ہو تو پھر اس سے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی بحوالہ خزانۃ الروایات کتاب الصلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۱۳۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ فصل فی التراویح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۱۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلح کتاب الطلاق ۲/۱۰۴

عدول نہ کیا جائے۔ت) خود مولوی لکھنوی صاحب نے لکھا:

مفتی بہ ومختار متحققین آنست کہ تراویح سنّت علٰیحدہ است و ختم سنّت علٰیحدہ ہیچ ازیں ہر دو تابع دیگر نیست پس بعد ختم سنیت تراویح باقی خواہد ماند چنانکہ بود[1]۔	مفتی بہ اور مختار محققین کے ہاں یہ ہے کہ تراویح الگ سنّت اور ختمِ قرآن الگ سنّت ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے تابع نہیں لہٰذا قرآن کے بعد سنیتِ تراویح اسی طرح قائم رہے گی جیسے کہ پہلے تھی۔ (ت)

باوصف اس جاننے کے پھر مفتٰی بہ سے عدول ہر گز روا نہ تھا اور اس بچنے کے لئے مولوی لکھنوی صاحب کی یہ توجیہ کہ:

قول مفتی بہ پر۔اگر چہ تراویح از ذمہ مقتدیاں ساقط خواہد شد چہ درسنت تراویح امام ومقتدی ہر دو برابر اند لیکن در سقوط ختم اشکالیست چہ فقہا در باب اقتداء ضعف نماز امام را اگر چہ بہ یک رکن باشد مانع اقتداء می نویسند چنانچہ در درمختار وغیرہ مذکورست اما اقتداء المسافر بالمقیم فیصح فی الوقت و یتم لا بعدہ فیما یتغیر لانہ اقتداء المفترض بالمتنفل فی حق القعدۃ لو اقتداء فی الاولیین اوالقراءۃ لو اقتداء فی الاٰخریین[2]۔ انتھی دریں صورت باوجودیکہ امام ومقتدی ہر دو تحریمہ فرض بستہ، سبب ضعف یک جز از اجزاء نماز امام حکم بفساد اقتداء دادہ شد پس بناءً علیہ در صورت سوال ہم حکم بعدم سقوط ختم از مقتدیان دادہ خواہد شد وہمیں امر از عبارت	قول مفتی بہ پر اگر چہ تراویح مقتدیوں کے ذمّہ سے ساقط ہوجائیں گی کیونکہ سنت تراویح میں امام اور مقتدی دونوں برابر ہیں لیکن ختم کے سقوط میں اختلاف ہے کیونکہ فقہا اقتداء کے باب میں نماز امام کے ضعف کو اگر چہ وُہ ایک رکن میں ہو مانع اقتداء قرار دیتے ہیں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، مسافر کی اقتداء مقیم کے ساتھ وقتی نماز میں صحیح ہے اور وہ ادا بھی چار رکعت کرے لیکن بعد میں تبدیلی آجاتی ہے لہٰذا اقتدا درست نہیں ہوگی کیونکہ اب اگر پہلی دو رکعات میں اقتدا کرے گا تو قعدہ کے اعتبار سے فرض ادا کرنے والے کی متنفل کی اقتدا لازم آئے گی اور اگر آخری دو رکعات میں اقتداء کرے تو قرات کے اعتبار سے یہی خرابی لازم آئیگی انتھٰی، حالانکہ اس صورت میں امام اور مقتدی دونوں نے فرض کی تکبیر تحریمہ کہی لیکن نمازِ امام کے ایک جُز کے ضعف کی وجہ سے فسادِ اقتداء کا حکم جاری ہوگیا۔ اس

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصّلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۳۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصّلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۳۵

سغناقی مفہوم شود ہر گاہ درباب سقوط ختم وعدم سقوط آں اختلاف واقع شد پس امام را لازم کہ ختم ثانی را مع تراویح برخود نذر کردہ گیر دو گوید للہ ان اختم القراٰن فی صلوٰۃ التراویح تا ختم او واجب شود واقتدائے مقتدیان درست شود چنانچہ در خزانۃ الروایۃ تفصیل آں مذکور ست **واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحی عفا عنہ**[1]۔	پر بناء کرتے ہوئے سوال مذکور کے جواب میں یہی حکم ہوگا کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم قرآن ساقط نہیں ہوگا، اور عبارت سغناقی سے یہی بات مفہوم ہورہی ہے لہٰذا جہاں بھی سقوط وعدم سقوط ختم میں اختلاف ہوجائے وہاں امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ تراویح میں دوسرے ختم کی نذر مانتے ہوئے کہے کہ مجھ پر اللہ کی رضا کی خاطر نماز تراویح میں ختمِ قرآن لازم تاکہ اس پر ختم قرآن واجب ہوجائے اور مقتدیوں کی اقتداء بھی درست ہوجائے، جیسا کہ خزانۃ الروایۃ میں اس کی تفصیل ہے **واللہ اعلم المحرر محمد عبد الحی عفا عنہ (ت)**

انصافاً شطرنج میں اضافہ بغلہ سے بہتر **اوّلاً** سُنن ونوافل میں اضعفیت مانع صحتِ بنا، نہیں ہوسکتی ورنہ جس طرح عاری کے پیچھے لابس کی نماز نہیں ہوسکتی یونہی کلاہ پوش کے پیچھے عمامہ بند کی نماز نہ ہوسکے کہ وُہ سنیت میں مقتدیوں سے اضعف ہے۔

ثانیاً یہ مان کر کہ مقتدیوں کے ذمّہ سے تراویح ساقط ہوجائیگی پھر یہ فرمانا کہ امام پر نذر ماننا لازم کہ اقتدائے مقتدیان درست ہو صریح تناقض ہے۔

ثالثاً عبارت سغناقی کا ہرگز یہ مفاد نہیں کہ باوصف صحت تراویح صرف اس بناپر کہ امام ایک بار ختم کرچکا ہے مقتدیوں کے ذمّہ سے ختم ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کا مبنٰی صراحۃً وہی تھا کہ تراویح ختم کے لیے تھیں جب ختم ہوچکا تراویح بھی ختم ہوگئیں تو امام نفل محض پڑھ رہا ہے اور متنفل کے پیچھے تراویح ادا نہیں ہوتیں، ولہٰذا تصریح کی کہ ثوابِ نفل پائیں گے ثوابِ تراویح نہ پائیں گے، یہ مفاد اُس مفاد کے صریح مضاد ہے نہ کہ باہم اتحاد۔

رابعاً شروع سے معلوم ہے کہ جماعت نفل بہ تداعی مشروع نہیں اور تراویح باجماعت وارد ہوئیں تو وجہ متوارث ماثور پر مقتصر ہوں گی اور وہ یونہی ہے کہ امام مقتدی سب نیتِ تراویح کرتے یہاں اضعف واقوی کو دخل نہیں، ولہٰذا اوپر تصحیح گزری کہ تراویح جس طرح متنفل کے پیچھے ساقط نہ ہونگی یُونہی مفترض کے پیچھے بھی ادا نہ ہوں گی حالانکہ مفترض یقیناً اعظم قوت پر ہے توجب تک دلیل صریح سے ثبوت نہ دیا جائے

[1] مجموعہ فتاوٰی در ینکہ بعد یک ختم قرآن آیا سنت تراویح الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۵۲-۲۵۱

کہ امام کا ایک بار ختم کئے ہوئے ہونا بھی ماثور و متوارث کے خلاف ہے اس پر اس کا قیاس محض بے معنی ہے بالجملہ متنفل کے پیچھے تراویح نہ ہونا تو ضرور منقول بلکہ اس پر فتوائے فحول، اور ایک بار ختم قرآن پڑھ لینے کے باعث حافظ کا امامت دیگراں سے معزول ہونا کہیں منقول نہیں اور آپ کی اپنی رائے سے بے نقل صحیح حجت و مقبول نہیں۔

خامسًا بلکہ امر بالعکس ہے خود اسی خزانۃ الروایات میں کنز الفتاوٰی سے منقول:

رجل ام قوما فی التراویح وختم فیھا ثم ام قوم اخرین لہ ثواب الفضیلۃ ولھم ثواب الختم[1]۔	کسی نے تراویح میں امامت کرتے ہوئے قرآن ختم کیا پھر دوسرے لوگوں کی امامت کی تواب امام کے لیے ثوابِ فضیلت اور لوگوں کے لیے ختم کا ثواب ہوگا(ت)

یہ صریح جزئیہ ہے اور آپ کے خیال کا صاف رَد اور قاضی گجراتی کا ارشاد کہ ھذا الکتاب غیر مشھور بین العلماء فلا وثوق بہ (یہ کتاب علماء کے درمیان مشہور نہیں لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے۔ت) مسلم نہیں، صاحبِ کنز الفتاوٰی امام احمد بن محمد بن ابی بکر حنفی مصنف مجمع الفتاوٰی وخزانۃ الفتاوٰی ہیں کشف الظنون میں انہیں بلفظ شیخ وامام وصف کیا:

حیث قال کنز الفتاوی للشیخ الامام احمد بن محمد صاحب مجمع الفتاوی الحنفی[2]۔	ان کے الفاظ یہ ہیں کنز الفتاوٰی، شیخ امام احمد بن محمد حنفی صاحب مجمع الفتاوٰی کی کتاب ہے(ت)

سادسًا ہم عنقریب واضح کرتے ہیں کہ نذر سے بھی عقدہ کشائی نہ ہوگی امثال فاضل لکھنوی سے قال ابو حنیفۃ والحق کذا (امام ابو حنیفہ نے اسی طرح فرمایا ہے مگر حق یہ ہے۔ت) فرمانے والے ہیں، مصنف خزانۃ الروایۃ ایک متاخر ہندی قاضی جگن گجراتی کی ایسی تقلید سخت عجیب وبعید

ولکن اللہ یفعل ما یرید والحمد للہ علی اراءۃ السبیل السدید واللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔	اللہ اپنے ارادے کے مطابق کرتا ہے اور صحیح رہنمائی فرمانے پر اللہ تعالٰی ہی کی حمد وثنا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے جس کی ذات نہایت ہی مقدس وبالا ہے(ت)

بست وسوم اگر وہ مسئلہ وتعلیل قبول کرلیے جائیں تو حافظ مذکور اگر نذر بھی مان لے کہ میں تراویح

---

[1] خزانۃ الروایات

[2] کشف الظنون باب الکاف منشورات مکتبۃ المثنی بغداد ۱۵۱۸/۲

مع جماعت وختم قرآن ادا کروں گا تواب بھی کاربرآری مسلم نہیں کہ مقتدیوں پر وجوب اصلی تھا اور نذر کا وجوب عارضی ہے اور وہ وجوب اصلی سے، اضعف ہے، تو اضعف پر اقوی کی بناء صحیح نہیں۔ فتح اللہ المعین پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

بناء القوی علی الضعیف انما یمنع اذا کانت القوۃ ذاتیۃ فلو عرضت بالنذر کما ھنا فلا ومن ھنا قال فی شرح المنیۃ النذر کالنفل[1]۔	قوی کی بناء ضعیف پر تب منع ہے جب قوت ذاتی ہو، اگر نذر کی وجہ سے عارضی ہو جیسا کہ یہاں ہے تو پھر مانع نہیں۔ اسی مقام پر شرح منیہ میں ہے کہ نذر نفل کی طرح ہوتی ہے (ت)

اور ضعیف بھی مانئے تو سبب وجوب مختلف ہیں جب بھی بناء صحیح نہ ہوئی جیسے ناذر ناذر کی اقتداء نہیں کر سکتا بلکہ ناذر مفترض کی اقتداء نہیں کر سکتا حالانکہ فرض اقوی ہے تو سبب وہی کہ سبب جدا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء ناذر بمفترض ولا بناذر لان کلّا منھما کمفترض فرضا اٰخر الااذا نذر احدھما عین منذور الاخر للاتحاد[2] اھ۔	نذر ماننے والے کے لیے فرض ادا کرنے والے اور نذر ادا کرنے والے کی اقتداء صحیح نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ فرائض ادا کر رہے ہیں البتہ اس صورت میں جائز ہوگی جب دونوں کی نذر ایک ہو کیونکہ اس صورت میں اتحاد حاصل ہوگا اھ (ت)

مولوی صاحب نے یہاں بھی فاضل لکھنوی کا اتباع کیا اور فاضل لکھنوی نے حسب حوالہ خود قاضی جگن ہندی کا، **والحق احق ان یتبع** (جبکہ حق ہی اتباع کے لائق تر ہے۔ ت)

بست وچہارم تحقیق یہ ہے کہ جس نے فرض جماعت سے پڑھے اور تراویح تنہا وہ تو جماعتِ وتر میں شریک ہو سکتا ہے، اور جس نے فرض تنہا پڑھے ہوں اگرچہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوں وہ وتر کی جماعت میں داخل نہیں ہو سکتا **وقد حققناہ فی فتاوٰنا بما یکفی ویشفی** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر تسلی بخش گفتگو کی ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۷۶، طحطاوی علی الدرالمختار باب الوتر والنوافل دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۹۷

[2] درمختار باب الامامۃ مجتبائی دہلی ۱/۸۴

در مختار میں ہے:

لولم یصل التراویح بالامام یصلی الوتر معه[1]۔	اگر کسی نے تراویح امام کے ساتھ ادا نہیں کی تو وتر امام کے ساتھ ادا کرسکتا ہے (ت)

جامع الرموز میں ہے:

لکنه اذالم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر[2]۔	اگر فرض امام کے ساتھ ادا نہ کئے ہوں تو پھر وتر میں امام کی اتباع نہ کرے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امالوصلاھا جماعة مع غیره ثم صلی الوتر معه لاکراھة[3]۔	اگر فرض کسی اور کی اقتداء میں ادا کیے پھر وتر دوسرے امام کے ساتھ پڑھے تو اب کراہت نہ ہوگی (ت)

مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی نے بھی فقہائے کرام سے اس کی ممانعت ہی نقل کی اگرچہ صرف اس بناپر کہ اس کی وجہ اپنی سمجھ میں نہ آئی، اپنی خاص رائے مخالف بتائی، اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں:

درقنیہ از عین الائمہ ودر تاتارخانیہ از علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی مرقوم کہ ہر کہ فرض باجماعت ادانہ کردہ باشد وتر ہم بجماعت ادانہ سازد وہمچنیں در غنیہ وغیرہا مذکور ست لیکن کدامی وجہ قوی معتدبہ عدمِ جوازِ معلوم نمی شود حق جواز معلوم مے شود انتھی[4]۔	قنیہ میں عین الائمہ سے اور تاتارخانیہ میں علی بن احمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جو شخص فرض جماعت کے ساتھ ادا نہ کرے وُہ وتر بھی جماعت سے نہ پڑھے۔ اور اسی طرح غنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ لیکن اس کے عدمِ جواز پر قوی ومعتدبہ وجہ معلوم نہیں ہوسکی جواز حق معلوم ہوتا ہے انتھی (ت)

امام عین الائمہ کرابیسی وامام علی بن احمد وقنیہ وغنیہ و جامع الرموز و ردالمحتار کے نصوص صریحہ کے مقابل صرف آپ کی "معلوم نمی شود" (معلوم نہیں ہوسکی۔ت) پر عمل کی کوئی وجہ نہیں، کما لا یخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)

---

[1] در مختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[2] جامع الرموز فصل فی الوتر والنوافل مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲۱۶/۱

[3] ردالمحتار باب الوتر والنوافل مبحث صلوۃ التراویح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷۶/۱

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصلٰوۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲۳۶/۱-۳۵

بست وپنجم بارہ برس سے کم عمر تخصیص نہیں بلکہ صحیح ومختار یہ ہے کہ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی کوئی نماز جائز نہیں اگرچہ ایک دن کم پندرہ برس کا ہو، امامتِ بالغین کے لیے بلوغ شرط ہے خواہ یہ ظہور آثار مثل احتلام وانزال خواہ بتمامی پانزدہ سال۔ درمختار میں ہے:

لایصح اقتداء رجل بصبی مطلقا ولا فی نفل علی الاصح[1]۔	بالغ مرد کی اقتداء بچّے کے پیچھے مطلقاً اگرچہ نفل نماز میں ہو اصح مذہب پر درست نہیں ہے (ت)

بست وششم آیتِ سجدہ کہ نماز میں تلاوت کی جائے سجدہ فوراً واجب ہے، اگر تین آیت کی تاخیر کی گنہ گار ہوگا، پھر اگر عمداً سجدہ نہ کیا نہ معًا رکوع کیا کہ سجدہ تلاوت رکوع سے ادا ہو جاتا تو اس کی اصلاح سجدہ سہو سے نہیں ہو سکتی کہ وُہ سجدہ سہو ہے کہ نہ سجدہ عمد، اور اگر سجدہ تلاوت کرنا بھُول گیا اور حُرمتِ نماز سے باہر نکل گیا تو اب بھی سجدہ سہو نہیں ہوسکتا کہ حرمت سے خروج جیسا کہ مانع سجدہ تلاوت ہے یوں ہی مانع سجدہ سہو، ہاں اگر حرمت نماز میں باقی ہے کلام نہ کیا اُٹھ کر چلا نہ گیا اور یاد آیا تو سجدہ تلاوت نماز میں کیا مگر سہواً بتاخیر مثلاً دوسری رکعت میں یاد آیا کہ سجدہ تلاوت چاہئے تھا اور اب ادا کیا جب بھی سجدہ سہو کا حکم ہے اگرچہ سجدہ تلاوت نماز میں ادا ہو گیا، درمختار میں ہے:

ھی علی التراخی ان لم تکن صلویة فعلی الفور لصیرورتها جزأ منها ویاثم بتاخیرها ویقضیها مادام فی حرمة الصّلٰوة ولو بعد السلام، فتح[2]۔	سجدہ تلاوت لازم ہوتا ہے تراخی کے طور بشرطیکہ سجدہ مذکورہ نماز میں لازم نہ ہوا کیونکہ اگر نماز میں لازم ہوا تو فی الفور نماز کے اندر کرنا ہی ضروری ہے کیونکہ اب وہ نماز کی جُز بن گیا ہے لہذا اس کی تاخیر سے گنہ گار ہوگا اور اس کی قضا بجالا سکتا ہے جب تک وُہ حرمتِ نماز کے اندر ہے اگرچہ سلام کے بعد ہو، فتح۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولو بعد السلام ای ناسیا مادام فی المسجد[3]۔	قولہ سلام کے بعد الخ یعنی بھُول جانے والا شخص جب تک مسجد میں ہے سجدہ ادا کرسکتا ہے (ت)

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مجتبائی دہلی ۸۴/۱

[2] درمختار باب سجود التلاوۃ مجتبائی دہلی ۱۰۵/۱

[3] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۱۸/۱

اسی میں ہے:

لو اخر التلاوية عن موضعها فان عليه سجود السهو كما فی الخلاصة جازما، بانه لااعتماد علی مایخالفه وصححه فی الولوالجیة[1]۔	اگر نماز میں سجدہ تلاوت مؤخر کر دیا تو اس کی وجہ سے سجدہ سہو آئے گا جیساکہ خلاصہ میں بطور جزم بیان ہے یعنی اس کے مخالف قول پر اعتماد نہیں کیا جائیگا، ولوالجیہ نے بھی اس قول کی تصحیح کی ہے۔(ت)

ایضًا درمختار میں ہے:

سجود السهو یجب بترك واجب سهو افلا سجود فی العمود قیل الافی اربع[2]۔	بھول کر ترک واجب میں سجدہ سہو ہوتا ہے لہٰذا قصدًا ترک میں سجدہ سہو نہیں ہوگا، بعض کی رائے میں صرف چار مقامات پر عمدًا ترک واجب میں سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار الی ضعفه تبعالنور الایضاح لمخالفته للمشهور وقد ردہ العلامة قاسم بانه لایعلم له اصل فی الروایة ولاوجه فی الدرایة[3]۔	نورالایضاح کی اتباع کرتے ہُوئے انہوں نے اس کے ضعیف ہونے پر اشارہ کیا ہے کیونکہ یہ قول مشہور کے خلاف ہے، اور علّامہ قاسم نے اس کی یُوں تردید کی ہے کہ اس قول کی روایت میں کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی عقلی دلیل موجود ہے (ت)

بست وہفتم دربارہ ہلال تار کی گواہی شرعًا محض باطل ونامعتبر **وحققناہ فی فتاوٰنا بمالامزید علیه** (ہم نے اس کی اپنے فتاوٰی میں خوب تفصیل بیان کی ہے جس پر اضافہ دشوار۔ت) نامعتبر شرعی کا درجہ اعتبار کو پہنچا کیونکر، یہاں بھی مولوی صاحب نے مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے مولوی صاحب لکھنوی نے باآنکہ جابجا خود بے اعتبارِ تار کی تصریح کی، جلد اول ص ۵۲۳ اس باب (یعنی رؤیت ہلال) میں صرف خبر، تار یا تحریر خطی کافی نہیں جب تک کہ بطور **کتاب القاضی الی القاضی** (قاضی کا دوسرے قاضی کی طرف لکھنا۔ت) کی تحریر نہ پہنچے، قاعدہ **الخط یشبه الخط** (تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ت) کا مشہور ہے[4]۔ ایضًا صفحہ ۵۴۰ بحسبِ ضوابط فقیہ مجرد اخبارات تار وغیرہ درباب

---

[1] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹۷

[2] درمختار باب سجود السہو مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۲

[3] ردالمحتار باب سجود السہو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹۷

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۷۲

حکم صوم وافطار معتبر نہیں[1]۔ صفحہ ۱۰۶ پر یہ لکھا:

واقعی در باب رؤیتِ ہلال شہرتِ اخبار معتبر ست اگر از شہرے خبرے رسیدہ کہ بہ شب گزشتہ درآنجا رؤیت شدہ یا بوساطت تار برقی دریافت ایں امر شدہ تا وقتیکہ شہرت آں نہ شود از تحریرات کثیرہ واخبار عدیدہ معلوم نہ شود اعتبار آں نباید ساخت[2]۔	رؤیتِ ہلال کے بارے میں خبروں کی شہرت معتبر ہے، اگر کسی شہر سے یہ خبر آئے کہ گزشتہ رات اس جگہ چاند دیکھا گیا ہے یا تار کے ذریعے یہ خبر معلوم ہو تو جب تک کثیر تحریروں اور متعدد خبروں کے ذریعے یہ خبر شہرت حاصل نہ کرے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

اس کی شہرت ہو جانے سے یہ تو مراد نہیں ہو سکتی کہ جب اس شہر میں خبر مشہور ہو گئی کہ فلاں جگہ سے تار آیا ہے تو اب وہی تار جس کی خبر شرعاً ناکافی اور بحسبِ ضوابط فقیہ نا معتبر تھی معتبر ہو جائیگا اسے تو کوئی عاقل گمان نہ کرے گا ورنہ کسی فاسق، فاجر، شراب خور، زناکار کی خبر شہر میں اُڑ جائے کہ وُہ اپنا چاند دیکھنا بیان کرتا ہے تو چاہئے کہ معتبر ہو جائے، حالانکہ تار اُس سے بھی زیادہ بے اعتبار، کہ فاسق اہلِ شہادت ہے ولہٰذا اگر حاکمِ شرع اس کی شہادت قبول کرلے حکم صحیح ہو جائے گا اگرچہ حاکم آثم ہو **نص علیہ فی الفتح والبحر والدر وغیرہ من الاسفار الغر** (فتح، بحر، در وغیرہ دیگر مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ ت) اور تار اصلاً اہلیت شہادت نہیں رکھتا، ہاں شاید یہ مراد ہو کہ جب اُس شہر سے متعدد تار آئیں تو اعتبار کیا جائے گا اور یہ اُس استفاضہ وشہرت میں داخل ہوگا جسے فقہائے کرام نے دربارہ رؤیت ہلال معتبر رکھا ہے مگر خیال نہ کیا کہ یہ تعدد ہوگا تو مروی عنہ میں نہ راوی میں کہ یہاں بھی تار بابو اُن سب تاروں کا ناقل ہوگا حالانکہ اُن میں اکثر کفار ہوتے ہیں تو یہ استفاضہ مخترعہ اُس سے بھی بدتر ہوگا کہ ایک فاسق فاجر سرباز پکارتا پھرے کہ فلاں شہر میں لاکھ آدمیوں نے چاند دیکھا ہے کیا اسے استفاضہ کہیں گے حاشا وکلّا، اور جہاں تار گھر متعدد بھی ہوں اور فرض کریں کہ ہر آفس میں اُس شہر سے خبر آئی تو کیا چند کافر یا فاسق یا مجہول آکر کہہ دیں کہ فلاں جگہ کے فلاں فلاں سُکّان نے ہم سے اپنا چاند دیکھنا بیان کیا تو یہ حکایت محضہ تا حدِ استفاضہ پہنچے گی، **استغفر اللہ** تار والا تو بے چارہ اتنی بات کا بھی گواہ نہیں اُس نے تو تار میں ایک حرکت پائی اور اس سے کچھ حروف مصطلحہ سمجھے جو نہایت جلدی میں کمال بے جزمی کے ساتھ ایک کاغذ پر لے کر چپراسی کے حوالے کئے، حرکت دینے والے بھی خود رؤیت ہلال

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۷۳

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الصوم مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۲۶۴

والے نہ تھے وُہ وہاں کے بنگالی بابُو یا ہندو یا نصارٰی وغیر ہم تھے، اُن کے پاس چاند دیکھنے والے خود نہ آئے، ایک پرچے پر لکھ کر یا خود انگریزی نہ جانی تو کسی ہندو وغیرہ کفار سے انگریزی کراکر کسی نوکر چاکر یا راہ چلتے کے ہاتھ تار آفس میں بھیج دی وہ وہاں کا بابو یہاں بھیج دے گا اس کی بلا کو بھی غرض نہیں کہ جس کے نام سے تار جاتا ہے خود وُہ بھیجتا بھی ہے یا کسی نے محض جھُوٹ اس کی طرف سے تار دلوایا ہے ایسے نفیس سلسلے کی خبر اگر شرع معتبر کرے تو قیامت ہے، یہ تو تار کے مہملات ہیں، زبانوں کی کہی ہُوئی خود ہمارے آگے مسلمانوں کی اداکی ہُوئی ہزار افواہ بازار ہرگز استفاضہ شرعیہ نہیں جب تک پایہ ثبوت و تحقیق کو نہ پہنچیں پھر متعدد تاروں سے سوا اس کے کہ گورنمنٹ کے خزانے میں چند روپے داخل ہوگئے، اور کیا نتیجہ! یہاں جو استفاضہ شرع نے معتبر فرمایا اس کے معنی معلوم کیجئے، ردالمحتار میں ہے:

قال الرحمتی معنی الاستفاضۃ ان تاتی من تلك البلدۃ جماعات متعددون کل منهم یخبر عن اهل تلك البلدۃ انهم صاموا من رؤیۃ لامجرد الشیوع من غیر علم بمن اشاعه کماقد تشیع اخبار یتحدث بها سائر اهل البلدۃ ولایعلم من اشاعها فمثل هذا لا ینبغی ان یسمع فضلا من ان یثبت به حکم اھ قلت وهو کلام حسن ویشیر الیه قول الذخیرۃ اذا استفاض وتحقق فان التحقق لا یوجد بمجرد الشیوع[1]۔	شیخ رحمتی کہتے ہیں کہ استفاضہ کا معنی یہ ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر کوئی یہ اطلاع دے کہ انہوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے محض ایسی افواہ سے نہیں کہ جس کے پھیلانے والا معلوم نہ ہو جیسا کہ بہت سے باتیں شہروں میں پھیل جاتی ہیں اور ان کے پھیلانے والا معلوم نہیں ہوتا، تو ایسی بات سُننا مناسب نہیں چہ جائیکہ اس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت کیا جائے اھ قلت یہ کلام بہت ہی خوب ہے، ذخیرہ کے ان الفاظ میں بھی یہی بات ہے کہ جب مشہور و متحقق ہوجائے تب لازم ہوگا کیونکہ ثبوت و تحقق محض افواہ سے نہیں ہوگا۔ (ت)

دیکھئے استفاضہ اس کا نام ہے کہ اُس شہر سے متعدد جماعات آئیں اور سب یک زبان خبر دیں کہ وہاں رؤیت ہُوئی اور روزہ چاند دیکھ کر رکھا، بے تحقیق خبریں جن کی سند معلوم نہیں اگرچہ تمام اہلِ شہر کی زبان پر ہوں، کان رکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، نہ کہ اُن سے کسی حکمِ شرعی کا اثبات، انصاف کیجئے تو تار کی یہی حالت ہے شہر والے ہرگز یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ یہ اشاعت کن لوگوں کے ہاتھوں سے ہُوئی، تار کے فارم کس نے لکھے،

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۲

تار بابُو کو فارم دینے کون گیا، وہاں کا تار بابو کون تھا، یہاں کون ہے چپراسی کہ دے گیا کون تھا تو وہی رہا کہ **لایعلم من اشاعھا** (اسے مشہور کرنے والے کا علم نہیں۔ت) اور استفاض لغوی کے ساتھ تحقق متحقق نہ ہُوا کہ استفاضہ شرعی ہوتا، اور یہیں سے ظاہر کہ انتظام زمانہ حال جس پر مولوی لکھنوی صاحب نے اعتماد واتکال کیا یہاں کچھ بھی بکار آمد نہیں، انتظام اس کا ہے کہ تار جو دیا جائے اپنی تین مقررہ میعادوں پر بھیج دیا جائے گا اس میں فرق نہ آئے گا مکتوب الیہ ملا تو اسے پہنچادیا جائے گا، آفس کی غلطی سے نہ پہنچا تو محصول اتنی مدّت تک واپس دیا جائے گا، یہ انتظام اصلاً نہیں کہ تار دینے جو آئے اس کی شناخت لی جائے کہ آیا وہی ہے یا دوسرا شخص غلط سلط اُس کے نام سے دیتا ہے، نہ اس کا انتظام ہے کہ فارم لکھنے والے نے کلام قائل کا صحیح ترجمہ کیا ہے یا اُس نے کچھ کہا اور یہ تار کے تنگ لفظوں میں اُسے ادانہ کرسکا، یا محصول کے بچاؤ کو مطلب ناقص رہ گیا، نہ اسکا انتظام ہے کہ تار دینے، لینے، پہنچانے والے عادل، ثقہ، متقی ہونا درکنار، مسلمان ہی ہوں، پھر انتظام مذکور نے کیا کام دیا، باقی تفصیل فتاوائے فقیر میں ملاحظہ ہو اور ان تمام خرابیوں سے قطع نظر کیجئے تو قبول استفاضہ جس امر پر مبنی تھا یہاں عامہ بلاد میں سرے سے وہ مبنٰی ہی مفقود ہے، مبنٰی یہ تھا کہ استفاضہ سے اُس شہر میں روزہ ہونا بالیقین ثابت ہوگا اور شہر عادۃً حاکمِ شرع سے خالی نہیں ہوتا اور روزہ وعید حکمِ حاکمِ اسلام ہی سے ہوا کرتے ہیں تو اس استفاضہ سے معلوم ہوگا اُس شہر میں حاکمِ شرع نے حکم دیا اور اس کا حکم حجتِ شرعیہ ہے لہٰذا مقبول ہوگا جیسے دو گواہ عادل گواہی دیں کہ ہمارے سامنے فلاں حاکمِ شرع کے یہاں شہادتیں گزریں اور اس نے حکم دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

الاستفاضة لما کانت بمنزلة الخبر المتواتر وقد ثبت بها ان اھل تلك البلدة صاموا یوم کذالزم العمل بها لان البلدة لاتخلو عن حاکم شرعی عادہ فلا بد من ان یکون صومھم مبنیا علی حکم حاکمھم الشرعی فکانت تلك الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور[1]۔	جب استفاضہ خبرِ متواتر کی طرح ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس شہر کے لوگوں نے فلاں دن روزہ رکھا ہے تو اس پر عمل ہوگا کیونکہ عادۃً شہر حاکمِ شرعی سے خالی نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں لامحالہ ان کا روزہ ان کے حاکمِ شرعی کے فیصلے پر مبنی ہوگا تو اب استفاضہ بمعنی حکم مذکور کا نقل کرنا ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

یہاں عامہ بلاد میں نہ حاکم شرعی نہ لوگ پابندِ احکامِ شرعیہ، پھر استفاضہ ہُوا بھی تو کیا وحسبنا اللہ ولاحول ولا قوۃ الّا باللہ۔

بست وہشتم مسئلہ اختلافِ مطالع کی تحقیق اعلیٰ وجہ انیق پر بحمد اللہ تعالیٰ بیان ہوچکی جس سے روشن کہ وہ اصلاً کبھی کسی ہلال میں معتبر ہونے کے قابل نہیں۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک ارشاد:

انا امۃ امیۃ لا نکتب ولا نحسب، الشھر ھکذا وھکذا وھکذا[1] الحدیث۔	ہم اُمّی امت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب جانتے ہیں ہم ماہ کو یُوں یُوں شمار کرتے ہیں الحدیث (ت)

مطلقًا اس کے ابطال واہمال کو کافی ووافی، کہ اس کی بناہر مہینے میں انہیں حسابات غیر مضبوط پر ہے جن کو شرع مطہر یکسر ساقط النظر فرماچکی، مگر در بارہ ہلال اضحیٰ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو براہِ بشریت ایک اشتباہ واقع ہُوا اور انہیں گمان گزرا یہاں اس کا اعتبار چاہئے وُہ خود بھی اسے مسئلہ مذہب نہیں بتاتے صرف اپنی ایک رائے کہتے اور تصریح فرماتے ہیں کہ یہ حکم میں نے کسی کتاب میں نہ دیکھا اور اس کی بناء دو[2] بلکہ ایک ہی امر پر کرتے ہیں اگر وُہ اپنے اس خیال کا منشا ظاہر نہ فرماتے تو شبہ رہتا کہ شاید یہاں کوئی دقیقہ ہو مگر الحمد للہ کہ ان کے بیان نے امر واضح کردیا اُن دونوں امر میں علامہ شامی کی رائے سامی سے لغزش ہوئی ہے توان کے اتباع کی طرف ہرگز سبیل نہیں۔

امر اوّل یہ فرمایا کہ اختلاف مطالع صوم میں تواس لیے نا معتبر ہُوا تھا کہ حدیث نے اُسے مطلق رؤیت سے متعلق فرمایا تھا جب کہیں چاند دیکھا گیا رؤیت ہوگئی بخلاف اضحیہ کہ اس کا ویسا تعلق وارد نہیں۔

امر دوم یہ کہ کلام علماسے کتاب الحج میں مفہوم ہوتا ہے در بارہ حج اختلاف مطالع معتبر ہے تو اگر بعد وقوف گواہ گزریں کہ آج دسویں تھی قبول نہ کی جائے گی۔ ردالمحتار میں فرمایا:

لا یعتبر اختلافھا بل یجب العمل بالاسبق رؤیۃ وھو المعتمد عندنا و عند المالکیۃ والحنابلۃ لتعلق الخطاب عاما بمطلق الرؤیۃ فی حدیث صوموا لرؤیتہ[2]۔	اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ پہلے چاند کی رؤیت پر عمل واجب ہوگا اور یہی ہمارے (احناف)، مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں معتمد ہے کیونکہ حدیث پاک "صوموا الرؤیتہ"۔ (چاند دیکھنے پر روزہ رکھو) میں خطاب مطلق رؤیت کو شامل ہے۔ (ت)

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الصّیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۷

[2] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۹۶

تنبیه: یفهم من کلامهم فی کتاب الحج ان اختلاف المطالع فیه معتبر فلا یلزمهم شیئ لوظهر انه رؤی فی بلدة اخری قبلهم بیوم وهل یقال کذٰلك فی حق الاضحیة لغیر الحجاج لم اره والظاهر نعم لان اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقه بمطلق الرؤیة وهذا بخلاف الاضحیة فالظاهر انها کاوقات الصلٰوۃ یلزم کل قوم العمل بما عندهم[1]۔	**تنبیہ:** کتاب الحج میں کلامِ علماء سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حج میں اختلافِ مطالع کا اعتبار ہے کیونکہ اگر واضح ہوجائے کہ کسی دوسرے شہر میں ایک دن پہلے چاند دیکھا گیا تھا تو اب حجاج پر کوئی شَے بھی لازم نہ ہوگی، اور کیا قربانی کے بارے میں غیر حجاج کے حق میں بھی یہی کہا جائے گا؟ اس بارے میں حکم میری نظر سے نہیں گزرا، ظاہر یہی ہے (کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار ہوگا) کیونکہ صوم میں اختلافِ مطالع کا اعتبار اس لیے نہیں کہ حدیث مبارک میں روزہ کا تعلق مطلق رؤیت سے ہے۔ بخلافِ قربانی کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ یہ اوقات نماز کی طرح ہے ہر قوم پر اپنے اوقات کے مطابق عمل لازم ہوگا۔ (ت)

اقول: دونوں صحیح نہیں، **الحمد للہ** دربارہ اضحیہ بھی ویسی ہی حدیث وارد ہے جیسی صوم وافطار میں تھی شرع نے اُسے بھی مطلق رؤیت سے ویساہی متعلق فرمایاہے جیسااُن دونوں کو سنن ابی داؤد شریف میں امیرِ مکّہ حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال عهد الینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ان ننسك للرؤیة فان لم نره وشهد شاهدا عدل نسکنا بشهادتهما[2]۔	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وصیّت فرمائی کہ رؤیت پر قربانی کریں پھر اگر ہمیں رؤیت نہ ہو اور ۲ دو گواہ عادل گواہی دیں توان کی گواہی سے قربانی کرلیں۔

امام دار قطنی نے فرمایا: **هذا اسناد متصل صحیح**[3] (اس کی سند متصل اور صحیح ہے۔ت)۔ اور حج میں ردِ شہادت نہ بر بنائے اعتبار اختلاف ہے ورنہ مہینہ بھر سے فاصلہ کی رؤیت گواہ بیان کریں تومقبول ہو، حالانکہ علماء مطلقاًرد فرماتے ہیں بلکہ اس کی وجہ دفع حرج ہے جیساکہ لباب وشرح لباب میں تصریح ہے یعنی ہزار ہاکوس کے فاصلوں سے تمام اقطار واطرافِ زمین سے لاکھوں بندہ خداحج کے لیے

---

[1] ردالمحتار مطلب فی اختلاف المطالع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

[2] سنن ابی ابوداؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۹

[3] دار قطنی باب الشہادت علی رؤیت ہ الہلال حدیث نمبر ا نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۷

حاضر ہوئے اب کہ وقت گزر گیا گواہ گواہی دینے آئے کہ تم نے دسویں کو وقوفِ عرفہ کیا تمہارا حج نہ ہوا، کتنا بڑا حرج عظیم ہے، لاکھوں بندوں کے کروڑوں روپے کا خرچ اور جانوں کی مشقتیں سب برباد گئیں، اب یا تو سال بھر اور یہ تمام لشکر ہائے عظیم الشان مکہ معظّمہ میں پڑے رہیں کہ نہ انہیں روٹی نصیب ہو نہ اہل مکہ کے لیے دانہ بچے یا حکم دیا جائے کہ سب اپنے وطنوں کو واپس جاکر ویسے ہی کروڑوں کے خرچ اور جانوں کی مشقت سے پھر سال آئندہ حاضر ہوں ان دونوں آفتوں سے اُن دونوں گواہوں کی تغلیط آسان تر ہے۔

وقد قال اللہ تعالٰی وَمَاجَعَلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ مِنۡ حَرَجٍ[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: اللہ نے تم پر دین میں تنگی نہیں فرمائی۔ (ت)

وللہذا وہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر وقت ہنوز باقی اور تدارک ممکن ہے گواہی مقبول ہوگی پھر اعتبار اختلافِ مطالع کدھر رہا۔ درمختار میں ہے:

شہدوابعد الوقوف بوقوفہم بعد وقتہ لا تقبل شہادتہم والوقوف صحیح استحسانا حتی الشہود للحرج الشدید وقبلہ ای قبل وقتہ قبلت ان امکن التدارك لیلامع اکثرھم والالا[2]۔	اگر وقوفِ عرفات کے بعد گواہوں نے گواہی دی کہ حاجیوں کا وقوف وقت کے بعد ہوا ہے تو گواہی مقبول نہ ہوگی اور استحسانًا حاجیوں کا وقوف صحیح ہوگا ورنہ حرج شدید لازم آئے گا، اور اگر گواہوں نے گواہی وقوف سے پہلے دی تو گواہی مقبول ہوگی بشرطیکہ رات کو اکثر لوگوں کے ساتھ تدارک ہوسکے ورنہ نہیں (ت)

خود اسی ردالمحتار میں ہے:

لو شہد وابعد الوقوف قبل وقتہ قبلت شہادتہم بخلاف الشہادۃ بانہم وقفوا بعد یومہ فان التدارك غیر ممکن اصلا فلذا لم تقبل[3] (ملخصًا)	اگر وقوف کے بعد گواہوں نے یہ گواہی دی کہ وقوف وقت سے پہلے ہُوا ہے تو گواہی مقبول ہوگی بخلاف اس صورت کے جب یہ گواہی ہو کہ وقوف یوم عرفہ کے بعد ہوا کیونکہ اس صورت میں تدارک ممکن نہیں اس لیے گواہی مقبول نہ ہوگی (ت)

---

[1] القرآن ۷۸/۲۲

[2] درمختار باب الہدی مجتبائی دہلی ۱/۱۸۳

[3] ردالمحتار باب الہدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲-۲۵۱

ان تصریحات کے بعد اُس سے اعتبار اختلاف مطالع کی طرف خیال جانا محض شانِ بشریت ہے۔

کذٰلك یریکم اللہ اٰیتہ فی الافاق وفی انفسکم لعلکم تذکرون۔	اسی طرح اللہ تعالٰی تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے آفاق میں اور خود تمہارے اندر تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ (ت)

بست ونہم چالیس ۴۰ روپے کو نصاب قرار دینے میں بھی شاید مولوی صاحب نے مولوی عبد الحہ صاحب لکھنوی کا اتباع کیا ہے، مگر وہ صحیح نہیں، صحیح چھپن ۵۶ روپے ہے جیساکہ جواہر اخلاطی سے ثابت ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اُسے مفصل ذکر کیا۔

سیم تاریخ ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۹ کو شب قدر بالاختلاف اور ۲۷ رمضان کو شب قدر بالاتفاق فرمانے میں شاید اتفاق سے مراد قولِ جمہور ہو اگرچہ بالاختلاف سے اس کا مقابلہ سخت موہم خلاف ہے ورنہ لازم آئے گا کہ اُن تاریخوں میں شب قدر ماننے والوں کے نزدیک ایک رمضان میں دو دو شب قدر ہوں، ایک ان کے قول خاص کے مطابق اور دوسری ۲۷ کو قولِ متفق علیہ کے موافق۔ یونہی اس اشتہار میں اغلاط بکثرت ہیں مگر بعد ایام مبارک، اگر انصاف وہدایت مطلوب ہو تیس ۳۰ رد کیا کم ہیں، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

دراءالقبح عن درک وقت الصبح ۱۳۲۶ھ

(صبح صادق کو سمجھنے میں کوتاہی کا ازالہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما

مسئلہ ۲۶۳: از بازار لال کرتی کیمپ میرٹھ مرسلہ شیخ محمد احسان الحق حنفی قادری ۱۴رمضان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ شریعت میں صبح صادق کا کوئی کلیہ قاعدہ ہے جس کے ذریعہ سے معلوم ہوجایا کرے کہ صبح صادق فلاں وقت ہوتی ہے، اور آنکھوں سے دیکھنے کی کچھ ضرورت نہ رہے یا کوئی حساب اور کلیہ قاعدہ نہیں ہے بلکہ آنکھوں سے دیکھنے ہی پر منحصر ہے، اگر قاعدہ کلیہ نہیں ہے تو مفتاح الصلوٰۃ میں جو بحوالہ خزانۃ الروایات لکھاہے کہ رات کا ساتواں حصّہ فجر ہوتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعتِ مطہرہ محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے نماز روزہ حج زکوٰۃ وعدّت وفات وطلاق ومدّتِ حمل وایلاوتاجیل عنین ومنتہائے حیض ونفاس وغیر ذلک امور کے لئے یہ اوقات مقرر فرمائے

یعنی طلوعِ صبح وشمس وغروب شمس ونصف النہار ومثلین وروز وماہ وسال ان سب کے ادراک کامدار رؤیت ومشاہدہ پر ہے ان میں کوئی ایسا نہیں جو بغیر مشاہدہ مجرد کسی حساب یا قانون عقلی سے مدرک ہوجاتا، ہاں رؤیت ومشاہدہ ان سب کے ادراک کاسبب کافی ہے اور یہی اس شریعت عامہ تامہ شاملہ کاملہ کے لائق شان تھا کہ تمام جہان کے لیے اتری ہے اور ان میں اکثر وہ ہیں کہ دقائق محاسبات ہیئت وزیج کی تکلیف انہیں نہیں دی جاسکتی، انا امۃ امیۃ لا نکتب ولانحسب[1] (ہم اُمّی اُمت ہیں نہ لکھتے ہیں اور نہ حساب کرتے ہیں۔ت) فرماکر اپنے تمام غلاموں کے لیے ایک آسان اور واضح راستہ کھول دیا اور ان تمام اوقات کے لیے حکیم رحیم عزجلالہ نے دو کھلی نشانیاں مقرر فرمادیں چاند اور سورج جن کے اختلافِ احوال پر نظر کرکے خواص وعوام سب اوقات مطلوبہ شرعیہ کاادراک کرسکیں،

کماقال تعالٰی وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَؕ وَ كُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا ﴿۱۲﴾[2]۔ وقال تعالٰی یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّؕ[3]۔ قال تعالٰی كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَى الَّیْلِۚ[4]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صوموا لرؤیتہ وافطر والرؤیتہ[5]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا تورات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور ہم نے ہر چیز خوب جُدا جُدا ظاہر فرمادی۔ اور اللہ تعالٰی کاارشاد ہے: تم سے چاند کو پُوچھتے ہیں تم فرمادو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لیے۔ اور اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد: کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہوجائے سفیدی کاڈوراسیاہی کے ڈورے سے پوپھٹ کر، پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اقدس ہے: تم چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔(ت)

پھر ان میں بعض تو وہ ہیں جن کامدار صرف رؤیت پر ہی رہا وہ ہلال کہ ان اللہ امدہ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصیام آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۷

[2] القرآن ۱۷/ ۱۲

[3] القرآن ۲/ ۱۹۰

[4] القرآن ۲/ ۱۸۷

[5] صحیح بخاری کتب الصوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۶

لرؤیتہ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے چاند کا مدار رؤیت پر رکھا ہے۔ت) اس کے ظہور وخفاء کے وہ اسباب کثیرہ نامنضبط ہیں جن کے لیے آج تک کوئی قاعدہ تک کوئی قاعدہ منضبط نہ ہوسکا۔ ولہذا بطلیموس نے محبطی میں باآنکہ متحیرہ خمسہ وکواکب ثوابت کے ظہور وخفا کے لیے باب وضع کیے مگر رؤیت ہلال سے اصلاً بحث نہ کی، وہ جانتا تھا کہ یہ قابو کی چیز نہیں، اس کا میں کوئی ضابطہ کلیہ نہیں دے سکتا، بعد کے لوگوں نے اپنے تجارب کی بناء پر اگرچہ لحاظ درجہ ارتفاع یا بعد سوا یا بعد معدل وقوس تعدیل الغروب وغیر ذلک کچھ باتیں بیان کیں مگر وہ خود ان میں بشدت مختلف ہیں اور باوصف اختلاف کوئی اپنے قرار داد پر جازم بھی نہیں جیسا کہ واقفِ پر ظاہر ہے اسی لیے اہلِ ہیئت جدیدہ باآنکہ محض فضول باتوں میں نہایت تدقیق وتعمق کرتے ہیں اور سالانہ المنک میں ہر روز کے لیے قمر کے ایک ایک گنٹھ کا میل ومطالع قمر اور ہر مہینہ میں آفتاب کے ساتھ اس کے جملہ انظار اجتماع واستقبال وتربیع ایمن وایسر کے وقت دیتے ہیں اور ہر ہر تاریخ پر متحیرات وثوابت کے ساتھ اس کے قرانات بیان کرتے ہیں مگر رؤیت ہلال کا وقت نہیں دیتے وہ بھی سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ ہمارے بوتے کا نہیں ولہذا ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ اس بارہ میں قولِ اہلِ توقیت پر نظر نہ ہوگی، درمختار میں وہانیہ سے ہے: **وقول اولی التوقیت لیس بموجب**[2] (اہل توقیت کا قول سببِ وجوب نہیں نہیں سکتا۔ت) اور باقی وُہ ہیں کہ اگرچہ اُن کا اصل مدارِ رؤیت نہ ہوسکتا تھا مگر رؤیت ہی کے تکرر سے تجربہ نے اُن کے بارے میں ضوابط کلیہ دیئے جن کا ادراک بے رؤیت نہ ہوسکتا تھا مگر بعد ادراک وُہ قاعدہ مقرر ہو کر وقت کو قوانین علم ہیأت وزیج کے ضابطہ میں لے آنا میسر ہُوا جس کے سبب ہم پیش از وقت حکم لگاسکتے ہیں کہ فلاں وقت مطلوب شرعی فلاں گھنٹے منٹ سیکنڈ پر واقع ہوگا۔ واقف فن کا وہ حکم لگایا ہُوا کبھی خطا نہ کرے گا کہ آخر مدار کار شمس وقمر کی چال پر ہے اور اُن کی چال عزیز علیم نے ایک حساب مضبوط پر منضبط فرمائی ہے۔

قال تعالٰی اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ[3] وقال تعالٰی ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾[4]۔	ارشاد باری تعالٰی ہے: سورج اور چاند حساب سے ہیں۔ اور ارشاد ربانی ہے: یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔(ت)

---

[1] سنن الدار قطنی کتاب الصیام حدیث ۲۶ نشر السنۃ ملتان ۱۶۲/۲

[2] درمختار کتاب الصوم مجتبائی دہلی ۱۴۸/۱

[3] القرآن ۵/۵۵

[4] القرآن ۳۸/۳۶

حساب تو قطعی تھا ہی، جتنی بات کی طرف اسے راہ نہ تھی وہ مکرر رؤیت نے براہِ تجربہ بتادی اور اب تجربہ وحساب دو قطعیوں سے مل کر حکمِ قطعی ہمارے ہاتھ آگیا مثلاً طلوع وغروب اگر نجومی مراد ہوتے یعنی مرکز شمس کا افق حقیقی پر طرفین شرق وغرب میں انطباق کہ ان کے جاننے کے لیے رؤیت کی کچھ حاجت نہ تھی، شہر کا عرض اور جزر شمس کا میل ہونا ہی اُن کا وقت بتانے کے لیے کافی ووافی ہوتا جس کے ذریعہ سے ہم ہر عرض کے لیے جداول تعدیل النہار تیار کرلیتے ہیں مگر شرع مطہر میں اس طلوع وغروب کا کچھ اعتبار نہیں، طلوع وغروب عرفی درکار ہے یعنی جانبِ شرق آفتاب کی کرن چمکنا یا جانبِ غرب کل قرص آفتاب نظر سے غائب ہوجانا اس میں بھی اگر صرف نصف قطر آفتاب کا قدم درمیان ہوتا تو دقّت نہ تھی، مرکز عالم سے آفتاب کا ہر جزو مرکز شمسی پر بعد دریافت کرکے ہر روز کے نصف قطر کی مقدار دریافت کرسکتے تھے جس کی جدول المنک میں دی ہُوئی ہوتی ہے مگر بالائے زمین ۴۵ میل سے ۵۲ میل تک علی الاختلاف بخارات ہواء غلیظ کا محیط ہونا اور شعاع بصر کا پہلے اس ملاء غلیظ پھر اُس کے بعد ملاء صافی میں گزر کر افق میں پہنچنا حکیم عزوجل کے حکم سے اشعہ بصریہ کے لیے موجب انکسار ہوا جس کے سبب آفتاب یا کوئی کوکب قبل اس کے کہ جانب شرق افق حقیقی پر آئے نظر آنے لگتا ہے اور جانب غرب باآنکہ افق حقیقی پر اس کا کوئی کنارہ باقی نہیں رہتا، دیر تک ہمیں نظر آتا رہتا ہے، یہ انکسار ہی وُہ چیز ہے جس نے صدہا موقتین کو پیچ وتاب میں رکھا اور طلوع وغروب کا حساب ٹھیک نہ ہونے دیا اور یہی وُہ بھاری پیچ ہے جس سے آجکل عام جنتریوں والوں کے طلوع وغروب غلط ہوتے ہیں اس انکسار کی مقدارِ مدت دریافت کرنے کو عقل کے پاس کوئی قاعدہ نہ تھا جس سے وُہ محتاج رؤیت نہ رہتی، ہاں سالہا سال کے مکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ اس کی مقدار اوسطاً ۳۳ دقیقہ فلکیہ ہے، اب ضابطہ ہمارے ہاتھ آگیا کہ ان ۳۳ دقیقوں سے اختلاف منظر کے ۹ ثانیہ منہا کرکے باقی پر اس کا نصف قطر شمس زائد کریں، یہ مقدار انحطاط شمس ہوگی یعنی طلوع یا غروب کے وقت آفتاب اُفق حقیقی کے اتنے دقیقے نیچے ہوگا، جب قدر انحطاط معلوم ہولی تو دائرہ ارتفاع کے اجزاء سے وقت وطالع معلوم کرنے کے قاعدوں نے جو علم ہیأت وزیج میں دئے ہوئے ہیں راہ پائی اور ہمیں حکم لگانا آسان ہوگیا کہ فلاں شہر میں فلاں دن اتنے گھنٹے منٹ سکنڈ پر آفتاب طلوع کرے گا اور اتنے پر غروب معمول سے زیادہ ہوا میں رطوبت یا کثافت اگرچہ انکسار میں کچھ کمی بیشی لاتی ہے جس کا ادراک تھرمامیٹر اور بیرومیٹر سے ممکن، اور وُہ قبل از وقوع نہیں ہوسکتا، مگر یہ تفاوت معتدبہ نہیں جس سے عام احکام مطلوبہ شرعیہ میں کوئی فرق پڑے یُونہی مثلین وسایہ کا ادراک بھی حساب سے بہت آسان تھا کہ عرض بلد ومیل شمس سے اس کا غایۃ الارتفاع پھر جدول سے اتنے ارتفاع کا ظل اصلی معلوم کرکے

اُس پر ایک یادو مثل بڑھا کر اتنے ظل کے لیے ارتفاع اور اس ارتفاع کے لیے وقت معلوم کرلیتے مگر یہاں بھی اُسی انکسار کا قدم درمیان ہے کہ کوکب جب تک ٹھیک سمت الراس پر نہ ہو انکسار کے پنجے سے نہیں چُھوٹ سکتا مگر رؤیت نے انکسار افقی کلی بتایا اور تناسب سے انکسارات جزئیہ مدرک ہُوئے جن کی جدول فقیر نے اپنے تحریراتِ ہندسہ میں دی ہے اس کے ملاحظہ سے پھر انہیں قوانین نے راہ پائی، اور ہر روز کے لیے وقت عصر پیش از وقوع ہمیں بتانا آسان ہوا، طلوع و غروب شفق کو تو انکسار سے بھی علاقہ نہ تھا کہ اُس وقت آفتاب پیشِ نگاہ ہوتا ہی نہیں کہ بصر کی شعاعوں کا انکسار لیا جائے وہاں سرے سے عقل کو اس ادراک کی راہ نہ تھی کہ آفتاب افق سے کتنا نیچا ہوگا کہ صبح طلوع کرے گی یا کتنا نیچا جائے کہ شفق ڈوب جائے گی تو پھر رؤیت ہی کی احتیاج پڑی اور صدہا سال کے تکرر مشاہدہ نے ثابت کیا کہ آفتاب ان دونوں وقت تقریبًا اٹھارہ درجے نیچے ہوتا ہے، یہ وُہ علم ہے جو اکثر ہیأت دانوں پر مخفی رہا، رجمًا بالغیب باتیں اڑا گئے، صبح کاذب کے وقت انحطاط شمس میں مختلف ہوئے، کسی نے سترہ درجہ کہا کسی نے اٹھارہ، کسی نے انیس ۱۹ بتائے، اور مشہور اٹھارہ ہے، اور اسی پر شرح چغمنی نے مشی کی، اور صبح صادق کے لیے بعض نے پندرہ درجے بتائے ہیں۔ اسے علامہ برجندی نے حاشیہ چغمنی میں بلفظ قد قیل نقل کیا اور مقرر رکھا، اور اسی نے علامہ خلیل کاملی کو دھوکا دیا کہ دونوں صبحوں میں صرف تین درجہ کا فاصلہ بتایا جسے ردالمحتار میں نقل کیا اور معتمد رکھا، حالانکہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں، شرع مطہر نے اس باب میں کچھ ارشاد فرمایا ہی نہیں، اس نے تو صبح کی صورتیں تعلیم فرمائی ہیں کہ صبح کاذب شرقًا غربًا مستطیل ہوتی ہے اور صبح صادق جنوبًا شمالًا مستطیر، اور ہم اُوپر کہہ آئے کہ مقدار انحطاط جاننے کی طرف کسی برہان عقلی کو راہ نہیں صرف مدار رؤیت پر ہے، اور رؤیت شاہد عدل ہے کہ صبح کاذب کے وقت ۱۷ یا ۱۸ یا ۱۹ درجے اور صادق کے وقت ۱۵ درجے انحطاط ہونا اور صادق و کاذب میں صرف تین درجے کا تفاوت ہونا سب محض باطل ہے بلکہ ۱۸ درجہ انحطاط پر صبح صادق ہوجاتی ہے اور اس سے بہت درجے پہلے صبح کاذب، فقیر نے بچشم خود مشاہدہ کیا کہ محاسبات علم ہیأت سے آفتاب ہنوز ۳۳ درجے اُفق سے نیچا تھا اور صبح کاذب خوب روشن تھی، صبح صادق کے سالہا سال سے فقیر کا ذاتی تجربہ ہے کہ اس کی ابتداء کے وقت ہمیشہ ہر موسم میں آفتاب ۱۸ ہی درجہ زیر اُفق پایا ہے، اور صبح کاذب کے لیے جس سے کوئی حکم شرعی متعلق نہ تھا اب تک اہتمام کا موقع نہ ملا، ہاں اتنا اپنے مشاہدہ سے یقینا معلوم ہُوا کہ اس میں اور صبح صادق میں ۱۵ درجے سے بھی زائد فاصلہ ہے نہ کہ ۳ درجہ، لاجرم برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر شرنبلالیہ علی الدرر پھر ابوالسعود علی الکنز وغیرہا میں ہے:

البیاض لایذھب الاقریبامن ثلث اللیل[1]۔	سفیدی، تہائی رات کے قریب ختم ہوجاتی ہے۔(ت)

یہ وہی سپیدی مستطیل ہے جسے وُہ اپنے ملک میں ہمیشہ تہائی رات کے قریب تک رہتی فرماتے ہیں کمادل علیہ الحصر (جیساکہ حصر کالفظ اس پر دال ہے۔ت) اور ظاہر ہے کہ اُن بلاد میں رات ۱۴ گھنٹے اور اس سے بھی کچھ زائد تک پہنچتی ہے جس کی تہائی تقریبًا پونے گھنٹے اور بحکم مقابلہ قطعًا معلوم ہے کہ ادھر جتنے حصہ شب تک یہ سپیدی رہے گی اُدھر اُتنا ہی حصہ شب کا باقی رہے گا ______ تو اس بیان پر لیالی شتامیں صبح کاذب کی مقدار وہاں پونے پانچ گھنٹے ہُوئی، اور معلوم ہے کہ وہاں صبح صادق کی مقدار پونے دو گھنٹے سے زائد نہیں، تو صبح صادق وکاذب میں تین گھنٹے تک کا فاصلہ ثابت ہُوا نہ کہ صرف تین ہی درجے۔ مگر امام زیلعی نے تبیین الحقائق میں فرمایا:

روی عن الخلیل انہ قال رأیت البیاض بمکۃ شرفھا اللہ تعالٰی لیلۃ فماذھب الابعد نصف اللیل[2]۔	شیخ خلیل سے منقول ہے کہ میں نے مکّہ (اللہ تعالٰی اسے اور بزرگی عطافرمائے) میں ایک رات سفیدی دیکھی تو وُہ نصف رات کے بعد ختم ہُوئی۔(ت)

ظاہر ہے کہ مکہ معظّمہ میں وہ سپیدی کہ آدھی رات تک رہی، اگر ہوسکتی ہے تو یہی سرطان کی بیاض دراز، ورنہ مکہ معظّمہ میں اس کی صبح وشفق مستطیر ڈیڑھ گھنٹا بھی نہیں، تو خلیل بن احمد عروضی کی رؤیت وروایت اگر صحیح ہے اُس دن دونوں صبح میں تقریبًا پانچ گھنٹے کا فاصلہ ہوگا یہ بہت بعید ضرور ہے مگر اس قدر میں شک نہیں کہ تین درجے کا قول فاسد ومہجور ہے، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ برہان کے اس بیان یا خلیل کی اس رؤیت کو دربارہ وقت مغرب مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذریعہ تضعیف جاننا،

کما وقع عن الطرابلسی فی البرھان فعدل عن اتباع المحقق ابن الھمام مع شدۃ تاسیسہ بہ۔	جیساکہ برہان میں طرابلسی سے ہے، انہوں نے باتباع محقق ابن الہمام یہاں سے عدول کرلیا حالانکہ وہ ان کی شدید اتباع کرتے ہیں (ت)

محض خطا ہے، امام کے نزدیک وقتِ مغرب شفق ابیض مستطیر تک ہے جو فجر صادق کی نظیر ہے، وُہ کبھی ان بلاد میں تہائی کیا چوتھائی رات تک بھی نہیں رہتی، اور یہ جو اس قدر دیرپا ہے بیاضِ دراز نظیر صبح کاذب ہے

---

[1] تبنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ دررالحکام کتاب الصلٰوۃ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/۵۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ مطبع کبرٰی امیریہ مصر ۱/۸۱

کہ اُسی کی طرح احکامِ شرعیہ سے یکسر ساقط **والی بعض ھذا اونحومنہ اومأالتبیین** (اس کے بعض یااس کے مثل کی طرف تبیین میں اشارہ ہے۔ت)

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) صبح صادق کے لیے ۱۵ درجے انحطاط ہونے کا بطلان اور ۱۸ درجے انحطاط کی صحت، اس واقعہ مشہورہ سے بھی ثابت ہے جو فتح القدیر و بحر الرائق و درمختار میں وعامہ کتب معتبرہ میں مذکور کہ بلغار سے ہمارے مشائخ کرام کے حضور استفتاء آیا تھا کہ گرمیوں کی چھوٹی راتوں میں ان کو وقت عشاء نہیں ملتا آدھی رات تک شفق ابیض رہتی ہے اور وُہ ابھی نہ ڈوبی کہ مشرق سے صبح صادق طلوع کر آئی، امام برہان الدین کبیر نے حکم دیا کہ عشاء کی قضاء پڑھیں اور امام بقالی وامام شمس الائمہ حلوانی وغیرہما نے فرمایا اُن پر سے عشاء ساقط ہے [1]۔ بالجملہ اُن راتوں میں وہاں وقت عشا نہ پانا متفق علیہ ہے، اب اگر انحطاطِ صبح صادق ۱۵ درجے ہوتا توسال کی سب سے چھوٹی رات یعنی شب تحویل سرطان میں بھی اُن کو وقت عشا ملتا ایک رات بھی فوت نہ ہوتا نہ کہ راتوں، اس پر دلیل سُنئے، بلغار کا عرض شمالی ساڑھے انچاس درجے ہے **کما فی الزیج السمر قندی ثم الزیج الالوغ بیکی** (جیسا کہ سمرقندی اور الوغ بیگی زیج میں ہے۔ت) اور میل کلی یعنی راس السرطان کا میل اُس زمانے میں ۲۳-۱/۲ درجے سے کچھ زائد تھا کہ اس کی مقدار زمانہ رصد سمرقند میں جسے تقریبًا پانسوبرس ہُوئے **لح ل ء** [عہ۱] تھی یعنی ۲۳-۱/۲ درجے سے ۱۷ ثانیہ زیادہ تو زمانہ امام شمس الائمہ حلوانی میں جسے پونے نوسوبرس [عہ۲] گزرے اور بھی زائد ہوگا اور طوسی کا رصد مراغہ لیجئے تو وُہ اپنے ہی زمانہ میں **الح لہ** کا رہا ہے یعنی ۲۳ درجے ۳۵ دقیقے، خیر اس کی نہ سُنیے اُس پر تجربہ ہوا ہے کہ اعمال میں کچا ہے، تو بلحاظِ تناسب کہ اب **الح الر** یعنی ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے معہ کسر خفیف ہے اُس وقت کا میل **الح لح بالرفع** رکھئے یعنی ۲۳ درجے ۳۳ دقیقے تو وہاں راس السرطان کی غایت انحطاط یعنی وقت بلوغ دائرہ نصف اللیل ۱۶ درجے ۵۷ دقیقے تھی یا تقریبًا ۱۷ درجے کہئے اور انحطاط صبح ۱۵ درجے ہے تو قطعًا یہی انحطاط شفق ابیض ہے کہ جانبین سے تعادل وتناظر ہے، اس تقدیر پر بعد غروبِ شمس جب تک افق سے آفتاب کا انحطاط بڑھتے بڑھتے ۱۵ درجے تک پہنچا امام اعظم کے مذہب میں وقت مغرب تھا پھر اس کے بعد جبکہ انحطاط اس سے ترقی کرکے آدھی رات کو ۱۷ درجے تک پہنچا پھر

عہ۱: مبدء زیج سنہ ضمار کھا ہے یعنی آٹھ سواکتالیس ہجری۔)

عہ ۲: وفات امام حدود ۴۵۰ ہجری میں ہے یعنی ۴۴۸ یا ۴۵۲ یا ۴۵۶ میں ۱۲منہ۔)

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ مجتبائی دہلی ۱/۶۰

آدھی رات ڈھلے اُس سے کم ہوتا پھر ۱۵درجے رہا اُس وقت صبح ہوئی، اس بیچ میں کہ تقریبًا چار درجے انحطاط بدلا، یقینا اجماعًا وقتِ عشا تھا، تو فوتِ عشا کیا معنے، اور اگر مقدار وقت جاننا چاہو تو عرض شمالی ۳۰َ ۲۴ ۹ - میل شمالی ۲۳ ۴۳ ۲ = ۵۴ ۵۷ + بعد سمقتی مفروض ۱۰۵= ۳۱۰ نصف ۵۶ ۸۲ ۳۰ جیبہ ۹۵۸۹۳۶۵ ۹جیب اول و۱۰۵-نصف مذکور ۳ ۹۲ ۳۱ ۳۰ جیبہ ۸۰۳۷۴۰۳ ء جیب دوم ۹۵۵۶ ۱۸۷۴ ۰ قاطع عرض پس ۴۰ ۴۳ ۱۰ ات شروع وقت عشا ۳۰۳۷۷۶ ۰ قاطع میل ۲۰ ۱۶ ۱۳ شروع وقت صبح ۹۸۷۸۹۹۶ ۹یعنی رات کے ۱۰بج کر ۴۳منٹ ۴۰ سیکنڈ پر مغرب ختم ہوگیا اور ایک بج کر ۱۶ منٹ ۲۰ سیکنڈ پر صبح شروع ہُوئی تو ۲/۱-۲ گھنٹے سے زیادہ وقت عشا رہا اور جب اس رات میں جس کا غایۃ الانحطاط یعنی نہایت قلّت میں ہے اتنا طویل وقت ملا تو گرمی کی اور راتوں میں کہ انحطاط اس سے بھی زائد ہے اور بھی زیادہ وقت ہاتھ آئے گا اور یہ متفق علیہ مسئلہ یقینا غلط ہوجائے گا، ہاں جب صبح و شفق کا انحطاط ۱۸درجے لیجئے تو ۲۴ ۳۰ ۹ + ۱۸ = ۸۶ ۳۰ یا تمام العرض ۴۰ ۳۰ غایت مفروضہ ۱۸ = ۲۲ ۳۰ یعنی جس چیز کا میل شمالی ساڑھے بائیس درجے یا اس زائد ہوگا اُس میں ٹھیک آدھی رات کو انحطاط ۱۸درجے یا اس سے بھی کم ہوگا جو ظہور بیاض کے لیے کافی ہے تو تمام رات میں ایک آن کو بھی اُفق مظلم ہو کر وقتِ عشاء نہ آئے گا اور اب یہ فقط راس السرطان ہی پر نہیں بلکہ ۱۴درجے جوزا سے ۱۶درجے سرطان تک یہی حال رہے گا جس کی مقدار ایک مہینہ تین دن بلکہ زائد ہوئی[1] **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (تحقیق اسی طرح مناسب تھی، توفیق کا اللہ ہی مالک ہے۔ت) اس تمام بیان سے تین باتیں واضح ہوئیں جن سے جواب سوال روشن و مبین:

(۱) اصلا مدار رؤیت ہے شارع علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اسباب میں کوئی ضابطہ وحساب ارشاد نہ فرمایا، نہ عقل صرف مقدار انحطاط صبح بتا سکتی تھی۔

(۲) ہاں رؤیت نے وُہ تجارب صحیحہ دئے جن سے قاعدہ کلیہ ہاتھ آیا اور بے دیکھے وقت بتانا ممکن و میسر ہوا۔

(۳) ازانجا کہ یہاں جو قاعدہ ہوگا رؤیت ہی سے مستفاد ہوگا کہ شرع و عقل دونوں ساکت ہیں تو لاجرم

[1] یعنی دائرہ نصف النہار جانب سمت القدم ۱۲منہ

جو قاعدہ رؤیت یا اس کے دئے ہوئے قوانین کی مخالفت کرے، خود باطل ہونا لازم، کہ فرع جب تکذیب اصل کرے تو فرع باقرارِ خود کاذب ہے کہ اس کا صدق اس پر مبتنی تھا، جب مبنی باطل یہ خود باطل، یہ قاعدہ کہ صبح رات کا ساتواں حصّہ ہوتی ہے انہیں قواعد باطلہ فاسدہ سے ہے کہ رؤیت و قوانین عطیہ رؤیت، بالاتفاق اس کے بطلان پر شاہد عدل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

طعامِ سحری کا جب وقت نہیں رہتا ہے تو درِ مسجد پر نقارہ بجایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ جائز ہے اور بعض کہتے ہیں ناجائز ہے، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

سحری کا نقارہ اجازت یا ممانعت جس اصطلاح معروف پر مقرر کیا جائے اجازت ہے کہ کہیں ممانعت نہیں، درمنتقی شرح الملتقی میں ہے:

ینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز کقرب النوبۃ[1]۔	حمام کا تُوتا جائز ہونا چاہئے جیسا کہ نقّارہ جائز ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لا یقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تامل[2]۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	رمضان میں سحری کے وقت سونے والوں کو جگانے کے لیے طبل اسی طرح ہے جیسے حمام کے لیے توتا بجایا جاتا ہے، غور کیجئے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۵: از کوہ الموڑہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ خاں صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

سحر وافطار کے نقشے عطا ہوں صاحبزادہ نواب دولھا صاحب مانگتے ہیں، ایک دو منٹ کا تفاوت دیکھ لیا جائے گا۔

الجواب:

نقشے بھیجتا ہُوں، الموڑے اور بریلی میں اس ماہ مبارک میں سحری کا اوسط تفاوت منفی پانچ (-۵) ہے یعنی اتنے منٹ وقتِ بریلی سے پہلے ختم ہے اور افطار کا اوسط مثبت ایک (+۱-۱/۴) یعنی وقت بریلی سے

[1] درمنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی المتفرقات من کتاب الکراھیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ مصطفی البابی مصر ۵/ ۲۴۷

سوا منٹ بعد۔ لیکن یہ حساب ہموار زمین کا ہے پہاڑ پر فرق پڑے گا، اور وہ فرق بتفاوتِ بلندی متفاوت ہوگا، اگر دو ۲ ہزار فٹ بلندی ہے تو غروب تقریبًا چار منٹ بعد ہوگا، اور طلوع اُسی قدر پہلے، لہٰذا جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ وُہ جگہ کس قدر بلند ہے جواب نہیں دے سکتا۔ اگر کسی دن کے طلوع یا غروب کا وقت صحیح گھڑی سے دیکھ کر لکھو تو میں اس سے حساب کرلُوں کہ وُہ جگہ کتنی بلند ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۶: از سہادر ضلع ایٹہ مرسلہ سید فردوس علی صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۸ھ

بعد آداب وتمنّائے قدمبوسی گزارش ہے کہ ۵ رمضان شریف یوم شنبہ مطابق ۱۰ ستمبر کو افطار روزہ ایک مسجد میں ریلوے ٹائم سے پونے سات بجے روزہ افطار کیا جاتا تھا مطلع فرمایئے کہ اُس روز ریلوے ٹائم سے کس قدر فرق ہے، زیادہ حدِ ادب فقط

الجواب:

سہادر میں جس کا عرض شمالی الرص ح ۲۷ درجے ۴۸ دقیقے اور طول شرقی عح نح ۷۸ درجے ۵۳ دقیقے ہے پنجم ماہ مبارک روز شنبہ مطابق ۱۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو غروب آفتاب صحیح وقت سے چھ بج کر سوا چھبیس منٹ پر ہوا تو وُہ گھڑی جس کے ساڑھے چھ پر افطار کیا گیا اگر صحیح تھی روزہ بے تکلف ہوگیا کہ غروب کو پونے چار منٹ گزر چکے تھے اس سے پہلے جو پونے سات پر افطار کرتے تھے خلافِ سنت تھا افطار میں اتنی تاخیر مکروہ ہے ریلوے وقت سہادر کے اپنے وقت سے چودہ منٹ اٹھائیس سیکنڈ تیز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از الہ آباد صدر بازار محمد حشمت اللہ صاحب ۱۹ رمضان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امام مسجد ہے او سب لوگ روزہ اُس کی اذان سے افطار کرتے ہیں اور وُہ دیر سے افطار کا حکم دیتا ہے یہاں تک کہ کئی مرتبہ آزمایا گیا ہے کہ تار انکل آیا اس کو تارا دکھا بھی دیا گیا تو اس پر بھی اس نے کہا کہ ابھی دو منٹ کی دیر ہے تو اس حالت میں کچھ روزہ میں نقص تو واقع نہیں ہوتا ہے؟ اگر کوئی واقع ہوتا ہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

جب آفتاب تمام وکمال ڈوبنے پر یقین ہوجائے فورًا روزہ کی افطار سنّت ہے، حدیث میں فرمایا:

لاتزال امتی بخیر ما عجلوا الفطر واخرو السحور[1]۔	ہمیشہ میری اُمّت خیر سے رہے گی جب تک افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کریں۔

[1] مسند احمد بن حنبل روایات ابوذر دارالفکر بیروت ۵/ ۱۴۷

مگراتنی جلدی جائز نہیں کہ غروب مشکوک ہو اور افطار کرے یا سحری میں اتنی دیر لگائے کہ صبح کا شک پڑجائے اور تارے کی سند نہیں بعض تارے دن سے چمک آتے ہیں ہاں، سیّاروں کے سوا جو کواکب ہیں وہ اکثر ہمارے بلد میں غروبِ آفتاب کے بعد چمکتے ہیں اگران ستاروں میں سے کوئی ستارہ چمک آتا ہے اور پھر وہ افطار نہیں کردیتا اور دو ۲ منٹ کی دیر بتاتا ہے تو یہ رافضیوں کا طریقہ ہے، اور بہت محرومی وبے برکتی ہے، اُسے توبہ کرنی چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم** اس صورت میں مسلمان اس پر نہ رہیں جب غروب پر یقین ہوجائے افطار کریں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸: از کوہ الموڑہ رانی دھارہ مسئولہ حکیم مولوی خلیل اللہ صاحب سلمہ ۷ ماہ مبارک ۱۳۳۳ھ

بعد از اہدائے سلام سنت الاسلام ولوازم آداب تسلیمات فدویانہ، معروض خدمت فیض درجت آنکہ والا نامہ گرامی بشرف صدور لایا، مفخر وممتاز فرمایا، کل اس کوٹھی کی بلندی دریافت کی گئی بلندی دریافت کرنے کا ایک آلہ ہوتا ہے جو سطح سمندر سے جس قدر بلند ہو وہ بتاتا ہے، ایک چھوٹا سا آلہ ہے جو کہ چھوٹی سی ڈبیہ کی طرح ہوتا ہے مثل گھڑی کے گول، اس میں سُوئی ہوتی ہے جو کہ بلندی کے نمبروں پر گشت کرتی ہے، غرض وہ کل دیکھا گیا اس کے ذریعہ سے ذیل کی بلندی دریافت ہوئی، پانچہزار پانچ سو پچاس فٹ سطح آب سے بلندی ہے اس لیے صاحبزادہ نواب دولھا صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اب لکھ بھیجو کہ اس حساب سے کیا وقت نکلتا ہے، لیکن یہ بلندی اُس وقت ٹھیک وقت بتاسکتی ہے جبکہ یہ جگہ ہموار ہو یہاں شرقاً وغرباً پہاڑ ہے جس باعث سے طلوع مؤخر اور غروب مقدم ہوتا ہے اور یہ ٹیکری پہاڑ جو کہ غربی جانب ہے ہم سے تین سو یا چار سو فٹ بلند ہے اور شرقی جانب کا پہاڑ غالباً چھ سو فٹ ہوگا اور شمالی جانب پندرہ روزہ کے راستہ پر برف کا پہاڑ نظر آتا ہے جس پر شعاع آفتاب کی بہت پہلے پڑتی ہے اور مطلع صاف ہو تو اس کی چمک یہاں پر بخوبی نظر آتی ہے اور قریب کے پہاڑوں پر کہیں شعاع نہیں ہوتی اور لوگ نماز پڑھتے ہوتے ہیں اور شرق وغرب جو پہاڑ ہے اس پر بھی الموڑہ ہی کی آبادی ہے، سب طرف مکانات بنے ہُوئے ہیں اور اس کوٹھی سے اور خاص شہر یعنی بازار سے چنداں تفاوت نہیں، اب اگر ایک ہزار فٹ پر دو ۲ منٹ بڑھا جائیں تو گیارہ منٹ اور سوا منٹ طول یا عرض بلد کا کل سوا بارہ منٹ جمع کرنا پڑیں گے، جس حساب سے آج کا افطار ۲۳۰منٹ پر ہونا چاہئے (۱۱۰+۱۲=۲۳۰) لیکن میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پیشتر ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہوجاتی ہے لیکن مغربی بادلوں میں خوب سرخی اور چاروں طرف کسی قدر بادلوں پر سرخی پائی جاتی ہے، چونکہ صاحبزادہ صاحب موصوف کو تحقیق مطلوب ہے اس لیے خاکسار نے یہاں کی مجموعی کیفیت گزارش کردی، امید کہ جواب باصواب سے ممتاز فرمایا جائے، رام پور سے جو نقشے آئے ہیں اُن میں اس نقشے کے حساب

سے تین چار منٹ کا، بل ہے یعنی غروب چار منٹ مؤخر ہے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، شرقی غربی پہاڑوں کے سبب تاخرِ طلوع وتقدمِ غروب معتبر نہیں، وہ دیوار ہائے مکان کی مثل ہیں، نہ وہ شعاعیں کہ کوہ برف پر پڑ کر روشنی دیتی ہیں کچھ قابلِ لحاظ نہیں جبکہ وُہ پہاڑ اس سے بلند تر ہو وہ شب کی چاندنی کے مثل ہیں کہ چاند پر شعاعِ شمس ہی پڑ کر روشنی پیدا ہوتی ہے۔ نہ یہاں اربعہ متناسبہ ہے کہ دو ہزار فٹ پر چار منٹ تھے تو ہزار پر دو اور ساڑھے پانچ ہزار پر گیارہ ہوں بلکہ یہاں تزاید علی سبیل التناقص ہے، ہر بلندی پر جو تفاوت ہے اس سے دو چند پر دو چند سے کم ہوگا مثلاً سَو فٹ بلندی پر افق ۱۰۰ دقیقے نیچے گرتا ہے اور ہزار فٹ پر صرف ۳۳۰ دقیقے، نہ کہ ۱۰۰ کا دس گنا، اور چار ہزار فٹ پر ایک درجہ سات دقیقے، نہ کہ ۳۳۰ کہ دو۲ درجے چودہ۱۴ دقیقے، یعنی اس سے دو چند ہوتا کہ ۱۰۰ دقیقے کا چالیس گنا کہ پُورے سات ۷ درجے ہوتا وقس علی ھذا (اور اس پر قیاس کرو۔ت) ۵۵۵۰ فٹ بلندی پر میں نے حساب کیا افق ایک درجہ ۱۹ دقیقے ۱۰ ثانیے گرا، جس کے سبب شروع ماہِ مبارک میں کہ تقویم سرطانی کہ ۲۰ درجے پر تھی، طلوع وغروب المورہ میں ہموار زمین کے اعتبار سے ۶ منٹ ۷ ۴ سیکنڈ تفاوت تھا یعنی طلوع شمس اس قدر پہلے اور غروب اس قدر بعد اور آخر ماہ مبارک میں کہ تقویم اسد کے ۱۸ پر ہوگی تفاوت ۶ منٹ ۲۵ سیکنڈ ہوگا، یہ ۲۲ سیکنڈ کا فرق تفاوت میل شمسی کے باعث ہے، غرض اواخر رمضان حال میں ساڑھے چھ منٹ، تو یہ فرق سمجھئے اور سوا منٹ بلحاظ عرض طول مجموع پونے آٹھ منٹ وقت افطار بریلی پر بڑھیں گے جس میں احتیاطی منٹ بھی شامل ہیں۔ ۱۳ ماہ مبارک مطابق ۲۷ جولائی کی نسبت جو تم نے ۱۲ منٹ بڑھائے ۷۰ بڑھاؤ (۱۲+۷۰ = ۱۹) وہی بات آگئی جو تم نے لکھی کہ "میرے خیال میں ۲۰ منٹ سے پہلے ہی مشرق سے سیاہی نمودار ہوجاتی ہے"۔ ایک رامپور کیا ہندوستان بھر کے نقشوں کی بایں معنی قدر کرنا بے جا نہیں جانتا کہ وُہ بیچارے اپنے گمان میں تو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں، اگرچہ یہ فتوی ہے اور بے علم فتوی سخت حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹ تا ۲۷۰: ازاروہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ محمد صادق علی خاں صاحب رمضان ۱۳۳۰ھ

(۱) روزہ افطار کرنا کس چیز سے مسنون ہے؟

(۲) رمضان مبارک میں روزہ افطار کے بعد مغرب نماز پڑھ کر بہت سے آدمی جمع ہو کر حقّہ پیتے ہیں جس سے بیہوش ہوتے ہیں کچھ خبر نہیں رہتی، ہاتھ پیروں میں رعشہ ہو جاتا ہے، آیا یہ حالت شرعاً سکر میں ہے یا نہیں؟ ایسا حقّہ پینا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

(۱) خرمائے تر، اور نہ ہو تو خشک، اور نہ ہو تو پانی۔ سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں بسندِ حسن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفطر قبل ان یصلی علی رطبات فان لم تکن رطبات فتمیرات وان لم تکن تمیرات فحساحسرات من ماء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز ادا کرنے سے پہلے تر کھجور سے روزہ افطار فرماتے، اگر تر کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوریں استعمال فرماتے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو پانی کے چند گھونٹ پیتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ایسا حقّہ پینا کبھی ہو، حرام ہے، اور یہ حالتِ سُکر نہیں بلکہ تفتیر ہے، اور سُکر و تفتیر دونوں حرام۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر و مفتر[2]۔	رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم ہر نشہ آور مفتر سے منع فرماتے تھے (ت)

اور تفصیل مسئلہ ہمارے رسالہ **حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۱: از بنارس محلّہ کندی گرٹولہ متصل شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۲ رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دعاءِ افطار اللھم صمت وعلٰی رزقک افطرت قبل از افطار پڑھنی چاہئے یا بعد افطار؟ مظاہر حق نواب قطب الدین حسن واشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق میں ترجمہ افطرت کا بصیغہ ماضی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دُعا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد افطار کے پڑھتے تھے، چنانچہ ابن ملک نے بھی اس کو لکھا ہے، قول ابن ملک کو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا مذکور بعد افطار کے پڑھتے تھے نواب قطب الدین حسن دہلوی نے مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے، لیکن بعض کتابوں میں لکھتے ہیں کہ دعا مذکورہ بالا قبل افطار پڑھنی چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع اس کا محل بعد افطار ہے،

ابوداؤد عن معاذ بن زھرۃ	ابوداؤد میں حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ عنہ سے

[1] جامع ترمذی باب ماجاء مایستحب علیہ الافطار امین کمپنی دہلی ۸۸/۱، سنن ابی داؤد باب مایفطر علیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۳۲۱/۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱۶۳/۲

انه بلغه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اذا افطر اللھم لك صمت وعلی رزقك[1] فحمل افطر علی معنی ارادۃ الافطار وصرف عن الحقیقة من دون حاجة الیه وذالایجوز وھکذا فی افطرت۔	کہ رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کے وقت یہ دُعا پڑھتے: "اے اللہ! میں نے تیری رضا کی خاطر روزہ رکھا، تیرے رزق پر افطار کیا" تو یہاں افطر سے مراد ارادہ افطار لینا اور حقیقی معنی سے بے ضرورت اعراض کرنا ہے حالانکہ یہ جائز نہیں اور اسی طرح کا معاملہ "افطرت" میں ہے (ت)

مولانا علی قاری علیہ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

(کان اذا افطر قال) ای دعا وقال ابن الملك ای قرأبعد الافطار[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(جب افطار کرتے تو کہتے) یعنی دُعا کرتے ابن الملک نے کہا کہ افطار کے بعد یہ دُعا پڑھتے تھے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۲۲
[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم مسائل متفرقہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۸

العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار ۱۳۱۲ھ

(افطار کی دُعا کے وقت کے بیان میں عطر آلود دُولھا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

مسئلہ ۲۷۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالمجید صاحب چشتی فریدی پانی پتی ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

ہمارے علماء رحمہم الغفار وابقاہم الی یوم القرار، اس میں کیا فرماتے ہیں کہ دعائے افطارِ روزہ اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت کو بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبل افطار کہے، چنانچہ رسالہ تنبیہ الانام فی آداب الصیام میں ہے: اور قبل افطار کے یہ پڑھنا اللھم لك صمت الخ سنّت ہے[1] انتھی۔ اور بعض فرماتے ہیں کہ وقتِ افطار کہے۔ چنانچہ رسالہ مفتاح الجنۃ مؤلفہ مولانا کرامت علی جونپوری مرحوم میں ہے: اور افطار کے وقت سنّت ہے کہ کہے اللھم لك صمت[2] الخ انتھی۔ اور کتاب

---

[1] تنبیہ الانام فی آداب الصیام

[2] رسالہ مفتاح الجنۃ، مولوی کرامت علی

جواہر الاحکام تصنیف مولوی عبداللہ معروف بہ مستان شاہ میسوری میں نقلاً عن الکفایہ ہے۔ مثلاً سنّت وہی ہے کہ وقتِ افطار یہ دُعا کہے اللھم لك صمت [1] الخ انتھٰی۔ اور رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام مؤلفہ جناب مولوی محمد عبدالحلیم مرحوم لکھنوی میں ہے:

وقت افطار سنت آنست کہ بہ گوید اللھم لك صمت [2] الخ انتھی۔	افطار کے وقت سنّت یہ ہے کہ دُعا مانگے: اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ (ت)

اور نورالہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ مؤلفہ مولوی وحید الزمان میں ہے: جس وقت افطار کرے کہے اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت یعنی اے اللہ! تیرے ہی واسطے میں نے روزہ رکھا تھا اور تیرے رزق پر افطار کرتا ہوں۔ روایت کیا اس کو ابوداؤد نے کہ ایسا ہی کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3] انتھی۔ اور رسائل ارکان اربعہ مؤلّفہ مولانا ومقتدانا جناب مولوی عبدالعلی کے رسالہ صوم میں ہے:

وینبغی ان یقول عند الافطار اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت عن معاذبن زھرۃ قال بلغنی ان رسول اللہ کان اذا افطر قال اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت، رواہ ابوداؤد انتھی [4]۔	افطار کے وقت یہ کہنا چاہئے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، کیونکہ حضرت معاذ بن زہرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، اسے ابوداؤد نے روایت کیا انتھی (ت)

اور رسالہ تعلیم الصیام میں ہے: معاذ بن زہرہ نے کہا حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) افطار کے وقت یُوں کہتے تھے:

اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت، رواہ ابوداؤد مرسلا [5] انتھی۔	اے اللہ! میں نے تیری خاطر روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔ اسے ابوداؤد نے مرسلًا روایت کیا۔ (ت)

اور شیخ عبدالحق قدس سرہ کی مدارج النبوۃ میں ہے:

---

[1] جواہر الحکام، مولوی عبداللہ

[2] رسالہ خیر الکلام فی مسائل الصیام، مولوی عبدالحلیم

[3] نورالہدایہ ترجمہ شرح وقایہ، کتاب الصوم باب مکروہات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۷۶

[4] رسائل ارکان ربعہ بیان انہ یستحب الافطار بالتمر مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۵

[5] رسالہ تعلیم الصیام

ودروقتِ افطار فرمودے اللھم بك صمت [1] الخ انتھی۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کے وقت فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے رکھاالخ انتہی (ت)

اور اُنہیں کی اشعۃ اللمعات میں حدیث معاذ بن زہرہ کے ترجمہ میں ہے:

بود آنحضرت چوں افطار می کردمی گفت اللھم لك صمت خداوند برائے رضائے تو روزہ داشتہ ام وعلٰی رزقک افطرت وبر روزی توکہ رسانیدی می کشادم روزہ را [2] انتھی۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار کرتے، فرماتے اللھم لك صمت اے اللہ! میں نے تیری رضا کیلئے روزہ رکھا وعلٰی رزقك افطرت اور تیرے عطا کردہ رزق پر روزہ افطار کیا انتھی (ت)

اور بعض کہتے کہ اس دعا کو بعد افطار کہے۔ چنانچہ مظاہر حق ترجمہ اردو مشکوٰۃ مؤلفہ جناب مولوی قطب الدین مرحوم دہلوی میں ہے: ابن ملک نے کہا ہے کہ حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان کلمات (یعنی اللھم لك صمت الخ) کو بعد افطار کہتے تھے [3] انتھی۔ توان قولوں میں صحیح قول کون سا ہے؟ اور نیز اس میں کہ وقت افطار سے مراد قبل از افطار ہے اور پہلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے یا بعد افطار اور پچھلے قول اور اس قول کا مآل واحد ہے اور نیز اس میں کہ لفظ افطرت کا ترجمہ "افطار کرتا ہوں میں" جیسا کہ مؤلف نور الہدایہ ترجمہ اردو شرح وقایہ نے کیا ہے صحیح ہے یا "افطار کیا میں نے" جیسا کہ شیخ قدس سرہ نے اشعۃ اللمعات میں کیا ہے صحیح ہے؟ اور نیز اس میں کہ بر تقدیر صحت ترجمہ ثانی کے اس دُعا کا بعد افطار ہونا ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور نیز اس میں کہ زید تو کہتا ہے کہ حدیث کے لفظ اذا افطرت قال اللھم لك صمت الخ (جب افطار کرتے تو فرماتے اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا الخ۔ت) میں اذا حرفِ شرط ہے، افطر جملہ فعلیہ شرط ہے، قال اپنے فاعل ضمیر مستتر اور اللھم لك الخ مقولہ کے ساتھ جزا ہے۔ اور عمرو کہتا ہے اذا حرفِ شرط، افطر شرط، اور فقد قال جزا۔ بس یہ کلام تو تمام ہوچکا اب اللھم لك صمت برأسہ اور نیز ایک دوسرا کلام ہے قال سے اس کو کچھ تعلق نہیں تو دونوں میں صحیح قول کس کا ہے۔؟ اور نیز اس میں زید تو کہتا ہے کہ اللھم لك صمت الخ دُعا ہے اور عمرو کہتا ہے نہیں، کیونکہ دُعا تو وُہ کلام ہوتا ہے جو کہ متضمن مضمون طلب ہو، اور یہ ایسا نہیں تو دُعا بھی نہیں، تو دونوں میں صحیح

---

[1] مدارج النبوۃ باب دہم درانواع عبادات نوع چہارم درصوم نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۴۲۹

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الصوم فصل ثالث نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸۴

[3] مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصوم افطار کی دعا دارالاشاعت کراچی ۲/ ۳۱۴

قول کس کا ہے؟ اور نیز اس میں کہ لفظ عند ظرف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو ظرف زمان بمعنی وقت ہے یا ظرف مکان بمعنی نزدیک اور پاس کے؟ اور نیز اس میں کہ مولانا بحر العلوم مرحوم کے قول **وینبغی ان یقول عند الافطار** کا ترجمہ "اور لائق ہے کہ کہے وقت افطار کے" کرنا چاہئے یا "اور لائق ہے یہ کہ کہے نزدیک افطار کے" کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباﷲ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق مقتضائے دلیل یہ ہے کہ دُعا روزہ افطار کرکے پڑھے اوّلاً حدیث مذکور ابی داؤد کہ ابن السنی نے کتاب عمل الیوم واللیلہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں یُوں روایت کی:

عن معاذبن زھرۃ قال کان رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال الحمد ﷲ الذی اعاننی فصمت ورزقنی فافطرت[1]	حضرت معاذبن زہرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ پڑھتے: سب حمداللہ کی جس نے میری مدد فرمائی کہ میں نے روزہ رکھا اور مجھے رزق عطافرمایا کہ میں نے افطار کیا۔(ت)

اور نیز ابن السنی نے کتاب مذکور اور طبرانی نے معجم کبیر اور دار قطنی نے سنن میں موصولاً یوں تخریج کی:

عن ابن عباس رضی اﷲ تعالٰی عنھما قال کان رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال اللّٰھم لك صمنا وعلٰی رزقك افطرنا فتقبل منا انّك انت السمیع العلیم[2]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو یہ دُعا پڑھتے: اے اللہ! ہم نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا، ہماری طرف سے قبول فرما تو سننے اور جاننے والا ہے(ت)

ونیز حدیث ابی داؤد ونسائی ودار قطنی وحاکم وغیرہم:

عن ابن عمر رضی اﷲ تعالٰی عنھما	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے

[1] شعب الایمان باب فی الصیام حدیث ۳۹۰۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴۰۶/۳، کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذاافطر حدیث ۴۷۹ معارف نعمانیہ حیدر آباد دکن ص ۱۲۸

[2] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذاافطر حدیث ۴۸۰ معارف نعمانیہ حیدر آباد دکن ص ۱۲۸، سنن الدار قطنی باب القبلۃ للصائم حدیث ۲۱ نشر السنۃ ملتان ۱۸۵/۲

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاافطر قال ذھب الظمأ و ابتلت العروق ویثبت الاجر ان شاء اللہ تعالٰی[1]۔	کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افطار کرتے توفرماتے: پیاس چلی گئی، رگیں تر ہوگئیں، اور اگر اللہ تعالٰی نے چاہاتو اجر ثابت ہوگیا(ت)

ان سب کا مفاد صریح یہی ہے افطر شرط اور قال کذا اس کی جزا، مجرد قول کہ مقولے سے معرا کرلیا جائے صلاحیتِ وقوع ہی نہیں رکھتا، ترتّب کہ لازم جزائیت ہے کہاں سے آئیگا، اللّٰھم کو کلامِ مستانف قرار دینا ایسی بات ہے کہ شرح مائۃ عامل خواں بھی قبول نہ کرے گا، اور جزا شرط سے مقدم نہیں ہوتی بل یعقبہ ویترتب علیہ کما لایخفی علٰی کل من لہ ادنی مسکۃ (بلکہ جزاشرط سے مؤخر اور اس پر مترتب ہوتی ہے جیسا کہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو اس فن کے ساتھ تھوڑا سا بھی تعلق رکھتا ہے۔ت) اور مقارنت حقیقیہ یہاں معقول نہیں کہ عین وقتِ افطار بالاکل والشرب یعنی جس وقت کوئی مطعوم حلق سے اتارا جائے عادۃً خاص اُس حالت میں قراءت ناتیسر، لاجرم تعقیب مراد، وھو المقصود ہاں افطار بالجماع میں اقتران حقیقی مقصود مگر وُہ یہاں قطعًا مراد نہیں کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) یہیں سے واضح ہُوا کہ قولِ ثانی وثالث کا مآل ایک ہی ہے اور نکتہ تعبیر اشعار بعدیت متصلہ ہے کہ لفظ بعد بعدیتِ منفصلہ کو بھی شامل، اور وُہ خلافِ مقصود ہے۔ لہٰذا بلفظ "وقت" تعبیر کہ نافی انفصال ہو، ہنگامِ استحالہ مقارنہ اگرچہ معاقبہ تقدم وتاخّر دونوں کو متناول، مگر حالت مجازات مانع تقدم ہے، ولہٰذا جہاں خارج سے تقدم معلوم، شرط میں تاویل ارادہ وغیرہ معمول،

کما فی قولہ عزّوجلّ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ[2] وفی حدیث کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل الخلاء قال اللھم انی اعوذبك من الخبث و الخبائث[3]، رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن انس	جیسا کہ اللہ عزوجل کے مبارک ارشاد میں ہے جب تم نماز کا ارادہ کرو تو چہرے کو دھولو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں ہے، جب کوئی بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرے تو کہے اے اللہ! میں ناپاک وخبیث سے تیری پناہ میں آتاہوں۔ اسے امام احمد اور ائمہ ستّہ نے حضرت انس

[1] سُنن ابی داوٗد باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲۱، سنن الدار قطنی باب القبلۃ للصائم نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۸۵

[2] القرآن ۵/ ۶

[3] جامع ترمذی باب مایقول اذا دخل الخلاء امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۳

بن مالك رضی الله تعالٰی عنه. اماھٰھنا فحمل" افطر" علی الارادۃ، عدول عن الحقیقۃ من دون حاجۃ تحمل علیه ولاصارف یدعو الیه. فلایفعل ولا یقبل۔	بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے لیکن مذکورہ صورت میں لفظ افطر کو ارادہ افطار پر محمول کرنا بے ضرورت حقیقت سے اعراض ہے اور یہاں کوئی مجاز پر قرینہ بھی نہیں، لہٰذا ایسانہ کیا جائے اور نہ اسے قبول کیا جائے۔(ت)

ثانیًا ان ادعیہ میں **افطرت**(میں نے افطار کیا) اور **افطرنا**(ہم نے افطار کیا)، **ذھب الظمأ**(پیاس چلی گئی) **ابتلت العروق**(رگیں تر ہوگئیں) سب صیغے ماضی ہیں اور افطار باللفظ متصوّر نہیں کہ مثل عقود انشاء مقصود لاجرم اخبار متعین، تو **تقدیم علی الافطار** میں یہ سب بھی ارتکاب تجوز کے محتاج ہوں گے کہ خلافِ اصل ہے **والنصوص یجب حملھا علی ظواھر ھا مالم تمس حاجۃ واین حاجۃ**(جب تک کوئی مجبوری نہ ہو نصوص کو ظاہر پر ہی محمول کرنا چاہئے اور یہاں کوئی ضرورت و مجبوری نہیں۔ت) یہاں سے بھی ظاہر ہوا کہ ترجمہ حضرت شیخ محقق نوراللہ مرقدہ الشریف ہی صحیح ہے اور "افطار کرتا ہوں" بلاوجہ حقیقت سے عدول۔ طرفہ یہ کہ اب بھی حاجت تجوز باقی۔

لما قدمنا من امتناع المقارنۃ فلا بد من تاویل الحال بالاستقبال والافطار بالارادۃ۔	کیونکہ ہم نے پہلے بیان کردیا کہ یہاں مقارنت واتصال ممتنع ہے لہٰذا حال کو بمعنی استقبال اور افطار بمعنی ارادہ افطار کیا جائے گا۔(ت)

ثالثًا مرسل ابن السنی وبیہقی میں لفظ **الحمدللہ** اور مؤید تاخیر کہ حمد بعداکل معہود ہے جس طرح قبلِ اکل تسمیہ۔

رابعًا یہ توظاہر ہے اور شاید مدعیِ تقدیم کو بھی مسلّم ہو کہ یہ دُعائیں دن میں پڑھ لینے کی نہیں کہ ہنوز وقتِ افطار بھی نہ آیا، اب اگر عمرو بعد غروب شمس یہ دُعائیں پڑھ کر افطار کرے اور زید بعد غروب فورًا افطار کرکے پڑھے تو دیکھنا چاہئے کہ اس میں کس کا فعل اللہ عزوجل کو زیادہ محبوب ہے، حدیث شاہد عادل ہے کہ فعل زید زیادہ پسند حضرت جلاوعلا ہے کہ رب العزت تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ان احبّ عبادی الیّ اعجلھم فطرا[1]، رواہ الامام احمد و	مجھے اپنے بندوں میں وُہ زیادہ پیارا ہے جو اُن میں سب سے زیادہ جلد افطار کرتا ہے(اسے

[1] جامع ترمذی باب ماجاء فی تعجیل الافطار امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۸۸/۱

الترمذی وحسنه وابنا خزیمة وحبّان فی صحیحه عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن ربه تعالٰی وتقدس۔	امام احمد اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا اُنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور آپ نے اللہ تبارک وتعالٰی سے ذکر کیا، یعنی یہ حدیث قدسی ہے۔ت)

شک نہیں کہ صورتِ مذکورہ میں زید کا افطار جلد تر ہوا تو یہی طریقہ زیادہ پسند ومرضی ربِّ اکبر ہُوا جلّ جلالہ، وعمّ نوالہ، یہ دوسرا مؤید ہے اس کا کہ وقت الافطار وبعد الافطار کا مآل واحد ہے کہ جب افطار غروب شمس کے بعد جلد ہو تو احب وافضل، اور مقارنت افطار ودُعا، نامتیسر اور پیش از غروب، وقت افطار معدوم، تو وہ صورت بعدیت متصلہ ہی مقصود ومفہوم۔

خامسًا فعل اقدس حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتانے والے بھی اسی کا انکار کرتے ہیں، عادتِ کریمہ تھی کہ قریب کسی کو حکم فرماتے کہ بلندی پر جا کر آفتاب کو دیکھتا رہے، وہ نظر کرتا ہوتا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی خبر کے منتظر ہوتے، اُدھر اُس نے عرض کی کہ سُورج ڈوبا ادھر حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خُرما وغیرہ تناول فرمایا،

الحاکم وصححه عن سھل بن سعد و الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھما وھذا حدیث سھل قال کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا کان صائما امر رجلا اوفی علی نشز فاذا قال غابت الشمس افطر[1] ولفظ حدیث ابی الدرداء امر رجلا یقوم علی نشز من الارض فاذا قال قد وجبت الشمس افطر[2].	حاکم نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کرکے صحیح کہا اور طبرانی نے الکبیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ حدیث سہل کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب روزہ دار ہوتے تو کسی شخص کو بلند جگہ پر جاکر چاند دیکھنے کا حکم فرماتے، جب وُہ کہتا سورج ڈوب گیا ہے، تو پھر افطار فرماتے، حدیث ابو الدرداء کے الفاظ یہ ہیں کسی شخص کو حکم دیتے زمین کے اونچے مقام پر کھڑے ہو کر سُورج دیکھو جب وہ کہتا سورج ڈوب

[1] المستدرک للحاکم کتاب الصوم دار الفکر بیروت ۱/۴۳۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طرانی کبیر دار الکتاب العربی بیروت ۳/۱۵۵

وفی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ للامام العارف سیّدی عبد الوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی کانت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا تقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو صائم یترصد غروب الشمس بتمرۃ فلما توارت القاھا فی فیہ[1]۔	گیا ہے تو آپ افطار فرماتے۔ کشف الغمہ عن جمیع الامہ للامام عارف سیّدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا بیان یوں منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روزے کی حالت میں دیکھا آپ کھجور پکڑے سورج کے غروب ہونے کا انتظار فرما رہے ہیں، جیسے ہی وُہ ڈوبا آپ نے کھجور مُنہ میں ڈال لی۔ (ت)

یہ تینوں حدیثیں بھی اُس تقدیم افطار کا پتا دیتی ہیں کہ اخبار وافطار میں اصلاً فصل نہ تھا کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) لاجرم تصریح فرمائی کہ یہ دُعا افطار کے بعد واقع ہوئی، مولانا قاری رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث مذکور ابی داؤد فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان اذا افطر قال ای دعا وقال ابن الملك ای قرأ بعد الافطار[2] الخ۔	رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے یعنی دُعا فرماتے، ابن الملک نے کہا کہ آپ افطار کے بعد یہ کلمات پڑھتے الخ (ت)

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اللّٰھم لك صمت الخ دُعا ہے، دُعا کے معنی پکارنا، اور اللھم سے بہتر کون سا پکارنا ہوگا، بلکہ اسی مرقاۃ میں تصریح فرمائی کہ کل ذکر دعا وکل دعا ذکر[3] (ہر ذکر دعا ہے اور ہر دُعا ذکر ہے۔ ت) صحیح بخاری شریف میں باب وضع کیا: باب الدعاء بعد الصلاۃ (نماز کے بعد دُعا کے بارے میں باب) اور اسی میں حدیث لائے:

تسبحون فی دبر کل صلٰوۃ عشرا وتحمدون عشرا وتکبرون عشرا[4]۔	تم ہر نماز کے بعد دس دفعہ سبحان اللہ اور دس دفعہ الحمد للہ اور دس دفعہ اللہ اکبر کہو۔ (ت)

یونہی باب الدعا اذا ھبط وادیا (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب کسی وادی میں اُترے تو دُعا کرے۔ ت) میں حدیثِ جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اشارہ کیا:

---

[1] کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ کتاب الصوم دار الفکر بیروت ۱/۲۵۵

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/۲۵۸

[3] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب الدعوات المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/۱۳۵

[4] صحیح بخاری الدعاء بعد الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۳۷

قال کنا اذا صعدنا کبرنا واذا نزلنا سبحنا[1]۔	جب ہم اُوپر چڑھتے تو اللہ اکبر اور جب نیچے اُترتے تو سبحان اللہ کہتے (ت)

یُوں ہی باب الدعا اذا ارادہ سفرا او رجع (یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب سفر کا ارادہ کرے یا سفر سے لَوٹے تو دُعا کرے۔ت) میں حدیث یکبر علی کل شرف[2] الخ (آپ ہر بلندی پر تکبیر کہتے۔ت) لائے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احادیث کثیرہ میں ذکر کو دُعا فرمایا، صحیحین میں ہے:

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کنّا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سفر فکنا اذا علونا کبرنا فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایھا الناس اربعو اعلٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبا ولکن تدعون سمیعا بصیرا[3]۔	حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے جب ہم بلند جگہ پر چڑھتے تو تکبیر کہتے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم تو سننے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔ (ت)

جامع ترمذی میں ہے:

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الدعاء دعاء یوم عرفۃ وخیر ماقلت انا والنبیون من قبلی لاالٰہ الّا اللہ وحدہ لاشریك لہ لہ الملك ولہ الحمد وھو علٰی کل شیئ قدیر قال الترمذی حدیث حسن غریب[4] قال مناوی خیر ماقلت ای مادعوت[5]۔	حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دُعا یوم عرفہ کی دُعا ہے، اور سب سے بہتر یہ دُعا ہے جو مَیں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے مانگی: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک وحمد اسی کے لیے ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے، ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے، مناوی "خیر ما قلت" کا ترجمہ "جو میں نے دعا کی" کیا ہے۔ (ت)

[1] صحیح بخاری باب التسبیح اذا ھبط وادیا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۰
[2] صحیح بخاری باب الدعا اذا اراد سفرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۴
[3] صحیح بخاری باب الدعاء اذا علا عقبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۴۴
[4] جامع الترمذی باب فی فضل لاحول ولا قوۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۹۸
[5] التیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث خیر الدعاء مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/۵۲۵

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان، حاکم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الذکر لاالٰہ الااللہ وافضل الدعاء الحمد للہ[1]۔ حسنہ الترمذی وصححہ الحاکم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے بہتر ذکر لاالٰہ الّا اللہ اور افضل دعا الحمد للہ ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ (ت)

معہذا کنایہ تصریح سے ابلغ ہے اللھم لک صمت (اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا۔ت) کہنے والا اخلاص عبادت لوجہ اللہ عرض کرتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾[2]۔	اللہ تعالٰی کسی نیکوکار کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

اور فرماتا ہے: الصوم لی وانا اجزی بہ[3] (روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں۔ت) پھر علٰی رزقك افطرت (تیرے رزق پر میں نے افطار کیا۔ت) کہہ کر شکرِ نعمت بجالاتا ہے۔ اور رب جل وعلا فرماتا ہے: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ[4] (اگر تم شکر کرو تو میں تمہارے لیے اضافہ کروں گا۔ت) اگر دو شخص بادشاہ کے درِ دولت پر حاضر ہوں، ایک عرض کرے اے بادشاہ! مجھے یہ دے دے۔ دوسرا عرض کرے اے بادشاہ! میں تیرا فرمان سرآنکھوں سے بجالاتا ہُوں اور تیرا ہی دیا کھاتا ہوں انصاف کیجئے۔ حُسنِ طلب کس کا حصّہ ہے۔

أأذکر حاجتی ام قد کفانی　　حیاؤك ان شیمتك الحیاء
اذا اثنی علیك المرء یوما　　کفاہ من تو ضك الثناء
کریما لا یغیرہ صباح　　عن الخلق الکریم ولا مساء

(کیا میں اپنی حاجت ذکر کروں یا آپ کا حیاء ہی میرے لیے کافی ہے، جو آپ کا زیور ہے۔

[1] جامع ترمذی باب ان دعوۃ المسلم مستجابۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۷۴/۲
[2] القرآن ۱۲۰/۹
[3] مشکوٰۃ کتاب الصوم الفصل الاول مجتبائی دہلی ص ۱۷۳
[4] القرآن ۷/۱۴

جب کسی دن کسی نے آپ کی تعریف کی تو آپ کی ثنا کا روشن ہونا ہی اس کیلئے کافی تھا، ایسا کریم کہ صبح وشام مخلوق کو نوازتے ہُوئے کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا)

بالجملہ قابل قبول و مؤید بالمعقول والمنقول وہی قول ثانی وثالث ہے اور وقت الافطار و عندالافطار وبعد الافطار وہنگامِ افطار و نزدیک افطار وپس افطار، سب کا حاصل ایک ہی ہے، نزدیک ترجمہ عند ہے، اور عند خواہ ظرف مکان ہو **کما افادہ فی الاتقان الشریف**[1] (جیسا کہ اتقان شریف میں ہے۔ت) خواہ ظرف زمان ومکان دونوں **کما نص علیہ فی القاموس**[2] (جیسا کہ اس پر قاموس میں تصریح ہے۔ت) امتیاز بحسب مدخول علیہ ہوگا **کما بینہ فی تاج العروس**[3] (جیسا کہ اس کی تفصیل تاج العروس میں ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ زمان، زمانی پر داخل ہو کر افادہ قربِ زمانی ہی کرے گا، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ عندالصبح کا حاصل قرب مکان صبح ہے، اصل یہ کہ وضع عند قرب مطلق کے لیے ہے، حِسی ہو یا معنوی، **کما صرح بہ فی مسلم الثبوت**[4] **وشرح الکافیۃ لرضی وغیرھا من المعتبرات** (جیسا کہ مسلم الثبوت، شرح کافیہ للرضی اور دیگر معتبر کتب میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) مکانیات سے قربِ مکانی ہوگا، زمانیات سے قربِ زمانی، متعالی عن المکان والزمان سے قربِ مکانت، **کما فی قولہ تعالیٰ عِنۡدَ مَلِیۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ**[5] (جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی میں ہے: (عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور۔ت) تو نظر باصل معنی کہ عند لغت میں بمعنی جانب وناحیہ تھا **کما فی القاموس**[6] (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) اور اتحاد جہت مستلزم قرب، اور وہ ہنگام حقیقت قرب مکانی کہ جہت حقیقیہ مختص بمکانیات ہے، اُسے ظرف مکان کہیں صحیح اور نظر بحال کہ یہ قربِ حسی ومعنوی سب کو شامل ہو کر زمانیات کو بھی متناول ہوگیا ظرف زمان ومکان دونوں کہیں بھی صحیح،

ھذا ما ظھر لی ولہ استعمالات اُخر	یہ تمام وُہ تھا جو مجھ پر آشکار ہوا اس کے دیگر استعمالات

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون فی معرفۃ معانی الادوات مصطفی البابی مصر ۱/۱۶۵

[2] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال مصطفی البابی مصر ۱/۳۳۰

[3] تاج العروس تحت فصل العین باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۵-۴۳۴

[4] مسلم الثبوت مسائل ادوات التعلیق مطبع انصاری دہلی ص ۶۸

[5] القرآن ۵۴/۵۵

[6] القاموس المحیط تحت فصل العین باب الدال احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۰

منسلخ فیھا عن معنی الظرفیۃ کالحکم والاعتقاد کقولك ھذا عند ابی حنیفۃ والفضل والاحسان کقولہ تعالٰی فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ[1] وغیرہ ذٰلك کما ذکرہ الحریری فی درۃ الغواص لیس ھذا مقام تفصیلھا۔	بھی ہیں جو معنی ظرفیت کے علاوہ ہیں، مثلاً حکم اور اعتقاد جیسا کہا جائے یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا بمعنی فضل واحسان کے "مثلاً-"اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے پس اگر آپ دس مکمل کریں تو تمہارا احسان ہے، ان کے علاوہ دیگر معانی بھی ہیں جنہیں حریری نے درۃ الغواص میں ذکر کیا ہے لیکن یہ مقامِ تفصیل نہیں (ت)

معانی از قبیل ثانیا اور افطار منجملہ معانی تو اس مراد وہی قرب زمانی، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ عند الافطار کے معنی حین الافطار ہیں نہ کہ فی مکان الافطار، ای مکان کان فیہ المفطر حین افطر والا فالافطار لیس مما یحل فی المکان (افطار کے وقت جہاں افطار کرنے والا ہو، ورنہ افطار خود مکان میں حلول نہیں کرتا۔ت) کیا آج اگر کسی شخص نے ایک جگہ روزہ افطار کیا اور چھ مہینے بعد آکر اس جگہ پر دُعاءِ مذکور پڑھ لے یا چار پہر تک وہیں بیٹھا رہا صبح کو دُعا پڑھے تو یقول عند الافطار (افطار کے وقت کہے۔ت) کا حکم ادا ہوگیا کہ آخر مکان تو وہی ہے، لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہاں عند سے اتحاد زمان ہی مفاد اور اتحاد سے وہی تعقیب متصل مراد، یہ سب واضحاتِ جلیلہ ہیں جن کی اضاحت گویا وقت کی اضاعت، مگر کیا کیجئے کہ بعد وہم واہم وورود سوال حاجتِ ازاحت۔

ان تقریرات سے بحمد اللہ تعالٰی تمام سوالوں کا جواب ہوگیا اور روشن طور پر منجلی ہُوا کہ مقتضائے سنّت یہی ہے کہ بعد غروب جو خُرمے یا پانی وغیرہ از قبل نماز افطار معجّل کرتے ہیں اُس میں اور علم بغروب شمس میں اصلاً فصل نہ چاہئے یہ دُعائیں اس کے بعد ہوں، ہاں کبھی افطار مقابلِ سحور اس کھانے کو کہتے ہیں جو صائم شام کو کھاتا ہے۔

ابن خزیمۃ فی صحیحہ ومن طریقہ البیھقی وابو الشیخ بن حبان فی الثواب عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی فضائل شھر رمضان، قال من فطر فیہ صائما کان مغفرۃ لذنوبہ وعتق رقبتہ	ابن خزیمہ نے صحیح میں، اور اسی طریق سے بیہقی نے اور ابوالشیخ بن حبان نے الثواب میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فضائلِ رمضان کے بارے مرفوعًا بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا جس نے کسی کا روزہ افطار کروایا اس کے گناہ معاف اور اس کی گردن جہنم سے آزاد

[1] القرآن ۲۸/۲۷

من النار، وکان له مثل اجره من غیران ینقص من اجره شئی، قالوا یا رسول الله لیس کلنا یجد مایفطر الصائم [1] الحدیث وفی روایة ابی الشیخ فقلت یا رسول الله افرأیت ان لم یکن ذلك عندہ؟ قال فقبضه من طعام. قلت افرأیت ان لم یکن عندہ. لقمة خبز قال فمذقة من لبن قال افرأیت ان لم یکن عندہ قال فشربة من ماء [2] وفی حدیث ابی داؤد وغیرہ بسند صحیح عن انس رضی الله تعالٰی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم جاء الی سعد بن عبادة فجاء بخبز و زیت فاکل ثم قال النبی صلی الله علیه وسلم افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة [3] وفی لفظ افطرنا مرة مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقربوا الیه زیتا فاکل واکلنا حتی فرغ قال اکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکة وافطر عندکم الصائمون۔	ہوجائے گی، اور اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہوگا اور روزہ دار کے اجر میں بھی کمی نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو روزہ دار کو سیر ہو کر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتے الحدیث۔ اور ابوالشیخ کی روایت میں ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بارے میں کیا حکم ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو؟ فرمایا تو ایک مُٹھی طعام سہی۔ میں نے عرض کیا اگر اس کے پاس روٹی کا ٹکڑا نہ ہو؟ فرمایا دُودھ کا گھونٹ۔ عرض کیا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا پانی کا گھونٹ پیش کردے۔ اور ابوداؤد وغیرہ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سعد بن عبادہ کے پاس آئے، انہوں نے روٹی اور زیتون پیش کیا، آپ نے تناول کیا اور فرمایا تمہارے پاس روزہ داروں نے افطار کیا، تمہارا کھانا ابرار نے کھایا اور تم پر ملائکہ نے رحمت کی دعا کی۔ دوسری روایت کے الفاظ ہیں: ایک دفعہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ افطاری کی۔ آپ کی خدمت اقدس میں زیتون پیش کیا گیا آپ نے اور ہم سب نے تناول کیا جب فارغ ہوئے فرمایا: تمہارے کھانے کو نیک لوگوں نے کھایا تمہارے لیے ملائکہ نے دعا کی اور تمہارے

[1] صحیح ابن خزیمہ باب فضائل شہر رمضان المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۲

[2] کنز العمال بحوالہ حب حدیث ۲۳۶۵۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۸/ ۴۶۰، الترغیب والترھیب بحوالہ ابن حبان فی کتاب الثواب الترغیب فی اطعام الطعام مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۴

[3] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۲

پاس روزہ داروں نے افطار کیا۔(ت) اسی طعام شام سے پہلے ایک دُعا وارد ہوئی ہے اُس میں بھی یہ الفاظ موجود ہیں:

الدار قطنی فی الافراد عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا قرب الی احدکم طعامہ وھو صائم فلیقل، بسم اللہ و الحمد للہ اللھم لك صمت وعلی رزقك افطرت وعلیك توکلت سبحٰنك وبحمدك تقبل منّی انك انت السمیع العلیم[1]۔	امام دارقطنی نے افراد میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تمہارے پاس کھانا لایا جائے اور تم حالتِ روزہ میں ہوتو یہ کلمات کہو اللہ کے نام کے ساتھ شروع، تمام حمد اللہ کے لیے ہے، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا اور تجھ پر توکّل کیا، تیری ذات مقدس ہے اور حمد تیری ہے، مجھ سے قبول فرمالے، بیشک تُو سُننے اور جاننے والا ہے"۔(ت)

حدیث طبرانی:

عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا افطر قال بسم اللہ اللھم لك صمت وعلٰی رزقك افطرت[2]۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب افطار فرماتے تو کہتے: "اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور تیرے رزق پر افطار کیا۔"(ت)

میں کہ ظاہر تسمیہ مشعر تقدیم ہے، اگر افطار سے یہی طعامِ شام بمعنی مذکور مراد، جب تو امر واضح ہے، ورنہ وہ بسببِ شدّت ضعف قابلِ احتجاج نہیں، اس کی سند میں داؤد بن الزبر قان متروک ہے۔

قال فی التقریب التھذیب متروك کذبہ الازدی اھ[3] قلت	التقریب التہذیب میں ہے کہ یہ متروک ہے اور ازدی نے اسے کاذب کہا ہے اھ میں کہتا ہوں

[1] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۲۳۸۷۳ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۸/ ۵۰۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی اوسط باب مایقول اذا افطر دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۵۶

[3] تقریب التہذیب تحت حرف الدال دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۷۹

وکذا الجوزجانی کما فی المیزان۔	جوزجانی نے بھی کہا ہے، جیسا کہ میزان میں ہے۔(ت)

یہ اس مسئلہ میں آخر کلام ہے، امید کرتا ہُوں کہ یہ تحقیق وتفصیل اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی، وللہ الحمد وبہ التوفیق ایاہ نسأل ھدایۃ الطریق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

صَوم نفل

مسئلہ ۲۷۳: از بنارس محلّہ مانپور متصل کول چونزہ اونچی سیڑھی مرسلہ عبدالستار ۱۵شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مین کہ ۲۷ تاریخ ماہ رجب کی، روزہ رکھنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیہقی شعب الایمان اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کی:

فی رجب یوم ولیلۃ من صام ذٰلك الیوم وقام تلك اللیلۃ کان کمن صام من الدھر مائۃ سنۃ وقام مائۃ سنۃ وھو لثلث بقین من رجب وفیہ بعث اللہ تعالٰی محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم [1]۔	رجب میں ایک دن اور رات ہے جو اس دن کا روزہ رکھے اور وُہ رات نوافل میں گزارے سَو برس کے روزوں اور سَو برس کے شب بیداری کے برابر ہو، اور وہ ۲۷ رجب ہے اسی تاریخ اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

قال البیہقی منکر [2] (امام بیہقی نے اس روایت کو منکر کہا ہے۔ت) نیز اسی میں بطریق ابان

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳۸۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۴۲، شعب الایمان حدیث ۳۸۱۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ھب حدیث ۳۵۱۶۹ مکتبۃ التراث الاسلامی بیروت ۱۲/ ۳۱۲

بن عیاش حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعاً مروی:

فی رجب لیلة یکتب للعامل فیها حسنات مائة سنة، وذٰلك لثلٰث بقین من رجب فمن صلی فیه اثنتی عشرة رکعة یقرأ فی کل رکعة فاتحة الکتاب وسورة من القرأن، ویتشهد فی کل رکعة ویسلم فی اٰخرهن، ثم یقول، سبحٰن الله والحمدلله ولااله الاالله والله اکبر مائة مرة ویستغفر اللهمائة مرة ویصلی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مائة مرة ویدعو لنفسه ماشاء من امر دنیاه واٰخرته ویصبح صائما فان الله یستجیب دعاء کله الاان یدعوفی معصیة [1]۔ قال البیهقی هو اضعف من الذی قبله[2]، قال ابن حجر فیه متهمان۔[3]	رجب میں ایک رات ہے کہ اس میں عمل نیک کرنے والے کو سَو برس کی نیکیوں کا ثواب ہے اور وہ رجب کی ستائیسویں شب ہے جو اس میں بارہ رکعت پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور ایک سورت، اور ہر دو رکعت پر التحیات اور آخر میں بعد سلام سبحن اللہ والحمد للہ ولاالہ الااللہ واللہ اکبر سو بار، استغفار سَو بار، درود سو بار، اور اپنی دنیاوآخرت سے جس چیز کی چاہے دعا مانگے اور صبح کو روزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کی سب دعائیں قبول فرمائے سوائے اس دُعا کے جو گناہ کے لیے ہو۔ (بیہقی فرماتے ہیں یہ روایت سابقہ روایت سے زیادہ ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس کے دو ۲ راوی متہم بالکذب ہیں۔ت)

فوائد ہناد میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

بعث نبیا فی السابع والعشرین رجب فمن صام ذٰلك الیوم ودعا عند افطارہ کان له کفارة عشر سنتین[4]۔ اسنادہ منکر۔	۲۷ رجب کو مجھے نبوت عطا ہُوئی جو اس دن کا روزہ رکھے اور افطار کے وقت دُعا کرے دس برس کے گناہوں کا کفارہ ہو (اس کی اسناد منکر ہے۔ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۳۸۱۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۴

[2] کنزالعمال بحوالہ شعب الایمان حدیث ۳۵۱۷۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲/ ۳۱۲

[3] ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ بحوالہ ابن حجر ذکر ماہ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۵۲

[4] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ فوائد ہناد کتاب الصوم حدیث ۴۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

جزء ابی معاذ مروزی میں بطریق شہر ابن حوشب ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موقوفاً مروی:

من صام یوم سبع وعشرین من رجب کتب اللہ له صیام ستین شھرا وھو الیوم الذی ھبط فیه جبریل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالرسالة[1]۔	جو رجب کی ستائیسویں کا روزہ رکھے تو اللہ تعالٰی اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب لکھے، اور وُہ وُہ دن ہے جس میں جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام محمد صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے پیغمبری لے کر نازل ہُوئے۔

تنزیہ الشریعۃ سے ماثبت بالسّنۃ میں ہے:

وھذا أمثل ماورد فی ھذا المعنی[2]۔	یہ اُن سب حدیثوں سے بہتر ہے جو اس باب میں آئیں۔

بالجملہ اس کے لیے اصل ہے اور فضائلِ اعمال میں حدیثِ ضعیف باجماعِ ائمہ مقبول ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روزہ رکھنا ماہِ مبارک رجب مرجب کی ۲۷ تاریخ کو سوا رمضان کے بہ نسبت اور روزوں کے فضیلت رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رکھتا ہے تو کیا وجہ ہے اور ماسوا اس روزے کے درمیان سال بھر کے اور کون کون روزہ ایسا ہے جس کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد واسطے روزہ رکھنے کے فرمایا ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ ۲۷ رجب المرجب کو رکھے تو کس قدر مستحقِ ثواب کا رہوگا؟ اور نیز دُوسرے روزوں میں؟ اور اگر کوئی منع کرے اور روں کو، اور منکر ہو خود، تو وُہ کون ہے گنہ گار ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صوم وغیرہ اعمالِ صالحہ کے لیے بعد رمضان مبارک سب دنوں سے افضل عشر ذالحجہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ تعالٰی من ھذہ الایام العشر قالوا یارسول اللہ	دس ۱۰ دنوں سے زیادہ کسی دن کا عمل صالح اللہ عزوجل کو محبوب نہیں، صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ

[1] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱، ماثبت بالسنۃ مع اردو ترجمہ ذکر ماہِ رجب ادارہ نعیمیہ رضویہ لال کھوہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۳۴

ولاالجھاد فی سبیل اللہ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الارجلا خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذٰلك بشیئ[1]۔ رواہ البخاری والترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر بسند جید والبیھقی کلھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والطبرانی فیہ بسند صحیح عن ابن مسعود والبزارفی مسندہ بسند حسن وابو یعلی بسند صحیح وابن حبان فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	اور نہ راہ خدا میں جہاد؟ فرمایا: اور نہ راہِ خدا میں جہاد مگر وُہ کہ اپنی جان ومال لے کر نکلے پھر ان میں سے کچھ واپس نہ لائے (اسے بخاری، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند جیّد کے ساتھ اور بیہقی تمام حضرات نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، اور اس میں طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور بزار نے اپنی مسند میں سند حسن کے ساتھ اور ابویعلی نے سند صحیح کے ساتھ اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔(ت)

ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد لہ فیھا من عشر ذی الحجہ یعدل صیام کل یوم منھا بصیام سنۃ وقیام کل لیلۃ منھا بقیام لیلۃ القدر[2]۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ والبیھقی۔	اللہ عزوجل کو عشرہ ذی الحجہ سے زیادہ کسی دن کی عبادت پسندیدہ نہیں، اُن کے ہر دن کا روزہ ایک سال کے روزوں اور ہر شب کا قیام شب قدر کے برابر ہے۔(اسے ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ت)

خصوصًا روزِ عرفہ کہ افضل ایّام سال ہے، اس کا روزہ صحیح حدیث سے ہزاروں روزوں کے برابر ہے اور دو۲ سال کامل کے گناہوں کی معافی، ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ۔

الائمۃ الستۃ الاالبخاری عن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہ	بخاری کے علاوہ ائمہ ستّہ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایّام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۴/۱، السنن الصغیر للبیہقی باب العمل الصالح فی العشر الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۷۸/۱

[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی العمل فی ایام العشر امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۹۴/۱، سُنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵

قال سئل رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم عن صوم یوم عرفۃ قال یکفر السنۃ الماضیۃ والباقیۃ[1] ولابی یعلی بسند صحیح عن سھل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صام یوم عرفۃ غفرلہ ذنب سنتین متتابعین[2] وللطبرانی بسند حسن والبیھقی واللفظ لہ عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول صیام یوم عرفۃ کصیام الف یوم۔[3]	سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوم عرفہ کے بارے دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ سال گزشتہ اور آئندہ کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے۔اور ابویعلٰی نے سند صحیح کے ساتھ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے عرفہ کے دن روزہ رکھا اس کے مسلسل دوسالوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔اور طبرانی میں سند حسن کے ساتھ اور بیہقی نے اور بیہقی کے الفاظ ہیں امّ المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا کرتے کہ عرفہ کے روزہ کا ثواب ہزار دن کے روزوں کے برابر ہے۔(ت)

پھر سب دنوں سے افضل روزہ عاشورہ یعنی دہم محرم کا روزہ ہے اس میں ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی مغفرت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صام یوم عرفۃ غفر لہ سنۃ امامہ وسنۃ خلفہ ومن صام عاشوراء غفرلہ سنۃ[4]۔رواہ الطبرانی بسند حسن فی معجمہ الاوسط عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے عرفہ کا روزہ رکھا اس کے پہلے اور آئندہ کے سال کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اس کے ایک سال کے گناہ معاف کردئے جاتے ہیں۔اسے طبرانی نے معجم الاوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۶۸، سنن ابن ماجہ باب صیام العشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۵

[2] مسند ابویعلٰی حدیث ۷۵۱۰ مؤسسہ علوم القرآن بیروت ۶/۵۰۵

[3] شعب الایمان حدیث ۳۷۶۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/۳۵۷

[4] الترغیب والترھیب بحوالہ معجم اوسط الترغیب فی صوم یوم عرفہ الخ مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۲

محرم کے ہر دن کا روزہ ایک مہینہ کے روزوں کے برابر ہے۔

الطبرانی فی الکبیر الصغیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند لا باس بہ عن النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من صام یوما من المحرم فلہ بکل یوم ثلثون حسنۃ[1]۔	طبرانی نے معجم الکبیر اور صغیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے محرم کا ایک روزہ رکھا اس کے لیے ہر دن میں تیس ۳۰ نیکیاں ہیں (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افضل الصوم بعد رمضان، شعبان لتعظیم رمضان[2]۔ رواہ الترمذی واستغربہ والبیہقی فی الشعب وفیہ صدقۃ بن موسٰی۔	رمضان کے بعد سب سے افضل شعبان کے روزے ہیں تعظیم رمضان کے لیے۔ (اسے ترمذی نے روایت کرکے غریب کہا اور بیہقی نے شعب الایمان میں ذکر کیا، اور اس میں ایک راوی صدقہ بن موسٰی ہے۔ت)

تو ۲۷ رجب کے روزے بعد رمضان سب روزوں سے افضل کہنا صحیح نہیں، ہاں بعض احادیث اُس کی فضیلت میں مروی ہُوئیں کہ فقیر نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں، اُن سب میں بہتر حدیث موقوف ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

من صام یوم سبع عشرین من رجب کتب اللہ تعالٰی لہ صیام ستین شہرا[3]۔	جو ۲۷ رجب کا روزہ رکھے اللہ تعالٰی اُس کے لیے پانچ برس کے روزوں کا ثواب لکھے۔

ایسی جگہ حدیث موقوف مرفوع ہے کہ تعیین مقدار اجر کی طرف رائے کو اصلاً راہ نہیں، اور حدیثِ ضعیف[4] فضائل اعمال میں باجماع ائمہ مقبول ہے کما فصلناہ بما لا مزید علیہ فی رسالتنا الھاد الکاف فی حکم الضعاف (اس کی پوری تفصیل جس پر اضافہ دشوار ہے ہم نے اپنے رسالہ الھاد الکاف فی حکم الضعاف

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۰۸۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۷۲

[2] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصدقۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴، شعب الایمان حدیث ۳۸۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۷۷

[3] تنزیہ الشریعۃ بحوالہ جزء ابی معاذ کتاب الصوم حدیث ۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۱

[4] اس کے مطالعہ کے لیے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' ملاحظہ ہو جو فتاوٰی رضویہ (جدید) جلد ۵ کے ص ۴۲۹ پر ہے۔

میں کی ہے۔ت) احادیث صحاح وحسن وصوالح میں اور بھی بہت روزوں کے فضائل آئے ہیں جیسے شش عید وایامِ بیض کہ دونوں میں ہرایک سال بھر کے روزوں کا ثواب لاتا ہے کہ **مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشۡرُ اَمۡثَالِهَا**[1] (جس نے کوئی نیکی کی اسے اس کا دس گنا اجر ملے گا۔ت) وروزہ دوشنبہ وروزہ پنجشنبہ وروزہ چہار شنبہ وپنجشنبہ کہ دوزخ سے آزاد ہیں[2] اور روزہ چہار شنبہ وپنجشنبہ وجمعہ کہ جنت میں گوہر ویاقوت وزبرجد کا گھر بناتے ہیں[3] بلکہ روزہ جمعہ یعنی جب اس کے ساتھ پنجشنبہ یا شنبہ بھی شامل ہو مروی ہوا کہ دس ہزار برس کے روزوں کے برابر ہے[4] **رواہ البیہقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا** (اسے بیہقی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا نقل کیا ہے۔ت) روزہ سے منع کرنا خیر سے منع کرنا اور **مناع للخیر** (خیر سے روکنے والا) کے وبال میں داخل ہونا ہے جب تک ذاتًا یا عارضًا ممانعتِ شرعیہ نہ ثابت ہو، ۲۷ کے علاوہ روزہ ہائے رجب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں جن میں بعض خود اور بعض بتعدد مرتبہ صالح رکھتی ہیں، شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّث دہلوی قدس سرہ القوی نے ماثبت بالسنۃ میں اُن کی تفصیل فرمائی۔

ومایروی عن الفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فلان رجب کانت تعظمہ الجاھلیۃ ایضا وقد کان العھد قریبا والاحکام لم تتبین عند کثیر من الاعراب فتخشی الزیادۃ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے پس اس لئے کہ اہلِ جاہلیت بھی رجب کی تعظیم کرتے تھے زمانہ جاہلیت اسلام سے قبل قریب تھا اور بہت سے عربوں پر احکام اچھی طرح واضح نہ ہوسکے تھے تو اس لئے رجب کے روزوں کے متعلق بیان میں از خود اضافہ کرنے کا خدشہ موجود ہے جبکہ ہر ایک کیلئے اپنے عمل کی راہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب ۱۳۳۱ھ

اکثر عورتیں مشکل کشا علی کا روزہ رکھتی ہیں کیسا ہے؟

الجواب:

روزہ خاص اللہ عزّوجل کے لیے ہے، اگر اللہ کا روزہ رکھیں اور اس کا ثواب مولا علی کی نذر کریں

---

[1] القرآن ۶/۱۶۰

[2] کنز العمال حدیث ۲۴۱۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۵۶۴، الترغیب والترھیب الترغیب فی صوم الاربعاء الخ مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۶

[3] شعب الایمان حدیث ۳۸۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/۳۹۷

[4] الترغیب والترھیب الترغیب فی صوم الاربعاء مصطفی البابی مصر ۲/۱۲۶

توحرج نہیں مگراس میں یہ کرتی ہیں کہ روزہ آدھی رات تک رکھتی ہیں، شام افطار نہیں کرتیں، آدھی رات کے بعد گھر کے کواڑ کھول کر کچھ دُعامانگتی ہیں اُس وقت روزہ افطار کرتی ہیں، یہ شیطانی رسم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۶: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت صاحبزادہ سیّد ابراہیم میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۲۳رمضان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اعتکاف آخر عشرہ رمضان شریف کاپورے دس روز میں ادا ہوتا ہے یا تین چار روز آخر میں بھی جائز ہے؟ایک شخص کابیان ہے کہ مقصود مشروعیت اعتکاف کے واسطے شرف ادراک لیلۃ القدر کی ہے یہ کامل دہ میں حاصل ہوگا، دوسرے شخص کابیان ہے تین چار روز میں بھی جائز ہے ایسادیکھا گیا ہے۔

الجواب:

اعتکاف عشرہ اخیرہ کی سنتِ مؤکدہ علٰی وجہ الکفایہ ہے، جس پر حضور پُر نور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مواظبت ومداومت فرمائی پورے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف ہے، ایک روز بھی کم ہو توسنّت ادانہ ہوگی، ہاں اعتکافِ نفل کے لیے کوئی حد مقرر نہیں، ایک ساعت کا بھی ہوسکتا ہے، اگرچہ بے روزہ ہو۔ ولہذا چاہئے کہ جب نماز کو مسجد میں آئے نیتِ اعتکاف کرلے کہ یہ دوسری عبادت مفت حاصل ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

سنة مؤکدة فی العشر الاخیر من رمضان ای سنة کفایة کمافی البرهان وغیرہ[1]۔	رمضان کے آخری عشرہ میں سنتِ مؤکدہ ہے یعنی سنّتِ کفایہ ہے، جیساکہ برہان وغیرہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

واقله نفلا ساعة من لیل اونهار عند محمد، وهو ظاهر الروایة عن الامام لبناء النفل علی المسامحة وبه یفتی والساعة فی عرف الفقهاء جزء من الزمان لاجزء من اربعة وعشرین کمایقوله المنجمون	امام محمد کے نزدیک کم سے کم نفلی اعتکاف دن ورات میں ایک گھڑی کا بھی ہوسکتا ہے اورامام اعظم سے بھی ظاہر الروایت میں ہے کیونکہ نفل کی بناء آسانی پر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، عرف فقہا میں ساعت کا مفہوم زمانے کا ایک جزہے نہ کہ چوبیس گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ جو کہ اہل توقیت

[1] درمختار باب الاعتکاف مجتبائی دہلی ۱/۱۵۶

کمافی غرر الاذکار وغیرہ[1]۔	کا مؤقف ہے، جیسا کہ غرر الاذکار وغیرہ میں ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاعتکاف ینقسم الٰی واجب وھو المنذور تنجیزا او تعلیقا والٰی سنة مؤکدة وھو اعتکاف العشر الاواخر من رمضان والٰی مستحب وھو ماسواھما[2]۔	اعتکاف واجب، سنتِ مؤکدہ اور مستحب پر منقسم ہے، واجب جس کی نذر مانی گئی ہو خواہ فی الفور یا معلق ہو، اور سنّتِ مؤکدہ وہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف ہے، اور مستحب جوان مذکورہ دونوں صورتوں کے علاوہ ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

المسنون ھو اعتکاف العشر بتمامه[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔	سنّت اعتکاف وُہ رمضان کا پورا عشرہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب الاعتکاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۶-۱۵۷

[2] فتح القدیر باب الاعتکاف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۰۵

[3] ردالمحتار باب الاعتکاف مصطفٰی البابی مصر ۲/۱۴۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الحج

مسئلہ ۲۷۷: مسئولہ واحد یار خاں صاحب از بریلی ۴ ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کا حج کو جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

حج کی فرضیت میں عورت مرد کا ایک حکم ہے، جو راہ کی طاقت رکھتا ہو اُس پر فرض ہے مرد ہو یا عورت، جو ادانہ کرے گا عذابِ جہنّم کا مستحق ہوگا۔ عورت میں اتنی بات زیادہ ہے کہ اُسے بغیر شوہر یا محرم کے ساتھ لیے، سفر کو جانا حرام، اس میں کچھ حج کی خصوصیت نہیں، کہیں ایک دن کے راستہ پر بے شوہر یا محرم جائے گی تو گنہگار ہوگی، ہاں جب فرض ادا ہو جائے تو بار بار عورت کو مناسب نہیں کہ وُہ جس قدر پردے کے اندر ہے اُس قدر بہتر ہے۔ حدیث میں اس قدر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امہات المومنین کو حج کراکر فرمایا **ھذہ ثم حصر البیوت** یہ ایک حج ہوگیا اس کے بعد گھر کی چٹائیاں۔ پھر یہ بھی اولویت کا ارشاد ہے نہ کہ عورت کو دُوسرا حج ناجائز ہے، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس کے بعد پھر حج کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸ تا ۲۸۰: از ایٹہ ۸ رمضان مبارک مرسلہ اسحاق نائب مدرس تحصیلی اسکول

جناب مولانا صاحب! عرضِ حال ذیل کو ملاحظہ فرما کر جواب ضرور ضرور لکھ دیجئے گا:

(۱) زید خرچ زاد راہ آمد و رفت کا اپنی ذات خاص سے رکھتا ہے اگر والدین اجازتِ حج مکہ معظّمہ کی نہ دیں تو حج نامبردہ کا ہو سکتا ہے یا کیا؟

(۲) والدین پر قرضہ قلیل اور حقیقتِ زمینداری اس سے کہیں زیادہ قیمت کی ہے۔
(۳) زید مذکور کی اہلیہ نیز عیال اطفال سے کوئی نہیں ہے۔

الجواب:

جبکہ زید اپنے ذاتی روپے سے استطاعت رکھتا ہے تو حج اس پر فرض ہے، اور حجِ فرض میں والدین کی اجازت درکار نہیں بلکہ والدین کو ممانعت کا اختیار نہیں، زید پر لازم ہے کہ حج کو چلا جائے اگرچہ والدین مانع ہوں، والدین پر قرض ہونا اس شخص پر فرضیّت میں خلل انداز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۸۱: از شہر کہنہ مسئولہ سیّد محمد نوراللہ صاحب اشرفی جیلانی محرر دارالافتائے اہلسنت بریلی ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو بوجہ ہونے امکان حج کے جب کبھی حج کی ترغیب دی تو کہتا ہے کہ ہم نے حاجیوں کی اکثر مدد کی ہے پس ہم پر حج کرنا فرض نہیں ہے، اور کسی عالم کا قول نہیں مانتا، پس کیا اس سے حج شرعاً ساقط ہے؟

الجواب:

یہ کلمہ کفر ہے، حاجیوں کی مدد کرنے سے حج ساقط نہیں ہوسکتا، اس شخص پر توبہ وتجدید اسلام فرض ہے، تجدید نکاح وتجدید اسلام کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲: از بدایوں مولوی محلّہ مکان عطا احمد صاحب از طرف اہلیہ شاہ ابوالحسین صاحب مرحوم ومغفور ۲ رمضان ۱۳۲۹ھ

حضرت جناب مولانا صاحب! بعد سلام سنت واضح ہو مجھ کو سخت ضرورت وانتشار برائے دریافت ایک امر واقع ہوگیا وُہ یہ ہے کہ میں اس سال جو حجِ بیت اللہ کو جاتی ہوں تو بارادہ حجِ بدل اپنے پیر ومرشد جناب نانا صاحب حضرت شاہ آلِ رسول رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جاتی ہوں مارہرہ آکر ایک امر جدید دریافت ہوا کہ جس سے آج اور اب تک بے خبر محض تھی، وُہ امر یہ ہے کہ جناب مرحومہ مغفورہ والدہ صاحبہ جو بیت اللہ تشریف لے گئی تھیں وہاں جاکر ان کو مرض الموت پیدا ہوا اور بتاریخ آٹھویں ذی الحجہ مقامِ منٰی پہنچ کر انتقال ہوگیا اور حج نہیں ہوا، تو مجھ پر اب حجِ والدہ مغفورہ لازمی ہوگیا، چونکہ میں اپنے ہمراہ بوجہ محرمیت برادر زادہ کو لیے جاتی ہوں جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے اور اوّل مرتبہ یہ برادر زادہ بیت اللہ جاتا ہے تو دریافت طلب آپ سے یہ امر ہے کہ میں اس بچّہ سے حجِ والدہ مغفورہ کرادوں اور خود حج بعوض پیر وشد

کروں اور میں سابق میں اپنے شوہر اور اپنے والد مغفور کا حج کرکے آئی ہُوں اور میرا ذاتی حج عرصہ اٹھارہ سال ہُوا کہ ہوچکا تھا، اگر برادر زادہ سے حجِ والدہ مرحومہ نہ ہوسکتا ہو تو میں خود قیام کرکے ایک سال تک دونوں حجِ مرشد ووالدہ کروں، ان امور کا جواب جلد مرحمت ہو۔

الجواب:

بعد ادائے تسلیم خادمانہ ملتمس اگر حضرت کی والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا پر اُسی سال حج فرض ہوا تھا اس سے پہلے کسی برس میں مال وغیرہ اتنا نہ تھا کہ حج فرض ہوتا توجب تو ان کا حج بفضلہٖ تعالٰی ادا ہوگیا، بلکہ ایسا ادا ہُوا کہ ان شاء اللہ قیامت تک ہر سال حج ادا کرتی رہیں گی، اور اگر اس سال سے پہلے فرض ہوچکا تھا تو البتّہ حج فرض اُن پر باقی رہا، حضرت ان کی طرف سے ادا فرمائیں یا ادا کرادیں تو اجرِ عظیم ہے، اب دیکھا جائے کہ یہ صاحبزادے جب سے بالغ ہوئے کسی سال زمانہ حج میں مال وغیرہ اتنا سامان ان کے پاس تھا کہ ان پر حج فرض ہوگیا یا اب تک ان پر فرض نہ ہوا اور اگر ان پر اصلاً فرض نہ ہوا تو حضرت ان کو والدہ ماجدہ کی طرف سے حج کرادیں اور خود پُر نور پیر و مرشد برحق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے کریں، اور اگر خود ان پر حج فرض ہولیا ہو تو یہ دوسرے کی طرف سے حج کرنے سے گنہگار ہوں گے مگر حج جس کی طرف سے کریں گے ادا ہوجائے گا ان پر گناہ رہے گا اور ایسی صورت میں اُن سے حجِ غیر کرانا بھی مکروہ ہے کہ ایک گناہ کا حکم دینا ہے، زیادہ حدِ ادب!

مسئلہ ۲۸۳: از نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حجِ بدل کی کیا کیا شرائط ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حجِ بدل یعنی نیابۃً دوسرے کی طرف سے حجِ فرض ادا کرنا کہ اُس پر سے اسقاطِ فرض کرے ان شرائط سے مشروط ہے:

(۱) جس کی طرف سے حج کیا جائے قبل احجاج اس پر حج فرض ہو، اگر فقیر نے حج کرادیا پھر غنی ہوا خود حج کرنا فرض ہوگا۔

(۲) محجوج عنہ حجِ بدل یعنی نائب کے وقوفِ عرفہ کرنے سے پہلے خود ادا سے عاجز ہو، اگر بحالِ قدرت حج کرایا پھر عاجز ہوگیا از سرِ نو احجاج لازم ہوگا۔

(۳) عجز اگر ممکن الزوال تھا مثل حبس ومرض، تو شرط ہے کہ تادمِ مرگ دائم رہے، اگر بعد حج خود قادر ہوا خود ادا فرض ہوگی بخلاف اس عجز کے کہ قابلِ زوال نہیں، جیسے نابینائی اگر بطور خرقِ عادت

بعد احجاج زائل بھی ہو جائے اعادہ ضرور نہیں۔

(۴) حجِ بدل کرنے والا تنہا ایک محجوج عنہ کی طرف سے حج واحد کی نیت کرے مثلاً **احرمت عن فلان یا اللھم لبیك عن فلان**[1] اگر اس کی طرف سے نیت نہ کی یا دو حج کی نیت کی ایک اس کی طرف سے ایک اپنی طرف سے یا دو شخصوں کی طرف سے نیت کی ایک اس کی جانب ایک منیب آخر کی جانب سے، تو کافی نہ ہوگا۔

(۵) یہ حج بامر محجوج عنہ ہو بلا اجازت دوسرے کی طرف سے حج کافی نہ ہوگا مگر جبکہ وارث اپنے مورث کی طرف سے حج کرے یا کرائے **لقیامہ مقامہ خلافۃ**۔

(۶) مصارفِ آمد ورفت وسائر نفقہ حج کل یا اکثر مال محجوج عنہ سے ہوں۔

(۷) حج اگر بحیات محجوج عنہ ہو تو جسے اس نے امر کیا وہی حج کرے، وُہ دوسرے سے کرادے گا تو ادا نہ ہوگا اور اگر بعد وفات محجوج عنہ ہے تو مامور دوسرے کو بھی اپنی جگہ قائم کرسکتا ہے اگرچہ میت نے اس کا نام لے کر وصیت کی ہو کہ فلاں میری طرف سے حج کرے، ہاں اگر صراحۃً اس نے نہی کردی تھی کہ وہی کرے، نہ دوسرا، تو اب دوسرا کافی نہیں۔

(۸) حجِ بدل کرنے والا اکثر راستہ سواری پر طے کرے اگر باوصف گنجائش نفقہ پیادہ حج کرے گا نفقہ واپس دے دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۹) محجوج عنہ جب اہل آفاق سے ہو تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے حج آفاقی کیا جائے اگر اس نے حج کو بھیجا اس نے عمرہ کا احرام باندھا بعد عمرہ مکہ معظّمہ سے احرام حج باندھا اس کی طرف سے حج نہ ہوگا کہ یہ حج مکی ہوا نہ آفاقی، ہاں اگر قریب حج میقات کی طرف نکل کر احرامِ حج میقات سے باندھے تو جائز ہے کہ حج آفاقی ہوا نہ مکّی۔

(۱۰) مخالفت نہ کرے م۔ثلاً تنہا حج کے لیے امر کیا تھا اس نے قران یا تمتع کیا نفقہ واپس دے گا اور حج اس کی طرف سے نہ ہوگا۔

(۱۱) حجِ بدل کرنے والا حج صحیح اس دفعہ میں ادا کرے، ناعاقل بچّے یا مجنون کا حج کافی نہیں، ہاں مراہق کا کافی ہے، یونہی اگر وُہ حج فاسد کردیا کافی نہ ہوگا اگرچہ قضا بھی کرے۔ بیس ۲۰ شرطیں منسک متقسط میں ہیں انہیں گیارہ میں آگئیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المنسک المتقسط مع ارشاد الساری باب الحج عن الغیر دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۹۲

مسئلہ ۲۸۴: ازمارہرہ مطہرہ درگاہ مقدس حضرت سید حامد حسن میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم ۱۶شوال۱۳۳۱ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بیوہ پچپن برس کی عمر ہے دوبارہ پہلے اپنی طرف سے لوگوں کو بھیج کر حج بدل کراچکی ہے اُس سے بعض صاحبوں نے کہا کہ وہ حج نہ ہوئے خود حج کو جا اُس نے محرم نہ ہونے کی وجہ سے نکاح کیا مگر ضعیفہ مریضہ ہے اس صورت میں اس کے وہ حج بدل ادا ہوگئے یا اب خود اس پر حج لازم ہے یا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زندگی میں جو کوئی حجِ بدل اپنی طرف سے بوجہ عجز و مجبوری کرائے اس حج کی صحت کے لیے شرط ہے کہ وُہ مجبوری آخر عمر تک مستمر رہے، اگر حج کے بعد مجبوری جاتی رہی اور بذاتِ خود حج کرنے پر قدرت پائی تو اس سے پہلے جتنے حجِ بدل اپنی طرف سے کرائے ہوں سب ساقط ہوگئے حج نفل کا ثواب رہ گیا فرض ادا نہ ہوا، اب اس پر فرض ہے کہ خود حج کرے پھر اگر غفلت کی اور وقت گزر گیا اور اب دوبارہ مجبوری لاحق ہوئی تو از سرِ نو حج بدل کرانا ضرور ہے، ہاں اگر کسی کی معذوری ایسی ہو جو عادۃً اصلاً زوال پذیر نہیں اور اس نے حجِ بدل کرلیا اور اس کے بعد بمحض قدرت الٰہی مثلاً کسی ولی کی کرامت سے وہ عذر نا قابل الزوال زائل ہوگیا مثلاً اندھے نے حجِ بدل کرایا تھا پھر رب العزۃ نے اسے آنکھیں دے دیں تو اس کا وہ حج بدل ساقط نہ ہوا وہی کافی ہے، خود اگر حج کرے سعادت ہے ورنہ فرض ادا ہوگیا، ایسا زوال عذر کہ کرامت خرق عادت ہو معتبر نہیں، مسئلہ شرعیہ تو یہ ہے اور صورتِ سوال سے ظاہر کہ عورت نے پہلے جو دو حجِ بدل کرائے یا تو وُہ حقیقۃً ایسی مجبوری نہ تھی کہ خود نہ جاسکتی یا مرض وضعف وغیرہا کی وجہ سے مجبوری تھی اور بعد کو وہ مجبوری زائل ہوگئی کہ اس نے خود حج کا قصد کیا جس پر دلیل روشن، اسی نیت سے اس کا نکاح کرنا ہے ورنہ پچپن سالہ عورت کو نکاح کی کیا حاجت تھی، بہر حال ان دونوں صورتوں میں کوئی شکل ہو وُہ دونوں حجِ بدل یا تو سرے سے ناکافی تھے یا اب ساقط ہوگئے، صرف ثواب نفل رہا، فرض گردن پر باقی ہے خود ادا کرے، اور مجبور و ناامید ہو تو پھر حج بدل کرائے۔ **وباللّٰہ التوفیق واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵تا۲۸۸: از پیر بہوڑ بانکی پور از محمد عصمت اللہ صاحب ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک خوشحال شخص اپنی متوفی بیوی کی طرف سے (جو دولت مند تھیں اور شوقِ حج کا مصمم ارادہ رکھتی تھیں) حج بدل کرانا چاہتے ہیں لہٰذا ان کو امورِ ذیل میں حکمِ شرع شریف ناطق فرمایا جائے:

(۱) مستطیع شخص جو اپنا فرض ادا کرچکا کسی دوسرے کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یانہیں؟
(۲) غیر مستطیع جس پر حج فرض نہیں ہے حج بدل کے واسطے مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟
(۳) بہر کیف حج بدل کرنے والے کو خاص مکہ معظمہ میں وہاں کا زمانہ حج کا خرچ دے کر مقرر کرلینا کافی ہے یانہیں؟
(۴) حج بدل کرنے والا شخص مبدل منہ کے مقام قیام کے قریب باش لیا جائے اور آمد و رفت کا تمام خرچ اس کو دیا جائے تو یہ افضل ہوگا یا صرف بمبئی یا خاص مکہ معظّمہ میں حج تک مقرر کرلیا جائے؟ **وبینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند اللہ الوھاب** (کتاب کے حوالے سے بیان کیجئے اللہ وہاب سے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

(۱) کرسکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں اختلاف ہے اور بہتر احتراز **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس قسم کے حج بدل جو کرائے جاتے ہیں اُن سے فرض تو اُتر سکتا نہیں، حج عبادت بدنی اور مالی دونوں سے مرکب ہے، جس پر حج فرض تھا اور معاذاللہ بے کئے مرگیا ظاہر ہے کہ بدنی حصہ سے تو عاجز ہوگیا رب عزوجل کی رحمت کہ صرف مالی حصّہ سے اس کی طرف سے حج بدل قبول فرماتا ہے جبکہ وہ وصیت کرجائے اور رحمت پر رحمت یہ کہ وارث کا حج کرانا بھی قبول فرمایا جاتا ہے اگرچہ میّت نے وصیت نہ کی، حج بدل والے کو اسی شہر سے جانا چاہئے جو شہر میت کا تھا تاکہ مالی صرف پورا ہو، مکہ معظّمہ سے حج کرادینا اس میں داخل نہیں، رہا ثواب اس کی امید بھی بخیر ہے، حج کرانے والے صاحب اس پر اجرت لیتے ہیں اور جب اجرت لی ثواب کہاں، اور جب انہیں کو ثواب نہ ملا میت کو کیا پہنچائیں گے، خصوصًا بعض متہور یہ ظلم کرتے ہیں کہ چار چار شخصوں سے حج بدل کے روپے لے لیتے ہیں، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت فرمائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) اس کا جواب اوپر آچکا اور خرچ آمد و رفت دونوں دیا جائے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۹: از میرٹھ ڈاک خانہ بہادر گڑھ مسئولہ محمد صادق صاحب ۲۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علماءِ عظام و کرام! اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہوتا ہے کہ کوئی شخص حج بدل کو گیا اور حج کرنے والے نے چالیس روپے اس کے بال بچوں کے خرچ کے واسطے چار ماہ کے لیے دیے اور پچاس روپے اس کو خرچ کے واسطے مکہ معظّمہ تک دیے اور کہا کہ باقی خرچ مکہ معظّمہ جا کر دے دوں گا، اور ٹکٹ جہاز کا حج

کرنے والے کی طرف سے اس نے لے لیا خداوند تعالٰی کے حکم سے جہاز چھ سو میل جاکر بوجہ آگ لگنے کے واپس آگیا، اب حج کرانے والے نے کہا کہ ٹکٹ جہاز کا مجھے واپس کردو، تو اس نے فورًا واپس کردیا اور اس حج بدل کرنے والے نے یہ کہا کہ آپ ٹکٹ واپس کیوں لیتے ہیں، اب میں دوسرے جہاز میں چلا جاؤنگا چاہے آپ جائیں یا نہ جائیں باقی اور خرچ مجھے دے دیجئے، حج کرانے والے نے کہا کہ میں خود تو جاتا ہی نہیں ہوں اب میں باپ کی طرف سے نہیں کراتا ہوں، تو حج بدل کرانے والے نے فورًا ٹکٹ واپس کردیا اور ڈیڑھ ماہ حج بدل کرنے والے نے اس پچاس روپے میں سے کھایا اور کرایہ ریل کا ممبئی سے مراد آباد تک انہیں پچاس روپے سے خرچ ہوا ایک طرف، اب حج بدل کرنے والے یہ فرماتے ہیں کہ حساب کرکے جو روپیہ تمہارے پاس بچا ہے وُہ ہم کو دے دو، حج بدل کرنیوالے نے یہ کہا کہ میرے پاس سب خرچ ہوگیا، اب حج بدل کرنے والے کے ذمہ روپیہ دینا آتا ہے یا نہیں، اور حج بدل کرنے والے کا حرج دو ماہ کا ہوا اور حج بدل کرنے والے کی آمدنی ماہوار بتیس روپے کی تھی۔

الجواب:

اگر وہ روپے شخص مذکور نے اُسی کام میں اٹھائے تو اُن کا تاوان اس پر نہیں اور اگر اس سے جدا کسی اپنے ذاتی کام میں اٹھائے تو تاوان لازم ہے اور اس بات میں کہ اسی کام میں وہ روپے صرف ہوئے شخص مذکور کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اور حرجہ پانے کا اسے استحقاق نہیں اگرچہ اس کی ماہوار آمدنی ہزار روپے ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰ تا ۲۹۱: از پٹنہ عظیم آباد مرسلہ محمد عمر صاحب ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ

(۱) ایک شخص عازم بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ایک عارضہ یہ ہے کہ بعد اجابت قطراتِ سرخ زائد از ایک گھنٹہ برابر آیا کرتے ہیں کہ بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا ہے، بعد ایک گھنٹے کے جب قطرات موقوف ہوں تب استنجا کرکے کپڑا پہنتا ہے، تو ایسا شخص جو بغیر لنگوٹ نہیں رہ سکتا احرام کیونکر باندھے کیونکہ لنگ احرام تو روز ناپاک ہوا کرے گا اور بسبب پیری اور بیماریوں کے غسل سے بھی مجبور ہے تو صرف تیمّم بعوض غسل کرلے یا کیا؟

(۲) سرما میں سوا چادر احرام کے کوئی کمبل وغیرہ اوپر سے اوڑھ سکتا ہے یا کیا؟ اور نہیں تو صدمہ سرما سے محفوظ رہنے کی کیا صورت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

احرام میں لنگوٹ باندھنا مطلقًا جائز ہے سلانہ ہو کہ ممانعت لبس مخیط بروجہ معتاد سے ہے یا سر اور منہ کے چھپانے سے اور نادوختہ لنگوٹ میں دونوں باتیں نہیں۔

فی الدر المختار بعد الاحرام یتقی ستر الوجه والراس بخلاف بقیة البدن ولبس قمیص وسراویل ای کل معمول علی قدر بدن اوبعضه وقباء ولولم یدخل یدیه فی کمیه جاز الا ان یزرره اویخلله ویجوز ان یرتدی بقمیص وجبّة ویلتحف به فی نوم وغیره اتفاقا[1]۔	درمختار میں ہے محرم چہرہ اور سر کوڈھانپنے سے پرہیز کرے بخلاف بقیہ بدن کے، اور قمیص اور شلوار پہننے سے بچے، یعنی ہراس لباس کو پہننے سے پرہیز کرے جو انسان کے تمام قد یا بعض بدن کے موافق بنایا جاتا ہے، اور قبا پہننے سے پرہیز کرے یا اگر محرم قبا کی دونوں آستینوں میں اپنے ہاتھ نہ ڈالے تو جائز ہے مگر یہ کہ اسے گھنڈی یا کانٹے سے اٹکادے تو جائز نہیں، اور باتفاق یہ جائز ہے کہ محرم قمیص وجبّہ کو بطور چادر استعمال میں لائے یا سونے وغیرہ کی حالت میں جبہ کو بطور لحاف لپیٹے (ت)

اور ایسی ضرورت شدیدہ کی حالت میں تو اگر لنگوٹ ناجائز بھی ہوتا اجازت دی جاتی لان **الضرورات تبیح المحظورات** (ضرورتیں ممنوعات کو بھی مباح کردیتی ہیں۔ت) ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے سفر حج میں اپنے حالان محمل کریم کو ایک ضرورت خاصہ کے سبب تہ بند کے نیچے تبان یعنی جانگیا پہننے کا حکم دیا کما فی **صحیح البخاری**[2] (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ت) کمل یا بانات یا اونی چادر وغیرہ بے سلے کپڑے اگرچہ دوچار ہوں اوڑھنے کی اجازت ہے بلکہ سوتے وقت اُوپر روئی کا انگرکھا چغہ لبادہ چہرہ چھوڑ کر بدن پر ڈال لینا یا نیچے بچھالینا بھی ممنوع نہیں بلکہ بیداری میں بھی انہیں کندھوں پر ڈال سکتا ہے جبکہ آستین میں ہاتھ نہ ڈالے، نہ بند باندھے، نہ کسی اور ذریعہ سے بندش کرے کماقد مناہ عن الدر وذلك لانه لیس من اللبس المعتاد (جیسا کہ ہم در کے حوالے سے بیان کر آئے کیونکہ یہ عادۃً پہننے کی طرح نہیں ہیں۔ت) باایں ہمہ ضعیف کمزور کو دو تدبیریں اور ملحوظ رہیں تو انسب **اوّلًا** تمتع کرے کہ تنہا حج کرنے سے افضل بھی ہے اور احرام کی مدت بھی کم ہوگی یعنی محاذات یلملم سے کہ سمندر میں عدن سے آگے آئیگی، صرف عمرے کا احرام

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۴

[2] صحیح بخاری باب مایلبس المحرم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

باندھے، مکہ معظّمہ پہنچتے ہی طواف وسعی سے عمرہ بجالا کر احرام کھولدے، اب بلا تکلف ہشتم ذی الحجہ تک بلا احرام مکہ معظّمہ میں قیام کرسکتا ہے جو چاہے پہنے، اوڑھے، سر سے عمامہ باندھے، جو چاہے کرے۔ یہ احرام صرف پانچ روز رکھنا ہوگا۔ بعدہ آٹھویں کو پھر احرام حج کا باندھے منٰی کو جائے، عرفات ومزدلفہ سے پلٹ کر دسویں تاریخ جب پھر منٰی میں آئیگا اور جمرۃ العقبہ کی رمی کرکے قربانی جو اس پر بوجہ تمتع واجب تھی بجالائیگا، اس کے بعد سر منڈائے یا بال کتروائے، احرام کھل گیا سوا عورتوں کے (کہ بعد طوافِ زیارت حلال ہوں گی) جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا، تو یہ احرام پورے تین دن بھی نہ رہا۔

ثانیًا یہاں بمبئی سے دالان کی شکل کی ایک چیز کھپچیوں کی بنوالے جس کی تین دیواریں ہوں ہر ایک آدھ گز یا قدرے زائد کی اور اوپر چھت پٹی ہو اور دروازہ زمین بالکل خالی ہو، تینوں دیوار اور چھت کو رُوئی وغیرہ جس سے چاہیں منڈھ لیں، سوتے وقت سرہانے اس مکان کو رکھ کر سر اس کے دروازہ سے داخل کریں کہ چہرہ اس کے سائے میں رہے، باقی بدن پر کپڑا اڈال لیں، اب اس مکان کی وجہ سے سر ہوائے سرد سے محفوظ ہوگیا اور رو، وسر کا چھپانا بھی لازم نہ آیا۔

فی الدر المختار من فصل الاحرام، لا یتقی (ای المحرم) الاستحمام والاستظلال ببیت ومحمل لم یصب راسه اووجهه فلواصاب احدهما کره[1] اھ وفیه ایضاً قالوا لودخل تحت ستر الکعبة فاصاب راسه اووجهه کره والافلابأس به[2]۔	درمختار کی فصل احرام میں ہے (محرم) کا حمام میں جانا یا ایسے گھر یا کجاوہ کے سایہ میں جانا منع نہیں جو اس کے سر اور چہرہ کو نہ ڈھانپے، اگر ان میں سے کسی کو ڈھانپتا ہے تو مکروہ ہے اور اس میں یہ بھی ہے فقہا نے کہا ہے کہ اگر محرم غلافِ کعبہ کے نیچے داخل ہوگیا اور اس کے سر یا چہرہ کو غلاف لگا تو کراہت ہے اور اگر نہیں تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

جنابت سے طہارت کے لیے تو آپ ہی تیمّم کرے گا، جبکہ نہانے پر قادر نہ ہو، اور احرام کے وقت جو غسل مسنون ہے اس پر قدرت نہ ہو تو اس کے عوض تیمّم مشروع نہیں کہ وہ غسل نظافت کے لیے ہے نہ طہارت کے لیے، کہ طہارت تو حاصل ہے اور تیمّم سے طہارت ہوتی نہ نظافت بلکہ بدن پر غبار لگنا خلاف نظافت ہے، تو ایسا شخص اس غسل کے عوض کچھ نہ کرے صرف وضو کافی ہے۔

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۴

[2] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۴

فی الدر المختار من شاء الاحرام توضأ وغسله احب، وهو للنظافة لا لطهارة فالتیمم له عند العجز من الماء لیس بمشروع لانه تلوث اھ [1] ای فی بعض الصور حیث یصیب الغبار والا فمن تیمم علی مرمر مغسول جاز ولم یکن تلوثا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے جس نے احرام کا ارادہ کیا وہ وضو کرے، غسل اس کے لیے افضل ہے اور یہ بات نظافت کے پیش نظر ہے طہارت کے لیے نہیں، اگر محرم کے پاس پانی نہیں تو وضو کی جگہ تیمّم نہ کرے کیونکہ یہ تو مٹی میں ملوث ہونا ہے اھ یعنی یہ تلوث ان صورتوں میں لازم آتا ہے جہاں غبار ہو، اگر دھوئے ہوئے سنگِ مرمر پر تیمّم کیا تو جائز ہوگا کیونکہ اب تلوث کا خطرہ نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۲: از بمبئی محلّہ قصاباں متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گورے بابو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حجاج قطعی معلم وبدویان کے قبضہ میں ہوتے ہیں اکثر، ۷ ذی الحجہ کو روانہ ہو کر منٰی میں قیام کرتے ہیں اور شبِ نہم منی شریف سے روانہ ہو کر صبح پہنچتے ہیں اور مزدلفہ سے بھی پچھلی شب میں روانہ ہو جاتے ہیں، آپ حضرات بدویان کی سخت مزاجی سے خوب واقف ہیں وہ کسی کا کہا نہیں سنتے، کیا کیا جائے بجز اس کے کہ آپ دعا فرمادیں کہ بدویان انہیں اوقات میں روزانہ ہوں جن کی بابت حکم ہے، فقیر کوشش بلیغ کرے گا بشرطیکہ دیگر حجاج نے میرے کلام کی تائید کی، اگر فقیر تنہا ہوتا تو کچھ قافلہ کی ہمراہی کی پروانہ کرتا اور پورے طور پر حسب تحریر رسالہ، اوقات معینہ کی پابندی کرتا اور اب بھی ان شاء اللہ حتی المقدور پابندی کرے گا، اللہ تعالٰی میری امداد فرمائے، آمین ثم آمین!
دوم یہ کہ عورت معذور اور غیر معذور کی جانب سے وکالۃً ہر سہ یوم رمی جائز ہے یا نہیں، کیونکہ علاوہ مجمع بارہویں تاریخ قبل دوپہر قافلہ روانہ ہوتا ہے میں تنہا رہ جاؤں گا، بعد زوال رمی کرکے قافلہ سے آملوں گا، والسلام

الجواب:

بشرف ملاحظہ عالیہ بابرکت والا درجت حضرت مولانا سیّد حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب معروض، مطوفون کو اگر اہل قافلہ مل کر

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۳

یا ایک ہی شخص جوان کے نزدیک ذی وجاہت ہو مجبور کریں تو ان کو ماننا پڑتا ہے، فقیر کو اس کا تجربہ ہے اور اگر نہ مانیں اور مجبوری ہو تو نویں رات منٰی میں صبح تک ٹھہرنا اور آفتاب چمکنے پر عرفات کو چلنا سنت ہے مجبورانہ اس کے ترک سے حج میں کوئی نقص نہ آئے گا مزدلفہ کی حدود کے اندر دسویں تاریخ کے طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کسی طرح موجود ہونا اگرچہ ایک لحظہ ہو ادائے واجب کے لیے کافی ہے تو اگر حدود مزدلفہ سے نکل جانے سے پہلے صبح صادق ہوگئی تو واجب ادا ہوگیا اگرچہ سنت ترک ہوگئی، ہاں اگر اتنی رات سے چل دیا کہ صبح صادق نہ ہونے پائی اور مزدلفہ کی حدود سے نکل گیا تو بے شک واجب ترک ہوا، قربانی دینی آئے گی مگر بدوی ایسا نہیں کرتے اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوف ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت فرماتی ہے، انہیں کوئی جرمانہ دینا نہ ہوگا، بارہویں تاریخ قبل زوال چل دینے کی ضرور اب وہاں عادت نکالی ہے، اور یہ ہمارے مذہب وظاہر الروایۃ میں گناہ ہے، فقیر نے تو جمالوں کو مجبور کیا اور بحمد اللہ ان کو رکنا پڑا کہ میں اور میرے ساتھ کے سب مرد وعورت بعد زوال رمی کرکے روانہ ہوئے جہاں وہ ہرگز نہ مانیں اور پیچھے رہ جانے میں اندیشہ صحیح ہو تو یہ صورت مجبوری کی ہے، ضعیف روایت پر عمل کرکے قبل زوال رمی کرکے جاسکتا ہے، عورت ہونا رمی میں نیابت کے لیے عذر نہیں، ہاں ایسا بیمار ہو کہ رمی کو نہ جاسکے تو اس سے اجازت لے کر دوسرا اس کی طرف سے رمی کرسکتا ہے یا جو غشی میں ہو تو اسکی بلااجازت اسکی طرف سے رمی ہوسکتی ہے، لباب وشرح لباب سنن حج میں ہے:

والخروج من مکۃ الی عرفۃ یوم الترویۃ والبیوتۃ بمنی لیلۃ عرفۃ الالحادث من الضروریات والدفع منہ الی عرفۃ بعد طلوع الشمس[1]۔	یوم ترویہ کو مکہ سے عرفات کی طرف حاجی نکلے اور عرفہ کی رات منٰی میں بسر کرے بشرطیکہ کوئی مانع اور مجبوری نہ ہو اور پھر منٰی سے طلوعِ آفتاب کے بعد عرفات جائے۔ (ت)

اسی کی فصل الرواح الی منٰی میں ہے:

وان بات بغیر منی تلک اللیلۃ جاز واساء[2]۔	اگر منٰی کے علاوہ کسی اور جگہ حاجی نے یہ رات بسر کی تو جائز مگر خلافِ ادب ہے۔ (ت)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب سنن الحج دار الکتب العربی بیروت ص ۵۱

[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی الرواح الی منٰی دار الکتب العربی بیروت ص ۱۲۷

اسی کی فصل وقوف بالمزدلفہ میں ہے:

الوقوف بها واجب واول وقته طلوع الفجر الثانی من یوم النحر واٰخر طلوع الشمس منه فمن وقف بها قبل طلوع الفجر اوبعد طلوع الشمس لایعتد به، وقدرالواجب منه ساعة ورکنه کینونته بمزدلفة بفعل نفسه اوغیره، نواه اولم ینو علم بها اولم یعلم ولوترك الوقوف بها فدفع لیلا فعلیه دم الااذا کان لمرض اوضعف بیّنة من کبر اوصغر اویکون امرأةتخاف الزحام فلاشئی علیه۔[1]	مزدلفہ کا وقوف لازم ہے، ابتدااس کی یوم نحر کی طلوع فجر ثانی سے ہوتی ہے اور اس کا اخیر وقت اسی دن کا طلوع آفتاب ہے توجو طلوعِ فجر سے پہلے یا طلوع شمس کے بعد مزدلفہ میں ٹھہرا اسکے ٹھہرنے کا اعتبار نہیں (یعنی وقوف معتبر نہیں ہوگا) مقدار واجب ایک ساعت ہے اور اس کا رکن یہ ہے کہ اس مدّت میں وہاں خود موجود ہونا اپنے عمل سے یا غیر کے عمل سے ہو، نیت ہو یا نہ ہو، اسے مزدلفہ کا علم ہو یا نہ ہو، اگر مزدلفہ کا وقوف ترک کرکے رات کو ہی حاجی واپس آگیا تو ایسی صورت میں دم لازم ہوگا، اگر کوئی مرض ہو یا کبر وصغر کی وجہ سے واضح ہو یا کوئی خاتون ہو جواز دحام سے ڈرتی ہو تو اب کوئی شے لازم نہ ہوگی۔(ت)

اسی کی فصل وقت الرمی فی الیومین میں ہے:

وقت رمی الجمار الثلث فی الیوم الثانی یجوز قبله فی المشهور ای عند الجمهور، وقیل یجوز وهو خلاف ظاهرالروایة، وفی المسألة روایة اخری مختصة بالیوم الثانی من ایام التشریق، لما فی المرغینانی لو ارادان ینفرفی هذاالیوم له ان یرمی قبل الزوال وان رمی بعده فهو افضل وانما لایجوز قبل الزوال، من	ایامِ نحر میں دوسرے اور تیسرے دن تینوں جمرات کو رمی کا وقت زوال کے بعد ہوتا ہے مشہور روایت یعنی جمہور کے ہاں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں بعض نے کہا جائز ہے لیکن یہ ظاہر الروایت کے خلاف ہے، اس مسئلہ میں ایک اور روایت بھی ہے جو ایام تشریق کے دوسرے دن کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مرغینانی میں مذکور ہے: اور اگر حاجی نے اس دن لوٹنے کا ارادہ کرلیا ہے تو زوال سے پہلے رمی کرسکتا ہے، ہاں بعد از زوال کرے تو افضل ہوگی، اور زوال سے پہلے اس شخص کے لیے رمی

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی الوقوف بالمزدلفہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۴۷

لا یرید النفر کذا روی الحسن عن ابی حنیفة[1]۔	جائز نہیں جو لوٹنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ امام حسن نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں ہی نقل کیا ہے۔ (ت)

اسی کی فصل شرائط رمی میں ہے:

الخامس ان یرمی بنفسه فلا تجوز النیابة عند القدرة تجوز عند العذر، فلو رمی عن مریض لا یستطیع الرمی بامرہ او مغمٰی علیه ولو بغیر امرہ او صبی غیر ممیز او مجنون جاز، والا فضل ان توضع الحصی فی اکفهم فیرمونها ای رفقاؤهم ففی الحاوی عن المنتقی عن محمد، اذا کان المریض بحیث یصلی جالسا رمی عنه ولا شیئ علیه اھ ولعل وجهه انه اذا کان یصلی قائما فله القدرة علی حضور المرمی راکبا او محمولا فلا یجوز النیابة عنه[2] اھ ملخصات واللہ تعالٰی اعلم۔	پانچویں شرط یہ ہے کہ خود رمی کرے قدرت کے باوجود نائب بنانا درست نہیں، ہاں عذر کے وقت جائز ہے، اگر کسی نے ایسے مریض کے کہنے پر رمی کی جو طاقت نہیں رکھتا، یا حاجی پر غشی طاری تھی اگرچہ اس نے رمی کا نہ کہا ہو، یا جس بچے کو شعور نہ ہو اس کی طرف سے یا دیوانے کی طرف سے رمی کردی تو جائز ہوگی۔ افضل یہ ہے کہ سنگریزے معذوروں کے ہاتھوں میں رکھ دئے جائیں تو ان کے رفیق رمی کریں۔ حاوی میں المنتقی سے امام محمد سے مروی ہے جب مریض اس حال میں ہو کہ صرف بیٹھ کر نماز ادا کرتا ہو تو اس کی طرف سے کسی نے رمی کردی تو اس پر کوئی شیئ لازم نہ ہوگی اھ شاید اسکی وجہ یہ ہے کہ جب وُہ نماز کھڑے ہو کر ادا کرسکتا ہو تو اب اس کے لیے رمی کے لیے جانے کی قدرت ہوگی خواہ سوار ہو کر جائے یا اسے اٹھا کر لے جایا جائے اب اس کی طرف سے نائب بنانا درست نہ ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳: از شہر بریلی مسئولہ حضرت ستنا بی بی صاحبہ مد ظلہا

حج میں ایک اونٹ آٹھ آدمیوں نے شریک ہو کر قربانی کی تو حج ہوا یا نہیں اور قربانی دوبارہ کرے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حج ہوگیا پھر احرام باندھتے وقت تنہا حج کی نیت باندھی تھی تو قربانی اصلاً ضرور نہ تھی نہ اب اس کے بدلے کسی چیز کی حاجت ہے، ہاں اگر احرام میں حج اور عمرہ دونوں کی نیت ایک ساتھ باندھی تھی یا احرام میں فقط

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی وقت الرمی فی الیومین دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۶۱ تا ۱۸۵

[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی احکام الرمی وشرائط الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۶۶

عمرہ کی نیت کرکے ادا کرکے پھر حج کا احرام مکّہ معظّمہ میں باندھا تھا تو البتہ قربانی واجب تھی اور ایک اونٹ میں سات ۷ سے زیادہ شریک نہ ہو سکتے تھے تو وہ قربانی نہ ہوئی، اس صورت میں البتہ دو ۲ قربانیاں لازم ہیں ایک اصل اور ایک جرمانہ کی، ان کی قیمت بھیج کر حرم شریف میں کرائی جائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۴تا۲۹۵:

(۱) ایک حاجی نے دم شکریہ کے عوض اس کی قیمت خیرات کی، اب یہ دم شکریہ اس کی جانب سے ادا ہوا یا نہیں؟ دوسرے صاحب نے دم تقصیر کی قیمت خیرات کی، اس کی ذمہ سے دم ادا ہوا یا نہیں؟

(۲) اگر وہ صاحب جنہوں نے دم شکریہ اور دم تقصیر منٰی میں نہ ذبح کیا وہ یہاں آکر ایک گائے خرید کر مثل قربانی کے شریک ہو کر اور اس کو ذبح کرکے خیرات یہاں کردیں تو وہ فعل ہند میں درست ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) نہ، کہ یہاں خود ذبح مقصود ہے اور اللہ عزوجل کے لیے جان دینا، تو قیمت اس کے بدلے میں کافی نہیں، لباب میں ہے:

لاتجوز القیمۃ فی ھدی النذر کما لاتجوز فی غیرہ من الھدایا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نذر کے ہدی کی قیمت ادا کرنا جائز نہیں جیسا کہ دیگر ہدیوں میں جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اگر ہندوستان میں ہزار گائیں یا اونٹ ذبح کردیں ادا نہ ہوگا کہ اس کے لیے حرم شرط ہے۔ درمختار میں ہے:

یتعین الحرم المنٰی اھ[2] ای لدم شکروجبر قال الشامی لما تقدم انہ اسم لما یھدی من النعم الی الحرم الخ قلت وقد قال تعالٰی ھَدْیًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	حرم متعین ہے منٰی کچھ خاص نہیں اھ یعنی دم شکر اور اس دم کے لیے جو نقصان کے ازالہ کے لیے ہو، امام شامی نے کہا کہ پہلے گزرا کہ یہ ان ہدایا کا نام ہے جو جانور حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں الخ، میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک یوں ہے وہ ہدی جو کعبہ کو پہنچنے والی ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل فی ایجاب الہدی دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۵
[2] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۳
[3] ردالمحتار مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۷۲

مسئلہ ۲۹۶: از پیلی بھیت مرسلہ حضرت مولانا وصی احمد صاحب محدث سُورتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ۱۳رمضان ۱۳۲۵ھ
جو شخص دُور دراز سفر کرکے حج نفل کرے اور زیارتِ سرورِ کائنات علیہ التحیۃ والصلٰوۃ نہ کرے تو وہ مصداق اس حدیث کا ہوسکتا ہے کہ "جو شخص حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"۔ جو لوگ کہ ساکن مکہ معظمہ کے ہیں اور نفل حج کے بعد روضہ اقدس کی زیارت نہ کریں تو اس حدیث کے مصداق ہیں یا نہیں؟

الجواب:

من حجّ (جس نے بھی حج کیا۔ت) یقینا عام ہے مکّی وآفاقی سب کو شامل اور تکرارِ سبب تکرارِ حکم کو مستلزم، اور لم یزرنی (میری زیارت نہ کی۔ت) کے صدق کو ترک کلی کی طرف مشیر ماننا خلاف اصل متبادر، نظرِ ایمانی میں بلاشبہ ہر بار زیارت لازم، اور اسی پر مسلمین کا عمل لاجرم، فاکہی مکی متوفی ۹۸۲ھ کتاب **حسن التوسّل فی زیارۃ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** میں فرماتے ہیں:

الماموربہ اذاکان مرتبا علی سبب یتکرر طلبہ من المکلف بتکرر السبب، فمن ذٰلك اجابۃ المؤذن فتطلب الاجابۃ، علی ماقالہ جمع کلما وجد الاذان و یتکرر، ومنہ فیما یظھر الزیارۃ للمستطیع کلماحج، بناء علی مقتضی ھذا الخبر ونحوہ فیتأکد علی نحو المکی اکثر من تأکدہ علی غیرہ ان لایفوت الزیارۃ بعد حجہ لاسیما فی عام حجہ فان قرب الدار یصیر القریب کالجار والجار التارك للمزار قد جار، سیما اذا کان یرتکب الدیون فی تحصیل شھوتہ، وعدم قطع عادتہ ولایرتکبھا فیما ھو اشرف عباداتہ اھ[1]	جب مامور بہ کسی ایسے سبب پر مترتب ہو جس میں تکرار ہے تو سبب کے تکرار پر مکلّف سے مامور بہ کے مطالبہ کا بھی تکرار ہوگا، مؤذن کی دعوتِ نماز کو قبول کرنا بھی اسی قبیل سے ہے، تو جب بھی اذان کا تکرار ہوگا اجابت کا مطالبہ ہوگا جیسا کہ ایک جماعت کا قول ہے اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ صاحبِ استطاعت جب بھی حج کرے اس اور دیگر فرمان نبوی کی بنا پر، دربار نبوی علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام میں حاضری دے، غیر مکی لوگوں کی نسبت مکی لوگوں کو اس کی زیادہ تاکید ہے کہ حج کے بعد خصوصًا حج کی ادائیگی کے سال، زیارت کیلئے حاضری کو فوت نہ کرے کیونکہ قربِ دار، قریبی کو پڑوسی بنادیتا

[1] حسن التوسل فی زیارہ افضل الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

قلت وانما جعل التاکد علی المکی اکثر لان عذرہ اقل کما اشارہ الیہ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور پڑوسی ہو کر زیارت کا تارک ہو تو گویا اس نے ظلم کیا، خصوصاً جب اپنے شوق اور عادت کو پُورا کرنے میں تو قرض تک کا ارتکاب کرتا ہو اور ان اعمال میں خرچ نہیں کرتا جو عبادات میں افضل ہیں اھ میں کہتا ہوں مکی لوگوں پر یہ تاکید اکثر ہوگی کیونکہ ان کا عذر اقل ہے جیسا کہ انہوں نے اس طرف اشارہ فرمایا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷تا۲۹۸: حافظ محمد ایاز صاحب از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پورہ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں بموجب حکم شرع شریف ارشاد فرمایئے اللہ تعالٰی اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

(۱) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مکہ معظّمہ پہنچ جائے اور رمضان شریف میں وہاں قیام کرے اور نہایت اطمینان سے طواف وسنگِ اسود شریف کا بوسہ وغیرہ ادا کرے تو جیسا ثواب ایامِ حج میں ہوتا ہے ویسا ہی ہوگا یا اس میں اور اس میں کچھ فرق ہوگا اور وہی ثواب ایک نماز کا ملے گا جیسا کہ ایک لاکھ کا اور صدقات وغیرہ میں بھی اسی کے مثل ہوگا یا نہیں، حالانکہ شخص مذکور ایامِ حج میں بھی ارکانِ حج ضرور ادا کرے گا۔

(۲) اگر ماہِ شعبان میں کوئی شخص مدینہ پہنچ جائے اور وہاں رمضان المبارک میں قیام کرے اور روضہ مطہرہ کی زیارت کرتا رہے اور ہمراہ قافلہ مدینہ منورہ کے مکہ معظّمہ پہنچ کر حج کے ارکان ادا کرے یا ماہِ شوال میں اول مدینہ منورہ جائے اور وہاں زیارتِ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اطمینان کے ساتھ فراغت پاکر مکہ معظّمہ جائے اور وہاں حج کے ارکان ادا کرکے اپنے مکان کو چلا آئے، توان صورتوں میں شخص مذکورہ کو ثواب اسی درجہ ملے گا جیسا کہ حجِ بیت اللہ شریف کے بعد مدینہ طیبہ جانے کا ہوتا ہے یا کچھ کم ہوگا؟ حاصلِ کلام یہ کہ اول مدینہ منورہ جانا اور وہاں سے قافلہ کے ساتھ بیت اللہ شریف آنا اور ارکانِ حج ادا کرکے مکان کو واپس آجانا درست ہے یا نہیں اور اس کا ثواب مثل بعد مدینہ شریف جانے کے ہے یا نہیں؟ عنداللہ جواب سے مشرف فرمایئے، اس کے اُوپر یہاں بہت جھگڑا ہو رہا ہے، اللہ تعالٰی ثواب دارین عطا فرمائے۔

الجواب:

(۱) حرم محترم کے اعمال کا ثواب اُس زمین پاک کے اعتبار سے ہے، نہ زمانِ حج کی خصوصیت سے، ایک نیکی پر لاکھ کا ثواب جیسے زمانہ حج میں ہوگا ویسے ہی دیگر اوقات میں، اور طوافِ کعبہ معظّمہ جو حج میں کیا جائے گا اگر وُہ طواف فرض ہے جب تو ظاہر ہے کہ فرض کے ثواب کو دوسری چیز نہیں پہنچ سکتی اور

اگر وہ طوافِ عمرہ ہے تو رمضان مبارک میں اس کا طواف ذی الحجہ سے بہت زیادہ ہوگا لاختلاف العلماء فی نفس جواز العمرۃ شھر الحج (کیونکہ علماء کا حج کے مہینے میں جوازِ عمرہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ت) حدیث میں ہے حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عمرۃ فی رمضان تعدل حجۃ معی۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	رمضان مبارک میں ایک عمرہ میرے ساتھ حج کے برابر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

علمائے کرام نے دونوں صورتیں لکھی ہیں چاہے پہلے سرکارِ اعظم میں حاضر ہو اُس کے بعد حج کرے یہ ایسا ہوگا جیسے صبح کے فرضوں سے سنّتیں مقدم ہیں اور حاضری بارگاہِ مقدس اس کے لیے قبول حج کا سامان فرمادے گی ان شاء اللہ الکریم ثم رسولہ الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی آلہ اکرم الصّلوٰۃ والتسلیم، اور چاہے تو حج کے بعد حاضر ہو یہ ایسا ہوگا جیسے مغرب کے فرضوں کے بعد سنّتیں۔ حج اگر مبرور ہے اُسے گناہوں سے پاک کرکے اس قابل کردے گا کہ زیارت قبرِ انور کرے ع

پاک شواول وپس دیدہ برآں پاک انداز

(پہلے پاک ہو جاؤ پھر مبارک اداوالوں کی زیارت کا شرف پاؤ۔ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مکہ معظّمہ کو جاتے میں مدینہ طیبہ راستہ میں نہ پڑے اور اگر ایسا ہے جیسا شام سے آنے والوں کے لیے تو پہلے حاضری دربارِ انور ضروری ہے، خلافِ ادب ہے کہ بے حاضر ہوئے حج کو چلا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۹: پیش کردہ منشی محمد عتیق احمد صاحب ساکن پیلی بھیت بتاریخ ۱۲رجب ۱۳۲۱ھ

بحضرت اعلم العلماء افضل الفضلاء واکمل الکملاء، آفتابِ آسمان شریعت، ماہتاب درخشاں طریقت، نور بخش قلوبِ مومنین، روشن فرمائے دین و دنیا، حاکم محکمہ ایمان، ماتحت حبیب الرحمان سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حامیِ دینِ متین، اہل سنت، ماحیِ ضلالت وکفروبدعت، صاحب حجتِ قاہرہ، مجددمائۃ حاضرہ، آیۃ من آیات اللہ، فضیلت پناہ، حقیقت آگاہ، امام العلماء والفضلاء، حاج الحرمین الشریفین مولانا ومقتدانا، عالی جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب فاضل بریلوی دامت برکاتہم وافاضاتہم، اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ حجاز ریلوے جو حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاوتعظیما کے سفر وزیارت وغیرہ کو مسلمانوں پر آسان کردے گی اور وہاں کے ساکنین خصوصًا حرمِ محترم مدینہ منورہ کے رہنے والوں کو ہر شئی بہ آسانی میسر آنے کا

[1] صحیح مسلم باب فضل العمرۃ فی رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۹

ذریعہ ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی قابلِ امداد واعانت اہلِ اسلام ہے یا نہیں، جبکہ حضور سلطان المعظم اُس کو خاص مسلمانوں کے روپے سے تعمیر واجرا کرانے میں بہت سعی و کوشش فرمارہے ہیں اور اس اعانت کو اجر چندہ دہندگان کو ملے گا یا نہیں؟ کیونکہ بعض کو گمان ہوتا ہے کہ ریل کا بننا ہی غلط بیانی ہے، بعض تردد کرتے ہیں کہ روپیہ وہاں تک پہنچتا ہی نہیں، حالانکہ یہ امر قابل اطمینان پایا گیا ہے، قسطنطنیہ سے رسیدات مہری ڈاکخانہ وغیرہ بسند کافی آئی ہیں، بعض مقاموں خاص کر پہلی بھیت میں مسلمانوں نے یہ معلوم کرکے کہ حضور والا نے چندہ دینے کو منع فرمایا ہے اس سبب سے سب مسلمان کہ مطیع حکم حضور کے رہتے ہیں جو دراصل صحیح حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہوتا ہے، چندہ دینے لینے سے باز رہے لیکن اس بارے میں ارشاد حضور کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حجاز ریلوے مسلمانوں کے نفع وآرام کی چیز ہے، نیت صالحہ سے اس میں شرکت ان شاء اللہ تعالٰی باعثِ اجر وبرکت ہے۔ بعض حاجیوں کو یہ خیال کہ ریل بننا ہی غلط ہے بلکہ بیچ کے لوگوں نے یہ شعبدہ اٹھا رکھا ہے روپیہ جو جاتا ہے تغلب خائنان میں آتا ہے، اس میں پہلا فقرہ محض غلط وسوئے ظن ہے وہ بھی صریح یقین کے مقابل، اور پچھلا فقرہ اگرچہ بعض مواضع پر صحیح ہونا ممکن، اور تجربہ شاہد ہے کہ ضرور کہیں صحیح ہوگا، ایسے معاملات میں بہت کاذب وخائن کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر نہ سب یکساں ہیں نہ بعد حصول ذرائع اطمینان، اجازت سوئے گمان ہے اور بالفرض ہو بھی، تو مسلمان جس نے لوجہ اللہ تعالٰی دیا اپنی نیت پر اجر پائے گا **فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ**[1] (تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہوگیا۔ت) فقیر نے اس میں اعانت پر کبھی انکار نہ کیا، البتہ بعض جاہلان علم ادعا نے یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی اعانت فرض ہے کہ بے امنی راہ کے باعث فرضیتِ حج میں خلل ہے، ریل کا بننا اس خلل کا ازالہ کرے گا، اور مقدمہ فرض فرض ہوتا ہے اس کا میں نے رد کیا تھا کہ یہ محض جہالت ہے، اوّل **بحمد اللہ تعالٰی** ہر گز راہ میں بے امنی نہیں، جسے حق سبحانہ نے وہ سفر کریم بخشا اور اس کے ساتھ ایمان کی آنکھ اور عقلِ سلیم عطا کی ہے اُس نے موازنہ کیا اور معلوم کرلیا ہے وہاں باآنکہ بارہ منزل کے اندر صرف دو ایک چوکیاں ہیں، بحمدہٖ تعالٰی وہ امن وامان رہتی ہے کہ یہاں قدم قدم پر چوکی پہرے کی حالت میں ہو، جس قافلہ میں یہ فقیر ۱۲۹۵ھ میں اپنے رب کے دربار سے اس کے حبیب کی سرکار میں حاضر ہوتا تھا جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قافلہ بعد زوال ظہر وعصر پڑھ کر وہاں ہوتا اور وقتِ مغرب خفیف قیام کرتا کہ لوگ مغرب وعشاء کے فرض و وتر پڑھ لیتے، شافعیہ اپنے مذہب پر ایسا کرتے اور حنفیہ بضرورت تقلید غیر پر عامل ہوتے کہ بحالتِ ضرورت اُن شرائط پر کہ فقہ میں مفصل ہیں

[1] القرآن ۴/۱۰۰

ایسا روا ہے، مگر یہ فقیر بحمد اللہ اپنے امام رحمہ اللہ تعالٰی کے مطابق مذہب، ہر نماز خاص اُس کے وقتِ مقرر ہی میں پڑھتا جن کی تعیین اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادی ہے، مجھے عصر وعشاء کے لیے اُترنا پڑتا، قافلہ دُور نکل جاتا، میں جلدی کرکے مل جاتا، قضائے حاجت کے لیے بھی لوگ اس خیال سے کہ قافلہ بعید نہ ہوجائے نزدیک ہی بیٹھ جاتے ہیں، مجھے یہ پسند نہ آتا اور دور کسی پیڑیا پہاڑ کی آڑ میں جاتا اس میں بھی لوگ، قافلہ دور نکل جاتا، دن کی تنہائیوں اور رات کی اندھیریوں میں بارہا بدوی ملے وہ مسلّح تھے اور میں نہتّا، مگر کبھی سوا السلام علیکم و علیکم السلام ،مساکم اللہ بالخیر والسعادۃ صبحکم اللہ بالرضاء والنعیم (تم پر سلام ہو اور تم پر بھی سلام ہو، اللہ تعالٰی رات خیر اور صبح مبارک کرے، اللہ اپنی خوشنودی اور انعامات سے نوازے۔ت) کے اصلاً کسی نے کوئی تعرض نہ کیا وللہ الحمد، اتفاقاً کہیں کوئی واقعہ ہوجانا بدامنی نہیں کہلاتا، یہاں شہر سے اسٹیشن کو جاتے ہوئے شب میں متعدد واردات ہو چکیں اور رات کو آنولے سے بدایوں جانے میں تو کتنے ہی وقائع ہوئے، کوئی عاقل ایسے اتفاقیات پر شہر یا راہ میں بدامنی نہ مانے گا پھر وہاں اس حال پر کہ بارہ ۱۲ منزل تک بیچ میں صرف ایک قلعہ رابغ ملتا ہے جگہ جگہ چوکی پہروں کا نشان نہیں، اگر اتفاقی واردات ہوجائیں تو اُس کے باعث بدامنی ماننا، فرضیت حج میں خلل جاننا، ضعفِ ایمان نہیں، تو کیا ہے، لئیم الطبع لوگ جو قافلوں میں بدویوں سے دنائت وخست کا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے سبب وہ ان کی خدمت گزاری کہ ان پر شرعاً عرفاً کسی طرح لازم نہیں، پوری نہیں کرتے (حالانکہ مشاہدہ وہ تجربہ ہے کہ وُہ کریم الطبع بندے قلیل پر کثیر راضی ہوجاتے اور ادنٰی خدمت گار سے بڑھ کر کام دیتے ہیں، ہاں خسیس دنی الطبع کو ضرور مکروہ رکھتے ہیں) اس باعث سے اگر کوئی تکلیف ان سفہاء کو پہنچ جاتی ہے تو انہیں کی لوم وخست کا نتیجہ ہے اسے طرح طرح کی رنگ آمیزیوں کے ساتھ یہاں آکر بیان کرتے اور محض بے اصل نئی پرانی افواہ اپنے حواشی بڑھا کر مسلمانوں کو سناتے اور انہیں حاضریِ بارگاہِ خدا ورسول سے بددل کرتے ہیں یہ اُن کی ایمانی حالت کا خاکہ ہے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اگر معاذاللہ بدامنی اس حد کی فرض کی جائے، کہ مانع فرضیت حج ہو، تو اب یہ ریل اگر مورثِ امن وامان بھی لی جائے تو مقدمہ فرض نہ ہوگی کہ بسبب بے امنی حج فرض ہی نہیں، ہاں مقدمہ فرضیت ہوگی کہ یہ ہوجائے تو حج فرض ہو اور مقدمہ فرضیت، فرض درکنار مستحب بھی نہیں ہوتا، مثلاً اتنا مال جمع کرنا کہ حوائج اصلیہ سے بچ کر قدر نصاب رہے اور اس پر سال گزرے، مقدمہ فرضیت زکوٰۃ ہے کہ ایسا ہو تو زکوٰۃ فرض ہو مگر وہ اصلاً مستحب نہیں، غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ اسباب ادائے واجب کا مہیّا کرنا واجب ہوتا ہے، نہ کہ اسباب وجوب کا۔ درمختار میں ہے:

لو وھب الاب لابنه مالا یحج به	اگر والد نے بیٹے کو حج کے لیے مال ہبہ کیا تو اس پر

لم یجب قبوله لان شرائط الوجوب لایجب تحصیلها[1]۔	قبول کرنالازم نہیں کیونکہ شرائط کا حاصل کرنا لازم نہیں۔ (ت)

یہ ان جاہلان عالم نما کی جہالت کا رد تھا ورنہ نفس ریل واعانتِ چندہ پر فقیر نے کبھی اعتراض نہ کیا، مسلمانوں کو اتنا ضرور ہے کہ اس امرِ خیر میں ہمت کریں تو ذرائع اطمینان حاصل کرلیں اور اپنے شہر کے معتمد متدین صلحا مثل جناب مولٰنا الاسد الاسد الاشد الارشد مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدّث سورتی یا مولانا مولوی حکیم محمد خلیل الرحمٰن صاحب یا مولانا قاضی حافظ خلیل الدین حسن صاحب یا مکرمنا منشی محمد عتیق احمد صاحب سلمہم کو متوسط کریں، وباﷲالتوفیق ، واﷲتعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰

صیقل الرّین عن احکام مجاورۃ الحرمین ۱۳۰۵ھ

(حرمین شریفین میں سکونت کے احکام سے متعلق شبہات کا ازالہ)

مسئلہ ۳۰۰: از گورکھپور محلّہ گھوسی پورہ مسئولہ مولانا مولوی حکیم عبداللہ صاحب ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی رجل مکلف لہ ابوان وبنتان صغیرتان لایفتقرون الیہ فی المعاش ولہ زاد و راحلۃ یریدان یھاجر وحدہ الی الحرمین الشریفین زادھما اللہ شرفاوتعظیما وذٰلك لانہ لا یجد مالا، یسع زادھم جمیعا ویظن انہ لو استجازھم فی الھجرۃ لایجیزوہ اصلا، فع ھل تجوزلہ الھجرۃ بحکم الشرع ام لا، بینوا بسند	اے علماء کرام (اللہ تم پر رحمت فرمائے) اس مکلّف کے بارے میں تمہاری کیارائے ہے جس کے ایسے والدین اور دو بیٹیاں ہیں جو معاشی اعتبار سے اس شخص کی محتاج نہیں، اس شخص کے لیے زادراہ اور سواری وغیرہ بھی ہو، اور وہ چاہتا ہے کہ وہ تنہا حرمین شریفن (اللہ تعالٰی ان کے شرف وعظمت میں اوراضافہ فرمائے) ہجرت کرجائے کیونکہ وہ تمام کے خرچہ کی طاقت نہیں رکھتا اور یہ بھی گمان رکھتا ہے کہ اگران

الکتاب والعبارۃ توجروا یوم الحساب بالبشارۃ۔	مذکورہ افراد سے ہجرت کی اجازت چاہئے گا تو وہ اجازت نہیں دیں گے ایسی صورت میں اس کے لیے شرعاً ہجرت جائز ہے یا نہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں واضح فرمادیں، اللہ تعالٰی تمھیں یوم قیامت اجر عطافرمائے گا۔ (ت)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب الحمد ﷲ وحدہ و الصلٰوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ برالو الدین من اعظم الواجبات واھم القربات حتی قرن المولٰی سبحانہ وتعالٰی شکرھا بشکرہ، اذ امر عز من اٰمر،ان اشکر لی ولوالدیك ، وقد فضلہ النبی صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم علی الجھاد فی سبیل اﷲ (اخرج) احمد و الشیخان وابوداؤد والنسائی عن عبداﷲ بن مسعود رضی اﷲ تعالٰی عنہ، قال سألت رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم ای العمل احب الی اﷲ قال الصلٰوۃ علی وقتھا، قلت ثم ای، قال ابوالوالدین، قلت ثم ای، قال الجھاد فی سبیل اﷲ[1] قلت، ولیس	اے اللہ حق وصواب کی توفیق عطافرمائیں، حمد ہے اللہ کے لیے جو ذات صفات میں لاشریک ہے، صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں اور مکرم ومحترم آل واصحاب پر۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک اعظم واجبات او راہم عبادات میں سے ہے حتی کہ اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی نے ان کی شکر گزاری کو اپنے شکریہ کے ساتھ متصل فرماتے ہوئے یہ حکم دیا "میرے شکر گزار بنو او راپنے والدین کے "اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے والدین کے ساتھ نیکی کو اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد سے افضل قرار دیا ہے۔ امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ تعالٰی کے ہاں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: وقت پر نماز، میں نے عرض کیا: اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ فرمایا: والدین کے ساتھ حسن سلوک۔ عرض کیا: اس کے بعد ؟ فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد،

[1] صحیح بخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۲

البران لاتعصیهما اذا صرحا بشی وتخالفهما فی ما سوی ذٰلك ولکن البران لاتاتی مایکرهانه وان لم یخاطباك فیه بشی فانه الطاعة والارضاء کلاهما واجبان والمعصیة والاسخاط جمیعا محرمان وهٰذا ن اعنی السخط والرضا لایختصان بما تقدما فیه بصریح البیان کما لایخفی۔وحسبك ما اخرج الترمذی وابن حبان والحاکم وصححه والطبرانی عن عبدالله بن عمرو، والبزار عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم انه صلی الله تعالٰی عیه وسلم قال رضی الرب فی رضی الوالد وسخط الرب فی سخط الوالد[1] ، ولفظ البزار الوالدین فی الموضعین[2] وقد اشار النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من اراد الجهاد و الهجرة الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان یرجع فیخدم ابویه ولیس فی الحدیث انهما کانا مفتقرین الیه، اخرج احمد والستة الا ابن ماجة	میں کہتا ہوں نیکی ان کے ساتھ یہ نہیں کہ ان کے حکم کی صریح کی تو نافرمانی نہ کی جائے اور اس کے علاوہ میں ان کی مخالفت کی جائے، ہاں نیکی یہ ہے کہ کسی معاملہ میں بھی انھیں پریشان نہ کیا جائے اگرچہ وہ اولاد کو کسی معاملہ کا حکم نہ دیں، کیونکہ طاعت اور راضی کرنا دونوں واجب ہیں اور نافرمانی اور ناراض کرنا دونوں حرام ہیں اور یہ ناراض اور راضی کرنا ان کے صریح حکم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں۔اس پر دلیل یہ روایت ہی کافی ہے کہ امام ترمذی، ابن حبان، حاکم (انھوں نے اسے صحیح کہا ہے) اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رحمۃ العلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: رب کی رضا والد کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے، مسند بزار میں دونوں مقامات پر والد کی جگہ والدین کا لفظ ہے، کچھ لوگوں نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہنے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں والدین کی خدمت کا حکم دیا، ان احادیث میں یہ کہیں تصریح نہیں کہ والدین ان کی خدمت کے محتاج تھے، امام احمد، ابن ماجہ

[1] جامع الترمذی باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

[2] الترغیب والترهیب بحواله البزار کتاب البر والصلة مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۲۲

عن عبداللہ بن عمر وبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم، ومسلم وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ. قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاستاذنہ فی الجھاد فقال احی والداک. قال نعم. قال ففیھما فجاھد[1]۔	کے علاوہ ائمہ ستہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور مسلم اور دیگر محدثین نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد پر جانے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: جاؤان کی خدمت میں محنت کرو،
قلت ولا اقول ان مجرد عدم الذکر ذکر العدم، حتی ترجع تقول واقعۃ حال فلا شمول. فمایدریك لعلھما کانا مفتقرین الیہ، وانما اقول ان السائل لم یبین، والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یستبن. فترك السؤال دلیل الارسال۔	**میں کہتاہوں** میں یہ نہیں کہہ رہاہوں کہ محض عدم ذکر ذکرِ عدم ہے، حتی کہ یہ اعتراض ہو کہ یہ تو ایک مخصوص واقعہ ہے جس کا حکم عام نہیں، کیا علم کہ وہ والدین محتاج خدمت ہوں، میں تو یہ کہہ رہاہوں کہ سائل نے ان کی محتاجی بیان نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی تفصیل پوچھی، سوال کا نہ کرنا اس بات پر دلیل ہے کہ محتاج ہونا ضروری نہیں۔
واخرج مسلم فی روایۃ لہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال اقبل رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. فقال ابایعك علی الھجرۃ والجھاد ابتغی الاجر من اللہ تعالٰی. قال فھل من والدیك احد حی،	امام مسلم نے ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ایک شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا، آقا! میں اللہ تعالٰی سے اجر وثواب کی خاطر ہجرت اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے آپ کے دست اقدس پر بیعت چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا: تیرے والدین میں سے کوئی ایک

[1] صحیح مسلم باب برالوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳

قال نعم بل کلاھما ،قال فتبتغی الاجر من الله تعالٰی ،قال نعم ، قال فارجع الی والدیك فاحسن صحبتھما ۔[1]	زندہ ہے؟ عرض کیا: ہاں جبکہ دونوں زندہ ہیں، فرمایا: تواللہ تعالٰی سے ثواب واجر چاہتا ہے، عرض کیا: ہاں۔ فرمایا: والدین کے پاس جاؤاور ان کی خوب خدمت کرو۔
واخرج ابوداؤد عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ جاء رجل الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال جئت ابایعك علی الھجرۃ وترکت ابوی یبکیان، قال فارجع الیھما فاضحکھما کما ابکیتھما[2]۔	امام ابوداؤد نے اسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان الفاظ میں روایت ذکر کی ہے ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوااور عرض کیا میں آپ کے پاس ہجرت پر بیعت کے لیے آیا ہوں اس حال میں کہ میں والدین کو روتے ہوئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا: ان کی خدمت میں واپس جاؤ اور اس طرح خوش کرو جیسے تم نے انھیں رُلایا ہے۔
واخرج ایضا عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه ان رجلا ھا جر من الیمن الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ، فقال ھل لك احد بالیمن، فقال ابوای، قال اذنالک، قال لا، قال فارجع الیھما فاستاذنھما فان اذنا لك فجاھد والافبرھما[3]۔	انھوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پوچھا: یمن میں تیرا کوئی عزیز ہے؟عرض کیا: میرے والدین ہیں،فرمایا: انھوں نے تجھے اس بات کی اجازت دی ہے؟ عرض کیا : نہیں، فرمایا: ان کی خدمت میں جاکر اجازت طلب کرو اگر تجھے اجازت دے دیں تو جہاد پر جاؤ اور اگر اجازت نہ دیں تو والدین کی خدمت کرو۔

[1] صحیح مسلم باب برالوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳

[2] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۲

[3] سُنن ابوداؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳۔ ۳۴۲

واخرج النسائی وابن ماجۃ وحاکم وقال صحیح علٰی شرط مسلم، والطبرانی باسناد جید، عن معاویۃ بن جاھمۃ ان جاھمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقال یا رسول اللہ! اردت ان اغزو وقد جئتك استشیرک، فقال ھل لك من ام، قال نعم، قال فالزمھا فان الجنۃ عند رجلیھا[1]۔	نسائی، ابن ماجہ، حاکم (اور کہا یہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے) اور طبرانی نے سند جید کے ساتھ حضرت معاویہ بن جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا کہ حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں آپ کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا ہوں، فرمایا: تمھاری والدہ ہیں؟ عرض کیا: ہیں۔ فرمایا: پس ان کی خدمت کرو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔
ولفظ الطبرانی قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استشیرہ فی الجھاد، فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الك والدان، قلت نعم، قال الزمھما فان الجنۃ تحت ارجلھما[2]۔	اور طبرانی میں روایت کے الفاظ یہ ہیں حضرت جاہمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر جہاد کے لیے مشورہ طلب کیا، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: زندہ ہیں۔ فرمایا، ان کی خدمت کو لازم جانو کیونکہ جنت ان کے قدموں میں ہے۔
واخرج ھذا اعنی الطبرانی عن طلحۃ بن معٰویۃ السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقلت یا رسول اللہ انی ارید الجھاد فی سبیل اللہ، قال امك حیۃ، قلت نعم، قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الزم	طبرانی نے حضرت طلحہ بن معاویہ السلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ رکھتا ہوں، فرمایا: تمھاری والدہ زندہ ہیں؟ عرض کیا: ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان کے قدموں میں

[1] سنن نسائی کتاب الجہاد مکتبہ سلفیہ لاہور ۴۸/۲

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۲۰۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۸۹/۲

رجلیھافثم الجنة[1]۔ فھذہ فتوی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الھجرة الی المدینة ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین اظھر ھم، فکیف بجوار احد الحرمین بعد وفاة سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانظر کیف امر ھم ان یرجعوا ویلزموا ارجل ابائھم وامھاتھم، وانظر کیف امر من لم یستأذن، ان یرجع فلیستاذن، وانظر کیف ھدی من اتی وترکھما یبکیان، ان یضحکھما کما ابکاھما وانت ان استاذنت، فقد علمت انھما لایأذنان ان استاذنت فقد علمت انھما لا شد حزنا و جدا، بل ان فارقت وما اذنت، فایاك ثم ایاك ان تترکھما وھما یبکیان۔ وھذا خیر التابعین بشھادة سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ	رہو، وہیں جنت ہے۔ یہ مدینہ کی طرف ہجرت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت کا فتوٰی ہے جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صحابہ کے درمیان ظاہری حیات کے ساتھ تشریف فرماتھے اب سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد حرمین میں سے کسی ایک میں جانے کا حال کیا ہوگا! ذرا غور کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو اپنے اباء اور امہات کی خدمت میں لوٹنے کا کس انداز میں حکم دیا ہے، یہ ملاحظہ بھی کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کو کیا حکم دیا جو والدین سے اجازت لیے بغیر آیا تھا کہ واپس جاؤ اور اجازت لو، اس پر یہ بھی توجہ کیجئے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کی کتنی پیاری رہنمائی فرمائی جو اپنے والدین کو روتا ہوا چھوڑ کر آیا تھا کہ جاؤ ان کو اسی طرح ہنساؤ جس طرح انھیں رلایا ہے، جب آپ نے یہ سب کچھ پڑھ لیا تو اب صورت مذکورہ میں اگر والدین سے اجازت مانگے وہ اجازت نہیں دے رہے تو واضح بات ہے کہ وہ تمھاری جدائی پر سخت پریشان و غمگین ہوں گے جبھی تو وہ آپ کو اجازت نہیں دے رہے، تو اب روتے ہوئے چھوڑ کر جانا ہر گز جائز نہیں۔ آیئے ایک ایسی شخصیت کا عمل پڑھتے ہیں جن کے بارے میں امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۱۶۲ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳۷۲/۸

وسلم المروية من طريق عمر رضی الله تعالٰی عنه، عند مسلم[1] فی صحيحة ومن حديث علی كرم الله وجهه عند الحاكم[2] بسند صحيح اعنی ولی الله سيدنا اويس القرنی رضی الله تعالٰی عنه منعته خدمة امه والبربها ان ياتی رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم ويتشرف بذاك الشرف الاهم الاعظم، هو صحبة نبی الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم، فما ظنك بهٰذا الذی يسميه الناس هجرة وماهو بهجرة وانما الهجرة هجران الذنوب، نسأل توفيقه من رب القلوب۔

اخرج البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال قال النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر مانهی الله تعالٰی عنه[3]۔

وماحسن ماقال اخو العجم۔

گردر یمنی وبا منی پیش منی
ورپیش منی وبے منی دریمنی

وھو معنی ماقال اٰخر۔

تعالٰی عنہ سے اور حاکم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تمام تابعین میں افضل شخصیت ہے یعنی ولی اللہ حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آکر اعلٰی وافضل مقام حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحبت پانے سے مانع فقط والدہ کی خدمت اور حسن سلوک ہی تھا، اب ذرا سوچئے اس عمل کا کیا مقام ہے جسے لوگوں نے ہجرت کا نام دے رکھا ہے حالانکہ یہ ہر گز ہجرت نہیں، ہجرت تو حقیقۃً گناہوں کا چھوڑنا ہے، ہم رب قلوب سے اسکی توفیق کے طلبگار ہیں۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرا مسلمان محفوظ ہوا ور مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے۔

اور اخوالعجم نے کیا خوب کہا ہے:

اگر تو یمن میں ہے اور میرے تصور میں ہے تو میرے سامنے ہے اور اگر تو میرے سامنے ہے لیکن میرے تصور میں نہیں تو تو یمن میں ہے، کسی اور شاعر نے بھی یہی بات یوں کہی ہے:

[1] صحیح مسلم باب من فضائل اویس قرنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۱۱/۲
[2] المستدرک للحاکم مناقب اویس قرنی دار الفکر بیروت ۴۰۳/۳
[3] صحیح بخاری باب من سلم المسلمون من لسانہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۶/۱

وکم من بعید الدار نال مرادہ وکم من قریب الدار مات کئیبا وکان سیّدی العارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی یقول: کم من ھومعنا ولیس ھو معنا وکم من ھو بعید عنا، وھو معنا[1] اھ۔ ومن اخفی وسائس الشیطان تلبس الشر بالخیر علی الانسان، فیذھب بہ علی السیئات من باب الحسنات، و لایعرف ذٰلك الا العلماء العاملون لذا ورد ذم المتعبد بغیر فقہ وضرب لہ مثل سوء فی حدیث عند ابی نعیم فی حلیۃ الاولیاء[2] عند واثلۃ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ وھذا شرما اخرج الترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد[3]۔ فھٰذا الذی یرید الھجرۃ	بہت سے دور رہنے والے مراد پالیتے ہیں اور بہت سے قریب رہنے والے محروم ونامراد مرتے ہیں۔ سیدی عارف باللہ ابو محمد المرجانی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: بہت سے لوگ ہمارے ساتھ رہتے ہوئے بھی ہمارے ساتھ نہیں اور بہت سے ہم سے دور ہیں مگر ہمارے ساتھ ہوتے ہیں اھ جس پر شیطان کے وساوس مخفی ہوں اس انسان پر شر وخیر میں التباس ہوجاتا ہے اور شیطان اسے حسنات سے سیئات کی طرف لے جاتا ہے اور اس بات سے باعمل علماء ہی آگاہ ہوسکتے ہیں۔ اسی وجہ سے بغیر دین فہمی کے عبادت کرنے والے کی مذمت آئی ہے اور ایسے عابد کی اس حدیث میں بُری مثال بیان ہوئی جو ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے، یہ اس سے سخت ہے جسے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔ ہجرت کا ارادہ کرنے والا اگر یہ جان لے کہ

1

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دارالکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی فضل الفقہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳

لو علم مافی احزان الوالدین وادخال الغم علیھما لما ارادھا کما ورد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال لوکان جریج الراھب فقیھا عالما لعلم ان اجابۃ دعاء امہ اولی من عبادۃ ربہ [1] اخرجہ الحسن بن سفین فی مسندہ والحکیم المولی الترمذی فی نوادرہ وابن قانع فی معجمہ، والبیھقی فی شعب الایمان عن شھر بن حوشب عن حوشب بن یزید عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

فھذا الحدیث وان بقیت الفقہ فقد نقل العلامۃ البحر فی البحرالرائق تفصیلاً برخصۃ ونھٰی فی مسئلۃ حج الولد بلا اذن الوالد ثم قال ھذا کلہ فی حج الفرض اما حج النفل فطاعۃ الوالدین اولی مطلقا کما صرح بہ فی الملتقط [2] اھ نقلہ العلامۃ ابن عابدین فی ردالمحتار۔

قلت فاذا کان ھذا حکمھم فی الحج وانت ترید القفول، فکیف وانت عازم ان لاترجع، وقد وضع فی الھندیۃ، ضابطۃ حسنا فی امثال ھذہ المسائل

والدین کو پریشان کرنے میں کیا سزا ہے تو ہجرت کا ارادہ ترک کردے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے کہ جریج راہب فقیہ وعالم ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ اللہ تعالٰی کی عبادت سے والدہ کے بلاوے کا جواب اولٰی ہے، حسن بن سفیٰن نے مسند میں، حکیم ترمذی نے نوادر میں، ابن قانع نے معجم میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں شہر بن حوشب سے، انھوں نے حوشب بن یزید سے، انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا ہے:

یہ تو احادیث تھیں، باقی رہے فقہاء تو علامۃ البحر نے بحرالرائق میں تفصیلاً رخصت کی تفصیل تحریر کی، اور جبکہ اجازت والد کے بغیر اولاد کو حج کرنے سے منع کیا پھر فرمایا یہ تمام بحث حج فرض میں ہے، رہا نفل حج، تو اس میں اطاعتِ والدین ہر حال میں اولٰی ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے اھ اسے علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں یہ انھوں نے حج کے بارے میں حکم دیا ہے جس میں تو واپس کوچ کا ارادہ رکھتا ہے یہ کیسے جائز ہوسکتا ہے جبکہ تو واپس نہ ہونیکا عزم رکھتا ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ایسے مسائل کے بارے میں بہت عمدہ ضابطہ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے

[1] نوادر الاصول الاصل السابع عشر والمائۃ دار صادر بیروت ص ۱۵۲، شعب الایمان باب فی برالوالدین حدیث ۷۸۸۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۵/۶

[2] بحرالرائق کتاب الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۰۹/۲

حیث قال الابن البالغ یعمل عملا لاضرر فیه دینًا ولادُنیابوالدیه وھمایکرھانه فلا بد من الاستیذان فیه اذاکان له منه بد[1] اھ فقد حکم ان لا محید من الاستیذان وان لم یکن بھما ضرر اصلا فیما اراد، فھٰذاحکم المسئلة کما تری، و مالی التکلم فی ھذا وذاك ولکن اقول ان المجاورة لاتحل من اصلھا وان اذن الابوان، فکیف اذا کرھا وحزنا بھا ھذا ھوقول الامام وبقوله قال الخائفون المحتاطون من العلماء کمافی الشامی عن الاحیاء وبه جزم المجمع وغیرہ۔

کہ بالغ اولاد کوئی دینی یا دنیوی ایسا کام نہ کرے جو والدین کے لیے غیر مضر اور ناپسند ہو، اور اگر ضروری ہو تو والدین سے اجازت لینا ضروری ہوگا اھ یعنی اگرچہ نقصان دہ نہ بھی ہو تب بھی والدین کی اجازت کے بغیر چارہ نہیں، یہ تو مسئلہ کا حکم تھا لیکن مجھے اس میں کلام نہیں ہے اور جبکہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجاورت اس صورت میں بھی جائز نہیں جبکہ والدین اجازت دیں تو اس وقت کیسے جائز ہوگی جب وہ اسے پسند نہ کریں اور اس پر پریشان ہوں، اور یہی امام صاحب کا قول ہے، محتاط اور خائف اہل علم نے آپ کے اسی قول کو اختیار کیا ہے جیسا کہ شامی میں احیاء سے ہے۔ مجمع وغیرہ میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔

قلت و ھوا لا قوی دلیلا والاحسن تاویلا والاصلح تعویلا والاقوم قیلا ولیس لحنفی ان یجتاز من قوله ویختار قول غیرہ کصاحبیه مثلا الا لضعف بیّن فی دلیله او ضرورة تدعو الٰی مخالفة قیله، حتی صرح الفاضلان العلامتان مولٰنا زین بن نجیم المصری والشیخ خیر الدین الرملی، انه لا یعمل ولایفتی الابقوله رضی اللہ تعالٰی عنه ولا یعدل عن قول الٰی قولھما

میں کہتا ہوں یہ قول دلیل کے اعتبار سے قوی تاویل کے لحاظ سے احسن ہے، اعتماد کے لحاظ سے اصلح اور قیل وقال کے لحاظ سے معتدل ہے۔ اور کسی حنفی کے لیے یہ اجازت نہیں کہ وہ آپ کے قول کو ترک کرکے کسی دوسرے مثلاً صاحبین کے قول پر عمل کرے، ہاں اس صورت میں جائز ہوتا ہے جب آپ کے قول کی دلیل واضح طور پر کمزور ہو یا آپ کے قول کی مخالفت کی اشد ضرورت درپیش ہو، حتی کہ دو عظیم فاضل اہل علم مولانا ابن نجیم مصری اور شیخ خیر الدین رملی نے تصریح کی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر عمل اور فتوٰی دیا جائے گا، اس سے صاحبین یا کسی اور کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳۶۵/۵

اوقول احدھما الا الضرورۃ وان صرح المشائخ بان الفتوٰی علی قولھما[1] کما فی صلٰوۃ البحر وشھادات الخیریۃ وھذا امیرالمومنین عمرالفاروق الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، کان اذا فرغ من حجہ یدور فی الناس و یقول یا اھل الیمن یمنکم ویااھل العراق عراقکم ویا اھل الشام شامکم[2] فانہ اھیب لبیت ربکم فی اعینکم ، اوکمایقول رضی اللہ تعالٰی عنہ	قول کی طرف اعراض کی اجازت نہیں البتہ اس صورت میں جو مذکور ہے اگرچہ کچھ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے جیساکہ بحر کے باب الصلوٰۃ میں اور فتاوٰی خیریہ کے باب الشہادات میں ہے حالانکہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھئے وہ جب حج سے فارغ ہوتے تو لوگوں میں دورہ کرتے اور فرماتے: اے اہل یمن! یمن چلے جاؤ، اے اہل عراق! عراق چلے جاؤ، اے اہل شام! اپنے وطن شام لوٹ جاؤ تاکہ تمھارے ذہنوں میں تمھارے رب کی گھر کی ہیبت خوب قائم رہے۔
قلت وکان ھذا والناس انما ھم صحابۃ اوتابعون و ھم ماھم من غایۃ الادب ونھایۃ الاجلال، فما بال اھل الزمان اھل کیت وذیت، واللہ المستعان لاصلاح الاحوال، وقد سئل امام دار الھجرۃ، عالم المدینۃ مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی ایما احب الیک المجاورۃ اوالقفول فاجاب ان السنۃ الحج ثم القفول[3] کمانقلہ العلامۃ محمد العبدری فی مدخلہ۔	**میں کہتا ہوں** یہ اس دور کی بات ہے جب صحابہ یا تابعین تھے جو نہایت مؤدب اور نہایت ہی احترام واکرام کرنے والے تھے، ہمارے اس دور کا کیا حال ہوگا، اللہ تعالٰی ہی اصلاح و احوال کی توفیق دے، امام دارالہجرت، عالم مدینہ حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالٰی سے پوچھا گیا کہ آپ کو مجاورت محبوب ہے یا لوٹنا؟ فرمایا: سنت یہ ہے کہ حج کیا جائے پھر واپس ہو، جیساکہ علامہ محمد عبدری نے مدخل میں ذکر کیا ہے۔

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳، بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۶

[2] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

[3] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

قلت وانما اراد سنة الصحابة ما عدا المهاجرین اما المهاجرون فقد کانوا عن الاقامة محجورین، فلا یدل قفولهم علی استنانه کما لا یخفی، ثم ان العبدری نقل من بعض اکابر الاولیاء قدست اسرارهم، ان جاور بمکة اربعین سنة ولم یبل فی الحرم ولم یضطجع، قال فمثل هذا تستحب له المجاورة اویو مربها والموضع موضع ربح لا موضع خسارة، فیحرم نفسه الربح لقلة الادب الذی یصدر منه وقلة الاحترام "قال" وقد حکی لی السید الجلیل ابو عبدالله القاضی رحمة الله تعالٰی علیه انه احتاج الی قضاء حاجة الانسان وهو فی المدینة فخرج الی موضع من تلك المواضع وعزم ان یقضی حاجته فیه، فسمع هاتفا ینهاه عن ذلك فقال الحجاج یعملون هذا، فاجابه الهاتف، بان قال واین الحجاج واین الحجاج واین الحجاج ثلث مرات، فخرج من البلد حتی قضی حاجة ثم رجع[1] اھ "وقد اطال الکلام فیه الی ان قال" ثم لو فرض ان المجاور لا یباشر	قلّت یہاں امام مالک نے سنت سے مراد غیر مہاجرین صحابہ کی سنت لی ہے، رہے مہاجرین صحابہ، تو ان کے لیے مکہ میں اقامت ممنوع تھی، لہٰذا ان کا لوٹنا سنت پر دال نہیں جیسا کہ واضح ہے۔ پھر شیخ عبدری نے بعض اکابر اولیاء قدست اسرارہم کے بارے میں یہ بھی نقل کیا کہ وہ چالیس سال مکہ میں رہے مگر حرم کعبہ میں پیشاب نہ کرتے اور نہ ہی وہاں لیٹتے تھے، پھر فرمایا ایسے لوگوں کے لیے مجاورت مستحب ہے، یا انھیں کو اجازت دی جاسکتی ہے اور یہ مقام سراپا نفع ہے خسارہ نہیں تو قلّتِ ادب اور قلّت احترام کی بنا پر انسان خود کو نفع سے محروم نہ کرے، پھر فرمایا مجھے السید الجلیل ابو عبداللہ القاضی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انھیں شہر مدینہ میں رفع حاجت کی ضرورت پیش آئی تو وہ شہر میں ایک مقام کی طرف گئے اور وہاں قضاءِ حاجت کا ارادہ کیا تو غیب سے آواز آئی جو اس عمل سے انھیں منع کر رہی تھی تو انھوں نے کہا تمام حجاج ایسا کرتے ہیں، تو جواب میں تین دفعہ آواز آئی، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج، کہاں کے حجاج۔ پھر وہ شہر سے باہر چلے گئے اور رفعِ حاجت کی اور پھر لوٹے اھ طویل گفتگو کے بعد لکھتے ہیں کہ بالفرض مجاورت کرنے والا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو ذکر ہوا تو اس کے

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

شیئا مما تقدم ذکرہ حینئذ تکون المجاورۃ مستحبۃ فی حقہ، مالم یخل بعبادۃ اخری ھی اکبر منھا ،کبر الوالدین والقیام بما وجب علیہ، من صلۃ الرحم لمن یحب ذلك بالحضور معہ، دون ارسال السلام بالکتابۃ وغیرہ"قال"والمقصودان یقدم امتثال الشرع الشریف فیقدم ماقدمہ ویؤخرما اخرہ، فالمجاورۃ مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باتباع اوامرہ واجتناب نواھیہ فی ای موضع کان ھٰذہ ھی المجاورۃ [1]"قال"ومن کتاب القوت (ای السیدی ابی طالب المکی رحمہ اللہ تعالٰی) قال بعض السلف کم من رجل بارض خراسان اقرب الی ھذا البیت ممن یطوف بہ، وکان بعضھم یقول، لان تکون ببلدك وقلبك مشتاق متعلق بھٰذا البیت خیر لك من ان تکون فیہ وانت متبرم بمقامك وقلبك متعلق الی بلد غیرہ [2] اھملتقطا۔ انی لو شئت لطولت الکلام بتوفیق العلام فی تحقیق المرام ولکن حسبی فی ھذا المقام کلام الامام بن الھمام	حق میں مجاورت مستحب ہوگی بشرطیکہ اس سے کوئی بڑی عبادت درمیان میں حائل نہ ہو مثلاً بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک وخدمت اور ان لوگوں کی خدمت جو صلہ رحمی کی بناء پر لازم ہے اور وہ اس کے موجود ہونے کا تقاضا کرتا ہو نہ کہ محض تحریری سلام وغیرہ کا، پھر لکھا مقصود شرع شریف کے احکام کو مقدم کرنا ہے، لہٰذا جسے شریعت نے مقدم رکھا ہے اسے مقدم رکھا جائے اور جسے شریعت نے مؤخر رکھا ہے اسے مؤخر رکھا جائے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مجاورت آپ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کی صورت میں ہے خواہ انسان کسی جگہ مقیم ہو، اور اصلا مجاورت یہی ہے، اور فرمایا کتاب القوت (للامام ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالٰی) میں بعض اسلاف سے ہے بہت سے خراسان میں رہائش پذیر اس بیت اللہ کے ان لوگوں سے زیادہ قریب ہیں جو اس کا طواف کررہے ہیں، بعض نے فرمایا بندہ اپنے شہر میں ہو اور اس کا دل اللہ تعالٰی کے گھر سے متعلق ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بندہ بیت اللہ میں ہو اور دل کسی اور شہر کے ساتھ وابستہ ہو اھ اختصارًا۔ اگر میں چاہوں تو اس مقصد پر اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور بھی طویل گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن اس مقام پر مجھے امام ابن ہمام کی گفتگو ہی کافی ہے کیونکہ

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دارلکتاب العربی بیروت ۲۵۵/۴
[2] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجہ الخ دارلکتاب العربی بیروت ۲۵۶/۴

اذ لا عطر بعد عروس قال قدسنا اللہ تعالٰی بسرہ الکریم ونفعنا فی الدارین بفضلہ. الفخیم فی فتح القدیر شرح الھدایۃ اختلف العلماء فی کراھۃ المجاورۃ بمکۃ وعدمھا فذکر بعض الشافعیہ ان المختار استحبابھا الا ان یغلب علی ظنہ الوقوع فی المحذور وھذا قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی وذھب ابوحنیفۃ ومالک رحمھما اللہ تعالٰی الٰی کراھتھا[1]۔	شادی کے بعد عطر کیا کرنا ہے انھوں نے (اللہ تعالٰی ہمیں دارین میں ان کے علوم وفیوض سے بہرہ ور فرمائے) نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرمایا: مکہ مکرمہ کی مجاورت مکروہ ہے یا نہیں، اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض شوافع نے کہا کہ مختار قول کے مطابق مستحب ہے لیکن جب غالب گمان ممنوعات کے ارتکاب کا ہو تو پھر مکروہ ہے، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا بھی یہی قول ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مجاورت مکروہ ہے۔
قلت والمراد کراھۃ التحریم اذا ھو المحمل عندا لاطلاق وبدلیل قول المحقق فیما سیأتی "لایذکر حالھم قیدا فی جواز الجوار"[2] اھ	**میں کہتا ہوں** یہاں کراہت سے مراد تحریمی ہے کیونکہ جب لفظ کراہت مطلقاً ہو تو اس سے یہی مراد ہوتی ہے۔ اھ محقق کا آئندہ قول بھی اسی پر دلیل ہے کہ قلیل لوگوں کے حال کو جوازِ مجاورت کے لیے بطور قید ذکر نہیں کیا جاتا اھ۔
(قال) وکان ابوحنیفۃ یقول انھا لیست بدار ھجرۃ وقال مالک وقد سئل عن ذٰلک، ماکان الناس یرحلون الیھا الاعلی نیۃ الحج، والرجوع وھو اعجب و ھذا احوط لما فی خلافہ من تعریض النفس علی الخطر اذطبع الانسان التبرم والملل من توارد ما یخالف ھواہ فی المعیشۃ وزیادۃ الانبساط المخل	آگے لکھا امام ابوحنیفہ نے فرمایا مکہ مقام دارالہجرت نہیں، امام مالک سے جب اسی بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا لوگوں کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ حج ادا کرکے واپس ہوجائیں، اور یہ قول نہایت محبوب ہے اور یہی احوط ہے کیونکہ اس کے خلاف کرنے میں اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے کیونکہ انسانی طبیعت یہ ہے کہ بار بار خلاف خواہش کرنے سے اس کی زندگی میں ملال وپریشانی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۹۳/۳

[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۹۴/۳

بمایحب من الاحترام لمایکثر تکررہ علیه ومداومة نظرہ الیه وایضاً الانسان محل الخطاء کما قال علیه السلام کل بنی اٰدم خطاء [1]۔ قلت اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة والحاکم عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل بنی اٰدم خطاء وخیر الخطائین التوابون [2] اھ۔ (قال) والمعاصی تضاعف، علی ماروی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه، ان صح والا فلا شک، انها فی حرم اللہ افحش واغلظ فتنتهض سببا لغلظ الموجب و هو العقاب (وساق الکلام الٰی ان قال) وکل من هذہ الامور سبب لمقت اللہ تعالٰی واذاکان هذا سبحیة البشر فالسبیل النزوح عن ساحته، وقل من یطمئن الی نفسه فی دعوٰها البرائة من هذہ الامور، الا وهو فی ذٰلك مغرور، لایری الی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المحببین الیه المدعوله کیف اتخذ	کثرت کے ساتھ ادب کے منافی ہے بے تکلفی اور بار بار دیکھنے سے ادب واحترام میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور یہ بھی کہ انسان خطاء کا محل ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا مبارک ارشاد ہے: ہر آدمی محل خطاء ہے۔ **میں کہتا ہوں** اسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہر آدم محل خطاء ہے اور بہتر خطاکار وہ ہیں جو توبہ کرلینے والے ہوتے ہیں اھ پھر لکھا گناہوں پر سزا بھی کئی گناہ ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، اگر یہ روایت صحیح ہے تو فبہا ورنہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے حرم میں گناہ نہایت ہی بدبختی اور سخت قابل گرفت جُرم ہے جو عقاب وسزا کا مستحق بنادے گا (آگے چل کر لکھا) ان میں ہر امر اللہ تعالٰی کی ناراضگی کا سبب ہے، اور جب یہ بشری تقاضا ہے تو بچنے کی صورت فقط اس میدان سے نکل جانا ہے، اور کوئی بھی ان امور سے بچنے کا دعوٰی نہیں کرسکتا ماسوائے ان لوگوں کے جو دھوکا میں ہیں، کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں علم نہیں جو صحابی رسول ہیں، محبوب لوگوں میں سے ہیں، اور ان کے لیے حضور کی دعا ہے ہجرت کرکے وہ طائف چلے گئے۔

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۳

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۹۸

الطائف دارًا، وقال لان اذنب خمسین ذنبا برُکُبَة، وھو موضع بقرب الطائف احب الیٰ من ان اذنب واحدا بمکة[1]۔ قلت یشیر بالدعاء الی قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اللھم فقھه فی الدین[2]، وقوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اللھم علمه الکتاب[3]، اخرجھما الشیخان ،وانما الفقیه کما قاله الامام الحسن البصری رحمه الله تعالیٰ الزاھد فی الدنیا الراغب فی الاُخرة البصیرة بعیوب نفسه ومثل ھذا یتأھل للجوار لاشك والله قد کان ابن عباس من اعاظم اھله و لکن الاکابر انفسھم یستصغرون فانظر الی الفرق، من لا یسئم یخشی السأمة ومن لایسلم یدعی السلامة۔ (قال) وعن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه مامن بلدة یؤاخذ العبد فیھا بالھدایة قبل العمل الامکة و	اور فرمایا: رُکُبَہ (طائف کے قریب جگہ کا نام ہے) کے مقام پر پچاس گناہ کرنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں مکہ میں ایک گناہ کروں۔ **میں کہتا ہوں** دعا سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دعا کی طرف اشارہ ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما۔" اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی ہے: "اے اللہ! ابن عباس کو کتاب کا علم عطا فرما۔" یہ دونوں دعائیں بخاری و مسلم میں ہیں، فقیہ کی تعریف امام حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یوں کی ہے: دنیا سے اعراض کرنے والا، آخرت کا شوق رکھنے والا، اور اپنے عیوب سے آگاہ شخص فقیہ کہلاتا ہے۔ ایسے لوگ بلاشبہ مجاورت مکہ کے اہل ہیں اور اللہ کی قسم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان اہل لوگوں میں سے بھی بڑے ہیں لیکن اکابر ہمیشہ اپنے آپ کو چھوٹا اور عاجز سمجھتے ہیں، غور تو کیجئے کتنا فرق ہے ان میں کہ جو غلطی نہیں کرتا وہ عذاب سے ڈرتا ہے اور جو گناہ سے محفوظ نہیں وہ سلامتی کا دعوٰی کرتا ہے۔ پھر لکھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے کہ کسی شہر میں عمل سے پہلے محض برائی کے ارادے پر گرفت نہیں مگر مکہ میں، پھر یہ آیت تلاوت کی:

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ نوریہ رضویہ سکھر ۹۳/۳

[2] صحیح بخاری باب وضع الماء عند الخلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶/۱

[3] صحیح بخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللھم علمہ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۷/۱

تلاهذه الاٰیة ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم، وقال سعید بن المسیب للذی جاء من اھل المدینة یطلب العلم ارجع الی المدینة۔ فانا نسمع ان ساکن مکة لایموت حتی یکون الحرم عنده بمنزلة الحل لما یستحل من حرمها، وعن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه خطیئة اصیبها بمکة اعز علی من سبعین خطیئة بغیرها، نعم افراد من عباد اللہ استخلصھم وخلصھم من مقتضیات الطباع، فاولٰئك ھم اھل الجوار الفائزون بفضیلة من تضاعف الحسنات والصلوات من غیر مایحبطھا من الخطیئات والسیئات[1] (ثم سرد احادیث فی ذٰلک) ثم قال لکن الفائز بھٰذا مع السلامة من احباطه اقل القلیل، فلا یبنی الفقه باعتبارھم ولا یذکر حالھم قیدا فی جواز الجوار، لان شان النفوس الدعوی الکاذبة والمبادرة الی دعوة الملکة والقدرة علی مایشترط فیما تتوجه الیه وتطلبه، وانھا لاکذب	اور جو اس میں کسی زیادتی کا ناحق ارادہ کرے تو ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے، اور حضرت بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مدینہ طیبہ سے طلب علم کے لیے مکہ آنے والے سے فرمایا: مدینہ طیبہ کی طرف واپس چلے جاؤ ہم نے سن رکھا ہے کہ ساکن مکہ نہیں فوت ہوگا حتی کہ حرم اس کے ہاں بمنزل حل کے ہوجاتی ہے کیونکہ وہ اس کی حرمت کا پاس نہیں کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: مکہ میں کیا جانے والا گناہ دوسرے مقام کے ستر گناہوں سے بدتر ہوتا ہے، ہاں اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی طبائع کے تقاضوں کو صاف وخاص کرلیا ہے وہی اس پڑوس ومجاورت کے اہل ہیں، وہ ہی حسنات اور عبادات کے فضیلت ودرجات پانے والے ہیں اور وہ سیئات اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں، (پھر اس سلسلہ میں احادیث ذکر کیں) پھر کہا: لیکن گناہوں میں گرنے سے محفوظ وسلامتی کے ساتھ کامیاب ہونے والے بہت ہی کم ہوتے ہیں اور قلیل لوگوں کے اعتبار سے فقہی حکم کی بنا نہیں ہوتی اور نہ ہی جواز مجاورت کے لیے ان کے حال کو بطور قید ذکر کیا جاتا ہے، کیونکہ انسانی فطرت یہ ہے کہ جھوٹے دعوٰی اور تجربہ کے اعلان میں پیش رفت کرتے ہوئے اور شرائط پر قدرت کا اظہار کرتے ہوئے مطلوب کی طرف بڑھتا ہے حالانکہ وہ

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴۔ ۹۳

مایکون اذا حلفت فکیف اذا ادعت واللہ تعالٰی اعلم وعلٰی ھذا فیجب کون الجوار فی المدینة المشرفة کذلك فان تضاعف السیئات اوتعاظمھا وان فقد فیھا[1]۔ (قلت وذٰلك لان الرحمة فی المدینة اکثر واللطف اوفر والکرم اوسع والعفو اسرع کما ھو شاھد مجرب والحمد للہ رب العٰلمین ومع ذٰلک) فمخافة السامة وقلت الادب المفضی الی الاخلال بواجب التوقیر والاجلال، قائم وھو ایضا مانع الا للافراد ذوی الملکات[2] اھمختصرا موضحا وھو کما تری من الحسن بمکان فقد افادوا جاد، اثابه الجواد تبارك وتعالٰی، وابان ان الامر، وان کان فی الواقع علی جواز الجوار بشرط التوثیق وھو التوفیق عندالتحقیق کما نص علیه وصححه فی شرح اللباب وجزم به فی الدرالمختار الا ان اھل التوثیق لما کانوا اقل قلیل واحکام الفقه انما تبتنی علی الغالب الکثیر دون النادر الیسیر فالوجه ھو اطلاق المنع کما	اپنی قسموں میں نہایت جھوٹا ہوتا ہے تو اپنے دعووں میں وہ کیا ہوگا، اور اللہ تعالٰی ہی بہتر جاننے والا ہے، اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ میں مجاورت کا بھی یہی حکم ہو اگر چہ یہاں گناہوں پر سزا میں اضافہ یا ان کی شدت مفقود ہے۔ **میں کہتا ہوں**، کیونکہ مدینہ طیبہ میں رحمت اکثر لطف وافر، کرم سب سے وسیع اور عفو سب سے جلدی ہوتا ہے جیسا کہ شاہد مجرب ہے والحمد للہ رب العالمین، اس کے بوجود) اکتا نے کا ڈر اور وہاں کے احترام وتوقیر میں قلّت ادب کا خوف تو موجود ہے اور یہ بھی تو مجاورت سے مانع ہے، ہاں وہ افراد جو فرشتہ صفت ہوں تو ان کا وہاں ٹھہرنا اور فوت ہونا سعادتِ کاملہ ہے اھ اختصارًا آپ نے دیکھا اس جگہ محقق نے کتنی اچھی گفتگو کی یہ نہایت ہی عمدہ تفصیل ہے اللہ تعالٰی انھیں اجر عطا فرمائے، انھوں نے یہ واضح فرمادیا کہ اگر چہ مجاورت کا معاملہ جائز ہے مگر بشرط توثیق جو بصورت توفیق الٰہی ہی حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے شرح اللباب میں اس کو صحیح کہا، درمختار میں اسی پر جزم کا اظہار کیا مگر چونکہ اہل توثیق بہت ہی کم ہوتے ہیں اور احکام فقہ کی بناء نادر و قلیل پر نہیں ہوتی بلکہ غالب کثیر پر ہوتی ہے تو اب مطلقًا منع کہنا ہی بہتر ہے جیسا کہ

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

ھو مذہب الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ و لذا اخذ الفاضلون المحشون العلامۃ الحلبی ثم الطحطاوی ثم الشامی کلھم فی حواشی الدر، فی اشتراطہ التوثیق حیث نقلوا کلام الفتح، ثم قالوا وھو وجیہ، فکان ینبغی للشارح ان ینص علی الکراھۃ ویترک التقلید بالتوثیق [1] اھ زاد ابن عابدین ای اعتبار للغالب من حال الناس لاسیما اھل ھٰذا الزمان واللہ المستعان [2] ھ۔ ولقد اعجبنی قول العلامۃ علی القاری، فی مسلک المتقسط شرح المنسک المتوسط، مع تصحیحہ ما علمت حیث یقول لوکانت الائمۃ فی زماننا وتحقق لھم شاننا لصرحوا بالحرمۃ [3] الخ۔ **قلت** ونظیرہ ماقال فی الدر المختار فی مسئلۃ دخول المرأۃ الحمام ان فی زماننا لاشک فی الکراھۃ لتحقق کشف العورۃ [4] اھ وقد سبقہ الی ذٰلک المحقق علی الاطلاق فی الفتح، ونحوھا ماذکر العلائی ایضا فی الدر المنتقی شرح الملتقی	امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، یہی وجہ ہے کہ در مختار پر حواشی لکھنے والے فاضل علماء حلبی، طحطاوی پھر شامی سب نے فتح القدیر کی عبارت نقل کرکے توثیق کی شرط لگائی اور پھر کہا یہی بہتر ہے لہٰذا شارح کو چاہئے تھا کہ وہ کراہت پر تصریح کرنا اور توثیق کی قید ترک کردیتا اھ ابن عابدین نے یہ اضافہ کیا کہ یہ اکثر لوگوں کے حال کے اعتبار خصوصًا اس دَور کے حوالے سے ضروری ہے اور اللہ تعالٰی ہی مدد فرمانے والا ہے اھ مجھے علامہ ملا علی قاری کا "مسلک متقسط شرح المنسک المتوسط" میں یہ قول بہت پسند آیا، جیسا مجھے معلوم ہے انھوں نے مذکور گفتگو کی تصحیح کرتے ہوئے کہا اگر یہ ائمہ ہمارے دَور میں ہوتے اور ہمارے احوال سے آگاہ ہوتے تو مجاورت کے حرام ہونے کی تصریح کرتے الخ **میں کہتا ہوں** اس کی نظیر در مختار میں "عورت کا حمام میں جانا" کے تحت ہے کہ ہمارے دور میں یہ مکروہ ہے کیونکہ بے پردگی ہوتی ہے اھ اور اس سے پہلے فتح میں محقق علی الاطلاق نے بھی یہی لکھا ہے وہ بھی اسی کی مثل ہے جو حافظ علائی نے الدر المنتقی شرح الملتقی میں طالب علم کے وجوب نفقہ کے بارے

[1] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحج باب الھدی دارالمعرفہ بیروت ۱/ ۵۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی المجاورۃ بالمدینۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۶

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل اجمعوا علی افضل البلاد الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۵۲

[4] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

فی وجوب نفقۃ طالب العلم، ان ھذا اذاکان بہ رشد، کما فی الخلاصۃ ولذا قال صاحب المنیۃ والقنیۃ انا افتی بعدم وجوبھا فان قلیلا منھم حسن السیرۃ مشتغلا بالعلم الدینی واکثر ھم (کذا وکذا وذکر من مساویھم، ثم قال اعنی الحصکفی) واما من کان بخلافھم فنادر فی ھذا الزمان فلایفرد بالحکم دفعا لحرج التمییز بین المصلح والمفسد[1] الخ۔	میں لکھا کہ یہ اس وقت ہے جب اس میں نیکی ہو اور بے رواہ روی نہ ہو، جیسا کہ خلاصہ میں ہے، اسی لیے صاحب منیہ وقنیہ نے کہا میں عدم وجوب کافتوٰی دیتا ہوں کیونکہ ان میں بہت کم طلبہ اچھے کردار کے حامل اور علم دین کے حاصل کرنے والے ہیں اور ان میں سے اکثر (ایسے ایسے ہیں اور پھر اپنے دور کے طلبہ کا ذکر کیا۔ پھر حصکفی نے کہا) جو ان کے خلاف ہیں وہ اس دور میں بہت کم ہیں اور اب مصلح اور مفسد میں فرق مشکل ہو جانے کی وجہ سے ان کے لیے الگ حکم بیان نہیں کیا جاسکتا الخ
قلت ومن ھذا القبیل حکمھم بتحریم السماع المجرد عن المزامیر فانہ یھیج مکا من القلوب واکثر الناس اساری الشھوات فالوجہ المنع سدا لباب الفتنۃ وان کان نفع شیئ فی حق رجال تحلوا بالفضائل وتخلوا عن الرذائل وماتت شھواتھم بل قنت ذواتھم فبقی السماع محض الانتفاع وبہ انقطع تطویل النزاع، فمن فعلہ من الاولیاء فقد اصاب خیرہ ومن منعہ من الفقھاء فقد ازال ضیرہ فلھم الاجر بما نصحوا	**میں کہتا ہوں** اسی قبیل سے سماع کا حرام ہونا ہے خواہ وہ مزامیر کے ساتھ نہ ہو، کیونکہ وہ دل کے جذبات کو ابھارتا ہے، اور اب اکثر لوگ شہوات نفسانیہ کے قیدی بن چکے ہیں۔ لہٰذا فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لیے سماع سے منع کرنا ہی درست ہے اگرچہ یہ ایسے کچھ لوگوں کے لیے نافع بھی ہے جو فضائل سے مزین، رذائل سے خالی ہو اور ان کی نفسانی خواہشات مر چکی ہوں بلکہ ان کی ذوات سراپا خشوع وخضوع ہوچکی ہو تو پھر سماع واقعۃً نافع ہوتا ہے۔ اس مسئلہ میں جو طویل نزاع ہے اس سے وہ بھی ختم ہوجاتا ہے اولیاء میں سے جس نے سماع سنا اس نے درست کیا اور اس کے لیے خیر بنا فقہاء میں سے جس نے

[1] الدر المنتقی علی حاشیۃ مجمع الانہر فصل فی نفقۃ الطفل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰۰

وللقوم الاذن لما صلحوا ولکل ثواب وبشری، الصواب، والحمد للّٰه رب الارباب۔	منع کیا تھا تو انھوں نے اس کے نقصانات کا ازالہ کیا ان کی اس خیر خواہی پر ان کے لیے اجر ہی اجر ہے اور لوگوں کے لیے اس میں اجازت ہے جو صلاحیت رکھتے ہوں اور ہر ایک کے لیے ثواب اور بشارت ہے، درستی اور حمد رب الارباب کے لیے ہے۔
وبالجملة فالحکم عدم جواز الجوار اصلا فی زماننا والعاقل لایسعه الا الاحتیاط لنفسه والاحتراز عن سلوک مسالك تفضی غالبا الی المهالك ومن صدق نفسه فقد صدق کذو باوسیری ذٰلک"ولا حول ولاقوة الاّباللّٰه العلی العظیم"واذاکان الامر وصف هنالك سقط منشأ السوال رأسا ،اذ تبین ان لیس مایظنه خیرا. خیرا والله المسئول ان یرزق الخیر وبقی الضیر وهو سبحانه وتعالٰی اعلم و علمه جل مجده اتم واحکم وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰله وصحبه وبارك وسلم۔	بالجملہ ہمارے دور میں مجاورت کی قطعًا اجازت نہیں۔ عقلمند اپنے لیے فقط احتیاط ہی کی راہ اپناتا ہے اور ہر اس راستہ سے اجتناب کرتا ہے جس سے ہلاکت میں گرنے کا خدشہ ہو، جس نے اپنے نفس کو سچا سمجھا اس نے جھوٹے کی تصدیق کی اور خود اس کا مشاہدہ بھی کرے گا.برائی سے بچنے اور نیکی بجالانے کی طاقت اللہ تعالٰی جو بلند وعظیم ہے کی توفیق کے بغیر نہیں، جب معاملہ یہ ہے جو یہاں بیان ہوا تو اب سرے سے سوال ہی ختم ہوگیا کیونکہ جس شے کو سائل نے خیر تصور کیا تھا وہ خیر ہی نہیں، اللہ تعالٰی سے دعا ہے وہ خیر کی توفیق دے اور نقصان سے بچائے اور وہی مقدس واعلم ہے اس کا علم کامل واکمل ہے، اس کے رسول اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام ہو اور آپ کے آل واصحاب پر بھی۔ (ت)

شرائط حج

مسئلہ ۳۰۱: از پٹنہ عظیم آباد بخشی محلّہ مسئولہ منشی علی حسین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید معمر قریب ہفتاد سال مریض رعشہ کہ تنہا سفر کے قابل نہیں کبھی اپنے زمانہ صحت وشباب میں اتنے مال کا مالک نہ ہوا کہ اس پر حج فرض ہوتا، اب کہ حالت یہ ہے اس نے اپنا مال وغیرہ بیچا اور پانچسو روپے اس کے پاس ہوگئے کہ یہی کُل سرمایہ اس کا ہے۔ بوجہ ضعف وامراض دوسرے شہر میں جہاں اس کے اعزہ ہیں سکونت کرنا اور وہاں مکان خریدنا چاہتا ہے، اس صورت میں اس پر خود حج کو جانا یا روپیہ دے کر حج بدل کرانا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر حج اصلاً واجب نہیں۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب مصحح ظاہر الروایۃ میں تو ایسی تندرستی جو اس سفر مبارک کے قابل ہو شرط وجوب ہے کہ بغیر اس پر حج سرے سے واجب ہی نہ ہوتا، نہ خود جاتا نہ دوسرے کو بھیجتا، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مذہب مصحح میں اگرچہ تندرستی مذکور شرط وجوب نہیں، شرط وجوب ادا ہے کہ وہ نہ ہو تو خود جانا لازم نہیں مگر اپنے عوض اپنے روپے سے اپنی حیات میں یا بعد موت حج کرانا واجب ہے مگر مال جملہ حاجات سے فاضل، جانے آنے کے قابل باتفاق فقہائے کرام شرط وجوب ہے کہ بے اس کے حج واجب ہی نہیں ہوتا، اور مکان حاجات اصلیہ سے ہے اس کی خریداری یا بنانے کے بعد اس زمانے میں کہ اب مصارف حج بہت قریب گزرے ہوئے زمانے سے تقریبًا دو چند ہوگئے

اتنا بچتا کہ اس سے حج کے لیے جانے آنے رہنے کے بھی تمام مصارف ہوں اور زید کے لیے اس حالت میں کہ نہ اور مال نہ کسب پر قدرت، کچھ ذریعہ معاش بچ بھی رہے معقول نہیں لہٰذا بالاتفاق ورنہ علی التنزیل صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب صحیح مرجح پر تو بلاشبہہ زید پر حج کرانا بھی نہیں اور خود حج کو جانا تو بالاجماع اصلا صورت وجوب نہیں رکھتا لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ[1] (اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ت) تنویر الابصار ودر مختار ورد المحتار میں ہے:

الحج فرض علی مسلم حر مکلف صحیح البدن[2] (ای سالم عن الاٰفات المانعة عن القیام بما لا بد منه فی السفر فلا یجب علی مقعد ومفلوج وشیخ کبیر لا یثبت علی الراحلة بنفسه واعمی وان وجد قائدا لا بانفسهم ولا بالنیابة فی ظاهر المذهب عن الامام وهو روایة عنهما وظاهر الروایة عنهما وجوب الاحجاج علیهم، وظاهر التحفة اختیار قولهما وکذا الاسبیجابی وقواه فی الفتح، وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح وفی شرح انه مشی علی الاول فی النهایة وقال فی البحر العمیق، انه المذهب الصحیح وان الثانی صححه قاضیخان فی شرح الجامع واختاره کثیر من المشائخ[3] اھ ش) بصیر ذی زاد وراحلة	حج ہر مسلم آزاد بالغ صحت مند پر لازم ہے (یعنی ہر اس آفت سے محفوظ ہو جس کے باوجود سفر نہیں کیا جاسکتا، پس لولے، فالج زدہ اور ایسے بڑے بوڑھے پر حج فرض نہیں جو سواری پر قائم نہیں رہ سکتا۔ اسی طرح نابینا پر بھی فرض نہیں اگرچہ کوئی اس کا معاون ہو، امام صاحب کے ظاہر مذہب کے مطابق نہ ان کی ذوات پر لازم اور نہ ان پر نائب بنانا لازم ہے، اور ایک روایت صاحبین سے یہی ہے۔ ظاہر الروایۃ صاحبین سے یہ ہے کہ ان پر حج بدل کروانا لازم ہے، تحفہ سے ظاہرًا یہی معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کا قول مختار ہے، اسیجابی میں اسی طرح ہے فتح میں اس کو قوی کہا۔ اللباب میں تصحیح اقوال میں اختلاف منقول ہے، اسی کی شرح میں ہے کہ نہایہ میں پہلے قول کو لیا گیا ہے، بحر العمیق میں ہے کہ یہی مذہب صحیح ہے، قاضیخان نے شرح الجامع میں دوسرے قول کو صحیح کہا ہے، اور اسے کثیر المشائخ نے اختیار کیا اھ ش) ایسے زادراہ اور سواری پر قادر ہو

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

[2] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰۔۱۵۹

[3] رد المحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۴

فضلا عما لابد منه ومنه المسكين ومرمته ولو كان عنده ما لواشترى به مسكنا و خادما لا يبقى بعده مايكفي للحج لايلزمه خلاصة. وحرر في النهر انه يشترط بقاء راس مال لحرفته ان احتاجت لذٰلك و الا لا[1] (وراس المال يختلف باختلاف الناس بحر، والمراد مايمكنه الاكتساب به قدر كفايته وكفاية عياله[2] اھ ملتقطات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جو اس کی ضرویات سے زائد ہو، ان میں اس کی رہائش اور اس کی مرمت بھی ہے، اگر اس کے پاس مال ہے کہ وہ رہائش اور خادم خرید تا ہے اور باقی اتنا مال نہیں بچتا جو حج کے لیے کافی ہو اس پر حج فرض نہیں ہوگا، خلاصہ۔ اور نہر میں ہے اگر وہ کسی کاروبار کا محتاج ہے تو اس کے لیے سرمایہ کا باقی رہنا بھی شرط ہے اور اگر محتاج نہیں تو پھر یہ شرط نہ ہوگی، مختلف لوگوں کے اعتبار سے سرمایہ مختلف ہوسکتا ہے، بحر۔ اور کاروبار سے مراد اتنا ہے جس سے اپنی اور اپنے عیال کے لیے بقدر کفایت روزی حاصل ہوسکے اھ اختصار۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۲:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادائے حج ہندہ پر مدت سے فرض تھا اب جانے کا قصد کیا تو محارم اس کے بجہت موانع نہیں جاسکتے، ایک محرم کو کہ ارتکاب مناہی سے بیباک ہے اور انصرام سفر کے کاموں کا اس سے متوقع نہیں۔ لے جانا ممکن ہے اور ایک عورت متقیہ اور ایک بھتیجا شوہر ہندہ کا کہ بچپن سے اس کے سامنے ہوتی دیندار وہوشیار ہے جاتے ہیں ان کے ساتھ نہ جائے گی تو پھر جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، فرض رہ جائے گا، اس صورت میں ہندہ کو جانا چاہئے یا نہیں؟ اور جائے تو کس کے ساتھ جائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت کو بغیر محرم کے حج خواہ کسی اور کام کے واسطے سفر کرنا ناجائز ہے اور بھتیجا شوہر کا محرم نہیں، اور محرم فاسق بیکار ہے اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اور معیت زنِ متقیہ کی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافی نہیں لیکن اگر بغیر محرم کے چلی گئی اور حج کر لیا تو فرض ساقط اور حج مع الکراہۃ ادا، اس فعل ناجائز کی معصیت جُدا، پس جب ہندہ پر بسبب اجتماع شرائط کے حج فرض ہوگیا تھا اور اب معیت محرم کی نہیں ملتی تو چارہ کار یہی ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۶

کہ نکاح کرے، اگر یہ خوف ہو کہ شاید اس نے نکاح کرلیا اور پھر نہ گیا تو یہ پھنس گئی اور حج بھی نہ ہوا، یا اندیشہ ہو کہ شوہر موافق مزاج نہ نکلے چاہئے تو تھا چند روز کے لیے اور پابند ہو گئی عمر بھر کی، یا سرے سے اسے پابند شوہر رہنا منظور ہی نہ ہو، صرف اس ضرورت کی رفع تک کہ نکاح چاہئے، تو **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر تو اس سال میرے ساتھ حج کو نہ جائے تو مجھ پر ایک طلاق بائن ہو اور جب بعد حج میں واپس آؤں اور اپنے مکان میں قدم رکھوں تو فوراً مجھ پر طلاق بائن ہو، یوں اگر وہ نہ گیا تو طلاق ہو جائے گی اور اگر گیا تو واپسی پر عورت جس وقت اپنے مکان میں قدم رکھے گی نکاح سے نکل جائے گی، اور بہتر اور آسان تر یہ ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ مجھے ہر وقت اپنے نفس کا اختیار ہو کہ جب کبھی چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے لُوں، یوں اس کے نہ جانے یا واپس آنے پر اور اس کے بعد بھی ہر وقت عورت کو اختیار رہے گا مرضی ہو اس کی زوجیت میں رہے نہ مرضی ہو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جُدا ہو جائے، درمختار میں ہے:

مع زوج او محرم بالغ عاقل غیر مجوسی ولا فاسق لامرأۃ ولو عجوزا وھل یلزمھا التزوج قولان ولو حجت بلا محرم جاز مع الکراھۃ[1]۔	عورت خواہ بوڑھی ہو اس کے لیے خاوند یا محرم بالغ کا ہونا ضروری ہے بشرطیکہ وہ محرم فاسق اور مجوسی نہ ہو کیا عورت پر حج کے لیے نکاح ضروری ہے، اس بارے میں دو قول ہیں، اگر عورت نے بغیر محرم حج کرلیا تو جائز مع الکراہت ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ قولان ھما مبنیان علی ان وجود الزوج او المحرم شرط وجوب ام شرط وجوب الاداء والذی اختارہ فی الفتح انہ مع الصحۃ وأمن الطریق شرط وجوب الاداء فیجب الایصاء ان منع المرض وخوف الطریق اولم یوجد زوج ولا محرم ویجب علیھا التزوج عند فقد المحرم وعلی الاول لایجب شیئ من ذٰلک	قولہ قولان، یہ دونوں اس بنا پر ہیں کہ خاوند یا محرم کا ہونا نفس وجوب کے لیے شرط ہے یا وجوب ادا کے لیے، فتح میں جو مختار ہے وہ یہ ہے کہ صحت اور راہ پر امن ہو تو وجوب ادا کے لیے شرط ہے، اگر مرض یا راستہ کا خوف مانع ہے تو حج کے بارے میں وصیت لازم ہوگی یا خاوند اور محرم نہیں تو محرم کی عدم موجودگی میں نکاح کرنا ضروری ہوگا، اور پہلے قول پر ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں

[1] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۶۰۔۱۶۱

كما فی البحر ح وفی النهر وصحح الاول فی البدائع ورجح الثانی فی النهاية تبعا لقاضی خاں واختاره فی الفتح اھ **قلت** لكن جزم فی اللباب بانه لايجب عليها التزوج مع انه مشى على جعل المحرم اوالزوج شرط اداء، ورجح هذا فی الجوهرة وابن امير حاج فی المناسك كما قاله المصنف فی منحه قال ووجهه انه لا يحصل غرضها بالتزوج لان الزوج له ان يمتنع من الخروج معها بعد ان يملكها ولا تقدر على الخلاص منه وربما لا يوا فقها فتتضرر منه بخلاف المحرم فانه ان وفقها انفقت عليه وان امتنع امسكت نفقتها وتركت الحج اھ فافهم [1] اھ مافی ش **اقول:** نعم المخلص من هذه كلها ماذكرت من ان تتزوج بشرط ان تملك طلقة بائنة تطلق بها نفسها متى شاءت فان لم يخرج معها اولم يوافقها اولم تردہ تخلص نفسها ولاحرج عليها والله تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ بحر اور نہر میں ہے، بدائع نے اول کو صحیح بتایا اور نہایہ نے قاضی خاں کی اتباع میں دوسرے کو ترجیح دی ہے، اور فتح میں بھی اسی کو اختیار کیا ہے اھ **میں کہتا ہوں** اللباب میں اس پر جزم ہے کہ اس عورت پر نکاح کرنا لازم نہیں باوجودیکہ انھوں نے بھی یہ کہا کہ محرم یا خاوند وجوب ادا کے لیے شرط ہے اسے جوہرہ میں اور ابن امیر حاج نے المناسک میں اسی کو ترجیح دی، جیسا کہ مصنف نے اپنی منح میں کہا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح سے اس عورت کی غرض کا پورا ہونا ضروری نہیں ممکن ہے خاوند نکاح کے بعد اجازت نہ دے اور وہ عورت اس سے خلاصی پر قادر بھی نہ ہو، بہت دفعہ خاوند بیوی میں موافقت نہیں رہتی لہٰذا نکاح سے نقصان ہوگا بخلاف محرم کے، اگر وہ عورت کی موافقت کرے گا تو اس پر خرچ کرے گی اور اگر وہ رک جاتا ہے تو وہ خرچ بھی روک کر حج چھوڑ دے گی اھ فافهم مافی ش **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ ت) ان تمام صورتوں میں بچت س میں ہے جو ہم نے ذکر کیا، عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ عورت طلاق بائنہ کی مالک ہوگی اور جب چاہے اپنے آپ کو دے سکے گی اب اگر خاوند اس کے ساتھ نہیں جاتا یا موافقت نہیں کرتا یا جواب نہیں دیتا تو اس سے خلاصی پائے اور اس پر کوئی تنگی نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۸

مسئلہ ۳۰۳: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں مرسلہ محمد عبداللطیف خاں صاحب رئیس ۸ شوال ۱۳۲۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم بندہ سلامت، بعد سلام نیاز کے عرض یہ ہے میری بھاوج بیوہ فی الحال ارادہ حج بیت اللہ شریف کے جانے کا رکھتی ہیں بلکہ بھاوج صاحبہ کا قصد حال میں روانگی کا ہے مگر ہمراہ ان کے کوئی شخص محرم نہیں ہے، جو شخص کہ ان کے ہمراہ جاتا ہے وہ ان کے دور کے رشتہ کا بھائی ہے اور عرصہ سے بھاوج صاحبہ کے پاس ملازم ہے مگر شخص مذکور محتاط نہیں ہے یہاں کے علماء نامحرم شخص کے ہمراہ جانے سے منع فرماتے ہیں اور بھاوج صاحبہ کے حقیقی بھائی مکہ شریف سال گزشتہ میں گئے ہوئے ہیں واپس میں وہ ان کے ہمراہ آئیں گے، جناب بموجب شرع شریف یہ ارقام فرمائے کہ بھاوج صاحبہ کا ایسے شخص کے ہمراہ جانا جائز ہے یا ناجائز؟ جواب سے جلد مطلع فرمائے۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الامع ذی رحم محرم یقوم علیھا[1]۔	حلال نہیں اس عورت کو کہ ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر کہ ایک منزل کا بھی سفر کرے مگر محرم کے ساتھ جو اس کی حفاظت کرے۔

یعنی بچہ یا مجنون یا مجوسی یا بے غیرت فاسق نہ ہو ایسا اگر محرم ہو تو اس کے ساتھ بھی سفر حرام ہے کہ اس سے حفاظت نہ ہوسکے گی یا ناحفاظتی کا اندیشہ ہوگا، حج کا جانا ثواب کے لیے ہے اور بے محرم جانے میں ثواب کے بدلے ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، میں خاص اس موقع کے لیے نہیں کہتا بلکہ عام مسئلہ بتاتا ہوں کہ جو عورت حج کو جانا چاہے اور محرم نہ پائے اور شوہر نہ رکھتی ہو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کسی کفو سے نکاح کرکے اسے ساتھ لے جائے پھر اگر نکاح کو باقی رکھنا نہ چاہے اور اندیشہ ہو کہ دوسرے کی پابند ہو جائیگی تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ (فلاں) کفو کے ساتھ نکاح کرنے کا اس شرط پر کہ جب میں سفر حج سے اپنے مکان پر واپس آؤں مکان میں قدم رکھتے ہی فوراً مجھ پر ایک طلاق بائن ہو، پھر وکیل کرے

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلوٰۃ وسمہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوماً ولیلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸۔۱۴۷، صحیح مسلم باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۴۔۴۳۳، سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب المراۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۱، الترغیب والترھیب ترھیب المراۃ ان تسافر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴ـ۷۲

یہ وکیل یونہی نکاح کرے یعنی ان سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلان اپنی موکلہ کو اتنے مہر کے عوض اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا کہ جب وہ عورت بعد حج اپنے گھر واپس آئے مکان میں داخل ہو فوراً اس پر ایک طلاق بائن ہو، شوہر کہے میں نے اسے اس شرط پر قبول کیا، اب بعد واپسی گھر میں آتے ہی فوراً اس کے نکاح سے نکل جائے گی جسے وہ کسی طرح نہیں روک سکتا، اور جسے مکہ معظّمہ سے واپسی پر محرم ملنے کا یقین ہو یوں شرط کرے کہ مکہ معظّمہ پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو مکہ معظّمہ پہنچتے ہی طلاق بائن واقع ہوجائے گی، مگر اگر بیچ میں خلوت واقع ہووے تو تا انقضائے ایام عدت وہاں (مکہ معظّمہ) قیام لازم ہوگا اور خلوت نہ ہو تو یہ دقت بھی نہ ہوگی اور ہر حال میں جو عورت ولی رکھتی ہو اس کے لیے یہ ضرور ہوگا کہ نکاح مذکور ایسے شخص سے کرے جو قوم یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اس کے ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو، یا اگر ایسا شخص ہے تو ولی اس کے اس حال پر مطلع ہو کر پیش از نکاح صریح اجازت دے دے ورنہ نکاح نہ ہوگا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۴: عبدالجبار خاں صاحب از محلّہ جسولی بریلی ۸ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس بارے میں کہ ایک بیوہ عورت مالدار جس کو مقدور حج بیت اللہ شریف کے جانے کا ہو، جس کی عمر تخمیناً چالیس یا پنتالیس سال کی ہے اور اس کو بیوہ ہوئے عرصہ ۲۳ یا ۲۴ سال کا ہوا اور اس کے منہ میں دو ایک دانت داڑھ باقی ہیں اور سر کھچڑی ہے، وہ بیوہ سفر حج بیت اللہ شریف بوساطت یا بہمراہ اپنے رشتہ کے ماموں جن کے سامنے روز پیدائش سے اس وقت تک بے پردہ مثل اپنے والدہ کے آتی ہے اور نیز اس کی اور ہمشیرگان ووالدہ وغیرہ ان کے سامنے بے پردہ آتی ہوں، اور ماموں کی عمر تخمیناً ۷۰ یا ۸۰ برس کی ہے اور وہ ماموں مع اپنی بی بی اور بچہ اور نیز ایک غلام خاوند زاد ودیگر عورات ملازمہ کے حج بیت اللہ شریف جاتے ہیں، اگر وہ بیوہ مذکور اپنے ایسے ماموں رشتہ دار جن کی تعریف اوپر ہوچکی ہے جس کو حقیقی ماموں سے کم خیال نہیں کیا جاسکتا ہے ان کے ہمراہ اپنے خرچ سے سفر بیت اللہ شریف کو جائے اور حج وزیارت سے مشرف ہو کر اپنے وطن کو واپس آجائے تو اس کی صورت دیکھنا اور اس سے ملنا اس کے رشتہ داروں کو حرام ہے یا حلال؟ یا جائز ہے یا ناجائز؟ یا ثواب پائے گی یا عذاب؟ یا کچھ نہیں؟

الجواب:

لا تبدیل لحکم اللہ، اللہ کے حکم کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخران تسافر ثلثۃ ایام، وفی	حلال نہیں کسی عورت کو جو اللہ تعالٰی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو کہ ایک منزل بھی سفر کو جائے

روایة یوما ولیلة الاومعها زوجها اوذورحم محرم منها[1] اوکمالفظه وھذامعناه۔	جب تک ساتھ میں شوہر یا وہ رشتہ دار نہ ہو جس سے ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام ہے۔

جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ اپنے کسی محرم کو ساتھ لے یا حج سے واپسی تک کے لیے نکاح کرلے اگرچہ ستر اسی برس کی عمر والے سے جو اس کے ساتھ جائے آئے کہ مقصود صرف یہ ہے کہ بے محرم یا شوہر کے جانا صادق نہ ہو، باقی مقاصد زوجیت ہونے نہ ہونے سے بحث نہیں، اور اگر اندیشہ ہو کہ وہ بعد واپسی کے طلاق نہ دے گا تو نکاح یوں کیا جائے کہ عورت کہے میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ جب تو مجھے حج کو لے جائے اور واپس آئے تو واپس اپنے مکان پر پہنچتے ہی مجھ پر طلاق بائن ہو یا اگر تو اس سال اس قافلہ کے ساتھ حج کو میرے ہمراہ نہ جائے تو مجھ پر طلاق بائن ہو مرد کہے میں نے یہ قبول کیا اس شرط پر کہ جب میں تجھے حج کو لے جاؤں (الی آخرہ) یوں اگر وہ ساتھ نہ جائے تو طلاق ہوجائے گی، اور ساتھ جائے تو واپس پہنچتے ہی طلاق ہوجائے گی بغیر اس کے جو قدم رکھے گی گناہ لکھا جائے گا، ان گناہان کثیرہ کے باعث اگر رشتہ دار اس سے نہ ملیں تو بے جا نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ حافظ محمد عبداللطیف صاحب علی گڑھی ۲۷ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ضعیفہ ستر سال یا نوجوان عفیفہ نے تن تنہا یا غیر محرم کے ساتھ بقصد حج حرمین کا سفر کیا جب بہت کچھ مسافت طے کرچکی تو اس کو راستہ سے اسی حالت میں واپس کرالیا جائے اور اگر وہ خانہ کعبہ اور عرفات میں پہنچ گئی اور ارکان حج بتمامہ مع سنن وواجبات وفرائض ادا کئے تو اس کا حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اور سفر کی تنہائی مانع ومفسد حج ہوگی یا نہیں؟ اور اس راستہ سے لوٹانا مناسب ہوگا یا نہیں؟ بینوا بالکتاب والسنة وتوجروا ببیان احکام القراٰن والشریعة (کتاب وسنہ سے اس کی تفصیل بیان کیجئے، احکام قرآن وشریعت کے بیان پر اللہ تعالیٰ تمھیں اجر عطا فرمائیگا۔ ت)

الجواب:

عورت اگرچہ عفیفہ یا ضعیفہ ہو اسے بے شوہر یا محرم سفر کو جانا حرام ہے، یہ عفیفہ ہے تو جن سے اس پر

---

[1] صحیح بخاری باب فی کم یقصر الصلٰوۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۸۔ ۱۴۷، صحیح مسلم باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۴۔ ۴۳۳، سنن ابوداؤد باب المراۃ تحج بغیر محرم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۲، الترغیب والترھیب ترھیب المراۃ ان تسافر وحدھا بغیر محرم مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۷

اندیشہ ہے وہ تو عفیف نہیں، اور یہ ضعیفہ ہے تو سفر خصوصًا حج میں اور زیادہ محتاج محرم ہے کہ جہاز یا اونٹ پر چڑھانے اتارنے کے لیے ضعیفہ کو دوسرے شخص کی زیادہ حاجت ہے۔ ہاں اگر چلی جائے گی گنہ گار ہوگی، ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا، مگر حج ہوجائے گا کہ معیت محرم شرط صحت حج نہیں، رہی واپسی اگر اس کا شوہر یا محرم اس کے ساتھ حج کو جاسکتا ہے تو یہی مناسب ہے۔ اس صورت میں واپسی کرنا مناسب نہیں، اگر زوج یا محرم کوئی نہیں یا ہے مگر حج کو نہیں جاسکتا تو اگر ابھی مدت سفر تک نہیں گئی ہے واپسی لازم ہے، اور اگر مدت سفر تک قطع کرچکی تو شوہر یا محرم ہو تو واپس لائیں کہ اس میں ازالہ گناہ ہے اور ازالہ گناہ فرض ہے۔

قال اللہ تعالٰی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا[1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچالو۔ (ت) اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: تم میں سے جو برائی دیکھے اسے طاقت سے روکے۔ (ت)

اور اگر شوہر و محرم نہیں رکھتی تو اگر اتنی دور پہنچ گئی کہ مکہ معظّمہ تک مدت سفر نہیں مثلاً جدہ پہنچ گئی تو اب چلی جائے اور واپس نہ ہو کہ واپسی میں سفر بلا محرم ہے اور وہ حرام ہے۔

وکانت کمن ابانھا زوجھا اومات عنھا ولو فی مصر ولیس بینھا وبین مصرھا مدۃ سفر رجعت ولو بین مصرھا مدۃ وبین مقصدھا اقل مضت۔	مثلاً اس عورت کو خاوند نے طلاق بائن دے دی یا وہ فوت ہوگیا اگر وہ شہر تھا اور اس عورت اور اس کے وطن کے درمیان مدت سفر نہیں تو وہ عورت لوٹ آئے اور اگر اس کے وطن کے لیے مدت سفر ہو اور مقصد کے لیے مدت سفر کم ہو تو سفر جاری رکھے۔ (ت)

پھر بعد حج مکہ معظّمہ میں اقامت کرے بلا محرم گھر کو واپس آنا بلکہ مدینہ طیبہ کی حاضری ناممکن ہے، یہ وہ عورت ہے جس نے خود اپنے آپ کو بلا میں ڈالا، اس کے لیے چارہ کار نہیں مگر یہ کہ اس کا کوئی محرم جا کر اسے لائے، یوں کہ اس سال وہ جانا چاہتا تھا اس سال گیا یا یوں کہ اس سال تک اس کا کوئی محرم نابالغ تھا اب بالغ ہوا اور لاسکتا ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو چارہ کار نکاح ہے نکاح کرے پھر شوہر کے ساتھ چاہے واپس آئے یا وہیں مقیم رہے، اور اگر

---

[1] القرآن ۶/۶۶

[2] صحیح مسلم باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱

دونوں طرف مدت سفر ہے تو بلا سخت تر ہے اور جانا یا آنا کوئی بھی بے گناہ نہیں ہوسکتا، مگر بہ حصول محرم یا تحصیل شوہر، شوہر کے قبضے میں اگر ہمیشہ رہنا نہ چاہے تو اس کا یہ علاج ہے کہ اس شرط پر نکاح کرے کہ میرا کام میرے ہاتھ میں رہے گا جب چاہوں اپنے آپ کو طلاق بائن دے لوں، اور اگر یہ بھی ناممکن ہو تو سب طرف سے دروازے بند ہیں پوری مضطرہ ہیے، اگر ثقہ معتمدہ عورتیں واپسی کے لیے ملیں تو مذہب امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر عمل کرکے ساتھ واپس آئے، اور جانے کے لیے ملیں تو انکے ساتھ جائے انھیں کے ساتھ واپس آئے کہ تقلید غیر عندالضرورۃ بلاشبہہ جائز ہے **کما فی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) اس لیے ارشاد ہوا کہ **اختلاف اصحابی لکم رحمۃ**[1] (میرے صحابہ کا اختلاف تمھارے لیے رحمت ہے۔ت) **ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی فلیحرر ولیراجع** (یہ مجھ پر واضح ہوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۶ و ۳۰۷: مرسلہ حافظ محمد آیاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان پور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں موافق حکم شرع شریف بموجب قرآن وحدیث عقائد اہل سنت ارشاد فرمائے اللہ تعالٰی اجر عظیم عطا فرمائے:

(۱) جس کے پاس روپیہ تنخواہ ورشوت وغیرہ کا شامل ہو اور اس کے خرچ خانگی وغیرہ سے فاضل ہو تو اس شخص پر حج بیت اللہ شریف فرض ہے یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو اس روپے سے حج ادا ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں ادا ہوگا تو اس کے واسطے کیا صورت ہونی چاہئے کہ جس سے حج بھی ادا ہوجائے اور ثواب کا بھی مستحق ہو؟

(۲) جس شخص کے پاس روپیہ واسطے خرچ حج بیت اللہ شریف موجود ہے لیکن وہ شخص بوجہ پوری تندرستی نہ ہونے کے خود جانے سے معذور ہے تو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس صورت سے حج ادا ہوسکتا ہے کہ جس سے یہ شخص سبکدوش ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر اس کے پاس مال حلال کبھی اتنا نہ ہوا جس سے حج کرسکے اگرچہ رشوت کے ہزار ہا روپے ہوئے تو اس پر حج فرض ہی نہ ہوا کہ مالِ رشوت مثل مغصوب ہے وہ اس کا مالک ہی نہیں، اور اگر مال حلال

---

[1] تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ سلیمان بن کثیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۸۵/۶، کنزالعمال حدیث ۱۰۰۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۹۹/۱

اس قدر اس کے پاس ہے یا کسی موسم میں ہوا تھا تو اس پر حج فرض ہے مگر رشوت وغیرہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے اور وہ حج قابل قبول نہ ہوگا اگرچہ فرض ساقط ہو جائے گا، حدیث میں ارشاد ہوا جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب وہ لبیک کہتا ہے فرشتہ جواب دیتا ہے:

لا لبیك ولا سعدیك حتی تردما فی یدیك وحجك مردود علیك[1]۔	نہ تیری حاضری قبول نہ تیری خدمت قبول، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود، جب تک تو یہ حرام مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس نہ دے۔

اس کے لیے چارہ کار یہ ہے کہ قرض لے کر فرض ادا کرے۔

(۲) عذر اگر ایسا ہو کہ مانع سفر ہے مثلاً آنکھیں یا پاؤں نہیں اور اس عذر کے زوال کی کوئی امید نہیں تو اپنی طرف سے حج بدل کرادے، اور اگر عذر مانع سفر نہیں تو خود جائے، اور اگر مانع سفر ہے مثلاً زوال کی امید ہے جیسے تپ شدید یا درد وغیرہ تو حج بدل نہیں کراسکتا بلکہ زوال کا انتظار کرے، جب شفاء ہو جائے خود جائے، اور اگر قبل شفا وقت آجائے تو حج بدل کی وصیت کر جائے، اگر اپنی طرف سے کوئی تقصیر نہ کی تھی یعنی جب سے حج فرض ہوا تھا نہ مانع سفر لاحق تھا اور قبل زوال وقت آگیا اس پر مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ایک سال بھی ایسا گزر گیا تھا کہ جاسکتا تھا اور نہ گیا تو گنہ گار ہوا، استغفار واجب ہے۔ اور حج بدل کرانا فرض ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۸: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں حضور نے پہلے استفتاء میں بابت حج بیت اللہ شریف یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پاس مال رشوت وغیرہ کا شامل ہے اس کو چاہئے قرض لے کر حج ادا کرے انتھی، اب آئندہ یہ ارشاد فرمائے کہ وہ قرضہ کہاں سے ادا کرے؟ معترض کہتا ہے کہ اول تو جب رشوت وغیرہ کا روپیہ اس کی ملک نہیں ہے تو اس کے پاس اور کچھ نہیں اور قرض لے کر حج ادا کرنے کی ممانعت ہے، اور بالفرض اگر قرض لے کر حج کے واسطے رکھا اور اپنے روپے سے جو رشوت وغیرہ کا اس کے پاس ہے اس سے قرض ادا کردیا تو وہ کیا ہوا اسی اپنے روپے کی وجہ سے تو اس نے قرض لیا تھا لہٰذا یہ روپیہ بھی بعینہٖ اپنے ہی روپے کی مثل ہوا تو اس واسطے دلیل و ثبوت کافی ارشاد ہو کہ تسکین ہو جائے یہ شخص حج کے واسطے جانے کا بہت ہی مشتاق ہے۔

[1] ارشاد الساری الی مناسک لملا علی قاری باب المتفرقات دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۲۳

الجواب:

روپیہ کہ قرض لیا گیا کہ ایک مال حلال ہے کہ عقد صحیح شرع سے حاصل کیا تو اس میں خبث کی کوئی وجہ نہیں، عالمگیری وغیرہ کتب معتمدہ میں تصریح ہے کہ جس کا مال حرام ہے وہ اگر زید کی دعوت کرے یا اسے کچھ دے اور کہے **ورثتہ اواستقرضتہ**[1] یہ مال مجھے ترکہ میں ملا ہے یا میں نے قرض لیا ہے، تو اس کا لینا اور دعوت کھانا حلال ہے اور جب حج اس کے فرض ہو چکا تھا اور اب اس کے پاس مالِ حلال نہ رہا صرف مال حرام ہے اور مال حرام سے حج مردود ہے، تو چارہ کار سوا اس کے کیا ہے کہ کسی ذریعہ سے حلال مال حاصل کرکے حج کو جائے اور فرض ادا کرے، قرض بھی ذریعہ حلال ہے، یہ فرض تو ادا ہو گیا، ہاں ادائے قرض میں اس پر دقّت ہے کہ مال حرام کو اپنے کسی مصرف میں صرف کرنا اسے جائز نہیں، مگر یہ مسئلہ جداگانہ ہے حج سے اسے تعلق نہیں، اپنی نجات چاہے تو مال حرام اس کے مالک کو یا وارثوں کو پہنچائے اور نہ ملیں تو تصدق کرے اور وجہ حلال سے مال پیدا کرکے قرض ادا کرے اگر ادا ہو گیا فبہا ورنہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ حج یا جہاد یا نکاح کے لیے قرض لے وہ قرض اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے،[2] اور اگر پیروی نفس کی اور مال حلال کی طرف توجہ نہ کی اسی حرام سے قرض ادا کیا اور اپنے مصارف میں صرف کرتا رہا تو یہ ایک گناہ ہے اور حج ادا نہ کرتا تو دو گناہ تھے ایک گناہ سے بچ گیا یہ کیا کم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۹: مولوی ابو المحاسن محمد سجاد بہاری صاحب مدرس اوّل و مہتمم مدرسہ انوار العلوم شہر گیا ۱۲ شوال ۱۳۳۴ھ

مولانا صاحب اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف! باعث تحریر عریضہ ہذا یہ ہے کہ اس سال نظر بحالات موجودہ حج کے متعلق عام مسلمین کو کیا حکم دیا جائے، جناب عالی کی رائے صائب ہوگی کیا خبر احوال شریف مکہ و موجودہ جنگ کے واقعات مسقط وجوب ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بالفرض اس قسم کا احتمال مسقط وجوب ہو بھی تو ایسے موقع پر فتوٰی کیا دینا چاہیے، امید کہ جواب بالصواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

الجواب:

افواہ کا اعتبار اگر واقعی ثابت ہو کہ راستہ میں امن نہیں تو وجوب نہ ہوگا کہ **مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا**ط[3] (جو اس تک چل سکے۔ت) صادق نہ آیا مگر یہ اس کے لیے ہے جس پر اسی سال وجوب حج ہوتا اور جن

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] مجمع الزوائد باب فیمن نوی دینہ واھتم بہ دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۳۳

[3] القرآن ۳/ ۹۷

پر پہلے سے واجب ہولیا ہے اور اپنی کاہلی سے اب تک ادانہ کیا ان پر سے وجوب ساقط نہیں ہوسکتا، غایت یہ کہ جس سال امن نہ ہونا ثابت ہو، وجوب ادانہ ہوگا جب باذنہ تعالیٰ امن ہوجائے واجب الادا ہوگا۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۰: از قادری گنج ضلع بیرم بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین صاحب قادری رزاقی کرمانی ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

حضور سرور کائنات (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا مزار اقدس بلکہ مدینہ طیبہ عرش و کرسی و کعبہ شریف سے افضل ہے یا نہیں؟

الجواب:

تُربت اطہر یعنی وہ زمین کہ جسم انور سے متصل ہے کعبہ معظّمہ بلکہ عرش سے بھی افضل ہے[1] **صرح بہ عقیل الحنبلی وتلقاہ العلماء بالقبول** (اس پر ابو عقیل حنبلی نے تصریح کی اور تمام علماء نے اسے قبول کیا۔ت)

باقی مزار شریف کا بالائی حصہ اس میں داخل نہیں کعبہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے افضل ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ مدینہ طیبہ سوائے موضع تربتِ اطہر اور مکہ معظّمہ سوائے کعبہ مکرمہ ان دونوں میں کون افضل ہے، اکثر جانب ثانی ہیں اور اپنا مسلک اول اور یہی مذہب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، طبرانی کی حدیث میں تصریح ہے کہ **المدینۃ افضل من مکۃ**[2] (مدینہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) مکہ سے افضل ہے۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۶
[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۴۵۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۸۸/۴

باب الجنایات فی الحج

(جنایاتِ حج کا بیان)

مسئلہ ۳۱۱: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملا یعقوب علی خاں ۴رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص احرام میں ذرا دیر سر پر بُھولے سے کپڑا ڈال لے تو حکم ہے کہ من گیہوں دے اور جو مکہ میں نہ دے یہاں دے کیا حکم ہے؟ حج میں تو خلل نہیں کہ یہ مستحب ہے اور اگر کسی عذر کے سبب سر چھپانا پڑے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

جو مرد اپنا سارا یا چوتھائی سر بحالت احرام چُھپائے جسے عادۃً سر چھپانا کہیں، جیسے ٹوپی پہننا، عمامہ سر باندھنا، سر سے چادر اوڑھنا، دُھوپ کے باعث سر پر کپڑا ڈالنا، درد کے سبب سر کسنا، زخم کی وجہ سے پٹی باندھنا (نہ گٹھڑی یا صندوق یا خوان وغیرہ کا سر پر اٹھانا کہ یہ سر چھپانے میں داخل نہیں) اس پر مطلقاً جُرمانہ واجب ہے اگرچہ بھولے سے، اگرچہ سوتے میں، اگرچہ بیہوشی میں اگرچہ عذر سے، مگر صحت حج میں خلل نہیں، ہاں ایک طرح کا قصور ہے جس کی تلافی کو جُرمانہ مقرر ہوا، جیسے نماز میں سہواً ترک واجب سے سجدہ، عذر و بے عذر میں اتنا فرق ہے اگر بے عذر ایک دن کامل یا ایک رات کامل یا اس سے زائد سر چھپا رہا تو خاص حرم میں ایک قربانی ہی کرنی ہوگی جب چاہے کرے، دُوسرا طریقہ کفارہ کا نہیں اور عذر مثلاً بخار یا سردی یا زخم یا درد کے سبب اتنی مدت چھپایا تو اختیار ہوگا حرم میں قربانی کرے یا جہاں چاہے جب چاہے یا تین ۳ صاع گیہوں یا مثلاً چھ ۶ صاع جو، چھ ۶ مسکینوں کو دے یا تین ۳

روزے جس طرح چاہے رکھ لے، اور اگر کامل دن یا رات کی مدت سے کم چھپا رہا اگرچہ کتنی ہی تھوڑی دیر کو تو بے عذری کی صورت میں صدقہ فطر کی طرح خاص صدقہ ہی لازم ہوگا، یعنی نیم صاع گیہوں یا مثلًا ایک صاع جو کہ جہاں چاہے دے اور بصورت عذر مختار ہوگا چاہے یہ صدقہ دے یا ایک روزہ جہاں چاہے رکھ لے۔ ایک صاع دو سو ستر تولے کا ہوتا ہے اور سکہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا، تو جہاں سَو روپے بھر کا سیر ہے جیسے ہمارے شہر بریلی میں وہاں کی تول سے صاع پانچ ماشے پانچ رتی اوپر آدھ پاؤ پونے تین سیر کا ہوا، اور نصف صاع دو ماشے ساڑھے چھ رتی اوپر تین چھٹانک سوا سیر کا یعنی کچھ کم ڈیڑھ سیر، اس نصف صاع کے آدھے کو عربی میں مُد اور منُ کہتے ہیں۔ تو ذرا دیر کپڑا سر پر ڈالنے میں من بھر گیہوں کا حکم نہیں بلکہ متعمد روایت میں دو من کا ہے۔

فی الدر المختار، الواجب دم علی محرم بالغ ولو ناسیا اوجاھلا اومکرھا فیجب علی نائم غطی راسه اوستر راسه (ای کله او ربعه) بمعتاد، اما بحمل اجانة او عدل فلا شی علیه، یوما کاملا اولیلة کاملة وفی الاقل (شمل (الا قل الساعه الواحدة او مادونها) تصدق بنصف صاع من بر، کالفطرة (افادان التقیید بنصف الصاع من البر اتفاقی فیجوز اخراج الصاع من التمر اوالشعیر من القهستانی) وبعذر (ومن الاعذار الحمی والبرد والجرح والقرح والصداع والشقیقة والقمل) و (اما الخطاء والنسیان والاغماء والاکراہ والنوم وعدم القدرة علی الکفارہ فلیست باعذار) خیر ان شاء ذبح فی الحرم او تصدق بثلاثة اصوع طعام علی ستة مساکین این شاء اوصام ثلاثة ایام ولو متفرقة	درمختار اور ردالمحتار میں ہے ہر محرم بالغ پر دم واجب ہوتا ہے خواہ اس نے وہ عمل نسیانًا یا جہالۃً یا مجبورًا کیا ہو یا حالتِ نیند میں محرم نے اگر بطور عادت پورا دن یا پوری رات سر ڈھانپ لیا (تمام سر یا چوتھائی سر) تو دم لازم ہوگا، اگر کسی نے ٹب یا گٹھڑی اٹھائی تو کوئی شے لازم نہیں، اور اگر دن سے کم وقت سر ڈھانپا (لفظ اقل ایک ساعت اور اس سے کم کو بھی شامل ہے) تو گندم کا ایک صاع صدقہ کیا جائیگا جیسے فطرانہ (یہ عبارت بتارہی ہے کہ نصف صاع گندم کا تذکرہ اتفاقی ہے احترازی نہیں، تو ایک صاع کھجور یا جو دے سکتے ہیں، قہستانی) اگرچہ عذر کی وجہ سے ہو (اعذار میں سے بخار، سردی، زخم، پھوڑا، شیققہ وسر کا درد اور جوں کا ہونا ہے لیکن عمل خطا، نسیانًا، اغماء، مجبوری نیند یا کفارہ پر عدمِ قدرت، یہ عذر نہیں بن سکتے) اسے اختیار ہے چاہے حرم میں دم ذبح کرے یا جہاں چاہے چھ مساکین کو تین صاع طعام دے دے یا تین روزے متفرق طور پر رکھ لے (یہ اس صورت میں ہے

(ھذا فیما یجب فیہ الدم اما ما یجب فیہ الصدقۃ ان شاء تصدق بما وجب علیہ من نصف صاع او اقل علی مسکین او صام یوما کما فی اللباب) [1] اھ ملتقطین وفی الشامیۃ ایضا وکذا الصوم لایتقید بالحرم فیصومہ این شاء [2] اھ وفیھا ایضا الکفارات کلھا واجبۃ علی التراخی فیکون مؤدیا فی ای وقت [3] ھ واللہ تعالٰی اعلم۔	جہاں دم لازم ہوتا ہے اور جس صورت میں صدقہ لازم ہوگا تو اگر چاہے تو نصف صاع یا اس سے کم کسی مسکین کو دے دے یا ایک دن کا روزہ رکھ لے، اللباب) اھ دونوں عبارتیں مختصر ہیں، اور فتاوی شامی میں بھی اسی طرح ہے کہ اور اسی طرح روزہ حرم کے ساتھ مخصوص نہیں جہاں چاہے رکھ سکتا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ تمام کفارات واجبہ کی ادائیگی فی الفور لازم نہیں لہٰذا وہ جس وقت بھی ادا کرے ادا ہوجائے گا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۲: از حافظ عبدالمجید قصبہ تحصیل سوار خاص علاقہ ریاست رامپور بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

محرم کو احرام میں جوڑ لگانا عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سِلی ہوئی چیز سے بچنا چاہئے اور حالتِ ضرورت مستثنٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۳: از بمبئی محلّہ قصاباں متصل کرافٹ مارکیٹ مکان گورے بابو صاحب مسئولہ حضرت سید حامد حسین میاں صاحب قبلہ دام ظلہم ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

معظمی مکرمی مدظلہ العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ چند امور دریافت طلب ہیں بہ گوارائے تکلیف بواپسی ڈاک مطلع فرمائیے بعید از شفقت بزرگانہ نہ ہوگا۔

اول: یہ کہ مستورات منہ پر پنکھا کھجور کا لگالیتی ہیں یقینا وہ پنکھا کنپٹی اور ناک اور منہ سے لگتا ہے اور چہرہ پوشیدہ بھی رہتا ہے احرام کی حالت میں کیا کرنا چاہئے، نماز پڑھتے وقت جبکہ پردہ کی جگہ نہ ہو پنکھا اونچا اٹھا ہو مشکل سے رکے گا، علاوہ ازیں چہرہ نامحرمان کی نظر سے مخفی رکھنا دشوار ہے اس کے متعلق صاف

[1] درمختار باب الجنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۷۳ تا ۱۷۵، ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/۲۱۷ تا ۲۲۸

[2] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/۲۲۸

[3] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/۲۱۷

الفاظ میں تحریر فرمایئے جو سمجھ میں آسکے۔
دوم۲: یہ کہ فقیر تمباکو پان کو ساتھ کھانے کا عادی ہے اگرچہ لعاب ایک قطرہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترتا، تمباکو نہ کھانے کے سبب سخت تکلیف ہوگی، اس تمباکو میں قدرے قلیل مشک وزعفران کا ہونا بھی بیان کیا جاتا ہے آپ کے ملاحظہ کے واسطے قدرے تمباکو مرسل ہے۔

الجواب:

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرات بابرکت والا درجت حضرت مولانا سید شاہ حامد حسین میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بعد ادائے آداب معروض پنکھا سر پر مضبوط باندھیں کہ اٹھا رہے اور بڑا ہو کہ اٹھا رہنے کی عادت میں چہرہ اجانب سے چھپا رہے پھر بھی اگر احیانًا چہرہ پر ڈھلک آئے یا کنپٹی یا ناک یا منہ سے لگے اگر منہ کی ٹکلی کے چہارم تک نہ پہنچے تو کفارہ کچھ نہیں، نہ قربانی نہ صدقہ کہ نہ چہارم منہ چھپا یا نہ چار پہر تک اسے دوام رہا، اس صورت میں کراہت ومعصیت ہوتی مگر جبکہ وہ بلاقصد ہے اور اسے قائم رکھا گیا تو مواخذہ نہیں، ہاں اگر چہارم منہ کی ٹکلی چھپ جائے گی تو ضرور صدقہ دینا آئے گا، احکام جو شرع مطہر نے ارشاد فرمائے صدقِ دل سے ان کا اہتمام ہو تو وہی جس کے احکام ہیں مدد فرماتا اور آسان کردیتا ہے، تمباکو کہ قوام میں خوشبو ڈال کر پکائی گئی جب تو اس کا کھانا مطلقًا جائز ہے اگرچہ خوشبو دیتی ہو، ہاں خوشبو ہی کے قصد سے اسے اختیار کرنا کراہت سے خالی نہیں اور نظر جانب خوشبو نہ ہو بلکہ حسب عادت دیگر منافع تمباکو کی طرف تو کچھ حرج نہیں اور اگر بے پکائے خوشبو مشک وغیرہ اس میں شامل ہو اور خوشبو دے رہا ہو جب بھی کفارہ کچھ نہیں البتہ کراہت ضرور ہے، یہ کراہت پیک نگلنے پر موقوف نہیں کہ خوشبو کا آنچل میں باندھنا بھی ناجائز ہے، ہاں اگر مشک اتنی کم پڑی کہ خوشبو نہ دے یا مدت گزرنے سے اتر گئی کہ اب خوشبو جاتی رہی تو کراہت بھی نہیں، لباب وشرح لباب میں ہے:

الطیب اذا اخلطه بطعام قد طبخ فلا شیئ علیه اتفاقا سواء یوجد ریحه اولا لانه بالخلط والطبخ یصیر مستهلکا فلا یعتبر وجوده اصلا وان خلطه بما یوکل بلاطبخ کالزعفران بالملح فالعبرة بالغلبة، فان کان الغالب الملح ای اجزأه لاطعمه ولونه	اگر خوشبو کسی ایسے کھانے میں ملائی جسے پکایا گیا تو اب محرم پر کوئی شی لازم نہ ہوگی خواہ مہک باقی ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ اختلاط اور پکنے سے ہلاک و ختم ہوگئی اب اس کے وجود کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور اگر وہ کھانے والی چیز میں ملی لیکن اس میں پکی نہیں جیسے زعفران نمک میں مل جائے تو غلبہ کا اعتبار ہوگا، اگر نمک کے اجزاء (ذائقہ اور رنگ نہیں) زائد ہیں تو اب کوئی شی لازم

فلاشی علیه من الجزاء غیرانه اذا کان رائحته موجودة کرہ اکله مغلوبا غیر مطبوخ وان کان الغالب الطیب ففیه الدم فانه حینئذ کالزعفران الخالص فیجب الجزاء وان لم تظهر رائحته [1] اھ ملخصا محررا۔	نہ ہوگی ماسوائے اس کے کہ اگر مہک باقی تھی تو اس کا کھانا مکروہ ہوگا کیونکہ وہ مغلوب ہے مگر پکی ہوئی نہیں، اور اگر غالب خوشبو ہے تو اس میں دم آئیگا کیونکہ وہ خالص زعفران کی طرح ہوگا تو اب سزا لازم ہوگی خواہ مہک نہ ہوگی اھ ملخصا محررا۔ (ت)

اسی کے محرماتِ احرام میں ہے:

التطیب واکل الطیب وشدہ بطرف ثوبه ای ربط طیب یفوح ریحه [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	خوشبو لگانا، خوشبو کھانا، کپڑے کے کنارے میں ایسی خوشبو باندھنا جس کی مہک پھیل رہی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مسئولہ شفقت علی از محلّہ ذخیرہ بریلی شہر ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کے پاس اس کے باپ بھائی خاوند کا دیا ہوا اتنا سرمایہ موجود ہے کہ جس سے وہ بخوبی حج کرسکتی ہے مسماۃ مذکورہ کا ارادہ اب کے سال حج کرنے کا مصمم ہے مگر باوجود ہر منت وسماجت کے اس کا خاوند اس کو اجازت نہیں دیتا، اس کے حقیقی بھائی بھی اب کی مرتبہ حج کا ارادہ رکھتے ہیں، یہ موقع بھی مسماۃ مذکور نے نہایت مناسب سمجھا ہے اس صورت میں یہ عورت بلا اجازت اپنے خاوند کے اپنے بھائیوں کے ہمراہ جاکر حج ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ عورت پر حج فرض ہے اجازت شوہر کی ہر گز حاجت نہیں،

فالاصح ان افتراض الحج فوری وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ [3]۔	یہی درست کہ فریضہ حج فوراً ادا کیا جائے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں کرنی چاہئے۔ (ت)

---

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فصل فی اکل الطیب وشربہ دارالکتاب العربی بیروت ص ۲۱۱ تا ۲۱۳

[2] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری فی محرمات الاحرام دارالکتاب العربی بیروت ص ۸۱

[3] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۷

عورت کے لیے ایک بڑی شرط شوہر یا محرم کا ساتھ رہنا ہے، اس وقت تو اس کا بھائی جارہا ہے کیا معلوم کہ آگے کوئی محرم ساتھ کو نہ ملے توحج سے محروم رہے، نہایت جلدی کرے اور فورًا بھائی کے ساتھ چلی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیارت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کیا حکم ہے اور باوجود قدرت اس کا تارک یا مانع ومنکر فضل شرعًا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیارت سراپا طہارت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالقطع والیقین باجماع مسلمین افضل قربات واعظم حسنات سے ہے جس کی فضیلت وخوبی کا انکار نہ کرے گا مگر گمراہ بددین یا کوئی سخت جاہل، سفیہ غافل، سخرہ شیاطین **والعیاذ باللہ رب العالمین۔** اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم، اور کیوں نہ ہو، خود قرآن عظیم اس کی طرف بلاتا اور مسلمانوں کو رغبت دلاتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ [1]۔	یعنی اگر ایسا ہو کہ وہ جب اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ وجرم کریں تیری بارگاہِ بیکس پناہ میں حاضر ہو پھر خدا سے مغفرت مانگیں اور مغفرت چاہے ان کے لیے رسول، تو بیشک اللہ عزوجل کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں،

امام سبکی شفاء السقام اور شیخ محقق جذب القلوب میں فرماتے ہیں:

"علماء نے اس آیت سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حال حیات وحال وفات دونوں حالتوں کو شمول سمجھا اور ہر مذہب کے ائمہ مصنفین مناسک نے وقت حاضری مزار پُر انوار اس آیت کی تلاوت کو آدابِ زیارت سے گنا۔" [2]

علامہ سمہودی شافعی وفاء الوفاء میں فرماتے ہیں:

"حنفیہ زیارت شریف کو قریب بہ واجب کہتے ہیں، اور اسی طرح مالکیہ وحنبلیہ نے تصریح کی۔" [3]

---

[1] القرآن ۶۴/۴

[2] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۱

[3] وفاء الوفاء الفصل الثانی فی بقیۃ ادلۃ الزیارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۱۳۶۶

ہماری کتب مذہب میں مناسک فارسی وطرابلسی وکرمانی واختیار شرح مختار وفتاوٰی ظہیریہ وفتح القدیر وخزانۃ المفتین ومنسک متوسط ومسلک متقسط ومنح الغفار ومراقی الفلاح وحاشیہ طحطاویہ علی المراقی ومجمع الانہر وسنن الہدٰی وعالمگیری وغیرہ میں اس کے قریب واجب ہونے کی تصریح کی بلکہ خود صاحب مذہب سیدنا امام اعظم سے اس پر نص منقول، جذب القلوب میں ہے:

زیارت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نزد ابی حنیفہ از افضل مندوبات واوکد مستحبات است قریب بہ درجہ واجبات۔[1]	زیارت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک افضل مندوبات واعلٰی مستحبات سے ہے درجہ واجبات کے قریب۔(ت)

اور بعض ائمہ مالکیہ وشافعیہ تو صاف صاف واجب کہتے ہیں اور یہی مذہب ظاہریہ سے منقول۔ امام ابن الحاج مکی مالکی مدخل اور امام سبکی شافعی تہذیب الطالب امام عبدالحق بن محمد سے نقل فرماتے ہیں:

"امام ابوعمران فاسی مالکی نے فرمایا قبر شریف حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت واجب ہے[2]۔"

امام قاضی عیاض مالکی شفاشریف میں امام ابوعمرو سے ناقل:

"قبر اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سفر کرکے جانا واجب ہے۔"[3]

اسی طرف امام قسطلانی شارح صحیح بخاری شافعی وامام ابن حجر مکی شافعی وعلامہ علی قاری حنفی وغیرہم علماء کا میلان ہے بلکہ بعض کلمات امام سبکی بھی اسی طرف ناظر، شفاشریف میں فرمایا:

"زیارت قبر میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے اور نبی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب۔"[4]

اسی طرح مواہب لدنیہ شریف میں ہے، اور شک نہیں کہ ظاہر دلیل اسی کو مقتضی۔ ابن عدی وغیرہ کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی[5]۔	جو حج کرے اور میری زیارت کو حاضر نہ ہو بیشک اس نے مجھ پر جفا کی۔

[1] جذب القلوب باب پانزدہم دربیان حکم زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۲۱۰

[2] وفاء الوفاء بحوالہ عبدالحق الفصل الثانی فی بقیہ ادلۃ الزیارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶۴

[3] کتاب الشفا قاضی عیاض فصل فی حکم زیارۃ قبر مطبوعہ شرکت صحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۷۵

[4] شفاء السقام الباب الخامس فی تقریر کون الزیارۃ قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۸۳

[5] کامل ابن عدی ترجمہ النعمان شبلی الباہلی دارالفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

علامہ علی قاری شرح لباب میں اس کی سند کو حسن اور وہی شرح شفاء و درہ مضیہ اور امام ابن حجر جوہر منظّم میں محتج بہ فرماتے ہیں، انہی دونوں کتابوں میں فرمایا:

"نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جفا حرام ہے تو زیارت نہ کرنا متضمنِ جفا ہے حرام ہوا[1]۔"

مدارج النبوۃ میں ہے:

"صاحب مواہب گفتہ ایں ظاہر است در حرمتِ ترک زیارت زیرا کہ دریں جفا وازائے اوست و جفاء واذائے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرام ست باجماع پس واجب باشد ازالہ جفا وآں بزیارت خواہد پس زیارت واجب باشد۔"[2]	صاحب مواہب نے فرمایا کہ زیارت نہ کرنے کی حرمت پر یہ ظاہر ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جفا ہے اور آپ کو ایذا ہے جبکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے جفا اور ایذاء بالاجماع حرام ہے، تو اس جفا کے ازالہ کے لیے زیارت واجب ہے۔ (ت)

امام قسطلانی اس عبارت کے بعد فرماتے ہیں: "بالجملہ جو باوجود قدرت کے ترک زیارت کرے اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جفا کی اور حضور کا ہم پر یہ حق نہ تھا۔"[3]

اسی طرح ترک زیارت کے موجب جفا ہونے میں متعدد حدیثیں آئیں کہ حضرت والد علام قدس سرہ نے جواہر البیان شریف میں ذکر فرمائیں اور شک نہیں کہ افراد میں اگرچہ کلام ہو مجموع حسن تک مترقی، اور حسن اگرچہ لغیرہٖ ہو محل احتجاج میں کافی، اور اسی کے مناسب قصہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ امام ابن عساکر وغیرہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام سبکی نے شفاء اور علامہ سمہودی نے وفا اور امام ابن حجر نے جوہر میں اس کی سند کو جید کہا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شام میں سکونت اختیار فرمائی خواب میں حضور پر نور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سے شرفیاب ہوئے کہ ارشاد فرماتے ہیں:

ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما آن لك ان تزورنی یا بلال!	اے بلال! یہ کیا جفا ہے، اے بلال! کیا ابھی تجھے وہ وقت یاد نہ آیا کہ میری زیارت کو حاضر ہو۔

بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین و ترساں وہراساں بیدار ہوئے اور فوراً قصدِ مزار پر انوار جانب مدینہ شد الرحال

[1] الجوہر المنظم ابن حجر مکی فصل اول مطبعہ خیریہ مصر ص ۸

[2] مدارج النبوۃ وصل در ذکر غم والم مفارقت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۴۴

[3] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتبہ الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۱

فرمایا، جب شرف حضور پایا قبر انور کے حضور رونا اور منہ اس خاک پر ملنا شروع کیا، دونوں صاحبزادے حضرات حسین وحسن رضی اللہ تعالٰی علٰی جد ہما وعلیہما وبارک وسلم تشریف لائے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ انھیں گلے لگا کر پیار کرنے لگے، شہزادوں نے فرمایا ہم تمھاری اذان کے مشتاق ہیں یہ سقفِ مسجد انور پر جہاں زمانہ اقدس میں اذان دیتے تھے گئے، جس وقت اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تمام مدینہ میں لرزہ پڑگیا، جب اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہا مدینہ کا لرزہ دوبالا ہوا، جب اس لفظ پر پہنچے کہ اشھدان محمدرسول اللہ کنواری نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل آئیں اور لوگوں میں غل پڑگیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزار پرانوار سے باہر تشریف لے آئے، انتقالِ حضور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی دن مدینہ منورہ کے مردوزن میں وہ رونا نہ پڑا تھا جو اس دن ہوا[1]۔

در نمازم خم ابروئے تو بریاد آمد حالتے رفت کہ محراب بفریاد آمد

(جب آپ کی کمانِ ابرو، مجھے نماز میں یاد آئی، تو بیخودی کی حالت میں مسجد آہ وبکا میں مصروف ہوگئی)

اور نیز وہ حدیث بھی مؤید وجوب ہوسکتی ہے جسے امام ابن عساکر اور امام ابن النجار نے کتاب الدرۃ الثمینہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن احد من امتی لہ سعۃ ثم لم یزرنی فلیس لہ عذر[2]۔	میرا جو امتی باوصف مقدرت میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں۔

حتی کہ بعض ائمہ شافعیہ زیارت شریفہ کو مثل حج فرض بتاتے ہیں، علامہ عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس چشتی گنگوہی قدس سرہ شاگرد امام علامہ ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالٰی سنن الہدٰی میں فرماتے ہیں: "میں نے اپنے استاذ ابن حجر (ایّد اللہ الاسلام ببقائہ) کو فرماتے سنا کہ زیارت شریفہ ہمارے بعض اصحاب شافعیہ کے نزدیک مثل حج واجب ہے اور ان کے نزدیک واجب فرض میں کچھ فرق نہیں۔"[3]

بالجملہ قول وجوب من حیث الدلیل اظھر اور نظر ایمانی میں اَحب واَزہر ہے اور قریب وجوب کہ علمائے مذاہب اربعہ بلکہ خود امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص اس کے قریب اور حکماً مقارب، اور قول سنت

[1] شفاء السقام الباب الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۵۳

[2] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/۵۷۱

[3] سنن الہدٰی عبدالغنی بن احمد

اس کے منافی نہیں فقہاء واجب کو بھی "کہ سنت یعنی جو حدیث سے ثابت ہو" سنت بولتے ہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے نماز عید کو کہ حنفیّہ کے نزدیک واجب، ہے سنت کہا بلکہ اطلاق اعم میں مستحب ومندوب بھی واجبات کو شامل، اور فرض وواجب جبکہ حکم عمل واثم تارک میں مشارک، اور شافعیہ کے یہاں فرق اصطلاح نہیں توان کے نزدیک واجب پر اطلاع فرض اور حج سے تمثیل بعید نہیں، اس تقریر پر سب افعال متفق ہو جائیں گے اور بہ تصریح علماء مثل علامہ شامی وغیرہ اہدائے وفاق ابقائے خلاف، سے اولی اور بیشک وجوب وقرب وجوب کہ جمہور ائمہ مذاہب جس کی تصریح کرتے ہیں، تارک کے اثم پر یک زبان، بہر حال جزم کیا جاتا ہے کہ باجود قدرت تارک زیارت قطعًا محروم وملوم وبد بخت ومشوم وآثم وگنہگار وظالم و جفا کار ہے، **والعیاذ باللہ ممالا یرضاہ**، لاجرم سلفًا وخلفًا علماء دین وائمہ معتمدین تارک زیارت پر طعن شدید وتشنیع مدید کرتے آئے کہ ترک مستحب ہر گز نہیں ہو سکتی، علامہ رحمت اللہ علیہ رحمۃ اللہ تلمیذ امام ابن ہمام نے لباب میں فرمایا: "ترک زیارت بڑی غفلت اور سخت بے ادبی ہے۔"[1]

اور امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی نے توجوہر منظّم میں تارک زیارت پر قیامت کبرٰی قائم فرمائی، فرماتے ہیں رحمہ اللہ تعالٰی:

"خبر دار ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تجھے ترک زیارت سے حد درجہ ڈرایا اور اس کی آفتوں سے وہ کچھ بیان فرمایا کہ اگر تو اسے غور سے سمجھے تو اپنے اوپر ہلاکت وبدانجامی کا خوف کرے، حضور نے صاف فرمادیا کہ ترک زیارت جفا ہے۔ اور یونہی صحیح حدیث میں آیا کہ "میرا ذکر سن کر مجھ پر درود نہ پڑھنا جفا ہے۔" اس سے ثابت ہوا کہ باوجود قدرت ترک زیارت اور ذکر اقدس سن کر ترک درود، دونوں یکساں ہیں کہ دونوں جفا ہیں، تو تارک زیارت پر ان سب عذابوں اور شناعتوں کا خوف ہے جو تارک درود کے لیے حدیثوں میں آئیں کہ وہ شقی، نامراد ذلیل وخوار، مستحق نار، خدا اور سول سے دور ہے، اس پر ان سب عذابوں اور نیز مردود بارگاہ ہونے کی دعا جبریل امین وحضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی، وہ راہ جنت بھول گیا، حد بھر کا بخیل، ملعون، بے دین ہے، اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار جمال جہاں آرا سے محروم رہے گا، **والعیاذ باللہ تبارك وتعالٰی** ان باتوں کو یاد کرکے اسے خبر دے جس نے باوصفِ قدرت براہ سستی وکسل، زیارت شریف نہ کی، شاید

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۳۴

یہ سن کران برائیوں سے توبہ کرے اور اللہ تعالٰی کی طرف رجوع لائے، اپنے اس نبی پر جفانہ کرے جو اس کا اور تمام جہان کا اللہ عزوجل کی طرف سے وسیلہ ہیں، اور ہم نے بہت تارکانِ زیارت بحال قدرت کو دیکھا کہ اللہ تعالٰی نے ان کے چہروں پر صریح محسوس تاریکی ظاہر کردی اور نیکیوں میں انھیں ایسا سست کردیا کہ عبادت چھوڑ کر دنیا میں پڑ گئے اور مرتے دم تک اس حال پر رہے[1]۔" (ملخصا) والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔

اس کے بعد امام نے وہ سخت ہولناک واقعے لکھے جنھیں سن کر مسلمان کا دل کانپ اٹھے، اللہ تعالٰی اپنی امان میں رکھے صدقہ اپنے پیارے حبیب قریب مجیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا، آمین! مسلمان غور کرے جب تارک زیارت کا یہ حال، اس کے مانع یا منکر فضیلت کا کیا حال ہوگا! آفتاب سے زیادہ روشن کہ ایسا شخص گمراہ، بددین، خارق اجماع مسلمین، مستحق وعید شدید، نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾[2] (ہم اسے اس کے حال پر چھوڑدیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی، ت) ہے۔

امام ابن حجر افضل القرٰی میں فرماتے ہیں: "جو اس کی خوبی میں نزاع کرے گا اس کا نزاع کرنا دنیا وآخرت میں اس کی تباہی وروسیاہی کا باعث ہوگا[3]۔" امام سبکی شفاء السقام شریف میں فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت واطراف عالم سے اس کی طرف سفر اعظم قربات الٰہی سے ہے جیسا کہ مدتوں سے شرق وغرب کے مسلمانوں میں معروف ہے، آج کل بعض مردود (یعنی ابن تیمیہ اور اس کے ہواخواہ) شیطان کے سکھائے سے اس میں شک ڈالنے لگے مگر ہیہات یہ مسلمان کے دل میں کہاں جگہ پاتی، یہ تو ایک مردود کی فتنہ پردازی ہے جس کا وبال اسی پر پڑے گا۔[4]" امام احمد قسطلانی مواہب شریفہ میں فرماتے ہیں: "قبر مبارک کی زیارت بہت بڑی قربت اور بہت بڑی امید کی اطاعت اور نہایت بلند درجوں کی طرف راہ ہے جو اس کے خلاف اعتقاد کرے اس نے رسنِ اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا اور خدا اور رسول وجماعت مشاہیر ائمہ کا خلاف کیا۔[5]"

---

[1] جوہر منظم ابن حجر مکی عربی فصل ثالث فی التحذیر من ترک زیارت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبعہ خیریہ مصر ص ۲۸ تا ۳۰

[2] القرآن ۴/۱۱۵

[3] افضل القرٰی

[4] شفاء السقام الباب السادس فی کون السفر الیہا قربۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۰۲

[5] المواہب اللدنیہ مقصد عاشر فصل ثانی الترغیب فی زیارۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/۵۷۰

یہاں تک کہ بعض علماء صراحۃً زیارت شریفہ کے قربت ہونے کو ضروریاتِ دین سے اور اس کے منکر کو کافر بتاتے ہیں، درہ مضیہ مولٰنا علی قاری میں ہے: "بعض فضلاء نے مبالغہ کیا کہ فرماتے ہیں زیارت شریفہ کا قربت ہونا دین سے ضرورۃً معلوم ہے اور اس کے منکر پر کفر کا حکم۔"[1] علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: "قبر اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت اور اس کی طرف سفر کو ابن تیمیہ اور اس کے اتباع مثل ابن قیم نے منع کیا اور یہ اس کا وہ کلام شنیع ہے جس کے سبب علماء نے اس کی تکفیر کی اور امام سبکی نے اس میں مستقل کتاب لکھی[2]۔"

اقول: قول تکفیر کی نفیس تقریر وعمدہ توجیہ مع جواب وجیہ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بتوفیق اللہ تعالٰی اصل فتوٰی میں ذکر کی، یہاں اس قدر کافی، مولٰی تعالٰی صدقہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ان کی سچی محبت اور سچا ادب بخشے اور انہی کی محبت وتعظیم وادب وتکریم پر دنیا سے اٹھائے اور اپنے کرم عمیم وفضل عظیم سے دنیا وآخرت میں ان کی زیارت سے مشرف وبہرہ مند فرمائے آمین یاارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

محمدی حنفی قادری

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ عند بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

---

[1] درہ مضیہ

[2] نسیم الریاض فصل فی حکم زیارۃ قبرہ علیہ الصلٰوۃ والسلام دارالفکر بیروت ۳/ ۵۱۴

انوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ ۱۳۲۹ھ

(حج وزیارت کے مسائل میں خوشی کی بہاریں)

الحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

امّا بعد، یہ چند حروف ہدایت حجاج کے لیے ہیں، ان میں اکثر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف تصنیف لطیف اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا و مولٰنا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی قدس سرہ الشریف سے التقاط[عہ] کئے ہیں، ۳ شوال ۱۳۲۹ھ کو والا جناب حضرت سید محمد احسن صاحب بریلوی نے فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ سے فرمایا کہ ۱۰ شوال کو میرا ارادہ حج ہے بہت لوگ جاتے ہیں حج کا طریقہ اور آداب

عہ: اور صدہا مسائل اپنے رسائل اور منسک متوسط وغیرہ سے اضافہ کیے ۱۲ منہ (م)

لکھ کر چھاپ دے، حضرت سید صاحب کے حکم سے بکمال استعجالی یہ چند سطور تحریر ہوئیں، امید کہ بہ برکت سادات کرام، اللہ تعالٰی قبول فرمائے اور مسلمان بھائیوں کو نفع پہنچائے، آمین!

فصل اوّل آداب سفر و مقدماتِ حج میں

(۱) جس کا قرض آتا ہو یا امانت پاس ہو ادا کرے، جن کے مال ناحق لیے ہوں واپس دے یا معاف کرائے، پتا نہ چلے تو مال فقیروں کو دے دے۔

(۲) نماز، روزہ، زکوٰۃ جتنی عبادات ذمہ پر ہوں ادا کرے اور تائب ہو۔

(۳) جس کی بے اجازت سفر مکروہ ہے جیسے ماں، باپ، شوہر، اسے رضامند کرے جس کا اس پر قرض آتا ہے، اس وقت نہ دے سکے تو اس سے بھی اجازت لے، پھر بھی حج کسی کی اجازت نہ دینے سے رک نہیں سکتا، اجازت میں کوشش کرے نہ ملے جب بھی چلا جائے،

(۴) اس سفر سے مقصود صرف اللہ و رسول ہوں۔

(۵) عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابل اطمینان نہ ہو جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔

(۶) توشہ مال حلال سے ہو ورنہ قبول حج کی امید نہیں اگرچہ فرض اتر جائے گا۔

(۷) حاجت سے زیادہ توشہ لے کر رفیقوں کی مدد اور فقیروں پر صدقہ کرتا چلے، یہ حج مبرور کی نشانی ہے۔

(۸) عام کتب فقہ بقدر کفایت ساتھ لے ورنہ کسی عالم کے ساتھ چلا جائے، یہ بھی نہ ملے تو کم از کم یہ رسالہ ہمراہ ہو۔

(۹) آئینہ، سُرمہ، کنگھا، مسواک ساتھ رکھے کہ سنت ہے،

(۱۰) اکیلا سفر نہ کرے منع ہے، رفیق دیندار ہو کہ بد دین کی ہمراہی سے اکیلا بہتر ہے۔

(۱۱) حدیث میں ہے: جب تین آدمی سفر کو جائیں اپنے میں ایک کو سردار بنالیں [1]۔ اس میں کاموں کا انتظام رہتا ہے، سردار اسے بنائیں جو خوش خلق، عاقل دیندار ہو، سردار کو چاہئے رفیقوں کے آرام کو اپنی آسائش پر مقدم رکھے۔

چلتے وقت اپنے دوستوں عزیزوں سے ملے اور اپنے قصور معاف کرائے، اور ان پر لازم ہے کہ دل سے معاف کردیں، حدیث میں ہے کہ جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت لائے واجب ہے

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد باب آداب السفر مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۹

کہ قبول کرلے ورنہ حوضِ کوثر پر آنا نہ ملے گا۔[1]

(۱۳) وقت رخصت سب سے دعالے کہ برکت پائے گا۔

(۱۴) ان سب کے دین، جان، اولاد، مال، تندرستی، عافیت خدا کو سونپے،

(۱۵) لباس سفر پہن کر گھر میں چار رکعت نفل، الحمد و قل سے پڑھ کر باہر نکلے، وہ رکعتیں واپس آنے تک اس کے اہل ومال کی نگہبانی کریں گی،

(۱۶) جدھر سفر کو جائے جمعرات یا ہفتہ یا پیر کادن ہو، اور صبح کا وقت مبارک ہے، اور اہل جمعہ کو روز جمعہ قبل جمعہ سفر اچھا نہیں۔

(۱۷) دروازے سے باہر نکلتے ہی کہے:

بِسم عـــہ۱ اللهِ وَاٰمَنْتُ بِاللهِ وَتَوَکَّلْتُ عَلَی اللهِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ نَزِلَّ اَوْنَضِلَّ وَنُضَلَّ اَوْنَظْلِمَ اَوْنُظْلَمَ اَوْنَجْهَلَ اَوْیُجْهَلَ عَلَیْنَا اَحَدٌ۔[2]

(۱۸) سب سے رخصت کے بعد اپنی مسجد سے رخصت ہو، وقتِ کراہت نہ ہو تو اس میں دو رکعت نفل پڑھے۔

(۱۹) چلتے وقت کہے: واپسی تک مال اور اہل وعیال محفوظ رہیں گے،

اَللّٰھُمَّ عـــہ۲ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ۔[3]

عـــہ۱: ترجمہ: الله کے نام سے اور الله کی مدد سے، اور میں نے الله پر بھروسہ کیا، اور نہ گناہوں سے پھرنا نہ طاعت کی طاقت مگر الله تعالٰی کی توفیق سے، الٰہی! ہم تیری پناہ چاہتے ہیں اس سے کہ خود لغزش کریں یا دوسرا ہمیں لغزش دے یا خود بہکیں یا دوسرا بہکائے یا ظلم کریں یا ہم پر ظلم ہو یا جہل کریں یا ہم پر کوئی جہل کرے۔ (ت)

عـــہ۲: الٰہی! ہم تیری پناہ مانگتے ہیں سفر کی مشقت اور واپسی کی بدحالی اور مال یا اولاد میں کوئی بری حالت نظر آنے سے ۱۲ (م)

---

[1] الترغیب والترھیب ان یعتذر الی المرء اخوہ الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۹۱

[2] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الوداع دار الکتاب العربی بیروت ص ۲

[3] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الوداع دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

(۲۰) اسی وقت تَبَّتْ کے سواقُلْ یَا سے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تک پانچ سورتیں سب مع بسم اللہ پڑھے، پھر آخر میں ایک بار بسم اللہ شریف پڑھ لے، راستے بھر آرام رہے گا۔

(۲۱) نیز اس وقت اِنَّ عــہ۱ اَلَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ[1]

ایک بار پھر پڑھ لے بالخیر واپس آئے گا۔

(۲۲) ریل وغیرہ جس پر سوار ہو بِسْمِ اللہِ کہے پھر اَللہُ اَکْبَرُ اور سُبْحَانَ اللہِ تین تین بار، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ایک بار، پھر کہے: عــہ۲ سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾[2] اس کے شر سے بچے۔

(۲۳) ہر بلندی پر چڑھے اَللہُ اَکْبَر اور ڈھال میں اُترتے سُبْحَانَ اللہ۔[3]

(۲۴) جس منزل پر اترے عــہ۳ اَعُوْذُ بِكَلِمٰتِ اللہِ التَّامَّاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ[4] کہے ہر نقصان سے بچے گا۔

(۲۵) جب وہ بستی نظر پڑے جس میں ٹھہرنا چاہتا ہے کہے:

عــہ۴ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا[5]۔ ہر بلا سے محفوظ رہے گا۔

ترجمہ: عــہ۱: بیشک وہ جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ضرور تجھے پھرنے کی جگہ واپس لائے گا۔ (م)

عــہ۲: پاکی ہے اسے جس نے اسے ہمارے بس میں کر دیا اور ہم میں اس کی طاقت نہ تھی بیشک ہم ضرور اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔ (م)

عــہ۳: میں اللہ تعالٰی کی کامل باتوں کی پناہ مانگتا ہوں اس سب مخلوق کی شر سے۔ (م)

عــہ۴: الٰہی ہم تجھ سے مانگتے ہیں اس بستی کی بھلائی اور اس بستی والوں کی بھلائی اور اس بستی میں جو کچھ ہے اس کی بھلائی اور تیری پناہ مانگتے ہیں اس بستی کی برائی سے اور اس میں جو کچھ ہے اس کی بُرائی سے۔ (م)

---

[1] القرآن ۲۸/۸۵

[2] القرآن ۴۳/۱۳

[3] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الرکوب دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

[4] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی الرکوب دار الکتاب العربی بیروت ص ۳

[5] الاذکار امام نووی باب مایقول اذارای قریۃ الخ فصل فی الرکوب ص ۲۰۱

(۲۶) جس شہر میں جائے وہاں کے سُنی عالموں اور باشرع فقیروں کے پاس ادب سے حاضر ہو، مزارات کی زیارت کرے، فضول سیر تماشے میں وقت نہ کھودے۔

(۲۷) جس عالم کی خدمت میں جائے وہ مکان میں ہو تو آواز نہ دے باہر آنے کا انتظار کرے اس کے حضور بے ضرورت کلام نہ کرے، بے اجازت لیے مسئلہ نہ پوچھے، اس کی کوئی بات اپنی نظر میں خلاف شرع ہو تو اعتراض نہ کرے اور دل میں نیک گمان رکھے، مگر یہ سُنی عالم کے لیے، بدمذہب کے سامنے سے بھاگے۔

(۲۸) ذکر خدا سے دل بہلائے کہ فرشتہ ساتھ رہے گا، نہ کہ شعر ولغویات سے کہ شیطان ساتھ ہوگا، رات کو زیادہ چلے کہ سفر جلد طے ہوتا ہے۔

(۲۹) منزل میں راستے سے بچ کر اترے کہ وہاں سانپ وغیرہ موذیوں کا گزرنا ہوتا ہے۔

(۳۰) راستے پر پیشاب وغیرہ باعث لعنت ہے۔

(۳۱) منزل میں متفرق ہو کر نہ اتریں ایک جگہ اُتریں۔

(۳۲) ہر سفر خصوصاً سفر حج میں اپنے اور اپنے عزیزوں دوستوں کے لیے دعا سے غافل نہ رہے کہ مسافر کی دعا قبول ہے

(۳۳) جب دریا میں سوار ہو کہے:

عـــہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖۗ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌۢ بِیَمِیْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾[1] ڈوبنے سے محفوظ رہے گا۔ جب کسی مشکل میں مدد کی حاجت ہو تین بار کہے: یَا عِبَادَ اللّٰهِ اَعِیْنُوْنِیْ[2] اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، غیب سے مدد ہوگی، یہ حکم حدیث ہے۔

عـــہ: **ترجمہ:** اللہ کے نام سے ہے اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا، بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، کافروں نے خدا ہی کی قدر جیسے چاہئے تھی نہ پہچانی، حالانکہ ساری زمین قیامت کے دن بہت حقیر سی کی طرح اس کے قبضہ میں ہے اور سب آسمان اس کی قدرت سے لپٹ جائیں گے، وہ پاک و بلند ہے ان کی شرکت سے ۱۲منہ (م)

---

[1] کتاب عمل الیوم واللیلۃ باب مایقول اذا ارکب فی السفینۃ مجلس دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ص ۱۳۴

[2] مجمع الزوائد باب مایقول اذا انفلتت دابتہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۳۲، کنز العمال بحوالہ طب عن عتبہ بن غزوان حدیث ۱۷۴۹۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۷۰۹

(۳۴) عــہ۱ یَاصَمَدُ ۱۳۴ بار روزانہ پڑھے بھوک وپیاس سے بچے گا۔

(۳۵) اگر دشمنی یا رہزن کا ڈر ہو لایلٰف پڑھے، ہر بلا سے امان رہے۔

(۳۶) سوتے وقت آیۃ الکرسی ایک بار ہمیشہ پڑھے کہ چور اور شیطان سے امان رہے،

(۳۷) اگر کوئی چیز گم ہوجائے تو کہے: عــہ۲ یَاجَامِعَ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّارَیْبَ فِیْہِ ط اِنَّ اللہَ لَایُخْلِفُ الْمِیْعَادَ o اِجْمَعْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ ضَالَّتِیْ [1]۔

ان شاء اللہ تعالٰی مل جائے گی۔

(۳۸) کرایہ کے اونٹ وغیرہ جو کچھ بار کرنا ہو اس کے مالک کو دکھائے اور اس سے زیادہ بغیر اس کی اجازت کے نہ رکھے۔

(۳۹) جانور کے ساتھ نرمی کرے، طاقت سے زیادہ کام نہ لے، بے سبب نہ مارے، نہ کبھی پونچھ پر مارے، حتی المقدور اس پر نہ سوئے کہ سونے کا بوجھ زیادہ ہوتا ہے، کسی سے بات وغیرہ کرنے کو کچھ دیر ٹھہرنا ہو تو اتر لے اگر ممکن ہو۔

(۴۰) صبح وشام اتر کر کچھ دیر پیادہ چل لینے میں دینی دنیوی بہت فائدے ہیں۔

(۴۱) بدوؤں اور سب عربوں سے بہت نرمی کے ساتھ پیش آئے، اگر وہ سختی کریں ادب سے تحمل کرے، اس پر شفاعت نصیب ہونے کا وعدہ فرمایا ہے، خصوصًا اہل حرمین خصوصًا اہل مدینہ، اہل عرب کے افعال پر اعتراض نہ کرے، نہ دل میں کدورت لائے، اس میں دونوں جہان کی سعادت ہے،

(۴۲) جمال یعنی اونٹ والوں کو یہاں کے کرایہ والے نہ سمجھے بلکہ اپنا مخدوم جانے اور کھانے پینے میں ان سے بخل نہ کرے کہ وہ ایسوں سے ناراض ہوتے ہیں اور تھوڑی بات میں بہت خوش ہوجاتے ہیں اور امید سے زیادہ کام آتے ہیں۔

(۴۳) سفر مدینہ طیبہ میں قافلہ نہ ٹھہرنے کے باعث بمجبوری ظہر وعصر ملا کر پڑھنی ہوتی ہے اس کے لیے لازم ہے

عــہ۱: **ترجمہ:** اے بے نیاز۔ (م)

عــہ۲: **ترجمہ:** اے یقینی دن کے لیے سب لوگوں کے جمع فرمانے والے بیشک اللہ تعالٰی وعدہ خلافی نہیں کرتا مجھے میری گمی چیز ملادے ۱۲منہ (م)

---

[1] در منثور تحت آیۃ انک جامع الناس مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۹

کہ ظہر کے فرضوں سے فارغ ہونے سے پہلے ارادہ کرلے کہ اسی وقت عصر پڑھوں گا، اور فرض ظہر کے بعد فورًا عصر کی نماز پڑھے یہاں تک کہ بیچ میں ظہر کی سنّتیں بھی نہ ہوں، اسی طرح مغرب کے ساتھ عشاء انہی شرطوں سے مغرب کے وقت نکلنے سے پہلے ارادہ کرلے کہ ان کو عصر وعشاء کے ساتھ پڑھوں گا۔

(۴۴) واپسی میں بھی وہی طریقہ ملحوظ رکھے جو یہاں تک بیان ہوا۔

(۴۵) مکان پر اپنے آنے کی تاریخ وقت کی اطلاع پہلے سے دے دے، بے اطلاع ہر گز نہ جائے خصوصًا رات میں۔

(۴۶) سب سے پہلے اپنی مسجد سے دو رکعت نفل کے ساتھ ملے۔

(۴۷) دو رکعت گھر میں آکر پڑھے پھر سب سے بکشادہ پیشانی ملے۔

(۴۸) دوستوں کے لیے کچھ نہ کچھ تحفہ ضرور لائے اور حاجی کا تحفہ تبرکات حرمین شریفین سے زیادہ کیا ہے اور دوسرا تحفہ دعا کہ مکان میں پہنچنے سے پہلے استقبال کرنے والوں اور سب مسلمانوں کے لیے کرے کہ قبول ہے۔

فصل دوم احرام اور اس کے احکام اور داخلی حرم محترم ومکہ مکرمہ ومسجد الحرام

(۱) ہندیوں کے لیے میقات (جہاں سے احرام باندھنے کا حکم ہے) کوہ یلملم کی محاذات ہے یہ جگہ کامران سے نکل کر سمندر وں میں آتی ہے، جب جدہ دو تین میل رہ جاتا ہے جہاز والے اطلاع دیتے ہیں پہلے سے احرام کا سامان تیار کررکھیں۔

(۲) جب وہ جگہ قریب آئے خوب مل کر نہائیں اور نہ نہا سکیں تو صرف وضو کرلیں۔

(۳) چاہیں مرد سر منڈالیں کہ احرام میں بالوں کی حفاظت سے نجات ملے گی ورنہ کنگھی کرکے خوشبودار تیل ڈالیں۔

(۴) ناخن کتریں، خط بنوائیں، موئے بغل وزیر ناف دور کریں۔

(۵) خوشبو لگائیں کہ سنت ہے۔

(۶) مرد سلے کپڑے اتاریں، ایک چادر نئی یا دُھلی اوڑھیں اور ایک ایسا ہی تہبند باندھیں، یہ کپڑے سفید بہتر ہیں۔

(۷) جب وہ جگہ آئے دو رکعت بہ نیتِ احرام پڑھیں، پہلی میں فاتحہ کے بعد قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ، دوسری میں قُلْ هُوَ اللّٰه۔

(۸) اب حج تین طرح کا ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ نرا حج کرے اسے افراد کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

عــہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ فَیَسِّرْہ لِیْ وَتَقَبَّلْہُ مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی [1]۔

دوسرا یہ کہ یہاں سے نرے عمرے کی نیت کرے، مکہ معظمہ میں حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اُرِیْدُ الْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھَا لِیْ وَتَقَبَّلْھَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْعُمْرَۃَ مُخْلِصًا لِلّٰہِ تَعَالٰی [2]۔

تیسرا یہ کہ حج وعمرہ کی یہیں سے نیت کرے اور یہ سب سے افضل ہے اسے قران کہتے ہیں، اس میں بعد سلام یوں کہے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ فَیَسِّرْ ھُمَا لِیْ وَتَقَبَّلْھُمَا مِنِّیْ نَوَیْتُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَۃَ لِلّٰہِ تَعَالٰی [3]۔

اور تینوں صورتوں میں اس نیت کے بعد لبیك بآوازِ بلند کہے، لبیك یہ ہے:

لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ ط لَبَّیْكَ لاَ شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَكَ وَالْمُلْكَ ط لاَ شَرِیْكَ لَكَ ط [4]

(۹) یہ احرام تھا اس کے ہوتے ہی یہ کام حرام ہوگئے۔

عورت سے [۱]صحبت، [۲]بوسہ، [۳]مساس، [۴]گلے لگانا، اس کی [۵]اندام نہانی پر نگاہ، جبکہ یہ چاروں باتیں بشہوت ہوں، [۶]عورتوں کے سامنے اس کا نام لینا، [۷]فحش گناہ، ہمیشہ حرام تھے اب اور سخت حرام ہوگئے، کسی سے [۸]دینوی لڑائی جھگڑا، [۹]جنگل کا شکار، اس کی طرف شکار کرنے کو [۱۰]اشارہ کرنا یا [۱۱]کسی طرح بتانا، بندوق

عــہ: ترجمہ: الٰہی! میں حج کا ارادہ کرتا ہوں تو اسے میرے لیے آسان کردے اور مجھ سے قبول فرما، میں نے خاص اللہ تعالٰی کے لیے حج کی نیت کی۔ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

[2] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰

[3] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰

[4] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل یصلی رکعتین بعد اللبس دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۹

یا ۱۲ بارود یا اس کے ذبح کے لیے ۱۳ چھری دینا، ۱۴ اس کے انڈے توڑنا، ۱۵ پر اکھاڑنا، ۱۶ پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا ۱۷ دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا ۱۸ انڈے پکانا، ۱۹ بھوننا، ۲۰ بیچنا، ۲۱ خریدنا، ۲۲ کھانا، ۲۳ ناخن کترنا، ۲۴ سر سے پاؤں تک کہیں سے کوئی بال جدا کرنا، ۲۵ منہ یا ۲۶ سر کسی کپڑے وغیرہ سے چھپانا، ۲۷ بستر یا کپڑے عــہ کی بقچی یا گٹھڑی سر پر رکھنا، ۲۸ عمامہ باندھنا، ۲۹ برقع و دستانے پہننا، ۳۰ موزے یا جرابیں وغیرہ جو پنڈلی اور ۳۱ اقدام کے جوڑ کو چھپائے پہننا، ۳۲ سِلا کپڑا پہننا، ۳۳ خوشبو بالوں یا ۳۴ بدن یا کپڑوں میں لگانا، ۳۵ ملاگیری یا کسم کیسر غرض کسی خوشبو کے رنگے ۳۶ کپڑے پہننا جبکہ ابھی خوشبو دے رہے ہوں، ۳۷ خالص خوشبو مشک، عنبر، زعفران، جاوتری، لونگ، الائچی، دار چینی، زنجبیل وغیرہ کھانا، ۳۸ ایسی خوشبو کا آنچل میں باندھنا ۳۹ جس میں فی الحال مہک ہو، ۴۰ جیسے مشک، عنبر، زعفران، سر یا ڈاڑھی خطمی یا کسی ۴۱ خوشبودار ایسی چیز سے دھونا ۴۲ جس سے جوئیں مرجائیں، ۴۳ وسمہ یا ۴۴ مہندی کا خضاب لگانا، گوند وغیرہ سے ۴۵ بال جمانا، زیتون یا تل کا ۴۶ تیل اگرچہ بے خوشبو ہو ۴۷ بدن یا بالوں میں لگانا، کسی کا ۴۸ سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، ۴۹ جوں مارنا پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مارنے ۵۰ کو دھونا یا ۵۱ دھوپ میں ڈالنا، بالوں ۵۲ میں پارہ وغیرہ اس کے ۵۳ مرنے کو لگانا، غرض جوں کے ہلاک پر کسی طرح باعث ہونا،

(۱۰) احرام میں یہ باتیں مکروہ ہیں:

بدن کا میل چھڑانا، بال یا بدن کھلی یا صابون وغیرہ بے خوشبو کی چیز سے دھونا، کنگھی کرنا، اس طرح کھجانا کہ بال ٹوٹے یا جوں گرے، انگرکھا، کُرتا یا چُغہ پہننے کی طرح کندھوں پر ڈالنا، خوشبوں کی دھونی دیا ہوا کپڑا کہ ابھی خوشبو دے رہا ہوں پہننا، اوڑھنا، قصداً خوشبو سونگھنا اگرچہ خوشبودار پھل یا پتہ ہو جیسے لیموں، نارنگی، پودینہ، عطردانہ، سر یا منہ پر پٹی باندھنا، غلاف کعبہ مکہ معظّمہ کے اندر اس طرح داخل ہونا کہ غلاف شریف سر یا منہ سے لگے، ناک وغیرہ منہ کا کوئی حصہ کپڑے سے چھپائے، یا کوئی ایسی چیز کھانا پینا جس میں خوشبو پڑی ہو اور نہ ہو پکائی گئی ہو نہ زائل ہو گئی ہو، بے سلا کپڑا رفو کیا یا پیوند لگا ہوا پہننا، تکیہ پر منہ رکھ کر

عــہ: لو حمل المحرم علی راسہ شیأ یلبسہ الناس یکون لابسا، وان کان لا یلبسہ الناس کالا جانۃ ونحوہ فلا[1] اھ ش عن النھر والخانیۃ منہ (م)

اگر محرم نے کئی ایسی شئی اٹھائی جسے لوگ پہنتے ہیں تو اب لباس پہننے والا سمجھا جائیگا، اور اگر لوگ اسے نہیں پہنتے مثلاً ٹب وغیرہ تو اب لابس نہ ہوگا، اھ ش نہر اور خانیہ کے حوالے سے ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲ /۱۷۶

اوندھنا لیٹنا، مہکتی خوشبو ہاتھ سے چھونا جبکہ ہاتھ میں نہ لگ جائے ورنہ حرام ہے، بازو یا گلے پر تعویز باندھا اگرچہ بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر، بلاعذر بدن عہ پر پٹی باندھنا، سنگھار کرنا، چادر اوڑھ کر اس کے آنچلوں میں گرہ دے لینا، تہبند باندھ کمر بند سے کسنا،

(۱۱) یہ باتیں احرام میں جائز ہیں:

انگرکھا، کُرتا، چغہ لپیٹ کر اوپر سے اس طرح ڈال لینا کہ سر اور منہ نہ چھپے، ان چیزوں یا پاجامہ کا تہبند باندھنا، ہمیانی یا پٹی باندھنا، بے میل چڑائے حمام کرنا، کسی چیز کے سائے میں بیٹھنا، چھتری لگانا، انگوٹھی پہننا، بے خوشبو کا سرمہ لگانا، فصد بغیر بال مونڈے، پچھنے لینا، آنکھ میں جو بال نکلے اسے جدا کرنا، سر یا بدن اس طرح کھجانا کہ بال نہ ٹوٹے، جوں نہ گرے، احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی اس کا لگا رہنا، پالتو جانور اونٹ، گائے، بکری، مرغی کا ذبح کرنا، پکانا، کھانا، اس کا دودھ دوہنا، انڈے توڑنا، بھوننا، کھانا، کھانے کے لیے مچھلی کا شکار کرنا، کسی دریائی جانور کا مارنا دوا یا غذا کے لیے نہ ہو، نری تفریح منظور ہو جس طرح لوگوں میں رائج ہے تو شکار دریا ہو یا جنگل خود ہی حرام ہے، اور احرام میں سخت تر حرام، منہ اور سر کا سوا کسی اور جگہ زخم پر پٹی باندھنا، سر یا گال کے نیچے تکیہ رکھنا، سر یا ناک پر اپنا یا دوسرے کا ہاتھ رکھنا، کان کپڑے سے چھپانا، ٹھوڑی سے نیچے داڑھی پر کپڑا آنا، سر پر سینی اور بوری اٹھانا، جس کھانے کے پکنے میں مشک وغیرہ پڑے ہوں اگرچہ خوشبو دیں یا بے پکائے جس میں خوشبو ڈالی اور وہ بو نہیں دیتی اس کا کھانا پینا، گھی یا چربی یا کڑوا تیل یا ناریل یا بادام یا کدو یا کاہو کا تیل کہ بسایا نہ ہو بدن یا بالوں میں لگانا، خوشبو کے رنگے کپڑے پہننا جبکہ ان کی خوشبو جاتی رہی ہو

عــہ: یکرہ تعصیب راسہ ولو عصبہ یوما او لیلا فعلیہ صدقۃ ولا شیئ علیہ لو عصب غیرہ من بدنہ لعلۃ او لغیر علۃ لکنہ یکرہ بلا علۃ [1] اھ فتح القدیر منہ (م)	اگر کسی نے سر پر یا ایڑی پر پٹی باندھی اگرچہ ایک دن یا رات ہو تو اس پر صدقہ ہوگا، اور اگر سر کے علاوہ جسم کے کسی اور حصہ پر پٹی باندھی خواہ کسی تکلیف کی وجہ سے تھی یا بلاوجہ، تو کوئی شیئ لازم نہ ہوگی، ہاں بلاوجہ باندھنا مکروہ ہوگا، اھ فتح القدیر ۱۲ منہ (ت)

[1] فتح القدیر باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۴۹

مگر کسم کیسر کا رنگ مرد کو ویسے ہی حرام ہے، دین کے لیے لڑنا جھگڑنا بلکہ حسب حاجت فرض وواجب ہے، جوتا پہننا جو پاؤں کے جوڑ کو نہ چھپائے، بے سلے کپڑے میں لپیٹ کر تعویز گلے میں ڈالنا، آئینہ دیکھنا، ایسی خوشبو کا چھونا جس میں فی الحال مہک نہیں جیسے اگر لوبان، صندل یا اس کا آنچل میں باندھنا، نکاح کرنا،

(۱۲) ان مسائل میں مرد وعورت برابر ہیں مگر عورت کو چند باتیں جائز ہیں: سر چھپانا، بلکہ نامحرم کے سامنے اور نماز میں فرض ہے توسر پر بستر بقچہ اٹھانا، بدرجہ اولٰی، گوند وغیرہ سے بال جمانا، سر وغیرہ پر پٹی خواہ بازو یا گلے پر تعویز باندھنا اگرچہ سی کر، غلافِ کعبہ کے اندر یوں داخل ہونا کہ سر پر رہے منہ پر نہ آئے، دستانے موزے سلے کپڑے پہننا، عورت اتنی آواز سے لبیک نہ کہے کہ نامحرم سنے، ہاں اتنی آواز ہر پڑھنے میں ہمیشہ سب کو ضرور ہے کہ اپنے کان تک آواز آئے،

تنبیہ: احرام میں منہ چھپانا عورت کو بھی حرام ہے، نامحرم کے آگے کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے۔

(۱۳) جو باتیں احرام میں ناجائز ہیں وہ اگر کسی عذر سے یا بھول کر ہوں توگناہ نہیں، مگر ان پر جو جرمانہ مقرر ہے ہر طرح دینا آئے گا اگرچہ بے قصد ہوں سہوًا یا جبرًا یا سوتے میں۔

(۱۴) وقت احرام سے رمی جمرہ تک (جس کا ذکر آئے گا) اکثر اوقات لبیک کی بے شمار کثرت رکھے خصوصًا چڑھائی پر چڑھتے اترتے، دو قافلوں کے ملتے، صبح وشام، پچھلی رات، پانچویں نمازوں کے بعد مرد باآواز کہیں مگر اتنی بلند کہ اپنے آپ یا دوسرے کو تکلیف نہ ہو،

(۱۵) جب حرم کے متصل پہنچے سر جھکائے، آنکھیں شرم گناہ سے نیچی کیے خشوع وخضوع سے داخل ہو، اور ہوسکے توپیادہ ننگے پاؤں اور لبیک ودعا کی کثرت رکھے، اور بہتر یہ کہ دن کو داخل ہو نہا کر،

(۱۶) مکہ مکرمہ کے گرداگرد کئی کوس کا جنگل ہے، ہر طرف اس کی حدیں بنی ہوئی ہیں ان حدوں کے اندر تر گھاس اکھاڑنا، خودرو پیڑ کا کاٹنا، وہاں عــہ کے وحشی جانوروں کو تکلیف دینا حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر سخت دھوپ ہو اور ایک ہی پیڑ ہے اس کے سایہ میں ہرن بیٹھا ہے تو جائز نہیں کہ اپنے بیٹھنے کے لیے اسے اٹھائے، اور اگر کوئی وحشی جانور بیرونِ حرم کا اس کے ہاتھ میں تھا اسے لیے ہوئے حرم میں داخل ہوگیا، اب وہ جانور حرم کا ہوگیا، فرض ہے کہ فورًا اسے آزاد کرے، مکہ معظّمہ میں جنگلی کبوتر بکثرت ہیں ہر مکان میں

عــہ: چیل، کوا، چوہا، چھپکلی، سانپ، بچھو، کھٹمل، مچھر، پسو وغیرہ خبیث اور موذی جانوروں کا قتل حرم میں بھی جائز ہے اور احرام میں بھی (م)

رہتے ہیں خبر دار ہر گز انھیں نہ اڑائے نہ ڈرائے نہ کوئی ایذا پہنچائے، بعض ادھر اُدھر کے لوگ جو مکے میں بسے کبوتروں کا ادب نہیں کرتے، ان کی ریس نہ کرے، مگر برا انھیں بھی نہ کہے، جب وہاں کے جانوروں کا ادب ہے تو مسلمانوں انسان کا کیا کہنا،

(۱۷) جب رب العالمین جل جلالہ، کا شہر نظر پڑے ٹھہر کر دعا مانگے اور درود شریف کی کثرت کرے اور افضل یہ ہے کہ نہا دھو کر داخل ہو اور مدفونین جنت المعلیٰ کے لیے فاتحہ پڑھے،

(۱۸) جب مدعٰی میں پہنچے جہاں کعبہ معظّمہ نظر آئے اللہ اکبر یہ عظیم قبول واجابت کا وقت ہے صدق دل سے اپنے اور تمام عزیزوں دوستوں مسلمانوں کے لیے مغفرت وعافیت مانگے، اور فقیر دعائے جامع عرض کرتا ہے درود شریف کی کثرت کرے اور اسے کم از کم تین بار پڑھیں،

عـــہ۱ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُكَ وَاَنَا عَبْدُكَ اَسْأَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَلِعَبْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا اِبْنِ نقی عَلِی اَللّٰھُمَّ اغْفِرْھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَانْصُرْہُ نَصْرًا عَزِیْزًا

پھر درود شریف پڑھیں۔

(۱۹) یونہی ذکر خدا اور رسول اور اپنے تمام مسلمانوں کے لیے دعائے فلاح دارین کرتا ہوا باب السلام تک پہنچے اور اس آستانہ پاک کو بوسہ دے کر داہنا پاؤں پہلے رکھ کر داخل ہو اور کہے:

عـــہ۲ بِسْمِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔

عـــہ۱: ترجمہ: الٰہی! یہ تیرا گھر ہے اور میں تیرا بندہ، الٰہی! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، گناہوں کی معافی اور دین و دنیا و آخرت میں ہر بلا سے محفوظی اپنے لیے اور اپنے ماں باپ اور سب مردوں عورتوں اور تیرے حقیر بندے احمد رضا خاں علی کے لیے، الٰہی! اس کی زبردست امداد فرما، آمین!

عـــہ۲: اللہ کے نام سے اور سب خوبیاں خدا کو اور رسول اللہ پر سلام، الٰہی درود بھیج ہمارے آقا محمد اور ان کی آل اور ان کی بیبیوں پر، الٰہی! میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ (م)

(۲۰) یہ دعاخوب یاد رکھے جب کبھی مسجد الحرام شریف خواہ مسجد میں داخل ہو اسی طرح جائے اور یہ دعا پڑھے، اور جب کسی مسجد سے باہر آئے پہلے بایاں پاؤں باہر رکھے اور یہی دعا پڑھے مگر اخیر میں رَحْمَتِكَ کی جگہ فَضْلِكَ کہے اور یہ لفظ اور بڑھائے: وَسَهِّلْ عہ آبْوَابَ رِزْقِكَ۔ اس کی برکات دین ودنیا میں بے شمار ہیں۔ والحمد للہ۔

فصل سوم طواف وسعی صفا ومروہ کا بیان

اب کہ مسجد الحرام میں داخل ہوا اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنتِ موکدہ کے فوت ہونے کا خوف نہ ہو، تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو، کعبہ شمع ہے اور تو پروانہ، دیکھتا نہیں کہ پروانہ شمع کے گرد کیسے قربان ہوتا ہے تو بھی اس شمع پر قربان ہونے کے لیے مستعد ہو جا، پہلے اس مقام کریم کا نقشہ دیکھے کہ جو بات کہی جائے خوب ذہن میں آجائے۔

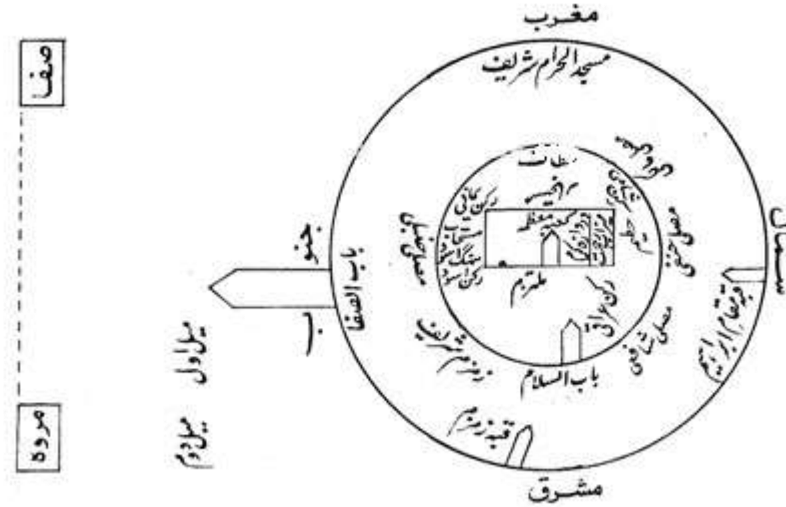

مسجد الحرام ایک گول وسیع احاطہ ہے، جس کے کنارے کنارے بہ کثرت دالان اور آنے جانے کے دروازے ہیں اور بیچ میں مطاف ایک گول دائرہ ہے جس میں سنگ مرمر بچھا ہے اس کے بیچ میں کعبہ معظّمہ ہے بنی صلی اللہ

عہ: اپنے رزق کے دروازوں میں آسانی فرما۔ (ت)

تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد الحرام اسی قدر تھی، اس کی حد پر باب السلام شرقی قدیم دروازہ واقع ہے، رکن مکان کا گوشہ جہاں اس کی دو دیواریں ملتی ہیں جسے زاویہ کہتے ہیں، اس طرح ا ______ ح ب اح، ح ب دونوں دیواریں مقام ح پر ملی ہیں۔ یہ رکن زاویہ ہے، کعبہ معظّمہ کے چار رکن ہیں، رکنِ اسود جنوب مشرق کے گوشہ میں، اسی میں زمین سے اونچا سنگ اسود شریف نصب ہے، رکن عراق مشرق وشمال کے گوشہ میں، دروازہ کعبہ انہی دونوں رکنوں کے بیچ کی شرقی دیوار میں زمین سے بہت بلند ہے۔ ملتزم اسی شرقی دیوار کا وہ ٹکڑا جو رکن اسود سے دروازہ کعبہ معظّمہ تک ہے، رکن شامی شمال مغرب کے گوشہ میں، میزاب رحمت، سونے کا پرنالہ رکن شامی وعراقی کے بیچ کی شمالی دیوار پر چھت میں نصب ہے، حطیم بھی اسی شمالی دیوار کی طرف ہے، یہ زمین عـــہ کعبہ معظّمہ ہی کی تھی، زمانہ جاہلیت میں جب قریش نے کعبہ از سرنو بنایا، کمی خرچ کے باعث اتنی زمین کعبہ معظّمہ سے باہر چھوڑدی، اس کے گرداگرد ایک قوسی انداز کی چھوٹی سی دیوار کھینچ دی اور دونوں طرف آمد ورفت کا دروازہ ہے۔ اور یہ مسلمانوں کی خوش نصیبی ہے اس میں داخل ہونا کعبہ معظّمہ ہی میں داخل ہونا ہے جو **بحمد اللہ تعالٰی** بے تکلیف نصیب ہوتا ہے، رکن یمانی غروب وجنوب کے گوشہ میں **مستجاب** رکن عراق ویمانی کے بیچ کی غربی دیوار کا وہ ٹکڑا جو ملتزم کے مقابل ہے، مستجاب رکن یمانی اور رکن اسود کے بیچ میں جو دیوار جنوبی ہے یہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہنے کے لیے مقرر ہیں، فقیر نے اس کا نام مستجاب رکھا، مقامِ ابراہیم دروازہ کعبہ کے سامنے ایک قبہ میں وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ بنایا تھا ان کے قدم پاک کا اس پر نشان ہوگیا جو اب تک موجود ہے اور جسے اللہ تعالٰی نے **آیات بینات** اللہ تعالٰی کی کھلی نشانیاں فرمایا۔ زمزم شریف کا قبہ اس سے جنوب کو مسجد شریف میں واقع ہے، **باب الصفا** مسجد شریف کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس سے نکل کر سامنے کوہ صفا ہے صفا کعبہ معظّمہ سے جنوب کو ایک پہاڑی تھی کہ زمین میں چھپ گئی ہے، اب وہاں قبلہ رخ ایک دالان بنادیا ہے اور چڑھنے کی سیڑھیاں۔ مروہ دوسری پہاڑی صفا سے پورب کو تھی، یہاں بھی قبلہ رخ دالان بنادیا ہے اور سیڑھیاں۔ صفا سے مروہ تک جو فاصلہ ہے اب یہاں بازار ہے۔ صفا سے چلتے ہوئے دہنے ہاتھ کو دکانیں اور بائیں ہاتھ کو احاطہ مسجد الحرام ہے۔ **میلین اخضرین** اس فاصلہ کے وسط میں دیوار حرم شریف میں دو سبز میل نصب ہیں، جیسے میل کے شروع میں پتھر لگا ہوتا ہے، **مسعی** وہ فاصلہ کہ ان دونوں میلوں کے بیچ میں ہے، یہ سب صورتیں رسالہ میں بار بار لکھ کر خوب ذہن نشین کر لیجئے کہ وہاں پہنچ کر پوچھنے کی حاجت

عـــہ: جنوباً شمالاً چھ ہاتھ کعبہ کی زمین ہے اور بعض کہتے ہیں سات ہاتھ اور بعض کا خیال ہے کہ سارا حطیم ہے۔ (م)

نہ ہو، ناواقف آدمی اندھے کی طرح کام کرتا ہے اور جو سمجھ لیا وہ انکھیارا ہے۔ اب اپنے رب عزوجل کا نام پاک لے کر طواف کیجئے۔

(۱) شروع طواف سے پہلے مرد اضطباع کرے یعنی چادر کی سیدھی جانب دہنی بغل کے نیچے سے نکالے کہ سیدھا شانہ کھلا رہے اور دونوں آنچل بائیں کندھے پر ڈال لے۔

(۲) اب رو بہ کعبہ حجر اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگ اسود کے قریب یوں کھڑے ہو کہ تمام پتھر اپنے سیدھے ہاتھ کو رہے۔ پھر طواف کی نیت کرو:

اللھم عـــہ **انی ارید طواف بیتك المحرم فیسرہ لی وتقبلہ منی۔**

(۳) اس نیت کے بعد کعبہ کو منہ کیے اپنی داہنی سمت چلو، جب سنگ اسود کے مقابل ہو (اور یہ بات ادنی حرکت میں حاصل ہو جائے گی) کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں حجر کی طرف رہیں اور کہو:

بسم عـــہ۲ **اللہ والحمد للہ واللہ اکبر ط والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ۔**[1]

(۴) میسر ہو سکے تو حجر اسود مطہر پر دونوں ہتھیلیاں اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ دو کہ آواز پیدا ہو سکے۔ تین بار ایسا ہی کرو، یہ نصیب ہو تو کمال سعادت ہے، یقیناً تمہارے محبوب و مولی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے بوسہ دیا اور روئے اقدس اس پر رکھا ہے زہے خوش نصیبی کہ تمہارا منہ وہاں تک پہنچے، اور ہجوم کے سبب نہ ہو سکے تو نہ اوروں کو ایذا دو اور نہ آپ دبو کچلو، بلکہ اس کے عوض ہاتھ سے اور ہاتھ نہ پہنچے تو لکڑی سے سنگ اسود مبارک چھو کر اسے چوم لو، اور یہ بھی نہ بن پڑے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے اسے بوسہ دے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منہ رکھنے کی جگہ پر نگاہ پڑ رہی ہے یہی کیا کم ہے!

(۵) **اللھم** عـــہ۳ **ایمانا بك واتباعا لسنۃ نبیك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[2]

عـــہ ۱: اے اللہ! میں تیرے مبارک و معزز گھر کا طواف کرنے لگا ہوں اسے میرے لیے آسان فرما اور اسے میری طرف سے قبول فرما۔ (ت)

عـــہ۲: اللہ کے نام سے، تمام حمد اللہ کے لیے، اللہ سب سے بڑا ہے اور صلٰوۃ وسلام ہو اللہ کے رسول پر (ت)

عـــہ۳: الٰہی تجھ پر ایمان لاکر اور تیرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کو یہ طواف کرتا ہوں ۱۲ منہ (م)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۹

[2] الاذکار امام نووی فصل فی اذکار الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۶۷

کہتے ہوئے در کعبہ تک بڑھو، جب حجر مبارک کے سامنے سے گزر جاؤ سیدھے ہو لو خانہ کعبہ کو اپنے بائیں ہاتھ پر لے کر یوں چلو کہ کسی کو ایذا نہ دو۔

(۶) مرد رمل کرتا چلے یعنی جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانے ہلاتا جیسے قوی و بہادر لوگ چلتے ہیں، نہ کودتا نہ دوڑتا، جہاں زیادہ ہجوم ہو جائے اور رمل میں اپنی یا غیر کی ایذا ہو اتنی دیر رمل ترک کرو۔

(۷) طواف میں جس قدر خانہ کعبہ سے نزدیک ہو بہتر ہے، مگر نہ اتنے کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں کثرت ہجوم کے سبب رمل نہ ہو سکے تو دوری بہتر ہے۔

(۸) جب ملتزم، پھر رکن عراقی، پھر میزاب الرحمۃ، پھر رکن شامی کے سامنے آؤ تو یہ سب دعا کے مواقع ہیں ان کے لیے خاص خاص دعائیں کہ جو جواہر البیان شریف میں مذکور ہیں سب کا یاد کرنا دشوار ہے اس سے وہ اختیار کرو جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سچے وعدے سے تمام دعاؤں سے بہتر و افضل ہیں یعنی یہاں اور تمام مواقع میں اپنے لیے دعا کے بدلے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا یکفی ھمك و یغفر لك ذنبك[1]۔ ایسا کرے گا تو اللہ تعالٰی تمھارے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمادے گا۔

(۹) طواف میں دعا و درود کے لیے رکو نہیں بلکہ چلتے میں پڑھو۔

(۱۰) دعا و درود چلا چلا کر نہ پڑھو جس طرح مطوف پڑھاتے ہیں بلکہ آہستہ اس قدر کہ اپنے کان تک آواز آئے۔

(۱۱) جب رکن یمانی کے پاس آؤ تو اسے دونوں ہاتھ یا دہنے ہاتھ سے تبرکاً چھوؤ، نہ صرف بائیں ہاتھ سے، اور چاہو تو اسے بوسہ بھی دو، اور نہ ہو سکے تو لکڑی سے چھونا یا اشارہ کرکے ہاتھ چومنا نہیں۔

(۱۲) جب اس سے بڑھو تو یہ مستجاب جہاں ستر ہزار فرشتے دعا پر آمین کہیں گے وہی دعائے جامع پڑھئے یا اپنے اور سب احباب و مسلمین اور اس حقیر و ذلیل کی نیت سے صرف درود شریف کافی ہے۔

(۱۳) اب جو دوبارہ حجر تک آئے یہ ایک پھیرا ہوا، یونہی سات پھیرے کرو، مگر باقی پھیروں میں وہ نیت کرنا نہیں کہ نیت تو ابتداء میں ہو چکی، اور رمل صرف اگلے تین پھیروں میں ہے، اور باقی چار میں آہستہ بے جنبش شانہ معمولی چال سے چلو۔

[1] الترغیب والترھیب الترغیب فی اکثار الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۰۵

(۱۴) جب ساتوں پھیرے ہو جائیں آخر میں پھر حجر کو بوسہ دو یا وہی طریقے ہاتھ یا لکڑی کے برتو،

(۱۵) بعد طواف مقام ابراہیم میں آکر آیہ کریمہ عــہ۱ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى[1] پڑھ کر دو رکعت طواف کہ واجب ہیں قُلْ یَا اور قُلْ ھُوَ اللہ سے پڑھو، اگر وقت کراہت مثلاً طلوع صبح سے بلندی آفتاب تک یا دوپہر یا نماز عصر کے بعد غروب تک نہ ہو ورنہ وقت نکل جانے پر بعد کو پڑھو، یہ رکعتیں پڑھ کر دعا مانگو، یہاں حدیث میں ایک دعا ارشاد ہوئی جس کے فائدوں کی عظمت اس سے کہنا ہی چاہتی ہے:

اَللّٰھُمَّ عــہ۲ اِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِیْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِیْ فَاَعْطِنِیْ سُؤْلِیْ وَتَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّهٗ لَایُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَارْضِیْ مِنَ الْمَعِیْشَةِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔[2]

حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ عزوجل فرماتا ہے جو یہ دعا کرے گا اس کی خطا بخش دوں گا، غم دور کروں گا، محتاجی سے نکالوں گا، ہر تاجر سے بڑھ کر اس کی تجارت رکھوں گا، دنیا ناچار و مجبور اس کے پاس آئے گی گو وہ اسے نہ چاہے۔

(۱۶) پھر ملتزم پر جاؤ اور قریب حجر اس سے لپٹو اور اپنا سینہ اور پیٹ اور کبھی دہنا رخسارہ کبھی بایاں رخسارہ اس پر رکھو اور دونوں ہاتھ سر سے اونچے کرکے دیوار پر پھیلاؤ، یا داہنا ہاتھ دروازے اور بایاں سنگِ اسود کی طرف، اور یہاں کی دعا یہ ہے:

عــہ۱: اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: الٰہی! تو میرا چھپا اور ظاہر سب جانتا ہے، تو میرا عذر قبول فرما اور میری حاجت تجھے معلوم ہے، تو میری مراد دے اور جو میرے دل میں ہے تو جانتا ہے، تو میرے گناہ بخش دے، الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں وہ ایمان جو میرے دل میں پیوست ہو جائے، اور سچا یقین کہ میں جانوں کہ مجھے وہی ملے گا جو تو نے میرے لیے لکھ دیا ہے اور میں اس معاش پر راضی ہوں جو تو نے مجھے نصیب کی ہے اے سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲/۱۲۵

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دار الکتاب العربی بیروت ص ۹۴

یَاوَاجِدُ عـــہ **یَامَاجِدُ لَاتَزِلْ عَنِّیْ نِعْمَۃً اَنْعَمْتَ بِھَاعَلَیَّ**[1]۔

حدیث میں فرمایا: میں جب چاہتا ہوں جبریل کو دیکھتا ہوں کہ ملتزم سے لپٹے ہوئے یہ دعا کررہے ہیں۔

(۱۷) پھر زمزم پر آؤ اور ہوسکے تو خواہ ایک ڈول کھینچو ورنہ بھرنے والوں سے لے لو اور کعبہ کو منہ کرکے تین سانسوں میں پیٹ بھر کے جتنا پیا جائے پیو، ہر بار بسم اللہ سے شروع اور الحمد للہ پر ختم، باقی بدن پر ڈال لو اور پیتے وقت دعا کرو کہ قبول ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: زمزم جس مراد سے پیا جائے اسی کے لیے ہے، یہاں وہی دعائے جامع پڑھو اور حاضری مکہ معظّمہ تک پینا تو بار بار نصیب ہوگا، قیامت کی پیاس سے بچنے لے لیے پیو، کبھی عذاب قبر سے محفوظی کو، کبھی محبتِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، کبھی وسعتِ رزق، کبھی شفائے امراض، کبھی حصول علم وغیرہا خاص مرادوں کے لیے پیو۔

(۱۸) وہاں جب پیو خوب پیٹ بھر کر پیو، حدیث میں ہے: ہم میں اور منافقوں میں یہ فرق ہے کہ وہ زمزم کوکھ بھر کر نہیں پیتے۔[2]

(۱۹) چاہ زمزم کے اندر بھی نظر کرو کہ بحکمِ حدیث دافع نفاق ہے۔[3]

(۲۰) اب اگر کوئی عذر تکان وغیرہ کا نہ ہو تو ابھی ورنہ آرام لے کر صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجر اسود کے پاس آؤ اور اسی طرح تکبیر وغیرہ کہہ کر چومو، اور نہ ہوسکے تو اس کی طرف منہ کرکے فوراً باب صفا سے جانب صفا روانہ ہو، دروازے سے پہلے بایاں پاؤں نکالو اور دہنا پہلے جوتے میں ڈالو، اور یہ ادب ہر مسجد سے باہر آتے ہمیشہ ملحوظ رکھو۔

(۲۱) ذکر ودرود میں مشغول صفا کی سیڑھیوں پر اتنا چڑھو کہ کعبہ معظّمہ نظر آئے اور یہ بات جہاں پہلی ہی سیڑھی سے حاصل ہے پھر رخ کعبہ ہو کر دونوں ہاتھ دعا کی طرح پہلے شانوں تک اٹھاؤ اور دیر تک تسبیح وتہلیل ودرود ودعا کرو کہ محلِ اجابت ہے، یہاں بھی دعائے جامع پڑھو، پھر اتر کر ذکر و

عـــہ: اے قدرت والے اے عزت والے مجھ سے زائل نہ کر جو نعمت تونے مجھے بخشی ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دارالکتاب العربی بیروت ص ۹۴

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ الشروع فی الطواف دارالکتاب العربی بیروت ص ۹۵

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل یستحب الاکثار من شرب ماء زمزم دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۲۹

درود میں مشغول مروہ کو چلو۔

(۲۲) جب پہلا میل آئے مرد دوڑنا شروع کریں (مگر نہ حد سے زائد نہ کسی کو ایذا دیتے) یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں، اس درمیان میں سب دعا بہ کوشش تمام کرو۔ یہاں کی دعا یہ ہے:

رَبِّ عــہ۱ اغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ [1]۔

(۲۳) دوسرے میل سے نکل کر پھر آہستہ ہولو یہاں تک کہ مروہ پہنچو، یہاں پہلی سیڑھی چڑھنے بلکہ اس کے قریب کھڑے ہونے سے مروہ پر صعود مل جاتا ہے، یہاں اگرچہ عمارتیں بن جانے سے کعبہ نظر نہیں آتا مگر روبہ کعبہ ہو کر جیسا صفا پر کیا تھا کرو، یہ ایک پھیرا ہوا۔

(۲۴) پھر صفا کو جاؤ پھر آؤ، یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو، ہر پھیرے میں اسی طرح کریں، اس کا نام سعی ہے۔ واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعال طواف وسعی کا نام ہے، قِران وتمتع والے کے لیے بھی یہی عمرہ ہوگیا اور افراد والے کے لیے یہ طواف قدوم ہوا یعنی حاضری دربار کا مجرا۔

(۲۵) قران یعنی جس نے قِران کیا ہے اس کے بعد طواف قدوم کی نیت سے ایک طواف وسعی اور بجالائے۔

(۲۶) قارن اور مفرد جن نے افراد کیا تھا لبیک کہتے ہوئے احرام کے ساتھ مکہ میں ٹھہریں، ان کی لبیك دسویں تاریخ رمی جمرہ کے وقت ختم ہوگی، جبھی احرام سے نکلیں گے جس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آتا ہے، مگر متمتع جس نے تمتع کیا تھا وہ اور معتمر یعنی نرا عمرہ کرنے والا شروع طواف کعبہ معظّمہ سے سنگ اسود شریف کا پہلا بوسہ لیتے ہی لبیک چھوڑدیں اور طواف وسعی مذکور کے بعد حلق کریں یعنی مرد سارا سر منڈادیں یا تقصیر یعنی مرد وعورت بال کتروائیں اور احرام عــہ۲ سے باہر آئیں، پھر متمتع چاہے تو آٹھویں ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد حج کا احرام باندھ لے، اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں یہ

عــہ۱: اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما تو ہی سب سے زیادہ عزت والا سب سے بڑھ کر کرم والا ۱۲ (م)

عــہ۲: کبھی احرام کے ساتھ ہی منٰی میں قربانی کے لیے جانور ہمراہ لیتے ہیں اسے سوق ہدی کہتے ہیں، اگر کسی متمتع نے ایسا احرام باندھا تو اب عمرہ کے بعد احرام کھولنا جائز ہوگا بلکہ قارن کی طرح احرام میں رہے اور لبیک کہہ کر یہاں تک کہ دسویں کو رمی کے ساتھ لبیک چھوڑے، پھر قربانی کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام سے باہر آئے ۱۲ منہ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب السعی بین الصفا والمروۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۱۷

قیدیں نہ نبھیں گی۔

تنبیہ: طواف قدوم میں اضطباع و رمل اور اس کے بعد صفا و مروہ میں سعی ضرور نہیں، مگر اب نہ کرے گا تو طواف الزیارت میں کہ حج کا طواف فرض ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آتا ہے، یہ سب کام کرنے ہوں گے، اور اس وقت ہجوم بہت ہوتا ہے عجب نہیں کہ طواف میں رمل اور مسعی میں دوڑنا نہ ہوسکے اور اس وقت ہوچکا تو طواف میں ان کی حاجت نہ ہوگی، لہٰذا ہم نے ان کو مطلقًا داخل ترکیب کردیا۔

(۲۷) مفرد و قارن توحج کے رمل و سعی سے طواف قدوم میں فارغ ہولیے مگر متمتع نے جو طواف و سعی کیے وہ عمرہ کے تھے، حج کے رمل و سعی اس سے ادا نہ ہوئے اور اس پر طواف قدوم ہے نہیں کہ قارن کی طرح اس میں یہ امور کرکے فراغت پالے، لہٰذا اگر وہ بھی پہلے سے فارغ ہولینا چاہے تو جب حج کا احرام باندھے گا اس کے بعد ایک نفل طواف میں رمل و سعی کرے اب اسے طواف الزیارت میں ان کی حاجت نہ ہوگی،

(۲۸) اب یہ سب حجاج، قارن، متمتع، مفرد، کوئی ہو، کہ منٰی جانے کے لیے مکہ معظّمہ میں آٹھویں تاریخ کا انتظار کر رہے ہیں، ایام اقامت میں جس قدر ہوسکے نرا طواف بے اضطباع و رمل و سعی کرتے رہیں، باہر والوں کے لیے یہ سب سے بہتر عبادت ہے اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں دو رکعت پڑھیں۔

(۲۹) اب خواہ منٰی سے واپسی پر جب کبھی رات میں جتنی بار کعبہ معظّمہ پر نظر پڑے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاللهُ اَكْبَرُ تین تین بار کہیں اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجیں، دعا کریں کہ یہ وقت قبول ہے،

(۳۰) طواف اگرچہ نفل ہو اس میں یہ باتیں حرام ہیں:

بے وضو طواف کرنا، کوئی عضو جو ستر میں داخل ہے اس کا چہارم کھُلا ہونا مثلًا ران یا آزاد عورت کا کان، بے مجبوری سواری پر یا کسی کی گود میں یا کندھوں پر طواف کرنا، بلا عذر بیٹھ کر سرکنا یا گھٹنوں چلنا، کعبہ کو داہنے ہاتھ پر لے کر الٹا طواف کرنا، طواف میں حطیم کے اندر ہو کر گزرنا، سات پھیروں سے کم کرنا۔

(۳۱) یہ باتیں طواف میں مکروہ ہیں:

[۱] فضول بات کرنا، [۲] بیچنا، [۳] خریدنا، [۴] حمد و نعت و منقبت کے سوا کوئی شعر پڑھنا [۵] ذکر یا دعا یا تلاوت یا کوئی کلام بلند آواز سے کرنا۔ [۶] ناپاک کپڑے میں طواف کرنا، [۷] رمل یا اضطباع یا بوسہ سنگِ اسود جہاں جہاں ان کا حکم ہے ترک کرنا، [۸] طواف کے پھیروں میں زیادہ فاصلہ دینا یعنی کچھ پھیرے کرلیے پھر دیر تک ٹھہر گئے یا اور [۹] کسی کام میں لگ گئے، باقی پھیرے بعد کو کیے مگر وضو جاتا رہا تو کر آئے یا [۱۰] جماعت قائم ہوئی اور اس نے نماز ابھی نہ پڑھی ہو تو شریک ہوجائے بلکہ جنازہ کی جماعت میں بھی طواف چھوڑ کر مل سکتا ہے، باقی جہاں سے چھوڑا تھا

آکر پورا کرے، [۱۱] یونہی پیشاب پاخانہ کی ضرورت ہو تو چلا جائے وضو کرکے باقی پورا کرے، [۱۲] ایک طواف کے بعد جب تک اس کی رکعتیں نہ پڑھ لیں دوسرا طواف شروع کر دینا مگر کراہت نماز کا وقت ہو جیسے صبح صادق سے طلوع آفتاب یا نماز عصر پڑھنے کے بعد سے غروب آفتاب تک کہ اس میں متعدد طواف بے فصل نماز جائز ہیں، وقت کراہت نکل جائے تو ہر طواف کے لیے دو رکعت ادا کرے، [۱۳] خطبہ امام کے وقت طواف کرنا، ہاں اگر خود پہلی جماعت میں پڑھ چکا تو باقی جماعتوں کے وقت طواف کرنے میں حرج نہیں اور نمازیوں کے سامنے سے گزر سکتا ہے کہ [۱۴] طواف بھی مثل نماز ہی ہے، طواف میں کچھ کھانا، [۱۵] پیشاب یا پاخانہ یا ریح کے تقاضے میں طواف کرنا،

(۳۲) یہ باتیں طواف وسعی دونوں میں مباح ہیں:

[۱] سلام کرنا، [۲] جواب دینا، [۳] پانی پینا، [۴] حمد ونعت ومنقبت کے اشعار آہستہ پڑھنا، اور [۵] سعی میں کھانا کھا سکتا ہے۔ [۶] حاجت کے لیے کلام کرنا، [۷] فتوٰی پوچھنا، فتوٰی دینا۔

(۳۳) طواف کی طرح سعی بھی بلاضرورت سوار ہو کر یا بیٹھ کر ناجائز وگناہ ہے۔

(۳۴) سعی میں دو باتیں مکروہ ہیں:

[۱] بے حاجت اس کے پھیروں میں زیادہ فصل دینا مگر جماعت قائم ہو تو چلا جائے، یونہی شرکتِ جنازہ یا قضائے حاجت یا تجدید وضو کو اگرچہ سعی میں ضرور نہیں، [۲] خرید و [۳] فروخت، [۴] فضول کلام، [۵] صفا یا مروہ پر نہ چڑھنا، [۶] مرد کا مسعی میں بلاعذر نہ دوڑنا، [۷] طواف کے بعد بہت تاخیر کرکے سعی کرنا، [۸] ستر عورت نہ ہونا، [۹] پریشان نظری یعنی ادھر اُدھر فضول دیکھنا سعی میں بھی مکروہ ہے اور طواف میں اور زیادہ مکروہ۔

مسئلہ: بے وضو بھی سعی میں کوئی حرج نہیں، ہاں باوضو مستحب ہے،

(۳۵) طواف وسعی کے سب مسائل مذکورہ میں عورتیں بھی شامل ہیں مگر [۱] اضطباع، [۲] رمل، [۳] سعی میں دوڑنا ان کے لیے نہیں، [۴] مزاحمت کے ساتھ بوسہ سنگ اسود یا [۵] مس رکن یمانی یا [۶] قرب کعبہ یا [۷] زمزم کے اندر نظر یا [۸] خود پانی بھرنے کی کوشش نہ کریں، یہ باتیں یوں مل سکیں کہ نامحرم سے بدن نہ چھوئے تو خیر ورنہ الگ تھلگ رہنا اس کے لیے سب سے بہتر ہے۔

فصل چہارم منٰی کی روانگی اور عرفہ کا وقوف

(۱) ساتویں تاریخ مسجد حرام میں بعد نماز ظہر امام خطبہ پڑھے گا اسے سنو۔

(۲) یوم الترویہ کہ آٹھ تاریخ کا نام ہے جس نے احرام نہ باندھا ہو یا باندھ لے اور ایک نفل طواف میں رمل وسعی جیسا کہ اوپر گزرا۔

(۳) جب آفتاب نکل آئے منٰی کو چلو اور ہوسکے تو پیادہ کہ جب تک مکہ معظّمہ پلٹ کر آؤ گے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جائیں گی، سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب، یہ نیکیاں تخمیناً ۷۸ کھرب ۴۰ ارب ہوتی ہیں، اور اللہ کا فضل اس نبی کے صدقہ میں اس امت پر بے شمار ہے جل وعلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، والحمد للہ رب العالمین۔

(۴) راستے بھر لبیك و دعا اور درود وثنا کی کثرت کرو۔

(۵) جب منٰی نظر آئے کہو: اَللّٰھُمَّ عـــہ ھٰذِہٖ مِنًی فَامْنُنْ عَلَیَّ بِمَامَنَنْتَ بِہٖ عَلٰی اَوْلِیَائِكَ[1]۔

(٦) یہاں رات کو ٹھہرو، آج ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں مسجد خیف میں پڑھو، آج کل بعض مطوفوں نے یہ نکالی ہے کہ آٹھویں کو منٰی نہیں ٹھہرتے سیدھے عرفات پہنچتے ہیں، ان کی نہ مانے اور اس سنتِ عظیمہ کو ہر گز نہ چھوڑے، قافلہ کے اصرار سے ان کو بھی مجبور ہونا پڑے گا۔

(۷) شب عرفہ منٰی میں ذکر وعبادت سے جاگ کر صبح کرو، سونے کے بہت دن پڑے ہیں، اور نہ ہو تو کم از کم عشاء و صبح تو جماعت اولٰی سے پڑھو کہ شب بیداری کا ثواب ملے گا، اور باوضو سوؤ کہ روح عرش تک بلند ہوگی۔

(۸) صبح تک مستحب وقت نماز پڑھ کر لبیک وذکر ودرود میں مشغول رہو یہاں تک کہ آفتاب کوہ ثبیر پر کہ مسجد خیف شریف کے سامنے ہے چمکے، اب عرفات کو چلو، دل کو خیال غیر سے پاک کرنے میں کوشش کرو کہ آج وہ دن ہے کہ کچھ کا حج قبول کریں گے اور کچھ ان کے صدقے بخش دیں گے، محروم ہو جو آج محروم رہا، وسوسے آئیں تو ان سے لڑائی نہ باندھو کہ یوں بھی دشمن کا مطلب حاصل ہے وہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اور خیال میں لگ جاؤ، لڑائی باندھی جائے جب بھی تو اور خیال پڑے، بلکہ ان کی طرف دھیان ہی نہ کرو، یہ سمجھ لو کہ کوئی اور وجود ہے جو ایسے خیالات لارہا ہے مجھے اپنے رب سے کام ہے یوں ان شاء اللہ وہ مردود وناکام واپس جائے گا۔

(۹) راستے بھر ذکر ودرود میں بسر کرو، بے ضرورت کچھ بات نہ کرو، لبیک کی بار بار کثرت کرتے چلو۔

(۱۰) جب نگاہ جبل رحمت پر پڑے ان امور میں اور زیادہ کوشش کرو کہ ان شاء اللہ تعالٰی وقت قبول ہے۔

عـــہ: الٰہی! یہ منٰی ہے تو مجھ پر وہ احسان کر جو تو نے اپنے دوستوں پر کئے ۱۲ منہ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فاذاکان الیوم الثانی الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۱) عرفات میں اس کوہ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترو۔

(۱۲) آج کے ہجوم میں کہ لاکھوں آدمی، ہزاروں ڈیرے خیمے ہوتے ہیں، اپنے ڈیرے سے جا کر واپسی میں اس کا ملنا دشوار ہوتا ہے اس لیے پہچان کا نشان قائم کر کہ دور سے نظر آئے۔

(۱۳) مستورات ساتھ ہوں تو ان کے برقعہ پر کوئی خاص کپڑا علامت چمکتے رنگ کا لگادو کہ دور سے دیکھ کر تمیز کر سکو اور دل میں تشویش نہ رہے۔

(۱۴) دوپہر تک زیادہ وقت اللہ کے حضور زاری اور باخلاص نیت حسب استطاعت تصدق وخیرات وذکر و لبیک ودرود ودعا واستغفار وکلمہ توحید میں مشغول رہو، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے بہتر وہ چیز جو آج کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے کہی یہ ہے:

لَا[عـہ] اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ لَہُ الْمُلْكُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ط وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ ط بِیَدِہِ الْخَیْرِ ط وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر[1]۔

(۱۵) دوپہر سے پہلے کھانے پینے وغیرہ ضروریات سے فارغ ہولو کہ دل کسی طرف لگانہ رہے، آج کے دن جیسے حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف ہوگا، یونہی پیٹ بھر کر کھانا سخت ضرر اور غفلت وکسل کا باعث ہے، تین روٹی کی بھوک والا ایک ہی کھائے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو ہمیشہ کے لیے یہی حکم دیا ہے، اور خود دنیا سے تشریف لے گئے اور جو کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہ کھائی حالانکہ اللہ کے حکم سے تمام جہان اختیار میں تھا اور ہے، اور اگر انوار وبرکات لینا چاہو تو صرف آج بلکہ حرمین شریفین میں جب تک حاضر ہو تہائی پیٹ سے زیادہ ہرگز نہ کھاؤ، مانوگے تو اس کا فائدہ، نہ مانوگے تو اس کا نقصان آنکھوں سے دیکھ لوگے، ہفتہ بھر اس پر عمل کر کے تو دیکھو، اگلی حالت سے فرق نہ پاؤ جبھی کہنا جی بچے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں، یہاں تو نور وذوق کے لیے جگہ خالی رکھو۔

بھرا تن دوبارہ کیا بھرے گا

عـہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ ایک اکیلا، اس کا کوئی ساجھی نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے سب خوبیاں، وہی جلائے وہ مارے، اور وہ زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، سب بھلائیاں اسی کے قبضہ میں ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے ۱۲ (م)

---

[1] کتاب ادعیۃ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فی التوجہ الی العرفات دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۶) جب دوپہر قریب آئے نہاؤ کہ سنتِ موکدہ ہے اور نہ ہوسکے تو صرف وضو۔

(۱۷) دوپہر ڈھلتے ہی بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے بقریب جگہ ملے مسجد نمرہ جاؤ سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھو، بیچ میں سلام وقیام تو کیا معنی سنتیں بھی نہ پڑھو، اور بعد عصر بھی نفل نہیں، یہ ظہر و عصر ملا کر پڑھنا جبھی جائز ہے کہ نماز یا تو سلطان خود پڑھائے یا وہ جو حج میں اس کا نائب ہو کر آتا ہے، جس نے ظہر اکیلے یا اپنی خاص جماعت سے پڑھی اسے وقت سے پہلے عصر پڑھنا حلال نہ ہوگا، اور جس حکمت کے لیے شرع نے یہاں ظہر کے ساتھ عصر ملانے کا حکم فرمایا ہے یعنی غروب آفتاب تک دعا کے لیے وقت خالی ملتا ہے وہ جاتی رہے گی،

(۱۸) خیال کرو جب شرع کو یہ وقت دعا کے لیے فارغ کرنے کا اس قدر اہتمام ہے تو اس وقت اور کام میں مشغولی کس قدر بیہودہ ہے، بعض احمقوں کو دیکھا ہے کہ امام تو نماز میں ہے یا نماز پڑھ کر موقف عـــہ۱ کو گیا اور وہ کھانے پینے حقے چائے اڑانے میں مصروف ہیں خبردار ایسا نہ کرو، امام کے ساتھ نماز پڑھتے ہی فورًا موقف کو روانہ ہو جاؤ، اور ممکن ہو تو اونٹ پر کہ سنت بھی ہے اور ہجوم میں دبنے کچلنے سے محافظت بھی۔

(۱۹) بعض مطوف اس مجمع میں جانے سے منع کرتے ہیں اور طرح طرح سے ڈراتے ہیں ان کی نہ سنو کہ وہ خاص نزول رحمت عام کی جگہ ہے، ہاں عورات اور کمزور مرد یہیں کھڑے ہوئے دعا میں شامل ہوں کہ بطن عرنہ عـــہ۲ کے سوا یہ سارا میدان موقف ہے اور یہ لوگ بھی تصور یہی کریں کہ ہم اس مجمع میں حاضر ہیں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ نہ سمجھیں، اس مجمع میں یقینا بکثرت اولیاء بلکہ الیاس وخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی اللہ موجود ہیں، یہ تصور کریں کہ انوار و برکات جو اس مجمع میں ان پر اتر رہے ہیں ان کا صدقہ ہم بھکاریوں کو بھی پہنچتا ہے، یوں الگ ہو کر بھی شامل رہیں گے، اور جس سے ہوسکے تو وہاں کی حاضری چھوڑنے کی چیز نہیں۔

(۲۰) افضل یہ ہے کہ امام سے نزدیک جبل رحمت کے قریب جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے روبقبلہ پس پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں اور جس طرح ہوسکے وقوف عـــہ۳ کرو۔ امام کی دہنی جانب اور بائیں روبرو سے افضل ہے، یہ وقوف ہی حج کی جان اور اس کا بڑا رکن ہے۔

عـــہ۱: وہ جگہ کہ نماز کے بعد سے غروب آفتاب تک وہاں کھڑے ہو کر ذکر ودعا کا حکم ہے۔ (م)

عـــہ۲: بطن عرنہ عرفات میں حرم کے نالوں میں سے ایک نالہ ہے مسجد نمرہ کے مغرب یعنی مکہ معظّمہ کی طرف وہاں موقف محض ناجائز ہے۔ (م)

عـــہ۳: وہاں ذکر ودعا کے لیے کھڑا ہونا۔ (م)

(۲۱) بعض جاہل یہ حرکت کرتے ہیں کہ پہاڑ پر چڑھ جاتے ہیں اور وہاں کھڑے رومال ہلاتے رہتے ہیں اس سے بچو اور ان کی طرف بھی برا خیال نہ کرو، یہ وقت اوروں کے عیب دیکھنے کا نہیں اپنے عیبوں پر شرمساری اور گریہ وزاری کا ہے۔

(۲۲) اب وہ کہ یہاں ہیں اور کہ ڈیروں میں ہیں سب ہمہ تن صدق دل سے اپنے کریم مہربان رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور میدان قیامت میں حساب اعمال کے لیے اس کے حضور حاضری کا تصور کرو، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ لرزتے، کانپتے، ڈرتے، امید کرتے، آنکھیں بند کیے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف سر سے اونچے پھیلاؤ، تکبیر، تہلیل، تسبیح، لبیک، حمد، ذکر، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جاؤ، کوشش کرو کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت وسعادت ہے ورنہ رونے کا سامنہ بناؤ کہ اچھوں کی صورت بھی اچھی، اثنائے دعا وذکر میں لبیك کی بار بار تکرار کرو۔ آج کے دن کی دعائیں بہت منقول ہیں، اور دعائے جامع کہ اوپر گزری کافی ہے، چند بار اسے کہہ لو، اور سب سے بہتر یہ ہے کہ سارا وقت درود، ذکر، تلاوت قرآن میں گزارو کہ بوعدہ حدیث دعا والوں سے زیادہ پاؤگے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑو، غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے توسل کرو، اپنے گناہ اور اس کی قہاری یاد کرو بید کی طرح لرزو اور یقین جانو کہ اس کی مار سے اسی کے پاس پناہ ہے۔ اس سے بھاگ کر کہیں جانہیں سکتے، اس کے در کے سوا کہیں ٹھکانا نہیں، لہٰذا ان شفیعوں کا دامن لیے اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگو اور اسی حالت میں رہو کہ کبھی اس کی رحمتِ عام کی امید سے مرجھایا دل نہال ہوا جاتا ہے اور یونہی تضرع وزاری میں رہو یہاں تک کہ آفتاب ڈوب جائے اور رات کا لطیف جزآ جائے اس سے پہلے کوچ منع ہے، بعض جلد باز دن ہی سے چل دیتے ہیں ان کا ساتھ نہ دو۔ غروب تک ٹھہرنے کی ضرورت نہ ہوتی تو عصر ظہر سے ملا کر پڑھنے کا حکم کیوں ہوتا، اور کیا معلوم کہ رحمت الٰہی کس وقت توجہ فرمائے، اگر تمھارے چل دینے کے بعد اتری تو معاذاللہ کیسا خسارہ ہے، اور اگر غروب سے پہلے حدود عرفات سے نکل گئے جب تو پورا جرم ہے اور جرمانے میں قربانی دینی آئے گی، بعض مطوّف یوں ڈراتے ہیں کہ رات میں خطرہ ہے یہ دو ایک کے لیے ٹھیک ہے اور جب قافلہ کا قافلہ ٹھہرے گا تو ان شاء اللہ کچھ اندیشہ نہیں۔

(۲۳) ایک ادب واجب الحفظ اس روز کا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین کرے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا، اب کوشش کروں کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور جو داغ اللہ تعالٰی نے بمحض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے،

(۲۴) یہاں یہ باتیں مکروہ ہیں۔ غروب آفتاب سے پہلے وقوف چھوڑ کر روانگی جب کہ غروب تک

حدود عرفات سے باہر نہ ہو جائے ورنہ حرام ہے۔ نماز ظہر و عصر ملانے کے بعد موقف کو جانے میں دیر اس وقت سے غروب تک کھانے پینے یا توجہ بخدا کسی کام میں مشغول ہونا، کوئی دنیوی بات کرنا، غروب پر یقین ہو جانے کے بعد روانگی میں تاخیر کرنا، مغرب یا عشاء عرفات میں پڑھنا۔

تنبیہ: موقوف میں چھتری لگانے یا کسی طرح سایہ چاہنے سے حتی المقدور بچو، ہاں جو مجبور ہے معذور ہے،

تنبیہ ضروری، اشد ضروری

بد نگاہی ہمیشہ حرام ہے نہ کہ احرام میں نہ کہ موقف میں، یا مسجد الحرام میں نہ کہ کعبہ معظّمہ کے سامنے نہ کہ طواف، بیت الحرام میں، یہ تمھارے بہت امتحان کا موقعہ ہے۔ عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ یہاں منہ نہ چھپاؤ اور تمھیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی طرف نگاہ نہ کرو، یقین جانو کہ یہ بڑے عزت والے بادشاہ کی باندیاں ہیں اور اس وقت تم اور وہ سب خاص دربار میں حاضر ہو کر بلاتشبیہ شیر کا بچہ اس کی بغل میں ہو اس وقت کون اس کی طرف نگاہ اٹھا سکتا ہے، تو اللہ تعالٰی واحد قہار کی کنیزیں کہ اس کے خاص دربار میں حاضر ہیں ان پر بد نگاہی کس قدر سخت ہوگی وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ط (اور اللہ تعالٰی ہی کی شان سب سے بلند ہے) ہاں ہاں ہوشیار، ایمان بچائے ہوئے، قلب و نگاہ سنبھالے ہوئے، حرم وہ جگہ ہے جہاں گناہ کے ارادے پر پکڑا جاتا ہے اور ایک گناہ لاکھ گناہ کے برابر ٹھہرتا ہے، الٰہی! خیر کی توفیق دے۔ آمین!

فصل پنجم منیٰ و مزدلفہ و باقی افعال حج

(۱) جب غروب آفتاب کا یقین ہو جائے فوراً مزدلفہ کو چلو، اور امام کا ساتھ افضل ہے مگر وہ دیر کرے تو اس کا انتظار نہ کرو۔

(۲) راستے بھر ذکر، درود دعا لبیک وزاری وبکا میں مصروف رہو۔

(۳) راستہ میں جہاں گنجائش پاؤ اور اپنی یا دوسرے کی ایذا کا احتمال نہ ہو تو اتنی دیر اتنی دور تیز چلو، پیادہ ہو خواہ سوار۔

(۴) جب مزدلفہ نظر آئے بشرط قدرت پیادہ ہو لینا بہتر ہے اور نہا کر داخل ہونا افضل ہے۔

(۵) وہاں پہنچ کر حتی الامکان جبل قزح کے پاس راستے سے بچ کر اترو ورنہ جہاں جگہ ملے۔

(۶) غالباً وہاں پہنچتے پہنچتے شفق ڈوب جائے گی، مغرب کا وقت نکل جائے گا، اونٹ کھولنے،

اسباب اتارنے سے پہلے امام کے ساتھ مغرب وعشاء پڑھو، اور اگر وقت باقی رہے جب بھی ابھی مغرب ہر گز نہ پڑھو نہ راہ میں کہ اس دن یہاں نماز مغرب وقت مغرب میں پڑھنا گناہ ہے اگر پڑھ لوگے عشاء کے وقت پھر پڑھنی ہوگی، غرض یہاں پہنچ کر مغرب وعشاء میں بہ نیت ادا نہ کہ بہ نیت قضاء حتی الامکان امام کے ساتھ پڑھو، اس کا سلام ہوتے ہی معاً عشاء کی جماعت ہوگی، عشاء کے فرض پڑھو، اس کے بعد مغرب وعشا کی سنتیں اور وتر پڑھو، اگر امام کے ساتھ نماز مل سکے تو اپنی جماعت کرلو اور نہ ہوسکے تو تنہا پڑھو۔

(۷) باقی رات ذکر لبیک ودرود ودعا میں گزار و کہ یہ بہت افضل جگہ ہے اور بہت افضل رات ہے زندگی ہو تو اور سونے کو بہت سی راتیں ملیں گی اور یہاں یہ رات خدا جانے دوبارہ کیسے ملے اور نہ ہوسکے تو خیر باطہارت سو رہو کہ فضول باتوں سے سونا بہتر ہے اور اتنے پہلے اٹھ کر صبح چمکنے سے پہلے ضروریات وطہارت سے فارغ ہولو، آج نماز صبح بہت اندھیرے سے پڑھی جائے گی، کوشش کرو کہ جماعت امام بلکہ پہلی تکبیر فوت نہ ہو کہ عشاء وصبح جماعت سے پڑھنے والا پوری شب بیداری کا ثواب پاتا ہے۔

(۸) اب دربارہ اعظم کی دوسری حاضری کا وقت آیا۔ ہاں ہاں کرم کے دروازے کھولے گئے ہیں کل عرفات میں حقوق اللہ معاف، یہاں حقوق العباد معاف فرمانے کا وعدہ ہے۔ مشعر الحرام میں یعنی خاص پہاڑی پر اور جگہ نہ ملے تو اس کے دامن میں، اور نہ ہوسکے تو وادیِ محسر کے سوا جہاں گنجائش پاؤ وقوف کرو اور تمام باتیں کہ وقوف عرفات میں مذکور ہوئیں ملحوظ رکھو۔

(۹) جب طلوع آفتاب میں دو رکعت پڑھنے کا وقت رہ جائے امام کے ساتھ منیٰ کو چلو اور یہاں سے ساتھ چھوٹی چھوٹی کنکریاں دانہ خرما کے برابر پاک جگہ سے اٹھا کر تین بار دھولو کسی پتھر کو توڑ کر کنکریاں نہ بناؤ۔

(۱۰) راستے بھر بدستور ذکر ودعا ودرود وبکثرت لبیک میں مشغول رہو۔

(۱۱) جب وادی محسر [عہ۱] پہنچو پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلدی تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ: اَللّٰھُمَّ [عہ۲] لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَاتُھْلِكْنَا بِعَذَابِكَ

عہ۱: یہ منیٰ مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک ہے یہاں اصحاب الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر عذاب ابابیل اترا تھا اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہئے ۱۲ منہ (م)

عہ۲: الٰہی! اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔ ۱۲ منہ (م)

وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ[1]۔

(۱۲) جب منٰی نظر آئے وہی دعا[2] پڑھو جو مکہ سے آتے منٰی کو دیکھ کر پڑھی تھی۔

(۱۳) جب منٰی پہنچو سب کاموں سے پہلے جمرۃ العقبہ عـــہ۱ کو جاؤ جو ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظّمہ سے پہلے نالے کے وسط میں، سواری پر جمرے سے پانچ ہاتھ ہٹے ہوئے یوں کھڑے ہو کہ منٰی داہنے ہاتھ پر اور کعبہ بائیں کو اور جمرہ کی طرف منہ ہو، سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ اٹھا کر کہ سپیدی بغل ظاہر ہو ہر ایک پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر مارو۔ بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین ہاتھ کے فاصلے پر گریں۔ اس سے زیادہ فاصلے پر گری تو وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی۔ پہلی کنکری سے لبیك موقوف کرو۔

(۱۴) جب سات پوری ہو جائیں وہاں نہ ٹھہرو، فوراً ذکر کرو، دعا کرتے پلٹ آؤ۔

(۱۵) اب قربانی میں مشغول ہو، یہ وہ قربانی نہیں جو عید میں ہوتی ہے کہ وہ تو مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگر چہ حج میں ہو بلکہ یہ حج کا شکرانہ ہے۔ قارن و متمتع پر واجب اگرچہ فقیر ہو۔ اور مفرد کے لیے مستحب اگرچہ غنی ہو، جانور کی عمر اعضاء میں وہی شرطیں ہیں جو عید کی قربانی میں۔

(۱۶) ذبح کرنا آتا ہو تو آپ ذبح کرو کہ سنت ہے ورنہ وقت ذبح حاضر رہو۔

(۱۷) روبقبلہ لٹا کر خود بھی روبقبلہ رہو اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت تیز چھری سے بہت جلد اتنی پھیرو کہ چاروں رگیں کٹ جائیں، زیادہ ہاتھ نہ بڑھاؤ کہ بے سبب کی تکلیف ہے۔

عـــہ ۱: منٰی اور مکہ کے بیچ میں تین ستون بنے ہوئے ہیں ان کو جمرہ کہتے ہیں، پہلا جو منٰی سے قریب ہے جمرہ اولٰی کہلاتا ہے اور بیچ کا جمرہ وسطٰی اور اخیر کا مکہ معظّمہ سے قریب ہے جمرۃ العقبٰی ۱۲ منہ (م)

عـــہ ۲: مسئلہ: محتاج محض جس کی ملک میں نہ قربانی کے لائق کوئی جانور ہو نہ اتنا نقد یا اسباب کہ اسے بیچ کر لے سکے وہ اگر قران یا تمتع کی نیت کرے گا تو اس پر قربانی کے بدلے دس روزے واجب ہوں گے تین تو حج کے مہینوں میں یعنی یکم شوال سے نویں ذی الحجہ تک احرام باندھنے کے بعد اس بیچ میں جب چاہے رکھ لے ایک ساتھ خواہ جدا جدا۔ اور بہتر ہے ۷، ۸ اور ۹ کو ہوں اور باقی سات تیرھویں کے بعد جب چاہے رکھے، اور بہتر یہ ہے کہ گھر پہنچ کر ہوں۔ (م)

---

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی آداب التوجہ الٰی منٰی دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۴۸

[2] کتاب ادعیہ الحج والعمرۃ ملحق ارشاد الساری فصل فاذا کان یوم الثانی الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۷

(۱۸) بہتر یہ ہے کہ وقت ذبح قربانی والے جانور کے دونوں ہاتھ اور ایک پاؤں باندھ لو، ذبح کرکے کھول دو۔

(۱۹) اونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں گلے کے انتہا پر تکبیر کہہ کر نیزہ مارو کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح کرنا مکروہ۔ مگر حلال ذبح سے بھی ہو جائے گا اور گلے پر ایک جگہ سے ذبح کرے۔ جاہلوں میں جو مشہور ہے کہ اونٹ تین جگہ سے ذبح ہوتا ہے غلط وخلافِ سنت اور مفت کی اذیت ومکروہ ہے۔

(۲۰) کسی ذبیحہ کو جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچو، اعضاء نہ کاٹو کہ ایذا ہے۔

(۲۱) یہ قربانی کرکے اپنے اور تمام مسلمانوں کے حج وقربانی قبول ہوجانے کی دعا کرو۔

(۲۲) بعد قربانی روبقبلہ بیٹھ کر مرد حلق کریں یعنی سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کترو ائیں کہ رخصت ہے۔ اور عورتوں کو حلق حرام ہے ایک پور برابر بال کتروادیں۔

(۲۳) حلق ہو یا تقصیر دہنی طرف سے ابتداء کرو اور اس وقت اَللهُ اَکْبَرُ ط اَللهُ اَکْبَرُ ط لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ ط وَ اللهُ اَکْبَرُ ط اَللهُ اَکْبَرُ ط وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ط بعد فراغت بھی کہو، سب مسلمانوں کی بخشش مانگو۔[1]

(۲۴) بال دفن کرو اور ہمیشہ بدن سے جو چیز بال، ناخن، کھال جدا ہو دفن کرو۔

(۲۵) یہاں حلق یا تقصیر سے پہلے ناخن نہ کترو ، خط نہ بنواؤ۔

(۲۶) اب عورت سے صحبت کرنے، شہوت سے ہاتھ لگانے، گلے لگانے، بوسہ لینے، دیکھنے کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔

(۲۷) افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ فرض طواف کے لیے جسے طواف الزیارۃ کہتے ہیں مکہ معظّمہ جاؤ بدستور مذکورہ پیادہ باطہارت وستر عورت طواف کرو مگر اس طواف میں اضطباع نہیں۔

(۲۸) قارن ومفرد طواف قدوم میں اور متمتع بعد احرام حج کسی طواف نفل میں حج کے رمل وسعی دونوں خواہ صرف سعی کرچکے ہوں تو اس طواف میں رمل وسعی کچھ نہ کریں اور اگر اس میں رمل وسعی کچھ نہ کیا ہو یا صرف رمل کیا ہو یا جس طواف میں کئے تھے وہ عمرہ کا تھا جیسے قارن ومتمتع کا پہلا طواف یا وہ طواف بے طہارت کیا تھا تو ان چاروں صورتوں میں رمل وسعی دونوں اس طواف فرض میں کریں۔

(۲۹) کمزور اور عورتیں اگر بھیڑ کے سبب دسویں کو نہ جائیں تو اس کے بعد گیارھویں کو افضل ہے اور اس دن یہ بڑا نفع ہے کہ مطاف خالی ملتا ہے، گنتی کے بیس بیس آدمی ہوتے ہیں۔ عورتوں کو بھی باطمینانِ تمام

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل فی الحلق والتقصیر دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۵۲

ہر پھیرے میں سنگ اسود کا بوسہ ملتا ہے۔

(۳۰) جو گیارھویں کو نہ جائے بارھویں کو کرلے۔ اس کے بعد بلا عذر تاخیر گناہ ہے۔ جرمانہ میں ایک قربانی ہوگی، ہاں مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آگیا تو وہ ان کے ختم کے بعد کرے۔

(۳۱) بہر حال بعد طواف دو رکعت ضرور پڑھیں۔ اس طواف سے عورتیں بھی حلال ہو جائیں گی، حج پورا ہو گیا کہ اس کا دوسرا رکن یہ طواف تھا۔

(۳۲) دسویں، گیارھویں، بارھویں راتیں منٰی ہی میں بسر کرنا سنت ہے، نہ مزدلفہ میں نہ مکہ میں نہ راہ میں۔ تو جو دس یا گیارہ کو طواف کے لیے گیا واپس آکر رات منٰی ہی میں گزارے۔

(۳۳) گیارھویں تاریخ بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سن کر پھر رمی کو چلو، ان ایام میں رمی جمرۃ اولٰی سے شروع کرو جو مسجد خیف سے قریب مزدلفہ کی طرف ہے اس کی رمی کو راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھو کہ یہ جگہ بہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے، یہاں رو بہ کعبہ سات کنکریاں بطور مذکور مار کر جمرہ سے کچھ آگے بڑھ جاؤ اور دعا میں ہاتھ یوں اٹھاؤ کہ ہتھیلیاں قبلہ کو رہیں، حضور قلب سے حمد و درود و دعا و استغفار میں کم سے کم بیس آیتیں پڑھنے کی قدر مشغول ہو ورنہ پون پارہ یا سورہ بقرپڑھنے کی مقدار تک۔

(۳۴) پھر جمرہ وسطٰی پر جا کر ایسا ہی کرو۔

(۳۵) پھر جمرہ عقبٰے پر مگر یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرو، معاً پلٹ آؤ۔ پلٹنے میں دعا کرو۔

(۳۶) بعینہٖ اسی طرح بارھویں تاریخ تینوں جمرے بعد زوال رمی کرو۔ بعض لوگ آج دوپہر سے پہلے رمی کرکے مکہ معظمہ کو چل دیتے ہیں، یہ ہمارے اصل مذہب کے خلاف اور ایک ضعیف روایت ہے۔

(۳۷) بارھویں کی رمی کرکے غروب آفتاب سے پہلے اختیار ہے کہ مکہ معظّمہ روانہ ہو جاؤ۔ مگر بعد غروب چلا جانا معیوب ہے۔ اب ایک دن اور ٹھہرنا اور تیرھویں کو بدستور دوپہر ڈھلے رمی کرکے مکہ جانا ہوگا اور یہی افضل ہے مگر عام لوگ بارھویں کو چلے جاتے ہیں تو ایک رات دن یہاں قیام میں قلیل جماعت کو دقت ہے۔

(۳۸) حلق رمی سے پہلے جائز نہیں۔

(۳۹) گیارھویں بارھویں کی رمی دوپہر سے پہلے اصلاً صحیح نہیں۔

(۴۰) رمی میں یہ امور مکروہ ہیں:

[۱] دسویں کی رمی دوپہر بعد کرنا، [۲] تیرھویں کی رمی دوپہر سے پہلے کرنا، [۳] رمی میں بڑا پتھر مارنا، [۴] توڑ کر بڑے پتھر کی کنکریاں مارنا، [۵] جمرہ کے نیچے جو کنکریاں پڑی ہیں اٹھا کر مارنا کہ یہ مردود کنکریاں ہیں جو قبول ہوتی ہیں۔ قیامت کے دن نیکیوں کے پلے میں رکھنے کو اٹھائی جاتی ہیں ورنہ جمروں کے گرد پہاڑ جمع ہو جاتے، [۶] ناپاک کنکریاں مارنا، سات

سے زیادہ مارنا۔ رمی کے لیے جو جہت مذکور ہوئی اس کا خلاف کرنا، جمرہ سے پانچ ہاتھ سے کم فاصلہ پر کھڑا ہونا، زیادہ کا مضائقہ نہیں، جمروں میں خلافِ ترتیب کرنا، مارنے کے بدلے کنکری جمرے کے پاس ڈال دینا۔

(۴۱) اخیر دن یعنی بارھویں خواہ تیرھویں کو جب منٰی سے رخصت ہو کر مکہ معظّمہ چلو تو وادی محصب عہ۱ میں کہ جنۃ المعلٰی کے قریب ہے سواری سے اتر لو بے اترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغول دعا ہو، اور افضل یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں پڑھو ایک نیند لے کر داخل مکہ معظّمہ ہو۔

(۴۲) اب تیرھویں کے بعد جب تک مکہ میں ٹھہرو اپنے پیر استاد، ماں باپ خصوصاً حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب وعترت اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف سے جتنے ہوسکیں عمرے کرتے رہو، تنعیم کو جو مکہ معظّمہ سے شمال یعنی مدینہ طیبہ کی طرف تین میل کے فاصلے پر ہے جاؤ وہاں سے عمرہ کا احرام جس طرح اوپر بیان ہوا باندھ کر آؤ اور طواف وسعی حسبِ دستور کرکے حلق یا تقصیر کرلو عمرہ ہوگیا، جو حلق کرچکا اور مثلاً اسی دن دوسرا عمرہ کیا وہ سر پر استرا پھروا لے کافی ہے۔ یوں ہی وہ جس کے سر پر قدرتی بال نہ ہوں۔

(۴۳) مکہ معظّمہ میں کم از کم ایک بار ختم قرآن مجید سے محروم نہ رہے۔

(۴۴) جنۃ المعلٰی حاضر ہو کر ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی ودیگر مدفونین کی زیارت کرے۔

(۴۵) مکانِ ولادت اقدس حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھی زیارت سے مشرف ہو۔

(۴۶) حضرت عبدالمطلب کی زیارت کریں اور ابوطالب کی قبر پر نہ جاؤ، یونہی جدہ میں جو لوگوں نے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کا مزار کئی سو ہاتھ کا بنا رکھا ہے وہاں بھی نہ جاؤ کہ بے اصل ہے۔

(۴۷) علماء کی خدمت سے شرف لو خصوصًا اکابر جیسے آج کل حضرت مولانا عبدالحق صاحب مہاجر الٰہ آبادی کہ حمیدیہ محل کے قریب تشریف فرما اور مسلمانانِ ہند کے لیے رحمتِ مجسم ہیں اور حضرت شیخ العلماء مولانا محمد سعید بابصیل اور حضرت شیخ الائمہ مولانا احمد ابوالخیر مرداد قریب صفا اور حضرت عماد السنۃ مولانا شیخ صالح کمال قریب باب الاسلام اور حضرت مولانا سعید اسمٰعیل آفندی حافظ کتب الحرم حرم شریف کے کتب خانے میں وغیرہم حفظہم عہ۲ اللہ تعالٰی۔

عہ۱: جنت المعلٰی کہ مکہ کا قبرستان ہے اس کے پاس ایک پہاڑ ہے اور وہ دوسرے پہاڑ کے سامنے مکہ کو جاتے ہوئے داہنے ہاتھ پر نالے کے پیٹ سے جدا ہے۔ ان دونوں پہاڑوں کے بیچ کا نالہ وادی محصب ہے، جنت المعلٰی محصب میں داخل نہیں۔ (م)

عہ۲: یہ سب حضرات رخصت ہوچکے ہیں۔ (م)

(۴۸) کعبہ معظّمہ کی داخلی کمال سعادت ہے اگر جائز طور پر نصیب ہو، حرم عام میں داخلی ہوتی ہے مگر سخت کش مکش کمزور مرد کا کام ہی نہیں، نہ عورتوں کو ایسے ہجوم میں جرأت کی اجازت، زبردست مرد اگر آپ ایذا سے بچ بھی گیا تو اوروں کو دھکے دے کر ایذا دے گا۔ اور یہ جائز نہیں۔ نہ یوں حاضری میں کچھ ذوق ملے اور خاص داخلی بے لین دین اور اس پر لینا بھی حرام اور دینا بھی۔ حرام کے ذریعہ ایک مستحب ملا بھی تو وہ بھی حرام ہوگیا، ان مفاسد سے نجات نہ ملے تو حطیم شریف کی حاضری غنیمت جانے اوپر گزرا کہ وہ بھی کعبہ ہی کی زمین ہے اور اگر شاید بن پڑے یوں کہ خدام کعبہ سے ٹھہر جائے کہ داخلی کے عوض میں کچھ نہ دیں گے۔ اس کے بعد یا قبل چاہے ہزاروں روپے دے دو تو کمال آداب ظاہر و باطن کی رعایت سے آنکھیں نیچے کئے، گردن جھکائے گناہوں پر شرماتے۔ جلال رب البیت سے لرزتے کانپتے **بسم اللّٰه** کہہ کر پہلے سیدھا پاؤں بڑھا کر داخل ہو اور سامنے کی دیوار تک اتنا بڑھو کہ تین ہاتھ کا فاصلہ رہے۔ وہاں دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مصلی ہے۔ پھر دیوار پر رخسار اور منہ رکھ کر حمد و درود اور دعا میں کوشش کرو۔ یوں ہی نگاہیں نیچے کئے چار گوشوں پر جاؤ اور دعا کرو اور ستونوں سے چمٹو اور پھر اس دولت کا ملنا اور حج وزیارت کا قبول مانگو اور یونہی آنکھیں نیچے کئے واپس آؤ اوپر ادھر ادھر ہرگز نہ دیکھو۔ اور بڑے فضل کی امید کرو کہ وہ فرماتا ہے جو اس گھر میں داخل ہوا وہ امان میں۔ **والحمد للّٰه**

(۴۹) بچی ہوئی بتی وغیرہ جو یہاں یا مدینہ طیبہ میں خدام دیتے ہیں ہرگز نہ لو بلکہ اپنے پاس سے بتی وہاں روشن کرکے باقی اٹھالو۔

(۵۰) جب عزمِ رخصت ہو طوافِ وداع بے رمل و سعی واضطباع بجالاؤ کہ باہر والوں پر واجب ہے۔ ہاں وقت رخصت عورت حیض و نفاس میں ہو تو اس پر نہیں۔ پھر دو رکعت مقامِ ابراہیم میں پڑھو۔

(۵۱) پھر زمزم پر آکر اسی طرح پانی پیو۔ بدن پر ڈالو۔

(۵۲) پھر دروازہ کعبہ پر کھڑے ہو کر آستانہ پاک کو بوسہ دو اور قبول و بار بار حاضری کی دعا مانگو اور وہی دعائے جامع پڑھو۔

(۵۳) پھر ملتزم پر آکر غلافِ کعبہ تھام کر اُسی طرح چمٹو ذکر و درود اور دعا کی کثرت کرو۔

(۵۴) پھر حجر اسود کو بوسہ دو اور جو آنسو رکھتے ہو گراؤ۔

(۵۵) پھر الٹے پاؤں رخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو حسرت سے دیکھئے۔ اس کی جدائی پر روتے یا رونے کا منہ بناتے مسجد کریم کے دروازے سے بایاں پاؤں پہلے بڑھا کر نکلو اور دعائے مذکور پڑھو اور اس کے لیے بہتر **باب الحزورہ** ہے۔

(۵۶) حیض ونفاس والی دروازے پر کھڑے ہو کر کعبہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھے اور دعا کرتی پلٹے۔

(۵۷) پھر بقدر قدرت فقرائے مکہ معظّمہ پر تصدق کرکے متوجہ سرکار اعظم مدینہ طیبہ ہو، وباللہ التوفیق۔

فصل ششم جُرم اوران کے کفارے

ان کی تفصیل موجب تطویل اور رسالہ مختصر اور وقت قلیل، اور جو طریقے بتادئے ہیں ان پر عمل کرنا ان شاء اللہ تعالٰی جرمانے سے بچنے کا کفیل۔ لہٰذا یہاں صرف اجمالاً معدود مسائل کا بیان ہوتا ہے۔

تنبیہ: اس فصل میں جہاں دم کہیں گے اس سے مراد ایک بھیڑ یا بکری ہوگی، اور بدنہ اونٹ یا گائے۔ یہ سب جانور انھیں شرائط کے ہوں جو قربانی میں ہوں، اور صدقہ سے مراد انگریزی روپے سے ایک سو پچھتّر (۱۷۵) روپے آٹھ آنے بھر کہ سو روپے کے سیر سے پونے دو سیر ہوئے اٹھنی بھر اوپر گندم یا اس کے دونے جو یا کھجور یا ان کی قیمت۔

مسئلہ: جہاں دم کا حکم ہے وہ جرم اگر بیماری یا سخت گرمی یا شدید سردی یا زخم یا پھوڑے یا جُوؤں کے ایذا کے باعث ہوگا تو اسے جرم غیر اختیاری کہتے ہیں اس میں اختیار ہوگا کہ دم کے بدلے چھ مسکینوں کو ایک ایک صدقہ دے دے یا تین روزے رکھ لے۔ اور اگر اس میں صدقہ کا حکم ہے اور بہ مجبوری کیا تھا اختیار ہوگا کہ صدقے کے بدلے ایک روزہ رکھ لے۔ اب احکام سنئے:

(۱) سِلا کپڑا یا خوشبو کا رنگا چار پہر [عہ۱] کامل یا لگاتار زیادہ دنوں پہنا تو دم واجب ہے، اور چار پہر سے کم اگرچہ [عہ۲] ایک لحظہ تو صدقہ۔

(۲) اگر دن کو پہنا اور رات کو گرمی کے باعث اتار ڈالا، یا رات کو سردی کے سبب پہنا دن کو اتار دیا اور باز آنے کی نیت سے اتارا دوسرے دن پھر پہنا تو دوسرا جرمانہ ہوگا، اسی طرح جتنی بار کرے۔

(۳) بیماری کے سبب پہنا تو جب تک وہ بیماری رہے گی ایک جرم ہے اور اگر وہ بیماری یقیناً جاتی رہی دوسری بیماری شروع ہوگئی اور اس میں بھی پہننے کی ضرورت ہے جب بھی یہ دوسرا جرم ہوگا مگر غیر اختیاری۔

عہ۱: چار پہر سے مراد ایک دن یا رات کی مقدار ہے۔ مثلاً طلوع سے غروب یا غروب سے طلوع یا دوپہر سے آدھی رات یا آدھی رات سے دوپہر تک ۲ امنہ (م)

عہ۲: یعنی لحہ بھر پہنا اور پھر اتار ڈالنا جب بھی صدقہ ہے ۱۲منہ (م)

(۴) بیماری وغیرہ سے اگر سر سے عـــہ۱ پاؤں تک سب کپڑے پہننے کی ضرورت ہوئی تو ایک ہی جرم غیر اختیاری ہے اور اگر مثلاً ضرورت صرف عمامہ کی تھی اور اس نے کرتا بھی پہنا تو دو[۲] جرم ہیں [۱]عمامہ کا غیر اختیاری اور [۲]کرتا کا اختیاری۔

(۵) مرد سارا سر یا چہارم یا مرد خواہ عورت منہ کی ٹکلی ساری یا چہارم چار پہر یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا زیادہ لگاتار چھپائیں تو دم ہے اور چہارم سے کم چار پہر تک یا چار سے کم اگرچہ سارا سر یا منہ تو صدقہ ہے اور چہارم سے کم کو چار پہر سے کم تک چھپائیں تو گناہ ہے کفارہ نہیں۔

(٦) خوشبو اگر بہت سی لگائی جسے دیکھ کر بہت لوگ بتائیں اگرچہ عضو کے تھوڑے ٹکڑے پر یا کوئی بڑا عضو جیسے سر یا منہ یا ران یا پنڈلی پورا سان دیا اگرچہ تھوڑی ہی خوشبو سے، جب تو اس پر دم ہے، اور اگر تھوڑی سی خوشبو تھوڑے حصے میں لگائی تو صدقہ ہے۔

مسئلہ: سنگِ اسود شریف پر خوشبو ملی جاتی ہے وہ اگر بوسہ لینے میں بحالت احرام منہ کو بہت سی لگ گئی تو دم دینا ہوگا اور تھوڑی سے صدقہ۔

(۷) سر پر تیل مہندی کا خضاب کیا کہ بال نہ چھپائے تو ایک دم ہے اور اگر گاڑھی تھوپی اور چار پہر گزرے تو مرد پر دو دم عـــہ۲ ہیں اور چار پہر سے کم تو ایک صدقہ عـــہ۳ اور ایک دم، اور عورت عـــہ۴ پر بہر حال ایک دم۔

(۸) ایک جلسہ میں کتنے ہی بدن پر خوشبو لگائے ایک جرم اور مختلف جلسوں میں ہر بار نیا جرم۔

(۹) تھوڑی سی خوشبو بدن کے متفرق حصوں عـــہ۵ پر لگائی اگر جمع کرنے سے ایک بڑے عضو کامل کی مقدار ہو جائے تو دم ہے ورنہ صدقہ۔ (۱۰) خوشبو دار سرمہ تین بار یا زیادہ بار لگایا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

عـــہ۱ **مسئلہ:** یونہی پوری ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگائے تو دم ہے، عورت ہو یا مرد، اور چاروں میں ایک ہی جلسہ میں لگائی تو ایک ہی دم، ورنہ ہر جلسہ پر ایک دم، اور ہاتھ یا پاؤں کے کسی حصہ پر لگائی تو صدقہ ۱۲منہ (م)

عـــہ۲: ایک سارے عضو پر خوشبو کا دوسرا چار پہر سر چھپانے کا ۱۲منہ (م)

عـــہ۳: خوشبو پر دم اور چار پہر سے کم سر چھپانے پر صدقہ ۱۲منہ (م)

عـــہ۴: صرف خوشبو کا دم ہے اس لیے کہ سر چھپانا تو اسے روا ہے ۱۲منہ (م)

عـــہ۵: قیدت بہ لان الطیب الکثیر لایتقید بکمال العضو فتنبہ ۱۲منہ (م)

یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ کثیر خوشبو کی صورت میں کمالِ عضو کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا پس متوجہ رہو ۱۲منہ (ت)

(۱۱) اگر خالص خوشبو کی چیز اتنی کھائی کہ اکثر منہ [عہ۱] میں لگ گئی تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

(۱۲) کھانے میں خوشبو اگر پکنے میں پڑی یا فنا ہوگئی جب تو کچھ نہیں ورنہ اگر خوشبو کے اجزاء زیادہ ہوں تو وہ خالص خوشبو کے حکم میں ہے، اور اگر کھانے کا حصہ زیادہ ہے تو عام کتابوں میں مطلق حکم دیا کہ اس میں کفارہ کچھ نہیں، ہاں خوشبو آئی تو کراہت ہے۔

(۱۳) پینے کی چیز میں خوشبو ملائی اگر خوشبو کا حصہ غالب ہے یا تین بار یا زیادہ پیا تو دم ہے ورنہ صدقہ۔

مسئلہ: خمیرہ تمباکو نہ پینا بہتر مگر منع یا کفارہ نہیں [عہ۲]۔

(۱۴) اگر چہارم سر یا داڑھی کے بال زیادہ کسی طرح دور کئے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۱۵) اگر چندلا ہے یا داڑھی بہت ہلکی چھدری تو یہ دیکھیں کہ اتنے بال اس جگہ کی چہارم مقدار تک پہنچتے ہیں یا نہیں؟

(۱۶) یونہی چند جگہ سے دور کئے تو ملا کر چہارم کی مقدار دیکھیں گے۔

(۱۷) اگر سارے بدن کے بال ایک جلسہ میں دور کئے تو ایک ہی جرم ہے اور مختلف جلسے تو ہر بار نیا جرم۔

(۱۸) مونچھیں اگرچہ پوری ہوں صرف صدقہ ہے۔

(۱۹) گردن یا ایک بغل پوری ہو تو دم ہے اور کم میں اگرچہ نصف یا زائد ہو صدقہ۔ یونہی موئے زیر ناف چہارم کو سب کے برابر ٹھہرانا صرف سر اور داڑھی میں ہے۔

(۲۰) دونوں بغلیں پوری منڈائے جب بھی ایک ہی دم ہے۔

(۲۱) سر اور داڑھی اور زیر ناف اور بغل کے سوا باقی اعضاء کے منڈنے میں صرف صدقہ ہے۔

عہ۱: **اقول:** لم یقل فیه الدم کما قال کثیرون لانه لم یلتزق باکثر فمه، لایلزم الدم بالخالص فکیف بالمخلوط ووقع ھٰھنا فی شرح اللباب فی النقل عن الحلبی تحریف او سقط فاجتنبه کما بیناه علی ھامشه ۱۲ منه (م)

میں کہتا ہوں یہ نہیں کہا اس میں دم ہے جیسا کہ کثیر حضرات نے کہا کیونکہ حجر اسود سے کثیر چہرہ کا حصہ مس نہیں کرتا تو جب خالص خوشبو کی وجہ سے دم لازم نہیں تو مخلوط کے ساتھ کیسے ہوگا یہاں شرح لباب میں حلبی سے نقل کرتے ہوئے تحریف ہوگئی ہے یا الفاظ ساقط ہوگئے ہیں جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں بیان کردیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: کما حققناه فیما علی ردالمحتار ۱۲ منه (م)

جیسا کہ ہم نے تفصیل حاشیہ ردالمحتار میں دی ہے۔ (ت)

(۲۲) مونڈنا، کترنا، موچنہ سے لینا، نورہ لگانا سب کا ایک حکم ہے۔

(۲۳) عورت اگر سارے یا چہارم سر کے بال ایک پورہ برابر کترے تو دم ہے اور کم میں صدقہ۔

(۲۴) وضو عــہ۱ کرنے یا کھجانے یا کنگھی کرنے میں جو بال گرے اس پر بھی پورا صدقہ ہے۔ اور بعض نے کہا دو تین بال تک ہر بال کے لیے ایک مٹھی اناج یا ایک روٹی کا ٹکڑا یا ایک چھوہارا۔

(۲۵) بال آپ گر جائے بے اس کا ہاتھ لگائے یا بیماری سے تمام بال گر پڑیں تو کچھ نہیں۔

(۲۶) ایک ہاتھ ایک پاؤں کے پانچوں ناخن کترے یا بیسوں ایک ساتھ تو ایک دم ہے۔ اور اگر کسی ہاتھ پاؤں کے پورے پورے پانچ نہ کترے تو ہر ناخن پر ایک صدقہ، یہاں تک کہ چاروں ہاتھ پاؤں کے چار چار کترے تو سولہ صدقے دے مگر یہ کہ صدقوں کی قیمت ایک دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے۔

(۲۷) اگر ایک جلسہ میں ایک ہاتھ یا پاؤں کے کترے، دوسرے میں دوسرے کے، تو دو دم دے، یونہی چار جلسوں میں چاروں کے تو چار دم۔

(۲۸) کوئی ناخن ٹوٹ گیا کہ اب اگنے کے قابل نہ رہا اس کا بقیہ اس نے کاٹ لیا تو کچھ نہیں۔

(۲۹) شہوت کے ساتھ بوس و کنار و مساس میں دم عــہ۲ ہے اگرچہ انزال نہ ہو اور بلا شہوت میں کچھ نہیں۔

(۳۰) اندام نہانی پر نگاہ کرنے سے کچھ نہیں اگرچہ انزال ہو جائے۔ مکروہ ضرور ہے۔

(۳۱) جلق سے انزال ہو جائے تو دم ہے ورنہ مکروہ ہے۔

(۳۲) طواف فرض کلی یا اکثر جنابت میں یا حیض و نفاس میں کیا تو بدنہ ہے، اور بے وضو تو دم ہے اور پہلی صورت میں طہارت کے ساتھ اس کا اعادہ واجب، دوسری میں مستحب۔

(۳۳) نصف سے کم پھیرے بے طہارت کے کئے تو ہر پھیرے کے لیے ایک صدقہ۔

(۳۴) طواف فرض کل یا اکثر بلا عذر اپنے پاؤں چل کر نہ کیا بلکہ سواری یا گود میں یا بیٹھے بیٹھے۔

(۳۵) یا بے ستر عورت کیا مثلاً عورت کی چہارم کلائی یا چہارم سر کے بال کھلے تھے۔

(۳۶) یا کعبہ کو دہنے ہاتھ پر لے کے الٹا کیا۔

(۳۷) یا اس میں حطیم کے اندر ہو کر گزرا۔

(۳۸) یا بارھویں کے بعد کیا تو ان پانچوں صورتوں میں دم دے۔

عــہ۱: یہاں بھی جلسہ کا اعتبار چاہیے ایک جلسہ میں ایک بال یا کل ٹوٹیں تو ایک صدقہ اور متعدد جلسوں میں تو متعدد ۱۲ منہ (م)

عــہ۲: مسئلہ: مرد کے ان افعال سے عورت کو لذت آئے تو بھی دم ہے ۱۲ منہ (م)

(۳۹) اس کے چار سے کم پھیرے بالکل نہ کئے تو دم دے دے اور بارھویں کے بعد کئے تو ہر پھیرے پر صدقہ ہے۔
(۴۰) طواف فرض کے سوا اور کوئی طواف ناپاکی میں کیا تو دم ہے، اور بے وضو تو صدقہ۔
(۴۱) فرض وغیرہ کوئی طواف ہو جیسے ناقص طور پر کیا کہ کفارہ لازم ہوا، جب کامل اعادہ کرلیا کفارہ اتر گیا مگر بارھویں کے بعد ہونے سے جو نقصان طواف فرض کے سوا کسی پھیرے میں آیا اس کا اعادہ ناممکن بارھویں تو گزر گئی۔
(۴۲) نجس کپڑوں سے طواف مکروہ ہے کفارہ نہیں۔
(۴۳) سعی کے چار پھیرے یا زیادہ بلاعذر اصلاً نہ کئے، یا سواری پر کئے تو دم ہے اور حج گیا اور چار سے کم میں ہر پھیرے پر صدقہ دے۔
(۴۴) طواف سے پہلے سعی کرلی پھر کرے، نہ کرے گا تو دم لازم۔
(۴۵) دسویں کی صبح بلاعذر مزدلفہ میں وقوف نہ کیا تو دم دے۔ ہاں کمزور یا عورت بخوفِ زحمت ترک کرے تو جرمانہ نہیں۔
(۴۶) حلق حرم میں نہ کیا حدودِ حرم سے باہر کیا یا بارھویں کے بعد کیا تو دم ہے۔
(۴۷) رمی سے پہلے حلق کرلیا دم دے۔
(۴۸) قارن یا متمتع رمی سے پہلے قربانی یا قربانی سے پہلے حلق کریں تو دم دیں۔
(۴۹) اگر رمی کسی دن اصلاً نہ کی۔
(۵۰) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر ترک کردی مثلاً دسویں کو تین کنکریوں تک ماریں یا گیارھویں کو دس کنکریوں تک۔
(۵۱) یا کسی ایک دن کی بالکل یا اکثر اس کے بعد دوسرے دن کی، تو ان صورتوں میں دم دے، اور اگر کسی دن کی رمی اس کے بعد آنے والی رات کرلی تو کفارہ نہیں۔
(۵۲) اگر کسی دن کے نصف سے کم رمی مثلاً دسویں کی تین کنکریاں اور دن کی دس بالکل چھوڑ دیں یا دوسرے دن کیں، تو ہر کنکری پر ایک صدقہ دے۔ ان صدقوں کی قیمت دم کے برابر ہو جائے تو کچھ کم کرلے۔
(۵۳) احرام والے نے کسی دوسرے کے بال مونڈے یا ناخن کترے اگر وہ بھی احرام میں ہے تو یہ صدقہ دے اور وہ صدقہ یا دم اسی تفصیل پر کہ اوپر گزری۔ اور اگر وہ احرام میں نہیں تو کچھ خیرات کردے اگرچہ ایک مٹھی، اور وہ کچھ نہیں۔

(۵۴) اور اگر اس کو سلے کپڑے پہنائے یا خوشبو اس طرح لگائی کہ اپنے نہ لگی تو اس پر کفارہ نہیں، ہاں گناہ ہوگا، اگر وہ بھی احرام میں تھا۔ اور وہ حسب تفصیل مذکور دم یا صدقہ دے گا۔

(۵۵) وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج نہ ہوا اسے حج ہی کی طرف پورا کرکے دم دے اور پھر فوراً ہی سال آئندہ اس کی قضا کرلے۔ عورت بھی احرام حج میں تھی تو اس پر لازم ہے اور مناسب ہے کہ حج کے احرام سے ختم تک دونوں اس طرح جدا رہیں کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے، اگر خوف ہو کہ پھر اس بلا میں پڑ جائیں گے اور وقوف کے بعد صحبت کرنے سے حج تو نہ جائے گا مگر اگر حلق و طواف سے پہلے کیا تو بُدنہ دے اور دونوں کے بیچ میں کیا تو دم، اور بہتر عـــه اب بھی بدنہ ہے اور دونوں کے بعد کچھ نہیں

(۵۶) عمرہ میں طواف کے چار پھیروں سے پہلے جماع کیا تو عمرہ جاتا رہا دم دے اور عمرہ پھر کرے اور چار کے بعد دم دے عمرہ صحیح ہے۔

(۵۷) اپنی جوں اپنے بدن یا کپڑوں میں ماری یا پھینک دی تو ایک میں روٹی کا ٹکڑا دے۔ اور دو ہوں تو مٹھی بھر اناج اور زیادہ میں صدقہ دے۔

(۵۸) جوئیں مارنے کو سر یا کپڑا دھویا یا دھوپ میں ڈالا جب بھی یہی کفارے جو خود قتل میں تھے۔

(۵۹) یونہی دوسرے نے اس کے کہنے یا اشارہ کرنے سے اس کی جوں کو مارا جب بھی اس پر کفارہ ہے اگرچہ وہ دوسرا احرام میں نہ ہو۔

(۶۰) زمین وغیرہ پر گری ہوئی جوں یا دوسرے کے بدن یا کپڑوں کی مارنے میں اس پر کچھ نہیں اگرچہ وہ دوسرا بھی احرام میں ہو۔

مسئلہ: جہاں ایک دم یا صدقہ ہے قارن پر دو ہیں۔

مسئلہ: کفارہ کی قربانی یا قارن و متمتع کے شکرانہ کی غیر حرم میں نہیں ہوسکتی مگر شکرانہ کی قربانی سے آپ کھائے، غنی کو کھلائے، اور کفارہ کی صرف محتاجوں کا حق ہے۔

نصیحت: کفارے اس لیے ہیں کہ بھول چوک سے یا سونے میں یا مجبوری سے جرم ہوں تو کفارہ سے پاک ہوجائیں، نہ اس لیے کہ جان بوجھ کر بلاعذر جرم کرو اور کہو کفارہ دے دیں گے، دینا تو جب بھی آئیگا، مگر قصداً حکم الٰہی کی مخالفت سخت ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالیٰ** حق سبحانہ توفیق طاعت عطا فرما کر مدینہ کی زیارت کرائے۔ آمین!

عـــه: ذکرته خروجاً عن خلاف قوی ۱۲ منه (م)

میں نے اس کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ قوی اختلاف سے خروج ہوجائے۔ (ت)

فصل ہفتم حاضری سرکار اعظم مدینہ طیبہ حضور حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۱) زیارت اقدس قریب بواجب ہے بہت لوگ دوست بن کر طرح طرح ڈراتے ہیں، راہ میں خطرہ ہے وہاں بیماری ہے، خبر دار! کسی کی نہ سنو، اور ہر گز محرومی کا داغ لے کر نہ پلٹو، جان ایک دن جانی ضرور ہے اس سے کیا بہتر ہے کہ ان کی راہ میں جائے۔ اور تجربہ ہے کہ جو ان کا دامن تھام لیتا ہے اسے اپنے سایہ میں بآرام لے جاتے ہیں کیل کا کھٹکا نہیں ہوتا۔ والحمد للہ۔

(۲) حاضری میں خاص زیارت اقدس کی نیت کرو یہاں تک کہ امام ابن الہمام فرماتے ہیں اس بار مسجد شریف کی بھی نیت نہ کرے۔

(۳) راستہ بھر درود وذکر شریف میں ڈوب جاؤ۔

(۴) جب حرم مدینہ نظر آئے بہتر یہ ہے کہ پیادہ ہو لو، روتے، سر جھکاتے، آنکھیں نیچی کئے، اور ہو سکے تو ننگے پاؤں چلو بلکہ

جائے سراست اینکہ تو پامی نہی — پائے نہ بینی کہ کجامی نہی

حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا — ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

(۵) جب قبہ انور پر نگاہ پڑے درود وسلام کی کثرت کرو۔

(۶) جب شہر اقدس تک پہنچو جلال وجمال محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصور میں غرق ہو جاؤ۔

(۷) حاضری مسجد سے پہلے تمام ضروریات جن کا لگاؤ دل بٹنے کا باعث ہو نہایت جلد فارغ ہو، ان کے سوا کسی بیکار بات میں مشغول نہ ہو۔ معًا وضو اور مسواک کرو اور غسل بہتر، سفید وپاکیزہ کپڑے پہنو اور نئے بہتر، سرمہ اور خوشبو لگاؤ اور مشک افضل ہے۔

(۸) اب فورًا آستانہ اقدس کی طرف نہایت خشوع وخضوع سے متوجہ ہو، رونا نہ آئے تو رونے کا منہ بناؤ، اور دل کو بزور رونے پر لاؤ اور اپنی سنگدلی سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف متوجہ کرو۔

(۹) جب در مسجد پر حاضر ہو صلوٰۃ وسلام عرض کرکے تھوڑا ٹھہرو جیسے سرکار سے حاضری کی اجازت مانگتے ہو، **بسم اللہ** کہہ کر سیدھا پاؤں پہلے رکھ کہ ہمہ تن ادب ہو کر داخل ہو۔

(۱۰) اس وقت جو ادب وتعظیم فرض ہے ہر مسلمان کا دل جانتا ہے کہ آنکھوں کان، زبان، ہاتھ، پاؤں، دل سب خیال غیر سے پاک کرو۔ مسجد اقدس کے نقش ونگار نہ دیکھو۔

(۱۱) اگر کوئی ایسا سامنے آجائے جس سے سلام کلام ضرور ہو تو جہاں تک بنے کترا جاؤ، ورنہ ضرورت سے زیادہ نہ بڑھو، پھر بھی دل سرکار ہی کی طرف ہو۔

(۱۲) ہر گز ہر گز مسجد اقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ نکلے۔

(۱۳) یقین جانو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سچی حقیقی دنیاوی جسمانی حیات سے ویسے ہی زندہ ہیں جیسے وفات شریف سے پہلے تھے۔ ان کی اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف وعدہ خدا کی تصدیق کو ایک آن کے لیے تھی۔ ان کا انتقال صرف نظر عوام سے چھپ جانا ہے۔

امام محمد ابن الحاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب اللدنیہ میں اور ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین فرماتے ہیں:

لَافَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وَحَیَاتِہٖ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ مُشَاھِدَتِہٖ لِاُمَّتِہٖ وَمَعْرِفَتِہٖ بِاَحْوَالِھِمْ وَنِیَّاتِھِمْ وَ عَزَائِمِھِمْ وَخَوَاطِرِھِمْ وَذَالِكَ عِنْدَہٗ جَلِیٌّ لَاخِفَاءَ بِہٖ[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں، ان کے ارادوں، ان کے دلوں کے خیالوں کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب حضور پر ایسا روشن ہے جس میں اصلاً کوئی پوشیدگی نہیں۔

امام رحمہ اللہ تلمیذ امام محقق ابن الہمام منسک متوسط اور علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَالِمٌ بِحُضُوْرِكَ وَقِیَامِكَ وسَلَامِكَ ای بَلْ بِجَمِیْعِ اَفْعَالِكَ وَاَحْوَالِكَ وَ ارْتِحَالِكَ وَمَقَامِكَ[2]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تیری حاضری اور تیرے کھڑے ہونے اور تیرے سلام بلکہ تیرے تمام افعال واحوال و کوچ و مقام سے آگاہ ہیں۔

(۱۴) اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جاؤ کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائیگی ورنہ اگر غلبہ شوق

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۲، شرح مواہب زرقانی المقصد العاشر مطبعہ عامرہ مصر ۸/۳۴۸

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

مہلت دے اور اس وقت کراہت نہ ہو تو دو رکعت تحیۃ المسجد وشکرانہ حاضری در بارہ اقدس صرف قُل یٰۤا اور قُل سے بہت ہلکی مگر رعایت سنت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ جہاں اب وسط کریم میں محراب بنی ہے اور وہاں نہ ملے تو جہاں تک ہو سکے اس کے نزدیک ادا کرو، پھر سجدہ شکر میں دعا کرو کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب اور ان کا اور اپنا قبول نصیب کر۔ آمین!

(۱۵) اب کمال ادب میں ڈوبے ہوئے گردن جھکائے آنکھیں نیچی کیے، لرزتے، کانپتے، گناہوں کی ندامت سے پسینہ پسینہ ہوتے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عفو وکرم کی امید رکھتے حضور والا کی پائیں یعنی مشرق کی طرف سے مواجہہ عالیہ میں حاضر ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مزار انور میں روبقبلہ جلوہ فرما ہیں اس سمت سے حاضر ہو کہ حضور کی نگاہ بیکس پناہ تمھاری طرف ہوگی اور یہ بات تمھارے لیے دونوں جہان میں کافی ہے۔ والحمد للہ۔

(۱۶) اب کمال ادب وہیبت وخوف وامید کے ساتھ زیر قندیل اس چاندی کی کیل کے جو حجرہ مطہرہ کی جنوبی دیوار میں چہرہ انور کے مقابل لگی ہے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلہ سے قبلہ کو پیٹھ اور مزار انور کو منہ کرکے نماز کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہو، لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار، فتاوائے عالمگیری وغیرہا معتمد کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی کہ یقف کمافی الصلٰوۃ،[1] حضور کے سامنے ایسا کھڑا ہو جیسا نماز میں کھڑا ہوتا ہے، یہ عبارت عالمگیری واختیار کی ہے، اور لباب میں فرمایا: وَاضِعًا یَمِیْنَه، عَلٰی شِمَالِہٖ[2] دست بستہ دہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر کھڑا ہو۔

(۱۷) خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلہ سے زیادہ قریب نہ جاؤ یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا اور اپنے مواجہہ اقدس میں جگہ بخشی، ان کی نگاہ کریم اگرچہ تمھاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے والحمد للہ۔

(۱۸) الحمد للہ اب کہ دل کی طرح تمھارا منہ بھی اس پاک جالی کی طرف ہے جو اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہے نہایت ادب ووقار کے ساتھ باآواز حزیں وصورت دردآگیں، ودل شرمناک وجگر چاک چاک، معتدل آواز سے نہ بلند وسخت (کہ ان کے حضور آواز

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۷

بلند کرنے سے عمل اکارت ہوجاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنت کے خلاف ہے اگرچہ وہ تمھارے دلوں کے خطروں تک سے اگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات ائمہ سے گزرا) مجرا و تسلیم بجالاؤ اور عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُه۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ وَاُمَّتِكَ اَجْمَعِیْنَ۔[1]

(اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکات ہوں، اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام ہو۔ اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر آپ پر سلام ہو۔ اے گنہ گاروں کی شفاعت فرمانے والے آپ پر سلام ہو۔ آپ پر۔ اور آپ کے آل واصحاب پر اور تمام امت پر سلام ہو۔ ت)

(۹) جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال و کسل نہ ہو صلٰوۃ وسلام کی کثرت کرو۔ حضور سے اپنے لیے اور اپنے ماں باپ۔ پیر، استاد، اولاد، عزیزوں، دوستوں اور سب مسلمانوں کے لیے شفاعت مانگو، بار بار عرض کرو۔ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَةَ یَا رَسُوْلَ اللهِ[2] (اے اللہ کے رسول! آپ سے شفاعت کا سوالی ہوں۔ ت)

(۲۰) پھر اگر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی بجالاؤ۔ شرعا اس کا حکم ہے۔ اور یہ فقیر ذلیل ان مسلمانوں کو جو اس رسالہ کو دیکھیں وصیت کرتا ہے کہ جب انھیں حاضری نصیب ہو بارگارہ نصیب ہو فقیر کی زندگی میں یا بعد کم از کم تین بار مواجہہ اقدس میں ضرور یہ الفاظ عرض کرکے اس نالائق ننگِ خلائق پر احسان فرمائیں، اللہ ان کو دونوں جہاں میں جزا بخشے۔ آمین:

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللهِ وَعَلٰی اٰلِكَ وَذُرِّیَّتِكَ فِیْ کُلِّ اٰنٍ وَلَحْظَةٍ عَدَدَ کُلِّ ذَرَّةٍ اَلْفَ اَلْفَ مَرَّةٍ مِنْ عُبَیْدِكَ اَحْمَدَ رَضَا ابْنِ نَقِیْ عَلِیْ یَسْئَالُكَ الشَّفَاعَةَ فَاشْفَعْ لَه وَلِلْمُسْلِمِیْنَ۔

(اے اللہ کے رسول آپ پر صلٰوۃ وسلام ہو، آپ کی آل وذریت پر بھی ہر ذرہ کے برابر، لاکھوں مرتبہ آپ کے غلام احمد رضا بن نقی علی پر، اور وہ آپ سے شفاعت کا خواستگار ہے اس کی اور تمام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیے۔ ت)

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸
[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب فی زیارت سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

(۲۱) پھر اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی طرف ہاتھ بھر ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چہرہ نورانی کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاصَاحِبَ رَسُوْلِ اللهِ فِيْ الْغَارِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه [1]۔

(اے اللہ کے رسول کے خلیفہ! آپ پر سلام۔ اے رسول اللہ کے یار غار! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکات کا نزول ہو۔ (ت)

(۲۲) پھر اتنا ہی اور ہٹ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے روبرو کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَااَمِيْرَالْمُؤْمِنِيْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَامُتَمِّمَ الْاَرْبَعِيْنِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاعِزَّالْاِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه [2]۔

(اے امیر المومنین آپ پر سلام۔ اے چالیس مسلمان پورے فرمانے والے! آپ پر سلام۔ اے اسلام اور مسلمانوں کی عزت! آپ پر سلام اور رحمت وبرکاتِ الٰہی کا نزول ہو۔ ت)

(۲۳) پھر بالشت بھر مغرب کی طرف پلٹو اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑے ہو کر عرض کرو:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَاخَلِيْفَتَيْ رَسُوْلِ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَاوَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللهِ ط اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَاضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُه، ط اَسْئَلُكُمَا الشَّفَاعَةَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلَيْكُمَا وَبَارَكَ وَسَلَّمَ [3]۔

(اے رسول اللہ کے دونوں خلیفو! تم پر سلام ہو، اے رسول اللہ کے دونوں وزیرو! تم پر سلام ہو۔ اے رسول اللہ کے پہلو میں لیٹنے والو! تم پر سلام اور اللہ کی رحمتوں وبرکات کا نزول ہو، آپ دونوں سے درخواست ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیکما وبارک وسلم کی خدمت اقدس میں میرے لیے شفاعت کا وسیلہ اور سہارا بنو۔ ت)

(۲۴) یہ سب حاضریاں محل اجابت ہیں دعا میں کوشش کرو، دعائے جامع کرو۔ درود پر قناعت بہتر ہے۔

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[3] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰

(۲۵) پھر منبر اطہر کے قریب دعا مانگو۔

(۲۶) پھر روضہ جنت میں (یعنی جو جگہ منبر وحجرہ منورہ کے درمیان ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا[1]) آکر دو رکعت نفل غیر وقت مکروہ میں پڑھ کر دعا کرو۔

(۲۷) یونہی مسجد شریف کے ہر ستون کے پاس نماز پڑھو اور دعا مانگو کہ محل برکات ہیں خصوصًا بعض میں خاص خصوصیت۔

(۲۸) جب تک مدینہ طیبہ کی حاضری نصیب ہر ایک سانس بیکار نہ جائے وہ ضروریات کے سوا اکثر وقت مسجد شریف میں باطہارت حاضر ہو، نماز وتلاوت ودرود میں وقت گزارو دنیا کی بات کسی مسجد میں نہیں چاہئے نہ کہ یہاں۔

(۲۹) ہمیشہ ہر مسجد میں جائے اعتکاف کی نیت کرلو۔ یہاں تمھاری یاددہانی ہی کو دروازے سے بڑھتے ہی یہ کتبہ ملے گا۔ نَوَیْتُ سُنَّۃَ الْاِعْتِکَاف ط (میں سنت اعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ت)

(۳۰) مدینہ طیبہ میں روزہ نصیب ہو خصوصًا گرمی میں تو کیا کہنا کہ اس پر وعدہ شفاعت ہے۔

(۳۱) یہاں ہر نیکی ایک کی پچاس ہزار لکھی جاتی ہے لہٰذا عبادت میں زیادہ کوشش کرو، کھانے پینے کی کمی ضرور کرو۔

(۳۲) قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم یہاں اور حطیم کعبہ معظّمہ میں کرلو۔

(۳۳) روضہ انور پر نظر بھی عبادت ہے جیسے کعبہ معظّمہ یا قرآن مجید کا دیکھنا تو ادب کے ساتھ اس کی کثرت کرو اور درود وسلام عرض کرو۔

(۳۴) پنجگانہ یا کم از کم صبح وشام مواجہہ شریف میں عرض سلام کے لیے حاضر رہو۔

(۳۵) شہر میں یا شہر سے باہر جہاں کہیں گنبد مبارک پر نظر پڑے فورًا دست بستہ ادھر منہ کرکے صلوٰۃ وسلام عرض کرو بغیر اس کے ہر گز نہ گزرو کہ خلاف ادب ہے۔

(۳۶) ترک جماعت بلاعذر ہر جگہ گناہ ہے اور کئی بار ہو تو سخت حرام وگناہ کبیرہ، اور یہاں تو گناہ کے علاوہ کیسی سخت محرومی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جسے میری مسجد میں چالیس نمازیں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق سے آزادیاں لکھی جائیں[2]۔

---

[1] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۴۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک دارالفکر بیروت ۳/ ۱۵۵

(۳۷) قبر کریم کو ہر گز پیٹھ نہ کرو اور حتی الامکان نماز میں بھی ایسی جگہ کھڑے ہو کہ پیٹھ کرنی نہ پڑے۔

(۳۸) روضہ انور کا طواف کرو۔ نہ سجدہ، نہ اتنا جھکنا کہ رکوع کے برابر ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

(۳۹) بقیع واُحد وقبا کی زیارت سنت ہے۔ مسجد قبا کی دو رکعت کا ثواب ایک عمرے کے برابر ہے اور چاہو تو یہیں حاضر رہو، سیدی ابن ابی جمرہ قدس سرہ، جب حضور ہوتے آٹھوں پہر برابر حضوری میں کھڑے رہتے۔ ایک دن بقیع وغیرہ کی زیارت کا خیال آیا پھر فرمایا یہ ہے اللہ کا دروازہ بھیک مانگنے والوں کے لیے کھلا ہے اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں ع

سرایں جا سجدہ ایں جا بندگی ایں جا قرار ایں جا

(۴۰) وقت رخصت مواجہہ انور میں حاضر ہو اور حضور سے بار بار اس نعت کی عطا کا سوال کرو، اور تمام آداب کہ کعبہ معظّمہ سے رخصت میں گزرے ملحوظ رکھو اور سچے دل سے دعا کرو کہ الٰہی! ایمان وسنت پر مدینہ طیبہ میں مرنا اور بقیع پاک میں دفن ہونا نصیب ہو۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین اٰمین یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

اَلنَّیِّرَۃُ الْوَضِیَّۃ شرح الْجَوْھَرَۃِ الْمَضِیَّۃ ۱۲۹۵ھ

مع حاشیۃ

اَلطُّرَّۃُ الرَّضِیَّۃ عَلَی النَّیِّرَۃِ الْوَضِیَّۃ

—متن—

از عالم اجل مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی حسینی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۹۱ھ)

—شرح وحاشیۃ—

از اعلیٰحضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ العزیز

حج، عمرہ اور زیارت سراپا طہارت کے آداب ومسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی حمدہ من بحار القدس جوھرۃ مضیۃ والصلٰوۃ والسلام علٰی من الصلٰوۃ علیہ فی سماء النور نیرۃ وضیۃ وعلٰی اٰلہٖ صحبہ الذی السلام علیھم علٰی تلك

الّا اللّٰہ وحدہ، لاشریك لہ واشھد ان محمدًا عبدہ، ورسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ الٰی یوم القیٰمۃ اٰمین! امّابعد

فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا غفرلہ واصلح عملہ نے زمانہ تالیف "النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ" میں اس پر بعض منیہات، تقییداتِ لطیفہ پر مشتمل، بغرض اظہارِ مرام یا اتمامِ کلام یا ازہاقِ اوہام لکھے تھے۔ اب دیگر حواشی مفیدہ توضیح مسائل یا تخریج احادیث یا زیادتِ فوائد کو متضمن اور اضافہ کیے، مقصود اس تعلیق مختصر مسمّٰی بہا الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ سے صرف برادر ان دینی کے لیے کم از کم پانسو ورق کی کتاب درکار۔ اسأل اللّٰہ ان ینفع بھما وبسائر تصانیفی المسلمین ویجعلھا جمیعا حجۃ لی لاعلیّ یوم الدین وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین۔

شرح میں کہ کمال اختصار منظور تھا خطبۂ متن کا ترجمہ بھی نہ لکھا مگر اس میں متن ناقص رہتا ہے، لہٰذا یہاں تحریر ہوتا ہے۔

قال المصنف رحمہ اللّٰہ تعالٰی بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

م: حمدالمن انزل فرض الحج ودلّنا علی سوی النھج

ت: سب خوبیاں اسے جس نے حج کا فرض اتارا اور ہمیں سب راہوں میں سیدھی راہ بتائی۔

م: ثم صلٰوۃ اللّٰہ والسلام علٰی نبیّ دینہ الاسلامت:

پھر خدا کے درود وسلام اس نبی پر جن کا دین اسلام ہے۔

م: محمد واٰلہٖ الکرام وصحبہ الافاضل الاعلام

ت: یعنی محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی کرم والی آل اور بڑی فضیلت وشہرت والے یاروں پر۔

م: وبعد ذا یقول ذا الفقیر بجمال اللیل ھو الشھیر

ت: اس کے بعد کہتا ہے یہ فقیر کہ جمال اللیل کے لقب سے مشہور ہے۔

م: حسین نجل صالح اخی الھدی للشافعیۃ امام مقتدٰیت:

حسین پسر صالح کہ صاحبِ رہنمائی تھے شافعیہ کے امام پیشوا۔

م: ھذی اتت ارجوزۃ للناسك تنفع فی معرفۃ المناسکت:

یہ ایک رجز ہے حاجی کے لیے کہ نفع دے گی مسائل حج پہچاننے میں۔

ش: ناسك کے اصل معنی عابدوں قربانی کنندہ، یہاں حاجی مراد ہے کہ حج عمدہ عبادات سے ہے اور وجوبًا یا استحبابًا قربانی پر مشتمل، اور رجز ایک قسم نظم یا نثر مسجّع کی ہے علی اختلاف العروضیین فیہ۔

م: سمّیتھا الجورھۃ المضیّۃ تضحٰی بھا نفس الفتی وضیّۃ

ت: میں نے اس کا جوہرہ مضیہ نام رکھا، مردانِ راہِ علم کی جان اس سے روشنی پائے گی۔

م: مؤمّلا من ربی القبولا به انال الفوز والمامولات:

اپنے رب سے قبول کی تمنا کرتا ہوامیں اسی سے پاؤں گا فلح ومراد۔

م: من عندہ التوفیق للصواب ونحواہ المرجع فی المأٰب:

اسی کے پاس ہے راستی کے سامان درست فرمانا اور اسی کی طرف ہے انتہا میں پلٹ جانا۔

م: مقدمة فی وجوب الخ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی فرض الحجة، واوضح المحجة [عـــہ ۱]، والصلٰوۃ والسلام علٰی نبیّہ الذی اقام الحجة، فقوّم اقوامًا معوّجة [عـــہ ۲]، وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین اظہر وازقاق [عـــہ ۳] الدین وفجّة [عـــہ ۴] حتی وقعت بالسمٰوٰت من لجّة [عـــہ ۵] مدائحہم رَجّة [عـــہ ۶] واشہد ان لاالٰہ الااللہ واشہد ان محمدًا عبدہ، ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماتدلاطم الامواج فی لجّة [عـــہ ۷]۔

بعد حمد وصلٰوۃ کے واضح ہو کہ جب توفیق وعنایت الٰہی واعانت حضرت رسالت پناہی علیہ الصلٰوۃ والسلام الغیر المتناہی نے دستگیری فرمائی اور ۱۲۹۵ھ میں فقیر سراپا تقصیر عبد المصطفٰی احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی غفرلہ ماجنی کو بہ ہمراہی رکاب، سعادت انتساب، حضرت افضل المحققین، امثل المدققین، حامی السنۃ السنیّۃ، ماحی الفتن الدنیّۃ، خدمت والدم، قبلہ اعظم حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی مد ظلہم العالی مدی تعاقب الایام واللیالی، خلف حضرت قدوۃ العارفین، زبدۃ الفاضلین، حجۃ اللہ فی الارضین، معجزہ من معجزات سیّد المرسلین علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم حضرت مولٰنا محمد رضا علی خاں صاحب قادری قدس سرہ العلی، نعمت حاضری بلدہ معظّمہ مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعالٰی شرفًا وتکریمًا ہاتھ آئی، حُسنِ اتفاق سے ایک روز جناب مولانا سیّدی حسین بن صالح جمل اللیل علوی فاطمی قادری مکی امام وخطیب شافعیہ سے مقامِ ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم کے

عـــہ ۱: راہِ راست ۱۲) عـــہ ۲: من الاعوجاج کج وناراست ۱۲)

عـــہ ۳: بالضم کوچہ وراہِ تنگ) عـــہ ۴: بفتح راہ کشادہ وفراخ والمراد بہما ظواہر الدین ودقائقہ ۱۲)

عـــہ ۵: شور وغوغا وآواز ۱۲) عـــہ ۶: لرزہ ۱۲)

عـــہ ۷: میان دریا وقعر، دریا ودریائے ژرف والمراد احد الطرفین ۱۲ منہ غفرلہ)

قریب کہ فقیر رکعاتِ طواف اور وُہ جناب امامتِ نمازِ مغرب سے فارغ ہوئے تھے ملازمت حاصل ہوئی۔ سبحان اللہ! عجب بزرگ خوش اوقات وبابرکات ہیں، اکثر عرب وجادہ وداغستان وغیرہا بلاد نزدیک و دور کے ہزاروں آدمی ان کے بلکہ ان کے مریدوں کے مرید اور شرفِ بیعت و سلسلۂ تلمذ سے مستفیض ہیں، اوّل نماز میں حد[عہ۱] سے زیادہ تلطف فرمایا، فقیر کا ہاتھ اپنے دستِ مبارک میں لیے دولت خانہ تک کہ نزدیک باب صفا واقع ہے لے گئے اور تاقیام مکہ معظّمہ حاضری کا تقاضا فرمایا، فقیر حسب وعدہ حاضر ہوا، مسائل حج میں ایک اُرجوزہ اپنا مسمّٰی بالجوہرۃ المضیۃ فقیر کو سنایا، پھر فرمایا کہ اکثر اہل اس سے مستفیض نہیں ہوسکتے، ایک تو زبان عربی' دوسرے مذہب شافعی اور ہندی اکثر حنفی ہیں، مَیں چاہتا ہوں تُو اس کی بزبانِ اردو تشریح اور اس میں مذاہب حنفیّہ کی توضیح کردے۔ فقیر نے باعث اجر جزیل اور ثواب جمیل سمجھ قبول کیا اگرچہ وہاں فرصت نہ تھی' نہ کتابیں پاس۔ روزِ اوّل دو ۲ بیت کے متعلق صرف تفصیل مسائل میں تین ورق طویل سے زائد لکھے گئے۔ جب بطور انموذج حاضر کیے جناب مولانا نے فرمایا: میرا مقصود تطویل اور اس قدر تفصیل نہیں کہ عوام اس سے کم منتفع و متمتع ہوتے ہیں صرف ہمارے کلام کا ترجمہ[عہ۲] و خلاصہ مطلب اور جہاں حنفیّہ کا اختلاف ہو ان کا بیان مذہب ہوجائے۔ فقیر نے امتثالِ امر لازم اور یہی امر فرصتِ حاصلہ کے ملائم دیکھ کر بتاریخ ہفتم ذی الحجہ روز جاں افروز دوشنبہ یہ مختصر جملے لکھ دئے اور **النیرۃ الوضیۃ فی شرح الجوھرۃ المضیۃ** سے ملقب کئے اگرچہ بعض[عہ۳] ضروریات پر بھی مشتمل نہیں مگر حسب، استدعائے مصنّف ہے اور بیان مذہبِ حنفیّہ میں اختیار راجح اور ترک[عہ۴] مرجوح کے ساتھ متصف۔ "م" سے مراد متن ہے اور "ت" ترجمہ "ش" شرح

عہ۱: حالانکہ اس وقت کوئی تعارف نہ تھا وہ تو فقیر کو کیا جانتے، فقیر نے بھی اس سے پہلے انہیں نہ دیکھا تھا پھر جو کچھ کلمات انہوں نے فرمائے فقیر دنیا وآخرت میں ان کی برکات کی امید رکھتا ہے ۱۲ منہ غفرلہ)

عہ۲: حسب الارشادِ مصنّف بیان شافعیہ میں صرف ترجمہ و شرح متن پر قناعت کی تنقیح وترجیح سے غرض نہ رکھی اگرچہ مکہ معظّمہ میں اس کا عمدہ سامان مہیّا تھا، کتب شافعیہ بکثرت ملتیں مگر اس میں ایک تو دیر ہوتی دوسرے مقصود اصلی اس شرح سے ہندیوں کا نفع تھا اُن کے اہلِ سنّت عموماً حنفی، پھر مذہب شافعیہ کی تنقیح ہونی نہ ہونی ایک سی ۱۲ منہ۔)

عہ۳: سفر حرمین طیبین سے معاودت کے بعد حضرت والد علام قدس سرہ، نے جواہر البیان شریف تصنیف فرمائی، فقیر نے اس کے بعض کلمات کا خلاصہ اس شرح کے آخر میں لکھ کر تکملہ کردیا جس کے باعث **بحمد اللہ** اب یہ مختصر تحریر ضروریات پر مشتمل ہوگئی البتّہ ایک جرمانہ کا بیان کہ دفتر چاہتا ہے اور محرم احتیاط رکھے تو اس کی حاجت بھی نہیں پڑتی متروک رہا جسے کسی امر کی ضرورت ہو علماء سے دریافت کرسکتا ہے ۱۲ منہ

عہ۴: مگر نادرًا دو قول بھی بیان میں آئے جہاں دونوں جانب قوت قویہ تھی پھر جسے اس وقت اقوٰی سمجھا بیان میں مقدم رکھا ۱۲ منہ۔)

"م" سے مراد متن ہے اور "ت" ترجمہ "ش" شرح "ف" فائدہ [عہ۱]۔ واللہ نسأل التوفیق، منه الوصول الٰی سواء الطریق (اور اللہ تعالٰی سے ہی ہم توفیق کا سوال کرتے ہیں اور اسی کے کرم سے صراط مستقیم تک رسائی ہے۔ت)

م: مقدّمة فی وُجوب حجّةِ الاسلام

ت: حج [عہ۲] اسلام کے واجب ہونے میں۔

ش: یعنی حج کب واجب ہوتا ہے اور اس کے وجوب کے لئے کیا کیا شرطیں درکار ہیں۔

م: شروطها التکلیف والاسلام والعقل والحریة والتمام

ت: شرطیں اس کے مکلّف مسلمان عاقل ہونا اور پُوری آزادی۔

ش: یعنی شرائط وجوب حج کہ جب وُہ جمع ہوں حج فرض ہو جائے اور ان میں سے ایک بھی فوت ہو تو نہیں، پانچ ہیں:

اول: بلوغ: کہ بچّہ پر فرض نہیں، کرے [عہ۳] گا تو نفل ہوگا اور ثواب اسی کے لئے ہے۔ باپ [عہ۴] وغیرہ مربّی تعلیم وترتیب کا اجر پائیں گے۔ پھر بعد بلوغ شرطیں جمع ہوں گی اس پر حج فرض ہو جائے گا، بچپن کا حج کفایت نہ کریگا۔

دوم: اسلام: کہ کافر پر ایمان لانے کے سوا کوئی عبادت فرض نہیں، نہ اُس کے ادا کیے ادا ہوسکیں، جب مسلمان ہوگا تو سب احکام اس کی طرف متوجہ ہونگے۔

سوم: عقل، کہ مجنون ومعتوہ پر فرض نہیں۔ معتوہ وہ جس کے ہوش وحواس درست نہ ہوں، بہکی بہکی باتیں کرے، رائے میں فساد ہو، پھر اس [عہ۵] کے ساتھ مارے، گالیاں دے تو مجنون ہے۔

عہ۱: "ف" وہاں آئی جہاں کوئی تازہ بات لکھی یا قولِ متن پر کچھ کلام کیا یا مذہبِ حنفیّہ کا خلاف بتایا ۱۲منہ)

عہ۲: حج اسلام حج فرض کو کہتے ہیں یعنی پہلا حج کہ مکلّف ادا کرے ۱۲منہ)

عہ۳: قیدِ عقل خود مفادِ عبارت ہے ظاہر ہے کہ اُس کا حج کرنا جبھی کہیں گے کہ اتنی سمجھ رکھتا ہو اور بے سمجھ بچّہ کی عبادت کچھ معتبر نہیں، نہ وُہ فرض ہو نہ نفل واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ)

عہ۴: یعنی یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ بچّوں کی عبادت کا ثواب ماں باپ پاتے ہیں اُنہیں نہیں ہوتا، غلط ہے، بلکہ عبادت کا ثواب اِنہیں اور تعلیم کا اُنہیں ۱۲منہ۔)

عہ۵: هذا احسن ماقیل فی الفرق بینهما شامی عن البحر ۱۲منه (م)

دونوں میں فرق کی بابت اقوال میں سے یہ احسن ہے، یہ شامی نے بحر سے نقل کیا ہے (ت)

چہارم[۴] پوری آزادی : کہ مکاتب ومدبر وام ولد عـــہ[۱] پر فرض نہیں، جب تک کامل آزاد نہ ہوں، ہاں کرلیں تو نفل ہوگا۔ پھر بعد آزادی کامل اجتماع شرائط ہوا تو حج فرض ادا کرنا پڑے گا۔

ف: مولٰی نے اپنے غلام سے کہا میں نے تجھے مال پر مکاتب کیا یا اتنا مال مقرر کیا کہ مال لادے تو آزاد ہو۔ اور غلام نے قبول کرلیا۔ اسے عقد کتابت کہتے ہیں اور اس غلام کو مکاتب۔ اور جو کہا تو میرے بعد آزاد ہے تو یہ مدبر ہوا، اور جو کنیز اپنے مولٰی کے نطفے عـــہ[۲] سے بچہ عـــہ[۳] جنے وہ ام ولد ہے، ان سب کی غلامی میں ایک طرح کا فرق آجاتا ہے پر حج فرض ہونے کو پوری حریت درکار ہے۔

ف: مکلّف عاقل بالغ کو کہتے ہیں تو بعد ذکر تکلیف، ذکر عقل کی حاجت نہ تھی، پر جناب مصنف نے فرمایا میری مراد تکلیف سے صرف بلوغ ہے۔

ف: کافروں پر ایمان کے سوا اور عبادتیں فرض ہونے میں علماء کو اختلاف ہے۔ شافعیہ کے نزدیک فرض ہیں اور یہی مذہب علمائے عراقیین عہ ۴ کا ہے اور یہی معتمد عہ ۵ وراجح تر ہے، فقیر کہتا ہے اس تقدیر پر اسلام کو

عـــہ۱: یونہی معتق البعض ۲ امنہ)

عـــہ۲: اشارۃ الی انہ لایشترط تحبلھا بجماع المولی حق لو استدخلت منیہ فی فرجھا فحبلت وولدت صارت ام ولد[1] کما فی الدر ۱۲منہ (م)	ام ولد بننے کے لیے مالک کے جماع سے حاملہ بننا شرط نہیں بلکہ کسی طرح مالک کی منی کو اپنی شرمگاہ میں ڈالنے سے حاملہ ہوجائے تو بھی ام ولد بن جائیگی جیساکہ دُر میں ہے ۲ امنہ)

عـــہ۳: عنداللہ اسی قدر سے ام ولد ہوجاتی ہے کمافی الدر ہاں قضاءً پہلی بار مولٰی کا اقرار بھی شرط ہے یعنی وہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے۔ جس کنیز کے لیے ایک دفعہ یہ اقرار کرلیا دوسرے بچے میں قضاءً بھی یہ اقرار شرط نہ رہا البتہ نفی سے منتفی ہوجائے گا اگر زمانہ دراز تک ساقط نہ رہا ہو کہ فراش متوسط ہے قوی نہیں ۱۲منہ)

عـــہ۴: مشائخ سمرقند اصلاً فرض نہیں مانتے، ائمہ بخارا فرماتے ہیں ان پر فرائض کا اعتقاد فرض ہے ادا فرض نہیں۔ منار میں اسی کو صحیح کہا، ثمرہ اختلاف یہ ہے کہ سمرقندیوں کے نزدیک کافروں پر صرف ترک ایمان کے سبب عذاب ہوگا۔ بخاریوں کے نزدیک فرائض کے نہ ماننے پر بھی عراقیوں کے نزدیک ان کے بجانہ لانے پر بھی ۱۲ منہ غفرلہ۔)

عـــہ۵: علامہ ابن نجیم ومحقق علائی نے فرمایا:

---

[1] درمختار باب الاستیلاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۸۷

شرط وجوب [عہ۱] ٹھہرانے میں تامل ہے بلکہ شرط صحت [عہ۲] ادا ہے۔ مگر یہ کہا جائے کہ وجوب سے مراد وہ وجوب ہے جس کے باعث دنیا میں مواخذہ ہوسکے کہ کفار پر ترک فرائض میں احتساب نہیں، نترکھم وما یدینون فافھم (ان کے دین کے معاملہ میں ان سے تعرض نہ کرینگے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

م: ثم استطاعۃ السبیل شرطھا فلیك بالحفظ لھدی ضبطھا

ت: پھر راہ پر قدرت شرط حج ہے۔ پس چاہئے کہ انھیں حفظ کرکے خوب خیال میں رکھا جائے۔

ش: یعنی شرط پنجم استطاعت ہے کہ علاوہ مصارف ضروری کے اس قدر مال کا مالک ہو جو مکہ تک اپنی خواہ کرایہ کی سواری میں، کھانے پہننے کا متوسط، صرف کرتا جائے اور حج کرکے اسی طرح لوٹ آئے اور ضروری مصارف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وھو المعتمد لان ظاہر النصوص یشھد لھم وخلافہ تاویل۔[1] (م)

یہی معتمد علیہ ہے کیوں کہ نصوص کا ظاہر اسی پر گواہ ہے اور اس کا خلاف تاویل ہے۔ (ت)

قرآن مجید میں صاف ارشاد ہوا:

مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۙ﴿۴۳﴾ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۙ﴿۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۙ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۴۶﴾ حَتّٰۤی اَتٰىنَا الْیَقِیْنُ ﴿۴۷﴾ [2] ۱۲ منہ (م)

تمھیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا، انھوں نے کہا ہم نمازی نہ تھے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے اور سازشیں کرنیوالوں کے ساتھ شریک ہوکر ہم بھی حصہ لیتے اور ہم یوم جزا کا انکار کرتے یہاں تک کہ موت آگئی ۱۲ منہ (ت)

عہ ۱: کہ اس مذہب صحیح پر وجوب درکنار وجوب ادا ہے لہذا شرائط مرسوم یعنی صحت ادا کی طرف عدول کیا ۱۲ منہ

عہ ۲: **اقول**: بل لك ان تقول لما لم یکن الکافر من من اھل النیّۃ والنیۃ شرط الصحۃ کان الاسلام مندرجا فیھا لاشرطا بحیالہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (م)

میں کہتا ہوں، آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کافر جب نیت کرنے کا اہل نہیں جبکہ نیت صحت حج کے لیے شرط ہے تو یوں اسلام کا شرط ہونا پایا گیا، علیحدہ شرط نہ سہی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] کشف الاستار حاشیہ در مختار حاشیہ نمبر ۴ کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۰

[2] القرآن ۷۴ /۴۲ تا ۴۷

جیسے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، گھر کا اثاثہ، اہل وعیال کا نفقہ، قرضخواہوں کا قرض، پیشہ ور کو آلات حرفہ۔ سوداگر کو اتنی پونجی جس سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفایت کے لائق کماسکے، طالب علم کے لیے ضروری عــہ۱ دینی کتابیں، اور جنھیں سواری ہتھیار کی حاجت ہو ان کے لیے یہ بھی۔

ف: یہ استطاعت حج کے مہینوں میں درکار ہے یعنی شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، اور جو دُور کے ساکن ہیں کہ پہلے سے چلتے ہیں توجب اس شہر کے لوگ جائیں ورنہ اس سے پہلے اگر استطاعت تھی اور یہ وقت نہ آنے پایا کہ جاتی رہی تو حج فرض عــہ۲ نہ ہوگا۔

ف: ہمارے امام کے نزدیک تندرستی شرط ہے یعنی بدن میں وہ آفت نہ ہو جو سفر سے معذور کردے جیسے اپاہج، مفلوج، اتنا بوڑھا کہ سواری پر نہ ٹھہر سکے، مگر صاحبین فرماتے ہیں ان پر حج بدل کرانا فرض ہے۔

م: صفة الاحرام

ش: یعنی احرام کی کیفیت اور اس کے سنت وفرض کا بیان

م: تجود عن المخیط واجب لِمُحْرِمٍ من غیر عذر لازب

ت: سلے کپڑے اتارنے واجب ہیں احرام والے پر، اگر کوئی عذر لاحق نہ ہو عــہ۳۔

ف: اگر کسی عذر کے سبب سلا کپڑا پہن لے گا تو گنہگار نہ ہوگا ہمارے نزدیک ۱۲منہ ورنہ کفارہ تو ہر حال دینا لازم آئے گا۔

ت: یونہی احرام دو کپڑوں میں ہے بے سلے پاک ستھرے۔

ش: یعنی جب احرام چاہے سلے کپڑے، عمامہ، ٹوپی، موزے اتارے، چادر، تہبند بے سِلی اوڑھے باندھے۔

عــہ۱: منطق فلسفہ کی کتابیں اس میں داخل نہیں ۱۲منہ)

عــہ۲: یعنی جس سال استطاعت ہوئی اسی سال وقت آنے سے پہلے جاتی رہی ورنہ اگر ایک سال وقت تک باقی تھی تو حج فرض ہو چکا اب ساقط نہ ہوگا اگرچہ دوسرے برس وقت سے پہلے استطاعت زائل ہوجائے ۱۲)

عــہ۳: اللازب اللازم ولایشترط لزوم العذر بل وجودہ حین ارتکاب المحظور فلذا فسرہ باللاحق ۱۲منہ (م)

لازب، لازم کو کہتے ہیں، جبکہ عذر کا لزوم نہیں بلکہ ممنوع کے ارتکاب کے وقت اس کا وجہ شرط ہے، اسی لیے اس کی تفسیر میں لاحق کہا ہے ۱۲منہ (م)

ف: نئے سفید ہوں تو بہتر ورنہ دھلے اُجلے اور ان میں رفو یا پیوند بھی اچھا نہیں، پر جائز ہے۔ اور ہمیانی یا تلوار کے پر تلے کا ڈر نہیں۔

م: ینوی اداء النسك بالجنان وفضله فی القول باللسان

ت: نیت کرے حج یا عمرہ کی دل سے اور زیادہ خوبی زبان سے کہنے میں ہے۔

ش: یعنی جامع احرام پہن کر اب جو کچھ ادا کیا چاہتا ہے (حج خواہ عمرہ یا دونوں) اس کی نیت دل سے کرے اور زبان سے بھی الفاظ نیت کہنا بہتر ہے، مثلاً الٰہی میں حج کی نیت کرتا ہوں اسے میرے لئے آسان کر اور قبول فرما۔

م: ملبیا جهرا من المیقات وذا کر اللّٰه فی الحالات

ت: لبّیك کہتا ہوا باآواز میقات سے اور خدا کی یاد کرتا ہوا مختلف حالوں میں۔

ش: میقات ان مقاموں کو کہتے ہیں جو شرع مطہر نے احرام کے لیے مقرر کیے ہیں کہ باہر[عہ۱] سے مکہ معظّمہ کا قصد کرنے والے کو بے احرام ان مقاموں سے آگے بڑھنا حرام ہے، ہندیوں کو وہ جگہ سمندر میں آتی ہے جب کوہ یلملم کی یدھ میں پہنچتے ہیں۔

ف: رکن احرام کے صرف دو ہیں، دل سے نیت اور اس کے ساتھ زبان سے وہ ذکر جس میں اللہ تعالٰی کی تعظیم ہو، خواہ لبیك یا کچھ اور مثل سبحان اللّٰه یا الحمدللّٰه یا اللّٰه اکبر یا اللّٰهم اغفرلی[عہ۲] وغیرہ ذلک، جب یہ دونوں[عہ۳] باتیں پائی گئیں احرام باندھ گیا اور جو کچھ محرم پر حرام تھا

عہ۱: باہر سے مکہ مکرمہ کا قصد اس لیے کہا کہ اگر آفاقی یعنی باہر والا میقات کے اندر کسی مکان مثل جدّہ یا خلیص کا قصد کرکے میقات میں داخل ہوجائے تو اب آفاقی نہ رہا میقاتی ہوگیا اسے وہاں سے مکہ معظّمہ میں بے احرام جانا جائز ہے ۱۲منہ)

عہ۲: اشارة الی انه لا یشترط کون الذکر خالصًا کما فی تحریمة الصلٰوة بل یکفی مطلقا ولو مشوبا بالدعاء هو الصحیح[1] کما فی المسلك المتقسط ۱۲ منه (م)۔

(اس میں اشارہ ہے کہ خالص ذکر شرط نہیں ہے جیسا کہ نماز کے تحریمہ میں ہوتا ہے بلکہ دعائیہ کلمات بھی ملے ہوں تو صحیح ہے جیسا کہ مسلك متقسط میں ہے ۱۲منہ)

عہ۳: احرام کبھی تقلید وسوقِ بدنہ سے ہوتا ہے مگر اس کے بیان میں طول تھا اور ہندیوں میں اس کا رواج نہیں لہٰذا اسی پر اکتفاء کیا گیا ۱۲منہ)

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۰

حرام ہوگیا۔ پھر لبیک کہنا سنت [عہ] اور مُحرِم کے لیے ہر ذکر سے بہتر ہے جہاں تک ہوسکے اس کی کثرت کرے۔ اس کے

عـــہ: وقع فی اللباب ان التلبیة مرة فرض [1] وفی النهر والدر انها مرة شرط قال القاری [2] وهو عند الشروع لا غیر [3] لکن التحقیق ان الفرض والشرط انما هو مطلق الذکر لاخصوص التلبیة کما حققه فی البحر قال وقول من قال انها شرط مراده ذکر یقصد به التعظیم لاخصوصها [4] وتمامه فی ردالمحتار اقول وقد نص فی اللباب قبیل ما مران کل ذکر یقصد به تعظیم الله سبحانه یقوم مقامه التلبیة [5] اھ وفیه فی صدر باب الاحرام شرائط صحته الاسلام والنیة والذکر اوتقلید البدنة [6] اھ ثم عد من سننه تعیین التلبیة قال القاری هناك التلبیة اوما یقوم مقامها من فرائض الاحرام عند اصحابنا [7] اھ وفی الدر یصح الحج بمطلق النیة ولو بقلبه

لباب میں مذکور ہے کہ تلبیہ ایک مرتبہ فرض ہے، اور نہر اور در میں ہے کہ ایک بار شرط ہے۔ ملا علی قاری نے کہا کہ یہ صرف شروع میں ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ فرض اور شرط تلبیہ نہیں بلکہ مطلقاً ذکر ہے جیسا کہ بحر میں اس کی تحقیق ہے انھوں نے کہا کہ جس نے کہا تلبیہ شرط ہے اس کی مراد یہ ہے کہ تعظیم پر مشتمل ذکر نہ کہ خاص تلبیہ، مکمل بحث ردالمحتار میں ہے **اقول**: لباب میں تصریح ہے کہ جو ذکر تعظیم پر مشتمل ہو وہ تلبیہ کے قائم مقام ہوتا ہے اھ اسی میں باب الاحرام کے شروع میں ہے کہ احرام کے صحیح ہونے کی شرط اسلام، نیت، ذکر اور بُدنہ کے گلے میں قلادہ باندھنا ہے اھ پھر اس کی سنتوں میں تلبیہ کو ذکر کیا، ملا علی قاری نے کہا کہ یہاں تلبیہ یا اس کے قائم مقام احرام کے فرائض ہیں ہمارے اصحاب کے ہاں اھ در میں ہے کہ حج، مطلق خواہ صرف دل سے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰

[2] در مختار فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳

[3] مسلک متقسط مع ارشادی الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰

[4] بحر الرائق باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲۲

[5] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۷۰

[6] لباب المناسک مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیہ الخ دارالکتاب العربی بیروت ص ۶۲

[7] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب الاحرام دارالکتاب العربی بیروت ص ۶۲

الفاظ مسنونہ یہ ہیں:

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ ط لَبَّیْكَ لَاشَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ ط اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ عـــہ لَاشَرِیْكَ لَكَ	میں تیرے دربار میں حاضر ہوگیا الٰہی! میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوگیا، میں حاضر ہوگیا ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوگیا ہوں، بلا شبہ تعریف اور نعمت اور ملک تیرے ہی لیے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ (ت)

صبح وشام کے وقت اور ہر نماز کے بعد اور بلندی پر چڑھتے۔ پستی میں اترتے، دوسرے قافلہ سے ملتے، ستاروں کے ڈوبتے، نکلتے کھڑے ہوتے، بیٹھتے،، چلتے، ٹھہرتے غرض ہر حالت کے بدلنے زیادہ کثرت کرے۔

ف: احرام کا مسنون و مستحب طریقہ یہ ہے کہ غسل کرے، بدن سے مَیل اتارے، ناخن ترشوائے، خط بنوائے، موئے بغل و زیر ناف دُور کرے، سر مُنڈانے کی عادت ہو تو منڈائے ورنہ کنگھی کرے، تیل ڈالے، بدن میں خوشبو لگائے، پھر جامہ احرام پہن کر دو رکعت نماز بہ نیت سنت احرام پڑھے۔ پھر وہیں قبلہ رو بیٹھا دل وزبان سے نیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لکن بشرط ومقارنتها بذكر يقصد به التعظيم [1] اھ فانكشف الغطاء والحمد لله رب العٰلمين ۱۲منه (م)

ہو، صحیح ہوجاتا ہے بشرطیکہ نیت کے ساتھ کوئی ایسا ذکر ہو جس سے تعظیم مقصود ہو اھ تو اس سے پردہ چھٹ گیا والحمد للہ رب العٰلمین ۱۲منہ (ت)

عـــہ: قوله الملك استحسن الوقف عليه لئلا يتوهم ان مابعد خبره [2] شرح اللباب ونقل بعضهم انه مستحب عند الائمة الاربعة [3] اھ ردالمحتار، اقول ولم يجب لان المعنى الوہم ايضا صحيح فى نفسه وان لم مرادا ۱۲ منه (م)

لفظ "الملک" پر وقف بہتر ہے تاکہ مابعد کے خبر ہونے کا احتمال پیدا نہ ہو، شرح لباب، اور بعض نے نقل کیا ہے کہ یہاں وقف، ائمہ اربعہ کے ہاں مستحب ہے اھ ردالمحتار، اقول یہ وقف واجب نہیں کیونکہ بعد کے ساتھ ملانے سے جس معنٰی کا وہم ہوسکتا ہے وہ بھی درست ہے اگرچہ وہ معنٰی یہاں مراد نہیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] درمختار فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل ثم یصلی رکعتین دارالکتاب العربی بیروت ص ۶۹

[3] ردالمحتار فصل فی الاحرام مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۷۳

کرے بآواز تین ۳ بار لبیك کہے، آسانی و قبول کی دعا مانگے، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔

م: مُحرمات الاحرام

ت: وہ باتیں جن کا احرام میں کرنا حرام ہے

م: لبس مخیط الثیاب حرماً من غیر علۃ علی من احرماً

ت: سِلا کپڑا پہننا حرام ہے بے کسی بیماری کے احرام والے پر۔

ف: واضح ہو کہ جو باتیں احرام میں حرام ہیں وہ اگر کسی عذر سے کیں یا بھول کر ہوئیں تو گناہ نہیں پر ان کا جو جرمانہ مقرر ہے وہ ہر طرح دینا ہوگا اگرچہ بے قصد واقع ہوں یا سہو سے یا مجبوری کو یا کسی کے جبر سے یا سوتے میں یا کسی طرح اور، سِلا کپڑا احرام جب ہے کہ بطور معتاد استعمال میں آئے ورنہ جُبّہ یا کرتے کا تہ بند باندھا انگرکھا یا پاجامہ بدن پر ڈال کر سویا تو حرام نہیں اگرچہ چاہئے نہ تھا۔

م: ویحرم الطیب کمثل الاٰس ودھن شعر لحیۃ وراس

ت: اور حرام ہے خوشبو جیسے آس عہ۲ اور تیل لگانا داڑھی یا سر کے بالوں میں۔

ف: بدن یا کپڑوں عہ۳ میں خوشبو لگانا حرام ہے اور سونگھنا مکروہ، اور خوشبو کا تیل اور روغن زیتون

عہ۱: مگر نہ حد سے زائد جس میں اذیت ہو، اور عنقریب آتا ہے کہ عورت آہستہ کہے۔

ووقع فی المنسك المتوسط انہ یستحب ان یرفع بھا صوتہ الا ان یکون فی مصر [1]، اھ ولم ارہ لغیرہ ثم وجھہ القاری بخوف الریاء والسمعۃ اقول وفیہ نظر ظاھر ولذا قال القاری ان الاظھر ان یکون یتضرر فصحت علی بعض من حرر [2] ۱۲ منہ (م)

منسک متوسط میں ہے کہ آواز بلند کرنا مستحب ہے۔ مگر شہر میں مستحب نہیں اھ، کسی اور جگہ یہ نہیں دیکھا، پھر علامہ قاری نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا شہر میں بلند کرنے میں ریاکاری کا خوف ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں غور کی ضرورت ہے۔ اسی لیے ملا علی قاری نے کہا کہ ظاہر یہ ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر ہے۔ تحریر کرنیوالے کو اشتباہ ہوگیا ہے، ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: بفارسی درخت مورد نامند بروزن دوست ۱۲

فارسی میں دوست کے وزن پر، مورد ایک درخت کا نام ہے ۱۲ (ت)

عہ۳: احرام سے پہلے جو خوشبو لگائی وہ لگی رہی تو مضائقہ نہیں بعد احرام کے لگانا حرام ہے ۱۲ منہ)

---

[1] منسک متوسط مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۱ و ۷۲

[2] مسلک متقسط مع ارشاد الساری فصل وشرط التلبیۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۷۲

اور تل کا تیل عہ[1] اگرچہ خالص ہوں بالوں میں یا بدن میں لگانا جائز نہیں، اور گھی یا چربی جائز ہے۔

م: حلق شعر ثم قلم ظفر عقد النکاح ثم صید البر

ت: اور بال مُونڈنا، ناخن کترنا، عقد نکاح، جنگلی شکار۔

ش: یعنی سر سے پاؤں تک کسی جگہ کے بال مونڈ کر، کتر کر، نورہ سے، موچینہ سے، آپ یا دوسرے کے ہاتھ سے دور کرنا اصلا جائز نہیں، مگر جو بال آنکھ میں نکلے، اور نکاح کرنا حنفیّہ کے نزدیک اور دریا کا شکار عہ[2] بالاتفاق جائز ہے۔

ف: اس کے سوا منہ عہ[3] یا سر کو ڈھانکنا اگرچہ سوتے میں، یا کسی سے ناحق لڑنا، یا جماع کرنا، یا شہوت سے بوسہ لینا عہ ۴، یا مساس کرنا، یا عورتوں کے آگے جماع کا تذکرہ لانا، کسی کا سر مونڈنا اگرچہ اس کا احرام نہ ہو، جنگلی شکار عہ ۵ کے ہلاک میں کسی طرح شریک ہونا مثلاً شکاری کو بتانا، اشارہ کرنا، بندوق یا بارود دینا، ذبح کے لیے چُھری دینا، اس کے انڈے توڑنا، پَر اُکھاڑنا، پاؤں یا بازو توڑنا، اس کا دودھ دوہنا، اس کا گوشت یا

عہ۱: ان دو تیلوں میں اگرچہ خوشبو نہیں ناجائز ہیں، ان کے سوا اور بے خوشبو کے تیل جیسے روغن بادام وغیرہ، درمختار سے ان کا جواز نکلتا ہے اور شرح لباب میں مطلقًا ناجائز کہا، واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ)

عہ۲: یعنی جبکہ خاص کھانے یا دوا کی غرض سے ہو، یا مذہب راجح پر بطور پیشہ وحرفت بھی، ورنہ تفریحًا شکار جیسا کہ آجکل عوام میں رائج، دریا کا ہو یا جنگل کا، احرام میں ہو یا غیر احرام میں، ہر طرح حرام ہے کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت ۱۲ منہ)

عہ۳: یعنی کل منہ یا بعض، یہاں تک کہ تکیہ پر منہ رکھ کر اوندھے لیٹنا جائز نہیں، ہاں چت یا کروٹ سے روا ہے اگرچہ اس میں رخسارے یا سر کے ایک ٹکڑے کا ڈھانکنا ہوا کہ شرع میں خاص اس کی اجازت ہے اور اس میں مرد وزن کا ایک حکم ہے یہاں تک کہ اسے منہ چھپانے کے لیے روا نہیں کہ پنکھا وغیرہ منہ پر رکھ لے بلکہ سر پر منہ سے الگ یوں رکھے کہ آڑ ہو جائے۔ ہاں سر کا ڈھانکنا عورت کو احرام میں بھی ضرور ہے ۱۲ منہ غفرلہ)

عہ ۴: یعنی اپنی عورت یا کنیز شرعی کے ساتھ بھی یہ باتیں بشہوت ناروا ہیں پھر غیر کے ساتھ دوہرا گناہ، ایک تو فعل آپ ہی ناجائز دوسرے احرام کا محظور ۱۲ منہ)

عہ۵: پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بکری، مرغی کے ذبح کرنے، کھانے پکانے میں حرج نہیں ۱۲ منہ غفرلہ)

یا انڈے پکانا، بیچنا، خریدنا، کھانا، جُوں کے ہلاک پر کسی طور باعث ہونا مثلاً مارنا، پھینکنا، کسی کو اس کے مارنے کا اشارہ کرنا، کپڑا اس کے مرجانے کے لیے دھونا یا دھوپ میں ڈالنا،

وسمہ عہ۱ یا مہندی کا خضاب لگانا، بال خطمی سے دھونا، گوند وغیرہ سے جمانا سب ناجائز ہے۔ اسی طرح تمام چھوٹے بڑے گناہ کو ہمیشہ بُرے ہیں اور احرام میں بہت زیادہ بُرے۔

م: وحکم مرأۃ کذا الکنما احرامہا فی وجہہا فلزم

ان لا تغطیہ وفی لباسہا المخیط تبقی وغطاء راسہا

ت: اور اسی طرح عورت کا حکم ہے لیکن اس کا احرام صرف چہرے میں ہے تو لازم ہوا کہ منہ چھپائے اور سلے کپڑوں میں رہے۔ سر ڈھکے۔

ش: یعنی اوپر جو باتیں گزریں ان میں عورت مثل مرد کے ہے مگر اسے سلے کپڑے پہننا، سر ڈھکنا روا ہے صرف چہرے پر کپڑا نہ عہ۲ آنے دے۔

ف: پردہ نشین عورت کوئی پنکھا وغیرہ منہ سے بچا ہوا سامنے رکھے اور عورتیں لبیک بآواز عہ۳ نہ کہیں،

عہ۱: مہندی دو وجہ سے حرام ہوئی: ایک تو خوشبو ہے، دوسرے اس کے لگانے سے بال چھپ جاتے ہیں تو سر یا منہ کا ڈھانکنا ہوا، اور وسمہ اگرچہ خوشبو نہیں بال چھپائے گا، پھر سیاہ خضاب ہمیشہ ناجائز ہے مگر جہاد میں، تو محرم کو بدرجہ اولٰی ناجائز ہوا۔ حدیث میں ہے: دوسری حدیث میں ہے:

"وہ جنت یک بو نہ سونگھیں گے[1]۔" ہاں اگر کوئی رقیق تیل بے خوشبو جس سے بال کالے نہ ہوں لگایا جائے تو وہ اس اختلاف قاری وعلائی پر ہوگا جو اوپر گزرا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ)

عہ۲: کپڑے سے مراد ہر چھپانے والی چیز ہے، پنکھے کا مسئلہ اس پر دلیل ہے ۱۲ منہ)

عہ۳: بآواز کے یہ معنی نہیں کہ چلا کر نہ ہو بلکہ یہ مراد ہے کہ آپ ہی سنے کسی اجنبی مرد کے کان تک نہ جائے کہ

---

[1] کنز العمال محظورات الخضاب حدیث ۱۷۳۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷۱

م: والحج بالجماع بتّا یفسد قضاؤہ فی قابل یؤکد
مالم یکن ذا جاھلًا اوناسیاّ فما علیہ ان یکون فادیاّ

ت: اور حج جماع سے بے شبہ فاسد ہو جاتا ہے قضا اس کی سال [عہ۱] آئندہ میں ضروری ہوتی ہے، جب تک یہ شخص ناواقف یا بھولا ہوا نہ ہو کہ اس پر فدیہ دینا لازم نہیں۔

م: ولا فدا الیبع التی فدا کرھت وطأ ولا فساد فیما قد قضت

ش: خلاصہ یہ کہ اگر حج میں قبل تحلل اول [عہ۲] کہ دسویں تاریخ منیٰ میں ہوتا ہے یا عمرہ میں قبل اس سے فراغ کلی کے باختیار خود قصداً جماع کیا اور اس کی حرمت سے اگاہ بھی تھا تو وہ حج یا عمرہ فاسد ہو جائے گا اور اس پر فرض ہے کہ اسے پورا کرکے پھر اعادہ کرے اور جرمانہ میں بُدنہ یعنی ایک اونٹ دے، اور جو بعد اس کے کیا یا حرمت نہ جانتا تھا یا بھولے سے کر بیٹھا یا کسی کا جبر تھا تو مذہب اصح پر نہ حج وعمرہ فاسد ہو نہ فدیہ آئے۔

ف: یہ سب تفصیل مذہب شافعیہ کی تھی اور حنفیّہ کے نزدیک اگر حج میں وقوف عرفہ سے پہلے جماع کیا تو حج فاسد، اور اسے بدستور پورا کرکے ذبح شاۃ (بکری) واعادہ لازم، اور وقوف کے بعد کئے سے حج اصلاً فاسد نہیں ہوتا، پھر اگر حلق وطواف فرض سے بھی فارغ ہو کر کیا تو کچھ جرمانہ بھی نہیں، اور ان دونون سے پہلے کیا تو بدنہ لازم آئیگا یعنی اونٹ یا گائے، اور دونوں کے بیچ میں واقع ہوا یعنی طوافِ زیارت کے بعد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اس میں فتنہ ہے اور اپنا سننا ہر گز ذکر وقرات وکلام میں ضرور ہے اس کے بغیر فقط زبان ہلانے کا کچھ اعتبار نہیں یہاں تک کہ نماز میں قرات ایسی پڑھی کہ اپنے کان تک نہ آئے وہ قرات نہ ٹھہرے گی اور اصح مذہب پر نماز نہ ہوگی، بہت لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں ۱۲ منہ)

عہ۱: یعنی اس میں یہ نہیں کہ اب فاسد تو ہو گیا ہے جب چاہیں گے قضاء کرلیں گے، بلکہ فوراً سال آئندہ ہی قضاء کرلیں ۱۲منہ غفرلہ)

عہ۲: دسویں کو جو رمی جمار کرتے ہیں سب کچھ حلال ہو جاتا ہے مگر عورتیں، یہ پہلا تحلل ہوا، پھر جب طوافِ زیارت کیا عورتیں بھی حلال ہو گئیں، یہ تحلل آخر وتحلل تام ہوا، یہ مذہب امام شافعی کا ہے۔ ہمارے نزدیک پہلا تحلل حلق سے ہوتا ہے جب تک حلق نہ کیا کوئی چیز حلال نہیں اگرچہ رمی کر چکے ۱۲منہ

حلق سے پہلے یا بالعکس تو بکری دینی آئے گی مگر بہت علماء صورتِ عکس عہ امیں بدنہ کہتے ہیں، اور عمرہ میں چار طواف سے پہلے فساد ہے اور اتمام وزبح شاۃ واعادہ ضرور، اور چار کے بعد صرف ذبح ہے فساد نہیں، اور ان احکام میں برابر ہے قصداً یا بھولے سے، باختیار خود یا جبر سے، دانستہ یا نادانستہ، واللہ تعالٰی اعلم

م: ارکان الحج

ش: یعنی حج و عُمرہ کے رکن

ف: رکن شے کا وہ ہے جس سے اس کے نفس ذات کا قوام ہو جیسے نماز کے لیے رکوع، سجود، قیام، قعود اور شرط خارج موقوف علیہ کو کہتے ہیں یعنی حقیقت شی میں داخل نہ ہو پر اس کے بغیر شی موجود نہ ہو

عــہ: یعنی جبکہ جماع حتی کے بعد طواف سے پہلے ہو

ففی الھدایۃ والکافی والمجمع واللباب والتنویر والدر وغیرھا ان فیه شاۃ[1] قال فی ردالمحتار ھو ما علیه المتون ومشی فی المبسوط والبدائع والاسبیجابی علی وجوب البدنۃ وفی الفتح انه الاوجه لاطلاق ظاھر الروایۃ وناقشه فی البحر والنھر[2] اھ وکذا حکاہ فی اللباب وعلی الاول مشی القدوری وشراحه وبالجملۃ فالموضع نزاع والاول ارفق وھذا احوط واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه (م)

تو ہدایہ، کافی، مجمع، لباب، تنویر اور در وغیرہ میں ہے کہ اس میں بکری لازم ہے۔ ردالمحتار میں کہا کہ اس پر متون وارد ہیں۔ اور مبسوط، بدائع، الاستیجابی اس پر بدنہ کے وجوب کے قائل ہیں، اور فتح میں ہے کہ یہی ظاہر الروایت کے اطلاق سے موافق ہے۔ اور بحر اور نہر میں اس پر مناقشہ بیان کیا ہے اھ اور یوں ہی لباب میں حکایت کیا گیا ہے، اور پہلے قول پر قدوری اور اس کے شارحین نے رجحان ظاہر کیا ہے، غرضیکہ یہ مقامِ نزاع ہے، پہلا قول آسان ہے اور دوسرا احتیاط پر مبنی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار باب الجنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۷۵

[2] ردالمحتار باب الجنایات مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۰

جیسے نماز کے لیے وضو، نیت، استقبال، تکبیر اور کسی عمل کے فرائض وہ ہیں جن کے ترک عـــہ۱ سے عمل باطل ہو جائے اور واجبات کے ترک سے باطل نہیں ہوتا، اس میں خلل آتا اور ناقص ہو جاتا ہے جیسے نماز میں الحمد، سورت، التحیّات وغیرہا۔

م: للحج ارکان تعد ستة لابد ان تحفظهن البتة

ت: حج عـــہ۲ کے چھ رکن ہیں ضرور ہے کہ تو انھیں یاد کرے جزمًا

عــــہ: یہ تعریف رکن وشرط دونوں کو شامل، تو فرض ان سے عام ہے،وفی المسلك المتقسط الفرائض اعم من الارکان والشرائط وغیرهما کا لاخلاص فی العبادة [1] اقول یظهر لی ان هذا فی الفرض فی نفسه ومنه الاخلاص فانه فرض بحیاله ولیس من فرائض الصلوة مثلا والا لبطلت بالریاء اما الفرض فی غیره فلا بدان یتوقف وجوده علیه بمعنی انه لایصح الا به فان دخل فرکن وان کان خارجا موقوفا علیه وهذا هو معنی الشرط نعم قد یوخذ فی الشرط تقدمه وجودًا والمعیة بقاء کشروط الصلٰوة [2] واسطة کترتیب مالا یتکرر فی رکعة فافهم ۱۲منه غفرله۔(م)	مسلک متقسط میں ہے کہ فرائض، ارکان وشرائط وغیرہ سے عام ہیں جیسا کہ عبادت میں اخلاص اقول میرے ہاں ظاہر یہ ہے کہ یہ معاملہ نفس فرض کا ہے جس میں سے اخلاص بھی ہے کہ یہ مکمل فرض ہے حالانکہ یہ نماز کے فرائض میں سے نہیں ہے ورنہ نماز ریاکاری سے فاسد ہو جائے، لیکن غیر میں کوئی فرض ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس فرض پر اس غیر کا وجود موقوف ہو یعنی اس کے بغیر اس غیر کی صحت نہ ہو سکے، تو اب یہ فرض اس غیر میں داخل ہو تو رکن کہلائے گا اور اگر خارج ہو کر موقوف علیہ بنے تو شرط ہوگا، ہاں شرط میں کبھی وجود کے اعتبار سے مقدم ہونا اور بقاء کے اعتبار سے موقوف کے ساتھ رہنا بھی ملحوظ ہوتا ہے جیسا کہ نماز کی ان شرائط کی ترتیب جو ایک رکعت میں مکرر نہیں آتیں۔

عــــہ۲: یہ چھ کہ مصنف نے ذکر فرمائے ان میں ہمارے نزدیک تو اکثر رکن نہیں اور بعض بطور شافعیہ بھی محلِ کلام، فقیر نے ایضاح امام نووی میں کہ شافعیہ کے عمدہ مذہب واحد الشیخین میں مطالعہ کیا کہ انھوں نے ارکان حج صرف پانچ گنے ترتیب کو واجبات میں شمار کیا ولعل هذه روایة اخری فی مذهبهم (ہو سکتا ہے کہ ان کے مذہب کی یہ دوسری روایت ہو۔ ت واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ)

[1] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب فرائض الحج دار الکتاب العربی بیروت ص ۴۵

[2] یہ عبارت نہیں پڑھی گئی ۱۲

م: للحج ارکان تعد ستة　　لابد ان تحفظهن البتة

ت: حج کے چھ رکن ہیں ضرور ہے کہ توانھیں یاد کرے جزمًا

م: فنية الحج اول الصفة　　ثم الوقوف معهم بعرفة

ت: پس نیت حج کی ساری ترکیب میں پہلے ہے پھر حاجیوں کے ساتھ عرفہ کے دن وقوف کرنا۔

ش: اس وقوف کے لیے جس طرح دن مقرر ہے یعنی عرفہ [عہ۱] کہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے یونہی مکان بھی معین ہے یعنی عرفات کہ مکہ معظّمہ سے پورب کو نو کوس ہے۔ تو مصنف کا فرمانا کہ حاجیوں کے ساتھ وقوف کرنا وہ اس سے تعیین مکان کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جہاں حجاج ٹھہرتے ہیں وہاں ٹھہرنا ورنہ وقوف میں اوروں [عہ۲] کے ساتھ ہونا ضرور نہیں۔

م: ثم طواف ثم سعی بالصفا　　والحلق والترتیب فیما وصفا

ت: پھر طواف زیارت پھر صفامروہ میں دوڑنا اور سر منڈانا اور ان افعال میں ترتیب۔

ش: یعنی پہلے نیت پھر وقوف پھر طواف پھر سعی، لیکن طواف وحلق میں ترتیب ضرور نہیں، اور حلق سے مراد عام ہے سر منڈانا یا بال کترانا، ہاں منڈانا افضل ہے۔

ف: ہمارے نزدیک رکن حج کے صرف [عہ۳] دو ہیں، سب میں بڑا رکن وقوفِ عرفہ، اس کے بعد طوافِ زیارت باقی نیت شرط ہے اور فرائض میں ترتیب فرض اور سعی وحلق واجب۔

م: هٰذه كذا للعمرة الاركان　　سوى الوقوف هٰكذا البيان

ت: یونہی یہ چیزیں عمرہ کی رکن ہیں سوا وقوف کے اسی طرح بیان چاہیے۔

ف: ہمارے ہاں رکن عمرہ صرف طوف ہے اور نیت شرط اور سعی وحلق واجب۔

ف: یہ نیت کہ حج وعمرہ میں شرط مانی گئی اس کے دو معنی ہیں ایک تو شروع میں حج یا عمرہ کا عزم

عہ۱: آگے شرح میں آتا ہے کہ وقوف کا وقت عرفہ کے دوپہر ڈھلے سے دسویں کی طلوع فجر تک ہے مگر یہ رات نویں تاریخ ہی کی رات گنی جاتی ہے، علماء نے فرمایا راتیں ہمیشہ آنے والے دن کے تابع ہوتی ہیں، مثلاً جمعہ کی رات وہ ہے جس کی صبح کو جمعہ ہو، پر ایامِ حج کی راتیں گزرے دنوں کی تابع ہیں مثلاً شب عرفہ وہ رات ہے جو نویں تاریخ کے بعد آئے گی اور شبِ نحر دسویں کے بعد ۱۲منہ

عہ۲: دفع دخل مقدر ۱۲منہ)

عہ۳: ان کے سوا احرام میں بھی باآنکہ شرط ہے کئی مشابہتیں رکن کی ہیں كما بينه فی ردالمحتار اقول ولی فی اکثر هن کلام بینته علی هامشه ۱۲منه جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، میں کہتا ہوں کہ ان میں سے اکثر میں میری کلام ہے جو میں نے اس حاشیہ میں بیان کی ہے۔ ت)

یہ بعینہٖ احرام ہے یعنی دل سے قصد اور اس کے ساتھ زبان سے ذکر خدا، دوسرے طوافِ رکن میں نیت طواف کہ وہ فرض ہے اور بے نیت[عہ۱] ادا نہیں ہوتا تو اس کی نیت بھی شرط ٹھہری۔

حج کے فرض

ف: یہ فصل جنابِ مصنف نے نہ لکھی، ہمارے نزدیک رکن کے سوا اور بھی فرض ہیں اور واجبات الگ، لہٰذا اپنے طور پر بیان کرتے ہیں، حج میں دس فرض ہیں: ۱احرام، ۲وقوف، ۳طواف کے چار[عہ۲] پھیرے، ۴ان میں طواف کی نیت، ۵وقوف کا عرفات میں ہونا، ۶اپنے وقت میں ہونا کہ زوال[عہ۳] عرفہ سے فجر نحر تک ہے۔ ۷طواف کا مسجد الحرام میں ہونا، ۸اپنے وقت میں ہونا کہ فجر نحر سے آکر عمر تک ہے۔ ۹فرضوں میں ترتیب کہ پہلے احرام[عہ۴] ہو پھر وقوف پھر طواف، ۱۰وقوف سے پہلے جماع[عہ۵] سے بچنا، ان دس ۱۰ میں سے ایک بھی رہ جائے تو حج نہ ہو والعیاذ باللہ۔

واجبات الحج

حج کے واجب

م: الرمی للجماد والاحرام کذا بمزدلفۃ المنام

ت: جمروں پر سنگریزے مارنا اور احرام، ایسا ہی مزدلفہ میں سونا۔

عہ۱: یہ اس لیے کہ دیا کہ وقوف عرفہ بھی فرض بلکہ رکن اعظم ہے پر وہ بے نیت بھی ادا ہو جاتا ہے تو اس کی نیت شرط نہیں ہو سکتی ۱۲منہ۔ عہ۲: ہر طواف میں سات پھیرے ہوتے ہیں یونہی اس طوافِ فرض میں بھی، مگر ان سے فرض فقط چار ہیں، انہی کے اعتبار سے اسے طواف فرض کہا جاتا ہے۔ باقی تین واجب ہیں نہ کیے تو دم دے گا، حج ہو گیا۔ اور چار سے کم کیے تو حج ہی نہ ہوا ۱۲ منہ

عہ۳: نویں تاریخ دوپہر ڈھلے سے دسویں پو پھٹے تک اس بیچ میں وقوف کا وقت ہے۔ اگر زوال عرفہ سے پہلے وقوف کرکے حدود عرفات سے باہر ہو گیا اور وقت میں اعادہ نہ کیا یا پہلے نہ کیا تھا صبح نحر چمکنے کے بعد کیا تو حج نہ ہوگا ۱۲منہ

عہ۴: اس فرض کو تین فرض کہہ سکتے ہیں احرام کا وقوف سے پہلے ہونا ایک، طواف پر تقدم دو، وقوف کا طواف سے پیشتر ہونا تین ۱۲ منہ۔ عہ۵: جماع سے بچنا ہمیشہ حج میں واجب ہے جب تک مطلقاً طوافِ فرض سے فارغ نہ ہو جائے پر وقوف تک احتراز فرض ہے کہ اس سے پہلے جماع موجب فساد ہوتا ہے پھر فساد نہیں کما مر ۱۲ منہ

ف: ہمارے نزدیک احرام فرض ہے کما سَبَقَ (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) ہاں اس کا میقات عہ۱ سے ہونا واجب ہے۔
ش: منیٰ ایک بستی ہے مکہ معظّمہ سے عرفات کی طرف تین کوس، وہاں تین جگہ ستون بنے ہیں انھیں جمار د جمرات کہتے ہیں اور ہر ایک جمرہ۔ دسویں تاریخ سے ان پر کنکریاں مارتے ہیں اورت منیٰ سے تین کوس مزدلفہ ہے نویں شام کو عرفات سے پلٹ کر یہاں رات گزارتے ہیں دسویں کو منیٰ آتے ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک رات کا بڑا حصہ یہاں بسر کرنا واجب ہے، اسی لیے عہ۲ جنابِ مصنف سونا فرمایا ورنہ حقیقۃً سونے کا حکم کچھ نہیں۔
ف: ہمارے نزدیک واجب صرف اس قدر ہے کہ [2]مغرب وعشاء یہیں پڑھے [3]صبح کو کچھ دیر وقوف کرے، باقی رات کو رہنا واجب نہیں سنت ہے۔

م: ثم المبیت بمنیٰ للرمی ثم الطواف للوداع ینوی

ت: پھر رات کو [4]منی جمار کے لیے رہنا پھر [5]طواف رخصت کی نیت کرے

ف: منی میں دسویں، گیارھویں، بارھویں دن رمی جمار واجب ہے، شب باشی ہمارے نزدیک سنت ہے اور طواف وداع کہ رخصت کے لیے کرتے ہیں آفاقی یعنی باہر والے پر واجب ہے مکی تو دس دن کا ساکن ہے نہ کہ رخصت ہونے والا۔
ف: یہاں تک ہمارے مذہب کے پانچ واجب گزرے اور ان کے سوا اور بہت ہیں مثلاً صفا

عہ۱: لوگ تین قسم ہیں، [1]اہل حرم جو مکہ معظّمہ یا اس کے گرد ان مقاموں میں رہتے ہیں جہاں تک شکار وغیرہ حرام ہے۔ [2]اہل حل جو حرم سے باہر مواقیت کے اندر ہیں، [3]اہل آفاق جو مواقیت سے بھی باہر ہیں آفاقیوں کے لے ے حج وعمرہ دونوں کی میقات انھیں مواقیت کے جیسے ہندیوں کے لے ے محاذات لیملم، اہل حل کی میقات حل ہے یعنی جب حج یا عمرہ کو جائیں حرم میں پہنچنے سے پہلے احرام باندھ لیں اور اہل حرم کے لے ے میقات حج حرم سے یعنی مسجد الحرام شریف خواہ اپنے گھر ہی سے، غرض حرم کی کسی جگہ سے احرام کریں اور عمرہ کے لے ے حل یعنی حرم سے باہر جا کر عمرہ کا احرام باندھیں۔)
ف: مکی کے لیے احرام وعمرہ میں افضل تنعیم ہے کہ مدینہ طیبہ کی طرف تین کوس پر ہے، یونہی جب حجاج حج سے فارغ ہو کر مکہ میں چند روز ٹھہریں وہیں سے عمرہ لائیں کہ نزدیک بھی ہے اور افضل بھی۔ واللہ تعالٰی علم ۱۲منہ۔ عہ۲: دفع دخل مقدر۔

مروہ میں سعی اور اس کا ایک طواف کامل [عہ۱] کے بعد صفا سے شروع اور سات پھیرے اور ہر بار پوری مسافت قطع اور بشرط قدرت پیادہ ہونا، دن میں [عہ۲] وقوفِ عرفہ کرنے والے کو غروبِ شمس کے بعد تک انتظار کرنا، اس کا امام [عہ۳] کے ساتھ عرفات سے کوچ کرنا یعنی امام کے چلنے سے پہلے حدود عرفہ سے باہر نہ ہونا بشرطیکہ امام وقت [عہ۴] پر کوچ کرے اور ہمراہی میں حرج نہ ہو، جمرۃ العقبیٰ کی رمی کہ دہم کو ہے حلق سے پہلے ہونا، ہر دن کی رمی اسی دن ہو جانا، حلق یا تقصیر اور ان کا ایام نحر میں خاص زمین میں ہونا، طواف فرض کا بارھویں [عہ۵] تک ہو جانا حجر اسود سے شروع ہونا، ساتھ پھیرے حطیم سے باہر باوضو ستر عورت کے ساتھ، بشرط قدرت پیادہ، اپنی دہنی طرف سے آغاز ہونا یعنی کعبہ معظّمہ بائیں ہاتھ کو رکھنا، قارن [عہ۶] و متمتع کا شکر کی قربانی حلق سے پہلے رمی کے بعد ایام نحر میں کرنا وغیر ذالک۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عہ۱: طواف کامل یہ ہے کہ شرائط صحت کو جامع اور جنابت و حیض سے پاک ہو عام ازیں کہ فرض ہو جیسے طواف زیارت یا واجب جیسے طواف الوداع کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئیگا۔ ت) یا سنت جیسے طواف القدوم یا نفل جیسے متمتع حج کی سعی طواف زیارت سے پہلے کرنی چاہئے تو ایک طواف نفل کرکے ادا کرے۔ اس کے سوا کامل کے یہ معنٰی نہیں کہ ساتویں پھیروں کے بعد ہو بلکہ چار کے بعد ہونا کافی ہے۔ سعی صحیح اور واجب ادا ہو جائیگا، اگرچہ سنت یونہی ہے کہ ساتویں پھیروں کے بعد کرے، ہاں اگرچہ پھیروں سے پیشتر کی تو سعی ادا نہ ہوگی اور طواف کے بعد سے بعدیت متصلہ مراد نہیں اگرچہ مستحب فوراً ہوتا ہے مگر پہلے طواف ہو لیا تو پھر جب کبھی سعی کریگا صحیح ہوگی ۱۲ منہ)

عہ۲: یہ قید اس لیے لگادی کہ جو نویں تاریخ وقت نہ کرسکا ہو اور دسویں شب کو کرے اس پر کچھ واجب نہیں ایک لمحہ کے لیے زمین عرفات میں گزر جانا کافی ہے کہ فرض اسی قدر ہے ۱۲ منہ)

عہ۳: اس کا اس لیے کہا جو رات کو وقوف کرے اس پر امام کے ساتھ کوچ بھی واجب نہیں کہ امام تو اس کے آنے سے پہلے جاچکا ۱۲ منہ)

عہ۴: یعنی اگر امام نے ترک واجب کرکے غروب سے پہلے کوچ کردیا تو ساتھ نہ دیں یونہی اگر غروب کے بعد اس نے دیر کی یہ روانہ ہو جائیں ۱۲ منہ)

عہ۵: یعنی اس کے چار پھیرے جو فرض ہیں بارھویں تک ہو گئے تو واجب ادا ہو لیا اگرچہ باقی تین پھر کبھی ہوں، ہاں سنت یونہی ہے کہ پورا طواف انہی دنوں میں ہولے بلکہ ساتوں پھیرے ایک ساتھ ہو ۱۲ منہ)

عہ۶: مفرد کو یہ قربانی مستحب ہے ۱۲ **منہ غفرلہ**)

م: بعض سُنن الحج

ت: حج کی بعض سنتیں

م: قد سنّ للمرء الطواف ان قدم والحجر الاسود فیہ یستلم

ت: باہر سے آنے والے کو ایک طواف سنت ہے، طواف میں سنگ اسود کا بوسہ لے

ش: یہ پہلا طواف ہے جو مفرد حاضر عہ۱ ہوتے ہی کرتا ہے اور قارن عمرہ کے بعد، اسے طواف قدوم کہتے ہیں گویا حاضری دربار اعظم کا مجرا۔

ف: یہ طواف متمتع عہ۲ کے لیے نہیں نہ اہل مکہ کو کہ وہ ہر وقت حاضر بارگاہ میں اور سنگ اسود کا بوسہ نہ اسی طواف بلکہ ہر طواف میں سنت ہے، طواف اسی سے شروع اور اسی پر ختم ہوتا ہے۔

م: والاضطباع ثم رمل قداتٰی ورکعتان للطواف یافتیٰ:

سنتوں کے شمار میں اضطباع پھر رمل آیا اور وہ رکعتیں طواف کی اے جوان!

ش: اضطباع یہ کہ چادر دہنے بغل کے نیچے سے نکال کر یہ آنچل بائیں شانے پر ڈالے لے جس میں دہنا کندھا کُھلا رہے۔ اور رمل یہ کہ طواف میں جلد جلد چھوٹے قدم رکھتا شانوں کو جنبش دیتا چلے۔

ف: یہ دونوں سنتیں خاص مردوں کے لیے ہیں وہ بھی صرف اس طواف میں جس کے بعد صفا مروہ میں سعی ہوتی ہے یعنی طواف عمرہ اور حج میں طواف قدوم کہ اکثر بخیال عہ۳ زحمت و کمی فرصت اسی کے بعد سعی کرلیتے ہیں، ہاں جس سے رہ گئی وہ طواف زیارت عہ۴ کے بعد کرے گا تو اس طواف میں رمل کرے مگر

عہ۱: مفرد، قارن، متمتع کے معنی عنقریب تکملہ میں آتے ہیں ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ منہ)

عہ۲: اس لیے کہ وہ آتے وقت عمرہ لایا اور عمرہ میں طواف قدوم نہیں۔ جب عمرہ کرلیا مکی ہوگیا اور مکی کو یہ طواف نہیں ۱۲ منہ)

عہ۳: آگے آتا ہے کہ مفرد کو طواف زیارت کے بعد کی افضل ہے پر اس دن بہت ہجوم ہوتا ہے اور کئی کام اس لیے طواف قدوم پر کرلیتے ہیں اور قارن کے لیے افضل ہی یہ ہے ۱۲ منہ)

عہ۴: جس نے طواف زیارت کے بعد بھی سعی نہ کی وہ طواف الوداع کے بعد کرلے کہ سعی کا کوئی وقت معین نہیں ہے اور اب اس طواف میں رمل بھی بجالائے۔

لان الرمل بعد طواف یعقبہ سعی افادہ	کیونکہ رمل ایسے طواف کے بعد ہوتا ہے جس کے بعد

(باقی برصفحہ آئندہ)

اضطباع ساقط ہوگیا۔

ف: اضطباع طواف میں ہوتا ہے اور رمل صرف اگلے تین پھیروں عــہ میں، باقی چار میں اپنی چال، اور ہجوم کے سبب رمل میں اپنی یا اور کی ایذا ہو تو ترک رہے۔ جب غول نکل جائے پھر رمل کرتا چلے۔

ف: ہر طواف کے بعد دو رکعتیں ہمارے نزدیک سنت نہیں بلکہ واجب ہیں۔

م: ورکعتا الاحرام ثم الغسل لہ وفی جھر الملبّی فضل

ت: اور احرام کی دو رکعتیں پھر اس کے لیے نہانا اور لبیک کے بآواز کہنے میں فضیلت ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامۃ الخیر الرملی قال ولم ارہ صریحا و ان علم فی اطلاقھم [1] اھ ردالمحتار

اقول: لا کلام فی جوازہ قد صرحوا ان لاتوقیت و انما الکلام فی انہ یومر بایقاع السعی بعد طواف الصدور ولوندبا ولعل الوجہ فیہ ان یقع سعیہ متصلا بالطواف کما ھو لمستحب لکن یعارضہ مستحب اٰخر وھو ان لایکون بین طوافہ للصدر ونفرہ من مکہ حائل کما نصوا علیہ وقد اوجب ذالك الامام الشافعی ویوافقہ روایۃ عن ابی یوسف والحسن بن زیاد رحمھم اللہ تعالٰی فتاکد الاستحباب خروجا عن الخلاف فافھم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ

سعی ہو اس کا افادہ علامہ خیر الدین رملی نے کیا اور فرمایا اور میں نے صراحۃً یہ دیکھا کہ نہیں اگرچہ فقہاء کے اطلاقات سے معلوم ہوسکتا ہے اھ ردالمحتار **اقول:** اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ وہ تصریح کرچکے ہیں کہ اس میں وقت مقرر نہیں۔ اس میں ضرور کلام ہے کہ کیا طواف وداع کے بعد سعی کا استحبابًا بھی حکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وجہ یہ ہو کہ طواف کے بعد متصل سعی ہوجائے تو مستحب ہے لیکن یہاں ایک دوسرا مستحب اڑے آرہا ہے وہ یہ کہ طواف وداع اور کوچ کرنے میں کوئی چیز درمیان میں حائل نہ ہو جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جبکہ امام شافعی اس کو واجب قرار دیتے ہیں اور اس کی موافقت ابویوسف اور حسن بن زیاد کی روایت بھی کرتی ہے تو فورًا بعد میں روانہ ہونے کا استحباب واضح ہوگیا، اس کو سمجھو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

عــہ: یہاں تک کہ اگر اول پھیروں میں بھول گیا تو بھی ان چار میں اور اگر پہلے پھیرے میں یاد نہ رہا تو دو ہی میں کرے اور دو میں بھولا تو ایک ہی میں ۱۲ منہ

[1] ردالمحتار مطلب فی طواف الزیارۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۸

ش: یہ مسائل ہم اوپر لکھ چکے اور یہ بھی کہ عورت لبیك آہستہ کہے۔ غسل نماز احرام کلام مصنف میں ذکرًا مؤخر ہے وقوعًا مقدم۔

م: وفی منی المبیت لیل عرفة من سنة فافهم اخی بمعرفة

ت: اور منٰی میں نویں رات شب باشی سنت ہے پس اے برادر! اسے پہچان کر سمجھ لے۔

م: والجمع بین اللیل والنهار بعرفاتٍ جاء فی الاٰثار

ت: اور عرفات میں شب وروز کا جمع کرنا حدیثوں میں آیا ہے۔

ش: یعنی نویں تاریخ جو وقت سے عرفات میں وقوف کرتے ہیں اسے دن میں ختم کریں بلکہ اتنا ٹھہریں کہ سورج وہیں ڈوبے اور ایک لطیف عہ۱ حصہ رات کا آجائے۔ اس کے بعد مزدلفہ چلیں۔

ف: وقوف فرض تواس قدر ہے کہ عرفہ کی دوپہر ڈھلے سے دسویں شب کی صبح صادق تک عرفات میں ہونا پایا جائے اگرچہ ایک عہ۲ لمحہ۔ پھر جو رات کو وقوف کرے اگرچہ مکروہ ہے اسے کچھ دیر لگانا ضرور نہیں اور جو دن کو بعد زوال وقوف کرے کہ سنت یہی ہے اس پر ہمارے نزدیک امور مزکورہ یعنی غروب شمس تک ٹھہرنا اور جزو قلیل شب کا لے لینا واجب ہیں مگر بعد غروب دیر نہ کرے کہ مکروہ ہے۔

م: سن الوقوف جانب الصخرات والمشعر عہ۳ الحرام حین یاتی

ت: سنت ہے ٹھہرنا پتھروں کی طرف اور مشعر حرام میں جب آئے۔

ش: عرفات میں سب سے اونچا میدان سیاہ چٹانوں کے پاس جس میں قبلہ رو کھڑے ہو تو جبل الرحمۃ دہنے ہاتھ

عہ۱: اس سے یہ مراد کہ آفتاب کا غروب یقینی ہوجائے اس کے بعد ہی فورًا کوچ کردیں کہ پھر توقف مکروہ ہے اور ظاہر کہ بعد غروب ایک آن بھی گزری تو رات کا ایک لطیف حصہ آگیا ۱۲ منہ)

عہ۲: اگرچہ بلا قصد، اگرچہ سوتا ہوا، اگرچہ بیہوش، اگرچہ بالاکراہ، اگرچہ بحالت حدث حیض یا نفاس یا جنابت، اگرچہ جانتا بھی نہ ہو کہ یہ مقام عرفات ہے فرض ہر طرح ادا ہوجائے گا ۱۲ منہ)

عہ۳: **قلت:** فی ضبط اعرابه شعرا یوافقه زنة وقافیةً۔

انصبه مفعولا لفعل یاتی

او جُرَّہ، عطفًا علی الصخرات

۱۲ منه غفرله۔

میں نے المشعر الحرام کے اعراب کو ضبط کرنے میں شعر کہا ہے جو وزن اور قافیہ میں اس شعر کے موافق ہے:
اسے "یأتی" فعل کے مفعول ہونے کی بنا پر نصب دے یا "الصخرات" پر عطف ہونے کی بناپر جر دے۔ ۱۲ منہ (ت)

کو رہتا ہے۔ اسے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکانِ وقوف گمان کیا جاتا ہے بہت افضل ہے کہ کسی کی ایذا نہ ہو تو وہاں وقوف کرے۔

ف: یہ تو مستحب ہے اور مشعر الحرام کو مزدلفہ میں ایک خاص مقام کا نام ہے بالخصوص وہاں وقوف مسنون، ورنہ مزدلفہ کا وقوف ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

م: اخذ الحصار یاصاح من مزدلفة من سنة وغسلها ان اردفه

ت: مزدلفہ سے کنکریاں لینا اے رفیق میرے! سنت ہے اور ان کا دھولینا اگر اس کے بعد کرے۔

ش: دسویں کی صبح کو مزدلفہ سے منیٰ جاتے ہیں تو آج وہاں ایک جمرہ پر کنکریاں ماریں گے اس کے لیے مستحب ہے کہ سات عــہ۱ سنگریزے یہاں سے اٹھالے۔ اور دھونا تو ہر طرح مستحب ہے کہیں عــہ۲ سے اٹھائے۔

عــہ۱: اور وہ جو بعض لوگ باقی دنوں کی رمی جمرات ثلاثہ کو بھی سنگریزے یہیں سے لیتے ہیں مباح ہے نہ کہ کچھ مندوب نہ کچھ معیوب ۱۲ منہ)

عــہ۲: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنگریزے ہر جگہ سے لینے جائز ہیں، ہاں جمرات کے پاس سے نہ اٹھائے کہ وہ پھینکی ہوئی کنکریاں ہوتی ہیں اور حدیث میں ہے: "جس کی قبول ہوتی ہیں فرشتے اٹھالے جاتے ہیں ورنہ تمھیں پہاڑ نظر آتے" [1] اس سے معلوم ہوا کہ جو پڑی رہ جاتی ہے ہو معاذ اللہ مردود ہوتی ہیں تو انھیں اپنے حج میں کیوں استعمال کیجیو، غور کرو تو یہ بھی ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔ اسلام میں حج ہوتے تیرہ سو برس کے قریب گزرے۔ ہر سال لاکھوں بندگان خدا ہوتے ہیں ایک روایت میں چھ لاکھ ایک روایت میں آٹھ لاکھ حضرت حسن بصری کے اثر میں پندرہ لاکھ ان سے کم ہوتے نہیں، تو فرشتے عدد پورا کرتے ہیں اور قاعدہ ہے کہ ایسی جگہ عدد زائد ماخوذ ہوتا ہے کہ کم اس کا منافی نہیں۔ فقیر جس سال حاضر ہوا یعنی ۱۲۹۵ھ حاجیوں کی مردم شماری اٹھارہ لاکھ سنی گئی پھر ہر شخص ۴۹ یا ۷۰ کنکریاں مارتا ہے ۴۹ ہی رکھئے تو پندرہ لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ پینتیس لاکھ (۷۳۵۰۰۰۰۰) کنکریاں جمع ہوئیں، جمع کیجئے تو ہر سال پہاڑ بنتا ہے پھر جب دیکھئے تو جمرے خالی ہوتے ہیں منیٰ میں کچھ گنتی کنکریاں نظر آتی ہیں، یہ خدا کی شان ہے اور حقیقت اسلام کی صریح برہانو الحمد اللہ تعالیٰ رب العٰلمین۔)

ف: یونہی مسجد کی کنکریاں نہ لے کہ بے ادبی اور اسی کی چیز کا اپنے تصرف میں لانا ہے اسی طرح ناپاک کنکری بھی نہ لینی چاہئے کہ ان پر خدا کا نام لیا جاتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ)

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۲۱۴۱، ۸۱/۵ والترغیب والترھیب، الترغیب فی رمی الجمار الخ ۲ /۲۰۸

م: وفی منیٰ لاتترکن الاضحیة کذا صلٰوۃ العید مع الحسن النیة

ت: اور منیٰ میں عید کی قربانی نہ چھوڑ، یونہی عید کی نماز نیک نیت ہے۔

ف: ہمارے نزدیک نماز عید وقربانی دونوں مقیم مالدار پر واجب ہیں اور شافعیہ سنت کہتے ہیں، لہذا مصنفِ علام نے اپنے مذہب کے موافق انھیں سنن میں گنا، مگر یہاں واجب التنبیہ یہ بات ہے کہ ہمارے علماء ذخیرہ ومحیط وغیرہما میں تصریح فرماتے ہیں کہ منیٰ میں نماز عید اصلاً نہیں کہ وہاں لوگوں کو امور حج سے فرصت نہیں ہوتی۔ علامہ ابراہیم حلبی نے فرمایا: ہاں بالاتفاق نماز عید نہ پڑھے۔ علامہ علی قاری نے فرمایا: اس پر تمام علمائے امت کا اجماع ہے کذا فی ردالمحتار [1] فافھم واللہ تعالٰی اعلم (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے لہذا غور کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

وہی قربانی وہ مذہب راجح میں مقیم پر واجب ہے جیسے اہل مکہ و منیٰ اگرچہ احرام میں ہوں، اور مسافر سے تو اس کا مطالبہ ہی نہیں۔

م: وسنة فی فعلها الثواب لیس علی تارکها العقاب

ت: اور سنت کے کرنے میں ثواب ہے چھوڑنے میں عذاب نہیں۔

ف: مگر سنن موکدہ کے ترک میں سخت ملامت ہوگی، اور عیاذ باللہ شفاعت سے محرومی بھی وارد۔ بلکہ محققین فرماتے ہیں ان کے ترک میں تھوڑا سا گناہ عـــہ۱ بھی ہے اگرچہ نہ ترک واجب کے برابر۔ انہی وجوہ سے سنت کو مستحب سے امتیاز ہے ورنہ جتنی بات متن میں گزری مستحب کو بھی شامل۔

م: وانما یؤاخذ المرء علی اهمال فرض قد اتیٰ مفصلا

ت: یوں ہی ہے کہ آدمی پر مواخذہ فرض چھوڑنے میں ہے جو بتفصیل وارد ہوا۔

ش: یعنی جس کے ثبوت میں کوئی جمال واشکال نہیں توصف عـــہ۲ کاشفہ ہے کہ فرض سب ایسے ہوتے ہیں اور بقرینہ سباق ظاہر کہ مواخذہ سے مراد عذاب ہے ورنہ ملامت کہ ترک سنن پر ہوگی خود گرفت وموخذا ہے۔

عـــہ۱: من اراد تحقیق ذٰلك فعلیه بالبحر الرائق وردالمحتار وغیرهما من الاسفار ۱۲ منه (م) عـــہ۲: یمکن ان یراد به ما اتی ای سبق بیانه مفصلا فعلی هذا یکون اشارة الی فروض الحج المارّة فی الواجبات علی مذهب المصنف لکن الذی یعطیه سوق الکلام ان المقصود بیان حکم السنة والفرض مطلقا فلذا مطلقا فلذا فسرناه بما فسرنا ۱۲ منه (م)

جو اس کی تحقیق چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ بحر الرائق و ردالمحتار وغیرہ کتب کو دیکھے ۱۲ منہ (ت) ممکن ہے اس سے مراد وہ ہو جو مفصلا گزرا ہے اس بناء پر حج کے ان فرائض کی طرف اشارہ ہوگا جو مصنف کے مذہب کے مطابق واجبات میں گزرا لیکن سوق کلام جو مستفاد ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں مطلق سنت اور فرض سے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے اسی لیے ہم نے مذکورہ تفسیر کی ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحج مطلب فی حکم صلٰوۃ العید والجمعۃ فی منٰی مصطفٰی البابی مصر ۲ /۲۰۰

ف: شافعیہ واجب وفرض میں فرق نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک وہ دو چیزیں جدا جدا ہیں اور دونوں کے ترک پر استحقاق عذاب اگرچہ واجب میں کم فرض میں زیادہ۔ والعیاذ باللہ۔

م: ذی جملۃ من السنن الشھیرۃ اجل من شمس لدی الظھیرۃ

ت: یہ چند مشہور سنتیں ہیں، مہر نیمروز سے جلالت میں افزوں۔

ف: ان کے سواء آٹھویں تاریخ مکہ معظّمہ سے منٰی، نویں کو بعد طلوع شمس منٰی سے عرفات جانا، وہاں نہانا، مزدلفہ میں رات بسر کرنا، دسویں کو وہاں سے قبل طلوع شمس منی کو جانا۔ وہاں ایام رمی جمار میں راتوں کو رہنا، مکہ معظّمہ کو یہاں سے جاتے وادی محصب [عہ۱] میں اترنا وغیر ذلک کہ یہ سب سنن موکدہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

م: الفدیة

ت: جرمانہ کا بیان

م: مایفسد الحج ففیہ بُدنۃ وفی سواہ ذبح شاۃ حُسَنۃ

ت: حج فاسد ہو جاتا ہے جماع سے بشرائط مذکورہ، اور ہم نے حنفیّہ کا اختلاف بہ تفصیل بیان کردیا، بدنہ ان کے یہاں صرف اونٹ کو کہتے ہیں ہمارے [عہ۲] یہاں گائے کو بھی شامل، عمدہ بکری یہ کہ ان عیبوں سے پاک ہو جو اُضحیہ میں ناجائز ہیں اور فقہ میں بہ تفصیل مذکور۔

ف: یہ دونوں قاعدے کہ جناب مصنف نے ذکر کیے ہمارے مذہب کے مطابق نہیں جماع قبل الوقوف سے ہمارے نزدیک حج فاسد اور بدنہ لازم نہیں اور بعد الوقوف قبل الحلق والطواف سے بدنہ لازم۔ حج

عہ۱: یہ وادی مکہ معظّمہ کی آبادی سے ملی ہوئی ہے۔ مقبرہ مکہ مکرمہ یعنی جنت المعلی کے متصل دو کوچے ہیں ان کے مقابل منٰی کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر بطن وادی سے اوپر کچھ پہاڑیاں ہیں ان کو بیچیوں اور پہاڑیوں کے درمیان جتنی وادی رہی وہ وادی محصب ہے جب منٰی سے رمی جمار کرکے مکہ معظّمہ جائیں یہاں ٹھہرنا ضرور اور بلاعذر اس کا ترک بُرا، افضل طریقہ اس کا تکملہ میں آئے گا اور زیادہ نہ ہوسکے تو اسی قدر کافی کہ سواری روک کر کچھ دیر دعاء کرلیں ۱۲منہ)

عہ۲: تو جہاں بدنہ لازم آئے گا ان کے نزدیک خاص اونٹ واجب ہوگا ہمارے نزدیک گائے بھی کفایت کرجائے گی کما نص علیہ فی الفتح (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر وضاحت کی گئی ہے۔ ت) ۱۲منہ۔)

فاسد نہیں۔

م: فی کل شعرۃ من الطعام مُد ویفدی الغیر بالصیّام

ت: ہر بال میں اناج سے چہارم عــہ صاع ہے اور ماورا کا جرمانہ روزے۔

ف: بال وغیرہ کے جرمانہ میں ہمارے یہاں بہت تفصیل ہے جس کا بیان موجب تطویل ہے وقت حاجت علماء سے دریافت کرلیں۔

م: وما عدا ھٰذی التی قد ذکرت احکامھا فیما سواھا سطرت

ت: ان مذکورات کے سوا اور چیزوں کے احکام اس رسالہ کے ماورا میں مسطور ہیں۔

م: وانما ذی جملۃ لیسھلا لمن اتی لحفظہ مؤملا

ت: اور یہ تو چند باتیں تاکہ آسانی ہو اس کے لیے جو اسے یاد کرنے کی امید میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

م: الزیادۃ

ت: زیارت سراپا طہارت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیان

م: واقصد اذا حججت للزیارۃ لقبر طٰہٰ فلک البشارۃ

ت: اور جب حج کرچکے تو زیارت قبر طٰہٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قصد کر کہ تیرے لیے خوشخبری ہے۔

ف: علماء مختلف ہیں کہ پہلے حج کرے یا زیارت، لباب میں ہے: حج نفل میں مختار ہے، اور فرض

عــہ: مُد شافعیہ وحنفیہ دونوں کے نزدیک چہارم صاع ہے مگر صاع میں اختلاف ہے۔ ہم ۸ رطل کا کہتے ہیں تو مد ۲ رطل ہوا وہ ۵ ـــ ۳/۱ رطل تو ا ـــ ۲/۱ ہوا، اور صاع عند التحقیق دو سو ستر تولے کا ہے۔ تو ہمارے حساب پر بریلی کے سیر سے کہ سو روپیہ بھر کا ہے، ایک صاع آدھ پاؤ کم تین سیر سے ۵ ماشے ۵ رتی زیادہ، اور نیم صاع کہ وہ گندم سے ایک آدمی کے فطر کا صدقہ اور ایک روزہ کا فدیہ اور کفارہ میں ایک مسکین کا حصہ یعنی ایک سیر سات چھٹانک دو ماشے ساڑھے چھ رتی (یہاں عبارت میں کچھ اختصار کیا گیا ہے ۱۲ اشرف قادری) رامپور کے سیر سے کہ ۹۶ روپے بھر کا ہے (یعنی پورے نوے تولے کا (فتاوٰی رضویہ) حساب بہت سیدھا ہے پورے تین سیر کا صاع ہوا دہلی کے سیر سے کہ ۸۰ روپے بھر کا ہے (یعنی ۷۵ تولے ہے ۱۲ فتاوٰی رضویہ) صاع ۳ ـــ ۳/۵ ہوا یعنی ساڑھے تین سیر سے دسواں حصہ سیر کا زائد اور نیم صاع یعنی دو سیر سے پانچواں حصہ سیر کا کم، یہ حساب یاد رکھنا چاہئے بحمد اللہ تعالٰی کمال تحقیق ہے۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

ہو تو پہلے حج، مگر مدینہ طیبہ راہ میں آئے تو تقدیم زیارت لازم[1] انتھی" یعنی بے زیارت گزر جانا گستاخی، اور فقیر کہ علامہ سبکی کا یہ ارشاد بہت بھایا پہلے حج کرے تاکہ پاک کی زیارت پاک ہو کر ملے۔

پاک شو اول وپس دیدہ بر اں پاک انداز

(پہلے پاک ہو اور پھر اس پاک ہستی پر نظر ڈال)

ف: جناب مصنف کے کلام میں صاف اشارہ ہے کہ سفر مدینہ طیبہ خاص بقصد زیارت شریفہ ہو اور بیشک یہ امر شرعاً محمود اور زیارت اقدس اعظم مقصود اور حدیث میں لفظ عــہ لا تعملہ (ف) الا زیارتی[2] موجود یعنی

عــہ۱: **فائدہ جلیلہ:** یہ حدیث صحیح ہے

رواہ الطبرانی الکبیر والدارقطنی فی الامالی وابوبکر المقری فی المعجم والحافظ السلفی وابن عساکر وابو نعیم و الحافظ ابو علی وسعید بن السکن البغدادی فی کتاب السنن الصحاح عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما

اس کو طبرانی نے کبیر اور دارقطنی نے امالی میں، ابوبکر مقری نے معجم میں، حافظ سلفی، ابن عساکر، ابو نعیم، حافظ ابو علی اور سعید بن سکن بغدادی نے سنن اور صحاح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام ابن سکن اشارہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت پر ائمہ حدیث کا اجماع ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

زارنی متعمدا[3]۔ رواہ العقیلی والبھیقی وابن عساکر۔

بالقصد میری زیارت کرے، اس کو عقیلی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ ت)

تیسری حدیث میں ہے:

زارنی بالمدینۃ محتسبا[4]۔ اخرجہ ابن ابی الدنیا

ثواب کی نیت سے میری زیارت کے لیے مدینے میں

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] لباب وشرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۵۔ ۳۳۴

[2] معجم کبیر، مروی از عبداللہ ابن عمر حدیث ۱۳۱۴۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۲۹۱، کنز العمال حدیث ۳۴۹۲۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۵۶

[3] شعب الایمان، حدیث ۴۱۵۲ باب المناسک دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۸۸

[4] شعب الایمان، حدیث ۴۱۵۷ باب المناسک، دار الکتاب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰

اسے کوئی کام نہ ہو میری زیارت کے سوا۔ امام ابن الہمام فرماتے ہیں میرے نزدیک افضل یہ ہے کہ سفر خاص بقصد حاضر ہو (اس کی ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابن جوزی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبیہقی وابن الجوزی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔

چوتھی حدیث میں ہے:

قصدنی فی مسجدی [1]۔ اوردہ فی جذب القلوب۔

میرا قصد کرکے میری مسجد میں آئے (اسکو جذب القلوب میں ذکر کیا گیا ہے۔ت)

اقول: علاوہ بریں وہ تمام احادیث جن میں زیارت قبر شریف کی ترغیب وتاکید اور اس کے ترک پر وعید و تہدید ہمارے مدعا کی گواہ وشہید، طرفہ بات یہ ہے کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس امر کی طرف تاکید بلائیں اور اس کے ترک پر وعید فرمائیں اس کا قصد ناجائز قرار پائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات [2]۔ (تمام اعمال کامدار نیتوں پر ہے۔ت) یہ عجب کار ثواب ہے جس کی نیت موجب عذاب ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

رہی حدیث "لا تشد الرحال" ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ وہاں ان تینوں مسجدوں کے سوا اور مسجد کے لیے بالقصد سفر کرنے سے ممانعت ہے ورنہ زنہار الفاظ حدیث طلب علم واصلاح مسلمین وجہاد واعداء ونشر دین وتجارت حلال وملاقات صالحین وغیرہا مقاصد کے لیے سفر سے مانع نہیں۔ اور قاطع نزاع یہ ہے کہ بعینہٖ یہی حدیث بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مسند میں بسند حسن یوں روایت کی:

لا ینبغی للمطی ان تشد رحاله الی مسجد تبتغی فیه الصلٰوة غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجدی هذا [3]۔

ناقہ کو سزاوار نہیں کہ اس کے کجاوے کسی مسجد کی طرف بغرض نماز کسے جائیں سوائے مسجد حرام ومسجد اقصٰی اور میری مسجد کے۔

توخود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے حضور کی مراد واضح ہوگئی والحمد للہ رب العٰلمین ۱۲ منہ

[1] جذب القلوب باب چہار دہم در فضائل زیارۃ المرسلین مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶

[2] صحیح بخاری باب کیف کان بدئ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دار الفکر بیروت ۳/ ۶۳

زیارت والا کرے یہاں تک کہ اس کے ساتھ مسجد شریف کا بھی ارادہ نہ ہو کہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم زیادہ ہے جب حاضر ہوگا حاضری مسجد خود ہو جائے گی یا اس کی نیت دوسرے سفر پر رکھے۔

م: ان زیارۃ النبی لازبۃ صلوا علیہ فالصلوٰۃ واجبۃ

ت: بے شک زیارت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لازم ہے درود بھیجو ان پر کہ درود فرض ہے،

ش: علماء فرماتے ہیں زیارت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اعظم قربات وافضل طاعات سے ہے۔ بہت برآرندہ مقاصد وحاجات، قریب بدرجہ موکدہ واجبات، بلکہ بعض نے وجوب [عـہ۱] کی تصریح فرمائی۔

فقیر کہتا ہے دلیل اسی کو مقتضی، وھو الذی نودّ ان نقول بہ (ہم یہی کہنا چاہتے ہیں۔ت) اسی طرح حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود عُمر میں ایک بار تو بالاجماع فرض قطعی ہے اور امام شافعی ہر نماز میں فرض اور ہر بار کہ ذکر شریف آئے علماء کو وجوب واستحباب میں اختلاف، وامام طحطاوی کا مذہب ہر مرتبہ وجوب ہے ذاکر و سامع پر، باقلانی وحلبی وصاحب بحرالرائق وتنویرالابصار وغیرہم اکابر علماء نے اسی کو صحیح وراجح ومختار ومعتمد فرمایا اور دلیل اسی کو مقتضیوھو الذی ندب اللّٰہ بہ (یہی اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہے۔ت) البتہ درصورت اتحاد مجلس دفعا للحرج تداخل مسلم [عـہ۲]۔ واللہ اعلم

م: ویستحق الزائر الشفاعۃ فیما روتہ ثقۃ الجماعۃ

ت: اور زیارت کرنے والا مستحق شفاعت ہے اس حدیث کی رو سے جسے ثقہ جماعت نے روایت کیا۔

عـہ۱: یعنی الوجوب المصطلح عندالحنفیۃ لا کما تقول القدماء الظاھریۃ ان الزیارۃ الکریمۃ واجبۃ ولایفرقون بین الواجب والفرض اما احداثھم الھنود فقد اٰمنوا بابن تیمیۃ وتفوھو بمالا تعسطہ الدیمۃ الدومیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ ۱۲منہ (م)

یعنی احناف کی اصطلاح کا وجوب قدماء ظاہری مذہب والوں کا وجوب مراد نہیں کہ زیارت کریمہ واجب بمعنٰی فرض ہو کیونکہ وہ فرض اور واجب میں فرق نہیں کرتے۔ لیکن ہندوستانی نئے ظاہری لوگ تو ابن تیمیہ پر ایمان رکھتے ہوئے وہ بکواس کرتے ہیں جن کو چاٹنے والی دیمک بھی نہ چاٹ سکے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ ۱۲ منہ (ت)

عـہ۲: المعتمد عندنا الوجوب والتداخل افادہ فی المرقاۃ ۱۲منہ (م)

ہمارے نزدیک قابل اعتماد وجوب اور تداخل ہے اس کا افادہ مرقات میں ہے ۱۲ منہ (ت)

ش: حدیث ۱: حدیث [عہ۱] صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔[1]

حدیث [عہ۲] **۲:** جو میری زیارت کو آیا کہ اسے سوا زیارت کے کچھ کام نہ تھا مجھ پر حق ہوگیا کہ روزِ قیامت اس کا شفیع ہوں۔[2]

عــہ ۱: رواہ ابن خزیمۃ فی صحیحیہ وابن ابی الدنیا والطبرانی فی المحاملی والبزار والعقیلی و ابن عدی والدارقطنی والبیہقی وابوالشیخ وابن عساکر وابوطاھر السلفی وعبدالحق فی الاحکامین والذھبی وابن الجوزی کلھم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ عبدالحق وحسنہ الذھبی اقول بعد الحسن فلا شك فی صحتہ لکثرۃ الطرق ففی لباب عن بکر بن عبداللہ رواہ ابو الحسن یحیٰی بن الحسن فی اخبار المدینۃ وعن الفاروق وعن ابن عباس وعن انس بن مالك وعن ابی ھریرۃ رحمھم اللہ تعالٰی عنھم کماسیأتی ۱۲منہ	اسے ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی الدنیا، طبرانی، محاملی، بزار، عقیلی، ابن عدی، ابوطاہر سلفی، اور عبدالحق نے احکامین میں اور ذہبی اور ابن جوزی سب نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور عبدالحق نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے اس کی تحسین کی اقول تحسین کے بعد اس کی صحت میں کثرت طرق کی بنا پر شک نہ رہا اس باب میں بکر بن عبداللہ سے روایت ہے اسے ابوالحسن یحیٰی بن الحسن نے اخبار مدینہ میں ذکر کیا اور عمر فاروق سے ابن عباس سے انس بن مالک اور ابوھریرہ رحمہم اللہ تعالٰی عنہم سے روایات مروی ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے ۲امنہ (ت)

عــہ۲: یہ حدیث بھی صحیح ہے جس کی تخریج شروع فصل کے حواشی میں گزری۔

عجیب لطیفہ: امام اجل خاتمۃ الحفاظ والمحدثین امام زین الدین عراقی استاذ امام جبل الحفظ، اسناد المحدثین امام ابن حجر عسقلانی رحمہما اللہ تعالٰی زیارت مزار پُر انوار حضرت سید ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاتے تھے بعض حنبلی حضرت کے ہمراہ رکاب تھے حنبلی نے باتباع ابن تیمیہ کہ مدعی حنبلیت تھا یوں کہا کہ میں نے مسجد خلیل اللہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحج باب المواقیت نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۷۸

[2] معجم الکبیر مروی از عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۱۴۹ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱۲/ ۲۹۱، کنزالعمال حدیث ۳۴۹۲۸ مؤسسۃ رسالہ بیروت ۱۲/ ۲۵۶

حدیث عــہ۱ ۳: جو مدینہ میں بہ نیت ثواب میری زیارت کرنے آئے میں اس کا شفیع و گواہ ہوں۔[1]

حدیث عــہ۲ ۴: جو میرے انتقال کے بعد میری زیارت کرے گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے کی نیت کی امام نے فرمایا میں نے زیارت قبر سیدنا خلیل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیت کی، پھر حنبلی سے فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مخالفت کی کہ حضور نے مساجد ثلاثہ کے سواء چوتھی مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے سفر سے ممانعت کی اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اتباع کیا کہ حضور نے فرمایا: قبور کی زیارت کرو۔ کیا اس کے ساتھ کہیں یہ بھی فرمادیا ہے کہ قبور انبیاء کی زیارت نہ کرو، حنبلی کو سوا حیرت کے کچھ بن نہ آیا[2]۔

نقله العلامة القسطلانی فی المواهب عن الشیخ ولی الدین عراقی عن ابیه الامام زین الدین العراقی رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین۔ (م)

اسے علامہ قسطلانی نے مواہب میں شیخ ولی الدین عراقی سے (انھوں نے اپنے والد امام زین الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے) نقل فرمایا۔ (ت)

دیکھئے خدا کی شان جس حدیث سے یہ لوگ زعم میں مزارات کی طرف سفر کی ممانعت نکالتے تھے خدا تعالٰی نے اسی حدیث سے ان پر الزام قائم فرمایا وللہ الحجۃ السامیۃ ۱۲ منہ

عــہ۱: رواہ ابن ابی الدنیا والبیهقی وابو الفرج ابن الجوزی عن انس رضی الله تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابو الفرج ابن جوزی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲: رواہ العقیلی وابن عساکر عن ابن عباس والیعقوبی فی جزئه الحدیثی عن ابی هریرة، و ابن النجار فی الدرة الثمینة عن انس بن مالك وصدر الحدیث مروی عن ابن عمر

عقیلی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے، اور یعقوبی نے جزء الحدیثی میں ابو ھریرہ سے اور ابن النجار نے الدرۃ الثمینہ میں انس بن مالک سے روایت کیا ہے اور صدر حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شعب الایمان باب المناسک حدیث ۴۱۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۴۵۷

[2] المواهب اللدنیہ حکم نذر الزیارۃ المکتب الاسلامیہ بیروت ۴ /۵۷۴۔۵۷۳

اور میں روز قیامت اپنے زائر کا گواہ یا شفیع ہوں گا۔[1]

حدیث عــہ۱ **۵:** جو میری قبر کی، یا فرمایا میری زیارت کرے میں اس کا شافع وشاہد ہوں[2]۔ غرض یہ مضمون بہت حدیثوں میں وارد۔

حدیث عــہ۲ **۶:** ومکہ جاکر حج کرے پھر میرے قصد سے میری مسجد حاضر ہو اس کے لیے دو حج مبرور لکھے جائیں[3]۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم: حج مبرور عــہ۳ کی جزا سوا جنت کے کچھ نہیں[4]۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

رضی اللہ تعالٰی عنہما، رواہ سعید بن منصور و المحاملی والطبرانی وابو یعلٰی وابن عدی والدار قطنی والبیہقی وابن عساکر وابن الجوزی وابن النجار وعن حاطب رواہ الدارقطنی والمحاملی والبیہقی وابن عساکر وعن علی کرم اللہ وجہہ رواہ یحیٰی بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینۃ، واوردہ ابو سعید فی شرف المصطفٰی ۱۲ منہ (م)

سے مروی ہے۔ اسے سعید بن منصور، محاملی، طبرانی، ابویعلٰی، ابن عدی، دارقطنی، بیہقی، ابن عساکر، ابن نجار نے روایت کیا، اور حاطب سے مروی ہے، اسے دارقطنی، محاملی، بیہقی اور ابن عساکر نے روایت کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے اسے یحیٰی بن جعفر الحسینی نے اخبار المدینہ میں روایت کیا، اور ابو سعید نے اسے شرف المصطفٰی میں بیان کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۱: رواہ ابوداؤد الطیالسی والبیہقی وابونعیم وابن عساکر عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوداؤد طیالسی، بیہقی، ابونعیم اور ابن عساکر نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

عــہ۲: مرفی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں گزرا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۳: رواہ مالک واحمد والبخاری ومسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ

اسے امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اصبہانی اور بیہقی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] کتاب الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۱۳ فضالۃ بن سعید دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴۵۷/۳

[2] مسند ابوداؤد طیالسی حدیث من زار قبری دار المعرفۃ ص ۱۲ و ۱۳

[3] جذب القلوب باب چہارم در فضائل زیارۃ سید المرسلین نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۶

[4] صحیح بخاری ابواب العمرۃ باب وجوب العمرۃ وفضلہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۳۸/۱

حدیث عــہ۱ **۷:** جو بالقصد میری زیارت کو حاضر ہو روز قیامت میرے سایہ دامان میں ہو۔[1]

حدیث عــہ۲ **۸:** جو حجۃ الاسلام بجالائے اور میری قبر کی زیارت سے مشرف ہو اور ایک جہاد کرے اور بیت المقدس میں نماز پڑھے اللہ تعالٰی اس سے فرائض کا حساب نہ لے۔[2]

حدیث عــہ۳ **۹:** جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا اس نے مجھ پر جفا کی۔[3]

والاصبھانی والبیھقی عن ابی ھریرۃ واحمد عن عامر بن ربیعۃ وعن جابر بن عبداللہ والطبرانی فی المعجم الکبیر عن ابن عباس واحمد والترمذی والنسائی وابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھم، قال الترمذی حسن صحیح، قلت وقد روی من غیر وجہ ۱۲ منہ غفرلہ (م)

اسے امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، اصبہانی اور بیہقی نے حضرت ابوھریرہ سے اور احمد نے عامر بن ربیعہ سے اور جابر بن عبداللہ سے، اور طبرانی نے معجم الکبیر میں ابن عباس سے، اور احمد، ترمذی، نسائی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا، میں کہتا ہوں یہ متعدد وجوہ سے مروی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــہ۱: سبق ذکرہ فی صدر الفصل ۱۲ منہ (م)

فصل کے شروع میں پیچھے اس کا ذکر ہوچکا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲: رواہ ابوالفتح الازدی بطریق سفیان الثوری عن منصور عن ابراھیم عن علقمۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)

اسے ابوالفتح ازدی نے بطریق سفیان ثوری منصور سے ابراہیم سے علقمہ سے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۴۱۵۷ باب المناسک دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰

[2] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ بحوالہ (فت) کتاب الحج فصل ثالث ۲/ ۱۷۵

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ نعمان بن شبل دارالفکر بیروت ۷/ ۲۴۸۰

حدیث عـــہ۱ **۱۰**: جوامتی میرا قدرت رکھتا ہو پھر میری زیارت نہ کرے اس کے لیے کوئی عذر نہیں[1]۔

حدیث عـــہ۲ **۱۱**: عہ ۲ جو مجھ پر سلام عرض کرتا ہے میں اسے جواب دیتا ہوں[2]، **السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔

حدیث عـــہ۳ **۱۲**: عہ ۳ جو مجھ پر میری قبر کے پاس سلام عرض کرے اللہ تعالٰی اس پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے عـــہ۴ کہ اس کا سلام مجھے پہنچائے اور اس کے دنیا وآخرت کے کاموں کی کفایت فرمائے اور روز قیامت میں اس کا شفیع یا گواہ ہوں[3]۔

حدیث عـــہ۵ **۱۳**: اللہ تعالٰی نے دنیا میرے سامنے اٹھائی کہ وہ جو کچھ قیامت تک اس میں ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسا اپنی ہتھیلی کو۔[4]

عـــہ۱: رواہ ابن النجار عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ (م)

اسے ابن نجار نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲: رواہ الامام احمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد صحیح قالہ المناوی ۱۲منہ (م)

اسے امام احمد اور ابوداؤد نے صحیح اسناد کے ساتھ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ یہ مناوی نے کہا ۱۲منہ (ت)

عہ۳: ھذا حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اوردہ فی الجوھر النظم ذکرہ العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب ۱۲منہ (م)

یہ حدیث ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہے اسے جوہر النظم میں درج کیا گیا ہے، علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اس کا ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۴: دربارشاہی کا ادب ہے کہ حاضرین کی عرض بھی عرض بیگی کے ذریعہ سے ہوتی ہے ورنہ حضور پر دلوں کے ارادے تک روشن ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عـــہ۵: رواہ الطبرانی عن ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ (م)

اسے طبرانی نے حضرت ابن عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲منہ (ت)

---

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ بحوالہ تاریخ ابن نجار کتاب الحج فصل ثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۷۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب المناسک باب زیارۃ القبور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۹

[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۸۹

[4] کنز العمال بحوالہ نعیم بن حماد فی الفتن حدیث ۳۱۸۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۳۷۸ وکنز العمال بحوالہ طب وحل عن ابن عمر حدیث ۱۳۹۷۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲۰

حدیث عــہ۱ ۱۴: میرا علم میری وفات کے بعد ایسا ہی ہے جیسا میری زندگی میں۔"[1]

حدیث عــہ۲ ۱۵: میری حیات وممات دونوں تمھارے لیے بہتر ہیں، تمھارے اعمال میرے حضور پیش کئے جاتے ہیں میں نیکیوں پر شکر کرتا ہوں اور برائیوں پر تمھارے لیے استغفار فرماتا ہوں[2]۔

حدیث عــہ۳ ۱۶: بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا حرام کیا ہے تو اللہ کا نبی زندہ ہے اور روزی

عــہ۱: اخرجه الاصبهانی وابن عدی فی الکامل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه ۱۲ منه (م)

اسے اصبہانی اور ابن عدی نے کامل میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲: رواه الحارث فی مسنده وابن سعد فی طبقات والقاضی اسمٰعیل بسند صحیح عن بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی الثقة مرسلا والبزار مثله باسناد صحیح عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه ۱۲ منه غفرله (م)

حارث نے اپنی مسند میں اور ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور قاضی اسمٰعیل نے بسند صحیح بکر بن عبداللہ المزنی التابعی الثقۃ سے مرسلا اور ایسے ہی صحیح اسناد کے ساتھ بزار نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عــہ۳: صدر الحدیث ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[3] اخرجه الائمة احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجة والحاکم والدارقطنی وابن خزیمة وابن حبان وابو نعیم وغیرہم عن اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنه وصححه ابنا خزیمة وحبان والدارقطنی وحسنه عبدالغنی والمنذری وقال ابن دحیه انه صحیح محفوظ بنقل العدل عن العدل اھ واخرجه الطبرانی

حدیث کا ابتدائی حصہ یہ ہے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے زمین پر کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔

اس کو ائمہ کرام ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، وابونعیم وغیرہم نے اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے اور عبدالغنی اور منذری نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح محفوظ ہے اور اس کے تمام راوی عادل ہیں، اور طبرانی اور بیہقی نے ابوہریرہ سے اور ابن عدی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] جذب القلوب باب چہاردہم درزیارت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نولکشور لکھنؤ ص ۱۹۹

[2] کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبداللہ المزنی حدیث ۳۱۹۰۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۷

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

دیا جاتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔

حدیث عــہ۱ **۱۷:** میری اس مسجد میں نماز اور مسجدوں کی ہزار نماز سے افضل ہے سوائے مسجد الحرام کے [2]۔

حدیث عــہ۲ **۱۸:** جو حرمین میں سے کسی حرم میں مرے روز قیامت بے خوف اٹھے۔[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبیھقی عن ابی ھریرۃ وابن عدی عن انس ومع زیادۃ فبنی اللہ حی یرزق [4] رواہ ابن ماجۃ بسند صحیح عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲منہ (م)

عــہ۱: رواہ احمد والستۃ الا اباداؤد عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابن عمر ومسلم عن ام المومنین میمونۃ واحمد عن جبیر بن مطعم وعن وسعد وعن الارقم بن ابی الارقم وکابن ماجۃ عن جابر بن عبداللہ وکابن حبان عن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۱۲منہ (م)

عــہ۲: مروی عن انس بن مالک عند البیھقی وعن بکر بن عبداللہ وعن حاطب وعن امیر المومنین عمر وعن غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم تتمۃ للحدیث الاول والرابع والخامس والسابع وقد مر تخاریجھا ۱۲منہ (م)

اس کو ائمہ کرام ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن حبان، وابونعیم وغیرہم نے اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کیا ہے اور اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان اور دارقطنی نے صحیح کہا ہے اور عبدالغنی اور منذری نے اس کو حسن کہا ہے اور ابن دحیہ نے کہا کہ یہ صحیح محفوظ ہے اور اس کے تمام راوی عادل ہیں، اور طبرانی اور بیہقی نے ابوہریرہ سے اور ابن عدی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اس اضافہ "تو اللہ کا نبی زندہ ہے روزی دیا جاتا ہے" کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

یہ بیہقی کے ہاں انس بن مالک اور بکر بن عبداللہ، حاطب اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے یہ پہلی، چوتھی، پانچویں اور ساتویں حدیث کا تتمہ ہے۔ اس کی تخاریج گزر چکیں ۱۲منہ (ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[2] صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ بمسجدی مکہ والمدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۶

[3] شعب الایمان باب فی المناسک حدیث ۴۱۵۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۹۰

[4] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

حدیث عــہ۱ **۱۹**: مدینہ مکہ سے افضل ہے[1]۔

حدیث عــہ۲ **۲۰**: جس سے مدینہ میں مرنا ہوسکے تو اسی میں مرے کہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت فرماؤں گا[2]۔

اللھم ارزقنا علی الایمان والسنۃ بجاھہ عندك باعظم المنۃ اٰمین اٰمین اٰمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔

م: ھنالکم یامعشر الحجاج اذ جئتم من ابعد الفجاجت:

اے گروہ حاجیاں! تمھیں مژدہ جب آئے تم دور دراز راہوں سے۔

ت: وقد حویتم عظیم المنۃ والحج مبرورًا جزاہ الجنۃ

ت: اور بیشک تم نے بڑا احسان جمع کیا اور اچھے حج کا بدلہ بہشت ہے۔

ش: یہ اخبار بہ طور رجا ہے، بنظرِ احادیث کثیرہ عــہ کہ اسی معنی میں وارد ہوئیں یا دعا مراد ہے اور تخصیص مغفرت

عــہ۱: رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الافراد عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ (م)	اس کو طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، ۱۲ منہ (ت)
عــہ۲: رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ وابن حبان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وصححہ الترمذی ۱۲ منہ (م)	اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ۱۲ منہ (ت)

عــہ۳: اس بارے میں احادیث کثیرہ وارد ہیں، فضائل حج و عمرہ میں حضرت والد قدس سرہ الماجد نے جواہر البیان شریف

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] المعجم الکبیر مروی از رافع بن خدیج المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل المدینۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۳۱

کے یہ معنی نہیں کہ خاص تمھاری مغفرت ہو، بلکہ یہ کہ تمھاری خاص مغفرت[عہ۱] ہو۔

م: فالتزموا الحمد له والشکرا اذ ھذہ النعمۃ منه الکبرٰی

ت: تو حمد و شکرِ الٰہی کا التزام کرلو کہ یہ نعمت اس کی بہت بڑی ہے۔

م: وعظموا النبی بالسلام علیه فھو المسك للختام

ت: اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کرو ان پر سلام بھیج کر، کیونکہ یہ مشک ہے مہر خاتمہ کے لیے۔

م: واٰله خلاصة الانام مع صحبه الافاضل الکرام

ت: اور ان کی آل پر کہ خلاصہ مخلوقات ہیں مع صحابہ کے کہ بہت فضیلت و کرم والے ہیں۔

ف: اس قسم کے کلمات مقام مدح میں استعمال کرتے ہیں مثلاً امام ابو حنیفہ سید الاولیاء حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما بلکہ علماء و سادات عصر کو لکھتے ہیں، افضل المحققین، اکمل المدققین، خلاصہ دودمانِ مصطفوی، نقادہ خاندان مرتضوی اور ان الفاظ سے عموم واستغراق حقیقی مراد نہیں لیتے۔ ورنہ بایں معنی امام ائمہ وسید نا الاولیاء حضور اقدس سرور دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں وبس، اور اگرامت[عہ۲] میں لیجئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اسی طرح خلاصہ دودمانِ مصطفوی حضرت بتول زہرا ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میں ستر سے زائد حدیثیں ذکر فرمائیں ان میں بہت احادیث اس معنی کی مفید ملیں گی، سب سے اعلٰی یہ ہے کہ صحیحین میں آیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو حج کرے اور اس میں رفث وگناہ سے بچے ایسا پاک ہو کر پلٹے جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے نکلا تھا۔اھ ۱۲منہ۔

عہ۱: یعنی مغفرت عامہ سے جدا و ممتاز ۱۲منہ

عہ۲: یہ اس لیے کہہ دیا کہ اولیاء کا اطلاق کبھی بمعنی اعم آتا ہے یعنی ہر محبوب خدا، تو انبیاء بلکہ ملائکہ کو بھی شامل، اس معنی پر قرآن عظیم میں فرمایا: اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾[1] (سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ت) بایں معنی سید الاولیاء حضور سید المحبوبین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور کبھی ماورائے انبیاء و مرسلین مراد لیتے ہیں ہزاروں بار سنا ہوگا انبیاء واولیاء اور عطف مقتضی مغایرت ہے اس معنی پر سید الاولیاء حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کہ باجماع اہل سنت تمام امت سے افضل واکمل (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] الترغیب والترہیب کتاب الحج الترغیب فی الحج مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۶۳، صحیح بخاری کتاب المناسک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۶

اور اوپر سے لیجئے تو حضرت مولا مشکل کشاء اور نقادہ خاندان مرتضوی حسن عـــہ مجتبیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہیں اور اس لفظ کا تیسرا اطلاق اخص اور ہے جس میں صحابہ بلکہ تابعین کو بھی شامل نہیں رکھتے کہ وہ اسمائے خاصہ سے ممتاز ہیں، جیسے کہتے ہیں اس مسئلہ پر صحابہ وتابعین واولیائے امت وعلمائے ملت کا اجماع ہے اس وقت یہ لفظ اصطلاح مشائخ وصوفیہ کا ہم عناں ہوتا ہے، اس معنی پر بیشک حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدالاولیاء ہیں **لا یخص منه نفس الاان یقوم دلیل** (اس معنٰی کہ اولیاء میں آپ بلا تخصیص سب کے سردار ہیں بغیر دلیل کسی ولی کی تخصیص نہ ہوگی) توفرمان واجب الاذعان "**قدمی ھذا اعلٰی رقبة کل ولی اللہ**" (میرا یہ قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔ت) میں تخصیص بلا مخصص کی اصلاً حاجت نہیں، **کما حققناہ فی المجیر المعظم** (جیسا کہ ہم نے **المجیر المعظم** میں اس کی تحقیق کی ہے ۱۲ **منه غفرله**۔

عـــہ۱: ہم نے اپنی کتاب "**مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین**" کے منہیات پر متعدد حدیثوں سے ثابت کیا کہ حضرت سبطِ اکبر حضرت سبطِ اصغر سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، از انجملہ حدیث طبرانی کہ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

"حسن کے لیے میری ہیبت وسرداری ہے اور حسین کے لیے میری جرات وبخشش۔"[1]

دوم: حدیث احمد وابوداؤد کہ فرمایا: "حسن میرا ہے اور حسین علی کا۔"[2]

سوم حدیث ابویعلٰی کہ فرمایا: "حسن تمام جوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں۔"[3]

وھذا حدیث حسن، **نص صریح فیما قلنا** (یہ حدیث ہمارے دعوی پر صریح نص ہے۔ت) فقیر بدلیل احادیث یہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ تیسیر شرح جامع صغیر میں اس معنٰی کی تصریح پائی **والحمد للہ ۱۲ منه غفرله**۔

---

[1] مجمع الزوائد باب فیما اشترک الحسن والحسین الخ دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۸۵

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از مقدام بن معدیکرب دارالفکر بیروت ۴/ ۱۳۲

[3] مجمع الزوائد باب ماجاء فی الحسن بن علی دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۱۷۸

پس واضح ہوگیا کہ طور متعارف پر حضرات آل اطہار کو خلاصہ مخلوقات کہنا بہت صحیح ہے اور اس سے ان کی فضیلت انبیاء ومرسلین بلکہ خلفائے ثلثہ رضوان تعالٰی علیہم اجمعین پر لازم نہیں آتی کہ جو امور عقائد حقہ میں مستقر ہوچکے وہ خود ایضاح مراد کو بس ہیں۔ والحمد للہ اولا واٰخرًا والصلوۃ والسلام کاثرًا وافرًا علی الحبیب الجلیل باطنا وظاھرا واٰلہ وصحبہ سادۃ الورٰی ماطلعت شمس وبدر سرٰی۔

تکملہ

حج وعمرہ کی ترکیب اور اول سے آخر تک ان کے افعال کی ترتیب اور آدابِ زیارت قبر حبیب علیہ صلوٰۃ القریب المجیب میں

یہ شرح کہ حسب فرمائش حضرت مصنف نہایت مختصر لکھی گئی اگرچہ بحمد اللہ کارآمد مسائل پر مشتمل اور اختیار راجح وترک مرجوع میں تام وکامل، جسے نہ جانے گا مگر وہ کہ کتب کثیرہ فقہیہ جمع کرکے نظرِ تدقیق وفکر عمیق سے کام لے سکے اور اس کے ساتھ وقت اختلاف ترجیح یا عدم تصریح بافتاء وتصحیح رسمِ افتاء وآداب مفتی کے مسالک بعیدہ ومعارک عدیدہ میں مہارت رکھے بایں ہمہ بحمد اللہ جابجا ارشادات لطیفہ وتنقیدات شریفہ ہیں جن پر اطلاع ذہن ثاقب کا کام، والحمد للہ ولی الانعام، قُلتہ شکرا لابطرا وفخرا والعیاذ باللہ مما لا یرضاہ، مگر ازاں جاکہ اول تاآخر ترکیب اعمال وترتیب افعال بیان نہ ہوئی جس کی طرف حجاج کو عمومًا اور عوام کو خصوصًا حاجت اور اس کے نہ جاننے سے اکثر اوقات کم علم مسلمانوں کو دقت ہوتی ہے۔ لہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے چاہا کہ امورِ مذکورہ سے شرح کی تکمیل اور آخر میں قدرے آدابِ زیارت سراپا طہارت کی مختصر تفصیل کروں کہ عام مومنین کو ان شاء اللہ تعالٰی خود بصیرت ملے اور مطوفوں، مزیروں کی حاجت نہ رہے۔

سفر مبارک حرمین طیبین سے معاودت فرما کر حضرت تاج العلماء سراج الکملاء، سید الفقہاء، سند الفضلاء حضرت والد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب "جواہر البیان فی اسرار الارکان" میں اس جلیل کام کو نہایت تک پہنچایا اور طہارت وصلوٰۃ وصوم وزکوٰۃ کے اسرار دقیقہ ولطائف انیقہ ارشاد فرماکر حج وزیارت کا بیان بے مثیل وعدیل تحریر فرمایا۔

جزاہ اللہ تعالٰی خیر جزاء واعلٰی درجاتہ فی دار اللقاء اٰمین! اس جمیل کتاب جلیل مستطاب کی لطافت وخوبی ودلکشی ع

ذوق این مے نشناسی بخدا تانہ چشی

(بخدا چکھے بغیر اس شراب کا ذائقہ معلوم نہ ہوسکے گا)

اس مبارک کتاب کے نصف سے زائد میں یہی بیان جانفزا ہے۔ فقیر اس کی دو فصلوں سے چند حروف تلخیص عہ۱ کرتا ہے وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق۔

حج وعمرہ کی ترکیب

احرام کی ترکیب تو ہم اوپر لکھ چکے ہیں یہاں اتنا جانئے کہ حاجیوں عہ۲ کا احرام تین طرح کا ہوتا ہے، تنہا حج کی نیت عہ۳ سے افراد کہتے ہیں، اور ایسے حاجی کو مفرِد، یا یہ کہ میقات عہ۴ پر صرف عمرہ عہ۵ کا ارادہ کرے، مکہ معظّمہ پہنچ کر

عہ۱: غالبًا اسی کا خلاصہ ہے اگرچہ کہیں کہیں کچھ حرف زائد کیے گئے ۱۲ منہ

عہ۲: چوتھا احرام تنہا عمرہ کا ہے جو تمتع وقِران سے جدا ہو اسے افراد بالعمرہ کہتے ہیں، وہ حاجی کا احرام نہیں ۱۲ منہ

عہ۳: یعنی جس کے وقوف عرفہ کو ہوجانے تک احرام عمرہ نہ ہو ورنہ نیت حج نیت عمرہ مجتمع ہوکر قران کی شکل آجائیگی۔ کما فصلناہ علٰی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی وضاحت کی ہے۔ ت) ۱۲ منہ

عہ۴: قید بالمیقات لبیان الطریق للشروع للمتعۃ فان غیر الافاقی لا یجوز لہ التمتع والاٰفاقی لایجوزلہ التجاوز بغیر احرام والافان تمتع المکی اوتجاوز الاٰفاقی ثم تمتع کان متعۃ بلاشك وان اثما خلافا لما یوھمہ بعض العبارات والراویات من ارتاب فعلیہ بشرح اللباب ۱۲ منہ (م)

میقات کی قید تمتع کے مشروع طریقہ کو بیان کرنے کے لیے ہے کیونکہ تمتع آفاقی یعنی میقات کے باہر والوں کے لیے جائز ہے غیر آفاقی کے لیے جائز نہیں، جبکہ آفاقی کو میقات سے آگے احرام کے بغیر گزرنا منع ہے ورنہ اگر مکی نے تمتع کرلیا اور آفاقی نے بغیر احرام میقات سے گزر کر تمتع کرلیا تو دونوں کے تمتع ہوجائیں گے۔ اگرچہ ان کو گناہ ہوگا، اس کے خلاف بعض عبارات وروایات سے وہم ہوتا ہے جس سے بعض حضرات کو وہم ہوا ہے ایسے حضرات کو چاہئے کہ وہ شرح لباب کی طرف رجوع کریں ۱۲ منہ (ت)

عہ۵: میقات سے نہ کہا کہ میقات سے ابتدائے احرام ضرور نہیں میقات پر محرم ہونا درکار ہے خاص وہیں سے باندھے یا پہلے سے باندھا ہو تاکہ تجاوز بے احرام نہ ہو بل الافضل ھو التقدیم علی المیقات الکافی بشرطہ کما نصوا علیہ (بلکہ میقات مکانی پر مقدم ہونا افضل ہے کہ وہ شرط ہے جیسا کہ اس پر نص ہے ۱۲ منہ (ت)

اشھر الحج عـــہ۱ میں عمرہ عـــہ۲ کرکے وہیں عـــہ۳ حج کا احرام باندھے اسے تمتع کہتے ہیں اور اس حاجی کو متمتع، یا یہ کہ حج وعمرہ دونوں کی نیت جمع عـــہ۴ کرے اسے قِران عـــہ۵ کہتے ہیں اور حاجی کو قارِن اور زیادہ ثواب اسی میں ہے۔

جب حرم مکہ کے متصل پہنچے باادب وخشوع پیادہ پا داخل ہو اور برہنہ پاؤں بہتر ہے، جب مکہ معظّمہ تک آئے نہا کر جانا مستحب ہے جب کعبہ معظّمہ پر نظر پڑے دعا مانگے کہ محل اجابت ہے، باب السلام پر جاکر آستانہ پاک کو بوسہ دے، دہنا پاؤں پہلے رکھ کر بسم اللہ کہہ کر داخل ہو بعدہ اگر جماعت قائم یا نماز فرض خواہ وتر یا سنت مؤکدہ کے فوت کا خوف نہ ہو تو سب کاموں سے پہلے متوجہ طواف ہو مرد اضطباع عـــہ۶ کرکے اور

عـــہ۱: اشہر حج یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک ہیں ۱۲ منہ

عـــہ۲: تمتع کے لیے اکثر طواف عمرہ یعنی چار پھیروں کا ان مہینوں میں واقع ہونا ضرور ہے اگرچہ پورا عمرہ ان میں نہ ہو مثلاً تین پھیرے رمضان میں کرلیے چار شوال میں کیے ہوں، یوں بھی تمتع ہوسکتا ہے کہ اکثر کے لیے حکم کل کا ہے تو جن دنوں میں اکثر طواف واقع ہوگا انہی میں عمرہ ہونا ٹھہرے گا ۱۲ منہ

عـــہ۳: وہیں اس لیے کہہ دیا کہ عمرہ کے احرام سے نکل کر اپنے وطن کو واپس جائے اس کے بعد آکر حج کا احرام باندھے تو تمتع نہ ہوگا، عمرہ الگ رہا حج الگ رہا، اگرچہ اسی سال کرے، دوسرا فائدہ اس قید کا یہ ہے کہ حج کا احرام وہیں یعنی حرم سے باندھے کہ اس کا حکم مثل مکی کے ہے اور مکی کے لیے حج کا میقات حرم ہے اگر حل سے باندھے دم دے گا۔ ہاں غیر مکی کا تمتع یوں بھی صحیح ہے پر یہاں جائز ومسنون شکل کا بیان ہے ۲ امنہ

عـــہ۴: جمع کرنے کے ظاہر متبادر معنی یہ ہیں کہ ایک ہی وقت میں دونوں کی نیت کرے یہ شکل خاص سنت ہے، اور اگر پہلے عمرہ کا احرام باندھا اور ہنوز اس کے چار پھیرے نہ کئے تھے کہ حج کا احرام کرلیا جب بھی تو قران ہوگیا، یونہی اگر پہلے فقط حج کا احرام کیا تھا اور وقوفِ عرفہ سے پہلے عمرہ کا احرام کرلیا تو بھی قارن ہوا مگر خلافِ سنت کیا خصوصًا جبکہ احرام عمرہ بعض افعال حج میں شروع کے بعد ہو کہ زیادہ بُرا ہے ۲ امنہ قدس سرہ العزیز۔

عـــہ۵: تنبیہ: احرام کی بارہ صورتیں ہیں جن میں ایک تمتع ہے اور باقی گیارہ میں بعض ائمہ کے طور پر پانچ افراد ہیں اور چھ قران، اور بعض محققین کی تحقیق پر آٹھ افراد ہیں تین قران۔ اس کی نفیس وجلیل توضیح وتفصیل ہم نے ہوامش ردالمحتار پر کی کہ غالبًا دوسری جگہ نہ ملے گی، وہاں سے ان تین قسموں کی پوری پوری جامع مانع تعریف ظاہر ہوتی ہے یہاں صرف صاف صاف عام فہم بات لکھ دی ہے ۱۲ منہ۔

عـــہ۶: تنبیہ: طواف قدوم میں رمل واضطباع وسعی کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے، اگر کرے گا تو طوافِ زیارت میں جس کا بیان آگے آتا ہے ان امور کی حاجت نہ ہوگی ورنہ وہاں کرنے ہوں گے اور اس دن ہجوم بہت ہوتا ہے اور کام بھی زیادہ۔ لہٰذا ہم نے بنظر آسانی مطلقًا ان امور کو داخل ترتیب کردیا اور قارن کو تو خود افضل ہی یہ ہے کہ یہ باتیں اسی طواف میں بجالائے ۱۲ منہ

اور عورت بے اضطباع حجر اسود کی دہنی طرف رکن یمانی کی جانب سنگ مکرم کے قریب یوں کھڑا ہو کہ تمام پتھر اپنے اپنے دستِ راست کی طرف رہے پھر طواف کی نیت کرکے کعبہ کو منہ کئے اپنی دہنی سمت چلے، جب سنگ اسود کے مقابل ہو اور یہ بات ادنٰی حرکت سے حاصل ہو جائے گی، کانوں تک ہاتھ اس طرح اٹھا کر کہ ہتھیلیاں جانب حجر رہیں، **بسم اللہ والحمد للہ واللہ اکبر والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ** کہے اور پھر حجر مطہر پر دونوں کف دست اور ان کے بیچ میں منہ رکھ کر یوں بوسہ لے کہ آواز [عہ۱] نہ پیدا ہو۔ تین بار ایسا ہی کرے، اگر بے ایذا و کشمکش میسر آئے ورنہ ہاتھ یا لکڑی سے مس کرکے انھیں چوم لے، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو ہاتھوں سے اس کی طرف اشارہ کرکے انھیں بوسہ دے لے، پھر در کعبہ کی طرف بڑھے، جب محاذات حجر سے گزر جائے سیدھا ہولے اور خانہ کعبہ کو اپنی طرف کرکے بے ایذا و مزاحمت مرد رمل کرتا (اور عورت بے رمل) چلے۔ طواف میں کعبہ سے جتنا پاس ہو بہتر۔ مگر اتنا نہ کہ پشتہ دیوار پر جسم یا کپڑا لگے اور نزدیکی میں ازدحام سے رمل نہ کرسکے تو دوری افضل ہے جب رکن یمانی پر آئے اسے دونوں ہاتھوں یا دہنے سے تبرکا چھوئے، نہ صرف بائیں سے اور چاہے تو بوسہ بھی دے اور نہ ہوسکے تو کچھ نہیں [عہ۲]، یہاں تک کہ حجر اسود تک آجائے۔ یہ ایک پھیرا ہوا، یوں ہی سات پھیرے کرے، مگر رمل تین پھیروں کے بعد نہیں، ختم طواف میں بھی حجر اسود پر بوسہ دے، پھر مقام ابراہیم میں آکر جہاں تک مر بچھا ہے دو رکعت طواف پڑھے بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو ورنہ تاخیر کرے، اس کے بعد دعا مانگے۔ پھر ملتزم میں آئے کہ اس پارہ دیور کا نام ہے جو درمیان حجر اسود و در کعبہ کے ہے، یہاں قریب حجر ملتزم سے لپٹے اور اپنا سینہ، پیٹ، دہنار خسارہ کبھی بایاں کبھی تمام منہ اس پر رکھے۔ دونوں ہاتھ سر سے بلند کرکے دیوار پر پھیلائے یا دہنا دروازے اور بایاں حجر کی طرف اور دعا کرے۔ پھر زمزم پر آئے۔ ہوسکے تو خود ایک ڈول کھینچے ورنہ کسی سے لے کر آبِ مطہر روبکعبہ تین سانسوں میں ہر بار **بسم اللہ** سے شروع، **الحمد** پر ختم کرتا خوب پیٹ بھر کر پیے۔ باقی بدن پر ڈال لے۔ پیتے وقت دعا کرے کہ قبول ہے۔ کنویں کے اندر بھی نظر کرے کہ دافع نفاق ہے، اب اگر کوئی عذر مثل استراحت وغیرہ نہ ہو تو صفا مروہ میں سعی کے لیے پھر حجر اسود کو بطور مذکور چومے۔ اور نہ ہوسکے تو فقط اس کی طرف منہ کرکے فوراً باب صفا سے جانب صفا روانہ ہو، دروازے سے بایاں پاؤں پہلے نکالے اور داہنا پہلے جوتے میں ڈالے پھر صفا کی سیڑھی پر چڑھے کہ کعبہ نظر آئے، روبکعبہ ہو کر دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلے شانوں تک اٹھائے جیسے دعا میں کرتے ہیں۔ دیر تک تکبیر،

عہ۱: یہ ادب ہر بوسہ تعظیم مثلاً اولیاء و علماء کے دست و پا چومنے میں بھی ملحوظ رکھے ۱۲ منہ۔

عہ۲: یعنی بوسہ و مس نہ ملے تو یہاں یہ نہیں کہ لکڑی سے چھو کر اسے چومے یا ہاتھوں سے اشارہ کرکے بوسہ دے یہ باتیں صرف حجر اسود میں تھیں ۱۲ منہ

تہلیل، درود و دعا میں رہے کہ محل اجابت ہے پھر اتر کر ذکر و درود میں مشغول مروہ کو چلے۔ ان دونوں کے بیچ میں بائیں ہاتھ کو دیوار مسجد الحرام میں دو جگہ سبز علامتیں بنی ہیں جنھیں میلین اخضرین کہتے ہیں، مرد پہلے میل سے دوڑنا شروع کریں مگر نہ حد سے زائد کسی کو ایذا دیتے۔ یہاں تک کہ دوسرے میل سے نکل جائیں۔ اتنے راستے کو "**مسعٰی**" کہتے ہیں، عورتیں نہ دوڑیں۔ اس مابین میں دعا بجہد کرے میل دوم سے پھر آہستہ ہو لے یہاں تک کہ مروہ پر پہنچے یہاں گو کعبہ نظر نہیں آتا مگر استقبال کرکے جیسے صفا پر کیا تھا کرے۔ یہ ایک پھیرا ہوا۔ پھر صفا پر جائے اور مسعٰی میں دوڑے یہاں تک کہ ساتواں پھیرا مروہ پر ختم ہو۔ واضح ہو کہ عمرہ صرف انہی افعال طواف و سعی کا نام ہے۔ قارِن و متمتع کے لیے یہی عمرہ [عہ۱] ہوگیا۔

اور مفرد کے لیے طواف قدوم مگر قارن اسی طرح بہ نیت طواف قدوم ایک طواف و سعی اور کرے۔ اور وہ اور مفرد دونوں احرام میں رہیں۔ لبیک گویاں مقیم مکہ ہوں بخلاف متمتع کہ تنہا عمرہ والے کی طرح شروع سے بوسہ حجر لیتے ہی لبیک چھوڑدے اور طواف و سعی مذکور کے بعد حلق یا تقصیر کرکے احرام [عہ۲] سے باہر آئے،

پھر چاہے تو ہشتم ذی الحجہ تک بے احرام رہے، مگر افضل یہ ہے کہ جلد احرام حج باندھ لے اگر یہ خیال نہ ہو کہ دن زیادہ ہیں احرام کی قیدیں مجھ سے نہ نبھیں گی۔

ایام اقامت میں یہ سب حجاج [عہ۳] جس قدر ہوسکے نرا طواف بے سعی و رمل واضطباع کرتے رہیں اور ہر سات پھیروں پر مقام ابراہیم میں دو رکعت پڑھیں۔

ساتویں تاریخ بعد نماز ظہر مسجد الحرام شریف میں امام کا خطبہ سنے۔ آٹھویں تاریخ جس نے [عہ۴] ابھی احرام نہ باندھا ہو باندھ لے۔ اور حج کے رمل [عہ۵] وسعی پیشتر کرنا چاہے

عہ۱: اگرچہ انھوں نے ان افعال میں نیت عمرہ نہ کی ہو ۱۲ منہ

عہ۲: مگر جس متمتع نے سوق ہدی کیا ہوا سے قارن کی طرح احرام سے باہر آنا روا نہیں ۱۲ منہ

عہ۳: یعنی یہ چند سطریں بیچ میں خاص متمتع کے بیان میں تھیں آگے پھر عام احکام ہیں جن میں قارن، متمتع مفرد سب شریک ۱۲ منہ

عہ۴: اور وہ وہی متمتع ہوگا جو عمرہ کرکے احرام سے باہر آیا یا مکی جس نے ابھی حج کا احرام نہ کیا ۱۲ منہ

عہ۵: مفرد قارِن نے طواف قدوم میں جو رمل و سعی کی وہ حج کی تھی اب انھیں طواف زیارت میں فراغت رہے گی پر متمتع کے لیے طواف قدوم نہیں اور وہ رمل و سعی کہ اس نے کی تھی عمرہ کی تھی اس سے حج کی رمل و سعی ادا نہ ہوئی تو اسے طواف زیارت میں کرنے ہوں گے لہٰذا اگر بخیال زحمت و قلّت فرصت یہ بھی پیشتر فارغ ہولینا چاہے تو ایک نفلی طواف کے ساتھ ادا کرے ۱۲ منہ

تو ایک طواف نفل کے ساتھ کرلے، جب آفتاب نکل آئے سب منٰی کو چلیں بشرط قوت پیادہ کہ جب تک مکہ پلٹ کر آئے گا ہر قدم پر سات کروڑ عـــہ۱ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ سو ہزار کا لاکھ، سو لاکھ کا کروڑ، سو کروڑ کا ارب، سو ارب کا کھرب، یہ نیکیاں تخمیناً عـــہ۲ اٹھتر کھرب چالیس ارب آتی ہیں اور خدا کا فضل اس نبی کے صدقے میں اس امت پر بہت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راہ میں لبیک ودعا ودرود وثنا کی کثرت کرے۔ منٰی دیکھ کر دعا مانگے۔ وہاں شب باش ہو کر آج کی ظہر سے نویں کی صبح تک پانچ نمازیں پڑھے۔ یہ رات ذکر وعبادت میں جاگتا یا باطہارت سوتا گزارے۔ جب صبح ہو نماز مستحب وقت پڑھ کر لبیک وذکر میں رہے یہاں تک کہ آفتاب "کوہ ثبیر" پر کہ مسجد الخیف شریف کے مقابل ہے چمکے۔ اب عرفات کو چلے قلب کو خیال غیر سے پاک کرنے میں جہد کامل کرے۔ راستہ کثرت لبیك وذکر ودرود وتوبہ واستغفار میں کاٹے۔ جب نگاہ جبل رحمت پر پڑے ان امور میں جہد تام کرے کہ ان شاء اللہ وقت قبول ہے۔ عرفات میں اس کوہ مبارک کے پاس یا جہاں جگہ ملے شارع عام سے بچ کر اترے۔ دوپہر تک تضرع وابتہال اور باخلاص نیت حسب استطاعت تصدق وخیرات وذکر ولبیك ودرود ودعا واستغفار وکلمہ توحید عـــہ۳ میں مشغول رہے، پھر زوال آفتاب سے کچھ پہلے نہائے کہ سنت موکدہ ہے یا وضو کرے اور قبل از زوال کھانے پینے، وغیرہا ضروریات سے فارغ ہولے کہ قلب کو کسی جانب تعلق نہ رہے۔ آج کے دن جیسے کہ حاجی کو روزہ مناسب نہیں کہ دعا میں ضعف نہ ہو، یوں پیٹ بھر کھانا سخت زہر ور، غفلت وکسل کا باعث، تین روٹی بھوک والا

عـــہ۱: حدیث میں یوں ہے کہ پیادہ جانیوالے کو ہر قدم پر سات سو نیکیاں ملتی ہیں حرم کی نیکیوں سے [1] اور دوسری حدیث سے ثابت ہے کہ حرم کی ہر نیکی لاکھ نیکیوں کے برابر ہے [2] تو سات سو کو لاکھ میں ضرب دینے سے سات کروڑ ہوئے ۱۲ منہ۔

عـــہ۲: عرفات مکہ معظمہ سے نو کوس گنی جاتی ہے آتے جاتے اٹھارہ کوس ہوئے، اور فقیر نے تجربہ کیا کہ عرفی کوس ۱، ۵/۳ ہوتا ہے تو تخمیناً ۲۸ میل سمجھو، ہر میل کے چار ہزار قدم، ۲۸ کو ۴۰۰۰ میں ضرب دینے سے ایک لاکھ بارہ ہزار قدم ہوئے انھیں سات کروڑ میں ضرب دیجیئے تو وہی ۷۸ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں ہوتی ہیں، اور اگر عرفات کو مکہ معظمہ سے ۹ میل ہی رکھتے تو ۷۲ ہزار قدم ہوئے جن کی ۵۰ کھرب ۴۰ ارب نیکیاں یہ کیا تھوڑی ہیں، اور اللہ تعالٰی کا فضل بہت بڑا ہے ۱۲ غفرلہ

عـــہ۳: یعنی لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو حی لا یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیئ قدیر ۔ حدیث میں فرمایا: بہتر وہ کلمہ جو آج عرفہ کے دن میں نے اور مجھ سے پہلے انبیاء نے فرمایا یہ ہے ۱۲ منہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۸۷)

[2] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۸۷

یک ہی کھائے، عـــہ[1] جب زوال ہولے بلکہ اس سے پہلے کہ امام کے قریب جگہ ملے مسجد نمرہ جائے سنتیں پڑھ کر خطبہ سن کر امام کے ساتھ ظہر پڑھے اس کے بعد بے توقف عصر کی تکبیر ہو گی معًا جماعت میں عصر پڑھ لے بیچ میں سلام کلام تو کیا معنٰی۔ ظہر کی پچھلی سنتیں بھی نہ پڑھے اور بعد عصر بھی نفل نہیں۔ یہ ظہر و عصر کی جمع جبھی جائز ہے کہ نماز امام اعظم یعنی سلطان یااس کے نائب ماذون کے پیچھے ہو ورنہ عصر وقت سے پہلے باطل ہوگی۔ بعد نماز فورًا فورا موقف کو جائے۔ افضل یہ ہے کہ اونٹ پر امام سے نزدیک جبل الرحمۃ کے قریب جہاں سیاہ پتھروں کا فرش ہے روبقبلہ پس پشت امام کھڑا ہو جبکہ ان فضائل کے حصول میں دقت یا کسی کی اذیت نہ ہو ورنہ جہاں عـــہ[2] اور جس طرح ہوسکے وقوف کرے۔ امام کی دہنی جانب بائیں اور بائیں رو برو سے افضل ہے۔ اب غایت خشوع و خضوع کے ساتھ لرزتا، کانپتا، ڈرتا، امید کرتا، آنکھیں بند کئے، گردن جھکائے، دستِ دعا آسمان کی طرف اٹھائے، تکبیر، تہلیل، تسبیح، حمد، درود، دعا، توبہ، استغفار میں ڈوب جائے، کوشش کرے کہ ایک قطرہ آنسوؤں کا ٹپکے کہ دلیل اجابت و کمال سعادت ہے ورنہ رونے والوں کا سامنہ بنائے کہ مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہوگا۔ ت) اثنائے دعا و ذکر میں لبیک کی بار بار تکرار کرے، آج کے دن دعائیں بہت مقبول ہیں، مگر سب میں بہت

عـــہ۱: حدیث میں ہمیشہ تہائی پیٹ کھانے کو فرمایا ہے[1] ہم حریصوں سے مدام عمل نہیں ہوتا تو کاش ایام اقامت حرمین میں تو اس پر عامل رہیں ورنہ جان برادر۔

انائے کہ پر شد دگر چوں پرد

(پیٹ جب پر ہوتا ہے تو دوسرے امور ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں)

اے عزیز ا ہفتہ بھر اس پر عمل کر دیکھ۔ پھر اگر اگلی حالت سے کچھ فرق دیکھے ماننا ورنہ اختیار ہے زندگی ہے تو کھانے پینے کے بہت دن ہیں۔ حرمین کی اقامت تو نشاط سے گزرے، جان برادر! اگر اتنا صبر بھی شاق ہے تو ۸ سے ۱۳ تک خاص اعمال حج کے دن ہیں اور آٹھ دس روز مدینہ طیبہ کے کہ حضوری مبارک کے ایام ہیں ذرا نفس کی باگ کڑی کرلے ورنہ یقین جان کہ

بسیار خوارست بسیار خوار

(بسیار خوری ___ کثیر ذلت ہے) ۱۲منہ

عـــہ۲: یعنی بطن عُرنہ سے بچ کر وہاں وقوف محض ناجائز ہے وہ عرفات میں ایک نالہ ہے حرم محترم کے نالوں سے مسجد عرفات سے جسے مسجد نمرہ کہتے ہیں پچھال یعنی کعبہ معظّمہ کی طرف ۱۲ منہ

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ترمذی حدیث ۲ الترھیب من الامعان فی الشبع الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۳۶

یہ ہے کہ دعا کے بدلے سارا وقت درود وذکر وتلاوت قرآن میں گزارے کہ دعا والوں [عہ۱] سے زیادہ پائے گا۔

غرض اسی حالت تضرع وزاری پر رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے اور ایک جز ولطیف [عہ۲] رات کا آجائے، اس سے پہلے کوچ منع ہے اور ایک ادب واجب الحفظ اس روز یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے سچے وعدوں پر بھروسا کرکے یقین جانے کہ آج میں گناہوں سے ایسا پاک ہوگیا جیسا جس دن ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اب کوشش کروں گا کہ آئندہ گناہ نہ ہو، اور جو داغ اللہ تعالٰی نے بہ محض رحمت میری پیشانی سے دھویا ہے پھر نہ لگے۔ بعد تیقن غروب فوراً سکینہ ووقار کے ساتھ ہمراہ امام [عہ۳]، لبیك وتکبیر وذکر ودرود میں مشغول مزدلفہ جائیں۔ راہ میں وسعت ملے اور کسی کی ایذا نہ ہو تو سیر میں شتابی کریں۔ نماز مغرب وعشاء عرفات خواہ راہ میں نہ پڑھیں، جب مزدلفہ نظر آئے بشرط قدرت پیادہ ہوجائے اور نہا سکے تو بہتر، یہاں جبل قزح کے قریب راہ سے بچ کر اتریں، اسباب اتارنے، اونٹ کھولنے سے پہلے وقت عشاء میں بعد اذان واقامت نماز مغرب بہ نیت ادا اور اس کے بعد بے تکبیر یا تکبیر کہہ کر بے فصل سنت ونفل معا عشاء پڑھ لیں، اس جمع میں جماعت شرط نہیں۔ صبح تک بقدر قدرت یاد خدا ودرود ودعا میں رہیں، جب صبح ہو نماز صبح اول وقت خوب تاریکی میں پڑھ کر مشعر الحرام میں آئیں، امام کے پیچھے روبقبلہ ذکر ولبیک ودرود ودعا میں جہد رکھیں۔ اللہ جل جلالہ سے بتضرع تمام حقوق العباد سے خلاصی مانگیں، یہاں سے سات کنکریاں اٹھا کر دھو کر رکھ لیں۔ جب خوب روشنی ہوجائے اور آفتاب قریب طلوع آئے ہمراہ امام لبیک وذکر میں مشغول منٰی کو چلیں، جب وادی محسر [عہ۴] پہنچیں بقدر پانسو پینتالیس گز شرعی کے سیر میں

عہ۱: یہ امر حدیثوں سے ثابت ہے جسے ان کا دیکھنا ہو جواہر البیان شریف مطالعہ کرے، خلاصہ ان کا یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: "اگر تو اپنی سب دعاؤں کے عوض مجھ پر درود بھیجا کرے گا تو اللہ تعالٰی تیرے سب کام بنادے گا اور تیرے گناہ معاف فرمائے گا [1]۔" بیہقی کی حدیث میں ہے: "رب العزت جل جلالہ فرماتا ہے جو میرے ذکر کے سبب دعا کی فرصت نہ پائے اسے سب مانگنے والوں سے زیادہ دوں [2]۔" ترمذی کی حدیث میں ہے: "مولا تعالٰی فرماتا ہے جسے تلاوت قرآن، ذکر ودعا کی مہلت نہ دے اسے سب سائلوں سے افضل عطا کروں [3] ۱۲ منہ عہ۲: اس کے معنی ہم اوپر لکھ چکے کہ غروب آفتاب کا یقینی ہوجانا مراد ہے پھر دیر نہ کرے ۱۲ منہ

عہ۳: اوپر گزرا کہ ہمراہی امام سنت ہے اور اگر وہ وقت مسنون پر کوچ کرے اور معیت میں اپنی یا غیر کی اذیت نہ ہو ۱۲ منہ۔ عہ۴: یہ منٰی ومزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے دونوں کی حدود سے خارج مزدلفہ سے منٰی کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہوا ہے ۵۴۵ گز طول رکھتا ہے یہاں آکر اصحاب الفیل ٹھہرے اور ان پر عذاب ابابیل اترا تھا اس لیے اس سے جلد گزرنا اور عذاب الٰہی سے پناہ مانگنا چاہئے ۱۲ منہ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل ثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۶

[2] شعب الایمان حدیث ۵۷۳ بیروت ۱/ ۴۱۳

[3] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱۱۶/۲)

بے ایذائے احدے تیزی کریں اور اس عرصہ میں غضب وعذاب الٰہی سے پناہ مانگیں، جب منٰی پہنچیں سب کاموں سے پہلے جمرہ العقبہ کو کہ ادھر سے پچھلا جمرہ ہے اور مکہ معظّمہ سے پہلا، جائیں اور بطن وادی میں سواری پر جمرہ سے پانچ گز شرعی چھوڑ کر کھڑے ہوں کہ منٰی دہنے ہاتھ پر رہے اور کعبہ بائیں پر۔ پس رخ بجمرہ سات کنکریاں جدا جدا سیدھا ہاتھ خوب اٹھا کر کہ سپیدی بغل ظاہر ہو، ہر ایک پر "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ماریں۔ بہتر یہ ہے کہ کنکریاں جمرہ تک پہنچیں ورنہ تین گز شرعی کے فاصلہ تک گریں، اس سے زیادہ میں وہ کنکری شمار میں نہ آئے گی، پہلی کنکری سے لبیك موقوف کریں، جب سات پوری ہوجائیں فورًا ذکر ودعا کرتے پلٹ آئیں، اب قربانی [عہ۱] میں کہ متمتع وقارن پر واجب اور مفرد کو مستحب ہے مشغول ہو، اگر ذبح کرنا آئے خود ذبح کریں ورنہ ذبح میں حاضر ہوں، دنوں ہاتھ اور ایک پاؤں اس کا باندھ کر روبقبلہ لٹائیں اور تکبیر کہہ کر نہایت تیز چھری بسرعت تمام پھیردیں، بعدہ ہاتھ پاؤں کھول دیں، اونٹ ہو تو اسے کھڑا کرکے سینہ میں منتہائے گلو پر نیز ماریں کہ سنت یونہی ہے اور اس کا ذبح مکروہ، اگرچہ حلت میں کافی ہے۔ بعد فراغ اپنے اور تمام مسلمانوں کے لیے قبول حج وقربانی کی دعا کریں، جب تک سرد نہ ہو کھال نہ کھینچیں کہ ایذا ہے، بعدہ روبقبلہ بیٹھ کر مرد سارا سر منڈائیں کہ افضل ہے یا بال کتروائیں کہ رخصت ہے، ابتداء دہنی جانب سے کریں، وقت حلق اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہتے جائیں، بعد فراغ بھی کہیں، سب مسلمانوں کی مغفرت مانگیں، بال دفن کردیں، حلق سے پہلے ناخن نہ کتروائیں، خط نہ بنوائیں، عورتوں کو حلق روا نہیں ایک پور برابر بال کتروادیں، اب جماع ودواعی جماع کے سوا جو کچھ احرام نے حرام کیا تھا سب حلال ہوگیا۔ افضل یہ ہے کہ آج دسویں ہی تاریخ طواف فرض کے لیے جسے "طواف زیارۃ" کہتے ہیں، مکہ معظّمہ جائیں بدستور مذکور پیادہ پا باطہارت وستر عورت بے اضطباع [عہ۲] کریں، اسی طرح [عہ۳] جو مفرد متمتع مثل قارن رمل وسعی حج دونوں خواہ صرف سعی حج، سے کسی طواف [عہ] کامل باطہارت میں

عہ۱: یہ قربانی عید کی قربانی سے جدا ہے وہ مسافر پر اصلاً نہیں اور مقیم مالدار پر واجب ہے اگرچہ حاجی ہو ۱۲ منہ

عہ۲: ہم اوپر لکھ چکے کہ اس طواف میں اضطباع اصلاً نہیں اگرچہ پیشتر نہ کیا ہو ۱۲ منہ

عہ۳: توضیح مسئلہ یہ ہے کہ قارن کو طواف قدوم میں رمل وسعی کرلینی افضل ہے وھذہ معنی قولہ مثل قارن (اس کے قول "مثل قارن" کا یہی معنی ہے۔ ت) اور مفرد کو بھی بخیال زحمت وقلّت فرصت اجازت اور متمتع کے لیے اگرچہ طواف قدوم نہیں کما بینا من قبل (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کردیا ہے۔ ت) مگر اسے (باقی برصفحہ آئندہ)

فارغ ہوچکا ہے وہ رمل وسعی کرے ورنہ اب دونوں بجالائے۔ بعد طواف دو رکعت مقام ابراہیم میں پڑھیں اس سے عورتیں بھی حلال ہوگئیں، بارھویں تک اس کی تاخیر روا۔ اس کے بعد بلاعذر مکروہ تحریمی موجب دم۔

اب دسویں تاریخ نماز ظہر مکہ معظّمہ میں پڑھ کر پھر منیٰ [عہ۱] جائے، گیارھویں شب وہیں بسر کرے، نہ مکہ میں نہ راہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ہم اوپر لکھ آئے کہ پہلے کرلینا چاہئے تو ایک نفل کے ساتھ کرلے اب یہ لوگ اگر پیشتر ان کاموں سے فارغ ہولئے تھے فبہا، آج حاجت نہ پڑے گی مگر جس نے نہ کئے خواہ قارن ہو یا مفرد یا متمتع، اسے اب کرنے چاہئیں، پر رمل اسی طواف میں مشروع ہے جس کے بعد سعی ہو تو جس نے ہنوز دونوں نہ کئے ہوں ہو تو ظاہر ہے کہ اس طواف کے ساتھ دونوں کرے گا اور جس نے سعی نہ کی اور رمل کرلیا وہ بھی اب دونوں کرے۔ سعی تو یوں کہ باقی تھی اور رمل یوں کہ پہلا رمل جو طواف بے سعی میں واقع ہوا نامشروع تھا، اب بروجہ مشروع بجالائے اور جس نے سعی کرلی تھی رمل نہ کیا تھا وہ اب کچھ نہ کرے۔ سعی تو یوں کرچکا ہے اور رمل یوں کہ کرتا ہے تو بے سعی واقع ہوگا اور سعی دوبارہ نہیں ہوسکتی ۱۲ منہ

عہ۴: طواف کامل کے معنی فصل واجبات میں گزرے ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ھذا)

عہ۱: قدرت الٰہی کا ایک عجیب تماشا ہر کس وناکس نے منیٰ میں ان آنکھوں سے دیکھا ہے جس سے بحمد اللہ حقانیت اسلام و معجزہ باہرہ حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام ظاہر ہو۔ منیٰ چند پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی جگہ کا نام ہے جس کا عرض تو بہت ہی قلیل ہے اور طول دو میل، سارا رقبہ ایک مربع میل سے بھی کم سمجھئے، یہاں چار پانچ روز تمام حجاج کا ہجوم رہتا ہے پھر یوں نہیں جیسے نماز کی صفیں یا مجلس کی گنجائش بلکہ جس طرح شہروں میں بستے ہیں ہزار ہا خیمے، ڈیرے، قناتیں، پردے، ہر ایک اپنی اپنی جدا منزل میں، پھر اصل آبادی کی عمارتیں علاوہ۔ اور ہم اوپر لکھ آئے کہ کسی سال پندرہ لاکھ سے کم نہیں ہوتے، فقیر جس سال حاضر تھا اٹھارہ لاکھ کی مردم شماری سننے میں آئی۔ پھر کبھی نہ دیکھئے گا کہ منیٰ بھر گئی یا کسی وقت حاضرین سے تنگ ہوگئی۔ سب اہلے گہلے بہ فراغت پھیلتے، چلتے پھرتے، سوتے، بستے، کام کاج کرتے ہیں، یہ بحمد اللہ صریح تصدیق ہے اس حدیث کی کہ ارشاد ہوا: "منیٰ حاجیوں کے لیے ایسی پھیلتی ہے کہ جیسے ماں کا پیٹ بچہ کے لیے کہ جتنا بچہ بڑھتا جاتا ہے ماں کا پیٹ جگہ دیتا ہے[1]۔" **اشھد ان الا سلام حق والکفر باطل والحمدللہ رب العالمین** ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] کنز العمال بحوالہ طس عن ابی الدرداء حدیث ۳۴۷۹۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲ /۲۳۰، در منثور واذکروا اللہ فی ایام معدودات کے تحت مذکور ہے منشورات آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۲۳۵

مکروہ ہے، روز یازدہم بعد نماز ظہر امام کا خطبہ سن کر متوجہ رمی ہو، ان ایام میں رمی جمرہ اولٰی سے شروع کرے جو مزدلفہ کی طرف مسجد خیف سے قریب ہے، راہ مکہ کی طرف سے آکر چڑھائی پر چڑھے کہ یہ جگہ نسبت جمرۃ العقبہ کے بلند ہے روبہ کعبہ بطور مذکور سات کنکریاں مار کر جمرہ سے قدرے آگے بڑھے، مستقبل قبلہ ہاتھ دعا میں یوں اٹھا کر ہتھیلیاں روبہ قبلہ رہیں حضور قلب سے حمد ودرود ودعا واستغفار میں بقدر قراءت یا سورہ بقرہ یا کم سے کم بمقدار بست آیت مشغول رہے۔
آگے جمرہ وسطٰی ہے وہاں بھی ایسا ہی کرے پھر جمرہ عقبہ ہے یہاں رمی کرکے نہ ٹھہرے معًا پلٹ آئے، پلٹتے میں دعا کرے، شب دوازدہم یہیں اپنی فرودگاہ پر گزارے۔ بارھویں تاریخ جمرات ثلاثہ کو بعد زوال اسی طریقے سے رمی کرے ___ اب تابہ غروب آفتاب مختار ہے کہ جانب مکہ روانہ ہو اور ایک دن اور ٹھہرے تو افضل ہے مگر بعد غروب چلا جانا معیوب۔ پس اگر تیرھویں کو بھی ٹھہرا تو اسی طرح رمی جمرات کرکے متوجہ مکہ معظّمہ ہو۔ جب وادی محصب میں کہ جنت المعلی کے قریب ہے، پہنچے، سواری اترلے یا بے اترے کچھ دیر ٹھہر کر مشغول دعا ہو، بہتر تو یہ ہے کہ عشاء تک نمازیں یہیں پڑھے، نیند لے کر داخل مکہ معظّمہ ہو۔
اب اپنے اور اپنے والدین ومشائخ واولیائے نعمت خصوصًا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے اصحاب وعترت علیہ وعلیہم الصلوۃ والتحیۃ کی طرف سے جتنے ہوسکیں عمرے کرتا رہے، جب عزم سفر ہو طواف وداع بے رمل وسعی واضطباع کرے، دو رکعت مطلوبہ پڑھے۔ پھر زمزم عــه پر آئے، پانی بطریق مذکور پیئے، بدن پر ڈالے۔

عــه: قدرت ربانی کا صریح نمونہ اس مبارک کنویں میں ہے، چھوٹا سا کنواں ذرا سا دَور، اور لاکھوں کا ہجوم، آٹھ پہر میں ایک دم کو پانی تھمنے نہیں پاتا۔ ہزاروں پیتے ہیں، ہزاروں وضو کرتے ہیں، ہزاروں نہارہے ہیں، ہزاروں مشکیں شہر میں جاری ہیں ایک غول سر کا دوسرا آیا ہٹنے نہ پایا کہ تیسرا آیا، پھر کوئی بتادے کہ فلاں وقت کنویں کا پانی کچھ کم کرگیا۔ واللہ برکت والے مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکت ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا، گہرے سے گہرا کنواں فرض کیجئے اور ایک دن میں پندرہ لاکھ، اٹھارہ لاکھ کا ہجوم اس پر آنے دیجئے، دم کے دم میں سن لیجئے گا کہ تلی میں خاک بھی نہ رہی، ایک بار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں زمزم شریف میں ایک زنگی گر کر مرگیا، سب پانی کھینچنا تھا، تھک تھک گئے۔ شل ہوگئے بہزار مشکل قدرے گھٹا کہ دفعۃً حجر اسود کی طرف سے ایک موسلا دھار پرنالہ اسی جوش سے گرا کہ آن کی آن میں پھر ویسا ہی کردیا۔ اللہ تعالٰی کی بے شمار درودیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل پر ۱۲ منہ غفرلہ۔

پھر روبروئے در اقدس کھڑا ہو۔ آستانہ پاک کو بوسہ دے۔ فلاح دارین، قبول حج، مغفرت ذنوب، توفیق حسنِ عود بار ہا کی دعا کرے، ملتزم پر آکر بہ نہج مذکور غلافِ کعبہ تھام کر چمٹے، تضرع، خشوع، دعا ،بکاء، ذکر، درود کی جو تکثیر ہوسکے بجالائے۔ حجر مطہر کو بوسہ دے کر الٹے پاؤں رخ بہ کعبہ یا سیدھے چلنے میں بار بار پھر کر کعبہ کو بہ نگاہ حسرت دیکھتا اور فراق بیت پر روتا یا رونے کی صورت بناتا مسجد مقدس کے دروازہ مسمّٰی بہ "باب الحزورہ" سے نکلے پھر بقدر استطاعت فقرائے حرم پر تصدق کرکے متوجہ مدینہ طیبہ ہو۔

حاضری دربارِ دُربار مدینہ طیبہ

اس سفر سراپا ظفر میں نیت لحاظ غیر سے خالص اور درود وذکر شریف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نہایت کثرت کرے جب حرم مدینہ میں داخل ہو ،احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے، روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچے کئے چلے۔ ہوسکے تو برہنہ پائی بہتر بلکہ ؎

جائے سراست اینکہ تو پائے می نہی پائے نہ بینی کہ کجامی نہی

(حرم کی زمین اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقع ہے او جانیوالے)

جب نگاہ قبہ سعادت وبرج کرامت پر پڑے صلٰوۃ وسلام کی کثرت کرے، جب خاص شہر اقدس تک پہنچے قبل دخول اور نہ بن پڑے تو بعد دخول ، پیش از حضور مسجد، وضو ومسواک کرے اور غسل احسن، جامہ سفید پاکیزہ پہنے۔ نیا بہتر ،سرمہ وخوشبو لگائے، مشک افضل ،جب دروازہ شہر میں داخل ہو تمام ہمت اپنی تکثیر صلٰوۃ وسلام میں مصروف کرے۔ مراقبہ جلال وجمال محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ڈوب جائے، اب ان ضروریات وحوائج سے جن کا لگاؤ باعث تشویش خاطر ہو بسرعت تمام فراغ پاکر پہلا کام یہ کرے کہ آستانہ والا کی طرف بہ نہایت خشوع وخضوع متوجہ ہو۔ اگر رونا نہ آئے رونے کا منہ بنائے اور دل کو بہ زور رونے پر لائے۔ اپنی سختی دل سے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف التجا کرے۔ جب در مسجد پر حاضر ہو صلٰوۃ وسلام عرض کرکے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذن حضوری طلب کرتا ہے، پھر دہنا پاؤں پہلے رکھتا سر سے پاؤں تک ادب بنتا داخل ہو، اس وقت جو ادب وتعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے دل وجوارح کو خیال غیر وحرکات عبث سے باز رکھے، مسجد اقدس کی آرائش وزینت ظاہری کی طرف نگاہ نہ کرے۔ اگر کوئی ایسا سامنے آئے جس سے سلام وکلام ضروری ہو حتی الوسع اعراض کرجائے۔ نہ بن پڑے تو قدر ضرورت سے تجاوز نہ کرے۔ پھر بھی دل اسی طرف متوجہ ہو

زنہار زنہار اس مسجد مقدس میں کوئی حرف چلا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ جناب عہ ا مراز اعطر وانور میں بحیات ظاہری ،دنیاوی، حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے[1]۔ موت ان کی ایک امر آنی تھی، اور انتقال ان کا صرف نظر عوام سے چھپ جانا۔

ائمہ دین فرماتے ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے ایک ایک قول عہ۲ وفعل بلکہ دل کے خطروں عہ۳ پر مطلع ہیں[2]۔اب اگر جماعت قائم ہو شریک ہو جائے کہ اس میں تحیۃ المسجد بھی ادا ہو جائے گی ورنہ اگر غلبہ شوق اجازت دے تو دو رکعت تحیۃ المسجد وشکرانہ حاضری صرف سورہ کافرون واخلاص سے بہت تخفیف کے ساتھ مگر بہ مراعاتِ سنن، مصلائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جہاں اب وسط مسجد میں محراب بنی ہے اور وہاں میسر نہ آئے تو حتی الوسع اس کے نزدیک ادا کرے۔ بعدہ سجدہ شکر میں گرے اور دعا مانگے کہ الٰہی! اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب نصیب فرما۔

اب وہ وقت آیا کہ منہ اس کا مثل دل کے اس شباک پاک کی طرف ہو گیا جو اللہ تعالٰی کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کئے، لرزتا، کانپتا، بید کی طرح تھر تھراتا، ندامت گناہ سے عرق شرم میں ڈوبا، قدم بڑھا۔ خضوع ووقار وخشوع وانکساری کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کر، سوا سجدہ عبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا، حضور والا کے پائیں یعنی شرق

عہ۱: اس نفیس مقام پر کتاب مستطاب جواہر البیان شریف میں وہ نفحات جاں افروز ونفحاتِ دشمن سوز ہیں جن کی شرح میں فقیر نے کتاب "سلطنت المصطفی فی ملکوت کل الورٰی" تحریر کی، جسے ان حقائق کی تفصیل دیکھنی منظور ہو اس کی طرف رجوع کرے ان شاء اللہ تعالٰی حق کا رنگ رچا ملے گا اور باطل کا سر لچا،ذٰلك من فضل اللہ علینا و علی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون ۱۲ منہ

عہ۲: علامہ علی قاری نے فرمایا حضور سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ تیرے تمام افعال واحوال وکوچ ومقام سے آگاہ ہیں[3] ۱۲منہ

عہ۳: امام علامہ محدث شہاب الدین احمد قسطلانی شارح بخاری نے مواہب لدنیہ اور علامہ ابن الحاج مکی محمد عبدری نے مدخل میں اوران کے ماسوا اور اکابر علماء نے اس معنٰی کی تصریح فرمائی ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] شرح مواہب زرقانی المقصد العاشر مطبعہ عامرہ مصر ۳۴۸/۸

[2] المدخل فصل فی زیارۃ القبور دار الکتاب العربی بیروت ۲۵۲/۱

[3] مسلک متقسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین ص ۳۳۸

کی سمت سے آ، کہ وہ جناب مزارِ پر انوار میں رو بقبلہ جلوہ فرما ہیں جب تو اس سمت سے حاضر ہو گا حضور کی نگاہ بیکس پناہ تیری طرف ہوگی اور یہ امر تیرے لیے دو جہاں میں بس ہے۔

پھر زیر قندیل میخ سیمیں کے محاذی جو دیوار حجرہ مقدسہ میں چہرہ انور کے مقابل مرکوز ہے پہنچ کر پشت بہ قبلہ دست بستہ مثل نماز کھڑا ہو عـــہ۱ کہ کتب معتمدہ [1] میں اس معنی کی تصریح ہے اور زنہار جالی شریف کے بوسہ ومس سے دور رہ کہ خلاف ادب ہے، اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا و تسلیم بجالا بہ آواز حزیں وصورت درد آگیں و دل شرمناک و جگر صد چاک، معتدل آواز سے نہ نہایت نرم وپست نہ بہت بلند وسخت عرض کر: السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، السلام علیك یا رسول اللہ، السلام علیك یا خیر خلق اللہ، السلام علیك یا شفیع المذنبین، السلام علیك وعلٰی اٰلك واصحابك اجمعین [2]۔

جہاں تک ممکن ہو اور زبان یاری دے اور ملال وکسل نہ ہو۔ صلوٰۃ وسلام کی کثرت کر۔ حضور سے اپنے اور اپنے والدین ومشائخ واحباب تمام اہل اسلام کے لیے شفاعت مانگ۔ بار بار عرض کر: اسئلك الشفاعۃ یا رسول اللہ [3]۔ پھر کسی نے عرض سلام کی وصیت کی تو بجالا، عرض کر: السلام علیك یا رسول اللہ من عبدك عـــہ۲ وابن عبدك احمد رضا بن نقی علی

عـــہ۱: مثل اختیار شرح مختار وفتاوٰی عالمگیری ولباب وشرح لباب وغیرہا ۱۲ منہ

عـــہ۲: اطلاقِ عبد بمعنی غلام قطعاً جائز وشائع اور قرآن وحدیث میں واقع، فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب "البارق الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ" میں اس کی تحقیق مشبع لکھی اور اپنے رسالہ "مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم" (۱۳۰۲ھ) میں بھی قدرے توضیح، اور گیارہ احادیث پر قناعت کی۔ یہاں اسی قدر کافی کہ رب الارباب عزجلالہ قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ	نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵

[2] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۸

[3] شرح لباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

یسئلك الشفاعة فاشفع له وللمسلمین۔

فقیر اپنے مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ درخواست کرتا ہے جو صاحب اس رسالہ پر واقف ہوں اور اللہ عزجلالہ حاضری روضہ اقدس عطا فرمائے ان الفاظ کو عرض کرکے ثواب جزیل پائیں اور نالائق ننگِ خلائق کو ممنون احسان بنائیں، اللہ تعالیٰ تمھیں دونوں جہان میں جزائے خیر بخشے۔ آمین!

بعدہ ایک گز شرعی اپنے دہنے ہاتھ یعنی مشرق کی جانب ہٹ کر مقابل چہرہ انور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑا ہو کر عرض کر: **السلام علیك یا خلیفة رسول اللہ۔ السلام علیك یا وزیر رسول اللہ ۔ السلام علیك یا صاحب رسول اللہ فی الغار ورحمة اللہ وبرکاته**،[1]۔

پھر اس قدر ہٹ کر روبروئے جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام کرکے کہہ: **السلام علیك یا امیر المومنین۔ السلام علیك یا متمم الاربعین۔ السلام علیك یا عز الاسلام والمسلمین ورحمة اللہ وبرکاته**،[2]۔

پھر بقدر نصف گز شرعی کے پلٹ آ، اور صدیق وفاروق کے درمیان کھڑا ہو کر عرض کر: السلام علیک یا صاحبی رسول اللہ۔ السلام علیک یا خلیفتی رسول اللہ۔ **السلام علیك یا وزیری رسول اللہ ورحمة اللہ وبرکاته**،[3]۔

ان سب حاضریوں میں بہ جہد تام دعا کرے کہ محل قبول ہے۔ پھر منبر اطہر کے قریب آکر دعا کرے،

پھر روضہ منورہ میں یعنی جو جگہ منبر انور وروضہ مطہرہ کے ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا آکر دو رکعت نفل پڑھے اور دعا کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ[4]	اپنے لائق غلاموں اور کنیزوں کا۔ (ت)

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا اگرچہ ہمیں اپنے غلام کو یاعبدی نہ کہنا چاہئے، کہ تواضع کے خلاف ہے حدیث میں اس کی ممانعت آئی نہ یہ کہ غلام بھی اپنے آپ کو آقا کا عبد نہ کہے ۱۲ منہ

[1] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[2] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۹

[3] شرح للباب مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۴۰

[4] القرآن ۳۲/۲۴

پھر روضہ منورہ میں یعنی جو جگہ منبر انور وروضہ مطہرہ کے ہے اور اسے حدیث میں جنت کی کیاری فرمایا آکر دو رکعت نفل پڑھے اور دعا کرے۔ اسی طرح مسجد شریف کے ستونوں کے پاس نمازیں پڑھے۔ دعائیں مانگے کہ محل برکات ہیں۔ خصوصاً بعض [عہ۱] میں خصوصیات خاصہ، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ: اس سواد جنت آباد کی اقامت غنیمت جانے، جُہد کرے کہ کوئی نفس بیکار نہ گزرے۔

مسجد انور سے ضروریات کے سوا باہر نہ جائے۔ باطہارت حاضر رہے مگر حاشا کہ دنیوی باتوں، عبث کاموں میں وقت ضائع نہ کرے۔

مسئلہ: ہمیشہ جلوس مسجد [عہ۲] میں نیت اعتکاف رکھے، اور روزہ نصیب ہو خصوصاً ایّام گرما میں تو

عہ۱: حضرت والد قدس سرہ نے جواہر البیان شریف میں سات ستونوں کی تفصیل فرمائی قال رضی اللہ تعالٰی عنہ ان میں ایک ستون وہ ہے جو محراب مکرم کے دہنی طرف مصلائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی علامت ہے، ستونِ حنانہ اس کے آگے تھا۔ دوسرا ستون ام المومنین عائشہ صدیقہ کا کہ امام اگر مصلائے شریف میں نماز پڑھے تو اس کے پیچھے کی صف میں جو ستون واقع ہوں ان میں سے منبر سے جانب مشرق تیسرا ستون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چند روز اس کی طرف نماز پڑھی۔ اس کے پاس دعا مقبول ہوتی ہے، تیسرا اسطوانہ توبہ، اور وہ ستون عائشہ اور ستون ملاصق بہ دیوار حجرہ کے بیچ میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی طرف نماز پڑھی اور وہاں اعتکاف فرمایا تھا۔ چوتھا اسطوانہ السریر کہ جالی شریف سے ملتصق ہے اسطوانہ توبہ سے مشرق کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے پاس اعتکاف کیا۔ پانچواں ستون علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ شمال کی طرف اسطوانہ توبہ کے پیچھے ہے جناب مرتضٰی کرم اللہ وجہہ یہاں بیٹھتے اور نماز پڑھتے۔ چھٹا اسطوانہ الوفود کہ وہ اسی جانب اسطوانہ علی کے پیچھے ہے اس میں اور اسطوانہ توبہ میں صرف ستون علی حائل ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور افاضل صحابہ یہاں رونق افروز ہوتے____ ساتواں اسطوانہ التہجد کہ بیت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیچھے ہے ۱۲ منہ

عہ۲: روایت مفتی بہا پر اعتکاف کے لیے کوئی مقدار معین نہیں ایک لمحہ کا بھی ہوسکتا ہے، نہ اس کے لیے روزہ شرط، تو آدمی کو ہر مسجد میں ہر وقت اس کا لحاظ کرنا چاہئے کہ جب داخل ہو اعتکاف کی نیت کرلے جب تک رہے گا اعتکاف کا بھی ثواب پائے گا، پھر یہ نیت اسے کچھ پابند نہ کرے گی۔ جب چاہے باہر آئے اسی وقت اعتکاف ختم ہوجائے گا **فان الخروج فی النفل المطلق منہٖ لامفسد کما نصوا علیہ** (کیونکہ نفلی طواف میں مسجد سے نکلنا اعتکاف کا اختتام ہے مفسد نہیں جیسا کہ اس پر تصریح کی گئی ہے۔ ت) لوگ اپنی ناواقفی یا بے خیالی سے اس ثواب عظیم کو مفت کھوتے ہیں، **وفقنا اللہ تعالٰی للحسنات بجاہ سید الکائنات علی افضل الصلٰوت والتحیات اٰمین** ۱۲منہ

کیا کہنا اس پر وعدہ عــہ۱ شفاعت ہے۔

مسئلہ: یہاں ہر عمل صالح پچاس ہزار تک مضاعف ہوتا ہے لہذا عبادات میں جہد لازم، شب بیداری رہے، کھانے پینے کی تقلیل رکھے، قرآن مجید کا کم سے کم ایک ختم تو یہاں اور حطیم عــہ۲ کعبہ معظّمہ میں کرلے۔

مسئلہ: نظر حجرہ منورہ وقبہ معطرہ کی طرف عبادت ہے جیسے کعبہ کی طرف، تو خشوع وادب کے ساتھ اس کی کثرت کرے۔

مسئلہ: پنجگانہ نماز کے بعد حضور میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا کرے۔

مسئلہ: جب محاذات گنبد اقدس میں گزارے اگرچہ بیرون مسجد اگرچہ بیرون مدینہ جہاں سے قبہ کریمہ نظر آئے بے ٹھہرے اور صلوٰۃ وسلام عرض کئے نہ گزرے کہ ترک ادب ہے۔

مسئلہ: ترک جماعت ہر جگہ بُرا ہے مگر یہاں سخت محرومی، والعیاذ باللہ، حدیث عــہ۳ میں ہے: جس سے چالیس

عــہ۱: حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرا جو امتی مدینہ کی شدت وسختی پر صبر کرے گا میں قیامت کے روز اس کا شفیع ہوں گا[1] (**رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ**) اور پر ظاہر کہ روزہ میں شدت ومحنت پر صبر ہوتا ہے خصوصًا بلاد گرم میں خصوصًا جبکہ موسم گرما ہو، خود حدیث میں آیا: **الصوم نصف الصبر**[2] روزہ آدھا صبر ہے۔

فائدہ جلیلہ: جن چیزوں پر وعدہ شفاعت فرمایا گیا جیسے یہ حدیث یا حدیث زیارت شریفہ یا حدیث موت فی المدینہ یا حدیث سوال وسیلہ وغیرہا وہ بحمد اللہ حسن خاتمہ کی بشارت جمیلہ ہیں کہ یہاں وعدہ شفاعت ہے اور وعدہ حضور وعدہ رب غفور، **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾**[3] (بیشک اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ت) اور کافر کی شفاعت محال، تو لاجرم بشارت فرماتے ہیں کہ سختی مدینہ پر صابر اور حضور پرنور کا زائر اور مدینہ طیبہ میں مرنے والا اور حضور کے لیے سوال وسیلہ کرنے والا ایمان پر خاتمہ پائے گا **والحمد للہ رب العالمین اللھم ارزقنا آمین ۱۲ منہ**

عــہ۲: کعبہ معظّمہ سے جو متصل جانب شمال جو ایک چھوٹی سی دیوار قوسی شکل پر ہے اس کے اندر کی زمین کو حطیم کہتے ہیں اس کا بڑا ٹکڑا بنائے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل کعبہ تھا قریش نے تنگی خرچ کے سبب بنائے جدید میں خارج کردیا ۱۲ منہ

عــہ۳: **رواہ الامام احمد فی مسندہ بسند صحیح عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ والحمد للہ رب العٰلمین۔** اسے امام احمد نے بسند صحیح اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے **والحمد للہ رب العٰلمین** (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث رجل من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۲۶۰

[3] القرآن ۱۳/ ۳۱

نمازیں میری مسجد میں فوت نہ ہوں اس کے لیے دوزخ ونفاق وعذاب سے آزادیاں لکھی جائیں[1]۔

مسئلہ: دیوار حجرہ کو مس نہ کرے نہ اس سے چمٹے بلکہ کم سے کم تین گز شرعی کا فاصلہ رکھے کہ ادب یہی ہے

مسئلہ: قبر اطہر واعطر کو ہرگز پیٹھ نہ کرے نماز میں نہ غیر نماز میں۔

مسئلہ: روضہ انور کا طواف نہ کرے، نہ زمین چومے۔ نہ پیٹھ مثل رکوع جھکائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ان کی اطاعت میں ہے۔

مسئلہ: حسب استحسان علماء زیارت بقیع واُحد وقبا ودیگر آثار شریفہ کا قصد ہو توان کی تفصیل کتاب علماء سے دریافت کرے ورنہ حجرہ مطہرہ کے حضور حاضر رہنے کے برابر کون سی دولت ہے اللہ تعالٰی دنیا وآخرت میں ان کا قرب عطا فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تمت الطرۃ الرضیۃ علی النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ والحمد للہ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالک رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۵

فتاوی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۱

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

رموز 5

پیش لفظ 6

گیارہویں جلد 6

فہرست مضامین 8

فہرست ضمنی مسائل 74

کتابُ النّکاح 110

(نکاح کا بیان) 110

رسالہ 122

عُبَابُ الْاَنْوَارِاَنْ لَّانِکَاحَ بِمُجَرّدِالْاِقْرَار ۱۳۰۷ھ 122

(محض اقرار کی بنیاد پر نکاح نہ ہونے کے بیان میں انوار کی موج) 122

رسالہ 142

ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھندوبنجالہ ۱۳۱۷ھ 142

(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا) 142

باب المحرمات 316

(محرمات کا بیان) 316

ھبۃُ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزنا ۱۳۱۵ھ 361

(زنا سے حرمت مصاہرہ کے ثبوت میں تحقیق جلیل) 361

ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار ۱۳۱۶ھ 382

(معزز خواتین کو جہنم کے کتّوں کے نکاح میں نہ دیتے ہوئے انھیں رسوائی سے بچانا) 382

رسالہ 498

الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللّبن ۱۳۳۰ھ 498

www.dawateislami.net

(اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان) 498

باب الولی 534

(ولی کا بیان) 534

تجویز الرد عن تزویج الابعد ۱۳۱۵ھ 600

(ولی اقرب کی غیبت میں ولی ابعد کے نکاح پڑھانے کا حکم) 600

باب الکفائۃ فی النکاح 707

(نکاح کے سلسلہ میں کفو کا بیان) 707

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد یازدہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاھور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب__________ فتاوٰی رضویہ جلد یاز دہم

تصنیف__________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ__________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست__________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح__________ مولانا نذیر احمد سعیدی

باہتمام وسرپرستی__________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت__________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ__________

صفحات__________ ۷۳۶

اشاعت__________ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ / مئی ۱۹۹۷ء

مطبع__________

ناشر__________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت__________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

* مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
کتاب النکاح ____ ۱۰۹
باب المحرمات ____ ۳۱۱
باب الولی ____ ۵۲۱
باب الکفاءۃ ____ ۶۸۸

فہرست رسائل

o عباب الانوار ____ ۱۲۱
o ماحی الضلالۃ ____ ۱۴۱
o ھبۃ النساء ____ ۳۵۳
o ازالۃ العار ____ ۳۷۳
o الجلی الحسن ____ ۴۸۷
o تجویز الرد ____ ۵۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رموز

محقق: علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملا خسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر: البحرالرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہرالفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ و ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرعام پرلانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جوادارہ چندسال قبل قائم ہوا تھاوہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم اور کتاب الحج پر مشتمل دس خوبصورت جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں، اب بفضلہٖ تعالیٰ جلّ مجدہ وبعنایۃ رسول الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گیارہویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

گیارہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے آغاز سے باب الکفاءۃ کے آخر تک ۴۵۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ بتوفیق اللہ تعالیٰ وبفضلہٖ اس راقم پُرتقصیر عفی عنہ نے کیاہے۔ رضاعی بھائی کی اولاد کے ساتھ حُرمت نکاح سے متعلق رسالہ ''الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن'' پیش نظر جلد میں شامل کیاگیاہے جو پہلے فتاوٰی رضویہ میں شامل نہیں تھا۔ علاوہ ازیں اس میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست بھی راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیار کردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چار عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں:

(۱) کتاب النکاح

(۲) باب المحرّمات

(۳) باب الولی

(۴) باب الکفاءۃ

مندرجہ ذیل عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گراں قدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱)عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار (۱۳۰۷ھ)

شاہدین کی موجودگی میں مرد اور عورت کے فقط ایک دوسرے کو شوہر وبیوی کہہ دینے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں۔

(۲)ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالۃ (۱۳۱۷ھ)

ہند وبنگال میں عورت سے اجازت نکاح لینے کی رسم کے متعلق۔

(۳)ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزناء (۱۳۱۵ھ)

ساس سے زنا کرنے والے کے بارے میں شرعی حکم کا بیان

(۴)ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار (۱۳۱۵ھ)

غیر مقلد وہابی سے نکاح جائز ہے یا ممنوع، اس کا تفصیلی بیان۔

(۵)الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن (۱۳۳۰ھ)

رضاعی بھائی کی اولاد کے ساتھ حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان۔

(۶)تجویز الرد عن تزویج الابعد (۱۳۱۵ھ)

ولی اقرب کی عدم موجودگی میں ولی ابعد کے نکاح کردینے کا شرعی حکم

محرم الحرام ۱۴۱۸ھ — حافظ عبدالستار سعیدی

مئی ۱۹۹۷ء — ناظم تعلیمات جامعہ رضویہ لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین

كتاب النكاح		بالغہ پر ولایت اجبار نہیں۔	۱۱۰
ناچ رنگ، باجے گاجے جہاں ہوں وہاں نکاح کا حکم۔	۱۰۹	گواہوں کے سامنے منکوحہ کا متمیز ہونا ضروری ہے۔	۱۱۲
ناچ اور اکثر باجے حرام ہیں کفر نہیں اور دیکھنے سننے والا فاسق ہے۔	۱۰۹	اگر مجلس نکاح میں عورت نقاب ڈالے حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کافی ہے۔	۱۱۲
شیطان کبھی حسنات کے حیلہ سے اغوا کرتا ہے۔	۱۰۹	بحالت غیبت زن اس کی اتنی تعریف لازم جس سے گواہ اس کی تمیز کرلیں، اگر صرف اس کے نام سے تو اس کا نام کافی، ورنہ باپ کا نام، اور یہ بھی کافی نہ ہو تو دادا تک کا نام درکار۔	۱۱۲
امر بالمعروف ونہی عن المنکر امور اسلام سے ہیں مگر بے محل تشدّد وتعصب گناہ ہے اور یہ بلا وہابیہ میں بہت زیادہ ہے۔	۱۰۹	اگر بیان رشتہ کفایت کرے تو اسی قدر کافی۔	۱۱۲
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ایک حد ہے کہ اس سے تجاوز ارتکاب منکر ہے۔	۱۱۰	مکان میں اگر عورت تنہا ہو اور شاہد اس کی گفتگو سنیں اگرچہ اسے نہ دیکھیں نکاح ہوجائے گا۔	۱۱۳
زوجین سے اگر کسی کا یہ عقد ہو کہ ناچ حلال ہے تو کیا حکم ہوسکے گا۔	۱۱۰	قاضی خاں نے کہا کہ امام خصاف علم میں بڑے ہیں ان کی اقتدا جائز ہے۔	۱۱۳
ایک شخص دونوں طرف نکاح یعنی ایجاب وقبول کا کس حالت میں کیسے متولی ہوسکتا ہے اور کس صورت میں نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق تمام احکام وخلافیات علمائے کرام وتصحیحات ائمہ اعلام کا ایضاح تام۔	۱۱۰		

ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد بے اجازت اقرب نابالغہ سے اور بے اجازت خاص بالغہ، بالغہ سے اگر نکاح کرے گا تو ان دونوں صورتوں میں وہ فضولی ہوگا۔	۱۱۴	مجرد اقرار زوجیت حقیقۃً نکاح نہیں یعنی اگر گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوئے ہوں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں اگرچہ کہتا ہو کہ یہ میری زوجہ ہے۔	۱۲۳
جو کسی طرف سے فضولی ہو وہ نکاح کی دونوں شطروں ایجاب وقبول کا متولی نہیں ہوسکتا اگرچہ ایجاب وقبول کی عبارتیں علیحدہ علیحدہ ذکر کرے اور اگر تنہا عقد کرلے گا تو طرفین کے نزدیک نکاح باطل ہوگا کہ بعد اجازت ولی یا بالغہ بھی نافذ نہ ہوگا۔	۱۱۴	طلاق کے جھوٹے اقرار سے قضاءً طلاق ہوجائیگی عنداللہ نہ ہوگی۔	۱۲۳
بعد نکاح علم ہوا کہ عورت کسی عیب سے قابل جماع نہیں تو نکاح ہوگیا حق فسخ حاصل نہیں۔	۱۱۷	شوہر نے ایک طلاق دی تھی کسی نے پوچھا کہ تو نے کتنی طلاقیں دی ہیں، اس نے کہا تین، تو دیانۃً ایک ہے اور قضاءً تین۔	۱۲۴
نکاح میں خیار عیب نہیں۔	۱۱۷	بیع کا جھوٹا اقرار بیع نہیں۔	۱۲۵
خلوت بمنزلہ وطی ہے اس سے بھی پورا مہر لازم ہوجاتا ہے جبکہ مانع وطی کوئی امر موجود نہ ہو۔	۱۱۷	کسی کے لئے مال کا غلط اقرار کیا تو وہ مال مقرلہ کی ملکیت نہ ہوگا۔	۱۲۶
جو عورت ومرد ایک مکان میں بطور زن وشوہر رہتے اور زن وشوہر مشہور ہوں وہ زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے۔	۱۱۸	حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضاء جس طرح ظاہراً نافذ ہوتی ہے یونہی باطناً بھی۔	۱۲۷
○ رسالہ **عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار**۔	۱۲۱	اخبار وانشاء میں بداہۃً تباین ہے۔	۱۲۸
عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، مرد کہے یہ میری بی بی ہے، کیا فقط اس سے نکاح ہوجائے گا جبکہ شاہدین کے سامنے کہیں۔	۱۲۱	نکاح میں جد وہزل برابر ہیں اگر زن ومرد بطور ہزل یا باکراہ ایجاب وقبول کریں نکاح منعقد ہوجائے گا اگرچہ دل میں ارادہ نکاح نہ ہو۔	۱۲۸
جو مرد وزن کو مثل زن وشوہر ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے دیکھے اس نے اگرچہ عقد نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو اسے ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینا جائز اور ان پر گمان بد کرنا حرام ہے اور قضاءً ان کے لئے زوج وزوجہ کے تمام احکام ثابت ہوں گے۔	۱۲۲	اگر بے نیت انت طالق کہا طلاق ہوجائے گی	۱۲۸
		اور اگر انت طالق سے طلاق عن الوثاق یا طلاق سابق سے خبر دینے کی نیت کی خواہ پہلے طلاق دے چکا ہو یا نہ دی ہو، بہر حال ان صورتوں میں دیانۃً طلاق نہ ہوگی۔	۱۲۸

کنایات محتاج نیت ہیں۔	۱۲۸	صلح اقرب عقود شرعیہ کی طرف راجع کی جاتی ہے۔	۱۳۲
تعلیل دلیل تعویل ہے۔	۱۲۹	اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت منکر ہو پھر وہ عورت اسے کچھ مال دے کر اس پر صلح کرے کہ وہ اس دعوی سے باز آجائے تو جائز اور یہ مدعی کے زعم میں معنی خلع میں ہوجائے گا مگر فقہاء نے فرمایا کہ اسے اس مال کا اخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی حلال نہ ہوگا جبکہ وہ اپنے دعوی میں مبطل ہے۔	۱۳۲
جس کی دلیل اقوی ہو وہ تعویل کا زیادہ مستحق ہے۔	۱۲۹	بعض دین پر صلح صحیح ہے اور باقی کے دعوی سے براءت بھی ہوجائے گی یعنی فقط قضاءً نہ دیانۃً اسی لئے اگر وہ موقع پائے گا تو اسے باقی کا لے لینا جائز ہوگا۔	۱۳۲
عمل اسی پر جس پر اکثریت ہے۔	۱۲۹	ایسے الفاظ سے جن میں اخبار وانشاء دونوں کا احتمال ہو، بہ نیت انشاء نکاح صحیح ہوگا جبکہ شہود کو علم ہو کہ مقصود انشائے عقد ہے۔	۱۳۴
علیہ الفتوی اور بہ یفتی الفاظ فتوی سے آکد ہیں۔	۱۳۰	مرد نے عورت سے کہا تو میری بی بی نہیں اور اس سے اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی اور اس کے یہ معنٰی ٹھہریں گے کہ تو میری بی بی نہیں اس لئے کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہوں۔	۱۳۵
جس پر متون ہوں وہی عمدہ ہے اور اسی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔	۱۳۰	اگر کوئی اپنی بی بی کو کہے میں نے اس سے نکاح نہیں کیا اور اس سے نیت طلاق کی کرے تو طلاق نہ ہوگی کہ یہ کذب محض ہے جس کی تصحیح ناممکن ہے۔	۱۳۵
اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت انکار کردے پھر وہ شخص اس کو کچھ دے کر اس سے اس بات پر صلح کرلے کہ وہ اس نکاح کا اقرار کرے، اب عورت نے اقرار کرلیا تو یہ اقرار جائز اور مال لازم ہوگا۔ اگر یہ اقرار شہود کے سامنے ہوا ہو اب اگر عورت پھر انکار کرے گی تو قاضی اس کا یہ انکار نہ سنے گا۔	۱۳۰	امام فقیہ النفس کے مختار اور عام ائمہ کی تصحیح میں توفیق جلیل۔	۱۳۷
اگر کوئی شخص کسی بیع کا دعوی کرے اور مدعا علیہ قسم سے بچنے یا کچہری کی ذلت سے گریز کرنے کے سبب اقرار کرلے تو بیع قضاءً ثابت ہوجائیگی اور احکام، وجوب تسلیم ولزوم شفعہ وغیرہ جاری ہوں گے لیکن یہ مدعی کاذب وہ گھر کیا لے گا درحقیقت آگ لے گا۔	۱۳۱		

شہود کا الفاظ ایجاب وقبول کے لفظی معنی سمجھنا ضرور نہیں، اتنا ضرور ہے کہ نکاح ہونا سمجھیں۔	۱۳۸	بکر وثیب کافرق صرف دربارہ سکوت ہے کہ بکر کا سکوت اذن ہے ثیب کا نہیں۔	۱۴۸
حال اور عامل میں مقارنت ضروری ہے۔	۱۴۰	وکیل کا وکیل اگر وکیل اول کے سامنے پڑھادے اور وُہ جائز کردے تو نکاح نافذ ہوجائیگا بخلاف طلاق وعتاق کے۔	۱۴۹
صحتِ نکاح کیلئے ذکرِ مہر شرط نہیں کہ نکاح بے ذکر مہر بلکہ بشرط عدمِ مہر بھی نکاح ہوجاتا ہے۔	۱۴۰	وکیل نکاح معبر محض ہے حقوق نکاح مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔	۱۵۰
o رسالہ ماحی الضلال فی انکحۃ الھند وبنجالہ۔	۱۴۱	ادائے زکوٰۃ کا وکیل بغیر اذنِ مؤکل دوسرے کو وکیل کرسکتا ہے۔	۱۵۰
ہندوستان وبنگالہ میں جو طریقے رائج ہیں کہ اجازت کسی کے لئے لی جاتی ہے نکاح خواں کوئی ہوتا ہے یا سرے سے عورت شرم کے سبب اجازت دیتی ہی نہیں پاس بیٹھنے والیاں اس کی طرف سے "ہوں" کردیتی ہیں وغیرہ وغیرہ اس بارے میں تفصیلی احکام۔	۱۴۱	دین وصول کرنے کا وکیل بغیر اذن موکل اپنے عیال کو وکیل کرسکتا ہے۔	۱۵۱
سکوتِ دوشیزہ سے صرف ولی اقرب کے لئے اجازت ہوتی ہے ولی ابعد کے لئے نہیں ہوسکتی۔	۱۴۳	مؤکل اگر وکیل کے لئے ثمن کی تعیین کردے تو وہ بلا اجازت مؤکل دوسرے کو وکیل بناسکتا ہے۔	۱۵۱
جب تک وکیل بالنکاح ماذون مطلق یا بصراحت دوسرے کو وکیل کردینے کا مجاز نہ ہو اور کو وکیل نہیں کرسکتا۔	۱۴۳	شریعتِ مطہرہ رفق وتیسیر کو پسند فرماتی ہے نہ کہ تضییق وتشدید کو۔	۱۵۱
بیع وشراء اگر وکیل، اول کے سامنے عقد کرے تو جائز ہے اور خصومت، تقاضی، نکاح اور طلاق وغیرہ میں جائز نہیں۔	۱۴۳	جہاں چند روایات ہوں وہاں علماء کو ادھر جُھکنا چاہئے جس میں مسلمان تنگی سے بچیں۔	۱۵۱
اصول کی صحیح روایت کے ہوتے ہوئے اس کے ماسوا تمام روایات ساقط ہوجاتی ہیں۔	۱۴۵	نکاح کے طرق رائجہ میں جو دقتیں ہیں ان کا بیان اور ان سے بچنے کے تین طریقے۔	۱۵۳
نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اسے باطل جاننا باطل ہے۔	۱۴۵	اجازت مفسوخ ومردود کو لاحق نہیں ہوتی۔	۱۵۳
اجازت نکاح جس طرح قول سے ہوتی ہے یونہی فعل اور دلالتِ حال سے بھی، اور اس کی چند مثالیں۔	۱۴۵	قبل نکاح اگر کفر صریح کیا اور بے توبہ نکاح کیا تو نکاح باطل اور اولاد ولدالزنا۔	۱۵۳

نکاح کے بعد اگر زوجین میں سے کوئی معاذاللہ مرتد ہوگیا تواس کے بعد کے جماع سے جواولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی۔	۱۵۳	ایجاب قبول غائب پر موقوف نہیں رہ سکتا بلکہ باطل ہو جائے گا۔	۱۶۳
ایسے کلمات کفر کے صدور پر جن سے قائل کو کافر نہ کہیں، تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم ضرور ہوگا، مگر اولاد ولدزنا نہ ہوگی۔	۱۵۳	توکیل کسی کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے۔	۱۶۳
استفہام اور عقد اقسامِ انشاء میں سے دو ۲ متبائن قسمیں ہیں۔	۱۵۵	محض اظہار رضا توکیل نہیں۔	۱۶۳
مجاز کے لئے قرینہ کی حاجت ہوتی ہے۔	۱۵۵	کوئی کسی سے کہے کاش تو میرا نکاح فلاں سے کردیتا اور وُہ کردے تو یہ نکاح فضولی ہوگا۔	۱۶۴
زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی، اس نے کہا دی، تو کیا حکم ہوگا۔	۱۵۵	اگر کوئی شخص کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اسے طلاق، پھر کسی شخص سے کہا کہ کاش تُو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے۔ اس نے کردیا تو حانث نہ ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی کہ اس نے خود نکاح نہیں کیا۔	۱۶۴
نابالغہ کے باپ سے کہا کہ تو اپنی لڑکی میرے نکاح میں دے دے، اس نے کہا دی، تو کیا حکم ہوگا۔	۱۵۵	استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے۔	۱۶۴
مجلس منگنی میں اگر کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے یا فلاں کو دی، اس نے کہا دی، تو منگنی ہوگی اور مجلس نکاح میں تو نکاح۔	۱۵۹	کسی سے کہے میرا نکاح کردے یا عورت سے کہے تو میری بی بی ہوجا یا مجھ سے نکاح کرلے تو یہ توکیل ہے یا ایجاب۔	۱۶۵
عقد فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ اجازتِ صاحبِ اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔	۱۶۱	وکیل بالنکاح لڑکی کے باپ سے کہے تو اپنی بیٹی فلاں کو دے دے اور وہ کہے میں نے اسے ہبہ کی، نکاح نہ ہوگا جب تک وکیل "قبول کی میں نے" نہ کہے۔	۱۶۶
ایجاب وقبول میں دیا اور کیا کہا، نکاح ہوگیا اگرچہ میں نے دی میں نے قبول کیا نہ کہا۔	۱۶۳	ہر وہ عقد جس میں توکیل صحیح ہے اگر وہ فضولی کرے گا تو اجازت پر موقوف رہے گا، نافذ کردے گا تو نافذ ہوجائے گا اور رد کردے گا تو رَد ہوجائے گا مگر شراء کہ یہ اجازت پر موقوف نہیں ہوتا۔	۱۶۶
ایجاب وقبول کے لئے اتحاد مجلس ضرور ہے۔	۱۶۳		

عاقدین کے کلام سے جو مقدم ہو وُہ ایجاب ہے اور جو مؤخر وہ قبول۔	۱۶۸	وکیل کا مسلم وبالغ ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم ونابالغ سمجھدار بھی وکیل ہوسکتا ہے۔	۱۷۲
بے اذن آقا غلام نکاح کرلے اور مولٰی خبر پاکر طلاق کا حکم دے تو یہ حکم طلاق اس نکاح موقوف کی اجازت ہوگا۔	۱۶۸	مرتد کی وکالت جائز ہے۔	۱۷۲
فضولی اگر کفو سے نکاح کردے اور عورت خبر پاکر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت اجازت ہوسکے گا اور اظہار نفرت سے رَد ہوجائے گا۔	۱۶۹	اگر وقتِ توکیل وکیل مسلمان ہو پھر مرتد ہوجائے تو وکالت باطل نہ ہوگی جب تک دارالحرب میں نہ چلا جائے۔	۱۷۲
کفو یہ ہے کہ دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں مرد عورت سے اتنا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح اولیائے مخطوبہ کے لئے عار ہو۔	۱۶۹	مجنون اور ناسمجھ بچہ وکیل نہیں ہوسکتا۔	۱۷۲
گھر میں عورت تنہا ہو مرد شاہدوں کے سامنے کہے کہ میں نے اس گھر میں جو عورت ہے اس سے نکاح کیا، عورت کہے میں نے قبول کیا، نکاح ہوگیا اگرچہ شاہد عورت کو نہ دیکھیں۔	۱۷۰	بلوغ وحریت صحتِ وکالت کے لئے شرط نہیں۔	۱۷۲
عورت پردے میں ہو محض اس سے مجلس نہیں بدلتی۔	۱۷۰	مرتد یا بالغ اگر بزعمِ ولایت اپنے بیٹے بیٹی یا بہن بھائی یا کسی نابالغہ کا نکاح پڑھائے تو کس صورت میں باطل محض ہوگا۔	۱۷۳
اگر عورت مجلس نکاح میں نقاب ڈالے حاضر ہو تو شاہدوں کا اسے پہچاننا ضرور نہیں۔	۱۷۱	مرتد سے نکاح پڑھوانے کا حکم۔	۱۷۳
قبول فورًا ضرور نہیں اگر مجلس نہ بدلے۔	۱۷۱	مرتد کسی کا ولی نہیں ہوسکتا اور نابالغ بھی صالح ولایت نہیں۔	۱۷۳
نابالغ عاقل کہ کفر کرے یا کفر پر مطلع ہوکر اسے پسند کرے تو کافر مرتد ہے۔	۱۷۱	فضولی اگر کوئی ایسا عقد کرے جس کے لئے کوئی اجازت دہندہ نہ ہو تو وہ عقد باطل محض ہے۔	۱۷۳
رضا بالکفر بھی کفر ہے۔	۱۷۱	باپ نے کہا مکان خرید دو تو نکاح کروں گا۔ شوہر نے کہا پہلے نکاح کردو پھر خرید دوں گا۔ باپ نے نکاح ورخصت کردی، عورت نے کوئی شرط نہ کی، مکان بھی مجہول رہا، یہ نکاح بے شرط ہوا یا معلق اور شوہر کا اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں اور یہ نکاح بے خلل ہے یا کیسا۔	۱۷۳
مشرک سے استعانت نہ چاہئے خصوصًا امورِ دینیہ میں۔	۱۷۲	ایک ہزار روپیہ اور کچھ ہدیہ دینا مہر قرار پایا اور ہدیہ نہ دیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔ ہدیہ اگرچہ مجہول تھا مگر جب وجود میں آگیا تو جہالت جاتی رہی۔	۱۷۴
نابالغ یا کافر ایجاب وقبول کرائے نکاح ہوجائیگا اور اگر وکیل ہو اور خود ایجاب یا قبول کرے جب بھی۔	۱۷۲		

شرط فاسد قبل العقد مبادلاتِ مالیہ میں بھی ملتحق بالعقد نہیں ہوتی۔	۱۷۵	کسی نے اپنا مکان کرایہ پر دے دیا تھا پھر اسی مکان کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا اب مشتری کرایہ وصول کرتا ہے مگر بائع سے وعدہ کرلیا ہے کہ جب تو ثمن مجھے واپس کرے گا تو مکان واپس کردوں گا اور کرایہ کے روپے ثمن سے مجرا دوں گا، مشتری کے پاس بائع ثمن کے روپے لایا اور کرایہ کے روپے اس میں سے مجرا کرنے کو کہتا ہے، اگر مشتری حسبِ وعدہ ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۱۷۸
شرط فاسد جو عقد سے پہلے ہو اس سے کوئی عقد فاسد نہیں ہوتا۔	۱۷۵	کسی وظیفہ مقررہ سے کچھ رقم لے کر دوسرے کے حق میں فارغ ہوجائے اور دوسرا اس سے وعدہ کرے کہ میرا یہ روپیہ تو واپس کردے گا تو میں تیرا یہ وظیفہ مقررہ لوٹا دوں گا، اس سے اس پر لوٹا نا واجب نہ ہوگا۔	۱۷۸
شروط فاسدہ سے نکاح نہیں فاسد ہوتا خود وہی باطل ہوتی ہیں۔	۱۷۵	نا بالغ کا اقرار وانکار کچھ نہیں اجازت اس کے ولی کی درکار۔	۱۸۰
عقود تین قسم کے ہیں۔	۱۷۵	بالغہ اگر آواز سے اجازت لیتے وقت روئے تو یہ رد ہے۔	۱۸۰
بیع واجارہ وقسمت وغیرہ شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوتے ہیں۔	۱۷۵	نکاح کے لئے کن باتوں کی حاجت ہے۔	۱۸۰
ایفائے وعدہ محبوب ہے اور پورا نہ کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔	۱۷۶	نکاح کے لئے قاضی کی حاجت نہیں۔	۱۸۱
اقرار تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔	۱۷۶	ولی صغیر کہے (فلاں) نے اپنی لڑکی میرے فلاں لڑکے کے نکاح میں دے دی ہے اور ولی صغیرہ کہے ہاں میں نے دے دی، اس سے نکاح ہوگا یا نہیں۔	۱۸۱
اصطلاح فقہ میں کسی حق ثابت کی خبر دینے کو اقرار کہتے ہیں۔	۱۷۷	درمختار کی عبارت کذا انا متزوجك وجئتك خاطبا الخ اس سے منگنی نکاح ہوسکتی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اس کا کیا مطلب۔	۱۸۱
وعدے کی تعلیق بالشرط جائز ہے۔	۱۷۷	ہماری زبان میں صیغہ ماضی مقرون بہ لفظ خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لئے ہے، نہ امر غیر واقع کے انشاء وایجاد کے لئے۔	۱۸۲
ایفائے وعدہ پر جبر نہیں قاضی مجبور نہیں کرسکتا، وُہ وعدہ جو معلق ہو اس کی وفا دیانۃً لازم ہے، مگر ایک قول میں کفالت اور بیع الوفاء میں وفائے وعدہ پر جبر کرسکتا ہے۔	۱۷۷		

وقوع نکاح سے خبر دینا انشاء عقد سے بالکل مبائن وغیر مؤثر ہے۔	۱۸۲	فاسق بددیانت قابل اعتماد جب وہ خود حرام وحلال کی پروا نہیں کرتا تو اوروں کے لئے احتیاط کی کیا اُمید۔	۱۸۸
نکاح اثبات اور اقرار اظہار ہے۔	۱۸۲	نکاح باعلان ہونا اور ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ اور مسجد میں نکاح ہونا اور جمعہ کے دن ہونا اور نکاح خواں عالم باعمل ہونا مستحب ہے۔	۱۸۸
اظہار اقرار کے مغائر ہے۔	۱۸۲	اس زمانہ جہل وفساد میں اگر اہلِ علم حاضر جلسہ نہ ہوں تو نکاح میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔	۱۸۹
نکاح وتزویج یہ دو لفظ عقد نکاح میں صریح ہیں اور عطا وہبہ وصدقہ وغیرہ کنایہ۔	۱۸۳	نکاح خواں کلماتِ ایجاب دُولھا کے کان میں کہے کہ کوئی نہ سُنے تو نکاح نہ ہوگا۔	۱۹۰
ان الفاظ سے بھی نکاح ہوجاتا ہے جبکہ گواہ نکاح ہونا سمجھیں اور قرینہ سے یہ معلوم ہو کہ ان سے نکاح مراد ہے۔	۱۸۳	نکاح دو آزاد ومکلّف مردوں یا ایک آزاد ومکلّف مرد اور دو آزاد مکلّف عورتوں کا بطور گواہ موجود ہونا شرط ہے جو ایجاب وقبول کو بیک وقت سُنیں۔	۱۹۰
باپ سے کہا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی اس نے کہا دی، اگر یہ منگنی کے لئے گفتگو ہو تو منگنی ہوئی اور نکاح کے لئے تو نکاح۔	۱۸۳	جاہل کی نکاح خوانی قطعًا خلافِ اولٰی ہے۔	۱۹۰
نکاح عقد ہے اور منگنی وعدہ ہے۔	۱۸۴	جاہل کی امامت خلافِ اولٰی ہے۔	۱۹۰
عقد ووعد میں تباین ہے۔	۱۸۴	جاہل کی مضاربت خلافِ اولٰی ہے۔	۱۹۰
منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعًا غلط ہے۔	۱۸۴	بعد نکاح اگر شہود انکار کرجائیں تو نکاح دوبارہ کرنا لازم ہوگا یا نہیں۔	۱۹۰
ھل اعطیتنیھا مجلس عقد میں مفید عقد اور جلسہ وعد میں طلب وعد ہے۔	۱۸۷	شہود ابتدائے نکاح میں شرط ہیں یعنی بے ان کے منعقد نہ ہوگا، بقاء میں شرط نہیں یعنی شاہدوں کا بقاءِ نکاح کے لئے باقی رہنا ضروری نہیں۔	۱۹۱
الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے۔	۱۸۷	اس شرط پر نکاح کا حکم کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا۔	۱۹۲
نکاح خواں اور شہود کا بینا ہونا ضروری نہیں۔	۱۸۸	ایک برس یا ایک ماہ یا سو۱۰۰ برس تک کے لئے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا، یہ متعہ کی صورت ہے۔	۱۹۲
عقد کرنے والا دیندار متقی مسائلِ نکاح سے واقف ہونا چاہئے۔	۱۸۸	نکاح متعہ وموقت اگرچہ مدت مجہولہ یا طویلہ ہو باطل ہے۔	۱۹۲

ایسی عورت سے نکاح و مہر کا حکم جس کے صرف مخرج بول ہو اور کوئی علامت مردی وزنی کی نہ ہو صرف پستان ظاہر ہوں۔	۱۹۲	ایک کے نرخ پر دوسرے کا نرخ کرنا ممنوع ہے۔	۱۹۷
فسادِ خلوت عدم تاکد مہر کا باعث ہے۔	۱۹۳	عمرو نے کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی، زید نے کہا بہتر ہم کو منظور ہے آپ نے میرے خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہوگئی اس سے نکاح ہوا یا نہیں۔	۱۹۷
امر حسی کا عائق ہونا ہرگز منافی جوازِ نکاح نہیں۔	۱۹۳	کسی کی منگیتر کو پیغام نکاح دینا مکروہ اور ارتکاب شناعت ہے۔	۱۹۷
خیار عیب کو نکاح میں کچھ دخل نہیں۔	۱۹۳	مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصد تزویج مذموم و بیجا قابلِ مواخذہ ہے۔	۱۹۷
پستان ظاہر ہونے سے خنثٰی مشکل کا عورت ہونا معلوم ہوتا اور اشکال دفع ہوجاتا ہے۔	۱۹۳	اگر کسی عذر شرعی سے منگنی کرکے دوسرے سے نکاح کردے تو قباحت نہیں۔	۱۹۷
کوئی طوائف اپنے آشنا کے ساتھ گھر میں رہے اور غیروں سے پردہ کرے تو کیا وہ ہم خانہ رہنے سے زوجہ متصور ہوگی۔	۱۹۴	ذمہ پدر لازم کہ وُہ کرے جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔	۱۹۹
مسلمان حر عاقل بالغ عفیف پر زنا کی تہمت لگانے والا اگر چار گواہ عادل پیش نہ کرے تو اسے اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے وُہ مردود الشہادۃ ہوگا۔	۱۹۵	آدمی نہ تبدل رائے سے محفوظ نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے سے مامون۔	۱۹۹
اگر تین گواہ معائنہ زنا کی گواہی دیں اور چوتھا نہ ہو تو ان گواہوں پر حدِ قذف لازم آتی ہے۔	۱۹۵	جس نے کسی بات پر قسم کھائی پھر اس نے غیر کو اس سے بہتر جانا تو اسے چاہئے کہ جس کو بہتر دیکھ رہا ہے وہی کام کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔	۱۹۹
عنین (نامرد) کا نکاح درست ہے یا نہیں۔	۱۹۵	جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو اسے ان میں سے اخف واہون کو اپنانا چاہئے۔	۲۰۰
عنین میں تحکیم یعنی پنچ بنالینا جائز ہے کہ وہ حد نہیں جس کا نفاذ بغیر حاکم کے نہ ہوسکے اور نہ قود ہے نہ دیت جن کے لئے حاکم کی حاجت ہوتی ہے اور پنچ کو حسبِ شرائط بطلب زوجہ تفریق کردینا جائز ہے۔	۱۹۶	والد ہندہ کو زید کفو سے نکاح منظور نہ تھا زید نے بغیبت والد ہندہ بہ سکوت و گریہ برضائے مادر و نانی نکاح ظاہر کیا، ہندہ نے صاف کہہ دیا کہ مجھے بے رضائے والد نہ یہ نکاح پہلے منظور تھا نہ اب ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۰۰
عنین اور اس کی زوجہ میں تفریق کی صورت۔	۱۹۶	ہندہ اور اس کے والد کو مجبور کرنے کیلئے جوازِ نکاح کے لئے اقرار ہندہ کی شہادت اور کچہری سے رخصت کرالینا اس خیال سے کہ گھر لے جاکر نکاح کرلیں گے کیسا ہے اور گھر لے جاکر جو نکاح بالجبر ہوگا کیسا ہوگا۔	۲۰۰

شبہہ رضاعت جہاں ہو کہ پہلے عورت کہے کہ میں نے اسے دودھ پلایا ہے اب کہے کہ نہیں پلایا ہے تو اس صورت میں فتوی کیا ہوگا اور تقوی کا کیا حکم ہوگا۔	۲۰۰	مسلمان کو ایذاء پہنچانا اللہ اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔	۲۰۴
جھوٹی گواہی اکبر کبائر اور بُت پوجنے کے برابر ہے۔	۲۰۱	ظلم وگناہ پر اعانت کرنا ظلم کی مثل ظلم وحرام اور استحقاق عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔	۲۰۴
جھوٹی گواہی دینے والا وہاں سے ہٹنے سے قبل مستحقِ نار ہو جاتا ہے۔	۲۰۲	جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے چلا حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔	۲۰۴
ظالموں پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔	۲۰۲	ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں، اس سے احتیاطًا بچنا مستحب ہے۔	۲۰۴
دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گا، دوسرے کی اسے پروا نہیں، اور تیسرے میں سے کچھ نہ چھوڑے گا۔	۲۰۲	مکروہ تنزیہی کا ارتکاب معصیت نہیں۔	۲۰۴
اللہ تعالٰی کفر کو نہیں بخشے گا۔	۲۰۲	جان کا رکھنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔	۲۰۵
بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر جو ظلم ہے اس کا بدلہ ضرور ہونا ہے۔	۲۰۲	شریعت وعقلِ سلیم کا یہ تقاضا نہیں کہ ہلکی شئی کو بچانے کے لئے ثقلِ عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔	۲۰۵
نکاح بجبر واکراہ ہو جاتا ہے مگر ایسا کرنا ظلم ہے۔	۲۰۲	علماء فرماتے ہیں ہمارا زمانہ اجتناب شبہات کا زمانہ نہیں۔	۲۰۵
جو عقد قابل فسخ ہیں جیسے بیع واجارہ اگر یہ جبر واکراہ سے ہوں تو فسخ کردیا جائیگا۔	۲۰۳	جو اپنے جان ومال، دین ومذہب اور اہل وعیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔	۲۰۵
ناقابلِ فسخ عقود جیسے طلاق، عتاق، نکاح، تدبیر اور استیلاء وغیرہ اگر اکراہ سے ہوں تو لازم ہیں۔	۲۰۳	زید وہندہ اگر گواہوں کے سامنے باہم ایجاب وقبول ایسا کریں کہ گواہوں کو مطلقًا سماعت وعلم نکاح نہ ہو اور زید نکاح سے منکر ہو جائے اور حاکمِ شرع کے روبرو شاہد بھی اپنی لاعلمی ظاہر کریں تو یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں اور حاکم شرع مہر دلائے گا یا نہیں۔	۲۰۶
مسلمان کی لاٹھی بھی اس کی مرضی کے بغیر لینی جائز نہیں۔	۲۰۳	شبہہ نکاح سے حد ساقط اور عقد ثابت ہو جاتا ہے۔	۲۰۷

تعظیماً جمع کا لفظ خدا کی شان میں بولنا جائز ہے یا نہیں جیسے اللہ جلّ شانہ یُوں فرماتے ہیں۔	۲۰۷	اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ تین چار ماہ بعد طلاق دے دوں گا تو طلاق دینا لازم نہیں۔	۲۱۳
نوشہ سے کہنا تم نے قبول کی، چاہئے یا نہیں۔	۲۰۷	شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شروطِ فاسدہ باطل ہو جاتی ہیں۔	۲۱۳
عاقدین بالغین کو قبل از عقد کلمے اور صفت ایمان مجمل ومفصل پڑھانا ضرور ہے یا نہیں۔	۲۰۷	بے رضائے ولی اگر بالغہ بطور خود شہود کے سامنے خفیہ نکاح کرلے اس کے انعقاد وصحت کیلئے کیا درکار۔	۲۱۴
تجدید ایمان خیر محض ہے۔	۲۰۸	بالغہ بے رضائے ولی اگر کفو سے نکاح کرلے تو ہو جائیگا اور غیر کفو سے نہیں ہوگا۔	۲۱۴
محتمل کو مظنون ٹھہرالینا سوئے ظن ہے۔	۲۰۸	مال میں کفاءت کے لئے کتنا مال درکار ہے۔	۲۱۵
بے حصول ظن حکم ضرورت نہیں۔	۲۰۸	صرف عورتوں کی شہادت سے نکاح نہیں ہو سکتا، یونہی غلاموں اور بچوں کی شہادت سے۔	۲۱۶
عاقدین بالغ ہیں پسر کا ولی چار ماہ کی مہلت چاہتا ہے اگر مہلت دی جائے تو یہ گناہ ہے یا نہیں۔	۲۰۸	وقتِ عقد شاہدین خاموش رہیں تو کیا حکم ہے اور کیا شاہدوں کا ناکح کو پہچاننا ضرور ہے۔	۲۱۶
نکاح میں اور نماز میں اور نماز جنازہ میں سہل انکاری نہ کرنی چاہئے۔	۲۰۹	کیا تین بار قبول شرط ہے یا ایک بار، اور گھبراہٹ سے تین بار تین طرح کہے کبھی قبول ہے کبھی قبول کیا کبھی قبلت، تو کیا حکم ہے۔	۲۱۷
فقط لفظ قبول سے نکاح ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۰۹	نکاح میں وکیل یا شاہد غیر مقلد یا وہابی ہے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں۔	۲۱۸
توکیل مجرد ایجاب سے تمام ہو جاتی ہے قبول پر موقوف نہیں ہوتی اگرچہ رد کردینے سے رد ہو جاتی ہے۔	۲۱۰	غیر مقلدوں کی ضلالت کا حد کفر تک پہنچا ہوا نہ ہونا نادر ہے۔	۲۱۸
عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ سوال، جواب میں معاد ہوتا ہے۔	۲۱۱	جب سے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا مقلد وہابیوں کا حال بھی کٹر اسماعیلیوں جیسا ہوگیا۔	۲۱۸
اگر کسی نے عورت سے کہا اپنے نفس کو میری زوجیت میں دے، اس نے کہا بالسمع والطاعۃ نکاح ہوگیا۔	۲۱۱	مرتد کو وکیل بنانا جائز ہے۔	۲۱۸
عقود میں معانی کا اعتبار ہے یہاں تک کہ نکاح میں بھی۔	۲۱۳	مرتد سے میل جول حرام ہے۔	۲۱۸
تصادق مرد وزن مثبت نکاح ہے اگر جھوٹ کہا تو زنا اور اولاد ولد الزنا۔	۲۱۳	جو لوگ نکاح میں گواہی کے لئے نامزد ہوئے اگر وہ دونوں مرتد وہابی تھے مگر مجلس عقد میں اور لوگ بھی ہیں جو گواہ ہو سکتے ہیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔	۲۱۸

مرتد کی گواہی معتبر نہیں۔	۲۱۹	اسی ۸۰ درجہ عرض سے آگے لوگوں کا گزر کیوں نہیں ہوسکتا۔	۲۲۱
عورت مرد اگر باہم ایجاب وقبول کرلیں اور کسی کو اطلاع نہ ہو تو یہ نکاح درست ہوگا یا نہیں۔	۲۱۹	ستر درجہ کے آگے آبادی کا پتا نہیں۔	۲۲۱
اگر کوئی عورت غیر مقلد بموجب شرع نکاح پڑھائے تو نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۱۹	قطب شمالی اور قطب جنوبی میں روز وشب کی مقدار اور اس کی وجہ۔	۲۲۱
غیر مقلد اور ہندو مشرک سے نکاح پڑھوانے میں فرق۔	۲۱۹	نہار تنجیمی و عرفی و شرعی کا فرق۔	۲۲۱
غیر مقلدوں پر صدہا وجہ سے بحکم احادیث صحیحہ وتصریحاتِ فقہیہ حکم کفر لازم ہے۔	۲۱۹	قطبین شمالی وجنوبی میں قمر وکواکب کا طلوع کب کب کس کس طرح ہوتا ہے اور کیسے کیسے غروب، اور کب تک طالع رہیں گے اور کب تک غارب۔	۲۲۱
غیر مقلدین میں بہت سے کھلم کھلا ضروریاتِ دین کے منکر اور قطعًا اجماعًا کافر ہیں۔	۲۱۹	جو روزے کی طاقت نہ رکھے وُہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے۔	۲۲۱
وہابیہ کی گمراہیوں پر مطلع ہوتے ہوئے اگر کسی نے ان کو معظم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لئے بلایا ہے تو بعد توبہ وتجدید اسلام تجدید نکاح لازم ہے۔	۲۲۰	جو نہ روزہ رکھ سکے نہ فدیہ دینے پر قادر ہو وُہ کیا کرے۔	۲۲۲
دو ۲ لڑکیاں توام کمر سے سرین تک جُڑی ہوئی ہیں مبرز ایک ہے، باقی اعضاء الگ الگ ہیں، ان کا نکاح کس طرح ہوسکتا ہے۔	۲۲۰	خطبہ نکاح کھڑے ہوکر پڑھا جائے یا بیٹھ کر، کس طرح مسنون ہے۔	۲۲۲
جو نکاح کی طرف راہ نہ پائیں وُہ بچے رہیں یہاں تک اللہ تعالٰی انہیں اپنے فضل سے بے پرواہ کردے۔	۲۲۰	خطبہ میں مطلقًا قیام افضل ہے۔	۲۲۲
نکاح پریشان نظری وبدکاری سے رُکنے کا سبب ہے۔	۲۲۱	جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبہ عرفہ وہاں قیام مرکب قائمقام قیام راکب ہے۔	۲۲۲
روزے شہوت نفسانی کو توڑنے والے ہیں۔	۲۲۱	خطبات نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں۔	۲۲۲
جسے نکاح کی طاقت ہو وُہ نکاح کرے اور جو نہ کرسکتا ہو وُہ روزہ رکھے۔	۲۲۱	خطباتِ نکاح بیٹھ کر پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔	۲۲۲
عرض تسعین میں روزہ سے متعلق کیا حکم ہے۔	۲۲۱	اگر زن ومرد کسی غیر زبان کے الفاظ ایجاب وقبول بے معنے الفاظ جانے کہیں اور گواہ بھی ان الفاظ کے معنی نہ جانیں تو نکاح منعقد ہوگا یا نہیں۔	۲۲۲

فتاوٰی قاضی خاں وظہیریہ ودرمختار وردالمحتار پر شبہہ اور اس کا جواب۔	۲۲۳	غالب یہی ہے کہ آدمی الفاظ زبان غیر مفہوم کے مقاصد پر بھی مطلع نہیں ہوتا۔	۲۲۷
مفہوم لفظ، لغوی، شرعی، عرفی، حقیقی اور مجازی کی طرف مقسوم ہوتا ہے جبکہ حکم لفظ، غرض، غایت، مقصود اور ثمرہ وغیرہ سے موسوم ہوتا ہے اور ان دونوں پر لفظ کے معنی، مضمون حتی کہ موضوع لہ کا بھی اطلاق آتا ہے اگرچہ اول کے بعض اقسام میں وضع نوعی ہے۔	۲۲۵	دارالاسلام میں جہل عوارض مکتسبہ میں سے ہے۔	۲۲۸
ہزل، جد کی ضد ہے۔	۲۲۶	نشہ میں طلاق ہوجاتی ہے۔	۲۲۸
ہزل لعب ہے یعنی شیئ سے اس کے غیر موضوع لہ کا ارادہ کرنا۔	۲۲۶	کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا ابھی دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو اس پر شرائع اسلامیہ کا لزوم نہیں کہ اس کے لئے جہل عذر ہے۔	۲۲۸
جد یہ ہے کہ شیئ سے اس کے موضوع لہ کا ارادہ کیا جائے۔	۲۲۶	آبادی میں پانی تلاش کئے بغیر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، اگر وہاں پانی تھا تو نماز نہ ہوگی۔	۲۲۸
ہزل اور مجاز میں فرق۔	۲۲۶	غیر مدخولہ ایک طلاق سے مطلقًا نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور بغیر عدت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے اور اس جگہ مسئلہ سے ناواقف ہونا عذر نہیں۔	۲۲۹
عورت نے کہا زوجت نفسی منک بالف، اور مرد نے کہا قبلت۔ اور دونوں زبان عربی سے محض ناآشنا تھے مگر اتنا اجمالًا معلوم تھا کہ یہ الفاظ عقد، نکاح کے لئے کہے جاتے ہیں تو باتفاقِ علماء نکاح ہوگیا۔	۲۲۶	فارسی یا عربی نہ جاننے والے کو کسی نے الفاظ طلاق فارسی یا عربی میں سکھادئے اور معنی نہ بتائے اس نے یہ الفاظ لاعلمی سے عورت کے لئے کہے تو عنداللہ طلاق نہ ہوگی۔	۲۲۹
اگر ناآشنایانِ عربی نے بعتُ اشتریت بقصد بیع وشرا کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں تو ضرور بیع ہوجائے گی۔	۲۲۷	جہل باللسان تقصیر نہیں۔	۲۲۹
بعد علم حکم بقصد حکم الفاظ کا تحاور دلیل مراضاۃ ہے۔	۲۲۷	مذاق اور دل لگی میں طلاق دینے سے قضاءً اور دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہوجاتی ہے۔	۲۳۰
نفیس وخسیس میں بیع بالتعاطی منعقد ہوجاتی ہے فقہاء مظنہ غالبہ شیئ کو قائم مقام شیئ کرتے ہیں۔	۲۲۷	اگر عورت کو مرد نے ایسے الفاظ سکھائے اور کہلوائے جس سے مہر ونفقہ عدت کے بدلے خلع ہوجائے کہ عورت مہر ونفقہ عدت کی بھی مستحق نہ رہے اور عورت یوں خلع کرے تو خلع صحیح نہ ہوگا۔	۲۳۱

گواہانِ نکاح پر یہ لازم نہیں کہ وہ ان ہی الفاظ کا اعادہ کریں جو متعاقدین سے انہوں نے سنے ہوں یا یہ کہ ان کے مترادف الفاظ کریں یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں بلکہ ان کا یہ بیان کافی ہے کہ فلاں نے فلاں سے نکاح کیا۔	۲۳۳	فاسق کو امام بنانے والے گناہگار ہیں۔	۲۴۰
زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو۔	۲۳۵	تبدیل مذہب پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔	۲۴۰
عورت افعال خبیثہ کا ارتکاب کرے اور شوہر بقدر قدرت انسداد نہ کرے تو دیّوث ہے۔	۲۳۵	روافض سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۱
آیت کریمہ الزّانیۃ لاینکحھا الازان اومشرك منسوخ الحکم ہے یا نکاح سے مراد یہاں جماع ہے۔	۲۳۵	ارتکابِ حرام سے نہ کافر ہوتا ہے نہ حنفیت سے خارج۔	۲۴۱
وقت نکاح لڑکی کے ولی کی بات قبول کی جائیگی یا لڑکی کی۔	۲۳۵	جمعہ کی نماز سے پہلے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۴۱
نکاح میں ضروری الفاظ اور لازمی کیا کیا ہیں۔	۲۳۵	اپنی کنیز شرعی سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۲
اولیاءِ نکاح کی شرعی ترتیب۔	۲۳۶	خواص وکنیز میں کیا فرق ہے۔	۲۴۲
نکاح کا خطبہ سنت اور کلمے پڑھانا ایک اچھی بات ہے۔	۲۳۶	دوسرے کی کنیز سے اس کی اجازت سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۲
متعہ حرام ہونے کا قرآن عظیم سے ثبوت۔	۲۳۶	شرعاً نسب باپ سے ہے وُہ شریف ہے تو بیٹا بھی شریف۔	۲۴۲
رنڈی سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۳۷	کنیز سے جو اولاد ہو صحیح النسب اور ترکہ کی مستحق ہے۔	۲۴۲
وہ جائز بات جس سے فتنہ و نفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے ناجائز ہوجاتی ہے۔	۲۳۷	کچھ لے کر نکاح کردینا حرام اور وُہ روپیہ رشوت ہے۔	۲۴۳
بیوہ کے نکاح ثانی کے متعلق سوال وجواب۔	۲۳۷	حیات النساء عرف رضیہ کی بجائے گواہوں نے نکاح خواں سے سعادت النساء عرف رضیہ کہا تو نکاح منعقد ہوا یا نہیں۔	۲۴۳
عورت گونگی ہے اور اس کے شوہر کا حال معلوم نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا اس سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۳۸	وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں۔	۲۴۳
جس نے متعہ کرلیا ہو وُہ حنفی رہا یا نہیں۔	۲۳۹	ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں بڑی عائشہ اور چھوٹی فاطمہ، بڑی کے نکاح میں وقت عقد بجائے عائشہ فاطمہ کہا تو فاطمہ سے عقد ہوجائے گا اور یہ کہا کہ میں اپنی بڑی لڑکی فاطمہ کا نکاح کرتا ہوں تو کسی سے نہ ہوگا کہ اس کی بڑی لڑکی فاطمہ نہیں اور نیت و معرفت شہود یہاں کچھ نافع نہیں۔	۲۴۳
فاسق معلن کی امامت ممنوع، اس کے پیچھے نماز گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔	۲۳۹		

اہلسنت وروافض میں باہم نکاح منعقد ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۴۴	وکیل کس طرف کا ہونا چاہئے اور شاہد کس طرف کے۔	۲۴۷
اور اگر کچھ روز بعد لڑکی رافضیہ ہوجائے تو نکاح رہے گا یا نہیں۔	۲۴۴	دینار شرعی ساڑھے چار ماشے سونے کا تھا۔	۲۴۸
مرد کا ارتداد بالاجماع فسخ نکاح فی الحال ہے۔	۲۴۴	سلاطین کے دینار کوئی معین نہیں مختلف تھے۔	۲۴۸
عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہوگئی جب تک اسلام نہ لائے۔	۲۴۵	مہر کا اقل درجہ دس ۱۰ درہم چاندی ہے۔ اور اکثر کے لئے کوئی حد نہیں۔	۲۴۸
عورت نکاح کے تین سال بعد کہتی ہے کہ میں اپنی والدہ کے سبب مجبور تھی اب اس کے بعد میں خود مختار ہوں، شوہر نے دھوکا دیا کہ اس کے بیوی بچے نہیں ہیں، نکاح میری لاعلمی میں ہوا، کیا اس صورت میں اسے فسخِ نکاح کا دعوی پہنچتا ہے۔	۲۴۵	مہر حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا چار سو مثقال چاندی تھا۔	۲۴۸
مجبوری مانع جوازِ نکاح نہیں ہوتی۔	۲۴۵	مہر اکثر ازواج مطہرات پانچ سو درہم تھا۔	۲۴۸
باپ نے بالغہ کا نکاح بے اس سے اجازت لئے کردیا اور رخصت بھی ہوگئی اب کیا حکم ہے۔	۲۴۶	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مہر میں دو ۲ روایتیں ہیں۔	۲۴۸
عورت کے چند نام ہیں، ایک وقتِ عقد لیا گیا تو نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۴۶	ہندہ بازاری عورت ہے، زید نے بلاعلم واطلاع ہندہ قاضی کے سیاہہ میں اپنا ہندہ سے نکاح درج کرادیا پھر جب مادرِ ہندہ کو اطلاع ہوئی اس نے ہندہ سے اپنا زیور کپڑا مانگا کہ تیرا نکاح ہوگیا ہے، ہندہ نے کہا تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا ہے تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا ہندہ زید کے یہاں سے فرار ہوگئی، زید نے طلب زوجہ کا دعوی دائر کیا قاضی نے اس کا دعوی ڈگری کیا تو یہ نکاح درست ہوگیا یا نہیں۔	۲۴۸
ایک گواہ سے نکاح نہیں ہوسکتا۔	۲۴۶	ہندہ بنتِ زید کو ہندہ بنتِ بکر کہا گیا نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۴۹
زید نے اپنی بھاوج سے بجبر اذنِ نکاح لینا چاہا وُہ انکار کرتی رہی پھر رونا شروع کیا، رونے کو اذن ٹھہرا کر نکاح کرلیا، نکاح ہوا یا نہیں	۲۴۷	منگنی کے بعد دوسرے سے نکاح کا حکم۔	۲۵۰
		باپ نے کہا میں نے اپنی فلاں لڑکی کا ناتہ تمہارے فلاں بالغ سے کردیا والد پسر نے قبول کیا تو نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۵۲

ایک سید نے ایک چماری کو مسلمان کرکے نکاح کرلیا تو وہ گنہگار ہوا یانہیں اوراس سے ترک موالات اور برادری سے نکالنا کیسا ہے۔	۲۵۳	زید پیشہ وکالت کرتا ہے اور قاضی ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۶
بالغ مرد کے لئے کفاءت شرط نہیں۔	۲۵۳	منکوحہ کو غیر منکوحہ ٹھہرانا اور زوجین میں تفریق کرنا کبیرہ ہے۔	۲۵۷
باپ نے برادر کو خط لکھا کہ میری دختر نابالغہ کا ناتہ یا نکاح جہاں تمہاری مرضی ہو کردو، اس نے اس کا نکاح کردیا اور نابالغ کی جانب سے اس کے ماموں نے قبول کیا اور گواہ کہتے ہیں کہ وہ خط ہم نے خود سنا ہے اب باپ منکر ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۳	جو وہابیہ سے ملتا جلتا ہو اس کے یہاں شادی بیاہ کا کیا حکم ہے۔	۲۵۷
ایجاب وقبول نابالغین سے کرایا جائے تو نکاح ہوگیا یا نہیں۔	۲۵۳	ایک شخص نے ظاہر یہ کیا کہ لہرپور کا ہے اور پھر ثابت ہوا کہ وہ ہرگام کا ہے اور نام میں اختلاف ہوا، لڑکی کہتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمٰن بن کلو سے ہوا اور قاضی بھی یہی کہتا ہے مگر گواہ لعل محمد بن منوں بتاتے ہیں اور وکیل لعل محمد بن کلو، اس صورت میں نکاح کس سے ہوا۔	۲۵۸
دونوں طرف سے قبولیت ہو تو نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۵۵	تن بخشی کوئی چیز معتبر ہے یا نکاح۔	۲۵۸
نکاح مسنون کا کیا طریقہ ہے۔	۲۵۵	ایک شخص نے دعائے خیر جلسہ عام میں کہہ دی کہ میں نے اپنی لڑکی فلاں کو دی، اس سے نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۵۹
اگر ولی خطبہ مسنونہ پڑھے یا ایجاب وقبول پر قادر ہو تو غیر سے ایجاب وقبول کرانا کیسا ہے۔	۲۵۵	خطبہ پڑھا جانا یا ذکرِ مہر شرط نکاح نہیں۔	۲۵۹
نکاح خواں کو اجرت لینا دینا کیسا ہے۔	۲۵۵	نکاح بالفاظ صریحہ میں نیت شرط نہیں۔	۲۵۹
اگر اجرت اپنے صرف میں نہ لائے کارِ خیر میں صرف کرے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۵	جب تک ولی پیش از نکاح غیر کفو کو غیر کفو جان کر بصراحت اجازت نہ دے نکاح باطل محض ہے۔	۲۶۰
نوشہ کے سر پر پگڑی رکھنے کے لئے اس کے پھوپھا یا بہنوئی آتے ہیں دوسرا نہیں رکھ سکتا اور وُہ بے روپیہ لئے نہیں رکھتے روپیہ کم ہوتا ہے تو اصرار کرتے ہیں یہ لینا دینا شرعًا کیسا ہے اور اسے ضروری حق جاننا اور اصرار کرنا کیسا ہے۔	۲۵۵	نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں یہاں تک کہ اسی دن کے بچے کا۔	۲۶۱
ولیمہ کی تعریف کیا ہے اور اس کی مدت کے روز تک ہے۔	۲۵۵	پیٹ کے بچّے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔	۲۶۱
اگر ولیمہ بخیال سنت نہ کرے بلکہ برائے نام آوری تو کیا حکم ہے۔	۲۵۶	جنین پر کسی کی ولایت نہیں۔	۲۶۱

دو توام لڑکیوں کے کولھوں کی ہڈیاں جُڑی ہوئی ہیں ان کی شادی کیسے کی جائے۔	۲۶۱	محرم اور صفر میں نکاح منع ہے یا نہیں۔	۲۶۵
جھوٹ اور بے اصل بات قائم کرکے شریعت کو تکلیف دینی سخت بیہودگی ہے۔	۲۶۱	زید کی ربیبہ کا نکاح اس کے سگے بھائی سے جائز ہے۔	۲۶۵
ایک مضمون نکاح کے بارے میں سوال۔	۲۶۱	عدت کے اندر نکاح باطل وحرام ہے۔	۲۶۶
والدہ نے ولی کی غیبیت میں نکاح پڑھادیا اور وُہ واپس آکر اس سے ناراض ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۶۱	عدت کے اندر نکاح پڑھانے والے نے اگر حرام جانکر پڑھایا توسخت گنہگار اور زنا کا دلال ہے مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا۔	۲۶۶
اور عبارتِ درمختار "واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابہ" الخ کا کیا مطلب ہے۔	۲۶۲	دوران عدت نکاح کو حلال جان کر پڑھانے والا اسلام سے خارج اور اس کا اپنا نکاح بھی گیا۔	۲۶۶
مجلس خطبہ میں ناکح نے روبرو گواہان کے ہندہ کے باپ عمرو سے کہا تو نے اپنی لڑکی بکر کے لڑکے زید کو دی، اس نے کہا دی، پھر بکر کو کہا تو نے عمرو کی لڑکی ہندہ اپنے لڑکے زید کے واسطے قبول کی، اس نے کہا قبول کی، تو اس ایجاب اور قبول سے ہندہ کا نکاح ہوا یا وعدہ نکاح ہوا۔	۲۶۲	معتدہ کا نکاح پڑھانے والے کو امام بنانا جائز نہیں۔	۲۶۶
تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد وعباد پر نظر رکن اعظم تفقہ ہے۔	۲۶۳	معتدہ کے نکاح میں دانستہ شریک ہونیوالے نے اگر اس نکاح کو حرام جانا تو گنہگار ہے اور اگر حلال جانا تو اسلام سے خارج ہوگیا۔	۲۶۶
جسے اہلِ زمانہ کی پہچان نہیں وہ جاہل ہے۔	۲۶۳	عدت کے اندر نکاح کرنے والے مرد وزن پر فرض ہے کہ فورًا جدا ہوجائیں ورنہ برادری والے ان دونوں کو قطعًا برادری سے خارج کردیں، ان سے بول چال نشست وبرخاست سب یک لخت ترک کردیں۔	۲۶۷
زانی نے بحالتِ حمل نکاح کیا تو کیا حکم ہے۔	۲۶۴	زوجہ کے بیٹے کی بی بی سے نکاح کیسا ہے۔	۲۶۷
زید نے وکیل سے کہا کہ میری لڑکی کا عقد بعوض ۱۰ ہزار روپے اور دو۲ دینار کردو، وکیل نے بوقتِ عقد دس ۱۰ ہزار درہم کہے، نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۶۴	ہندہ کی ماں نے اس کا نکاح بے رضامندی ہندہ بکر سے کیا، ہندہ نے اسے منظور نہ کیا اور اپنا نکاح زید سے کرلیا تو کیا حکم ہے۔	۲۶۷
باہر پھرنے والی یا طوائف سے نکاح کیسا ہے۔	۲۶۵	احد الفریقین سنی المذہب دوسرا شیعہ امامیہ طریق رکھتا ہے ان کے درمیان شرعًا مناکحت جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۸

اگر عورت کو طلاق بائن ہوجائے مگر تین نہ ہوں تو حلالہ کی حاجت نہیں۔	۲۶۹	حدیث "لاتنکح المرأۃ علی عمتھا" الخ کی آیہ کریمہ "واحل لکم ماوراء ذلکم" ناسخ ہے یا نہیں۔	۲۷۲
زن وشوہر کی اگر ایک مکان تنہا میں یکجائی ہوچکی ہے۔ تو کل مہر واجب الادا ہوگیا۔	۲۶۹	حدیث "لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا" حدیث صحیح مشہور ہے اور وہ مخالفِ قرآن نہیں۔	۲۷۲
عورت پر روز طلاق سے عدت لازم ہوتی ہے۔	۲۶۹	حدیث "لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی خالتھا" آیہ کریمہ "وان تجمعوا بین الاختین" کی تفسیر ہے کہ اختیت سے ہر علاقہ محرمیت مراد ہے۔	۲۷۲
ایک مکان میں زن وشوہر کی تنہائی نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہوگئی تو نصف مہر ساقط ہوگیا۔	۲۶۹	حدیث "کلامی لاینسخ کلام اللہ" محض بے اصل ہے۔	۲۷۳
غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس پر عدت اصلاً نہیں۔	۲۶۹	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قرآن اور قرآن کی مثل اور عطا کیا گیا ہے۔	۲۷۳
یہ کلمہ کہ "اگر ادھر کعبہ بھی ہوجائے تو سر نہ جھکاؤں گا" کلمہ کفر ہے ایسا کہنے والے پر توبہ اور تجدید اسلام لازم ہے۔	۲۶۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حرام کیا ہوا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالٰی کا حرام کیا ہوا۔	۲۷۳
زید نے بکر سے کہا کہ میں آپ کی دختر کو اپنے پسر کے واسطے مانگنے والا آیا ہوں اس نے قبول کیا اور زیورات اور کپڑے زید نے حاضر کئے تقسیم شیرینی کے بعد عورت خاطب کے یہاں آئی گئی نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۶۹	مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کا حکم ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں اس کو لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔	۲۷۳
سوتیلی ساس سے نکاح جائز ہے۔	۲۷۰	بحالت نابالغی لڑکی کی ماں نے جس لڑکے سے نسبت ہوچکی تھی اس کے باپ کو بلا کر لڑکی کو رخصت کردیا اس نے اپنے مکان پر نکاح پڑھوایا اب بلوغ کے بعد ماں نے لڑکی کا دوسرا نکاح کردیا جس سے عورت بھی راضی ہے، کون سا نکاح صحیح ہوا۔	۲۷۴
ماں کی خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔	۲۷۱	جس نابالغ کا کوئی عصبہ ہو وُہ اس کے نکاح کا ولی ہے اس کے ہوتے ہوئے ماں کو کرانے کا اختیار نہیں۔	۲۷۴
اپنے حقیقی ساڑھو کی لڑکی سے نکاح کیسا ہے۔	۲۷۱	لڑکی کے برس میں بالغ ہوتی ہے۔	۲۷۴
زید نے جمع بین الاختین کیا تو بیبیاں کیسی ہیں اور اولاد کیسی ہے، ترکہ پانے کی مستحق ہیں یا نہیں۔	۲۷۱		

بالغ اپنے نفس کا خود ولی ہے کسی کا محتاج نہیں۔	۲۷۵	بکر نے سلیم کی ماں کا دودھ پیا ہے تو سلیم سے بکر کی لڑکی کا نکاح کیسا ہے۔	۲۷۸
بھائی کے ہوتے ہوئے نانی ولی نہیں ہوسکتی۔	۲۷۵	اپنی لڑکی کا ہزار دو ہزار روپیہ لے کر کفو یا غیر کفو سے نکاح کردیتے ہیں، یہ نکاح کیسا ہے اور وہ رقم کیسی۔	۲۷۸
نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا۔	۲۷۵	زید بکر کا رضاعی بھائی ہے، زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے کیسا ہے۔	۲۷۹
ایک جوان لڑکی جس کے دادا نے بحالتِ نابالغی ایک نابالغ سے نکاح کردیا تھا جس کے بلوغ کو ابھی پانچ سال اور درکار ہیں اور لڑکے کے مکان پر ایک ایسا شخص ہے جس سے اسے اپنی عصمت دری وآبروریزی کا خوف ہے اس لئے وہاں جانے سے انکار رکھتی ہے اور تفریق کے بعد دوسرا نکاح چاہتی ہے، کیا حکم ہے۔	۲۷۶	نابالغہ اگر سمجھدار ہو اور بطور خود نکاح کرلے اور ولی اسے جائز رکھے تو جائز ہوگا۔	۲۷۹
ہندہ کا عقد بارہ برس ہوئے ہوا تھا اس نے اذن نہ دیا تھا ساکت رہی، پاس بیٹھنے والی عورت نے کہہ دیا کہ ہندہ نے اذن دے دیا ہندہ کہتی ہے کہ میرے دل میں اس وقت نہ انکار تھا نہ اقرار، تو کیا حکم ہے۔	۲۷۶	شرع میں غیر کفو کسے کہتے ہیں۔	۲۸۰
وکیل کے ساتھ شاہدوں کی کچھ حاجت نہیں۔	۲۷۷	غیر کفو شرعی سے اگر بالغہ بطور خود نکاح کرلے تو نکاح نہیں ہوگا۔	۲۸۰
نوشہ کا وقتِ نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعًا کیسا ہے۔	۲۷۷	عوام کے محاورہ میں غیر کفو کسے کہتے ہیں۔	۲۸۰
ولیمہ کا شرعی حکم کیا ہے اور اس کا تارک کیسا ہے۔	۲۷۸	نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کو برص ہے تو وہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں اور شادی کا صرفہ اس کے والدین سے لیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۲۸۰
جہاں لوگ بعد نکاح ولیمہ نہیں کرتے بلکہ پہلے نکاح کے اوّل روز حسبِ رواج کھلادیتے ہیں ان کا حکم شرعی کیا ہے۔	۲۷۸	شافعی حنفی مذہب پر صحیح طور پر نکاح پڑھائے تو کچھ حرج نہیں۔	۲۸۱
ولیمہ سننِ مستحبہ سے ہے اس کا تارک گنہگار نہیں۔	۲۷۸	غیر مقلد کو غیر مقلد جانتے ہوئے اسے بزرگ جان کر نکاح پڑھوائے تو تجدید اسلام وتجدید نکاح لازم۔	۲۸۱
		ہندہ بالغہ نے بے رضامندی والدین بطور خود زید حنفی سے نکاح کیا ہم صحبت بھی ہوئے اب وہ نکاح سے منکر ہے اور کہتی ہے کہ میں غیر مقلد ہوں، اس نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۸۱

غیر مقلد شافعی نہیں بلکہ اہلِ بدعت وہوا واہل نار ہیں۔	۲۸۲	حدیث میں ہے کہ وُہ حشر میں زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے۔	۲۸۳
اس زمانے میں جو مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) سے خارج ہے وہ بدعتی و ناری ہے۔	۲۸۲	اگر پسر زید نے زوجہ عمرو کی چھاتی جبکہ وہ چار پانچ ماہ کی حاملہ تھی اور حمل بھی پہلا تھا منہ میں لے لی اس وقت دودھ ہونا معلوم نہیں تو اس لڑکے کا عمرو کی لڑکی سے نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۸۴
اگر بالغہ شافعیہ بے اذنِ ولی کسی حنفی کفو سے نکاح کرے تو نکاح لازم ہوگا۔	۲۸۲	ثبوتِ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ جوفِ صبی میں دودھ کا قطرہ منہ یا ناک کے راستے جانا معلوم ہو محض چھاتی دبانے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔	۲۸۴
مہر میں حیثیت کا لحاظ ضروری ہے یا نہیں، اور حیثیت سے زائد مہر پر جو نکاح ہو وہ نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۸۲	دودھ اترنے کے لئے کوئی مدت نہیں قوتِ مزاج وکثرتِ خون سے کنواری کو دودھ اُتر سکتا ہے۔	۲۸۴
مفلس سے کتنے ہی کثیر مہر پر نکاح ہو ہوجائیگا مگر یہ ضرور ہے کہ اسے دین جانیں اور ادا کی نیت ہو۔	۲۸۳	ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے سوتیلے باپ نے کیا اب ہندہ بالغہ ہے کہتی ہے میں اس نکاح کو فسخ کراؤں گی، کیا حکم ہے۔	۲۸۵
صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا وہابیہ ملاعنہ پر شدید تازیانہ کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بھروسا ہے۔	۲۸۳	نکاح قاضی سے نہ پڑھوانا دوسرے مسلمان سے پڑھوانا کیسا ہے۔	۲۸۶
سیف اللہ سے وہابیوں کی گردن اُڑ گئی قرآن مجید میں فرمایا کہ اللہ ورسول کے دینے پر راضی ہوں۔	۲۸۳	شوہر کے بھتیجے سے بعد وفات شوہر وانقضائے عدت نکاح جائز ہے۔	۲۸۷
فرقانِ حمید نے ارشاد کیا کہ اب ہمیں دیتے ہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے۔	۲۸۳	اس ارادہ پر نکاح کہ میں اتنی مدت بعد طلاق دیدونگا حرج نہیں۔	۲۸۷
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں مہر کثیر باندھنے پر انکار شدید فرمایا تو ایک خاتون نے آیہ کریمہ "واٰتیتم احدٰھن قنطارًا" تلاوت کی جس پر آپ نے فورًا اپنے انکار سے رجوع فرمالیا۔	۲۸۳	بلاوجہ بے سبب طلاق دینا منع ہے۔	۲۸۷
یہ ناجائز ہے کہ مہر باندھے اور ادا کی نیت نہ ہو۔	۲۸۳	نکاح جس کی اجازت پر موقوف ہو اس سے ناراضگی ظاہر کرتے ہی نکاح موقوف رَد ہوجائے گا۔	۲۸۸
		نکاح موقوف میں قبل اجازت وطی حرام ہے۔	۲۸۸

نابالغہ سے شادی اگرچہ اس کی رضا سے ہو اجازت نہیں ٹھہر سکتی۔	۲۸۸	زید ہندہ سے نکاح کرنے سے پہلے اس کی پھوپھی سے زنا کرتا رہا پھر ہندہ سے نکاح ہوا کیا حکم ہے۔	۲۹۳
عورت سے بحالت حمل زنا، نکاح وقربت کا حکم۔	۲۸۸	اللہ تعالٰی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔	۲۹۴
غیر مدخولہ بہا کو اگر ایک لفظ میں تین طلاقیں دے مغلظہ ہوجاتی ہے اور اگر متفرق لفظوں سے دے تو مغلظہ نہیں ہوتی۔	۲۸۹	کسی عورت سے زنا کرنا اس کی بھتیجی یا بھانجی کو حرام نہیں کرتا نہ ان کے نکاح میں کوئی خلل آتا ہے۔	۲۹۴
بیوہ کا نکاح عدت کے اندر سہوًا ہو تو کیا حکم ہے۔	۲۸۹	پھوپھی اور بھتیجی دونوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام بلکہ بعد از طلاق ایک کی عدت میں بھی دوسری سے نکاح حرام ہے۔	۲۹۴
جیٹھ سے نکاح درست ہے یا نہیں۔	۲۹۰	صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب وقبول کرلینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔	۲۹۴
ایجاب اگر نامتعین کے لئے ہوتو نکاح نہ ہوگا اور متعین کے لئے ہوتو صحیح ہوگا۔	۲۹۱	سجاد کا نکاح عبدالغفار کی ہمشیرہ اور اس کا سجاد کی ہمشیرہ سے ہوا زیتون ہمشیرہ عبدالغفار رخصت سے پہلے فرار ہوگئی اس لئے سجاد اپنی ہمشیرہ مولودن کو رخصت نہیں کرتا کہتا ہے بوجہ فقدان شرط نکاح بدلین وشرط عہد شکنی باطل ہوگیا کیا یہ صحیح ہے۔	۲۹۵
جلسہ منگنی میں اگر وُہ الفاظ جو ایجاب وقبول کے لئے متعین ہیں کہے تو نکاح ہوگا اور اگر الفاظ متردد ہیں تو نہیں۔اعتبار جلسہ سے منگنی ہی ہوگی۔	۲۹۱	نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔	۲۹۵
منگنی کے بعد لڑکی کے والد نے انکار کیا لڑکی بالغہ ہے لڑکے کا والد لڑکی کو میکے سے فرار کرکے لے گیا اور اپنے یہاں نکاح کرلیا، کیا حکم ہے۔	۲۹۱	نکاح پڑھانے کیلئے دوسرے شخص کی ضرورت نہیں، گواہوں کی موجودگی میں مرد وزن خود ہی ایجاب وقبول کرسکتے ہیں۔	۲۹۶
کسی مسلمان کو ناحق ایذا دینا اللہ ورسول کو ایذا دینے کے مترادف ہے۔	۲۹۲	عورت اگر ولی نہ رکھتی ہو مختار ہے جس سے چاہے اپنا نکاح کرے، اور اگر ولی رکھتی ہو تو کفو سے کرنے میں مختار ہے۔	۲۹۶
امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل ہے۔	۲۹۲	قاضی کوئی شرط نکاح نہیں آدمی جس سے چاہے نکاح پڑھوائے۔	۲۹۶
زید ہندہ سے نکاح پر رضامند نہ تھا بجبر "ہوں" بجائے "قبول" کہا نکاح ہوا یا نہیں۔	۲۹۳	قاضی نکاح کے شرعًا کچھ اختیارات نہیں، نہ وہ اجرت کا مستحق جبکہ نکاح دوسرے نے پڑھایا ہو۔	۲۹۷

نکاح خوانی کے قاضی "اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن" کے قبیلہ سے ہیں۔	۲۹۷	ایک عورت نے ایک شخص سے کہا کہ زمانہ عدت میں مجھ سے نکاح کرلو ورنہ میں حرام کراؤں گی اس نے بہت سمجھایا نہ مانی مجبورًا نکاح کرلیا، کیا حکم ہے۔	۳۰۰
چچا نے نابالغہ کا نکاح کیا اب وہ بعد بلوغ کہتی ہے کہ تیرے چال چلن خراب ہیں میں نکاح توڑ دوں گی، کیا حکم ہے۔	۲۹۷	خدا نے مردوں کو دو دو تین تین چار چار عورتیں حلال فرمائیں، عورت کے لئے یہی حکم کیوں نہیں رہا۔	۳۰۱
بعض تو یوں کہتے ہیں کہ بعوض مہر اتنے روپے اتنے دینار سکہ رائج الوقت سوائے نان نفقہ کے اور کوئی بجائے سواعلاوہ اور کوئی بجائے ان کے مع اور کوئی بیچ نکاح تمہارے کے آئی اور دی میں نے کہتے ہیں اور بعض صرف آئی اور بعض صرف دی کہتے ہیں، کون سی عبارت استعمال ہو، اور سوا نان نفقہ کہنے سے شوہر کے ذمہ نان نفقہ ہوا یا نہیں، یونہی علاوہ کہنے میں اور مع کہنے سے نان نفقہ مہر میں شامل ہوگا یا نہیں۔	۲۹۷	کافرہ سے بعد اسلام نکاح کیا وہ ناکح سے حاملہ بھی ہے، نکاح ہوا ہے یا نہیں، زید کہتا ہے یہ نکاح نہ ہوا اور شاہدین وحاضرین محفل کا نکاح بھی ٹوٹ گیا، مجموعہ خانی کی عبارت پیش کرتا ہے۔	۳۰۱
اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر کچھ نہ ہوگا جب بھی مہر شرعًا لازم ہوگا مہر مثل دینا آئے گا۔	۲۹۸	بلاعذر شرعی ترک جمعہ وجماعت کی عادت موجبِ فسق، مسقطِ عدالت اور وجہ رد شہادت ہے۔	۳۰۴
اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان ونفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورت وجوب میں ضرور واجب ہوگا۔	۲۹۸	مطلب حدیث "لا نکاح الا بولی وشاھدی عدل"۔	۳۰۵
قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔	۲۹۸	نہی منافی صحت نہیں۔	۳۰۵
نکاح ورخصت کے بعد اب خسر کہتا ہے کہ ایک اسٹامپ لکھو کہ میں لڑکی کو کبھی اپنے وطن نہ لیجاؤنگا ورنہ میں اب رخصت نہ کروں گا، کیا خسر ایسا کرسکتا ہے۔	۲۹۹	خطبہ (منگنی) ونکاح میں فرق ہے یا نہیں اور حدیث "تحرم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ" کا کیا مطلب ہے اور اس سے منگنی کے نکاح ہونے پر استدلال صحیح ہے یا نہیں	۳۰۵
عورتوں کو ضرر پہنچانے اور ان پر تنگی کرنے کی قرآن عظیم سے ممانعت۔	۲۹۹	اور کیا بنایہ کی عبارت "لان الخطبۃ التزوج" صحیح ہے۔	۳۰۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرر رسانی۔	۳۰۰	عینی کی عبارت "وعنہ فی الرجل یشرب الشراب الی قولہ قال السروجی وھما قولان باطلان" کا مطلب کیا ہے "ھما" کا مرجع کیا ہے۔	۳۰۵

سروجی کون ہیں، کیسے ہیں۔	۳۰۶	نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ ہے۔	۳۱۳
اپنے مسلمان بھائی کی منگیتر کو پیام دینا ممنوع ہے۔	۳۰۸	فسق وفجور کے سبب بھی نکاح سے باہر نہیں ہوتی۔	۳۱۳
تحریم مطلق کی نفی سے حل مطلق کا اثبات نہیں ہوتا۔	۳۰۹	زوجہ کی زندگی میں حقیقی سالی یا رشتہ کی سالی سے نکاح کا حکم۔	۳۱۴
سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ کلیہ نہیں ہوسکتی۔	۳۰۹	بھتیجی بہو یا بھانج بہو سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۳۱۵
زید نے اپنی بالغہ لڑکی کے نکاح کا وکیل بکر کو کیا اور لکھ بھیجا کہ اکیس ہزار روپے مہر پر عمرو سے اس کا نکاح کردو اس نے کردیا اور زید کو اطلاع دے دی بالغہ کو اس سب کی اطلاع تھی زید نے اسے نکاح ہوجانے کی خبر دی تو اس نے قبول کرلیا، کیا حکم ہے۔	۳۰۹	سالی کی لڑکی کو اپنے لڑکے کے ساتھ نکاح کیلئے پرورش کیا اپنی بی بی اور لڑکا مرگیا اس لڑکی سے پرورش کنندہ کا نکاح جائز ہے۔	۳۱۵
اجازت لاحقہ مثل وکالت سابقہ کے ہے۔	۳۰۹	فقط اس نیت سے کہ اس لڑکی سے اپنے لڑکے کا نکاح کروں گا وُہ لڑکی باپ پر حرام نہیں ہوتی۔	۳۱۵
باب المحرمات		منکوحہ کی بیٹی اس وقت شوہر پر حرام ہوتی ہے جب منکوحہ سے ہم بستر بھی ہوا ہو۔	۳۱۶
ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دودھ پلایا ہندہ کی نواسی سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے۔	۳۱۱	بے طلاق ہوئے روپیہ لے کر اپنی منکوحہ دختر کے دوسروں سے نکاح کا حکم۔	۳۱۶
سوتیلی خوشدامن سے نکاح کا حکم۔	۳۱۲	باپ کا عورت کی بیٹی اور بیٹے کا اس عورت سے نکاح جائز ہے۔	۳۱۶
سوتیلی ماں لفظ امہات میں داخل نہیں۔	۳۱۲	باپ کی ساس حلال ہے جبکہ اپنی نانی نہ ہو۔	۳۱۷
"حرمت علیکم اُمھتکم" کے بعد "ولاتنکحوا مانکح اٰباؤکم" اسی لئے فرمایا۔	۳۱۲	بہو کی بیٹی حلال ہے جبکہ اپنی پوتی نہ ہو۔	۳۱۷
سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی بہن حلال ہیں۔	۳۱۲	سالی سے نکاح یا زنا سے عورت مطلقہ نہیں ہوتی نہ سالی سے زنا یا فقط نکاح کے سبب عورت سے جماع حرام۔	۳۱۷
شوہر نے طلاق نہیں دی ہے کچھ مال لے کر طلاق دینا چاہتا ہے ایسی عورت سے بے طلاق نکاح کا حکم اور کچھ لے کر طلاق دینے کا حکم۔	۳۲۳	سالی سے بعد نکاح یا دھوکے میں وطی کی توجب تک عدت نہ گزرے زوجہ سے قربت جائز نہیں بعد عدت جائز ہوگی۔	۳۱۷
عورت بے اذنِ شوہر گھر سے نکلے اس سے نکاح سے نہیں نکلتی۔	۳۱۳	عورت کا بیان ہے کہ اس کے داماد نے بارادہ فاسدہ میری چارپائی پر آکر زبردستی پاؤں دابنا شروع کردئے اور شکم پر ہاتھ پھیرا، کمر بند کھولنا چاہا اپنا پہلے کھول لیا تھا، نہایت دشواری سے اسے علیحدہ کیا، داماد منکر ہے، لڑکی کا نکاح رہا یا نہیں۔	۳۱۸

منکوحہ کی ماں کے کسی حصہ کو بشہوت چھونے سے نکاح زائل نہیں ہوتا مگر منکوحہ ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہے اور اسے چھوڑ دینا واجب۔	۳۱۹	مریدہ پیر پر حرام ہے یا حلال، اور ازواج مطہرات حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مریدات تھیں یا نہیں۔	۳۲۵
مس بحالتِ شہوت کا مطلب۔	۳۱۹	باتفاق علماء سب سے پہلے ام المومنین خدیجہ الکبرٰی شرفِ ارادات سے مشرف ہوئیں۔	۳۲۵
مس برہنہ جسم یا کسی باریک حائل پر ہوگا تو معتبر ہے ورنہ نہیں اگرچہ بہزار شہوت ہو۔	۳۲۰	حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب سے افضل واکمل مرید تھے۔ فرماتے ہیں: تاجہاں ست نہ ہچو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیرے بود نہ ہچو صدیق مریدے۔	۳۲۶
مس ونظر بشہوت کے بعد حرمت کے لیے انزال نہ ہونا بھی شرط ہے۔	۳۲۰	قرآن وحدیث سے بی بی کو علم دین سکھانا اور اس پر عمل کی ہدایت کرنا لازم اور بڑے اجر کا کام ہے۔	۳۲۷
تنہا ایک عورت کا بیان قابلِ سماعت نہیں نکاح یقینا قائم ہے۔	۳۲۳	نکاح سُنی بادخترِ رافضی صحیح ہے یا نہیں اور اولاد مستحقِ ترکہ پدری ہے یا نہیں۔	۳۲۸
حمل حلال کا ہو تو قبل از وضع غیر سے نکاح نہیں ہوسکتا، شوہر سے جس کا یہ حمل ہے نکاح جائز ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو۔	۳۲۳	روافض کے بعض عقائد کفریہ۔	۳۲۸
زنا کا حمل ہو تو زانی وغیر زانی جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، فرق اتنا ہے کہ زانی بے وضعِ حمل قربت کرسکے گا اور غیر زانی تا وضع ممنوع رہے گا، ہاتھ نہ لگا سکے گا۔	۳۲۴	حرامی عورت کا نکاح سنی مرد سے ہوگا یا نہیں اور اس کی بطنی اولاد میں کچھ نقصان واقع ہوگا یا نہیں۔	۳۲۹
زید وہندہ میں ناجائز تعلق تھا سلمٰی بنت ہندہ کو اس کے چچا نے اپنی بیٹی بتا کر زید سے نکاح کردیا مگر رخصت نہیں ہوئی ہے اب معلوم ہوا کہ سلمٰی ہندہ کی بیٹی ہے، اب اس نکاح کا کیا حکم ہے اور اس کے بعد زید ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔	۳۲۴	ایک شخص کا حمل ایک عورت کو رہا اور بعد معلوم ہونے حمل کے وُہ عورت چاہتی ہے کہ راز فاش نہ ہو مابین حمل عقد درست ہوگا یا نہیں۔	۳۲۹
		ایسی دو۲ بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا جن کی ماں ایک باپ دو۲ ہوں جائز ہے یا نہیں۔	۳۳۰

دو۲ بہنوں سے آگے پیچھے نکاح کیا پچھلی کا فاسد ہوگا، اس سے مفارقت واجب ہے اگر بعد دخول مفارقت کرے گا تو مہر مسمّٰی ومہر مثل میں سے جو کم ہوگا وہ لازم ہوگا، عورت پر عدت واجب، اولاد صحیح النسب، اور اسکی عدت گزرنے تک پہلی سے وطی حرام ہوگی۔	۳۳۰	اثبات زنا میں شہادت زنان و شہادت دو مرد ہرگز مسموع نہیں۔	۳۳۴
جس کا شوہر مفقود ہو اور مرد و عورت دونوں حنفی ہوں تو عورت دوسرے نکاح کے لئے کس مدت تک انتظار کرے۔	۳۳۱	اگر دو مرد کسی کے زنا پر اور دو اس کے اقرار زنا پر شہادت دیں تو حد نہیں لگائی جائے گی اور اگر تین۳ مردوں نے زنا اور ایک نے اقرار زنا پر شہادت دی تو تین شہود پر حدِ قذف لگے گی۔	۳۳۴
چچی سے نکاح درست ہے۔	۳۳۲	دار القضاء سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا۔	۳۳۵
سوتیلے نانا کی دختر سے نکاح کا حکم۔	۳۳۲	اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا۔	۳۳۵
زید نے اپنی سالی سے زنا کا اقرار کیا پھر انکار، اس کے اقرار زنا پر قاضی کے سامنے شہادت گزری، اس شہادت اقرار زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، اور ہندہ زوجہ زید اس پر حرام ہوگی یا کیا۔	۳۳۳	اثباتِ مصاہرت کے لئے ثبوت زنا کی اصلاً حاجت نہیں مجرد اقرار زنا کافی ہے۔	۳۳۶
اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا تو کیا حکم ہے۔	۳۳۴	اگرچہ ہزل ومذاق میں ایک بار اقرار کیا کہ اس نے ساس سے زنا کیا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی پھر لاکھ انکار کرے مسموع نہ ہوگا۔	۳۳۶
شہادت اقرار اگرچہ مثبت زنا ہونے کی صلاحیت نہ رکھے مگر مثبت اقرار ہے۔	۳۳۴	اگر کسی سے کہا گیا کہ تونے اپنی بیوی کی ماں سے کیا کیا، اس نے کہا میں نے اس سے جماع کیا، تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اگرچہ وُہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا۔	۳۳۶
اگر دو مرد یا دو۲ عورتیں اور ایک مقذوف بالزنا کے اقرارِ زنا پر شہادت دیں تو قاذف اور شہود پر حدِ قذف نہ لگائی جائے۔	۳۳۴	عورت سے بشرطِ بکارت نکاح کیا اور اسے ثیب پایا۔ عورت کہتی ہے تیرے باپ نے بکارت کا ازالہ کیا ہے، اگر شوہر نے اس کی تصدیق کردی تو حرمت ثابت ہوجائے گی۔	۳۳۶
بینہ سے جو ثابت ہو وُہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسے معائنہ سے۔	۳۳۴	زنا بمادر زن پیش از نکاح زن اور اس کا عکس دونوں ثبوتِ حرمت ابدیہ میں یکساں ہیں اگرچہ ایک صورت میں حرمت سابقہ اور دوسری صورت میں طاریہ ہے۔	۳۳۷

مرد اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔	۳۳۷	زید کے نکاح میں حرہ تھی پھر کنیز سے نکاح کیا، یہ نکاح کیسا ہوا، اور کنیز کا مہر ذمہ زید ہوگا تو کس قدر اور کنیز اور اولاد کنیز ترکہ زید پائیں گے یا نہیں۔	۳۴۰
نکاح کے بعد اقرار کیا کہ قبل نکاح منکوحہ کی ماں سے زنا کیا تھا تو حرمت ثابت ہوگئی مگر عورت کے حق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اگر دخول کرچکا ہے تو پورا مہر مسمّٰی واجب ہوگا ورنہ نصف۔	۳۳۸	لونڈی پر حرہ کا نکاح جائز ہے مگر اس کا عکس ناجائز ہے۔	۳۴۰
حجت قاصرہ من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہوتی ہے۔	۳۳۸	اجماعًا نکاح فاسد و باطل میں توارث جاری نہیں ہوتا۔	۳۴۱
جہاں تک مقر پر اقرار کا ضرر ہے ماخوذ اور جتنا دوسرے پر الزام ہے منبوذ ہوگا۔	۳۳۸	نکاح فاسد میں بعد وطی مہر مسمّٰی و مہر مثل میں سے اقل لازم ہوگا۔	۳۴۱
کسی کی کنیز سے نکاح کیا اور قبل دخول اس نے پسرِ شوہر کا بوسہ لیا، شوہر کہتا ہے کہ بوسہ بشہوت تھا اور مولی انکار کرتا ہے تو حرمت ثابت ہوگئی اور نصف مہر دینا واجب ہوگا۔	۳۳۸	جو اولاد نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب اور مستحق ارث ہے۔	۳۴۱
حقیقی خالہ سوتیلی ماں کے مرنے کے بعد اس کا شوہر اس کی بھانجی سوتیلی لڑکی سے عقد کرسکتا ہے۔	۳۳۸	اگر عورت کا بوسہ رخسار بنظر شہوت لیا عورت کی ساری اولاد اس پر حرام ابدی ہوگئی۔	۳۴۲
ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے پر زینب کی دختر حرام ہے۔	۳۳۹	نادانستہ اگر نکاح کرلیں تو طرفین پر واجب کہ فسخ کردیں اور شوہر فسخ پر راضی نہ ہو تو عورت خود فسخ کرسکتی ہے۔	۳۴۲
کسی نے زوجہ کے دھوکے میں ہمشیرہ یا خوشدامن کا بشہوت ہاتھ پکڑا نکاح میں کچھ خلل ہوا یا نہیں اور کس صورت میں عورت اس پر حرام ہوگی۔	۳۳۹	بوسہ لب خواہی نخواہی بنظرِ شہوت ٹھہرے گا لاکھ ادعا کرے کہ میں نے بشہوت نہ لیا تھا قبول نہ ہوگا اور امام محمد بن الہمام کے نزدیک بوسہ رخسار میں ایسا ہی ہے۔	۳۴۲
زید نے بکر کے ساتھ اپنی دختر کا نکاح کیا پھر بے تحقیق بکر کو نامرد ٹھہرا کر خالد سے اس لڑکی کا نکاح کردیا اس نکاح اور اولاد کا کیا حکم ہے۔	۳۳۹	ایک شخص نے ایک عورت اور اس کی بیٹی سے زنا کیا، اب زنا سے توبہ کرکے اس سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۳۴۳
لیلٰی و سلمٰی رضاعی بہنیں ہیں زید نے لیلٰی سے نکاح کیا ہے زید کے پسر عمرو کا نکاح سلمٰی سے جائز ہے۔	۳۴۰		

استاذ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۳۴۳	غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ صحابہ نے متعہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔	۳۵۰
شاگرد عورت سے استاد کا نکاح کیسا ہے۔	۳۴۳	چھوٹی بھاوج سے نکاح کا حکم۔	۳۵۱
بھتیجے کا نکاح چچا کی بیوی سے جائز ہے یا نہیں جبکہ وہ محارم میں سے نہ ہو۔	۳۴۳	○رسالہ **ھبة النساء فی تحقق المصاھرة بالزنا** (زنا سے حرمت مصاہرہ کے ثبوت کا بیان)	۳۵۱
مسئلہ زن مفقود۔	۳۴۴	ساس سے زنا کرے تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہے اگرچہ بیوی کو اس کا علم نہ ہو۔	۳۵۴
روافض کے اقسام واحکام اور ان کے بعض عقائد کفریہ کا ذکر۔	۳۴۵	"وربائبکم الّتی فی حجورکم" الآیة کی تفسیر۔	۳۵۴
جمع کرنا درمیان عورت اور اس کی بھتیجی کی بیٹی کے حلال ہے یا حرام۔	۳۴۶	زن مدخولہ کی بیٹی کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔	۳۵۴
ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے جس کسی کو مرد فرض کریں تو دوسری سے اس کا نکاح ناجائز ہو۔	۳۴۶	آیت قرآنی میں وصف "الّتی فی حجورکم" بالاجماع شرطِ حرمت نہیں۔	۳۵۴
زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ہندہ سے حسن وحسین پیدا ہوئے پھر بعد ہندہ حفصہ سے نکاح کیا حفصہ نے اپنی بیٹی زبیدہ کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دودھ پلایا تو بکر کا نکاح زاہدہ بنت حسن سے جائز ہے یا نہیں۔	۳۴۷	وصف نسائکم یعنی مدخولات کا زوجہ ہونا بھی بالاتفاق شرط حرمت نہیں۔	۳۵۴
بھتیجی اگرچہ سوتیلی ہو چچا پر حرام قطعی ہے۔	۳۴۸	ماں بیٹی دونوں اگر ایک شخص کی شرعی کنیزیں ہوں تو انہیں جماع میں جمع کرنا حرام ہے۔	۳۵۴
حرمت متعہ کا بیان از احادیث وقرآن۔	۳۴۹	کنیزیں "نسائکم" میں اور ان کی بیٹیاں "ربائبکم" میں داخل نہیں۔	۳۵۴
اللہ تعالٰی نے تاقیامِ قیامت متعہ حرام فرمایا۔	۳۵۰	کسی عورت سے نکاح اس کی دختر کی تحریم کیلئے نہ تو علت ہے اور نہ ہی جزءِ علت۔	۳۵۴
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے روز متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمادیا۔	۳۵۰	ماں سے صحبت دختر کے لئے علتِ تحریم ہے اور یہ قطعًا مزنیہ میں بھی ثابت ہے۔	۳۵۴
متعہ ابتدائے اسلام میں تھا پھر قرآن میں اس کی حرمت نازل ہونے سے یہ حرام ہوگیا۔	۳۵۰	آیت کریمہ "وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم" کی تفسیر۔	۳۵۴
		"امہات نسائکم" سے کیا مراد ہے۔	۳۵۵

"ولاتنکحوا مانکح اٰباؤکم من النساء" میں نکاح کا کیا معنی ہے۔	۳۵۵	حدیث مذکور کی سند کا بیان۔	۳۵۷
تخصیص کی دلیل پیش کرنا مدعی تخصیص کے ذمہ ہے۔	۳۵۵	عثمان وقاصی ثقات سے موضوع خبریں روایت کرتا ہے۔	۳۵۸
دخول حرام طور پر بھی تو موطوہ کی دختر کے لئے موجب تحریم ہوجاتا ہے۔	۳۵۵	اسحاق بن ابی فروہ متکلم فیہ اور متروک ہے۔	۳۵۸
وُہ صورتیں جن میں ایسی عورت سے دخول کیا جو اس کیلئے حلال نہیں مگر اس دخول سے موطوہ کی دختر حرام ہوگئی۔	۳۵۵	امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: فروہ کذاب ہے۔	۳۵۹
تحریم دختر کے لئے نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے۔	۳۵۵	اسحاق بن ابی فروہ دو ۲ ہیں۔	۳۵۹
نکاح معنی وطی میں حقیقت ہے یا مجاز متعارف۔	۳۵۶	اوّل اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر و تلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد ترمذی وابن ماجہ سے ہے، یہی متروک ہے اور اسی کو امام بخاری نے "ترکوہ" فرمایا۔	۳۵۹
امر فرج میں شرعًا احتیاط واجب ہے۔	۳۵۶	امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اسحاق بن ابی فروہ سے روایت حلال نہیں۔	۳۵۹
اصل فرج میں حرمت ہے جب تک حل ثابت نہ ہو حرمت ہی پر حکم ہوگا۔	۳۵۶	اسحاق بن ابی فروہ مذکور کا سن وصال ۱۳۶ھ یا ۱۴۴ھ ہے۔	۳۶۰
مصاہرت مصاہرت میں فرق نہیں۔	۳۵۶	دوم اسحاق بن محمد اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ امام بخاری کے استاذ ہیں ۳۲۶ھ میں وصال فرمایا، یہ ہرگز متروک نہیں۔	۳۶۱
حدیث "لایحرم الحرام الحلال" سخت ضعیف وناقابل احتجاج وساقط ہے۔	۳۵۶	اسحاق بن محمد بن اسمٰعیل کو اگرچہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور ابوحاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں ہیں۔	۳۶۱
بقول امام احمد نہ ارشادِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور نہ اثر ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے۔	۳۵۷	اسحاق مذکور کے بارے میں امام نسائی نے کہا: ثقہ نہیں۔ دار قطنی نے کہا: ضعیف ہیں۔ اور امام ابوداؤد نے کہا: سخت ضعیف ہیں۔	۳۶۱
عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا متروک ضعیف اور جھوٹا ہے۔	۳۵۷	اسحاق مذکور کے شیخ عبداللہ کے بارے میں یحیٰی بن سعید قطان نے فرمایا کہ حافظہ کی رو سے ضعیف ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا: قوی نہیں ہیں۔	۳۶۲

اگر اس حدیث کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو بھی یہ اپنے ظاہر پر یقیناً صحیح نہیں۔	۳۶۳	عورت اور اس کی دختر کی فرج کو دیکھنے والے پر روز قیامت اللہ تعالٰی نظرِ رحمت نہ کرے۔	۳۶۴
قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو وُہ پانی اور گلاب حرام ہو جائیں گے۔	۳۶۳	ساس سے زنا کرنے والے پر عورت اور ساس دونوں حرام ہو جاتی ہیں۔	۳۶۵
متعدد مثالیں جہاں حرام شئی حلال کو حرام کر دیتی ہے۔	۳۶۳	حرمتِ مصاہرہ کی صورت میں مرد وزن کو جدا ہو جانا فرض ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہوتا جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، اور بعد متارکہ عدت نہ گزر جائے عورت کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔	۳۶۵
لاجرم حدیث مذکور میں تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ھو حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔	۳۶۳	حرمت مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل اگر شوہر وطی کرے تو حرام ہے مگر زنا نہیں اور اس وطی سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب ہوگی کیونکہ نکاح باقی ہے۔	۳۶۵
اگر کوئی طاہر شئی جو کہ حرام ہو کسی حلال میں اس طرح مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو وہ حلال خود حرام نہیں ہو جاتا بلکہ اپنی حلت پر قائم رہتا ہے۔	۳۶۳	طلاق اور متارکہ میں فرق۔	۳۶۵
حلال وحرام کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہے کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول حرام سے خالی نہیں ہو سکتا۔	۳۶۳	حرمت مصاہرہ اور حرمتِ رضاعت سے نکاح مرتفع نہیں بلکہ فاسد ہو جاتا ہے۔	۳۶۵
اس حدیث ضعیف میں بھی ہمارے مذہب کے مخالفین کے لئے اصلاً حجت نہیں۔	۳۶۴	حرمت مصاہرہ کے باوجود تفریق سے قبل اگر شوہر نے وطی کی تو اس پر حد لازم نہ ہوگی۔	۳۶۵
ہمارے مذہب کی مؤید چند احادیث۔	۳۶۴	حرمت مصاہرہ کے باوجود اگر خاوند نے نہ چھوڑا اور وطی کرتا رہا تو پیدا ہونے والی اولاد ماں اور باپ دونوں کی وارث بنے گی تاہم زن وشوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔	۳۶۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ جائز نہیں ہے کہ بیٹی کی اس شئی پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں مطلع تھی۔	۳۶۴	اولادِ زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے۔	۳۶۶
حدیث میں ہے جو شخص کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہے۔	۳۶۴	در بارہ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ ان کا نکاح نہ کسی مسلم و مسلمہ سے ہو سکتا ہے نہ کافر وکافرہ سے نہ مرتد و مرتدہ ان کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے غرض تمام جہان میں کسی سے نہیں ہو سکتا۔	۳۶۷
جو شخص کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج کو دیکھے وہ ملعون ہے۔	۳۶۴		

شیعہ وغیرہ بدمذہبوں سے شادی کرنا کیسا ہے۔	۳۶۷	سنیہ حنفیّہ کا نکاح غیر مقلد وہابی سے کرنا ممنوع وناجائز اور گناہ ہے۔	۳۷۳
زوجیت وہ عظیم رشتہ ہے جو خواہی نخواہی انس ومحبت والفت پیدا کرتا ہے۔	۳۶۸	غیر مقلدین زماں کے بہت عقائد کفریہ وضلالیہ ہیں۔	۳۷۳
بدمذہب سے دوستی ومحبت ناجائز ہے، اس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔	۳۶۸	غیر مقلدوں کا گمراہ وبدمذہب ہونا بروجہ احسن ثابت ہے۔	۳۷۳
آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔	۳۶۸	بدمذہبوں سے کھانا پینا اور بیاہ شادی کرنا ممنوع ہے۔	۳۷۳
آدمی اپنے خالص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔	۳۶۸	بدعتیوں سے انس اور دوستی کرنے والا ایمان کے نور اور حلاوت سے محروم ہوجاتا ہے۔	۳۷۳
بدمذہب عورت سے نکاح میں یہ خیال کہ ہم اس کو سنی کرلیں گے محض حماقت ہے۔	۳۶۸	جو اس زمانے میں ان چاروں مذہبوں سے خارج ہو وُہ بدعتی اور دوزخی ہے۔	۳۷۴
محبت میں آدمی اندھا بہرا ہوجاتا ہے۔	۳۶۸	اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح محض باطل اور زنا ہے۔	۳۷۴
دل پلٹتے اور خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔	۳۶۹	مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں۔	۳۷۴
بدمذہب کو اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر اور زہر قاتل ہے۔	۳۶۹	غیر مقلد عقیدہ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو تب بھی اس سے نکاح بحکم آیت وحدیث منع ہے۔	۳۷۴
عورتوں کو شوہروں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔	۳۶۹	فتوی علماءِ پٹنہ	۳۷۴
عورتیں زیادہ نرم دل ہوتی ہیں۔	۳۶۹	فتوی علماء بہار	۳۷۵
عورتیں ناقصات العقل والدّین ہیں۔	۳۷۰	فتوی علماء بدایوں	۳۷۶
اگر کسی نے اپنی رضاعی ساس یا رضاعی سالی سے زنا کیا عمداً یا سہواً، تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں۔	۳۷۰	فی الواقع سنیہ حنفیّہ خاتون کا نکاح غیر مقلد وہابی سے یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ۔	۳۷۷
زوجہ کی رضاعی ماں، نانی، دادی سے وطی بلکہ دواعی وطی بھی جبکہ انزال نہ ہو دانستہ یا شبہہ یا جبر واکراہ سے، جس طرح بھی ہوں عورت کو شوہر پر حرام ابدی کردیتے ہیں۔	۳۷۱	وہابی ہو یا رافضی جو مذہب عقائد کفریہ قطعیہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح باجماع مسلمین بالقطع والیقین باطل محض وزنا صرف ہے۔	۳۷۷
٥ **رسالہ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار** (معزز خواتین کو جہنم کے کتوں (بدمذہبوں) کے نکاح میں نہ دے کر شرمندگی سے بچانا)	۳۷۳		

عقائد کفریہ قطعیہ کی چند مثالیں۔	۳۷۷	وہابیوں کے مذہب پر صرف مسئلہ تقلید میں گیارہ سو''' برس کے ائمہ دین، علماءِ کاملین اور اولیاء عارفین سب مشرک قرار پاتے ہیں۔	۳۷۸
مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے۔	۳۷۷	تقلید شخصی کی سخت شدید تاکید فرمانے اور اس کے خلاف کو منکر و شنیع و باطل قرار دینے والے ائمہ کے نام۔	۳۷۸
مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی سے نہیں ہوسکتا۔	۳۷۷	جمہور ائمہ کرام و فقہائے اعلام کا مذہب صحیح و معتمد و مفتٰی بہ یہی ہے جو کسی ایک مسلمان کو کافر اعتقاد کرے وُہ خود کافر ہے۔	۳۷۹
کبرائے وہابیہ اور مجتہدین روافض کو پیشوا و امام یا مسلمان سمجھنے والا کافر ہے۔	۳۷۸	حدیث میں ہے کہ جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی۔	۳۸۰
جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے اسی طرح ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔	۳۷۸	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن بتائے اور وُہ ایسا نہ ہو تو اس کا قول اسی پر پلٹ آئے گا۔	۳۸۰
ضروریات دین کے منکر کے کفر و عذاب میں شک کرنے والا باجماع علماء کافر ہے۔	۳۷۸	حدیث و فقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر کرنے والے پر حکم کفر لازم آتا ہے۔	۳۸۰
طوائف ضالہ کے عقائد باطلہ میں کفریات لزومیہ بکثرت ہیں۔	۳۷۸	علامہ شامی نے وہابیوں کو خوارج میں داخل فرمایا۔	۳۸۰
عقائد وہابیہ کے شافی ووافی بیان پر مشتمل دو ۲ رسالوں کا نام۔	۳۷۸	خوارج کو کافر کہنا واجب ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے ہم مذہب کے سوا سب کو کافر کہتے ہیں۔	۳۸۰
تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدوں کو مشرک کہنا غیر مقلدوں کا مشہور معروف عقیدہ ضلالت ہے۔	۳۷۸	وہابی ملحد و بے دین ہیں کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔	۳۸۰
معاملات انبیاء واولیاء سے متعلق ادنٰی ادنٰی باتوں پر ممنوع ومکروہ بلکہ مباحات و مستحبات پر جابجا حکم شرک لگادینا خاص اصل اصول وہابیت ہے۔	۳۷۸	وہابیہ کے مذہب نامہذب پر نہ صرف امت مرحومہ بلکہ انبیاء کرام وملائکہ عظام و خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی کہ خود رب العزۃ جل وعلاتک کوئی بھی شرک سے محفوظ نہیں۔	۳۸۱
وہابیوں کا خلاصہ اعتقاد یہ ہے کہ جو وہابی نہ ہو مشرک ہے۔	۳۷۸	خود کفریات بکنا یا کفریات پر راضی ہونا یا انہیں برا نہ جاننا یا ان کے لئے معنی صحیح ماننا سب کا ایک ہی حکم ہے۔	۳۸۱

جو وہابی کسی ضروری دین کا منکر نہ ہو اور نہ ہی کسی ضروری دین کے منکر کو مسلمان کہتا ہو تو اس کو برائے احتیاط کافر نہ کہیں گے، اور یہی احتیاط جو مانع تکفیر ہے مانع نکاح بھی ہے۔	۳۸۲	افیون و حشیش کی بیع کا حکم۔	۳۸۶
یہ کون سی شرع ہے کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی۔	۳۸۲	جواز کے یہ دونوں اطلاق (بمعنی صحت وحلت) تو شائع وذائع ہیں اور ان کے سوا کچھ اور اطلاقات بھی ہیں۔	۳۸۶
احکام فقہیہ میں واقعات ہی کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ احتمالاتِ غیر واقعیہ کا۔	۳۸۲	جواز کا اطلاق کبھی نفاذ کے معنٰی پر بھی ہوتا ہے۔ (حاشیہ)	۳۸۶
بدمذہب کسی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہو سکتا۔	۳۸۳	نفاذ اخص من وجہ ہے حل اور صحت سے یعنی کبھی نفاذ ہوگا حل اور صحت نہیں ہوں گے اور کبھی حل وصحت ہوں گے نفاذ نہ ہوگا۔ (حاشیہ)	۳۸۷
اس شبہہ کا جواب کہ جب اہلِ کتاب سے مناکحت جائز ہے تو غیر مقلد سے کیوں جائز نہیں۔	۳۸۴	جواز کبھی لزوم کے معنی کے لئے آتا ہے۔	۳۸۷
اہل کتاب سے مناکحت کے کیا معنی ہیں۔	۳۸۴	لزوم اور صحت و نفاذ میں نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے۔	۳۸۸
عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔	۳۸۴	لزوم اور حل میں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔	۳۸۸
شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح زنا مانا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، وجہ فرق کیا ہے۔	۳۸۴	آیہ کریمہ "واحل لکم ماوراء ذالکم" میں حل بمعنی عدم حرمت وطی ہے جو گناہ کے منافی نہیں۔	۳۸۸
عورت کے لئے کفاءت مرد بالاجماع ملحوظ ہے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءتِ زن کا کچھ اعتبار نہیں۔	۳۸۵	جواز بمعنی صحت، عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں۔	۳۸۹
دناءت فراش وجہ غیظ مستفرش نہیں ہوتی۔	۳۸۵	رستغفنی امام معتمد ہیں قول وفعل میں اگر روز قیامت ان کی روایت پر عمل میں ہم سے گرفت ہوئی تو ہم ان کا دامن پکڑیں گے کہ ہم نے ان کے ارشاد پر عمل کیا۔	۳۸۹
عرف فقہ میں جواز دو معنی پر مستعمل ہے ایک بمعنی صحت اور عقود میں یہی زیادہ متعارف ہے، دوسرا بمعنی حلت اور افعال میں یہی زیادہ مروّج ہے۔	۳۸۵	بدمذہبوں سے سنیہ کی تزویج ممنوع ہونے پر دلائل۔	۳۹۰
اذانِ جمعہ کے وقت بیع صحیح ہوگی اگرچہ ممنوع وگناہ ہے۔	۳۸۵	دلیل اوّل	۳۹۰
صحت تو حل کو لازم ہے مگر حل صحت کو لازم نہیں۔	۳۸۵	اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔	۳۹۰

اپنے اختیار سے ایسی جگہ جانا حرام ہے جہاں منکر ہو اور انکار نہ ہوسکے۔	۳۹۰	ایک ہمنشین جس قدر دوسرے پر دلالت کرتا ہے اس قدر کوئی اور شیئ دوسری شیئ پر دلالت نہیں کرتی۔	۳۹۳
دلیل دوم	۳۹۰	دوسرا مؤید: شوہر کا عورت پر حاکم ہونا۔	۳۹۳
قرآن گواہ ہے کہ زن وشوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس و محبت والفت ورافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی۔	۳۹۱	تیسرا مؤید: عورت میں مادہ قبول وانفعال کی کثرت۔	۳۹۳
بدمذہب کی محبت سم قاتل ہے۔	۳۹۱	چوتھا مؤید: عورتوں کا ناقصات العقل والدّین ہونا۔	۳۹۳
بدمذہبوں سے دوستی کرنے والا بحکم قرآن انہی میں سے ہے۔	۳۹۱	پانچواں مؤید: عورت کے دل میں شوہر کی محبت۔	۳۹۳
آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔	۳۹۱	حدیث میں ہے کہ محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔	۳۹۳
دلیل سوم۔	۳۹۱	آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو۔	۳۹۳
اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔	۳۹۱	دل پلٹتے اور خیال بدلتے دیر نہیں لگتی۔	۳۹۴
بدمذہبی ہلاک حقیقی ہے۔	۳۹۱	قلب کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ وہ منقلب ہوتا ہے۔	۳۹۴
صحبت خصوصا بدکا اثر پڑجانا احادیث وتجارب صحیحہ سے ثابت ہے اس کے لئے پانچ مؤیدات۔	۳۹۲	شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے لئے مقدمہ اور داعی کو بھی حرام بتاتی ہے۔	۳۹۴
پہلا مؤید پانچ حدیثیں۔	۳۹۲	مقولہ مسلمہ ہے کہ مقدمۃ الحرام حرام۔	۳۹۴
اچھے برے ہمنشیں کی تمثیل وکہاوت۔	۳۹۲	جس طرح زنا حرام ہوا زنا کے پاس جانا بھی حرام ہوا۔	۳۹۵
گمراہوں سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں کہیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔	۳۹۲	داعی کے لئے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں۔	۳۹۵
مصاحب پر مصاحب کو قیاس کرو۔	۳۹۲	دلیل چہارم۔	۳۹۵
برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا۔	۳۹۳	مرد عورتوں پر حاکم ومسلط ہیں۔	۳۹۵
		عورت پر سب سے بڑھ کر حق اس کے شوہر کا ہے۔	۳۹۵

اگر غیر خدا کو سجدہ روا ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔	۳۹۵	کتابیہ سے بے ضرورت نکاح مکروہ ہے۔	۴۰۰
بدمذہب کی تعظیم حرام ہے۔	۳۹۶	کتابیہ حربیہ سے نکاح عند التحقیق ممنوع وگناہ ہے۔	۴۰۰
جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھادینے میں مدد کی۔	۳۹۶	مرد اور عورت میں کئی وجوہ سے فرق۔	۴۰۲
فاسق شرعًا واجب الاہانۃ ہے اور اس کی تعظیم ناجائز ہے۔	۳۹۶	وہابیوں کو نہ خوفِ خدا ہے نہ خلق سے حیا۔	۴۰۳
دلیل پنجم۔	۳۹۷	سنیت وہابیت سے صاف مباین ہے لہذا سنی و وہابی کا اجتماع ناممکن ہے۔	۴۰۳
منافق کو سردار کہہ کرمت پکارو کہ اگر وہ تمہارا سردار ہے تو بے شک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا ہے۔	۳۹۷	کسی وہابی کا سنّی ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے رات کا دن ہونا یا نصرانی کا مومن ہونا۔	۴۰۳
دلیل ششم۔	۳۹۸	مشتبہ الحال منکر وہابیت کو پرکھنے کا طریقہ۔	۴۰۴
جو عورت کسی بدمذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہی ہے جیسے کسی کُتے کے تصرف میں آئی۔	۳۹۹	جنت سنت کے آٹھ باب جو ہادی حق وصواب ہیں۔	۴۰۵
اپنی دی ہوئی چیز پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قے کرکے اسے پھر کھالیتا ہے۔	۳۹۹	زید سنی اور ہندہ شیعہ ہے ان کا نکاح ہوگیا ہے انہیں شرعًا ہمبستری جائز ہے یانہیں، نیز اولاد کا کیا حکم ہوگا۔	۴۰۵
بدمذہب کتّا ہے بلکہ کتّے سے بھی بدتر ہے۔	۳۹۹	زید نے حقیقی بہن کی لڑکی کی لڑکی سے بحکم ایک عالم کے نکاح کیا، یہ نکاح کیسا ہے اور اس عالم کا کیا حکم ہے۔	۴۰۶
بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتّے ہیں۔	۳۹۹	زید نے اپنی بی بی کی زندگی میں اس کی خواہر حقیقی سے نکاح کیا اور دوسری سے نکاح کے بعد قبل خلوت صحیحہ یا بعد خلوت پہلی کو طلاق دے دی، ان دونوں صورتوں میں کیا حکم ہے۔	۴۱۰
بدمذہب لوگ سب آدمیوں سے بدتر اور سب جانوروں سے بدتر ہیں۔	۴۰۰	ساس سے زنا کے باعث جبکہ منکوحہ حرام ابدی ہوجائے تو اس سے پردہ بھی فرض ہوجاتا ہے یا وہ مثل محارم ہوجاتی ہے کہ دیکھنا چھونا تنہا مکان میں رہنا جائز ہے۔	۴۱۰
دلیل ہفتم۔	۴۰۰	مسئلہ زن مفقود۔	۴۱۲
کون سی کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔	۴۰۰	سید سید، شیخ شیخ، پٹھان پٹھان ان قوموں میں بڑے بھائی کی لڑکی اور چھوٹے بھائی کا لڑکا ہو تو نکاح جائز ہے یانہیں۔	۴۱۳

زید وعمرو حقیقی چچازاد بھائی ہیں ایک کادوسرے کی دختر سے نکاح کیسا ہے اور غیر حقیقی میں کیا حکم ہے۔	۴۱۳	تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے، دیوث، مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔	۴۱۶
آپس میں بھائی اور بہنوں سوائے نسبی اور رضاعی کے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۴۱۳	زید نے جمع بین الاختین کیا باوجود منع کرنے کے نہ مانا اس پر مسلمانوں نے اس سے اجتناب کیا بعض نے اس کا ساتھ دیا تو شرعا یہ اجتناب حق ہے یا نہیں اور زید اور اس کے ہمراہیوں کے ساتھ کھانے پینے، سلام کلام کا کیا حکم ہے، اور زید پر کون سی عورت حلال ہے۔	۴۱۷
غیر حقیقی دادا کی دختر سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۴۱۳	سنی کو اپنی دختر رافضی کے نکاح میں دینا کیسا ہے اور سنی باوجود ناجائز کے دے تو کیا حکم ہے۔	۴۱۷
پھوپھی خالہ بہن اسی طرح جتنی عورات عورت کے محارم ہیں ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام ہے مگر وہ عورت کے محارم نہیں ہوجاتے ان سے پردہ کا وہی حکم ہے جو اجنبی سے۔	۴۱۴	زمانہ سلف سے اس وقت سنی اور رافضی کے درمیان قرابت کا کیا باعث، آیا اس وقت میں علماء نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی یا اس وقت کے شیعہ اوراب کے روافض میں کچھ فرق ہے۔	۴۱۷
شرعا پھوپھا، خالو، بہنوئی اور جیٹھ، دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کے بیٹوں اور راہ چلتے اجنبی سب کا ایک حکم ہے بلکہ ان سے زیادہ احتیاط لازم۔	۴۱۵	فاسق معلن سے ابتداء بالسلام مکروہ ہے یونہی بوڑھا مذاقی، کذاب، لاغی، گالیاں بکنے والا، اجنبی عورتوں کو گھورنے اور تاک جھانک کرنے والا، گانے والا اور کبوتر باز وغیرہ۔	۴۱۸
سنی کو اپنی دختر رافضی تبرائی قاذف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں، اور باوجود ناجائز کے بھی ایسا کرے تو کیا حکم ہے۔	۴۱۵	مرتکب حرام کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے والا بھی اسی کی مثل ہے۔	۴۱۹
حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قاذف کافر ملعون ہے جو اسے کافر نہ جانے خود کافر ہے۔	۴۱۶	گناہ کی نحوست فاعل کے غیر پر بھی ہوتی ہے۔	۴۱۹
جو شخص اپنی دختر یا خواہر کا نکاح قاذف یا مرتد سے کرے وہ دیوث ہے	۴۱۶	غیر نبی کو نبی سے افضل ماننا کفر ہے۔	۴۲۰
اللہ تعالٰی قیامت کے دن تین شخصوں پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا، ماں باپ کا نافرمان، مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورت اور دیوث۔	۴۱۶	جو قرآن عظیم کو ناقص مانے کافر ہے۔	۴۲۰
		آج کل کے رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ والا۔	۴۲۰

رافضیوں کے ساتھ مناکحت حرام قطعی اور زنائے خالص ہے۔	۴۲۰	مسئلہ جمع بین الاختین۔	۴۲۲
جو اپنی بہن یا بیٹی رافضیوں کے دے وہ دیوث ہے۔	۴۲۰	بعد انتقال زوجہ اس کی بھانجی بھتیجی سے فوراً نکاح جائز ہے۔	۴۲۳
حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا فقہاء کرام کے نزدیک مطلقاً کفر ہے۔	۴۲۰	زید لڑکی کا نکاح کرکے باہر چلا گیا، داماد اور لڑکی اور اپنی بی بی کو مکان پر چھوڑ گیا، چھ ماہ بعد واپس آیا تو عورت کو حاملہ پایا، بعد تحقیق معلوم ہوا کہ داماد سے حاملہ ہے۔ تو لڑکی داماد کے نکاح میں رہی یا نہیں۔ طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں۔ مہر لازم ہے یا نہیں۔ اور زوجہ بعد وضع حمل زید کی رہی یا نہیں، اور داماد کے نکاح میں اس کی زوجہ آسکتی ہے یا نہیں۔	۴۲۳
گمراہ و بددین کو بیٹی دینا شرعاً گناہ وممنوع ہے۔	۴۲۰	سوتیلے باپ کے بھائی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۴۲۴
پہلے دور اور موجودہ دور کے رافضیوں میں فرق۔	۴۲۱	زید سے اس کے خسر وخوشدامن کسی سبب ناراض ہوئے زوجہ زید کو بلایا زید کے ماں باپ نے کہا جب ناراضی دور ہوجائے گی بھیج دیں گے، زوجہ زید مکاں بکر پر کسی تقریب میں گئی وہاں سے خسر زید کے آدمی زبردستی اسے لے گئے اب بلانے سے کہتے ہیں کہ زید نے طلاق دے دی ہے دوسری جگہ نکاح کردینا چاہتے ہیں اس نکاح اور شوہر ثانی سے وطی کا کیا حکم ہے۔	۴۲۵
عورت نے بعد طلاق عدت گزرنے سے پہلے دوسرے سے عقد کرلیا اب شوہر ثانی سے ناراض ہے وہ اور اس کے ورثاء کہتے ہیں کہ نکاح عدت کے اندر ہوا تھا اس لئے جائز نہ ہوا اب شخص ثالث سے اس کے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۴۲۱	جو کسی عورت کو اس سے بگاڑ دے بحکم حدیث وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گروہ سے نہیں۔	۴۲۵
عدت کے اندر جو نکاح بوجہ عدم علم عدت ہوا اس کا فسخ مرد وعورت دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے سامنے کرسکتا ہے۔	۴۲۲	عورت کو اپنے شوہر سے توڑ کر دوسرے کے نکاح میں کرادینا اشد واخبث ظلم ہے۔	۴۲۶
متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں یہی حق ہے، علامہ مقدسی نے اس پر جزم فرمایا۔	۴۲۲	جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی ہے۔	۴۲۶
کیا زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے۔	۴۲۲	جھوٹے گواہ کے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں پائیں گے کہ اللہ تعالٰی اس پر عذاب جہنم واجب کردے گا۔	۴۲۶

زید ایک مسجد کا امام ہے اس نے جمع بین الاختین کیا، اعتراض پر کہا یہ امام شافعی کے یہاں جائز ہے، اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۴۲۶	ایذاء والدین اشد کبائر ہے۔	۴۳۴
زید کی دو زوجہ تھیں، زوجہ اولٰی سے عمرو اور ثانیہ سے بکر خالد ولید، عمرو کا بیٹا سعید سعید کی دختر لیلٰی، لیلٰی کی دختر سلمٰی یہ سلمٰی عمرو کے سوتیلے بھائیوں پر حرام ہے یا حلال۔	۴۲۷	جو دو بلاؤں میں مبتلٰی ہو اسے چاہئے کہ ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔	۴۳۴
عدت کے اندر عورت زنا سے حاملہ ہوئی، اب زانی بعد مرور ایام عدت نکاح چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں۔ اور وطی قبل وضع کا کیا حکم ہے۔	۴۲۹	حکم شرع کو باطل اور مسئلہ کفار کو صحیح ماننے والے صریح کفار و مرتدین ہیں ان سے میل جول حرام ہے۔	۴۳۴
دو حقیقی یا تایا یا چچازاد بھائیوں کی اولاد کا آپس میں نکاح درست ہے یا نہیں، حلال ہے تو جو اسے نہ مانے اور کہے کہ گویہ مسئلہ شرع کا ہے لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے، ہماری برادری میں باپ دادا سے کبھی ایسا نہیں ہوا، ایسے لوگوں سے میل جول اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم، اگر ان کی مخالفت میں ماں باپ ناراض ہوں تو والدین کی اطاعت کرے یا شرع کی۔	۴۳۰	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔	۴۳۴
حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں فاطمی ہیں اسی لئے آپ کو محض کہا جاتا ہے آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر پر ایک سال تک آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے خیمہ بنائے رکھا۔	۴۳۱	مرتدین سے میل جول کے بارے میں والدین کی اطاعت ناجائز ہے۔	۴۳۴
مزارات پر قبہ بنانے کا ثبوت۔	۴۳۱	جو کسی امر کفار کو اچھا جانے فقہاء اس کی تکفیر کرتے ہیں یہاں تک اگر یوں کہے کہ وقت طعام ترک کلام مجوسیوں کی اچھی بات ہے یا ترک مجامعت بحالت حیض مجوسیوں کی اچھی رسم ہے تو کافر ہو جائے۔	۴۳۵
السبت مصدر ہے اور اس کا معنٰی ہے تعظیم السبت۔	۴۳۳	اگر کوئی کسی کو کہے کہ حکم شرع یوں ہے وہ جواب میں کہے کہ میں تو اپنی رسم کے مطابق کام کرتا ہوں شرع سے نہیں۔ تو بعض علماء کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔	۴۳۵
ظالموں کی طرف میل مت کرو ورنہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔	۴۳۳	حقیقی بھانجہ کی بیٹی سے نکاح کا کیا حکم۔	۴۳۵
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے۔	۴۳۳	مسئلہ نکاح زن رافضیہ با سنی۔	۵۳۶

سوتیلی خالہ سے نکاح کا حکم۔	۴۳۷	نکاح اگر فاسد واقع ہوا ہو تو تنہا عورت حق فسخ رکھتی ہے۔	۴۴۴
ساس یا سالی سے صحبت کرے تو کیا عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور اس کی عدت ہے یا نہیں۔	۴۳۷	ہندہ نے زید سے ناجائز تعلق رکھا پھر اپنی بیوہ دختر کا نکاح بے رضامندی دختر بجبر زید سے کردیا بے طلاق اب اس کا نکاح دوسرے سے ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۴۴۵
ایسی دو عورتوں کا ایک وقت میں نکاح میں لانا کہ ایک کو مرد قرار دیں تو صورت محرمات میں آجائیں درست ہے یا نہیں۔	۴۳۷	ثبوت حرمت مصاہرت کے لئے مشتہاۃ ہونا ضروری ہے۔	۴۴۵
ساس نے اپنی نابالغہ لڑکی کے مرجانے کے بعد اس کے شوہر سے نکاح کیا، کیا حکم ہے۔	۴۳۸	"وجود الشھوۃ من احدھما یکفی" کے معنی۔	۴۴۶
سوتیلے بیٹے کی بی بی سے نکاح کا حکم۔	۴۳۸	حرمت مصاہرۃ کے لئے دونوں کا مشتہی ومشتہاۃ ہونا ضروری ہے وجود شہوت وقت مس وغیرہ ایک سے کافی ہے۔	۴۴۶
سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے۔	۴۳۹	بھتیجی، بھانجی، بھتیجے، بھانجے کی لڑکی سے نکاح کیسا ہے۔	۴۴۶
ایک شخص عدت میں نکاح پڑھوادیتا ہے اور "یتربصن" کو صرف جماع سے بچنے پر حمل کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔	۴۳۹	سنی نے رافضیہ سے بطور شیعہ صیغہ پڑھایا بطریق اہلسنت نکاح نہ ہوا دونوں اپنے مذہب پر قائم رہے اولاد کیسی ہوئی۔	۴۴۷
رنڈی سے نکاح کیسا ہے۔ جائز ہے تو بعد توبہ یا بے توبہ۔	۴۴۱	روافض کی تکفیر بوجہ ان کے عقائد ملعونہ مثل رجعت اموات بدنیا واجب ہے۔	۴۴۷
آیہ کریمہ "الزانیة لاینکحھا الا زان اومشرک" میں چار تاویلیں ماثور ہیں۔	۴۴۱	حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے۔	۴۴۸
قبل متارکہ وتفریق بین المحارم غیر مدخولہ سے دوسرے کا نکاح درست ہے یا نہیں۔	۴۴۳	بورے آدمی کا نکاح کس طرح کیا جائے۔	۴۴۸
قاضی شرع کون ہے۔ یہاں کون حق فسخ وتفریق رکھتا ہے۔	۴۴۳	مسئلہ زن مفقود الخبر۔	۴۴۸
متارکہ یا تفریق ثانیہ ضرور ہے اور ناکح متارکہ نہیں کرتا تو کیا کیا جائے۔	۴۴۴	تحقیق الفرق بین المتارکۃ والفسخ۔	۴۴۹
اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم نائب شرع ہے بشرطیکہ وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ نہ ہو۔	۴۴۴	چچا کی نواسی سے نکاح کا حکم۔	۴۵۱

سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح کا حکم۔	۴۵۱	بھانجی سے نکاح حرام ہے۔	۴۵۷
خسر نے بہو سے زنا کیا بیٹے کا نکاح رہا یا نہیں۔ بہو دعوی زنا کرے خسر منکر ہو تو کیا حکم ہوگا۔ اور دونوں اقرار کرتے ہوں تو کیا اور اگر شہادت سے ثابت ہو تو کیا، اور شہادت کیسی ہو۔	۴۵۲	تبرائی رافضی کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔	۴۵۷
محض عورت کا بیان حرمت مصاہرت کے لئے کوئی چیز نہیں جب تک شوہر تصدیق نہ کرے۔	۴۵۲	زید کی ساس کہتی ہے اس نے مجھ سے زنا کیا، دو گواہوں نے زنا کرتے دیکھا، زید یہ کہہ کر فرار ہوگیا کہ میری عورت غیر مدخولہ مجھ پر حرام ہے جس کو چاہے دے دے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے۔	۴۵۸
اپنے فعل پر خود اپنی شہادت مقبول نہیں۔	۴۵۳	فقیرے نے بیبا کا دودھ حفیظن کے ساتھ پیا پھر بیبا کے فہیمن ہوئی فقیرے کا نکاح فہیمن سے کیسا ہے۔	۴۶۰
پردادا کی پرنواسی، دادا کی بھانجی کی بیٹی، چچیری چچی سے نکاح کا حکم۔	۴۵۳	فہیمن بے طلاق کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔ زوجہ کے مرنے کے بعد اس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۰
خوشدامن سے وطی کرنے والے کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے۔	۴۵۴	بہو سے بعد طلاق یا موت پسر نکاح کیسا ہے۔	۴۶۱
زوجہ کی خالہ سے زوجہ کے ہوتے ہوئے نکاح کا حکم۔	۴۵۴	حکم نکاح با دختر دختر برادر خود۔	۴۶۱
علاتی بہن کی پوتی سے نکاح حرام ہے۔	۴۵۴	زید کی نواسی زوجہ اولٰی سے اور لڑکا زوجہ ثانیہ سے ہے ان کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۴۶۲
جس عورت سے نکاح کیا تھا اس کی دختر شوہر اول سے نکاح کا حکم۔	۴۵۴	بکر نے زید کی بی بی کا پہلی اولاد پر دودھ پیا تین اولادوں کے بعد زید کی جو لڑکی ہوئی اس لڑکی بکر کے نکاح کا حکم۔	۴۶۳
زوجہ کو طلاق دے اور عدت گزر جائے تو اس کی علاتی بہن سے نکاح کرسکتا ہے۔	۴۵۴	سالی سے زنا حرام ہے مگروہ عورت کو حرام نہیں کرتی۔	۴۶۳
مسئلہ نکاح در عدت۔	۴۵۵	زید نے ہندہ نابالغہ سے نکاح وجماع کیا پھر طلاق دے دی، ہندہ نے پھر عمرو سے نکاح کیا، عمرو سے اس کے لڑکی ہوئی، یہ لڑکی زید پر حرام ہے یا نہیں۔	۴۶۴
زوجہ کی خالہ کو نکاح میں لانا حرام ہے فورًا چھوڑ دے، اور جب تک عدت نہ گزرے زوجہ کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے۔	۴۵۶	ماں سے محض نکاح بیٹی کو حرام کرتا ہے یا نہیں۔ یونہی بیٹی سے ماں کو دونوں میں وطی شرط حرمت ہے یا نہیں اور بلوغ شرط ہے یا نہیں۔	۴۶۴

ممانی اور چچی سے نکاح جائز ہے۔	۴۶۴	دو شخصوں نے کہا کہ لڑکے کا باپ اور لڑکی کی ماں ناجائز تعلقات رکھتے ہیں لڑکی کے باپ نے قرآن شریف اٹھانے کو کہا، انکار کیا اور چلے گئے ثبوت نہ ہوا، کیا حکم ہے۔	۴۶۸
نسبی رشتوں سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں۔	۴۶۴	مولانا صاحب سے پوچھا، نکاح پڑھانے آئیں گے کہا: میں نہیں آؤں گا تو کون آئے گا۔ وقت نکاح نہیں آئے اور کہا: جو کوئی ان کا نکاح پڑھائے گا اس کی عورت کو طلاق ہو جائے گی۔	۴۶۸
عورت نے دعوی کیا کہ تیرے باپ نے مجھ سے زنا کیا، اس پر شوہر نے طلاق دے دی، تین مہینے ہوگئے، اب عورت کہتی ہے تم نے مجھ پر تہمت رکھی تھی اس لئے غلط بات کہی، آیا عورت سے پھر نکاح ہو سکتا ہے۔	۴۶۵	یہی سوال انداز بدل کر۔	۴۶۹
آوارہ عورتیں بے پردہ رہتی کھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں جن سے زنا بھی ثابت ہوا حمل گرائے گئے ہوں یا طوائف کا نکاح بے استبراء رحم جائز ہے یا نہیں۔	۴۶۶	زید کی سسرال کے رشتہ کے ماموں کے لڑکے اور زید کی لڑکی کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔	۴۶۹
خسر نے بہو سے زنا کیا، بہو کو اقرار ہے، خسر نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار، جب یہ کہا جاتا ہے کہ تونے بہت سخت گناہ کیا تو کہتا ہے خطا ہوئی، کیا کریں، کیا حکم ہے، عورت مہر لے سکتی ہے یا نہیں۔	۴۶۶	اپنے حقیقی بھائی کی رضاعی بیٹی کی بیٹی سے نکاح کے بارے میں بعض بنگالیوں کے فتوے کا رد۔	۴۷۰
خسر نے بہو سے زنا کیا تو کیا وہ شوہر کے پاس رہ سکتی ہے۔	۴۶۷	بھائی کی رضاعی نواسی سے نکاح جہالت، گمراہی اور شریعت پر افتراء ہے۔	۴۷۷
رشتہ داروں کی کن کن عورتوں سے نکاح جائز ہے اور کن سے ناجائز۔	۴۶۷	بھائی کی نواسی سے نکاح ایسا ہے جیسے اپنی بہن سے۔ چاہے نواسی نسبی ہو یا رضاعی، اور یہ نکاح قرآن، حدیث اور اجماع کی رو سے حرام قطعی ہے۔ اس کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ یا کسی اور امام المسلمین کی طرف کرنا خطائے محض ہے۔	۴۷۷
لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں اور ہمیں شیعہ جانتے ہو تو اطمینان کے لئے ہمیں سنی کرلو، ان کے ہم وطن شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سنی ہیں، یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاؤ کرتے دیکھا اور بعض مسلمان شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ نہیں ہیں اور ان کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے، کیا حکم ہے۔	۴۶۸	بھائی کی رضاعی نواسی سے جواز نکاح کا فتوی دینے والے عالم نہیں بلکہ جاہلوں سے ہزار درجہ بدتر ہیں۔	۴۷۷
		جس نے بغیر علم کے فتوی دیا اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۴۷۷

حدیث میں ہے لوگ جاہلوں کو رہنما بناکر ان سے سوال کریں گے تو وہ بغیر علم کے فتوی دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔	۴۷۷	خلاف متفرد اجماع میں قادح نہیں۔	۴۸۳
جس مرد کی طرف دودھ منسوب ہے وہ رضیع کا باپ، اس کی اولاد رضیع کے بھائی بہن، اس کے بھائی رضیع کے چچے اور اس کی بہنیں رضیع کی پھوپھیاں ہوں گی جبکہ رضیع کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوگی۔	۴۷۸	ظاہریہ مبتدع ہیں اجماع میں ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں کہ متبدع امت دعوت ہیں امت اجابت نہیں۔	۴۸۳
فرقہ ظاہریہ مخالف ائمہ اربعہ وتمام مجتہدین ہے ان کے امام داؤد ظاہری کو اہل سنت سے جاننا جہل وسفاہت ہے وہ ہرگز اہلسنت نہیں۔	۴۷۹	"ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب" حدیث مشہور اور صدر اسلام سے اس وقت تک علماء میں متلقی بالقبول ہے۔	۴۸۳
فرقہ ظاہریہ کی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں۔ نہ ان میں سے کسی کی تقلید جائز، ظاہریہ مسلوب العقل ہیں کہ قیاس جلی کے منکر ہیں۔	۴۸۰	سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوتا۔	۴۸۴
نقل مذہب غیر میں بارہا لغزش ہوجاتی ہے۔	۴۸۲	جو حکم کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔	۴۸۴
دارالحرب میں حربیہ سے زنا کی تحلیل کو امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنا محض باطل ہے۔	۴۸۲	قول ضعیف ومرجوع پر حکم وفتوی جہل وخرق اجماع ہے۔	۴۸۴
حلت غراب کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	مقلد کو اپنے امام کے خلاف حکم جائز نہیں۔	۴۸۵
امام مالک کی طرف حلت متعہ کی نسبت کرنا صحیح نہیں، امام مالک متعہ کرنے والے پر حد زنا نافذ کرتے ہیں۔	۴۸۲	قاضی مجتہد، مجتہد فیہ میں اپنی رائے کے خلاف اگر حکم کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۸۵
حنیفہ ودیگر ائمہ کے نزدیک متعہ حرام ہے مگر وہ اس پر حد زنا نافذ نہیں کرتے۔	۴۸۲	○ **الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن** (رضاعی بہن بھائی کی اولاد کے ساتھ حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان)	۴۸۷
ابن علیہ ایک محدث ہیں مجتہد نہیں ہیں۔	۴۸۳	کسی کم علم نے اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان جواز نکاح کا فتوی لکھ دیا جو بذریعہ مولوی اکرام الدین صاحب امام وخطیب مسجد وزیر خاں اعلیحضرت امام احمد رضاخاں بریلوی تک پہنچا تو آپ نے اس غلط فتوے کے رد میں یہ رسالہ تحریر فرمایا۔	۴۸۷

غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین نے ایک وہابی خیال مولوی کے غلط فتوی پر مہر تصدیق لگادی اور اعلیحضرت کی طرف سے گرفت پر اس سے رجوع کیا دوسرا فتوی اس پہلے کے رد میں لکھا اور عذر گناہ بدتر از گناہ پیش کیا۔	۴۸۹	رضیع کی بیوی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے۔	۴۹۳
آتش جہنم پر جرأت غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے۔	۴۹۰	رضیع کی بیٹیاں اور نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹیوں پر حرام ہیں۔	۴۹۳
جو فتوی پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔	۴۹۰	دودھ کا چچا بھی چچا ہے ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔	۴۹۳
اللہ تعالٰی ائمہ کے مقابلے کا مزہ چکھاتا ہے۔	۴۹۰	رضاعی چچا کی تفسیر۔	۴۹۳
کلکتہ کے مولوی لطف الرحمٰن بردوانی نے محارم سے نکاح کے جواز کے بارے میں جہاں بھر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل عربی سوال چھپوایا جس کے جواب میں اعلیحضرت نے دلائل ونصوص پر مشتمل ایک رسالہ "نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان" تحریر فرمایا۔	۴۹۰	ماں کے رضاعی بیٹے کی بیٹی، بھتیجی اور محرم ہے۔	۴۹۳
رضیع ومرضعہ کی اولادوں کے درمیان نکاح کے حرام ہونے پر تیس نصوص۔	۴۹۱	اولاد رضیع جس طرح مرضعہ کی پوتا پوتی، نواسا نواسی باجماع قطعی ہے یونہی باجماع ائمہ اربعہ وجملہ فقہا وہ شوہر مرضعہ کے بھی پوتے ہیں اور نواسے ہیں۔	۴۹۴
جو نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔	۴۹۱	دودھ کے رشتوں کا قاعدہ کلیہ یہ کہ اس سے چار قسم کی عورتیں حرام ہوتی ہیں۔	۴۹۴
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور پرنور کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔	۴۹۱	رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں نسبی بھانجی اور نسبی بھتیجی کی طرح حرام قطعی ہے۔	۴۹۶
رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔	۴۹۲	اخوت رشتہ متکررہ ہے کہ دونوں طرف سے یکساں قائم ہوتا ہے۔	۴۹۶
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔	۴۹۲	یہ محال ہے کہ زید تو عمرو کا بھائی ہو اور عمرو زید کا بھائی نہ ہو۔	۴۹۷
نکاحوں کے بارے میں دودھ اور نسب کی حرمت ایک سی ہے۔	۴۹۲	شرح وقایہ کے شعر "از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند، واز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع" پر بحث۔	۴۹۷
رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے۔	۴۹۳	شعر مذکور کا مطلب بیان کرنے میں صاحب عمدۃ الرعایہ کی شدید غلطی۔	۴۹۸

مصنف کی طرف سے شعر مذکور کی نفیس شرح۔	۴۹۹	ایک بہن کالڑکا دوسری کی دختر سے نکاح کرسکتا ہے۔	۵۰۶
اصل علت حرمت جزئیت ہے۔	۴۹۹	سالی کی دختر سے اپنے بیٹے کا نکاح کیا تو سالی سے اپنا نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۵۰۶
جزئیت نسب میں ظاہر اور رضاعت میں شرعاً معتبر نہیں۔	۴۹۹	زید کے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کے ہاتھ میں اپنا ذکر منتشر بے حجاب کسی کپڑے وغیرہ کے دیدیا کئی بار بوسہ لیا، دوبار دخول کی کوشش کی مگر دخول نہ کرسکا، ایک بار ہندہ کوشش کرکے نکل گئی ایک بار کسی کے آواز کے سبب علیحدہ ہوگیا، ہندہ کو شہوت کبھی نہ تھی، کیا حکم ہے۔	۵۰۶
زوجیت کا مرجع بھی جانب جزئیت ہے۔	۴۹۹	مرزائی کی نابالغہ دختر سے عقد جائز ہے یا نہیں۔ مرزائی مرگیا ہے، دختر اپنے مذہب سے بالکل ناواقف ہے۔	۵۰۷
دو شخصوں میں علاقہ جزئیت کی دو صورتیں ہیں۔	۴۹۹	مرزائی مرتد ہیں۔	۵۰۸
علاقہ جزئیت سے حرمت میں چار صورتیں ہیں۔	۵۰۰	مرتد مرد ہو یا عورت اس کا جہاں بھر میں کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔	۵۰۸
جانب شیر خوارہ سے دو علاقے ثابت وباعث حرمت ہیں، زوجیت وفرعیت۔	۵۰۰	عقل وتمیز کے بعد نابالغ کا ارتداد واسلام صحیح ہے۔	۵۰۸
شیر دہ کی جانب سے پانچ اور شیر خوارہ کی جانب سے دو صورتیں ہیں، اور ہر صورت میں "خویش شوند" کے معنی کی تفصیل۔	۵۰۰	مرتد لوگ بہت بچپن میں اپنی اولاد کو عقائد کفریہ سکھاتے ہیں۔	۵۰۸
فتوی خلاف کا پانچ وجوہ سے رد۔	۵۰۱	بد مذہبوں سے قرابت قریبہ رکھنا بارہا منجربہ فتنہ وفساد مذہب ہوتا ہے۔	۵۰۸
تقریظات وتائیدات علماء کرام،	۵۰۳	غیر مقلدوں سے نکاح اور تعلقات کا حکم۔	۵۰۸
لڑکے نے سنا کہ باپ نے اس کی بی بی سے زنا کیا اس پر غصہ میں بی بی کو مارا اور طلاق دے دی زوجہ نے مہر کی نالش کردی ڈگری ہوگئی، وکیل زوج کہتا ہے طلاق غصہ میں دی اس لئے نہیں ہوئی اور وکیل زوجہ کہتا ہے ہوگئی، کون سچا ہے۔	۵۰۵	غیر مقلدوں سے میل جول حرام اور ان سے مناکحت ناجائز ہے۔	۵۰۸
زید اپنی ممانی جمیلہ سے مذاق کرتا بشہوت اس کا کبھی بوسہ بھی لیا تھا اب زید کا باپ جمیلہ کی لڑکی صغری سے اپنا نکاح کرنا چاہتا ہے کیا حکم ہے۔	۵۰۶	وہابیت ارتداد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں۔	۵۰۹
ممانی اور بھاوج سے مذاق کا حکم۔	۵۰۵		

ایک بیوہ حاملہ کا کہنا ہے کہ یہ حمل اس کے داماد کا ہے اب منکوحہ داماد کا کیا حکم ہے۔	۵۰۹	جرمانہ لینا حرام ہے اور حرام شے مسجد میں صرف کرنا حرام ہے۔	۵۱۴
زوجہ زید کئی سال سے لاپتہ ہے اب اس کی حقیقی بہن سے زید نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۰۹	دیوبندیوں سے فتوٰی پوچھنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔	۵۱۴
حکم عدت مفقودہ۔	۵۱۰	دیوبندیوں کو مولانا یا نوراللہ مرقدہ کہنا حرام ہے۔	۵۱۴
فقہ میں ظن غالب سے ملحق ہے۔	۵۱۰	دیوبندیوں کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہوکر ان کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہے۔	۵۱۴
ایک بھائی کا پوتا دوسرے بھائی کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۱۰	قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود، پیغمبر ماننے والے کا حکم۔	۵۱۴
زید نے زینب کا دودھ ہندہ کے ساتھ پیا زینب کی تیسری لڑکی سے زید کے نکاح کا حکم۔	۵۱۰	ایسے کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ اس کی ہم مذہب عورت سے درست ہے یا نہیں۔ درست نہیں تو بے طلاق وعدت وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔	۵۱۴
دو حقیقی بہنوں میں سے ایک سے باپ اور دوسری سے بیٹے کا نکاح ہوسکتا ہے۔	۵۱۰	جزئیت کا قاعدہ کلیہ۔	۵۱۶
مسلمان مرد یا عورت کے بدھ جین ہندو دہریہ وغیرہ سے نکاح کا حکم۔	۵۱۰	بڑی بھاوج سے نکاح کا حکم اور جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ کون کون ہیں۔	۵۱۷
مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔	۵۱۱	حرمت کے اسباب متعدد ہیں جن میں سے بارہ کا اجمالی ذکر۔	۵۱۷
کتابیوں کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔	۵۱۱	جس عورت کا سوتے میں لڑکی نے ایک بار یا دو بار دودھ پی لیا اس کے بھائی سے لڑکی کے نکاح کا حکم۔ اور نکاح کے بعد معلوم ہوا تو کیا حکم ہے۔	۵۱۸
بہو کے ساتھ زنا سے طلاق نہیں ہوتی بیٹے پر حرام ہوجاتی ہے اور کس صورت میں ثبوت حرمت نہیں۔	۵۱۲	سوتیلے چچا سے نکاح کا حکم۔	۵۱۹
زنا ودواعی زنا نیت زنا میں فرق ہوگا یا نہیں۔	۵۱۳	بحالت نابالغی عورت کے سکھانے سے عورت کے ساتھ جس نے صحبت کی اب اس عورت کی لڑکی سے اس کے نکاح کا حکم۔	۵۱۹
تحری دلائل شرعیہ میں سے ہے۔	۵۱۳	حرمت مصاہرت کے لئے کم از کم مراہقت درکار ہے۔	۵۲۰
قول فاسق کے صدق پر اگر تحری ہو تو وہ معتبر ہے۔	۵۱۳		

باب الولی		باپ نابالغہ کے نکاح کی اجازت اپنے جوان بیٹے کو دے کر سات آٹھ کوس پر چلاگیا نکاح ورخصت ہوگئی باپ آیا چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی سات آٹھ برس برابر آتی جاتی رہی اب کہتا ہے کہ میں راضی نہیں اس صورت میں نکاح کا حکم اور یہ کہ باپ یا صغیرہ کو بعد بلوغ حق فسخ ہے یا نہیں۔	۵۲۴
نابالغہ یتیمہ کی کفیل صرف ماں ہے چچا چالیس سال سے بے تعلق ہے۔ ایسی حالت میں ماں اور چچا دونوں کی بے اجازت اور ان کی عدم موجودگی میں جو نکاح ہوا کیسا ہے۔	۵۲۱	باپ اور دادا کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجاتا ہے اگرچہ مہر میں غبن فاحش اور غیر کفو میں ہو۔	۵۲۴
جب دادا یا جوان بھائی نہ ہو تو چچا ولی ہے، چچا کے سامنے ماں کو اختیار نہیں۔	۵۲۱	لیلٰی نابالغہ کا باپ بکر اس کے نکاح کی عمرو کفو کے ساتھ کرنے کے کی اجازت اپنے جوان بیٹے خالد کو دے کر بیس کوس چلاگیا خالد نے زید کے ساتھ کہ وہ بھی برادری ہی کا ہے لیلٰی کا نکاح جلدی کرکے کردیا، باپ آیا خبر نکاح سن کر ناراض ہوا، دختر کو پھر سسرال نہ جانے دیا، اب سات برس سے لیلٰی بالغ ہے اس نے بالغہ ہوتے ہی اس نکاح سے انکار کردیا، کیا حکم ہے۔	۵۲۴
باپ سے جدا ہونا ولایت شرعیہ کو ساقط نہیں کرتا۔	۵۲۱	نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا۔	۵۲۶
گناہ مسقط ولایت نہیں۔	۵۲۱	ولی اقرب اگر غائب بغیبت منقطعہ ہو تو حق ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔	۵۲۷
فسخ مانع ولایت نہیں۔	۵۲۲	غیبت منقطعہ میں دو قول اصح ہیں ارجح اور اکثر مشائخ کا مختار للفتوی احسن واشبہ بالفقہ یہ کہ اگر ولی یا اس کی رائے کا انتظار کیا جائے تو کفو خاطب فوت ہوجائے گا۔	۵۲۷
نکاح فضولی اجازت ولی پر موقوف ہوتا ہے جائز کردے تو جائز ہوجاتا ہے، رد کردے باطل۔	۵۲۲	نابالغ ونابالغہ کا نکاح جوان کے اولیاء کریں کیسا ہے اور بعد بلوغ وہ اسے فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں۔	۵۲۸
باپ دادا کے سوا اور ولی اگر غیر سے نکاح کردے یا مہر میں کمی فاحش کردے تو نکاح صحیح نہیں۔	۵۲۲	باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہے یعنی اولاد کو فسخ کا اختیار نہیں ہوتا۔	۵۲۸
کفو ہونے میں کن امور کا اعتبار ہے۔	۵۲۳	ہندہ بالغہ بیوہ ایسے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے جس سے نکاح پر اس کے والدین راضی نہیں، اگر کرے گی تو نکاح ہوگا یا نہیں۔	۵۲۹
جو مہر معجّل اور نفقہ سے عاجز ہو وہ قابل جماع عورت کا کفو نہیں۔	۵۲۳	ماموں نے نابالغہ ہمشیرزادی کا نکاح اپنے لڑکے سے کیا، کوئی اور ولی نہیں، دختر بعد بلوغ جبکہ بلوغ کو کچھ زمانہ گزر جائے اور اسے نکاح کا پہلے سے علم ہو نکاح سے انکار کرے تو کیا حکم ہے۔	۵۳۰

عورت کو شوہر سے بگاڑنے والے پر وعید شدید۔	۵۳۱	جدی مردوں میں جو در باب وراثت مقدم ہو وہی ولی نکاح ہوتا ہے۔	۵۳۹
نابالغہ کا باپ گوالیار میں تھا، ماں مرچکی ہے۔ نانا بے مشورہ والد نابالغہ اس کا نکاح ایک رافضی سے چاہتا ہے، باپ کو اطلاع ہوئی تو وہ ناراض ہوا اور ممانعت کی ایسی صورت میں اگر نکاح ہو تو کیا حکم ہے۔	۵۳۲	ولی نکاح عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے مطابق ترتیب وراثت وحجب۔	۵۳۹
فاسق نہ صالحہ کا کفو ہے نہ فاسِقہ بنت صالح کا۔	۵۳۳	عصبہ بنفسہٖ نہ ہو تو ماں کو ولایت نکاح حاصل ہوتی ہے۔	۵۳۹
ہندہ بالغہ باکرہ کا نکاح اس کے ولی نے اپنی اجازت سے زید کے ساتھ کردیا، ہندہ کو اس کا علم تھا، ہندہ نے اپنی زبان سے اجازت نہ دی نہ انکار کیا، یہ نکاح کیسا ہوا۔	۵۳۳	ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد نکاح پڑھادے تو وہ اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۵۴۰
بالغہ سے پیش از نکاح اذن لینا مسنون ہے۔	۵۳۴	طوائف نے توبہ کرکے ایک مسلمان سے نکاح کرلیا نائکہ کہتی ہے کہ میں ولی ہوں بے میری اجازت نکاح جائز نہیں۔	۵۴۱
زن دوشیزہ کا سکوت بھی اذن ہے جبکہ ولی اقرب یا اس کا وکیل فرستادہ اس سے ایسے سے نکاح کا اذن لے جسے عورت پہچانتی ہو۔	۵۳۴	مردار، خون اور حر کی بیع باطل محض ہے کہ محل بیع ہی نہیں کیونکہ مال نہیں۔	۵۴۲
نکاح فضولی قولا یا فعلا رد کردینے سے رد ہوجاتا ہے اور اجازت قولی یا فعلی یا سکوتی سے جائز۔	۵۳۵	عقد باطل سے ملک تصرف حاصل نہیں ہوتی۔	۵۴۲
رد قولی، رد فعلی، اجازت قولی، فعلی، سکوتی کی تعریف اور مثالیں۔	۵۳۵	حرہ مکلفہ کا نکاح بغیر ولی کے نافذ ہوجاتا ہے۔	۵۴۲
بے اذن لئے نکاح کردینا خلاف سنت ہے گناہ نہیں۔	۵۳۸	نابالغہ کا باجازت والد نکاح ہوا بعد بلوغ نابالغہ ناپسند کرتی ہے، کیا حکم ہے۔	۵۴۲
نابالغہ کا نکاح بولایت مادر جبکہ چچا وغیرہ موجود ہوں کیسا ہے اور بعد بلوغ لڑکی ناراض بھی ہے۔	۵۳۸	وہ صورت جس میں باپ کا کیا ہوا نکاح نابالغہ بھی صحیح نہیں۔	۵۴۳
جدی مردوں میں سے اگر کوئی موجود ہو تو ماں کو ولایت نکاح نہیں ہوتی۔	۵۳۹	زید نے اپنی نابالغہ دختر کا عقد عمرو سے کردیا پھر عمرو فسق وفجور میں مبتلا ہوگیا، ہندہ بالغہ ہوکر اس تزویج کو ناجائز رکھتی ہے کیا حکم ہے۔	۵۴۴

اعتبار کفاءت وقت عقد ہے۔ بعد عقد اگر زائل بھی ہوجائے تو مفسد نہیں۔	۵۴۴	ماموں نے ماں کے مشورے سے بحالت عدم موجودگی والد اور چچااور برادر اور دادا نکاح کردیا لڑکی نے بعد بلوغ منظور نہ کیا تو وہ نکاح رہا یا نہیں۔	۵۵۲
استیذان از بالغہ نکاح کے لئے ضرور ہے۔	۵۴۵	عورت کے نامنظور کرنے سے فسخ نہ ہوگا۔ فسخ کے لئے ضروری ہے کہ قاضی کے یہاں دعوی کرے تو قاضی فسخ کرے۔	۵۵۲
نابالغہ کا باپ مفقود الخبر ہے، بھائی بالغ ہے نکاح اس بھائی اور ماں نے کیا، ہوا یا نہیں۔	۵۴۵	خالاؤں نے چچا کی غیبت میں اپنے لڑکوں سے نابالغہ لڑکیوں کا عقد کرلیا، کیا حکم ہے۔	۵۵۳
نابالغہ کا نکاح ماں نے باوجود انکار نابالغہ وحیات والد کردیا، ہوا یا نہیں۔	۵۴۵	درجات بعض اولیا کی تفصیل خالہ سگے چچا سے ولایت میں چھتیسویں درجہ میں ہے۔	۵۵۳
غیبت منقطعہ کے لئے مفقود الخبر ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر معلوم ہو کہ ولی فلاں جگہ ہے اس کے آنے یا اس کی رائے سے اطلاع پانے میں کفو حاضر فوت ہوگا۔ یہ بھی غیبت منقطعہ ہے۔	۵۴۶	ماں نے لڑکی کا نکاح باپ کی عدم موجودگی میں زید سے کردیا جس سے وہ راضی تو تھا مگر یہ کہتا تھا کہ جب تک نوکر نہ ہو نہ کرنا۔ کیا حکم ہے۔	۵۵۴
پرورش کرنے والے کی عدم موجودگی میں اسی کی بی بی نے ہندہ کا نکاح کردیا، وہ آیا تو راضی نہ ہوا۔ کیا حکم ہے۔	۵۴۷	نابالغ کے والدین غنی ہوں تو وہ بھی غنی مانا جائیگا۔	۵۵۶
جس کا کوئی ولی نسبًا نہ ہو اس کا ولی قاضی شرع ہے، نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جہاں قاضی شرع نہ ہو جیسے اکثر دیار ہندوستان وہاں اعلم علمائے اہل ہر بلد صاحب فتوی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۵۴۹	شوہر اگر خود محض نادار ہو تو وہ اپنے ماں باپ کے غنی سے کفو ٹھہرے گا اگرچہ بالغ ہو جبکہ اس کے مصارف کا اس کے ماں باپ تحمل کرتے ہوں۔	۵۵۶
ہمشیر اور نانی نانا ہوں تو ولایت نکاح کسے حاصل ہوگی۔	۵۵۰	اگر بالغہ بے اذن ولی کفو سے مہر مثل سے کم پر نکاح کرے تو ولی کو حق اعتراض ہے یا شوہر مہر مثل پورا کرے یا قاضی تفریق کردے۔	۵۵۷
نانی کے آگے نانا کو ولایت نکاح نہیں۔	۵۵۱	چچا بولایت خود ایسی حالت میں کہ لڑکی نانی کے پاس ہو اپنے پسر نابالغ سے اس کا نکاح کردے تو یہ نکاح درست ہوگا۔	۵۵۷
مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوی اسلام رکھتا ہو۔	۵۵۱	جو غائب بغیبت منقطعہ ہو وہ اس وقت تک ولی نہیں رہتا یہی صحیح ہے۔	۵۵۸

چچانے بھتیجی کا عقد ماں سے چھپا کر ایک بیمار سے کردیا تو کیا حکم ہے۔	۵۵۹	شبہہ دافع حد ہے۔	۵۶۲
زید نابالغ کا نکاح باجازت اس کی پھوپھی کے محمودہ بالغہ سے ہوا۔ زید نکاح کے چار ماہ بعد مرگیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں۔ مہر واجب الادا ہے یا نہیں۔ ہے تو کس قدر۔	۵۵۹	بچے پر حد نہیں۔	۵۶۲
لڑکا احتلام وانزال اور لڑکی احتلام وحیض وحمل سے بالغ ہوتی ہے۔	۵۶۰	ماموں نے نابالغہ کا نکاح بولایت خود کردیا اب بعد بلوغ لڑکی نامنظور کرتی ہے اور جس وقت بالغ ہوئی دو چار آدمیوں کو بلا کر اظہار کیا کہ میں اب بالغہ ہوئی اس نکاح کو فسخ کیا، دین مہر بھی معاف کرے دیتی ہے، شوہر صفائی نہیں کرتا اور فسخ کی خبر قاضی کو کرنا قاضی کو تفریق کرنا چاہئے اور اس سلطنت میں قضا یا نہیں الخ۔	۵۶۳
لڑکا کم از کم بارہ برس کی عمر میں بالغ ہوسکتا ہے اور لڑکی کم از کم نو برس کی عمر میں جبکہ دونوں زیادہ سے زیادہ پندرہ برس میں۔	۵۶۰	زوج کی عدم موجودگی میں قاضی تفریق نہیں کرسکتا بلکہ بوقت تفریق اس کی حاضری ضروری ہے۔	۵۶۳
مہر کا لزوم وطی، خلوت صحیحہ یا احدالزوجین کی موت سے ہوتا ہے۔	۵۶۱	ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں شرعی دارالقضا نہیں لہذا ان حکام کے فسخ کئے نکاح فسخ نہ ہوگا۔	۵۶۳
نکاح موقوف میں اجازت سے قبل موت واقع ہوجائے تو باطل ہوجاتا ہے۔	۵۶۱	مسلمان پنچ شوہر کی موجودگی میں تفریق کرسکتا ہے۔	۵۶۴
سکوت ولی اجازت نہیں اگرچہ جلسہ نکاح میں موجود ہو جبکہ کوئی ایسا فعل نہ کیا ہو جو اجازت پر دال ہو۔	۵۶۱	حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ تمام معاملات میں پنچ کا فیصلہ مثل فیصلہ قاضی ہے۔	۵۶۴
نابالغ کا بالغہ سے نکاح موقوف ہوا اور وہ اس بالغہ سے جبرا وطی کرے تو مہر مثل لازم ہوگا، اور اگر عورت کی رضا سے وطی کرے تو کچھ لازم نہ ہوگا۔	۵۶۲	ریاست اسلامی میں جو مسلمان قاضی ایسا ہو جو خاص اس شہر کے لئے نہ ہو نہ کسی مذہب خاص پر قضا کے لئے مقید ہو تو وہ بھی تفریق کرسکتا ہے اگر مدعی اور مدعا علیہ وہاں کے نہ ہوں۔	۵۶۴
نکاح موقوف قبل از اجازت وطی کو حلال نہیں کرتا بلکہ نظر کو بھی تاہم جبرا وطی کی تو مہر مثل لازم ورنہ کچھ نہیں۔	۵۶۲	زید وہندہ نابالغوں کا نکاح بولایت پدران ہوا زید نابینا ہوگیا، ہندہ کا باپ مرگیا، ہندہ کی ماں اور چچا رخصت سے انکار کرتے ہیں، کیا حکم ہے۔	۵۶۴

جب دادا پر دادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ ہو تو ولایت ماں کو ہے۔ ماں کے ہوتے ہوئے پھوپھی کوئی چیز نہیں۔ پھوپھی کا کیا ہوا نکاح اس صورت میں ماں کی اجازت پر موقوف تھا، ماں نے رد کردیا رد ہوگیا۔	۵۶۵	ہندہ نابالغہ جس کا کوئی ولی سوائے ماں کے نہیں اس کا نکاح باجازت نابالغہ برضامندی والدہ خالد نابالغ سے ہوا۔ قبول نابالغ سے کرایا گیا، پھر ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، پیش کار کی تنبیہ سے رخصت ہوئی، چار برس وہیں رہی، اب پھر ناراضی ظاہر کرتی ہے، اور دوسری جگہ نکاح چاہتی ہے ہمبستری نہیں ہوئی، کیا حکم ہے۔	۵۷۰
پدر محمودہ کو حامد کے ساتھ نکاح کرنا منظور نہ تھا، مادر محمودہ اور تمام خاندان نے بغیبت پدر محمودہ کہ بارہ تیرہ کوس پر تھا منعقد کیا، محمودہ بالغہ ہے قبل از وقت نکاح اس کی ایک ہم عمر کو اس کی مرضی معلوم کرنے کے لئے بھیجا، محمودہ نے کہا مجھے بدل منظور ہے وقت نکاح وکیل و گواہ اذن لینے محمودہ کے پاس جاکر واپس آئے، پھر معلوم ہوا کہ انھوں نے صرف مادر محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے۔ پھر گئے، محمودہ نماز میں مشغول تھی، بعد فراغ اس سے پوچھا وہ خاموش رہی، مادر محمودہ نے کہا ہاں منظور ہے، دوبارہ محمودہ سے کہا، وہ سرنگوں ہوگئی، پھر پوچھا تو وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر اور زیادہ جھکی، پھر پوچھا محمودہ کی وہی حالت سکوت و خاموشی رہی، وکیل و گواہ لوٹے اور نکاح ہوگیا، شب میں محمودہ کا والد آگیا اور شور وغل برپا کیا، صبح کو کہا کہ مادر محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقت استیذان محمودہ نماز پڑھ رہی تھی مادر محمودہ نے کہا کہ محمودہ نے کہا تھا کہ مجھ کو منظور ہے۔ والد محمودہ یہی کہتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز نکاح نہ ہوا۔ پھر باپ نے چاہا کہ علیحدگی ہوجائے۔ محمودہ نے ایک رقعہ اپنے والد کو لکھا کہ لفظ طلاق ہر گز درمیان میں نہ آنے پائے، ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں۔	۵۶۶	زید نے ہندہ باکرہ کا نکاح بغیبت والدہ ہندہ جو بارہ کوس پر تھا برضامندی مادر و نانی و بسکوت و گریہ ہندہ اپنے ساتھ ہونا ظاہر کیا اب کہتا ہے کہ ہندہ نے بصراحت خود قبول کیا وکیل و گواہان نے حسب بیان زید شہادت دی، ہندہ کہتی ہے کہ میں نے ہرگز منظور نہ کیا تھا، نہ اب ہے، کیا حکم ہے۔	۵۷۱
		استیذان اجنبی بلکہ ولی بعید پر سکوت اذن نہیں۔	۵۷۲
		محل خفاء میں تناقض مقبول و عفو ہے۔	۵۷۳
		اگر کوئی شخص کہے یہ میری رضیعہ ہے۔ پھر خطا کا اعتراف کرے تو سچا مانا جائے گا اور اسے اس کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ اپنے اقرار پر ثابت نہ رہے۔	۵۷۴

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

رد واجازت نکاح موقوف میں اختلاف زوجین ہو تو اگر شہادت عادل کافیہ سے زوج کا قول ثابت ہو تو وہ ورنہ قسم کے ساتھ عورت کا قول معتبر ہوگا۔	۵۷۴	غیبت کی تفاسیر سے کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے۔	۵۸۶
باپ کی ناراضگی صحت ونفاذ نکاح میں خلل انداز نہیں جبکہ عورت حرہ عاقلہ بالغہ ہو اور زوج کفو ہو۔	۵۷۸	سوال سوم۔	۵۹۰
باپ نے لڑکی کا چار سال کی عمر میں نکاح کردیا، بعد بلوغ لڑکی کو پسند وقبول نہیں۔ اس کا مفصل جواب۔	۵۷۸	ولی ابعد سے کون مراد ہے عصبہ یا مطلق وارث۔ گو ذوی الارحام سے ہو۔ اگر عصبہ مراد ہے تو مؤطائے امام محمد کی حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ انھوں نے اپنی بھتیجی بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نکاح عبداللہ بن زبیر سے کردیا، اس کا کیا جواب ہے۔ پھوپھی تو ذوی الارحام سے ہے۔	۵۹۰
نابالغ کا نکاح اگر باپ کردے تو مطلقًا لازم ہوجاتا ہے مگر دوصورتوں میں باپ کا کیا ہوا نکاح بھی جائز نہیں ہوتا۔	۵۷۹	سوال چہارم۔	۵۹۲
دارالاسلام میں وطی حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتی۔	۵۸۱	ولی ابعد نے اگر غیر برادری میں نکاح کردیا تو کیا حکم ہوگا۔	۵۹۲
چچا نے نابالغہ بھتیجی کا نکاح کردیا بلوغ پر لڑکی کہتی ہے کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ نہیں اور نہ کروں گی، نکاح یوں فسخ ہوگیا یا نہیں۔	۵۸۱	ولی اقرب کے غائب ہونے کی کل بہتر صورتیں اور ان کے حکم کا ضابطہ۔	۵۹۳
ماں نے نابالغہ کا نکاح حقیقی تایازاد بھائی کے ہوتے خود کردیا تو اس کا کیا حکم ہے۔	۵۸۳	فضولی نے جو عقد کیا اگر کوئی ایسا ہے جو اسے جائز کرسکے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا ورنہ باطل ہوگا۔	۵۹۳
○ رسالہ **تجویز الرد عن تزویج الابعد** (ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد کے نکاح کردینے کا شرعی حکم)	۵۸۵	بحالت غیبت منقطعہ ولی اقرب ولی وہ ہوگا جو مرتبہ میں اس کے بعد ہو بحالت غیبت غائب ولی نہیں وہ اگر پردیس میں نکاح کردے گا نہ ہوگا۔	۵۹۴
پانچ سوالوں کا جواب۔	۵۸۵	باپ دادا سفر میں تھے دوسرے ولی نے نکاح کردیا واپسی پر انھیں حق اعتراض ہونا چاہئے۔	۵۹۶
سوال اول۔	۵۸۵	سوال پنجم۔	۵۹۷
ولی ابعد بغیبت ولی اقرب اگر نکاح کردے تو ولی اقرب اسے فسخ کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۸۵	زید سو کوس سے زائد سفر پر گیا ہے زید نے اپنی والدہ کو لکھا کہ میری دختر کا نکاح بے میری اجازت کے نہ کرنا میں واپس آکر اپنے برادر زادے سے کروں گا مگر والدہ نے بے دریافت کئے زید اور اس کے پھوپھی زاد بھائی خالد کے جو موجود تھا نکاح کردیا زید بعد واپسی یا خالد نابالغہ کا نکاح فسخ کرسکتا ہے یا نہیں۔	۵۹۷
سوال دوم۔	۵۸۶		

ابن عمۃ الاب ذوی الارحام سے ہے اور دادی ان پر بالاتفاق مقدم۔	۵۹۷	زید نے اپنی دختر نابالغہ کی منگنی عمرو سے کردی زید مرگیا لڑکی تیرہ سال کی ہوئی مگر علامت بلوغ کوئی ظاہر نہ تھی زید کے باپ نے لڑکی کی عدم موجودگی میں بخیال بلوغ اس کا عقد بکر سے کردیا کوئی نشانی بلوغ کی ابھی ظاہر نہیں۔ کیا حکم ہے۔	۶۰۹
ماں دادی پر مقدم۔	۵۹۷	باپ نے نابالغہ کا نکاح اپنے ہم قوم سے کیا۔ شوہر نے رخصت چاہی تو انکار کیا، نالش ہوئی تو جواب دیا کہ داماد نامرد ہے ہیجڑوں میں گاتا بجاتا ہے اگر ڈاکٹر اسے مرد بتائیں تو عذر نہیں۔ ابھی فوجداری میں مقدمہ دائر تھا کہ لڑکی کے باپ نے دیوانی میں دعوی فسخ نکاح کردیا کہ وہ نامرد ہے ہیجڑوں کے افعال سے حالت شرمناک کرلی ہے میری برادری کا نہ رہا۔ اگر یہ الزام ثابت ہوں تو کیا نکاح فسخ کیا جاسکے گا۔	۶۱۰
ولی ابعد کو بحالت غیبت اقرب کب اختیار تزویج ہوتا ہے۔	۵۹۸	کفاءت کا اعتبار وقت عقد ہے اس وقت کفو تھا بعد میں فاسق معلن وفاجر ہوگیا تو نکاح فسخ نہیں کرسکتا۔	۶۱۰
احراز کفو شرع میں سخت مہم ومہتم بالشان ہے۔	۵۹۸	عنین سے تفریق کے لئے عورت بالغہ کا دعوی ضرور ہے قاضی اس کی طلب پر تفریق کرے گا۔ اگر صغیرہ ہوگی تو اس کے بلوغ کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے وہ بالغہ ہو کر عنین یا مجبوب سے راضی ہو۔	۶۱۱
نابالغ پر تشریع ولایت تزویج کی حکمت۔	۵۹۸	عورت نے شوہر کو عنین پایا تو قاضی شوہر کو ایک سال قمری کی مہلت (بغرض علاج) دے گا۔	۶۱۲
ابعد کے لئے حصول ولایت کی تین شرطیں۔	۶۰۰	قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجاتی ہے۔	۶۱۲
مذہب معتمد پر غیبت منقطعہ میں سفر درکنار شہر سے باہر ہونا بھی شرط نہیں۔	۶۰۲	ماموں نے بالغہ کا نکاح جس کے اور اولیاء موجود نہیں بے استیذان بالغہ کردیا، کیا حکم ہے۔	۶۱۲
ولی اقرب غائب بغیبت منقطعہ اس لئے ولی ابعد نے نکاح کیا تو وہ نافذ ہوگیا، اب اگر ولی اقرب واپس آئے تو اسے رد نہیں کرسکتا اگرچہ اس کے واپس آنے پر ولایت اس کی جانب عود کرآتی ہے۔	۶۰۶	سوتیلے باپ نے بے اذن بالغہ اور بے مشورہ والدہ بالغہ کا نکاح کردیا، کیسا ہے۔	۶۱۲
تنبیہ نفیس از مصنف۔	۶۰۷		

بالغہ کے بھائی کے ہوتے چچا نے بالغہ سے استیذان کیا اس کی خاموشی کو اذن قرار دے کر اس کا نکاح کردیا، زوجین میں خلوت صحیحہ بھی ہوئی، یہ نکاح کیسا ہوا۔	٦١٣	نابالغ نے نکاح کیا یا کچھ بیچا یا خریدا اجازت پر موقوف رہے گا اگر قبل اجازت ولی بالغ ہوگیا تو خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا۔	٦٢٢
حقیقی چچا نے بخیال نفع معاش براہ چالاکی بے علم ورضامندی مادر وعم علاتی ہندہ کا عقد اپنے بیٹے سے کرلیا۔ ہندہ بالغہ ہے اس کی عمر زائد از چودہ سال ہے۔ اس نے خبر نکاح سن کر نامنظور کیا، کیا حکم ہے۔	٦١٤	ایک شخص نے کسی کو سفر سے لکھا کہ میری نابالغہ لڑکی کی منگنی فلاں نابالغ لڑکے سے کرنا، اس نے بعد منگنی خود ولی بن کر نکاح کردیا والد خبر سن کر خوش ہوا انکار نہ کیا، کیا حکم ہے۔	٦٢٣
ہنگام نکاح خوانی مہر پر حجت ہوئی، زید مجلس سے اٹھ گیا، عمرو نے بحالت غصہ موذن سے کہا تم میری لڑکی کا نکاح بکر سے کردو بکر مجلس نکاح میں موجود تھا موذن نے صرف تین کلمے پڑھا کر ایجاب وقبول کرادیا کوئی وکیل وگواہ نہیں ہوا نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی یہ کہا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا لڑکی بالغ ہے اس سے اجازت نہ لی گئی۔ کیا حکم ہے۔	٦١٨	ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔	٦٢٤
لڑکی کا علاتی بھائی ماں اور ماموں کے مقابل ولی جائز ہے یا نہیں بے اجازت برادر علاتی ماں اور ماموں بالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کردیں، تو کیا حکم ہے۔	٦١٩	ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا، عمرو بکر خالد نے اس پر اسے اور اس کی ماں کو برادری سے نکال دیا ایذا دی، کیا حکم ہے۔	٦٢٤
باپ دختر کی منگنی کرکے فوت ہوگیا بغیبت والدہ دختر چند اشخاص نے بجبر اس دختر بالغہ کو ایک گھر میں کردیا، ماں نے دعوی دائر کیا جب دعوی ہوا کہ متوفی کے بھائی نے جو دوسرے باپ سے ہے بے اجازت دختر و والدہ دختر نکاح کردیا کیا حکم ہے۔	٦٢٠	ناحق ایذاء مسلم حرام کہ بحکم حدیث وہ ایذا رسول ہے اور ایذا رسول ایذاء اللہ ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	٦٢٥
ہندہ ماں نے رضیہ کا بحالت نابالغی حامد سے عقد کردیا رخصت نہ کی تھی چار سال بعد اب رضیہ بالغہ ہوئی اس عرصہ میں خالد نے دوسری عورت کو رکھ لیا خالد کی وضع واطوار چال چلن رضیہ اور ہندہ کو ناگوار ہیں کمال نفرت ہے خالد سے تعلق نہیں چاہتی انکار کرتی ہے اور خلع چاہتی ہے رضیہ کیا کرے جو خالد سے قطع تعلق ہو۔ اور یہ عقد عقد فضولی قرار پائے گا یا نہیں۔	٦٢١	لڑکی دس سال کی ہے ماں نانی چچا میں کسی کو اس کے نکاح کا اختیار ہے ایک بھائی بھی دوازدہ سالہ ہے۔	٦٢٥

خالد نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح رحیم بخش بالغ سے کردیا اب بوجہ فساد دختر بالغہ چاہتی ہے کہ نکاح فسخ ہوجائے، کیا شرعا یہ ممکن ہے۔	۶۲۵	عورتوں کو مقدور بھر وہاں رکھو جہاں خود رہو۔	۶۲۹
ہندہ بکر بالغہ ہے اس سے قبل نکاح زید برادر علاتی یا کسی نے صراحۃ استمزاج نہیں لیا اور نہ بعد نکاح صراحۃ اسے خبر دی گو اسے خارجی طریقہ سے سب باتیں معلوم تھیں اور تمام رسمیں اس نے کیں کسی وقت اظہار نارضامندی نہ ہوا اور نہ اب تک ظاہر کرتی ہے بلکہ خوش معلوم ہوتی ہے، کیا حکم ہے۔	۶۲۶	عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی کرو۔	۶۲۹
ولی نے بالغہ کا نکاح کردیا اور باکرہ کو ولی کے قاصد یا کسی اور عادل نے نکاح کی خبر دی وہ سن کر خاموش رہی تو یہ سکوت اذن ہے۔	۶۲۷	عورت کو معلقہ کرنا بحکم قرآن ممنوع ہے۔	۶۲۹
بکر نے اپنے لڑکے خالد کی نسبت سعیدہ دختر زید سے چاہی، زید کو منظور نہ ہوئی، بکر نے ہندہ زوجہ زید کو برہم کردیا، ہندہ نے اس قدر فساد مچایا کہ زید نے بمجبوری بخوف حکام ضلع بخیال اس کے کہ رفع جملہ فساد ہوجائے گا منظور کرلیا اور سعیدہ سے بے اذن لئے اس کا نکاح حامد سے کردیا، خالد وسعیدہ سے آج تک ملاقات نہ ہوئی، بعد نکاح خالد لندن چلا گیا، وہاں فسق وفجور میں مبتلا ہوا۔ وہ کسی قسم کی خبر گیری سعیدہ کی نہیں کرتا۔ نہ وہاں سے آتا ہے، نہ اس کا باپ بکر اس کے خرچہ کی کفالت کرتا ہے۔ ایسی صورت میں سعیدہ مجاز ہے یا نہیں کہ اپنے باپ کے کئے نکاح کو جو بخوشی نہیں بلکہ بمجبوری وبخوف حکام وبامید رفع خرخشہ کیا تھا اور رفع خرخشہ ہوا بھی نہیں توڑ دے خالد کا کب تک انتظار کیا جائے گا۔	۶۲۷	بحکم حدیث اسلام ضرر وضرار سے پاک ہے۔	۶۲۹
ولی اگر بحالت جبر واکراہ نکاح کردے ہوجائیگا۔	۶۲۸	ہندہ نابالغہ کا باپ مرگیا، ماں نے اس کی سوتیلی بہن کو جس نے اسے بچپن سے اولاد کی طرح پالا تھا اس کے نکاح کی اجازت دے دی، سوتیلی بہن نے نکاح کردیا، وقت نکاح ہندہ کے چچا اور بھائی موجود نہ تھے مگر انھیں علم تھا، کیا حکم ہے۔	۶۲۹
عورتوں سے بحکم قرآن نیک برتاؤ کرنا لازم۔	۶۲۹	لڑکی کے باپ نے لڑکے کو دہلی سے بھوپال برائے عقد بلایا، برات پہنچی، تاریخ عقد مقرر ہوئی، لڑکی ماموں کے یہاں تھی، باپ لینے گیا، عین وقت پر ماموں نے بھیجنے سے انکار کردیا، باپ شرم سے زہر کھا کر مرگیا، اس کی تحریر اجازت موجود ہے۔ لڑکی نابالغہ ہے۔ اسی کا چچا عقد پر رضامند ہے۔ کیا چچا کی محض اجازت سے بے اطلاع دختر نکاح ہوسکتا ہے۔	۶۳۰

بیوہ نے جس سے نکاح کیا اس کے دو لڑکے زوجہ اولٰی سے ہیں، ایک دختر اس سے ہوئی، شوہر ثانی کے انتقال کے بعد بیوہ نے تیسرا خاوند کیا اور شوہر سوم نے اس دختر نابالغہ کا نکاح ایک نابالغ سے کردیا، ابتداءً قرارداد نسبت میں شوہر دوم کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ تھا مگر وقت نکاح یہ دونوں نہ تھے، اب یہ دونوں اس نکاح سے رضامند ہیں۔ کیا حکم ہے۔	۶۳۳	فسخ بوجہ کفاءۃ قاضی ہی کے یہاں ہوسکتا ہے۔	۶۳۶
زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے فریب دیا کہ خالد اس کا ہم قوم ہے زید نے خالد سے عقد کردیا رخصت ہوئی تو معلوم ہوا کہ خالد ولدالحرام ذلیل قوم ہے صغیرہ اسے اپنا شوہر نہیں جانتی نہ اس کے پاس آئی گئی معاہدہ نکاح جو مرتب ہوا تھا بوقت بلوغ اس نے فسخ کردیا کیا حکم ہے۔	۶۳۴	لڑکیاں بعد موت والدہ اپنے نانا کے زیر پرورش رہ کر بالغہ ہوئیں والد اپنے وطن میں ہے لڑکیوں کی کسی قسم کی امداد نہیں کرتا۔ نانا شادیوں کا انتظام کرتا ہے تو والد مانع ہوتا ہے اور خود بوجہ صرف نہیں کرتا، کیا نانا ولی ہو کر نکاح کرسکتا ہے۔	۶۳۶
کسی کو صالح جان کر کہ یہ نشہ کی چیز نہیں استعمال کرتا اس سے اپنی بیٹی کا عقد کردیا پھر معلوم ہوا کہ وہ عادی ہے لڑکی نے بعد بلوغ کہہ دیا کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں، کیا حکم ہے۔	۶۳۴	نابالغہ کا باپ فوت ہوگیا اس کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں، نابالغہ کی ماں جس نے عقد ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہر ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں۔	۶۳۷
اپنی بیٹی کسی کے نکاح میں اسے حراصلی جان کر دی اور وہ تھا آزاد شدہ۔ تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہوگا۔	۶۳۵	زید کے ہندہ سے ایک دختر ہوئی پھر زید نے ہندہ کو طلاق دے دی دختر ہندہ کے پاس رہی ہندہ نے بکر سے نکاح کرلیا جب دختر تقریباً ۹ سال کی ہوئی تو بکر و ہندہ نے اس کا نکاح کردیا جس سے نکاح کیا وہ اسلام سے بالکل ناواقف ہے نہ روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے اب دختر پندرہ سال کی ہے نماز روزے کی پابند پڑھی لکھی ہے وہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازت نکاح نہیں دی، کیا حکم ہے۔	۶۳۷
عدم کفاءۃ بوجہ فسق وغیر فسق میں کوئی فرق نہیں۔	۶۳۵	لڑکی ۱۳۔ ۱۴ سالہ ہے اس کا باپ نہ تو کھانا کپڑا دیتا ہے نہ لے جاتا ہے بہت کچھ اسے کئی دفعہ سمجھایا مگر کوئی خیال نہ کیا۔ ماموں نے کہا یا تو تم لڑکی کی شادی کرو نہیں کرتے تو لادعوی ہوجاؤ جواب نہ دیا ماموں نے جب چاہا کہ شادی کردی جائے تو اس شخص نے اپنے خسر کو نوٹس دیا کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم دعوی کریں گے۔ کیا حکم ہے۔	۶۳۸
فرقت عورت کی طرف سے ہو تو فسخ، مرد کی طرف سے ہو تو طلاق ہے اور قضاءً سب کے لئے شرط ہے۔	۶۳۵		

ہندہ بیوہ کا عمرو سے ناجائز تعلقات ہوا ہندہ کے چچا بکر نے یہ خبر پاکر بزور اپنے لڑکے زید سے بے رضامندی ہندہ ہندہ کا نکاح کردیا، وکیل نے ہندہ سے اجازت چاہی، بخوف جان ہندہ نے اذن دیا، دو چارماہ بعد موقع پاکر عمرو کے یہاں بھاگ آئی، ہندہ نے حلفاً بیان کیاکہ مجھے ہرگز ہرگز منظور نہ تھا بکر وغیرہ کے جبر سے جو دھمکی ہلاکت کی تھی اقبال کیا پھر مجھے اور زید کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا خلوت صحیحہ بھی بجبر ہوئی، کیا ایسا نکاح جائز ہے۔ طلاق کی حاجت ہوگی یا نہیں۔	٦۴١	بعد وفات کے پدر ماں نے نابالغہ کا کہیں ناتا کردیا لڑکی کو کسی قدر زیور اور کپڑا چڑھایا گیا، ناتے والے اپنے زعم میں اسے نکاح سمجھتے ہیں دو تین سال بعد منگنی والوں نے شادی کا تقاضا کیا، ماں نے انکار کردیا، انھوں نے ناتا توڑ دیا اور چڑھاوا واپس لے لیا، لڑکی کی ماں کے مرنے کے بعد کہتے ہیں ہم نے ناتا نہیں توڑا۔ کیا بحکم "ولهما الخيار في غير الاب والجد" لڑکی کو فسخ ہے۔	٦۴٧
ولی جو مہر باندھے نابالغ بعد بلوغ اس مہر سے راضی نہ ہو انکار کرے تو کیا حکم ہوگا۔	٦۴٢	جہاں قاضی نہ ہو کیا وہاں اعلم علمائے اہل بلد سے فسخ کرالیا جائے۔	٦۴٧
زید مرگیا اس کا ایک بھائی جو مدت دراز سے علیحدہ ہے کسی قسم کا کوئی تعلق مرحوم سے نہیں رکھتا تھا زید کی لڑکی جو قریب بلوغ ہے اس کی شادی ہونے والی ہے لڑکی کی سوتیلی ماں جس نے اس کی پرورش کی ہے شادی کے متعلق مدد چاہی اس نے کہاکہ میں اس شادی میں شریک نہ ہوں گا، نہ مجھے کوئی واسطہ، جہاں چاہیں کریں، لڑکی کے دو سوتیلے بھائی جن کی عمر سولہ سال ہے موجود ہیں، کیا حکم ہے۔	٦۴۴	لڑکی چودہ سال کی ہے، باپ نے اس کی ماں کو خط لکھاکہ جس طرح چاہو کرو تمھیں اختیار ہے کیا باپ کی عدم موجودگی میں ماں نکاح کرسکتی ہے۔	٦۴٧
ماں باپ مرگئے نانی نے پرورش کیا آٹھ نو سال کی عمر میں نانی نے لڑکی کا نکاح نواسے کے ساتھ کردیا، دختر کے حقیقی بھائی موقع پر موجود نہ تھے ہندہ کو جب پہلی بار حیض ہوا وہ مع اپنی نانی کے اپنے محلّہ کے ایک گھر میں آئی اور دو مرد تین عورتوں کے سامنے کہا جس کے ساتھ میری نانی نے میری شادی کی تھی میں اس سے رضامند نہیں ہوں اس کے ساتھ اپنی عمر بسر نہیں کرسکتی، یہ نکاح رہا یا نہیں۔ ہندہ نے دوسرا عقد کرلیا، کیا حکم ہے۔	٦۴۵	زید نے اپنی پہلی بی بی کے بچوں کو عاق کردیا، تیسری بی بی سے دختر ہے، اس کی بکر سے نسبت کرکے فوت ہوگیا، لڑکی دس سال کی تھی ماں نے بولایت خود بکر سے شادی کردی، پہلی بی بی کا عاق لڑکا کہتا ہے میں ولی ہوں، دوسری جگہ شادی کرنا چاہتا ہے، کیا حکم ہے۔	٦۴٨

عاق کرنا شرعاً کوئی چیز نہیں، نہ اس سے ولایت زائل ہو۔	٦٤٩	نانا نے اپنی نواسی ہندہ نابالغہ دختر زید کا عقد اپنے خاندانی لڑکے بکر سے بے اطلاع زید کیا جائز ہوا یا نہیں اس عقد کو کون اور کتنے عرصے تک فسخ کرسکتا ہے۔	٦٥١
بیوہ نے اپنی نابالغہ لڑکی کا خود عقد اپنے بھانجے سے کردیا، لڑکی کا بیان ہے کہ میرے سامنے عقد سے پہلے چند بار میری ہمشیرہ نے عزیز الحسن سے میرے نکاح ہونے کا ذکر کیا، میں نے قطعی انکار کیا، ، میرے انکار کی خبر عزیز الحسن اور میری ماں بہنوں وغیرہ سب کو ہوئی، اب بوقت نکاح جب مجھ سے اذن لیا گیا میں بوجہ شرم بآواز بلند مجمع میں انکار نہ کرسکی، مگر انکاری سر ہلایا اور اُوں ہونھ کہا جو انکار تھا میری بہنوں ماں اور خالہ نے غل شور مچادیا کہ ہوگیا ہوگیا، میں نہ رضامند تھی نہ اب ہوں۔ کیا حکم ہے۔	٦٤٩	ہندہ اگر بالغہ ہو تو جبکہ وہ اپنے شوہر کے گھر رہی اور اس کے ہمراہ اپنے والد کے گھر آئی اور بکر چندے مقیم رہا اس صورت میں یہ عقد درست ہوا یا نہیں (۳) ہندہ درصورتیکہ نابالغہ ہو جبکہ زید کے ملنے والوں نے اس سے پوچھا کہ تم یہاں رہے اور تمھاری بے اجازت وہاں نکاح ہوگیا، یہ کیونکر ہوا، تو زید نے کہا کہ ہم اجازت دے آئے تھے کہ آپ عقد کردیں اور ہمیں صرف اطلاع کردیں، اس صورت میں اجازت صحیح ہوئی یا نہیں (۴) بکر زید کے یہاں تنہا آیا اور قیام کیا زید اسے اکثر مجالس اور بازار میں ہمراہ لے گیا، دریافت پر کہا کہ میرا داماد ہے۔ جب بکر ملازمت پر چلا گیا تو خط و کتابت بھی رہی پھر جب وہ مفقود الخبر ہوگیا تو زید نے کہا ہمیں بکر کے ساتھ عقد منظور نہ تھا ہوگیا تھا تو جبراً قہراً منظور کیا، اب سب واقعات سے عقد صحیح ہوگیا یا نہیں۔ زید نمبر ۳ کے مضمون سے منکر ہو اور نمبر ۴ کا انکار نہ کرتا ہو نمبر ۱ کو تسلیم کرتا ہو پھر بھی چار پانچ سال کے بعد نکاح فسخ کرکے ہندہ کا دوسرا عقد کردیا، کیا حکم ہے زید کے ساتھ ربط ضبط میل جول رکھنا گناہ ہے یا نہیں۔ اگر ہندہ رخصت ہو کر بکر کے یہاں نہ گئی ہو نہ اس کے ساتھ بکر زید کے یہاں آیا ہو لیکن بکر خود زید کے مکان پر آیا قیام کیا ہو زید نے اپنے ملنے والوں سے کہا ہو کہ یہ میرا داماد ہے سب کو دکھلایا ہو تو کیا حکم ہے۔	٦٥١
حقیقی چچا نے بولایت خود ہندہ کو نابالغہ جانتے ہوئے بعدم موجودگی ہندہ ومادر ہندہ زید نابالغ سے نکاح کردیا، پانچ سال بعد زید بالغ ہو کر رخصت کرانا چاہتا ہے، مادر ہندہ کا دعوی ہے کہ وقت نکاح ہندہ بالغہ تھی اس لئے رخصت نہیں کرتی، مادر ہندہ کے بیان کی تصدیق کرلی گئی۔ کیا حکم ہے۔	٦٥٠		

زید نے نابالغہ کا عقد نابالغ سے کردیا نابالغ کے باپ نے یہ شرط کرلی تھی کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کروں گا ورنہ نہیں، زید نے اقرار کیا کہ وہ بالغہ ہوگئی۔ والدین کے نکاح کے فسخ کا مجھے حق ہے۔ کیا حکم ہے۔	۶۵۳	مطلقہ بطور خود بلا رضائے ولی اگر کفو سے بغیر حلالہ نکاح وہمبستری کرے حلالہ نہ ہوگا کہ یہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔	۶۵۹
زید شدت مرض میں تھا اس کے بھائی نے اس کی نابالغہ دختر کے عقد کی اپنے لڑکے کے ساتھ اجازت لے لی، زید تین دن بعد مرگیا، لڑکا کفو نہیں کہ ذلیل عورت سے ہے۔ نکاح ہوا یا نہیں۔	۶۵۴	یونہی اگر ولی نے بھی اجازت دے دی ہو مگر ولی کو پیش از نکاح اس کا غیر کفو ہونا معلوم نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا۔	۶۵۹
زید متقی صوفی عالم خوش حال متورع عالم کا بیٹا زاہد عزلت گزین درویش کا پوتاہے، زینب دختر زید بہت نیک اور سیدھی اور ممنوعات سے بہت محترز ہے زید نے اس کی شادی نہ کی تھی کسی عالم متقی کی تلاش میں تھا عمرو جو کسی طرح زید وزینب کا کفو نہیں آیا، اور اس نے اسے دھوکا دیا کہ میں عالم ہوں اتنا اتنا مالدار ہوں، ایسا ہوں، ویسا ہوں۔ اور زینب سے نکاح کرلیا، بعد علم حقیقت حال زید وزینب اس سے سخت متنفر ہیں۔ نہ زینب جانا چاہتی ہے نہ زید بھیجنا چاہتاہے، عمرو مالا ودیانتا زینب کا ہرگز کفو نہیں، اور درمختار میں ہے: یفتی فی غیر الکفوء بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوٰی" صورت مستفسرہ میں خلوت ہوئی ہو یانہ ہوئی ہو عبارت مذکورہ کے بموجب بطلان نکاح کا حکم ہوسکتاہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو زینب اور اس کے اولیاء کو حق فسخ حاصل ہے یا نہیں۔	۶۵۵	غیر کفو کے ساتھ نکاح کی ولی سے اجازت طلب کی وہ ساکت رہا، عورت نے کرلیا، نکاح نہ ہوا۔ اگرچہ بعد کو ولی بصراحت اجازت دے دے۔	۶۶۰
فاسق اگرچہ غیر معلن ہو صالحہ یا بنت صلحاء کا کفو نہیں ہوسکتا۔	۶۵۸	لڑکے لڑکی کا بحالت نابالغی نکاح ہوا تھا اب لڑکا یا اس کے وارث لڑکی کی خبر کسی قسم کی نہیں رکھتے۔ لڑکی تین طرح کے علم سے واقف ہے اور لڑکا نرا جاہل، لڑکی اب کہتی ہے ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، کیا ارشاد ہے۔	۶۶۰
فقیر محتاج جو ذی حرفہ نہ ہو وہ فقیرہ کا کفو بھی نہیں۔	۶۵۸		

ہندہ نابالغہ کا باپ زید ہزار میل پر تھاماں اور چچا بکر نے ہندہ کے باپ کی تحریری اجازت حاصل کرکے مفتی شہر کو بتاکر خود نکاح خالد سے کردیا، جب زید مکان میں آیا تو خالد نے اس کی دعوت کی زید نے جلسہ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر کی، مہینوں رسوم دامادی وخسروی خالد کے ساتھ رکھے، اب زید خط سے انکار کرتاہے، کیا حکم ہے۔	۶۶۱	مقدمہ ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہوگئی اور چند روز میں مرگئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یانہیں۔	۶۶۴
زید نے بھتیجی کا نکاح نابالغی میں کردیا جس وقت وہ بالغ ہوئی اسی وقت نکاح اور شوہر کے گھر جانے سے انکار کیا، نکاح باقی رہا یا نہیں۔ دوسری جگہ ہوسکتاہے یانہیں۔ مہر لازم ہوا یانہیں۔	۶۶۲	ایک شخص فوت ہوا، بی بی اور دو نابالغ لڑکیاں اور باپ کو چھوڑا، دختران کا ولی کون ہوگا۔	۶۶۶
بیوہ کے ایک دختر شوہر اول سے تھی شوہر ثانی نے بصد سختی وتشدد بہزار زجر وتوبیخ بیوہ سے اپنے لڑکے کے ساتھ اس کی چھ سالہ دختر کے عقد کا اذن لے کر جبریہ نکاح کردیا لڑکی کا چچازاد چچا اور چچازاد بھائی وقت عقد موجود نہ تھے انھیں اطلاع نہ ہوئی لڑکی بعد بلوغ جب اظہار ہوا فوراً پکار اٹھی کہ مجھے اس شوہر کے یہاں جانا منظور نہیں ہرگز نہیں جاؤں گی، منٹ بھر بھی پورا نہ ہونے دیا کیا حکم ہے۔	۶۶۲	سوتیلی خالہ سے ایک شخص نے نکاح کیا وہ لڑکی دوسال سے اس کے والدین نے روبرو گواہوں کے دوسرے لڑکے کو دی ہے مگر رخصت کے وقت جو نکاح ثانی ہوتاہے وہ باقی تھا کیا حکم ہے۔	۶۶۷
درمختار میں ہے "وللولی الاعتراض فی غیر الکفو مالم تلد لئلا یضیع الولد" طحطاوی، ابوحاتم وبنایہ وحاشیہ شلبی وہندیہ میں بعد ولایت بھی بربنائے ظاہر الروایہ ولی کو اعتراض کا حق بتایا اور امام حسن کی روایت مفتی بہاپر ابتداء ہی سے بطلان نکاح کا حکم ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ولادت حق اولیاء کی مسقط نہیں۔ کیا ثبوت تفریق کا دعوی صحیح ہوگا "وان ولدت"۔	۶۶۳	کنواری لڑکی بے رضائے والدین غیر شخص کو اپنے نکاح کا ولی بناسکتی ہے یانہیں۔	۶۶۷
بعض مولوی کہتے ہیں علویات کا نکاح مع تراضی اولیاء بے تراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے بنایہ کی اس عبارت سے مستند ہیں "وفی البسیط ذھب الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیرھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان" ان "قولان باطلان" سے کون سے دو قول مراد ہیں۔	۶۶۴	قاضی جسے علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین زندہ ہیں وہ والدین کے بے پوچھے کسی غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتاہے یانہیں۔ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے لئے کیا حکم ہے۔	۶۶۷

لڑکی بوجہ شرم وحجاب ساکت رہے تو عزیز وقریب عورتیں جو اس کے گرد ہوں وہ کہہ دیں ہاں لڑکی کو منظور ہے۔ تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اس کا اقرار سکوتی قائم مقام ایجاب وقبول ہوگا یا نہیں۔	٦٦٧	بالغہ شیعہ لڑکی نے بے اجازت والدین سنی سے نکاح کر دیا، اس کے والدین نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں کہتے ہیں کہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے ہمیں اختیار فسخ حاصل ہے۔ نیز نکاح کفو سے نہیں ہوا اس لئے بھی۔ وکیل نکاح کا تو مقر ہے مگر کہتا ہے کہ لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سنی گواہ آواز سننا بھی بیان کرتے ہیں لڑکی نے گواہان کے سامنے نکاح سے پہلے اقرار کیا میں سنت جماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، کیا حکم ہے۔	٦٧١
لڑکی بالغہ یتیم ہے ماں نے اس کا نکاح کیا چچا تائے اس کے نکاح میں موجود نہ تھے، کیا حکم ہے۔	٦٦٨	سنیہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کا باپ رافضی سے کرنا چاہتا ہے، منع کرنے پر کہتا ہے جائز ہے، کیا لڑکی اس صورت میں نانا کو مل سکتی ہے کہ وہ سنی سے نکاح کردے۔	٦٧٢
"یتیمۃ بلغت من عمرھا خمسۃ عشر سنین زوجتھا امھا برضاھا لکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاؤھا وما استشیروا فی ھذا الباب ھل جاز النکاح"۔	٦٦٩	ماں نے حقیقی چچا کی عدم موجودگی میں نابالغہ کا چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کردیا، چچا ناراض ہے صرف عقد ہوا ہے اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں۔	٦٧٣
بالغہ کے ماں بھائیوں نے میراثی سے کہا فلاں قبیلہ میں رشتہ کراؤ کسی دوسری جگہ نہ کرنا، میراثی رشوت لے کر دوسری جگہ کر آیا۔ معلوم ہونے پر انکار کر بھیجا اور بھائی خود بھی جاکر منع کرآئے، مگر وہ لوگ نہ مانے، میراثی نے اپنی طرف سے دن مقرر کرکے برات منگائی، اس میں رؤسا بھی تھے، لڑکی کی ماں اور بھائی برابر انکار کرتے رہے۔ رؤسا نے گرد ونواح کے اور رؤسا جمع کرکے زور ڈالا، بھائیوں کو ایک مقدمہ میں جعلسازی میں پھانس دیا وہ عاجز آکر بولے ٹھہرادو، جب بالغہ سے اذن لینے گئے اس نے انکار کردیا، لڑکی کو جبراً خاموش کردیا اور بھلی میں بٹھالے گئے، اس وقت بھی لڑکی نے کہا میرا نکاح ہی نہیں ہے۔ اب تک انکار پر مصر ہے، کیا حکم ہے۔	٦٧٠	بالغہ ہندہ بنت زید نے بے اجازت زید کفو سے نکاح کرلیا، زید نے ناخوش ہوکر بکر کے مکان سے ہندہ کو حیلہ کرکے لے آیا ایک سال بعد عمرو سے ہندہ کا نکاح کردیا، دوسرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ عمرو سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے، زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں۔	٦٧٤

بالغہ ایسے شخص سے جو اس کی ذات کا خوش حال پڑھا لکھا جوان تھا پر راضی تھی زید بالغہ کا باپ اس سے راضی نہ تھا بالغہ جس سے راضی نہ تھی زبردستی اس کا نکاح کرا دیا اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس کے یہاں پہنچا آئے یہ نکاح درست ہوا نہیں، زید کے پیچھے نماز کا حکم ہے۔	٦٧٥	باپ نے اپنی بارہ برس کی لڑکی کے عقد کا ایک نابالغ سے وعدہ کیا اور برادری کے لوگوں کے سامنے مٹھائی اور کپڑا لڑکی کے واسطے لڑکے سے لے لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ نکاح کردوں گا پھر بیمار ہو کر مکان چلا گیا، بیٹی بی بی کو چھوڑ گیا جس کا بار لڑکا اٹھاتا رہا، چھ مہینے ہوگئے خط بھیجے جواب نہ آیا، جانے زندہ ہے یا مرگیا، ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا تم نکاح نہیں کرتیں تو میں نے جواب تک صرف کیا وہ دے دو، اس پر راضی ہوئی، لڑکی اپنا بھلا برا جانتی ہے وہ بھی راضی ہے، کیا حکم ہے۔	٦٧٨
بالغہ کا نکاح والدین نے ایک شخص کے ساتھ کیا ماموں اذن لینے گیا لڑکی خاموش رہی، دوبارہ اصرار کرنے پر جواب نہ دیا، ماموں نے طمانچہ مارا لڑکی رونے لگی ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوا دیا کیا حکم ہے لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے۔	٦٧٦	رفیق بیگم کا نکاح بعد موتِ والد چچا نے اپنے پسر سے کردیا، نابالغہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کردیا کہ اس نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کردیا، ذریعہ نوٹس شوہر نابالغ اور اس کے باپ کو اطلاع کردی نوٹس واپس آیا رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش دائر کردی، ہنوز فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہوگئی ایسی صورت میں وہ نکاح برقرار متصور ہوگا اور شوہر کو ترکہ پہنچے گا یا نہیں۔	٦٧٩
بالغہ نے بے اجازت ولی اپنا عقد کفو سے کرلیا جائز ہوا یا نہیں ولی فسخ کرکے بے طلاق یا خلع کسی مالدار سے جبراً کردے تو وبال کس پر ہوگا اور یہ فعل کیسا ہوگا۔	٦٧٧	شخصے بمیانِ حیات پدر خود بلا رضامندی روے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازو بجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد، وبعد چند مدت راضی شد بازو معاوضہ را در نکاح پسر خود گرفت باز انکار کرد، آیا از انکار اول نکاح باطل شد یا نہ۔	٦٨٠
کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے۔	٦٧٧	نابالغہ جس کے باپ دادا کی شاخ میں کوئی نہ تھا صرف اس کی ایک بڑھیا ماں ہے، برادری والے بلا رضامندی بڑھیا کی لڑکی کی شادی کرنے لگے، نکاح کے وقت بڑھیا دوسری کوٹھڑی میں روتی رہی، تو کیا یہ نکاح صحیح ہوا۔	٦٨١
ولی کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول۔	٦٧٧		

زید کسی وجہ سے اپنا نکاح پڑھانے نہ جائے اپنے پیر بھائی کو اپنا ولی بنالے تو ولی نکاح پڑھا کر لاسکتا ہے یا نہیں۔	٦٨٣	بلوغ کی کیا کیا شرائط اور نشانیاں ہیں۔	٦٨٥
کتنی عمر میں لڑکی کا نکاح جائز اور کتنی عمر میں ناجائز، سن بلوغ بحکمِ شرعی کتنی عمر میں ہوتا ہے، کتنی عمر میں نکاح جائز ہوتا ہے جبکہ اس کا کوئی حقیقی وکیل مطلق نہ ہو۔	٦٨٣	زید نے اپنی بیماری میں لڑکی کو اس کے ماموں کے سپرد کیا لڑکی پندرہ برس کی تھی، باپ مرگیا، دادا موجود ہے، لڑکی کے دادا نے کچھ دن بعد کہیں کفو سے نکاح کردیا، جب لڑکی نے سنا تو کہا ہمیں منظور نہیں، نکاح جائز رہا یا نہیں۔	٦٨٦
جو اپنی بیوی سے چودہ ۱۴ سال سے جدا ہو عورت تین ماہ کی حاملہ ہو اسی حمل سے لڑکی پیدا ہو لڑکی ۱۴ سال تک ماں کے پاس رہی ہو باپ نے کسی قسم کی امداد نہ دی ہو لڑکی بالغ ہوگئی ہو لڑکی نے اپنی خوشی کی اور والدہ کی اجازت سے نکاح کرلیا ہو باپ موجود نہ ہو نکاح ہم قوم سے کیا ہو، اس نکاح کا کیا حکم ہوگا۔	٦٨٣	**باب الکفاءۃ**	
ماموں نے نابالغہ کا خود نکاح کردیا اس کے علاتی بھائیوں کو جب خبر ہوئی تو انہوں نے سوتیلی بہن کو شوہر کے مکان سے بلالیا اب یہ چاہتے ہیں کہ کسی معزز سے اس کا نکاح کریں، کیا حکم ہے۔	٦٨٤	ہندہ بالغہ شریف زادی کا عمرو چچا ولی شرعی ہے مادرِ ہندہ نے غیبت عمرو میں باذن ہندہ بے اطلاع عمرو اس کا نکاح زید کم قوم غیر کفو سے کردیا جب عمرو مطلع ہوا اس خیال سے کہ نکاح تو ہو ہی گیا مصلحتاً منظور کرلیا اور ہندہ کی رخصت کردی برضائے ہندہ وطی بھی ہوئی اب میکے آکر تا ادائے مہر معجّل شوہر کے جانا یا اسے اپنے نفس پر قدرت دینا نہیں چاہتی، کیا حکم ہے، ہندہ ناشزہ ہے یا نہیں، اسے زید کے یہاں نہ جانے اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	٦٨٨
ہندہ نانا کے زیرِ پرورش ہے، باپ محض بے تعلق ہے ایسی حالت میں نانا عقد کردے تو جائز ہوگا یا نہیں، لڑکی تیرہ سال کی ہے،	٦٨٥	زید نے غیر شہر سے آکر اپنے آپ کو سنی اور سید ظاہر کیا عمرو شیخ انصاری نے اپنی دختر لیلٰی جو بارہ تیرہ سال کی ہے بیان زید سے دھوکا کھا کر اسے بیاہ دی لڑکی اور اس کا باپ سب اہلسنت ہیں رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ زید چلاگیا اور خبر نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا، اب دریافت ہوا تو وہ رافضی نکلا اور شراب خوری قمار بازی علاوہ، لیلٰی اور اس کا باپ سخت ناراض ہے، لیلٰی جس کی عمر چودہ پندرہ سال ہے ہے اب دوسری جگہ اپنا عقد کرنا چاہتی ہے، کیا حکم ہے۔	٦٩٠

قرآن مجید میں جو ایک لفظ، ایک حرف اور ایک نقطے کی کمی بیشی کا قائل ہے یقینا کافر مرتد ہے۔	۶۹۱	ہندہ کا بکر نابالغ سے نکاح ہوا جب وہ سنِ تمیز کو پہنچا تو مردی سے خارج اور بہمراہی ہیز رقص رقص کرتا، والدہ ہندہ اس سے عار پا کر رخصت سے منکر ہے، دختر شوہر کو پسند نہیں کرتی، کیا حکم ہے۔	۷۰۴
غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا کفر ہے۔	۶۹۱	عمرو نے ہندہ کے وارثوں کو دھوکا دیا کہ زید اجنبی جو اس کے مکان پر مقیم تھا اسے سید بتایا اور ہندہ کا اس سے نکاح کرادیا، پھر معلوم ہوا کہ نورباف ہے، ہندہ کے ورثا کو اس سے بہت عار ہے لہٰذا نکاح فسخ کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۷۱۰
قطعی کافر کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔	۶۹۱	العالم العجمی کفو للسیدۃ امر لا۔	۷۱۲
زن بازاری کا لڑکا جب بالغ ہوا تو اس نے اسلام قبول کیا پہلے سے جو مسلمان ہے اسے اپنی صغیرہ کا نکاح اس کے ساتھ کردینا جائز ہے یا نہیں۔	۶۹۶	دیندار متدین عجمی عالم سیدہ کا کفو ہے۔	۷۱۲
زید نے اپنی دختر بالغہ کا نکاح عمرو سے کیا۔ وقت نکاح عمرو پر رافضی ہونے کا شبہ ہوا تھا اس لئے اس سے دریافت کیا اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو سنی بتایا اور اپنے سنی ہونے کا اطمینان دلایا باذنِ ہندہ نکاح ہوگیا، رخصت کے بعد محرم میں عمرو کا رافضی ہونا ظاہر ہوا جب سے زید نے لیلٰی کو روک لیا، کیا حکم ہے۔	۶۹۷	عجمی عالم عربی جاہل کا کفو ہے کیونکہ شرفِ علم اقوی اور بلند وبالا ہے۔	۷۱۲
فاسق اعتقادی فاسق عملی سے بدتر ہے۔	۶۹۸	عالم فقیر جاہل غنی کا کفو ہے۔	۷۱۲
بھتیجی کا نکاح اپنے سالے سے کردیا وہ جملہ منہیات شراب خوری، جوئے بازی، زناکاری، چوری کا مرتکب ہے، سوزاک آتشک میں مبتلا ہے، خوشدامن وغیرہ صالحین سے ہیں انہیں اس سے بہت ذلت وعار ہوئی، یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں۔	۷۰۰	غیر قرشی عالم جاہل قرشی وعلوی کا کفو ہے۔	۷۱۲
سید زادی کا نکاح چچا نے بعمر ۱۱ سال بے اطلاع اس کے والد کے پٹھان سے کردیا، کیا حکم ہے۔	۷۰۱	عالم دین عام مومنین سے سات درجے بلند ہے، ہر درجوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے۔	۷۱۳
زید نے ولیہ ہندہ سیّد زادی کو دھوکا دے کر اپنی قوم اپنا اور اپنے باپ کا نام چھپا کر نیز اپنی ماں کا کنیز غیر شرعی ہونا اپنے آپ کو شیخ یا سید ڈھائی بسوہ کا مالک بتا کر ہندہ سے نکاح کرلیا معلوم ہونے پر ہندہ نارضامند ہے فسخ چاہتی ہے کیا حکم ہے۔	۷۰۲	دین دار متدین عالم ہی در حقیقت عالم ہے۔	۷۱۳
پٹھان کے لڑکے اور سید کی لڑکی کا نکاح جائز ہے یا نہیں۔	۷۰۴		

گمراہ پڑھا لکھا جاہلوں سے بدتر ہے کہ جہل مرکب سخت بری بلا ہے اور اس میں مبتلا ہونے والا دونوں جہانوں میں سخت ذلیل وحقیر ہوتا ہے۔	۴۱۴	ہندہ نے نابالغہ دختر کا نکاح خالد غیر کفو سے لاعلمی میں کردیا، بعد بلوغ زوجہ وعلم غیر کفو ہونے زوج کے زوجین میں نااتفاقی ہے اور ہندہ بھی ناراض ہے، دختر مفارقت چاہتی خالد طلاق نہیں دیتا۔ کیا حکم ہے۔	۴۱۸
بدمذہب اہل جہنم کے کتّے ہیں۔	۴۱۴	زید ٹھاکر تھا مسلمان ہو کر نکاح چاہتا ہے، بعد اسلام کس قوم میں شمار ہوگا، کس قوم کی لڑکی کے ساتھ وُہ نکاح کرسکتا ہے، شرعًا کس قوم پر استحقاق ہے، زید کی اب کی اولاد ماں کی قوم پر ہوگی یا باپ کی ذات پر، رذالت اور شرافت شرعًا قوم پر منحصر ہے یا نہیں۔	۴۱۹
بدمذہب تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔	۴۱۴	جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی ولاء اسی کے لئے ہے۔	۴۲۱
جولاہے اور کھال پکانے والے اور موچی اور نائی انکے مثل ذلیل پیشہ ور جو اپنے ذلیل پیشوں کے ساتھ معروف ہوں اگر یہ عالم ہوں جب بھی شرفاء کے کفو نہیں ہوسکتے۔	۴۱۵	ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے۔	۴۲۱
ہمارے بلاد میں سیدانیاں پٹھان یا مغل عالم سے عار نہیں کرتیں، ہاں ذلیل پیشے والے وُہ اگر عالم ہوں جب بھی عار زائل نہیں ہوتی۔	۴۱۶	ہندہ منکوحہ خالد کو زید نے رکھ لیا، زید کے ہندہ سے کئی اولادیں ہوئیں، زید لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، کیا حکم ہے۔	۴۲۳
اگر ذلیل پیشہ وروں سے کوئی عالم ہو اور وہ اپنے پیشہ کو اتنی مدت سے چھوڑ چکا ہو کہ لوگ اسے بھول گئے ہوں اور قلوب میں اس شخص کی وقعت اور نگاہوں میں عظمت ہوگئی ہو اب اس سے شرفاء کی بیٹیوں کو عار نہ ہو تو یہ بھی کفو ہوسکے گا۔	۴۱۶	حدیث "ولد الزنا شر الثلثة" کا مطلب۔	۴۲۴
سیدانیوں سے پٹھان یا مغل وغیرہ غیر سید کے نکاح کا حکم۔	۴۱۷	حدیث "فرخ الزنا لایدخل الجنة" کا مطلب۔	۴۲۵
ایک شخص کہتا ہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے، کسی نے کہا اگر جاروب کش مسلمان ہوجائے اسے بھی، جواب دیا کچھ مضائقہ نہیں، کیا حکم ہے۔	۴۱۷	زید صدیقی متقی ہے اس نے عمرو کے کہنے سے کہ خالد تیرا کفو ہے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا، بعد نکاح معلوم ہوا کہ خالد کے یہاں ہمیشہ سے پیشہ حرامکاری جاری ہے اس کے خاندان کے اکثر لوگ زناکاری کراتے اور ایسی ہی ان کی اولاد ہے مگر اب خالد نے لوگوں کے کہنے سننے سے اپنی بہنوں کا نکاح کردیا، کیا نابالغہ کا نکاح خالد سے جائز ولازم ہوا، زید کو حق فسخ ہے یا نہیں۔	۴۲۶

زید حرامی مگر مسلمان دیندار ہے، اس کی اولاد سے حلالی اپنی اولاد کا عقد کرسکتے ہیں یا نہیں۔	۷۲۸	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تھیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں۔	۷۳۰
نکاح میں کفاءۃ معتبر اور کفاءۃ کا مدار عرف پر ہے۔	۷۲۸	لڑکی بالغہ ہوگئی، کفو ملتا نہیں، غیر کفو ملتے ہیں کم حیثیت یا لڑکی کے باپ سے زائد حیثیت رکھنے والے، مگر ذات کے اچھے نہیں، ان میں سے کس سے نکاح کیا جائے یا کفو کا انتظار کیا جائے۔	۷۳۰
ایک شخص نے ایک یتیمہ نابالغہ سید زادی پالی، بحالت نابالغی پٹھان سے اس کا عقد کردیا، نابالغہ کے بھائی کو اطلاع بھی نہ دی لڑکی بالغہ ہے اور زوج مفقود الخبر ہوگیا، وہ اپنا دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔	۷۲۸	فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفاءۃ نہیں۔	۷۳۱
زید نے منکوحہ کو طلاق دی اور اس کی نابالغہ دختر مطلقہ کے پاس رہی، زید سفر کرگیا اور متنبہ کرگیا کہ خبردار اس کا نکاح میری رائے کے خلاف نہ ہو۔ ماں نے زید کے خلاف رائے غیر کفو سے نکاح کردیا، جائز ہوا یا ناجائز۔	۷۲۹	باپ شریف ہو اور ماں طوائف جو توبہ کرکے اس کے باپ کے نکاح میں آئی ہو تو اس سے اولاد کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔	۷۳۱
سیدہ سے غیر سید نے نکاح کیا اس پر لوگ اسے کافر کہتے ہیں، کافر کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔	۷۳۰	ہندہ کو یہ یقین دلا کر کہ محمود نجیب الطرفین تیرا کفو ہے ہندہ کا اس سے نکاح کردیا، بعد کو ثابت ہوا کہ وہ کفو نہیں، ہندہ اور اس کے عزیز عار سمجھتے ہیں، ہندہ کا باپ بھی ناراض ہے، یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں، یا نکاح فسخ ہی مانا جائے۔	۷۳۱
سیدہ بالغہ باکرہ یا ثیبہ یا مطلقہ اگر غیر سید سے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں۔	۷۳۰	قریش بعض ان کے کفو ہیں بعض کے۔	۷۳۲
غیر سید نے سیدہ سے نکاح کیا، اولاد سید ہوگی یا نہیں۔	۷۳۰	نابالغہ کا عقد بے اجازت اس کے والد کے کسی غیر کفو سے اس کی ماں کردے، تو کیا حکم ہے، اور اگر ماں کو بھی دھوکا دیا گیا ہو کہ اپنے آپ کو کسی نے شریف بتایا ہو اور وہ ہو نہایت نیچ ذات، اس صورت میں نکاح فسخ ہوتا ہے یا نہیں، بے طلاق والدین دوسرے شریف النسب سے نکاح کرسکتے ہیں۔	۷۳۲
سید سے نکاح کرنے والے کو کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے۔	۷۳۰	ایک اسی طرح کا اور سوال اور اس کا جواب۔	۷۳۳

محمد یحیٰی فوت ہوا انہوں نے اپنے باپ شاہ عبدالکریم اور بھائی محمد زکریا اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی از زوجہ اولٰی دختر راضیہ بی بی از ثانیہ وغیرہ ورثا چھوڑے، شاہ عبدالکریم صاحب بولایتِ خود محمودہ کا نکاح مولوی محمد یحیٰی کے نانہالی رشتہ دار کے فرزند سے کرکے انتقال کرگئے وقتِ انتقال حافظ محمد زکریا وغیرہ کو بلا کر وصیت کی کہ رضیہ جس کی عمر ڈیڑھ سال ہے اس کا عقد تمہارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں ماں اور نانا دوسری جگہ غیر کفو سے اب اس کا عقد کیا چاہتے ہیں کیا حکم ہے۔	۷۳۴		

فہرست ضمنی مسائل

تیمّم		معتدہ کا نکاح پڑھانے والے کو امام بنانا جائز نہیں۔	۲۶۶
آبادی میں پانی تلاش کئے بغیر تیمّم کرکے نماز پڑھ لی، اگر وہاں پانی تھا تو نماز نہ ہوگی۔	۲۲۸	زید ایک مسجد کا امام ہے اس نے جمع بین الاختین کیا، اعتراض پر کہا یہ امام شافعی کے یہاں جائز ہے، اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۴۲۶
امامت		فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے۔	۴۳۳
جاہل کی امامت خلافِ اولیٰ ہے۔	۱۹۰	بالغہ ہندہ بنت زید نے بے اجازت زید کفو سے نکاح کرلیا، زید ناخوش ہو کر بکر کے مکان سے ہندہ کو حیلہ کرکے لے آیا ایک سال بعد عمرو سے ہندہ کا نکاح کردیا، دوسرا نکاح صحیح ہوا یا نہیں۔ عمرو سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے، زید کے لئے کیا حکم ہے، زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۶۷۴
فاسق معلن کی امامت ممنوع، اس کے پیچھے نماز گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔	۲۳۹	بالغہ ایسے شخص سے جو اس کی ذات کا خوش حال پڑھا لکھا جوان تھا پر راضی تھی زید بالغہ کا باپ اس سے راضی نہ تھا بالغہ جس سے راضی نہ تھی زبردستی اس کے ساتھ اس کا نکاح کرادیا اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس کے یہاں پہنچا آئے یہ نکاح درست ہوا یا نہیں، زید کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۶۷۵
فاسق کو امام بنانے والے گناہگار ہیں۔	۲۴۰		

جنائز		صحتِ نکاح کیلئے ذکرِ مہر شرط نہیں کہ نکاح بے ذکر مہر بلکہ بشرط عدمِ مہر بھی نکاح ہو جاتا ہے۔	۱۴۰
مزارات پر قبہ بنانے کا ثبوت۔	۴۳۱	ایک ہزار روپیہ اور کچھ ہدیہ دینا مہر قرار پایا اور ہدیہ نہ دیا تو مہر مثل لازم ہوگا۔	۱۷۴
خطبہ		فساد خلوت عدم تاکد مہر کا باعث ہے۔	۱۹۳
خطبہ نکاح کھڑے ہو کر پڑھا جائے یا بیٹھ کر، کس طرح مسنون ہے۔	۲۲۲	مہر کا اقل درجہ دس "۱۰" درہم چاندی ہے۔اور اکثر کے لئے کوئی حد نہیں۔	۲۴۸
خطبہ میں مطلقاً قیام افضل ہے۔	۲۲۲	زن وشوہر کی اگر ایک مکان تنہا میں یکجائی ہو چکی ہے۔ تو کل مہر واجب الادا ہو گیا۔	۲۶۹
جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبہ عرفہ وہاں قیام مرکب قائمقام قیام راکب ہے۔	۲۲۲	ایک مکان میں زن وشوہر کی تنہائی نہیں ہوئی تھی کہ طلاق ہو گئی تو نصف مہر ساقط ہو گیا۔	۲۶۹
خطبات نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں۔	۲۲۲	نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کو برص ہے تو وہ مہر کی مستحق ہے یا نہیں اور شادی کا صرفہ اس کے والدین سے لیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۲۸۰
خطباتِ نکاح بیٹھ کر پڑھنے میں مضائقہ نہیں۔	۲۲۲	مہر میں حیثیت کا لحاظ ضروری ہے یا نہیں۔	۲۸۲
روزہ		مفلس سے کتنے ہی کثیر مہر پر نکاح ہو جائیگا مگر یہ ضرور ہے کہ اسے دین جانیں اور ادا کی نیت ہو۔	۲۸۳
روزے شہوت نفسانی کو توڑنے والے ہیں۔	۲۲۱	اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر کچھ نہ ہوگا جب بھی مہر شرعاً لازم ہوگا مہر مثل دینا آئے گا۔	۲۹۸
جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے اور جو نہ کرسکتا ہو وہ روزہ رکھے۔	۲۲۱	نکاح کے بعد اقرار کیا کہ قبل نکاح منکوحہ کی ماں سے زنا کیا تھا تو حرمت ثابت ہو گئی مگر عورت کے حق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اگر دخول کر چکا ہے تو پورا مہر مسمّٰی واجب ہوگا ورنہ نصف۔	۳۳۸
عرض تسعین میں روزہ سے متعلق کیا حکم ہے۔	۲۲۱	نکاح فاسد میں بعد وطی مہر مسمّٰی و مہر مثل میں سے اقل لازم ہوگا۔	۳۴۱
مہر		مہر کا لزوم وطی، خلوت صحیحہ یا احدالزوجین کی موت سے ہوتا ہے۔	۵۶۱
خلوت بمنزلہ وطی ہے اس سے بھی پورا مہر لازم ہو جاتا ہے جبکہ مانع وطی کوئی امر موجود نہ ہو۔	۱۱۷		

نابالغ کا بالغہ سے نکاح موقوف ہوا اور وہ اس بالغہ سے جبراً وطی کرے تو مہر مثل لازم ہوگا، اور اگر عورت کی رضا سے وطی کرے تو کچھ لازم نہ ہوگا۔	۵۶۲	ولیمہ کا شرعی حکم کیا ہے اور اس کا تارک کیسا ہے۔	۲۷۸
نکاح موقوف قبل از اجازت وطی کو حلال نہیں کرتا بلکہ نظر کو بھی، تاہم جبراً وطی کی تو مہر مثل لازم ورنہ کچھ نہیں۔	۵۶۲	جہاں لوگ بعد نکاح ولیمہ نہیں کرتے بلکہ پہلے نکاح کے اوّل روز حسب رواج کھلا دیتے ہیں ان کا حکم شرعی کیا ہے۔	۲۷۸
ہنگام نکاح خوانی مہر پر حجت ہوئی، زید مجلس سے اٹھ گیا، عمرو نے بحالت غصہ موذن سے کہا تم میری لڑکی کا نکاح بکر سے کردو بکر مجلس نکاح میں موجود تھا موذن نے صرف تین کلمے پڑھا کر ایجاب وقبول کرادیا کوئی وکیل وگواہ نہیں ہوا نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی یہ کہا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا لڑکی بالغ ہے اس سے اجازت نہ لی گئی۔ کیا حکم ہے۔	۶۱۸	ولیمہ سننِ مستحبہ سے ہے اس کے تارک گنہگار نہیں۔	۲۷۸
ولی جو مہر باندھے نابالغ بعد بلوغ اس مہر سے راضی نہ ہو انکار کرے تو کیا حکم ہوگا۔	۶۴۲	**رضاعت**	
ہندہ بالغہ شریف زادی کا عمرو چچا ولی شرعی ہے مادر ہندہ نے غیبت عمرو میں باذن ہندہ بے اطلاع عمرو اس کا نکاح زید کم قوم غیر کفو سے کردیا جب عمرو مطلع ہوا اس خیال سے کہ نکاح تو ہو ہی گیا مصلحتاً منظور کرلیا اور ہندہ کی رخصت کردی برضائے ہندہ وطی بھی ہوئی اب میکے آکر تا ادائے مہر معجّل شوہر کے جانا یا اسے اپنے نفس پر قدرت دینا نہیں چاہتی، کیا حکم ہے، ہندہ ناشزہ ہے یا نہیں، اسے زید کے یہاں نہ جانے اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	۶۸۸	شبہہ رضاعت جہاں ہو کہ پہلے عورت کہے کہ میں نے اسے دودھ پلایا ہے اب کہے کہ نہیں پلایا ہے تو اس صورت میں فتوی کیا ہوگا اور تقوی کا کیا حکم ہوگا۔	۲۰۰
ولیمہ		ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں، اس سے احتیاطًا بچنا مستحب ہے۔	۲۰۴
ولیمہ کی تعریف کیا ہے اور اس کی مدت کے روز تک ہے۔	۲۵۵	بکر نے سلیم کی ماں کا دودھ پیا ہے تو سلیم سے بکر کی لڑکی کا نکاح کیسا ہے۔	۲۷۸
اگر ولیمہ بخیال سنت نہ کرے بلکہ برائے نام آوری تو کیا حکم ہے۔	۲۵۶		

زید بکر کا رضاعی بھائی ہے، زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے کیسا ہے۔	۲۷۹	بکر نے زید کی بی بی کا پہلی اولاد پر دودھ پیا تین اولادوں کے بعد زید کی جو لڑکی ہوئی اس لڑکی سے بکر کے نکاح کا حکم۔	۴۶۳
اگر پسر زید نے زوجہ عمرو کی چھاتی جبکہ وہ چار پانچ ماہ کی حاملہ تھی اور حمل بھی پہلا تھامنہ میں لے لی اس وقت دودھ ہونا معلوم نہیں تو اس لڑکے کا عمرو کی لڑکی سے نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۸۴	اپنے حقیقی بھائی کی رضاعی بیٹی سے نکاح کے بارے میں بعض بنگالیوں کے فتوے کارد۔	۴۷۰
ثبوتِ رضاعت کے لئے ضروری ہے کہ جوفِ صبی میں دودھ کا قطرہ منہ یا ناک کے راستے جانا معلوم ہو محض چھاتی دبانے سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔	۲۸۴	بھائی کی رضاعی نواسی سے نکاح جہالت، گمراہی اور شریعت پر افتراء ہے۔	۴۷۷
دودھ اترنے کے لئے کوئی مدت نہیں قوتِ مزاج وکثرتِ خون سے کنواری کو دودھ اُتر سکتا ہے۔	۲۸۴	جس مرد کی طرف دودھ منسوب ہے وہ رضیع کا باپ، اس کی اولاد رضیع کے بھائی بہن، اس کے بھائی رضیع کے چچے اور اس کی بہنیں رضیع کی پھوپھیاں ہوں گی جبکہ رضیع کی اولاد اس مرد کی اولاد ہوگی۔	۴۷۸
ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دودھ پلایا ہندہ کی نواسی سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے۔	۳۱۱	رضیع ومرضعہ کی اولادوں کے درمیان نکاح کے حرام ہونے پر تیس نصوص۔	۴۹۱
ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے پر زینب کی دختر حرام ہے۔	۳۳۹	رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔	۴۹۲
لیلٰی وسلمٰی رضاعی بہنیں ہیں زید نے لیلٰی سے نکاح کیا ہے زید کے پسر عمرو کا نکاح سلمٰی سے جائز ہے۔	۳۴۰	رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے۔	۴۹۳
زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ہندہ سے حسن وحسین پیدا ہوئے پھر بعد ہندہ حفصہ سے نکاح کیا، حفصہ نے اپنی بیٹی کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دودھ پلایا تو بکر کا نکاح زاہدہ بنت حسن سے جائز ہے یا نہیں،	۳۴۷	رضیع کی بیوی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے۔	۴۹۳
کیا زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے۔	۴۲۲	رضیع کی بیٹیاں اور نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہیں۔	۴۹۳
فقیرے نے بیبا کا دودھ حفیظن کے ساتھ پیا پھر بیبا کے فہیمن ہوئی فقیرے کا نکاح فہیمن سے کیسا ہے۔	۴۶۰	دودھ کا چچا بھی چچا ہے ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔	۴۹۳

رضاعی چچا کی تفسیر۔	۴۹۳	طلاق کے جھوٹے اقرار سے قضاءً طلاق ہوجائیگی عنداللہ نہ ہوگی۔	۱۲۳
ماں کے رضاعی بیٹے کی بیٹی، بھتیجی اور محرم ہے۔	۴۹۳	شوہر نے ایک طلاق دی تھی کسی نے پوچھا کہ تو نے کتنی طلاقیں دی ہیں، اس نے کہا تین، تو دیانۃً ایک ہے اور قضاءً تین	۱۲۴
اولاد رضیع جس طرح مرضعہ کی پوتا پوتی، نواسا نواسی باجماع قطعی ہے یونہی باجماع ائمہ اربعہ وجملہ فقہاء وہ شوہر مرضعہ کے بھی پوتے ہیں اور نواسے ہیں۔	۴۹۴	اگر بے نیت "انت طالق" کہا طلاق ہوجائے گی	۱۲۸
دودھ کے رشتوں کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس سے چار قسم کی عورتیں حرام ہوتی ہیں۔	۴۹۴	اور اگر "انت طالق" سے "طلاق عن الوثاق" یا طلاق سابق سے خبر دینے کی نیت کی خواہ پہلے طلاق دے چکا ہو یا نہ دی ہو، بہر حال ان صورتوں میں دیانۃً طلاق نہ ہوگی۔	۱۲۸
زید نے زینب کا دودھ ہندہ کے ساتھ پیا زینب کی تیسری لڑکی سے زید کے نکاح کا حکم۔	۵۱۰	مرد نے عورت سے کہا تو میری بی بی نہیں اور اس سے اس نے طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی اور اس کے یہ معنٰی ٹھہریں گے کہ تو میری بی بی نہیں اس لئے کہ میں تجھے طلاق دے چکا ہوں۔	۱۳۵
عشرۃ النساء		اگر کوئی اپنی بی بی کو کہے میں نے اس سے نکاح نہیں کیا اور اس سے نیت طلاق کی کرے تو طلاق نہ ہوگی کہ یہ کذب محض ہے جس کی تصحیح ناممکن ہے۔	۱۳۵
عورتوں سے بحکم قرآن نیک برتاؤ کرنا لازم۔	۶۲۹	اگر کوئی شخص کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اسے طلاق، پھر کسی شخص سے کہا کہ کاش تُو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے۔ اس نے کردیا تو حانث نہ ہوگا اور طلاق واقع نہ ہوگی کہ اس نے خود نکاح نہیں کیا۔	۱۶۴
عورتوں کو مقدور بھر وہاں رکھو جہاں خود رہو۔	۶۲۹	اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ تین چار ماہ بعد طلاق دے دوں گا تو طلاق دینا لازم نہیں۔	۲۱۳
عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی کرو۔	۶۲۹	نشہ میں طلاق ہوجاتی ہے۔	۲۲۸
عورت کو معلقہ کرنا بحکم قرآن ممنوع ہے۔	۶۲۹	فارسی یا عربی نہ جاننے والے کو کسی نے الفاظ طلاق فارسی یا عربی میں سکھادئے اور معنی نہ بتائے اس نے یہ الفاظ لاعلمی سے عورت کے لئے کہے تو عنداللہ طلاق نہ ہوگی۔	۲۲۹
طلاق			

مذاق اور دل لگی میں طلاق دینے سے قضاءً اور دیانۃً ہر طرح طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۲۳۰	**خُلع**	
بلاوجہ بے سبب طلاق دینا منع ہے۔	۲۸۷	اگر عورت کو مرد نے ایسے الفاظ سکھائے اور کہلوائے جس سے مہر ونفقہ عدت کے بدلے خلع ہوجائے کہ عورت مہر ونفقہ عدت کی بھی مستحق نہ رہے اور عورت یوں خلع کرے تو خلع صحیح نہ ہوگا۔	۲۳۱
غیر مدخولہ بہا کو اگر ایک لفظ میں تین طلاقیں دے مغلظہ ہوجاتی ہے اور اگر متفرق لفظوں سے دے تو مغلظہ نہیں ہوتی۔	۲۸۹	ہندہ ماں نے رضیہ کا بحالت نابالغی حامد سے عقد کردیا رخصت نہ کی تھی چار سال بعد اب رضیہ بالغہ ہوئی اس عرصہ میں خالد نے دوسری عورت کو رکھ لیا خالد کی وضع واطوار چال چلن رضیہ اور ہندہ کو ناگوار ہیں کمال نفرت ہے خالد سے تعلق نہیں چاہتی انکار کرتی ہے اور خلع چاہتی ہے رضیہ کیا کرے جو خالد سے قطع تعلق ہو۔ اور یہ عقد عقد فضولی قرار پائے گا یا نہیں۔	۶۲۱
شوہر نے طلاق نہیں دی ہے کچھ مال لے کر طلاق دینا چاہتا ہے ایسی عورت سے بے طلاق نکاح کا حکم اور کچھ لے کر طلاق دینے کا حکم۔	۳۲۳	**عنین**	
عورت بے اذنِ شوہر گھر سے نکلے اس سے نکاح سے نہیں نکلتی۔	۳۱۳	عنین (نامرد) کا نکاح درست ہے یا نہیں۔	۱۹۵
سالی سے نکاح یا زنا سے عورت مطلقہ نہیں ہوتی۔	۳۱۷	عنین میں تحکیم یعنی پنچ بنالینا جائز ہے۔	۱۹۶
لڑکے نے سنا کہ باپ نے اس کی بی بی سے زنا کیا اس پر غصہ میں بی بی کو مارا اور طلاق دے دی زوجہ نے مہر کی نالش کردی ڈگری ہوگئی، وکیل زوج کہتا ہے طلاق غصہ میں دی اس لئے نہیں ہوئی اور وکیل زوجہ کہتا ہے ہوگئی، کون سچا ہے۔	۵۰۵	عنین اور اس کی زوجہ میں تفریق کی صورت۔	۱۹۶
لڑکے لڑکی کا بحالت نابالغی نکاح ہوا تھا اب لڑکا یا اس کے وارث لڑکی کی خبر کسی قسم کی نہیں رکھتے۔ لڑکی تین طرح کے علم سے واقف ہے اور لڑکا نرا جاہل، لڑکی اب کہتی ہے ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، کیا ارشاد ہے۔	۶۶۰	باپ نے نابالغہ کا نکاح اپنے ہم قوم سے کیا۔ شوہر نے رخصت چاہی تو انکار کیا، نالش ہوئی تو جواب دیا کہ داماد نامرد ہے ہیجڑوں میں گاتا بجاتا ہے اگر ڈاکٹر اسے مرد بتائیں تو عذر نہیں۔ ابھی فوجداری میں مقدمہ دائر تھا کہ لڑکی کے باپ نے دیوانی میں دعوی فسخ نکاح کردیا کہ وہ نامرد ہے ہیجڑوں کے افعال سے حالت شرمناک کرلی ہے میری برادری کا نہ رہا۔ اگر یہ الزام ثابت ہوں تو کیا نکاح فسخ کیا جاسکے گا۔	۶۱۰

عنین سے تفریق کے لئے عورت بالغہ کا دعوٰی ضرور ہے قاضی اس کی طلب پر تفریق کرے گا۔ اگر صغیرہ ہوگی تو اس کے بلوغ کا انتظار کیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے وہ بالغہ ہو کر عنین یا مجبوب سے راضی ہو۔	۶۱۱	جو اولاد نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب اور مستحق ارث ہے۔	۳۴۱
عورت نے شوہر کو عنین پایا تو قاضی شوہر کو ایک سال قمری کی مہلت (بغرض علاج) دے گا۔	۶۱۲	حرمت مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل اگر شوہر وطی کرے تو حرام ہے مگر زنا نہیں اور اس وطی سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب ہوگی کیونکہ نکاح باقی ہے۔	۳۶۵
مفقود		سنی نے رافضیہ سے بطور شیعہ صیغہ پڑھایا بطریق اہلسنت نکاح نہ ہوا دونوں اپنے مذہب پر قائم رہے اولاد کیسی ہوئی۔	۴۴۷
جس کا شوہر مفقود ہو اور مرد و عورت دونوں حنفی ہوں تو عورت دوسرے نکاح کے لئے کس مدت تک انتظار کرے۔	۳۳۱	ہندہ منکوحہ خالد کو زید نے رکھ لیا، زید کے ہندہ سے کئی اولادیں ہوئیں، زید لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، کیا حکم ہے۔	۷۲۲
مسئلہ زن مفقود۔	۳۴۴	غیر سید نے سیدہ سے نکاح کیا، اولاد سید ہوگی یا نہیں۔ ۷۳۰	
مسئلہ زن مفقود الخبر۔	۴۱۲ و ۴۴۸	باپ شریف ہو اور ماں طوائف جو توبہ کرکے اس کے باپ کے نکاح میں آئی ہو تو اس سے اولاد کے نسب پر کوئی حرف نہیں آتا۔	۷۳۱
عدت		**نفقہ**	
عورت پر روز طلاق سے عدت لازم ہوتی ہے۔	۲۶۹	اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان ونفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورتِ وجوب میں ضرور واجب ہوگا۔	۲۹۸
غیر مدخولہ کو طلاق دی جائے تو اس پر عدت اصلاً نہیں۔	۲۶۹	**فدیہ**	
نسب		جو روزے کی طاقت نہ رکھے وُہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دے۔	۲۲۱
شرعًا نسب باپ سے ہے وُہ شریف ہے تو بیٹا بھی شریف۔	۲۴۲		

جونہ روزہ رکھ سکے نہ فدیہ دینے پر قادر ہو وُہ کیا کرے۔	۲۲۲	جو عقد قابل فسخ ہیں جیسے بیع واجارہ اگر یہ جبر واکراہ سے ہوں تو فسخ کردیا جائیگا۔	۲۰۳
خُنثٰی		نا قابلِ فسخ عقود جیسے طلاق، عتاق، نکاح، تدبیر اور استیلاء وغیرہ اگر اکراہ سے ہوں تو لازم ہیں۔	۲۰۳
ایسی عورت سے نکاح و مہر کا حکم جس کے صرف مخرج بول ہو اور کوئی مردی وزنی کی علامت نہ ہو صرف پستان ظاہر ہوں۔	۱۹۲	ولی اگر بحالت جبر واکراہ نکاح کردے ہوجائیگا۔	۶۲۸
پستان ظاہر ہونے سے خنثی مشکل کا عورت ہونا معلوم ہوتا اور اشکال دفع ہوجاتا ہے۔	۱۹۳	**تفسیر**	
جنین		آیت کریمہ "الزّانیة لاینکحھا الازان اومشرک" منسوخ الحکم ہے یا نکاح سے مراد یہاں جماع ہے۔	۲۳۵
جنین پر کسی کی ولایت نہیں۔	۲۶۱	حدیث "لاتنکح المرأة علی عمتھا ولاعلی خالتھا" آیہ کریمہ "وان تجمعوا بین الاختین" کی تفسیر ہے کہ اختیت سے ہر علاقہ محرمیت مراد ہے۔	۲۷۲
ولاء		سوتیلی ماں لفظ امھات میں داخل نہیں۔	۳۱۲
جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی ولاء اسی کے لئے ہے۔	۷۲۱	"حرمت علیکم اُمھتکم" کے بعد "ولا تنکحوا مانکح اٰباؤکم" اسی لئے فرمایا۔	۳۱۲
ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے۔	۷۲۱	"وربائبکم الّتی فی حجورکم" الآیۃ کی تفسیر۔	۳۵۴
اکراہ		آیت قرآنی میں وصف "الّتی فی حجورکم" بالاجماع شرطِ حرمت نہیں۔	۳۵۴
ایفائے وعدہ پر جبر نہیں یعنی قاضی مجبور نہیں کرسکتا، وُہ وعدہ جو معلق ہو اس کی وفا دیانۃً لازم ہے، مگر ایک قول میں کفالت اور بیع الوفاء میں وفائے وعدہ پر جبر کرسکتا ہے۔	۱۷۷	کنیزیں "نسائکم" میں اور ان کی بیٹیاں "ربائبکم" میں داخل نہیں۔	۳۵۴
نکاح بجبر واکراہ ہوجاتا ہے مگر ایسا کرنا ظلم ہے۔	۲۰۲	آیت کریمہ "وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم" کی تفسیر۔	۳۵۴

"امہات نسائکم" سے کیا مراد ہے۔	۳۵۵	حدیث "لایحرم الحرام الحلال" سخت ضعیف وناقابل احتجاج وساقط ہے۔	۳۵۷
"ولاتنکحوا مانکح اٰباؤکم من النساء" میں نکاح کا کیا معنی ہے۔	۳۵۵	بقول امام احمد نہ ارشادِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور نہ اثر ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے۔	۳۵۷
آیہ کریمہ "واحل لکم ماوراء ذالکم" میں حل بمعنی عدم حرمت وطی ہے جو گناہ کے منافی نہیں۔	۳۸۸	حدیث مذکورہ بالا کی سند کا بیان۔	۳۵۷
آیہ کریمہ "الزانیة لاینکحھا الا زان اومشرک" میں چار تاویلیں ماثور ہیں۔	۴۴۱	اگر اس حدیث کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو بھی یہ اپنے ظاہر پر یقینا صحیح نہیں۔	۳۶۳
فوائد حدیثیہ		لاجرم حدیث مذکور میں تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ھو حرام حلال کو حرام نہیں کرتا۔	۳۶۳
حدیث "لاتنکح المرأة علی عمتھا" الخ کی آیہ کریمہ "واحل لکم ماوراء ذلکم" ناسخ ہے یا نہیں۔	۲۷۲	اس حدیث ضعیف میں بھی ہمارے مذہب کے مخالفین کے لئے اصلاً حجت نہیں۔	۳۶۴
حدیث "لاتنکح المرأة علی عمتھا ولاعلی خالتھا" حدیث صحیح مشہور ہے اور وہ مخالف قرآن نہیں۔	۲۷۲	ہمارے مذہب کی مؤید چند احادیث۔	۳۶۴
حدیث "کلامی لاینسخ کلام اللہ" محض بے اصل ہے۔	۲۷۳	"ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب" حدیث مشہور اور صدر اسلام سے اس وقت تک علماء میں متلقی بالقبول ہے۔	۴۸۳
مطلب حدیث "لانکاح الابولی وشاھدی عدل"۔	۳۰۵	ولی ابعد سے کون مراد ہے عصبہ یا مثل وارث۔ گو ذوی الارحام سے ہو۔ اگر عصبہ مراد ہے تو مؤطائے امام محمد کی حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ انھوں نے اپنی بھتیجی بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا نکاح عبداللہ بن زبیر سے کردیا، اس کا کیا جواب ہے۔ پھوپھی تو ذوی الارحام سے ہے۔	۵۹۰
خطبہ (منگنی) ونکاح میں فرق ہے یا نہیں اور حدیث "تحرم الخطبة علی خطبة اخیه" کا کیا مطلب ہے اور اس سے منگنی کے نکاح ہونے پر استدلال صحیح ہے یا نہیں	۳۰۵		

حدیث "ولدالزنا شر الثلثة" کا مطلب۔	۴۲۳	اسحاق مذکور کے بارے میں امام نسائی نے کہا: ثقہ نہیں۔ دار قطنی نے کہا: ضعیف ہیں۔ اور امام ابوداؤد نے کہا: سخت ضعیف ہیں۔	۳۶۱
حدیث "فرخ الزنا لایدخل الجنة" کا مطلب۔	۴۲۴	اسحاق مذکور کے شیخ عبداللہ کے بارے میں یحیٰی بن سعید قطان نے فرمایا کہ حافظہ کی رو سے ضعیف ہیں۔ اور امام نسائی نے کہا: قوی نہیں ہیں۔	۳۶۲
اسماء الرجال		ابن علیہ ایک محدث ہیں مجتہد نہیں ہیں۔	۴۸۳
عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا متروک ضعیف اور جھوٹا ہے۔	۳۵۷	**فوائد اصولیہ**	
عثمان وقاصی ثقات سے موضوع خبریں روایت کرتا ہے۔	۳۵۸	کنایات محتاج نیت ہیں۔	۱۲۸
اسحاق بن ابی فروہ متکلم فیہ اور متروک ہے۔	۳۵۸	تعلیل دلیل تعویل ہے۔	۱۲۹
امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: فروہ کذاب ہے۔	۳۵۹	جس کی دلیل اقوی ہو وہ تعویل کا زیادہ مستحق ہے۔	۱۲۹
اسحاق بن ابی فروہ دو ۲ ہیں۔	۳۵۹	اصول کی صحیح روایت کے ہوتے ہوئے اس کے ماسوا تمام روایات ساقط ہوجاتی ہیں۔	۱۴۵
اوّل اسحاق بن عبداللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر و تلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد و ترمذی وابن ماجہ سے ہے، یہی متروک ہے اور اسی کو امام بخاری نے "ترکوہ" فرمایا۔	۳۵۹	شرط فاسد قبل العقد مبادلاتِ مالیہ میں بھی ملتحق بالعقد نہیں ہوتی۔	۱۷۵
امام احمد بن حنبل نے فرمایا: اسحاق بن ابی فروہ سے روایت حلال نہیں۔	۳۵۹	شرط فاسد جو عقد سے پہلے ہو اس سے کوئی عقد فاسد نہیں ہوتا۔	۱۷۵
اسحاق بن ابی فروہ مذکور کا سن وصال ۱۳۶ھ یا ۱۴۴ھ ہے۔	۳۶۰	اقرار تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا۔	۱۷۶
دوم اسحاق بن محمد اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ امام بخاری کے استاذ ہیں ۳۲۶ھ میں وصال فرمایا، یہ ہرگز متروک نہیں۔	۳۶۱	وقوع نکاح سے خبر دینا انشاء عقد سے بالکل مبائن و غیر مؤثر ہے۔	۱۸۲
اسحاق بن محمد بن اسمٰعیل کو اگرچہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا اور ابوحاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں ہیں۔	۳۶۱	نکاح اثبات اور اقرار اظہار ہے۔	۱۸۲

اظہار اقرار کے مغائر ہے۔	۱۸۲	حلال و حرام کے مخلوط کا تناول اس لئے ناجائز ہے کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول، تناولِ حرام سے خالی نہیں ہوسکتا۔	۳۶۳
عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ سوال جواب میں معاد ہوتا ہے۔	۲۱۱	عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔	۳۸۴
شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شروطِ فاسدہ باطل ہوجاتی ہیں۔	۲۱۳	شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح زنا ماننا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، وجہ فرق کیا ہے۔	۳۸۴
ہزل، جد کی ضد ہے۔	۲۲۶	عورت کے لئے کفاءت مرد بالاجماع ملحوظ ہے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءتِ زن کا کچھ اعتبار نہیں۔	۳۸۵
ہزل لعب ہے یعنی شیئ سے اس کے غیر موضوع لہ کا ارادہ کرنا۔	۲۲۶	دناءت فراش وجہ غیظ مستفرش نہیں ہوتی۔	۳۸۵
بعد علم حکم بقصد حکم الفاظ تحاور دلیل مراضاۃ ہے۔	۲۲۷	صحت تو حل کو لازم ہے مگر حل صحت کو لازم نہیں۔	۳۸۵
دارالاسلام میں جہل عوارض مکتسبہ میں سے ہے۔	۲۲۸	جواز بمعنی صحت، عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں۔	۳۸۹
کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوا ابھی دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کی تو اس پر شرائع اسلامیہ کا لزوم نہیں کہ اس کے لئے جہل عذر ہے۔	۲۲۸	شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے اس کے لئے مقدمہ اور داعی کو بھی حرام بتاتی ہے۔	۳۹۴
قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔	۲۹۸	مقولہ مسلمہ ہے کہ مقدمۃ الحرام حرام۔	۳۹۴
نہی منافی صحت نہیں۔	۳۰۵	داعی کے لئے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں۔	۳۹۵
تحریم مطلق کی نفی سے حل مطلق کا اثبات نہیں ہوتا۔	۳۰۹	جو دو بلاؤں میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔	۴۳۴
حجت قاصرہ من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہوتی ہے۔	۳۳۸	خلاف متفرد اجماع میں قادح نہیں۔	۴۸۳
تخصیص کی دلیل پیش کرنا مدعی تخصیص کے ذمہ ہے۔	۳۵۵	ظاہریہ مبتدع ہیں اجماع میں ان کے خلاف کا کچھ اعتبار نہیں کہ متبدع امت دعوت ہیں امت اجابت نہیں۔	۴۸۳
دخول حرام طور پر بھی ہو تو موطوہ کی دختر کے لئے موجب تحریم ہوجاتا ہے۔	۳۵۵	سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوتا۔	۴۸۳
اگر کوئی طاہر شیئ جو کہ حرام ہو کسی حلال میں اس طرح مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو وہ حلال خود حرام نہیں ہوجاتا بلکہ اپنی حلت پر قائم رہتا ہے۔	۳۶۳	جو حکم کتاب وسنت مشہورہ اور اجماع کے خلاف ہو وہ مردود ہے۔	۴۸۴

جو نسب سے حرام ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہے۔	۴۹۱	نکاح فضولی اجازت پر موقوف ہوتا ہے اسے باطل جاننا باطل ہے۔	۱۴۵
اخوت رشتہ متکررہ ہے کہ دونوں طرف سے یکساں قائم ہوتا ہے۔	۴۹۶	اجازت نکاح جس طرح قول سے ہوتی ہے یونہی فعل اور دلالتِ حال سے بھی، اور اس کی چند مثالیں۔	۱۴۵
اصل علت حرمت جزئیت ہے۔	۴۹۹	بکر وثیب کا فرق صرف در بارہ سکوت ہے کہ بکر کا سکوت اذن ہے ثیب کا نہیں۔	۱۴۸
جزئیت نسب میں ظاہر اور رضاعت میں شرعًا معتبر ہے۔	۴۹۹	اجازت مفسوخ ومردود کو لاحق نہیں ہوتی۔	۱۵۳
دو شخصوں میں علاقہ جزئیت کی دو صورتیں ہیں۔	۴۹۹	عقد فضولی محض فضول اور نامقبول نہیں بلکہ اجازت صاحبِ اجازت پر موقوف ہوتا ہے۔	۱۶۱
علاقہ جزئیت سے حرمت میں چار صورتیں ہیں۔	۵۰۰	عاقدین کے کلام سے جو مقدم ہو وُہ ایجاب ہے اور جو مؤخر ہو وہ قبول۔	۱۶۸
تحری دلائل شرعیہ میں سے ہے۔	۵۱۳	شروط فاسدہ سے نکاح نہیں فاسد ہوتا خود وہی باطل ہوتی ہیں۔	۱۷۵
قول فاسق کے صدق پر اگر تحری واقع ہو تو وہ معتبر ہے۔	۵۱۳	بیع واجارہ وقسمت وغیرہ شروطِ فاسدہ سے فاسد ہوتے ہیں۔	۱۷۵
گناہ مسقط ولایت نہیں۔	۵۲۱	وعدے کی تعلیق بالشرط جائز ہے۔	۱۷۷
فسخ مانع ولایت نہیں۔	۵۲۲	نابالغ کا اقرار وانکار کچھ نہیں اجازت اس کے ولی کی درکار۔	۱۸۰
ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔	۶۲۴	بالغہ اگر آواز سے اجازت لیتے وقت روئے تو یہ رَد ہے۔	۱۸۰
فاسق اعتقادی فاسق عملی سے بدتر ہے۔	۶۹۸	نکاح وتزویج یہ دو لفظ عقد نکاح میں صریح ہیں اور عطا وہبہ وصدقہ وغیرہ کنایہ۔	۱۸۳
فضل نسب سے فضل علم زائد ہے۔	۷۱۲	نکاح عقد ہے اور منگنی وعدہ ہے۔	۱۸۴
شرف علم اقوی اور بلند وبالا ہے۔	۷۱۲	نکاح خواں اور شہود کا بینا ہونا ضروری نہیں۔	۱۸۸
فوائد فقہیہ		شہود ابتدائے نکاح میں شرط ہیں یعنی بے ان کے منعقد نہ ہوگا، بقا میں شرط نہیں یعنی شاہدوں کا بقاءِ نکاح کے لئے باقی رہنا ضروری نہیں۔	۱۹۱
بالغہ پر ولایت اجبار نہیں۔	۱۱۰		

مکروہ تنزیہی کا ارتکاب معصیت نہیں۔	۲۰۴	قاضی کوئی شرط نکاح نہیں آدمی جس سے چاہے نکاح پڑھوائے۔	۲۹۶
جان کا رکھنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔	۲۰۵	قاضی نکاح کے شرعًا کچھ اختیارات نہیں، نہ وہ اجرت کا مستحق جبکہ نکاح دوسرے نے پڑھایا ہو۔	۲۹۷
شریعت وعقلِ سلیم کا یہ تقاضا نہیں کہ ہلکی شیئ کو بچانے کے لئے ثقلِ عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔	۲۰۵	نکاح خوانی کے قاضی "اسماء سمیتموھا انتم و اباؤکم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن" کے قبیلہ سے ہیں۔	۲۹۷
عقود میں معانی کا اعتبار ہے یہاں تک کہ نکاح میں بھی۔	۲۱۳	خدا نے مردوں کو دو دو تین تین چار چار عورتیں حلال فرمائیں، عورت کے لئے یہی حکم کیوں نہیں ہوا۔	۳۰۱
جد یہ ہے کہ شئے سے اس کے موضوع لہ کا ارادہ کیا جائے۔	۲۲۶	نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ ہے۔	۳۱۳
ہزل اور مجاز میں فرق۔	۲۲۶	کسی عورت سے نکاح اس کی دختر کی تحریم کیلئے نہ تو علت ہے اور نہ ہی جزءِ علت۔	۳۵۴
جہل باللسان تقصیر نہیں۔	۲۲۹	ماں سے صحبت دختر کے لئے علتِ تحریم ہے اور یہ قطعًا مزنیہ میں بھی ثابت ہے۔	۳۵۴
مرد کا ارتداد بالاجماع فسخ نکاح فی الحال ہے۔	۲۴۴	وُہ صورتیں جن میں ایسی عورت سے دخول کیا جو اس کیلئے حلال نہیں مگر اس دخول سے موطوہ کی دختر حرام ہوگئی۔	۳۵۵
عورت کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہوگئی جب تک اسلام نہ لائے۔	۲۴۵	تحریمِ دختر کے لئے نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے۔	۳۵۵
مجبوری مانعِ جوازِ نکاح نہیں ہوتی۔	۲۴۵	نکاح معنی وطی میں حقیقت ہے یا مجاز متعارف۔	۳۵۶
تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد وعباد پر نظر رکن اعظم تفقہ ہے۔	۲۶۳	امر فرج میں شرعًا احتیاط واجب ہے۔	۳۵۶
لڑکی کَے برس میں بالغ ہوتی ہے۔	۲۷۴	اصل فرج میں حرمت ہے جب تک حل ثابت نہ ہو حرمت ہی پر حکم ہوگا۔	۳۵۶
شرع میں غیر کفو کسے کہتے ہیں۔	۲۸۰	مصاہرت مصاہرت میں فرق نہیں۔	۳۵۶
عوام کے محاورہ میں غیر کفو کسے کہتے ہیں۔	۲۸۰	طلاق اور متارکہ میں فرق۔	۳۶۵
نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔	۲۹۵	حرمت مصاہرہ اور حرمتِ رضاعت سے نکاح مرتفع نہیں بلکہ فاسد ہوجاتا ہے۔	۳۶۵

احکام فقہیہ میں واقعات ہی کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ احتمالاتِ غیر واقعیہ کا۔	۳۸۲	ولی اقرب اگر غائب بغیبت منقطعہ ہو تو حق ولایت ولی ابعد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔	۵۲۷
بدمذہب کسی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا۔	۳۸۳	غیبت منقطعہ میں دو قول اصح ہیں ارجح اور اکثر مشائخ کا مختار للفتوی احسن واشبہ بالفقہ یہ کہ اگر ولی یا اس کی رائے کا انتظار کیا جائے تو کفو خاطب فوت ہوجائے گا۔	۵۲۷
اس شبہہ کا جواب کہ جب اہلِ کتاب سے مناکحت جائز ہے تو غیر مقلد سے کیوں جائز نہیں۔	۳۸۴	فاسق نہ صالحہ کا کفو ہے نہ فاسقہ بنت صالح کا۔	۵۳۳
اہل کتاب سے مناکحت کے کیا معنی ہیں۔	۳۸۴	رد قولی، رد فعلی، اجازت قولی، فعلی، سکوتی کی تعریف اور مثالیں۔	۵۳۵
متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں یہی حق ہے، علامہ مقدسی نے اس پر جزم فرمایا۔	۴۲۲	اعتبار کفاءت وقت عقد ہے۔ بعد عقد اگر زائل بھی ہوجائے تو مفسد نہیں۔	۵۴۴
مسئلہ جمع بین الاختین۔	۴۲۲	لڑکا احتلام وانزال اور لڑکی احتلام و حیض و حمل سے بالغ ہوتی ہے۔	۵۶۰
ثبوت حرمت مصاہرت کے لئے مشتہاۃ ہونا ضروری ہے۔	۴۴۵	لڑکا کم از کم بارہ برس کی عمر میں بالغ ہوسکتا ہے اور لڑکی کم از کم نو برس کی عمر میں جبکہ دونوں زیادہ سے زیادہ پندرہ برس میں۔	۵۶۰
"وجود الشھوۃ من احدھما یکفی" کے معنی۔	۴۴۶	استیذان اجنبی بلکہ ولی بعید پر سکوت اذن نہیں۔	۵۷۲
حرمت مصاہرۃ کے لئے دونوں کا مشتہی ومشتہاۃ ہونا ضروری ہے وجود شہوت وقت مس وغیرہ ایک سے کافی ہے۔	۴۴۶	غیبت کی تفاسیر سے کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے۔	۵۸۶
تحقیق الفرق بین المتارکۃ والفسخ۔	۴۴۹	ابن عمۃ الاب ذوی الارحام سے ہے اور دادی ان پر بالاتفاق مقدم۔	۵۹۷
فقہ میں ظن غالب سے ملحق ہے۔	۵۱۰	ماں دادی پر مقدم۔	۵۹۷
جزئیت کا قاعدہ کلیہ۔	۵۱۶	احراز کفو شرع میں سخت مہم ومہتم بالشان ہے۔	۵۹۸
حرمت کے اسباب متعدد ہیں جن میں سے بارہ کا اجمالی ذکر۔	۵۱۷	نابالغ پر تشریع ولایت تزویج کی حکمت۔	۵۹۸
حرمت مصاہرت کے لئے کم از کم مراہقت درکار ہے۔	۵۲۰	ابعد کے لئے حصول ولایت کی تین شرطیں۔	۶۰۰
نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا۔	۵۲۶		

کفاءت کا اعتبار وقت عقد ہے اس وقت کفو تھا بعد میں فاسق معلن وفاجر ہوگیا تو نکاح فسخ نہیں کرسکتا۔	۶۱۰	جس پر متون ہوں وہی عمدہ ہے اور اسی کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے۔	۱۳۰
عاق کرنا شرعا کوئی چیز نہیں، نہ اس سے ولایت زائل ہو۔	۶۴۹	شریعتِ مطہرہ رفق وتیسیر کو پسند فرماتی ہے نہ کہ تضییق وتشدید کو۔	۱۵۱
فقیر محتاج جوذی حرفہ نہ ہو وہ فقیرہ کا کفو بھی نہیں۔	۶۵۸	جہاں چند روایات ہوں وہاں علماء کو ادھر جُھکنا چاہئے جس میں مسلمان تنگی سے بچیں۔	۱۵۱
مطلقہ بطور خود بلارضائے ولی اگر کفو سے بغیر حلالہ نکاح وہمبستری کرے حلالہ نہ ہوگا کہ یہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔	۶۵۹	منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعًا غلط ہے۔	۱۸۴
کتنی عمر میں لڑکی کا نکاح جائز اور کتنی عمر میں ناجائز، سن بلوغ بحکم شرعی کتنی عمر میں ہوتا ہے۔	۶۸۳	"ھل اعطیتنیھا" مجلس عقد میں مفید عقد اور جلسہ وعد میں طلب وعد ہے۔	۱۸۷
کتنی عمر میں نکاح جائز ہوتا ہے جبکہ اس کا کوئی حقیقی وکیل مطلق نہ ہو۔	۶۸۳	الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے۔	۱۸۷
بلوغ کی کیا کیا شرائط اور نشانیاں ہیں۔	۶۸۵	علماء فرماتے ہیں ہمارا زمانہ اجتناب شبہات کا زمانہ نہیں۔	۲۰۵
دیندار متدین عجمی عالم سیدہ کا کفو ہے۔	۷۱۲	محتمل کو مظنون ٹھہرالینا سوئے ظن ہے۔	۲۰۸
عجمی عالم عربی جاہل کا کفو ہے۔	۷۱۲	بے حصول ظن حکم ضرورت نہیں۔	۲۰۸
عالم فقیر جاہل غنی کا کفو ہے۔	۷۱۲	تصادق مرد وزن مثبت نکاح ہے اگر جھوٹ کہا تو زنا اور اولاد ولدالزنا۔	۲۱۳
غیر قرشی عالم جاہل قرشی وعلوی کا کفو ہے۔	۷۱۲	فقہاء مظنہ غالبہ شئی کو قائم مقام شئی کرتے ہیں۔	۲۲۷
فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفاءۃ نہیں۔	۷۳۱	غالب یہی ہے کہ آدمی الفاظ زبان غیر مفہوم کے مقاصد پر بھی مطلع نہیں ہوتا۔	۲۲۸
افتاء ورسم المفتی		جسے اہلِ زمانہ کی پہچان نہیں وہ جاہل ہے۔	۲۶۳
عمل اسی پر جس پر اکثریت ہے۔	۱۲۹	عرف فقہ میں جواز دو معنی میں مستعمل ہے ایک بمعنی صحت اور عقود میں یہی زیادہ متعارف ہے، دوسرا بمعنی حلت اور افعال میں یہی زیادہ مروّج ہے۔	۳۸۵
علیہ الفتوی اور بہ یفتی الفاظ فتوی سے آکد ہیں۔	۱۳۰	زید نے حقیقی بہن کی لڑکی کی لڑکی سے بحکم ایک عالم کے نکاح کیا، یہ نکاح کیسا ہے اور اس عالم کا کیا حکم ہے۔	۴۰۶

بھائی کی رضاعی نواسی سے جواز نکاح کا فتوی دینے والے عالم نہیں بلکہ جاہلوں سے ہزار درجہ بدتر ہیں۔	۴۷۷	عدم کفاءت بوجہ فسق وغیر فسق میں کوئی فرق نہیں۔	۶۳۵
جس نے بغیر علم کے فتوی دیا اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۴۷۷	فرقت عورت کی طرف سے ہو توفسخ، مرد کی طرف سے ہو توطلاق ہے اور قضاء سب کے لئے شرط ہے۔	۶۳۵
حدیث میں ہے لوگ جاہلوں کو رہنما بناکر ان سے سوال کریں گے تو وہ بغیر علم کے فتوی دے کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔	۴۷۷	فاسق اگرچہ غیر معلن ہو صالحہ یا بنت صلحاء کا کفو نہیں ہوسکتا۔	۶۵۸
نقل مذہب غیر میں بارہا لغزش ہوجاتی ہے۔	۴۸۲	جولاہے اور کھال پکانے والے اور موچی اور نائی انکے مثل ذلیل پیشہ ور جو اپنے ذلیل پیشوں کے ساتھ معروف ہوں اگر یہ عالم ہوں جب بھی شرفاء کے کفو نہیں ہوسکتے۔	۷۱۵
قول ضعیف ومرجوع پر حکم وفتوی جہل وخرق اجماع ہے۔	۴۸۴	ہمارے بلاد میں سیدانیاں پٹھان یا مغل عالم سے عار نہیں کرتیں، ہاں ذلیل پیشے والے وُہ اگر عالم ہوں جب بھی عار زائل نہیں ہوتی۔	۷۱۵
مقلد کو اپنے امام کے خلاف حکم جائز نہیں۔	۴۸۵	اگر ذلیل پیشہ وروں سے کوئی عالم ہو اور وہ اپنے پیشہ کو اتنی مدت سے چھوڑ چکا ہو کہ لوگ اسے بھول گئے ہوں اور قلوب میں اس شخص کی وقعت اور نگاہوں میں عظمت ہوگئی ہو اب اس سے شرفاء کی بیٹیوں کو عار نہ ہو تو یہ بھی کفو ہوسکے گا۔	۷۱۵
جو فتوی پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔	۴۹۰	سیدانیوں سے پٹھان یا مغل وغیرہ غیر سید کے نکاح کا حکم۔	۷۱۶
دیوبندیوں سے فتوی پوچھنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔	۵۱۴	رذالت اور شرافت شرعًا قوم پر منحصر ہے یا نہیں۔	۷۱۹
محل خفاء میں تناقض مقبول ومعفو ہے۔	۵۷۴	نکاح میں کفاءۃ معتبر اور کفاءۃ کا مدار عرف پر ہے۔	۷۲۸
ولی اقرب کے غائب ہونے کی کل بہتر صورتیں اور ان کے حکم کا ضابطہ۔	۵۹۳	قریش بعض ان کے کفو ہیں بعض کے۔	۷۳۲
مذہب معتمد پر غیبت منقطعہ میں سفر در کنار شہر سے باہر ہونا بھی شرط نہیں۔	۶۰۲		

عقائد وکلام		ارتکابِ حرام سے نہ کافر ہوتا ہے نہ حنفیت سے خارج۔	۲۴۱
قبل نکاح اگر کفر صریح کیا اور بے توبہ نکاح کیا تو نکاح باطل اور اولاد ولد الزنا۔	۱۵۳	اہلسنت و روافض میں باہم نکاح منعقد ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۴۴
نکاح کے بعد اگر زوجین میں سے کوئی معاذاللہ مرتد ہوگیا تو اس کے بعد کے جماع سے جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی۔	۱۵۳	اور اگر کچھ روز بعد لڑکی رافضیہ ہوجائے تو نکاح رہے گا یا نہیں۔	۲۴۴
ایسے کلمات کفر کے صدور پر جن سے قائل کو کافر نہ کہیں، تجدید اسلام و تجدیدِ نکاح کا حکم ضرور ہوگا، مگر اولاد ولدزنا نہ ہوگی۔	۱۵۳	دوران عدت نکاح کو حلال جان کر پڑھانے والا اسلام سے خارج اور اس کا اپنا نکاح بھی گیا۔	۲۶۶
نابالغ عاقل کہ کفر کرے یا کفر پر مطلع ہو کر اسے پسند کرے تو کافر مرتد ہے۔	۱۷۱	معتدہ کے نکاح میں دانستہ شریک ہونیوالے نے اگر اس نکاح کو حرام جانا تو گنہگار ہے اور اگر حلال جانا تو اسلام سے خارج ہوگیا۔	۲۶۶
رضا بالکفر بھی کفر ہے۔	۱۷۱	یہ کلمہ کہ "اگر ادھر کعبہ بھی ہوجائے تو سر نہ جھکاؤں گا" کلمہ کفر ہے ایسا کہنے والے پر توبہ اور تجدید اسلام لازم ہے۔	۲۶۹
مشرک سے استعانت نہ چاہئے خصوصًا امورِ دینیہ میں۔	۱۷۲	صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا وہابیہ ملاعنہ پر شدید تازیانہ کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بھروسا ہے۔	۲۸۳
اللہ تعالٰی کفر کو نہیں بخشے گا۔	۲۰۲	سیف اللہ سے وہابیوں کی گردن اُڑ گئی قرآن مجید میں فرمایا کہ اللہ ورسول کے دینے پر راضی ہوں۔	۲۸۳
تعظیمًا جمع کا لفظ خدا کی شان میں بولنا جائز ہے یا نہیں جیسے اللہ جلّ شانہ یُوں فرماتے ہیں۔	۲۰۷	فرقانِ حمید نے ارشاد کیا کہ اب ہمیں دیتے ہیں اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے۔	۲۸۳
تجدید ایمان خیر محض ہے۔	۲۰۸	اللہ تعالٰی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔	۲۹۴
وہابیہ کی گمراہیوں پر مطلع ہوتے ہوئے اگر کسی نے ان کو معظم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لئے بلایا ہے تو بعد توبہ و تجدید اسلام تجدید نکاح لازم ہے۔	۲۲۰		

روافض کے بعض عقائد کفریہ۔	۳۲۸	جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے اسی طرح ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔	۳۷۸
روافض کے اقسام واحکام اور ان کے بعض عقائد کفریہ کا ذکر۔	۳۴۵	ضروریات دین کے منکر کے کفر وعذاب میں شک کرنے والا باجماع علماء کافر ہے۔	۳۷۸
محبت میں آدمی اندھا بہرا ہوجاتا ہے۔	۳۶۸	طوائف ضالہ کے عقائد باطلہ میں کفریات لزومیہ بکثرت ہیں۔	۳۷۸
دل پلٹتے اور خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی۔	۳۶۹	جمہور ائمہ کرام وفقہائے اعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتٰی بہ یہی ہے جو کسی ایک مسلمان کو کافر اعتقاد کرے وُہ خود کافر ہے۔	۳۷۹
بدمذہب کو اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر اور زہر قاتل ہے۔	۳۶۹	حدیث میں ہے کہ جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی۔	۳۸۰
بدعتیوں سے انس اور دوستی کرنے والا ایمان کے نور اور حلاوت سے محروم ہوجاتا ہے۔	۳۷۳	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن بتائے اور وُہ ایسا نہ ہو تو اس کا قول اسی پر پلٹ آئے گا۔	۳۸۰
جو اس زمانے میں ان چاروں مذہبوں سے خارج ہو وُہ بدعتی اور دوزخی ہے۔	۳۷۴	حدیث وفقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر کرنے والے پر حکم کفر لازم آتا ہے۔	۳۸۰
اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح محض باطل اور زنا ہے۔	۳۷۴	خود کفریات بکنایات پر راضی ہونا یا انہیں برا نہ جاننا یا ان کے لئے معنی صحیح مانناسب کا ایک ہی حکم ہے۔	۳۸۱
مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں۔	۳۷۴	جو وہابی کسی ضروری دین کا منکر نہ ہو اور نہ ہی کسی ضروری دین کے منکر کو مسلمان کہتا ہو تو اس کو برائے احتیاط کافر نہ کہیں گے، اور یہی احتیاط جو مانع تکفیر ہے مانع نکاح بھی ہے۔	۳۸۲
غیر مقلد عقیدہ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو تب بھی اس سے نکاح بحکم آیت وحدیث منع ہے۔	۳۷۴	یہ کون سی شرع ہے کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی۔	۳۸۲
عقائد کفریہ قطعیہ کی چند مثالیں۔	۳۷۷	بدمذہب کی محبت سم قاتل ہے۔	۳۹۱
مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے۔	۳۷۷	بدمذہبی ہلاک حقیقی ہے۔	۳۹۱
کبرائے وہابیہ اور مجتہدین روافض کو پیشوا وامام یا مسلمان سمجھنے والا کافر ہے۔	۳۷۸	بدمذہب کی تعظیم حرام ہے۔	۳۹۶

جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے اسلام کو ڈھادینے میں مدد کی۔	۳۹۶	حکم شرع کو باطل اور مسئلہ کفار کو صحیح ماننے والے صریح کفار و مرتدین ہیں ان سے میل جول حرام ہے۔	۴۳۴
فاسق شرعًا واجب الاہانۃ ہے اور اس کی تعظیم ناجائز ہے۔	۳۹۶	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔	۴۳۴
منافق کو سردار کہہ کر مت پکارو کہ اگر وہ تمہارا سردار ہے تو بے شک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا ہے۔	۳۹۷	مرتدین سے میل جول کے بارے میں والدین کی اطاعت ناجائز ہے۔	۴۳۴
بدمذہب کتّا ہے بلکہ کتّے سے بھی بدتر ہے۔	۳۹۹	جو کسی امر کفار کو اچھا جانے فقہاء اس کی تکفیر کرتے ہیں یہاں تک اگر یوں کہے کہ وقت طعام ترک کلام مجوسیوں کی اچھی بات ہے یا ترک مجامعت بحالت حیض مجوسیوں کی اچھی رسم ہے توکافر ہوجائے۔	۴۳۵
بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتّے ہیں۔	۳۹۹	اگر کوئی کسی کو کہے کہ حکم شرع یوں ہے وہ جواب میں کہے کہ میں تو اپنی رسم کے مطابق کام کرتا ہوں شرع سے نہیں۔ تو بعض علماء کے نزدیک کافر ہوجائے گا۔	۴۳۵
حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قاذف کافر ملعون ہے جو اسے کافر نہ جانے خود کافر ہے۔	۴۱۶	فرقہ ظاہریہ مخالف ائمہ اربعہ وتمام مجتہدین ہے ان کے امام داؤد ظاہری کو اہل سنت سے جاننا جہل وسفاہت ہے وہ ہرگز اہلسنت نہیں۔	۴۷۹
جو شخص اپنی دختر یا خواہر کا نکاح قاذف یا مرتد سے کرے وہ دیوث ہے	۴۱۶	فرقہ ظاہریہ کی مخالفت کا کچھ اعتبار نہیں۔ نہ ان میں سے کسی کی تقلید جائز، ظاہریہ مسلوب العقل ہیں کہ قیاس جلی کے منکر ہیں۔	۴۸۰
اللہ تعالٰی قیامت کے دن تین شخصوں پر نظر رحمت نہیں فرمائے گا، ماں باپ کا نافرمان، مردوں سے مشابہت رکھنے والی عورت اور دیوث۔	۴۱۶	عقل وتمیز کے بعد نابالغ کا ارتداد واسلام صحیح ہے۔	۵۰۸
تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے، دیوث، مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔	۴۱۶	مرتد لوگ بہت بچپن میں اپنی اولاد کو عقائد کفریہ سکھاتے ہیں۔	۵۰۸
غیر نبی کو نبی سے افضل ماننا کفر ہے۔	۴۲۰	غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا کفر ہے۔	۶۹۱
جو قرآن عظیم کو ناقص مانے کافر ہے۔	۴۲۰	قطعی کافر کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔	۶۹۱
حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا فقہاء کرام کے نزدیک مطلقًا کافر ہے۔	۴۲۰	ایک شخص کہتا ہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے، کسی نے کہا اگر جاروب کش مسلمان ہوجائے اسے بھی، جواب دیا کچھ مضائقہ نہیں، کیا حکم ہے۔	۷۱۷

سید سے نکاح کرنے والے کو کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے۔	۷۳۰	اس زمانے میں جو مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی) سے خارج ہے وہ بدعتی وناری ہے۔	۲۸۲
ردِّ بدمذہباں		غیر مقلدین زماں کے بہت عقائد کفریہ وضلالیہ ہیں۔	۳۷۳
نکاح میں وکیل یا شاہد غیر مقلد یا وہابی ہے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں۔	۲۱۸	غیر مقلدوں کا گمراہ وبدمذہب ہونا بروجہ احسن ثابت ہے۔	۳۷۳
غیر مقلدوں کی ضلالت کا حد کفر تک پہنچا ہوا نہ ہونا نادر ہے۔	۲۱۸	بدمذہبوں سے کھانا پینا اور بیاہ شادی کرنا ممنوع ہے۔	۳۷۳
جب سے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا مقلد وہابیوں کا حال بھی کٹر اسماعیلیوں جیسا ہوگیا۔	۲۱۸	فی الواقع سنیہ حنفیہ خاتون کا نکاح غیر مقلد وہابی سے یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ۔	۳۷۷
اگر کوئی عورت غیر مقلد بموجب شرع نکاح پڑھائے تو نکاح ہوگا یا نہیں۔	۲۱۹	وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ قطعیہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح باجماع مسلمین بالقطع والیقین باطل محض و زنا صرف ہے۔	۳۷۷
غیر مقلد اور ہندو مشرک سے نکاح پڑھوانے میں فرق۔	۲۱۹	عقائد وہابیہ کے شافی ووافی بیان پر مشتمل دو ۲ رسالوں کا نام۔	۳۷۸
غیر مقلدوں پر صدہا وجہ سے بحکم احادیث صحیحہ وتصریحاتِ فقہیہ حکم کفر لازم ہے۔	۲۱۹	تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مقلدوں کو مشرک کہنا غیر مقلدوں کا مشہور معروف عقیدہ ضلالت ہے۔	۳۷۸
غیر مقلدین میں بہت سے کھلم کھلا ضروریاتِ دین کے منکر اور قطعاً اجماعاً کافر ہیں۔	۲۱۹	معاملات انبیاء واولیاء سے متعلق ادنٰی ادنٰی باتوں پر ممنوع ومکروہ بلکہ مباحات ومستحبات پر جابجا حکم شرعی لگادینا خاص اصل الاصول وہابیت ہے۔	۳۷۸
روافض سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۱	وہابیوں کا خلاصہ اعتقاد یہ ہے کہ جو وہابی نہ ہو مشرک ہے۔	۳۷۸
غیر مقلد شافعی نہیں بلکہ اہلِ بدعت وہوا واہل نار ہیں۔	۲۸۲	وہابیوں کے مذہب پر صرف مسئلہ تقلید میں گیارہ سو ۱۱۰۰ برس کے ائمہ دین، علماءِ کاملین اور اولیاء عارفین سب مشرک قرار پاتے ہیں۔	۳۷۸

علامہ شامی نے وہابیوں کو خوارج میں داخل فرمایا۔	۳۸۰	آج کل کے رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ والا۔	۴۲۰
خوارج کو کافر کہنا واجب ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے ہم مذہب کے سواسب کو کافر کہتے ہیں۔	۳۸۰	رافضیوں کے ساتھ مناکحت حرام قطعی اور زنائے خالص ہے۔	۴۲۰
وہابی ملحد وبے دین ہیں کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔	۳۸۰	جو اپنی بہن یا بیٹی رافضیوں کو دے وہ دیوث ہے۔	۴۲۰
وہابیہ کے مذہب نامہذب پر نہ صرف امت مرحومہ بلکہ انبیاء کرام وملائکہ عظام وخود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی کہ خود رب العزۃ جل وعلا تک کوئی بھی شرک سے محفوظ نہیں۔	۳۸۱	پہلے دور اور موجودہ دور کے رافضیوں میں فرق۔	۴۲۱
بدمذہبوں سے سنیہ کی تزویج ممنوع ہونے پر دلائل۔	۳۹۰	روافض کی تکفیر بوجہ ان کے عقائد ملعونہ مثل رجعت اموات بدنیا واجب ہے۔	۴۴۷
جو عورت کسی بدمذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہی ہے جیسے کُتے کے تصرف میں آئی۔	۳۹۹	آتش جہنم پر جرات غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے۔	۴۹۰
وہابیوں کو نہ خوفِ خدا ہے نہ خلق سے حیا۔	۴۰۳	مرزائی مرتد ہیں۔	۵۰۸
سنیت وہابیت سے صاف مباین ہے لہذا سنی ووہابی کا اجتماع ناممکن ہے۔	۴۰۳	مرتد مرد ہو یا عورت اس کا جہاں بھر میں کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا۔	۵۰۸
کسی وہابی کا سنّی ہونا ایسے ہی محال ہے جیسے رات کا دن ہونا یا نصرانی کا مومن ہونا۔	۴۰۳	بد مذہبوں سے قرابت قریبہ رکھنا بارہا منجر بہ فتنہ وفساد مذہب ہوتا ہے۔	۵۰۸
مشتبہ الحال منکر وہابیت کو پرکھنے کا طریقہ۔	۴۰۴	غیر مقلدوں سے نکاح اور تعلقات کا حکم۔	۵۰۸
سنی کو اپنی دختر رافضی کے نکاح میں دینا کیسا ہے اور سنی باوجود ناجائز کے دے تو کیا حکم ہے۔	۴۱۷	غیر مقلدوں سے میل جول حرام اور ان سے مناکحت ناجائز ہے۔	۵۰۸
زمانہ سلف سے اس وقت سنی اور رافضی کے درمیان قرابت کا کیا باعث، آیا اس وقت میں علماء نے اس طرف توجہ نہیں فرمائی یا اس وقت کے شیعہ اور اب کے روافض میں کچھ فرق ہے۔	۴۱۷	وہابیت ارتداد ہے اور مرتد کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں۔	۵۰۹
کفریات روافض۔	۴۲۰	دیوبندیوں کو مولانا یا نوراللہ مرقدہ کہنا حرام ہے۔	۵۱۴

دیوبندیوں کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہے۔	۵۱۴	مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوی اسلام رکھتا ہو۔	۵۵۱
قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود، پیغمبر ماننے والے کا حکم۔	۵۱۴	قرآن مجید میں جو ایک لفظ، ایک حرف اور ایک نقطے کی کمی بیشی کا قائل ہے یقیناً کافر مرتد ہے۔	۶۹۱
زید نے اپنی دختر بالغہ کا نکاح عمرو سے کیا۔ وقت نکاح عمرو پر رافضی ہونے کا شبہ ہوا تھا اس لئے اس سے دریافت کیا اس نے انکار کیا اور اپنے آپ کو سنی بتایا اور اپنے سنی ہونے کا اطمینان دلایا باذنِ ہندہ نکاح ہوگیا، رخصت کے بعد محرم میں عمرو کا رافضی ہونا ظاہر ہوا جب سے زید نے لیلٰی کو روک لیا، کیا حکم ہے۔	۶۹۷	**بُیوع**	
بدمذہب اہل جہنم کے کتے ہیں۔	۷۱۴	بیع کا جھوٹا اقرار بیع نہیں۔	۱۲۵
بدمذہب تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔	۷۱۴	ایک کے نرخ پر دوسرے کا نرخ کرنا ممنوع ہے۔	۱۹۷
سیر		اگر ناآشنایانِ عربی نے "بعتُ اشتریت" بقصد بیع وشرا کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں تو ضرور بیع ہو جائے گی۔	۲۲۷
مرتد یا بالغ اگر بزعمِ ولایت اپنے بیٹے بیٹی یا بہن بھائی یا کسی نابالغہ کا نکاح پڑھائے تو کس صورت میں باطل محض ہوگا۔	۱۷۳	نفیس وخسیس میں بیع بالتعاطی منعقد ہو جاتی ہے۔	۲۲۷
دربارہ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ ان کا نکاح نہ کسی مسلم ومسلمہ سے ہو سکتا ہے نہ کافر وکافرہ سے نہ مرتد و مرتدہ ان کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے غرض تمام جہان میں کسی سے نہیں ہو سکتا۔	۳۶۷	اذانِ جمعہ کے وقت بیع صحیح ہوگی اگرچہ ممنوع وگناہ ہے۔	۳۸۵
مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت و مرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی سے نہیں ہو سکتا۔	۳۷۷	افیون و حشیش کی بیع کا حکم۔	۳۸۶
کتابیہ حربیہ سے نکاح عندالتحقیق ممنوع وگناہ ہے۔	۴۰۰	مردار، خون اور حر کی بیع باطل محض ہے کہ محل بیع ہی نہیں کیونکہ مال نہیں۔	۵۴۲
دارالحرب میں حربیہ سے زنا کی تحلیل کو امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرنا محض باطل ہے۔	۴۸۲	نابالغ نے نکاح کیا یا کچھ بیچا یا خریدا اجازت پر موقوف رہے گا اگر قبل اجازت ولی بالغ ہوگیا تو خود اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔	۶۲۲

خیار		جھوٹی گواہی اکبر کبائر اور بُت پوجنے کے برابر ہے۔	۲۰۱
نکاح میں خیار عیب نہیں۔	۱۱۷	جھوٹی گواہی دینے والا وہاں سے ہٹنے سے قبل مستحقِ نار ہوجاتا ہے۔	۲۰۲
خیار عیب کو نکاح میں کچھ دخل نہیں۔	۱۹۳	صرف عورتوں کی شہادت سے نکاح نہیں ہوسکتا، یونہی غلاموں اور بچوں کی شہادت سے۔	۲۱۶
دعوی		مرتد کی گواہی معتبر نہیں۔	۲۱۹
اگر کوئی شخص کسی بیع کا دعوی کرے اور مدعا علیہ قسم سے بچنے یا کچہری کی ذلت سے گریز کرنے کے سبب اقرار کرلے تو بیع قضاءً ثابت ہوجائیگی اور احکام، وجوب تسلیم ولزوم شفعہ وغیرہ جاری ہوں گے لیکن یہ مدعی کاذب وہ گھر کیا لے گا درحقیقت آگ لے گا۔	۱۳۱	شہادت اقرار اگرچہ مثبت زنا ہونے کی صلاحیت نہ رکھے مگر مثبت اقرار ہے۔	۳۳۴
عورت نکاح کے تین سال بعد کہتی ہے کہ میں اپنی والدہ کے سبب مجبور تھی اب اس کے بعد خود مختار ہوں، شوہر نے دھوکا دیا کہ اس کے بیوی بچے نہیں ہیں، نکاح میری لاعلمی میں ہوا، کیا اس صورت میں اسے فسخ نکاح کا دعوی پہنچتا ہے۔	۲۴۵	بینہ سے جو ثابت ہو وُہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے جیسے معائنہ سے۔	۳۳۴
باپ دختر کی منگنی کرکے فوت ہوگیا بغیبت والدہ دختر چند اشخاص نے بجبر اس دختر بالغہ کو ایک گھر میں کردیا، ماں نے دعوی دائر کیاجواب میں دعوی ہوا کہ متوفی کے بھائی نے جو دوسرے باپ سے ہے بے اجازت دختر ووالدہ دختر نکاح کردیا کیا حکم ہے۔	۶۲۰	اثبات زنا میں شہادت زنان وشہادت دو مرد ہرگز مسموع نہیں۔	۳۳۴
شہادت		لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں اور ہمیں شیعہ جانتے ہو تو اطمینان کے لئے ہمیں سنی کرلو، ان کے ہم وطن شیعہ کہتے ہیں کہ یہ سنی ہیں، یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاؤ کرتے دیکھا اور بعض مسلمان شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ نہیں ہیں اور ان کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے، کیا حکم ہے۔	۴۶۸
شہود کا الفاظ ایجاب وقبول کے لفظی معنی سمجھنا ضرور نہیں، اتنا ضرور ہے کہ نکاح ہونا سمجھیں۔	۱۳۸		

دو شخصوں نے کہا کہ لڑکے کا باپ اور لڑکی کی ماں ناجائز تعلقات رکھتے ہیں لڑکی کے باپ نے قرآن شریف اٹھانے کو کہا، انکار کیا اور چلے گئے ثبوت نہ ہوا، کیا حکم ہے۔	۴۶۸	مسلمان پنچ شوہر کی موجودگی میں تفریق کرسکتا ہے۔	۵۶۴
قضاء		حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کے علاوہ تمام معاملات میں پنچ کا فیصلہ مثل فیصلہ قاضی ہے۔	۵۶۴
حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضاء جس طرح ظاہرًا نافذ ہوتی ہے یونہی باطنًا بھی۔	۱۲۷	ریاست اسلامی میں جو مسلمان قاضی ایسا ہو جو خاص اس شہر کے لئے نہ ہو نہ کسی مذہب خاص پر قضا کے لئے مقید ہو تو وہ بھی تفریق کرسکتا ہے اگر مدعی اور مدعا علیہ وہاں کے نہ ہوں۔	۵۶۴
قاضی شرع کون ہے۔ یہاں کون حق فسخ و تفریق رکھتا ہے۔	۴۴۳	فسخ بوجہ کفاءۃ قاضی ہی کے یہاں ہوسکتا ہے۔	۶۳۶
اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم نائب شرع ہے بشرطیکہ وہابی، رافضی، قادیانی وغیرہ نہ ہو۔	۴۴۴	جہاں قاضی نہ ہو کیا وہاں اعلم علمائے اہل بلد سے فسخ کرالیا جائے۔	۶۴۷
قاضی مجتہد، مجتہد فیہ میں اپنی رائے کے خلاف اگر حکم کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۸۵	قاضی جسے علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین زندہ ہیں وہ والدین کے بے پوچھے کسی غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے لئے کیا حکم ہے۔	۶۶۷
جس کا کوئی ولی نسبی نہ ہو اس کا ولی قاضی شرع ہے، نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ جہاں قاضی شرع نہ ہو جیسے اکثر دیار ہندوستان وہاں اعلم علمائے اہل ہر بلد صاحب فتوی فقیہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۵۴۹	**اقرار**	
زوج کی عدم موجودگی میں قاضی تفریق نہیں کرسکتا بلکہ بوقت تفریق اس کی حاضری ضروری ہے۔	۵۶۳	مجرد اقرار زوجیت حقیقۃً نکاح نہیں یعنی اگر گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول نہ ہوئے ہوں تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں اگرچہ کہتا ہو کہ یہ میری زوجہ ہے۔	۱۲۳
ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں شرعی دار القضا نہیں لہذا ان حکام کے فسخ کئے نکاح فسخ نہ ہوگا۔	۵۶۳	کسی کے لئے مال کا غلط اقرار کیا تو وہ مال مقرلہ کی ملک نہ ہوگا۔	۱۲۶
		اگر کوئی شخص کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت انکار کردے پھر وہ شخص اس کو کچھ دے کر اس سے اس بات پر صلح کرلے کہ وہ اس نکاح کا اقرار کرے، اب عورت نے اقرار کرلیا تو یہ اقرار جائز اور مال لازم ہوگا۔ اگر یہ اقرار شہود کے سامنے ہوا ہو اب اگر عورت پھر انکار کرے گی تو قاضی اس کا یہ انکار نہ سنے گا۔	۱۳۰

اصطلاح فقہ میں کسی کا حق ثابت کی خبر دینے کو اقرار کہتے ہیں۔	۱۷۷	جہاں تک مقر پر اقرار کا ضرر ہے ماخوذ اور جتنا دوسرے پر الزام ہے منبوذ ہوگا۔	۳۳۸
زید نے اپنی سالی سے زنا کا اقرار کیا پھر انکار، اس کے اقرار زنا پر قاضی کے سامنے شہادت گزری، اس شہادت اقرار زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں، اور ہندہ زوجہ زید اس پر حرام ہوگی یا کیا۔	۳۳۳	اگر کوئی شخص کہے یہ میری رضیعہ ہے۔ پھر خطا کا اعتراف کرے تو سچا مانا جائے گا اور اسے اس کے ساتھ نکاح جائز ہوگا جبکہ اپنے اقرار پر ثابت نہ رہے۔	۵۷۴
اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا تو کیا حکم ہے۔	۳۳۴	**صُلح**	
دار القضاء سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا۔	۳۳۵	صلح اقرب عقود شرعیہ کی طرف راجع کی جاتی ہے۔	۱۳۲
اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا۔	۳۳۵	اگر کوئی مرد کسی عورت پر نکاح کا دعوی کرے اور عورت منکر ہو پھر وہ عورت اسے کچھ مال دے کر اس پر صلح کرے کہ وہ اس دعوی سے باز آجائے تو جائز اور یہ مدعی کے زعم میں معنی خلع میں ہوجائے گا مگر فقہاء نے فرمایا کہ اسے اس مال کا اخذ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی حلال نہ ہوگا جبکہ وہ اپنے دعوی میں مبطل ہے۔	۱۳۲
اثباتِ مصاہرت کے لئے ثبوت زنا کی اصلاً حاجت نہیں مجرد اقرار زنا کافی ہے۔	۳۳۵	بعض دین پر صلح صحیح ہے اور باقی کے دعوی سے براءت بھی ہوجائے گی یعنی فقط قضاءً نہ دیانۃً اسی لئے اگر وہ موقع پائے گا تو اسے باقی کا لے لینا جائز ہوگا۔	۱۳۲
اگرچہ ہزل ومذاق میں ایک بار اقرار کیا کہ اس نے ساس سے زنا کیا حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگئی پھر لاکھ انکار کرے مسموع نہ ہوگا۔	۳۳۶	کسی وظیفہ مقررہ سے کچھ رقم لے کر دوسرے کے حق میں فارغ ہوجائے اور دوسرا اس سے وعدہ کرے کہ اگر میرا یہ روپیہ تو واپس کردے گا تو تیرا یہ وظیفہ مقررہ لوٹا دوں گا، اس سے اس پر لوٹانا واجب نہ ہوگا۔	۱۷۸
اگر کسی سے کہا گیا کہ تو نے اپنی بیوی کی ماں سے کیا کیا، اس نے کہا میں نے اس سے جماع کیا، تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اگرچہ وُہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا۔	۳۳۶	**اجارہ**	
مرد اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔	۳۳۷		

کسی نے اپنا مکان کرایہ پر دے دیا تھا پھر اسی مکان کو کسی اور کے ہاتھ بیچ دیا اب مشتری کرایہ وصول کرتا ہے مگر بائع سے وعدہ کرلیا ہے کہ جب تو ثمن مجھے واپس کرے گا تو مکان واپس کردوں گا اور کرایہ کے روپے ثمن سے مجرا دوں گا، مشتری کے پاس بائع ثمن کے روپے لایا اور کرایہ کے روپے اس میں سے مجرا کرنے کو کہتا ہے، اگر مشتری حسبِ وعدہ ایسا کرے تو بہتر ہے ورنہ اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۱۷۸	مؤکل اگر وکیل کے لئے ثمن کی تعیین کردے تو وہ بلااجازت مؤکل دوسرے کو وکیل بنا سکتا ہے۔	۱۵۱
نکاح خواں کو اجرت لینا دینا کیسا ہے۔	۲۵۵	توکیل کسی کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے۔	۱۶۳
اگر اجرت اپنے صرف میں نہ لائے کارِ خیر میں صرف کرے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۵	محض اظہار رضا توکیل نہیں۔	۱۶۳
نوشہ کے سر پر پگڑی رکھنے کے لئے اس کے پھوپھا یا بہنوئی آتے ہیں دوسرا نہیں رکھ سکتا اور وُہ بے روپیہ لئے نہیں رکھتے روپیہ کم ہوتا ہے تو اصرار کرتے ہیں یہ لینا دینا شرعًا کیسا ہے اور اسے ضروری حق جاننا اور اصرار کرنا کیسا ہے۔	۲۵۵	وکیل کا مسلم وبالغ ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم ونابالغ سمجھدار بھی وکیل ہوسکتا ہے۔	۱۷۲
وکالت		مرتد کی وکالت جائز ہے۔	۱۷۲
جب تک وکیل بالنکاح ماذون مطلق یا بصراحت دوسرے کو وکیل کردینے کا مجاز نہ ہو اور وکیل نہیں کرسکتا۔	۱۴۳	اگر وقتِ توکیل وکیل مسلمان ہو پھر مرتد ہوجائے تو وکالت باطل نہ ہوگی جب تک دارالحرب میں نہ چلا جائے۔	۱۷۲
بیع وشراء اگر وکیل اول کے سامنے عقد کرے تو جائز ہے اور خصومت، تقاضی، نکاح اور طلاق وغیرہ میں جائز نہیں۔	۱۴۳	مجنون اور ناسمجھ بچہ وکیل نہیں ہوسکتا۔	۱۷۲
وکیل کا وکیل اگر وکیل اول کے سامنے پڑھادے اور وُہ جائز کردے تو نکاح نافذ ہوجائیگا بخلاف طلاق وعتاق کے۔	۱۴۹	بلوغ وحریت صحتِ وکالت کے لئے شرط نہیں۔	۱۷۲
وکیل نکاح معبر محض ہے حقوق نکاح مؤکل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔	۱۵۰	توکیل مجرد ایجاب سے تمام ہوجاتی ہے قبول پر موقوف نہیں ہوتی اگرچہ رد کردینے سے رد ہوجاتی ہے۔	۲۱۰
ادائے زکوٰۃ کا وکیل بغیر اذنِ مؤکل دوسرے کو وکیل کرسکتا ہے۔	۱۵۰	مرتد کو وکیل بنانا جائز ہے۔	۲۱۸
دین وصول کرنے کا وکیل بغیر اذن موکل اپنے عیال کو وکیل کرسکتا ہے۔	۱۵۱		

وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں۔	۲۴۳	بچے پر حد نہیں۔	۵۶۲
حدود وتعزیر		دارالاسلام میں وطی حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتی۔	۵۸۱
مسلمان حر عاقل بالغ عفیف پر زنا کی تہمت لگانے والا اگر چار گواہ عادل پیش نہ کرے تو اسے اسی ۸۰ کوڑے لگائے جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے وُہ مردود الشہادۃ ہوگا۔	۱۹۵	**قسم**	
اگر تین گواہ معائنہ زنا کی گواہی دیں اور چوتھا نہ ہو تو ان گواہوں پر حدِ قذف لازم آتی ہے۔	۱۹۵	جس نے کسی بات پر قسم کھائی پھر اس نے غیر کو اس سے بہتر جانا تو اسے چاہئے کہ جس کو بہتر دیکھ رہا ہے وہی کام کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔	۱۹۹
شبہہ نکاح سے حد ساقط اور عقد ثابت ہوجاتا ہے۔	۲۰۷	ولی کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول۔	۶۷۷
اگر دو مرد یا دو[۲] عورتیں اور ایک مقذوف بالزنا کے اقرارِ زنا پر شہادت دیں تو قاذف اور شہود پر حدِ قذف نہ لگائی جائے۔	۳۳۴	**اخلاق**	
اگر دو مرد کسی کے زنا پر اور دو اس کے اقرار زنا پر شہادت دیں تو حد نہیں لگائی جائے گی۔	۳۳۴	صحبت خصوصا بدکا اثر پڑ جانا احادیث وتجارب صحیحہ سے ثابت ہے اس کے لئے پانچ مؤیدات۔	۳۹۲
تین[۳] مردوں نے زنا اور ایک نے اقرارِ زنا پر شہادت دی تو تین مشہود پر حدِ قذف لگے گی۔	۳۳۴	اچھے برے ہمنشین کی تمثیل وکہاوت۔	۳۹۲
حرمتِ مصاہرہ کے باوجود تفریق سے قبل اگر شوہر نے وطی کی تو اس پر حد لازم نہ ہوگی۔	۳۶۵	گمراہوں سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں کہیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔	۳۹۲
امام مالک کی طرف حلت متعہ کی نسبت کرنا صحیح نہیں، امام مالک متعہ کرنے والے پر حد زنا نافذ کرتے ہیں۔	۴۸۲	مصاحب پر مصاحب کو قیاس کرو۔	۳۹۲
حنیفہ ودیگر ائمہ کے نزدیک متعہ حرام ہے مگروہ اس پر حد زنا نافذ نہیں کرتے۔	۴۸۲	برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا۔	۳۹۳
جرمانہ لینا حرام ہے اور حرام شے مسجد میں صرف کرنا حرام ہے۔	۵۱۴	ایک ہمنشین جس قدر دوسرے پر دلالت کرتا ہے اس قدر کوئی اور شئے دوسری شئے پر دلالت نہیں کرتی۔	۳۹۳
شبہہ دافع حد ہے۔	۵۶۲	حدیث میں ہے کہ محبت اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔	۳۹۳

آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر دوستی کیا کرو۔	۳۹۳	اللہ تعالٰی ائمہ کے مقابلے کا مزہ چکھاتا ہے۔	۴۹۰
ظالموں کی طرف میل مت کرو ورنہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔	۴۳۳	عالم دین عام مومنین سے سات درجے بلند ہے، ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو برس کی راہ ہے۔	۷۱۳
فضائل ومناقب		دین دار متدین عالم ہی در حقیقت عالم ہے۔	۷۱۳
قاضی خاں نے کہا کہ امام خصاف علم میں بڑے ہیں ان کی اقتدا جائز ہے۔	۱۱۳	**حقوق العباد**	
جو اپنے جان ومال، دین ومذہب اور اہل وعیال کی حفاظت میں مارا جائے وہ شہید ہے۔	۲۰۵	ذمہ پدر لازم کہ وُہ کرے جو اولاد کے حق میں بہتر ہو۔	۱۹۹
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قرآن اور قرآن کی مثل اور عطا کیا گیا ہے۔	۲۷۳	بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر جو ظلم ہے اس کا بدلہ ضرور ہونا ہے۔	۲۰۲
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حرام کیا ہوا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالٰی کا حرام کیا ہوا۔	۲۷۳	مسلمان کی لاٹھی بھی اس کی مرضی کے بغیر لینی جائز نہیں۔	۲۰۳
مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کا حکم ہے کہ جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں اس کو لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو۔	۲۷۳	عورتوں کو ضرر پہنچانے اور ان پر تنگی کرنے کی قرآن عظیم سے ممانعت۔	۲۹۹
باتفاق علماء سب سے پہلے ام المومنین خدیجہ الکبرٰی شرفِ ارادات سے مشرف ہوئیں۔	۳۲۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ ضرر رسانی۔	۳۰۰
حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب سے افضل واکمل مرید تھے۔ اولیاء فرماتے ہیں: تا جہاں ست نہ ہیچو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیرے بود نہ ہیچو صدیق مریدے۔	۳۲۶	مرد عورتوں پر حاکم ومسلط ہیں۔	۳۹۵
رستغفنی امام معتمد ہیں قول وفعل میں اگر روز قیامت ان کی روایت پر عمل میں ہم سے گرفت ہوئی تو ہم ان کا دامن پکڑیں گے کہ ہم نے ان کے ارشاد پر عمل کیا۔	۳۸۹	عورت پر سب سے بڑھ کر حق اس کے شوہر کا ہے۔	۳۹۵
جنت سنت کے آٹھ باب جو ہادی حق وصواب ہیں۔	۴۰۵	اگر غیر خدا کو سجدہ روا ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔	۳۹۵

ایذاء والدین اشد کبائر ہے۔	۴۳۴	نکاح باعلان ہونا اور ایجاب وقبول سے پہلے خطبہ اور مسجد میں نکاح ہونا اور جمعہ کے دن ہونا اور نکاح خواں عالم باعمل ہونا مستحب ہے۔	۱۸۸
ناحق ایذاء مسلم حرام کہ بحکم حدیث وہ ایذا رسول ہے اور ایذا رسول ایذاء اللہ ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۲۵	جاہل کی نکاح خوانی قطعاً خلافِ اولٰی ہے۔	۱۹۰
حظر واباحت		جاہل کی مضاربت خلافِ اولٰی ہے۔	۱۹۰
ناچ رنگ، باجے گاجے جہاں ہوں وہاں نکاح کا حکم۔	۱۰۹	کسی کی منگیتر کو پیغام نکاح دینا مکروہ اور ارتکاب شناعت ہے۔	۱۹۷
ناچ اور اکثر باجے حرام ہیں کفر نہیں اور دیکھنے سننے والا فاسق ہے۔	۱۰۹	مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصد تزویج مذموم وبیجا قابلِ مواخذہ ہے۔	۱۹۷
امر بالمعروف ونہی عن المنکر امور اسلام سے ہیں مگر بے محل تشدّد وتعصب گناہ ہے اور یہ بلا وہابیہ میں بہت زیادہ ہے۔	۱۰۹	اگر کسی عذر شرعی سے منگنی کرکے دوسرے سے نکاح کردے تو قباحت نہیں۔	۱۹۷
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ایک حد ہے کہ اس سے تجاوز ارتکاب منکر ہے	۱۱۰	جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہے اسے ان میں سے اخف واہون کو اپنانا چاہئے۔	۲۰۰
زوجین سے اگر کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ ناچ حلال ہے تو کیا حکم ہوسکے گا۔	۱۱۰	نوشہ سے کہنا تم نے قبول کی، چاہئے یا نہیں۔	۲۰۷
مرتد سے نکاح پڑھوانے کا حکم۔	۱۷۳	عاقدین بالغین کو قبل از عقد کلمے اور صفت ایمان مجمل ومفصل پڑھانا ضرور ہے یا نہیں۔	۲۰۷
ایفائے وعدہ محبوب ہے اور پورا نہ کرنا ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔	۱۷۶	عاقدین بالغ ہیں پسر کا ولی چار ماہ کی مہلت چاہتا ہے اگر مہلت دی جائے تو یہ گناہ ہے یا نہیں۔	۲۰۸
عقد کرنے والا دیندار متقی مسائلِ نکاح سے واقف ہونا چاہئے۔	۱۸۸	نکاح میں اور نماز میں اور نماز جنازہ میں سہل انکاری نہ کرنی چاہئے۔	۲۰۹
فاسق بددیانت قابل اعتماد نہیں جب وہ خود حرام وحلال کی پروانہیں کرتا تو اوروں کے لئے احتیاط کی کیا اُمید۔	۱۸۸	مرتد سے میل جول حرام ہے۔	۲۱۸
		زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو۔	۲۳۵

عورت افعال خبیثہ کا ارتکاب کرے اور شوہر بقدر انسداد نہ کرے تو دیّوث ہے۔	۲۳۵		
نکاح کا خطبہ سنت اور کلمے پڑھانا ایک اچھی بات ہے۔	۲۳۶		
متعہ حرام ہونے کا قرآن عظیم سے ثبوت۔	۲۳۶	تن بخشی کوئی چیز معتبر ہے یا نکاح۔	۲۵۸
رنڈی سے نکاح کا کیا حکم ہے۔	۲۳۷	نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں یہاں تک کہ اسی دن کے بچے کا۔	۲۶۱
وہ جائز بات جس سے فتنہ و نفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے ناجائز ہوجاتی ہے۔	۲۳۷	پیٹ کے بچّے کا نکاح نہیں ہوسکتا۔	۲۶۱
جس نے متعہ کیا ہو وُہ حنفی رہا یا نہیں۔	۲۳۹	باہر پھرنے والی یا طوائف سے نکاح کیسا ہے۔	۲۶۵
جمعہ کی نماز سے پہلے نکاح جائز ہوتا ہے یا نہیں۔	۲۴۱	محرم اور صفر میں نکاح منع ہے یا نہیں۔	۲۶۵
اپنی کنیز شرعی سے نکاح باطل ہے۔	۲۴۲	عدت کے اندر نکاح باطل وحرام ہے۔	۲۶۶
دوسرے کی کنیز سے اس کی اجازت سے نکاح جائز ہے۔	۲۴۲	عدت کے اندر نکاح پڑھانے والے نے اگر حرام جانکر پڑھایا تو سخت گنہگار اور زنا کا دلال ہے مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا۔	۲۶۶
کچھ لے کر نکاح کردینا حرام اور وُہ روپیہ رشوت ہے۔	۲۴۳	عدت کے اندر نکاح کرنے والے مرد وزن پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں ورنہ برادری والے ان دونوں کو قطعًا برادری سے خارج کردیں، ان سے بول چال نشست وبرخاست سب یک لخت ترک کردیں۔	۲۶۷
منگنی کے بعد دوسرے سے نکاح کا حکم۔	۲۵۰	احد الفریقین سنی المذہب دوسرا شیعہ امامیہ طریق رکھتا ہے ان کے درمیان شرعًا مناکحت جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۸
ایک سید نے ایک چماری کو مسلمان کرکے نکاح کرلیا تو وہ گنہگار ہوا یا نہیں اور اس سے ترک موالات اور برادری سے نکالنا کیسا ہے۔	۲۵۳	زید نے جمع بین الاختین کیا تو بیبیاں کیسی ہیں اور اولاد کیسی ہے، ترکہ پانے کی مستحق ہیں یا نہیں۔	۲۷۱
زید پیشہ وکالت کرتا ہے اور قاضی ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۵۶	نوشہ کا وقتِ نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعًا کیسا ہے۔	۲۷۷

اپنی لڑکی کا ہزار دو ہزار روپیہ لے کر کفو یا غیر کفو سے نکاح کردیتے ہیں، یہ نکاح کیسا ہے اور وہ رقم کیسی۔	٢٧٨	شیعہ وغیرہ بدمذہبوں سے شادی کرنا کیسا ہے۔	٣٦٧
شافعی حنفی مذہب پر صحیح طور پر نکاح پڑھائے تو کچھ حرج نہیں۔	٢٨١	بدمذہب سے دوستی و محبت ناجائز ہے، اس سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔	٣٦٨
نکاح موقوف میں قبل اجازت وطی حرام ہے۔	٢٨٨	آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔	٣٦٨
عورت سے بحالت حمل زنا، نکاح و قربت کا حکم۔	٢٨٨	آدمی اپنے خالص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔	٣٦٨
جیٹھ سے نکاح درست ہے یا نہیں۔	٢٩٠	بدمذہب عورت سے نکاح میں یہ خیال کہ ہم اس کو سنی کرلیں گے محض حماقت ہے۔	٣٦٨
بلاعذر شرعی ترک جمعہ وجماعت کی عادت موجبِ فسق، مسقطِ عدالت اور وجہ رد شہادت ہے۔	٣٠٤	سنیہ حنفیّہ کا نکاح غیر مقلد وہابی سے کرنا ممنوع و ناجائز اور گناہ ہے۔	٣٧٣
قرآن و حدیث سے بی بی کو علمِ دین سکھانا اور اس پر عمل کی ہدایت کرنا لازم اور بڑے اجر کا کام ہے۔	٣٢٧	اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔	٣٩٠
حرامی عورت کا نکاح سنی مرد سے ہوگا یا نہیں۔ اور اس کی بطنی اولاد میں کچھ نقصان واقع ہوگا یا نہیں	٣٢٩	اپنے اختیار سے ایسی جگہ جانا حرام ہے جہاں منکر ہو اور انکار نہ ہوسکے۔	٣٩٠
بوسہ لب خواہی نخواہی بنظرِ شہوت ٹھہرے گا لاکھ ادعا کرے کہ میں نے بشہوت نہ لیا تھا قبول نہ ہوگا اور امام محمد بن الہمام کے نزدیک بوسہ رخسار میں ایسا ہی ہے۔	٣٤٢	کون سی کتابیہ سے نکاح جائز ہے۔	٤٠٠
استاذ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں۔	٣٤٣	کتابیہ سے بے ضرورت نکاح مکروہ ہے۔	٤٠٠
شاگرد عورت سے استاد کا نکاح کیسا ہے۔	٣٤٣	سنی کو اپنی دختر رافضی تبرائی قاذف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں، اور باوجود ناجائز کے بھی ایسا کرے تو کیا حکم ہے۔	٤١٥
حرمت متعہ کا بیان از احادیث و قرآن۔	٣٤٩	فاسق معلن سے ابتداء بالسلام مکروہ ہے یونہی بوڑھا مذاقی، کذاب، لاغی، گالیاں بکنے والا، اجنبی عورتوں کو گھورنے اور تاک جھانک کرنے والا، گانے والا اور کبوتر باز وغیرہ۔	٤١٨
اللہ تعالٰی نے تا قیامِ قیامت متعہ حرام فرمایا۔	٣٥٠		

مرتکب حرام کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے والا بھی اسی کی مثل ہے۔	۴۱۹	**ترغیب وترہیب**	
گمراہ وبددین کو بیٹی دینا شرعاً گناہ وممنوع ہے۔	۴۲۰	ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔	۲۰۲
مسئلہ نکاح زن رافضیہ باسنی۔	۵۳۶	دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا، دوسرے کی اسے پروانہیں، اور تیسرے میں سے کچھ نہ چھوڑے گا۔	۲۰۲
تبرائی رافضی کے ساتھ نکاح باطل محض ہے۔	۴۵۷	مسلمان کو ایذاء پہنچانا اللہ اور رسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔	۲۰۴
آوارہ عورتیں جو بے پردہ رہتی کھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں جن سے زنا بھی ثابت ہوا حمل گرائے گئے ہوں یا طوائف کا نکاح بے استبراء رحم جائز ہے یانہیں۔	۴۶۶	ظلم وگناہ پر اعانت کرنا ظلم کی مثل ظلم وحرام اور استحقاق عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔	۲۰۴
حلت غراب کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد کرنے کے لئے چلا حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا۔	۲۰۴
ممانی اور بھاوج سے مذاق کا حکم۔	۵۰۶	نکاح پریشان نظری وبدکاری سے رُکنے کا سبب ہے۔	۲۲۱
مرزائی کی نابالغہ دختر سے عقد جائز ہے یا نہیں۔ مرزائی مرگیا ہے، دختر اپنے مذہب سے بالکل ناواقف ہے۔	۵۰۷	تبدیل مذہب پر سوءِ خاتمہ کا اندیشہ ہے۔	۲۴۰
مسلمان مرد یا عورت کے بدھ جین ہندو دہریہ وغیرہ سے نکاح کا حکم۔	۵۱۰	جھوٹ اور بے اصل بات قائم کرکے شریعت کو تکلیف دینی سخت بیہودگی ہے۔	۲۶۱
مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔	۵۱۱	یہ ناجائز ہے کہ مہر باندھے اور ادا کی نیت نہ ہو۔	۲۸۳
کتابیوں کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔	۵۱۱	حدیث میں ہے کہ وُہ حشر میں زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے۔	۲۸۳
بحکم حدیث اسلام ضرر وضرار سے پاک ہے۔	۶۲۹	کسی مسلمان کو ناحق ایذا دینا اللہ ورسول کو ایذا دینے کے مترادف ہے۔	۲۹۲
زید حرامی مگر مسلمان دیندار ہے، اس کی اولاد سے حلالی اپنی اولاد کا عقد کرسکتے ہیں یانہیں۔	۷۲۸	جو شخص کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج کو دیکھے وہ ملعون ہے۔	۳۶۴
سیدہ سے غیر سید نے نکاح کیا اس پر لوگ اسے کافر کہتے ہیں، کافر کہنے والوں کا کیا حکم ہے۔	۷۳۰		

عورت اور اس کی دختر کی فرج کو دیکھنے والے پر روز قیامت اللہ تعالٰی نظرِ رحمت نہ کرے۔	۳۶۴	نکاح سُنی با دخترِ رافضی صحیح ہے یا نہیں اور اولاد مستحقِ ترکہ پدری ہے یا نہیں۔	۳۲۸
بدمذہبوں سے دوستی کرنے والا بحکمِ قرآن انہی میں سے ہے۔	۳۹۱	اجماعًا نکاح فاسدہ و باطل میں توارث جاری نہیں ہوتا۔	۳۴۱
آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔	۳۹۱	حرمت مصاہرہ کے باوجود اگر خاوند نے نہ چھوڑا اور وطی کرتا رہا تو پیدا ہونے والی اولاد ماں اور باپ دونوں کی وارث بنے گی تاہم زن و شوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔	۳۶۶
گناہ کی نحوست فاعل کے غیر پر بھی ہوتی ہے۔	۴۱۹	اولادِ زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے۔	۳۶۶
جو کسی عورت کو اس سے بگاڑ دے بحکم حدیث وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گروہ سے نہیں۔	۴۲۵	**حساب**	
عورت کو اپنے شوہر سے توڑ کر دوسرے کے نکاح میں کرا دینا اشد واخبث ظلم ہے۔	۴۲۶	دینار شرعی ساڑھے چار ماشے سونے کا تھا۔	۲۴۸
جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر گنی گئی ہے۔	۴۲۶	مہر حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا چار سو مثقال چاندی تھا۔ جو یہاں کے حساب سے ایک سو ساٹھ روپے بھر ہوتا ہے۔	۲۴۸
جھوٹے گواہ کے قدم اپنی جگہ سے ہٹنے نہیں پائیں گے کہ اللہ تعالٰی اس پر عذاب جہنم واجب کردے گا۔	۴۲۶	مہر اکثر ازواج مطہرات پانچ سو درہم تھا۔ جو یہاں کے ایک سو چالیس روپے بھر ہوتا ہے۔	۲۴۸
عورت کو شوہر سے بگاڑنے والے پر وعید شدید۔	۵۳۱	**منطق**	
گمراہ پڑھا لکھا جاہلوں سے بدتر ہے کہ جہل مرکب سخت بری بلا ہے اور اس میں مبتلا ہونے والا دونوں جہانوں میں سخت ذلیل و حقیر ہوتا ہے۔	۷۱۳	سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ کلیہ نہیں ہوسکتی۔	۳۰۹
ہبہ		نفاذ اخص من وجہ ہے حل اور صحت سے یعنی کبھی نفاذ ہوگا حل اور صحت نہیں ہوں گے اور کبھی حل و صحت ہوں گے نفاذ نہ ہوگا۔	۳۸۷
اپنی دی ہوئی چیز پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتا قے کرکے اسے پھر کھا لیتا ہے۔	۳۹۹	لزوم کبھی صحت و نفاذ میں نسبت عموم و خصوص مطلق کی ہے۔	۳۸۸
فرائض		لزوم اور حل میں نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے۔ (حاشیہ)	۳۸۸
کنیز سے جو اولاد ہو صحیح النسب اور ترکہ کی مستحق ہے۔	۲۴۲		

بلاغت		اسی ۸۰ درجہ عرض سے آگے لوگوں کا گزر کیوں نہیں ہوسکتا۔	۲۲۱
مجاز کے لئے قرینہ کی حاجت ہوتی ہے۔	۱۵۵	ستر درجہ کے آگے آبادی کا پتا نہیں۔	۲۲۱
استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے۔	۱۶۴	قطب شمالی اور قطب جنوبی میں روز وشب کی مقدار اور اس کی وجہ۔	۲۲۱
لُغت		نہار تنجیمی اور عرفی وشرعی کا فرق۔	۲۲۱
ہماری زبان میں صیغہ ماضی مقرون بہ لفظ خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لئے ہے، نہ امر غیر واقع کے انشاء وایجاد کے لئے۔	۱۸۲	قطبین شمالی وجنوبی میں قمر و کواکب کا طلوع کب کب کس کس طرح ہوتا ہے اور کیسے کیسے غروب، اور کب تک طالع رہیں گے اور کب تک غارب۔	۲۲۱
جواز کہ یہ دونوں اطلاق (بمعنی صحت وحلت) تو شائع وذائع ہیں اور ان کے سوا کچھ اور اطلاقات بھی ہیں۔	۳۸۶	**تاریخ وتذکرہ**	
جواز کا اطلاق کبھی نفاذ کے معنٰی پر بھی ہوتا ہے۔ (حاشیہ)	۳۸۶	سلاطین کے دینار کوئی معین نہیں مختلف تھے۔	۲۴۸
جواز کبھی لزوم کے معنی کے لئے آتا ہے۔	۳۸۷	مہر حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا چار سو مثقال چاندی تھا۔	۲۴۸
قلب کو قلب کہتے ہی اسی لئے ہیں کہ وہ منقلب ہوتا ہے۔	۳۹۴	مہر اکثر ازواج مطہرات پانچ سو درہم تھا۔	۲۴۸
السبت مصدر ہے اور اس کا معنٰی ہے تعظیم السبت۔	۴۳۳	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مہر میں دو ۲ روایتیں ہیں۔	۲۴۸
نحو		حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے خطبہ میں مہر کثیر باندھنے پر انکار شدید فرمایا تو ایک خاتون نے آیہ کریمہ "واٰتیتم احدٰھن قنطارًا" تلاوت کی جس پر آپ نے فورًا اپنے انکار سے رجوع فرمالیا۔	۲۸۳
حال اور عامل میں مقارنت ضروری ہے۔	۱۴۰	سروجی کون ہیں، کیسے ہیں۔	۳۰۶
ہیئت		رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے روز متعہ اور گدھے کے گوشت سے منع فرمادیا۔	۳۵۰

متعہ ابتدائے اسلام میں تھا پھر قرآن میں اس کی حرمت نازل ہونے سے یہ حرام ہوگیا۔	۳۵۰	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی سیدہ ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تھیں امیرا لمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں۔	۷۳۰
غزوہ تبوک کے موقع پر کچھ صحابہ نے متعہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے اس کی حرمت کو بیان فرمایا۔	۳۵۰	**متفرقات**	
تقلید شخصی کی سخت شدید تاکید فرمانے اور اس کے خلاف کو منکر وشنیع و باطل قرار دینے والے ائمہ کے نام۔	۳۷۸	شیطان کبھی حسنات کے حیلہ سے اغوا کرتا ہے۔	۱۰۹
حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں فاطمی ہیں اسی لئے آپ کو محض کہا جاتا ہے آپ کے وصال کے بعد آپ کی قبر پر ایک سال تک آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے خیمہ بنائے رکھا۔	۴۳۱	اخبار وانشاء میں بداہۃ تباین ہے۔	۱۲۸
غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین نے ایک وہابی خیال مولوی کے غلط فتوی پر مہر تصدیق لگادی اور اعلٰیحضرت کی طرف سے گرفت پر اس سے رجوع کیا دوسرا فتوی اس پہلے کے رد میں لکھا گیا اور عذر گناہ بدتر از گناہ پیش کیا۔	۴۸۹	استفہام اور عقد اقسام انشاء میں سے دو متباین قسمیں ہیں۔	۱۵۵
کلکتہ کے مولوی لطف الرحمٰن بردوانی نے محارم سے نکاح کے جواز کے بارے میں جہاں بھر کے علماء کو مخاطب کرتے ہوئے ایک طویل عربی سوال چھپوایا جس کے جواب میں اعلٰحضرت نے دلائل ونصوص پر مشتمل ایک رسالہ "نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان" تحریر فرمایا۔	۴۹۰	عقد ووعد میں تباین ہے۔	۱۸۴
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور پر نور کے رضاعی بھائی بھی ہیں۔	۴۹۱	آدمی نہ تبدل رائے سے محفوظ نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے سے مامون۔	۱۹۹
حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں کیونکہ دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا۔	۴۹۲		

مفہوم لفظ، لغوی، شرعی، عرفی، حقیقی اور مجازی کی طرف مقسوم ہوتا ہے جبکہ حکم لفظ، غرض، غایت، مقصود اور ثمرہ وغیرہ سے موسوم ہوتا ہے اور ان دونوں پر لفظ کے معنی، مضمون حتی کہ موضوع لہ کا بھی اطلاق آتا ہے اگرچہ اول کے بعض اقسام میں وضع نوعی ہے۔	۲۲۵	عورتوں کو شوہروں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے۔	۳۶۹
خواص وکنیز میں کیا فرق ہے۔	۲۴۲	عورتیں زیادہ نرم دل ہوتی ہیں۔	۳۶۹
عینی کی عبارت "وعنه فی الرجل یشرب الشراب الٰی قوله قال السروجی وھما قولان باطلان" کا مطلب کیا ہے "ھما" کا مرجع کیا ہے۔	۳۰۵	عورتیں ناقصات العقل والدّین ہیں۔	۳۷۰
مریدہ پیر پر حرام ہے یا حلال، اور ازواج مطہرات حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مریدات تھیں یا نہیں۔	۳۲۵	مرد اور عورت میں کئی وجوہ سے فرق۔	۴۰۲
متعدد مثالیں جہاں حرام شئی حلال کو حرام کردیتی ہے۔	۳۶۳	شرح وقایہ کے شعر "از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند، واز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع" پر بحث۔	۴۹۷
زوجیت وہ عظیم رشتہ ہے جو خواہی نخواہی انس ومحبت والفت پیدا کرتا ہے۔	۳۶۸	شعر مذکور کا مطلب بیان کرنے میں صاحب عمدۃ الرعایہ کی شدید غلطی۔	۴۹۸
		پسر ودختر کے لئے اقل عمر مراہقت کا بیان۔	۵۲۰

I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتابُ النّکاح

(نکاح کا بیان)

مسئلہ ۱: جس شادی میں رقص اور باجا وغیرہ ممنوعات شرعیہ ہوں وہاں نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس میں شک نہیں کہ یہ ناچ اور اکثر باجے شرعًا حرام ہیں اور ان کے دیکھنے سننے کا مرتکب فاسق و گنہگار، مگر کفر نہیں کہ نکاح ہی نہ ہو، شرع مطہر میں نکاح صرف اس سے ہو جاتا ہے کہ مرد و زن ایجاب و قبول کریں اور دو گواہ سُنتے سمجھتے ہوں، باقی اس کا کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہونا شرط نہیں۔ شیطان کے طرق اغوا سے ایک بدتر طریقہ یہ بھی ہے کہ آدمی کو حسنات کے حیلہ سے ہلاک کرتا ہے۔ **امر بالمعروف ونہی عن المنکر** عمدہ تمغائے مسلمانی ہے۔ اس نیک کام میں بہت لوگ حدود خداوندی کا خیال نہیں رکھتے اور تشدد و تعصب کو یہاں تک نباہتے ہیں کہ ان کا گناہ ان جاہلوں کے گناہ سے بدر جہا زائد ہو جاتا ہے جن کے لیے یہ ناصح مشفق بنے تھے، اور یہ بلا حضراتِ وہابیہ میں بہت ہے ذرا ذرا سی بات کو کفر، شرک، بدعتِ ضلالت مخل اصل ایمان کہہ دیتے ہیں اور مطلق پاس ولحاظ اسلام و مسلمین دل میں نہیں لاتے۔ اسی طرح یہ قائل بھی اوروں کو ناچ گانے سے روکتا تھا اور خود اس سے اشد گناہ یعنی شریعت مطہرہ پر افتراء کیا معہذا اس پر لازم کہ اہل ہند اکثر عوام مسلمین مرد و زن کو **معاذ اللہ** زانی وزانیہ اور ان کی اولاد کو ولد الزنا ٹھہرائے حالانکہ حق سبحٰنہ و تعالٰی فرماتا ہے:

یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۱۷﴾ [1]	اللہ تعالٰی تمھیں دوبارہ کبھی اس طرح کرنے سے منع فرماتا ہے بشرطیکہ تم مومن ہو۔(ت)

غرض امر بالمعروف ونھی عن المنکر کی بھی ایک حد مقرر ہے کہ اس سے تجاوز آدمی کو خود ترک معروف وارتکابِ منکر میں مبتلا کردیتا ہے۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ [2]	جس نے حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔(ت)

ہاں اگر دُولھا دلھن میں سے کسی کا یہ عقیدہ ومذہب ہو کہ رنڈیوں کا یہ ناچ حلال ومباح ہے تو وہاں اس حکم کی گنجائش ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲: از شہر کہنہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۰۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ماقولھم رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین اس صورت میں کہ شخص واحد کا متولی ہونا دونوں طرفوں نکاح کا جبکہ وہ اصیل ایک طرف سے ہو اور ولی دوسری طرف سے ہو ساتھ ایسے ایجاب کے کہ قائم مقام قبول ہے۔ جیسے ابن العم نے سامنے گواہوں کے کہا "زوجت بنت عمی فلانۃ من نفسی" (جیسے چچازاد کہے کہ میں نے اپنی چچازاد فلاں لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کیا۔ت) جائز ونافذ ہے یا نہیں۔ اور یہ جواز ونفاذ باجماع علمائے حنفیّہ رحمھم اللہ تعالٰی کے ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر بنتِ عم نابالغہ ہے اور اس ابنِ عم سے اقرب اس کا کوئی ولی حاضر نہیں، یا بالغہ ہے اور ابن عم نے خاص اپنے ساتھ نکاح کرنے کا اس سے اذن لے لیا ہے عام ازیں کہ اس کے لیے اور ولی اقرب ہو یا نہ ہو "فان ھذہ وکالۃ ولاولایۃ مجبرۃ علی البالغۃ" (تو یہ وکالت ہے بالغہ پر جبری ولایت نہیں ہے۔ت) ائمہ ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک یہ شخص کہ ایک جانب سے اصیل دوسری طرف سے ولی یا وکیل ہے طرفین نکاح کا متولی ہوسکتا ہے خلافاً للامام زفر رحمہ اللہ تعالٰی (امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے اس سے اختلاف کیا ہے۔ت) ہدایہ میں ہے:

یجوز لابن العم ان یزوج بنت عمه من نفسه [3]۔	چچازاد کو جائز ہے کہ وہ چچازاد لڑکی کا اپنے ساتھ نکاح کرلے۔(ت)

[1] القرآن ۲۴/۱۷

[2] القرآن ۱/۶۵

[3] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۰۲

فتح القدیر میں ہے: **الصغیرۃ بغیر اذنہا والبالغۃ باذنہا**[1] (صغیرہ کا نکاح بغیر اجازت اور بالغہ کا اجازت سے کرے۔ ت) ہدایہ میں ہے:

وقال زفر رحمہ اللہ تعالٰی لایجوز، واذا اذنت المرأۃ للرجل ان یزوجہا من نفسہ فعقد بحضرۃ شاھدین جاز وقال زفروالشافعی رحمہما اللہ تعالٰی لایجوز اھ[2] **اقول: وبہ ظہر ان مافی ردالمحتار من نفاذخمس صور بالاتفاق وھی التی لافضولی فیہا من جانب، فانما اراد الاتفاق من ائمتنا الثلثۃ لاجمیع الائمۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔**	امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ جائز نہیں۔اور جب کسی عورت نے کسی مرد کو اپنے ساتھ نکاح کی اجازت دے دی تو اس مرد نے اگر دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے نکاح کرلیا تو جائز ہے۔اور امام زفر اور شافعی رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ناجائز ہے اھ (ت) **اقول** (میں کہتا ہوں) اس سے واضح ہوا کہ ان پانچ صورتوں کے بارے میں جن میں سے کسی جانب سے خود نکاح کرنے والا فضولی نہ بنے، ردالمحتار کا "بالاتفاق" کہنا اس سے ان کی مراد صرف امام ابوحنیفہ، امام یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق ہے تمام ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اتفاق مراد نہیں ہے۔ (ت)

پس ان صورتوں میں اس کی تنہا عبارت قائم مقام عبارتین ایجاب وقبول ہوجائے گی اور عبارت دیگر کی حاجت نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

اذا تولی طرفیہ فقولہ زوجت یتضمن الشطرین ولایحتاج الی القبول[3]۔	جب یہ شخص نکاح کی دونوں طرفوں کا ولی ہو تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے نکاح کرلیا، ایجاب وقبول دونوں طرفوں کو شامل ہوگا اور اب قبول کہنے کی ضرورت نہیں، نکاح کرلیا یا نکاح کردیا کہے دونوں طرح جائز ہے۔ (ت)

عام ازیں کہ یہ شخص وہ لفظ ادا کرے جن میں خود اصیل ہے مثلاً "**تزوجت**" یا وہ جس میں ولی یا وکیل ہے جیسے "**زوجت**" **خلافا للامام شیخ الامام بکر خواھر زادہ فی الثانی** (امام شیخ الاسلام بکر خواہر زادہ کا دوسرے یعنی "نکاح کردیا" کہنے میں خلاف ہے۔ت)

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/۱۹۶

[2] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۰۲

[3] الہدایۃ فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۰۲

فتح القدیر میں ہے:

قال شیخ الاسلام خواھر زادہ ھذا اذا ذکر لفظا ھو اصیل فیہ امااذا ذکر لفظا ھونائب فیہ فلایکفی، فان قال تزوجت فلانۃ کفی وان قال زوجتھا من نفسی لایکفی لانہ نائب فیہ وعبارۃ الھدایۃ وھی ماذکرناہ انفاصریحۃ فی نفی ھذا الاشتراط وصرح بنفیہ فی التجنیس ایضا،فی علامۃ غریب الروایۃ والفتاوی الصغری [1] الخ۔ **قلت** وعلی ھذا عول فی الدر وغیرہ من المعتبرات وافاد البحر وغیرہ ضعف خلافہ۔	شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب وہ اپنے اصیل ہونے کو تعبیر کرے، یعنی "میں نے نکاح کرلیا" کہے، لیکن اگر اس نے نائب ہونے کو تعبیر کیااور "نکاح کردیا" کہا تو یہ کافی نہیں، پس اگر اس نے "فلاں عورت سے نکاح کرلیا" کہا، تو وہ کافی ہے اور اگر یوں کہا کہ "میں نے فلاں عورت کا اپنے ساتھ نکاح کردیا" تو کافی نہ ہوگا کیونکہ اس کہنے میں وہ نائب ہے۔اور ہدایہ کی وہ عبارت جو ابھی ہم نے ذکر کی ہے وہ اس بات کی نفی میں صریح ہے اور تجنیس میں بھی اس کی نفی پر تصریح، غریب الروایۃ اور فتاوی صغری کے حوالے سے کی ہے الخ (ت) **قلت** (میں کہتاہوں۔ت) کہ دُر وغیرہ معتبرہ کتب میں اسی کو معتمد علیہ قرار دیا ہے۔اور بحر وغیرہ نے اس کے خلاف کو ضعیف ظاہر کیا ہے۔(ت)

البتہ مشہود کے سامنے منکوحہ کا متمیز ہوجانا ضرور ہے۔

حتی لوکان حاضرۃ متنقبۃ کفت الاشارۃ وان کان الاحوط کشف الوجہ۔	حتی کہ اگر وہ عورت نقاب پہنے مجلس میں حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ وہ چہرہ کُھلا رکھے۔(ت)

پس اگر بحالتِ غیبت صرف بنتِ عمی یا فلانۃ یابنتِ عمی فلانۃ یا ان کے مثل جس لفظ سے شہود اسے متمیز کرلیں تو اس قدر کافی، ورنہ ذکرِ اب وجد یعنی فلانہ بنتِ فلاں بن فلاں کہنا ضروری ہے۔

خلافا للامام الخصاف ومنتقی الامام الحاکم الشھید والامام شمس الائمۃ السرخسی۔	امام خصاف نے اور منتقی میں امام حاکم شہید اور امام شمس الائمہ سرخسی نے اس کے خلاف قول کیا ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/ ۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لابد من تمییز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفی الجهالة. فان کانت حاضرة متنقبة کفی الاشارة الیها والاحتیاط کشف وجهها فان لم یروا شخصها وسمعوا کلامها من البیت ان کانت وحدها فیه جاز ولو معها اخری فلا لعدم زوال الجهالة وان کانت غائبة ولم یسمعوا کلامها بان عقد لها وکیلها فان کان الشهود یعرفونها کفی ذکر اسمها اذا علموا انه ارادها وان لم یعرفوها لابد من ذکر اسمها واسم ابیها وجدها وجوز الخصاف النکاح مطلقا حتی لو وکلته فقال بحضرتهما زوجت نفسی من موکلتی اومن امرأة جعلت امرها بیدی فانه یصح عنده قال قاضی خان والخصاف کان کبیرا فی العلم یجوز الاقتداء به وذکر الحاکم الشهید فی المنتقی کما قال الخصاف اھ قلت وفی التتارخانیة

بحر میں ہے کہ گواہوں کے نزدیک منکوحہ کا ممتاز ہونا ضروری ہے تاکہ کسی قسم کی جہالت ولاعلمی نہ رہے، پس اگر مجلس میں نقاب پہن کر حاضر ہو تو نکاح میں اس کی طرف اشارہ کافی ہے اگرچہ چہرہ کُھلا رکھنے میں احتیاط ہے۔ اگر مجلس والے اس عورت کی شخصیت کو نہ دیکھ پائیں اور کمرے میں سے اس کی آواز سن رہے ہوں اگر وہ کمرے میں اکیلی ہو تو نکاح جائز ہے اور اگر اس کے ساتھ کمرے میں کوئی عورت بھی ہو تو جائز نہیں، کیونکہ لاعلمی باقی ہے۔ اور اگر وہ عورت مجلس میں موجود نہیں اور اس کی آواز بھی سنی نہیں جاسکتی اس کی طرف سے اس کا نکاح وکیل کر رہا ہو تو اگر گواہ اس عورت کو جانتے ہیں تو نکاح میں عورت کا نام ذکر کردینا کافی ہے جبکہ گواہوں کو علم ہو کہ وکیل کی مراد وہی عورت ہے۔ اور اگر گواہ اس کو نہ پہچانتے ہوں تو عورت، اس کے والد اور دادا کا نام ذکر کرنا ضروری ہے۔ اور امام خصاف نے نام ذکر کئے بغیر بھی جائز کہا ہے مثلا ایک عورت نے نکاح کرنے والے کو گواہوں کے سامنے اپنا وکیل بنایا ہو تو اس سے نکاح کرنے والا یوں کہہ دے کہ میں نے ان گواہوں کی موجودگی میں اپنی مؤکلہ کا نکاح اپنے ساتھ کردیا یا یوں کہہ دے کہ جس عورت نے مجھے اپنے نکاح کا اختیار دیا ہے میں نے اس کا نکاح اپنے ساتھ کردیا، تو اس طرح بھی امام خصاف کے قول پر نکاح صحیح ہوگا، امام قاضی خاں نے فرمایا کہ خصاف کا علم میں بڑا مقام ہے اس کی بات پر

عن المضمرات ان الاول ھوالصحیح وعلیہ الفتوی وکذا قال فی البحر فی فصل الوکیل والفضولی ان المختار فی المذھب خلاف ماقالہ الخصاف وان کان الخصاف کبیرا[1] اھ مافی ردالمحتار ملخصا۔	عمل جائز ہے۔اور حاکم شہید نے بھی منتقٰی میں خصاف جیسا قول کیا ہے اھ قلت اور تتارخانیہ میں مضمرات کے حوالے سے ہے کہ پہلا قول صحیح ہے اورا سی پر فتوی ہے۔بحر میں فضولی اور وکیل کی فصل میں یونہی اس کو مذہب میں مختار قرار دیا ہے جو کہ خصاف کے قول کے خلاف ہے اگرچہ خصاف کا بڑا علمی مقام ہے اھ یہاں رد المحتار کی عبارت کاخلاصہ ختم ہوا۔
[3] **اقول:** وما عزا فی البحر للامام قاضیخان فانما نقلہ قاضی خان عن الامام شمس الائمۃ السرخسی اما ھوبنفسہ فقد قدم عدم الصحۃ ومعلوم انہ انما یقدم مایعتمدہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) بحر میں جو کچھ امام قاضی خاں کی طرف منسوب کیا اس کو قاضی خاں نے امام شمس الائمہ سرخسی سے نقل کیا ہے لیکن خود ان کا موقف عدم صحت ہے جس کو انھوں نے پہلے ذکر کیا ہے اور یہ بات معلوم شدہ ہے کہ وہ اپنے معتمد علیہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں۔(ت)

اور اگر بنتِ عم نابالغہ کے لیے ولی اقرب موجود ہے "**ای غیر غائب بغیبۃ منقطعۃ**" (یعنی لمبے سفر پر غائب نہ ہو۔ت) یا بالغہ سے خاص اپنے ساتھ نکاح کر لینے کا اذن نہ لیا اگرچہ اس نے مطلق تزویج کا اذن دیا ہو، تو ان صورتوں میں یہ ابن العم ایک جانب سے فضولی ہوگا اور جو کسی طرف سے فضولی ہو اُس کے لیے "**تولی شطری النکاح**" جائز نہیں اگرچہ ایجاب وقبول دو عبارتوں جداگانہ میں ادا کرے **ھوالحق الصواب خلاف لما فھم من بعض الکتب** (یہ حق اور صحیح ہے بعض کتب سے جو سمجھا گیا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ت) یہاں تک کہ تنہا اس کا عقد کرلینا امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک باطل محض ہے کہ اس کے بعد اجازت ولی یا بالغہ سے بھی نافذ نہ ہوگا۔

خلافاللامام الثانی حیث جعلہ من الموقوف فان اجاز من لہ الاجازۃ جاز والّا لا۔	امام ثانی (یعنی امام یوسف) نے اس کے خلاف اس نکاح کو موقوف قرار دیا ہے کہ اگر صاحب اجازت اس کو جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ نہیں۔(ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۲

یتولی طرفی النکاح واحد لیس بفضولی ولو من جانب وان تکلم بکلامین علی الراجح[1] ملخصا اھ	جو شخص دونوں جانب سے نکاح کا ولی ہو وہ کسی جانب سے بھی فضولی نہ قرار پائے گا اگرچہ وہ ایجاب وقبول دو کلاموں سے ادا کرے، یہ راجح قول ہے ملخصًا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان فضولیا منهما اومن احدهما ومن الاٰخر اصیلا اووکیلا اوولیا ففی هذه الاربع لایتوقف بل یبطل عندهما خلافا للثانی حیث قال یتوقف علی قبول الغائب کما یتوقف اتفاقا لوقبل عنه فضولی اٰخر **قوله** وان تکلم بکلامین خلافا لما فی حواشی الهدایة وشرح الکافی من انه لوتکلم بکلامین یتوقف اتفاقا ورده فی الفتح بان الحق خلافه ولاوجود لهذا القید فی کلام اصحاب المذهب[2] اھ مختصرًا۔	اگر کوئی شخص دونوں جانب سے فضولی ہو یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصیل ہو یا وکیل یا ولی ہو تو ان چاروں صورتوں میں نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک باطل ہوگا، امام یوسف اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک یہ موقوف ہوگا جس طرح ایک فضولی کی طرف سے ایجاب کو دوسرا فضولی قبول کرلے تو بالاتفاق موقوف ہوتا ہے، **قوله** (اس کا قول) کہ اگرچہ دو کلاموں سے ایجاب وقبول کرے، یہ خلاف ہے اس کے جو ہدایہ کے بعض حواشی اور کافی کی شرح میں ہے کہ اگر دو کلاموں سے اس نے ادا کیا تو بالاتفاق نکاح موقوف ہوگا، اس کو فتح میں رد کردیا گیا ہے کیونکہ حق اس کے خلاف ہے اور اس قید کا اصحاب مذہب میں کوئی وجود نہیں ہے اھ مختصرًا (ت)

تنویر میں ہے:

لابن العم ان یزوج بنت عمه الصغیرة من نفسه[3]۔	چچازاد کو جائز ہے کہ وہ اپنی چچازاد نابالغہ کا خود اپنے ساتھ نکاح کرلے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ مطلب فی الوکیل والفضولی فی النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

شامی میں ہے:

ولایخفی ان المراد حیث لاولی اقرب منه [1]۔	اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سے زیادہ قریب کوئی اور ولی نہ ہو۔ (ت)

شرح علائی میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته [2] اھ **اقول:** فافادان الابعد عند حضور الاقرب فضولی فاذا تولی الشطرین بطل۔	اگر بعید ولی نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نابالغہ کا نکاح کیا تو یہ اقرب ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ (ت) **اقول:** اس کلام کا مفاد یہ ہے کہ اقرب کی موجودگی میں بعید ولی، فضولی قرار پائے گا۔ لہٰذا اگر بعید اس صورت میں دونوں جانب سے ولی بن کر نکاح کرے تو نکاح باطل ہوگا (ت)

اسی میں ہے:

فلو کبیرة فلابد من الاستیذ ان(قبل العقد اھ ش)حتی لو تزوجها بلااستیذان فسکتت اوافصحت بالرضی لایجوز عندهما(لانه تولی طرفی النکاح وھو فضولی من جانبها فلم یتوقف عندهما بل بطل اھ ش)و قال ابویوسف یجوز [3] اھ مزیدا من حاشیة الشامی۔	اگر لڑکی بالغہ ہو تو اس سے اجازت لینا ضروری ہے (قبل از نکاح اھ ش) حتی کہ اگر فضولی نے اس سے خود نکاح بغیر اجازت کرلیا اور لڑکی خاموش رہی یا نکاح کے بعد اس نے رضامندی ظاہر کی تو امام اعظم اور امام محمد کے قول پر نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ بالغہ کی موجودگی میں خود اس کی طرف سے فضولی ہے لہٰذا دونوں اماموں کے نزدیک یہ نکاح موقوف نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اھ ش، اور امام ابو یوسف کے قول پر جائز ہے۔ اضافی عبارت حاشیہ شامی کی ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءة مطلب فی الوکیل والفضولی الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] درمختار باب الکفاءة مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶، ردالمحتار باب الکفاءة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

فتح القدیر میں ہے:

وکلته ان یزوجها مطلقا فانه لو زوجها من نفسه لایجوز[1]۔	اگر بالغہ نے کسی کو کہا کہ میرا نکاح کردے اور کوئی تخصیص نہ کی اس صورت میں اگر اس شخص نے اس کا نکاح خود اپنے ساتھ کرلیا تو جائز نہ ہوگا۔(ت)

الحمد للہ حکمِ مسئلہ مفصل و منقح ہوگیا اور سوال کی صورت کلیہ یعنی "تولی الواحد طرفی النکاح" اور الفاظ جزئیہ یعنی "زوجت بنت عمی فلانۃ من نفسی" (نکاح کی دونوں جانب سے ایک ہی شخص کا ولی بننا اور جزئیہ کے الفاظ کہ میں نے چچا زاد کا نکاح اپنے ساتھ کرلیا۔ت) دونوں کے متعلق احکام وخلافیات علمائے کرام وتصحیحات ائمہ وغیرہا ضروریات متعلقہ مقام، سب نے وضوح تام وانجلائے تمام پایا اسی قدر بس ہے اور زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳: علمائے دین اور مفتیان شرع متین بیچ اس مقدمہ کے کیا فرماتے ہیں ایک عورت ہے کہ اس کے علامت سوائے مخرج بول کے اور نہیں ہے اور نکاح اس کا زید سے ہوگیا ہے، بعد نکاح ہونے کے یہ حال معلوم ہوا، اب اس کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ نکاح صحیح اور نصف مہر ذمہ زید لازم،

فی فتاوی الامام قاضی خان، خیار العیب وھو حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلا ترد المرأۃ بعیب ما[2] وفی الدر المختار الخلوۃ بلا مانع کالوطی فی تاکد المھر انتھی[3] مختصرًا و ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی قاضی خاں میں ہے خیار عیب جو کہ عیب کی وجہ سے حق فسخ کا نام ہے، ہمارے نزدیک یہ نکاح میں ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا کسی عیب کی بنا پر عورت کا نکاح رَد نہ ہوگا، درمختار میں ہے کہ نکاح کے بعد خلوت وطی کی طرح مہر لازم کردیتی ہے بشرطیکہ خلوت کے دوران کوئی مانع نہ ہو اھ مختصرًا وملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح المکتبۃ النوریہ الرضویہ سکھر ۳/ ۱۹۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷

[3] درمختار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹۔۹۸

مسئلہ ۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ انیس بیس برس ایک مکان میں بے تکلف بطور زن وشوہر رہتے، اور زید لباس اور جملہ امور خانہ داری میں اسے مثل زنانِ برادری رکھتا، خاندان میں آمد ورفت اس کی بتقریب شادی وغمی رہتی، اور زوجہ زید مشہور تھی، اور زید مرد پارسا تھا، اس کی وضع پر گمان بدکاری نہیں ہوتا، آیا مرد وزن زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے؟ اور جو لوگ جلسہ نکاح میں موجود نہ تھے مگر اس حال سے واقف ہیں ان کی گواہی سے نکاح ثابت ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ مرد وزن، زوج وزوجہ تصور کئے جائیں گے یہاں تک کہ جو اشخاص اس حال سے واقف ہیں ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دے سکتے ہیں، ہدایہ میں ہے:

وکذالك لورأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیه الخصوم حل له ان یشهد علٰی کونه قاضیا وکذا اذا رأی رجلاوامرأة یسکنان بیتا ینبسط کل واحد منهما الی الاٰخر انبساط الازواج [1] وفی الخلاصة واما النکاح اذا رأی رجلا یدخل علی امرأة وسمع من الناس ان فلانة زوجة فلان وسعه ان یشهد انها زوجته وان لم یعاین عقد النکاح [2] وفی فتاوٰی قاضیخان ولو رأی رجلا وامرأة یسکنان فی منزله وینبسط کل واحد منهما علی صاحبه کما یکون بین الازواج حل له ان یشهد علٰی نکاحهما [3]۔	اور ایسے ہی اگر کسی نے ایک شخص کو مجلس قضاء پر دیکھا اور اس کے ہاں فیصلے کے لیے مختلف فریقوں کا آنا جانا دیکھا تو اس کو جائز ہے کہ وہ شخص کے قاضی ہونے کی گواہی دے، اور ایسے ہی اگر کسی مرد وعورت کو ایک کمرے میں خاوند بیوی کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ برتاؤ کرتے دیکھا، اور خلاصہ میں ہے کہ نکاح کے ثبوت میں اگر کسی نے ایک شخص کو عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے بھی سنا کہ یہ مرد عورت آپس میں خاوند بیوی ہیں تو دیکھنے سننے والے کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے اس مرد کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے ان کے نکاح کی مجلس نہ دیکھی ہو، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے مرد وعورت کو ایک مکان میں رہتے دیکھا اور ان کو آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف پایا تو اس کے لیے ان دونوں کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے۔ (ت)

[1] ہدایہ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱۵۸/۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵۲/۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الشہادۃ علی النکاح نولکشور لکھنؤ ۱۸۵/۱

اور گواہ اگرانھیں زوج زوجہ بیان کریں اور کہیں ہم جلسہ نکاح میں نہ تھے لیکن یہ امر مشہور ہے توان کی گواہی شرعًا مقبول ہے اور نکاح ثابت ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

بل فی العزمیة عن الخانیة معنی التفسیران یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لو قالا لم نعاین ذٰلك ولکنه اشتهر عندنا جازت فی الکل وصححه شارح الوھبانیة وغیرہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ عزمیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ گواہ تفسیر کرتے ہوئے کہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے۔ لیکن اگر یوں بھی کہہ دیا کہ ہم نے نکاح ہوتے نہیں دیکھا لیکن ہمارے ہاں لوگوں میں مشہور ہے کہ (دونوں میاں بیوی ہیں) تو تمام صورتوں میں شہادت درست ہوگی۔ اس قول کو شارح وہبانیہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

عُبَابُ الْاَنْوَارِ اَنْ لَّانِکَاحَ بِمُجَرَّدِ الْاِقْرَارِ ۱۳۰۷ھ

(محض اقرار کی بنیاد پر نکاح نہ ہونے کے بیان میں انوار کی موج)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۵ و ۶: از پنجاب فیروز پور صدر بازار مسجد جامع مرسلہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

از فقیر محمد فضل الرحمان بخدمت حضرت فیض درجت مظہر علوم دینی ومصدر فیوض دنیوی جناب مولانا بالفضل والکمال اولٰنا جناب مولوی محمد احمد رضاخان صاحب فاضل بریلوی دام فیضہ القوی السلام علیکم!

سوال (۱) زید نے ہندہ سے جو اپنے فعل شنیع قبیح سے تائب ہوئی، غیر ضلع میں جاکر نکاح کیا تاکہ کوئی مخل اور مانع اس کار خیر کا نہ ہو، اہل ضلع نے جب ان سے استفسار کیا کہ تمھارا نکاح ہوا ہے؟ تو انھوں نے یہ پاسخ دیا کہ اس قدر مہر پر ہمارا نکاح ہوا ہے، آیا یہ صورتِ نکاح صحیح ہے؟

(۲) اگر زید نے اقرار کیا کہ یہ میری بی بی ہے اور ہندہ نے بیان کیا کہ یہ میرا خاوند ہے یہ قیل وقال محض شہود میں بیان کی گئی، کیا ان الفاظ سے انعقاد نکاح ہو جاتا ہے، اس صورت میں ذکر مہر نہیں آیا، بعد توفیق وتطبیق روایات کے جواب مزین بمہر ودستخط فرما کر للہ عطا فرمایا جائے تاکہ آئندہ کسی جاہل کو مجال باقی نہ رہے والسلام مع الاکرام۔

الجواب:

لك الحمد رب الارباب صل علی الحبیب الاوّاب مع الاٰل والاصحاب واھدنا الحق والصواب اٰمین الٰھنا الوھاب۔	تمام کو پالنے والے اے رب! تیرے لیے ہی تمام حمد ہے، سب سے زیادہ رجوع فرمانے والے محبوب پر رحمت نچھاور فرما اور اس پر مع اس کی آل واصحاب سلامتی نازل فرما اور ہماری حق وصواب پر رہنمائی فرما، آمین، اے عطا کرنے والے ہمارے اللہ تعالٰی! (ت)

کرم فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ واقعی یہ مسئلہ قابل امعان انظار واعمال افکار ہے،

فاقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اور تحقیق کی بلندی تک پہنچنا اسی کی مدد سے ہے۔ت) اس میں شک نہیں کہ حکم قضا میں نکاح تصادق مرد وزن سے ثابت ہوجاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج وزوجہ ہیں یا باہم نکاح ہوگیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مودی ہوں تو بلاشبہہ انھیں زوج وزوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکام زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عندالناس اس سے بھی کمتر امر ثبوت نکاح کو کافی ہے جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن وشو ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگرچہ عقدِ نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو،

نص علیه فی الهدایه والهندیة وغیرهما وفی قرة العیون عن الدرر ویشهد من رأی رجلا وامرأة بینهما انبساط الازواج انها عرسه [1]۔	ہدایہ، ہندیہ وغیرہما اور قرۃ العیون میں درر سے، ان سب کتب میں ہے کہ جس نے مرد وعورت کو خاوند بیوی کی طرح بے تکلف معاملات کرتے دیکھا اس کو جائز ہے کہ مرد کے لیے اس عورت کے بیوی ہونے کی شہادت دے۔ (ت)

اسی طرح تسامع بھی سامعین کے نزدیک اثبات نکاح کو بس ہوتا ہے یعنی جب ان کا زوج وزوجہ ہونا لوگوں میں مشہور ہو تو انھیں یہی سمجھا جائے گا، اور زوجیت پر شہادت روا ہوگی اگرچہ خود ان کی زبان سے اقرار نہ سنا ہو۔

کمافی الدر المختار وعامة الاسفار و	جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں اور

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۷۱/۱

فی قرۃ العیون عن العمادیۃ کذا تجوز الشھادۃ بالشھرۃ والتسامع فی النکاح حتی لورأی رجلا یدخل علی امرأۃ وسمع من الناس ان فلانۃ زوجۃ فلان وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ وان لم یعاین عقد النکاح [1]۔	قرۃ العیون میں عمادیہ سے منقول کہ نکاح کے معاملہ میں شہرت کی بناپر بغیر تحقیق شہادت جائز ہے حتی کہ ایک شخص کو ایک عورت کے ہاں آتے جاتے دیکھا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہ عورت اس شخص کی بیوی ہے تو اس کو جائز ہے کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس شخص کی بیوی ہونے کی شہادت دے اگرچہ اس نے نکاح نہ دیکھا ہو۔ (ت)

تو ان کا باہم تصادق بدرجہ اولٰی مثبت نکاح،

فی الشامیۃ عن ابی السعود عن العلامۃ الحانوتی صرحوا بان النکاح یثبت بالتصادق والمراد منہ ان القاضی یثبتہ بہ ویحکم بہ [2] اھ ملخصا۔	فتاوٰی شامی میں ہے ابی سعود کی علامہ حانوتی سے راویت ہے کہ فقہائے کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد وعورت کی آپس میں خاوند بیوی ہونے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہوجائے گا اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی اس نکاح کو ثابت قرار دے گا اور اس کو نافذ رکھے گا اھ ملخصًا (ت)

پس ایسی صورت میں واجب ہے کہ انھیں زوج وزوجہ ہی تصور کیا جائے گا جو خواہی نخواہی ان کی تکذیب کرے گا اور بدگمانی کے ساتھ پیش آئے گا مرتکب حرام قطعی ہوگا بااین ہمہ حکم قضا اور ہے اور امر دیانت اور چیز، اگر وہ اپنے اظہار واخبار میں حقیقۃً سچے ہوں یعنی واقع میں ان کے باہم نکاح ہولیا ہے تو عنداللہ بھی زوج وزوجہ ہیں ورنہ مجرد ان الفاظ سے جبکہ بطور اخبار بیان میں آئے ہوں نکاح منعقد نہ ہوگا وہ بدستور اجنبی واجنبیہ رہیں گے، نکاح جن امور وافعال کو ثابت وحلال کرتا ہے دیانۃً ان کے لیے اصلًا ثابت وروانہ ہوں گے کہ اس تقدیر پر یہ الفاظ کوئی عقد وانشانہ تھے محض جھوٹی خبر تھی اور جھوٹی خبر دیانۃً باطل وبے اثر،

اقول: علماء تصریح فرماتے ہیں اگر شوہر نے اقرار طلاق کیا کہ میں اسے طلاق دے چکا ہوں اور واقع میں نہ دی تھی تو وہ قضاءً طلاق ہوگئی مگر دیانۃً ہرگز نہ ہوگی کہ اس کا یہ قول طلاق دینا نہ تھا بلکہ طلاق غیر واقع کی جھوٹی خبر دینا تھا، حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشھادات دارالکتاب العربیۃ الکبرٰی مصر ۱/۱۷

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی ۲/۲۶۵

الاقرار بالطلاق کاذبًا یقع بہ الطلاق قضاء لادیانۃ[1]۔	طلاق کا جھوٹا اقرار قاضی کے ہاں طلاق قرار پائیگا عنداللہ نہیں۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

رجل طلق زوجتہ المدخولۃ واحدۃ رجعیۃ فسئل کیف طلقت زوجتك فقال ثلثا کاذبا لایقع فی الدیانۃ الاماکان اوقعہ من الواحدۃ الرجعیۃ فیملك مراجعتہا فی العدۃ والحال ھذہ[2] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنی مدخولہ بیوی کوایک رجعی طلاق دی تو اس سے پوچھا گیا کہ تونے اپنی بیوی کو کتنی طلاقیں دی ہیں، جواب میں اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔تو عنداللہ ایک ہی رجعی طلاق ہوگی جو اس نے دی ہے تو عنداللہ اس کو عدت کے دوران رجوع کا حق ہے۔اھ ملخصًا۔(ت)

تو جب اقرار خلاف واقع سے عنداللہ طلاق واقع نہیں ہوتی، نکاح بدرجہ اولٰی منعقد نہ ہوگا طلاق سبب تحریم فرج ہے اور نکاح سبب تحلیل اور امر فرج میں احتیاط جلیل، والہذا علماء متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح فرماتے ہیں کہ مجرد اقرار مرد وزن سے نکاح ہر گز منعقد نہیں ہوتا،اسی پر[۱] وقایہ و[۲] نقایہ و[۳] اصلاح و[۴] ملتقی میں کہ سب اعاظم متون معتبرہ مذہب سے ہیں جزم میں فرمایا،اسی پر کتب[۵] البیہقی و[۶] فتاوائے اہل سمر قند وغیرہما میں اقتصار کیا،اسی کو[۷] شرح جصاص و[۸] مختارات النوازل و[۹] فتاوائے خلاصہ و[۱۰] خزانۃ المفتین و[۱۱] مختار الفتاوٰی و[۱۲] ایضاح الاصلاح و[۱۳] جامع الرموز میں مذہب مختار بتایا،اسی کو[۱۴] تنویر الابصار و[۱۵] درمختار میں مقدم رکھ کر ضعفِ مخالف کی طرف اشارہ فرمایا،اسی کو[۱۶] فتاوی ظہیریہ و[۱۷] فتاوی عالمگیریہ میں صحیح کہا،اسی پر[۱۸] جواہر اخلاطی میں ان دونوں لفظ فتوٰی یعنی مختار و صحیح کو جمع کرکے تیسر الفظ آکد واقوی علیہ الفتوی اور زائد کیا،علامہ[۱۹] حانوتی وسید[۲۰] ابوالسعود کی عبارتیں ابھی گزریں باقی نصوص بالتلخیص یہ ہیں وقایۃ الروایہ ومختصر الوقایۃ میں ہے: لاینعقد بقولہا عند الشھود مازن وشوئیم[3] (گواہوں کے سامنے مرد وعورت کا یہ کہنا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، نکاح نہ ہوگا، ت) شرح نقایہ قہستانی میں ہے: لاینعقد علی المختار[4] (مذہب مختار پر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ ت) متن و شروح علامہ ابن کمال وزیر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱۰۶/۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق مطلب طلق زوجتہ واحدۃ رجعیۃ الخ دارالمعرفۃ بیروت ۳۸/۱

[3] نقایۃ مختصر الوقایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۵۱

[4] جامع الرموز کتاب النکاح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴۴۵/۱

میں ہے:

لابقولهما مازن وشوئیم لان النکاح اثبات وھذا اظهار والاظهار غیر الاثبات ذکرہ فی التخییر وقال فی مختارات النوازل ھو المختار [1]۔	نکاح منعقد نہ ہوگا جب انھوں نے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں، کیونکہ نکاح، معاملہ کو قائم کرنے کا نام ہے اور مرد وعورت کا یہ اقرار، اظہار ہے اور اظہار اثبات نہیں ہے اس کو انھوں نے تخییر میں ذکر کیا ہے اور مختارات النوازل میں ہے کہ یہی مختار مذہب ہے۔(ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

لوقالا عند الشهود مازن وشوئیم لاینعقد [2]۔	اگر انھوں نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

ذکر البیهقی رحمه الله تعالٰی فی کتابه رجل وامرأة لیس بینهما نکاح اتفقا ان یقرا بالنکاح فاقرا لم یلزمهما قال لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم وکذالك فی البیع اذا اقرا ببیع لم یکن ثم اجاز لم یجز [3]۔	بیہقی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے کہ کسی مرد وعورت میں پہلے نکاح نہیں ہے اب انھوں نے بالاتفاق نکاح کا اقرار کرلیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے ثابت شدہ چیز کی خبر ہوتی ہے جبکہ اقرار سے قبل ان کا نکاح نہیں تھا، اس طرح خرید وفروخت کا معاملہ ہے کہ دو فریقوں نے بیع کا اقرار کیا حالانکہ پہلے بیع نہ تھی تو اس اقرار سے بیع منعقد نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

ذکر فی النوازل رجل وامرأة اقرابین یدی الشهود بالفارسیة مازن وشوئیم لاینعقد النکاح بینهما وکذا لوقال لامرأة هٰذه	نوازل میں مذکور ہے کہ مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے یہ اقرار فارسی میں کیا کہ "ہم بیوی خاوند ہیں" تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مرد نے

[1] ایضاح واصلاح

[2] ملتقی الابحر کتاب النکاح موسسة الرسالة بیروت ۲۳۸/۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱۴۹/۱

امرأتی وقالت ھی، ھذا زوجی لایکون نکاحا[1]۔	ایک عورت کے بارے میں کہا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس عورت نے بھی کہا کہ یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح منعقد نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی امام علامہ حسین بن محمد سمعانی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود فقال ماازن وشوئیم لاینعقد ھو المختار لان النکاح اثبات والاظھار غیر الاثبات ولھذا لواقر بالمال لانسان کاذبا لایصیر ملکا خ (یعنی الخلاصۃ) ولو قال الرجل ھذہ امرأتی وقالت المرأۃ ھذا زوجی بمحضر من الشھود لایکون نکاحا لان الاقرار اخبار عن امر متقدم ولم یتقدم[2] (س) (ای فتاوٰی اھل سمر قند)۔(ملخصًا)	مرد وعورت نے گواہوں کے سامنے کہا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو نکاح نہ ہوگا، یہی مختار ہے، کیونکہ نکاح اثبات کا نام ہے، اور اقرار اثبات نہیں ہوتا بلکہ اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے کسی دوسرے کے لیے اپنے مال کا جھوٹا اقرار کیا تو دوسرے کے لیے ملکیت ثابت نہ ہوگی، خ (یعنی خلاصہ) اگر کسی مرد نے کسی عورت کے متعلق کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے، تو گواہوں کے سامنے اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار پہلے سے موجود چیز کے بارے میں خبر ہوتی ہے جبکہ یہاں نکاح موجود نہیں ہے، س (فتاوٰی سمرقند)۔(ت)

متن مولٰی غزی وشرح محقق علائی میں ہے:

لاینعقد بالاقرار علی المختار خلاصۃ کقولہ ھی امرأتی الاقرار اظھار لما ھو ثابت ولیس بانشاء[3] الخ وسیأتی تمامہ۔	محض اقرار سے نکاح نہ ہوگا مختار قول پر، خلاصہ۔ جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ یہ میری عورت ہے، تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا کیونکہ اقرار ثابت شدہ چیز کے اظہار کا نام ہے اور یہ انشاء نہیں ہوتا الخ یہ مکمل آئندہ آئے گا۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں عبارت خلاصہ ھو المختار (یہی مختار ہے۔ت) تک نقل کی، پھر لکھا:

لوقال این زنِ من ست بمحضر من الشھود	اگر کسی نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے

---

[1] فتاوٰی خانیہ کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[2] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۷۶

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

و قالت المرأۃ ایں شوئی من است ولم یکن بینھما نکاح سابق اختلف المشائخ فیہ والصحیح انہ لایکون نکاحا کذا فی الظھیریۃ وفی شرح الجصاص المختار انہ ینعقد اذا قضی بالنکاح اوقال الشھود لھما جعلتما ھذانکاحا فقال نعم ینعقد ھکذا فی مختار الفتاوی[1] اھ۔	اور عورت نے کہا کہ یہ میرا خاوند ہے حالانکہ ان کا پہلے نکاح نہیں تھا، تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے جبکہ صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا، ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ اور جصاص کی شرح میں ہے کہ اگر قاضی نے نکاح کا فیصلہ دیا یا مرد وعورت کو گواہوں نے کہا کہ تم نے ان الفاظ کو نکاح بنادیا تو انھوں نے جواب میں ہاں کہہ دیا تو مختار یہ ہے کہ نکاح منعقد ہو جائیگا، مختار الفتاوٰی میں ایسے ہی ہے۔ اھ (ت)
اقول: وجہ الانعقاد فی الاول ان القضاء یرفع الخلاف او انہ ینفذ ظاھراوباطنا وفی الثانی ان السؤال معاد فی الجواب والجعل انشاء کمافی الفتح و الدر وغیرھا۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) قاضی کے فیصلے کی صورت میں نکاح ہوجانے کی وجہ یہ ہے کہ حکم قاضی رافع خلاف ہے اور قضا ظاہرًا اور باطنًا نافذ ہوتی ہے اور دوسری صورت میں انعقاد کی وجہ سے کہ جواب، سوال پر مشتمل ہوتا ہے تو سوال میں نکاح بنانے کا ذکر ہے تو جواب میں بھی بنانے کے ذکر سے نکاح کا انشاء ہوگیا، جیسا کہ فتح اور دُر وغیرہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی علامہ برہان الدین بن ابی بکر بن محمد اخلاطی حسینی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود بقولھما مازن و شوئیم لاینعقد، ھوالمختار، قال بحضور الشھود ھذہ المرأۃ زوجی فقالت ھذا الرجل زوجی ولم یکن بینھما نکاح سابق لا ینعقد ھوالصحیح وعلیہ الفتوی[2]۔	دونوں نے گواہوں کے سامنے اقرار کیا کہ ہم بیوی خاوند ہیں تو اس سے نکاح نہ ہوگا یہی مختار ہے مرد نے گواہوں کے سامنے کہا یہ میری بیوی ہے اور عورت نے بھی گواہوں کے سامنے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس سے نکاح نہ ہوگا جبکہ پہلے نکاح نہ تھا یہی صحیح ہے اور اس پر فتوٰی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۲

[2] جواھر اخلاطی کتاب النکاح فصل فیما ینعقد النکاح من الالفاظ قلمی نسخہ ص ۴۸

بالجملہ اخبار وانشا کا تبائن بدیہی تو ارادہ اخبار ارادہ منافی اور ارادہ منافی عقد کا نافی۔

^اقول: وبتقریری هذا اندفع ماعسٰی ان یتوهم من ان النكاح مما یستوی فیه الهزل والجد فلایحتاج الی نیة وقصد حتی لو تكلما بالایجاب والقبول هازلین اومكرهین ینعقد فكان المناط مجرد التلفظ وان عدم القصد وذلك لان بونًا بینًا بین عدم القصد وقصد العدم بارادة شیئ اٰخر غیره مما یحتمله اللفظ ومالایحتاج الی القصد یصح مع الاول دون الاٰخر الاتری انه لوقال انت طالق ولم ینو شیأ طلقت وان نوی الطلاق عن الوثاق اوالاخبار عن طلاق سابق صادقًا او كاذبالم تطلق دیانة كما نصوا علیه اتقن هذا فانه هو التحقیق الحقیق بالقبول وان خفی بعضه علی بعض الفحول، علی ان هذا انما هو فی اللفظ الصریح اما الكنایات فلاشك فی توقفها علی النیة كما فی الطلاق والعتاق۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) میری اس تقریر سے اس شبہ کا ازالہ ہوگیا جس میں کہا گیا کہ نکاح تو ان امور میں سے ہے جن میں مذاق اور قصد برابر ہیں لہٰذا اس میں قصد اور ارادہ کی ضرورت نہیں حتی کہ جب مرد و عورت نے ایجاب قبول کے کلمات بول دیئے اگرچہ مذاق یا جبر سے کہے ہوں تو نکاح ہوجائے گا اس کی صحت کے لیے صرف الفاظ کی ادائیگی کافی ہے اگرچہ قصد نہ بھی ہو (لہٰذا بصورت اقرار نکاح صحیح ہونا چاہئے) اس شبہہ کے ازالہ کی وجہ یہ ہے کہ قصد نہ ہونا اور بات ہے اور نکاح کے خلاف کسی محتمل لفظ کا قصد کرنا اور بات ہے، ان دونوں میں بڑا فرق ہے، وہ امور جو قصد کے بغیر ہوجاتے ہیں وہ پہلی صورت یعنی قصد نہ ہونے کی صورت میں صحیح ہوجاتے ہیں۔ مگر کسی مخالف چیز کے قصد سے وہ صحیح نہیں ہوتے۔ آپ دیکھئے کہ طلاق کا لفظ بغیر ارادہ کے بولا جائے تو طلاق ہوجاتی ہے لیکن اگر یہی لفظ طلاق بول کر کسی دوسرے معنٰی کا ارادہ کیا جائے مثلاً طلاق بول کر باندھے ہوئے کو کھولنا مراد لیا جائے یا انت طالق کہہ کر پہلی دی ہوئی طلاق کو سچی یا جھوٹی خبر اور حکایت کا قصد وارادہ کیا جائے تو دیانۃً یعنی عنداللہ طلاق نہ ہوگی جیسا کہ فقہاء کرام نے اس کو واضح بیان کیا ہے۔ اس فرق کو محفوظ کرو کیونکہ یہ تحقیق قابل قبول ہے۔ اگرچہ یہ قدرے بعض بڑی شخصیات پر مخفی رہا ہے، تاہم یہ بیان صریح الفاظ کے متعلق ہے لیکن کنایہ کے الفاظ بہر حال نیت کے محتاج ہیں، جیسا کہ طلاق وعتاق میں صریح وکنایہ کا فرق موجود ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ظاہراً اعوام ان الفاظ سے ارادہ انشاء کو جانتے بھی نہ ہوں گے بلکہ جو ان کا مفہوم متبادر ہے یعنی اخبار وہی ان کا مراد ومقصود ہوگا اور سامعین بھی انھیں سن کر یہی سمجھیں گے تو جبکہ واقع میں اس سے پہلے نکاح نہ ہوا تو صرف یہ سوال وجواب واخبار غلط کیونکر انھیں عنداللہ زوج وزوجہ بنا سکتے ہیں،

هذا ممالایعقل ولایستاهل ان یقبل	یہ غیر معقول ہے اور قبول کرلینے کے قابل نہیں،

۷ **اقول:** فقد بان بحمد اللہ ضعف مانقل فی التنویر والدر عن الذخیرۃ بعد ماقدما عدم الانعقاد بالاقرار علی المختار کما سمعت حیث قال عقیبہ وقیل ان کان بمحضر من الشھود صح وجعل الاقرار انشاء وھو الاصح ذخیرۃ[1] اھ فاعلم اولاً ان المولیین المحققین رحمھما اللہ تعالٰی قد اشارا الی تضعیف ھذا بوجوہ، اما المصنف فبتقدیمہ الاول وتعبیرہ ھذا بقیل واما المؤلف فبتقریرہ علی الامرین وتعلیلہ للاول فان التعلیل دلیل التعویل کما نص علیہ فی العقود الدریۃ وغیرھا فافھم، و۸ **ثانیا** ان تاملت ماالقینا علیك فوجوہ ضعفہ لاتخفی لدیك ط ففلما تقدم فی کلامی وکلمات العلماء الکرام علی عدم الانعقاد بالاقرار من دلائل لاترد ولاترام ولاشك ان الاقوی دلیلا احق تعویلا و **اما ثانیا** فلما لہ من کثرۃ الترجیحات وقد تقرران العمل بما علیہ الاکثر	**اقول:** بحمد اللہ تعالٰی تنویر اور دُر میں جو ذخیرہ سے نقل کیا گیا جہاں انھوں نے اقرار انکاح کو مختار قول کے مطابق نکاح قرار دیا جیسا کہ تو نے سنا اور اس کے بعد یہ کہا (کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اقرار گواہوں کے سامنے ہو تو نکاح صحیح ہے اور اقرار کو انھوں نے انشاء قرار دیا ہے اور ذخیرہ کے حوالے سے اس کو اصح کہا) اس نقل کا ضعف واضح ہوگیا تو غور کرو **اولاً** اس لیے کہ (شامی اور طحطاوی رحمہما اللہ دونوں قابل احترام حضرات نے اس کے ضعف پر کئی وجوہ سے اشارہ فرمایا، اور بیشک مصنف (صاحب در) نے پہلے قول یعنی عدم انعقاد کو پہلے ذکر اور دوسرے کو "قیل" کے ساتھ ذکر کیا ہے اور مؤلف یعنی صاحب ذخیرہ نے اگرچہ دونوں قولوں کو ذکر کیا لیکن وجہ اور دلیل صرف پہلے قول کی ذکر کی جو کہ قابل اعتماد ہونے کی دلیل ہے جیسا کہ یہ قاعدہ عقود الدریہ وغیرہ میں بیان ہے، غور کرو ___ **دوسرا** اس لیے کہ میں نے جو وجوہِ ضعف آپ کو بیان کئے ہیں اگر آپ نے غور کیا ہو تو اس نقل کے ضعف کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں مثلاً **اول** یہ کہ میں نے اور دیگر علماء کرام نے جو کلمات ذکر کئے ہیں کہ اقرار سے نکاح نہیں ہوتا اور اس پر جو دلائل پیش کئے گئے وہ ناقابل تردید ہیں اور بلاشک وشبہہ جو دلائل وزنی ہوں گے وہ زیادہ قابل اعتماد ہونگے **ثانیا** اس لیے کہ اس پر کثیر ترجیحات ذکر کی گئی ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ جس پر اکثریت ہو وہ عمل کے لیے

[1] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۸۶۔۱۸۵

کمافی العقود وغیرھا و **اما ثالثا** فلان ماله من علامة الافتاء اشد قوة واعظم وقعة مما لهذا فقد نصوا ان علیه الفتوی وبه یفتی،اکد مایکون من الفاظ الفتوی و **اما رابعا** فلان ماعلیه المتون وھی العمدة والیھا الرکون فھذه والاربعة فقد ظهرت من قبل، و **اما خامسا** فلما تسمع اٰنفا،قد اظهر لنا المولی الامام برھان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرھما فی ذخیرته مأخذ خیرته اذبنی ذلك انه ذکر محرر المذھب محمد رضی الله تعالٰی عنه فی صلح الاصل ادعی رجل علی امرأة نکاحا فجحدت فصالحها بمائة علی ان تقربھذا فاقرت فھذا الاقرار جائز والمال لازم [1] اھ فظن المولی البرھان ان محمدا اجاز النکاح بالاقرار وقد علم ان ھذالایصح الابمحضر من الشھود ففرع علیه	قابل قبول ہے جیساکہ عقود وغیرہ میں ہے **ثالثًا** اس لیے کہ جس میں فتوی کی قوی علامت پائی جائے وہ قوت اور وقعت کے لحاظ سے پختہ اور وزنی ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے"**علیه الفتوی**"اور"**به یفتی**"کے الفاظ فتوی کے باب میں سب سے زیادہ پختہ الفاظ ہیں۔ **رابعًا** اس لیے کہ کتب متون جس کو معتمد علیہ قرار دیں اس کی طرف ہی رجوع کرنا ہوتا ہے، یہ چاروں امور پہلے واضح ہوچکے ہیں، **خامسًا** اس لیے جو آپ ابھی سنیں گے کہ امام برہان الدین محمود بن الصدر السعید تاج الدین احمد قدس سرہمانے اپنے ذخیرہ میں جس کو اپنے پسندیدہ امور کا ماخذ ہمارے لیے ظاہر کیا ہے اس کی بنیاد محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذکر کردہ مسئلہ پر ہے جس کو انھوں نے اصل یعنی مبسوط کے "باب الصلح" میں بیان کیا ہے وہ یہ کہ ایک شخص نے ایک عورت کے بارے میں دعوی بیان کیا کہ یہ میری منکوحہ ہے جبکہ عورت نکاح سے انکاری ہے تو اس نے عورت سے سو روپے کے بدلے صلح کرکے اس سے نکاح کا اقرار کرالیا تو عورت کا اقرار جائز اور مال لازم ہوجائے گا اھ اس سے محترم برہان الدین کو گمان ہوا کہ امام محمد نے عورت کے اقرار سے نکاح کو جائز قرار دیا اور علامہ برہان الدین نے یقین کرلیا کہ یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہوا تو صحیح ہوگا،

[1] ردالمحتار بحوالہ صلح الاصل کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی ۲/ ۲۶۵

ان الاصح الصحۃ لوالشھود حضورا۔ قال العبد الضعیف لطف بہ المولٰی اللطیف وای شیئ اکون انا حتی اتکلم بین یدی ھذا الامام الجلیل قدس سرہ الجمیل ولکن کثرۃ تصحیحات الائمۃ وجزمھم فی الجانب الاٰخر بما تجرؤنی ان اقول: وباللہ التوفیق لامساس لما فی الاصل بھٰذا الفصل فان محمدا انما اجاز الاقرار والزم المال فانما افاد جواز الصلح و انقطاع الجدال بحیث لوعادت المرأۃ بعد ذلك الی الجحود لم یسمعہ القاضی امالو لم یجز الصلح لم یلزم المال واقرت المرأۃ علی انکارھا ھذا ھو حاصل جواز الصلح وعدم جوازہ کمالایخفی واین ھذا من انعقاد العقد فی الواقع فیما بینھم وبین ربھم العلیم الخبیر تبارك وتعالٰی الیس قد صرحوا انہ لایطیب لہ البدل ان کان کاذبا ولو ادعی رجل علی اٰخر بیع دارہ مثلاً فاقربہ افتداءً عن یمینہ اوفرارا عن ذل الجثو بین یدی القاضی ثبت البیع قضاء وجرت الاحکام من وجوب التسلیم ولزوم الشفعۃ وغیر ذلك لکن ھذا المدعی الکاذب انما یأخذ جمرۃ نار ثم السران المصالحین	اسی لیے انھوں نے اس کے بعد یہ تفریع قائم کی کہ اصح بات یہ ہے کہ گواہ موجود ہو تو اقرار سے نکاح صحیح ہوگا، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی مہربان اس پر مہربانی فرمائے) میں کون ہوں جو اس عظیم امام کے سامنے بات کروں لیکن تصحیح کی کثرت اور ائمہ کرام کا جزم اس کے خلاف ہے جس کی وجہ سے مجھے جرات ہو رہی ہے کہ میں بات کروں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ اصل کے بیان کا اس بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اقرار کو جائز اور مال کو لازم فرمایا ہے جس کا مفاد صرف صلح کا جواز اور جھگڑا ختم کرنا ہے حتی کہ اگر عورت اس کے بعد دوبارہ انکار کرے تو قاضی اس کی سماعت نہیں کرے گا لیکن اگر صلح کو جائز نہ مانا جائے تو مال لازم نہیں ہوگا اور عورت کا انکار باقی رہے گا، صلح کے جواز اور عدم جواز کا حاصل صرف یہی ہے جیسا کہ واضح ہے، اس کا فی الواقع عند اللہ نکاح کے منعقد ہونے سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں مدعی کے جھوٹا ہونے پر معاوضہ کے اس کے لیے طیب نہ ہونے پر فقہاء نے تصریح نہیں کی، ایک شخص دوسرے کے خلاف اس کے مکان کی فروختگی کا جھوٹا دعوی کرے اور مدعی علیہ قسم سے بچنے کے لیے فروختگی کا اقرار کرلے یا قاضی کے ہاں پیشی کی رسوائی سے بچتے ہوئے اقرار کرلے تو اس صورت قضاء بیع ثابت ہو جائے گی اور اس پر مکان کا قبضہ دینا اور شفعہ وغیرہ جیسے احکام جاری ہوں گے اس کے باوجود جھوٹے مدعی کی وصولی اس کے لیے جہنم کا انگارا ہے، پھر دو صلح کرنے والوں نے

ارادا عقد الصلح وھو انما یصور بارجاعه الی عقد من العقود الشرعیة فلابد من حمله علی اشبه عقد به ضرورۃ تصحیح الکلام وقطع الخصام اما ھھنا اعنی فیما نحن فیه فلم یریدا عقدا وانما اخبرا خبرا کذبا و الکذب وان یرج علی الناس فلایصحح عند الله اصلا فوضح الفرق وزال الاشتباه والحمد لله. قال فی الھدایة اذا ادعی رجل علی امرأۃ نکاحا وھی تجحد فصالحته علی مال بذلته حتی یترك الدعوی جاز وکان فی معنی الخلع لانه امکن تصحیحه خلعا فی جانبه بناء علی زعمه وفی جانبها بذلا للمال لدفع الخصومة قالوا ولایحل له ان یأخذ فیما بینه وبین الله تعالٰی اذا کان مبطلا فی دعواه[1] اھ قال فی الکفایة ھذا عام فی جمیع انواع الصلح[2] اھ وفی الدرالمختار عن القھستانی اما الصلح علی بعض الدین فیصح ویبرأ عن دعوی الباقی ای قضاء لادیانة ولذا لوظفر به اخذه[3] اھ

جب صلح کا عہد کر لیا تو حکمت کا تقاضا ہے کہ اس معاہدہ کو کسی شرعی عقد کی صورت دینے کے لیے اس کے قریب ترین عقد پر محمول کیا جائے تاکہ ان دونوں کی کلام کو صحیح بنایا جائے اور ان کے جھگڑے کو ختم کیا جاسکے، لیکن یہاں ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو مرد وعورت نے کوئی عقد نہیں کیا بلکہ دونوں نے جھوٹی خبر دی، جھوٹ اگرچہ لوگوں پر اثر انداز ہوجاتا ہے لیکن عنداللہ موثر نہیں ہوسکتا، پس فرق واضح اور اشتباہ ختم ہوا، للہ الحمد،

ہدایہ میں فرمایا اگر کسی مرد نے کسی عورت پر اس سے نکاح کا دعوی کیا جبکہ عورت انکاری ہے اور دعوی کو ختم کرنے کے لیے مال دے کر صلح کرتی ہے تو یہ صلح جائز ہے، اور اس صلح کو خلع کے معنٰی پر محمول کیا جائیگا کیونکہ مرد کی طرف سے اس کے دعوی کی بنا پر اس معاوضہ کی وصولی کو خلع قرار دینا صحیح ہے اور عورت کی طرف مال کی ادائیگی جھگڑے کو ختم کرنے کی کارروائی تصور کیا جائیگا، اس کے باوجود فقہاء کرام نے یہاں فرمایا کہ اگر وہ مرد جھوٹا ہے تو اس کو عورت سے معاوضہ لینا حلال نہیں ہے اھ اور کفایہ میں کہا کہ یہ ہر قسم کی صلح کو شامل ہے اھ درمختار میں قہستانی سے منقول ہے کہ قرض کے کچھ حصے پر صلح ہوجائے تو جائز ہے اور باقی قرض سے قضاءً بری ہوجائے گا دیانۃً یعنی عنداللہ بری نہ ہوگا اسی لیے اگر قرضخواہ کو موقع ملے تو باقی کو وصول کرے اھ،

---

[1] ہدایہ کتاب الصلح مطبع یوسفی لکھنو ۳/ ۲۴۷

[2] کفایہ مع فتح القدیر کتاب الصلح نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۲

وفی الشامیة عن المقدسی عن المحیط قضاہ الالف فانکر الطالب فصالحه بمائة صح ولایحل له اخذھا دیانة [1] اھ،وسرد النقول فی ذاك یطول،وقال فی الھدایة الاصل ان الصلح یجب حمله علی اقرب العقود الیه واشبھھا به احتیالا لتصحیح تصرف العاقد ما امکن [2] اھ فبما اسمعتك یتحصل الجواب عن تمسك المولی البرھان بثلثة اوجه "**الاول** ارجاع الصلح الی تلك العقود تقدیر وتصویر ضروری فلایتعدی "**الثانی** انما تثبت ھذہ العقود بتلك الالفاظ فی ضمن الصلح وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا الاتری ان قوله اعتق عبدك ھذا عنی بالف یتضمن الابتیاع مع انه لایعقد قصدا بلفظ الاعتاق، "**الثالث** ان ھذہ العقود انما تقدر قضاء ولاتؤثر فی الدیانة

اور فتاوٰی شامی میں ہے مقدسی کے حوالے سے محیط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے قرض خواہ کو ہزار دیا مگر قرضخواہ وصولی سے منکر ہے تو مقروض نے ایک صد پر صلح کر لی تو صحیح ہے لیکن قرض خواہ کو دیانةً لینا حلال نہیں ہے اھ، یہاں تمام نقول کو ذکر کرنا ناطوالت کا باعث ہوگا، ہدایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ صلح کرنے والے کے تصرف کو صحیح قرار دینے کے لیے صلح کے قریب ترین کسی عقد پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ حتی الامکان اس کے عقد کو صحیح بنایا جاسکے اھ، میں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے مولانا برھان الدین کی دلیل کے تین جواب ہوئے **پہلا** یہ کہ اس صلح کو عقود کی طرف راجح کرنا صرف فرضی صورت ہے جو کہ ایک ضرورت کے لیے ہے اس ضرورت کے بغیر تجاوز کرنا درست نہیں، **دوسرا** یہ کہ ان عقود کا ثبوت صلح کے الفاظ میں ضمنًا ہوتا ہے جبکہ بہت سے امور ضمنًا تو ثابت ہوتے ہیں لیکن مقصودًا ثابت نہیں ہوتے،آپ غور کریں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ تو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے آزاد کردے تو یہاں ضمنًا بیع ہوجاتی ہے، جبکہ "آزاد کردے" کے لفظ سے قصدًا بیع منعقد نہیں ہوتی، **تیسرا** یہ کہ یہ عقود صلح کے ضمن میں صرف قضاءً نافذ ہوتے ہیں،

[1] ردالمحتار کتاب الصلح دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۴۷۵

[2] ہدایہ کتاب الصلح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴۶

اذا کان مبطلا ونحن لاننکران باقرار ھما یثبت النکاح قضاء وانما الکلام فی الدیانة فان کان مراد الامام البرھان ھو الصحة قضاء وقد یستأنس له بقوله عطر اللّٰه مرقدہ جعل الاقرار انشاء حیث لم یقل کان انشاء ویعینه بناؤہ الامر علی عبارة الاصل فانھا کما علمت لاتفید الاالجواز قضاء فھذا حق لامریة فیه ولاغروفی المصیر الیه تصحیحا لکلام ھذا الامام وتحصیلا للوفاق بینه وبین غیرہ من الائمة الاعلام وان کان فیه بعد بالنظر الٰی ظاھر الکلام والافلاشك ان الحق مع ھٰؤلاء الجھابذة الکرام واللّٰه تعالٰی اعلم بحقیقة الامر فی کل مرام والحمدللّٰه مولٰینا الھادی ذی الجلال والاکرام۔	صلح جھوٹ پر مبنی ہو تو دیانۃً نافذ نہیں ہوتے، اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مرد و عورت کے قاضی کے ہاں اقرار سے قضاءً نکاح ہو جاتا ہے جبکہ ہماری گفتگو دیانت یعنی عنداللہ کے بارے میں ہے، تو اگر امام برہان الدین کی مراد یہ ہو کہ صرف قضاءً نکاح ہو جاتا ہے جبکہ ان کا کلام اس طرف مائل ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اقرار کو انشاء بنایا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ انشاء ہے اور پھر انھوں نے اپنی بات کا مدار اصل یعنی مبسوط کی عبارت کو بنایا ہے جس سے صرف قضاءً جواز ثابت ہے اگر ان کا یہی مقصد ہے تو بجا اور حق ہے جس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے اور اگر اس عظیم امام کے کلام کو درست بنانے کے لیے اس مقصد کی طرف راجع کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اگرچہ ان کے ظاہر کلام سے یہ مقصد بعید نظر آتا ہے تاہم اس سے ان کے اور دیگر ائمہ کرام کے کلام میں موافقت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر ان کا مذکورہ مقصد نہ ہو تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے مقابلہ میں دیگر ائمہ کا کلام حق ہے اور ہر مقصد میں اللہ تعالٰی ہی حقیقت کو بہتر جاننے والا ہے، اللہ تعالٰی رہنمائی فرمانے والے کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔(ت)

ہاں اگر مرد وزن نے وہ الفاظ کہے جو امر ماضی سے خبر دینے کے لیے متعین نہ تھے مثلاً مرد نے کہا یہ میری زوجہ ہے، عورت بولی یہ میرا شوہر ہے، یا مرد نے کہا میں اس کا خاوند ہوں، عورت بولی میں اس کی جورو ہوں، اور دونوں نے ان الفاظ سے عقد نکاح کرنے کی نیت کی یعنی ان میں کسی کا قصد اخبار نہ تھا دونوں نے باارادہ انشاء کہے تو بیشک یہ الفاظ عقد نکاح ٹھہریں گے کہ جب قصد اخبار نہیں تو یہ لفظ اقرار نہیں اور جب اخبار ماضی کے لیے متعین نہیں تو ارادہ انشاء کے صالح ہیں تو انھوں نے الفاظِ صالحہ سے قصد انشاء کیا اور اسی قدر تحقیق ایجاب وقبول کے لیے بس ہے، بخلاف ان الفاظ کے جو اخبار الماضی کے سوا دوسرے معنی کے محتمل نہ ہوں مثلا کہیں باہم ہمارا نکاح ہو چکا ہے کہ اب اخبار میں متعین اور انشاء سے مبائن،

اقول: ھذا الذی قررتہ بتوفیق اللہ تعالٰی یجب ان یکون ھو المراد من قولہ الامام الاجل فقیہ النفس قاضیخاں رحمہ اللہ تعالٰی حیث افاد بعد ما اثر عن البیھقی والنوازل ما اسلفنا، قال مولنا رضی اللہ تعالٰی عنہ ینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان اقرا بعقد ماض ولم یکن بینھما عقد لایکون نکاحا وان اقرت المرأۃ انہ زوجھا واقر الرجل انھا امرأتہ یکون ذٰلك نکاحا، ویتضمن اقرارھما بذٰلك انشاء النکاح بینھما بخلاف ما اذا اقرا بعقد لم یکن لان ذٰلك کذب محض وھو کما قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا قال الرجل لامرأتہ لست لی بامرأۃ ونوی بہ الطلاق یقع ویجعل کانہ قال لست لی بامرأۃ لانی قد طلقتك ولو قال لم اکن تزوجتھا ونوی بہ الطلاق لایقع لان ذٰلك کذب محض لایمکن تصحیحہ [1] اھ قال فی الفتح علی ما نقل عنہ فی ردالمحتار ان الحق ھذا التفصیل [2] اھ	**اقول:** میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو تقریر کی ہے امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں کے قول کا بھی لازمی طور پر یہی مقصد ہے جہاں انھوں نے بیہقی اور نوازل کے قول کو ہمارے بیان کردہ کے مطابق نقل کرنے کے بعد افادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مناسب ہے کہ جواب میں تفصیل سے کام لیا جائے کہ مرد و عورت نے ماضی میں نکاح نہ ہونے کے باوجود ماضی میں نکاح ہونے کا اقرار کیا تو اس اقرار سے نکاح نہ ہوگا، اور اگر عورت نے اقرار میں یوں کہا کہ یہ میرا خاوند ہے اور مرد نے یوں کہا کہ یہ میری بیوی ہے تو یہ اقرار نکاح قرار پائے گا اور ان کے اقرار کے ضمن میں نکاح ایجاب ہو جائیگا۔ بخلاف جبکہ ماضی کے نکاح کے بارے میں اقرار ہو، کیونکہ وہ محض جھوٹ ہے۔ اس تفصیل کا ماحاصل ایسے ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق ہو جائے گی گویا اس شخص نے یوں کہاں کہ تو میری بیوی نہیں کیونکہ میں نے تجھے طلاق دے دی ہے، اور اگر اس نے بیوی کو یوں کہا کہ میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا اس قول سے اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا جھوٹ ہے جس کی توجیہ نہیں ہو سکتی اھ ردالمحتار میں فتح سے نقل کیا گیا ہے کہ یہی تفصیل حق ہے اھ، اس

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح الفصل الاول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۶

فانما المعنی علی مابینا ولیس المراد ان اللفظ اذالم یتعین للاخبار عن الماضی صح العقد وان نویا به الاخبار کیف وانه لایکون ح الامحض کذب ویشهد لك بذٰلك مااستشهد به من مسئلة الطلاق فانه ان قال لست لی بامرأة ولم ینوبه انشاء الطلاق وانما قصدا الاخبار الکاذب لم یقع قطعا فانه لایقع عند ذلك بالتصریح کما قدمنا فکیف بالکنایات الاتری انه بنفسه قید المسئلة بقوله ونوی الطلاق فکذا یقال ھٰھنا ونویا النکاح ھذا ماصرت الیه لما وعیت ثم بتوفیق المولٰی سبحانه وتعالٰی رأیت العلامة عبدالعلی برجندی نقل فی شرح النقایة کلام الامام فقیه النفس بالمعنی وعبرعنه بعین ما فهمته، وللّٰه الحمد،

وھذا نصه فی الظهیریة لوقال بمحضرمن الشهود این زن من است فقالت ایں شوئی من ست اختلف المشائخ فیه والصحیح انه لاینعقد وفی فتاوی قاضی خان انما لایکون ھذا نکاحا اذا قالا ذلك علی سبیل الاخبار عن عقد ماض ولم یکن بینهما عقد اما

تفصیل کا مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا اور اس سے یہ مراد نہیں کہ جب اقرار کا لفظ ماضی کی خبر کیلئے متعین نہ ہو تو خبر کے باوجود عقد نکاح صحیح ہوگا، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ مرد وعورت نے محض جھوٹ سے کام لیا ہے، اس کا شاہد یہ بھی ہے کہ امام قاضیخان نے اس بیان پر طلاق کے مسئلہ کو بطور شاہد پیش فرمایا کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری بیوی نہیں ہے اور اس نے انشاء طلاق کا ارادہ نہ کیا بلکہ صرف جھوٹ مراد لیا تو قطعاً طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں صریح لفظ سے جب طلاق نہیں ہوتی تو کنایہ سے کیسے طلاق ہوسکتی ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ انھوں نے اس مسئلہ کو طلاق کی نیت سے مقید کیا ہے (مذکورہ لفظ طلاق کی نیت سے کہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں) اسی طرح جھوٹے اقرار نکاح میں بھی دونوں نے نکاح کی نیت کی ہو تو نکاح ہوگا ورنہ نہیں، یہ جس کو میں نے سمجھا وہی میں نے اختیار کیا ہے، پھر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے علامہ عبدالعلی برجندی کو دیکھا کہ انھوں نے نقایہ کی شرح میں امام قاضی خان کی عبارت کو بالمعنٰی نقل کیا اور اس کی وہی تعبیر کی جو میں نے سمجھی، اور اللہ تعالٰی کے لیے ہی تمام حمد ہے،

یہی ظہیریہ کی عبارت ہے کہ اگر ایک شخص نے لوگوں کی موجودگی میں ایک عورت کو کہا کہ یہ میری بیوی ہے، اور عورت نے کہا یہ میرا خاوند ہے تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، اور فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ اس صورت میں نکاح نہ ہوگا جب مرد و

اذا اقرت انه زوجها او اقرانها زوجته وارادا بذلك انشاء النكاح فهو نكاح [1] اھ فالحمد لله على حسن التفهم،	عورت نے جھوٹی خبر کے طور پر ماضی میں عقد کے بارے میں کہا ہو، اور اگر انھوں نے اس سے انشاء نکاح کا ارادہ کیا تو یہ نکاح منعقد ہوگا، اچھے فہم پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے،
[۱۵] **اقول:** وبما قررت ظهر لك ان هذا الذى اختاره المولى فقيه النفس وقال المحقق على الاطلاق انه الحق لايخالف ماصححه عامة الائمة اصلا بل هو عين مااعتمدوه فانهم انما صححو ا ان النكاح لاينعقد بالاقرار والاقرار انما يكون عند قصد الاخبار وح قد نص الفقيه على عدم الانعقاد اما اذا قالاه مريدين به الانشاء لم يكن ذلك من الاقرار فى شئى فان الاقرار هو الاخبار دون الانشاء فتوافق القولان وتظافرت التصحيحات على صحةماافتيت به فان حمل كلام الذخيرة على ماسلفنا حصل التوفيق فى الاقوال جميعا والافعليكم بماحررت عضوا عليه بالنواجذ۔	**اقول:** میری تقریر سے آپ پر واضح ہوگیا کہ جو کچھ امام قاضیخان اور محقق علی الاطلاق نے فرمایا وہی حق ہے اور وہ عام ائمہ کرام کی تصحیح کے ہر گز خلاف نہیں ہے کیونکہ ان ائمہ کرام نے یہی تصحیح کی ہے کہ صرف اقرار سے نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ اقرار ماضی کے بارے میں خبر کا نام ہے جس وجہ سے امام قاضی خان نے نکاح نہ ہونے کی تصریح کی ہے لیکن اگر مرد وعورت نے نکاح منعقد کرنے یعنی انشاء نکاح کے ارادے سے اقرار کیا تو یہ بمعنٰی اخبار نہ ہوگا بلکہ انشاء ہوگا جبکہ اقرار حقیقتًا خبر کو کہتے ہیں پس فقہاء اور امام کے قول کے موافق اور تمام تصحیحات میرے فتوے پر مجتمع ہوگئیں اور اگر ذخیرہ کی عبارت کو اسی معنی میں لیا جائے جو میں نے پہلے ذکر کیا تو اس سے تمام اقوال میں بھی موافقت ہوجائے گی ورنہ میری تحریر کو مضبوطی سے اپناؤ۔ (ت)

[۱۶] **اقول:** اب یہاں ایک مسئلہ خلافیہ وارد ہوگا جس طرح نکاح مسلم میں وقت ایجاب وقبول دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عاقل بالغ آزاد اور نکاح مسلم میں انھیں اوصاف کے خاص مسلمین کا حاضر ہونا بالاتفاق اور ان کا کلام عاقدین معًا سننا عندالجمهور علی المذهب المنصور شرط وضرور ہے آیا یوں ہی ان کا کلام عاقدین سمجھنا بھی شرط ہے یا نہیں۔ مثلًا اگر دو ہندیوں کے سامنے مرد وزن نے عربی میں ایجاب وقبول کرلیا وہ نہ سمجھے، آیا یہ نکاح فاسد ہوگا یا صحیح، علمائے کرام کے اس میں دونوں قول منقول ہوئے،

جزم بالاول العلامة الزيلعى فى التبيين و	امام زیلعی نے تبیین میں اور محقق علی الاطلاق نے

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۷۴

المحقق علی الاطلاق فی الفتح والمولی الغزی فی متن التنویر وصححه فی الجوهرة وقال فی الذخیرة والظهیریة وخزانة المفتین والسراج الوهاج وشرحی النقایة للقهستانی والبرجندی ومجمع الانهر والهندیة انه الظاهر [1] وکذا اختاره فقیه النفس فی الخانیة وضعف خلافه قال الذخیرة ثم البحر ثم الدر ومجمع الانهر فکان هوالمذهب [2]، وجزم بالثانی فی الفتاوی وکذا ذکره البقالی وقال فی الخلاصة وجواهر الاخلاطی انه الاصح [3]،وفی مجمع الانهر عن النصاب،علیه الفتوی [4] ولم یتعرض لقید الفهم فی مختصر القدوری والوقایة والنقایة والکنز والاصلاح والایضاح والملتقی وکلاهما روایة عن مدار المذهب محمد رضی الله تعالٰی عنه لما فی الفتح۔	فتح میں پہلے پر جزم کیا ہے اور غزی نے تنویر کے متن میں ذکر کیا اور جوہرہ میں اس کی تصحیح کی۔ ذخیرہ، ظہیریہ، خزانۃ المفتین، سراج الوہاج، قہستانی اور برجندی نے اپنی شرحوں، مجمع الانہر اور ہندیہ میں فرمایا کہ یہ ظاہر ہے، اور یونہی قاضی خان نے خانیہ میں اس کو پسندیدہ قرار دیا اور اس کے خلاف کو ضعیف کہا ہے۔ اور ذخیرہ، بحر، در، مجمع الانہر نے کہا کہ یہی مذہب ہے، اور دوسرے (صحیح) پر جزم کا اظہار فتاوٰی میں کیا اور یوں اس کو بقالی نے ذکر کیا۔ اور خلاصہ اور جواہر الاخلاطی میں کہا کہ یہ ظاہر ہے۔ اور مجمع الانہر میں نصاب کے حوالے سے کہا کہ اس پر فتوٰی ہے، اور مختصر القدوری، وقایہ، نقایہ، کنز، اصلاح، ایضاح اور ملتقی میں فہم کی قید کو ذکر نہیں کیا جبکہ یہ دونوں قول مدار مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں، جیساکہ فتح میں مذکور ہے۔ (ت)

اور توفیق نفیس یہ ہے کہ معنٰی الفاظ سمجھنا ضروری نہیں مگر اس قدر سمجھنا ضرور ہے کہ یہ عقد نکاح ہو رہا ہے۔

---

[1] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۲/۴، مجمع الانہر کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۱

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۱

[3] جواہر اخلاطی کتاب النکاح قلمی نسخہ ص ۴۷

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۱

اقول: وقدکان سنح لی ھذا ثم رأیتہ للعلامۃ مصطفی الرحمتی لمحشی الدر وقال فی ردالمحتار ووفق الرحمتی یحمل القول بالاشتراط علی اشتراط فھم انہ عقد نکاح والقول بعدمہ علی عدم اشتراط فھم معانی الالفاظ بعد فھم ان المراد عقد النکاح[1] اھ وھو کما تری حسن جدا۔ **اقول:** ومن علم الفقہ والحکمۃ فی اشتراط الشھادۃ فی عقد النکاح اتقن بھذا التوفیق فان من علم ان ھذا نکاح فقد شھد العقد وان لم یقف علی خصوص ترجمۃ الالفاظ ومن لم یفھم فکأن لم یسمع ومن لم یسمع فکأن لم یحضر وبتقریری ھذا یتضح لك ان الاجتزاء بذکر الحضور اوبہ وبالسماع اوذکرھما مع الفھم کل یودی مودی واحدا عند التدقیق واللہ ولی التوفیق۔	**اقول:** مجھے یہ واضح ہوا، پھر اس کے بعد مجھے یہ بات در کے محشیٰ علامہ مصطفیٰ رحمتی کے ہاں مل گئی۔اور ردالمحتار میں فرمایا کہ علامہ رحمتی نے فہم کی شرط والے قول اور فہم کی شرط نہ ہونے والے قول میں یوں تطبیق دی ہے____ کہ جہاں فہم کی شرط کا قول ہے اس سے مراد نکاح ہونے کا فہم ہے اور جہاں فہم کی شرط کی نفی ہے اس سے نکاح کے وقت بولے جانے والے الفاظ کے فہم کی نفی مراد ہے بشرطیکہ نکاح ہونا سمجھا گیا ہو۔اھ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بہت اچھی تطبیق ہے **اقول:** جس کو عقد نکاح میں گواہوں کے موجود ہونے کی شرط کی حکمت معلوم ہے وہ اس تطبیق کی توثیق کرے گا کیونکہ جس نے گواہوں میں سے یہ معلوم کرلیا کہ یہ نکاح ہے تو نکاح کا گواہ اگرچہ اس نے الفاظ کا ترجمہ نہ سمجھا، اور جس کو نکاح کا فہم نہ ہوا گویا اس نے سنا ہی نہیں اور جس نے نہ سنا گویا وہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوا۔میری اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ نکاح کے جواز میں صرف گواہوں کا حاضر ہونا، یا گواہوں کی حاضری اور سماع، یا ان دونوں کے ساتھ فہم کا ذکر حقیقۃً ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، اور اللہ سبحانہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔(ت)

پس مسئلہ دائرہ میں جبکہ مرد وزن ان الفاظ سے قصد انشاء کریں اس کے ساتھ یہ بھی ضرور کہ دو شاہد بھی ان کی اس گفتگو کو عقد نکاح سمجھیں خواہ بذریعہ قرائن یا خود عاقدین کے مطلع کر رکھنے سے ورنہ اگر سب حضار نے اسے محض اخبار جانا تو "**فاھمین انہ نکاح**" صادق نہ آیا اور نکاح صحیح نہ ہوا۔

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۳

هذا ما قلته تفقها ثم رأیت فی ردالمحتار ،قال حاصل مافی الفتح وملخصه انه لابد فی کنایات النکاح من النیة مع قرینة او تصدیق القابل للموجب وفهم الشهود المراد اعلامهم به[1] اھفاتضح المرام والحمد لله ولی الانعام ،**اقول**: وینبغی ان یکون الاعلام قبل العقد کما اشرت الیه لیکونا جامعی شرائط الشهادة عند العقد الاتری ان فاهمین فی کلامهم حال ولابد من مقارنة الحال والعامل والله تعالٰی اعلم هذا کله مما فاض علی قلب الفقیر بفیض القدیر والمولٰی تعالٰی اذا شاء الحق الجاهل العاجز بالماهر الخبیر والحمد لله علی حسن التوفیق والهام التحقیق والصلٰوۃ والسلام علی سید العالمین محمد واٰله وصحبها اجمعین۔	یہ میں نے اپنی سمجھ سے کہا پھر میں نے ردالمحتار میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ فتح کا ماحاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ کنایات نکاح میں نیت مع قرینہ، یاقبول کرنے والے کا ایجاب کرنے والے کی تصدیق کرنا اور گواہوں کا مراد سمجھنا یا ان کو بتایا جانا ضروری ہے اھ پس مقصد واضح ہوگیا اور اللہ تعالٰی مالک انعام کے لیے تعریف ہے **اقول:** گواہوں کو نکاح کے بارے میں پہلے بتانا مناسب ہے تاکہ وہ نکاح کے وقت شہادت کی شرائط پوری کرسکیں۔ جیسا کہ میں نے اشارہ کیا ہے، کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ فقہاء نے گواہوں کے فاہم ہونے کو حال قرار دیا ہے جبکہ حال اور اس کے عامل کا مقارن ہونا ضروری ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ یہ سب کچھ اس فقیر کے قلب پر فیضان ہوا مولٰی تعالٰی قادر کے فیض سے، جب اللہ تعالٰی چاہے تو وہ جاہل عاجز کو ماہر خبیر سے ملحق کردیتا ہے اور اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں ہیں اس کے اچھی توفیق دینے پر اور تحقیق کے الہام پر، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سید العالمین پر صلٰوۃ وسلام اور ان کی آل واصحاب پر، آمین! (ت)

پھر جس حالت میں انعقاد نکاح کا حکم ہو ذکر مہر کی کوئی حاجت نہیں کہ نکاح بے ذکر بلکہ بذکر عدم مہر بھی صحیح ومنعقد ہے کما نصوا علیه (جیسا کہ اس پر انھوں نے تصریح کی ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمه تعالٰی اتم واحکم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۹

رسالہ
ماحی الضلالۃ فی انکحۃ الھند وبنجالہ ۱۳۱۷ھ
(بنگال اور ہندوستان میں نکاحوں کے بارے میں کوتاہی کو مٹانے والا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷: ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۷ ہجریہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جو کہ عقد ہوتے ہیں کہ ایک شخص غیر کو ولی ہندہ نے وکیل قرار دے کر اور دو شخص اور ہمراہ اس کے واسطے گواہی کے مقرر کرکے واسطے اجازت لینے نکاح کے ہندہ کے پاس بھیجے وہ شخص کسی کا سر اور کسی کا پاؤں کچلتا ہوا ہنگامہ مستورات میں جاکر قریب ہندہ کے بیٹھا اور یہ کلمات کہے کہ تو مجھ کو واسطے عقد اپنے کے وکیل کردے وہ بے چاری بباعث رواج اس ملک اور شرم کے کب گویا ہوتی ہے اکثر مستورات اس کو فہمائش کرتی ہیں مگر وہ نہیں جواب دیتی اور بعض بعض کچھ گریہ یا "ہوں" کا اشارہ کردیتی ہیں۔ بعد کو وکیل صاحب باہر تشریف مع دونوں گواہوں کے لاکر، دولھا کے روبرو آکر بیٹھتے ہیں اور داہنے دولھا کے ایک شخص اور، کہ دعوی قضا کا رکھتے ہیں اور پیشہ کفش دوزی یا خیاطی یا نور بافی کا کرتے ہیں وہ بھی بیٹھتے ہیں۔۔۔۔جو کہ وکیل صاحب مع گواہوں کے تشریف لائے تھے وہ قاضی صاحب سے سلام علیك کرکے روبرو دولھا کے بیٹھ گئے، قاضی صاحب نے وکیل صاحب کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ آپ کا آنا کہاں سے ہوا، وکیل صاحب نے جواب اس کے، ارشاد کیا کہ دختر فلاں نے واسطے عقد اپنے کے مجھ کو وکیل مقرر کرکے

بھیجا ہے اور میری وکالت کے یہ دونوں اشخاص گواہ ہیں آپ اس کا عقد نوشہ ہذا کے ساتھ کردیجئے۔ قاضی صاحب نے بعد طے ہونے گفتگو عقد اور تعین مہر مبلغ ایک لاکھ روپے اور بیس دینار سرخ سوائے نان نفقہ کے نوشہ کی طرف متوجہ ہو کر خیال کیا کہ کنگنہ جو ہاتھ میں دولھا کے بندھا تھا وہ کھول کر علیحدہ رکھ دیا اور سہرا کو لوٹ کر شملہ پر لپیٹ دیا اور یہ کلمات فرمائے کہ فلاں شخص کی دختر کو بوکالت فلاں شخص اور بہ گواہی فلاں شخص کے بالعوض اس قدر مہر سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح تیرے کے دی میں نے، قبول کی تونے، اس نے کہا قبول کی میں نے۔ بعد کو وکیل صاحب مع گواہوں کے چلے گئے، اور قاضی صاحب بھی اپنا حق نکاح خوانی مع دو رکابی پلاؤ کے لے کر تشریف لے گئے۔ دولھا نے وہ کنگنہ پھر اپنے ہاتھ میں باندھ لیا۔ آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرام کی ہوئی یا حلال کی ہوئی؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ نکاح درست نہیں ہوا اور جو کہ اولاد ہوئی وہ حرامی ہوئی اور شناخت حرام اور حلال کی یہ ہے کہ جو اولاد ایسے نکاحوں سے ہوتی ہے ان سے اکثر یہ فعل سرزد ہوتے ہیں جیسے زنا یا شراب خوری یا قمار بازی یا لواطت، سوا اس کے جو فعل ناشائستہ ہیں وہ سرزد ہوتے ہیں یا کہ والدین سے جنگ جدال کرنا اور بزرگ کا لحاظ پاس نہ کرنا۔ یہ فعل اولاد صالح اور حلال سے ہرگز عمل میں نہیں آئیں گے۔ اور قول عمرو کا یہ ہے کہ کچھ اس نکاح میں قباحت نہیں اور نہ اولاد حرام ہو سکتی ہے کیونکہ قدیم سے یہی رسم چلی آئی۔ اگر ایسا ہو تو سب مخلوق خدا حرامی ہوگی، آیا قول زید کا درست ہے یا عمرو کا؟ اور قول زید کا یہ ہے کہ بالفرض کنگنہ بھی نہیں ہے اور نکاح بھی اصالۃً یا ولایۃً یا کہ جو وکیل ہے اسی نے ایجاب قبول کرایا اور بعد اس کے کلمات کفر کے طرفین سے خواہ شوہر یا عورت سے سرزد ہوئے اور ان کی تمیز نہیں ہے کہ یہ کلمات کفر ہیں جب بھی نکاح جاتا رہے گا اور جو قبل از توبہ اور سرِنو ایجاب قبول کرنے کے اولاد ہوگی وہ بھی حرامی ہوگی۔ **بینوا توجروا من اللہ۔**

الجواب:

ظاہر ہے کہ عورت سے اذن جبھی لیا جاتا ہے کہ عاقلہ بالغہ ہو، اور بیشک عاقلہ بالغہ کا اذن شرعًا معتبر اور بیشک دوشیزہ کا سکوت بھی اذن۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البکر تستأذن فی نفسہا واذنہا صماتہا[1]، رواہ احمد والستۃ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: باکرہ لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت لی جائے اور اجازت کے جواب میں خاموشی باکرہ کی

[1] صحیح مسلم باب استیذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵

الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اجازت ہوگی۔امام احمد نے اور صحاح ستہ میں ماسوائے بخاری کے اس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر یہ اسی وقت ہے جبکہ ولی اقرب اس سے اذن لے ورنہ مجرد خاموشی اذن نہ ٹھہرے گی۔درمختار میں ہے:

فان استاذنھا غیر الاقرب کا جنبی او ولی بعید فلا عبرۃ لسکوتھا[1] الخ۔	اگر باکرہ سے ولی اقرب کا غیر مثلاً کوئی اجنبی یا ولی بعید اجازت طلب کرے تو یہاں باکرہ کی خاموشی رضا میں معتبر نہیں الخ۔(ت)

اور بیشک اکثر لوگ جو وکیل کئے جاتے ہیں اجنبی یا ولی بعید ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں اگر انھوں نے اذن لے لیا اور دوشیزہ نے سکوت کیا تو سرے سے انھیں کے لیے وکالت ثابت نہ ہوئی اور اگر اس نے صاف "ہوں" کہہ دیا یا ولی اقرب کے اذن لینے پر سکوت کیا تو اس کے لیے وکالت حاصل ہوگئی مگر وکیل بالنکاح کو شرعاً اتنا اختیار ہے کہ خود نکاح پڑھائے نہ کہ دوسرے کو پڑھانے کی اجازت دے جب تک ماذونِ مطلق یا صراحۃً دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہ ہو بغیر اس کے اگر اس نے دوسرے سے پڑھوایا تو صحیح مذہب پر نکاح بلااذن ہوگا اگرچہ عقد اس کے سامنے ہی واقع ہو،

فی ردالمحتار عن العلامۃ الرحمتی عن العلامۃ الحموی عن کلام الامام محمد فی الاصل ان مباشرۃ وکیل الوکیل بحضرۃ الوکیل فی النکاح لاتکون کمبا شرۃ الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع[2] الخ **اقول:** نص الغمز عن الولوالجیۃ ھکذا لو وکل رجلا فوکل الوکیل غیرہ وفعل الثانی بحضرۃ الاول فان کان بیعا اوشراء یجوز وماعدا البیع والشراء من الخصومۃ والتقاضی والنکاح والطلاق وغیر ذٰلک	ردالمحتار میں علامہ رحمتی نے علامہ حموی کے حوالے سے اصل (مبسوط) میں ذکر شدہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام نقل کیا ہے کہ نکاح میں خود وکیل کی موجودگی میں وکیل کی بات معتبر نہیں ہے، بیع کا معاملہ اس کے برخلاف ہے،**اقول:** میں کہتا ہوں کہ غمز نے ولوالجیہ سے یوں نقل کیا ہے کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا وکیل بنایا اور اگر دوسرے وکیل نے پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کیا تو ایسی صورت میں اگر بیع وشراء کا معاملہ ہو تو جائز ہے اور اس کے علاوہ دیگر امور مثلاً عدالتی مطالبہ، نکاح،

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

ذکر عصام فی مختصرہ انہ یجوز،وذکر محمد فی الاصل انہ لایجوز فانہ قال اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز الافی البیع والشراء وھو الصحیح[1] اھ ملخصا. فاذا کان ھذا ھو مفاد الاصل وقد ذیل با لتصحیح فانقطع الخلاف واضمحلت الروایۃ النادرۃ وسقط مافی الخانیۃ،فکیف بما فی القنیۃ وان ایدہ العلامۃ الطحطاوی وترکہ علامۃ البحر فی البحر والمحقق العلائی فی الدر مستشکلا ولاغرو فقد شھدت کلماتھم رحمھم اللہ تعالٰی انھم لم یطلعوا اذ ذاك علی کلام الاصل،اصلاحیث لم یلموا بہ الماما ولااشموا منہ اشماما،ولکن العجب من خاتمۃ المحققین العلامۃ الشامی قدس سرہ السامی حیث اورد کلام الاصل ثم لم یسمح الابا ستظھار عدم الجواز مریدا عدم النفاذ،اذ العقد عقد فضولی فکانہ اقتصر علی النقل عن العلامۃ مصطفٰی ولوراجع الغمز لرأی تصحیح الامام الولوالجی لما فی الاصل ومعلوم ان

طلاق وغیرہ ہوں تو عصام نے اپنی مختصر میں ذکر کیا ہے کہ ان امور میں بھی اس کا عمل جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل میں ذکر کیا ہے کہ یہ جائز نہیں ہے تو یوں فرمایا کہ اگر دوسرا وکیل پہلے وکیل کی موجودگی میں عمل کرے تو بیع وشراء کے علاوہ میں جائز نہیں ہے،اور یہی صحیح ہے اھ ملخصا،جب اصل (مبسوط) کا مفاد یہی ہے اور اسی ضمن میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے تو اس کا خلاف ختم اور نادر روایت کمزور ثابت ہوگئی اور خانیہ کا بیان ساقط ہوگیا۔تو اب قنیہ کے بیان کی کیا حیثیت ہے اگرچہ علامہ طحطاوی نے اس کی تائید کی ہے اور پھر اس کو علامہ بحر نے بحر میں اور محقق علائی نے در میں باعث اشکال قرار دیا ہے اور کوئی بعید نہیں ان حضرات نے اصل کے بیان پر اطلاع نہ پائی ہو جیسا کہ ان حضرات کے کلام سے عیاں ہو رہا ہے،کہ انھوں نے اصل کے مضمون کو چھوا تک نہیں ہے لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں تعجب ہے کہ انھوں نے اصل کے بیان کو ذکر کرنے کے باوجود عدم جواز کے اظہار کے علاوہ کچھ تعرض نہ فرمایا حالانکہ وہ اس کے نفاذ کے خواہاں نہیں ہیں کیونکہ دوسرے وکیل کا نکاح میں یہ عقد فضولی ہے،معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی نے علامہ مصطفٰی کی نقل کو کافی سمجھا اور اگر وہ غمز کی طرف رجوع کرتے تو امام ولوالجی کا اصل کی عبارت کو صحیح قرار دینا دیکھ لیتے

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۱

روایۃ الاصول اذا صححت سقطت کل روایۃ سواھا فکان السبیل الجزم دون مجرد الاستظھار، واللہ ولی التوفیق۔	____ کیونکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ جب اصول کی روایات کی تصحیح ہوجائے تو باقی تمام روایات ساقط قرار پاتی ہیں اس لیے مناسب تھا کہ علامہ شامی صرف اظہار کی بجائے اپنے جزم کو کلام میں لاتے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ (ت)

بہر حال مذہب راجح پر یہ نکاح نکاح فضولی ہوتے ہیں اور نکاح فضولی کو مذہب حنفی میں باطل جاننا محض جہالت و فضولی بلکہ باجماع ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم منعقد ہوجاتا ہے اور اجازت اصیل پر (کہ یہاں وہ عورت ہے جس کے لیے بے اذن اس کا نکاح غیر وکیل نے کردیا) موقوف رہتا ہے اگر وہ اجازت دے نافذ ہوجائے اور رد کردے تو باطل۔

کما ھو حکم تصرفات الفضولی جمیعا عندنا کما صرح بہ فی عامۃ کتب المذھب۔	جیسا کہ فضولی کے تمام تصرفات کا ہمارے ہاں حکم ہے جس کی تمام کتب مذہب میں تصریح ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لایجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب اوسلطان بغیر اذنھا بکرا کانت اوثیبا فان فعل ذٰلک فالنکاح موقوف علی اجازتھا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل کذا فی السراج الوھاج [1]۔	عاقلہ بالغہ کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کا کیا ہوا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوگا خواہ وہ عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر ایسا ہو تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ وہ جائز قرار دے تو جائز ہوگا ورنہ اگر رد کردے تو وہ نکاح باطل ہوجائے گا، سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے مثلاً عورت خبر نکاح سن کر کہے میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا راضی ہوئی یا مجھے قبول ہے یا اچھا کیا یا خدا مبارک کرے الٰی غیر ذٰلک من الفاظ الرضا (علاوہ ازیں تمام وہ الفاظ جو رضا پر دلالت کرتے ہیں۔ ت) یوں ہی اس فعل یا حال سے بھی آگاہ ہوجاتی ہے جس سے رضامندی سمجھی جائے مثلاً عورت اپنا مہر مانگے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد لے یا خبر نکاح سن کر خوشی سے ہنسے یا مسکرائے یا اپنا جہیز شوہر کے گھر بھجوائے یا اس کا بھیجا ہوا مہر لے لے یا اسے بلاجبر واکراہ اپنے ساتھ جماع یا بوس وکنار و مساس کرنے دے یا تنہا مکان میں اپنے ساتھ خلوت میں آنے دے یا اس کے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

کام خدمت میں مشغول ہو جبکہ نکاح سے پہلے اس کی خدمت نہ کیا کرتی ہو۔ونحو ذلك من كل فعل يدل على الرضا (اور یونہی اس قسم کے تمام وہ افعال جو رضا مندی پر دلالت کرتے ہیں۔ت) ان سب صورتوں میں وہ نکاح کہ موقوف تھا جائز ونافذ ولازم ہو جائے گا۔عالمگیری میں ہے۔

كما يتحقق رضاها بالقول كقولها رضيت وقبلت واحسنت واصبت وبارك الله لك اولناأونحوه يتحقق بالدلالة كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطى وقبول التهنئة والضحك بالسرور من غير استهزاء كذا فى التبيين [1]۔	جیسا کہ، میں راضی ہوں، میں نے قبول کیا، تونے اچھا کیا، تونے درست کیا۔اللہ تعالٰی تجھے برکت دے یا ہمیں برکت دے جیسے الفاظ سے عاقلہ بالغہ کی رضامندی ثابت ہوتی ہے یوں ہی ان افعال سے دلالۃً رضا ثابت ہوگی مثلاً مہر طلب کرنا، نفقہ طلب کرنا، وطی کی اجازت دینا، مبارکباد، قبول کرنا، خوشی سے ہنسنا وغیرہ، جیسا کہ تبیین میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وان تبسمت فهو رضا هوالصحيح من المذهب ذكره شمس الائمة الحلوانى كذافى المحيط [2]۔	اگر وہ خوشی سے تبسم کرے تو وہ رضا ہے،یہی صحیح مذہب ہے۔اس کو شمس الائمہ حلوانی نے ذکر کیا جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

الرضا باللسان اوالفعل الذى يدل على الرضا نحوا لتمكين من الوطى وطلب المهر وقبول المهر دون قبول الهدية وكذافى حق الغلام [3]۔	رضا زبانی اور عمل دونوں طرح ہوتی ہے یہ ان امور میں ہے جو رضا پر دلالت کریں۔جیسے وطی کی اجازت، مہر طلب کرنا، مہر کو وصول کرلینا،بخلاف ہدیہ قبول کرنے کے کہ یہ نکاح پر رضا مندی نہ ہوگی،لڑکے کے بارے میں بھی ایسا ہی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں زیر قول درمختار وقبول التهنئة والضحك سرور او نحو ذلک (مبارک باد قبول کرنا، ہنسنا خوشی میں وغیرہ۔ت) ہے كامرها بحمل جهازها الى بيت الزوج [4] (جیسے لڑکی کا جہیز کے سامان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی شرائط النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۸

[4] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۲

کو خاوند کے ہاں منتقل کرنے کا کہنا۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن الظهيرية لوخلاها برضاها هل يكون اجازة لارواية لهذه المسئلة وعندی ان هذا اجازة اھ فی البزازية الظاهر انه اجازة [1] اھمافی الشامية۔ **اقول:** ومن ههنا زدت المس والتعانق والتقبيل لان الخلوة برضاها لما كانت امارة الرضا فهذه الافعال اجدر واحری کمالایخفی۔	بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ لڑکی کی رضامندی سے وہ شخص خلوت کرلے تو کیا یہ لڑکی کی طرف سے نکاح کو جائز قرار دینا ہے یا نہیں تو اس مسئلہ کی روایت نہیں ہے اور میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ۔بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہوگی اھ شامی کی عبارت ختم ہوئی۔ **اقول:** یہاں پر میں نے چھونا، معانقہ، بوسہ کو مزید بڑھایا کیونکہ جب خلوت رضا کی دلیل ہے تو یہ امور رضا پر دلیل ہونے میں زیادہ واضح ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔(ت)

حاشیتین علامہ طحطاوی وشامی میں ہے:

قوله بخلاف خدمته ای ان كانت تخدمه من قبل ففی البحر عن المحيط والظهيرية ولوأكلت من طعامه اوخدمته کماکانت فليس برضی دلالة [2] اھ۔	ماتن کے قول "لڑکی کا خدمت کرنا" اس کے خلاف ہے یعنی اگر لڑکی نکاح سے پہلے اس شخص کی خادمہ تھی تو اس بارے میں بحر، محیط اور ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر لڑکی نے اس شخص کا کھانا کھایا یا اس کی خدمت کی تو یہ رضا پر دلیل نہ ہوگی اھ(ت)

ہمارے بلاد میں عام لوگوں خصوصًا شریفوں خصوصا اغنیاء میں اگرچہ یہ اکثر باتیں شب زفاف بلکہ مدت تک اس کے بعد بھی واقع نہیں ہوتیں۔اور بوس وکنار ومساس وجماع جو اس شب ہوتے ہیں غالبًا نہایت اظہار کراہت ونفرت کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے باعث انھیں دلیل رضا ٹھہرانے میں دقت ہے مگراس میں شبہہ نہیں کہ شوہر کو شبِ زفاف تنہا مکان میں اپنے پاس آنے دینا اور اس خلوت پر سوا شرم کے کوئی اثر مترتب نہ ہونا یقینا ہوتا ہے نکاح نافذ ہوجانے کے لیے اسی قدر بس ہے اور یہ امر قطعًا پیش از جماع واقع ہوتا ہے تو جماع بعد نفاذ ولزوم نکاح واقع ہوا اور اولاد حلال ہوئی ۲۳ **بلکہ** اگر مقاصد شرع مطہرہ اور اپنے بلاد کے حالات کو پیش نظر رکھ کر نگاہ دقیق فقہی سے کام لیجئے تو شب اول شوہر کو اپنے ساتھ جماع پر قدرت دینا بھی حقیقۃً رضا ہے

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت /۰، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۲

اگرچہ بظاہر ہزار اظہار تنفر کے ساتھ ہوں کہ یہ کراہتیں جیسی ہوتی ہیں سب کو معلوم ہے حقیقۃً حال یوں منکشف ہو کہ اس مرد کی جگہ کسی اجنبی کو فرض کیجئے جس سے اس کا نکاح نہ کیا گیا اس وقت بھی ایسی ہی ظاہر کراہتوں پر قناعت کرکے بالآخر جماع پر قدرت دے دے گی، حاشا وکلّا، تو صاف ثابت ہوا کہ یہ سب امور حقیقۃً قبول نکاح سے ناشی ہوتے ۲۴ **بلکہ** اس سے پہلے رخصت ہو کر جانا بھی اگرچہ بوجہ مفارقت اعزہ وخانہ مالوفہ نہایت گریہ وبکا کے ساتھ ہو انصافاً دلیل رضا ہے کہ اگر اسے اپنا شوہر ہونا پسند نہ کرتی اجنبی جانتی ہرگز زفاف کے لیے رخصت ہو کر اس کے یہاں نہ جاتی ۲۵ **بلکہ** اس سے بھی پہلے آرسی مصحف یعنی جلوہ کی رسم جہاں ہے بشرطیکہ عورت پہلے سے اس کے سامنے نہ آتی ہو وہ بھی دلیل قبول ہے کہ اگر غیر مرد سمجھتی زنہار منہ دکھانے پر راضی نہ ہوتی ۲۶ **اسی** طرح مٹھی کھلوانے وغیرہ کی رسمیں بھی کہ جلوہ سے بھی پیشتر ہوتی ہیں دلالت وعلامت قرار پاسکتی ہیں اور ان تمام باتوں میں بکر وثیب یکساں ہیں کہ ان میں صرف مسئلہ سکوت میں فرق ہے باقی دلالتیں دونوں برابر ہیں تبیین الحقائق میں ہے:

لافرق بینهما فی اشتراط الاستئذان والرضا وان رضاهما قد یکون صریحا وقد یکون دلالة غیر ان سکوت البکر رضا دلالة لحیائها دون الثیب[1]۔	باکرہ اور ثیبہ دونوں کا معاملہ اجازت طلب کرنے اور رضا حاصل کرنے میں مساوی ہے ہاں صرف اجازت کے موقعہ پر سکوت کے بارے میں فرق ہے کہ باکرہ کا سکوت اس کے حیاء کی وجہ سے رضا کی دلیل ہے مگر ثیبہ کے لیے نہیں۔ (ت)

غرض جب شرع سے قاعدہ کلیہ معلوم ہو لیا کہ جس فعل سے اس نکاح پر عورت کی رضا ثابت ہو اذن واجازت ہے اور بنظر تحقیق وانصاف جب اس شخص اور مرد اجنبی کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو یہ امور دلیل رضا وقبول نکلتے ہیں تو نفاذ نکاح کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل بلکہ جب یہ طریقہ نکاح ہمارے بلاد میں عام طور پر رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا ۲۷ **بلکہ** دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ ضمن اذن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل گیا **فان المعروف کالمشروط کما هو من القواعد المقررة والفقهیة** (جیسا کہ فقہی قواعد میں ہے کہ معروف مشروط کی طرح ہے (یعنی عرف میں مقررہ امور بغیر ذکر بھی معتبر ہوں گے۔ت) اور وکیل کو جب اذن توکیل ہو تو بیشک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے فی الاشباہ **لایوکل الوکیل الاباذن اوتعمیم**[2] الخ (اشباہ میں ہے کہ کوئی وکیل اپنا نائب وکیل مؤکل کی

---

[1] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۱۱۹/۲

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۶/۲

اجازت یا عمومی اختیار کے بغیر نہیں بنا سکتا ہے۔ت)

اس تقدیر پر یہ نکاح سرے سے نافذ ولازم واقع ہوا جس کی تنقیذ میں ان تدقیقات کی اصلاً حاجت نہ رہی مگر یہ جب ہی کہہ سکیں گے کہ اس طریقہ نکاح کی شہرت ایسی عام ہو کہ کنواری لڑکیاں بھی اس سے واقف ہوں اور جانتی ہوں کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا دوسرے سے پڑھوائے گا۔

والا لم یکن معروفا عندھن فلا یجعل کالمشروط فی حقھن تأمل وراجع مسئلة سعر الخبز وغیرہ فی البلد۔	ورنہ یہ لڑکیوں کے ہاں معروف نہیں ہوگا اس لیے ان کے حق میں مشروط کی طرح نہ ہوگا، غور کرو اور شہر میں روٹی کے بھاؤ وغیرہ کے مسئلہ کی طرف رجوع کرو۔(ت)

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وکیل اصلی نے بعد نکاح کوئی کلمہ ایسانہ کہا جو اس نکاح کی اجازت ٹھہرے ورنہ خود اسی کے جائز کرنے سے جائز ہوجائے گا اگرچہ اسے اذن توکیل اصلاً نہ ہو۔

فی الاشباہ الوکیل اذا وکل بغیر اذن وتعمیم واجاز مافعلہ وکیلہ نفذ الا الطلاق والعتاق[1]۔	اشباہ میں ہے کہ اگر موکل کی اجازت کے بغیر یا عمومی اختیار حاصل کئے بغیر وکیل نے از خود دوسرا وکیل بنا لیا تو دوسرے وکیل کے لیے عمل کو پہلے وکیل نے جائز قرار دیا تو یہ عمل نافذ ہوجائے گا ماسوائے طلاق اور عتاق کہ ان میں نافذ نہ ہوگا۔(ت)

حموی میں ہے:

وکذا لو عقد اجنبی فاجاز الاول[2]۔	یوں ہی اگر وکیل کے لیے کسی اجنبی نے عمل کیا تو وکیل نے اسے جائز قرار دیا۔(ت)

غرض ہر طرح پیش از جماع ان نکاحوں کے نافذ اور لازم ہونے میں شبہہ نہیں تو اولاد قطعاً اولاد حلال اور ۲۸ **بالفرض** ان باتوں سے قطع نظر کیجئے اور بتقدیر باطل ہی مان لیجئے کہ اصلا ان امور سے کچھ واقع نہیں ہوتا تاہم جب ان بلاد میں عام مسلمین کو اس میں ابتلا ہے تو راہ یہ تھی کہ اس روایت پر عمل کریں جسے امام عصام نے اپنے متن میں اختیار فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی اور زاہدی نے قنیہ میں اس پر جزم کیا اور علامہ سیدی احمد طحطاوی نے اس کی تائید کی یعنی وکیل بالنکاح جب دوسرے کو نکاح پڑھانے کی اجازت دے اور وہ اس کے سامنے پڑھادے تو نکاح جائز و نافذ ہوجائے گا اگرچہ وکیل کو

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱۔۱۰

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱

اذن توکیل نہ ہو۔

اما روایة عصام فقد سمعت،واما الامام فقیہ النفس فقال فی وکالة الخانیة الوکیل بالتزویج لیس لہ ان یؤکل غیرہ فان فعل فزوج الثانی بحضرة الاول جاز [1] اھ واما القنیة،ففی الدرلو استأذنھا فسکتت فوکل من یزوجھا ممن سماہ جازان عرفت الزوج والمھر کما فی القنیہ،واستشکلہ فی البحر بانہ لیس للوکیل ان یوکل بلااذن فمقتضاہ عدم الجواز او انھا مستثناہ [2] اھ قال ط قولہ فمقتضاہ عدم الجواز قد یقال ان الوکیل فی النکاح وان تعدد سفیر ومعبر الحقوق ترجع الی الموکل فاذا لاضیر فی تعددہ لاسیما والزوج والمھر معلومان ویؤید ذٰلك ماذکرہ المص والشارح فی الوکالة حیث قالا الوکیل لایوکل الاباذن اٰمرہ الااذا وکلہ فی دفع زکاة فوکل اٰخر	لیکن عصام کی روایت توآپ نے سن لی مگر امام فقیہ النفس(قاضی خاں)توانھوں نے خانیہ کے باب وکالت میں فرمایا کہ نکاح کے وکیل نے اگر کسی کو وکیل بنایا تو یہ اس کو جائز نہیں،اور بنالیا تو دوسرے نے اگر پہلے کی موجودگی میں نکاح کیا تو جائز ہوگا اھ مگر قنیہ،تو در میں ہے کہ اگر وکیل نے لڑکی سے اذن لینا چاہا تو لڑکی خاموش رہی اور وکیل نے دوسرے شخص کو نامزد کیا تاکہ وہ اس لڑکی کا نکاح کرے تو لڑکی کو اگر زوج کا نام اور مہر معلوم ہوجائے تو اس دوسرے وکیل کا کیا ہوا نکاح جائز ہوگا۔جیسا کہ قنیہ میں ہے اس پر بحر میں اشکال کیا کہ وکیل از خود دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا،لہٰذا اس بنا پر دوسرے کا نکاح صحیح نہیں ہونا چاہئے،یا یہ صورت مستثنٰی قرار دی جائے اھ،اس پر طحطاوی نے فرمایا کہ اس کا قول،عدم جواز چاہئے،اس پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ نکاح کا وکیل صرف سفیر اور معبر ہوتا ہے،وہ اگر متعدد بھی ہوں تو حقوق صرف مؤکل کی طرف راجح ہوتے ہیں،تو یہ زیادہ بھی ہوں تو کوئی مضر نہیں خصوصًا جبکہ لڑکی کو خاوند اور مہر کا علم ہوجائے،اس کی تائید مصنف اور شارح کے اس بیان سے ہوتی ہے جو انھوں نے وکالت کی بحث میں ذکر کیا ہے جہاں پر انھوں نے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالة فصل فی التوکیل بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۳/۵۸۰

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

والوکیل بقبض الدین اذا وکل من فی عیاله والاعند تقدیر الثمن من المؤکل للوکیل فیجوز التوکیل بلااجازة لحصول المقصود اھ ففی مسئلتنا ھذه تظھر ھذه العلة وھی کالمسئلة الاخیرة بجامع التعیین فی کل فتکون مستثناة فتعین الجواب الثانی فی الشرح فتأمل[1] اھ مافی ط۔	فرمایا کہ وکیل بغیر اجازت دوسرا وکیل نہیں بنا سکتا مگر جب کسی وکیل نے زکوٰۃ دینے کے لیے کسی کو اور قرض وصول کرنے میں وکیل نے اپنے عیال کو اور وکیل کے لیے موکل کی طرف سے ثمن طے کردینے کے بعد کسی دوسرے کو وکیل بنایا تو بلااجازت یہ وکالت جائز ہوگی کیونکہ اس سے مقصد پورا ہوجاتا ہے اھ تو ہمارے اس مسئلہ میں بھی یہی علت ظاہر ہوئی اور یہ آخری مسئلہ کی طرح ہے کہ ان میں جامع علت مقصد کی تعیین ہے اس لیے یہ مستثنٰی قرار پائے گا۔اور شارح کا جواب ثانی متعین ہوجائے گا،غور کر۔طحطاوی کا بیان ختم ہوا۔(ت)

اور اگر بحالت استیذان غیر اقرب سکوت ہوا تو روایت امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی موجود کہ مطلقاً سکوت کافی ہے۔

فی ردالمحتار تحت قوله استأذنھا غیر الاقرب فلاعبرة لسکوتھا الخ وعن الکرخی یکفی سکوتھا فتح اھ[2]۔	ردالمحتار میں "لڑکی سے اجازت حاصل کرے کوئی غیر اقرب شخص، تو اس صورت میں لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہیں الخ" کے تحت فرمایا، امام کرخی سے ایک روایت میں ہے کہ اس کا سکوت رضامندی کے لیے کافی ہے فتح اھ (ت)

مقاصد شرع سے ماہر خوب جانتا ہے کہ شریعت مطہرہ رفق وتیسیر فرماتی ہے نہ معاذ اللہ تضییق وتشدید، ولہٰذا جہاں ایسی دقتیں واقع ہوئیں علمائے کرام انھیں روایات کی طرف جھکے ہیں جن کی بناء پر مسلمان تنگی سے بچیں۔ردالمحتار کی کتاب الحدود میں ہے:

ھو خلاف الواقع حرج عظیم لانه یلزم منه تاثیم الامة[3]۔	یہ لوگوں میں مروج کے خلاف ہے اور بہت بڑا حرج ہے کیونکہ اس سے پوری امت کو گنہگار ٹھہرانا لازم آتا ہے۔(ت)

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی دارالمعرفة بیروت ۳۰/۲۔۲۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۱/۲

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فیمن وطی من زفت الیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵۵/۳

اسی کی کتاب الحظر میں ہے:

ھوارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق والعصیان [1]۔	یہ بات موجودہ زمانہ کے لوگوں کے لیے بڑی رعایت ہے تاکہ وہ فسق وگناہ میں مبتلانہ قرار پائیں۔(ت)

اسی کی کتاب البیوع میں ہے:

لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا ولاسیما فی مثل دمشق الشام، فانہ لغلبۃ الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحد الطرق المذکورۃ وان امکن ذٰلک بالنسبۃ الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبۃ الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج وماضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ کما یعلم من رسالتنا المسماۃ نشرالعرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف فراجعھا [2] اھملخصا۔	ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا پایا جانا واضح ہے خصوصًا شام میں دمشق جیسے شہر کے لیے کیونکہ لوگوں میں جہالت کے غلبہ کی وجہ سے ان کو مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقہ سے باز رہنے کا پابند نہیں کیا جاسکتا، اگرچہ بعض لوگوں کو پابند بنانا ممکن ہے مگر عام لوگوں کے لیے یہ ممکن نہیں ہے جبکہ عوام کو ان کی عادت سے منع کرنا ان کے لیے تنگی کا باعث ہے، اور جہاں معاملہ تنگ ہوتا ہے تو وہ وسعت کا باعث ہوتا ہے، اور یہ بات مخفی نہ رہے کہ ظاہر روایت سے اختلاف کی وجہ یہی چیز ہوتی ہے جیساکہ ہمارے رسالہ "نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف" سے معلوم کیا جاسکتا ہے، تواس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، اھ، ملخصًا۔(ت)

پس روشن ہوگیا کہ اگر روایت عصام وکرخی ہی پر مسلمانوں کاان سخت آفتوں سے بچانا منحصر ہوتا توانھیں پر بنائے کار چاہئے تھی نہ کہ مذاہب صحیحہ مشہورہ معتمدہ پر بالیقین یہ نکاح جائز ونافذ ہوں پھر بزور زبان یہاں کے عام مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، خداکے پاکیزہ بندوں، ستھری بندیوں کو معاذاللہ زانی وزانیہ واولادالزنا قرار دیا جائے، ایسی ناپاک جرات نہ کرے گامگر سخت ناخدا ترس۔

یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿ۚ۱۷﴾ [3]۔	اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی بیع الثمر والزرع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

[3] القرآن ۲۴/ ۱۷

اور اس کے باقی ہذیانات کہ ولد حلال وحرام کی تمیز چنیں وچناں ہے کلمات جنوں سے بہت مشابہ جو بشدت اہوال قابل جواب نہیں البتہ اس قدر ضرور ہے کہ اس طریقہ نکاح میں ایک بے احتیاطی ہے جس کے باعث بعض دقتوں میں پڑنے کا احتمال تو اہل اسلام کو ہدایت چاہئے کہ اس سے باز آئیں، تین باتوں سے ایک اختیار کریں:

اولاً سب سے بہتر یہ ہے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے عورت سے خاص اسی کے نام اذن طلب کریں اور ہمیشہ ہر طریقہ میں ملحوظ خاطر رہے کہ اذن لینے والا یا تو ولی اقرب یا اس کا وکیل یا رسول ہو یا عورت سے صراحۃً "ہوں" کہلوالیں، مجرد سکوت پر قناعت نہ کریں، اور بعض احمق جاہلوں میں جو بدستور سنا گیا ہے کہ دلہن کے سر سے بلاٹالنے کو پاس بیٹھنے والیوں میں سے کوئی "ہوں" کہہ دیتی ہے اس کا انسداد کریں۔

ثانیاً وکالت دوسرے ہی کے نام کرنا چاہیں تو یوں سہی کہ جس طرح دلھن سے اس کی وکالت کا اذن مانگیں یونہی اسے اختیار توکیل دینا بھی طلب کریں یعنی کہیں تو نے فلاں بن فلاں بن فلاں کو فلاں بن فلاں بن فلاں کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کا وکیل کیا اور اسے اختیار دیا کہ چاہے خود پڑھائے یا دوسرے کو اپنا نائب بنائے، دلھن کہے "ہوں"

ثالثاً اگر یہ بھی نہ ہو اور دوسرے ہی شخص نے وکیل کے سامنے نکاح پڑھایا تو جب وہ پڑھا چکے وکیل فوراً اپنی زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے اس نکاح کو جائز کیا۔ اور اس کہنے میں تاخیر نہ کرے کہ مبادا اس کے جائز کرنے سے دلھن کو خبر نکاح پہنچے اور اس کی ہم عمریں حسب عادت زمانہ اسے کچھ چھیڑیں اور وہ اپنی جہالت سے کوئی ایسی بات کہہ بیٹھے جس سے یہ نکاح کہ اب نکاح فضولی تھا رد ہوجائے پھر وکیل تو وکیل خود دلھن کے جائز کئے بھی جائز نہ ہوگا **فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ** (کیونکہ فسخ شدہ نکاح کو بعد کی اجازت مفید نہیں ہے۔ ت) بخلاف ان تینوں شکلوں کے کہ بالکل اندیشہ ودغدغہ سے پاک ہیں۔

رہا زید کا کنگنے وغیرہ کو ذکر کرنا، وہ محض فضول کہ آخر یہ رسمیں کفر تو نہیں جن کے باعث نکاح نہ ہو۔ ہاں معاذاللہ اگر مرد یا عورت نے پیش از نکاح کفر صریح کا ارتکاب کیا تھا اور بے توبہ واسلام ان کا نکاح کیا گیا تو قطعاً نکاح باطل، اور اس سے جو اولاد ہوگی ولد الزنا، اس طرح اگر بعد نکاح ان میں کوئی **معاذ اللہ** مرتد ہوگیا اور اس کے بعد کے جماع سے اولاد ہوئی تو وہ بھی حرامی ہوگی، اس کے سوا وہ کلمات جن پر فتاوٰی وغیرہا میں خلافِ تحقیق حکم کفر لکھ دیتے ہیں اور وہ کلمات جن میں کوئی ضعیف مرجوع روایت بھی اگرچہ اور کسی امام کے مذہب میں عدم کفر کی نکل آئے ان کے ارتکاب سے گویا تجدید اسلام ونکاح کا حکم دیں مگر اولاد اولادِ زنا نہیں۔

فی الدرالمختار وغیرہ مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یؤمر بالتوبۃ والاستغفار وتجدید النکاح [1] اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار وغیرہ میں ہے جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس کے ارتکاب سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے اوراس کے بعد کی اولاد، ولدِ زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے ارتکاب پر توبہ واستغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہوگا اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸: از رامپور افغاناں فرنگن محل بذریعہ ملا ظریف مرسلہ مولوی علیم الدین صاحب چاٹگامی ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ اس ملک بنگالہ میں زمانہ قدیم سے درمیان عوام بلکہ اکثر خواص کے بھی یہی دستور ہے کہ بعد خواستگاری اور قول اقرار مربّیان طرفین اور قبل ایجاب وقبول کے مخطوبہ کو بعد ضیافت براتیان کے مکان میں لاکراس طور پر نکاح کراتے ہیں کہ چند مربّیان عاقدین بالغین وچند بزرگان مجلس کی اجازت سے ایک شخص کواس مجلس والے وکیل مخطوبہ قرار دے کراور دو گواہ یا تین چار گواہ کواس وکیل کے ساتھ کرکے دولھا کی مجلس سے مخطوبہ کے پاس جو قریب پردہ کے اندر بیٹھی ہوئی ہے روانہ کرتے ہیں اب یہ وکیل مخطوبہ کے قریب گواہوں کے ساتھ جاکر مخطوبہ سے اس طرح قبول کراتا ہے کہ اے فاطمہ، زید کی بیٹی! تو نے بکر کو جو خالد کا پسر ہے اس قدر مہرپر جو اس کے اوپر واجب الادا ہوگا اپنی زوجیت میں قبول کیا، تو فاطمہ بآواز بلند کہتی ہے کہ میں نے قبول کیا، یافقط "قبول کیا" کہہ دیا، اوراس قبول مخطوبہ کو گواہان نے بھی سن لیا اب پھر وہ وکیل خاطب کی مجلس میں اپنے گواہان کے ساتھ حاضر ہوتا ہے توجو قاضی عقد کرانے کو دولھاکے پاس بیٹھاہے وہ اس وکیل سے سوال کرتا ہے کہ تو کون ہے، تو وہ وکیل جواب دیتا ہے کہ میں فاطمہ مخطوبہ کا وکیل ہوں، تو قاضی دریافت کرتا ہے کہ توکیا جانتا ہے تو وہ عرض کرتا ہے کہ فاطمہ دختر زید نے بکر پسر خالد کو اپنی زوجیت میں قبول کیا ہے اور میں نے قبول کرایا ہے، پھر قاضی سوال کرتا ہے کہ تمھارا کوئی گواہ بھی ہے تو وکیل اپنے گواہوں کی طرف اشارہ کرکے بیان کرتا ہے کہ یہ لوگ گواہ موجود ہیں تو قاضی پھر ان گواہوں کی طرف متوجہ ہو کر ہر ایک گواہ سے الگ الگ سوال کرتا ہے اور گواہ لوگ اپنی سماعت بیان کرتے ہیں یعنی فاطمہ نے بکر کو قبول کیا، اب جب قاضی کو سماعت شہادت سے فراغت ہوئی توبہ تعلیم قاضی یاخود وکیل مذکور بکر کو قبول

---
[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

کراتا ہے کہ تونے فاطمہ دختر کو اس قدر (سو روپے یا ہزار مثلاً) مہر اپنے ذمہ لے کر قبول کیا یا "قبلت" تو بکر اقرار کرتا ہے کہ میں نے ہندہ کو قبول کیا یا فقط قبول کیا یا "**قبلت**" کہہ دیا پھر قاضی خطبہ وغیرہ پڑھ کر مجلس عقد ختم کر دیتا ہے تو اب صورت مذکورہ میں فاطمہ اور بکر کا نکاح منعقد ہوا یا نہیں، بر تقدیر اول بعض علماء کو یہ شبہہ ہے کہ یہ وکیل مذکور نہ تو خاطب کی طرف سے مقرر ہوا نہ مخطوبہ کی طرف سے، حالانکہ یہ دونوں بالغ ہیں اور بالغ کا نکاح بلااذن عاقدین کیونکر ہوسکتا ہے، اور بر تقدیر ثانی ہزاروں آدمی حرامزادے قرار پاتے ہیں، اور یہ ایجاب وقبول مذکور کیا قرار پائیں گے، کیا نکاح مذکور بالکل معدوم قرار دیا جائے گا۔ کیا نکاح فضولی سے خارج ہوگیا، **بینوا توجروا**۔

الجواب:

اس مسئلہ میں ابانت جواب اور بتوفیقہ تعالٰی اصابت صواب محتاج نظر غائر وفکر دقیق۔

۲۹ **فاقول: وبا للہ التوفیق** تحقیق مقام یہ ہے کہ سفیر مذکور جسے وہ عوام وکیل مخطوبہ ٹھہراتے ہیں اس کا مخطوبہ و خاطب دونوں سے خطاب مذکور بصورت استفہام ہے اگرچہ حرف استفہام مقدر ہے اور استفہام وعقد اقسامِ انشا سے دو قسم متبائن ہیں تو جہاں حقیقت استفہام مقصود ومفہوم ہو وہ کلام ایجاب یا قبول نہیں قرار پاسکتا ہاں اگر صورۃً استفہام اور معنیً تحقیق عقد مستفاد ہو تو ایجاب یا توکیل متصور ہوگا مگر اس کے لیے قیام قرینہ درکار **کما ھو شان کل مجاز** (جیسا کہ ہر مجاز کا تقاضا ہے۔ ت) ولہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر زید نے عمرو سے کہا تو نے اپنی بیٹی میرے نکاح میں دی اس نے کہا "دی" یا "ہاں" نکاح نہ ہوگا جب تک زید اس کے جواب میں "میں نے قبول کی" نہ کہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لو قال رجل لاٰخر زوجتنی ابنتك فقال الاٰخر زوجت اوقال نعم مجیبا له لم یکن نکاحا مالم یقل الموجب بعدہ قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف زوجنی لانه توکیل[1]۔	اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تونے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، دوسرے نے جواب میں کہا کہ نکاح کردی، یا "ہاں" کہہ دیا تو نکاح نہ ہوگا جب تک ایجاب کرنے والا بعد میں یہ نہ کہے کہ میں نے قبول کی، کیونکہ پہلے کا یہ کہنا کہ تونے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، یہ صرف طلبِ خبر ہے عقد نکاح نہیں ہے، اس کے برخلاف اگر پہلا یہ کہتا کہ تو مجھے نکاح کردے، تو اس سے دوسرا وکیل بن جاتا اور اس کا "نکاح کردی" کہنے سے نکاح ہوجاتا۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

رجل قال لاٰخر دختر خویش فلانہ مرادہ بزنی فقال دادم وھی صغیرۃ ینعقد النکاح وان لم یقل الزوج قبلت ولوقال دادی لایجوز اذا قال دادم مالم یقل الزوج پذیر فتم [1] الخ۔	ایک شخص نے دوسرے کو کہا تو اپنی فلاں لڑکی مجھے بیوی کے طور دے دے، تو دوسرے نے کہا میں نے دی، اس صورت میں اگر وہ لڑکی نابالغہ ہو تو پہلے کے "قبلت" (میں نے قبول کی) کہے بغیر نکاح ہوجائے گا۔ اور پہلے نے یہ کہا کہ تو نے مجھے دی ہے تو دوسرے کے "دے دی" کہنے سے نکاح نہ ہوگا جب تک پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وہندیہ میں امام ابوبکر محمد بن عقیل الفضل سے ہے:

اذا قال لاب البنت زوجتنی ابنتك فقال زوجت اوقال نعم لایکون نکاحا الاان یقول لہ الرجل بعد ذٰلك قبلت لان زوجتنی استخبار ولیس بعقد بخلاف قولہ زوجنی لانہ توکیل [2] اھ باختصار۔	جب ایک شخص نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تو نے اپنی بیٹی مجھے نکاح کردی، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے نکاح کردی یا "ہاں" کہا تو نکاح نہ ہوگا مگر یہ کہ بعد میں پہلا شخص "میں نے قبول کی" کہہ دے تو نکاح ہوجائیگا کیونکہ "تو نے نکاح کی" کا لفظ خبر کے حصول کے لیے ہے اور عقد نکاح نہیں ہے، اس کے بخلاف اگر پہلا یوں کہتا ہے کہ "تو مجھے نکاح کردے" تو بطور توکیل نکاح ہوجاتا ہے اھ اختصارًا (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ بالفارسیۃ دختر خویش را مرادادی فقال دادم لایکون نکاحا۔ [3]	ایک شخص نے دوسرے کو فارسی میں کہا کہ تو نے اپنی لڑکی مجھے دی، تو جواب میں دوسرے نے کہا دے دی، تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح کتب معتبرہ کثیرہ میں ہے، یہ اصل استفہام کا حکم ہے،

فالاطلاق انما ھو بالنظر الی الحقیقۃ	کلام میں اطلاق حقیقی معنٰی کے لحاظ سے ہوتا ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴، خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۴۹

امالو اطلقت عـــہ فھی مقیدۃ حقیقۃ بما اذا لم یرد بہ التحقیق۔	اور اگر عام کردیا جائے تو پھر اس وقت حقیقی معنٰی مراد لینے کے لیے مجازی معنٰی (تحقیق عقد) مراد نہ ہونے کی قید ضرور ہوگی۔ (ت)

یہی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ہنگام ارادہ تحقیق عقد تام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

لو قال بالفارسیۃ دختر خویش مرادادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا ارادبہ التحقیق دون الاستیلام [1]۔	اگر ایک نے دوسرے سے فارسی میں کہا کہ تونے اپنی لڑکی مجھے دی، تو دوسرے نے کہا "دی" تو نکاح منعقد نہ ہوگا کیونکہ یہ پہلے کا کلام، طلب خبر ہے اور طلب وعدہ ہے لہٰذا اس کلام سے دوسرا پہلے وکیل نہ ہوسکے گا۔ مگر یہ کہ پہلے نے اپنی کلام سے تحقیق عقد (مجازی معنٰی) مراد لیا ہو تو نکاح ہوجائے گا اور استفہام کا حقیقی معنی استفسار اور منگنی واستخبار ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

قال لہ دختر خود فلانہ رابمن دہ فقال دادم وھی صغیرۃ انعقد وان لم یقل قبلت لانہ توکیل ولو قال بمن دادی لا، الا اذا قال دادم وقال الزوج پذیرفتم، الا اذا اراد بدادی التحقیق [2]۔	ایک نے دوسرے سے کہا کہ اپنی فلاں لڑکی مجھے دے، تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے دی، تو نابالغہ لڑکی ہو تو نکاح ہوجائیگا اگرچہ پہلے نے اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہا ہو کیونکہ "اپنی لڑکی دے" کہنا دوسرے کو وکیل بنانا ہے، اور اگر پہلے نے یہ کہا ہو کہ "تونے مجھے دی" تو پھر نکاح نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب دوسرے نے "میں نے دی" کہا اور پہلے نے اس کے جواب "میں نے قبول کی" کہا ہو، ہاں اگر پہلے نے دادی کے لفظ سے استفہام کی بجائے تحقیق عقد مراد لی ہو۔ (ت)

عـــہ: ای جعلت الکلام مطلقاً شاملا للحقیقۃ والمجاز و بالجملۃ فالتقیید موجب للاطلاق والاطلاق موجب للتقیید فافھم ۱۲ منہ۔ غفرلہ۔ (م)	یعنی کلام کو اطلاق پر رکھ کر عام کردیا جائے یوں کہ حقیقت اور مجاز دونوں کو شامل ہو۔ خلاصہ یہ کہ کلام کو حقیقت سے مقید کرنا، دلالت میں اطلاق کو چاہتا ہے، اور کلام کو عام کرنا (حقیقت ومجاز کو شامل کرنا) عدم جواز کی قید کو چاہتا ہے، غور کرو۔ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ ۱/۶۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۰

محیط وہندیہ میں ہے:

لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیر فتم الااذا اراد بقول دادی التحقیق دون السوم [1] الخ۔	منگنی پوچھنے والا جب تک لڑکی کے باپ کے جواب کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے گا نکاح نہ ہوگا، مگر یہ کہ اس کے اس کہنے "مجھے تونے اپنی لڑکی دی" سے مراد منگنی نہ ہو بلکہ تحقیق مراد ہے الخ (ت)

ذخیرۃ العقبی میں ہے:

قوله دادی استخبار فلایثبت التوکیل به نعم اذا ارید بقوله دادی التحقیق دون السوم ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیر فتم الخ [2]۔	ایک کا کہنا "تونے دی" یہ طلب خبر ہے اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر "تونے دی" سے مراد منگنی کی بجائے تحقیق ہو تو نکاح ہوجائے گا اگرچہ بعد میں یہ کہنے والا "میں نے قبول کی" نہ کہے الخ (ت)

یہی محل ہے اس فرع ذخیرہ وہندیہ کا:

قیل لامرأۃ خویش رازن من کردی فقالت کردم ینعقد النکاح وکذا لو قال خویش رازن من گردانیدی فقالت گردانیدم [3]۔	اگر کسی عورت کو یہ کہا گیا تونے اپنے کو میری بیوی کردیا تو عورت نے کہا "میں نے کردیا" تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور یونہی اگر کسی نے عورت کو کہا تونے اپنے کو میری بیوی بنادیا، تو عورت نے کہا "میں نے بنادیا" نکاح ہوجائے گا (ت)

اور اس فرع محیط وہندیہ کا:

سئل نجم الدین عمن قال لامرأۃ خویشتن را بهزار درم بمن بزنی دادی فقالت بالسمع والطاعة قال ینعقد النکاح ولو قالت سپاس دارم لاینعقد لان الاول	نجم الدین سے سوال کیا گیا کہ جس نے کسی عورت کو کہا کہ تونے اپنے کو ہزار مہر کے بدلے میری بیوی کردیا تو عورت نے جواب میں کہا "سنا اور اطاعت کی" تو انھوں نے فرمایا: نکاح منعقد ہوگیا، اور اگر عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۱/۱

[2] ذخیرہ عقبٰی کتاب النکاح نولکشور کانپور ۱۷۶/۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۱/۱

اجابة والثانی وعد[1]۔	نے جواب میں یوں کہا "پسند کرتی ہوں" تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ پہلا جواب قبولیت ہے اور دوسرا صرف وعدہ ہے۔ (ت)

لاجرم قول فیصل یہ قرار پایا کہ مدار کا مفہوم ومستفاد بنظر احوال وقرائن استعمال پر ہے۔ زید نے کہا تو نے اپنی بیٹی مجھے دی، عمرو نے کہا دی، اگر مجلس منگنی کی تھی منگنی ہوئی اور نکاح کی تھی تو نکاح ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

وکذا (ای فی کونہ ایجابا قولہ) انا متزوجك اوجئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح اوھل اعطیتنیھا ان کان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد[2]۔	یوں ہی الفاظ ایجاب میں سے یہ بھی ہیں "میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں" یا "میں پیغام نکاح دینے کے لیے آیا ہوں" یا "کیا تو نے مجھے اپنی لڑکی دی"، ان صورتوں میں اگر مجلس نکاح ہے تو نکاح قرار پائے گا اور اگر یہ مجلس منگنی ہو تو منگنی قرار پائے گی، کیونکہ نکاح میں بھاؤ جاری نہیں ہوتا (صرف منگنی یا نکاح ہوتا ہے) (ت)

شرح مختصر الطحاوی للاسیجابی پھر شرح قدوری للزاہدی پھر انقرویہ وواقعات المفتین میں ہے:

قال لہ ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح[3]۔	ایک نے دوسرے کو کہا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی ہے تو دوسرے نے کہا میں نے دی، تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اور مجلس منگنی ہو تو منگنی ہوگی (ت)

فتح القدیر وردالمحتار میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة من جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدّینا حکمه الی کل لفظ یفید ذٰلك بلا احتمال مسا و للطرف الاٰخر فقلنا لوقال بالمضارع ذی الهمزة اتزوجك فقالت زوجت نفسی انعقد و	جب ہمیں معلوم ہوا کہ نکاح کے منعقد ہونے اور اس حکم کے لازم ہونے میں شریعت نے رضا والے پہلو کا لحاظ کیا ہے۔ تو ہم نے اس پر نکاح کے حکم کو ایسے الفاظ تک پھیلایا جو رضا کے اظہار کا فائدہ دے سکتے ہیں بشرطیکہ یہ رضا کے خلاف کا مساوی طور پر احتمال نہ رکھتے ہوں، اس لیے ہم نے یہ کہا کہ اگر کسی نے مضارع واحد متکلم کا صیغہ استعمال کرتے ہوئے یوں کہا "میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں" تو عورت نے اس کے جواب میں کہا "میں نے اپنا نکاح کیا" تو نکاح ہوجائے گا اگر کسی نے مضارع واحد مخاطب کے صیغہ کو استعمال کیا اور یوں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب النکاح دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۳۳

فی المبدوء بالتاء تزوجنی بنتك فقال فعلت عند عدم قصد الاستیعاد لانه یتحقق فیه هذا الاحتمال بخلاف الاول لانه لایستخبر نفسه عن الوعد واذاکان کذالك والنكاح مما لایجری فیه المساومة کان للتحقیق فی الحال فانعقد به لاباعتبار وضعه للانشاء بل باعتبار استعماله فی غرض تحقیقه واستفادة الرضی منه حتی قلنا لوصرح بالاستفهام اعتبر فهم الحال، قال فی شرح الطحاوی لوقال هل اعطیتنیها فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح[1] اھ۔	"تو اپنی بیٹی مجھ سے نکاح کردے گا" توجواب میں دوسرے نے کہا "میں نے کردیا" جب اس سے وعدہ کا ارادہ نہ ہو تو یہ الفاظ بھی چونکہ رضامندی کا احتمال رکھتے ہیں اس لیے نکاح ہوجائے گا، اسکے بخلاف پہلی صورت میں وعدہ کا احتمال نہیں کیونکہ خود متکلم مضارع کے صیغہ سے اپنی ذات کے بارے میں وعدہ کی خبر نہیں دیتا، جب یہ معاملہ ہے تواس صورت میں فی الحال نکاح کو قائم کرنا مقصود ہے تواسی وقت نکاح ہوجائے گا، کیونکہ نکاح میں مذکورہ الفاظ سے بھاؤتو مراد نہیں ہوسکتا، توایسے الفاظ سے نکاح کا انعقاد اس لیے نہیں کہ یہ الفاظ نکاح کے لیے وضع ہیں بلکہ اس لیے کہ ان الفاظ کا استعمال مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کیا گیا اور ان سے رضامندی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ حتی کہ ہم یہ کہیں گے اگر کسی نے ان الفاظ سے صراحۃً استفہام مراد لیا توپھر حال کا اعتبار کیا جائے گا، طحاوی کی شرح میں فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا: "کیا تونے اپنی بیٹی مجھے دی ہے" تودوسرے نے جواب میں کہا کہ "میں نے دی ہے" تواس صورت میں اگر مجلس منگنی ہو تو یہ منگنی ہوگی اور یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا اھ (ت)

اس تحقیق انیق سے عبارات ملتئم ہوگئیں اور حکم منتظم **وتمام الکلام علی مسألة الاستفهام فیما علقناہ علی رد المحتار** (اور مسئلہ استفہام پر مکمل کلام ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ت) جب یہ اصل منقح ہولی اب صورت مستفسرہ کی طرف چلیے، شخص مذکور کہ مجلس خاطب سے اٹھ کر مخطوبہ کے پاس جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے نہ خاطب سے اذن لیا نہ مخطوبہ سے، اور وہ دونوں بالغ ہیں کہ ان کے معاملہ میں غیر کا اذن کوئی چیز نہیں تواسے وکالت سے کیا علاقہ، یقیناً فضولی محض ہوتا ہے مگر ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

کے نزدیک عقد فضولی محض فضول و نامقبول نہیں بلکہ منعقد ہو جاتا ہے اور اجازت صاحب اجازت پر موقوف رہتا ہے کما نصوا علیه فی الکتب قاطبة (جیسا کہ فقہاء نے تمام کتابوں میں اس پر نص کی ہے۔ت) پس اگر اس کلام سے کہ یہ فضولی مخطوبہ سے کہتا ہے تحقیق عقد مراد و مفہوم ہوتی تو اس وقت انعقاد نکاح میں شبہہ نہ تھا اس کا کلام ایجاب ہوا اور مخطوبہ کا جواب قبول۔ عقد موقوفاً منعقد ہوگیا۔ اس کے بعد جب فضولی مذکورہ خواہ دوسرے شخص نے خاطب کو اس کی خبر دی اور اس نے اظہار قبول کیا، یہ صراحۃً اس عقد موقوف کی تنفیذ ہوئی اور نکاح تام و نافذ ہوگیا، "قبول کیا میں نے" اور "قبول کیا" دونوں یکساں ہیں کہ جب "تو نے قبول کیا" کے جواب میں "قبول کیا" کہا تو اس کے صاف یہی معنٰی ہوئے کہ "میں نے قبول کیا" لان السوال معاد فی الجواب (کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے۔ ت) ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

قیل لامرأة خویشتن را بفلاں بزنے دادی فقالت داد وقیل للزوج پذیر فتی فقال پذیر فت ینعقد النکاح وان لم تقل المرأة دادم والزوج پذیر فتم [1]۔	اگر کسی عورت کو کہا کہ "تو نے اپنے کو فلاں کی بیوی بنادیا" تو عورت نے جواب میں کہا "بنادیا" تو خاوند کو کہا گیا "تو نے قبول کیا" اس نے کہا "قبول ہے" تو نکاح ہو جائیگا اگرچہ عورت اور مرد نے "میں نے قبول کیا" یا "میں نے اپنا نکاح دیا" نہ کہا ہو۔ (ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

قولھما داد پذیرفت بعد دادی وپذیر فتی جواب وقبول لمکان العرف فان جواب مثل ھذا الکلام قد یذکر بالمیم وبدونه کفروخت وخرید فی البیع [2]۔	"تونے دی، تونے قبول کی" کے الفاظ کے بعد صرف "دی" "قبول کی" کہنا عرف کی بناپر ایجاب وقبول ہے، کیونکہ ایسی کلام کے جواب میں متکلم کا صیغہ ضروری نہیں ہے۔ جیسے بیع میں صرف "خرید وفروخت" کا لفظ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ (ت)

۳۰ **اقول:** جب فارسی میں داد ودادم وپذیرفت وپذیر فتم کا ایک حکم ہے تو اردو میں بدرجہ اولٰی

فان صیغة الماضی بالفارسیة للغائب	کیونکہ فارسی میں ماضی غائب اور متکلم کا صیغہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] اصلاح وایضاح

غیرھا للمتکلم بخلاف لساننا فانما ھی صیغۃ واحدۃ للغائب والحاضر والمتکلم جمیعا وانما یفرق بالضمائر اوذکر الظاھر الاتری ان الفرس تقول اوکردو توکردی ومن کردم ونحن نقول فی الکل اس نے کیا، تونے کیا، میں نے کیا ومن کذٰلك فی الفعل اللازم وہ آیا تو آیا میں آیا وانما یفرق فیہ بین الواحد والجمع والمذکر والمؤنث فصیغہ فی اللازم اربع آیا آئی للواحد المذکر والمؤنث وآئے آئیں للجمعین کذلك وفی المتعدی صیغۃ واحدۃ للکل وھوکیا مثلاً سواء اسندتہ الی اس او انھوں او تو او ہم للذکر اوالذکور او الاثنی اوالاناث اولھم ذکرانا اواناثا ولافرق بین الغائب والحاضر والمتکلم فی شیئ منھما اصلا بہ تبین بطلان زعم من یزعم ان قول الخاطب قبول کی بدون میں نے لاینعقد بہ النکاح لعدم تعین القابل۔	علیحدہ ہے جبکہ ہماری زبان میں ماضی غائب، حاضر اور متکلم کا ایک ہی صیغہ ہے جو صرف ضمیر یا اسم ظاہر کی تبدیلی میں فرق پیدا کرتا ہے، آپ دیکھیں کہ فارسی والے او کرد، تو کردی اور من کردم، ہر ایک کے لیے علیحدہ صیغہ استعمال کرتے ہیں، جبکہ ہم سب کے لیے صرف "کیا" کہتے ہیں، اس نے قبول کیا، تو نے کیا، میں نے کیا، اور یوں ہی ہماری زبان میں فعل کا بھی ایک ہی صیغہ ہے جو ضمیر لگانے سے غائب، حاضر اور متکلم کا فرق ظاہر کرتا ہے مثلاً وہ آیا، تو آیا، میں آیا، البتہ واحد و جمع اور مذکر و مونث کے لحاظ سے لازم کے چار صیغے ہیں، آیا، آئی واحد مؤنث ومذکر کے لیے آئے اور آئیں جمع مذکر و مونث کے لیے ہیں، اور فعل متعدی کا صرف ایک صیغہ ہے، اور یہ ، کیا، ہے اس کو بھی ضمیر لگا کر واحد مذکر و مونث، جمع مذکر و مونث کے ساتھ غائب، حاضر متکلم کا فرق کیا جاتا ہے مثلاً اس نے کیا، تونے کیا، میں نے کیا، غرضیکہ اردو میں فعل لازم اور متعدی کے لیے غائب، حاضر اور متکلم کا ضمیروں کے بغیر کوئی فرق نہیں ہے، اس بحث سے واضح ہوگیا کہ بعض کا خیال غلط ہے کہ شادی کا پیغام دینے والے پہلے شخص کا دوسرے کے "میں نے دی" کے جواب میں صرف "قبول کی" کہنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ "میں نے" ذکر نہ کرے کیونکہ اس سے قبول کرنے والے کا تعین نہیں ہوتا لہٰذا "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہے (اس خیال کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں غائب، حاضر متکلم کے لیے صیغہ کا فرق نہیں ہے)۔ (ت)

مگر تقدیر مذکور سوال سے ظاہر یہ ہے کہ فضولی کا مخطوبہ سے وہ کلام بقصد انشائے عقد نہیں ہوتا، نہ وہ مجلس مجلس عقد سمجھی جاتی ہے بلکہ اسے اپنے زعم میں ہندہ سے طلب اذن کی مجلس سمجھتے اور اس گفتگو کو استیذان جانتے اور مجلس عقد مجلس کو قرار دیتے ہیں جب یہ وہاں سے واپس آکر خاطب سے خطاب کرتا ہے

ولہذا پلٹ کر قاضی کے پاس جاتا ہے جو عقد کرانے کو دولھا کے پاس بیٹھا ہے اور اس کے سوال پر اپنے آپ کو وکیل مخطوبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کے قبول یعنی رضا سے خبر دیتا ہے، ان قرائن واضحہ سے مجلس مخطوبہ کا مجلس عقد نہ ہونا ظاہر، اور لا اقل اتنا تو بدیہی کہ ارادہ عقد ظاہر نہیں، معنی مجاز مراد نہ ہو سکنے کو اس قدر بس ہے۔

فان المجاز مفتقر الی قرینة تظهر ارادته فحیث لاقرینة ترجح جانبه لاتصح ارادته کما علمت من قول المحقق علی الاطلاق بلااحتمال مسا وللطرف الاخر واذاکان الامر ماوصفنا لم یصح جعل الاستفهام تحقیقا کما دریت۔	کیونکہ مجاز ایسے قرینے کا محتاج ہے جس سے متکلم کا ارادہ واضح ہوسکے۔ تو جہاں ایسا قرینہ نہ ہو جو مراد کو واضح کرسکے وہاں اس معنی مجازی کو مراد نہیں لیا جاسکتا، جیسا کہ محقق علی الاطلاق کے قول "غیر کا مساوی احتمال نہ ہو" سے واضح معلوم ہوا، جب معاملہ یہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے تو استفہام کا مجازی معنٰی، تحقیق عقد قرینہ کے بغیر مراد لینا درست نہ ہوگا، جیسا کہ آپ نے سمجھ لیا۔ (ت)

اب قول مخطوبہ کو ایک رکن عقد یعنی ایجاب وقبول قرار دیجئے تو باطل محض ہے کہ اس ایجاب کا قبول جاکر دوسری مجلس خاطب میں ہوگا اور کوئی ایجاب مجلس سے باہر قبول پر موقوف نہیں رہ سکتا۔

کما نصوا علیه فی عامة الکتب وفی النهر والدر من شرائط الایجاب والقبول اتحاد المجلس [1] وفی التنویر وشرحیه لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرهما بل یبطل الایجاب ولا تلحقه الاجازة اتفاقا [2]۔	جیسا کہ فقہاء کرام نے عام کتب میں اس کی تصریح کردی ہے۔ نہر اور در میں ہے کہ ایجاب وقبول کے معتبر ہونے میں مجلس کا اتحاد ضروری ہے، اور تنویر اور اس کی دونوں شرحوں میں ہے کہ ایجاب مجلس سے کسی غائب شخص کے قبول کرنے پر موقوف نہ ہوگا، تمام عقود، نکاح وبیع وغیرہما کا یہی حکم ہے کہ ایجاب بالاتفاق باطل ہوجاتا ہے اور اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ (ت)

اور اگر توکیل ٹھہرائیں تو اس کی طرف بھی راہ نہیں، توکیل دوسرے کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنا نائب بنانا ہے انابت کا اصلًا کوئی ذکر نہ کلام شخص مذکور میں تھا نہ کلام مخطوبہ میں، تو اس کا حاصل صرف اس قدر ہوا کہ مخطوبہ نے اس کے سامنے زید کے ساتھ اس قدر مہر پر اپنے نکاح کی رضا ظاہر کی، یہ توکیل نہ ہوئی۔

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

تنویر الابصار میں ہے:

ھو اقامة الغیر مقام نفسه فی تصرف جائز معلوم[1]۔	وہ یہ کہ غیر کو کسی تصرف جائز معلوم میں اپنے قائم مقام بنانا۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں زید و عمرو سے کہا کاش! تو میرا نکاح فلاں عورت سے کردیتا، اس نے کردیا، یہ نکاح، نکاح فضولی ہوا، حالانکہ یہاں صراحةً عمرو سے استعانت تھی تو مجرد اس قدر کہ اس نے کہا تو فلاں سے نکاح پر راضی ہے؟ اس نے کہاں "ہوں" کیونکر توکیل ہوسکتی ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل قال کل امرأة اتزوجھا فھی طالق ثم قال بمجلس لرجل لیتك تزوجنی فلانة ھل اذا زوجه یحنث ام لا اجاب لایحنث لانه لم یتزوج بل زوج والمزوج فضولی بلاشك والحال ھذہ[2] الخ۔	ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے کہا ہو کہ جس عورت سے بھی نکاح کروں اس کو طلاق ہے، پھر اس شخص نے کسی مجلس میں ایک آدمی کو کہا کاش تو فلاں عورت سے میرا نکاح کردے، تو اس آدمی نے اس کا نکاح اس عورت سے کردیا، تو کیا حانث ہوگا یعنی اس عورت کو طلاق ہوجائیگی یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ اس کا نکاح ایک غیر شخص (فضولی) نے کیا ہے اور بلاشک معاملہ یہی ہے الخ (ت)

بالجملہ اس وقت تک کی جو کارروائی تھی لغو و فضول گئی، اب رہا وہاں سے واپسی کے بعد شخص مذکور کا خاطب سے خطاب، یہاں ضرور تحقیق عقد ہی مقصود ہے کہ ان کے زعم میں مجلس مخطوبہ مجلس توکیل تھی اب کہ یہ اپنے نزدیک وکیل بن کر آیا اس مجلس عقد میں عقد کرتا ہے تو یہ استفہام حقیقةً ایجاب ہوا اور زوج کا کہنا قبول کیا قبول۔

۳۱ **اقول: وباللہ التوفیق،** تحقیق مقام یہ ہے کہ استفہام ہنگام ارادہ تحقیق مفید معنی امر ہوتا ہے

قال اللہ تعالٰی فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ای انتھوا[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا تم باز آؤ گے؟ اس سے مراد یہ ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوکالة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح فصل فی نکاح الفضولی دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۷

[3] تفسیر جلالین تحت الآیة فھل انتم منتھون اصح المطابع دہلی ص ۱۰۶

وقال تعالٰی اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَ کَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا ﴿۲۰﴾ ای اصبروا [1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم هل انتم تارکوا لی صاحبی [2] ای اترکوا۔	یہ ہے کہ باز آؤ۔اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کیا تم صبر کروگے۔ اور تیرا رب تعالٰی بصیر ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ صبر کرو،اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیاتم مجھے میرے صاحب کے بارے میں چھوڑ وگے؟اس سے مراد یہ ہے کہ تم چھوڑو (ت)

تو "تونے قبول کیا"؟ بمعنٰی "قبول کر" ہے،اور امر میں اگرچہ ہمارے علما مختلف ہوئے کہ وہ توکیل ہے یا ایجاب۔

فی الدر المختار زوجنی او زوجینی نفسك اوکونی امرأتی لیس بایجاب بل توکیل ضمنی وقیل ایجاب ورجحه فی البحر [3] اھ مختصرا وفی ردالمحتار مشی علی الاول فی الهدایة والمجمع ونسبه فی الفتح الی المحققین وعلی الثانی ظاهر الکنز واعترضه فی الدرر بانه مخالف لکلامهم واجاب فی البحر والنهر بانه صرح به فی الخلاصة والخانیة قال فی الخانیة ولفظة الامرفی النکاح ایجاب وکذا فی الخلع والطلاق والکفالة والهبة اھ قال فی الفتح وهو الحسن [4] الخ۔	درمختار میں ہے: تو میرا نکاح کردے، اے عورت تو میرا نکاح کر، یا اس کو کہا تو میری بیوی ہو جا، تو یہ کلمات ایجاب نہ ہوں گے بلکہ ضمنًا توکیل ہوگی، بعض نے کہا کہ یہ ایجاب ہے، اور بحر میں اس کو ترجیح دی ہے اھ مختصرًا، اور ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ اور مجمع میں پہلے قول کو اپنایا ہے اور اس کو فتح میں محققین کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسرے پر کنز نے ظاہر کہا ہے،اور اس پر درر میں اعتراض کیا ہے کہ یہ علماء کے قول کے مخالف ہے، اور اس کا جواب بحر اور نہر میں یہ دیا گیا کہ خلاصہ اور خانیہ میں اس پر تصریح کی ہے، اور خانیہ میں فرمایا کہ امر کا لفظ نکاح میں ایجاب ہوتا ہے اور خلع، طلاق، کفالہ اور ہبہ میں بھی ایجاب ہے،اور فتح میں فرمایا کہ یہ احسن ہے الخ (ت)

اور قول توکیل پر یہاں انعقاد نکاح میں دقت ہوتی کہ یہ شخص خاطب کو وکیل کرنے والا کون، نکاح کا وکیل

---

[1] تفسیر جلالین تحت الآیة اتصبرون وکان ربك بصیرا اصح المطابع کراچی ص ۳۰۴

[2] صحیح بخاری باب فضل ابی بکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱۷

[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[4] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۳

بالنکاح تو دوسرے کو وکیل کرسکتا ہی نہیں، فضولی کیا چیز ہے،

فی الخلاصة لوقال الوکیل بالنکاح هب ابنتك لفلان فقال الاب وهبت لاینعقد النکاح مالم یقل الوکیل بعده قبلت لان الوکیل لایملك التوکیل [1] اھ وان کان یترا ای لی ان لقائل ان یقول لعل لاینعقد فیه بمعنی لاینفذ فانه ان لم یملك کان توکیل فضولی فکان ماذا الا تری ان الفضولی لایملك التزویج ولو زوج لحصل الزواج ولو موقوفا فکذا ینبغی ان تحصل بتوکیله الوکالة وان توقف نفاذه علی تنفیذ من له التنفیذ قال فی البحر من البیوع الظاهر من فروعهم ان کل ماصح التوکیل به فانه اذا باشره الفضولی یتوقف الا الشراء بشرطه [2] اھ ومعلوم ان التوکیل ممایصح به التوکیل فالظاهر الانعقاد موقوفا وان ارید عدمه اصلا مالم یقل الوکیل قبلت فالتعلیل الصحیح الواضح ماافاد العلامة الفهامة علی المقدسی

خلاصہ یہ ہے اگر وکیل نے کسی کو کہا کہ تو اپنی لڑکی فلاں کو دے، تو باپ نے جواب میں "میں نے دی" کہا، تو جب تک اس کے بعد وکیل "میں نے فلاں کے لیے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ کہ وکیل از خود دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا اھ، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اس پر کوئی معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب نکاح کا وکیل دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا تو دوسرا فضولی قرار پائے گا، اور فضولی کا عقد نافذ نہیں ہوتا اگرچہ عقد کی حد تک ہوجاتا ہے تو یہاں "منعقد نہ ہوگا" کامعنٰی "نافذ نہ ہوگا" ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ فضولی کو نکاح کردینے کا اختیار نہ ہونے کے باوجود اگر وہ نکاح کردے تو اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے تو یہاں بھی وکیل کی توکیل موقوف ہوکر نافذ کرنے والے کی اجازت سے نافذ ہوجائے گی، بحر کے بیوع میں کہا ہے کہ فقہاء کرام کے بیان کردہ جزئیات سے ظاہر ہے کہ وہ امور جن میں توکیل جائز ہے اگر ان امور کو فضولی از خود سرانجام دے تو یہ امور موقوف رہیں گے ماسوائے کسی شرط کے ساتھ خرید کے اھ، تو ظاہر ہے کہ وکیل بنانا بھی ان امور میں سے ہے جن میں توکیل جائز ہے، تو ظاہر ہوا یہاں بھی فضولی کا تصرف جائز ہونا موقوف ہوگا، اگر وکیل کی قبولیت کے بغیر باپ کے "دے دی" کہنے سے

[1] خلاصة الفتاوی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۳۰

[2] البحرالرائق فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۵۱

ان قول الوکیل ھب ابنتك لفلان ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق لم یتم بہ العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ ونحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب [1] اھ ویعینہ عیناما فی البحر عن الظھیریۃ لوقال ھب ابنتك لابنی فقال وھبت لم یصح مالم یقل ابوالصغیر قبلت [2] اھ فلا مساغ ھٰھنا لزعم ان الاب لایملك التوکیل۔	بالکل نکاح نہ ہونا مراد ہو تو پھر اس کی واضح وجہ وہ ہے جس کو علامہ مقدسی نے بیان فرمایا ہے کہ وکیل کا لڑکی کے باپ کو "اپنی فلاں کو دے" کہنا امر اور طلب ہے جو کہ مستقبل کا صیغہ ہے اور فی الحال تحقق مراد نہیں، لہٰذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے خلاف ہے وہ صورت جس میں خود مرد نے کہا کہ "تو اپنی لڑکی مجھے نکاح کردے" تو یہاں منگنی وغیرہ کے بعد، یہ کلام اثبات وتحقق میں ظاہر ہے اور یہی ایجاب ہوتا ہے اھ بحر میں ظہیریہ سے نقل میں اسی وجہ کو معین کرتے ہوئے کہا کہ اگر ایک نے کہا کہ "تو اپنی بیٹی میرے بیٹے کو دے" دوسرے نے کہا "میں نے دی" تو اس وقت نکاح صحیح نہ ہوگا بلکہ لڑکے کے باپ کو اس کے بعد "میں نے قبول کی" کہنا ضروری ہوگا اھ تو یہاں لڑکے کے باپ کے بارے میں یہ خیال کرنا درست نہیں کہ یہ وکیل بنانے کا مالک نہیں ہے (ت)

مگر نظر فقہی حاکم ہے کہ یہ امر بالاتفاق مفید ایجاب اور ان دقتوں سے برکراں ہو،

فانہ امر بالقبول والقبول یطلق ویراد بہ الرضا وھو المحمل فی قول الفضولی المذکور للمخطوبۃ لعدم ارادتھم اذ ذٰلك الااستبانۃ رضاھا من دون تتمیم العقد کما قدمنا، ویراد بہ احد رکنی العقد وھو المراد ھھنا حیث المراد تحقیق العقد وھذا القبول وجودلہ الاتلو الایجاب فی ردالمحتار	کیونکہ یہ قبول کرنے کی درخواست ہوتی ہے اور جواب میں قبول سے مراد رضامندی ہوتی ہے، اور فضولی شخص اگر لڑکی کو کسی کے لیے نکاح کی درخواست کرے تو یہاں بھی یہی مقصود ہوتا ہے کیونکہ اس کارروائی کا مقصد صرف لڑکی کی رضا حاصل کرنا ہوتا ہے نہ کہ نکاح مکمل کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، اور جہاں مجلس نکاح میں یہ بات کہی جائے تو اس سے نکاح کا ایک رکن مراد ہوتا ہے جیسا کہ زیر بحث مسئلہ میں ہے، قبول کا

[1] ردالمحتار بحوالہ العلامۃ المقدسی کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

[2] البحرالرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۸۲

اشار الی ان المقدم من کلام العاقدین ایجاب سواء کان المتقدم کلام الزوج اوکلام الزوجة والمتاخر قبول، ح عن المنح فلایتصور تقدیم القبول[1] الخ فالامر بالقبول یتضمن الایجاب علی جهة الاقتضاء کقوله اعتق عبدك عنی بالف یتضمن البیع کذلك وکما ان العبد لوتزوج بلااذن مولاه فقول المولی له طلقها رجعیة اجازة للنکاح الموقوف[2]، کما فی الدرالمختار لان الطلاق الرجعی لایکون الابعد النکاح الصحیح فکان الامر به اجازة اقتضاء[3] کما فی ردالمحتار هذا ما ظهر لی وهو ظاهر جلی وان ابیت فالقول بالایجاب مرجح مصحح بقول الفتح هو احسن کما علمت۔	لفظ یہاں پر ایجاب کا جواب ہوتا ہے، ردالمحتار میں یہ اشارہ دیا کہ عاقدین میں سے پہلے کا کلام ایجاب اور دوسرے کا قبول کہلائے گا، خواہ مرد کا پہلا کلام ہو یا عورت کا۔ اب منح کے قول کہ "قبول پہلے متصور نہیں ہوسکتا الخ تو اس پر قبول کرنے کی درخواست اقتضاءً ایجاب پر مشتمل ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ تو میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں اپنا غلام آزاد کردے، تو یہ قول ضمناً بیع پر مشتمل ہے (یعنی مجھے فروخت اور پھر آزاد کر) اور جیسا کہ کوئی غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو اس پر مالک اس کو کہے "تو رجعی طلاق دے" تو مالک کا یہ کہنا موقوف نکاح کو جائز قرار دینا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، کیونکہ رجعی طلاق نکاح کے بعد ہی ہوسکتی ہے لہذا رجعی طلاق کا حکم، نکاح کی اجازت متصور ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے، یہ مجھے بالکل واضح معلوم ہوا ہے، اور اگر یہ قول قابل قبول نہ بھی ہو تو ایجاب والے قول کے بارے میں فتح کا یہ کہنا کہ "یہ احسن ہے" اس کے لیے ترجیح اور تصحیح قرار پائے گا جیسا کہ آپ جان چکے ہیں۔ (ت)

بہرکیف یہاں آکر اس نکاح کے منعقد ہوجانے میں شبہ نہیں مگر از آنجا شخص مذکور فضولی تھا اجازت مخطوبہ پر موقوف رہا، اب اگر بعد وقوع نکاح اس کی خبر پاکر قبل اس کے کہ مخطوبہ سے کوئی قول یا فعل دلیل رد وابطال صادر ہو قولاً یا فعلاً یا سکوتاً اجازت پائی گئی تو نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگیا۔ اجازت قولی یہ کہ مثلاً مخطوبہ کہے میں راضی ہوئی مجھے منظور ہے یا اچھا کیا الحمدلله، اور فعلی یہ کہ مثلاً بے جبر واکراہ شوہر کو خلوت

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۳

[2] درمختار باب نکاح الرقیق مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۴

[3] ردالمحتار باب نکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۳

میں اپنے پاس آنے دے یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرے یا اور کوئی فعل کہ دلیل رضا ہو، اور سکوتی یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پرہیزگار جس کی عدالت معلوم متحقق ہو یا دو مستور الحال جن کا فسق معلوم نہ ہو مخطوبہ کو نکاح کی اطلاع دیں اور وہ شوہر کو پہچانتی ہو اور وہ اس کا کفو بھی ہو یعنی دین یا نسب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں ایسی کمی نہ رکھتا ہو کہ اس سے نکاح اولیاء مخطوبہ کے لیے عار ہو، اس صورت میں مخطوبہ یہ خبر سن کر خاموش ہو رہے تو یہ سکوت بھی اجازت سمجھا جائے گا وقد فصلنا القول فی کل ذلك فی فتاوٰنا (اس تمام بحث کو ہم اپنے فتاوٰی میں بیان کرچکے ہیں۔ت) بالجملہ یہ صورت رائجہ دقت سے خالی نہیں خصوصا بعد استماع خبر اظہار نفرت واقع ہو جیسا کہ بلاد ہندوستان میں اکثر دختران دوشیزہ کا معمول ہے جب تو نکاح صاف رد ہوجائے گا کہ پھر مخطوبہ کے جائز کئے بھی جائز نہیں ہوسکتا لہٰذا اس طریقے کی تبدیلی ہی واجب ومناسب ہے یا تو شخص متوسط پہلے خاطب سے اذن ووکالت حاصل کرکے جائے اور وہاں جو کلام مخطوبہ سے کہتا ہے اس سے تحقیق عقد مقصود رکھے کہ مخطوبہ سے اسی قدر گفتگو پر نکاح تام ونافذ ہوجائے، یا مخطوبہ سے یہ الفاظ نہ کہے بلکہ اپنے لیے اذن ووکالت لے کہ تو نے فلاں ابن فلاں کے ساتھ اتنے مہر پر اپنا نکاح کرنے کے لیے مجھے وکیل کیا۔ مخطوبہ کہے ہاں، پھر وہاں سے آکر خود یہی شخص خاطب سے کہے میں نے فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دیا تو نے قبول کیا، خاطب کہے ہاں، یا یہی الفاظ رکھنا چاہیں تو اول ہی مخطوبہ سے جو گفتگو کی جاتی ہے اسے مجلس توکیل وطلب رضا نہ سمجھیں بلکہ اسی کو مجلس عقد سمجھیں، اور شخص مذکور وہ الفاظ بقصد تحقیق عقد ہی مخطوبہ سے کہے کہ نکاح وہیں منعقد ہوجائے پھر خاطب کا قبول اس کی تنفیذ قرار پائے۔

یہ سب تفصیل کہ مذکور ہوئی اس صورت میں ہے کہ مخطوبہ جلسہ خاطب سے اتنی دور بیٹھی ہو کہ اس کا کلام یہاں والے نہ سنیں یا وہ قبول کیا کہہ کر اٹھ جائے اس کے بعد خاطب سے گفتگو آئے یا جب مخطوبہ نے قبول کیا کہہ لیا اس کے بعد خاطب اٹھ کھڑا ہو پھر اس سے کہا گیا کہ ان صورتوں میں مجلس متبدل ہوگی یا شہود ان دونوں کا کلام معًا نہ سنیں گے اور اگر وہ اس قدر بیٹھی ہے کہ اہل جلسہ خاطب نے اس کا قبول کیا، کہنا سنا اور ابھی خاطب ومخطوبہ ویسے ہی بیٹھے ہیں کہ خاطب سے آکر بیان کیا گیا اور اس نے قبول کیا کہا کہ مجلس واحد میں دونوں کا کہنا حاضرین میں کم از کم دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے معًا سنا اور سمجھا تو نکاح کی صحت وتمامی میں اصلاً کلام نہیں، اب یہ بیچ کا شخص محض لغو وفضولی ہوگا اور خاطب ومخطوبہ ہی کا کلام ایجاب وقبول ہوگا

وذلك ماقدمنا عن الاصلاح والایضاح	اس کو ہم پہلے اصلاح، ایضاح، ذخیرہ اور

والذخیرۃ والهندیه من قول قائل للمرأۃ دادی فقالت داد ثم للزوج پذیر فتی فقال پذیرفت[1] وفی الوقایۃ وشرحها لصدر الشریعۃ اذا قیل للمرأۃ خویشتن را بزنی فلاں دادی فقالت داد ثم قیل للزوج پذیر فتی فقالت پذیرفت بحذف المیم یصح النکاح کبیع وشراء ای اذا قیل للبائع فروختی فقال فروخت ثم قیل للمشتری خریدی فقال خرید یصح البیع[2] اھ	ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں کہ اگر کوئی شخص عورت کو کہے کہ تو نے فلاں کو اپنا نکاح دیا؟ تو عورت نے دادم کی بجائے داد کہا، پھر اس شخص نے مرد کو کہا کہ تو نے قبول کی؟ تو اس نے "میں نے قبول کی" کے بجائے صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہوگا، وقایہ اور اس کی شرح صدر الشریعۃ میں ہے کہ جب عورت کو کہا جائے کہ تو نے فلاں کو بیوی ہونا دیا، تو عورت نے صرف "دیا" کہا اور پھر خاوند کو کہا گیا تو نے قبول کی، تو اس نے بھی صرف "قبول کی" کہا تو نکاح صحیح ہے جیسا کہ بیع کی صورت میں بائع کو کہا گیا کہ تو نے بیچی، تو اس نے جواب میں "بیچی" کہا ہو اور "میں نے بیچی" نہ کہا، پھر خریدار کے ساتھ بھی یہی سوال وجواب ہوا تو بیع ہوجائے گی اھ (ت)

اور عورت کا پردے میں ہونا تغایر مجلس کا مقتضی نہیں، نہ صحت نکاح میں مخل ہوسکے جبکہ مخطوبہ دو شاہدوں کو عیناً یا تسمیۃً معلوم ہو۔

فی الهندیۃ عن الذخیرۃ عن فتاوی ابی اللیث، رجل قال لقوم اشهدوا انی تزوجته هذه المرأۃ التی فی هذا البیت فقالت المرأۃ قبلت فسمع الشهود مقالتها ولم یروا شخصها فان کانت فی البیت وحدها جاز النکاح[3] الخ **قلت** فافاد ان الحجاب لایغیر المجلس وانما اشترط کونها	ہندیہ میں ذخیرہ سے اور انھوں نے فتاوی ابی اللیث کے حوالے سے ذکر کیا کہ ایک شخص نے لوگوں کو کہا کہ گواہ ہوجاؤ کہ میں نے اس کمرہ میں موجود عورت سے نکاح کیا اور عورت نے اندر سے جواب دیا کہ "میں نے قبول کیا" گواہوں نے عورت کی یہ بات سن لی اور عورت کو دیکھا نہیں، اگر عورت اس کمرہ میں اکیلی تھی تو نکاح ہوجائے گا الخ **قلت** (تو میں کہتا ہوں) حجاب مجلس کو تبدیل نہیں کرتا، صرف شرط یہ ہے کہ وہاں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۱

[2] شرح وقایہ کتاب النکاح الباب الثانی مجتبائی دہلی ۲/۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

وحدھا لانہ لم یسمھا وتعریف الغائب عند الاحتمال انما یکون بالتسمیۃ وفی الھندیۃ ایضًا عن محیط السرخسی ان کانت حاضرۃ متنقبۃ ولایعرفھا الشھود جاز النکاح وھو الصحیح[1]۔	عورت اکیلی ہو کیونکہ مرد نے اس کا نام ذکر نہیں کیا جبکہ شبہ کی صورت میں عورت غائبانہ کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے اور ہندیہ میں محیط سرخسی سے بھی منقول ہے کہ اگر وہ نقاب اوڑھے مجلس میں حاضر ہو اور گواہ نام نہ جانتے ہوں تو بھی نکاح جائز ہوگا، یہی صحیح ہے۔ (ت)

اسی طرح قبول خاطب میں اپنا وقفہ کہ شخص مذکور وہاں سے اُٹھ کر یہاں آیا اور قاضی سے وہ گفتگو ہوئی، گواہیاں لی گئیں، اس کے بعد خاطب سے کہا گیا تو اس نے قبول کیا کچھ مضر نہیں جبکہ مجلس متبدل نہ ہو کہ قبول فوراً ہونا ضرور نہیں فی ردالمحتار عن البحر اما الفور فلیس من شرطہ[2] (ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے لیکن فوراً ہونا ضروری شرط نہیں اھ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: مرسلہ حضرت نور العارفین دام ظلہم المبین از سیتاپور تامسن گنج ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

بخدمت عالمان متبحر التماس ہے مثلاً کوئی لڑکا کہ عمر اس کی تیرہ چودہ برس کی ہے اور نابالغ ہے اپنے گھر کے عورات کو لے کر میلہ ہنود میں جاتا ہے اور عورتیں اس کے گھر کی، پرستش رسم ہنود کی کرتیں ہیں، ایسا لڑکا اگر کسی کا نکاح پڑھائے تو جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر فی الواقع اس کے یہاں کی عورات غیر خدا کو پوجتی ہیں یعنی حقیقۃً دوسرے کی عبادت کہ شرک حقیقی ہے (نہ صرف وہ بعض رسوم جاہلیت یا افعال جہالت کہ حد فسق وگناہ سے متجاوز نہیں، گو اہل تشدد انھیں بنام شرک وپرستش غیر تعبیر کریں) اور وہ اس شرک حقیقی پر مطلع اور اس پر راضی ہے تو خود کافر ومرتد ہے فان الرضا بالکفر کفر (کیونکہ کفر پر رضا بھی کفر ہے۔ت) اس تقدیر پر اس سے نکاح پڑھوانا ہرگز نہ چاہئے کہ مرتد کے پاس تک بیٹھنا شرعاً معیوب ہے۔

قال تعالٰی فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: یاد آنے پر ظالم لوگوں کی مجلس میں مت بیٹھو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۶

[3] القرآن ۶/۶۸

نہ کہ خاص دینی شرعی کام میں اس سے مدد لینا،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرك [1]۔ اخرجہ احمد وابوداؤد و ابن ماجۃ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم مشرک سے مدد لینا ناپسند کرتے ہیں، اس کو صحیح سند کے ساتھ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ (ت)

مگر پڑھائے گا تو نکاح صحیح ہوجائے گا کہ اگر وہ صرف الفاظ ایجاب وقبول کہلوانے والا ہے، کہنے والے خود عاقدین یا ان کے اولیاء یا وکلاء جب تو ظاہر کہ اسے عقد سے کوئی علاقہ نہیں، تو اس کے کفر واسلام یا بلوغ یا عدمِ بلوغ سے عقد پر کیا اثر ہوسکتا ہے اور اگر وکیل بھی ہو کہ خود ہی ایجاب یا قبول کرے گا تاہم صحتِ وکالت کے لیے اسلام خواہ بلوغ شرط نہیں، عاقل ہونا درکار، وہ حاصل ہے، ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الا ان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع [2]۔	مسلمان نے کسی مرتد کو وکیل بنایا مرتد کی وکالت جائز ہوگی، اور یوں ہی کسی مسلمان کو وکیل بنایا پھر وہ وکیل مرتد ہوگیا تو اس کی وکالت باقی رہے گی مگر وہ دارالحرب بھاگ جائے تو پھر اس کی وکالت باطل ہوجائے گی، بدائع میں اسی طرح ہے (ت)

اسی میں ہے:

لاتصح وکالۃ المجنون و الصبی الذی لایعقل واما البلوغ والحریۃ فلیسا بشرط لصحۃ الوکالۃ [3]۔	مجنون اور ناسمجھ بچے کی وکالت صحیح نہیں ہے تاہم بالغ ہونا اور آزاد ہونا وکالت کے لیے شرط نہیں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر بے توکیل کسی مرد یا عورت بالغ وبالغہ خواہ صبی وصبیہ کا نکاح اس نے پڑھا دیا اور اس نابالغ کا کوئی ولی شرعی موجود ہے اگرچہ حاکم شرع ماذون بالتزویج یا سلطان اسلام ہی سہی، جب بھی صحیح ومنعقد ہوگیا کہ اس تقدیر پر یہ فضولی تھا اور فضولی کا عقد ہمارے نزدیک باطل نہیں اجازت پر موقوف رہتا ہے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۱۹/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵۶۲/۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵۶۲/۳

توجس کانکاح بے اجازت معتبرہ شرعیہ اس نے پڑھایا اگر وہ خود بالغ یا بالغہ ہے توخود اس کے ورنہ اس کے ولی مذکور کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر اس نے جائز رکھا جائز ہوجائے گا۔

فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ وقد کان یصلح لھذہ فکذا التلک۔	بعد کی اجازت بھی پہلے کی وکالت کی طرح ہے جب وکالت میں یہ صلاحیت ہے تو بعد والی اجازت بھی ایسی ہی ہے۔(ت)

اور رد کردیا تو باطل کما ھو شان عقد الفضولی (جیساکہ عقد فضولی کا مقام ہے۔ت) اور اگر ان عورات کے افعال حد کفر تک نہیں یا ہیں مگر یہ ان پر راضی نہیں جب تو مسلمان ہے، صُوَرِ مذکورہ میں اس سے نکاح پڑھوانے میں اصلًا مضائقہ نہیں، ہاں اگر کوئی مرتد یا صبی نابالغ اپنے بیٹے بیٹی، بہن بھائی، خواہ کسی اور نابالغ نابالغہ کا نکاح اگرچہ بزعم ولایت پڑھائے اور ان کا مسلمان باپ یا جوان مسلمان بھائی، چچا، خواہ کوئی اور ولی شرعی مرتد عورت یہاں تک کہ وہاں سلطان اسلام یا اس کی طرف سے کوئی حاکم شرع ماذونِ بالا نکاح بھی ہو تو البتہ اس صورت میں یہ نکاح باطل محض ہوگا کہ مرتد یا نابالغ صالح ولایت نہیں تو عقد عقد فضولی ہوا، اور ایسی حالت میں صدور پایا کہ شرعا اس کا کوئی اجازت دینے والا نہیں،

وکل عقد صدر من فضولی ولامجیز لہ فھو باطل[1] کما فی الدر وغیرہ وفی الھندیۃ لا ولایۃ لصغیر کذا فی الحاوی ولا للمرتد علی احد لا علی مسلم ولا علی کافر ولا علی مرتد مثلہ کذا فی البدائع[2] (ملخصًا) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فضولی کا ہر وہ عقد جس کو کوئی جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ باطل ہوتا ہے جیساکہ در وغیرہ میں ہے، اور ہندیہ میں ہے کہ نابالغ کو ولایت حاصل نہیں جیساکہ حاوی میں ہے اورنہ مرتد کو مسلم وکافر پر اور نہ ہی اس کو اپنے جیسے مرتد پر ولایت ہے، بدائع میں ایسے ہی ہے (ملخصا) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰: ۲۲رجب ۱۳۰۹ھ از کٹھور ضلع سورت مرسلہ مولوی محمد عبدالحق صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادھم اللہ تعالٰی شرفا وتعظیما لدیہ، اس مسئلہ میں کہ سبحان خان نے اپنی دختر عاقلہ بالغہ مسماۃ امینہ بی بی کا خطبہ یعنی منگنی نورالدین عاقل بالغ سے بے کسی شرط واقرار کے کردی، جب نکاح کے چند روز رہے نورالدین سے کہاکہ مخطوبہ کے نام ایک مکان خرید دو

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۴

تو نکاح کردوں ورنہ تین برس نہ کروں گا،اس نے کہا پہلے تم نکاح کردو تو برس چھ مہینے کے بعد ہاتھ پہنچنے سے میں مکان خرید دوں گا۔ سبحان خاں راضی ہوگیا اور پانچ چھ دن بعد نکاح کرکے دوسرے دن وداع کردی،دو تین مہینے تک زن وشو ہمبستر رہے،اب سبحان خان نے امینہ کو اپنے یہاں روک رکھا اور کہتا ہے نکاح بوجہ شرطِ مکان فاسد ہوا حالانکہ عورت نے وقت توکیل بالنکاح یا اس سے پہلے سوا ایک سو ساٹھ روپے مہر کے کوئی شرط مکان وغیرہ کی نہ کی،نہ بعد وداع کوئی گفتگو زبان پر لائی اور مکان بھی مجہول ہے کہ پختہ وخام کی کوئی تصریح نہ ہوئی،نورالدین کا اقرار بھی معلق تھا کہ پہلے نکاح کردو تو بعد کو خرید دوں گا،پس یہ نکاح بلاشرط ہوا یا معلق بالشرط الصحیح یا بالشرط الفاسد،اور اقرار مذکور نورالدین معلق بالشرط ہے اور اقرار معلق بالشرط باطل ہے یا نہیں،بہر تقدیر شرعًا اس نکاح میں کوئی خلل نورالدین سے مکان دلوانا واجب ہے یا نہیں ؟ **بینوا بیانا شافیا للمذہب الحنفی من الکتب المعتبرۃ المتداولۃ بین العلماء العظام والفقہاء الکرام توجروا اجرکم اللہ تعالٰی اجرا وافیا۔**

الجواب:

نکاح مذکور صحیح وبے خلل،اور گمان فساد محض باطل وپرزلل۔

اولاً: تقریر سوال سے واضح کہ مکان دینا کلام سبحان خاں میں شرط تعجیل نکاح تھا باآخر وہ بھی نہ رہی نہ شرط فی النکاح۔

ثانیًا: علی التسلیم زوج پر ایجاب مال للزوج مقتضیات عقد نکاح سے ہے نہ اس کے خلاف "**ومثلہ لایفسد البیع فکیف بالنکاح**" (اس طرح سے بیع فاسد نہیں ہوتی چہ جائیکہ نکاح فاسد کرے۔ت) اگر واقعی مہر وشرط بھی نہ صرف بروجہ وعدہ اس قرارداد کا ذکر خود اصل عقد میں آتا تاہم اصلا خلل نہ لاتا نہ جہالت مکان سے کوئی نقصان آتا،کہ وہ بحالت ایفا بالشرط خود متعین ہو کر مجہول نہ رہتا اور بے ایفا الزام مہر مثل ہوتا۔

کماحققہ المولی المحقق الشامی قدس سرہ السامی فی رد المحتار،قال فقد صرح فی النہر بانہ فی المبسوط بعد ان ذکر عبارۃ محمد لوتزوجہا علی الف و کرامتہا اویہدی لہا ہدیۃ فلہا مہر مثلہا لاینقص عن الالف قال ہذہ المسألۃ	جیسا کہ محقق شامی قدس سرہ السامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کرتے ہوئے فرمایا کہ نہر میں تصریح ہے کہ مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا اگر کسی شخص نے عورت سے ہزار اور اعزاز پر یا ہزار اور ہدیہ دینے کے شرط پر نکاح کیا تو اس کا مہر مثل ہوگا جو ہزار سے کم نہ ہو،علامہ شامی نے

علی وجھین ان اکرمھا واھدی لھا ھدیۃ فلھا المسمی والافمھر المثل اھ وفی البدائع لو شرط مع المسمٰی شیئا مجھولا کأن تزوجھا علی الف درھم وان یھدی لماھدیۃ فاذالم یف بالھدیۃ یجب تمام مھر المثل اھ وجھالۃ الھدیۃ والاکرام ترتفع بعد وجودھا [1] اھ ملخصا وتمامہ فیہ۔	فرمایا کہ اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر اس نے وعدہ کے مطابق کوئی اعزازیہ یا ہدیہ دیا تو پھر مہر مقررہ ہزار ہی ہوگا ورنہ مہر مثل ہوگا اھ، بدائع میں ہے کہ اگر مقررہ مہر کے ساتھ کوئی مجہول شیئ ذکر کی مثلایوں کہا کہ ایک ہزار درہم اور کوئی ہدیہ دے گا۔ تو اگر ہدیہ کا وعدہ پورا نہ کیا تو پورا مہر مثل واجب ہوگا اھ، ہدیہ اور اعزازیہ دینے کے بعد اس کی جہالت ختم ہوجائے گی اھ ملخصا، مکمل بحث ردالمحتار میں ہے۔(ت)

ثالثًا: بفرض باطل اسے شرط فاسد بھی مانیے تاہم پر ظاہر کہ وقت عقد اس کا کوئی ذکر نہ ہوا وہ صرف ایک گفتگو پیش از عقد تھی جس کا طے ہونا باعث علی التزوج ہوا نہ کہ ماخوذ فی التزویج اور شرط مذکور قبل العقد مبادلات مالیہ میں بھی ملتحقق بالعقد نہیں ہوتی مالم یتفقا علی المواضعۃ علیہ حین العقد (میاں بیوی جب تک کسی پر متفقہ طور پہ راضی نہ ہوں گے اس وقت تک خاوند پر نکاح کے وقت ذکر شدہ مہر لازم رہے گا۔ت) نہ کہ امثال نکاح میں، جامع الفصولین میں ہے:

لو شرطا شرطا فاسدًا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد [2]۔	اگر نکاح سے پہلے کوئی فاسد شرط ذکر کی ہو تو اس کے بعد کا نکاح باطل نہ ہوگا۔(ت)

رابعًا: التحاق بھی سہی یعنی مان لیجئے کہ وہ شرط فی النکاح ہی تھی اور فاسد بھی تھی اور نفس عقد میں ملحوظ اور ماخوذ بھی رہی تو نکاح ان عقود میں نہیں کہ شروط فاسدہ سے فاسد ہوسکے بلکہ وہ شرط ہی خود فاسد ہوتی اور نکاح صحیح وبے خلل رہتا ہے اور جہالت بدل کا علاج مہر مثل ہے۔ خلاصہ میں ہے:

فی شرح الطحاوی العقود ثلثۃ عقد یتعلق بالجائز من الشرط وھوذکر البدل والفاسد من الشرط یفسدہ کالبیع والاجارۃ والقسمۃ والصلح عن مال وعقد لایتعلق بالجائز من الشرط والفاسد من الشرط	شرح الطحاوی میں ہے کہ عقد تین قسم پر ہیں، ایک وہ کہ جس میں جائز شرط موثر ہو مثلاً بدل کا ذکر، اور فاسد شرط بھی موثر ہو یعنی اس کو فاسد کردے، جیسے عقد اجارہ بیع، تقسیم، مال پر صلح، اور دوسرا وہ کہ اس میں کوئی شرط خواہ جائز ہو یا فاسد موثر نہ ہو، جیسے نکاح، خلع،

[1] ردالمحتار باب المہر مطلب تزوجھا علی عشرۃ دراھم وثوب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۴۹/۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن عشر فی بیع الوفاء الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲۳۷/۱

لایبطله کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد والعتق عن مال فھذہ العقود تصح بغیر ذکرہ البدل وتجوز بالبدل المجھول الخ وفی زیادات القاضی الامام فخر الدین العقود التی یتعلق تمامھا بالقبول اقسام ثلثة قسم یبطله الشرط الفاسد وجھالة البدل وھی مبادلة المال کالبیع والاجارۃ وقسم لا یبطله الشرط الفاسد ولاجھالة البدل وھو معاوضة المال بمالیس بمال کالنکاح والخلع[1] اھ ملخصًا۔	قتل عمد پر صلح اور عتق علی المال، یہ عقود بدل کو متعین کئے بغیر بھی صحیح ہوتے ہیں اور بدل مجہول پر بھی جائز ہوتے ہیں الخ، قاضی امام فخر الدین کی زیادات میں ہے کہ وہ عقود جو صرف قبول کرلینے سے مکمل ہوجاتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں ایک وہ کہ جن کو فاسد شرط اور بدل کی جہالت فاسد کردیتی ہے اور یہ مالی عقود ہیں جیسے بیع اور اجارہ وغیرہ، دوسری وہ جن کو فاسد شرط اور جہالت بدل فاسد نہیں کرتی، جیسے وہ عقود جن میں غیر مال کے بدلے مال ہو، مثلاً نکاح اور خلع اھ ملخصا (ت)

بیان حکم نکاح میں یہی وجہ کافی ووافی تھی مگر اسئلہ سائل کا استیفائے جواب ذکر وجوہ سابقہ پر حامل ہوا، وباللہ التوفیق، بالجملہ صورت مستفسرہ میں نکاح کو فاسد خیال کرنا سخت جہالت بے معنی ہے، رہا مکان تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ بطور مہر نہ مانا گیا۔ نہ عاقدین نے اسے بدل بضع قرار دینے پر لحاظ کیا بلکہ نورالدین کی طرف سے بدرخواست سبحان خاں ایک وعدہ تھا جس پر رضامندی ہو کر تزویج ایک جدا مہر مسمّٰی پر واقع ہوئی اس صورت میں وہ مکان دینا بیشک مکارم اخلاق سے ہے اور ایفائے وعدہ شرعاً محبوب اور خلف وعدہ ناپسند ومکروہ۔ تو نورالدین کو بھی چاہئے کہ بشرط دسترس (جس کی تصریح وہ اصل وعدہ کرچکا ہے) امینہ کو ایک مکان خرید دے، اقرار اگرچہ تعلیق بالشرط کی صلاحیت نہیں رکھتا، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط کی کتاب الاقرار میں فرماتے ہیں: تعلیق الاقرار بالشرط باطل[2] (اقرار کو شرط سے معلق کرنا باطل ہے۔ ت) خلاصہ میں ہے:

التی تبطل بالشروط الفاسدۃ ولایصح تعلیقھا بالشرط ثلثة عشر البیع والقسمة والاجارۃ (الی قولہ)	وہ امور جو فاسد شرط سے باطل ہوجاتے ہیں اور ان کی کسی شرط سے تعلیق بھی صحیح نہیں ہوتی، ایسے امور کی تعداد تیرہ ہے، ان میں بیع، تقسیم، اجارہ،

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع اذاکان فیہ شرط مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۲ و ۵۱

[2] مبسوط امام محمد

والاقرار [1]۔	اور اقرار بھی ہے۔(ت)

مگر پر ظاہر کہ یہ اقرار مصطلح فقہی نہیں،

فانه اخبار من حق کائن علیه هذا هوالتحقیق عندی او هذا اخبار من وجه وانشاء منجز من وجه کما لهج به کثیرون۔	کیونکہ وہ پہلے سے موجود حق سے خبر دینا ہے، میرے نزدیک یہی تحقیق بات ہے، یا من وجہ خبر اور من وجہ پورا کرنے کا انشاء ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے بیان کیا ہے۔(ت)

بلکہ وعدہ ہے اور وعدے کی تعلیق بالشرط جائز بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں وعدہ تعلیق پاکر واجب ہوجاتا ہے، اشباہ میں ہے:

فی القنیة وعد ان یاتیه فلم یاته لایاثم ولایلزم الوعد الااذا کان معلقا کما فی کفالة البزازیه وبیع الوفاء کما ذکره الزیلعی [2]۔	قنیہ میں ہے ایک شخص نے وعدہ کیا کہ میں آؤں گا، تو وہ نہ آیا، گنہگار نہ ہوگا، اور وعدہ صرف وہی لازم ہوتا ہے جو کسی شرط سے معلق ہو، جیسا کہ بزازیہ کی کفالت کی بحث میں ہے، اور بیع الوفاء بھی وعدہ کی یہی قسم ہے جیسا کہ امام زیلعی نے ذکر فرمایا۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمة [3]۔	جن وعدوں میں تعلیق ذکر کی جائے وہ لازم ہوتے ہیں۔(ت)

توظاہر اطلاق عبارات مذکورہ سے صورت دائرہ میں بھی نور الدین پر جس نے وعدہ معلقہ بتقدیم نکاح کیا تھا اور شرط تقدیم متحقق ہوئی بحال دسترس وجوب وفا مستفاد ہوسکتا ہے مگر بعد احاطہ کلمات ائمہ نظر غائر استظہار کرتی ہے کہ یہ وجوب ہو بھی تو دیانۃً ہے قضاءً وفائے وعدہ پر جبر نہیں۔

الافی الکفالة وفی بیع الوفاء علی قول وقد ذکرنا الوجه فیهما فیما علقنا علی ردالمحتار۔	صرف کفالت اور بیع الوفاء میں ایک قول کے مطابق وفا لازم ہے جس کی وجہ ہم نے ان دونوں مقام پر ردالمحتار کے حاشیہ میں ذکر کردی ہے۔(ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الخامس فی البیع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/۵۴، ۵۵

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/۱۱۰

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۳

امام فقیہ النفس فخر الدین خانیہ میں فرماتے ہیں:

رجل اٰجر دارہ کل شھر بدرھم وسلم ثم باعھا من غیرہ وکان المشتری یاخذ اجرۃ الدار من ھذا المستاجر ومضی علی ذلك زمان وکان المشتری وعد البائع انہ اذا رد علیہ الثمن یرد دارہ ویحتسب ما قبض من المستاجر من ثمن الدار فجاء البائع بالدراھم واراد ان یجعل الاجر محسوبا من الثمن قالوا لیس للبائع ان یجعل ذلك من الثمن وما قال المشتری للبائع کان وعدًا فلا یلزم الوفاء بذلك حکما فان نجز وعدہ کان حسنا والا فلا شیئ علیہ[1] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنا مکان ہر ماہ فی درہم کرایہ پر دیا پھر اس نے وہ مکان اس کے غیر کو فروخت کردیا اور اب کرایہ دار سے یہ مشتری کرایہ ایک زمانہ تک وصول کرتا رہا جبکہ مشتری نے بائع سے یہ وعدہ کر رکھا تھا کہ جب آپ مکان کی قیمت واپس کردیں گے تو میں مکان واپس آپ کو دے دوں گا اور قیمت میں سے وصول شدہ کرایہ آپ کو منہا کردوں گا، اب ایک مدت بعد بائع نے آکر مشتری کو مکان کی قیمت واپس کردی اور اس نے کرایہ کی رقم میں منہا کرنا چاہی تو اس پر فقہا کرام نے فرمایا کہ بائع کو کرایہ کی رقم قیمت میں شمار کرکے منہا کرنے کا اختیار نہیں، اور مشتری نے جو یہ وعدہ کیا تھا وہ وعدہ تھا جس کی وفا مشتری پر لازم نہیں ہے، ہاں اگر مشتری اپنے طور پر وعدہ کو پورا کردے تو بہتر ہے ورنہ اس پر حکماً لازم نہیں ہے اھ ملخصا (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے اسی صورت خانیہ میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزمہ الوفاء بالمواعید[2]۔	اگر وہ وعدہ پورا کردے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کی وفا لازم نہیں ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ وظیفۃ فرغ منھا لاٰخر بعوض وقررہ القاضی لاھلیتہ ونذر المفروغ لہ للفارغ اذا رد الیہ نظیر المدفوع یفرغ لہ فھل	ایک شخص کو قاضی نے اس کی اہلیت کی بناء پر وظیفہ مقرر کرکے ایک کام سپرد کیا تو اس نے ایک معاوضہ کے بدلے وہ کام آگے ایک دوسرے کے سپرد کردیا اور قاضی نے بھی اس کو منظور کرلیا جبکہ دوسرے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات فصل فی الاجارۃ الطویلۃ نولکشور لکھنو ۳/ ۴۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

لایلزم الوفاء بہ شرعا اجاب لایلزمہ الوفاء بما نذر اذ النذر لایلزم الوفاء بہ الابشروط وھی متخلفۃ فی ھذاولو فرضنا اجتماع شرائطہ فالقاضی لایقضی بہ علی الناذر کما صرحوا بہ قاطبۃ [1] اھ ملخصًا فافھم ولاتعجل۔	شخص نے یہ عہد کیا تھا کہ اگر پہلے مقررہ شخص مجھ سے وصول کردہ کے برابر مجھے واپس کردے تو میں اس کے حق میں اس کام سے دستبردار ہوجاؤں گا۔اس سوال کے جواب میں کہ اس دوسرے شخص پر اپنے عہد کی پابندی ضروری شرعًا ہے تو جواب میں فرمایا کہ عہد کی وفا لازم نہیں ہے کیونکہ عہد کی وفا چند شرطوں کے بغیر لازم نہیں جو یہاں مفقود ہیں، چنانچہ قاضی عہد کرنے والے شخص پر ایفائے عہد کے لزوم کا فیصلہ نہیں کرے گا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

قال سیدی الوالد رحمہ اللہ تعالٰی لایلزم الوفاء بالوعد شرعا۔[2]	میرے آقا والد صاحب نے فرمایا کہ شرعًا وعدہ کی وفالازم نہیں ہے۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے وتمام تحقیق المسألۃ حسب ما ارانا اللہ تعالٰی فی تعلیقنا المذکور (اور مسئلہ کی پوری تحقیق بتوفیق الٰہی ہمارے مذکورہ حاشیہ میں ہے۔ت) بہر حال یہاں ایجاب قضاء کی گنجائش نہیں تو نہ اینہ کو اس پر مطالبہ جبری پہنچتا ہے نہ حاکم جبرًا مکان دلاسکتا ہے، خیریہ میں ہے:

ھذا اذا ذکر علی سبیل انہ من المھر وان ذکر علی سبیل العدۃ فھو غیر لازم بالکلیۃ الاان یتبرع الزوج[3]۔	یہ تب ہے جب خاوند نے اس کو مہر میں سے قرار دیا ہو،اور اگر وعدہ کے طور پر ذکر ہو تو بالکل لازم نہیں ہاں اگر بطور عطیہ دے دے تو درست ہے۔(ت)

ہاں اگر معلوم ہو کہ وہ بھی علٰی جہۃ المہر مشروط اور عاقدین کو عقد میں اس کی طرف لحاظ تھا تو حکم وہی ہے جو اوپر گزرا کہ اگر مکان دے گا تو باقی مہر مسمّٰی بھی بدستور لازم ورنہ مہر مثل کہ اس مقدار مسمّٰی سے کم نہ ہو کما اسلفنا عن الامام محمد رحمہ اللہ تعالٰی (جیسا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہم نے

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۸۔۱۵۷

[2] قرۃ العیون کتاب العاریہ دارالکتب العربیہ الکبرٰی مصر ۲/۳۰۰

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب المھر دارالمعرفۃ بیروت ۱/۳۰

پہلے نقل کردیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱: ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ رضامند زید کو تھی اور جابر نے جبر کیا بلارضامندی ہندہ اور بغیر رضامندی ولیوں کے عمرو سے فرضی مہر مقرر کرکے ایجاب وقبول کرایا اور وقت ایجاب کے مسماۃ آہ وزاری اور فریاد واویلا انکار کرتی تھی، مسماۃ کے اس انکار آہ وزاری شور واویلا کو اذن قرار دے کر دولھا سے ایجاب قبول کراکے نکاح مشہور کرکے شیرینی تقسیم کردی، ایسا نکاح نزدیک علمائے حقانی جائز ہے یا ناجائز۔؟ اگر ناجائز ہو یا جائز ہو تو ادلّہ مع آیات اور حدیث کے تحریر فرمائیے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ تھی جب تو اس کا انکار اقرار کوئی چیز نہ تھا اس کے ولی سے اجازت لینی تھی اور اگر بالغہ تھی تو اگرچہ اذن لیتے وقت اس کا انکار بلکہ صحیح مذہب پر صرف آواز اور فریاد سے رونا ہی ردِ استیذان کے لیے کافی ہو مگر اس کا حامل اس قدر نکاح کرنے والے کی وکالت صحیح نہ ہوئی، بہرحال یہ نکاح فضولی ہوا کہ درصورت بلوغ ہندہ خود اس کی وجہ اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بعد نکاح جب خبر نکاح پہنچے رد کیا جائے گا رد ہوجائے گا اور اجازت دی جائیگی تو جائز ہوجائے گا۔

فی ردالمحتار عن الذخیرۃ بعضھم قالو ان کان مع الصیاح والصوت فھو رد والافھو رضی وھو الاوجہ وعلیہ الفتوی [1] اھ تمامہ فیہ فی الدرالمختار لواستاذ نھا فی معین فردت ثم زوجھا منہ فسکتت صح فی الاصح [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر لڑکی کا رونا چیخ وپکار کے طور پر ہو تو یہ نکاح سے انکار ہوگا ورنہ وہ رضا ہے اور یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اھ، اور پوری بحث ردالمحتار میں ہے، اور درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی سے معین شخص کے ساتھ نکاح کی اجازت طلب کی تو لڑکی نے انکار کردیا۔ اس کے بعد پھر اس کا نکاح اسی شخص سے کیا اور لڑکی خاموش رہی تو نکاح صحیح ہوگا اصح قول میں **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۲: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں متصل مکان مدینہ شاہ مرسلہ نظام الدین ۲۹ رمضان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح قبولیت سے جائز ہے یا کوئی اور بات؟ اور قاضی کا

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح کے لیے فقط مرد وعورت کا ایجاب وقبول چاہئے اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کا اسی جلسہ میں ایجاب وقبول کو سننا اور سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر درکار ہے، اس سے زیادہ قاضی وغیرہ کی حاجت نہیں،

فی الدر المختار ینعقد بایجاب وقبول وشرط حضور شاھدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معًا علی الاصح فاھمین انه نکاح علی المذھب بحر[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی موجودگی میں جو کہ عاقل بالغ اور حر ہوں اور انھوں نے لڑکے لڑکی کا ایجاب وقبول ایک مجلس میں سنا ہو تو نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ ان گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو، مذہب یہی ہے، بحر، اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳: از مدراس محلّہ چک منڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبدالرزاق صاحب امام مسجد غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین کثر ھم اللہ تعالٰی، ایک شخص عمرو نے اپنی برادری کو دعوت منگنی کی دے دی اور وہ اسباب جو فی زمانا دولھا کی جانب سے دئے جاتے ہیں، مثلاً ساڑھی اور انگیا اور زیور وغیرہ حاضر کیا، اہل برادری نے ولی سے بازپرس کی کہ ہم طلبی کی کیا وجہ تھی، تو اس نے جواب دیا کہ عبداللہ صاحب نے اپنی لڑکی مسمّٰی بہ ہندہ میرے لڑکے مسمّٰی بہ زید کو دے دی ہے لیکن چونکہ مجھے یہ مقصود تھا کہ یہ بات علی رؤس الاشہاد متحقق ہوجائے لہٰذا میں نے آپ کو تکلیف دی ہے علی ھذا القیاس ولی صغیرہ سے دریافت کیا گیا کیا تم نے اپنی لڑکی مسمّٰی بہ ہندہ زید کو دی ہے۔؟ اس نے کہا ہاں میں نے دی ہے اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے، تو ایسی صورت میں نکاح صغیر وصغیرہ منعقد ہوا یا نہیں؟ اور جو درمختار کتاب النکاح میں مذکور ہے:

وکذا انا متزوجك وجئتك خاطبا لعدم جریان المساومة فی النکاح[2]۔	اور یوں ہی کہ تجھ سے نکاح کرتا ہوں اور میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں کیونکہ نکاح بھاؤ چکانا نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶۔۱۸۵

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶۔۱۸۵

آیا اس عبارت منقولہ سے منگنی نکاح ہوسکتی ہے؟ اگر ہوسکتی ہے تو **فھو المراد** والا اس عبارت کا کیا مطلب؟

الجواب:

ارشادات علمائے کرام میں نظر سے واضح کہ کلمات مذکورہ فی السوال انعقاد نکاح کے لیے اصلا کافی نہیں، عمرو عبداللہ دونوں کے کلام صراحۃً اخبار ہیں کہ ہماری زبان میں صیغہ ماضی مقرون بلفظ ہے خاص امر واقع شدہ سے خبر دینے کے لیے ہے نہ امر غیر واقع کے انشاء وایجاد کو، پھر کلام عمرو سخن ابتدائی نہیں، اہل برادری کے اس باز پرس کا جواب ہے کہ ہماری طلبی کی کیا وجہ تھی، پُر ظاہر کہ اس سوال کا جواب اخبار ہوگا۔ نہ کہ انشائے ایجاب یوں ہی کلام عبداللہ کا سیاق بھی کہ ہاں دی ہے، اور آپ کی تکلیف دہی کی یہی وجہ ہے صاف صاف اسی معنٰی اخبار وبیان وجہ جمع کی تاکید کررہا ہے **کما لایخفی علی العارف باسالیب الکلام** (جیسا کہ کلام کے اسلوب کو سمجھنے والے پر مخفی نہیں۔ت) اور شک نہیں کہ وقوع نکاح سے خبر دینا انشائے عقد سے بالکل مبائن وغیر مؤثر ہے، اگر بنظر ظاہر کہئے تو حسب تصحیحات جمہور ائمہ واختیارات خبر دینا انشائے مذہب مذیل بآکد الفاظ اور نظر وثیق لیجئے تو امثال مقام میں بالاجماع بلانزاع،

کما حققنا ذٰلك بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالتنا "عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار" من فتاوٰنا و لنقتصر ھٰھنا علی الاشارۃ الٰی بعض عبارات الافتاء تنزلًا الی الطریقۃ الاولی۔	جیسا کہ ہم نے اس کو اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے رسالہ "عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار" میں محقق کیا ہے اور یہاں ہم صرف فتوٰی کی بعض عبارات کی طرف اشارہ کرینگے، پہلے طریقہ پر۔ (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

اقرا بالنکاح بین یدی الشھود لاینعقد ھو المختار وقیل ینعقد والاول ھو الصحیح وعلیہ الفتوی [1]۔	مرد وعورت نے گواہوں کی موجودگی میں اقرار کیا تو اس سے مختار قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا، اور بعض نے کہا کہ ہوجائے گا۔ لیکن پہلا قول صحیح اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

اصلاح وایضاح میں ہے:

النکاح اثبات وھذا اظھار والاظھار	اقرار اظہار کا نام ہے جبکہ نکاح اثبات کا نام ہے

[1] جواھر الاخلاطی کتاب النکاح قلمی نسخہ ص ۴۸

غیر الاثبات ذکرہ فی التخییر وقال فی مختارات النوازل ھوالمختار [1]۔	اور اظہار واثبات دو مختلف چیزیں ہیں، اس کو تخییر میں ذکر کیا ہے، اور مختارات النوازل میں کہا کہ یہی مختار ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے: الصحیح انہ لایکون نکاحاً کذا فی الظھیریہ [2] (صحیح یہی ہے کہ نکاح نہ ہوگا جیسا کہ ظہیریہ میں ہے،ت) وجیز کردری میں ہے: لاینعقد فی المختار الصحیح [3] (مختار اور صحیح قول کے مطابق نکاح منعقد نہ ہوگا۔(ت) علاوہ بریں دینا، عطا، ہبہ، یہ الفاظ خود ہی نکاح میں صریح نہیں کنایہ ہیں اور عقد و وعد دونوں کو محتمل، منگنی ہونے پر بھی عرف شائع میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اپنی بیٹی فلاں کو دی، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ بہ نیت خطبہ کہے جائیں تو خطبہ ہی ٹھہرے گا مجلس وعد میں صادر ہوں تو وعدہ ہی قرار پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لفظ ترویج ونکاح صریح وماعداھما کنایۃ وھو کل لفظ وضع لتملیك عین کاملۃ فی الحال کھبۃ وتملیك وصدقۃ وعطیۃ بشرط نیۃ اوقرینۃ وفھم الشھود المقصود [4] اھملتقطاً۔	نکاح میں لفظ "ترویج" اور "نکاح" صریح ہیں۔ ان کے علاوہ باقی سب کنایہ ہیں، اور کنایہ کے لئے وہ تمام الفاظ ہیں جو بروقت کسی کامل چیز کی تملیک کے لیے ہوں، مثلاً ہبہ، صدقہ، عطیہ اور تملیک کے الفاظ جب نکاح کی نیت سے استعمال ہوں یا اس پر قرینہ موجود ہو اور اس سے گواہ بھی مقصد کو سمجھ سکیں اھ ملتقطا (ت)

خانیہ میں ہے:

اذا قال لاب البنت وھبت ابنتك منی فقال وھبت فقال قبلت قالوا ان کان ھذا القول من الخاطب علی وجہ الخطبۃ ومن الاب ایضاً علی وجہ الاجابۃ لاعلی وجہ العقد	جب ایک لڑکے نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ آپ نے اپنی لڑکی مجھے ہبہ کی تو باپ نے جواب میں کہا کہ میں نے ہبہ کی، اس کے بعد پہلے نے کہا میں نے قبول کی، فقہاء کرام نے فرمایا اگر منگنی کرنے والے اور باپ نے مذکورہ

[1] اصلاح وایضاح
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۲
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۹
[4] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

لم یکن نکاحا[1] اھ ملخصا۔	الفاظ منگنی اوراس کے جواب کے طور پر استعمال کئے اور عقد نکاح مقصود نہ ہو تو نکاح نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

شرح طحاوی پھر مجتبٰی پھر مجموعہ علامہ انقروی وواقعات علامہ قدری افندی وغیرہا میں ہے:

قال له هل اعطیتنیها فقال اعطیت فان کان المجلس للوعد فوعد وان کان لعقد النکاح فنکاح[2]۔	کسی نے لڑکی کے باپ کو کہا تو نے مجھے لڑکی دی، توباپ نے کہادی، تو مجلس نکاح میں نکاح اور منگنی کی مجلس ہو تو منگنی ہوگی۔ (ت)

سوال سے ظاہر کہ یہ مجلس منگنی ہی کی تھی اور کوئی قرینہ واضحہ ایسانہ پایا گیا جو ان الفاظ کو انشائے عقد کے لیے متعین کرے تو یوں بھی منگنی ہی ٹھہرے گی نہ نکاح، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم: نکاح عقد ہے اور منگنی وعد عقد ووعد کا تباین بدیہی، تو منگنی کو نکاح ٹھہرانا بداہۃً باطل اور اجماعًا غلط، ابھی کلمات علماء سے عقد ووعد کا تفرقہ گزرا، اس کے نصوص کے نقل بدیہی پر استدلال ہے جئتک خاطبا سے انعقاد نکاح نہ اس وجہ سے ہے کہ خطبہ عقد ہو بلکہ الفاظ مذکورہ خود الفاظِ عقد ہی قرار پائے ہیں یعنی جبکہ نیت وقرینہ متحقق ہو لما علمت ان ماعدا التزویج والنکاح کنایة تفتقر الیهما (جیسا کہ آپ نے معلوم کرلیا کہ تزویج اور نکاح کے الفاظ کے علاوہ باقی کنایہ ہیں جو کہ نیت اور قرینہ کے محتاج ہیں۔ت) ولہٰذا علماء انھیں الفاظ ایجاب کے ساتھ شمار فرماتے ہیں، وجیز کردری میں ہے:

کتاب النکاح تسعة عشر فصلا الاول فی الاٰلة کل لفظ یفید ملك الرقبة انعقد به کقوله بعت و تزوجت و انکحت و ملکتك وهبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسی لك[3]۔	کتاب النکاح میں انیس بحثیں ہیں، پہلی آلہ میں وہ ہر لفظ جو رقبہ کی ملکیت کے لیے مفید ہو اس سے نکاح منعقد ہوگا، جیسے میں نے فروخت کیا، نکاح کردیا، تجھے مالک بنایا، ہبہ کیا۔ صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا۔ (ت)

خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ینعقد بقول تزوجت وانکحت وملکتک	نکاح منعقد ہوجاتا ہے ان الفاظ سے: میں نے نکاح

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۰

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب النکاح دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ۱/۳۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۰۸

و وھبت وتصدقت وجئتك خاطبا وجعلت نفسی لك وبعت[1]۔	کردیا، تجھے مالک بنادیا، ہبہ کیا، صدقہ کیا، میں رشتہ لینے آیا ہوں، میں نے اپنا نفس تجھے دیا، فروخت کیا۔(ت)

۳۴ **اقول: وباللہ التوفیق** فقہ اس میں یہ ہے کہ **جئتك خاطبا** (میں رشتہ لینے آیا ہوں۔ت) کسی خطبہ متقدمہ سے اخبار نہیں بلکہ انشائے طلب وتزویج ہے اور انشائے طلب عین حاصل امر، تو **جئتك خاطبا** بمعنٰی **زوجنی** ہے۔ ولہٰذا بزازیہ میں ان دونوں کا ایک حکم رکھا۔

حیث قال جاء رجل فقال زوجنی بنتك ا وجئتك خاطبا اوجئتك تزوجنی بنتك فقال زوجتك فالنکاح واقع لازم ولیس للخاطب ان لایقبل[2]۔	جیسا کہ انھوں نے ذکر کیا کہ ایک آدمی نے آکر کہا کہ تو اپنی بیٹی مجھے نکاح کردے یا میں آپ کے پاس رشتہ لینے آیا ہوں، یا، میں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے اپنی بیٹی بیاہ دیں، تو باپ نے کہا میں نے بیاہ دی، تو ان الفاظ سے لازمی نکاح ہوجائے گا، اب رشتہ طلب کرنے والے کو قبول نہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔(ت)

اور "زوجنی" الفاظ مفیدہ عقد سے ہے

توکیلا او ایجابا علی اختلاف قولین والاولی عــہ اظھر عندی کما بیناہ فیما علقناہ علی ہامش ردالمحتار تو اسی طرح جئتك خاطبا۔	وکیل بناتے ہوئے یا ایجاب کے طور پر دونوں اقوال کے اختلاف پر، اور پہلا یعنی وکیل بناتے ہوئے میرے نزدیک اظہر ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر بیان کیا ہے تو اسی طرح، میں تیرے پاس رشتہ لینے آیا ہوں۔(ت)

بالجملہ لفظ خطبہ باضافت بیانیہ بعد تحقق نیت وقیام قرینہ الفاظ عقد سے ہے نہ الفاظ خطبہ باضافت لامیہ یعنی وہ الفاظ کہ شرعًا خطبہ قرار پائیں نہ کہ وہ الفاظ کہ صراحۃً اخبار ہوں اور معنٰی انشاء سے منزلوں دور **کما لایخفی علی ذی شعور** (جیسا کہ اہل شعور پر مخفی نہیں۔(ت) رہا نکاح میں عدم جریان مساومت ۳۵ **اقول: وباللہ التوفیق** اس کا منشاء خود یہی ہے کہ عادۃً نکاح

عــہ: انظرہ مع ماذکرہ ۱۲ منہ (م)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۲/ ۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ھندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۱

سے پہلے منگنی وغیرہ مقدمات ہوچکتے ہیں تو ان کے بعد الفاظ مجلس عقد کو مساومت پر حمل نہیں کر سکتے بخلاف بیع کہ نہ وہاں ایسا تقدم، نہ اس کے لیے کوئی مجلس قرینہ قصد عقد، فتح القدیر پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

النکاح لایدخل المساومة لانه لایکون الابعد مقدمات ومراجعات فکان للتحقیق بخلاف البیع [1]۔	نکاح میں بھاؤ لگانا نہیں ہوتا کیونکہ نکاح کئی مقدمات اور آمدورفت کے بعد ہوا کرتا ہے تو کنایہ الفاظ اس موقعہ پر نکاح کے تحقق کے لیے ہوتے ہیں بخلاف بیع کے۔(ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ عبارت مذکورہ سوال کے معنٰی اگر یہ ٹھہریں کہ امثال الفاظ بعد قیام قرینہ قصد مثل جلسہ نکاح بعد خطبہ وقراءت خطبہ وغیرہما بحکم دلالت ظاہرہ جانب عقد متصرف ہوں گے نہ کہ سوئے مساومت کہ یہاں کوئی محل مساومت نہیں، تو بیشک صحیح ہے۔اور یہی معنٰی مقصود ومراد۔

الاتری ان الکلام فی الکنایة ولاانعقاد بھا الاعند قیام القرینة کما علمت۔	آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ گفتگو کنایہ کے بارے میں ہے اوران میں قرینہ کے بغیر نکاح منعقد نہ ہوگا جیسا کہ آپ معلوم کرچکے ہیں۔(ت)

مگر اس بناپر ہر منگنی یا الفاظ مذکورہ عمرو وعبداللہ کو نکاح نہیں ٹھہرا سکتے کما بینا (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر یہ معنٰی لیں کہ جو کچھ الفاظ خاطب ومخطوب الیہ میں جاری ہوں خواہی نخواہی نکاح ٹھہریں گے اگرچہ معنٰی مساومت وطلب وعد کو محتمل اور قرینہ معینہ قصد عقد سے عاری تو محض باطل، نہ ہرگز یہ مراد علماء، علماء صاف تصریحات فرماتے ہیں کہ احتمال مساومت واستیعاد یعنی صورت واقعہ میں معنٰی استیام وطلب وعد کا احتمال ہونا مانع انعقاد نکاح ہے۔خزانۃ المفتین برمز فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

لو قال بالفارسیة دختر خویش مرادادی فقال دادم لاینعقد النکاح لان ھذا استخبار واستیعاد فلا یصیر وکیلا الا اذا ارادبه التحقیق دون الاستیام [2]۔	اگر ایک نے فارسی میں کہا کہ تونے اپنی بیٹی مجھے دی، تو دوسرے نے جواب میں "دادم" کہا تو اس سے بغیر ارادہ نکاح متحقق نہ ہوگا، کیونکہ یہ الفاظ حقیقتًا خبر معلوم کرنے اور وعدہ لینے کے لیے ہوتے ہیں اس لیے دوسرا وکیل نہ بنے گا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

[2] خزانۃ المفتین کتاب النکاح قلمی نسخہ (غیر مطبوعہ) ۱/ ۷۶

اذا قال لغیرہ دختر خویش مرادہ، فقال دادم، ینعقد النکاح وان لم یقل الخاطب پذیر فتم، ولو قال مراد ادی فقال دادم، لاینعقد النکاح مالم یقل الخاطب پذیر فتم الا اذا اراد بقولہ دادی التحقیق دون السوم[1]۔	جب دوسرے کو کہا کہ تو اپنی لڑکی مجھے دے۔ تو دوسرے نے کہا "دی" تو اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اگرچہ پہلا "میں نے قبول کی" نہ کہے اور اگر پہلے نے کہا "تو نے بیٹی مجھے دی" تو دوسرے نے جواب میں کہا "میں نے دی" تو جب تک پہلا اس کے بعد "میں نے قبول کی" نہ کہے نکاح منعقد نہ ہوگا۔ہاں اگر اس صورت میں دوسرے نے "میں نے دی" سے مراد نکاح کا تحقق لیا اور خواہش اور مرضی کا اظہار مراد نہ لیا تو نکاح ہوجائے گا۔(ت)

اسی طرح بزازیہ میں ہے ـــــ ردالمحتار میں شرح علامہ مقدسی سے نقل فرمایا:

انما توقف الانعقاد علی القبول فی قول الاب ا والوکیل ھب ابنتك لفلان اولابنی اواعطھا مثلاً لانہ ظاھر فی الطلب وانہ مستقبل لم یرد بہ الحال والتحقق فلم یتم بہ العقد بخلاف زوجنی بنتك بکذا بعد الخطبۃ ونحوھا فانہ ظاھر فی التحقق والاثبات الذی ھو معنی الایجاب[2]۔	لڑکے کے باپ یا وکیل نے لڑکی کے باپ کو کہا کہ تو اپنی بیٹی فلاں کو یا میرے لڑکے کو ہبہ کر یا عطا کر، تو اس میں نکاح کا انعقاد لڑکی کے باپ کے دے دینے کے بعد لڑکے کے باپ یا وکیل کے قبول کرلینے پر موقوف رہے گا، کیونکہ یہ الفاظ ظاہر طور پر طلب کے لیے ہوتے ہیں جس میں مستقبل ہوتا ہے۔ تحقق اور حال مراد نہیں ہوتا، لہٰذا عقد تام نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر یہ کہا ہو کہ "تو اپنی بیٹی مجھے بیاہ دے" اور یہ کہنا مہر طے کرنے اور منگنی کے بعد ہو تو یہ الفاظ تحقق اور اثبات میں ظاہر ہیں جو کہ ایجاب کہلاتا ہے۔(ت)

شرح طحاوی سے گزرا کہ ھل اعطیتنیھا (کیا تو نے بیٹی مجھے عطا کی۔ت) مجلس عقد میں مفید عقد ہے اور جلسہ وعد میں طلب وعد بالجملہ الفاظ محتملہ میں مدار قرینہ پر ہے۔ پھر الفاظ مذکورہ عمرو وعبداللہ تو مساومت وتحقیق دونوں سے مہجور اور خاص اخبار میں متعین ہیں تو انھیں اس عبارت سے بھی کچھ علاقہ نہیں کما لایخفٰی (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی فیما ینعقد النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح الباب الثانی فیما ینعقد النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۴، ۱۵: از ملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاکخانہ کٹنگا مقام سرائے بہی مرسلہ سید محمد صفاء الدین صاحب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اول: ایک عدیم البصر عالم وفاضل اور ایک نگہبان بھی اس کے پاس موجود تھا اس نے نکاح پڑھایا، نکاح جائز ہے یا نہ؟

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے کہ نکاح پڑھانے میں آنکھوں کا کیا کام، بلکہ جب وہ عالم ہے تو وہی انسب واولٰی، خود گواہان نکاح جن کے بغیر نکاح اصلاً صحیح نہیں اگر نابینا ہوں کچھ مضائقہ نہیں[1]۔

کمانص علیہ فی المتون کالکنز والوقایۃ والاصلاح والمختار والھدایۃ والملتقی والتنویر وغیرھا۔	جیسا کہ کنز، وقایہ، اصلاح، مختار، ہدایہ، ملتقی اور تنویر وغیرہ متون میں اس پر تصریح موجود ہے۔(ت)

تو نکاح پڑھانے والے کی بینائی کیا ضرور کہ وہ خود ہی نکاح کے لیے ضروری نہیں، عاقدین کا آپ ایجاب وقبول کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال دوم: اگر عدیم البصر عالم نہ ہو اور نگہبان بھی موجود نہ ہو اس صورت میں اس نے نکاح پڑھایا، آیا جائز ہے یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اب بھی جائز ہے جبکہ ٹھیک پڑھائے، بے نگاہی یا بے نگاہ بانی کچھ نکاح پڑھانے میں مخل نہیں، ہاں جاہل ہونا مخل ہوسکتا ہے کہ جب مسائل نکاح سے آگاہ نہیں تو ممکن کہ وہ صورت کردے جس سے نکاح صحیح نہ ہو اور زوجین بھی بوجہ جہل اس سے غافل رہیں تو معاذاللہ عمر بھر حرام میں مبتلا ہوں، لہٰذا نکاح میں بہت احتیاط لازم، عقد کرنے والا دیندار، متقی، مسائل نکاح سے واقف ہو کہ جاہل سے نادانستہ وقوع مخل کا اندیشہ تھا، فاسق بددیانت پر اعتماد نہیں، جب وہ خود حلال وحرام کی پروا نہیں رکھتا تو اوروں کے لیے احتیاط کی کیا امید، بحرالرائق ودرمختار وفتح اللہ المعین وغیرہا میں ہے:

واللفظ للدر یندب اعلانہ وتقدیم خطبۃ	دُر کے الفاظ ہیں، نکاح کا اعلان، اس سے پہلے خطبہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

وکونہ فی مسجد یوم جمعۃ بعاقد رشید الخ[1].	مسجد میں ہونا، جمعہ کا دن ہونا اور نکاح کرنیوالا صاحب رشد یعنی صاحب علم و عمل ہونا مستحب ہے الخ۔ (ت)

۳۶ **اقول: الرشد ینتظم العلم والعمل** (رشد علم اور عمل دونوں کو جامع ہے۔ت) اس زمانہ جہل وفساد میں اکثر وہ صورت رائج ہے کہ اگر اہل علم حاضر جلسہ نہ ہوں تو نکاح میں سخت خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے یعنی دولھن سے زید کے لیے صرف وکالت نکاح لی، یہ تصریح نہ کرائی کہ اسے دوسرے کو وکیل کردینے کا بھی اختیار ہے۔اب زید وکیل جو شرعًا صرف نکاح پڑھانے کا مجاز ہوا وہ خود نہیں پڑھاتا بلکہ قاضی کوئی اور صاحب باہر بیٹھے ہیں ان سے آکر کہتا ہے مجھے فلاں عورت نے اپنے نکاح کا وکیل کیا، دو گواہ گواہی دیتے ہیں، وہ تو اتنا کہہ کر الگ ہوگیا، اب قاضی جی نے نکاح پڑھایا، یہ نکاح ہرگز نہ ہوا کہ نہ خود عورت نے ایجاب وقبول کیا نہ اس کے وکیل ماذون نے بلکہ ایک اجنبی شخص نے کہ اول تو وکیل کا اپنی وکالت سے خبر دینا اس قاضی کو اپنی طرف سے وکیل کرنا نہیں، اور ہو بھی تو صحیح مذہب میں وکیل نکاح کو دوسرے کے وکیل کرنے کا بے اذن موکل اختیار نہیں۔

فی الدر عن البحر لیس للوکیل (ای فی النکاح) ان یؤکل بلااذن[2] وفی وکالۃ غمزالعیون عن الولوالجیہ لووکل رجلا فی نکاح فوکل الوکیل غیرہ ذکرہ محمد فی الاصل انہ لایجوز فانہ قال اذا فعل الثانی بحضرۃ الاول لم یجز وھو الصحیح[3] اھ ملخصًا۔	نکاح کے وکیل کو جائز نہیں کہ وہ بغیر اجازت اس میں کسی دوسرے کو وکیل بنائے، یہ بحر کے حوالے سے دُر میں مذکور ہے اھ غمزالعیون کی وکالت کی بحث میں ولوالجیہ سے منقول ہے کہ اگر ایک نے کسی کو نکاح کا وکیل بنایا تو وکیل نے کسی دوسرے کو از خود وکیل بنالیا تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط میں ذکر کیا کہ یہ جائز نہیں، انھوں نے فرمایا کہ پہلے کی موجودگی میں دوسرے وکیل نے کارروائی کی تو جائز نہیں ہوگی، یہی صحیح ہے اھ ملخصا (ت)

تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور اجازت زنِ بالغہ پر موقوف رہا، اگر خبر پر نفرت وکراہت ظاہر کی، جیساکہ اکثر دخترانِ دوشیزہ سے ایسا ہی واقع ہوتا ہے، جب تو ڈھول سے کھال بھی گئی، اب وہ نکاح یکسر باطل ہوگیا کہ آئندہ اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲۔۴۱۱

فی الدرالمختار لو بلغھا فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد ولذا استحسنواالتجدید عند الزفاف لان الغالب اظہار النفرۃ عند فجأۃ السماع [1]۔	درمختار میں ہے کہ لڑکی کو نکاح کی اطلاع ملی تو انکار کردیا پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں، تو پہلے رد شدہ نکاح اس سے جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ انکار کرنے کی وجہ سے باطل ہوچکا ہے۔اسی وجہ سے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسی صورت میں رخصتی کے وقت دوبارہ نکاح کرنا بہتر ہوگا کیونکہ اچانک نکاح کی خبر پر نفرت کااظہار ہوتا ہے(اس لیے پہلا انکار نفرت کی وجہ سے ہوا) (ت)

یونہی بعض نکاحوں میں مشاہدہ ہوا ہے کہ نکاح خواں نے کلمات ایجاب دولھا کے کان میں کہے کہ حاضرین میں کسی نے نہ سنے صحیح مذہب میں یوں نکاح نہیں ہوتا کہ مجلس واحد میں معاً دو گواہوں کا دونوں الفاظ ایجاب وقبول سننا شرط ہے۔

فی الدر وشرط حضور شاھدین حرین اوحر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معا علی الاصح [2]۔	دُر میں ہے کہ نکاح میں دو عاقل بالغ حر مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ کے طور پر مجلس میں موجود ہو کر نکاح کے دونوں فریقوں کا کلام سنیں، یہ شرط قرار دیا گیا ہے صحیح قول کے مطابق۔(ت)

ان باتوں کامنشا وہی جہل وناواقفی ہے اوران کے سوااور بیس اغلاط کااندیشہ ہے جن سے علماء ہی آگاہ ہوتے ہیں یا وہ نیک توفیق والے جنھیں علماء کی خدمت وصحبت اور ان سے مسائل دینیہ کی تحقیقات کا شوق کامل ہے غرض جاہل کی نکاح خوانی قطعاً خلاف اولیٰ ہے جس طرح اس کی امامت یا مضاربت کہ جو اندیشہ خلل وفساد وہاں ہے وہی نکاح میں بھی، کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: از جورہاٹ ملک آسام ہائی اسکول مرسلہ میاں محمد علی صاحب ۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے) اس مسئلہ میں کہ اگر زید نے ایک عورت سے دو گواہ غیر ملکی کے سامنے نکاح کیا پھر زید نے وہ دونوں گواہ جانے کے بعد اپنے نکاح کو ظاہر کیا اور عورت بھی نکاح ہونے پر زید کے مقر ہے اور وہ دونوں گواہان مذکوران ایک غیر ملک میں جاکر ایک عالم سے اور اپنے ملک میں جاکر قاضی کے روبرو دونوں

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

جگہ نکاح ہونے زید کی گواہی دئے ہیں اور دونوں جگہ سے دو خط مع مہر و دستخط کے اور صورت گواہی ان دونوں گواہوں کے زید کے نکاح ہونے کا ثبوت زید کے ملک کے ایک عالم اور ایک معتبر آدمی کے پاس ارسال کیا پھر ایک برس کے بعد ان دونوں گواہوں سے ایک گواہ آکر پہلے تین چار آدمی کے روبرو نکاح ہونے زید کی گواہی دی تھی بعدہ دس بارہ روز کے بعد ایک جماعت کے روبرو انکار نکاح زید کا کیا، زید اور بی بی کے درمیان میں کوئی جھگڑا اور تنازع نہیں ہے، زید بھی خاص وعام کے روبرو کہتا ہے کہ وہ میری بی بی ہے اور بی بی کہتی ہے کہ زید میرا شوہر ہے، اور حال چال بھی دونوں کے خاوند اور جورو ہونے کے پائے جاتے ہیں، اور مقر نکاح جانبین ہے۔ از روئے شرع شریف کے زید کا نکاح درست اور نافذ ہوا یا نہیں؟ اور نکاح دوبارہ کرنا لازم آئے گا یا نہ؟ اور صورت نکاح دوبارہ میں حد ان دونوں کے اوپر یعنی زوج زوجہ کے اوپر لازم ہوگا یا نہیں؟ مع دلیل وبرہان کے جواب باصواب فرمائیں، اگر دونوں گواہ انکار نکاح کا ہو جائیں تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں زوج وزوجہ ہیں، ان کا نکاح صحیح وثابت ہے، دوبارہ نکاح کی اصلاً حاجت نہیں، اگرچہ دونوں گواہ انکار کر جائیں۔

فان الشهود شرط النكاح فی الابتداء دون البقاء۔	گواہوں کا ہونا نکاح کی ابتداء میں شرط ہے اس کے بقاء کے لیے شرط نہیں۔ (ت)

جبکہ دونوں باہم مقر نکاح ہیں، یہ اسے اپنی بی بی وہ اسے اپنا شوہر بتاتی ہے تو کسی کو اعتراض کی ہرگز گنجائش نہیں بلکہ ان کا صرف یہ باہمی اقرار ہی ثبوت نکاح کے لیے کافی ہے اگرچہ کوئی گواہ گواہی نہ دے،

فی ردالمحتار صرحوا ان النكاح يثبت بالتصادق [1] فی الهداية حل له ان يشهد اذ رأى رجلا وامرأة يسكنان بيتا وينبسط كل واحد منهما الى الأخر انبساط الازواج [2] اھ ملخصا۔ والله سبحانه تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	(ردالمحتار میں ہے کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ ایک دوسرے کی تصدیق سے نکاح ثابت ہو جاتا ہے۔ت) پھر ان کا باہم زن و شو کی طرح رہنا دوسرا مثبت نکاح ہے یہاں تک کہ جتنے لوگ اس حال سے واقف ہیں سب کو ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے جب کوئی مرد و عورت آپس میں خاوند بیوی کی طرح گھر میں رہیں اور دونوں آپس میں میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوں تو دیکھنے والے کو ان کے نکاح کی شہادت دینا جائز ہے اھ ملخصا، والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم و احكم۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۵

[2] ہدایہ کتاب الشھادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

مسئلہ ۱۷: ۱۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا کہ بعد ایک ماہ کے طلاق دے دوں گا۔ اور اس امر کو اپنے دل میں رکھا، یا یہ کہ ہندہ سے بیان کیا، تو آیا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نکاح صحیح ہے خواہ دل میں یہ قصد رکھا خواہ عقد میں اس کی شرط کرلی کہ طلاق کا شرط کرنا ہی ارادہ نکاح دائم پر دلیل ہے، ہاں اگر یوں عقد کرے کہ میں نے تجھ سے ایک مہینہ یا ایک برس یا سو برس کے لیے نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا کہ ایک وقت تک نکاح کو محدود کردینا صورت متعہ ہے اور متعہ محض حرام اور زنا، درمختار میں ہے:

بطل نکاح متعۃ وموقت وان جھلت المدۃ لوطالت فی الاصح ولیس منہ مالو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر اونوی مکثہ معھا مدۃ معیّنۃ[1]۔	متعہ کے طور پر نکاح یا مقررہ مدت کے لیے نکاح خواہ مدت لمبی ہو یا مدت مجہول ہو تو صحیح مذہب میں یہ نکاح باطل ہے، اور اگر اس شرط پر نکاح کیا کہ ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا، یا اس وقت دل میں مقررہ مدت کی نیت کی تھی تو باطل نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان اشتراط القاطع یدل علی انعقادہ مؤبدا وبطل الشرط بحر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لیے کہ نکاح میں طلاق کی شرط دلالت کرتی ہے کہ یہ نکاح دائمی ہے اور شرط باطل ہوگی، بحر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ منکوحہ زید میں کوئی علامت مردی وزنی سے نہیں صرف ایک مخرج ہے جس سے بول آتا ہے، مگر پستان اس کے مثل زنان ہیں، اس صورت میں یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اور اگر زید اسے طلاق دے تو ادائے مہر ذمہ زید لازم ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اور نصف مہر بعد طلاق ذمہ زید پر واجب الادا کہ منکوحہ زید اگرچہ

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

[2] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۴

قبل از بلوغ بوجہ انتفائے ہر دو علامت از قبیل خنثٰی تھی مگر جب بعد بلوغ اس کی پستانیں مثل پستانِ زن ظاہر ہوئیں تواشکال زائل اور اس کا عورت ہونا منکشف ہوگیا، اب بلاشبہہ یہ نکاح اپنے محل میں واقع اور حل استمتاع کو شرعا مفید کہ شرائط صحت سب موجود ہیں اور موانع شرعیہ بالکل مفقود، البتہ فساد خلوت عدم تاکد مہر کا باعث ہے، اور خیار عیب کو نکاح میں دخل نہیں تاکہ زید بوجہ اس کے فسخ نکاح کرسکے اور کل مہر اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے، رہا امر حسی کا عائق ہونا وہ ہر گز منافیِ جواز نہیں۔

فی تنویر الابصار من کتاب الخنثی ھو ذو فرج وذکر اومن عری عن الانثیین فان ظھرله ثدی فامرأة انتھی مع التلخیص [1]، وفی الدر المختار من النکاح ھو عند الفقھاء عقد یفید ملك المتعة ای حل استمتاع الرجل من امرأة لم یمنع من نکاحھا مانع شرعی انتھی [2]، وفیه من باب المھر الخلوة بلامانع حسی کرتق بفتحتین التلاحم وقرن بالسکون عظم وعقل بفتحتین غدة لایطاق فیه الجماع کالوطی فی تاکد المھر [3] انتھی ملخصا وفیه من ذٰلك الباب ویجب نصفه بطلاق قبل وطی او خلوة [4] انتھی وفی فتاوی الامام قاضی خاں والرتق	تنویر الابصار کی خنثٰی کی بحث میں ہے خنثٰی وہ ہے کہ جس کا ذکر اور فرج دونوں ہوں یا خصیتین نہ ہوں، تو اگر اس کے پستان ظاہر ہو جائیں تو عورت قرار پائے گی، تنویر کی عبارت ختم ہوئی، تلخیصا۔ درمختار میں نکاح کی بحث میں ہے فقہاء کرام کے ہاں نکاح ایسا عقد ہے جو مرد کو عورت سے جماع کا مالک بنا دیتا ہے جبکہ اس سے کوئی شرعی مانع نہ ہو اھ اور اسی کے مہر کے باب میں ہے کہ جب خلوت بغیر کسی حسی مانع کے حاصل ہوجائے تو اس کا حکم مہر کو لازم کرنے میں جماع کی طرح ہے، خلوت میں حسی مانع جیسے رتق (راء اور تاکے فتح کے ساتھ) جس کا معنٰی شرمگاہ میں گوشت کا اُبھر جانا، اور جیسے قرن بسکون راء، جس کا معنی ہڈی اور عقل، ع اور ق پر فتح، جس کا معنی غدود ہے یعنی ہڈی اور غدود شرمگاہ میں اس طرح بڑھ جائے کہ جماع کے لیے مانع بن جائے اھ ملخصا، درمختار کے اسی باب میں ہے کہ نصف مہر لازم ہوگا جب خلوت یا جماع سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الخنثی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸

یمنع الخلوۃ لانہ یمنع الجماع وذکر فی طلاق الاصل ان العدۃ یجب علی الرتقاء ای فلھا نصف المھر[1] انتھی وفیھا من فصل خیارات النکاح ومنھا خیار العیب وھو حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلاترد المرأۃ بعیب ما و قال الشافعی لہ ان یرد بالقرن والرتق و یفسخ النکاح فان رد قبل الدخول یسقط کل المھر والامھر المثل کماھو حکم الفسخ[2] انتھی مع التلخیص، واللہ تعالٰی اعلم۔	قبل طلاق دی ہو اھ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ رَتَق، خلوت کے لیے مانع ہے کیونکہ یہ جماع کے لیے مانع ہے، اور اصل (مبسوط) کی بحث طلاق کے بیان میں ہے کہ رتقا، عورت پر عدت واجب ہے اور اس کے لیے نصف مہر ہوگا اھ اور اصل کی بحث اختیارات نکاح میں ہے کہ خیار عیب جس کو عیب کی وجہ سے حقِ فسخ کہتے ہیں، ہمارے ہاں نکاح کے باب میں ثابت نہیں، لہٰذا کسی عیب کی وجہ سے عورت کو رَد نہیں کیا جائے گا۔ اور امام شافعی نے فرمایا کہ قرن اور رتق والے عیب کی وجہ سے مرد کو فسخ کا اختیار ہے پس اگر قبل از خود دخول رَد یا فسخ کردے تو تمام مہر ساقط ہو جائے گا ورنہ پورا مہر مثل عورت کا حق ہے جیساکہ فسخ کا حکم ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت طوائف کسی مرد آشنا کے ساتھ پردہ میں حسب دستور عیاشیوں کے جو بغرض مفید رکھنے اور نہ ملتفت ہونے اس کے ساتھ دوسرے مرد کے، پردہ میں رکھتے ہیں ہم خانہ رہی ہو، وہ عورت شرعاً زوجہ تصور کی جائے گی یا نہیں؟ اور اگر زوجہ تصور کی جائے گی تو ایسے ہم خانہ رہنے کے واسطے کوئی مدت مقرر ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس قدر مدت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں پردہ اس طوائف کا صرف ان لوگوں سے جن سے احتمال موافقت کا ہو معتدبہ نہیں، ایسا پردہ ثبوت نکاح کی دلیل نہیں ہو سکتا، البتہ اگر وہ مرد وزن مثل زوج وزوجہ رہتے، اور جو لوگ ان کے حالات خانگی سے واقف ہیں انھیں زوج وزوجہ تصور کرتے ہوں تو شرعاً زوج زوجہ قرار پائیں گے نہ کہ زانی وزانیہ کہ مسلمان کی طرف بدکاری کی نسبت بے ثبوت شرعی ہر گز جائز نہیں، شارع نے جس قدر احتیاط اس بارے میں فرمائی دوسرے معاملہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الخلوۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۷

میں نہ آئی یہاں حسنِ ظن واجب اور تکذیب قاذف لازم، قال عزاسمہ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ[1] الآیۃ (اس پر اگر وہ چار گواہ پیش نہ کریں، الآیۃ۔ ت) اور ارشاد ہوتا ہے:۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ[2] الآیۃ (اور کیوں نہیں تم کہتے جب تم اسے سنتے ہو، الآیۃ۔ ت) اگر کوئی مسلمان حرعاقل بالغ عفیف کی طرف نسبت زنا کرے اور چار گواہوں سے ثابت نہ کردے تو بعد طلب مقذوف کے اسے اسی کوڑے مارے جاتے ہیں اور گواہی اس کی کبھی قبول نہیں ہوتی، قال اللہ تعالٰی: وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ[3] الآیۃ (اور وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں الآیۃ۔ ت) اسی طرح اگر تین گواہ معائنہ زنا کی گواہی دیں اور چوتھا نہ ہو تو ان گواہوں پر قذف لازم آتی ہے،

فی الفتاوی الھندیۃ ان یشھد علی الزنا اقل من اربعۃ بأن شھد واحد أو اثنان أو ثلثۃ لاتقبل الشھادۃ ویحد الشاھد حد القذف[4] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ اگر چار سے کم ایک یا دو یا تین گواہ زنا کی گواہی دیں تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی اور گواہوں پر حد قذف ہوگی اھ (ت)

پس ایسی صورت میں گو گواہانِ معائنہ نکاح موجود نہ ہوں شرع حکم نکاح کا فرمادیتی ہے اور اس امر کے لیے شرع شریف میں کوئی مدت مقرر نہ فرمائی بلکہ بحالت عدم شہود معائنہ مدار ثبوت انبساط وشہرت پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوا اور زید شب زفاف میں بالکل مخاطب نہ ہوا اور جا پر علیحدہ رہا اور باہم صحبت زید نے ہندہ سے نہیں کی، بعدہ معلوم ہوا کہ زید نامرد ہے اور ہندہ نے زید کا عنین ہونے کا بھی ایک عرصہ تک علاج کیا لیکن صورت صحبت ظہور میں نہ آئی، اب ہندہ اپنے والدین کے یہاں رہتی ہے اور زید سبب نامردی کے چاہتا ہے کہ ہندہ کو جان سے مار ڈالے، اس صورت میں نکاح ہندہ کا زید سے درست ہوا یا نہیں؟ اور ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔؟ جیسا کہ حکم شرع شریف کا ہو ویسا کیا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح ہندہ کا زید سے درست ہے،

اذ لیس عدم العنۃ من شرائط صحتہ ولوکان کذلک لما احتیج الی ماذکروہ من باب العنین من المرافعۃ و	کیونکہ نکاح کے درست ہونے کے لیے نامرد نہ ہونا شرط نہیں ہے، اور اگر یہ بات ہوتی تو پھر نامرد کے سلسلہ میں قاضی کے ہاں پیش کرنے اور قاضی کا مہلت

[1] القرآن ۱۳/۲۴

[2] القرآن ۱۶/۲۴

[3] القرآن ۴/۲۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود الباب الخامس فی الشھادۃ علی الزنا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۲۔۱۵۱

التاجیل والطلب والتفریق وھذا واضح جدا۔	دینا، عورت کا مطالبہ، اور پھر قاضی کی تفریق وغیرہ امور ذکر کرنے کی فقہاء کو ضرورت پیش نہ آتی، جبکہ یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

ہندہ کو ہر گز روا نہیں کہ بغیر حصول طلاق دوسرے شخص سے نکاح کرلے، اگر کرے گی نکاح ثانی باطل محض ہوگا اور شوہر ثانی سے قربت زنائے خالص، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

وذٰلك لبقاء العصمة کما ذکرنا فالعنین وغیرہ فیھا سواء۔	دوسرے نکاح کا عدم جواز پہلے نکاح کے تحفظ کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، پس اس معاملہ میں نامرد اور مرد برابر ہیں۔ (ت)

ہاں صورت خلاص یہ ہے کہ زید وہندہ اپنے معاملہ میں کسی ذی علم کو پنچ کریں۔

ففی الخیریہ یصح التحکیم فی مسئلة العنین لانہ لیس بحد ولاقود ولادیة علی العاقلة ولھم ان یفرقوا بطلب الزوجة[1] اھ۔	تو فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں حکم بنانا اس لیے درست ہے کہ یہ حد، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، حکم حضرات کے لیے عورت کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے اھ (ت)

ہندہ اس کے حضور عنت شوہر کا دعوٰی کرے اور اس بناء پر تفریق چاہے پنچ کے نزدیک جب اس کا عنین ہونا بطریق شرعیہ کہ ان میں سے ایک طریقہ مثلاً اقرار زید ہے ثابت ہوجائے گا تو بملاحظہ تفاصیل مذکورہ فی الفقہ سال بھر کی زید کو مہلت دے اور اس تمام برس میں زن وشو یکجا رہیں، اگر کچھ دنوں کو ہندہ کہیں چلی جائیگی وہ دن سال میں معدود نہ ہوں گے، جب اس طرح سال کامل گزر جائے اور زید ہندہ پر قدرت نہ پائے تو اس وقت بطلب ہندہ زید وہندہ میں تفریق کردی جائے، اب بعد عدت ہندہ کو اختیار نکاح ہوگا۔

وکل ماذکرنا مفصل فی الدر المختار وردالمحتار والفتاوی الخیریہ وغیرھا من الکتب الفقھیة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کی تفصیل درمختار، ردالمحتار اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مع چند ہمراہیوں کے عمرو کے یہاں اس کی دختر کو پیام دینے گیا عمرو نے اس کے ساتھ شادی دختر کردینے پر رضا ظاہر کی اور گفتگو کرنے والوں سے

[1] فتاوٰی خیریہ باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۱۶/۲

مخاطب ہو کر کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی، اس پر زید نے کہا بہتر ہم کو منظور ہے جب آپ نے میرا خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہو گئی غرض بہمہ وجوہ قرار پا گئی اور طرفین کا اطمینان ہو گیا اب عمرو اس دختر کا نکاح دوسرے شخص سے کرنا چاہتا ہے یہ اسے جائز ہے یا نہیں اور بغیر ترک یا اعراض زید کے دوسرے شخص سے اس دختر کا نکاح صحیح ہو گا یا نہیں اور جبکہ عمرو نے کہا میں نے اپنی لڑکی آپ کو دی اور زید نے اس کے جواب میں کہا بہتر قبول و منظور ہے تو یہ صاف ایجاب و قبول ہو کر نکاح منعقد ہو گیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ مخطوب منہ کا اپنے اقرار سے پھرنا اور خاطب اول کو زبان دے کر دوسرے سے قصد تزویج کرنا شرعًا مذموم و بے جا و قابل مواخذہ ہے، قال تبارك وتعالٰی: اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ۝۳۴ [1] (عہد کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ت) اور جس طرح مخطوب منہ پر مواخذہ ہے اسی طرح وہ دوسرا خاطب جس نے مخطوبہ غیر پر پیام دیا شرعًا مرتکب شناعت ہے،

وقد صح ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نهی عن السوم علی سوم اخیه والخطبة علی خطبة اخیه [2]۔	صحیح حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھائی کے سودے پر سودے اور بھائی کی منگنی پر منگنی سے منع فرمایا۔ (ت)

مگر بااینہمہ اگر مخطوب منہ اپنی لڑکی کا خاطب اول سے نکاح نہ کرے اور غیر سے تزویج کردے یہ نکاح شرعًا صحیح و درست ہو جائے گا اور ترک و اعراض خاطب اول کی کچھ حاجت نہیں کہ وہ گفتگو جواب تک خاطب و مخطوب منہ کے درمیان آئی اس کی طرف سے مجرد خطبہ تھی اور اس کی جانب سے محض وعدہ، نہ عقد ایجاب و قبول، پس مخطوبہ ہنوز خاطب کی عصمت نکاح میں نہ داخل ہوئی جس کے سبب غیر سے اس کی تزویج ناروا ٹھہرے،

فی العقود الدریة سئل فیما اذا خطب وکیل زید ابنة عمروا لبالغة لزید بمحضر من الناس فاجابه الاب الی ذٰلك قائلا ان مهر ابنتی کذا ان رضیت فبها والافلا فرضی الخاطب ودفع للاب	عقود الدریہ میں سوال کیا گیا کہ جب زید کے وکیل عمرو کی بالغہ لڑکی کے بارے میں لوگوں کی موجودگی میں زید کے لیے منگنی کی تو لڑکی کے باپ نے جواب میں کہا کہ میری لڑکی کا اتنا مہر ہے اگر آپ راضی ہیں تو بہتر ورنہ نہیں، اس پر منگنی والا راضی ہو گیا اور

[1] القرآن ۱۷/ ۳۴

[2] صحیح مسلم باب یحرم الخطبة علی خطبه اخیه الخ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱/ ۴۵۴

شيئا من الحلى والبسه لابنته فلم ترض البنت بالخطبة و ردتها فهل يسوغ لها ذٰلك ولاتكون الخطبة واقعة موقع عقد النكاح اصلا الجواب حيث لم يجر بينهما عقد نكاح شرعى بايجاب وقبول شرعيين لاتكون الخطبة واقعة موقع عقدالنكاح اصلا[1]۔	اس نے لڑکی کے باپ کو کچھ زیور دئے اور لڑکی کو کپڑا پہنایا تو لڑکی نے منگنی پر رضامندی سے انکار کردیا اور منگنی کو رد کردیا تو اس صورت میں کیا لڑکی کو رد کا اختیار ہے اور کیا یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی؟ جواب: شرعی طور پر یہ قبول وایجاب کے ساتھ نکاح نہ ہوا اور یہ منگنی نکاح کے قائم مقام نہ ہوگی۔

اور یہ لفظ کہ میں نے لڑکی آپ کو دی ہر چند کنایات تزویج سے ہے مگر مجلس عقد میں عقد قرار پاتا ہے اور مجلس وعد میں وعد۔

فى ردالمحتار عن فتح القدير عن شرح الطحاوى لوقال اعطيتنيها فقال اعطيت ان كان المجلس للوعد فوعدوان كان للعقد فنكاح[2] اھ واقرہ العلامة العلائى والفاضل الرحمتى والسيد الطحطاوى و غيرہم رحمهم الله تعالٰى۔	ردالمحتار میں فتح القدیر کے حوالے سے طحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا کہ تو نے لڑکی مجھے دی، جواب میں اس نے کہا کہ میں نے دی، تو اگر بات مجلس نکاح میں ہے تو نکاح ہے اور وعد (منگنی) کی مجلس ہے تو منگنی ہوگی اھ اس کو علامہ علائی، فاضل رحمتی، سید طحطاوی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ثابت رکھا۔ (ت)

اوپر ظاہر ہوا کہ وہ مجلس مجلس نکاح نہ تھی اور خاطب کا اس وقت مع چند ہمراہیوں کے جانا بات ٹھہرانے اور وعدہ لینے اور رضامندی حاصل کرنے ہی کے طور پر تھا تو پدر مخطوبہ کے وہ الفاظ بھی وعدہ ہی پر محمول ہوں گے نہ عقد پر، یہاں تک کہ خود خاطب کے کلام سے واضح وروشن کہ وہ بھی ان کلمات کو اقرار نکاح واظہار رضا وقبول خطبہ ہی سمجھا نہ ایجاب وتزویج کہ اس نے جواب میں کہا: بہتر ہم کو منظور ہے، جب آپ نے میرے خطبہ کو منظور کیا اور زبان دی تو میری تسکین ہوگئی اور ہر عامی جانتا ہے کہ ہماری زبان میں زبان دینا کسی کام کے وعدہ کو کہتے ہیں نہ کہ اس کے ایقاع واصدار کو، زید نے اگر عمرو سے کچھ روپے مانگے

---

[1] عقود الدریہ علی تنقیح حامدیہ مسائل منشورہ من ابواب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران تاجرانِ کتب قندھار ۱/۳۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۴

اوراس نے دے دئے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ عمرو زبان دے چکا، ہاں نہ دئے اور دینے کا وعدہ کرلیا تو یہ لفظ بولنا صحیح ہوگا، پس ثابت ہوگیا کہ مخطوب منہ کا وہ کلام محض اجابت تھا نہ کہ لفظ ایجاب **وشتان بینھما** (دونوں میں فرق ہے۔ ت) ایک وجہ تو عدم نکاح کی یہ ہوئی اور یہیں سے دوسری وجہ بھی ظاہر ہے کہ جب کلام خاطب با علی ندا منادی کہ وہ سخن مخطوب منہ کا محصل اقدام العقد نہ سمجھا تھا بلکہ محض اقرار و وعد جانا تو اب اس کا یہ کہنا بھی کہ "بہتر ہم کو منظور" بر سبیل قبول وتزویج نہ تھا بلکہ اس کی اجابت پر اپنی خوشی کا اظہار تھا تو اگر فی الواقع مخطوبہ منہ کے وہ الفاظ ایجاب ہی ٹھہریں تاہم مفقود ہے اور جملہ اخیرہ کہ "آپ نے زبان دی تو میری تسکین ہوگئی" مفسر مراد موجود جس کے سبب لفظ اول صریح قبول ٹھہرا کر الفاظ اور نیت کا الغا نہیں کرسکتے اور اس کے سوا بعض وجوہ اور بھی پیدا ہوسکتے ہیں جو عدم انعقاد نکاح پر دلالت کریں۔

کمالایخفی علی ماھر الفقیہ وفیماذکرنا کفایۃ للنبیہ۔	جیسا کہ مخفی نہیں، ماہر فقیہ پر، اور ہم نے جو ذکر کردیا ہے وہ عالم کو وضاحت کے لیے کافی ہے۔ (ت)

بالجملہ نہ الفاظ مخطوب الیہ ایجاب کے قابل نہ جانب خاطب سے قبول حاصل، نہ مخطوبہ حبالہ نکاح خاطب میں داخل، نہ غیر سے تزویج نارواو باطل، رہا مخطوب منہ پر گناہ، وہ بھی اسی وقت تک ہے کہ اس نے بلاوجہ یا کسی رنجش دنیوی کے سبب تزویج خاطب اول سے اعراض کیا ہو، اور اگر درحقیقت کوئی عذر مقبول پیدا ہوا اور اس نکاح میں اس نے حرج شرعی سمجھا اور خاطب ثانی کو حق دختر میں بہتر جانا تو شرع مطہر ہرگز اس پر دلیل لازم نہیں کرتی کہ تو اپنی زبان پالنے کے لیے محذور شرعی گوارا یا دیدہ ودانستہ بیٹی کے حق میں برا کر، نیک وبد پر کامل نظر ذمہ پدر واجب وضرور، اور آدمی نہ تبدیل رائے سے محفوظ ومصون، نہ کسی وقت بعض مصالح پر نہ اطلاع پانے پر مامون، یہ تو صرف اقرار ہی تھا، ہمارے حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو دربارہ قسم ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم کسی بات پر قسم کھا بیٹھو پھر خیال میں آئے کہ اس کا خلاف شرعًا بہتر ہے تو اس بہتری پر عمل کرو اور قسم کا کفارہ دے دو۔

فقد اخرج الامام احمد ومسلم فی صحیحہ والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینہ[1]۔	امام احمد نے اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اور امام ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی قسم کھائی اور اس نے اس قسم کے خلاف کو بہتر جانا تو بہتر کو اپنا لے اور اپنی قسم کا کفارہ دے۔ (ت)

[1] صحیح مسلم باب ندب من حلف یمینًا فرای غیرھا خیرًا منھا الخ قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸

پس پدر مخطوبہ پر لازم ہے کہ خدا سے ڈرے اور اصلح واوفق پر نظر کرے وہ دو مطالبوں کے زیر تقاضا ہے ایفائے موعدت ودفعِ مفسدت، پھر اگر خاطب اول میں کوئی محظور شرعی نہ ہو تو اول پر عمل کرے ورنہ ثانی پر کاربند رہے من ابتلی بلیتین فاختار اھونھما (جو دو آزمائشوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اختیار کرے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ کو نکاح ہندہ بالغہ کا زید کے ساتھ جو اہل کفو سے ہے منظور نہ تھا اور نہ ہے زید نے بغیبت باپ ہندہ جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقہ پر تھا بہ سکوت وگریہ ہندہ برضامندی مادر ونانی ہندہ وکالت اور شہادت تین اقربا خاص نکاح ظاہر کیا ہندہ کہہ رہی ہے کہ مجھ کو بلا رضامندی اپنے باپ کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا اور نہ اب ہے۔ ایسی حالت میں باپ ہندہ یا ہندہ کے مجبور کرنے کے واسطے منجانب زید بخیال جواز نکاح یہ بیان وشہادت گزری کہ ہندہ نے زبان سے اقرار کیا تھا وبعد از رخصتی بذریعہ عدالت یا جس طرح پر ہو اپنے گھر جاکر نکاح کا قصد رکھیں ایسی صورت میں ہندہ کو جو ولایت اپنے باپ میں ہے کسی ذریعہ سے لی جائے اطلاق غصب یا کس گناہ کا ہوگا ونکاح مابعد کی نسبت جو گھرلے جاکر دختر مذکور کو مجبور کرکے کرے کیا کہنا چاہئے وزید وغیرہ مرتکب کس گناہ کے ہوں گے یا کچھ نہیں، فرض کیا جائے کہ قضاء بوجہ نصاب شہادت نکاح جائز ہو لیکن جب باپ ہندہ کو نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے وہندہ کہہ رہی تھی کہ مجھ کو بلا رضامندی اپنے باپ کے یہ نکاح نہ پہلے منظور تھا نہ اب ہے ایسی حالت میں زید وغیرہ کی نسبت کیا کہنا چاہئے کہ بالجبر باپ ہندہ خواہ ہندہ کو مجبور کرنا کیسا ہے، اگر ناجائز ہے تو مرتکب غصب یا کس گناہ کا مرتکب وگواہ ووکیل ومعین اس کے کس گناہ کے مرتکب اور نکاح آئندہ کی نسبت جو بالجبر اپنے گھرلے جاکر کرے کیا کہنا چاہئے اور یہاں رضاعت کا بھی شبہہ ہے اگرچہ اس میں شک واقع ہے کہ ہندہ کی نانی اور ہندہ نے پہلے کہا تھا کہ ایام رضاعت میں زید کو دودھ پلایا ہے بعدہ بحلف کہنے کو موجود کہ نہیں پلایا ہے ایسی صورت میں احتیاط وتقوی کا کیا مقتضی ہے گو نکاح ناجائز ہو مگر احتیاط وتقوی مقتضی اس امر کا ہے کہ نہ کیا جائے اگر ہوگیا تو ترک کیا جائے یا کیا اگر احتیاط مانع ہے تو اس احتیاط کے ہاتھ سے نہ جانے میں جس قدر باپ ہندہ کا جان دے رہا اور نقصان امور دنیاوی اٹھا رہا ہے آوارہ وطن ہوجائے داخل امور دینی وثواب ہے اور اگر اس صدمہ سے یا مقابلہ میں یعنی جس وقت زید رخصت بجبر یا کوئی فعل جبریہ کرنا چاہئے اس وقت جان جاتی رہے تو شہید کا اطلاق کیا جائے یا کیا ونیز متعلق اسی کے یہ مسئلہ دریافت طلب ہے، کہ زید وغیرہ کہتے ہیں جب بسبب عدم ثبوت رضاعت نکاح شرعًا جائز تو تجدید نکاح کردو گو احتیاط وتقوٰی مانع ہے وباپ ہندہ کہتا ہے کہ جب احتیاط وتقوی مانع ہے تو ہم کیوں کریں پس ایسی صورت میں سوال یہ ہے کہ زید کا قول مرقومہ بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ احتیاط وتقوی کو ایک ادنٰی چیز سمجھتا ہے یا کچھ نکلتا ہے دوسرے یہ کہ زید جو وہ باپ ہندہ کو احتیاط وتقوی سے روکتا ہے

کیسا فعل ہے؟

الجواب:

جواب سوال اول عـــہ میں واضح ہوچکا ہے عہ: کہ یہ نکاح اگر باذن صریح ہندہ نہ ہوا نہ بعد کو اذن صریح قولی یا فعلی سے نافذ ہولیا تو مجرد سکوت ہندہ اس کے نفاذ کے لیے کافی نہیں، نکاح نکاح فضولی تھا اور اذن ہندہ پر موقوف، جب ہندہ نے کہا کہ مجھے یہ نکاح نہ پہلے منظور رتھا نہ اب ہے تو یہ صاف رد و باطل ہوگیا، اب اگر ہندہ و پدر ہندہ کہ مجبور کرنے کے لیے کسی جھوٹی شہادت سے نفاذ نکاح ثابت کیا جائے تو زید اور اس کے شہود سب مستحق غضب الٰہی وعذاب شدید ہوں گے، جھوٹی گواہی دینے والے پر جو سخت ہولناک وعیدیں ارشاد ہوئی ہیں ہر مسلمان جانتا ہے یہاں تک کہ قرآن عظیم میں اسے بت پوجنے کے برابر شمار فرمایا،

قال اللہ تعالٰی: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾ حنفاء للہ غیر مشرکین بہ[1]۔	بتوں کی نجاست سے بچو، جھوٹی بات سے پرہیز کرو، شرک سے بچتے ہوئے اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عدلت شھادۃ الزور الاشراك باللہ عدلت شھادۃ الزور الاشراك باللہ[2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن خریم بن فاتك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شریک کرنے کے برابر کی گئی جھوٹی گواہی خدا کے لیے شریک بتانے کے ہمسر ٹھہرائی گئی (جھوٹی گواہی خدا کا شریک ماننے کے مساوی کی گئی)، اس کو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے خریم بن فاتک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا انبئکم باکبر الکبائر قول الزور او قال شھادۃ الزور[3]۔ رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا میں تمھیں نہ بتادوں کہ سب کبیروں سے بڑا کبیرہ کون سا ہے، بناوٹ کی بات، یا فرمایا جھوٹی گواہی، (اسے شیخین نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

عـــہ: یعنی مقام مذکورہ کا سوال کہ باب الولی میں ہے ۱۲ منہ (م)

---

[1] القرآن ۲۲/۳۰

[2] سنن ابی داؤد باب فی شھادۃ الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۵۰

[3] صحیح بخاری باب ماقیل فی شھادۃ الزور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۶۲، صحیح مسلم باب الکبائر و اکبرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۴

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار[1]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم وصحح سندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جھوٹی گواہی دینے والا اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ عزوجل اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے، اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح قرار دے کر ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

ایسی ناپاک کارروائی کے ساتھ کسی کی بیٹی کو بلانکاح رخصت کراکرلے جانا اگرچہ اسی قصد پر ہو کہ گھرلے جاکر نکاح کرلیں گے سخت شدید کبیرہ عظیمہ ملعونہ ہے جس کا مرتکب کہ اشد ظلم میں گرفتار ہے مستحق عذاب الیم نار ہے،

اللہ عزوجل فرماتا ہے، اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۸[2] سن لو خدا کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ عزوجل کچھ نہ بخشے گا، اور دوسرے کی اسے کچھ پروانہیں، اور تیسرے میں سے کچھ نہ چھوڑے گا، وہ جس سے کچھ نہ بخشے گا کفر ہے، اور وہ جس کی اسے پروانہیں آدمی کے حقوق اللہ میں گناہ ہیں جیسے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کرنی کہ اللہ عزوجل چاہے گا تو اسے معاف فرمادے گا واما الدیوان الذی لایترك اللہ منہ شیئا مظالم العباد بینھم القصاص لامحالۃ[3] اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے اس کا بدلہ ضرور ہونا ہے رواہ الامام احمد والحاکم وصححہ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا (اس کو امام احمد اور حاکم نے صحیح قرار دے کر حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ ت) نکاح اگرچہ جبرواکراہ سے بھی ہوجاتا ہے

فی الھندیۃ الاصل ان تصرفات المکرہ کلھا قولا منعقدۃ عندنا الا ان مایحتمل الفسخ منہ کالبیع والاجارۃ یفسخ ومالایحتمل الفسخ منہ کالطلاق	ہندیہ میں ہے یہ قاعدہ کہ جس پر جبر کیا گیا ہو اس کے اس حالت کے تمام تصرفات نافذ العمل ہونگے ہاں وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھتے ہوں جیسے بیع اور اجارہ کہ یہ فسخ قرار پائیں گے اور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے

[1] سنن ابن ماجہ باب شھادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] القرآن ۱۱/ ۱۸

[3] مسند احمد بن حنبل مرویات حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۲۴۰

والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد والنذور فھو لازم کذا فی الکافی[1] اھ وتمامہ فی ردالمحتار قبیل قولہ وشرط حضور شاھدین[2] الخ **اقول:** واما قول الھندیۃ رضا المرأۃ اذا کانت بالغۃ[3] الخ فقد کتبنا علی ھامشہ مانصہ ای اذنھا قولا وفعلا صریحا اودلالۃ ولو جبرا وکرھا ھکذا ینبغی ان یفسر ھذا المقام۔	مثلاً طلاق، عتاق، نکاح، مدبر بنانا، ام ولد بنانا اور نذر تو یہ امور لازم ہو جائیں گے، جیسا کہ کافی میں ہے اھ اس کی تمام بحث ردالمحتار میں ہے، ان کے قول "گواہوں کی موجودگی شرط ہے۔" سے تھوڑا پہلے ہے الخ **اقول:** ہندیہ کا قول جو کہ انھوں نے خانیہ سے نقل کیا نکاح کی شرائط میں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ عورت کی رضا الخ تو ہم نے اس کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے یعنی اس کی اجازت قول، فعلِ صریح یا دلالت سے ہو جاتی ہے اگرچہ بطور جبر ہو، اس مقام کی یونہی تفسیر مناسب ہے۔ (ت)

مگر کسی کی بیٹی کو جبراً بلا نکاح لے جانا پھر بالجبر نکاح کرنا ظلم پر ظلم اور مسلمان کو عار لاحق کرنا ہے۔

قال اللہ تعالٰی لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ﹰ[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: دین میں جبر نہیں ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ[5]۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے بھائی مسلمان کی لکڑی بغیر اس کی دلی مرضی کے لے لے (اس کو ابن حبان نے صحیح میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب بے مرضی لکڑی لینی حرام ہے لڑکی یعنی کس درجہ حرام واشد حرام ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۹

[4] القرآن ۲/۲۵۶

[5] موردالظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب البیوع باب ماجاء فی الغصب حدیث المطبعۃ السلفیہ بالروضۃ ص ۲۸۳

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی الله[1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے الله عزوجل کو ایذا دی۔ (اسے طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی الله تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

گواہ و وکیل و معین جتنے لوگ اس واقعہ پر آگاہ ہو کر زید کی اعانت کریں گے سب اس کی مثل ظلم وحرام واستحقاق عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

قال الله تعالٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[2]۔	الله تعالٰی کا ارشاد ہے: گناہ وعداوت میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختار عن اوس بن شرحبیل الاشجعی رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ چلا اس کی مدد کرنے اور وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے وہ بیشک اسلام سے نکل گیا۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختار میں اوس بن شرحبیل اشجعی رضی الله تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

رہا مسئلہ رضاعت، ہمارے مذہب میں ایک عورت کا بیان ثبوت رضاعت کے لیے کافی نہیں خصوصا جبکہ خود مضطرب ہو،

کما فصلناہ فی فتاوٰنا السابقة الواردة علینا من المسائل فی ھذا الباب۔	جیسا کہ ہم نے اس بارے میں پہلے سے آئے ہوئے مسائل کے جوابات میں اس کی تفصیل اپنے فتاوٰی میں بیان کر دی ہے۔ (ت)

اس سے احتیاطًا بچنا صرف مرتبہ استحباب میں ہے اور فعل غایت درجہ مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولٰی کہ نہ کرے تو بہتر، کرے تو کچھ گناہ نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ فاخبر رجل مسلم ثقة	ایک شخص کا عورت سے نکاح ہونے کے بعد ایک ثقہ

[1] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳، الترغیب والترھیب من تخطی به الرقاب یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۴

[2] القرآن ۵/۲

[3] معجم کبیر حدیث مکتبہ فیصلیہ بیروت ۱/۲۲۷

اوامرأة انهما ارتضعا من امرأة واحدة قال فی الکتاب احب الی ان یتنزه فیطلقها ویعطیها نصف المهر ان لم یدخل بها ولایثبت الحرمة بخبر الواحد عندنا مالم یشهد به رجلان اورجل وامرأتان [1]۔	مرد یا عورت نے یہ خبر دی کہ ان میاں بیوی نے ایک عورت کا دودھ پیا ہے، تو امام قاضی خان نے کتاب میں فرمایا کہ میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ شخص بطور احتیاط عورت کو طلاق دے دے اور دخول نہ کیا ہو تو نصف مہر ادا کرے، جبکہ رضاعت کی حرمت ایک شخص کی خبر سے ثابت نہیں ہوتی جب تک دو مرد، یاایک مرد دو عورتیں شہادت نہ دیں حرمت ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

ایسے امر سے بچنے کے لیے جان دینے کی اجازت ہر گز نہیں ہو سکتی کہ جان کا رکھنا ہر فرض سے اہم فرض ہے بلکہ اہل وعیال کو چھوڑ کر جلاوطنی وغیرہ امور بھی کہ خود گناہ یا منجر بہ گناہ ہوں جائز نہیں ہو سکتے۔

اذلیس من قضیة الشرع الکریم والعقل السلیم درء شیئ خفیف بارتکاب ثقیل عظیم۔	شریعت مطہرہ اور عقل سلیم اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ معمولی چیز کو کسی عظیم اور بھاری چیز کے ارتکاب سے ختم کیا جائے۔ (ت)

یہاں تقوٰی بمعنٰی اتقائے شہادت ہے وہ صرف مستحب ہے، نہ فرض وواجب، علماء فرماتے ہیں:

لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات [2]، کمافی الاشباہ وغیرہ عن الخانیه والتجنیس وغیرهما۔	جس طرح اشباہ وغیرہ میں خانیہ اور تجنیس کے حوالے سے ہے کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچاؤ کا زمانہ نہیں ہے۔ (ت)

زید وغیرہ کی اس درخواست سے تقوٰی کی اہانت نہیں نکلتی بلکہ اس احتیاط کا غیر ضروری ہونااور اس قدر ضرور صحیح ہے، ہاں اس سے درکنار اگر بالجبر ہو تو ہم لکھ چکے ہیں کہ مسلمان پر جبر واکراہ کسی امر مباح میں حرام وظلم ہے نہ امر غیر مستحب میں، مگر اس پر جان نہیں دے سکتے، البتہ صورت اولٰی میں یعنی جبکہ واقع میں نکاح باطل ہوااور زید جھوٹی گواہیاں دلواکر بالجبر بلانکاح چھین لے جانا_____ یا بالجبر اس کے ساتھ کوئی فعل ناجائز کرنا چاہے اس وقت اگرچہ اپنے ناموس کی حفاظت جائزہ کرے جو شرعًا وعقلًا وعرفًا ہر طرح اس کا حق ہے اور ظالم اسے قتل کردے تو یہ شہید ہوگا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قتل دون ماله فهو شهید ومن	جو اپنا مال بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیما یقبل قول الواحد الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۷

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۸

قتل دون دمه فهو شهيد ومن قتل دون دينه فهو شهيد ومن قتل دون اهله فهو شهيد [1]۔ اخرجه الائمة احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان فی صحاحهم عن سعيد بن زيد رضی الله تعالٰی عنهما۔ والله تعالٰی اعلم۔	اپنی جان بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنا دین بچانے میں مارا جائے وہ شہید، جو اپنے گھر والوں کے بچانے میں مارا جائے وہ شہید، (اسے احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان نے سعید بن زید سے اپنی صحاح (کتب) میں روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

مسئلہ ۲۳: از مسجد جامع مرسلہ مولوی احسان حسن صاحب ۱۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید وہندہ نے باہم کلمات ایجاب وقبول نکاح کے، بموجودگی دوآدمیوں کے، کہے۔ لیکن ان دونوں آدمیوں کو مطلقاً سماعت اور علم نکاح زید اور ہندہ کا نہ ہوا۔ بعدازاں زید نکاح سے منکر ہوا۔ اور ان دونوں شاہدوں نے بھی سماعت اور علم نکاح سے لاعلمی روبرو حاکم شرع کے ظاہر کی، تو آیا حاکم شرع زوجہ کو مہر دلائے گا یا نہیں؟ اور یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں–؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

نکاح میں شرط ہے کہ دونوں گواہ معاً دونوں لفظ ایجاب وقبول جلسہ واحدہ میں سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے۔

فی الدرالمختار شرط حضور شاهدين حرين اوحر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاعلى الاصح فاهمين انه نكاح على المذهب [2] بحر۔	درمختار میں ہے کہ نکاح میں دومردوں یاایک مرد دو عورتوں عاقل بالغ اورآزاد کا مجلس میں اس طرح موجود ہونا کہ وہ نکاح سمجھتے ہوئے نکاح کرنے والوں کے کلام کو سنیں، شرط ہے، یہ صحیح مذہب ہے، بحر۔ (ت)

تومذہب اصح پر یہ نکاح منعقد نہ ہوا، زید کا انکار سچا ہے، اگر نوبت ہمبستری نہ آئی تو مہر سے کیاعلاقہ، ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

فان الوطء فی دار الاسلام لایخلو عن حد اوعقر [3] کما فی الدرالمختار وغيره	کیونکہ دارالاسلام میں بے محل جماع حد یا عقر سے خالی نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔

[1] سنن النسائی کتاب المحاربۃ تحریم الدم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱۷۲/۲

[2] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱۸۶/۱

[3] درمختار باب المہر مجتبائی دہلی ۲۰۴/۱

من معتمدات الاسفار وقد کانت ھٰھنا شبھۃ العقد فالحد سقط فالعقر ثبت۔	یہاں چونکہ نکاح کا شبہ ہے لہٰذا حد ساقط ہوگئی تو عقر واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴: مسئولہ حافظ علی بخش صاحب ساکن آنوالہ مسجد حنفیاں ۲۵ شوال ۱۳۲۳ھ

تعظیمًا جمع کا لفظ خدا کی شان میں بولنا جائز ہے یانہیں، جیسے کہ "اللہ جل شانہ یوں فرماتے ہیں" اسی طرح ناکح سے کہنا کہ "تم نے یہ عورت قبول کی" جمع بولنا چاہئے یانہیں۔؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرج نہیں، اور بہتر صیغہ واحد ہے کہ واحد احد کے لیے وہی انسب ہے، قرآن عظیم میں ایک جگہ رب عزوجل سے خطاب جمع ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾[1]، وہ بھی زبان کافر سے ہے۔ اور ناکح سے کہنا کہ تم یا آپ یا جناب نے قبول کی، اس میں بھی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵: ۱۶ صفر ۱۳۰۳ھ

زید کہتا ہے کہ متناکحین بالغین کو بوقت نکاح کلمے اور صفت ایمان مجمل و مفصل پڑھانا بہت ضرور بہتر ہے اس کو کرنا چاہئے، شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ کے فتاوٰی میں ہے:

از روئے شریعت غرا نکاح درمیان مومن وکافر منعقد نمی گردد وظاہر است کہ از انسان درحالت لاعلمی یا از روئے سہوا کثر کلمہ کفر صادر مے گردد کہ برآں متنبہ نمی شود، دریں صورت اگر نکاح متناکحین واقع شد منعقد نمی شود، لہٰذا متاخرین از علمائے محتاطین احتیاطا صفت ایمان مجمل ومفصل را بحضور متناکحین می گویند ومی گویانند تا انعقاد بحالت اسلام واقع شود فی الحقیقت علمائے متاخرین ایں احتیاط را در عقد نکاح افزودہ خالی از نزاکت اسلامی نیست کسائے کہ از اسلام بہرہ ندارند بلطف	روشن شریعت کی رو سے مومن کافر کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ انسان سے لاعلمی میں کبھی سہوًا کوئی کلمہ کفر صادر ہوجاتا ہے جس پر وہ آگاہ ہی نہیں ہوتا، تو اس صورت میں اگر مرد و عورت کا نکاح ہوا تو منعقد نہیں ہوگا، لہٰذا محتاط علماء متاخرین مجلس نکاح میں صفت ایمان مجمل و مفصل خود بھی کہتے ہیں اور مرد و عورت سے بھی کہلواتے ہیں تاکہ نکاح بحالت اسلام واقع ہو، علماء متاخرین نے عقد نکاح میں اس احتیاط کا جو اضافہ فرمایا ہے وہ درحقیقت اسلامی نزاکت سے خالی نہیں، جو لوگ اسلام کے بارے میں معلومات

[1] القرآن ۲۳/۹۹

آن کے میر سند[1]۔ انتہی	نہیں رکھتے وہ اس کی لطافت تک کب پہنچ سکتے ہیں۔ (ت)

یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں- بینوا توجروا۔

الجواب:

بہتر ہونے میں کیا کلام کہ ذکر خدا اور رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر محض ہے، خصوصًا تجدید ایمان، کہ ویسے بھی حدیث میں اس کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

ان الایمان لیخلق فی جوف احدکم کما یخلق الثوب الخلق فاسئلوا اللہ تعالٰی ان یجدد الایمان فی قلوبکم[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عمر بسند حسن والحاکم فی المستدرك عن عمر وبسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	بیشک ایمان تم میں کسی کے باطن میں پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا کہنہ ہو جاتا ہے تو اللہ عزوجل سے مانگو کہ تمھارے دلوں میں ایمان کو تازہ فرمائے، (اسے طبرانی نے کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

جددوا ایمانکم اکثروا من قول لا الٰہ الا اللہ[3]۔ رواہ الامام احمد والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	اپنے ایمان تازے کرو لا الٰہ الا اللہ بکثرت کہو۔ (اس کو امام احمد اور حاکم نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

تو اس قدر ضرور مسلم کہ اس کو کرنا چاہئے، ہاں بہت ضروری کہنا نوعِ افراط سے خالی نہیں جہلًا یا سہوًا معاذ اللہ کلمہ کفر صادر ہو جانا محتمل سہی مگر اسے مظنون ٹھہرا لینا سوئے ظن ہے اور بے حصول ظن حکم ضرورت نہیں، کما لایخفی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دختر زید بعمر سترہ ۱۷ سال و پسر عمرو بعمر تئیس ۲۳ سال ہے اور

[1] فتاوٰی عزیزی حکم اعلام کلمہا وصفت ایمان مجمل ومفصل بروز عقد نکاح مجتبائی دہلی ۱۲۶/۲

[2] مستدرك للحاکم کتاب الایمان الامر بسؤال تجدید الایمان دار الفکر بیروت ۴/۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۳۵۹/۲

مانع شرعی موجود نہیں، پسر کا ولی واسطے نکاح کے چار ماہ کی مہلت چاہتا ہے، اگر مہلت دی جائے تو شرعًا گنہگاری ہے یا نہیں—؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کوئی گناہ نہیں جبکہ کوئی اندیشہ صحیح نہ ہو۔ اور اگر معاذاللہ اندیشہ ہے اور دوسرا کفو موجود ہے تو مہلت نہ دینا چاہئے، اگر نہ مانے اس دوسرے سے نکاح کردیں جبکہ دختر رضامند ہو۔

لحدیث یا علی لاتؤخر ثلثا الصلوۃ اذا اٰنت والجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفوا[1] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس حدیث کی بنا پر جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو، نماز میں جب وقت ہوجائے، جنازہ میں جب حاضر ہو، اور غیر شادی شدہ لڑکی میں جب اس کا کفو ملے۔ یا جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: از ریاست رام پور سرشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سرشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس طور پر نکاح کیا کہ دو گواہوں اور ایک وکیل نے ہندہ کے پاس جاکر یہ کہا کہ بکر کے بیٹے زید نے ایک ہزار روپے کے بدلے میں تم کو اپنی زوجیت میں طلب کیا ہے یعنی خواستگاری کی ہے تم بھی اس کو اپنی شوہریت میں قبول کرو اور مجھ کو وکیل قرار دو، تو ہندہ مذکورہ نے فقط لفظ "قبول" کہا (اور اس لفظ قبول کو اس ملک کے عوام وخواص قائم مقام ایجاب کے بنابر عرف کے سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں) پھر اس طرح تینوں شخص زید کے پاس گئے اور وکیل نے زید سے جاکر کہا کہ تم نے خالد کی بیٹی ہندہ کو مہر مذکور پر قبول کیا تو زید نے صرف لفظ "قبول" کہا (اور اس قبول کو یہاں کے باشندے بمنزل قبول نکاح کے تصور کرتے ہیں اور ہزاروں نکاح اس طور سے ہوگئے اور ہوتے ہیں اور آئندہ بھی ہوں گے کیونکہ یہ طور یہاں کا رسم ورواج قرار پایا ہے) اب اس صورت میں فقط لفظ "قبول" سے نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعضے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح ہوجائے گا کیونکہ عاقل وبالغ کا کلام لغو کرنا نہ چاہئے ورنہ ہزاروں آدمی حرام زادہ قرار پائیں گے مسلمان کو زنا سے شرعًا بچانا چاہئے اور عرف اور رواج

[1] جامع الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۵۲، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح باب اعتبار الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/۱۳۳

بھی ادلہ شرعیہ سے ایک دلیل ہے تو موافق عرف کے نکاح کو صحیح قرار دینا چاہئے اور بعضے علماء کہتے ہیں کہ لفظ "قبول" سے نکاح صحیح نہیں ہوتا ہے کیونکہ لفظ "قبول" مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں ہوتا، اب متنازعہ فیہ میں حکم شرع شریف جوارشاد ہو، عوام بیچارے نہ مصدر کو جانیں نہ ماضی کو، وہ تو اپنے عرف ورواج جانتے ہیں، اسی کے پیرو وتابعدار ہیں، ان کی اصلاح کس طور پر ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں صحت نکاح میں شبہہ نہیں، جب ہندہ نے بعد سوال توکیل لفظ "قبول" کہا یہ ایجاب توکیل ہوا اور وہ شخص وکیل ماذون ہوگیا۔

فان التوکیل یتم بمجرد الایجاب ولایتوقف علی القبول وان کان یرتد بالرد کما فی الاشباہ والھندیہ وغیرھما وھٰھنا وان امکن ان یجعل قول الوکیل تقبلیہ فی زوجیتك ایجاب فضولی بناء علی ماصرح فی الخانیة والخلاصة ان الامر فی النکاح ایجاب[1] قال فی الفتح وھذا احسن[2] وح یکون قول المرأة "قبول" قبولا وینعقد النکاح موقوفا علی اجازة الرجل فاذا خاطبہ الوکیل وقال قبول یکون تنفیذا لکنہ خلاف ماقصدوہ فان صنیعھم شاھدانھم لم یجعلوا مجلس المخاطبة مع المخطوبة مجلس عقد بل استئذان فیکون طلبا للوکالة وقولھا قبول توکیلا۔	وکیل بنانے کے لیے صرف ایجاب کافی ہے اور قبول کرنے پر موقوف نہیں اگرچہ ایجاب کو رد کردینے پر وکالت رد ہو جائیگی، جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ اور یہاں اس مسئلہ میں اگرچہ وکیل کا لڑکی کو یہ کہنا کہ "تو بھی لڑکے کو اپنا خاوند ہونا قبول کرلے" فضولی کی طرف سے ایجاب قرار دیا جاسکتاہے وہ خانیہ اور خلاصہ کی اس تصریح کی بناپر کہ "نکاح میں درخواست "ایجاب ہوجاتاہے جس کے متعلق فتح میں کہا گیاکہ یہ قول بہت اچھاہے، تو فضولی کے جواب میں لڑکی کا "قبول" کہنا نکاح کو قبول کرنا قرار دیا جائے گا، جس سے نکاح منعقد ہوجائے اور لڑکے کی اجازت پر موقوف قرار پائے، اور جب نکاح کرانے والا شخص (فضولی) لڑکے کو پیشکش کرے اور لڑکا قبول کرلے تونکاح نافذ ہوجائے۔ لیکن یہاں مجلس والوں کا مقصد یہ نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد صرف لڑکی سے اجازت طلب کرنا ہے اور اس مجلس میں وکالت کرنا اور لڑکی کا "قبول" کہنا صرف توکیل ہوگی۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

[2] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۴

اب کہ وکیل نے خاطب سے آکر وہ لفظ کہے یہ جانب وکیل سے ایجاب ہوا،

فانہ استفھام وان کان حرفہ مقدرا والا ستفھام عند ارادۃ التحقیق یؤدی مودی الامر کما حققناہ فی فتاوٰنا والامر کما سمعت ایجاب فی النکاح ولانعدل عن ھذا القول المرجح الٰی قول انہ توکیل لان الوکیل لایملك التوکیل فلا ینفذ العقد وفیہ تضییق واللہ یحب الرفق۔	توحقیقتًا یہ استفہام ہے اگرچہ صرف استفہام پوشیدہ ہے اور استفہام مقام تحقیق وانعقاد میں امر کا معنٰی دیتا ہے جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں تحقیق کی ہے اور نکاح میں امر ایجاب قرار پاتا ہے، اس ترجیح یافتہ قول کو چھوڑ کر ہم اس کو توکیل نہ بنائیں گے کیونکہ عورت کا وکیل کسی دوسرے کو وکیل نہیں بناسکتا جس کی بناپر عقد نافذنہ ہوگا جبکہ اس میں تنگی ہے اور اللہ تعالٰی تو نرمی اور وسعت کو پسند فرماتا ہے۔ (ت)

اور زوج کا " قبول " کہنا قبول ہوا اور نکاح صحیح وتام نافذ ہوگیا، اور یہ اعتراض کہ قبول مصدر ہے اور مصدر سے نکاح درست نہیں راسًا ساقط ہے کہ یہ لفظ اس سوال وکیل کے جواب میں ہے کہ تم نے ہندہ کو قبول کیا اور عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ:

السؤال معاد فی الجواب [1] کما صرح بہ فی الاشباہ وغیر ھما کتاب۔	جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے جیساکہ اشباہ وغیرہ بہت سی کتب میں تصریح ہے۔ (ت)

توجواب میں صرف لفظ " قبول " کے قطعًا یہی معنٰی ہیں کہ " قبول کیا " اور یہ ماضی ہے اور ماضی سے نکاح یقینا درست ہے کما صرحوا بہ متونا وشروحا وفتاوٰی (جیسا کہ متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح ہے۔ ت) معہذا یہاں اصل کار وہ الفاظ ہیں جو رضا بالانشاپر بے احتمال مساوی دلیل ہوں اور شک نہیں کہ لفظ " قبول " صراحۃً اس پر دال، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں اگر عورت سے کہا اپنے نفس کو میری زوجیت میں دے اس نے کہا بالسمع والطاعۃ نکاح ہوگیا۔

کما فی النوازل والخلاصۃ والبزازیۃ والبحر والدر والمحیط والھندیۃ وغیرھا من الاسفار الغر۔	جیساکہ نوازل، خلاصہ، بزازیہ، بحر، دُر، محیط، ہندیہ وغیرہا مشہور کتب میں ہے۔ (ت)

سمع وطاعت بھی مصدر ہی ہیں اور مناط صحت وہی تقدیر ماضی ہے یا اعتبار تراضی، وہ دونوں

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الحادیۃ عشرۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۷۳

یہاں حاصل، تو حکم عدم نکاح محض باطل، فتح القدیر میں ہے:

لما علمنا ان الملاحظة جهة الشرع فی ثبوت الانعقاد ولزوم حکمه جانب الرضی عدینا حکمه الٰی کل لفظ یفید ذٰلك بلا احتمال مساو للطرف الاٰخر[1] الخ۔	جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ نکاح کے انعقاد اور اس کے حکم کے لزوم میں شرعاً رضا کے پہلو کا اعتبار ہے تو ہم نے اس حکم کو ہر ایسے لفظ میں معتبر قرار دیا جو اس چیز کا احتمال رکھتا ہو اور اس کے مخالف پہلو کا اس میں مساویانہ احتمال نہ ہو الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله اوبالسمع والطاعة متعلق بمحذوف دل علیه المذکور ای زوجت اوقبلت متلبسا بالسمع والطاعة لامرك یحصل السمع والطاعة لامره الابتقدیر الجواب ماضیا مرادا به الانشاء لیتم شرط العقد بکون احدهما للمضی[2]۔	ماتن کا قول "اوبالسمع والطاعة" کا متعلق محذوف ہے جس پر مذکور دال ہے یعنی میں نے نکاح کیا یا قبول کیا آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور حکم کی اطاعت مقدر طور پر ماضی کے صیغہ کے ساتھ جواب کے بغیر نہیں ہو سکتی جبکہ ماضی سے انشاء مراد ہو گی تاکہ نکاح کی شرط یعنی ایجاب وقبول میں سے ایک کا صیغہ ہونا تام ہو جائے۔ (ت)

بحرالرائق میں زیر قول کنز: انما یصح بلفظ النکاح والتزویج وما وضع لتملیك العین فی الحال ("نکاح، تزویج اور تملیک عین فی الحال کے لیے موضوع الفاظ سے عقد ہو جاتا ہے۔" ت) فرمایا:

یرد علی المصنف الفاظ ینعقد بها النکاح غیر الثلثة (وعد اشیاء کثیرة الٰی ان قال) ومنها بالسمع والطاعة لوقال زوجی نفسك منی فقالت بالسمع والطاعة فهو نکاح کما فی الخلاصة	مصنف پر اعتراض ہے کہ ان مذکورہ الفاظ ثلٰثہ کے علاوہ دیگر الفاظ سے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے وہاں انھوں نے بہت سے امور ذکر کیے جن میں سے سمع وطاعت بھی ذکر کرکے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے کسی عورت کو کہا کہ تو اپنے نفس کو مجھے بیاہ دے تو عورت نے جواب میں "بالسمع والطاعة" کہہ دیا تو نکاح

[1] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳

[2] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۳

ومنها مافی الذخیرۃ لو قال یثبت حقی فی منافع بضعك بالف فقالت نعم صح النکاح اھ والجواب ان العبرۃ فی العقود للمعانی حتی فی النکاح کما صرحوا به وھذہ الالفاظ تؤدی معنی النکاح [1]۔	ہو جائے گا جیسا کہ خلاصہ میں ہے، ان الفاظ سے وہ بھی ہے جو ذخیرہ میں مذکور ہے کہ اگر مرد نے عورت کو کہا کہ ہزار کے بدلے تجھ سے جماع کا حق میرے لیے ثابت ہے تو عورت نے جواب میں کہا کہ "ہاں" تو نکاح صحیح ثابت ہوگا اھ، تو جواب یہ ہے کہ عقود میں حتی کہ نکاح میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے جبکہ یہ مذکورہ الفاظ نکاح کا معنی ادا کر رہے ہیں۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ دونوں شخص چند شخصوں کے روبرو اس کے مقر ہوں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا، یا زید علیحدہ ایک وقت میں چند اشخاص کے روبرو فرداً فرداً یہ ظاہر کریں کہ ہمارا نکاح آپس میں ہوگیا ہے اور پھر خط وکتابت میں ہندہ زید کو وہی القاب آداب جو بی بی خاوند کو لکھتی ہے استعمال کرے تو کیا سمجھا جائے گا اور شرعاً کیا حکم دیا جائے گا؟

الجواب:

تصادق مرد وزن کہ مرد کہے یہ میری منکوحہ ہے، عورت کہے یہ میرا شوہر ہے، عند الناس مثبت نکاح ہے، مگر اگر غلط اقرار کیا ہو تو عنداللہ ہر گز نفع نہ دے گا وہ زانی وزانیہ ہوں گے اور سخت عذاب جہنم کے مستحق اور اولاد ولد الزنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹: ۱۶ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں تجھ کو بعد تین چار ماہ کے طلاق دوں گا، آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح جائز ہے اور طلاق دینا اس پر لازم نہیں، **فان النکاح لایبطل بالشروط الفاسدۃ بل ھی التی تبطل** (شرائط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ شرائط خود باطل قرار پاتی ہیں، ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] بحر الرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۸۷

مسئلہ ۳۰: ۱۸ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

حال یہ ہے کہ حامد اور محمودہ دونوں میں ایسا رشتہ تھا کہ محمودہ اس کے سامنے آسکتی تھی اور یہ دونوں ایک مدت تک صغر سنی میں ایک ہی جگہ رہتے سہتے تھے۔ ۱۸۹۷ء میں حامد کی بیوی کا انتقال ہوگیا اور برضامندی فریقین (یعنی حامد اور محمودہ) کے والدین کی نسبت محمودہ سے ہوگئی اور مراسم نسبت ادا ہونے کے بعد ایک تاریخ نکاح مقرر ہوگئی، لیکن اس تاریخ مقررہ پر حامد کو کہ وہ گورنمنٹ کا ملازم تھا اتفاق سے رخصت نہ ملی اور تاریخ مقررہ پر نکاح نہ ہوسکا، اس کے بعد کچھ جھگڑے ایسے درپیش ہوگئے کہ دوسری تاریخ مقرر ہونے سے پہلے حامد اپنی ملازمت سے علیحدہ ہوا، اس کے بعد جب حامد کے والدین نے تاریخ مقرر کرنا چاہی تو محمودہ کے والدین نے یہ عذر پیش کیا کہ حامد اب بے نوکر ہے اس لیے ہم نکاح نہیں کرنا چاہتے۔ حامد اور محمودہ دونوں بالغ ہیں، محمودہ تاریخ نسبت سے حامد سے پردہ کرتی ہے، جب یہ حال محمودہ کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی والدہ سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں دوسرے امیر گھر جانا پسند نہ کروں گی خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جس سے نسبت ہوئی اس سے نکاح ہو جانا چاہئے، محمودہ کے باپ واقعی امیر کبیر ہیں اور حامد ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے، محمودہ کے باپ یہ کوشش کرتے ہیں کہ محمودہ کا کسی امیر اور مالدار سے نکاح کردیں اور محمودہ کی رضامندی پر کوئی توجہ نہ کی جائے، اس لیے محمودہ یہ چاہتی ہے کہ قبل اس کے کہ یہ جبر اس پر کیا جائے وہ حامد کے ساتھ اپنا نکاح کرلے، مگر اس نکاح کا حال اس کے والدین کو نہ معلوم ہو اور حامد بھی یہی چاہتا ہے، تو علمائے دین محمدی سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ محض اگر گواہان اور وکیل کی موجودگی اور علم میں قاضی صاحب نکاح پڑھادیں اور ازروئے شریعت ایجاب وقبول کا اطمینان کرلیں تو یہ نکاح خفیہ جائز ہے اور کسی طرح ناقص تو نہیں۔؟ **فقط۔**

الجواب:

بالغہ جو بے رضائے ولی بطور خود اپنا نکاح خفیہ خواہ اعلانیہ کرے، اس کے انعقاد وصحت کے لیے یہ شرط ہے کہ شوہر اس کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشے یامال یا چلن میں عورت سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو وہ نکاح نہ ہوگا،

فی الدرالمختار ویفتی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان [1]	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوٰی ہے کہ فساد زمان کی وجہ سے نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

مال میں کفاءت کو صرف اس قدر کہ وہ شخص اگر پیشہ ور ہو تو روز کا روز اتنا کماتا ہو جو اس عورت غنیہ کے قابل کفایت روزانہ دے سکے، اور پیشہ ور نہیں تو ایک مہینہ کا نفقہ دے سکے، اور مہر جس قدر معجّل ٹھہرے اس کے ادا پر قدرت بہر حال درکار ہے۔

فی الدرالمختار تعتبر الکفاءۃ فی العرب والعجم ما لا بان یقدر علی المعجل ونفقۃ شہر لوغیر محترف والا فان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع ملخصًا۔[1]	درمختار میں ہے کہ مال کے اعتبار سے عرب وعجم میں کفو کا اعتبار بایں طور ہے کہ مہر معجّل دینے اور ایک روزانہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو جبکہ غیر کاروباری ہو ورنہ روزانہ کا خرچہ دینے پر قدرت رکھتا ہو بشرطیکہ بیوی جماع کی قدرت رکھتی ہو ملخصًا (ت)

پس اگر حامد اس قدر مال رکھتا ہو اور مذہب ونسب وحرفت وروش میں بھی محمودہ سے ویسا کم نہیں کہ اس سے نکاح باعث عار پدر محمودہ ہو، جیسا کہ صورت سوال سے یہی ظاہر ہے کہ باپ پہلے اس سے نکاح پر راضی تھا اب صرف نوکری نہ رہنے کا عذر کرتا ہے تو اس صورت میں بر تقدیر صدق مستفتی دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے حامد اور محمودہ کے ایجاب وقبول کر لینے سے جائز وصحیح ہو جائے گا۔ نفس نکاح میں نقصان نہ ہوگا، ماں باپ کو ناراض کرنے کا وبال محمودہ پر ہو تو جدا امر ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱: ضلع پشاور تحصیل صوابی ڈاکخانہ یار حسین موضع یعقوبی سید عید شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ اور ہمشیرہ عمرو کے مکان پر بطور مہمان داری کے آئیں وسوئی تھیں، عمرو نے زید کی والدہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بیٹی تم کو دی ہے جس سے اس کا منشا یہ تھا کہ زید سے اس لڑکی کا نکاح کریں گے، زید کی والدہ نے اس کے جواب میں عمرو کو دعائیں دیں اور قبول زبان سے نہیں کیا، بعد کو زید نے ایک چھوٹا سا زیور بطور نشانی کے بنا کر عمرو کی بیٹی کے واسطے بھیجا، اور جس وقت عمرو نے اپنی بیٹی کا تذکرہ زید کی والدہ سے کیا، اس وقت زید کی والدہ اور ہمشیرہ اور عمرو کی بیوی تھی یہ تین عورتیں موجود تھیں، اور سوائے عمرو کے اور کوئی مرد گھر میں موجود نہیں تھا، نہ اس ایجاب کا قبول صراحۃً ہوا نہ ذکر مہر ہوا اور نہ گواہ موجود تھے، پھر عمرو کے انتقال کے بعد عمرو کے لڑکے نے اس نابالغہ کا عقد خالد سے کیا اور ابھی رخصت نہیں ہوئی ہے لیکن عقد مع گواہ اور ذکر مہر کے ہوا ہے تو اس صورت میں عقد خالد کا صحیح ہوا یا نہیں؟ اور زید مدعی اس بات کا ہے کہ نکاح مجھ سے صحیح ہے، بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

الجواب:

زید کا دعوی محض غلط ہے اس سے نکاح ہر گز صحیح نہ ہوا،

وان فرض ان کلام عمرو مع ام زید کان ایجابا وان دعاء ھا له قام مقام القبول لدلالة الرضا وان بعثه حلیا للعرس کانه اجازته لعقد الفضولی فعلی فرض کل ذٰلك لاوجه للصحة فی الوجه المذکور لعدم شاھد من الذکور۔	اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ عمرو کی والدہ سے بات کرنا ایجاب ہے اور والدہ مذکورہ کا عمرو کو دعائیں دینا قبول کے قائم مقام ہے کہ یہ اظہار رضامندی ہے، اور پھر زید کا زیور بھیجنا زید کی طرف سے فضولی کے عقد کی اجازت ہے بایں ہمہ مذکورہ صورت میں نکاح صحیح نہیں ہے کیونکہ اس عقد کا کوئی مرد گواہ نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطه حضور شاھدین حرین اوحرو حرتین مکلفین [1]۔	نکاح منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں عاقل بالغ اور حر، مجلس میں حاضر ہوں (ت)

بحرالرائق میں ہے:

فلا ینعقد بحضرۃ العبید والصبیان [2]۔	غلاموں اور بچوں کی موجودگی سے نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

خالد کا عقد صحیح ہوا۔

لان الاقدام علیه فسخ للفاسد ان قلنا بالفرق بینه وبین الباطل فی النکاح کما ھو قضیة فروع جمة۔	اس لیے کہ اس کا یہ اقدام فاسد نکاح کے لیے فسخ قرار پایا ہے، جب ہم نکاح میں فاسد و باطل کے فرق کا قول کریں جیسا کہ تمام فروع کا معاملہ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲: مسئولہ مولوی سید ظہور احمد صاحب از بیتھو شریف ضلع گیا ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

ایک شخص کا نکاح بحضور دو شخص کے عورت کی اجازت سے ہوا اور دونوں شخص چپ رہے، تو ایسی صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں۔؟ اور وکیل بالنکاح ایک شخص ثالث ہے اور وہ شخصین ناکح کو جانتے ہیں

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

[2] بحرالرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۸۹

لیکن ناکح نہیں جانتاہے اور عورت نے وکیل بالنکاح کو وہ دو شخص کے سامنے پردہ سے اپنے نکاح کی اجازت دی اور وکیل نے یوں کہا کہ فلاں عورت کو اس قدر مہر پر آپ کو دیا، نہ نکاح کا لفظ کہا ہو اور نہ زوجیت کا۔

الجواب:

نہ ناکح کا شاہدین کو پہچاننا ضرور، نہ شاہدین کا وقت عقد کچھ بولنا ضرور، نہ خاص نکاح یا زوجیت ضرور، نہ صرف فلاں عورت کہنے میں محذور، جبکہ تنہا اسی قدر سے اس کی معرفت ہوجائے، شاہدین کا معًا لفظین ایجاب وقبول کو سننا اور اتنا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہاہے اور لفظ نکاح وتزویج ہو نا یا کوئی اور لفظ جو تملیک عین کا فی الحال کے لیے وضع کیا گیا اور شاہدین کے نزدیک عاقدین اعنی زوج وزوجہ کا متمیز ہوجانا خواہ بحضور ورؤیت واشارہ یا بغیبت وتسمیہ مجردہ یا مع نسبت وغیرہ متمیزات میں اس قدر ضرور ہے اور شک نہیں کہ کسی مرد کو اتنے مہر پر عورت کا دیا جانا مفید معنی نکاح ہے توصورت مستفسرہ میں اگر باقی شرائط مذکورہ مجتمع تھے نکاح درست ہوگیا، **والمسائل کلھا مصرحۃ فی الدرالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار** (ان تمام مسائل کی تصریح درمختار اور دیگر معتمد کتب میں موجود ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳: مرسلہ سید ظہور احمد مذکور الصدر ۳۰ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ناکح کو تین مرتبہ قبول کرنا شرط ہے یا ایک بار؟ اور گھبرانے کی وجہ تین بار تین طرح کہا، کبھی یہ کہ قبول ہے، کبھی میں نے قبول کیا، کبھی قَبِلْتُ، ایسی صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور یہ بحضور شاہدین ہے اور عورت سے ایجاب درست طور پر ہوا یا نہیں؟

الجواب:

نکاح خواہ کسی عقد میں تین بار قبول اصلاً ضرور نہیں ایک ہی بار کافی ہے، اور تین بار تین طرح الفاظ قبول ادا ہونا کچھ مضر نہیں، ہاں اگر گھبراہٹ میں بجائے قبول بعض الفاظ رد وانکار ادا ہوں تو یہ دیکھا جائے گا کہ پہلے لفظ قبول کہا تھا تو نکاح ہوگیا کہ بعد تمامی عقد رد وانکار مانع انعقاد نہیں، اور پہلے لفظ "انکار" نکلا تو وہ ایجاب رد ہوگیا، اب جو اس کے بعد اس نے لفظ "قبول" کہا یہ اس کی طرف سے ایجاب ہوا، اگر اس مجلس میں ادھر سے لفظ "قبول" متحقق ہوا منعقد ہوجائے گا ورنہ باطل ہوجائے گا، اور اگر متعدد الفاظ میں لفظ رد کوئی نہیں تھا ہاں ایسے الفاظ تھے کہ قبول نہ ٹھہریں تو وہ خواہ پہلے ہوں یا پیچھے جبکہ مجلس بدلنے سے پہلے ایک لفظ بھی قبول صحیح کا ادا ہوگا نکاح ہوجائے گا **لان الفور غیر شرط والمجلس یجمع المتفرق** (کیونکہ فورًا قبول کرنا شرط نہیں اور مجلس جامع متفرقات ہے۔ت) اور ایجاب عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے دونوں درست ہیں، عقود میں ایجاب وقبول کچھ متعین نہیں، عاقدین میں جس کی طرف سے الفاظِ

عقد پہلے صادر ہوں گے، ان کا نام "ایجاب" رکھا جائے گا ان کے جواب میں دوسرا جو کہے گا وہ قبول اقرار پائے گا، مثلاً عورت نے مرد سے کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں قبول کیا" یہ ایجاب ہوا اگرچہ بلفظ قبول ہے، مرد نے اس کے جواب میں کہا "میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا" یہ قبول ہوا اگرچہ بلفظ قبول نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: از موضع بیتھو ضلع گیا مرسلہ جناب مولوی سید ظہور احمد صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۴ھ

جناب مولانا صاحب السلام علیک، استفتایہ ہے کہ اگر وکیل بالنکاح یا شاہدین نکاح غیر مقلد وہابی ہو تو ایسے شخص کی وکالت یا شہادت درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور نکاح درست ہوگا یا نہیں اگر ایسے لوگ وکیل یا شاہد ہوں؟

الجواب:

سید صاحب! وعلیک السلام، وہابی وغیر مقلد کی ضلالت جبکہ کفر تک نہ پہنچی ہو (اور یہ غیر مقلد وہابیوں میں نادر ہے اور جیسے طائفہ رشیدیہ پیدا ہوا، مقلد وہابیوں میں بھی کٹر اسمٰعیلیوں کی طرح یہی حالت ہوگئی ان میں غالبًا کوئی نہ ہوگا، جس پر بحکم فقہائے کرام لزوم کفر نہ ہو، اور بہت تو صریح التزام کی حد پر ہیں نسأل اللہ العافیۃ وحسن العاقبۃ) جب تو نکاح میں ان کا شاہد ہونا اصلاً مخل نہیں اور اگر حد کفر پر ہوں تو وکالت جب بھی جائز ہے کہ مرتد کو وکیل کرسکتے ہیں اس کی وکالت صحیح ہوجائے گی اگرچہ اس سے میل جول اختلاط حرام ہے، ہندیہ میں ہے:

تجوز وکالۃ المرتد بان وکل مسلم مرتدا وکذا لوکان مسلما وقت التوکیل ثم ارتد فھو علی وکالتہ الاان یلحق بدار الحرب فتبطل وکالتہ کذا فی البدائع[1]۔	مسلمان نے مرتد کو وکیل بنایا یا مسلمان کو وکیل بنایا وہ بعد میں مرتد ہوگیا تو یہ وکالت باقی رہے گی، مگر جب وہ دارالحرب بھاگ جائے تو وکالت ختم ہوجائے گی، بدائع میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

رہی شہادت، عوام میں دو شخص جن کو گواہی نکاح سے نامزد کیا جاتا ہے وہ اگر دونوں مرتد وہابی تھے مگر جلسے میں اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان ہیں جنھوں نے معًا ایجاب وقبول سنا اور سمجھا جب تو اگرچہ نکاح صحیح ہوگیا، لوجود الشھود وان کان من سموا شھودا مرتدین (گواہوں کی حاضری کی وجہ سے، اگرچہ انھوں نے مرتد گواہوں کو نامزد کیا ہو۔ ت) اور اگر صرف یہی حاضر وسامع وفاہم تھے یا اور جتنے ہیں وہ بھی ایسے ہی ہیں ایک نصاب مسلمانوں سے پورا نہیں تو نکاح صحیح نہ ہوا فاسد محض ہوا لان من شرائط الصحۃ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوکالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۶۳

الشہود ولاشہادۃ لمرتد کمافی الدر المختار وغیرہ (کیونکہ صحت کے لیے گواہی شرط ہے اور مرتد شہادت دینے کا اہل نہیں ہے جیسا کہ در مختار میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵: عورت مرد اگر باہم ایجاب وقبول کرلیں اور کسی کو اطلاع نہ ہو تو یہ نکاح ہوجائے گا؟

الجواب:

بے حضور دو گواہ نکاح فاسد ہے، حدیث میں فرمایا:-

الزوانی ف اللاتی ان ینکحن انفسھن بغیر بینۃ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	زنا کار ہیں جو اپنی جانوں کو نکاح میں دیتی ہیں بغیر گواہوں کے۔

مسئلہ ۳۶: مسئولہ محمد یوسف از جبل پور ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی غیر مقلد کسی مقلد کا نکاح بموجب شرع مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پڑھادے تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح جائز ہے یا حرام؟ اور جو اس نکاح سے اولاد پیدا ہو وہ حرامی تو نہ ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگرچہ نکاح خواں شرع مطہر میں کوئی چیز نہیں، اگر کوئی ہندو مشرک زوجین کو ایجاب وقبول روبروئے گواہان کرادے اور شرائط صحت متحقق ہوں نکاح ہوجائے گا۔ مگر یہاں ایک نکتہ جلیلہ ہے جسے وہی سمجھتے ہیں جو موفق من اللہ تعالٰی عزوجل ہیں وہ یہ کہ اگر ہندو مشرک پڑھا جائے گا تو کوئی کلمہ گو اسے معظم دینی بلکہ مسلمان بھی نہ جانے گا بخلاف ان کلمہ گویان کفر در دل کے کہ عوام ان کو خالص مسلمان جانتے ہیں حالانکہ ان پر صدہا وجہ سے بحکم احادیث صحیحہ وتصریحات فقہیہ حکم کفر لازم ہے۔

کمافصلنا فی الکوکبۃ الشہابیۃ وفی النہی الاکید وغیرھما ولدی مزید۔	جیسا کہ الکوکبۃ الشہابیہ اور النہی الاکید وغیرہ رسائل میں ہم نے تفصیل بیان کردی ہے اور میری نظر میں مزید امور بھی ہیں (ت)

اور ان میں بہت تو کھلم کھلا ضروریات دین کے منکر اور قطعًا اجماعًا مرتد کافر ہیں اور نکاح خوانی کے لیے لوگ اسے بلاتے ہیں جسے اپنے نزدیک صالح اور معتبر جانتے ہیں تو اگر زوجین میں سے کسی نے ان کے کفریات پر مطلع ہو کر پھر ان کو نیک اور صالح سمجھا تو ان پر بھی وہی حکم نقد وقت ہوگا کماصرح بہ فی الشفاء والاشباہ وغیرھما

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح دار صادر بیروت ۷/ ۱۲۵

ف: یہ حدیث سنن کبرٰی سے ملی اس میں الزوانی کے بجائے البغایا کالفظ ہے۔ **نذیر احمد**

(جیسا کہ الشفاء اور الاشباہ وغیرہما میں تصریح کی گئی ہے۔ت) ایسی صورت میں بحکم فقہ اصلاً مطلق نکاح نہ ہوگا، لہذا احتیاط کی ضرورت ہے، اگر ایسا واقع ہو لیا یعنی اس کی گواہیوں پر مطلع ہو کر پھر اسے معظم ومتبرک سمجھ کر نکاح خوانی کے لیے بلایا تو بعد توبہ تجدید اسلام تجدید نکاح لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷: از نگلہ مرہرو ڈاکخانہ بیلاؤدہ ضلع میرٹھ مسئولہ محمد ذاکر علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام ہیں، کمر سے لے کر سرین تک جڑیں ہوئی ہیں، مبرز ایک ہے، اور باقی عام اعضاء الگ الگ علیحدہ علیحدہ، وہ اپنی مادری زبان تلنگی میں اچھی طرح گفتگو کرسکتی ہیں، عمران کی بارہ سال ہے، یہ قصہ سکندر آباد دکن کا ہے، میں نے اس کو اخبار وطن لاہور جلد نمبر ۸ ۲۳ مورخہ ۱۲ جولائی ۱۹۰۸ص ۱۳ میں دیکھا ہے، لکھا ہے کہ یہ ہندو ہیں، ان کے والدین کو ان کے ذریعہ سے کافی آمدنی ہے، درصورت صحیح ہونے اور مسلمان ہونے ان کے لیے ان کی صورت نکاح کیا ہے؟ اگر کیا جائے تو دو بہنیں ایک مرد کے نکاح جمع نہیں ہوسکتیں، اور کہا جائے کہ دوسے کیا جائے تو بے حیائی لازم آتی ہے اور یہ دونوں لڑکیاں علیحدہ نہیں ہوسکتیں، حکم اس مسئلہ کا مفصل مدلل ارقام فرمائے اور روایت فقہاء بھی تحریر کیجئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ظاہرًا یہ اخباری گپ ہے، ایسے عجائب اگر نادرًا پیدا ہوتے ہیں تو عادۃً زندہ نہیں رہتے اگر بارہ برس سے ایسا عجوبہ ملک میں موجود ہوتا تو جب ہی سے تمام اخبار اس کے ذکر سے بھر جاتے، دیار وامصار میں شہرت ہوتی نہ کہ اب بارہ سال کے بعد درج اخبار ہوا، اور بالفرض اگر صحیح بھی ہوا اور وہ دونوں مسلمان بھی ہوجائیں تو شریعت مطہرہ نے کوئی مسئلہ لاجواب نہ چھوڑا، بھلا یہ صورت تو بہت بعید ہے فرض کیجئے جو عورت ابتدائے بلوغ سے معاذ اللہ جذام وبرص میں مبتلا ہو اور اس کے ساتھ ایسی کریہیہ المنظر کہ اسے کوئی قبول نہ کرتا نہ کہ بحالت جذام، اس کے لیے کیا صورت ہوگی، اسے شرع کیا حکم دے گی، ہاں اسے عفت وصبر کا حکم فرماتی ہے اور روزں کی کثرت اس کا علاج بتاتی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ [1]	جو نکاح کی طرف کوئی راہ نہ پائیں وہ بچے رہیں جب تک اللہ اپنے فضل سے انھیں بے پرواہ کردے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن ۳۳/۲۴

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء[1]۔	اے گروہ نوجوانان! تم میں جسے نکاح کی طاقت ہو وہ نکاح کرے کہ نکاح پریشان نظری وبدکاری روکنے کا سب سے بہتر طریقہ ہے اور جسے ناممکن ہو اس پر روزے لازم ہیں کہ کسر شہوت نفسانی کردیں گے۔

یہی حکم وعلاج اس عجوبہ خلقت کے لیے ہوگا، اس کی نظیر وہ سوال ہے کہ جہاں عرض تسعین کی نسبت کیا کرتے ہیں جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہے کہ وہاں رمضان کے روزے کیسے رکھیں حالانکہ وہاں انسانی آبادی کا نام نہیں کہ اسی درجے عرض سے آگے لوگوں کا گزر بھی نہیں کہ ہمیشہ کی ہر آن برف باری نے وہاں سمندر کو دلدل کر رکھا ہے، نہ پانی رہا کہ جہاز گزرے، نہ زمین ہوگیا کہ آدمی چلیں بلکہ ستر درجے آگے سے آبادی کا پتا نہیں، وہاں جبکہ چھ چھ مہینے دن رات ہیں بلکہ قطب شمالی میں چھ ۶ مہینے نو دن کا دن اور نو دن سے کم چھ مہینے کی رات، اور قطب جنوبی میں بالعکس، اس لیے کہ اوج آفتابی شمالی اور حضیض جنوبی ہے اور اس کی رفتار اوج میں سست اور حضیض میں تیز ہے، پھر یہ نہار ولیل تنجیمی ہے، عرفی لیجئے تو نصف قطر آفتاب اور حصہ انکسار بڑھ کر مقدار نہار میں اور بہت سے دن بڑھ جائیں گے، اور نہار شرعی کے لیے اٹھارہ درجے کا انحطاط لیجئے تو کئی مہینے مقدار نہار میں شامل ہو کر رات بہت کم رہ جائے گی اور وہاں قمر وغیرہ کسی کوکب کا طلوع وغروب حرکت شرقیہ فلکیہ سے نہیں بلکہ صرف اپنی حرکت خاصہ سے جب منطقہ سے شمالی ہوگا قطب شمالی میں طلوع کرے گا اور جب تک شمالی رہے گا طالع رہے گا پھر جب جنوبی ہوگا غروب کرے گا اور جب تک جنوبی رہے گا غارب رہے گا اور اس ظہور وبطون کے لیے کوئی تعیین نہیں کہ قمر اس وقت اجتماع میں ہو یا استقبال میں تربیع میں ہو یا شکل ہلال میں، تو سال کے بارہ دن رات جو قمر نے پائے ان میں حساب انتظام اہلہ وشہور نامقدور، اور اگر حکما صورت تقدیر وانداز لیجئے بھی جس طرح دربارہ ایام طوال دجال نمازوں کے لیے ارشاد ہوا تو وہی قرآن عظیم جس نے فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡكُمُ الشَّهۡرَ فَلۡيَصُمۡهُ ط[2] (جو تم میں سے ماہ رمضان کو پائے تو اس کا روزہ رکھے۔ت) فرمایا اس نے وعلی وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ ط[3] (جو روزہ کی استطاعت نہ رکھے تو مسکین کا کھانا فدیہ میں دے۔ت) ارشاد کیا یعنی جنھیں روزے کی قدرت نہ ہو ان پر بدلہ ہے ہر روزے کے عوض ایک مسکین کا کھانا

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/۷۵۸، صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۹

[2] القرآن ۲/۱۸۵

[3] القرآن ۲/۱۸۴

اور جن کو اس کی بھی استطاعت نہ ہو وہ حصولِ استطاعت کا انتظار کریں اور اپنے رب سے انابت واستغفار کہ وہی قرآن کریم میں فرماتا ہے: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[1] خدا کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ حکم نہیں دیتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸: از خیر آباد محلّہ میاں سرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب ۳ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

خطبہ نکاح کا کھڑے ہو کر پڑھنا چاہئے یا بیٹھ کر، اور کس طریقہ سے مسنون ہے؟

الجواب:

اگرچہ خطبہ میں مطلقًا افضل قیام ہے کہ آواز بھی دور پہنچتی ہے اور باعث توجہ حاضرین بھی ہوتا ہے اور اس امر میں سب خطبے مشترک ہیں، ہاں جو خطبہ سواری پر ہوتا ہے جیسے خطبہ عرفہ۔ وہاں قیام مرکب قائم مقام قیام راکب ہے مگر خطبِ نافلہ بیٹھ کر بھی ثابت ہیں،

ابن جریر عن سماك بن حرب قال سمعت معرورا اوابن معرور التمیمی قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه وصعد المنبر قعددون مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بمقعدین فقال اوصیکم بتقوی اللہ واسمعوا واطیعوا من ولاہ اللہ تعالٰی امرکم[2]۔	ابن جریر نے سماک بن حرب سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا:- میں نے معرور یا ابن معرور تمیمی سے سنا انھوں نے کہا میں نے عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا جبکہ آپ منبر پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشستگاہ سے دو سیڑھیاں نیچے تشریف فرما ہوئے تو آپ نے فرمایا میں تمھیں اللہ تعالٰی سے تقوٰی کی وصیت کرتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے تمھارے امور کے بنائے ہوئے والی کی اطاعت وسمع اختیار کرو۔ (ت)

اور خطبہ نکاح نفل ہی ہے تو بیٹھ کر بھی مضائقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از سلون ضلع رائے بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وعلی من لدیکم، کیا مسلک ہے آپ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے "تَزَوَّجتُ" اور ہندہ نے "قَبِلْتُ" دو گواہوں کے سامنے کہہ دیا اور دونوں ان الفاظ کے معنی نہیں سمجھتے بلکہ گواہ بھی نہیں سمجھے۔ آیا اس صورت میں نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں،

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن جریر حدیث خطب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۵۷

شرح وقایہ اور فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار اور درمختار میں ایسا نکاح جائز لکھا ہے بلکہ درمختار میں اس پر فتوٰی ہے، اور دلیل اس کی کل کتابوں میں یہ لکھی ہیے کہ مضمون لفظ کا علم اور اس کا سمجھنا ان امور میں معتبر ہے جن میں نیت اور قصد کی ضرورت ہو اور جن امور میں جدو ہزل برابر ہوں ان میں معنٰی سمجھنے کی ضرورت نہیں، لہٰذا نکاح محض بتلفظ "نَکَحْتُ وقَبِلْتُ" بلا فہم معنٰی منعقد ہو جائیگا جیسا کہ قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلا یعتبر فیما یستوی فیه الجد والهزل[1] انتھی۔	کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم کسی چیز کے قصد کے لیے ضروری ہوتا ہے اور جس میں قصد اور غیر قصد مساوی ہوں وہاں مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا، انتہی (ت)

میرے خیال میں یہ دلیل صحیح نہیں، عبارت قاضی خاں کی فلا یعتبر (ای العلم بمضمون اللفظ) فیما یستوی فیه الجد والھزل (لفظ کے مضمون کا علم معتبر نہ ہوگا جہاں قصد اور غیر قصد (مذاق) برابر ہو۔ ت) ہر گز قابل تسلیم نہیں، ہزل میں مضمون لفظ کا علم اور معنٰی کا سمجھنا ضروری ہے بغیر فہم معنٰی ہزل غیر ممکن ہے اس واسطے کہ استعمال لفظ وارادہ غیر معنٰی حقیقی ومجازی کا نام ہزل ہے اور اس میں شرط ہے کہ قبل عقد متعاقدین آپس میں ذکر کرلیں کہ یہ عقد بطریق ہزل ہے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:-

الهزل ان یراد بالشی غیر ماوضع له بغیر مناسبة بینهما والجد مایراد به ماوضع له اوماصلح له اللفظ مجازا[2] اھ	ہزل (مذاق) سے مراد یہ ہے کہ مناسبت کے بغیر مجازی معنٰی مراد لینا، جِد (قصد) سے مراد یہ کہ حقیقی معنٰی یا ایسا مجازی معنٰی مراد لینا جس کے لیے لفظ صلاحیت رکھتا ہو اھ (ت)

نورالانوار میں ہے:

وشرط الهزل ان یکون صریحا مشروطا باللسان بان یذکر العاقد ان قبل العقد انهما یهزلان فی العقد ولایثبت ذٰلك بدلالة الحال[3]۔	مذاق کی شرط یہ ہے کہ زبانی طور پر صراحۃً عقد کرنے والے دونوں فریقوں، عقد سے قبل ذکر کریں کہ ہم مذاقاً عقد کریں گے، اور مذاق دلالتِ حال سے ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح الفصل الاول نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۱

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب الخلع والطلاق المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۴۲۷

[3] نورالانوار مبحث الامور المعترضۃ للاھلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۳۔۳۰۲

اس صورت میں جبکہ عاقدین بالکل سمجھتے ہی نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنٰی ہیں اور کس موقع میں استعمال کئے جاتے ہیں توہزل کیسے ہوسکتا ہے، قطع نظر اس کے کہ ہزل میں اگرچہ ہازل نفس حکم سے راضی نہیں ہوتا لیکن اس کے اسباب سے راضی رہتا ہے جیسا کہ نورالانوار میں ہے:

وانہ ینافی اختیار الحکم والرضاء بہ ولاینافی الرضاء بالمباشرۃ[1] الخ۔	مذاق، حکم اور اس پر رضامندی کے منافی ہے لیکن کام کو سرانجام دینے کے لیے منافی نہیں ہے۔ (ت)

اور یہاں عاقدین جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کیسے ہیں اور ان کے کیا معنٰی ہیں، تو رضا بالاسباب بھی مفقود ہے لہٰذا اس صورت کو ہزل میں داخل کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا، دوسری دلیل مجوزین کی یہ ہے کہ اگرچہ متعاقدین معنٰی نہیں سمجھتے لیکن ان کا جہل معتبر نہ ہوگا اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

لان الدار دارالاسلام فلایکون الجھل فی احکام الشرعیۃ عذرا۔	چونکہ یہ دارالاسلام ہے لہٰذا احکام شرعیہ سے جاہل ہونا کوئی عذر نہ بن سکے گا۔ (ت)

اس جگہ دعوی ودلیل میں صراحۃً تخلف ہے، دلیل کا منشا تو یہ ہے کہ احکام شرعیہ میں جہل معتبر نہیں، یہ ضرورت قابل تسلیم ہے لیکن یہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ زبان عربی سے جہل بھی غیر معتبر ہو احکام شرعیہ منحصر بزبان عربی نہیں، عاقدین احکام نکاح کو زبان غیر عربی مثلاً فارسی اردو وغیرہ میں جانتے ہیں اور زبان عربی سے واقف نہیں تو یہ نہیں کیا جاسکتا کہ جاہل بالاحکام ہیں، جہل بالاحکام اور جہل باللسان کو متحد جان کر دونوں کو غیر معتبر کہنا صحیح نہیں ہوسکتا، لہٰذا جب عاقدین کو کسی طرح اس کا علم نہیں کہ ان الفاظ کے کیا معنٰی ہیں اور کس موقع پر اس کا استعمال ہوتا ہے، تو ان کے تلفظ سے نکاح نہیں ہوسکتا، فصول عمادی میں ہے:

انہ لایصح عقد من العقود اذا لم یعلما معناہ[2] اھ۔	جب گواہ حضرات کسی عقد کا معنٰی نہ سمجھیں تو عقد صحیح نہ ہوگا اھ (ت)

فتاوٰی حمادیہ میں مثل اس کے لکھا ہے، شمس الاسلام اوزجندی سے کسی نے اس مسئلہ کو پوچھا، فرمایا: نہ منعقد ہوگا،

لان المرأۃ فی ھذہ بمنزلۃ الطوطی والصبی الذی لایعقل۔	کیونکہ اس معاملے میں عورت طوطے اور ناسمجھ بچے کی طرح ہے۔ (ت)

---

[1] نورالانوار مبحث الامور المعترضۃ للاھلیۃ نوعان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۲

[2] فصول عمادی

صاحب فتاوی بزازیہ کی بھی یہی رائے ہے، درمختار کے فتوی کو ردالمحتار میں لکھا ہے کہ اس میں اختلاف ہے، اب آپ کے نزدیک اگر یہ نکاح جائز ہے تو شبہہ مذکورہ بالا کا جواب مدلل طور سے ارقام فرمائے اور اگر ناجائز ہے تو یہ فرمائے کہ مجوزین کی دلیل بالکل سست ہے یا نہیں۔؟ تیسری دلیل میں نے ان لوگوں کی نہیں دیکھی، اگر آپ کی نظر سے گزری ہو تو مطلع فرمایئے، یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ بہت عدیم الفرصت ہوں گے، مگر خدا نے وارث الانبیاء آپ کو کیا ہے، سائل اور کس سے اپنے شبہے رفع کرے، والسلام۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر کی رائے میں دونوں دلیلیں اعتراض سے بری اور دونوں قول اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں، دلیل اول کی برأت تو واضح تر، امام اجل قاضی خاں نے فتاوی خانیہ میں امام ظہیر الدین مرغینانی نے فتاوی ظہیریہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں اسے افادہ فرمایا اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر محقق زین نے بحر الرائق میں اس پر تعویل کی، اس میں صورت مذکورہ کو ہزل نہ کہا بلکہ ایک مقدمہ دلیل پر مسئلہ ہزل سے استدلال فرمایا ہے، تقریر کلام یہ ہے کہ یہاں انعقاد نکاح سے مانع ہو تو یہی کہ معنٰی معلوم نہیں، اور ایسا ہو تو علم بمعنٰی شرط ہو لیکن وہ شرط نہیں کہ اس کا اشتراط ہو تو قصد ہی کے لیے اور یہاں قصد درکار نہیں، دیکھو ہزل میں معنی مقصود نہیں ہوتے اور نکاح صحیح ہے، اسی مطلب کو تجنیس میں بایں عبارت ادا فرمایا:

ولو عقدا عقد النکاح بلفظ لایفهمان کونه نکاحا هل ینعقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم ینعقد لان النکاح لایشترط فیه القصد[1]۔	اگر مرد وعورت نے ایسے الفاظ سے نکاح منعقد کیا جن سے ان دونوں کو نکاح ہونے کا پتا نہ چل سکے، کیا اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ نکاح منعقد ہوجائے گا کیونکہ نکاح میں قصد شرط نہیں ہے۔ (ت)

رہی دوسری دلیل، اس پر اعتراض اشتباہ معنٰی سے ناشی ہے، فقیر بعون القدیر اسے ایسے نہج سے بیان کرے جس سے دلائل واحکام سب کا انکشاف ہوجائے ۳۸ **فاقول: وباللہ التوفیق** یہاں دو چیزیں ہیں ۱لفظ کا مفہوم کہ لغوی شرعی عرفی حقیقی مجازی کی طرف مقسوم، اور ۲اس کا حکم کہ غرض غایت مقصود وثمرہ وغیرہا سے موسوم، ان دونوں پر لفظ کے معنٰی مضمون حتی کہ موضوع لہ کا بھی اطلاق آتا ہے اگرچہ اول کے بعض

---

[1] التجنیس والمزید

اقسام میں وضع نوعی ہے۔ امام اجل فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ نے اصول میں فرمایا:-

الهزل اللعب وهو ان يراد بالشيئ مالم يوضع له وهو ضد الجد وهو ان يراد بالشيئ ما وضع له[1]۔	ہزل (مذاق) ایسے کھیل کا نام ہے جس میں کسی چیز سے ایسی مراد لی جائے جس کے لیے وہ چیز وضع نہ کی گئی ہو، یہ جد (قصد) کی ضد ہے اور جد کسی چیز سے اس کا موضوع لہ مراد لینا ہے۔ (ت)

امام جلیل عبدالعزیز بخاری اس کی شرح کشف کبیر میں فرماتے ہیں:-

ليس المراد من الوضع ههنا وضع اللغة لاغير بل وضع العقل والشرع فان الكلام موضوع عقلا لافادة معناه فی حقيقة كان اومجاز ا والتصرف الشرعی موضوع لافادة حكمه فاذا اريد بالكلام غير موضوعه العقلی وهو عدم افادة معناه اصلا واريد بالتصرف غير موضوعه الشرعی وهو عدم افادة الحكم اصلا فهو الهزل وتبين بما ذكرنا الفرق بين المجاز والهزل فان الموضوع العقلی للكلام وهوافادة المعنی فی المجاز مراد وان لم يكن الموضوع له اللغوی مرادا وفی الهزل كلاهما ليس بمراد وهو معنی ما نقل عن الشيخ ابی منصور رحمه الله تعالٰی ان الهزل ما لايراد به معنی[2]۔	یہاں وضع سے خاص وضع لغوی مراد نہیں بلکہ وضع عقلی وشرعی سب کو شامل ہے، کیونکہ عقلی طور پر کلام کی وضع اس لیے ہے کہ اپنے معنی کا فائدہ دے چاہے معنی حقیقی ہو یا مجازی ہو اور شرعی تصرف کی وضع اس کے حکم کے افادہ کے لیے ہے تو جب کلام سے اس کا عقلی معنٰی یعنی افادہ مقصد مراد نہ ہو اور تصرف شرعی سے شرعی معنی یعنی حکم کا افادہ مراد نہ ہو تو اس کو ہزل کہتے ہیں، ہمارے بیان سے واضح ہوگیا کہ مجاز اور ہزل (مذاق) میں فرق ہے کہ مجاز میں عقلی وضع کے لحاظ سے معنٰی مراد لیا جاتا ہے اگرچہ لغوی معنی مراد نہیں ہوتا جبکہ مذاق میں دونوں معنوں میں سے کوئی بھی مراد نہیں ہوتا، اور شیخ ابو منصور رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول کا یہی معنٰی ہے کہ مذاق وہ ہے جس سے کوئی معنٰی مراد نہ لیا جائے (ت)

معنٰی بمعنی اول کا علم اصلاً ضرور نہیں ولہٰذا اگر عورت نے "**زوجت نفسی منك بالف**" اور مرد نے "**قبلت**" کہا اور دونوں زبان عربی سے محض ناآشنا تھے مگر اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ یہ الفاظ عقد نکاح

[1] اصول البزدوی فصل الهزل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۷

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی فصل الهزل دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۵۷

کے لیے کہے جاتے ہیں باتفاق علماء نکاح ہوگیا، خانیہ میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بلفظۃ العربیۃ اوبلفظ لایعرف معناہ او زوجت المرأۃ نفسہا بذلك ان علما ان ھذاالفظ ینعقد بہ النکاح یکون النکاح عند الکل[1]۔	اگر کسی مرد نے عربی زبان یا کسی بھی زبان کا ایسا لفظ استعمال کرکے نکاح کیا اوریوں ہی عورت نے ایسا لفظ استعمال کیا کہ جس کا معنٰی اسے معلوم نہ ہو اگر ان دونوں کو ان الفاظ سے نکاح کے انعقاد کا علم ہوگیاتو یہ نکاح سب کے ہاں درست ہے۔ (ت)

یوں ہی اگرنا آشنایانِ عربی نے "بعت اشتریت" بقصد بیع وشراء کہا اور جانتے تھے کہ یہ الفاظ عقد بیع کے ہیں ضرور بیع ہوجائے گی اگرچہ تفسیر الفاظ سے ناواقف ہوں کہ بعد علم حکم بقصد ان الفاظ کا تحاور دلیل مراضاۃ ہے اور ایسی مراضاۃ ہی ان عقود میں کفیل اثبات ہے۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنٰی کااعتبار ہوتاہے اور اس لیے ہر چھوٹی موٹی چیز کے لین دین کرنے سے بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رضاظاہر ہوجاتی ہے (ت)

توثابت ہواکہ مسئلہ دائرہ میں معنی بمعنی دوم ہی مراد ہے کہ اول بالاجماع مراد نہیں تواس کا جہل مناط نزاع نہیں ہوسکتا، بعض اکابر نے کہ الفاظ عربی اور عاقدین کے ہندی یاترکی ہونے سے تصویر فرمائی وہ بحسب عادات فقہاء ہے کہ مظنہ غالبہ شئے کو قائم مقام شیئ کرتے ہیں۔

کمالایخفی علی من مارس کلماتھم العلیہ وقد ذکرنا طرفامنھافی فتاؤنا۔	جیساکہ فقہاء کرام کے کلام کے فہم میں ماہر پر مخفی نہیں جس کاکچھ بیان ہم نے اپنے فتاوٰی میں کیاہے۔ (ت)

غالب یہی ہے کہ آدمی الفاظ زبان غیر مفہوم کے مقاصد پر بھی مطلع نہیں ہوتا، ولہٰذا امام فقیہ النفس نے "وان لم یعرفا معنی اللفظ" (اگرچہ دونوں نے لفظ کا معنٰی نہ سمجھا۔ ت) پر قناعت نہ کی کہ اول کی طرف ذہن نہ جائے بلکہ افادہ مراد کے لیے "ولم یعلما ان ھذا لفظ ینعقد بہ النکاح"[3] (اور دونوں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

[2] ہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۲۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

یہ نہ سمجھا کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ ت) بڑھایا، اور امام برہان الدین نے اصل مقصود لفظ لایفہما کونہ نکاحا (ایسا لفظ جس سے دونوں نے نکاح ہونا نہ سمجھا۔ ت) فرمایا، علامہ ابن عابدین نے منحۃ الخالق میں کلام خانیہ سے یہی اخیر فقرہ مقصودہ نقل کیا اول ترک کر دیا،

حیث قال قال فی الخانیۃ وان لم یعلما ان ھذا اللفظ ینعقد بہ النکاح فھذہ جملۃ مسائل[1] الخ۔	جہاں انھوں نے کہا کہ خانیہ میں فرمایا کہ اگر انھوں نے اس لفظ سے نکاح ہونا نہ سمجھا تو یہ تمام مسائل ہیں الخ (ت)

اسی قدر نے دلیل دوم سے رفع اعتراض کر دیا۔

۳۹ **ثم اقول:** پھر جس طرح علم بمعنی اول اصلاً ضرور نہیں بمعنی دوم دیانۃً مطلقاً ضرور ہے **قال تعالٰی** لِأُنۡذِرَكُمۡ بِهٖ وَمَنۡۢ بَلَغَ[2] (تاکہ تمھیں ڈر سناؤں اور ان لوگوں کو جن کو یہ ڈر پہنچے۔ ت) اگرچہ یہ بلوغ حکم حکماً ہو جیسے دارالاسلام میں ہونا اور سیکھنے کا تیسر کہ پھر نہ جاننا اپنی تقصیر ہے، ولہذا جہل کو عوارض مکتسبہ سے شمار فرماتے ہیں کہ ازالہ پر قادر ہوں کہ باقی رکھنا گویا آپ اس کا حاصل کرنا ہے یہی منشا ہے کہ نشہ کی طلاق واقع ہے اگرچہ ایقاع کو عقل ضرور، اور نشہ اس کا مزیل مگر دانستہ اس کا ارتکاب خود اس کا قصور، اصول امام بزدوی میں ہے:

الجھل فی دارالحرب من مسلم لم یھا جریکون عذرا فی الشرائع حتی لاتلزمہ لانہ غیر مقصر وکذلك الخطاب فی اول ما نزل فان من لم یبلغہ کان معذورا فاما اذا انتشر الخطاب فی دارالاسلام فقد تم تقصیر فمن جھل بعد فانما اتی من قبلہ تقصیرہ فلا یعذر کمن لم یطلب الماء فی العمران وتیمم وکان الماء موجودا فصلی لم یجز[3]۔	دارالحرب میں مسلمان جو کہ ہجرت کرکے دارالاسلام نہ آیا ہو اس کی شرعی مسائل میں جہالت عذر ہے کہ اس عذر کی بناء پر وہاں اس کے لیے لازم نہ ہوں گے، کیونکہ یہ اس کی طرف سے کوتاہی نہیں ہے، یونہی جب پہلا خطاب نازل ہوا اور دارالاسلام میں رہنے والے کو نہ پہنچا تو وہ بھی معذور قرار پائیگا لیکن وہ خطاب جب دارالاسلام میں پھیل جائے اور تبلیغ تام ہو جائے اس کے بعد جو جاہل رہے تو یہ اس کی کوتاہی شمار ہوگی تو وہ معذور نہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی شخص آبادی میں جہاں پانی موجود ہے تو پانی طلب یا تلاش کئے بغیر تیمّم سے نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوگی۔ ت)

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحر الرائق کتاب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۵/۳

[2] القرآن ۱۹/۶

[3] اصول البزدوی باب العوارض المکتسبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۴۵

یہی معنی ہیں اس قول کے کہ دارالاسلام میں جہل عذر نہیں، اور یہیں سے واضح ہوا کہ اگر ہمارے بلاد میں کوئی جاہل سا جاہل اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہے تجھ پر طلاق ہے عورت فورا نکاح سے باہر ہوجائے گی اور بے حاجت عدت اسے اختیار ہوگا کہ جس سے چاہے نکاح کرلے اور اس کا یہ مسئلہ نہ جاننا کہ غیر مدخولہ مطلقًا ہر طلاق سے بائن ہوجاتی ہے اسے مفید نہ ہوگا، کسی ناخواندہ ہندی یا بنگالی کو اگر سکھائے کہ عورت سے کہہ: تراازز نی بہشتم (تجھ کو زوجیت سے نکال دیا۔ ت) یا طلقتك فالحقی باھلك (میں نے تجھے طلاق دے دی ہے تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا۔ ت) اور وہ نہ جانے کہ یہ کلمات طلاق کے ہیں عنداللہ طلاق نہ ہوگی کہ یہ جہل بالحکم جہل باللسان سے ناشی ہوا، اور جہل باللسان تقصیر نہیں، فارسی سیکھنا اصلًا اور عربی سیکھنا ہر شخص پر فرض نہیں، اسی سے امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

لابد من القصد بالخطاب بلفظ الطلاق عالما بمعناہ اوالنسبة الی الغایة کمایفیدہ فروع[1] الخ۔	لفظ طلاق سے خطاب کرتے ہوئے اس کے معنی کا علم یا غرض کی طرف نسبت ہو جیساکہ فروع نے افادہ کیا الخ (ت)

یعنی علم بمعنی دوم طلاق بھی ضرور ہے، اگر وہ صورت پائی جائے کہ اس کے جہل میں معذور ہو جیسے جہل بالحکم بوجہ جہل باللسان تو دیانۃً طلاق نہ ہوگی، نہر الفائق میں ہے:

اراد انہ شرط للوقوع قضاء ودیانة فخرج مالایقع بہ لاقضاء ولادیانة کمن کرر مسائل الطلاق ومایقع بہ قضاء فقط کمن سبق لسانہ لانہ لایقع فیہ دیانة[2] اھ **قلت** فقولہ قضاء ودیانةً ای معًا ای ھو شرط لان یقع دیانةً ایضًا کمایقع قضاءً ولوبدونہ فافھم۔	ان کی مراد یہ ہے کہ وہ قضاءً ودیانۃً وقوع طلاق کے لیے شرط ہے تواس سے وہ صورت خارج ہے جس میں قضاءً ودیانۃً واقع نہ ہو، جیسے کوئی شخص مسائل طلاق کا تکرار کرے اور وہ صورت بھی خارج ہے جس میں صرف قضاءً واقع ہو، جیسے غلطی سے کہہ دیا ہو تواس میں دیانۃً واقع نہ ہوگی، اھ **قلت** اس کے "قول قضاءً ودیانۃ" کا مطلب یہ ہے کہ "قضاءً ودیانۃً" دونوں اکٹھی یعنی یہ شرط دیانۃً وقوع کے لیے بھی ہے جس طرح قضاءً بغیر دیانۃً کے لیے شرط ہے اسے سمجھو۔ ت)

البتہ قاضی دعوی جہل نہ مانے گا اور حکم طلاق دے گا جب تک دلائل واضحہ سے اس کا عذر روشن نہ ہوجائے۔

[1] فتح القدیر باب ایقاع الطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۵۱

[2] نہر الفائق

ولہٰذا در مختار میں فرمایا:

تلفظ به (ای بالطلاق) غیرعالم بمعناه اوغافلا اوساهیا اوبالفاظ مصحفة یقع قضاء فقط بخلاف الهازل واللاعب فانه یقع قضاء ودیانة لان الشارع جعل هزله به جدا[1]۔ فتح۔	معنٰی معلوم نہ ہونے یاغفلت یا بھول کر، یا غلط تلفظ کی صورت میں طلاق کا لفظ بولا تو صرف قضاء طلاق ہوگی، اس کے برخلاف جبکہ مذاق اور کھیل کے طور پر لفظ طلاق بولے تو قضاءً ودیانۃً دونوں طرح طلاق ہوجائی گی کیونکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طلاق میں مذاق کو قصداً طلاق کا حکم دیا ہے۔ فتح۔ (ت)

اس تقریر سے مستنیر ہوا کہ جن اکابر نے صورت مسئولہ میں انعقاد نہ مانا وہ حکم دیانت ہے اور جن ائمہ نے مانا وہ حکم قضا ہے۔ لاجرم امام فقیہ النفس نے صاف فرمایا:

ان لم یعرفا معنی اللفظ ولم یعلما ان هذا لفظ ینعقد به النکاح فهذه جملة مسائل الطلاق والعتاق والتدبیر والنکاح والخلع والابراء عن الحقوق و البیع والتملیك فالطلاق والعتاق والتدبیر واقع فی الحکم ذکره فی عتاق الاصل فی باب التدبیر واذا عرف الجواب فی الطلاق والعتاق ینبغی ان یکون النکاح کذلك لان العلم بمضمون اللفظ انما یعتبر لاجل القصد فلایشترط فیما یستوی فیه الجد والهزل بخلاف البیع ونحو ذلك[2]۔	اگر دونوں لفظ کا معنٰی نہیں جانتے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس لفظ سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو طلاق عتاق، تدبیر، خلع، حقوق سے بری کرنا بیع اور تملیک یہ تمام مسائل ہیں ان میں سے طلاق، عتاق اور تدبیر (مدبر بنانا) حکم میں شامل ہیں، امام محمد نے اس حکم کو اصل کے باب عتاق کی بحث تدبیر میں ذکر کیا ہے اور جب طلاق وعتاق کا حکم معلوم ہوگیا تو نکاح کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کیونکہ لفظ کے مضمون کا علم قصد واختیار کے لیے معتبر ہوتا ہے تو جہاں قصد ومذاق کا حکم مساوی ہو وہاں یہ علم شرط نہیں ہوگا بخلاف بیع جیسے امور کے (وہاں علم مذکور شرط ہے) (ت)

ہاں مشائخ اوزجند نے اہل تلبیس کا مکرر رد کرنے کو مطلقاً عدم انعقاد فرمایا یعنی قضاء بھی حکم نہ دیں گے۔ بحر الرائق میں ہے:

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۱

لو لقنته لفظ الطلاق فتلفظ به غیر عالم بمعناه وقع قضاء لادیانة وقال مشائخ اوزجندی لایقع اصلا صیانة لاملاك الناس عن الضیاع بالتلبیس کمافی البدائع کذافی البزازیة [1]۔	اگر بیوی نے خاوند کو طلاق کے لفظ کہلائے جبکہ خاوند کو ان کا معنٰی معلوم نہیں تھا تو یہ لفظ کہنے سے طلاق قضاءً واقع ہوگی دیانۃً نہیں ہوگی، مشائخ اوزجند نے فرمایا کہ اس صورت میں بالکل طلاق نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، جیساکہ بدائع میں ہے، اور یوں ہی بزازیہ میں ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ پھر منحہ میں ہے:

حکی عن القاضی الامام محمود الاوزجندی عمن لقنته امرأة طلاقا فطلقها وهو لایعلم بذلك قال وقعت هذه المسألة باوزجند فشاورت اصحابی فی ذلك واتفقت اٰراؤنا انه لایفتی بوقوع الطلاق صیانة لاملاك الناس عن الابطال بنوع تلبیس ولو لقنها ان تخلع نفسها منه بمهرها ونفقة عدتها واختلعت لایصح وبه یفتی [2]۔	امام قاضی محمود اوزجندی کے بارے میں مروی ہے کہ انھوں نے اس صورت کے بارے میں کہ بیوی نے خاوند کو طلاق سکھائی جبکہ خاوند کو اس کا معنی معلوم نہ تھا، خاوند نے طلاق کہہ دی فرمایا کہ یہ مسئلہ اوزجند میں پیش آیا تو میں نے اپنے اصحاب سے اس کے متعلق مشورہ کیا توہماری متفقہ رائے یہ قرار پائی کہ اس صورت میں طلاق ہوجانے کافتوٰی نہیں دیا جائیگا تاکہ دھوکے کے ذریعے لوگوں کے املاک کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور اگر خاوند نے بیوی کو خلع بعوض مہر نفقہ عدت سکھایا، تو عورت نے خلع کے یہ الفاظ کہہ دئے تو خلع صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

لقنت المرأة بالعربیة زوجت نفسی من فلان ولا تعرف ذٰلك وقال فلان قبلت والشهود یعلمون اولایعلمون صح النکاح قال فی النصاب وعلیه الفتوی وکذا الطلاق	کسی عورت کو عربی میں کہلایا گیا "زوجت نفسی من فلان" (میں نے اپنے آپ کو فلاں شخص سے بیاہ دیا) جبکہ عورت کو اس عبارت کا معنٰی معلوم نہ تھا اس کے بعد اس فلاں شخص نے جواب میں

---

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۵۸۔

[2] منحۃ الخالق حاشیۃ علی البحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۸

وقال الامام شمس الاسلام الاوزجندی لالانه کالطوطی وسیأتی علیه التعویل [1]۔	"قبلت" (میں نے قبول کیا) کہا تو صحیح ہوگا خواہ گواہوں کو عبارت کا معنی معلوم ہو یا نہ ہو، نصاب میں فرمایا کہ اسی پر فتوی ہے اور مسئلہ طلاق کا بھی یہی حکم ہے، اور امام شمس الاسلام اوزجندی نے فرمایا: طلاق نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ صورت میں مرد، طوطے کے مانند ہے اور عنقریب آئے گا کہ اس پر اعتماد ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لقنه الطلاق بالعربیة وهولایعلم قال الفقیه ابو اللیث لایقع دیانة وقال مشائخ اوزجند لایقع اصلا صیانة لاملاك الناس عن الابطال بالتلبیس وکذا لو لقنت الخلع وهی لاتعلم وقیل یصح و المختار ماذکرنا [2] اھ ملتقطاً۔	خاوند کو کسی نے عربی زبان میں طلاق سکھائی جبکہ وہ اس کا معنٰی اور مقصد نہ جانتا تھا اس کے طلاق کہنے پر فقیہ ابواللیث کے قول کے مطابق دیانۃً طلاق نہ ہوگی، اور مشائخ اوزجند نے فرمایا طلاق بالکل نہ ہوگی تاکہ دھوکے سے لوگوں کے اموال کو ضیاع سے بچایا جاسکے، اور یوں ہی اگر عورت کو خلع سکھایا گیا اور اس کو معلوم نہیں کہ معنٰی کیا ہے، تو بعض نے کہا کہ خلع صحیح ہوگا جبکہ مختار وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے اھ ملتقطا (ت)

رہا نکاح میں گواہوں کا سمجھنا، اس میں تحقیق وتوفیق یہ ہے کہ معنٰی بمعنی اول کا سمجھنا ضرور نہیں بمعنی دوم کا سمجھنا دیانۃً وقضاءً ہر طرح لازم ہے یعنی اتنا جانتے ہیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے یہ الفاظ ایجاب وقبول ہیں اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانیں نہ اس سے آگاہ ہوں، درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین فاہمین انه نکاح علی المذهب. بحر [3]۔	نکاح سمجھنے والے دو گواہوں کی حاضری شرط ہے یہ مذہب ہے بحر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر جزم فی التبیین بانه لوعقدا بحضرة هندیین لم یفهما کلامهما لم یجز و	بحر میں ہے کہ تبیین میں اس پر جزم کیا گیا ہے کہ اگر دو ہندی گواہوں کی حاضری میں عربی میں نکاح فریقین نے کیا جن کے کلام کو وہ نہ سمجھ سکے تو نکاح جائز نہ ہوگا۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ مسائل الایقاع بلاقصد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷۹

[3] درمختار کتاب النکاح مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

صححه فی الجوهرة وقال فی الظهیریة والظاهرانه یشترط فهم انه نکاح واختاره فی الخانیة فکان هو المذهب لکن فی الخلاصة لو یحسنان العربیة فعقد ابها والشهود لایعرفونها الاصح انه ینعقد ووفق الرحمتی بحمل الاشتراط علی اشتراط فهم انه عقد نکاح والقول بعدمه علی عدم اشتراط فهم معانی الالفاظ بعد فهم ان المراد عقد نکاح[1] اھ۔	جوہرہ میں اس حکم کو صحیح کہا ہے، اور ظہیریہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح ہونا گواہوں کو سمجھنا شرط ہے۔ اور خانیہ میں اس کو مختار کہا تو یہی مذہب ہے لیکن خلاصہ میں ہے کہ اگر نکاح کے فریقین عربی اچھی طرح جانتے ہیں اور انھوں نے نکاح عربی میں کیا جس کو گواہوں نے نہ سمجھا تو اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائیگا۔ اور علامہ رحمتی نے دونوں اقوال میں یہ موافقت کی کہ جہاں گواہوں کے فہم کو شرط کہا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ نکاح ہونے کو سمجھ لیں اور جہاں فہم کو شرط قرار نہیں دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ قبول وایجاب کے الفاظ کے معانی سمجھنا شرط نہیں جبکہ نکاح ہونے کا فہم حاصل ہوچکا ہو اھ
[۱۴] **قلت** قد کان سنح للعبد الضعیف قبل ان اره لاشك انه حسن جدا وفی وجیز الامام الکردری تزوجها بالعربی وهما یعقلان لاالشهود قال فی المحیط الاصح انه ینعقد وعن محمد تزوجها بحضرة هندیین ولم یمکنهما ان یعبرا لم یجز فهذا نص علی انه لایجوز فی الاول ایضا اھ[2]۔	**قلت** اس عبد ضعیف پر واضح ہوا کہ یہ تطبیق بہت اچھی ہے جبکہ ابھی میں نے یہ نہیں دیکھا تھا اور وجیز کردری میں ہے کہ مرد وعورت نے عربی میں نکاح کیا، وہ دونوں عربی جانتے تھے اور گواہ نہ جانتے تھے محیط میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ نکاح ہوجائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ فریقین نے عربی میں دو ہندی حضرات کی حاضری میں نکاح کیا جبکہ یہ حضرات اس کی تعبیر پر قدرت نہیں رکھتے تو نکاح جائز نہ ہوگا، امام احمد سے مروی یہ اس بات پر نص ہے کہ عقد نکاح ہونا سمجھنے سے بھی نکاح نہ ہوگا اھ

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۳

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۸

[42] **اقول:** فی قول محمد رضی الله تعالٰی عنه لم یمکنهما ان یعبرا اشارة الی ماذکر نا اذلاحاجة الاالی التعبیر الذی یطلب من الشهود عنداداء الشهادة ولیس علیهم ان یعیدوا الالفاظ التی تلفظا بها ولا ان یعبروها بمرادفاتها اوترجمتها بل لوشهدوا ان فلا ناتزوج فلا نة کفی فهذا هوا لتعبیر المحتاج الیه اویکفی فهذا هوالتعبیر المحتاج الیه اویکفی له ان یفهما انه عقد نکاح وان لم یعرفا تفسیر الکلام لفظا لفظا وایضا اشتراط هذا هو المحقق للمقصد الذی شرع له الشرع شرط الشهود فی هذا العقد منفرزا عن سائر العقود فاسقاطه الغاء للمقصود واشتراط فهم الالفاظ زیادة مستغنی عنها فعلیها فلیکن التعویل وبه یحصل التوفیق وبالله التوفیق ثم لم یظهر لی معنی قول البزازیه فی الاول ایضا فما هوالا الاول۔

اقول: امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کہ "گواہ تعبیر نہ کر سکیں" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کی، کیونکہ گواہوں کو تعبیر کی ضرورت صرف اس وقت پیش آتی ہے جب ان سے گواہی ادا کرنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس وقت گواہوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ نکاح کے فریقین کے الفاظ کو دہرائیں یا ان کے الفاظ کے مترادف الفاظ یا ان الفاظ کا ترجمہ بیان کریں، بلکہ اگر اتنا ہی بیان کردیں کہ فلاں مرد کا فلاں عورت سے نکاح ہوا ہے، تو کافی ہے، بس یہ وہ تعبیر ہے جس کی ضرورت ہے اور اس کے لیے گواہوں کا مجلس میں اتنا سمجھنا کافی ہے کہ نکاح ہو رہا ہے اگرچہ وہ الفاظ کی تفسیر و معانی نہ سمجھ پائیں، پھر یہ کہ شریعت نے خاص اس عقد نکاح کے لیے گواہوں کی حاضری کا جو مقصد متعین کیا ہے اس کے لیے یہ شرط مثبت ہے لہٰذا اتنی شرط کو سمجھنا شرعی مقصد سے بے اعتنائی ہوگی، اور گواہوں کی شرط لگانا غیر ضروری زیادتی ہے تو اس پر اعتماد ہونا چاہئے جبکہ اسی سے تطبیق ہوجاتی ہے اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ پھر مجھے بزازیہ کے پہلے قول کا مفہوم بھی نہیں ملا تو معلوم ہوا کہ ان کا بیان کردہ قول وہ پہلا قول ہی ہے۔ (ت)

بالجملہ حاصل حکم یہ ہے کہ اگر دو گواہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عقد نکاح ہے تو نکاح مطلقاً نہ ہوا اگرچہ زن و مرد خوب سمجھتے اور انشائے نکاح ہی کا قصد رکھتے ہوں اور اگر دو گواہ اس قدر سمجھ لیے اگرچہ تفسیر الفاظ نہ جانتے ہوں تو اگر عاقدین بھی اتنا جانتے ہوں کہ ان الفاظ سے نکاح ہوجاتا ہے تو بالاجماع نکاح ہوجائے گا اگرچہ اس زبان سے دونوں وہ اور گواہ سب ناآشنا ہوں، اور اگر عاقدین میں دونوں یا ایک کو معلوم نہ تھا کہ یہ الفاظ نکاح ہیں تو جہاں احکام اسلام کا چرچا نہیں وہاں یہ جہل عذر ہے اور جہاں چرچا ہے اور وہ

الفاظ کسی غیر زبان کے نہ تھے جس سے آگاہی نہ ہو تو نکاح ہوجائے گا اور یہ عذر مسموع نہیں، اور اگر غیر زبان کے تھے اور فی الواقع اس نے اسے عقد نہ سمجھا تو عنداللہ نکاح نہ ہوگا، رہا قاضی، اسے نظر کامل چاہئے اگر ظاہر ہو کہ واقعی فریب کیا گیا اور دھوکا دیا گیا تو بطلان نکاح کا حکم دے ورنہ صحت کا۔

ھذا ماعندی وارجو ان یکون ھوالفقہ المتین والقول الجامع الناصع المبین۔	میرے ہاں فہم یہ ہے اور امید ہے کہ یہی مضبوط فہم ہے اور یہی جامع واضح اور خاص قول ہے (ت)

زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو، ہاں اگر اپنے افعال خبیثہ پر قائم رہے اور یہ تاقدر قدرت انسداد نہ کرے تو یہ دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب، مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے نفس نکاح پر اس سے اثر نہیں، حق سبحانہ وتعالٰی نے محرمات گنا کر فرمایا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ[1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔ت) رہی آیہ کریمہ:

وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنۡكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِكٌ‌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰ لِكَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝[2]۔	زانیہ عورت سے صرف زانی یا مشرک نکاح کرے اور مومنین پر یہ حرام ہے (ت)

اس کا حکم منسوخ ہے قالہ سعید بن مسیب وجماعۃ (یہ سعید بن مسیب اور ایک جماعت کا قول ہے۔ت) یا نکاح سے یہاں جماع مراد ہے کما قال حبر الامۃ عبداللہ بن عباس وسعید بن جبیر ومجاھد والضحاك وعکرمۃ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ویزید بن ھارون[3] (جیسا کہ امت کے ماہر عالم عبداللہ بن عباس اور سعید بن جبیر اور مجاہد، ضحاک، عکرمہ، عبدالرحمان بن زید بن اسلم، اوریزید بن ہارون کا قول ہے۔ت) والتفصیل فی فتاوٰنا (اس کی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰: مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

نکاح کے وقت ولی کی بات قبول کی جائے گی یا لڑکی کے زبانی الفاظ جو وہ کہتی ہے اور ولی کس کو بنانا چاہئے۔؟ نکاح میں ضروری الفاظ اور لازمی کیا کیا ہیں اور ان کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب:

لڑکی بالغہ ہے تو اس کا اپنا ایجاب یا قبول ہونا چاہئے اگرچہ بواسطہ وکیل۔ اور نابالغہ ہے تو

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] القرآن ۲۴/ ۳

[3] تفسیر در منثور سورۃ النور آیہ اللہ العظمی النجفی قم ایران ۵/ ۱۹

اس کے ولی کا ولی کسی کے بنانے کا نہیں ہوتا بلکہ وہ شرع مطہر نے ترتیب وار مقرر کئے ہیں سب میں پہلا ولی بیٹا ہے پھر باپ پھر دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، وعلٰی ہذا القیاس دادا پر دادا کی اولاد کا جو مرد عاقل بالغ قریب تر ہو گا وہی ولی ہے، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر ماں ہے، اسی طرح بترتیب اصحاب فرائض، پھر ذوی الارحام، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر حاکم اسلام۔ نکاح میں ضروری الفاظ ایجاب وقبول ہیں جن سے عقد سمجھا جائے نہ وعدہ مثلاً مرد عورت سے کہے میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا عورت کہے میں نے قبول کیا یا عورت کا وکیل کہے میں نے فلاں عورت بنت فلان ابن فلاں کو دادا تک نام لے اگر صرف باپ کے نام سے پوری تمیز نہ ہو جائے یا عورت سامنے بیٹھی ہے تو کسی کے نام لینے کی حاجت نہیں اشارہ کرکے کہے اس عورت کو تیرے نکاح میں دیا مرد کہے میں نے قبول کیا اور دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان عاقل بالغ آزاد ان دونوں کی گفتگو کو معًا سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، بس اسی قدر ضروری ہے اس کے سوا خطبہ پڑھنا سنت ہے اور کلمے پڑھانا ایک اچھی بات ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۱: از ریاست رام پور محلّہ پیلا تالاب مرسلہ مولوی شفاعت رسول صاحب سلمہ قادری برکاتی رضوی ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حضور پر نور کا در بارہ متعہ کے کیا ارشاد ہے، اوائل اسلام میں جائز تھا پھر حرام کردیا گیا، آیا اس کی حرمت حدیث سے ثابت ہے یا اقوال سے؟

الجواب:

متعہ کی حرمت صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ارشادوں سے ثابت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال شریفہ سے ثابت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن عظیم سے ثابت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جو لوگ اپنی بیویوں اور لونڈیوں کے ماسوا سے اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں وہ ملامت سے محفوظ ہیں اور جو لوگ غیر کے متلاشی ہیں وہ حد سے متجاوز ہیں۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن ۲۳/۷۔۶۔۵

مسئلہ ۴۲: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب مورخہ ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی آشنائی ایک طوائف سے ہے اور اس سے فعل حرام کرتاہے اور اس سے کئی اولاد پیدا ہوچکی ہیں اب طوائف مذکور کا یہ ارادہ ہے کہ میرا نکاح اس زید آشنا سے ہوجائے تاکہ میں فعل حرام سے بچ جاؤں، زید کی بھی کچھ منشا پائی جاتی ہے لیکن زید کے گھر والے اس نکاح کے منکر ہیں اور زید پر اس بات کا دباؤ ڈالتے ہیں کہ اگر تونے اپنا نکاح طوائف سے کیا تو تم کو برادری سے خارج کردیں گے اس واسطے کہ ہمارے خاندان کو دھبہ لگاناہے کیونکہ ہم شریف ہیں، اور نہ اس کی اولاد کا ہم لوگ اپنی برادری میں شادی بیاہ کرسکتے ہیں، یہ نکاح ٹھیک نہیں، اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ نکاح کرنا کیساہے، آیا سنت میں داخل ہے یاخلاف سنت؟ اور زید اس نکاح کے کرنے سے دائرہ اسلام اور برادری میں رہا یانہیں؟ اور منکر اس نکاح کے کس درجہ میں شمار کئے جائیں؟ اور جو اس نکاح پر اعتراض کریں اور برا کہیں وہ کس درجہ میں شمار ہیں؟ فقط، جناب اعلٰی حضرت کے مع آیت وحدیث، مہر، دستخط کے امیدوار ہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح سنت ہے مگر رنڈی سے نکاح سنت نہیں، بلکہ اس کے جائز ہی ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، پھر ایک جائز بات جس سے فتنہ ونفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے، ناجائز ہوجاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔:

بشروا ولاتنفروا[1] (خوشخبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳، ۴۴: از چوہڑکوٹ یارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین دریں مسائل کہ:	کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:
(۱) اگر زنے بیوہ شود دویم بار نکاح کردن لازم است یا میخواہد کہ من نکاح نمی کنم کہ مے گوید بنشینم رواست یا نہ، خواہ جوان باشد یا درمیان سالہ باشد یا پیرزن بود، ہرچہ حکم شرع باشد تحریر فرمایند۔	**(۱)** کوئی عورت بیوہ ہوجائے تو کیا اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسرا نکاح کرے جبکہ وہ کہتی ہے میں نکاح نہیں کروں گی اور بغیر نکاح بیٹھوں گی، جوان، درمیانہ عمر یا عمر رسیدہ ہو، کیا اس کو بغیر دوسرے نکاح کے بیٹھنا جائز ہے جو شرعی حکم ہو تحریر فرمادیں۔
(۲) چو پدر درزندگی خود دختر رابکودکے درعقد	**(۲)** باپ نے بیٹی کا نکاح کسی بچے سے کیا اور خاوند

[1] صحیح بخاری باب ماکان النبی یتخولہم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

نکاح آورد کہ صغیر ست درخانہ خود دختر نشستہ ست محض ایجاب وقبول کردہ پدرش بمرد دختر دوسہ سال منقضی گردید کہ بالغہ است وکودک تاحال خورد آیا شرعاً اکنوں برادران گناہ ست یانہ، یاحوالہ آں خورد بکنند؟ ایں چنیں کاربرائے پدر مرحوم چگونہ باشد وچہ گناہ؟	بچہ ہے اس لیے باپ نے بیٹی کو اپنے گھر پر رکھا اور رخصتی نہ دی، باپ کے فوت ہونے پر بیٹی دو تین سال سے بالغ ہے اور لڑکا تاحال نابالغ ہے تو کیا اب لڑکی کے بھائیوں پر کوئی گناہ ہوگا اگر وہ نابالغ کے حوالے نہ کریں، یا گناہ نہ ہوگا؟ اور اب باپ مرحوم کے بارے میں بھی بتایا جائے کہ اس کا فعل درست تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا گناہ ہے؟ (ت)

الجواب:

(۱) پیرزن راخود جبر برنکاح نتواں کردہ جوان نیز اگر بر نفس خود اطمینان دارد واتباع رسم باطل ہنود نمی کنند از قید نکاح دیگر آزاد ماندنش می رسد کمادل علیہ حدیث ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وبیناہ فی اطائب التھانی آرے اگر برخود اطمینان ندارد نکاح واجب ست واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۲)** قاصرہ رانکاحیکہ پدر کرد فسخ نتواں نمود گوباغیر کفو وبغبن فاحش درمہر باش صبی اگر مراہق شدہ زنش رامے خواہد باوسپردن لازم ست۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	**(۱)** عورت بوڑھی ہو تو اسے نکاح پر مجبور نہ کیا جائے اور اگر جوان ہے تو بھی اس پر جبر نہیں بشرطیکہ وہ اپنے نفس کو محفوظ رکھنے میں مطمئن ہو، اور ہندوؤں کی غلط رسم کی پیروی میں نکاح سے انکار نہ کرتی ہو، تو اس کو دوسرے نکاح کی قید سے آزاد رہنے کا حق ہے جیساکہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا والی حدیث اس پر دال ہے، اور اس کو ہم نے اطائب التھانی میں بیان کیا ہے، ہاں اگر جوان عورت کو اپنے نفس کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو پھر اس پر نکاح کرنا واجب ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔** نابالغہ کا نکاح جو والد نے کیا ہے وہ لازم ہے کفو میں ہو یا غیر کفو میں، پورے مہر سے ہو یا بہت کم مہر پر، لڑکا اگر قریب البلوغ ہو اور وہ بیوی کی رخصتی کا مطالبہ کرے تو رخصتی ضروری ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵: از مقام گائے گھاٹ ڈاکخانہ ہلدی ضلع بلیا مرسلہ مولوی عبدالحہ صاحب　　۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت گنگی یہاں ایک ماہ سے آئی ہے اس کے ساتھ اس کا ایک لڑکا چار پانچ برس کا ہے، اس کے قبل یہ عورت یہاں سے دس میل پر ایک گاؤں ہے وہاں پندرہ

مہینے سے تھی جب وہاں آئی تو ادھر اُدھر پتا لگایا گیا مگر یہ پتا نہیں لگا کہ عورت کہاں کی ہے اور اس کا شوہر مر گیا ہے یا زندہ ہے اور لاپتا ہوگیا یا طلاق دے دیا، اب اس کو ایک شخص نے نکاح کرنے کے لیے رکھا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر اس کا شوہر زندہ رہتا تو لڑکے کو نہ چھوڑتا، اب اس کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نکاح نہیں ہوسکتا،

فان المانع معلومه والمزیل مجهول وما ثبت بیقین لایزول الا بیقین مثله۔ والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس سے نکاح میں مانع (شادی شدہ) ہونا معلوم ہوتا ہے اور مانع کو ختم کرنے والا (خاوند کا فوت ہونا یا طلاق دینا) معلوم نہیں ہے تو یقینی امر کا زوال بھی اس جیسے یقینی امر سے ہی ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۴۶: از ملیح آباد ضلع لکھنؤ مرسلہ محمد یوسف خاں صاحب ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حنفی المذہب بحلف کچہری میں بیان کرتا ہے کہ اس نے ایک مسماۃ کے ساتھ عقد کے وعدہ پر متعہ کرلیا، اب ایسا شخص مذہب حنفی کے اندر داخل رہا یا نہیں؟ اور سنی حنفی لوگوں کو نماز میں اس کی امامت یا جماعت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا یہ فعل شرعًا کیا قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور ایسی حالت میں اس کی بیعت ارادت جو ایک بزرگ کے ہاتھ پر کی تھی قائم رہی یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے افعال واقوال معتبر ہوں گے یا نہیں؟ اور حنفی سنی لوگ بعد اس کے مرنے کے اس شخص کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ پڑھنے کے شرعاً ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:

متعہ نص قرآن عظیم واجماع ائمہ اہلسنت بلاشبہ باطل وحرام قطعی ہے،

قال تعالٰی: فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ[1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو شخص (بیویوں اور لونڈی مملوکہ) کے علاوہ غیر کی خواہش کرتا ہے وہ حد سے متجاوز ہے۔ (ت)

شخص مذکور اس کے ارتکاب اور کچہری میں اعلان سے فاسق معلن ہوا اس کی امامت ممنوع اور اس کے پیچھے

---

[1] القرآن ۲۳/ ۷

نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ فتاوٰی حجہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون[1]۔	اگر فاسق کو امام بنایا تو وہ گناہ گار ہوں گے۔ (ت)

غنیہ میں ہے:

بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ فلا یبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلوۃ وفعل ما ینافیھا ھو الغالب بالنظر الی فسقہ[2]۔	اس بناپر کہ فاسق کو امام بنانے کی کراہت، کراہت تحریمی ہے، کیونکہ وہ دینی امور سے بے اعتنائی کرتا ہے تو کیا بعید کہ وہ نماز کی بعض شرطوں میں خلل اور ان کے منافی عمل نماز میں کردے، اس کے ظاہر حال سے یہی غالب گمان ہوتا ہے (ت)

اور جب ایک بدبودار چمڑے کے لیے اس نے حرام قطعی کا ارتکاب کیا اور بیباک اتنا کہ کچہری میں اس کا خود اعلان کیا تو اس کے قول وفعل کا کیا اعتبار رہا، بلکہ معاذاللہ مرتے وقت اس کے سلب ایمان کا خوف ہے، تاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہما میں ہے:

حکی ان رجلا من اصحاب ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، خطب الی رجل من اصحاب الحدیث ابنتہ فی عھد ابی بکر الجوزجانی فابی الا ان یترك مذھبہ، فیقرأ خلف الامام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذلك فاجابہ فزوجہ فقال الشیخ بعد ماسئل عن ھذہ واطرق راسہ النکاح جائز ولکن اخاف علیہ ان یذھب ایمانہ وقت النزع لانہ استخف بمذھب الذی ھو حق عندہ وترکہ لاجل جیفۃ منتنۃ[3]۔	ایک شخص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقلد تھا اس نے (شافعی مسلک) ایک محدث کی لڑکی کی منگنی چاہی تو محدث صاحب نے حنفی مسلک چھوڑنے اور رفع یدین اور قراءت خلف الامام کرنے کی شرط پر رشتہ دیا جو اس نے قبول کرلیا اور محدث صاحب نے نکاح دے دیا، یہ واقعہ شیخ ابوبکر جوزجانی کے زمانے کا ہے جب آپ سے اس واقعہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے سوچ بچار کے بعد فرمایا: نکاح تو جائز ہے لیکن اس شخص کے بارے میں مجھے اندیشہ ہے کہ نزع کے وقت اس کا ایمان جاتا رہے کیونکہ اس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی توہین کی ہے اور اسے بدبودار مردار

---

[1] غنیہ المستملی منیۃ المصلی بحوالہ فتاوٰی حجہ فصل فی الامامۃ مجتبائی دہلی ص ۵۱۳

[2] غنیہ المستملی منیۃ المصلی بحوالہ فتاوٰی حجہ فصل فی الامامۃ مجتبائی دہلی ص ۵۱۳

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب اذا ارتحل الی غیر مذھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۹۰

کی خاطر چھوڑ دیا۔ (ت) بلکہ متعہ کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی سوائے اس کے کہ جس سے کیا وہ رافضیہ ہو اور رافضیہ حال سے نکاح بھی باطل ہے نہ کہ متعہ، تو یہ حرام در حرام ہوا، ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے: **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان سے متعلق مرتدین کے احکام ہیں۔ت) بالجملہ وہ شرعاً سخت سزا کا مستحق ہے مگر ارتکاب حرام کے باعث کافر نہ ہوا کہ اس کی بیعت فسخ ہو جاتی یا اس کے مرنے پر مسلمان اس کی تجہیز و تکفین و نماز کے ذمہ دار نہ رہیں بلکہ بہ سبب کبیرہ حنفیت سے بھی خارج نہ ہوگا اگر اسے حرام جان کر کیا ہو، ہاں اگر حلال جانا تو حنفیت کیا سنیت سے خارج ہو گیا **ولایخرج عن الاسلام لما لھم فیہ الشبھۃ** (شبہ والی بات سے خارج از اسلام نہ ہوگا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۷: از موضع نڈوا مہوا ڈاکخانہ بکھر بازار ضلع بستی مرسلہ گل میاں صاحب ۱۳ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ساکن مہداول میں اپنی سگی بھتیجی عاقل بالغ کو ایک شخص ساکن امر ڈوبھا کے حوالے کر دی چونکہ اس لڑکی کا باپ مدت سے انتقال کر گیا لڑکی کا چچا اس کا مربی تھا وہ لڑکی جس شخص کے حوالے کر دی اس کو کہا گیا کہ تم اپنے گھر جا کر اس لڑکی سے نکاح کرلو، جمعہ کے روز روبرو گواہان معتبران کے نکاح کر لیا گیا، بعد چند یوم کے چچا کو اس کے عزیزوں نے بہکا دیا، انھوں نے جھگڑا ڈال کر کے ایک مولوی کو بلایا، مولوی صاحب نے یہ حکم دیا جمعہ کی نماز ادا کرنے کے پہلے نکاح جائز نہیں ہوتا اس واسطے ہم لوگ یہ عریضہ آپ کی خدمت میں روانہ کرتے ہیں کہ یہ مسئلہ سچ ہے کہ جمعہ کے روز نکاح ناجائز ہے. برائے مہربانی یہ مسئلہ لکھ کر کے روانہ فرمادیں۔

الجواب:

اس شخص کا یہ کہنا محض غلط اور شریعت پر افترا ہے، نکاح ہر دن جائز ہے، ہاں اگر اذان جمعہ ہو گئی تو اس کے بعد جب تک نماز نہ پڑھ لی جائے نکاح کی اجازت نہیں کہ اذان ہوتے ہی جمعہ کی طرف سعی واجب ہو جاتی ہے:

قال تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَیْعَ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز اس کی اذان ہو تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے چل پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیہ مطلب الاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۵

[2] القرآن ۶۲/ ۹

پھر بھی اگر بعد اذان نکاح کریگا گناہ ہوگا مگر نکاح جائز و صحیح ہو جائے گا کما فی الھدایۃ فی البیع ان الکراھۃ للمجاور[1] (جیسا کہ ہدایہ میں بیع کے بارے میں ہے کہ کراہت مجاور یعنی ترک سعی کی وجہ سے ہے، ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از اجمیر شریف ڈگی بازار مرسلہ سید زاہد حسین صاحب مالک و مینجر پریس اعلان الحق ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص یا چند اشخاص نے خصوصیۃً یہ کہہ دیا ہو کہ فلاں شخص خواص منکوحہ سے ہے جو خواص باعصمت وعفت لکھی گئی ہو تو کیا وہ اولاد جائز ہے؟ اور وہ جدی ورثہ پانے کے مستحق ہے یا نہیں؟ کیا ایسی اولاد کی شرافت ونجابت میں کوئی شک وشبہہ ہے؟ خواص وکنیزک میں کیا فرق ہے اور ان کی تعریف کیا ہے؟

الجواب:

خواص وکنیزک میں کوئی فرق نہیں وہ عورت کہ بملک شرعی کسی کی ملک ہو اس کی کنیز ہے، پھر اگر دوسرے کی کنیز سے اس کی اجازت سے اس نے نکاح کیا تو نکاح صحیح ہوا۔ اور باپ اگر شریف و نجیب ہے تو اولاد بھی شریف و نجیب ہے کہ شرعًا نسب باپ سے لیا جاتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا؟ اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا خرچہ ہے۔ (ت)

ہاں ہندوستان میں دربارہ کفاءت اسے کم مانیں گے کہ یہاں کنیز کی اولاد کو کم درجہ سمجھتے ہیں اور اگر اپنی کنیز شرعی ہے تو اس سے نکاح باطل ہے اور بلا نکاح حلال ہے اگر کوئی ممانعت شرعیہ نہ ہو۔ بہر حال مولا کے جو اولاد اس سے ہو صحیح النسب ہے اور ترکہ پدری پانے کی مستحق ہے جبکہ مولا نے اقرار کیا ہو کہ یہ میری اولاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ سید محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اکثر جاہل لوگوں میں رواج ہے کہ اگر کوئی شخص مر گیا اور بعد عدت اس عورت نے برادری کے مرد سے نکاح کرنا چاہا تو اس مرنے والے کے لواحقین نے کچھ روپیہ نکاح کرنے والے سے نقد لے کر اس عورت کو نکاح کرنے دیا روپیہ کی تعداد دوسو سے تین سَے تک لیتے ہیں، اگر ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ روپیہ لینا جائز نہیں تو جواب دیا جاتا ہے کہ یہ تو پنچان کی رسوم ہے، اگر یہ رسوم نہ ہو تو تمام عورتیں

---

[1] ہدایہ کتاب البیوع فصل فیما یکرہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۷۰

[2] القرآن ۲/ ۲۳۳

بیوہ کسی غیر مرد کے ساتھ بھاگ جائیں گی اور کوئی عورت برادری میں نکاح نہیں کرے گی، اب سوال یہ ہے کہ تمام وجوہات سوچ کر جیسے قرآن شریف اور حدیث شریف، فقہ شریف سے ثابت ہو ارشاد فرمائیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب:

یہ روپے حرام اور رشوت ہیں ان کا لینا دینا دونوں حرام، اور ان کے کھانے والے حرام خور، پنچوں کی رسم سے شریعت کا حرام حلال نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از ریاست رامپور مسئولہ سید احمد میاں صاحب برادرزادہ مولانا سید محمد عاشق صاحب علیہ الرحمۃ ۶ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کا نکاح مسماۃ حیات النساء بیگم عرف رضیہ بیگم پردہ نشین بنت زید سے قرار پایا تھا، حسب قاعدہ شہود واسطے حصول اجازت واذن مسماۃ کے پاس گئے اور بعد حصول اجازت شہود نے قاضی کے روبرو جلسہ عام میں شہادت اس صورت سے ادا کی کہ سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید نے اپنے نکاح کا اختیار عمرو وکیل کو دیا، چنانچہ قاضی نے باجازت عمرو وکیل بہ تعداد مہرِ مثل خالد کے ساتھ نکاح پڑھایا، آیا شرعا نکاح مسماۃ مذکور کا خالد مذکور کے ساتھ صحیح ہوا یا نہیں کیونکہ شہود نے بجائے نام حیات النساء عرف رضیہ بیگم زید کے سعادت النساء بیگم عرف رضیہ بیگم بنت زید شہادت میں ادا کیا، سعادت النساء بیگم بنت زید کوئی نہیں ہے اور نہ سعادت النساء کا عرف رضیہ بیگم ہے، اس صورت کی غلطی سے نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

الجواب:

یہ طریقہ نکاح مخترع اہل ہند ہے وکیل بالنکاح مجاز توکیل نہیں، شہادت کہ ان گواہوں نے دی باطل گئی، نہ اس کا کچھ اعتبار ہے، قاضی جس نے ایجاب کیا اگر اس نے ایجاب صحیح لفظوں سے کیا جن سے کم از کم دو حاضران جلسہ جامعان شرائط شہادت کے نزدیک منکوحہ متمیز ہوگئی نکاح فضولی منعقد ہوگیا کہ رضیہ کی اجازت پر موقوف رہا اور اگر اس نے بھی ایجاب میں وہی لفظ سعادت عرف رضیہ بنت زید کہے تو نکاح باطل ہوا کہ ان تینوں لفظوں کی مصداق وہاں کوئی عورت نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل بنتان کبری عائشه وصغری فاطمة ارادان یزوج الکبری وعقد باسم فاطمة ینعقد علی الصغری ولو قال زوجت ابنتی الکبرٰی فاطمة	ایک شخص کی دو بیٹیاں ہیں ایک بڑی جس کا نام عائشہ اور دوسری چھوٹی جس کا نام فاطمہ ہے، اس نے بڑی کا نکاح کرتے ہوئے فاطمہ کا نام لیا تو چھوٹی کا نکاح ہوگیا، اور اگر نکاح کرتے ہوئے اس نے

لاینعقد علی احدٰھما کذافی الظھیریۃ[1]۔	یوں کہا کہ میں نے اپنی بڑی بیٹی فاطمہ کا نکاح دیا، تو کسی بیٹی کا نکاح نہ ہوا، ظہیریہ میں ایسے ہے۔(ت)

ولوالجیہ میں ہے:

لاینعقد علی احدٰھما لانہ لیس لہ ابنۃ کبری بھذا الاسم[2] اھ ونحوہ فی الفتح[3] عن الخانیہ ولاتنفع النیۃ ھٰھنا ولامعرفۃ الشھود بعد صرف اللفظ عن المراد۔ واللہ تعالٰی اعلم	کسی بیٹی کا نکاح نہ ہوا کیونکہ اس کی بیٹی کی کوئی بڑی بیٹی اس نام کی نہیں ہے اھ اور فتح میں خانیہ سے بھی یہی مروی ہے اور یہاں نیت اور گواہوں کا فہم کارآمد نہ ہوگا جبکہ اس نے مراد کے خلاف صریح لفظ استعمال کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۱، ۵۲: از شہر میرٹھ اندر کوٹ مرسلہ عبدالرحمان صاحب عرف ننھے ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اہل تسنن واہل تشیع میں باہم عقد ہوسکتا ہے یا نہیں یعنی لڑکا فرقہ شیعہ کا ہو اور لڑکی اہلسنت وجماعت کی ہو ان دونوں میں باہمی نکاح مذہب اہل سنت کے عقائد کے موافق صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کچھ عرصہ بعد لڑکی اہل تشیع ہوجائے تو نکاح رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) عوام ان تبرائی روافض کو اہل تشیع کہتے ہیں ان سے مناکحت حرام قطعی وباطل محض، اور قربت زنائے خالص ہے اگرچہ مرد سنی اور عورت ان میں کی ہو، نہ کہ عکس کہ اشد غضب اللہ کا موجب ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

(۲) اگر وقت نکاح سنی تھے پھر مرد معاذاللہ ان میں کا ہوگیا تو نکاح فوراً فسخ ہوگیا خواہ عورت نے بھی وہی مذہب اختیار کرلیا ہو یا نہیں۔

لان ردۃ الرجل فسخ فی الحال بالاجماع ولانکاح لمرتد مع احد ولو مرتدۃ مثلہ[4]۔	کیونکہ خاوند کے ارتداد سے فوراً نکاح فسخ ہوجاتا ہے بالاجماع، اور مرتد کا کسی سے بھی حتی کہ اس جیسی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۰

[2] ولوالجیہ

[3] فتح القدیر کتاب النکاح نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۴

[4] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

کمافی الدر المختار والفتاوی العالمگیریة وغیرهما۔	مرتدہ سے بھی نکاح جائز نہیں، جیسا کہ درمختار اور فتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے۔(ت)

اگر عورت سنیہ رہی اور ہنوز خلوت نہ ہوئی تھی تو ابھی اور ہو چکی تھی تو بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، اگر شوہر اسلام لے بھی آئے اس پر کچھ اختیار نہیں رکھتا لان المنفسخ لایعود (کیونکہ فسخ شدہ نکاح بحال نہیں ہوسکتا۔ت) اگر عورت معاذاللہ ان میں کی ہوگئی اور مرد سنی رہا تو نکاح تو فسخ نہ ہوا علی مافی النوادر وحققنا الافتاء به فی هذا الزمان فی فتاوٰنا (نوادر کی روایت کے مطابق اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے کہ اس زمانہ میں فتوٰی یہی ہے۔ت) مگر مرد کو اس سے قربت حرام ہوگئی جب تک اسلام نہ لائے لان المرتد لیست باھل ان یطأھا مسلم اوکافر او احد (کیونکہ مرتد عورت اس قابل نہیں رہی کہ کوئی بھی اس سے وطی کرے خواہ مسلمان مرد ہو یا کافر یا کوئی بھی ہو۔ت) ان مسائل کی تحقیق رسالہ ردالرفضہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: از نگینہ مرسلہ عبدالرشید صاحب سوداگر سب ایجنٹ برہما آئل کمپنی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی عورت کا نکاح کسی ایسے ش۔خص سے ہو جس کی ایک عورت اور بچے ہوں اور وہ شخص معاش اس قدر کافی رکھتا ہو کہ ان سب کی پرورش کے لیے نہایت کافی ہو، مرد میں کسی قسم کا نقص نہ ہو، عورت بوقت نکاح بالغ ہو، مہر ایک ہزار روپیہ ہو، نکاح مکان منکوحہ پر ہو جس کو عرصہ تین سال پانچ ماہ ہوئے ہوں شوہر نے بعد عقد پندرہ بیس مرتبہ مختلف اوقات میں کئی کئی یوم قیام کیا، کیا عورت منکوحہ کو تنسیخ نکاح کا دعوٰی کرنے کا حق ہے؟ بیان منکوحہ حسب ذیل ہے: میری پیدائش ایک ماہ بعد انتقال والد ہوئی میں نے آغوش مادر میں پرورش پائی اور ہنوز والدہ کے پاس رہی، میری والدہ نے اس شخص کے ساتھ عقد کردیا، شخص مذکور نے یہ دھوکا دیا کہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے، میری والدہ کے انتقال کو دو ماہ کا عرصہ ہوا، میں والدہ کی وجہ سے مجبور تھی، اب میں خود مختار ہوں، بیان شوہر میں نے بیوی بچے ہونے کا اقرار کیا اور چھپایا نہیں، اس کا علم منکوحہ اور ان کے جملہ رشتہ داران کو ہے جس کی بابت تحریریں شوہر کے پاس ہیں ایسی حالت میں منکوحہ عورت کے صرف بیان پر کہ میرے شوہر کے پاس اور بیوی بچے موجود ہیں اور شوہر نے دھوکا دیا، نکاح میری لاعلمی میں ہوا، کیا حکم شرع شریف ہے؟

الجواب:

عورت کے عذرات باطل ہیں، برسوں سکوت ومعاملہ زن وشوئی کے بعد یہ مہملات پیش کرتی ہے، ماں کی زندگی کیا باعث مجبوری تھی، نہ بی بی بچوں کا عذر قابل سماعت۔ نہ مجبوری مانع جواز نکاح، اس پر فرض ہے کہ شوہر کی اطاعت کرے، اس شیطانی خیال سے باز آئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۴: از شہر بریلی محلّہ کٹرا گلی حکیم وزیر علی مسئولہ ولایت احمد صاحب ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ولایت احمد کا عقد قریشی بانو جس کی عمر قریب بیس سال سے زائد ہے اس کے ساتھ ہوا لیکن مسماۃ مذکورہ کی اجازت لینے کے لیے نہ وکیل صاحب گئے اور نہ گواہان گئے اور نہ مسماۃ مذکورہ سے اجازت باقاعدہ طور پر لی گئی صرف مسماۃ کے والد کی اجازت سے عقد پڑھا دیا گیا ایسی صورت میں عقد ہوا یا نہیں، اور مسماۃ مذکورہ ولایت احمد کی زوجیت میں رہتی ہے اور قریب ایک ماہ کے حمل بھی ہے حالانکہ والد مسماۃ سے کہا گیا کہ مسماۃ سے اجازت لینا چاہئے انھوں نے جواب دیا ہمارے یہاں ضلع بدایوں میں یہی قاعدہ ہے۔

الجواب:

بالغہ کا عقد بے اس کے اذن کے ہو بالغہ کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر جائز کردے جائز ہو جاتا ہے، رَد کرے باطل ہو جاتا ہے، رخصت ہو کر شوہر کے یہاں جانا بھی اجازت ہے اذا کان غیر مسبوق بالرد (جبکہ پہلے بالغہ کی طرف سے اس کو رد نہ کیا گیا ہو۔ت) خصوصًا یہاں تو حمل موجود ہے لہٰذا عقد نافذ ہو چکا اب اعتراض کی گنجائش نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از ریاست رام پور محلّہ زیارت حلقہ والی مرسلہ اکرام اللہ خاں صاحب عرف چندا میاں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح اپنی برادری میں ایک عورت سے بایں صورت ہوا کہ گواہان نے مسماۃ مذکورہ کا نام ہندہ عرف خویلہ بنت عمرو جلسہ نکاح میں لے کر ادائے شہادت کی اس سے عورت مذکورہ کی تعریف و تعیین کما حقہ نزد جلسہ ہو گئی اور کوئی شبہ واشتراک نزد زید وقرابت داران زید جو موجود تھے باقی نہیں رہا اور ایجاب وقبول ہو کر نکاح ہو گیا اور گواہان نکاح عورت مذکورہ کے قریبی رشتہ دار تھے جن کی گودوں میں عورت مذکورہ نے پرورش پائی ہے۔ اب والدہ مسماۃ کہتی ہیں کہ نکاح صحیح منعقد نہیں ہوا اس لیے کہ نام عورت کا جلسہ نکاح میں غلط لیا گیا ہے اس کا نام کلثوم ہے، چنانچہ مہر میں اس کا نام کلثوم کندہ ہے حالانکہ سوائے مہر کے ہر جگہ اس کا نام ہندہ ہے حتی کہ تنخواہ جو مقررہ گورنمنٹ ہے اس کی وصول یابی کی رسیدوں میں بھی یہی نام ہندہ لکھا جاتا ہے اور نیز گورنمنٹی چٹھی میں بھی یہی نام درج ہوتا ہے اور جو عرائض گورنمنٹ میں قبل اس سے دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام تحریر ہے اور عمرو کے انتقال کے بعد جو درخواست باستحقاق وراثت دی گئی ہیں ان میں بھی یہی نام ہے غرضیکہ عورت مذکورہ کے دونوں نام ہیں، ایسی حالت میں یہ نام غلط قرار دے کر نکاح کو غیر صحیح شرعاً مانا جائے گا یا یہ کہ عورت کے نام دونوں اور چونکہ ان دونوں

میں سے ہندہ بہ نسبت کلثوم کے زیادہ مشہور ہے اس لیے اس سے کافی طریق سے تعریف و تعیین عورت مذکورہ کی بوقت نکاح سمجھی گئی، اس بنیاد پر نکاح صحیح شرعی منعقد ہوگیا۔ امید کہ جواب صاف مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ہندہ اس عورت کا نام ہے (نہ جس طرح عورتوں کو ہندہ سلمٰی مردوں کو زید عمرو سے تعبیر کرتے ہیں) اور اس نام اور صرف ذکر پدر بے ذکر جد سے حاضرین میں دو گواہان صالح شہادت نکاح مسلمہ نے اسے پہچان لیا تو نکاح صحیح ہوگیا اس کے دس نام اور بھی ہونا کچھ مضر نہیں لان المقصود التعریف لاتکثیر الحروف (کیونکہ مقصود پہچان ہے الفاظ کی کثرت مقصد نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: از بچھم گاؤں ضلع پڑابنگال مرسلہ سید عبدالاغفر صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معتمد و معتبر ایک گواہ مذکور سے بالغہ عورت کا نکاح درست ہوگا یا نہیں یعنی ایک گواہ سے نکاح درست ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نکاح ایک گواہ سے نہیں ہوسکتا جب تک دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم نہ ہوں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از گوپال ناگر پرگنہ پیلی بھیت مسئولہ نثار احمد صاحب ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے بھائی مرحوم عمر کی بی بی ہندہ سے بعد انقضائے میعاد عدت نکاح کی درخواست کی اس نے انکار کیا اور نہایت ناخوشی ظاہر کی تو زید کے رشتہ داران نے جبراً اذن لینا چاہا ہندہ نے رونا شروع کیا اور کہا کہ میں ہرگز رضامند نہیں تم جبر کرتے ہو اس وجہ سے کہ میرا کوئی عزیز ہمدرد یہاں موجود نہیں، ان لوگوں نے کہا کہ رونا بھی اذن میں شامل، نکاح پڑھا کر مٹھائی تقسیم کردی، بعد ایک ماہ کے ہندہ اپنے والدین کے یہاں کسی حیلہ سے چلی آئی اور جانے سے انکار ہے کہ میں نے اذن نہیں دیا فرضی نکاح پڑھا لیا میں ہرگز نہیں جاؤں گی، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس نکاح کے بعد ہندہ نے زید کے ساتھ خلوت وصحبت بلاجبر واکراہ کی تو نکاح جب نافذ نہ تھا اب نافذ ہوگیا، اور اگر خلوت نہ کرنے دی یا وہ بھی بالجبر ہوئی تو ہندہ کی ناراضی سے وہ نکاح باطل محض ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از موضع میراں پور مسئولہ سید عاشق حسین ولد محمد حسین ۱۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ونائب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ وقت نکاح کے وکیل کس طرف

کا ہونا چاہئے؟ اور شاہد کس طرف کے ہوں؟ اور ایک دینار سرخ سلطانی کس قدر روپیہ کا ہوتا ہے اور کَے دوجون پر منقسم ہے اور تعداد کیا کیا ہے؟

الجواب:

وکیل کسی طرف کا ضرور نہیں، اور دونوں طرف سے ہوسکتے ہیں، خواہ ایک طرف سے ہو، جدھر سے چاہیں، اور شاہد وہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت عاقل بالغ آزاد مسلم ہیں کہ ایجاب وقبول معًا سنیں اور نکاح ہونا سمجھیں، وہ کسی کی طرف کے نہیں ہوتے، یہ جو رسم ہے کہ دو گواہ معین کرتے ہیں بے اصل ہے جتنے حاضران جلسہ اس صفت کے ہیں سب خود ہی شاہد ہیں کوئی انھیں مقرر کرے یا نہ کرے۔ دینار شرعی ساڑھے چار ماشہ بھر سونے کا تھا اور سلاطین کے دینار کوئی معین نہیں مختلف تھے، دینار شرعی دس درہم تھا کہ یہاں کے دو روپے پونے تیرہ آنے اور کچھ کوڑیاں ہوا، غالبًا نکاح کے درجوں سے سائل کی مراد مہر کے درجے ہیں، مہر کا اقل درجہ وہی دس درہم بھر چاندی ہے اور اکثر کے لیے حد نہیں جتنا بندھے، اور مہر حضرت بتول زہرا چار سو مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے ایک سوساٹھ روپے بھر ہوئی، اور مہر اکثر ازواج مطہرات پانسو درم کہ یہاں کے ایک سو چالیس روپے ہوئے اور مہر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وعنہن جمیعا میں دو روایتیں ہیں چار ہزار درہم کہ گیارہ سو بیس روپے ہوئے یا چار ہزار دینار کہ گیارہزار دو سو روپے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از فتحپور محلّہ قاضیانہ مکان میر خیرات علی تحصیلدار مسئولہ محمد صادق ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ بازاری عورت ہے اور وہ زید کے پاس بلانکاح مدت تک رہی زید نے بلاعلم واطلاع ہندہ کے قاضی کے سیاہہ میں اپنا ہندہ کے ساتھ نکاح درج کردیا، اس کے بعد ہندہ کی ماں وہیں لینے کی غرض سے آئی تو اس وقت زید نے ہندہ سے کہا کہ تو نہیں جاسکتی تیرے ساتھ میرا نکاح ہوگیا، تب ہندہ کی ماں نے ہندہ سے کہا کہ ہمارا زیور اور کپڑا ہم کو دے دے تو مجھ سے حیلہ کررہی ہے تیرا نکاح ہوگیا ہے اس پر ہندہ نے جواب دیا کہ زیور اور کپڑا نہ دوں گی اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا، تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا اگرچہ واقعی نکاح نہیں ہوا، اس کے کچھ عرصہ بعد ہندہ زید کے پاس سے فرار ہوگئی تب زید نے کچہری فوجداری میں عورت کے بھگالے جانے کا دعوی کیا، خارج ہوگیا، اس کے بعد طلب زوجہ کا دارالقضاء میں دعوی کیا، قاضی صاحب نے بعد لینے ثبوت وتردید کے دعوی ڈگری کیا جس کو آٹھ برس کا عرصہ ہوا تو آیا یہ نکاح درست ہوا یا نہیں، جبکہ واقعی عورت سے اجازت نہیں لی گئی اور دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور عورت بعد مفروری عرصہ دس بارہ سال سے زید کے ساتھ حرام کررہی ہے۔

الجواب:

زید کا بے اطلاع ہندہ سیاہہ میں اس کے ساتھ اپنا نکاح ہونا درج کرادینا نکاح نہیں، نہ ہندہ کا کہنا کہ اگر تم کہتی ہو کہ نکاح ہوگیا تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا کسی طرح حد نکاح میں آسکتا ہے تو ہندہ ضرور بے نکاحی تھی، رہی دارالقضا کی ڈگری، اس کی تفصیل معلوم ہونی ضرور دعوی کہ اس میں ہوا شرائط شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، ثبوت کیا گزرا اور وہ قوانین شرعیہ پر صحیح تھا یا نہیں، حکم کس نے دیا، اور وہ قاضی عندالشرع تھا یا نہیں، اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہے ہندہ بدستور بے نکاحی ہے زید کو اس پر کوئی دعوی نہیں پہنچتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(اس کے بعد پھر وہیں سے سوال آیا جو مع جواب منقول ہے)

یہ واقعہ حیدرآباد دکن کا ہے وہاں حکومت کی طرف سے عدالت قضا قائم ہے جس میں طلاق، خلع، ترکہ، مہر، طلب زوجہ کے مقدمات حسب قانون شرع شریف دائر ہوتے اور فیصل ہوتے ہیں مگر قاضی صاحب جنھوں نے اس مقدمہ کو فیصل کیا ہے غیر متشرع تھے یعنی داڑھی منڈی ہوئی لباس کوٹ پتلون مگر ساتھ ہی اس کے سفارش رشوت سے قطعی اجتناب رکھتے تھے اور گواہان جیسے فی زمانا حالت ہے اور ناکح صاحب بھی بہت معمولی طور پر پڑھے ہوئے ہیں لہذا اس صورت واقعہ پر مسئلہ بالا کا کیا جواب ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ قاضی منجانب سلطنت اسلامیہ فصل قضا پر مقرر ہے، اگر اس کے یہاں دعوی بروجہ صحیح شرعی ہوا اور ثبوت بروجہ شرعی گزرا اور قاضی نے ثبوت نکاح کا حکم دیا تو نکاح ثابت ہوگیا، ہندہ بغیر موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی۔

کما فی الهدایة وتنویر الابصار[1] وغیرهما من معتمدات الاسفار ورجحه المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر وقد قال امیرالمومنین علی کرم الله وجهه الکریم شاهداك زوجاك[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جیسا کہ ہدایہ، تنویر الابصار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے اور فتح القدیر میں محقق علی الاطلاق نے اس کو ترجیح دی ہے، اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ تجھے تیرے گواہوں نے بیاہ دیا ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۰: از ریاست جاورہ، لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں اہل کار حساب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی صحیح ولدیت زید ہے اور بوقت نکاح بکر قائم کرکے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۹

[2] فتح القدیر باب المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۶

ایجاب وقبول ہوا ہے توایسانکاح درست ہوا یا نہیں؟ نیز اس کا اصل باپ یعنی زید جو زندہ موجود ہے.بروقت نکاح نہ اس سے اجازت لی گئی نہ اسے اطلاع دی صورت مسؤلہ میں اگر نکاح نہیں ہوا تو کیا ہندہ اپنی منشا کے موافق اپنے کفو میں نکاح ثانی کرسکتی ہے،ایام عدت کی قید ہے یا نہیں،؟ ہندہ ب-الغہ ہے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ہندہ اس جلسہ نکاح میں حاضر نہ تھی اوراس کی طرف اشارہ کرکے نہ کہا گیا کہ اس ہندہ بنت بکر کا نکاح تیرے ساتھ کیا بلکہ ہندہ کی غیبت میں یہ الفاظ کہے گئے تو ہندہ کا نکاح نہ ہوا۔ نہ اسے طلاق کی حاجت نہ عدت کی ضرورت جس سے چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے کہ نکاح تو ہندہ بنت بکر کا ہوا اور یہ ہندہ بنت بکر نہیں،ہاں اگر بکر نے اسے پرورش یا متبنی کیا تھا اور وہ عرف میں ہندہ بنت بکر کہی جاتی ہے اوراس کے کہنے سے اس کی طرف ذہن جاتا ہے تو نکاح ہوگیا اب بغیر طلاق ہندہ کو مخلص نہیں۔ درمختار میں ہے:

غلط وکیلھا بالنکاح فی اسم ابیھا بغیر حضورھا لم یصح ۔[1]	لڑکی کی غیر موجودگی میں اس کے وکیل نے لڑکی کے باپ کا نام غلط کہہ دیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

قال امرأته عمرة بنت صبیح طالق وامرأته عمرة بنت حفص ولانیة له لاتطلق امرأته فان کان صبیح زوج اُم امرأته وکانت تنسب الیه وھی فی حجرہ فقال ذٰلك وھو یعلم نسب امرأته اولایعلم طلقت امرأته ۔[2]	کسی شخص نے طلاق دیتے وقت اپنی بیوی کا نام عمرہ بنت صبیح کو طلاق کہا جبکہ اسکی بیوی کا نام عمرہ بنت حفص ہے تو طلاق کے وقت اس شخص نے کوئی نیت نہ کی تو اس کی بیوی کو طلاق نہ ہوگی،اور اگر اس کی بیوی عمرہ کی ماں کے دوسرے خاوند کا نام صبیح تھا اور یہ عمرہ اپنی ماں کے ساتھ صبیح کی پرورش میں رہی اس وجہ سے عمرہ صبیح کی طرف منسوب ہوتی ہے اور خاوند کو عمرہ کے اصل نسب کا علم ہے دونوں صورتوں میں اس کی بیوی عمرہ کو طلاق ہوجائیگی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از میرٹھ بازار محلّہ سوتی گنج مرسلہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی تعلیم یافتہ مدرسہ منظر اسلام بریلی امام مسجد سوتی گنج ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

چہ مے فرمایند دریں مسئلہ کہ در ملک ہند علماء فتوٰی	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۸

دادند کہ بعد منگنی دختر دیگر جائے نکاح کردن مے توانند حقیر ناجائز پندارد چراکہ ایجاب وقبول از جانبین ثبوت شود از جانب بچہ گویند کہ "دے دو" از جانب دختر گویند "دے دیا ودے چکا یاسگائی کرچکا" ایں الفاظ برائے وضع عقدست اگرایں طور گویند کہ "دیں گے" تو خیر، جناب مولایم عجیب افسوس کہ دیوبندی خذلھم اللہ دین اوخراب ومسلمان رانیز بیخ کنی کردند اگرایں فتوٰی غلط باشد از ایشاں ہزاراں نطفہ زنا درعالم منتشر شدہ تدارک ایں عمل بفرمایند۔	علماء فتوٰی دیتے ہیں کہ منگنی کے بعد لڑکی کا دوسری جگہ نکاح جائز ہے لیکن یہ ناچیز اس کو ناجائز سمجھتا ہے کیونکہ ایجاب وقبول جانبین سے ثابت ہوجاتا ہے لڑکے والے "دے دو" کہتے ہیں اور لڑکی والے "دے دی" یا "دے چکا" کہتے ہیں یا "سگائی کرچکا" کہتے ہیں، یہ الفاظ عقد نکاح کے لیے وضع ہیں، ہاں اگر لڑکی والے "دیں گے" کہیں تو خیر ہے، جناب میرے آقا عجیب افسوس ہے کہ دیوبندی جن کا دین خود خراب ہے وہ مسلمانوں کی بیخ کنی کررہے ہیں، اگر علماء کا یہ فتوٰی غلط ہو تو ان کی وجہ سے دنیا میں ہزاروں نطفہ زنا پھیلے ہوئے ہیں اس لیے اس عمل کا تدارک فرمادیں (ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، لفظ "سگائی کرچکا" خود ظاہر است سگائی نسبت و وعدہ عقد راگویند نہ عقدرا "دے دیا" یا "دے چکا" ازانجاکہ مجلس مجلس وعدی باشد نہ مجلس عقد ہمیں بروعد محمول می شود نہ بر عقد در شرح امام طحاوی وفتح و در مختار و ردالمحتار ست **لوقال ھل اعطیتنیھا فقال اعطیت ان کان المجلس للوعد فوعد وان کان للعقد فنکاح**[1] وچہ گونہ نکاح شود حالانکہ شرط او حضور دو گواہ ست کہ فہمند کہ ایں نکاح ست **فی التنویر والدر وشرط حضور شاہدین فاھمین انہ نکاح علی المذھب بحر**[2] وایںجا	وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، "سگائی کرچکا" کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ "سگائی" نسبت اور وعدہ نکاح کو کہتے ہیں نہ کہ نکاح کو، لڑکی والوں کا دے دیا یا دے چکا کہنا مجلس وعد میں وعدہ پر محمول ہوگا نہ کہ عقد نکاح پر، امام طحاوی کی شرح، فتح، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر مرد نے کسی کو کہا کہ تو نے مجھے لڑکی دی، تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے دی، تو اگر یہ مجلس وعدہ اور منگنی ہو تو وعدہ اور منگنی ہے اور اگر مجلس عقد ہے تو نکاح ہے، پھر مسئولہ صورت میں نکاح کیسے ہوسکتا ہے جبکہ نکاح کے لیے دو گواہوں کی موجودگی بایں طور پر شرط ہے کہ وہ اس کو نکاح سمجھیں۔ تنویر اور در

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۰۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۶

اگر ہزار حاضر باشند ہیچ کس نکاح نہ فہمد کہ منگنی نزد ایشاں چیزے از مقدمات نکاح ست نہ نکاح واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے نکاح میں دو گواہوں کا ہونا جو یہ سمجھیں کہ یہ نکاح ہے شرط قرار دیا گیا، یہ مذہب ہے بحر۔اور یہاں مذکورہ صورت میں مجلس میں ہزار بھی ہوں تو کوئی بھی اس کو نکاح نہ سمجھیں گے کیونکہ منگنی کو وہ نکاح نہیں بلکہ اس کے مقدمات میں سے سمجھتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۲: از چونیاں ضلع لاہور مسئولہ ضیاء الدین انچارج اصطبل گورنمنٹی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے حسب ہدایت والد خود جس نے اس کی ہدایت کی تھی کہ اپنی فلاں دختر کا ناطہ اپنے فلاں برادر حقیقی کو دینا تب سے راضی ہوگیا چنانچہ اپنے والد کی موجودگی اور چند مسلمانوں کی مجلس میں اپنے برادر حقیقی کو مخاطب کرکے کہا میں نے اپنی فلاں نام والی دختر بالغہ کا ناطہ تمہارے فلاں بالغ کو دے دیا، والد پسر نے قبول کرلیا، آیا ہر دو ولیوں کے ایجاب وقبول سے یہ نکاح منعقد ہوگیا یا نہیں؟ اگر ہوگیا تو اب والدِ دختر اس کا اور جگہ نکاح کرسکتا ہے بغیر طلاق کے، اور ولی اور گواہان ونکاح خوانِ نکاح ثانی کے واسطے حکم شرع کیا ہے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

ناتا دینا عرف میں منگنی کرنے کو کہتے ہیں اور منگنی نکاح نہیں، اس صورت میں جب تک عقد نکاح نہ ہو والدِ دختر دوسری جگہ اس کا نکاح کرسکتا ہے اور نکاح خواں وغیرہ پر کوئی الزام نہیں، اور اگر کہیں کے عرف میں ناتا کرنا نکاح کردینے کو بھی کہتے ہیں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ وہ مجلس جس میں یہ الفاظ ادا ہوئے عقد نکاح کے لیے تھی یا منگنی کے لیے، اگر منگنی کے لیے تھی تو وہی حکم ہے کہ نکاح نہ ہوا، اور والدِ دختر کو اختیار ہے، اور اگر نکاح کے لیے تھی اور حاضرین میں سے کم از کم دو شخصوں نے اس نکاح کے گواہ ہوسکتے ہوں وہ ایجاب وقبول سنے اور سمجھے کہ یہ نکاح ہورہا ہے تو نکاح ہوگیا اب دوسری جگہ اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، والد دختر اور نکاح خواں اور گواہان نکاح ثانی جن کو معلوم تھا کہ اس کا نکاح پہلے ہوچکا ہے سب مبتلائے حرام ہوں گے، درمختار میں ہے:

هل اعطیتنیها ان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اگر ایک نے دوسرے کو کہا کیا تونے مجھے دی، دوسرے نے جواب میں "دی" کہا تو اگر یہ مجلس نکاح ہو تو نکاح ہوگا، اور اگر مجلس وعدہ ہے تو منگنی ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

مسئلہ ۶۳: از دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مسئولہ سید عبدالکریم صاحب قادری رضوی ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب قبلہ حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب نائب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دامت برکاتہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شریف زادہ نے ایک عورت کو جو قوم کی چماری تھی مسلمان باقاعدہ کیا اور اس سے نکاح کیا اور اپنے مکان میں لے گیا، جب اہل برادری کو معلوم ہوا کہ اس نے خاندان قادریہ اور سادات کے بٹا لگا دیا کہ چماری کو مسلمان کرکے نکاح پڑھ لیا اور پردہ میں بٹھالیا، وہ عورت دو سال سے بیوہ تھی تمام اہل برادری اور تمام مسلمانوں اور ہندوؤں نے اس عورت کو بے پردہ کیا اور بے عزتی کی اور غیر محرموں نے مار پیٹ بھی کی اور اسے تھانہ میں پہنچادیا، اب سوال یہ کہ اس عورت نومسلمہ کے ساتھ ایسا کرنے کی اللہ و رسول جل وتعالٰی وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ اور جو لوگ اس میں شریک ہوئے وہ کس گناہ کے مرتکب ہیں یا جس نے مسلمان کرکے اسے اپنے نکاح میں لایا وہ گنہگار ہے اور اس سے ترک موالات کرنا برادری سے خارج کرنا اس کا حقہ پانی بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ عورت کفو میں کب آسکتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان کرنا باعث اجر عظیم ہے اور اس سے نکاح کرنا پردہ میں بٹھانا بھی کار خیر ہے اور اس بنا پر اسے برادری سے خارج کرنا ظلم ہے، اور اس مسلمہ عورت کے ساتھ جو زیادتی اور مار پیٹ اور بے پردگی کی گئی سب حرام اور سخت حرام اور ظلم شدید تھا، ایسا کرنے والے حق العبد میں گرفتار ہیں اور اللہ و رسول ان سے ناراض ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ بالغ مرد کے لیے کفاءت کچھ شرط نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدعی کے تین شاہد شہادت دیتے ہیں کہ والد دختر نابالغہ نے سفر سے ایک خط اپنے بھائی کو لکھا کہ میری دختر نابالغہ فرحان بی بی کا ناتا یا نکاح جس جگہ تمھاری مرضی ہو کردو، ہم لوگ اس کاغذ کے سامعین ہیں، بعدہ اس وکیل والد کے ایک لڑکے نابالغ مسمّٰی کھٹر کہ جس کا کوئی عصبہ زندہ نہیں ہے کنایہ نکاح کے طور پر کردیا تھا اور لڑکے معلوم کی طرف سے اس کے ماموں نے اس کے لیے قبول کرلیا ہے اور ہم نے یہ نکاح ہی سمجھا ہے، یہ تقریر شاہدین مدعی کی بتمامہ ہے، اب والد دختر معلومہ کا سفر سے بالکل منکر ہے اور گواہ اس کے بھی منکر ہیں، تقریر بالا سے، یا کہتے ہیں کہ ناتا ہوا ہے نہ نکاح حالانکہ وکیل فوت ہوگیا اور کاغذ بھی گم ہوگیا ہے۔ قیمت کاغذ دی جائے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بات صاف لکھئے ایجاب کس نے کیا، قبول کس نے کیا، ایجاب کے کیا لفظ تھے، قبول کے کیا لفظ تھے، لڑکی کا چچا جس کو اس کے باپ نے وکیل کیا تھا اس نے خود پڑھایا تھا یا کسی سے پڑھوایا تھا کسی نے بطور خود پڑھادیا تھا اور وہ وکیل والد اس جلسے میں موجود تھا یا نہ تھا، اور جب والد لڑکے کا موجود تھا تو لڑکے کی طرف سے ماموں نے قبول کیوں کیا، والد پسر کے کہنے سے یا بطور خود، اور والد پسر نے اس پر کیا کہا، اور جب وہ الفاظ کنایہ تھے تو ان لوگوں نے کس قرینہ سے نکاح ہونا سمجھا اور دختر کا والد کس بات سے منکر ہے اس وکیل کرنے سے یا نکاح ہونے سے، اور وہ خط ڈاک میں آیا تھا یا آدمی کے ہاتھ، اور یہ جو مدعی کے تین گواہ ہیں ان کے سامنے پڑھا گیا یا ان کے سامنے والد دختر نے لکھا تھا، اور یہ گواہ ثقہ پرہیز گار ہیں یا کیسے، ان سب باتوں کے مفصل جواب آنے پر جواب ہوسکے گا، قیمت کاغذ کی نسبت پہلے آپ کو لکھ دیا گیا کہ فتوٰی اللہ کے لیے دیا جاتا ہے بیچا نہیں جاتا۔ آئندہ کبھی یہ لفظ نہ لکھئے۔ فقط

مسئلہ ۶۵: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مرسلہ محمد جی صاحب ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

باپ نے برادر کو خط لکھا کہ میری دختر نابالغہ کا ناتا یا نکاح جہاں تمھاری مرضی ہو کردو، مکتوب الیہ نے باجازت باپ کے ایک جگہ اس نابالغہ کا نکاح کردیا، ایجاب کے لفظ یہ ہیں "دختر معلومہ فلاں لڑکے کو میں نے دی ہے" اور نابالغ لڑکے کی جانب سے قبول اس کے ماموں نے کیا ہے اور تین گواہ کہتے ہیں کہ وہ خط ہم نے خود سنا ہے کہ باپ نے برادر کو اجازت نکاح دختر نابالغہ معلومہ دی ہے اور ہم نے مجلس میں ذکر نکاح کا سنا ہے اور نکاح کے وقت باپ سفر میں تھا اور خط بھی گم ہوگیا ہے اور بعد نکاح چند روز بعد مکتوب الیہ فوت ہوگیا، اب باپ سفر سے آیا وہ کہتا ہے میں نے برادر کو کوئی اجازت نہیں دی اور اس کے گواہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل نہیں ہوئی لیکن یہ گواہ باپ کے بہت فاسق ہیں اور تین گواہ جو بالا مذکور ہیں وہ فاسق نہیں ہیں،

الجواب:

جبکہ باپ اس خط کے لکھنے سے منکر ہے تو اسے کسی شہادت کی حاجت نہیں، شہادت اس کی ہونا چاہئے تھی کہ ہمارے سامنے اس نے یہ خط لکھا ہے اس پر کوئی شہادت نہیں، گواہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے خط سنا یہ شہادت کچھ معتبر نہیں لہذا اجازت دینا ثابت نہیں، باپ کے انکار سے وہ نکاح باطل ہوگیا جبکہ وہ حلف سے کہہ دے کہ وہ خط میں نے نہ لکھا تھا نہ میں نے بھائی کو اجازت دی تھی لان الخط یشبہ الخط ولا حجۃ الاالبینۃ اوالاقرار اوالنکول (کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے، گواہی، اقرار اور قسم سے انکار کے علاوہ کوئی حجت نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۶ تا ۷۲: از بنارس محلّہ پتر کندہ مرسلہ جناب مولانا مولوی عبدالحمید صاحب پانی پتی زید کرمہ ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

علمائے دین ان مسائل میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی سے ایجاب وقبول کرانے سے نکاح صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) یہاں دستور ہے کہ نکاح خواں نابالغ کے باپ یا کسی اور ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے ساتھ نابالغہ دلھن کے پاس آتے ہیں اور اس کو کلمہ شہادت وآمنت باللّٰہ پڑھا کر کہتے ہیں کہ تمھارا نکاح بعوض عہ/۸ مہر کے فلاں لڑکے مسمّٰی فلاں سے ہوتا ہے تم نے قبول کیا کہو ہاں قبول کیا، اسی طرح تین بار کہلاتے ہیں اس کے بعد نابالغ دولھا کے پاس آتے ہیں اور وہی سب کلمات پڑھا کر کہتے ہیں کہ فلاں کی لڑکی مسماۃ فلاں بعوض عہ/۸ مہر کے تمھارے نکاح میں آتی ہے تم نے قبول کیا، کہو ہاں قبول کیا۔ اسی طرح تین بار کہتے ہیں غرض دونوں جانب قبولیت ہوتی ہے ایجاب کا پتا نہیں، شرعًا یہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور اس مجلس میں بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ دلھن یا دولھا نابالغان کے وہ سب یا اور ولی موجود نہیں رہتے بلکہ وہ اپنے اور کاموں میں مشغول رہتے ہیں اس طریقہ میں شرعًا جو خرابی اور نقص ہو اس کی تصریح فرمائیں، اور شرعًا جو طریقہ نکاح مسنون ہو ارشاد فرمائیں۔

(۳) اگر ولی خطبہ مسنون نہ پڑھنے یا صرف ایجاب وقبول کرنے پر قادر ہو تو غیر سے ایجاب وقبول کرانا کیسا ہے؟

(۴) نکاح خواں کو اُجرت لینا اور دینا کیسا ہے؟

(۵) اگر اُجرت نکاح اپنے مصرف میں نہ لائے بلکہ مسجد کے تیل اور چٹائی میں صرف کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) نوشہ کے سر پر پگڑی رکھنے کے واسطے اس کے پھوپھا یا بہنوئی کو بلاتے ہیں جب تک یہ نہیں آتے دوسرا پگڑی نہیں رکھ سکتے، جب یہ آتے ہیں تو بغیر دس پانچ روپے لیے نہیں رکھتے، جب کم ہوتا ہے تو لینے پر انکار اور زیادتی پر اصرار کرتے ہیں، جب حسب مرضی پالیتے ہیں تو رکھ دیتے ہیں، اور بعض پھوپھا داماد قبل لینے کے رکھ دیتے ہیں، اس کے بعد جو ملا لے لیا، اور بعض کچھ اصرار کرکے اور زیادہ لیتے ہیں آیا شرعًا یہ لینا دینا کیسا ہے؟ اور اس کو ضروری حق سمجھنا اور اس پر اہتمام واصرار کرنا کیسا ہے؟

(۷) شرعًا ولیمہ کی تعریف کیا ہے اور اس کی مدت کَے روز تک ہے؟

(الف) پہلے دعوت کرنا پھر بارات اور رخصتی کرکے دلھن لانا یہ ولیمہ ہے یا نہیں؟

(ب) نابالغ کی رخصتی کے بعد چونکہ زفاف نہیں ہوتا تو بعد دلھن لانے کے دعوت کرنا ولیمہ مسنون ہے

یا نہیں؟

(ج) اگر ولیمہ بارادہ سنت نہ کرے بلکہ خیال نام آوری وبرادری سے سرخ روئی مقصود ہو اور یہ کہتا رہے کہ چونکہ دس دفعہ بھائی لوگ کے یہاں کھا آئے ہیں لہذا برادری کو کھلانا ضرور ہے چاہے ہمارے پاس ہو یا نہ ہو، یہ دعوت کیسی ہے؟ اور مستطیع غیر مستطیع دونوں کا حکم فرمائے۔

الجواب:

(۱) نابالغ لڑکے اور لڑکی جن کا تلفظ کلام سمجھا جائے اور وہ الفاظ ومعنٰی کا قصد کرسکیں ان کا ایجاب وقبول خود ہو یا دوسرے کی تلقین سے صحیح ہے، پھر اگر باجازت ولی ہے نافذ بھی ہے ورنہ اجازت ولی پر موقوف جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اس کا جواب جواب سوال اول میں آگیا اور ان عقود میں جو کلام پہلے ہے وہ ایجاب ہے اگرچہ بلفظ قبول ہو اور جو بعد کو ہو وہ قبول، اور جب باذن ولی ہو تو ولی کا وہاں موجود ہونا ضروری نہیں، اور بلااذن ہو تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا، اور مسنون طریقہ یہ ہے کہ اولیاء خود ایجاب وقبول کریں یا ان کی اجازت سے ان کے وکیل نابالغوں سے کہلوانے کی کوئی حاجت نہیں۔

(۳) کوئی حرج نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) جب جائز ہے تو مسجد میں دینا اور بہتر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) یہ ایک مخترع رسم ہے، اسے ضروری سمجھنا ناجائز، اور اگر اصرار حد ناگواری تک ہو تو حرام ورنہ آپس کے معاملات ہیں جن پر شرع سے منع وارد نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) شب زفاف کی صبح کو احباب کی دعوت ولیمہ ہے، رخصت سے پہلے جو دعوت کی جائے ولیمہ نہیں، یونہی بعد رخصت قبل زفاف اور ریا ونا موری کے قصد سے جو کچھ ہو حرام ہے۔ اور جہاں اسے قرض سمجھتے ہیں وہاں قرض اتارنے کی نیت میں حرج نہیں اگرچہ ابتداءً یہ نیت محمود نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: از سلطان پورہ ہکراسٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید قاضی ہے مگر وکالت کرتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وکالت کا پیشہ جس طرح آج کل رائج ہے شرعاً حرام ہے۔ ایسے شخص کو قاضی کرنے کی اجازت نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: از سلطان پور (اودھ) محلّہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالغنی صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ

زید نے پسر بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح بموجودگی خود کیا اور ہندہ کئی بار اپنی سسرال بھی گئی پھر مخاصمت کی وجہ سے رخصتی تین سال سے بند کردی، ہندہ اپنے والد زید کی وجہ سے مجبور ہے، اب زید نے ایک دعوی فسخ نکاح کا اپنی لڑکی کے نام دائر کیا ہے کہ میرا نکاح نابالغی کی حالت میں ہوا، زید کا بیان ہے کہ لڑکی کا نکاح میری عدم موجودگی میں ہوا ہے کیونکہ میں شادی کا سامان مہیا کرکے کسی ضرورت سے ہفتہ عشرہ کے لیے کسی دوسرے شہر کو چلاگیا تھا بی بی نے میری بے اجازت نکاح کردیا اس کچہری میں زید نیز اہل محلّہ نے حلف اٹھایا حالانکہ دعوی اس بناپر خارج ہوگیا کہ بکر کے وکلا نے اس بات کو ثابت کردیا کہ زید خود موجود تھا اور زید کی اجازت سے قاضی نے نکاح پڑھایا، لہٰذا زید و معین زید کا شرعًا کیا حکم ہے؟ اور ایسے جھوٹے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب:

حدیث میں ہے:

شاھد الزور لاتزول قدماہ حتی یوجب اللہ لہ النار[1]۔	جھوٹا گواہ وہاں سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کردیتا ہے۔

گواہوں کا تو یہ حال ہے، اور زید پر ان سب کے برابر وبال ہے کہ وہی ان کو جھوٹی شہادت پر باعث ہوا، پھر انھوں نے عورت کو شوہر سے جدا کرنا اور غیر منکوحہ ٹھہرانا چاہا، یہ دوسرا کبیرہ ہے، غرض یہ سب لوگ فاسق معلن ہیں ان کو امام بنانا گناہ، اور ان کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ۔ اور پڑھ لی ہو تو پھیرنی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: مسئولہ سید ایوب علی صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور کسگران

جو شخص وہابیہ سے میل جول اور باہمی شادی بیاہ رکھتا ہو اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ وہابی ہے اس کے یہاں شادی بیاہ کرسکتے ہیں جبکہ یہ معلوم ہے کہ وہابیہ سے اس کا میل جول ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہابیہ سے میل جول رکھنے والا ضرور وہابی ہے کہ وہابیہ کو گمراہ بددین نہیں جانتا تو خود گمراہ بددین ہے اور اس کے ساتھ مناکحت ہو ہی نہیں سکتی، اور اگر ان کو گمراہ بددین جانتا اور کہتا ہے پھر بھی ان سے میل جول رکھتا ہے تو سخت فاسق بیباک ہے اس کی مناکحت سے احتراز چاہیے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] تاریخ بغداد محمد بن عیسٰی دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۰۳، سنن ابن ماجہ باب شہادت الزور ص، تاریخ کبیر باب ف ۱/ ۲۰۸

مسئلہ ۷۶: از موضع میر کلی پور ڈاکخانہ لاہور پور ضلع سیتا پور مسئولہ محمد حسین طالب علم ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے شادی کا پیام دیا اور اس میں یہ اظہار کیا کہ لڑکا لہر پور کا ہے وہ لڑکا قصبہ ہر گام پور کا نکلا، مزید بریں نوشہ کے تعین علم میں اختلاف رہا۔ لڑکی تو کہتی ہے کہ میرا نکاح عبدالرحمٰن بن کلو کے ساتھ پڑھا گیا اور قاضی کا بھی یہی قول ہے مگر گواہ لعل محمد بن منوں بتلاتے ہیں اور وکیل لعل محمد بن کلو کا مدعی ہے اور وہ لڑکا جو نوشہ بن کر آیا تھا در اصل ہر گام کا تھا اور اس کا نام لعل محمد بن منوں تھا۔ اس صورت میں نکاح کس کے ساتھ ہوا اور اس میں شرعی حکم کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رائج یوں ہے کہ عورت اس کے ولی سے اذن لے کر دولھا سے خطاب کرتے ہیں کہ فلاں کی فلاں لڑکی اتنے مہر پر تیرے نکاح میں دی، وہ کہتا ہے میں نے قبول کی، اس صورت میں جس سے خطاب کیا گیا اور اس نے قبول کیا، اسی کے ساتھ نکاح ہوا، کہیں کا رہنے والا ہو اور اس کا کچھ بھی نام ہو۔ پھر اگر بالغہ عورت یا نابالغہ کے ولی نے اسی کے لیے اجازت دی تھی جب تو یہ نکاح نافذ ہوگیا اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو ورنہ فضولی کا نکاح ہوا عورت یا اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کیا جائے جائز ہوگیا، رد کیا جائے باطل ہوگیا، یہ تو نکاح ہونے نہ ہونے کا حکم ہے، رہا یہ کہ نکاح ہوا اور مرد نے دعوی کیا کہ میرے ساتھ اس کا نکاح ہوا اور اس عورت کے وکیل اور گواہوں کے بیان میں اختلاف ہوا، کسی نے کسی کے ساتھ نکاح ہونا بیان کیا اور دوسرے نے کسی کے ساتھ، اگر دو گواہ شرعی عادل قابل قبول دعوی مدعی کے مطابق گواہی دے دیں ڈگری کردیا جائے گا عورت و وکیل کچھ کہا کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷: از نوشہرہ تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص کہتا ہے کہ میری اپنی عورت کے ساتھ تن بخشی ہے۔ آیا شرعًا تن بخشی کوئی چیز معتبر ہے یا نکاح؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تن بخشی پر قناعت صریح زنا ہے اگر اسے حلال جانے تو کافر،

انما کان ذٰلك من خصائصه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، قال تعالٰی خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ[1]۔ و اللّٰه تعالٰی اعلم	یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص میں سے ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ خاص آپ کے لیے ہے مومنین کے لیے نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن ۳۳/۵۰

دوسرا مسئلہ ۷۸:
ایک شخص نے دعائے خیر جلسہ میں کہہ دی کہ میں نے لڑکی اپنی اس شخص مثلاً زید کو دی، بعدہ وہ یعنی باپ لڑکی کا مرگیا اس کے وارثان نے اس لڑکی کا عقد نکاح دوسرے شخص کو کردیا، آیا دعاء خیر جائز ہے یا وارثان کا نکاح جائز ہے؟

الجواب:

دعائے خیر سے اگر وعدہ سمجھا جاتا ہے تو وارثوں نے جو یہ نکاح کیا، جائز ہے۔ اور اگر اسی وقت نکاح کردینا مقصود ہوتا ہے اور زید نے اس جلسہ میں قبول کیا اور دو گواہوں نے معًا سنا اور نکاح ہونا سمجھا تو نکاح ہوگیا تھا، دوسرا نکاح باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹ تا ۸۰: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید کے بارے میں تین افراد شہادت دیتے ہیں کہ مدعی علیہ نے والد لڑکے کو بولا ہے کہ میں نے اپنی دختر نابالغہ فلانی تمہارے فلانے لڑکے کو دے دی ہے اس نے قبول لڑکے معلوم کے لیے کرلی ہے اور اس مجلس میں نہ نکاح کا ذکر ہوا نہ خطبہ پڑھا گیا نہ ذکر مہر کا ہوا، اس کے علاوہ مدعی علیہ بھی کہتا ہے کہ میں نے ارادہ ناطہ کا کیا ہے نہ نکاح کا، اب یہ نکاح ہوگا یا خطبہ یا ناطہ؟

(۲) قرینہ نکاح کا خطبہ اور ذکر مہر کا ہر دو ہوویں گے یا فہم شہود نکاح کا فقط کافی ہوگا یا نیت ولی دختر پر ہے؟

الجواب:

(۱) خطبہ پڑھا جانا یا ذکر مہر ہونا کچھ شرط نکاح نہیں، وہ مجلس اگر عقد کے لیے تھی عقد ہوگیا اور اگر مجلس وعدہ تھی اور حاضرین نے اسے وعدہ ہی سمجھا تو وعدہ ہوا نکاح نہ ہوا۔

فی الدر المختار ان المجلس للوعد فوعد وللعقد فعقد[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	درمختار میں ہے کہ اگر یہ مجلس وعدہ (منگنی) کے لیے ہے منگنی ہے اور مجلس نکاح ہے تو نکاح ہوگا۔ (ت)

(۲) نکاح بالفاظ صریحہ میں نیت شرط نہیں، الفاظ ایجاب وقبول ہونا اور دو شاہدوں کا سمجھنا کہ یہ نکاح ہو رہا ہے کافی ہے۔ ذکر مہر نہ ضرور نہ قرینہ، اور خطبہ اگرچہ ضروری نہیں مگر قرینہ نکاح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

مسئلہ ۸۱: از پنڈی گھیب ڈاک خانہ خاص ضلع اٹک مسئولہ مولوی غلام محی الدین امام ومدرس جامع مسجد ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت عاقلہ بالغہ بعض غیر تعلقداروں یا کہ ان ذوی الارحاموں (جن کا ولایت نکاح میں کوئی حق نہیں) کے ورغلانے بہکانے پر کچہری میں جاکر درخواست پیش کرے کہ میں جوان ہوں اور اپنے حسب منشاء نکاح کرنا چاہتی ہوں اور میرے والی مثلا باپ یا کہ بھائی یا کہ دیگر عصبوں سے مجھے روکتے ہیں سرکار کو اطلاع دیتی ہوں کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں جہاں طبیعت ہو نکاح کرالوں، والیوں کی رکاوٹ مجھے نہ ہو، اور کچہری گورنمنٹ اسے اجازت دے دے اور وہ جہاں چاہے نکاح کرالیوے، والی خوش ہوں یا ناراض، اگر اسی موقعہ پر ان ورغلانے والوں اور ذوی الارحاموں کو کوئی مولوی لکھے میاں! یہ تمھارا نکاح اچھا نہ ہوگا باپ یا دیگر والی کو تم ضرور مجلس نکاح میں بلاؤ تو وہ کہیں کہ لڑکی عاقلہ بالغہ جوانہ خود مختار ہے کسی والی کا کوئی ایک ذرہ تک تعلق نہیں ہم ابھی کرتے ہیں، پھر جس مولوی نے توڑا تو دیکھا جائے گا مولوی کیا کرے گا جب کچہری نے اجازت دے دی۔

الجواب:

یہ حالت غالبًا اس صورت میں ہوتی ہے کہ عورت جس سے نکاح کرنا چاہتی ہے وہ غیر کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم کہ اس سے اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہو، ایسا نہ ہو تو اس درجہ بے حیائی کیوں اختیار کرے اور اس صورت میں نکاح باطل محض ہے، جب تک ولی پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دے۔ درمختار میں ہے:

(ویفتی) فی غیر الکفو (بعدم جوازہ اصلا) وھو المختار للفتوی لفساد الزمان [1]۔	غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا اور یہی فتوی کے لیے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد برپا ہوچکا ہے۔ (ت)

اولیاء پر لازم ہے کہ جب کفو پائیں تزویج میں جلدی کریں کہ ایسے وقائع سے ننگ وبے حیائی کا دروازہ نہ کھلے۔ حدیث میں ہے:

یا علی! لاتؤخر ثلثۃ الصلٰوۃ اذا اٰنت و الجنازۃ اذا حضرت والایم اذا وجدت	اے علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ)! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو نماز میں جب وقت ہو جائے، جنازہ میں جب حاضر

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

لھاکفوا [1]۔	ہو جائے، اور غیر شادی شدہ لڑکی کے نکاح میں جب اس کا کفو مل جائے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۲: شیخ سلامت اللہ قصبہ تلہر محلّہ عمر پور ضلع شاہجہان پور پارچہ فروش ۱۸ جمادی الآخری ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی کتنی عمر تک نکاح ناجائز ہوتا ہے اور کتنی عمر ہو تو جائز ہوتا ہے؟

الجواب:

نکاح کسی عمر میں ناجائز نہیں، اگر اسی وقت کے پیدا ہوئے بچے کا نکاح اس کا ولی کردے گا نکاح ہو جائے گا، ہاں پیٹ کے بچے کا نکاح نہیں ہو سکتا۔

اذلاولایۃ علی الجنین لاحد [2] کمافی غمزالعیون۔	کیونکہ پیٹ میں بچے پر کسی کو ولایت نہیں، جیساکہ غمز العیون میں ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۳: مسئولہ عبدالعزیز صاحب از شہر محلّہ کٹکوئیاں ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں توام اس صورت سے پیدا ہوئیں کہ دونوں کے کوکھوں کی ہڈیاں جڑی ہوئی تھیں اگر وہ ہڈی کاٹ دی جائے تو ان کے مرجانے کا خوف تھا، اب دونوں جوان ہوئیں ان کی شادی کس طرح کی جاسکتی ہے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

جھوٹ اور بے اصل بات قائم کرکے شریعت کو تکلیف دینی سخت بیہودگی ہوتی ہے کیا سائل ان لڑکیوں کو پیش کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۸۴: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مضمون نکاح خوانی جائز ہے یا نہیں، واجد علی خاں کی لڑکی نام اس کا تم کو معلوم ہے، بالعوض مہر موجل مبلغ دو سو روپیہ سکہ انگریزی کے بوکالت فلاں اور شہادت فلاں فلاں علاوہ نان نفقہ کے بیچ عقد نکاح تمھارے کے دی گئی تم کو قبول ہے؟ قبول کیا میں نے۔

الجواب:

جائز ہے جبکہ واجد علی خاں معروف ہو یعنی حاضرین سے دو گواہ پہچانیں کہ فلاں شخص ہے ورنہ اس کے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب اعتبار الکفاءۃ دارصادر بیروت ۷/ ۱۳۳

[2] غمز عیون البصائر للحموی علی الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶۰۴

باپ دادا کا بھی نام لیا جائے اور بوکالت فلاں وشہادت اور علاوہ نان ونفقہ کے کہنا ایک زائد بات ہے جس کی حاجت نہیں، اور "دی گئی" کی جگہ "دی میں نے" کہے، اور وہ کہے جو نابالغہ کا ولی یا ولی کا وکیل یا بالغہ کا وکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۵ تا ۸۶: مسئولہ جناب مولوی انوار الحق صاحب تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ہندہ کے باپ کے چچا کا بیٹا جو ہندہ مذکورہ کا ولی تھا وہ چونیاں میں رہتا تھا اور اس کی والدہ نے اس مقام سے سات کوس کے فاصلہ پر ولی مذکور کی عدم موجودگی میں ہندہ کا نکاح پڑھا دیا اب جب ولی مذکور نے اپنی ناراضگی ظاہر کی تو نکاح والدہ کی اجازت سے جو ہوا تھا وہ کس واسطے باطل ٹھہرا حالانکہ درمختار کی اختیار کردہ عبارت کے بعد لکھا تھا کہ:

واختار فی الملتقی مالم ینظر الکفو الخاطب جوابه واعتمده الباقانی ونقل ابن الکمال ان الفتوی علیه[1]۔	ولی ابعد کا نکاح جائز ہوگا جب کفو والا رشتہ ولی اقرب کے جواب کا انتظار کرے، یہ صاحب ملتقی کا مختار اس پر باقانی نے اعتماد کیا ہے، ابن الکمال نے نقل کیا کہ فتوٰی اس پر ہے۔ (ت)

اور صاحب بزازیہ نے اسی قول کو اقرب الی الفقہ کہا ہے، اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کہ:

هو الاصح فی البحر عن المجتبٰی والمبسوط انه الاصح فی النهایة واختاره اکثر المشائخ وصححه ابن الفضل[2] انتهی۔	یہی اصح ہے اور بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو اپنایا ہے اور ابن الفضل نے اس کی تصحیح کی ہے۔ انتہی۔ (ت)

اتنی عبارتوں سے جب معلوم ہوتا ہے کہ ولی عصبہ اقرب کی غیبت میں ولی بعید کو نکاح پڑھانے کا اختیار ہے تو والدہ کا نکاح کیا ہوا کس واسطے سے باطل کیا گیا فقط

(۲) مجلس خطبہ میں ناکح نے روبرو گواہان کے ہندہ کے باپ عمرو کو کہا کہ تو نے اپنی لڑکی بکر کے لڑکے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

زید کو دی اس نے کہا "دی" پھر بکر کو کہا کہ تو نے عمرو کی لڑکی ہندہ اپنے لڑکے زید کے واسطے قبول کی، اس نے کہا "قبول کی" یا حضرت اس ایجاب اور قبول سے ہندہ کا نکاح ہوا یا کہ نکاح کا وعدہ ہوا؟

الجواب

(۱) فی الواقع اقوال اس میں مختلف ہیں اور تصحیحیں بھی مختلف اور اصح التصحیحین یہی ہے جو درمختار میں ہے مگر درمختار کا یہ مطلب نہیں کہ سات کوس کے فاصلہ پر **مالم ینظر الکفو الخاطب** صادق آجائے تفقہ فقط کتاب سے عبارت دیکھ لینے اور لفظی ترجمہ سمجھ لینے کا نام نہیں بلکہ مقصد شرع کا ادراک اور احوال بلاد وعباد پر نظر رکن اعظم تفقہ ہے، اسی درمختار میں ہے:

من لم یکن عالمًا اهل زمانه فهو جاهل[1]۔	جو اپنے زمانہ والوں کے حالات نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ (ت)

ہمارے بلاد میں نکاح ابکار کی حالت معلوم ہے مہینوں پیام سلام رہتے ہیں اگر بیٹی والوں کی مرضی بھی ہو تو جلد قبول کردینے کو عیب جانتے ہیں یہ ان کے یہاں مثل دائر وسائر ہے کہ بیٹی کا معاملہ کچھ بازار کا سودا نہیں ابھی نہ جوتیاں ٹوٹیں نہ چادریں پھٹیں ابھی سے اقبال کردیا جائے اور ایسا تو کوئی بھی کفو خاطب نہیں کہ ولی اقرب سات کوس پر بیٹھا ہے اور وہ اس سے اجازت لینے تک کا انتظار نہ کرے ہاں یہ وہی کرے گا جسے معلوم ہوگا کہ ولی اقرب اس پر رضا نہ دے گا ایسی تعجیل معتبر کرلینے میں ولایت قربے کا ابطال اور حکم شرع کا نقض ہے بلکہ عندالانصاف یہ روایت مفتی بہا تو روایت مسافت قصر سے بھی تنگ تر ہے ریل نے مسافت قصر کو گھنٹے کی مسافت کردیا کون سا خاطب ہے کہ اتنی دیر کا انتظار نہ کرے گا **وبقیۃ التفصیل فی فتاوی الفقیر** (باقی تفصیل فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) اگر وہ مجلس وعدہ کی تھی اور وعدہ ہی مفہوم ہوا تو وعدہ ہی ہوا نہ کہ نکاح، ورنہ نکاح۔

قال هل اعطیتنیها قال نعم ان المجلس للوعد فوعد وان للعقد فعقد[2] درمختار وغیرہ۔	اگر کہا کہ تو نے مجھے لڑکی دی تو جواب میں ہاں کہا تو یہ بات مجلس وعدہ میں وعدہ اور مجلس نکاح میں نکاح ہوگی، درمختار وغیرہ (ت)

اس کی بنا وہاں کے رواج ومتفاہم عرف پر ہے **کما اشرنا الیه** (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۵

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

مسئلہ ۸۷: مسئولہ لال محمد خیاط از پھپھوند اٹاوہ بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا۔ پھر اسی مرد نے اسی عورت کے ساتھ بحالت حمل نکاح کیا، بعد نکاح اس کے ساتھ مباشرت کی، اس صورت میں نکاح رہایا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

اگر وہ عورت بے شوہر تھی یا شوہر مرگیا یا طلاق دے دی تھی اور یہ حمل شوہر کا شرعًا نہیں قرار پاسکتا تھا یعنی اس کی موت اور طلاق دو برس کے بعد بچہ پیدا ہوا توان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا، پھر اگر وہ حمل اسی زانی کا تھا تو اسے بعد نکاح پاس جانا بھی جائز تھا، اور دوسرے کا تھا تو نہیں، بہر حال اس مباشرت سے نکاح میں کوئی خلل نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸: از ضلع چھپرہ سارن ڈاکخانہ حدائی باغ بازار موضع چکدارہ مسئولہ شاہ حبیب احمد صاحب بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو مع دوشاہد کے وکیل معین چند اشخاص کے مقابلہ اجازت دی کہ میری لڑکی جو فلاں نام کی ہے اس کا نکاح ولید سے دس ہزار روپیہ اور دو دینار سرخ پر کردو، اب وکیل معین وقت ایجاب بجائے دس ہزار روپیہ کے دس ہزار درہم کا الفاظ زبان پر لایا۔ شاہد نے روکا کہ چھوڑو روپیہ کہو۔ وکیل معین نے یہ کہا کہ درہم روپے کو کہتے ہیں اور دینار اشرفی، یہاں پر درہم ودینار دونوں جمع ہے، لہٰذا اہل زبان کے نزدیک مستعمل روپیہ واشرفی ہے، اس پر شاہدان واہل مجلس تمام ساکت رہے اور وکیل معین نے بایں الفاظ ایجاب وقبول کرایا کہ بنت فلاں بعوض مہر دس ہزار درہم سکہ رائج الوقت اور دو دینار سرخ تمھاری زوجیت میں دیا تم نے قبول کیا، تین مرتبہ ایجاب وقبول کراکے زبان سے کہہ دیا کہ تم کو کمی بیشی کرنے کی مجاز وحق نہیں ہے۔ درہم سے دس ہزار روپیہ مراد ہے اور سکہ کی دوسری قید ہے جو اس وقت کا روپیہ ہے جو رائج ہے، اگر اس کے خلاف وکیل معین کرے گا تو اس کے نزدیک نکاح باطل ہوگا، اب فریق ثانی دوسرے روز معہ نوشہ وہم جلیس اس کے وفریق اول میں یہ قصہ ہے کہ کتاب دیکھی جاتی ہے کہ لغت میں درہم کے معنٰی پیسہ ہے لہٰذا دوسو روپے سے بھی کم پر نکاح ہوا، اور کوئی جہلا فریقین یہ کہتا ہے کہ نکاح باطل ہوا، بیان فرمایئے اجر وثواب پایئے، **فقط۔**

الجواب:

نکاح صحیح ہوگیا اور دس ہزار روپیہ اور دو دینار مہر ہوا، درہم پیسہ کو نہیں کہتے روپیہ ہی کو کہتے ہیں، ہاں

اگر اسے مطلق رکھتا تو درہم شرعی کا احتمال ہوتا جس کا وزن ۳ ماشے ایک رتی ۱/۵ رتی کا ہے اب کہ اس نے سکہ رائج الوقت کہہ دیا احتمال قطع ہوگیا اور یقینا یہی روپیہ مراد رہا جو سوا گیارہ ماشہ کا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: از مقام سیپری علاقہ راجہ ضلع بریلی تحصیل آنولہ تھانہ سرولی روز چہار شنبہ ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ مسئولہ ننھے خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص کسی عورت خواہ باہر کی پھرنے والی یا طوائف سے نکاح کرلے تو وہ جائز یا ناجائز؟ اور بعد نکاح کے بے پردہ عورت باہر جاوے تو نکاح رہا یا نہیں؟ یا اس فعل پر اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کردے تو پھر کوئی حق اس کا ذمہ زوج کے رہا یا نہیں؟ اور نکاح میں ایجاب وقبول باہم کرلے اور گواہ وکیل نہ ہو تو نکاح جائز یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح اس عورت کا فعل ناجائز عرصہ ایک یا دو یوم کے معلوم ہو تو زوج اس کو طلاق دے دے اور مہر ادا کرے تو طلاق ہوجاوے گی یا نہیں؟ اور بروقت نکاح تعداد مہر کم از کم کتنی ہونی چاہئے؟

الجواب:

نکاح زن بے پردہ وبازاری سے بھی جائز ہے اور عورت کے بے پردہ نکلنے سے نکاح نہیں جاتا اور بعد طلاق مہر دینا لازم ہوتا ہے اور عدت تک کا نفقہ، پھر عورت کا کوئی حق مرد پر نہیں رہتا۔ نکاح میں وکیل کی ضرورت نہیں۔ نہ ایسے دو شخصوں کی ضرورت ہے جن کو گواہ سے نامزد کیا جائے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دو مرد عاقل بالغ یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ (اور مسلمان عورت کے نکاح میں ان دونوں تینوں کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے) معًا ایجاب وقبول سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے، وہی لوگ شرعًا گواہ ہیں اگرچہ وہ لوگ گواہی کے لیے نامزد نہ کئے جائیں، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوسکتا، طلاق اس دن دیں، خواہ جب دیں واقع ہوجائے گی، مہر کم از کم دس درہم بھر چاندی ہے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے بھر، یا یہاں کے روپے سے دو روپے پونے تیرہ آنے اور ایک پیسہ کے پانچویں حصے کے برابر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۰ تا ۹۱: مسئولہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب محمود آبادی امام رسالہ پلٹن بریلی چھاؤنی ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(۱) ماہ محرم الحرام وصفر المظفر میں نکاح کرنا منع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

(۲) زید کی لڑکی (لے پالک) ربیبہ کا نکاح زید کے سگے بھائی بکر سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نکاح کسی مہینے میں منع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: بروز شنبہ ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

ایک عورت کا مرد فوت ہوگیا ہے مگر اس کی عدت پوری نہیں ہوئی اس کا نکاح پڑھنا جائز ہے؟ اگر کوئی پیش امام یا قاضی عدت کے اندر نکاح پڑھاوے تو وہ نکاح ہوگا یا نہیں؟ اور اس نکاح پڑھانے والے کے نکاح میں کچھ فساد ہوگا یا نہیں؟ یا اس کا نکاح پڑھانے والے پیش امام کے لیے کچھ کفارہ آتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ صورت دیگر یعنی پیش امام نے ایک عورت کا نکاح عدت کے اندر پڑھادیا اور پھر دوسرے روز اس نے دو مسلمان کے روبرو اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی خدا کے لیے معاف کرو۔ انھوں نے اس کو کہا کہ پیش امام صاحب! آپ کا خود نکاح باطل ہوگیا ہے۔ تو اس نے کہا کہ اچھا میں نکاح دوبارہ چوری سے پڑھالوں گا مگر برائے خدا مجھ کو معاف کرو آئندہ کو ایسا نہ کروں گا، مگر پھر اس کو کسی دوسرے مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی میں نے بے خبری میں نکاح پڑھادیا، تو اس کے لیے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ تو ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور جس نے اس کو ایسا جھوٹ کہنا سکھلایا کہ تم کہہ دو کہ مجھ کو خبر نہ تھی، تو اس سکھانے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور جو لوگ مجلس نکاح میں حاضر تھے ان کا نکاح درست ہے یا کچھ خلل ہوا؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے نکاح پڑھانے والے کو کچھ کفارہ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

عدت میں نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام ہے۔ جس نے دانستہ عدت میں نکاح پڑھایا اگر حرام جان کر پڑھایا سخت فاسق اور زناکار کا دلال ہوا مگر اس کا اپنا نکاح نہ گیا، اور اگر عدت میں نکاح کو حلال جانا تو خود اس کا نکاح جاتا رہا اور وہ اسلام سے خارج ہوگیا، بہر حال اس کو امام بنانا جائز نہیں جب تک توبہ نہ کرے، یہی حال شریک ہونے والوں کا ہے، جو نہ جانتا تھا کہ نکاح پس از عدت ہورہا ہے اس پر کچھ الزام نہیں اور جو دانستہ شریک ہوا اگر حرام جان کر تو سخت گنہ گار ہوا۔ اور حلال جانا تو اسلام بھی گیا، اور جس شخص نے امام کو جھوٹ بولنے کی تعلیم دی وہ سخت گناہ گار ہوا، اس پر توبہ فرض ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳: مسئولہ نور احمد ٹھیکدار از مقام پیلی بھیت چندی لکڑہ پار روز شنبہ ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق دی، دو تین روز کے بعد دوسرے شخص نے نکاح کرلیا، ابھی عدت گزری نہیں ہے۔ آیا اس کا نکاح ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح نہیں ہوا تو تیں برس تک اس نے حرام کیا اور حرام کا مرتکب ہوا، اب ہم برادری والے اس پر جرمانہ ڈالنا چاہتے ہیں، شریعت اس میں کیا حکم لگاتی ہے اور ہم لوگ کون سی اس کو سزا دیں، جو حکم شریعت کرے اس کو ہم سزا دے دیں،

آیا اس کو برادری سے علیحدہ کردیں یا کچھ لوگوں کو کھانا کھلوادیں، اس کا حکم حضور جلد روانہ فرمادیجئے کیونکہ یہاں پر جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ **فقط**

الجواب:

وہ نکاح نہیں ہوا، حرام محض ہوا، ان مرد و عورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں، نہ ہوں تو برادری والے ان دونوں کو قطعاً برادری سے خارج کردیں، ان سے بول چال، میل جول۔ نشست و برخاست سب یک لخت ترک کردیں، اس کے سوا یہاں کیا سزا ہوسکتی ہے۔ اور جبراً کھانا ڈالنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴: مسئولہ عبداللطیف خاں دکاندار پیلی بھیت محلّہ ڈوری لال بروز یکشنبہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ جس کا ایک لڑکا تھا اس نے اپنا نکاح زید سے کیا اور جو لڑکا عورت بیوہ یعنی اب زوجہ زید اپنے ہمراہی لے کر آئی تھی اس کا نام بکر ہے، زوجہ زید فوت ہوگئی اور کوئی اولاد زید سے نہیں ہوئی اور نہ کوئی اولاد زید کی تھی، بکر مذکور نے اپنا نکاح کسی عورت کے ساتھ کیا جب بکر سے کوئی اولاد نہیں ہوئی بکر نے اپنی زوجہ کو نکال دیا اور طلاق دے دی، بعد انقضائے مدت عدت کے زید نے اس کے ساتھ نکاح کیا، آیا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ وہ اس کی بہو نہیں، کہ بکر اس کا بیٹا نہیں، اس کی زوجہ کا بیٹا ہے۔

قال تعالٰی وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ [1] و قال تعالٰی وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی بننے والیوں سے نکاح حرام ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان مذکورہ محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۵: از شاہجہاں پور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ماقولکم فی ھذہ الصورۃ ایھا العلماء الکرام، اول ہندہ کی نسبت اس کی رضا و رغبت سے زید کے ساتھ ہوئی پھر ہندہ کی والدہ نے اس کا نکاح بکر کے ساتھ ہندہ کو اطلاع دئے بغیر کردیا، اور ہندہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر تجھ سے کوئی نکاح کے متعلق دریافت کرے تو یہ کہہ دینا کہ میری ماں کو اختیار ہے۔ جب ہندہ کو اپنے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۳

[2] القرآن ۴/ ۲۴

نکاح کی اطلاع ہوئی جو بکر کے ساتھ کیا گیا تھا تو اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اپنی رضامندی سے اپنا نکاح زید کے ساتھ پڑھوالیا (اور اس لڑکی کے سوائے ماں اور بہنوں کے اور کوئی نہ تھا، اور عمر لڑکی کی سترہ سال کی تھی) یعنی بالغ تھی، سوال یہ ہے ان صورتوں میں ہندہ کا نکاح بکر کے ساتھ صحیح ہوا یا زید کے ساتھ؟ **فقط**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ ہندہ وقت نکاح بکر بالغہ تھی اور ماں نے بے اس کی اجازت کے اس کا نکاح کیا، جس کی خبر پا کر اس نے قبول نہ کیا اور اپنا نکاح زید سے کرلیا تو نکاح بکر باطل ہوگیا، اور اگر ہندہ کے کوئی مرد دادا پر دادا کی اولاد کا کہ ولی نکاح ہوسکے نہیں، یا زید جس سے ہندہ بالغہ نے برضائے خود نکاح کرلیا ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب، چال چلن، پیشے وغیرہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ ہندہ کا اس سے نکاح ولی ہندہ کے لیے باعث ننگ وعار ہو یا اگر وہ کفو نہیں تو ولی نے پیش از نکاح اسے ایسا جان کر اس سے نکاح ہندہ کی صریح اجازت دے دی تو ان صورتوں میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح اور لازم ہوگیا، اور اگر زید مذکور کفو نہیں اور ہندہ کے ولی نے پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دی تو ہندہ کا نکاح زید سے بھی باطل محض ہوا **والمسائل کلھا منصوص علیھا فی الدر وغیرہ من الاسفار والغر** (یہ تمام مسائل در وغیرہ کتب میں صراحۃً مذکور ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶: از ڈاک خانہ سندیلہ حاجی محلّہ متھوا ضلع ہردوئی مرسلہ محمد عبدالوکیل صاحب بروز شنبہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ احد الفریقین سنی المذہب ہے اور دوسرا فریق شیعہ امامیہ طریقہ رکھتا ہے، کیاان دواشخاص کے باہم عقد مناکحت شرعاً جائز ہے؟ اور یہ کہ ان سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب ہے یا نہیں؟

الجواب:

نکاح اصلًا نہ ہوگا **والمسألۃ فی الھندیۃ وغیرھا وقد فصلناھا غیر مرۃ فی فتاوٰنا** (یہ مسئلہ ہندیہ وغیرہ میں ہے ہم نے کئی بار اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷: از گونا ریاست گوالیار مقصود علی گرداور بروز شنبہ بتاریخ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

بحضور واقفانِ طریقت وعالمان نکات شریعت پیشوائے دین احمدی ورہنمائے احکامات محمدی مدظلہ بعد آداب نیاز دست بستہ گزارش ہے کہ میں عقد تزویج سلطان احمد خاں میں عرصہ ایک سال کا ہوا آئی اس کا بھائی سلیمان خاں ۷ ماہ تک میرے والدین کے پاس رہا، اس کی بدچلنی واوباشی سے میرے والدین نے اس سے

کہاکہ چلن اپنا سنبھالو، کاش میں ایسا چلن تمھارا خیال کرتا اپنی عورت کو تمھارے سامنے آنے کی اجازت نہ دیتا اس نے کہا میں ابھی جاؤں، والد نے کہا جاؤسلام، وہ چلاگیا، میری والدہ کو والد نے یہ حکم دیا کہ آج سے تم جس وقت اس کا منہ دیکھو گی نکاح سے خارج سمجھنا، میرا شوہر اس کو لایا، میری والدہ نے پردہ کیا، میرے شوہر نے مجھ سے کہا میرے بھائی کو تمھارے والدین نے علیحدہ کیامیں آج سے تم کو علیحدہ کرتاہوں، تمھارا مجھ سے کچھ واسطہ نہیں، میں روتی ہوئی اندر آئی وہ چلے گئے صبح کو کریم خاں کو شوہر کے پاس بھیجا، بلایا توکہا میں چھوڑ چکا اب کیا واسطہ، اب اگر کعبہ بھی اس طرف ہو تو سر نہ جھکاؤں گا، گواہوں کے روبرو کہہ دیا، اس دن سے قریب چھ ماہ کے منقضی ہوئے بالکل میں متروکہ پڑی رہی، اب اس کی ہمشیرہ نے آکراول یہ تجویز کیاکہ کسی صورت سے گھر میں لائے، پھر کہا طلاق کا قصور ہوگیا ہے اس کی تجویز اچھی طرح کرلیں گے کہ ہم اپنے دوسرے بھائی سے نکاح کراکر طلاق دلاکر تیسرا نکاح پڑھالیویں گے، کسی کو کچھ معلوم نہ ہوگا۔ یہ میں نے منظور نہیں کیااور نوٹس زرمہر کا دیا، تواب دعوی رخصت کا کرتا ہے، لہٰذا دست بستہ ملتجی ہوں کہ میرا عقد سلطان احمد خاں سے قائم رہایا ساقط ہوا؟ زرمہر موجل کی میں حقدار ہوں یا نہیں؟ ایام عدت میرے ختم ہوچکے ہیں یا باقی ہیں؟ میں شوہر سابقہ سے اب تعلق ازدواج سابقہ رکھوں تو جائز ہے یا نہیں؟ عنداللہ جواب باصواب سے آگاہی بخشی جائے کہ جس سے دین محمدی کے احکام میں کوئی قصور اس عاصیہ سے نہ سرزد ہو، اس کا اجر حضور کو اللہ تعالٰی دے گا، یہ ریاست ہندوستانی ہے کوئی اس قدر لیاقت نہیں رکھتا جو شرعاحکم دے ویسراج کا برتاؤ ہے۔

الجواب:

بیان مذکور اگرواقعی ہے تو عورت پر بائن طلاق ہوگئی اور نکاح سے نکل گئی اور تین طلاقیں نہ ہوئیں کہ حلالہ کی حاجت ہو جس کے واسطے سلیمان خاں سے نکاح ہوکر طلاق لی جائے۔ زن وشوہر کی اگر ایک مکان تنہا میں یک جائی ہوچکی ہے تو کل مہر واجب الادا ہوگیااور عورت پر روز طلاق سے تین حیض کی عدت لازم ہوئی تین حیض اگر شروع ہوکر ختم ہوگئے تو عدت سے نکل گئی ورنہ ابھی نہیں، اور اگر ابھی صرف نکاح ہوا ہے اور ایک مکان میں زن وشوہر کی تنہائی نہ ہوئی تو نصف مہر ساقط ہوگیا اور نصف واجب الادا، اور عدت اصلانہیں، اس طلاق کے بعد عورت اگر چاہے تو سلطان احمد خاں سے دوبارہ نکاح ہوسکتا تھا، مگر وہ کلمہ جو اس نے کہا کہ اگرادھر کعبہ بھی ہو تو سر نہ جھکاؤں گا، اسے علماء نے کلمہ کفر لکھا ہے۔ لہٰذا اگر وہ اب توبہ کرے اور تجدید اسلام، تواس کا اس سے نکاح ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از جناب عثمان ایوب حاجی آدم جی حاجی یعقوب صاحبان ضلع بلاسپور سی پی ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ماقولکم ایھا العلماء الحنفیون رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ اگر زید نے ایک جماعت کثیرہ کے روبرو

بکر سے اس کی دختر کو مانگا اور کہا کہ میں آپ کی دختر کو اپنے پسر کے واسطے مانگنے والا آیا ہوں اور بکر نے بھی بسمع وطاعت قبول کرلیا اور کپڑے وزیورات زید نے حاضر کئے اور قبول و تقسیم شیرینی وغیرہ کے دختر کا بھیجنا بھجانا بھی خاطب کے یہاں برابر ہوتا رہا، درمیان میں کسی قدر شکر رنجی کے باعث بکر دختر موصوفہ کو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے پر آمادہ ہے پس سائل سوال کرتا ہے کہ صورت مذکورۃ الصدر میں ایقاع نکاح ہوا کہ نہیں، کیا صورت بالا میں بکر دختر موصوفہ کو کسی دوسرے کے نکاح میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجر الجزیل۔**

الجواب:

جبکہ وہ جلسہ منگنی کا تھا نہ کہ نکاح کا تو صرف اتنے الفاظ سے کہ سوال میں مذکور ہوئے نکاح منعقد نہ ہوا، اسے دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از نظام علی خاں ولد امام علی خاں پرگنہ سہسوان ضلع بدایوں بھوانی پور خورد ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ایک شخص ہمارے یہاں بھوانی پور خورد میں پیش امام تھا اس کی بیوی انتقال کر گئی اور اس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا ہے جو کہ اس کی سوتیلی ساس تھی یعنی اس کی بیوی کی سگی ماں نہ تھی، اب اس کی بابت ہم کو فتوی کی ضرورت ہے حضور کو تکلیف دیتے ہیں کہ اس مسئلہ کو خوب صحیح طور سے ہم کو آگاہ کیجئے گا نکاح درست ہے کہ نادرست ہے؟ وہ کون آیت کلام پاک میں ہے کہ جس سے ناجائز ہے اور وہ کون آیت ہے کہ جس سے جائز ہے اور کون کون پارہ میں ہیں اور وہ کون کون رکوع میں ہیں؟

الجواب

زوجہ کی سوتیلی ماں سے نکاح جائز ہے کہ سوتیلی ماں ماں نہیں ہوتی۔

قال اللہ تعالٰی اِنْ اُمَّھٰتُھُمْ اِلَّا اڷّٰٓیْ وَلَدْنَھُمْ[1] **وقال تعالٰی** وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ[2] ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے ماسوا تمھارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن ۵۸/۲

[2] القرآن ۴/۲۴

مسئلہ ۱۰۰: مسئولہ منشی محمد حسین صاحب جے پوری از شاہجہاں پور ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ بتوسط کنور جگندر پال سنگھ بی اے، ایل ایل بی، ڈپٹی کلکٹر

کیا فرماتے ہیں اس میں کہ زید کی نانی دو بہنیں ہیں اصلی نانی کی لڑکی تو زید کی اصلی خالہ ہوئی اس سے تو نکاح ہو ہی نہیں سکتا، لیکن نانی کی دوسری بہن کی لڑکی سے جو زید کی رشتہ میں خالہ ہے کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ماں کی خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز ہے، **قال تعالٰی وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: (ان کے سوا تمھارے لیے حلال قرار دی گئی ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱: از گیا فرحت باغ کوٹھی ایسری پرشاد سنگھ رئیس گیا مسئولہ مظہر الحق صاحب ۲۹ جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اپنے حقیقی ساڑھو (سانڈھوں) کی لڑکی سے عقد ومناکحت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ساڑھو (سانڈھو) کی لڑکی اگر سالی کے بطن سے نہیں تو اس سے نکاح مطلقًا جائز ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، اور اگر سالی سے ہے یعنی اپنی زوجہ کی بھانجی، تو جب تک زوجہ اس کے نکاح میں ہے اس کی بھانجی سے نکاح حرام ہے، ہاں عورت کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے یا عورت مرجائے اس کی بھانجی سے نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲: مسئولہ مولوی عزیز الحسن صاحب قادری رضوی برکاتی پھپھوند ضلع اٹاوہ بتاریخ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے جماع **بین الاختین** کیا، اور اولادیں دونوں سے ہیں، پس از روئے شرع اقدس یہ اولادیں اور بیویاں جائز قرار پائیں گی یا نہیں؟ اور پانے ترکہ زید کی مستحق ہوں گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا دونوں حرام، اور اگر آگے پیچھے کیا تو پہلی کا نکاح بے خلل، دوسری کا

[1] القرآن ۴/ ۲۴

حرام، پھر جب دوسری سے قربت کی پہلی سے قربت بھی حرام ہوگئی، جب تک اسے جدا کرکے عدت نہ گزر جائے اولادیں بہر حال [عـــہ] ولد الحرام ہیں جیسے وہ نطفہ جو حالتِ حیض میں ٹھہرا مگر ولد الزنا نہیں، زید کا ترکہ ان سب اولاد کو ملے گا۔ ہاں دونوں سے معًا نکاح کیا دونوں زوجہ ورنہ پچھلی ترکہ نہ پائے گی، یہ سب اس صورت میں ہے کہ دونوں سے نکاح کیا ہو، اور اگر زوجہ نکاح میں ہے اور سالی سے زنا کیا تو زوجہ سے قربت بھی حرام نہ ہوگی، نہ اس کی اولاد ولد الحرام ہوگی، سالی سے جو بچے ہوں گے ولد الزنا ہوں گے اور زید کا ترکہ نہ پائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ میاں محمد غوث صاحب ضلع اٹک ڈاکخانہ خود بتاریخ ۵ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

لاتنکح المرأة علی عمتھا والمرأة علی خالتھا نسائی وغیرہ۔ بینوا توجروا	نسائی وغیرہ میں ہے پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

جواب: صریحا نص سے پایا جاتا ہے اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [1] الایۃ (ان مذکورہ محرمات کے ماسوا حلال ہیں۔ت) تو حل ثابت ہوگئی۔ اور حدیث "کلامی لاینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی" [2] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا اور اللہ کا کلام میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔ ت) تو تطبیق کی کچھ حاجت نہ رہی، جب ناسخ ٹھہری تو حرمت اٹھ گئی حل پر حکم پایا گیا۔

الجواب:

لاتنکح المرأة علی عمتھا ولا علی خالتھا [3]۔	پھوپھی اور خالہ کی موجودگی میں ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔ (ت)

حدیث صحیح مشہور ہے، مع ھذا وہ مخالف قرآن نہیں بلکہ آیہ کریمہ وان تجمعوا بین الاختین [4] (حرام ہے

عـــہ: یعنی اگر ایک ساتھ نکاح کیا ہو یا آگے پیچھے مگر سب اولاد بعد جمع ہوئی ہو ورنہ وہ اولاد جو دوسری کے نکاح اور قربت سے پہلے ہوئی ولد الحرام نہیں۔ ۱۲ مصطفٰی رضا قادری غفرلہ

---

[1] صحیح بخاری باب لاتنکح المرأة علی عمتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۶

[2] القرآن ۴/ ۲۴

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۲

[4] صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین المرأة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳

کہ دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ ت) کی تفسیر ہے کہ اختیت سے ہر علاقہ محرمیت مراد ہے علاوہ بریں کریمہ "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ"[1] (ان کے سوا حلال ہیں۔ ت) عام مخصوص منہ البعض ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ[2]۔	مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو تاوقتیکہ وہ ایمان لائیں، اور مومن لونڈی، مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ مشرکہ تمھیں پسند ہو۔ (ت)

حدیث کلامی لاینسخ کلام اللہ[3] (میرا کلام اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۔ ت) محض بے اصل ہے۔ خود صحاح احادیث کثیرہ میں ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا بے فکرا اپنی مسند پر تکیہ لگائے یہ کہے ہم نہیں جانتے جو قرآن میں حلال پائیں گے اسے حلال کہیں گے اور جو قرآن میں حرام پائیں گے اسے حرام کہیں گے[4]۔ الا انی اوتیت القراٰن ومثلہ معہ[5] سن لو میں قرآن دیا گیا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل، اور الاوان ماحرم رسول اللہ مثل ماحرم اللہ[6] سنو بیشک جسے رسول اللہ نے حرام کیا وہ ایسا ہی حرام ہے جسے اللہ نے حرام کیا۔ خود رب العزت تبارک وتعالٰی قرآن عظیم میں کافروں کی حالت بیان فرماتا ہے:

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ[7]۔	کافر حرام نہیں جانتے ان چیزوں کو جنھیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا۔

اور مسلمانوں سے فرماتا ہے:

مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ[8]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کچھ رسول تم کو عطا فرمائیں اس کو لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

[1] القرآن ۴/۲۴

[2] القرآن ۲/۲۲۱

[3] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد دارالفکر بیروت ۲/۶۰۲

[4] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص

[5] سنن ابی داؤد باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۷۶

[6] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ رسول اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳

[7] القرآن ۹/۲۹

[8] القرآن ۵۹/۷

مسئلہ ۱۰۴: مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب موضع سسونہ ضلع رامپور ۷ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغ کے والدین نے اپنی برادری میں ایک نابالغ لڑکے سے نسبت یعنی منگنی کردی، کچھ عرصہ کے بعد لڑکی کا باپ فوت ہوگیا اس کی ماں نے بوجہ تنگی معاش بلانکاح اس لڑکے نابالغ کے باپ کو بلاکر رخصت کردیا جس کے ساتھ نسبت ہوچکی ہے۔ اس نے اپنے مکان پر لے جاکر نکاح اپنے پسر نابالغ کے ساتھ پڑھوالیا، اب کچھ عرصہ بعد اس کی ماں لڑکی کو رخصت کرالائی اور دوسری جگہ نکاح کردیا جس کو اب پانچ یا چھ سال ہوچکے ہیں اب وہ شخص جس سے پہلے نکاح ہوا تھا دعویدار ہے کہ میرے ساتھ رخصت کرائی جاوے میری منکوحہ ہے۔ ماں لڑکی کی پہلے نکاح سے انکار کرتی ہے اور لڑکی بھی پہلے نکاح سے بے خبری بیان کرتی ہے۔ رخصت کرنے کا اور اس کی منگنی کا ماں اقرار کرتی ہے جس سے اس وقت اجازت نکاح قرینہ سے پائی جاتی ہے گوکہ اب انکار کرتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں بموجب شرع شریف جو حکم صادر ہو فرمائے کہ نکاح اول کا صحیح رہا یا دوسرے کا؟ کیونکہ بموجودگی ولی صرف رخصت کردینا اجازت نکاح ولی کی جانب سے کسی فضولی کو نکاح کرنے کے لیے کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ وہ نکاح یعنی نابالغی میں ہوا تھا اور دوسرا نکاح بالغ ہونے پر۔ اس پر عورت بھی راضی ہے۔

الجواب:

جس نابالغ کا کوئی عصبہ ہو یعنی اس کے دادا پردادا کی اولاد کا قریب تر مرد ہو وہ اس کے نکاح کا ولی ہے۔ اس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں وہ نکاح کہ لڑکے کے باپ نے پڑھوالیا اجازت ولی پر موقوف تھا، عصبہ ہو تو وہ ورنہ ماں۔ اگر ولی کی اجازت ہوگئی تھی اور لڑکا اس کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں کسی بات میں کم نہ تھا، کہ اس سے نکاح ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو نکاح پہلا صحیح ہوگیا اور دوسرا باطل ہے۔ ورنہ دوسرا صحیح ہوگیا، اور پہلا باطل ہے لان البات اذاطرء علی موقوف ابطلہ (کیونکہ قطعی حکم جب موقوف حکم پر آجائے تو وہ موقوف کو باطل کردیتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: مرسلہ عبدالسلام صاحب پوسٹ ماسٹر ڈاکخانہ دوسہ راج جے پور ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورہائے مندرجہ ذیل میں:

(۱) لڑکی کے برس کی عمر میں بالغ شمار ہوتی ہے اگر بالغہ برضائے خود کسی کے ساتھ نکاح کرے تو وہ شرعادرست ہے یانہیں؟

(۲) زید نابالغ العمر ۱۱ سال جو ہندہ اور خالد کے حقیقی تایا کا لڑکا ہے وہ بولایت بکر کے جو زید کا چار پشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے ہندہ بعمر ۱۸ سال اور حقیقی برادر ہندہ سے خالد بعمر ۱۵ سال کے ولایت کا بمقابلہ ہندہ خالد کے حقیقی نانی کے مدعی ہے۔ شرعًا زید کا یہ دعوی صحیح ہے یانہیں یعنی ہندہ اور خالد کی ولایت اس صورت

حقیقی نانی کو پہنچتی ہے یا زید نابالغ تایازاد بھائی کو یا بکر کو جو چار پشت کے فاصلہ سے چچا ہوتا ہے؟

الجواب:

(۱) لڑکی کم از کم نو برس میں اور زیادہ سے زیادہ پندرہ برس کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے اس بیچ میں جب آثار بلوغ ظاہر ہوں بالغہ ہے ورنہ پندرہ سال پورے ہونے پر حکم بلوغ دیا جائے گا اگرچہ آثار بلوغ کچھ نہ ظاہر ہوں، بالغہ بے اذن ولی خود اپنا نکاح کرسکتی ہے مگر کفو میں، یعنی جس سے نکاح کرے وہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں اس سے ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا اس کے ولی کے لیے باعث ننگ وعار ہو، اگر غیر کفو سے برضائے خود نکاح کرے گی اور ولی رکھتی ہے اور اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت نہ دی تو نکاح اصلًا نہ ہوگا ہاں اگر کوئی ولی نہیں رکھتی یا ولی نے پیش از نکاح شوہر کو غیر کفو جان کر بالتصریح اجازت دی تو اس سے بھی نکاح صحیح ہوجائے گا۔

(۲) خالد کی جب عمر پندرہ سال کامل ہے تو وہ شرعًا بالغ ہے اور اپنے نفس کا خود ولی ہے کسی ولی کا محتاج نہیں، اور ہندہ کہ اٹھارہ سال عمر رکھتی ہے اس پر ولایت جبر کسی کو نہیں کہ خود بالغہ ہے اور ولایت غیر مجبرہ اس کے بھائی کو ہے اس کے ہوتے نانی یا بکر کوئی چیز نہیں، اور زید نابالغ کو دوسرے کا ولی بنانا جنون ہے نابالغ کسی کا ولی نہیں ہوسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: مرسلہ جناب ولی محمد صاحب بیتاب مدرس سررشتہ تعلیم ریاست ہلکر اندور بمبئی بازار

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ ہندہ ایک کمسن لڑکی کا نکاح اس کے دادا نے ایک نہایت ہی کمسن لڑکے زید سے کردیا، ہندہ اس وقت بالکل بالغہ ہے مگر زید نابالغ، کم از کم پانچ برس اس کی بلوغت کو درکار ہیں، ہندہ اور زید میں زن وشوہر کا تعلق ہونا کیا معنی بلکہ ہندہ کی آج تک اپنے میکہ سے رخصتی ہی نہیں ہوئی، زید کے یہاں زید کے والد کی حین حیات سے جس کا انتقال یکایک ہوگیا اور گو مشتبہ مگر اب تک نامعلوم کسی نہ کسی وجہ سے اس سانحہ کی خبر زید کے چچا تک کو نہ دی گئی تھی ایک پردیسی نوجوان ملازم چلا آتا ہے زید کے والد مشتبہ جوانا مرگ کے بعد اس ملازم نے زید کے مکان میں وہ رسوخ حاصل کیا کہ ہر سیاہ وسفید وہی کرتا ہے اور اس کے چوبیس گھنٹہ اس مکان میں رہنے سے جہاں کوئی دوسرا بالغ مرد بطور رکن خاندان کے نہیں رہتا ہے زید کے خاندان کو ایک زمانہ حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور درپردہ مورد اتہام ہے۔ زید کے چچا نے سانحہ مذکورہ بالا سے متعجب ہو کر اس ملازم کے گزشتہ چال چلن کی نسبت جو تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ ابتداء سے یہ ایک آوارہ چلن شخص ہے حتی کہ اسے والدین نے بھی اس کو مکان سے نکال دیا تھا اس کے بعد وہ عرصہ تک ناٹکوں میں ناچتا رہا گاتا رہا بجاتا رہا، اس تحقیق کے بعد متاثر ہو کر زید کے چچا نے جو زید کا جائز طور سے سرپرست ہے زید کی والدہ سے درخواست کی کہ اس

ملازم کو مکان سے علیحدہ کر دیا جائے۔ مگر زید کی والدہ نے یہ جواب دیا کہ ہر گز نہیں ہو سکتا چاہے کچھ بھی ہو، نہ ملازم مجھ سے نہ میں ملازم سے جدا ہو سکتی ہوں، ان تمام وقوعات سے ہندہ بخوبی واقف ہے، وہ سسرال جانے سے خود کی عصمت دری اورآبروریزی کے خوف کے علاوہ اپنی جان معرض خطرہ میں سمجھتی ہے اس لیے سسرال ہر گز نہیں جانا چاہتی بلکہ اپنے خاندان کے حفظ آبرو کے لحاظ سے تفریق کے بعد دوسرا نکاح کرلینا چاہتی ہے۔ اس صورت میں ہندہ کے لیے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ کا باپ اگر نہیں اور دادا نے نکاح کر دیا اور ہندہ وقت نکاح نابالغہ تھی گواب بالغہ ہے یا بالغہ تھی اس سے اذن لے کر نکاح کیا یا بے اس کی اجازت کے نکاح کیا مگر بعد وصول خبر اس نے اجازت دی یا دادا آپ اذن لینے آیا تھا اور ہندہ نے سکوت کیا، توان سب صورتوں میں نکاح منجانب ہندہ لازم ہو گیا، اس کا فسخ ناممکن ہے۔ تفریق ہو تو موت یا طلاق سے، اور نابالغ کی طلاق باطل ہے۔ نہ اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی طلاق دے سکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بارہ برس ہوئے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا لیکن ہندہ نے بوقت نکاح زبان سے ایجاب نہیں کیا تھا، نہ انکار کیا بلکہ سکوت اختیار کیا، ایک دوسری عورت نے جو عروس کے پاس موجود تھی وکیل سے یہ کہہ دیا تھا کہ ہندہ منظور کرتی ہے۔ ہندہ کا بیان ہے کہ اس وقت میں بالکل خالی الذہن تھی نہ میرے دل میں اقرار تھا نہ انکار کا خیال بلکہ دوسرے خیالات رنج وغم ونئی زندگی شروع ہونے کے تردداتمیں مبتلا تھی، دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ نکاح شرعاً درست ہوا یا نہیں، تو زید وہندہ کو مواخذہ وعقبٰی سے بچنے کے لیے کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا مزید عرض ہے کہ جواب جلد مرحمت ہو کیونکہ ہندہ مواخذہ عقبٰی کے خیال سے نہایت خائف وترساں ہے۔ **فقط**

الجواب:

ہندہ سے اذن لینے کون آیا تھا وہ سب سے قریب تر ہندہ کا ولی یا اس ولی کا بھیجا ہوا یا کون تھا؟ ہندہ کی رخصت ہوئی یا نہیں؟ قبل رخصت ہندہ کے کسی قول یا فعل سے اس نکاح کی خبر سن کر اظہار رغبت یا نفرت ہوا یا نہیں؟ ان تمام باتوں کی تفصیل پر جواب دیا جائے گا ان شاء اللہ **تعالٰی۔**

جوابات امور مستفسرہ

ہندہ کے والد کے چچازاد بھائی یعنی ہندہ کے رشتہ کے تایا اذن لینے گئے تھے، یہ یاد نہیں کہ اس وقت کس نے

انھیں اس کام پر متعین کیا تھا، بالعموم ایسے بزرگ خاندان جن سے لڑکی پردہ نہ کرتی ہو بھیجے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، ہندہ کا باپ اس شہر میں موجود نہ تھا، اس نے ہندہ کے ماموں کو اس نکاح کے مراسم وتقریبات ادا کرنے کے لیے بذریعہ خط مامور کیا تھا یہ کہا جاسکتا ہے اذن لینے کے لیے ہندہ کے ماموں ہی نے وکیل کو متعین کیا ہوگا در حقیقت یہ یاد نہیں، رخصت اس ہفتہ میں ہوگئی کوئی امر ہندہ کی رغبت ورضامندی کے خلاف نہ اس وقت نہ آج تک بارہ برس گزرنے کے بعد تک کوئی امر ایسا ظہور پذیر نہ ہوا جس سے ہندہ کی نارضامندی ظاہر ہو بلکہ ایسا کمال اتحاد سے زن وشوبسر کرتے ہیں یہ سوال صرف ہندہ کے اس توہم کی بناپر پیدا ہوتا ہے کہ مبادا نکاح صحیح نہ ہوا ہو اور عنداللہ مواخذہ باقی رہے اس کا اطمینان مقصود ہے۔

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ اگرچہ ازانجاکہ اذن لینے والا ولی اقرب نہ تھا ہندہ کا سکوت اذن نہ ٹھہرے اور وہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور ہندہ کی اجازت پر موقوف رہا، مگر جبکہ پیش از رخصت ہندہ سے کوئی قول وفعل ایسا واقع نہ ہوا جس سے ہندہ کا اس نکاح سے ناراض ہونا سمجھا جاتا اور ہندہ برضا ورغبت ہو کر شوہر کے یہاں آتی تو وہ نکاح موقوف نافذ وتام ہوگیا، اس میں کوئی اندیشہ مواخذہ کا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۱۱: از گونڈل کاٹھیاواڑ مسئولہ جناب سیٹھ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی تاریخ ۷ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ روز شنبہ

(۱) یہاں پر یہ رواج ہو چلا ہے کہ وقت نکاح وکیل کے ہمراہ دو گواہ نہیں جاتے ہیں اور قاضی وکیل کی وکالت اور حاضرین کی شہادت سے نکاح پڑھا دیتا ہے آیا یہ امر عندالشرع محمود ہے یا مردود؟ نیز اس ترکیب سے مذہب حنفی میں نکاح صحیح ہوجائے گا یا نہیں؟ وکیل کو اپنے ساتھ دو گواہ کا رکھنا اور ان شاہدوں کو عورت کی اجازت سننا ضروری ہے یا نہیں: اگر اس طرح نہ کرکے بطریق ان مروجہ پر مدام عمل کرنے پر سب گنہ گار ہیں یا نہیں؟

الجواب

وکیل کے ساتھ شاہدوں کی حاجت کچھ نہیں، اگر واقع میں عورت نے وکیل کو اذن دیا اور اس نے پڑھا دیا نکاح ہوگیا، ہاں اگر عورت انکار کرے گی میں نے اذن نہ دیا تھا تو حاکم کے یہاں گواہوں کی حاجت ہوگی، یہ تو کوئی غلطی نہیں۔ ہاں یہ ضرور غلطی ہے کہ وکیل ہوتا ہے کوئی اور۔ نکاح پڑھاتا ہے دوسرا، مذہب صحیح وظاہر الروایہ میں وکیل بالنکاح دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا، اس میں بہت دقتیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ لہٰذا یہ چاہئے کہ جس سے نکاح پڑھوانا منظور ہے اس کے نام کی اجازت لی جائے یا اذن مطلق لے لیا جائے **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) نوشہ کا وقت نکاح سہرا باندھنا نیز باجے گاجے سے جلوس کے ساتھ نکاح کو جانا شرعاً کیا

حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

خالی پھولوں کا سہرا جائز ہے اور یہ باجے جو شادی میں رائج و معمول ہیں سب ناجائز و حرام۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) ولیمہ شریف کا کھانا کھلانا شریعت مطہرہ کے کس حکم میں داخل ہے۔اس کا تارک کیسا ہے؟ نیز جس شہر کے لوگوں میں سے کوئی بھی بعد نکاح ولیمہ نہ کرتا ہو بلکہ پہلے نکاح کے اول روز جس طرح کہ رواج ہے کھلادیتا ہو توان سب لوگوں کے لیے شریعت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم شریف کیا ہے؟

الجواب:

ولیمہ بعد نکاح سنت ہے اس صورت میں صیغہ امر بھی وارد ہے، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا **اولم ولو بشاۃٍ**[1] ولیمہ کر اگرچہ ایک ہی دنبہ یا اگرچہ ایک دنبہ، دونوں معنی محتمل ہیں، اور اول اظہر تارکان سنت ہیں۔مگر یہ سنن مستحبہ سے ہے۔تارک گناہ گار نہ ہوگا اگر اسے حق جانے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از ضلع ہزاری باغ، ڈاکخانہ چترپور مقام چترپور، مسئولہ محمد عبدالرب صاحب روز پنجشنبہ ۲۲ رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین رحمہم اللہ تعالٰی اجمعین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی نے بحالت شیر خوارگی اپنے بیٹے عمرو کے اندر مدت رضاعت کے بکر کو دودھ پلایا، بعدہ زید کی بی بی سے تین لڑکے مسمیان محمد سعید ومحمد فاضل ومحمد سلیم تولد ہوئے تو اب بکر کی لڑکی سے محمد سلیم جو برادر حقیقی عمرو کا ہے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ وبدرج عبارات کتب معتبرہ حنفیّہ ارشاد ہو۔

الجواب:

بکر کی لڑکی زوجہ زید کی اگلی پچھلی سب اولاد کی حقیقی بھتیجی ہے اور باہم مناکحت حرام قطعی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ جناب عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ یک شنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

بعض لوگ اپنی لڑکیاں اس ملک میں ہزار دوہزار روپیہ لے کر کفو یا غیر کفو سے نکاح کردیتے ہیں اس میں بعض وقت عمر کا بھی خیال نہیں رکھتے یعنی جو شخص زائد رقم دے اس سے نکاح کردیتے ہیں، آیا ایسی رقم کا لینا والدین کے حق میں مباح ہے یانہیں اگرچہ والدین غریب ہوں اور اس طرح یہ رقم لے کر غیر کفو یا

[1] صحیح بخاری باب الصفرۃ للمتزوج قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۷۵۔۷۷۴

بڑی عمر والے کے ساتھ نکاح کر دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

مال کے سبب اپنی اولاد کا نکاح غیر کفو سے اس کے حق میں بد خواہی ہے، اور یہ روپیہ رشوت میں داخل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں اس جزئیہ پر بحث فرمائی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۴: مسئولہ عابد خاں، معرفت منشی خدا بخش صاحب ٹھیکدار صدر بازار بریلی دوشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس بارے میں کہ زید بکر کا چچازاد بھائی ہے اور رضاعی بھی، زید کے صرف ایک حقیقی چھوٹا بھائی ہے اور بکر کے ایک چھوٹا بھائی اور ایک بڑی بہن جو کہ حقیقی ہیں اور بکر کی بہن دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہے، تو زید کے چھوٹے بھائی کا نکاح بکر کی چھوٹی بہن سے جائز ہے یا نہیں؟ چونکہ زید اور بکر آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔

الجواب:

بکر نے اگر زید کی ماں کا دودھ پیا ہے تو زید اور اس کا بھائی بکر کے بھائی ہوئے نہ کہ خواہر بکر کے اور اگر زید نے بکر کی ماں کا دودھ پیا ہے تو یہ خواہر بکر کا بھائی ہوا نہ کہ زید کا بھائی، بہر حال زید کے بھائی اور بکر کی بہن میں نکاح جائز ہے **لقولھم تحل اخت اخیہ رضاعًا** (فقہاء کے قول کے مطابق بھائی کی رضاعی بہن حلال ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۱۵: مسئولہ عنایت حسین خاں محرر تھانہ دوسہ علاقہ ریاست جے پور ملک راجپوتانہ ۱۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا نابالغ لڑکی برضامندی خود اور خلاف مرضی ولی جائز کے اپنا نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

(۲) بالغہ برضامندی خود اور خلاف مرضی ولی جائز کے اپنا نکاح غیر کفو میں کرے تو وہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اگر ولی نے قبل از نکاح غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع کر دیا ہو اور پھر بھی کسی طرح پوشیدہ یا زبردستی کسی غیر کفو کے ساتھ لڑکی نے نکاح کر لیا ہو تو اس کے ولی کو اس نکاح کے تنسیخ کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہر گز نہیں، ہاں ولی کے اذن سے کر سکتی ہے جبکہ سمجھ وال ہو یا بطور خود کرے اور ولی بعد اطلاع اسے جائز کر دے تو جائز ہو جائے گا، رد کر دے تو باطل ہو جائے گا، درمختار میں ہے:

الولی شرط صحۃ نکاح صغیر[1] **الخ اقول:**	نابالغ کے صحت نکاح کے لیے ولی شرط ہے الخ **اقول:**

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

الوجه تقدیر النفاذ فان الموقوف من الصحیح غیر انه اراد بالصحة النفاذ علی التبادر۔ واللہ تعالٰی اعلم	اس کو درست کرنے کے لیے لفظ "نفاذ" مقدر ہے کیونکہ ولی کے بغیر نکاح موقوف ہوتا ہے جو کہ صحیح نکاح ہے مگر یہاں صحت سے مراد نفاذ ہے کیونکہ یہی متبادر ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) شرع میں غیر کفو وہ ہے کہ نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہو، ایسے شخص سے اگر بالغہ بطور خود نکاح کرے گی نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ نہ ولی نے منع کیا ہو نہ اس کے خلاف مرضی ہو۔ یہ نکاح اس صورت میں جائز ہوسکے گا کہ ولی نے پیش از نکاح اس غیر کفو بمعنٰی مذکور کی حالت مذکورہ پر مطلع ہو کر دیدہ ودانستہ صراحۃً بالغہ کو اس کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دے دی ہو، ان میں سے ایک شرط بھی کم ہو تو بالغہ کا کیا ہوا وہ نکاح باطل محض ہوگا اور ولی کو اس کے فسخ کرنے یا اس کا فسخ چاہنے کی کیا حاجت کہ فسخ تو جب ہو کہ نکاح ہولیا ہو، یہ تو سرے سے ہوا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	غیر کفو میں اصلا نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں عوام کے محاورہ میں غیر کفو اسے کہتے ہیں جو اپنا ہم قوم نہ ہو مثلاً سید وشیخ یا شیخ اور پٹھان یا پٹھان اور مغل، ایسا غیر کفو اگر اس شرعی معنی پر غیر کفو نہ ہو تو بالغہ کا بے اذن ولی بلکہ بناراضی ولی اس سے نکاح کرلینا جائز ہے اور ولی کو اس پر کوئی حق اعتراض نہیں۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی [2] واللہ تعالٰی اعلم	عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۷: آگرہ چھاؤنی انجن گودام جی، آئی، پی، ریلوے بابو محمد نیاز خاں اسٹورس کلرک روز چہار شنبہ ۳ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب کو بعد سلام سنت اسلام ومحبت مشام آنکہ معلوم ہو کہ حضور کو میں تکلیف دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں میرے ایک عزیز کا عقد ایک مسماۃ کے ساتھ ہوا اور اس مسماۃ کے والدین نے لڑکی کی رخصت ۵ ماہ کے بعد کی مگر اس درمیان میں ایک نقص مسماۃ کے بعد ۳ ماہ کے، خفیہ ظاہر ہوا ہے کہ مسماۃ کو سفید کوڑھ و برص کہتے ہیں وہ ہے۔ اور اس مسماۃ کے والدین سے دریافت

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

کرنے پر اب ظاہر کیا ہے کہ کچھ شکم کا داغ ہے۔اول نکاح کے ظاہر نہ کیا، اگر مسماۃ کو رخصت کرکے نہ لایا جائے اپنے گھر پر تو وہ مہر کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں؟اور لڑکا اپنا خرچہ اس کے والدین سے لے سکتا ہے یا نہیں؟**فقط**

الجواب:

نکاح صحیح وتام ہوگیا، دو باتوں سے ایک فرض ہے یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا اچھی طرح چھوڑ دینا، اگر قبل خلوت طلاق دی جائے گی آدھا مہر ساقط ہوجائے گا نصف واجب الادا ہوگا، شادی میں جو اٹھادیا، خرچ کردیا، اس کا تاوان کسی پر نہیں۔ہاں جو زیور اور کپڑے چڑھاوے میں دئے ہوں اور عورت کو ان کا مالک کردینے کی وہاں رسم نہ ہو یہ تملیک نہ سمجھی جاتی ہو نہ تملیک کی ہو تو ان اشیاء کے واپس لینے کا شوہر کو اختیار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: از جبلپور پریس انجمن محمد یوسف **یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص حنفی المذہب نے اپنا نکاح قاضی شافعی المذہب یا اہلحدیث غیر مقلد سے بموجب قاعدہ احناف پڑھوایا، پس اس کا نکاح جائز ہوا یا نہیں؟اور بصورت ناجائز ہونے نکاح حسب خیال مؤلف فتح المبین تجدید نکاح کی ضرورت ہے۔**بینواتوجروا۔**

الجواب:

اگر کوئی واقعی شافعی المذہب ہے تو شافعیہ مثل ہمارے اہلسنت ہیں اس میں تو کوئی حرج ہی نہیں جبکہ اس نے نکاح ایسے طور پر نہ پڑھایا ہو کہ وہ مذہب حنفی میں صحیح نہیں اور غیر مقلدین صرف تارک تقلید نہیں بلکہ ان کا مذہب بہت عقائد کفریہ پر مشتمل ہے جس کی قدرے تفصیل **الکوکبۃ الشھابیۃ** میں ہے۔نکاح پڑھوانا ایک تو بطور رسم ہوتا ہے جیسے نکاح خواں قاضی مقرر ہوتے ہیں یوں پڑھوایا اور اس نے حنفی مذہب کے طور پر صحیح پڑھایا تو تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔اور ایک نکاح پڑھوانا بطور تعظیم ہوتا ہے کہ اس کو معظم اور متبرک سمجھ کر اس سے پڑھواتے ہیں، اگر یوں پڑھوایا اور اس کو غیر مقلد نہ جانتا تھا کہ وہابیہ میں تقیہ بکثرت ہے تو یوں بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہیں جبکہ اس نے صحیح طور پر پڑھایا ہو، اور اگر غیر مقلد جان کر اسے معظم ومتبرک سمجھا اور اس سے نکاح پڑھوایا تو نہ فقط تجدید نکاح بلکہ تجدید اسلام کی بھی حاجت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از راجپوتانہ کوٹہ محلّہ رامپور متصل مسجد موسناں عبدالصمد ملازم بینڈ باجہ دوشنبہ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں غیر مقلد شافعی ہیں یا نہیں؟اور ہندہ بالغہ نوماہ سے بیوہ ہے اور دو بچے بھی رکھتی ہے اپنے والدین کی بلا رضامندی وعدم موجودگی کے برضامندی ورغبت خود بلاخوف وترغیب کے زید حنفی سے خود قاضی کے مکان پر جاکر بہمراہی چند آدمی نکاح پڑھ لیا، پھول وشیرنی ونئے کپڑے وغیرہ پہنے نہیں گئے، دو گواہوں اور ایک وکیل اور قاضی نے ایجاب وقبول ارکان نکاح پورے طور پر ادا کردئے

کیا یہ نکاح ناجائز ہے؟ اور بعد نکاح زید ہندہ نے مثل زن وشوہر کے ہمبستری کی اور صرف تین دن ہندہ زید کے پاس رہی اور اب ہندہ نکاح سے منکر ہے اور اپنے بچاوے کے لیے کہتی ہے کہ غیر مقلد ہوں۔ اور شافعی المذہب میں بغیر ولی کے نکاح ناجائز ہے اس کے برخلاف قاضی ودو گواہ وکیل حلفیہ نکاح ہونا بیان کرتے ہیں، قاضی حلف سے یہ بیان کرتے ہیں کہ ہندہ نے نکاح کے پیشتر اس کے دریافت کرنے پر کہا تھا کہ میں سنت جماعت یعنی حنفی ہوں، اس کا یقین ہونے پر قاضی نے نکاح پڑھایا۔ کیا ہندہ کا کہنا نکاح کے ناجوازی کے لیے صحیح ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیر مقلد شافعی نہیں بلکہ اہل بدعت واہوا واہل نار ہیں، طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

فمن کان خارجامن ھٰؤلاء الاربعة فی ھذہ الزمان فھو من اھل البدعة والنار[1]۔	جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے اس دور میں تو وہ بدعتی اور جہنمی ہے (ت)

ہندہ نے جس سے نکاح کیا اگر وہ ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے ہندہ کا نکاح اولیائے ہندہ کے لیے باعث ننگ و عار ہو تو بیشک نکاح صحیح ولازم ہوگیا، ہندہ کے انکار سے اب مٹ نہیں سکتا اگرچہ ہندہ واقع میں شافعیہ ہوتی، خلاصہ ودرمختار میں ہے:

اذا سئل ماقول الشافعی فی کذاوجب ان یقول قال ابو حنیفه کذا[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔	جب حنفی سے سوال کیا جائے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں قول کیا ہے تو اسکو چاہیئے کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۲۰: نوضلع پرتاب گڑھ مانک پور ظہور حام چہار شنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

زید محض غریب آدمی ہے جائداد وغیرہ کچھ نہیں رکھتا صرف پیشہ طبابت وغیرہ سے کام چلتا ہے اپنی لڑکی کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ مہر سوالاکھ روپے سے کم نہ ہوگا۔ عمرو جس کو لڑکی منسوب ہے وہ اس سے بھی زیادہ غریب ہے غربت کی وجہ سے عمرو اس قدر دین منظور نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میں محض غریب آدمی ہوں سوالاکھ روپیہ میں نے دیکھا بھی نہیں ہے۔ اس قدر مہر میں ہرگز قبول نہ کروں گا، غرضیکہ دریافت طلب یہ امر ہے کہ زیادتی اگرچہ غیر مستحسن ہے لیکن حیثیت کا کچھ لحاظ رکھنا ضروری ہے یا نہیں؟ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حیثیت زوج کا کچھ لحاظ کیا ہے ایسی صورت میں کہ عمرو کی حیثیت سے کہیں زیادہ ہے نکاح سوالاکھ مہر پر کیسا ہوگا اور اگر ہوگیا تو حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ اگر مہر ادا کرنے کی نیت نہ ہوئی تو زنا ہوگا اور لڑکے حرامی۔ اس کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ **فقط**

---

[1] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۳

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

الجواب:

حیثیت کا لحاظ رکھنا مناسب ہے مگر نکاح ہر طرح ہو جائے گا اگرچہ نان شبینہ کے محتاج پر تمام خزائن دنیا کے برابر مہر باندھا جائے مہر نکاح میں اصل نہیں ولہذا نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح صحیح ہے مہر مثل لازم ہوگا اور جب رقم معین کر دی اگرچہ کسی قدر کثیر تو وہ ضرور ذمہ پر لازم ہوگی انسان اگرچہ بادشاہ ہفت اقلیم ہو اس کی حیثیت محدود ہے ذمہ کی وسعت محدود نہیں اگر محتاج محض ہو، حدیث میں فرمایا: **المال غاد ورائح** (مال صبح وشام آنے جانے والی چیز ہے۔ت) وہ کہ جنھیں روٹی نصیب نہ تھی آنکھوں دیکھتے والی ملک ہوگئے، البتہ یہ ضرور ہے کہ طرفین اسے دین سمجھیں اور شوہر نیت ادا رکھے، ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ محض مفلس تھے، نکاح کیا، مہر کثیر کی درخواست کی گئی قبول فرمالی اور فرمایا: علی اللہ وعلی رسولہ المعال اللہ اور اس کے رسول پر بھروسہ ہے یعنی وہ عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾[1]۔	اور کیا اچھا ہوتا اگر وہ راضی ہوتے اللہ ورسول کے دئے پر، اور کہتے ہمیں کافی ہے اب ہمیں دیتے ہیں اللہ ورسول اپنے فضل سے، بیشک ہم اللہ ہی کی طرف روئے نیاز لاتے ہیں۔

ایسی حالت میں کوئی الزام بھی نہیں بلکہ نکاح نیت صحیحہ اور حاجت صادقہ کے ساتھ کیا گیا ہے تو حسب وعدہ صادقہ حدیث صحیح اللہ عزوجل اس دین کا ضامن ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک بار خطبہ میں **مغالاۃ فی المهور** یعنی حیثیت سے زیادہ مہر باندھنے پر انکار شدید فرمایا، حاضرین میں سے ایک بی بی اٹھیں آیہ کریمہ "اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا"[2] (تم ان عورتوں کو ڈھیر مال دیتے ہو۔ت) تلاوت کی جس میں سونے کا ڈھیر عورت کے مہر میں مقرر کرنا جائز فرمایا گیا فوراً امیر المومنین نے انکار سے رجوع فرمائی اور بکمال تواضع فرمایا:

اللهم کل احد افقه من عمر حتی المخدرات فی المحال[3]۔	اے اللہ! عمر سے ہر ایک زیادہ فقیہ ہے حتی کہ پردہ دار عورتیں بھی۔ (ت)

ہاں یہ ناجائز ہے کہ مہر باندھے اور ادا کی نیت نہ ہو اگرچہ اس کی حیثیت سے کتنا ہی کم ہو، اس کو حدیث میں

---

[1] القرآن ۹/۵۹

[2] القرآن ۴/۲۰

[3] سنن الکبرٰی للبیہقی باب لاوقت فی الصداق الخ دار صادر بیروت ۷/۲۳۳

فرمایا ہے کہ وہ حشر میں زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے، یہ اس حدیث میں بھی نہیں کہ وہ شرعًا زانی زانیہ ہیں اور اولاد حرامی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۱: از بریلی محلّہ ذخیرہ چہار شنبہ ۲۲ شوال ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو آپس میں حقیقی بھائی ہیں زید کے لڑکے نے زوجہ عمر کی چھاتی اتفاقیہ درآنحالیکہ وہ سورہی تھی اور چار پانچ ماہ کی نوحاملہ بھی تھی یعنی پہلا حمل تھا اپنے منہ میں لے لی، زوجہ عمرو کا بیان ہے کہ جس وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے لڑکے کو دیکھا کہ میری چھاتی اپنے منہ میں لئے ہوئے اس طرح منہ چلارہاہے جیسے بچے دودھ پیتے ہیں مجھ کو نہیں معلوم کہ میرے اس وقت دودھ تھا یا نہیں۔ یا مجھ کو کوئی اثر دودھ کا معلوم ہوا یانہیں میں نے لڑکے کو فورًا اپنی چھاتی سے علیحدہ کردیا اس واقعہ کو عرصہ قریبًا سترہ اٹھارہ سال کا ہوا اس صورت میں ازروئے شرع زید کے لڑکے مذکور کا عمرو کی کسی لڑکی کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور نیز یہ کہ یہ مدت قلیل حمل کی عورت حاملہ کے اترآنے دودھ کی ہے یا نہیں؟ زوجہ عمرو کی عمر اس وقت چودہ سال اور زید کے لڑکے کی عمر ایک سال کی تھی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دودھ کا کوئی قطرہ جوف میں جانا معلوم وثابت نہ ہو حرمت ثابت نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

یثبت بہ ان علم وصولہ بجوفہ من فمہ او انفہ لاغیر فلو التقم الحلمۃ ولم یدر دخل اللبن فی حلقہ ام لالم یحرم لان فی المانع شکا ولوالجیۃ[1]۔	اس سے ثابت ہوا کہ دودھ کا حلق یا ناک کے ذریعہ پیٹ میں پہنچنے کا علم ہو، اس کے بغیر نہیں، اور اگر بچے نے پستان کا سرمنہ میں ڈالا اور یہ معلوم نہ ہوسکا کہ بچے کے حلق سے دودھ اترایا نہیں تو حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ نکاح سے مانع میں شک پایا گیا، ولوالجیہ (ت)

دودھ اترآنے کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، عورت کے مزاج کی قوت اور خون کی کثرت پر ہے۔ کبھی بعد ولادت بھی نہیں اترتا اور کبھی کنواری کے اترآتا ہے، درمختار میں ہے:

الرضاع المص من ثدی اٰدمیۃ ولوبکرا[2]۔	عورت خواہ باکرہ ہو، کے پستان کو چوسنا رضاع کہلاتا ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۲

[2] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۲

یہ معاملہ عمر بھر کے حلال اور اولاد کے حلالی اور حرامی ہونے کا ہے۔ عورت پر فرض ہے کہ جو بات واقعی ہو ظاہر کردے اخفاء نہ کرے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۲تا۱۲۷: مسئولہ محمد اسحاق صاحب بر مکان قادر بخش دفعدار محلّہ شاگرد پیشہ ریاست جاورہ ملک مالوہ چہار شنبہ ۲۹ شوال ۱۳۳۴ھ

مخدوم ومکرم جناب مولٰنا مفتی احمد رضاخاں صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، التماس ہے کہ میں حضور عالی کو امور ذیل کے لیے تکلیف دیتا ہوں امید ہے کہ معاف فرماویں گے۔ مسماۃ ہندہ کا نکاح بعمر گیارہ سال سوتیلے والد کی اجازت سے زید کے ہمراہ ہوا، بعد نکاح ہندہ چندیوم زید کے گھر رہ کر والدین کے گھر چلی آئی اور وہاں سے بغیر اجازت زید ہندہ والدین کے ہمراہ چالیس کوس دور جاکر سکونت اختیار کی اور قریبًا ایک سال ہندہ کو اپنے والدین کے گھر رہتے ہوئے ہوگیا زید نے اب آن کر رخصت زوجہ کا دعوی کیا چونکہ اب ہندہ تیرھویں سال میں ہے اور اپنا بالغہ ہونا کہتی ہے اور بوقت نکاح نابالغہ تھی نکاح فسخ کرنا چاہتی ہے کہ میں نابالغہ تھی اور میرا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا میں فسخ کراؤں گی ایسی صورت میں شرع شریف کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:

سائل کو چند امور کا جواب دینا چاہئے:

(۱) ہندہ کا کوئی ولی ہے یا نہیں؟ مثلاً جوان بھائی یا چچا یا چچا کا بیٹا یا دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد؟

(۲) اگر ہے تو وہ وقت پر موجود تھا یا نہ تھا، اگر تھا تو خبر نکاح سن کر کچھ بات کی یا نہیں؟ اور اگر کی تو کیا کہا؟

(۳) ہندہ کس مہینے اور وقت میں بالغہ ہوئی، کیا گھنٹہ منٹ تھا؟

(۴) وہ کب سے دعوی فسخ کرتی ہے۔ اس کو کتنے دن ہوئے، کس مہینے تاریخ وقت میں اس دعوی کا لفظ منہ سے نکلا؟

(۵) جس سے نکاح ہوا وہ مذہب، نسل، چال چلن، پیشہ میں موافق ہے یا کم وبیش ہے تو کیا اور کس قدر؟

(۶) ہندہ کا نکاح یا رخصت اس کی ماں کی مرضی سے ہوئی یا بلا مرضی؟

ان سوالوں کا جواب آنے پر جواب دیا جائے گا۔

جواب سوالات

(۱) ہندہ کا کوئی ولی مرد جیسا ارشاد ہوا زندہ نہیں۔ ازواج میں ماں ہندہ کی حیات ہے۔

(۲) اس وقت کوئی زندہ نہ تھا۔
(۳) ہندہ یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز شنبہ کو بالغہ ہوئی بوقت ظہر قریب ڈھائی بجے کے گھڑی نہ تھی منٹ دیکھے جاتے۔
(۴) بالغہ ہونے کے دن یعنی یکم شوال ۱۳۳۴ھ روز شنبہ تین بجے دعوے کا لفظ منہ سے نکلا۔
(۵) زید مذہب میں اہل سنت حنفی مسلمان ہے۔ نسب اچھا ہے، پٹھان، اور چال چلن اور پیشہ میں بھی موافق۔
(۶) ہندہ کا نکاح سوتیلے والد کی اجازت سے ہوا و نیز رخصت، حالانکہ ماں کی مرضی نہ تھی مگر خاوند کے کہنے سے اور زبردستی سے۔

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں اور ہندہ کی ماں نے کہ صورت مذکورہ میں وہی ولی شرعی ہے اس کے نکاح کی اجازت نہ دی، نہ بعد کو جائز کرنے کا کوئی لفظ کہا، نہ کوئی فعل ایسا کیا کہ دلیل اجازت ہو تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا، اور والدہ ہندہ کی اجازت پر موقوف تھا، اگر قبل بلوغ ہندہ اس کی والدہ نے اس نکاح سے ناراضی اور اس پر انکار ظاہر کردیا تو جبھی وہ نکاح باطل ہوگیا، اب ہندہ کو طلب فسخ کی حاجت نہیں، اور اگر والدہ ہندہ اب تک ساکت رہی تھی انکار نہ کیا تھا اگرچہ ناراض تھی تو ہندہ کے بالغہ ہوتے ہی وہ نکاح موقوف، اب خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا، جب اس نے اس پر ناراضی ظاہر کی باطل ہوگیا، اور کسی دعوے کی ہندہ کو حاجت نہیں، اور اگر والدہ ہندہ قبل بلوغ ہندہ اسے قولاً یا فعلاً جائز کرچکی تھی اور وہ جائز کرنا شوہر کے جبر واکراہ شرعی سے تھا جب بھی ظاہر یہی حکم ہے کہ وہ اجازت اجازت نہ ہوئی، اور اگر بخاطر شوہر تھا اگرچہ وہ ناراض تھی تو اجازت یقیناً صحیح ہوگئی اور نکاح نافذ ہوگیا، اب ہندہ کو صرف خیار بلوغ رہا اس لیے کہ حسب بیان سائل شوہر ہندہ ہندہ کا کفو ہے اس صورت میں ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فوراً دعوٰی فسخ کرنا تھا اس نے بالغہ ہونے کے آدھے گھنٹہ بعد دعوٰی کیا تو یہ دعوٰی نامسموع ہے اور نکاح لازم ہوچکا۔ اب ہندہ کے لیے اس میں کوئی چارہ کار نہیں "**وبعید غایۃ البعد انہا لم تعلم بالنکاح الابعد البلوغ حین ادعت الفسخ**" (یہ انتہائی بعید ہے کہ کسی لڑکی کو بلوغ ہونے کے بعد دعوٰی فسخ کے وقت ہی نکاح کا علم ہوا ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۸: مسئولہ عبدالعزیز صاحب جمعدار انجینئری کوٹہ راجپوتانہ نیاپورہ چہار شنبہ ۱۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

قاضی شہر کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص پابند شریعت شرع شریف کے مطابق نکاح پڑھاوے یا دیگر مسلمان نکاح پڑھاوے اور اس کا اندراج رجسٹر قاضی شہر میں نہ ہو تو کیا وہ ناجائز ہے؟ اس کا جواب بھی دیجئے۔ **فقط**

الجواب

یہ نکاح خواں قاضی نہ شرعًا ضرور ہیں نہ ان کے رجسٹر کی شرعًا حاجت۔ہاں اندراج میں مصلحت ہے۔باقی جس سے چاہیں پڑھوائیں کوئی روک نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۹: از کوہ شملہ ولیر نگل لاج مرسلہ کفایت حسین صاحب روز یک شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

مخزن علوم،معدن فنون،علمائے دین شرع متین،جناب مولوی صاحب قبلہ دام ظلکم یہ مسئلہ حضور کی خدمت میں پیش کیا جاتاہے کہ خالہ زاد دو بھائی ہیں،ایک کی بی بی دوسرے بھائی کے لڑکے سے یعنی اپنے بھتیجے سے فعل ناجائز کرتی تھی سامنے شوہر کے،جبکہ شوہر فوت ہوگیاتواسی بھتیجے کے ساتھ عقد کرلیاتو وہ عقد جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

شوہر کے بھتیجے سے بعد وفات شوہر وانقضائے عدت نکاح جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۰: از کاٹھیاواڑ مقام اڑتیاں مرسلہ امین احمد صاحب پنجشنبہ ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک شخص نے نکاح کیا،اس کاارادہ یہ ہے کہ تھوڑی یا زیادہ مدت بعداس کو طلاق دے دے گا۔یہ نکاح ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر نکاح میں کسی مدت کی قید نہ لگائے صرف دل میں ارادہ ہو کہ سال بھر یا ایک مہینے یا ایک ہی دن کے بعد طلاق دے دوں گا تو نکاح میں کوئی حرج نہیں،ہاں بلاوجہ بے سبب محض طلاق دینا منع ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ حاجی سید نعیم الدین صاحب مقام امام گنج ڈاک خانہ سندر گنج ضلع رنگپور بنگال ۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیا ارشادفرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی یتیمہ مظلومہ مسماۃ بہ الف بعمر صغیرہ نابالغہ ۱۱ یا ۱۲ سال کی اس کے چچا حقیقی کی عین موجودگی میں قہرًا وجبرًا اہل قریہ بطمع رشوت ایک عمر رسیدہ شخص سے یتیمہ الف کا عقدونکاح کردیا اور چچا حقیقی یتیمہ کا بخیال فتنہ منع کرنے سے قاصر رہا اور لڑکی یتیمہ سے بھی جبرًا اذن لیا اور لڑکی قبل سے انکار کرتی تھی اور بوقت اذن انکار کرتی رہی لہذا آج تک انکار کرتی ہے بعد عقد نکاح پرچھ ماہ کے درمیان کئی بار مصنوعی شوہر کے مکان پر آمدورفت کیا لیکن جبرًا۔لہذا ایک وقت کچھ کھا کر مرنے پر آمادہ ہوگئی تھی اس وجہ سے وارثان مظلومہ رخصتی کراکے اس کے نانا کے مکان مقیم کیاہے عرصہ چار سال سے زیادہ ہوا اور اس وقت عمر لڑکی کی قریبًا ۱۶ یا ۱۷سال کی ہے اور ایک سال سے بالغ کامل ہے اب

شخص عاقد وعقد وہندہ وارثان الف پر مستعد شر ہے اور رخصتی چاہتا ہے۔لڑکی جانے سے انکار کرتی ہے۔احتمال ہے رخصتی کرنے سے لڑکی جان بہلاک ہو،اس لیے دست بستہ عرض ہے کہ یہ ولایت واذن یتیمہ کا صحیح ہوا یا نہیں،اور عقد ونکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟اور ایسے عاقد وعقد وہندہ وعقد پڑھانے والوں پر کچھ حد شرع ہوسکتا ہے یا نہیں؟امید کہ فی سبیل اللہ یتیمہ مظلومہ پر رحم فرمایا جائے،اور ان سب امور کی بشرط توفیق رفیق تحقیق حقیقی خلاصہ بیان قابل اطمینان،جواب باصواب صاف صاف مفصل بعبارت اردو مدلل بدلائل شرعیہ احمدیہ حنفیّہ مزین بمہر ودستخط تحریر صحیح عنایت فرماکر ممنون ومشکور فرمایا جائے،اور کار خیر وثواب عظیم میں داخل ہوجایئے اور مجھ کو معصیت سے نجات دلایئے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

حقیقت کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔اگر یہ بیان واقعی ہے کہ الف اس وقت نابالغہ تھی اور اس کے چچا نے نہ اس وقت اجازت دی نہ اس سے پہلے۔نہ خبر نکاح سن کر کوئی قول وفعل دلیل اجازت اس سے صادر ہوااور الف کی رخصت اور چند بار شوہر کے یہاں جانا،یہ بھی اس کی بلا اجازت کے ہو،اور اس وقت تک اس نے کوئی کلمہ اس نکاح کے رد کا بھی نہیں کہا،نہ الف کے ہنوز کوئی اولاد ہوئی،تو ان سب شرائط کے ساتھ وہ نکاح الف کے بالغہ ہونے تک چچا کی اجازت پر موقوف تھااور بعد بلوغ الف خود الف کی اجازت پر موقوف ہوا،اب اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بعد بلوغ الف سے کوئی قول وفعل مثبت اجازت صادر نہ ہوابلکہ اسے نکاح پر انکار ہے تو ناراضی ظاہر کرتے ہی وہ نکاح کہ موقوف تھارَد ہوگیا،الف کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے اگر خلوت صحیحہ واقع ہوچکی ہو جیسا کہ عبارتِ سوال سے ظاہر ہے،اور اگر خالی جانا آنا ہوااور ایک مکان میں تنہا تھوڑی دیر کے لیے بھی نہ ہوئے تو عدت کی بھی حاجت نہیں،اور عاقد اسے اگر اپنے تصرف میں لایا تو شرائط مذکورہ کے ساتھ مرتکب حرام ہوا کہ نکاح موقوف میں قبل اجازت وطی حرام ہے اور وطی کہ الف کی نابالغی میں واقع ہوئی دلیل اجازت نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کی اجازت سے ہو،عقد پڑھانے والا اگر اس بدنیتی میں شریک تھاتو وہ بھی گناہگار ہے ورنہ عقد موقوف فی نفسہ جرم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: مرسلہ حاجی ولد میاں صاحب از ضلع گونڈا ریاست بلرام پور بازار چوک ۸ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے ہندہ سے جوزنا سے حاملہ تھی دیدہ ودانستہ حالت حمل میں نکاح کیا بعد اس کے چند آدمیوں نے مجبور کرکے ایک جلسہ میں تین طلاقیں دلوادیں،یہ نکاح اور طلاق جائز ودرست ہوا یا نہیں؟ برتقدیر اول وضع حمل کے بعد جدید نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

جو عورت معاذاللہ زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح صحیح ہے خواہ اس زانی سے ہو یا اس کے غیر سے، فرق اتنا ہے کہ زانی جس کا حمل ہے وہ اس سے قربت بھی کرسکتا ہے اور غیر زانی اگر نکاح کرے تو تاوضع حمل قربت نہیں کرسکتا۔

لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ [1] درمختار، وصحح نکاح حبلی من زنا [2] تنویر الابصار۔	تاکہ دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب نہ کرے۔ درمختار، زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے۔ تنویر الابصار (ت)

عدت زن شوہر دار پر ہوتی ہے، جب شوہر مرے طلاق دے اور ذات زوج کا حمل زوج ہی کا ٹھہرتا ہے قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **الولد للفراش وللعاھر الحجر** [3] (بچے کا نسب نکاح والے کے لیے ہے زانی کو محرومی ہے۔ت) آیہ کریمہ میں "اولات الاحمال" سے یہی مراد ہے صدر کلام خاص صورت طلاق ارشاد ہوئی ہے اور اسی کی تفصیل فرمائی گئی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ [4]۔	اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کو طلاق دیتے وقت ان کی عدت کا پاس کرو اور عدت کا شمار کرو۔ (ت)

حدیث مذکورہ بطلان نکاح حبلی من زنا پر ہرگز دلیل نہیں بلکہ اگر دلیل ہے تو صحت نکاح پر کہ فرمایا "فرق بینھما" معہذا ممکن ہے کہ وہ تفریق ارشادی ہو یعنی ایسی عورت رکھنے کے قابل نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں عورت کا نکاح بیشک صحیح تھا اب اگر یہ شخص اس سے قربت کرچکا اس کے بعد طلاق دی، یا قربت نہ کی تھی تو ایک لفظ میں تین طلاقیں دیں، مثلاً یہ کہ تو تین طلاق سے مطلقہ ہے، تو ان دونوں صورتوں میں طلاق مغلظہ ہوگئی اور بغیر حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اور اگر ہنوز قربت نہ کی تھی اور متفرق لفظوں میں تین طلاقیں دیں مثلاً تجھ پر طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو طلاق بائن ہوئی مغلظہ نہ ہوئی بے حلالہ اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۴: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگو ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) یہ کہ بیوگان کا عقد مابین ایام عدت سہواً ہوجائے تو یہ درست ہے کہ نہیں یا بعد گزر جانے ایام مذکورہ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[3] صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۰

[4] القرآن ۶۵/۱

نکاح کیا جائے تواس میں کسی کی اجازت درکار ہوگی، عورت خود اپنے اختیار سے نکاح پڑھ سکتی ہے یااس کے رشتہ دار یا کسی اور شخص موجودہ کی اجازت درکار ہوگی
(۲) ایسی عورت جس کا خاوند مرجائے اس کا نکاح اس کے جیٹھ سے ہوسکتا ہے یا نہیں اور وہ کیسی حالت میں اور کس وقت کن شرائط پر۔

الجواب:

عدت میں نکاح باطل وحرام محض ہے سہوًا ہو خواہ اقصدًا رہا، بعد عدت اگر عورت نابالغہ ہے تو اجازت ولی مطلقًا درکار ہے۔اور اگر بالغہ ہے تو دو صورتیں ہیں جس سے نکاح کیا چاہتی ہے اگر وہ اس کا کفو ہے یعنی مذہب نسب وچال چلن پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے اس کا نکاح اس کے اولیاء کے لیے باعث ننگ وعار ہو جب تو یہ خود اختیار رکھتی ہے اجازت ولی کی حاجت نہیں، اور اگر غیر کفو ہے اور عورت کا کوئی ولی شرعی نہیں جب بھی اپنے نفس کا اختیار ہے اور اگر ولی شرعی ہے مثلاً بیٹا یا باپ یا دادا پردادا کی اولاد کا کوئی مرد بترتیب فرائض تو جب تک وہ پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر اس نکاح کی اجازت صراحۃً نہ دے گا عورت کے کئے نکاح نہ ہوسکے گا باطل محض ہوگا۔

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان[1] درمختار۔	فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں اصلا نکاح نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا۔درمختار (ت)

(۲) بعد عدت جیٹھ سے نکاح جائز ہے جبکہ کوئی مانع مثل رضاعت یا مصاہرت یا جمع محارم نہ ہو اور نکاح کی وہی شرطیں ہیں جو ابتدائے نکاح میں ہوتی ہیں کوئی نئی شرط نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵: از بلاسپور سی پی، مرسلہ جناب حاجی آدم جی حاجی یعقوب صاحبان ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں اگر جلسہ منگنی میں ایجاب وقبول ہوں تو بھی نکاح ہوگا اور شرط نکاح پائی گئی تو وہی جلسہ جلسہ نکاح ہوگا جیساکہ درمختار عـــہ وغایۃ الاوطار میں ہے، اور بعض مولوی کہتے ہیں وہ جلسہ جلسہ نکاح نہ ٹھہرے گا

عـــہ: درمختار میں ہے: کذاانا متزوجك اوجئتك خاطبا[2] (یوں ہی اگر کہا، میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یا میں تجھے نکاح کا پیغام دینے آیا ہوں۔ت) غایۃ الاوطار میں ہے: "اس واسطے نکاح صحیح ہوجائے گا کہ مول چکانا نکاح میں رائج نہیں[3]" ۱۲(م)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[3] غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی نولکشور لکھنؤ ۲/۴

اور الفاظ ایجاب و قبول و شواہد اس جلسہ منگنی میں غیر معتبر ہوگا، کون فریق حق پر ہے اور بر تقدیر قول بعض مولوی صاحب اس عبارت عــہ خلاصہ کے کیا معنٰی ہوں گے۔

الجواب:

عبارت خلاصہ کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں وہ اس امر میں ہے کہ ایجاب اگر نا متعین کے لیے واقع ہوا تو وہ نکاح صحیح نہیں اور متعین کے لیے واقع ہوا تو صحیح۔ اور اس مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ ان الفاظ کو دیکھا جائے اگر وہ ایجاب قبول کے لیے متعین ہیں تو نکاح ہو جائے گا اگرچہ جلسہ منگنی کا ہو اور اگر خطبہ وعقد میں متردد ہیں تو جلسہ کا اعتبار رہے گا۔ جلسہ منگنی کا ہے تو منگنی ٹھہرائیں گے، اور نکاح کا ہے تو نکاح۔ درمختار میں ہے:

وکذا ھل اعطیتنیھا ان المجلس للنکاح فنکاح وان للوعد فوعد [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یوں ہی کہا "کیا تو نے اپنی لڑکی مجھے دی" نکاح کی مجلس میں نکاح اور وعدہ کی مجلس میں وعدہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۶: مرسلہ محمد اقبال و نور محمد صاحبان امام مسجد تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی مفصلہ ذیل میں، ایک لڑکے کی ایک جگہ منگنی ہوئی تھی نکاح سے پیشتر کچھ عرصہ کے بعد لڑکے اور لڑکی کے والدین کے درمیان کسی خانگی امر کی وجہ سے ناموافقت پیدا ہو گئی جس سے لڑکی والے نکاح دینے سے منکر ہو گئے لڑکے کے والد نے کسی طرح لڑکی کو ورغلا کر چوری بوقت رات لڑکی کو میکے سے

عــہ: عبارت خلاصہ کی یہ ہے:

ابو الصغیر اذا قال زوجت بنتی فلانۃ من ابن فلان بکذا وقال فلان قبلت لابنی ولم یسم الابن ان کان لہ ابنان اواکثر لایجوز وان کان لہ ابن واحد صح [2] (م)	نابالغہ کے باپ نے جب کہا میں نے اپنی بیٹی فلانی، فلاں کے بیٹے کو اتنے مہر میں دی، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا میں نے اپنے بیٹے کے لیے قبول کی اور بیٹے کا نام ذکر نہ کیا، تو اگر اسکے بیٹے زیادہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اور اگر ایک ہی بیٹا ہو تو نکاح صحیح ہوگا ۱۲ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۵

نکال لیا اور فرار کرکے لے آیا۔لڑکی چونکہ بالغ ہے اس نے خود بخود شہر گوجرانوالے جاکر باوجود لڑکی کے والدین کی نارضامندی اور عدم موجودگی کے اپنے لڑکے سے نکاح کرالیا،اس سے طرفین میں بہت سافساد برپا ہوگیا،جس کی نوبت کچہری تک پہنچی،یہ امر دینی مصلحت کے برخلاف ہوتا ہے۔امید ہوسکتی ہے کہ ایسی دست درازی آئندہ بھی ایسی کارروائیوں اور فتنوں کی بانی ہو،جس کا انسداد واجب امر ہے۔کیا ایسے رخنہ انداز آدمیوں کے لیے شریعت میں کوئی سزا مقرر ہے؟مفصل حال سے آگاہی فرمائیں۔فقط۔

الجواب:

بلاشبہ ایسے لوگ مفسد وفتنہ پرداز اور آبروریز فتنہ انگیز مستحق عذاب شدید ووبال مدید ہیں،معاذاللہ اگرایسی جراِتیں روا رکھی جائیں تو ننگ وناموس کو بہت صدمہ پہنچے گا،کم سے کم اس میں شناعت یہ ہے کہ بلاوجہ شرعی ایذاء مسلم ہے۔اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ [1]۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ کو ایذادی۔

یہ نکاح جس سے ہوا اگر وہ عورت کا کفو نہیں یعنی مذہب یانسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لیے باعث ننگ وعار ہے جب تو یہ نکاح کہ زن بالغہ نے بے رضائے ولی خود کیا سرے سے ہوا ہی نہیں باطل محض ہے،درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بہ یفتی لفساد الزمان [2]۔	فساد زمان کی وجہ سے غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا۔(ت)

اور اگر کفو ہے تو والدین کو ناراض کرکے عورت کا بطور خود نکاح کرلینا خصوصًا وہ بھی اس طور پر جاکر عورت کے لیے سخت محرومی وناراضی الٰہی کا باعث ہے۔اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اب بھی نکاح نہ ہوا کہ ان کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل ہے۔یہ کیا تھوڑی شناعت ہے کہ ایک امام برحق کے نزدیک عورت بے نکاح ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۳۷۳/۴

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱۹۱/۱

مسئلہ ۱۳۷: بریلی خوجی محلّہ مرسلہ عظیم اللہ صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ بجبر کرایا گیا حالانکہ زید کی منشاء ہر گز نہ تھی جس کے چند شاہد موجود ہیں، بوقت ایجاب قبول کرنے کے زید نے "ہوں" مثل عورات کے کہا اور رخصت نہ ہونے پائی کہ زید اپنے مکان کو چلا گیا، اور اس سے قبل بھی تاریخ مقرر پر زید اپنے گھر سے فرار ہوگیا تھا تو اس صورت میں نکاح زید کا ہندہ کے ساتھ ہوا یا نہیں؟ مہر سے مزین فرمایا جائے۔

الجواب:

نکاح ہوگیا اگرچہ قبول میں صرف "ہوں" جبرا کہا ہو،

فان الاکراہ ان تحقق لم یعمل فیما یستوی فیہ الجد والھزل کالنکاح والطلاق والعتاق فکیف مالیس باکراہ۔	جبر واکراہ اگر پایا گیا تو ان امور میں موثر (عذر) نہیں بنے گا جن میں قصد ومذاق مساوی ہے مثلا نکاح طلاق اور عتاق اور اگر ان امور میں جبر نہ ہو پھر کیا کہا جائے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۸: محمد رحیم بخش عبدالحمید صاحبان از قصبہ فتح نگر ضلع گوڑگانوہ ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جبکہ بے ریش تھا اس کی نسبت (یعنی سگائی) ہندہ سے ہوئی تھی اور زید ہندہ کے مکان پر کسی وجہ سے رہتا تھا یا پرانی رشتہ داری کی وجہ سے رہتا تھا۔ ہندہ کی پھوپھی نے ہندہ کو گود لیا ہوا تھا یعنی ہندہ کی پھوپھی لاولد یا بانجھ تھی، ہندہ کے گھر میں سوائے ہندہ کے پردہ نہیں کرتا تھا، ہندہ کی پھوپھی نے زید کے ساتھ اس قدر محبت بڑھائی جو کہ شفقت مادری سے زیادہ تر نظر آتی تھی، آخر کار زید سے سوال ہم بستری کا کیا، چونکہ اس زمانے میں زید بالکل بے خبر تھا یعنی خدا اور رسول اور نماز وروزہ سے بالکل بے خبر تھا۔ غرض دونوں کے باہم ناجائز دوستی کئی سال تک رہی، یہاں تک کہ زید اور ہندہ کے والدین نے شادی کردی، چونکہ میاں بیوی میں کمال درجہ الفت اور محبت ہوئی اور ہندہ کی پھوپھی سے کچھ تعلق نہ رہا۔ اب چونکہ شادی کو تقریبا اٹھارہ سال گزرگئے اور تین بچے بھی ہوگئے۔ آج تک زید کو اس بات کا خیال تک نہ آیا اب زید ایک بزرگ سے شرف بیعت ہوکر خدا اور رسول کی اطاعت میں کمربستہ ہے اور اسی طرح ہندہ بھی پابند شرع ہے اور وہ بھی شرف بیعت ہوچکی ہے باوجود زید کو ہمیشہ کتب احادیث وفقہ سے کام رہتا ہے لیکن یہ مسئلہ آج تک اسکی نظر سے نہیں گزرا اور نہ کسی سے ذکر سنا نہ اس بات کا خیال تھا، اب زید کہتا ہے کہ اکسیر ہدایت کا مطالعہ کررہا تھا اس میں باب النکاح پر نظر پڑی، اس میں یہ عبارت لکھی پائی کہ پھوپھی بھتیجی یکجا نکاح میں حرام ہیں، جب سے زید نے یہ عبارت پڑھی دیوانہ اور پاگل سا ہوگیا ہے کیونکہ نہ عورت یعنی بیوی کو چھوڑنے کا یارا ہے۔

اور نہ خدا و رسول کے حکم کے برخلاف ہو کر رہنے کی طاقت ہے، اگر اس کو چھوڑنا چاہتا ہے یا طلاق دینا چاہے تو اس کے والدین یہ دریافت کریں گے کہ ہماری لڑکی کی کیا خطا ہے۔ اور جدائی بھی نہایت شاق گزرے گی، مبادا کوئی اور آفت پیدا ہو، زید کی بدکرداریوں کی آج تک کسی کو خبر نہ ہوئی اب یہ رسوائی کیونکر لی جاوے، اب تمام کیفیت زید وہندہ کی آنجناب میں ظاہر کردی امیدوار ہوں کہ آپ حکم شریعت سے بلاکسی لحاظ ومروت کے حکم فرماویں، اور اگر اس گناہ کا کفارہ ہوسکتا ہے تو وہ بھی بتلایا جائے۔ اور اگر زید وہندہ میں جدائی کرانے کا حکم ہو تو تین لڑکیاں جو پیدا ہوچکی ہیں ان کو کیا کیا جاوے اور مہر ہندہ کا مبلغ ماٸہ بندھا وہ ادا کرنا ہوگا یا نہیں؟ حالانکہ ہندہ نے شب عروس کو اپنا مہر معاف کردیا تھا۔

الجواب:

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ [1]۔	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

والحمد للہ رب العٰلمین، جو گناہ ہوا اس سے توبہ کرے استغفار کرے، باقی جو توہمات دربارہ منکوحہ پیش آئے محض بے معنٰی ہیں، کسی عورت سے زنا کرنا اس کی بھتیجی بھانجی کو حرام نہیں کرتا، نہ ان کے نکاح میں کوئی خلل آتا ہے۔ خلاصہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

وطی اخت امرأته لاتحرم علی امرأته [2]۔	سالی سے زنا کرنے کی وجہ سے بیوی حرام نہیں ہوگی۔ (ت)

اکسیر ہدایت میں جو لکھا اس کا مطلب ہے کہ پھوپھی بھتیجی دونوں ایک شخص کے نکاح میں ہونا یہ حرام ہے مثلاً بھتیجی نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے یا اگر اسے طلاق دے دے تو طلاق کی عدت جب تک نہ گزرے اس وقت تک اس کی پھوپھی سے نکاح حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۹: مرسلہ سید عبداللہ صاحب ڈاکخانہ پچھم گاؤں پڑہ بنگال ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد گواہ کے مقابل بالغہ نو مسلمان عورت کو نکاح کیا تو درست ہے یا نہیں؟ از روئے مہربانی جواب عنایت فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوویں اور مجھ کو سرفراز فرماویں۔

الجواب:

نکاح کے لیے دو مردوں یا ایک مرد دو عورتیں گواہ ہونا لازم ہے۔ صرف ایک مرد کے سامنے ایجاب و

---

[1] القرآن ۴۲/۲۵

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

قبول کرلینے سے نکاح نہیں ہوسکتا۔**وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ ببر اکلواز موضع کرن پورہ ڈاکخانہ سیوان ڈویژن ضلع سارن چھپرا ۱۵ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں

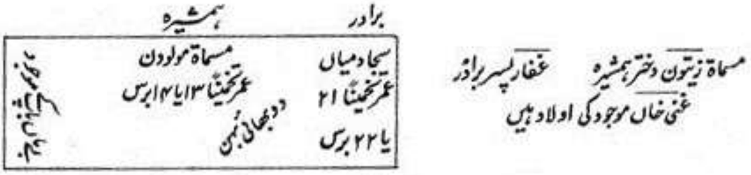

شادی گولاوٹ یعنی بدلین شرط پر میاں سجاد مذکور نے اپنا نکاح مسماۃ زیتون مذکور دختر غنی خاں سے کیااور سجاد مذکور اپنے ہمشیرہ مسماۃ مولودن کا نکاح ساتھ غفار پسر غنی خاں سے کیااور تاریخ شادی روانگی وآمد وبارات کابعد نکاح مذکورین کے تاریخ دوسرا مقرر تھاکہ اس درمیان میں جب تین روز سجاد کے کہنے سے بارات جانے کو باقی تھے تب ہی مسماۃ زیتون اپنے باپ کے گھر سے باہر نکل گئی تب بعدہ غفارمذکور کی بارات بھی سجاد کے نہیں آئی۔اب درمیان اس گھرانے اور اس گھرانے کے تکرار رنجار نجی تطویل کلامی پیش ہوگیا، سجاد کامقولہ ہے کہ جب زیتون میرے گھرمیں نہیں آئی تھی تب الحال بوجہ نقص شرط نکاح بدلین کے رہی اس خاندان کی بدچلنی وغیرہ ظاہر ہوجانے سے ہرگز ہم اپنی ہمشیرہ مولودن کواس خاندان میں نہیں جانے دیانہ اب آنے دیں گے اور نکاح مذکورین بوجہ شرط شکنی وعہد شکنی کے باطل ہوگیا، خدانخواستہ مسماۃ مولودن کی جان کوکوئی نقصان پہنچ جاوے تو عجب نہیں ہے۔عرض ہے صاف صاف فتوٰی اس کا حضور ارقام فرماویں، والسلام سجاد میاں برادر مولودن ہمشیرہ ان لوگ کے والدین فوت کرگئے

الجواب:

نکاح میں کوئی شرط بدل کی نہ تھی اور ہوتی بھی تو نکاح شرط فاسد سے فاسد نہ ہوتااور یہ بھی نہ سہی توشرط نکاح زیتون تھا وہ ہوگیا، بہرحال مولودن غفار خاں کی منکوحہ ہے اور سجاد کواس کے روکنے کا کوئی حق نہیں سجاد اپنی منکوحہ زیتون کوتلاش کرکے اپنے قبضہ میں رکھے اورنہ رکھنا چاہے توطلاق دے، مولودن کے نکاح پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۱: از بدایوں مولوی محلّہ کونچہ مولوی انوار حسین صدر اعلٰی مکان بخش والا مرسلہ حبیب اللہ صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۵ھ

مسماۃ ہندہ دختر مسماۃ خالدہ بیوہ ہے۔اس کے دو بچے نابالغ ہیں، زید پدر شوہر متوفی ہندہ کا

بچوں کو کھانے کو دیتا ہے مگر غیر کافی، ہندہ وخالدہ اپنی محنت کرکے بشمول زید بسر کرتے ہیں زید چاہتا ہے کہ ہندہ اس کے دوسرے لڑکے سے جس کی بیوی واولاد موجود ہے عقد نکاح باندھنے پر رضامند ہوجائے مگر ہندہ وخالدہ رضامند نہیں دیگر اعزائے ہندہ عقد ثانی کو براخیال کرتے ہیں۔اور اگر ہندہ کی جوانی پر خیال کرکے رائے عقد کی دیتے ہیں تو ایسے شخص سے جس سے ہندہ وخالدہ کو اطمینان ہوتا ہے اب خالدہ ایک شخص ثالث سے جس سے ہندہ بھی رضامند ہے اور ایک جگہ رہتے ہیں اس طرح عقد کرنا چاہتی ہے کہ دو ایک شخص عزیز تیسرے آدمی جس سے عقد کرنا چاہتی ہے واقف ہوں، اور خود واقف ہوتا کہ ہندہ برے خیال وافعال سے بچی رہے اور اولاد کی بابت نزاع پیدا نہ ہو، تو اس طرح عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بخیال مزید احتیاط شخص ثالث جس سے عقد نکاح پر رضامند ہے ہندہ کو خطبہ نکاح پڑھ کر ایجاب وقبول ہندہ سے کراسکتا ہے یا عقد نکاح باندھنے کے واسطے شخص غیر کی ضرورت ہے؟

الجواب:

نکاح پڑھانے کے لیے دوسرے شخص کی حاجت نہیں صرف مردوزن ہوں اور ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ مسلم کہ معًا دونوں مردوزن کا ایجاب وقبول سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہورہا ہے۔مگر ہندہ اگر ولی نہیں رکھتی یعنی دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ جب تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ورنہ اگر یہ شخص جس سے نکاح کیا چاہتا ہے ہندہ کا کفو ہے یعنی مذہب نسب چال چلن پیشے کسی بات میں ایسا کم نہیں کہ اس سے نکاح ہو نا ولی ہندہ کے لیے باعث ننگ وعار ہوجب بھی ہندہ مختار ہے۔اور اگر کفو نہیں تو جب تک ولی پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت نکاح نہ دے گا نکاح ہوگا ہی نہیں اگرچہ ہزار اعلان کیا جائے علیہ الفتوی درمختار وغیرہ (فتوی اسی پر ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲: از بہاری پور بریلی مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب مورخہ ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

عرض درخدمت والیان شریعت محمدی وحامیاں دین متین احمدی علمائے مقلدین مذہب حنفی یہ ہے کہ ایک شخص میر امام الدین نامی اپنی دختر عاقلہ بالغہ کا نکاح عبدالقدوس نامی کے ساتھ کردیا، نکاح کا ایجاب وقبول ایک لئیق شخص نے کرایا۔بستی کے سب لوگ حاضر تھے مگر قاضی صاحب جلسہ میں موجود نہ تھے تو یہ نکاح جو غیر قاضی سے پڑھایا جائز ہوا یا نہیں؟ اور ان دونوں قاضیوں کو کیا اختیارات ہیں اور اگر کسی شخص نے کسی خاص وجہ سے قاضی کو شادی میں دعوت نہیں دی تو اس پر کیا الزام آتا ہے، اور قاضی کا حق نکاح خوانی اس کو دینا چاہئے یا نہیں جبکہ قاضی سے پڑھوایا، **بینوا بیانا وافیا اجرکم اللہ اجرا کافیا۔**

الجواب:

قاضی کوئی شرط نکاح نہیں، آدمی جس سے چاہے پڑھوائے چاہے مردوزن دو گواہوں کے سامنے

خود ایجاب وقبول کرلیں اس نام کے قاضی کے لیے شرعاً کچھ اختیارات نہیں، نہ وہ اجرت کا مستحق، جبکہ نکاح دوسرے نے پڑھایا، نہ قاضی کو دعوت نہ دینے میں کوئی الزام، یہ نکاح خوانی کے قاضی اَسۡمَآءٍ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ[1] (یہ اپنے بنائے نام ہیں، شرعی طور ان پر کوئی دلیل نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳: از بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ حکیم ریاض الدین صاحب رضوی ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت بیوہ جو کہ اس کے چھوٹے بھائی کی زوجہ تھی اس سے نکاح کیا اور اب اس کے ساتھ میں ایک دختر نابالغ تھی اس دختر کانکاح اس کے سوتیلے باپ جو اس کا پہلے تایا تھا اس نے اپنی ولایت سے نابالغہ کا نکاح ایک لڑکے کے ساتھ کردیا لیکن لڑکی نکاح سے تاہنوز اپنے شوہر کے یہاں نہیں گئی اب ناکحین بالغ ہوئے تو ناکح اپنی منکوحہ کو اپنے گھر بلاتا ہے اور منکوحہ اس کے گھر جانے سے انکار کررہی ہے اور کہتی ہے کہ تیرا چال چلن ٹھیک نہیں ہے میں تجھ سے نکاح توڑ دوں گی، تو اس صورت میں لڑکی اپنا نکاح فسخ کرسکتی ہے یا لڑکے کو مجاز ہے کہ زبردستی اسے لے جائے اور ولایت اس کے سوتیلے باپ کی درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سوتیلا باپ ہونا تو کوئی وجہ ولایت نہیں۔ ہاں چچا ہونا سبب ولایت ہے۔ اگر اس سے مقدم اور کوئی ولی نہ تھا اور یہ لڑکا جس سے اس نے اس لڑکی کا نکاح کیا مذہب نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے اس لڑکی کا نکاح باعث ننگ وعار ہو تو نکاح ہوگیا، مگر اس لڑکی کو اختیار تھا کہ بالغہ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے، جب تو اسے فسخ کرنے کا اختیار ہے، اور اگر ذرا دیر لگائی تو اب نکاح لازم ہوگیا اختیار فسخ نہ رہا، اور اگر وقت نکاح ہی اس لڑکے میں امور مذکورہ میں کوئی کمی تھی جس کے سبب اس لڑکی کا نکاح باعث ننگ وعار ہو، جب نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴ تا ۱۴۷: از دلیل گنج پرگنہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ منشی محب اللہ صاحب ضلعدار پنشنر ۲۳ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

وقت نکاح جو ایجاب وقبول کرائے جاتے ہیں اس میں اکثر اشخاص ایک دوسرے کے خلاف اعتراض کرتے ہیں۔

(۱) زید کی لڑکی کہ نام اس کا تم کو معلوم ہے اور بالفعل اس نام کی کوئی لڑکی اس گھر میں موجود نہیں ہے بعوض مہر شرعی اس قدر روپے اور اس قدر دینار سرخ سلطانی سکہ رائج الوقت سوائے نان نفقہ کے بیچ نکاح

---

[1] القرآن ۷/۷۱

تمھارے کے آئی، اور دی میں نے قبول کی تم نے۔

(۲) باقی عبارت سب وہی ہے صرف بجائے لفظ "سوائے "کے علاوہ استعمال کرتے ہیں۔

(۳) میں سب عبارت وہی ہے بجائے " سوائے " یا "علاوہ "کے لفظ "مع "استعمال کرتے ہیں

(۴) بعض شخص صرف یہ کہتے ہیں کہ بیچ نکاح تمھارے کے آئی اور دی میں نے اور بعض صرف لفظ "آئی" کہتے ہیں اور بعض شخص صرف لفظ "دی "کہتے ہیں، اس میں کون سا لفظ استعمال کرنا چاہئے، اب اعتراض اس لفظ پر ہے کہ جب لفظ سوائے نان نفقہ کہا گیا تو نان ونفقہ دولھا کے ذمہ عائد نہ ہوا بلکہ صرف روپیہ مہر کا عائد ہوا جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں فلاں شے فلاں شخص کو دی گئی سوائے پگڑی کے یعنی پگڑی نہیں دی گئی، اس طرح لڑکی بالعوض اس قدر مہر کے نکاح میں دی گئی سوائے نان ونفقہ کے یعنی اس لڑکی کا نان ونفقہ دولھا کے نکاح میں نہیں آیا، یہی اعتراض لفظ علاوہ کے کہنے سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ اور جب لفظ مع نان ونفقہ کہا جاتا ہے تو معترض لوگ رجوع کرتے ہیں تعداد مہر کی طرف، اور کہتے ہیں کہ بالعوض اس قدر مہر شرعی مع نان ونفقہ کے کہنے سے نان ونفقہ مہر میں شامل ہو گیا، یعنی جب عورت نان ونفقہ پائے تو وہ مہر مجرا دیا جائے اور تعین مہر کا روپیہ اس نان ونفقہ کے حساب سے جب سب پاچکے تو پھر عورت نہ نان ونفقہ پانے کی مستحق رہی اور نہ زر مہر کی، گویا وہ بے نان ونفقہ اور مہر کے نکاح میں رہی، اپنے کھانے پینے کا انتظام عورت خود کرے، معزز فرمائے کہ ہر سہ الفاظ سوائے علاوہ مع کے استعمال کے نکاح درست ہوگا اور نان نفقہ بذمہ مرد عائد رہے گا یا نہیں؟ اور کون سے لفظ کے استعمال سے نان نفقہ عائد ہوگا اور کون سے نہیں؟

الجواب:

یہ سب اوہام ہیں اور ان کی بحث فضول بھی، اوہام تو یوں ہیں کہ جو رقم ذکر کی جاتی صرف مہر کے لیے مقصود ہوتی ہے اور علاوہ اور ماسوائے اور مع یہ سب مہر کی صفتیں ہوتی ہیں یعنی وہ مہر کہ نان نفقہ سے علاوہ یا ان کے سوا یا ان کے ساتھ ہے علاوہ اور سوائے کے یہ معنٰی کہ اس کا وجوب ان کے وجوب پر زائد ہے اور مع کے یہ معنٰی کہ یہ اور وہ وجوب میں شریک ہیں یہی مراد ہوتی ہے اور یہ مفہوم، اور ان سے بحث فضول یوں کہ نان ونفقہ ومہر ایسی چیز نہیں کہ اگر بالقصد ان کی نفی بھی کی جائے تو منتفی ہو جائیں یا نکاح میں کچھ خلل آئے، نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا بلکہ وہ خود شرطیں ہی باطل ہو جاتی ہیں، اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ مہر کچھ نہ ہوگا جب بھی مہر لازم شرعًا ہوگا مہر مثل دینا آئے گا۔ اور اگر اس شرط پر نکاح کیا جائے کہ نان ونفقہ کچھ واجب نہ ہوگا جب بھی اپنی صورت وجوب میں ضرور واجب ہوگا کہ قبل وجوب اسقاط مہمل ہے۔ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون بشروط لیست فی کتاب اللہ من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ	ایسی قوم کا کیا حال ہو جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن کی اجازت کتاب اللہ میں کسی طرح نہیں، ایسی شرطیں

فھو ردوان کانت مائۃ شرط شرط اللہ احق واوثق [1]۔	سو بھی ہوں تو وہ مردود ہوں گی، اللہ تعالٰی کی طرف سے جائز شرط زیادہ ثابت مضبوط ہے۔(ت)

بااینہمہ اگرایسی عبارت چاہیں جس میں یہ اوہام پیدانہ ہوں تو یوں کہیں بعوض اتنے مہر کے کہ نان ونفقہ کا وجوب اس کے علاوہ ہے تیرے نکاح میں دی اور "آئی" سے "دی" بہتر ہے کہ یہ انشامیں صریح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: از مقام ہنگن گھاٹ محلّہ نشان پورہ ضلع وردھا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب مورخہ ۲۵ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب مدظلہ السلام علیکم۔ مندرجہ ذیل میں شرع شریف کا کیا حکم ہے تحریر فرمائیں، اللہ آپ کو اجرنیک عطا کرے، زید نے عمرو کی لڑکی سے نکاح کیا، نکاح کے وقت کسی قسم کی شرط وغیرہ نہ تھی، لڑکی رخصت ہو کر گھر آئی، چندروز کے بعد لڑکی کا والد لڑکی کو اپنے مکان میں لے گیا اور اب زید سے اس بات کا طالب ہے کہ وہ ایک اسٹامپ اس مضمون کا تحریر کردے کہ میں لڑکی کو اپنے وطن میں نہیں لے جاؤں گا یہیں اس کے والدین کے پاس اس شہر میں رکھوں گا، اگر زید اسٹامپ نہ لکھے گا تو لڑکی کی طرف سے میرا جواب ہے کہ اب میں لڑکی کو رخصت نہ کروں گا، دریافت طلب امور یہ ہیں کہ کیا عمرو کا یعنی لڑکی کے باپ کا یہ عذر معقول ہے اور وہ ایسی حالت میں لڑکی کو روک سکتا ہے؟

الجواب:

اگر مہر کل یا بعض پیشگی دینا قرار نہ پایا تھا یا قرار پایا تھا اور وہ ادا ہو گیا تو لڑکی کے باپ کا یہ عذر بیجا ہے اور وہ اسے نہیں روک سکتا۔

قال اللہ تعالٰی و اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیویوں کو اپنے ساتھ سکونت دو گنجائش کے مطابق۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

ہاں اگر کوئی صورت خاص ہو کہ سفر بہت طویل ہے اور وہاں تنہائی میں لڑکی کو ضرر رسانی کا ظن غالب ہے تو اس کے ثبوت پر بے بندوبست کافی، وہاں لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

قال اللہ تعالٰی ولاتضاروھن لتضیقوا علیھن [3]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو تنگی دینے کے لیے ضرر مت دو، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۷

[2] القرآن ۶/۶۵

[3] القرآن ۶/۶۵

وسلم لا ضرر ولاضرار فی الاسلام [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نے فرمایا: اسلام ضرر اور نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دیتا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ شیخ فضل احمد صاحب درزی بازار کٹرہ متصل کارخانہ میز کرسی یعقوب خاں مورخہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے شوہر نے اپنی زوجہ کو طلاق دی عدت گزرنے نہ پائی کہ عورت نے دوسرے شخص کے پاس جا کر کہا کہ تم میرے ساتھ نکاح کرلو ورنہ میں حرام کرنے پر تیار ہوں اس نے یہ خیال کرکے کہ عورت حرام کرنے سے خراب ہوجائیگی اور اس عورت کو سمجھایا کہ تیری عدت گزر جائے، بعدہ نکاح کرلینا مگر عورت نے کسی طرح نہ مانا لہٰذا اس شخص نے مجبورًا اس عورت سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ عرصہ آٹھ ماہ سے یہ عورت اسی شخص کے پاس ہے جس کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا، بایں وجہ شفقت ومحبت دونوں میں حدِ اعتدال زیادہ ہوگئی کہ تھوڑی دیر کے واسطے بھی نگاہ سے اوجھل ہونا ایک کا دوسرے کو ناگوار خاطر ہوتا ہے۔ لہٰذا دوسرا نکاح اگر اس عورت کے ساتھ ناجائز ہو تو کس صورت سے جائز ہو اور خود بھی زوج وزوجہ پریشان ہیں کہ کیونکر نکاح ہو اور اکثر اوقات ہمبستر بھی ہوئے ہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ نکاح نہ ہوا زنائے خالص ہوا، ان مرد وزن پر فرض ہے کہ فورًا جدا ہوجائیں، مرد اسے چھوڑ دے، پھر اگر پہلے کی طلاق کے بعد ابھی تین حیض نہ آئے ہوں تو انتظار فرض ہے یہاں تک کہ تین حیض شروع ہو کر ختم ہوجائیں اور اگر ختم ہوگئے ہیں اور یہ دوسرا اس سے نکاح چاہتا ہے تو چھوڑنے کے بعد فورًا کرسکتا ہے، اور اگر عورت کسی تیسرے سے نکاح چاہے تو یہ دوسرا جس دن چھوڑے اس کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہونا لازم ہے۔ اس سے پہلے تیسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، درر میں ہے:

المطلقۃ اذا تزوجت فی عدتھا فوطئھا الثانی فرق بینھما وتداخلتا عندنا ویکون ماتراہ من الحیض محتسبا منھما جمیعا واذا انقضت العدۃ الاولی ولم تکمل الثانیۃ فعلیھا اتمام العدۃ الثانیۃ [2]۔	مطلقہ عورت نے اگر عدت میں کسی دوسرے سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس سے جماع کرلیا، تو دونوں میں تفریق کی جائے گی اور دونوں عدتیں متداخل ہوجائیں گی، اور آنے والا حیض دونوں کا مشترکہ ہوگا، اور جب پہلی عدت پوری ہوجائے اور دوسری عدت پوری نہ ہو تو دوسری کو تام کرے۔(ت)

خانیہ وبحر وردالمحتار میں ہے:

---

[1] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۹۱

[2] درر شرح غرر باب العدۃ احمد کامل الکائنہ دار سعادت بیروت ۱/ ۴۰۳

اذا تمت عدۃ الاول حل للثانی ان یتزوجھا لالغیرہ مالم تتم عدۃ الثانی بثلاث حیض من حین التفریق [1]۔	جب پہلی عدت پوری ہوجائے تو دوسرے خاوند کو اس سے نکاح حلال ہوگا، تفریق کے بعد جب تک دوسری عدت کے تین حیض مکمل ہوجائیں اس وقت تک کسی غیر کے لیے حلال نہ ہوگی۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از موضع بھوٹا بھوئی بسوٹولانڈ ملک افریقہ مرسلہ جناب حاجی اسمٰعیل میاں بن حاجی امیر میاں صدیقی حنفی قادری

(۱) زید سوال کرتا ہے کہ خدانے مرد کو حکم دیا دو دو تین تین چار چار، اور عورت کو کیوں نہیں ملا کہ تم دو دو تین تین چار چار مرد کرو۔

(۲) ایک شخص زانی عوت کافرہ کو اسلام قبول کرواکے نکاح کیا اب وہ عورت حاملہ ہے مگر اسی مرد سے جس کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ اگرچہ حاملہ اسی سے ہو جب بھی نکاح جائز نہیں اور شاہد وحاضرین کا ٹوٹ جاتا ہے۔ مجموعہ خانی جلد ثانی ص ۳۹؟:

در ہدایہ وکافی آوردہ ست عورتے حربیہ در دارالاسلام آمد برآں عورت عدت لازم نشود خواہ اسلام در دار حرب آوردہ باشد خواہ نیاوردہ باشد وایں قول امام اعظم ست رحمۃ اللہ علیہ۔ ونزدیک امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی عدت لازم شود، وباتفاق علماء برکنیز کہ در تاخت گیرند عدت لازم نیست فاما استبراء، لازم ست واگر حربیہ کہ در دار اسلام آمدہ ست وحاملہ تاآں زمان کہ	ہدایہ وکافی میں ہے کہ اگر کوئی عورت دارالاسلام آجائے تو اس پر عدت لازم نہیں خواہ دارالحرب میں مسلمان ہوئی یا نہ ہوئی، یہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، امام ابویوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر عدت لازم ہے اور جنگ میں گرفتار شدہ لونڈی پر عدت لازم نہیں ہے۔ یہ سب کا اتفاق ہے، اس پر صرف استبراء لازم ہے، اگر کوئی حاملہ عورت دارالحرب سے دارالاسلام آئی تو وہ بچہ کی پیدائش سے قبل نکاح نہیں کرسکتی، امام صاحب نے ایک دوسری روایت میں فرمایا کہ وہ نکاح کرسکتی ہے لیکن بچے کی پرورش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے جس طرح زنا سے

[1] ردالمحتار باب العدۃ مطلب فی وطی المعتدۃ بشبھۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۹

فرزند نزاید نکاح نہ کند دیگر روایت از امام آنست کہ نکاح درست ست اگر حاملہ باشد فامانزدیکی باآں عورت شوہر نہ کند تاآں زمان کہ فرزند نزاید چنانچہ عورت راازز نا حمل ماندہ ست خواستن اور واست ونزدیکی کردن روانیست تاآں زمان کہ فرزند نزاید واگر یکے از میان زن وشوہر مرتد شد فرقت میاں ایشاں واقع شود فاما طلاق واقع نشود ایں امام اعظم امام اابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی ونزدیک امام محمد اگر مرتد شدہ است فرقت واقع شدہ است بے طلاق پس اگر مرد مرتد شدہ است وبازن نزدیکی کردہ باشد تمام مہر بر او لازم شود اگر نزدیکی نہ کردہ است چیزے از مہر لازم نشود ونفقہ نیز لازم نشود اگر خوداز خانہ مرد بیروں آمدہ باشد واگر خوداز خانہ مرد بیروں نیا مدہ باشد نفقہ بر مرد لازم شود[1]۔	حاملہ سے نکاح جائز مگر بچے کی پیدائش سے قبل اس سے جماع جائز نہیں ہے۔اگر خاوند بیوی سے کوئی ایک مرتد ہوجائے تو دونوں کی فرقت ہوگی لیکن طلاق نہ ہوگی، یہ قول امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی علیہ کا ہے۔اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اگر صرف خاوند مرتد ہوجائے توفرقت ہوجائے گی طلاق نہ ہوگی، تو خاوند کے مرتد ہونے کے بعد اگراس نے بیوی سے جماع کیا تو مکمل مہر لازم ہوگا،اور مرتد ہونے کے بعد جماع نہ کیا تو مہر اور نفقہ لازم نہ ہوگا،بشرطیکہ عورت خود اس کے گھر سے علیحدہ ہوچکی ہواور اگراس کے گھر میں ہو تو نفقہ مرد پر لازم ہوگا، (ت)

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل فرماتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ**[2] بیشک اللہ عزوجل بے حیائی کا حکم نہیں فرماتا۔ ایک عورت پر دو مردوں کااجتماع صریح بے حیائی ہے، جسے انسان توانسان جانوروں میں بھی جو سب سے خبیث تر ہے یعنی خنزیر وہی روا رکھتا ہے۔حرمت زنا کی حکمت نسب کا محفوظ رکھنا ہے،ورنہ پتانہ چلے کہ بچہ کس کا ہے۔اگر عورت سے دو مردوں کا نکاح جائز ہو تو وہی قباحت کہ زنا میں تھی یہاں بھی عائد ہو معلوم نہ ہوسکے کہ بچہ کس کا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جسے زنا کا حمل ہو والعیاذ باللہ تعالٰی اور وہ شوہر دار نہ ہواس سے زانی وغیر زانی ہر شخص کا نکاح جائز ہے فرق اتنا ہے کہ غیر زانی کو اس کے پاس جانے کی اجازت نہیں جب تک وضع حمل نہ ہولے،اور جس کا حمل ہے وہ نکاح کرے تو اسے قربت بھی جائز، درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤها و دواعیه حتی تضع لئلا	زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے اگرچہ اس سے وطی اور اس سے متعلقہ امور حرام ہیں جب تک وہ بچے کو جنم نہ دے

[1] مجموعہ خانی

[2] القرآن ۷/۲۸

یسقی ماءہ زرع غیرہ اذ الشعر ینبت منه ولونکح الزانی حل له وطؤھا اتفاقا[1]۔	تاکہ اس کا پانی غیر کی کھیتی کو سیراب نہ کرے یہ اس لیے کہ جماع سے حاملہ کے بچے کو بال اگتے ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا تو اس کو جماع بھی جائز ہے۔(ت)

زید کا قول محض غلط ہے اور اس کا کہنا اگرچہ حاملہ اسی مرد سے ہے جب بھی نکاح جائز نہیں شریعت پر افترا ہے بلکہ صحیح ومفتی بہ یہ ہے کہ اگرچہ حمل دوسرے کا ہو جب بھی نکاح جائز ہے اور اس کا کہنا کہ شاہد وحاضران محفل کے ٹوٹ جاتے ہیں افتراء برافتراء ہے، مجموعہ خانی سے جو عبارت اس نے نقل کی ہے صراحۃً اس کے خلاف ہے۔

اگر عورت را از زنا حمل ماندہ است خواستن او رواست ونزدیکی کردن روانیست تاآنکہ نزاید۔	اگر عورت زنا سے حاملہ ہوجائے تو اس سے نکاح جائز اور جماع جائز نہیں جب تک بچے کو جنم نہ دے دے۔(ت)

اور وہ جو اسی سے نقل کیا کہ:

حربیہ کہ دارالاسلام آمدہ است وحاملہ تانزاید نکاح نہ کند[2]۔	حربی عورت اگر دارالاسلام آجائے اگر حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش تک وہ نکاح نہ کرے۔(ت)

یہ اس میں ہے کہ حربی کافر کی حاملہ عورت دارالاسلام میں آکر مسلمان ہو گئی نہ کہ حمل زنا میں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از (برہما) ڈاک خانہ چیگانگ محلہ میڈنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر صاحب　۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الفتاوٰی قاضی خاں وان ترک الجمعة ثلاث مرات یصیر فاسقا کذا ذکر فی بعض المواضع و به اخذ شمس الائمه السرخسی رحمه اللہ تعالٰی وذکر فی بعض المواضع انه یبطل العدالة انتھی،وان ترک الصلٰوۃ بالجماعة ولم یستعظم ذلك کمایفعل به العوام بطلت عدالته	حضرات علمائے کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کا کیا حکم ہے کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے تین جمعے ترک کردئے تو وہ فاسق ہوگا، یوں ہی بعض مقامات پر مذکور ہے جس کو شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے لیا ہے اور بعض مقامات پر انھوں نے ذکر کیا کہ اس کی عدالت ختم ہوجائے گی اھ اور اگر کسی نے نماز باجماعت کو اہمیت نہ دیتے ہوئے ترک کیا جیسا کہ عوام کرتے ہیں تو اس کی عدالت باطل

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] مجموعہ خانی

وان ترکھا متاؤلا بان کان یضلل او یفسق لایبطل عدالته ولایقبل شهادة من کان معروفا بالکذب [1] انتهی وفی الدرالمختار لاتقبل شهادته الابتاویل بدعة الامام اوعدم مراعاته [2] اھ	ہوجائے گی اور اگراس نے اہمیت کے باوجود کسی تاویل وعذر کی بناپر مثلاً امام کو گمراہ یا فاسق قرار دیتے ہوئے جماعت ترک کردی تواس کی عدالت باطل نہ ہوگی،اور جو شخص جھوٹ بولنے میں مشہور ہوجائے تواس کی شہادت مقبول نہیں اھ اور درمختار میں ہے کہ ایسے شخص کی شہادت مقبول نہ ہوگی،الایہ کہ وہ تاویل اور عذر مثلاامام کے بدعتی ہونے یاشرعی امور کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے جماعت ترک کرے۔اھ (ت)

جب ان لوگوں کی عدالت باطل ہو گئی تو بوقت نکاح وطلاق شہود بنانے سے نکاح وطلاق صحیح ہوگا یانہیں،چونکہ درمختار میں ہے،شهود عادل عند الشافعی [3] (امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عادل گواہ ہوں۔ت) شہود عادل شرط ہے،اور رجعت کرنے کے بارے میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وَّاَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ [4] (دو عادل گواہ بناؤ۔ت) اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لانکاح الا بولی وشاهدی عدل [5] (ولی کے بغیر نکاح نہیں،اور دو عادل گواہوں کے بغیر بھی۔ت) اس عبارت مرقومہ اور بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کو نکاح وغیرہ میں مشہود بنانا معتبر نہیں،جب معتبر نہیں ہے تو ثانیۃً تجدید نکاح کرنا چاہئے یانہیں؟

الجواب:

بلاشبہ بلاعذر ترک جمعہ اور ترک جماعت کی عادت موجب فسق ومسقط عدالت ووجہ رد شہادت ہے مگر نکاح میں جو شاہدین کی شرط ہے یہ وقت ادائے شہادت نہیں کہ عدالت کی حاجت ہو بلکہ وقت تحمل شہادت ہے اور اس میں عدالت کچھ ضرور نہیں،حنفی مذہب میں تصریح ہے کہ شاہدین نکاح اگر فاسق بھی ہوں حرج نہیں،درمختار میں ہے: **ولو فاسقین او محدودین فی قذف** [6] (اگرچہ دو گواہ فاسق ہوں یاقذف کی حد لگائے گئے ہوں۔ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشہادات نولکشور لکھنؤ ۳/۵۳۲

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۲

[3] ردالمحتار مع درمختار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۲

[4] القرآن ۲/۶۵

[5] السنن الکبرٰی للبیہقی لانکاح الابشاہدین وعادلین دارصادر بیروت ۷/۱۲۵

[6] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

حدیث میں ارشاد ہوا: لانکاح الابولی وشاھدی عدل (ولی اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں۔ت) نفی بمعنی نہی ہے اور منافی صحت نہیں بلکہ ہمارے نزدیک یہ نہی ارشادی ہے کہ بالغہ کے نکاح میں ولی بھی شرط نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۳: از شمس آباد ضلع کیمل پور علاقہ اٹک مرسلہ مولوی قاضی گیلانی صاحب ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور لامع النور، موفور السرور، قاطع الشرور والفسق والفجور حضرت عالم اہل السنۃ والجماعۃ مجدد مائۃ حاضرہ زید مجدہم! بعد نیاز بے آغاز حضور نے فرمایا تھا کہ کتب خانہ فیض نشانہ میں عینی ہدایہ نہیں ولہذا دو ورق بقدر حاجت ارسال خدمت فیض درجت ہیں، مسئلہ خطبہ ونکاح بغیر کفو میں اس ملک کے علماء سخت مخالف ہیں بعض کتب عربیہ وفارسیہ قلمی غیر مشہور میں لکھا ہے کہ تقسیم فواکہ وشکر بافاتحہ خوانی بلاایجاب وقبول کے یا وعدہ کہ میں تم کو اپنی بیٹی دوں گا یا اس ارادہ پر کوئی تحفہ خوردنی یا پوشیدنی لیا تو بھی مثل ایجاب وقبول کے موجب انعقاد نکاح ہوگیا اور حدیث **تحرم الخطبہ علٰی خطبۃ اخیہ**[1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ت) سے ان عبارتوں کو اور بھی تاکید دیتے ہیں اور عینی شرح ہدایہ کی عبارت **کتاب النکاح میں لان الخطبۃ التزوج**[2] (کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے۔ت) ان کے مدعا کی پوری مثبت ہے ان کے نزدیک ایجاب وقبول لفظی یا کوئی قول وفعل اس پر دال ہو موجب نکاح ہے اگرچہ فتاوٰی مہدیہ وغیرہ کتب کی عبارتیں ان کو بارہا دکھائی گئیں مگر وہ لوگ قاصر الفہم اپنی ہٹ سے باز نہیں آتے اور اس کا نام احتیاط فی الفروج رکھا ہے۔ حضور نے ایک بار فرمایا تھا کہ قلم ناسخ کی غلطی معلوم ہوتی ہے، اور صحیح عبارت "**لان الخطبۃ للتزوج**" معلوم ہوتی ہے حضور کی یہ درفشانی نہایت اوفق واوجہ ہے مگر عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ خطبہ کے متعلق کل مالہا وماعلیہا مع ازالہ اوہام وابانۃ مرام ابحاث کے ساتھ بقدر چار پانچ ورق کے بزبان عربی حضور ارشاد فرمائیں۔ دوسری عبارت عینی کی:

وعنہ فی الرجل یشرب الشراب او ھوحائك یفرق بینھما وفی البسیط ذھبت الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیرھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان انتھی۔[3]	عینی سے روایت ہے کہ جو شراب کا عادی یا جولاہا ہے تو دونوں کی تفریق کردی جائے گی، اور بسیط میں ہے کہ شیعہ کا مذہب ہے کہ علویات (سیدزادیوں) کا نکاح ان کے اولیاء کی رضامندی کے باوجود بھی غیر سے ممنوع ہے، سروجی نے کہا: یہ دونوں قول باطل ہیں انتہی۔(ت)

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۴

[2] عینی شرح ہدایہ فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۴۳۴

[3] عینی شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/۱۰۲

اور عبارت تو اس سے پہلے صاف ہے ھما کے مرجع ہی میں شبہہ ہے۔ اگر اس قاعدہ اکثریہ پر کہ اصل مرجع میں مذکور قریب ہے قریب کے دو قول لیے جائیں جو کہ ایک شارب وحائک کا دوسرا شیعہ والا ہے۔ تو اگرچہ شیعہ کے قول کا بطلان ظاہر ہے کہ ظاہر روایت میں بغیر تراضی اولیاء بھی نکاح درست ہے باوجود ثبوت اعتراض للولی، اور بروایت نوادر نا درست ہے، لفساد الزمان فلم یکن ممتنعا (اس کی وجہ زمانے کا فساد ہے لہٰذا اصلا ممنوع نہ ہوا۔ ت) مگر شارب الشراب یا حائک سے اگر اعلیٰ قوم کی عورت نے بغیر تراضی اولیاء کے نکاح کرلیا تو ظاہر روایت ہی کی رو سے تو تفریق کی جائے گی جیسا کہ کل متون وشروح وفتاوی میں مذکور ہے پس اس کے بطلان کی وجہ کیا ہے، سروجی حنفی مذہب کا ہے یا کہ غیر، اور کس طبقہ کا ہے، اور اس کی عبارت کا صاف مطلب کیا ہے، ملک خراساں کے اکثر حصص میں اکثر علمائے احناف اس کے قائل ہیں کہ سید زادی کا نکاح ہر شخص شریف ورذیل کے ساتھ درست ہے ولی راضی ہو یا خفا۔ اور فقہ کی کل کتابوں سے اغماض کرکے صرف دو عبارتوں پر مصر ہیں ایک آیت سورہ احزاب کے اول رکوع میں؛

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ[1] الخ	نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنین کی جانوں سے بھی ان کے لیے قریب تر ہیں اور آپ کی ازواج پاک مومنین کی مائیں ہیں الخ (ت)

کہ تحریم ازواج مطہرات کی رسول اللہ وازواج کی بنات واخوات وخالات کی طرف متعدی نہیں، جیسا کہ مدارک وخازن واحمدی وروح البیان وغیرہ میں ہے۔ اور دوسری عبارت قال السروجی الخ جو کہ ابھی عینی سے نقل ہوئی ان کو جواب دیا گیا ہے کہ ظاہر روایت ونوادر سے یہ عبارت مخالف نہیں کیونکہ ظاہر روایت میں بھی درست ہے مع اعتراض ولی، اور نوادر میں جو نادرست ہے تو وہ بوجہ فساد زمانہ ہے فلا تعارض ولا تصادم (ظاہر اور نادر روایت میں تعارض وتصادم نہیں ہے۔ ت) اس کے متعلق بھی حضور لامع النور کچھ تحریر فرمائیں

الجواب:

بملاحظہ شریفہ مولٰنا المبجل المکرم ذی المجد والفضل والکرم مولٰنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب دامت معالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عبارت بنایہ صفحہ ۱۰۲ بہت صاف ہے۔ اوپر کی روایت سے موازنہ کرکے اس روایت کا مطلب واضح ہوتا ہے، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دو روایتیں ذکر کیں، اول

[1] القرآن ۳۳/۶

لابد من اعتبار الکفاءۃ ولایسقط الابتراضی الولی والمرأۃ[1]۔	کفو کا اعتبار ضروری ہے صرف ولی اور خود لڑکی کی رضا سے اس کا اعتبار ساقط ہو سکتا ہے۔(ت)

یہ ہمارے مذہب کے موافق ہے حتی کہ روایت حسن مفتی بہاکے بھی کہ اس میں بھی اگر بالغہ برضائے ولی قبل النکاح عالما بعدم الکفاءۃ غیر کفو سے نکاح کرے گی صحیح ونافذ ہوگا اور حق اعتراض بھی نہ رہے گا۔ دوسری:

وعنہ فی الرجل یشرب الشراب اوھو حائك یفرق بینھما[2]۔	انہی سے مروی کہ شراب کا عادی یا جولاہا ہو تو دونوں میں تفریق کردی جائے گی۔(ت)

یہ مطلق ہے وہ استثنائے تراضی یہاں نہیں یہاں بھی وہ استثناء ہو تو دونوں روایتیں ایک ہو جائیں لاجرم اس کے اطلاق کا یہ حاصل کہ لحاظ کفاءت حقاللشرع لازم تراضی زن وولی سے بھی ساقط نہ ہوگا، اور گو سب کی رضا سے ایسا نکاح ہو قاضی جبرًا علیہم تفریق کردے گا، جیسے ہمارے یہاں بنت ممسوسہ بشہوت سے برضائے زن واولیاء نکاح کرے **یفرق بینھما** (دونوں میں تفریق کردی جائے گی، ت) یہی حکم روافض نے دربارہ علویات دیا کہ دوسرے سے اگرچہ قرشی ہو علویہ کا نکاح اگرچہ برضائے کل ہو ممتنع ہے۔ ان دونوں قولوں کو امام سروجی فرماتے ہیں، **باطلان** (دونوں باطل ہیں، ت) اور وہ بیشک باطل ہیں، اگر بالغہ برضائے ولی حائک سے نکاح کرلے **لایفرق بینھما** (دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی، ت) اور علویہ بالغہ قرشی غیر علوی سے نکاح کرے اگرچہ بے رضائے ولی یا غیر قرشی سے برضائے ولی **لایمتنع** (منع نہیں کیا جائے گا۔ ت) امام سروجی ابو العباس احمد قاضی مصر متوفی ۷۱۰ھ صاحب غایہ شرح ہدایہ اجلہ علمائے حنفیّہ سے ہیں، اس وقت تو فقیر نے قیاس سے گزارش کیا تھا کہ **الخطبۃ للتزوج** (منگنی نکاح کے لیے۔ ت) ہوگا، اب کتاب کا ورق کہ جناب نے بھیجا دیکھ کر یقین کرتا ہوں کہ بیشک لام ہی ہے۔ کاتب نے اس کتاب کو نسخ نہ کیا مسخ کیا ہے اسی لیے میں نے نہ خریدی، خطبہ کا غیر نکاح ہونا ایسا روشن ہے جیسے صبح کا غیر شمس ہونا حاشایہ احتیاط فی الفروج نہیں بلکہ احتیال فی الفروج ہے کہ منگنی ہوتے ہی منکوحہ بنالیں **ولایقول بہ جاھل فضلا عن فاضل** (کوئی جاہل بھی یہ بات نہ کہے گا چہ جائیکہ کوئی فاضل کہے۔ ت) کس قدر کثرت وافرہ سے نصوص ملیں گے جو خطبہ وتزوج کی مباینت ثابت کریں گے۔

ولیس یصح فی الاعیان شیئ اذا احتاج النھار الی دلیل

(دن کی موجودگی بھی اگر کسی دلیل کی محتاج ہو تو پھر دنیا میں کوئی چیز ثابت نہیں قرار پائے گی۔ ت)

---

[1] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۱۰۲/۲

[2] البنایہ شرح ہدایہ فصل فی الکفاءۃ مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۱۰۲/۲

حدیث تحرم الخطبة علی خطبة اخیه [1] (بھائی کی منگنی پر منگنی حرام ہے۔ت) اس کی تائید جہل شدید، ورنہ حدیث یحرم السوم علی سوم اخیه [2] (بھائی کے لگائے ہوئے بھاؤ پر بھاؤ لگانا حرام ہے۔ت) سے نفس سوم کو عقد بیع کرلیں گے۔ بنایہ کی پہلی عبارت لاینبغی ان تخطب المعتدة ش لان الخطبة للتزوج ونکاح المعتدة لایجوز [3] (عدت والی عورت کو منگنی کا پیغام دینا مناسب نہیں، شرح میں ہے۔ کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جبکہ عدت والی کو نکاح جائز نہیں۔ت) تو ظاہر ہے کیا نکاح معتدہ کو "لاینبغی" کہا جاتا اس کی تحریم تو محرمات میں گزری، یہاں کاتب نے "لان" چھوڑ دیا ہے متن نے دو مسئلے بیان فرمائے ایک خطبہ صریحہ اسے منع فرمایا، شارح اس کی دلیل بتاتے ہیں کہ خطبہ تو بغرض تزوج ہی ہے اور تزوج معتدہ حرام، دوسرا خطبہ بالکنایہ، اسے جائز فرمایا کہ لاباس بالتعریض فی الخطبة [4] (عدت والی کو کنایہ کے طور پر منگنی کے پیغام میں کوئی ممانعت نہیں۔ت) یعنی خطبہ ہو مگر نہ الفاظ صریحہ میں بلکہ کنایہ تو حرج نہیں۔ کیا کوئی مسلم بلکہ کوئی عاقل اس کے یہ معنی لے سکتا ہے کہ معتدہ سے نکاح بالکنایہ جائز ہے حاش للہ! دوسری عبارت:

ای لایجوز ان یقول صریحا اریدان انکحك اواخطبك لان الخطبة للتزوج کماذکرنا [5]۔	یعنی صراحةً یہ کہنا کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ یا میں تجھے پیام نکاح دیتا ہوں، ناجائز ہے کیونکہ منگنی نکاح کے لیے ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا (ت)

جس میں کاتب نے "ای" کا "ان" اور للتزوج کا التزوج لکھا ہے اس میں ان صاحبوں کو غالبًا یہ دھوکا لگا کہ اخطب کہ منصوب پڑھا اور انکح پر معطوف اور "ارید" کے تحت میں داخل مانا کہ یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے خطبہ کرنا چاہتا ہوں یوں سمجھ لیا خطبہ تزوج ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اخطب مرفوع حکائی اور اس کا عطف "ارید" پر ہے یعنی یہ کہنا جائز نہیں کہ میں تجھ سے نکاح کیا چاہتا ہوں نہ یہ کہنا جائز ہے کہ میں تجھے خطبہ کرتا یعنی پیام نکاح دیتا ہوں پھر اس کے صریح ہونے کی وجہ فرماتے ہیں کہ خطبہ تزوج ہی کے لیے ہوتا ہے تو "اخطبک" کے معنٰی بعینہٖ وہی ہوئے کہ "اریدان انکحک" آیہ کریمہ کی مثل امہات تحریم ابدی عام کے لیے ہے، یہ بیشک ازواج مطہرات سے خاص ہے ورنہ ختنین کریمین سے تزویج بنات مکرمات نہ ہوسکتی اس سے یہ لازم سمجھنا کہ غیر ازواج مطہرات

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الخطبة علی خطبة اخیه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[2] صحیح مسلم باب تحریم البیع علی بیع اخیه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳

[3] البنایه شرح ہدایه فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/ ۴۳۴

[4] البنایه شرح ہدایه فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/ ۴۳۴

[5] البنایه شرح ہدایه فصل فی الحداد مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمہ ۲/ ۴۳۴

میں حل مطلق ہے سخت جہل ہے کہاں تحریم مطلق کی نفی کہاں حل مطلق کا اثبات، یعنی سالبہ کلیہ کا نقیض موجبہ کلیہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: از موضع بین ضلع پٹنہ مرسلہ جناب سید مظفر حسین صاحب مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بالغہ لڑکی ہندہ کی نسبت عمرو سے مقرر کی اور بکر کو وکیل بالنکاح اور ناکح مقرر کرکے خط لکھ بھیجا کہ ہندہ کا نکاح عمرو سے اکیس ہزار روپے دین مہر پر کردو، ان تمام باتوں کی اطلاع ہندہ کو ہے اگرچہ اجازت ہندہ سے موافق دستور ہندستان نہیں مانگا گیا اور ہندہ کی کسی حرکات وسکنات سے عدم رضامندی اور ناراضگی بھی ظہور میں نہ آئی، بکر نے اکیس ہزار دین مہر پر عمرو سے ہندہ کا نکاح کرکے زید کے پاس خط لکھ بھیجا کہ فلاں تاریخ عمرو سے ہندہ کا نکاح اکیس ہزار پر کردیا آپ لڑکی کو خبر کردیجئے، زید نے اپنی لڑکی کو اطلاع دلوایا تو لڑکی نے قبول کرلیا، نکاح ایسی صورت میں قبول ہوا اور تجدید کی ضرورت تو نہیں ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگیا، اگر کوئی مانع شرعی مثل فساد مذہب وغیرہ نہ ہو تجدید کی حاجت نہیں **فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالہ السابقۃ**[1] **کما فی الخیریہ وغیرھا** (کیونکہ بعد کی اجازت پہلی وکالت کی طرح ہے۔ جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی نکاح الفضولی دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب المحرمات
(محرمات کا بیان)

مسئلہ ۱۵۵: ۱۹رجب ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے ابن الابن زید کو دودھ پلایا، اب زید کا نکاح اپنی نواسی لیلٰی بنت سلمٰی سے کیا چاہتی ہے آیا یہ نکاح شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہرگز جائز نہیں کہ جب زید نے اپنی دادی کا دودھ پیا تو وہ اس کی ماں ہوئی، اور جب وہ اس کی ماں ہوئی تو اس کی ساری اولاد خواہ اس دودھ سے پہلے پیدا ہوئی ہو یا بعد، سب اس کے بھائی بہن ہوئے، اور جب وہ سب بہن بھائی ہیں تو ان کی بیٹیاں اس کی بھتیجیاں بھانجیاں ہیں، بس لیلٰی بھی کہ سلمٰی بنت ہندہ کی دختر ہے زید کی بھانجی ہے اور زید اس کا ماموں ہے۔ اور ماموں بھانجی کا نکاح کہیں حلال نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولهما وفروعهما حتی المرضعة لو ولدت قبل هذا الارضاع اوبعده وارضعت رضیعها فالکل اخوة الرضیع واخواته واولادهم اولاد اخوته واخواته[1] اھ ملخصاً۔	دودھ پینے والے بچے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع حرام ہوجاتے ہیں حتی کہ اگر وہ دودھ پلانے سے قبل یا بعد اس نے کوئی بچہ جنا ہو یا کسی کو دودھ پلایا ہو تو وہ سب اس کے بھائی بہن ہوں گے اور ان کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھتیجیاں اور بھانجے اور بھانجیاں ہوں گی۔ اھ ملخصًا (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۴۳

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بعض مدعیان علم کا یہ خیال کہ سلمٰی اور لیلٰی زید سے پہلے پیدا ہوئی تھی تو دودھ میں شرکت نہ ہوئی، نہ سلمٰی اس کی بہن نہ لیلٰی اس کی بھانجی ٹھہری، محض جہالت فاحشہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۶: از خیر آباد مرسلہ حسین بخش صاحب رضوی یکم ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو بکر کی بیٹی بیاہی ہے اور بکر نے دوسری عورت سے نکاح کیا، بعدہ بکر مرگیا، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی سوتیلی خوشدامن سے نکاح کرے، یہ نکاح موافق حاشیہ عینی کے جائز ہے یا نہیں؟ اور زن مذکورہ **قولہ تعالٰی "وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ"** میں داخل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح مذکور بیشک جائز ہے۔ **قال اللہ عزوجل: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) علماء قاطبۃ متون وشروح وفتاوٰی میں محرمات صہریہ زوجات اصول وفروع اصول وفروع زوجات بتاتے ہیں نہ زوجہ اصول زوجہ **وعدم الذکر فی امثال المقام ذکر العدم کما لایخفی** (ایسے مقام میں ذکر نہ ہونا گویا نہ ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور سوتیلی ماں لفظ امہات میں ہرگز داخل نہیں، ورنہ آیۃ تحریم میں **حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ**[2] (تم پر تمھاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ت) کے بعد **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ**[3] (جن سے تمھارے آباء نے نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو۔ت) کیونکر فرمایا جاتا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ سوتیلی ماں کی ماں اور اس کی بیٹی اور اس کی بہن سب حلال ہیں، اگر سوتیلی ماں بھی ماں ہوتی تو یہ عورتیں اس کی نانی، بہن، خالہ قرار پاتیں۔ علامہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں:

لاتحرم بنت زوج الام ولاامہ ولاام زوجۃ الاب ولابنتھا[4]۔	ماں کے خاوند کی بیٹی اور اس کی ماں اور باپ کی دوسری بیوی کی ماں اور بیٹی حرام نہیں۔(ت)

اصل یہ ہے کہ ساس کی حرمت اس وجہ سے نہیں کہ وہ خسر کی زوجہ ہے بلکہ اس لیے کہ وہ زوجہ کی ماں ہے، سوتیلی ساس میں یہ وجہ نہیں لہٰذا اس کی حلت میں کوئی شبہ نہیں، مسئلہ واضح ہے اور حکم ظاہر، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۷: از نرسنگھ پور کندیلی متصل جامع مسجد مرسلہ مولوی یقین الدین صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔ اما بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ نصیبن اپنے خاوند

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] القرآن ۴/ ۲۳

[3] القرآن ۴/ ۲۲

[4] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳

زید کی موجودگی میں بکر سے پھنسی ہوئی تھی، زید اپنے روزگار کی وجہ سے دوسرے شہر میں رہتا ہے، مگر اپنی زوجہ نصیبن کو دو برس تک کچھ خرچہ نہ بھیجا، چنانچہ نصیبن علانیہ بکر کے گھر میں آگئی، اس کے ایک لڑکا بھی زید سے ہے۔ طلاق نہیں دی ہے مگر ہاں زید کی مرضی ہے کہ مسماۃ کچھ دے تو طلاق دے دوں، بکر درصورت طلاق نہ دینے زید کے نصیبن سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ عورت بے اذن شوہر کے گھر سے نکل جائے تو نکاح سے نکل جائے محض غلط ہے۔

قال تعالیٰ: وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ [1]۔ الایۃ۔ تخافون تعلمون ومن النشوز الخروج بلا اذن۔	جن عورتوں کی نافرمانی کا احساس کرتے ہو ان کو نصیحت کرو، الآیۃ۔ یہاں تخافون بمعنی تعلمون اور نشوز سے مراد اجازت کے بغیر گھر سے نکلنا ہے۔ (ت)

معاذ اللہ اگر ایسا ہو تو نکاح کی گرہ زنان ناقصات العقل والدین کے ہاتھ میں ہو جائے، جو عورت چاہے بے ارادہ شوہر سہل طور پر نکاح سے آزادی حاصل کرلے حالانکہ اللہ عزوجل نے نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں رکھی ہے۔ قال عزوجل:

بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ [2] یعنی الزوج فی قول علی وسعید بن المسیب وسعید بن جبیر وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ، سعید بن مسیب اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم نے خاوند مراد لیا ہے۔ (ت)

اسی طرح عیاذًا باللہ عورت کے فسق وفجور سے بھی نکاح نہیں جاتا۔ قال اللہ تعالٰی:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ [3]۔ سماھن مع ذلك نسائهم، وقال جل وعلا وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ [4] الآیۃ الی قول تبارك وتعالٰی وَیَدْرَؤُا عَنْهَا	تمھاری بیویوں میں سے جو فحش کاری کی مرتکب ہو، اس میں اس کے باوجود ان کو بیویاں فرمایا گیا ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: وہ لوگ جو اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں الآیۃ، اس عورت سے حد کو ساقط

[1] القرآن ۴/۳۴

[2] القرآن ۲/۲۳۷

[3] القرآن ۴/۱۵

[4] القرآن ۲۴/۶

الْعَذَابَ[1]۔ الاٰیۃ	کرو، الآیۃ تک۔ (ت)

پس جبکہ زید نے ہنوز طلاق نہ دی نصیبن بدستور اس کے نکاح میں باقی ہے اور بکر خواہ کسی کو ہر گز اس سے نکاح حلال نہیں اگر کر بھی لیا، تاہم جیسے اب تک وہ دونوں مبتلائے زنا رہے یوں ہی اس نکاح بے معنی کے بعد بھی زانی وزانیہ رہیں گے، اور یہ جھوٹا نام نکاح کا کچھ مفید نہ ہوگا، قال تعالٰی: وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[2] (شادی شدہ پاکیزہ عورتیں۔ ت) پس چارہ کار یہی ہے کہ بکر نصیبن فوراً جدا ہو جائے اور اللہ عزوجل کے غضب سے ڈر کر اپنے ان کبیرہ گناہوں سے توبہ کریں پھر نصیبن زید کے پاس نہ رہنا چاہے تو اسے اختیار ہے کہ زید کی طلاق کے بدلے مال دے کر خواہ بغیر مال دئے طلاق حاصل کرے، قال المولی سبحانہ وتعالٰی:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ[3]۔	اگر تمھیں ڈر ہے کہ عدل کے طور پر وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو (خلع کے طور پر عورت کی طرف سے) فدیہ میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ت)

جب زید طلاق دے دے تو تین حیض کامل گزرنے کے بعد نصیبن کو حلال ہوگا کہ بکر خواہ غیر بکر جس سے چاہے نکاح کرلے، قال سبحنہ وتعالٰی:

وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[4]۔	طلاق شدہ عورتیں اپنے کو تین حیض تک پابند رکھیں، (ت)

بکر و نصیبن اگر اس حکم الٰہی پر گردن رکھیں فبہا اور اگر نہ مانیں اور اسی حالت پر رہیں یا بے طلاق حاصل کئے آپس میں نکاح کرلیں، تو ایمان والے مرد اور ایمان والی بیبیاں انھیں یک لخت چھوڑ دیں، نہ اپنے پاس بیٹھنے دیں نہ خود ان کے پاس بیٹھیں، قال عزوجل:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اور کبھی شیطان تجھے بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عالم حیات زوجہ میں حقیقی سالی یا رشتہ کی سالی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تا حیات زوجہ جب تک اسے طلاق ہو کر عدت نہ گزر جائے اس کی بہن سے جو اس کے باپ کے نطفے

---

[1] القرآن ۸/۲۴

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] القرآن ۲/۲۲۹

[4] القرآن ۲/۲۲۸

[5] القرآن ۶/۶۸

یا ماں کے پیٹ سے یا دودھ شریک ہے نکاح حرام ہے۔قال اللہ تعالٰی: وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ[1] (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ت) اوران کے سوا زوجہ کی رشتہ کی بہنیں مثلاً چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کی بیٹیاں اس کے شوہر پر ہر وقت حلال ہیں کل ذلك مصرح بہ فی کتب الفقہ (ان تمام مسائل کی تصریح کتب فقہ میں موجود ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بھتیجی بہواور بھانج بہو سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں سے درست ہے،قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ[2] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰: از لکھنؤ محلّہ علی گنج مرسلہ حافظ عبداللہ صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین جواب اس مسئلہ کا کہ ایک شخص نے اپنی سالی کی لڑکی کو واسطے اپنے لڑکے کے نکاح کے پرورش کیا، تقدیر ربی سے لڑکا انتقال کرگیا، بعدہ خود پرورش کنندہ کی بی بی فوت ہوگئی، اب پرورش کنندہ نے اپنی شادی اس لڑکی پرورش کردہ شدہ سے کرلی، یہ نکاح جائز ہوا یانہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قطعاً جائز ہے۔قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ[3] (اور مذکورہ محرمات کے علاوہ تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) ظاہر ہے کہ بیٹے کے لیے نیت نکاح ہونے سے وہ بیٹے کی منکوحہ نہ ہوگئی جو حَلَآئِلُ اَبۡنَآئِکُمُ الَّذِیۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِکُمۡ[4] (تمھارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال شدہ عورتیں تم پر حرام ہیں۔ت) میں داخل ہوسکے۔حلائل جمع حلیلہ ہے یعنی وہ عورتیں تم پر حرام ہیں جو بذریعہ نکاح تمھارے صلبی بیٹوں کے لیے حلال ہوچکیں، یہاں نہ ابھی بیٹے سے نکاح ہوا نہ یہ عورت اس کے لیے حلال ہوئی باپ پر کیونکر حرام ہوسکتی ہے، اور اگر پرورش کے خیال سے ایسا کہا جائے تو بھی محض غلط، قرآن عظیم نے یوں فرمایا ہے:

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ ۫ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ	تمھاری گود کی پالیاں تمھاری ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم ہم بستر ہوچکے اگر تم نے ان عورتوں سے ہم بستری

[1] القرآن ۴/۲۳

[2] القرآن ۴/۲۴

[3] القرآن ۴/۲۴

[4] القرآن ۴/۲۳

فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ [1]	نہ کی ہو تو ان کے ساتھ نکاح میں تم پر کچھ گناہ نہیں۔

دیکھو قرآن مجید تصریح فرماتا ہے کہ اپنی منکوحہ کی دختر اپنی گود کی پالی بھی حلال ہے جب تک منکوحہ سے خلوت نہ کی ہو اختیار رکھتا ہے کہ منکوحہ کو چھوڑ کر یا اس کے مرے پر اس سے نکاح کرلے تو سالی کی بیٹی پرورش کرنے سے کیوں حرام ہونے لگی، یہ محض ہندوانہ خیالات ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱: ۲۱ رجب ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح عمرو کے ساتھ کردیا، عمرو نے طلاق نہیں دی، زید نے کچھ روپیہ بکر سے لے کر نکاح بکر کے ساتھ کردیا، اور بکر نے بھی طلاق نہیں دی۔ زید نے اور شخص ثالث کے ساتھ کچھ روپیہ لے کر نکاح کردیا، اس صورت میں یہ نکاح جائز ہوگئے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ نکاح نہ ہوئے محض زنا ہوئے، قال اللہ تعالٰی: وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں، ت) عورت اب جس کے پاس ہے اس پر قطعی فرض ہے کہ عورت کو اپنے پاس سے الگ کردے اور نکال دے۔ اور عورت پر فرض قطعی ہے کہ اس سے جدا ہو جائے اپنے خاوند عمرو کے پاس آئے اور یہ روپیہ کہ زید نے بکر اور اس شخص ثالث سے لیا بالکل حرام قطعی اور رشوت بلکہ زنا کی خرچی تھا، زید پر فرض ہے کہ یہ روپیہ جس سے لیا ہے اسے واپس کرے زید اور شخص ثالث اور وہ عورت تینوں میں سے جو شخص ان احکام کی تعمیل نہ کرے مسلمان اسے اپنی صحبت سے نکال دیں اور اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کریں، قال اللہ تعالٰی:

وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ [3] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کبھی شیطان تجھے بھول میں ڈالے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: ۷ ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا ہے اور ہندہ کی ایک بیٹی۔ زید کا بیٹا ہندہ سے نکاح کیا چاہتا ہے اور زید ہندہ کی بیٹی سے، اس صورت میں یہ دونوں نکاح ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ کتاب اللہ سے فرمائے۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ دونون نکاح حلال ہیں قال اللہ تعالٰی: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [4] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے

---

[1] القرآن ۲۳/۴

[2] القرآن ۲۴/۴

[3] القرآن ۶۸/۶

[4] القرآن ۲۴/۴

حلال کی گئی ہیں۔ت) ظاہر ہے کہ پسر زید کے لیے ہندہ اگر ہوگی تو باپ کی ساس ہوگی **ذلك اذا تقدم نکاح زید** (اور یہ جب ہے کہ زید کا نکاح پہلے ہوا ہو۔ت) اور باپ کی ساس حلال ہے جبکہ وہ اپنی نانی نہ ہو۔

فی ردالمحتار قال الخیر الرملی لاتحرم ام زوجه الاب [1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ خیرالدین رملی نے فرمایا کہ باپ کی ساس حلال ہے۔(ت)

اور زید کے لیے ہندہ کی بیٹی اگر ہوگی تو بہو یعنی زوجہ پسر کی بیٹی ہوگی **وھذا اذا سبق نکاح ابن زید** (یہ جب ہے کہ زید کے بیٹے کا نکاح پہلے ہوا ہو۔ت) اور بہو کی بیٹی حلال ہے جبکہ وہ اپنی پوتی نہ ہو۔

فی ردالمحتار امابنت زوجة ابنه فحلال [2]۔	ردالمحتار میں ہے بیٹے کی بیوی کی بیٹی حلال ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳: از اوجین مرسلہ میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ ۲۹ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے سالی حقیقی سے صحبت کی اور عمرو نے سالی کے ساتھ نکاح، توزید وعمرو کی اولین عورتوں پر طلاق عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ قرآن مجید وفرقان حمید میں **اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ** (منع ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو مگر جو ہو گزرا۔ت) وارد ہے، اس مسئلہ میں جو حکم شرعًا ہو جداگانہ مع التشریح بحوالہ کتب بیان فرمائیں۔

الجواب:

بموجودی زوجہ سالی سے نکاح حرام ہے۔اور اس پر فرض ہے کہ اسے ہاتھ نہ لگائے اور فورًا چھوڑدے اور زنا توہر حال حرام ہی ہے مگر سالی سے نکاح یا زنا کرنے سے زوجہ مطلقہ نہیں ہوتی، نہ آیت کا یہ مطلب ہے نہ سالی سے زنا کے سبب زوجہ سے جماع حرام ہو، درمختار میں ہے:

فی الخلاصة وطی اخت امرأته لاتحرم علیه امرأته [3]۔	خلاصہ میں ہے کہ سالی سے زنا کی وجہ سے بیوی حرام نہ ہوگی۔(ت)

نہ سالی کے ساتھ فقط نکاح کرنے سے جماع زوجہ ممنوع ہوجائے۔جب تک سالی سے جماع واقع نہ ہو، ہاں اگر بعد نکاح سالی سے جماع کرلیا تواب زوجہ سے جماع حرام ہوگیا، یہاں تک کہ سالی کو چھوڑ دے اور اس کی عدت گزر جائے اس وقت زوجہ سے جماع جائز ہوگا یوں ہی اگر بے نکاح سالی سے جماع کیا مگر دیدہ دانستہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات دارالمعرفة بیروت ۱/۲۳

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۹

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

زنانہ کیا بلکہ بلاشبہہ اور دھوکے سے جماع واقع ہو تو بھی زوجہ سے جماع حرام ہوگیا جب تک اس جماع شبہہ کے سبب سالی پر جو عدت لازم آئی ہے ختم ہوجائے۔

فی ردالمحتار فی مسئلة نکاح المرأة علی اختها الثانی باطل وله وطی الاولی الاان یطأ الثانیة فتحرم الاولی الی انقضاء عدة الثانیة کما لووطئ اخت امرأته بشبهة حیث تحرم امرأة مالم تنقض عدة ذات الشبهة ح عن البحر [1]۔	ردالمحتار میں بہن کی موجودگی میں سالی سے نکاح کے مسئلہ میں فرمایا کہ دوسرا نکاح باطل ہے اور جب تک دوسری سے وطی نہ کی ہو پہلی سے جماع جائز ہے۔اگر دوسری سے وطی کرلی ہو تو پہلی سے جماع اس وقت تک حرام ہے جب تک دوسری کی عدت نہ گزر جائے۔

جس طرح شبہہ کی بناء پر بیوی کی بہن سے جماع ہوجائے تو بیوی سے جماع حرام ہوتا ہے۔تاوقتیکہ شبہہ والی کی عدت پوری نہ ہوجائے، یہ بحر سے منقول ہے۔(ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم**

مسئلہ ۱۶۴: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید ظہور حیدر میاں صاحب قبلہ پنجم شوال ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا عقد بولایت اپنے ہمراہ بکر کردیا کہ جس کو عرصہ ایک سال کا گزرا زید کی زوجہ کو سفر درپیش آیا واسطے حفاظت ونگرانی بکر کو ہمراہ کردیا زوجہ زید نے بہمراہی اپنے داماد بکر کے مع ایک خادمہ سفر گاڑی پر کیا شب کو سرائے میں بکر نے باارادہ فاسدہ ونیت خراب اپنی خوشدامن کی چارپائی پر آکر زبردستی کہا کہ میں پاؤں دابوں، ہر چند منع کیا لیکن زبردستی پاؤں دبانے شروع کردئے اور شکم پر ہاتھ پھیر کر قریب تھا کہ کمر بند کھول ڈالے اور اپنا ازار بند اول کھول لیا تھا، نہایت مشکل وزبردستی سے بکر کو چارپائی سے علیحدہ کیا گیا، دوبارہ پھر قریب تین بجے شب کے بکر نے آکر چارپائی پر بیٹھ کر ارادہ دست درازی کا کیا، زوجہ زید کی آنکھ کھل گئی اور وہ چیخ کر غل مچانے لگی جس سے گاڑی بان اور خادمہ نے چونک کر چراغ سے دیکھا تو بکر تھا عذر بدتر از گناہ کرنے لگا کہ میں کتا مارنے آیا تھا یہ بات زوجہ زید یقین اور خوب مضبوطی سے از روئے مباہلہ وقسم شرعی کہتی ہے کہ بکر نے اول مرتبہ میرے شکم پر ہاتھ پھیر کر میرے ازار بند کھولنے کی نیت سے دست درازی کی تھی اور اپنا ازار بند کھول رکھا تھا اور اس وقت بکر کے دست وپا میں رعشہ سخت تھا اگر میں ناراض ہوکر زبردستی بکر کو چارپائی سے علیحدہ نہ کرتی تو بیشک میری عصمت بکر خراب کرڈالتا اور اسی ارادہ سے دوبارہ پھر بکر آکر میری چارپائی پر بیٹھا اگر گاڑی بان وخادمہ چراغ لے کر نہ آتے اور نہ دیکھتے

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۶

توبکر ہرگز اپنے ارادہ سے باز نہ آتا، زید کو بعد دریافت اس حالت کے اپنی دختر ہندہ کے عقد میں شک پڑگیا اور کہا کہ میں اب رخصت نہ کروں گا، تواب جس حالت میں دونوں ولی اصلی یعنی والدین ہندہ زید مع زوجہ بکر سے بباعث اس حرکت کے ناراض ہیں تو نکاح ہندہ کا بکر سے باقی رہ گیا یا ٹوٹ گیا؟ اور اگر ٹوٹ گیا تو عقد ثانی اس کا خواہ بکر سے یا اور جگہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ دختر زید یعنی ہندہ نابالغہ ہے اور ولی یعنی والدین اس کے بکر سے ناراض ہیں تو ایسی حالت میں مسئلہ شریعت کیا ہے۔ اور اب معاملہ ہندہ وبکر کیا ہونا چاہئے؟ اور زوجہ زید جوان ہے جس سے یہ حرکت بکر نے کی، **فقط، بینوا توجروا**

الجواب:

اس میں شک نہیں کہ اپنی منکوحہ کی ماں کے جسم کو بنظر شہوت کسی جگہ ہاتھ لگانے سے گو نکاح زائل نہیں ہوتا مگر عورت ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوجاتی ہے۔ اور اس شخص پر واجب ہوتا ہے کہ اسے چھوڑ دے لیکن اس قدر ضرور ہے کہ مس بحالت شہوت ہو یعنی ہاتھ لگانے کے وقت ہی معا نعوظ (یعنی عضو تناسل کا قائم ہونا) پیدا ہو یا پہلے سے نعوظ تھا تو ایسی حالت میں زائد ہوجائے ورنہ اگر جس وقت مس کیا نعوظ نہ تھا جب مس ختم ہوچکا اس کے بعد پیدا ہوا یا نعوظ پہلے سے تھا اور مس کرنے میں کچھ زیادہ نہ ہوا بدستور رہا تو حرمت نہ ہوگی۔

فی الدرالمختار العبرۃ للشہوۃ عند المس والنظر، لابعدھما وحدھا فیما تحرك اٰلتہ او زیادتہ بہ یفتی[1]۔ وفی ردالمحتار قولہ او زیادتہ ای زیادۃ التحرك ان کان موجودا قبلھما قولہ بہ یفتی قال فی الفتح وفرع علیہ مالوانتشر وطلب امرأتہ فاولج بین فخذی بنتھا خطاء لاتحرم امھا مالم یزدالانتشار[2]۔	درمختار میں ہے کہ دیکھنے اور چھونے کے وقت شہوت کا اعتبار ہے اس کے بعد والی شہوت معتبر نہیں، اور اس وقت معتبر شہوت کی حد یہ ہے کہ چھونے اور دیکھنے پر آلہ تناسل حرکت کرے یا اس وقت حرکت میں زیادتی پیدا ہو۔ اسی پر فتوی ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے: اس کا قول "زیادتہ" اس سے مراد حرکت کی زیادتی ہے جبکہ پہلے حرکت موجود ہو، اس کا قول بہ یفتی، فتح میں کہا اور اس پر تفریع بیان کی کہ کسی کو انتشار ہوا، اپنی بیوی کی طلب کی تو بیوی کی بجائے (بیوی کے پہلے خاوند سے) بیٹی کی رانوں کو غلطی اور خطا سے استعمال کیا تو اس لڑکی کی ماں (بیوی) اس پر حرام

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۰

نہ ہوگی کیونکہ اس وقت انتشار زائد نہ ہوا (بلکہ وہ انتشار موجود رہا جو پہلے بیوی کے لیے ہوا تھا) (ت) اسی طرح یہ بھی ضرور ہے کہ مس برہنہ جسم پر ہو یا کسی ایسے باریک کپڑے پر سے کہ عورت کے جسم کی حرارت اس کے ہاتھ کو پہنچنے سے مانع نہ ہو، جیسے اس زمانے میں جالی یا تنزیب کی کرتیاں، ورنہ اگر ایسا سنگین کپڑا حائل تھا کہ جسم زن کی گرمی ہاتھ کو محسوس نہ ہونے دے تو حرمت نہیں اگرچہ مس بہزار شہوت واقع ہوا ہو۔

فی الدر المختار واصل ممسوسۃ بشھوۃ ولو بشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ[1] فی ردالمحتار فلوکان مانعا لاتثبت الحرمۃ کذا فی اکثر الکتب وکذا لوجامعھا بخرقۃ علی ذکرہ[2]۔	درمختار میں ہے شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت خواہ یہ مس عورت کے سر کے بالوں کا کسی ایسے پردہ اور کپڑے کے حائل ہونے کے باجود ہو جو بدن کی حرارت پہنچنے کے لیے مانع نہ ہو، تو بھی اس عورت کے اصول حرام ہو جائیں گے، ردالمحتار میں ہے کہ اگر وہ کپڑا بدن کی حرارت کے لیے مانع ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اکثر کتب میں ایسے ہی ہے۔ اور یوں ہی اگر کسی عورت سے جماع کے وقت ذکر پر موٹا کپڑا لپیٹ لیا (جس سے آپس میں دونوں کے بدن کی حرارت نہ محسوس ہوسکے اور عورت کے باقی تمام بدن پر موٹا کپڑا ہو کہ کوئی حصہ بدن برہنہ مس نہ ہو) (ت)

نیز ایک شرط حرمت یہ ہے کہ یہ حرکت انزال کی طرف مودی نہ ہو، اگر انزال ہوگیا حرمت نہ ہوئی۔

فی الدرالمختار ھذا اذالم ینزل فلو انزل مع مس اونظر فلاحرمۃ بہ یفتی ابن کمال[3]۔	درمختار میں ہے کہ حرمت تب ثابت ہوگی جب اس انتشار میں انزال نہ ہوا ہو، اور اگر مس یا نظر کے وقت شہوت سے انزال ہوجائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی، اس پر فتوی ہے۔ ابن کمال (ت)

غرض مس یا نظر کے سبب حرمت مصاہرت ثابت ہونے میں یہ شرطیں ہیں زوجہ زید کا بیان جس قدر سوال میں مذکور اس سے کچھ نہیں کھلتا کہ صورت واقعہ میں یہ متحقق تھیں یا نہیں۔ تین بجے شب کے واقعہ میں بکر کا صرف اس کی چارپائی پر آکر بیٹھنا اور دست درازی کا ارادہ کرنا بیان کرتی ہے کہ مجرد ارادہ کوئی چیز نہیں، اور واقعہ اول شب میں بھی کچھ نہیں کہتی کہ بکر کا پاؤں دبانا کپڑے پر سے تھا یا برہنہ پاؤں پر،

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۰

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

اور شکم پر ہاتھ پھیرنا بھی کچھ خواہی نخواہی اس میں نص نہیں کہ برہنہ پیٹ پر ہاتھ پھیرا، نہ یہ معلوم کہ اس وقت زوجہ زید کی کرتی کیسے کپڑے کی تھی، تو اس کے فقط اتنے بیان پر حکم حرمت نہیں ہوسکتا جب تک صاف صاف تمام شرائط کا متحقق ہونا نہ ظاہر ہو۔ لہٰذا فقیر اس مسئلہ کے جواب میں صرف اس قدر حکم دے سکتا ہے کہ اگر بکر نے زوجہ زید کے پاؤں یا پیٹ خواہ کسی جسم پر برہنہ یا حائل نرم کے ساتھ بطور شہوت ہاتھ لگایا کہ اس حرکت کی حالت ہی میں اسے نعوظ پیدا ہوا یا پہلے سے تھا تو اسی حالت میں بڑھ گیا اور انزال واقع نہ ہوا تو بیشک ہندہ ہمیشہ ہمیشہ بکر پر حرام ہوگئی کہ کبھی کسی طریقہ سے اسے ہاتھ نہیں لگاسکتا ہے، اور اگر ان شرائط میں کچھ کمی تھی تو ہندہ بدستور اس کے لیے حلال ہے، پھر جس حالت میں حکم حرمت دیا جائے گا اس کا بھی یہ حاصل ہر گز نہیں کہ نکاح بالفعل ٹوٹ گیا، یہ محض خطا ہے بلکہ اس وقت حکم صرف اس قدر ہوگا کہ ہندہ بکر پر حرام ابدی ہوگئی، بکر پر فرض کہ اسے چھوڑ دے اگر نہ چھوڑے گا سخت گناہ گار ہوگا اور ہندہ کے حق میں بھی گرفتار ہوگا۔ قال اللہ تعالٰی:

فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ[1]، واذ قد فاته الامساك بالمعروف لزمه التسريح باحسان۔	بھلائی سے پاس رکھو یا اچھے انداز میں اس کو آزاد کردو، اس صورت میں پاس رکھنا ممکن نہیں رہا لہٰذا اس کو چاہئے کہ چھوڑ دے۔ (ت)

مگر جب [عہ] تک وہ ترک نہ کرے یا حاکم شرع تفریق نہ کردے نکاح بیشک باقی ہے۔ دوسری جگہ ہر گز ہندہ کا نکاح جائز

عہ: انظر ههنا فان الدرخص المتاركة بالزوج و حقق الشامی انها تكون من المرأة ايضا وان لا فرق بينها وبين الفسخ، وقد تقرر ان حرمة المصاهرة تفسد النكاح وان فی النكاح الفاسد لكل منهما فسخه ولو بغير محضر من صاحبه دخل بها اولا وانظر ان غير البالغة هل لها او لوليها فسخ نكاحها الفاسد تحرزا عن المعصية ام ينتظر بلوغها اذلا معصيه منها قبله والظاهر الاول فليحرر (م)

یہاں غور کرنا چاہئے کیونکہ در نے متارکہ کا حق خاوند کے لیے خاص کیا ہے، جبکہ علامہ شامی نے کہا کہ عورت کو بھی متارکہ کا حق ہے کیونکہ اس میں اور فسخ میں کوئی فرق نہیں اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ حرمت مصاہرہ نکاح کو فاسد کردیتی ہے۔ جبکہ نکاح فاسد میں خاوند و بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو دخول کیا ہو نہ کیا ہو فسخ کا حق ہے، اور یہ بھی قابل غور ہے کہ کیا نابالغہ کے فاسد نکاح میں نابالغہ یا اس کے ولی کو فسخ کا اختیار ہے تاکہ گناہ سے بچایا جاسکے یا اس کے بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا اس بنا پر کہ اس سے قبل گناہ مقصود نہیں اور ظاہر پہلا احتمال ہے۔ اس کو واضح کرنا چاہئے۔ (ت)

[1] القرآن ۲/ ۲۲۹

نہیں۔ہاں بعد متارکہ یا تفریق حاکم شرع پدر ہندہ کو اختیار ہوگا کہ بکر کے سوا جس سے چاہے نکاح کردے۔

فی الدرالمختار بحرمۃ المصاھرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لایکون زنا [1]۔وفی ردالمحتار ای وان مضی علیھا سنون کما فی البزازیۃ وعبارۃ الحاوی الابعد تفریق القاضی اوبعد المتارکۃ [2] اھ۔	درمختار میں ہے حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ متارکہ اور عدت گزر جانے کے بعد اس کا کسی دوسرے شخص سے نکاح اور وطی جائز ہوگی،اس سے قبل جائز نہیں (حرمت مصاہرہ کے بعد متارکہ سے قبل) خاوند کی وطی کو زنا نہ کہا جائے گا، ردالمحتار میں ہے کہ اگرچہ کئی سال گزر جائیں اور حاوی کی عبارت کے مطابق قاضی کی تفریق یا متارکہ کے بعد ہی وہ نکاح کرسکے گی۔(ت)واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۶۵: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ جناب سید امیر حیدر صاحب قبلہ ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بولایت خود و شوئے خود بکر سے کیا، بعدہ بوجہ نااتفاقی باہمی یہ خیال ہوا کہ یہ نکاح کسی شکل سے توڑنا چاہئے کہ دوسری جگہ نکاح ہوسکے، ہندہ سفر کو گئی، ہمراہی میں بکر اور ایک خادمہ اور ایک نابالغہ، چھ آدمی اور گاڑی بان جس سے پردہ نہ تھا، گئے، سرائے میں کھانا کھا کر جو بچا ہندہ نے اپنے سرہانے رکھوالیا، چارپائی پر ہندہ اور نیچے فرش پر خادمہ بکر و چھوکری سوئے، ۱۲ بجے شب کے خادمہ مع چھوکری پیشاب کو گئی، بکر غافل سوتا تھا، ہندہ نے باآواز سخت پکارا کہ جلد ہوشیار ہو مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔ بکر پاس گیا اور فرش پر بیٹھنے کا ارادہ کیا کہا میری چارپائی پر بیٹھ جاؤ، وہ ایک گوشہ میں بیٹھ گیا اتنے میں خادمہ آگئی تو بکر سے بہ سہولت کہا اب تو جا کر سو رہ، بکر اپنی جگہ پر سورہا، ۲ بجے شب کے بکر حقہ پینے اٹھا مکان میں کتا جاتا معلوم ہوا حقہ گاڑی بان کو دے کر اندر آگیا، اندھیرا تھا، چارپائی کو ٹھوکر لگی، ہندہ نے خادمہ اور گاڑی بان کو پکارا، بکر نے فورًا کہا میں ہوں کتا مارنے آیا ہوں کہ کھانا خراب نہ کرے، سب سورہے۔ صبح کو ہندہ نے خادمہ سے کہا بکر نے میرے ساتھ بدنیتی کا اردہ کیا، کہا کب؟ کہا جب تو پیشاب کو گئی تھی، کہا مجھے ایسی کیا دیر ہوئی تھی اور تم نے جبھی کیوں نہ کہا میں بکر سے پوچھتی ہوں، اسے سخت قسم دے دی، پھر ہفتہ بھر ساتھ رہے کچھ ظاہر نہ ہوا مکان پر آکر ہندہ نے بہتان باندھا، خادمہ اور گاڑی بان بقسم محض لاعلمی بیان کرتے ہیں اور بکر بھی اپنی بے قصوری کی صدہا قسمیں کھاتا ہے۔ آیا تنہا بیانِ ہندہ قابل وثوق ہے اور نکاح بکر قائم رہا یا گیا، **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۳

الجواب:

تنہا ایک عورت کا بیان اصلاً قابل سماعت نہیں، قال اللہ تعالیٰ: وَّ اَشۡهِدُوۡا ذَوَیۡ عَدۡلٍ مِّنۡكُمۡ[1] (اپنے دو عادل گواہ بناؤ۔ت) نکاح بکر یقیناً قائم ہے

حتی علی فرض صدقها ایضا لان المذهب عندنا ان حرمة المصاهرة لاترفع النکاح، وانما تفسده فلا بد من متارکة من زوج اوتفریق من قاض[2]۔ کما فی ردالمحتار عن النهر عن الزیلعی (مفهوماً) واللہ تعالیٰ اعلم	حتی کہ عورت کو سچا بھی تسلیم کیا جائے، اس لیے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی بلکہ اس کو فاسدہ کرتی ہے۔ لہٰذا خاوند کا متارکہ یا قاضی کی تفریق ضروری ہے۔ جیساکہ ردالمحتار میں زیلعی کے حوالے سے نہر سے منقول ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۶: از رائپور علاقہ جے پور ڈاکخانہ نڈاون مرسلہ منشی فرزند حسن صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو جس شخص کا حمل ہو قبل وضع حمل اسی سے یا غیر سے نکاح کرنا اسے جائز ہے یا نہیں۔؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

حمل اگر حلال کا ہے (یعنی وہ جس میں شرعاً نسب ثابت ہو) تو قبل از وضع اس کا نکاح کسی غیر سے نہیں ہوسکتا۔ قال اللہ تعالیٰ:

وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ[3]۔	حاملہ عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔ (ت)

ہاں شوہر سے جس کا حمل ہے نکاح جائز، اس کی صورت یہ کہ بعد حمل رہنے کے شوہر نے طلاق دے دی تو اگرچہ ہنوز وضع حمل نہ ہوا اس سے نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ طلاق مغلظہ نہ ہو جس میں حلالہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

فی الدرالمختار ینکح مبا ینته بمادون الثلاث فی العدة وبعدها بالاجماع لامطلقة بالثلث حتی یطأها غیره بنکاح نافذ[4] (ملتقطاً)	درمختار میں ہے کہ اپنی مطلقہ بائنہ سے عدت پوری ہونے سے قبل یا بعد نکاح کرسکتا ہے بالاجماع، تین طلاق والی سے نکاح نہیں کرسکتا، جب تک کسی غیر شخص سے اس کا نکاح اور وطی نہ ہوجائے۔ (ملتقطا) (ت)

---

[1] القرآن ۶۵/ ۲

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[3] القرآن ۶۵/ ۴

[4] درمختار باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۰

اور اگر زنا کا حمل ہے (جس میں بچہ شرعًا مجہول النسب ٹھہرتا ہے) تو زانی وغیر زانی جس سے چاہے بے وضع حمل نکاح کرسکتی ہے کہ زنا کے پانی کی شرع میں اصلاً حرمت وعزت نہیں۔ مگر فرق اتنا ہے کہ اگر خود زانی سے نکاح جس کا حمل رہا تھا تو اسے صحبت کرنی بھی جائز ہوجائے گی اور غیر سے نکاح ہوا جب تک وضع حمل نہ ہولے وہ ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

فی الدرالمختار صح نکاح حبلی من زنا لاحبلی من غیرہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع ولو نکحھا الزانی حل لہ وطؤھا اتفاقا[1] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم	درمختار میں ہے: زنا سے حاملہ کے ساتھ نکاح جائز ہے نہ کہ غیر زنا کی حاملہ سے جبکہ اس سے وطی اور متعلقہ امور بچے کی پیدائش تک حرام ہیں، اور اس سے خود زانی نے نکاح کیا ہو تو وطی بھی بالاتفاق جائز ہے اھ ملخصًا (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از آنولہ ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میں ناجائز طور کی ملاقات تھی، زید اس سے ارادہ نکاح رکھتا تھا، ہندہ کی بیٹی سلمہ نابالغہ کو جس کی عمر نو برس کی ہے اس کے چچا نے اپنی بیٹی ظاہر کرکے زید سے نکاح کردیا مگر ہنوز رخصت واقع نہ ہوئی، اب زید کو معلوم ہوا کہ یہ اسی ہندہ کی بیٹی ہے جس سے قبل اس نکاح کے زید کا ناجائز تعلق رہ چکا ہے، اس حالت میں اس نکاح کی نسبت کیا حکم ہے، اور زید بعد اس نکاح کے ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ زید اس نکاح سے پہلے ہندہ کو ناجائز طور پر ہاتھ لگا چکا تھا تو اس کا یہ نکاح کہ ہندہ کی بیٹی سے کیا گیا محض ناجائز وحرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ فورًا اس سے دست بردار ہو اور بعد اس کے وہ ہندہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

فان نکاح البنات وان کان یحرم الامھات لکن اذا کان صحیحا ولایصح النکاح مع بنت ممسوسۃ لحرمۃ المصاھرۃ۔	بیٹی سے نکاح کی وجہ سے ماں اگرچہ حرام ہوجاتی ہے مگر اس وقت جب بیٹی سے صحیح نکاح ہو، اور حرمت مصاہرہ کی بناپر شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت کی بیٹی سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

در مختار میں ہے:

حرم بالمصاھرة بنت زوجة الموطوئة و ام زوجته وجداتھا مطلقا بمجرد العقد الصحیح [1]۔	بیوی سے وطی کرنے پر اس کی بیٹی حرمت مصاہرہ کی بنا پر حرام ہو جاتی ہے اور بیوی کی ماں اور دادیاں بھی اس پر محض صحیح نکاح کی بنا پر حرام ہو جاتی ہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

احتراز عن النکاح الفاسد فانه لایوجب بمجردہ حرمة المصاھرة بل بالوطء اوما یقوم مقامه من المس بشھوۃ والنظر بشھوۃ [2] الخ۔	صحیح نکاح کا یہ حکم ہے، رہا فاسد نکاح تو صرف نکاح سے حرمت مصاہرہ ماں اور دادیوں کی نہ ہوگی بلکہ وطی سے ہوگی یا وطی کے قائم مقام امور شہوت سے دیکھنے اور چھونے سے ہوگی الخ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۸: از موضع در بھنگہ ڈاکخانہ روسڑا بازار مقام موتی پور مرسلہ ملاشیر علی صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت مریدہ ازروئے شرع پیر پر حرام ہے یا حلال؟ اور ازواج مطہرات حضرت خدیجہ وحضرت عائشہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مریدہ تھیں یا نہیں؟ اس نکاح کی حرمت وحلت جو کچھ ہو بحوالہ حدیث وفقہ صاف تحریر کریں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

پیر کو اپنی مریدہ سے نکاح قطعاً حلال [عہ] ہے اسے ممنوع جاننا کتاب وسنت اجماع امت وقیاس

عہ: اس سے صاف ظاہر ہے کہ مریدہ کو اپنے پیر کے سامنے بے پردہ آنا ناجائز ہے، غضب تو یہ ہے کہ اس زمانے کے بعض جاہل بے باک متصوف اس جھوٹے مسئلہ کو کہ مریدہ بیٹی ہے دستاویز بنالیتے ہیں اور تمام عورتوں کو جو ان کی مریدی کے جال میں پھنسی ہوتی ہیں حکم قطعی دیتے ہیں کہ ہمارے سامنے بے پردہ حجاب آیا کرو، بلکہ تنہائیوں میں انھیں لے کر بیٹھتے ہیں، حالانکہ یہ باتیں حرام قطعی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کوئی پیر نہیں وہ خود اپنے سامنے عورتوں کو بے باکانہ آنے سے منع فرماتے، اور کبھی حضور پر نور نے نامحرم عورت کو ہاتھ نہ لگایا، جو بیبیاں کہ حاضر خدمت ہو کر بیعت چاہتیں آپ ان سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۸

چاروں دلائل شرع سے محض باطل وبے اصل ہے قرآن عظیم سے یوں کہ مولیٰ عزوجل نے حرام عورتیں گنا کر فرمایا: وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ[1] ان کے سوا سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، لاجرم مریدہ بھی کہ ان محرمات میں ذکر نہ فرمائی اس حکم حلت میں داخل رہی سنت سے یوں کہ نبی سے زیادہ پیر ومرشد کون ہے، خصوصًا ہمارے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین و بارک وسلم کہ حضور تو تمام جہانوں کے پیر ہیں پھر حضور والا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے اپنی امتی بیبیوں ہی سے نکاح فرمایا جن میں حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی وحضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اعلیٰ درجہ کی مریدہ اور اعلیٰ درجہ کی بیبیاں ہیں، باتفاق علماء ثابت کہ جب اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت عامہ کو ظاہر فرمایا، سب سے پہلے حضرت ام المومنین خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرف ارادت سے مشرف ہوئیں، بعض جاہلوں کی سمجھ میں یوں نہ آئے تو یہ مانیں گے کہ حضرات شیخین حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب سے افضل واکمل رید تھے، اولیاء کرام فرماتے ہیں:

تاجہاں ست نہ ہمچو مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پیرے بودنہ ہمچو ابوبکر صدیق مریدے۔	پوری کائنات میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا نہ کوئی پیر ہے اور نہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا کوئی مرید ہے۔(ت)

وہ جاہلانہ خیال کہ پیری ومریدی کا رشتہ بعینہٖ مثل رشتہ نسب کے ہے، اگر سچا ہوتا تو مریدہ اپنی بیٹی ہوتی، مریدوں کی بیٹیاں پوتیاں ہوتیں، یونہی ختنین عثمان غنی وعلی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نکاح بنات مطہرات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیونکر ہوسکتا، اس تقدیر پر صاحبزادیاں بہنیں ہوتیں، مگر جہل وسفاہت کے مفاسد اس سے بھی زائد ہیں، اجماع سے یوں کہ آج تک تمام عالم میں کوئی عالم اس نکاح کی حرمت کا قائل نہ ہوا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

زبانی بیعت لیتے، اور فرماتے تمھاری بیعت ہوگئی کبھی ہاتھ میں ہاتھ لے کر بیعت نہ لی شیطان کے مکر سے اللہ سبحانہ محفوظ رکھے، اور بعض جاہل مردوں کو ابلیس باتلبیس نے یوں ورغلایا اور ان کے ذہن میں یہ سمایا کہ جب ہمارے حالات ہمارے مرشد پر پوشیدہ نہیں تو ہم کیوں اپنی عورتوں کا پیر جی سے پردہ کرائیں، پس بے غل وغش پیر صاحب بحالت موجوگی وعدم موجودگی صاحب خانہ کے زنانے میں جاتے اور وہیں آرام کرتے ہیں، یہ راقم آثم کا چشم دید تھا جو بیان میں آیا، **والعیاذ باللہ تعالیٰ**، (مولوی نواب) سلطان احمد خاں بریلوی)

[1] القرآن ۲۴/۴

فقہائے جملہ مذاہب کی کتابیں موجود، کسی نے مریدہ کو محرمات سے نہ گنا، قیاس سے یوں کہ رشتہ استاذی وشاگردی بھی تو مثل رشتہ پیری ومریدی ہے۔ پیر واستاذ دونوں بجائے باپ کے مانے جاتے ہیں، خود حدیث میں فرمایا:

انما انالکم بمنزلة الوالد اعلمکم [1]۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	میں تمھارے لیے بمنزلہ والد ہوں تمھیں تعلیم دیتاہوں، اس کو احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن حبان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بذریعہ ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیاہے۔ (ت)

بلکہ پیری ومریدی بھی خود استاذی وشاگردی ہے۔ اگر یہ خیال باطل ٹھیک ہوتا تو اپنی شاگرد عورت سے بھی نکاح حرام ہوتا اور عورت کو علم سکھانا نکاح جاتے رہنے کا باعث ہوتا کہ اب وہ اس کی بیٹی ہوگئی حالانکہ قرآن وحدیث سے زوجہ کو شاگرد کرنا اور اپنی شاگرد عورت کو نکاح میں لانا دونوں باتیں ثابت۔

قال اللہ تعالٰی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا [2]۔	اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو دوزخ سے بچاؤ۔

ظاہر ہے کہ گھر والوں کو دوزخ سے بچانا بغیر مسائل سکھائے متصور نہیں کہ بچنا بے عمل اور عمل بے علم میسر نہیں، تو قرآن مجید صاف حکم فرماتا ہے کہ اپنی عورتوں کو علم دین سکھاؤ اور اس پر عمل کی ہدایت کرو، سول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رجل کانت لہ امۃ فغذاھا فاحسن غذاءھا ثم ادبھا فاحسن تادیبھا وعلمھا فاحسن تعلیمھا ثم اعتقھا وتزوجھا فلہ اجران [3]۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی جو کوئی کنیز رکھتا ہے اسے کھلائے اور اچھا کھلائے پھر ادب سکھائے اور بہتر سکھائے اور علم پڑھائے اور خوب پڑھائے، پھر اسے آزاد کرکے اپنے نکاح میں لائے وہ شخص دوہرا ثواب پائے (اس کو احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

[1] سنن ابو داؤد باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳

[2] القرآن ۶۶/۶

[3] صحیح بخاری باب تعلیم الرجل امتہ واھلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۰

جاہلوں کی جہالت کہ مریدہ سے نکاح ناجائز بتاتیں اور زن وشودونوں کو بے تکلف مرید بنائیں، وہ دونوں اگر باپ بیٹی تھے یہ دونوں سگے بہن بھائی ہوئے، اس نکاح کو ممنوع جاننے والا شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افترا کرتا اور حلال خدا کو حرام ٹھہراتا ہے۔ اس پر توبہ فرض ہے، اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے، آمین! **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۶۹: ۱۳ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناجو عقیدہ مروجہ شیعہ رکھتے ہیں علی الخصوص شیعہ لکھنو کے ان کی دختر سے نکاح سنی کا درست ہے یا نہیں اور اولاد اس کی مستحق ترکہ پدری کی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

آج کل عام روافض تبرائی خذلہم اللہ تعالیٰ عقائد کفریہ رکھتے ہیں ان میں کوئی کم ایسا نکلے گا جو قرآن مجید میں سے کچھ گھٹ جانا نہ مانتا اور حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی وباقی ائمہ اطہار کرم اللہ تعالی وجوھھم کو حضرات علیہ انبیاء سابقین **علی نبینا الکریم وعلیہم افضل الصلوٰۃ والتسلیم** سے افضل نہ جانتا ہو، اور یہ دونوں عقیدے کفر خالص ہیں مجتہد لکھنو نے اپنے مہری فتوے میں ان دونوں ملعون عقیدوں کی صاف تصریح کی جو ان میں خود یہ اعتقاد (بالفرض) نہ بھی رکھتا ہو تاہم اس سے یہ امید نہیں کہ مجتہد کا فتوی دیکھ کر اسے کافر جاننا درکنار خود بھی اس پر اعتقاد نہ لے آئے اور ایسے عقیدے والے کو اس کے عقیدے پر مطلع ہو کر جو کافر نہ جانے خود کافر ہے **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[1] (جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ت) تو آج کل تبرائی رافضیوں میں کسی ایسے شخص کا ملنا جسے ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں شاید ایسا ہی دشوار ہوگا جیسے حبشیوں زنگیوں میں چمپئی رنگت کا آدمی یا سپید رنگ کا کوّا، ایسے رافضیوں کا حکم بالکل مثل حکم مرتدین ہے[2] **کما صرح بہ فی الظھیریۃ والھندیۃ والحدیقۃ الندیۃ وغیرھا من الکتب الفقھیۃ** (جیسا کہ ظہیریہ، ہندیہ، اور حدیقہ وغیرہا کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے۔ت) پس دختر رافضیان جو ایسے ہی عقائد کفریہ رکھتی ہو اس سے سنی یا غیر سنی کسی کا نکاح نہیں ہوسکتا کہ مرتدہ اصلا محل نکاح نہیں[3] **کما نص علیہ فی الدر المختار والعالمگیریۃ وعامۃ الاسفار**

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

(جیسا کہ درمختار، عالمگیریہ اور عام کتب میں اس پر نص ہے۔ت) اس سے جو اولاد ہوگی قطعًا ولدالزنا ہوگی اور ترکہ پدری سے مطلقًا محروم کہ ولدالزنا کے لیے شرعًا کوئی باپ ہی نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للعاھر الحجر[1] ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زانی کے لیے محرومی ہے۔(ت)

اور اگر دختر مذکورہ ایسے عقائد نہیں رکھتی بلکہ مسلمان ہے تو مسلمان کا نکاح اس سے ہوسکتا ہے اولاد صحیح النسب ہوگی اور ترکہ پدری کی مستحق۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۷۰: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعانِ مروجہ کی اولاد حرامی ہے یا حلالی؟ اگر حرامی ہے تو عنداللہ حرامی عورت کا نکاح سنی مرد سے ہوجائے گا یانہیں؟ اور اس کی اولاد بطنی میں کچھ نقصان واقع ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان میں مرد یا عورت جس کا عقیدہ کفریہ ہو اولاد حرامی ہے،

اذلانکاح لمرتد ولالمرتدۃ اصلا حتی مع مثلہ فی الارتداد[2] کمانص علیہ فی الائمۃ الامجاد۔	مرتد مرد اور عورت کا بالکل کسی سے نکاح نہیں ہوسکتا حتی کہ ان جیسے مرتد سے بھی، جیسا کہ اس پر ائمہ بزرگوار نے تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر زن وشوہر دونوں عقائد کفریہ سے پاک ہیں تو اولاد حلالی ہے۔ اور حرامی عورت رافضیہ کا نکاح سنی سے ہوسکتا ہے جبکہ وہ خود عقیدہ کفریہ نہ رکھتی ہو، اس صورت میں اس کی اولاد بطنی میں کوئی نقصان نہیں، اور اگر وہ خود بھی اپنے ماں باپ کی مثل کوئی عقیدہ کفریہ رکھتی ہے تو خود بھی نطفہ حرام ہے اور اس کی اولاد بھی حرامی خواہ رافضی سے ہو یا سنی سے۔ اور اس سے کسی کا نکاح اصلا ممکن نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۱: ایک شخص کا حمل ایک عورت کو رہا اور بعد معلوم ہونے حمل کے وہ عورت چاہتی ہے کہ راز فاش نہ ہو مابین حمل عقد درست ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درست ہے اگرچہ غیر زانی سے ہو مگر وطی ودواعی اسے روا نہیں جب تک وضع نہ ہو، اور جو زانی سے

---

[1] صحیح مسلم باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

نکاح کرے تو یہ بھی روا، ہاں تاوقت وضع اصلا نکاح ناروا اسی صورت میں ہے کہ حمل زنا سے نہ ہو کما فی الدرالمختار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۲: ازنینی تال تحصیل کھٹیما تھانہ مجھولا موضع جمور مرسلہ سکندر شاہ ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا، ہنوز ہندہ اس کے گھر میں موجود ہے کہ ہندہ کی دوسری بہن سے بھی زید نے نکاح کرلیا اور دونوں عورتیں اس کے گھر میں موجود ہیں کسی کو طلاق نہیں دی ہے وہ دو بہنیں زید پر حلال ہیں یا حرام؟ دونوں بہنیں ایک بطن سے ہیں اور باپ ہر ایک کا جداگانہ تھا، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید کا اپنی سالی سے نکاح حرام،

قال اللہ تعالٰی وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: منع ہے کہ تم نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو۔ (ت)

اس پر فرض ہے کہ فورًا اسے چھوڑ دے پھر اگر ابھی سالی سے صحبت نہیں کی جب تو ہندہ اس کے لیے حلال ہے اور اگر اس سے صحبت کرلی تو اب اپنی منکوحہ ہندہ کے پاس بھی جانا حرام ہوگیا، جب تک سالی کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے، جب اسے چھوڑے گا اور اس کی عدت گزر جائے گی اس وقت ہندہ کو ہاتھ لگانا جائز ہوگا، ہندیہ میں ہے:

ان تزوجھما فی عقدتین فنکاح الاخیرۃ فاسد ویجب علیہ ان یفارقھا ولو علم القاضی بذلك یفرق بینھما فان فارقھا قبل الدخول لایثبت شیئ من الاحکام وان فارقھا بعد الدخول فلھا المھر ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل وعلیھا العدۃ ویثبت النسب ویعتزل عن امرأتہ حتی تنقضی عدۃ اختھا کذا فی	اگر دو بہنوں سے علیحدہ علیحدہ نکاح کیا تو دوسری کا نکاح فاسد ہے اور اس پر مفارقت لازم ہے، اور اگر قاضی کو یہ معلوم ہو تو وہ دونوں میں تفریق کردے، اگر دوسری کو دخول سے قبل علیحدہ کردیا تو نکاح کا کوئی حکم نہ ثابت ہوگا، اور اگر اس کو دخول کے بعد جدا کیا تو پھر اس کو مہر دینا ہوگا مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا اور اس پر عدت ہوگی اور نسب ثابت ہوسکے گا، اور پہلی سے اس وقت تک علیحدگی اختیار کرے

[1] القرآن ۴/۲۳

محیط السرخسی [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جب تک دوسری بہن کی عدت نہ گزر جائے، محیط سرخسی میں یونہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۳: ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور مرد و عورت ہر دو حنفی مذہب کے ہیں تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا کس قدر مدت تک انتظار کرے؟ علماء مذہب حنفیّہ کے اس میں کیا حکم دیتے ہیں؟

الجواب:

اتنی مدت کہ مرد کی عمر سے ستر برس گزر جائیں یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستر برس کا ہو، مثلاً تیس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو عورت چالیس برس تک انتظار کرے، اس مدت گزرنے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے۔ بعد حکم عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے، عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کرے، فتح القدیر میں ہے:

عندی الاحسن سبعون لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین فکانت المنتھی غالبًا [2]۔	میرے نزدیک ستر بہتر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے۔" تو آخری حد غالبا معتبر ہوگا۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انہ احوط واقیس [3] (یہی احتیاط اور قیاس کے زیادہ موافق ہے۔ت) اسی میں ہے: وعلیہ الفتوٰی [4] (اسی پر فتوی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

فی واقعات المفتین لقدروی آفندی معزیا للقنیۃ انہ انما یحکم بموتہ بقضاء لانہ امر محتمل فمالم ینضم الیہ القضاء لایکون حجۃ [5]۔	واقعات المفیتن میں ہے کہ قنیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آفندی نے کہا کہ موت کا حکم قاضی کے ذریعہ ہوگا کیونکہ احتمالی معاملہ ہے تو جب تک قاضی کا فیصلہ نہ مل جائے اس وقت تک محض مدت کا گزرنا حجت نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم الرابع المحرمات بالجمع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۸-۲۷۷

[2] فتح القدیر کتاب المفقود نوریہ رضویہ سکھر ۵/۲۷۴

[3] جواہر الاخلاطی کتاب المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

[4] جواہر الاخلاطی کتاب المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

[5] درمختار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

تنویر میں ہے:

بعدہ یحکم بموتہ فتعتد عرسہ للموت[1] (ملخصاً)	مدت گزرنے کے بعد خاوند کی موت کا حکم دیا جائے گا لہٰذا یہ عورت موت والی عدت پوری کرے گی ملخصاً (ت)

ردالمحتار میں ہے: ای عدۃ الوفاۃ[2] (یعنی وفات والی عدت مراد ہے۔ت) بہت سن رسیدہ مرد نو عمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں کہ مرد ستر برس کا اور عورت جوان ہو، مثلاً پچاس پچپن برس کی عمر میں پندرہ برس کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہوگیا تو جب اس کی عمر سے ستر برس گزریں گے عورت تیس پنتیس برس کی ہوگی اس عمر کی عورت بیشک نکاح کے قابل ہے اور نہ ہو تو حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہش نفس کے لیے۔ قرآن عظیم صاف فرمارہا ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[3] (شادی شدہ عورتوں میں سے۔ت) پھر اس کے خلاف کی طرف راہ کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴: از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۴۱ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد چچا مرنے کے چچی سے نکاح درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کیا دلیل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب

درست ہے۔ دلیل اس کی قول اللہ عزوجل ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[4] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) کہ حرام عورتوں کو شمار فرما کر ارشاد ہوا ان کے سوا عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، حرام عورتوں میں چچی کو نہ شمار فرمایا نہ شرح میں کہیں اس کی تحریم آئی تو ضرور وہ حلال عورتوں میں سے ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۷۵: از آمود ضلع بھڑوچ گجرات کلاں مرسلہ سید غلام سرور ۲ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا نام مسمّٰی عبداللہ ہے اس کی ہمشیرہ کا نام نورن تھا، مسماۃ نورن کا نکاح مسمّٰی ہدایت اللہ کے ساتھ ہوا، مسمّٰی ہدایت اللہ کے نطفہ و

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

[2] ردالمحتار کتاب المفقود داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲

[3] القرآن ۴/۲۴

[4] القرآن ۴/۲۴

شکم مسماۃ نورن سے دو فرزند پیدا ہوئے مسماۃ نورن مر گئی، بڑے فرزند کا بھی انتقال ہوگیا، چھوٹا فرزند زندہ ہے، مسمّٰی عبداللہ مذکور کے دو دختر ہیں بعد مرنے اپنی بہن مسماۃ نورن کے اپنی بڑی دختر کا نکاح ہدایت اللہ موصوف سے کردیا، دوسری دختر جو چھوٹی مسمّٰی عبداللہ کی ہے۔ ہدایت اللہ کے فرزند سے نکاح پڑھادیا جاتا ہے، اول تو ہدایت اللہ کا عبداللہ سالا ہوا اور فرزند کا ماموں ہوا عبداللہ کا ہدایت اللہ بہنوئی ہوا، اور لڑکا ہدایت اللہ کا عبداللہ بھانجا ہوا۔ جب عبداللہ کی دختر نکاح میں آئی فرزند سوتیلی والدہ ہوئی، سوتیلی ماں کی بہن حقیقی خالہ ہوئی اور ہدایت اللہ کا عبداللہ سسر ہوا وزید یا عبداللہ نانا ہوا، نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مع مہر نام کتب عبارت عربی ترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائیے، اس کا اجر اللہ آپ کو عطا کرے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

فرزند ہدایت اللہ کا نکاح دختر عبداللہ سے جائز ہے، عبداللہ اس کا ماموں ہے نانا نہیں، سوتیلی ماں کا باپ نہ اپنا نانا، نہ سوتیلی ماں کی بہن اپنی خالہ۔ سوتیلی ماں کی حقیقی ماں یا بہن یا بیٹی سب سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ اپنے باپ کی ساس یا سالی یا دختر زن ہے، ردالمحتار میں ہے: **لاتحرم ام زوجۃ الاب ولابنتہا**[1] (باپ کی منکوحہ کی ماں اور بیٹی حرام نہیں ہوتیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۷: از الہ آباد محلّہ دوندے پور مکان صوبیدار صاحب مرحوم مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

بگرامی خدمت سامی منزلت، جامع الکمالات العلمیہ والعملیہ، حاوی الفنون الاصلیہ والفرعیہ۔ مخدوم معظم، مطاع مفخم، نیاز کیشاں جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دامت فیوضہم از نیاز مند عبیداللہ سلام مسنون خشوع وخضوع مشحون در قطعہ استفتاء ابلاغ خدمت والا میں دو باتوں کے لیے بکمال ادب گزارش کرکے توجہ وجیہ کا امیدوار ہوں، ایک یہ کہ یہ دونوں مسئلے معرکۃ الآرا ہو رہے ہیں فتوی بکمال تحقیق وتدقیق مبرہن مدلل خوب بسط وتفصیل سے لکھے جائیں، دوم یہ کہ ان کی ضرورت اشد ہے دوسرے فتووں پر انھیں کو مقدم فرمایا جائے، صورت سوال یہ ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے مسماۃ ہندہ زوجہ اولٰی کو اپنے گھر سے نکال دیا اور دوسری عورت سے نکاح کیا، چند شخصوں نے سبب نکال دینے کا زید سے پوچھا، زید نے کہا میں نے اس کی ماں سے زنا کیا تھا اب معلوم ہوا کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ اس لیے اس کو نکال دیا، بعدہ زوجہ ثانیہ کو طلاق دے کر زوجہ اولٰی ہندہ کو اپنے مکان میں لاکر رکھا اور اقرار زنا سے انکار کیا قاضی بلدہ کے سامنے شہادت اقرار زنا کی پیش ہوئی تو صورت مذکورہ میں اس کی شہادت اقرار زنا سے حرمت

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

مصاہرت شرعاً ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور ہندہ زید پر حرام ہوگئی یا کیا؟ ایک عالم صاحب نے فرمایا کہ اقرار زنا پر شہادت معتبر نہیں ہے اس شہادت سے زنا ثابت نہیں ہوتا تو حرمتِ مصاہرت کیسے ثابت ہوگی، تحریر میں جلدی فرمائی جائے کہ مسئلہ میں بہت سے علماء مختلف ہیں۔

سوال دوم: اگر اقرار یہ کیا ہو کہ میں نے اس کی ماں سے قبل اس کے نکاح کے زنا کیا تھا، تو کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ صورت مستفسرہ میں حکم شرع میں حرمت مصاہرت ہوگئی، ہندہ زید پر حرام ابدی سمجھی جائیگی **فان البینۃ کاسمھا مبینۃ** (بینہ اپنے نام کی طرح، واضح کرنے والا ہے۔ت) جب شہادت شرعیہ سے زید کااقرار بالزنا ثابت ہوا تو اس کے رد کی طرف کیا سبیل کہ ثابت بشہادت بمنزلہ ثابت بمشاہدہ ہے۔ اس گواہی سے ثبوت زنا نہ ہونا مطلقًا ابطال شہادت یا تکذیب شہود یا رد مشہود کی بناپر نہیں کہ اس سے نفس اقرار بھی ثابت نہ مانئے۔ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں پھر علامہ زین مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

ان شھد رجلان اورجل وامرأتان علی اقرار المقذوف بالزنا یدرؤعن القاذف الحد وعن الثلثۃ ای الرجل والمرأتین لان الثلث بالبینۃ کالثابت بالمعاینۃ فکاناسمعنا اقرارہ بالزنا[1]۔	زنا سے متہم شخص کے اقرار زنا پر مردوں یا ایک مرد دو عورتوں نے شہادت دی تو اس سے فقہاء نے تہمت لگانے والے اور گواہ ایک مرد دو عورتوں سے حد قذف کو ساقط قرار دیا ہے کیونکہ گواہی سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے دیکھی ہوئی ہو، تو گواہوں کے بیان سے ثابت شدہ زنا کا اقرار ایسے ہے جیسے ہم نے خود سنا ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ شہادت اقرار اگرچہ مثبت زنا ہونے کی اصلاً صلاحیت نہ رکھے کہ اثبات زنا میں شہادت زنان وشہادت دو مرد زنہار مسموع نہیں مگر مثبت اقرار بیشک ہے کہ اس کے لیے نصاب کامل ہے۔ نیز بحر میں ہے:

لو شھد رجلان انہ زنی وأخران انہ اقربالزنا فانہ لایحد قال فی الظھیریۃ ولایحد الشھود	دو مردوں نے گواہی دی کہ اس نے زنا کیا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے زنا کا اقرار کیا ہے۔ تو ایسی صورت میں اس کو زنا کی حد نہیں

[1] فتح القدیر باب حد القذف نوریہ رضویہ سکھر ۱۱۱/۵

ایضاً وان شھد ثلثۃ بالزنا وشھد رابع علی الاقرار بالزنا فعلی الثلثۃ الحد۔اھ لان شھادۃ الواحد علی الاقرار لاتعتبر فبقی کلام الثلثۃ قذفا[1]۔	لگائی جائیگی،اور ظہیریہ میں کہا کہ گواہوں کو بھی حد نہ ہوگی،اور اگر تین مردوں نے زنا کی شہادت دی اور چوتھے نے زنا کے اقرار پر شہادت دی،تو تین پر حد قذف ہوگی کیونکہ اقرار کے ایک گواہ کی شہادت معتبر نہیں،تو تین گواہوں کی بات تہمت ہوجائیگی۔(ت)

دیکھو شہادت واحد وشہادت رجلین میں تفرقہ فرمایا کہ اول باطل وبیکار اور ثانی معتبر ومثبت اقرار حالانکہ اثبات زنا سے دونوں برکنار بلکہ اس شہادت سے ثبوت زنا ہونے کی اور دو وجہیں ہیں: **اولاً** وہ اقرار جوان سے ثابت ہوا بیرون مجلس قضا تھا اور دارالقضا سے باہر کا اقرار مثبت زنا نہیں ہوتا،شرح نقایہ علامہ شمس قہستانی میں ہے:

الاقرار لم یعتبر عند غیر الامام حتی لو شھدوا بذٰلك لم تقبل[2]۔	قاضی یاحاکم کی موجودگی کے بغیر اقرار معتبر نہیں حتی کہ اگر گواہ مجلس سے باہر کے اقرار کی شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔(ت)

ثانیاً مشہود علیہ اگر مقر ہے تو شہادت کی کیا حاجت،

فانھا انما تقام علی المنکر کما فی الدر وغیرہ ولاتجامع الاقرار الافی بضع صور مذکورۃ فی الاشباہ لیست ھذہ منھا۔	شہادت تو منکر کے خلاف ہوتی ہے جیساکہ در وغیرہ میں ہے اشباہ میں مذکور ہے چند صورتوں کے علاوہ شہادت،اقرار کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی،اور یہ صورت ان چند میں سے نہیں ہے۔(ت)

اور منکر ہے تو اقرار سابق سے رجوع کرچکا اور اقرار بالزنا بعد رجوع مثبت زنا نہیں رہتا،تحفۃ الفقہاء وبدائع وتبیین الحقائق اور معین الحکام وجامع الرموز وبحرالرائق وغنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للعلامۃ الشرنبلالی عن الامام ملك العلماء الکاشانی لو اقربالزنا اربع مرات فی غیر مجلس القاضی وشھد الشھود علی	ملک العلماء امام کاشانی سے منقول کے بارے میں علامہ شرنبلالی کے الفاظ یہ ہیں کہ اگر اپنے زنا پر مجلس قضاء سے باہر چار مرتبہ اقرار کرے اور اس

[1] بحرالرائق کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/۵

[2] جامع الرموز کتاب الحدود مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۵۱۵

اقرارہ لاتقبل شھادتھم لانہ ان کان مقرا فالشھادۃ لغو لان الحکم للاقرار لاللشھادۃ وان کان منکرا فالانکار منہ رجوع والرجوع عن الاقرار فی الحدود الخالصۃ حقاللہ تعالٰی صحیح[1]۔	اقرار پر گواہ شہادت دیں تو قبول نہ ہوگی، کیونکہ اگر وہ شخص اقراری ہے تو حکم اس کے اقرار پر ہوگا اور گواہی کی وجہ سے نہ ہوگا اس لیے کہ شہادت لغو ہوگی اور اگر وہ مجلس قضامیں منکر ہوجائے تو اسکا یہ انکار اپنے اقرار سے رجوع ہوگا، اور حدود جو کہ خالص اللہ تعالٰی کا حق ہیں ان میں رجوع صحیح ہے۔(ت)

علماء کی یہ تعلیلیں جیسے کہ ثبوت زنا کی نفی فرماتی ہیں یونہی ثبوت اقرار کی تقریر فرمارہی ہیں تو اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ شہادت مذکورہ سے زید کا اقرار مزبور ثابت ہوگیا، اب یہ دیکھنا رہا کہ اثبات مصاہرت کو خاص نامسموع، کلمات علماء باعلی نداء منادی کہ یہاں ثبوت زنا کی اصلاً حاجت نہیں، مجرد اقرار وہ بھی ایک بار بس ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہزل ومزاح ہی میں کہہ دیا کہ اس شخص نے اپنی ساس کے ساتھ جماع کیا، حرمت مصاہرت ثابت کردیں گے پھر ہزار بار کہا کرے میں نے جھوٹ کہا تھا ہرگز نہ سنیں گے، محیط ہندیہ وخلاصہ وبحرالرائق وجامع الرموز ومجموعہ انقروی ودرمختار وغیرہا معتمدات الاسفار میں ہے:

والنظم للدر فی الخلاصۃ قیل لہ مافعلت بام امرأتك فقال جامعتھا تثبت الحرمۃ ولایصدق انہ کذب ولوھازلا[2] اھ۔	در کی عبارت ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ تونے اپنی ساس سے کیا کیا تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا، تو اس سے حرمت ثابت ہوجائے گی اور اب اگر یہ کہے کہ میں نے تو مذاق میں جھوٹ بولا تھا، تو بھی نہیں مانا جائے گا اھ (ت)

خلاصہ وبحر وانقروی وغیرہا میں ہے:

والاصرار لیس بشرط فی الاقرار بحرمۃ المصاہرۃ[3]۔	حرمت مصاہرت سے متعلق اقرار میں اصرار شرط نہیں ہے۔(ت)

یونہی اگر عورت سے بشرط دوشیزگی نکاح کیا تو وقت ارادہ جماع غیر دوشیزہ پایا، عورت نے کہا تیرے

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحدود ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۰/۷، غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر غرر باب حد القذف مطبعۃ احمد کامل الکائنۃ بیروت ۷۴/۲

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱۸۸/۱

[3] خلاصۃ الفتاوی الفصل الثالث فی حرمۃ المصاہرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/۲

باپ نے ازالہ کیااس نے تصدیق کردی حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی، ظہیریہ وہندیہ وشمنی ودرمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للدر تزوج بکرا فوجدھا ثیبا (ولفظ الاولین تزوج امرأۃ علی انھا عذراء فلما اراد وقاعھا وجدھا قد افتضت) وقالت ابوك فضنی ان صدقھا بانت بلامھر والالا .شمنی[1]۔	در کے الفاظ میں ہے کہ باکرہ سے نکاح کیاتو اس کو ثیبہ پایا، اور پہلی دونوں کتب کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک عورت سے باکرہ ہونے کی شرط پر نکاح کیا تو جماع کے وقت اس کی بکارت ٹوٹی ہوئی پائی،اور عورت نے کہا کہ تیرے باپ نے میری بکارت توڑی (یعنی دخول کیا) تو اگراس نے بیوی کی بات کو سچ تسلیم کرلیا تو بیوی کا نکاح ختم ہوجائے گا اور مہرنہ ہوگا ورنہ نکاح ختم نہ ہوگا، شمنی۔(ت)

ظاہر ہے کہ ان صورتوں سے ثبوت زنا محض ناممکن اخیرہ میں تو عورت کا بیان اور اس کی تصدیق کیا بکار آمد ہوسکتی ہے جہاں چار مردوں سے کم کی شہادت مردود ہو،اولی میں بار اقرار وہ بھی بیرون دارالقضاء وہ بھی ہزل ومزاح کے موقع پر کیا، قابلیت اثبات زنا رکھتا ہے، بااینہمہ مجرد اقرار وتصدیق پر حرمت مصاہرت کا حکم ہوگیا اور بعد اقرار انکار بیکار رہا،اسی قدر تقریر ایضاح مقام وازاحت اوہام کو بس ہے بلکہ غور کیجئے توفرع اول صورت مستفسرہ کا خاص نص ہے کہ جب اس کے صرف اس قول کو مثبت حرمت مانتے اور رجوع وانکار کو نامسموع جانتے ہیں،اور پر ظاہر کہ یہ اثبات اثبات فی القضاء ہی ہے کما اشرنا الیہ وفی ردالمحتار وغیرھا نصوا علیہ (جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیاہے اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور عندالقاضی بعد انکار طریقہ اثبات وہی بینہ توصاف ثابت ہوا کہ شوہر اگر بعد اقرار بالزنا انکار کر جائے اور بینہ عادلہ سے اس کا اقرار ثابت ہو قاضی فورًا حکم حرمت دے گا **وھو المقصود**۔انہی بیانوں سے یہ بھی واضح ہوگیاکہ زنا بمادرزن پیش از نکاح زن اور اس کا عکس دونوں کا اقراراس حکم حرمت میں یکساں کہ حرمت ابدیہ دونوں طرح حاصل،اگرچہ ایک صورت میں سابقہ ہو،دوسری میں طاریہ،توہر طرح یہ اقرار اقرار بالمحرم ہے **والرجل مواخذ باقرارہ** (اور مرد اپنے اقرار کی بناپر ماخوذ ہے۔ت) ہاں اتنا تفاوت ہوگا کہ اقرار زنا قبل النکاح میں شوہر حق زن میں،اس دعوی اسناد الی ماقبل النکاح میں مصدق نہ ہوگا،کہ بر تقدیر عدم دخول ابطال مہر یا بحالت دخول افساد تسمیہ مجرد اس کے کہنے سے مان لیں صرف اپنے حق

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

یعنی بطلان حل وفساد وعصمت واخذ بالمتارکہ میں مصدق ہوگا لہٰذا حرمت غیر مستندہ ثابت کرکے نصف مسمّٰی یاکل علی التقدیرین لازم کردیں گے۔بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

اذا اقر بجماع امها قبل التزوج لایصدق فی حقها فیجب کمال المهر المسمی ان کان بعدالدخول ونصفه ان کان قبله کمافی التجنیس [1]۔	اگر نکاح سے قبل کے ساس سے زنا کا اقرار کرتا ہے تو اس اقرار کو بیوی کے حق مہر کے بارے میں سچ نہیں مانا جائے گا لہٰذا مقررہ مہر پورا دینا ہوگا بشرطیکہ یہ اقرار بیوی سے دخول کے بعد کیا ہو اور اگر دخول سے قبل یہ اقرار کیا تو نصف مہر واجب ہوگا، جیسا کہ تجنیس میں ہے۔(ت)

اور یہ کوئی نئی بات نہیں کہ اقرار واحد من جہۃ مقبول اور من جہۃ مردود ہو اقرار حجت قاصرہ ہے ہمیشہ اس کی یہی شان ہوتی ہے کہ جہاں تک مقر پر اس کا ضرر ہے۔ماخوذ اور جتنا دوسرے پر لازم ہے منبوذ، ولہٰذا اگر کسی کی کنیز سے نکاح کیا اس نے پیش از دخول اس کے پسر کا بوسہ لیا شوہر کہتا ہے بشہوت تھا حرمت ثابت ہوگئی مگر حق اسقاط مہر میں مسموع نہ ہوگا نصف مہر دینا آئے گا جبکہ مولٰی شہوت کنیز وقصد افساد کو نہ مانتا ہو، ہندیہ میں ہے:

تزوج بامة رجل ثم ان الامة قبلت ابن زوجها قبل الدخول بها فادعی الزوج انها قبلت بشهوة وکذبه المولی فانها تبین من زوجها لاقرار الزوج انها قبلت بشهوة ویلزمه نصف المهر بتکذیب المولی ایاه انها قبلته بشهوة ولایقبل قول الامة فی ذٰلك لوقالت قبلته بشهوة کذافی المحیط [2] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم	ایک شخص نے کسی کی لونڈی سے نکاح کیا تو لونڈی نے قبل از دخول خاوند کے بیٹے کا بوسہ لیا تو خاوند نے دعوٰی کیا کہ اس نے یہ بوسہ شہوت کے ساتھ لیا ہے جبکہ لونڈی کا مالک خاوند کو جھٹلا رہا ہے تو وہ لونڈی نکاح سے خارج ہوجائے گی کیونکہ خاوند نے شہوت کے ساتھ بوسے کا اقرار کیا ہے۔اور مالک کی تکذیب کی وجہ سے خاوند پر نصف مہر لازم ہوگا اور یہاں لونڈی کے اقرار کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کہ میں نے شہوت سے بوسہ لیا ہے۔یونہی محیط میں ہے۔(ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کے مرنے پر سالی سے نکاح کیا

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم الثانی المحرمات بالصھریۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۶

اور پہلی عورت سے ایک دختر تھی اب یہ شخص مرگیا اور سالی منکوحہ بے اولاد نے دوسرے سے نکاح کیا اور مرگئی اب وہ جو دختر اس شخص کی ہے جس نے اپنی سالی سے نکاح کیا تھا اور مرگیا تھا سالی کے دوسرے شوہر کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: ہندہ نے زینب کا دودھ پیا ہندہ کے بیٹے کو زینب کی دختر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۰: ایک شخص نے اپنی زوجہ کے دھوکے میں سہو سے اپنی ہمشیرہ یا خوشدامن کا ہاتھ از روئے شہوت کے پکڑا، اس کے نکاح میں کچھ خلل واقع ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہمشیرہ کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح میں کچھ خلل واقع نہ آیا اور خوشدامن کا ہاتھ پکڑنے سے نکاح فاسد ہوگیا اس سے شہوت پیدا ہوئی یا پہلے سے تھی تو زائد ہوگئی اور انزال نہ ہوا عورت ہمیشہ کو اس پر حرام ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے اپنی دختر زینب کا بکر کے ساتھ نکاح کیا اور بعد نکاح قبل رخصت بکر کو بلا تحقیق زبانی باتوں پر نامرد ٹھہرا کر بے طلاق دلوائے بحالت حیات بکر کے زینب کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا اور اس سے اولاد پیدا ہوئی پس ایسی صورت میں یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قطع نظر اس سے کہ تفریق بوجہ عنت کے لیے جو امور شرعًا درکار ہیں ان میں سے یہاں ایک بھی نہیں نہ پایا گیا، راسًا بکر کا ایسا عنین ہونا ہی ثابت نہیں جس کی بناء پر زینب کو اختیار مخاصمہ ومطالبہ تفریق حاصل ہو، اس لیے ممکن تھا کہ وہ بالخصوص اس عورت سے نزدیکی پر قادر ہوتا جس صورت میں کہ زینب کی رخصت ہی نہ ہونے پائی اس کے حق میں بکر کا نامرد ہونا کیسے ثابت ہوا۔

فی العالمگیریۃ وان کان یصل الی الثیب دون الابکار اوالی بعض النساء دون البعض وذٰلك لمرض به اولضعف فی خلقه اولکبر سنه اوسحر	عالمگیریہ میں ہے جو شخص ثیبہ سے جماع کی طاقت رکھتا ہو باکرہ سے نہیں یا بعض عورتوں سے جماع کی طاقت رکھتا ہو اور دیگر بعض سے نہیں اور اس کی کمزوری مرض کی وجہ سے یا پیدائشی یا بڑھاپے یا جادو کی وجہ سے ہو

فھو عنین فی حق من لایصل الیھا کذا فی النھایۃ [1]۔	توان عورتوں کے حق میں اس کو نامرد تصور کیا جائے گا جن سے جماع کی طاقت نہ رکھتا ہو، نہایہ میں یوں ہے۔(ت)

پس بلاشبہہ نکاح ثانی زینب کا محض ناجائز وباطل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۲: از اٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی وسلمٰی دو رضاعی بہنیں ہیں، لیلٰی سے زید نے نکاح کیا اب سلمٰی سے اس کے پسر عمرو بن جمیلہ کا نکاح ہوسکتا ہے یا وہ عمرو کی سوتیلی خالہ یعنی سوتیلی ماں کی رضاعی بہن سمجھ کر حرام مانی جائے گی۔بینواتوجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو وسلمٰی کا نکاح جائز ہے کہ باپ کی سالی جبکہ اپنی حقیقی یارضاعی ماں کی سگی یا سوتیلی یا مادری یا رضاعی بہن نہ ہو حلال ہے خواہ نسبی ہو خواہ رضاعی۔قال اللہ تعالٰی: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [2] (محرمات مذکورہ کے سوا تم کے لیے حلال ہیں۔ت) سوتیلی خالہ کہ حرام ہے اس کے معنی حقیقی یارضاعی ماں کی سوتیلی بہن نہ کہ سوتیلی ماں کی حقیقی یارضاعی بہن،واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے نکاح میں ایک عورت حرہ تھی دوسرا نکاح اس نے ایک کنیز سے کیا، یہ نکاح صحیح ہوا یانہیں؟ اور کنیز کا مہر اس کے ذمہ کس قدر لازم ہوگا؟ اس کنیز سے اس کی اولاد بھی ہوئی، اب زید نے انتقال کیا توکنیز اور اس کی اولاد ترکہ پائیں گے یانہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

زن حرہ پر لونڈی سے نکاح کرنا فاسد ہے،

فی الدرالمختار وصح نکاح حرۃ علی امۃ و لایصح عکسہ انتھی [3] ملخصًا۔	درمختار میں ہے لونڈی پر حرہ عورت سے نکاح صحیح ہے اور اس کا عکس یعنی حرہ پر لونڈی سے نکاح صحیح نہیں ہے۔انتہی ملخصا(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۲

[2] القرآن ۴/ ۲۴

[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

اور زن منکوحہ بنکاح فاسد مستحق ارث نہیں۔

فی الدرالمختار من باب نکاح الکافر واجمعوا انھم لایتوارثون لان الارث انما ثبت بالنص علی خلاف القیاس فی النکاح الصحیح مطلقاً فیقتصر علیہ ابن ملک [1]۔وفیہ من کتاب الفرائض ویستحق الارث باحد ثلثۃ برحم ونکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولا باطل اجماعا [2]اھ۔	درمختار کے "باب نکاح کافر" میں ہے کہ ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ یہ آپس میں وارث نہ بنیں گے کیونکہ وراثت کا ثبوت نص میں قیاس کے خلاف ہے اور یہ صرف نکاح میں ہے اور اس میں منحصر رہے گا۔ابن ملک۔اور اسی درمختار کے کتاب الفرائض میں ہے کہ وارث کا استحقاق تین وجہ سے ہوتا ہے۔ رشتہ رحم اور صحیح نکاح کی بنا پر نکاح فاسد یا باطل سے باجماع استحقاق وارثت نہیں اھ (ت)

ہاں اگر وطی واقع ہو گئی تو مہر مسمّٰی ومہر مثل سے جو کم ہوگا لازم آئے گا مثلاً اگر عقد پانسو روپے مہر پر بندھا ہے اور مہر مثل سو روپے ہے تو مہر مثل،اور در صورت عکس مہر مسمّٰی یعنی جو عقد میں بندھا ہے واجب الادا ہوگا،اور جو عقد میں کچھ نہ بندھا یا بندھا معلوم نہیں ہو سکتا تو مہر مثل جس قدر ہو قرار پائے گا۔

فی الخلاصۃ الواجب فی النکاح الفاسد الاقل من المسمی ومن مھر المثل ان کان ھناك تسمیۃ [3]۔فی الدرالمختار ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزدمھر المثل علی المسمی ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل ولو لم یسم اوجھل لزم بالغا مابلغ [4] انتھی مع التلخیص۔	خلاصہ میں ہے اگر مہر مقررہ ہو تو فاسد نکاح سے مہر مثل اور مقررہ سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔درمختار میں ہے کہ فاسد نکاح میں مہر مثل وطی سے واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر مہر مثل واجب نہیں ہوتا اور مہر مثل مقررہ مہر سے زیادہ بھی نہیں کیا جائیگا اگرچہ مقررہ مہر سے مہر مثل کم ہو اور اگر مقرر نہ ہو یا مقرر معلوم نہ ہو تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جتنا بھی ہو اھ ملخصا (ت)

اور اولاد کہ نکاح فاسد میں وقت وطی سے چھ مہینے بعد پیدا ہوئی بالاجماع ثابت النسب ومستحق الارث ہے،

فی الدرالمختار ویثبت النسب احتیاطا بلادعوۃ	درمختامیں ہے کہ نکاح فاسد میں بغیر دعوی احتیاطاً نسب

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۸

[2] درمختار کتاب الفرائض باب نکاح الکافر ۲/۳۵۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثالث عشر فی النکاح الفاسد مکتب حبیبیہ کوئٹہ ۲/۴۱

[4] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

وتعتبر مدته وھی ستة اشھر من الوطی والالایثبت وھذا قول محمد وبه یفتی وقالا ابتداء المدة من وقت العقد کالصحیح و رجحه فی النھر بانه احوط[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ثابت ہوگا جبکہ مدت کا اعتبار ہوگا جو کہ وطی سے چھ ماہ تک ہے ورنہ نہیں، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اور امام اعظم اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر مدت کا اعتبار وقت نکاح سے چھ ماہ ہے جیسا کہ صحیح نکاح میں ہوتا ہے، نہر میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۴: چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ت) کہ ہندہ زوجہ بکر کسی تقریب خانگی میں بہت سی مستورات کے ہمراہ ایک مقام پر جہاں دروازہ پر پردہ لگا تھا موجود تھی، اور اس جلسہ میں زوجہ زید بھی تھی، زوجہ بکر دوپٹہ یا چادر زوجہ زید کا اتفاق سے اوڑھے تھی، وقت شب تھا، روشنی کافی جیسا کہ تقریبات میں قاعدہ ہے موجود تھی، دریں اثناء زید وہاں آیا اور ہندہ زوجہ بکر مذکورہ بالا اپنا منہ جو کھلا تھا باہر پردہ کے لائی کہ زید مذکور نے اس کا بوسہ رخسار پر لیا، ہندہ نے و دیگر عورات نے اس کا مواخذہ زید سے کیا، اس وقت زید نے روبرو جملہ اور پانچ سات ذکور عادل کے یہ عذر کیا کہ میں نے اپنی زوجہ کے دھوکا میں بوسہ لیا تھا بوجہ اس کے کہ زوجہ بکر یعنی ہندہ مذکور میری زوجہ کا چادر اوڑھے تھی اس دھوکا اور شبہہ سے بوسہ لیا تھا ہر گز دانستہ یہ فعل نہیں کیا، پس اب ہندہ مذکورہ کی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ ازروئے شرع شریف کے درست ہے یا نادرست؟ اس امر پر حکم فرما کر دستخط خاص سے جواب تحریر فرمایا جائے عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ثابت ہے کہ زید نے زوجہ بکر کا بوسہ بنظر شہوت لیا تو اس پر عورت کی سب اولاد ہمیشہ کے لیے زید پر حرام ہوگئی، کسی طرح اس کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، اور اگر نادانستہ نکاح کرلیا ہے فریقین پر واجب ہے کہ اسے فسخ کردیں ورنہ سخت گناہ گار ہوں گے۔ اور اگر شوہر فسخ پر راضی نہ ہو تو عورت بذات خود فسخ کرسکتی ہے **کمانص علیه فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ت) بلکہ امام محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن الہمام قدس سرہ العزیز نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں تصریح فرمائی ہے کہ جس طرح لبوں کا بوسہ لینا خواہی نخواہی بنظر شہوت قرار پائے گا یہاں تک کہ اگر وہ شخص ادعا کرے کہ یہ فعل مجھ سے بنظر شہوت نہ ہوا تو ہر گز قبول نہ کریں گے اور حکم حرمت ابدی دیں گے یہی حال بوسہ رخسار کا ہونا چاہئے کہ یہ بھی بشہوت ہی ٹھہرے گا اور

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

بوسہ لینے والے کاانکار مسموع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

وفی الفتح یترأای الحاق الخدین بالفم [1]۔	فتح میں ہے کہ رخسار بھی منہ سے ملحق قرار پائیں گے۔ (ت)

اس طور پر صورت مستفسرہ میں مطلقاً حکم حرمت ہے اور اگر زید انکار شہوت کرے مسموع نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۵: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ نواب پور مرسلہ نیاز اللہ خاں ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیامدت تک،اور پھراس کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا یہاں تک کہ دس برس تک اسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا۔اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کسی وقت کسی حال اس سے نکاح نہیں ہوسکتا کہ ماں کے ساتھ حلال خواہ حرام کسی طرح صحبت کرنے بلکہ صرف بشہوت ہاتھ لگانے یابوسہ لینے سے بیٹی ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوجاتی ہے اور بیٹی کے ساتھ ان معاملات سے ماں۔ درمختار میں ہے:

حرم ایضا بالصھریۃ اصل مزنیۃ اراد بالزناء الوط الحرام واصل ممسوستہ بشھوۃ والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن [2] اھملخصا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مزنیہ کی اصل بھی مصاہرۃ کے طورپر حرام ہوگئی زنا سے مراد حرام وطی ہے۔اور شہوت کے ساتھ مس شدہ عورت اور جس کی فرج داخل پر شہوت سے نظرپڑی ہو کی اصل اور ان کی فرع حرام ہوگی اھ ملخصا (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۶تا۱۸۸: از ٹاہ نگریا مرسلہ نیاز محمد خان ۱۲رجب ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) استاد کی بیٹی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) شاگرد اناث سے استاد کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۳) بھتیجے کا نکاح چچا کی بی بی سے درحالیکہ محارم سے نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

الجواب:

ان سب سے نکاح جائز ہے جبکہ محارم نہ ہوں۔قال اللہ تعالٰی: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [1] (محرمات مذکورہ کے ماسوا تمھارے لیے حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹: از اٹاوہ مکان قاضی مظفر علی صاحب ڈگری نویس منصفی مرسلہ شیخ دیدار بخش صاحب ۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

ہندہ کا نکاح نو برس کی عمر میں ہوا تھا، اس کا شوہر جو بالغ تھا تین ماہ بعد نکاح کے نینی تال کو چلا گیا وہاں اس نے اپنا نکاح کیا اور زوجہ ثانیہ سے اولاد ہوئی۔ ہندہ شوہر سے نان ونفقہ کی طالب ہوئی، اس نے کچھ التفات نہ کی، تب خواہان طلاق ہوئی، طلاق بھی نہ دی، بلکہ ایک عرصہ کے بعد زوجہ ثانیہ اور اولاد کو بھی چھوڑ کر کہیں چلا گیا، پانچ چار سال سے مفقود الخبر ہے، ہندہ اب اپنا دوسرا نکاح کیا چاہتی ہے، اس معاملہ میں بنظر حالات جو مسئلہ شرعی ہو فرمایئے، اب عمر ہندہ پچیس سال کی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

ہرگز یوں نکاح نہیں کر سکتی، قال اللہ تعالٰی: والمحصنٰت من النساء [2] (شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ت) اس پر لازم ہے کہ صبر وانتظار کرے یہاں تک کہ اس کے شوہر کی ولادت کو ستر برس گزر جائیں، اس کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے فی جواہر الاخلاطی یحکم بموتہ بعد سبعین سنۃ وعلیہ الفتوی [3] (جواہر الاخلاطی میں ہے: گم شدہ کی عمر کے ستر سال پورے ہونے کے بعد اس کی موت کا حکم کیا جائے گا۔ اسی پر فتوی ہے۔ت) ادعائے ضرورت وعذر جوانی حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔ بہت کمسن لڑکیاں کہ بیوہ ہو جاتی ہیں باتباع رسم ہنود عمر بھر نام نکاح نہیں لیتیں۔ اس وقت ضرورت وجوانی کدھر جاتی ہے۔ ہزاروں وہ ہیں جن کے شوہر زندہ موجود ہیں مگر ان کی طرف سے قطعًا برگشتہ وروگرداں، وہ اپنی عمر کیونکر کاٹتی ہیں! یہ جو بعض کا زعم ہے کہ چار سال گزرنے پر عورت کو نکاح ثانی کا اختیار امام مالک کے مذہب میں حاصل ہو جاتا ہے محض جہل۔ اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے ناواقفی ہے ان کا مذہب یہ ہے کہ عورت حاکم شرعی کے حضور مستغیثہ ہو وہ بعد ثبوت مفقودی روز مرافعہ سے چار سال کی مہلت دے۔ اس کے گزرنے پر قاضی تفریق کرے۔ اب عورت عدت پوری کرکے نکاح کر سکتی ہے

---

[1] القرآن ۲۴/۴

[2] القرآن ۲۴/۴

[3] جواہر الاخلاطی مسائل مفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۲

پیش از حکم قاضی شرع اگر بیس برس گزر گئے تو وہ معتبر نہیں **صرح بہ علماء المالکیۃ فی کتبھم** (مالکی علماء نے اپنی کتب میں اس کی تصریح کی۔ت) اس مسئلہ کی تفصیل جلیل فتاوائے فقیر کتاب المفقود میں ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالوحید غلام صدیق صاحب بہاری ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

حضرت مولانا اعزکم اللہ فی الدارین تسلیم، ایک شیعہ عورت سے سنی نے نکاح کیا آیا درست ہوگا یا نہیں؟ جلد فتوی مرتب فرماکر روانہ کیجئے ضرورت شدیدہ ہے۔ میری خاص رائے عدم مناکحت پر ہے۔ منکرین ضروریات دین کافر ہیں اور کفر کے سبب نکاح مسلمان سے کب درست ہے، **والسلام!**

الجواب:

شیعہ تین قسم ہیں:

اول غالی کہ منکر ضروریات دین ہوں، مثلاً قرآن مجید کو ناقص بتائیں، یاض عثمانی کہیں یا امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ خواہ دیگر ائمہ اطہار کو انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم خواہ کسی ایک نبی سے افضل جانیں یا رب العزت جل وعلا پر بدع یعنی حکم دے کر پشیمان ہونا، پچتا کر بدل دینا، یا پہلے مصلحت کا علم نہ ہونا بعد کو مطلع ہو کر تبدیل کرنا مانیں، یا حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تبلیغ دین متین میں تقیہ کی تہمت رکھیں **الی غیر ذلك من الکفریات** (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ت) یہ لوگ یقیناً قطعاً اجماعاً کافر مطلق ہیں اور ان کے احکام مثل مرتد، فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) آج کل کے اکثر بلکہ تمام رفاض تبرائی اسی قسم کے ہیں کہ وہ عقیدہ کفریہ سابقہ میں ان کے عالم جاہل مرد عورت سب شریک ہیں **الا ماشاء اللہ** (مگر جو اللہ تعالٰی چاہے۔ت) جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو مرتدہ ہے کہ نکاح نہ کسی مسلم سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کے ہم مذہب سے۔ جس سے نکاح ہوگا زنائے محض ہوگا اور اولاد ولد الزنا۔

دوم تبرائی کہ عقاید کفریہ اجماعیہ سے اجتناب اور صرف سَبّ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ارتکاب کرتا ہو، ان میں سے منکران خلافت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما اور انھیں برا کہنے والے فقہائے کرام کے نزدیک کافر و مرتد ہیں[2] **نص علیہ فی الخلاصۃ والھندیۃ وغیرھما** (خلاصہ اور ہندیہ میں اس پر نص ہے۔ت) مگر مسلک محقق قول متکلمین ہے کہ یہ بدعتی ناری جہنمی کلاب النار ہیں مگر کافر نہیں، ایسی عورت سے نکاح اگرچہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/۳۸۱

صحیح ہے مگر سخت کراہت شدیدہ سے مکروہ ہے۔

لما فی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتناکحوھم [1]۔	کیونکہ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ ان سے نکاح نہ کرو۔ (ت)

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے ناقہ کو لعنت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے چھڑوادیا کہ ملعونہ ناقہ پر ہمارے ساتھ نہ رہ۔ پھر کسی نے اس ناقہ کو نہ چھوا [2] حالانکہ ناقہ فی نفسہا مستحق لعنت نہیں۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر لعنت کرنے والے بلاشبہہ لعنت الٰہی کے مورد ہیں:

اولئك یلعنھم اللہ ویلعنھم اللاعنون [3]۔	یہ وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالٰی لعنت فرماتا ہے اور سب لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ (ت)

احادیث صحیحہ کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں تو ایک ملعونہ سے صحبت رکھنا کیونکر شرع مطہر کو گوارا ہوگا واللہ الہادی۔

سوم تفضیلی کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خیر سے یاد کرتا ہو خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی امامت برحق جانتا ہو صرف امیر المومنین مولٰی علی کو شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل مانتا ہو، انھیں کفر سے کچھ علاقہ نہیں بدمذہب ضرور ہیں ایسی عورت سے بالاتفاق نکاح جائز ہے ہاں کراہت سے خالی نہیں کہ مبتدعہ ہے اگرچہ ہلکے درجہ کی بدعت ہے خصوصاً اگر اس کی محبت میں اپنے مذہب پر اثر پڑنے کا احتمال ہو تو کراہت شدید ہوجائے گی اور ظن غالب تو اشد بالغ بدرجہ تحریم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: از احمد آباد گجرات محلہ کالپور متصل پور گلیان مرسلہ عبدالکریم صاحب ولد عبدالغنی صاحب ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا ابھی وہ عورت زندہ سلامت اس مرد کے نکاح میں موجود ہے اب وہی مرد اس عورت کے بھائی کی نواسی سے نکاح کرنا چاہتا ہے آیا یہ جمع کرنا درمیان عورت اور اس کی بھتیجی کی بیٹی کے حلال ہے یا حرام؟ بینوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا۔

الجواب:

حرام ہے، اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ جو دو عورتیں آپس میں محرم ہوں یعنی ان میں سے جس کو مرد فرض کیا جائے دوسری پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو ایسی دو عورتوں کو جمع کرنا جائز نہیں۔ یہاں ایسا ہی ہے کہ

---

[1] کنز العمال حدیث و موسسۃ الرسالۃ بیروت / و ۵۴۲

[2] صحیح مسلم باب النہی عن لعن الدواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۳

[3] القرآن ۲/ ۱۵۹

اگر منکوحہ اولٰی کو مرد فرض کرتے ہیں تووہ دوسری اس کے بھتیجے کی بیٹی۔اور جس طرح بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجے کی بیٹی،اور اگر اس دوسری کو مرد فرض کرتے ہیں تووہ پہلی اس کی ماں کی پھوپھی ہے اور جس طرح اپنی پھوپھی حرام ہے یونہی ماں کی۔بحر الرائق میں ہے:

الاصل ان کل امرأتین لو کانت احداھما ذکرا والاخری انثی لم یجز للذکر ان یتزوج الانثی فانہ یحرم الجمع بینھما بالقیاس علی حرمۃ الجمع بین الاختین [1]۔	قاعدہ یہ ہے کہ ایسی دو عورتیں جن میں سے ایک کو مرد فرض کیا جائے توان کاآپس میں نکاح جائز نہ ہو کیونکہ ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت دو بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت پر قیاس ہے۔(ت)

نقایہ اوراس کی شرح جامع الرموز میں ہے:

وحرم علی المرء اصلہ وفرعہ وفروع اصلہ القریب من الاخوات لاب وام اولاحدھما وبنا تھن وبنات الاخوۃ وان بعدت وصلبیۃ اصلہ البعید من عماتہ وخالاتہ لاب وام اولاحدھما وعما تھما اوعمات احدھما و ان علت وخالاتھما او خالات احدھما و ان علت [2]۔واللہ تعالٰی اعلم	مرد کی اصل اور اس کی اپنی اولاد اور اس کے ماں باپ کی اولاد یعنی بہنیں،صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے یادونوں کی طرف سے ہوں اور ان بھائیوں اور بہنوں کی اولاد خواہ نیچے تک ہو،اور اوپر والے ماں باپ یعنی دادا دادی اور نا نا نانی،اوپر تک کی صلبی اولاد،اس کی پھوپھیاں اور خالائیں،ماں باپ دونوں کی طرف سے یا ایک طرف سے ہوں،اور ماں باپ کی حقیقی پھوپھیاں اور خالائیں ہوں یا صرف ماں یا باپ کی طرف سے ہوں،خواہ اوپر تک ہوں سب اس پر حرام ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۲: از ضلع صاحب گنج گیا موضع کہراڈاکخانہ مخدوم پور مرسلہ شیخ نجم الدین حیدر صاحب ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے دو بیٹے حسن وحسین پیدا ہوئے،بعد وفات ہندہ کے زید نے حفصہ سے نکاح کیا اس زوجہ سے چند اولاد پیدا ہوئی اور حفصہ نے اپنی بیٹی زبیدہ کے ساتھ حسین کے بیٹے بکر کو دودھ پلایا،پس اس صورت میں بکر کا نکاح حسن کی بیٹی زاہدہ سے موافق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

[1] بحر الرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۹۵/۳

[2] جامع الرموز شرح نقایہ کتاب النکاح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۴۸تا۴۵۰

الجواب:

تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ زبیدہ دختر زید ہے اور یہ شیر حفصہ کہ بکر نے پیا زید ہی سے تھا، اگر صورت واقعہ یہی ہے تو بکر وزاہدہ میں نکاح حرام محض ہے کہ اس تقدیر پر بکر اپنے دادا زید کا بیٹا ہوا اور اس کا بیٹا حسن اس کا سوتیلا بھائی اور حسن کی بیٹی بکر کی سوتیلی بھتیجی، اور بھتیجی اگرچہ سوتیلی ہو چچا پر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعۃ مایحرم من الولادۃ [1]۔ رواہ الجماعۃ الا ابن ماجۃ عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	رضاعت سے سب رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو پیدائش (نسب) سے حرام ہیں، اس کو ابن ماجہ کے بغیر محدثین نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

یحرم علی الرضیع ابواہ من الرضاع واصولھما و فروعھما من النسب والرضاع جمیعا حتی ان المرضعۃ لو ولدت من ھذا الرجل اوغیرہ قبل ھذہ الارضاع اوبعدہ اوارضعت رضیعا او ولد الرجل من غیر ھذہ المرأۃ قبل ھذہ الارضاع او بعدہ اوارضعت امرأۃ من لبنہ رضیعا فالکل اخوۃ الرضیع واخواتہ واولادھم اولاد اخوتہ واخواتہ کذافی التھذیب [2]۔	دودھ پینے والے بچے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول وفروع نسبی ہوں یا رضاعی سب حرام ہوجاتے ہیں، حتی کہ دودھ پلانے والی عورت کا موجودہ خاوند سے یا کسی دوسرے سے، دودھ پلانے سے پہلے یا بعد کا بچہ ہو یا اس نے کسی بچے کو دودھ پلایا ہو، یا اس عورت کے خاوند کی کوئی اولاد اس عورت سے ہو یا کسی اور سے ہو۔ دودھ پلانے سے پہلے کی ہو یا بعد کی ہو، یا کسی عورت نے اس مرد سے اترے ہوئے دودھ کو کسی بچے کو پلایا ہو، تو یہ تمام، دودھ پینے والے بچے کے بہن بھائی ہوں گے، اور ان کی اولاد اس بچے کے بھتیجے اور بھانجے ہوں گے تہذیب میں یوں ہے۔ (ت)

تفسیر نیشاپوری میں ہے:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۳

بنات الاخوۃ من الرضاع کل انثی ولدھا ابن الفحل الذی منہ اللبن[1] اھ ملخصًا	رضاعی بھتیجیاں یہ تمام وہ لڑکیاں ہیں جو دودھ پلانے والی عورت کے اس خاوند کے بیٹے کی اولاد ہوں جس سے اس عورت کو دودھ اترا ہے۔اھ ملخصا (ت)

ہاں اگر حفصہ کے یہ دودھ زید سے نہ ہوتا تو بکر کی یہ رضاعت زاہدہ کو اس پر حرام نہ کرتی۔

لان الحسن وبکرا ح لم یشتر کافی ام ولااب فلم یکن الحسن الاعمہ وبنت العم یحل مالم یوجد مایمنع الحل۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ حسن اور بکر اس صورت میں ماں میں اور نہ ہی باپ میں شریک ہوئے، تو حسن بکر کے لیے صرف چچا ہوا۔اور چچا کی لڑکی اگر کوئی اور مانع نہ ہو تو حلال ہوتی ہے۔(ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳: از شہر کہنہ مسئولہ امیر حیدر صاحب ۹ رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ متعہ کی حرمت کس آیت وحدیث سے اہل سنت کے یہاں ثابت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ۚ﴿۷﴾[2]	وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کو بچائے ہوئے ہیں مگر اپنی بیبیوں یا اپنی شرعی کنیزوں پر کہ ان پر کچھ ملامت نہیں تو جو اس کے سوا کوئی اور راہ طلب کرے تو وہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

ظاہر ہے کہ زن ممتوعہ نہ اس کی بی بی ہے نہ کنیز شرعی، تو یہ وہی تیسری راہ ہے جو خدا کی باندھی ہوئی حد سے جدا اور حرام وگناہ ہے۔رب تبارک وتعالٰی مردوں سے فرماتا ہے:

مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ وَلَا مُتَّخِذِیۡۤ اَخۡدَانٍ ؕ[3]	نکاح کرو بی بی بنا کر، قید میں رکھنے کو نہ پانی گرانے نہ آشنا بنانے کو۔

عورتوں سے فرماتا ہے: مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ۚ[4] قید میں آتیاں نہ مستی نکالتیاں نہ یار بناتیاں

---

[1] غرائب القرآن (تفیسر نیشاپوری) بیان ان نکاح الامہات والبنات الخ مصطفی البابی مصر ۸/۵

[2] القرآن ۲۳/۷۔۶۔۵

[3] القرآن ۵/۵

[4] القرآن ۴/۲۵

ظاہر ہے کہ متعہ بھی مستی نکالنے پانی گرانے کا صیغہ ہے۔نہ قید رکھنے بی بی بنانے کا، صحیح مسلم شریف میں حدیث حضرت سبرہ بن معبدہ جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یاایھاالناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع من النساء وان اللہ عزوجل قد حرم ذٰلك الی یوم القیامة[1]۔	اے لوگو! میں نے پہلے تمھیں اجازت دی تھی عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی،اور اب بیشک اللہ عزوجل نے اسے حرام کردیا قیامت تک۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن متعة النساء یوم خیبر وعن لحوم الحمر الانسیة[2]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے دن عورتوں سے متعہ اور گدھے کا گوشت حرام فرمادیا۔

جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال انما کانت فی اول الاسلام کان الرجل یقدم البلدة لیس لہ معرفة فیتزوج المرأة بقدر مایری انہ یقیم فتحفظ لہ متاعہ وتصلح لہ شانہ حتی اذا نزلت الاٰیة الاعلی ازواجھم اوماملکت ایمانھم قال ابن عباس فکل فرج سواھما فھو حرام[3]۔	متعہ ابتدائے اسلام میں تھا مرد کسی شہر میں جاتا جہاں کسی سے جان پہچان نہ ہوتی تو کسی عورت سے اتنے دنوں کے لیے عقد کرلیتا جتنے روز اس کے خیال میں وہاں ٹھہرنا ہوتا، وہ عورت اس کے اسباب کی حفاظت اس کے کاموں کی درستی کرتی، جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی کہ سب سے اپنی شرمگاہیں محفوظ رکھو سوا بیبیوں اور کنیزوں کے اس دن سے ان دو کے سوا جو فرج ہے وہ حرام ہو گئی۔

حازمی کتاب الناسخ والمنسوخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی غزوہ تبوک میں ہم نے کچھ عورتوں سے متعہ کیا۔

فجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے

[1] صحیح مسلم باب نکاح المتعة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۱

[2] صحیح بخاری باب النھی عن نکاح المتعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۷

[3] جامع الترمذی باب ماجاء فی نکاح المتعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۱۸۱

فنظر الیھن وقال من ھؤلاء النسوۃ، قلنا یارسول اللہ نسوۃ تمتعنا منھن، قال فغضب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی احمرت وجنتاہ، وتمعر وجھہ وقام فینا خطیبا، فحمد اللہ واثنٰی علیہ ثم نھٰی عن المتعۃ [1]۔	انھیں دیکھا اور فرمایا یہ عورتیں کون ہیں؟ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! ان سے ہم نے متعہ کیا ہے، یہ سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غضب فرمایا، یہاں تک کہ دونوں رخسارہ مبارک سرخ ہوگئے اور چہرہ انور کا رنگ بدل گیا، خطبہ فرمایا اللہ تعالٰی کی حمد وثناء بیان کی پھر متعہ کا حرام ہونا بیان فرمایا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: از ملک بنگالہ شہر چاٹگام کاکس بازار مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندرینکہ نکاح کردن زوجہ برادر حقیقی صغیر خود جائز ست یانہ؟ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹے سگے بھائی کی بیوی سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جائز ست بالاتفاق بعد افتراق بموت یا طلاق برادر اصغر باشد یا اکبر۔ قال اللہ عزوجل، واحل لکم ماوراء ذالکم [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	چھوٹے یا بڑے بھائی کے طلاق دینے یا فوتیدگی کے سبب جدائی کے بعد بالاتفاق جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا محرمات مذکورہ کے سوا تمہارے لیے حلال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] نصب الرایہ بحوالہ الحازمی کتاب النکاح المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا ریاض الشیخ ۱۷۹/۳

[2] القرآن ۲۴/۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزنا ۱۳۱۵ھ

(زنا سے حرمت مصاہرہ کے ثبوت میں تحقیق جلیل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۹۵: از بہار محلّہ محلّی پر مرسلہ سید محمد عبدالسبحان صاحب حنفی دوم شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

وبار دوم از ملک بنگالہ ضلع ڈھاکہ ڈاکخانہ امیر آباد موضع بیر کاندب مرسلہ محمد زینت علی صاحب ۱۰ شوال مکرم ۱۳۲۵ھ

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ دامت برکاتہم، آداب وتسلیم، عرض ہے ایک بات کا جھگڑا بہار شریف میں حضرات حنفیّہ سلمہم اللہ ووہابیہ خذلہم اللہ کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ اس کا جواب جلد تر روانہ فرمائیے، زید نے اپنی ساس سے زنا کیا اور اس کی بی بی کو اس کا علم تھا تو اب زید پر وہ بی بی حرام ہوئی یا نہیں؟ اور اگر حرام ہوئی تو ضرورت طلاق دینے کی ہے یا نہیں؟ دوسرے وہ بی بی باوجود علم کے اپنے شوہر زید کے ساتھ رہی اور زید بھی وطی حسب دستور کرتا رہا اور بی بی سے اولاد بھی ہوئی تو وہ اولاد بعد فوت زید یا بی بی زید کے ترکہ کی مستحق ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق من الطین بشرا	تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مٹی سے بشر کو

وجعل لہ نسبا وصھرا وافضل الصلٰوۃ والسلام علی سیدنا الانام واٰلہ الکرام وصحبہ العظام علی الدوام۔	پیدا فرمایا اور اس کے لیے نسب اور رشتہ ازدواج بنایا، بہترین صلٰوۃ وسلام کائنات کے آقا اور اس کی برگزیدہ آل اور اس کے صحابہ عظام پر، دائمی ہو۔ (ت)

زوجہ زید اس پر حرام ہو گئی اگرچہ اسے اس واقعہ شنیعہ کا علم بھی نہ ہوتا **اقول: وباللہ التوفیق** اس کی دلیل جلیل قول مولٰی عزوجل وتبارک وتعالٰی ہے:

وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ[1]۔	تم پر حرام کی گئیں تمھاری گود کی پالیاں ان عورتوں کی بیٹیاں جن سے تم نے صحبت کی پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ میں زن مدخولہ کی بیٹی حرام فرمائی اور جس طرح وصف الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرط حرمت نہیں۔ مثلاً زید کسی پچیس سال والی عورت سے نکاح کرے اور اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک بیٹی چار دہ سالہ ہو جسے گود میں پالنا درکنار زید نے آج سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو کیا زید کو حلال ہو سکتا ہے کہ اس کی لڑکی سے بھی نکاح کرلے اور مادر دختر دونوں کو تصرف میں لائے لاالٰہ الا اللہ یہ ہرگز شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں۔ اسی طرح وصف نِسَآئِكُمْ یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں، کیا لیلٰی وسلمٰی ماں بیٹی دونوں جس کی کنیز شرعی ہوں اسے حلال ہے کہ دونوں سے جماع کیا کرے، مادر ودختر دونوں ایک پلنگ پر، عیاذاً باللہ، یہ شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کس درجہ بعید ہے۔ حالانکہ ہرگز کنیزیں نِسَآئِكُمْ میں داخل نہیں نہ ان کی بیٹیوں پر رَبَآئِبُكُمْ صادق، غالباً ان حراموں کو حلال بتاتے ہوئے غیر مقلد صاحب بھی شرم کریں، توثابت ہوا کہ نکاح جس طرح بحکم تمہ آیت فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ تحریم دختر کے لیے کافی نہیں، یونہی شرط وضروری بھی نہیں یعنی نہ وہ علت ہے، نہ جزء علت اب آیہ کریمہ میں نہ رہا مگر الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی، معلوم ہوا صرف اس قدر علت تحریم ہے اور یہ قطعاً مزنیہ میں بھی ثابت کہ وہ ایک عورت ہے جس کے ساتھ اس نے صحبت کی، لاجرم بحکم آیت اس کی بیٹی اس پر حرام ہو گئی، نظیر اس کی اسی بیان محرمات میں ہے قولہ عزشانہ ہے۔ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ[2] حرام کی گئیں تم پر تمھارے ان بیٹوں کی جورو ئیں جو تمھاری پشت سے ہیں کہ جس طرح الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ یعنی بیٹے کا اس کی پشت سے ہونا اخراج متبنی کے لیے ہے نہ کہ اخراج وغیرہ و

[1] القرآن ۲۳/۴

[2] القرآن ۲۳/۴

بنسہ کے واسطے، یونہی وصف حلائل یعنی بیٹے کی جورو ہونا بھی ملحوظ نہیں، بیٹے کی کنیز مدخولہ بھی ضرور حرام ہے اور وہ لفظ حلیلہ میں داخل نہیں، اور اگر اشتقاقی معنی لیجئے جو بیٹے پر حلال ہے تو اب عموم تحریم صحیح نہ رہے گا کہ بیٹے کی کنیز مطلقاً حرام نہیں جب تک مدخولہ نہ ہو، یہی حال وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ [1] کا ہے کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری عورتوں کی مائیں، یہاں پر بھی وصف زوجیت قید نہیں کہ کنیز مدخولہ کی ماں بھی بدلیل مذکور بالاتفاق حرام، بعینہٖ اسی دلیل سے وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ [2] (اپنے باپوں کی منکوحہ بیویوں سے نکاح نہ کرو۔ت) میں اگر نکاح بہ معنی عقد لیجئے تو عقد غیر قید اور بمعنی وطی لیجئے تو وہ ہمارا عین مذہب، بالجملہ ان سب مواضع میں مطمع نظر صرف مدخولہ ہونا ہے اگرچہ بلانکاح وبس، اب **دخلتم بھن** میں مولیٰ عزوجل نے دخول حلال وحرام کی کوئی قید ذکر نہ فرمائی اور اس کے اطلاق میں دونوں داخل، تو جو مدعی تخصیص ہو دلیل پیش کرے اور دلیل کہاں بلکہ دلیل اس کے خلاف پر قائم، کیا جس نے اپنی منکوحہ سے صرف حالت حیض یا نفاس یا صوم یا اعتکاف یا احرام میں صحبت کی، اس کی بیٹی اس پر قطعاً اجماعاً حرام نہ ہوئی حالانکہ یہ دخول حرام تھا بلکہ علمائے کرام نے بہت وہ صورتیں ذکر فرمائیں جن میں دخول تو دخول، عورت ہی کو اس کے لیے حلال نہیں کہہ سکتے اور اس سے وطی بالاتفاق موجب تحریم دختر موطوءہ ہو جاتی ہے مثلاً ایک کنیز دو مولیٰ میں مشترک ہے ان میں سے جو اس سے مقاربت کرے گا دختر کنیز اس پر حرام ہو جائے گی، یونہی اپنے پسر کی کنیز یا اپنی کنیز کافرہ غیر کتابیہ یا اپنی اس عورت سے مجامعت جس سے ظہار کیا اور کفارہ نہ دیا، یہ سب بالاتفاق ان عورتوں کی بنات کو حرام کر دیتی ہے حالانکہ یہ عورات سرے سے خود ہی حلال نہ تھیں۔

اقول: ان مسائل سے زن مظاہرہ تو استناد بالاتفاق کا بھی محتاج نہیں کہ اس پر خود قرآن عظیم دلیل شافی، ظہار بنص قرآن مزیل نکاح نہیں تو زن مظاہر بلاشبہہ **نسائکم** میں داخل، اور بعد وطی **دخلتم بھن** بھی حاصل، تو قطعاً اس کی دختر کو حکم حرمت شامل، زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور قبل صحبت ظہار کر لیا بعدہ مشغول بجماع ہوا اور کفارہ نہ دیا، کیا اس صورت میں اسے روا ہے کہ ہندہ کی بیٹی سے بھی نکاح کرلے، حاش للہ یہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں، حالانکہ بعد ظہار عورت بنص قرآن اس پر حرام ہو گئی اور جب تک کفارہ نہ دے اسے ہاتھ لگانا جائز نہ تھا، تو ثابت ہوا کہ نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے اور حاصل آیت کریمہ یہ کہ جس عورت سے تم نے کسی طرح صحبت کی اگرچہ بلانکاح اگرچہ بروجہ حرام، اس کی بیٹی تم پر حرام ہو گئی، یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب، اور یہی اکابر صحابہ کرام مثل حضرت امیر المومنین عمر فاروق وحضرت علامہ صحابہ عبداللہ بن مسعود وحضرت عالم القرآن عبداللہ بن عباس وحضرت اقرؤ الصحابہ

---

[1] القرآن ۴/۲۳

[2] القرآن ۴/۲۴

ابی بن کعب وحضرت عمران بن حصین وحضرت جابر بن عبداللہ وحضرت مقتیہ چار خلافت صدیقہ بنت الصدیق محبوبہ رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وجماہیر ائمہ تابعین مثل حضرات امام حسن بصری وافضل التابعین سعید بن المسیب وامام اجل ابراہیم نخعی وامام عامر شعبی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سلیمن بن یسار وامام حماد اور اکابر مجتہدین مثل امام عبدالرحمان اوزاعی وامام احمد بن حنبل و امام اسحٰق بن راہویہ اور ایک روایت میں امام مالک بن انس کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

اقول معہذا نکاح معنی وطی میں حقیقت ہے یا مجاز متعارف قال قائلہم (شاعر نے کہا)۔

التارکین علی طہر نساءھم والناکحین بشطے دجلۃ البقرا

(بیویوں کو طہر کی حالت میں چھوڑنے والے دجلہ کے کنارے گائے سے وطی کرتے ہیں۔ت)

وقال آخر (ایک دوسرے شاعر نے کہا)۔

کبکر تحب لذیذ النکاح وتھرب من صولۃ الناکح

(باکرہ کی طرح کہ وہ جماع کی لذت کو پسند کرتی ہے اور خاوند کے حملہ سے فرار کرتی ہے۔ت)

تو کریمہ "**لاتنکحوا مانکح آباؤکم**" (اپنے باپوں کی منکوحہ عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ت) میں لااقل محتمل تو ضرور اور امر فرج میں احتیاط واجب، تو جانب تحریم ہی غالب، بلکہ اصل فرج میں حرمت ہے۔تو جب تک حل ثابت نہ ہو حرمت ہی پر حکم ہوگا پھر مصاہرت مصاہرت میں فرق نہیں تو نفس جماع ہی اگرچہ بروجہ حرام بلانکاح ہو علت تحریم رہے گا۔

ولعلک ان رجعت کلماتھم دریت ان تقریر الدلیل علی ھذا الوجہ احسن مماقیل اذلایرد علیہ ماافادہ فی الفتح بل ھو اصح عندی من کلام الاول ایضا کما یرشدک الیہ ماذکرتہ ھٰھنا علی ھامشہ وباللہ التوفیق۔	ہوسکتا ہے کہ جب آپ فقہاء کرام کے کلام کی طرف رجوع کریں تو سمجھ جائیں کہ دوسرے قول کے مقابلہ میں دلیل کی یہ تقریر زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس پر فتح کا بیان کردہ اعتراض نہ ہوگا۔بلکہ میرے نزدیک یہ پہلے کلام سے بھی اصح ہے جیسا کہ اس کے حاشیہ پر یہاں میرا ذکر کردہ بیان تیری رہنمائی کرے گا۔اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے۔(ت)

مخالف کے پاس اس کی حلت پر کوئی دلیل نہیں مگر حدیث **لایحرم الحرام الحلال**[1] حرام حلال کو حرام

---

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی باب الزنا لایحرم الحلال دارصادر بیروت ۱۶۹/۷

نہیں کرتامگر یہ حدیث کس طرح مخالف کی دلیل ہوسکے جبکہ سخت ضعیف وساقط و نا قابل احتجاج ہے۔ بیہقی بآنکہ انتصار شافعیت میں اہتمام شدید رکھتے ہیں اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرکے تضعیف کردی **کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر**[1] (جیسا کہ جامع صغیر کی شرح تیسیر میں ہے۔ت)

اقول: دلیل ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت **کما تقدم** (جیسا کہ گزرا۔ت) اگر اس باب میں خود ارشاد اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنے ہوتے تو خلاف کے کیا معنی تھے لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے نہ اثر ام المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے **کما فی الفتح**[2] (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں عثمٰن بن عبدالرحمٰن وقاصی ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔امام بخاری نے فرمایا ترکوہ[3] محدثین نے اسے متروک کردیا۔امام ابوداؤد نے فرمایا **لیس بشیئ**[4] کوئی چیز نہیں۔امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف[5] فرمایا۔نسائی ودارقطنی نے کہا متروک[6] ہے۔ حتی کہ امام یحیٰی بن معین نے فرمایا **یکذب**[7] جھوٹ بولتا ہے۔

اقول: یہی عثمٰن حدیث ام المومنین صدیقہ کا بھی راوی ہے۔روایت ابن حبان **کتاب الضعفاء** میں یوں ہے:

حدثنا الحسن بن سفٰین نا اسحٰق بن بہلول نا عبداللہ بن نافع نا المغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمۃ عن عثمان بن عبدالرحمٰن عن	ہمیں حدیث بیان کی حسن بن سفیان نے انھوں نے اسحاق بن بہلول سے،انھوں نے عبداللہ بن نافع سے،انھوں نے مغیرہ بن اسمٰعیل بن ایوب بن سلمہ سے،انھوں نے عثمان بن عبدالرحمان سے،انھوں نے امام ابن شہاب زہری سے، انھوں نے

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف لا مکتبہ امام شافعی ریاض سعودیہ ۲/۵۰۴

[2] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۲۸

[3] کتاب الضعفاء الصغیر مع التاریخ الصغیر باب العین مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل ص ۲۷۰،میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۳/۴۳

[4] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۲۸

[5] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفہ بیروت ۳/۴۳

[6] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفہ بیروت ۳/۴۳

[7] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفہ بیروت ۳/۴۳

ابن شھاب الزھری عن عروہ عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الرجل یتبع المرأۃ حراما اینکح ابنتہا اویتبع الابنۃ حراما اینکح امہا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال انما یحرم ماکان بنکاح حلال۔	عروہ سے۔انھوں نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے،انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا گیا کہ کوئی شخص کسی عورت سے حرامکاری کرے تو کیا وہ اس عورت کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرسکتا ہے۔تو آپ نے فرمایا حرام،حلال کو حرام نہیں بناتا۔حلال نکاح ہی حرام بناتا ہے۔(ت)

ابن حبان نے اسے روایت کرکے کہا:

عثمان بن عبدالرحمان ھو الوقاصی یروی عن الثقات الاشیاء الموضوعات لایجوز الاحتجاج بہ[1]	عثمان بن عبدالرحمان وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں۔

ہاں سنن ابن ماجہ میں روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں آئی:

حدثنا یحیی بن معلی بن منصور ثنا اسحق بن محمد الفروی ثنا عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایحرم الحرام الحلال[2]۔	ہمیں حدیث بیان کی یحیٰی بن معلّٰی بن عثمان بن منصور نے انھوں نے اسحٰق بن محمد فروی سے انھوں نے نافع سے انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں بناتا(ت)

اولا اس میں اسحٰق بن ابی فروہ متکلم فیہ ہیں،امام عبدالحق نے احکام میں حدیث کو ذکر کرکے فرمایا: فی اسنادہ اسحٰق بن ابی فروہ وھو متروک[3] (اس کی سند میں اسحاق بن ابی فروہ ہے اور وہ متروک ہے،**نقلہ عنہ المحقق فی الفتح** (اسے فتح میں شیخ محقق نے اس سے نقل کیا ہے۔ت) امام ابوالفرج نے

---

[1] العلل المتناہیہ بحوالہ ابن حبان حدیث ۱۰۳۱ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲/ ۱۳۶

[2] سنن ابن ماجہ باب لایحرم الحرام الحلال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۶

[3] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۸

علل متناہیہ میں فرمایا:

قد رواہ اسحق بن محمد الفروی عن عبداللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحرم الحرام الحلال قال یحیٰی الفروی کذاب وقال البخاری ترکوہ[1]۔ انتہی۔	یعنی یہ حدیث اسحق بن محمد فروی نے بسند خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، امام یحیٰی بن معین نے فرمایا: فروی کذاب ہے۔ امام بخاری نے فرمایا محدثین کے نزدیک متروک ہے۔ انتہی

وانا اقول: وباللہ التوفیق سبحٰن من لاینسی (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے پاک ہے وہ ذات جو بھولتی نہیں۔ت) حافظین جلیلین عبدالحق وابی الفرج کو التباس واقع ہوا اسحق بن ابی فروہ خواہ اسحق فروی۔ دو ہیں: ایک اسحق بن عبداللہ بن ابی فروہ تابعی معاصر وتلمیذ امام زہری رجال ابوداؤد، وترمذی وابن ماجہ ہے۔ یہی متروک ہے، اسی کو امام بخاری نے ترکوہ فرمایا کما فی تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال وغیرھما (جیسا کہ تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال وغیرہما میں ہے۔ت) تہذیب التہذیب میں ہے: قال ابو زرعۃ وجماعۃ متروک[2] ابو زرعہ اور ایک جماعتِ ائمہ نے فرمایا: متروک ہے۔ت) میزان میں ہے؛

لم اراحدامشاہ وقال ابن معین وغیرہ لایکتب حدیثہ[3]۔	میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ اسے رواں کیا یعنی اس کی روایت کو کچھ بھی معتبر سمجھا ہو۔ امام ابن معین وغیرہ نے فرمایا اس کی حدیث لکھی تک نہ جائے۔

دونوں کتابوں میں ہے:

نھی احمد بن حنبل عن حدیثہ وقال ابراھیم الجوزجانی سمعت احمد بن حنبل یقول لاتحل الروایۃ عندی عن اسحٰق	امام احمد بن حنبل نے اس کی حدیث نقل کرنے سے منع فرمایا: ابراہیم جوزجانی نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل کو فرماتے سنا کہ میرے نزدیک اسحق بن ابی فروہ

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۰ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۳۶/۲

[2] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ مجلس دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۲۴۱/۱

[3] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱۹۳/۱

بن ابی فروہ [1]۔	سے روایت حلال نہیں۔

امام ترمذی نے ابواب الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل میں حدیث:

القاتل لایرث [2] بطریق اسحق بن عبداللہ عن الزھری عن حمید بن عبدالرحمن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، روایت کرکے فرمایا ھذا حدیث لا یصح واسحق بن عبداللہ بن ابی فروۃ قد ترکہ بعض اھل العلم منھم احمد بن حنبل [3]۔	قاتل وارث نہیں ہوگا، اس حدیث کو اسحٰق بن عبداللہ، انھوں نے زہری انھوں نے حمید بن عبدالرحمٰن انھوں نے حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے فرمایا یہ حدیث صحیح نہیں کہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابو فروہ کو بہت سے اہل علم نے متروک قرار دیا ہے ان میں سے امام احمد بن حنبل ہیں۔(ت)

ابوالفرج نے موضوعات میں حدیث:

الصبحۃ تمنع الزرق [4] بطریق اسمعیل بن ابی عیاش عن ابی فروۃ عن محمد بن یوسف عن عمرو بن عثمن بن عفان عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرکے کہا ھذا حدیث لایصح وابن ابی فروۃ متروک [5] (ملخصا)	الصبحۃ تمنع الزرق (صبح کو سونا زرق کی (برکت) کے لیے مانع ہے) والی حدیث کو اسماعیل بن عیاش انھوں نے ابن ابی فروہ انھوں نے محمد بن یوسف انھوں نے عمرو بن عثمان بن عفان انھوں نے اپنے والد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرکے کہا یہ صحیح نہیں کیونکہ ابن ابی فروہ متروک ہے ملخصا(ت)

امام خاتم الحفاظ نے لآلی میں اس پر تقریر فرمائی اور تعقبات میں بھی اس جرح پر جرح کی، غرض یہ بالاتفاق متروک ہے مگر یہ قدیم ہے ۱۳۶ھ میں انتقال کیا قالہ ابن ابی فدیک [6] (یہ ابن ابی فدیک نے کہا ہے۔ت) یا ۱۴۴ھ میں کماقالہ ابن سعد وغیرہ واحمد وھذا ھو الصحیح [7] کمافی تہذیب

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۳، تہذیب التہذیب ترجمہ ۴۴۹ حیدرآباد دکن ۱/۲۴۱
[2] جامع الترمذی باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۳۲
[3] جامع ترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء فی ابطال میراث القاتل امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۳۲
[4] موضوعات ابن جوزی کتاب النوم نوم الصبحۃ دار الفکر بیروت ۳/۶۸
[5] موضوعات ابن جوزی کتاب النوم نوم الصبحۃ دار الفکر بیروت ۳/۶۸
[6] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/۲۴۲
[7] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد بھارت ۱/۲۴۲

التہذیب (جیسا کہ اس کو ابن سعد اور بہت سے حضرات نے بیان کیا ہے یہی صحیح ہے جیساکہ تہذیب التہذیب میں ہے۔ت) یحیٰی بن معلّٰی نے کہ طبقہ حادیہ عشرہ سے ہیں اسے کہاں پایا۔

دوم اس کے بھائی کے پوتے اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ یہ تبع تابعین سے بھی نہیں، ان کے تلامذہ سے ہیں، رجال بخاری وترمذی وابن ماجہ سے، امام بخاری کے استاذ ہیں، ۲۲۶ھ میں انتقال کیا یہ ہر گز متروک نہیں، امام بخاری نے خود جامع صحیح میں ان سے روایت کی تو وہ ان کی نسبت "ترکوہ" کیونکر فرماتے، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، اور ابو حاتم وغیرہ نے صدوق کہا، البتہ کلام سے خالی یہ بھی نہیں، امام نسائی نے کہا ثقہ نہیں، امام دارقطنی نے کہا ضعیف ہیں، ائمہ مجتہدین امام بخاری پر ان سے روایت کرنے میں معترض ہیں، امام ابو حاتم نے کہا مضطرب الحدیث ہیں آنکھیں جانے کے بعد بارہا ہوتا کہ جیسا کوئی سکھادیتا ویسے ہی روایت کرنے لگتے۔ عقیلی نے کہا امام مالک سے بکثرت وہ حدیثیں روایت کیں جن پر ان کا کوئی متابع نہیں، امام ابوداؤد نے سخت ضعیف کہا، امام الشان نے فرمایا آنکھیں جاکر حفظ خراب ہوگیا تھا، امام حافظ عبدالعظیم منذری کی ترغیب میں ہے:

اسحق بن محمد بن اسمعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق روی عنه البخاری فی صحیحه، وقال ابوحاتم وغیرہ صدوق، وذکرہ ابن حبان فی الثقات ووھاہ ابوداؤد وقال النسائی لیس بثقة[1]۔	اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق ہے، اس سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور ابوحاتم وغیرہ نے کہا یہ صدوق ہے، اس کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس کو کمزور بتایا ہے اور نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے۔(ت)

میزان الاعتدال میں ہے:

ھو صدوق فی الجملة، صاحب حدیث، قال ابوحاتم صدوق ذھب بصرہ فربما لقن وکتبه صحیحة، وقال مرة مضطرب، وقال العقیلی جاء عن مالک باحادیث کثیرة لایتابع عن مالک باحادیث کثیرة لایتابع علیھا، وذکرہ ابن حبان فی	وہ مجموعی طور پر صدوق ہے اور صاحب حدیث ہے، ابوحاتم نے کہا یہ صدوق ہے اور اس کی نظر ضائع ہوگئی تھی اور بعض اوقات دوسرے کی بات مان لیتا تھا اور اس کی کتب حدیث صحیح ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے، اور عقیلی نے کہا کہ اس نے امام مالک سے کثیر روایات ذکر کیں لیکن ان کی

[1] الترغیب والترہیب باب ذکر الرواۃ المختلف فیھم الخ مصطفی البابی مصر ۵۶۷/۴

الثقات، وقال النسائی لیس بثقه، وقال الدارقطنی لا یترک، وقال ایضا ضعیف قدروی عنه البخاری و یوبّخونه علی ھذا، وکذا ذکرہ ابوداؤد ووھاہ جدا[1]۔	تائید نہ ہوئی، اور اس کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے، اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک نہیں، اور ضعیف بھی کہا ہے، اور بخاری نے اس سے روایت کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری پر طعن بھی ہوا ہے، ابوداؤد نے یوں ہی کہا اور اس کو بہت کمزور قرار دیا۔ (ت)

تقریب میں ہے: صدوق، کف فساء حفظه[2] (صدوق ہے۔ اس کا حفظ کمزور ہوگیا تھا۔ ت) تہذیب التہذیب میں ہے: قال البخاری مات ۲۳۶ھ[3] (امام بخاری رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ ۲۳۶ میں فوت ہوا۔ ت) پر ظاہر کہ اس حدیث کے راوی یہی اسحق بن محمد فروی متکلم فیہ ہیں نہ کہ وہ اسحق بن عبداللہ فروی متروک، بہر حال ایک موضع کلام تو اس کی سند میں یہ ہے۔

ثانیاً اقول: دوسرا محل کلام اسحق مذکور کے شیخ عبداللہ میں ہے ائمہ محدثین کا ان میں کلام معروف ہے، امام ترمذی نے باب فیمن یستیقظ بللاولایذکر احتلاما (باب جو نیند سے بیدار ہو کر کپڑے پر رطوبت پائے مگر احتلام یاد نہ ہو۔ ت) میں ایک حدیث ان سے روایت کرکے فرمایا:

عبداللہ ضعفه یحیٰی بن سعید من قبل حفظه فی الحدیث[4]۔	عبداللہ کو امام یحیٰی بن سعید قطان نے نقصانِ حافظہ کی رو سے حدیث میں ضعیف بتایا۔

اسی کے ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل (ابواب الصلوٰۃ، باب اول وقت کی فضیلت کے بیان میں۔ ت) میں ہے:

عبداللہ بن عمر العمری لیس ھو بالقوی عند اھل الحدیث[5]۔	عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک چنداں قوی نہیں۔

امام نسائی نے کہا قوی نہیں، امام علی بن مدینی نے کہا ضعیف ہیں، ابن حبان نے کہا:

کان ممن غلب علیه الصلاح والعبادۃ حتی	صلاح وعبادت نے ان پر یہاں تک غلبہ کیا کہ حفظِ

---

[1] میزان الاعتدال حرف الالف ترجمہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۹۹

[2] تقریب التہذیب حرف الالف ترجمہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۸۴

[3] تہذیب التہذیب حرف الالف ترجمہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد بھارت ۱/۲۴۸

[4] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب فیمن یستیقظ ویری بللا الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۶

[5] جامع الترمذی باب ماجاء فی الوقت الاول الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۲۴

غفل عن حفظ الاخبار وجودۃ الحفظ للآثار فلما فحش خطؤہ استحق الترک[1]۔	احادیث سے غافل ہوئے حدیثیں خوب یاد نہ رہیں جب خطا بکثرت واقع ہوئی ترک کے مستحق ہوگئے۔

امام احمد ویحیٰی سے ان کی توثیق کے اقوال بھی ہیں مگر قول فیصل یہ قرار پایا کہ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا:

ضعیف عابد[2] (کمزور عابد ہے۔ت)

ثالثاً اقول اس حدیث سے جواب کو وہی آیہ کریمہ ومسئلہ زن مظاہرہ کافی ظہار میں جماع حرام تھا پھر اس نے مظاہرہ کی دختر حلال کو کیونکر حرام کردیا۔

رابعاً یہ حدیث جس طرح ابن ماجہ نے روایت کی کہ اگر کچھ قابل ذکر ہے تو یہی۔اگر اس کے ضعف سند سے قطع نظر بھی کی جائے تو اس میں کوئی قصہ سوال اس حدیث متروک وساقط کی طرح نہیں صرف اتنا بیان ہے کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، یہ اپنے ظاہر پر تو یقیناً صحیح نہیں، کیا اگر قلیل پانی یا گلاب میں شراب یا پیشاب ڈال دیں تو اسے حرام نہ کردیں گے!

اقول کیا کوئی اگر زنا سے جنب ہو تو اسے نماز وقرات ودخول مسجد وطواف کعبہ کہ حلال تھے حرام نہ ہوجائیں گے! کیا اگر کوئی ظالم کسی مظلوم کی بکری کا گلا گھونٹ کر مار ڈالے تو اس کا یہ فعل کہ اگر اپنے مال کے ساتھ ہوتا جب بھی بوجہ اضاعت مال حرام تھا اور مال غیر کے ساتھ ظلما حرام در حرام اس حلال جانور کو حرام نہ کردے گا! کیا اگر کوئی شخص اپنی عورت کو ایک ہفتہ میں تین طلاقیں دے خصوصاً ایام حیض میں تو اس فعل حرام در حرام سے وہ زن حلال اس پر حرام نہ ہوجائے گی! صدہا صورتیں ہیں جن میں حرام حلال کو حرام کردیتا ہے، تو یہ اطلاق کیونکر مراد ہوسکتا ہے،لاجرم تاویل سے چارہ نہیں کہ حرام من حیث ہو حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔

اقول یعنی بول وشراب نے جو آب وگلاب کو حرام کیا نہ بوجہ اپنی حرمت کے بلکہ اس جہت سے کہ یہ نجس تھے اس سے مل کر اسے بھی نجس کردیا،اب اس کی نجاست باعث حرمت ہوئی اور اگر کوئی شیئ طاہر حرام کسی حلال میں ایسی مل جائے کہ تمیز ناممکن ہو تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ حلال خود حرام ہوگیا بلکہ حلال اپنی حلت پر باقی ہے اور مخلوط کا تناول اس لیے ناجائز کہ بوجہ اختلاط اس کا تناول تناول حرام سے خالی نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر جدا ہوسکے اور جدا کرلیں تو حلال بدستور اپنی حلت پر ہو کما **لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) یونہی زنا سے نماز وغیرہ کو اس حیثیت سے حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں کیا دخل، بلکہ اس حیثیت سے کہ وہ

---

[1] میزان الاعتدال حرف العین ترجمہ دار المعرفہ بیروت ۲/ ۴۶۵

[2] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ ۰۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵۱۶

فرج مشتہی میں ایلاج مشتہی ہے **وقس علی ذلک البواقی** (باقی کو اس پر قیاس کرو۔ت) اب ہم اسے تسلیم کرتے ہیں اور حدیث ہم پر وارد نہیں، یہاں بھی عورت سے زنا کرنے نے دختر زن کو اس بنا پر حرام نہ کیا کہ وہ زنا ہے کہ خصوصیت زنا کو اس میں بھی دخل نہیں بلکہ اسی حیثیت سے حرام کیا کہ وہ وطی وادخال ہے تو "**دخلتم بھن**" صادق آیا اور دختر موطوہ کی حرمت لایا تو اس حدیث ضعیف میں بھی مخالف کے لیے اصلا حجت نہیں **وللہ الحمد**۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں یہاں بعض احادیث اپنے مذہب کی مؤیدات ذکر فرمائیں، ازانجملہ،

قال رجل یا رسول اللہ انی زنیت بامرأۃ فی الجاھلیۃ افانکح ابنتھا قال لااری ذلک ولایصح ان تنکح امرأۃ تطلع من ابنتھا علی ماتطلع علیہ منھا[1]۔	ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں، فرمایا: میری رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی مطلع تھا۔

اقول نیز اس کے مؤید ہے وہ حدیث کہ غایہ سمعانیہ میں حضرت ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من نظر الٰی فرج امرأۃ بشھوۃ حرمت علیہ امھا وبنتھا[2]۔	جو کسی عورت کی فرج کو شہوت سے دیکھے اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جائیں،

دوسری حدیث میں ہے:

ملعون من نظر الی فرج امرأۃ وبنتھا[3]۔	ملعون ہے وہ جو کسی عورت اور اس کی بیٹی دونوں کی فرج دیکھے۔

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

نظر الٰی فرج امرأۃ وبنتھا لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ[4]۔	جو کسی عورت اور اس کی دختر دونوں کی فرج دیکھے اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر نظر رحمت نہ کرے۔

---

[1] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۹

[2] البنایہ شرح الہدایہ فصل فی نکاح المحرمات مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۴۱

[3] البنایہ شرح الہدایہ فصل فی نکاح المحرمات مکتبہ امدادیہ مکہ مکرمہ ۲/ ۴۱

[4] کنز العمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث ، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۵۱۷

نیز مصنف عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

فی الذی یزنی بام امرأته قال حرمتا علیه [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی اپنی ساس سے زنا کرنے والے کی نسبت فرمایا کہ اس پر ساس اور عورت دونوں حرام ہوگئیں۔

اس حرمت کے پیدا ہونے سے مرد وزن کو جدا ہو جانا اور اس نکاح فاسد شدہ کا فسخ کردینا فرض ہو جاتا ہے مگر خود بخود نکاح زائل نہیں ہو جاتا، یہاں تک کہ شوہر جب تک متارکہ نہ کرے اور بعد متارکہ عدت نہ گزرے عورت کو روا نہیں کہ دوسرے سے نکاح کرے، اور قبل متارکہ شوہر کا اس سے وطی کرنا حرام ہوتا ہے مگر زنا نہیں کہ نکاح باقی ہے، ولہذا اس وطی سے جو اولاد پیدا ہو صحیح النسب ہے ایسے نکاح کے ازالہ کو جو الفاظ کہے جائیں طلاق نہیں بلکہ متارکہ کہلاتے ہیں اگرچہ بلفظ طلاق ہوں یہاں تک کہ ان سے عدد طلاق کم نہیں ہوتا، درمختار میں ہے:

بحرمة المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج بآخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة والوطئ بها لایکون زنا [2]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا لہذا دوسرے شخص سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک خاوند متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزر جائے، اس دوران اگر خاوند نے وطی کی تو وہ زنا نہیں ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرة ذکر محمد فی نکاح الاصل ان النکاح لایرفع بحرمة المصاهرة والرضاع بل یفسد حتی لووطئها الزوج قبل التفریق لایجب علیه الحد اشتبه علیه اولم یشتبه [3]۔	ذخیرہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل یعنی مبسوط کی بحث نکاح میں ذکر فرمایا کہ حرمت مصاہرت اور حرمت رضاعت کی بنا پر نکاح ختم نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہوتا ہے لہذا اگر خاوند نے تفریق سے قبل وطی کرلی تو اس پر زنا کی حد نہیں ہوگی۔ اس کو کوئی اشتباہ ہو یا نہ ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

قال فی الحاوی والوطئی فیها لایکون زنا	حاوی میں ہے کہ اس مدت میں وطی کو زنا نہ کہا جائے گا

---

[1] کنزالعمال بحوالہ مصنف عبدالرزاق حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۵۱۶/۱۶

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱۸۸/۱

[3] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۸۳/۲

لانہ مختلف فیہ وعلیہ مہرالمثل بوطئھا بعد الحرمۃ ولاحد علیہ ویثبت النسب [1]۔	کیونکہ یہ بات مختلف فیہ ہے جبکہ بیوی کے حرام ہونے کے بعد وطی کرنے سے مہر مثل لازم ہوگا اور بچہ ہو تو اس کا نسب ثابت ہوگا اور اس پر حد زنا نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

فی البزازیہ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابقول کخلیت سبیلک اوترکتک ومجرد انکار النکاح لایکون متارکۃ اما لو انکر وقال ایضا اذھبی وتزوجی کان متارکۃ والطلاق فیہ متارکۃ لکن لاینقص بہ عدد الطلاق [2]۔	بزازیہ میں ہے کہ فاسد نکاح میں دخول کے بعد متارکہ صرف زبانی ہوسکتا ہے، مثلاً یہ کہے میں نے تجھے نکاح سے آزاد کیا، یا یوں کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا، اور صرف سابقہ نکاح سے انکار کو متارکہ نہ کہا جائے گا، ہاں اگر نکاح کے ساتھ یہ بھی کہے کہ جا نکاح کر، تو متارکہ ہوجائے گا۔ اور اس موقعہ پر طلاق دینے سے متارکہ ہوجائے گا لیکن اس سے عدد طلاق کم نہ ہوگا۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اگر شوہر نے نہ چھوڑا اور ناجائز طور پر ہندہ سے وطی کرتا رہا اور اولاد ہوئی تو وہ اولاد اپنے ماں باپ دونوں کی وارث ہے، ماں کی وراثت تو ظاہر کہ اولاد زنا بھی اپنی ماں کی میراث پاتی ہے کما نصوا علیہ والمسألۃ فی الدر وغیرہ (جیسا کہ فقہاء کرام نے اس پر نص کی ہے اور یہ مسئلہ در وغیرہ میں ہے۔ت) اور باپ کی وراثت یوں کہ ابھی منقول ہوچکا کہ ایسی حالت کی اولاد ولد الزنا نہیں صحیح النسب ہے، ہاں زن وشوہر ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۹۶:　　　　ازریاست رامپور مرسلہ جناب نوشہ میاں صاحب　　　　۲۰ محرم ۱۳۱۶ھ

جناب کا یہ فتوی جس کی نقل حاضر کی جاتی ہے علمائے رامپور کے حضور بغرض مہر پیش ہوا جناب مفتی محمد لطف اللہ صاحب نے فرمایا یہ نقل ہے اور اس میں جو لکھا ہے کہ جو عورت ایسے عقیدہ کی ہو وہ مرتدہ ہے اس کا نکاح نہ کسی مسلمان سے ہوسکتا ہے نہ کافر سے نہ مرتد سے نہ اس کی ہم مذہب سے مجھے اس میں تامل ہے اس کے ہم مذہب سے نہ ہونے کی سند کیا ہے، مولوی صاحب (یعنی جناب) اس کی

[1] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۳

[2] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۔۲۵۱

سند لکھ کر مہر فرمادیں تو مجھے مہر کرنے میں عذر نہیں لہذا نقل فتوی مرسل خدمت ہے۔ یہ فتوی جناب کا تحریر فرمایا ہوا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس حکم کی سند کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع یہ فتوی فقیر ہی کا لکھا ہوا ہے اور در بارہ مرتد و مرتدہ حکم شرعی یہی ہے کہ ان کا نکاح نہ کسی مسلم و مسلمہ سے ہوسکتا ہے نہ کافر وکافرہ سے۔ نہ مرتد و مرتدہ سے ان کے ہم مذہب خواہ مخالف مذہب سے، غرض تمام جہاں میں کہیں نہیں ہوسکتا۔ مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدہ ولامسلمۃ لاکافرۃ اصلیۃ وکذلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]۔	مرتد شخص کو مرتدہ، مسلمان ہو یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، یوں ہی مرتدہ عورت کسی مسلمان مرد کے لیے حلال نہیں۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایجوز نکاح المرتدۃ لاحد والمجوسیۃ لاتحل للمسلم وتحل لکل کافر الاالمرتد[2]۔	مرتدہ کا نکاح کسی کے ساتھ جائز نہیں۔ مجوسیہ مسلمان کو حلال نہیں وہ ہر اصلی کافر کے لیے حلال ہے اور مرتد کے لیے حلال نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

المبیض اذاتزوج مبیضۃ بشھود و ولی ان کانا یظھران الکفر اواحدھما کانا بمنزلۃ المرتدین لم یصح نکاحھما[3] مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	منافق نے اگر منافقہ عورت سے اس کے ولی اور گواہوں کی موجودگی میں نکاح کیا اور اپنے کفر کو ان دونوں نے یا ان میں سے ایک نے ظاہر کردیا تو ان کا حکم بھی مرتدوں والا ہوگا اور ان کا نکاح صحیح نہ ہوگا اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷: از گلگت چھاؤنی جوئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ وغیرہ بدمذہبوں کے ساتھ شادی کرنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السابع المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۷

الجواب:

جو ان میں کوئی عقیدہ کفر رکھتا ہے جیسے آج کل کے عام رافضی، اس کے ساتھ کسی کا نکاح ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ خود اس کے ہم مذہب کا بھی، اور جو بدمذہب عقائد کفر سے بچا ہو اس کے ساتھ نکاح اگرچہ بایں معنی درست کہ کرلیں تو درست ہو جائے گا زنانہ ہوگا مگر بدمذہبوں کے ساتھ ایسا بڑا علاقہ پیدا کرنے سے دور بھاگنا لازم، زوجیت وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس و محبت و الفت پیدا کرتا ہے، قال اللہ تعالٰی:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۝۲۱ [1]۔	اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے بنائیں تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے جوروئیں کہ تم ان کی طرف رغبت کرو ان سے مل کر چین پاؤ اور تمھارے آپس میں دوستی اور مہر رکھی، بیشک اس میں ٹھیک نشانیاں ہیں سوچنے والوں کے لیے،

اور بدمذہب سے دوستی پیدا ہونی اس کی محبت دل میں آنی دین کو سخت نقصان دیتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: المرء مع من احب [2] آدمی کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل [3]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه باسناد حسن۔	آدمی اپنے خاص دوست کے دین پر ہوتا ہے تو غور کرے کہ کس سے دوستی کرتا ہے۔ (اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

انہی آیات و احادیث سے یہ بھی واضح ہوا کہ بدمذہب عورت کو نکاح میں لاتے وقت یہ خیال کرلینا کہ ہم اس پر غالب ہیں اس کی بدمذہبی ہمیں کیا نقصان دے گی بلکہ اسے سنی کریں گے محض حماقت ہے یہ رشتہ تو دوستی میل رغبت میل محبت مہر پیدا کرتا ہے اور محبت میں آدمی اندھا بہرا ہو جاتا ہے، حدیث میں فرمایا:

حبک الشیئ یعمی ویصم [4]۔ رواہ احمد والبخاری	شیئ کی محبت تجھے اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔ اس کو احمد،

[1] القرآن ۳۰/۲۱

[2] صحیح مسلم باب المرء مع من قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۳۲

[3] سنن ابو داؤد باب من یؤمر ان یجالس الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۰۸

[4] مسند احمد بن حنبل مرویات ابوالدرداء دار الفکر بیروت ۶/۴۵۰

فی التاریخ وابوداؤد عن ابی الدرداء وابن عساکر بسند حسن عن عبداللہ بن انیس والخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور ابن عساکر نے اس کو عبداللہ بن انیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور خرائطی نے اعتلال میں ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

دل پلٹتے، خیال بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی اللہ عزوجل اپنے حفظ وامان ہی میں رکھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان القلوب بین اصبعین من اصابع اللہ یقلبھا کیف یشاء [1]۔ رواہ احمد و الترمذی والحاکم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ورجالہ رجال مسلم۔	دل اللہ تعالٰی کے خاص تصرف میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو پھیرتا ہے۔ اس کو حاکم نے، احمد اور ترمذی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس سند کے راوی رجال امام مسلم ہیں۔(ت)

اور اپنی بیٹی دینا تو سخت قہر، قاتل زہر ہے کہ عورتیں مغلوب و محکوم ہوتی ہیں، قال اللہ تعالٰی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ [2] (مرد، عورتوں کے منتظم ہیں۔ت) پھر انھیں شوہر کی محبت بھی ماں سے باپ سے تمام دنیا سے زیادہ ہوتی ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ماھی لشیئ [3]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	خاوند کے لیے بیوی کو خاص محبت ہوتی ہے جو کسی دوسرے سے نہیں۔ اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر وہ نرم دل بھی زائد ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رویدک یا انجشۃ بالقواریر [4]۔	اے انجشہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نرم ونازک عورتوں کا پاس کر۔(ت)

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۸

[2] القرآن ۴/ ۳۴

[3] مستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۲

[4] صحیح بخاری باب المعاریض، مندوحۃ عن الکرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷

ناقصات العقل والدین بھی ہیں قالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کمافی الصحیح یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد ہے جیساکہ صحیح حدیث میں ہے۔ت) پھر یہ سب اس صورت میں ہے جہاں شوہر کاکفو عورت نہ ہونا مانع صحت نہ ہو ورنہ نکاح محض باطل ہوگا۔کما فصلناہ فی فتاوٰنا(جیسے ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ سید شاہ محمد کمال صاحب ۲۱ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

حضرت مولانا صاحب قبلہ! اگر کسی مرد نے اپنی رضاعی ساس اور رضاعی سالی کے ساتھ ایک دفعہ یا دودفعہ زنا کیا ہو سہوا یا عمدا تو اس حالت میں بی بی کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟اور اگر نکاح نہیں رہا تو پھر اس بی بی سے کسی طرح نکاح یا وہی بی بی اپنے شوہر پر پھر حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟مگر قبل اس فعل کے اس مرد کو اس مسئلے سے واقفیت نہ تھی۔بینوا توجروا

الجواب:

سالی اگرچہ خاص نسبتی حقیقی ہو اس سے معاذاللہ زنا اگرچہ بارہا ہو عورت کو اصلاً حرام نہیں کرتا۔

فی الدرالمختار فی الخلاصۃ وطئ اخت امرأتہ لاتحرم علیہ امرأتہ [1]۔	درمختار میں ہے کہ خلاصہ میں ہے کہ سالی سے وطی بیوی کو حرام نہیں کرتی۔(ت)

ہاں اگر سالی سے شبہہ اور دھوکے میں وطی ہوجائے تو جب تک سالی اس وطی بالشبہہ کی عدت سے نہ نکلے مرد اپنی منکوحہ کو ہاتھ نہیں لگاسکتا کیلا یلزم الجمع بین المحارم عدۃ(تاکہ عدت میں دو محرم عورتیں ایک کے لیے جمع نہ ہوں۔ت)یہ حرمت اتنے ہی دنوں کے لیے ہوگی بعد اختتام عدت عورت بدستور حلال ہوجائیگی

فی رد المحتار قولہ لاتحرم ای لا تثبت حرمۃ المصاھرۃ فالمعنی لاتحرم حرمۃ مؤبدۃ والافتحرم الی انقضاء عدۃ الموطؤۃ لو بشبھۃ قال فی البحر لو وطی اخت امرأۃ بشبھۃ تحرم علیہ امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ [2]۔	ردالمحتار میں ہے اس کے قول "حرام نہیں" کا مطلب مصاہرت کی حرمت ابدی نہیں ہے ورنہ سالی کے ساتھ شبہہ میں وطی سے اس کی بیوی عدت پوری ہونے تک حرام رہتی ہے۔بحر میں کہا ہے اگر سالی سے شبہہ کی بناپر وطی ہوجائے تو بیوی حرام رہتی ہے جب تک شبہہ والی وطی کی عدت پوری نہ گزرجائے۔(ت)

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۱

اور ساس اگرچہ رضاعی ہو یعنی زوجہ کی رضاعی ماں یا رضاعی نانی دادی عیاذاً باللہ اس سے زنا بلکہ دواعی وطی بھی یعنی بشہوت اس کے کسی جز وبدن کو چھو جانا اگرچہ ایسے حائل کے ساتھ کہ اس کے جسم کی گرمی اسے محسوس ہونے سے منع نہ کرے یا بشہوت اس کی فرج داخل پر نظر پڑ جانا جبکہ یہ دواعی دواعی رہیں یعنی ان سے انزال واقع نہ ہو اگرچہ وہ زنا یا داعی زنا دانستہ ہو یا بھول کر یا دھوکے سے یا کسی کے جبر واکراہ سے بہر حال زوجہ کو حرام ابدی اور نکاح کو فاسد کردیتا ہے، عورت کو فوراً چھوڑ دینا اور اس نکاح فاسد شدہ کو فسخ کرنا واجب ہو جاتا ہے اب زوجہ کبھی اس کے لیے حلال نہ ہوگی نہ کبھی اس سے نکاح کرسکتا ہے۔یہی مذہب ہمارے جمیع ائمہ اور امام احمد اور امام مالک فی احد الروایتین (دو روایتوں میں سے ایک روایت میں۔ت) اور اکابر صحابہ مثل امیر المومنین عمر فاروق اعظم وحضرت عبداللہ بن مسعود وحضرت عبداللہ بن عباس فی الاصح عنہ (ان سے اصح روایت میں۔ت) اور حضرت ام المومنین صدیقہ وابی بن کعب وجابر بن عبداللہ وعمران بن حصین اور جمہور تابعین مثل امام حسن بصری وامام ابراہیم نخعی وامام طاؤس وامام عطا بن ابی رباح وامام مجاہد وامام سعید بن المسیب وامام سلیمٰن بن یسار وامام حماد بن ابی سلیمن وغیرہم ائمہ دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا ہے۔

کما ذکرہ فی الفتح وغیرہ وفی الدر المختار حرم اصل مزنیۃ وممسوسۃ بشھوۃ ولو بشعر علی الرأس بحائل لایمنع الحرارۃ والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن مطلقا اذا لم ینزل فلو انزل مع مس او نظر فلاحرمۃ ولافرق فیما ذکر بین عمد و نسیان و خطاء واکراہ [1] اھ ملتقطا،وفی ردالمحتار قال فی البحرار ادبحرمۃ المصاہرۃ الحرمات الاربع حرمۃ المرأۃ علی اصول الزانی وفروعہ نسبا ورضاعا وحرمۃ اصولھا وفروعھا علی الزانی نسبا ورضاعا کمافی الوطی الحلال [2]۔واللہ تعالٰی اعلم	جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ میں ذکر کیا ہے اور درمختار میں ہے کہ مزنیہ اور وہ عورت جس کو حرارت بدنیہ سے مانع چیز کے بغیر شہوت کے ساتھ مس کیا ہو خواہ سر کے بالوں کو مس کیا ہو اور وہ عورت جس کی فرج داخل پر شہوت سے نظر پڑی ہو تو ان عورتوں کے اصول و فروع اس مرد پر مطلقا حرام ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس وقت اس کو انزال نہ ہوا ہو اور نظر یا مس کے وقت انزال ہو جائے تو حرمت ثابت نہ ہوگی اس میں فرق نہیں خواہ قصدا ہو یا بھول کر یا خطاء یا جبراً ہو اھ ملتقطا،اور ردالمحتار میں ہے بحر میں کہا ہے کہ حرمت مصاہرت سے چار حرام مراد ہیں۔مرد پر عورت کے اصول و فروع نسبی ورضاعی اور عورت پر مرد کے اصول فروع نسبی ورضاعی، جیسا کہ وطی حلال میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

[2] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار ۱۳۱۶ھ

(معزز خواتین کو جہنم کے کتّوں کے نکاح میں نہ دیتے ہوئے انھیں رسوائی سے بچانا)

مسئلہ ۱۹۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک عورت سنیہ حنفیہ جس کا باپ بھی سنی حنفی ہے اس کا نکاح ایک غیر مقلد وہابی سے کردینا جائز ہے یا ممنوع؟ اس میں شرعاً گناہ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

مستفتی محمد خلیل اللہ خاں از ریاست رامپور دولت خانہ حکیم اجمل خاں صاحب

الجواب: از دفتر تحفہ حنفیہ پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

نکاح مذکورہ ممنوع وناجائز وگناہ ہے۔ غیر مقلدین زماں کے بہت عقائد کفریہ وضلالیہ کتاب "**جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد**" میں ان کی تصانیف سے نقل کئے اور ان کا گمراہ وبدمذہب ہونا بروجہ احسن ثابت کیا اور حدیث ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بدمذہبوں کی نسبت فرمایا:

ولاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم	یعنی ان کے ساتھ کھانانہ کھاؤ اور پانی نہ پیو

ولاتناکحوھم [1]۔	اور بیاہ شادی نہ کرو۔

اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر سے نقل کیا ہے کہ:

ہر کہ بابدعتیان انس ودوستی پیدا کند نور ایمان وحلاوت آں از وے برگیرند [2]۔	جو شخص بد عقیدہ لوگوں سے دوستی اور پیار کرتا ہے اس سے نور ایمان سلب ہو جاتا ہے۔(ت)

اور طحطاوی حاشیہ در مختار سے نقل کیا:

من کان خارجا من ھذہ المذاھب الاربعۃ فی ذٰلک الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار [3]۔	جو اس زمانے میں ان چاروں مذہب سے خارج ہو وہ بدعتی اور دوزخی ہے۔

کثرت سے علمائے مشاہیر کی اس پر مہریں ہیں، بالجملہ اگر غیر مقلد عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو اس سے نکاح محض باطل وزنا ہے کہ مسلمان عورت کا کافر سے نکاح اصلاً صحیح نہیں اور اگر عقیدہ کفریہ نہ بھی رکھتا ہو تو بدمذہب سے مناکحت بحکم آیت وحدیث منع ہے، حدیث اوپر گزری، اور آیت یہ ہے قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [4]۔	نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں چھوئے گی آگ دوزخ کی۔

ناظم ندوہ نے اپنے فتوی عدم جواز نکاح سنیہ وشیعہ مطبوعہ مطبع نظامی میں اسی آیت سے استدلال کیا ہے **واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔**

الساطر الوازر المعتصم بذیل سیدہ ومولاہ امیر المومنین سیدن الصدیق العتیق التقی عبدالوحید غلام صدیق الحنفی الفردوسی العظیم آبادی عفاعنہ ربہ ذوالایادی۔

فتوائے علمائے پٹنہ

(۱) اصاب من اجاب (جو جواب دیا گیا ہے درست ہے۔ت) حافظ محمد فتح الدین پنجابی (صدر مجلس اہلسنت پٹنہ، مقیم مرشد آباد)

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶، کنزالعمال حدیث نمبر موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۱/۵۲۹

[2] تفسیر عزیزی پارہ آیۃ ودوالوتدھن فیدھنون کے تحت افغانی دارالکتب لال کنواں دہلی ص ۵۶

[3] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح دارالمعرفۃ بیروت ۴/۱۵۳

[4] القرآن ۱۱/۱۱۳

(۲)هذا هوالحق الصریح وماسواه باطل قبیح (یہ جواب صریح ہے اور اس کے سوا باطل قبیح ہے۔ت) محمد امیر علی (مرحوم) سابق ہیڈ مولوی نارمل اسکول پٹنہ۔

فتوائے علمائے بہار

(۱)مبسلا ومحمدا او مصلیا اما بعد ماقاله العلامه وافاده الفهامه حق صریح ومحقق صحیح جدیر بالاعتماد و حقیق بالاستناد ودونه خرط القتاد ولاینکره الااهل الغیّ والعناد والبغی والفساد۔	بسملہ، تحمید اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کے بعد، جو کچھ حضرت علامہ وفہامہ نے کہا وہ واضح حق، مثبت و صحیح، لائق اعتماد واستناد ہے اور اس کا خلاف مشکل ہے، اور سوائے گمراہ، ہٹ دھرم، باغی اور فسادی کے کوئی اس کا انکار نہیں کرسکتا۔(ت)

کتبہ خویدم الطلبہ ابوالاصفیا محمد عبدالواحد خاں رامپوری بہاری عفاعنہ

(۲)من کان من زمرة محمد بن عبدالوهاب ممن یتهمون عامة امة مرحومة با لشرك والکفر علی زعمهم الفاسد وفهمهم الکاسد فهو من الزنادقة والملاحدة ولایجوز به المناکحة والمخالطة وکذلك من کان من الغیر المقلدین من یرکن الی المجسمیة والمشبهیة والرافضیة فی السوء۔	تمام امت مرحومہ کو اپنے زعم فاسد اور فہم کاسد کی بناء پر شرک وکفر کے ساتھ متہم کرنے والے محمد بن عبدالوہاب کے گروہ سے تعلق رکھنے والا شخص زندیق وملحد ہے اور اس کے ساتھ نکاح اور میل جول ناجائز ہے، اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جو غیر مقلدین میں سے اور مجسمیہ، مشبہیہ اور روافض کی طرف میلان رکھتا ہو۔(ت)

حررہ محمد یوسف بہاری

(۳)اصاب من اجاب جزی الله المحقق المدقق وحامی السنة وماحی البدعة مولانا متنظم التحفة خیر	مجیب نے درست جواب دیا، محقق، مدقق، سنت کے حامی، بدعت کو مٹانے والے، ہمارے سردار اور تحفہ حنفیّہ کے منتظمہ کو اللہ تعالٰی

الجزاء۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	بہترین جزا عطا فرمائے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ (ت)

جناب مولانا حکیم (ابوالبرکات) استھانوی بہاری

(۴) حامدا ومصلیا قد صح ما فی ھذہ الفتوی کیف لاوھی مملوۃ من الروایات الفقھیۃ المعتبرۃ والاحادیث الصحیحۃ فالمجیب مصیب بلاامتراء جزاہ اللہ سبحٰنہ بفضلہ الاوفی خیر الجزاء حیث صرف ھمۃ العلیا و بذل جھدہ بالنھج الاعلی فی رد الکلمات السفلی من اجاب فقد اصاب ودونہ خرط القتاد۔ واللہ اعلم بالصواب فقط	اللہ تعالٰی کی حمد کرتے اور نبی کریم پر درود بھیجتے ہوئے کہتا ہوں کہ جو کچھ اس فتوٰی میں ہے درست ہے، کیسے نہ ہو جبکہ یہ فتوٰی معتبر فقہی روایات اور صحیح احادیث سے لبریز ہے اور مجیب بلاشبہ مصیب ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے بے انتہا فضل سے مجیب کو جزائے خیر عطا فرمائے جس نے کلمات سفلی کے رد میں اپنی بلند ہمتی اور سعی بلیغ کو کامل طریقے سے بروئے کار لایا۔ مجیب نے درست کہا جس کے خلاف کہنا مشکل وناممکن ہے واللہ تعالٰی اعلم بالصواب فقط (ت)

حررہ خویدم الطلبۃ الراجی الی رحمۃ ربہ المنان السید محمد سلیمان اشرف البھاری المرداوی عفی عنہ۔

(۵) حامدا ومصلیا۔ الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال۔

اللہ تعالٰی کی حمد کرتے ہوئے اور نبی اقدس پر درود بھیجتے ہوئے کہتا ہوں کہ جواب حق ہے اور حق کے بعد سوائے گمراہی کے کچھ نہیں۔ (ت)

کتبہ خادم الطلبہ خاکسار سید ناظر حسین بہاری المرداوی

فتوائے علمائے بدایوں

(۱) المجیب مصیب (جواب درست ہے۔ ت)

محب الرسول عبدالقادر قادری

(۲) لاریب فیہ (اس میں کوئی شک نہیں۔ ت)

مطیع الرسول محمد بن عبدالمقتدر قادری

(۳) الجواب صحیحٌ (جواب صحیح ہے۔ ت)

محمد عبدالقیوم قادری

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ الذی لم یرتض الطیبات الاللطیبین الاخیار وترك الخبیثین للخبیثات الاقذار والصلوۃ والسلام علی من امرنا بالتجنب عن کلاب النار وعلی اٰلہ وصحبہ الشاہرین سیوفہم علی رؤوس المبتدعین الفجار۔	اس اللہ تعالٰی کے لیے حمد ہے جس نے طیبات کو صرف طیب لوگوں کے لیے منتخب فرمایا اور خبیث خبیث لوگوں کے لیے چھوڑ دیا گیا اور صلٰوۃ وسلام اس پر جس نے ہمیں جہنم کے کتوں سے بچنے کا حکم فرمایا ہے اور آپ کے آل واصحاب پر جو بدعتی فاجر لوگوں پر اپنی تلواریں لہرا رہے ہیں۔ (ت)

فی الواقع صورت مستفسرہ میں وہ نکاح یا تو شرعاً محض باطل وزنا ہے یا ممنوع وگناہ، سائل سنی صاحب معاملہ سنی وسنیہ۔ برادران سنت ہی سے خطاب ہے اور انھیں کو حکم شرع سے اطلاع دینی مقصود کہ ایک ذرا بنگاہ غور ملاحظہ فرمائیں، اگر دلیل شرعی سے یہ احکام ظاہر ہوجائیں تو سنی بھائیوں سے توقع کہ نہ صرف زبانی قبول بلکہ ہمیشہ اسی پر عمل فرمائیں گے اور اپنی کریمہ عزیزہ بنات واخوات کو ہلاک وابتلا اور دین وناموس میں گرفتاری بلا سے بچائیں گے **وباللہ التوفیق**، وہابی ہو یا رافضی جو بدمذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے جیسے ختم نبوت حضور پرنور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار یا قرآن عظیم میں نقص ودخل بشری کا اقرار، تو ایسوں سے نکاح باجماع مسلمین بالقطع والیقین باطل محض وزنائے صرف ہے اگرچہ صورت صورت سوال کا عکس ہو یعنی سنی مرد ایسی عورت کو نکاح میں لانا چاہے کہ مدعیان اسلام میں جو عقائد کفریہ رکھیں ان کا حکم مثل مرتد ہے **کما حققنا فی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ** (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ" میں تحقیق کی ہے۔ت) ظہیریہ وہندیہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے: **احکامھم مثل احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح تمام عالم میں کسی عورت ومرد مسلم یا کافر مرتد یا اصلی کسی سے نہیں ہوسکتا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

واللفظ للاخیرۃ لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط[2]۔	دوسری کے الفاظ یہ ہیں مرتد کے لیے کسی عورت، مسلمان، کافرہ یا مرتدہ سے نکاح جائز نہیں، اور یونہی مرتدہ عورت کا کسی بھی شخص سے نکاح جائز نہیں۔ جیسا کہ مبسوط میں ہے۔ (ت)

---

[1] حدیقہ ندیہ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ القسم السابع المحرمات بالشرك کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

اور اگر ایسے عقائد خود نہیں رکھتا مگر کبرائے وہابیہ یا مجتہدین روافض خذلھم اللہ تعالٰی کہ وہ عقائد رکھتے ہیں انھیں امام وپیشوا یا مسلمان ہی مانتا ہے تو بھی یقینا اجماعا خود کافر ہے کہ جس طرح ضروریات دین کا انکار کفر ہے یونہی ان کے منکر کو کافر نہ جاننا بھی کفر ہے، وجیز امام کردری ودر مختار وشفائے امام قاضی عیاض وغیرہا میں ہے:

واللفظ للشفاء مختصرًا اجمع العلماء ان من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	شفاء کے الفاظ اختصارًا یہ ہیں، علما کا اجماع ہے کہ جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔(ت)

اور اگر اس سے بھی خالی ہے ایسے عقائد والوں کو اگرچہ اس کے پیشوایانِ طائفہ ہوں صاف صاف کافر مانتا ہے (اگرچہ بد مذہبوں سے اس کی توقع بہت ہی ضعیف اور تجربہ اس کے خلاف پر شاہد قوی ہے) تو اب تیسرا درجہ کفریات لزومیہ کا آئے گا کہ ان طوائف ضالہ کے عقائد باطلہ میں بکثرت ہیں جن کا شافی ووافی بیان فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ) میں ہے اور بقدر کافی رسالہ سل السیوف الھندیہ علی کفریات بابا النجدیۃ (۱۳۱۲ھ) میں مذکور۔اور اگرچہ نہ ہو تو تقلید ائمہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہنا ان حضرات کا مشہور ومعروف عقیدہ ضلالت ہے یونہی معاملات انبیاء واولیاء واموات واحیاء کے متعلق صدہا باتوں میں ادنٰی ادنٰی بات ممنوع یا مکروہ بلکہ مباحات ومستحبات پر جا بجا حکم شرک لگادینا خاص اصل الاصول وہابیت ہے جن سے ان کے دفاتر بھرے پڑے ہیں، کیا یہ امور مخفی ومستور ہیں، کیا ان کی کتابوں زبانوں رسالوں بیانوں میں کچھ کمی کے ساتھ مذکور ہیں، کیا ہر سنی عالم وعامی اس سے آگاہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو موحد اور مسلمانوں کو معاذاللہ مشرک کہتے ہیں آج سے نہیں شروع سے ان کا خلاصہ اعتقاد یہی ہے کہ جو وہابی نہ ہو سب مشرک، ردالمحتار میں اسی گروہ وہابیہ کے بیان میں ہے:

اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقاد ھم مشرکون[2]۔	ان کا اعتقاد یہ ہے کہ وہی مسلمان ہیں اور جو عقیدہ میں ان کے خلاف ہو وہ مشرک ہے(ت)

فقیر نے رسالہ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) میں واضح کیا کہ خاص مسئلہ تقلید میں ان کے مذہب پر گیارہ سو برس کے ائمہ دین وعلمائے کاملین واولیائے عارفین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین معاذاللہ سب مشرکین قرار پاتے ہیں خصوصًا وہ جماہیر ائمہ کرام وسادات اسلام وعلمائے اعلام جو تقلید شخصی پر سخت شدید تاکید فرماتے اور اس کے خلاف کو منکر وشنیع وباطل وفظیع

---

[1] کتاب الشفاء القسم الرابع الباب الاول دار سعادت بیروت ۲/۲۰۸، درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶

[2] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۱

بتاتے رہے جیسے امام حجۃ الاسلام محمد غزالی وامام برہان الدین صاحب ہدایہ وامام احمد ابوبکر جوزجانی وامام کیاہراسی وامام ابن سمعانی وامام اجل امام الحرمین وصاحبان خلاصہ وایضاح وجامع الرموز وبحرالرائق ونہرالفائق وتنویر الابصار ودرمختار وفتاوٰی خیریہ وغمزالعیون وجواہر الاخلاطی ومنیہ وسراجیہ ومصفی وجواھر وتتارخانیہ ومجمع وکشف وعالمگیریہ ومولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وجناب شیخ مجدد الف ثانی وغیرہم ہزاروں اکابر کے ایمان کا تو کہیں پتا ہی نہیں رہتا اور مسلمان تونرے مشرک بنتے ہیں یہ حضرات مشرک ٹھہرتے ہیں والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، اور جمہور ائمہ کرام فقہائے اعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے، ذخیرہ وبزازیہ وفصول عمادی وفتاوٰی قاضی خاں وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین وجامع الرموز وشرح نقایہ برجندی وشرح وہبانیہ ونہرالفائق ودرمختار ومجمع الانہر واحکام علی الدرر وحدیقہ ندیہ وعالمگیری وردالمحتار وغیرہا عامہ کتب میں اس کی تصریحات واضحہ کتب کثیرہ میں اسے فرمایا: **المختار للفتوی**[1] (فتوی کے لیے مختار ہے۔ت) شرح تنویر میں فرمایا: **بہ یفتی**[2] (اس پر فتوی دیا جاتا ہے۔ت) یہ افتاء وتصحیحات اس قول اطلاق کے مقابل ہیں کہ مسلمانوں کو کافر کہنے والا مطلقًا کافر اگرچہ محض بطور دشنام کہے نہ از راہ اعتقاد، جامع الفصولین میں ہے:

قال لغیرہ یا کافر قال الفقیہ الاعمش البلخی کفر القائل وقال غیرہ من مشائخ بلخ لایکفر فاتفقت ہذہ المسألۃ ببخاری اذاجاب بعض ائمہ بخاری انہ کفر فرجع الجواب الی بلخ فمن افتی بخلاف الفقیہ الاعمش رجع الی قولہ وینبغی ان لایکفر علی قول ابی اللیث وبعض ائمۃ بخاری والمختار للفتوٰی فی جنس ہذہ المسائل ان قائل ہذہ المقالات لو ارادالشتم ولایعتقد کافرا لایکفر ولو	کسی نے غیر کو کہا "اے کافر" امام اعمش فقیہ بلخی نے فرمایا وہ کافر ہوگیا، اور ان کے علاوہ دیگر مشائخ نے فرمایا: وہ کافر نہ ہوگا، اور یہی مسئلہ بخاری میں پیش آیا تو بخاری کے بعض ائمہ نے فرمایا: وہ کافر ہوگیا۔ جب یہ جواب بلخ پہنچا تو جن لوگوں نے امام اعمش فقیہ کے خلاف فتوی دیا تھا انھوں نے رجوع کرکے اعمش کے قول سے اتفاق کرلیا، اور ابولیث اور بخاری کے بعض ائمہ کے نزدیک کافر نہ کہنا مناسب ہے جبکہ اس قسم کے مسائل میں فتوی یہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے والے نے اگر گالی مراد لی ہو اور کفر مراد نہ لیا تو کافر نہ ہوگا۔ اور اگر اس نے

[1] جامع الفصولین فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱

[2] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اعتقد کافرا کفر [1] اھ اختصارا	کفر کا اعتقاد کیا تو وہ کافر ہے اھ اختصارا

تو فقہائے کرام کے قول کے مطلق وحکم مفتی بہ دونوں کے رو سے بالاتفاق ان پر حکم کفر ثابت، اور یہی حکم ظواہر احادیث صحیحہ سے مستفاد صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کی حدیث سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیہ کافرا فقد باء بھا احدھما۔[2] زاد مسلم ان کان کما قال والا رجعت الیہ[3]	جو کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلا ضرور پڑے گی، اگر جسے کہا وہ فی الحقیقۃ کافر ہے تو خیر، ورنہ یہ کفر کا حکم اسی قائل پر پلٹ آئے گا۔(ت)

نیز صحیحین وغیرھما میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے:

لیس من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذلك الا حار علیہ۔[4]	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن بتائے اور وہ ایسا نہ ہو تو اس کا یہ قول اسی پر پلٹ آئے۔

طرفہ یہ کہ ان حضرات کو ظواہر احادیث ہی پر عمل کرنے کا بڑا دعوی ہے، تو ثابت ہوا کہ حدیث وفقہ دونوں کے حکم سے مسلمان کی تکفیر پر حکم کفر لازم، نہ کہ لاکھوں کروڑوں ائمہ واولیاء وعلماء کی معاذاللہ تکفیر ان صاحبوں کا خلاصہ مذہب ابھی ردالمحتار سے منقول ہوا کہ جو وہابی نہیں سب کو مشرک مانتے ہیں اسی بنا پر علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی نے انھیں خوارج میں داخل فرمایا اور وجیز کردری میں ارشاد ہے:

یجب اکفار الخوارج فی اکفارھم جمیع الامۃ سواھم۔[5]	خوارج کو کافر کہنا واجب ہے اس بنا پر کہ وہ اپنے ہم مذہب کے سوا سب کو کافر کہتے ہیں۔

لاجرم الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیۃ میں فرمایا:

ھؤلاء الملاحدۃ المکفرۃ للمسلمین[6]	یعنی یہ وہابی ملحد بے دین کہ مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔

[1] جامع الفصولین فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۱

[2] صحیح البخاری باب من اکفر اخاہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

[3] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[4] صحیح مسلم باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ نوع فیما یتصل بھا مما یجب اکفارہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[6] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیۃ المکتبہ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۸

پھر یہ بھی ان کے صرف ایک مسئلہ ترک تقلید کی رو سے ہے باقی مسائل متعلقہ انبیاء واولیاء وغیرھم میں ان کے شرک کی اونچی اڑانیں دیکھئے۔ فقیر نے رسالہ **اکمال الطامۃ علی شرك سوی بالامور العامۃ** میں کلام الٰہی کی ساٹھ آیتوں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تین سو۳۰۰ حدیثوں سے ثابت کیا ہے کہ ان کے مذہب نامہذب پر نہ صرف امت مرحومہ بلکہ انبیائے کرام وملائکہ عظام وخود حضور پر نور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام حتی کہ خود رب العزۃ جل وعلا تک کوئی بھی شرک سے محفوظ نہیں **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، پھر ایسے مذہب ناپاک کے کفریات واضحہ ہونے میں کون مسلمان تامل کرسکتا ہے، پھر یہ عقائد باطلہ ومقالات زائغہ جب ان حضرات کے اصول مذہب ہیں تو کسی وہابی صاحب کا ان سے خالی ہونا کیونکر معقول، یہ ایسا ہوگا جس طرح کچھ روافض کو کہا جائے تبرا وتفضیل سے پاک ہیں، اور بالفرض تسلیم بھی کرلیں کہ کوئی وہابی صاحب کسی جگہ کسی مصلحت سے ان تمام عقائد مردودہ واقوال مطرودہ سے تحاشی بھی کریں یا بفرض غلط فی الواقع ان سے خالی ہوں تو یہ کیونکر متصور کہ ان کے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے مصنف مؤلف واعظ مکلب نجدی دہلوی بنگالی بھوپالی وغیرھم جن کے کلام میں ان اباطیل کی تصریحات ہیں یہ صاحب ان سب کے کفر یا اقل درجہ لزوم کفر کا اقرار کریں کیا دنیا میں کوئی وہابی ایسا نکلے گا کہ اپنے اگلے پچھلوں پیشواؤں ہم مذہبوں سب کے کفر ولزوم کفر کا مقر ہو اور جتنے احکام باطلہ سے کتاب التوحید وتقویۃ الایمان وصراط مستقیم وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وسورج گڑھی وبٹالوی وغیرھم میں مسلمانوں پر حکم شرک لگایا جو معاذ اللہ خدا ورسول وانبیاء وملائکہ سب تک پہنچا ان سب کو کفر کہہ دے حاش للہ ہر گز نہیں، بلکہ قطعاً انھیں اچھا جانتے امام وپیشوا وصلحائے علما مانتے اور ان کے کلمات واقوال کو بامعنی ومقبول سمجھتے اور ان پر رضا رکھتے ہیں اور خود کفریات بکنا یا کفریات پر راضی ہونا برا نہ جاننا ان کے لیے معنی صحیح ماننا سب کا ایک ہی حکم ہے، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے اعلام سے ان امور کے بیان میں جو بالاتفاق کفر ہیں نقل فرمایا:

من تلفظ بلفظ کفر یکفر و کذا کل من ضحك او استحسنہ اورضی بہ یکفر [1]	جس نے کلمہ کفر یہ بولا اس کو کافر قرار دیا جائے گا، یونہی جس نے اس کلمہ کفر پر ہنسی کی یا اس کی تحسین کی اور اس پر راضی ہوا اس کو بھی کافر قرار دیا جائے گا(ت)

[1] اعلام بقواطع الاسلام ملحق بسبل النجاۃ مطبعہ حقیقہ استانبول ترکی ص۳۶۶

بحر الرائق میں ہے:

من حسن کلام اھل الاھواء وقال معنوی اوکلام لہ معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن [1]۔	جس نے بے دینی کی بات کو سراہا یا بامقصد قرار دیا، یا اس کے معنی کو صحیح قرار دیا تو اگر یہ کلمہ کفر ہو تو اس کا قائل کافر ہوگا اور اس کی تحسین کرنے والا بھی (ت)

تو دنیا کے پردے پر کوئی وہابی ایسا نہ ہوگا جس پر فقہائے کرام کے ارشادات سے کفر لازم نہ ہو اور نکاح کا جواز عدم جواز نہیں مگر ایک مسئلہ فقہی، تو یہاں حکم فقہا یہی ہوگا کہ ان سے مناکحت اصلا جائز نہیں خواہ مرد وہابی ہو، یا عورت وہابیہ اور مرد سنی، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں اور ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے مگر یہ صرف برائے احتیاط ہے، درباره تکفیر حتی الامکان احتیاط اس میں ہے کہ سکوت کیجئے، مگر وہی احتیاط جو وہاں مانع تکفیر ہوئی تھی یہاں مانع نکاح ہوگی کہ جب جمہور فقہائے کرام کے حکم سے ان پر کفر لازم نہیں تو ان سے مناکحت زنا ہے تو یہاں احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے دور رہیں اور مسلمانوں کو باز رکھیں، ﷲ انصاف کسی سنی صحیح العقیدہ فقہائے کرام کا قلب سلیم گوارا کرے گا کہ اس کی کوئی عزیزہ کریمہ ایسی بلا میں مبتلا ہو جسے فقہائے کرام عمر بھر کا زنا بتائیں، تکفیر سے سکوت زبان کے لیے احتیاط تھی اور اس نکاح سے احتراز فرج کے واسطے احتیاط ہے یہ کونسی شرع کہ زبان کے باب میں احتیاط کیجئے اور فرج کے بارے میں بے احتیاطی، انصاف کیجئے تو بنظر واقع حکم اسی قدر سے منقح ہو لیا کہ نفس الامر میں کوئی وہابی ان خرافات سے خالی نہ نکلے گا اور احکام فقہیہ میں واقعات ہی کالحاظ ہوتا ہے نہ احتمالات غیر واقعیہ کا،

بل صرحوا ان احکام الفقة تجری علی الغالب من دون نظر الی النادر۔	بلکہ انھوں نے تصریح کی ہے کہ فقہی احکام کا مدار غالب امور بنتے ہیں، نادر امور پیش نظر نہیں ہوتے۔ (ت)

اور اگر اس سے تجاوز کرکے کوئی وہابی ایسا فرض کیجئے جو خود بھی ان تمام کفریات سے خالی ہو اور ان کے قائلین جملہ وہابیہ سابقین ولاحقین سب کو گمراہ وبدمذہب مانتا بلکہ بالفرض قائلان کفریات مانتا اور لازم الکفر ہی جانتا ہو اس کی وہابیت صرف اس قدر ہو کہ باوصف عامیت تقلید ضروری نہ جانے اور بے صلاحیت اجتہاد پیروی مجتہدین چھوڑ کر خود قرآن وحدیث سے اخذ احکام روا مانے تو اس قدر میں شک نہیں کہ یہ فرضی شخص بھی آیہ کریمہ قطعیہ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [2] (اگر یہ نہیں جانتے تو اہل ذکر (علماء) سے پوچھو۔ ت)

---

[1] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۴/۵

[2] القرآن ۱۶/۴۳

اور اجماع قطعی تمام ائمہ سلف کا مخالف ہے یہ اگر بطور فقہاء لزوم کفر سے بچ بھی گیا تو خارق اجماع و متبع غیر سبیل المومنین وگمراہ وبددین ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا جس طرح متکلمین کے نزدیک دو قسم پیشین کافر بالیقین کے سوا باقی جمیع اقسام کے وہابیہ، اب اگر عورت سنیہ بالغہ اپنا نکاح کسی ایسے شخص سے کرے اور اس کا ولی پیش از نکاح اس شخص کی بدمذہبی پر آگاہ ہو کہ صراحۃً اس سے نکاح کئے جانے کی رضامندی ظاہر نہ کرے خواہ یوں کہ اسے اس کی بدمذہبی پر اطلاع ہی نہ ہو یا نکاح سے پہلے اس قصد کی خبر نہ ہوئی یا بدمذہب جانا اور اس ارادہ پر مطلع بھی ہوا مگر سکوت کیا صاف رضا کا مظہر نہ ہوا، یا عورت نابالغہ ہو اور ولی مزوج اب وجد کے سوا یا اب وجد ایسے جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی تزوج کسی غیر کفو سے کرچکے ہوں یا وقت تزویج نشے میں ہوں ان سب صورتوں میں یہ بھی نکاح باطل وزنائے خالص ہوگا کہ بدمذہب کسی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیر کفو کے ساتھ تزویج میں یہی احکام مذکورہ ہیں، درمختار میں ہے:

الکفاءۃ تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا الصالحۃ، نہر [1]۔	عربی اور عجمی لوگوں کے کفو میں دیانت اور تقوٰی کا اعتبار ہے تو فاسق شخص نیک عورت کا کفو نہ ہوگا، نہر (ت)

غنیہ میں ہے:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل [2]۔	اعتقاد فاسق، عمل فاسق سے زیادہ برا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار وشرح علائی میں ہے:

لزم النکاح بغیر کفو ان المزوج ابا وجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لوسکران بحر، وان المزوج غیرہما لایصح النکاح من غیر کفو اصلاً [3]۔	اگر باپ یا دادا نے نکاح کیا تو غیر کفو میں بھی یہ نکاح لازم ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا نے اس سے قبل اختیار کو غلط استعمال نہ کیا ہو، اور اگر وہ غلط اختیار استعمال کرچکا ہو تو بالاتفاق یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، اور اگر باپ یا دادا نشے میں ہو تب بھی بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا (بحر) اور نکاح والد اور دادا نے نہ کیا تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

انہی میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی و بہ یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلاتحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [1]۔	عاقلہ بالغہ نے ولی کی رضا کے بغیر نکاح کیا تو نکاح نافذ ہوگا اور غیر کفو میں عدم جواز کا فتوی دیا جائیگا اور یہی فتوی کے لیے مختار ہے کیونکہ زمانہ میں فساد آگیا ہے، تو مطلقہ ثلاثہ بھی اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو یہ معلوم ہو کہ وہ غیر کفو ہے یاد رکھو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایلزم التصریح بعدم الرضا بل السکوت منہ لایکون رضی وقولہ بلارضی یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ و بعدمھا و بوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلك اھ [2] اھ الکل مختصر۔	ولی کو اپنی عدم رضا مندی کے اظہار کے لیے تصریح ضروری نہیں ہے بلکہ اس بارے میں اس کا خاموش رہنا ہی عدم رضا ہے اس کے قول "بغیر رضا" کا مصداق کفو غیر کفو کے علم کے بعد اور اسی طرح علم کے بغیر رضا کی نفی اور غیر کفو کا علم نہ ہونے پر رضامندی، ان تین صورتوں میں حلال نہ ہوگی، صرف چوتھی صورت میں حلال ہے اور وہ یہ ہے کہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو اور اس کے باوجود وہ نکاح پر راضی ہو اھ ح تمام اختصاراً (ت)

اس تقریر منیر سے اس شبہہ کا ایک جواب حاصل ہوا جو یہاں بعض اذہان میں گزرتا ہے کہ جب اہل کتاب سے مناکحت جائز ہے تو مبتدعین ان سے بھی گئے گزرے، غیر مقلد مسلم ہے پھر نکاح مسلم و مسلمہ میں کیا توقف، اہل کتاب سے مناکحت کے کیا معنی، آیا یہ کہ مسلمان مرد کا کتابیہ کافرہ کو اپنے نکاح میں لانا، اس کے جواز و عدم جواز سے ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب بحث کریں گے یہاں اسی قدر کافی ہے کہ مسئلہ دائرہ میں عورت سنیہ اور مرد وہابیہ کے نکاح سے بحث ہے، عورت کا مرد پر قیاس کیونکر صحیح، آخر وہ کیا فرق تھا جس کے لیے شرع مطہر نے کتابی سے مسلمہ کا نکاح زنا مانا اور مسلم کا کتابیہ سے صحیح جانا، اگر مسلمان مرد کسی کافرہ کو اپنے تصرف میں لاسکے تو کیا ضرور ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

کہ سنیہ عورت بھی بدمذہب کے تصرف میں جاسکے، عورت کے لیے کفاءت مرد بالاجماع ملحوظ جس کی بناپر احکام مذکورہ متفرع ہوئے اور مرد بالغ کے حق میں کفاءت زن کا کچھ اعتبار نہیں کہ دناءت فراش وجہ غیظ مستفرش نہیں ہوتی۔

فی الدر المختار الکفاءۃ معتبرۃ من جانب الرجل لان الشریفۃ تأبی ان تکون فراشًا للدنی ولاتعتبر من جانبہا لان الزوج مستفرش فلاتغیظہ دناءۃ الفراش[1]۔ملخصاً	درمختار میں ہے کہ کفو مرد کی طرف سے معتبر ہے کیونکہ شریف عورت، حقیر مرد کی بیوی بننے سے انکاری ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے مرد کے لیے ہم کفو ہونا معتبر نہیں ہے کیونکہ خاوند تو بیوی بنالیتا ہے خواہ عورت ادنٰی ہو، وہ اس وجہ سے عار نہیں پاتا۔ملخصا(ت)

وہابی تو بدمذہب گمراہ ہے اگر کوئی زن شریفہ بے رضائے صریح ولی بروجہ مذکور کسی سنی صحیح العقیدہ صالح حائک سے نکاح کرلے یا غیر ولی غیراب وجد اپنی صغیرہ کو کسی ایسے سے بیاہ دے تو ناجائز و باطل ہوگا یا نہیں، ضرور باطل ہے پھر یہ سنی صالح کیا ان سے بھی گیا گزرا، اور نکاح مسلم ومسلمہ میں کیوں بطلان کا حکم ہوا، ھذا ولنرجع الی ماکنا فیہ (اس کو محفوظ کرو اور ہمیں اپنی بحث کی طرف لوٹنا چاہئے۔ت) یہ صورتیں بطلان نکاح بوجہ عدم کفاءت کی تھیں اور اگر ان کے سوا وہ صورت ہو جہاں عدم کفاءت مانع صحت نہیں تو پہلے اتنا سمجھ لیجئے کہ عرف فقہ میں جواز دو معنی پر مستعمل، ایک بمعنی صحت اور عقود میں یہی زیادہ متعارف، یہ عقد جائز ہے یعنی صحیح مثمر ثمرات مثل افادہ ملک متعہ یا ملک یمین یا ملک منافع ہے اگرچہ ممنوع وگناہ ہو جیسے بیع وقت اذان جمعہ، دوسرے بمعنی حلت اور افعال میں یہی زیادہ مروج، یہ کام جائز ہے یعنی حلال ہے، حرام نہیں، گناہ نہیں، ممانعت شرعیہ نہیں، بحرالرائق کتاب الطہارۃ بیان میاہ میں ہے:

المشائخ تارۃ یطلقون الجواز بمعنی الحل وتارۃ بمعنی الصحۃ وھی لازمۃ للاول من غیر عکس والغالب ارادۃ الاول فی الافعال والثانی فی العقود[2]۔	مشائخ لفظ "جواز" کو کبھی حلال ہونے کے معنٰی میں اور کبھی صحیح ہونے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ صحیح ہونا حلال ہونے کو لازم ہے، غالب طور پر افعال میں حلال ہونے اور عقود میں صحیح ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے(ت)

اسی طرح علامہ سید احمد مصری نے حاشیہ در میں نقل کیا اور مقرر رکھا، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] بحرالرائق کتاب الطہارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۶

یجوز رفع الحدث بماذکر [1] الخ (مذکور چیز کے ساتھ حدث کو ختم کرنا جائز ہے الخ۔ت) اسی پر ردالمحتار میں کہا:

یجوز ای یصح وان لم یحل فی نحو الماء المغصوب وھو اولی من ارادۃ الحل وان کان الغالب ارادۃ الاول فی العقود والثانی فی الافعال [2]۔	یجوز یعنی یصح، اگرچہ حلال نہ ہو، مثلاً غصب شدہ پانی کے ساتھ، اور یہی معنٰی یہاں بہتر ہے بجائیکہ حلال والا معنی مراد لیا جائے اگرچہ صحیح غالب طورپر عقود میں اور حلال افعال میں استعمال ہوتا ہے۔(ت)

درمختار کتاب الاشربہ میں ہے:

صح بیع غیر الخمر مامر و مفادہ صحۃ بیع الحشیشۃ والافیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیشۃ ھل یجوز فکتب لایجوز فیحمل علی ان مرادہ بعدم الجواز عدم الحل [3]۔	مذکورہ چیزوں میں سے غیر خمر کی بیع صحیح ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ حشیش اور افیون کی بیع صحیح ہے، میں کہتا ہوں کہ ابن نجیم سے حشیش کی بیع کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ جائز ہے تو انھوں نے جواب میں لکھا لایجوز۔ ان کا مقصد عدم جواز سے عدم حل ہے۔(ت)

بالجملہ جواز کے یہ دونوں اطلاق شائع وذائع ہیں اور ان کے سوا اور اطلاقات عــہ بھی ہیں جن کی تفصیل سے

عــہ: فقد یطلق بمعنی النفاذ کماقال فی کفاءۃ التنویر امرہ بتزویج امرأۃ فزوجہ امۃ جاز [4] ای نفذ لان الکلام ثمہ فی النفاذ لافی الجواز [5] افادہ السادات الثلثۃ المحشون ح ط ش	اور کبھی جواز کا اطلاق "نفاذ" پر بھی ہوتا ہے جیساکہ تنویر کے کفاءۃ کے باب میں ہے، اگر کسی نے دوسرے کو کہا کسی عورت سے میرا نکاح کردے تو اس نے لونڈی سے نکاح کردیا تو جائز ہے یعنی نافذ ہے کیونکہ یہاں نفاذ میں بات ہورہی ہے جواز میں بحث نہیں، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۱۲۳

[3] درمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۰

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[5] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۵

یہاں بحث نہیں۔اب اس صورت خاصہ میں جواز بمعنی صحت ضرور ہے یعنی نکاح کر دیں تو ہو جائے گا اور حل بمعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھو اخص من وجه من الصحة والحل جمیعاً فقد ینفذ عقد ولایصح ولایحل کالبیع عند اذان الجمعة الی اجل مجھول وقد یصح ویحل ولاینفذ کبیع فضولی مستجمعاً شرائط الصحة والحل، قال فی ردالمحتار ظاھرہ ان الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق [1] الخ وقد یطلق بمعنی اللزوم قال فی رھن الدر القبض شرط اللزوم کما فی الھبة [2] اھ قال الشامی قال فی العنایة ھو مخالف لروایة العامة قال محمد لایجوز الرھن الامقبوضاً اھ وفی السعدیہ انہ علیہ الصلٰوۃ والسلام قال لاتجوز الھبة الامقبوضة والقبض لیس بشرط الجواز فی الھبة فلیکن ھنا کذٰلك اھ وحاصله ان یفسر ھنا ایضاً الجواز

اس فائدے کو تین بزرگوار محشّی حضرات ____ یعنی حلبی، طحطاوی اور شامی نے بیان کیا،اور یہ معنٰی پہلے دو معنٰی صحیح اور حلال ہونے سے خاص من وجہ ہے کیونکہ کبھی عقد صحیح اور حلال نہ ہونے کے باوجود نافذ ہوتا ہے جیسے جمعہ کی اذان کے بعد بیع مجہول مدت کے ادھار پر ہو،اور کبھی عقد حلال اور صحیح ہوتا ہے لیکن نافذ نہیں ہوتا، جیساکہ فضولی کی وہ بیع جو حلال اور صحیح ہونے کی شرائط کی جامع ہو،ردالمحتار میں کہا کہ موقوف بیع، صحیح کی قسم ہے اور یہ مشائخ کے استعمال کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے الخ اور جواز بمعنی لزوم بھی استعمال ہوتا ہے، درمختار کے مسئلہ رہن میں ہے کہ قبضہ لزوم کے لیے شرط ہے جیساکہ ہبہ میں ہوتا ہے اھ،اس پر علامہ شامی نے کہا کہ عنایہ میں کہا ہے کہ یہ عام روایت کے خلاف ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ رہن، قبضہ کے بغیر صحیح نہیں اھ اور سعدیہ میں ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ ہبہ قبضہ کے بغیر جائز نہیں، جبکہ ہبہ کے جواز کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے، مناسب ہے کہ یہاں بھی یونہی ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں رہن کے معاملہ میں بھی امام محمد کے قول میں جواز کی تفسیر لزوم کے ساتھ کی جائے نہ کہ صحت کے ساتھ جیساکہ فقہاء نے ہبہ میں کیا یعنی لایجوز کا معنی یہی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

عدم حرمت وطی بھی حاصل یعنی اس میں جماع زنانہ ہوگا وطی حرام نہ کہلائے گا۔

وذلك كقوله عزوجل واحل لكم ما وراء ذلكم مع ان فيهن من يكره نكاحهن تحريما كالكتابية كما سيأتي فعلم ان الحل بهذا المعنى لاينافي الاثم في الاقدام على فعل النكاح فافهم واحفظ كيلا تزل والله الموفق۔	اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد "تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں محرمات کے سوا" حالانکہ غیر محرمات میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جن سے نکاح مکروہ تحریمہ ہے جیساکہ کتابیہ عورت کے بارے میں آئندہ بیان ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ اس معنی میں حلال، نکاح کرنے کے اقدام پر گناہ کے منافی نہیں ہے، اس کو سمجھو اور یاد رکھو تاکہ غلط فہمی نہ ہو اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

باللزوم لابالصحة كما فعلوا في الهبة [1] اھ مختصرًا وفي مداينات غمز العيون لوجاز اي لزوم تاجيله لزم ان يمنع المقرض عن مطالبة قبل الاجل ولاجبر على المتبرع [2] اھ وهو اخص مطلقا من الصحة والنفاذ فقد يصح الشيئ وينفذ ولالزوم كتزويج العم من كفو بمهر المثل ولالزوم لموقوف فهو ظاهر ولالفاسد لانه واجب الفسخ، ومن وجه من الحل فقد يلزم ولايحل كالبياعات المكروهة، والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله (م)

لایلزم ہو (یعنی قبضہ کے بغیر رہن جائز تو ہے لازم نہیں) اھ مختصرًا۔ اور غمز العیون کے مداینات میں ہے لوجاز یعنی مہلت لازم ہوگی تو لازم ہے کہ قرضخواہ کو مدت پوری ہونے سے قبل مطالبہ سے منع کیا جائے جبکہ قرض کی نیکی کرنے والے پر جبر نہیں ہوسکتا، اھ اور جواز بمعنی لزوم، نفاذ اور صحت کے معنی سے خاص مطلق ہے کیونکہ کبھی چیز صحیح اور نافذ ہوتی ہے اور لازم نہیں ہوتی، جیساکہ چچازاد کا مہر مثل کے ساتھ کفو میں لڑکی کا نکاح کرنا صحیح اور نافذ ہے مگر لازم نہیں کیونکہ یہ موقوف ہے اور موقوف چیز لازم نہیں ہوتی، اور یہ ظاہر ہے، اور فاسد بھی لازم نہیں کیونکہ وہ واجب الفسخ ہے اور جواز بمعنی لزوم جواز بمعنی حل سے خاص من وجہ ہے، کیونکہ کبھی چیز لازم ہوتی ہے مگر حلال نہیں ہوتی جیساکہ مکروہ بیع کا حکم ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الرهن دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۰۸/۵

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷-۴۴۶

عبارات درمختار وغیرہ تجوز مناکحة المعتزلة لانا لانکفر احدا من اھل القبلة وان وقع الزاما لھم فی المباحث [1] (معتزلہ سے نکاح جائز ہے ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے اگرچہ بحث کے طور پر ان پر کفر کا الزام ثابت ہے۔ت) کے یہی معنی ہیں، پر ظاہر کہ نکاح عقد ہے اور ابھی بحر الرائق وطحطاوی وردالمحتار سے گزرا کہ عقود میں غالب وشائع جواز بمعنی صحت ہے مگروہ عدم جواز بمعنی ممانعت واثم کے منافی نہیں، فتح القدیر وغنیہ و بحر الرائق وغیرہا میں ہے:

یراد بعدم الجواز عدم الحل ای عدم حل ان یفعل وھو لاینافی الصحة [2]۔	عدم جواز سے عدم حل مراد لیا جاتا ہے یعنی اس کا کرنا حلال نہیں اور یہ صحیح کے منافی نہیں۔(ت)

رہا جواز فعل بمعنی عدم ممانعت شرعیہ بد مذہبوں سے سنیہ عورت کا نکاح کر دینا روا ومباح ہو جس میں کچھ گناہ ومخالفت احکام شرع نہ ہو یہ ہر گز نہیں۔ارشاد مشائخ کرام المناکحة بین اھل السنة و اھل الاعتزال لاتجوز [3] کے یہی معنی ہیں یعنی سنیوں اور معتزلیوں میں مناکحت مباح نہیں، فتاوٰی خلاصہ میں فرمایا: المسألة فی مجموع النوازل [4]۔ یہ مسئلہ مجموع النوازل امام فقیہ احمد بن موسی کشنی تلمیذ امام مفتی الجن والانس عارف باللہ سیدنا نجم الدین عمر النسفی میں ہے اسی میں فرمایا: کذا اجاب الامام الرستغفنی [5] امام رستغفنی نے ایسا ہی جواب ارشاد فرمایا۔ردالمحتار میں نہایہ امام سغناقی سے ہے انھوں نے اپنے شیخ سے نقل کیا وہ فرماتے تھے:

الرستغفنی امام معتمد فی القول والعمل ولو اخذنا یوم القٰیمة للعمل بروایته ناخذه کما اخذنا [6]۔	یعنی رستغفنی امام معتمد ہیں قول وفعل میں، اگر روز قیامت ان کی روایت پر عمل میں ہم سے گرفت ہوئی تو ہم ان کا دامن پکڑیں گے کہ ہم نے ان کے ارشاد پر عمل کیا۔

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] فتح القدیر باب الامامة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

[3] بحر الرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۲

[4] خلاصة الفتاوٰی کتاب النکاح جنس آخر فی الاجازة مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۶

[5] خلاصة الفتاوٰی کتاب النکاح جنس آخر فی الاجازة مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۶

[6] ردالمحتار

وجیز امام کردری میں ہے:

سمعت عن ائمة خوارزم انه یتزوج من المعتزلی ولایزوج منھم کما یتزوج من الکتابی ولایزوج منھم ولعله اخذ ھذا التفصیل من کلام ابی حفص السفکردری [1]۔	میں نے بعض ائمہ خوارزم سے سنا کہ معتزلی کی بیٹی تو بیاہ لے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں نہ دے۔جس طرح یہودی نصرانی کی بیٹی بیاہ لیتا ہے اور اپنی بیٹی ان کے نکاح میں نہیں دیتا اور ممکن ہے کہ ان امام نے یہ تفصیل امام ابوحفص سفکردری کے قول سے اخذ کی۔

یہ دوسرا جواب ہے اس شبہہ کا،کہ مبتدعین کتابیوں سے بھی گئے گزرے **ثم اقول: وباللہ التوفیق** (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ت) اگر نظر تحقیق کو رخصت جولاں دیجیئے تو بدمذہب سے سنیہ کی تزویج ممنوع ہونے پر شرع مطہر سے دلائل کثیرہ قائم ہیں مثلاً:

دلیل اول: قال عزوجل وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [2]۔	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

بدمذہب سے زیادہ ظالم کون ہے اور نکاح کی صحبت دائمہ سے بڑھ کر کون سی صحبت،جب ہر وقت کا ساتھ ہے،اور وہ بدمذہب توضرور اس سے نادیدنی دیکھے گی ناشنیدنی سنے گی اور انکار پر قدرت نہ ہوگی اور اپنے اختیار سے ایسی جگہ جانا حرام ہے جہاں منکر ہو اور انکار نہ ہوسکے نہ کہ عمر بھر کے لیے اپنے یا اپنی قاصرہ مقسورہ عاجز مقہورہ کے واسطے اس فضیحہ شنیعہ کا سامان پیدا کرنا۔

دلیل دوم: قال تبارك وتعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ [3]۔	اللہ کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمھیں میں سے تمھارے جوڑے بنائے کہ ان سے مل کر چین پاؤ اور تمھارے آپس میں دوستی و مہر رکھی۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ کتاب النکاح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۲

[2] القرآن ۶/۶۸

[3] القرآن ۳۰/۲۱

ان للزوج من المرأۃ لشعبۃ ماھی لشئی [1]۔ رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عورت کے دل میں شوہر کے لیے جو راہ ہے کسی کے لیے نہیں (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

آیت گواہ ہے کہ زن وشوئی وہ عظیم رشتہ ہے کہ خواہی نخواہی باہم انس ومحبت الفت ورافت پیدا کرتا ہے اور حدیث شاہد ہے کہ عورت کے دل میں جو بات شوہر کی ہوتی ہے کسی کی نہیں ہوتی، اور بدمذہب کی محبت سم قاتل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ [2] تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المرء مع من احب [3]۔ رواہ الائمۃ احمد والستۃ الا ابن ماجہ عن انس والشیخان عن ابن مسعود واحمد ومسلم عن جابر وابوداؤد عن ابی ذر والترمذی عن صفوان بن عسال وفی الباب عن علی وابی ہریرۃ وابی موسٰی وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	آدمی کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے (اس کو امام محمد نے اور ابن ماجہ کے ماسوا صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا ہے حضرت انس سے اور بخاری ومسلم نے ابن مسعود سے، احمد ومسلم نے جابر سے، ابوداؤد نے ابوذر سے، اور ترمذی نے صفوان بن عباس سے، اور اس باب میں علی، ابوھریرہ، ابوموسٰی وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے۔ت)

دلیل سوم: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ [4]۔	اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور بدمذہبی ہلاک حقیقی ہے۔

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا): وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ [5] (اور خواہش کے

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۲، سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵
[2] القرآن ۵/ ۵۱
[3] سنن ابوداؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳
[4] القرآن ۲/ ۱۹۵
[5] القرآن ۳۸/ ۲۶

پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی۔ت) اور صحبت خصوصًا بد کا اثر پڑ جانا احادیث وتجاربِ صحیحہ سے ثابت۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ریحا طیبة ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك واما ان تجد منه ریحا خبیثة[1]۔رواه الشیخان عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اچھے اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی پھونکتا، وہ مشک والا یا تجھے مفت دے گا یا تو اس سے مول لے گا۔اور کچھ نہیں تو خوشبو ضرور آئے گی،اور دھونکنی والا تیرے کپڑے جلادے گا یا تجھے اس سے بد بو آئے گی۔(اسے شیخین (امام بخاری و مسلم) نے ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سواده اصابك من دخانه[2]۔رواه ابوداؤد والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	برا ہمنشین دھونکنے والے کی مانند ہے تجھے اس کی سیاہی نہ پہنچے تو دھواں تو پہنچے گا۔(اس کو ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تیسری حدیث صریح میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔رواه مسلم۔	گمراہوں سے دور بھاگو۔انھیں اپنے سے دور کرو۔کہیں وہ تمھیں بہکا نہ دیں۔کہیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔(اس کو مسلم نے روایت کیاہے۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعتبروا الصاحب بالصاحب[4]۔رواه ابن عدی	مصاحب کو مصاحب پر قیاس کرو(اس کو ابن عدی

[1] صحیح بخاری باب المسك قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۳۰/۲
[2] سنن ابوداؤد باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۳۰۸/۲
[3] صحیح مسلم باب النہی عن الروایة عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۰/۱
[4] کنز العمال بحوالہ عبداللہ بن مسعود حدیث ۲۴۷۳۰ مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۸۹/۱۱

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ حسن لشواھدہ۔	نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیااور اس کے شواہد کی بناپر اس حدیث کو انھوں نے حسن قرار دیا۔ت)

پانچویں حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وقرین السوء فانك به تعرف [1]۔رواہ ابن عساکر عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	برے ہمنشین سے دور بھاگ کہ تو اسی کے ساتھ مشہور ہوگا(اس کو ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ماشیئ ادل علی الشیئ ولاالدخان علی النار من الصاحب علی الصاحب [2]۔ذکرہ التیسیر۔	کوئی چیز دوسری پر اور نہ دھواں آگ پر اس سے زیادہ دلالت کرتا ہے جس قدر ایک ہمنشین دوسرے پر(اس کو تیسیر میں ذکر کیاگیا۔ت)

عقلاء کہتے ہیں گوش زدہ اثرے دارد نہ کہ عمر بھر کان بھرے جانا۔ پھر اس کے ساتھ **دوسرا** مؤید شوہر کااس پر حاکم ہونا، مجربین کہتے ہیں: **الناس علی دین ملوکھم** [3](لوگ اپنے حکمرانوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ت)

تیسرا مؤید عورت میں مادہ قبول وانفعال کی کثرت، وہ بہت نرم دل ہیں جلد اثر پذیر ہیں یہاں تک کہ اہل تجربہ میں موم کی ناک مشہور ہیں۔خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **رویدك یاانجشہ بالقواریر** [4](اے انجشہ! آبگینوں کو بچا کر رکھو۔ت) **چوتھا** مؤید، ان کا ناقصات العقل والدین ہونا، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا **کمافی الصحیحین** (جیساکہ صحیحین میں ہے۔ت) **پانچواں** مؤید، شوہر کی محبت، جس کا بیان آیت وحدیث سے گزرا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حبك الشیئ یعمی ویصم [5]۔رواہ احمد والبخاری	محبت اندھا بہرا کر دیتی ہے(اسے احمد وبخاری

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر حدیث مکتبۃ التراث الاسلامی حلب ۹/ ۴۳

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ماقبل کے تحت مکتبۃ امام شافعی الریاض السعودیہ ۲/ ۴۰۲

[3] المقاصد الحسنہ حرف النون حدیث دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۴۱

[4] صحیح بخاری باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷

[5] سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی الھوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

فی التاریخ وابوداؤد عن ابی الدرداء وابن عساکر بسند حسن عن عبداللہ بن انیس والخرائطی فی الاعتلال عن ابی برزۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	نے اپنی تاریخ میں اور ابوداؤد نے ابودرداء سے، اور ابن عساکر نے سند حسن کے ساتھ عبداللہ بن انیس سے اور خرائطی نے اعتلال میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل[1]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	آدمی اپنے محبوب کے دین پر ہوتا ہے تو دیکھ بھال کر کسی سے دوستی کرو (اسے ابوداؤد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مسلمانو! اللہ عزوجل عافیت بخشے دل پلٹتے خیال بدلتے کیا کچھ دیر لگتی ہے قلب کہتے ہی اس لیے ہیں کہ وہ منقلب ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل القلب مثل الریشۃ تقلبہا الریاح بفلاۃ[2]۔ رواہ ابن ماجۃ عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دل کی حالت اس پر کی طرح ہے کہ میدان میں پڑا ہو اور ہوائیں اسے پلٹے دے رہی ہوں۔ (اس کو ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نہ کہ عورتوں کا سانرم نازک دل اور اس پر یہ صحبت وسماع متصل پھر واسطہ حاکمی محکومی کا اور اس کے ساتھ مہر و محبت کا غضب جذبہ باعثوں داعیوں کا یہ متواتر وفور اور مانع کہ عقل ودین تھے ان میں نقصان وقصور تو اس تزویج میں قطعاً یقیناً عورت کی گمراہی وتبدیل مذہب کا مظنہ قویہ ہے اور یہ خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہے کہ بنص قطعی ممنوع وناروا ہے شرع مطہر جس چیز کو حرام فرماتی ہے کہ مقدمہ وداعی کو بھی حرام بتاتی ہے **مقدمۃ الحرام حرام** (حرام کا پیش خیمہ بھی حرام ہوتا ہے۔ت) مقدمہ مسلمہ ہے، **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

وَلَاتَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَ	زنا کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور

[1] سنن ابوداؤد کتاب الادب باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۰۸

[2] سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

سَآءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾ [1]	بہت بری راہ۔

جس طرح زنا حرام ہوا زنا کے پاس جانا بھی حرام ہوا اور یہ خیال کہ ممکن ہے اثر نہ ہو محض نافہمی اور عقل و نقل دونوں سے بیگانگی ہے داعی کے لیے مفضی بالدوام ہونا ضرور نہیں آخر بوس و کنار و مس و نظر دواعی وطی داعی ہی ہونے کے باعث حرام ہوئے مگر ہرگز مستلزم و مفضی دائم نہیں۔

دلیل چہارم: قال المولی تبارك وتعالٰی (مولی تبارک و تعالٰی نے فرمایا):

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ [2]۔	مرد حاکم و مسلط ہیں عورتوں پر بسبب اس فضیلت کے جو اللہ نے ایک دوسرے پر دی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعظم الناس حقا علی المرأة زوجها [3]۔ رواہ الحاکم وصححه عن ام المومنین الصدیقه رضی اللہ تعالٰی عنها۔	عورت پر سب سے بڑھ کر حق اس کے شوہر کا ہے (اسے حاکم نے روایت کیا اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تصحیح کی۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوکنت امر احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجهن لما جعل اللہ لهم علیهن من الحق [4]۔ ولوکان من قدمه الی مفرق رأسه قرحة تنجس بالقیح والصدید ثم استقبلته فلحسته ماادت حقه [5]۔ رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن قیس بن سعد بن عبادة واحمد	اگر میں کسی کو حکم کرتا کہ غیر خدا کو سجدہ کرے تو البتہ عورتوں کو حکم کرتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں بسبب اس حق کے کہ اللہ عزوجل نے ان کے لیے ان پر رکھا ہے۔ اور اگر شوہر کی ایڑی سے مانگ تک سارا جسم پھوڑا ہو جس سے پیپ اور گندا پانی جوش مارتا ہو عورت آکر اپنی زبان سے اسے چاٹ کر صاف کرے تو خاوند کا حق ادا نہ کیا (اس کو ابوداؤد

---

[1] القرآن ۱۷/۳۲

[2] القرآن ۴/۳۴

[3] مستدرک للحاکم کتاب البر والصلة دارالفکر بیروت ۴/۱۵۰

[4] سنن ابی داؤد باب فی حق الزوج علی المرأة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۱، المستدرک للحاکم کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۲/۱۸۷

[5] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند انس بن مالك دارالفکر بیروت ۳/۱۵۹

والترمذی عن انس بن مالك وفصل السجود احمد وابن ماجة وابن حبان عن عبدالله بن ابی اوفی والترمذی وابن ماجة عن ابی ھریرۃ واحمد عن معاذبن جبل والحاکم عن بریدۃ الاسلمی رضی الله تعالٰی عنھم اجمعین۔	اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ قیس بن سعد بن عبادہ، اور احمد اور ترمذی نے انس بن مالک سے، اور احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے عبدالعزیز بن ابی اوفٰی سے سجدہ کی فصل میں، اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ابوھریرہ سے اور احمد نے معاذ بن جبل اور حاکم نے بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

الغرض شوہر کے لیے سخت واجب التعظیم ہے اور بدمذہب کی تعظیم حرام، متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام [1]۔ رواہ ابن عدی وابن عساکر عن ام المومنین الصدیقه والحسن بن سفیان فی مسندہ وابونعیم فی الحلیة عن معاذ بن جبل والسجزی فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس والطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة عن عبدالله بن بسر والبیھقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرۃ التابعی المکی الثقة مرسلا فالصواب ان الحدیث حسن بطرقه۔	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد کی (اس کو ابن عدی اور ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے حلیہ میں معاذ بن جبل سے اور سجزی نے ابانۃ میں ابن عمر سے اور ابن عدی نے ابن عباس سے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں عبداللہ بن بسر اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابراہیم بن میسرہ تابعی مکی سے مرسل طور پر روایت کیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اپنے طرق پر یہ حدیث حسن ہے۔ت)

علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ مبتدع تو مبتدع فاسق بھی شرعا واجب الاہانۃ ہے اور اس کی تعظیم ناجائز، علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح میں فرماتے ہیں:

الفاسق العالم تجب اھانته شرعا فلایعظم۔ [2]	فاسق عالم کی شرعا توہین ضروری ہے اس لیے اس کی تعظیم نہ کی جائے۔ (ت)

[1] شعب الایمان حدیث نمبر ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶۱/۷

[2] مراقی الفلاح فصل فی بیان الاحق بالامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

امام علامہ فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق، پھر علامہ سید ابوالسعود ازہری فتح المعین، پھر علامہ سید احمد مصری حاشیہ در مختار میں فرماتے ہیں:

قد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1]۔	ان پر اس کی اہانت ضروری ہے۔(ت)

علامہ محقق سعد الملۃ والدین تفتازانی مقاصد وشرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

حکم المبتدع البغض والعداوۃ والاعراض عنہ والاھانۃ والطعن واللعن[2]۔	بد مذہب کے لیے حکم شرعی یہ ہے کہ اس سے بغض و عداوت رکھیں، روگردانی کریں، اس کی تذلیل وتحقیر بجالائیں۔ اس سے طعن کے ساتھ پیش آئیں۔

لاجرم ثابت ہوا کہ بدمذہب کو سنیہ کا شوہر بنانا گناہ وناجائز ہے۔

دلیل پنجم: قال العلی الاعلی جل وجلا (اللہ بلند واعلٰی نے فرمایا): **وَّ اَلۡفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الۡبَابِ ؕ**[3] ان دونوں نے زلیخا کے سید وسردار یعنی شوہر کو پایا دروازے کے پاس، ردالمحتار باب الکفاءۃ میں ہے: **النکاح رق للمرأۃ والزوج مالک**[4] نکاح سے عورت کنیز ہو جاتی ہے اور شوہر مالک۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولوا للمنافق یاسید فانہ ان یکن سیدا فقد اسخطتم ربکم عزوجل[5]۔ رواہ ابوداؤد و النسائی بسند صحیح عن بریدۃ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	منافق کو "اے سردار" کہہ کر نہ پکارو کہ اگر وہ تمھارا سردار ہو تو بیشک تم نے اپنے رب عزوجل کو ناراض کیا۔ (اس کو ابوداؤد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حاکم نے صحیح مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی نے شعب الایمان میں ان لفظوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] طحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴۳

[2] شرح مقاصد المبحث الثامن حکم المومن دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/۲۷۰

[3] القرآن ۱۲/۲۵

[4] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۷

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۲۴

اذا قال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربہ[1]۔	جو شخص کسی منافق کو "سردار" کہہ کر پکارے وہ اپنے رب عزوجل کے غضب میں پڑے۔

امام حافظ الحدیث عبدالعظیم زکی الدین نے کتاب الترغیب والترھیب میں ایک باب وضع کیا:

الترھیب من قولہ لفاسق او مبتدع یاسیدی، او نحوھا من الکلمات الدالۃ علی التعظیم[2]۔	یعنی ان حدیثوں کا بیان جن میں کسی فاسق یا بدمذہب کو "اے میرے سردار" یا کوئی کلمہ تعظیم کہنے سے ڈرانا۔

اوراس باب میں یہی حدیث انھیں روایات ابی داؤد ونسائی سے ذکر فرمائی۔جب صرف زبان سے "اے میرے سردار" کہہ دینا باعث غضب رب جل جلالہ ہے تو حقیقۃً سردار مالک بنالینا کس قدر سخت موجب غضب ہوگا والعیاذ باللہ رب العالمین۔

دلیل ششم: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗؕ[3] وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّؕ[4]۔ ایحب احدکم ان تکون کریمتہ فراش کلب فکرھتموہ[5]۔	اے لوگو! ایک مثل کہی گئی اسے کان لگا کر سنو، بیشک اللہ عزوجل حق بات فرمانے میں نہیں شرماتا۔ کیا تم میں کسی کو پسند آتا ہے کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی کتے کے نیچے بچھے تم اسے بہت برا جانوگے۔

رب جل وعلا نے غیبت کو حرام ہونا اسی طرز بلیغ سے ادا فرمایا:

اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُؕ[6]۔	کیا تم میں سے کوئی پسند رکھتا ہے کہ اپنے مردے بھائی کا گوشت کھائے، تو یہ تمھیں برا لگا۔

---

[1] مستدرک للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/۳۱۱، شعب الایمان حدیث دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۲۳۰

[2] الترغیب والترھیب الترھیب من قولہ لفاسق او مبتدع یاسیدی الخ مصطفی البابی مصر ۳/۵۷۹

[3] القرآن الکریم ۲۲/۷۳

[4] القرآن الکریم ۳۳/۵۳

[5] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۳۹، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۸۶

[6] القرآن ۴۹/۱۲

سنیو سنیو اگر سنی ہو تو بگوش سنو لیس لنا مثل السوء التی صارت فراش مبتدع کالتی کانت فراشا لکلب ہمارے لیے بری مثل نہیں جو عورت کسی بدمذہب کی جورو بنی وہ ایسی ہی ہے جیسے کسی کتے کے تصرف میں آئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی چیز دے کر پھیر لینے کا ناجائز ہونا اس وجہ انیق سے بیان فرمایا:

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء[1]۔	اپنی دی ہوئی چیز پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتّا قے کرکے اسے پھر کھالیتا ہے۔ ہمارے لیے بری مثل نہیں؟

اب اتنا معلوم کرنا رہا کہ بدمذہب کتا ہے یا نہیں؟ ہاں ضرور ہے بلکہ کتے سے بھی بدتر وناپاک تر، کتا فاسق نہیں اور یہ اصل دین ومذہب میں فاسق ہے، کتے پر عذاب نہیں اور یہ عذاب شدید کا مستحق ہے، میری نہ مانو سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث مانو، ابو حازم خزاعی اپنے جزء حدیثی میں حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصحاب البدع کلاب اھل النار[2]۔ بدمذہبی والے جہنمیوں کے کتے ہیں، امام دارقطنی کی روایت یوں ہے:

حدثنا القاضی الحسین بن اسمعیل نامحمد بن عبداللہ المخرمی نا اسمعیل بن ابان نا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل البدع کلاب اھل النار[3]۔	(قاضی حسین بن اسمٰعیل نے محمد بن عبداللہ مخرمی سے انھوں نے اسمٰعیل بن ابان سے انھوں نے حفص بن غیاث سے انھوں نے اعمش سے انھوں نے ابو غالب سے انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) بدمذہب لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں،

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۲۱۷

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۱۰۸۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/۵۲۸، کنز العمال بحوالہ ابی حاتم الخزاعی حدیث ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸

[3] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی امامہ حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳

ابو نعیم حلیہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اهل البدع شر الخلق والخليقة [1]۔	بدمذہب لوگ سب آدمیوں سے بدتر اور سب جانوروں سے بدتر ہیں۔

علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا:

الخلق الناس والخليقة البهائم [2]۔	خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد جانور ہیں۔(ت)

لاجرم حدیث میں ان کی مناکحت سے ممانعت فرمائی، عقیلی وابن حبان حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتجالسوهم ،ولاتشاربوهم ،ولاتؤاكلوهم ولاتناكحوهم [3]۔	بدمذہبوں کے پاس نہ بیٹھو، ان کے ساتھ پانی نہ پیو، نہ کھانا کھاؤ، ان سے شادی بیاہ نہ کرو۔

دلیل ہفتم: کتابیہ سے نکاح کا جواز عدم ممانعت وعدم گناہ صرف کتابیہ ذمیہ میں ہے جو مطیع الاسلام ہو کر دارالاسلام میں مسلمانوں کے زیر حکومت رہتی ہو وہ بھی خالی از کراہت نہیں بلکہ بے ضرر مکروہ ہے، فتح القدیر وغیرہ میں فرمایا:

الاولى ان لايفعل ولايأكل ذبيحتهم الاللضرورة [4]۔	بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت ان سے نکاح نہ کرے اور نہ ذبیحہ کھائے۔(ت)

مگر کتابیہ حربیہ سے نکاح یعنی مذکورہ جائز نہیں بلکہ عندالتحقیق ممنوع وگناہ ہے، علمائے کرام وجہ ممانعت اندیشہ فتنہ قرار دیتے ہیں کہ ممکن کہ اس سے ایسا تعلق قلب پیدا ہو جس کے باعث آدمی دارالحرب میں وطن کرلے نیز بچے پر اندیشہ ہے کہ کفار کی عادتیں سیکھے نیز احتمال ہے کہ عورت بحالت حمل قید کی جائے تو بچہ غلام بنے، محیط میں ہے:

يكره تزوج الكتابية الحربية لان الانسان لايأمن ان يكون بينها ولد فينشأ على طبائع اهل الحرب ويتخلق باخلاقهم فلا	حربیہ کتابیہ عورت سے نکاح مکروہ ہے کیونکہ انسان اس بات سے بے فکر نہیں ہوسکتا کہ اس سے بچہ پیدا ہو تو وہ اہل حرب میں پرورش پائیگا اور انکے طور طریقے اپنالے گا اور پھر مسلمان اس بچے سے

---

[1] حلیۃ الاولیا ترجمہ ابومسعود موصلی دارالکتاب العربی بیروت ۲۹۱/۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماقبل مکتبہ امام شافعی الریاض سعودیہ ۳۸۳/۱

[3] الضعفاء الکبیر للعقیلی حدیث دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۲۶/۱

[4] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۱۳۵/۳

یستطیع المسلم قلعه عن تلك العادة[1]۔	ان کی عادات کو چھوڑنے پر قادر نہ ہوگا۔ (ت)

فتح اللہ المعین میں علامہ سید احمد حموی سے ہے:

عم مالوکانت حربیة ولکن مکروه بالاجماع لانه ربما یختار المقام فی دارالحرب ولانه فیه تعریض ولده للرق فربما تحبل وتسبی معه فیصیر ولده رقیقا وان کان مسلما وربما یتخلق الولد باخلاق الکفار[2]۔	جواز نکاح کا حکم کتابیہ حربیہ کو بھی شامل ہے لیکن یہ مکروہ ہے بالاجماع، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بیوی کی وجہ سے دارالحرب میں قیام پسند کرلے، اور اس لیے بھی کہ اس میں بچے کو غلامی میں مبتلا کرنے کی سبیل ہوسکتی ہے کہ اس کی وہ حاملہ بیوی مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے قیدی ہو کر غلام بن جائے اگرچہ وہ مسلمان ہے نیز وہ بچہ دارالحرب میں کفار کی عادات کو اپنا سکتا ہے۔ (ت)

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں بعد عبارت مذکورہ فرمایا:

وتکره الکتابیة الحربیة اجماعا لانفتاح باب الفتنة من امکان التعلق المستدعی للمقام معها فی دارالحرب وتعریض الولد علی التخلق باخلاق اهل الکفر وعلی الرق بان تسبی وهی حبلی فیولد رقیقا وان کان مسلما[3]۔	حربیہ کتابیہ بالاجماع مکروہ ہے کیونکہ اس سے فتنے کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے وہ یہ کہ بیوی سے تعلق مسلمان مرد کو دارالحرب میں رہنے پر آمادہ کرسکتا ہے اور بچے کو کفار کی عادات کا عادی بنانے کا راستہ ہے نیز بچے کی غلامی کے لیے راستہ ہموار کرنے کی کوشش ہے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ بیوی حاملہ ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوجائے تو بچہ بھی ماں کی وجہ سے غلام بنے اگرچہ وہ مسلمان ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والاولی ان لایفعل یفید کراهة التنزیه فی غیر الحربیة ومابعده یفید کراهة التحریم فی الحربیة[4]۔	اس کے قول کہ "بہتر ہے نہ کرے" سے یہ فائدہ ملتا ہے کہ کتابیہ غیر حربیہ سے نکاح مکروہ تنزیہہ ہے جبکہ اس کا مابعد میں حربیہ کے بارے میں مکروہ تحریمہ ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ (ت)

---

[1] بحرالرائق بحوالہ المحیط فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۳

[2] فتح المعین فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۰

[3] فتح القدیر فصل فی المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[4] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ جواندیشے ائمہ کرام نے وہاں مرد اور اولاد کے لیے پیدا کئے وہ زائد ہیں یا یہ جو یہاں عورت واولاد کے لیے ہیں، وہاں مرد کا معاملہ ہے یہاں عورت کا، وہ حاکم ہوتا ہے یہ محکوم، وہ مستقل ہوتا ہے یہ متلونہ، وہ موثر ہوتا ہے یہ متاثر، وہ عقل ودین میں کامل ہوتا ہے یہ ناقصہ، وہ اگر دارالحرب میں متوطن ہوگیا تو گنہ گار ہوا دین نہ گیا یہ اگر اس کی صحبت میں مبتدعہ ہوگئی تو دین ہی رخصت ہوا، بچہ بعد شعور اپنے ماں باپ کی تربیت میں رہتاہے وہاں باپ مسلم ہے یہاں بدمذہب، وہاں کافروں کی عادتیں ہی سیکھنے کا احتمال ہے یہاں خود مذہب کے بدل جانے کا قوی مظنہ، وہاں اگر غلام بناتو ایک دنیوی ذلت ہے آخرت میں ہزاروں غلام کروڑوں آزادوں سے اعز واعلیٰ ہوں گے یہاں اگر رافضی وہابی ہوگیا تو اخروی ذلت دینی فضیحت ہے۔ وہاں غلامی ایک احتمال ہی احتمال تھی اور یہاں یہ بدانجامی مظنون قوی، تووہاں وہ اندیشے اگر کراہت تنزیہہ لاتے یہاں یہ ظنون کراہت تحریمیہ تک پہنچ جاتے، ہم اوپر گزارش کرچکے ہیں کہ شرعا جو چیز حرام ہے اس کے مقدمات ودواعی بھی حرام ہوتے ہیں اور جب کہ وہاں ان کے سبب کراہت تحریم مانیں تو یہاں ان کے باعث کھلی تحریم رکھی ہے، یہ تیسرا جواب ہے اس شبہہ کا کہ یہ ان سے بھی گئے گزرے، مع ہذا شرع مطہر میں اگرچہ وہ مبتدع جس کی بدعت حد کفر کو نہ پہنچی آخرت میں کفار سے ہلکا رہے گا ان کا عذاب ابدی ہے اور اس کا منقطع اور بعد موت دنیوی احکام میں بھی خفت ہوگی مگر اس کے جیتے جی اس کے ساتھ برتاؤ کافر ذمی کے برتاؤ سے اشد ہے اور اس کی وجہ ذی عقل پر روشن، کافر ذمی سے ہرگز وہ اندیشہ نہیں جو اس دشمن دین مدعی اسلام وخیر خواہ مسلمین سے ہے وہ کھلا دشمن ہے اور یہ مار آستین، اس کی بات کسی جاہل کے دل پر نہ جمے گی کہ سب جانتے ہیں یہ مردود کافر ہے خدا اور رسول کا صریح منکر ہے اور یہ جب قرآن وحدیث ہی کے حیلے سے بہکائے گا تو ضرور اسرع واظہر ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**، امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

ان کانت البدعة بحیث یکفربها فامره اشد من الذمی لانه لایقر بجزیة ولایسامح بعقد ذمة وان کان ممالایکفربه فامره بینه و بین الله اخف من امر الکافر لامحالة۔ ولکن الامر فی الانکار علیه اشدمنه علی الکافر لان شر الکافر غیر متعد	وہ بدعت جو مسلمان کو کفر میں مبتلا کردے تو ایسا کافر بدعتی دارالاسلام میں ذمی کافر سے بدتر ہے کیونکہ وہ جزیہ کا پابند نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عقد ذمہ کی پروا کرتا ہے اور اگر بدعت ایسی ہو جس کی وجہ سے بدعتی کو کافر نہیں کہا جاسکتا تو ایسے بدعتی کا معاملہ کافر کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور خفیف ہے لیکن اس کی تردید کا معاملہ کافر کے مقابلہ میں زیادہ اہم ہے کیونکہ کافر کا شر مسلمانوں کے لیے اتنا نقصان دہ

فان المسلمین اعتقد وا کفرہ فلایلتفتون الی قولہ اذلایدعی الاسلام واعتقاد الحق اما المبتدع الذی یدعوالی البدعۃ ویزعم ان مایدعو الیہ حق فھو سبب لغو ایۃ الخلق فشرہ متعدفالاستحباب فی اظہار بغضہ ومعاداتہ والانقطاع عنہ وتحقیرہ والتشنیع علیہ ببدعتہ وتنفیر الناس عنہ اشد[1]۔	نہیں کیونکہ مسلمان اس کے کافر ہونے کی وجہ سے اس کی بات کو قابل التفات نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اسلام اور حق کا مدعی نہیں بنتا لیکن گمراہ بدعتی اپنی بدعت کو حق قرار دے کر لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے اس لیے وہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کا سبب بنتا ہے لہٰذا اس کا شر زیادہ موثر ہے، ایسے شخص کو برا جاننا اس کی مخالفت کرنا، اس سے قطع تعلق کرنا، اس کی تحقیر کرنا، اس کارد کرنا، اور لوگوں کو اس سے متنفر کرنا زیادہ باعث اجر وثواب ہے۔ (ت)

یہ چوتھا جواب ہے اس شبہ کا الحمد للہ آفتاب حق بے حجاب سحاب متجلی ہوا اور دلائل واضحہ سے نہ صرف وہابی بلکہ ہر بدمذہب کے ساتھ سنیہ کی تزویج کا باطل محض یا اقل درجہ ممنوع وگناہ ہونا ظاہر ہوگیا، ہاں ہمارے بعض بھائیوں کا بعض متقشفی وہابیہ کے فریب سے دھوکا پاکر یہ عذر باقی ہے کہ یہ احکام تو ان کے لیے ہیں جو مذہب اہلسنت سے خارج ہیں اور وہابی ایسے نہیں فلاں فلاں وہابی تو سنی ہیں، اس کا جواب اسی قدر بس ہے کہ عزیز بھائیو! دین حق کے فدائیو! دیکھو یہ دام در سبزہ ہیں دھوکے میں نہ آئیو، بھلا وہابی صاحب جو چاہیں بکیں وہاں نہ خوف خدانہ خلق کی حیاء، مگر پیارے سنیو! تم نے یہ کیونکر باور کرلیا کہ بعض وہابی اہلسنت ہیں، عزیزو! کیا یہ اس کہنے سے کچھ زیادہ عجیب تر ہے کہ فلاں رات دن ہے یافلاں نصرانی، مومن ہے، جب سنیت، وہابیت سے صاف مباین ہے تو ان کا اجتماع کیونکر ممکن ہے، ہاں یوں کہتے تو ایک بات تھی کہ فلاں فلاں لوگ جو وہابی کہلاتے ہیں وہابی نہیں اہلسنت ہیں، بہت اچھا، چشم ماروشن دل ماشاد، خدا ایسا ہی کرے، اگر واقع اس کے مطابق ہے تو ہمارا کیا ضرر، اور اس فتوی پر اس سے کیا اثر، فتوی میں زید وعمرو کسی کی تعیین نہ تھی، سائل نے وہابی کی نسبت سوال کیا مجیب نے وہابی کے باب میں جواب دیا فلاں اگر وہابی نہیں سنی ہے اس سوال وجواب دونوں سے بری ہے، فتوی کی صحت میں کیا شک پروری ہے، پھر عزیز بھائیو! یہ تنزل جواب اس کے تسلیم ادعا پر مبنی ہے، ابھی امتحان کا مرحلہ باقی ودیدنی ہے، زبان سے کہہ دینا کہ ہم وہابی نہیں گنتی کے لفظ ہیں کچھ بھاری نہیں،

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا	کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اس زبانی کہہ دینے پر

[1] احیاء العلوم کتاب الالفۃ والاخوۃ بیان مراتب الذین یبغضون فی اللہ مکتبہ ومطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر ۱۶۹/۲

وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝[1]۔ لاالٰه الااللّٰه محمد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، وحسبنا اللّٰه ونعم الوکیل ولاحول ولاقوة الاباللّٰه العلی العظیم۔	چھوڑدئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اوران کی آزمائش نہ ہوگی۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے کوئی حرکت اور کوئی قوت اللہ تعالٰی عظیم وبلند کی مشیت کے بغیر نہیں ہے۔(ت)

بہت اچھاجو صاحب مشتبہ الحال وہابیت سے انکار فرمائیں امور ذیل پر دستخط فرماتے جائیں۔
کھوٹے کھرے کاپردہ کھل جائے گا چلن میں

(۱) مذہب وہابیہ ضلالت وگمراہی ہے۔

(۲) پیشوایان وہابیہ مثل ابن عبدالوہاب نجدی واسمٰعیل دہلوی ونذیر حسین دہلوی وصدیق حسن بھوپالی اور دیگر چھٹ بھیے آروی بٹالی پنجابی بنگالی سب گمراہ بددین ہیں۔

(۳) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ورسالہ یکروزی وتنویرالعینین تصانیف اسمٰعیل اوران کے سوادہلوی وبھوپالی وغیرہما وہابیہ کی جتنی تصنیفیں ہیں صریح ضلالتوں گمراہیوں اور کلمات کفریہ پر مشتمل ہیں۔

(۴) تقلید ائمہ فرض قطعی ہے بے حصول منصب اجتہاد اس سے روگردانی بددین کاکام ہے، غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اتباع واذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہان نامشخص ہیں ان کا تارک تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں اور اپنے سے اجہلوں کوترک تقلید کااغواکرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ اہلسنت سب رشد وہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھراس کا پیرو رہے، کبھی کسی مسئلہ میں اس کے خلاف نہ چلے، وہ ضرور صراط مستقیم پر ہے، اس پر شرعًا الزام نہیں ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کوکافی ہے تقلید شخصی کو شرک یاحرام ماننے والے گمراہ ضالین **متبع غیر سبیل المومنین** ہیں۔

(۶) متعلقات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء مثل استعانت وندا وعلم وتصرف بعطائے خدا وغیرہ مسائل متعلقہ اموات واحیامیں نجدی ودہلوی اوران کے اذناب نے جواحکام شرک گھڑے اور

---
[1] القرآن الکریم ۲/۲۹

عامہ مسلمین پر بلاوجہ ایسے ناپاک حکم جڑے یہ ان گمراہوں کی خباثت مذہب اور اس کے سبب انھیں استحقاق عذاب وغضب ہے۔

(۷) زمانہ کو کسی چیز کی تحسین وتقبیح میں کچھ دخل نہیں، امر محمود جب واقع ہو محمود ہے اگرچہ قرون لاحقہ میں ہو، اور مذموم جب صادر ہو مذموم ہے اگرچہ ازمنہ سابقہ میں ہو، بدعت مذمومہ صرف وہ ہے جو سنت ثابتہ کے رد وخلاف پر پیدا کی گئی ہو، جواز کے واسطے صرف اتنا کافی ہے کہ خدا اور رسول نے منع نہ فرمایا، کسی چیز کی ممانعت قرآن وحدیث میں نہ ہو تو اسے منع کرنے والا خود حاکم وشارع بننا چاہتا ہے۔

(۸) علمائے حرمین طیبین نے جتنے فتاوے ورسائل **مثل الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ وغیرہا** رد وہابیہ میں تالیف فرمائے سب حق وہدایت ہیں اور ان کا خلاف باطل وضلالت۔

حضرات! یہ جنت سنت کے آٹھ باب ہادی حق وصواب ہیں، جو صاحب بے پھیر پھار بے حیلہ انکار بکشادہ پیشانی ان پر دستخط فرمائیں تو ہم ضرور مان لیں گے کہ وہ ہرگز وہابی نہیں، ورنہ ہر ذی عقل پر روشن ہو جائیگا کہ منکر صاحبوں کا وہابیت سے انکار نرا حیلہ ہی حیلہ تھا، مسمے پر جمنا اور اسم سے رمنا، اس کے کیا معنی ؎

منکر می بودن ودر رنگ مستان زیستن

(منکر ہونا اور مستیوں کے رنگ میں جینا۔ت)

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۲۱۳[1] (اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ت)

الحمدللہ کہ یہ مختصر بیان تصدیق مظہر حق وحقیق اوائل عشرہ اخیرہ ماہ مبارک ربیع الاول شریف سے چند جلسوں میں بدرسمائے تمام اور بلحاظ تاریخ "**ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار**" نام ہوا، **و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین والحمدللہ رب العالمین۔**

مسئلہ ۲۰۰: غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی المذہب ہے اور ہندہ زوجہ شیعی مذہب رکھتی ہے اور باہم کسی طریقہ پر عقد بھی ہوگیا ہے ایسی حالت میں شرعًا ہمبستری یعنی مجامعت جائز ہے اور ایسی حالت میں جو اولاد ہوگی وہ نطفہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کے روافض تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں شاید شاذو نادر ان میں کوئی مسلمان نکل سکے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

جیسے کوّوں میں سپید رنگ کا کوّا، ایسی عورت سے نکاح محض باطل ہے اور قربت صریح زنا، اور اولاد یقیناً ولد الزنا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از کلکتہ سندریا پٹی ۱۰۹ متصل مسجد ناخدا دکان کتب شیخ فخر الدین مرسلہ نظیر حسن صاحب ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

بعالی خدمت جناب مولانا مولوی احمد رضاخان صاحب دام افضالہ پس از سلام مسنون الاسلام آن کہ زید نے اپنی سگی یعنی حقیقی بہن کی لڑکی کی لڑکی سے بحکم ایک عالم عقد کیا یہ از روئے شرع شریف کے عندالاحناف جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مفصل تحریر فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقد مذکور زنائے محض ہے حرام قطعی ہے سخت عظیم شدید گناہ کبیرہ ہے، نہ فقط حنفیّہ بلکہ شافعیہ مالکیہ حنبلیہ تمام امت مرحومہ کے اجماع سے حرام ہے نص قرآن عظیم سے حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

حرمت علیکم امھاتکم وبنتکم واخواتکم وعمّتکم وخالتکم وبنت الاخ وبنت الاخت[1]۔	تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، اور بھانجیاں حرام کی گئی ہیں۔ (ت)

اس آیہ کریمہ میں رب عزوجل نے بنات کا لفظ تین جگہ ارشاد فرمایا کہ حرام کی گئیں تم پر تمھاری بیٹیاں، بھائی کی بیٹیاں، بہن کی بیٹیاں، اگر بنات یعنی بیٹیاں پوتی نواسی کو بھی شامل تو ضرور بھائی بہن کی پوتی، نواسی بھی اسی حکم میں داخل، اور اگر شامل نہیں تو خود اپنی پوتی نواسی بھی حکم آیت میں داخل نہیں تو اس جاہل بیباک کے طور پر وہ حلال ٹھہرے گی، **لقولہ تعالٰی:** وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[2] (تمھارے لیے ان کے ماسوا حلال قرار دی گئی ہیں، ت) لاجرم کتب تفسیر میں اسی آیت کریمہ سے بھائی بہن کی پوتی نواسی کا حرام ابدی ہونا ثابت فرمایا اور کتب فقہ میں انھیں بھتیجی بھانجی میں داخل مان کر محارم ابدیہ میں گنایا، معالم التنزیل میں ہے:

یدخل فیھن بنات اولاد الاخ والاخت وان سفلن[3]۔	ان محرمات ابدیہ میں بھائی اور بہن کی اولاد کی بیٹیاں خواہ نیچے تک ہوں، داخل ہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

[3] معالم التنزیل حرمت علیکم امھتکم الخ کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/۵۰۱

تفسیر کبیر میں ہے:

النوع الثانی من المحرمات البنات کل انثی یرجع نسبھا الیك بالولادۃ بدرجۃ اوبدرجات باناث اوبذکر فھی بنتك النوع السادس والسابع بنات الاخ وبنات الاخت والقول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب والارحام [1] اھملتقطا۔	محرمات کی دوسری قسم بیٹیاں ہیں وہ تمام لڑکیاں جن کا نسب ایک درجہ یا کئی درجوں کے مرد اور عورتوں کے واسطہ سے تیری طرف بطور ولادت لوٹتا ہے وہ سب کی سب تیری بیٹیاں ہیں اور چھٹی اور ساتویں قسم بھائی اور بہن کی بیٹیاں ہیں، اور بھائی بہن کی بیٹیوں کا حکم بھی اپنی صلبی بیٹیوں کی طرح ہے، تو یہ سات اقسام نسب اور ارحام کی وجہ سے قرآنی نص سے حرام ہیں اھ ملتقطا (ت)

تفسیر بیضاوی و تفسیر ارشاد العقل میں ہے:

بنات الاخ وبنات الاخت تتناول القربی والبعدی [2]۔	محرمات میں بھائی اور بہن کی بیٹیاں قریب ہوں یا بعید ہوں سب شامل ہیں۔ (ت)

تفسیر جلالین میں ہے:

وبنٰت الاخ وبنٰت الاخت وتدخل فیھن اولادھن [3]۔	بھائی اور بہن کی بیٹیوں میں ان بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہے۔ (ت)

فتوحات الٰہیہ حاشیہ جلالین میں ہے:

فشملت العبارۃ بنت ابن الاخ وان سفل وبنت ابن الاخت وان سفل [4]۔	یہ عبارت بھتیجوں اور بھانجی کی بیٹیوں کو بھی اگرچہ نیچے تک ہو شامل ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

تحرم علی الرجل اختہ وبنتھا وبنت اخیہ	مرد پر اس کی بہن اور اس کی بھانجی اور بھتیجی اور ان

[1] تفسیر کبیر تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مطبعۃ البھیۃ مصر ۱۰/ ۲۹۔۲۸

[2] تفسیر بیضاوی تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۳

[3] تفسیر جلالین تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم اصح المطابع دہلی ص ۷۳

[4] فتوحات الھیہ حاشیہ جلالین تحت الآیۃ حرمت علیکم امھاتکم مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷۰

وان سفلتا[1]۔	کی اولاد نیچے تک حرام ہے۔(ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصله وفرعه اصله القریب[2]۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب(باپ اور ماں) کے فروع حرام ہیں۔(ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وبنات الاخوۃ والاخوات وان سفلت فیحرم جمیع هؤلاء[3]۔	بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک سب حرام ہیں۔(ت)

اصلاح میں ہے:

حرم علی المرء اصله وفرعه واخته وفرعها وفرع اخیه[4]۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اس کی بہن اور بھائیوں کی اولاد حرام ہے۔(ت)

درر میں ہے:

واخته وبنتها وان سفلت[5]۔	بہن اور اس کی بیٹیاں نیچے تک حرام ہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

تدخل فی بنات الاخ والاخت بناتهن وان سفلن[6]۔	بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان کی بیٹیاں بھی نیچے تک داخل ہیں۔(ت)

اختیار شرح مختار وخزانۃ المفتین میں ہے:

وبنات الاخ وبنات الاخوات وان سفلن فهن محرمات بنص الکتاب نکاحا	بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک محرمات ہیں جن سے نکاح، وطی اور اس کے دواعی کی ابدی حرمت

---

[1] ملتقی الابحر باب المحرمات موسسة الرسالة بیروت ۱/۲۳۹

[2] النقایة مختصر الوقایة کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[3] شرح وقایه المحرمات من النساء مجتبائی دہلی ۲/۱۱

[4] اصلاح

[5] درر الحکام کتاب النکاح احمد کامل الکائنه دار السعادت بیروت ۱/۳۳۰-۳۲۹

[6] فتح القدیر فصل فی بیان المحرمات نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۱۸

ووطأودواعیہ علی التابید [1]۔	کتاب اللہ کی نص سے ثابت ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خان وغیرہا میں ہے:

وبنات الاخوات وان سفلن [2]۔	بھانجیاں نیچے تک۔(ت)

محیط سرخسی وفتاوی عالمگیری میں ہے:

وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن [3]۔	یونہی بھتیجیاں اور بھانجیاں نیچے تک۔(ت)

انوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

المحرمات علی التابید بالنسب الامھات وان علت والبنات وان سفلت وبنات الاخوۃ والاخوات وان سفلت [4]۔	نسبی طور پر ابدی محرمات مائیں اوپر تک، بیٹیاں نیچے تک، بھانجیاں اور بھتیجیاں نیچے تک ہیں۔(ت)

اس جاہل احمق نکاح کرنے والے پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس اپنی سگی بیٹی سے جدا ہو جائے اور اس اجہل اضل عالم پر الزام کہ از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اپنے اس ناپاک ملعون فتوی سے توبہ کرے اپنی عورت سے نکاح از سر نو کرے۔"**اعلام بقواطع الاسلام**"میں ہے:

ومن ذلک(ای من المکفرات)ان یستحل محرما بالاجماع کالخمر واللواط ولوفی مملوکہ الخ [5]۔	کافر بنانے والی چیزوں میں سے کسی ایسی چیز کو حلال بنالینا جس کی حرمت پر اجماع ہے مثلاً شراب، لواطت خواہ اپنے مملوک سے ہو، الخ(ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

من اعتقد الحرام حلالا اوعلی القلب یکفر [6]۔	جو شخص حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے پر عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔(ت)

الٰہی! اس زمانہ پر فتن کے ہر فتنے وشر سے تیری پناہ، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

---

[1] الاختیار لتعلیل الاختیار فصل فی المحرمات دار فراس للنشر والتوزیع بیروت ۸۵/۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۷۳

[4] انوار الاعمال الابرار

[5] الاعلام بقواطع الاسلام ملحق بسبل النجاۃ مکتبہ حقیقۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۵۳

[6] فتاوٰی ہندیہ احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۷۲

مسئلہ ۲۰۲: از نواب گنج ضلع بریلی مکان تحصیلدار ظہور الاسلام صاحب مرسلہ حضرت سید نور عالم میاں صاحب مارہروی ۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع شریف اساطین فرقہ اہل سنت وجماعت متبعین ملت حنفیّہ اس باب میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کی زندگی میں اس کی خواہر حقیقی سے نکاح کیااور بعد نکاح خواہر زن مگر قبل خلوت صحیحہ یااس سے خلوت صحیحہ کے بعد پہلی بی بی کو طلاق دے دی ان دونوں صورتوں میں یہ نکاح عندالشرع درست وجائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب ایک بہن نکاح میں ہو دوسری سے نکاح حرام قطعی ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَیۡنَ الۡاُخۡتَیۡنِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حرام ہے دونوں بہنوں کو جمع کرنا۔(ت)

تو یہ نکاح ضرور حرام وناجائز ہوااور پہلی زوجہ کو اس نکاح فاسد کے بعد پیش از خلوت خواہ بعد خلوت طلاق دے دینا اس حرام کو حلال اس فاسد کو صحیح اس ناجائز کو جائز نہیں کرسکتا۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر اوّلاً زوجہ کو طلاق دے اور ہنوز اس کی عدت نہ گزری ہو کہ اس کی بہن سے نکاح کرلے تو یہ نکاح حرام ہوگا تو یہاں کہ پہلے اس کی خواہر سے نکاح کرلیا بعد کو طلاق دی کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

حرم الجمع بین المحارم نکاحا وعدۃ ولو من طلاق بائن [2]۔	وہ عورتیں جو آپس میں محرم ہوں ان کو نکاح اور عدت خواہ طلاق بائن کی عدت ہو، میں جمع کرنا حرام ہے۔(ت)

شخص مذکور پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اس دوسری کو چھوڑدے پھر اگر پہلی کی عدت گزر چکی ہے تو اسے اختیار ہوگا کہ اس دوسری کو چھوڑ کر ابھی معًا اس سے نکاح کرلے ورنہ اتنا انتظار فرض ہے کہ اس پہلی کی عدت گزر جائے اس کے بعد اس دوسری سے نکاح صحیح بروجہ شرعی کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۳: ۵ رجب ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاذاللہ ساس سے زنا کے باعث جب منکوحہ حرام ہوجائے تو اس سے پردہ بھی فرض ہوجاتا ہے یا وہ مثل محارم کے ہوجاتی ہے کہ دیکھنا، چھونا، تنہا مکان میں رہنا جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

الجواب:

مذہب اصح یہی ہے کہ حرمت مصاہرت اگرچہ معاذاللہ زنا سے ناشی ہوئی ہو عورت کو مثل محارم کے کردیتی ہے تو نظر ومس بہ شہوت تو قطعًا حرام ہوگئے اور بلاشہوت میں حرج نہیں جبکہ اپنے یا عورت کے لیے حدوث شہوت کا اندیشہ نہ ہو۔ بحالت اندیشہ بلاشہوت بھی دیکھنا چھونا حرام ہوگا بلکہ اگر شک بھی ہو کہ شاید مجھے یا عورت کو شہوت پیدا ہو، نہ ہو جب بھی حکم حرمت ہے، تنہا ایک مکان میں جانے کی تو اصلا اجازت نہیں کہ یہ خواہی نخواہی مظنہ شہوت ہے خصوصًا منکوحہ میں جو ایک زمانے تک اس کے نکاح میں رہ چکی اور باہم حجاب وتکلف مرتفع رہا تھا تو عندالانصاف جبکہ منکوحہ سے معاذاللہ حرمت مصاہرت پیدا ہو اسے مثل اجنبیہ تصور کرنے ہی میں احتیاط ہے **وباللہ العصمۃ**، درمختار میں ہے:

ینظر الرجل من محرمه هی من لایحل له نکاحها ابدا بنسب اوبسبب ولوبزنا. الی الراس والوجه والصدر والساق والعضدان أمن شهوته وشهوتها وان لم یأمن اوشاهی لایحل النظر والمس، کشف الحقائق لابن سلطان والمجتبی[1] اھ ملتقطا۔	محرمہ وہ عورت ہے جس سے ابدی طور پر نکاح حرام ہو، نسب کی وجہ سے محرمہ ہو یا کسی سبب کی وجہ سے وہ سبب زنا ہی کیوں نہ ہو، شہوت کا خدشہ نہ ہو تو ایسی محرم عورتوں کے سر، چہرہ، سینہ، پنڈلی اور بازو کو دیکھنا مرد کے لیے جائز ہے اور اگر مرد یا عورت کو شہوت کا خدشہ ہو یا کوئی ان میں سے حالت شہوت میں ہو تو پھر محرمہ کو چھونا اور دیکھنا جائز نہیں۔ کشف الحقائق ابن سلطان اور مجتبٰی اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله ولوبزنا ای ولوکان عدم حل نکاحها له بسبب زناه باصولها او فروعها قال الزیلعی وقیل انها کالاجنبیة والاول اصح اعتبارا للحقیقة لانها محرمة علیه علی التابید[2]۔	اس کا قول "اگرچہ زنا سے ہو" یعنی اس سے نکاح حلال نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اصول یا فروع سے زنا ہو، زیلعی نے کہا کہ ایسی عورت کا چھونے اور دیکھنے میں اجنبی عورت جیسا حکم ہے جبکہ پہلا قول اصح ہے کیونکہ اس کے ابدی ہونے کی حقیقت کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قوله اوشك معناه استواء الامرین	اس کا قول "اوشک" اس کا معنٰی یہ ہے کہ شہوت اور

---

[1] درمختار فصل فی النظر والمس مجتبائی دہلی ۲/۲۴۱

[2] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۳۵

تاتارخانیہ[1]۔	عدم شہوت دونوں کا احتمال مساوی ہو۔ تاتارخانیہ (ت)

درمختار میں ہے:

والخلوة بالمحرم مباحة الاالاخت رضاعا والصهرة الشابة[2]۔	محرم عورتوں سے خلوت مباح ہے مگر رضاعی بہن اور جوان ساس سے جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی القنیة وفی استحسان القاضی الصدر الشهید وینبغی للاخ من الرضاع ان لایخلو باخته من الرضاع لان الغالب هنالك الوقوع فی الجماع.اھ. وافادالعلامة البیری ان ینبغی معناه الوجوب هنا[3] اھ مافی ردالمحتار **قلت** فاذاکان الغالب ذلك فی الاخت رضاعا فماظنك فی التی کانت تحته زمانا وقد ذاق کل عسیلة صاحب.نسأل الله العفو والعافیة۔والله سبحنه وتعالٰی اعلم	قنیہ اور قاضی الصدر الشہید کے استحسان میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تخلیہ مناسب نہیں کیونکہ تخلیہ جماع کا موجب ہوتا ہے، غالب یہی ہے۔اھ اور علامہ بیری نے مفید بات کی ہے کہ یہاں ینبغی کا معنی وجوب ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا، **قلت** (میں کہتا ہوں کہ۔ت) جب رضاعی بہن کے متعلق غالب امر یہ ہے تو اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جو مدت بھر اس کی بیوی رہی ہو اور یہ مرد عورت دونوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے رہے ہوں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۴: از مارہرہ مطہرہ مدرسہ درگاہ معلٰی مرسلہ مولوی رحمت اللہ صاحب ۱۷ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ

زید نے ہندہ کے ساتھ عرصہ پندرہ برس کا ہوا نکاح کیا، لڑکا بھی پیدا ہوا پھر زید چلا گیا اور اب تک اس کی خبر نہ لی، نہ نان نفقہ دیا، چند بار اس کو واسطے دینے طلاق کے تحریر کیا، جواب نہ دیا، اب ہندہ دوسرا عقد کرنا چاہتی ہے بخیال حالات کہ زمانہ نامعلوم کیا امر نامناسب آئندہ پیش آئے، اس وقت بجز ندامت اہل دنیا والزام شرع کچھ سود نہ ہوگا، پس یہ از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۵/۵

[2] درمختار فصل فی النظر والمس مجتبائی دہلی ۲۴۱/۲

[3] ردالمحتار فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳۶/۵

الجواب

جب تک موت یا طلاق نہ ہو حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: شادی شدہ عورتیں۔(ت)

چارہ کار نالش ہے ورنہ صبر، ورنہ یہ نکاح خود کیا حرام نہ ہوگا تو وہم آئندہ سے بچنے کے لیے قصدًا حرام کاری کے کیا معنی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۸: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سید سید شیخ شیخ پٹھان پٹھان، آیا ان قوموں میں بڑے بھائی کی لڑکی اور چھوٹے بھائی کا لڑکا اس صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **(۲)** زید وعمرو حقیقی چچازاد بھائی ہیں اب عمرو کی دختر کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اور غیر حقیقی میں کیا حکم ہے؟ **(۳)** آپس میں بھائی اور بہنوں سوائے نسبی اور رضاعی کے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۴) زید کا دادا غیر حقیقی ہے اب زید اس غیر حقیقی دادا کی دختر سے نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان سب صورتوں میں یعنی اپنے حقیقی چچا کی بیٹی یا چچازاد بھائی کی بیٹی یا غیر حقیقی دادا کی اگرچہ وہ حقیقی دادا کا حقیقی بھائی ہو، اور رشتے کی بہن جو ماں میں ایک نہ باپ میں شریک نہ باہم علاقہ رضاعت جیسے ماموں خالہ پھوپھی کی بیٹیاں یہ سب عورتیں شرعًا حلال ہیں جبکہ کوئی مانع نکاح مثل رضاعت ومصاہرت قائم نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: محرمات کے علاوہ عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔(ت)

نقایہ میں ہے:

حرم اصلہ وفرعہ وفرع اصلہ القریب	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب (ماں باپ)

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

وصلبیۃ اصلہ للبعید[1]۔	کے فروع (بہن بھائی) اور اصل بعید (دادا اور اوپر والے) باپوں کے صلبی رشتے حرام ہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

حلال بنت عمہ وعمتہ وخالہ وخالتہ لقولہ تعالٰی وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ[2] اھ **قلت** ویدخل فیھم اعمام ابیہ وجدہ وان علا وامہ وجدتہ وان علت وعماتھم واخوالھم وخالاتھم کما دخلن فی قولہ تعالٰی وَعَمّٰتُکُمۡ وَخٰلٰتُکُمۡ کما فی التبیین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال ہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ محرمات کے ماسوا سب عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں، **قلت** (میں کہتا ہوں۔ت) ان میں ماں، باپ، دادا اور دادی کے چچوں اور ان کے ماموں، خالاؤں، اور پھوپھیوں کی بیٹیاں بھی حلال ہونے میں داخل ہیں، جیسا کہ تبیین میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۶ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو بہنیں اور ایک بیٹی ہے اور ان کا نکاح بھی ہوگیا ہے، اب آیا زید کی بیٹی کو زید کی دونوں بہنوں کے شوہر سے پردہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد مرنے کے ایک ہمشیرہ کے اس کے شوہر سے زید کی لڑکی کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس سے بھی پردہ اس حالت میں ہے یا نہیں؟ اور جس بہن کا شوہر زندہ ہے اس سے بھی نکاح درست ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل توجروا باجر الجزیل۔**

الجواب:

پھوپھی یا خالہ یا بہن اور اسی طرح جتنی عورت کی محارم ہیں ان کی زندگی میں ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح اگرچہ حرام۔

واصلہ قولہ عزوجل وان تجمعوا بین الاختین[3]۔ وفی الحدیث لاتنکح المرأۃ علی عمتھا ولا علی	اور اس کا اصل ___ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد "حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا" اور حدیث میں ہے کہ پھوپھی اور

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[3] القرآن الکریم ۴/۲۳

خالتہا[1]۔	خالہ کے ہوتے ہوئے ان کی بھتیجی اور بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے۔(ت)

مگر وہ عورت کے محارم نہیں ہوجاتے کہ ان سے نکاح صرف اس حالت تک حرام جب تک اس کی پھوپھی یا خالہ یا بہن یا کوئی محرم عورت ان کے نکاح میں ہے بعد افتراق بموت یا طلاق ان کے شوہروں سے عورت کا نکاح حلال ہے اور محرم وہ ہوتا ہے جس سے کبھی کسی حال میں نکاح نہ ہوسکے اس کی حرمت ابدیہ ہو جیسے باپ، بیٹا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، وغیرہم، اور جو محرم نہیں وہ اجنبی ہے اس سے پردہ کا ویسا ہی حکم ہے جیسے اجنبی سے خواہ فی الحال اس سے نکاح ہوسکتا ہو یا نہیں۔ اگر حرمت فی الحال عدم پردہ کے لیے کافی ہو تو چاہئے کہ زن شوہر کا تمام جہان میں سے کسی سے پردہ نہ ہو کہ جب تک وہ اپنے شوہر کے عقد عصمت میں ہے کسی کو اس سے نکاح روا نہیں۔ **قال اللہ تعالٰی: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[2] (منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) اس طرح جس مرد کے نکاح میں چار عورتیں موجود ہوں چاہئے کہ اس سے کسی عورت شوہر دار خواہ بے شوہر کا پردہ نہ ہو کہ جب تک ان چار میں سے کسی سے بذریعہ موت یا طلاق جدائی نہ ہو پانچواں نکاح اسے حلال نہیں، غرض یہ سب ہندی ہوسیں اور جاہلانہ رسمیں ہیں، شرع مطہر میں پھوپھا اور خالو اور بہنوئی اور جیٹھ اور دیور اور چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں کے بیٹوں اور راہ چلتے اجنبی سب کا ایک حکم ہے نہ وہ بے تکلف گھر میں آسکتا ہے بخلاف ان کے، ولہذا حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی یارسول اللہ ارایت الحمو یارسول اللہ! جیٹھ دیور کا حکم ارشاد ہو، فرمایا: **الحمو موت**[3] یہ تو موت ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی، اس بیان سے تمام مراتب سوال کا جواب منکشف ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از عثمان پور ڈاک خانہ کوٹھی ضلع بارہ بنکی مرسلہ محمد حسن یار خان صاحب ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی سنی المذہب کو اپنی دختر شیعی تبرائی وقاذف حضرت

---

[1] صحیح مسلم باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی / ، صحیح بخاری باب لاتنکح المرأۃ علی عمتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۶

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۴/۱۴۹

صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے عقد نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے اور کوئی سنی باوجود ناجائز سمجھنے کے بھی ایسا کرے تو اس کی بابت شرعا کیا حکم ہے؟ جواب مختصر ومدلل مرحمت فرمایا جائے، **بینوا توجروا**

الجواب:

معاذاللہ رافضی قاذف باجماع مسلمین کافر ملعون ہے یہاں تک کہ جو اسے کافر نہ جانے خود کافر ہے، ردالمحتار میں ہے:

لاشك فی تکفیر من قذف السیدۃ عائشه رضی اللہ تعالٰی عنها الخ [1]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت لگانے والے کے کفر میں کوئی شک نہیں الخ (ت)

اسی کے باب البغاوۃ میں ہے:

لان ذلك تکذیب صریح القراٰن [2]۔	کیونکہ یہ صریح قرآن کی تکذیب ہے۔ (ت)

جو شخص اپنی دختر یا خواہر ایسے کے نکاح میں دے وہ یقینا دیوث ہے۔ وہ اپنی بہن بیٹی کو صریح زنا کے لیے دینے والا ہے، حدیث ارشاد فرماتی ہے کہ اس پر جنت حرام ہے اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر نظر رحمت نہ فرمائے گا۔

احمد والنسائی والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند حسن عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، ثلٰثة لاینظر اللہ الیهم یوم القیامة العاق لوالدیه والمرأۃ المترجلة المتشبهة بالرجال والدیوث [3]۔وروی الحاکم والبیهقی فی الشعب بسند صحیح عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه	(احمد، نسائی اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔ ت) تین شخصوں پر اللہ تعالٰی روز قیامت نظر نہ کرے گا ماں باپ کو آزار دینے والا اور مردانی عورت یعنی مردوں کی وضع بنانے والی اور دیوث۔ (حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں بسند صحیح روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کا نافرمان اور

---

[1] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۴/۳

[2] ردالمحتار باب البغاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۱۰/۳

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت /. سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۳۵۷/۱

والدیوث ورجلۃ النساء [1]۔ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما. ثلثہ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث والرجلۃ من النساء ومدمن الخمر [2]۔	دیوث اور مردانی وضع کی عورت۔ (طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے: دیوث اور مردانی وضع کی عورت اور شرابی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱ تا ۲۱۲: از موضع مذکور بوساطت نواب نثار احمد خاں صاحب بریلوی ۱۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید باوجود علم ہونے کے حقیقی دو بہنوں کو اپنے عقد میں لایا اور دونوں کے ساتھ اوقات بسر کرتا ہے، اہل اسلام اس حرکت سے مانع ہوئے لیکن زید نے کچھ خیال نہ کیا، نہ دونوں میں سے کسی کو جدا کیا، مسلمانوں نے مجبور ہو کر زید سے اجتناب اختیار کیا مگر بعض اشخاص نے زید کا ساتھ دیا تو از روئے شرع شریف مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے یا نہیں؟ اور زید و نیز اس کے ہمراہیوں کے یہاں خورد ونوش اور سلام علیک جائز ہے یا نہیں؟ اور زید پر کون سی عورت جائز ہے اولٰی یا ثانیہ؟ یا دونوں ناجائز ہیں؟ جواب مدلل مرحمت فرمایئے، بینوا توجروا۔

(۲) سنی کو اپنی دختر شیعی کے نکاح میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے کوئی سنی باوجود ناجائز سمجھنے کے ایسا کرے تو اس بابت شرعاً کیا حکم ہے؟ اور جو سنی وشیعہ کی قرابت زمانہ سلف سے اس وقت تک جاری ہے اس کا کیا باعث ہے آیا اس وقت میں علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہیں فرمائی یا اس وقت کے شیعہ سے اس وقت کے شیعہ میں کچھ فرق ہے؟ اس کی وجہ مدلل زیب قلم فرمایئے کہ سائل کی خلش ومعترضین کا اعتراض دفع ہو جواب مختصر مدلل مرحمت فرمایا جائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اولٰی وثانیہ کہنے سے واضح ہوا کہ دونوں سے معاً نکاح نہ کیا تھا اس صورت میں ثانیہ سے نکاح

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الایمان ثلاثۃ لایدخلون الجنۃ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲، شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] مجمع الزوائد باب فیمن لایرضی لاھلہ بالخبث دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

حرام ہوالقولہ تعالٰی: وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ[1] (حرام ہے دو بہنوں کو جمع کرنا۔ت) اور جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا تھا زوجہ حلال تھی اسے ہاتھ لگاتے ہی وہ بھی حرام ہوگئی، اب جب تک اس دوسری کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے زوجہ کو بھی ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں، زید پر فرض ہے کہ اسے ترک کردے، جب اس کی عدت بعد متارکہ گزر جائے گی اس وقت زوجہ اس کے لیے حلال ہوگی۔

فی ردالمحتار الثانی باطل ولہ وطء الاولی الاان یطأ الثانیۃ فتحرم الاولی الی انقضاء عدۃ الثانیۃ کما لووطی اخت امرأتہ بشبھۃ حیث تحرم امرأتہ مالم تنقض عدۃ ذات الشبھۃ عن البحر[2]۔	ردالمحتار میں ہے: دوسرا نکاح باطل ہے اس کی پہلی سے وطی جائز ہے لیکن اگر دوسری سے وطی کرلی تو پہلی دوسری کی عدت گزر جانے تک حرام ہوگی جیسا کہ اگر شبہ کے طور پر بیوی کی بہن سے وطی ہوجائے تو بیوی اس وقت تک حرام رہتی ہے جب تک شبہ والی کی عدت نہ گزر جائے حلبی بحوالہ بحر۔ (ت)

مسلمانوں کا یہ اجتناب حق ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[3]۔	ظالموں کے ساتھ یاد آنے پر مت بیٹھو۔ (ت)

زید سے، جب تک تائب نہ ہو، ابتداء بسلام ممنوع ہے کہ وہ فاسق معلن ہے اور گناہ کبیرہ پر مصر ہے۔

فی الدرالمختار یکرہ السلام علی الفاسق لومعلنا[4] الخ وفی ردالمحتار عن فصول العلامی لایسلم علی الشیخ المازح الکذاب واللاغی ولاعلی من یسب الناس اوینظر وجوہ الاجنبیات ولاعلی الفاسق المعلن ولاعلی من یغنی اویطیر الحمام مالم تعرف توبتھم[5]۔	درمختار میں ہے کہ فاسق کو سلام کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ وہ اعلانیہ فسق کرتا ہو الخ، اور ردالمحتار میں ہے فصول علامی سے مروی ہے کہ جھوٹے اور مذاق کرنے والے بوڑھے، لغویات بولنے والے، لوگوں کو گالی گلوچ کرنے والے، اجنبی عورتوں کو دیکھنے والے، اعلانیہ فسق کرنے والے، گانے والے اور کبوتر بازی کرنیوالے کو اس وقت تک سلام نہ کیا جائے جب تک اس کی توبہ کا علم نہ ہوجائے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

[2] ردالمحتار باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶/۶۸

[4] درمختار فصل البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۱

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۶۷

اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے بھی احتراز کرنا چاہئے، سنن ابی داؤد وجامع الترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسو ھم فی مجالسھم واکلوھم وشاربو ھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داؤد وعیسٰی بن مریم[1]۔ الحدیث۔	جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے ان کے مولوی مانع آئے، انھوں نے نہ مانا، اب وہ مولوی ان کے پاس بیٹھے، ساتھ کھانا کھایا پانی پیا تو اللہ تعالٰی نے ان میں ایک کے دل میں دوسرے پر مارے اور ان سب کو ملعون کردیا داؤد اور عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر۔ (الحدیث)

زید کا ساتھ دینے والے اگر خاص اس گناہ میں اس کے مددومعاون ہوئے جب تو ظاہر کہ وہ بھی زید کے مثل بلکہ اس سے بدتر ہیں، قال اللہ تعالٰی: لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[2] (گناہ اور دشمنی پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو۔ت) حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینه وھو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ مدد دینے کو چلے اور وہ جانتا ہو کہ یہ ظالم ہے وہ اسلام سے نکل جائے (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر اسی قدر ہو کہ زید سے باوصف اس حرکت کے راضی ہیں جب بھی بدلیل حدیث مذکور بنی اسرائیل شریک گناہ ومستحق توہین وتذلیل ہیں، حدیث میں ہے:

الذنب شؤم علی غیر فاعله (الٰی قوله) وان رضی به شارکه[4]۔ رواہ فی مسند الفردوس عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنه۔ واللہ تعالٰی اعلم	یعنی گناہ کرتا ایک ہے اور اس کا وبال اوروں پر بھی پڑتا ہے کہ جو اس پر راضی ہو وہ بھی شریک گناہ ہے۔ (اس کو مسند فردوس میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] جامع ترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۳۰

[2] القرآن ۵/ ۲

[3] المعجم الکبیر حدیث اوس بن شرحبیل حدیث المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

(۲) آج کل عام رافضی منکران ضروریات دین اور باجماع امت کفار مرتدین ہیں **کما حققناہ فی فتاوٰنا وفی المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ والمکفرۃ** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اور اپنے رسالہ "**المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ**" میں کردی ہے۔ت) علاوہ اور کفریات کے دو کفر تو ان کے عالم وجاہل مرد عورت سب کو شامل ہیں، مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے افضل ماننا، اور جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل کہے کافر ہے، اور قرآن عظیم سے معاذاللہ صحابہ کرام وغیرہم اہلسنت کا چند پارے یا سورتیں آیتیں گھٹانا کچھ الفاظ تغیر وتبدیل کردینا اور جو قرآن عظیم کے ایک حرف ایک نقطے کی نسبت ایسا گمان کرے کافر ہے، **قال اللہ تعالٰی: اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ** [1] (ہم نے ذکر نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ ت) ان کے مجتہد حال نے یہ عقائد باطلہ اور دیگر عقیدہ کفریہ صاف صاف لکھ کر اپنی مہر کردی ان میں جو کوئی خود ان عقائد کا معتقد نہ بھی ہو تو مجتہد کو کافر ہرگز نہ کہے گا بلکہ جناب قبلہ وکعبہ ہی مانے گا اور جو منکر ضروریات دین کو معظم دینی جانے یا کافر ہی نہ کہے خود کافر ہے، بزازیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے: **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر** [2] (جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔ت) لہٰذا جزم کیا جاتا ہے کہ آج کل رافضیوں میں کوئی مسلمان ملنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کوّوں میں سپید رنگ والا، ایسوں کے ساتھ مناکحت تو حرام قطعی وزنائے خالص ہے، جو اپنی بہن بیٹی ان کو دے دیوث ہے، اس عقد باطل کے ذریعہ سے جو نام اس کی بہن بیٹی کو ملنے والے ہیں ان میں ہلکے نام یہ ہیں: زانیہ، فاجرہ، قحبہ، فاحشہ، روسی، رنڈی، بدکار، جو اسے پسند کرتا ہو اس کبیرہ فاحشہ پر اقدام کرے ورنہ اللہ عزوجل کے غضب سے ڈرے، اور اگر بالفرض کوئی رافضی ایسا ملے جسے مسلمان کہہ سکیں تو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر صرف تبرا بھی فقہائے کرام کے نزدیک مطلقًا کفر ہے، **کما نص علیہ فی الخلاصۃ والفتح والدر وغیرہا من الاسفار الغر** (جیسا کہ خلاصہ، فتح، در وغیرہا مشہور کتب میں اس پر تصریح ہے۔ت) تو فقہاء کے طور پر ہر تبرائی کے ساتھ مناکحت میں وہی احکام ہوں گے اور بغرض غلط اس سے بھی محفوظ ملے تو آخر گمراہ بددین ہونے میں شبہ نہیں اور ایسے کو بیٹی دینا شرعًا گناہ وممنوع ہے۔

کما بیناہ فی رسالۃ مفردۃ فی ھذا الباب سمینا ھا ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار۔	جیسا کہ ہم نے اس کو علیحدہ ایک رسالہ میں بیان کیا ہے جو اس موضوع سے متعلق ہے جس کا نام ہم نے "**ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار**" رکھا ہے۔(ت)

ائمہ معتمدین سلف صالحین سے ہرگز یہ امر ثابت نہیں اور اگر نادرًا شاذ کہیں وقوع ہوا ہو تو اس کا منشا اس کے رفض پر اطلاع نہ پانا اور رافضی کے دین میں تقیہ ہونا **وامثال ذٰلك من الاعذار** (اور اس قسم کے

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/۹

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

دیگر عذر۔ت) ہوگا اس وقت اور پہلے کے روافض میں اتنافرق بھی ہے کہ اول اتنی آزادی نہ تھی عام طور پر انکار ضروریات دین کی جرات وتمادی نہ تھی رافضی تواب پیدا ہوئے زناکاری وحرام خواری توان سے بھی ہزاروں برس پہلے رائج ہے، کیا علمائے دین نے اس طرف کچھ توجہ نہ فرمائی یا اس وقت کے زنا واکل حرام سے اس وقت کے زنا وحرام کو کچھ فرق ہے، حاشا علمائے دیندار ہر قرن وطبقہ وزمانہ میں منع فرماتے آئے، ماننا نہ ماننا عوام کا فعل ہے، اور ہدایت کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کے اختیار، یہی حال گمراہوں سے میل جول کا ہے کہ علمائے اہل حق صحابہ وتابعین وائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین قرنا فقرنا منع فرماتے آئے، رسائل رد ندوہ خصوصا فتوائے جدیدہ فقیر مسمّٰی بہ "فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین" ملاحظہ ہوں۔ پھر اگر عوام نہ مانیں یا دنیاپرست مولوی ضلالت کی طرف بلائیں تو اس کا کیا علاج اور علمائے اہل حق پر کیا الزام، **والی اللہ المشتکی من ضعف الاسلام** (لوگوں کے ضعف اسلام کی شکایت اللہ تعالٰی ہی کے دربار میں ہے۔ت) **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳: ۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر نے طلاق بائن دی، درمیان عدت کے ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا، بعد نکاح کم وبیش ایک سال کے، شوہر ثانی ہندہ کا، باہر چلاگیا اور کچھ خبر گیراں نہ ہوا، اب کچھ کم ایک سال کے بعد بتحریک ورثہ ہندہ ونیز بخواہش خود ہندہ کو اپنے پاس بلانا چاہتا ہے لیکن اب ہندہ وورثہ ہندہ اس کے یہاں بھیجنے پر رضامند نہیں اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ نکاح درمیان عدت کے جائز نہیں تھا اب نکاح ثالث کسی شخص دیگر سے کرنا چاہتی ہے آیا یہ نکاح بلاطلاق جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس دوسرے شخص کو وقت نکاح معلوم تھا کہ عورت ہنوز عدت میں ہے یہ جان کر اس سے نکاح کرلیا جب تو وہ زنائے محض تھا عدت کی کچھ حاجت نہیں نہ طلاق کی ضرورت بلکہ ابھی جس سے چاہے نکاح کرے جبکہ شوہر اول کی عدت گزر چکی ہو اور اگر اسے عورت کا عدت میں ہونا معلوم نہ تھا توطلاق کی اب حاجت نہیں مگر متارکہ ضرور ہے یعنی شوہر کا عورت سے کہنا کہ میں نے تجھے چھوڑدیا یا عورت کا اس سے کہہ دینا کہ میں تجھ سے جدا ہوگئی، اس کے بعد عدت بیٹھے عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔ درمختار میں ہے:

لاعدۃ لوتزوج امرأۃ الغیر عالما بذٰلك ودخل بھا وبہ یفتی [1]۔	دوسرے کی منکوحہ عورت سے یہ جانتے ہوئے کہ منکوحہ ہے، نکاح اور دخول کرنے سے عدت نہ ہوگی، اسی پر فتوی ہے (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۹

ردالمحتار میں ہے:

اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لایوجب العدة ان علم انها للغیر[1]۔	غیر منکوحہ اور معتدہ کو جانتے ہوئے بھی اس سے نکاح اور دخول کی وجہ سے عدت واجب نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

فسخ هذا النکاح یصح من کل منهما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکة والفسخ بعید کذافی البحر[2]۔	ان مرد وعورت میں سے ہر ایک کی طرف سے اس نکاح کا فسخ باتفاق دوسرے کی موجودگی میں متارکہ سے صحیح ہوجاتاہے کیونکہ متارکہ اور فسخ میں یہاں فرق بعید ہے، جیساکہ بحر میں ہے۔(ت)

اسی میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے: **الحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی**[3] (فرق نہ ہونا ہی حق ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر جزم کیا ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: از شہر کہنہ لاڈلے میاں صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی حقیقی بہن کی رضاعی بہن زید کے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حقیقی بہن کی رضاعی بہن ہونا خود یہ رشتہ موجب حرمت نہیں جبکہ اس کے ساتھ کوئی مروجہ حرمت نہ پائی جائے، مثلا اگر حقیقی بہن کی رضاعی بہن یوں ہے کہ اس نے اس کی ماں یا باپ کا دودھ پیا ہے تو وہ خود اس کی بھی رضاعی بہن ہوئی اور اس پر حرام ہے، اور اگر یوں ہے کہ زید کی بہن نے اس لڑکی کی ماں کا دودھ پیا یا دونوں نے تیسری عورت کا دودھ پیا جس سے زید کو کوئی علاقہ نہیں تو اس صورت میں وہ لڑکی زید پر حرام نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۵: از مقام بیادرہ ایجنٹی بھوپال ملک مالوہ مرسلہ محمد عاشق صاحب اہلکار نظامت ۲۹ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سائلہ اپنی حیات میں بخواہش اولاد چاہتی ہے کہ میرا

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۰

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

شوہر میری ہمشیرہ حقیقی بیوہ کے ساتھ اپنا عقد کرلیوے اور شوہر اس کا رضامند ہے جو کچھ کہ حکم شرع شریف میں سے ہو، آگہی بخشی جائے۔

الجواب:

جب زوجہ مر جائے یا اسے طلاق دے اور عدت گزر جائے تو اس وقت زوجہ کی بہن سے نکاح جائز ہوتا ہے بغیر اس کے حرام قطعی اور مثل زنا ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: **وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ**[1] (حرام ہے جمع کرنا دو بہنوں کو۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فلاتعرضن علیّ بناتکن ولااخواتکن[2]۔	اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو (اے میری ازواج!) مجھ پر مت پیش کرو۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۶: ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح سالی کی لڑکی سے بعد فوت بی بی کے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ کا انتقال ہوتے ہی فوراً اس کی بھتیجی بھانجی سے نکاح جائز ہے،

لعدم الجمع نکاحا ولاعدۃ اذلاعدۃ علی الرجل کما حققہ فی العقود الدریۃ۔	بوجہ عدم اجتماع کے نکاح اور عدت میں کیونکہ مرد پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ عقود الدریہ میں تحقیق فرمائی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۷: مسئولہ ثناء اللہ صاحب متصل سرائے خام ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا، بعد نکاح کے چھ مہینے کے واسطے سفر کو گیا داماد کو اور اپنی بیٹی کو مع لڑکی کے مکان پر چھوڑ گیا، بعد واپس آنے سفر کے دیکھا کہ بیوی منکوحہ اپنی کو حاملہ پایا، بعد تحقیقات کے معلوم ہوا کہ حاملہ داماد سے ہوئی تھی، آیا لڑکی اس کی داماد کے نکاح سے علیحدہ ہوگئی یا نہیں؟ اور طلاق کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور مہر اس لڑکی کا بذمہ داماد رہا یا نہیں؟ اور زوجہ اس کی بعد وضع حمل کے اس کی رہی یا نہیں؟ اور داماد کے نکاح میں اس کی زوجہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل خطب علی رضی اللہ عنہ ومواعظہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۰۹

آ سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چھ مہینے بلکہ دو سال سے ایک دن کم کے بعد واپس آکر عورت کو حاملہ پانے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ حمل دوسرے کا ہے، اور بدگمانی قطعی حرام ہے، اور تحقیقات اگر بذریعہ شہود یعنی لوگوں نے گواہی دی کہ اس کی زوجہ نے داماد سے زنا کیا تو یہ قریب بہ ناممکن ہے، شہادت کے لیے عدالت درکار ہے، جو یہاں گویا عنقا ہے، پھر ثبوت زنا کے لیے چار مرد عادل کا مشاہدہ ضرور کہ انھوں نے اپنی آنکھ سے اس کا اندام اس کے بدن میں سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا، یہ کہاں متصور! لوگ محض قرائن وقیاسات پر اڑادیتے ہیں، اس پر اعتبار نہیں اور وہ سب شرعًا اسی اسی کوڑے کے مستحق ہوتے ہیں۔

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ [1]	اللہ تعالٰی انھیں فاسق فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ایمان رکھتے ہو تو پھر ایسی بات زبان سے نہ نکالنا۔

تحقیقات کا تو یہ حال ہے یہ تو تہمت زنا رکھنے کا حکم تھا، ہاں ثبوت مصاہرت کے لیے دو گواہ بھی کافی ہیں، اگرچہ صرف مس بہ شہوت کی گواہی دیں، اور اگر کوئی گواہ نہ ہو تو عورت اور داماد اپنے حال سے خوب آگاہ ہیں اور ان کا رب ان سے زیادہ ان کا حال جانتا ہے، اگر واقعی اس نے بشہوت اس عورت کے بدن کو صرف ہاتھ لگایا تو جب بھی اس کی منکوحہ ہمیشہ کے لیے اس پر حرام ہوگئی، وہ اس کی بیٹی ہوگئی اور ساس تو اس کی ماں تھی، اب وہ دونوں ماں بیٹیاں اس پر ابدالآباد تک حرام ہیں۔ کسی طرح کبھی ان سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کو چھوڑدے اور اس کا مہر ادا کردے، زوجہ زید بدستور نکاح میں ہے زنا کے سبب اس کے نکاح میں خلل نہ آیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: ۱۲ جمادی الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے نکاح ثانی کیا، اس کے ایک لڑکی شوہر اول سے ہے، اب اس کا نکاح شوہر ثانی کے بھائی سے کرنا چاہتی ہے جو اس لڑکی کا سوتیلا چچا ہے، یہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ماں کا شوہر ثانی نہ اپنا باپ ہے، نہ اس کا بھائی اپنا چچا نہ سگا نہ سوتیلا، سوتیلا چچا وہ ہے کہ اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

باپ کا سوتیلا بھائی ہو۔نہ وہ کہ سوتیلے باپ کا بھائی ہو، یہ نکاح حلال ہے،قال تعالیٰ: وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ[1] (محرمات کے ماسوا عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت)واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹: ۲۰ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ زید کے پدر ومادر سے خسر اور خوشدامن کو بوجوہ ناروا ناراضی پیدا ہوئی لہٰذا زید کی زوجہ کو خسر خوشدامن نے طلب کیا، زید اور پدر ومادر زید نے کہا کہ ناراضی فیما بین کی دور ہوجائے تو زوجہ کو بھیجیں گے۔اس پر بکر کے مکان سے کہ وہاں بتقریب دنیاوی زوجہ زید کی گئی تھی زبردستی جاکے خسر کے بھیجے ہوئے آدمی اور خوشدامن زوجہ کو لے گئے اب جب زید نے چاہا کہ میری زوجہ میرے گھر آئے تو خسر اور خوشدامن مجیب ہوئے کہ زید نے تو طلاق دے دی اور جھوٹے گواہ بھی بنائے،اور خود ارادہ دوسرے شخص سے نکاح کا خسر وخوشدامن رکھتے ہیں، پس یہ نکاح ثانی بدون طلاق زوج اول کے جائز ہوگا یا ناجائز اور وطی زوج ثانی سے حرام ہوگی یا حلال؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح ثانی محض باطل ہوگا اور زوج ثانی سے وطی نری زنا ہوگی، جتنے لوگ اس سخت شدید کبیرہ عظیمہ میں اس حال سے آگاہ ہو کر شریک ہوں گے سب سخت گنہ گار ومستحق عذاب نار ہوں گے اور ان میں پہلے عذاب دوزخ کا استحقاق جھوٹے گواہوں کو ہوگا جن کی ناپاک گواہی ایسے ناپاک فاحشہ بات کی تمہید ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا[2]۔رواہ الامام احمد وابن حبان والبزار والحاکم وقال صحیح واقروہ عن بریرۃ وابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ وابویعلی بسند جید والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس وفی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اسے امام احمد، ابن حبان، بزار اور حاکم نے صحیح کہہ کر اور دوسرے نے ثابت مان کر، حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابوداؤد اور حاکم بسند صحیح ابوہریرہ سے ابو یعلٰی نے سند جید سے اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے اور طبرانی صغیر میں اوسط کی مثل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲۴/۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فیمن خبب امرأۃ علی زوجھا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

جب کسی عورت کو شوہر سے بگاڑ دینے پر یہ حکم ہے تو معاذاللہ عورت کو شوہر سے توڑ کر دوسرے کے نکاح میں کرادینا کیسا اشد ظلم ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عدلت شھادة الزور بالاشراك باللہ.عدلت شھادة الزور بالاشراك باللہ.عدلت شھادة الزور بالاشراك باللہ.ثم قرأ فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور [1]۔رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجة عن خزیم بن فاتك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، جھوٹی گواہی بت پوجنے کے برابر کی گئی، (تین بار اسے فرما کر) حضور نے یہ آیت اس کی سند میں پڑھی کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے بچو ناپاکی سے کہ وہ بت ہیں اور بچو جھوٹی گواہی سے۔(اس کو ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے خزیم بن فاتک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ له النار [2]۔رواہ ابن ماجة والطبرانی فی الکبیر والحاکم وصحح سندہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہرگز جھوٹے گواہ کے پاؤں جگہ سے ہٹنے نہ پائیں گے، کہ اللہ تعالٰی اس کے لیے جہنم واجب کردے گا۔(اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن ماجہ اور حاکم نے سند کو صحیح قرار دے کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

جب مطلق جھوٹی شہادت کا یہ وبال ہے جس میں پیسہ دو پیسہ مال پر جھوٹی گواہی بھی داخل تو شہادت کذب سے کسی کے ناموس کو برباد کردینا کس قدر موجب غضب الٰہی ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت دے۔آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۰: از بدایوں مولوی ٹولہ مرسلہ شیخ نذر اللہ صاحب ۳۰ شوال ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مسجد کا امام ہے، ایک عورت اس کے نکاح میں تھی، بعدہ اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، اب وہ دونوں سگی بہن اس کے پاس ہیں، جب ساس سے کہا جاتا ہے

[1] سنن ابی داؤد باب فی شھادة الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰۔۱۵۱، سنن ابن ماجہ باب فی شھادة الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۳

[2] سنن ابن ماجہ باب فی شھادة الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۳

تو کہتا ہے یہ امام شافعی کے مذہب میں جائز ہے۔اس صورت میں اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دو بہنوں کا ایک شخص کے نکاح میں ہونا حرام قطعی ہے،اس کی حرمت ایسی نہیں کہ کسی امام نے اپنے اجتہاد سے نکالی ہو جس میں دوسرے امام کو خلاف کی گنجائش ہو،نہ اس کی حرمت کسی حدیث احاد سے ہے کہ جسے وہ حدیث نہ پہنچے یا اس کی صحت اسے ثابت نہ ہوئی وہ انکار کرسکے بلکہ اس کی حرمت قرآن عظیم نے خاص اپنی نص واضح صریح سے ارشاد فرمائی ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ(الی قولہ عزوجل) **وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ**[1] ۔الآیۃ۔	حرام کی گئیں تم پر تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں،(اللہ عزوجل کے اس قول تک)اور یہ کہ اکٹھی کرو دو بہنیں۔الآیۃ

دیکھو جس طرح آدمی پر اس کی ماں بہن بیٹی حرام ہے اسی طرح دو بہنوں کو جمع کرنا اس پر حرام ہے،زید نے امام شافعی پر سخت جھوٹا افترا کیا اور اب تک تو وہ اس ناپاک فعل سے فقط حرام کار و مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب نار تھا اب مسلمانوں کے اماموں میں مختلف فیہ مان کر اس کی حرمت کا منکر ہوا اور اس کا کام سرحد کفر تک پہنچا،اس کا معاملہ بہت سخت ہوگیا،اسے امام بنانا حرام ہے اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے،مسلمانوں پر لازم ہے کہ جب تک وہ اپنے اس ناپاک فعل سے باز نہ آئے اس دوسری کو الگ کرکے جدا نہ کردے اپنے اس نجس تر قول سے توبہ نہ کرے نئے سرے سے تجدید اسلام نہ کرے جب تک اس کے پاس نہ بیٹھیں اس سے میل جول نہ کریں ورنہ خوف کریں کہ اس کی آگ انھیں بھی نہ پھونک دے،**قال اللہ تعالٰی:**

وَ اتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً[2] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	ایسے فتنے سے بچو جو صرف ظالموں تک محدود نہ رہے گا (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۱: مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ساکن امرتسر کٹرہ حکیماں نزیل بریلی ۵ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو زوجہ تھیں،زوجہ اولٰی سے ایک بیٹا عمرو اور ثانیہ سے تین بیٹے بکر،خالد،ولید ہوئے،عمرو کا بیٹا سعید ہوا،سعید کی دختر لیلٰی تھی،لیلٰی دختر سلمٰی ہے،یہ سلمی

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/۸

عمرو کے بیٹے سعید کی نواسی عمرو کے سوتیلے بھائیوں بکر و خالد و ولید پر حرام ہے یا حلال؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

سلمٰی اپنی ماں لیلٰی کے ان سب سوتیلے داداؤں پر ایسے ہی حرام ہے جیسے اس کے سگے دادا عمرو پر، وہ ان سب کی بیٹی ہے، اسے ان میں سے کسی کے لیے حلال جاننا نص قطعی و اجماع امت کا انکار اور موجب کفر ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ [1]۔	تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں تم پر حرام کی گئی ہیں۔(ت)

اللہ تعالٰی بھائی کی بیٹیوں کو حرام فرماتا ہے، اور بھائی عام ہے سگا ہو خواہ سوتیلا، ماں جدا ہو خواہ باپ جدا، اور بیٹیاں عام ہیں خواہ بھائی کی اپنی بیٹی ہو یا پوتی یا نواسی یا اس کے بیٹے کی بیٹی، پوتی، نواسی آخر تک، عالمگیریہ میں ہے:

اما الاخوات فالاخت لاب وام والاخت لاب والاخت لام وکذا بنات الاخ والاخت وان سفلن [2]۔	بہنوں کا حرام ہونا تینوں قسم، سگی، باپ یا ماں کی طرف سے بہن کو شامل ہے اور اسی طرح بھائی اور بہن کی بیٹیوں کے بارے میں نیچے تک (ت)

تفسیر کبیر میں بیان بنت صلبی میں ہے:

کل انثی یرجع نسبھا الیك بالولادۃ بدرجۃ اوبدرجات باناث اوبذکور فھی بنتك [3]۔	ہر وہ عورت جس کا صلبی نسب ایک درجہ یا کئی درجات سے مرد و عورت کے ذریعہ تیری طرف پلٹے وہ تیری بیٹی ہے (ت)

اسی میں ہے:

القول فی بنات الاخ وبنات الاخت کالقول فی بنات الصلب فھذہ الاقسام السبعۃ محرمۃ فی نص الکتاب بالانساب [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم	بھتیجیوں اور بھانجیوں کا حکم صلبی بیٹی کی طرح ہے، تو سات قسم کی یہ عورتیں نسب کی بناپر قرآنی نص سے حرام ہیں (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ باب فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۳

[3] تفسیر کبیر تحت آیت حرمت علیکم امہاتکم الخ مطبع بالمطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۰/ ۲۸

[4] تفسیر کبیر تحت آیت امہاتکم الذی ارضعنکم الخ مطبع بالمطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۱۰/ ۲۹

مسئلہ ۲۲۲: از پورن پور ضلع پیلی بھیت ۱۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، زید اپنی عورت چھوڑ کر مرگیا، عورت بیوہ اندر ایام عدت کے عمرو سے مرتکب زنا کی ہوئی حاملہ، حمل زنا کا قرار پاگیا، عدت کے ایام اب گزرگئے، عمرو مستدعی نکاح کا اسی عورت سے ہے، اب نکاح جائز ہے اور وطی کرنا قبل استبرا کے بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور کفارہ ذمہ زانی وزانیہ کے عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جواب سے مشرف فرماکر داخل اجر وحسنات ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وفات شوہر کی عدت گزر گئی تو اب عورت کو نکاح جائز ہوگیا اور وضع حمل کا انتظار زانی خواہ غیر زانی کسی کو ضرور نہیں کہ حمل جو اثنائے عدت وفات میں حادث ہو اس سے عدت موت کہ چار مہینے دس دن ہے نہیں بدلتی، ردالمحتار میں ہے:

فی النهر ان المعتدة لو حملت فی عدتها ذکر الکرخی ان عدتها وضع الحمل ولم یفصل و الذی ذکرہ محمد ان هذا فی عدة الطلاق امافی عدة الوفاة فلاتتغیر بالحمل وهو الصحیح کذافی البدائع[1]۔	نہر میں ہے کہ اگر عدت کے دوران معتدہ کو حمل ہوجائے تو کرخی نے کہا کہ اس کی عدت وضع حمل یعنی بچے کی پیدائش تک ہوگی، اس کی تفصیل بیان نہ کی کہ کون سی عدت میں یہ حکم ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جو ذکر فرمایا وہ یہ ہے کہ مذکورہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن عدت وفات ہو تو اس کا حکم تبدیل نہیں ہوگا، یہی صحیح ہے جسا کہ بدائع میں ہے۔ (ت)

فرق اتنا ہے کہ خود عمرو جس کے زنا سے یہ حمل رہا ہے وہ اب اگر نکاح کرے تو اسے فی الحال وطی جائز اور دوسرے شخص سے نکاح صحیح ہے مگر اسے تا وضع حمل زنا عورت کو ہاتھ لگانا ناجائز ہوگا۔ درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤها ودواعیه حتی تضع لونکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا[2]۔	زنا سے حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے اگر اس سے وطی اور اس کے دواعی بچے کی پیدائش تک حرام ہے لیکن اگر زانیہ حاملہ سے خود اس کا زانی نکاح کرے تو اس کو وطی بالاتفاق حلال ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

زانی وزانیہ پر جو حد شرع مطہر نے لازم فرمائی ہے وہ یہاں کہاں، مگر توبہ فرض ہے اور اللہ عزوجل کا عذاب سخت ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۳تا۲۲۶: ازاکبرآباد مرسلہ محمد عبدالرزاق صاحب پانی پتی اڈیٹر رسالہ ہمدرد اسلام آگرہ ۹ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص نے اپنے لڑکے کی شادی اپنے حقیقی بھائی کی بیٹی سے کردی یا تایا چچازاد دو بھائیوں نے آپس میں اپنے لڑکے اور دوسرے بھائی کی بیٹی سے نکاح کردیا ازروئے شرع شریف یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اور چچازاد بہن تایازاد بھائی پر اور تایازاد بھائی کی دختر چچازاد بھائی کے پسر پر حلال ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز اور حلال ہے تو جو شخص اس حکم کو نہ مانے اور یہ کہے کہ گویہ مسئلہ شرع شریف کا ہے لیکن ہم اس پر عمل نہیں کرتے کہ ہماری برادری اور باپ داداؤں سے کبھی ایسا نہیں ہوا تو ایسے لوگوں سے ملنا جلنا اور برادرانہ برتاؤ رکھنا کیسا ہے اور نیز ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کوئی گروہ ایسے نکاح کرنے والے کا حقہ پانی، میل جول برادرانہ بند کردیں اور اس نکاح کو ننگ وناموس قومی تصور کریں تو ان سے میل جول رکھنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اگر ایسے لوگوں کی مخالفت سے ماں باپ ناراض ہوں تو باطاعت والدین گو مخالفت شرع شریف ہوجائے ان سے میل جول رکھنا چاہئے یا اطاعت شریعت مقدم رکھے گو والدین ناراض ہوجائیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

دو بھائی حقیقی ہوں خواہ عم زادہ، ان میں ہر ایک کی اولاد دوسرے کی اولاد پر قطعاً یقینا باجماع امت جائز وحلال ہے، چچاماموں خالہ پھوپھی کی اولاد کو بہن بھائی کہنا ایک مجازی بات ہے جسے ہرگز آیہ کریمہ محارم کے کلمات **اخواتکم**، یا **بنت الاخ وبنت الاخت** (تمھاری بہنیں یا تمھاری بھتیجیاں اور بھانجیاں۔ت) کسی اسلامی مذہب میں شامل نہیں بلکہ نص قطعی قرآن عظیم گواہ ہے کہ یہ عورتیں ہرگز بہنوں میں داخل نہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ یَمِیْنُكَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ بَنٰتِ عَمِّكَ	اے نبی! بیشک ہم نے حلال کیں تمھارے لیے تمھاری زوجات جن کے مہر تم نے دئے اور تمھاری کنیزیں جو اللہ نے تمھیں غنیمت میں دیں اور تمھارے چچا کی

وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الاٰیۃ۔[1]	بیٹیاں اور پھوپھیوں کی بیٹیاں اور ماموؤں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں۔الآیۃ۔

ہاں ہنود عنود نے انھیں حقیقی بہن کی طرح سمجھا ہے جیسے متبنی کو بزعم باطل بیٹا اور اس کی زوجہ کو حقیقی بہو کے مثل جانتے ہیں، مشرکان عرب اس پچھلے مسئلے میں مشرکان ہند کے ہم خیال تھے جس پر ان سفہا نے نکاح حضرت ام المومنین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا پر طعن واعتراض کئے اور قرآن عظیم نے ان کے شیطانی خیال ان کے منہ پر مار دئے،

قال اللہ تعالٰی: فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَهَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِهِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡهُنَّ وَطَرًا ؕ[2]۔	جب زید نے اس سے اپنی حاجت پوری کرلی تو اس کو ہم نے آپ سے بیاہ دیا تاکہ مومنین کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مدخولہ مطلقہ بیویوں سے نکاح کے بارے حرج نہ ہو۔ (ت)

مگر عم وعمہ وخال وخالہ کی بیٹیوں کو مشرکین عرب بھی بہن نہ جانتے تھے ان سے مناکحت ان میں بھی رائج تھی اور مسلمانوں میں بھی ہمیشہ رائج تھی اور اب تمام ممالک اسلامیہ میں شائع وذائع ہے اس کی سب سے اعلٰی نظیر حضرت ام حسن مثنٰی وحضرت فاطمہ صغرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا نکاح ہے کون نہیں جانتا کہ حضرت حسن مثنٰی حضرت امام حسن مجتبٰی کے صاحبزادے ہیں اور حضرت فاطمہ صغرٰی حضرت امام حسین شہید کربلا کی صاحبزادی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، پھر یہ ان کے نکاح میں تھیں، حضرت امام عبداللہ محض رضی اللہ تعالٰی عنہ انہی دونوں پاک مبارک والدین سے پیدا ہوئے انھیں محض اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں پہلے شخص تھے جن کے ماں باپ دونوں بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وسلم کی اولاد امجاد ہیں، باپ حضرت خاتون جنت کے پوتے اور ماں ان کی پوتی، صحیح بخاری شریف میں ہے:

لما مات الحسن بن الحسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم ضربت امرأته القبة علی قبرہ سنة[3]۔	جب حسن بن حسن بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) فوت ہوئے تو ان کی بیوی نے ایک سال تک ان کی قبر پر خیمہ لگایا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳۳/۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/۳۷

[3] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۷

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

(امرأته)فاطمة بنت الحسن بن علی رضی الله تعالٰی عنھم وھی ابنة عمھم [1]۔	بیوی سے مراد فاطمہ بنت حسن بن علی (رضی اللہ تعالٰی عنہم) ہے جو ان کی چچازاد ہیں (ت)

یہ نیا مسئلہ خاص مشرکین ہند کی گھڑت ہے وہ بھی ہندوستان کے بعض شہروں کے لیے دیگر مثل دکن کے سکان کو شاید وہ بھی حلال مانتے ہیں۔ ہنود عنود کو تو آسان ہے کہ ان کا امام ہوائے نفس وشیطان ہے، عجب اس سے جو دعوی اسلام رکھے قرآن عظیم کو اپنا امام جانے اور پھر خلاف قرآن مسائل شیطان مانے والعیاذ باللہ رب العالمین، غالبًا یہ ایسے ہی لوگوں کے ناپاک اوہام ہو سکتے ہیں جن کے باپ دادا ہندو تھے اسلام لائے تھوڑا زمانہ گزرا ہوا اور رہے جاہل بے شعور اور صحبت اہل علم سے دور، دل میں وہی خیالات بے معنی جمے ہوئے ہیں اور موروث ہونے کے باعث گویا طبیعت ثانیہ ہوگئے ہیں اب کہ حکم قرآن عظیم معلوم ہوا طبعی گھن کہ اس سے چڑھی ہوئی ہے اس کے امتثال سے مانع آتی ہے جیسے کوئی پرانا پجاری برہمچاری خوبی قسمت سے مشرف بہ اسلام ہوجائے اور اس کے سامنے نوجوان گھتی کا نفیس عمدہ فربہ تازہ سرخ بریاں خوشبو خوشنما نرم چکنا چپٹا سلونا گوشت پیش کیا جائے تو عادت قدیمہ کے باعث یکایک اس کی ہمت اس لذیذ نوالے کے لیے یاری نہ دے گی بلکہ دیکھتے ہی آنکھ بند ہوجائے گی، اگر فی الواقع ان لوگوں کے انکار کا صرف اسی قدر منشا ہے خوب جانتے ہیں، اور ایمان لاتے ہیں کہ یہ نکاح حلال ہیں ان میں کوئی قباحت نہیں، اور ہنود کہ انھیں حرام سمجھتے ہیں یہ ان کا شنیع وقبیح زعم ہے بااین ہمہ اس عادت قدیمہ کے سبب اس سے جھجکتے بچتے ہیں جب تو کفر نہیں مگر یہ خیال ناپاک رسوم کفر کا بقیہ ہے ان پر فرض ہے کہ اسے دل سے دور کریں اور پورے پورے اسلام میں داخل ہوں ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (۲۰۸) فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ (۲۰۹) هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ وَ اِلَى اللّٰهِ	اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بیشک وہ تمھارا صریح دشمن ہے پھر اگر لغزش کرو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں روشن آیتیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہی کہ آئے ان پر اللہ کا عذاب بادل کی گھٹاؤں میں

[1] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۲۹/۲

تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ[1]	اور فرشتے اور ہوچکے ہونے والی، اور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔

جلالین شریف میں ہے:

نزل فی عبداللّٰہ بن سلام واصحابہ لما عظموا السبت عـــہ وکرھوا الابل بعد الاسلام ادخلوا فی السلم ای الاسلام کافۃ ای جمیع شرائعہ[2] (ملخصاً)	جب عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے ہفتہ کا دن منانا چاہا اور سابقہ دین کے پیش نظر اونٹ کے گوشت کو ناپسند کیا تو آیہ کریمہ "اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً" نازل ہوئی یعنی داخل ہوجاؤ سلم میں، سلم سے مراد اسلام ہے یعنی یہ کہ پوری شریعت اسلامیہ کو اپناؤ۔ (ملخصا) (ت)

یعنی جب علمائے یہود مشرف باسلام ہوئے عادت قدیمہ کے باعث اونٹ کے گوشت سے کراہت کی کہ یہود کے یہاں اونٹ حرام تھا اور تعظیم شنبہ کا عزم کیا کہ یہود میں ہفتہ معظم تھا اس پر حق سبحٰنہ وتعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اس کے سب احکام مانو ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہو والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ ان سے میل جول نہ کریں خصوصا جن سفہا نے وہ ناپاک کلمہ کہا کہ "گو یہ مسئلہ شرع کا ہے مگر ہم الخ" اور جنھوں نے ایسے نکاح کرنے والے کو برادری سے خارج کردیا وہ سخت ظالم اور شدید مجرم ہیں مسلمانوں کو ان سے احتراز ضرور ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ[3]۔	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں چھوئے دوزخ کی آگ۔

ان کے پیچھے نماز ممنوع ہے کہ وہ اس تعصب وتشدد کے باعث فاسق معلن ہوئے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ، کما نص فی الغنیۃ وغیرھا وحققناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ اس پر غنیہ وغیرہا میں نص کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ النہی الاکید میں کی ہے۔ ت

عـــہ: مصدر منہ قولہ تعالٰی ویوم لایسبتون لاتاتیھم والمعنی تعظیم السبت ۱۲ منہ غفرلہ (م)	یہ مصدر ہے، اسی سے ہے اللہ تعالٰی کا قول "یوم لایسبتون لاتأتیھم" روز ہفتہ کے علاوہ دنوں میں مچھلیاں انکے پاس نہ آتیں اور اس سے مراد روز ہفتہ کی تعظیم ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/۲۰۸تا۲۱۰

[2] تفسیر جلالین زیر آیۃ ادخلوا فی السلم کافۃ اصح المطابع کراچی ص ۳۱

[3] القرآن الکریم ۱۱/۱۳

اسی صورت میں حتی الوسع کوشش کرے کہ والدین راضی رہیں اور ان کی مرضی کی مخالفت سے بھی نجات ملے ورنہ ظاہری مخالفت اس قدر کہ منجر بہ معصیت نہ ہو مجبورانہ محض والدین کے دکھانے تک بجالائے۔

فان ایذاء ھما من اشدالکبائر ولیست مخالفتھم علی ماوصفنا فی السوء والشناعۃ مثل العقوق ومن ابتلی بلیتین اختار اھونھما وقد کان سیدنا عبداللہ بن عمر وبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما حامل لواء صفین مع ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ طاعۃ لہ من دون قتال مع علمہ ان الحق مع امیرالمومنین علی کرم اللہ وجھہ وکان یعتذر عن ذلك بان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ بطاعۃ ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	والدین کو اذیت دینا گناہ کبیرہ ہے، اور بری باتوں اور غلط امور میں ان کی مخالفت والدین کی نافرمانی جیسی بات نہیں ہے، اور جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ دونوں میں سے آسان کو اختیار کرے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے والد کے حکم پر جنگ صفین میں علم بردار تھے اور جنگ میں شرکت نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حق پر ہیں انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے والد کی اطاعت کی پابندی کے حکم کے عذر سے والد کی موافقت کی۔ (ت)

اور اگر معاذاللہ اس انکار کی وجہ یہ ہو کہ اس نکاح کو واقع میں حرام جانتے اور حکم شرع کو باطل مانتے مسئلہ کفار کو صحیح وحسن سمجھتے ہیں جب تو صریح کفار مرتدین ہیں ان سے میل جول قطعی حرام، اب اس صورت میں ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، ان سے ہمبستری زنا ہوگی، اولاد ولد الزنا ہوگی، ان کے پیچھے نماز باطل محض، ان سے میل جول میں والدین کی اطاعت ناجائز، ان سے مخالفت وجدائی لازم، اگرچہ ماں باپ ناراض ہوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی [1]۔ رواہ البخاری ف ومسلم وابوداؤد والنسائی امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔ (اس کو بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحاکم بن عمر والغفاری رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۶۶/۵

ف: بخاری /۱۰۷۸، مسلم ۱۲۵/۲، سنن ابی داؤد ۳۵۳/۱ اور سنن النسائی ۱۸۶/۲ سب کے الفاظ یوں ہیں:

لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف۔ نذیر احمد سعیدی

غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترك المضاجعۃ عندھم حال الحیض حسن فھو کافر۔[1]	ہمارے مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے شعائر کو پسند کرنے والا کافر ہے، حتی کہ انھوں نے فرمایا کہ جو شخص مجوسیوں کے شعار، کھانا کھاتے وقت بات چیت کے ترک، کو اچھا کہے یا حالت حیض میں بیوی کے ساتھ ایک بستر میں لیٹنے کے ترک، کو مجوسیوں کی وجہ سے اچھا کہے وہ کافر ہے(ت)

اور اتنا حکم تو پہلی صورت میں بھی ہے کہ جس نے وہ الفاظ انکار کہے احتیاطا تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے، جامع الفصولین میں ہے:

قال لخصمہ حکم الشرع کذا فقال خصمہ من برسم کارمی کنم بشرع نے قیل کفر وقیل لا[2]۔	جس نے اپنے مقابل کو کہا کہ حکم شرع یوں ہے اور مقابل کہے میں مروجہ رسم پر عمل پیرا ہوں شرع پر نہیں، تو بعض نے فرمایا وہ کافر ہو گیا اور بعض نے فرمایا نہ ہوا(ت)

درمختار میں ہے:

فی شرح الوھبانیۃ للشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبہ وتجدید النکاح[3]. واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	شرح وھبانیہ شرنبلالی میں ہے کہ متفق علیہ کفر سے عمل اور نکاح باطل ہو جاتا ہے حالت کفر کی اولاد اولاد زنا ہو گی، اور جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس میں توبہ و استغفار اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا____ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم اور اس جل مجدہ کا علم اتم واکمل ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲۷: از ملک بنگال ضلع پٹنہ ڈاکخانہ بنگا شی موضع مختار گاتی مرسلہ مصلح الدین صاحب ۱۲ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھانجا کی بیٹی سے نکاح جائز

---

[1] غمز العیون مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲۹۵/۱

[2] جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۳۱۰/۲

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۳۵۹/۱

ہے یا نہیں؟ بادلیل عنایت ہو، بینوا توجروا

الجواب:

حرام قطعی ہے وہ خود اسی کی بیٹی ہے،

قال اللہ تعالٰی وَبَنٰتُ الْاُخْتِ[1] وھن یشملن بناتھا من بطنھا ومن ابنھا ومن بنتھا وان سفلن۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بھانجیاں جبکہ یہ لفظ بھانجی کی بیٹیوں، پوتیوں اور نواسیوں کو نیچے تک شامل ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸:

چہ مے فرمایند علمائے دین وحامی شرع متین دریں مسئلہ کہ اگر مردے از طریق اہل سنت وجماعت وزنے از طریق اہل شیعہ وباہم مرد وزن صیغہ نکاح مروجہ بطریق اہل سنت وجماعت خواندہ باشد وہنوز خلوت صحیحہ بلکہ رسم رخصت مروجہ ہندوستان نہ شدہ باشد وحالا باہم رضامندی نہ، چہ حکم دارد، آیا نکاح صحیح ست یانہ؟ بینوا توجروا	علمائے دین وحامی شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مرد اہل سنت وجماعت ہو اور عورت اہل شیعہ میں سے، ان دونوں کا نکاح اہل سنت و جماعت کے طریقہ پر ہوا، اور ابھی خلوت صحیحہ بلکہ رخصتی نہ بھی ہوئی، جیسا کہ ہندوستان کا طریقہ ہے، جبکہ ابھی رضامند بھی نہ ہوں، تو ایسا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

آں زن اگر بسلامت قلب خود از عقائد مکفرہ بری ست نکاح صحیح شد وبعد نکاح عدم رضائے اعتبارے نے وحکما سپرد شوہر کردہ شود اگر در رنگ عامہ روافض زمانہ عقیدہ مکفرہ دارد، نکاح باو باطل محض ست نہ سنی را رسد نہ رافضی نہ یہودی نہ مجوسی ہیچ کس را لان المکفر من اھل الھوی کالمرتد حکمہ والمرتدۃ لاینکحھا مسلم ولاکافر اصلی ولامرتد	اگر وہ عورت خود دل سے عقائد کفریہ سے توبہ کرچکی ہے اور بری ہوچکی ہے تو نکاح صحیح ہے، اور نکاح کے بعد عدم رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں، ایسی عورت کو حکما شوہر کے سپرد کیا جائے گا، اور اگر وہ عورت موجودہ عام روافض جیسے کفریہ عقیدے رکھتی ہو تو اس سے نکاح باطل محض ہے، سنی رافضی اور مجوسی کسی کے لیے بھی وہ حلال نہیں کیونکہ اہل ہوی میں سے جن کو کافر قرار دیا گیا ہو وہ مرتد کی طرح ہیں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

مثلھا کما نصوا علیہ آرے اگر وقت نکاح از کفر بری بود تا آنکہ نکاح صحیح شدہ وحالا ارتکاب او کند تا از حبالہ نکاح بدر آید ایں حیلت ومکیدہ فاسدہ اش ہم بروئے زن زنند وحکم بقائے نکاح ووجوب تسلیم نفس کنند **کما ھو المختار الان للفتوی علی ما حققناہ فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور مرتد والا حکم رکھتے ہیں اور مرتدہ سے کسی مسلمان، اصلی کافر یا اس جیسے مرتد کو نکاح جائز نہیں، جیساکہ فقہاء کرام نے اس پر تصریح کی ہے، ہاں اگر نکاح کے وقت کفر سے بری تھی تو نکاح صحیح ہوا مگر اس کے بعد اب وہ عقائد کفریہ کا اظہار بطور حیلہ ومکر اس لیے کرتی تاکہ نکاح سے خلاصی حاصل کرے تو اس حیلہ ومکر وفریب کو اس کے منہ پر دے مارا جائے اور نکاح کا حکم باقی رکھا جائے اور اس کو خاوند کے سپرد کرنا ضروری ہے جیساکہ آج کل فتوی میں مختار ہے جس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوی میں کردی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۱: مسئولہ جناب مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی مدرس اول مدرسہ منظر اسلام بریلی ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سوتیلی خالہ سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کوئی شخص اگر ساس سے آشنائی اور صحبت کرے تو عورت اس کے نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اور اس کی عدت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

(۳) ایسی دو عورتوں کاایک وقت میں نکاح میں لانا کہ اگر ایک کو مرد اور ایک کو عورت قرار دیا جائے تو صورت محرمات میں آجائیں تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) خالہ سگی ہو یا سوتیلی، مثل ماں کے حرام قطعی ہے، **قال اللہ تعالٰی: وَخٰلٰتُكُمْ** (اور تمھاری خالائیں۔ت) درمختار میں ہے: **الاشقاء وغیرھن**[1] (سوتیلی وغیرہ۔ت) ہاں منکوحہ پدر کہ اس کی ماں نہیں تو اس کی سگی بہن بھی حلال ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، **قال تعالٰی: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[2] (تمھارے لیے ان محرمات کے ماسوا حلال کی گئی ہیں۔ت) مگر وہ اس کی خالہ نہیں کہ جس کی بہن ہے وہ اس کی ماں نہیں ہے مجازًا اور ادعائے مجاز بے قرینہ مدفوع ونا مسموع۔ اور بفرض غلط اگر سوتیلی ماں کی بہن،

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

[2] القرآن الکریم ۴/۲۴

بھی سوتیلی خالہ ہو تو ماں کی سوتیلی بہن یقینا سوتیلی خالہ ہے بلکہ وہی اطلاقاً اکثر اور فہماً اظہر تو بعض عمائد غیر مقلدین سے تحلیل حرام و تضلیل عوام کے دونوں الزام مدفوع نہیں ہو سکتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سالی سے زنا عورت کو حرام نہیں کرتا، ساس کو بشہوت ہاتھ لگانے ہی سے عورت ہمیشہ کو حرام ہو جاتی ہے کہ کسی طرح اس کے لیے حلال نہیں ہو سکتی مگر نکاح نہیں جاتا بلکہ متارکہ ضرور ہے مثلاً عورت سے کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا یا ترک کردیا، متارکہ کے بعد عدت واجب ہوگی جبکہ عورت سے خلوت کرچکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) دو عورتیں کہ ان میں جس کو مرد فرض کریں دوسری اس پر ہمیشہ حرام ہو ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں خواہ ایک وقت میں خواہ مختلف اوقات میں۔ جیسے ماں بیٹی کہ بعد فرض ماں بیٹا یا باپ بیٹی ہوں گی اور اگر ایک کو مرد فرض کیئے سے دوسری اس پر حرام ابدی ہو مگر دوسری کو مرد ٹھہرانے سے وہ پہلی حرام نہ ہو تو ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرسکتے ہیں جیسے ساس بہو کہ ساس مرد ہو تو وہ خسر اور بہو ہیں، بہو خسر پر ہمیشہ حرام ہے اور اگر بہو مرد ہو تو اب ساس سے کوئی رشتہ نہیں وہ اس کے لیے حلال ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۲تا۲۳۳: از تحصیل ستار گنج ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ الٰہی بخش صاحب کاریگر

ہادی دین شرع متین جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام مجدہم، بعد سلام دست بستہ کے التماس ہے آپ کی ذات مجمع کمالات ہم عاصیوں کے لیے باعث افتخار ہے اور ہر مشکل مسئلہ میں آپ سے عقدہ کشائی ہو کر کار ثواب میں داخل ہو کر کار نیک کے پابند ہو سکتے ہیں۔

(۱) ایک عورت بیوہ نے اپنی لڑکی نابالغ کو لڑکے کی زوجیت میں دیا، بعد تھوڑی مدت میں وہ لڑکی نابالغ مرگئی، بعد تھوڑی مدت کے اس عورت نے جو بیوہ پہلے سے تھی اب اس نے اپنے داماد سے نکاح کرلیا ہے اور اس نکاح سے اب ایک بچہ موجود ہے، آیا یہ نکاح درست ہے یا حرام ہے؟

(۲) ایک شخص نے ایک عورت بیوہ سے نکاح کرلیا، اس عورت بیوہ کا جو پہلا خاوند تھا اس سے ایک لڑکا تھا جو اب عورت کے دوسرے نکاح کرنے پر ہمراہ آیا تھا وہ لڑکا جوان ہو کر مرگیا اور اس کی ماں بھی مرگئی، اب اس جوان لڑکے کی بیوی بیوہ ہے اور اب اس لڑکے کا باپ یعنی اب سوتیلا ہے اور یہ سوتیلا باپ اس سوتیلے لڑکے کی بیوہ بیوی کو یعنی اب اپنی سوتیلی بہو کو یعنی اب سوتیلے بیٹے کی بیوی بیوہ کو نکاح میں لایا چاہتا ہے اور حرام بھی کیا ہے اور اسی وجہ سے وہ بیوہ بہو حاملہ ہے اور اس کا حمل قریبًا چار ماہ کا ہے اور اسی قدر عرصہ اس کے خاوند کو مرے ہوئے گزرا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعد مرنے اپنے سوتیلے بیٹے کے وہ شخص اپنی

سوتیلی بہو کے ساتھ فعل کرتا رہا، اب یہ نہیں معلوم کہ حمل بیٹے کا ہے یا باپ کا، البتہ قرین قیاس یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کا یعنی اس کے شوہر کا ہے کیونکہ اس کے شوہر کو مرے ہوئے بھی عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے، آیا بعد وضع حمل کے نکاح ہونا یعنی سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی سے خسر سوتیلے کا جائز ہے یا ناجائز؟ والسلام، دوسرے مسئلہ کا اصل قصہ مختصر یہ ہے کہ سوتیلے بیٹے کی بیوہ بیوی کو سوتیلا خسر اپنے نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ساس پر داماد مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس کی بیٹی کی رخصت نہ ہوئی ہو اور قبل رخصت مرگئی ہو، **قال اللہ تعالٰی: وَ اُمَّھٰتُ نِسَآىِٕكُمْ**[1] (اور تمھاری بیویوں کی مائیں تم پر حرام ہیں) یہ نکاح حرام محض ہوا، وہ بچہ ولد الحرام ہوا، ان دونوں پر کہ حقیقۃً ماں بیٹے ہیں فرض ہے کہ فوراً جدا ہو جائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جبکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس بیوہ کا یہ حمل اپنے شوہر کا ہو، تو جب تک وضع حمل نہ ہو اس سے نکاح قطعی حرام ہے، بعد وضع حمل نکاح کرسکتا ہے **لقولہ تعالٰی: وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ**[2] (اور تمھارے نسبی بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں، ت) **مع قولہ تعالٰی: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[3] (اللہ تعالٰی کے اس قول کے پیش نظر: اور تمھارے لیے ان کے ماسوا حلال کی گئیں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: مسئولہ مولوی محمد امانت الرسول صاحب از رام پور محلہ پیلا تالاب

سوتیلی ماں کو اگر باپ تین طلاقیں دے دے لڑکا اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ مدلل تحریر ہو، والسلام۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللہ لاالٰہ الااللہ، سوتیلی ماں حقیقی ماں کے برابر حرام قطعی ہے۔ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں ماں کی حرمت سے پہلے سوتیلی ماں کی حرمت بیان فرمائی ہے، **اذ قال اللہ تعالٰی** (جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت):

وَ لَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ الٰی قولہ تعالٰی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّ مَقْتًاؕ وَ سَآءَ سَبِیْلًا۠[4]۔	نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمھارے باپ نکاح کرچکے، بیشک وہ بے حیائی اور خدا کو دشمن اور نہایت بری راہ ہے۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵: از شہر مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عدت میں نکاح پڑھوا دیتا ہے اور "**یتربصن**" کو صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۲

جماع سے بچنے پر حمل کرتا ہے، صحیح ہے یا غلط؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عدت میں نکاح حرام قطعی ہے بلکہ نکاح تو بڑی چیز ہے۔ قرآن عظیم نے عدت میں نکاح کے صریح پیام کو بھی حرام فرمایا۔ نکاح بعد عدت کرلینے کے وعدہ کو بھی حرام فرمایا صرف اس کی اجازت دی ہے کہ دل میں خیال رکھو یا کوئی پہلو دار بات ایسی کہو جس سے بعد عدت ارادہ نکاح کا اشارہ نکلتا ہو۔ صاف صاف یہ ذکر نہ ہو کہ میں بعد عدت تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، یہاں تک کہنا بھی حرام ہے، تو خود نکاح کرلینا کیونکر حلال ہوگا، پھر پہلودار بات بھی عدت وفات والی سے کہنا جائز ہے، عدت طلاق والی سے باجماع امت وہ بھی جائز نہیں، **قال اللہ عزوجل** (اللہ عزوجل نے فرمایا۔ت):

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ﴿۲۳۵﴾ [1]	یعنی تم میں جو لوگ مریں اور عورتیں چھوڑیں وہ عورتیں چار مہینے دس دن اپنی جانوں کو روکے رہیں۔ جب عدت پوری ہوجائے پھر جو کچھ اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اس کا تم پر الزام نہیں۔ اور خدا جانتا ہے کہ تمھیں ان سے نکاح کا خیال گزرے گا مگر باہم نکاح کا وعدہ خفیہ بھی نہ کر رکھو۔ ہاں اس طریقہ معلوم پر کنایۃً کچھ کہہ سکتے ہو اور جب تک عدت پوری نہ ہو نکاح کا قصد بھی نہ کرو۔ اور جان لو کہ اللہ تمھارے دلوں کی بات جانتاہے تو اس سے ڈرو۔ اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے یعنی عذاب نہ آنے پر مغرور نہ ہو کہ وہ حلیم ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

قوله لاباس بالتعریض فی الخطبة اراد المتوفی عنها زوجها اذالتعریض لایجوز فی المطلقة بالاجماع [2]۔	خاص وفات کی عدت والی عورت سے کنایہ کے طور پر پیام نکاح میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ طلاق کی عدت والی سے بالاجماع کنایہ بھی جائز نہیں (ت)

Majlis of DawateIslami

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴۔۲۳۵

[2] فتح القدیر باب فی العدۃ المکتبۃ النوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶۵

اگر کوئی شخص عدت میں نکاح پڑھادیا کرتا اوراسے حرام وزنا جانتا تو اتنا ہوتا کہ وہ سخت مرتکب کبائر اور زانی وزانیہ کا دلال ہوتا مگر وہ جواسے جائز بتاتا ہے اور قرآن عظیم میں تحریف کرکے "یتربصن" کو فقط منع جماع پر حمل کرتا ہے وہ ضرور منکر قرآن مجید ہے اوراس پر یقینا کفرلازم۔اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اپنے اس قول ناپاک کو جھٹلائے اور نئے سرے سے اسلام لائے۔اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: از سلون شریف ضلع رائے پور بریلی احاطہ شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد عمر صاحب مدرسہ اسلامیہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

جناب مولانا صاحب مجدد مائۃ حاضرہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،زن فاحشہ رنڈی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟اگر جائز ہے تو بعد توبہ یا بغیر توبہ بھی؟اگر بعد توبہ بھی جائز ہے تو توبہ کی قید کیوں ہے؟کتابیہ سے تو بلاکراہت جائز ہو اور اس سے بلاتوبہ جائز نہ ہو۔عقل سلیم خلاف حکم کرتی ہے۔اوراگر ناجائز ہے تو کیوں؟والسلام!**بینوا توجروا**

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،زن فاحشہ سے نکاح جائز ہے اگرچہ تائب نہ ہوئی ہو،ہاں اگر اپنے افعال خبیثہ پر قائم رہے،اور یہ تاقدر قدرت انسداد نہ کرے تو دیوث ہے اور سخت کبیرہ کا مرتکب،مگر یہ حکم اس کی اس بے غیرتی پر ہے،نفس نکاح پر اس سے اثر نہیں،حق سبحانہ وتعالٰی نے محرمات گنا کر فرمایا:**وَاُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ**[1] (اور تمھارے لیے محرمات کے ماسوا حلال کی گئیں ہے۔ت) رہی آیہ کریمہ:

وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوۡ مُشۡرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾[2]۔	زانیہ سے صرف زانی مرد یا مشرک نکاح کرے اور یہ مومنین کے لیے حرام ہے۔(ت)

اس میں چار تاویلیں ماثور ہیں۔ان میں سے اول کی دو فقیر کے نزدیک اصح واحسن ہیں۔

تاویل اول: نکاح سے عقد ہی مراد ہے۔پہلے زانیہ سے نکاح حرام تھا یہ حکم منسوخ ہوگیا،یہ قول سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہے اور بغوی نے اسے ایک جماعت کی طرف منسوب کیا۔امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کی تصحیح کی،کتاب الام میں فرماتے ہیں:

اختلف اھل التفسیر فی ھذہ الاٰیۃ اختلافا	اہل تفسیر نے اس آیہ کریمہ میں واضح اختلاف کیا ہے

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] القرآن الکریم ۲۴/۳

متبائنا فقیل ھی عامة ولکن نسخت بقوله تعالٰی وَ اَنۡكِحُوا الۡاَیَامٰی الخ وقد رویناہ عن سعید بن المسیب وھو کما قال وعلیه دلائل من الکتاب والسنة فلا عبرۃ بما خالفه اھ بمحصوله۔ نقله فی عنایة القاضی [1]۔	بعض نے کہا کہ یہ عام ہے لیکن اللہ تعالٰی کے قول وانکحوا الایامٰی الخ کے نازل ہونے پر منسوخ ہوگئی ہے، اور اس قول کو ہم نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے اور وہ ان کے قول کے مطابق درست ہے اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل ہیں۔ تو اس کے مخالف قول کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس کا خلاصہ ختم ہوا، جس کو عنایۃ القاضی میں نقل کیا ہے۔ (ت)

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

ھذا ھوالذی اختارہ الفقیه ابواللیث و قال ان الاٰیة منسوخة اومعناھا الزانی لاینکح الازانیة اومثلھا [2] اھ۔ **اقول:** الذی رأیت من لفظ الفقیه فی بستانه قال سعید بن جبیر والضحاك معناھا الزانی لایزنی الا بزانیة مثله وھکذا روی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنھما وقد قیل ان الاٰیة منسوخة لان رجلا سأل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال ان امرأتی لاترد ید لامسٍ، فقال طلقھا، فقال انی احبھا، قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فامسکھا [3] اھ فقوله معنا ھا الزانی لاینکح صوابه لایزنی وجزمه بان الفقیه جزم بالنسخ غیر ظاھر	اسی کو فقیہ ابواللیث نے مختار قرار دیا ہے اور کہا کہ یہ آیت منسوخ ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ زانی، زانیہ یا اس جیسی عورتوں سے نکاح کرے۔ اھ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) میں نے جو کچھ فقیہ مذکور کی کتاب "بستان" دیکھی ہے وہ یہ ہے کہ سعید بن جبیر اور ضحاک نے فرمایا کہ اس آیت کا معنٰی یہ ہے کہ زانی صرف اپنے جیسی زانیہ سے زنا کرتا ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ اور بعض نے کہا کہ آیہ کریمہ منسوخ ہے کیونکہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا کہ میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کو طلاق دے، تو اس شخص نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو پھر طلاق نہ دے اھ، تو اس کا قول کہ

[1] عنایۃ القاضی حاشیہ البیضاوی زیر آیۃ ماقبل دار صادر بیروت ۳۵۷/۶

[2] تفسیرات احمدیہ زیر ایۃ ماقبل مطبع کریمیہ بمبئی ص ۵۴۵

[3] بستان العارفین علی ہامش تنبیہ الغافلین الباب الحادی والسبعون تزویج الزانیۃ دار الزہراء للطباعۃ والنشر ص ۴-۱۰۳

من کلام الفقیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابواللیث نے کہا اس کا معنی "لاینکح" درست نہیں۔ مگر میرے حوالے کے مطابق صحیح یہ ہے کہ انھوں نے معنی "لایزنی" بتایا ہے اور انھوں نے بطور اعتماد کہا کہ ابواللیث نے نسخ کو مختار قرار دیا۔ یہ بات ابواللیث کے کلام سے ظاہر نہیں ہوتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رغائب الفرقان میں ہے:

قیل انه صار منسوخا امابالاجماع وھو قول سعید بن المسیب، وزیف بان الاجماع لاینسخ ولاینسخ به، واما بعموم قوله تعالٰی "وانکحوا لایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" وھو قول الجبائی وضعف بان ذلك العام مشروط بعدم الموانع السببیة والنسبیة، ولیکن ھذاالمانع ایضا من جملتها [1] اھ اقول مانسب الی الجبائی فھو ؏	بعض نے کہا کہ منسوخ ہے یا اجماع کے ساتھ یہ قول سعید بن مسیب کا ہے یہ موقف کمزور ہے کیونکہ اجماع نہ منسوخ ہوتا اور نہ ناسخ ہوتا ہے۔ یا منسوخ ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد "وانکحوا لایامٰی فانکحوا ماطاب لکم" کے ساتھ، اور یہ جبائی کا قول ہے، اور یہ بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس آیت میں بیان کردہ اباحت، سببی یا نسبی مانع نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے اور زنا بھی ان موانع میں سے ایک مانع ہے اھ **اقول** جو جبائی کی طرف منسوب ہے تو وہ (اس سے آگے عبارت دستیاب نہیں ہوسکی)۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: از فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی دواز دہم محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

شرعا قبل متارکہ و تفریق بین المحارم غیر مدخولہ سے کسی دوسرے کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور قاضی شرعا کون ہے؟ بوقت ضرورت فسخ و تفریق اس ملک ریاست بہاولپور اسلامیہ میں جو تحت قبضہ نصارٰی ہے کون حق فسخ و تفریق بالا رکھتا ہے؟ علما کا ہے یا گردآور قاضیان سرکار کا یا محض حکام کا؟ اور حکام بعض صاحب اسلام ہیں بعض اہل ہنود، ان میں کوئی امتیاز ہے یا سب اس کا حق رکھتے ہیں اس

؏: افسوس کہ یہ فتوٰی اس قدر منقول ملا، آگے دستیاب نہ ہوسکا، جتنا ملا اتنا چھاپ دیا، باقی اگر کبھی آئندہ کہیں مل سکا تو وہ بھی ان شاء اللہ تعالٰی علیحدہ یا بطور تبرک چھاپ دیا جائے گا یا کسی حصہ آئندہ میں۔ (مرتب)

---

[1] رغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری) زیر آیہ ماقبل مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۵۸

ریاست اسلامی میں دو عورات ایک شخص سے یکے بعد دیگرے نکاح کرچکی ہیں اور بحکم شرعی وان تزوجھما علی التعاقب صح الاول وبطل الثانی (آپس میں دو محرم عورتوں سے اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلا صحیح ہوا دوسرا باطل ہے۔ت) متارکہ یا تفریق ثانیہ کی ضرور ہے لیکن ناکح متارکہ نہیں کرتا۔ تفریق لازمی ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اسلامی ریاست میں مسلمان حاکم کہ وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری وامثالھم سے نہ ہو، نائب شرعی ہے، مگر یہاں نہ قاضی کی حاجت نہ متارکہ شوہر کی ضرورت کہ نکاح راسًا فاسد واقع ہوا، عورت تنہا اس کے فسخ کا اختیار رکھتی ہے، شوہر سے کہہ دے میں نے اس حرام کو چھوڑا، پھر اگر مجامعت نہ ہوئی تو ابھی، ورنہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما [1]۔	مرد وعورت دونوں کو فسخ کا حق ہے اگرچہ دونوں میں ایک غیر حاضر ہو۔ دخول ہوچکا ہو یا نہیں، اصح قول یہی ہے، تاکہ گناہ سے علیحدگی ہوجائے تو یہ متارکہ قاضی کی تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ بلکہ قاضی پر الگ کرنا ان دونوں کو واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فی الاصح وقیل بعد الدخول لیس لاحدھما فسخہ الابحضرۃ الاٰخر. قولہ یجب علی القاضی ای ان لم یتفرقا [2]۔	اس کا قول "فی الاصح" اور بعض نے کہا کہ دخول کے بعد ایک کی تفریق دوسرے کی موجودگی کے بغیر جائز نہیں، اور اس کا قول کہ قاضی پر واجب ہے یعنی اس وقت جب دونوں نے آپس میں تفریق نہ کی ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

فسخ ھذہ النکاح من کل منھما بمحضر الاٰخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید	اس نکاح کا فسخ دونوں ایک دوسرے کی موجودگی میں کریں۔ یہ متفقہ مسئلہ ہے اور یہاں متارکہ اور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۱

کذافی البحر [1]۔	فسخ کا فرق بعید ہے، بحر میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی میں خیریہ سے ہے:

الحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی فی شرح نظم الکنز [2]۔	حق یہی ہے کہ دونوں میں فرق نہیں ہے، اسی لیے مقدسی نے اس پر نظم الکنز کی شرح میں جزم کیا ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

رجحنا (فی باب المهر) الثانی انها تکون من المرأة ایضا ولذا ذکر مسکین من صورها ان تقول له ترکتك [3]۔	ہم نے باب المہر میں ثانی کو ترجیح دی ہے یہ کہ عورت کو بھی حق ہے۔ اسی لیے مسکین نے اس کی صورت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ عورت کہہ سکتی ہے کہ میں نے تجھ سے علیحدگی کرلی ہے۔(ت)

اسی مسئلہ کی تمام تحقیق ہمارے فتاوی میں ہے اور یہاں اس کی حاجت نہیں کہ عورت کے فسخ کو متارکہ کہیں یا نہیں، اسے فسخ کا اختیار بلاشبہہ بالاتفاق ہے **دفعًا للمعصیة** (گناہ کو ختم کرنے کے لیے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۸: از متن پوری محلہ زیر قلعہ راجہ مرسلہ سعد اللہ صاحب معمار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

ہندہ بیوہ نے زید سے تعلق ناجائز پیدا کیا، اور سنا ہے کہ چند حمل بھی ساقط ہوئے اور ہندہ نے اپنی دختر کا کہ وہ بھی صغر سنی میں بیوہ ہوگئی تھی زید کے ساتھ جس سے خود تعلق ناجائز رکھتی تھی بلارضامندی دختر خود بجبر عقد کرلیا تو یہ نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور اب اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ بلاطلاق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہ ہے یہ نکاح حرام محض ہے۔ زید پر فرض ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے، زید کے چھوڑنے کے بعد عدت کے دن پورے کرکے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۹: از جے پور راجپوتانہ چاند پول بازار متصل دکان گوبند رام فوٹو گرافر مرسلہ حافظ رحیم بخش صاحب خرادی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حرمت مصاہرت کے لیے عورت کا مشتہاۃ ہونا ضروری ہے،

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[2] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

[3] بحرالرائق باب العدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۶

هذا اذاکانت حیة مشتهاة اما غیرها یعنی المیتة وصغیرة لم تشته (فلا) تثبت الحرمة بها اصلا، درمختار [1]۔	حرمت مصاہرت تب ہوگی جب عورت زندہ اور شہوت والی ہو، لیکن اگر مردہ ہو یا صغیرہ غیر شہوت والی ہو تو حرمت مصاہرت ہر گز ثابت نہ ہوگی۔ درمختار۔ (ت)

اور مشتہاۃ کم سے کم نوسال کی لڑکی ہوسکتی ہے تو عبارت ذیل بھی:

اویزداد انتشارًا ای ان تکون منتشرة قبله حتی قیل من انتشرت اٰلته وطلب امرأته لو طیها فاولجها بین فخذی بنتها لاتحرم علیها امها مالم یزداد انتشارا، و وجود الشهوة من احدهما یکفی [2]۔	یا انتشار زیادہ ہوجائے یعنی آلہ تناسل پہلے منتشر تھا اس پر یہاں تک کہا گیا کہ اگر اس نے آلہ تناسل کے انتشار کے بعد بیوی کو طلب کیا ہو۔ یا طلب کرتے ہوئے غلطی سے بیوی کی بیٹی کی ران پر مل دیا تو اس لڑکی کی ماں حرام نہ ہوگی جب تک لڑکی کو چھوتے ہوئے انتشار زیادہ نہ ہوا ہو، اور چھوتے وقت مرد یا عورت میں سے ایک کا شہوت میں ہونا حرمت کے لیے کافی ہے۔ (ت)

جو شرح چلپی کے صفحہ ۹۳ کے متعلقہ حاشیہ پر درج ہے نوسال یا اس سے زائد کی لڑکی کے واسطے معلوم ہوتی ہے بآنکہ دہ''سال کی لڑکی پر بھی یہ مسئلہ عائد ہوسکتا ہے، یعنی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی یا کیا؟

الجواب:

ثبوت حرمت مصاہرت کے لیے مشتہاۃ ہونا ضروری ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ عامہ کتب میں تصریح ہے اور **وجود الشهوة من احدهما یکفی** [3] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی ہے۔ ت) کے یہ معنی نہیں کہ صرف یہ مشتہی اور دختر غیر مشتہاۃ یا عورت مشتہاۃ ہو اور لڑکا غیر مشتہی تو حرمت ثابت ہوجائے یہ کسی کا بھی قول نہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ یہ مشتہی ہو اور وہ مشتہاۃ اور بالفعل شہوت ایک کی طرف سے ہو مثلاً اس کے سوتے میں مس بشہوۃ کیا کہ اسے اطلاع بھی نہ ہوئی تو حرمت ہوگئی کہ **وجود من احدهما** کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۰: از ماہم ڈاک خانہ نمبر ۱۶ بمبئی مرسلہ حاجی محمد سلیمان ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

زید کا نکاح زید کی بھتیجی کی دختر سے حلال ہے یا حرام یعنی زید و بکر حقیقی دونوں بھائی ایک باپ مادر کی پشت سے ہیں، اب زید کا نکاح بکر کی نواسی سے حلال ہے یا نہیں؟ جیسا خدا اور رسول کا حکم ہو قرآن مجید

---

[1] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح وقایہ کتاب النکاح منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۱۷۹

[3] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح وقایہ کتاب النکاح منشی نولکشور لکھنؤ ۲/۱۷۹

حدیث فقہ سے حکم صادر فرمائیں، بھتیجی کی لڑکی سے اور بھانجی کی لڑکی سے اور بھتیجے کی بیٹی سے اور بھانجے کی لڑکی سے نکاح درست ہے اور بھتیجی و بھانجی سے تو حرام ہے مگر ان کی اولاد آل سے جائز ہے یا حرام؟

الجواب:

حرام قطعی ہے، یہ سب اس کی بیٹیاں ہیں، جیسے بھتیجی بھانجی ویسے ہی ان کی اور بھتیجیوں اور بھانجوں کی اولاد، اور اولاد اولاد کتنے ہی دور سلسلہ جائے سب حرام ہیں، بنات پوتیوں نواسیوں دور تک کے سلسلے سب کو شامل ہے۔ جس طرح فرمایا گیا۔ **حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ أُمَّهَٰتُكُمۡ وَبَنَاتُكُمۡ**[1] تم پر حرام کی گئیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں، اور ماؤں میں دادی، نانی، پر دادی، پر نانی جتنی اوپر ہوں سب داخل ہیں، اور بیٹیوں میں پوتی، نواسی، پر پوتی، پر نواسی جتنی ہوں نیچے سب داخل ہیں، یوں فرمایا: **وَبَنَاتُ الۡأَخِ وَبَنَاتُ الۡأُخۡتِ**[2] تم پر حرام کی گئیں بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں۔ ان میں بھی بھائی بہن کی پوتی، نواسی، پر پوتی، پر نواسی جتنی دور ہوں سب داخل ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: از ضلع بہرائچ محلّہ ناظرہ پورہ بمکان سید منصب علی صاحب عرضی نویس مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید، مذہب اہل سنت والجماعت نے ایک عورت شیعہ کے مطابق مذہب شیعہ صیغہ پڑھایا اور نکاح بطریق اہلسنت نہیں کیا اور مدۃ العمر دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے، ایسی حالت میں جو اولاد ہوئی وہ جائز یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل تبرائی رافضی علی العموم مرتدین ہیں اور مرتد خواہ مرد خواہ عورت سے دنیا بھر میں کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ اولاد ہوگی ولد الحلال نہیں ہو سکتی، عالمگیری میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا ان قال واحکامھم احکام المرتدین[3]۔	رافضیوں کے اس قول پر کہ "فوت شدہ لوگ دنیا میں پھر واپس آئیں گے" ان کی تکفیر واجب ہے اور یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا کہ ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

[3] فتاوٰی ہندیہ باب فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1]۔	مرتد کو کسی مرتدہ عورت یا مسلمان یا اصلی کافر عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں اور یوں ہی مرتدہ عورت کا بھی کسی ایک سے نکاح جائز نہیں۔(ت)

اس کے بعد صیغہ ونکاح کی بحث کی کچھ حاجت نہیں، سنیوں کے طور پر نکاح ہوتا تو کب ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۲: از میران پور کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہان پور متصل چوکی مرسلہ قاضی تفضل حسین صاحب نائب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حاملہ عورت کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ بورے آدمیوں کے نکاحوں کا کیا حال ہے؟

الجواب:

عورت جسے حلال سے حمل ہو دوسرے شخص سے اس کا نکاح باطل محض ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے۔ اور اگر بے شوہر عورت اور حمل زنا کا ہے تو اس سے نکاح ہوسکتا ہے، پھر اگر وہ ہی نکاح کرے جس کا یہ حمل ہے تو وہ پاس بھی جاسکتا ہے اور اگر یہ دوسرا شخص نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہولے ہاتھ نہیں لگا سکتا، کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) بُورہ نابالغ کے حکم میں ہے اس کا نکاح ولی کی اجازت سے ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۴۳: زید نہایت بدچلن تھا اب وہ مفقود الخبر ہے اور زید کی عورت کو گزر اوقات کرنا دشوار ہے اور زید کے باپ نے اس عورت کو نظر بد سے دیکھا اور زنا کیا اس صورت میں وہ عورت اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تاکہ اپنی گزر اوقات کرے اور اس حرام سے بچے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

معاذاللہ اگر یہ زنا ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا بہت دشوار ہے تو عورت اپنے شوہر پر ضرور ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوگئی مگر نکاح سے نہ نکلی جب تک شوہر اپنی زبان سے اسے چھوڑنے کا کوئی لفظ نہ کہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطء بھا لایکون زنا[2]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور عورت دوسرے کو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہوجائے۔ اس دوران وطی کو زنا نہیں قرار دیا جائے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ فصل فی المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۸

اسی میں ہے:

تجب العدۃ بعد الوطء لاالخلوۃ للطلاق لاللموت من وقت التفریق اومتارکۃ الزوج وان لم تعلم المرأۃ بالمتارکۃ فی الاصح [1] اھ قال الشامی خص الشارح المتارکۃ بالزوج کمافعل الزیلعی لان ظاھر کلامھم انھا لاتکون من المرأۃ اصلامع ان فسخ ھذا النکاح یصح من کل منھما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکۃ والفسخ بعید کذا فی البحر وفرق فی النھر بان المتارکۃ فی معنی الطلاق فیختص بہ الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلایختص بہ وان کان فی معنی المتارکۃ ورد الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکۃ فی معنی الطلاق فالحق عدم الفرق ولذاجزم بہ المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامہ فیما علقناہ علی البحر [2] اھ ذکر فیہ استناد الرملی بما لیس لہ بل علیہ کما	نکاح فاسد میں وقت تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب نہ ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی، عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی اھ شامی نے کہا کہ شارح نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے، بحر میں یوں ہی ہے جبکہ نہر میں فرق بتایا گیا کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کرسکتا ہے، اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا۔ اگرچہ متارکہ کا معنی پایا جاتا ہے، اس کو خیر الدین رملی نے رد کردیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنی میں کیسے کہا جاسکتا ہے، لہٰذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں، اس لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے، اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے اھ وہاں شامی نے

[1] درمختار باب فی المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار باب فی المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۲

بینہ فی منحۃ الخالق وبالجملۃ فلایثبت من کلامھم الا اختصاص الزوج بالمتارکۃ ثم لایشم خلافہ اصلا.اقول وقول النھران المتارکۃ فی معنی الطلاق معناہ ان المتارکۃ فی الفاسد فی معنی الطلاق فی الصحیح فلایمسہ ماذکر الرملی وایدہ الشامی واما الاستشکال بقولھم کما فی الدریثبت لکل واحد منھما فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولافی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما[1] اھ **فاقول:** یتراأی لی واللہ تعالٰی اعلم ان ھذا فیما اذاوقع فاسدا کما اذا انکحھا بلاشھود اوبعد مامس امھا وذلك لانہ لم یثبت لہ الید الشرعیہ علیھا اصلاوکان لکل منھما فسخہ ازالۃ للمعصیۃ وماذکروا ھھنامن تخصیص المتارکۃ بالزوج فھو	خیر الدین رملی کی جو دلیل ذکر کی وہ ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ انھوں نے منحۃ الخالق میں اس کو ذکر کیا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ فقہاء کرام کے کلام سے متارکہ کا خاوند کے ساتھ خاص ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اوراس کے خلاف کی بو تک محسوس نہیں ہوتی۔اقول نہر کے قول میں کہ متارکہ، طلاق کے معنی میں ہے،اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسد نکاح میں متارکہ طلاق کے قائم مقام ہے صحیح قول میں، لہذا رملی کا اعتراض بے جا ہے اس کی تائید علامہ شامی نے کی ہے، باقی رہاوہ اشکال جو فقہاء کی اس عبارت سے پیدا ہوتا ہے جس کو در میں اختیار کیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگرچہ ایک دوسرے کی غیر حاضری میں ہو، دخول ہو ایا نہ، تاکہ گناہ سے اجتناب ہوسکے،اور یہ آپس کا متارکہ قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی دونوں پر تفریق کا حکم دے گا اھ **فاقول:** واللہ تعالٰی اعلم مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہر صورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جبکہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھوچکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہوجائے اور فقہاء کرام نے جو یہ کہا کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وہ

[1] درمختار باب فی المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

فیما اذا طرأ الفساد فح لاتتفرد بالفسخ لانه لیس دفعا بل رفع لید شرعیة ثبتت للزوج فلا بد من متارکته والحکمة فیه ان لوجوزنا تفردها فیه بالفسخ لشاعت الفتن فکل امرأة ترید ان تفارق زوجها تقبل ابنه مثلاً بشهوة فیفسد النکاح فتفسخه مبتدءة وتنکح من شاءت وهذا باب یجب سده۔	اس صورت میں ہے جبکہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہوا ہو، تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کا دفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طور پر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلاً خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کرکے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے تو اس فتنہ کا سد باب ضروری ہے۔ (ت)

یہاں شوہر مفقود ہے اور حرمت موجود ہے، عورت پر لازم کہ حاکم شرع کے حضور مرافعہ کرے اور وہ ثبوت لے، اگر وہ گواہان عادل سے پدر زید کا زوجہ زید کے ساتھ فعل بد کا ارتکاب ثابت ہو لان هذا هو نصاب ثبوت حرمة المصاہرة وان لم یثبت به الزنا فی حق الحد (کیونکہ یہ حرمت مصاہرہ کے ثبوت کے لیے نصاب ہے اگرچہ اس سے حد کے معیار پر زنا ثابت نہیں ہوتا۔ت) تو ان دونوں مرد وزن میں تفریق کردے، روز تفریق سے عورت تین حیض کی عدت کرے اور اس کے بعد نکاح ثانی جائز ہوسکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۴: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل صاحب طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر آپس میں حقیقی برادر ہیں، زید عمر میں بکر سے بڑا ہے اور بکر عمر میں چھوٹا ہے زید سے، زید کے پاس ایک لڑکی ہے اور اس سے زید کو ایک نواسی بھی ہے، بکر کے پاس ایک لڑکا ہے، اس صورت میں زید اگر اپنی نواسی سے اپنے برادر حقیقی کے لڑکے کے ساتھ نکاح کردے تو نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

چچا کی نواسی سے نکاح جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵: از رنگون مرسلہ جناب سیٹھ عبدالستار ابن اسمٰعیل صاحب قادری برکاتی رضوی ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی سوتیلی والدہ کی سگی ہمشیرہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

سوتیلی ماں ماں نہیں، قال اللہ تعالٰی: اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ[1] (تمھاری مائیں وہی ہیں جنھوں نے تمھیں جنم دیا ہے۔ت) اس کی سگی بہن سے نکاح جائز ہے، قال تعالٰی: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[2] (محرمات کے علاوہ عورتیں تمھارے لیے حلال ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۶: از رامپور مرسلہ فاروق حسن صاحب ایڈیٹر اخبار دبدبہ سکندری ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ نادرۃ الوقوع میں کہ زید اپنے بیٹے عمرو کی زوجہ ہندہ سے فعل حرام کا مرتکب ہوا، اب مابین عمرو وہندہ کے نکاح باقی ہے یا نہیں؟ اور اگر عورت خود اقرار کرے کہ زید جو میرے شوہر کا باپ ہے وہ مجھ سے بالجبر وطی کیا ہے اور زید منکر ہے تو کیا حکم؟ اور اگر زید وہندہ دونوں اقرار کریں وقوع وطی کا جب کیا حکم؟ پھر اگر وقوع وطی کو شہادت سے ثابت کیا جاوے تو شاہدوں کی شہادت کی صورت کیسی ہونی چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس فعل سے عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے مگر نکاح زائل نہیں ہوتا۔ نہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے جب تک شوہر متارکہ نہ کرے،، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا، اور عدت گزرے اس کے بعد نکاح دوسرے سے کرسکے گی، درمختار میں ہے:

بحرمه المصاهرة لایرتفع النکاح حتی لایحل لها التزوج باٰخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة[3]۔	حرمت مصاہرۃ سے نکاح ختم نہیں ہوتا اسی لیے دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہو جائے۔ (ت)

عورت کا بیان کوئی چیز نہیں جب تک شوہر اس کی تصدیق نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

لان الحرمة لیست الیها قالوا وبه یفتی فی جمیع الوجوه بزازیه[4]۔	کیونکہ حرمت کا فیصلہ عورت کے ہاتھ نہیں ہے اور فقہاء کرام نے فرمایا تمام صورتوں میں اسی پر فتوٰی ہے۔ بزازیہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] القرآن الکریم ۲۴/۴

[3] درمختار باب فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[4] درمختار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۴

اور اگر پدر شوہر بھی اقرار کرے جب بھی شوہر پر حجت نہیں۔

لانہ یرید ازالۃ ملك ثابت بشھادۃ واحد لاسیما وھی علی نفسہ وشھادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل کما نصوا علیہ قاطبۃ۔	کیونکہ ثابت شدہ ملکیت کو وہ ایک گواہی سے ختم کرنا چاہتا ہے خصوصا جبکہ اس ایک گواہ کی شہادت اپنے فعل پر ہو جبکہ اپنے فعل پر کسی شخص کی شہادت مقبول نہیں، جیساکہ اس پر تمام فقہاء کرام نے تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر شوہر کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو تو اس پر واجب ہے کہ عورت کو اپنے اوپر حرام جانے اور متارکہ کردے، بزازیہ پھر ہندیہ میں ہے:

فان وقع عندہ صدقہ وجب قبولہ[1]۔	تو اگر اس کے دل میں اس کا صدق واقع ہو تو اسے قبول کرنا اس پر واجب ہے۔(ت)

یا دو شاہد عادل کی گواہی سے یہ امر ثابت ہوا اگرچہ اسی قدر کہ اس کے باپ نے اسے بشہوت مس کیا یا بشہوت بوسہ لیا کہ حرمت کو اسی قدر بس ہے، تنویر الابصار میں ہے:

تقبل الشھادۃ علی اللمس والتقبیل عن شھوۃ فی المختار[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شہوت کے ساتھ چھونے اور بوسہ لینے پر شہادت قبول کی جائے گی مختار قول میں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷:		از بنڈیل اسٹیشن وڈاک خانہ ہوگلی مرسلہ حقاخاں صاحب		۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اپنے خاص دادا کی پرنتی اور جو کہ اپنے خاص دادا کی بھانجی کی لڑکی ہوتی ہے اور ایک رشتہ سے اپنی چچیری چچی ہوتی ہے ان سے عقد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

پرداد کی پرنواسی، دادا کی بھانجی کی بیٹی، چچیری خواہ حقیقی چچی، اس میں کوئی رشتہ ممانعت نکاح کا نہیں۔ اس سے نکاح جائز ہے جبکہ رضاعت وغیرہ کا کوئی مانع شرعی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸:		از ضلع پورینہ ڈاکخانہ فارس گنج از دکان بخشی شاہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی خوش دامن سے قصداً وطی کی اب اس کی بی بی کا نکاح اس کے ساتھ قائم رہا یا نہیں یا پھر اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۲

[2] درمختار باب المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جس نے اپنی منکوحہ کی حقیقی ماں سے وطی کی یا اسے قصداً خواہ کسی طرح بشہوت ہاتھ لگایا اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی کبھی نہ اسے رکھ سکتا ہے نہ کسی حال میں اس سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے تاکہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۹: از ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ درؤ ضلع بریلی مرسلہ ہدایت اللہ صاحب پارچہ فروش ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مریم و مسماۃ سکینہ کی والدہ ایک ہے لیکن باپ دونوں کے علیحدہ علیحدہ ہیں، اب مسماۃ مریم کی ایک دختر ہے جس کا نکاح مسماۃ مریم نے بکر کے ساتھ کر دیا ہے اب بکر اپنی زوجہ کی خالہ کو جس کا نام سکینہ ہے نکاح میں لانا چاہتا ہے، نزدیک اللہ و رسول کے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سکینہ سے اس کا نکاح حرام ہے، ہاں جب اس کی یہ عورت مر جائے یا یہ اس کو طلاق دے دے اور عدت گزر جائے اس وقت سکینہ سے نکاح کر سکے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۰: از موضع لال پور ڈاک خانہ موہن پور ملک بنگال مرسلہ منیر الدین احمد کرلوی لال پوری ۸ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اخت علاتی کی لڑکی کی لڑکی کے ساتھ نکاح حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اپنی علاتی بہن کی پوتی سے نکاح حرام قطعی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۱: از موضع میونڈی ڈاک خانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح کسی عورت سے کیا اور اس عورت کی ایک دختر بھی پہلے شوہر کی اس کے ساتھ تھی، بعد چند مدت کے اس عورت کا انتقال ہو گیا، اب زید یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکی کے ساتھ اپنا نکاح کرلوں تو یہ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگرچہ بی بی گھر میں ہو یا نہ ہو اور اگر ایسا کر لیا ہو تو کیا حکم شریعت ہے ایسے لوگوں کے لیے؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب

اگراس عورت سے خلوت نہ ہوئی تھی تواس کے بعد اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے ورنہ حرام، اور اگر کرلیا تو جدا کردینا اور جدا ہونا فرض قطعی، قال اللہ تعالٰی:

وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیۡ فِیۡ حُجُوۡرِکُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیۡ دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِہِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡکُمۡ ۫ ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	تمھاری مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمھارے پاس زیر پرورش ہیں اور اگر بیویوں سے دخول نہ کیا ہو تو تمھیں ممانعت نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: از موضع بھونی ڈاک خانہ امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد نور صاحب ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی عبدالرزاق نے ایک مسماۃ محمودہ عرف نورجہان کے ساتھ نکاح کیا اور اس کے بعد اسکی بہن جو ایک ماں سے پیدا ہوئی ہیں مگر باپ دونوں کا دو ہیں اس کا نام مسماۃ نجبن ہے نکاح کرلیا، عرصہ تقریبًا چھ ماہ سے زائد ہوگیا، مسلمانوں نے یہاں کے اس کو بہت برا سمجھا اور اس سے کہا کہ ایک عورت کو دونوں میں سے طلاق دے دو، مگر نہیں سمجھا، اس پر مسلمانوں نے اپنا رسم ترک کردیا تو وہ مجبور ہوگیا، مسماۃ نورجہاں زوجہ اول سخت بیمار ہوگئی کہ اس کے پاس لوگوں کا بیٹھنا دشوار ہوگیا، اس نے خواہش کی میری طلاق ہو جائے تو افضل ہے اور مسماۃ نورجہاں اب عرصہ ایک ہفتہ سے کسی جگہ بلااجازت شوہر گھر سے چلی گئی ہے اور ہنوز مفقود الخبر ہے، اب عبدالرزاق و نورجہاں مفقود الخبر کی خواہش یہ تھی کہ ہم میں باہمی طلاق ہو جائے اور مسماۃ نجبن سے نکاح ہو جاوے تو مناسب ہو، ایسی صورت میں مسماۃ نورجہاں کو طلاق دے سکتا ہے یا نہیں اور نجبن سے دوبارہ نکاح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نورجہاں کو طلاق دینے کے بعد اس کی عدت گزر جائے یعنی اسے تین حیض آکر ختم ہو جائیں اس کے بعد نجبن سے نکاح کرسکتا ہے ورنہ حرام حرام حرام، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳: از ہوڑہ محلّہ بینا پاڑہ مدرسہ دارالعلوم مرسلہ میر احسان علی صاحب مدرس ۵ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جس نے اپنی عورت کو طلاق دے دیا ایک ہفتہ ہوا طلاق دے کر، اور جس شخص سے اب نکاح ہوگا وہ عورت اسی شخص کے گھر ہے مگر وہ شخص باہر رہتا ہے

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

اندر مکان کے نہیں جاتا۔ کہتا ہے کہ جب تک نکاح نہ ہوگا اندر نہ جاؤں گا اور عورت کی دایہ وغیرہ سے جانچ کرایا گیا کہ حمل تو نہیں ہے، معلوم ہوا کہ حمل نہیں ہے، اس صورت میں اگر نکاح کردیا جائے تو گناہ تو نہیں ہوسکتا؟ جلدی اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ شیطان ہر وقت بہکاتا ہے، اگر اس صورت میں جلد نکاح کردیا جائے اس پر کیا حکم ہے؟ صرف گناہ کا خیال کرکے ایسا ہو کہ عدت کے اندر نکاح کردیا جاوے حمل نہیں ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عدت کے نکاح حرام حرام حرام، نکاح تو نکاح، نکاح کا پیام دینا حرام، اگر نکاح ہو اور قربت ہو نراز نا ہوگا۔ اس سے زیادہ یہاں شیطان کا بہکانا اور کیا ہے جسے خود چاہ رہے ہو، عورت کو ایام عدت شوہر ہی کے مکان پر پورے کرنے فرض ہیں وہاں سے نکلنا حرام ہے، اب کہ نکل آئی ہے فرض ہے کہ فوراً شوہر کے یہاں چلی جائے اور وہیں عدت کے دن پورے کرے، اگر یہاں سے وہاں تک تین دن کی راہ نہ ہو، ورنہ اطمینان کی جگہ رہے، اس شخص کے یہاں جب تک ہرگز نہ رہے جس سے اندیشہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۴: از مقام ٹانڈہ چھنگا ڈاک خانہ درو تحصیل کچھار مرسلہ عبداللہ صاحب منیب بنجارہ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم وسکینہ ہمشیر حقیقی ہیں لیکن باپ دونوں کے جدا ہیں ایک خیاط دوسرا نداف۔ اب مریم کی ایک دختر ہے جس کا نام فاطمہ ہے اور فاطمہ کا نکاح زید کے ساتھ ہوگیا ہے، اب زید اپنی زوجہ کی حقیقی خالہ کو نکاح میں لاکر دونوں سے ہمبستر ہورہا ہے اس صورت میں اللہ ورسول کا کیا حکم ہے عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا دونوں نکاح جائز ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حرام حرام حرام قطعی حرام، اس پر فرض ہے کہ اپنی زوجہ کی خالہ کو چھوڑ دے اور جب تک اس کی عدت گزرے زوجہ کو ہاتھ لگانا بھی اس پر حرام ہے جب اس کی خالہ عدت سے نکل جائے اس وقت اسے اپنی زوجہ کے پاس جانا حلال ہوگا **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: از سلطان پور ملک اودھ مرسلہ عبدالخالق صاحب عرائض نویس کچہری دیوانی ۱۸ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی تین شادیاں ہوئیں، زوجہ اول سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اس کی شادی زید کے حقیقی بھتیجے کے ساتھ ہوئی اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو زید کی حقیقی نواسی ہوئی، اور زید کی تیسری شادی جو ہوئی اس سے تین لڑکے ہیں اب زید اس اپنے لڑکے یعنی نرینہ کی شادی اپنے حقیقی بھتیجے کی لڑکی کے ساتھ کرنا چاہتا ہے پس ایسی حالت میں جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حرام حرام حرام، وہ صرف اس کے بھائی کی پوتی نہیں جو اس کے بیٹے کو حلال ہو خود اس کی نواسی بھی ہے تو اس کے بیٹے کی بھانجی ہے اگرچہ بیٹا اور زوجہ سے ہے اور وہ بیٹی اور سے تھی بہر حال بھانجی ہے اور بھانجی حرام، قال اللہ تعالٰی: وبنت الاخت (اور تمھاری بھانجیاں حرام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶: از شہر آگرہ کلو گلی نائی منڈی مرسلہ رحیم بخش صاحب مالک کارخانہ رحیم شو فیکٹری ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید جو پابند مذہب اہل سنت وجماعت تھا اس نے اپنا عقد نکاح مسماۃ ہندہ کے ساتھ کیا جو مذہب اہل شیعہ رکھتی تھی، زید نے اپنے بیٹے عمرو کا نکاح جو بطن ہندہ سے پیدا ہوا تھا بحالت نابالغی بکر کی لڑکی حلیمہ نابالغہ کے ساتھ کردیا اور بوجہ نابالغی منکوحہ حلیمہ کی وداع نہیں ہوئی، حلیمہ نجیب الطرفین اہلسنت والجماعت ہے، زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا، زید کی بیوہ ہندہ نیز اس کی تمام اولاد ہر طریقہ سے پابند اہل تشیع ہے، عمرو اب بالغ ہو کر چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو رخصت کراکے لے جائے، حلیمہ بھی اب چونکہ بالغہ ہے وہ اپنے عقد میں غیر مذہب کے آدمی شیعہ کو منظور نہیں کرتی اور اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی نیز والدین حلیمہ بھی اب وداع سے انکاری ہیں، اندریں صورت یہ نکاح حلیمہ کا جو بحالت نابالغی ایک شیعہ کے ساتھ ہوا تھا از روئے شرع شریف جائز رہا یا باطل؟ اور حلیمہ اپنا عقد کسی دوسری جگہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل جو لوگ شیعہ کہلاتے ہیں یعنی تبرائی رافضی، ان کے ساتھ نکاح باطل محض ہے، اگر حلیمہ اور اس کے اولیا سب راضی ہیں تو اللہ ورسول راضی نہیں، حلیمہ کو حرام ہے کہ اپنے آپ کو اس کی زوجیت میں سمجھے، فتاوٰی ظہیریہ و حدیقہ ندیہ و عالمگیریہ میں مثال روافض کے لیے ہے **احکامھم احکام المرتدین**[1] (ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ت) نیز عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتدان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	مرتد کا مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی سے نکاح جائز نہیں۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] الحدیقہ الندیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر ای ردہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل فی المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

مسئلہ ۲۵۷: از شمس آباد ضلع کیمل پور مرسلہ مولانا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید خود عرصہ تیرہ برس سے ملک افریقہ میں رہتاہے اس کی خوشدامن کہتی ہے کہ اس نے میرے ساتھ فعل بد کیا ہے اس پر دو گواہ اس امر کے معائنہ کے ہیں کہ ایک کہتا ہے کہ میں نے بوقت دوپہر کے فلاں مقام میں دونوں کو عین مشغولی میں دیکھا، دوسرا کہتا ہے کہ دونوں کو کپڑے پہنے ہوئے دیکھا ہے، اس موضع کے کل لوگ ہر ایک مکان کے ایک دو آدمی جن کا مجموعہ ۵۰ نفر ہوتے ہیں یہی کہتے ہیں کہ قرائن قاطعہ سے ہم لوگ جانتے ہیں کہ زید اور اس کی خوشدامن باہم بدمعاش تھے اور ان کے ناجائز تعلق میں کوئی شک نہ تھا، برابر دو برس تک دونوں کا باہم اختلاط اور انبساط رہا، جب ان دو گواہوں نے ان کو ایسی کریہہ صورت میں دیکھا تب سے زید فرار کرگیا اور ایک دوسرے سے کہہ گیا کہ اب یہ میری عورت غیر مدخولہ جو کہ اس خوشدامن کی دختر ہے میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے، اس کی عورت اب عرصہ آٹھ دس برس سے جوان ہے اور خورد ونوش وسکونت کی اس کو بہت تکلیف ہے اور غالب گمان ہے کہ کہیں حرامکاری میں مبتلا ہو جائے، پس اگر کوئی عالم افقہ واورع اس علاقہ کا بموجب عبارت حدیقہ ندیہ:

واذاخلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور کلھا مفوضۃ الی العلماء یصیرون ولاۃ[1]۔	جب زمانہ موثر حکمران سے خالی ہو تو تمام فیصلہ طلب امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہ والی قرار پائیں گے۔(ت)

کے اس غائب کے باپ کے روبرو یا اس کی طرف سے کسی کو وکیل کرکے اس پر سمع دعوی وشہادت کرکے تفریق کا حکم دے دے تو درست ہوگا یا نہیں، اور اگر درست ہے تو چونکہ غائب ولایت قاضی میں نہیں لہٰذا اس کی طرف سے مسخر پکڑنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ شامی جلد ۴ ص ۳۵۳ میں باب القضاء میں وفی البحر والمعتمدان القضاء علی المسخر الخ (بحر میں ہے مسخر کے خلاف فیصلہ صادر کرنے سے متعلق قول الخ۔ت) کے متعلق ہے:

وتفسیر المسخران ینصب القاضی وکیلا عن الغائب یسمع الخصومۃ علیہ وشرطہ عندالقائل بہ ان یکون الغائب فی ولایۃ القاضی[2]۔	اور مسخر کی تفسیر یہ ہے کہ قاضی کسی غائب شخص کی طرف سے کسی کو وکیل بنائے تاکہ وہ غائب کے خلاف الزامات کو سن سکے، لیکن اس کے جواز کے قائل کے ہاں یہ شرط ہے کہ وہ غائب شخص اس قاضی کے علاقہ میں ہو۔(ت)

[1] الحدیقہ الندیہ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ الخ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

[2] ردالمحتار فصل فی الحبس مطلب فی القضاء علی المسخر داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۳۹

الجواب:

صورت مسطورہ اگر واقعی ہے تو اصلًا نہ کسی قضا کی حاجت نہ تفریق کی ضرورت، نہ مسخر درکار نہ قضا علی الغائب، عورت کو اختیار ہے کہ فی الحال جہاں چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے، یہ دو حال سے خالی نہیں۔ یہ حرمت مصاہرت یا تو نکاح دختر سے پہلے ہوئی یا بعد، اگر پہلے ہوئی تو نکاح سرے سے فاسد و مردود واقع ہوا، عورت بذات خود اسے فسخ کرسکتی ہے اگرچہ شوہر کی غیبت میں کہ وہ معصیت ہے اور اعدام معصیت سب پر واجب، **کما حققناہ فیما علی ردالمحتار علقناہ** (جیسا کہ ردالمحتار کے حاشیہ میں ہم نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

(و)یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا من المعصیۃ فلاینافی وجوبہ[1]۔	اور دونوں مرد اور عورت کے لیے اس نکاح کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی فسخ کرنا جائز ہے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اصح قول میں تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے، اور یہ بات قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہ حرمت مصاہرت بعد نکاح واقع ہوئی تو نکاح فاسد ہوگیا مگر بلا متارکہ فسخ نہ ہوگا اور عورت کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہ ہوگا اور یہ متارکہ صرف شوہر ہی کرسکتا ہے **کما بینا وبہ وفقنا علی ابن عابدین علقنا** (جیسا کہ ہم بیان کرچکے ہیں اور ردالمحتار کے حاشیہ میں ہمیں اس کی توفیق دی گئی۔ت) درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطی بھا لایکون زنا[2]۔	حرمت مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا اس لیے عورت کو دوسرے شخص سے نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اس دوران خاوند کی اس سے وطی کو زنا کا حکم نہ دیا جائیگا۔(ت)

اسی میں ہے:

مبدؤھا(ای العدۃ)فی النکاح الفاسد بعد التفریق من القاضی بینھما اوالمتارکۃ	عدت کی ابتداء متارکہ یا قاضی کی تفریق کے بعد ہوگی، متارکہ سے مراد خاوند کا مدخولہ بیوی سے علیحدگی کا اعلان

[1] درمختار باب فی المھر مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

ای اظھار العزم من الزوج علی ترك وطئھا لامجرد العزم لومدخولہ [1]۔	ہے صرف وطی کے ترک کا عزم کافی نہیں ہے۔(ت)

یہاں تک کہ زید نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ اب یہ میری عورت غیر مدخولہ میرے اوپر حرام ہے جس کو اس کا دل چاہے دے دے بالاتفاق متارکہ ہوگیا اور نکاح فسخ ہوگیا قضاء قاضی کی کچھ حاجت نہیں۔نہ غیر مدخولہ کو عدت کی حاجت،اس وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸: از قصبہ ایرانواں محلّہ سادات ضلع فتحپور مرسلہ محمد رفیع صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فقیرے نے مسماۃ ببیا کا(جبکہ اس کی گود میں مسماۃ حفیظن اس کی لڑکی دودھ پیتی تھی)اندر ایام رضاعت کے دودھ پیا،اسی مسماۃ بیبا کے دوسری لڑکی مسماۃ فہیمن پیدا ہوئی،اب فقیرے مذکور کا نکاح مسماۃ فہیمن کے ساتھ کیا گیا یہ نکاح شرعا جائز ہے یا ناجائز؟اگر ناجائز ہے تو مسماۃ فہیمن کسی دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟اور فہیمن کو فقیرے سے طلاق حاصل کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

ببیا کی اگلی پچھلی سب لڑکیاں فقیرے کی حقیقی بہنیں ہیں اور ان میں کسی سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا حرام محض ہے،اس پر فرض ہے فہیمن کو فورًا چھوڑ دے اور وہ نہ چھوڑدے تو فہیمن پر فرض ہے کہ فورًا اس فاسد نکاح کو فسخ کردے اور عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے،درمختار میں ہے:

یثبت لکل واحد منھما فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولافی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مردوعورت ہر ایک کو فسخ کا حق حاصل ہے خواہ دوسرے کی موجودگی ہو یا نہ ہو،دخول کیا ہو یا نہ،اصح قول میں،تاکہ گناہ کو ختم کیا جاسکے،اور یہ بات قاضی پر وجوب تفریق کے منافی نہیں ہے(ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۹: از موضع خورد مؤ ڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد فوت ہونے بیوی کے،بیوی کی خالہ وعمہ سے نکاح جائز

[1] درمختار باب فی العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

[2] درمختار باب فی المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

ہے یا ناجائز؟ اور لڑکے کے طلاق دینے پر لڑکے کے مر جانے پر بہو کے ساتھ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ کے مرنے پر اس کی خالہ وعمہ سے نکاح جائز ہے، قال اللہ تعالٰی: **وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[1] (اور محرمات کے سوا عورتیں تمھارے لیے حلال کی گئی ہیں۔ت) اور بیٹا مر جائے خواہ طلاق دے دے اس کی زوجہ سے نکاح ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، قال تعالٰی: **وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ**[2] اور تمھارے بیٹوں کی بیویاں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۰: از پر سونہ پرگنہ بریلی مرسلہ شیخ کریم اللہ و منشی الہ دین و معین الدین وسعدی و شیخ مسیت زمیندار وبندو خاں وواحد مکھیا وغلامی ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

جناب عالی! گزارش ہے کہ مسمّٰی میڈو نورباف نے نکاح کیا تھا، اس کی بی بی کے ساتھ ایک لڑکی آئی تھی اس کے ساتھ مسمّٰی میڈو مذکور نے حرکت ناشائستہ کی اور ایک لڑکا بھی پیدا ہوا ہے اب اس کو علیحدہ کر دیا ہے وہ اپنی خطا معاف کرانا چاہتا ہے، حضور پر نور اس امر میں کیا فتوی فرماتے ہیں؟ فقط

الجواب:

اس کی عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی، اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے چھوڑ دے اور اب کبھی اس سے کسی طرح نکاح نہیں کر سکتا، نہ کبھی کسی طرح اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے، یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے اور بی بی ماں کی جگہ ہو گئی، دونوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئیں، دونوں کو فوراً جدا کر دے اور سچے دل سے تائب ہو اور نماز کی پوری پابندی کرے تو اسے ملالیں ورنہ ہمیشہ برادری سے خارج رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۱: از پیران پٹن معرفت اسٹیشن میانہ محلّہ قصاب واڑہ مرسلہ کمال بھائی یارو بھائی ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً بکر کے دو فرزند ہیں، ایک کا نام زید ہے اور دوسرے کا نام عمرو، زید کا نکاح ہونے سے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام فاطمہ ہے، اب فاطمہ کی شادی ہونے سے فاطمہ کے ایک دختر پیدا ہوئی جس کا نام مریم ہے، اب مریم کا نکاح عمرو کے ساتھ از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ اور اس میں دودھ کا تعلق کس طرف سے اور کسی ذریعہ سے کسی کا بھی نہیں؟ اور یہ جو دونوں فرزند

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

بکر کے ہیں یعنی زید و عمروان دونوں کی والدہ الگ الگ ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید عمرو کا بھائی ہے۔ فاطمہ عمرو کی بھتیجی ہے، مریم عمرو کی بھتیجی کی بیٹی ہے، جیسے بھتیجی حرام ہے یونہی بھتیجی کی بیٹی حرام ہے، بھتیجی بیٹی ہے اور بھتیجی کی بیٹی نواسی، عمرو مریم کا نانا ہے نانا کے لیے نواسی کیسے حلال ہو سکتی ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

وَبَنٰتُ الْاَخِ[1] تم پر بھائی کی بیٹیاں حرام ہیں۔ بیٹیوں میں نواسیاں پوتیاں بھی داخل ہیں جیسے فرمایا:

حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ[2] تم پر حرام ہیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں۔ بیٹیوں میں نواسی پوتی داخل نہ ہوں تو آدمی پر خود اس کی پوتی نواسی کہاں سے حرام ہوگی کہ قرآن مجید میں تو بیٹیاں حرام فرمائیں اور یہ محرمات گنا کر فرمایا:

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ[3]	ان کے سوا اور جو رہیں وہ تم پر حلال ہیں۔

بالجملہ بھائی کی نواسی حرام ہونے سے انکار قرآن واسلام سے انکار ہے، نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصله وفرعه اصله القریب[4] **الخ۔**	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب یعنی ماں باپ کے فروع حرام ہیں۔ الخ (ت)

جامع الرموز میں ہے:

من الاخوات لاب وام اولاحدهما وبنات الاخوة وان بعدت[5]**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	سگی بہنیں یا ماں یا باپ کی طرف سے بہنیں اور بھتیجیاں نیچے تک۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: از شہر بریلی سبزی منڈی مسئولہ کبیر احمد میاں ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی نواسی زوجہ اول سے اور زید کا لڑکا زوجہ ثانیہ سے جس کو ایک شخص غیر نے پالا ہے، کیا پسر زید زید کی نواسی کی لڑکی سے عقد کر سکتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام ہے، وہ اس کی بھانجی کی بیٹی ہے اس کی نواسی کی جگہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم /

[2] القرآن الکریم /

[3] القرآن الکریم ۲۴/۴

[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

[5] جامع الرموز کتاب النکاح مکتبۃ الاسلام گنبد قاموس ایران ۱/۴۴۹

مسئلہ ۲۶۳: از فتح پور محلّہ سید واڑہ مرسلہ نور خاں محرر، محمد یار خاں وکیل ہائی کورٹ ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور بکر دونوں کی عورتیں رشتہ میں سگی بہنیں تھیں، زید کی بی بی کے تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں، منجملہ ان کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی مر گئی، اور ایک لڑکی بیوہ موجود ہے، اور بکر کی بی بی کا ایک لڑکا بن بیاہا موجود ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب زید کا پہلا لڑکا پیدا ہوا ہے تو بکر کے اس لڑکے نے اپنی خالہ یعنی زید کی بی بی کا دودھ پیا تھا، بعد اس کے تین اولاد کے بعد زید کی یہ لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت بیوہ موجود ہے، اس سے بکر کے کنوارے لڑکے کا نکاح درست ہے یا ہو سکتا ہے جبکہ بکر کے بیٹے نے زید کی بی بی کا دودھ پیا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ زید کی بی بی کا دودھ بکر کے بیٹے نے پیا ہے اور زید کی بیٹی یہ اس دودھ شریکی بھائی کی تیسری اولاد کے بعد پیدا ہوئی ہے، بینوا توجروا۔

الجواب:

ان دونوں کا نکاح حرام قطعی ہے، وہ آپس میں سگے بھائی بہن ہیں، تین یا تیس اولاد کے بعد اس لڑکی کا پیدا ہونا زید کی بی بی کو بکر کے بیٹے کے ماں باپ ہونے سے خارج نہ کرے گا۔ نہ ان کی کسی اولاد کو پسر بکر کے بھائی بہن ہونے سے، **قال اللہ تعالٰی:** وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ [1] (اور تمھاری رضاعی بہنیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۴: از نواب گنج بریلی مرسلہ سید نثار حسین صاحب ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

زید کی زوجہ ہندہ کی ہمشیرہ زاہدہ ہے، زاہدہ کے زید سے بلا نکاح لڑکا پیدا ہوا، ہندہ کے ساتھ زید کا نکاح رہا یا نہیں؟ اور زاہدہ کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

ہندہ بدستور اس کے نکاح میں ہے، سالی کے ساتھ زنا حرام مگر عورت کو حرام نہیں کرتا، زاہدہ سے جب تک ہندہ اس کے نکاح میں ہے نکاح نہیں کر سکتا، اگر ہندہ مر جائے تو اسی وقت یا یہ اسے طلاق دے دے تو عدت گزرنے پر زاہدہ سے نکاح کر سکے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۵: از لاہور مسجد بیگم شاہی، مسئولہ مولوی احمد الدین صاحب ۶ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا بحالت نابالغی ہندہ زید نے اس سے وطی کی، بعد وطی ہندہ کو طلاق دے دی

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۳

اس نے عمرو سے نکاح کیا عمرو سے ہندہ کے لڑکی پیدا ہوئی تو یہ لڑکی زید پر حرام ہے یا نہیں؟ ماں سے محض نکاح بیٹی کو حرام کرتا ہے یا نہیں، یونہی بیٹی سے نکاح ماں کو؟ دونوں میں وطی شرط حرمت ہے یا نہیں؟ اور وطی کے لیے کیا بلوغ مدخولہ شرط ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت مطہرہ کا حکم یہ ہے کہ بیٹی سے مجرد نکاح ماں کو حرام ابدی کرتا ہے وطی کی شرط نہیں، **قال تعالٰی: وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ**[1] (تمھاری بیویوں کی مائیں۔ت) اور وطی ہو تو بدرجہ اولٰی نکاحًا ہو تو بالاجماع اور بلا نکاح ہو تو ہمارے نزدیک اور ماں سے مجرد نکاح بیٹی کو حرام نہیں کرتا جب تک وطی نہ ہو، قال تعالٰی:

وَ رَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘[2]	تمھاری مدخولہ بیویوں کی وہ بیٹیاں جو تمھاری پرورش میں ہیں، اور اگر تم نے بیویوں سے دخول نہ کیا تو تم پر ممانعت نہیں۔(ت)

ہاں اگر وطی ہو تو تحریم لائے گی اسی تفصیل پر کہ نکاح میں بالاجماع اور بلا نکاح ہمارے نزدیک تو وہ صغیرہ نابالغہ جس سے زید نے صحبت کی پھر طلاق دے دی اور اس نے دوسرے سے نکاح کیا اور اس سے اس عورت کے بیٹی پیدا ہوئی یہ بیٹی قطعاً شوہر اول پر حرام ہے کہ جب صحبت کی "دخلتم بھن" صادق آگیا بلوغ کی شرط نہیں۔ ہاں اگر صغیرہ چار پانچ برس کی ہو جہاں ایلاج حشفہ ممکن نہ ہو تو البتہ حرمت نہ ہوگی کہ صحبت نہ ہوگی اور مدخولہ کی ماں مطلقًا حرام ہے خواہ مدخولہ بالحلال ہو یا بالحرام، اور زوجہ کی والدہ ابدًا اپنی ماں کی طرح ہے زوجہ کے مرنے یا طلاق ہو کر عدت گزرنے کے بعد بھی کسی طرح حلال نہیں ہوسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: از موضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ علاوہ چچی وپھوپھی وممانی ودادی ونانی ووالدہ وغیرہ کے رشتہ داروں میں کسی عورت سے نکاح جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چچی اور ممانی سے بھی نکاح جائز ہے، نسبی رشتوں میں چار قسم کی عورتیں حرام ہیں،

ایک وہ کہ یہ جن کی اولاد سے ہے جیسے ماں، دادی، نانی کتنے ہی اوپر کی ہوں۔

دوسری وہ جو اس کی اولاد ہیں، جیسے بیٹی، پوتی، نواسی کتنے ہی نیچے کی ہوں۔

تیسری وہ جو اس کے ماں یا باپ کی اولاد خواہ اولاد در اولاد جیسے بہن، بھانجی، بھتیجی اور ان کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

اور بھائیوں بھتیجوں کی اولاد کتنی ہی دور ہوں۔

چوتھی وہ کہ ماں باپ کے سوا اور جن کی اولاد سے یہ شخص ہے جیسے دادا، دادی، نانا، نانی کتنے ہی اوپر کے ہوں ان کی خاص اپنی اولاد جیسے اپنی پھوپھی خالہ یا اپنے ماں یا دادا یا دادی یا نانا یا نانی کی پھوپھی خالہ۔ان لوگوں کی اولاد کی اولاد حرام نہیں جیسے پھوپھی کی بیٹی یا خالہ کی بیٹی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از موضع سندھولی ضلع بریلی مسئولہ غفور صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک کنواری لڑکی کا حمل زید سے رہ گیا اس کے والدین نے عمرو کے ساتھ نکاح کردیا، اب علمائے دین کی خدمت بابرکت میں استغاثہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ جس کا نطفہ ہے اس کے ساتھ نکاح جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے۔

الجواب:

نکاح عمرو سے بھی جائز ہے مگر عمرو کو اس کے پاس جانا منع ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہولے، یہ اس صورت میں ہے کہ حمل زنا کا ہو، اور اگر زنا نہ ہوا بلکہ شبہہ اور دھوکے سے زید اس کے ساتھ ہمبستر ہوا تو بیشک جب تک بچہ نہ ہولے دوسرے سے نکاح جائز نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا پھر اس کی بہن کو بھی گھر میں ڈال لیا اب زید کا ہندہ سے وطی کرنا کیسا ہے اور دونوں بہنوں کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے؟ **بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔**

الجواب:

اگر دوسری کو بلانکاح گھر میں ڈال لیا تو پہلی سے وطی بدستور جائز ہے اس سے جو اولاد ہوگی اولاد حلال ہے، اور اس دوسری سے صحبت حرام وزنا ہے اس سے جو اولاد ہوگی ولدالزنا ہوگی، اور اگر دوسری سے بھی نکاح کرلیا تو جب تک اسے ہاتھ نہ لگایا پہلی سے وطی حلال ہے۔ لیکن جس وقت اس دوسری کو ہاتھ لگائے گا پہلی سے قربت بھی حرام ہوجائے گی، جب تک اس دوسری کو چھوڑے اور اس کی عدت گزرے اس وقت تک پہلی حرام ہے، اس صورت میں دونوں عورتوں سے اس کے بعد جو اولاد ہوگی اگرچہ اسی کی ٹھہرے گی ولدالزنا نہ ہوگی مگر ولدالحرام ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: ۳ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

زید کے والد نے زید کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا، عورت نے زید سے کہہ دیا، اس پر زید نے اپنی عورت کو طلاق دے دی جس کو عرصہ تین ماہ کا ہوگیا اس کے بعد زید سے عورت نے کہا کہ تم نے مجھ پر تہمت رکھا تھا، اس لیے

میں نے یہ غلط بات بیان کی، زید نے عورت کو طلاق دی اب وہ اپنی اس عورت کو نکاح میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب:

اگر زید نے صرف عورت کے بیان پر اس کو طلاق دے دی تو طلاق ہو گئی مگر ہمیشہ کے لیے اس کا زید پر حرام ہونا ثابت نہ ہوا۔ جب تک زید خود اس کی تصدیق نہ کرے لیکن سائل نے بیان کیا کہ زید نے تین طلاقیں دیں زید گنہ گار ہوا اور عورت سے اب بغیر حلالہ کے نکاح نہیں کر سکتا، یوں اسے رکھے گا تو حرام ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۰: مرسلہ قاضی محمد ابراہیم و قاضی نیاز الدین صاحبان صدیقی صابون فروش سنیہ دروازہ اندر جھانسی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں: ایسی عورتیں جو آوارہ ہیں، بے پردہ رہتی ہیں، کھلے بندوں چلتی پھرتی ہیں۔ زنا بھی ان سے ثابت ہو اور حمل بھی گرائے گئے ہوں یا طوائف وغیرہ۔ تو ایسی عورتوں کا نکاح بلا استبراء رحم جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** خدا آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

الجواب:

اگر وہ کسی کی منکوحہ نہیں تو بلا استبراء رحم بلکہ خاص حالت زنا میں اس سے نکاح جائز ہے مگر حمل خود اس ناکح کا نہ ہو تو اسے قربت جائز نہیں جب تک وضع حمل نہ ہو جائے **لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ درمختار**[1] (تاکہ اس کا پانی دوسرے کی کھیتی کو سیراب نہ کرے۔ درمختار۔ ت)

مسئلہ ۲۷۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں:

ایک شخص نے اپنے حقیقی بیٹے کی بی بی سے زنا کیا اور عورت اس کی مقر ہے مرد یعنی جس نے زنا کیا اس کو تمام برادری کے لوگوں نے علیحدہ کر دیا اس سے بات چیت سب بند ہے سلام وغیرہ سب لوگ نہیں کرتے اور مرد زانی نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار بلکہ جب لوگ کہتے ہیں کہ تو نے بڑا بھاری گناہ کیا تو کہتا ہے کہ خطا ہوئی کیا کریں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ عورت کیا اب خاوند اصلی کے پاس رہ سکتی ہے اور اس کے لیے حلال ہے یا کہ دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور کیا اس عورت کو خاوند سے طلاق لینے کی بھی ضرورت ہے اور کیا جب تک وہ طلاق نہ دے اس وقت تک غیر سے نکاح نہیں کر سکتی؟ اور بعض مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بلا طلاق دیئے غیر سے نکاح نہیں کر سکتی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ طلاق کی ضرورت نہیں وہ عورت اپنے خاوند اصلی کے لیے حرام ہو گئی اور کیا یہ عورت مہر لے سکتی ہے؟

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

الجواب:

شوہر اگرمانتا ہے کہ ایسا ہوا تو عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہو گئی، کسی حیلہ سے اس کی زوجیت میں نہیں آسکتی، اس پر فرض ہے کہ اسے فوراً جدا کردے متارکہ کرے، مثلاً کہہ دے میں نے تجھے چھوڑا اب اس کے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی اس لیے زیادہ طلاق کی بھی حاجت نہیں، اور اگر شوہر کو امر مذکور کا وقوع تسلیم نہیں تو صرف عورت کے کہنے سے ثبوت نہیں ہوسکتا، اگر شوہر نے طلاق نہ دی وہ اس کی عورت ہے اور دی تو جیسی طلاق دی ویسا حکم، اگر تین طلاقیں دیں تو بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ رہا مہر وہ تمام صورتوں میں مطلقاً لازم ہے مہر متاخر میں عورت کو لینے کا اختیار بعد متارکہ یا طلاق یا موت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۲: از مقام اکلترہ ضلع بلاسپور مسئولہ حامد علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے زنا کیا، اب کیا یہ بیوی اپنے اصلی شوہر جو کہ زانی کا لڑکا ہے پاس رہ سکتی ہے؟ اور اگر نہیں رہ سکتی تو دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور شوہر اول سے مہر لینے کی مستحق ہے کہ نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ کہ زنا کیا، جھوٹ بک دینے سے ثابت نہیں ہوسکتا اس کے لیے چار شاہد چاہئیں، بغیر اس کے زید کا باپ اگر اقرار بھی کرے اور زید باور نہ کرے تو اس کا اقرار زید پر حجت نہیں۔ ہاں اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہوجائے یا زید اس کی تصدیق کرے تو عورت زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو گئی مگر ابھی نکاح سے نہ نکلی، دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی جب تک زید اسے نہ چھوڑے، اور اس صورت میں زید پر فرض ہوگا کہ فوراً اسے چھوڑ دے، اس کے بعد عورت عدت کرے بعد عدت سوائے زید کے جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، زید پر اس کا مہر بہرحال لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از کولمبو سیلون مسئولہ عبدالقادر صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رشتہ داروں کی کن کن عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں اور کن کن سے ناجائز؟ مفصل تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ شخص جن کی اولاد میں ہے جیسے باپ، دادا، نانا، جو اس کی اولاد میں ہو جیسے بیٹا، پوتا، نواسا، ان کی بیبیوں سے نکاح حرام ہے اور خسر کی بی بی سے بھی حرام ہے جبکہ وہ اپنی زوجہ کی حقیقی ماں ہو، باقی رشتہ داروں کی بیبیوں سے ان کی موت یا طلاق وانقضائے عدت کے بعد نکاح جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴ تا ۲۷۶: از کوہ رانی کھیت کوٹھی انجینئر اسپیل مرسلہ غلام محمد صاحب ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

(۱) شیعہ مذہب کا نکاح سنی مذہب کی لڑکی کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ لڑکا اور اس کا باپ شہادت دلاتے ہیں کہ ہم سنی مذہب ہیں اور اگر تم شیعہ سمجھتے ہو تو اپنے دل کے اطمینان کے واسطے ہمیں سنی مذہب کرلو، اور جو ان کے ہم وطن ہیں وہ کہتے ہیں ہم لوگ شیعہ ہیں اور ان کے گاؤں میں سنی مذہب رہتے ہیں اور ان کے خاندان سے واقف ہیں کہ یہ سنی مذہب ہیں اس پر یہاں کے مسلمان کہتے ہیں کہ انھیں ہم نے ہمیشہ شیعہ مذہب کا برتاو کرتے دیکھا، اور بعض مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اس کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لڑکے شیعہ مذہب میں نہیں ہیں اور ان کے والد کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہتے۔

(۲) اور دو شخص نے یہ کہا کہ لڑکی کا باپ اور لڑکے کی ماں کچھ تعلق رکھتے ہیں اس پر لڑکی کے باپ نے قرآن شریف لاکر کہا کہ اس کو اٹھاؤ، وہ انکار کیا اور چلا گیا اور کوئی ثبوت نہ ہوا۔

(۳) جب برات گئی اور لڑکی کا بھائی مولانا صاحب کے پاس گیا کہ نکاح پڑھانے کو آئیں گے یا نہیں، تو انھوں نے کہا میں نہیں جاؤں گا تو کون آئے گا، نکاح کے وقت وہ نہیں آئے اور کہا کہ جو کوئی ان کا نکاح پڑھائے گا اس کی عورت کو طلاق ہوجائے گی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) رافضیوں میں تقیہ ہے، بے حاجت بھی تقیہ کرتے ہیں۔ حاجت کے وقت کا کیا اعتبار اور اشتباہ مٹانے کی کیا صورت کہ تقیہ وہ ملعون چیز ہے جس کا کرنے والا سب کچھ کہہ لے گا۔ خالص اسلام بولے اور دل میں کفر بھرا ہوگا۔ رافضیوں کی شہادت کہ یہ سنی ہے کیا معتبر ہوسکتی ہے، رافضی کی گواہی کچھ معتبر نہیں لاایمان لھم (ان کا ایمان ہی نہیں۔ت) بعض مسلمانوں کی گواہی کہ یہ شیعہ نہیں اور مسلمانوں کی شہادت کہ انھیں شیعی برتاؤ کرتے دیکھا، یہ شہادت اثبات ہے اور وہ شہادت نفی جو مقبول نہیں۔ لہٰذا یہ نکاح ہرگز نہ کیا جائے۔ **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیف وقد قیل**[1] (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیسے ہوسکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) ایسے خیالی بیانوں سے ناجائز تعلق ثابت نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس کے رافضی ہونے کے سبب جس نے نکاح پڑھانے سے انکار کیا بہت اچھا کیا اور وہ حکم

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹

جو اس نے بیان کیا اگرچہ مطلق نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ جب رافضی کے ساتھ سنیہ کا نکاح جائز و حلال جانا تو خود اس کی عورت نکاح سے نکل جائے گی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۷: از رانی کھیت صدر بازار مسئولہ محمد ابراہیم خان صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خان تبت کا اور اس کا لڑکا اپنے آپ کو سنت جماعت بتاتے ہیں اور قرآن شریف کے رو سے اپنا طریقہ سنت وجماعت بتاتے ہیں اور قریب ۳۰، ۳۵ سال سے رانی کھیت میں رہتے ہیں، اب سب لوگ ان کو رافضی مذہب کا کہتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا کہ سنی کی لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ شخص غریب ہے سب لوگ عداوت سے رافضی کہنے لگے ہیں ان کے سب طریقے روزے، زکوۃ، نماز کے اہل سنت وجماعت کی طرح ہیں، رانی کھیت کی مسجد کے مولانا نے جن کا نام عبدالرحمٰن ہے نکاح نہیں پڑھایا کہ رافضی کا نکاح سنی سے نہیں ہو سکتا عداوت سے سب مسلمان ایک ہو گئے ہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:

بلاوجہ عداوت سے سب مسلمانوں کا ایک ہو جانا معقول نہیں اور رافضیوں کا تقیہ معلوم ہے اور نکاح امر عظیم ہے احتیاط لازم ہے، حدیث میں فرمایا: **کیف وقد قیل**[1] (کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بات کہہ دی گئی ہے۔ت) **ھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۸: از لکھنؤ بنگال بنک ڈاکخانہ حضرت گنج مسئولہ عبدالرحیم صاحب

مسئلہ ذیل میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کی سسرال کے رشتہ کے ماموں کا لڑکا اور زید کی لڑکی سے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اپنے حقیقی ماموں کے بیٹے سے بیٹی کا نکاح جائز ہے۔ سسرال کے رشتہ کا ماموں تو بہت دور ہے جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو مثل رضاعت وغیرہ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از شہر اکیاب تھانہ کیوکتو موضع کاؤنچی بازار مرسلہ مولوی سکندر علی صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ نیازیہ خیر آباد ضلع سیتاپور ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ماقولکم ماحکم اللہ تعالٰی فی ھذہ	تمھاری کیا رائے ہے کہ اللہ تعالٰی کا کیا حکم ہے اس

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

المسألۃ شخصے قاسم زنے راکہ درقرابتش بنت بنت رضاعی مر برادر حقیقی قاسم باشد بحبالہ نکاحش آورد وظن اوچنان بود کہ موافق مذہب خود جائز ست،از علما ہم استفتا نمودہ بود،ایشاں بصحت نکاحش قضا نمودند،پس از چندے علمائے احناف بعدم جواز نکاحش فتوی می دادند وجماعت مسلمین راباو مجالست وامواکلتش منع می کنند مادامیکہ تفریق نکاحش نکند۔	مسئلہ میں، کہ قاسم نامی ایک شخص نے اپنے قریبیوں میں سے ایک عورت جو کہ قاسم کی حقیقی بھائی کی رضاعی نواسی ہے، سے نکاح کیا اور اس کا خیال تھا کہ اپنے مذہب میں یہ جائز ہے اور اس نے علماء سے بھی پوچھا تو انھوں نے بھی اسے جائز کہا،اس کے بعد چند حنفی علماء نے اس نکاح کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا اور مسلمانوں کو نکاح کرنے والوں کے ساتھ میل جول اور کھانے پینے سے منع کردیا تاوقتیکہ وہ اس نکاح کو ختم کرکے علیحدگی اختیار نہ کرلیں۔(ت)

جواب بنگالیاں

بر تقدیر صدق مسئولہ عنہا علمائے شریعت غرّا وفضلائے طریقت بیضا بالخاصہ فقہائے مذہب حنیف وعلمائے ملت منیف می نگارند کہ چوں علمائے مذہب مستمرہ شاں مجتہد باشد یا مقلد ظنًا یا سہوًا عملے کنند وحکمے بکارے صادر نمایند وقضا برآں تنفیذ فرمایند، پس آں دانستند ووقوف یافتند کہ ہماں عمل وفعل زیشاں بظہور پیوستہ بطبق مذہب شاں نپرداختہ وبمشرب یکے از ائمہ ودیگرے کہ معدود ومحدود بہ سنت جماعت ست درپیوستہ پس بار دیگر تنقیض وتردید آنہا کردن روا وجائز نباشد بل بہمیں مسلک تقلید نمودہ کہ ہم خالی از تلفیق دارد ہماں عمل وفعل را لا محالہ	مسئولہ صورت کے صدق پر علمائے شریعت اور طریق حق کے ناقلین خصوصًا فقہائے مذہب حنیف اور علمائے ملت لکھتے ہیں کہ جب مروجہ مذاہب کے مجتہد یا مقلدین میں سے کوئی اپنے ظن سے یا غلطی سے کسی کام کا حکم صادر کریں اور اس پر فیصلہ بطور قضاء نافذ کردیں،اور بعد میں معلوم ہو کہ یہ عمل یا کام ان کے مذہب کے خلاف ہے اور کسی دوسرے اہلسنت کے امام کے مسلک میں جائز ہے تو اس عمل اور کام کو کالعدم کرنا جائز نہیں بلکہ دوسرے جائز قرار دینے والے مسلک کی تقلید میں اس کو جائز اور نافذ رکھنا چاہئے،اس سے اپنے مروجہ مذہب سے خروج اور دوسرے مذہب کو اختیار کرنا لازم نہ آئے گا۔پس قاسم مذکور کا مذکورہ نکاح اگرچہ حنفی مذہب کے خلاف ہے مگر اہل ظواہر کے مسلک مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی جو کہ

صحیح ودرست دارند ونیز ازیں تقلید ظنی از مذہب مستمرہ خود خارج نہ شوند ومنسوب بداں مذہب دیگر نگردند پس مناکحت قاسم بدیں منوال بہمیں مقال صادق ست کہ لاریب ولا محالہ صحیح ونافذ گردیدہ است اگرچہ بالفرض والتقدیر مخالف مذہب حنفی آمدہ لیکن بمسلک اہل ظواہر کمثل امام ہمام شافعی علیہ رضوان الباری وغیرہ کہ مسلوک ومشمول بسنت جماعت ست بپرداختہ در پیوستہ کہ علمائے احناف بظن جواز مذہب شان مظنون شدہ بنت بنت رضاعی رامر برادر حقیقی قاسم مذکور بود حکم نکاحش دادہ بودند بحالتیکہ در تحت حجاب ممنوعات کلیہ حنفیہ محجوب ومستور بودہ ودر ضمن ضابطہ مامور بہا محللات اہل ظواہر کہ ہمچوں شافعی وغیرہ ہستند مکشوف ومظہر ماندہ پس ہر گز علماء احناف رانمی رسد کہ تفریق وافساد در نکاحش کنند کہ آں مستلزم تحقیر تنکیر سنت جماعت کردد وحقارت یکے راز سنت عند اللہ بموجب ضلالت دارد، کما قال العلامۃ ابن عابدین الشامی الحنفی فی ردالمحتار ناقلاً عن العلامۃ الشرنبلالی فی عقد الفرید، ان لہ التقلید بعد العمل کما اذا صلی ظانا صحتھا علٰی مذھبہ ثم تبین بطلانھا فی مذھبہ وصحتھا علی مذھب غیرہ فلہ تقلیدہ ویتحری بتلك الصلوۃ علی ماقال فی البزازیۃ انہ روی عن ابی یوسف انہ صلی الجمعۃ مغتسلاً من الحمام ثم اخبر بفارۃ فی بئر الحمام، فقال ناخذ بقول اخواننا من اھل المدینۃ اذا بلغ الماء قلتین لم یحمل خبثا[1] اھ

اہلسنت وجماعت ہیں کے ہاں نکاح درست ہوا، نیز علمائے احناف نے جب غلطی سے اس نکاح م-ذکورہ کو جائز گمان کیا تو ان کے گمان میں جائز ٹھہرا کہ حقیقی بھائی کی رضاعی نواسی سے قاسم کا نکاح درست قرار دے کر کردیا اور ان کی نظر میں امام شافعی جیسے اہل ظواہر کے مسلک پر اس کا جواز معلوم ہوا تو اب علمائے احناف کو ہر گز جائز نہیں کہ وہ اس نکاح کو فاسد کریں اور تفریق کریں، کیونکہ جماعت کی اور ایک سنت اور مسلک کی تحقیر لازم آئے گی جو کہ عنداللہ گمراہی کا موجب ہے، جیساکہ علامہ شامی نے علامہ شرنبلالی سے ردالمحتار میں عقدالفرید سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کو عمل کے بعد بھی دوسرے کی تقلید جائز ہے جیساکہ اپنے مذہب کے مطابق نماز کو صحیح سمجھ کر ادا کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے مذہب صحیح میں نہیں ہوئی مگر دوسرے امام کے مذہب میں صحیح ہوگئی تو اب دوسرے امام کی تقلید کرتے ہوئے نماز کو صحیح قرار دینا جائز بشرطیکہ نماز پڑھتے وقت اسی نے تحری کی ہو جیساکہ بزازیہ میں فرمایا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ حمام کے پانی سے جمعہ کا غسل کیا پھر بعد میں بتایا گیا کہ حمام میں چوہا مرا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے بھائی اہل مدینہ کے مسلک کو اپناتے ہوئے کہ جب پانی دو۲ قلے ہو تو ناپاک نہیں ہوتا اس پر عمل پیرا ہیں اھ اور نیز انھوں نے درمختار کے قول

---

[1] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱

وایضاً فیه تحت قول الدر المختار واما المقلد الخ نقله فی القنیة عن المحیط وغیرہ وجزم به المحقق فی فتح القدیر وتلمیذہ العلامه قاسم وادعی فی البحران المقلد اذا قضی بمذهب غیرہ وبروایة ضعیفة اوبقول ضعیف نفذ۔اقوی ماتمسك به مافی البزازیه عن شرح الطحاوی اذالم یکن القاضی مجتهدًا وقضی بالفتوی ثم تبین ان علی خلاف مذهبه نفذ ولیس لغیرہ نقضه وله ان ینقضه کذا عن محمد وقال الثانی لیس له ان ینقضه ایضاً لان امضاء الفعل کامضاء القاضی لاینقض[1]۔[2]، و دلیل مذہب الظاہر کہ ملحق بہ سنت جماعت ست ومخالف فرعی درباب رضاعت باحناف می دارند ہمچوں امام ہمام شافعی وغیرہ ہستند ہمیں ست چنانچہ شارح مسلم امام نووی درشرح آں مے نگارند ولم یخالف فی هذا الااهل الظاهر وابن علیة فقالوا لاتثبت حرمة الرضاع بین الرجل والرضیع ونقله المازری	"امام المقلد" کے تحت فرمایا کہ قنیہ نے محیط وغیرہ سے نقل کیا اور اس پر فتح القدیر میں محقق اور ان کے شاگرد علامہ قاسم نے جزم کیا ہے اور بحر میں دعوی کے طور پر کہا کہ قاضی مقلد نے اگر غیر کے مذہب یا ضعیف قول یا روایت پر فیصلہ دے دیا تو وہ نافذ ہوگا،اور اس سلسلہ میں بہترین استدلال بزازیہ کی شرح طحاوی سے منقول عبارت ہے کہ جب قاضی مجتہد نہ ہو اور کسی کے فتوی پر فیصلہ کردیا ہو تو بعد میں اگر معلوم ہوا کہ اس نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا ہے تو فیصلہ نافذ رہے گا،اور دوسرا قاضی اس کو رد نہیں کرسکتا،ہاں وہ خود کالعدم کرسکتا ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے،اور دوسرے امام یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اس قاضی کو بھی کالعدم کرنے کا حق نہیں کیونکہ عمل نافذ ہوجانے پر گویا کہ قاضی نے نافذ کردیا ہے اور نافذ شدہ کو کالعدم نہیں کہا جاسکتا،اور اہل ظواہر کا مذہب بھی اہلسنت میں شامل ہے اور اس کا صرف فروعی اختلاف رضاعت کے بارے میں احناف سے ہے یہ بھی امام شافعی کی طرح ہیں۔چنانچہ شارح مسلم شریف امام نووی نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے،کہ اس میں صرف اہل ظاہر اور ابن علیہ کا خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں دودھ پینے والی لڑکی اور مرد کے درمیان رضاعت کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔اور اس کو مازری نے

[1] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۲

[2] ردالمحتار مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۱

عن ابن عمر وعائشه (رضی الله تعالٰی عنهما) واحتجوا بقوله تعالٰی وامهتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة ولم یذکر البنت والعمة کما ذکرهما فی النسب [1] وامام ابو عیسٰی ترمذی درجامع ترمذی شان می آرند حدثنا الحسن بن علی اخبرنا ابن نمیر عن هشام بن عروة عن ابیه عن عائشه قالت جاء عمی من الرضاعة یستأذن علی فابیت ان اذن له حتی استأمر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلیلج علیك فانه عمك قالت انما ارضعتنی المرأة ولم یرضعنی الرجل قال فانه عمك فلیلج علیك هذاحدیث حسن صحیح والعمل علی هذه عند بعض اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وغیرهم کرهوالبن الفحل والاصل فی هذا حدیث عائشة وقد رخص بعض اهل العلم فی لبن الفحل والقول الاول اصح [2] رواه الترمذی	عبداللہ بن عمر اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا ہے اور اصحاب ظواہر نے اپنی دلیل میں کہا کہ اللہ تعالٰی نے دودھ پلانے والی تمھاری ماؤں اور تمھارے رضاعی بھائیوں کو ذکر کیا ہے اور بیٹی اور پھوپھی کو ذکر نہیں کیا جس طرح ان کو نسب میں بیان فرمایا ہے اور امام ترمذی نے اپنی جامع ترمذی میں بیان کیا ہے کہ ہمیں حدیث بیان کی حسن بن علی انھوں نے ابن نمیر انھوں نے ہشام انھوں نے اپنے باپ عروہ انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے انھوں نے فرمایا میرا رضاعی چچا آیا اور اس نے میرے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو میں نے انکار کیا حتی کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشورہ کیا تو آپ نے فرمایا وہ تیرے ہاں داخل ہوسکتا ہے کیونکہ وہ تیرا چچا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کیا کہ مجھے تو عورت نے دودھ پلایا ہے مرد نے نہیں پلایا۔ تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیرا چچا ہے وہ داخل ہوسکتا ہے۔ یہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور اس پر عمل ہے بعض صحابہ کرام کا اور ان کے غیر نے دودھ والے خاوند یعنی رضاعی باپ کو داخل ہونا مکروہ کہا ہے اور اصل ثبوت حضرت عائشہ کی حدیث ہے، اور بعض اہل علم نے دودھ والے باپ (رضاعی باپ) کو داخل ہونے کی اجازت دی ہے، اور پہلا قول صحیح ہے اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے،

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی لبن الفحل امین کمپنی کراچی ۱/۱۳۷

وقال الشامی ونظیر ھذہ مانقلہ العلامۃ بیری فی اول شرحہ علی الاشباہ عن شرح الھدایہ لابن شحنہ ونصہ اذاصح الحدیث وکان علی خلاف المذھب عمل بالحدیث ویکون ذٰلك مذھبہ ولایخرج مقلدہ عن کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عن ابی حنیفۃ امام الاعظم انہ قال اذاصح الحدیث فھو مذھبی وقدحکی ذٰلك ابن عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ [1] الخ وقاضی خان وصاحب ہدایہ ہماں مذہب اہل ظاہر نقل بالتصریح فرمودہ اند کما قال فی فتاوی قاضی خان وقال الامام الھمام الشافعی الحرمۃ لاتثبت فی جانب الاب والفقھاء یسمون ھٰذہ المسألۃ لبن الفحل [2] وقال فی الھدایۃ وفی احد قول الشافعی لبن الفحل لایحرم لان الحرمۃ لشبھۃ البعضیۃ واللبن بعضھا لابعضہ [3] ہر گاہ از دلائل کتب فقہائے حنفیّہ مبین ومبرہن گردید کہ تزویج قاسم نامی نزد علمائے حنفی رواودرست گردیدہ وازاں مذہب حنفی بیروں

اور شامی نے کہاکہ اور اس کی نظیر وہ ہے جس کو علامہ بیری نے اشباہ پر اپنی شرح کے ابتداء میں ہدایہ کی شرح سے نقل کیا یہ شرح ابن شحنہ کی ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ جب حدیث صحیح ہے جو کہ مذہب کے مخالف ہے تو عمل حدیث پر ہوگا،_____اور یہی امام کا مذہب ہوگا اور اس حدیث پر عمل سے مقلد، امام صاحب کی تقلید سے خارج نہ ہوگا کیونکہ امام ابوحنیفہ سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث صحیح ہو تو وہ میرا مذہب ہے، اس کو ابن عبدالبر نے امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ سے نقل کیا ہے الخ،

قاضی خاں اور صاحب ہدایہ نے اہل ظواہر کا مذہب صراحۃً یہی ذکر کیا ہے جیساکہ فتاوٰی قاضی خاں میں کہاکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی باپ کی جانب سے رضاعت کی حرمت ثابت نہیں کرتے، اور فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو "لبن الفحل" (خاوند کا دودھ) کا عنوان دیا ہے، اور ہدایہ میں کہاکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں رضاعی باپ حرام نہیں ہوتا کیونکہ رضاعت میں حرمت جزئیت کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ دودھ عورت کا جز ہے مرد کا نہیں، بہر حال حنفی فقہ کی کتب میں مذکور دلائل سے ثابت ہے کہ قاسم نامی شخص کا مذکورہ نکاح درست ہوجاتا ہے اور اس کو درست ماننے سے حنفی مذہب

---

[1] ردالمحتار مطلب صح عن الامام انہ قال اذصح الحدیث فھومذہبی احیاء التراث بیروت ۱/۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب الرضاع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۹

[3] الھدایہ باب الرضاع مکتبہ عربیہ کراچی ۲/۳۳۱

نہ آمدہ باوجود آں اگر جماعت مسلمین بروے زبان طعن ولعن بہ کشایند پس عنداللہ ماخوذ شوند عند الناس مستحق سزا کما ھو فی کتب الفقه من اذی مسلما بقول اوبفعل ولوبغمز العین عزر [1] پس ایشاں مادامیکہ تائب وآئب نہ شوند از مواکلت ومشاربت جماعت مسلمین خارج کردہ شوند چنانچہ وارد شدہ کہ ایاک ومجالسۃ الشریر فقط واللہ تعالٰی اعلم وعلمه احکم وآخر دعوٰنا ان الحمد لله رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین وآله وصحبه اجمعین برحمتك یاارحم الراحمین۔	سے خارج ہونا لازم نہیں آتا۔اس کے باوجود اگر مسلمان اس پر لعن طعن کریں گے تو عنداللہ مجرم ہوں گے اور قانون میں سزا کے مستحق ہوں گے جیسا کہ کتب فقہ میں ہے کہ اگر کسی نے مسلمان کو اپنے قول، فعل یا اشارہ سے اذیت دی تو وہ قابل سزا ہے، پس ایسے لوگ جب تک توبہ اور رجوع نہ کریں تو ان سے مل کر کھانا پینا منع ہے جیسا کہ وارد ہے کہ "شریر کی مجلس سے بچو" فقط واللہ تعالٰی اعلم۔اس جل مجدہ کا علم کامل ہے۔ہماری آخری بات یہ ہے کہ الحمدللہ رب العالمین، والصلٰوۃ والسلام علی سیدالمرسلین وآلہ وصحبہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔(ت)

الراقم احقر الحقیر محمد عظیم الدین کیوکتوی بہار یاروی خلف الہدی شیخ اکبر علی سلمہ، بانی مسجد مہتمم مدرسہ اسلامیہ محلّہ وی۔

تحریر دیگر تائیدآں

آرے مذاہب ائمہ اربعہ جملگی درحق ست وحق بہماں دائرست اگرچہ مجتہد مطلق یا مقلد محض بہ مذہب شان عملے وفعلے قضا کند بعدہ دانستہ کہ مخالف مذہب شان وموافق مذہب دیگرے کہ معدود بسنت جماعت ست بخطائے ظن شاں ملصق گشتہ فقہا احناف روانمی دارند کہ بار دیگر آں را ابطال وافساد کنند تا موجب تحقیر وتنفیر بمذاہب ائمہ سنت جماعت	ہاں چاروں مذہب حق ہیں اور حق انہی میں دائر ہے، اگر کوئی مجتہد مطلق یا مقلد محض ان کے مذہب پر کوئی عمل یا فعل کرتے ہوئے فیصلہ کرے اور بعد میں معلوم ہوجائے کہ اس کے مذہب کے مخالف ہے اور دوسرے کے مذہب کے موافق ہے اور یہ دوسرا مذہب اہل سنت میں شمار ہو تو اس فیصلہ کو فقہائے احناف باطل وفاسد کرنا جائز نہیں کرتے تاکہ اہل سنت وجماعت کے ائمہ کرام کی تحقیر وتنفیر

[1] درمختار باب التعزیر مجتبائی دہلی ۱/۳۲۷

لازم نیاید آں خطائے عظیم وسخط جسیم باشد عند اللہ تعالیٰ لہٰذا علماء زاں اباوانکار فرمودند ودر تواریخ بروایت صحیح مروی شدہ کہ بارے در مجلس شریف حضرت پیران پیر غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ از کسے مذکور شدہ بود کہ امام احمد حنبل در اجتہاد پایہ چنداں ندارند لہٰذا در مذہب شان جماعت قلیل دارند بمجرد استماع آں حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چیں بر جبیں آوردہ وغضبناک شدہ فرمودند کہ ازیں تاریخ عبدالقادر بمذہب احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقلید نمودہ پیش ازیں بمذہب امام مالك بودند سبحان اللہ ما اعظم شانہ وما اکبر شانھم وفخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم درشان ائمہ اربعہ رحمۃ من اللہ ووسعۃ من اللہ فرمودند ونقل السیوطی عن عمر بن عبدالعزیز اختلاف ائمۃ الھدی رحمۃ من اللہ تعالٰی علی ھذہ الامۃ کل یتبع ماصح عندہ وکلھم علی ھدی وکل یرید اللہ وتمامہ فی کشف الخفاء۔ پس تزویج قاسم نزد فقہائے حنفی بہ صحیح آوردہ اگرچہ بالفرض مخالف مذہبی روے دادہ وازحنفیت نیز بیروں نیامدہ کما حررہ المجیب للہ درہ واجرہ ولقد نظرت ھذا الفتوی بامعان النظر وتصفحت ھذہ المسألۃ بصفحات الکتب الفقھیۃ الحنفیۃ فوجدت صحیحا	لازم نہ آئے، اور اس فیصلہ کو غلط کہنا عند اللہ بڑا گناہ ہے اس لیے علمائے کرام اس سے پرہیز کرتے ہیں، تاریخ میں صحیح روایت موجود ہے کہ حضرت پیر پیران غوث الاعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص نے ذکر کیا کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد میں کوئی اہم مقام نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے مقلدین کی تعداد بہت کم ہے، حضرت پیر پیران سنتے ہی جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں (عبدالقادر) آج سے امام احمد بن حنبل کا مقلد ہو رہا ہوں جبکہ آپ پہلے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد تھے، سبحان اللہ! اس کی شان اعظم واکبر ہے، فخر عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ائمہ اربعہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت ووسعت ہو ان پر) کی شان میں فرمایا جس کو امام سیوطی نے نقل فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیز سے روایت ہے کہ ہدایت کے اماموں کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس امت کے لیے، ہر ایک نے جس کو صحیح سمجھا وہی اس نے اپنایا، اور تمام ائمہ ہدایت پر ہیں، اور تمام اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں، اس کا تمام بیان کشف الخفاء میں ہے۔ لہٰذا قاسم مذکور کا نکاح حنفی فقہاء کے نزدیک درست ہے اگرچہ بالفرض مذہب کے مخالف ہے اور حنفیت سے بھی خارج نہیں ہوتا جیسا کہ مجیب نے تحریر کیا ہے اس کا اجر ونفع اللہ تعالیٰ اس کو عطا فرمائے، میں نے اس فتوی کو گہری نظر سے دیکھا اور فقہ کی کتب میں اس کی میں نے چھان بین کی تو میں نے اس کو صحیح مطابق قرآن اور موافق ثواب پایا ہے

مطابقا بالکتاب وموافقا للصواب واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔ کتب الحقیر الراجی الی رحمۃ ربہ الخلاق عبدالرزاق الکیوکتوی غفرلہ۔	اور اللہ تعالٰی ہی حقیقت زیادہ جانتا ہے اور اس کی طرف رجوع ہے، اس کو اللہ تعالٰی کی رحمت کے امید وار عبدالخالق کیوکتوی غفرلہ، نے لکھا ہے۔(ت)

الجواب:

ایں ہمہ جہل شدید وضلال بعید وافترابر شرع مجید ست نکاح بابنت بنت الاخ بعینہٖ ہمچو نکاح بادختر خود ست نسبًا باشد یارضاعًا وحرام قطعی ست باجماع ائمہ دین ونص قرآن مبین وصحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین نسبت جوازش بامام شافعی خواہ بامام دیگر از ائمہ مسلمین خطائے محض ست وایں بنگالیاں کہ فتوی بجوازش دادہ بودند علما نہ بودند بہ ہزاران درجہ بدتر از جہلا بودند واینان کہ فتوی ملعونہ ایشاں رانافذی کنند ہمہ ہاحرام خدا راحلال می نمایند ہمچو کسان راحرام وسخت حرام ست کہ تصدی بافتا کنند درحدیث فرمود **من افتی بغیر علم لعنۃ ملئکۃ السماء والارض**[1] ہر کہ بے علم فتوی دہد ملائکہ آسمان وزمین براولعنت وبرآن حاکمان وایں فتوائے نفاذ ہر دو ملعون ست وبر حاکماں وایں مفتیان توبہ فرض ست ورنہ مسلمان از مجالست ایشان احتراز درزند درہیچ امر فتوی ازایشاں خواستن حرام ست قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا**	یہ تمام شدید جہالت اور انتہائی گمراہی ہے اور شریعت پر افتراء ہے، بھائی کی نواسی سے نکاح ایسے ہے جیساکہ اپنی بیٹی سے، نواسی نسبی ہو یا رضاعی، اور قرآن وحدیث اور اجماع سے یہ حرام قطعی ہے، اس کے جواز کی نسبت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ یا کسی اور امام المسلمین کی طرف کرنا خطائے محض ہے اور جن بنگالیوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے وہ عالم نہیں بلکہ ہزار درجہ جاہلوں سے بھی بدتر ہیں، جنھوں نے بھی یہ ملعون فتوی نافذ کیا انھوں نے اللہ تعالٰی کے حرام کو حلال کیا اوراسی طرح وہ حضرات جنھوں نے اس کی تصدیق کی انھوں نے حرام ترین کی تصدیق کی، حدیث شریف میں ہے کہ جس نے علم کے بغیر فتوی دیا اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں لہٰذا جنھوں نے یہ فتوی دیا اور جنھوں نے اس کو نافذ کیا دونوں ملعون ہیں، نافذ کرنے والے حاکم اور مفتیوں پر توبہ فرض ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سے بائیکاٹ کریں اور آئندہ ان سے کوئی فتوی طلب کرنا حرام ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ لوگ جاہلوں کو رہنما بنائیں گے تو جب ان سے سوال

[1] کنزالعمال ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [1]
مفتیان خشم نہ کنند اینکہ گفتہ شد خیر خواہی ایشاں بود، حرام خدا راحلال گرفتن وزنائے پدر باد خترش روا داشتن نہ سہل کارے ست۔ہر کہ ہمچو ضلالت قطعیہ تنبیہ کرد مستوجب شکراست نہ مستحق شکایت وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ [2]
وبرآں ناکح زانی فرض ست کہ دختر راازتصرف خود وا گزارد وبرآں منکوحہ مزنیہ فرض ست کہ بپائے کہ داردازز نائے پدرش بگریزد فورًا فورًا ورنہ آناں ومزوجان آناں ومجوزاں اینہاھمہ عذاب شدید الٰہی منتظر باشند۔نسأل اللہ العفو والعافیة ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
امام اجل ابو زکریا نووی کہ احد الشیخین مذہب امام شافعی ست ونص اوہمچو نص امام شافعی ست رضی اللہ تعالٰی عنہم در شرح صحیح مسلم فرماید اما رجل المنسوب ذٰلك اللبن الیه لکونه زوج المرأة اووطئها بملك اوشبهة فمذهبنا ومذهب العلماء کافة ثبوت حرمة الرضاعة بینه وبین الرضیع

کیا جائے گا تو بغیر علم فتوی دینگے خود بھی گمراہ ہونگے اور لوگوں کو بھی گمراہ کردیں گے۔ان مفتیوں کو یہ کہتے ہوئے خوف خدا نہیں کہ یہ خیر خواہی ہے۔اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنانا اور باپ بیٹی سے زنا کو جائز کرنا کوئی آسان کام ہے،ہر گز نہیں، اور جس شخص نے ان کی اس گمراہی پر تنبیہ کی وہ شکریہ کا مستحق ہے نہ کہ شکایت کا،اور اللہ تعالٰی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے،اس نکاح کرنے والے زانی پر فرض ہے کہ وہ فورًا لڑکی کو آزاد کردے اور جدائی اختیار کرے،اور منکوحہ مزنیہ پر لازم ہے کہ اپنی توفیق کے مطابق رضاعی باپ کے زنا سے فورًا بچے اور جدائی اختیار کرے ورنہ یہ دونوں اور نکاح کو نافذ کرنے والے اور جائز کرنے والے سب اللہ تعالٰی کے شدید عذاب کا انتظار کریں،ہم اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کا سوال کرتے ہیں ولا حول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔شافعی مسلک کے شیخین میں سے ایک برگزیدہ امام ابوزکریا نووی جن کی نص امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے منصوص کی طرح ہے،انھوں نے شرح مسلم شریف میں فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کی طرف یہ دودھ منسوب ہے کیونکہ یہ عورت کا خاوند ہے یا لونڈی کا مالک یا شبہ کی بناپر وطی کی ہے تو اس کے متعلق ہمارا اور تمام علماء کا مذہب ہے کہ اس کے اور دودھ پینے والے بچے کے درمیان

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۰/۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

ویصیر ولدالہ واولاد الرجل اخوۃ الرضیع واخواتہ ویکون اخوۃ الرجل اعمام الرضیع واخواتہ عماتہ، ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل ولم یخالف فی ھذہ الا اھل الظاھر وابن علیۃ[1]

ایں تصریح صریح ایں امام شافعیہ ببیں کہ مذہب ماو جملہ علماء تحریم ست ودروخلاف نہ کردند جزء فرقہ ظاہریہ وابن علیہ طرفہ آنکہ مجیب عبارت مذکورہ نووی از ینجا نقل کرد کہ لم یخالف فی ھذہ الخ وصدر کلام کہ فرمودہ بودند کہ مذہب ماو مذہب جملہ علماء تحریم ست در پردہ اخفا داشت وامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ راظلماً از اہل ظاہر شمرد حالانکہ ظاہریہ طائفہ ایست مخالف ائمہ اربعہ وسائر مجتہدین شاہ عبدالعزیز صاحب گفتہ اندا داؤد ظاہری ومتبعانش را از اہل سنت وجماعت شمردن درچہ مرتبہ از جہل وسفاہت ست رافضیاں کہ ظاہریہ راسنی گرفتہ باقوال ایشاں بر اہلسنت اعتراض می کردند، شاہ صاحب جوابش دادند کہ فرقہ ظاہریہ ہر گزاز اہلسنت نیست، ایں جہل وسفاہت شماست کہ ایشاں راسنی گرفتہ بر سنیان طعن مے کنید، امام ابن حجر مکی شافعی در کف الرعاع فرماید واعلم

حرمت رضاع ہوگی اور یہ اس بچے کا باپ ہوگا اور اس کی دوسری اولاد اس بچے کے بہن بھائی ہوں گے اور اس شخص کے اپنے بھائی بہن اس بچے کے لیے چچا اور پھوپھی ہوں گے اور اس بچے کی اولاد اس شخص کی اولاد قرار پائے گی، اس میں اہل ظاہر وابن علیہ کے بغیر کسی کو اختلاف نہیں۔ شافعی حضرات کے امام کی صاف تصریح ہے کہ ہم اور تمام علماء اس تحریر پر متفق ہیں اور ہمارا یہ مذہب ہے اس میں فرقہ ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہ کیا، تعجب ہے کہ مجیب نے امام نووی کی صرف اتنی عبارت کہ "مخالفت نہیں کی" کو نقل کیا اور اس سے پہلی عبارت کہ "ہمارا تمام علماء کامذہب تحریم ہے" کو چھپالیا اور پھر امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کو غلط طورپر اہل ظواہر میں شمار کردیا، حالانکہ ظاہریہ فرقہ تمام ائمہ مجتہدین کے خلاف ہے، شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ہے کہ داؤد ظاہری اور اس کے پیروکار کو اہلسنت سے شمار کرنا انتہائی جہالت ہے، رافضیوں نے ظاہریہ فرقہ کو اہلسنت کہہ کر ان کی باتوں کی وجہ سے اہلسنت پر اعتراض کئے ہیں، شاہ صاحب نے جواب میں رافضیوں کو فرمایا کہ ظاہری فرقہ ہر گز اہلسنت نہیں ہے ان کو اہلسنت کہنا تمھاری انتہائی جہالت ہے جس کی وجہ سے تم سنیوں پر اعتراض کرتے ہو، امام ابن حجر مکی شافعی اپنی کتاب کف الرعاع میں فرماتے ہیں: جاننا

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

ان الائمة صرحوابان الظاهرية لایعتد بخلافهم،ولایجوز تقلید احد منهم لانهم سلبوا العقول حتی انکروا القیاس الجلی [1]۔نیز فرمود لانهم اصحاب ظاهرية محضة تکاد عقولهم ان تکون مسخت،ومن وصل الی انه یقول ان بال الشخص فی الماء تنجس او فی اناء ثم صبه فی الماء یتنجس کیف یقام له وزن،ویعد من العقلاء فضلاء عن العلماء [2]۔

ہمچناں دیگر اکابر شافعیہ تصریح بلبن فحل کردہ اندو درمذہب خود بوئے از خلاف نہ دادہ اند واجلہ اورامذہب ائمہ اربعہ واصحاب ایشاں وفقہائے امصار گفتہ اند امام احمد عسقلانی شافعی درارشاد الساری فرمود فیہ دلیل علی ان لبن الفحل یحرم حتی تثبت الحرمة فی جهة صاحب اللبن کماتثبت فی جانب المرضعة فان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اثبت عمومة الرضاع والحقها بالنسب وهذامذهب الشافعی

چاہئے کہ ائمہ کرام نے تصریح کی ہے کہ ظاہر یہ فرقہ کے مخالف ہونے کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ ہی ان میں سے کسی کی تقلید جائز ہے، کیونکہ وہ مسلوب العقل لوگ ہیں حتی کہ وہ قیاس جلی کا بھی انکار کرتے ہیں، نیز انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ محض ظاہری ہیں تقریباً بے عقل ہیں،اور یہاں تک کہہ گئے اگر کوئی شخص پانی میں پیشاب کرے تو پانی ناپاک ہے اور اگر کسی برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دے تو پانی پاک ہے ناپاک نہ ہوگا۔تو ایسے لوگ کس شمار میں ہیں،ان کو اہل عقل میں شمار کرنا کیسے مناسب ہے چہ جائیکہ ان کو علماء میں شمار کیا جائے۔اسی طرح دیگر شوافع حضرات نے بھی اس کے بارے میں واضح تصریحات کی ہیں اور انھوں نے اس مسئلہ میں کہیں بھی اختلاف ظاہر نہیں کیااور بڑے بڑے ائمہ شوافع نے اس مسئلہ کو متفقہ علیہ اور چاروں اماموں کا مسلک قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ائمہ کے اصحاب اور علاقوں کے تمام فقہاء کا یہی مسلک ہے چنانچہ امام احمد عسقلانی شافعی نے اپنی کتاب ارشاد الساری میں فرمایا: اس میں یہ دلیل ہے کہ جس مرد کا دودھ ہے وہ حرمت پیدا کرتا ہے چنانچہ جس طرح دودھ والی عورت کی طرف سے حرمت ثابت اسی طرح اس کے مرد کی طرف سے بھی حرمت ثابت ہوگی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رضاعی چچا کا اثبات

[1] کف الرعاع القسم الرابع عشر باب فی بیان ان ما مرہ صغیرۃ اور کبیرۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۴

[2] کف الرعاع تنبیہ ادلۃ التحلیل والرد علیہا دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۸

وابی حنیفه وصاحبیه ومالك واحمد کجمهور الصحابة و التابعین وفقهاء الامصار [1]. امام حافظ قسطلانی شافعی در فتح الباری فرماید ذهب الجمهور من الصحابة والتابعین وفقهاء الامصار کابی حنیفة وصاحبیه ومالك والشافعی واحمد واتباعهم الی ان لبن الفحل یحرم [2] امام ابو یوسف اردبیلی شافعی در کتاب الانوار فرماید والفحل الذی منه اللبن ابوه واولادہ من المرضعة وغیرها اخوته واخواته [3]، علامہ زین الدین شافعی تلمیذ ابن حجر مکی در قرۃ العین فرماید تصیر المرضعة امه وذواللبن اباہ وتسری الحرمة من الرضیع الی اصولهما وفروعهما وحواشیهما نسبًا ورضاعًا [4] تا ایں جاہمہ نصوص کبرائے شافعیہ است وصاحب البیت ابصر بمافی البیت وصاحب الدار ادری، امام اجل قاضی عیاض مالکی درشرح صحیح مسلم فرماید لم یقل احد من ائمة الفقهاء واهل الفتوی باسقاط حرمة لبن الفحل	فرمایا اور نسب کی طرح قرار دیا ہے اور یہی مذہب امام شافعی، ابو حنیفہ اور ان کے صاحبین امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے جس طرح کہ صحابہ اور تابعین اور تمام علاقوں کے علماء کا یہی مذہب ہے، اور امام قسطلانی شافعی نے فتح الباری میں فرمایا کہ تمام صحابہ، تابعین اور فقہاء ابو حنیفہ ان کے صاحبین، مالک، شافعی اور احمد اور ان کے تمام متبعین کا مذہب یہ ہے کہ دودھ والا مرد بھی حرام ہوتا ہے، امام ابو یوسف اردبیلی شافعی نے کتاب الانوار میں فرمایا کہ جس مرد سے عورت کو دودھ اترا وہ دودھ پینے والے بچے کا باپ ہے اور اس کی تمام اولاد خواہ اس مرضعہ سے ہو یا کسی دوسری عورت سے وہ سب اس بچے کے بہن بھائی ہوں گے، علامہ زین الدین شافعی ابن حجر مکی کے شاگرد قرۃ العین میں فرماتے ہیں کہ دودھ پلانے والی، ماں، اور دودھ والا مرد باپ ہوگا، اور پھر یہ حرمت بڑھ کر بچے سے مرد و عورت کے اصول وفروع اور ان کے نسبی اور رضاعی متعلقین تک سرایت کرجاتی ہے، تمام نصوص شافعی حضرات کی اس مسئلہ میں یہی ہیں، جبکہ گھر والا گھر کی باتوں کو زیادہ جانتا ہے، برگزیدہ امام قاضی عیاض مالکی صحیح مسلم کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ائمہ فقہاء اور اصحاب فتوی میں سے کسی نے بھی دودھ والے خاوند کی حرمت کو

[1] ارشاد الساری کتاب الرضاع باب لبن الفحل دارالکتب العربی بیروت ۸/ ۳۳

[2] فتح الباری کتاب النکاح باب لبن الفحل دارالمعرفۃ بیروت ۹/ ۳۱-۱۳۰

[3] الانوار لاعمال الابرار

[4] قرۃ العین مع شرح فتح العین ارکان النکاح مطبعۃ عامر الاسلام تروز نگاڈی کیرلہ ص ۳۹۰

الاالظاھر وابن علیۃ والمعروف عن داؤد موافقۃ الائمۃ الاربعۃ[1] امام جلیل بدرالدین محمود عینی در عمدۃ القاری فرمایند لبن الفحل یحرم وھو قول ابی حنیفۃ ومالك والشافعی واحمد واصحابھم وقال القاضی عیاض لم یقل احد من الائمۃ[2] الخ (ملخصا) این ست نقول ونصوص ائمہ اجلہ ثقات اثبات ونسبتے کہ در خانیہ وہدایہ واقع شدہ معارضش نتواں بود در نقل مذہب غیر بارہا زلت روی نماید، یکے از اکابر شافعیہ تحلیل زنا بحربیہ در دارالحرب، ودیگرے اجلہ شافعیہ حلت غراب بحضرت امام اعظم نسبت کرد وہر دو باطل است درہمیں ہدایہ حلت متعہ بامام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نسبت نمود حالانکہ بامام مالک بروے حد زنامے زنند کماھو قول عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھما اذقال جرب علی نفسك لان فعلتھا لارجمنك باحجارك[3] بخلاف حنفیہ ودیگر ائمہ کہ حرام دانند وتاحد نرسانند بالجملہ جواز ایں نکاح باطل است ہرگز نہ مذہب امام شافعی است نہ مذہب ہیچکس از ائمہ مجتھدین متبوعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین، ابن علیہ مردے از محدثین است	ساقط نہیں کیا ماسوائے ابن علیہ اور اہل ظاہر حضرات کے، اور داؤد ظاہری سے نقل مشہور ہے کہ وہ بھی ائمہ اربعہ کے موافق ہے، برگزیدہ امام بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا ہے کہ دودھ والے خاوند کی حرمت تمام ائمہ ابوحنیفہ، شافعی، مالک اور احمد اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور قاضی عیاض نے فرمایا کہ کسی امام نے اس حرمت کے اسقاط کا قول نہیں کیا، یہ ہیں تمام ثقہ ائمہ کی نصوص جو ان سے منقول ہیں، اور وہ جو خانیہ اور ہدایہ میں اس کے خلاف ان ائمہ کی طرف منسوب ہے وہ ان نصوص کے معارض نہیں ہوسکتا کیونکہ بارہا دوسروں کے مذہب کو نقل کرنے میں اکثر لغزش ہوجاتی ہے، شافعی مسلک کے اکابرین میں سے ایک نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کردیا کہ ان کے نزدیک دارالحرب میں حربی عورت سے زنا جائز ہے اور دوسرے نے امام ابوحنیفہ کی طرف کوے کے حلال ہونے کی نسبت کردی جبکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں، اور اسی ہدایہ میں امام مالک کی طرف متعہ کے حلال ہونے کی نسبت کردی گئی حالانکہ امام مالک ایسے شخص پر حد زنا لگاتے ہیں جیساکہ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول ہے کہ یہ تجربہ کرکے دیکھ اگر تو کریگا تو میں تجھے تیرے ہی پتھروں سے رجم کروں گا، بخلاف حنفیّہ اور دیگر ائمہ کہ وہ متعہ کو حرام کہتے ہیں مگر حد نہیں لگاتے

[1] شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض مالکی

[2] عمدۃ القاری باب لبن الفحل ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر ۲۰/ ۹۷

[3] صحیح مسلم باب نکاح المتعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۲

عداد در مجتہدین ائمہ نسیت واگر باشد متفرد است وظاھر یہ خود مبتدعانند ومبتدع رادر اجماع اعتبارے نیست ووفاقش ملحوظ نشود وبخلافش خلل نہ پزیرند.لانھم لیسوا من الائمۃ علی الاطلاق کمافی التوضیع وغیرہ لیسوا من امۃ الاجابۃ وانما ھم من امۃ الدعوۃ.کمافی مرقاۃ المفاتیح وغیرھا،وخود در خصوص ظاھر یہ از امام ابن حجر مکی گزشت کہ مخالفت ایشاں اصلًا قابل التفات نیست،پس دریں مسئلہ حکم بخلاف راز نہار مساغ نیست اولًا خلاف سنت مشہورہ است کہ ان اللہ حرم من الرضاع ماحرم من النسب[1]۔

ایں حدیث بالفاظ متنوعہ وروایات متظافرہ در دواوین اسلام مروی ومنقول است واز صدر اسلام تاحال میان علماء متلقی بالقبول ہمیں امام ترمذی در ہماں جامع فرماید والعمل علی ھذا عندعامۃ اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

خلاصہ یہ کہ نکاح باطل ہے اور کسی بھی امام خواہ شافعی ہو یا کوئی اور مجتہدین میں سے کسی کے مذہب میں جائز نہیں ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم،ابن علیہ کا شمار محدثین میں تو ہوتا ہے مگر مجتہدین میں نہیں،اور اگر بالفرض ہو بھی تو وہ دوسرے ائمہ سے الگ تھلگ ہے،رہا ظاہریہ فرقہ تو وہ بدعتی فرقہ ہے جبکہ اجماع کے معاملہ میں بدعتی کا اعتبار نہیں ہوتا،اس کی موافقت اور مخالفت کا کوئی اثر اجماع پر نہیں پڑتا کیونکہ یہ ائمہ میں سے نہیں ہیں،جیساکہ توضیح وغیرہ میں ہے،اور امت اجابہ میں سے نہیں بلکہ وہ امت دعوت میں سے ہیں جیساکہ مرقاۃ المفاتیح وغیرہ میں ہے،اور خود ظاہریہ فرقہ کے بارے میں امام ابن حجر مکی کا قول گزرا کہ ان کی مخالفت قابل التفات نہیں ہے لہٰذا اس مسئلہ میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں اولا اس لیے کہ اس کا خلاف سنت مشہورہ کے خلاف ہے جوکہ یہ ہے جو نسب کی بناء پر حرام فرمایا ہے وہ رضاعت کی بناء پر بھی اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے،یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کثیر روایات میں ہے اور اسلام کی قانونی کتب میں مروی ومنقول ہے اور ابتداء اسلام سے آج تک علماء کے درمیان مقبول ہے، امام ترمذی نے اپنی جامع میں فرمایا کہ اس پر عام صحابہ اور بعد والوں کا عمل ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے

[1] جامع الترمذی ابواب الرضاع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۳۶

وغیرھم لانعلم بینھم فی ذٰلك اختلافا [1] وحکم برخلاف سنت مشہورہ نافذ نہ شود، در تنویر الابصار است اذا رفع الیه حکم قاض آخر نفذہ الامّاخالف کتابًا اوسنة مشھورة اواجماعا [2] ثانیا مخالف اجماع من یعتد باجماعھم افتادہ ست کما تقدم بیانه، وامام شعرانی شافعی در میزان الشریعۃ الکبرٰی فرمود اتفق الائمة علی انه یحرم من الرضاع مایحرم من النسب [3] وحکم برخلاف اجماع نفاذ نیست، ائمہ ثقات اثبات از حکایات شاذہ غافل نبودند بلکہ خود ذکر نمودہ اند باز تصریح فرمودہ کہ دریں مسئلہ جز ظاھریہ وابن علیہ کسے راخلاف نیست چنانکہ از امام قاضی عیاض مالکی وامام ابو زکریا نووی شافعی وامام محمود عینی حنفی گزشت فمن الغریب نسبة الغراب الیھم علی ماوقع فی فتح المغیث واگر بالفرض اینجا قولے ضعیف محکی بود کما اول به فی الفتح الفقھی، پس حکم وفتوے بر قول ضعیف ومرجوح خود جہل وخرق اجماع است کما فی تصحیح القدوری

اور سنت مشہورہ کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جب ایک قاضی کے پاس دوسرے قاضی کا حکم پہنچے تو اس کو نافذ کرے بشرطیکہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع کے خلاف نہ ہو، ثانیا اس لیے کہ جن لوگوں کا اجماع معتبر ہے ان کے اجماع کے بھی خلاف ہے جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے، اور امام شعرانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو رشتہ نسب کی وجہ سے حرام ہے وہ رضاع کی وجہ سے بھی حرام ہے اور اجماع کے خلاف حکم نافذ نہیں ہوسکتا، اور کسی مسئلہ کو ثابت قرار دینے والے ائمہ ثقات خود بھی شاذ حکایات سے غافل نہیں ہوتے بلکہ خود ان کو ذکر کردیتے ہیں، نیز انھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اس مسئلہ کا ظاہریہ اور ابن علیہ کے بغیر کسی نے خلاف نہیں کیا، جیساکہ امام قاضی عیاض، ابو زکریا نووی شافعی اور امام محمود عینی حنفی سے گزرا فتح المغیث میں ان حضرات کی طرف شاذ امور کو منسوب کرنا تعجب کی بات ہے، اگر بالفرض یہاں کوئی ضعیف قول نقل کیا گیا ہو جیساکہ فتح القدیر میں تاویل کی گئی ہے تو بھی ضعیف قول اور مرجوع قول پر فتوی دینا خود جہالت اور اجماع کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ قاسم

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب فی الحبس مجتبائی دہلی ۲/ ۷۹۔۷۸

[2] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الرضاع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۳۸

[3] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الرضاع مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۳۸

للعلامة قاسم والدر المختار **ثالثا** حکم بخلاف قاضی مجتہد راست مقلدرا روانبود بر خلاف امام خود حکم کردن تنویر الابصار ست قضی فی مجتھد فیه بخلاف رأیه لاینفذ مطلقا وبه یفتی [1]	کی تصحیح القدوری میں اور در مختار میں ہے، **ثالثاً** مخالف کے قول پر فیصلہ کا اختیار صرف مجتہد قاضی کو ہے، مقلد کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے امام کے قول کے خلاف فیصلہ کرے، تنویر الابصار میں ہے کہ قاضی کا مجتہد فیہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ مطلقًا نافذ نہ ہوگا اور اسی پر فتوی ہے،اور در مختار میں ہے کہ اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا اور یہ صحیح نہ ہوگا۔اور ردالمحتار میں کہا: لیکن مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا مجیب نے ان کی عبارت سیاق وسباق سے کاٹ کر پیش کی اور خود اس نے جوان کی عبارت نقل کی اس میں لفظ ادعی کو نہ دیکھا، **رابعًا** یہ کہ اگر مذکورہ امور کو نظر انداز بھی کردیں تو قضا شرعی طور پر ایسا اہم عہدہ ہے کہ جس میں جمہور کے خلاف کو ختم کیا جاتا ہے،نہ کہ چند حرف پڑھ لیے اور مسند قضا پر بیٹھ کر جو کچھ چاہے اس کو زبان پر جاری کردے اور یہ خیال نہ کرے کہ میرے فیصلہ سے خلاف قوی اور مذہب کمزور ہوگا۔اللہ تعالٰی کا خوف ہو تو خلاف والا قول جاہل بھی نہ کرے چہ جائیکہ کوئی فاضل کرے۔اللہ تعالٰی سے عافیت اور معافی کی درخواست ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**
ودر مختار است، ولوحکم القاضی بحکم مخالف لمذھبه ماصح اصلا یسطر [2]	
در ردالمحتار آورد اما المقلد فلایملك المخالفة [3] مجیب عبارتش از سابق ولاحق قطع کردہ آورد وخود درقدر منقول خود لفظ ادعی ندید **رابعا** اگر از ہمہ گزرند قضاء شرعی چیزیست کہ رفع خلاف مے کند،نہ کہ دو حروف خوانند وخود رابرمسندِ افتاء نشانند،ہرچہ خواہند برزبان رانند، و خلاف مرتفع شود،ومذہب مردود ومندفع حاشاﷲ لایقول به جاھل فضلا عن فاضل نسأل اللہ العفو والعافیة،واللہ تعالٰی اعلم۔	
فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ	فقیر مصطفٰی رضاخاں قادری نوری غفرلہ

[1] درمختار متن تنویر الابصار باب القضاۃ فصل فی الحبس مجتبائی دہلی ۸۰/۲

[2] درمختار متن تنویر الابصار باب القضاۃ فصل فی الحبس مجتبائی دہلی ۸۰/۲

[3] ردالمحتار باب القضاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۳۵/۴

فی الواقع نکاح مذکور باطل وحرام محض ست وبرآں کس از دختر برادر خودش فورًا فورًا جدا شدن فرض است تنزویج ایناں جہل وتنفیذ او ظلم شدید، واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ	فی الواقع نکاح مذکور باطل اور محض حرام ہے اس شخص پر لازم ہے کہ فورًا فورًا اپنے بھائی کی نواسی سے جدائی اور علیحدگی اختیار کرے، اس نکاح کو نافذ کرنا اور جائز کہنا جہالت اور ظلم شدید، واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللّبن ۱۳۳۰ھ
(اولاد رضیع اور اولاد مرضعہ کے درمیان حرمت نکاح کا عمدہ اور روشن بیان)

کسی کم علم نے ایک غلط فتوی درباب جواز نکاح مابین اولاد رضیع و مرضعہ لکھ دیا تھا وہ فتوی بذریعہ مولوی اکرام الدین صاحب امام وخطیب مسجد وزیر خاں اعلیحضرت امام احمد رضاخان بریلوی تک پہنچا تو آپ نے اس کے رد میں مندرجہ ذیل المسمّی بہ الجلی الحسن فی حرمۃ ولد اخی اللبن مستند بنصوص صحیحہ ومبرہن بہ براہین شرعیہ تحریر فرمایا،

وھـــوھـــذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی خلق الانسان فجعلہ نسبًا وصھرا وجعل الرضاع کالنسب فوھب بہ محرمیۃ اخری والصلوۃ والسلام علی من ھدانا للصواب	اللہ تعالٰی کے لیے سب تعریفیں جس نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کو نسب اور سسرالی رشتہ سے نواز اور رضاعت کو نسب کی مثل بنایا تو اس کے سبب ایک اور محرمیۃ عطاکی، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس نے ہمیں درستگی

ووعد علیه جزیل الثواب فاعظم البشری واوجب التثبت فی الافتاء وحرم الاجتراء فاوعد علیه وعید انکرا صلی الله تعالٰی علیه وسلم واٰله وصحبه والمنتمین الیه الدنیا واخری، اٰمین!	کی رہنمائی فرمائی، اوراس پر بھاری ثواب کا وعدہ فرمایا تو بشارت عظیم فرمائی اور جس نے فتوی دینے میں مضبوطی کو واجب اور جسارت کو حرام فرمایا تو جسارت پر سخت وعید فرمائی، اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر اور ان سب پر جو آپ کی طرف دنیا وآخرت میں منسوب ہوں، آمین (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از لاہور مرسلہ مولوی اکرام الدین صاحب بخاری وامام وخطیب مسجد وزیر خان مرحوم ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ ہجری المقدس

جناب مستطاب، محمدت مآب، قدوۃ الابرار واُسوۃ الاخیار، زین الصالحین وزبدۃ العارفین، علامۃ العصر و فرید الدہر، عالم اہل السنۃ، مجدد مائۃ حاضرہ، استاذ زمان ومقتدائے جہان، لازوال نتیجہ خاطرہ، درۃ تاج الفیضان وثمرۃ شجرۃ ضمیرہ باکورۃ بستان العرفان السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ،

بعد اتحاف اساس تسلیمات حورا صورت کہ رخسارہ صفا امارا تش از تکلف حلل عبارت مستغنی ست در نظر آن سلیمان ملک عرفان معروض دارم التجاء مخلصانہ بخدمت والا مرتبت انیست کہ فتوی بہ ہمراہی مکتوب ارسال داشتہ شد موافق رائے مبارک عالی سطرے نوشتہ بنام نیاز مند ارسال نمایند، الٰہی سلامت باشند ثم السلام، کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنہ الباری،	نورانی اور روشن تسلیمات کے تحائف جن کا رخ زیبا لباس الفاظ کے تکلف کا محتاج نہیں، سلطنت عرفان کے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے بعد مخلصانہ التجا ہے اپنی رائے عالی کے موافق چند سطریں تحریر فرماکر اس نیاز مند کے نام روانہ فرمادیں اللہ تعالٰی سلامت رکھے، والسلام، کتبہ المسکین محمد اکرام الدین بخاری عفاعنہ الباری۔ (ت)

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی حقیقی بہن کا دودھ پیا ہے، اس شخص اور اس کی بہن سے اولاد پیدا ہوئی، یہ بھائی بہن اپنی اولاد کا آپس میں نکاح کرنا چاہتے ہیں، ان کی اولاد کا نکاح شرعاً آپس میں درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شخص مذکور کی اولاد کا نکاح اس کی بہن مرضعہ کی اولاد کے ساتھ جائز ہے کیونکہ حرمت رضاعت خاص رضیع کے لیے ثابت ہوتی ہے، رضیع کے اصول وفروع کے لیے حرمت مذکورہ ثابت نہیں ہوتی، پس دودھ پینے والی بمعہ جمیع فروع کے حرام ہے، فروع رضیع پر فروع مرضعہ ہر گز حرام

نہیں ہو سکتا، چنانچہ شرح وقایہ وغیرہ میں محرمات بالرضاع کو اس شعر میں درج کیا ہے:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند

وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع

(دودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے وہ اور اس کا زوج یا زوجہ، اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ت)

تحرم المرضعة وزوجها علی الرضیع ویحرم قومها علی الرضیع کما فی النسب وتحرم فروع الرضیع علی المرضعة وزوجها ویحرم زوجا الرضیع علی المرضعة وزوجها[1] کذا فی شرح الوقایة ص۔	دودھ پلانے والی خود، اس کا خاوند اور اس کی قوم دودھ پلانے والے پر حرام ہوگی جیسے نسب میں حرام ہیں، اور دودھ پینے والے کے فروع دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند پر حرام ہیں، اور خود دودھ پینے والا اور اس کا زوج یا زوجہ دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر حرام ہیں، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے ص ۶۳ (ت)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ حرمت رضاعت رضیع کے لیے ثابت ہے، رضیع کی اولاد پر مرضعہ کی اولاد جائز ہے، بنابریں شخص مذکور کی اولاد اپنی ہمشیرہ کی اولاد پر حلال ہے، آپس میں ان کا نکاح درست ہے،

الجواب:

انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون، حرام قطعی حلال کردیا گیا، محارم سے زنا حلال کردیا گیا، چچا بھتیجی کا نکاح حلال کردیا گیا، پھوپھی بھتیجے کا نکاح حلال کردیا گیا، ماموں بھانجی کا عقد حلال کردیا گیا، خالہ بھانجی کا زنا حلال کردیا گیا، خلاصہ یہ ہے کہ گویا ماں بیٹے کا نکاح حلال کردیا گیا، باپ بیٹے کا زنا حلال کردیا گیا، لاالٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اول یہ قیامت مراد آباد میں ایک وہابی خیال مولوی عالم صاحب نے اُٹھائی اور غیر مقلدوں کے پیشوا نذیر حسین مع ذریات نے اس پر مہر لگائی، یہاں سے اس کا رد ہو کر گیا، وہ پرانا سیانا رجوع کر گیا، اور دوسرا فتوی اس کی حرمت میں لکھا اور پہلے کا یہ عذر بدتر گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم صاحب کہ درحلت آن نوشتہ بودند بر اعتماد ایشان بر نظر سرسری	اس سے پہلے مولوی صاحب کے فتوی پر جو کہ اس کے حلال ہونے میں انھوں نے لکھا تھا

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۲/۶۷

مہر من کردہ شد،	ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے میری مہر لگادی گئی۔(ت)

حلال وحرام خصوصًا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت وبیباکی کا کھلا اقرار ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار [1]۔	تم میں سے جو فتووں پر زیادہ جرأت کرتا ہے وہ آگ پر زیادہ جرأت کرتا ہے۔(ت)

خیر یہ تو غیر مقلد کے لازم بین ہے مگر "براعتماد زایشاں" نے انکے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی، اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوٰی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس "کردہ شد" کے لطف کو تو دیکھئے، کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے، گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کرگیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھادیتا ہے اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیہ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، ت) اسکی تفصیل اسی زمانہ میں رسالہ سیف المصطفٰی علی ادیان الافترا میں لکھی گئی، دوبارہ اسی زنائے محارم کو حلال کرنے کی سخت اشد آفت کلکتہ سے اٹھی، کوئی صاحب مولوی لطف الرحمٰن بردوانی ہیں انھوں نے جہان بھر کے تمام علماء کو مخاطب کرکے ایک عربی طویل سوال چھپوایا اور یہاں بھیجا، بفضلہٖ تعالٰی اس کے جواب میں یہاں سے عربی رسالہ نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان اعلٰی مباحث ودلائل فقہ ونصوص پر مشتمل تصنیف ہوکر بھیج دیا گیا، جس نے بحمد اللہ تعالٰی سارا اُبال بیٹھا کر جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ [2] (حق آیا اور باطل زائل ہوا بیشک باطل زوال پذیر ہے۔ت) کا نقشہ کھینچ دیا، اب سہ بارہ یہ بلائے عظیم لاہور سے اٹھنے کورہ گئی تھی، گویا ہر سولھویں سال اس وبال میں اُبال آتا ہے، پہلے ۱۲۹۸ھ میں اُٹھا پھر ۱۳۱۴ھ میں، اب ۱۳۳۰ھ میں، وہابیت کو ایسے فتوے زیب دیتے تھے کہ ان کے قلوب اوندھے کردئے جاتے ہیں، مگر اس بار صدمہ سخت تر ہے کہ ہمارے بعض سنی علماء نے اس میں شرکت کی، انا للہ وانا الیہ راجعون، ابھی چندہی مہینے تو ہوئے کہ فقیر نے اس واقعہ ہائلہ نذیر حسین دہلوی کو اپنا رسالہ تازہ کاسرالسفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدارھم میں ذکر کیا اور وہ چھپ کر شائع ہوگیا، احباب نے یا تو اُس ضروری تصنیف کو براہ بے پرواہی ملاحظہ نہ فرمایا، یا اس قدر بھول گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فقیر ازانجا کہ "نقد البیان" میں بہ تقریب

---

[1] کنز العمال حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/۱۸۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/۸۱

ازہاق اوہام بردوانی، اس مسئلہ کی تحقیق بازغ کرچکا ہے، یہاں صرف چند نصوص ہندی کی چندی کرکے عرض کرے کہ کسی طرح اس دھوکے کا سدباب توہو، آخر یہ فتنہ کتنی بار اٹھے گا!

نص ۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یحرم من الرضاعة مایحرم من النسب[1]۔ رواہ الائمة احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد وابن ماجه عن ام المومنین الصدیقة واحمد ومسلم والنسائی وابن ماجة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم۔	جو کچھ نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔ (اس کو ائمہ کرام، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور امام احمد، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

بھانجا بھانجی، بھتیجا بھتیجی نسب سے حرام ہیں یا نہیں؟ ضرور ہیں، تو دودھ سے بھی قطعاً حرام ہیں، اور شک نہیں کہ اپنی نسبتی ماں کی رضاعی اولاد بہن بھائی ہے، تو اس اولاد کی نسبتی اولاد اپنے سے یہی رشتے رکھتی ہے، اسے یوں سمجھئے مثلاً زید کی ماں ہندہ کا دودھ عمرو نے پیا، تو عمرو اور زید رضاعی بھائی ہوئے، اگر کہے نہ ہوئے تو ہندہ مرضعہ کی بیٹی لیلٰی بھی عمرو رضیع کی بہن نہ ہوگی کہ جب ہندہ کا بیٹا زید عمرو کا بھائی نہ ہوا، تو ہندہ کی بیٹی لیلٰی کس رشتہ سے عمرو کی بہن ہوجائے گی حالانکہ وہ بہ نص قرآن عمرو کی بہن ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھاری مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا اور تمھاری رضاعی بہنیں۔(ت)

وعلٰی ہذا القیاس باقی صورتیں، اور جب مرضعہ کی سب اولاد رضیع کے بہن بھائی ہوگئے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کے لیے یقیناً اپنے بہن بھائی کی اولاد ہے، اور اپنے بہن بھائی کی اولاد یقیناً اجماعاً حرام ہے، تو پھوپھی بھتیجے یا چچا بھتیجی یا خالہ بھانجے یا ماموں بھانجی کا زنا کیونکر حلال ہوسکتا ہے، **ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔**

نص ۲: صحیحین میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور صحیح مسلم میں امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ہے، انھوں نے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! حضور کے چچا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی قریش میں سب سے زائد خوبصورت نوجوان ہیں حضور چاہیں تو ان سے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

نکاح فرمالیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انھا لاتحل لی انھا ابنۃ اخی من الرضاعۃ ویحرم من الرضاعۃ مایحرم من الرحم [1] ۔	وہ میرے لیے حلال نہیں وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے، اور جو کچھ نسبی رشتہ سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے،

دوسری حدیث کے لفظ یہ ہیں:

اما علمت ان حمزۃ اخی من الرضاعۃ وان اللہ حرم من الرضاعۃ ماحرم من النسب [2] ۔	تمھیں معلوم نہیں کہ حمزہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ نے جو رشتے نسب سے حرام فرمائے وہ دودھ سے بھی حرام فرمائے ہیں۔

صاف اشارہ ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے جب بھائی نے اپنی بہن کا دودھ پیا تو وہ اپنی بہن کے بیٹے کا رضاعی بھائی ہوگیا تو اس کی بیٹی بہن کے بیٹے کے لیے کیونکر حلال ہو سکتی ہے!

نص ۳: نیز صحیحین میں زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے درہ بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں فرمایا:

لولم تکن ربیبتی ماحلت لی ارضعتنی واباھا ثویبۃ [3] ۔	یعنی اول تو میری ربیبہ ہے کہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بیٹی ہے اور اگر ربیبہ نہ بھی ہوتی جب بھی میرے لیے حلال نہ ہوتی کہ اس کے باپ ابو سلمہ میرے رضاعی بھائی تھے مجھے اور ان کو ثویبہ نے دودھ پلایا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم۔

یہ بھی اس طرح نص صریح ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے۔

نص ۴ و ۵: مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں شرح السنۃ امام بغوی رحمہ اللہ تعالٰی سے شرح حدیث اول میں ہے:

فی الحدیث دلیل علی ان حرمۃ الرضاعۃ کحرمۃ النسب فی المناکح فاذا ارضعت المرأۃ رضیعا یحرم علی الرضیع واولادہ من	یعنی اس حدیث میں دلیل ہے کہ نکاحوں کے بارے میں دودھ اور نسب کی حرمت ایک سی ہے، تو جب کوئی عورت کسی بچہ کا دودھ پلائے تو اس رضیع اور

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۷

[2] مسند امام احمد کتاب الرضاع دار الفکر بیروت ۱/ ۲۷۵

[3] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۸

اقارب المرضعة کل من یحرم علی ولدھا من النسب[1] ۔	رضیع کی اولاد پر مرضعہ کے وہ سب رشتہ دار حرام ہو جائیں گے جو مرضعہ کی نسبی اولاد پر حرام ہیں،

یہ عام نص صریح ہے کہ رضیع کی تمام اولاد پر مرضعہ کی تمام اولاد حرام ہے،

نص ۶: تفسیر نیشا پور میں دودھ کی بھتیجیوں بھانجیوں کے بیان میں ہے:

کذلك بنات من ارضعت امك[2] ۔	یعنی اسی طرح جس کو تیری ماں نے دودھ پلایا۔

وہ مرد تھا اس کی بیٹیاں تیری بھتیجیاں ہو گئیں، اور عورت تھی تو اس کی بیٹیاں تیری بھانجیاں ہو گئیں اور یہ سب **بنت الاخ وبنت الاخت** میں داخل اور حرام ہیں۔

نص ۷: مستخلص شرح کنز میں ہے:

تحرم زوجة الرضیع علی زوج المرضعة وکذا بنات بناته علی زوج المرضعة وابنائه کذا فھم من شرح الوقایة[3] ۔	یعنی رضیع کی بی بی مرضعہ کے شوہر پر حرام ہے یونہی رضیع کی بیٹیاں نواسیاں مرضعہ کے شوہر اور اس کے بیٹوں پر حرام ہیں، شرح وقایہ کا مفاد یہی ہے۔

نص ۸: ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کہ صحیحین بخاری ومسلم میں ہے:

جاء عمی من الرضاعة فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه عمك فلیلج علیك[4] ھذا مختصر۔	میرے رضاعی چچا آئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دودھ کا چچا بھی چچا ہے، ان سے پردہ کی حاجت نہیں۔ (مختصرًا)

شیخ محقق نے لمعات میں رضاعی چچا کی یہ تفسیر فرمائی:

بان ام ابیھا ارضعته اوامه ارضعت اباھا[5] ۔	یعنی دودھ کے چچایوں کہ یا تو ام المومنین کی دادی نے انھیں دودھ پلایا یا ان کی ماں نے ام المومنین کے باپ کو دودھ پلایا۔

یہ صورت دوم تصریح صریح ہے کہ اپنی ماں نے جسے دودھ پلایا اس کی بیٹی اپنی بھتیجی اور محرم ہے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب المحرمات مکتبۃ امدادیہ ملتان ۶/ ۲۲۳۔ ۲۲۲

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری) حرمت علیکم امھاتکم کے تحت مصطفی البابی مصر ۸/۵

[3] مستخلص الحقائق کتاب الرضاع دلی پرنٹنگ ورکس دہلی ۲/ ۹۹

[4] صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۶

[5] لمعات التنقیح

نص ۹ و ۱۰: امام اجل ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم اور امام بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں شوہر مرضعہ کی نسبت فرماتے ہیں:

واللفظ للنووی فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ ثبوت حرمۃ الرضاعۃ بینہ وبین الرضیع ویصیر ولدالہ ویکون اولاد الرضیع اولاد الرجل[1]۔(ملخصًا)	امام نووی کے الفاظ میں ہمارا اور تمام علماء کامذہب یہ ہے کہ رضیع اور شوہر مرضعہ میں حرمت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے، رضیع اس کا بچہ ہوجاتاہے اور رضیع کی اولاد اس شخص کی اولاد ہوجاتی ہے،

یعنی اولاد رضیع جس طرح مرضعہ کی پوتا پوتی نواسا نواسی باجماع قطعی ہے یونہی باجماع مذاہب اربعہ وجملہ ائمہ وفقہاوہ شوہر مرضعہ کے بھی پوتے نواسے ہیں، اور باجماع امت مرحومہ اپنے ماں باپ کے پوتا پوتی نواسا نواسی اپنے لیے حرام قطعی اور اپنے بھتیجا بھتیجی بھانجا بھانجی ہیں۔

نص ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴: فتح القدیر، بحر الرائق، طحطاوی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا میں ہے:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احال مایحرم من الرضاع علی مایحرم من النسب ومایحرم من النسب مایتعلق خطاب تحریمہ بہ و قدتعلق بما قد عبر عنہ بلفظ الامھات والبنات واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت فما کان من مسمی ھذہ الالفاظ متحققامن الرضاع حرم فیہ[2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دودھ کی حرمتوں کو نسب کی حرمتوں پر حوالہ فرمایا کہ جو نسب سے حرام ہے دودھ سے بھی حرام ہے، اور نسب سے وہ حرام ہیں جن سے خطاب الٰہی تحریم کے ساتھ متعلق ہوا، اور وہ ان سے متعلق ہوا ہے، جن پر ماں اور بیٹی اور بہن اور پھوپھی اور خالہ یا بھائی کی بیٹی یا بہن کی بیٹی کا لفظ صادق آئے تو دودھ کے رشتوں میں جن جن پر یہ لفظ صادق آئیں وہ بھی حرام ہیں۔

ظاہر ہے کہ اپنی ماں نے جسے دودھ پلایا اس پر بہن یا بھائی کا لفظ صادق ہے اور اس لیے وہ اپنے اوپر حرام ہے تو اس کی اولاد پر اپنے بھائی یا بہن کے بیٹے کا لفظ صادق ہے لاجرم وہ بھی قطعًا حرام ہیں،

نص ۱۵: فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

الاصل الکلی فی الرضاع ان کل امرأۃ	یعنی دودھ کے رشتوں میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس

---

[1] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الرضاع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۶۶

[2] بحر الرائق کتاب الرضاع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۶-۲۲۵

انتسبت الیك او انتسبت الیھا بالرضاع او انتسبتما الی شخص واحد بلا واسطۃ او احد کما بلا واسطۃ والاخر بواسطۃ فھی حرام[1]۔	سے چار قسم کی عورتیں حرام ہیں،اول وہ جو دودھ کے سبب تیری طرف منسوب ہو،یعنی تیری بیٹی پوتی نواسی کہلائے یہ رضاعی بیٹی ہوئی،دوسری وہ کہ دودھ کے سبب تو اس کی طرف منسوب ہو یعنی اس کا بیٹا پوتا نواسا ٹھہرے یہ رضاعی ماں ہوئی،تیسرے وہ کہ تو اور وہ دونوں ایک شخص کے بیٹا بیٹی قرار پائیں،یہ رضاعی بہن بھائی ہوئے،چوتھے وہ کہ تم میں ایک تو اس شخص کا بیٹا یا بیٹی ٹھہرے اور دوسرا اس شخص کا پوتا پوتی نواسا نواسی یہ رضاعی خالہ پھوپھی بھتیجی بھانجی ہوئے اور اگر تو پوتا نواسا ہے اور وہ بیٹی تو وہ تیری پھوپھی یا خالہ ہوئے،شک نہیں کہ صورت مسئولہ میں دودھ پلانے والی بہن کی اولاد بلاواسطہ اس کے بیٹا بیٹی ہے اور دودھ پینے والے بھائی کی اولاد اس مرضعہ بہن کی پوتا پوتی،تو یہ تحریم کی خاص چوتھی صورت ہے۔

نص ۱۶: برجندی شرح نقایہ میں ہے:

بنت الاخ تشتمل البنت النسبیۃ للاخ الرضاعی[2]۔	رضاعی بھائی کی بیٹی بھی بھتیجی میں داخل ہے۔

نص ۱۷و۱۸: شرح وقایہ ودرر شرح غرر میں ہے:

بنت الاخت تشتمل البنت النسبیہ للاخت الرضاعیۃ[3]۔	رضاعی بہن کی بیٹی بھی بھانجی میں داخل ہے۔

نص ۱۹و۲۰و۲۱و۲۲و۲۳و۲۴و۲۵: متون معتمدہ مذہب کنزالدقائق،وقایہ،نقایہ،اصلاح،غرر،ملتقی،تنویر میں ہے:

واللفظ للغرر حرم تزوج اصلہ وفرعہ واختہ وبنتھا وبنت اخیہ والکل رضاعًا۔[4] (ملخصا)	(غرر کے الفاظ میں) یعنی آدمی پر اس کے اصول وفروع اور بہن اور بہن کی بیٹی اور بھائی کی بیٹی سے نکاح حرام ہے اور یہ سب دودھ کے رشتے سے بھی حرام ہیں۔

---

[1] فتاوی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ الرابع فی الرضاع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۱۵

[2] شرح نقایہ للبرجندی کتاب النکاح مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۲/ ۶

[3] شرح وقایہ کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی /، درر شرح غرر کتاب النکاح احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت بیروت ۱/ ۳۳۰

[4] الدرر الحکام شرح غرر الحکام کتاب النکاح احمد کامل الکائنہ فی دار سعادت بیروت ۱/ ۳۰-۳۲۹

نص ۲۶: یونہی متن وافی میں لایحل للرجل ان یتزوج بامہ وبنتہ واختہ وبنات اختہ وبنات اخیہ فرماکر شرح کافی میں فرمایا:

اعلم ان من ذکرنا من المحرمات من اول الفصل الی ھنا تحرم من الرضاع[1] ایضًا۔	یعنی ماں اور بیٹی اور بہن اور بھانجی اور بھتیجی حرام ہیں اور یہ جتنی محرمات شروع سے یہاں تک ہم نے ذکر کیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں۔

نص ۲۷: تبیین الحقائق میں ہے:

یحرم علیہ جمیع من تقدم ذکرہ من الرضاع وھی امہ واختہ وبنات اخوتہ[2] الخ۔	یعنی جتنی عورتیں مذکور ہوئیں سب دودھ کے رشتہ سے بھی حرام ہیں رضاعی ماں اور بیٹی اور بہن اور رضاعی بہن اور بھائی کی بیٹیاں۔

نص ۲۸: در مختار میں ہے:

حرم علی المتزوج ذکرا اوانثی اصلہ وفرعہ وبنت اخیہ واختہ وبنتھا والکل رضاعًا[3]۔	یعنی ہر مرد وعورت پر اس کے ماں باپ، دادادادی، نانا نانی، بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، بھتیجا بھتیجی، بہن اور بھائی کے بیٹا بیٹی خواہ یہ رشتے نسب سے ہوں یا دودھ سے، حرام ہیں۔

نص ۲۹: جوہر نیرہ میں ہے:

کذلك بنات اخیہ وبنات اختہ من الرضاعۃ لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب[4]۔	یعنی نسبی کی طرح رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں بھی حرام ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو نسب سے حرام ہے وہ دودھ سے بھی حرام ہے۔

ان تمام نصوص جلیلہ میں بالاتفاق بلاخلاف صاف صاف واشگاف تصریحیں فرمائیں کہ رضاعی بھائی بہن کی بیٹیاں، بھانجی، بھتیجی نسبی کی طرح حرام قطعی ہیں، اور شک نہیں کہ اخوت رشتہ متکررہ ہے کہ دونوں

---

[1] کافی شرح وافی

[2] تبیین الحقائق فصل فی المحرمات مطبع الکبری الامیریہ مصر ۲/ ۱۰۳

[3] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۷

[4] الجوہرۃ النیرہ کتاب النکاح مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۶۸

طرف سے یکساں قائم ہوتا ہے، جس طرح مرضعہ کا بیٹا رضیع کا بھائی ہوا، واجب کہ یوں ہی رضیع پسر مرضعہ کا بھائی ہو یہ محال ہے کہ زید تو عمرو کا بھائی ہو اور عمرو زید کا بھائی نہ ہو، اور جب رضیع اولاد مرضعہ کا یقینا اجماعًا بھائی ہے جس سے انکار کسی ذی عقل بلکہ فہیم بچہ کو بھی متصور نہیں۔ اور جملہ ائمہ و نصوص مذہب صریح قطعی تصریحیں فرمارہے ہیں کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے تو رضیع کی اولاد مرضعہ کی اولاد کے لیے کیونکر حلال ہوسکتی ہے، یہ یقینا نصوص قطعیہ واجماع امت کے خلاف ہے، ائمہ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ رضاعی بھائی کی بیٹی حرام ہے اور رضیع اور پسر مرضعہ دونوں یقینا آپس میں رضاعی بھائی ہیں۔ تو ان میں ہر ایک کی بیٹی دوسرے پر حرام قطعی ہے، کیا کوئی عاقل یہ بھی گمان کرسکتا ہے کہ ایک بھائی کی بیٹی دوسرے پر حرام ہو اور اس دوسرے بھائی کی بیٹی اس بھائی کے لیے حلال ہو، شرع، عرف، عقل، نقل کسی میں بھی اس لغو و بیہودہ فرق کی گنجائش ہوسکتی ہے؟ حاشا ہرگز نہیں۔

نص ۳۰: شرح وقایہ میں فرمایا:

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند وز جانب شیر خوارہ زوجان وفروع [1]

(دودھ پلانے والی کی جانب سے تمام رشتے حرام ہوں گے اور شیر خوار کی جانب سے وہ اور اس کا زوج یا زوجہ اور اس کے فروع حرام ہوں گے۔ ت)

یہ شعر نقایہ و شرح الکنز للملا مسکین میں بھی مذکور ہے۔ فاضل چلپی و فاضل قرہ باغی محشیان شرح وقایہ و علامہ برجندی شارح نقایہ نے تو اس پر ایک حرف بھی نہ لکھا اور علامہ قہستانی نے دوسطریں فارسی میں لکھ دیں جن سے ظاہری الفاظ کے سوا مغز مطلب کی کچھ توضیح نہ ہوئی عہ۱۔ اور علامہ سید ابو السعود ازہری نے فتح اللہ المعین میں آدھی سطر اس کے ترجمہ عربی کی لکھی جو شعر کے صرف ایک مصرع کا بھی آدھا ہی ترجمہ ہے عہ۲ سب سے

عہ۱: حیث قال یعنی شیر دہندہ و شوہرش بافرزندان و پدران و مادران وخواہران ایشاں خویش خوارہ شوند و شیر خوارہ و زنش یا شوہرش بافرزندان خویش شیر دہندہ و شوہرش شوند ۱۲ [2]۔ (م)

یوں کہا یعنی دودھ پلانے والی اور اس کا خاوند، ان کی اولاد، والدین، بھائی اور ان کی بہنیں شیر خوار کے رشتہ دار ہوں گے اور دودھ پینے والا اس کی بیوی یا خاوند، اولاد سمیت دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کے رشتہ دار ہوں گے ۱۲ (ت)

عہ۲: حیث قال معنی البیت ان زوجات الرضیع و فروعہ یحرمن علٰی ابیہ [3] ۱۲ (م)

یوں کہا شعر کا معنی یہ ہے کہ دودھ پلانے والے کی بیویاں اور اس کی اولاد اپنے رضاعی باپ پر حرام ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] شرح وقایہ کتاب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۷

[2] جامع الرموز للقہستانی کتاب الرضاع مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۰۱

[3] فتح المعین فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۳

متاخر لکھنوی صاحب نے بھی عمدۃ الرعایہ میں نِرے ترجمہ پر قناعت کی، فقط ایک حرف زائد کیا وہ بھی غلط۔

حیث قال مفاد المصرع الاول ان من جانب المرضعة وکذا زوجها یکون الکل ذاقرابة من الرضیع ای الذین لهم قرابة محرمة من النسب فیدخل فیه المرضعة وزوجها واقرباؤهما ومفاد المصرع الثانی ان من جانب الرضیع انما یثبت القرابة للمرضعة وزوجها من فروعه واحد زوجیة[1] انتہی۔	انھوں نے یوں کہا پہلے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پلانے والی اور اس کے خاوند کی جانب سے تمام رشتے دودھ پینے والے کے قریبی ہوں گے یعنی ان کے وہ رشتے جو نسبی طور پر حرام ہوتے ہیں، تو اس میں دودھ پلانے والی اور اس کا خاوند اور ان دونوں کے اقرباء داخل ہوں گے، اور دوسرے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ دودھ پینے والے کی جانب سے دودھ پلانے والی اور اس کے زوج پر تمام فروع اور اس کے زوج یا زوجہ کی قرابت ثابت ہوگی، انتہی (ت)

ظاہر ہے یہ محض ترجمہ ہے، صرف اتنا زائد ہے کہ ہمہ سے مراد محارم نسبی ہیں، یہ غلط ہے کہ ماں باپ کے جتنے علاقہ والے اولاد پر حرام ہوتے ہیں نسبی ہوں خواہ رضاعی صہری، وہ خود ماں باپ کے محارم ہوں یا نہ ہوں۔ جہاں جہاں معنی محرم فی النسب موجود ہو سب مراد ہیں، مثلاً رضاعی ماں باپ کے رضاعی ماں باپ بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم رضاعی ہیں نہ کہ نسبی، یوں ہی رضاعی ماں باپ کے سوتیلے ماں باپ رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں کہ وہ رضیع کے رضاعی نانا دادا کی بیبیاں ہیں اور رضیعہ کے رضاعی نانی دادی کے شوہر حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم صہری ہیں نہ کہ نسبی، یونہی رضاعی باپ کے دوسری بی بی رضاعی ماں کا دوسرا شوہر رضیع ورضیعہ پر حرام ہیں کہ وہ ان کے سوتیلے ماں باپ ہیں حالانکہ وہ رضاعی ماں باپ کے محارم ہی نہیں بلکہ حلیل وحلیلہ ہیں، تو قرابت محرمہ اور نسبیہ دونوں قیدیں غلط ہیں بلکہ سرے سے لفظ قرابت ہی ٹھیک نہیں کہ مصرع اول میں لفظ ھمہ مرضع کے زوجین کو بھی یقیناً شامل، اور زوجیت داخل قرابت نہیں، تفسیر نیشاپوری میں ہے:

امك من الرضاع کل انثی ارضعتك اوارضعت من ارضعتك[2]۔	تیری رضاعی ماں سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ عورت جس نے تجھے یا تیری رضاعی ماں کو دودھ پلایا ہو (ت)

ہندیہ میں ہے:

المحرمات بالصهریة اربع فرق، الرابعة	نکاح کی وجہ سے محرمات کے چار گروہ ہیں، چوتھا

[1] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الرضاع مجتبائی دہلی ۲/۶۷

[2] غرائب القرآن (نیشاپوری) تحت آیت حرمت علیکم امہاتکم الخ مصطفی البابی مصر ۵/۸

نساء الآباء والاجداد من جهة الاب والام وان علوا كذا فی الحاوی القدسی[1]۔	ماں باپ کی طرف سے سگے باپ دادوں کی بیویاں اگرچہ یہ باپ دادے اوپر تک ہوں، حاوی القدسی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

پھر لکھا:

المحرمات بالرضاع کل من تحرم بالقرابة و الصهریه كذا فی محیط للسرخسی[2]۔	رضاعی محرمات وہ تمام جو قرابت اور نکاح سے حرام ہوتے ہیں۔ محیط سرخسی میں یوں ہی ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لایجوز له ان یتزوج بامه ولا بموطوة ابیه ولا ببنت امرأته کل ذٰلك من الرضاع[3]۔	اس کو یہ جائز نہیں کہ وہ ماں، باپ کی وطی کردہ(بیوی)اور اپنی بیوی کی بیٹی ان رضاعی رشتوں سے نکاح کرے۔(ت)

غرض فقیر نے نہ دیکھا کہ اس شعر کا ایضاح کسی نے کیا ہو۔اور اہل زمانہ کو اس کی فہم میں دقتیں بلکہ سخت لغزشیں ہوتی ہیں لہذا بقدر حاجت اس کی شرح کردینی مناسب۔

فاقول: وبالله التوفیق(پس میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)اصل علت حرمت جزئیت ہے کہ نسب میں ظاہر اور رضاع میں کراہت انسان کے لیے شرع کریم نے معتبر فرمائی اور عرف میں بھی معروف ومشتہر ہوئی جس کے لحاظ سے "**وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ**" فرمایا،اور زوجیت کا مرجع بھی جانب جزئیت ہے **کما حققه فی الهدایه والکافی والتبیین وغیرها**(جیساکہ ہدایہ،کافی اور تبیین وغیرہ میں تحقیق ہے۔ت)مگر زوجیت میں اس کا تحقق نہایت غموض میں ہے کہ مدارک عامہ اس تک وصول سے قاصر،لہذا صاحب ضابطہ نے شعر میں دو علاقے رکھے،ایک زوجیت دوسرا جزئیت،عام ازیں کہ یہ نسبًا ہو یا رضاعًا،پھر دو۲ شخصوں میں علاقہ جزئیت کی دوصورتیں ہیں: ایک یہ کہ ان میں ایک دوسرے کا جز ہو،دوسرے یہ کہ دونوں تیسرے کے جز ہوں،صورت اولٰی میں دو قسمیں پیدا ہوئیں،اصول،جن کا تو جز ہے یعنی باپ،دادا،نانا،ماں،دادی،نانی جہاں تک بلند ہوں نسبًا خواہ رضاعًا،اور فروع جو تیرے جز میں ہیں یعنی بیٹا،پوتا، نواسا،بیٹی،پوتی،نواسی جہاں تک نیچے جائیں،اور صورت ثانیہ میں تین صورتیں ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح فی بیان المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۷۷

[3] تبیین الحقائق کتاب الرضاع مطبع الکبرٰی الامیریہ مصر ۲/ ۱۸۳

(۱) دونوں ثالث کے جز قریب ہوں، یہ عینی یا علاتی یا اخیافی بھائی یا بہنیں یا بہن بھائی ہوئے، عام ازیں کہ دونوں اس کے جز نسبی ہوں یا دونوں رضاعی یا ایک نسبی ایک رضاعی۔

(۲) ان میں ایک تو ثالث کا جز قریب ہو اور دوسرا بعید، یہ انہی تعمیموں کے ساتھ عمومت اور خولت کا رشتہ ہوا، جزء قریب اپنے یا اپنے ماں یا باپ یا دادا یا دادی یا نانا نانی کے چچا ماموں خالہ پھوپھی، اور جزء بعید انہی نسبتوں پر ان کے مقابل بھتیجا بھانجا بھتیجی بھانجی،

(۳) دونوں ثالث کے جز بعید ہوں جیسے ایک شخص کا پوتا اور نواسی، یہ تیسری صورت تحریم سے ساقط ہے خالص نسب میں بھی حلال ہے تو حرمت میں چار صورتیں ہیں:

اول اصل، دوم فرع، یہ دونوں کتنے ہی نزدیک یا دور ہوں تو فروع میں فروع الفروع اور فروع فروع الفروع لاالٰی نہایہ سب داخل ہیں۔ یونہی اصول میں اصول الاصول اور اصول اصول الاصول الٰی غایۃ المنتہی، سوم اصل قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو جیسے ماں یا باپ کی پوتی نواسی اور ان کی اولاد و اولادِ اولاد۔ چہارم اصل بعید کی فرع قریب جیسے پھوپھی کہ دادا کی بیٹی ہے یا خالہ کے نانا کی یا دادا کی پھوپھی کہ پر دادا کے باپ کی بیٹی ہے یا اس کی خالہ کہ دادا کے نانا کی بیٹی ہے وقس علیہ (اور قیاس اسی پر ہے۔ت) چار یہ اور پانچواں علاقہ زوجیت انھیں شیر دہ اور شیر خوارہ ہر ایک کی طرف نسبت کرنے سے دس ہوئے، پھر اصل تعلق رضیع اور مرضعہ میں پیدا ہوتا ہے، رضیع اس کا جزء ہوتا ہے اور مرضعہ اس کی اصل، اور جب وہ ماں ہوئی تو جس مرد کا دودھ تھا وہ ضرور باپ ہوگیا، اور ان کے فروع قریبہ اس کے اصل قریب کے فروع قریب، اور فروع بعیدہ اس کے اصل قریب کے فرع بعید، اور ان کے اصول اس کے اصول کہ اصل کی اصل اصل ہے، لاجرم جانب شیر دہ سے سب علاقے متحقق و موجب تحریم ہوئے، مگر فرع کی اصل نہ اپنی اصل ہونا لازم نہ فرع، تو شیر خوارہ کے اصول کو شیر دہ سے کچھ تعلق نہ ہوا، اور جب خود اصول غیر متعلق رہے تو اصول کے فروع قریبہ یا بعیدہ اس حیثیت سے کہ ان اصول کے فروع میں کیا علاقہ رکھیں گے کہ ان کا علاقہ تو بواسطہ اصول ہوتا۔ وہ خود بے تعلق ہیں، ہاں فرع کی فرع ضرور فرع ہوتی ہے تو جانب شیر خوارہ سے صرف دو علاقے ثابت و باعث حرمت ہوئے۔

زوجیت و فرعیت__اب ان کی تفصیل اور ہر ایک میں معنی خویش شوند سمجھئے **(از جانب شیر دہ)**

اول زوجین یعنی مرضعہ کا شوہر کہ یہ دودھ جو رضعیہ نے پیا اس کا نہ تھا دوسرے شوہر کا تھا، یا مرضع کی زوجہ کہ رضیع نے اس کا دودھ نہ پیا بلکہ دوسری زوجہ کا، یا مرضع و مرضعہ کے اصول میں نزدیک و دور کسی کے زوج و زوجہ کہ سلسلہ شیر ان سے نہ ہوئے، یہ سب رضیع و رضیعہ پر حرام ہیں اور یہاں **خویش شوند** کے معنی یہ ہیں کہ وہ رضیعین کے سوتیلے ماں باپ یا سوتیلے دادا دادی، نانا نانی ہوگئے۔

دوم اصل کہ خود مرضع و مرضعہ ہیں یعنی وہ عورت جس نے دودھ پلایا اور وہ مرد جس کا یہ دودھ تھا اور ان کے

اصول نسبی ورضاعی پدری مادری منتہی تک اور یہاں خویش کے یہ معنی ہیں کہ مرضع ومرضعہ رضیعین کے ماں باپ ہوگئے،اور ان کے اصول ان کے سگے دادا دادی نانا نانی۔

سوم فرع کہ خود رضیعین ہیں اور رضیعین کے جملہ فروع نسبی ورضاعی پسری ودختری انتہاتک،اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب مرضع ومرضعہ کے بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی ہوگئے۔

چہارم اصل قریب کی فرع یعنی مرضعین کے نسبی،رضاعی فروع وفروع الفروع آخر تک اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب رضیعین کے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی ہوگئے،پھر وہ اگر مرضع ومرضعہ دونوں کی فرع الفرع ہیں تو عینی اور صرف مرضع کے فروع ہیں تو علاتی اور صرف مرضعہ کے تو اخیافی۔

پنجم اصل بعید کی فرع قریب یعنی مرضعین کے اصول واصول الاصول نسبی ورضاعی کے فروع قریب نسبی خواہ رضاعی،اور یہاں یہ معنی کہ یہ سب رضیعین یا رضیعین کے اصول رضاعی چچا ماموں پھوپھی خالہ ہوگئے۔

(از جانب شیر خوارہ) اول زوجین یعنی رضیع کی زوجہ اور رضیعہ کا شوہر یا رضیع ورضیعہ کے فروع نسبی رضاعی میں کسی کے زوج وزوجہ کہ یہ سب مرضعین پر حرام ہوگئے،اور یہاں یہ معنی کہ وہ مرضعین کے دور یا نزدیک کے داماد اور بہو ہوگئے۔

دوم فرع کہ رضیعین کی تمام اولاد واولاد اولاد جہاں تک جائے، نسبی ہو یا رضاعی،سب مرضعین کی اولاد اولاد ہوگئے، مگر رضیعین کے اصول یا فروع قریبہ وبعیدہ اصول کو مرضعین سے کچھ علاقہ نہ ہوا۔ الحمدللہ شعر کے یہ معنی ہیں،ان تمام تاصیلات وتفریعات پر کہ ہم نے ذکر کیں اگر نصوص لائیں موجب اطالت ہو اور حاجت نہیں کہ اول **بحمداللہ تعالٰی** یہ سب مسائل خادم فقہ پر خود ظاہر،ثانیا ان پر نصوص کتب مذہب میں دائر وسائر۔**والحمدللہ فی الاول والاٰخر** مسئلہ نے بحمداللہ تعالٰی وضوح تام پایا۔اب فتوائے خلاف کی طرف چلئے اگرچہ حاجت نہ رہی:

اولا اس تشریح سے کھل گیا کہ یہ شعر تحریم صورت مسئولہ میں نص صریح تھا جسے برعکس دلیل گمان کیا گیا،کاش اتنا ہی خیال کرلیا جاتا کہ جانب شیر خوارہ سے فروع کا خویش مرضعین ہوجانا کیا معنی دے رہا ہے فروع شیر خوارہ شیر دہ کے خویش ہوجانے میں کوئی معنی ہی نہیں سوااس کے کہ شیر خوارہ کی اولاد شیر دہ کی اولاد اولاد ہوگئی،پھر وہ اولاد شیر دہ پر کیونکر حلال ہوسکتی ہے، کون سی شریعت میں ہے کہ اپنے ماں باپ کی پوتی نواسی اپنے لیے حلال ہو جس بچہ سے چاہے پوچھ دیکھئے کہ ماں باپ کی پوتی اپنی بھتیجی ہوتی ہے اور نواسی اپنی بھانجی اور تمام جہان جانتا ہے کہ شریعت اسلامیہ میں بھتیجی اور بھانجی حرام قطعی ہے۔سوئے اتفاق سے یہ گمان ہوا کہ فروع شیر خوارہ کو شیر دہ کے خویش بتایا ہے نہ کہ اولاد شیر دہ کے،اور نہ جانا کہ یہاں شیر دہ کے خویش ہونے کو اولاد شیر دہ کے لیے خویش ہونا قطعاً لازم بین ہے،یہ کیونکر متصور کہ آدمی کی ماں باپ کی اولاد

اپنی کوئی نہ ہو، شیر دہ کی طرف اضافت بوجہ اصالت ہے کہ اول اسی کے لیے ثابت ہو کہ باقیوں کی طرف سرایت کرتی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

حقیقۃ الحال ان حقیقۃ البعضیۃ تثبت بین المرضعۃ والرضیع فثبتت حرمۃ الابنیۃ ثم انتشرت لوازم تحریم الولد[1]۔	حقیقت حال یہ ہے کہ دودھ پلانے اور دودھ پینے والوں کے درمیان جزئیت حقیقیہ پائی جاتی ہے جو ابنیت کی حرمت کو ثابت کرتی ہوئی بچے کی تحریم کے تمام لوازمات میں پھیل جاتی ہے۔(ت)

ثانیاً کاش مفتی نے اپنی ہی عبارت کو شعر سے ملا کر دیکھا ہوتا تو بہ نگاہ اولین کھل جاتا کہ دونوں طرفین نقیض پر ہیں۔ شعر تو صاف بتارہا ہے کہ حرمت رضاعت رضیع کی طرف زوجین وفروع رضیع کو شامل ہوتی ہے اور آپ کہتے ہیں کہ خاص رضیع کے لیے ہوتی ہے رضیع کے فروع کے لیے نہیں ہوتی صاف صاف نفی واثبات کا خلاف ہے اس کی نظیر اس سے بہتر کیا ہو سکتی ہے کہ زید کہے بیٹے کے لیے ماں حلال ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے: **حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ أُمَّهَٰتُكُمۡ**[2] (تم پر تمھاری مائیں حرام کی گئی ہیں۔ت)

ثالثاً آگے تفریع میں فرماتے ہیں: "پس فروع رضیع پر فروع مرضعہ ہر گز حرام نہیں" آپ کی اس اصل بے اصل کی یہ پوری تفریع نہ ہوئی، جب آپ کے نزدیک حرمت رضاعت جانب رضیع میں صرف رضیع کی ذات پر مقصور ہے، اس کے اصول کی طرح فروع کو بھی شامل نہیں۔ تو تفریع یوں کیجئے کہ فروع رضیع خود مرضع ومرضعہ پر بھی حرام نہیں جس طرح اصول رضیع ان پر حرام نہیں۔ وہاں تک تو بھانجی بھتیجی حلال ہوئی تھی اب پوتی نواسی حلال ہو گئی۔

رابعاً عبارت شرح وقایہ کا جو مفاد ٹھہرایا کاش اتنا ہی ہوتا کہ عبارت اس سے بے علاقہ محض ہوتی مگر زنہار ایسا نہیں بلکہ عبارت یقینا قطعاً اس کا رد کر رہی ہے عبارت جس شے کی خاص حرمت بیان کرنے کو لکھی گئی، اس اختراع مفاد نے وہی حلال کردی جیسا کہ بحمد اللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا، آخر نہ دیکھا کہ نص ہفتم میں مستخلص نے عبارت شرح وقایہ کا کیا مطلب ٹھہرایا۔

خامساً بلکہ نص ۱۷ و ۲۱ میں دیکھئے کہ خود امام شارح وقایہ نے کیا فرمایا اور اپنا مطلب کیا بتایا۔ **الحمد للہ** اس روشن مسئلہ کا روشن تر کرنا جس طرح مقصود فقیر تھا کہ ہر بات بچے کرکے پڑھادی جائے بروجہ اتم

---

[1] فتح القدیر کتاب الرضاع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۱۴

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

حاصل ہوگیا، احباب پر تو یہ سخت شدید عظیم فرض ہے۔السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ کی پوشیدہ اور علانیہ کی علانیہ۔ت) معاملہ حرام قطعی کا ہے جس سے اغماض ناممکن تھا، رجوع الی الحق میں عار نہیں بلکہ تمادی علی الباطل میں۔ اور معاذ اللہ اس باطل و مہمل فتوی پر عمل ہو کر اگر نکاح ہوگیا تو یہ زنا، اور زنا بھی کیسا زنائے محارم۔ اس کا عظیم وبال تمام فتوی دہندوں پر رہے گا۔ اور ہر حرکت ہر بوسہ ہر مس کے وقت روزانہ رات دن میں خدا جانے کتنے کتنے بار یہ کبائر وجرائم ان سب کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتے رہیں گے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ [1]۔ رواہ ابوداؤد والدارمی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جسے بغیر علم کے فتوی دیا گیا تو اس کا گناہ فتوی والے پر ہے۔ اس کو ابوداؤد، دارمی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم کامل و محکم ہے۔ (ت)

کتبـــــــــــــہ

العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

○ الجواب صحیح والمجیب نجیح۔
مصطفٰی رضا خاں قادری عرف ابوالبرکات محی الدین

○ الجواب صحیح۔
نواب مرزا عبدالغنی قادری سنی حنفی بریلوی

○ الجواب صحیح۔ واللہ اعلم
محمد عبدالرب عرف محمد رضا خان قادری

○ الجواب صحیح۔
محمد امجد علی اعظمی

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱۵۹/۲، المستدرک کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱۲۶/۱

O فقیر غفراللہ القدیر نے مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجت قاہرہ، علامہ رحلہ، امام المسلمین اعلیحضرت مولانا وسیدنا ومفیدنا ومفیضنا مولوی محمد احمد رضاخان صاحب متع اللہ الناس بافاداتہ الی یوم الدین کے جواب کے بنظر غائر حرفا حرفا دیکھا عین صواب پایا جزاہ اللہ خیر الجزاوکالہ بالمکیال الاوفی فقط۔

فقیر قادری وصی احمد حنفی

الجواب صحیح وموثق بنصوص الصحیح وروایات المستند جزاہ اللہ خیر الجزا فی الدارین لراقم الفاضل الجلیل وعلامۃ النبیل اٰیۃ من اٰیات اللہ۔	جواب صحیح اور صحیح نصوص اور مستند روایات سے مضبوط کیا ہوا ہے، اللہ تعالٰی دونوں جہان میں جواب لکھنے والے عالم جلیل، علامہ نبیل، اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے نشانی کو بہتر جزاعطافرمائے۔(ت)

حکیم مفتی سلیم اللہ ناظم انجمن نعمانیہ، لاہور

O ماحققہ عمدۃ العلماء الاعلام زبدۃ الفقہاء الکرام قدوۃ الفضلاء العظام امام النبلاء الفخام قاطع ورید المروۃ اللئام مظہر الکلمات العرفانیۃ کاشف الاٰیات الربانیۃ حامی السنۃ واھل السنۃ ماحی آثار الکفر والبدعۃ وحید العصر فرید الدھر مجدد الزمان سیدنا العریف الماھر مولانا المولوی محمد احمد رضاخان سلمہ اللہ المنان فھو حق صراح وصدق قراح والحق احق بالاتباع وفقنا اللہ تعالٰی وسائر المسلمین والصلوۃ والسلام علی ختم المرسلین والہ وصحبہ حماۃ الدین۔ کتب العبد المفتقر الی ربہ الاکبر محمد عمر المراد آبادی۔	بلند علماء میں عمدہ، فقہاء کرام میں منتخب، بڑے فضلاء کے مقتداء، بڑے ماہرین کا امام، سرکش ملعونوں کی رگ کاٹنے والے، عرفانی کلمات کو ظاہر کرنے والے، سنت اور اہلسنت کی حمایت کرنے والے، کفر وبدعت کے آثار کو مٹانے والے، اپنے زمانہ کے بے مثل ماہر مولانا مولوی احمد رضا خان، اللہ تعالٰی منان ان کو سلامت فرمائے، نے جو تحقیق فرمائی وہ خالص حق، صاف سچ، جبکہ حق ہی اتباع کے قابل ہے، اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق دے، صلوٰۃ وسلام ہو خاتم المرسلین اور ان کی آل پر اور دین کی حمایت کرنے والے صحابہ پر۔(ت)

O بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اللہ تعالٰی کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے فضل سے میری آنکھوں کو اس پاکیزہ تحقیق کے انوار سے روشن کیا۔ اللہ تعالٰی جزاعطافرمائے حضرت مجیب کو جن کی تحقیق کا ایک ایک حرف صدق وصواب ہے ومن اعرض فھو من الجاھلین (جس نے اس سے

روگردانی کی وہ جاہلوں میں سے ہے۔ت) فی الواقع حضرت مجدد صاحب دامت برکاتہم کی ذات والا صفات حضرت حق کی ایک شان رحمت ہے، اور بے شمار برکات کا مجموعہ، کتنے اندھوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اور ہزارہا نابیناؤں کو بینا بنادیا، اللہ تعالٰی ایسے فاضل جلیل کو مدت ہائے دراز تک بایں فیض رسانی سلامت رکھے، آمین بحرمت المرسلین صلوٰۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلامہ، بیشک اس مسئلہ کے ایضاح میں تحقیق کے خزانے کھول دئے ہیں اور نادان مفتی کی غلطی کو خوب آشکار کرکے سمجھا دیا ہے، اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو سیدھی راہ چلائے۔ آمین!

العبد المعتصم بحبل اللہ المتین محمد نعیم الدین خصہ اللہ بمزید العلم والیقین

مسئلہ ۲۸۱: از موضع بہار ضلع بریلی مسئولہ عبدالرحمٰن خان صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکے نے سنا کہ میرے والد نے میری بی بی کے ساتھ زنا کیا ہے اس پر اس کو غصہ آیا اور اپنی بی بی کو مارا اور طلاق دے کر مکان سے علیحدہ کردیا یعنی نکال دی۔ لڑکی نے اپنی مہر کی نالش کردی، مہر اس کا جو کچھ تھا اس کی ڈگری ہوگئی۔ لڑکے کا وکیل کہتا ہے کہ طلاق اس نے غصہ میں دی اس وجہ سے طلاق نہیں ہوئی، اور لڑکی کا وکیل کہتا ہے کہ طلاق ہوگئی، اس صورت میں کون سچا ہے؟ کون سے وکیل کی بات مانی جائے؟ یعنی طلاق ہوئی کہ نہیں ہوئی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ صحیح ہے اور ثبوت شرعی سے ثابت ہے کہ اس کے باپ نے اس کی بی بی سے زنا کیا جب تو وہ عورت اپنے شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی۔ اس پر فرض تھا کہ اسے فوراً جدا کردے، جو طلاق دی یہ جدا کرنا ہی ہوا اور اب وہ اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا۔ اور اگر مذکور ثبوت شرع سے ثابت نہ ہو نہ لڑکے نے اس کی تصدیق کی ہو تو یہ طلاق طلاق ہوئی اور مجرد غصہ کا عذر مسموع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲ تا ۲۸۴: از غازی پور محلّہ بربرہنہ برمکان منشی واجد علی صاحب مسئولہ محمد ادریس صاحب ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں (۱) کہ زید عمر ۱۶ سال، بی بی عمر ۲۵ سال سے جو کہ رشتہ میں زید کی ممانی ہوتی ہے ہمیشہ مذاق و تفریح کرتا رہا ہو کسی وقت میں زید نے جمیلہ کا ہاتھ یا پیر پکڑ لیا ہو اور ایک مرتبہ بوسہ بھی لے لیا ہو ازروئے شہوت مذاق کے۔ کچھ عرصہ کے بعد بکر جو کہ رشتہ میں زید کا باپ ہے صغرٰی سے جو کہ جمیلہ کی لڑکی ہے نکاح کرنا چاہتا ہے اور زید ازروئے شرم وحیا کے اس بات کو ظاہر نہیں کرسکتا ہے تو ایسی حرکت میں نکاح ہوگا یا نہیں؟ اگر نہ ہو تو اور کوئی صورت جواز کی نکل سکتی ہے ازروئے کفارہ کے

یا نہیں؟

(۲) اور اگر نکاح کر دیا ہو اس وقت میں کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۳) اور ہماری طرف ممانی اور بھاوج سے مذاق اور تفریح کرنا کچھ عیب میں داخل نہیں؟

الجواب:

بھاوج یا ممانی سے ایسا مذاق حرام قطعی ہے اور کرنے والا اور وہ عورت دونوں فاسق، اور ان کے شوہر باپ بھائی اگر اس پر راضی ہوں دیوث ہیں۔ اور دیوث پر جنت حرام، اور صغرٰی سے بکر کا نکاح حلال ہے، درمختار میں ہے: **اما بنت زوجة ابیه وابنه فحلال**[1] (اور اپنے باپ کی زوجہ یعنی سوتیلی ماں کی بیٹی جو باپ کے نطفے سے نہیں اور اپنے بیٹے کی زوجہ کی بیٹی جو بیٹے کے نطفہ سے نہیں وہ حلال ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۵ تا ۲۸۶: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک بہن کا لڑکا ہے اور دوسری بہن کی دختر لڑکی ہے یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

(۲) سالی حقیقی سے نکاح اس وقت میں جائز ہے کہ اپنے بیٹے کا نکاح بھی سالی کی دختر سے کیا جائے اور بر تقدیر جائز بھی ہے تو پہلے کس کا نکاح ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہاں جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جب عورت مرجائے یا اسے طلاق دے اور عدت گزر جائے تو سالی سے نکاح جائز ہے۔ اور سالی کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا نکاح مطلقًا جائز ہے، خواہ پہلے اس کا نکاح کرے یا اپنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از مدرسہ رحمانیہ رائے بریلی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ زید کی دوسری زوجہ ہے اور زید کی زوجہ اولٰی کے چند لڑکے ہیں ان میں سے ایک لڑکے نے ہندہ سے کئی بار اظہار تعشق کیا اور کہا کہ ہم تم بھاگ چلیں۔ اور کئی بار اپنا آلہ منتشر ہندہ کے ہاتھ میں بلا حجاب کسی کپڑے کے پکڑا دیا۔ کئی بار بوسہ لے لیا۔ اور دو مرتبہ آمادہ زنا ہو گیا یہاں تک کہ ازار کھول دیا اور پوری کوشش کی کہ دخول کرے۔ مگر ایک مرتبہ کسی نے آواز دے کر برا بھلا کہا، اور ایک مرتبہ ہندہ پوری کوشش کرکے بھاگ نکلی، ان وجوہ سے ہندہ کا پردہ عصمت

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۷

چاک نہیں ہوا، مگر ان سب صورتوں میں ہندہ متنفر تھی اور اس کو کبھی شہوت نہیں ہوئی اور ہر مرتبہ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو خبر دی مگر اس نے سمجھا دیا کہ لڑکے کا معاملہ ہے بدنامی بہت ہوگی اس کا اظہار نہ کرو۔ مگر لڑکے کو بہت برا بھلا کہا اور ساتھ کھانا چھوڑ دیا اور مارا بھی، مگر لڑکا اپنی حرکات ناشائستہ سے باز نہیں آیا۔ اب ایسی صورت میں ہندہ زید پر حرام ہوگی یا نہیں؟ اور اگر حرام ہوگئی تو وہ اپنا نکاح دوسرا بلاطلاق زید کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح کر سکتی ہے تو عدت بیٹھنا ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

جبکہ پسر زید نے زن زید سے یہ افعال خبیثہ کئے کہ قطعاً بہ شہوت تھے تو زن زید زید پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی اگرچہ زن زید کی طرف سے شہوت نہ ہونا تسلیم کرلیا جائے کہ مس میں ایک طرف سے شہوت کافی ہے، درمختار میں ہے: **تکفی الشھوۃ من احدھما**[1] (دونوں میں سے ایک کا شہوت سے ہونا کافی ہے۔ت) مگر نکاح زائل نہ ہوا، زید پر لازم ہے کہ عورت سے متارکہ کرے یعنی اسے چھوڑ دے، مثلاً کہے میں نے تجھے چھوڑا، اس کے بعد عورت عدت کرے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، زید یا پسر زید سے کبھی نہیں کر سکتی، زید کی بیٹی کی جگہ ہوگئی اور پسر زید کی ماں کی جگہ تھی ہی، جب تک زید متارکہ نہ کرے اور عدت نہ گزرے دوسرے سے نکاح حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل التزوج بآخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	حرمت مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا تاوقتیکہ بعد متارکہ عدت نہ گزر جائے دوسرے شخص سے نکاح جائز نہیں۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از روضہ حضرت مجدد الف ثانی سرہند شریف مسئولہ عبدالقادر صاحب مدرس درگاہ شریف ۳۰ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزائی مذہب شخص کی دختر نابالغہ سے جو عقد نکاح ہوگیا ہے وہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ دختر مذکورہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے۔ والد اس کا انتقال کرچکا ہے صرف اس کی والدہ نے نکاح ایک حنفی مذہب سے کردیا ہے، ایسی صورت میں شرعاً کیا حکم ہے اس کو علیحدہ کردیا جائے یا تاوقت بلوغ رکھا جائے۔ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] درمختار فصل فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

الجواب:

مرزائی مرتد ہیں **کما ھو مبین فی حسام الحرمین** (جیسا کہ حسام الحرمین میں واضح بیان کیا گیا ہے۔ت) اور مرتد مرد ہو یا عورت اس کا نکاح کسی مسلمان یا کافر اصلی یا مرتد غرض انسان یا حیوان جہان بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا۔ جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذافی المبسوط[1]۔	مرتد کے لیے مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اور اس طرح مرتدہ عورت کا بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے۔(ت)

عورت اگرچہ نابالغہ ہے سال دو سال کی ناعاقلہ بچی نہ ہوگی اور عقل و تمیز کے بعد اسلام وارتداد صحیح ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

اذا ارتد صبی عاقل صح کاسلامہ[2]۔	بچہ اگر مرتد ہوجائے تو اس کا ارتداد صحیح ہے جیسے اس کا اسلام لانا صحیح ہے۔(ت)

سمجھ وال ہونے کی حالت میں اگر اس نے مرزائیت قبول کی یا اتنا ہی جانا کہ مرزا نبی یا مسیح یا مہدی تھا تو اسی قدر اس کے مرتدہ ہونے کو بس ہے، تجربہ ہے کہ یہ مرتد لوگ بچپن سے اپنی اولاد کو اپنے عقائد کفریہ سکھاتے ہیں تو سائل کا کہنا کہ اپنے مذہب کو کچھ نہیں جانتی ہے بعید از قیاس ہے۔ پھر ان لوگوں میں سے ایسی قرابت قریبہ رکھنا بارہا منجربہ فتنہ وفساد مذہب ہوتا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، تو سلامتی اسی میں ہے کہ اس کو فوراً جدا کردیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: از ریاست فرید کوٹ کوٹھی ملیر گنج مسئولہ علیم الدین صاحب فراش ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ غیر مقلدوں کے ساتھ تعلقات رکھنا اور ان کے ساتھ رشتہ ناتا اپنے لڑکے لڑکی کا جائز ہے یا حرام؟ اور اگر حرام ہے تو حنفی المذہب اپنی لڑکی کو کسی طور سے واپس لے سکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیر مقلدوں سے میل جول حرام ہے اور ان سے مناکحت ناجائز **کما بیناہ فی رسالتنا ازالۃ العار**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۱

بحجر الکرائم عن کلاب النار (جیساکہ ہم نے اپنے رسالہ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار میں بیان کیا ہے۔ت) وہابیت ارتداد ہے اور مرتد مرد ہو یا عورت اس کا نکاح تمام جہان میں کسی سے نہیں ہو سکتا، نہ کافر سے، نہ مرتد سے، نہ مسلمان سے، نہ انسان سے، نہ حیوان سے، جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذافی المبسوط [1]۔	مرتد کو مرتدہ، مسلمہ اور اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں۔ اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں۔ مبسوط میں ایسی ہی ہے۔ (ت)

حنفی اگر اس میں مبتلا ہوا ہو تو اپنی لڑکی اسی دعوے سے واپس لے کہ نکاح ہوا ہی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از مند سورہ مالوہ اے، وی، ایم، سکول ریاست گوالیار مسئولہ محمد عبدالحمید صاحب مدرس ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ایک بیوہ عورت حاملہ ہوگئی اور بروقت تحقیقات پولیس مسماۃ مذکورہ نے بیان کیاکہ یہ حمل خاص میرے داماد کا ہے۔ ایسی حالت میں منکوحہ داماد مسماۃ مذکورہ کی حرام ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

فقط اس عورت کے کہنے سے داماد پر اس کی منکوحہ حرام نہیں ہوسکتی۔ یا تو ثبوت شرعی ہو یا داماد اقرار کرے۔ اس وقت اس کی منکوحہ پر حرام ابدی ہونے کا حکم دیا جائے گا ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: از بستی محلّہ دکھن دروازہ دھنیاٹولہ مسئولہ بقرعیدن صاحب ضلعدار محکمہ افیون ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ دو برس سے مفرور ہوگئی ہے اور نہ طلاق دی نہ اس کا کچھ پتا ہے کہ زندہ ہے یا مرگئی، زید اپنی بی بی کی حقیقی بہن سے چاہتا ہے کہ نکاح کروں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز، **قال تعالٰی: وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ** [2] (دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۳

زید اگر چاہتا ہے تو زوجہ کو طلاق دے اور تا انقضائے عدت انتظار کرے اس کے بعد اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے، انقضائے عدت یہاں ظن غالب سے لیا جائے گا **فانہ ملتحق فی الفقھیات بالیقین** (فقہ میں یہ یقین سے ملحق ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲تا ۲۹۳: از احمد نگر دکن گنج بازار متصل مسجد شاہی مسئولہ محمد ابراہیم صاحب خطیب حنفی قادری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) زید و عمرو حقیقی بھائی ہیں، عمرو اپنے پوتے کے ساتھ زید کی لڑکی کا نکاح کرانا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے چھ ماہ کی عمر میں زینب کا دودھ ہندہ کے ساتھ پیا اور ہندہ کی عمر چار سال کی تھی، کیا زینب کی تیسری لڑکی سے زید کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) یہ نکاح جائز ہے کہ حقیقی پھوپھی نہیں رشتہ کی پھوپھی ہے۔ **قال تعالٰی: وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ**[1] (اور ان کے سوا جو رہیں وہ تمھیں حلال ہیں۔ت) یعنی بھتیجی سے بیٹے کا نکاح جائز ہے حالانکہ وہ رشتہ میں اس کی بہن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زینب زید کی ماں ہوگئی اور زینب کی جتنی اگلی پچھلی اولاد ہے سب زید کی بہن بھائی، زینب کی کسی لڑکی سے زید کا نکاح جائز نہیں۔ **قال تعالٰی: وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ**[2] (اور تمھاری رضاعی بہنیں حرام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۴: مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو حقیقی بہنیں ان کا نکاح زید و اس کے حقیقی لڑکے کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ اور جن لوگوں میں ایسا جائز ہے ان کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب

شرعاً جائز ہے کہ ایک بہن کا نکاح باپ اور دوسری کا بیٹے سے ہو، اس میں کچھ حرج نہیں جبکہ کوئی مانع شرعی اور وجہ سے نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۵: از شاہجہاں پور مسئولہ خان بہادر فصیح الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر ۲۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان عورت یا مرد کسی دوسرے مذہب کے مرد یا عورت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

سے مثلاً بدھ، جین، ہندو، دہریہ وغیرہ سے مناکحت کرسکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں کہ وہ غیر مذہب والا مرد یا عورت اسلام قبول نہ کرے اور اپنے مذہب پر قائم رہے، اگر نہیں کرسکتا ہے تواس بارہ میں احکام کلام مجید کیا ہیں؟ براہ مہربانی ان آیات کو درج فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان عورت کا نکاح مطلقاً کسی کافر سے نہیں ہوسکتا۔ کتابی ہو یا مشرک یا دہریہ یہاں تک کہ ان کی عورتیں جو مسلمان ہوں انھیں واپس دینا حرام ہے۔

قال تعالٰی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ[1]۔	اے ایمان والو! جب تمھارے پاس اسلام لانے والی عورتیں کافروں کا دیار چھوڑ کر آئیں توان کی آزمائش کرو، اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پھر اگر تمھیں آزمائش سے ان کا ایمان ثابت ہو تو انھیں کافروں کو واپس نہ دو، نہ مسلمان عورتیں کافروں کے لیے حلال ہیں اور نہ کافر مسلمان عورتوں کے لیے حلال ہیں۔

مسلمان مرد کافرہ کتابیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔

قال تعالٰی: اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ[2]۔	آج کے دن ستھری چیزیں تمھارے لیے حلال کی گئیں اور کتابیوں کا ذبیحہ تمھارے لیے حلال ہے اور تمھارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور تمھارے لیے حلال کی گئیں پارسا مسلمان عورتیں اور عفت والی کتابیہ عورتیں جب تم انھیں ان کے مہر دو۔

لیکن غیر کتابیہ سے مسلمان مرد کو نکاح حرام ہے۔

قال تعالٰی: وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ[3]۔	مشرکہ یعنی غیر کتابیہ سے نکاح نہ کرو جب تک ایمان نہ لائیں اور بیشک ایک مسلمان باندی کافرہ غیر کتابیہ سے اچھی ہے اگرچہ وہ کافرہ تمھیں پسند آئے۔

یہ حکم کافران اصلی کا ہے، مرتد ومرتدہ کا نکاح تمام عالم میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ مسلم سے، نہ کافر سے، نہ اصلی

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/۱۰

[2] القرآن الکریم ۵/۵

[3] القرآن الکریم ۲/۲۱

سے نہ مرتد سے۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذافی المبسوط[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں اور یوں ہی مرتدہ کو بھی کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۶: از بنگالہ مدرسہ معین الاسلام ڈاک خانہ جنگل آباد اہل موضع کادکا کسی ضلع جسر مسئولہ عبدالصمد صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بی بی یعنی اپنی بہو سے زنا کیا اب وہ بی بی مذکورہ کو اپنے شوہر کے لیے حلال رہے گی یا نہیں؟ اور وہ دونوں کے درمیان نکاح باقی رہے گا یا طلاق ہوگئی؟ اگر طلاق ہوگئی تو کس قسم کی؟ اور علت طلاق ہونے کی کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

لوگ اپنی طرف سے خیالات باطلہ باندھ لیتے یا فقط دو ایک شخصوں یا صرف عورت کے کہنے پر اتہام لگاتے ہیں اس کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ شہادت عادلہ شرعیہ ہو یا شوہر تصدیق کرے اس وقت حرمت کا حکم دیا جائے گا۔ عورت ہمیشہ کے لیے اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی کہ اس کے باپ کی مدخولہ ہوگئی اور باپ کی مدخولہ بیٹے پر حرام ابدی ہے، **قال تعالٰی:** **وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ**[2] (جن سے تمہارے باپ نکاح کرلیں تم ان سے نکاح نہ کرو۔ت) مگر طلاق نہ ہوئی، نہ نکاح سے خارج ہوئی جب تک شوہر متارکہ نہ کرے، مثلاً اس سے کہے میں نے تجھے چھوڑ دیا یا جدا کیا، جب یہ کہے گا اور عدت گزر جائے گی اس وقت عورت کسی تیسرے شخص سے نکاح کرسکے گی، ان دونوں باپ بیٹوں پر تو ہمیشہ کے لیے حرام ہے، شوہر پر فرض ہے کہ اسے متارکہ کردے کہ اب اسے رکھ نہیں سکتا تو چھوڑنا لازم۔ **قال تعالٰی:** **فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ**[3] (تو ہمدردی سے پاس رکھو یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو۔ت) درمختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی	حرمت مصاہرہ سے نکاح ختم نہیں ہوتا حتی کہ

---

[1] فتاوی ہندیہ باب فی المحرمات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۴/۲۲

[3] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

لایحل لها التزوج بأخر الابعد المتارکة وانقضاء العدة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تک متارکہ اور عدت پوری نہ ہوجائے کسی دوسرے کے لیے حلال نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۷: از سواوالہ ڈاک خانہ ریڑھ ضلع بجنور مسئولہ حکیم عبدالرحمان ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

ما قولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کہ زید نے اپنے لڑکے عمرو کی زوجہ سے زنا بالجبر کیا یا زنا کی نیت کی جس کا اقرار دونوں کرتے ہیں، اس صورت میں یہ عورت عمرو کی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور کون سی طلاق واقع ہوئی؟ عدت بھی ہوگی یا نہیں؟ عمرو کے لیے یہ عورت کسی طرح پھر بھی حلال ہوسکتی ہے یا نہیں؟ وقوع زنا، نیت زنا، دواعی زنا، تینوں میں کچھ فرق ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

یہی استفتاء اس سے قبل مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی دیوبند کی خدمت میں ارسال کیا تھا جس کے جواب میں بوجہ انتقال مولانا محمود الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ انھوں نے یہ مختصر جواب دیا تھا کہ: "اگر عمرو اس کا مقر نہیں ہے تو اس کے حق میں اس کی عورت حرام نہیں ہوئی" **انتہی** چونکہ یہ فیصلہ بروئے پنچایت برادری طے ہونے والا ہے اس لیے ضروری ہے کہ کل مسئول عنہا امور کا جواب دیکھنے پر اگر حکم ہو تو برادری میں ان سے انقطاع یا حقہ پانی بند کی سزائے مروج دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا محض ان سے جرمانہ وصول کرکے غربا ومساکین کی دعوت کرائی جائے اور وہ جرمانہ مسجد یا اور کسی نیک کام میں صرف کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

محض نیت زنا سے کچھ نہیں ہوتا اور بیٹے پر اس کی زوجہ حرام ابدی ہونے کے لیے صرف دواعی بھی کافی ہیں۔ اگر عمرو کے قلب پر ان کا صدق جمتا ہے تو لازم ہے کہ وہ عورت کو اپنے اوپر حرام سمجھے،

فان التحری من دلائل الشرع وقول فاسق معتبر اذا وقع التحری علی صدقہ۔	کیونکہ تحری (سوچ کے بعد فیصلہ) شرعی دلائل میں سے ہے اور فاسق کا قول تحری سے تصدیق کے بعد معتبر قرار پاتا ہے۔ (ت)

یونہی اگر عمرو نے ان کی تصدیق کی تو عورت کی حرمت ابدی کا حکم ہے **لان الاقرار حجۃ ملزمۃ** (کیونکہ اقرار اپنے اوپر لازم کرنے کے لیے دلیل ہے۔ت) اور اگر نہ اس نے ان کی تصدیق کی نہ اس کے قلب پر ان کا صدق

[1] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

جمتا ہے تو عورت اس پر حرام نہ ہوئی لان الاقرار حجۃ قاصرۃ لاتعد والمقر (کیونکہ اقرار کمزور دلیل ہے اس لیے مقر کا غیر اس سے متاثر نہیں ہوتا۔ت) پھر جن صورتوں میں عورت اس پر حرام مانی جائے گی ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی، کسی طرح ان باپ بیٹوں کے لیے حلال نہیں ہوسکتی مگر ہنوز طلاق نہ ہوئی، عمرو پر فرض ہوگا کہ اسے چھوڑ دے اور اس کے چھوڑنے کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی، بعد عدت کسی تیسرے سے نکاح کرسکے گی، در مختار میں ہے:

وبحرمۃ المصاہرۃ لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الابعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ [1]۔	حرمت مصاہرہ نکاح کو ختم نہیں کرتی حتی کہ دوسرے شخص سے نکاح، متارکہ اور اس کے بعد عدت گزر جانے کے بغیر جائز نہیں۔(ت)

اگر بصورت حرمت عمرو عورت کو رکھے تو مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں مگر جرمانہ لینا حرام ہے اور اسے مسجد میں صرف کرنا اور دیوبندیوں سے فتوی پوچھنا حرام اور ان کے فتوی پر عمل کرنا حرام، اور انھیں مولنا یا نوراللہ مرقدہ کہنا حرام، تمام علماء کرام حرمین شریفین نے شان الوہیت وشان رسالت میں ان کی سخت گستاخیوں کے سبب ان کی تکفیر پر اتفاق کیا اور حسام الحرمین میں فرمایا: **من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر** [2] یعنی جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہوکر ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔ والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸تا۳۰۰: مسئولہ مولانا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

(۱) ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد مہدی، مسیح موعود اور پیغمبر صاحب وحی والہام ماننے والے مسلمان ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد۔

(۲) بہ شکل ثانی اس کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۳) بہ صورت ثانیہ جس عورت کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے ان عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لیے اور بلاعدت کسی مرد مسلم سے نکاح کرلیں۔ **بینوا آجرکم اللہ تعالٰی**

الجواب:

(۱) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا جو قائل ہو

---

[1] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور ص ۱۳

وہ تو مطلقًا کافر مرتد ہے اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لیے مانے، قال اللہ تعالٰی:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ [1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: انا خاتم النبیین لانبی بعدی [2]۔	لیکن اللہ تعالٰی کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔(ت) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں آخری نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں(ت)

لیکن قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے بالا تفاق تحریر فرمایا ہے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر** [3] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا ہو کافر ہوگیا۔ت) اسے معاذاللہ مسیح موعود کیا مہدی یا مجدد یا ایک ادنی درجہ کا مسلمان جاننا درکنار جو اس کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنی شک کرے وہ خود کافر مرتد ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قادیانی عقیدے والے قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد خواہ عورت کا نکاح اصلا ہر گز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اس کے ہم عقیدہ یا مخالف العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیاطین کسی سے نہیں ہو سکتا جن سے ہوگا زنائے خالص ہوگا۔ فتاوٰی علمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولامسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد، کذافی مبسوط [4]۔	مرتد کو کسی مرتدہ، مسلمہ یا اصلی کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں، ایسے ہی مرتدہ کو کسی مرد سے نکاح جائز نہیں، جیساکہ مبسوط میں ہے۔(ت)

اسی میں دربارہ تصرفات مرتد ہے:

منھا ماھو باطل بالاتفاق نحوالنکاح فلا یجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولامرتدۃ ولاذمیۃ ولاحربیۃ ولامملوکۃ [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بعض وہ چیزیں جو بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح تو اس کے لیے کسی مسلمہ مرتدہ اور اصلی کافرہ اور ذمی عورت، حربیہ اور لونڈی سے نکاح باطل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۴۰/۳۳

[2] جامع الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ الخ امین کمپنی دہلی ۴۵/۲

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

[4] فتاوٰی ہندیہ باب فی المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۲۸۲/۱

[5] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲۵۵/۲

جس مسلمان عورت کا غلطی خواہ جہالت سے کسی کے ساتھ نکاح باندھا گیا اس پر فرض فرض ہے کہ فوراً فوراً اس سے جدا ہوجائے کہ زنا سے بچے اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں، طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو، نکاح ہی سرے سے نہ ہوا، نہ اصلاً عدت کی ضرورت کہ زنا کے لیے عدت نہیں، بلاطلاق بلاعدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، درمختار میں ہے:

نکح کافر مسلمة فولدت منه لایثبت النسب منه ولاتجب العدة لانه نکاح باطل[1]۔	کافر نے مسلمان عورت سے نکاح کیا جس سے اولاد ہوئی تو اس سے نسب ثابت نہ ہوگا، عورت پر عدت واجب نہ ہوگی کیونکہ یہ نکاح باطل ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فالوطء فیه زنا لایثبت به النسب[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی اس میں وطی زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۱: از قصبہ نہٹور ضلع بجنور محلّہ میاں صاحب سادات اول مرسلہ سید محمد مختار احمد صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۴ھ روز چہار شنبہ

مکرم معظم جناب قبلہ مولانا صاحب زاد ظلکم۔ السلام علیکم، مزاج شریف! کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ زید کی دو زوجہ، زوجہ اول کا انتقال ہوگیا، اس سے اس کے ایک نواسہ، زوجہ دوم کے ایک لڑکی، اب زوجہ دوم کی لڑکی سے زوجہ اول کے نواسہ کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ گویا سوتیلی خالہ سے یعنی اپنی ماں کی سوتیلی بہن سے جو دوسری ماں سے پیدا ہو کوئی شخص اپنا نکاح کرسکتا ہے؟ سبب یہ ہے کہ ناکح کا باپ اور منکوحہ کا باپ اور ماں دونوں علیحدہ ہیں کیونکہ بعض شخص کچھ ایسی حجت پیدا کرتے ہیں کہ چچازاد یا تائی زاد یا خالہ زاد بہن بھائی حقیقی کا نکاح جائز ہے جبکہ ناکح اور منکوحہ کے ماں اور باپ کا ایک باپ اور ایک ماں ہیں، جزئیت کس طرف سے شمار ہوتی ہے، کسی ایسی عام فہم صورت میں جواب صاف اور کسی مستقل حوالہ کے ساتھ تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ دوم کی وہ لڑکی اگر زید ہی کے نطفہ سے ہے بلاشبہہ زید کے نواسے پر حرام قطعی ہے، اور اگر کسی دوسرے شوہر سے ہے تو جائز ہے، جزئیت کے بارے میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اپنی فرع اور اپنی اصل کتنی بعید ہو مطلقاً حرام ہے، اور اپنی اصل

---
[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۳

قریب کی فرع اگرچہ بعید ہو حرام ہے، اور اپنی اصل بعید کی فرع بعید حلال، اپنی فرع جیسے بیٹی پوتی نواسی کتنی ہی دور ہو اور اصل ماں دادی نانی کتنی ہی بلند ہو اور اصل قریب کی فرع یعنی اپنی ماں اور باپ کی اولاد یا اولاد کی اولاد کتنی ہی بعید ہو اور اصل بعید کی فرع قریب جیسے اپنے دادا، پردادا، نانا، دادی، پردادی، نانی، پرنانی کی بیٹیاں یہ سب حرام ہیں، اور اصل بعید کی فرع بعید جیسے انہی اشخاص مذکورہ آخر کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب کی نوع نہ ہوں حلال ہیں۔ صورت مذکورہ میں جبکہ زوجہ دوم کی لڑکی زید کے نطفہ کی ہو تو وہ اس کے اصل بعید کی فرع بعید قریب ہوئی، زید اس کا نانا ہے وہ اس کی اصل بعید ہوا اور یہ لڑکی اس کی بیٹی، یہ اس کی فرع قریب ہوئی، لہذا حرام ہوئی۔ اور اگر دوسرے شوہر سے ہے تو اس سے کوئی تعلق نہ ہوا لہذا حلال ہوئی، چچا، خالہ، ماموں، پھوپھی کی بیٹیاں اس لیے حلال ہیں کہ وہ اس کی اصل بعید کی فرع بعید ہیں یعنی دادا نانا کی پوتیاں نواسیاں جو اپنی اصل قریب سے نہیں۔ نقایہ میں ہے:

حرم علی المرء اصله وفرعه وفرع اصله القریب وصلبیة اصله البعید [1] ۔وھو تعالٰی اعلم۔	مرد پر اس کے اصول وفروع اور اصل قریب کی فرع اور اصل بعید کی صلبیہ عورتیں حرام ہیں۔(ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۲: مسئولہ حافظ محمد علاؤالدین صاحب پیش امام مسجد مقام بلرام پور ڈاک خانہ انگہ ڈیرہ ضلع مان بھوم

(۱) جن عورتوں سے نکاح حرام ہے وہ کون کون ہیں؟ عام فہم ہو خصوصًا میرے سمجھنے کے قابل۔

(۲) جو عورت زید کے بڑے بھائی کے نکاح میں آچکی ہو، بعد مرنے بڑے بھائی کے اس عورت یعنی اپنی بھاوج سے زید عقد کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جھگڑا پڑا ہوا ہے اس کا خلاصہ تحریر فرمائیں، **فقط**۔

الجواب:

(۱) حرمت کے اسباب متعدد ہیں:

اول نسب جیسے ماں بیٹی، بہن، خالہ، پھوپھی، بھتیجی، بھانجی۔

دوم رضاعت، دودھ کے رشتہ سے یہ عورتیں، دودھ پلانے والی ماں اور اس کی بیٹی بہن اور جس نے اس کا دودھ پیا بیٹی اور جن مرد و عورت کا دودھ پیا ان کی بہنیں خالہ پھوپھی اور اپنے رضاعی بھائی بہن کی اولاد یا اپنے بھائی بہن کی رضاعی اولاد بھتیجی بھتیجیاں، وقس علیہ۔

سوم مصاہرت کہ اپنے اصول مثلًا باپ دادا نانا اپنی فروع مثلًا بیٹا پوتا نواسہ ان کی بیبیاں یا

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۲

جن عورتوں کو انھوں نے بشہوت ہاتھ لگایا ہو، یونہی اپنی بی بی یا مدخولہ کی ماں، دادی، نانی۔

چہارم شرک یعنی غیر کتابی کافرہ عورت مسلمان پر حرام ہے۔

پنجم ارتداد جو عورت مسلمان ہو کر اسلام سے نکل جائے اس سے نکاح حرام ہے اگرچہ وہ کتابیوں ہی کا دین اختیار کرے۔

ششم پانچویں، یعنی چار عورتیں نکاح میں موجود ہوں تو پانچویں حرام ہے۔

ہفتم دو محارم میں جمع کرنا، مثلاً ایک عورت نکاح میں ہے تو جب تک وہ نکاح میں رہے اس کی بہن پھوپھی خالہ بھتیجی بھانجی سے نکاح حرام ہے۔

ہشتم جب کوئی آزاد عورت نکاح میں ہو اس کے ہوتے ہوئے کنیز سے نکاح جائز نہیں۔

نہم جس عورت کو تین طلاقیں دے چکا جب تک حلالہ نہ ہو اس سے نکاح حرام ہے۔

دہم جس عورت سے لعان کر چکا جب تک اپنے نفس کو تکذیب نہ کرے اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔

یازدہم وہ عورت کہ دوسرے کے نکاح میں ہے۔

دوازدہم وہ عورت کہ دوسرے کے عدت میں ہے۔ جزئیات بہت کثیر ہیں تفصیل کو اجزا درکار ہیں، یہ چند اجمالی باتیں ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) عدت گزرنے کے بعد کرسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: از دوار کا او کھاکاٹھیاوار مرسلہ نائیک حبیب خان ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ

مصدر بوارق معانی، مظہر شوارق فیض رسانی، ادام اللہ عنایتکم، السلام علیکم، دست بستہ آداب۔ خیریت طرفین کا خواستگار ہوں، وہ لڑکی کہ جس نے بچپن میں میری اس ہمشیرہ کا دودھ ایک یا دو دفعہ نیند کی حالت میں پیا ہو کہ اس کی اور میری والدہ ایک ہے اور والد جدا۔ آیا وہ لڑکی میرے نکاح میں آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ لڑکی میرے نکاح میں آچکی ہو اور دودھ پلانے کی واردات پیچھے ظاہر ہوئی اس کے لیے کیا فتوی ہے؟ براہ نوازش جلد مطلع فرما کر فخر بخشیں۔

الجواب:

جس لڑکی نے سائل کی بہن کا دودھ پیا اگرچہ اس کے سوتے میں۔ اگرچہ ایک ہی بار، اگرچہ ایک ہی قطرہ، اگرچہ وہ بہن سائل سے صرف ماں میں شریک اور باپ میں جدا تھی، وہ لڑکی سائل کی بھانجی ہوگئی اور اس سے اس کا نکاح حرام قطعی ہے، اور اگر نادانستگی میں ہوگیا اور اب بہ ثبوت شرعی رضاعت ثابت ہوئی تو سائل پر فرض ہے کہ فوراً فوراً اسے جدا کردے کہ وہ اس کی بھانجی اور مثل حقیقی دختر کے ہے، پھر اگر جماع واقع ہوا،

تو مہر دینا آئے گا جو مہر مثل و مہر مسمّٰی میں کم ہو اور عورت اس کے چھوڑنے کے بعد تین حیض عدت کرے گی، پھر جس سے چاہے نکاح کرے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: مسئولہ میاں قدرت اللہ صاحب چشتی از مقام پٹن ضلع گجرات ریاست بڑودہ ۲۰ رجب ۱۳۳۵ھ

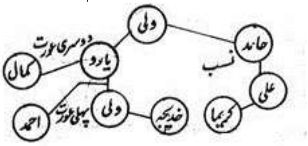

علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ لڑکا کمال اور لڑکی کریما دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اس شجرہ سے واضح ہے کہ کمال اور ولی دونوں آپس میں سوتیلے بھائی ہیں۔ باپ ایک اور ماں جدا۔ اور کریمہ ولی کی نواسی یعنی بیٹی ہے تو وہ کمال پر حرام ہے نکاح نہیں ہوسکتا، قال تعالٰی: وَبَنٰتُ الْاَخِ[1] (اور بھائی کی بیٹیاں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از مارہرہ شریف مرسلہ محمد نعیم صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے اپنے لڑکپن میں جبکہ اس کی عمر صرف دس گیارہ سال تھی ایک چودہ سالہ عورت سے جس کی شادی اسی ماہ میں ہوئی تھی عورت کے رغبت کرنے اور سکھانے سے زنا کیا لیکن لڑکا نابالغ تھا اب اس عورت سے ایک لڑکی ہے، اس کا نکاح لڑکے مذکور سے جس نے اپنی نابالغی کی حالت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا جائز اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس وقت لڑکے کی عمر ۱۲ برس سے کم تھی تو حرمت ثابت نہ ہوئی، وہ لڑکا اس عورت کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے، درمختار میں ہے:

لوجامع غیر مراھق زوجۃ ابیہ لم تحرم[2] فتح۔	اگر غیر مراہق نے اپنے باپ کی زوجہ سے جماع کیا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ فتح (ت)

[1] القرآن لکریم ۲۳/۴

[2] درمختار باب فی المحرمات مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

ردالمحتار میں ہے:

لابد فی کل منهما من سن المراهقة واقله للانثی تسع وللذکر اثنا عشر لان ذلك اقل مدة یمکن فیها البلوغ کما صرحوا به فی باب بلوغ الغلام وهذا یوافق ما مران العلة هی الوطء الذی یکون سببا للولد، والمس الذی یکون سببًا لهذا الوطء ولایخفی ان غیر المراهق منهما لایتأتی منه الولد [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد وعورت دونوں کے لیے ضروری ہے کہ دونوں کم از کم مراہق کی عمر میں ہوں، اور مراہق کی عمر لڑکی کے لیے کم از کم نو سال اور لڑکے کے لیے بارہ سال، کیونکہ یہ وہ کم از کم عمر ہے جس میں بلوغ ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے لڑکے کے بلوغ کے متعلق تصریح فرمائی ہے اور یہ بیان گزشتہ اس بیان کے موافق ہے کہ حرمت مصاہرہ کی علت وہ وطی ہے جو بچے کا سبب بن سکے اور وہ مس جو اس وطی کا سبب بن سکے، اور یہ ظاہر ہے کہ مراہق سے کم عمر والے کی وطی بچے کا سبب نہیں ہوتی، (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۲

باب الولی

(ولی کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۳۰۶: از کھنڈوا ضلع نماڑ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ جس کی عمر آٹھ برس کی ہے، باپ اس کا اس کی شیر خوارگی میں انتقال کرگیا، پرورش اس کی ماں نے کی اور وہی اس کی وارث وکفیل ہے، ایک چچا اس کا ہے وہ لڑکی کے باپ مرحوم سے تخمیناً چالیس سال سے بالکل علیحدہ ہے، کسی نوع کا واسطہ وتعلق باہمی نہیں۔ اس لڑکی کا نکاح بے اجازت والدہ وعم کے ایسے مقام پر لے جاکر پڑھادیا جہاں ماں موجود نہ تھی، پس یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تقریر سوال سے واضح کہ اس لڑکی کا دادا یا کوئی جوان بھائی نہیں۔ پس صورت مستفسرہ میں اس کا چچا ہی اس کا ولی ہے جس کے ہوتے ماں کو بھی اختیار نہیں۔ اور چچا کا باپ سے جدا و بے علاقہ ہونا اس کی ولایت شرعیہ کو ساقط نہیں کرتا غایت درجہ قطع رحم ہوگا اس کی نہایت گناہ اور گناہ مسقط ولایت نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ [1]۔	نکاح میں ولی عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام [2]۔	اگر عصبہ موجود نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت ہوگی۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الام لاتملك تزویج ابنھا مع العم [3]۔	والدہ کی بیٹی کے چچا کی موجودگی میں ولایت نہیں۔(ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

الفسق لایمنع الولایۃ [4]۔	فسق، ولایت کے لیے مانع نہیں ہے۔(ت)

پس وہ نکاح کہ بے اجازت چچا کے ہوا اس کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اگر رد کردے باطل ہوجائے گا۔ مجمع الانہر میں ہے:

وقف تزویج فضولی وھو من لم یکن ولیا ولااصیلا ولاوکیلا علی اجازۃ من لہ العقد فان اجاز ینعقد والالا [5]۔	جو شخص ولی، اصیل اور وکیل نہ ہو وہ فضولی ہوتا ہے جس کا کیا ہوا نکاح ولایت والے کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر وہ جائز کردے تو جائز، ورنہ ناجائز ہوگا۔(ت)

اور اجازت دے تو نافذ ہوجائے گا بشرطیکہ جس شخص کے ساتھ نکاح ہوا وہ اس دختر کا کفو ہو اور اس کے مہر میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو۔ ورنہ اگر کفو نہیں یا مہر میں ایسی کمی ہے تو نکاح اصلًا وجہ صحت نہیں رکھتا۔ نہ چچا وغیرہ ان اولیاء کی اجازت سے نافذ ہوسکے کہ ایسا نکاح اگر خود چچا کے ہاتھوں کا کیا ہوتا تاہم باطل ہوتا پھر اس کے جائز کئے نفاذ کیونکر پاسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرالاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا [6] اھ ملخصا	نکاح کرنے والا باپ یا دادا نہ ہو اگرچہ ماں ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳
[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب الاولیاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۴
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳
[5] مجمع الانہر فصل فی تزویج الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۴۳
[6] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ردالمحتار میں ہے:

اصلا ای لالازما ولاموقوفا علی الرضا بعد البلوغ[1]۔	بالکل نہ ہوگا۔ نہ اب نافذ ہوگا اور نہ بعد بلوغ رضا پر موقوف ہوگا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

العم ونحوہ لایصح منھم التزویج بغیر الکفو[2]۔	چچا وغیرہ کا غیر کفو میں نکاح کردینا صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور کفو کے یہ معنی کہ اس کی قوم یا مذہب یا اعمال یا پیشے میں بہ نسبت خاندان دختر کے کوئی ایسا قصور وعیب نہ ہو جس کے سبب اولیائے دختر کو عار لاحق ہو نہ ایسا محتاج ہو کہ اگر یہ دختر بالفعل قابل جماع ہے تو نفقہ نہیں دے سکتا یا کسی قدر مہر کل یا بعض ازروئے شرط یا حسب رواج معجّل ہے تو فی الحال اس کے ادا پر قادر نہیں۔ تنویر میں ہے:

تعتبر (یعنی الکفاءۃ) نسبا وحریۃ واسلاما ودیانہ ومالا وحرفۃ[3]۔	کفو ہونے میں نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت کا اعتبار ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

وتعتبر مالا فالعاجز عن المھر المعجل والنفقۃ غیر کفو الخ[4]۔	مال کا اعتبار ہے تو جو شخص مہر معجّل اور نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو کفو نہیں بنے گا۔ (ت)

شامی میں ذخیرہ وفتح القدیر میں ہے:

قولہ لوتطیق الجماع، فلو صغیرۃ لاتطیقہ فھو کفو وان لم یقدر علی النفقۃ لانہ لانفقۃ لھا[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ سبحنہ احکم۔	اس کا قول کہ بیوی جماع کے قابل ہو، تو اگر ایسی کم عمر ہو کہ وہ جماع کے قابل نہیں تو کفو ثابت ہوگی اگرچہ خاوند نفقہ پر قادر نہ ہو کیونکہ ایسی عمر کے لیے خاوند پر نفقہ لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم، اللہ جل مجدہ کا علم کامل واکمل اور اس کا حکم نافذ مضبوط ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵۔۱۹۴

[4] ملتقی الابحر الکفاءۃ فی النکاح مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۴۶

[5] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۱

مسئلہ ۳۰۷: ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ہجری قدسی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیرہ کا باپ اس کے نکاح کی زید کے ساتھ اپنے پسر جوان کو اجازت دے کر اپنی نوکری کے مقام پر کہ وہاں سے سات آٹھ کوس ہے چلاگیا، اس کے پیچھے وہ نکاح ہوا، رخصت کے بعد باپ آیا، چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی اور برسوں آئی گئی، اب سات برس کے بعد باپ کہتا ہے میں اس نکاح سے راضی نہیں، اس صورت میں باپ یا اس صغیرہ کو بلوغ حق فسخ نکاح پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور وہ نکاح کہ بھائی نے کیا صحیح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ ثابت ہو کہ پدر صغیرہ نے اپنے پسر جوان کو دختر نابالغہ کے نکاح کی زید کے ساتھ اجازت دی اور وہ نکاح حسب اجازت واقع ہوا تو اب اسے نہ پدر صغیرہ خود فسخ کرسکے نہ صغیرہ بعد بلوغ اس کا اختیار فسخ رکھے، بلکہ وہ نکاح قطعاً صحیح ونافذ ولازم ہوگیا۔

فان الاذن توکیل وفعل الوکیل کفعل المؤکل ومن سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔	وکیل کو اجازت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے فعل کو مؤکل کا فعل قرار دیا جائے گا لہٰذا وکیل کی طرف سے تمام شدہ کارروائی کو کالعدم قرار دینے والے کی کوشش کو رد کردیا جائے گا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا[1] الخ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر باپ یا دادا نکاح کرنے والا ہو تو غیر کفو اور مہر کی فحش کمی کے باوجود نکاح لازم ونافذ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۸: ۳ رجب المرجب ۱۳۰۵ہجری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیلٰی کا باپ بکر اس کا نکاح عمرو کفو کے ساتھ کردینے کی اجازت اپنے جوان بیٹے خالد کو دے کر بریلی سے اپنی نوکری پر بیسل پور کہ یہاں سے بیس کوس ہے چلاگیا، خالد برادر وہندہ مادر لیلٰی کو عمرو سے نکاح منظور نہ تھا ان کی مرضی زید کے ساتھ نکاح میں تھی کہ وہ بھی مثل عمرو آپس اور برادری ہی کا ہے لہٰذا برخلاف اجازت بکر مادر وبرادر لیلٰی نے جلدی کرکے لیلٰی نابالغہ دہ سالہ کا نکاح زید نابالغ ہفت سالہ سے کردیا،

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

جب پدر لیلٰی آیا خبر سن کر سخت ناراض ہوا، اور دختر کو سسرال سے بلالیا اور پھر نہ جانے دیا، اس پر سات برس کا زمانہ گزرا کہ لیلٰی بالغہ ہوگئی مگر زید ہنوز نابالغ ہے لیلٰی نے بالغہ ہوتے ہی فوراً اس نکاح سے انکار کردیا اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے اس صورت میں نکاح اول فسخ ہوا اور لیلٰی کو نکاح ثانی کا اختیار ملا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت)

الجواب:

چند روز ہوئے کہ یہ مسئلہ سائل کی طرف مقابل یعنی پدر زید نے فقیر سے دریافت کیا اور اس میں صورت سوال بالکل اس کے خلاف تھی، اس نے ظاہر کیا تھا کہ پدر لیلٰی اس کے نکاح کی اجازت خالد پسر جوان کو اسی زید کے ساتھ دے گیا تھا اور چوتھی کی رخصت اس کے سامنے ہوئی اور لیلٰی برسوں آئی گئی، ان سات برس کے بعد کہتا ہے میں راضی نہیں۔ اس پر فقیر نے لکھا تھا کہ مضمون مذکور ثابت ہو تو بیشک نکاح صحیح ولازم ہوگیا جسے کوئی فسخ نہیں کرسکتا، اب پدر لیلٰی یہ شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے ساتھ چند کسان برادری جو اپنے آپ کو فریقین کا رشتہ دار قریب بتاتے ہیں بقسم اس بیان بکر کی تائید کرتے ہیں۔ غرض علم واقع حق وعلا کو ہے، اگر یہ لوگ سچے ہیں اور صورت سوال یونہی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نکاح برخلاف اجازت پدر ہوا تو اگر اس نے ناراضی میں اس نکاح کے رد کرنے کا کوئی لفظ کہا تو نکاح اسی وقت فسخ ہوگیا اور اگر کوئی ایسا لفظ نہ کہا اور نہ اس پر راضی ہوا نہ اس نے کبھی رخصت کی اور لیلٰی نے بالغہ ہوکر انکار کردیا تو اب نکاح فسخ ہوگیا کہ برادر لیلٰی کو جب پدر لیلٰی نے خاص عمرو کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت دی تھی تو اسے بتوکیل پدر اس قدر کا اختیار تھا کہ اب اس نے مخالفت کرکے زید سے نکاح کردیا۔ یہ نکاح نکاح فضولی ٹھہرا، درمختار میں ہے:

اجمعوا انه لم یجز کمالو امره بمعینة فخالف [1] اھ ملخصا یعنی الوکیل بالنکاح۔	فقہاء کا اجماع ہے کہ اگر معینہ عورت سے نکاح کا کہا اور وکیل نے اس کے خلاف کیا تو یہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے: فی

کل موضع لاینفذ فعل الوکیل فالعقد موقوف علی اجازۃ المؤکل [2]۔	جہاں پر وکیل کا عمل نافذ نہ ہوگا وہاں وہ عمل موکل کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ (ت)

[1] الدرالمختار باب الکفاءۃ مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۵

اور نکاح فضولی بے اجازت نافذ نہیں ہوتا۔ پس اگر لیلٰی کے باپ نے رد کیا تو جبھی رد ہوگیا اور اگر نہ رد کیا نہ اجازت دی اور لیلٰی نے بالغہ ہو کر فسخ کر دیا تو اب فسخ ہوگیا۔

فی ردالمحتار فی فصل الفضولی عن جامع الفصولین یتوقف علی اجازۃ ولیہ مادام صبیا ولو بلغ قبل اجازۃ ولیہ فاجازبنفسہ جاز ولم یجز بنفس البلوغ بلااجازۃ[1]۔	ردالمحتار میں ہے فضولی کے بیان میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ جب تک نابالغ ہے اس کا نکاح اس کے ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اور اگر ولی کی اجازت سے قبل وہ بالغ ہوگیا تو اس نے اپنے نکاح کو جائز قرار دیا تو جائز ہوجائے گا، اس کے جائز کئے بغیر محض بالغ ہونے پر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

پس لیلٰی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

واعلم ان غیبۃ بکر لم تکن منقطعۃ حتی تنتقل الولایۃ الی الاخ فیکون تزویجہ ایاھا صحیحا نافذا ولو غیر لازم فلا ینفسخ بمجرد فسخھا بل تحتاج فیہ الی حکم القاضی کما فی الھدایۃ والدر[2] وغیرھما من الاسفار الغراء علی ما اختارہ اکثر المتاخرین وجزم بہ فی التنویر وغیرہ، وقال فی التبیین ان علیہ الفتوی[3] وھو التقدیر بمسافۃ القصر فالامرواضح واما علی مااختارہ اکثر المشائخ وقال السرخسی ومحمد بن الفضل واصحاب الذخیرۃ والمجتبٰی والبحر انہ الاصح[4] وصاحب	واضح رہے کہ یہاں بکر کا غائب ہونا ایسا نہیں جس سے اس کی ولایت منقطع ہو کر لڑکی کے بھائی کو منتقل ہوجائے کہ اس کا کیا ہوا نکاح صحیح اور نافذ ہوتا اگرچہ لازم نہ ہوتا۔ محض لڑکی کے فسخ کرنے سے فسخ نہ ہوتا بلکہ قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہوتی، جیسا کہ ہدایہ، در وغیرہما معتبر کتب میں ہے، لیکن جس کو اکثر متاخرین نے اختیار کیا ہے اور اس پر تنویر وغیرہ میں جزم کیا ہے، ور تبیین میں کہا کہ اس پر فتوی ہے وہ یہ کہ نماز کو قصر کرنے کی مسافت یعنی مسافت سفر پر دور ہو، تو اس قول پر معاملہ واضح ہے، اور وہ جس کو اکثر مشائخ نے جس کے متعلق سرخسی اور محمد بن فضل، ذخیرہ، مجتبٰی اور بحر کے مصنفین نے فرمایا کہ یہ اصح ہے اور صاحب ہدایہ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵

[2] درمختار فصل فی الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ مصر ۲/ ۱۲۷

[4] البحرالرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۶

الهداية انه اقرب الى الفقه [1] والامام قاضی خان فی شرح الجامع الصغير انه حسن لانه النظر [2] و الزیلعی فی التبیین انه احسن [3] والمحقق فی الفتح انه الاشبه بالفقه [4] وعليه مشى فی الاختيار والنقايه الملتقی والباقانی، ونقل ابن الكمال ان عليه الفتوى [5] وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاويل وعليه الفتوى [6] ويشير كلام النهر الى اختياره وفی البحران الاحسن الافتاء به [7] وبالجملة كان ارجح التصحيحين وهو كونه بحيث لوانتظر حضوره او استطلاع رأيه فات الكفو الذی حضروان كان مختفيا فی نفس البلد فلان المبنی عندهم الحاجة الى استطلاع مفوت للكفو الحاضر لما فيه ضرر والولاية للنظر فواجب اسقاطها وههنا كلا الامرين منتفی

نے کہا کہ یہ اقرب الفقہ ہے، اور امام قاضی خاں نے جامع الصغیر کی شرح میں کہا کہ شفقت کی وجہ سے اچھا ہے اور زیلعی نے تبیین میں اچھا، محقق نے فتح میں اشبہ بالفقہ کہا اور یہی موقوف اختیار، نقائی، ملتقی اور باقلانی کا ہے اور ابن کمال نے اس پر فتوی کہا ہے اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول کہ اقوال میں یہ اصح اور اس پر فتوی ہے اور نہر کا کلام ابھی اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں کہا کہ اس پر فتوی بہتر ہے، غرضیکہ دونوں تصحیحوں میں یہ قول زیادہ راجح ہے کہ اگر ولی اتنی مسافت پر ہے کہ اس سے رابطہ، مشورہ اور اجازت حاصل کرنے میں موجود رشتہ جو کہ کفو ہے، چھوٹ جائے گا۔ تو یہ ولایت کے ختم ہونے اور دوسرے کو منتقل ہونے کا معیار ہے، اگرچہ وہ ولی شہر میں چھپا ہوا ہی کیوں نہ ہو کیونکہ غائب ولی کی ولایت کے انقطاع کا سبب کفو والے رشتہ کے چھوٹ جانے کا خدشہ قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں اس سے اجازت حاصل کرنے

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] الهداية باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیہ کراچی ۲۹۹/۱

[2] البحر الرائق بحوالہ شرح جامع الصغیر باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی /

[3] تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء المطبعۃ الکبرٰی مصر ۱۲۷/۲

[4] فتح القدیر باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۸۵/۳

[5] الدر المختار فصل فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۴/۱

[6] الدر المنتقی علی حاشیہ مجمع الانہر باب الاولیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۳۹/۱

[7] البحر الرائق باب فی الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۶/۳

الحاجة الی الاستطلاع لحصول الاطلاع فانه قداذن فی التزویج لعمر ووفوات الکفو لوجود عمرو، بل لقائل ان یقول ان لاغیبة اصلا لوجودالتوکیل ووجود الوکیل کوجود الموکل فظن انه تزویج نافذ صدر عن ولایة ظن باطل، واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ولایت کا مقصد فوت ہوجاتا ہے اس لئے اتنی مسافت یا شہر میں تلاش کی بجائے اس کی ولایت کو منقطع قرار دیا جائے گا، جبکہ موجودہ مسئلہ میں ولایت کو منقطع قرار دینے کی متاخرین اور مشائخ والی دونوں صورتیں نہیں پائی جاتیں کہ اس سے اجازت حاصل کی جائے کیونکہ بکر نے خود عمرو سے نکاح کردینے کی اجازت دی نہ ہی کفو کے فوت ہونے کا خدشہ رہا کیونکہ عمرو وہاں موجود ہے، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ ولی کے غیب ہونے والی صورت یہاں نہیں پائی جاتی کیونکہ ولی کا وکیل یعنی خالد موجود ہے جبکہ وکیل کا موجود ہونا خود موکل کی موجودگی کی طرح ہے، پس مسئولہ صورت میں یہ خیال کرنا کہ زید سے کیا ہوا نکاح ولی سے صادر شدہ ہے یہ خیال باطل ہے (کیونکہ بکر نے عمرو سے نکاح کی اجازت دی تھی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۹: ۱۹ ربیع الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نابالغ کا نکاح ہندہ نابالغہ کے ساتھ ان کے وارثوں نے کیا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور زید یا ہندہ بعد بلوغ اسے فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ زید کا نکاح اس کے باپ نے کیا، اور باپ کا کیا ہوا نکاح لازم ہوتا ہے یعنی اولاد کو اس کے فسخ کا اختیار نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بزیادۃ مھرہ اوبغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا ولم یعرف منھما سوء الاختیار [1]۔ (ملخصًا)	درمختار میں ہے جب باپ یا دادا نے اپنی ولایت میں نکاح کیا ہو تو اگرچہ فحش کمی مہر کی ہو یا غیر کفو میں کیا ہو تو وہ نکاح لازم ونافذ ہوگا بشرطیکہ باپ اور دادا کی اس سے پہلے غلط روی مشہور نہ ہو (ملخصا)۔ (ت)

اور ہندہ کا نکاح اس کے چچا نے کیا کہ پدر ہندہ مرچکا تھا اس حالت میں اگر زید ہندہ کا کفو نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہا امور معتبرہ میں ایسا گھٹا ہوا ہے جس کے ساتھ نکاح ہونا باعث عار وبدنامی ہو یا یہ کہ ہندہ کا جس قدر مہر مثل تھا اس سے بہت کم مہر باندھا گیا تو ان صورتوں میں نکاح اصلاً صحیح نہ ہوا یہاں تک

[1] الدرالمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

کہ اگر ہندہ بالغہ ہو کر اسے ناجائز رکھے تب بھی جائز نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم [1] (ملخصًا)	درمختار میں ہے اگر باپ یا دادا کے غیر نے نکاح کیا ہو تو غیر کفو اور فحش کمی مہر کے ساتھ بالکل صحیح نہ ہوگا۔اور جو صدرالشریعہ میں کہا گیا کہ وہ نکاح صحیح ہے اور باپ اور دادا کو بعد میں فسخ کا اختیار ہے، یہ محض وہم ہے (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر یہ بات نہیں بلکہ زید کفو ہے اور مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی تو نکاح صحیح ہوگیا مگر ہندہ کو اختیار ہے کہ بعد بلوغ فورًا اس سے نکاح کو رد کردے اور حاکم شرع کے حضور دعوی کرکے فسخ کرائے۔

فی الدرالمختار وان کان من الکفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولوبعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ لقصور الشفقۃ بشرط القضاء للفسخ [2] (ملخصًا)	درمختار میں ہے اگر مہر مثل اور کفو میں نکاح کیا ہو تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد اس کے فسخ کا اختیار ہے اگرچہ دخول کے بعد بلوغ ہوا ہو یا بلوغ کے بعد نکاح کا علم ہوا ہو،اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ اور دادا کے غیر میں شفقت کمزور ہوتی ہے تاہم فسخ کے لئے قاضی کا حکم شرط ہے۔(ملخصًا)۔(ت)

مگر ازانجا کہ ہندہ بکر ہے تو بحالت بلوغ جس وقت نکاح پر مطلع ہو فورًا اور پہلے سے مطلع تھی تو بالغ ہوتے ہی معا نکاح کو رد کردے،اگر ذرا بھی دیر کی تو نکاح لازم ہوجائے گا اور اسے فسخ کرانے کا اختیار نہ رہے گا۔

فی الدرالمختار بطل خیار البکر بالسکوت لومختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس [3]۔(ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اطلاع ملنے پر باکرہ کا سکوت اس کے فسخ کے اختیار کو باطل کردیتا ہے بشرطیکہ اپنے نکاح کے بارے میں اس کو علم ہوا ہو اور وہ بالغہ ہو،تاہم فسخ کا اختیار اس مجلس تک محدود رہے گا جس میں اس کو علم ہوا ہو۔(ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۱۰: ۱۹ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ از چھاؤنی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ بعد بیوہ ہوجانے کے اپنا نکاح ایسے شخص سے

---

[1] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۹۳-۱۹۲

[3] درمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

چاہتی ہے جس سے اس کے ماں باپ ہندہ سے اس امر پر راضی نہیں اب اگر ہندہ ناراضی والدین گوارا کرکے اپنا نکاح کرلے توآیا یہ نکاح شرعا درست ہوگا یا نادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ شخص جس سے ہندہ بہ ناراضی پدر اپنا نکاح بطور خود کیا چاہتی ہے ہندہ کا کفو ہے یعنی اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہا میں بہ نسبت ہندہ کے کوئی ایسا قصور وعیب نہیں جس کی وجہ سے ہندہ کا اس کی مناکحت میں آنا پدر ہندہ کے لئے موجب عار ہو تو بلاشبہ نکاح صحیح ودرست ہوجائے گا اور والدین کی ناراضی اگرچہ ہندہ کو نقصان کرے مگر جواز نکاح میں خلل نہ آئے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الایم احق بنفسھا من ولیھا[1] رواہ الائمۃ مالك واحمد ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ بالغ لڑکی اپنے ولی کے مقابلہ میں اپنے بارے میں فیصلہ کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام احمد، مالک، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ وغیرہم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[2] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	عاقلہ بالغہ حرہ عورت کا اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر بھی جائز ہے، اور غیر کفو میں کیا تو بالکل ناجائز ہونے کا فتوٰی دیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۱: ۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور زید کی اہلیہ نے انتقال کیا، دو بیٹیاں چھوڑیں، اور لڑکیوں کا کوئی وارث سوا ایک ماموں حقیقی کے کوئی نہ تھا، ماموں نے ایک لڑکی جس کی عمر تخمینًا سات برس کی تھی اس کا نکاح اپنے بیٹے کے ساتھ کردیا جس کو اب عرصہ آٹھ برس کا ہوا، اور دوسری بڑی لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کردیا، اب بڑی دختر باغوا اپنے شوہر کے اپنی چھوٹی ہمشیرہ کو بہکاتی ہے کہ تو کہہ دے کہ میری نابالغی

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۵، سنن ابی داؤد فصل فی الثیب آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۶

[2] الدرالمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

میں نکاح ہوا ہے میں راضی نہیں ہوں تو میں تیرا نکاح اپنے دیور سے کرادوں گی، چنانچہ چھوٹی لڑکی اب اپنے ماموں سے کلمات ناراضی بیان کرتی ہے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل اظہار کرتا ہے کہ اس چھوٹی لڑکی کو بالغہ ہوئے سال بھر گزرا اور اسے نکاح کی خبر کئی برس سے ہے اور یہ کلمات ناراضی اس نے کوئی دو مہینے سے کہنے شروع کئے ہیں، اگر یہ بیان واقعی ہے تو وہ نکاح لازم ہوگیا اور عورت کو حق اعتراض اصلا نہ رہا جبکہ اسے پہلے سے نکاح پر اطلاع تھی، تو جس آن میں بالغہ ہوئی فوراً اسی آن میں اگر ناراضی ظاہر کردیتی تو اسے حق اعتراض رہتا یہاں تک کہ اگر بالغہ ہوکر ایک لمحہ کو بھی دوسرے کام یا دوسری بات میں مصروف رہی تو اب اعتراض کا اختیار نہیں رکھتی، یہاں توجوان ہونے پر کئی مہینے بعد اس نے اعتراض شروع کیا ہے، یہ اصلاً قابل قبول نہیں۔ عورت پر فرض ہے کہ اس جہالت سے باز آئے اور اس کی بہن پر فرض کہ پرائی زوجہ کو اغوانہ کرے ورنہ سوا گناہ کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار بطل خیار البکر بالسکوت لوعالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس [1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے کہ باکرہ لڑکی کی اپنے نکاح کے علم پر خاموشی اس اختیار فسخ کو ختم کردیتی ہے اور اختیار بھی صرف اس مجلس تک محدود ہوگا جس میں اسے علم ہوا ہے اس کے بعد اسے اختیار نہ ہوگا اھ ملخصًا۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا [2]۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن حبان والحاکم باسناد صحیح عن ابی ھریرۃ ونحوہ احمد وابن حبان وللبزار والحاکم بسند صحیح عن بریدۃ وابویعلی والطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط	جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑ دے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔ (اس کو ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ایسے ہی احمد، ابن حبان، بزار اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ابویعلی اور طبرانی نے اپنی اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الدرالمختار باب الولی مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] سنن ابو داؤد اول کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

والصغیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمیعن ۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	ما نیز طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

مسئلہ ۳۱۲: ۱۶رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی نابالغہ کہ جس کی عمر گیارہ برس کی ہے اوراس کی ماں مرچکی ہے اور باپ اس کا گوالیار میں نوکر ہے، نانا اس لڑکی کا باپ کی غیبت میں لڑکی کو اپنے یہاں لے گیا اور بلا مشورہ باپ کے اس کا نکاح ایک رافضی سے کردینا چاہتا ہے، جب باپ کو اطلاع ہوئی آیا اور نانا کو ممانعت کی کہ میں ایسی تقریب ہر گز روا نہیں رکھتا بلکہ اس مضمون کا اس نے نوٹس بھی دے دیا ہے مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں رہتا ہے لڑکی کو روک رکھا ہے اور لڑکی اوراس کا باپ سب سنی ہیں اس صورت میں اگر نانا اس نابالغہ کا نکاح باوجود ممانعت پدر کے اس رافضی سے کردے گا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور نانا کو لڑکی کے اپنے پاس بٹھار کھنے اور باپ سے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:

باپ کے ہوتے نانا کوئی چیز نہیں، نہ بے اس کی اجازت کے وہ نکاح کردینے کا مختار، یہاں تک کہ اگر نانا بے اجازت پدر اس نابالغہ کا کسی سنی سے نکاح کردے گا اور باپ روانہ رکھے گا تو وہ نکاح باطل ہے نہ کہ رافضی کہ آج کل عموما مرتدین ہیں اور ان سے سنیہ عورت کا نکاح اصلاً صحیح نہیں، علاوہ بریں اس قدر میں تو شک نہیں کہ رافضی سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور غیر کفو سے جو نکاح باپ دادا کے سوا دوسرا کردے گا ہر گز صحیح نہ ہوگا، نہ کہ باپ کی صریح ممانعت کی حالت میں یہ نکاح کیا جائے، یہ کیونکر وجہ صحت رکھے گا، پس یقینا یہ نانا کا محض ظلم ہے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو ہر گز نکاح نافذ نہ ہوگا بلکہ باطل ہوگا اور لڑکی نو برس کی عمر سے باپ ہی کے پاس رہے گی، اگر ماں ہوتی تو وہ بھی نو برس کے بعد اپنے پاس نہ رکھ سکتی نہ کہ نانا، یہ سب ظلم وتعدی ہے ___ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبۃ بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب[1]۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہ یعنی وہ مرد شخص جس کی نسبت میں عورت کا واسطہ نہ ہو، یہ ولی وراثت کی ترتیب اور ایک دوسرے کے لیے مانع ہونے کی ترتیب سے ہوں گے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔	اگر قریب ولی کی موجودگی میں بعید ولی نے نکاح کردیا تو وہ نکاح قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

ان کان المزوج غیرھما ای الاب وابیہ ولو الام لایصح من غیر کفو اصلا[2]۔(ملخصاً)	اگر باپ اور دادا کے غیر نے خواہ والدہ ہی ہو نکاح کیا تو غیر کفو میں بالکل جائز نہ ہوگا(ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

لیس فاسق کفو الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح نہر[3] انتہی ملخصاً۔	صالحہ لڑکی یا صالح مرد کی فاسقہ لڑکی کے لیے فاسق شخص کفو نہیں ہے۔ نہر اھ ملخصا(ت)

ردالمحتا میں ہے:

قولہ اصلا ای لالازماً ولا موقوفا علی الرضاع بعد البلوغ[4]۔	اس کا قول اصلا یعنی وہ نکاح نہ لازم اور نہ موقوف ہوتا ہے کہ بلوغ کے بعد رضا پر صحیح ہوجائے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الام والجدۃ احق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[5] (ملخصًا)	والدہ اور دادی / نانی لڑکی کو پرورش میں لینے کی زیادہ حقدار ہیں یہ حق لڑکی کے بلوغ تک ہے اور بعض نے نو سال تک کہا یہی مفتی بہ ہے(ملخصًا)۔(ت)

مسئلہ ۳۱۳: یکم شعبان ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ باکرہ تھی اس کے ولی نے اپنی اجازت سے اس کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، ہندہ کو معلوم تھا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ ہوگا لیکن اس نے خاص اجازت اپنی زبان سے نہیں دی اور نہ انکار کیا، اس صورت میں ہندہ کا نکاح زید کے ساتھ جائز ہوگیا

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[4] ردالمحتار باب فی الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[5] ردالمحتار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو ولی اور نکاح پڑھانے والے پر کیا کفارہ ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اصل یہ ہے کہ زن بالغہ پر کسی کی ولایت جبریہ نہیں اور اس سے پیش از نکاح اذن لینا مسنون ہے اگر بے اذن لئے نکاح کیا جائے تو وہ نکاح نکاح فضولی ہے کہ اجازت زن پر موقوف رہے گا۔ اگر جائز رکھے جائز ہوجائے اور رد کردے تو باطل۔ مگر زن دوشیزہ کا سکوت بھی اذن ہوتا ہے جبکہ خود ولی اقرب یا اس کا وکیل یا فرستادہ نکاح کرنے کا اس سے اذن لے بشرطیکہ جس کے ساتھ نکاح کا اذن لیا گیا عورت اسے پہچانتی بھی ہو اور بغیر استیذان ولی کے مجرد اس جاننے پر کہ میرا نکاح فلاں کے ساتھ کیا جائے گا خاموش رہنا اذن نہیں کہ اذن وعلم میں زمین وآسمان کا فرق ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب کے ہوتے ولی ابعد اذن لے اور دوشیزہ سکوت کرے تاہم یہ سکوت اذن نہ ٹھہرے گا، توجہاں اصلا استیذان نہ ہو مجرد واقفیت پر خاموشی کیونکر اذن ہوسکتی ہے، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ فان استاذنها هو ای الولی وهو السنة اووکیله اورسوله فسکتت عن رده مختارة فهو اذن ای توکیل ان علمت بالزوج لتظهر الرغبة فیه اوعنه ولوفی ضمن العام کجیرانی اوبنی عمی لویحصون والا لا فان استاذنها غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرة بسکوتها [1] اھ ملخصا وفی ردالمحتار عن البحر عن المحیط ان زوجها بغیر استئمار فقد اخطأ السنة وتوقف علی	باکرہ بالغہ کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر کسی کی ولایت نہیں رہی، تو اگر اس سے اس کا ولی اجازت طلب کرے اور یہ سنت ہے، یا ولی کا وکیل یا اس کا قاصد اجازت طلب کرے اور لڑکی اپنے اختیار کے باوجود خاموش رہے تو یہ وکالت کی منظوری تصور ہوگی، بشرطیکہ اس کے ہونے والے خاوند کا اس کو علم ہوتا کہ پسند یا ناپسند کرسکے، خاوند کا علم شخصی طور پر ضروری نہیں عمومی طور پر بھی مثلاً یہ کہ پڑوسی ہے یا چچازادوں میں سے ہے کافی ہے، جن کو وہ جانتی ہو، اگر خاوند کا علم بالکل نہ ہوسکے تو پھر یہ سکوت رضامندی نہ قرار پائیگا، اگر ولی اقرب کی بجائے ولی بعید یا اجنبی نے بالغہ سے اجازت طلب کی تو اس وقت سکوت کو اجازت نہ قرار دیا جائے گا اھ ملخصا۔ ردالمحتار میں بحر اور اس

[1] درمختار باب فی الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

رضاھا [1] اھ وفیہ(قولہ لایحصون)عبارۃ الفتح وھم محصورون معروفون لھا [2] اھ۔	میں محیط کے حوالے سے کہ اگر ولی نے بالغہ کے مشورہ اوراجازت کے بغیر نکاح کردیا تولڑکی کی رضامندی پر موقوف ہوگا اھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ درمختار کا قول "لایحصون "کا مطلب فتح کی عبارت میں یہ ہے کہ لڑکی کے ہاں معروف ومحدود ہوں اھ۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر ولی اقرب نے بروجہ مذکور ہندہ سے اذن لیااور اس نے سکوت کیا تھاجب تو یہ نکاح خود ہی جائز ونافذ ہوا کہ کنواریوں کا زبان سے صراحۃً اذن دیناضرور نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واذنھا صماتھا [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لڑکی کی خاموشی اس کی اجازت ہے۔(ت)

ورنہ نکاح فضولی ہوا کہ قولًا یا فعلًا رد کردے تو رد ہوجائے اور قولًا یا فعلًا یا سکوتًا اجازت دے تو جائز ہوجائے **ردّ قولی** یہ کہ خبر نکاح سن کر صاف کہے میں نے رد کیا یا مجھے منظور نہیں یا میں نکاح کرنا ہی نہیں چاہتی یا اور کوئی کلمہ ان کے مثل اور **ردّ فعلی** یہ کہ مثلا ہاتھ ہلادے کہ میں راضی نہیں یا اور کوئی حرکت ایسی کرے جس سے اس نکاح سے حقیقۃً نفرت وناراضی ظاہر ہو اور **اجازتِ قولی** یہ کہ میں راضی ہوئی یا مجھے پسند ہے یاخدا مبارک کرے یا بہتر ہوا، یااس کی مثل اور الفاظ،اور **اجازتِ فعلی** مثلا بلاجبر واکراہ شوہر کے یہاں رخصت ہوکر جانا یا خلوت میں اپنے پاس اسے آنے دینا یا اس سے مہر یا نفقہ طلب کرنا یا اور کوئی فعل کہ دلیل رضامندی ہو،اور **اجازتِ سکوتی** یہ کہ خود ولی یا اس کا رسول یا ایک ثقہ پر ہیزگار یعنی جس کی عدالت وثاقت معلوم ہو یا دو مستور الحال یعنی جن کا کوئی فسق نہ معلوم ہو نکاح ہوجانے کی عورت کو خبر دیں اوروہ شوہر کو پہچانتی ہو اور غیر اَب وجَد نے نکاح کیا ہو مہر میں کمی فاحش نہ کی ہو اور شوہر اس کا کفو بھی ہو یعنی اس کے دین یا نسب یا پیشہ وغیرہا میں کوئی بات ایسی نہ ہوجس کے باعث اس سے نکاح اس کے اولیاء کے حق میں عار ہو اس صورت میں عورت خبر سن کر خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی اجازت تصور کی جائے گی، غرض یہ پانچ صورتیں ہیں دو رد کی کہ ان کے وقوع سے نکاح باطل ہوجائے گا اور تین اجازت کی کہ ان کے وقوع سے نفاذ پائے گا،اور جب تک ان پانچ میں سے کوئی صورت واقع نہ ہو بدستور

---

[1] درمختار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹۔

[2] درمختار باب فی الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۰

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۷۴۶ ۱۰/ ۳۷۳

موقوف رہے گا جب تک کہ ان میں سے ایک واقع ہو مثلاً ہنوز عورت کو نکاح کی خبر ہی نہ ہوئی یا خبر دو اجنبی فاسقوں یا ایک اجنبی مستور الحال نے دی اور عورت خاموش رہی یا خود ولی خواہ اس کے فرستادہ نے اطلاع دی، مگر عورت شوہر کو نہ پہچانتی تھی مگر جس سے اَب وجَد کے سوا اور ولی نے نکاح کردیا وہ کفو تھا یا مہر مثل سے کمی فاحش کی تھی، تو ان سب صورتوں میں یہ خاموشی نہ اجازت ہوگی نہ رد، بلکہ عورت کو اختیار ہے گا چاہے جائز کردے خواہ باطل۔

اتقن هذا التحرير فانك لاتجده بهذا التحبير فی غير هذا التقرير والحمدلله الهادی القدير۔	اس تقریر کو محفوظ کرلو کہ اس مہارت سے کسی دوسری تقریر میں نہ پاؤ گے، تمام محامد اللہ تعالٰی ہادی اکمل کے لئے ہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو بلغها فردت ثم قالت رضيت لم يجز لبطلانه بالرد ولذا استحسنوا التجديد عندالزفاف لان الغالب اظهار النفرة عند فجأة السماع [1] اھ قال ط ای فيحتمل انها نفرت من النكاح عند اعلامها به فيبطل العقد ولايلحقه الرضا [2] اھ **قلت** فاذا تبين ذلك كان ردا محققا كمالا يخفی وفی الدر ايضا زوجها وليها واخبرها رسوله او فضولی عدل فسكتت فهو	اگر لڑکی کو نکاح کی خبر پہنچی تو اسے رد کردیا پھر کہتی ہے میں راضی ہوں تو اس سے وہ نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ رد کردینے پر وہ باطل ہوچکا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ (جب لڑکی سے پہلے اجازت لئے بغیر نکاح کیا ہو جس کو وہ بعد میں جائز قرار دے) ایسی صورت میں بہتر ہے کہ زفاف کے وقت نکاح کی تجدید کرلی جائے کیونکہ عام طور پر ایسی صورت میں اچانک نکاح کے متعلق سن کر لڑکی نفرت کا اظہار کردیتی ہے اھ، طحطاوی نے فرمایا کہ اس احتمال کی بناپر کہ نکاح باطل کی خبر پاکر لڑکی نے بطور نفرت رد کردیا ہو تو نکاح باطل ہوجائے گا جو بعد میں اظہار رضامندی سے جائز نہ ہوگا اھ **قلت**: اگر یہ بات ثابت ہوجائے تو پھر یقینی طور پر وہ نکاح مردود ہوگا جیسا کہ واضح ہے۔

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۹

اذن ای اجازۃ ان علمت بالزوج [1] اھ(ملخصًا) قال الشامی الشرط فی الفضولی العدالۃ اوالعدد فیکفی اخبار واحد عدل او مستورین [2] الخ قال فی الدر فان استأذنہا غیر الاقرب فلا بد من القول کالثیب او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کطلب مہرھا ونفقتہا ودخولہ بہا برضاھا وقبول التہنئۃ ونحو ذلك [3] اھ ملخصا۔وفی ردالمحتار عن البحر عن الظہیریۃ لوخلابہا برضاھا عندی ان ھذا اجازۃ اھ وفی البزازیہ الظاھر انہ اجازۃ [4] اھ **قلت** وتمام الکلام علی الافعال التی تدل علی الرضا فی فتاوٰنا ثم فی الشامیۃ فی البحر اختلف

اور در میں یہ بھی ہے کہ ولی نے لڑکی کا نکاح کیا جس کی اطلاع ولی کے قاصد یا کسی اجنبی عادل شخص نے لڑکی کودی تو لڑکی نے خاموشی اختیار کی تویہ اجازت ہوگی بشرطیکہ اس کو خاوند کا علم ہوچکا ہو اھ شامی نے کہا کہ فضولی کی خبر میں عدالت یا عدد (دو ۲) ہونا شرط ہے اس لئے ایک عادل یا دومستور الحال حضرات کافی ہیں۔در میں فرمایا کہ بالغہ لڑکی سے ولی اقرب کے غیر نے اجازت طلب کی ہو تو ضروری ہے کہ لڑکی قولی یا فعلی طورپر جواب دے جس سے اس کی رضا معلوم ہوسکے،مثلا مہر طلب کرے یا نفقہ طلب کرے یا مبارکباد قبول کرے یاخاوند کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دے وغیرہ،جیساکہ ثیبہ یا اس جیسی عورت کے لئے ضروری ہوتاہے اھ ملخصا۔ ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ظہیریہ سے منقول ہے اگرلڑکی نے رضامندی سے خاوند کے ساتھ خلوت کرلی تو میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ،اور بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے،**قلت**: ان تمام افعال جو رضامندی پر دلالت کرتے ہیں،کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے،پھر شامی میں ہے کہ بحر میں ہے اگر ولی نے بالغہ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۱

فیما اذا زوجها غیر کفو فبلغها فسکتت فقال لایکون رضا وقیل فی قول ابی حنیفة یکون رضا ان کان المزوج ابا اوجدا وان کان غیرھما فلا کما فی الخانیه اخذا من مسئلة الصغیرة المزوجة من غیر کفو اھ قال فی النھر وجزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا[1] اھ مافی الشامی **قلت** وقدمه فی الخانیة وھولا یقدم الا الاظھر الاشعر لکن قالوا یؤتی به للتبری وقد علل فی الخانیة للقول الثانی بتعلیل جلیل والتعلیل دلیل التعویل ونص فی المحیط والمبسوط وجامع قاضی خاں ثم الکافی شرح الھدایة ثم الشلبی علی التبیین انه قول الامام وقد صحح فی الکفایة والکافی و الدرایة والدر التفرقة بین الاب والجد وغیرھما بناء علی مذھب الامام رضی اللہ تعالٰی۔	عاقلہ کو غیر کفو میں نکاح کر دیا تو اس وقت اجازت طلب کرنے پر یا معلوم ہونے پر لڑکی خاموش رہے تو کیا یہ اجازت ہوگی یا نہیں۔اس میں اختلاف ہے،بحر نے کہا کہ رضا نہ ہوگی،بعض نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک قول کے مطابق اگر نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا ہو تو سکوت اجازت قرار پائیگی ورنہ نہیں،جیسا کہ خانیہ میں اس مسئلہ کو نابالغہ کو غیر کفو میں نکاح کر دینے کے مسئلہ سے اخذ کیا ہے اھ نہر میں کہا کہ درایہ میں اس پر "**قالوا**" کے لفظ کہہ کر پہلے قول پر جزم کیا ہے،شامی کی عبارت ختم ہوئی،**قلت**:خانیہ میں اس کو مقدم ذکر کیا ہے اور وہ زیادہ ظاہر اور مشہور قول کو مقدم ذکر کرتے ہیں لیکن علماء نے فرمایا کہ یہاں خانیہ کا اس کو مقدم ذکر کرنا اس سے فراغت کے طور پر ہے ورنہ انھوں نے دوسرے قول کی مضبوط دلیل ذکر کی ہے جبکہ دلیل کو ذکر کرنا اعتماد کی دلیل ہے،محیط،مبسوط،جامع قاضی خاں پھر کافی شرح ہدایہ میں پھر تبیین کے حاشیہ میں اس کو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتایا ہے،اور کفایہ،کافی،درایہ،درر میں اس دوسرے قول کی تصحیح کی گئی ہے کیونکہ امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں باپ دادا اور غیر کے اقدام میں فرق ہے۔(ت)

اور بے اذن لیے ولی کا نکاح کر دینا اگرچہ خلاف سنت ہے مگر گناہ نہیں،یوں ہی نکاح پڑھانے والے پر کوئی الزام نہیں **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۱۴: ۷ صفر ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نکاح لڑکی نابالغ کا جس کی عمر قریب

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۹

تین سال کے ہے، ساتھ عمرو نابالغ کے جس کی عمر قریب چار سال کے ہے ولایت مادر لڑکی کے جائز ہے یا نہیں؟ درحالیکہ باپ کے چار پانچ پشت کے لوگ چچا تاؤ وغیرہ موجود ہوں، اور اب بعد بالغ ہونے کے وہ لڑکی اس نکاح سے ناراض بھی ہے۔

الجواب:

اگر وہ لڑکی جس سے اس نابالغہ کا نکاح ہوا اس کا کفونہ تھا یعنی قوم وروش ومذہب وغیرہا امور معتبرہ سے کسی بات میں بہ نسبت دختر ایسا نقص رکھتا تھا کہ اس دختر کا اس کے نکاح میں دیا جانا اولیاء دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سرے سے باطل واقع ہوا، یونہی اگر دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کردی گئی مثلاً مہر مثل پچاس ہزار تھا اس نکاح میں پچیس ہزار بندھا تو بھی نکاح باطل محض ہوا، ان دونوں صورتوں میں بعد بلوغ اگر خود اجازت دے اور نکاح نہ صرف ماں بلکہ ان سب اولیاء نے مل کر کیا ہو جب بھی صحیح نہیں ہوسکتا کہ نابالغہ کے ایسے نکاح کرنے کا باپ دادا کے سوا کسی کو اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولو الام والقاضی لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا[1] (ملخصًا)	اگر غیر باپ اور دادا نے غیر کفو یا مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح کیا تو بالکل نکاح جائز ہوگا خواہ وہ غیر والدہ ہو یا قاضی ہو۔ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح القدیر لوکبرت واجازت لایصح لانه لم یکن عقدا موقوفا اذلامجیزله[2]۔	فتح القدیر میں ہے کہ اگر وہ نابالغہ لڑکی بالغ ہو اس غیر کے نکاح مذکورہ کو جائز بھی کردے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ وہ نکاح کی اجازت دینے والے کی اجازت پر موقوف نہ تھا۔ (ت)

اور اگر نہ لڑکا ایسا تھا نہ مہر مثل میں اس طرح کی کمی تو صحیح ہوگیا مگر از انجا کہ یک جدی مردوں میں سے جب تک کوئی موجود ہو ماں کو ولایت نکاح نہیں ہوتی بلکہ ان میں جو درباب وراثت مقدم ہو وہی ولی ہوتا ہے

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام[3]۔	درمختار میں ہے نکاح کا ولی وراثت کے استحقاق وحجب کی ترتیب پر عصبات ہیں، اور اگر عصبہ بنفسہٖ نہ ہو تو پھر والدہ کو ولایت ہوگی۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

لہٰذا یہ نکاح اس ولی کی بے اجازت صرف ماں نے کردیا تو نکاح فضولی ہوا اور اجازت ولی پر موقوف رہا، اگر اس نے خبر سن کر رد کردیا مثلاً کہا کہ میں اس نکاح کو جائز نہیں رکھتا یا رد کرتا ہوں یا میں راضی نہیں یا اس کے مثل اور الفاظ، تو رد ہوگیا، اب دختر کی رضامندی و ناراضی کا بھی اعتبار نہیں کہ سرے سے نکاح باقی ہی نہ رہا، اور اگر ابتداءً باجازتِ ولی واقع ہوا یا تزویج مادر کے بعد ولی نے اجازت دے دی تھی مثلاً کہا بہتر ہوا یا میں نے پسند کیا یا مجھے منظور یا ان کے مانند اور کلمات، تو نکاح نافذ ہوگیا۔

فی الدرالمختار لو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[1]۔	درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے اقرب ولی کے ہوتے ہوئے نکاح کردیا تو یہ نکاح ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

پھر بھی ازانجا کہ مزوج غیر اَب وجَد اور دختر دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار دیا جائے گا کہ پہلے سے نکاح کی خبر رکھتی ہو تو اپنے بالغ ہوتے ہی اور بعد بلوغ اطلاع پائے تو خبر سنتے ہی فوراً بے وقفہ کہہ سکتی ہے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں یا میں نے اسے فسخ کردیا یا مجھے ناپسند ہے یا اس کے مثل اور کوئی امر کہ دلیل ناراضی ہو۔ پس اگر بلوغ یا اطلاع پر فی الفور اس نے یہ ناراضی ظاہر کی تو اسے اجازت دی جائے گی کہ قاضی کے حضور دعوی کرکے فسخ کرالے، اور اگر ایک لمحہ بھی بے عذر سکوت کیا یا کسی دوسرے کام یا کلام میں مشغول ہوئی تو اب وہ نکاح لازم ہوگیا، اس کے بعد اظہار ناراضی کچھ بکارآمد نہیں۔ درمختار میں ہے:

وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولکن لهما ای لصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لومختارة عالمة بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس[2] (ملخصا)	اگر کفو اور مہر مثل کے ساتھ نکاح کیا تو صحیح ہے لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد جب علم نکاح ہو فسخ کا اختیار ہوگا لیکن فسخ قاضی کے حکم سے ہوگا۔ اگر باکرہ بالغہ اپنے نکاح کا علم ہونے پر خاموش رہی تو اس کو فسخ کا اختیار نہ رہے گا اور نکاح کے علم والی مجلس کے آخر تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر وہ نکاح نہ ابتداءً اجازت ولی سے ہوا نہ زمانہ نابالغی دختر میں ولی نے اجازت دی نہ رد کیا بلکہ اسے خبر

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳۔۱۹۲

ہی نہ ہوئی یا بعد خبر سکوت محض کیا یہاں تک کہ دختر بالغہ ہوئی تو اب وہ خود اجازت دختر پر موقوف ہوا، پس اگر دختر نے اس اظہار ناراضی سے پہلے بعد بلوغ کوئی کلمہ اجازت کہا یا دلالۃً اس کے کسی فعل یا حال سے رضامندی ثابت ہوئی تھی، مثلاً بالغ ہونے پر شوہر کے پاس گئی یا اس سے کوئی برتاؤ زن وشوئی کا کیا یا کسی نے فلاں کی دلہن کہہ کر پکارا اس نے جواب دیا تو نکاح لازم ہوگیا اب ناراضی محض بے سود ہے اور اگر ہنوز قول یا فعل یا حال سے رضا ثابت نہ ہونے پائی تھی کہ اس نے ایسی ناراضی ظاہر کی جس سے رد نکاح مفہوم ہوا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا۔

فی فتح القدیر یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یخبرہ الولی فاجازہ بنفسہ نفذ لانھا کانت متوقفۃ ولاینفذ بمجرد بلوغہ [1]۔	فتح القدیر میں ہے نابالغ کے نکاح کا جواز ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر ولی کی طرف سے اطلاع سے قبل خود بالغ ہوگیا اور اس نے اپنے نکاح کو جائز کردیا تو جائز اور نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ اجازت پر موقوف تھا اور اجازت کے بغیر محض بلوغ سے نافذ نہ ہوگا۔(ت)

مستفتی ان سب صورتوں کو سمجھ کر جو صورت واقعہ ہو اس کے حکم پر عمل کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۵: از رائے پور علاقہ جے پور ڈاک خانہ ہنڈون مرسلہ منشی محمد فرزند حسن صاحب ۲۰ ذی قعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف قوم مسلمان نے جس کی عمر تخمیناً ۲۸ یا ۲۹ سال ہوگی زناکاری سے توبہ کرکے ایک شریف مسلمان سے اپنا نکاح کرلیا، اب اس کی نائکہ کہتی ہے کہ میں ولی ہوں بے میری اجازت کے نکاح جائز نہیں، اور زید کہتا ہے کہ طوائف خود فعل مختار بالغہ ہے تیری اجازت کی حاجت نہیں، اور ولی واسطے ہدایت کار نیک کے ہوتا ہے زنا کے لیے ولی نہیں، نابالغ کو ولی بھی فعل بد کرانے کا مختار نہیں، ایسی ولایت شرعاً باطل ہے نائکہ کسی طرح ولی نہیں ہوسکتی، جو لونڈی اس نے حرام کاری کی کمائی سے حرام کاری کے لیے خریدی وہ شرعاً لونڈی نہیں ہوسکتی بلکہ جو شرعاً ایسی ولایت کا دعوی کرے وہ قابل سزا ہے۔ پس صحیح قول زید کا ہے یا نائکہ کا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول زید کا صحیح ہے اور نائکہ کا محض دعوی باطل وقبیح۔ ہندوستان میں جو بعض خداترس محتاج اپنی اولاد قحط وغیرہ میں بیچ ڈالتے ہیں شرعاً یہ بیع کسی حالت میں جائز نہیں بلکہ باطل ومحض مہمل وبے معنی ہے وہ ہرگز لونڈی

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۸

غلام نہیں ہوسکتی، نہ خریدنے والا ان کا مالک ہوسکتا ہے نہ کسی وجہ سے استحقاق ان میں رکھتا ہے کہ حُر کی بیع محض باطل ہے، ہدایہ میں ہے:

بیع المیتة والدم والحر باطل لانها لیست اموالا فلاتکون محلا للبیع [1]۔	مردار، خون اور آزاد کی خرید وفروخت باطل ہے کیونکہ یہ چیزیں مال نہیں ہیں اس لئے یہ بیع کا محل نہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الباطل لایفید ملك التصرف [2]۔	بیع باطل ملک تصرف کا فائدہ نہیں دیتی۔(ت)

اور جبکہ وہ عورت بالغہ ہے تو اپنی جان کا آپ اختیار رکھتی ہے، نکاح کہ اس نے بہ ہدایت الٰہی زنا سے تائب ہو کر ایک شریف مسلمان سے کرلیا قطعاً صحیح ولازم ہے جو کسی کے روکے رد نہیں ہوسکتا، فتاوی عالمگیری میں ہے:

نفذ نکاح حرة مکلفة بلاولی [3]۔	حرہ عاقلہ بالغہ کا ولی کے بغیر اپنا نکاح صحیح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سئل شیخ الاسلام عطاء بن حمزة عن امرأة شافعیة بکر بالغة زوجت نفسها من حنفی بغیر اذن ابیها والاب لایرضٰی وردہ هل یصح هذا النکاح قال نعم [4]۔	شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے ایک باکرہ بالغہ شافعی عورت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے اپنا نکاح بغیر ولی ایک حنفی مرد سے خود کیا، والد کی اجازت اور مرضی نہ تھی، اور والد نے اس کے نکاح کو رد کردیا، تو یہ نکاح صحیح ہوگا؟ تو انھوں نے جواب فرمایا: ہاں صحیح ہے۔(ت)

جب خود باپ کی نسبت یہ حکم ہے تو نائکہ کا دعوی کیا قابل التفات ہوسکتا ہے، یہ محض جہل ناسزا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۶: از پیلی بھیت محلّہ ملک احمد خاں مرسلہ حافظ بشیر احمد خاں صاحب ۱۵رجب ۱۳۱۰ھ

جناب عالی! گزارش یہ ہے کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں باپ کی ولایت سے ہوا اب وہ لڑکی

[1] ہدایہ باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۳

[2] ہدایہ باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۳

[3] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[4] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

بالغ ہوئی وہ اپنے باپ کے فعل کو ناپسند کرتی ہے، باپ کی ولایت سے نکاح جائز ہے یا ناجائز ہے؟ فقط

الجواب:

صورت مسئولہ میں حق جواب یہ ہے کہ باپ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح جس شخص سے کیا اگر وہ کفو یعنی دین ونسب وپیشہ ومال وغیرہ میں کوئی امر ایسا نہیں رکھتا کہ اس سے تزویج باعث عار ہو نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو تو وہ نکاح مطلقاً صحیح نافذ ولازم ہے اگرچہ ناپسند کرے اگرچہ باپ اس سے پہلے معروف بسوئے اختیار ہو کہ اس نکاح میں اس کا حسن اختیار ظاہر تو پہلے کے سوء اختیار اس کی صحت میں مخل نہیں ہوسکتے یوں ہی اگر باپ وقت تزویج نشہ میں نہ تھا نہ اس سے پیشتر اپنی کسی قاصرہ کا نکاح غیر کفو سے اگرچہ مہر مثل میں کمی فاحش پر کرکے معروف بسوء اختیار ہوچکا تو بھی یہ نکاح صحیح ولازم اگرچہ غیر کفو سے ہو اگرچہ مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو، ہاں اگر دونوں امر مجتمع ہیں یعنی اس نکاح میں کفاءت بمعنی مذکور نہیں یا مہر میں کمی فاحش ہے اور ہنگام تزویج نشہ میں یا پہلے سے معروف بسوء اختیار تھا تو اس صورت میں نابالغہ کا نکاح اگرچہ بولایت پدری ہے اصلاً صحیح نہیں۔ درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

وکذا لوکان سکران فزوجها من فاسق او شریر اوفقیر اوذی حرفة دنیة الظهور سوء اختیارہ فلاتعارضه شفقته المظنونة، بحر[1]۔	اور ایسے ہی اگر ولی نے نشہ کی حالت میں فاسق یا شریر یا فقیر سے یا باعث ہتک کام والے سے نکاح کردے کیونکہ اس صورت میں اس ولی کا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنا ثابت ہوچکا ہے اس کے مقابلہ میں اس کی شفقت جو کہ ظنی ہے معارض نہیں بن سکتی بحر (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت ویقتضی التعلیل ان السکران او المعروف بسوء الاختیار لوزوجها من کفوء بمهر المثل صح لعدم الضرر المحض (الی قوله) وهذا مفقود فی السکران وسیئ الاختیار اذا خالف لظهور عدم رایه وسوء اختیارہ	**میں کہتا ہوں** کہ یہ عبارت تفصیل کو چاہتی ہے کہ اگر نشے والا یا غلط اختیار کی شہرت والا اگر لڑکی کا نکاح کفو میں اور مہر مثل کے ساتھ کرے تو یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ اس میں لڑکی کے لیے کوئی ضرر نہیں ہے (ان کا کلام یہاں تک ہوا) کہ عدم ضرر کی صورت میں اس نشے والے اور غلط اختیار والے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

فی ذلك انتھی [1]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جنھوں نے غیر کفو میں نکاح کیا ہے میں نہیں پائی جاتی کیونکہ نشے والے کی رائے ظاہر نہ ہوئی اور دوسرے کا غلط اختیار اس معاملہ میں ظاہر ہوچکا ہے انتہی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷: از پیلی بھیت ایضا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا نکاح عمرو سے اس حالت میں کہ اوضاع واطوار عمرو موصوف کے درست تھے اپنی ولایت سے کردیا جب ہندہ مذکورہ رخصت کے زمانہ تک خود بلوغ کو پہنچی تو اس نے اپنے شوہر عمرو کو محرمات وممنوعات شرعیہ کا مرتکب اور ماموارت ومشروعات کا محترز پاکر اپنے باپ زید کے فعل کو قبیح سمجھا اس تزویج کو ناجائز رکھا، پس صورت مسئولہ میں ہندہ کا عمرو سے عقد نکاح منعقد رہا یا فسخ ہوا؟ بینوا توجروا

الجواب:

جب ہنگام تزویج عمرو میں کوئی امران بداطواریوں سے نہ تھا بلکہ یہ باتیں اس نے بعد میں اختیار کیں تو عدم کفایت بعد نکاح حادث ہوئی اور ایسی عدم کفاءت اصلا مانع صحت نکاح نہیں خصوصًا تزویج پدر میں کہ آئندہ کا علم بندہ کی قدرت سے باہر ہے لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ [2] (اللہ تعالٰی کسی کو وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ت) پس اس بناپر ہندہ کا اس نکاح کو جائز رکھنا اصلا قابل سماعت نہیں۔ درمختار میں ہے:

والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ابتداء نکاح کے وقت کفو کا اعتبار ہوتا ہے لہٰذا بعد میں کفو کا زوال مضر نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۱۸: ۲۳ رجب ۱۳۱۰ھ

بالغہ کا نکاح باپ خود کسی کفو سے کرے استیذان بالغہ ضرور ہے یا نہیں؟ نہیں تو مستحب ومسنون یا مباح یا کوئی حاجت نہیں؟

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[2] القرآن ۲/ ۲۸۶

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

الجواب:

بالغہ پر ولایت نہیں، استیذان نفاذ نکاح کے لیے ضرور ہے، اگر بے استیذان نکاح کردے گا نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازت بالغہ پر موقوف رہے گا۔ اگر جائز کرے گی جائز ہوجائے گا۔ رد کرے گی رد ہوجائے گا، **کماصرحوا بہ قاطبۃ** (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے۔ت) باقی واجب نہیں کہ ترک پر گناہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹: ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا باپ مفقود الخبر ہے اور اس کا کچھ پتا نہیں، اور ہندہ کا ایک بھائی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ برس کی ہے اور سبزہ آغاز ہندہ کا نکاح اس کی ماں اور اس کے بھائی نے کردیا، اس صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں جبکہ ہندہ نابالغہ ہے اور اس کا باپ مفقود الخبر ہے اور ہندہ کے جوان بھائی نے اس کا نکاح کیا تو وہ نکاح ہوگیا بشرطیکہ جس شخص سے نکاح کیا ہو وہ اس کا کفو ہو اس کی قوم یا پیشہ یا مذہب وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہ ہو کہ اس کے نکاح سے ہندہ کے اولیاء کو ننگ وعار آئے اور بشرطیکہ مہر میں ایسی کمی نہ کی گئی ہو جس کا تحمل لوگ نہ کرتے ہوں اور اگر ان باتوں میں سے ایک بات ہوگی یعنی اس شخص کے قوم یا مذہب یا پیشہ وغیرہ میں کوئی امر موجب ننگ وعار ہوگا یا مہر میں ایسی سخت کمی کی گئی ہو مثلاً ہندہ کا مہر مثل دس ہزار تھا اور بھائی نے پانچ ہزار پر نکاح کردیا تو ان صورتوں میں وہ نکاح اصلاً نہ ہوا، **والمسائل منصوص علیہا فی الدر المختار وغیرہ** (یہ مسائل درمختار وغیرہ میں منصوص ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ نکاح دختر نابالغہ کا باوجود انکار دختر نابالغہ اور حیات ہوتے اس کے باپ کے، بے اجازت اس کے باپ کے، اس کی ماں نے زید کے ساتھ کردیا، آیا شرعاً یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ نکاح مادر وبرادر بالغ نے بریلی میں کیا اور اس کا باپ کان پور میں موجود ہے جسے ہنوز اس نکاح کی اطلاع نہ ہوئی، اور جس لڑکے سے نکاح ہوا وہ اس کا کفو ہے، اگر یہ سب بیان

واقعی ہیں تو دیکھا جائے گا کہ ناکح کفواس قدر انتظام پر راضی ہو سکتا تھا کہ باپ کو خط لکھا جائے اوراس کی اجازت منگائی جائے یا وہ اس پر راضی نہ ہوتا بلکہ اتنے انتظار پر نکاح ہی نہ کرتا اگر یہ پچھلی صورت فرض کی جائے جس کے وقوع کی امید بہت ہی ضعیف بلکہ کالمعدوم ہے کہ انتظار جواب میں یہ بات ہاتھ سے جاتی تھی تو نکاح نافذ ہوگیا بشرطیکہ مہر مثل میں کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ انتظار جواب کرلیتا اور غالب ایسا ہی ہے تو یہ نکاح بشرط مذکور اجازت پر موقوف ہے اگر جائز رکھے گا جائز ہوجائے گا اور باطل کردے گا تو باطل ہوجائے گا۔

فی الدر المختار للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابہ واعتمدہ الباقانی ونقل ابن الکمال ان علیہ الفتوی [1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار قال فی الذخیرۃ الاصح انہ اذا کان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع رأیہ فات الکفو الذی حضر فالغیبۃ منقطعۃ والیہ اشار فی الکتاب وفی البحر المجتبٰی عن المبسوط انہ الاصح وفی النہایۃ اختارہ اکثر المشائخ وصححہ ابن الفضل وفی الہدایۃ انہ اقرب الی الفقہ وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقۃ وفی شرح الملتقی من الحقائق انہ اصح الاقاویل وعلیہ الفتوی وعلیہ مشی فی الاختیار والنقایۃ ویشیر کلام النہر	در مختار میں ہے اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہے کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب کا انتظار نہ کرتا تو ولی ابعد کو نکاح جائز ہے، اس پر باقانی نے اعتماد کیا اور ابن کمال نے نقل کیا ہے کہ اس پر فتوی ہے اھ مختصرا، اور ردالمحتار میں ہے ذخیرہ میں کہا اصح یہی ہے کہ اگر ولی اقرب اتنی مسافت پر ہو کہ رشتہ طلب کرنے والا ہم کفو وہاں سے جواب یا اس کی رائے حاصل کرنے کا انتظار نہیں کرتا تو غیبت منقطعہ قرار پائی گئی اور کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں مجتبٰی کے حوالے سے مبسوط سے منقول ہے کہ یہ اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اسے پسند کیا ہے اور ابن فضل نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب الی الفقہ ہے، اور فتح میں ہے کہ حق کے قریب ہے، اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ یہ تمام اقوال میں اصح ہے اور اس پر فتوی ہے، اور اختیار اور نقایہ میں اس کو قائم رکھا ہے، اور نہر کا کلام بھی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بماعلیہ اکثر المشائخ[1] اھ مافی ردالمحتار **قلت** لاسیما فی ھذا الزمان فان العجلة الدخانیة قد جعلت مسافة القصر کمسافة ساعة واحدة بل اقل فوجب التعویل علی ماافتی بہ اکثر المشائخ۔	اس کے مختار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اور بحر میں ہے کہ جس پر مشائخ کا اعتماد ہو اس پر فتوی باعث اطمینان ہے، درمختار کی عبارت ختم ہوئی، **قلت** خصوصا موجودہ زمانہ میں کہ جب ریل گاڑی نے مسافت قصر کو ایک گھنٹہ کی مسافت بنادیا ہے بلکہ اس سے بھی کم کردیا ہے لہٰذا جس پر اکثر مشائخ نے فتوی دیا ہے یہی قابل اعتماد ہے۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں کہ عورت کے مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی ہو مثلاً مہر مثل سو روپے کا تھا اس نکاح میں پچاس کا باندھا تو سرے سے نکاح ہی نہ ہوا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیرالاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح بغبن فاحش[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر نکاح کرنے والا باپ دادا کا غیر کفو ہو خواہ ماں ہی کیوں نہ ہو مہر میں فحش کمی کے ساتھ نکاح صحیح نہ ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۱: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے اہل سنت وجماعت دریں مسئلہ کہ مسماۃ ہندہ ورثہ شرعیہ ندارد ونہ از نطفہ زید مگر زید بسعی تام از ایام طفلی پرورش کردہ تابعمر دہ سالہ دررسیدہ وبہ سبب اطلاق پرورش زید ولی ہندہ ظاہر بعد زید منکوحہ زید نکاح ہندہ بہمراہ خیراتی خاں کردہ فرار شد وقتیکہ زید آمد برنکاحش وقوف یافتہ راضی نہ گشت دریں صورت بدون اجازت	کیافرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نامی لڑکی جو زید کی اولاد نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی شرعی وارث ہے لیکن زید نے اس کی بچپن سے دس سال کی عمر تک پرورش کی۔اس پرورش کی وجہ سے زید ہندہ کا ولی معلوم ہوتا ہے تو زید کی عدم موجودگی میں زید کی بیوی نے ہندہ کا نکاح خیراتی خاں سے کردیا، اور خیراتی خاں اس کے بعد بھاگ گیا، اب جب زید واپس آیا تو اس نے ہندہ

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

زید نکاح ہندہ خورد سالہ درست ست یا نہ، بیان فرمایند بعبارت کتب، ورحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔	کے نکاح کو ناپسند کیا اور راضی نہ ہوا، تو کیا م۔ذکورہ صورت میں ہندہ نابالغہ کا نکاح زید کی مرضی کے خلاف درست ہوا یا نہیں؟ کتب کے حوالہ سے جواب دیا جائے۔اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔(ت)

الجواب:

اولا دیدہ باید کہ شخصے کہ زن زید ہندہ را بحبالہ نکاحش داد باہندہ کفایت دارد یانے، اگر ندارد مثلا در نسب یا حرفہ یاروش یا مذہب قصورے دارد کہ ہندہ را در نکاحش آمدن نزد اہل عرف موجب عار باشد آنگاہ ایں نکاح باطل محض افتد کہ باجازت ہیچ کس روئے نفاذ نہ بیند تاآنکہ ہندہ اگر خویشتن بعد رسیدن اجازت کند ہم روئے نیابد زیرا کہ تزویج باغیر کفو جز پدر یا پدر پدر کہ دریں کار بسوء اختیار معروف نباشد ہیچ کس را نمی رسد **کمانصوا علیہ قاطبۃ وفی جامع الصغار ولی غیر الاب والجد زوج الصغیرۃ من غیر کفوء فادرکت الصبیۃ فاجازت لایجوز** [1]۔ واگر کفاءت دارد آنگاہ دیدنی ست کہ ہندہ ہنگام نکاح ہیچ قریبے قریب یا بعید مرد یازن از جانب پدر یامادر اگرچہ درغایت بعد ودوری می داشت یانے، اگر می داشت پس ہماں کس ولی نکاح اوست نکاح مذکور براجازت آں ولی موقوف ست خواہ ایں زید باشد یادیگرے اگر اجازت دہد جائز شود اگر رد کند باطل	پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ زید کی بیوی نے جس شخص سے ہندہ کا نکاح کیا ہے وہ ہندہ کا ہم کفو ہے یا نہیں۔اگر نہیں مثلا نسب، کردار، حرفہ یا مذہب میں ایسی کمی والا ہے کہ عرف میں اس کو عار سمجھا جاتا ہے تو اس صورت میں یہ نکاح محض باطل ہے اور کسی کی اجازت حتی کہ ہندہ خود بالغ ہونے پر اس کو جائز نہیں کرسکتی، کیونکہ غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح کرنے کی ایسے باپ دادا جو سوء اختیار میں مشہور نہ ہوں، کے بغیر کسی کو اجازت نہیں ہے، جیسا کہ تمام فقہائے تصریح کی ہے جامع صغار میں ہے باپ دادا کے غیر کسی ولی نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا ہو تو لڑکی بالغ ہو کر خود بھی اس نکاح جائز نہیں کرسکتی، اور اگر وہ شخص ہندہ کا ہم کفو تھا پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ ہندہ کا کوئی رشتہ دار مرد یا عورت قریب یا بعید جو کہ کسی کی ولایت رکھتا ہو موجود ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔وہ جائز قرار دے تو جائز اگر رد کردے تو رد ہوجائے گا۔وہ ولی زید ہو یا کوئی اور ہو، اور اگر ہندہ کا کوئی بھی

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش حاشیہ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹

گردد، واگر باہندہ ہیچ کس را از زندگان وقت نکاح قرابت نسبی نبودند زید نہ غیر او راآنگاہ در دیار ماکہ زیر ولایت ہیچ قاضی شرع وحاکم اسلام نیست نظر کردن ست اگر دراں شہر عالمے از علمائے دین کہ فقیہ وصاحب فتوی واعلم علمائے بلد باشد موجود ست پس نکاح مذکور براجازت او موقوف ست اگر اجازت دہد نافذ شود واگر رد کند باطل گردد۔

فی الحدیقة الندیة عن الفتاوی العتابیة اذا خلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور مؤکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیهم ویصیرون ولاة فاذا عسر جمعهم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروافالمتبع اعلمهم [1] واگر آنجا ہیچو عالمے نیز نباشد آنگاہ ایں نکاح اصلا انعقاد نہ یافت خود باطل محض ست لکونه عقد فضولی صدر ولامجیز فی جامع الصغار ان کان فی موضع لایکون تحت ولایة قاض فانه لاینعقد [2] اھ وفی ردالمحتار عن الفتح مالامجیز له ای مالیس له من یقدر علی الاجازة یبطل کما اذا زوجه الفضولی مجیزه یتیمة فی دارالحرب اواذالم یکن

زندہ لوگوں میں سے نسبی ولی نہیں، نہ زید ہے نہ کوئی اور ہے، تو ایسی صورت میں جبکہ ہمارے ملک میں کوئی قاضی یا شرعی حاکم سرکاری طور پر مقرر نہیں ہے، اگر اس شہر میں کوئی ایسا عالم جو مفتی، فقیہ اور علاقہ کا بڑا عالم ہو موجود ہے تو نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا کہ وہ اگر جائز کردے تو جائز اور اگر رد کردے تو رد ہوجائے گا، حدیقہ ندیہ میں فتاوی عتابیہ سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی طور پر امور کو سرانجام دینے والے حاکم وقاضی سے خالی ہو تو یہ امور علماء کے سپرد ہوں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کریں اور یہ علماء والی بن جائیں گے، اور اگر ایک عالم کی طرف سب کو رجوع مشکل ہو تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے علاقہ کے عالم کی طرف رجوع کریں گے اور کسی علاقہ میں ایسے علماء کی تعداد زیادہ ہو تو پھر ان میں سے بڑے عالم کی اتباع کریں گے، اور اگر وہاں کوئی ایسا عالم نہ ہو تو پھر یہ نکاح اصلا منعقد نہ ہوگا اور خود بخود باطل ہوجائے گا کیونکہ یہ فضولی کا ایسا نکاح ہوگا جسے کوئی بھی جائز کرنے والا نہ ہے، جامع الصغار میں ہے کہ اگر ایسی جگہ ہو کہ وہاں کوئی سرکاری شرعی حاکم نہ ہو تو نکاح منعقد نہ ہوگا اھ، اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ جہاں کوئی ایسا حاکم مجاز نہ ہو جو نکاح جائز کرسکے تو نکاح باطل ہوگا۔

---

[1] الحدیقة الندیة النوع الثانی من الانواع الثلاثة نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیة جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹

سلطان ولاقاض لعدم من یقدر علی الامضاء حالۃ العقدفوقع باطلا [1] اھ ملخصا بے قرابت بمجرد پرورش ولایت نکاح ثابت نہ شود فی جامع الصغار من یتولی صغیرا اوصغیرۃ لایملك تزویجھما [2]۔پس دریں صورت اجازت و عدم اجازت زید چیزے نیست،واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ کسی فضولی نے نابالغہ یتیم لڑکی کا نکاح دارالحرب میں کردیا، یا وہاں کہ جہاں کوئی سلطان و قاضی نہ ہو توایسی صورت میں نکاح باطل ہوجائے گا کیونکہ وہاں کوئی جائز کرنے والا نہیں ہے اھ ملخصا،زید کو محض پرورش کی وجہ سے ولایت حاصل نہ ہوگی،جامع الصغار میں ہے کہ کسی بچے یا بچی کی کفالت کرنے والا اس کے نکاح کا ولی نہیں بن سکتا لہٰذا مذکورہ صورت میں زید کی اجازت وعدم اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲۲: از قاضی باڑی ضلع ہردوئی،ڈاکخانہ شاہ آباد مرسلہ حضرت سید امیر حیدر صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ سید سجاد حسین مرحوم نے چار لڑکیاں اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد چند عرصہ کے ایک لڑکی فوت ہوگئی،بعد اس کے زوجہ نے انتقال کیا،تین لڑکیاں دو منسوبہ اور ایک نابالغہ چھوڑی،بعد دو سہ ماہ کے دختر کلاں نے بھی انتقال کیا،اب لڑکی نابالغ کے نکاح کی اجازت بموجب شرع شریف کے فوقیت ہمشیرہ حقیقی کو ہے یا نانی نانا کو حاصل ہے فقط۔

الجواب:

اس نابالغہ کے دادا پر دادا یا ان کے باپ دادا پر دادا کی اولاد پسری میں کوئی مسلمان عاقل بالغ مرد باقی ہے تو اس کے نکاح کی ولایت اسی کو ہے،اُس کے ہوتے نانا نانی بہن بلکہ ماں بھی کوئی چیز نہیں اور اس طرح کے مرد متعدد ہیں،تو ان میں جو قریب تر ہوگا یعنی جو اس نابالغہ کے نسب میں بہ نسبت دوسروں کے کم واسطوں سے ملے گا وہی ولایت پائے گا،اور جو برابر درجے کے ہیں وہ ہر ایک ولی ٹھہرے گا،مثلاً ہندہ بنت زید بن خالد ہے اور سعید ورشید پسران حمید بن حامد بن خالد اور باقر ابن جعفر بن احمد بن حامد اور کبیر صغیر منیر پسران طاہرین مطہر بن حامد مذکور ہیں تو ولایت نکاح ہندہ سعید ورشید دونوں کو یکساں ہے اور ان کے ہوتے باقر وکبیر ومنیر کو استحقاق نہیں،ہاں اگر دُدھیال میں کوئی مرد

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۷

[2] جامع احکام الصغار علی حاشیۃ جامع الفصولین فی مسائل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲

ایسا نہیں خواہ یوں کہ سرے سے کوئی مرد رہا ہی نہیں یا جو ہے وہ مجنون یا رفض وغیرہ بدمذہبوں میں حد کفر تک پہنچا ہوا ہے، تو اس وقت اشخاص مذکورین سوال میں ولایت نکاح نانی کو ہے، وہ نہ رہے تو نانا کو، وہ نہ رہے تو بہن کو، اور ان سب میں بھی عقل واسلام کی شرط ضرور ہوگی یعنی اگر مذہب میں فساد ہو تو حد کفر تک نہ پہنچا ہو ورنہ مرتد کو کسی پر ولایت نہیں اگرچہ دعوی اسلام رکھتا ہو،

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلا توسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف واسلام فی حق مسلمة وولد مسلم فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لام الاب ثم للجد الفاسد ثم للاخت[1] الخ اھ ملخصا، وفی ردالمحتار صرح فی الجوهرة بتقدیم الجدة علی الاخت، ونقل ذٰلك الشرنبلالی عن شرح النقایة للعلامة قاسم قال ولم یقید الجدة بکونها لام اولاب اھ، وفیه عن الخیریة ان الجدة لاب اولی من الجدة لام قولا واحدا فتحصل بعد الام ام الاب ثم ام الام ثم الجد الفاسد تامل اھ قال وما جزم به الرملی افتی به فی الحامدیة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے نکاح میں عصبہ بنفسہٖ یعنی وہ مرد جس کی نسبت میں عورت واسطہ نہ بنے، وراثت وحجب کی ترتیب پر ولی بنتے ہیں بشرطیکہ یہ حر، مکلّف اور مسلمان ہوں جبکہ ان کی ولایت مسلمان لڑکی یا لڑکے کے لئے ہو، اور اگر عصبات بنفسہا نہ ہوں پھر والدہ کو، پھر دادی کو، پھر نانے کو، پھر اخت کو ولایت ہوگی الخ اھ ملخصا، اور ردالمحتار میں ہے کہ جوہرہ میں جدہ کو بہن پر متقدم کرنے کی صراحت کی ہے، شرنبلالی نے اس کو علامہ قاسم کی شرح نقایہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ جدہ کو سگی کی قید سے مقید نہیں کرسکتے اھ، اور اسی میں فتاوی خیریہ سے منقول ہے کہ دادی کا نانی سے مقدم ہونا ایک ہی قول ہے تو حاصل یہ ہوا کہ والدہ کے بعد دادی اور پھر نانی پھر نانا، غور کرو اھ، اور کہا کہ جس پر رملی نے خیریہ میں جزم کیا ہے اسی پر حامدیہ میں فتوی دیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۳: از کلکتہ اسٹریٹ ۱۶۲ دھرم تلا مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۴ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کے ماموں نے درصورت نہ ہونے والدہ اور چچا اور برادر اور دادا اس لڑکی کے بہ موجودگی والدہ کے کردیا تھا اب اس نے بحالت بلوغ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۳۔۳۱۲

اس نکاح کو منظور نہ کیا تو وہ نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر عورت کی نامنظوری اس بناپر ہے کہ ماموں نے جس کے ساتھ اس کا نکاح کیا وہ اس کا کفو نہیں یعنی اس سے قوم یا دین یا پیشہ وغیرہ امور معتبرہ میں ایسا گھٹا ہوا جس سے نکاح اس کے لیے باعث ننگ وعار ہے یا اس بناپر کہ ماموں نے اس کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہے جب تو وہ نکاح خود ہی باطل محض ہوا جسے خود شرع مطہر نکاح نہیں ٹھہراتی، عورت کو منظوری ونامنظوری کو کچھ دخل نہیں، اور اگر یہ دونوں وجہیں نہیں بلکہ کسی اور سبب سے نامنظور کرتی ہے تو اس صورت میں اگر عورت نے کہ بکر تھی بعد بلوغ خبر نکاح سنتے ہی یا پہلے سے معلوم تھا تو بالغہ ہوتے ہی فورا بلاتوقف اختیاری نامنظوری ظاہر نہ کی تو نکاح لازم ہوگیا، اب عورت کو اصلا کوئی چارہ نہیں، اور اگر فی الفور آن بلوغ میں یا بعد بلوغ نکاح معلوم ہوا تو آن استماع خبر میں معا اپنی نامنظوری ظاہر کی تو ازانجا کہ نکاح غیر اَب وجَد کا کیا ہوا ہے عورت کو اختیار فسخ حاصل ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ بطور خود فسخ کردے اور اس کے حبالہ زوجیت سے باہر ہوجائے بلکہ یہ کہ حاکم شرع کے یہاں دعوی رجوع کرے، حاکم بعد تحقیقات امور مذکورہ نکاح فسخ کردے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرالاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا ومن کفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولوبعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ وشرط للکل القضاء وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس وان جھلت [1] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر نابالغہ کا نکاح باپ اور دادا کے غیر نے کیا تو غیر کفو میں یا بہت کم مہر کے ساتھ کیا تو نکاح بالکل نہ ہوگا۔ اور اگر کفو یا مہر مثل سے کیا تو نکاح صحیح ہوگا، اور نابالغ لڑکی اور لڑکے کو نکاح کے فسخ کا اختیار ہوگا خواہ دخول کے بعد بلوغ یا نکاح کا علم ہوا ہو اس وقت فسخ کرسکتے ہیں، فسخ کی ان تمام صورتوں میں قضاء شرط ہے اور باکرہ بالغہ لڑکی کا سکوت اس کے خیار فسخ کو ختم کردیتا ہے جبکہ وہ اپنے نکاح سے باخبر ہو اور اس سے اس کی اجازت طلب کی گئی ہو اگرچہ اس کو اپنے اختیار کے بارے میں علم نہ بھی ہو اور مجلس کے خاتمہ تک یہ اختیار باقی رہے گا، اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم اتم واکمل ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲-۱۹۳

مسئلہ ۳۲۴: از شہر کہنہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیااور دولڑکی ایک قریب ایک سال،اور دوسری قریب تین سال،اور بیوی اور والدہ تین بھائی چھوڑے،ان لڑکیوں نے تامدت سات سال زیر سایہ اپنی والدہ اور چچاؤں کے پرورش پائی،قضائے الٰہی بعد سات سال والدہ نے بھی انتقال کیا،چونکہ چچا اپنے اپنے تعلقوں پر تھے یہاں موجود نہ تھے،خالائیں آئیں اور حیلہ وفریب کرکے لڑکیوں کو لے گئیں کہ تاآنے چچاؤں کے یہ لڑکیاں ہمارے پاس ہیں جب چچا آئیں گے فوراروانہ کردیں گے،یہاں سے لے جاکر دونوں لڑکیوں کے نکاح عدم موجودگی چچاؤں میں باختیار خود اپنے لڑکوں کے ساتھ کرلئے،اس صورت میں یہ نکاح ہوئے یانہیں؟**بینواتوجروا۔**

الجواب:

آٹھ سال کی لڑکی ضرور نابالغہ ہے،یونہی دس سال کی بھی،جب تک حیض نہ آئے یاپندرہ سال کامل کی عمر نہ ہوجائے،اور نابالغ کااختیار عصبہ کو ہے،عصبہ کے ہوتے ذوی الارحام کوئی چیز نہیں۔ہدایہ میں ہے:

لغیر العصبات من الاقارب ولایۃ التزویج عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی معناہ عند عدم العصبات[1]۔	نابالغہ کے نکاح کی ولایت عصبات کی غیر موجودگی میں دیگر اقارب کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حاصل ہے۔(ت)

چچا عصبہ ہے اور خالہ ذوات الارحام سے،خالہ سگے چچا سے چھتیسویں درجے میں ہے کہ ۱حقیقی چچا نہ ہو تو ۲سوتیلے چچا کو نکاح کی ولایت ہے،پھر ۳حقیقی چچا کے بیٹے کو،پھر ۴سوتیلے چچا کے بیٹے کو،پھر ۵باپ کا حقیقی چچا،پھر ۶سوتیلا،پھر ۷باپ کے حقیقی چچا کا بیٹا،پھر ۸سوتیلا کا،پھر ۹دادا کا حقیقی چچا،پھر ۱۰سوتیلا پھر ۱۱دادا کے حقیقی چچا کا بیٹا،پھر ۱۲سوتیلے کا،پھر ۱۳اور دور کا سگا چچا ۱۴پھر سوتیلا،۱۵پھر اس کا بیٹا،۱۶پھر اس کا،۱۷پھر آزاد کرنے والا،۱۸پھر اس کا عصبہ،یہ سب عصبات ہیں،۱۹جب ان میں کوئی نہ ہو توماں ولی ہے،۲۰پھر دادی،۲۱پھر نانی،۲۲پھر بیٹی،۲۳پھر پوتی،۲۴پھر نواسی،۲۵پھر پسر کی پوتی نواسی،۲۶پھر دختر کی،۲۷پھر نانا،۲۸پھر سگی بہن،۲۹پھر سوتیلی،۳۰پھر ماں کی اولاد جو باپ میں شریک نہیں،۳۱پھر سگی بہن کی اولاد،۳۲پھر سوتیلی کی،۳۳پھر اولاد مادر کی،۳۴پھر پھوپھی،۳۵پھر ماموں،۳۶اور جب ان سب میں کوئی نہ ہو تو خالہ،ان تمام درجات کی تفصیل عالمگیری ودرمختار وغیرہا سے ظاہر،فتاوی قاضی خاں

---

[1] ہدایہ باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/۲۹۸

میں ہے:

ولایۃ النکاح الی العصبات اقرب الی الصغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما علی ھذا الترتیب وان سفلوا ثم العم لاب وام[1] اھ ملخصاً۔	نکاح کی ولایت عصبات کو ہے اور نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبات والد پھر دادا، حقیقی بھائی، پھر باپ کی طرف سے بھائی، پھر ان دونوں کے لڑکوں کو اس ترتیب سے نیچے تک، پھر حقیقی چچا کو، اھ ملخصا (ت)

درمختار میں ہے:

فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام (وعد درجات الی ان قال) ثم الخالات[2]۔	اگر عصبہ نہ ہو تو ماں کو ولایت ہے، اور ولایت کے درجات متعددہ کو بیان کرنے کے بعد انھوں نے کہا پھر خالاؤں کو ولایت ہوگی۔ (ت)

پس چچا کے ہوتے جو نکاح خالہ کردے چچا کی اجازت پر موقوف ہے، اگر جائز رکھے جائز اور اگر رد کردے تو باطل ہوجائے درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	اگر قریبی ولی کے ہوتے ہوئے بعید ولی نے نکاح کردیا تو قریب ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ اللہ تعالٰی اعلم ہے اور اس کا علم اتم اور محکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۵: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان بالغ لڑکی ناکتخدا کا نکاح اس کی ماں نے عدم موجودگی پدر میں اپنے عزیز واقارب کو جمع کرکے اپنے بھانجے کے ساتھ کردیا، باپ بھی اس لڑکے کو جانتا ہے اور اس پر راضی بھی تھا مگر یہ کہتا تھا کہ جب تک یہ نوکر نہ ہو مت کرنا، اس صورت میں نکاح شرعاً درست ہوا یا نہیں؟ اور ماں کو بہ موجودگی باپ کے اولاد پر ایسا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب:

نابالغ اولاد باپ کے ہوتے ماں کے لئے ایسا اختیار اصلاً نہیں۔ اور بالغ اولاد پر ماں باپ کسی کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

ولایت جبری نہیں۔ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الایم احق بنفسھا من ولیھا[1] رواہ الستۃ الا البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔	بالغہ عورت ولی کی بنسبت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اس کو امام بخاری کے سوا ائمہ ستہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ذکر کیا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[2]۔	بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر اس پر جبر کی ولایت کسی کو حاصل نہ رہی، (ت)

صورت مذکورہ میں جبکہ لڑکی بالغہ ہے تو اس کا نکاح بے اس کے اپنے اذن کے نہ ماں کے کئے نافذ ہوسکے نہ باپ کے ہاں، جس عورت بالغہ کا ولی موجود ہو وہ غیر کفو سے اپنا نکاح نہ خود کرسکتی ہے نہ دوسرے کو اذن دے سکتی ہے جب تک ولی اس شخص کے غیر کفو ہونے پر مطلع ہوکر پیش از نکاح بالتصریح اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے، ورنہ نکاح محض باطل ہوگا کہ پھر رضائے ولی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ[3] اھ ملخصا۔	ولی کی رضا کے بغیر حرہ عاقلہ بالغہ کا اپنی مرضی سے نکاح نافذ ہوتا ہے اور غیر کفو میں ولی کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح جائز ہونے پر فتوی ہے جبکہ ولی غیر کفو میں ہونے کا علم حاصل کرچکا ہو اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلایفید الرضی بعدہ بحر[4]۔	یہ اس صورت میں ہے جب لڑکی کا کوئی ولی ہو اور نکاح سے قبل وہ اس پر راضی نہ ہو تو نکاح کے بعد ولی کی رضا مفید نہ ہوگی، بحر۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۵، سنن ابو داؤد فصل فی الثیب آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۶

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[4] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اور کفو وہ ہے جس کے قوم، مذہب، چلن، پیشے وغیرہ میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کے سبب اس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے اہل عرف کے نزدیک موجب ننگ وعار وبدنامی ہو، نہ ایسی حالت محتاجی ناداری بے حرفگی وبے سامانی میں ہو کہ عورت کا نفقہ واجبہ نہ چل سکے، یا جس قدر مہر شرعًا یا عرفًا پیشگی دینا ٹھہرا ہے نہ دے سکے۔ درمختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانة ومالا بان یقدر علی المعجل ونفقة شھر لو غیر محترف والافان کان یکتسب کل یوم کفایتھا لو تطیق الجماع وحرفة [1] اھ ملخصًا۔	عرب وعجم میں کفو کے لئے دینداری اور مال کا اعتبار ہوگا کہ وہ مہر معجّل دینے پر قادر ہو اور وہ کاروبار والا نہ ہو تو ایک ماہ کا خرچہ ادا کرنے پر قادر ہو، ورنہ اگر وہ کاروبار والا ہے تو روزانہ بیوی کو کفایت کے لئے نفقہ کی قدرت رکھتا ہو اگر عورت کو جماع کی برداشت ہو ورنہ مہر معجّل کی قدرت کافی ہے اور برابری معتبر ہے پیشہ میں اھ ملخصًا (ت)

پس اگر شخص مذکور ان سب نقائص سے خالی تھا اور نکاح باذن دختر ہوا تو بلاشبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا جس میں ناموجودی وناراضی پدر کچھ خلل انداز نہیں۔ نہ اس کا نوکر نہ ہونا مخل ہوسکتا ہے جبکہ وہ اور مال رکھتا ہو یا کسی دستکاری سے اپنے اور زوجہ کے کھانے پینے کے قابل ہوسکتا ہے یا حسب عادت بلد اس کے ماں باپ بہو بیٹے کی کافی خبر گیری رکھیں اور کچھ مہر پیشگی دینا ہو تو اس کے ادا پر بھی قادر ہو، درمختار میں ہے:

الصبی کفو بغنی ابیه وامه بالنسبة الی المھر المعجل لاالنفقة لان العادة ان الاباء یتحملون عن الابناء المھر لا النفقة ذخیرة [2] اھ ملخصا۔	لڑکا باپ یا ماں کے غنی ہونے کی وجہ سے مہر کے بارے میں کفو ہوسکتا ہے کیونکہ عادۃ والدین لڑکوں کے مہر کو خود برداشت کرتے ہیں، نفقہ کے معاملہ میں والدین کا غنا کارآمد نہیں کیونکہ والدین نفقہ کی کفالت نہیں لیتے، ذخیرہ، اھ ملخصا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مقتضاہ انه لوجرت العادة بتحمل النفقة ایضا عن الابن الصغیر کمافی	اس سے حاصل ہوا کہ اگر نابالغ بیٹے کی طرف سے نفقہ کو اپنے ذمّے لئے جانا عادت ہو جیسا ہمارے زمانہ میں ہے تو بھی کفو

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

زماننا انہ یکون کفوا بل فی زماننا یتحملها عن ابنه الکبیر الذی فی حجرہ والظاھر انہ یکون کفوا بذلك لان المقصود حصول النفقة من جھة الزوج بملك اوکسب اوغیرہ ویؤیدہ ان المتبادر من کلام الھدایة وغیرھا ان الکلام فی مطلق الزوج صغیرا کان اوکبیرا الخ۔[1]	ہوسکے گا ہمارے زمانے میں تو لوگ اپنے اس رہنے والے بالغ بیٹے کی طرف سے بھی نفقہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔تو اس صورت میں کفو ہونا ظاہر ہے کیونکہ مقصد تو لڑکے کی طرف سے بیوی کے لئے نفقہ کا حصول ہے مالک ہونے یا کاسب یا کسی اور طریقہ سے نفقہ حاصل ہو،اور اس بات کی تائید ہدایہ کے کلام سے متبادر ہوتی ہے کہ انھوں نے مطلق خاوند کی بات کی ہے خواہ نابالغ ہو یا بالغ ہو الخ (ت)

ہاں اگر دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی گئی ہے تو باپ کو اس پر اعتراض پہنچتا ہے جس کا حاصل اس قدر کہ مہر مثل پورا کرالیا جائے،اور پورا نہ کرے تو قاضی نکاح فسخ کردے،نہ یہ کہ خواہ مخواہ نکاح رد ہوجائے،درمختار میں ہے:

لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبة الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا اویفرق القاضی بینھما دفعا للعار[2]۔	اگر بالغہ نے اپنے نکاح میں مہر مثل سے کم مہر منظور کیا تو ولی عصبہ کو اعتراض کا حق ہے تاوقتیکہ لڑکی اپنا مہر مثل پورا کرائے یا پھر قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح فسخ کرے۔(ت)

البتہ اگر امور مذکورہ بالا سے کسی امر میں ایسا بھی ہے جس کے باعث وہ شرعاً کفو نہ ٹھہرے،اور باپ نے اس پر مطلع ہوکر اپنی رضامندی ظاہر نہ کردی تھی تو بیشک،یہ نکاح سرے سے باطل ہوا کہ اب باپ کی رضامندی سے بھی صحیح نہیں ہوسکتا،اس تقدیر پر فرض ہے کہ مرد عورت فوراً جدا ہوجائیں اور اس نکاح کو ترک کردیں،پھر اگر چاہیں تو بعد اجازت صریحہ پدر از سر نو نکاح کرلیں،واللہ سبحنہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۶: ۲۸ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ اس کے باپ،دادا،بھائی،بھتیجا کوئی نہیں حقیقی چچا ہیں،چچا کا نابالغ لڑکا ہے،اگر یہ ولی جائز اپنی بھتیجی نابالغہ کا اپنے پسر نابالغ سے بولایت

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

خود ایسی حالت میں نکاح کردے کہ لڑکی زیر پرورش نانی کے ہو اس کے پاس موجود ہو تو یہ نکاح صحیح وجائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صحیح وجائز ہے جبکہ وہ لڑکا اس نابالغہ کا کفو ہو اور نابالغہ کے مہر مثل میں صریح کمی نہ کی جائے۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرہ ای غیر الاب وابیہ لایصح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمھر المثل صح[1] الخ اھ	ملخصا۔ اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا نہ ہو تو غیر کفو یا مہر مثل سے صریح کم کی صورت میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا۔ اور کفو اور مہر مثل ہو تو نکاح صحیح ہوگا الخ اھ ملخصا۔ (ت)

جبکہ یہ شخص لڑکے لڑکی دونوں کا ولی ہے تو دو گواہوں کے سامنے اس کا صرف اتنا کہہ دینا کہ "میں نے اپنی فلاں بھتیجی اپنے فلاں بیٹے کے نکاح میں اتنے مہر پر دی" کفایت کرتا ہے کچھ لڑکے یا لڑکی کا حاضر ہونا ضرور نہیں۔

نعم یجب ان لایکون غائبا غیبۃ منقطعۃ فانہ لایبقی ولیا علی ماصححوہ کمانقحہ فی ردالمحتار[2]	ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ چچا اس حد تک غائب نہ ہو کہ وہاں تک رسائی مشکل ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ ولی نہ قرار پائے گا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصحیح کی ہے جس کی تنقیح ردالمحتار میں کی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یتولی طرفی النکاح واحد بایجاب یقوم مقام القبول کأن کان ولیا من الجانبین[3] اھ ملخصا وفی ردالمحتار کزوجت ابنی بنت اخی[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص نکاح میں دونوں جانب سے ولی ہوتے ہوئے ایجاب کردے تو وہ قبول کے قائم مقام بھی ہو جائیگا مثلا جب وہ دونوں جانب سے خود ولی ہو اھ ملخصا، اور ردالمحتار میں ہے، مثلا یوں کہے: "میں نے اپنی بیٹی کا اپنے بھتیجے سے نکاح کردیا" واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۶

[4] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۶

مسئلہ ۳۲۷: عمرو اور زید دو حقیقی بھائی ہیں ان میں زید ایک لڑکی نابالغ چھوڑ کر مر گیا، عمرو اپنی بھاوج بیوہ زوجہ زید سے لڑکی نابالغ کو حیلہ کرکے اپنے مکان پر لے گیا، اس لڑکی نابالغ کا نکاح بلااجازت اس کی والدہ کسی شخص بیمار کے ساتھ اپنی اجازت سے کردیا، اب عمرو اپنی بھاوج سے متقاضی ہے کہ لڑکی کا نکاح ہم نے اپنی اجازت سے کردیا اور رخصت نہیں کیا اب رخصت کردو ورنہ عدالت ہوگی، اس صورت میں بیوہ پوچھتی ہے کہ علمائے دین و مولویان شرع متین کیا فتوی دیتے ہیں کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ فتوی لکھ کر مہر ودستخط سے مزین فرمائیں۔

الجواب

نابالغہ کی ولایت اس کے چچا کو ہے (بشرطیکہ کوئی جوان بھائی بھتیجا حاضر نہ ہو) چچا کے ہوتے ماں کو اختیار نہیں اور شوہر کی بیماری سے بھی درستی نکاح میں کوئی خلل نہیں آتا، پس اگر وہ شخص جس سے عمرو نے اپنی بھتیجی کا نکاح کردیا اس کا کفو ہے (یعنی قوم، مذہب، پیشہ وغیرہ میں اس کی بہ نسبت ایسا کم نہیں کہ اس سے نکاح ہونا اس صغیرہ کے اولیاء کو باعث عار ہو) اور مہر مثل میں فاحش کمی بھی نہ کی تو نکاح بے شک صحیح ہوگیا جس پر ماں کو کسی طرح اعتراض نہیں پہنچتا، ہاں لڑکی جوان ہو کر اگر خود ناراضی ظاہر کرے تو حاکم شرع کے حضور نالشی ہو کر فسخ کراسکتی ہے، اور اگر وہ شخص کفو نہیں یا چچا نے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہے مثلاً مہر مثل سو روپے کا تھا اس نے پچاس روپے باندھے تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولا الام لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمھر المثل صح ولصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر نکاح دینے والا باپ اور دادا کا غیر ہو خواہ وہ ماں ہو غیر کفو یا مہر مثل صریح کم ہو تو نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا اور کفو اور مہر مثل ہو تو صحیح ہوگا اور نابالغ لڑکے یا لڑکی کو بلوغ پر فسخ کا اختیار ہوگا یا اگر ان کو بلوغ کے بعد علم ہوا ہو تو اس وقت بھی فسخ کا اختیار ہوگا اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نابالغ کا نکاح بہ اجازت ہندہ اس کی پھوپھی کے محمودہ بالغہ کے ساتھ ہوا، وقت نکاح عمر زید کی چودہ سال کی اور عمر محمودہ کی سولہ سال کی تھی، زید نکاح سے چار مہینے بعد فوت

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ہوگیا، آیا یہ نکاح صحیح اور دین مہر محمودہ کا واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس قدر؟ اور زید محمودہ دونوں سنی المذہب ہیں، بحوالہ کتاب جواب تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید کا ایک جوان بھائی موجود ہے پس صورت مذکورہ میں اوّلاً اس قدر معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ شرعًا بلوغ کا دارومدار خواہی نخواہی عمر ہی پر نہیں رکھا گیا جب تک آدمی اتنے سال کا نہ ہو بالغ نہ کہا جائے گا اگرچہ تمام آثار جوانی واضح وآشکار ہوں عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ حقیقۃً لڑکوں میں مدار کار انزال واحتلام لڑکیوں میں حیض وغیرہ پر ہے، اس لئے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ لڑکا کم سے کم بارہ سال اور لڑکی نو برس میں بالغ ہوسکتی ہے، ہاں جب یہ امور ظاہر نہ ہوں تو اس وقت عمر پر فیصلہ کیا گیا۔

فی الدرالمختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والاصل ھوالانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیھما شیئ فحتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی لقصر اعمار اھل زماننا وادنی مدتہ لہ اثنا عشرۃ سنۃ ولھا تسع سنین ھوالمختار [1] اھملخصا۔	درمختار میں ہے لڑکے کا بلوغ احتلام، انزال اور بیوی کو حاملہ کرنے سے ثابت ہوگا جبکہ انزال اصل ثبوت ہے، اور لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض اور حمل سے ثابت ہوگا، اگر ان علامات میں سے کوئی چیز دونوں میں نہ پائی جائے تو پھر دونوں کی عمر پندرہ سال تک ہونا ان کا بلوغ ہوگا۔ اس پر فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ ہمارے زمانہ والوں کی عمریں کم ہوتی ہیں، اور لڑکے کے لئے کم از کم حد بلوغ بارہ سال اور لڑکی کے لئے نو سال ہے، یہی مختار قول ہے، اھ، ملخصا۔ (ت)

پس ممکن کہ زید چہاردہ سالہ وقت نکاح بالغ ہو جب تو صحت نکاح ووجوب تمامی مہر میں کچھ نزاع ہی نہیں۔ اس طرح اگر نابالغ تھا اور نکاح باجازت برادر واقع ہوا یا اس وقت معمولی اجازت صرف پھوپھی سے لی گئی ہو اور بھائی نے جبھی یا کسی اور وقت صراحۃً خواہ دلالۃً اس نکاح کو جائز رکھا اور پسند کیا یا یہ بھی نہ ہوا مگر چند مدت بعد زید بالغ ہوگیا اور خود اس نے نکاح جائز رکھا، ان سب صورتوں میں نکاح بھی نافذ اور مہر بھی کامل واجب ہے۔

فی الدرالمختار للولی الاتی بیانہ انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرًا [2] اھ.	درمختار میں ہے کہ ولی کو اختیار ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے کہ نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح اپنی مرضی سے کردے اھ،

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۲/۱

وفی تنویر الابصار الولی فی النکاح العصبة بنفسه[1] اھ وفی الدرالمختار لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[2] اھ وفی الخانیه نفذ باجازۃ الصبی بعد بلوغ[3] اھ وفی الدرالمختار المهر یتاکد عند وطء او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[4] اھ۔	اور تنویر الابصار میں ہے کہ نکاح میں عصبہ بنفسہٖ ولی ہوتا ہے اھ اور درمختار میں ہے اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا اھ، اور خانیہ میں ہے کہ بچے کے بالغ ہوکر اجازت دینے سے نکاح نافذ ہوجائے گا۔اور درمختار میں ہے کہ وطی، خلوت صحیحہ اور خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اھ (ت)

ہاں اگر ان امور میں سے کچھ نہ واقع ہوا یعنی نہ زید بالغ تھا نہ نکاح بہ تجویز ولی واقع ہوا، نہ ولی نے کسی وقت صریحًا یا دلالۃً اس کی اجازت دی، نہ زید خود لائق اجازت ہوا، یہاں تک کہ مرگیا تو بے شک نکاح باطل ہوگیا۔

لان الموقوف یبطل بالموت قبل الاجازۃ کما لایخفی علی احد۔	کیونکہ موقوف نکاح، اجازت سے قبل موت سے باطل ہوجاتا ہے، جیسا کہ سب پر واضح ہے۔(ت)

اور جلسہ نکاح میں ولی کا مجرد خاموش بیٹھا رہنا اجازت وپسندی پر یقین نہیں دلاسکتا بلکہ اس کا کوئی فعل ایسا ہونا چاہئے جس سے رضامندی سمجھی جائے، مثلاً دلہن کو رونمائی دینا یا دولھا کی سلامی کے روپے لینا یا مبارک باد لینا دینا۔

وغیر ذلك عمایدل علی الرضا وفی ردالمحتار تقدم ان البالغة لوزوجت نفسها غیر کفو فللولی الاعتراض مالم یرض صریحا او دلالة کقبض المهر ونحوہ فلم یجعلوا سکوته	ان کے علاوہ دیگر امور جو رضا کی دلیل ہوسکتے ہیں، اور ردالمحتار میں ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اگر بالغہ لڑکی نے اپنا نکاح خود غیر کفو میں کرلیا اور ولی صراحۃ یا دلالۃ رضامندی ظاہر نہ کرے مثلاً مہر وصول کرنا وغیرہ عمل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳
[2] الدرالمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴
[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی شرائط النکاح نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۷
[4] الدرالمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

اجازۃ والظاہر ان سکوتہ ھنا کذلك فلو یکون سکوتہ اجازۃ لنکاح الابعد وان کان حاضرا فی مجلس العقد مالم یرض صریحا اودلالۃ تامل [1]۔	نہ کرے، تو ولی کو اس نکاح پر اعتراض کا حق ہے تو فقہاء نے اس کے سکوت کو اجازت نہیں قرار دیا اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہاں موقعہ پر سکوت کا یہی مطلب ہے تو اس کا سکوت ابعد ولی کے نکاح کی اجازت قرار نہیں پائے گا اگرچہ یہ اقرب مجلس نکاح میں موجود ہو جب تک صریحا یا دلالۃ رضامندی ظاہر نہ کردے، غور کرو (ت)

اور اس صورت میں مہر بھی لازم آئے گا،

لان النکاح باطل والباطل معدوم والمعدوم لایفید۔	کیونکہ یہ نکاح باطل ہے اور باطل کالعدم ہوتا ہے اور معدوم چیز مفید نہیں۔ (ت)

البتہ اگر ایسی صورت میں یہ ثابت ہو کہ زید نابالغ نے بعد اس عقد نافذ کے محمودہ سے بالجبر قربت کی اور محمودہ اس وقت حقیقۃ حالت جبر واضطرار میں تھی نہ وہ حالت جو ابتداء بوجہ شرم وحجاب عموما انکار کی باعث ہوتی ہے بلکہ وہ حالت جو زن عفیفہ کو مرد اجنبی کے ساتھ ہوتی ہے تو اس تقدیر پر ہندہ کا مہر مثل ذمہ زید لازم ہونا چاہئے۔

وذلك لان الموقوف قبل الاجازۃ لایحل الوطی بل ولا النظر [2] کما صرح بہ فی احکام الخلوۃ من باب المہر من ردالمحتار عن النہر عن النہایۃ وقد تبین بالموت انہا لم تکن زوجتہ ولاحد للشبہۃ و للصبی فیجب العقر الا ان تکون مطاوعۃ فلایوجب لعدم الفائدۃ اذلولزم لرجع بہ الولی علیہا لانہا مکلفۃ وقد وقع ماوقع بامرھا لکونہا طائعۃ کمافی ردالمحتار عن الشرنبلالی عن الفتح۔ واللہ	یہ اس لئے کہ اجازت سے قبل موقوف نکاح میں وطی حلال نہیں بلکہ اس کو دیکھنا بھی حلال نہیں جیساکہ مہر کے باب میں خلوت کے احکام میں ردالمحتار نے نہر سے انھوں نے نہایہ سے نقل کیا ہے اور اجازت سے قبل موت سے ظاہر ہوگیا کہ یہ اس کی بیوی نہ تھی، اگر قبل از اجازت ولی اقرب وطی یا خلوت ہوجائے تو حلال نہ ہونے کے بعد زنا کی حد نہ ہوگی کیونکہ مقام شبہ ہے نیز لڑکا نابالغ ہے، تاہم عقر یعنی جوڑا خرچہ واجب ہوجائے گا بشرطیکہ لڑکی کی خواہش پر یہ عمل نہ ہوا ہو، ورنہ عقر واجب نہ ہوگا کیونکہ اس میں فائدہ نہیں ہے۔

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۱

تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اگر واجب قرار دیا جائے تو لڑکے کا ولی لڑکی سے تعرض کرے گا۔ کیونکہ جو واقعہ ہوا ہے وہ لڑکی کی مرضی اور کہنے سے ہوا اس لئے کہ لڑکی بالغ ہے جس کی خواہش پر یہ کچھ ہوا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں شرنبلالی سے اور اس نے فتح سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲۹: از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۰۲ مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح بسبب نہ رہنے باپ دادا کے اس کے ماموں نے اپنی ولایت سے کردیا تھا اب بحالت بلوغ لڑکی نے اس نکاح کو منظور نہ کیا اور بعین حالت بلوغ دو چار آدمیوں کو بلا کر اظہار کیا کہ میں اس وقت بالغ ہوئی اپنے ولی کے نکاح کو نامنظور کرکے فسخ کیا آپ لوگ اس امر کے شاہد رہیں۔اور اس فسخ کی خبر اس کے ناکح کو ہوئی اور دین مہر بھی معاف کردیتی ہے،تاہم صفائی نہیں کرتا،قریب سال کے گزرا اور دربارہ مسئلہ فسخ درمختار وغیرہ میں ہے کہ فسخ کی خبر قاضی کو کرے۔قاضی تفریق کردے،اور اس سلطنت انگریزی میں قضا یا نہیں حکم قضا یا حکام ہائی کورٹ کے متعلق ہے اور ہائیکورٹ میں خبر کے واسطے وکیل اور بیرسٹر مبلغ ایک ہزار طلب کرتے ہیں اور لڑکی مذکورہ نان ونفقہ کو محتاج اور عالم شباب رکھتی ہے،خوف شیطانی غالب رہے،پس ایسی صورت میں کیا کرے؟ بیان فرمائیے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع اس فسخ کے لئے قضائے قاضی شرط ہے **کما فی الدرالمختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اور حاضری شوہر وقت تفریق بھی ضرور۔

فی ردالمحتار الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر،قلت وبه صرح الاستروشنی فی جامعه[1]۔	ردالمحتار میں ہے جب تک خاوند حاضر نہ ہو قاضی تفریق نہ کرے،ورنہ اس کی غیر موجودگی میں تفریق،قضاء علی الغیب ہوگی،نہر،میں کہتا ہوں استروشنی نے اپنی جامع میں یہی تصریح کی ہے۔(ت)

اور ہائی کورٹ وغیرہ انگریزی کچہریاں دار القضاء شرعی نہیں۔نہ وہ حکام حکام وقضاۃ شرع،تو ایسے مسائل میں ان کی طرف رجوع اگر آسان بھی ہو تو اصلا مفید نہیں کہ ان کے فسخ کئے یہ نکاح فسخ نہ ہوگا اور عورت بدستور زوجہ شوہر رہے گی بلکہ وہاں جو عالم فقیہ سنی تمام اہل شہر سے علم فقہ میں زائد ہو اس قسم کے خاص دینی کاموں میں اس کی طرف رجوع لازم ہے،اور اگر وہاں یہ بھی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ زن وشوہر

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

اس معاملہ کو پنچایت پر رکھیں، مسلمان پنچ بعد ثبوت بمواجہہ شوہر تفریق کردے نکاح فسخ ہوجائے گا۔

فان الحکم کالقاضی فی کل مالیس بحد ولاقود ولادیۃ علی عاقلۃ کمانصوا علیہ۔	حکم یعنی ثالث، قصاص، حد اور عاقلہ پر دیت کے سوا باقی امور میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔(ت)

اور اگر شوہر پنچایت پر راضی نہ ہو تو عورت کسی اسلامی ریاست کے شہر میں جائے جس طرح یہاں ریاست رام پور وغیرہ اور وہاں قاضی شرع کے حضور (جس کی قضا کو نواب والی ملک مسلمان نے نہ اس شہر والوں سے خاص کردیا ہو نہ سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر حکم کے لئے مقید کیا ہو)استغاثہ کرے وہ بلحاظ قواعد شرعیہ تفریق کرسکتا ہے،اور اگر شوہر بھی وہاں جانے پر راضی ہو یا قاضی کی طلبی پر اسے جانا ضرور ہو جب تو امر آسان ہے،اب اس قاضی میں صرف اتنی شرط ہوگی کہ والی نے صرف اہل شہر کے ساتھ اسی کی قضاء کو خاص کردیا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے کہ تخصیص نہیں کرتے۔

وذلك لما عرف ان القضاء یتخصص بکل ماخصص بہ المقلد کما فی الاشباہ والدر وغیرھما واذا لم یخصص باھل البلد لم یشترط ان یکون المتداعیان من اھل البلد[1] کما فی ردالمحتار وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قضاء کا دائرہ قاضی کو مقرر کرنے والے کی تخصیص سے خاص ہوتا ہے جیسا کہ اشباہ، درمختار وغیرہ کتب میں مذکور ہے،اور جب قاضی کا دائرہ کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہ ہو تو دعوی کے فریقین کا اہل بلد سے ہونا شرط نہیں ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ کے باہم شادی بولایت پدران عالم نابالغی زوجین میں ہوئی، بعد ایک عرصہ کے زید نابینا ہوگیا اور ہنوز وہ دونوں نابالغ ہیں اور پدر ہندہ نے وفات پائی اب مادر وعم ہندہ اسے رخصت کرنا نہیں چاہتے اور کہتے ہیں ہم اپنی بیٹی زید کو نہیں دیں گے اس صورت میں ماں کے انکار سے اس نکاح میں خلل آیا یا نہیں؟ اور ماں اور چچا کو فسخ کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح مذکور بحالہ باقی ہے اورام وعم ہندہ بلکہ کسی کے انکار سے اس میں خلل نہیں

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۵۷

آتا، نہ انھیں اختیار فسخ حاصل، یہاں تک کہ اگر خود ہندہ بعد بلوغ فسخ نکاح چاہے تاہم منفسخ نہ ہوگا۔

فی تنویر الابصار لزم النکاح ولو بغبن فاحش ان کان الولی ابا اوجدا[1] الخ فی فتاوی قاضی خاں اذا بلغ الصغیر اوالصغیرۃ قد زوجھما الاب والجد لاخیار لھما[2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے کہ ولی باپ یا دادا ہو تو بہت کم مہر سے بھی نکاح لازم ہوتا ہے الخ۔ اور فتاوی قاضی خاں میں ہے کہ لڑکا یا لڑکی کو بالغ ہونے پر اختیار نہ ہوگا انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر مرگیا اور دو لڑکی ایک کی عمر تین برس کی اور ایک کی چھ برس کی، چھ برس کی عمر کی لڑکی کو اس کی پھوپھی چور سے لے گئی اپنے گھر کو، جب ہندہ کو معلوم ہوا تو وہ اس فکر میں رہی کہ جب موقع پاوے اپنی لڑکی کو لے آئے، اور اپنے عزیزوں سے بھی کہہ رکھا کہ جب موقع ملے تو میری لڑکی میرے پاس لے آؤ، حسب اتفاق وہ لڑکی ہندہ کی کسی دکان پر گوشت لے رہی تھی اور ہندہ کا بھانجا اس طرف سے آرہا تھا اسے گودی میں اٹھا لایا اور ہندہ کو دے دیا، جب وہ لڑکی ہندہ کے پاس آگئی تو چھ سات روز بعد اس کی پھوپھی آئی اور ہندہ سے کہا میں نے اس کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے اب اس کو بھیج دو، ہندہ نے کہا میں ماں تھی میری بلا اجازت تم نے کیوں نکاح کیا میں اس لڑکی کو نہیں دوں گی اور اس کے نکاح کا مجھے اختیار ہے، اور وہ لڑکی ایک برس اپنی پھوپھی کے رہی اور چھ برس کی عمر میں گئی تھی اور اس کو ماں کے پاس آئے ہوئے چار پانچ برس کا عرصہ ہوا اس حساب سے اب گیارہ بارہ برس کی عمر ہے تو اس صورت میں وہ نکاح فاسد رہا یا قائم رہا؟ اور ہندہ اس کا اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، آیا بموجب شرع شریف کے کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ان لڑکیوں کا کوئی جوان بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا، پوتا غرض دادا پردادا کی اولاد سے کوئی عاقل بالغ مرد نہ تھا تو ان کے نکاح کی ولایت ان کی ماں ہی کو تھی پھوپھی کو ماں کے ہوتے کچھ اختیار نہ تھا جو نکاح پھوپھی نے بے اجازت ماں کے کیا جبکہ ماں نے اسے رد کردیا کہ تم نے کیوں کیا میں اس کو نہ دوں گی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۴

اس کا مجھے اختیار ہے وہ نکاح باطل ہو گیا اب ہندہ کو اختیار ہے جہاں مناسب دیکھے لڑکی کا نکاح کر دے۔

فی الدرالمختار ان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب الیہ المرجع والمآب۔	درمختار میں ہے اگر کوئی عصبہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہے۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب(ت)

مسئلہ ۳۳۲: از شہر اعظم گڑھ مرسلہ عنایت اللہ خاں صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ مسماۃ محمودہ کا نکاح حامد ایک شخص ہم کفو کے ساتھ مندرجہ ذیل صورت میں ہوا ہے صرف پدر محمودہ کو یہ نکاح حامد کے ساتھ کرنا منظور نہیں تھا مگر مادر محمودہ ونیز تمام خاندان کو بہر صورت منظور تھا اس لئے یہ نکاح بہ تحریک مادر محمودہ ودیگر بزرگان خاندان بغیبت پدر محمودہ کے جبکہ وہ اپنے علاقہ پر بہ فاصلہ بارہ تیرہ کوس کے تھا باعلان عام منعقد کیا گیا،چونکہ محمودہ عاقلہ بالغہ تھی اس لئے ایک روز قبل از انعقاد نکاح اس کی ہم عمر ایک کتخدا لڑکی واسطے استمزاج محمودہ کے بھیجی گئی،اس سے محمودہ نے کہا کہ یہ نکاح مجھ کو بدل منظور ہے،یہ بھی کہا کہ اس میں یہ خوبی ہے کہ میں تم اور نیز تمام اعزہ سے جدا نہ ہوں گی اور ایک ہی جگہ رہوں گی،دوسرے روز بروز جمعہ اس کا عقد قرار پایا،ایک وکیل اور دو گواہ جس کمرہ میں محمودہ تھی واسطے دریافت رضامندی کے گئے وحسب رواج اس ملک کے سوال جواب کرکے واسطے پڑھانے نکاح کے باغ حامد میں جہاں نکاح پڑھانے والا اعزہ اور نیز شہر کے معزز وممتاز لوگ موجود تھے واپس آئے،واپس آنے پر معلوم ہوا کہ وکیل وگواہان نے محض مادر محمودہ سے رضامندی حاصل کی ہے،اس پر حاضران کی یہ رائے ہوئی کہ مسماۃ محمودہ عاقلہ بالغہ ہے اس سے پوچھنا ضروری امر ہے لہٰذا پھر وکیل وگواہان گھر میں جائیں اور خاص محمودہ سے دریافت کریں،چنانچہ وکیل وگواہان ونیز چند اعزہ محمودہ کے گھر میں گئے،معلوم ہوا کہ مسماۃ محمودہ نماز صلوٰۃ التسبیح پڑھ رہی ہے،وکیل نے یہ کہا کہ محمودہ جب نماز سے فارغ ہولے تو دریافت کیا جائے،تھوڑی دیر کے بعد محمودہ نماز پڑھ چکی،ایک گواہ نے محمودہ کو بایاں سلام اور ایک عزیز نے دونوں سلام پھیرتے دیکھا اور اس جگہ قریب محمودہ کے مادر محمودہ وبہن حامد بیٹھی ہوئی تھیں،بعد فراغت نماز حسب احکام شرعیہ ایجاب وقبول کے الفاظ محمودہ سے بغرض حصول رضامندی کہے گئے تو مادر محمودہ نے حسب رواج اس ملک کے وموافق رسم شرفائے اس دیار کے کہا کہ ہاں منظور ہے اور محمودہ ساکت رہی،مگر وکیل نے کہا کہ محمودہ خود عاقلہ بالغہ ہے اس کو اپنی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ کا اعادہ کرنا چاہئے۔اس بات پر محمودہ نے ونیز اور لوگوں نے کہا کہ ہندوستان میں شریفوں کی کوئی لڑکی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

کنواری آج تک کبھی بولی ہے کہ یہ بولے گی بلکہ بالعموم سکوت علامت رضامندی ہوتی ہے مگر بااینہمہ وکیل نے بمقابلہ گواہان کے محمودہ کا نام لے کر کلمات ایجاب وقبول کو پوچھا کہ محمودہ تم کو منظور ہے؟۔ محمودہ اس وقت محض ساکت رہی اور کچھ سرنگوں ہوگئی، اس طور پر دوبارہ باصرار دریافت کیا گیا تو اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر اور زیادہ جھکی، تیسری دفعہ وکیل نے اسی طرح تقریر کی، محمودہ کی حالت وہی حالت سکوت وخاموش کی رہی، بعد اس کے وکیل گواہان باغ حامد میں آئے اور حسب اصول شرعیہ ودستور مروجہ نکاح محمودہ کا حامد کے ساتھ جماعت کثیرہ کے روبرو ہوگیا اور نکاح مکان محمودہ میں حسب دستور سب اعزہ آئے وباہم مبارک وسلامت ہوئی اور رسوم شربت نوشی کی عمل میں آئی جس پر مادرو بہن ونانی محمودہ نے شادمانی کا اظہار کیا اور یہ واقعہ قبل از نماز جمعہ کے تھا اور شب میں آٹھ بجے والد محمودہ کا علاقہ سے مکان پر آگیا اور اس نے ایک شور وغل برپا کیا صبح کو تمام اعزہ کو بلا کر یہ کہا کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، اور کہنے لگا کہ مادر محمودہ یہ کہتی ہے کہ محمودہ کو یہ نکاح منظور نہ تھا اور وقت اعادہ الفاظ نکاح بغرض حصول رضامندی کے محمودہ نماز میں تھی اور جب وہ سجدہ سہو میں جانے لگی تو حامد نے اس کا سر پکڑ لیا، آپ لوگ چلیں اور گھر میں دریافت کرلیں، اعزہ گھر میں آئے، ان کے روبرو پدر محمودہ نے مادر محمودہ سے یہ پوچھا کہ آیا محمودہ کو یہ عقد منظور تھا یا نہیں۔ وہ نماز میں تھی یا نہیں۔ بجواب اس کے مادر محمودہ نے یہ کہا کہ مجھ کو منظور ہے اور سجدہ سہو کی بابت مادر محمودہ نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی اگرچہ مکرر سہ کرر والد محمودہ مادر محمودہ سے دیر تک سجدہ سہو کی نسبت پوچھتا رہا مگر وہ انکار کرتی رہی اگرچہ بیان والد محمودہ کا بالکل خلاف واقعہ کے تھا اور صریح بے اصل تھا، دوپہر تک والد محمودہ اس امر پر غلو کرتا رہا کہ بوجہ مشغولی نماز کے یہ نکاح نہیں ہوا، جب یہ امر بے اصل کسی طرح سے ثابت نہ ہوا کہ وقت نکاح کے محمودہ نماز میں تھی تو اس نے بعد دوپہر کے اعزہ کو جمع کرکے یہ خواہش ظاہر کی کہ علیحدہ ہوجائے، جس علیحدگی کا مطلب یہ تھا کہ طلاق ہوجائے، حامد اور اعزہ حامد نے اس علیحدگی کو منظور نہیں کیا اگرچہ عرصہ تک والد محمودہ کا اس پر اصرار تھا، محمودہ خواندہ ہے اس عرصہ میں محمودہ نے ایک رقعہ دستخطی اپنے والد کو لکھا کہ مجھے آپ کی خوشی منظور ہے مجھے سوائے نماز وروزہ کے اور کوئی چیز نہیں چاہئے مگر لفظ طلاق کا ہرگز درمیان میں نہ آنے پائے، اور انہی الفاظ کا اعادہ محمودہ نے اپنی چند ہم عمروں سے بھی کیا، صورت استمزاج ماقبل نکاح وسکوت بوقت نکاح وتحریر رقعہ بعد نکاح واظہار خیال از ہم عمران سے منظوری ورضامندی محمودہ کی اس نکاح کی نسبت بخوبی ثابت ہے اور اس وقت تک یہ نکاح محمودہ کو منظور ہے، چونکہ یہ نکاح باپ محمودہ کی غیبت میں برضامندی محمودہ ومادر محمودہ ونیز تمام خاندان فریقین ہوا ہے تو ایسی صورت میں یہ نکاح از روئے فقہ جائز ہوا یا نہیں؟ **بینوا بالکتاب توجروا بالثواب۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر حامد محمودہ کا کفو شرعی ہے یعنی اس کے نسب ومذہب وروش وپیشہ وغیرہ میں کوئی بات ایسی نہیں کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے محمودہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو نکاح مذکورہ منعقد ہوجانے میں اصلا شبہہ نہیں اگرچہ وقت طلب اجازت نماز ہی پڑھتی ہو بلکہ اگرچہ اس سے اصلا اجازت نہ لی گئی ہو، والد محمودہ کا ادعا کہ نکاح نہ ہوا محض باطل وبے معنی ہے عقد بے اجازت غایت یہ کہ عقد فضولی ہو، پھر عقد فضولی صحیح ومنعقد ہوتا اور اجازت صاحب اجازت پر اس کا نفاذ موقوف رہتا ہے نہ کہ اصلا باطل ٹھہرے۔

فی الدرالمختار الفضولی من یتصرف فی حق غیرہ بغیر اذن شرعی کل تصرف صدر منہ تملیکا کان کبیع وتزویج اواسقاطا کطلاق وعتاق ولہ من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا[1]۔	درمختار میں ہے فضولی وہ ہوتا ہے جو شرعی اجازت کے بغیر، غیر کے حق میں خود بخود تصرف کرے، فضولی کا کوئی تصرف خواہ مالک بنانے کے لئے ہو جیسا کہ بیع ونکاح یا ملکیت کو ساقط کرنے کے لئے ہو، جیساکہ طلاق وعتاق، تو اس کے تصرف کے وقت اگر کوئی اس کو جائز کرنے والا ہو تو فضولی کا یہ تصرف موقوف ہوگا۔ (ت)

نظر بوقائع مذکور سوال عقد محمودہ ایسا ہی واقع ہوا، نکاح سے ایک دن پہلے ہم عمر لڑکی سے جو گفتگو آئی اور محمودہ نے پسند ظاہر کی وہ صرف رائے تھی نہ کسی شخص کو نکاح کرنے کی توکیل وقت تزویج اذن لینے پر جو سکوت محمودہ نے کیا وہ بھی توکیل کے لئے ناکافی تھا کہ ولی اقرب یعنی پدر چند ہی کوس پر تھا اور اذن لینے والا جب نہ خود ولی اقرب نہ اس کا وکیل نہ اس کا رسول، تو دوشیزہ کا سکوت بھی معتبر نہیں اذن صاف درکار ہے۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ان استأذنہا غیر الاقرب کاجنبی (المراد بہ من لیس لہ ولایۃ لکن رسول الولی قائم مقامہ فیکون سکوتہا رضاعند استیذانہ کما فی الفتح والوکیل کذلك کما فی البحر عن القنیۃ) اوولی بعید (کالاخ مع الاب اذا لم یکن الاب غائبا	تنویر الابصار، درمختار، ردالمحتار میں ہے اگرلڑکی سے نکاح کی اجازت چاہنے والا، ولی اقرب کا غیر مثلا اجنبی یعنی غیر ولی ہو یا ولی ابعد ہو مثلا والد کی موجودگی میں بھائی، جبکہ والد لمبے سفر پر نہ ہو (جیساکہ خانیہ میں ہے) تو لڑکی کی اجازت کے لئے اس کا سکوت معتبر نہ ہوگا بلکہ اس موقعہ پر اس کا بولنا ثیبہ عورت کی طرح ضروری ہے یا کوئی ایسا فعل ضروری ہے جو بولنے کے قائم مقام

[1] درمختار فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

غیبة منقطعة کما فی الخانیة) فلا عبرة لسکوتھا بل لا بدمن القول کالثیب البالغة او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا [1]۔	رضا پر دلالت کرسکے، لیکن ولی اقرب کا قاصد یا وکیل ہو تو وہ ولی کے قائم مقام ہوتا ہے لہٰذا ان کے اجازت طلب کرنے پر لڑکی کی خاموشی کو رضا قرار دیا جائے گا۔ جیساکہ فتح میں ہے، اور وکیل کے بارے بحر میں قنیہ سے منقول ہے۔ (ت)

معہذا رسم اکثر دیار ہندیہ یوں ہے کہ وکالت واذن زید کے نام لیتے ہیں اور پڑھانے والا عمرو ہوتا ہے یوں باوصف اذن صریح بھی عقد عقد فضولی رہتا ہے کہ جسے اذن تھا اس نے نہ پڑھایا،

فی ردالمحتار عن الرحمتی عن الحموی عن کلام محمد فی الاصل ان مباشرة وکیل الوکیل بحضرة الوکیل فی النکاح لاتکون کمباشرة الوکیل بنفسہ بخلافہ فی البیع [2] اھ وفی وکالة غمز العیون عن الولوالجیة ھو الصحیح [3]۔	ردالمحتار نے رحمتی اور انھوں نے حموی کے واسطہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں بیان کردہ کلام نقل کیا ہے کہ وکیل کا وکیل، نکاح کے معاملہ میں اصل وکیل کی موجودگی میں، وکیل والاحکم نہیں پاتا، بیع کا معاملہ اس کے خلاف ہے اھ، اور غمز العیون کے باب وکالت میں ولوالجیہ سے ہے کہ یہی صحیح ہے۔ (ت)

بہر حال یہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور اجازت محمودہ پر موقوف رہا، اب بعد نکاح محمودہ کا واقعہ اگرچہ بنظر بعض تدقیقات علمیہ کہ عوام خصوصًا عورات کی بات ان پر محمول ہونی مستبعد و نامقبول مدارک فقہ ہے رد و اجازت کا قطعی فیصلہ نہ کرے تاہم شک نہیں کہ اس سے ظاہر و متبادر یہی ہے کہ محمودہ نے اس نکاح کو جائز رکھا اگرچہ رضائے پدر کے لئے شوہر سے علیحدہ اور عمر بھر نماز روزے پر قانع رہنا قبول کرتی ہے مگر طلاق پر ہرگز راضی نہیں اور طلاق بآنکہ مزیل نکاح ہے خود ہی سبقت نکاح چاہتی ہے نہ کہ اس کی ناپسندی کہ بقائے نکاح کی رضامندی ہے اور اسی قدر نفاذ نکاح موقوف کے لئے کافی ہے:

لما مر من الدر المختار من قولہ او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا [4]۔	درمختار میں اس کے قول "اور جو فعل رضا پر دلالت کرنے میں کلام جیسا ہو" کی وجہ سے (ت)

[1] ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

[2] ردالمحتار حاشیہ درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی دارحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۰

[3] الاشباہ والنظائر معہ غمز العیون کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

پس صورت مستفسرہ میں بشرط کفاءت مذکورہ نکاح محمودہ جائز وتام ونافذ ولازم ہے جس پر پدر وغیرہ کسی کو حق اعتراض نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۳: از بھوندپوری ضلع ترائیں نینی تال ۲۰ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح خالد نابالغ سے ہوا، ہندہ اس وقت نوبرس کی تھی، ہندہ کا باپ، بھائی، چچا وغیرہ کوئی ولی سوا ماں کے نہیں۔ یہ نکاح ماں کی رضامندی سے ہوا، مگر اذن ہندہ نابالغہ سے لیا اور خالد کا نکاح اس کے باپ نے کیا مگر قبول خود خالد سے کرایا گیا، بعد نکاح ہندہ نے خالد کے یہاں جانا نہ چاہا، اس بنا پر اس کے ماموں نے روک رکھا مگر پیشکار کی تنبیہ سے جو یہاں دیہات میں مثل حاکم سمجھا جاتا ہے، ہندہ پندرہ سال یا اس سے کم کی عمر میں رخصت ہو کر خالد کے یہاں گئی اور چار برس وہیں رہی، وقت نکاح ہندہ وخالد دونوں نابالغ سمجھ وال تھے نہ تو بالغ تھے نہ ناسمجھ بچے، ہندہ پندرہ برس کی عمر میں بالغ ہوئی، اب پھر اس نے اپنی ناراضی ظاہر کی اور دوسری جگہ اپنا نکاح کیا چاہتی ہے اس صورت میں یہ اختیار اسے ہے یا نہیں؟ ہندہ کا بیان ہے کہ آج تک ہمبستری نہ ہوئی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ بوجہ نقصان آب وہوا کے ضعیف وکمزور بہت ہوتے ہیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ خالد ہندہ کا نسب ومذہب وغیرہا میں ہر طرف کفو ہے اور مہر اس کے یہاں رواج سے زیادہ باندھا گیا لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا، ہاں اس وجہ سے کہ ہندہ کا نکاح کرنے والا اس کا باپ دادا نہیں۔ ہندہ کو بالغ ہوتے ہی فورًا فورًا اختیار فسخ تھا، اگر اس نے حیض آتے ہی معًا ناراضی اور فسخ کی طلب گاری ظاہر کی تو نکاح فسخ کیا جائے گا۔ اور اگر ذرا بھی دیر کردی تو اب نکاح لازم ہوگیا کہ ہرگز فسخ نہیں ہوسکتا۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان من کفو وبمھر المثل صح ولھما خیار الفسخ بالبلوغ وبطل خیار البکر بالسکوت [1] اھ ملتقطا۔	درمختار میں ہے جب نکاح کرکے دینے والا باپ دادا کا غیر ہو تو اگرچہ وہ ماں ہی کیوں نہ ہو، غیر کفو اور انتہائی قلیل مہر سے اصلا نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر کفو اور مہر مثل ہے تو صحیح ہوگا لیکن لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار ہوگا، اور باکرہ بالغہ کی خاموشی اس فسخ کے اختیار کو ختم کردے گی اھ ملتقطا (ت)

اسے بہت کامل تحقیق کرنی ضرور ہے کہ معًا حیض آتے ہی عورت کا مطالبہ فسخ کرنا بہت نادر ہے خصوصًا

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

جبکہ جاہلہ ہو،اور تقریر سوال سے ظاہر اس کاخلاف ہے اور پیش از بلوغ اظہار ناراضی کوئی چیز نہیں، عورت اگراس میں فریب کرے گی اور بعد بلوغ ایک ذرا دیر بھی خاموش رہی یا کوئی اور بات کی تھی اور اب ظاہر کرے گی کہ میں نے فورًا فورًا بالغ ہوتے ہی بلاتاخیر سب میں پہلے یہی لفظ کہا تھااور اس بناپر فسخ کا حکم لے کر دوسرے سے نکاح کرلے گی تو ہمیشہ ہمیشہ زناکاری کی بلامیں گرفتار رہے گی،اتنااور بھی معلوم رہے کہ مدت کے بعد اس کا یہ دعوی کہ میں نے حیض کے آتے ہی فورًا نکاح فسخ کردیا تھا بے گواہان عادل شرعی کے ہرگز قبول نہ ہوگا **کما بینہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان کیا ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۴: از اعظم گڑھ مرسلہ خواجہ عنایت اللہ خاں صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو اہل کفو ہندہ سے تھا ہندہ بالغہ باکرہ کانکاح بغیبت اس کے باپ کے جو صرف بارہ کوس کے فاصلہ پر اپنے علاقے پر تھابر ضامندی مادر ونانی وبہ سکوت وگریہ ہندہ اپنے ساتھ بوکالت وشہادت تین اقربا خاص ہوناظاہر کیا،زید اب کہتا ہے کہ ہندہ نے خود اپنی زبان سے صراحت کے ساتھ میرے نکاح کو قبول کیا تھا۔وکیل گواہان زید حسب بیان زید شہادت دیں،ہندہ کہتی ہے میں نے ہرگز ہرگز نہ زبان سے اقرار ونہ کسی طرح منظوری اپنی ظاہر کی تھی وبلارضامندی اپنے باپ کے مجھ کو یہ نکاح نہ پہلے منظور تھانہ اب ہے،باپ ہندہ کانہ پہلے راضی تھا نہ اب راضی ہے،پس ایسا نکاح وشخص عنداللہ والرسول کیسااور ہوایانہیں؟اور سوال یہ ہے کہ زید وگواہان زید ووکیل کو ترجیح ہے یاکیاصورت، کس کے مقابلہ میں کس کو ترجیح؟دوسرا سوال یہ ہے کہ نکاح مذکورہ بالاحسب اظہار ہندہ اگر بحالت سکوت وگریہ ہندہ بغیبت اس کے باپ کے حسب کیفیت نارضامندی وفاصلہ مرقومہ اس کے ہوا ہو تو ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تقریر سوال سے واضح ہے کہ یہ نکاح بغیبت پدر ہندہ بوجہ ناراضی پدر ہندہ عمل میں آیاایسی حالت میں ۱۲ کوس کا فاصلہ کسی قول پر غیبت منقطعہ نہیں ہوسکتا،مسافت قصر نہ ہوناظاہر،اور یہاں ولی ابعد کی تعجیل (بحالیکہ ماں یہاں ولی ابعد ہو بھی)اس وجہ سے نہیں کہ ولی اقرب سے مشورہ لینے میں دیر لگے گی اور اتنی دیر میں کفو حاضر ہاتھ سے نکل جائے گا بلکہ اس لئے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے ارادہ کے خلاف معلوم ہے اور اس کے خلاف کام کرنا منظور توہرگز یہ صورت ناقابل ولایت بولی ابعد نہیں **والالکن فتنۃ فی الارض وفساد عریض** (ورنہ زمین پر فتنہ اور وسیع فساد برپا ہوگا۔ت) ایسا ہو تو شرع مطہر نے جس حکمت سے ترتیب رکھی ہے راسًا باطل ہوجائے،ہر ولی ابعد سے ابعد ہر زن بے عقل وبے خرد کو اختیار حاصل ہو کہ پدر مہربان یا برادر شفیق ولی قریب کو دہ کوس بلکہ گھر سے باہر مسجد یا بازار ہی تک جائے اور وہ اس کے خلاف رائے جس سے چاہے نکاح کردے،یہ مقاصد شرع

سے منزلوں دور ہے بالجملہ قول آخر میں انتقال ولایت ہے کہ انتظار کی دیر باعث کفو ہو، نہ یہ کہ بوجہ علم ناراضی، قصداً انتظار نہ کیا جائے۔

فی ردالمحتار اختلف فی حدالغیبة واختار المصنف تبعا للکنز انها مسافة القصر، ونسبه فی الهدایة لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثر هم قال وعلیه الفتوی اھ وقال فی الذخیرة الاصح انه اذاکان فی موضع لوانتظر حضوره اواستطلاع رایه فات الکفو الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشار فی الکتاب اھ وفی النهایة واختاره اکثر المشائخ وفی شرح الملتقی عن الحقائق علیه الفتوی [1] اھ مختصرا۔ فی الدر المختار وثمرة الخلاف فیمن اختفی فی المدینة هل تکون غیبة منقطعة [2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ غیبۃ منقطعہ کی حد کے متعلق اختلاف ہے تو مصنف نے کنز کی اتباع میں فرمایا وہ مسافت قصر کا سفر ہے اور اس کو ہدایہ نے بعض متاخرین اور زیلعی نے اکثر متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی نے فرمایا اسی پر فتوی ہے اھ، اور ذخیرہ میں کہا ہے اصح یہ ہے کہ وہ اتنا دور ہو کہ اگر اس کی واپسی کا انتظار یا اس سے مشورہ حاصل کرنے سے موجودہ رشتہ کفو فوت ہوجائے تو یہ "غیبت منقطعہ" ہوگی اور کتاب میں اس کی طرف اشارہ ہے اھ، اور نہایہ میں ہے کہ اکثر مشائخ نے اس کو پسند کیا ہے، اور ملتقی کی شرح میں حقائق سے منقول ہے کہ اس پر فتوی ہے اھ مختصراً اور درمختار میں اس اختلاف کا ثمرہ بیان کیا کہ شہر میں ہی کوئی ولی چھپا ہوا ہو تو کیا وہ غیبۃ منقطعہ ہوگی یا نہیں۔ (ت)

اور ولی ابعد بحالت عدم انتقال ولایت یا کوئی اجنبی کہ ولی اقرب کا وکیل ورسول نہ ہو جب بکر بالغہ سے اذن نکاح مانگے تو اس کا سکوت معتبر نہیں بلکہ قولاً یا فعلاً صاف اظہار رضا ضرور ہے، بحال سکوت نکاح فضولی ہوگا، اور اجازت عروس پر موقوف رہے گا۔ اسی طرح اگر غیر ولی اقرب نے بلااذن بکر بالغہ نکاح کردیا پھر اسے خبر ہوئی تو اجازت صریحہ سے نافذ ہوگا، سکوت کافی نہیں۔

فی الدرالمختار ان استأذنها الولی اووکیله اورسوله اوزوجها ولیها واخبرها رسوله او	درمختار میں ہے کہ اگر بالغہ سے ولی نے اجازت طلب کی یا ولی کے قاصد یا وکیل نے اجازت طلب کی یا ولی نے اس کا نکاح کردیا اور قاصد نے

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

فضولی عدل فسکتت عن ردہ مختارۃ او ضحکت غیر مستھزیۃ اوتبسمت او بکت بلاصوت فھو اذن فان استأذنھا غیر الاقرب کاجنبی او ولی بعید فلا عبرۃ بسکوتھا بل لابدلھا من القول کالثیب البالغۃ اورمن فعل یدل علی الرضا کطلب مھرھا ونفقتھا وتمکینھا من الوطی[1] اھ مختصرا۔ وفی الھندیۃ عن جامع المضمرات ان کان لھا ولی اقرب من المزوج لایکون السکوت منھا رضا ولھا الخیاران شاءت رضیت وان شاءت ردت[2]۔	یا اجنبی عادل شخص نے اس بالغہ کو نکاح کی اطلاع دی تو وہ خاموش رہی اور نکاح کو رد نہ کیا۔ یا سنجیدگی سے ہنس پڑی یاآواز کے بغیر روپڑی تو اجازت قرار پائے گی۔ اور اگر کسی غیر اقرب مثلاً اجنبی یا ولی بعید کے اجازت طلب کرنے پر بالغہ نے خاموشی اختیار کی تو وہ رضا معتبر نہ ہوگی، بلکہ ثیبہ بالغہ کی طرح صریح قول یا فعل کرے جو اس کی اجازت واضح کرسکے، مثلاً اس موقعہ پر مہر دے اھ مختصراً، اور ہندیہ میں جامع المضرات سے منقول ہے کہ اگر نکاح دینے والے کی نسبت کوئی اقرب دوسرا ہے تو یہ اس کا سکوت رضا نہ قرار پائے گا اور اس کو اختیار ہوگا کہ نکاح کو رد کردے یا راضی ہو کر جائز قرار دے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں کہ زید نے اولاً اجازت نکاح بسکوت و گریہ ہندہ ظاہر کی اور بعد کو اجازت بلفظ صریح مدعی ہوا، اگر یہ دونوں بیان وقت واحد کی نسبت ہیں مثلاً پہلے کہتا تھا کہ ہندہ سے جب اذن لیا گیا تو اس نے سکوت و گریہ کیا اب کہتا ہے صریح اذن دیا تو اگرچہ پھر یہاں بیان سابق کے خلاف اور صاف صورت تناقض ہے،

لانہ اقر اولا بعدم ثبوت الملك لہ علیھا اذلا ملك حیث لانفاذ ولذالایحل الوطء فی الموقوف۔	کیونکہ پہلے لڑکی پر اپنے حق نہ ہونے کا اقرار کرچکا ہے اور جب ملکیت نہ ہوئی تو نکاح کا نفاذ نہ ہوا، تو نکاح موقوف رہا جس میں وطی حلال نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر یہ تناقض محمل خفامیں ہے کہ زوج وقت استیذان دلھن کی مجلس میں حاضر نہیں ہوتا اور یہ فعل خاص دلھن کا ہے جس پر زوج کو اطلاع بذریعہ حکایت ہی ہوتی ہے ممکن کہ پہلے کسی نے غلط طور پر صرف سکوت و گریہ بیان کیا اور اس نے اس کے اعتبار پر یہی ظاہر کیا بعدہ تحقیق ہوا کہ اذن بالفاظ صریحہ تھا بلکہ دُلھنوں

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۱۹۱

[2] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

سے استیذان میں دیر لگتی ہے، ممکن ہو جس وقت ناقل اول وہاں موجود تھا سکوت و گریہ ہی کیا ہو اس کے اٹھ جانے کے بعد مثلاً "ہوں" کہا زوج کو اول حکایت اولٰی ہی پہنچی تھی، بعد کو دوسری تحقیق ہوئی، ایسا تناقض شرعاً عفو ہے، اشباہ میں ہے:

التناقض غیر مقبول الافیما کان محل الخفاء [1]۔	بیان میں تناقض مقبول نہیں ہے مگر ایسے مقام میں جہاں خفاء ہو۔ (ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی الفواکہ البدریۃ قد اغتفروا التناقض فی کثیر من المسائل التی یظھر فیھا عذر منھا لوقال ھذہ رضیعتی ثم اعترف بالخطاء یصدق ولہ ان یتزوجھا بعد ذلك اذالم یثبت علی اقرار والعذرانہ ممایخفی علیہ فقد یظھر بعد اقرارہ علی خطاء الناقل [2] اھ مختصرا۔	فواکہ بدریہ میں ہے کہ بہت سے ایسے مقامات میں جہاں عذر واضح ہوتو تناقض کو فقہاء نے نظر انداز کیا ہے ایسے مقامات میں سے ایک یہ ہے ایک شخص نے پہلے کہا یہ لڑکی رضاعی بیٹی ہے، پھر اس بات کے بارے میں خطاء کا اعتراف کرتا تو اس اعتراف خطاء کو تسلیم کرلیا جائے گا اور اس لڑکی سے اس کا نکاح جائز قرار دیا جائے گا کیونکہ رضاعت کا معاملہ اس پر مخفی ہوسکتا ہے کہ پہلے ناقل کی غلطی پر اقرار رضاعت کرنے کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہوئی اور اپنے اقرار کو خطاء پر مبنی قرار دیا اھ مختصراً (ت)

تو اس صورت کا حاصل یہ قرار پایا کہ مرد نکاح نافذ کا دعوی کرتا ہے اور عورت انکار، اور اگر یہ بیان دو وقت مختلف کی نسبت ہیں یعنی سکوت و گریہ استیذان پیش از نکاح یا بلوغ خبر نکاح کے وقت بیان کیا تھا، اور اب مدعی ہے کہ اس کے بعد دلھن نے بلفظ صریح نکاح جائز کردیا تو یہ رد واجازت نکاح موقوف میں اختلاف زوجین کی صورت ہے، بہرحال صورت مسئولہ میں اگر جانب شوہر شہادت عادلہ کافیہ نہ ہو تو قول عورت کا قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر قسم کھالے گی نکاح باطل ٹھہرے گا اور جبکہ دعوی شوہر اجازت بالفاظ صریحہ ہے تو یہاں ہر صورت میں بینہ شوہر کو ترجیح ہے، اگر گواہان عادل شرعی سے اپنا دعوی ثابت کردے گا نکاح ثابت و نافذ قرار پائے گا۔ یونہی بحالت عدم گواہان اگر دلھن قسم کھانے سے انکار کرے گی دعوی شوہر ثابت ہوجائیگا

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۰

یہ سب حکم قضا ہے، رہا واقع کا حال، وہ رب العزت کے علم میں ہے اور دونوں اہل معاملہ اور ان کے شرکاء واقف جو جھوٹا ہوگا عند اللہ عذاب الیم شدید کا سزاوار ہوگا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**:

فی الدرالمختار قال الزوج للبکر البالغۃ بلغك النکاح فسکت، وقالت رددت النکاح ولابینۃ لھما علی ذٰلك ولم یکن دخل بھا طوعا فی الاصح فالقول قولھا بیمینھا علی المفتی بہ وتقبل بینتہ علی سکوتھا لانہ وجودی بضم الشفتین ولو برھنا فبینتھا اولی الا ان یبرھن علی رضاھا اواجازتھا[1]۔ **قلت** فرض المسألۃ فی تزویج الاقرب فقولہ سکت بمعنی اجزت وقولہ یبرھن علی رضاھا اواجازتھا ای صریحا کما بینہ فی ردالمحتار ولنذکر طرفا من کلامہ لاتضاح المقام قال رحمہ اللہ تعالٰی **قولہ فالقول** قولھا لانہ یدعی لزوم	درمختار میں ہے: خاوند نے باکرہ بالغہ کو کہا کہ تو نکاح کی اطلاع پر خاموش رہی، لڑکی نے جواب میں کہا میں خاموش نہ رہی بلکہ میں نے نکاح رد کردیا تھا جبکہ دونوں کے پاس گواہ نہیں، اور نہ ہی لڑکی نے ابھی تک خاوند کو اطلاع کا موقع دیا، تو اس صورت میں لڑکی کی بات قسم کے ساتھ قبول کرلی جائے گی، یہ مفتٰی بہ قول کے مطابق ہے، اور اگر خاوند نے گواہوں کے ذریعہ لڑکی کی خاموشی پیش کی اور لڑکی کے گواہ نہیں تو اس صورت میں سکوت پر گواہی قبول کرلی جائے گی کیونکہ سکوت وجودی امر ہے، اور اگر دونوں نے اپنے اپنے موقف پر گواہ پیش کردئے تو لڑکی کے گواہوں کو ترجیح ہوگی، ہاں اگر خاوند نے سکوت پر گواہی کے بجائے لڑکی کی رضا یا اجازت پر گواہی پیش کی تو پھر خاوند کی طرف سے شہادت کو ترجیح ہوگی۔ **قلت** (میں کہتاہوں کہ) مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ نکاح ولی اقرب نے کرایا ہو، تو خاوند کا کہنا کہ "خاموش رہی" کا مطلب یہ ہے کہ تونے اجازت دی تھی، اور مصنف کا قول کہ "رضا یا اجازت پر گواہ پیش کئے" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خاوند صریحا اجازت کا مدعی ہو، جیساکہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے، ہم یہاں ردالمحتار کے کلام کا کچھ حصہ

[1] ردالمحتار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

العقد وملك البضع والمرأة تدفعه فکانت منکرة[1]۔ ثم ذکر فی البحر ذکر الحاکم الشهید فی الکافی لو ادعی احدهما ان النکاح کان فی صغره فالقول قوله ولانکاح بینهما[2] اھ **قلت** عللها فی الذخیرة بقوله لان النکاح فی حالة الصغر قبل اجازة الولی لیس نکاحًا معنًا وذکر قبله ان الاختلاف لوفی الصحة والفساد فالقول لمدعی الصحه بشهادة الظاهر ولوفی اصل وجود العقد فالقول لمنکر الوجود[3]۔ ثم ان الظاهر ان مانحن فیه من قبیل الاختلاف فی اصل وجود العقد لان الردصیر الایجاب بلا قبول **قوله الا** ان یبرهن ای فتترجح بینته لاستوائهما فی الاثبات	ذکر کرتے ہیں تاکہ مقام واضح ہوسکے، انھوں نے کہا **قولہ** کہ "لڑکی کی بات کو ترجیح ہوگی" کیونکہ خاوند لڑکی پر نکاح کے لزوم اور اپنے لئے ملک بضعہ یعنی جماع کے حق کا دعوی کرتا ہے جبکہ لڑکی دفاع کرتے ہوئے انکار کرتی ہے اور وہ منکر ہے، پھر بحر میں کہا کہ حاکم شہید نے کافی میں ذکر کیا ہے کہ اگر اختلاف یہ ہے کہ لڑکے کی نابالغی میں ہوا یا نہیں، تو جس نے نابالغی میں نکاح کا دعوی کیا اس کا قول معتبر ہوگا، اور نکاح ثابت نہ ہوگا اھ ___ قلّت (میں کہتاہوں کہ) ذخیرہ میں اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ بچپن میں ولی کی اجازت سے قبل نکاح معنی درست نہیں، اور اس سے قبل ذخیرہ میں ذکر ہے کہ اگر اختلاف نکاح صحیح یا فاسد ہونے میں ہو تو صحت کے مدعی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ نکاح صحیح ہوتا ہے، اور اختلاف اگر نکاح کے ہونے نہ ہونے میں ہو تو وجود نکاح کے انکار والے کی بات معتبر ہوگی، پھر بلاشبہہ ظاہر ہے ہماری بحث اصل نکاح کے وجود میں ہے تو لڑکی کا انکار اور رد ایجاب بغیر قبول ہوگا لہذا لڑکی کی بات معتبر ہوگی قولہ "مگر یہ کہ خاوند گواہ پیش کرے" یعنی اس کی گواہی کو ترجیح ہوگی کیونکہ خاوند اور لڑکی دونوں کے گواہ اثبات میں

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

وزیادة بینة باثبات اللزوم کذا فی الشروح وعزاہ فی النہایة للتمرتاشی وکذا ھو فی غیر کتاب من الفقه لکن فی الخلاصة عن ادب القاضی للخصاف ان بینتہا اولی ففی ھذہ الصورة اختلاف المشائخ ولعل وجھه ان السکوت لما کان مما تحقق الاجازة به لم یلزم من الشہادة بالاجازة کونہا بامر زائد علی السکوت مالم یصرحوا بذلك کذا فی الفتح وتبعه فی البحر واستفید منه التوفیق بین القولین بحمل الاول علی ما اذا صرح الشہود بانہا قالت اجزت اورضیت وحمل الثانی علی ما اذا اشھد وا بانہا اجازت اورضیت باحتمال اجازتہا بالسکوت فافہم[1] اھ ملتقطا۔ وفی الہندیة لو اقام الزوج البینة انہا اجازت العقد حین اخبرت واقامت البینة انہا ردت	مساوی ہیں لیکن خاوند کی طرف سے گواہی میں نکاح کے ثبوت کے ساتھ لزوم نکاح بھی ثابت ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ترجیح ہوگی، شروح میں ایسے ہی بیان ہے، اوراس کو نہایہ میں تمرتاشی کی طرف منسوب کیا ہے، بہت سی کتب فقہ میں ایسے ہی ہے لیکن خلاصہ میں خصاف کی ادب القاضی سے منقول ہے کہ لڑکی کی طرف کی گواہی کو ترجیح ہوگی، تو اس طرح اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف سامنے آیا ہے، ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ سکوت پر لڑکی کی شہادت سے لزوم نکاح متحقق نہ ہوتا ہو لہٰذا یوں خاوند کی طرف سے شہادت زیادہ اثبات نہ کرسکتی ہو جب تک کہ گواہ صراحۃً اجازت کی بات نہ کریں، یوں ہی فتح میں ہے اور اس کی اتباع بحر نے کی ہے، اس سے حاصل یہ ہوا کہ دونوں قولوں میں موافقت یوں ہوگی کہ پہلے یعنی خاوند کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں کہ جب گواہوں نے تصریح کی ہو کہ لڑکی نے کہا ہے "میں اجازت دیتی ہوں ___ یا راضی ہوں" اور دوسرے قول یعنی لڑکی کی شہادت کی ترجیح کو اس صورت پر محمول کریں گے کہ گواہوں نے شہادت میں کہا ہو کہ "اس نے اجازت دی یا راضی ہوئی تھی" جس میں گواہوں کے سکوت کو رضا قرار دیا ہو، اس میں غور کرو، اھ ملتقطا، اور ہندیہ میں ہے اگر خاوند یہ شہادت پیش کرے کہ لڑکی کو جب نکاح

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۳

حین اخبرت کانت البینۃ بینۃ الزوج کذا فی السراج الوھاج[1]۔	کی خبر ملی تو اس نے نکاح کو جائز قرار دیا، اور لڑکی یہ شہادت پیش کرے جب مجھے خبر ملی تو رد کردیا تھا تو اس صورت میں خاوند کی شہادت معتبر ہوگی، یونہی سراج وہاج میں ہے۔(ت)

رہی باپ کی ناراضی، وہ صحت ونفاذ میں خلل انداز نہیں جبکہ عورت حرہ، عاقلہ، بالغہ اور شوہر کفو ہے،

فی الدرالمختار نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا [2] اھ ملخصا وفیہ لاتجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ[3]اھ۔	درمختار میں ہے: آزاد، عاقلہ، بالغہ کا اپنا نکاح ولی کی رضاکے بغیر صحیح ہے، اور یہ نکاح غیر کفو سے ہوا تو ناجائز ہونے کا فتوٰی ہوگا اھ ملخصاً، اور اسی میں ہے کہ باکرہ بالغہ پر نکاح کے بارے میں جبر نہیں کیا جائے گا کیونکہ بلوغ کی وجہ سے اس پر جبر کی ولایت ختم ہوجاتی ہے اھ (ت)

ہاں اگر مہر مثل میں کمی فاحش واقع ہوئی تو باپ کو حق اعتراض حاصل ہے یہاں تک کہ مہر مثل پورا کردیا جائے یا قاضی زن وشوہر میں تفریق کردے،

فی الدرالمختار لونکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا اویفرق القاضی بینھما دفعاللعار[4] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: اگر عاقلہ بالغہ نے قلیل مہر پر نکاح کیا تو ولی عصبہ کو مہر تام کرنے تک اعتراض کا حق ہے مہر مثل تام کرے یا پھر قاضی خاوند بیوی میں تفریق کردے تاکہ ولی کی عار ختم ہوسکے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۵: از مہدپور علاقہ اندور مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پدر ہندہ نے نکاح اپنی دختر کا بعمر چہار سالہ کیا تھا، جب وہ ایامِ شعور پر فائز ہوئی تواس شوہر کو پسند وقبول نہیں کرتی، اس صورت میں نکاح اس کا جائز ہے یا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

منسوخ؟ اور بعد جدائی زوجین مہر اس کا ذمہ شوہر پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

باپ جو اپنے نابالغ بچے کا نکاح کردے وہ مطلقاً لازم ہوتا ہے کہ نابالغ کو بعد بلوغ بھی اس پر اعتراض کا حق نہیں ہوتا اگرچہ نکاح غیر کفو سے یا مہر میں غبن فاحش کردے، مثلاً دختر کو کسی رذیل قوم یا کسی ذلیل پیشے والے یا غلام فاسق کے نکاح میں دے یا اس کا مہر مثل ہزار روپے ہو پانسو یا سو پر نکاح کردے یا پسر کا نکاح کسی کنیز یا ذلیل قوم یا فاسقہ فاجرہ سے کرے لازم و ناقابل فسخ ہے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ ایسا نکاح خلاف شفقت پدری کرتے وقت باپ نشے میں ہو، دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بھی اپنے کسی بچے کے نکاح میں ایسی ہی بے شفقتی برت چکا ہو تو البتہ یہ نکاح ناجائز ہوگا،

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش بنقص مھرھا وزیادۃ مھرہ او بغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا اوجدا لم یعرف منھما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران فزوجھا من فاسق اوشریر اوفقیر اوذی حرفۃ دنیئۃ لظھور سوء اختیارہ فلا تعارضہ شفقتہ المظنونۃ بحر[1] اھ وفی ردالمحتار زوج بنتہ من فاسق صح وان تحقق بذٰلك انہ سیئ الاختیار واشتھر بہ عندا لناس فلو	درمختار میں ہے: اگر نکاح کرنے والا ولی خود باپ یا دادا ہو تو اس کا کیا ہوا نکاح لازم ہوجائے گا خواہ لڑکی کا مہر انتہائی قلیل ہو یا لڑکے پر مہر بہت زیادہ مان لیا ہو یا نکاح غیر کفو میں ہو بشرطیکہ پہلے باپ دادا اپنے اختیار کو غلط استعمال کرنے میں معروف نہ ہوں، اور اگر وہ غلط اختیار میں معروف ہوں تو پھر بالاتفاق مذکورہ صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر یونہی باپ یادادا نے نشے میں ہوتے ہوئے لڑکی کا نکاح فاسق یا شرپسند یا فقیر یا کسی کمینے کسبی سے کردیا تو یہ اختیار کا غلط استعمال ہوگا تو اس صورت میں باپ دادا کی مظنونہ شفقت اس اقدام کو غلط قرار دینے میں آڑے نہ آئے گی اور یہ سوء اختیار کہلائے گا، بحر، اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ فاسق سے بیٹی کا نکاح کیا تو صحیح ہوگا اگرچہ

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

زوج بنتا اخری من فاسق لم یصح الثانی لانه کان مشهورًا بسوء الاختیار قبله بخلاف العقد الاول[1] الخ وفیه قوله فزوجها من فاسق وکذا لو زوجها بغبن فاحش فی المهر لایجوز اجماعا والصاحی یجوز بحر عن الذخیرۃ ثم قال وکذا السکران لوزوج من غیر الکفوء کما فی الخانیة وبه علم ان المراد بالاب من لیس بسکران ولاعرف بسوء الاختیار[2] اھ وفی الخانیة اذا زوج الرجل ابنه امرأۃ باکثر من مهر مثلها اوزوج بنته الصغیرۃ باقل من مهر مثلها اووضعها فی غیر کفوء اوزوج ابنه الصغیر امة اوامرأۃ لیست بکفوله جازفی قول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه وقال صاحباه رحمهما الله تعالٰی لایجوز ان فحش واجمعوا علی انه لایجوز ذٰلك من غیر الاب والجد ولامن القاضی[3] اھ	یہ سوء اختیار ہے جس کی بنا پر باپ اختیار کے غلط استعمال میں لوگوں کے ہاں معروف ہوجائے گا تو اس نے اگر دوسری بیٹی کا نکاح کسی فاسق سے کیا تو یہ دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں وہ اختیار کے غلط استعمال (سُوءِ اختیار) میں مشہور ہوچکا ہے جبکہ پہلی لڑکی کے نکاح کے وقت ایسا معروف نہ تھا، یوں ہی اگر اس نے دوسری بیٹی کے نکاح میں انتہائی قلیل مہر قبول کیا تو یہ مہر جائز نہ ہوگا یہ اجماع ہے بحر میں ذخیرہ سے منقول کہ اس کے بعد ردالمحتار میں کہا یونہی اگر نشے کی حالت میں باپ نے غیر کفو سے کیا تو نکاح نہ ہوگا جیساکہ خانیہ میں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باپ سے مراد وہ ہے جو نشہ میں نہ ہو اور سُوءِ اختیار میں مشہور نہ ہو، اھ، اور خانیہ میں ہے: اگر کسی نے اپنے لڑکے کا کسی ایسی عورت سے مہر مثل سے زائد پر کردیا یا نابالغہ بیٹی کا نکاح انتہائی کم مہر یا غیر کفو میں کردیا، یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی یا غیر کفو والی عورت سے کردیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر نکاح صحیح ہے، اور ان کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر نکاح ناجائز ہے، اور اس بات پر اجماع ہے کہ غیر باپ اور دادا اور قاضی کا کیا ہوا یہ نکاح جائز نہ ہوگا اھ اور بحر الرائق

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵-۳۰۴

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۴

وفی البحر الرائق ثم الخیریۃ ظاھر کلامھم ان الاب اذاکان معروفا بسوء الاختیار لم یصح عقدہ باقل من مھر المثل ولاباکثر فی الصغیر بغبن فاحش، ولامن غیر الکفوء فیھما سواء کان عدم الکفاءۃ بسبب الفسق اولا[1] الخ۔	پھر خیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام کا ظاہر کلام یہ ہے کہ باپ جب سوء اختیار میں مشہور ہوجائے تو لڑکی کا مہر مثل سے کم اور لڑکے کا مہر مثل سے زیادہ جبکہ یہ کمی اور زیادتی انتہائی ہو،اور غیر کفو میں لڑکی اور لڑکے کا کیا ہوا باپ کا نکاح صحیح نہ ہوگا خواہ غیر کفو فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو الخ(ت)

واقع اگر یہ صورتیں ہوں جن میں نکاح شرعاً جائز نہیں تو اگر ہنوز ہمبستری یعنی جماع حقیقی کا وقوع نہ ہوا مہر اصلاً لازم نہیں ورنہ مہر مثل دینا ہوگا۔

فان الوطء فی دارالاسلام لایخلو عن حد اوعقر کما نصوا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دارالاسلام میں وطی پر حد یا مہر بصورت خرچہ ضروری ہے،اس کے بغیر کوئی صورت نہیں ہے، جیساکہ فقہاء کرام کی اس پر نص ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۳۶: از امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ سعید الدین خاں صاحب رئیس امریا ۲۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

عرض بخدمت علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغ صغیر سن کہ والد اس کا فوت ہوگیا،اور دادا اور بھائی اس کا کوئی نہیں تھا،اور اس کے سگے چچانے اپنے بھائی مرحوم کی زوجہ یعنی اس لڑکی نابالغہ کی والدہ سے بغیر رضامندی والدہ اس لڑکی کا نکاح ایک شخص سے کردیا،اب وہ لڑکی بالغ ہوئی تو وہ کہتی ہے کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ نہیں اور نہ کروں گی، عرض پرداز ہوں کہ نزد خدا اور رسول مقبول نکاح فسخ ہوگیا یا وہی نکاح قائم رہا؟ اگر فسخ ہوگیا تو اس کا نکاح دوسرے کے ساتھ کیا جائے ورنہ جیسا حکم ہو۔بینوا توجروا

الجواب:

فی الواقع جبکہ دختر نابالغہ کا نہ باپ ہو نہ دادا، نہ جوان بھائی نہ جوان بھتیجا، تو چچا ہی اس کا ولی اقرب ہے اس کے کئے ہوئے نکاح میں ماں کی رضامندی ونارضامندی کا لحاظ نہ ہوگا، تنویر الابصار

[1] بحر الرائق فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۳۵

میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه بلاتوسط انثی علی ترتیب الارث والحجب بشرط حریة وتکلیف فان لم تکن عصبة فالولایة للام[1] الخ ملخصا۔	نکاح میں ولی وہ عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے یعنی وہ عصبہ جو لڑکے اور لڑکی کی طرف کسی عورت کے واسطہ میں منسوب نہ ہو، ان کی ولایت وراثت اور حجب کی ترتیب پر ہوتی ہے بشرطیکہ یہ عصبہ لوگ آزاد اور بالغ عاقل ہوں، اور اگر عصبہ نہ ہو تو پھر ماں کو ولایت حاصل ہوگی الخ ملخصا۔ (ت)

ہاں یہ دیکھا جائے گا کہ جس سے چچا نے نکاح کردیا اگر اس دختر کا کفو نہیں یعنی اس سے کم قوم ہے جس کے ساتھ اس کے نکاح میں ننگ وعار ہے یا ذلیل پیشہ یا محتاج یا بدمذہب یا بدرویہ ہے، غرض کسی وجہ سے وہ صورت ہے کہ اس کے ساتھ نکاح میں دختر واقربائے دختر کی مطعونی وذلت ہے یا مہر جو چچا نے باندھا اس میں دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کردی ہے کہ لوگ اپنے جو نرم گرم کرلیا کرتے ہیں ان میں یہاں تک کمی نہیں پہنچتی مثلاً ہزار روپیہ مہر مثل پانسو باندھ دیا ہو، تو ان صورتوں میں وہ چچا کا کیا ہوا نکاح محض باطل ہوا، دختر سچ کہتی ہے کہ میرا نکاح نہ ہوا، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه لایصح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا[2]۔	اگر نکاح دینے والا باپ، دادا کا غیر ہو تو مہر کی انتہائی کمی بیشی سے اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر ان دونوں خللوں میں سے خالی ہے یعنی جس سے نکاح کیا وہ وقت نکاح دختر کا کفو بمعنی مذکور تھا اور مہر مثل میں بھی ویسی کمی نہ کی گئی تو نکاح صحیح ہوگیا مگر ہندہ کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے بالغہ ہونے پر اس نکاح کو پسند نہ کرے اور دعوی کرکے فسخ کرالے، تنویر میں ہے:

وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولها خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده[3]۔	اور مہر مثل اور کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح ہوگا اور لڑکی کو بالغ ہونے یا بلوغ کے بعد اطلاع ملنے پر فسخ کا اختیار ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

در میں ہے: **بشرط القضاء للفسخ**[1] (اس فسخ کے لئے قضا ضروری ہے۔ت) لیکن کنواری لڑکی کو یہ اختیار اسی قدر ملتا ہے کہ اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی یعنی جس وقت علامت بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر ہو یا پندرہ برس کامل کی عمر ہوجائے فورًا بلاتوقف اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے، اور اگر نکاح کی خبر بالغہ ہونے کے بعد ملی تو جس وقت خبر ہوئی فورًا اس وقت ناپسندی جتادے، اور اگر ذرا دیر لگائی یا اس سے جدا کوئی آدھی بات کی یا کچھ چپ رہی یا بیٹھی تھی کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی ایک قدم اٹھالیا اس کے بعد ناراضی کا اظہار کیا تو ہرگز نہ سنا جائے گا اور نکاح لازم ہوجائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

خیار البکر بالسکوت عالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اخر المجلس[2]۔	بالغہ باکرہ لڑکی کی خاموشی اس کے اختیار کو ختم کردیتی ہے جبکہ وہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک بھی اختیار نہیں رہتا بلکہ خاموش ہوجانے پر ختم ہوجاتا ہے۔(ت)

اس نابالغہ کے بارے میں اس کا دیکھ لینا ضرور ہے کہ اس نے بالغہ ہوتے ہی فورًا ناراضی ظاہر کی ہے یا ایک لمحہ دیر بھی لگائی تھی تو اب اسے نکاح سے انکار حرام ہے وہ ضرور اس کی زوجہ ہے ورنہ اختیار دعوی رکھتی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۷: از مرادآباد محلّہ بازار دیوان متصل مکان نواب تفضل علی خاں مرسلہ حکیم برہان الحق صاحب ۷ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح کردیا اس وقت عمر اس کی تخمینًا سات یا آٹھ برس کی ہوگی اور پیشتر نکاح سے لڑکی کا باپ اور چچا اور تایا قضا کرگئے تھے مگر ایک بھائی یا تایازاد حقیقی جس کی عمر تخمینًا ۲۶، ۲۷ برس اس وقت تھی اب موجود ہے مگر بوقت نکاح والدہ دختر نے اپنی ولایت سے نکاح اس لڑکی کا کردیا، شرعا یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نابالغہ کے باپ، دادا، جوان بھائی، بھتیجا، چچا نہ ہو تو جوان بھائی چچازاد ہی اس کے نکاح کا ولی ہے، اس کے ہوتے ماں کو اپنی دختر کے نکاح کردینے کا اختیار نہیں، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

اقرب العصبات الی صغیر والصغیرۃ الاب ثم الجد ثم الاخ لاب وام ثم الاخ لاب ثم بنوھما ثم العم لاب وام ثم العم لاب ثم بنوھما وعند عم العصبۃ الاقرب الام [1] اھ مختصرا۔	نابالغ لڑکے اور لڑکی کے قریب ترین عصبہ باپ، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر ان کے لڑکے، پھر حقیقی چچا، پھر اس کے لڑکے، پھر صرف باپ کی طرف چچا، پھر اس کے لڑکے، اور عصبات نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ولایت ہے اھ مختصرًا (ت)

پس صورت مذکورہ میں ماں کا کیا ہوا نکاح اس بھائی کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر یہ رد کردے گا رد ہوجائے گا یا جائز کردے گا جائز ہوجائے گا بشرطیکہ وہ نکاح کسی غیر کفو یعنی ایسے شخص سے نہ ہوا ہو جو اس دختر سے قوم یا پیشے یا مذہب وغیرہ میں ایسا کم ہو کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا باعث ننگ وعار ہو، نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کی ہو، ورنہ نکاح سرے سے باطل ہے، بھائی بھی اسے جائز نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو او غبن فاحش [2]، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو خواہ ماں بھی ہو تو غیر کفو میں اور انتہائی کمی کے مہر سے نکاح صحیح نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

تجویز الرد عن تزویج الابعد ۱۳۱۵ھ

(ولی اقرب کی غیبت میں ولی ابعد کے نکاح پڑھانے کا حکم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۳۳۸ تا ۳۴۲: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ حضرت مولانا مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ رجب ۱۳۱۵ھ

سوال اول

ولی ابعد، ولی اقرب کی غیبت میں اگر نکاح کردے تو ولی اقرب درصورت خلاف مرضی اس کے فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جبکہ غیبت منقطعہ نہ ہو،

فی الدرالمختار فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر بعید ولی نے قریب ولی کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو قریب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

سوال دوم

غیبت کی تفاسیر میں سے کہ مدت قصر یا دشواری استطلاع رائے یا اس بلد میں قافلہ سال بھر میں ایک مرتبہ جاتا ہو، میں کون سی تفسیر معتمد علیہ ہے؟

الجواب:

اول پر بھی فتوی دیا گیا اور ثالث اختیار امام قدوری ہے اور کتاب **التجنیس والمزید** میں یک ماہہ راہ کو اختیار اکثر مشائخ واعدل الاقاویل فرمایا **کما فی مجمع الانہر**[1] (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) اور امام سغدی نے مفقود الخبری اختیار فرمائی، امام محمد سے ایک روایت بیس ۲۰ ایک پچیس ۲۵ منزل کی آئی **کما فی جامع الرموز**[2] (جیسا کہ جامع الرموز میں ہے۔ت) تو یہ سات قول ہیں جن میں اقوی واوثق ومذیل بآکد الفاظ فتیا صرف اول ودوم ہیں مگر اصح التصحیحین وارجح الترجیحین وماخوذ ومعتمد علیہ یہی ہے کہ جب اس کی رائے لینے تک کفو حاضر انتظار نہ کرے اور اس پر اٹھا رکھنے میں یہ موقع ہاتھ سے جاتا ہے تو غیبت غیبت منقطعہ ہے یہاں تک کہ اگر ولی اقرب شہر ہی میں روپوش ہو اور پتا نامعلوم یا رسائی نہیں اور انتظار باعث فوت کفو ہو تو غیبت منقطعہ سمجھی جائے گی اور ولی بعید کو جو مراتب ولایت میں اس اقرب کے متصل ہے ولایت ہاتھ آئے گی اور اگر اقرب ہزار کوس دور ہے اور کفو حاضر نہیں یا انتظار پر راضی، تو یہ غیبت منقطعہ نہیں، ولی بعید نکاح کرے گا تو نافذ نہ ہوگا بلکہ اجازت اقرب پر موقوف رہے گا۔

فی تنویر الابصار للولی الابعد التزویج بغیبۃ الاقرب مسافۃ القصر[3] **اھ فی رد المحتار نسبہ فی الھدایۃ لبعض المتاخرین والزیلعی لاکثرھم قال وعلیہ الفتوی**[4] **اھ قلت وکذا قال علیہ الفتوی فی الولوالجیۃ**	تنویر الابصار میں ہے ولی اقرب سفر کی مسافت پر غائب ہو تو ولی ابعد کو نکاح کر دینا جائز ہے اھ ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں اس کو بعض متاخرین کی طرف منسوب کیا ہے اور زیلعی میں اس کو اکثر کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ اس پر فتوی ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) یوں ہی ولوالجیہ میں کہا اس پر

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۹

[2] جامع الرموز باب الولی والکفو مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۶۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[4] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

كما فی مجمع الانهر قال القهستانی فی جامع الرموز هو الصحيح وبه يفتی[1] اھ فی الدر واختار فی الملتقی مالم ينتظر الكفؤ الخاطب جوابه واعتمده الباقانی ونقل ابن الكمال ان عليه الفتوی وثمرة الخلاف فی من اختفی فی المدينة هل تكون غيبة منقطعة[2] اھ قال الشامی قال فی الذخيرة الاصح انه اذاكان فی موضع لوانتظر حضوره واستطلاع رأيه فات الكفؤ الذی حضر فالغيبة منقطعة واليه اشار فی الكتاب اھ وفی البحر عن المجتبٰی والمبسوط انه الاصح وفی النهاية واختاره اكثر المشائخ وصححه ابن الفضل وفی الهدايه انه اقرب الی الفقة وفی الفتح انه الاشبه بالفقه وانه لاتعارض بين اكثر المتاخرين واكثر المشائخ ای لان المراد من المشائخ المتقدمون وفی شرح الملتقی عن الحقائق انه اصح الاقاويل وعليه الفتوی اھ وعليه مشی فی الاختيار والنقاية ويشير كلام النهر

فتوی ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں قہستانی نے جامع الرموز میں کہا: یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے اھ، در میں ہے: اور اس کو ملتقی میں پسندیدہ قرار دیا ہے منگنی کرنے والا کفو کے جواب کا انتظار نہ کرے، اور باقانی نے اس کو معتمد قرار دیا، اور ابن کمال نے اس پر فتوی کو نقل کیا اور ثمرہ اختلاف اس شخص کے متعلق ظاہر ہوگا جو شہر میں چھپ گیا ہو، توکیا اس صورت میں غیبت منقطعہ ہوگی اھ، شامی نے کہا کہ ذخیرہ میں کہا ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگرایسی صورت ہو کہ حاضر کفو، اس کی انتظار اور اس کی رائے معلوم کرنے تک، ضائع اور فوت ہوجانے کا خطرہ ہو تو یہ غیبۃ منقطعہ ہوگی، اور کتاب میں اسی صورت کی طرف اشارہ ہے اھ، بحر میں مجتبٰی اور مبسوط سے منقول ہے کہ یہی اصح ہے، اور نہایہ میں ہے کہ اس کو اکثر مشائخ نے اختیار کیا ہے اور ابن فضل نے اس کی تصحیح کی ہے، اور ہدایہ میں ہے کہ یہ اقرب فقہ ہے، اور فتح میں کہا کہ یہ فقہ کے اشبہ ہے اور یہ کہ اکثر متاخرین اور اکثر مشائخ میں کوئی تعارض نہیں ہے، یعنی اکثر مشائخ سے مراد متقدمین ہیں، اور شرح ملتقی میں حقائق سے منقول ہے کہ اقوال میں سے یہی اصح ہے اور اس پر فتوی ہے اھ، اور اختیار اور نقایہ میں اسی پر رجحان ہے، اور نہر کی کلام میں اس کے

[1] جامع الرموز باب الولی والکفاءۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۶۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

الی اختیارہ وفی البحر والاحسن الافتاء بما علیه اکثر المشائخ [1] اھ کلام الشامی،قلت والزیلعی مع قوله للاول علیه الفتوی ذکر تصحیح الثانی عن شمس الائمة السرخسی ومحمد بن الفضل ثم قال وھذا احسن [2] اھ وقال فی جواہر الاخلاطی وعلیه الفتوی [3] کمافی الھندیة، ورأیتنی کتبت ھھنا علی ھامش ردالمحتار علی قول البحر الاحسن الافتاء الخ مانصه قلت لاسیمافی ھذا الزمان فان العجلة الدخانیة قدردت مسافة القصر الی اکثر من مسافة ساعتین فکیف یبنی الامر علیھا بل وجب التعویل علی ماافتی به اکثر المشائخ رحمھم اللّٰه تعالٰی [4] اھ ماکتبت، **اقول:** وشیئ اٰخر وھو ان القول الثانی بنی الامر علی الحاجة والتضرر ولاشك ان الولایة انما ھی للنظر ودفع الضرر فکان من الفقه اثبات الولایة للذی یلی الاقرب عند کونه بحیث لووقت الامر علی رأیه لتضررت به القاصرة وعدمه	مختار ہونے کا اشارہ ہے،اور بحر میں کہا کہ جس پر اکثر مشائخ ہوں اس پر فتوی بہتر ہے،شامی کا کلام ختم ہوا، **قلت**(میں کہتا ہوں)زیلعی نے پہلے قول پر فتوی کہا اس کے باوجود انھوں نے شمس الائمہ سرخسی اور محمد بن فضل کی دوسرے قول پر تصحیح نقل کی،پھر کہا یہ احسن ہے اھ،اور جواہر اخلاطی میں کہا کہ اس پر فتوی ہے جیسا کہ ہندیہ میں ہے،مجھے یہاں پر ردالمحتار پر اپنا حاشیہ یاد ہے جب انھوں نے بحر کے قول کہ "اس پر فتوی ہے"الخ کو بیان کیا حاشیہ کی عبارت یہ ہے: میں کہتا ہوں کہ خصوصًا اس زمانہ میں جبکہ ریل گاڑی نے سفر کی مسافت کو ایک دوگھنٹہ کی مسافت میں تبدیل کردیا ہے تو مسافت کو بنیاد بنانا کیسے درست ہوگا،بلکہ اکثر مشائخ کے فتوی پر اعتماد ضروری ہے،میرا حاشیہ ختم ہوا،**اقول** ایک اور چیز ہے وہ یہ کہ دوسرے قول کی بنیاد حاجت اور نقصان پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ ولایت کا اثبات شفقت اور دفع ضرر پر مبنی ہے،تو فقہ یہ ہوگی کہ اقرب ولی کے بعد والے کو ولایت تب ہی ہوسکتی ہے جب ولی اقرب ایسے مقام پر ہو کہ اگر اس کی رائے اور اجازت حاصل کی جائے تو نابالغہ کو نقصان ہو اور اگر نقصان

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ کبری امیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵

[4] جدالممتار باب الولی قول ۶۱۴ المجمع الاسلامی مبارکپور، بھارت ۲/ ۳۸۴

عند عدمه كما اذا كانت صغيرة جدا ولاكفو يستعجل ولاحرج فى الانتظار ففيم يفتات على الاب الشفيق ويوكل الامر الى بعيد سحيق وربما لايؤمن ان يترك النظر لها لمصلحة نفسه اولجلب حطام فظهران فى القول الاول سلب الولاية حيث يحتاج اليها كالمختفى فى البلد واثباتها حيث لاحاجة اليها كما فى هذه الصورة هذا، ورأيتنى كتبت على قول الدر وثمرة الخلاف الخ مانصه، اقول وحيث المدار عند اهل القول الثانى على فوات الكفو فكما لم يعتبر مسافة القصر شرطا للانتقال كذلك لانظر اليها ف عند عدم الفوات والاستعجال فلو وجدت ولم يفت الكفؤ بانتظاره اواستطلاع رأيه لم يجزتزويج الا بعد على الثانى خلافا للاول فالثمرة غير محصورة فيما قال هذا ما ظهر لى	نہ ہو تو پھر بعد والے کو ولایت نہ ہوگی، مثلاً ایک چھوٹی بچی ہو جس کے لئے کفو کی کوئی عجلت نہیں اور نہ ہی اس کے نکاح کے لئے ولی اقرب کے انتظار میں کوئی حرج ہے تو پھر کیونکر ولی اقرب شفیق باپ کی ولایت کو ختم کر کے دوسرے بعید غیر شفیق کو ولایت سونپی جائے جبکہ یہ ممکن ہے کہ وہ بعید اپنے ذاتی فائدہ اور اپنی مصلحت کی خاطر بچی کے فائدہ کو نظر انداز کردے، تو ظاہر ہوا کہ پہلے قول میں اقرب کی ولایت کے سلب ہونے کی بات وہاں ہوگی جہاں حاجت اور ضرورت ہوگی جیسا کہ کوئی شہر میں گم ہوجائے اور حاجت پیدا ہوجائے، اور جہاں حاجت نہیں وہاں ولایت ثابت رہے گی، جیسا کہ مذکورہ صورت ہے، مجھے در کے قول "ثمرۃ الخلاف" پر اپنا حاشیہ یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) جب دوسرے قول والوں کے ہاں مدار کفو کا فوت ہونا ہے اس بنیاد پر ولایت کے منتقل ہونے کے لئے جیسے مسافت سفر (قصر) شرط نہیں ہے ایسے ہی یہ مسافت سفر، کفو فوت نہ ہونے کے باوجود عجلت کے لئے بھی پیش نظر نہیں ہے، تو مسافت سفر ہونے کے باوجود اقرب کی انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت نہ ہو تو ولی ابعد کا نکاح کرنا درست نہ ہوگا، یہ دوسرے قول کا ماحصل ہے جبکہ پہلا قول اس کے خلاف ہے، تو ثمرہ اختلاف، ان کے بیان میں محصور نہ رہا، یہ ہے

ف: جدالممتار میں خط کشیدہ عبارت یوں ہے: لاتعتبر علۃ تامۃ لہ بل ان وجدت المسافۃ الخ۔ **نذیر احمد**

فلیحرر [1] اھ وھو کما تری ظاھر محرر لما علمت، ولما مر من عبارات الملتقی و الذخیرۃ وغیرھما فان مفاھیم الخلاف معتبرۃ فی عبارات العلماء بالوفاق کما نصوا علیہ بالاطباق ثم رأیت فی مجمع الانھر فلو انتظرہ الخاطب لم ینکح الابعد [2] فھٰذا عین ما فھمت وللہ الحمد واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جو مجھے ظاہر ہوا تو تحقیق چاہئے اھ تو یہ بیان ظاہر ہے جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں، اور ملتقٰی ذخیرہ وغیرہما کی عبارات سے گزرا، کیونکہ بالاتفاق علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہے، جیسا کہ اس پر سب کی نص موجود ہے، اس کے بعد میں نے، مجمع الانہر میں دیکھا کہ اگر منگنی والا انتظار کرے تو ولی ابعد نکاح نہ کر دے، یہی میرا مؤقف ہے، وللہ الحمد، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال سوم

یہ جو فقہاء لکھتے ہیں کہ ولی ابعد غیبت میں اقرب کے، نکاح کراسکتا ہے، یہاں ولی ابعد سے کیا مراد ہے عصبہ یا مطلق وارث؟ گو ذوی الارحام میں سے ہو، اگر مراد عصبہ ہے تو حدیث عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے جو موطائے امام محمد کے باب الرجل بجعل امر امرأتہ بیدہا میں مخرج ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اپنی بھتیجی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی کا نکاح عبداللہ بن زبیر سے کرادیا باوجودیکہ عبدالرحمٰن شام میں تھے، کیا جواب ہے کہ عمہ ذوی الارحام سے ہے۔

الجواب:

ابعد میں افعل التفضیل اپنے باب پر نہیں بلکہ اس سے ہر ولی بعید مراد ہے مگر نہ مطلقا بلکہ وہی جو اس ولی اقرب کے متصل ہو یعنی باقی تمام اولیاء میں کوئی اس سے اقرب نہ ہو سب اس سے نیچے ہوں یا برابر، مثلا باپ غائب اور جد و برادران و عم موجود ہیں تو ولایت جد کے لئے ہے، نہ برادران و عم کے واسطے، اور جد نہ ہو تو سب برادران ہمسر کو، نہ عم کو،

فی ردالمحتار المراد بالابعد من یلی الغائب فی القرب کما عبر بہ فی کافی الحاکم وعلیہ فلو کان الغائب ابا ھا ولھا جد وعم فالولایۃ	ردالمحتار میں ہے کہ ابعد سے مراد ولی اقرب کے بعد دوسرے مرتبے والا ہے جیسا کہ اس کی تعبیر امام حاکم کی کافی میں ہے، اس بنا پر اگر والد غائب کے بعد لڑکی کا دادا اور چچا دونوں موجود ہوں تو ولایت دادا کو

[1] جدالممتار باب الولی قول المجمع الاسلامی مبارکپور بھارت ۲/ ۳۸۴

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر فصل فی الاولیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۳۹

للجد لاللعم [1]	ہوگی، چچا کو نہ ہوگی۔(ت)

اور جبکہ ذوی الارحام بلکہ مولی الموالاۃ بھی ہمارے نزدیک سلسلہ اولیاء میں داخل تو من یلی الغائب فی القرب (جو قرب میں بعد والے مرتبہ پر ہو۔ت) انھیں بھی شامل، مثلاً والد ولی اقرب غائب ہے تو اس کے من یلی فی القرب یہی ذوی الارحام ہیں، اور ذوی الارحام اقرب الاولیاء الموجودین ہوں تو ان کی غیبت میں من الموالاۃ من یلی ہے کما ھو قضیۃ الترتیب وھو ظاھر جدا (جیسا کہ ترتیب کا تقاضا ہے، یہ بالکل ظاہر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ثم لولد الام ثم لذوی الارحام ثم مولی الموالاۃ ثم للسلطان [2] الخ۔	پھر والدہ کے بیٹے اور پھر ذوی الارحام کو پھر معاہدہ والے کو پھر سلطان کو حق ولایت ہے الخ(ت)

اور ردالمحتار میں اختیار سے ہے:

ولاتنتقل الی السلطان لان السلطان ولی من لاولی لہ وھذہ لھا اولیاء [3]۔	سلطان کو ولایت منتقل نہ ہوگی کیونکہ سلطان اس وقت ولی بنتا ہے جب دوسرا کوئی ولی نہ ہو جبکہ اس کے اولیاء موجود ہیں۔(ت)

جب ہمارے نزدیک ذوی الارحام و مولی الموالاۃ بھی سلطان پر مقدم تو بحکم ھذہ لھا اولیاء (یہ اس کے اولیاء ہیں۔ت) یہاں بھی لاتنتقل الی السلطان (سلطان یعنی حکم کو منتقل نہ ہوگی۔ت) کا حکم محکم مگر صرف اس قدر کہ ذوی الارحام بھی کبھی بحالت غیبت اقرب ولایت پاتے ہیں، حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رفع شبہہ مذکورہ نہ کرے گا۔ اوپر معلوم ہو چکا کہ مطلقاً ہر بعید ولی نہیں ہوجاتا بلکہ وہی جو اس اقرب کے بعد سب سے اقرب ہے، پدر و عمہ کے درمیان تمام عصبات وتمام اصحاب فروض وبعض ذوی الارحام بکثرت اولیاء ہیں، حضرت حفصہ بنت عبدالرحمٰن بن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے بحالت غیبت پدر ان میں کسی کا اصلا موجود نہ ہونا یہاں تک کہ ولایت حضرت عمہ رضی اللہ تعالی عنھا کے لیے ثابت ہو بہت مستبعد ہے، بلکہ جواب یہ ہے کہ واقعۃ عین لا عموم لھا (یہ خاص واقعہ ہے اس میں عموم نہیں ہے۔ت) وقائع عین ہر گزنہ احتمال کے محل ہوتے ہیں، ممکن کہ حضرت حفصہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۵

وقت نکاح بالغہ ہوں توان پر ولایت مجبرہ کسی کو نہیں۔ ممکن کہ حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت منذر بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تزویج کے لئے تجویز وپسند فرمایا اور اقرب الاولیاء الحاضرین کو ان سے نکاح کر دینے کا حکم کیا اور انھوں نے حسب حکم والا نکاح کردیا ہو تو نکاح ہوا تو ولی مستحق ہی کی ولایت سے، مگر حضرت کے حکم حضرت کی رائے حضرت کی تجویز سے ہونے کے باعث حضرت کی طرف منسوب ہوا ایسی نسبتیں شائع وذائع ہیں جیسے:

فتح الامیر الحصن وقطع السلطان اللص وغسل علی فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	امیر نے قلع فتح کیا، سلطان نے چور کا ہاتھ کاٹا، علی نے فاطمہ کو غسل دیا رضی اللہ تعالٰی عنہما (ت)

جب منذر بن زبیر نے حضرت عبدالرحمٰن کی ناراضی پاکر انھیں اختیار دیا کہ وہ چاہیں تو تفریق کردیں حضرت عبدالرحمٰن نے اس پر اپنی خواہر مطہرہ سے عرض کی **ماکنت لاارد امرا قضیتہ**[1] مجھے نہیں پہنچتا کہ اس بات کو رد کروں جس کا آپ نے حکم فرمایا، اور اگر "**انہا زوجت حفصۃ**" کے معنی یہی رکھے جائیں کہ ام المومنین نے بنفس نفیس تزویج فرمائی تو ممکن کہ ولی مستحق سے ذکر فرماکر اجازت لے لی ہو، اب یہ صورت توکیل کی ہوجائیگی بہر حال کوئی مقام شبہہ واشکال نہیں۔ یہ وہ وجوہ ہیں کہ خاطر فقیر میں آئیں، اور امام مالک رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نے ام المومنین کے خصائص سے شمار فرماکر بوجہ اس قرب کے جو حضرت قدسی منزلت کو حضرت پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تھا، ان کی یہ تزویج جائز رہی، زرقانی علی مؤطا للامام مالک میں ہے:

قال مالک فی الموازیۃ انما کان ذلک لمثل عائشۃ لمکانہا من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام مالک نے موازیہ میں فرمایا: یہ صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو حق تھا کیونکہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خاص تعلق تھا الخ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

سوال چہارم

اس مسئلہ میں اگر ولی ابعد نے غیر برادری میں نکاح کردیا تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب:

ولی اقرب کہ غائب ہے پدر یا جد صحیح ہے ہر ایک غیر معروف بسوء اختیار یا معروف کہ اس سے

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مالایبین من التملیک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۱۳

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک کتاب الطلاق مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ۳/ ۱۷۲

پہلے اپنی اولاد سے کسی بچے کا نکاح غیر کفو سے یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکا ہو یا ان دونوں کا غیر، اور جبکہ غائب پدر ہو تو ولی ابعد جد معروف بسوء اختیار یا غیر معروف یا کوئی اور، یہ نو صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر پر غیبت منقطعہ ہے یا غیر، وہ غیر برادری والا کفو ہے یا غیر یعنی نسب یا مذہب یا حرفت یا روش یا مال غرض کسی بات میں اس سے ایسی کمی رکھتا ہے کہ اس سے نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہے، نکاح مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ ہوا مثلا دختر کا مہر مثل ہزار تھا پانسو باندھے یا زوجہ پسر کا پانسو تھا ہزار باندھے یا غیر، یہ جملہ بہتر ۷۲ صورتیں ہوئیں، ان کے حکم کا ضابطہ بتوفیق اللہ تعالٰی یہ ہے کہ اگر **غیبت غیر منقطعہ** تھی اور ولی غائب پدر یا جد غیر معروفین بسوء اختیار ہیں تو یہ نکاح مطلقًا ان کی اجازت پر موقوف ہے اگرچہ غیر کفو غبن فاحش سے ہو، اور اگر غائب مذکور معروف بسوء اختیار تو نکاح مطلقًا باطل محض، اگرچہ غیبت پدر میں جد صحیح غیر معروف بسوء اختیار نے کیا ہو۔

والوجه فی ذٰلك ان الغیبة اذالم یکن منقطعة لاتکون الولایة لغیره کما قدمنا فی مسئلة الاولی و الاب والجد لهما التزویج بغیر الکفو وبالغبن الفاحش اذالم یعرفا بسوء الاختیار لااذا عرفا به کما فی الدرالمختار [1] وغیره من الاسفار وقد قال فیه وفی متنه تنویرالابصار فی فصل الفضولی کل تصرف صدرمنه کتزویج وله مجیزای من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالامجیز له حالة العقد لاینعقد [2] اھ فاذالم یعرفابه	اس میں وجہ یہ ہے کہ جب تک غیبت منقطعہ نہ ہو تو غیر کو ولایت حاصل نہیں ہوتی جیسا کہ پہلے مسئلہ میں ہم نے ذکر کیا ہے، اور باپ اور دادا کو اس وقت غیر کفو اور گراں مہر یا انتہائی کم مہر کے ساتھ نکاح کی اجازت ہے جب وہ سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اس میں معروف ہونے کی صورت میں جائز نہیں، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے جبکہ درمختار اور اس کے متن تنویر الابصار میں فضولی کی بحث میں مذکور ہے کہ تمام وہ تصرفات جن کے صادر ہونے پر وہ کسی کی اجازت پر موقوف ہوں تو اجازت دینے والے کی موجودگی میں وہ تصرفات موقوف قرار پائیں گے اور اگر ایسے تصرفات کی اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو پھر یہ تصرفات منعقد ہی نہ ہوں گے اھ، تو جب

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

فهذا عقد وقع وله من یملك تنفیذه فوقف وان عرفا فلا فلا[عــہ] فلا توقف بتزویج جد لم یعرف به بغیبة اب معروف به وان کان الجد یملکه اذالم یعرف به فان هذا انما هو حین قیام ولایته وهو عند غیبة للاب غیبة غیر منقطعة لایلی اصلا ولومن کفو فضلا عن غیره۔	باپ دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو یہ عقد درست ہو کر اجازت پر موقوف رہے گا کیونکہ اس عقد کو جائز کرنے والا خود موجود ہے، اور اگر سوء اختیار میں معروف ہوں تو منعقد نہ ہوگا اور نہ موقوف ہوگا، تو اس صورت میں سوء اختیار میں غیر معروف دادا اگر اس باپ کی غیبت غیر منقطعہ میں جو سوء اختیار میں معروف ہو نکاح کردے تو یہ نکاح موقوف نہ رہے گا اگرچہ دادا غیر معروف بسوء اختیار خود نکاح کر دینے کا مالک ہوتا ہے مگر یہاں اس لئے نہیں کہ باپ غیبت منقطعہ میں غائب نہیں بلکہ وہ غیر منقطعہ غیبت میں غائب ہے تو ایسی صورت میں دادا کو ولایت منتقل نہیں ہوتی اگرچہ دادا کفو میں بھی کرے چہ جائیکہ غیر کفو میں کرے۔(ت)

اور اگر ولی غائب غیر اب وجد ہے تو کفو سے بے غبن فاحش اجازت غائب پر موقوف **لقیام ولایته بعدم الانقطاع** (عدم انقطاع کی بناپر ولایت باقی رہنے کی وجہ سے۔ت) اور غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقًا باطل **لعدم المجیز** (جائز کرنے والا نہ ہونے کی وجہ سے مطلقًا باطل ہے۔ت) اگرچہ اس ولی غائب بغیبت غیر منقطعہ کے سوا صغیر و صغیرہ کا باپ یا دادا غیر معروف بسوئے اختیار غائب بغیبت منقطعہ زندہ موجود ہوں کہ غیبت منقطعہ مثل موت ہے۔

بناء علی ماصحح فی البدائع انها تنقل الولایة عن الاقرب الی من یلیه فی القرب حتی لوزوجها حیث هو لم یجز والیه یمیل کلام المبسوط والهدایة والفتح بل هما مصرحان	بدائع میں مذکورہ تصحیح کی بناپر کہ ولایت اقرب سے منتقل ہو کر اس کے بعد والے قریبی کو حاصل ہوگی، حتی کہ اگراقرب نے جہاں پر وہ ہے وہاں نکاح کردیا ہو تو نافذ نہ ہوگا، اسی کی طرف مبسوط، ہدایہ اور فتح کا کلام مائل ہے، بلکہ آخری دونوں نے اس کی تصریح

عــہ: ای ان عرفا بسوء الاختیار فلا مجیز فلا توقف بل یبطل ثم فرع علیه فقال فلا توقف بتزویج جد الخ ۱۲ منه(م)	یعنی اگر وہ معروف بسوء اختیار ہیں تو یہ نکاح موقوف نہیں بلکہ باطل ہوگا، پھر اس پر تفریعًا کہا فلا توقف بتزویج جدا لخ ۱۲ منہ (ت)

بہ وسیأتی نصوصہا فی جواب الخامس وقواہ الزیلعی روایۃ ودرایۃ و علیہ فرع فی محیط السرخسی وذکر الشامی انہ الذی فی اکثر الکتب وقد قال فی الھدایہ والبحر ففوضناہ الی الابعد کما اذامات الاقرب[1] اھ اما علی ما استظھر فی الخانیہ والظھیریۃ والتنویر و الدر وعلیہ فرع الاسبیجابی فی شرح مختصر الطحاوی وعلیہ مشی فی البحر من انہا لاتنفی ولایتہ وانما تحدثہا لمن یلیہ فیکون کان ھنا ولیین مستویین کاخوین اوعمین فایہما عقد نفذ فالظاھر فیما ذکرنا التوقف اذالم یکن الاب اوالجد معروفا بسوء الاختیار لانہ وقع وھو مجیز فافھم۔	کی ہے اور ان کی بعض نصوص پانچویں سوال کے جواب میں آئیں گی اور اس کو زیلعی نے قوی قرار دیا، درایۃً وروایۃً اور اس پر محیط سرخسی میں تفریع قائم کی اور شامی نے کہا کہ یہی اکثر کتب میں ہے جبکہ ہدایہ اور بحر میں کہا کہ ہم یہ ولایت ہمیشہ کے لئے دوسرے مرتبہ والے کو سونپ دیں گے جیساکہ اقرب کے فوت ہوجانے پر ہوتا ہے اھ، لیکن خانیہ، ظہیریہ، تنویر اور در نے جس کو ظاہر قرار دیا اور شرح مختصر الطحاوی میں اسیجابی نے جس پر تفریع قائم کی ہے اور بحر نے اس کو اپنایا، وہ یہ ہے کہ اقرب غائب کی ولایت ختم نہ ہوگی، ہاں قربت میں دوسرے مرتبہ والے کے لئے بھی ولایت ثابت ہوجائے گی، گویا یوں دو مساوی قرار پائیں گے جیسے دو بھائی یا دو چچے برابر ہوں تو دونوں کو ولایت نفاذ حاصل ہوتی ہے، جو بھی عقد کرے گا نافذ ہوگا، تو ظاہر وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ باپ یا دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں تو نکاح موقوف رہے گا کیونکہ یہ حضرات نکاح کو جائز کرنیوالے موجود ہیں۔ غور کرو۔ (ت)

اور اگر **غیبت منقطعہ** تھی تو غیر کفو یا غبن فاحش سے مطلقا بالکل مگر اس صورت میں کہ غائب پدر ہو اور مزوج جد صحیح کہ نہ معروف بہ سوء اختیار ہو نہ اس تزویج کے وقت نشے میں کہ اس تقدیر پر یہ عقد نہ صرف صحیح و نافذ بلکہ لازم ہوگا جو کسی طرح رد نہیں ہوسکتا اور اگر نکاح کفو سے بے غبن فاحش ہے تو مطلّقا تام و نافذ مگر ولی مزوج اگر جد ہے تو لازم بھی ہوگیا ورنہ غیر لازم کہ قاصر و قاصرہ کو اگر پیش از بلوغ نکاح کی خبر ہے تو بلوغ ہوتے ہی ورنہ بعد جب خبر پائیں اختیار ملے گا کہ اس پر معترض ہو کر قاضی شرع سے نکاح فسخ کرالیں۔

والمسائل ظاھرۃ وفی کتب المذھب	یہ مسائل واضح اور مذہب کی کتب میں مذکور ہیں جبکہ

[1] الھدایہ باب الاولیاء والاکفاء مکتبہ عربیہ کراچی ۲۹۹/۲، بحر الرائق باب الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۲۶/۳

دائرة وقد قال فی الخیریة قد نصوا علی ان غیر الاب والجد اذا زوج الصغیر او الصغیرة مع وجود احدھما ان کان بغیبة وثبوت الولایة له بالغیبة المجوزة لذٰلك فلهما خیار البلوغ لانه زوج بالولایة[1] اھ **تنبیه:** کتبت ھھنا علی ھامش ردالمحتار مانصه وانظر ھل اذا عاد الاب اوالجد حتی عادت ولایته کما نصوا علیه ھل یکون له ایضا الاعتراض قبل بلوغ الصغیرین ام ھو لھما خاصة حتی یبلغا والظاھر ھوالاول لانه لدفع ضرر خفی کما فی الھدایة اوضرر غیر متحقق کما فی الفتح فینبغی ثبوته لمن له النظر وانما النظر لدفع الضرر فلم ذا یؤخر مع امکان الدفع قبل ان یتقرر ثم ان قلنا بحصول ذلك للاب والجد ولم یعارضا حتی بلغ الصغیران فھل یکون ھذا الاعتراض عن الاعتراض مبطلا لخیار الصغیرین کما لوزوج الابوان بانفسھما الظاھر لالان النکاح اذا وقع لغیبتھما فقد نفذ غیر موقوف علی	خیریہ میں کہا کہ فقہا نے تصریح کی ہے کہ باپ اور دادا کی غیر موجودگی میں اگر کسی نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کردیا تو اگر باپ اور دادا ایسے غائب ہیں جس کی بناپر اس غیر کو ولایت اور اجازت ہوسکتی ہے تو لڑکے اور لڑکی کو خیار بلوغ حاصل ہوگا کیونکہ غیر نے یہ نکاح اپنی ولایت سے کیا ہے اھ۔ **تنبیہ:** میں نے یہاں ردالمحتار کے حاشیہ پر لکھا ہے جس کی عبارت یوں ہے کہ غور کرنا ہوگا کہ کیا باپ یا دادا واپس آگئے تو لڑکے یا لڑکی کے بالغ ہونے سے قبل ان کو دوبارہ ولایت لوٹ آئیگی جس کی وجہ سے لڑکے اور لڑکی کے کئے ہوئے نکاح پر ان کو اعتراض کا حق ہوگا یا اب ان کو اعتراض کا حق نہیں بلکہ لڑکے یا لڑکی کو ہی اپنے بلوغ پر اختیار رہے گا جیساکہ عام فقہاء نے تصریح کی ہے جبکہ ظاہر پہلی صورت ہے کیونکہ کسی مخفی ضرر کی بناء پر جیساکہ ہدایہ میں ہے یا احتمال ضرر کی بناپر جیساکہ فتح میں ہے صاحب شفقت کو اختیار ولایت ثابت ہے جبکہ ولایت شفقت دفع ضرر کے لئے ہوتی ہے، تو بچوں کے بـلوغ کی انتظار تک کیوں مؤخر کی جائے جبکہ ضرر واقع ہوجانے سے قبل اس کے دفاع کا امکان موجود ہے، پھر قابل غور یہ ہے کہ جب ہم تسلیم کرلیں کہ باپ دادا کو ولایت دوبارہ مل گئی ہے اب وہ نابالغ کے نکاح پر تعرض نہ کریں حتی کہ وہ بچے بالغ ہوجائیں تو کیا باپ دادا کا تعرض نہ کرنا بچوں کے خیار بلوغ کو ختم کردے گا جیساکہ خود باپ دادا نے نکاح کیا ہو تو بالغ کا خیار بلوغ باطل ہوتا ہے،

[1] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۵

اجازتهما فلم ینسب الیهما ایقاعا ولانفاذا و اعراضهما عن اعتراضهما لایوجب ابطال حق الصغیرین کما اذالم یزاحما ظالما یتصرف فی مالهما فلیتأمل ولیحرر [1] هٰما کتبت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تو ظاہر یہی ہے کہ والدین کے عدم تعرض سے خیار بلوغ ختم نہ ہوگا کیونکہ نکاح کے وقت ان کے غائب ہونے کی بناپر ان کی اجازت پر موقوف نہ تھا تو نکاح کا نفاذ ان کی طرف منسوب نہ رہا، تو اب عدم تعرض اور اعتراض نہ کرنے کی وجہ سے بچوں کو حاصل شدہ اختیار باطل نہ ہوگا، جیساکہ ظالم نے بچوں کے مال میں تصرف کیا اور باپ دادا نے تعرض نہ کیا ہو، اس میں غور چاہئے اور واضح کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

سوال پنجم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سو کوس سے زائد سفر میں گیاہے اس کے مکان پر اس کی والدہ اور اس کی دختر زینب نامی اور اس کا پھوپھی زاد بھائی خالد موجود ہیں، زید نے اپنی والدہ کو لکھاکہ زینب کانکاح بغیر میری اجازت کے نہ کرنا میں خود سفر سے آکر اپنے برادر کے پسر کے ساتھ کروں گا، مگر اس کی والدہ نے بغیر دریافت کئے زید کے اور بغیر دریافت کئے خالد کے جو موجود تھا اپنی رائے سے اپنی پوتی زینب نابالغہ کا نکاح بہت دور کے عزیزوں میں کردیا اس صورت میں زید سفر سے آنے کے بعد فسخ نکاح کراسکتا ہے یا نہیں؟ اور خالد جو بحالت عقد اپنے مکان پر موجود تھا اور اس کی رائے کے خلاف نکاح ہوگیا تو آیا یہ بھی زینب نابالغہ کا نکاح فسخ کراسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خالد تو یہاں کوئی چیز نہیں۔ نہ اسے کچھ اختیار ہے کہ ابن عمۃ الاب ذوی الارحام سے ہے۔ اور دادی بالاتفاق ان پر مقدم۔

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبۃ بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم لام الاب الی قوله ثم ذوی الارحام [2]۔	درمختار میں ہے: نکاح میں ولی، وراثت وحجب کی ترتیب پر عصبات بنفسہٖ ہوتے ہیں، اگر عصبات نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو پھر دادی کو ہوتی ہے، ان کا بیان ذوالارحام تک ہوا۔ (ت)

[1] جدالممتار باب الولی قول المجمع الاسلامی مبارکپور ۳۶۹/۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۳/۱

مگر تقریر سوال سے جو صورت ظاہر ہو وہ صاف شہادت دے رہی ہے کہ یہ نکاح اس وجہ پر واقع نہ ہوا جو شرع مطہر نے غیبت ولی اقرب میں ولی ابعد کے لئے رکھی ہے قطع نظر اس سے یہاں دادی ولی ابعد ہے بھی یا نہیں۔(کہ ابعد وہ جو اقرب کے بعد مرتبہ ولایت میں ہو غیبت پدر میں دادی اس وقت ولی ابعد ہو سکتی ہے کہ دادا، بھائی، بھتیجا، چچا، چچا کا بیٹا سگے سوتیلے، غرض دادا پر دادا کی اولاد کو کوئی مرد عاقل بالغ کتنے ہی دور کے رشتے کا اصلا موجود نہ ہوں، نہ زینب کی ماں حاضر ہو کہ یہ سب مراتب ولایت میں دادی پر مقدم کما تقدم وقد حققنا تقدم الام علی ام الاب فیما علقنا علی ردالمحتار) (جیسا کہ پہلے گزر چکا اور ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں تحقیق کی ہے کہ ماں کو دادی پر تقدم حاصل ہے۔ت) مذہب معتمد میں بحالت غیبت اقرب ولی ابعد کو بے اجازت اپنی رائے سے صغیرہ کا نکاح کر دینے کا اختیار صرف اس ضرورت سے دیا جاتا ہے کہ سردست صغیرہ کے لئے کوئی کفو خواستگار حاضر وموجود ہے اور اسے اتنی مہلت منظور نہیں کہ ولی اقرب واپس آئے یا اس کا جواب لیا جائے۔اگر اتنا انتظار کرتے ہیں تو اس دیر کے باعث کفو موجود نکاح پر راضی نہ ہوگا اور موقع ہاتھ سے نکل جائے گا فوات کفو کے سبب صغیرہ کو نقصان پہنچے گا کہ کفو ہر وقت میسر نہیں آتا، کیا معلوم پھر ہاتھ نہ لگے، لہٰذا بضرورت اس ولی اقرب کے بعد کے درجے کا جو ولی حاضر ہے شرع مطہر اسے اجازت دیتی ہے کہ تو کر دے وجہ یہ کہ احراز کفو شرع مطہر میں سخت مہم ومہتم بالشان ہے اور کفو حاضر کا ہاتھ سے کھو دینا ضرور نقصان، بلکہ سرے سے نابالغ پر ولایت تزویج کی تشریع اگرچہ باپ ہی کی ہو اسی حکمت کے لئے واقع ہوئی ورنہ بچپن میں نکاح کی کیا ضرورت،

فتح القدیر میں ہے:

النکاح یراد لمقاصدہ ولاتتوفر الابین المتکافئین عادۃ ولایتفق الکفؤ فی کل زمان فاثبات ولایۃ الاب بالنص بعلۃ احراز الکفؤ اذا ظفر بہ لحاجۃ الیہ اذقد لایظفر بمثلہ اذافات بعد حصولہ[1]	نکاح بعض مقاصد کے لئے ہوتا ہے جو عادتًا دوہم مثل حضرات سے پورے ہوتے ہیں، اور یہ مماثلت اور کفؤ ہر وقت میسر نہیں ہوتی، اور باپ کو ولایت نص سے ثابت ہوئی ہے تاکہ وہ ضرورت کے وقت کفؤ کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے، کیونکہ ہر وقت کفو میسر آنے کے بعد ضائع ہو جانے پر حاصل نہیں ہوتی۔(ت)

حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی ثلاث لاتؤخرھا الصلٰوۃ اذا	اے علی! تین چیزوں میں دیر نہ کرنا، نماز جب اس کا

[1] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۳/۱۷۳

اُنت والجنازة اذا حضرت والایم اذا وجدت لھا کفؤا[1]۔رواہ الترمذی والحاکم عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔	وقت آئے، اور جنازہ جب حاضر ہو، اور زن بے شوہر جب اس کے لئے کفو پائے (اس کو ترمذی اور حاکم نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاجاء کم الاکفاء فانکحوھن ولاتربصوا بھن الحدثان[2]۔رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب تمہارے پاس کفو آئیں تو لڑکیاں بیاہ دو اور ان کے لئے حادثوں کا انتظار نہ کرو (اس کو مسند فردوس میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

یعنی دیر میں شاید کوئی حادثہ پیش آئے کہ فی التاخیر اٰفات (تاخیر میں کئی آفتیں ہیں۔ت) چند حدیثوں میں ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اتاکم من ترضون خلقہ ودینہ فزوجوہ الاتفعلوا تکن فتنة فی الارض وفساد عریض[3]۔رواہ الترمذی وابن ماجة والحاکم عن ابی ھریرة وابن عمر والترمذی والبیہقی فی السنن عن ابی حاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جب تمہارے پاس وہ شخص آئے جس کا چال چلن اور دین تمہیں پسند ہو تو اس سے نکاح کردو، ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔ (اسے ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے ابن عمر، اور ترمذی اور بیہقی نے سنن میں ابوحاتم المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ذخیرہ وردالمحتار میں ہے:

الاصح انہ اذاکان فی موضع لو انتظر حضورہ او استطلاع	اصح یہ ہے کہ اگر ایسے مقام پر ہو کہ اس کی واپسی کے انتظار اور اس کی رائے حاصل کرنے سے موجودہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ ص ۲۴، ابواب الجنائز ص ۱۲۷، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ج ۱، المستدرک للحاکم کتاب النکاح باب تزوجواالودود والولود دارالفکر بیروت ۲/ ۶۳۔۱۶۲

[2] کنزالعمال بحوالہ فرعن ابن عمر حدیث موسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۱۷

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء من ترضون دینہ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۲۸، المستدرک کتاب النکاح دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۵

رأیه فات الکفؤ الذی حضر فالغیبة منقطعة والیه اشارفی الکتاب[1]۔	کفو فوت ہوجائے گا تو ایسے مقام پر ولی اقرب کی غیبت منقطعہ ہوگی، اور اسی کی طرف کتاب میں اشارہ ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

اذا بقینا ولایة الاقرب ابطلنا حقها وفاتت مصلحتها[2]۔	ولی اقرب کی (باوجود غائب ہونے کے) ولایت کو باقی رکھیں تو لڑکی کا حق باطل اور اس کی بھلائی فوت ہوجائے گی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

هذا اقرب الی الفقه لانه لانظر فی ابقاء ولایته حینئذ[3]۔	یہ بات فقہ سے اقرب ہے کیونکہ یہاں اقرب کی ولایت کو باقی رکھنے میں بچی پر شفقت نہیں ہے۔(ت)

تو ابعد کے لئے حصول ولایت تین شرط پر مشروط:

اول یہ ابعد بغیبت اقرب جس کے نکاح میں دے صغیرہ کا کفو ہو،

فانه ان لم یکن کفوا فای شئی یفوت بفوته والام تمس الحاجة۔	اگر وہ کفو نہ ہو تو پھر کس چیز کے فوت ہونے کا خطرہ اور ماں کو کس کی حاجت محسوس ہوئی۔(ت)

دوم ہو کفو ولی اقرب کا جواب آنے تک نہ رکے ورنہ ہر گز ابعد کو اختیار نہ ہوگا، جامع الرموز و مجمع الانہر میں ہے:

لو انتظرہ الخاطب لم ینکح الابعد[4]۔	اگر منگنی طلب کرنے والا ولی اقرب کا انتظار کرتا ہے تو پھر ولی ابعد نکاح نہ کرے۔(ت)

منحۃ الخالق میں ہے:

ان رضی الخاطب ان ینتظر الی استیذان الولی الاقرب لم یصح للابعد العقد[5]۔	اگر منگنی والا ولی اقرب سے اجازت حاصل کرنے پر راضی ہے تو ابعد کا نکاح درست نہ ہوگا۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۵

[2] فتح القدیر باب فی الاولیاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۸۴

[3] الهدایہ باب فی الاولیاء والاکفاء المکتبة العربیة کراچی ۲/۲۹۹

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب فی الاولیاء والاکفاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۳۹

[5] منحة الخالق حاشیة علی البحر الرائق باب الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

سوم اس جاری کرنے والے کفو کے سوااور کوئی کفو خواستگار نکاح ایسا حاضر نہ ہو جو جواب آنے تک انتظار پر راضی ہو۔

فانه حینئذ لایفوتها الکفوالخاطب بالفعل انما یفوت ان فات احد هما ولیس فی ذلك ابطال حقها ولاتفویت مصلحتها حتی تسلب الولایه من قریب شفیق الی بعید سحیق وهذا ظاهر لاسترة علیه۔	کیونکہ اس صوت میں لڑکی کے لئے کفو والا رشتہ فوت نہ ہوگا۔ہاں دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہوا، مگراس سے لڑکی کا حق باطل ہوا نہ اس کی مصلحت فوت ہوئی جس کی بناپر اقرب ولی کی ولایت سلب کی جائے جو کہ نہایت شفیق ہے اور بعید غیر شفیق کو دی جائے، یہ بالکل ظاہر بات ہے۔ (ت)

یہاں اولا زید کا بھتیجا جس کے ساتھ تزویج زینب کا ارادہ وہ اپنے خط میں لکھ چکا ظاہرًا صریح کفو خواستگار موجود ہے یہ دوسرا جس کے ساتھ نکاح کیا گیا اگر کفو بھی تھا اور اتنی دیر میں ہاتھ سے نکل جاتا تو دوسرا تو موجود تھا تو وہ ضرورت جس کے لئے ولی ابعد کو اختیار ملنا متحقق نہ ہوئی، ولہذا علامہ خیر الدین رملی حاشیہ بحر الرائق مسئلہ عضل ولی اقرب میں فرماتے ہیں:

الولایة بالعضل نیابة انما انتقلت للقاضی لدفع الاضرار بها ولایوجد مع ارادة التزویج بکفؤ غیره۔[1]	رکاوٹ کی وجہ سے ولایت قاضی کو بطور نیابت منتقل ہوتی ہے تاکہ وہ لڑکی کے ضرر رسانی کا دفاع کرسکے، جبکہ ایک کفو کی بجائے دوسرے کفو کو نکاح دینا لڑکی کے لئے ضرر نہیں ہے۔(ت)

علامہ شامی حاشیہ بحر میں لکھتے ہیں:

ان کان الکفو الاٰخر حاضرا وامتنع الاب من تزویجها من الاول واراد تزویجها من الثانی لایکون عاضلا لان شفقته دلیل علی انه اختار لها الانفع[2]۔	اگر دوسرا کفو موجود ہے اور باپ پہلے کو نکاح نہ دے اور وہ دوسرے کو دینا چاہتا ہے تو اس کو باپ کی رکاوٹ نہ کہا جائے گا کیونکہ اس کی شفقت پدری اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بچی کے لئے زیاد مفید کو پسند کرتا ہے۔(ت)

[1] منحة الخالق بحواله الرملی فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۷

[2] منحة الخالق حاشیه علی البحر الرائق فصل فی الاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۷

ثانیًا جب خط مذکور آنے اور ارادہ زید ظاہر ہو جانے کے بعد یہ نکاح واقع ہوا تو ظاہر کہ یہ جلدی اس لئے نہ تھی کہ کفؤ حاضر کو اتنی مہلت نہیں زید کا جواب آنے تک بیٹھا نہ رہے گا بلکہ قصدًا اس کی رائے کے خلاف جان کر بالا کارروائی کرلی گئی کہ وہ نہ آنے پائے اور اپنا مطلب ہو جائے یہ ہرگز نہ ضرورت نہ مصلحت نہ مراد شرع سے اسے مناسبت بلکہ مقصود شرع سے صاف مناقضت شرع مطہر نے مراتب ولایت کی ترتیب اسی دن کے لئے رکھی تھی کہ جس کی عقل کامل صغیر السِّن پر شفقت وافران بے چاروں کے کام آرام کا انتظام اہتمام اس کے ہاتھ میں دیا جائے نہ کسی کم شفقت یا ناقص العقل کے قبضے میں، اگر ترک انتظار اسی کا نام رکھا جائے کہ ولی اقرب کی رائے اپنے خلاف معلوم ہے لہٰذا اس سے دریافت کا انتظار نہیں کرتا کہ وہ پوچھے سے منع کردے گا تو ایسی غیبت تو ہر وقت نقد وقت ہو سکتی ہے، آخر مذہب معتمد پر غیبت منقطعہ میں سفر در کنار شہر سے باہر ہونا بھی شرط نہیں **کما فی الخانیۃ والبحر والدرر وغیرھا** (جیسا کہ خانیہ، بحر اور درر وغیرہ میں ہے۔ت) صغیرہ کا مہربان باپ اس کی مصلحت کا خواہاں اس کی مضرت سے ترساں جب مسجد میں نماز کو جائے گھر میں کوئی عورت ناقصۃ العقل والدین اپنی خواہش کے مطابق جس کفو کو چاہے بیٹی دے دے اگرچہ باپ جانتا ہو کہ اس سے رشتہ میں صغیرہ کی شامت ہے تو شرع مطہر میں باپ کی تقدیم اور اس کی رائے و شفقت پر اس قدر اعتماد عظیم (کہ اگر وہ ایک بار کفو کے ہوتے غیر کفو سے بیاہ دے تو تمام جہان میں کسی کو اختیار اعتراض نہیں کہ اس نے کفاءت سے بڑھ کر کوئی مصلحت سوچ لی ہوگی۔

فی ردالمحتار انہ لوفور شفقتہ بالابوۃ لایزوج بنتہ من غیر کفو او بغبن فاحش الا لمصلحۃ تزید علی ھذا الضرر کعلمہ بحسن العشرۃ معھا وقلۃ الاذی ونحو ذٰلک [1]	ردالمحتار میں ہے کہ وہ پدری شفقت کی بنا پر اپنی بیٹی کا نکاح غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے نہیں کریگا مگر جبکہ اس ضرر کی نسبت سے زیادہ فائدہ اور مصلحت پیش نظر ہو مثلاً لڑکی کے لئے اچھی معاشرت اور لڑکی کو اذیت سے تحفظ وغیرہ مقصود ہو (ت)

سب بیکار و معطل ہو کر رہ گئے **ان ھذا البعید من الفقہ ای بعید** (یہ فقہ سے بہت بعید ہے۔ت) بلکہ ایسی باگ چھوڑنے میں سخت فتنوں کا احتمال قوی ہے مثلاً زن بے خرد اپنے کسی عزیز کے ساتھ بوجہ قرابت خواہ کسی طمع سے یا دلالہ خبائث کی باتوں میں آکر کسی شخص سے دختر کا نکاح چاہتی ہو پدر شفیق ہو آگاہ ہو کہ یہ بد مذہب یا کم نسب ہے اور کسی وجہ سے کفو نہیں وہ منع کردے اس کے جاتے ہی یہ ناقصۃ العقل اس بُری جگہ

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

لڑکی اٹھادے اور دعوی کرے کہ یہ کفو تھا انتظار میں فوت ہو جاتا لہٰذا مجھے ولایت ملی اب کہیں یہ ہوگا کہ ذی عزت آدمی **معاذاللہ** ایسے معاملات کچہری تک لے جاتے غیرت کرے اور قہر درویش بر جان درویش کہہ کر خاموش رہے تو نابالغہ کو کیسا ضرر عظیم پہنچا اگر دعوی کرے تو عدم کفاءت کا ثبوت دینا دشوار ہو خصوصا مثل مذہب میں کہ بہت بد مذہب خصوصا روافض ایسی جگہ تقیہ کی بڑی ڈھال رکھتے ہیں تو ایسی اجازتوں میں کیسی آفتوں کا فتح باب ہے **والعیاذ باللہ العزیز الحکیم** (عزت وحکمت والے اللہ کی پناہ۔ت)۔

ثالثًا مذہب معتمدہ بلکہ قول مقابل پر بھی ولی اقرب کی غیبت منقطعہ میں ابعد کو ولایت دینے کا منشا صرف یہ کہ ولایت اس لئے رکھی ہے کہ اس کی رائے سے نابالغ کو نفع پہنچے اور جب وہ ایسا غائب ہے تو اس کی رائے سے نفع معدوم۔ لہٰذا جو اس کے بعد درجہ رکھتا ہے اس کی رائے پر رکھیں گے، ہدایہ میں ہے:

ان ھذہ ولایۃ نظریۃ ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برأیہ ففوضناہ الی الابعد والغیبۃ المنقطعۃ ان یکون بحال یفوت الکفؤ باستطلاع رأیہ[1] اھ ملتقطا۔	یہ نکاح کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جس کی رائے سے انتفاع نہ ہوسکے ایسے کو ولایت سونپنا شفقت نہ کہلائے گی، لہٰذا ہم یہ ولایت اس کے بعد والے ولی کو سونپتے ہیں، اور غیبت منقطعہ یہ ہے کہ وہ اقرب ایسی جگہ ہو کہ اس کی رائے حاصل کرنے میں کفو فوت ہو جائے۔اھ ملتقطا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لانظر فی التفویض الی من لاینتفع برأیہ لان التفویض الی اقرب لیس لکونہ اقرب بل لان فی الاقربیۃ زیادۃ مظنۃ للحکمۃ وھی الشفقۃ الباعثۃ علی زیادۃ اتفاق الرائی للمولیۃ فحیث لاینتفع برأیہ اصلا سلبت الی الابعد[2]۔	جس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو اس کو ولایت سونپنا شفقت نہیں ہے کیونکہ اقرب کو ولایت اس لئے نہیں کہ وہ اقرب ہے بلکہ اس لئے کہ اقرب ہونے میں زیادہ شفقت کا پہلو ہے جو کہ لڑکی کے لئے فوائد سے اتفاق ہے، تو جہاں اس کی رائے سے انتفاع ممکن نہ ہو وہاں اسے ابعد کی طرف منتقل کیا جائے گا۔ (ت)

[1] الھدایہ باب الاولیاء والاکفاء المکتبہ العربیۃ کراچی ۲/۲۹۹

[2] فتح القدیر باب الاولیاء المکتبۃ النوریہ الرضویہ سکھر ۳/۱۸۳

بحر الرائق میں ہے:

قوله وللابعد التزویج بغیبة الاقرب مسافة القصر ای ثلثة ایام فصاعدا لان هذه ولایة نظریة ولیس من النظر التفویض الی من لاینتفع برأیه ففوضناه الی الابعد[1]۔	ماتن کا قول کہ "ابعد کو نکاح کردینے کی ولایت ہے جبکہ اقرب اتنی مسافت پر ہو جس سے قصر لازم ہو" یعنی تین دن یا زیادہ مسافت، کیونکہ یہ ولایت شفقت پر مبنی ہے، تو ایسے کو ولایت سونپنا جس کی رائے قابل انتفاع نہ ہو تو وہ شفقت نہ ہوگی، اس لئے ہم نے یہ ولایت ابعد کو سونپی ہے۔(ت)

یہاں کہ ولی اقرب کی رائے سے انتفاع بالفعل حاصل وہ خط لکھ چکا اپنی رائے ظاہر کرچکا تو اب ابعد کی رائے پر رکھنے کا کیا منشا اس کی رائے تو اس لئے لی جاتی ہے کہ اقرب کی رائے سے انتفاع معدوم، نہ اس لئے کہ اس کی رائے سے جو نفع حاصل ہے اس کے رد و ابطال کے واسطے یہ سراسر عکس مقصود ہے تو بنظر بحالات واقعہ صاف ظاہر ہے کہ یہ اس صورت سے بہت ابعد ہے جس میں شرع مطہر اقرب سے ابعد کی طرف ولایت نقل فرمائے، لاجرم غیبت زید غیبت منقطعہ نہیں اور وہی اقرب ہے، اس کے سوا دادی وغیرہا کسی کا کیا نکاح نکاح فضولی ہے کہ زید کی اجازت پر موقوف تو فسخ کراسکتا کیا معنی، زید خود اپنے قول سے فسخ کرسکتا ہے زبان سے کہہ دے "میں نے یہ نکاح رد کیا" فوراً رد و باطل ہوجائے گا۔ محیط وہندیہ وشرح تنویر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاخیر لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته[2]۔	عبارت آخری کتاب کی ہے کہ اگر ابعد نے اقرب کی موجودگی میں نکاح دیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا (ت)

یہ سب کلام اس حالت میں ہے کہ جس سے زینب کا نکاح ہوا زینب کا کفو ہو اور اگر کفو نہیں یعنی نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن یا مال غرض کسی بات میں ایسا کم ہے کہ اس سے اس کا نکاح ہونا زید کے لئے باعث عار ہو جب تو حکم بلادقت ظاہر کہ مذہب معتمدہ پر یہاں سرے سے غیبت منقطعہ کی پہلی ہی شرط متحقق نہ ہوئی تو ایسا نکاح قطعاً اجازت پر موقوف ہے اگرچہ ہزار کوس پر ہو وہ بھی جبکہ زید اس سے پہلے اپنی ولایت سے کوئی نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو ورنہ نکاح زینب اس کی اجازت پر بھی موقوف نہ رہا، سرے سے خود ہی باطل محض ہوا **لصدورہ من فضولی ولامجیز** (فضولی سے صادر ہونے اور اس کو جائز کرنے والا نہ ہونے کی بنا پر۔ت)

---

[1] بحر الرائق باب الاولیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الاولیاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

ظاہر حال صورت سوال تو یہ ہے اور اگر فرض کیجئے کہ جدہ زینب کی یہ جلدی اور جس سے نکاح ہوا اس کی بے انتظاری اس بنا پر نہ تھی بلکہ واقعی ہی امر تھا کہ صرف یہی کفو خواستگار ہے بھتیجا وغیرہ یا تو خواستگار ہی نہیں یا ہیں تو کفو نہیں، اور یہ کفو اپنی کسی ضرورت کے باعث اس درجہ مستعجل ہے، زید نے کہ خط لکھا اس وقت کوئی کفو خواستگار نہ تھا، اب اگر اسے اطلاع ہو کہ یہ موقع ہاتھ آیا اور ایسا خواستگار پایا عجب نہیں کہ وہ بھی رضامند ہو مگر بے مہلتی کے باعث خط یا آدمی بھیج کر دریافت کرنے کا وقت کہاں انتظار میں کفو فوت ہوگا زینب کو ضرر پہنچے گا فی الواقع اگر حالت یہ تھی تو بیشک زید کی غیبت پر غیبت منقطعہ کی تعریف مذکور صادق نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ اب جو ولی حاضر درجات ولایت میں اس کے بعد ہے اس نے ولایت پائی، اب اول تو یہ دیکھنا چاہئے کہ اس نکاح میں زینب کے مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی مثلاً اس کا مہر مثل پچاس ہزار تھا پچیس ہزار بندھے، اگر ایسا ہے تو یہ نکاح مطلقاً باطل محض ہوا کہ اب باپ بھی جائز کرے تو جائز نہ ہوگا، مگر یہ کہ باپ کی غیبت منقطعہ میں زینب کا جد صحیح ولی حاضر ہو جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنے کسی زیر ولایت کا ایسی بے شفقتی کا نہ کرچکا ہو، اور یہ نکاح دادی نے اس کی اجازت سے کیا یا بعد وقوع اس نے جائز رکھا اور نافذ کردیا، اور اس اجازت سابقہ یا لاحقہ کے وقت نشے میں نہ تھا البتہ جائز بلکہ لازم ہوگا کہ پھر کسی طرح رد نہیں ہوسکتا، مگر تقریر سوال سے زینب کا دادا موجود ہونا مفہوم نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولوبغبن فاحش بنقص مھرھا اوبغبن کفو ان الولی المزوج اباوجدالم یعرف منھما سوء الاختیار اتفاقاوکذالوکان سکران [1] اھ وفی الخیریۃ و مثل الوکالۃ السابقۃ الاجازۃ اللاحقۃ [2]۔	اگر باپ یا دادا نکاح دینے والا ہو جس کے بارے میں سوء اختیار معروف نہ ہو تو اس کا غیر کفو اور انتہائی کم مہر سے کیا ہو نکاح بھی لازم ہوگا، اور اگر وہ سوء اختیار سے معروف ہوں تو بالاتفاق یہ نکاح نہ ہوگا۔ یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہوں تو بھی صحیح نہ ہوگا اھ اور خیریہ میں ہے پہلی وکالت کی طرح ہی بعد والی اجازت کا حکم ہے۔ (ت)

اور اگر یہ نکاح اس عیب سے بھی خالی ہے یعنی مہر مثل میں کمی فاحش نہ ہوئی تو اب دیکھنا ضرور یہ ہے کہ باپ اور جدہ کے درمیان جس قدر اولیاء ہیں جن کا ذکر ہم اوپر کر آئے ان میں سے کوئی موجود تھا یا نہیں، اگر تھا تو دادی نے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۵

اس سے اجازت لے لی تھی یا نہیں۔ اگر نہ لی تھی تو بعد وقوع نکاح قبل واپسی پدر اس نے اجازت دے دی تو بیشک یہ نکاح صحیح وتام ونافذ ہوگا کہ باپ اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی الفتح القدیر لوحضر الاقرب بعد عقد الابعد لایرد عقدہ وان عادت ولایتہ بعودہ[1]۔	فتح القدیر میں ہے کہ اگر ابعد کے نکاح کردینے کے بعد اقرب آجائے تو ابعد کے نکاح کو رد نہ کرسکے گا اگرچہ اقرب کے واپس آنے پر اس کی ولایت لوٹ آئی ہے۔ (ت)

مگر یہ ولی جس نے اول یا بعد اجازت دی، اگر زینب کا دادا نہیں جیسا کہ صورت سوال سے یہی ظاہر ہے تو یہ نکاح اس کی اجازت سے نافذ سہی لازم اب بھی نہ ہوا زینب کو بعد بلوغ اختیار ملے گا اگر پہلے سے نکاح کی خبر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فورًا فورًا ورنہ بلوغ کے بعد جس وقت خبر ملے اسی وقت معًا اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کردے کہ اس صورت میں حاکم اس نکاح کو فسخ کردے گا اگرچہ پیش از بلوغ زینب ہمبستری بھی واقع ہولی ہو مگر ازانجا کہ زینب دوشیزہ ہے دیر لگانے کا اختیار نہ ہوگا اگر پہلے سے خبر ہے تو بالغہ ہونے پر ورنہ خبر پانے پر بلاعذر ضرورت ایک لحہ کی دیر کرے گی تو اختیار ساقط اور نکاح لازم ہوجائے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف ہو اور انجانی کے سبب فورًا مبادرت نہ کی ہو، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولو الام من کفو وبمھر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ ولوبعد الدخول بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لومختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتدالٰی اٰخر المجلس وان جھلت بہ[2] اھ ملتقطا۔	اگر باپ دادا کے غیر نے نکاح دیا خواہ ماں ہو بشرطیکہ کفو میں اور مہر مثل سے کیا ہو تو وہ نکاح صحیح ہے لیکن لڑکی اور لڑکے کو بالغ ہونے کے بعد فسخ کا اختیار ہوگا فسخ کا اختیار لڑکی کو دخول کے باوجود بلوغ پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر بھی ہوگا اور فسخ کے لئے قضا شرط ہے، اور باکرہ کا اس موقعہ پر خاموش رہنا اس کے اختیار کو باطل کردے گا بشرطیکہ وہ اپنے نکاح کا علم رکھتی ہو اور عاقلہ ہو، اس کا یہ اختیار مجلس علم کے آخر تک باقی رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ سے جاہل ہو، اھ ملتقطا (ت)

اور اگر دادی سے بالاتر جو ولی موجود تھا باپ کے آنے سے پہلے اس نے رد کردیا تو باطل ہوگیا باپ کو فسخ

---

[1] فتح القدیر باب الاولیاء والاکفاء المکتبۃ النوریہ الرضویہ سکھر ۳/۱۸۴

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

کی کیا حاجت، اور اگر ہنوز نہ اس ولی نے اجازت دی نہ رد کیا تھا کہ زید آگیا تو اب وہ توقف اس ولی سے منتقل ہو کر خود زید کی اجازت پر رہے گا اگر رد کردے گا اسی وقت باطل ہو جائے گا۔

فی الدرالمختار وتبیین الحقائق للامام الزیلعی واللفظ لہ وعنہ فی الھندیۃ تبطل ولایۃ الابعد بمجی الاقرب لاماعقد لانہ حصل بولایۃ تامۃ [1]۔	درمختار اور تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے زیلعی کی عبارت میں، اور ہندیہ میں زیلعی سے منقول کہ اقرب کے واپس آنے پر ابعد کی ولایت باطل ہو جائے گی، اور ابعد کا کیا ہوا نکاح باطل نہ ہوگا کیونکہ یہ اس کی کامل ولایت میں حاصل ہے۔(ت)

تنبیہ نفیس: اقول: وباللہ التوفیق، یہ تمام کلام فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے کلمات علمائے کرام کے اس ظاہری مفاد پر مبتنی کیا کہ بادی النظر میں اذہان عامہ اس طرف جائیں اور اگر حق تحقیق وعین تدقیق چاہئے تو نگاہ مقصود وشناس جزم وقطع کے ساتھ اسی ابتدائی بات پر حکم کرے گی جسے ہم نے اولا ظاہر صورت سوال بناکر دوبارہ فرضًا اس سے تنزل کیا تھا یعنی اس غیبت کا غیبت منقطعہ نہ ہونا اور ولایت پدر کا بدستور باقی رہنا اور اگر یہ نکاح منعقد واقع ہوا تو مطلقا بلااستثناء ہر حال وہر صورت میں اجازت ولی اقرب پر توقف پانا اور اس کے رد کئے سے فورًا رد ہو جانا، جب مذہب معتمد میں بناء کار اس پر ٹھہری کہ ولی اقرب کے ایاب وجواب کے انتظار میں کفو فوت ہوتا اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہو کیا معلوم پھر کفو ملے یا نہیں تو یہ بات ہمارے اعصار وامصار میں کنواری لڑکیوں کے حق میں جبکہ ولی اقرب کا پتا معلوم اور وہاں تک ڈاک کی آمد ورفت بے وقت مرسوم ہو متصور نہیں، ادھر تو ازمنہ سابقہ میں نہ راہیں ایسی آسان تھیں نہ ڈاک کے ایسے انتظام، مدتوں میں منزلیں طے ہوتیں، خط جاتا تو آدمی لے جاتا، پھر تنہائی گزر دشوار، نہ ہر وقت قافلے میسر نہ ہر شخص قاصد بھیجنے پر قادر، ادھر ان بلاد طیبہ میں نکاح کی یہ رسم کہ آج خطبہ ہوا کل نکاح ہوگیا، وہ ایک روز کی دیر لگی تو دوسری جگہ موجود، یہاں یہ رواج کہ مہینے کی آمد ورفت پیام سلام میں کسی کا نکاح ہوگیا تو لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہیں جھٹ منگنی پٹ بیاہ، پھر خطوط کی آمدورفت وہ کہ تیسرے دن کلکتہ خط پہنچے چوتھے دن بمبئی، وہ کون سا جلد باز ہوگا کہ آج پیام دے اور آج ہی نکاح چاہے ایک ہفتہ کا انتظار ہو تو نکاح ہی نہ کرے یا صبح وشام دوسری جگہ نکاح ہو جائے۔ ہندوستان کی لڑکیاں سہل نہیں ملتیں ایک ایک بڑھیا کے منہ سے سن لیجئے کہ میاں لڑکیاں آندھی کی بیر تو نہیں۔ نہ جوتیاں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵، تبیین الحقائق باب الاولیاء والاکفاء مطبعہ امیریہ کبرٰی مصر ۲/ ۱۲۷

ٹوٹیں، نہ چادریں پھٹیں، کیا کوئی پھٹ سے ہاں کہہ دیتا ہے، تو مقاصد علماء پر نظر شاہد عدل کہ یہاں غیبت منقطعہ وہی کہی جاسکتی ہے کہ یا تو ولی اقرب کا پتا نہ معلوم ہو آخر بے نشان کا کب تک کوئی انتظار کرے یا کسی ایسے دور دراز ملک غیر میں جہاں ڈاک پر اطمینان نہ ہو خطوط جائیں اور پتا نہ چلے، آدمی بھیجو تو صرف کثیر، دوایسی صورتوں میں کفو کا یہ عذر ہو سکتا ہے کہ کب تک بیٹھیں، اور ممکن کہ زبان نہ دو تو انتظار میں وہ مدتیں گزریں کہ دوسری جگہ اس کی ٹھیک ٹھاک ہو جائے ورنہ ہندوستان بلکہ آج کل برہما میں بھی جو موجود اور پتا معلوم ہے اس کی نسبت عادۃً کوئی کفو یہ تقاضا نہ کرے گا کہ ہم آٹھ دس روز کا انتظار ہرگز نہ کریں گے کرنا ہے تو آج کر دو، اور بالفرض کوئی زبان دینے میں جلدی بھی کرے تو یہاں کفو کی روک تھام کے لئے منگنی وہ عمدہ صیغہ ہے جس سے اس کا اطمینان ہو جائے اور رائے ولی اقرب فوت نہ ہونے پائے۔ منگنی کے بعد مدتوں دونوں طرف ساز وسامان کی درستی میں گزرتے ہیں بلکہ یہاں کے رواج سے اپنی منگیتر کو بھی من وجہ گویا اپنی ناموس جانتے اور دوسری جگہ اس کے نکاح سے برا مانتے اور اس کے انتظار میں سال گزارتے ہیں منگنی کے بعد خدا جانے کتنی بار ولی اقرب کی رائے لے سکتے ہیں اس کے جواب ملنے تک انتظار نہ ہونا کیا معنٰی، یہ عذر مصنوع وہیں پیش ہوگا جہاں اپنی اغراض فاسدہ سے ولی اقرب کے خلاف رائے بالا بالا کارروائی کرنی ہوگی جو شرع مطہر کے بالکل نقیض مراد ہے اور اس کی توسیعوں میں انھیں آفات کا دروازہ کھلنا جو ابھی ہم ذکر کر آئے، شاید شاذ و نادر برخلاف عادت ملک اگر کہیں ایسی جلدی پائی جائے تو امور نادرہ مبنائے احکام فقہیہ نہیں ہو سکتے بلکہ عادت شائعہ پر حکم دینا واجب،

كما نصوا عليه فى غير ما مسئلة منها مسألة دخول النساء الحمام فى الدر المختار وغيره ومنها مسألة جوار الحرمين فى فتح القدير ومنها مسألتنا هذه بناء على ما كان معتادا عندهم على خلاف ما هو العادة عندنا فيه ايضا الى غير ذلك مما لا يخفى على من خدم كلماتهم الطيبة۔	جیسا کہ انھوں نے بہت سے مسائل میں تصریح کی ہے، ان میں سے ایک مسئلہ حمام میں عورتوں کے داخلہ کا ہے جس کو درمختار وغیرہ میں بیان کیا ہے، انہی مسائل میں سے فتح القدیر میں حرمین شریفین میں رہائش کا مسئلہ ہے، ان مسائل میں سے ایک ہمارا مسئلہ جو ان کی عادت کے مطابق تھا اور ہماری عادت کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اور بھی ہیں جو کہ فقہاء کے کلمات طیبات پر اطلاع رکھنے والا جانتا ہے۔ (ت)

بلکہ انصافاً وہ علماء بھی جنھوں نے مسافت قصر اختیار فرمائی، اگر ریل اور ڈاک اور یہاں کے عادات ملاحظہ فرماتے ہرگز حکم نہ دیتے، بریلی کا ساکن مراد آباد تک گیا اور اس کی ولایت اپنی اولاد پر سے سلب ہوئی جس کے دن میں دو پھیرے ہو سکتے ہیں بالجملہ جب مدار کا انتظار کے سبب فوت کفو پر ٹھہرا تو اس مناط کو تحقق ضروری،

جب تک یہ حالت نہ ہو غیبت منقطعہ ہر گز نہیں، اس پر نظر کامل رکھنا اور اصحاب اغراض کے فریبوں سے بچنا لازم، ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل (جو اپنے زمانہ کے عرف سے ناواقف ہو وہ جاہل ہے۔ت) ہاں کوئی بیوہ سن رسیدہ باختیار خود کسی سے شرعی نکاح خالی از رسوم کرلینا چاہے تو وہاں جلدی متصور، وہ اول تو ہندیوں کی عادت نہیں اور ہو بھی تو ہماری بحث سے خارج کہ یہاں کلام قاصرہ میں ہے اور قواصر کے باب میں ضرور وہی عادت، لہٰذا فقیر ان صُورِ مذکورہ بالا کے سوا یہاں غیبت منقطعہ کے حکم پر زنہار جسارت روانہیں رکھتا، یہ بعونہ تعالٰی فقہ انیق وحق تحقیق ہے،

وباللہ التوفیق وھدایۃ الطریق والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وٰالہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی مدد سے توفیق اور راستہ کی راہنمائی ہے۔ الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین آمین، واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۳: کلکتہ دھرم تالہ اسٹریٹ ٹیپو سلطان مرسلہ حافظ محمد عظیم صاحب ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک لڑکی بعمر سہ سال تھی زید نے اس کی منگنی عمرو سے کردی، بعدہ زید کا انتقال ہوگیا، جب لڑکی تیرہ ۱۳ برس کی ہوئی کوئی علامت بلوغ کی اس سے ظاہر نہیں۔ زید کے پدر خاص نے لڑکی کی عدم موجودگی میں اس کا نکاح عمرو سے کردیا، چار مہینے کے بعد زید متوفی کے چچا نے لڑکی کی موجودگی میں اس کا نکاح عقد بکر سے کردیا بخیال اس کو بالغہ ٹھہرانے کے، مگر کوئی نشانی بلوغ کی آج تک لڑکی سے ظاہر نہیں، اس صورت میں شرعا کون سا نکاح معتبر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

یتیمہ بالغہ کا سب سے زیادہ ولی اقرب واقدم اس کا حقیقی دادا یعنی اس کے باپ کا باپ ہے، اس کے ہوتے باپ کے چچا خواہ کسی کو کچھ اختیار نہیں ہے، اس کے دادا کا کیا ہوا نکاح کسی کے رد کئے رد نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اگر وہ خود بالغہ ہو کر نکاح کو رد کرے ہر گز رد نہ ہوگا، نہ ولی کے نکاح کرتے وقت نابالغہ کا موجود ہونا درکار ہے کہ نابالغ پر ولایت جد جبری ہے اور اس کا حاضر ہونا نہ ہونا سب یکساں، تو اگر مان بھی لیا جائے کہ وہ نابالغہ اس چار مہینے میں بالغہ ہوگئی اور باپ کے چچا نے اس کی موجودگی میں اس کی رضا سے اس کے بالغہ ہونے پر اس کا نکاح بکر سے کردیا جب بھی یہ نکاح محض باطل ونامعتبر ہے، وہ لڑکی عمرو کی زوجہ ہے جب تک موت یا طلاق نہ ہو، دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا، قال اللہ تعالٰی وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور آزاد پاکیزہ عورتیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لزم النکاح بلاتوقف علی اجازۃ احد وبلا ثبوت خیار فی تزویج الاب والجد[1] الخ۔	باپ یا دادا کے دیئے نکاح کسی کی اجازت پر موقوف ہوئے بغیر اور ثبوت خیار بلوغ بغیر فورًا نافذ اور لازم ہوجاتے ہیں۔(ت)

واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۳۴۴: از اوجین حویلی میر صاحب مرسلہ مرزا مختار علی بیگ صاحب وکیل ۱۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اللہ بیلی حجام نے اپنی دختر زیتون کا نکاح ۱۳۰۶ھ میں مسمّٰی احمد قوم حجام سے کہ اللہ بیلی کا ہم قوم ورشتہ دار ہے کیا، وقت نکاح زیتون چار پانچ سال کی تھی، اب ۱۳۱۵ھ میں جبکہ زیتون قریب ۱۳ یا ۱۴ سال کے ہوئی، احمد نے رخصت چاہی اللہ بیلی نے انکار کیا، احمد نے فوجداری میں نالش کی، اللہ بیلی نے عذر کیا کہ داماد میرا نامرد ہے، ہیجڑوں میں گاتا بجاتا ہے اگر ڈاکٹر اس کا مرد ہونا تحریر کردیں تو رخصت میں عذر نہیں، ڈاکٹر نے بعد معائنہ ظاہر کیا کہ احمد کے اعضائے تناسل کو حالت تندرستی میں پایا ہنوز فوجداری سے حکم اخیر نہ ہوا تھا کہ اللہ بیلی نے دیوانی میں دعوٰی فسخ نکاح ان وجوہ پر کیا کہ وہ نامرد ہے ہیجڑوں کے افعال قبول کرکے حالت شرمناک اختیار کرلی ہے میری برابری کا نہ رہا زیتون کا نکاح نابالغی میں ہوا ہے فسخ قرار دیا جائے، احمد کو ان الزاموں سے قطعی انکار ہے، جانبین سے شہادتیں اپنے اپنے موافق گزریں، اگر بالفرض الزامات نامردی وغیرہ تسلیم بھی کرلئے جائیں تو ایسی صورت میں حسب استغاثہ پدر زیتون یا زیتون کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں یا خود بخود بوجوہات مظہرہ پدر زیتون نکاح فسخ ہے اور دعوٰی منجانب پدر زیتون بوجہ اس کے کہ عمر زیتون ۱۳، ۱۴ سال کی ہے جائز ہے یا نہیں یا ایک سال قمری کی مہلت تاریخ یکجا ہونے زن وشو سے دی جائے گی اور زوجہ رخصت پر مجبور کی جائے گی یا نہیں اور ہمبستری احمد وزیتون کی کرائی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں پدر زیتون کا دعوٰی اصلا قابل سماعت نہیں، زنانوں کے افعال کرلینا اگرچہ مسقط کفاءت ہے مگر کفاءت وقت نکاح درکار ہے بعد نکاح شوہر کیسے ہی شرمناک افعال اختیار کرے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

الکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد	نکاح کے ابتداء میں کفو کا اعتبار ہوتا ہے اس کے

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴

فلایضر زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ[1]۔	بعد کفو کے زائل ہونے سے کوئی ضرر نہیں، اگر نکاح کے وقت کفو تھا پھر فاسق وفاجر ہوگیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔(ت)

رہا دعوی نامردی وہ بھی منجانب پدر زیتون اصلا مسموع نہیں کہ اگر زیتون ہنوز نابالغہ ہے جب تو یہ دعوی دائر ہی نہیں ہوسکتا کہ اس کے لئے عورت کا بالغہ ہونا شرط ہے، اور اگر بالغہ ہے تو خود زیتون کا مدعیہ ہونا درکار، باپ کو دعوی کا کوئی حق نہیں، درمختار میں ہے:

فرق الحاکم بطلبھا لو حرۃ بالغۃ[2].	اگر حرہ بالغہ ہو تو اس کے مطالبہ پر حاکم تفریق کردے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو صغیرۃ انتظر بلوغھا فی المجبوب والعنین لاحتمال ان ترضی بھما بحر وغیرہ[3]۔	اگر نابالغہ ہو تو اس کے بلوغ تک نامرد اور شرمگاہ کٹے ہوئے خاوند کے معاملہ میں انتظار کیا جائیگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ وہ بالغہ ہونے کے بعد اس پر راضی ہوجائے۔ بحر وغیرہ۔(ت)

نیز درمختار و ردالمحتار میں ہے:

طلبھا یتعلق بالجمیع ای جمیع الافعال وھی فرق واجل وبانت ح عن النھر[4]۔	عورت کے مطالبہ کا تعلق تمام افعال یعنی تفریق اور مہلت سے ہے، اس پر وہ بائنہ ہوجائے گی، نہر سے منقول ہے۔(ت)

اور اگر فرض کیا جائے کہ زیتون نے خود ہی بعد بلوغ دعوی کیا پدر زیتون وکیل ہے جب بھی ہنوز کہ رخصت تک نہ ہوئی زن وشو میں ہمبستری واقع نہ ہوئی طلب فسخ کا کوئی محل نہیں، حکم شرعی یہ ہے کہ عورت شوہر سے ہمبستر ہو، اگر شوہر اس پر قدرت نہ پائے تو اس وقت دعوی کرے جب حاکم کو ثابت ہو کہ فی الواقع اس نے قدرت نہ پائی اس کے بعد حاکم شرع شوہر کو ایک سال کامل کی مہلت دے اور اس مدت میں عورت کو اس سے جدا

---

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] درمختار باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[3] ردالمحتار باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۳

[4] ردالمحتار باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۶

رہنے کو کوئی حق نہیں، جتنے دنوں خود اس سے جدا رہے گی مدت میں مجرانہ ہوں گے، سال گزرنے پر بھی اگر قدرت نہ پائے تو عورت پھر دعوی کرے اور حاکم پھر ثبوت قدرت نہ پانے کالے اگر ثابت ہو جائے تو عورت کو اختیار دے کہ خواہ شوہر کے پاس رہنا پسند کرے یا اس کے نکاح سے جدا ہونا، اگر عورت فورا فورا بلا توقف جدا پسند کرلے تو حاکم شوہر کو طلاق کا حکم دے وہ نہ دے تو آپ تفریق کردے، اور اگر عورت ذرا بھی اختیار جدائی کے اظہار میں تاخیر کرے تو دعوی باطل اور اختیار زائل، درمختار میں ہے:

وجدته عنینا اجل سنة قمریة ورمضان وایام حیضها منها لامدة غیبتها ومرضه ومرضها فان وطئی مرة فبها والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها وبطل حقها لووجد منها دلیل اعراض بان قامت من مجلسها او اقامها اعوان القاضی اوقام القاضی قبل ان تختار شیئا لامکانه مع القیام [1] اھ مختصرا۔	بیوی مرد کو نامرد پائے تو ایک سال بحساب قمری سے مہلت دی جائے گی، رمضان اور حیض کے دن بھی اس میں شمار ہوں گے، اور عورت کے غیر حاضر ہونے اور مرد یا بیوی کے مرض کے دن گنتی میں شامل نہ ہوں گے، اس مدت میں خاوند نے ایک دفعہ بھی وطی کرلی تو بہتر، ورنہ سال کے بعد تفریق پر بیوی بائنہ ہو جائیگی، تفریق قاضی کرے گا، جب خاوند بیوی کے مطالبہ پر طلاق دینے سے انکار کردے اور بیوی کا مطالبہ تفریق باطل ہو جائے گا جب اس سے کوئی بھی ایسی دلیل پائی جائے جس سے مطالبہ سے اعراض سمجھا جائے جیساکہ بیوی مطالبے کی مجلس سے اٹھ کر چلی جائے، یا قاضی کا عملہ اس کو قائم رہنے پر مجبور کردے، یا قاضی کی موجودگی میں وہ فیصلہ کرسکتی تھی اس کے باوجود وہ فیصلہ نہ کرپائی تھی کہ قاضی اٹھ گیا اھ مختصرًا (ت)

پس صورت مستفسرہ میں پدر زیتون رخصت کردینے اور زیتون ہم بستری پر مجبور کی جائے گی، اس کے بعد اگر نامردی پائے تو طریقہ مذکورہ عمل میں لائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۵: ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بالغ ہے اور اس کا باپ دادا چچا بھائی وغیرہ نہیں، ایک ماموں ہے اس نے عورت سے اذن نکاح کا نہ لیا، باہر سے باہر دو گواہ کرکے نکاح کردیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ دوسری ایک عورت بالغ ہے اس کی ماں موجود ہے، نہ عورت نے اذن دیا نہ اس کی ماں نے، بلکہ سوتیلے باپ نے نکاح کا اذن دیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

الجواب:

دونوں صورتوں میں جبکہ عورتیں بالغہ ہیں اور ان سے بغیر اذن لئے نکاح کردئے گئے تو وہ نکاح ان عورتوں کی اجازت پر موقوف رہے، اگر انھوں نے خبر سن کر جائز رکھے جائز ہوگئے اور اگر رد کردئے رد ہوگئے، اور اگر اب تک ساکت ہیں نہ رد کئے نہ جائز رکھے تو اب انھیں اختیار ہے چاہے جائز کردیں چاہے باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۶: از کان پور مدرسہ احسن المدارس مرسلہ محمد عبدالحلیم صاحب ۱۳رجب ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے محققین وفضلائے مدققین اندریں مسئلہ کہ باوجود برادر حقیقی مخطوبہ عم حقیقی مخطوبہ استیذان نکاح از مخطوبہ کرد ومخطوبہ بالغہ باکرہ است صامت ماندہ آں صموت رااذن دانستہ عم حقیقی بہ وکالۃ نکاح او رامنعقد کرد وباوخلوت صحیحہ ھم گردید دریں صورت نکاح باطل خواہد شد یاچہ؟ **بینواتوجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے محققین اور فضلائے مدققین اس مسئلہ میں کہ حقیقی بھائی موجود ہونے کے باوجود حقیقی چچا نے لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی جبکہ لڑکی باکرہ بالغہ ہے اور اجازت کے وقت خاموش رہی، اس خاموشی کو چچا نے اجازت سمجھ کر بطور وکالت اس کا نکاح کردیا خلوت صحیحہ بھی ہوچکی ہے تو یہ نکاح باطل ہوگیا یا کیا صورت ہوگی؟ **بینواتوجروا**۔ (ت)

الجواب:

سکوت بکر کہ بجائے اذن داشتہ اندران صورت ست کہ استیذان خود ولی اقرب یاوکیل یارسول او کردہ باشد کما فی الدر وغیرہ اینجاکہ استیذان ولی ابعد قیام اقرب کردہ است اگرنہ بروجہ وکالت ورسالت از اقرب بود بسکوت زن اصلاکارے نکشود نکاح نکاح فضولی شدہ براجازتے دیگر قولا یا فعلا یاسکوتا چنانکہ درفتاوائے خود وجہ آنہا روشن کردہ ایم از زن قولے یافعلے مظہر رد نکاح بمیان نیامدہ بود واین خلوت برضائے او	باکرہ کی خاموشی وہاں اجازت قرار دی جاتی ہے جب اجازت طلب کرنے والا خود یا ولی اقرب ہو یا اس کا وکیل یا قاصد ہو، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے، یہاں کی صورت میں ولی ابعد نے اجازت ولی اقرب کی موجودگی میں طلب کی ہے تو اگر اس نے ولی اقرب کی وکالت یا قاصد ہونے کی حیثیت سے اجازت نہ طلب کی ہو تو اس صورت میں باکرہ کی خاموشی رضا کے لئے کارآمد نہیں ہے، یہ نکاح نکاح فضولی ہوا جو کہ عورت کی اجازت پر موقوف تھا، اگر باکرہ نے خلوت سے قبل قولا یا فعلا یا خاموش رہ کر کسی قول یا

روئے نمود نکاح موقوف نفاذ یافت فی الدر المختار ان استأذنہا غیر الاقرب کولی بعید فلا عبرۃ لسکوتہا بل لابد من القول او ماھو فی معناہ من فعل یدل علی الرضا کتمکینہا من الوطئ [1] (ملخصا)۔ وفی ردالمحتار عن الظھیریۃ لوخلابہا برضاھا ھل یکون اجازۃ لارو ایۃ لھذہ المسألۃ وعندی ان ھذا اجازۃ اھ قال البزازیۃ الظاھر انہ اجازۃ [2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فعل کے ذریعے نکاح کو رد نہ کیا ہو (جیسا کہ رد کے وجوہ ہم نے اپنے فتاوی میں واضح کئے ہیں) تو یہ خلوت جو باکرہ کی رضامندی سے ہوئی ہے اجازت قرار پائے گی اور موقوف نکاح نافذ ہوجائیگا، درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی سے غیر اقرب مثلا ولی ابعد نے اجازت طلب کی ہو تو لڑکی کے سکوت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ لڑکی کی طرف سے صراحۃً قول یا اس کے قائم مقام کسی اپنے فعل، جو رضا پر دلالت کرتا ہو، کا اظہار ضروری ہے مثلا وہ خاوند کو وطی کی جازت دے دے۔ اور ردالمحتار میں جو بحر سے منقول انھوں نے ظہیریہ سے نقل کیا کہ اگر لڑکی کی رضامندی سے خلوت کی ہو تو کیا یہ رضا ہوگی، تو اس مسئلہ میں روایت نہیں ہے، جبکہ میرے نزدیک یہ اجازت ہے اھ، اور فرمایا کہ بزازیہ میں ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ اجازت ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴۷: از عظیم آباد پٹنہ لودی کٹرہ مرسلہ جناب مولٰنا مولوی قاضی عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سلخ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ

عمرو نامی ایک شخص نے بوقت انتقال اپنے، ایک لڑکی ہندہ نامی، ایک بی بی زبیدہ، ایک بھائی حقیقی خالد، ایک بھائی علاتی بکر چھوڑا، ہندہ ہمراہی اپنی مادر اور نانی کے پرورش پاتی رہی، اب وہ بالغ ہے سن اس کا زائد چودہ سال سے ہے، ہندہ کی ولایت کا سارٹیفیکیٹ گورنمنٹ سے ہندہ کی ماں کو ملاہے، اس وقت تک ہندہ نے مادر و نانی کے مکان میں ابتدائے پیدائش سے رہ کر پرورش و تعلیم پائی ہے، خالد نے یعنی چچا حقیقی ہندہ کے براہ چالاکی و بخیال نفع معاش بلاعلم و رضامندی ہندہ و چچا علاتی و مادر و نانی وغیرہ کے ایک شخص غیر کے مکان میں اپنے بیٹا سے بولایت اپنے ایک شخص کو وکیل مقرر کرکے ہندہ کا عقد کردیا ہے اور کوئی خبر ہندہ کو نہیں دی گئی، جس وقت ہندہ کو افواہًا خبر نکاح کی پہنچی اس وقت اس نے نکاح کو نامنظور کیا اور بہت بیزار ہوئی، علماء بدلائل کتاب جواب سے سرفراز فرمائیں، فقط

الجواب:

شرعًا عورت کے بالغہ ہونے کے لئے پندرہ سال کامل عمر ضرور ہے یا اس سے پہلے حیض وغیرہ

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۱

علامات کا ہونا بغیر اس کے صرف چودہ سال سے زیادہ عمر کا ہونا کافی نہیں۔ ہاں نو سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک جو عورت کے لئے امکان واحتمال بلوغ کی عمر ہے اگر عورت اپنا بالغہ ہونا ظاہر کرے تو بے حاجت شہادت بغیر قسم لئے اس کا قول مان لیا جائے گا جبکہ اس کے جسم وقوی کی حالت اس دعوی کی تکذیب نہ کرتی ہو، اور وہ بالغہ ہونے کی وجہ بھی بیان کردے، یعنی مثلاً کہے مجھے حیض آیا، خواب میں احتلام ہوا اس سے میں نے اپنا بلوغ جانا۔ خالی دعوی بے بیان معنی بلوغ مقبول نہیں، اور اگر بدن وقوی کی حالت ظاہر وقابلیت بلوغ نہ بتاتی ہو تو اس کا دعوی اصلاً مسموع نہ ہوگا جب تک دلیل شرعی سے بلوغ ثابت نہ ہو، یہی احکام بارہ سال کے بعد سے پندرہ سال کے قبل تک پسر کے لئے ہیں۔

فی الدرالمختار بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد شیئ فحتی یتم لکل منهما خمس عشرة سنة به یفتی وادنی مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنین هو المختار فان بلغنا بلغا هذا السن فقالابلغنا صدقا ان لم یکذبهما الظاهر وهوان یکون بحال یحتلم مثله والا لایقبل قوله شرح وهبانیة وفی الشرنبلالیة یقبل مع تفسیر کل بماذا بلغ بلایمین [1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن الفتاوی النسفی عن القاضی محمود السمرقندی	درمختار میں ہے کہ لڑکے کا بلوغ احتلام، حاملہ کردینا اور انزال ہے، اور لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض اور اس کا حاملہ ہونا ہے، اگر دونوں کے لئے مذکورہ علامات میں سے کوئی نہ پائی جائے تو بلوغ ہر ایک کی عمر کے پندرہ سال پورے ہونا ہے، اسی پر فتوی ہے، اور لڑکے کے بلوغ کے لئے کم از کم بارہ سال اور لڑکی کے لئے کم از کم نو سال کی عمر ہے، یہی مختار ہے، اگر یہ عمر پوری ہوجائے تو ان کا کہنا کہ ہم بالغ ہیں، تسلیم کیا جائے گا بشرطیکہ کوئی ظاہر امر ان کی بات کو نہ جھٹلائے، مثلاً یہ کہ ان جیسے عمر والوں کو احتلام ہوسکتا ہو، ورنہ ان کی بات قبول نہ کی جائے گی، شرح وہبانیہ وشرنبلالیہ میں ہے کہ ان کی بات بلوغ کی علامت کی وضاحت کرنے پر تسلیم کی جائے گی اور قسم نہ لی جائے گی اھ مختصرا، اور ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالے سے فتاوی نسفی سے منقول قاضی محمود سمرقندی کے بارے

[1] درمختار کتاب الحجر فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۹۹

ان مراھقا اقر فی مجلسه بلوغه فقال بماذا بلغت قال باحتلام قال فماذا رأیت بعد ماانتبهت قال الماء ،قال ای ماء فان الماء مختلف قال المنی قال ماالمنی قال ماء الرجل الذی یکون منه الولد قال علی ماذا احتلمت علی ابن اوبنت اواتان قال علی ابن فقال القاضی لابد من الاستقصاء فقد یلقن الاقرار بالبلوغ کذبا قال شیخ الاسلام ھذا من باب الاحتلام وانما یقبل قول مع التفسیر وکذا جاریة اقرت یحیض [1] اھ۔	میں حکایت کی ایک قریب البلوغ نے ان کی مجلس میں اپنے بالغ ہونے کا اقرار کیا تو قاضی نے پوچھا تو کیونکر بالغ ہوا، اس نے جواب میں احتلام کا ذکر کیا تو اس پر قاضی نے پوچھا کہ تو نے نیند سے بیدار ہو کر کیا دیکھا تو جواب میں کہا کہ تری دیکھی، تو پھر سوال کیا کہ رطوبت تو کئی قسم کی ہوتی ہے تو نے کون سی دیکھی ہے، تو اس نے کہا منی دیکھی ہے، پھر سوال کیا کہ منی کیا ہوتی ہے، تو جواب میں کہا کہ مرد کا وہ پانی جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو سوال کیا کہ تجھے احتلام میں کیا شکل نظر آئی جس پر تجھے احتلام ہوا، لڑکی، لڑکا، گدھی وغیرہ کیا تھا، جواب میں کہا کہ لڑکا تھا، تو قاضی محمود سمرقندی نے کہا کہ یوں پورے سوال کرنے ضروری ہیں کیونکہ کبھی کسی کے سکھانے پر جھوٹا اقرار کردیتے ہیں، شیخ الاسلام نے کہا یہ احتلام کے بارے میں تفسیر ہے، اگر لڑکی حیض کے ذریعہ بلوغ کا اقرار کرے تو پھر بھی ایسے ہی اس سے تفسیر کرائی جائے اھ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر وقت نکاح ہندہ کا بلوغ ثابت ہو خواہ شہادت شرعیہ خواہ ہندہ کا بیان مفصل سے جسے ظاہر حال ہندہ تکذیب نہ کرتا ہو، نہ صرف اتنی بات سے کہ اس کی عمر چودہ سال سے زائد ہے، بیشک اس پر چچا خواہ ماں کسی کی ولایت جبریہ نہ تھی اس کا نکاح بے اس کی اجازت کے نافذ نہیں ہوسکتا، جب اس نے خبر پاکر نامنظور کیا رد و باطل ہوگیا،

فی الدر المختار الولایه نوعان ولایة ندب علی المکلفة ولوبکرا و ولایة اجبار علی الصغیرة ولوثیبا [2] وفیه بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد [3]۔	درمختار میں ہے کہ ولایت کی دو قسمیں ہیں، ایک محض فضیلت کے طور پر جو کہ بالغہ پر ہوتی ہے اگرچہ باکرہ ہو، اور دوسری ولایت اجبار جو کہ نابالغہ پر ولی کو حاصل ہوتی ہے اگرچہ نابالغہ ثیبہ ہو اسی میں ہے کہ اگر بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے نکاح کو رد کردیا بعد میں اس نے کہا کہ میں راضی ہوں تو

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی البلوغ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۹۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

نکاح جائز نہ ہوگا کیونکہ پہلے رد کرچکی جس کی وجہ سے نکاح باطل ہوچکا ہے۔(ت)اور اگر اس وقت ہندہ بالغہ نہ تھی اگرچہ بعد نکاح معًا بلوغ ہوگیا ہو تو بلاشبہ اس کا ولی شرعی وہی عم حقیقی تھا اس کے ہوتے ماں یا علاتی چچا کوئی چیز نہیں، نہ سارٹیفکیٹ شرعا کچھ اثر رکھتا ہے۔

فی الدرالمختار الولی فی النکاح العصبة علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالولایة للام [1]۔	درمختار میں ہے کہ نکاح کا ولی عصبہ وراثت اور حجب کی ترتیب پر بنتے ہیں، اگر عصبہ نہ ہو تو پھر ماں ولی ہے۔(ت)

اس حالت میں یہ چچا کا بیٹا جس کے ساتھ چچا نے اس نابالغہ کا نکاح کردیا، اگر مذہب یا اطوار یا پیشے وغیرہ کی رو سے ایسا نقص رکھتا ہو جس کے سبب اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا عرفًا موجب عار ہو یا چچا نے ہندہ کے مہر مثل میں کمی فاحش کی مثلاً مہر مثل ہزار روپے کا تھا پانسو باندھا تو ان صورتوں میں وہ نکاح سرے سے مردود و باطل محض ہوا، اور ان نقائص سے پاک تھا تو بیشک نکاح صحیح ونافذ ہوگیا جسے نہ ماں یا علاتی چچا کی ناراضی سے ضرر نہ قبل بلوغ ہندہ کی نامنظوری وبیزاری کا اثر، ہاں بعد بلوغ اسے اختیار ملے گا کہ نکاح سے ناراضی ظاہر کرکے حاکم شرع سے بحضور شوہر نکاح فسخ کرالے۔

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولصغیر وصغیرة خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده بشرط القضاء للفسخ [2] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار فیه ایماء الی ان الزوج لوکان غائبا لم یفرق بینهما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نهر [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر باپ دادا نہ ہو تو غیر کفو اور انتہائی کم مہر کی صورت میں غیر کا دیا ہوا نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اگر کفو میں اور مہر مثل سے ہو تو پھر نکاح صحیح ہوگا، اور لڑکے لڑکی نابالغہ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد جب نکاح کا علم ہو فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ فسخ قاضی کی نگرانی میں ہو، اھ مختصرا۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند غائب ہو تو قاضی فسخ کی کارروائی نہ کرے کیونکہ اس سے قضا علی الغیب لازم آتی ہے نہر، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

مسئلہ ۳۴۷: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

زید کا نکاح عمرو کی لڑکی کے ساتھ قرار پایا تھا اور شرائط یہ تھیں کہ شرع پیمبری میں نکاح و مہر باندھا جائے ہنگام نکاح پڑھانے کے کچھ حجت زیادتی مہر پر زید و عمرو کے مابین ہوئی جس پر زید مجلس سے اٹھ کر مکان کو چلا گیا، عمرو نے بحالت غصہ ورنج کے اس وقت ایک موذن سے کہا کہ تم میری لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو، چنانچہ بکر اس وقت مجلس میں موجود تھا، موذن صاحب نے جو کہ قاضی یا مولوی نہیں ہیں صرف تین کلمے پڑھائے اور ایجاب وقبول کرادیا، کوئی وکیل وگواہ نہیں تھا اور نہ مہر کی تعداد بکر کو بتائی، صرف یہ کہہ دیا کہ مثل لڑکی کی ماں کے مہر باندھا جائے، عمرو کی لڑکی بالغ ہے جس کی عمر پندرہ سال ہے۔ لڑکی کی ماں نے اور نہ خود لڑکی نے اجازت نکاح کی دی تھی صرف لڑکی کے والد نے اجازت نکاح کی بحالت رنج وغصہ کے دی تھی، تو ایسی صورت میں نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل مظہر کہ اس جلسہ میں بہت آدمی تھے تو وہی سننے والے گواہ کافی تھے نکاح ہوگیا مگر عورت جبکہ بالغہ ہے تو اگر باپ نے اس سے اجازت خاص بکر کے ساتھ نکاح کردینے کی یا مطلق نکاح کی نہ لی تھی تو نکاح عورت کی اجازت پر موقوف رہا مگر وہ جائز کردے گی جائز ہوجائے گا اور رد کردے گی رد ہوجائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۹: از کان پور نئی سڑک متصل گرجا گھر متصل مکان احسان اللہ وکیل ڈاکٹر اللہ یار خاں مرسلہ خداداد خاں صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

جناب مولانا صاحب زیدت معالیکم فی الدارین، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے تعجب ہے کہ آج کل ندوہ کی ایسی خراب حالت کیوں ہوگئی، میں نے وہاں کے مفتی صاحب کے نام سے ٹکٹ رکھ کر ایک استفتا بھیجا مگر مطلقاً جواب نہیں دیا، ان سے اگر اس کا جواب نہیں ہوسکتا تھا تو واپس کردینا چاہئے تھا نہ کہ دبا بیٹھا، افسوس علماؤں کا نام بدنام کرنے کو جلسہ قائم کیا گیا ہے بے شک۔

بدنام کنندہ نکو نامی چند

(نیک نامی کو بدنام کرنے والا)

میرا تو پہلے ہی سے ارادہ تھا کہ آپ کے پاس بھیجوں مگر غلطی ہوئی کہ وہاں بھیج دیا، خیر اب بعینہٖ آپ کی خدمت میں روانہ کرتا ہوں کہ آپ براہ نوازش جواب سے مشرف فرمایئے، جواب کے لئے ٹکٹ پیش خدمت ہے زیادہ حدِ ادب۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ذیل کے مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کاعلاتی بھائی اس کی عینی ماں اور ماموں کے مقابلہ میں ولی جائز ہے یا نہیں؟ وبر تقدیر ولی جائز ہونے کے اس کی عدم موجودگی میں بلااطلاع ورضا لڑکی بالغہ کا غیر کفو کے ساتھ ماموں اور اس کی ماں کا عقد کردینا کیسا ہے اور نیز لڑکی کی ماں اپنے شوہر کا متروکہ دین مہر میں پاچکی ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس لڑکی کا ولی نکاح اس کا علاتی بھائی ہے، ماں یا ماموں اس کے ہوتے کچھ استحقاق نہیں رکھتے۔

فی الدر المختار الولی فی النکاح العصبة بنفسه فان لم یکن عصبة فالولایة للام (الٰی قوله) ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال الخ اھ[1] ملتقطا۔	درمختار میں ہے: نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ ہوتا ہے اگر وہ نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو ہوتی ہے، انھوں نے ذوی الارحام پھوپھیاں پھر ماموں تک بیان کیا، الخ ملتقطا (ت)

شرع مطہر میں غیر کفو وہ ہے جس کے نسب یا مذہب یا پیشے یا چال چلن وغیرہ میں کوئی ایسا نقص ہو جس کے باعث اس عورت کا اس سے نکاح ہونا اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اور یہاں عوام غیر قوم کو غیر کفو کہتے ہیں اگرچہ شرافت میں اپنا ہمسر ہو، بلکہ بعض تو یہاں تک توسیع کرتے ہیں کہ اگر اپنے سے برتر ہو شرع میں اس میں نظر نہیں، مغل پٹھان کفو ہیں، شیخ، قریشی وسادات کرام کفو ہیں، اپنا ہم قوم بد مذہب کفو نہیں، یہاں اگر عدم کفاءت یہی محاورہ عامیہ کے طور پر تھا یعنی وہ شخص اس دختر کا ہم قوم نہ تھا مگر اس طرح کا کوئی نقص نہ رکھتا تھا کہ شرعاً غیر کفو ہو جب تو یہ نکاح مطلقاً صحیح ومنعقد ہوگیا رضا واطلاع برادر کی حاجت نہیں، دختر کہ بالغہ ہے اگر اس سے اذن لے کر ہوا تو نافذ ہوگیا ورنہ دختر ہی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر جائز کرے گی نافذ ہوگا رد کردے گی باطل ہوجائے گا برادر وغیرہ کسی ولی سے کوئی تعلق نہیں لانقطاع الولایة بالبلوغ کما نصوا علیه (کیونکہ بالغ ہونے پر ولایت منقطع ہوگئی جیسا کہ انھوں نے اس پر نص کی۔ت) اور اگر عدم کفاءت بہ معنی مذکور شرعی تھا تو یہ نکاح کہ بے رضائے ولی عصبہ ہوا اصلانہ ہوا کہ اگر باجازت دختر تھا تو عورت جو نکاح غیر کفو سے بے رضا عصبہ کرے باطل ہے، اور اگر ماں یا ماموں نے بطور خود بے اذن دختر کیا تو یہ وہ عقد فضولی ہوگا جسے نافذ کرنے والا کوئی نہیں کہ اختیار تنفیذ عورت کو ہوتا ہے وہ خود ایسے نکاح پر

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

قادر نہیں، اور ہر عقد فضولی کہ وقت وقوع جس کا کوئی منفذ نہ ہو باطل ہے، ولی عصبہ بھی اپنی رضا شامل کرکے اسے صحیح نہیں کرسکتا یہاں رضائے ولی قبل عقد لازم ہے بعد عقد لغو وبیکار ہے،

فی الدر المختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان [1]۔ فی ردالمحتار ھذا اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ [2] بحر .فی الدر من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ کبیع وتزویج وطلاق ولہ مجیزای من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ انعقد موقوفا ومالامجیز لہ حالۃ العقد لاینعقداصلا [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے جائز نہ ہونے کا فتوی ہے، زمانہ فساد کی وجہ سے یہی مختار ہے، ردالمحتار میں ہے کہ اگر لڑکی کا ولی نکاح سے قبل اس نکاح پر راضی نہ تھا تو بعد کی رضا مفید نہیں، بحر۔ در میں فضولی کی فصل میں ہے کہ فضولی کا ہر ایسا تصرف کہ اس کے صدور کے وقت کوئی اس کو جائز کرنے پر قدرت رکھنے والا موجود ہو تو فضولی کا وہ تصرف موقوف ہونے کی حد تک جائز ہوگا، جیساکہ بیع، نکاح دینا، طلاق وغیرہ، اور اگر کوئی اس وقت جائز کرنے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف قطعًا منعقد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۰: از ستار گنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی دختر کی منگنی کرکے زوجہ اور دختر چھوڑ کر فوت ہوا، ایک دن والدہ کی غیبت میں اس لڑکی بالغہ کو چند شخصوں نے زبردستی ایک گھر میں کردیا، والدہ نے کچہری میں دعوی کیا، ادھر کا جواب یہ ہے کہ متوفی کا ایک بھائی جو دوسرے باپ سے تھا اس نے بلااجازت دختر ووالدہ دختر کے نکاح کردیا، پس اس صورت میں ولایت نکاح ماں کو ہے یا نہیں اور کس کس رشتے دار کو ماں کے سامنے اجازت ولایت ہے، جس نے زبردستی اس لڑکی کو گھر میں رکھا ہے اس نے لڑکی کی والدہ کا دودھ پیا ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، ولی نکاح ہر عصبہ ہے یعنی نزدیک یا دور کے دادا پردادا کے اولاد میں

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱

جو مرد عاقل بالغ ہو رشتے میں سگا ہو یا سوتیلا مثلاً عورت کے پردادا کے سوتیلے پردادا کی نسل میں پرپوتے کا پوتا، جب تک ان میں سے کوئی شخص عاقل بالغ موجود ہو ماں کو اصلاً ولایت نہیں، اور بعد بلوغ تو ماں کو ولایت سے کوئی تعلق ہی نہیں خواہ عصبہ موجود ہو یا نہ ہو،

لان حق الاولیاء بعد ذٰلك انما هو فی الاعتراض ان نکحت غیر کفو اوبغبن فاحش فی مهر المثل وابطال النکاح بغیر الکفو اذالم یرض الولی به قبل العقد صریحا مع العلم بعدم الکفائة[1] وذٰلك انما هو فی حق العصبة لاغیر[2] کمانص علیه فی الدر وغیره۔	کیونکہ اس کے بعد اولیاء کا حق اعتراض صرف اس صورت میں ہے جب لڑکی نے غیر کفو اور انتہائی کم مہر پر نکاح کیا ہو یا جب نکاح سے قبل ولی کو غیر کفو ہونے کا علم ہوا تو صراحتًا اس نے اپنی عدم رضا کا اظہار کردیا ہو تو اس کا نکاح باطل کرنے کا حق ہے، اور حق اعتراض بھی صرف اولیاء عصبہ کو حاصل ہے کسی دوسرے کو نہیں، جیساکہ در وغیرہ میں اس پر تصریح ہے (ت)

دودھ شریک بھائی سے نکاح نہ ہوسکنا خود ظاہر ہے مگر الزام اس حالت میں ہے جب انھیں دودھ شریک ہونا معلوم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۱: از کانپور محلّہ فراش خانہ عقب آبکاری سڑک جدید متصل کوڑہ گھر مکان حافظ زبیر حسن عطار مرسلہ سعید الحسن صاحب ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے ایک بیٹی مسماۃ رضیہ شوہر متوفی سے ہے، جب رضیہ کی عمر آٹھ برس دو مہینے کی تھی ہندہ نے رضیہ کا عقد بزمانہ نابالغی ساتھ خالد کے کردیا لیکن بوجہ نابالغی رضیہ اپنے شوہر کے ساتھ نہیں رخصت ہوئی بدستور اپنی ماں کے ساتھ رہی، اب زمانہ عقد کو چار سال سے زیادہ عرصہ گزرا اور رضیہ بھی اب ہوشیار و بالغ ہوئی، اس درمیان خالد نے ایک دوسری عورت کو رکھ لیا جس سے اطفال بھی پیدا ہوئے، خالد کی وضع اور اطوار وچال چلن ہندہ ورضیہ کو تمام تر ناگوار ہیں اور تعلق ہونا خالد سے نہیں چاہتی کمال درجہ نفرت وانکار رکھتی ہے اور خلع چاہتی ہے، بحکم شرع شریف مسماۃ رضیہ کو کیا کرنا چاہئے جس سے اس کو خالد سے قطع تعلق ہوجائے اور عقد فضولی یہ عقد نابالغی کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور تعمیل حکم خلع کا کس طریقہ سے کیا جائے گا اور مدت نابالغی ازروئے شرع شریف ہندوستان میں علی الخصوص ممالک مغرب شمال کے لئے کس سنہ وسال کی مقدار سے ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲۔۱۹۱

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲۔۱۹۱

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر خالد رضیہ کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا پیشے وغیرہ میں ایسا کم ہے کہ اس کے ساتھ رضیہ کا عقد ہونا اولیائے رضیہ کے لئے موجب ننگ وعار ہو جب تو یہ نکاح سرے سے نہ ہوا، مگر یہ نکاح کرنے والا رضیہ کا دادا ہو جو اس سے پہلے اپنی ولایت سے کسی نابالغ کا نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو یہ نکاح اس کے اذن سے ہوا یا بعد نکاح اس نے اپنی ولایت کی حالت میں نافذ کردیا جائز رکھا تو نکاح صحیح ولازم ہے کہ بعد بلوغ رضیہ کی ناراضی بھی اسے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتی، اور اگر خالد رضیہ کا کفو بمعنی مذکور ہے مگر رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ مثلاً عاقل بالغ بھائی یا بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا غرض دادا کی اولاد سے کوئی مرد موجود تھا اور ماں نے بغیر اس کے اذن کے نکاح کردیا تو تین صورتیں ہیں اگر اس ولی نے نکاح کی اطلاع پا کر اپنی حالت ولایت میں رد کردیا تھا تو اس صورت میں بھی وہ نکاح باطل ہوگیا کہ اب رضیہ کی رضا بھی اسے نافذ نہیں کرسکتی اور اگر سن کر اب تک ساکت رہا نہ رد کیا نہ جائز رکھا تو وہ نکاح نکاح فضولی اور اجازت ولی پر موقوف تھا، جب رضیہ بالغ ہوئی وہ اجازت خود اس کی طرف منتقل ہوآئی، اب اسے اختیار ہے چاہے جائز کردے جائز ہوجائے گا چاہے رد کردے، مثلاً کہہ دے میں نے اس نکاح کو رد کردیا میں اس نکاح پر راضی نہیں، یا مجھے یہ نکاح نامنظور ہے، صرف اتنے کہنے سے رد ہوجائے گا زیادہ کسی امر کی حاجت نہیں، اور یہ اختیار رضیہ کو ہمیشہ رہے گا جب تک نکاح کو جائز نہ کردے کہ اس کے بعد پھر اختیار رد نہیں رہتا اور اگر نکاح مذکور ولی غیر جد نے سن کر جائز کردیا یا ابتداءً نکاح ماں نے بے اذن ولی مذکور کیا یا رضیہ کے لئے کوئی ولی عصبہ تھا ہی نہیں خود ماں ولی تھی جس نے نکاح کردیا ان سب صورتوں میں وہ نکاح صحیح ونافذ ہوگیا مگر ازانجا کہ نکاح کنندہ غیر اب وجد اور رضیہ دوشیزہ ہے اسے اتنا اختیار ملا کہ معًا بالغ ہوتے ہی فورًا فورًا اس نکاح کو فسخ چاہے تو فسخ کردیا جائے گا اگر بعد بلوغ ذرا دیر گزری اور اس نے فسخ کا ارادہ ظاہر نہ کیا تو نکاح تام ولازم ہوگیا کہ اب اس کی رضا وعدم رضا کچھ دخل نہ رہا، اس صورت اخیرہ اور نیز اس صورت سابقہ میں جبکہ نکاح دادا کے کردینے سے لازم ہوچکا ہو، رضیہ اگر جدائی چاہے تو اس کے ہاتھ کوئی ذریعہ سوا خلع چاہنے کے نہیں بہ عوض مہر خواہ اور مال کے جس پر شوہر راضی ہو شوہر سے طلاق مانگے اگر وہ دے دے گا قطع تعلق ہوجائے گا ورنہ صبر لازم ہے، فتح القدیر میں ہے:

الصبی اذاباع اواشتری اوتزوج یتوقف علی اجازۃ الولی فی حالۃ الصغر فلو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسہ نفذ لانہا کانت	بچے نے جب خرید وفروخت یا نکاح کرلیا تو یہ امور ولی کی اجازت پر موقوف ہوں گے، اور اگر اس ولی نے بچے کے بلوغ سے قبل اجازت نہ دی ہو تو لڑکا اپنے بلوغ کے بعد ان امور کو نافذ کرسکتا ہے کیونکہ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

متوقفة ولاتنفذ بمجرد بلوغه [1] اھ مختصرا وفی تنویر الابصار بطل خیار البکر بالسکوت عالمة بالنکاح ولایمتد الی المجلس وان جهلت به [2] وباقی المسائل مشهورة وفی الکتب مذکورة۔	موقوف تھے اس لئے صرف لڑکے کے بلوغ سے نافذنہ ہوں گے اھ مختصرا۔اور تنویر الابصار میں ہے باکرہ بالغہ اگر اپنے نکاح کا علم ہوجانے پر خاموش رہے تو اسکا حق فسخ باطل ہوجاتاہے اور جس مجلس میں علم ہوا اس مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلہ میں جاہل ہو، باقی مسائل مشہور اور کتب میں مذکور ہیں،(ت)

نابالغی کی حد پندرہ سال کی عمر تک ہے،اس مدت سے پہلے اگر دختر کو نوبرس یا پسر کو بارہ برس کی عمر کے بعد آثار بلوغ مثل احتلام وحیض ظاہر ہوگئے تو اس وقت سے حکم بلوغ ہوجائے گا ورنہ پندرہ برس کی عمر پوری ہونے پر لڑکا لڑکی دونوں مطلّقا بالغ سمجھے جائیں گے اگرچہ کوئی علامت بلوغ ظاہر نہ ہو **به یفتی کمافی الدرالمختار** [3] **وغیرہ لقصر زماننا** (اور اس پر فتوی ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمارے زمانے کی عمریں کم ہیں،ت)

مسئلہ ۳۵۲: ازاحمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیارہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب ۱۶ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی منگنی کرنے کے لئے سفر سے دوسرے شخص پر لکھا کہ میری لڑکی کی منگنی فلاں لڑکے کے ہمراہ کرنا لڑکا لڑکی دونوں نابالغ ہیں یہاں اس شخص نے جس کو فقط منگنی کی اجازت دی گئی تھی خود ولی ہوکر بعد منگنی کے نکاح بھی کردیا اس کے والد کو خبر ہوئی کہ لڑکی کا نکاح جس کو منگنی کا اختیار دیا تھا کردیا اس سے یہ شخص خوش ہوا اور اس کے پڑھائے ہوئے نکاح پر انکار نہ کیا،اب یہ نکاح عندالشرع منعقد ہوا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

منگنی کی اجازت نکاح کی اجازت نہ تھی،

فان هذا عقد وذاك وعد وقد یفعل الوعد لینتظر لخاطب ثم ینظر	کیونکہ نکاح عقد ہے اور منگنی صرف وعدہ ہے جبکہ وعدہ کبھی اس لئے کرلیا جاتا تاکہ منگنی کرنے والے کا

---

[1] فتح القدیر فصل فی الوکالۃ بالنکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۹۸/۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۳/۱

[3] درمختار کتاب الحجر فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

ویتأتی فیه فان وافق اجیب والامنع فلایکون الرضا بالوعد رضا بالعقد وھذا ظاھر جدا۔	جائزہ لیا جائے اور غور کیا جائے اور تاخیر کی جاتی ہے تاکہ وہ موافق ہو تو منگنی قبول کی جائے ورنہ انکار کیا جائے لہٰذا وعدہ پر رضا کو عقد نکاح پر رضامندی نہیں قرار دیا جاسکتا، یہ معاملہ ظاہر ہے۔(ت)

تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا اور اجازت ولی پر موقوف رہا، بعد سماع خبر اگر ولی نے قولًا یا فعلًا اس کی تنفیذ ظاہر کی نافذ ہوگیا صرف دل میں خوش ہونا اور زبان سے انکار کافی نہیں لانه سکوت والساکت لاینسب الیه قول (کیونکہ یہ سکوت ہے اور ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوسکتا۔ت) درمختار میں ہے:

قبض ولی له الاعتراض المھر ونحوہ مما یدل علی الرضی دلالة لاسکوته مالم تلد[1] اھ مختصرا۔	لڑکی کے ولی کو مہر پر اعتراض تھا اس کے باوجود اس نے مہر وصول کیا اور ایسا کام کیا جس کو رضا پر دال قرار دیا جاسکتا ہے تو دلالۃً رضا ہوگی محض سکوت رضا نہ قرار پائے گا جب تک لڑکی کے ہاں بچہ پیدا نہ ہوجائے اھ مختصرا۔(ت)

پس اگر واقع اسی قدر ہے تو نکاح بدستور اس کی اجازت پر موقوف ہے باطل کردے خواہ نافذ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۳: ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ نے اپنا عقد ایک شریف اپنے خاندانی سے کرلیا اس پر عمرو بکر وخالد نے اسے اور اس کی ماں اور شوہر کو برادری سے نکال دیا اور ایذا دی، اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہندہ نے عقد ثانی بعد عدت گزرنے کے کیا اور شوہر دوم بدمذہب نہیں جس سے نکاح باطل یا گناہ ہو اور ہندہ اگر کوئی عصبہ اپنا ولی رکھتی ہے تو شوہر دوم اس کا کفو ہوگا یا اگر کفو نہیں اور ولی نے دیدہ ودانستہ پیش از نکاح صریح اجازت دے دی ہو تو ان صورتوں میں ہندہ اور اس کی ماں اور شوہر پر کچھ الزام نہیں خالد وعمرو بکر صرف بوجہ نکاح ثانی انھیں ایذا دیتے ہیں ظالم وگنہگار اور حق العبد میں گرفتار ہیں ان پر توبہ فرض ہے، اگر نہ کریں تو خود یہی لوگ برادری سے نکال دینے کے قابل ہیں جو لوگ ان خالد وعمرو بکر کا ساتھ دیں گے وہ بھی مستحق عذاب ہوں گے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1]	گناہ اور زیادتی میں باہم مدد نہ کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ[2]۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ستایا اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذادی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۴: ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی دس برس کی ہے، ماں نانی چچا میں سے کس کو اس کے نکاح کا اختیار ہے؟ اور دختر کا ایک بھائی بھی دوازدہ سالہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

چچا کو ہے اگر بھائی نابالغ ہو ورنہ بھائی کو، بارہ برس کی عمر میں بلوغ ممکن ہے اگر وہ دعوٰی بلوغ کرے مانا جائے گا **کما فی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۵: مسئولہ کرم الدین صاحب ساکن جلالپور جٹاں محلّہ ساہدوان ضلع گجرات ملک پنجاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے اسلام مبین اس صورت میں کہ خالد نے اپنی لڑکی نابالغہ جس کی عمر اندازی دس یا گیارہ برس کی تھی رحیم بخش بالغ کے ساتھ نکاح پڑھادیا اب بوجہ کوئی فساد کے دختر بالغہ مذکور چاہتی ہے کہ نکاح فسخ ہوجائے آیا شرعاً ممکن ہے کہ عقد مذکور باختیار دختر موصوفہ فسخ ہوجائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

باپ دادا جو نکاح نابالغہ کا کردیں وہ لازم ہوجاتا ہے۔ لڑکی بعد بلوغ کے خواہ کوئی اور اسے فسخ نہیں کرسکتا، مگر صرف دو تین صورتیں ہیں کہ جس کی اس وقت تفصیل کی حاجت نہیں ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل (جو اپنے زمانے کے عرف سے ناواقف ہے وہ جاہل ہے۔ت) مستفتی صاحب کو چاہئے کہ مفصل کیفیت سے مطلع کریں کہ وہ کیا فساد ہے جس کے سبب اب عورت فسخ چاہتی ہے اور اس فساد پر

---

[1] القرآن الکریم ۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن انس حدیث۔ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۱۰، الترغیب والترہیب الترہیب من تخطی الرقاب یوم الجمعہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۰۴

کب اطلاع ہوئی؟ اور باپ بھی وقت نکاح اس پر مطلع تھا یا نہیں؟ وہ فساد بعد نکاح حادث ہوا یا پہلے سے تھا؟ غرض سب حال، بتفصیل تام بیان کیا جائے تو جواب دیا جائے، درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن او بغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسه ابا اوجدا [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نکاح لازم ہوجائے گا جب نکاح دینے والا خود باپ یادادا ہو اگرچہ انتہائی کم مہر سے یا غیر کفو میں ہو، الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۵۶: مسئولہ شاہ معین احمد صاحب از ڈاک خانہ نگرا اسٹیشن فتوحہ ضلع پٹنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زینب کی کل ایک اولاد ہے یعنی ہندہ دختر بالغہ ہے ہندہ کے باپ نے قضا کیا، زید ہندہ کا بھائی ہے، زینب ہندہ کی ماں، اور زید برادر علاتی نے ہندہ کی نسبت خالد بن بکر ساکن فلاں جگہ سے مقرر وپختہ پز کیا، اس کی خبر ہندہ کو بخوبی ہوگئی اس طرح سے کہ ہندہ اسی مکان میں رہتی تھی اور اس کے سامنے نسبت کی گفتگو ہوئی اور اس پر ثابت ہوگیا کہ میری نسبت فلاں جگہ فلاں شخص سے ہے گو اس سے خاص کر کسی نے نہ کہا اور پوچھا نہیں اس کے بعد رقعہ تقرری تاریخ آمد برات کا خالد بن بکر کے یہاں سے آیا اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہوئی چنانچہ اس روز وہ سنواری بھی گئی اور جو مراسم کہ قبل نکاح اس طرف رائج ہیں مثلاً مانجہ وغیرہ میں بیٹھنا اس سب کو اس نے انجام دیا اور کسی طرح کی نارضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ تاریخ مقررہ پر برات آئی اور احباب واقربا اندر باہر جمع ہوئے، اس کی اطلاع بھی ہندہ کو ہوئی اس وقت بھی ہندہ نے کسی طرح نارضامندی ظاہر نہیں کی، زید اور برادر علاتی نے چند شخصوں کے سامنے عمرو کو وکیل بالنکاح مقرر کیا اور عمرو نے جہاں برات کا قیام تھا وہاں جاکر سب لوگوں کے سامنے خالد بن بکر سے ہندہ کا نکاح مہر مثل پر کرادیا مگر اس کی اطلاع ہندہ کو عمرو وکیل نے یا زید برادر علاتی نے نہیں دیا بلکہ عورتوں میں کہہ دیا گیا کہ نکاح ہوگیا ___ اور یہ بات مشتہر ہوگئی کہ نکاح ہوگیا، اس کے بعد جو جو مراسم شادی اس طرف رائج ہیں ان سب کو ہندہ نے بخوبی ادا کیا اور کسی طرح کی نارضامندی نہیں ظاہر کیا یہاں تک کہ رخصتی بھی ہوئی اور نوبت استراحت کی بھی آئی ان تمام متذکرہ بالا زمانہ میں کبھی ہندہ نے اپنی نارضامندی ظاہر نہیں کی اور نہ اس وقت تک کسی طرح کی نارضامندی ظاہر کرتی ہے تو یہ نکاح صحیح ہوا یا کسی طرح کا شبہہ یا نقص رہ گیا، یہ شبہہ صرف اس وجہ سے پیدا ہے کہ ہندہ بکر بالغہ تھی اس سے قبل نکاح زید برادر علاتی یا کسی شخص نے صراحۃً استمزاج نہیں لیا اور نہ بعد نکاح صراحۃً اس کو خبر دیا، گو اس کو خارجی طریقہ سے سب باتیں معلوم تھیں اور معلوم ہوئی اور نہ اس وقت تک اپنی رضامندی ظاہر کرتی ہے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

بلکہ ظاہرًاخوش معلوم ہوتی ہے۔بینوا توجروا

الجواب:

اس صورت میں یہ نکاح فضولی تھا اگر خبر نکاح سن کر ہندہ نے کوئی قول یا فعل اظہار ناراضی کا نہ کیا بلکہ عادل ثقہ سے نکاح کی خبر سن کر خاموش ہی ہورہی یا خبر کسی عادل سے نہ سنی نہ ولی نے اسے اطلاع کرا بھیجی تو ساکت رہی یہاں تک کہ شوہر سے برضا ہم خواب ہوئی تو نکاح نافذ وتام ہوگیا۔

فی الھندیۃ اذا مکنت الزوج من نفسھا بعد ما زوجھا الولی فھو رضا [1] وفی الدر المختار زوجھا ولیھا واخبرھا رسولہ اوفضولی عدل فسکتت فھو اذن [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے کہ جب بالغہ نے خاوند کو جماع کا موقعہ دے دیا تو یہ ولی کے نکاح پر اس کی رضامندی ہوگی، درمختار میں ہے کہ اگر ولی نے نکاح دیا تو ولی کے قاصد نے یا کسی عادل اجنبی نے بالغہ کو اطلاع دی اور وہ اس پر خاموش رہی تو یہ رضامندی ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۵۷: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی امیر الدین صاحب　۴ شعبان ۱۳۲۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید اور اس کی زوجہ ہندہ میں جنگ باغوائے مفسدان بدکاران پیدا ہوا،اور ہندہ کے بطن سے ایک لڑکی زید کی جس کا نام سعیدہ تھا اور عمر گیارہ برس گیارہ مہینے کی تھی بکر نے اپنے لڑکے خالد کی منسوب سعیدہ سے چاہا زید کو منظور نہ ہوا تب بکر نے ہندہ زوجہ کو برہم کرایا اور ہندہ نے اس قدر فساد مچایا کہ زید کو مجبوری ہوئی بمجبوری وتاکید وبخوف حکام ضلع بخیال اس کے کہ رفع جملہ فساد وقصہ ہوجائے گا اور یہ ثابت بھی کیا گیا تھا کہ اگر یہ عقد ہوگا تو قصہ سب دفع ہوگا صلح سے زمانہ گزرے گا اس منسوب کو منظور کیا اور سعیدہ نے اپنی لڑکی کا نکاح خالد سے بلااذن کردیا لیکن خالد وسعیدہ سے آج تک ملاقات نہ ہوئی اور نہ سعیدہ سے کسی قسم کی رضامندی لی گئی نہ سعیدہ کو سمجھایا گیا کہ کیا ہوتا ہے اور بعد نکاح کے خالد لندن چلا گیا اور بحیلہ تحصیل انگریزی وہاں فسق وفجور ولہو ولعب میں مبتلا ہوا چھ برس ہوا کہ خالد لندن میں ہے نہ پڑھتا ہے نہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبر گیری یا پرسش سعیدہ کی کرتا ہے زید نے بکر کو وخالد کو یعنی دونوں پدر وپسر کو لکھا کہ شادی کرلی جائے اور خالد آئے اور اپنی منکوحہ کو لے جائے،مگر نہ خالد آتا ہے نہ کسی قسم کی کفالت خرچہ کی سعیدہ کی خالد یا بکر اس کے باپ کی طرف سے ہوتی ہے اور بلکہ زید سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

خرچہ لندن کے قیام کا طلب کیا جاتا ہے ان حالتوں سے فسخ ہوگا یا نہیں؟ اور سعیدہ مجاز ہے کہ اپنے باپ کے نکاح کو جو بخوشی نہیں بلکہ محض بمجبوری وبخوف حکام وقت وتوقع رفع خرخشہ کیا تھا اور رفع بھی نہ ہوا بلکہ بعد از بسیاری جنگ کے خلع وجدائی درمیان زید وہندہ کے ہوگئی تو ایسے نکاح کو سعیدہ توڑ سکتی ہے یا نہیں اور خالد کا کب تک انتظار کیا جائے گا، نہ وہ آتا ہے اور نہ کسی قسم کی خبرگیری اخراجات کی بھی سعیدہ کی کرتا ہے بدستور سعیدہ اپنے باپ کے گھر ماں سے بھی جدا پڑی ہے اور زید کو یہ بھی خیال ہے کہ خالد ہرگز نہیں آئے گا اور آئے گا تو بوجہ طرز معاشرت بدل جانے وصحبت غیر مذاہب کے حقوق کی تعمیل پوری پوری خالد سے ادا نہ ہوگی، ایسی حالت میں شریعت کیونکر سعیدہ کو مجبور کرے گی اور باپ کے ایک لغو ومجبوری سے عمل کے باعث وہ غریب بدقسمت سعیدہ پریشانی میں مبتلا رہے گی،

الجواب:

باہمی جھگڑے قصے نہ حد اکراہ تک پہنچتے ہیں نہ نکاح میں اکراہ کو دخل ہے اگر ولی کسی کے جبر واکراہ ہی سے نکاح کردے نکاح ہوجائے گا

فی الھندیة من الاکراہ زوجھا اولیاؤھا مکرھین فالنکاح جائز[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ اگر اولیاء نے کسی جبر کی بناپر نابالغہ کا نکاح دیا تو نکاح جائز ہوگا۔ (ت)

نہ نابالغہ سے اجازت لینے کی حاجت نہ باپ کے کئے ہوئے نکاح پر عورت کا بعد بلوغ حق اعتراض، مگر اس حالت میں کہ شوہر وقت نکاح کفو نہ تھا اور باپ اس سے پہلے بھی کبھی اپنی ولایت سے کسی لڑکی کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو، غیر کفو وہ جس سے نکاح ہونا عرفاً اولیائے ہندہ کے لئے وجہ ننگ وعار ہو کہ وہ نسب یا پیشے یا مذہب یا چال چلن میں رذیل وذلیل وبدنام ہو، یہاں جب یہ صورتیں نہیں نکاح بے شک نافذ وتام ولازم ہوگیا جو کسی کے رد کئے رد نہیں ہوسکتا، یہ اس حالت میں ہے کہ سعیدہ وقت نکاح نابالغہ ہو جیسا کہ بظاہر اس کی عمر مذکور سے مترشح ہوتا ہے کہ ہندوستان میں اس عمر پر بلوغ نادر ہے اگر نابالغہ تھی کہ لڑکی نوبرس کی عمر میں بالغہ ہوسکتی ہے تو وہ نکاح کہ باپ نے اس کے لئے بے اذن کیا نکاح فضولی تھا اسے خبر پہنچنے پر اختیار تھا کہ رد کردیتی مگر یہ رد اسی جلسہ خبر میں ہوسکتا تھا اگر جلسہ بدل کر رد کرے تو مقبول نہ ہوگا۔ اور تقریر سوال سے سعیدہ کا رد کرنا اصلاً ظاہر نہیں بلکہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساکت رہی اور بکر کا سکوت بھی اذن ہے تو نکاح یوں بھی لازم ہوگیا جس کے رد کی طرف سبیل نہیں مگر صورت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ باب الثانی فیما یحل للمکرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۵

مذکور میں عورت کا ضرر صریح ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1]	عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑ دو۔

اور فرماتا ہے:

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[2]	(عورتوں سے اچھا برتاؤ کرو۔ت)

اور فرماتا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ[3]۔	جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انھیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔

اور فرماتا ہے:

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[4]۔	پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورت کو یوں چھوڑو جیسے ادھر میں لٹکتی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی الاسلام[5]۔	دین اسلام میں نہ ضرر ہے نہ مضرت پہنچانا۔

لہٰذا حاکم پر واجب ہے کہ خالد پر جبر کرے کہ یا تو ہندہ کو رخصت کرائے یا طلاق دے، اور اگر وہاں کی صحبت سے خالد کا دین فاسد ہوگیا کہ نیچریوں کی طرح ضروریات دین پر ہنسنے لگا تو آپ ہی نکاح جاتا رہے گا **والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۸: مرسلہ حاجی احمد اللہ خان صاحب مرحوم از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک عورت ہندہ جس کی عمر ۱۳ برس کی تھی باپ اس کا فوت ہوگیا اب ہندہ کے نکاح کی اجازت اس کی ماں نے ہندہ کی سوتیلی بہن جس کی عمر تخمیناً قریب چالیس کے ہوگی اس بہن نے ہندہ کو بچپن سے مثل اولاد کے پالا تھا اجازت دی تھی بلکہ ہندہ نے خود ہی اقرار کیا تھا ہندہ کی بہن نے سوتیلی بہن سے یہ کہلا بھیجا تھا کہ تم کو اختیار ہے جہاں چاہو اس کا نکاح کردو ہندہ کی بڑی بہن اور بہنوئی نے اپنے کفو میں ایک شریف خاندان کے لڑکے کے ساتھ بلکہ رشتہ داری میں نکاح کردیا اب بعد دو برس کے کچھ جھگڑا عورات میں باہم کسی بات پر ہوا یعنی ہندہ کی ساس اور ہندہ کی بڑی بہن میں، اس پر مسماۃ ہندہ کی ماں اور بہن دونوں اب یہ کہتی ہیں کہ ہندہ کا نکاح اس وجہ سے کہ اس عمر تک بالغ نہیں ہوئی تھی

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱

[2] القرآن الکریم ۴/۱۹

[3] القرآن الکریم ۶۵/۶

[4] القرآن الکریم ۴/۱۲۹

[5] المعجم الکبیر حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۹۱

وقت نکاح کے ہندہ کے چچا اور بھائی نہیں موجود تھے مگر ان کو علم تھا اور ہندہ کی ماں اور بہن میں ایک مدت سے رنج تھا آمد ورفت نہیں تھی جس پر ہندہ کی ہمشیرہ نے اس کی والدہ سے اجازت چاہی تھی قبل از مہینہ بیس روز آگے دونوں میں صلح ہوگئی اور والدہ کی لڑکی کو دو چار روز آگے اپنے مکان میں لے گئی تھی جب تاریخ نکاح قریب آئی تو پھر ہندہ کو اس کی بڑی بہن جس نے کہ اس کو پالا تھا اس کے مکان پر بھیج دیا واسطے نکاح کے، اب ہندہ کی والدہ اپنے مکان پر ہندہ کو لے گئی بڑی بہن کے مکان سے بخوشی۔ ہندہ کی بڑی بہن کے خاوند اب ہندہ کے بہنوئی ہندہ کے نکاح میں گواہ تھے، اور بہنوئی کے بڑے بھائی وکیل نکاح کے تھے، نکاح خواں نابینا تھے، تو ایسی صورت میں نکاح ہندہ صحیح قرار پائے گا یا باطل؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر ہندہ وقت نکاح فی الواقع نابالغہ تھی اور اس کے نکاح کی اجازت اس کے جوان بھائی نے نہ دی تھی تو جو نکاح بڑی بہن نے ماں کی اجازت سے کیا بھائی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر بھائی نے نکاح کی اطلاع پاکر انکار کردیا تو وہ نکاح باطل ہوگیا اور اگر پسند کیا اجازت دی تو نافذ ہوگیا، اور اگر ہنوز کچھ نہ کہا اور ہندہ اب بھی نابالغہ ہے تو اب بھی بھائی کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کردے گا تو جائز ہوجائیگا رد کردے گا تو باطل ہوجائے گا۔ اور اگر ہندہ کے بالغہ ہونے تک بھائی نے نہ رد کیا نہ اجازت دی اور اب ہندہ بالغ ہوگئی یعنی اس کی عمر پورے پندرہ سال کی ہوگئی یا اسے حیض آنے لگا تو اب وہ نکاح خود ہندہ کی اجازت پر موقوف ہے اگر جائز کردے گی جائز ہوجائے گا اور اگر رد کردے گی باطل ہوجائے گا، اور اگر نکاح بھائی کی اجازت سے ہوا تھا یا بعد نکاح بھائی نے قبل بلوغ ہندہ اجازت دے دی تو نکاح نافذ ہوگیا مگر ہندہ کو خیار بلوغ ملے گا یعنی بالغہ ہوتے ہی فورًا فورًا اگر اس نکاح سے اس نے انکار کردیا ایک لفظ کی دیر نہ لگائی تو دعوی کرکے اس کو فسخ کراسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵۹ تا ۳۶۶: مرسلہ حکیم محمد علی حسین خان صاحب جاگیر دار ریاست گوالیار صدر لشکر نیا بازار ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین سوالات مندرجہ ذیل کی نسبت:

(۱) لڑکی کے والد نے مظہر کو دہلی سے واسطے عقد لڑکی اپنی کے بہ مقام بھوپال طلب کیا اور بعد پہنچنے برات کے سرکار عالیہ میں ایک درخواست تحریر کرکے پیش کی کہ میں نے لڑکے کو بلایا ہے سرکار عالیہ خداوندی فرماکر اس کار خیر کو اپنے روبکاری سے اہتمام فرمائیں، میں نے تاریخ عقد ۴ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ یوم دوشنبہ مقرر کردی ہے

(۲) سرکار عالیہ نے یہ درخواست منظور فرماکر جملہ انتظامات ضروری کیا تب حکم نافذ فرمادیا اور صاحبزادگان دام اقبالہ اور قاضی صاحب وغیرہ کو بلاوا بھی پہنچ گیا۔

(۳) لڑکی اپنے ماموں کے یہاں تھی، لڑکے کے والد عقد کے دن لڑکی کو لانے کی غرض سے ماموں کے مکان پر گئے، ماموں نے عین وقت پر بھیجنے لڑکی سے قطعی انکار کیا، بیچارے شریف باپ نے اس غیرت کی وجہ سے زہر کھاکر اپنی جان کو ہلاک کیا۔

(۴) باپ ولی جائز کی اجازت تحریری بعد فوتی اس کے یہ عقد کیا تب کچھ وقعت اور اثر رکھتی ہے یا نہیں؟

(۵) اب ماموں لڑکی کا بوجہ نفسانیت مظہر کے ساتھ عقد کرنے سے انکاری ہے اور اسی کے قبضہ میں لڑکی ہے۔

(۶) لڑکی کا سن گیارہ سال کچھ ماہ کا ہے۔

(۷) ورثاء میں لڑکی کے ایک چچا حقیقی اور ایک ماموں حقیقی، ایک بھائی حقیقی نابالغ اور والدہ و مطلقہ یہ شخص غیر کے نکاح میں ہیں۔

(۸) لڑکی کے چچا صاحب اس لڑکی کے مظہر سے عقد کرنے پر رضامند ہیں ان کی یعنی چچا صاحب موصوف کی محض اجازت سے عدم موجودگی اور بغیر اطلاع لڑکی کے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں یاکہ لڑکی کا موجود ہونا وقت نکاح لازمی ہے؟ فقط۔

الجواب

صورت مذکورہ میں جب تک لڑکی نابالغ ہے (یعنی) اسے حیض شروع نہ ہوا یا پندرہ سال کامل کی عمر نہ ہوئی اس وقت تک اس کا ولی نکاح اس کا چچا ہے اور لڑکی کے بلوغ سے پہلے اس کا بھائی بالغ ہوجائے تو ولایت چچا سے بھائی کی طرف منتقل ہوجائے گی بہر حال ماموں یا ماں کو اس کے نکاح کا کچھ اختیار نہیں، تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث والحجب فان لم یکن عصبة فالو لایة للام ثم للاخت ثم لولدالام ثم لذوی الارحام العمات ثم الاخوال[1]۔	نکاح کا ولی، وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب کے مطابق عصبات بنفسہ ہوتے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی، پھر بہن کو پھر والدہ کی طرف سے بھائی پھر ذوی الارحام میں پھوپھی پھر ماموں کو حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

دختر کی نابالغی میں چچا یا بالغ ہو کر بھائی اگر اس کا نکاح ایسے شخص سے کردے گا جو اس لڑکی کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن وغیرہ میں اتنا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس دختر کا نکاح باعث ننگ و عار ہو نہ دختر کے مہر مثل میں کمی فاحش کرے مثلاً لاکھ روپیہ مہر مثل ہو یہ پچاس ہزار باندھ دیں، جب ان دونوں نقصانوں سے خالی ہو تو چچا یا بھائی کا وہ کیا ہوا نکاح نافذ ہوگا نہ لڑکی سے اذن لینے کی ان کو حاجت نہ اطلاع دینے کی نہ وقت نکاح لڑکی کے وہاں موجود ہونے کی، یہ سب بے ضرورت امور ہیں۔ درمختار میں ہے:

للولی انکاح الصغیر والصغیرۃ جبرا[1]۔	باپ دادا کو نابالغہ پر جبری نکاح کی ولایت ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوزوجھا الاقرب حیث ھو جاز النکاح[2]۔	اقرب جہاں بھی نکاح کرے جائز ہوگا۔ (ت)

ماں یا ماموں کو اس نکاح پر اصلاً اعتراض نہیں پہنچ سکتا، ہاں لڑکی کہ دوشیزہ ہے اگر بالغہ ہوتے ہی معاً کہہ دے گی کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں، یا اول سے اسے اطلاع نکاح نہ تھی تو بعد بلوغ جس وقت خبر پائی فوراً نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو اس صورت میں البتہ خود اس کو اختیار ہوگا کہ حاکم شرع کے حضور رجوع کرکے چچا یا بھائی کا کیا ہوا نکاح فسخ کرالے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیہ ان کان من کفو وبمھر المثل صح ولھما ای لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لو عالمۃ بالنکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس[3]۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا نہ ہو تو کفو اور مہر مثل کی صورت میں نکاح صحیح ہے لیکن نابالغ اور نابالغہ کو بلوغ پر یا بلوغ کے بعد علم ہونے پر بشرط قضاء فسخ کا اختیار ہوگا، اور بالغہ باکرہ کا اختیار اس کو علم ہوجانے پر سکوت کی وجہ سے باطل ہوجائے گا، اور مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا۔ (ت)

ہاں چچا یا بھائی جس سے نکاح کردیں اگر وہ بمعنی مذکور دختر کا کفو نہ ہو اگرچہ ہم قوم ہو یا مہر مثل میں کمی فاحش کریں تو سرے سے نکاح ہوگا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیرھما لایصح النکاح	اگر غیر باپ دادا نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں یا انتہائی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳۔۱۹۲

من غیر کفو او بغبن فاحش اصلا [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کم مہر سے دیا تو بالکل جائز نہ ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

باپ کی اجازت تحریری کی عبارت محتاج نظر ہے، دیکھا جائے گا اور اب اس کا کیا اثر ہے اور اس کی چنداں حاجت بھی نہیں کہ ولی شرعی موجود ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۷: مسئولہ محمد صبور صاحب ولد منشی محمد ظہور صاحب مرحوم مغفور ساکن بریلی محلّہ پل قاضی ۱۲صفر ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے ایسے رنڈوے شخص کے ساتھ نکاح کیا کہ جس کے دولڑکے زوجہ اولٰی سے تھے اب زن وشو سے ایک دختر پیدا ہوئی بعدہ اس شوہر ثانی کا انتقال ہوگیا، ازاں بعد اس بیوہ عورت نے پھر اپنا نکاح کرلیا اب وہ لڑکی جو شوہر ثانی سے پیدا ہوئی تھی نابالغ ہے کہ جس کا نکاح اس عورت اور حال کے تیسرے شوہر نے ایک نابالغ لڑکے کے ساتھ بموجودگی اس کے والدین کے کردیا جس کے اندر ابتداء قرارداد ونسبت میں قبل از نکاح دوسرے شوہر کے دونوں لڑکوں کا بھی مشورہ رضامندی تھا لیکن وقت نکاح کے یہ دونوں لڑکے موجود نہ تھے اب یہ دونوں لڑکے اس نکاح سے نارضامند ہیں۔آیا یہ نکاح جائز طریقہ سے ہوا یا ناجائز طورپر؟ اور اب قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شوہر دوم یعنی پدر دختر کے دونوں لڑکے کہ زوجہ اولٰی سے ہیں اگر بالغ ہیں اس دختر کے ولی ہیں، اگر ان دونوں یا ان میں سے ایک نے پیش از نکاح عورت کے شوہر سوم یا خود عورت کو اس دختر کا نکاح اس نابالغ کے ساتھ کرنے کی اجازت دی تھی اور وہ نابالغ اس دختر کا کفو تھا یعنی نسب وغیرہ میں ایسا کم نہ تھا جس کے سبب اس سے نکاح اس دختر کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو یہ نکاح صحیح وجائز ونافذ واقع ہوا اور بلاوجہ صحیح شرعی اب ان لڑکوں کی ناراضی معتبر نہیں۔

فان من سعی فی نقض ماتم من جھتہ فسعیہ مردود علیہ۔	جواپنے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ کوشش مردود ہے۔(ت)

ہاں دختر کو اختیار ہوگا کہ اگر پسند نہ کرے تو بالغہ ہوتے ہی معًا انکار کردے نکاح فسخ کرادیا جائے گا "لانہ غیراب وجد" (کیونکہ یہ غیر باپ دادا ہیں۔ت) اور اگر لڑکوں نے ان کو نکاح کرنے کی اجازت نہ دی تھی اگرچہ وقت مشورہ اپنی رضامندی ظاہر کی تھی تو یہ نکاح کہ دختر کی ماں اور اس کے شوہر سوم نے بے اجازت اولیاء کیا اجازت اولیاء پر موقوف رہا ان لڑکوں نے خبر نکاح سن کر اگر کوئی کلمہ رضا کہہ دیا یا کوئی فعل

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

کہ رضاپر دال ہو کیا تونکاح نافذ ہوگیا، اور اب ان کی نارضامندی بلاوجہ صحیح شرعی معتبر نہیں بلکہ وہی بحال بلوغ دختر کواختیار انکار تو دعوی فسخ ہوگااور اگر کوئی قول وفعل رضاکا بعد نکاح ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ انھوں نے اسے رد کردیا تو نکاح رد ہوگیااور اب یہ دختر اس سے محض اجنبیہ ہے اور اگر وہ لڑکا اس عورت کاکفو نہیں یعنی کوئی ایسی کمی رکھتا ہے جس سے اس کے ساتھ نکاح اولیائے دختر کے لئے باعث بدنامی و مطعونی ہو تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں اگرچہ خود لڑکوں نے کیا ہوتا اگرچہ دختر بعد بلوغ اس پر راضی ہوتی۔

لانہ یفتی فی غیر الکفو بعدم الصحۃ اصلا لفساد الزمان [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ زمانہ کے فساد کی وجہ سے غیر باپ داداکا دیا ہوا نکاح غیر کفو اور غیر مہر مثل میں بالکل صحیح نہ ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۶۸: از بدایوں براہم پور مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پدر ہندہ نابالغہ کو بکر نے از راہ فریب یہ یقین دلایا کہ خالد اس کا ہم قوم اور شریف الخاندان ہے اور اس طرح زید کواس امر کی ترغیب دی کہ وہ اپنی نابالغہ دختر ہندہ کا نکاح نابالغ سے کرے، چنانچہ خالد کے ساتھ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا عقد کرادیا، ہندہ بعد عقد خالد کے ماموں زاد ہمشیر کے گھر جس کے زیر پرورش خالد بیان کیا گیا تھا رہی صغیرہ ہندہ کو اب علم اس بات کا ہوا کہ خالد اس کا ہم قوم وکفو نہیں ہے بلکہ ولد الحرام وذلیل قوم ہے تو ہندہ نے خالد کو اپنا شوہر نہیں جانا اور نہ اس کے پاس آئی گئی اور معاہدہ نکاح جو مرتب ہوا تھا بوقت بلوغ فسخ کردیا، یہ انفساخ مطابق شرع محمدی ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں صورت مستفسرہ میں نکاح فسخ کیا جائے گا یعنی ہندہ کو اختیار دعوی اور بعد دعوی حکماً فسخ ہوگا قاضیخاں و فتح القدیر وبزازیہ وردالمحتار وغیرہ میں ہے:

زوج بنتہ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لاارضی بالنکاح ان لم یکن ابوھا یشرب المسکر	کسی شخص نے اپنی بیٹی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کے متعلق باپ کو گمان تھا کہ صالح ہے اور شراب نہیں پیتا تو بعد کو معلوم ہوا کہ وہ شراب کاعادی ہے بیٹی نے بلوغ پر باپ کے کئے ہوئے نکاح کے بارے میں کہا کہ میں راضی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

ولاعرف به وغلبة اهل بيتها مصلحون فالنكاح باطل بالاتفاق[1] اھ۔	نہیں ہوں تو اگر باپ شرابی نہیں اور لڑکی کا خاندان غالب طور پر صالح لوگ ہیں تو بالاتفاق یہ نکاح باطل ہے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

معناه انه سيبطل كما فى الذخيرة لان المسألة مفروضة فيما اذالم ترض البنت بعد ما كبرت كما صرح به فى الخانيه والذخيرة وغيرهما وعليه يحمل مافى القنية زوج بنته الصغيرة من رجل ظنه حر الاصل وكان معتقافهو باطل بالاتفاق اھ وعلم من عبارة القنية بسبب الفسق انه لافرق فى عدم الكفاءة بسبب الفسق اوغيره حتى لوزوجها من فقير اوذى حرفة ولم يكن كفوالها لم يصح افاده فى البحر[2]۔	اس کا معنی یہ ہے کہ وہ باطل کیا جاسکتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلہ کی صورت اس مفروضہ پر ہے کہ لڑکی نے بالغ ہونے کے بعد عدم رضا کا اظہار کیا ہو جیسا کہ ذخیرہ اور خانیہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی ہے، اور قنیہ کے اس مسئلہ کو کسی نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جس کے بارے میں اسے گمان تھا کہ یہ اصلی آزاد ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کسی کا آزاد کردہ ہے تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے بھی اسی پر محمول کیا جائے گا اھ اور قنیہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر کفو فسق یا کسی اور وجہ سے ہو دونوں میں فرق نہیں۔ حتی کہ کسی نے نابالغہ کا نکاح فقیر یا کسی کسبی سے کردیا اور یہ کفو نہ تھا، تو بھی نکاح صحیح نہ ہوگا۔ اس کا افادہ بحر میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الفرقة ان من قبلها ففسخ وان من قبله فطلاق وشرط للكل القضاء الاثمانية[3].	اگر لڑکی کی طرف سے تفریق کی وجہ ہے تو فسخ ہوگا، اور اگر خاوند کی طرف سے ہو تو وہ طلاق ہے اور ہر صورت میں قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۱، فتاوی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۲، فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

خانیہ میں ہے:

لایکون الفسخ لعدم الکفاءة الاعند القاضی لانه مجتهد فیه[1] اھ۔	کفونہ ہونے کی بناپر فسخ صرف قاضی کے ہاں ہی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔اھ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۹: مسئولہ خان بہادر مولوی محمد خلیل اللہ خان ڈاک خانہ گولہ ضلع کھیری

مسماۃ ہندہ نے انتقال کیااور اولاد دختری سے دو لڑکیاں چھوڑیں وقت انتقال میں مسماۃ مذکورہ کی لڑکیوں نے اپنے حقیقی نانا کی پرورش ہر قسم کی اس وقت تک پائی، دختران کی عمر سن بلوغت کو پہنچی ہے، والد لڑکیوں کا اپنے وطن میں موجود ہے اور کسی قسم کی امداد پرورش دختران مذکور نہیں کرتا، والد والدہ دختران مذکور کا شادی کا انتظام کرتا ہے تو والد منع آتا ہے، والد شریک شادی دختران مذکور بوجہ اس کے کہ صرفہ شادی سے علیحدہ رہے، نہیں ہوتا ہے، توایسی حالت میں حقیقی نانا بحیثیت ولی کے نکاح کرسکتا ہے اگر نکاح دختران مذکور کا حقیقی نانا ایسی حالت مذکور میں کردے تو کیا مناسب ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

لڑکیاں جبکہ بالغ ہوگئیں ان پر ولایت جبریہ کسی کی نہ رہی، ان کی رضا سے جو نکاح ان کا ہو صرف دو حالت میں ولی یعنی ان کے باپ کو ان پر اعتراض کا حق ہوگا، اول یہ کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس دختر کا کفو یعنی نسب یا مذہب یا چال چلن یا پیشہ وغیرہ کسی بات میں اس سے اتنا کم ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اس صورت میں توجب تک باپ پیش از نکاح اس شخص کو غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت نہ دے نکاح ہوگا ہی نہیں محض باطل ہوگا۔ دوم یہ کہ دختروں کے مہر میں کمی فاحش کی جائے مثلاً اس کا مہر مثل ہزار روپے ہو اور پانسو باندھا جائے، اس صورت میں باپ کو اعتراض کا حق ہوگا یہاں تک کہ شوہر مہر پورا کردے اور جب ان صورتوں سے پاک ہو یعنی جس سے نکاح کیا جائے وہ نسب ومذہب وغیرہ میں دختر سے ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا پدر دختر کے لئے باعث مطعونی وبدنامی ہو، اور مہر مثل میں بھی کمی فاحش نہ کی جائے، تو لڑکیوں کی اجازت سے نانا کا ایسا کیا ہوا نکاح صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگا جس پر پدر دختران کو کوئی اعتراض نہیں پہنچتا، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ[2]۔	باکرہ بالغہ پر ولایت اجبار نہیں کیونکہ اس کے بالغ ہوجانے پر ولایت ختم ہوچکی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

اسی میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلا رضی ولی ولہ اذا کان عصبۃ الاعتراض فی غیر الکفو ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا[1]۔	آزاد عاقلہ بالغہ کا اپنا کیا ہوا نکاح ولی کی رضا کے بغیر بھی نافذ ہوگا، ولی اگر عصبہ ہو تو اس کو غیر کفو کی صورت میں اعتراض کا حق ہے اور غیر کفو میں نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا۔(ت)

اسی میں ہے:

لو نکحت باقل من مھرھا فللولی العصبۃ الاعتراض حتی یتم مھر مثلھا ویفرق القاضی بینھما دفعا للعار[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر لڑکی نے انتہائی کم مہر پر اپنا نکاح کیا تو ولی عصبہ کو حق اعتراض ہے حتی کہ مہر مثل پورا کریں، اور قاضی ولی کی عار کو ختم کرنے کے لئے نکاح کو فسخ کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷۰: از موضع ساندھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

والدِ ہندہ نابالغہ کے فوت ہونے پر ہندہ کے شرعی وارث موجود ہیں مگر ولی بننے سے انکار کرتے ہیں ہندہ کی ماں حقیقی جس نے اب عقد ثانی کرلیا ہے وہ یا اس کا شوہر ثانی ولی بن سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

ولی بننا نہ بننا اختیاری نہیں۔ جس کو شرع مطہر نے ولی کیا وہ ولی ہے اس کے انکار سے کچھ نہیں ہوتا، ہاں اگر صورت یہ ہے کہ کفو موجود ہے اور ولی بلاوجہ شرعی اس کے نکاح کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس انکار میں کفو کے فوت ہونے کا اندیشہ صحیح ہے تو جو ولی ابعد ہے اگرچہ ماں ہو اگرچہ نکاح کرچکی ہو وہ وہاں کے عالم دین سنی صحیح العقیدہ کے صوابدید سے نابالغ کا نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۱: از افضل گڑھ ضلع بجنور محلّہ قاضی سرائے مرسلہ راغب الدین صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے ہندہ سے نکاح کیا، ایک دختر پیدا ہوئی، جب عمر دختر کی تین سال کی ہوئی زید نے ہندہ کو طلاق دی، وہ دختر بھی ہندہ کے پاس رہی، بعد ختم ہونے عدت کے ہندہ نے اپنا نکاح بکر سے کیا، جب دختر کی عمر قریب نو سال کے ہوئی تب اس کا نکاح ہندہ نے اور بکر نے ایک سے کردیا وہ شخص بالکل اسلام سے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

واقف نہیں، نہ روزہ رمضان شریف نہ نماز کبھی ادا کرتا ہے، اب عمر دختر کی پندرہ سال ہے وہ پابند صوم وصلوٰۃ ہے اور کلام مجید اور دو چار کتاب مسائل کی جانتی ہے وہ اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی، اور ولی اصلی زندہ ہے اس نے اجازت نکاح نہیں دی، یہ نکاح عندالشرع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اتنے گول سوال کا کوئی جواب نہیں ہوسکتا، نکاح بکر وہندہ نے کیا، اس وقت لڑکی کی عمر نو برس کی تھی۔ معلوم ہونا چاہئے کہ بالغہ تھی یا نابالغہ، نو برس کی لڑکی بھی بالغہ ہوسکتی ہے، اس نکاح کی خبر زید کو کب پہنچی، اور اس نے اس وقت یا اس کے بعد کیا کہا، وہ لفظ لکھے جائیں، رخصت کس کے اختیار سے ہوئی، شوہر کے یہاں سے باپ کے یہاں بھی آنا جانا رہا یا نہیں۔ لڑکی اگر اس وقت نابالغہ تھی تو کب بالغہ ہوئی، اس کو کتنا زمانہ گزرا پھر وہ جو شوہر کے یہاں نہیں رہنا چاہتی یہ کتنے زمانہ سے ہے، اور یہ کراہت صرف قلب سے ہے یا زبان سے بھی کچھ کہا، کہا تو کیا لفظ کہے اور کب کہے، شوہر سے اس کے کوئی اولاد بھی ہوئی یا نہیں، ان سب باتوں کا مفصل جواب لکھنے پر حکم لکھا جاسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۲: از چھاؤنی ملتان مرسلہ کریم بخش صاحب خانساماں ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

حسین بخش خانساماں کی دختر کی شادی پیر بخش خانساماں از کوہ سپاٹو ضلع شملہ عرصہ گیارہ بارہ برس کا ہوا کہ جس وقت برخورداری کی نسبت پیر بخش خانساماں کے ساتھ بندوبست کیا گیا تھا تو اس وقت پیر بخش خانساماں کی پہلی زوجہ جو کہ شادی کی ہے سبب نہ اولاد ہونے کے دوسری شادی کا انتظام کیا دختر حسین بخش کے ساتھ، پیر بخش اقرار گھر دامادی کا کیا جو رجسٹر مسجد کوہ سپاٹو ضلع شملہ میں موجود ہے، اور پیش امام مسجد کے جنھوں نے نکاح پڑھایا تھا وہ بھی اسی وقت موجود ہیں، جس وقت نکاح وغیرہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے دن پیر بخش نے جھگڑنا شروع کیا کہ میری زوجہ میرے ہمراہ بھیج دو، لڑکی کے والدین نے پنچ کی رو سے انکار کیا کہ چند عرصہ تم ہمارے ہمراہ رہو جب تمھاری بی بی کی رضا تمھارے ساتھ جانے کی ہوجائے لے جاؤ، اس شخص نے اصرار کیا کہ میرے ہمراہ ابھی بھیج دو، یعنی شروع سے جھگڑا یہاں کئی ایک ماہ ان کا جھگڑا رہا، چند عرصہ کے بعد جو کہ زوجہ پیر بخش کا چھوٹا بھائی تھا اس نے فیصلہ کیا کہ پیر بخش کی زوجہ کو پیر بخش کے ہمراہ کردیا، بعد عرصہ کے لڑکی حمل سے ہوئی تو اپنی ماں کے پاس آئی، لڑکی پیدا ہوئی جو اس وقت تیرہ چودہ برس کی ہے، جس وقت لڑکی دو ماہ کی ہوئی تو زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ساتھ چلی گئی، بہ سبب نااتفاقی ان دونوں عورتوں میں جھگڑا رہا، چھ ماہ کے بعد زوجہ پیر بخش پھر اپنے والدین کے پاس آگئی پھر ان کا اتفاق کردیا گیا، پھر زوجہ پیر بخش اپنے خاوند کے ہمراہ چلی گئی، عرصہ تین ماہ بعد پھر واپس بھیج دی، پیر بخش کے پھر بعد کو لڑکا پیدا ہوا جو کہ عمر گیارہ بارہ برس کا ہے، نہ تو اس شخص

نے کھانا کپڑا دیا نہ اپنے بچوں کو لے گیا، چار دفعہ پنچایت میں فیصلہ ہوا کہ جو کچھ زر بچوں کی پرورش کرنے میں ہوا وہ ادا کردو اور اپنے بال بچوں کو لے جاؤ، مگر یہ شخص پنچوں میں بھی اقرار کرگیا وہ پورا نہ کیا نہ کیا نہ جواب دیا یعنی بہتیرا کچھ اس شخص کو سمجھایا گیا لیکن اس عرصہ گیارہ بارہ برس میں کوئی خیال نہ کیا، پچھلے سال اس لڑکی کے ماموں نے منگنی بھی کردی اس وقت بھی کوئی خیال نہ کیا بلکہ خود جا کر لڑکی کے ماموں نے کہا کہ یا تو تم لڑکی کی شادی کروا گر تم لڑکی کی شادی نہیں کرسکتے تو تم لادعوی ہو، کوئی جواب نہیں دیا، اب لڑکی کے ماموں نے چاہا کہ شادی کردی جائے، تو پیر بخش نے اپنے خسر کے نام نوٹس دی کہ تم لڑکی کی شادی نہ کرنا ورنہ ہم کچہری میں دعوی کریں گے آپ کی زیرباری ہوگی اس لڑکی کا ماموں ملتان گیا پیچھے نوٹس دی، اس گیارہ بارہ برس کے اندر ایک پیسہ اپنے بال بچوں کو نہیں دیا گواہ موجود ہیں، یہ فیصلہ آپ کے پاس بھیجا جاتا ہے کہ آپ شریعت کی رو سے فتوی عنایت فرمائیں۔

الجواب:

لڑکی بالغہ ہے یعنی اسے ماہواری عارضہ آتا ہے جب تو نکاح میں خود لڑکی کی اجازت کافی ہے، بشرطیکہ کسی غیر کفو سے نکاح نہ ہو، یعنی ایسے نہ ہو جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں اتنا کم ہو جس سے نکاح اس دختر کا پیر بخش کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اور اگر لڑکی نابالغہ ہے تو ضرور اس کے باپ کی اجازت درکار ہے بے اس کی اجازت کے اگر ماں یا ماموں یا کوئی نکاح کردے گا تو پیر بخش کی اجازت پر موقوف رہے گا، وہ جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا، ہاں اگر کفو کے ملتے ہوئے پیر بخش نکاح میں تاخیر کثیر کرے جس سے ضرر کا اندیشہ ہو نہ آپ نکاح کرے نہ دوسرے کو اجازت دے تو اس وقت پیر بخش سے اتر کر نابالغہ کا جو ولی ہوگا مثلاً دادا پھر سگا بھائی پھر سوتیلا پھر سگا بھتیجا پھر سوتیلا پھر سگا چچا پھر سوتیلا پھر سگے چچا کا بیٹا پھر سوتیلے کا، غرض دادا کی اولاد میں کوئی مرد عاقل بالغ کہ باپ کے بعد اس سے قریب تر کوئی نہ ہو اسے اختیار ہوگا کہ لڑکی کا نکاح کسی کفو بمعنی مذکور سے کردے اور اس وقت باپ کو اعتراض کا کوئی حق نہ ہوگا اگر دادا پردادا دور ونزدیک کی اولاد قریب وبعید میں کوئی ایسا مرد نہ ہو اس وقت ماں کو اختیار ملے گا، درمختار میں ہے:

ان لم تکن عصبة فالولایة للام [1]۔	اگر عصبات نہ ہوں تو ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

یثبت للابعد التزویج بعضل الاقرب	اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو نکاح دینے کا

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

ای بامتناعه عن التزویج اجماعا خلاصة [1]۔	بالاجماع اختیار ثابت ہے۔ خلاصہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بامتناعه عن التزویج من کفو بمهر المثل امالو امتنع عن غیر الکفو اولکون المهر اقل من مهر المثل فلیس بعاضل [2]۔	مہر مثل اور کفو میں اقرب کے نکاح نہ کرنے پر ابعد کو اختیار ہے ورنہ اگر اقرب کم مہر اور غیر کفو میں نکاح سے انکار کرے تو پھر اس کو مانع قرار دینا درست نہیں ہے۔ (ت)

یہاں ضرر سے مراد یہ ہے کہ کفو ملتا ہو اور اس کے ساتھ اس نابالغہ کا نکاح کسی وجہ سے خلاف مصلحت نہ ہو مہر مثل بھی پورا دینے کا کہتا ہو اور بلاوجہ باپ نہ مانے اور نکاح نہ کرے نہ کوئی دوسرا کفو موجود ہو جس سے وہ نکاح کرنا چاہتا ہو تو اس حالت میں اور جو اولیا ہم نے شمار کئے ان میں سے جو قریب تر ہو اس سنی دیندار عالم کی رائے سے جو وہاں سب سے زیادہ فقیہ ہو اس کفو موجود سے مہر مثل یا اس سے زائد پر نکاح کردے۔

وذٰلك لانهم اختلفوا فی المراد بالا بعد الذی یثبت له التزویج بعضل الاقرب فذهب فی شرح الوهبانیة ان المراد لابعد من اولیاء النسب وبه جزم فی البحر ونقله فی الدر ثم استدرك علیه بما فی القهستانی عن الغیاثی لو لم یزوج الاقرب زوج القاضی عند فوت الکفو [3] اھ قال ش ای خوف فوته [4] ثم نقل عن رسالة العلامة الشرنبلالی کشف المعضل فیمن عزل نصوصا وافرة متظافرة علی	یہ اس لئے کہ اس ابعد کے بارے جن کو اقرب کے انکار پر نکاح دینے کا جواز ہے میں فقہاء کا اختلاف ہے، تو وہبانیہ میں اس طرف رجحان ہے کہ ابعد اولیاء سے مراد نسبی اولیاء ہیں اور بحر میں اسی پر جزم کیا ہے، اور در میں اس کو نقل کیا اور پھر اس پر استدراک کرتے ہوئے قہستانی میں غیاثی کے حوالے سے کہا کہ اگر اقرب نکاح نہ کرے تو کفو کے فوت ہونے کی صورت میں قاضی نکاح کردے اھ شارح نے کہا کہ کفو کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو قاضی نکاح کردے، پھر انھوں نے علامہ شرنبلالی کے رسالہ کشف المعضل فیمن عزل

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۶

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۶

ان المراد بالابعد القاضی ولاقاضی ھٰھنا فقد تدارکنا بماذکرنا من جمیع النظرین، واللہ المستعان واللہ تعالٰی اعلم۔	سے بہت سی نصوص نقل کیں کہ ابعد سے مراد قاضی ہے اور یہاں قاضی نہیں ہے اس لئے ہم نے نقصان کاتدارک کرتے ہوئے مذکور اولیاء کو ذکر کیا ہے تاکہ دونوں مصلحتیں جمع ہوجائیں، اور اللہ تعالٰی سے ہی امداد طلب کی جاتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷۳: از موضع پکریا ڈاک خانہ بانکی ضلع ڈالٹن گنج مرسلہ سید منہاج الحق صاحب احراری ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ہندہ کے شوہر نے قضاء کیا اور عمرو سے بیوہ کا ناجائز تعلق ہوا، بعد خبر پانے کے بکر نے جو ہندہ کا چچا ہے بسا سرزنش گھر میں بند رکھا اور کچھ دنوں باہر نکلنے نہ دیا اور بزور اپنے لڑکے زید سے جس کی بی بی موجود ہے بے رضامندی جو بخوف ہلاکت ہندہ نے قبول کیا نکاح کردیا، وکیل نکاح واقعہ معلومہ نے بمقابلہ شاہدین اجہل جو چچازاد بھائی بیوہ کے ہیں بر ضامندی اجازت عقد نکاح چاہی، بخوف جان ہندہ نے قبول کیا اور اذن دیا، بعد دو چار ماہ کے موقع وقت پاکر عمرو کے یہاں چلی آئی اور ہنوز اس کے مکان میں موجود ہے۔ ہندہ سے بمقابلہ چند گواہاں پوچھا گیا حلفاً بیان کیا کہ ہم کو ہرگز ہرگز منظور نہ تھا جبر سے بکر وغیرہ کے جو دھمکی ہلاکت دیا تھا اقبال کیا بعدہ ہم دونوں کو یعنی ناکحین کو لوگوں نے ایک مکان میں بند کردیا، چنانچہ خلوت صحیحہ بھی اسی قاعدہ مسطورہ صدر سے ہوا پس صورت مستفسرہ میں امید وار جواب باصواب کا ہوں، ایسا نکاح جائز ہوسکتا ہے یا نہیں کیونکہ ہندہ نے اقرار زبانی کیا دِلی حالت کسی کو معلوم نہیں، صورت مذکورہ بالا میں طلاق کی بھی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ حسب بیان وخواہش ہندہ بغیر طلاق عمرو سے نکاح یا بعد طلاق وعدت؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر واقعی اکراہ ومجبوری کی صورت نہ تھی صرف دھمکی تھی اور اسے بھی صحیح طور پر اندیشہ جان نہ تھا جب تو وہ اذن صحیح ہوگیا اور اگر اس وقت واقعی اکراہ تھا اور شوہر کے پاس جانا بلااکراہ ہوا تو اگر پہلے نہ بھی تھی اب ہوگئی، ان دونوں صورتوں میں نکاح ہوگیا اور بغیر موت یا طلاق شوہر وانقضائے عدت دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا، اور جانا بھی باکراہ تھا اور جیسا کہ ہندہ کا بیان ہے خلوت بھی باکراہ ہوئی، تو یہ مسئلہ شدید الاشکال ہے کتابوں میں اس کا جزئیہ کہیں نہیں، علامہ خیرالدین رملی کی نظر حاشیہ بحرالرائق میں صحت توکیل کی طرف گئی اور حاشیہ منح الغفار میں عدم جواز کی طرف علامہ شامی نے کتاب الاکراہ میں اول کی طرف میل فرمایا اور آخر میں بھی لکھا کہ:

الحاصل ان المحل محتاج الی زیادۃ	حاصل یہ کہ یہ مقام زیادہ تحریر وتحقیق کا محتاج ہے

التحریر وھذا غایۃ ماوصل الیہ فھمنا القاصر. واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جہاں ہمارا قاصر فہم پہنچا وہ یہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

فقیر نے اس پر تعلیقات میں ان کی ابحاث سے جواب دئے اور تعلیقات کتاب الطلاق میں اولا وجوہ جواز لکھ کر انھیں رد کیا اور عدم جواز کی ترجیح بیان کی اور آخر میں یہی لکھا کہ:

بالجملۃ محل اشتباہ ولابد من تحریر فوق ذٰلک، و اللہ تعالٰی اعلم۔	غرض یہ کہ محل اشتباہ ہے تو اس کی صفائی کے لئے اس سے زائد تحقیق کی ضرورت ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ایسی شدید مشتبہ حالت میں بھی احتیاط یہی ہے کہ بلا طلاق و مرور عدت نکاح ثانی کی جرات نہ کی جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۴: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

نابالغ کے نکاح میں اس کے ولی سے ایجاب کے کرانے کی نوبت پہنچے گی تب تعین مہر بحیثیت ولی کے ہوگی پس بعد بلوغ اقبال سے وہ نابالغ مہر کے ناراض ہو اور نکاح کرے تو کیا حکم ہوگا، **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ ولی جس نے نابالغ کا نکاح کیا اس کا باپ نہ ہونے کی حالت میں دادا ہے ایسا جو اس سے پہلے کوئی نکاح اپنی ولایت سے مہر میں ایسے فرق کثیر پر یا غیر کفو سے نہ کرچکا ہو نہ اس نکاح کے وقت نشہ میں ہو جب تو نکاح صحیح اور مہر لازم ہوگیا، نابالغ کو کسی وقت کوئی حق اعتراض نہیں، اور اگر نکاح کرنے والا اَب وجَد کے سوا اور کوئی ولی ہے یا اب وجد ہیں اور اس وقت نشہ میں تھے یا اس سے پہلے بھی کوئی نکاح اپنی ولایت سے ایسا کرچکے تھے اور مہر مثل سے فرق کثیر ہے مثلا پسر کا نکاح ہے اور عورت کا مہر مثل دس ہزار تھا انھوں نے پندرہ ہزار بندھوایا یا دختر کا نکاح ہے اور مہر مثل دس ہزار تھا انھوں نے پانچ ہزار بندھوایا تو اس صورت میں نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت ہے، اور اگر فرق فاحش نہیں مثلا پسر کے نکاح میں دس ہزار کا گیارہ ہزار یا دختر کے نکاح میں دس ہزار کا نوہزار، تو نکاح ہوگیا، پھر اگر وہ ولی جس نے نکاح کیا غیر اب وجد ہے تو صغیر و صغیرہ کو خیار بلوغ ملے گا جو غیر اب وجد کے نکاح کرنے میں مطلقًا ملتا ہے اگرچہ مہر مثل میں کوئی کمی بیشی نہ ہوئی ہو، صغیرہ اگر بکر ہے تو بالغہ ہوتے ہی فورا یا اس کے بعد علم نکاح ہو تو علم پاتے ہی معًا اگر اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے گی تو دعوی کرکے قاضی سے فسخ کراسکے گی اور صغیرہ اگر ثیب ہے یا صغیرہ کا نکاح ہے تو انھیں بعد بلوغ مطلقًا اختیار اعتراض رہے گا جب تک صراحةً

اپنی رضاظاہر نہ کریں یا کوئی فعل ایسانہ کریں مثلا بوسہ وکنار جو رضاپر دلیل ہو، درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولوبغبن فاحش بنقص مهرها و زیادة مهر ہ اوبغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا اوجدا لم یعرف منهما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران وان کان المزوج غیرهما لایصح النکاح من غیر کفو اوبغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمهر المثل صح ولهما خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعده وبطل خیار البکر بالسکوت عالمة بالنکاح ولایمتد اٰخر المجلس وخیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلا صریح رضا اودلالة کقبلة ولمس ولابقیامها عن المجلس لان وقته العمر فیبقی حتی یوجد الرضا[1] اھ ملتقطا۔	اگر نکاح دینے والا باپ یا دادا ہو تو انتہائی کم یا زیادہ مہر یا غیر کفو میں نکاح لازم ہوجائے گا بشرطیکہ یہ باپ یا دادا سوء اختیار میں معروف نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں معروف ہوں تو کم مہر اور غیر کفو میں ان کا دیا ہوا نکاح بالاتفاق صحیح نہ ہوگا، اور ایسے ہی اگر وہ نشہ میں ہوں تو صحیح نہ ہوگا، اور باپ دادا کا غیر نکاح دے تو غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر اور غیر کفو میں نکاح بالکل صحیح نہ ہوگا، اور اگر انھوں نے مہر مثل اور کفو میں کیا ہو تو صحیح ہوگا لیکن نابالغ لڑکے اور لڑکی کو بالغ ہونے پر یا بلوغ کے بعد نکاح کے علم پر فسخ کا اختیار ہوگا، اور اگر لڑکی باکرہ بالغہ ہو تو غیر کے کئے ہوئے نکاح پر خاموشی سے اس کا خیار فسخ ختم ہوجائے گا بشرطیکہ اس کو اپنے نکاح کا علم ہو اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک یہ اختیار باقی نہ رہے گا، اور نابالغ لڑکے اور ثیبہ کا اختیار محض خاموشی پر ختم نہ ہوگا جب تک بالغ ہونے پر صراحةً اظہار رضامندی نہ کردیں، یا دلالةً مثلا بوس وکنار وغیرہ سے رضاظاہر نہ ہوجائے اور ان دونوں کے، اختیار والی مجلس سے اٹھ جانے سے بھی ان کا اختیار باطل نہ ہوگا، کیونکہ اظہار رضا کے لئے ان دونوں کو عمر بھر اختیار باقی رہتا ہے جب تک کہ راضی نہ ہوجائیں یا رد نہ کردیں اھ ملتقطا (ت)

فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا زوج الرجل ابنه بامرأة باکثر من مهر مثلها او زوج ابنته الصغیرة باقل من مهر مثلها اووضعها فی غیر کفو	جب کوئی شخص اپنے بیٹے کا مہر مثل سے زائد مہر پر یا نابالغہ لڑکی کا مہر مثل سے کم مہر پر یا غیر کفو میں نکاح دے یا نابالغ بیٹے کا نکاح لونڈی سے یا غیر کفو والی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳۔۱۹۲

او زوج ابنه الصغیر اَمَةً او امرأة لیست بکفوله جاز فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی وقال صاحباه رحمهما الله تعالٰی لایجوز ان فاحش واجمعوا علی انه لایجوز ذلك من غیر الاب والجد ولا من القاضی[1]۔	عورت سے کردے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق یہ نکاح جائز ہونگے۔اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر جائز ہوگا، جبکہ باپ دادا کے غیر حتی کہ قاضی کے دئے ہوئے یہ نکاح ناجائز ہونے پر اجماع ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لو زوج ولدہ من غیر کفو بان زوج ابنه امةً او ابنته عبدا اوزوج بغبن فاحش بان زوج البنت ونقص من مهرها اوزوج ابنه وزاد علی مهر امراته جاز عند ابی حنیفة تبیین وعندهما لاتجوز الزیادة والحط الابما یتغابن الناس فیه قال بعضهم فاما اصل النکاح فصحیح والاصح ان النکاح باطل عندهما کافی والخلاف فیما اذالم یعرف سوء الاختیار الاب اما اذا عرف فالنکاح باطل اجماعا وکذا اذا کان سکران السراج الوهاج[2] اهملخصا۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر اپنے بیٹے کا نکاح غیر کفو مثلا لونڈی سے یا نابالغہ بیٹی کا نکاح غلام سے کردیا، یا اس کا نکاح انتہائی کم مہر پر کردیا، یا بیٹے کا نکاح کرکے اس کی بیوی کا مہر زائد کردیا، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر جائز ہوگا، تبیین، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر اتنی زیادتی یا کمی پر نکاح کیا جو مروج کے مطابق نہ ہو تو یہ جائز نہیں ہے، بعض کے نزدیک صاحبین کے قول پر اصل نکاح صحیح ہوجاتا ہے، کافی، یہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ باپ سوء اختیار سے معروف نہ ہو اور اس میں مشہور ہو تو بالاجماع باطل ہے، اور یوں ہی اگر وہ نشہ میں ہو تو بھی باطل ہے، سراج الوہاج، اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷۵: از مندیاہو ضلع جونپور محلّہ قضیانہ مرسلہ حافظ کریم بخش صاحب ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۶ھ

زید نے قضا کی اس کا ایک حقیقی بھائی جو مدت دراز سے علیحدہ رہتا ہے اور مرحوم سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھتا تھا زندہ ہے، زید کی ایک لڑکی جواب قریب بلوغ ہے اور اس کی شادی برادری میں دس" رجب المرجب کو

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۴

ہونے والی ہے، اس لڑکی کی ایک سوتیلی ماں ہے جس نے اس کی پرورش کی اور شادی بھی کرتی ہے، زید کے حقیقی بھائی سے اس نے اس کی شادی کے متعلق مدد چاہی کہ تمام اہل برادری کے سامنے اس نے انکار کیا کہ میں نہ اس شادی میں شریک ہوں گا نہ مجھ سے کسی قسم کا واسطہ ہے جہاں چاہیں شادی کریں مجھ سے کوئی واسطہ نہیں، اس لئے سخت پریشانی ہے کہ اس کی بیوہ سوتیلی ماں نے کل انتظام شادی کا کرلیا ہے خدانخواستہ اگر وہ عین وقت مخل ہو تو اس کا سخت نقصان ہوگا گو امید نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے کیونکہ اس نے سب اہل برادری کے سامنے اپنی بے تعلّقی بیان کیا ہے مگر احتیاطًا ضرورت ہے کہ علماء کی بھی سند موجود ہو، لڑکی کا ولی اس کی بڑی بہن کا شوہر ہوسکتا ہے، اس کی بڑی بہن کا انتقال ہوچکا ہے اور دوسری بہن مع شوہر موجود ہے اور سوتیلی ماں کے چار لڑکے اس کے باپ کے نطفہ سے موجود ہیں جن میں سے دو کی عمر ۱۴، ۱۶ سال کی ہے اور ایک سوتیلی ماں ہے اور تمام اہل برادری ہیں ان میں اس کا ولی کون ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت میں اس نابالغہ کے نکاح کا ولی نہ اس کا حقیقی چچا ہوسکتا ہے نہ بہن نہ بہنوئی نہ ماں بلکہ لڑکی کا سوتیلا بھائی کہ سولہ سال کا ہے اس کے نکاح کا ولی ہے، اور دوسرا کہ چودہ سال کا ہے اگر وہ بالغ ہے تو وہ بھی ہے، درمختار وغیرہ میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث اوالحجب [1]۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہٖ وراثت اور مانع ہونے کی ترتیب پر ہوتے ہیں۔ (ت)

لہٰذا لڑکی کا نکاح کفو میں مہر مثل یا زائد پر جوان سوتیلے بھائی کی اجازت سے ہونا چاہئے، اگر ماں حقیقی بھی ہوتی تو اس کا کیا ہوا نکاح بھی اس بھائی کی اجازت پر موقوف رہتا، اور جبکہ اس کا بھائی کی اجازت سے ہو یا بعد نکاح قبل رد یہ اسے جائز کردے اور نکاح میں مہر مثل سے کمی فاحش نہ کی گئی ہو اور جس سے نکاح ہوا وہ کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ان بھائیوں کے لئے وجہ عار وبدنامی ہو تو وہ نکاح صحیح ہوجائے گا اور چچا اس میں کسی طرح خلل انداز نہیں ہوسکتا، ہاں لڑکی کو اختیار ہوگا کہ بالغہ ہوتے ہی اگر فورًا اس نکاح سے اپنی ناراضی ظاہر کرے تو دعوی کرکے فسخ کراسکے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۶، ۳۷۷: از بلگرام ضلع ہردوئی محلّہ میدان مرسلہ سید محمد تقی صاحب قادری ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی عمر چار پانچ سال کی تھی کہ اس کے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

ماں باپ نے قضا کی اور ہندہ کو اس کی حقیقی نانی نے پرورش کیا جبکہ ہندہ کی عمر آٹھ سال کی ہوئی تو اس کی حقیقی نانی نے ہندہ کا عقد اپنے دوسرے نواسے کے ساتھ کردیا، گو ہندہ کے بھائی حقیقی تھے مگر اس موقع پر موجود نہ تھے جبکہ اس کا عقد اس کی نانی نے کیا تھا، لہٰذا شادی ہونے کے بعد سے پانچ چھ برس کامل تک ہندہ کو نہ اس کے شوہر نے روٹی کپڑا دیا اور نہ اس کے ساس سسر نے، بدستور سابق ہندہ اپنی نانی کے پاس رہی اس نے اس کو روٹی کپڑا دیا جبکہ ہندہ کی عمر چودہ سال کچھ ماہ کی ہوئی اور اس کو پہلا ایام ہوا، اس وقت ہندہ مع اپنی نانی کے اپنے محلّہ کے ایک گھر میں آئی اور اس نے دو مرد اور تین عورتوں کے روبرو کہا کہ میری شادی میری نانی نے جس کے ساتھ کی تھی اس سے میں رضامند نہیں ہوں اور میں اس کے ساتھ اپنی عمر کسی طرح بسر نہیں کرسکتی ایسی حالت میں وہ نکاح ہندہ کا رہا یا ٹوٹ گیا؟

(۱) اس کے پانچ ماہ بعد ہندہ کا دوسرا نکاح ہندہ کی رضامندی سے دوسرے شخص کے ساتھ کردیا گیا جبکہ وہ بالغ ہوچکی تھی اس صورت میں یہ نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نہیں؟ اگر ہندہ کا پہلا شوہر عدالتی لڑائی فساد سے اپنی عورت کو لینا چاہے تو ان تمام امورات کو مدنظر رکھ کر ہندہ کو لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس سے ہندہ کا پہلا نکاح ہوا اگر وہ ہندہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم تھا کہ اس کے ساتھ ہندہ کا نکاح ہونا برادران ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

یفتی بعدم الصحۃ فی غیر الکفو لفساد الزمان[1] درمختار وغیرہ۔	فتوٰی یہ ہے کہ غیر کفو میں زمانہ کے فساد کی بناپر اصلاً نکاح نہ ہوگا درمختار وغیرہ (ت)

اور اگر ایسا نہ تھا وہ نکاح صحیح ومنعقد ہوگیا **لصدورہ من فضولی ولہ مجیز** (فضولی سے صادر اور اس کو جائز کرنے والا موجود ہونے کی وجہ سے۔ت) ہندہ اگر بالغ ہوتے ہی ناراضی ظاہر کرتی اس نکاح کو فسخ کراسکتی اب کہ دیر لگائی وہاں سے دوسری جگہ جاکر وہ الفاظ کہے اب نکاح لازم ہوگیا بے موت یا طلاق شوہر اول اس سے جدا نہیں ہوسکتی،

(۲) دوسرا نکاح جو کیا باطل محض ہے اس پر فرض ہے کہ فوراً اس سے جدا ہوجائے، درمختار میں ہے:

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

بطل خیار البکر بالسکوت مختارۃ عالمۃ بالنکاح ولایمتد الیٰ اٰخر المجلس [1] ۔واللہ تعالیٰ اعلم۔	باکرہ بالغہ کو جب علم ہوجائے تو خاموشی پر اس کا اختیار فسخ ختم ہوجاتا ہے اور خاموشی کے بعد مجلس کے اختتام تک باقی نہ رہے گا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷۸: از موضع سموال ڈاکخانہ سیگتر ریاست جموں ضلع میر پور ملک پنجاب براستہ جہلم مرسلہ حافظ مطیع اللہ صاحب ۱۸ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں مثلاً زید کی لڑکی نابالغہ کا بعد وفات زید لڑکی کی والدہ نے کسی جگہ ناتا یعنی ساک کردیا اور ان نے لڑکی مذکورہ کو کسی قدر زیور اور کپڑا دیا، اپنے زعم میں انھوں نے لڑکی اپنی منکوحہ سمجھ لی، بعد گزرنے دو تین سال کے والدہ لڑکی کے پاس گئے تاکہ شادی کردیوے، اس نے کہا مجھے فرصت نہیں، پھر چلے گئے، دوبارہ جس کے ذریعہ سے منگنی کی تھی بھیج کر سوال کیا، پھر والدہ لڑکی نے انکار کردیا، منگنی والوں نے کہا زیور وغیرہ واپس کردو ہم اس سے رہے، غرض وہ اپنے زیورات وغیرہ لے کر واپس چلے آئے اور دعوی ناتا چھوڑ دیا، اب لڑکی بالغ ہے اور اس کی والدہ مرگئی ہے دوبارہ ناتے والے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم نے ناتا نہیں چھوڑا اور نہ ہم نے زیور لیا وکیل نے لیا ہوگا، آیا بروقت منگنی نابالغ کا اس کی والدہ یا چچا یا برادر نے کردیا اس کو بموجب شریعت اختیار فسخ ہے بحکم **ولھما الخیار فی غیر الاب والجد** (نابالغ اور بالغہ کو غیر باپ دادا کے دئے ہوئے نکاح میں اختیار ہوتا ہے، ت) لیکن بروقت بلوغ قاضی کے نزدیک بیان دیوے اور قاضی حکم فسخ کرے، چونکہ اس ولایت میں کوئی قاضی نہیں تو کیا اس ملک میں اعلم علماء فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

محض منگنی کوئی چیز نہیں اور ان کا منکوحہ سمجھ لینا باطل ہے جبکہ ایجاب وقبول نہ ہوا ہو، اس صورت میں فسخ کی کیا حاجت کہ نکاح ہی نہ تھا جسے فسخ کیا جائے، ہاں اگر ایجاب وقبول ہوگیا تو بے شک صورت مذکورہ میں نابالغہ کو خیار فسخ ہے، اگر بالغہ ہوتے ہی فوراً اسی مجلس میں انکار واعتراض کرے تو دعوی فسخ کرسکتی ہے، اعلم وافقہ اہل بلد بحضور زوج فسخ کرے اور اس کی تنفیذ بذریعہ کچہری کرالے، اور اگر مجلس بلوغ میں سکوت کیا تو اب دعوی فسخ نہیں کرسکتی نکاح لازم ہوگیا جبکہ کفو سے ہوا ہو یعنی زوج زوجہ سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیاء کے لئے عرفاً باعث ننگ وعار ہو کہ اس صورت میں غیر اب وجد کا کیا ہوا نکاح باطل محض ہوتا ہے، جب سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت،

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

والمسائل کلھا مصرحۃ بھا فی عامۃ زبر المذھب کالدرالمختار وغیرہ ومسألۃ العالم فی الحدیقۃ الندیۃ عن فتاوی الامام العتابی وقد فصلنا الکل فی فتاوٰنا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام مسائل مذہب کی عام کتب میں تصریح شدہ ہیں جیسے درمختار وغیرہ۔اور عالم فقہیہ والامسئلہ حدیقہ ندیہ میں امام عتابی سے منقول ہے،ہم نے ان تمام کی تفصیل اپنے فتاوی میں ذکر کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷۹: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ حمید اللہ صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی کی عمر ۱۴سال کی ہے اور اس کے والد نے خط اپنی بیوی کے نام اس مضمون کا بھیجاہے کہ جس طرح چاہو کرو تمھیں اختیار ہے،ماں نکاح کرنا چاہتی ہے اور والد اس کے یہاں موجود نہیں ہیں عدم موجودگی میں والد کے نکاح ہوسکتاہے یانہیں؟

الجواب:

اگر ثالث ہو کہ خط اس کا ہے تو ماں کو اختیار ہے اگرلڑکی نابالغہ ہو اور بالغہ کی خود اپنی اجازت معتبر ہوتی ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۰: از کوٹیلی ڈاک خانہ خاص ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالعلیم شاہ صاحب ۱۵جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو تین شادی محل اولٰی (مرحوم) سے دولڑکے ایک لڑکی اور محل ثانی لاولد مرحوم، محل سوم (قائم) سے دولڑکے اور ایک لڑکی،زید نے محل اولی کی اولاد کو اپنی حیات میں علیحدہ کردیا،جوکہ زید کو بدر میاں اولاد محل اولٰی کے کوئی سروکار نہیں بلکہ سننے میں آتاہے کہ زید نے محل اولٰی والی اولاد کو عاق کیاتھااور زید محل سوم کے ساتھ مع اولاد کے رہتے تھے،زید نے اپنی حیات میں محل سوم کی لڑکی کی نسبت بکر کے لڑکے سے کی تھی یعنی نسبت شادی کی مقرر ہوئی تھی،چونکہ عمرلڑکی کی دس برس کی تھی بعد مقرر کرنے نسبت مذکور کے زید نے قضا کیا،بعد قضا کرنے زید کے ایک سال بعد مسماۃ محل سوم نے اپنی لڑکی کی شادی بولایت خاص بکر کے لڑکے کے ساتھ کردی،اس درمیان میں محل اولٰی والی اولاد سے جوکہ عاق شدہ ہے اس سے معاملہ حقداری کا ساتھ محل سوم مسماۃ کے تھا،بعد شادی ہونے تھوڑے زمانہ کے اور اٹھ جانے معاملہ کے محل اولٰی والی اولاد نے محل سوم والی مسماۃ کو اپنی رائے میں یعنی میل میں لے آئے،اب محل اولی والی اولاد کی جانب سے یہ کہا جاتاہے کہ عقد ناجائز ہوگا کیونکہ اس لڑکی کا وارث میں ہوسکتاہوں یعنی اس کا ولی میں ہوں گا بلکہ اس لڑکی کو اپنی سسرال سے لاکر اپنے گھر میں رکھ لیاہے اور دوسری شادی کرنے پر لڑکی آمادہ ہے آیا یہ عقد جوکہ مسماۃ محل سوم والی نے بولایت اپنے کیاہے کیا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

فی الواقع بھائی اگرچہ سوتیلا ہو اس کے ہوتے ماں کو ولایت نہیں، جو نکاح ماں نے کیا اور کسی جوان بھائی کا اذن نہ تھا، نہ بعد نکاح کسی جوان بھائی نے جائز کیا اسے جو جوان بھائی فسخ کرے فسخ ہو جائے گا، اور عاق کر دینا شرعا کوئی چیز نہیں، نہ اس سے ولایت زائل ہو، درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ولی ابعد ولی اقرب کی موجودگی میں نکاح کردے تو یہ نکاح اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۸۱: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ محمد ایوب حسن صاحب سلمہ، ولد قاضی محمد یوسف صاحب ۲۱ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ خاتون عرف بنو دختر راحت حسین مرحوم کا جس کی عمر اس وقت پندرہ برس چھ ماہ ہے اس کی ماں بساز اپنے بھائی اولاد حسین اور بھانجے قطب الحسن (قطب الحسن کو ہاجرہ کی بڑی بہن بیاہی ہے) جبکہ مکان پر کوئی شخص از ذکور موجود نہ تھا اپنی بہن کے لڑکے عزیز الحسن سے جو قطب الحسن مذکور سے چھوٹے ہیں بوکالت اپنے بھائی حقیقی اولاد حسین مذکور وبگواہی بندہ حسن جو قطب الحسن وعزیز الحسن مذکور کے عم زاد ہیں وبگواہی احمد حسین جو قطب الحسن کے قریبی رشتہ دار ہیں نکاح پڑھوا دیا، بیان ہاجرہ خاتون جو کہ بموجودگی ممتاز حسین وفرحت حسین وصولت حسین کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر بیان کیا میرے سامنے قبل نکاح کے واقع کے چند مرتبہ میری بہن زوجہ قطب الحسن نے عزیز الحسن سے میرا نکاح کئے جانے کا تذکرہ کیا مگر میں نے قطعی انکار کیا اور میرے اس انکار کی خبر قطب الحسن وعزیز الحسن اور ان کی والدہ اور میری ماں اور بہنوئی کو کماحقہ ہو چکی تھی اب بوقت نکاح جب مجھ سے اذن طلب کیا گیا میں بوجہ لحاظ شرم بآواز بلند اس مجمع میں انکار نہ کر سکی مگر انکاری سر ہلایا اور اُوں ہونھ جو انکار تھا کیا تھا میری آواز نکلتے ہی میری بہنوں اور خالہ وماں نے غل وشور مچا دیا کہ ہوگیا ہوگیا، میں عزیز الحسن کے ساتھ نکاح کئے جانے کہ نہ قبل اس واقعہ کے نہ اس وقت اور نہ اب رضامند ہوں مجھ پر خدا اور اس کے رسول کی پھٹکار ہو جو اس وقت ایک لفظ بھی غلط کہتی ہوں، بیان گواہ بندہ احسن جو تحریر کرالیا گیا ہے، بتاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۸ء بوقت ۵ بجے شام قطب الحسن مجھ کو قاضی ٹولہ بغرض نکاح عزیز الحسن کے لئے گئے وہاں پر جاکر مجھ کو معلوم ہوا کہ تم گواہ ہو کہ مسماۃ بنو

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

دختر راحت حسین کے گیا تھا وہاں جا کر مجھ کو گواہ بنایا گیا میں نے اندر جا کر اس کی والدہ سے دریافت کیا اس نے اقرار کیا اور اجازت نکاح کی دی پھر میں نے لڑکی سے اذن طلب کیا وہ پردہ میں تھی اندر سے اُوں کی آواز آئی پھر نکاح پڑھوادیا گیا فرحت حسین بوقت نکاح موجود نہ تھے، دستخط احمد حسین، وکیل صاحب مسمّٰی قاضی اولاد حسین علیل تھے اور اس کے بعد زیادہ علیل ہوگئے اور انتقال ہوگیا، کوئی بیان تحریری حاصل نہ ہوسکا، قاضی صاحب نے جنھوں نے کہ نکاح پڑھایا ہے مکان پر یا اس موقع پر قسم ذکور سے کسی کو نہ پاکر قطب الحسن سے کہا گیا کہ ایسا نکاح پڑھوا کر مجھ کو کسی مقدمہ میں ماخوذ تو نہ کراؤ گے جو کوئی مرد مکان پر موجود نہیں ہے جس کا جواب قطب الحسن نے یہ دیا کہ کسی مرد کی کچھ ضرورت نہیں ہے لڑکی خود بالغ ہے قاضی صاحب نے لڑکی سے ایجاب قبول کرادیا، اندر کا کچھ حال اس وقت قاضی صاحب کو گواہان اور وکیل صاحب کے بیانات سے طرح طرح کے شکوک عدم جواز نکاح کے پیدا ہوئے جس کی وجہ سے ضرورت فتوی لینے کی ہوئی، معروضہ احقر، اب وہ لوگ طرح طرح کے دباؤ رخصت کے ڈالتے ہیں اور لڑکی بالکل قطعی انکار کرتی ہے حتی کہ جان دینے پر آمادہ مگر وہاں رخصت کئے جانے کو منکر ہے، معاملہ مذکور بالا کو غور فرما کر حکم شرع شریف سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

اللہ واحد قہار عالم الغیب والشادہ ہے۔ یہ معاملہ حلال حرام اور وہ بھی خاص شرمگاہ کا ہے جس کی حرمت سخت اشد ہے، اگر واقع میں ہاجرہ بالغہ نے اذن دے دیا تھا اگرچہ دباؤ سے اگرچہ جبرًا تو نکاح صحیح ہوگیا اور اب اسے انکار کا کچھ اختیار نہیں اگر نہ مانے گی اور دوسری جگہ نکاح کرے گی تو زنا ہوگا زنا زنا، اور اگر واقع میں اس نے انکار کیا تھا اور اسے اذن بنا کر ہوگیا ہوگیا اڑایا تو حرام حرام سخت حرام ہے کہ اسے عزیز الحسن کی زوجہ سمجھا جائے پہلی صورت میں ہاجرہ اور دوسری میں عزیز الحسن وغیرہ اس کے ساعی مستحق لعنت الٰہی وعذاب شدید ہوں گے باقی جو شہادتیں مذکور ہوئیں ثبوت اذن کے لئے محض ناکافی ہیں ان کی بنا پر ہاجرہ کہ اذن سے منکر ہے مجبور نہیں کی جاسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۲: از پیلی بھیت محلّہ شیخ چاند متصل سرائے پختہ مرسلہ حافظ ولایت احمد صاحب ۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح چچا حقیقی کی ولایت سے جو اس کے علم میں نابالغہ تھی بعدم موجودگی ہندہ ومادر ہندہ زید نابالغ کے ساتھ بولایت دادا حقیقی زید عرصہ پانچ سال کا گزرا ہوا تھا، دوسال سے زید بالغ ہے اب رخصت کرانا چاہتا ہے تو مادر ہندہ سے معلوم ہوا کہ ہندہ وقت نکاح کے بالغہ تھی ماں ہندہ کی رخصت نہیں کرتی ہے اور کہتی ہے کہ نکاح صحیح نہیں اور مادر ہندہ کے بیان کی تصدیق کرلی گئی کہ صحیح ہے،

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ ہندہ بالغہ تھی اور اس سے اذن نہ لیا گیا اور چچا نے نابالغہ سمجھ کر بے اذن لئے خود پڑھا دیا تو یہ نکاح اجازت ہندہ پر موقوف رہا، اس پانچ برس کے عرصہ میں اگر اس نے اگرچہ اپنی ہم عمر لڑکیوں میں کوئی کلمہ اس کی اجازت کا کہا ہے جائز ہوگیا، رد کہا رد ہوگیا، اب تک کچھ نہیں کہا ہے تو اب اگر رد کردے گی رد ہوجائے گا، جائز کردے گی جائز ہوجائے گا، یہ خوب یاد رہے کہ اعتبار سب میں پہلی بار کا ہے، نکاح کی اطلاع کے بعد سب میں اول اگر کلمہ رد کہا ہے رد ہوگیا، اس کے بعد ہزار بار اجازت دے بیکار ہے، اور سب میں اول اگر کلمہ اجازت کہا ہے جائز ہوگیا، اس کے بعد لاکھ بار رد کردے بے اثر ہے، اللہ واحد قہار سے ڈرے، یہ معاملہ حلال حرام ونکاح وزنا کا ہے، جو بات واقعی ہو ظاہر کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۳ تا ۳۹۰: از قصبہ اوریا ضلع اوٹاوہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی عبدالحہ صاحب مدرس ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کی بیوی معہ بیٹی ہندہ کے اپنے والد کے گھر زید کی رضامندی سے گئی زید کا خسر جو چچا بھی ہوتا ہے اس نے اپنے خاندان کے لڑکے بکر کے ساتھ زید مذکور کی لڑکی ہندہ سے عقد کردیا بلااطلاع زید اور ہندہ ابھی نابالغ ہے، وہ عقد جائز ہوا یا نہیں، اس عقد کو کون اور کتنے عرصہ تک فسخ کرسکتا ہے؟

(۲) اگر ہندہ بالغ ہے اور وہ اپنے شوہر کے گھر پر رہی اور اس کے ہمراہ اپنے والد زید کے گھر آئی اور چندے قیام بکر یعنی ہندہ کے شوہر کا رہا، اس کے بعد وہ ملازمت پر چلا گیا، اس صورت میں یہ عقد درست ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ بالغ ہے۔

(۳) زید کے جائے قیام سے زید کی سسرال فاصلہ پر ہے جہاں پر ہندہ کا عقد بکر کے ساتھ ہوا تھا، جس وقت زید کے ملنے والوں نے زید سے یہ سوال کیا کہ تم یہاں پر موجود رہے اور وہاں پر عقد بلااجازت جبکہ ہندہ نابالغ تسلیم کیا جاوے کیونکر ہوا، اس وقت زید مذکور نے یہ جواب دیا کہ ہم اجازت دے آئے تھے کہ آپ عقد کردیں اور ہم کو صرف اطلاع دیں تاکہ ہم اس خوشی میں میلاد شریف کریں، ایسی صورت میں اجازت صحیح ہوئی یا نہیں اور عقد جائز ہوا یا نہیں؟

(۴) کچھ واقعات ایسے ہیں جس سے زید کی رضامندی کا پتا چلتا ہے مثلاً زید کے مکان پر تنہا آیا بکر شوہر ہندہ کا اور قیام کیا اور زید اس کو یعنی داماد کو اکثر مجالس وبازار میں ہمراہ لے گیا، دریافت کرنے پر بھی کہا کہ یہ داماد ہے، اس کے چند یوم کے بعد وہ داماد اپنی ملازمت پر چلا گیا جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہوا اسی قدر عرصہ عقد کو، جس وقت وہ ملازمت پر گیا تھا اول تو خط کتابت کی بھی رہی سنا گیا ہے، اب زید کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ نہیں

معلوم کہاں پر ہے، نہ خط آتا ہے اور نہ کچھ خرچ کی خبر لیتا ہے، اول تو ہم کو یعنی زید کو اس لڑکے بکر کے ساتھ عقد اپنی لڑکی ہندہ کا منظور نہیں تھا، خیر اگر ہو بھی گیا تھا تو جبرًا قہرًا منظور کیا، اب تک اس کا راستہ دیکھا یعنی داماد کا، جس کو عرصہ ۴ یا ۵ سال کا ہوگیا، ان واقعات سے یہ عقد صحیح ہوا یا نہیں جبکہ ہندہ نابالغ تھی،

(۵) بعض کا یہ قیاس ہے کہ ہندہ اس وقت بالغ تھی جب عقد ہوا، اور یہ واقعات جو اوپر مذکور ہیں زید یعنی ہندہ کا جائز ولی باپ کے ساتھ پیش آئے وہ عقد جائز ہوا یا نہیں؟

(۶) اب زید کی نیت میں خلل آیا اور وہ اب نمبر ۳ کے مضمون سے انکار کرتا ہے کہ میں نے ہرگز نہیں کہا کہ اجازت دے دی تھی لیکن نمبر ۴ کے مضمون سے نہیں انکار کرسکتا کیونکہ چشم دید واقعات ہیں، نمبر ا کی عبارت کو تسلیم کرکے سنا گیا ہے کہ فتوی منگایا مگر کسی کو دکھلایا نہیں ہے، کہ اس میں کیا سوال کیا ہے محض اس بناء پر کہ وہ جائز ولی نہیں تھے میں ولی جائز ہوں مجھ کو اختیار ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ۵ سال تک تو خاموش رہا زید، اور نمبر ۴ کے واقعات اس داماد بکر کے ساتھ پیش آئے، کیا ایسی حالت میں یہ عقد اب ۵ سال کے بعد فسخ ہوسکتا تھا یا نہیں اور عقد ثانی ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا یہ حرام ہے اور اولاد بھی حرامی ہوگی؟

(۷) ہم لوگ زید کے ساتھ ربط ضبط رکھیں یا نہیں؟ اگر میل جول قائم رکھیں تو گنہگار ہوں گے یا نہیں جبکہ اس نے شرع کے خلاف کیا؟

(۸) بعد میں تحقیقات سے یہ معلوم ہوا کہ ہندہ کی رخصت نہیں ہوئی اور نہ وہ اپنے شوہر کے گھر گئی اور نہ اس کے ہمراہ شوہر مذکور آیا لیکن شوہر ہندہ کا مکان پر زید کے آیا اور قیام کیا اور زید مذکور نے اپنے ملنے والوں سے کہا یہ داماد ہے اور سب کو دکھلایا، نمبر ۳ کو اس معاملہ سے علیحدہ تصور کرکے بقیہ کل نمبروں کا جواب دیجئے اور نمبر ۲ کا جواب بھی علیحدہ سے دیجئے دوسرا واقعہ خیال فرماکر۔

الجواب:

(ا) جبکہ ہندہ نابالغہ ہے یہ نکاح اجازت زید پر موقوف رہا، اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا، زید اگر سکوت محض کرے کوئی قول یا فعل ایسا نہ کرے جس سے اس نکاح کا جائز یا رد کرنا ثابت ہو یہاں تک کہ ہندہ بالغہ ہوجائے تو اس وقت اس کا رد یا جائز کرنا خود ہندہ کے اختیار ہوجائے گا۔

(۲) درست ہوگیا اگر بکر ہندہ کا کفو ہو یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہ ہو کہ ہندہ کا

اس سے نکاح زید پر ہندہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو۔
(۳) اجازت صحیح ہے عقد جائز ہوگیا۔
(۴) جبکہ ہندہ نابالغہ تھی اور باپ نے اسے منظور کیا اور بکر کو اپنا داماد کہا نکاح نافذ ہوگیا۔
(۵) ہندہ اگر بالغہ تھی اور نکاح اس کے اذن سے ہوا یا بعد نکاح اس نے قولا یا فعلا جائز کردیا مثلا بغیر رد کے بخوشی رخصت ہو کر گئی تو نکاح نافذ ہوگیا، جبکہ بکر ہندہ کا کفو ہوا، اور اگر ہندہ سے کوئی قول وفعل اجازت کا اب تک صادر نہ ہوا تو نافذ نہ ہوا اگرچہ اس کے باپ سے کچھ واقعات پیش آئے ہوں۔
(۶) اگر ہندہ نابالغہ تھی اور نمبر ۴ کا مضمون ثابت ہو تو وہ نکاح تام ولازم ہوگیا، زید کو کوئی اختیار اس کے فسخ کا نہ رہا، یہ نکاح ثانی باطل ہوا، اس میں قربت حرام ہوگی اور اولاد ولد الحرام، اور اگر ہندہ بالغہ تھی اور وہ کسی قول یا فعل سے نافذ کرچکی تھی جب بھی وہی جواب بکر ہندہ کا کفو ہو اور اگر نافذ نہ کرچکی تھی اور رد کر کے نکاح ثانی کیا تو حرج نہیں اگرچہ بکر اس کا کفو ہو اور اگر ہندہ نے نافذ کیا لیکن بکر اس کا کفو نہ تھا تو نکاح صحیح نہ ہوا اگرچہ بعد کو زید بھی راضی ہو لان شرط صحتہ رضا الولی قبل النکاح صریحا مع العلم بانہ غیر کفو کما اوضحہ فی ردالمحتار (کیونکہ اس کی صحت کے لئے نکاح سے قبل اس بات کا علم ہوتے ہوئے صراحۃً ولی کی رضامندی شرط ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں ہوگا جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی ہے۔ت) اس صورت میں اس غیر صحیح نکاح کو چھوڑ کر اگر نکاح ثانی کرلیا حرج نہ ہوا اور یہی نکاح ثانی صحیح ہوا اگر شرائط کا جامع ہو اور اولاد ولد الحلال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔
(۷) اوپر کے جوابوں سے معلوم ہوا کہ زید کس صورت میں گنہگار ہے اور کس میں نہیں۔ اگر صورت وہ ثابت ہو جس میں اس نے ایسے حرام کا ارتکاب کیا تو اس سے میل جول ترک کرنے میں گناہ نہیں بلکہ مناسب ہے اور نہ ترک کریں اور گناہ کو گناہ جانیں اور اس کے سبب اسے برا سمجھیں جب بھی حرج نہیں، ہاں جو سمجھے کہ میرے ترک کے سبب زید کو توبہ کرنی ہوگی وہ ضرور ترک کرے۔
(۸) صورت واقعہ میں استفتاء کا یہ طریقہ نہیں ہوتا بات پوری تحقیق شدہ پر فتوی لینا چاہئے بہر حال جواب ہر نمبر کا ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۱: از شہر سلطان پور محلّہ پرتاب گنج مرسلہ حافظ عبدالغنی وعبدالحمید صاحبان ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے خالد کے ساتھ اپنے کفو میں اور مہر میں بلحاظ اپنے کفو کے کردیا، اور زید نے کئی مرتبہ ہندہ کو رخصت بھی کیا اور بکر نے زید سے اقرار بھی لے لیا تھا کہ اگر ہندہ بالغہ ہے تب میں اس کا نکاح اپنے لڑکے خالد سے کردوں گا ورنہ نہیں۔ لہٰذا زید نے اقرار کیا

کہ میرا نکاح حالت نابالغی میں ہوا تھا اب میں حد بلوغ اور خود مختاری کو پہنچ گئی ہوں مجھ کو والدین کے کئے ہوئے نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو حق فسخ حاصل ہے یا نہیں اور اس کے فسخ کرنے سے یہ نکاح جو باپ نے کیا ہے فسخ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

ہندہ کو اصلاً نکاح مذکور کے فسخ کا اختیار نہیں، نہ اس پر کچھ اعتراض کرسکتی ہے، اگر وہ نابالغہ ہی تھی جیسا کہ اس کا بیان ہے، تو باپ کے کئے ہوئے نکاح پر نابالغہ بعد بلوغ معترض نہیں ہوسکتی۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او بغیر کفو ان کان الولی المزوج ابا او جدا لم یعرف منهما سوء الاختیار [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نکاح دینے والے باپ دادا ہوں اور وہ سوءِ اختیار سے معروف نہ ہوں تو انتہائی کم مہر اور غیر کفو میں نابالغہ کا نکاح لازم ہوجاتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۹۲: از پیلی بھیت مرسلہ واحد اللہ صاحب ۲۷ ذی قعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید شدت مرض میں تھا اس حالت میں اس کے حقیقی بھائی نے اس سے اس کی کم سن لڑکی کا نکاح اپنے لڑکے کے ساتھ کرنے کی اجازت لے لی اور نکاح کردیا، زید تین روز کے بعد انتقال کرگیا، اب لڑکی کی عمر سات برس کی اور لڑکے کی چوبیس سال برس کی ہے تو یہ نکاح ہوگیا یا نہیں؟ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکا لڑکی کا کفو نہیں کہ وہ ذلیل عورت کی نسل سے ہے۔ لڑکی کے باپ کا بھی انتقال ہوگیا۔

الجواب:

شدت مرض صحت اجازت کو مانع نہیں،

هذا القدر ماذکره السائل فتجیب علیه ولانزید مایکون تعلیما۔	یہ سائل کے ذکر کردہ پر ہم جواب دے رہے ہیں، اور تعلیم کے طور پر ہم زیادہ بات نہیں کرتے۔ (ت)

ماں کا غیر کفو ہونا اولاد کو غیر کفو نہیں کردیتا کہ نسب باپ سے ہے نہ کہ ماں سے قال اللہ تعالٰی: وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ [2]

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۳

(اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا ہے۔ت) اور بالفرض کفاءت نہ بھی ہو تو باپ ایک بار غیر کفو سے بھی نکاح کر سکتا ہے لہذا صورت مستفسرہ میں وہ نکاح صحیح ولازم ہوگیا جس کے فسخ کا کسی کو بھی اختیار نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۳: از ریاست رامپور محلّہ زینہ عنایت خاں مدرسہ عزیزیہ مرسلہ محمد سفیر الرحمان صاحب بنگالی ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ ایک لڑکی بالغہ اور سن بھی چودہ برس کا ہے، اس کے باپ نے جس لڑکے کے ساتھ اس کی شادی مقرر کردی ہے وہ ہونے والا شوہر نہ کہ باپ کے ذکر کرنے سے بلکہ اور کسی طریقہ سے لڑکی کو معلوم ہے کہ میری شادی اس شخص کے ساتھ مقرر کرادی ہے اور وہ دوسرے شہر میں رہتا ہے، جب باپ عقد پڑھانے کو لڑکی کے مکان کو چلا، نہ اس وقت لڑکی سے اجازت لی اور نہ کچھ کہا بلکہ ویسے ہی وہاں جاکر مجلس میں کہہ دیا میں نے اپنی لڑکی تمھارے نکاح میں دے دی، یہ نکاح نافذ ہوا یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بالغہ نے پہلے اجازت نہ دی تھی نکاح اس کی اجازت پر موقوف رہا، جائز کردے گی جائز ہوجائیگا جبکہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، رد کردے گی باطل ہوجائے گا اگرچہ کوئی مانع شرعی نہ ہو، درمختار میں ہے:

لاتجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بالغہ باکرہ لڑکی کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اب اس پر کسی کی کوئی ولایت نہ رہی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۹۴: ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا جمال الدین شاہ مرحوم ایک درویش شخص تھا چنانچہ اس نے اپنی عمر زہد وعزلت میں ایک جگہ میں بسر کردی اور زید کا باپ فرید الدین مرحوم ایک متورع اور عالم شخص تھا اور زید خود بھی بحمدہٖ تعالٰی ایک متقی اور عالم اور صوفی اہل وعیال کے تین چار برس کے نفقے کا مالک شخص ہے اور مکان مملوک رکھتا ہے، اور زید کی بیوی ہندہ ایک پابند صوم وصلوٰۃ اور تالیہ قرآن پاک اور قاریہ اور اد و وظائف عورت ہے، اور زید کی لڑکی زینب بھی ایک صوم وصلوٰۃ کی شائق اور اوراد ووظائف کی جانب

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

راغب اور کذب وغیرہ امور نامشروع سے محترز بہت نیک اور سیدھی لڑکی ہے، اسی وجہ سے زید باوجود زینب کی نسبتیں متعدد جگہ سے آنے کے زینب کے بلوغ کے بھی سات آٹھ بلکہ اور زیادہ سال بعد تک کسی شریف عالم متقی شخص کی تلاش میں تھا اور ان نسبتوں کو بوجہ ان میں سے کسی کے موافق مرضی نہ ہونے کے منظور نہیں کیا تھا کہ یکایک عمرو (کہ جس کی بابت چار پانچ سال پیشتر خالد نے اس کا بہت متقی ہونا ظاہر کیا تھا چنانچہ کہا تھا کہ میں نے ایک حلقہ مسمّٰی حلقہ حبیب جاری کر رکھا ہے جس میں ایک خاص طریقے سے درود شریف پڑھا جاتا ہے اس کا عمرو سر حلقہ ہے) آگیا اور اس نے زید وہندہ کو یہ دھوکا دے کر کہ میں اخبار شائع کرتا ہوں اس میں دو سو روپیہ ماہوار نفع ہے اس میں سے پچاس روپیہ ماہوار اپنی والدہ کو ان کے خرچ کے لئے دیتا ہوں، حالانکہ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ جس مقام میں اخبار شائع کرتا تھا وہاں کئی سو روپیہ کا قرضدار تھا اور کرایہ ریل تک پاس نہ تھا دوسرے شخص کے کرایہ سے زید کے شہر تک آیا تھا اور اپنی والدہ کو ایک حبہ بھی ماہوار نہ دیتا تھا، اور اب جو زید کے شہر سے اپنے وطن میں جاکے رہا ہے کسی طرح کچھ نہیں کماتا کمال عسرت میں ہے ایک مہینہ تو کیسا ایک ہفتہ کی بھی قوت کا مالک نہیں اور نیز یہ فریب دے کر کہ میرے رہنے کی موروثی پختہ حویلی ہے حالانکہ کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، اور وہ کرایہ بھی اس کی والدہ اپنی محنت مزدوری سے ادا کرتی ہے اور نیز یہ فریب دے کر کہ میں عالم ہوں میں نے حدیث شریف کی سند فلاں عالم سے حاصل کی حالانکہ یہ بالکل غلط کہ فارسی عربی کی ابتدائی کتابوں کی بھی لیاقت نہیں رکھتا اور نیز اپنے تقوی و ورع کا فریب دے کر کہ میں مشائخ وقت میں سے فلاں کا خلیفہ طریقت ہوں حالانکہ نماز پنجگانہ کا بھی پابند نہیں بلکہ لونڈے بازی وغیرہ امور شنیعہ کا عادی اور اشد فاسق ہے چنانچہ عقد کے پانچویں روز شب کے وقت ایک لونڈے سے پکڑا گیا پس اس کی صبح ہی کو جو گیا تو آج عرصہ قریب ڈیڑھ سال کے ہوتا ہے نہ ایک پیسہ خرچ بھیجا اور ایک ہفتہ کے وعدہ پر ما/ص ۱۵۰ روپیہ قرض لے گیا تھا نہ ایک پائی اس کا دیا، زید کی لڑکی زینب بالغہ کے ساتھ عقد کرلیا، پس عقد کے بعد جب سے حالات معلوم ہوئے، تب سے زینب اور زید اور ہندہ عمرو سے سخت متنفر ہیں اور زینب اس کے یہاں جانا اور زید وہندہ اس کے یہاں جانے دینا ہرگز منظور نہیں کرتے تو یہ ظاہر ہے کہ عمرو مالاً اور دیانۃً زینب کا کفو ہرگز نہیں، اور درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی [1]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

پس دریافت طلب یہ بات ہے کہ صورت مرقومہ میں عام اس سے کہ خلوت صحیحہ ہوئی یا نہ ہوئی ہو، درمختار کی اس عبارت کے بموجب بطلان نکاح کا حکم دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس عبارت کے بموجب حکم بطلان نہیں دیا جاسکتا تو کسی اور عبارت کے مطابق زینب اور اس کے اولیاء کو حق فسخ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو فسخ کی کیا صورت ہے؟

الجواب:

نکاح مذکورہ اصلامحتاج فسخ نہیں، فسخ تو وہ ہو جو منعقد ہوا ہو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں، باطل محض ہے، ظاہر ہے کہ زینب عاقلہ بالغہ ہے اس کا نکاح بے اس کے اذن کے نفاذ نہیں پاسکتا **لانقطاع الولایة بالبلوغ**[1] درمختار (بالغ ہو جانے کی وجہ سے اس پر ولایت منقطع ہو جانے پر، درمختار۔ت) اگر یہ نکاح بے اس کی اجازت کے ہوا اور اس نے خبر پا کر رد کر دیا تو اگر کفو ہو تاجب بھی رد و باطل ہو جاتا **لانہ نکاح فضولی** (کیونکہ یہ نکاح فضولی ہے۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکر اکانت اوثیبا فان فعل ذلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازته جاز وان ردته بطل، کذا فی السراج الوهاج[2]۔	عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف کسی کا نکاح کرنا صحیح نہیں۔ یہ باپ ہو یا حاکم اور اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ نکاح عاقلہ کی اجازت پر موقوف ہوگا اس کی مرضی ہے کہ جائز کرے تو جائز ہوگا اگر رد کردے تو باطل ہو جائے گا۔ سراج الوہاج میں یونہی ہے۔(ت)

اور اگر اس کے اذن سے ہوا تو خود زینب کا کیا ہوا ہے کہ غیر کفو سے کیا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

تزویجه لها باذنها کتزویجها بنفسها وهی مسئلة من نکحت غیر کفو[3]۔	بالغہ کی اجازت سے نکاح ایسا ہے جیساکہ اس نے خود کیا ہو، یہ مسئلہ غیر کفو میں اس کے نکاح کرنے کا ہے۔(ت)

اور اگر بلااذن کیا تھا اس نے بعد کو اجازت دی جائز رکھا تو اب بھی زینب ہی کا کیا ہوا ہے۔

فان الاجازة اللاحقة کالوکالة السابقة[4] خیریة و غیرهما عامة الکتب۔	بعد کی اجازت ایسے ہی ہے جیسے پہلے اجازت دے رکھی ہو، خیریہ وغیرہ کتب۔(ت)

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[3] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفہ بیروت ۱/۲۵

[4] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفہ بیروت ۱/۲۵

بہر حال یہ وہ نکاح ہے کہ زن عاقلہ بالغہ نے غیر کفو سے کیا کہ فاسق ہر گز صالحہ بنت صالح کا کفو نہیں۔ در مختار میں ہے:

لیس فاسق کفو الصالحۃ اوفاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولا علی الظاھر نہر[1]۔	فاسق صالحہ لڑکی ایسی فاسقہ جو صالح کی بیٹی ہو کا کفو نہیں ہے، وہ فاسق اعلانیہ فسق کرتا ہو یا مخفی طور پر ظاہر روایت پر یہی حکم ہے، نہر۔ (ت)

عامہ شروح میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا لبنت الصالحین[2]۔	فاسق نیک لوگوں کی بیٹی کا کفو نہیں۔ (ت)

متن مجمع میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا للصالحۃ[3]۔	فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے۔ (ت)

فتاوی امام فقیہ النفس میں ہے:

قال بعض المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی الفاسق لایکون کفوا لبنت الصالحین معلنا کان اولم یکن وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل[4]۔	بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا: فاسق معلن ہو یا غیر معلن وہ صالحین کی بیٹی کا کفو نہیں ہے، یہی امام شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل کا مختار ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایکون الفاسق کفوا لبنت الصالحین[5]۔	فاسق صالحین کی بیٹی کے لئے کفو نہیں ہے۔ (ت)

نیز ایسا معسر کہ نہ روزانہ کماتا ہو نہ ایک مہینے کے اپنے ہی قوت کا مالک ہو نفقہ درکنار کفو نہیں ہو سکتا اگرچہ عورت بھی فقیرہ ہو، در مختار میں ہے:

تعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی	کفو میں جس چیز کا عرب و عجم میں اعتبار کیا جاتا ہے وہ دیانت

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

[3] ردالمحتار بحوالہ المجمع باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

[4] فتاوی قاضی خاں فصل فی الکفاءۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۱

[5] ردالمحتار بحوالہ خانیۃ باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۰

ومالابان یقدر علی المعجل ونفقة شھر لوغیر محترف[1]۔	یعنی تقوی، اور مال جس سے مہر معجّل اور ایک ماہ کا نفقہ دینے پر قادر ہو اگر کاریگر نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل مالوکانت فقیرة بنت فقراء کما صرح بہ فی الواقعات معللا بان المھر والنفقة علیہ فیعتبرھذا الوصف فی حقہ[2]۔	یہ فقیر کی بیٹی کو شامل ہے، جیساکہ واقعات میں تصریح کی گئی ہے کہ وجہ یہ ہے کہ مہر اور نفقہ خاوند پر ہی ہوتا ہے لہٰذا اس کا مالدار ہونا معتبر ہوگا۔ (ت)

اور بالغہ کہ اپنا نکاح غیر کفو سے کرے باطل محض ہے جبکہ ولی رکھتی ہو مگر اس صورت میں کہ ولی نے پیش از نکاح اسے غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دے دی ہو، ان میں تین شرطوں سے ایک بھی کم ہوگی نکاح اصلا نہ ہوگا، درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا فلا تحل مطلقة ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفة ایاہ فلیحفظ[3]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا، لہٰذا تین طلاق والی نے اگر اپنے ولی کی مرضی کے خلاف غیر کفو میں نکاح کیا جبکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کو محفوظ کرو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یصدق بنفی الرضا بعد المعرفة وبعدمھا وبوجود الرضا مع عدم المعرفة ففی ھذہ الصور الثلاث لاتحل وانما تحل فی الرابعة وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلك[4] اھ۔	ولی اگر کہے کہ معلوم ہونے پر میں راضی نہ ہوا یا مجھے معلوم نہ ہوا، یا معلوم ہونے کی وجہ سے میں راضی ہوا تھا تو ان تینوں صورتوں میں ولی کی تصدیق کی جائے گی اور وہ مطلقہ ثلاثہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، ہاں چوتھی صورت میں حلال ہوجائے گی وہ یہ کہ ولی کہے کہ غیر کفو کا علم ہونے کے باوجود میں راضی ہوں اھ ح۔ (ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۱

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اسی میں ہے:

لابد حینئذ لصحه العقد من رضاہ صریحا وعلیه فلو سکت قبله ثم رضی بعده لایفید فلیتأمل [1] اھ وکتبت علیه جزم به فی الخیریة تبعاللبحر والوجه فی ماسنذکرہ [2] الخ۔	اس لئے اس عقد کی صحت کے لئے ولی کا صراحۃً اظہار رضامندی کرنا ضروری ہے اور اسی بناپر اگر پہلے وہ خاموش رہااور بعد میں راضی ہوا تو نکاح کے بعد کی رضا معتبر نہیں ہے، غور چاہئے اھ، اس پر میں نے حاشیہ لکھا، خیریہ میں اس پر جزم بحر کی اتباع میں کیا ہے اور وجہ وہی ہے جو ہم ذکر کریں گے الخ۔ (ت)

یہاں رضائے ولی غیر کفو جان کر نہ تھی بلکہ کفو سمجھ کر لہذا اصلا معتبر نہیں۔ شرط انعقاد نہ پائی گئی اور نکاح بالکل محض ہوا، زینب پر فرض ہے کہ اس سے فوراجدا ہو جائے، اگرچہ خلوت ہو چکی ہو اور زید وہندہ پر حرام ہے کہ اسے عمرو کے یہاں بھیجیں کہ وہ نرا اجنبی بلکہ اس سے بدتر ہے **نسأل اللہ العفو والعافیة** (اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۵: از کلکتہ بھوانی پور ڈاکخانہ بھوانی پور رسہ روڈ نمبر ۱۰۹ مرسلہ شیخ حاجی نادر علی صاحب بقر قصاب ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی شادی چھ مہینے کی عمر میں ہوئی اور لڑکے کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی تب دونوں کی شادی ہو گئی اور اب لڑکی کی عمر اس وقت چودہ برس کی ہے اور لڑکا یا لڑکے کا کوئی وارث ابھی تک کسی طرح لڑکی کی خبر نہیں لینے گئے اور لڑکی خدا کے فضل سے تین قسم کے علم سے بھی واقف اچھی طرح سے ہے اور لڑکا بالکل جاہل ہے کچھ علم سے تعلق نہیں، اور نہ لڑکے کی طرف سے کوئی شخص لڑکی کا پرسان حال ہوا انہی سب وجوہات سے اب لڑکی کہتی ہے کہ ہم اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کریں گے، لڑکی اول شوہر کو طلاق دے کر نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور طلاق اس پر واجب ہو گی یا نہیں؟ اس مسئلے کو حضور ارشاد فرمائیں تاکہ لڑکی اگر نکاح ثانی کرے اور لڑکے کی طرف سے کوئی کارروائی مقدمہ وغیرہ کا کرے تو ہم کو اس مسئلہ کو پیش کرنا ہوگا خوب کوشش کرکے بلکہ جو فرماویں خرچ وغیرہ کے لئے تو غلام خدمت کے لئے حاضر ہے۔

الجواب:

یہاں فتوی پر کوئی خرچ نہیں لیا جاتا نہ اس کو اپنے حق میں روا رکھا جاتا ہے، طلاق دینا عورت کے

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[2] جد الممتار حاشیہ ردالمحتار باب الولی حاشیہ ۰ المجمع الاسلامی مبارکپور ۲/ ۳۴۵

اختیار نہیں، نہ وہ شوہر کو طلاق دے سکتی ہے نہ اس کے دئے طلاق پڑ سکتی ہے، قرآن عظیم میں فرمایا: **بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ**[1] (اسی (خاوند) کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) حدیث شریف میں ہے: **الطلاق لمن اخذ الساق**[2] (یہ جماع سے کنایہ ہے یعنی طلاق وہی دے سکتا ہے جو جماع کا مالک ہے۔ت) اس کی تفصیل معلوم ہونی چاہئے کہ لڑکی کا نکاح چھ مہینے کی عمر میں اس کے باپ نے کیا یا دادا نے یا اور کسی نے اور باپ کے سوا جس نے کیا اس سے قریب تر کوئی ولی تھا یا نہیں، تھا تو کون تھا، اور اس نے قبل نکاح یا بعد نکاح خبر سن کر کیا کہا، لڑکی کو پہلا عارضہ ماہواری کس سال کس مہینے کون تاریخ کے کس منٹ پر آیا، اور اس نکاح سے ناراضی کا اظہار اس نے کس سال کس مہینے کس دن تاریخ کے کس منٹ پر کیا لڑکی کی قوم کیا ہے اور لڑکے کی کیا، لڑکا مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں بہتر یا برابر یا کتنا کمتر ہے، یہ سب باتیں ایمانًا سچی سچی بتائی جائیں، تو جو صورت واقعہ ہو اس کا جواب دیا جائے گا۔**فقط**

مسئلہ ۳۹۶: از جاورہ مرسلہ مولوی مصاحب علی صاحب امام مسجد چھیپیان ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا والد زید قریبًا ایک ہزار میل کی مسافت پر تھا، والدہ اور چچا بکر نے رضامند ہو کر ہندہ کے والد کی تحریری اجازت حاصل کرکے مفتی شہر کو بتا کر خود نکاح خالد کے ساتھ کر دیا، نکاح کے ڈھائی مہینے بعد زید اپنے مکان پر آیا، چنانچہ خالد نے اپنے خسر کی دعوت دی اور زید نے جلسہ دعوت میں نکاح کی رضامندی ظاہر کی، ساڑھے چار ماہ تک رسومات عیدی و دیگر رسومات دامادی خسری خالد کے ساتھ رکھے، اب باہمی رنجش ہونے پر خالد نے زید سے اپنی زوجہ رخصت کرنے کو کہا، زید کہتا ہے میں نے خط نہیں لکھا تھا، یعنی نکاح کرنے کی اجازت اپنے بھائی کو نہیں دی تھی، اور نکاح فسخ کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس خط کے انکار سے باوجودیکہ بعد آجانے کے ساڑھے چار ماہ تک رسومات مذکورہ برتے گئے نکاح فسخ ہو سکتا ہے؟ ہندہ کی عمر وقت نکاح بارہ برس کی تھی اور اب ساڑھے بارہ برس ہے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں انکار خط اسے کچھ مفید نہیں انکار خط سے اتنا ہوا کہ اجازت سابقہ ثابت نہ ہوگی اور غایت درجہ نکاح نکاح فضولی ٹھہرے گا اگر یہ صورت غیبت منقطعہ کی نہ لی جائے **علی ما فصلناہ فی فتاونا** (جس طرح ہم نے اس کی تفصیل اپنے فتاوی میں کی ہے۔ت) مگر نکاح فضولی بعد اجازت نافذ ولازم ہے اور اجازت لاحقہ مثل وکالت سابقہ **کما فی الفتاوی الخیریۃ وغیرہا** (جیسا کہ فتاوی خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۷

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق باب طلاق العبد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۲

مسئلہ ۳۹۷: از علی گڑھ محلّہ بیرم بیگ مدرسہ عربی عائشہ خاتون مرسلہ محمد صدیق حسین صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بھتیجی کا نکاح اس کی نابالغی میں کردیا۔ جس وقت وہ بالغ ہوئی اس وقت اس لڑکی نے اس نکاح اور شوہر کے مکان جانے سے انکار کیا، اب اس لڑکی کا نکاح باقی ہے رہا یا نہیں اور دوسری جگہ اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مہر لازم آوے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ معاملہ حلال وحرام بلکہ نکاح وزنا کا ہے، اللہ سے ڈریں، اور جو واقعی بات ہو اس کے حکم پر عمل کریں، غلط بیان پر فتوی لینا حشر میں نفع دے گا نہ زنا کو حلال کردے گا، غیر اَب وجد نے جو نکاح کفو سے کیا ہو اس کا حکم یہ ہے کہ نابالغہ بفور بلوغ معًا بلاتاخیر انکار کرسکتی ہے اور ذرا بھی دیر لگائی تو نکاح لازم ہوگیا انکار کا اصلًا اختیار نہیں اور یہاں فور محض بلاتاخیر بہت نادر ہے، اللہ واحد قہار سے ڈر کر زنا کو نہایت بدتر خبیث سمجھ کر دیکھیں اگر بالغہ نے جس گھنٹے منٹ سیکنڈ میں اسے پہلا حیض آیا تو فورًا فورًا معًا معًا اسی وقت اس نکاح سے انکار کیا تو البتہ وہ دعوی کرکے اس کو فسخ کراسکتی ہے بشرطیکہ کفو سے ہوا ہو، اور اگر چچانے غیر کفو سے کیا جو مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں وقت نکاح ایسا کم تھا کہ اس سے نکاح اس کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۸: یکم ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سعیدہ بی بی کا عقد اول موضع گورا میں بشیر الدین کے ساتھ ہوا، ایک لڑکی پیدا ہوئی، جب لڑکی قریب ڈیڑھ سال کے ہوئی سایہ پدری سر سے جدا ہوا، اب بیوہ اپنی لڑکی کو لے کر باپ اور بھائیوں کے یہاں آرہی، سوا چار برس کے بعد نکاح ثانی موضع کرگہنا میں عبدالصمد سے ہوا، خاوند دیگر کا ایک لڑکا جس کی عمر چھ سال کی تھی بیوی سابق سے تھا بصد سختی وتشدد وبہزار زجر وتوبیخ بی بی سے اذن لے کر اپنے لڑکے کا عقد بیوی ثانی کے ہمراہ جو لڑکی آئی تھی جس کی عمر چھ سال کی تھی جبریہ کرادیا گیا، لڑکی کا نہ کوئی چچا نہ بھائی صرف چچا اور چچازاد بھائی اور دو پھوپھیاں حقیقی اور نانا اور ماموں حقیقی ہیں اور وہاں موجود نہ تھے اور نہ اطلاع، جب لڑکی سن بلوغ کو پہنچی اور اس کا اظہار ہوا فورًا پکار اٹھی یعنی منٹ بھی پورا نہ ہونے دیا کہ مجھ کو شوہر کے یہاں کسی نوع جانا منظور نہیں اور ہرگز نہ جاؤں گی، دن کے سات یا آٹھ بجے کا واقعہ ہے معزز اشخاص شاہد ہیں۔

الجواب:

سوال میں یہ فقرہ کہ فورًا پکار اٹھی حکم شرعی سننے کا نتیجہ ہے اور آگے اس کی تفسیر نے کہ یعنی منٹ بھی

پورا نہ ہونے دیا کہ اسے پھر بگاڑ دیا۔

فانہ ان بقی تمام الدقیقۃ ثانیۃ اوثانیتین صدق انہالم تتم ولکن این الفور۔	کیونکہ اگر منٹ میں سے ایک سیکنڈ یا دو سیکنڈ رہتے تو کہا جاسکتاہے کہ منٹ پورا نہ ہو، لیکن یہ فورًا نہیں ہے۔(ت)

یہ معاملہ حلال وحرام نکاح وزنا کاہے، بات بناکر کچھ حکم لے لینا زنا سے نہ بچالے گا، پھر اگر تمام شرائط شرعیہ متحقق ہو بھی لیں تو عورت کے کہے سے نکاح فسخ نہیں ہوجاتا بلکہ اس کو دعوی کا اختیار ملتاہے حاکم مجاز کے یہاں دعوی کرے، وہ تحقیق شرعیہ کا گواہان عادل سے ثبوت لے، جب ثبوت ہوجائے تو حاکم نکاح فسخ کرے ویسے نہیں ہوسکتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹۹: از لاہور سٹی بازار انار کلی مدرسہ تعلیم القرآن معرفت مولوی احمد الدین صاحب مرسلہ جناب مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

بجناب مستطاب حضرت عالم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ زید فضلہم بعد نیاز مندی عقیدت مندانہ در مختار باب الولی میں ہے:

وللولی الاعتراض فی غیر الکفو مالم یلد لئلا یضیع الولد[1]۔	ولی کو غیر کفو میں اعتراض کا حق ہے جب تک بچہ پیدا نہ ہو (اس کے بعد نہیں) تاکہ بچے کانسب ضائع نہ ہو۔(ت)

طحطاوی وابوالمکارم حاشیہ شرح وقایۃ وبنایہ علی الہدایہ وحاشیہ شلبی علی الزیلعی وہندیہ میں لکھا کہ بعدولادت بھی بناء بر ظاہر الروایات ولی کواعتراض ہے فسخ کے لئے، اور امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت مفتی بہاپر ابتداء ہی سے بطلان نکاح کاحکم باقی ہے، اس سے معلوم ہوتاہے کہ ولادت، حق اولیا کی مسقط نہیں اور یہی خادم الاقدام کامقصود بھی ہے، اس بارہ میں حضور کوتکلیف تو ہوگی مگر حضور کے توکل اوقات ہی اس کام کے لئے وقف ہیں، ثبوت تفریق واعتراض بعد الولادۃ کے لئے حضور سے جہاں تک توثیق ہوسکے بہتر ہے بشرطیکہ خادم کااعتقاد خدام عالی شان کے اعتقاد سے مطابق ہو ورنہ خیر، خادم نے ثبوت تفریق کادعوی کیاہے وان ولدت (اور اگر بچہ پیدا ہوجائے۔ت) اور دوسری جانب کے مولوی لوگ اس کے عدم پر ہیں، آج ۲۶ اس مہینے انگریزی اور آئندہ دسمبر مہینے کی ۸ لاہور میں جج کے پاس مقرر ہے فقیر کو بھی جانا ہوگا، سیدزادی

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

کہ ایک مرد غیر سید غیر قریشی نے نکاح کرلیا ہے اور مقدمہ بازی میں اس کا بچہ بھی ہوگیا ہے دوسری جانب کے مولوی کہتے ہیں کہ علویات کا نکاح مع تراضی اولیاء یا بلاتراضی باطل کہنا شیعہ کا مذہب ہے اور بنایہ کی عبارت سے مستند ہے:

وفی البسیط ذھب الشیعۃ الی ان نکاح العلویات ممتنع علی غیر ھم مع التراضی قال السروجی وھما قولان باطلان [1]۔	بسیط میں ہے کہ رضامندی کے باوجود علویات (سید زادیوں) کا غیر سے نکاح شیعہ لوگوں کے ہاں ناجائز ہے سروجی نے کہا کہ دونوں قول باطل ہیں۔(ت)

اس قولان باطلان سے کون سے دو قول مراد ہیں، یہ عبارت تفسیر طلب ہے، حضور فیض النور اس عریضہ کا جواب اس پتہ پر ارشاد فرمائیں، ۸ تاریخ سے اگر ایک دو روز اول جواب پہنچے تو فقیر اس تحریر منیر کا جلسہ علماء میں پیش کردے، امید تو پختہ ہے کہ علماء بھی مان لیں گے ورنہ حاکم فیصلہ تسلیم کرلے گا، ایسی حالت میں کہ مقدمہ ہوتے ہوتے اولاد پیدا ہوگئی اور چند روز میں مرگئی تو اب بھی حق اعتراض للاولیاء ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرام والفضل اتم مولانا قاضی غلام گیلانی صاحب اکرم اللہ تعالٰی وتکرم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مجھے ۲۷ محرم سے یکم ربیع الاول شریف تک بخار کے دورے ہوئے جن میں بعض بہت شدید تھے، اب تین روز سے برکت دعاء جناب بخار تو نہیں آیا مگر ضعف بدرجہ غایت ہے، اسی حالت حمٰی میں پہلے سوال سامی کا جواب حاضر کردیا تھا اور رسالہ دربارہ ذبیحہ پہلے جبل پور جانے اور اب اس بخار کے دوروں کے سبب مکمل نہ ہوسکا طالب عفو ودعا ہے بنایہ اور ابوالمکارم میرے پاس نہیں شلبی علی الزیلعی وہندیہ میں بعد ولادت بھی بقاء حق اعتراض صرف شیخ الاسلام سے نقل کی ہے اور اس کی طرف سے کوئی میل ان کی عبارت سے نہیں پایا جاتا اکابر ومشاہیر کا جزم اسی پر ہے کہ مالم تلد (جب تک بچہ پیدا نہ ہو۔ت) زیلعی میں تھا:

الااذاسکت الی ان تلد فیکون رضاًدلالۃ [2]۔	مگر جب ولی خاموش رہا حتی کہ لڑکی نے بچہ کو جنم دیا، تو یہ دلالۃ رضامندی ہوگی۔(ت)

اسی پر شلبی نے کہا:

---

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ فصل فی الکفاءۃ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۱۰۲/۲

[2] تبیین الحقائق فصل فی الکفاءۃ مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱۲۸/۲

وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعد الولادۃ ایضاً اھ کمال منقول عنه [1]۔	شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ بچہ کی پیدائش کے بعد بھی تفریق کا حق ہے اھ کمال سے منقول ہے۔(ت)

کمال کی عبارت یہ ہے:

لایکون سکوت الولی رضاً الاان سکت الی ان ولدت فلیس له ح التفریق وعن شیخ الاسلام ان له التفریق بعدالولادۃ ایضاً [2]۔	ولی کا سکوت رضا نہیں ہوگا مگر جبکہ سکوت لڑکی کے ہاں بچے کی پیدائش تک جاری رہا تو اب ولی کو اختیار تفریق نہیں اور شیخ الاسلام سے منقول ہے کہ اس کو ولادت کے بعد بھی تفریق کا اختیار ہے۔(ت)

ہندیہ میں پہلے شرح جامع صغیر قاضی خاں سے نقل کیا:

لایبطل حقه فی الفسخ وان طال الزمان حتی تلد [3]۔	اس کا حق فسخ باطل نہ ہوگا اگرچہ مدت تک وہ فسخ نہ کرے حتی کہ لڑکی بچہ کو جنم دے۔(ت)

پھر نہایہ سے نقل کیا:

اذاولدت منه فلیس للاولیاء حق الفسخ [4]۔	جب لڑکی نے اپنے خاوند سے بچہ جنم دیا پھر اولیاء کو حق فسخ نہیں۔(ت)

حکم اس میں بھی یہ ہی لکھا ہے آگے استدراکاً قول شیخ الاسلام ذکر کیا اور طحطاوی میں تو اس قول کا ذکر تک نظر نہ آیا ایک عبارت شارح سے ابہام ہوتا تھا کہ اگر ولی کو خبر نکاح نہ ہو تو بعد ولادت بھی معترض ہوسکتا ہے اس پر اعتراض کردیا، متن میں تھا: له الاعتراض مالم تلد [5] (بچہ جننے تک اس کو اختیار ہے۔ت) اسے شارح نے یوں بنایا: مالم یسکت حتی تلد [6] (بچے کے جنم تک خاموش نہ رہے۔ت) اسی پر محشّی نے فرمایا:

الاولی حذف مافی الشرح لانه یفهم منه	جو کچھ شرح میں ہے اس کو حذف کرنا بہتر ہے کیونکہ اس سے یہ

[1] حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق فصل فی الکفاءۃ مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱۲۸/۲

[2] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۸۷/۳

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ شرح جامع الصغیر قاضیخاں باب الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹۳/۱۔۲۹۲

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہایۃ باب الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۲۹۳/۱

[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱/۱

[6] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۱/۱

ان ذٰلك عن علم فلو کان عن غير علم يكون له اعتراض وان ولدت والعلة تنفی ذٰلك فالاولی ابقاء المصنف علی ظاهره فتامل [1]۔	سمجھا جارہا ہے کہ علم کے باوجود ایسا ہے اگر علم کے بغیر ہو تو اسے اعتراض کا حق ہے اگرچہ اس نے بچے کو جنم دیا ہو، حالانکہ علت اس کی نفی کرتی ہے، لہٰذا بہتر ہے کہ مصنف کی عبارت کو ظاہر پر باقی رکھا جائے، غور کرو۔ (ت)

روافض کے نزدیک کوئی قرشی غیر علوی علویہ کا کفو نہیں اور ہمارے نزدیک "**قریش بعضھم اکفاء بعض**" میرے پاس بنایہ نہیں کہ دوسرا قول معلوم ہو، یہ صورت کہ یہاں واقع ہوئی کہ ولی دعوی تفریق کرچکا اس کے بعد ولادت ہوئی اختلاف سے بر کراں ہے مسقط حق تفریق، سکوت حتی تلد تھا، وہ نہ پایا گیا قبل ولادت دعوی دائر ہوچکا، پھر ان تکلفات کی ضرورت کیا ہے جبکہ مفتی بہ مطلقًا فساد وعدم انعقاد ہے، والسلام۔

مسئلہ ۴۰۰: از شہسرام ضلع شاہ آباد محلّہ شاہ جمعہ مرسلہ شیخ عبدالواحد صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور ایک زوجہ زینب اور دو دختر نابالغہ ہندہ وکلثوم، ایک باپ خالہ کو چھوڑا، تو ان دونوں دختران نابالغہ کا ولی کون شخص ہوگا؟

الجواب:

ان دختران کے مال ونکاح سب کا ولی ان کا دادا خالد ہے اگر ان کا باپ کسی کو اپنی اولاد یا جائداد کی غورپرداخت نگہداشت سپرد نہ کرگیا ہو ورنہ وہ وصی ولی مال دختران ہوگا، اور نکاح کا ولی بہر حال خالد، درمختار میں ہے:

وليه ابوه ثم وصيه بعد موته ثم وصی وصيه ثم بعدهم جده الصحيح وان علا [2] الخ۔	اس کا ولی اس کا باپ ہے، پھر باپ نے جس کو اپنا وصی بنایا، پھر وصی کا وصی، پھر دادا ترتیب وار اوپر تک۔ (ت)

اسی میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتيب الارث وليس للوصی ان يزوج اليتيم مطلقا وان اوصی اليه الاب بذلك علی المذهب [3] (ملخصا) والله تعالٰی اعلم۔	نکاح کا ولی عصبہ بنفسہ وراثت کی ترتیب پر، اور وصی کو مطلقًا یتیم کے نکاح کی ولایت نہیں ہے اگرچہ باپ نے اسے وصیت بھی کی ہو، مذہب یہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الولی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۶ و ۲۷

[2] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲۔۱۹۳

مسئلہ ۴۰۱ تا ۴۰۴: از بریلی محلّہ پھوٹا دروازہ مسئولہ فخر الدین صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص رنڈوا ہے اس نے نکاح ثانی کیا، بعدہ اس شخص کے پہلے بیٹے نے اپنی سوتیلی ماں کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا جواس کی سوتیلی خالہ ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) وہ لڑکی عرصہ دوسال سے دوسرے لڑکے کو والدین نے دی ہوئی ہے موافق رواج کے روبرو گواہوں کے والدین نے دی ہے مگر جو رخصتی کے وقت نکاح ثانی ہوتا ہے وہ باقی ہے۔

(۳) جبکہ لڑکی کے والدین زندہ ہیں اور لڑکی کنواری ہے تو بغیر رضامندی والدین کے کیا وہ غیر شخصوں کو ولی بناسکتی ہے اپنے نکاح میں؟

(۴) قاضی جس کو پورا علم ہو کہ اس لڑکی کے والدین حقیقی زندہ ہیں اور موجود ہیں تو وہ بلادریافت اس کے والدین ان کی بے علمی میں غیر شخص کو ولی مقرر کرکے لڑکی کا نکاح کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو ایسے قاضی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) سوتیلی ماں کی بہن سے نکاح جائز ہے، کچھ حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دو نکاح کہیں نہیں ہوتے، پہلی منگنی ہوتی ہے وہ نکاح نہیں ہوتا، بات زبان پھیر کر کہنا کچھ مفید نہیں۔ دوسال سے دی ہوئی ہے، وہ جلسہ نکاح کرنے کے لئے تھا یا منگنی کا؟ اور کیا لفظ طرفین نے کہے تھے؟ پوری بات بیان کی جائے۔

(۳) لڑکی اگر بالغہ ہے تو اسے خود اپنے نکاح کا اختیار ہے اور نابالغہ ہے تو وہ باپ کے ہوتے کسی کو ولی نہیں بناسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بالغہ کا نکاح اس کی اجازت سے پڑھا جاسکتا ہے، اگرچہ والدین کو علم نہ ہو، ہاں ہاں یہ ضرور ہے کہ جس سے یہ نکاح ہو وہ بالغہ کا کفو ہو یعنی مذہب، نسب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا لڑکی کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو ورنہ نکاح نہ ہوگا۔ اور اگر نابالغہ ہے تو یہ نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا، قاضی نے بدنیتی نہ کی تو الزام نہیں ورنہ الزام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۶: از شہر محلّہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود لیڈر صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بالغ لڑکی اگر نکاح کے وقت بوجہ شرم وحجاب اپنی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادانہ کرے صرف

یہ ہو کہ اس کے عزیز وقریب مستورات جو اس کے گردو پیش موجود ہیں وہ کہہ دیں کہ ہاں لڑکی کو منظور ہے اور بالعموم اکثر نکاحوں میں اسی طرح کی صورت واقع ہوا کرتی ہے لڑکیاں بوجہ شرم وحجاب خود نہیں بولتی ہیں ایسی صورت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں اور اس کا اقرار سکوتی ایجاب وقبول کے قائمقام سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۲) لڑکی بالغ ہے مگر یتیم ہے اس کی ماں نے اس کا نکاح کیا متوفی باپ کے بھائی یعنی چچا تائے موجود نہ تھے آیا ان کی عدم موجودگی نکاح کے جواز پر شرعاً کچھ مؤثر ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر ولی اقرب مثلاً باپ وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو بھائی، وہ نہ ہو تو بھتیجا، وہ نہ ہو تو چچا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا اگر خود جاکر بالغہ دوشیزہ سے اذن لے یا اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے اس کے پاس بھیجے اور وہ طلب اذن پر سکوت کرے تو یہی اذن ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصماتہا اذنہا [1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: باکرہ کی خاموشی ہی اذن ہے۔ (ت)

اور اگر نہ ولی اقرب خود گیا نہ اپنی طرف سے کسی کو اذن لینے کے لئے بھیجا بلکہ اور شخص بے اس کے بھیجے بطور خود اس سے اذن لینے گیا تو اس کا سکوت اذن نہ ہوگا اگرچہ یہ اذن لینے والا کیسا ہی قریب رشتہ دار ہو جبکہ ولی اقرب نہ ہو مثلاً باپ کے ہوتے ہوئے دادا یا حقیقی بھائی اپنی طرف سے اذن لینے جائیں تو ضرور ہوگا کہ عورت خود ہاں کہے اپنی زبان سے اذن دے، پاس بیٹھنے والیوں کا یہ ظلم ہوتا ہے کہ وہ دھوکا دینے کو ہوں یا ہاں کردیتی ہیں، اس صورت میں نکاح فضولی ہوگا جبکہ کفو کے ساتھ ہو دختر کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر خبر سن کر اس وقت یا بعد کو بے اظہار نفرت جائز کردے جائز ہوجائے گا رد کردے رد ہوجائے گا، اگر اپنے کسی قول یا فعل سے صراحۃً دلالۃً اب تک رد نہ کیا ہو تو بخوشی رخصت ہوکر جانا اذن ہے اس وقت نکاح نافذ ہوجائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

(۲) چچا کے ہوتے ہوئے ماں اگر یتیمہ بالغہ کا نکاح یتیمہ سے اذن لے کردے یا بعد نکاح وہ دختر اذن قولاً یا فعلاً دے دے تو نکاح صحیح ونافذ ولازم ہے، چچا تھا یا بھائی کسی کو گنجائش اعتراض نہیں جبکہ نکاح کفو میں سے کیا ہو یعنی وہ شخص مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشے میں ایسا کم نہیں جس کے ساتھ اس دختر کا نکاح اس کے ولی کے لئے باعث ننگ وعار وبدنامی ہو، اگر ایسا ہے تو نکاح ہوگا ہی نہیں اور اگر یتیمہ نابالغہ ہے

[1] مؤطا امام مالک کتاب النکاح مطبع میر محمد کتب خانہ کراچی ص۴۹۸

کہ حقیقۃً یتیمہ وہی ہوتی ہے تو اگر ماں نے غیر کفو بہ معنی مذکور سے نکاح کردیا تو ہوا ہی نہیں اور کفو سے کیا تو چچا وغیرہ جو ولی اقرب ہو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا رد کردے گا رد ہوجائے گا جائز کردے گا جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۷: از شہر محلّہ گندہ نالہ مسئولہ عبدالودود لیڈر صاحب ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی وایدکم بنصرہ فی یتیمۃ بلغت من عمرھا خمسۃ عشر سنین زوجتھا امھا برضاھا باحد من الاقارب ولکن لم یحضروا مجلس النکاح اولیاء الیتیمۃ المذکورۃ کالاعمام وغیرہم وما استشیروا فی ھذا الباب وتولت فی امر النکاح امھا وحدھا لانھا کانت وحدھا کفیلۃ لبنتھا الی الاٰن ھل جاز النکاح ام لا۔	علماء کرام آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک پندرہ سالہ لڑکی کا نکاح اس کی والدہ نے لڑکی کی رضامندی سے رشتہ داروں میں کردیا جبکہ لڑکی کے اولیاء چچا وغیرہ مجلس نکاح میں حاضر نہ ہوئے اور نہ ہی اس نکاح سے متعلق ان سے مشورہ لیا گیا، صرف والدہ نے ہی نکاح کی تولیت کی کیونکہ لڑکی کی کفیل اس وقت والدہ ہی تھی، کیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہ؟

الجواب:

ان بلغت قبل ھذا بعلامۃ کحیض او تمت لھا قبل اذنھا بالنکاح خمس عشرۃ سنۃ کوامل وکان النکاح من کفو لیس فی دینہ ولانسبہ ولاخلقہ ولاحرفتہ مایتعیربہ اولیاؤھا عرفا جاز النکاح فان وقع بعد اذنھا او رضیت بہ بعد وقوعہ قبل ردہ تم ولزم ولیس لھا ولالاحد من کان من غیر کفو بالمعنی المذکور فھو باطل رأسا وان اذنت و اجازت او بنفسھا تولت وان کان من کفو ولم تبلغ بعد توقف علی اجازۃ الولی ان اجاز جاز وان ابطل ابطل	اگر لڑکی نکاح سے قبل بالغ ہوچکی تھی جس پر حیض یا کوئی اور علامت بلوغ ظاہر ہوچکی تھی، یا وہ نکاح سے قبل پورے پندرہ سال کی ہوچکی تھی تو اس نے نکاح کی اجازت دی اور نکاح بھی کفو میں ہوا کہ لڑکے کے دین، نسب، اخلاق اور اس کے کسب پر عرفاً لڑکی کے اولیاء کو اعتراض نہ ہو یعنی اس سے عار محسوس نہیں کرتے تو نکاح جائز ہے پس اگر نکاح عورت کے اذن کے بعد واقع ہو یا وہ رضامندی ظاہر کرچکی ہو تو یہ نکاح نافذ ولازم ہوگا ہے اب اس کو یا اس کے ولی کو نکاح پر اعتراض کا حق نہیں رہا، اگر یہ نکاح غیر کفو میں معنی مذکور میں ہوا تو وہ نکاح بالکل باطل ہے اگرچہ اجازت اور رضامندی ظاہر کرچکی ہو یا اس نے خود اپنا نکاح کیا ہو اگر نکاح کفو میں ہوا لیکن ابھی بالغ نہ تھی تو پھر ولی کی اجازت پر موقوف رہا اگر ولی جائز کردے تو جائز اگر باطل کردے

بطل وان سکت الاولیاء حتی بلغت اٰل الامر الیھا فلتمض اولترد و المسائل ظاھرۃ وفی الکتب دائرۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔	تو باطل ہو جائے گا، اور اگر لڑکی کے بلوغ تک ولی خاموش رہے حتی کہ لڑکی خود بالغ ہو گئی تو اب اجازت لڑکی کی طرف سے ہو گی چاہے راضی ہو جائے یا نکاح کو رد کر دے، یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۰۸: از اجمیر شریف محلّہ لاکھن کوٹھری مرسلہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ معینیہ اجمیر معلّی یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بالغہ لڑکی کی والدہ اور بھائیوں نے ایک میراثی کو رشتہ کے واسطے بھیجا کہ فلاں قبیلہ میں رشتہ کرآؤ، اس قبیلہ کے علاوہ کسی دوسری جگہ نہ جانا، میراثی نے کچھ روپیہ رشورت کالے کر دوسری جگہ رشتہ کر دیا، بعد ازیں لڑکی اور والدہ اور بھائیوں کو اطلاع ہوئی انھوں نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ رشتہ والوں سے کہہ دے کہ ہم نہیں رشتہ کرتے، اور پھر لڑکی کے بھائی بھی گئے منع کرنے کے واسطے، آخر کار وہ باز نہ آئے، اور میراثی نے چند ایام اپنی طرف سے مقرر کرکے برات منگوائی، برات آنے پر لڑکی اور والدہ بھائی نکاح سے سراسر انکار کرتے رہے، حتی کہ پانچ چھ ایام اسی طرح گزر گئے، چونکہ برات کے ساتھ چند رؤسا تھے، انھوں نے گرد ونواح کے سب رؤسا جمع کئے اور کہا کہ جس صورت سے ہو سکتا ہے ہمیں نکاح دلا دو، سب رؤسا نے جمع ہو کر لڑکی کے بھائیوں کو ایک مقدمہ جعلسازی میں پھانس دیا، وہ بیچارے غریب عاجز ہو کر کہنے لگے کہ اچھا نکاح ٹھہرا دو، جب لڑکی سے اذن لینے کے واسطے گئے تو انکار کر دیا، پھر ایک شخص نے لڑکی کو جبرا خاموش کر دیا اور بھلی میں بٹھا کر لے گئے، بوقت وداع لڑکی کے بھائیوں نے لڑکی سے پوچھا تجھ کو کپڑا وغیرہ دیں، لڑکی نے انکار کیا اور کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے تم کس واسطے دیتے ہو، بعد آنے کے وہ اب تک انکار پر مصر ہے، عرصہ پانچ سال کا ہوا، یہ نکاح عند الشرع ہوا یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے کہ لڑکی عاقلہ بالغہ ہے اور اس نے اذن نہ دیا جبکہ صاف انکار کر دیا اور بالجبر رخصت کے وقت بھی تصریحا کہا کہ میرا نکاح ہی نہیں ہے، اور جب سے اب تک انکار پر مصر ہے تو نکاح مذکور باطل ومردود محض، اور ان جبر کرنے والوں کا ظلم خالص ہے، بھائیوں نے یہ بجبر نہ سہی بخوشی اجازت دی ہوتی یا خود نکاح کر دیا ہوتا بالغہ کے انکار سے وہ بھی فورًا باطل ہو جاتا نہ کہ ان کی اجازت بھی جبر سے، یونہی اگر بعد نکاح انکار کے بعد بالغہ خود بھی راضی ہو جاتی مفید نہ ہوتا کہ باطل شدہ نکاح رضا سے صحیح نہ ہوسکے گا نہ کہ وہ اب تک انکار پر مصر ہے، غرض اس باطل نکاح کو نکاح سمجھنا جہل بعید وظلم شدید ہے، عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز احد علی بالغة صحیحة العقل من اب اوسلطان بغیر اذنها بکرا کانت اوثیبا فان فعل ذٰلك فالنکاح موقوف علی اجازتها فان اجازتها جازوان ردته بطل کذافی السراج الوهاج[1]۔	عاقلہ بالغہ باکرہ ہو یا ثیبہ اس کی مرضی کے خلاف باپ یا حاکم کسی کو بھی اس کے نکاح کا اختیار نہیں، اگر کسی نے ایسا نکاح کیا یہ نکاح لڑکی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اگر وہ جائز کردے تو جائز اور رد کردے تو رد ہوجائے گا۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانه بالرد[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب بالغہ کو نکاح کی اطلاع ملی تو اس نے رد کردیا ہو پھر بعد میں اس نے کہا میں راضی ہوں تو جائز نہ ہوگا کیونکہ قبل ازیں رد کرنے سے نکاح باطل ہوچکا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۰۹: از بمبئی جیل روڈ پوسٹ نمبر ۹ معرفت خلیفہ احمد اللہ صاحب مرسلہ جمیل محمد خان صاحب دہلوی ۱۳رمضان ۱۳۳۸ھ

ایک بالغہ شیعہ لڑکی نے برضا ورغبت خود بلااجازت والدین ایک سنی المذہب افغانی النسب سے چار گواہ اور ایک وکیل کی موجودگی میں قاضی کے سامنے بمعرفت قاضی نکاح کردیا۔ منکوحہ کے والدین بوجہ شیعہ ہونے کے اس کا یہ نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ چونکہ خلوت صحیحہ نہیں ہوئی اس لئے نکاح کے فسخ کرانے کا استحقاق ہمیں حاصل ہے، دوسرے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ نکاح ہم کفو سے نہیں ہوا لہٰذا ہمیں فسخ کا اختیار ہے، وکیل جو مجلس نکاح میں لڑکی کی جانب سے مقرر ہوا تھا وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ نکاح ہوا میں وکیل بھی بنا مگر لڑکی کے ایجاب وقبول کی آواز نہیں سنی، قبل از نکاح لڑکی نے گواہان کے سامنے اقرار کیا ہے کہ میں اہلسنت وجماعت حنفی مذہب اختیار کرچکی ہوں، نکاح کے گواہ موجود ہیں وہ مقر ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ایجاب وقبول کی آواز ہمارے کانوں تک آئی، اور قبل از نکاح لڑکی نے کہا کہ میں اہلسنت وجماعت ہوچکی ہوں۔

الجواب:

بالغہ پر ولایت جبریہ کسی کی نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ وہ سنیہ ہے اور باپ رافضی، عدم کفاءت کی وجہ کوئی سائل نے نہیں لکھی، اگر صرف بربنائے تخالف مذہب ایسا کہا جاتا ہے تو سنی لاکھوں درجے رافضی سے

---

[1] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

اعلٰی ہیں، اور مغل پٹھان باعتبار قوم ہم کفو ہیں، اس کے باپ کا اعتراض باطل ہے اور اسے کوئی اختیار فسخ نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الایم احق بنفسھا**[1] (بے نکاح عاقلہ بالغہ کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار ہے۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر ہرگز ولایت نہیں دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۱۰: کوہ رانی کھیت متصل جامع مسجد مسئولہ عبدالرحمان صاحب خانساماں ۹ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص اہلسنت وجماعت نے ایک رافضی کی بیوی سے کہا کہ تو مجھ سے مل، تو اس رافضی کی عورت نے کہا کہ اس شرط پر ملوں گی اگر تو اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے سے کرے، اس شخص مذکور نے اس شرط کو قبول کیا اور مدت دراز تک زناکاری رہی اور ابھی تک موجود ہے، اب وہ لڑکی اہلسنت کی جوان ہوگئی ہے اور شخص مذکور اس کی شادی اس رافضی سے کرنے کو تیار ہے، اور اس لڑکی سنیہ کا نانا موجود ہے وہ بھی منع کرتا ہے اور تمام اہلسنت وجماعت منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، مگر شخص مذکور کہتا ہے کہ جائز ہے، اب اس صورت میں یہ لڑکی اپنے نانا کو مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح جائز ہے یا ممنوع شرعًا اس میں گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

یہ نکاح حرام قطعی اور زنائے خالص ہے، عالمگیری میں ہے:

لایجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولامرتدۃ ولا ذمیۃ لاحرۃ ولامملوکۃ[3]۔	مرتد کو کسی مسلمان عورت، مرتدہ، ذمیہ، آزاد یا لونڈی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ (ت)

جبکہ وہ لڑکی جوان ہے اور باپ اسے معاذاللہ زنا کے لئے دینا چاہتا ہے تو نانا وغیرہ دیگر اولیاء پر لازم ہے کہ لڑکی کو اس کے قبضہ تصرف سے نکال کر فورًا لڑکی کی رضا سے کسی سنی صحیح العقیدہ کفو کے ساتھ اس کا نکاح کردیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] مؤطا امام مالک کتاب النکاح میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۹۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۵

مسئلہ ۴۱۱تا۴۱۲: از مقام بلیا ڈاکخانہ رسڑا مسئولہ مولوی حکیم عبدالشکور صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جس کی عمر تخمیناً دس برس کی تھی بعد انتقال اپنے والدین کے اپنے حقیقی چچا زید سے خفا ہوکر اپنے حقیقی ماموں کے گھر چلی گئی اور وہاں رہنے لگی، کچھ عرصہ کے بعد اس کے ماموں نے ہندہ کا عقد قبل بلوغ مسمّٰی بکر سے بلااجازت حقیقی چچا کے اس شرط پر کیا کہ تم جب میری بستی میں آکر مکان بناؤگے اس وقت ہم لڑکی رخصت کریں گے، اب بکر اس بستی میں مکان نہیں بناتا ہے اور لڑکی رخصت کراکر لے جانا چاہتا ہے اور لڑکی وہاں جانے پر راضی نہیں، کیا حقیقی چچا کے موجود ہوتے ہوئے اس کے ماموں نے عقد کردیا تو یہ عقد شرعاً درست ہوا یا نہیں؟

دوم جب بکر نے اس بستی میں مکان نہیں بنایا تو عقد فسخ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بے اجازت چچا کے ماموں نے جو نکاح کیا جائز و صحیح ہوا، مگر چچا کی اجازت پر موقوف تھا، اگر وہ رد کردیتا رد ہوجاتا، مگر عبارت سوال سے ظاہر کہ اس نے رد نہ کیا نکاح پر راضی ہوا دوسری جگہ لے جانے پر راضی نہیں، جب صورت یہ ہے تو وہ نکاح نافذ بھی ہوگیا لڑکی کو خیار بلوغ ملا، عبارت سوال سے ظاہر ہے کہ لڑکی نے جسے بالغہ ہوئے کئی سال گزرے اس خیار کا استعمال نہ کیا، وہ بھی نفس نکاح سے ناراض نہیں بلکہ دوسری جگہ جانے سے۔ پس صورت مذکورہ میں نکاح لازم ہوگیا اور کسی کو اس پر اعتراض کا اختیار نہ رہا۔ اس گاؤں میں مکان بنانے کی شرط فاسد ہے، اور شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے، اسے اختیار ہے کہ عورت کو اپنے گھر لے جائے، **قال اللہ تعالٰی:**

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ[1]۔	بیویوں کو اپنی سکونت کے ساتھ سکونت گنجائش کے مطابق دو۔ (ت)

ہاں اگر ظاہر ہو کہ شوہر عورت کو ضرور ایذا دینے کے لئے دوسری جگہ لے جانا چاہتا ہے اور یہاں رکھنا نہیں چاہتا تو لے جانے کی اجازت نہ دیں گے۔

وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ[2]۔ ھذا حاصل ماحط علیہ کلام المحققین وعلیك برد المحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیویوں کو تنگ کرنے کے لئے ضرر مت دو، محققین کے کلام کا مصداق یہی ہے، آپ پر ردالمحتار کی طرف رجوع ضروری ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/۶۵

[2] القرآن الکریم ۶/۶۵

مسئلہ ۴۱۳: از مقام گھو، گھو ڈاک خانہ اسٹیٹ ضلع دیناجپور ڈاکخانہ خاص مسئولہ حاجی سید نورالحسن صاحب بہاری ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ جس کے دو نابالغ بھائی حقیقی ہیں اور ایک حقیقی ماں اور ایک حقیقی چچا اور اور ایک حقیقی ماموں ہیں، لڑکی نابالغہ اور دونوں بھائی اور اس کی ماں یعنی ان چاروں کی کفالت بعد فوت باپ وشوہر، بھائی شوہر کا و بھائی ماموں کا یعنی ماموں حقیقی وچچا حقیقی کررہاہے، ماموں وچچا حقیقی اور دو بھائی نابالغ حقیقی پردیس میں چچا وماموں کے ساتھ ہیں، ماموں وچچا و بھائی کی عدم موجودگی میں غیر اقربا اور لڑکے کی ماں نے بہکا کر لڑکی کی ماں کو راضی کرکے چچیرے چچا کی اجازت سے نکاح کردیا، اس نکاح سے ماموں اور چچا دونوں سخت ناراض ہیں اور کفالت کرنے سے دست بردار ہیں، لڑکی ہمیشہ سے جب سے اپنی ماں کے ساتھ اپنے حقیقی چچا کے مکان میں رہتی ہے شوہر مجازی سے کوئی تعلق نہیں ہوا صرف عقد ہوا ہے رسم بارات وغیرہ باقی ہے نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اگر ناجائز ہوا تو دوسرے کے ساتھ یا شوہر اول کے ساتھ دوبارہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

یہ شخص جس سے نکاح ہوا اگر لڑکی کا کفو نہیں یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہے تو یہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔ نہ جب تک لڑکی نابالغہ ہے کسی ایسے شخص سے کوئی اس کا نکاح کرسکتا ہے، اور اگر جس سے نکاح ہوا وہ کفو ہے یعنی کسی بات میں ویسا کم نہیں تو یہ نکاح لڑکی کے حقیقی چچا کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اس نے جائز کردیا اگرچہ ناراضی کے ساتھ، مثلاً کہے "خیر نکاح تو ہوگیا مگر ہم کفالت سے دست بردار ہیں" تو نکاح نافذ ہوگیا، چچا یا ماموں کسی کو اختیار نہیں کہ وہ دوسری جگہ نکاح کردے، ہاں لڑکی کو اس پر اعتراض کا حق ہوگا اگر بالغ ہوتے ہی فوراً فوراً اپنی ناراضی کا اظہار کرے، اور اگر چچا نے خبر سن کر رد کیا تو رد ہوگیا، چچا کو اختیار ہے جس کفو سے چاہے نکاح کردے اگرچہ اسی شوہر سے، غرض ان الفاظ پر مدار ہے جو چچا نے خبر سننے پر پہلی پہل کہے ایمانًا وہ پورے الفاظ بے کم وبیش تبدیلی معلوم ہونا ضروری ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۴: از موضع آچورہ ڈاکخانہ بیجاری ضلع فریدپور ملک بنگال مسئولہ حاجی عبدالغنی صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید کی لڑکی بالغہ ہندہ نے

بلااجازت زید کے اپنے کفو بکر کے ساتھ نکاح کیا، زید سن کر نہایت ناخوش ہو کر بکر کے مکان سے حیلہ وبہانہ کرکے ہندہ کو اپنے مکان میں لے آیا، پھر ہندہ سے کہا کہ یہ نکاح جائز نہیں ہوا اس لئے کہ میں تیرا باپ ہوں بلااجازت باپ کے نکاح صحیح نہیں۔ اس حال میں ایک سال سے زیادہ گزر گیا، پھر زید نے ہندہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح ثانی صحیح ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو اولاد عمرو سے ہوئی اس کا اور زید کے شرع شریف میں کیا حکم ہے زید امام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح ثانی صحیح ہے تو بکر پر مہر مثل لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا تھا اگر وہ کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ اس کے ساتھ عورت کا نکاح ہونا عورت کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ پہلا نکاح ہوگیا اور یہ دوسرا نکاح باطل ہوا، عورت کا باپ اور یہ دوسرا شوہر دونوں سخت کبیرہ کے مرتکب ہیں، اور بچہ جو پیدا ہوا وہ پہلے شوہر کا ہے، اس صورت میں زید کو امام کرنا گناہ ہے جب تک توبہ کرے، اور اگر پہلا نکاح عورت نے جس سے کیا وہ بمعنی مذکور کفو شرعی نہ تھا تو وہ پہلا نکاح باطل ہوا دوسرا نکاح صحیح ہوا، بچہ اس دوسرے شوہر کا ہے، زید وعمرو پر کوئی الزام نہیں ان کے پیچھے نماز اس وجہ سے ممنوع نہیں، پہلا نکاح جس سے ہوا تھا اگر وہ قربت کرچکا ہے تو اسے مہر مثل دینا آئے گا یعنی ایسی عورت کا جتنا مہر ہو جو مہر بندھا تھا اس کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۵: از موضع اٹریا ضلع بریلی مسئولہ قمر الدین صاحب یکم صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ تھی اور بالغہ تھی کیونکہ اس کے ایک لڑکا پیدا ہوچکا تھا اس رانڈ نے عقد ثانی کے واسطے ایک شخص کو جو اسی کی ذات کا تھا اور جوان بھی تھا اور علم دار بھی تھا اور روٹی کپڑے سے خوش تھا تجویز کی مگر اس جوان کے واسطے اس رانڈ کا والد نکاح کرنے کو راضی نہ تھا، زید نے کچھ لالچ پاکر اس شخص کی طرف سے جس کے ساتھ رانڈ کا والد راضی بریلی سے تعویز اور مٹھائی لے جاکر کھلایا تاکہ اس کا خیال اس جوان کی طرف ہو جس سے اس کا والد راضی تھا، اور زید نے مٹھائی کھلاتے وقت اس شخص کا نام لیا کہ وہ رانڈ جس سے راضی تھی کہ تم کو میں اس شخص کی طرف سے مٹھائی کھلاتا ہوں جس سے کہ تم راضی ہو، اس کے بعد میں اس رانڈ کا نکاح اس شخص کے ساتھ زبردستی کرادیا جس سے وہ رانڈ ناراض تھی اور زبردستی چند آدمی پکڑ کر اس شخص کے یہاں پہنچا آئے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید کو انجمن کی طرف سے صدر بنایا ہے اب زید کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ انجمن والوں نے زید کو صدر ممبر بنایا تو ان کو یہ قصہ معلوم نہیں تھا اور یہ نکاح زبردستی زید ہی کی کوشش سے ہوا تھا، **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان: کیاکہ عورت کو اذن دیتے وقت بتایا گیا تھا کہ یہ نکاح دوسرے سے ہوتا ہے جس سے وہ راضی نہیں لیکن کسی نے ہاتھ پکڑے کسی نے پاؤں اور اس سے جبراً اذن دلوایا، صورت مذکورہ میں نکاح صحیح ہوگیا کہ نکاح وطلاق میں اکراہ کو دخل نہیں، جس طرح خوشی سے ہوجاتے ہیں یونہی جبر سے بھی، حدیث میں ارشاد ہوا:

ثلاث جدھن جدو ھزلھن جدا لنکاح والطلاق والعتاق [1]۔	تین چیزیں جن میں سنجیدگی اور مذاق سنجیدگی ہے نکاح، طلاق اور عتاق۔ (ت)

باقی رہا کہ مجبور کرنا شرعاً کوئی وجہ الزام رکھتا ہے یا نہیں۔ ممکن نہ رکھتا ہو بلکہ عورت کی خیر خواہی ہو عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں، اور باپ سے زیادہ اولاد پر کون مہربان ہے سوا اللہ ورسول کے، ظاہر یہی ہے کہ جہاں وہ چاہتی تھی اس میں شر تھا اور جہاں باپ نے چاہا اس میں خیر، تو ایسے احتمال قوی کی حالت میں اس جبر کو بوجہ الزام نہیں ٹھہرا سکتے جیسے مریض کو بالجبر دوا پلانا، لہٰذا اس وجہ سے امامت زید میں کوئی خلل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۶: از شہر کہنہ محلّہ صوفی ٹولہ مسئولہ طفیل احمد صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے ایک لڑکے کے ہمراہ جو کہ ایک بیوی معہ دو بچوں کے چھوڑ چکا ہے اور لڑکی کا خالہ زاد بھائی ہوتا ہے لڑکی کے اقربا (تایا، پھوپھا، بھائی وغیرہ) کو بغیر جمع کئے محلّہ میں دھوکہ سے لے جاکر سرائے خام کے ایک طالب علم سے اس طرح پڑھوایا کہ ماموں جو کہ دونوں (لڑکے اور لڑکی) کا ہوتا ہے وکیل بنایا (اور گواہ اول دونوں کا خالو ہے اور گواہ دوم لڑکے کا تایا زاد بھائی ہوتا ہے) جب ماموں اذن لینے گیا تو اس نے جواب نہ دیا مگر اصرار کرنے پر بھی جواب نہ دیا تو ماموں نے اس کے ایک طمانچہ مارا کہ جس کے سبب سے وہ رونے لگی اور ماموں نے باہر آکر نکاح پڑھوادیا،

[1] جامع الترمذی ابواب الطلاق باب ماجاء فی الھزل والجد فی الطلاق امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۴۲، سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب الطلاق فی الھزل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۸، الدر المنثور زیر آیۃ ولاتتخذوا آیات اللہ ھزوا مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/۲۸۶

ف: درمنثور کے الفاظ یہ ہیں: ثلاث من قالھن لاعبا اوغیر لاعب فھن جائزات علیہ الطلاق والعتاق والنکاح۔ اور جامع الترمذی اور سنن ابی داؤد میں العتاق کے بجائے الرجعۃ کا ذکر ہے، نصب الرایۃ میں ان دونوں لفظوں سے متعلق تفصیلی بحث کی ہے مطالعہ کے لئے جلد سوم کتاب ایمان صفحہ ۲۹۳ و ۲۹۴ ملاحظہ ہو۔ **نذیر احمد**

لڑکی جانے پر رضامند نہیں ہے کیونکہ وہ اگلی بیوی کا حال دیکھ چکی ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ لڑکی کی عمر وقت نکاح دو مہینے اوپر پندرہ سال کی تھی، اگر یہ بیان اور صورت سوال واقعی ہے تو وہ نکاح فضولی ہوا، اجازت لینے والے اور گواہوں کا رشتہ دار ہونا تو کوئی مخل نہیں، اور بکر کا رونا بھی اذن میں شامل کیا جاتا ہے مگر نہ وہ رونا کہ طمانچہ مارنے سے ہو، وہ ہر گز دلیل اجازت نہیں ہوسکتا، تو عقد نہ ہوا مگر عقد فضولی، اور لڑکی کی اجازت پر موقوف رہا، اگر اس نے اظہار اجازت سے پہلے اظہار ناراضی کیا نکاح رد ہوگیا، اور شوہر کو اس پر کوئی دعوی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۷: از حیدرآباد دکن قصبہ نارائن پینٹھ جی آئی پی ریلوے کرشنا مسئولہ سید اکرم علی عرف مطلوب شاہ صاحب مدرس فارسی مدرسہ سلطانیہ درجہ اول ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ عاقلہ بالغہ حرہ مکلفہ باکرہ نے بلااجازت ولی جائز اپنا عقد دو گواہان شرعی کے روبرو اپنے ایک ہم کفو سے کرلیا، پس یہ نکاح ازروئے مذہب حنفی ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا ولی جائز فسخ کرکے بلاطلاق وخلع ہندہ کا عقد کسی مالدار سے جبراً کرنا چاہتا ہے اگر کردے تو اس کا وبال کس پر ہوگا؟ اور یہ فعل اس کا کس حد تک جائز ہے؟ کیا رواج عرف عام قانون شرع شریف پر کسی حالت میں مرجح ہوسکتا ہے اور ولی جائز کا جھوٹا حلف ہندہ کے مقابلہ میں معتبر ہوگا یا ہندہ کا قول؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرعاً کفو کے معنی یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو، اگر وہ اس معنی پر کفو ہے تو حرہ مکلفہ کا برضائے خود بے اجازت ولی اس سے نکاح نافذ ولازم ہے، ولی اسے ہر گز فسخ نہیں کرسکتے، اگر بلاطلاق اس کا نکاح دوسری جگہ کردیں گے باطل محض ہوگا، اور اس میں قربت زنائے خالص جس کا وبال مرتکب تزویج پر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلاولی[1]۔	آزاد عاقلہ بالغہ کا نکاح بغیر ولی نافذ ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے: **نفذ نکاح حرۃ مکلفۃ بلارضی ولی**[2] (ولی کی رضا کے بغیر بھی حرہ عاقلہ بالغہ کا

[1] فتاوی ہندیہ الباب الرابع فی الاولیاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۸۷

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

نکاح نافذ ہے۔ت) اور اگر اس معنی شرعی پر کفو نہیں اگرچہ ہم قوم ہو جسے عوام میں کفو کہتے ہیں مثلاً مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اس عورت کا اس سے نکاح ولی زن کے لئے باعث عار و بدنامی ہے تو زن مکلفہ کا بے اجازت ولی اس سے نکاح باطل ومردود محض ہے، درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا [1]۔	غیر کفو میں اصلا نکاح نہ ہونے کا فتوی ہے۔(ت)

رواج، عرف و قانون کوئی چیز شرع مطہر پر مرجح نہیں۔

قال اللہ تعالٰی: اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ [2] وقال اللہ: وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔ اور فرمایا: جو اللہ تعالٰی کے نازل کردہ کے مطابق فیصلہ نہ دے وہ فاسق ہے۔(ت)

سائل نے کچھ نہیں لکھا کہ عورت اور اس کے ولی میں کس بات کا اختلاف ہے جس کا جواب دیا جائے کہ ان میں کس کا قول معتبر ہے کہیں اس کا قول معتبر ہوگا کہیں اس کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۸: ضلع ہوگلی ڈاک خانہ تیلن پاڑہ باڑی عجب میاں مسئولہ سلطان احمد خاں صاحب مرزاپوری ۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی بعمر بارہ برس کی ہے، اس کا عقد کرنے کو اس کا باپ ایک مرد نابالغ سے کرنے کو وعدہ کیا کہ ہم تمھارے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کریں گے، اور رسم دنیاوی بھی کردیا گیا کہ لڑکا لڑکی کے واسطے کپڑا اور مٹھائی وغیرہ اور دس پانچ برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر گیا، لڑکی کے باپ نے برادری کے روبرو سب سامان لیا اور اقرار کیا کہ فلاں تاریخ میں نکاح کردوں گا کہ درمیان میں لڑکی کا باپ بیمار ہوگیا اور زیادہ علیل ہوگیا سو وہ مکان پر چلا گیا، جس کو عرصہ چھ ماہ کا ہوگیا، لڑکی اور اس کی ماں یہیں پر رہ گئیں اور اب بھی وہ موجود ہیں، جب سے لڑکی کا باپ مکان گیا وہی لڑکا برابر خرچ وغیرہ کا بھی بار اٹھاتا ہے، اب وہ لڑکا لڑکی کی ماں سے بہت زور کرتا ہے کہ میرا نکاح کردو۔ عورت نے کئی مرتبہ خط بھی مکان پر لکھا مگر کچھ جواب نہیں آیا کہ زندہ ہے یا مر گیا، لڑکی کی ماں پہلے راضی نہ تھی مگر جب لڑکے نے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتی ہو تو جو کچھ روپیہ میرا اتنے عرصہ میں خرچ ہوا اس کو دو ورنہ ہم

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] القرآن الکریم ۶/۵۷

[3] القرآن الکریم ۵/۴۷

نالش کریں گے، سواب لڑکی کی ماں نکاح لڑکی کا کرنے پر راضی ہے اور کہتی ہے کہ ہم راضی ہیں نکاح پڑھوالو، اور یہ کہا کہ شوہر میرا کہہ گیا تھا کہ ہم مکان سے واپس آکر شادی کریں گے اس وجہ سے ہم نہیں راضی ہوئے تھے، سواب ان کا کچھ پتہ نہیں ہے، میں خوشی سے کہتی ہوں کہ قاضی کو بلا کر ایجاب وقبول کر کرالو، اور لڑکی بھی اپنے برے بھلے کو پہچانتی ہے، سو وہ بھی رضامند ہے، اور عرصہ چھ ماہ سے اسی مرد کے ہمراہ گویا رہتی ہے، جو باتیں حق حق تھیں ان کو لکھ کر علمائے دین کے حضور میں پیش کردیا جو کچھ حکم شریعت مطہرہ کا ہو بیان فرمائیں، اور ذیل میں جو علامات انگوٹھا ہے وہ ان برادریوں کا ہے جن کے سامنے لڑکی کے والد نے اقرار کیا اور کپڑا وغیرہ لیا، ان لوگوں کے سامنے یہ سوال لکھا گیا اور دستخط لیا گیا لہذا عدم موجودگی اس کے والد کے نکاح ہونے یا نہ ہونے سے یا جس طرح اور جس قاعدہ سے نکاح ہو اس مسئلہ کو حضور تحریر کریں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

لڑکی اگر نابالغہ ہے تو اس کے نکاح کے لئے ولی کی ضرورت ہے۔ ولی اس کا باپ ہے، بے اجازت پدر کسی کو لڑکی کے نکاح کرنے کا اختیار نہیں، اور پہلے اس کا راضی ہونا اور وعدہ کرنا اجازت کے لئے کافی نہیں کہ اس نے کسی کو وکیل نہیں کیا، اب اس سے اجازت لی جائے۔ اگر اس کا پتہ نہ چلے تو لڑکی کا جوان بھائی اس کا ولی ہے وہ نہ ہو تو بھتیجا، وہ نہ ہو تو چچا کا بیٹا، اس طرح جو عصبہ ہو، اگر عصبات میں کوئی نہ رہا ہو تو البتہ اس وقت ماں کو ولایت ہوگی اور اس کی اجازت سے نکاح ہوسکے گا۔ اور اگر لڑکی بالغہ ہے یعنی اسے ماہواری عارضہ آچکا ہے تو خود اس کی اپنی اجازت کافی ہے۔ مگر بہر حال باپ کے سوا جو دوسرا شخص اس کا نکاح کرے یا بالغہ ہو کر خود کرے یہ ضرور ہوگا کہ جس سے نکاح کیا جائے وہ اس لڑکی سے مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا لڑکی کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو ورنہ نکاح ہوگا ہی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱۹: از پیلی بھیت محلّہ غفار خان مسئولہ حکیم سعید الرحمٰن خاں صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رفیق بیگم کا نکاح اس کی نابالغی میں جبکہ اس کا باپ دادا زندہ نہ تھے اس کے چچا نے اپنے پسر کے ساتھ کردیا، نابالغہ مذکورہ نے بالغ ہوتے ہی اعلان کردیا کہ اس نے نکاح مذکور کو نامنظور وناپسند کرکے فسخ کردیا اور بذریعہ نوٹس رجسٹری شدہ شوہر کو جو ہنوز نابالغ ہے اور اس کے والد کو بھی اطلاع دے دی، نوٹس یہ لکھ کر واپس آیا بعدازاں رفیق بیگم نے دیوانی میں نالش کی اور حسب ذیل استدعائے داد رسی کی: "استقرار اس امر کا فرمادیا جائے کہ جو نکاح مدعیہ کا اس کی نابالغی میں ہوا تھا اور جس کو مدعیہ نے بعد بلوغ شرعی کے مسترد کردیا ہے مدعیہ

بوجہ مصرحہ عرضی نالش نکاح مذکور کی فسخ اور کالعدم ہو جانے کی وجہ سے پابند نہیں ہے اور اب مدعیہ زوجہ مدعاعلیہ کی نہیں ہے۔" ہنوز اس نالش کا فیصلہ نہ ہونے پایا تھا کہ رفیق بیگم فوت ہوگئی، ایسی حالت میں نکاح مذکور وقت وفات رفیق بیگم کے قائم و برقرار متصور ہوگا یا فسخ و مسترد، اور شوہر کو ترکہ رفیق بیگم کا پہنچے گا یا نہیں؟

الجواب:

رفیق بیگم کی اخیر سانس تک نکاح برقرار تھا، وہ اپنے شوہر کی زوجیت ہی میں مری، شوہر اس کے نصف ترکہ کا وارث ہوگا اور نصف مہر بھی ساقط ہوگیا، نصف مہر بحق دیگر ورثا دے گا، خیار بلوغ سے عورت کو یہ حق نہیں ہوتا کہ اپنا نکاح خود فسخ کرلے، نہ اس کے فسخ کئے فسخ ہوسکتا ہے، بلکہ اسے صرف دعوی فسخ کا اختیار ملتا ہے، بعد دعوی قاضی شرع کے فسخ کئے سے فسخ ہوگا، اگر قبل فسخ مرجائے تو زوجیت ہی میں مرے گی، ردالمحتار میں ہے:

قولہ فیفسخہ القاضی فلایثبت ھذہ الفرق الا بالقضاء لانہ مجتھد فیہ وکل من الخصمین یثبت بدلیل فلا ینقطع النکاح الابفعل القاضی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "قاضی اس کو فسخ کرے" تو فرقت قضاء کے بغیر ثابت نہ ہوگی، کیونکہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور ہر فریق اس میں دلیل کا سہارا لیتا ہے اس لئے نکاح قاضی کی کارروائی کے بغیر فسخ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۰: ضلع سکھر سندھ اسٹیشن ڈھرکی ڈاکخانہ خیرپور ڈھرکی خاص دربار معلّٰی قادریہ پر چونڈی شریف از طرف ابوالنصر فقیر سردار شاہ ۱۷ جمادی الاُخری ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی، شخصے بحین حیات پدر خود بلارضامندی وشمولیت وے نکاح خواہر صغیرہ بمعاوضہ بازو بجائے کردہ پدرش بعد خبر یافتن انکار کرد وبعد چند مدت راضی شدہ باز معاوضہ رادر نکاح پسر خود گرفت وباز انکار کرد، آیا از انکار اول نکاح باطل شد یا نہ؟	علماء کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ باپ کی زندگی میں باپ کی رضامندی اور شمولیت کے بغیر بھائی نے اپنی نابالغہ بہن کا نکاح بدلے کی شرط پر کردیا، اور کچھ مدت بعد باپ اس نکاح پر راضی ہوگیا اور بدلہ میں لڑکے کے لئے رشتہ لے لیا اور دوبارہ

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

محض اقبال بعد انکار تجدید ایجاب وقبول فائدہ دارد یا نہ؟بینوا توجروا	پھر انکار کردیا، کیا پہلے انکار پر نکاح باطل ہوا یا نہ؟ انکار کے بعد صرف ایجاب وقبول سے نکاح ہوگا یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

نکاح بالغہ کہ برادرش بے اجازت پدر کرد نکاح فضولی بود براجازت پدر موقوف چوں پدر باستماع خبر انکار کرد فورًا باطل شد و باطل راعود نیست باز راضی شدن پدر بکار نیاید تا از سرنو ایجاب وقبول پیش شہود نہ کنند در درمختار است بلغها فردت ثم قالت رضیت لم یجز لبطلانہ بالرد[1] در ردالمحتار ست لان نفاذ التزویج کان موقوفا علی الاجازۃ وقد بطل بالرد[2]، در بحر الرائق ست الاجازۃ شرطها قیام العقد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بھائی نے باپ کی اجازت کے بغیر نابالغہ کا جو نکاح کیا وہ فضولی کا نکاح ہے اور باپ کی اجازت پر موقوف ہے جب باپ نے خبر سنتے ہی انکار کردیا تو نکاح فورًا باطل ہوگیا اور باطل شدہ دوبارہ صحیح نہیں ہوسکتا ہے اس کے بعد باپ کا راضی ہونا بے فائدہ ہے جب تک دوبارہ گواہوں کی موجودگی میں نیا ایجاب وقبول نہ کریں صحیح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے کہ اگر لڑکی نے خبر ملنے پر نکاح رد کردیا پھر کہا کہ میں راضی ہوں تو جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ رد کی وجہ سے پہلے باطل ہوچکا ہے، ردالمحتار میں ہے کیونکہ نکاح کا نفاذ اجازت پر موقوف تھا جبکہ رد کرنے سے باطل ہوچکا ہے، بحرالرائق میں ہے اجازت کے لئے عقد نکاح کا باقی ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۲۱ تا ۴۲۲: از ضلع بلاسپور امام مسجد اکلترا

ایک بڑھیا کی لڑکی تھی اس کی برادری والے بلارضامندی شادی کرنے لگے۔ بڑھیا مذکور نکاح کے وقت نامناسب رہنے پر دوسری کوٹھری پر روتی تھی اور یہ خبر نہیں کہ میری لڑکی کا کیا ہو رہا ہے، لڑکی کی عمر پانچ یا چھ سات سال کی تھی، اس لڑکی کو یہ کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا یا کیا ہوا، اس لڑکی مذکور کے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۰

[3] بحرالرائق باب فی الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۱۴

وارث سوائے بڑھیا ماں کے کوئی اس کے باپ دادا کی شاخ میں بھی نہ تھے، بلکہ بلاوارث والوں نے نکاح طفلیت میں پڑھایا تو کیا یہ نکاح صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں سوائے اس کے جو لوگ نامناسب نکاح بنایا ہوا داماد نکاح بے کئے تو بڑھیا مذکور غریب بیوہ منہاری بیچنے والی بچی کو کوئی گزر کرتی تھی بعض وقت یہ بنایا ہوا داماد دو تین بار گیا تو بڑھیا بطور مہماں نوازی کے کھلاتی پلاتی بطور برادرانہ، لیکن کچھ بڑھیا کی بچی سے سروکار بات چیت دیگر حرکات سے پاک رکھتی تھی، جاتے وقت بڑھیا جب روکتی تھی تو بنا ہوا داماد برائے نام کھلے الفاظ میں یہ صاف صاف کہتا تھا کہ مجھ کو کیوں روکتی ہے میں نہ رہوں گا اور نہ کسی کو چاہتا ہوں اور یاد نہ رکھوں گا، پس یہ نمبر ۲ کے متعلق ایک تو نکاح ہی درست نہیں ہوا اور جو بنائے ہوئے داماد والوں کی طرف سے نکاح بھی مغالطًا ثابت کریں، تو جب دو ایسا الفاظ کھلا ہوا سے کہے کہ نہ رکھوں گا نہ چاہتا ہوں، تو بھی نکاح والے کا نکاح ساقط ہو جاتا ہے تو اب لڑکی کا نکاح بڑھیا بالغی میں پڑھاوے تو اولاد بھی ہوتی تو جو اولاد مسلمان ہوں۔ **فقط**

الجواب:

دوسرا سوال مہمل ہے، اتنی باتوں کا جواب لکھا جائے تو اس کا جواب ہو:

(۱) اس لڑکی کے دادا پردادا نزدیک دور کی اولاد میں کوئی مرد اس نکاح کے وقت تھا یا نہیں۔ بے تحقیق کوئی نہ تھا نہ کہہ دیا جائے کہ تحقیق کے بعد نکلتے ہیں۔

(۲) اگر ایسا کوئی مرد تھا تو اس نے نکاح کی خبر سن کر کیا لفظ کہے۔

(۳) اگر ایسا کوئی مرد نہ تھا تو ماں نے نکاح ہو جانے پر کیا لفظ کہے اور اس کے بعد کیا لفظ کہے یا کچھ نہ کہا۔

(۴) جب وہ شخص آتا تھا تو ماں اس کی خاطر داماد کی سی کرتی تھی یا عام مہمانوں کی سی۔

(۵) لڑکی کو اب ماہواری عارضہ آتا ہے یا نہیں۔ اس کی عمر اب کیا ہے، عارضہ ماہواری آتا ہے تو کب سے آتا ہے۔

(۶) ماں کو اس نکاح سے وجہ ناراضی کیا تھی۔

(۷) لڑکی کو اگر عارضہ ماہواری آیا تو فورًا اس کے آتے وقت اس نکاح کے بارے میں کچھ کہا یا کتنی دیر بعد کچھ کہا یا کچھ نہ کہا اور اگر عارضہ ماہواری اب تک نہ آیا اور لڑکی کی عمر پندرہ برس کی ہو گئی تو جس وقت عمر پندرہ برس کی ہوئی تھی اس وقت یا اس کے دیر کے بعد لڑکی نے اس نکاح کے بارے میں کیا کہا تھا یا کچھ نہ کہا۔

(۸) یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ جس سے نکاح ہوا اس کی قوم کیا ہے اور لڑکی کی کیا قوم ہے اور اس کا چال چلن کیسا ہے اور اس کا مذہب کیا ہے کیا پیشہ کرتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۲: از لکھنؤ چھتر منزل کلب مسئولہ عبدالرحیم خان صاحب قادری رضوی ۶رجب ۱۳۳۹ھ پنجشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید کسی وجہ سے اپنا نکاح پڑھانے نہیں جاسکتا تو اپنے پیر بھائی کو اپنا ولی بنالیا تو ولی نکاح پڑھا کر لاسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے ولی نہیں وکیل کہتے ہیں کسی کو اپنا وکیل کردے کہ میری طرف سے ایجاب وقبول کرآؤ، نکاح پڑھانے والا اس سے کہے کہ فلاں بن فلاں بن فلاں کی سب سے بڑی یا سب سے چھوٹی لڑکی (یا جس طرح تعیین ہو) میں نے تیرے موکل فلاں بن فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دی، وکیل کہے کہ میں نے اپنے موکل مذکور کی طرف سے اس کے لئے قبول کی، یا وکیل خود عورت یا اس کے وکیل یا نابالغہ ہے تو اس کے وکیل سے کہے کہ میں نے تجھے یا فلانہ بنت فلاں بن فلاں کو تیری موکلہ ہے یا جس کا تو ولی ہے اپنے موکل فلاں بن فلاں بن فلاں کے نکاح میں لیا عورت یا اس کا وکیل یا ولی کہے میں نے قبول کیا نکاح ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۳: از تلہر ضلع شاہجہان پور محلہ عمر پور مسئولہ شیخ سلامت اللہ صاحب پارچہ فروش ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کتنی عمر میں لڑکی کا نکاح جائز اور کتنی عمر کا ہو تو ناجائز یعنی لڑکا سن بلوغ بحکم شرع کتنی عمر میں ہوتا ہے، کتنی عمر مدت سال کی ہو تو نکاح جائز ہوتا ہے جب کہ اس کا کوئی حقیقی شخص وکیل مطلق نہ ہو، **بینوا توجروا**

الجواب:

جب آثار بلوغ ظاہر ہوں لڑکے کو احتلام لڑکی کو حیض، اس وقت سن بلوغ ہوتا ہے، اور اگر آثار نہ ہوں تو پندرہ برس پوری عمر ہونے پر حکم دیا جائے گا، اگر لڑکی نو برس کامل یا لڑکا بارہ برس کامل کا ہوچکا ہے اور وہ دعوی بلوغ کریں اور ان کی ظاہری حالت اس دعوے کی تکذیب نہ کرتی ہو تو ان کا قول مان لیا جائے گا جب تک ان صورتوں میں سے کسی صورت پر بلوغ ثابت نہ ہو وہ بغیر اذن ولی کے اپنا نکاح نہیں کرسکتے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۴: از لصرات پرگنہ پڑادہ ریاست علاقہ ٹونک محلہ سلطانپورہ مسئولہ ابراہیم صاحب ۲۸رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی بیوی سے ۱۴سال سے علیحدہ رہتا ہو عورت حاملہ تین ماہ کی ہو اسی حمل سے لڑکی پیدا ہوئی اور لڑکی نے چودہ سال تک اپنی ماں کے پاس پرورش پائی باپ نے کسی قسم کی امداد نہیں دی نہ کبھی لڑکی کو بلوا کر دیکھا، ایسی صورت میں جوان لڑکی ۱۴سال کی بالغ ہوگئی ہے لڑکی نے اپنی خوشی اور اس کی والدہ نے اپنی اجازت سے لڑکی کا نکاح کردیا باپ موجود نہ تھا نکاح بھی ہم قوم سے ہوا یعنی غیر قبیلہ میں نہیں ہوا، یہ نکاح جائز رہا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرعًا وہ لڑکی اسی کی ہے اگرچہ کتنے ہی برسوں سے عورت سے علیحدہ ہو فقط چودہ برس کی عمر ہونا بلوغ کے لئے کافی نہیں۔اگر حیض نہ آیا ہو نا بالغہ ہے، نکاح کے لئے اس کی اجازت کوئی چیز نہیں،اور ماں کا کیا ہوا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف رہے گا،اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا رد کردے گا باطل ہوجائے گا،اور اگر لڑکی واقعی بالغہ ہوگئی تھی حیض آچکا تھا تو وہ کفو میں اپنے نکاح کی مختار ہے غیر کفو میں بغیر اجازت باپ کے کہ اس نے پیش از نکاح غیر کفو جان کر صراحۃً اجازت دی ہو لڑکی کا نکاح اس کی اجازت سے باطل ہے، غیر کفو ہونے کے لئے یہی ضروری نہیں کہ کم قوم ہو بلکہ مذہب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم کہ اس کے ساتھ نکاح ہونا لڑکی کے لئے باعث بدنامی ہو یہ بھی غیر کفو ہونا ہے اگرچہ خاص اسی خاندان کا ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۵: از سمیتہ ڈاکخانہ دراپختہ تحصیل ڈیرہ غازی خان مسئولہ اللہ بخش صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک عورت زینب پر عاشق ہوا باوجود اہل وعیال کے اس کے عشق میں مغلوب ہو کر اپنی دختر صغیرہ چار سالہ کا نکاح حق مہر زینب پر برادر زینب عمرو زوجہ سے کردیا بعد اس کے زید نے زینب سے عقد کرکے سرمیل کیا اور اس وقت بیمار ہوا، بعد ہفتہ کے فوت ہوگیا،اب وہ لڑکی بالغہ ہو کر کہتی ہے کہ میرے باپ نے مرض عشق میں جو میرا نکاح نااہل غیر پردہ دار سے کردیا ہے مجھے منظور نہیں،آیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صغیرہ کا نکاح کہ اس کے باپ نے کیا لازم ہے، صغیرہ کو بعد بلوغ اس کے فسخ کا کوئی حق نہیں اور عذرات کہ سوال میں لکھے مہمل وبے معنٰی ہیں شرع میں ان کی کوئی اصل نہیں۔ درمختار میں ہے:

لزم النکاح ولو بغبن فاحش او من غیر کفو ان کان المزوج ابا اوجد الم یعرف منھما سوء الاختیار [1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	نکاح کردینے والا باپ یا دادا ہو اگرچہ یہ نکاح غیر کفو یا انتہائی کم مہر پر کیا ہو تو بھی لازم ہوجائے گا بشرطیکہ باپ دادا سوء اختیار سے معروف نہ ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۲۶: از شہر مین پوری دریبہ مکان مولوی حکیم محمد عباس مسئولہ نثار احمد صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ زید نے چند لڑکے چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اپنا عقد ثانی

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

ہندہ سے کیا، ہندہ سے بھی چند لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، پھر زید نے بھی انتقال کیا، ہندہ اپنی اولاد کو لے کر اپنے میکے چلی گئی، اس کے سوتیلے لڑکے اس کو اپنے حسب مقدرت ماہانہ خرچ خوردونوش پہنچاتے رہے، پھر ہندہ بھی مرگئی، اور اس کا بھائی ان بھانجی بھانجوں پر قابض ہوگیا اور اپنی بھانجی کا عقد خالد سے بلا صلاح ومشورہ اس کے علاتی بھائیوں کے پوشیدہ طور پر کردیا۔ جب یہ خبر عالم آشکار ہوئی تو بالا بالا اس کے علاتی بھائیوں کو بھی خبر پہنچی، تو کسی ترکیب سے اپنی سوتیلی بہن کو خالد کے مکان سے بلوالیا اور اب یہ چاہتے ہیں کہ اپنی سوتیلی بہن کا کسی معزز سے نکاح کردیں اور وہ لڑکی بھی اپنے شوہر خالد سے نہایت بدظن ہے، بوقت عقد اس کی عمر آٹھ سال کی تھی اب گیارہ سال سے زائد نہیں، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ دختر ہندہ نابالغہ کا کوئی حقیقی بھائی بالغ نہ ہو تو اس کے علاتی بھائیوں میں جو بالغ ہوں اس کے ولی نکاح ہیں، وہ نکاح کہ اس کے ماموں نے ان بھائیوں سے چھپا کر دیا فسخ ہوگیا، ان بھائیوں کو اختیار ہے کہ حسب اجازت شرع کسی کفو شرعی سے بغیر مہر مثل میں کمی فاحش کئے ہوئے اس کا نکاح کردیں، اگر وہ اب بھی نابالغہ ہے، اور اگر اب بالغہ ہوگئی یعنی عارضہ ماہواری آنے لگا تو کسی کفو شرعی سے نکاح کرلینے کا اسے خود اختیار ہے، بہر حال طلاق کی کچھ حاجت نہیں کہ بھائیوں کے رد کئے سے ماموں کا کیا ہوا نکاح سرے سے فسخ ہوگیا، اور خالد کو اس دختر سے کچھ تعلق نہ رہا پھر طلاق سے کیا علاقہ! درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ولی ابعد نے اقرب کی موجودگی کے باوجود نکاح دیا تو اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۷: مرسلہ سید امداد علی صاحب مختار عالم ساہوان ٹھاکردروازہ محلّہ پیرزادگان ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں ایک شخص کی لڑکی اپنے نانا کی زیر پرورش ابتداء سے ہے باپ نے روز اول سے اس سے تعلق قطع کر رکھا ہے اور مطلق کسی بات کی خبر نہیں لیتا ہے مرض دکھ درد ورنج راحت وغیرہ کو نہیں پوچھتا، ایسی حالت میں ان لڑکیوں کا نانا عقد کردے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ حال یہ ہے کہ وہ لڑکی جس کا عقد کرنا چاہتا ہے تیرھویں سال میں ہے اگر کوئی صورت جواز ہو تو بیان فرمائیے کیونکہ جب باپ کسی حالت کا شریک نہیں تو لڑکی کے عقد کی کیا سبیل کی جائے اور یہ بیان فرمائیے کہ لڑکی کس سن پر بالغ ہوئی اور بروئے فقہ اس کی کیا کیا شرائط اور نشانیاں ہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

الجواب

باپ کے ہوتے ہوئے نانا کو ولایت نہیں ہو سکتی، باپ کا بے علاقہ رہنا اس کی ابوت کو زائل نہیں کرتا،

ولم یذکر فی السؤال صورۃ العضل وفیھا الولایۃ للقاضی دون اب الام کما حققہ المولی الشرنبلالی فی کشف المعضل۔	سوال میں لا تعلّقی کی صورت بیان نہیں کی جبکہ اس میں ولایت قاضی کو ہے نانا کو نہیں ہے جیسا کہ مولٰنا شرنبلالی نے اپنی کتاب "کشف المعضل" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ (ت)

لڑکی کم سے کم نو برس کامل اور زیادہ سے زیادہ پندرہ سال کامل کی عمر میں بالغہ ہوتی ہے۔ اس بیچ میں آثار بلوغ پیدا ہوں تو بالغہ ہے ورنہ نہیں۔ آثار بلوغ تین ہیں: حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا، باقی بغل میں یا زیر ناف بال جمنا یا پستان کا ابھار معتبر نہیں، تنویر میں ہے:

بلوغ الجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فحتی یتم خمس عشرۃ سنۃ وادنی مدتہ لھا تسع سنین[1] (ملخصا)	لڑکی کا بلوغ احتلام، حیض یا حمل سے ثابت ہوتا ہے اگر ان میں کوئی علامت نہ ہو تو جب عمر پورے پندرہ سال کو پہنچ جائے اور اس کے بلوغ کی کم از کم مدت نو سال ہے (ملخصا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ونھود الثدی فذکر الحموی انہ لا یحکم بہ فی ظاھر الروایۃ وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی ابوالسعود وکذا شعر الساق والابط والشارب[2] (ملخصا) وھو تعالٰی اعلم۔	لڑکی کے بلوغ کے لئے زیر ناف بال اگنے اور پستان کے ابھار کا اعتبار نہیں ہے تو حموی نے ذکر کیا کہ اس پر حکم نہیں کیا جا سکتا ظاہر روایت کے مطابق، اور یوں ہی آواز کا بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیسا کہ ابوالسعود ہاملی کے منظوم کی شرح میں ہے، اور یوں ہی پنڈلی، بغل، مونچھوں کے بالوں کا بھی اعتبار نہیں۔ (ملخصا) وھو تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۲۸: از مبارکپور ڈاکخانہ خاص محلّہ رانی پورہ ضلع اعظم گڑھ مرسلہ نثار احمد صاحب درزی

زید بیمار ہوا اپنی حالت بیماری میں اپنی لڑکی کو اس کے ماموں کے سپرد کیا، لڑکی کا سن پندرہ برس کا تھا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی البلوغ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۹/۲

[2] ردالمحتار فصل فی البلوغ داراحیاء التراث العربی بیروت ۹۷/۵

پھر لڑکی کا والد قضا کر گیا اور دادا بھی موجود ہے اور لڑکی کی اب تک اپنے ماموں کے یہاں پرورش پاتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی کے دادا نے کہیں نکاح کر دیا یعنی کفو میں، اس نکاح کو نہ تو اس کا ماموں جانتا ہے نہ لڑکی جانتی ہے، بعد کچھ روز کے لڑکی نے سنا تو کہا ہم کو نکاح منظور نہیں، اور لڑکی کا ایک چچا بھی موجود ہے وہ بھی نکاح میں شریک نہیں وہ بھی نہیں جانتا اور نہ اس کی رائے سے نکاح ہوا، صرف دادا نے اپنی خودی سے نکاح کیا تھا اس نکاح کو کوئی نہیں جانتا، نہ ماموں نہ لڑکی کا چچا، آیا وہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غیب کا علم اللہ عزوجل پھر اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے، اگر فی الواقع جس وقت دادا نے اس کا نکاح کیا اس کی عمر کامل پندرہ برس کی یا اس سے زائد تھی یا آثار بلوغ مثل حیض وغیرہ ظاہر تھے تو دادا نے جو نکاح کیا عورت کی اجازت پر موقوف رہا، اگر عورت نے خبر سن کر نامنظور کیا رد ہوگیا اور اگر وقت نکاح عورت کی عمر پوری پندرہ سال کی نہ تھی نہ آثار بلوغ ظاہر تھے اور دادا نے نکاح کر دیا تو لازم ہوگیا اب رد نہیں ہوسکتا، عورت اگر دوسرا نکاح بحیات شوہر کرے گی زنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب الکفائۃ فی النکاح

(نکاح کے سلسلہ میں کفو کا بیان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۴۲۹: از مراد آباد محلّہ قانونگویاں مرسلہ محمد نبی خاں صاحب رئیس اوائل جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بالغہ شریف زادی جس کے باپ نے انتقال کیا اور بھائی کوئی نہیں صرف عمرو اس کا حقیقی چچا ولی شرعی ہے، مادر ہندہ نے غیبت عمرو میں باذن ہندہ بے اطلاع عمرو اس کا نکاح زید کم قوم غیر کفو یعنی قصاب مالدار سے کر دیا، جب عمرو آیا اور مطلع ہوا اس خیال سے کہ نکاح تو ہو ہی گیا مصلحۃً منظور کر لیا اور ہندہ کی رخصتی کر دی برضائے ہندہ وطی بھی واقع ہوئی، اب ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تا ادائے مہر معجّل زید کے یہاں جانا یا اسے اپنے نفس پر قدرت دینا نہیں چاہتی، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور ہندہ کو ناشزہ کہا جائے گا یا نہیں؟ اور اسے زید کے یہاں نہ جانے اور اپنے نفس کے بچانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ ہندہ ناشزہ اور نہ زید کو اس پر دسترس، نہ زنہار اسے قدرت دیں گے کہ ہندہ کو اپنے یہاں بلائے، نہ ہرگز ہندہ کو اجازت دیں گے کہ بطور زوجیت اس کے یہاں جائے بلکہ شرعًا دونوں پر واجب ہے کہ اس نکاح فاسد وواجب الفسخ سے دست برداری کریں اور زید نہ مانے تو ہندہ پر لازم ہے کہ بطور خود

فسخ کردے صرف اسی کے فسخ کئے سے فسخ ہوجائے گا، اور یہ بھی نہ کرے تو حاکم پر واجب ہے کہ ان میں تفریق کردے اور ہندہ کے لئے مہر مثل اتنا کہ مہر مسمّٰی پر زیادہ نہ ہو زید پر لازم آئے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ نکاح غیر ولی یعنی ماں نے چچا کے ہوتے اسے ولایت نہیں بے رضائے ولی باذن ہندہ کیا تو درحقیقت یہ زن بالغہ کا بطور خود نکاح کرنا ہوا کہ بسبب اذن ولایت متحقق ہوئی اور فعل وکیل بعینہٖ فعل موکل ہے۔

فی الخیریۃ سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا لامھا من غیر کفو باذنھا اجاب تزویجھا لھا باذنھا کتزویجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو بلارضا اولیائھا[1] اھ ملخصا۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے، سوال ہوا کہ ایک بالغہ باکرہ کا نکاح اس کی اجازت سے اس کی والدہ کی طرف سے بھائی نے غیر کفو میں کیا؟ جواب میں فرمایا کہ مذکورہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہی ہے جیسے اس نے بذات خود نکاح کیا ہو تو یہ مسئلہ لڑکی کا خود کو غیر کفو میں اپنے اولیاء کی مرضی کے بغیر نکاح کرنیکا ہوا اھ ملخصا (ت)

اور روایت مفتی بہا مختار للفتوی یہ ہے کہ بالغہ ذات الاولیاء جو اپنا نکاح غیر کفو سے کرے وہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ ولی شرعی پیش از نکاح صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص کفو نہیں ورنہ اگر عدم کفاءت پر مطلع نہ تھا یا تھا مگر پیش از نکاح اس نے تصریحات اظہار پسند ورضانہ کیا تو ہرگز نکاح صحیح نہیں اگرچہ ولی مذکور نکاح کے وقت ساکت بھی رہا ہو اگرچہ باوجود اطلاع اصلاً انکار نہ کیا ہو اگرچہ بعد وقوع نکاح صاف صاف تصریح رضامندی بھی کردی ہو اگرچہ اس کی رخصت وغیرہ خود ہی کی ہو، یہ سب باتیں بیکار ہیں اور اس نکاح کی کہ شرعاً صحیح نہ ہوا اصلاح نکاح نہیں کرسکتیں،

فان الرضی الاحق انما ینفع فی الموقوف دون الفاسد۔	بعد کی رضا موقوف نکاح کے لئے تو مفید ہے مگر فاسد نکاح کے لئے مفید نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلاتحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[2]۔	غیر کفو میں نکاح اصلا جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے تو مطلقہ ثلاثہ اگر غیر کفو میں نکاح کرے گی تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوسکے گی بشرطیکہ اس کے اولیاء اس غیر کفو پر مطلع ہونے پر رضامند نہ ہوں، اس کو محفوظ کرلو۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریۃ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

اسی طرح فتح القدیر و فتاوی خیریہ و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر وغیرہا میں ہے:

وفی ردالمحتار ھذہ روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھذا اذاکان لہا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلایفید الرضی بعدہ[1]۔	اور ردالمحتار میں ہے یہ امام ابوحنیفہ سے امام حسن کی روایت ہے، یہ جب ہے کہ اس کے ولی ہوں اور وہ نکاح سے قبل راضی نہ ہوچکے ہوں تو بعد کی رضامندی مفید نہیں ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

السکوت منہ لایکون رضی کماذکرنا[2]۔	اس موقع پر ولی کی خاموشی، رضانہ قرار پائے گی جیساکہ ہم نے ذکر کیاہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئہا ولم یزد علی المسمی ویثبت لکل واحد منہما فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بہا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینہما[3] اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	نکاح فاسد میں وطی فی القبل ہوجانے پر مہر مثل لازم ہوجائے گا اور کسی عمل مثلاً خلوت وغیرہ سے لازم نہ ہوگا کیونکہ یہاں وطی حرام ہے، اور یہ مہر مثل مقرر شدہ سے زائد نہ ہوگا، اور خاوند بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی نکاح کو فسخ کرنیکا حق حاصل ہوگا، خواہ وطی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تاکہ گناہ سے بری ہوسکیں، اسی لئے مہر کا وجوب فسخ کے منافی نہیں ہوگا بلکہ بہرصورت قاضی پر واجب ہے کہ وہ اس نکاح سے دونوں کی تفریق کرے، اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳۰: از سہسوان ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے غیر شہر سے سہسوان میں آکر اپنے آپ کو سنی اور قوم کا سید ظاہر کیا، عمرو نے کہ شیخ انصاری ہے اپنی لڑکی لیلٰی جس کی عمر وقت نکاح بارہ تیرہ برس کی تھی بیان زید سے دھوکا کھاکر اسے بیاہ دی، وہ لڑکی اور اس کا باپ اہلسنت وجماعت ہیں، ہنوز رخصت بھی نہ ہوئی تھی نہ لیلٰی

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

نے زید کی صورت دیکھی تھی کہ زید چلا گیا اور جب سے اصلا خبر نہیں کہ زندہ ہے یا مرگیا، اسے کوئی دو برس کا زمانہ ہوا، اب جو اس کا حال دریافت ہوا وہ رافضی نکلا اور شراب خوری وقمار بازی اس کے علاوہ ہے، جب سے یہ کیفیت معلوم ہوئی تو لیلٰی اور اس کا باپ عمرو اور اس کی ماں سب ناراض ہیں اور لیلٰی جس کی عمر خود پندرہ برس کی ہے اپنا نکاح اور شخص سے کیا چاہتی ہے جو مذہب کا سنی اور اعمال کا نیک ہو، اس صورت میں شرع شریف لیلٰی کے حق میں کیا حکم دیتی ہے؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

اللھم العفو والعافیۃ (اے اللہ تجھ سے معافی اور عافیت کی درخواست ہے۔ت) روافض میں جو ضروریات دین سے کسی امر کا منکر ہو مثلاً قرآن عظیم کو بیاض عثمانی کہے اس کے ایک لفظ ایک حرف ایک نقطے کی نسبت گمان کرے کہ معاذاللہ صحابہ کرام یا ہم اہلسنت خواہ شخص نے گھٹا دیا، بڑھا دیا، بدل دیا، یا حضرت جناب امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم خواہ دیگر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے کسی کو انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتسلیم کل یا بعض سے افضل بتائے، قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مثل مرتدین کے ہے والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا (الی ان قال) وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذافی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کے اس قول پر کہ "مردے دنیا پر واپس آتے ہیں" ان کی تکفیر ضروری ہے (عالمگیری نے یہاں تک کہا کہ) یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے۔ (ت)

آج کل عامہ روافض اسی قسم کے ہیں ان کے عالم جاہل چھوٹے بڑے تحریراً تقریراً علی الاعلان ان کفریات کا اعتراف کرتے اور ان کے معتقد کو مومن کامل جانتے ہیں اور اپنا پیشوا و مجتہد مانتے ہیں تو اگر ان میں بعض بالفرض خود معتقد نہ تھے تو یوں کافر ہوئے، شفاء شریف میں ہے:

نکفر من دان بغیر ملۃ المسلمین او وقف فیھم او شك اوصحح مذھبھم وان اظھر مع ذلك الاسلام واعتقدہ[2] **الخ واقرہ علیہ العلامۃ الخفاجی فی**	جس نے ملت اسلامیہ کے علاوہ کسی دین کو اپنایا ان میں شک یا توقف رہا یا ان کے مذہب کو صحیح کہا تو ایسے لوگوں کی ہم تکفیر کریں گے اگرچہ یہ لوگ اسلام اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو المقالات مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی بلاد العثمانیۃ ۲/ ۲۷۱

نسیم الریاض۔	اس کے اعتقاد کا اظہار کریں الخ اور علامہ خفاجی نے اسے نسیم الریاض میں مضبوط قرار دیا۔(ت)

اس لئے کہا جاتا ہے کہ روافض زمانہ میں کسی ایسے کا ملنا جسے ایک ضعیف طور پر بھی مسلمان کہہ سکیں کبریت احمر کے ملنے سے کچھ زیادہ ہی دشوار ہے، فقیر غفراللہ تعالٰی نے یہ مسئلہ اپنے فتاوی میں مشرحًا بیان کیا اور بارہا ان لوگوں سے بطلان مناکحت پر فتوی دیا، اکابر مشاہیر علمائے عصر اس افتاء میں فقیر سے موافق ہیں، ہاں جو اس درجہ کا نہ ہو اور ضروریات اسلام سے کسی شے کا انکار نہ کرتا ہو نہ اس کے منکروں کو مسلمان جانتا ہو اگرچہ اپنی خباثت سے تبرائے ملعونہ شیعہ مغضوبہ تک پہنچے صحیح مذہب مشرب پر بدعتی فاجر ہے، نہ مرتد کافر **کما حققہ ابی وسیدی مقدام المحققین قدس سرہ المکین فی فتاواہ** (جیساکہ میرے والد ماجد مقدام المحققین قدس سرہ نے اپنے فتاوی میں اس کی تحقیق فرمائی۔ت) پس اگر زید مذکور جس کے ساتھ لیلٰی کا نکاح ہوا درجہ اول کا رافضی تھا جب تو وہ نکاح یقینا جزمًا باطل محض ہے جیسے کسی ہندو نصرانی یہودی مجوسی کے ساتھ بلکہ ان سے بھی بدتر مرتد اخبث اقسام کفار ہے، **والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی**، اس صورت میں لیلٰی کو ایک آن کا انتظار بھی ضرور نہیں بے دغدغہ جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اس کا رافضی درجہ دوم سے متجاوز نہ تھا تو صورت مسئولہ میں کہ نکاح باپ نے کیا اور تقریر سوال سے واضح کہ جب تک فریب زید نہ کھلا تھا لیلٰی و والدین لیلٰی سب راضی تھے پس عام ازیں کہ لیلٰی وقت نکاح بالغہ تھی یا نہیں ہر طرح نکاح منعقد ہوگیا مگر از انجا کہ رافضی مرد وزن سنیہ بنت سنی کا کفو نہیں ہوسکتا اور زید نے اپنے آپ کو سنی بتا کر فریب ومغالطہ دیا لہٰذا شرع مطہر اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار دے گی، اگر لیلٰی ہنگام نکاح صغیرہ تھی تو بعد بلوغ اسے اعتراض وانکار کا اختیار ہوا یا ہوگا، اور بالغہ تو جس وقت فریب زید کھلا اسے اور اس کے اولیاء سب کو اختیار دعوی فسخ ملا، ردالمحتار میں ہے:

فی النوازل لوزوج بنتہ الصغیرۃ ممن ینکرانہ یشرب المسکر فاذا ھو مدمن لہ وقالت لاارضی بالنکاح ای بعدما کبرت ان لم یکن یعرف الاب بشربہ وکان غلبۃ اھل بیتہ صالحین فالنکاح باطل لانہ انمازوجہ علی ظن انہ کفو اھ ثم معناہ انہ سیبطل کمافی الذخیرۃ	نوازل میں ہے اگر اپنی نابالغہ بیٹی کا نکاح ایسے شخص سے کردیا جو شراب نوشی کا انکار کرتا تھا حالانکہ وہ شراب کا عادی تھا، تو لڑکی نے بالغ ہونے پر کہا میں اس نکاح سے راضی نہیں اگر والد کو شراب نوشی کا علم نہ تھا اور والد کا غالب خاندان صالحین لوگ ہیں تو یہ نکاح باطل قرار پائے گا، کیونکہ والد نے کفو سمجھتے ہوئے نکاح دیا تھا اھ پھر اس باطل کا

لان المسئلة مفروضة فیما اذا لم ترض البنت بعدما کبرت کما صرح به فی الخانیة والذخیرة وغیرهما ولا فرق فی عدم الکفاءة بین کونه بسبب الفسق اوغیره اھ ملتقطا۔[1]	مطلب یہ ہے کہ اس نکاح کو باطل کیا جائے گا جیساکہ ذخیرہ میں ہے، کیونکہ مسئلے کا تعلق اس صورت سے ہے کہ لڑکی نے بالغ ہوجانے پر عدم رضا کااظہار کیا ہو جیساکہ خانیہ میں ہے، ذخیرہ وغیرہما میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔اور عدم کفاءت میں فرق نہیں خواہ فسق کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے ہو، اھ ملتقطا۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوزوجوها برضاها ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا، لاخیار لاحد الا اذا شرطوا الکفاءة اواخبرهم بها وقت العقد فزوجوها علی ذٰلك ثم ظهر انه غیر کفو لهم الخیار ولوالجیة فلیحفظ۔[2]	جب اولیاء نے لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے غیر کفو میں لاعلمی کی بناپر کردیا اور بعد میں کفو نہ ہونا معلوم ہوا تواب کسی کو فسخ کا اختیار نہیں۔ مگر جب نکاح کے وقت اولیاء نے کفو ہونے کی شرط پر نکاح دیا ہو یا خاوند نے نکاح کے وقت اپنے کفو ہونے کا اظہار کیا ہو تو اس کے اظہار پر انھوں نے نکاح کردیا ہو پھر بعد میں معلوم ہوا ہو کہ یہ غیر کفو ہے تو اب ان کو فسخ کا اختیار ہے، ولوالجیہ، پس اسے یاد کرلو۔ (ت)

شامی میں ہے:

فی البحر عن الظهیریة لو انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فان ظهر دونه وهو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت للکل۔[3]	بحر میں ظہیریہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے نکاح کے وقت لڑکی پر اپنے نسب کو بدل کر کسی اور کی طرف منسوب کیا تو بعد میں اگر اس کا نسب گھٹیا جو کہ کفو نہیں ہے، معلوم ہوا تواب سب کو فسخ کا حق ہے۔(ت)

مگر اس اختیار کے یہ معنی نہیں کہ عورت یا اولیاء خود ہی فسخ کرلیں کہ یہ تو ہرگز جائز نہیں اور اس پر قناعت کرکے نکاح ثانی کرلیں گے تو زنہار نہ ہوگا بلکہ اس کے یہ معنی کہ قاضی شرع کے یہاں رجوع لائیں جب اس کے نزدیک آفتاب روشن کی طرح ثابت ہوجائے کہ واقعی زید رافضی تھا اور اس نے ان لوگوں کو

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۷

دھوکا بھی دیا یہ اس وقت تک کہ اس کے احوال سے آگاہ نہ تھے۔نہ اب زید کا پتا ہے (کہ اسے بلا کر اس کے حضور مقدمہ سنا جائے) یا پتا معلوم ہے تو وہ ایسی جگہ ہے جہاں قاضی نہیں (کہ مقدمہ ترتیب دے کر گواہ سن کر بلحاظ شرائط کتاب القاضی الی القاضی وہاں بھیج دیں کہ وہ قاضی اسے دارالقضا میں حاضر کرکے بمواجہہ فریقین حکم فسخ سنادے) اور زید کو یہاں بلاتے ہیں تو آتا نہیں اور اس پر جبر کا کوئی طریقہ نہیں، غرض ہر طرح قاضی مذکور ضرورت ومجبوری ملاحظہ کرلے اس وقت زید کے عزیزوں یا دوستوں سے کسی کو اور وہ نہ ملیں تو اور کسی بے لگاؤ متدین آدمی کو زید کا نائب ووکیل قرار دے کر اس کے حضور مقدمہ سنے اور بعد ثبوت کامل نکاح فسخ کردے اور ازانجا کہ حسب تصریح سوال ہنوز زید ولیلٰی میں خلوت نہ ہوئی تھی اصلاً انتظار وعدت کی حاجت نہیں حکم قاضی ہوتے ہی فوراً جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

لایکون الفسخ لعدم الکفاءۃ الاعند القاضی لانہ مجتھد فیہ [1] الخ۔	کفو نہ ہونے کی وجہ سے فسخ صرف قاضی کی موجودگی میں ہوسکتا ہے کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔الخ (ت)

درمختار میں ہے:

شرط للکل القضاء لاثمانیۃ [2] الخ۔	ہر فسخ کے لئے قضا شرط ہے ماسوائے آٹھ صورتوں کے الخ۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیہ ایماء الی ان الزوج لو کان غائبا لم یفرق بینھما مالم یحضر للزوم القضاء علی الغائب نھر [3]۔	اسی میں اشارہ ہے کہ اگر خاوند حاضر نہ ہو تو اس کی حاضری تک تفریق نہ کی جائے گی تاکہ قضاء علی الغائب لازم نہ آئے۔نہر (ت)

اور اسی میں ہے:

قال فی جامع الفصولین الظاھر عندی ان یتأمل فی الوقائع ویحتاج ویلاحظ الحرج والضرورات فیفتی	جامع الفصولین میں کہا ہے کہ میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ واقعہ پر غور کیا جائے اور احتیاط کی جائے اور حرج اور ضروریات کا اندازہ کیا جائے تاکہ اس

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الاکفاء نولکشور لکھنؤ ۱/۱۶۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷

بحسبھا جوازًا اوفسادًا مثلا لو طلق امرأته عند العدل فغاب عن البلد ولایعرف مکانه او یعرف ولکن یعجز عن احضارہ اوعن تسافر الیه ھی اووکیلھا لبعدہ اولمانع اخرففی مثل ھذا لوبرھن علی الغائب وغلب علی ظن القاضی انه حق لا تزویر ولا حیلة فیه فینبغی ان یحکم علیه وله وکذا للمفتی ان یفتی بجوازہ دفعا للحرج والضرورات مع انه مجتھد فیه ذھب الیه الائمة الثلثة وفیه روایتان عن اصحابنا وینبغی ان ینصب عن الغائب وکیل یعرف انه یراعی جانب الغائب ولایفرط فی حقه اھ واقرہ فی نورالعین قلت ویؤیدہ مافی الفتح من باب المفقود لایجوز القضاء علی الغائب الا اذا رأی القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه فحکم فانه ینفذ لانه مجتھد فیه [1] اھ ملخصًا۔	لحاظ سے صحت وفساد کا فتوی دیا جائے، مثلا اگر کسی نے عادل شخص کی موجودگی میں بیوی کو طلاق دی اور شہر سے چلا گیا اس کی جگہ معلوم نہ ہو یا علم ہو لیکن وہاں سے اس کو یہاں حاضر کرنا یا وہاں خود پہنچنا دشوار ہو اور خود بیوی یا اس کے وکیل کا دوری کی وجہ سے سفر کرنا مشکل ہو یا کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں اس غائب خاوند کے خلاف شہادت گزرے اور قاضی کو اس کے حق ہونے کا ظن غالب ہوجائے اور معلوم ہوجائے کہ اس میں کوئی حیلہ اور فریب نہیں ہے تو وہ خاوند کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ دے دے، یونہی مفتی کو چاہئے کہ اس غائب کے بارے میں فیصلے کا فتوی دے دے تاکہ حرج اور ضرورت ختم ہوسکے جبکہ یہ مسئلہ بھی اجتہادی ہے اور ائمہ ثلاثہ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں، اور ہمارے ائمہ کے اس میں دو قول ہیں، اور مناسب یہ ہے کہ غائب شخص کی طرف سے کوئی وکیل مقرر کردیا جائے جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ غائب کی رعایت کرتے ہوئے کوتاہی نہیں کرے گا اھ اس کو نورالعین میں ثابت رکھا ہے، میں کہتا ہوں اور اس کی تائید فتح میں باب المفقود کے اس جزئیہ سے ہوتی ہے کہ قضاء علی الغائب ناجائز ہے مگر جب قاضی غائب کے حق یا خلاف فیصلہ دینے میں کوئی مصلحت سمجھے تو فیصلہ دے دے تو نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اھ ملخصا (ت)

تنویر میں ہے:

العدة سبب وجوبھا النکاح المتاکد	عدت کے وجوب کا سبب وہ نکاح ہے جس میں رخصتی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مطلب المسائل التی یکون القضاء فیھا الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۹

بالتسلیم وماجری مجراہ [1]۔	ہو چکی ہو یا اس کے قائم مقام کوئی معاملہ ہو۔ (ت)

اور اگر لیلٰی کے شہر میں کوئی قاضی نہ ہو تو اس کی تدبیر ہم مسئلہ مفقود میں لکھ چکے ہیں واللہ اعلم بالصواب والیہ سبحانہ وتعالٰی المرجع والمآب (اللہ تعالٰی ہی درستی کو جانتا ہے اور اس کی پاک ذات کی طرف ہی پناہ اور لوٹنا ہے۔ت)

مسئلہ ۴۳۱: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زن بازاری کے لڑکا پیدا ہوا جب وہ لڑکا سن بلوغ کو پہنچا تب اس نے دین اسلام قبول کیا اب جو شخص کہ پہلے سے اہل اسلام تھا اسے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح اس کے ساتھ کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے، قال اللہ عزجلالہ: لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا [2] الآیۃ مشرکوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ مومن نہ ہو جائیں۔ت) مگر یہ نکاح غیر کفو کے ساتھ ہے دو وجہ سے:

اولاً عورت قدیمی مسلمان ہے اور یہ شخص نو مسلم، اور نو مسلم مسلمان قدیم کا کفو نہیں،

فی الدرالمختار مسلم بنفسہ غیر کفو لمن ابوھا مسلم [3]۔	درمختار میں ہے: خود مسلمان ہونے والا ایسی لڑکی کا کفو نہیں ہے جس کا باپ مسلمان ہوا ہو۔ (ت)

ثانیاً اس کی ماں زنان بازاری سے تھی اور ان بلاد کا عرف عام ہے کہ ایسے شخص سے نکاح کر دینا اولیائے زنان کے لئے قطعاً موجب عار ہوتا ہے اور یہی مبنائے عدم کفاءت ہے۔

فی الفتح القدیر الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ [4]۔	فتح القدیر میں ہے: اس کا سبب اہل عرف کا ناقص سمجھنا ہے لہٰذا حکم کا مدار یہی بنے گا (ت)

لہٰذا اس میں ان سب شرائط کا لحاظ واجب ہوگا جو غیر کفو سے نکاح کرنے میں ہیں مثلاً جبکہ دختر نابالغہ ہے اور باپ برضائے خود اس شخص کے نکاح میں دینا چاہتا ہے تو لازم ہے کہ اس سے پہلے اپنی

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۱

[3] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

[4] فتح القدیر باب الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۳

کسی بیٹی کا نکاح غیر کفو سے نہ کرچکا ہو ورنہ ناجائز ہوگا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح بغیر کفو ان کان الولی ابا اوجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار وان عرف لایصح النکاح اتفاقا[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ یہ نکاح غیر کفو میں تب صحیح ہوگا جب نکاح کا ولی باپ یا دادا ہو بشرطیکہ وہ سوء اختیار میں مشہور نہ ہوں۔ اور اگر ہوں تو پھر صحیح نہیں ہوگا، اس مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳۲: از شہر کہنہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کا نکاح عمرو کے ساتھ کیا، عمرو کی نسبت اس وقت شبہہ ہوا تھا کہ شاید رافضی ہو اس پر اس سے پوچھا گیا اس نے صاف انکار کیا اور اپنے آپ کو سنی بتایا اور بہت صفائی کے ساتھ اپنے سنی ہونے کا اطمینان دلایا یہاں تک کہ ہندہ کے معمولی اذن ورضا سے نکاح ہوگیا ہندہ رخصت ہوکر عمرو کے یہاں گئی کچھ عرصہ بعد جب ماہ محرم آیا اور زید نے ہندہ کو اپنے یہاں بلایا اس وقت عمرو کا رافضی ہونا ظاہر ہوا اس نے ہندہ کا زیور وغیرہ سب اتار کر ایک نیلا چیتھڑا رافضیوں کا ساڑھا کر ہندہ کو بھیج دیا اور تحقیق ہوا کہ عمرو رافضی ہے، جب سے زید نے ہندہ کو اس کے یہاں جانے نہ دیا، اب علماء اہل سنت سے فتوی طلب ہے کہ اس صورت میں عمرو رافضی اور ہندہ سنیہ کا نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ آج کل عام رافضی ضروریات دین کے منکر اور دائرہ اسلام سے قطعًا خارج ہیں جن سے کسی کا نکاح اصلا کسی طرح نہیں ہوسکتا بفرض باطل اگر یہ شخص اس حد کا نہ بھی ہو نہ ان کا منکران ضروریات دین اور ان کے مجتہدین کو مسلمان جانتا ہو تاہم اس قدر میں شک نہیں کہ رافضی سنی کا کفو نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

وتعتبر یعنی الکفاءۃ فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفو الصالحۃ[2] الخ۔	عرب وعجم میں کفاءت دینداری کی یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے لہٰذا فاسق شخص صالحہ لڑکی کا کفو نہ ہوگا الخ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ میں فرماتے ہیں:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھوا شد من الفسق من حیث العمل لان الفاسق من حیث العمل یعترف بانہ فاسق ویخاف ویستغفر بخلاف المبتدع والمراد بالمبتدع من یعتقد شیئا علی خلاف مایعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ[1]۔	بدعتی شخص اعتقادی لحاظ سے فاسق ہے اور یہ عمل فسق سے زیادہ برا ہے کیونکہ عملی فاسق اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اس لئے وہ ڈرتا ہے اور استغفار کرتا ہے بخلاف بدعتی کے، اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہلسنت وجماعت کے اعتقاد کے خلاف اعتقاد بنائے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار میں زیر قول شرح تزوجتہ علی انہ حر اوسنی اوقادر علی المھر والنفقۃ فبان بخلافہ[2] (جب نکاح دینے والا کہے میں نے آزاد، سنی اور مہر ونفقہ دینے پر قادر سمجھ کر نکاح کیا ہے تو بعد کو اس کے خلاف ظاہر ہوا۔ت) فرمایا:

لفقد الکفاءۃ بالرق فی الاول وفی الدین فی الثانی وفی المال فی الثالث[3]۔	پہلی صورت (آزاد) میں غلامی کی وجہ سے، دوسری میں دین کی وجہ سے، اور تیسری میں مال کی وجہ سے کفو نہ ہوئی۔(ت)

اور جبکہ ہندہ عاقلہ بالغہ تھی اور نکاح اس کے اذن سے واقع ہوا تو حقیقۃً وہ ہندہ کا خود اپنا نکاح کرنا تھا کہ بالغہ پر سے ولایت منقطع اور فعل وکیل فعل مؤکل ہے خصوصا نکاح میں کہ یہاں تو وکیل سفیر ومعبر محض ہوتا ہے اور تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ زید ولی ہندہ کو اس وقت تک عمرو کا رافضی ہونا معلوم نہ تھا عمرو نے براہ فریب اسے مغالطہ دیا اور وہ اسے سنی سمجھ کر نکاح پر راضی ہوا تو حاصل اس صورت کا یہ ٹھہرا کہ عورت نے اپنا نکاح غیر کفو سے کیا اور ولی کو پیش از نکاح اس کے غیر کفو ورافضی ہونے پر اطلاع نہ تھی، ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ تو یہ ہے کہ عورت اور اس کے ولی دونوں کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار ہے، درمختار میں ہے:

تزوجتہ علی انہ سنی فبان بخلافہ کان لھا الخیار فلیحفظ[4] انتھی ملخصًا۔	عورت نے سنی ہونے کی وجہ سے نکاح کیا اور اس کے خلاف پایا تو اسے فسخ کا اختیار ہے اسے محفوظ کرلو انتہی ملخصا (ت)

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار باب العنین وغیرہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۱۳

[4] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵

اسی میں ہے:

اذا شرطوا الکفاءۃ اواخبرھم بھا وقت العقد فزوجھا علی ذلك ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ولو لوالجیۃ فلیحفظ[1]۔	اگر کفو ہونے کی شرط پر ولیوں نے نکاح دیا یا نکاح کے وقت انھیں کفو کی خبر دی گئی تو اس بنا پر انھوں نے نکاح کردیا، پھر ظاہر ہوا کہ وہ ایسا نہیں یعنی غیر کفو ہے تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے، ولوالجیہ، اسے محفوظ کرلو۔(ت)

مگر روایت صحیحہ ومفتی بہاپر نکاح اصلا نہ ہوا، فتاوی خیریہ میں ہے:

سئل فی بکر بالغۃ زوجھا اخوھا من غیر کفو باذنھا اجاب تزویجہ لھا باذنھا کتزوجھا بنفسھا وھی مسئلۃ من نکحت غیر کفو بلارضا اولیائھا افتی کثیر بعدم انعقادہ اصلا وھی روایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ ففی المعراج معزیا الی قاضی خاں وغیرہ والمختار للفتوی فی زماننا روایۃ الحسن[2] اھ ملخصا۔	باکرہ بالغہ کا اس کے بھائی نے غیر کفو میں نکاح کردیا جبکہ لڑکی نے اجازت دی ہو، سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا کہ لڑکی کی اجازت سے نکاح ایسے ہے جیسے لڑکی نے خود نکاح کیا ہو، یہ مسئلہ لڑکی کا خود غیر کفو میں اپنے اولیاء کی رضا کے بغیر نکاح کرنے کا ہے، بہت فقہاء نے اس نکاح کے اصلا منعقد نہ ہونے پر فتوی دیا ہے، اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، تو معراج میں اس کو قاضی خاں وغیرہ کی طرف سے منسوب کرکے کہا کہ ہمارے زمانے میں فتوی کے لئے یہی مختار ہے جو امام حسن نے روایت کی ہے اھ ملخصا(ت)

درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[3]۔	غیر کفو میں اصلا جائز نہ ہونے کا فتوی دیا جائے گا، فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے، لہذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو اور وہ اس نکاح ثانی پر راضی نہ ہوا ہو، اس کو محفوظ کرلو۔(ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[2] فتاوی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بلارضی نفی منصب علی المقید الذی ھو رضی الولی والقید الذی ھو بعد معرفتہ ایاہ فیصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلک [1] اھ۔	ماتن کا قول "بغیر رضا" یہ مقید کی نفی ہے اور وہ ولی کی رضا ہے اور اس کی قید " جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو" ہے تو اس کا مصداق یہ تمام صورتیں ہوں گی، غیر کفو ہونے کے علم کے بعد رضا نہ ہو، یا علم غیر کفو اور رضا دونوں نہ ہوں، یا رضا ہو مگر غیر کفو کا علم نہ ہو، تو ان تینوں صورتوں میں وہ حلال نہ ہوگی، صرف ایک چوتھی صورت حلال ہوگی کہ غیر کفو ہونے کا علم ہونے کے باوجود رضا ہو، اھ ح (ت)

پس صورت مستفسرہ میں حکم یہ ہے کہ عمرو وہندہ کا نکاح اصلا منعقد نہ ہوا، نہ وہ اس کا شوہر ہے نہ یہ اس کی زوجہ، نہ اسے اس کے یہاں بھیجنا یا جانا روا، نہ اس کو اس پر کسی قسم کا اختیار یا دعوی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳۳: از دیورنیا مسئولہ عنایت حسین صاحب ۸ شوال ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی بھتیجی کا نکاح اپنے سالے کے ساتھ میں کردیا اور اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ شخص جملہ منہیات میں مبتلا ہے جیسے شراب خوری اور جوابازی اور زناکاری اور چوری کرتا ہے تمام، اور عارضہ سوزاک اور آتشک وغیرہ کا موجود ہے، اور رعلاوہ اس کے غیر کفو بھی ہے، اور تارک الصلوۃ ہے، اور خوش دامن وغیرہ اس کی صالحین میں سے ہیں اور ان کو اس تقریب سے نہایت خفت اور ذلت اور عار معلوم ہوتی ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ لڑکی وقت نکاح نابالغہ ویتیمہ تھی اور اس کا کوئی بھائی بھی نہیں، چچا نے جس سے نکاح کیا وہ پیش از نکاح بھی ایسا ہی بدرویہ وبداطوار تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو نکاح مذکور اصلا نہ ہوا،

فی الدرالمختار ان کان المزوج غیرھما	اگر نکاح کردینے والا باپ دادا کا غیر ہو تو غیر کفو سے

[1] ردالمحتار باب الولی احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

ای غیر الاب وابیہ لایصح النکاح من غیر الکفو اصلا ومافی صدر الشریعۃ صح ولھما فسخہ وھم[1]۔(ملخصاً)	اصلا نکاح نہ ہوگا۔اور جو صدر الشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح اور باپ دادا کو اس کے فسخ کا اختیار ہے یہ صرف وہم ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وتعتبر فی العرب والعجم دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ او فاسقۃ بنت صالح معلنا کان اولاعلی الظاھر نھر[2]۔انتھی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	عرب وعجم میں کفاءت دینداری یعنی پرہیزگاری کی معتبر ہے،دیانت سے مراد تقوی ہے،لہذا کوئی فاسق کسی صالحہ یا فاسقِہ بنت صالح کے لئے کفو نہیں بن سکتا،فسق اعلانیہ ہو یا غیر اعلانیہ،یہ ظاہر الروایت ہے،نہر انتھی،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سید زادی کا نکاح اس کے چچانے گیارہ برس کی عمر میں بے اطلاع باپ کے ان کی غیبت میں زید پٹھان سے کردیا،آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

پٹھان سید زادی کا کفو نہیں ہوسکتا،تو یہ نکاح کہ بے اطلاع پدر تھا،عام ازانکہ ہندہ اس وقت بالغہ ہو خواہ نابالغہ اس نکاح پر راضی تھی خواہ ناراض مطلقًا محض باطل واقع ہوا،یہاں تک کہ اب اگر اس کا باپ بھی جائز رکھے تو درست نہیں ہوسکتا،زید وہندہ کو باہم قربت نارواِ،اور ہندہ اب اگر بالغہ ہو تواسے ورنہ اس کے ولی کو اختیار ہے کہ بے طلاق لئے جس سے چاہے نکاح کردے،زید ہرگز مزاحم نہیں ہوسکتا کہ مذہب مفتٰی بہ پر وہ محض اجنبی ہے،

فی ردالمحتار عن کافی الامام الحاکم الشھید، قریش بعضھا اکفاء لبعض والعرب بعضھم اکفاء لبعض ولیسوا باکفاء لقریش ومن کان لہ من الموالی ابوان اوثلثۃ فی	ردالمحتار میں ہے کہ امام حاکم شہید کی کافی میں ہے کہ قریش ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں،اور عرب ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں مگر قریش کے لئے کفو نہیں اسلام میں اگر کسی کے دو باپ یعنی باپ دادا،یا تین ۳

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

الاسلام فبعضهم اکفاء لبعض ولیسوا باکفاء للعرب [1] اھوفی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلث نکحت غیر کفو بلا رضی ولی بعد معرفته ایاہ فلیحفظ [2] اھ وفی ردالمحتار عن البحر الرائق اذاکان لها ولی لم یرض به قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ [3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	باپ آزادی میں ہو گزرے ہوں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے لیکن عربوں کے کفو نہیں ہوں گے اھ، اور درمختار میں ہے کہ ولی کی رضاکے بغیر غیر کفو میں نکاح اصلا صحیح نہ ہوگا اور فساد زمان کی بناپر اسی پر فتوی ہے، لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر غیر کفو میں ولی کی عدم رضاکے باوجود نکاح کرلیا جبکہ ولی کو شوہر ثانی کے غیر کفو ہونے کا علم ہو تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اس کو محفوظ کرلو اھ، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ جب لڑکی کا ولی نکاح سے قبل راضی نہ ہو تو بعد کی اجازت کارآمد نہ ہوگی اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ولیہ ہندہ کو کہ سید زادی ہے دھوکہ دے کر اپنی قوم اور اپنا اور اپنے باپ کا مشہور نام اور اپنی ماں کا کنیز غیر شرعی ہونا چھپا کر بذریعہ تحریر وتقریر اپنے آپ کو شیخ یا سید اور ڈھائی بسوہ حقیت کا مالک ظاہر کرکے ہندہ سے نکاح کرلیا اور اس ملک فرضی کو مہر ہندہ قرار دیا، بعد خلوت صحیحہ ہندہ کو معلوم ہوا کہ نہ زید کا وہ نام نہ قوم نہ زمین، بلکہ وہ کنیزک غیر شرعی سے پیدا ہوا ہے، اب ہندہ ناراضمند ہو کر فسخ نکاح چاہتی ہے، آیا صورت مستفسرہ میں نکاح کو خود فسخ یا اس کے فسخ کا دعوی کرسکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ نابالغہ ہے اور یہ نکاح اَب وجَد نے نہ کیا یا انھیں نے کیا مگر اس بارہ میں اُن کی بے احتیاطی ہوئی تھی یعنی کبھی اور بھی کسی بیٹی پوتی کا غیر کفو دنی القوم یا محتاج سے نکاح کرچکے ہوں تو یہ نکاح اصلا صحیح نہ ہوا، اگر ہندہ کے لئے دور ونزدیک کہیں کوئی ولی مرد عصبہ عاقل بالغ حر مسلم مثلا باپ دادا بھائی بھتیجا اپنا چچا یا اپنے باپ دادا کا چچا یا ان میں کسی کی اولاد ذکور عام ازاں اَب وجَد کے سوا یہ سب سگے ہوں یا سوتیلے موجود ہے اور یہ نکاح اس کے بے اطلاع ہوا یا مطلع تھا

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۹

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

مگر اس نے صراحۃً نکاح کی اجازت نہ دی اگرچہ سکوت کیا ہو، اگرچہ مجلس عقد میں موجود رہا ہو، یا صراحۃً اجازت ورضا مندی بھی ظاہر کی بلکہ خود متولی نکاح ہوا، مگر وہ ان حالات باطنہ زید پر وقوف نہ رکھتا تھا تو ان سب صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر وہ نکاح محض باطل وکالعدم بلکہ شرعًا فی الحقیقت منعدم ہے اگرچہ بعد وقوع نکاح وعلم بحالات زید ولی ہندہ صراحۃً کہہ دے کہ میں ایسی حالت پر بھی اس نکاح پر راضی اور اسے جائز رکھتا ہوں تاہم کچھ حاصل نہیں کہ جو شرعًا باطل ہے کسی کی رضامندی سے صحیح نہیں ہوسکتا، اس تقدیر پر تو فسخ کی خود کیا حاجت کہ جب عقد ہوا ہی نہیں تو فسخ کیا کیا جائے۔

فی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان فلا تحل مطلقۃ ثلثا نکحت غیر کفو بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ [1] اھ فی ردالمحتار لایلزم التصریح بعدم الرضی بل السکوت منہ لایکون رضی کما ذکرنا فلا بد لصحۃ العقد من رضاہ صریحا وعلیہ فلو سکت قبلہ ثم رضی بعدہ لا یفید فلیتامل [2] اھ وفیہ یصدق بنفی الرضی بعد المعرفۃ وبعدمھا وبوجود الرضی مع عدم المعرفۃ ففی ھٰذہ الصور الثلثۃ لاتحل وانما تحل فی الصورۃ الرابعۃ وھی رضی الولی بغیر الکفو مع علمہ بانہ کذلك [3] اھ۔	درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے اصلا ناجائز ہونے پر فتوی دیا جائے گا، فساد زمان کی وجہ سے یہی مختار ہے لہٰذا مطلقہ ثلاثہ نے اگر ولی کو علم کے باوجود اس کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کردیا تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس کو محفوظ کرلو اھ ردالمحتار میں ہے کہ ولی کا اپنی عدم رضا کو صراحۃً بیان کرنا ضروری نہیں بلکہ اس کا سکوت ہی عدم رضا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، لہٰذا صحت نکاح کے لئے صراحۃً رضامندی کا اظہار ضروری ہے، اسی بناپر اگر پہلے خاموش رہا اور نکاح کے بعد راضی ہوگیا تو کارآمد نہیں غور کرو، اھ۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان صورتوں میں عدم رضا ہوگی، علم ہو رضا نہ ہو یا علم نہ ہو رضا ہو، یا غیر کفو کا علم اور رضا دونوں نہ ہوں، ان تینوں صورتوں میں وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی، اور صرف ایک صورت میں حلال ہوگی وہ یہ کہ اس کو غیر کفو ہونے کا علم ہو اور راضی ہو اھ۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

اور اگر ہندہ کے لئے اس قسم کا کوئی ولی نہیں یا جو ہیں وہ کل یا بعض یا دو صورت تفاوت درجہ صرف ولی اقرب پیش از نکاح باوجود وقوف بحالات زید صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرچکا ہو تو بشرطیکہ ہندہ بالغہ ہو صحت نکاح میں کچھ شبہہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۶: از شہر کہنہ ۴ رمضان مبارک ۱۳۱۳ھ

ماقولہم رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ پٹھان کے لڑکے کا سید کی لڑکی سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ لڑکی جوان ہے اور اس کا باپ زندہ، دونوں کو معلوم ہے کہ یہ پٹھان ہے اور دونوں اس عقد پر راضی ہیں، باپ خود اس کے سامان میں ہے، جب صورت یہ ہے تو اس نکاح کے جواز میں اصلاً شبہہ نہیں **کما نص علیہ فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں اس پر نص ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۷: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ہندہ بعمر چار سالہ ہوا تھا اور اس وقت عمر اس کے زوج بکر کی پانچ سال تھی جب بکر سن تمیز کو پہنچا تو مردی سے خارج ہے اور اور بہمراہی ہیز رقص کرتا ہے تو نامردی اوران حرکات زشت کے باعث والد ہندہ عار وکسر شان سمجھ کر دختر کے بھیجنے میں منکر ہے اور اب دختر کی عمر چودہ سال ہے، شوہر کو پسند وقبول نہیں کرتی، تو اس صورت میں دربارہ جواز وعدم جواز نکاح کا کیا حکم ہے اور بعد تفریق دین ومہر اس کا ذمہ شوہر پر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگرچہ مخنثوں کے ساتھ رقص کرنا بیشک زوال کفاءت کا باعث ہے کہ ایسے شخص سے رشتہ ضرور موجب ننگ وعار ہے مگر کفاءت کا اعتبار ابتدائے نکاح کے وقت ہے اگر اس وقت کفو ہو پھر کفاءت جاتی رہے تو اس کا لحاظ نہ ہوگا۔

فی الدر المختار والکفاءۃ اعتبارھا عند ابتداء العقد فلا یضر زوالھا بعدہ فلو کان وقتہ کفوا ثم فجر لم یفسخ[1]۔	درمختار میں ہے کہ کفو کا اعتبار ابتداء نکاح کے وقت ہے لہٰذا نکاح کے بعد اگر کفو ختم ہوجائے تو مضر نہیں جیسا کہ نکاح کے وقت صالح ہونے کی وجہ سے کفو تھا اور بعد میں وہ فاسق بن گیا تو نکاح فسخ نہ ہوگا۔(ت)

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۵

ظاہر ہے کہ خصلت شنیعہ بکر میں بعد نکاح پیدا ہوئی تو اس وجہ سے ابتداء اس کے نکاح پر اعتراض نہیں بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ آیا جس وقت نکاح ہوا اس وقت بھی بکر کفو ہندہ تھا یا نہیں اور مہر ہندہ میں اس کے مہر مثل سے کمی فاحش ہوئی یا نہیں اور نکاح ہندہ کے باپ یا اس کی عدم ولایت کی حالت میں دادا نے کیا یا ان کے غیر کے مثلاً ماں بھائی چچا وغیرہم نے اور ان میں سے کسی نے کیا تو بحالت ولایت خود کیا مثلاً باپ وغیرہ جو اس سے اقرب تھے شرعاً قابل ولایت نہ تھے خواہ ان کی ولایت نہ رہی تھی یا بحال عدم ولایت کیا تھا کہ دوسرا ولی اقرب موجود تھا پھر اس تقدیر پر ولی اقرب نے سن کر جائز کر رکھا یا رد کردیا ہنوز ساکت ہے، غرض صورتیں بہت ہیں اور ان سب کا حکم شرعی یہ کہ صغیرہ کا نکاح جب غیر اَب وجد نے کیا ہو اگر مہر مثل میں کمی فاحش کی یا زوج اسی وقت مثلاً بوجہ کم قوم ہونے کے کفو نہ تھا تو وہ نکاح سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتا۔ اگرچہ غیر ہی اسی وقت ولی اقرب ہو اور اگر اس وقت کفاءت تھی اور مہر میں بھی کمی فاحش نہ ہوئی تو بحال عدم ولایت نکاح اجازت ولی اقرب پر موقوف رہتا ہے، اگر اس نے جائز کردیا نافذ ہوگیا رد کردیا باطل ہوگیا، ساکت ہے تو ابھی اسے اختیار ہے کہ رد کردے خواہ نافذ، اور اگر وہ ساکت ہی رہے یہاں تک کہ صغیرہ سن بلبلوغ کو پہنچی تو اب اسے اختیار ہوگا کہ اس نکاح موقوف کو رد کردے یا نافذ کردے، اور بحال ولایت نکاح منعقد و نافذ ہوتا مگر صغیرہ کو خیار بلوغ ملتا ہے یعنی اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر نکاح کا حال اسے پہلے سے معلوم ہے تو جس وقت بالغہ ہو یعنی علامت بلوغ مثل حیض ظاہر ہو یا پندرہ برس کی عمر ہوجائے، اور اگر پہلے سے معلوم نہیں تو بعد بلوغ جس وقت نکاح کی خبر ہو کہہ دے کہ میں اس نکاح سے راضی نہیں۔ اس صورت میں حاکم مطلقًا نکاح فسخ کردے گا اگرچہ شوہر نامرد و مخنث نہ بھی ہو، مگر اس خیار میں کنواری لڑکی کو حکم ہے کہ بالغہ ہوتے ہی یا بعد بلوغ خبر پاتے ہی فورًا فورًا بلا توقف اپنی ناراضی ظاہر کرے، اگر ذرا دیر لگائے گی یہ خیار جاتا رہے گا اگرچہ شوہر نامرد و مخنث سہی، اور جو لڑکی شوہر رسیدہ ہو اسے اختیار وسیع ملتا ہے کہ بعد بلوغ یا بالغہ ہونے پر اطلاع کے بعد جب چاہے ناراضی ظاہر کرے نکاح فسخ کردیا جائے گا جب تک کہ وہ صراحۃً زبان یا کسی فعل مثل بوسہ لینے یا نان ونفقہ مانگنے سے رضامندی ظاہر نہ کرے، اور جب باپ دادا نکاح کریں تو صغیرہ کو اس راہ سے اصلا اختیار فسخ نہیں ہوتا اگرچہ کفاءت نہ ہو یا مہر مثل میں کمی فاحش ہو بشرطیکہ نکاح خود باپ دادا نے پڑھایا یا شوہر و مقدار مہر معین کرکے کسی کو وکیل کیا یا جس نے چاہا بلا اجازت پڑھادیا مگر جب باپ یا دادا ولی اقرب کو خبر ہوئی تو باوصف علم عدم کفاءت وغبن فاحش اسے نافذ کردیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ نکاح باپ دادا کا بذات خود ہی کیا ہوا ٹھہرے گا اور صغیرہ کو اصلا اختیار اعتراض نہ ملے گا مگر یہ کہ باپ دادا اس تزویج یا توکیل یا تنفیذ کے وقت نشے میں ہوں یا اس سے پہلے بھی اپنے بچے کا نکاح غیر کفو یا

مہر میں غبن فاحش کے ساتھ کرچکے ہوں تو یہ نکاح ان کا کیا ہوا بھی صحیح نہیں ہوتا۔

فی الدرالمختار لزم النکاح ولو بغبن فاحش اوبغیر کفو ان کان الولی المزوج بنفسہ ابا اوجدا لم یعرف منہما سوء الاختیار وان عرف لا یصح النکاح اتفاقا وکذا لو کان سکران، وان کان المزوج غیر الاب وابیہ ولوالام لایصح النکاح من غیر کفوا وبغبن فاحش اصلا وان کان من کفو وبمہر المثل صح ولکن لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ اوالعلم بالنکاح بعدہ بشرط القضاء للفسخ وبطل خیار البکر بالسکوت لو مختارۃ عالمۃ باصل النکاح ولایمتد الی اٰخر المجلس وان جہلت بہ، خیار الصغیر والثیب اذا بلغا لایبطل بالسکوت بلاصریح رضا او دلالۃ علیہ کقبلۃ ولمس اھ ملتقطا[1]، وفیہ عن النہر بحثا لو عین (ای الاب او الجد) لوکیلہ القدر (ای قدر المہر) صح[2] اھ موضحا، وفی ردالمحتار وکذا لو عین لہ	درمختار میں ہے کہ جب نکاح دینے والا باپ دادا ہو تو غیر کفو اور انتہائی کم مہر کی صورت میں بھی نکاح ہوجائیگا بشرطیکہ وہ باپ دادا سوءِ اختیار میں مشہور نہ ہوں، اور اگر وہ اس میں مشہور ہوں تو بالاتفاق نکاح صحیح نہ ہوگا، اور یہی حکم ہے جب وہ نشہ میں ہوں، اور اگر نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہوں خواہ ماں ہو تب بھی غیر کفو اور غبن فاحش یعنی انتہائی کم مہر کی صورت میں نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ہاں اگر مہر مثل اور کفو میں یہ نکاح ہو تو صحیح ہوگا لیکن لڑکی کو بلوغ یا بلوغ کے بعد علم پر فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ قاضی فسخ کرے، مذکورہ صورت میں اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہو اور غیر کفو کا کیا ہوا نکاح سُن کر خاموش رہے بشرطیکہ نکاح کا علم رکھتی ہو تو اس کا اختیار باطل ہوجائے گا، اور اس کا اختیار مجلس کے آخر تک باقی نہ رہے گا اگرچہ وہ اپنے اختیار کا علم نہ رکھتی ہو، اور اگر نابالغ لڑکا ہو یا لڑکی ثیبہ ہو تو بلوغ پر محض سکوت سے اختیار ختم نہ ہوگا جب تک صریح رضا یا اس کے قائم مقام کوئی عمل مثلاً بوس وکنار نہ کرے اھ ملتقطا، اسی میں نہر سے منقول ایک بحث ہے کہ اگر باپ دادا نے پورے مہر کی شرط پر غیر کو وکیل بنایا تو نکاح صحیح ہوگا اھ وضاحت ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ ایسے ہی ہوگا جب انھوں نے کفو کی شرط

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۹۳۔ ۱۹۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

رجلا غیر کفو کما بحثه العلامة المقدسی [1] اھ وفیه بعیدہ عن البحر عن المحیط. ان الجواز ثبت باجازۃ الولی فالحق بنکاح باشرہ [2] اھ وفی التنویر والدر (للولی الابعد التزویج بغیبة الاقرب) فلو زوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازته مسافة القصر واختار فی الملتقی مالم ینتظر الکفو الخاطب جوابه وعلیه الفتوی [3] اھ مختصرا. وفی فتح القدیر لو بلغ قبل ان یجیزہ الولی فاجاز بنفسه نفذ لانها کانت متوقفة [4] الخ۔

پر کسی کو وکیل بنادیا ہو، جیسا کہ یہ بحث علامہ مقدسی نے کی ہے اھ، اور اسی میں اس کے تھوڑا سا بعد بحر سے منقول ہے اور انھوں نے محیط سے کہ ولی کی اجازت سے کسی کا نکاح دینا یہ بھی ولی کے اپنے دئے ہوئے نکاح سے ملحق ہوگا اھ تنویر اور در میں ہے ولی اقرب کی غیر حاضری میں ولی ابعد کو نکاح کا اختیار ہے، تو اگر ولی اقرب کی موجودگی میں ولی ابعد نے نکاح دیا تو یہ ولی اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا، غیر حاضری یہ ہے کہ سفر کی مدت پر یا اتنے بعد پر ہو کہ منگنی والا واپسی اس کے جواب واجازت کا انتظارہ نہ کرتا ہو اور اسی پر فتوی ہے اھ مختصرا اور فتح القدیر میں ہے کہ اگر نابالغ ولی کی اجازت دینے سے قبل بالغ ہوجائے تو پھر خود اس کو اختیار ہوگا تو اس کی رضا پر نکاح نافذ ہو جائے گا کیونکہ یہ نکاح موقوف تھا الخ (ت)

پس اگر ہندہ میں صورت واقعہ وہ تھی جس میں نکاح سرے سے صحیح ہی نہ ہوا یا صحیح ہو کر بسبب رَدِّ ولی اقرب باطل ہوگیا، جب تو ظاہر ہے کہ بکر کو ہندہ پر کوئی دعوی نہیں پہنچتا، نہ وہ اس کی زوجہ نہ یہ اس کا شوہر، اور جب کہ ہنوز رخصت نہیں ہوئی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے مہر اصلا لازم نہیں بلکہ ایسی حالت میں اگر فی الواقع مرد نامرد ہو تو اس صورت میں مہر لازم ہونے کی کوئی شکل نہیں کہ نکاح غیر صحیح ہو تو مہر جماع سے لازم ہوتا ہے اور نامرد قابل جماع نہیں، اور اگر صورت وہ ہو جس میں نکاح ہنوز اجازت صاحب اجازت پر موقوف ہو تو اگر پدر ہندہ کی جانب سے قبل اس نکاح کے اجازت ورضا متحقق نہ ہوئی تھی تو اب اس انکار سے رد ہوگیا، اور اگر یہ انکار اس طور پر ہے کہ نکاح کو تو رد نہیں کرتا مگر رخصت کرنا نہیں چاہتا تو اب یہ ولی ہندہ

---

[1] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۵

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

[4] فتح القدیر فصل فی الاولیاء نوریہ رضویہ سکھر ۳/۱۹۸

یا بحال بلوغ خود ہندہ کے ہاتھ کی بات ہے رد کردیں رد ہوجائے گا اور جب کہ جماع نہ ہوا مہر کچھ نہیں کما یاتی لکونہ فسخا (جیسا کہ آئندہ آئیگا کیونکہ یہ فسخ کی صورت ہے۔ت) اور اگر صورت وہ تھی جس میں ہندہ کو خیار بلوغ ملے اور وہ اس خیار کو حسب شرائط مذکورہ استعمال میں لاچکی، یا ہنوز اس کا وقت نہیں آیا کہ ہندہ ابھی نابالغہ ہے تو جب تک وقت آئے استعمال میں لائے تو بھی ہندہ کو نجات کامل بے دقت حاصل کہ فقط اس کا یہ اظہار ناراضی کرنا ہی حکم فسخ کا منشا ہوجائے گا اور حاکم مجرد اسی بناء پر نکاح فسخ کردے گا اور اب بھی مہر اصلا عائد نہ ہوگا کہ نکاح فسخ سے گویا کالعدم (یعنی بے ہوا) ہوجاتا ہے۔

فی ردالمحتار المھر کما یلزم جمیعه بالدخول کذا بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلك فیسقط ولو الخیار منه لان الفرقة بالخیار فسخ للعقد والعقد اذا انفسخ یجعل کانه لم یکن کما فی النھر [1]۔	ردالمحتار میں ہے: جس طرح دخول وجماع سے مہر لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل خاوند یا بیوی کے فوت ہوجانے سے مہر لازم ہوجاتا ہے اور دخول کے بغیر موت اور موت کے بغیر ساقط ہوجائے گا، اگرچہ لڑکے کو اختیار ہو تب بھی فسخ کرنے سے مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فسخ نکاح کو کالعدم کردیتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے (ت)

ہاں اگر صورت وہ تھی جس میں ہندہ کو خیار بلوغ سرے سے نہ ملا، یا ملا تھا، اور از انجا کہ ہندہ کنواری ہے جسے خیار وسیع نہیں ملتا بوجہ سکوت ساقط ہوگیا تو اب بالفعل ہندہ خواہ اس کے باپ کو اصلا کوئی حق اعتراض وانکار حاصل نہیں، نکاح صحیح وتام ہوچکا اور اُن حرکات شنیعہ کا بکر میں پیدا ہوجانا مبطل یا وجہ ابطال نکاح نہیں، اور ابھی کہ ہندہ کی رخصت نہ ہوئی نامردی بکر کا دعوی قابل سماعت نہیں کہ عورت کے حق میں نامرد وہ ہوتا ہے جو خاص اس عورت کے فرج داخل کے اندر ذکر حشفہ تک غائب کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ باختلاف زمان مختلف ہوسکتا ہے ممکن کہ کوئی شخص ایک عورت کی فرج میں ادخال نہ کرسکے اور دوسری پر قادر ہوجائے تو اس دوسری کے حق میں نامرد نہ ہوگا۔

فی الھندیة عن النھایة ان کان یصل الی الثیب دون الابکار اوالی بعض النساء دون البعض وذٰلك لمرض اولضعف فی خلقه اولکبر سنه	ہندیہ میں نہایہ سے ہے: اگر کوئی مرد ثیبہ عورت سے وطی کرسکتا ہے باکرہ سے نہیں کرسکتا، یا بعض قسم کی عورتوں سے کرسکتا ہے اور بعض سے نہیں کرسکتا اس کی وجہ مرض ہے یا پیدائشی کمزوری یا بڑھاپا ہے

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

او سحر فھو عنین فی حق من لایصل الیھا [1]۔	یا جادو ہے، تو وہ ایسی عورتوں کے حق میں نامرد قرار دیا جائیگا جن سے وطی نہیں کرسکتا۔(ت)

بلکہ اگر تسلیم ہی کرلیں کہ بکر ہندہ کے حق میں بھی نامرد ہے تاہم اس بناپر رخصت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نامردی مبطل نکاح نہیں ہوتی بلکہ بعد دعوی وثبوت عدم مجامعت مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جاتی ہے اور عورت ہر گز اختیار نہیں رکھتی کہ ان دنوں کو اس سے جدارہ کر گزار دے جتنے دن خود جدا رہے گی مدت میں اتنے روز اور بڑھادئے جائیں گے۔

فی الدرالمختار وجدته عنینا اجل سنة ورمضان وایام حیضھا منھا وکذا حجة وغیبته لامدة حجھا وغیبتھا [2]۔	درمختار میں ہے کہ کسی بیوی نے خاوند کے متعلق کہا کہ میں نے اسے نامرد پایا ہے تو مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی جس میں رمضان اور ایام حیض بھی شمار ہوں گے یونہی حج، اور مرد کی غیر حاضری کے دن بھی شمار ہوں گے لیکن عورت کے حج اور غیر حاضری کے ایام شمار نہ ہوں گے۔(ت)

جب زوجہ کے حق میں نامردی بثبوت شرعی ثابت ہونے کے بعد بھی ہنوز خود مختار نہیں ہوتی جب تک مدت ایک سال گزرنے پر بھی عدم جماع ثابت ہو کہ تفریق نہ ہوجائے تو پیش از رخصت ایسے خیالات کی بناپر خود مختاری ہر گز صحیح نہیں بلکہ چارہ کار وہی حاکم شرع کے حضور دعوی نامردی اور بعد ثبوت بکارت اس کے حکم سے مہلت یکسالہ ملنی اور بعد مرور میعاد حاکم شرع کو بقائے بکارت ثابت ہونے پر ہندہ کے فورًا تفریق مانگنے پر خود بکر یا وہ نہ مانے تو حاکم شرع کا تفریق کردینا کافی ہے اس وقت طلاق بائن ہوجائے گی، اور اگر بکر نے ہندہ سے خلوت ہی نہ کی تو نصف مہر اور خلوت کی اور ادخال ذکر پر قدرت نہ پائی تو کل مہر لازم آئے گا،

فی الھندیة ان اختارت الفرقة امرہ القاضی ان یطلقھا طلقة بائنة فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الاصل کذا فی التبیین، والفرقة	ہندیہ میں ہے (کہ مدت ختم ہونے پر) اگر عورت تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی خاوند کو کہے گا کہ اس کو بائنہ طلاق دے دے، اگر خاوند انکار کرے تو قاضی خود تفریق کردے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں یونہی ذکر فرمایا جیسا کہ تبیین میں ہے۔ اور تفریق

[1] فتاوی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۲

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

تطلیقة بائنة کذافی الکافی ولھا المھر کاملاوعلیھا العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلابھاوالا فلا عدة علیھا ولھا نصف المھر ان کان مسمی و المتعة ان لم یکن کذافی البدائع [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق بائنہ ہوگی، جیساکہ نہر میں ہے اور اسے پورا مہر دیاجائے گا،اور بالاجماع اس پر عدت ہوگی بشرطیکہ خاوند اس سے خلوت کرچکا ہو ورنہ عدت نہ ہوگی اورمہر بھی نصف دیاجائیگا جب مقرر ہو،اور اگر مقرر نہ ہو تو پھر جوڑا وغیرہ دیا جائے گا جیساکہ بدائع میں ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۳۸: ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص اجنبی عمرو کے مکان پر رہتا ہے، عمرو نے وارثان ہندہ کے بہکاکر اور دھوکادے کر زید کانسب سید بتایااور نکاح کرادیا،بعد کچھ مدت کے معلوم ہواکہ وہ سید نہیں نورباف ہے،اب وارثان ہندہ کو شرم معلوم ہوتی ہے اور بہت اہانت ہے کہ سید اور نورباف کا نکاح بہت عار ہے،لہٰذا وارثان ہندہ کو فسخ کرنافی زمانناجائز ہے یانہیں؟ زید بعد ظاہر ہونے حال کے وہاں سے چلاگیاوقت رخصت زوجہ سے قسم کھاکر کہامیں اس قریہ میں تاحیات نہ آؤں گا، پھراس مضمون کاخط لکھ کر بھیجااب اس کاکیاحکم ہے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کچھ حاجت فسخ نہیں کہ وہ نکاح سرے سے خود ہی نہ ہوا،سائل مظہر کہ ہندہ بالغہ ہےاور روایت مفتی بہاپر ولی والی عورت کے لئے کفاءت شرط صحت نکاح ہے یا ولی اقرب پیش از عقد عدم کفاءت پر دانستہ اپنی رضاظاہر کردے بعد عقد راضی ہوجانا بھی نفع نہیں دیتا۔

فی ردالمحتار تعتبر الکفاءة للزوم النکاح علی ظاھر الروایة ولصحته علی روایة الحسن المختار للفتوی [2] اھ وفی الدرالمختار یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا	ردالمحتار میں ہے کہ کفو کا اعتبار نکاح لازم کرنے کے لئے ہے جیساکہ ظاہر روایت ہے،اورامام حسن رحمہ اللہ تعالٰی کی روایت پر صحت نکاح کے لئے ہے اور یہی فتوی کے لئے مختار ہے اھ، درمختار میں ہے کہ غیر کفو میں نکاح کے اصلا ناجائز ہونے کافتوی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] ردالمحتار باب الکفاءة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۸

وھو المختار للفتوی فلا تحل بلارضی ولی بعد معرفتہ ایاہ فلیحفظ[1] اھ مختصرا۔ فی ردالمحتار ھذا اذاکان لھا ولی لم یرض بہ قبل العقد فلا یفید الرضی بعدہ بحر[2]۔	دیا جائیگا یہی فتوٰی کے لئے مختار ہے، تو ولی کی رضا کے بغیر بیوی حلال نہ ہوگی بشرطیکہ ولی کو غیر کفو کا علم ہو، اسے محفوظ کرلو اھ مختصراً، ردالمحتار میں ہے: یہ جب ہے کہ اس کا ولی ہو اور نکاح سے قبل راضی نہ ہوا ہو، اور نکاح کے بعد کی رضا کارآمد نہ ہوگی، بحر (ت)

یہاں جب کہ وہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکا دیا گیا دونوں امر سے کچھ متحقق نہ ہوا اور نکاح باطل محض رہا، بعد ظہور حال زید کی وہ قسم وتحریر سب مہمل ہے جس پر ہندہ کے لئے حکم حرمت مترتب نہیں ہوسکتا۔

اما مسألۃ الھندیۃ انتسب الزوج لھا نسبا غیر نسبہ فان ظھر دونہ وھو لیس بکفو فحق الفسخ ثابت لکل[3]، ومسألۃ الدرعن الولوالجیۃ نکحت رجلا ولم تعلم حالہ فاذا ھو عبد لا خیار لھا بل للاولیاء ولو زوجوھا برضاھا وشرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجھا علی ذلک ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار[4] (ملخصا) فظاھر ان کل ذٰلک مبنی علی الظاھر وھو صحۃ العقد و ثبوت الاعتراض کیف وقد نقل المسألۃ فی الخانیۃ عن الاصل اما علی المختارۃ للفتوی فلا صحۃ اصلا کما لایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن ہندیہ کا مسئلہ کہ اگر مرد نے عورت کو اپنا نسب تبدیل کرکے بتایا تو بعد میں اس کا نسب اس کے بیان کردہ نسب سے کم درجہ ظاہر ہوا تو یہ کفو نسبی ہے لہٰذا اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، اور در کا مسئلہ یہ ہے کہ جو بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ اگر لڑکی نے خود کسی شخص سے لاعلمی میں نکاح کرلیا بعد میں معلوم ہوا کہ وہ غلام ہے تو لڑکی کو خود اختیار نہ ہوگا بلکہ اس کے اولیاء کو حق فسخ ہوگا اور اگر اولیاء نے خود نکاح کیا لڑکی کی رضامندی سے اور اولیاء نے کفاءت شرط کرلی یا نکاح کے وقت زوج نے وقت نکاح اولیاء کو کفو ہونے کی خبر دی اس شرط پر اولیاء نے نکاح کردیا، بعد میں لڑکے کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہوگا، تو ظاہر ہے کہ یہ صحت نکاح اور ثبوت اعتراض پر مبنی ہے اور ظاہر کیسے نہ ہو جبکہ خانیہ میں یہ مسئلہ مبسوط سے منقول ہے لیکن جو چیز فتوٰی کے لئے مختار قرار دی گئی ہے، اس پر یہ نکاح کا قول صحیح نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۷

[3] فتاوٰی ہندیہ باب فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۳

[4] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

مسئلہ ۴۳۹: از الہ آباد چوک مرسلہ مولوی عبدالغفور صاحب سوداگر ۲۳ صفر ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ان العالم العجمی کفو للسیدۃ امر لابینوا بسند الکتاب توجروا یوم الحساب۔	آپ (رحمکم اللہ تعالٰی) کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے کہ عجمی عالم سید زادی کا کفو ہے یا نہیں؟ کتاب کے حوالے سے بیان فرمائیں، قیامت کے روز اجر پائیں۔

الجواب:

نعم اذاکان دینا متدینا لان فضل العلم فوق فضل النسب قال اللہ تعالٰی یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ[1]۔ وقال تعالٰی قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ[2]، فی وجیز الامام الکردری، العجمی العالم کفو للعربی الجاھل لان شرف العلم اقوی وارفع، وکذا العالم الفقیر لغنی الجاھل، وکذا العالم الذی لیس بقرشی کفو للجاھل القرشی والعلوی[3] اھ وفی الفتح والنھر وغیرھما عن جامع الامام قاضی خان العالم العجمی یکون کفوا لجاھل العربی والعلویۃ لان شرف العلم فوق شرف النسب[4] اھ وفی النھر والدر جزم بہ	ہاں، جب عجمی عالم دیندار عامل ہو، کیونکہ علم کی فضیلت نسب کی فضیلت سے فائق ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں سے ایمان والوں کو اللہ تعالٰی نے بلندی دی اور ان لوگوں کو جو علم دئے گئے ان کو کئی درجات دئے گئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں، امام کردری کی وجیز میں ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی کا کفو ہوگا کیونکہ علمی شرافت اقوی وارفع ہے، اور یوں ہی عالم فقیر ہو تو وہ جاہل غنی کا کفو ہوگا اور یوں ہی غیر قرشی عالم جاہل علوی اور جاہل قرشی کا کفو بنے گا اھ فتح اور نہر وغیرہما میں جامع الامام قاضی خان سے منقول ہے کہ عجمی عالم، جاہل عربی اور جاہل علوی کا کفو ہے کیونکہ علمی شرافت نسبی پر غالب ہے، اھ۔ نہر اور در میں ہے کہ بزازی نے اس پر جزم کیا ہے اور

[1] القرآن الکریم ۵۸/۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۹/۹

[3] وجیز الامام الکردری علی ھامش فتاوی ہندیہ الخامس فی الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۱۶

[4] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۰

البزازی وارتضاہ الکمال وغیرہ والوجہ فیہ ظاھر [1] الخ وفی ردالمحتار عن الخیر الرملی عن مجمع الفتاوی عن المحیط العالم یکون کفو اللعلویۃ لان شرف الحسب اقوی [2] الخ۔قال وذکر ایضا یعنی الرملی انہ جزم بہ فی المحیط والبزازیۃ والفیض وجامع الفتاوی والدر [3] الخ۔وتمامہ تحقیقہ فیہ. وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ.قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما للعلماء درجات فوق المؤمنین بسبعمائۃ درجۃ مابین کل درجتین مسیرۃ خمسمائۃ عام و ھذا مجمع علیہ وکتب العلم طافحۃ بتقدم العالم علی القرشی ولم یفرق سبحانہ وتعالٰی بین القرشی وغیرہ فی قولہ تعالی ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون [4] اھ ملتقطا۔ **قلت** وانما قید نابکونہ دینا متدینا لانہ ھو العالم حقیقۃ واما اصحاب الضلال فشر من الجھال فان الجھل المرکب اشنع واخنع وصاحبہ فی الدارین احقر و اوضع، صغارھم کالانعام بل ھم اضل وکبارھم کالکلاب لابل اذل.اخرج الدارقطنی	کمال وغیرہ نے اس کو پسند فرمایا ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے الخ۔ اور ردالمحتار میں خیرالدین رملی سے انھوں نے مجمع الفتاوی سے نقل کیا کہ محیط میں ہے کہ عالم،علوی لڑکی کا کفو ہے کیونکہ عہدہ کی شرافت اقوی ہے الخ،اور فرمایا کہ رملی نے مزید ذکر کیا کہ محیط، بزازیہ، فیض، جامع الفتاوی اور در نے اس پر جزم کیا ہے، اور اور فتاوی خیریہ لنفع البریہ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: علماء کو عام مومنین پر سات سو درجات برتری ہے اور ہر دو درجوں میں پانسو سال کا سفر ہے اور اس پر اجماع ہے اور تمام علمی کتب، قرشی پر عالم کے تقدم میں متفق ہیں، جبکہ اللہ تعالٰی نے اپنے ارشاد "کیا عالم اور جاہل برابر ہیں" میں قرشی اور غیر قرشی کی کوئی تفریق نہیں فرمائی اھ ملتقطا۔ **قلت** (میں کہتاہوں) ہم عالم کو دین کا عالم اور دین دار عالم سے مقید کریں گے کیونکہ حقیقۃً عالم یہی ہے جبکہ گمراہ علماء تو جاہلوں سے بدتر ہیں کیونکہ جاہل مرکب، انتہائی برا، رسوا، اور دونوں جہاں میں وہ حقیر اور ذلیل ہیں، ان کے چھوٹے چوپایوں کی طرح بلکہ اس سے بھی گئے گزرے، اور ان کے بڑے، کتے بلکہ ذلیل ترین ہیں، دار قطنی نے

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۳

[3] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲۳

[4] فتاوی خیریہ مسائل شتی آخر کتاب دارالمعرفۃ بیروت ۲/۲۳۴

قال حدثنا القاضی الحسین بن اسمعیل نا محمد بن عبدالله المخرمی نا اسمعیل بن ابان ثنا حفص بن غیاث عن الاعمش عن ابی غالب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهل البدع کلاب اهل النار [1]۔ واخرجه عنه ابوحاتم الخزاعی فی جزئه الحدیثی بلفظ اصحاب البدع کلاب اهل النار [2]، ولابی نعیم فی الحلیة عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهل البدع شر الخلق والخلیقه، قال العلماء الخلق الناس والخلیقة البهائم [3]۔ نسأل الله السلامة والعفو والعافیة۔	تخریج کی ہے کہ ہمیں قاضی حسین بن اسمٰعیل ان کو محمد بن عبداللہ مخرمی ان کو اسمٰعیل بن ابان ان کو حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی انھوں نے اعمش انھوں نے ابوغالب انھوں نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدعتی لوگ جہنم کے کتے ہیں۔" اس کی تخریج ابوحاتم خزاعی نے ان سے اپنی جزء حدیثی میں ان الفاظ کے ساتھ کی کہ "اصحاب بدعت جہنم کے کتے ہیں۔" ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ "اہل بدعت تمام مخلوق سے شریر ہیں۔" علماء نے فرمایا کہ حدیث میں خلق سے مراد لوگ اور خلیقہ سے مراد چوپائے ہیں، اللہ تعالٰی سے ہم عافیت، سلامتی اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔
ثم اقول: یجب التقیید ایضا بما اذا لم یکن من المتناهین فی الدنائة المعروفین بها، کالحائك و الدباغ والخصاف والحلاق ونظرائهم، فان المدار علی وجود العار فی عرف الامصار کما صرح به العلماء الکبار۔ قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر الموجب هو استنقاص اهل العرف	**ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں کہ) وہ عالم اس قید سے بھی مقید ہونا ضروری ہے کہ وہ انتہائی حقیر اور مشہور کمتر نہ ہو، جیساکہ جولاہا، نائی، موچی، چمڑا رنگنے والا اور ان کی مثل نہ ہو کیونکہ دارومدار اس بات پر ہے کہ علاقے کے عرف میں وہ حقیر شمار نہ ہو، جیساکہ اکابر علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا کہ اہل عرف کا ناقص سمجھنا سبب ہے لہٰذا حکم کا دارومدار

[1] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۲۳

[2] کنز العمال بحوالہ ابو حاتم الخزامی حدیث ۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۱۸

[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ نمبر ابو سعود الموصلی دار الکتاب العربی بیروت ۸/۲۹۱

فیہ ورمعہ[1] اھوفی ردالمحتار قد علمت ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ فعلی ھذا من کان امیرا او تابعالہ وکان ذا مال ومروءۃ وحشمۃ بین الناس لاشك ان المرأۃ لاتتعیر بہ فی العرف کتعیرھا بدباغ وحائك ونحوھما وان کان الامیر اوتابعہ اکلا اموال الناس لان المدار ھنا علی النقص والرفعۃ فی الدنیا[2] اھ مختصرا۔ ولا شك ان العلویۃ فی بلادنا لاتتعیر بالافاغنۃ والمغول المحلین بحلیۃ العلم والفضل فانھم فی انفسھم یعدون ھنا من الشرفاء الانجاب فاذا انضاف الی ذلك فضل العلم جبر نقص نسبھم بالنسبۃ الی العلوی بخلاف الحاکۃ والحلاقین وامثالھم فان التعیربھم لایزل بعلمھم اللھم الااذا تقادم العھد وتناساہ الناس وظھرلہ الوقع فی القلوب والعظم فی العیون بحیث لم یبق العار لبنات الکبار وذلك قلیل جدا فی ھذہ الامصار بل لایکاد یوجد عند الاعتبار ومن عرف المدار عرف ان	اس پر ہی ہوگا الخ، ردالمحتار میں ہے: آپ نے معلوم کرلیا کہ سبب وہ اہل عرف کا حقیر جاننا ہے تو اسی بات پر مدار ہوگا اس لئے اگر کوئی امیر حاکم یا اس کا نائب اور مالدار اور سنجیدہ ہو اور لوگوں میں رعب والا ہو تو کوئی شک نہیں ایسے شخص سے عورت عار محسوس نہیں کرتی جیساکہ وہ دباغ اور جولاہے وغیرہ سے عار محسوس کرتی ہے اگرچہ حاکم اور اس کا نائب ظلم کے طور پر لوگوں کے مال کھاتے ہوں ____ کیونکہ یہاں مدار دنیاوی حقارت و رفعت ہے اھ مختصرا،اس میں شک نہیں کہ علویہ لڑکی ہمارے علاقے میں افغان اور مغل جو کہ علم کے زیور سے آراستہ ہیں اور اہل فضل ہیں جو اپنے کو منتخب لوگوں اور شرفاء میں شمار کرتے ہیں ان سے عار محسوس نہیں کرتی، تو جب یہ لوگ علم و فضل کی طرف منسوب ہوں تو مزید شرافت کی بناء پر نسبی طور پر اگر علوی سے کم ہیں تو علم و فضل کی وجہ سے وہ کمی ختم ہوجاتی ہے،اس کے برخلاف جولاہے، دھوبی اور نائی موچی وغیرہ کی عار علم کی وجہ سے ختم نہیں ہوتی، ہاں جب یہ لوگ قدیم سے یہ کام چھوڑ چکے ہوں اور لوگ معزز انداز میں ان سے مانوس ہوچکے ہوں اور لوگوں کے دلوں میں ان کا وقار اور عام نگاہوں میں ان کی وقعت قائم ہوچکی ہو کہ اب بڑے لوگوں کی لڑکیوں کے لئے عار نہیں رہے تو اور بات ہے، لیکن ایسے علاقے ہیں بہت کم ہیں جن کا اعتبار

[1] فتح القدیر فصل فی الکفاءۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۳

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۲

الحکم علیه یدار فافهم، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	نہیں کیا جاسکتا، تاہم حقارت کا مدار عرف پر ہے، جب مدار یہ ہے کہ تو حکم اس پر ہوگا، سمجھو ___ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴۰: مرسلہ حاجی موسی عربی ۳ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ سادات کرام بیبیوں سے غیر قوم غیر سید مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سید ہر قوم کی عورت سے نکاح کرسکتے ہیں اور سیدانی کا نکاح قریش کے ہر قبیلہ سے ہوسکتا ہے خواہ علوی ہو یا عباسی یا جعفری یا صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا اموی، رہے غیر قریش جیسے انصاری یا مغل یا پٹھان ان میں جو عالم دین معظم مسلمین ہو اس سے مطلقًا نکاح ہوسکتا ہے ورنہ اگر سیدانی نابالغہ ہے اور اس غیر قریشی کے ساتھ اس کا نکاح کرنے والا ولی باپ یا دادا نہیں تو نکاح باطل ہوگا اگرچہ چچا یا سگا بھائی کرے، اور اگر باپ دادا اپنی کسی لڑکی کا نکاح ایسے ہی پہلے کرچکے ہیں تو اب ان کے کئے بھی نہ ہوسکے گا اور اگر بالغہ ہے اور اس کا کوئی ولی نہیں تو وہ اپنی خوشی سے اس غیر قریشی سے اپنا نکاح کرسکتی ہے، اور اگر اس کا کوئی ولی یعنی باپ دادا پر دادا ان کی اولاد ونسل سے کوئی مرد موجود ہے اور اس نے پیش از نکاح اس شخص کو غیر قرشی جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت دے دی جب بھی جائز ہوگا، ورنہ بالغہ کا کیا ہوا بھی باطل محض ہوگا۔ ان تمام مسائل کی تفصیل درمختار وردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ مذہب اور فقیر کے فتاوی میں متعدد جگہ ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۱: از رسالہ مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

ایک شخص کا فرمان ہے کہ سید یعنی آل نبی کی دختر ہر ایک کو پہنچ سکتی ہے یعنی ہر مسلمان سے عقد جائز ہے، دوسرے نے جواب دیا کہ اگر جاروب کش مسلمان ہوجائے تو بھی جائز ہے؟ تو اس کا جواب دیا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔

الجواب:

شخص مذکور جھوٹا کذاب اور بے ادب گستاخ ہے، سادات کرام کی صاحبزادیاں کسی مغل پٹھان یا غیر قریشی شیخ مثلا انصاری کو بھی نہیں پہنچتیں جب تک وہ عالم دین نہ ہوں اگرچہ یہ قومیں شریف گنی جاتی ہیں مگر سادات کا شرف اعظم واعلٰی ہے اور غیر قریش قریش کا کفو نہیں ہوسکتا تو رذیل قوم والے معاذاللہ کیونکر سادات کے کفو ہوسکتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالغہ سیدانی خود اپنا نکاح اپنی خوشی ومرضی سے کسی مغل پٹھان یا انصاری

شیخ غیر عالم دین سے کرے گی تو نکاح سرے سے ہوگا ہی نہیں جب تک اس کا ولی پیش از نکاح مرد کے نسب پر مطلع ہو کر صراحةً اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے، اور اگر نابالغہ ہے اور اس کا نکاح باپ دادا کے سوا کوئی ولی اگرچہ حقیقی بھائی یا چچا یا ماں ایسے شخص سے کردے تو وہ بھی باطل و مردود ہوگا۔ اور باپ دادا بھی ایک ہی بار ایسا نکاح کرسکتے ہیں دوبارہ اگر کسی دختر کا نکاح ایسے شخص سے کریں گے تو ان کا کیا ہوا بھی باطل ہوگا۔

کل ذٰلك معروف فی کتب الفقة کالدر المختار وغیرہ من الاسفار وقد فصلنا القول فیه فی فتاوٰنا۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	یہ تمام کتب فقہ میں معروف ہے جیسے درمختار وغیرہ اور ہم نے تفصیل کے طور پر اپنا قول اپنے فتاوی میں بیان کردیا ہے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴۲: از مدرسہ تحصیل نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ مدرس اول مدرسہ مذکور ۲۲ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ جو غیر کفو تھا لاعلمی میں کردیا بعد بلوغ زوجہ اور علم غیر کفو ہونے زوج کے زوجین میں نااتفاقی ہے، اور ہندہ بھی بعد علم کے نہایت ناراض ہے اور دختر کی مفارقت چاہتی ہے مگر خالد محض ایذا رسانی کی وجہ سے اس کو طلاق نہیں دیتا، اس صورت میں یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں اور زوجہ مذکورہ کو نکاح ثانی کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بعد استفسار اظہار کیا کہ عورت پٹھان ہے اور خالد قوم کا دھنا اور اس نے اپنے آپ کو پٹھان ظاہر کرکے براہ فریب نکاح کرلیا منکوحہ مذکورہ کا وقت نکاح باپ دادا کوئی نہ تھا، ہاں جوان بھائی موجود تھا مگر کسی وجہ سے جلسہ نکاح میں شریک نہ ہوا نہ ماں نے اس سے اجازت لی، پس صورت مستفسرہ میں شرعاً یہ نکاح ہوا نہیں فسخ کسے کیا جائے، دختر ہندہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، درمختار میں ہے:

ان کان المزوج غیر الاب وابیه ولو الام لایصح النکاح من غیر کفو اصلا وما فی صدر الشریعة صح ولهما فسخه وهم[1]۔	اگر نکاح دینے والا باپ دادا کا غیر ہوا اگرچہ وہ ماں ہو تو نکاح غیر کفو میں اصلا نہ ہوگا اور جو صدر الشریعۃ میں ہے کہ نکاح صحیح ہے اور باپ دادا کو فسخ کا اختیار رہے یہ محض وہم ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قول شارح تعتبر الکفاءۃ للزوم النکاح (کفو کا اعتبار لزوم نکاح کے لئے ہے۔ ت)

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲

فرمایا:

ای علی ظاھر الروایۃ ولصحتہ علی روایۃ الحسن المختارۃ للفتوی[1]۔	یعنی ظاہر روایت پر اور امام حسن کی روایت پر صحت نکاح کے لئے یہ شرط ہے اور یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوزوج الابعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[2]۔	اگر اقرب حاضر ہو تو ابعد کا دیا ہوا نکاح اس اقرب کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

انھم قال کل عقد لامجیز لہ حال صدورہ فھو باطل لایتوقف[3]۔	جس نکاح کو جائز کرنے والا کوئی بھی نکاح کے وقت نہ ہو تو وہ موقوف نہ ہوگا باطل ہوگا(ت)

فتح القدیر میں ہے:

مالامجیزلہ ای مالیس لہ من یقدر علی الاجازۃ یبطل[4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جس کا کوئی جائز کرنے والا نہ ہو یعنی اجازت کا اختیار نہ رکھتا ہو تو وہ باطل ہے۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۳تا۴۴۶: از سنبھل ۱۵رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید پہلے ٹھاکر تھا اب اپنے والدین واطفال کو چھوڑ کر مشرف باسلام ہوگیا، زید کی خواہش ہے کہ نکاح کرے، زید کا کل خاندان اس سے برعکس ہے، بی بی کو مسلمان ہونا قبول نہیں، پس ایسی حالت میں سوالات ذیل از روئے شرع شریف حل طلب ہیں، زید کی عمر اب ۲۲ سال ہے:

(۱) زید مشرف باسلام ہونے کے بعد کون شمار کیا جائے گا اگرچہ شیخ کیونکہ شیخ بہت قسم کے ہیں۔

(۲) کس قوم کی لڑکی کے ساتھ زید کا نکاح ہوسکتا ہے فی الحال سب اقوام انکار کرتی ہیں، شرع شریف کی رو سے کس قوم پر استحقاق ہے۔

---

[1] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۸

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

[3] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۴

[4] فتح القدیر باب الولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۹۹

(۳) اب زید کی اولاد ماں کی قوم پر مانی جائے گی یا باپ کی ذات پر؟

(۴) شرع شریف کی رو سے رذالت اور شرافت قوم پر منحصر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) مسلمان ہونے سے دونوں جہان کی عزت حاصل ہوتی ہے مگر مذہب کسی قوم کا نام نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں جس قوم وقبیلہ کے لوگ اسلام لاتے بعد اسلام بھی اس قوم وقبیلہ کی طرف نسبت کئے جاتے، ہندوانی قوموں میں چار قومیں شریف گنی جاتی ہیں ان میں چھتری یعنی ٹھاکر دوسرے نمبر پر ہے، ہندوستان میں اکثر سلطنت اسی قوم کی ہے، ولہذا انھیں راجپوت کہتے ہیں تو ہندی قوموں میں ان کا معزز ہونا ظاہر ہے اور ہماری شریعت مطہرہ نے حکم دیا ہے کہ:

اذااتاکم کریم قوم فاکرموہ[1]۔	جب تمھارے پاس کسی قوم کا عزت دار آدمی آئے تو اس کی خاطر کرو۔

خالی آنے پر تو یہ حکم تھا اور جو بندہ خدا بہدایت الٰہی بالکل ٹوٹ کر ہم میں آملا ہم میں کا ہوگیا اس کا کس قدر اعزاز واکرام اللہ سبحنہ کو پسند ہوگا، اسلام کی عزت کے برابر اور کیا عزت ہے، اس نے تو اسے اور بھی چار چاند نہیں، بلکہ ہزار چاند لگادئے، اگر کوئی چمار بھی مسلمان ہو تو مسلمان کے دین میں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھنا حرام اور سخت حرام ہے وہ ہمارا دینی بھائی ہوگیا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ[2] (مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔ت) اور فرماتا ہے: فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ[3] (تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ت) پھر جو کسی معزز قوم کا اسلام لائے اسے کیونکر حقیر سمجھا جائے، شیخ کسی خاص قوم کا نام نہیں، ہندوستان میں مسلمانوں نے تین قومیں خاص شریف قرار دیں اور انھیں سید یا میر اور خاں اور بیگ کے خطاب دئے کہ ان سب لفظوں کے معنی عربی وفارسی وترکی میں سردار ہیں، باقی تمام شرفاء مثل اولاد امجاد خلفائے کرام وبنی عباس وانصار کو ایک لقب عام دیا، شیخ کہ یہ بھی بمعنی بزرگ ہے، ان کے سوا جو قومیں رہ گئیں کہ دنیاوی عرف میں رذیل سمجھی جاتی ہیں انھوں نے جب دیکھا کہ میر وخادم وبیگ تو خاص خاص اقوام کے لقب ہیں ان میں گنجائش نہیں اور شیخ ایک عام لفظ ہے جس میں باقی سب داخل، تو اسی کو سمائی والا خطاب پاکر سب قوموں نے اپنی بھرتی اسی میں

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ سعید بن ایاس الجریری دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۰۶-۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

کردی، دھنا، جولاہا جس سے پوچھئے اپنے آپ کو شیخ بتائے گا مگر حقیقۃً شیخ کی اصطلاح صرف انہی شریف قوموں یعنی صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، جعفری، عباسی، انصاری وامثالھم کے لئے ہیں، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاذ امام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مذہب یہ تھا کہ جو شخص جس کے ہاتھ پر مسلمان ہو اس کی اولاد اس کے لئے ہے۔

فی ردالمحتار عن البدائع عند عطاء ھو مولی للذی اسلم علی یدہ[1]۔	ردالمحتار میں بدائع سے ہے کہ عطاء کے ہاں وہ جس کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اس کا وہ مولٰی ہے۔(ت)

اور ولاء ایک رشتہ ہے مثل رشتہ نسب کے حدیث میں ہے:

الولاء لحمۃ کلحمۃ النسب[2] اخرجہ الحاکم و البیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ولاء نسب کی طرح ایک رشتہ ہے،(اس کو حاکم اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مولی القوم انفسھم[3] رواہ الشیخان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کسی قوم کا آزاد کردہ ان میں سے ہے،اس کو شیخین نے انس رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اسی مذہب کا ایک حدیث بھی پتا دیتی ہے:

من اسلم علی یدی رجل فلہ ولاءہ[4]۔اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والدارقطنی والبیھقی عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس کے ہاتھ پر کوئی شخص اسلام لائے تو اس کا رشتہ ولاء اسی سے قرار پائے(اسی کو طبرانی نے کبیر میں ابن عباس سے اور دارقطنی اور بیہقی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الولاء فصل فی ولاء الموالاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۷۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب الفرائض دار الفکر بیروت ۴/ ۳۴۱

[3] صحیح بخاری کتاب الفرائض باب موالی القوم من انفسھم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۰،السنن الکبرٰی باب من زعم ان موالی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۱۵۱

[4] السنن الکبرٰی کتاب الولاء دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۹۸

عجب نہیں کہ اس حدیث کا منشا بھی یہی ہو کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من اسلم من اھل فارس فھو قرشی [1]۔رواہ ابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اہل فارس سے جو اسلام لائے وہ قرشی ہے (اسے ابن نجار نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

کہ قریش نے فارس فتح کیا اس کے لوگ ان کے ہاتھوں مشرف باسلام ہوئے اس مذہب کی بناپر جو شخص جس کے ہاتھ مسلمان ہوگا بطور رشتہ ولاء اسی قوم میں گنے جانے کے قابل ہوگا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) زید جبکہ خود اپنی ذات سے مسلمان ہوا تو اسے دربارہ نکاح کفو وہمسر ہونے کا حق اسی عورت پر پہنچتا ہے جو خود مسلمان ہوئی ہو، جس لڑکی کا باپ مسلمان ہوا اور اس کے اسلام کی حالت میں یہ لڑکی پیدا ہوئی خود مسلمان ہونے والا اس کا بھی کفو نہیں۔

فی الدرالمختار اما فی العجم فتعتبر حریۃ واسلاما فمسلم بنفسہ غیر کفو لمن ابوھا مسلم ومن ابوہ مسلم غیر کفو لذات ابوین وابوان فیھما کالاباء لتمام النسب بالجد [2] اھ مختصرا۔	درمختار میں ہے کہ عجمیوں میں آزاد، مسلمان ہونا کفو ہے۔ لہٰذا جو شخص خود مسلمان بنا وہ ایسے کے لئے کفو نہیں جس کا باپ مسلمان بنا،اور جس کا باپ مسلمان ہو وہ ایسے کا نہیں جس کے دو باپ یعنی باپ اور دادا مسلمان ہوچکے ہوں،اس معاملہ میں دو مسلمان باپ متعدد مسلمان آباء کی طرح ہیں کیونکہ نسب دادا پر مکمل ہوجاتا ہے اھ مختصرا۔(ت)

اور اس کے سوا پانچ صورتیں اس نکاح کی اور ہیں۔

۱ایک یہ کہ عورت عاقلہ جس کا کوئی ولی نہ ہو برضائے خود اس سے نکاح کرے۔

۲دوم ایسی عورت کا ولی بھی پیش از نکاح اسے نو مسلم جان کر اس کے ساتھ نکاح کرنے پر صراحۃً اپنی رضا ظاہر کردے۔

۳سوم نابالغہ کا باپ یا یتیمہ کا دادا اس کے ساتھ نکاح کردے جبکہ اس سے پہلے کسی نابالغہ کا نکاح اپنی ولایت سے کم قوم یا کسی طرح کے غیر کفو میں نہ کرچکا ہو۔

۴چہارم مجہول النسب لڑکی کو حاکم اسلام اپنی ولایت سے اس کے نکاح میں دے دے۔

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن ابن عمر حدیث ۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۸۳/۴

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۹۸/۱

۵پنجم یہ شخص علم دین حاصل کرلے، مسلمانوں میں اس کی علمی فضیلت اوروں کی نسبی شرافت یا اسلامی قدامت کے ہم پلہ ہوجائے، عار عرفی باقی نہ رہے، اس وقت یہ شخص ہر قوم وقبیلہ کا کفو ہوسکتا ہے۔

(۳) اولاد ہمیشہ باپ کی قوم پر ہوتی ہے۔ **قال تعالٰی:** وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ[1] (جس کا بچہ ہے عورت کا نفقہ اس پر ہے۔ت)

(۴) شرع شریف میں شرافت قوم پر منحصر نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ[2] تم میں زیادہ مرتبے والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ تقوی رکھتا ہے۔ ہاں دربارہ نکاح اس کا ضرور اعتبار رکھا ہے، باپ دادا کے سوا کسی ولی کو اختیار نہیں کہ نابالغہ لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو سے کردے جس سے اس کی شادی عرف میں باعث ننگ وعار ہو اگر کردے گا نکاح نہ ہوگا، عاقلہ بالغہ کو اجازت نہیں کہ بے رضامندی صریح اولیا اپنا نکاح کسی غیر کفو سے کرلے اگر کرلے گی نکاح نہ ہوگا **والمسائل معروفۃ فی کتب المذہب جمیعا** (یہ تمام مسائل مذہب کی کتابوں میں معروف ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴۴: از کوپاگنج ڈاک خانہ کوپاگنج محلّہ پورہ چندن ضلع اعظم گڑھ مکان مولوی الٰہی بخش صاحب مرسلہ حافظ محمد عبدالکریم صاحب ۱۷ ربیع الاول ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت داشتہ رکھا، یعنی ہندہ کو جو خالد کی منکوحہ تھی اور خالد نے طلاق نہیں دیا اور جس زمانہ سے زید نے ہندہ کو اپنے پاس رکھا اس کے بطن سے کئی ایک لڑکے لڑکی پیدا ہوئے، زید لڑکے لڑکی کی شادی چاہتا ہے، لوگ کہتے ہیں حرامی ہیں، پس حدیث شریف میں ایسے لڑکے لڑکیوں کے بارہ میں کوئی وعید وارد ہے یا اس فعل کا عذاب ثواب ان کے ماں باپ کو ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر نے محاورے کے مطابق لفظ ثواب بھی لکھ دیا جس طرح کسی حکایت پر کہتے ہیں عذاب و ثواب بر گردن راوی، حالانکہ اس کا محل وہاں ہے کہ اس امر میں دو باتوں کا احتمال ہو حرام میں ثواب کی

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/۱۳

کیا گنجائش، یہ لفظ خطائے شدید ہے آئندہ احترام لازم، زنا کا عذاب صرف زانی وزانیہ پر ہے اولاد زنا پر اس کا وبال نہیں۔قال اللہ تعالٰی: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی [1] (ایک کا بوجھ دوسرے پر نہیں۔ت) حدیث میں ہے:

لیس علی ولد الزنا من وزر ابویہ شیئ [2]۔رواہ الحاکم عن الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	ولد زنا پر اس کے والدین کا بوجھ کچھ نہیں ہے (اس کو حاکم نے عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث صحیح میں اولاد زنا کی نسبت اس قدر وارد ہے کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ [3]۔رواہ الامام محمد وابوداؤد والحاکم والبیہقی فی السنن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	حرام کا بچہ اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہوتا ہے (اس کو امام محمد، ابوداؤد، حاکم اور بیہقی نے سنن میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ بھی وہی حرکات اختیار کرے، خود دوسری حدیث میں اس مطلب کی تصریح ارشاد ہوئی کہ:

ولد الزنا شر الثلثۃ اذا عمل بعمل ابویہ [4]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر والبیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	حرامی اپنے ماں باپ سے بھی بدتر ہے جبکہ ان کی طرح وہی کام کرے، (اس کو طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ت)

یا یہ معنی کہ یہ عادتوں خصلتوں میں غالبًا ان سے بھی بدتر ہوتا ہے جبکہ علم وعمل اس کی اصلاح نہ کریں کہ برے تخم سے بری ہی کھیتی پیدا ہوتی ہے۔

شمشیر نیک زاہن بدچوں کند کسے
(ناقص لوہے سے اچھی تلوار کوئی کیسے بنائے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] مستدرک للحاکم کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۴/ ۱۰۰

[3] مستدرک للحاکم کتاب العتق و کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۲/ ۲۱۵ و ۴/ ۱۰۰

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الایمان دارصادر بیروت ۱۰/ ۵۷ و ۵۸ و ۵۹

اور یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ:

فرخ الزنا لایدخل الجنة [1]۔ رواہ ابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند ضعیف۔	زنا کا چوزہ جنت میں نہ جائے گا۔ (اس کو ابن عدی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

یعنی غالبًا اس سے وہ افعال صادر ہوں گے جو سابقین کے ساتھ دخول جنت سے روکیں گے، بالجملہ یہ مطلب کسی طرح نہیں کہ ان کے گناہ کا عذاب اس پر ہو یا بے گناہ وعید کا مستحق ہو، مگر اس امر نکاح میں شرع مطہر نے کفاءت کا بھی لحاظ فرمایا ہے دختروں کے لئے مطلقًا بالغہ ہوں خواہ نابالغہ اور پسروں کے لئے جبکہ نابالغ ہوں۔

کما حررہ فی ردالمحتار مستند الماقی البدائع و حققناہ فی البحر والخیریة والخانیة والتبیین والکافی والسراج الوھاج والھندیة کما ذکرناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔	اس کو ردالمحتار میں بدائع کے حوالے سے بیان کیا ہے، اور ہم نے اس کی تحقیق بحر، خیریہ، خانیہ، تبیین، کافی، سراج الوہاج اور ہندیہ کے بیانوں سے کی ہے، جیسے کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ پر ذکر کیا ہے۔ت)

اور شک نہیں کہ جس کا ولد الزنا ہونا مشہور ہو اس سے دختر حلال کا نکاح عرفًا باعث ننگ وعار و انگشت نمائی ہوتا ہے اور یہی معنی عدم کفاءت کے ہیں۔

فی الشامیة عن الفتح ان الموجب ھو استنقاص اھل العرف فیدور معہ [2]۔	فتاوی علامہ شامی میں فتح سے منقول کہ اہل عرف کا حقیر جاننا سبب ہے لہٰذا حکم کا مدار اسی پر ہوگا(ت)

تو بحالت عار کسی عورت کا نکاح ولد الحرام کے ساتھ نہیں ہوسکتا اگر کیا جائے گا نکاح اصلا نہ ہوگا مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ دختر نابالغہ کا نکاح باپ یا وہ نہ ہو تو دادا اپنی تزویج سے کرے اور وقت نکاح نشے میں نہ ہو نہ اس سے پہلے اپنی اولاد سے کسی دختر کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو دوسرے یہ کہ زن بالغہ برضائے خود کرے اور اس کے لئے کوئی ولی ہو تو وہ پیش از نکاح باوصف اس اطلاع کے کہ وہ شخص ولد الحرام ہے تصریحًا اپنی رضا ظاہر کردے **والمسائل مفصلة فی الدر وغیرہ** (درو غیرہ میں یہ مسائل تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ت)

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ بن ابی صالح ذکوان السمان مدینی دارالفکر بیروت ۱۲۸۶/۳

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۲۲/۲

یونہی اگر پسر کے نکاح میں دختر حرام کا دینا وہاں کے عرف میں باعث بدنامی وعار ہو تو نابالغ پسر کا نکاح بھی ایسی دختر سے اصلانہ ہوگا سوا اسی صورت پدر وجد بشرط مذکور کے **علی ماتحرر فی ماتقرر** (جیسا کہ تقریر میں واضح کیا گیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴۸: از بدایوں مرسلہ مولوی عبدالرسول محب احمد صاحب ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

زید نے کہ صدیقی شریف متقی ہے خالد اور عمرو کے کہنے سے کہ خالد تیرا کفو ہے اور شریف خاندان ہے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح خالد کے ساتھ کردیا اب بعد نکاح معلوم ہوا کہ خالد کے یہاں ہمیشہ سے پیشہ حرامکاری چلا آتا ہے اس کے خاندان کے اکثر لوگ پیشہ زناکاری کرتے ہیں اور اسی قسم کی ان کی اولادیں ہیں مگر اب خالد نے اپنی بہنوں کا نکاح لوگوں کے کہنے سننے سے شرعی طور پر کردیا فقط اب زید ایسی حالت میں کیا کرے کہ اس نے خالد کو اس کے اخبار پر اپنا کفو سمجھ کر ہندہ نابالغہ کا نکاح کردیا تھا آیا یہ نکاح شرعاً جائز ولازم ہے یا نہیں؟ اور زید کو اس وقت حق فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید کو حق فسخ حاصل ہونے میں تو اصلاً کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ولوالجیہ و درمختار میں ہے:

اذا شرطوا الکفاءۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذلك ثم ظھرانہ غیر کفو کان لھم الخیار[1]۔	جب اولیاء نے کفو کی شرط پر نکاح دیا یا لڑکے نے وقت نکاح خود کو کفو ہونا بتایا، بعد میں غیر کفو ہونا ظاہر ہوگیا تو اولیاء کو فسخ کا اختیار ہے۔(ت)

کلام اس میں ہے کہ فسخ کی حاجت بھی ہے یا نہیں، بہت کتب میں تصریح ہے کہ ایسا نکاح محض باطل ہے اور جب باطل ہے تو سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا ضرورت ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی بزازیہ و نوازل امام فقیہ ابواللیث و فتح القدیر شرح ہدایہ و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للوجیز زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ مصلحا لایشرب مسکرا فاذا ھو مدمن فقالت بعد الکبر لاارضی بالنکاح، ان	لفظ وجیز کے ہیں کہ ایک شخص کو نابالغ بیٹی کا نکاح اس گمان سے کردیا کہ یہ صالح ہے اور شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں معلوم ہوا کہ شراب کا عادی ہے اور بیٹی نے بالغ ہونے پر کہا کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔ تو

[1] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

لم یکن ابوھا یشرب المسکر ولا عرف بہ و غلبۃ اھل بیتھا صالحون فالنکاح باطل بالاتفاق [1] اھ وقال فی النوازل فالنکاح باطل لانہ انما زوج علی ظن انہ کفو [2] اھ۔	اگر باپ شرب خمر نہ کرتا ہو اور نہ ہی شرابی مشہور ہو اور اس کا خاندان غالب طور صالحین ہیں تو یہ نکاح بالاتفاق باطل ہے اھ، اور نوازل میں کہا کہ یہ نکاح باطل ہے کیونکہ والد نے کفو ہونے پر نکاح دیا ہے اھ۔ (ت)

قنیہ میں ہے:

زوج بنتہ الصغیرۃ من رجل ظنہ حر الاصل وکان معتقا فھو باطل بالاتفاق [3]۔	نابالغ بیٹی کا نکاح کسی سے اس گمان پر کیا گیا کہ یہ اصلی آزاد ہے جبکہ بعد میں آزاد شدہ معلوم ہوا تو نکاح باطل ہے بالاتفاق۔ (ت)

مگر ذخیرہ میں اس بطلان کو بطلان آئندہ یعنی بطلان بعد الفسخ کے ساتھ تفسیر فرمادیا۔ ردالمحتار میں ہے:

مامر عن النوازل من ان النکاح باطل، معناہ انہ سیبطل کما فی الذخیرۃ لان المسألۃ مفروضۃ فیما اذا لم ترض البنت بعدما کبرت کما صرح بہ فی الخانیۃ والذخیرۃ وغیرھما وعلیہ یحمل مافی القنیۃ [4] الخ۔	نوازل سے جو گزرا کہ "نکاح باطل ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ باطل ہوسکتا ہے جیساکہ ذخیرہ میں ہے یہ اس لئے کہ مسئلہ مفروضہ یہ ہے کہ بیٹی نے بالغ ہونے کے بعد نکاح پر عدم رضامندی کی ہو جیساکہ خانیہ اور ذخیرہ وغیرہ میں تصریح کی ہے۔ اور قنیہ میں جو ذکر ہے وہ بھی اسی پر محمول ہے الخ۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل زوج ابنتہ الصغیرۃ من رجل علی ظن انہ صالح لایشرب الخمر فوجدہ الاب شریبا مدمنا وکبرت الابنۃ فقالت	ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہوچکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الخامس فی الاکفاء نورانی کتب خانہ پشاور ۱۱۶/۴

[2] ردالمحتار بحوالہ النوازل باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۴/۲

[3] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیہ باب فی نکاح الصغار والصغائر مطبعۃ مشتہرہ بالمہانندیہ ص ۷۵

[4] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۵/۲

لاارضی بالنکاح ان لم یعرف ابوھا بشرب الخمر وغلبۃ اھل بیتہ الصالحون فالنکاح باطل ای یبطل وھذہ المسألۃ بالاتفاق کذافی الذخیرۃ.وانما الخلاف بین ابی حنیفۃ وصاحبیہ رحمھم اللہ تعالٰی فیما اذا زوجھا من رجل عرفہ غیر کفو فعند ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی یجوز لان الاب کامل الشفقۃ وافر الرأی فالظاھر انہ تأمل غایۃ التأمل ووجد غیر الکفو اصلح من الکفو کذافی المحیط [1]۔	ایک شخص نے اپنی بیٹی نابالغہ کا کسی لڑکے سے اس گمان پر کیا کہ لڑکا صالح ہے شرابی وغیرہ نہیں ہے تو بعد میں اسے شراب کا عادی پایا اور بیٹی بالغ ہوچکی ہو اور کہہ چکی ہو کہ میں اس نکاح پر راضی نہیں ہوں۔اس صورت میں اگر باپ کا نکاح کے وقت شرابی ہونا معروف نہ ہوا اور اس کا غالب خاندان صالحین لوگ ہوں تو نکاح باطل ہوگا، یعنی باطل ہوسکتا ہے اور یہ مسئلہ متفقہ ہے جیساکہ ذخیرہ میں ہے البتہ امام اور صاحبین کا اختلاف اس صورت میں ہے جب نکاح کے وقت باپ کو لڑکے کا غیر کفو ہونا معلوم ہو تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح ہے کیونکہ باپ کامل شفیق ہے اور مکمل صاحب الرائے ہے لہٰذا اس نے انتہائی سوچ وبچار کیا ہوگا کہ یہ غیر کفو کفو والوں سے بہتر ہے، محیط میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اور نظر بقواعد ظاہر یہی ہے کہ شوہر کی طرف سے ولی کو دھوکا دئے جانے کی صورت میں مطلّقاً بطلان کا حکم ہو، ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان یقال لایصح العقد اصلا کما فی الاب الماجن والسکران مع ان المصرح بہ ان لھا ابطالہ بعد البلوغ وھو فرع صحتہ فلیتأمل [2]۔	ظاہر یہی ہے کہ اصلاً نکاح صحیح نہ ہونے کا قول کیا جائے جیساکہ باپ مجنون یا نشے والا ہو، نیز یہ بھی تصریح ہے کہ ایسی صورت میں بالغ ہونے پر بیٹی کو اختیار ہے جبکہ یہ بات نکاح کے صحیح ہونے پر متفرع ہوسکتی ہے پس غور کرو۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) فرع مذکور کی اصل کتاب الاصل اعنی مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے اور وہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اور ظاہر الروایۃ میں بالغہ کا غیر کفو سے بلارضائے ولی نکاح کرلینا صحیح ہے ولی کو اختیار فسخ ہے اور مختار للفتوی روایت حسن ہے کہ وہ نکاح ہوتا ہی نہیں اور فساد زمانہ کے باعث جو وجہ علماء نے وہاں فرمائی یہاں بھی بلاتفاوت جاری ہے توحکم عبارات مذکورہ میں تاویل نہ کرنا اور دھوکے کی صورت میں نکاح کو سرے سے باطل ٹھہرانا بظاہر وجہ وجیہ رکھتا ہے لاأقل اختیار فسخ ہونے میں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الکفاءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۹۱

[2] ردالمحتار باب الکفاءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۸

شک نہیں۔ درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان[1]۔	غیر کفو میں نکاح کے متعلق اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائے گا فساد زمان کی وجہ سے فتوی کے لئے یہی مختار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

لانہ لیس کل ولی یحسن المرافعۃ والخصومۃ ولا کل قاضی یعدل ولواحسن الولی وعدل القاضی فقد یترك انفۃ للتردد علی ابواب الحکام واستثقالا لنفس الخصومات فیتقرر الضرر فکان منعہ دفعالہ فتح[2]۔	کیونکہ ہر باپ مقدمہ دائر کرنے اور بحث کرنے کا ماہر نہیں ہوتا اور نہ ہر قاضی عادل ہوتا ہے اور اگر باپ ماہر ہو اور قاضی عادل بھی ہو تب بھی حکام کے دروازوں کے چکر لگانے اور مقدمہ بازی کی مشقت سے نفرت تو موجود ہے جس کی وجہ سے ضرر ثابت ہے تو اس ضرر سے بچنے کے لئے وہ باز رہے گا۔ فتح۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴۹: از پکھریرارائے پور ضلع مظفرپور محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ مولوی شریف الرحمٰن صاحب مرحوم ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید حرامی ہے مگر مسلمان دیندار ہے، شرعا اس کے لڑکا لڑکی سے نکاح والے اپنے لڑکا لڑکی کا عقد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح میں کفاءت معتبر ہے اور کفاءت کا مدار عرف پر ہے ان سے رشتہ عرفا باعث ننگ وعار ہو تو احتراز کیا جائے خصوصا دختر میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵۰: مسئولہ اختر حسین خان از بریلی محلّہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک یتیم نابالغہ سیدزادی لے کر پالی اور اسی نابالغی میں اس کا نکاح ایک پٹھان سے کردیا اور اس کا بالغ بھائی تھا اسے اطلاع بھی نہیں دی بوجہ نابالغی رخصت نہ ہوئی اب وہ مفقود الخبر ہے اور لڑکی بالغہ ہوگئی، اس صورت میں وہ اپنا نکاح دوسری جگہ کرسکتی ہے

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

[2] ردالمحتار باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۷

یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو وہ نکاح اصلانہ ہوا، لڑکی کو اختیار ہے جس اچھی جگہ چاہے اپنا نکاح کرلے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۱: از شہر بریلی محلّہ براہم پور مسئولہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۱۱صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ سے بعد دینے طلاق کے اپنی دختر نابالغہ کو طلب کیا اس نے دینے سے انکار کیا، اس وقت زید بارادہ سفر دور دراز کے مجبور ہوا اور متنبہ کردیا کہ خبردار اس کا نکاح خلاف رائے میری کے نہ ہو، چنانچہ مسماۃ مذکورہ نے عدم موجودگی زید کے اس دختر نابالغہ کا نکاح خلاف رائے زید کے کردیا، وہ شوہر دختر مثل عورات بازاری کے رقص کرنے والا ہے اور پابند صوم وصلٰوۃ نہیں شراب خور ہے، اب دختر بفضلہٖ تعالٰی بالغہ ہے اس نے دفتر شکایات اس شوہر کا اپنے باپ زید سے بیان کیا کہ میرا نکاح اس شخص کے ساتھ جائز ہوا یا ناجائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان کیا نکاح ہوئے تین ۳ برس ہوئے اور عورت کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی اور نابالغہ تھی اور مرد کی عمر پچیس ۲۵ سال تھی اور جبھی سے ناچنے کا پیشہ رکھتا تھا، اور اسی وجہ سے باپ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کو منع کردیا تھا، باپ اندور چلا گیا، اس کے پیچھے عورت نے نکاح کردیا اور باپ کو کوئی خبر نہ ہوئی، لڑکی تین مہینے سے بالغہ ہوگئی، اب کوئی ایک ہفتہ ہوا اس کا باپ اندور سے آیا تو اب لڑکی نے اس سے شکایت کی، اس سے پہلے اس نے بھی کچھ نہ کہا، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو نکاح مذکور باطل ہوگیا، ابتداء میں جب نکاح واقع ہوا ہے پدر پر موقوف تھا،

لانہ وان کان من غیر کفو والمزوج غیر اب وجد لکنہ عقد فضولی صدر، ولہ مجیز وھو الاب لان التزویج من غیر کفؤ۔	کیونکہ یہ نکاح غیر کفو میں ہے اور نکاح دینے والے باپ دادا کا غیر ہیں اور یہ فضولی کا نکاح ہوا جس کو جائز کرنے والا لڑکی کا باپ ہے کیونکہ اسی کو غیر کفو میں نکاح کا اختیار ہے۔(ت)

جبکہ اس مدت میں عورت بالغہ ہوگئی تو اب وہ نکاح خود اس کی اجازت پر موقوف ہوگیا اور اس نے بعد بلوغ مدت سکوت کیا اس کی طرف سے اجازت ہوگئی، تو اب یہ ایسا ہوا کہ بالغہ نے اپنی رائے سے ایسے شخص کے ساتھ نکاح کرلیا اور ایسا شخص ضرور غیر کفو ہے اور اس کے ساتھ بالغہ کا اپنی رائے سے نکاح کرلینا باطل محض

ہے، درمختار میں ہے:

ویفتی بعدم الصحۃ فی غیر کفو لفساد الزمان [1]۔	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوی دیا جائیگا فساد زمان کی وجہ سے۔(ت)

لہذا یہ نکاح باطل محض ہوگیا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۲ تا ۴۵۴: از سیرہ ضلع ہوشنگ آباد محلّہ مانپورہ مسئولہ حافظ شاہ افضل خاں صاحب ۲۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں، براہ کرم جواب سے مع دلائل نقلی کے مشرف وممتاز فرمائیں:

(۱) ایک عورت ہے جو نسبی سیدہ ہے اس سے کسی شخص نے جو نسبًا سید نہیں ہے نکاح کیا تو اس کو لوگ کافر کہتے ہیں تو کیا شخص مذکورہ کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کہنے والوں پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

(۲) عورت بالغہ جو نسبا سیدہ ہے باکرہ ہو یا ثیبہ یا مطلقہ کسی شخص سے جو نسبا سید نہیں ہے نکاح کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) مرد غیر سید نے سیدہ عورت سے نکاح کیا اور اگر وہ نکاح جائز ہوا تو جو اولاد کہ اس سے پیدا ہوگی وہ نسبا سید کہلائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حاشا اللہ اسے کفر سے کیا علاقہ، کافر کہنے والوں کو تجدید اسلام چاہئے کہ بلاوجہ مسلمان کو کافر کہتے ہیں، امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کہ بطن پاک حضرت بتول زہرا رضی اللہ عنہا سے تھیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں دیں اور ان سے حضرت زید بن عمر پیدا ہوئے اور امیر المومنین نسبًا سادات سے نہیں۔

(۲) سیدہ عاقلہ بالغہ اگر ولی رکھتی ہے تو جس کفو سے نکاح کرے گی ہوجائے گا اگرچہ سید نہ ہو مثلاً شیخ صدیقی یا فاروقی یا عثمانی یا علوی یا عباسی، اور اگر غیر کفو سے بے اجازت صریحہ ولی نکاح کرے گی تو نہ ہوگا جیسے کسی شیخ انصاری یا مغل، پٹھان سے مگر جبکہ وہ معزز عالم دین ہو،

(۳) جب باپ سید نہ ہو اولاد سید نہیں ہوسکتی اگرچہ ماں سیدانی ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۵: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ مولوی احسان علی صاحب طالبعلم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لڑکی بالغہ ہوگئی اور فی الحال کوئی کفو نہیں ملتا کہ جس کے

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۱

یہاں نکاح ہو غیر کفو ملتے ہیں یعنی کم حیثیت والے یا لڑکی کے والدین سے زائد حیثیت کے ملتے ہیں مگر ذاتا کامل اچھے نہیں، مثلاً لڑکے کے آباؤاجداد اچھے تھے لیکن ان کی جورو طوائف تھی بعد نکاح اس سے یہ لڑکا ہوا تو دونوں میں کس کے یہاں کرنا بہتر ہے یا کفو کا انتظار کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فقط مالی حیثیت میں کم ہونا مانع کفاءت نہیں کفو وہ نہیں ہے جس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو، باپ اگر شریف القوم ہے اور طوائف سے بعد توبہ اس نے نکاح کیا تو اس سے بچہ کی نسب پر حرف نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵۶: از ریاست جاورہ لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہلکار محکمہ حساب ۲ شوال ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو یہ یقین دلاکر تمھارا نکاح شوہر محمود جو نجیب الطرفین اور تمھارا کفو ہے کرایا گیا لیکن ہندہ کو بعد نکاح ثابت ہوا کہ شوہر یعنی محمود غیر کفو ہے اب ہندہ اور اس کے عزیز واقارب اپنے کفو کا داخل ہونا عار سمجھتے ہیں اور ہندہ ایسے غیر کفو کو خود بھی شوہر بنانا عار وننگ خاندان سمجھتی ہے نیز اس کا اصل باپ یعنی زید بھی اس تعلق غیر کفو سے ناراض ہے پس ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یا غیر کفو ہونے کی حالت میں نکاح فسخ ہی مانا جائے ہندہ بالغہ ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ ہندہ بالغہ ہے اور نکاح غیر کفو سے ہوا اور زید پدر ہندہ نے قبل نکاح اسے غیر کفو جان کر اس سے نکاح کی اجازت نہ دی تو نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں فسخ کی کیا حاجت، درمختار میں ہے:

ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا بلارضی ولی بعد معرفته ایاہ[1] (ملخصاً)	غیر کفو میں نکاح کے اصلا عدم جواز کا فتوٰی دیا جائے گا جبکہ ولی نے لڑکی کے غیر کفو معلوم ہوجانے پر رضامندی ظاہر نہ کی ہو۔

مگر غیر کفو کے معنی شرعًا یہ ہیں کہ مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم ہو کہ اسکے ساتھ اس کا نکاح اسکے اولیاء کیلئے واقعی باعث ننگ وعار ہو نہ کہ بعض جاہلانہ خیالات پر، بعض عوام میں دستور ہے کہ خاص اپنے ہم قوم کو اپنا کفو سمجھتے ہیں، دوسری قوم والے کو اگرچہ ان سے کسی بات میں کم نہ ہو غیر کفو کہتے ہیں اس کا شرعا لحاظ نہیں جیسے شیخ صدیقی ہو شیخ فاروقی کو اپنا کفو نہ جانے یا سید ہو اور وہ شیخ صدیقی یا فاروقی یا قریشی کو اپنا کفو نہ سمجھے حالانکہ حدیث میں ہے۔

---

[1] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

قریش بعضھم اکفاء بعض [1] (بعض قریش بعض کے لئے کفو ہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فلو تزوجت ھاشمیة قرشیا غیر ھاشمی لم یرد عقدھا [2]۔	اگر ہاشمی لڑکی نے غیر ہاشمی قرشی سے نکاح کرلیا تو اسے رد نہیں کیا جائے گا۔(ت)

مسئلہ ۴۵۷: از لکھنؤ محلّہ سبزی منڈی مکان بگن وبٹن عقب مکان ابراہیم صاحب عینک ساز مرحوم مرسلہ عبدالمجید صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں حضرات علمائے کرام رحمہم اللہ علیہم اس مسئلہ میں کہ لڑکی نابالغہ کی شادی بغیر حکم یابے اجازت اس کے والد کے کسی غیر کفو شخص کے ہمراہ اس لڑکی کی ماں کردے تو جائز ہے اور جبکہ اس کی ماں کو بھی دھوکا دیا گیا ہو یعنی جو شخص اس لڑکی کے ساتھ شادی کررہا ہے وہ ایسے آپ کو حلفًا نہایت شریف شخص بتارہا ہے لیکن دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ شخص نہایت نیچ ذات کا شخص ہے تو ایسی حالت میں اس لڑکی کی ماں ناراض ہوکر اور باپ بھی ناراض ہوکر اس لڑکی کا نکاح فسخ کراسکتا ہے یا نہیں؟ آیا ان دونوں یعنی لڑکے کے والدین کو شرعًا یہ حق حاصل ہے کہ اپنی لڑکی کو بغیر طلاق دلوائے ہوئے دوسرے شریف النسب شخص سے نکاح کراسکتے ہیں یا طلاق دلوانے کی ضرورت ہوگی؟ فقط، بینواتوجروا

الجواب:

اگر صورت واقعیہ یہ ہے کہ نابالغہ کی شادی اس کی ماں نے خصوصًا ایسے شخص سے کردی خواہ دانستہ یا دھوکے سے، اور والد کا اذن نہ اجازت، تو اس صورت میں بدرجہ اولٰی یہ نکاح سرے سے بے ثبات محض ہوا، باپ کو نکاح فسخ کرانے کی اس حالت میں بھی حاجت نہ تھی کہ نکاح کفو سے ہوا ہوتا، اس کا رد کردینا ہی کافی ہوتا، تو یہاں بدرجہ اولٰی اس کا صرف اتنا کہہ دینا بس ہے کہ "میں اس پر راضی نہیں" وہ نکاح رد ہوجائے گا، اور والد کو اختیار ہوگا کہ بغیر طلاق دوسری جگہ نکاح کردے۔

لان عقد فضولی صدر ولہ مجیز فتوقف علی اجازتہ فیرد	کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جو اس حال میں صادر ہوا کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا موجود تھا تو

[1] فتح القدیر بحوالہ حاکم فصل فی الاکفاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۸۸/۳، ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۹/۲

[2] ردالمحتار بحوالہ کافی للحاکم باب الکفاءۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۸/۲

بردہ۔	اسی کی اجازت پر موقوف ہوا تو اس کے رد کرنے پر رد ہوجائے گا۔(ت)

اور اگر والد اس سے پہلے اپنی کسی دختر کا نکاح غیر کفو سے کرچکا ہو تو اب اس کی اجازت سے بھی جائز نہیں ہوسکتا نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں۔

لانہ عقد فضولی صدر ولامجیز لہ لکون الاب عرف بسوء الاختیار فبطل رأسا کما فی الدر وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ ایسا نکاح فضولی صادر ہوا ہے کہ اس وقت اس کو جائز کرنے والا کوئی نہیں تھا کیونکہ باپ سوء اختیار سے معروف تھا لہذا یہ باطل ہوگا جیساکہ درو غیرہ میں ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۵۸: از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مرسلہ عبدالحلیم صاحب ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ

صاحبان علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں: زید نے اپنے آپ کو قوم کا پٹھان خاندانی ظاہر کیا اور بکر سے کہا کہ تم اپنی دختر کا نکاح میرے ساتھ کردو، بکر نے اپنی دختر کا نکاح زید کے ساتھ کردیا، بعد نکاح ہوجانے کے بکر کو معلوم ہوا کہ زید قوم کا پٹھان نہیں ہے دھوکا دے کر نکاح کیا، اور وہ قوم کا فقیر تکیہ دار قبرستان ہے کہ جس سے میرے خاندان میں حقارت ہوگی اور سبب بدنامی ہوگی، بکر نے اپنی دختر کو رخصت کرنے سے انکار کیا اور بعد نکاح کے رخصت نہیں کی اور بکر قوم کا سید ہے۔

الجواب:

دختر بالغہ تھی یا نابالغہ؟ کیا عمر تھی، عارضہ ماہواری آتا تھا یا نہیں؟ وقت نکاح دختر سے اذن لیا تھا یا نہیں؟ سب مفصل لکھا جائے کہ سوال لائق جواب ہو **فقط**

عالی جاہ! وقت نکاح دختر کی عمر ۱۳ سال ۲ ماہ کی تھی، عارضہ ماہواری آتا تھا، اذن لڑکی سے لیا گیا تھا لیکن اس نے جواب دیا کہ میں کچھ نہیں جانتی، اس پر مجبورًا اس کی چچی نے اجازت دی، اجازت لڑکی کے باپ کی تھی بلکہ صرف لڑکی کا باپ اور بھائی بھی دونوں گواہ نکاح تھے **فقط**۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ زید کسی طرح سادات تو سادات کسی مغل، پٹھان کا بھی کفو نہیں ہوسکتا، اور لڑکی بالغہ تھی اور اس نے اذن لینے پر لفظ یہ کہے کہ "میں کچھ نہیں جانتی" ظاہر ہے کہ یہ صاف اذن نہیں بلکہ اس سے معاملہ میں اپنا دخل نہ دینا بحسب منطوق مستفاد ہوتا ہے اور کبھی بحسب قرینہ دوسروں کے اختیار پر چھوڑنا بھی مفہوم ہوتا ہے یعنی مجھے بحث نہیں تم جیسا جانو کرو۔ بر تقدیر دوم یہ نکاح دختر کی اجازت سے قرار

پائے گا اور بالغہ کہ ولی رکھتی ہے اپنا جو نکاح غیر کفو سے کرے جسے پیش از نکاح غیر کفو جان کر ولی نے صراحۃً اجازت نکاح نہ دی ہو وہ نکاح باطل محض ہوتا ہے **کمافی البحر والدر واوضحه فی ردالمحتار** (جیسا کہ بحر اور در میں ہے اور ردالمحتار میں اس کی توضیع کی گئی ہے۔ت) اس تقدیر پر تو یہ نکاح اصلا ہوا ہی نہیں اور بر تقدیر اول نکاح فضولی تھا اور ضرور ہے کہ بعد نکاح دختر کو نکاح ہوجانے کی خبر عادۃً پہنچی اب دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس نے خبر سن کر اس نکاح فضولی کو جائز کیا اگرچہ یونہی کہ خبر سن کر مسکرائی یا خاموش رہی، یا جائز نہ کیا بلکہ اپنی ناراضی کا اظہار کیا۔ بر تقدیر دوم ظاہر ہے کہ وہ نکاح کہ اجازت دختر پر موقوف تھا اس کے اظہار ناراضی سے مردود و باطل ہوگیا۔ بر تقدیر اول پھر یہ نکاح باجازت دختر ٹھہرا۔

لان الاجازة اللاحقة کالو کالة السابقة[1]۔ وقد صرح به فی الخیریة فی مثل الجزئیة۔	کیونکہ بعد کی اجازت ایسے ہے جیسے سابقہ وکالت ہو، اس کی تصریح خیریہ میں اسی طرح کے جزئیہ میں کی ہے۔ (ت)

اور بالغہ ولی رکھتی ہے بے اجازت صریحہ ولی بعد علم بعدم کفاءت جو نکاح غیر کفو سے کرے باطل ہے تو اس طرح باطل ہوگیا، غرض صورت مذکورہ میں جس پہلو پر دیکھا جائے یہ نکاح باطل محض ہے۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ ۴۵۹: قصبہ کست ڈاکخانہ بندھیاچل ضلع مرزاپور مرسلہ محمد زکریا صاحب ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد یحیٰی نے انتقال کیا اور شاہ عبدالکریم والد اور اپنی والدہ اور برادر حقیقی حافظ محمد زکریا اور ہمشیرہ اور زوجہ مسماۃ احمدی بی بی اور دختر مسماۃ محمودہ بی بی زوجہ اولیٰ اور دختر مسماۃ راضیہ بی بی زوجہ ثانیہ با احمدی بی بی کو چھوڑا، شاہ عبدالکریم نے بولایت خود مسماۃ محمودہ بی بی کا عقد مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے ننھیالی رشتہ دار کے فرزند سے کردیا اور شاہ عبدالکریم کا انتقال ہوگیا قبل انتقال ہونے کے شاہ عبدالکریم مرحوم مسماۃ احمدی بی بی زوجہ مولوی محمد یحیٰی مرحوم و حافظ محمد زکریا اپنے فرزند کو بلا کر وصیت کیا کہ مسماۃ راضیہ بی بی جس کی عمر تخمیناً ڈیڑھ سال کی ہے اس کا عقد تمھارے بیٹے عبدالسلام کے ساتھ بولایت جائز اپنے کئے دیتا ہوں اگر تم اس کے خلاف کروگے تو مواخذہ عقبیٰ تمھارے ذمہ ہوگا۔ اب اس لڑکی مسماۃ راضیہ بی بی کا عقد جس کی عمر تخمینا تیرہ ۱۳ چودہ ۱۴ سال کی ہے مسماۃ احمدی بی بی اور اس کے نانا شاہ عبدالعزیز ایک ایسے شخص کے ساتھ جو سب انسپکٹری اور تارک الصلوٰۃ داڑھی منڈواتا ہے اور رشوت خوری اور اس کے خاندان سے اور مولوی محمد یحیٰی مرحوم کے خاندان سے اور مسماۃ احمدی بی بی کے خاندان سے کبھی کوئی رشتہ داری اور قرابت نہیں رہی اور نہ کچھ واسطہ کرنا چاہتے ہیں۔ حافظ محمد زکریا بالغ

[1] فتاوٰی خیریہ باب الاولیاء والاکفاء دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵

کہتا ہے کہ حق ولایت شرعا مجھ کو حاصل ہے اور لڑکی نابالغ ہے قانونًا اٹھارہ برس بلوغ کا رکھا گیا ہے اور وہ سب انسپکٹر غیر کفو ہے اور خلاف شریعت محمدیہ کے اس کے افعال وحرکات ہیں اور تبرائی رافضیوں سے اس کی رشتہ داری اور اس کی محفلوں اور مجلسوں میں وہ شریک ہوتا ہے اس لئے اس سے نکاح ناجائز اور بدون اجازت ولی یعنی مربی اس کا نکاح اس کی ماں اور نانا وغیرہ کر سکتے، آیا شرعًا ولی جائز کون ہے؟ آیا شرعا کفو سے اور کفو اور غیر کفو کی تعریف شریعت محمدیہ میں کیا تعریف ہے؟ آیا ایک مسلمہ کا نکاح ایسے شخص سے جو تارک الصلوٰۃ ہو اور خلاف شریعت نبویہ کے کام کرتا ہو جائز ہے؟ آیا وصیت پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

سوال سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالکریم نے اپنے انتقال سے پہلے اپنی نابالغہ پوتی راضیہ کا نکاح حافظ محمد زکریا کے بیٹے سے کہ غالبا وہ بھی اس وقت نابالغ ہوگا کیا آگے سوال میں کچھ مذکور نہیں کہ محمد زکریا نے اس جلسہ میں الفاظ قبول کہے یا نہیں، اور اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں جلسہ میں حاضر اور شاہ عبدالکریم وحافظ محمد زکریا کے ایجاب وقبول کو سننے والے اور اس کی گفتگو کو عقد نکاح سمجھنے والے موجود تھے یا نہیں، اگر حافظ زکریا نے اسی جلسہ میں اپنے بیٹے کے لئے کہا کہ میں نے قبول کیا اور دو گواہوں نے سنا اور سمجھا تو راضیہ کا اسی وقت نکاح ہوگیا اب اگر اس کا وہ شوہر موجود ہے تو دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہی نہیں۔ اور اگر یہ صورت نہ تھی اور سوال سے ظاہر یہی ہے کہ نہ تھی محمد زکریا اپنے ولایت کے دعوی سے اس نکاح سے مانع ہے یہ نہیں کہتا کہ اس کا نکاح تو میرے بیٹے سے ہو چکا۔ تو اب دو صورتیں ہیں اگر راضیہ کے اولیاء اور گھر والے صالحین ومتبع شرع ہوں اور ایک ایسے شخص کے ساتھ کہ فاسق معلن ہے راضیہ کا نکاح ان کے لئے باعث ننگ وعار ہے یا وہ نسب وغیرہ کسی اور بات میں ایسی کمی رکھتا ہے تو راضیہ کے لئے وہ کفو نہیں، شریعت مطہرہ میں بلوغ ظہور آثار پر ہے۔ عورت کم از کم نو۹ برس کی بالغہ ہو سکتی ہے جبکہ اسے عارضہ ماہواری آنا شروع ہو، اور اگر آثار ظاہر نہ ہوں تو جب پندرہ برس پورے کی عمر ہوجائے بالغہ ہوجائے گی، راضیہ کی عمر پندرہ برس سے کم ہے تو اگر اسے عارضہ ماہواری آتا ہے بالغہ ہے ورنہ نابالغہ اگر نابالغہ ہے جب تو شخص مذکور سے کہ غیر کفو ہے اس کا نکاح ہو سکتا ہی نہیں۔ محمد زکریا کہ اس کا ولی ہے اگر وہ بھی کرے گا باطل محض ہوگا نہ کہ احمدی یا شاہ عبدالعزیز کہ ولی ہی نہیں۔ اور اگر بالغہ ہے تو اس پر ولایت جبریہ کسی کو نہیں، بے اس کی اجازت کے کفو سے بھی نہیں ہو سکتا اور غیر کفو سے وہ خود بھی نہیں کر سکتی جبکہ اس کا ولی اس سے نکاح پر راضی نہیں۔ اگر کرے گی تو باطل محض ہوگا، غرض اس شخص کے غیر کفو بمعنی مذکور ہونے کی حالت میں بناراضی

محمد زکریا یہ نکاح کسی طرح نہیں ہوسکتا خواہ راضیہ بالغہ ہو یا نابالغہ اور اگر وہ اس معنی پر غیر کفو نہیں یعنی راضیہ کے خاندان والے بھی اسی قسم کے افعال رکھتے ہیں اور نسب ومذہب وغیرہ میں بھی کوئی ایسی کمی نہیں کہ یہ رشتہ اولیائے راضیہ کے لئے باعث ننگ وعار ہو اس صورت میں اگر راضیہ کو عارضہ ماہواری آتا ہے تو وہ خود اپنے نفس کی مختار ہے اگر اس کے ماں یا نانا نکاح کردیں گے اور وہ اجازت دے دے گی صحیح ونافذ ہوگا اور محمد زکریا کو کوئی اختیار اعتراض نہ ہوگا، اور اگر راضیہ راضی نہ ہوگی تو محمد زکریا کے کئے بھی نافذ نہیں ہوسکتا نہ کہ احمدی وعبدالعزیز کے، اور اگر اسے عارضہ ماہواری نہیں آتا تو اب اختیار محمد زکریا کو ہے، اگر احمدی وعبدالعزیز بے اجازت محمد زکریا نکاح کردیں گے اجازت محمد زکریا پر موقوف رہے گا، اگر وہ رد کردے گا باطل ہوجائے گا جائز کردے گا جائز ہوجائے گا، **والمسائل کلھا مشھورۃ وفی عامۃ الاسفار مذکورۃ** (یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں مذکور ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ: اس جلد کا آخری عنوان **باب الکفائۃ** ہے، بارہویں جلد کا آغاز **باب المھر** سے ہوگا۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۲

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
فہرست مضامین 9
فہرست ضمنی مسائل 67
بابُ المھر 101
رسالہ 101
البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل ۱۳۰۵ھ 101
(زوجہ بعد وطی بھی مہر معجّل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے اس بارے میں کشادہ تحریراور فیصلہ مسٹر محمود کارد) 101
باب الجھاز 201
(جہیز کا بیان) 201
فصل اوّل 211
فصل دوم 227
باب نکاح الکافر 261
(کافرکے نکاح کا بیان) 261
بابُ المُعَاشِرَۃ 267
(زوجین کے باہمی برتاؤکابیان) 267
باب القسم 273
(بیویوں میں باری مقرر کرنا اور حقوق میں مساوات رکھنا) 273
بابُ النکاح الثانی 287
رسالہ 287
اطائبُ التّھانی فی النّکاح الثّانی ۱۳۱۲ھ 287
(بیوہ کے نکاح ثانی کے مفصّل احکام) 287
کتابُ الطّلاق 321

(طلاق کا بیان) 321
باب الکنایة 513
(طلاق کنایہ کا بیان) 513
رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق ۱۳۱۱ھ 513
(طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل کے بیان میں) 513
باب تفویض الطلاق 637
(تفویض طلاق کا بیان) 637
مآخذ ومراجع 657
ضمیمہ 681
مآخذ ومراجع 681

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّہۡہُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد دوازدہم

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲
* مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰بی، اردو بازار، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

نام کتاب__________فتاوی رضویہ جلد دوازدہم

تصنیف__________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح__________مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد عباس رضوی

باہتمام وسرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت__________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ__________

صفحات__________۶۸۸

اشاعت__________رجب المرجب ۱۴۱۸ھ / مئی ۱۹۹۷ء

مطبع
____

ناشر__________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت__________روپے

ملنے کے پتے

مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی

ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
باب المہر ____ ۱۰۱
باب الجہاز ____ ۲۰۱
باب نکاح الکافر ____ ۲۶۱
باب المعاشرہ ____ ۲۶۷
باب القسم ____ ۲۷۱
باب النکاح الثانی ____ ۲۸۷
کتاب الطلاق ____ ۳۲۱
باب الکنایہ ____ ۵۱۳
باب تفویض الطلاق ____ ۶۳۷
مآخذ ومراجع ____ ۶۵۷

فہرست رسائل

o البسط المسجل ____ ۱۰۱
o اطائب التہانی ____ ۲۸۷
o رحیق الاحقاق ____ ۵۱۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ اعلی حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ وذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دار العلوم جامعہ رضویہ لاہور میں ''رضا فاؤنڈیشن'' کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج اور کتاب النکاح پر مشتمل خوبصورت ضخیم جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ کتاب النکاح کے اکثر وبیشتر حوالہ جات کی تخریج فاضل جلیل، فن اسماء الرجال ومناظرہ کے ماہر حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی ساکن گوجرانوالہ نے فرمائی ہے، جس پر ادارہ کے اراکین ان کے شکر گزار ہیں۔ اب بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

اب تک شائع ہونے والی جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

پہلی جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء	صفحات ۸۳۸
دوسری جلد	ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ / نومبر ۱۹۹۱ء	صفحات ۷۱۰
تیسری جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ / فروری ۱۹۹۲ء	صفحات ۷۵۶
چوتھی جلد	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ / جنوری ۱۹۹۳ء	صفحات ۷۶۰

پانچویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء	صفحات ۶۹۲
چھٹی جلد	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ/اگست ۱۹۹۴ء	صفحات ۷۳۶
ساتویں جلد	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ/دسمبر ۱۹۹۴ء	صفحات ۷۲۰
آٹھویں جلد	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ/جون ۱۹۹۵ء	صفحات ۶۶۴
نویں جلد	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ/اپریل ۱۹۹۶ء	صفحات ۹۴۶
دسویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/اگست ۱۹۹۶ء	صفحات ۸۳۲
گیارہویں	جلد محرم الحرام ۱۴۱۸ھ/مئی ۱۹۹۷ء	صفحات ۷۳۶

بارہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے **باب المھر** سے **باب تفویض الطلاق** کے آخر تک ۳۲۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ بتوفیق اللہ تعالٰی وبفضلہٖ اس راقم پُر تقصیر عفی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست بھی راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیار کردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل نو عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں:

(۱) باب المھر (۲) باب الجھاز

(۳) باب نکاح الکافر (۴) باب المعاشرۃ

(۵) باب القسم (۶) باب النکاح الثانی

(۷) کتاب الطلاق (۸) باب الکنایۃ

(۹) باب تفویض الطلاق

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گراں قدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱) **البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجّل** (۱۳۰۵ھ)

وطی کے بعد مہر معجّل کی وصولی کے لئے عورت کو منع نفس کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۲) **اطائب التھانی فی النکاح الثانی** (۱۳۱۲ھ)

نکاح ثانی کے احکام میں۔

() رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق (ھ)

طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل

نوٹ: اس جلد کے مسئلہ نمبر ۱۲۱ کے آخر سے عربی عبارت کا کچھ حصہ جو فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے صفحہ ۴۱۳ سے ۴۱۸ تک تھا غیر مربوط ہونے کی وجہ سے خارج کردیا گیا ہے، دراصل یہ عربی عبارت مصنّف علیہ الرحمۃ کی تصنیف جلیل جدّ الممتار کی ہے جو سہواً یہاں نقل ہوگئی تھی۔

رجب المرجب ۱۴۱۸ھ — حافظ عبدالستار سعیدی

نومبر ۱۹۹۷ء — ناظم تعلیمات

(جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین

باب المہر	۱۰۱	مسٹر محمود کی پانچ وجوہ مخترعہ	۱۰۲
○ رسالہ **البسط المسجّل فی امتناع الزوجة بعد الوطی للمعجّل** (وطی کے بعد مہر معجّل کی وصولی کیلئے عورت کو منع نفس کا حق حاصل ہونے کا مفصل بیان) یہ رسالہ دو ۲ سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے)	۱۰۱	جواب سوال اول۔	۱۰۳
سوال اوّل	۱۰۱	عورت کو اختیار حاصل ہے کہ جب تک مہر معجّل وصول نہ کرلے اپنے آپ کو تسلیم شوہر نہ کرے۔	۱۰۳
ہندہ تا وصول مہر معجّل شوہر کے یہاں جانے سے انکار رکھتی ہے آیا اسے حق منع نفس حاصل ہے، ناشزہ تو نہ ہوگی۔	۱۰۱	مہر معجّل کی وصولی کے لئے اپنے آپ کو تسلیم شوہر نہ کرنے والی عورت ناشزہ نہ ہوگی۔	۱۰۳
سوال دوم	۱۰۲	وطی برضاء عورت کے باوجود عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ مہر معجّل کی وصولی کے لئے اپنے آپ کو وطی کے لئے شوہر کے حوالے نہ کرے اور اس کے ساتھ سفر سے انکار کرے۔	۱۰۳
جب ادائے مہر معجّل سے پہلے برضائے زن وطی ہو تو منع نفس کا حق ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں، اور کیا یہ مذہب صاحبین ہے اور اسے مذہب امام پر مسٹر محمود کی اپنے فیصلہ میں ایجاد کردہ وجوہ سے ترجیح صحیح ہے یا نہیں۔	۱۰۲	برائے وصولی مہر معجّل وطی وسفر سے انکار کرنیوالی عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۳

حق منع نفس و منع سفر کے بارے میں امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین کے مذہب میں فرق۔	۱۰۴	مزارعت یعنی بٹائی پر کھیت دینا جائز ہے۔	۱۰۹
اکثر اکابر ائمہ وعلماء و فقہاء اس مسئلہ میں مذہب امام کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر جزم واعتماد کرتے ہیں۔	۱۰۵	امام اعظم کے بعد امام ابو یوسف پھر امام محمد پھر امام زفر و حسن بن زیاد کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہئے	۱۰۹
متون خاص نقلِ مذہب صحیح و معتمد کیلئے وضع کئے جاتے ہیں۔	۱۰۵	ہم پر امام کے قول پر فتوی دینا واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف فتوی دیں۔	۱۱۰
اقتصار و تعلیل دونوں دلیل اختیار و تعویل ہیں۔	۱۰۵	جواب سوال دوم۔	۱۱۰
تعلیل دلیل ترجیح ہوتی ہے۔	۱۰۶	مجتہد کے سوا کسی کو قوت دلیل پر نظر کا اختیار نہیں۔	۱۱۱
ملتقی الابحر متون معتمدہ فی المذہب سے ہے۔	۱۰۶	مسائل وقت و قضاء میں غالبًا امام ثانی کے قول پر فتوی ہے۔	۱۱۱
ملتقی الابحر میں جو قول مقدم ہو وہی ارجح و مختار للفتوی ہوتا ہے۔	۱۰۶	لاکھوں مسائلِ معاملات میں قولِ امام پر فتوی ہے اگرچہ امام ابو یوسف کی رائے سے امام محمد بھی موافق ہوں۔	۱۱۱
فقیہ النفس امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر واظہر اور معتمد ہوتا ہے۔	۱۰۶	مشقّت جالب تیسیر ہے۔	۱۱۱
صاحب ہدایہ اکثر قولِ قوی کو مقدم کرتے ہیں اور قول مختار کی دلیل کو مؤخر کرنا ان کی عادت مستمرہ ہے	۱۰۷	امام ابو یوسف علمًا امام اعظم سے ہم پلّہ نہیں۔	۱۱۲
بائع نے وصولی ثمن سے قبل اگر مبیع کا بعض حصہ مشتری کے حوالے کر دیا تو بقیہ کو روکنے کا اسے حق حاصل ہے۔	۱۰۷	بے اذنِ امام اعظم امام ابو یوسف نے مجلس درس قائم کی پانچ سوالوں کے جواب میں متحیر ہو کر پھر خدمتِ امام رجوع لائے۔	۱۱۲
علامہ شیخی زادہ دیار رومیہ کے عالم، دولت عثمانیہ کے قاضی اور صاحب درمختار کے معاصر تھے۔	۱۰۸	جو مسئلہ امام اعظم کے حضور طے نہ ہو لیا وہ قیامت تک مضطرب رہے گا۔	۱۱۲
علامہ خیر الدین رملی صاحب درمختار کے استاذ ہیں۔	۱۰۸	امام ابو یوسف فرماتے ہیں جس مسئلہ میں ہمارے استاذ کا کوئی قول نہیں اس میں ہم پریشان حال ہیں۔	۱۱۲
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقًا قولِ امام پر فتوی دے اور قاضی عمومًا مذہبِ امام پر فیصلہ کرے مگر بضرورت داعیہ ترک۔	۱۰۹	امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ میں بعض مسائل میں جانتا کہ حدیث میری طرف ہے، تنقیح کے بعد کُھلتا کہ جس حدیث سے امام صاحب نے فرمایا ہے میرے خواب میں بھی نہ تھی۔	۱۱۲

متون شروح پر اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۱۱۳	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تابعی ہیں۔	۱۱۷
متن وشرح میں تعارض ہو تو عمل متن پر ہوگا۔	۱۱۳	علماء نے اس کی تصحیح فرمائی کہ ہم پر بقولِ امام فتوی دینا لازم اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف پر فتوی دیا ہو۔	۱۱۷
متون وفتاوٰی باہم متعارض ہوں تو معتمد وہی ہوگا جو متون کے موافق ہوگا۔	۱۱۳	قولِ امام سے قولِ صاحبین کی طرف یا ان میں سے کسی ایک کی طرف بلاضرورت عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۸
صاحبِ ھدایہ اصحابِ ترجیح میں سے ہیں۔	۱۱۴	صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں قولِ امام پر فتوی بہر حال میرے نزدیک واجب ہے۔	۱۱۸
امام کمال الدین ابن الہمام صاحب فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحاب ترجیح سے ہیں	۱۱۴	وقت عشاء میں قول صاحبین کو درر میں مفتٰی بہ کہا اس پر اعتماد جائز نہیں کہ قول امام سے عدول کا کوئی سبب نہیں۔	۱۱۸
معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔	۱۱۴	بغیر ضعف دلیل یا ضرورت یا تعامل یا اختلافِ زماں قولِ امام پر قولِ صاحبین مرجّح نہیں ہوسکتا۔	۱۱۸
امام قاضی خاں اصحاب ترجیح سے ہیں اُن کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۴	ضعف دلیل جس کے سبب قولِ امام سے عدول جائز ہے وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدین فتوی اس کے ضعف پر تنصیص کریں۔	۱۱۹
علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناء پر رَد کردیں کہ متون ان کے خلاف پر ہیں۔	۱۱۵	بیع عین پر وارد ہوتی ہے۔	۱۱۹
جس پر متون ہوں وہی قول معتمد ہوگا۔	۱۱۵	نکاح عورت کے گوشت پوست پر نہیں منافع بضع پر وارد ہوتا ہے۔	۱۱۹
عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔	۱۱۵	بصورت تجدّد بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں اور نہ بعض پر رضا سے کل پر رضا لازم ہے۔	۱۲۰
صاحب محیط ائمہ ترجیح سے ہیں	۱۱۵	بیع میں اگر چند چیزیں ایک عقد بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں، بعض باقی کو روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو۔	۱۲۰
بعض جگہ قولِ صاحبین پر فتوی کی وجوہ۔	۱۱۶	اشیائے متعددہ میں اقباض بعض اقباض کُل نہیں۔	۱۲۰
ایک تہائی مذہب کے قریب قولِ صاحبین قولِ امام کے خلاف ہے لیکن اکثر اعتماد قولِ امام پر ہی ہے۔	۱۱۶	ثمن مؤجل ہو تو حبس مبیع کا استحقاق بالاجماع زائل ہوجاتا ہے۔	۱۲۰

امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ حق حبس بیع میں اصل عقد کا اقتضاء نہیں اور نکاح میں بحالتِ اطلاق نفس عقد کا مقتضی ہے۔	۱۲۰	ہر عاقد وحالف اور واقف وموصی کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کرنا لازم۔	۱۲۴
زید ہندہ سے نکاح کرکے چلا گیا رخصت نہیں ہوئی۔ دو برس بعد ہندہ نے نالش کی کہ رخصت کرائے یا طلاق دے، اس نے طلاق لکھ دی، پدرِ ہندہ نے مہر معاف کردیا، ہندہ معافی مہر منظور نہیں کرتی نصف مہر مانگتی ہے۔	۱۲۱	مہر فاطمی چار سو مثقال چاندی تھا، آج کل کے روپے سے ایک سو ساٹھ روپے۔	۱۲۵
باپ کو کسی طرح اپنی بیٹی کا مہر معاف کرنے کا اختیار نہیں، نہ ہرگز اس کے معاف کئے معاف ہوسکے۔	۱۲۱	فسادِ تسمیہ کے وقت مہر مثل قائم ہوتا ہے۔	۱۲۵
خلوت ودخول سے قبل طلاق دی تو عورت پر عدّت لازم نہیں۔	۱۲۲	جو مہر بیان تعجل وتاجیل سے معرا ہو وہ موت یا طلاق سے پہلے فی الحال واجب الادا ہے یا نہیں۔	۱۲۵
مرد کہے کہ میں اس شرط پر اپنی بیوی ہندہ کو طلاق دی کہ مجھے مہر معاف ہوجائے اور ہندہ نے معاف نہیں کیا تو نہ مہر معاف ہوا نہ طلاق پڑی۔	۱۲۲	فسق زن کے سبب طلاق دے دے تو مہر کی بھی ادا لزم ہوگی یا نہیں۔	۱۲۶
مہر کا معجّل یا موءجل ہونا بیان ہو تو وہ ورنہ وہ جو متعارف ہو یعنی وہاں جس کا رواج ہو وہ ٹھہریگا۔	۱۲۲	کون ساوُہ امر ہے جس سے تمام مہر ساقط ہوجاتا ہے اور کون ساوہ جس سے نصف رُہ جاتا ہے۔	۱۲۶
بے خبری میں رضاعی بہن سے نکاح کرلیا مہر واجب ہوا یا نہیں۔	۱۲۲	مہر نفس عقد سے واجب ہوتا اور وطی یا خلوت یا موت احد الزوجین سے تاکد وتقرر پاتا ہے۔	۱۲۶
نکاح فاسد میں مہر مثل بعد وطی لازم ہوتا ہے جو مہر مسمّٰی سے زائد نہ ہو۔	۱۲۲	بعد تاکد وتقرر اگر عورت مرتدہ ہوجائے تو بھی مہر یا اس کا کوئی حصّہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۲۶
محارم سے پناہ بخدا اگر کوئی نکاح کے بعد وطی کرلے تو مہر مثل پورا واجب ہوگا اگرچہ باندھے ہوئے مہر سے وُہ دوچند ہو۔	۱۲۳	مؤکدات ثلثہ وطی، خلوتِ صحیحہ، موت احد الزوجین سے پہلے اگر معاذاللہ مرتد ہوجائے تو مہر بالکل ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷
مہر شرع محمدی کی مقدار کیا ہے۔	۱۲۳	اگر عورت اپنے شوہر کے باپ یا بیٹے یعنی شوہر کی اصول وفروع سے کسی سے زنا کرائے تو بھی پورا مہر ساقط ہوجائے گا جبکہ مؤکدات ثلثہ سے کوئی اب تک واقع نہ ہوا تھا۔	۱۲۷

یُونہی اصل وفرع شوہر کا بشہوت بوسہ لینا یا مَسِ ذکر یا بشہوت اصل یا فرع کے ذکر کی طرف نظر کرنا۔	۱۲۷	ہندہ کا مہر مؤجل ہے اور کوئی میعاد معیّن قرار نہ پائی اور طلاق بھی نہ ہوئی، ہندہ مہر لینے کی کس وقت مستحق ہے۔	۱۳۲
عورت اگر اپنی صغیرہ (سَوت) کو دودھ پلادے قبل وطی یا خلوتِ صحیحہ یا موت یا شوہر کی موت سے پہلے ایسا کیا تو مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	زید نے ہندہ کو طلاق دے دی جب مہر طلب کیا گیا تو کہا مہر دس ۱۰ درہم تھا تعداد مہر نہ ہندہ کو یاد ہے نہ اس کے ولی خالد کو، نہ قاضی اور نہ وکیل کو، اور نہ یہ یاد ہے کہ نکاح کے گواہ کون کون مقرر ہوئے تھے، مگر اس قوم میں مہر کم درجہ پانچسو ۵۰۰ روپیہ اور دو ۲ دینار سُرخ اکثر ہے، دس ۱۰ درہم کسی کا نہیں بلکہ شہر بھر مین شاید کسی کا بھی ۱۰ درہم مہر نہ ہو۔ ولی ہندہ پانچسو ۵۰۰ روپیہ اور دو ۲ دینار سُرخ کا طالب ہے، ہندہ دس درہم پائے گی یا بموجب عرف پانچ سو روپیہ اور دو دینار سُرخ۔	۱۳۳
اگر ان مؤکدات ثلثہ سے کسی ایک کے وقوع سے پہلے بخیار بلوغ مرد یا عورت فسخ نکاح اختیار کرے تو پورا مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	مہر ازواج مطہرات اور حضرت فاطمہ زہرا کس قدر تھا	۱۳۵
اگر عقد فاسد قبل از وطیٔ حقیقی متارکہ ہو جب بھی پُورا مہر ساقط ہوجائے گا۔	۱۲۷	عامہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پر نور علیہ وعلیہن افضل الصلوات واکمل التحیات کا مہر اقدس پانچسو درہم سے زائد نہ تھا۔	۱۳۵
اگر معاذاللہ مرد مرتد ہو یا عورت کی دختر سے زنا کرے یا عورت کی اصل وفرع کسی سے یا ان میں سے کسی کا بشہوت بوسہ لے یا مساس کرے یا ہم آغوش ہو یا فروج اندرونی پر نظر کرے ان سب صورت میں نصف ساقط ہوجائے گا جبکہ مؤکداتِ ثلثہ سے پہلے ان میں سے کوئی بات واقع ہو۔	۱۲۷	نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں	۱۳۶
قبل وطی یا خلوت کے طلاق ہو تو نصف مہر دینا ہوگا۔	۱۲۷	امّ المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم اور دوسری پر چار ہزار دینار تھا۔	۱۳۶
اگر کبیرہ نے صغیرہ کو دُودھ پلادیا تو دونوں حرام ہوگئیں اور صغیرہ کا مہر نصف ساقط نصف لازم۔	۱۲۸	حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔	۱۳۶
زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح بکر سے کیا زوجہ بحالتِ نابالغی بکر کے گھر مرگئی ورثائے نابالغہ بکر شوہر پر کس قدر مہر کا دعوی کرسکتے ہیں۔	۱۳۰	درہم شرعی کا وزن۔	۱۳۶
		دینار کا وزن۔	۱۳۷

دینار کی قیمت	۱۳۷	ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل وتاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اس کے لزوم ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے۔	۱۴۰
سکہ رائجہ سے دینار و درم کا حساب۔	۱۳۷	زنا سے حاملہ سے لاعلمی میں نکاح کیا مرد کہتا ہے میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا۔ یہ عذر اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں۔	۱۴۱
عہدِ پاک رسالت میں سونافی تولہ سات روپیہ ۷/آنہ ۵-۵/۳ پائی تھا۔	۱۳۷	مہر مرکب واجب ہوتا ہے، مؤجل کب اور معجّل کب۔	۱۴۲
مرد نے نان نفقہ بند کرلیا عورت نے مہر کا دعوی کیا، اس صورت میں مہر اس کو دلایا جائیگا یا نہیں۔	۱۳۷	خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔	۱۴۲
مہر کی اگر کچھ مدّت مقرر نہ ہوئی وہاں اس شہر کے عرف وعادات پر عمل ہوگا۔	۱۳۸	خلوت صحیحہ کی تعریف کیا ہے۔	۱۴۲
وقتِ نکاح مہر مؤجل ومعجّل کی تصریح نہ ہو تو کس وقت واجب الادا ہوگا۔	۱۳۹	مہر مؤجل کی تعریف۔	۱۴۲
مہر معاف کردینا نیک کام ہے یا نہیں۔	۱۳۹	مہر مؤجل اس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آئے گا، اس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔	۱۴۲
مدیون کو مہلت دینے یا دین معاف کرنے والا قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔	۱۳۹	اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد بیان نہیں کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا۔	۱۴۲
مدیونوں سے درگزر کرنے والے کی اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی اور اس کو جنت میں جگہ بخشی۔	۱۳۹	خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کے لئے شرط نہیں۔	۱۴۳
نکاح کے وقت وکیل نے تعدادِ مہر بتائی شوہر کی طرف سے کہا گیا کہ اس کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ اس کا دسواں حصہ ادا کرسکے، وکیل نے کہا کہ مجھ کو مہر کم کرنے کا اختیار نہیں ہے، یہ مہر ایسا نہیں کہ دونوں کی زندگی میں لیا دیا جائے، اس مہر پر نکاح ہوگیا، لڑکی نابالغہ کی رخصت ہوئی مگر بوجہ عدمِ بلوغ وطی نہ ہوئی، لڑکی کا باپ بے مرضی شوہر اپنے گھر لے گیا اور دعوی بعض مہر کا بولایتِ خود کرتا ہے، اس صورت میں اس کو مہر دلایا جائے گا یا نہیں۔	۱۴۰	وجوبِ مہر عقدِ نکاح سے ہوتا ہے البتہ خلوت سے مہر متاکد ہوتا ہے بایں معنٰی کہ اگر پیش از وطی وخلوتِ صحیحہ طلاق دیتا تو نصف مہر لازم ہوتا اب جبکہ خلوت واقع ہوگئی تو کل لازم آئے گا۔	۱۴۳
مہر میں معجّل ومؤجل کی وضاحت نہ کی گئی ہو تو وُہ عرف بلد پر رہے گا۔	۱۴۰	زید کا ہندہ سے نکاح ہوا اور خلوت بھی ہوگئی مہر مؤجل قرار پایا تھا ہندہ مطالبہ مہر کرتی ہے اور زید کے پاس نہیں جاتی ہے زید ہندہ کے نہ آنے کے سبب مہر دینے سے منکر ہے مطالبہ صحیح ہے یا نہیں، ہندہ کے نہ آنے سے مہر ساقط ہوا یا نہیں۔	۱۴۳

ایک عورت بے اجازت شوہر کئی بار میکے چلی گئی اور اکثر لڑتی رہتی ہے، شوہر کو مارا بھی، شوہر ان وجوہ سے مہر نہ دے تو مواخذہ تو نہ ہوگا اور اس کو اپنے گھر رکھے یا نہیں۔	۱۴۴	مذکورہ روایات ثلثہ کے سوا جو اقاویل مجہولہ ہیں کہ مہر فاطمی پانچسو درہم یا چالیس مثقال سونا یا انیس مثقال سونا تھا سب بے اصل ہیں۔	۱۵۰
عورت کے فاسقہ اور گنہ گار ہونے سے مہر ساقط نہیں ہوتا۔	۱۴۴	حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زرہ چار سو اسی درہم میں فروخت ہوئی۔	۱۵۱
ناشزہ عورت کے لئے نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔	۱۴۴	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں دراہم مختلف ہوتے تھے۔	۱۵۴
وقت نکاح مہر فاطمی کا لفظ کہا سکہ رائجہ سے یا دراہم سے اس کی تعداد نہ بتائی تو مہر فاطمی ہی رہے گا یا مہر مثل کی طرف عود کرجائے گا بوجہ اختلافِ روایات۔	۱۴۵	عہد فاروقی میں دراہم تین طرح کے تھے:	۱۵۴
مہر حضرت سیّدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی مقدار میں بظاہر مختلف روایات اور ان میں نفیس تطبیق۔	۱۴۵	(۱) دس درہم دس مثقال کے ہم وزن۔	۱۵۴
مہر فاطمی کے بارے میں روایات مسندہ معتد بہا تین ۳ ہیں۔	۱۴۵	(۲) دس درہم چھ مثقال کے ہم وزن۔	۱۵۴
اول: مہر مبارک درہم و دینار نہ تھے بلکہ ایک زرہ کہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی وہی مہر میں دی گئی۔	۱۴۵	(۳) دس درہم پانچ مثقال کے ہم وزن۔	۱۵۴
دوم: چار سو اسی ۴۸۰ درہم تھے۔	۱۴۷	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انواع ثلثہ (دس، چھ، پانچ) میں سے ہر ایک کا ثُلث لیا جس کا مجموعہ سات بنتا ہے، اور ایسا درہم مقرر فرمایا جس میں سے درہم سات مثقال کے ہم وزن ہوں چنانچہ بعد ازاں اخذ و عطا میں خصومت سے بچنے کے لئے وہی درہم جاری رہا۔	۱۵۴
سوم: چار سو مثقال چاندی تھے۔	۱۴۹	حاصل یہ قرار پایا کہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اصل مہر کریم جس پر عقد اقدس واقع ہوا چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھی اور زرہ برسم پیشگی وقتِ زفاف دی گئی کہ بحکم اقدس چار سو اسی ۴۸۰ درہم کو بکی۔	۱۵۵

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کے باپ کو شوہر کی ماں نے دودھ پلایا ہے لاعلمی میں ہمبستری ہوچکی مہر کی نسبت کیا حکم ہے۔	۱۵۶	صراحتًا کہی ہوئی بات عرف ورواج وغیرہ سے دلالۃً سمجھی جانے والی بات پر ترجیح رکھتی ہے۔	۱۵۹
نکاح فاسد میں متارکہ بالقول ہی ہوسکتا ہے مثلاً یُوں کہہ دے کہ میں نے تیری راہ کھول دی یا تجھے چھوڑا۔	۱۵۶	زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحتًا یا عرفًا کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قول شوہر معتبر ہوگا اور وُہ جبرًا واپس لے سکتا ہے۔	۱۵۹
نکاح محارم نادانستہ واقع ہوجائے تو بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمّٰی سے زائد ہو۔	۱۵۷	بلاتملیک شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے، پہننے اور استعمال کرنے سے ملک عورت ثابت نہیں ہوسکتی۔	۱۶۰
ہندہ کا نکاح بالغی میں زید کے ساتھ ہوا رخصت نہیں ہوئی، ہندہ مہر چاہے تو پاسکتی ہے یا نہیں۔	۱۵۷	گھرمین پہننے کے کپڑے جن کا دینار بحکم نفقہ شوہر پر واجب ہوچکا تھا وُہ دے کر دعوی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہیں بنایا تھا تو اس میں شوہر کا قول معتبر نہ ہونا چاہئے۔	۱۶۰
نکاح نافذ غیر لازم ہو اور رَد سے پہلے احدالزوجین کا انتقال ہوجائے تو کل مہر لازم ہوگا۔	۱۵۷	عورت نے اقرار کیا کہ یہ چیز شوہر کی ملک تھی پھر دعوی کرے کہ اس کی ملکیت میری طرف منتقل ہوگئی ہے تو بغیر گواہوں کے عورت کا یہ دعوی ثابت نہ ہوگا۔	۱۶۰
نکاح موقوف تھا ہنوز نافذ نہ ہوا تھا احدالزوجین نے انتقال کیا تو اصلًا کچھ مہر نہ ملے گا۔	۱۵۷	اپنی زوجہ کو بے طلاق دئے اس کی رضاعی بہن سے بھی نکاح کرلیا جب اس کا حرام ہونا معلوم ہوا تو ثانیہ کو طلاق دینا چاہا وُہ مطالبہ مہر کرتی ہے اس صورت میں صرف تفریق معتبر ہے یا اس پر طلاق ہوگی اور مہر زوج پر لازم ہوگا یا نہیں۔	۱۶۰
زید نے نکاح کیا عورت کو مرد کے قابل نہ پایا طلاق دے دی مہر لازم ہوگا تو کتنا۔	۱۵۸	ایک بہن نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح فاسد۔	۱۶۰
زید نے اپنی منکوحہ کو نکال دیا اور کئی مہینے نان نفقہ نہ دیا پھر طلاق دے دی۔ عورت کا مہر (۴ؐ صہ ۵) تھا زید نے ایک مکان (صہ عہ) کا بعوض دین مہر رجسٹری کرادیا تھا اب عورت کو بے دخل کردیا، اپنے دئے ہوئے زیور واپس لینے کا دعویدار ہے کیا حکم ہے۔	۱۵۹	نکاح فاسد میں متارکہ واجب ہے۔	۱۶۰
جب زن وشوہ ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کریں تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ نکاح منقطع ہوجائے۔	۱۵۹		

متارکہ فسخ ہے طلاق نہیں اگرچہ الفاظِ طلاق سے ہو۔	۱۶۰	شوہر نے مرہ معجّل کا چھٹا حصہ وقت نکاح ادا کردیا، اب ہندہ زوجہ کو باقی پانچ حصوں کا مطالبہ قبل افتراق پہنچتا ہے یا نہیں، اور اگر رخصت ہوئی خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو دعوی کا اختیار ہے یا نہیں۔	۱۶۴
نکاح فاسد میں حقیقتًا وطی کرچکا ہو تو مہر مثل و مہر مسمّی میں سے جو کم ہوگا لازم آئے گا۔	۱۶۱	مہر کی تعداد شرعی پیمبری کیا ہے اور حضرت خاتونِ جنت کا مہر کیا تھا۔	۱۶۵
نکاح فاسد میں محض خلوت یا بوس وکنار بشہوت یا غیر فرج میں دخول سے مہر لازم نہیں ہوتا۔	۱۶۱	مہر شرعی پر نکاح کیا تو بعد طلاق کتنا مہر دے اور (مال عہ ۲۵۰) کا سودی قرضدار بھی ہے۔	۱۶۵
نکاح فاسد وُہ نکاح ہے جس میں شرائط صحت سے کوئی مفقود ہو مثلًا بے شہود نکاح۔	۱۶۱	زید نے اپنی دختر نابالغہ کا عمرو سے نکاح کردیا وکیل نے تصریح کردی کہ جو مہر بندھا ہے وُہ اس وقت نقد لیا جائے گا اور نہ وقت رخصت اور نہ کوئی وعدہ ادائے مہر کا ہے نہ ہنوز رخصت ہوئی ہے تو ہندہ یا اس کے باپ کو جزیا کل مہر کہ مطالبہ کا کس وقت اختیار ہوگا اور اس مہر کو کون سا مہر کہا جائے گا۔	۱۶۶
معًا دو۲ بہنوں سے نکاح فاسد ہے، یونہی ایک کی عدت میں دوسری سے نکاح بھی فاسد ہے۔	۱۶۱	مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں اور غیر مؤجل کسے کہیا، اور معجّل کسے کیا، اور ان کا کیا حکم ہے۔	۱۶۶
نکاح فاسد میں قبل کے بجائے دُبر میں وطی ہوئی تو مہر لازم نہ ہوگا۔	۱۶۱	دینار سُرخی کتنے روپے کا ہوتا ہے۔	۱۶۶
چونکہ نکاح فاسد میں طلاق دراصل نہیں بلکہ فسخ ہے لہٰذا اس سے تعدادِ طلاق میں کمی نہ ہوگی۔	۱۶۱	دس درہم کی آجکل کے روپے سے قیمت۔	۱۶۷
زید نے ہندہ سے دس درہم پر نکاح کیا، ہند میں درہم کا رواج نہیں، کیا بجائے دس درہم دس درہم بھر چاندی کافی ہوگی یا اس کی تعداد روپے سے پوری کی جائے گا، اگر روپے آنے تجویز ہوں تو کتنے ہوں گے۔	۱۶۱	مہر درجہ دوم شرع پیمبری قائم کیا گیا تو قاضی نکاح خواں نے کہ اس کی تعداد کیا ہے، جو قاضی شاہد تھا اس نے کہا (صہ۶۵) روپے۔	۱۶۷
کم از کم مہر دو تولے ساڑھے ساتھ ماشے چاندی ہے۔	۱۶۲	مہر درجہ اول، دوم، سوم، چہارم کی تعداد کتنی ہے۔	۱۶۷
نکاح (مال صہ عہ ۲۵۰۰۰) مہر پر ہوا اب شوہر مہر میں اضافہ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو اس کے کیا شرائط ہیں۔	۱۶۲		

زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں تجھے طلاق دوں تو مہر سو روپے دوں اور تو خود طلاق چاہے تو تین روپے، ہندہ طلاق چاہتی ہے تو سو کی مستحق ہوگی یا تین کی۔	۱۶۸	اگر کسی قوم یا شہر کا رواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگر اس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا قرار داد صریح بھی اتنا معجّل ہوجائے گا باقی بدستور مؤجل یا مؤخر رہے گا۔	۱۷۱
ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو قبالہ لکھ دی کہ جو کچھ تقریبات شادی وغمی وخاندانی میں صرف ہوگا اس کے سرانجام کا صرفہ میرا ہے اور آمدنی و تنخواہ و جاگیر سے کوئی علاقہ نہیں، اس قبالہ کے بعد وہ یا اس کی اولاد اس شرط کو وفا نہ کرے تو زوجہ کو جو کچھ دے وُہ اس کے مہر میں شمار کرے تو کیا حکم ہے۔	۱۶۹	بے تعیین مہر نکاح ہوگا یا نہیں اور شرعی مہر کہا تو کس قدر لازم ہوگا۔	۱۷۲
شوہر نے جو کچھ عورت کو دیا اگر قسم کے ساتھ کہہ دے کہ میں نے مہر میں دیا تو تین صورتوں کے ماسوا میں اس کا قول مان لیا جائے گا۔	۱۶۹	مہر شرعی جو بنات صالحات کا چار سو مثقال چاندی ہے آج کل کے سکّہ سے کتنے روپے ہوئے۔	۱۷۲
مہر معجّل ومؤجل کی کچھ تعداد ہے یا نہیں، اور کس وقت زرِ مہر وصول کرنے کا مجاز ہے اور کوئی سبب ہے یا نہیں۔	۱۷۱	مہر ازواج مطہرات سوائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کہ پانچ سو درہم ہے سکّہ مروّجہ سے کس قدر ہوتے ہیں، وزن درہم اور اوقیہ اور مثقال اور دینار کی صراحت فرمائی جائے۔	۱۷۳
مہر تین قسم ہے: (۱) معجّل (۲) مؤجل (۳) مؤخر۔	۱۷۱	دس درم شرعی کے سکّہ مروّجہ سے کے روپے ہوتے ہیں۔	۱۷۳
مہر مؤخر یہ ہے کہ نہ پیشگی ٹھہری ہو نہ کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو یونہی جو مطلق ومبہم طور پر بندھا ہو۔	۱۷۱	آجکل جو حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے جس کے ادا کی کوئی صورت حالت موجودہ سے نہیں، دل میں خیال کرکے کہ دینا پڑتا نہیں زبانی جمع خرچ ہے قبول کرلو نکاح کرے تو کیا حکم ہے۔	۱۷۳
آج کل عام مہر بطور مؤخر ہی بندھتے ہیں۔	۱۷۱	وہ کون سی صورت ہے کہ صرف ایک جوڑا کپڑا پانے کی زوجہ مستحق ہے۔	۱۷۳
مہر مؤخر میں جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں۔	۱۷۱	میکے والوں نے محض جھوٹی خبر پر کہ سسرال والے زہر دے دیں گے ہندہ کو روک رکھا ہے ان کا ارادہ مہر وصول کرکے دوسری جگہ شادی کردینے کا ہے، نصف مہر معجّل ہے اور نصف غیر معجّل، معجّل میں زمانہ کی کوئی حد نہیں اسے روک رکھنا قبل طلاق مہر وصول کرنا، دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۱۷۳
مہر معجّل ومؤجل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معیّن نہ فرمائی۔	۱۷۱		

جو معاملات برادری سے طے ہوں اور شریعت سے باہر ہوں تو کیا حکم ہے۔	۱۷۴	تجدید نکاح میں مہر کم از کم کتنا باندھنا چاہئے۔	۱۷۶
اگر زوجہ یہ جانے کہ نباہ نہ ہوگا تو اپنی خلاصی کے لئے کل مہر چھوڑدے اور لیا ہوا واپس دے دے تو جائز ہے۔	۱۷۴	ایک شخص بعد نکاح بے قربت کئے مرگیا مہر کتنا لازم ہوا، اس عورت کا نکاح کتنے دن بعد کیا جائے، بعض لوگ کہتے ہیں ایسے نکاح کی عدت نہیں کیونکہ جب قربت نہیں تو عدّت کس چیز کی، اور بعض کہتے ہیں تین ماہ کے بعد نکاح کیا جائے۔	۱۷۶
سود کے لینے اور دینے پر اگر دونوں راضی ہو تب بھی حرام قطعی رہتی۔	۱۷۴	حسب حیثیت تنخواہ زائد سے زائد کتنے کا مہر شرعی باندھنا جائز ہے اور حیثیت سے زائد مہر ہونے کا کچھ مواخذہ ہے۔	۱۷۷
حقوق العباد میں اگر صاحبِ حق راضی ہوں تو ممانعت نہیں رہتی۔	۱۷۴	عورت کے ورثاء سے اس کا مہر شوہر یا ورثائے شوہر بخشوالیں تو شرعًا جائز ہوگا یا نہیں۔	۱۷۷
پرایا مال جبرًا لینا حرام اور اس کی خوشی سے لینا حلال ہے۔	۱۷۴	زید نے ایک فاحشہ سے بعد توبہ مہر شرع پیمبری پر نکاح کیا اس کے قبیلہ کی کوئی عورت نہیں اور ہو تو اس کا نکاح معلوم تو مہر مثل معلوم نہیں ہوسکتا۔ بعد مرگِ زید وُہ عورت اسے گالیاں دیتی ولد الزناء کہتی ہے، اب وُہ لوگ اس کے یہاں آتے ہیں جو زید کی زندگی میں نہیں آتے تھے، راتوں کو گھومتی ہے وکیلوں کے پاس جاتی ہے، اب وُہ سب اشیاء پر دعوی کرتی ہے اس کا مہر کتنا ہوگا۔	۱۷۷
مؤجل میں کابین کا لکھنا ضرور ہے یا نہیں ہے تو موافق شریعت اس کا مضمون کیا ہے۔	۱۷۵	مہر معجّل کی شرط ادا کیا ہے، مہر معجّل پر نکاح ہوا اور تقریبًا ۲۵ برس گزریں مہر ادا نہ ہو تو وہ مؤجل ہوگا یا اس کا استحقاق نہ رہے گا۔	۱۷۸
مہر مثل میں مہر ازواج مطہرات افضل ہے یا خاندانی مثل ام وعمہ۔	۱۷۵	دیہات میں مہر کی تفصیل نہیں ہوتی، اور اگر ہوتی ہے تو یُوں کہ زیور وغیرہ مہر معجّل ہوتا ہے اور بعض قاضی غیر معجّل نام رکھ دیتے ہیں ورنہ علی العموم نہ معجّل اور نہ مؤجل کچھ نام نہیں رکھتے، ایسی حالت میں ہندہ اپنے شوہر سے مطالبہ کرسکتی ہے کہ پہلے مہر دے دو تو رخصت ہوؤں گی۔	۱۷۹
مہر مثل سے اپنے خاندان پدر ہی کا مہر مراد ہے۔	۱۷۵	عورت سے خاوند نے مہر معاف کرنے کو کہا انکار پر اسے سخت پریشان کیا، تنگ رکھا، ساس سسر نے بھی برا بھلا کہا، وہ میکے آگئی، خاوند لینے آیا تو اس نے کہا جب تک کُل مہر نہ لے لُوں گی نہ جاؤں گی کیا پنچ اسے بے مہر ادا کئے زبردستی لیجاسکتے ہیں۔	۱۷۹
ازواج مطہرات امّہات المومنین ہیں، امّہات المومنات نہیں۔	۱۷۶		

شوہر پر حرام قطعی ہے کہ زوجہ پر معافی مہر کا جبر کرے اور نہ ایسا کرنے سے معاف ہوگا۔	۱۸۰	معصومن مدعیہ ہے کہ مہر ۱۰۱۱روپے ہے وکیل اور گواہ مرچکے ہیں چار چچازاد بہنیں، تین کے مہر کی تعداد معلوم نہیں، سب یہی کہتے ہیں کہ شرع محمدی تھا، ایک بہن کا مہر پانچ سو معلوم ہوا ہے، ایسی صورت میں معصومن کا مہر کیا قرار پائے گا۔	۱۸۲
مرد وعورت صرف روزِ اوّل کوٹھے میں رہے اور دشمن کوٹھے کے گرداگرد مارنے کو کھڑے رہے، زوجین کو بھی یہ معلوم تھا، صبح مرد نے طلاق دے دی، مرد دخول کا مقر ہے اور عورت منکر۔ یہ دخول یا خلوت معتبر ہے یا نہیں۔	۱۸۰	ایک شخص تیس ۳۰ سال سے غائب ہے اس کا بھائی اس کی زوجہ کو اس کے شوہر کا حصہ نہیں دیتا کہ پانچ چھ برس سے اس کی کوئی خبر نہیں غالبًا مرگیا ہوگا اور قانون کہتا ہے کہ تین برس بعد دعوی مہر اب اگر تم کہتے ہو کہ مرگیا تو آج سے تین برس تک مہر طلب کرسکتی ہوں، مہر کی تعداد دو سو بتاتی ہے، ہندہ کے اعزّا کو تعداد یاد نہیں، ہندہ اپنی والدہ اور پھوپھی بھتیجوں بھائیوں کا بھی یہی مہر بتاتی ہے، کیا اس صورت میں اہلِ محلّہ کچہری میں اس کا حق دلانے کے لئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مہر دو سو ۲۰۰ روپے تھا یا نہیں۔	۱۸۳
اقرار مقرلہ کے انکار سے رَد ہوجاتا ہے۔	۱۸۰	ایک شخص پندرہ ۱۵ ماہ باہر رہا، واپس آیا تو معلوم ہوا کہ بی بی کے آٹھ ماہ کا حمل ہے وُہ طلاق پر آمادہ ہے بعد طلاق وُہ عورت مہر کا دعوی کرسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۴
بی بی کے نزع کے وقت مہر کی معافی چاہی اس نے آواز بند ہوجانے کے سبب سر ہی ہلادیا، مہر معاف ہوگیا یا نہیں۔	۱۸۰	ایک بہن نکاح میں تھی پھر دوسری سے بھی کرلیا یہ دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں یا نہیں، نکاح دوم کا کیا حکم ہے اور ان دونوں سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے۔	۱۸۴
تحریر طلاق دی اس میں یہ بھی لکھا کہ تیرے بطن کے دونوں بچّے تیرے مہر میں دئے تو کیا حکم ہے۔	۱۸۱	اولاد ثابت النسب باپ کا ترکہ پائے گی اگرچہ حرامی ہو۔	۱۸۴
مہر معجّل ہے، عورت کو طرح طرح کی اذیتیں تکلیفیں شوہر دیتا ہے نفقہ بھی نہیں دیتا، کا عورت نالش کرکے مہر وصول کرسکتی ہے اور اپنے نفس کو اس سے روک سکتی ہے۔	۱۸۱	نکاح فاسد وباطل میں زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں۔	۱۸۴

ہندہ مدعیہ نے گواہوں سے ثابت کیا کہ میرا مہر ایک لاکھ روپے تھا شوہر نے گواہوں سے یہ ثابت کیا کہ دس ہزار تھا کس کے گواہ معتبر ہوں گے کمی کے یا زیادتی کے۔	۱۸۵	نفقہ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا مانع صحت مہر نہیں جو مہر میں یں دے دیا وہ عورت کا ہوگیا۔	۱۹۳
نکاح کے لئے مہر کا ہونا لازم ہے یا نہیں، مہر کی نقد ادھار، ان کا کیا شرعی حکم ہے۔	۱۸۹	یہ رواج کہ بہن کو ترکہ نہیں دیتے باطل ومردود ہے۔	۱۹۳
اگر عورت چاہے تو سب مہر کو مثل نقد یا اپنے قرضہ کے وصول کرسکتی ہے۔	۱۸۹	اگر طالق ومطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ وطی اور دخول نہیں ہوا تو کیا حکم ہے۔	۱۹۳
زوج نے جو زیور مہر معجّل دیا اگر واپس لے لے تو مقروض ہوگا یا نہیں۔	۱۸۹	اگر طالق اور مطلقہ میں خلوت ودخول کے بارے میں اختلاف ہو تو کس کے قول پر اعتماد ہوگا۔	۱۹۳
زوج نے پانسو روپے کا مکان منجملہ مہر معجّل خرید کر دینے کا وعدہ کیا تو زوجہ مہر معجّل پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔	۱۸۹	ثبوت خلوت صحیحہ یا دخول گواہوں سے ہوگا یا طالق ومطلقہ سے۔	۱۹۳
جب تک شوہر مہر معجّل ادا نہ کرے نان نفقہ پاسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۹	جو شخص ایسی بات کا انکار کرے جس میں اس کا نفع ہو تو اس کا قول معتبر نہیں۔	۱۹۴
مہر غیر معجّل بعد خلوتِ صحیحہ کب سے کب تک پانے کی مستحق ہے، اگر ہر وقت پانے کی مستحق ہو تو جب تک وصول نہ کرلے زوج کے گھر جانے سے انکار کرسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۹	نفی پر شہادت معتبر نہیں۔	۱۹۴
مہر کی اقسام ثلثہ یعنی معجّل، مؤجل اور مؤخر کی تعریفات اور احکام کی تفصیل۔	۱۸۹	کسی قبیلہ میں رسم ہے کہ عقد سے پیشتر جو شرائط متعلق عقد طے کرنا ہوتے ہیں والدین یا اور اعزّہ طے کرتے ہیں نوشاہ خاموش رہتا ہے جو طے ہوتا ہے اس کا وُہ پابند سمجھا جاتا ہے، اور پابندی کرتا ہے زید اسی قبیلہ کا ہے یہ طے ہوا کہ زید بعد بلوغ زوجہ سسرال میں رہ کر نان ونفقہ کی خبر گیری کرے گا اور بعوض مہر جو پانچ ہزار پانسو روپے ہے جائداد وغیر منقولہ دوسالہ کے اندر زوجہ کے نام خرید وادیگا یا نقد دیگا، زید معاہدوں سے منکر ہے کہتا ہے یہ معاہدہ میرے والد سے ہوا تھا نہ مجھ سے، حالانکہ اُس وقت وہ موجود تھا اور بالغ تھا اور کسی بات پر انکار نہ کیا، کیا زید ان معاہدوں کے پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں۔	۱۹۵
ایک شخص نے نکاح کیا اپنی ساری جائداد کا مہر کیا جائداد علی التوریث چلی آرہی ہے جو ایک کھیت زمین بارانی اور مکان سکنی اور آمدنی خانقاہ ہر قسم حصہ خود، ایک گاؤں سے کچھ نقد رقم آتی ہے وہ غرض سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ بیوی کے نام کرکے ہبہ کردی یہ جائز ہے یا نہیں، اگر نہیں تو کیسا مہر لازم ہوگا۔	۱۹۱		

المعروف کالمشروط۔	۱۹۵	اس حدیث کا مطلب جس میں فرمایا گیا کہ جن کا نکاح ہوا اور ان کی نیت میں اداءِ مہر نہیں وُہ روزِ قیامت زانی وانیہ اٹھائے جائیں گے۔	۱۹۹
عقد سے پہلے یہ طے ہوا کہ مہر موٴجل باجل دوسال ہے دو۲ سال کے اندر بعوض مہر ساڑھے پانچ ہزار روپے جائداد غیر منقولہ زوجہ کے نام شوہر خرید دے گا یا نقد ادا کرے گا مگر وقتِ عقد صرف اتنا کہا گیا کہ مہر موٴجل مطلق ہوگا یا باجل دوسال موٴجل۔	۱۹۵	**باب الجھاز** (جہیز)	۲۰۱
زید نے اپنے نواسے خالد کی منگنی میں ایک زیور اس کے والد عمرو کو دے کر کہا کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی لڑکی کو پہناتا ہوں اُس وقت خالد نابالغ تھا عمرو نے قبول کرکے لڑکی کو خالد کی طرف سے پہنادیا اب لڑکا لڑکی جوان ہیں لڑکا طلاق پر آمادہ ہے زیور وغیرہ واپس ہوئے، زید کہتا ہے وُہ زیور جو میں نے دیا تھا مجھے ملے، لڑکا کہتا ہے کہ مجھے، عمرو کہتا ہے مجھے ملنا چاہیے۔ کون مستحق واپسی ہے۔	۱۹۷	جہیز کا مالک بی بی کی حیات میں اس کا شوہر ہے یا وہ خود۔	۲۰۱
نابالغ کو ہبہ کیا اس کے باپ نے قبضہ کرلیا تو ہبہ تام ہوگیا۔	۱۹۸	اگر شوہر اس زیور میں بے اذن زوجہ تصرف کرے جو اسے جہیز میں ملا تھا تو نافذ ہوگا یا نہیں۔	۲۰۲
ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا۔	۱۹۸	باپ جو چیز اپنی صحت کی حالت میں بیٹی کو سونپ دے وہ اس سے واپس نہیں لے سکتا نہ اس کے وارثوں کے لینے کا کوئی حق۔	۲۰۲
والدین نے بخیال دُنیا اس قدر وسیع مہر بندھوایا کہ لڑکا کسی طرح ادا نہیں کرسکتا، لڑکے نے اس خیال سے کہ منظور نہ کروں گا تو نکاح منظور نہ ہوگا منظور کرلیا، بالغہ لڑکی نے کچھ دن بعد بخوشی معاف کردیا، چندلوگ کہتے ہیں یہ نکاح ناجائز ہے اور صحبت حرام۔	۱۹۹	ان شہروں میں یہ متعارف ہے کہ جوڑا دُولھا کی جانب سے دُلھن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہٰذا جوڑے بہت گراں قیمت اور اس کے ہمراہ اور کچھ بھی بھیجا جاتا ہے اور صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دوسو کا جائے گا تو اُدھر سے چارسو کا آئے گا۔ اس صورت میں کیا جُدائی پر واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اگر ہلاک کردے تو کیا حکم ہوگا۔	۲۰۲

والدین زوجہ نے بہو کو کچھ زیور واسطے تالیف دیا، یہ سمجھ کر کہ کہا ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں دوسرے کام میں لائیں گے جیسا تاجر بطور رعایت دیا کرتے ہیں، اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک اس صورت میں اس کے مالک والدین ہیں یا نہیں۔	۲۰۳	ہبہ سے رجوع مکروہ تحریمی ہے۔	۲۰۶
جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع میں خاص ملک زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں طلاق ہوئی تو کُل لے لے گی وار مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔	۲۰۳	موہوب لہ، مِلک سے خروج مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۸
عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں ان سے وُہ ان کی ملک نہ ہوں گے۔	۲۰۳	عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز وحلال ہے۔	۲۰۸
عوض ومعوض ایک ملک میں جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۰۳	جو اشیاء عاریتًا لی جائیں وہ اگر بلا تعدّی ہلال ہوجائیں تو ضمان لازم نہیں۔	۲۰۸
بلادِشام وغیرہ میں اس امید پر مہر بڑھاتے ہیں کہ عورت کثیر جہیز لائے گی۔	۲۰۴	مستعار شئی میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو۔	۲۰۸
ہلاک موہوب مطلقًا مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۴	اگر عاریت کسی وقتِ معین تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معیّن کے بعد بھی اپنے پاس اسے روکے رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معیّن کے بعد استعمال نہ کی ہو۔	۲۰۹
قرابت محرمہ اور زوجیت دونوں مانع رجوع ہبہ ہیں۔	۲۰۵	فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے۔	۲۰۹
عوض صریح موانع رجوع ہبہ سے ہے۔	۲۰۶	باپ نے بیٹے کی شادی اپنے صرف سے کی اب بہو کا جہیز روکتا ہے کہتا ہے میں نے جو شادی میں صرف کیا ہے اس کے عوض میں نے یہ مال رکھ لیا ہے، اس مال اسباب کی مالک زوجہ ہوگی یا والدِ زید۔	۲۱۰
ہبہ میں جہاں رجوع کا اختیار ہو وہاں بھی رجوع سے گنہگار ہوگا۔	۲۰۶	باپ کے انتقال کے بعد بکر نے اپنی دو چھوٹی بہنوں کی پرورش کی، ان کی شادیاں بھی بعد بلوغ کردیں، خرچ پرورش وشادی مال متروکہ مشترکہ سے کیا، یہ خرچ بکر کو ان دو ۲ چھوٹی بہنوں سے مجرا ملے گا یا نہیں۔	۲۱۱
دے کر پھیرنے والا مثل کُتّے کے ہے کہ قے کرکے پھر کھالے۔	۲۰۶	بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثانِ صغیر کو پرورش کرنا، ان کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر ان پر اٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وُہ بچے ان کے پاس ہوں۔	۲۱۲

غیر کے مال میں اذن ولایت تصرّف ناجائز ہے۔	۲۱۲	تجہیز میں جمع و موائد داخل نہیں تو تجہیز کے علاوہ خرچ کرے گا اگر وارث ہوگا تو اسی کے حصہ پر پڑے گا اور وُہ متبرع ٹھہرے گا یُوں ہی اجنبی۔	۲۱۶
چند صورتوں میں بلااذن وولایت مالِ غیر تصرّف جائز ہے۔	۲۱۲	اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بلاتراضی ناممکن ہے، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں۔	۲۱۷
مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے۔	۲۱۴	عقد ایک ربط ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔	۲۱۷
جو اہلِ زمانہ کو نہ جانے اور فتوٰی دیتے وقت اپنے علاقے کے حال کو ملحوظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے۔	۲۱۴	جو شیئ مقصود سے خالی ہو وُہ باطل ہوتی ہے۔	۲۱۷
نفقہ مثل کے معنی	۲۱۴	جو جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہو وُہ جوازِ صُلح سے مانع نہیں ہوتی۔	۲۱۷
تبرع اور احسان کرنے والا کسی سے مجرانہ پائیگا۔	۲۱۵	صلح شرعًا ایک عقد ہے جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہے۔	۲۱۷
ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا۔	۲۱۵	جہالت اگر منازعت تک پہچانے والی ہو تو وُہ جوازِ صلح سے مانع ہوگی۔	۲۱۷
اگر کوئی شخص اپنا مال تلف ہوتا ہُوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی اذنِ اتلاف نہ ہوگی۔	۲۱۵	ایسا فعل جو رضائے تبادل ملکین پر دال ہو وُہ بیع کا رکن ہے۔	۲۱۷
نابالغ تبرع کی اہلیّت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے مال سے کسی کو تبرع کرنے کا اختیار ہے۔	۲۱۵	تعاطی احدالجانبین سے بعض کے نزدیک بیع جائز ہے اور یہی مفتٰی بہ اور راجح ہے مگر بیان بدل ضروری ہے اگر بدل مجہول ہوگا تو بیع اجماعًا منعقد نہ ہوگی۔	۲۱۸
بصورت شرکت ہبہ، قرض، اتلافِ مال اور تملیک بلاعوض جائز نہیں جب تک شریک صراحتًا نہ کہہ دے۔	۲۱۶	امین ضامن ہوتا ہے جبکہ تعدّی کرے۔	۲۲۰
شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور مال میں ماذون التصرف ہوتے ہیں۔	۲۱۶	غاصب اگر مغصوبہ شیئ کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے اور وُہ ان لوگوں کے پاس ہلاک ہوجائے تو وہ اصل مالک کے لئے ضامن ہوں گے اور غاصب کی طرف رجوع نہی کرسکیں گے بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ غاصب کی طرف رجوع کریں گے۔	۲۲۱
شرکت عین میں دوسرے کے حصّہ سے اجنبی محض ہے اور اسے دوسرے کے حصہ میں تصرف جائز نہیں۔	۲۱۶		

دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔	۲۲۱	(۴) شرح وقایہ میں ہبہ واپسی کا حکم ہے، کیا ہبہ جہیز اسی قسم کا ہے۔	۲۲۸
بہن بھائی ترکہ میں شریک ہوں اور بھائی بہن کو جہیز دے تو یہ عرفاً ہبہ نہیں، بخلاف والدین ان کا جہیز عرفاً ہبہ ہوگا۔	۲۲۱	(۵) جو شیئ منجانب مدعیہ داماد کو ملی ہو اس کی واپسی کا مدعیہ کو کیا حق ہے۔	۲۲۸
قبول علم کی فرع۔	۲۲۲	(۶) جو سامان مدعا علیہ نے وقت شادی اپنی بی بی کو دیا مدعیہ اسے بھی لے سکتی ہے۔	۲۲۸
اگر کسی نے کہا میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی لوگوں کو اجازت دی کہ جو لے وہ اس کا ملک ہے تو جن لوگوں کو واہب کے اس اذن کی خبر ہوئی وہ جو بھی لیں گے اس کے مالک بن جائیں گے مگر جو شخص اذنِ واہب سے بے خبر ہوگا وُہ جو کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا۔	۲۲۲	(۷) مرحومہ کے حکم سے جو شیئ اس کے صرف کے لئے رہن ہوئی اسے کون چھڑائے گا۔	۲۲۸
ہبہ مشاع محتمل قسمت صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک۔	۲۲۵	جواب سوال اوّل تا چہارم۔	۲۲۸
ہبہ مشاع غیر متحمل قسمت کی شرط صحت یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو۔	۲۲۵	بعض احکام شرع بحکم شرع عرف پر دائر ہوتے ہیں۔	۲۲۸
فیض النساء نے اپنی سوتیلی لڑکی کی شادی کی، شادی کے ڈیڑھ برس بعد لڑکی مرگئی فیض کل سامانِ جہیز کی واپسی کو کہتی ہے کہ میں نے اپنے پاس سے یہ سب سامان کیا تھا اس لئے اس کی واپسی کی میں حقدار ہوں، سامانِ جہیز واپس لینے کا رواج مدراس میں جاری ہے۔ لڑکی کا شوہر جواب دیتا ہے کہ زیور وغیرہ مرحومہ کے حکم سے اسکے معالجہ وغیرہ میں رہن رکھے ہوئے ہیں، اس کے علاوہ میرا بہت روپیہ صرف ہُوا، مرحومہ کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا زندہ تھا وہ اسکے مال کا مالک ہوا اور اس کے بعد میں بطور باپ وارث ہوں، حکم شرعی کیا ہے۔	۲۲۷	اشیاء منقولہ میں اسے جنکا وقت معروف ہو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۱) مدراس میں لڑکی مرجائے تو جہیز واپس لینے کا رواج ہے کیا حکم ہے۔	۲۲۷	جن چیزوں کے استصناع کا رواج ہو ان میں اُجرت دے کر معدوم شیئ کا بنوانا جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۲) شرع میں رواج ملک کو کیا دخل ہے۔	۲۲۸	شرائط بیع میں سے جو شرط مفسد معروف ہوجائے محتمل ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
(۳) جہیز کا سامان عاریۃً سمجھا جائے گا یا تملیکاً۔	۲۲۸		

مرتہن کا شیئ مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو توجائز ورنہ حرام، مگر ہمارے زمانے میں مطلقًا حکمِ حُرمت دیا جائیگا کو بے طمعِ نفع بہ مرہون قرض نہ دینے کا عُرف ورواج ہے۔	۲۲۸	مملک جہت تملیک کوزیادہ جانتا ہے۔	۲۳۲
جب دوامر محتمل ہوگا مغلوب نامقبول ہوگااور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	ہبہ تاحینِ حیات ہبہ کاملہ ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو وباطل ہے۔	۲۳۳
عرف غالب کا اعتبار ہوگا مغلوب نامقبول ہوگا اور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	احدالمعاقدین کی موت رجوع ہبہ کے موانع میں سے ہے۔	۲۳۵
بیٹی کو جہیز دیا پھر مدعی ہوا کہ میں نے عاریۃً دیا تھابیٹی کہتی ہے تملیکًا یااس کے مرنے کے بعد اس کا شوہر یہ کہتا ہو توکس کا قول کب اور کس طرح معتبر ہوگا۔	۲۲۹	بحالت عدم عرف مدعی کا قول بقسم معتبر ہوگا یہ حکم باپ کے لئے ہے حقیقی ماں کو بھی اس سے عرفًا لاحق کیاگیاہے۔	۲۳۶
جہاز میں جس کا قول معتبر ہوگا بقسم معتبر ہوگا۔	۲۳۰	ماں کا دعوی اختصاص محتاج بینہ ہونا چاہئے مگر دوصورتوں میں ، ایک یہ کہ باپ مال نہ رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ ماں نے اس سے جداہو کر بطور خود تزویج کی ہو۔	۲۳۶
عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کی رعایت واجب ہے۔	۲۳۰	لڑکی نے باپ کے مال سے دستکاری کرکے جہیز کا کچھ سامان تیار کیاماں کے مرنے بعد باپ نے وہ سامان جہیز میں اسے دے دیا تو یہ سب اسی کا ہے اسی کے بھائیوں کو حق نہیں کہ وُہ اسے ماں کاترکہ قرار دے کر اپناحصہ طلب کریں۔	۲۳۸
اگرایک خاص مقدار تک حسبِ حیثیت جہیز دینے کا عرف ہواور اس کے زائد عاریت تواس مقدار تک تملیک سمجھیں گے اور زائد میں قول واقع بالاتفاق معتبر مانیں گے۔	۲۳۰	دادا باپ کی طرح ہے سوائے چند مسائل کے۔	۲۳۹
بیٹی کا باپ پر قرض تھا جہیز دیا پھر کہا میں نے قرضہ میں دیا ہے، بیٹی کہتی ہے نہیں اپنے مال سے توکس کا قول معتبر ہوگا۔	۲۳۱	بی بی بے جہیز رخصت ہو کر آئی تو شوہر کو پانے خسر سے ان دراہم ودنانیز کا مطالبہ پہنچتا ہے جواس نے بھیجے ہوں جبکہ بعد زفاف زمانہ دراز تک چُپ نہ بیٹھا ہو۔	۲۴۴
شوہر نے زوجہ کو کوئی چیز بھیجی، عورت کہتی ہے ہدیہ ہے، شوہر کہتا ہے مہر، توکب، کس کا قول معتبر ہوگا۔	۲۳۲	زمانہ دراز سے کون سازمانہ مراد ہے۔	۲۴۴

ایک زمانہ تک کسی شیئ میں تصرف ہوتا دیکھتا رہا پھر مدعی ہوا حالانکہ پہلے بھی دعوی کے کوئی امر مانع نہ تھا اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۲۴۵	اگر مالک سے پوچھ کر اس کی شیئ کو رہن رکھا یا بعد رہن مالک نے اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن نافذ صحیح ہوگیا۔ اب جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو مالک مرہون شیئ کو واپس نہیں لے سکتا۔	۲۴۹
اگر اجنبی نے جہیز دیا بعد مرگ عروس عاریت کا مدعی ہوا تو بے بینہ اس کا قول معتبر نہیں۔	۲۴۵	مالک کی اجازت سے کوئی شیئ کسی نے رہن کردی تو مالک کو اختیار ہے کہ مرتہن کا دین دے کر اپنی چیز چھڑالے اور جو کچھ مرتہن کو دے وُہ مدیون یا اس کے وارثوں سے واپس لے لے۔	۲۴۹
اب سوال پنجم۔	۲۴۵	سوتیلی ماں نے حسب رواج ملک مال ومتاع بنام جہیز لڑکی کو دیا لڑکی کے بعد واپسی چاہتی ہے دیتے وقت نہ تو تملیک کی نیت ہوتی ہے نہ عاریت ہبہ کی، لہٰذا حسبِ رواج ملک واپس ہو اس پر پر فتاوی طلب کئے گئے۔ بریلی سے بھی فتوی آیا جس کا مطلب بتایا گیا کہ رواج ملک کو شرع میں کچھ دخل نہیں، نہ فیض النساء واپسی جہیز کی حقدار ہوسکتی اس کا دعوی مردود اور رواجِ ملک متردد والخ۔ کیا یہ مطلب صحیح ہے؟	۲۵۰
موہوب شیئ کا ہلاک ہوجانا یا موہوب لہ، کی ملک سے خارج ہونا دونوں رجوع ہبہ سے مانع ہیں۔	۲۴۷	انجمن نے یتیمہ کا نکاح کیا، شوہر نے اسے نہ رکھا سامانِ جہیز جو انجمن نے دیا تھا واپس آیا اسکی مالک یتیمیہ ہے یا انجمن۔	۲۵۴
عاریت امانت ہے بے تعدی اس میں ضمان نہیں۔	۲۴۸	صدر انجمن جس کے حکم سے سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائزہ انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہوتا ہے۔	۲۵۴
جواب سوال ششم:	۲۴۸	اگر کسی کو غیرہ معیّن شیئ کی خریداری کا وکیل کیا تو شراء وکیل کے لئے ہوگی مگر جبکہ وکیل نے مؤکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو یا مال مؤکل سے شیئ خریدی ہو۔	۲۵۴
جواب سوال ہفتم	۲۴۸	اگر دو شخص کسی کو ایک گھر ہبہ کردیں تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ مشاع نہیں۔	۲۵۵
بے اجازت مالک کوئی شے رہن کردی مالک نے بعد میں بھی اس تصرف کو جائز نہ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اس رہن کو فسخ کرکے مرتہن سے اپنی چیز واپس لے لے اپنا دین مدیون سے لیتا رہے۔	۲۴۹	فضولی کا شراء جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے۔	۲۵۵

اگر دوسرے کے لئے کچھ خریدا تو شراء اس مشتری پر نافذ ہوگی جبکہ اسے دوسرے کی طرف مضاف نہ کیا ہو، ہاں اگریُوں کہا ہو کہ یہ شیئ فلاں کے لئے بیچ کر، اس پر بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے بیچ کی تو یہ شراء موقوف ہوگی۔	۲۵۵	**باب نکاحُ الکافر**	۲۶۱
وقت شادی زید کے والدین حسب دستور جوڑے چڑھائے، بعد نکاح لڑکی کے والدین نے کچھ زیور جوڑے جہیز میں دئے، پھر زید نے کچھ زیور بنوادیا، علاوہ معمولی کپڑوں کے کچھ کپڑا بھی، عورت نے شوہر کے مرتے وقت پر بلکہ اب تک مہر میں معاف نہ کیا اس مال کا مالک کون ہے، مہر کی ادا کس کے ذمہ ہے۔	۲۵۶	زید قادیانی ہوگیا، اس کی عورت مسلمان ہی رہی، کیا حکم ہے۔	۲۶۱
داد وستد معتاد ومعروف کہ درانتظام مناکحت مروج است ازروئے شرع شریف جائزست، اگر چیزے ونقدے بنابر عرف از نکح گرفتہ میشود خواہ بشرط یا بغیر شرط چنانکہ در بنگالہ وبرہما دستور است کہ قبل نکاح بطور ساچق وخرچہ ضیافت احباب طرفین مے گیرند جائز خواہد شد یا نہ شد الخ۔	۲۵۶	مسلمان کا نصرانیہ یا مجوسیہ سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۲
قبل عقد حسبِ رواج کچھ زیور لڑکی کو دیا، رخصت سے قبل داماد کا انتقال ہوگیا، اس صورت میں وُہ زیور قابلِ واپسی ہے یا نہیں۔ اکثر زیور عاریت لے کر بھی چڑھایا جاتا ہے جو بعد رخصت واپس آجاتا ہے، یہ شخص بہت قلیل المعاش ہے اس کے والدین اتنی حیثیت نہیں رکھتے کہ اتنی مالیت کو بعد رخصت موہوبہ سمجھ لیں اور رواج بھی یہی ہے کہ ایسا چڑھاوا واپس لے لیا جاتا ہے۔	۲۵۸	عورت نے شریعت کی توہین کی تو کیا وہ مرتدہ ہوگئی اور نکاح فسخ ہوگیا۔	۲۶۳
چڑھاوے کا کیا حکم ہے آیا جائز ہے یا نہیں۔	۲۵۹	کیا اب شوہر بے طلاق دئے اس سے تعلق ترک کرسکتا ہے اور کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا۔	۲۶۳
لگن کا حکم اور یہ کہ وُہ کس کی ملک ہے۔	۲۵۹	ہندہ تجدید ایمان کرلے تو کیا زید وہندہ تجدید نکاح پر شرعاً مجبور ہیں۔	۲۶۳
زید بچپن سے اپنے باپ کے ساتھ بیوپار کرتا تھا اپنے باپ کے ماتحت تھا اور کام بھی کرتا تھا اس کی شادی اس کے باپ عمرو نے کی، زید مرگیا، عورت اپنے خسر سے جہیز اور اپنا مال وزر اور وُہ مال جو نسبت کے وقت اسے دیا گیا تھا یعنی چڑھاوا اور مہر طلب کرتی ہے کیا حکم ہے۔	۲۵۹	بعد تجدید ایمان عورت بلااجازت شوہر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔	۲۶۳
		کیا ہندہ کا نفقہ ایسی صورت میں زید پر واجب ہوگا۔	۲۶۳

اس صورتِ حال میں اگر زید تجدید نکاح پر تیار ہو تو مہر سابقہ تعداد پر معین رہے گا یا اب نئی تعداد فریقین کی رضامندی پر ہوگی۔	۲۶۳	چھاتی مُنہ میں لینے کے احکام۔	۲۶۷
کیا اس صورت حال میں ہندہ زید کی مرضی کے موافق کم مہر پر مجبور کی جائے گی؟	۲۶۳	مرد کے لئے حلال ہے کہ اپنی بیوی کے سر سے پاؤں تک جہاں سے چاہے لُطف اندوز ہو مگر وُہ جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا۔	۲۶۷
عورت اگر کفر کرے تو نکاح سے نہیں نکلتی، یہی مفتٰی بہ ہے۔	۲۶۳	بیوی کا بوسہ مسنون و مستحب ہے اگر نیت صالحہ ہو، تو اس پر اجر پائے گا۔	۲۶۸
مرتدہ بعد اسلام تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی، مرتدہ کے لئے نفقہ نہیں۔	۲۶۳	عورت اگر دودھ والی نہ ہو تو اس کا پستان منہ میں لینا شوہر کے لئے جائز ہے۔	۲۶۸
مرتدہ ہونے سے مہر مدخولہ ساقط نہیں ہوتا۔	۲۶۳	مرد اگر دودھ والی بیوی کا پستان منہ میں لے تو یہ خیال رکھے کہ دودھ کا کوئی قطرہ حلق میں نہ جائے۔	۲۶۸
مرتدہ عورت جیسے بعد اسلام تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی کم از کم مہر مثلاً ایک دینار پر بھی مجبور کی جاسکتی ہے۔	۲۶۳	مرد کو قصداً بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔	۲۶۸
ہندکی نابالغ لڑکی سے بے اس کے ولی کی اجازت کے اور بے مسلمان کئے نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۳	اگر بیوی زیادہ دودھ والی ہے ورنہ خدشہ ہے کہ دودھ حلق میں جائے گا تو پستان مُنہ میں لینا مکروہ ہے۔	۲۶۸
رافضیہ سے نکاح ہوسکتا ہے؟	۲۶۵	جب عورت کو گھر پر چھوڑ جائے تو کتنی مدّت تک سفر میں رہ سکتا ہے۔	۲۶۸
اگر دھوکے سے کسی رافضیہ سے نکاح کرلے کہ معلوم نہ ہو کہ یہ رافضیہ ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۶۵	شوہر کو اپنے ہمراہ میں اپنی بی بی کو رکھنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	۲۶۹
کھٹک نے اپنی عورت کو اپنے مذہب کے موافق طلاق دے دی چار ماہ بعد عورت مسلمان ہوئی اسی جلسہ میں اس کا نکاح کرادیا گیا نکاح کیسا ہوا اور عدّت کی ضرورت تھی یا نہیں۔	۲۶۵	عورت پر تنگی کرنا اور اسے ضرر پہنچانا بحکمِ قرآن ممنوع ہے۔	۲۷۰
کافر کے لئے عدّت اصلاً نہیں۔	۲۶۵	اگر مہر معجّل نہ ہو تو اس کی وجہ سے عورت کو اپنے نفس کو روکنے کا کوئی اختیار نہیں۔	۲۷۰
بابُ المعاشرۃ	۲۶۷		
بوسہ کا حکم۔	۲۶۷		

مالی جرمانہ شرعًا ناجائز و باطل ہے۔	۲۷۰	مردوں کے حقوق عورتوں پر جسطرح ہیں یُونہی بحکمِ قرآن عظیم مردوں پر عورتوں کے۔	۲۷۴
منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۲۷۰	جس کے دو۲ بیبیاں ہوں اور اُن میں عدل نہ کرے تو قیامت کے دن ایک طرف کو جُھکا ہوا اُٹھے گا۔	۲۷۵
شوہر شرمگاہِ زن وقت جماع دیکھے تو کچھ حرج ہے؟ یونہی اگر مس کرے۔	۲۷۰	رعایت مساوات دوزوجہ میں مرد پر واجب ہے یا نہیں، اگر ان میں سے ایک قومِ طوائف سے ہو تو کچھ فرق کیا جائے یا نہیں۔	۲۷۵
کیا عورت شوہر کے آلہ تناسل کو چھوئے تو حرج ہے۔	۲۷۰	عدل بین الزوجین میں کھانے کی کیا صورت ہے، آیا جو چیز ایک کو دے وہی دوسری کو بھی دے اگرچہ از قسم مکلفات ہو۔	۲۷۶
بوقتِ جماع رؤیتِ فرج ممنوع اور نابینائی کا سبب ہے۔	۲۷۱	ہندہ نے بعد ولادت تکلیف ولادت سے بچنے کے لئے جماع نہ کرنے کا عہد کیا اور شوہر سے کہا کہ تمہیں صبر نہ آئے گو دوسری شادی کرلو اور جو مقدرت نہ ہو تو مجھے نان نفقہ نہ دو، کیا شرعًا اس کی اجازت ہے کہ شوہر ہندہ کے کہنے پر عمل کرے۔	۲۷۹
عورت کو شوہر سے جان کا خطرہ ہو تو اس کے یہاں رہنے پر مجبور نہیں کرسکتی، اور اس صورت میں ناشزہ بھی نہیں۔	۲۷۸	ایسی لڑکی جو بظاہر جماع کی متحمل نہیں ہوسکتی اس صورت میں اس کا ولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں۔	۲۸۰
بابُ القسم	۲۷۳	باپ نے اپنی جوان لڑکی نسبت ایک لڑکے سے کردی، کچھ عرصہ کے بعد اس سے چُھڑا کر دوسرے سے کردی، کیا یہ جائز ہے، اور کیا اس میں اس لڑکے کی اجازت ورضامندی ضروری ہے جس سے پہلے نسبت کی تھی۔	۲۸۱
عورت کو بے وجہ تکلیف واذیت دینا اور دو۲ زوجہ میں مساوات نہ کرنا، دونوں کو ایک مکان میں بجبر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔	۲۷۳	خلفِ وعد کی تین۳ صورتیں ہیں۔	۲۸۱
بیبیوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی انکی بدخوئی پر صبر، اُن کی دلجوئی، ان کے مراعات جو خلافِ شرع نہ ہو محبوب شرع ہے۔	۲۷۳	نسبت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس سے لڑکی کی نسبت کی وُہ رافضی وہابی وغیرہ بدمذہب ہے تو نسبت چھڑانا شرعًا لازم ہے۔	۲۸۲
ایسے شخص کی فضیلت کی چند حدیثیں۔	۲۷۳		

منگنی کے بعد دوسرے کو پیغام بھیجنا جائز نہیں جب تک منگنی باقی ہے۔	۲۸۳	اوّل: اہلِ تفریط کہ نکاح بیوہ کو ہنود کی طرح سخت ننگ وعار اور حرام جانتے ہیں۔ نکاح کی حاجت والی جوان عورتیں اگر نکاح سے روکی گئیں اور معاذاللہ بشامتِ نفس کسی گناہ میں مبتلا ہوگئیں تو اس کا وبال نکاح سے روکنے والوں پر پڑے گا۔	۲۸۹
نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یانہیں۔	۲۸۴	حدیث کی رُو سے لڑکی جب بارہ برس کی ہوجائے تو اس کا نکاح کردینا چاہئے۔	۲۹۰
شوہر نے کچھ دنا نیز سسرال بھیجے، اُنھوں نے حسبِ عادت دُولھا کے کپڑے بنادئے، وُہ مدعی کہ میں نے مہر میں دئے تھے اس صورت میں اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر دے کر کہا کہ کُچھ بُنائی کی اُجرت، کچھ سُوت کی قیمت وغیرہ میں صرف کرو۔ اُنھوں نے ایسا ہی کردیا، پھر دعوٰی کیا کہ مین نے مہر میں دئے، اس صورت میں اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔	۲۸۵	دوم: اہلِ افراط کہ اکثر واعظین وہابیہ وغیرہم جہّال متشدّدین ہیں انہوں نے نکاحِ بیوہ کو گویا علی الاطلاق واجب قطعی اور فرض حتمی قرار دے دیا۔	۲۹۰
منگیتر کے ہاں شکر، اخروٹ اور پھل وغیرہ بھیجے گئے اور کسی وجہ سے نکاح نہ ہُوا، اگر خاطب کی اجازت سے یہ چیزیں تقسیم ہوئی ہیں تو واپس نہ ملیں گی ورنہ ملیں گی جبکہ عُرف سے تملیک ثابت نہ ہو۔	۲۸۶	وہابیہ کی اکثرت عادت ہے کہ مسلمانوں کو وجہ بے وجہ کافر، مشرک اور بے ایمان ٹھرادیتے ہیں۔	۲۹۰
باب النکاح الثانی	۲۸۷	تشدّد وبیجانا جائز اور سببِ ہلاک ہے۔	۲۹۰
٥رسالہ **اطائب التھانی فی النکاح الثانی** (نکاح ثانی کے احکام اور بیوہ کے نکاح کو فرض بتانے والوں اور نہ کرنے والوں کو کافر کہنے والوں کی خبر گیری)	۲۸۷	مصنف کی تحقیق انیق کہ نکاح ثانی مثل نکاح اوّل فرض، واجب، سنّت، مباح مکروہ اور حرام سب کچھ ہے۔	۲۹۱
خلاصہ فتوٰی مولوی عبدالرحیم دہلوی در بارہ نکاح بیوہ۔	۲۸۸	نکاح کی مختلف صور اور ان کے احکام کی تفصیل۔	۲۹۱
جواب از مصنّف (اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی) رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ۔	۲۸۹	کس عورت کو نکاح ممنوع وناجائز ہے۔	۲۹۱
نکاح بیوی کے مسئلہ میں جاہلانِ ہند کے دو۲ فرقے ہوگئے	۲۸۹	کون سی عورت کو نکاح حرام قطعی ہے۔	۲۹۱

کس عورت کو نکاح کی ترغیب دینا خلافِ شرع ومعصیت ہے۔	۲۹۱	کس کے حق میں نکاح مباح ہے۔	۲۹۴
کس عورت کو نکاح کرنا واجب ہے۔	۲۹۱	عورتوں کی عادات کے متعلق چند احادیث۔	۲۹۵
کس عورت کو نکاح کرنا فرض قطعی ہے۔	۲۹۱	عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئیں۔	۲۹۵
جن عورتوں پر نکاح فرض یا واجب ہوا انہیں نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔	۲۹۱	شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کی معرفت میں عورتوں کے لئے جہاد کے برابر اجر ہے۔	۲۹۶
جن عورتوں پر نکاح فرض وواجب ہو وُہ اگر خود نہ کریں گی گنہگار ہوں گی اور اولیاء اگر مقدور بھر کوشش نہ کریں تو وُہ بھی گنہگار ہوں گے۔	۲۹۱	عورتیں اگر شوہروں کی نافرمانی نہ کریں اور نماز پڑھیں تو سیدھی جنت کو چلی جائیں۔	۲۹۶
فرائض ادا نہ کرنے یا اُن کی ادائیگی سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا۔	۲۹۱	شوہر کے بیوی پر بعض حقوق کا ذکر۔	۲۹۶
ایسے فرض کی فرضیت کا منکر کافر ہوجاتا ہے جس کی فرضیت ضروریاتِ دین سے ہو۔	۲۹۱	ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے چاہے وُہ کتنا ہی گنہگار ہو۔	۲۹۷
مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۲۹۲	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہا کو پیغامِ نکاح کا واقعہ۔	۳۰۰
مرد پر نکاح اسی وقت فرض وواجب ہوگا جب وُہ مہر نفقہ کا ملک ہو ورنہ وُہ ترک نکاح پر گنہگار ہوگا۔	۲۹۲	عرب کی عورتوں میں سب سے بہتر زنانِ قریش ہیں جو اپنے بچّوں پر بہت زیادہ مہربان اور شوہروں کے مال کی زیادہ نگران ومحافظ ہوتی ہیں۔	۳۰۱
اگر نکاح نہ کرے تو زناء میں مبتلاء ہونے کا خوف ہے اور اگر کرے تو جور وظلم کا ڈر ہے تو نکاح فرض نہ ہوگا۔	۲۹۲	حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو پیغامِ نکاح کا واقعہ۔	۳۰۲
جور وظلم ایسی معصیت ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے اور زناء سے باز رہنا حقوق اللہ سے ہے۔	۲۹۳	ام المومنین حضرت سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر مبارک اور سنِ وصال۔	۳۰۳
بوقتِ تعارض حق العبد حق اللہ پر مقدم ہوتا ہے۔	۲۹۳	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آخر شوال سن چار ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نکاح فرمایا۔	۳۰۳
کس حالت میں نکاح سنّت ہے۔	۲۹۳		

جس عورت کا شوہر مرجائے اور وُہ دونوں جنتی ہوں پھر عورت اس کے بعد نکاح نہ کرے تو اللہ تعالٰی ان دونوں کو جنّت میں جمع فرمادے گا۔	۳۰۳	وانکحوا الایامٰی میں ایم کا معنی ہے زن بے شوہر جس کے اطلاق میں کنواری، مطلقہ اور بیوہ سب داخل ہے۔	۳۰۸
سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرؤالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت علی اصغر اور حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی والدہ ہیں۔ امام مظلوم کی شہادت کے بعد شرفاءِ قریش کے پیغاماتِ نکاح کو مسترد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔ چنانچہ آپ جب تک زندہ رہیں کسی سے نکاح نہ کیا۔	۳۰۴	بالخصوص بیوہ کے نکاح سے متعلق چند قرآنی آیات۔	۳۰۸
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک صحابیہ کا قصہ جن کا نام نامی رباب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	۳۰۵	عدّت وفات (غیر حاملہ) کی بنصِ قرآن چارماہ دس دن ہے۔	۳۰۸
یتیم بچّوں کے لئے بیٹھی رہنے والی اور ان کے خیال سے نکاح نہ کرنے والی بیوہ کی تعریف میں چند احادیث۔	۳۰۶	حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واہلبیتِ کرام وصحابہ عظّام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے قولاً، فعلاً اور تقریراً نکاح ثانی کی اباحت بالتواتر ثابت ہے۔	۳۰۹
تنبیہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بارہا ہوگا۔	۳۰۷	حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے علاوہ تمام ازواج مطہرات ثیّبات تھیں۔	۳۰۹
دخولِ جنّت میں اوّلیت مطلقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔	۳۰۷	نکاح ثانی کو ازروئے شرع حلال نہ جاننا کُفر ہے۔	۳۰۹
حدیث شریف ان اوّل من یفتح باب الجنۃ الا انی اری امرۃ تبادرنی کا مطلب۔	۳۰۷	حضرت اسماء بنتِ صدّیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہا کی جفاکشی کا ایک واقعہ۔	۳۱۰
مباح پر طعن صرف اسی صورت میں کفر ہوسکتا ہے کہ اس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو۔	۳۰۷	جو مباح کبائر اور اتباع شیطان کی طرف منجر ہو وہ اس عارجہ کی وجہ سے مباح نہیں ہوتا۔	۳۱۲
نکاح ثانی کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہے۔	۳۰۷	عوام کے سامنے حقائق عالیہ اور دقائق غالیہ کا ذکر جوان کے مدارک وافہام وراء ہو شرعاً ممنوع ہے۔	۳۱۲
اباحتِ نکاح ثانی کا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہے۔	۳۰۸		

اشاعتِ علم فرض اور کتمانِ علم حرام ہے۔	۳۱۲	لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وُہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔	۳۱۸
لوگوں سے وہ باتیں کہی جائیں جنہیں وُہ سمجھیں۔	۳۱۲	تین باتیں اصلِ ایمان میں داخل ہیں۔	۳۱۸
عمامہ کا شملہ چھوڑنا سنّت ہے مگر جہاں جُہال اس پر ہنستے ہوں وہاں علماءِ متاخرین نے غیر حالتِ نماز میں اس سے بچنا اختیار فرمایا۔	۳۱۴	اہلِ قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہو۔	۳۱۸
قرآن مجید کی دسوں قراءتیں حق اور منزّل من اللہ ہیں اور دسوں طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھا ہے۔	۳۱۵	خلاصہ مقصود۔	۳۱۸
جہاں جو قراءۃ رائج ہو نماز اور غیر نماز میں عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے، جس قراۃ سے ان کے کان آشنا نہ ہوں وُہ نہ پڑھی جائے مبادہ وُہ اس پر ہنسنے اور طعن کرنے سے اپنا دین خراب کرلیں۔	۳۱۵	کسی کی بیٹیاں اور بہنیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور سیّدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی صاحبزادیوں سے زیادہ غیرت اور عزّت والی نہیں ہوسکتیں۔	۳۱۸
قریش نے زمانہ جاہلیت میں کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے وقت کیا کیا تبدیلیاں بناءِ خلیل میں کیں۔	۳۱۶	**کتاب الطلاق**	۳۲۱
حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حفظِ دین نو مسلمین کے لئے قریش کی طرف سے تعمیرِ کعبہ میں کی گئی تبدیلیوں کو برقرار رکھا، ان کی اصلاح نہ فرمائی۔	۳۱۶	فاحشہ عورت کو طلاق دینی مستحب ہے۔	۳۲۱
تکفیرِ اہلِ قبلہ واصحاب کلمہ طیبہ میں جرات وجسارت محض جہالت اور سخت ہے جس میں وبالِ عظیم ونکالِ صریح کا اندیشہ ہے۔	۳۱۷	طلاق کے بارے میں اقوالِ ثلاثہ:	۳۲۱
کلمہ گو کے ہر قول وفعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو کفر سے بچانا فرض قطعی ہے۔	۳۱۷	(۱) مطلقًا مباح	۳۲۱
مسلمان کے کسی قول یا فعل میں کوئی ضعیف سے ضعیف تاویل ایسی نکلتی ہو جس کے سبب سے حکم اسلام ہوسکتا ہو تو اسی کی طرف جانا لازم ہے اگرچہ اس میں ہزار احتمال جانب کفر جاتے ہوں۔	۳۱۷	(۲) عورت کی آوارگی اور بڑھاپے کے سبب سے جائز ورنہ ممنوع۔	۳۲۲
اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔	۳۱۷	(۳) ضرورت ہو تو جائز۔	۳۲۲
احتمالِ اسلام کو چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانیوالے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں۔	۳۱۷	بے ضرورت طلاق اللہ تعالٰی کو سخت ناپسند، پھر بھی طلاق دے تو واقع ہے۔	۳۲۳

غیر مدخولہ کے مہر کا حکم	۳۲۳	والدین کی نافرمانی حرام ہے۔	۳۳۲
ناقابل جماع نابالغہ کو طلاق دی تو مہر کا حکم۔	۳۲۳	حرام سے اجتناب واجب ہے۔	۳۳۲
متعہ یعنی جوڑا کی تفصیل۔	۳۲۳	بے حاجت بے وجہ شرعی طلاق مکروہ، مگر دے گا تو پڑ جائے گا۔	۳۳۲
طلاق نہ حق اللہ ہے نہ حق العبد، اور شوہر عورت کو شرعی طور پر نہ رکھ سکے تو حق اللہ اور حق العبد دونوں ہے۔	۳۲۴	حالتِ حیض میں طلاق مکروہ، مگر دے گا تو واقع ہوگی۔	۳۳۲
طلاق کسی کا حق نہیں اور ضرورت پر حق اللہ اور حق العبد دونوں ہے۔	۳۲۵	طلاق نہ دینے کا اقرار کرکے طلاق دی تو واقع ہے، وعدہ خلافی کا گناہ البتّہ ہوگا۔	۳۳۲
وقوع کے بعد طلاق اس معنی میں حق اللہ ہے کہ اس کی شہادت بے مطالبہ ضروری ہے اور بے وجہ شرعی ادائے شہادت میں تاخیر سے فاسق اور مردُود الشہادۃ ہے۔	۳۲۵	طلاق دینے کے حق کو شوہر شرعًا باطل نہیں کرسکتا۔	۳۳۲
شوہر جب ادائے حق زوجہ پر قادر نہ ہو تو طلاق حق العبد ہے۔	۳۲۵	انت طالق لایردك قاض سے طلاق رجعی واقع ہوگی۔	۳۳۳
عورت کی کج خلقی پر اسے طلاق دینا ضروری نہیں بلکہ حتی الامکان نباہ کیا جائے، اگر بضرورت دینی ہی ہو تو صرف ایک طلاق دی جائے۔	۳۲۸	طلاق کا جب سے اقرار کرے اسی وقت سے واقع مانی جائے گی نفقہ البتہ آج تک کا اور آج سے عدّت کا نفقہ دلائیں گے۔	۳۳۳
رجعت میں زبان سے یہ کہہ لینا کافی ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں رکھ لیا۔	۳۲۸	حکم کی دو قسمیں ہیں۔	۳۳۶
حاملہ کی عدّت بچّہ پیدا ہونے پر ختم ہوتی ہے۔	۳۲۸	حکمِ دیانت اور حکمِ قضاء کی تفصیل۔	۳۳۶
شئی واحد میں حل وحظر دو جہت سے مجتمع ہونا بعید نہیں۔	۳۳۰	عورت کی طرف اضافت اور اس کے نام کے بغیر طلاق دینے میں دیانۃً طلاق واقع نہ ہوگی۔	۳۳۶
طلاق کے حلال ومبغوض ہونے کا بیان قرآن وحدیث سے۔	۳۳۰	اگر عورت کی طرف کا حکم ہے پھر بھی شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۳۳۷
بے نمازی عورت کے ادائے مہر پر قادر نہ ہو تب بھی طلاق دینا مستحب ہے۔	۳۳۱	"اگر توزن منی سہ طلاق" اپنی عورت کی نیت کا انکار کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۳۳۸
ماں باپ طلاق کا حکم دیں تو طلاق دینی واجب ہے۔	۳۳۲	"تیری جیسی مطلقہ ہے" نیت نہیں تو طلاق نہ ہوگی۔	۳۳۸

"اگر میری اجازت کے بغیر نکلی تو طلاق کی قسم کھالی ہے" شوہر کا قول معتبر ہے۔	۳۳۹	ایک شخص کو لوگوں نے شراب پینے کے لئے بلایا، اس نے جھُوٹ کہا کہ میں نے شراب پینے پر طلاق کی قسم کھائی ہے۔ اب شراب پیئے تو طلاق واقع ہوگی۔	۳۵۳
"طالق" کہنے کی صورت میں شوہر سے پوچھا جائیگا کہ یہ کس کی نیت کی ہے۔	۳۴۰	لفظ میں اضافت نہ ہو اور قرائن بھی نہ ہو تو شوہر کی نیّت پر دارومدار ہوگا۔	۳۵۳
یک طلاق دوطلاق سہ طلاق کی صورت میں قضاء بھی طلاق نہیں۔	۳۴۰	عورت نے کہا" مجھے گراں خریدا تو بعیب کے ساتھ لوٹا دو"۔ شوہر نے کہا" تجھ کو عیب کے ساتھ لوٹا دیا نیت طلاق ہے تو واقع ہے،اور اگر صرف اتنا کہا لوٹا دیا، طلاق واقع نہ ہوگی۔	۳۵۵
می دہم کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا۔	۳۴۱	بے اضافت طلاق میں اگر قرائن سے طلاق متبادر ہو تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہے۔	۳۵۸
رات میں کہا یک طلاق دوطلاق سہ طلاق، صبح کو بے اضافت خبر دیا کہ "طلاق دادہ ام" دیانۃً طلاق واقع نہیں۔	۳۴۲	مبہم اور بے اضافت الفاظ طلاق میں مدار شوہر کے قول پر ہے۔	۳۵۸
ترک اضافت کی مختلف صورتیں۔	۳۴۳	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۳۵۹
وقوعِ طلاق کے لئے لفظ یا نیت میں اضافت ضروری ہے۔	۳۴۴	اگر فی الواقع طلاق کی نیت تھی اور ظاہر کیا کہ طلاق کی نیّت نہ تھی تو سارا وبال شوہر پر ہوگا۔	۳۵۹
لفظ میں وجوہ اضافت کی تین صورتیں ہیں۔	۳۴۴	تین طلاقیں ہوجائیں تو رجعت محال ہے۔	۳۶۰
"طلقنی" کے جواب میں مارا اور کہا کہ یہ طلاق ہے تو طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر کہا یہ " تجھے طلاق" تو واقع ہے۔	۳۴۸	ماں نے کہا عورت کو طلاق دے دو، لڑکے نے کہا طلاق طلاق، عورت پر طلاق واقع ہوگئی۔	۳۶۰
متکلم جب اپنے کلام میں جواب سے الگ بات ذکر کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ الگ کلام مانا جاتا ہے۔	۳۴۹	تین طلاقیں ہوگئی تو بے حلالہ شوہر اوّل کے نکاح میں نہیں آسکتی۔	۳۶۰
جو عرفاً معہود ہو وُہ ایسے ہی ہے جیسے موجود لفظاً ہو۔	۳۵۰	نکاح کے پہلے اقرار نامہ لکھا میں اُلفت کا خرچ چلاؤں گا اور علیم اللہ کی حکم عدولی نہیں کروں گا' اور اس کا خلاف کروں تو طلاق، نان نفقہ نہ دینے اور حکم عدولی کرنے پر طلاق نہ ہوگی۔	۳۶۱
لفظ میں اضافت نہ ہو تو دیانۃً نیت پر مدار ہوگا، اور قضاء اگر قرائن اضافت پر دلالت کرتے ہوں تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۳۵۰		

طلاق دینے کامسنون طریقہ یہ ہے کہ طُھسر میں جماع سے پہلے ایک طلاق رجعی دے۔	۳۶۲	دل میں عورت کو طلاق دی واقع نہ ہوئی۔ زبان سے کہااور آواز کان تک پہنچ سکتی تھی مگر کسی وجہ سے نہ پہنچی طلاق ہو گئی۔	۳۶۶
مہر کی کوئی تحریر نہ ہوتب بھی شرعًا مہر مقررہ دینا ہوگا۔	۳۶۲	شوہر تیسری طلاق کا منکر ہے اور ایک کافرہ گواہ اس کی گواہی بالکل معتبر نہیں۔	۳۶۷
عورت کی غیر موجودگی میں طلاق دی تو واقع ہو جائیگی۔	۳۶۲	دو طلاق تک رجعی، اس کے بعد ایک بھی دے گا مغلظہ ہو جائیگی۔	۳۶۷
تنہائی میں طلاق دی کسی نے نہ سُنی، طلاق واقع ہے۔	۳۶۲	غصّہ کی حالت میں طلاق ہو جاتی ہے جبکہ عقل زائل نہ ہو۔	۳۶۷
دل میں طلاق دی واقع نہ ہو گی۔	۳۶۲	دو طلاقیں رجعی ہیں عدت میں رجعت اور بعد عدت نکاح ہو سکتا ہے۔	۳۶۸
زبان ہلی آواز اپنے کان تک بھی نہ آئی طلاق واقع نہ ہوئی تصحیح حروف ضروری ہے۔	۳۶۳	حرہ موطوہ اور لونڈی کے ایّامِ عدّت کی تفصیل۔ طریقِ رجعت کیا ہے۔	۳۶۸
شوہر نے کہا میں طلاق دیتاہوں اگر میرے ساتھ نہ بھیجیں، اگر عورت مراد نہ ہو تو عدم اضافت کی وجہ سے طلاق نہ ہو گی۔	۳۶۳	رجعت کا بہتر طریقہ۔	۳۶۸
اپنی بیوی سے طلاق کی نیّت سے کہا غیر سے نکاح کرلے، طلاق بائن پڑ گئی۔	۳۶۵	عورت کو ایک طلاق دی، دوسروں کے بار بار پوچھنے پر کہتا رہا "میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی" اگر قسم کھا کر کہے کہ میں نے ہر بار پُوچھنے پر پہلی ہی طلاق کی خبر دی تھی، اس کا قول معتبر ہوگا۔	۳۶۸
مجنون، بچّہ اور فاسد العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۳۶۵	" میرے کام کی نہ رہی "نیت کے ساتھ ایک طلاق بائن ہے۔	۳۶۹
طلاق تنہائی میں دی اور غلطی سے یہ سمجھ رہا تھا کہ جب تک چار کے سامنے نہ ہو واقع نہ ہو گی، واقع ہو گئی۔	۳۶۶	خلوت صحیحہ پائی گئی تو عدّت واجب ہے اگرچہ دخول نہ ہو، اور اگر خلوت بھی نہ ہوئی تو عدّت ضروری نہیں۔	۳۶۹
عورت نے شوہر کی بے خبری میں کسی اور سے شادی کرلی بچّہ پیدا ہوا شوہر اوّل دعوی کرے تو دعوی مسموع ہے۔	۳۶۶	صحتِ خلوت کی بنیاد مانع حقیقی کے معدوم ہونے پر ہے اگرچہ مانع شرعی موجود ہو۔	۳۷۰

عدت کا وجوب خلوتِ صحیحہ کے بعد ہے نہ کہ خلوتِ فاسدہ کے بعد۔	۳۷۰	غصّہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۷۶
دورانِ عدت نکاح ہر گز صحیح نہیں ہوتا بلکہ حرام محض ہوگا۔	۳۷۰	حلالہ کی تفصیل۔	۳۷۶
"میں اس کو طلاق دے چکا" تین بار کہنے سے تین طلاق ہوئی، البتہ گنہگار ہوا۔	۳۷۱	حالتِ غضب میں طلاق دینے کے بارے میں مولوی عبداللہ صاحب کے ایک فتوٰی کا رد۔	۳۷۷
طلاق میں غصّہ کا عذر بیکار ہے کیونکہ طلاق اکثر غصہ میں ہی ہوتی ہے۔	۳۷۱	ایک جلسہ میں تین طلاقوں کے تین ہونے پر جمہور صحابہ تابعین وائمہ اربعہ کا اجماع ہے۔	۳۷۷
طلاق کی مدعیہ عورت کی قسم بامعتبر ہے۔	۳۷۳	غصہ جنون کی حد کو پہنچ جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس کی تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً عقل زائل ہو چکی تھی۔	۳۷۸
مدعی کا حلف نہیں سنا جاتا بلکہ اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں۔	۳۷۳	غصّہ کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۷۹
مدعی گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے۔	۳۷۳	کسی نے شوہر سے کہا "اپنی عورت کو طلاق دے دے" اس نے کہا ہاں ہاں، اس کا تفصیلی حکم۔	۳۷۹
عورت کو یقین ہے کہ شوہر نے مجھے تین طلاقیں دیں تو اس پر فرض ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو شوہر سے چھٹکارا حاصل کرے۔	۳۷۳	بعض اطرافِ ہند کے بلاد میں فاعل فعل متعدی کے ساتھ بھی لفظ "نے" نہیں کہتے، مثلاً تو کہا یا آپ فرمایا بولتے ہیں۔	۳۸۰
دل میں طلاق دینے سے واقع نہیں ہوتی۔	۳۷۳	لفظ **نعم** (ہاں) خبر کے بعد تصدیق کے لئے اور امر و نہی کے بعد واعدہ کے لئے ہوتا ہے۔	۳۸۰
نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کی طرف سے اس کا باپ دلالۃً وکالۃً دے سکتا ہے۔	۳۷۴	طلاق دل میں دینے سے نہیں ہوتی جب تک زبان سے اتنی آواز سے نہ کہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو سُن سکے۔	۳۸۱
حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۷۴	کسی نے پُوچھا "تو نے اپنی عورت کو کیا کیا" اس نے جواب میں اگر یہ کہا "اپنے دل میں طلاق دے دی" طلاق واقع نہ ہوئی۔ اور اگر یہ کہا "اپنے دل سے طلاق دے دی" ایک رجعی واقع ہوئی۔	۳۸۱
عورت کو حمل ہونا مانع وقوعِ طلاق نہیں۔	۳۷۵	تین طلاق سے عورت نکاح سے بالکل نکل جاتی ہے، تین سے کم میں کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ نکاح سے تو باہر ہو جاتی ہے مگر دوبارہ نکاح کے لئے حلالہ کی ضرورت نہیں۔	۳۸۲

غیر مدخولہ ایک ہی طلاق سے نکاح سے باہر ہو جاتی ہے۔	۳۸۲	لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ جبر نہیں اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی اور اس نشہ میں طلاق دے دی تو بالاتفاق طلاق ہو جائے گی۔	۳۸۶
طلاق کے جُھوٹے اقرار سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۸۳	کسی نے قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے کر یا ہاتھ پاؤں باندھ کر شراب پلادی اس نشہ میں طلاق دی واقع نہ ہو گی۔	۳۸۶
کچہری نے شوہر کو نوٹس دیا کہ ایک ہفتہ کے اندر اپنی عورت کو اگر نہ لے گئے تو تین طلاق۔ اس سے کچھ نہ ہوگا۔	۳۸۳	جبراً طلاق دلوائی، استثناء یا کلمہ نفی آہستہ کہا کہ مکرہ نہ سُن سکا قضاءِ طلاق ہی ہے دیانۃً طلاق نہیں۔	۳۸۷
صرف گھبراہٹ کا نام جنون نہیں، اس عالم میں طلاق دے گا واقع ہو جائے گی۔	۳۸۳	جبر واکراہ کی طلاق سے بچنے کا حیلہ۔	۳۸۷
عقل زائل نہ ہو تو غصّہ کی حالت میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، ایسی تحریر سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۸۳	مجنون نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی۔	۳۸۷
جنون کے ثبوت کے لئے گواہان عادل یا پہلے بھی جنون طاری ہوتا ہے۔	۳۸۴	شوہر موجود نہ ہو اور عورت بیقین جانتی ہو کہ شوہر طلاق دے چکا ہے تو عدّت کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن واپس آکر اگر شوہر نے انکار کیا تو گواہوں کے ذریعہ ثابت کرنا ہوگا۔	۳۸۸
گواہان عادل سے جنون ثابت ہو تو طلاق واقع نہ ہو گی۔	۳۸۵	تین طلاق سے عورت مغلظہ قابلِ حلالہ ہو جاتی ہے، ایسی عورت سے طلاق کی ہمبستری زنا ہے، اگر مسئلہ جانتے ہوئے ایسا کیا تو زانی، اولاد ولد الزناء اور ترکہ پدری سے محروم۔ اور ایسا شخص قابلِ خلافتِ وسجادہ نشینی نہیں۔	۳۸۹
جس کے بارے میں معلوم ومشہور ہو کہ غصہ آتا ہے تو عقل جاتی رہتی ہے، اس کی طلاق بھی اس عالم میں واقع نہ ہو گی۔	۳۸۵	حلالہ کی صورت کیا ہے۔	۳۸۹
جبر واکراہ کے ساتھ بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔	۳۸۵	نابالغہ اور نابالغ کا نکاح بذریعہ ولی کے ہو سکتا ہے	۳۹۰
نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ۔ شیشہ پر پتھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چھوٹ پڑے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔	۳۸۵	باپ نے نو دس سالہ لڑکی کا نکاح چوبیس سالہ لڑکے سے کر دیا تو درست ہے۔	۳۹۰
اجبار شرعی کی صورت میں اگر صرف تحریر دی زبان سے کچھ نہ کہا تو طلاق واقع نہ ہو گی۔	۳۸۵		

امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر شریف بوقتِ نکاح کیا تھی۔	۳۹۰	وہابیہ محمد بن اسحاق کے مقلد ہیں اور انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر صریح تبرّا لکھے ہیں۔	۳۹۶
بغیر ولی کے نابالغہ کا اشارۃً یا خود زبان سے صراحۃً ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں۔	۳۹۰	امام مالک اور امام ہشام بن عروہ تبع تابعین سے ہیں اور امام بخاری سے علمِ حدیث وعلمِ فقہ میں بدرجہا افضل ہیں۔	۳۹۶
بالغ شوہر نے عورت کو طلاق دی، یہ واقع ہے عورت راضی ہو یا ناراض۔	۳۹۰	ابن اسحٰق دجّال وکذّاب ہے۔	۳۹۶
خلوت ہوچکی تو عدّت واجب، حیض والی کے لئے تین حیض، ورنہ تین ماہ۔ اگر خلوت نہیں ہوئی تو عدت لازم نہیں۔	۳۹۱	طلاق کے شرعی گواہ موجود ہوں تو شوہر کے قول قسم کسی کا اعتبار نہیں۔	۳۹۶
بے اضافت طلاق میں نیت شرط ہے، بے نیت کہے گا طلاق نہ ہوگی۔	۳۹۲	عورت طلاق ثابت نہ کرسکے اور بیقین جانتی ہو کہ طلاق دی ہے تو جس طرح ممکن ہو شوہر سے چھٹکارا حاصل کرلے۔	۳۹۶
"جا، طلاق طلاق طلاق دادم" اگر قسم کھا کر کہہ دے دونوں سے نیتِ طلاق نہ تھی مان لیں گے۔ اگر دونوں پر قسم نہ کھائے یا دوسری بات پر قسم سے انکار کردے تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔ اگر دوم پر حلف لے کہ "طلاق دادم" بہ نیت نہ تھا اور "جا" پر قسم نہ لے تو حاکم تین طلاق کا حکم دے گا۔	۳۹۲	باجماع ائمہ اربعہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہیں	۳۹۷
دھمکی کی نیت سے طلاق دی واقع ہے۔	۳۹۵	ایک مجلس میں تین دے کر رجعت کی نیت جائز نہیں۔	۳۹۸
صریح لفظ محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۳۹۵	بنیت حلالہ عورت کا بغیر اذنِ ولی کفو میں نکاح کرلینا صحیح ہے۔	۳۹۸
ثقہ گواہوں سے طلاق کا ثبوت ہو تو شوہر کے انکار کا اعتبار نہیں۔	۳۹۵	شوہر ثانی کی طلاق کے بغیر بنیت حلالہ نکاح کرنیوالی کسی اور سے نکاح نہیں کرسکتی۔	۳۹۸
ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ایک ہونا، چاروں اماموں کے مذہب کے خلاف ہے۔	۳۹۵	مطلقہ مغلظہ کو شوہر ثانی نے صحبت کئے بغیر طلاق دے دی تو شوہر اوّل کے لئے حلال نہ ہوئی۔	۳۹۸
وہابیہ کا قدیمی داب۔	۳۹۵	طلاق کے بغیر عورت کا نکاح کسی اور سے کرنیوالے یا بلاصحبت شوہر ثانی کے طلاق دینے کی صورت میں شوہر اوّل سے نکاح کرانے والے زناء کے دلال ہیں۔	۳۹۸

رضا بالحرام حرام بلکہ بعض دفعہ کُفر ہوتی ہے۔	۳۹۸	مطلقہ مغلظہ سے دورانِ عدّت وطی کرنیوالے پر حد جاری ہوگی۔	۴۰۰
حلالہ بغیر وطی زوجِ ثانی صحیح نہیں۔	۳۹۸	ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح حرام وباطل ہے۔	۴۰۱
میاں بیوی میں اصلاح اور مشکل کشائی کی نیت سے کسی حلالہ پر راضی کرنا باعثِ اجر وثواب ہے۔	۳۹۹	صرف طلاق کا سُن کر عدت میں نکاح پڑھادینے والے گنہگار ہیں ان پر توبہ فرض ہے۔	۴۰۱
جھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق یا ناحق کو حق بنانا یہودیوں کی خصلت ہے۔	۳۹۹	سیّد علی ترمذی کی طرح منسوب کی گئی کتاب ارشاد الطالبین کی عبارت کے بارے میں سوال۔	۴۰۱
رسم باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پروانہ کرنا کافروں کی عادت ہے۔	۳۹۹	جاہلوں سے ذات وصفات کے دقیق مسائل پُوچھنا ناجائز ہے۔	۴۰۳
لڑکے اور لڑکی کو جب آثار بلوغ ظاہر ہوں تو اس وقت سے وُہ بالغ ہیں اور اگر آثارِ بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس عمر پوری ہونے پر بالغ سمجھے جائیں گے۔	۳۹۹	جو کسی مسلمان کے لئے چاہے کہ کافر ہوجائے اس کے ہونے سے پہلے وُہ خود کافر ہوگیا۔	۴۰۳
بالغ کو اپنے نکاح میں ولی کی اصلاً ضرورت نہیں۔	۳۹۹	مرتدہ اور مرتد کا نکاح جہاں بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا جس سے ہوگا محض زناء ہوگا۔	۴۰۳
بالغہ کو اپنے نکاح میں ولی کی ضرورت نہیں جبکہ نکاح کفو سے ہو یا غیر کفو سے ہو مگر اس کا کوئی ولی ہو ورنہ جب تک ولی قبل نکاح اس غیر کفو کو غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دے گا بالغہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔	۳۹۹	عورت مرتدہ ہوجائے تو حلالہ سے چھٹکارا نہیں مسلمان ہوگی تو پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی۔	۴۰۳
مسئلہ شرعیہ محلِ استہزا نہیں ہوتا، ایسا کرنے والا گنہگار ہے اس پر توبہ فرض ہے۔	۳۹۹	حکم علی ترمذی کا نہیں محمّد مدنی کا ہے۔	
اقرار طلاق سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔	۴۰۰	ایک جلسہ میں تین طلاقوں کو ایک ماننا جمہور اسلام کے خلاف ابن قیّم ظاہری کا مذہب ہے۔	۴۰۴
تین طلاق کے بعد عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے جب تک حلالہ نہ ہو۔	۴۰۰	سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان اقدس میں کلماتِ گستاخی بکنے والا کُھلا رافضی ہے۔	۴۰۴
عورت کو تین طلاق دے کر عدّت میں وطی کرنا زناء خالص ہے جبکہ اس کی حُرمت کا علم ہو۔	۴۰۰	تین طلاق کے بعد عورت بغیر حلالہ جائز نہیں۔	۴۰۶
مسلمانوں کو حرام کار مرد وعورت سے مقاطعہ کرنالازم ہے۔	۴۰۰	آیت کریمہ الطّلاق مرّتٰن کا شان نزول۔	۴۰۷

تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا متفرق، ان کے بعد بغیر حلالہ عورت جائز نہیں۔	۴۰۷	نکاح میں حلالہ کی شرط لگانا گناہ ہے اور بے شرط لگائے دل میں ارادہ ہو تو اس پر اجر کی اُمید ہے۔	۴۰۹
مطلقہ حائضہ کی عدت۔	۴۰۸	حدیث لعن اللہ المحلل والمحلل لہ 'کا مطلب۔	۴۰۹
مطلّقہ صغیرہ اور آئسہ کی عدّت۔	۴۰۸	ایک بار میں تین طلاق باجماعِ ائمہ تین ہیں۔	۴۱۰
مطلقہ حاملہ کی عدت۔	۴۰۸	ایک مجلس میں تین طلاق کے بعد حلالہ ضروری ہے۔	۴۱۰
کفو کسے کہتے ہیں۔	۴۰۸	مسئلہ طلاقِ ثلاثہ در مجلس واحد پر اجماع کی تحریر۔	۴۱۰
غیر کفو میں عورت کا نکاح کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۴۰۸	پوسٹ کارڈ پر تین طلاق ایک ساتھ لکھی تین واقع ہو گئیں۔	۴۱۳
نکاح کے لئے قاضی یا وکیل یا برادری کے لوگوں کی ضرورت نہیں۔	۴۰۸	تحریری طلاق میں عورت کا حاملہ ہونا یا کسی کو وکیل نہ بنانا منافی طلاق نہیں۔	۴۱۳
مرد عورت دو ۲ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں نکاح ہوجائے گا۔	۴۰۸	کوئی تحریر بے شہادت یا اقرار کاتب مسلم نہیں ہوسکتی اگرچہ خط اسی کا معلوم ہوتا ہو۔	۴۱۵
نکاح ثانی کے لئے مرد کو پہلی بیوی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔	۴۰۸	خط خط کے مہر مہر کے مشابہ ہوسکتی ہے۔	۴۱۵
عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کرلیا تو یہ نکاح نہیں نرا حرام ہوا۔	۴۰۸	تحریر سے طلاق اس وقت پڑتی ہے کہ شوہر کو اقرار ہو کہ تحریر میری ہے۔	۴۱۵
دورانِ عدّت نکاح کرنیوالے سے عورت کو فوراً جدا کردیا جائے، اگر نہ مانے تو اسے برادری سے خارج کردیا جائے۔	۴۰۸	طلاق کی گواہی میں شوہر اگر موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کرکے اور موجود نہ ہو تو باپ دادا کے نام کا ذکر ضروری ہے، بے اس کے گواہی ناقص۔	۴۱۵
ایک شخص نے کسی عورت کو رکھا اب اس کی بیٹی کو رکھتا ہے تو وُہ اس پر ضرور حرام ہے چاہے بلانکاح رکھے یا نکاح کرسکے۔	۴۰۸	طلاق میں زبان سے کہنا ضروری نہیں تحریر کافی ہے جبکہ بلاجبر واکراہ شرعی ہو۔	۴۱۶
حرامکار مرد وعورت سے برادری والوں کو مکمل مقاطعہ کرنا ضروری ہے۔	۴۰۸	الکتاب کالخطاب۔	۴۱۶
		طلاق دی چھوڑ دیا، صریح طلاق کے الفاظ ہیں۔	۴۱۶

"واسطہ نہیں رہا" کنایہ ہے، سابقہ دو صریح طلاقیں وقوعِ طلاق کا قرینہ بن جائیں گی۔	۴۱۶	طلاق کو شرائط پر موقوف کیا شرائط نہ پائے گئے طلاق واقع نہ ہوئی۔	۴۲۰
شوہر نے کاتب سے کہا دستبرداری کی تحریر لکھ دو، اس نے تین طلاقیں لکھ دیں سُن کر اُنہیں عورت کے پاس بھیج دیا، تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۴۱۸	عورت طلاق کی دعویدار ہے گواہی میں اس کے بھائی ہیں اور شوہر غائب ہے، ناکح کا دل عورت کے بیان پر جمے اور عدت گزر چکی ہو تو نکاح کرسکتا ہے۔	۴۲۱
ثبوتِ خط کے لئے اس کا اقرار یا گواہاں عادل کی شہادت درکار ہے۔	۴۱۸	آج کل عادل شخص کا ملنا دشوار ہے۔	۴۲۱
قرائن سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خط فلاں کا ہے۔	۴۱۹	عادلہ عورت کا صرف اتنا بیان ہی کہ مجھے طلاق ہوگئی اور عدت گزر گئی جوازِ نکاح کے لئے کافی۔	۴۲۱
خط مشابہ خط اور خاتم مشابہ خاتم ہوسکتی ہے۔	۴۱۹	طلاق کے ایک گول مول سوال پر تنبیہ۔	۴۲۲
عورت کو شوہر کی تحریر ہونے کا اعتبار ہے، اور وُہ انکار نہ کرے تو اس کے موافق عمل کرسکتی ہے۔	۴۱۹	تحریری طلاق میں شوہر کا اقرار یا گواہانِ عادل سے اس کا ثبوت ضروری ہے۔	۴۲۲
شوہر نے کہا "تجھے تین طلاق اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی"۔ "رکھی" میں دو احتمال ہیں ہائے مجہولہ ومعروفہ۔ اول میں اس قول کے بعد کچھ چھپائے گی طلاق پڑے گی، اور ثانی میں چھپایا ہو تو اسی وقت پڑ گئی۔	۴۱۹	طلاق نامہ میں شوہر کا یہ لکھنا کہ میں نے عدت معاف کی، جاہلانہ بات ہے، اس سے عدّت ساقط نہیں ہوتی۔	۴۲۳
فارغ خطی باقاعدہ لکھا کہ میں فلاں ابن فلاں اپنی زوجہ فلاں کو طلاق دیتا ہوں، تو اگرچہ زوجہ کو اس کی اطلاع نہ دی طلاق واقع ہوگئی۔	۴۱۹	دورانِ عدت عورت سے نکاح باطل ہے۔	۴۲۳
معاہدوں میں دستاویز کا لکھنا حسبِ عرف معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔	۴۲۰	محلل جب تک نکاح صحیح کے بعد وطی نہ کرے عورت شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی۔	۴۲۳
المشروط عرفاً کالمشروط لفظاً۔	۴۲۰	نکاح فاسد وموقوف حلالہ کے لئے کافی نہیں نکاح نافذ ضروری ہے۔	۴۲۳
عورت سے شوہر نے کہا "تُو مہر معاف کردے تو میں طلاق دوں"۔ اس نے مہر معاف کردی لیکن شوہر نے طلاق نہ دی۔ مہر معاف نہ ہوا۔	۴۲۰	گواہوں کے سامنے طلاق دی، اب انکاری ہے، اگر گواہ عادل ہوں اس کا انکار نہ سنا جائے گا۔	۴۲۳

گواہ عادل نہ ہوں اور عورت کے سامنے طلاق نہ ہو تو عورت شوہر سے حلف لے اگر قسم کھاکر طلاق سے انکار کردے تو عورت خود کو اس کی زوجہ سمجھے، اور عورت کے سامنے طلاق دے کر مکر گیا اور گواہ نہ ہوں تو عورت ہر ممکن صورت سے اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔	۴۲۳	جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام اور مخالفانِ دین کی طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے۔	۴۲۶
جو مطلقہ ثلاثہ تین طلاق دینے والے شوہر سے کسی طور پر چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر نہیں اور بالکل بے بس ہے وُہ کبھی بھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشور کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال صرف شوہر پر ہے۔	۴۲۴	عورت پر جب طلاق بائن پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی اب شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا۔	۴۲۷
خطوط سے طلاق کا ثبوت، شوہر کے اقرار یا گواہانِ عادل کی گواہی پر موقوف ہے۔	۴۲۴	"تو میرے پاس سے چلی جا" حالتِ مذاکرہ میں بھی نیت طلاق کی ضرورت ہے۔	۴۲۷
ثبوت تحریر کے بعد، وقت تحریر سے طلاق مانی جائے گی اور عدت کے اندر جتنی بار خط آیا سب جدید طلاقیں مانی جائیں گی۔	۴۲۴	"تجھ کو اختیار ہے جو چاہے کر" حالتِ مذاکرہ میں نیتِ طلاق کی ضرورت نہیں۔	۴۲۷
تاسیس اولٰی ہے بنسبت تاکید کے۔	۴۲۵	صریح کے بعد بائن طلاق دی تو وہ صریح بھی بائن ہوجائے گی۔	۴۲۷
طلاق صریح غیر کو لاحق ہوجاتی ہے۔	۴۲۵	عدت اسی وقت سے لی جائے گی جب سے طلاق بائن دی اگرچہ حالت حیض میں دی ہو۔	۴۲۷
اگر بعض خطوط سے یہ پتا چلے کہ پہلے کے طلاق کی خبر دے رہا ہے تو اس کو انشاء نہ قرار دیں گے۔	۴۲۵	تمام احکامِ عدت وقتِ طلاق سے ثابت ہوجائیں گے۔	۴۲۷
اگر بذریعہ خط طلاق دینے والا منکر ہو اور شہادت کافیہ نہ ہو تو اصلاً ثبت طلاق نہ ہوگا۔	۴۲۵	جس حیض میں طلاق دی وُہ عدت میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے۔	۴۲۷
شان خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔	۴۲۵	طلاق بائن پڑتے ہی مہر واجب الاداء ہوگیا	۴۲۷
اگر بذریعہ خط طلاق دے کر انکار کرنے والا اگر اس انکار میں جھوٹا ہے تو اس کا لینے والا خدا ہے، عورت اس وبال سے پاک اور جُدا ہے۔	۴۲۶	طلاق دے کر میاں بیوی دونوں منکر ہوجائیں تو باہم تعلقات حرام اور جماع زنا ہے۔	۴۲۷
		طلاق کی گواہی کے لئے دعوٰی ضروری نہیں کوئی دعوٰی نہ کرے تو گواہوں پر فرض ہے کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں۔	۴۲۸

قاضی پر لازم ہے کہ حد خالص، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوٰی بھی شہادت سُنے۔	۴۲۸	شوہر کا انکار طلاق ثقہ گواہوں کی موجودگی میں اصلاً مسموع نہ ہوگا۔	۴۳۲
حقوق العباد میں قبول شہادت کے لئے تقدم دعوٰی شرط ہے حقوق اللہ میں شرط نہیں۔	۴۲۸	بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعًا قبول ہے۔	۴۳۲
گواہوں کو طلاق کی تعداد یاد نہ ہو اور شوہر ایک کی قسم کھالے تو اس کی قسم کا اعتبار ہے۔	۴۲۹	طلاق کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ کافی ہیں۔	۴۳۲
فاسق گواہوں کے ذریعہ دُنیوی کچہری سے ڈگری حاصل کرلینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۴۲۹	طلاق کی آواز سُنی، دینے والے کو دیکھا نہیں، گواہی نہیں دے سکتے۔	۴۳۳
اغواء کرنے والے کو برادری سے خارج کرنا اور اس سے میل جول چھوڑ دینا لازم ہے۔	۴۲۹	فلاں کو طلاق دی۔ "دی" کا لفظ تین بار کہنے سے تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی۔	۴۳۳
طلاق کے گواہوں میں ایک لڑکا بارہ چودہ سال کا 'ایک عورت کی ماں ایک بھاوج اور ایک اجنبی عورت۔ پھر طلاق کی تعداد میں ان کے درمیان اختلاف۔ ان مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۳۰	اگر فی الواقع تین طلاق دے دے تو اس پر فرض ہے کہ عورت کو چھوڑ دے اور بغیر حلالہ اس کو ہاتھ نہ لگائے۔	۴۳۳
تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔	۴۳۰	مطلقہ ثلاثہ کو حلالہ کے بغیر رکھنے والا شوہر مبتلائے زنا ہوگا اور مستحق عذاب شدید ہوگا۔	۴۳۳
فرع کی گواہی اصل کے لئے اور اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہیں۔	۴۳۰	جبکہ زید نے تین بار جُدا جُدا یہ الفاظ اپنی زبان سے کہے "میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی" اگرچہ دھمکانے جبر واکراہ سے اگرچہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی اور تھا اس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی۔	۴۳۳
امام صاحب کے نزدیک شہادت میں لفظًا اور معنًی جتنے پر اتفاق ہو وُہ ثابت ہے۔	۴۳۱	مرد نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے اس دو یا تین بیویاں ہے ان میں سے ایک کو طلاق ہوگئی اس کی تعیین کا اختیار شوہر کو ہے۔	۴۳۳
اختلافِ شہود موجب رَدِّ شہادت ہے۔	۴۳۱	دو بیویوں کے شوہر نے خالی الذہن ہو کر کسی لفظ سے کسی کی نیت کئے بغیر اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ تفریق کرسکتا ہے یعنی ایک پر ایک اور دوسری پر دو ڈال سکتا ہے۔	۴۳۴

ایک شخص کی دو۲ عورتیں ہیں، اس نے کہا "اپنی عورت کو طلاق دی" کسی کی تصریح نہ کی، اس کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۳۶	جو شخص زید سے عداوت ظاہرہ دنیویہ اس حد تک رکھنے والا ہو کہ اس کے باعث زید کے حق میں متہم ہو تو اس کی گواہی ضرر زید پر قبول نہیں۔	۴۴۰
مسئلہ مذکورہ بالا کل اٹھاون ۵۸ صورتوں کا تفصیلی بیان اور ان کے احکام۔	۴۳۶	انقضاءِ عدت کو اجنبی اور محلیت طلاق سے خارج کردیتی ہے۔	۴۴۱
مذکورہ اٹھاون صورتوں کا حکم چار اصل کلی سے نکل سکتا ہے۔	۴۳۷	نشہ والے کی بیوی بھاگی اور وہ اس کے پیچھے گیا مگر اسے نہ پاسکا اور کہا "سہ طلاق" اگر کہتا ہے کہ بیوی مراد تھی تو طلاق ہوگئی۔	۴۴۱
زنِ غیر مدخولہ تفریق طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتی۔	۴۳۷	"اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق" کہنے سے طلاق ہوگی یا نہیں۔	۴۴۲
مدخولہ جمعًا و تفریقًا تین طلاق تک کی صالحہ ہے زیادہ کی نہیں کہ تین سے آگے طلاق ہی نہیں۔	۴۳۷	بیوی سے مرد نے کہا "ان خرجت یقع الطلاق" یا یُوں کہا "میرے اذن کے بغیر مت نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے"۔ وہ عورت نکلی تو طلاق نہ ہوگی۔	۴۴۲
کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے۔	۴۳۷	مرد طلاق نہ دینے کی قسم کھائے اور عورت طلاق دینے کی، اعتبار شوہر کی قسم کا ہوگا، لیکن عورت جس طرح ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرے۔	۴۴۳
ایسا دعوی جسمیں کوئی حصہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم نہ کریں گے۔	۴۳۸	گواہ ثقہ اور عادل ہوں تو شوہر کا انکار کچھ کام نہ دے گا، طلاق ثابت ہوجائے گی۔	۴۴۴
جسکے پاس دو۲ زوجہ ہوں وہ بلا تعیین اپنی عورت کو طلاق دے دے تو اس کو اختیار ہے کہ وُہ طلاق جس کی طرف چاہے پھیر دے تعیینِ مطلقہ میں اس کا بیان معتبر ہوگا جب تک اس کے قبول میں کلام کا لغو ہونا لازم آتا ہو۔	۴۳۸	گواہ ثقہ عادل نہ ہو اور شوہر منکرِ طلاق ہو تو اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۴۴۴
زید دو طلاق کا اقراری ہے۔ عمرو ہندہ وصفیہ بیان کرتے ہیں کہ ہم سے کہا کہ "تین طلاق دیتا ہوں" ایسی صورت میں طلاق مغلّظہ نہ ثابت ہونے کا بیان۔	۴۴۰	گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو قسم لینے کے لئے عورت کا شوہر منکرِ طلاق سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے۔	۴۴۴
آج کل عدالت شرعیہ مردوں میں کم ہے اور زنان ناقصات العقل میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں۔	۴۴۰		

دو طلاقیں فلاں کی لڑکی اور فلاں کہہ کردیں اور تیسری میں عورت کا نام لیا تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۴۴۴	دوسرے کی دی ہوئی طلاق جب تک شوہر نافذ نہ کرے محض بے اثر ہوتی ہے۔	۴۴۷
مرسوم ومعہود وتحریر مطلقًا معتبر وموجب وقوعِ طلاق ہے جبکہ بلااکراہ ہو۔	۴۴۵	تحریر سے شوہر کا اقرار یا ثبوت ضروری ہے۔	۴۴۷
طلاق نامے کی تحریر پر زن واولیاءِ زن کہاں تک کاربند ہوسکتے ہیں، اس کی تین صورتیں ہیں۔	۴۴۵	شوہر نے دوسرے کو کہا کہ میری بیوی کو اس کی طلاق کی خبر دے دو یا اس کو کہہ دو کہ وہ طلاق والی ہے یا اس کو لکھ دو کہ وُہ طلاق والی ہے تو طلاق فی الحال واقع ہوجائے گی۔	۴۴۸
تحریری طلاق نامہ بصیغہ رجسٹری ہی کیوں نہ ہو شوہر انکار کردے تو ثبوت کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوگی۔	۴۴۵	"آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردیں" اس جملہ سے مذاکرہ یا نیت کے ساتھ طلاق پڑجائے گی۔	۴۴۸
قاضی حجتِ شرعیہ کے ساتھ فیصلہ کرے گا، نہ مجرد خط کے ساتھ کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوسکتا ہے۔	۴۴۵	طلاق صریح جب بائن کو لاحق ہو تو بائن ہوجاتی ہے۔	۴۵۰
شوہر کے اقرار وانکار کا پتا نہ چلے تو عمل غلبہ ظن پر ہوگا اور اگر شوہر آکر انکار کردے تو یہ غلبہ ظن کام نہ دے گا۔	۴۴۵	خط اس کو سُنادیں تاکہ طلاق شرعًا اس پر واجب ہوجائے، طلاق معلّق ہے۔	۴۵۰
کافی لرخصۃ العمل اور مغنی حاجت الاثبات میں شرعًا فرق زمین وآسمان کا ہے۔	۴۴۵	میں نے پانی زوجہ کو علیحدہ کردیا طلاق بائن ہے۔	۴۵۱
یہ تحریر کہ میری عورت کو کہہ دینا کہ میں نے ایک طلاق اپنی عورت کو دی، تحریر کے وقت سے ہی طلاق واقع ہوگئی چاہے کوئی عورت کو اطلاع دے یا نہ دے۔	۴۴۷	کسی نے پوچھا "اپنی زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دی" اس نے کہا "ہاں"۔ یہ نیت طلاق کا بیان ہے۔	۴۵۱
طلاق رجعی میں ایّام عدت کے اندر زبان سے رجعت کرسکتا ہے عورت کی رضامندی ضروری نہیں۔	۴۴۷	صریح طلاق میں نیّت کی ضرورت نہیں۔	۴۵۱
طلاق رجعی کی صورت میں عدت گزر جائے تو شوہر عورت کی رضامندی سے بلاحلالہ از سرِ نو نکاح کرسکتا ہے۔	۴۴۷	طلاق خود تحریر کرنا یا دوسرے کے لکھے ہوئے کو سُن کر اپنے دستخط کردینا ایک ہے۔	۴۵۱

خوفِ برادری کہ حدِ اکراہ تک نہ ہو کوئی عذر نہیں۔	۴۵۱	شوہر کو شک ہو کہ دو طلاقیں تھیں یا تین، تو دو ہی سمجھی جائیں گی جب تک گواہوں سے تین ثابت نہ ہوں۔	۴۵۷
آج سے اس قدر ماہوار ماہ بماہ دیا کرے گا، نہ دے تو طلاق واقع ہوگی۔ اس صورت میں ایک مہینہ گزر گیا اور نہ دیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔	۴۵۲	"میں نے تجھ کو طلاق دی میرے گھر سے نکل جا" دو بار کہا اور لفظ "نکل جا" سے ایک بار بھی نیتِ طلاق کی تو تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۴۵۷
شوہر کے خط پر اطمینان ہو کہ اسی کا لکھا ہوا ہے تو عورت اپنے کو مطلقہ تصور کرسکتی ہے۔ لیکن پردیس سے آکر انکار کرے تو گواہوں کی ضرورت ہوگی۔	۴۵۲	لفظ "گھر سے نکل جا" رَد کا احتمال بھی رکھتا ہے اس لئے حالتِ مذاکرہ میں بھی نیت کی ضرورت ہے۔ ۴۵۷ عورت کو حرام سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ لفظ بائن زبان سے کہے بائن ہوگی نیت کی ضرورت نہیں۔	۴۵۸
میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں طلاق کے گواہ عورت کے معتبر ہوں گے۔ اگر گواہ عادل نہ ہوں تو شوہر سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، شوہر کے گواہ پیش نہیں ہوسکتے۔	۴۵۳	ایک یا دو طلاق دے کر نکاح کیا تو حل جدید کے ساتھ نہ لوٹے گی۔	۴۵۹
زوجہ نے دعوی کیا کہ شوہر نے مجھے یہ کہہ کر گھر سے نکال دیا کہ "میری ماں کی وصیّت ہے کہ اگر اپنی بیوی کو زوجیت میں رکھے گا میں حشر میں دامنگیر ہوں گی" اس سے طلاق نہ ثابت ہوگی بلکہ اتنا اگر خود شوہر اقرار کرے تو اس سے بھی طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۴۵۳	ایک مجلس کی تین، تین ہی ہیں۔	۴۵۹
عورت کو گھر سے نکال دینا طلاق نہیں جب تک زبان سے بنیت طلاق نہ کہے کہ نکل جا۔	۴۵۳	آن واحد میں تین اکٹھی طلاقیں واقع ہونا کسی آیت وحدیث سے ثابت نہیں تو سیّدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم کہاں سے لیا اور اس پر اجماع کیسے منعقد ہوگیا۔	۴۵۹
لفظ "جا" حالتِ مذاکرہ میں طلاق ثابت کریگا اور اس سے پہلے کی طلاق صریح اس کے لئے مذاکرہ ہوگی۔	۴۵۴	ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع کے منکر مخالفِ سوادِ اعظم ہیں۔	۴۵۹
طلاق بائن سے عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۴۵۵	حکم عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ حکمِ خدا ہے۔	۴۵۹
زبان سے کہا طلاق دیتا ہوں، طلاق نامہ لکھا گیا میں تجھ کو تلاخ دیتا ہوں، گواہ ایک عورت، اس مسئلہ کی مختلف صورتوں کے احکام۔	۴۵۵	حق سبحٰنہ وتعالٰی نے حقِ عمر میں فرمایا "لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم"	۴۵۹

طلاق دے کر گھر میں ڈال لینے کی مختلف صورتوں کے احکام۔	۴۶۰	غیر محرم عورت کو بلا نکاح اپنے مکان میں رکھنا اور خلوت میں اس کے ساتھ ہونا فسق ہے۔	۴۶۳
دیدہ دانستہ غلط طلاق کی شہرت دینا حرام اور کارِ ابلیس ہے۔ ایسے لوگ تعزیر کے مستحق ہیں۔	۴۶۰	طلاق کے لئے مالکانہ دینے کا جو رواج ہے اس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔	۴۶۳
طلاق بائن میں بے نکاح، اور رجعی میں بعد عدت بے نکاح اور تین میں بے حلالہ عورت سے ملنا حرام قطعی، جتنے لوگ ایسے شخص کے شریک ہوں سب مرتکبِ حرام فاسق۔	۴۶۲	بطور خلع شوہر کو کچھ رقم دینا جائز ہے چاہے عورت خود دے یا اس کی طرف سے کوئی اور دے۔	۴۶۴
فاسق کی امامت ناجائز ہے۔	۴۶۲	بکر نے لاعلمی میں غیر کی منکوحہ سے نکاح کیا تو گنہگار نہیں۔	۴۶۴
جو فاسق کو امامت پر برقرار رکھے گا گنہگار ہوگا۔	۴۶۲	منکوحہ غیر سے لاعلمی میں نکاح کرنے والے کی اولاد کا نسب اسی نکاح سے ثابت ہوگا۔	۴۶۴
فاسق قضاءِ شرعی کے عہدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔	۴۶۲	خاوند والی عورت سے علم رکھنے کے باوجود نکاح کیا یا لاعلمی میں کیا اور علم آنے پر اس کو چھوڑا نہیں تو یہ زانی ہے۔	۴۶۴
فاسق کی تقلید ناجائز اور اس کا مقلد گنہ گار ہے۔	۴۶۲	کسی شخص نے خاوند والی عورت سے جان بوجھ کر نکاح کیا تو اولاد شوہر اوّل کی ہوگی۔	۴۶۴
قضاء عرف یعنی نکاح خوانی کا عہدہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے۔	۴۶۲	غیر منکوحہ سے نکاح کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے پڑھ لی تو پھیرنی واجب ہے۔	۴۶۴
نکاح خاص امرِ دین ہے اور عمر بھر صدہا احکامِ دینیہ اس پر متفرع ہوتے رہتے ہیں۔	۴۶۲	طلاق بائن غیر مغلظ کی صورت میں شوہر سے عدت کے اندر بھی نکاح ہوسکتا ہے اور دوسرے سے بعد عدت۔	۴۶۵
فاسق کا امورِ دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں، نہ اس پر کسی بات میں اطمینان۔	۴۶۲	طلاق بائن ہوتے ہی عورت خود مختار ہوجاتی ہے شوہر اول سے نکاح پر مجبور نہیں ہوسکتی۔	۴۶۵
کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے کر اپنی مطلقہ سالی سے نکاح کرلے تو کیا حکم ہے۔	۴۶۲	حلالہ سے بچنے کے لئے مرتد ہونے سے ارتداد کا گناہ الگ رہا اور پھر مسلمان ہونے کے بعد حلالہ بھی ضروری ہے۔	۴۶۶

طلاق کے دو مہینہ کے بعد بکر سے نکاح ہوا۔ اٹھارہ سال بعد وہاں سے بھاگ کر خالد کے پاس گئی، اس عورت پر کس کا دعوٰی صحیح ہے، مسئلہ کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۶۶	متوفی کی بیوی مستحق وراثت ہوتی ہے۔	۴۷۰
امام اعظم کے نزدیک تین حیض کم از کم ساٹھ دن اور صاحبین کے نزدیک اڑتالیس دن میں ہوسکتے ہیں۔ (حاشیہ)	۴۶۶	آلہ بریدگی یا نامردی کے سوا کوئی مرضِ شوہر سببِ فسخ نکاح نہیں۔	۴۷۰
نیت ہو کہ تھوڑے دنوں بعد طلاق دے دوں گا، تو یہ متعہ نہ ہوگا، لیکن ایسی عادت بنانا یا لوگوں کو اس کی ترغیب دینا جائز نہیں۔	۴۶۷	ائمہ شافعیہ کے نزدیک جنون، برص مستحکم اور جذام مستحکم سے خیار فسخ نکاح کے حاصل ہونے کا مطلب۔	۴۷۰
نکاح متعہ اور نکاح مؤقت صحیح نہیں۔	۴۶۸	زوجہ متوفی کا مستحق میراث ہونا نصِ قرآنی سے ثابت۔	۴۷۱
نکاح میں توقیت لفظ سے ہوتی ہے۔	۴۶۸	متوفی کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو چوتھا اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ بطور میراث ملتا ہے۔	۴۷۱
بے ضرورت شرعیہ طلاق شرعًا ممنوع ہے۔	۴۶۸	وراثتِ زوجہ ضروریات دین سے ہے اور تمام فرق اسلام کا اس پر اجماع ہے۔	۴۷۱
بے حاجتِ صحیحہ طلاق مت دو کہ اللہ تعالٰی بہت چکھنے والے مردوں اور عورتوں کو دوست نہیں رکھتا۔ (الحدیث)	۴۶۸	یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعہ وراثت نہیں صریح کلمہ کفر ہے۔	۴۷۱
آیۃ کریمہ "محسنین غیر مسافحین" میں کون سی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔	۴۶۹	عروض جذام کو مزیل نکاح سمجھ کر عورت استحقاق وراثت کا انکار جہل وسفاہت ہے۔	۴۷۲
سیدنا امام حسن مجتبٰی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ایک شبہہ کا ازالہ۔	۴۶۹	بعد زفاف اگر نکاح فسخ بھی ہوجائے تب بھی پورا مہر لازم الادا ہوتا ہے۔	۴۷۲
ایک وقت چار تک عورتیں رکھنے کی شرعی اجازت ہے اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتی۔	۴۶۹	بعد موتِ شوہر زمانہ عدّت یا اس کے بعد کا نان ونفقہ باتفاقِ مذہب صحیح حنفی وشافعی واجب نہیں۔	۴۷۲
نفسِ امّارہ سختی سے دبتا ہے اور ڈھیل دینے سے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔	۴۶۹	نکاح فاسد کی معتدہ اور معتدۃ الموت کا نفقہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ حاملہ ہو۔	۴۷۲
متوفٰی کی زوجہ کو مہر قطعًا ملے گا۔	۴۶۹	ناشزہ کے لئے نفقہ نہیں۔	۴۷۳

نفقہ اگر مفروضہ بحکمِ حاکم ہو تو موت احدالزوجین سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا ہو اور قاضیِ شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا۔	۴۷۳	عورت کو دینی، دُنیوی، جانی اور جسمانی ضرر کا اندیشہ ہو تو شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کی جائے گی۔	۴۷۸
بیمار شوہر پر بھی عورت کا نان ونفقہ واجب ہے جبکہ وُہ عورت اس کی قید میں رہے۔	۴۷۵	ضرر شرعًا واجب الدفع ہے۔	۴۷۸
آوارہ گرد عورت کا نفقہ شوہر کے ذمے لازم نہیں۔	۴۷۵	اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو ضررمت پہنچاؤ۔	۴۷۸
عورت کی طرف سے کوئی بات مسقط نان ونفقہ نہیں ہوئی شوہر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم شوہر کے مجبور کرے کہ وُہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے۔	۴۷۵	ظالم وجابر شوہر کے پاس عورت کے رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔	۴۷۸
شوہر کی رضا سے عورت مہر وغیرہ مال پر خلع کرے تو جائز ہے۔	۴۷۵	شوہر کے ظلم وتعدّی کی وجہ سے عورت مجبورًا والدین کے پاس رہے تو نفقہ شوہر پر لازم ہے۔	۴۷۸
جذامی عورت کے ادائے حقوق پر قادر ہو تو اس طلاق واجب نہیں، قادر نہ ہو تو طلاق دے، طلاق واجب ہو اور نہ دے تو جبرًا ہی طلاق لی جاسکتی ہے۔	۴۷۵	شوہر کسی طرح درست نہ ہو تو اس سے جبرًا طلاق حاصل کی جاسکتی ہے۔	۴۷۹
بے شوہر کے طلاق دیئے طلاق تحصیلدار کے دیئے نہیں ہوتی۔	۴۷۶	ترک واجب گناہ جس پر حاکم سزا دے سکتا ہے۔	۴۷۹
شوہر بڈھا ہو اور عورت کے ادائے حقوق پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے مگر عورت بے طلاق دئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔	۴۷۶	جس معصیت پر حدلاگو نہ ہوتی ہو اس پر تعزیر ہے۔	۴۷۹
موجودہ کچہریوں کے فیصلہ سے شرعًا طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۴۷۷	حنفی مذہب میں شوہر کی زیادتی کی صورت میں بے طلاق عورت خود فسخ نکاح کرے ایسا ممکن نہیں۔	۴۷۹
زید نے واقع میں طلاق نہیں دی ہندہ نے جھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق رجعی دی تھی اور ختمِ عدت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے۔	۴۷۷		

فسخ نکاح کی مختلف صورتیں اور ان کا احکام۔	۴۸۰	تفویض طلاق کی صورت میں اختیار مجلس تک باقی رہتا ہے۔	۴۸۵
وہ صورتیں جن میں فسخ نکاح کے لئے حاجت قضا نہیں ہوتی بلکہ مرد و عورت میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ خود فسخ کردے۔	۴۸۰	"نہ تو میری زوجہ نہ میں تیرا شوہر" اس جملہ سے صاحبین کے نزدیک طلاق واقع نہیں۔	۴۸۶
وہ صورتیں جن میں فسخِ نکاح کیلئے قضاءِ قاضی شرط ہے۔	۴۸۰	طلاق لفظ سے ہے دل کا تصور کچھ نہیں۔	۴۸۷
قاضی شرع نائب شرع مطہر ہوتا ہے۔	۴۸۱	وعدہ اور طلب مشورہ سے طلاق نہیں ہوتی۔	۴۸۷
امامت در نماز حق حکام ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔	۴۸۱	امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ہاں نفقہ نہ دینے پر تفریق نہیں ہے بلکہ ادائے نفقہ پر قادر نہ ہونے پر۔	۴۸۷
جنون موت فسخ نکاح نہیں۔ مقلد قاضی اپنے مذہب کے خلاف حکم نہیں کرسکتا۔	۴۸۱	مسئلہ عنین کی تفصیل۔	۴۸۷
قول مرجوح فتوٰی اور حکم، جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۴۸۲	جو مرد عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا اس پر طلاق دین فرض ورنہ گنہگار و مستحق عذاب ہوگا۔	۴۸۷
مجتہد صدیوں سے مفقود ہے۔	۴۸۲	زندگی شوہر میں بے وقوع طلاق اگر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے تو مردود ہوگا۔	۴۸۸
مذاہب اربعہ سے غیر حنفی قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یا حنفی قاضی جسے سلطان نے منصب قضاء پر مقرر کیا ہو اور اجازت دے رکھی ہو بوقتِ ضرورت قول مرجوح پر فیصلہ کردے تو اس کی قضاء نافذ ہوگی۔	۴۸۲	جنون کی بنیاد پر موجودہ کچہریوں کے حاکم کا نکاح فسخ کرنا باطل ہے۔ اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل۔	۴۸۸
مقلد کس صورت میں قولِ مرجوح یا دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرسکتا ہے۔	۴۸۲	امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم رکھتے ہیں جو راجح و معتمد ہو۔	۴۸۸
مفتی کا قول مرجوح پر فتوٰی باطل ہے نیز کسی دوسرے امام کے مذہب کے مطابق بھی فتوٰی نہیں دے سکتا۔	۴۸۲	علامہ ابراہیم حلبی اسی قول کو تقدیم دیتے ہیں۔ جو مؤید ہو۔	۴۸۹
قاضی مقلد بالقضاء بالمذہب کا کسی دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	زوجین میں سے کسی کو دوسرے کے عیب کی وجہ سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔	۴۸۹
قاضی مقلد مقید بالقضاء بالمذہب کسی دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	احدالزوجین کو خیار عیب حاصل نہ ہونے کے مذہب کے لئے سات ۷ وجوہِ ترجیح۔	۴۹۰
شوہر کی بیماری اور معذوری سبب فسخ نکاح نہیں۔	۴۸۳		

مذہب امام، امام مذاہب سے ہے جس سے بلاوجہ عدول ہرگز جائز نہیں۔	۴۹۰	دیانات اور مذہبی معاملات میں فاسق وغیر مسلم کی بات معتبر نہیں۔	۴۹۴
امام ابویوسف اعظم ارکان مذہب ہیں۔	۴۹۰	تفریق حاکم طلاق بائن ہوتی ہے۔	۴۹۴
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد کے بعد امام ابویوسف کا قول مرجح ومقدم ہے۔	۴۹۰	طلاق میں حائضہ کے لئے تین حیض کی عدت فرض ہے۔	۴۹۴
متون کی جلالتِ شان کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکتی۔	۴۹۰	نامرد کا نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور طلاق ہو تو عورت مہر پائے گی۔	۴۹۴
علماء کی تصریح کے مطابق شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۴۹۰	ثبوت نامردی کے لئے محض سندِ ڈاکٹر ناکافی ونامعتبر ہے۔	۴۹۵
قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس قول پر ہوگا جس پر جزم واعتماد کرنے والے کثیر ہوں۔	۴۹۱	نامرد کا نکاح جائز ہے اگر ہمبستری میں عورت کے حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ فوراً طلاق دے دے۔	۴۹۶
قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس قول پر ہوگا جس پر جزم واعتماد کرنے والے کثیر ہوں۔	۴۹۱	نامرد کا نکاح جائز عورت کے دعوی نامردی پر ہی فسخ نکاح کا حکم نہ ہوگا۔	۴۹۶
امام قاضی خاں کی ترجیح اوروں کی ترجیح پر مقدم ہے۔	۴۹۱	مرد ادائے حقوقِ زوجیت پر قادر نہ ہو تو طلاق دینا فرض ہے۔	۴۹۶
امام قاضی خاں فقیہ النفس ہیں۔	۴۹۱	نامرد شوہر اگر طلاق نہ دے تو عورت اور مرد کسی فقیہ عالم کو پنچ مقرر کریں۔	۴۹۷
جو متون وشروح میں ہے وہ اس پر مقدم ہے جو فتاوٰی میں ہے۔	۴۹۱	مسئلہ تفریق عنین کی تفصیل۔	۴۹۷
مسئلہ جنون پر روایت خلاف کی تردید، اس روایت میں بھی روز مرافعہ سے ایک سال کامل کی مہلت دینی ضروری ہے۔	۴۹۱	اسلام میں ضرر اور ضرار نہیں۔	۴۹۹
مہلت کے بعد عورت کے دعوی ثانیہ تک بدستور میاں بیوی رہیں گے۔	۴۹۲	اگر مرد پنچ مقرر کرنے بھی راضی نہ ہو تو عورت وہاں کے اعلم علماء بلد کے یہاں شوہر کے نامردی کا دعوی پیش کرے۔	۵۰۰
دوبارہ دعوی پیش ہونے پر قاضی عورت کو اختیار دے گا۔ اسی مجلس میں اپنے نفس کو اختیار کیا تو قاضی تفریق کردے گا ورنہ اختیار باطل ہوگا۔	۴۹۲		

مسئلہ تفریق کی تفصیل۔	۵۰۱	اس صورت میں زید البتہ واجب ہے کہ ادائے حق پر قادر نہ ہو توطلاق دے دے۔	۵۰۸
نامرد نے عورت کو طلاق دے دی، اب کچہری میں نالش عدم طلاق کی کرتا ہے گنہگار ہے ہاں اگر عدت باقی تھی اور رجعت کی نزلش کرتا ہے مسموع ہے۔	۵۰۲	ایک اور مسئلہ عنین۔	۵۰۸
مذہب حنفی میں عیب احدالزوجین سے دوسرے کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اختیار ہے مگر یہ خلافِ مذہب ہے، بایں ہمہ ضرورت واقعیہ ہو تو امام محمد کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے۔	۵۰۳	ثبوتِ نامردی کے بعد مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جائے گی، اگر اس میں عورت پر قادر ہوگیا فبہا، ورنہ پھر عورت کے دعوٰی کرنے اور اب بھی نامردی ثابت ہوجانے پر حاکم عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کے پاس رہنا مانے یا جُدائی اگر وہ فورًا کہے گی کہ جدائی چاہتی ہوں تو دونوں میں تفریق کردے گا۔	۵۰۹
عیب احدالزوجین سے حصول خیار کی صورت میں مسئلہ امام محمد کی تفصیل۔	۵۰۴	مفقود الخبر کی بیوی شوہر کی عمر ستر ۷۰ سال ہونے تک انتظار کرے۔	۵۰۹
عیب کی وجہ سے تفریق بے حکم حاکم شرع نہیں ہوسکتی۔	۵۰۶	زوجہ مفقودالخبر کے بارے میں امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کے مذہب کا بیان۔	۵۰۹
جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں جو عالم دین تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو وہ حاکمِ شرعی ہے۔	۵۰۶	مفقودالخبر کی زوجہ کے بارے میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان۔	۵۰۹
نامرد ادائے حق زوجہ پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے اگر مرد ظلمًا طلاق نہ دے تو عورت مسئلہ کو قاضی کے سامنے پیش کرے اور وہ مسئلہ تفریق پر عمل کرائے۔	۵۰۶	ضرورتِ صادقہ میں کسی امام کی تقلید صرف اس مسئلہ میں ان کے مذاہب کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔	۵۱۰
تفریق حاکم سے طلاق بائن ہوجاتی ہے۔	۵۰۷	شوہر نے اپنے طور پر عورت کو مار ڈالا مگر وہ بچ گئی، اس سے طلاق یا تفریق نہ ہوگی۔	۵۱۰
جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں تفریق بین الزوجین کی صورت ہوگی۔	۵۰۷	حنفیّہ کے نزدیک غیبتِ زوج یا عسرت کے سبب عدم ادائے نفقہ باعثِ تفریق نہیں۔	۵۱۰
ایک بار بھی ہمبستری ہوچکی تو دعوی عنینیت کا حق نہیں پہنچتا۔	۵۰۸	عورت کا اندامِ نہانی ناقابلِ ادخال تھا بعد از نکاح کبھی شوہر وزن میں مجامعت نہ ہوسکی اور نہ کوئی اولاد ہوئی اب وہ عورت فوت ہوگئی اس عورت کے کیا کیا حقوق شوہر پر عائد ہوسکتے ہیں۔	۵۱۱

عورت کے عیب کے سبب شوہر کو دعوی فسخ نہیں۔	۵۱۱	طلاق رجعی کے بعض الفاظ۔	۵۳۲
باب الکنایۃ	۵۱۳	تہتّر ۷۳ صورتیں جن بے حاجت نیت طلاق رجعی پڑتی ہے۔	۵۳۲
رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق (طلاق کے کنائی الفاظ کے بیان میں)	۵۱۳	بیس صورتیں جن میں ایک اگرنیت ہو تو اگر طلاق رجعی پڑے گی اور اگرنیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔	۵۴۹
بائن وُہ طلاق ہے جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے۔	۵۱۳	طلاق میں بارہ ۱۲ صورتیں منع ہیں یعنی مرد اُن حال پڑجاتی ہے جب تک عورت پر قید نکاح یا عدت اور مرد کے ہاتھ میں کوئی طلاق باقی ہے۔	۵۵۲
طلاق بائن کی پہلی صورت۔	۵۱۳	فہرست الفاظِ طلاق۔	۵۵۶
طلاق بائن کی دوسری صورت۔	۵۱۴	ان سب صورتوں میں اگرنیت طلاق ہو تو طلاق بائن پڑجائے گی۔	۵۵۶
طلاق بائن کی تیسری صورت۔	۵۱۴	میں تجھے تیرے ہاتھ بیچا کنایہ طلاق ہے اگر کسی عوض کا ذکر نہ کرے اور عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا۔ (حاشیہ)	۵۵۸
طلاق بائن کی چوتھی صورت۔	۵۱۵	فقط جُدا ہوں یا ہوا کافی نہیں، اگرچہ بہ نیت طلاق کہے۔ (حاشیہ)	۵۵۸
ان چاروں صورتوں میں کسی لفظ کی تخصیص نہیں سب الفاظ کا ایک ہی حکم ہے۔	۵۱۵	اگر کہا میں نے تجھے تیرے بھائی، ماموں، چچا یا کسی اجنبی کو دے دیا تو کچھ نہیں۔ (حاشیہ)	۵۵۸
طلاق بائن کی پنچویں صورت۔	۵۱۵	"مجھ میں تجھ میں کچھ نہ رہا" کہنے سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ نیت طلاق کرے۔ (حاشیہ)	۵۵۸
اس صورت میں پنجم کے لئے کچھ الفاظ مقرر ہیں۔	۵۱۵	شوہر نے بیوی کے فارغخطی کے مطالبے پر لکھ بھیجا کہ میری طرف سے تین مرتبہ فارغخطی ہے تو تین طلاقیں ہوگئیں۔	۵۵۹
طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجعت کا اختیار دی جائے گا۔	۵۱۵	جب زید نے تین طلاقیں دے دیں تو مطلقہ کا اس کے پاس جانا حرام محض ہے۔	۵۵۹
طلاق بائن کے بعض الفاظ۔	۵۱۵	مطلقہ ثلثہ کا شوہر اوّل سے بلاحلالہ نکاح نہیں ہوسکتا۔	۵۵۹
ایک سوپچیس ۱۲۵ صورتیں جن میں اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق بائن پڑجائے گی۔	۵۱۵	لفظ فارغخطی معنی طلاق میں صریح ہے۔	۵۵۹
پینتیس صورتیں جن میں بلاحاجت نیت طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا۔	۵۱۵		

صریح محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۵۵۹	طلاق رجعی بائن کولاحق ہونے سے بائن ہوجاتی ہے۔	۵۶۲
طلاق کے بارے میں کون سا لفظ اور کونسا کنایات میں سے ہوتا ہے۔	۵۵۹	اقرار بالطلاق قضاءً طلاق ہے۔	۵۶۳
خط میں لکھا کہ "تجھ فارغخطی دی" تو لکھتے ہین ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر یہ لکھا کہ "خط پہنچے تو تجھے فارغ خطی" تو خط پہنچنے پر طلاق ہوگی۔	۵۶۰	"مانگتا نہیں" الفاظ طلاق میں سے نہیں۔	۵۶۳
ایک دفعہ طلاق تحریر دی دوبارہ پھر طلاق تین لکھ بھیجی۔ اگر پہلے طلاق کی عدت ختم ہوچکی ہے تو یہ واقع نہ ہوگی ورنہ یہ سب وقع ہوں گی۔	۵۶۰	فارغ خطی کے اصلی معنی اور باب طلاق میں اس کے استعمال اور معنٰی کی تشریح۔	۵۶۴
"تو مجھ پر حرام ہے" کہنے سے طلاق نیت پر موقوف نہیں ہوتی اگرچہ طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔	۵۶۰	مرد جس کو اپنی عورت کے طلاق کا اختیار دے، یہ اختیار اسی مجلس تک باقی رہے گا۔	۵۶۴
فارغ خطی عرف میں طلاق صریح ہے کہ عورت کی طرف اس کی اضافت سے طلاق ہی مراد ومفاد ہوتی ہے۔	۵۶۰	مُفوَّض مملک ہوتا ہے۔	۵۶۶
جو لفظ عرف میں طلاق کے لئے غالب الاستعمال ہو وہ طلاق کے لئے صریح ہوگا چاہے کسی لغت کا ہو۔	۵۶۰	مُملَّک اپنی مرضی سے کام کرتا ہے مُملِّک کی مرضی کا پابند نہیں ہوتا۔	۵۶۶
صحیح یہ ہے کہ "طلاق لے" طلاق صریح ہے۔	۵۶۱	وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل نہیں بناسکتا۔	۵۶۶
تاسیس تاکید سے اولٰی ہے۔	۵۶۱	فضولی کے طلاق کا نفاذ شوہر کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے، اجازت کی مختلف شکلوں کا بیان۔	۵۶۶
طلاق بصورت تحریر کیسی مختلف اشکال کا حکم۔	۵۶۱	تحریر طلاق کی تنفیذ کے لئے حرف بحرف پڑھوا کر سُننا ضروری نہیں، مضمون پر مطلع ہونا کافی ہے۔	۵۶۷
بیوی کو کہا "توم،یرے کام کی نہیں" تو بہ نیتِ طلاق، طلاق بائن واقع ہوجقائے گی۔	۵۶۱	طلاق نامہ کے مضمون پر مطلع ہوئے بغیر مہر یا دستخط کردئے، طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۶۸
طلاق رجعی صریح، بائن کو لاحق ہوجاتی ہے۔	۵۶۲	"طلاق دے کر فارقتی دیتا ہوں" اس جملہ سے دو طلاق واقع ہوئیں۔	۵۶۹
اگر اپنی بیوی کو کہا "تو مجھ پر حرام ہوچکی تو بلانیت طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہ صریح ہے مگر یہ بائن کو لاحق نہیں ہوگی اور نہ اس کے بائن لاحق ہوگی کیونکہ یہ بائن ہے۔	۵۶۲	لفظ فارخطی جہاں کے محاورہ میں صریح ہو صریح ہے ورنہ اس سے بائن طلاق واقع ہوگی۔	۵۶۹

دو رجعی طلاقیں ہوں تو عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے، تین طلاقیں ہوجائیں تو بلاحلالہ وُہ عورت شوہر اوّل کے لئے جائز نہیں، اور دو۲ طلاقیں بائن ہوں تو عورت نکاح سے نکل گئی مگر اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے چاہے عدّت گزر چکی ہو یا نہیں۔	۵۶۹	"صفائی دے دیا" یہ لفظ کنایہ ہے نیت ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی۔	۵۷۲
"چھوڑتا ہوں" کا لفظ صریح ہے تین بار کہا تو طلاق مغلّظہ واقع ہوگی۔	۵۷۰	بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی۔ شوہر قسم کھا کر عدمِ نیت طلاق کا قول کرے تو مان لیا جائے گا اور قسم لینے کے لئے قاضی یا پنچ کی ضرورت نہیں، خود عورت بھی شوہر سے یہ قسم لے سکتی ہے۔	۵۷۳
بدیہیات پر اہلِ علم حوالہ طلب نہیں کیا کرتے۔	۵۷۰	لادعوٰی کا لفظ عربی لفظ "انك مجارة" کا ہم معنی ہے نیت ہو تو طلاق بائن ہوگی۔	۵۷۴
جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سُوءِ ادب ہے۔	۵۷۰	شوہر عدم نیت طلاق پر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے وہ انکار کی صورت میں تفریق کردے گا۔	۵۷۵
خسر و داماد میں لڑائی کے دوران داماد کہے کہ "اگر تم کل چھُڑواتے ہو تو میں آج ہی چھوڑتا ہوں" اس سے ایک طلاق رجعی ہوجائے گی۔	۵۷۰	لفظ "لادعوٰی" سے شوہر نے طلاق کی نیت کی تھی اور اب جھوٹی کھالی تو عنداللہ طلاق ہوگئی مگر اس کا وبال شوہر پر ہے عورت پر کوئی الزام نہیں۔	۵۷۵
"دوسرے سے نکاح کردو" بنیت طلاق کہا تو طلاق بائن واقع ہوگی اور عدمِ نیت کے بارے میں شوہر کا قول مقسم معتبر ہوگا۔	۵۷۰	لفظ "لادعوٰی" کا سوال مکرر۔	۵۷۵
"چھوڑدیا میرے کام کی نہیں" سے دو بائن طلاقیں واقع ہوں گی۔	۵۷۱	"وہ میری بیوی نہیں، مجھ کو اس سے غرض نہیں" یہ الفاظ طلاق سے نہیں، نیتِ طلاق ہو تب بھی ان سے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۷۶
طلاق بائن کے بعد عورت دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۱	"وہ میری بیوی نہ رہی، وہ میرے نکاح سے باہر ہے، میرے کام کی نہ رہی" یہ الفاظ کنایہ کے ہیں۔	۵۷۷
"میں نے تجھے چھوڑدیا" صریح ہے اور "تو میرے کام کی نہیں ہے" کنایہ ہے۔	۵۷۱	عوام کا یہ گمان غلط ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۵۷۸
بائن جب رجعی کو لاحق ہو تو اس کو بھی بائن بنادیتی ہے۔	۵۷۱	طلاق بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی مثلاً کہا انت بائن، پھر کہا انت بائن، تو ایک ہی بائن طلاق ہوگی۔	۵۷۸
"تمہارا جہاں جی چاہے چلی جاؤ، دوسرا خاوند کر" یہ الفاظ کنایہ کے ہیں ان سے وقوعِ طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	۵۷۲		

عدم نیت کے بارے میں شوہر کا قول بقسم معتبر ہے۔	۵۷۸	"آزاد کیا" نیتِ طلاق سے کنایہ ہے، یہ لفظ تین دفعہ کہا ایک واقع ہوگی دو لغو ہونگی۔	۵۸۵
جبر واکراہ دربارہ نکاح مخل صحت ونفاذ ولزوم نہیں۔	۵۷۹	طلاق بائن کے بعد زن ومرد اگر راضی ہوں تو شوہر عدت کے اندر یا بعد عدت نکاح جدید کرسکتا ہے۔	۵۸۵
مکرہ کے تمام تصرفات قولیہ منعقد ہوتے ہیں۔	۵۸۰	بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی اگر اس کو خبر قرار دینا ممکن ہو۔	۵۸۵
مکرہ کا نکاح، عتاق اور طلاق لازم ہے۔	۵۸۰	ایک طلاق کے بعد صرف غیر مدخولہ مزید طلاق کی محل نہیں رہتی۔	۵۸۵
"میں بے شادی شدہ ہوں، میرا نکاح کسی سے نہ ہوا، وطن میں میرا کسی سے سروکار نہیں" یہ سب الفاظ طلاق میں سے نہیں۔	۵۸۰	جب تک عدت نہ گزرے زنِ مدخولہ طلاق مفرق ومجموع سب کی محل ہے۔	۵۸۵
عورت بغداد میں ہے شوہر نے کہا بغداد کی ساری عورتیں مطلقہ ہیں، اگر اپنی عورت کی نیت نہ کی طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۸۱	لفظ "حرام" بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے۔	۵۸۶
لفظ وطن بلد وقریہ سے عام ہے۔	۵۸۱	تم نے ایسا کہا" لہٰذا وہ مجھ پر حرام ہے" اس کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اس فعل کو سببِ حُرمت سمجھتا ہے اگر یہی مراد ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۸۶
"میں نے تجھے آزاد کیا" بشرطِ نیت طلاق بائن واقع ہوگی، اور تین کی نیت سے کہا تو تین ہوں گی۔	۵۸۲	یہ جہال کا خیال ہے کہ عورت بے اجازت شوہر گھر سے نکلے تو نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۵۸۶
"چھوڑنا" طلاق صریح کا لفظ ہے "جہاں چاہے چلی جا" کنایہ ہے۔ دونوں لفظ کہے تو پہلے والا صریح بعد والے کنایہ کے لئے قرینہ بن جائے گا۔	۵۸۳	مبنائے باطل پر اقرارِ طلاق محض لغو ہے۔	۵۸۶
اپنی بیوی کو بہن کہا، نہ ظہار کہے نہ طلاق۔ "چھٹی دی" کا لفظ حالتِ غضب میں طلاق کے لئے ہی ہے۔	۵۸۴	"ہم تجھ کو نہ رکھیں گے زمانہ مستقبل کے لئے وعدہ ہے۔ اگر صریح لفظ "طلاق دیں گے" ہو تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔	۵۸۸
"جو شخص شریعتِ مطہرہ کے فتوی پر عمل نہ کریگا گنہگار ومستحق سزاوعذاب ہے۔	۵۸۵	فارسی زبان میں لفظ "طلاق می کنم" کہا تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر "طلاق کنم" کہا تو نہیں ہوگی۔	۵۸۸

لفظ "میکنم" محض حال کے لئے اور لفظ "کنم" محض مستقبل کے لئے، جبکہ عربی میں لفظ "اطلق" حال واستقبال میں دائر ہے۔	۵۸۸	"تو میرے مکان سے نکل جا" کنایاتِ طلاق سے ہے بہ نیت طلاق اس سے طلاق ہوجائے گی۔	۵۹۴
"ہمارے قابل نہ رہی" کنایہ کے الفاظ میں سے ہے لیکن حالت، غضب میں سبّ وشتم کے لئے بھی ہوسکتا ہے اس لئے وقوعِ طلاق کے لئے نیت بہرحال ضروری ہے۔	۵۸۹	شوہر نے بہ نیت طلاق کہا کہ "تواب کوئی شوہر کرلے" تو طلاق بائن واقع ہوگی۔	۵۹۴
عورت کو نکال دینا اور کپڑے وغیرہ چھین لینا دلیلِ غضب ہے نہ کہ دلیلِ طلاق۔	۵۸۹	"مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں" یہ لفظ کنایاتِ طلاق سے ہے کہ بشرطِ نیت اس سے طلاق بائن ہوتی ہے۔	۵۹۴
شوہر "نہ رکھیں گے ہمارے قابل نہ رہی" کہہ کر چلا گیا، صرف اتنی بات سے عورت کو نکاح ثانی ہرگز جائز نہیں۔	۵۸۹	طلاق بائن کے بعد بے تجدید نکاح مباشرت عورت سے حرام ہے۔	۵۹۵
مفقود الخبر کی بیوی کو بے ظہور طلاق موت حقیقۃً یا حکماً ہرگز نکاح ثانی جائز نہیں۔	۵۸۹	اضافت صریحہ نہ ہو تو مدار شوہر کی نیت پر ہے۔	۵۹۶
"جس سے چاہے مباشرت کر جسے چاہے خاوند بنا، مجھ تجھ سے تعلق نہ رہا" یہ تینوں الفاظ کنائی ہیں۔ تیسرے کے لئے حالتِ غضب میں نیت کی ضرورت نہیں۔ ان تینوں لفظوں کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۵۹۰	لفظ "آزاد کیا" سے طلاق بائن ثابت ہوجاتی ہے۔	۵۹۷
"مجھے اس سے کام نہیں، میں اس کو نہیں رکھوں گا، رکھوں تو اسی کا دُودھ پیوں" یہ الفاظ طلاق کے نہیں ہیں۔	۵۹۲	عام حالت میں وقت تحریر نوٹس سے طلاق مانی جائے گی۔	۵۹۷
مرد نے کہا کہ "اگر بیوی کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دودھ پیوں" یہ نہ تو ایلاء ہے اور نہ ہی قسم، لہٰذا کفارہ لازم نہیں۔	۵۹۲	کون سی عدت کا عورت نفقہ پاتی ہے اور کونسی عدت کا نہیں پاتی۔	۵۹۸
بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔	۵۹۳	تطفل علی الخیریہ۔	۵۹۸
اگر کوئی یُوں کہے کے "اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی، چور یا شرابی ہوں" تو حالف نہیں ہوگا۔	۵۹۳	"مجھے تجھ سے سروکار نہیں" لفظِ طلاق میں سے نہیں۔	۶۰۰
الفاظ کنائی سے متعلق ایک فتوی کی تنقید۔	۵۹۳		

شوہر نے کہا "میرے قول مجھے تجھ سے کو سروکار نہیں' کو طلاق سمجھو" اس سے بھی طلاق نہ ہوگی۔	۶۰۱	خط سے اس وقت تک طلاق نہیں ہوتی جب تک شوہر خط لکھنے کا اقرار نہ کرے۔	۶۰۸
جو شرعًا معتبر نہ ہو اس کو معتبر بنانا کسی کے بس میں نہیں۔	۶۰۲	میرا اس کا کوئی تعلق نہیں بنیتِ طلاق طلاق ہے۔	۶۰۸
سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ کہے کہ "میں نے اس کو واقع کیا۔	۶۰۲	گول مول سوال پر فہمائش۔	۶۰۹
مرد نے بیوی سے کہا "تو یہ گمان کرلے کہ تو طلاق والی ہے" تو طلاق نہ ہوگی۔	۶۰۲	چودہ برس کی لڑکی میں بلوغ وعدمِ بلوغ دونوں محتمل ہیں۔	۶۰۹
"کسی مصلحت سے اپنی عورت کی زوجیت سے انکار کیا تو جُھوٹے حلف پر گنہگار ہوا۔ عورت کا نکاح باقی ہے اور ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔	۶۰۳	مفتی کا خود شقوق قائم کرکے ہر شق کا جواب دینا خلافِ مصلحتِ شرعیہ ہے۔	۶۰۹
یمین غموس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا۔	۶۰۴	لامذہب یعنی زندیق دہریہ کا نکاح ہی نہیں ہوتا۔	۶۰۹
"تو میرے نکاح سے باہر ہے" حالتِ غضب میں طلاق بائن واقع ہوگی۔	۶۰۴	اگر نکاح ہی نہ ہو تو طلاق کیسی۔	۶۰۹
طلاق کے بعد "بجائے میری ماں بہن کے" کہا تو ظہار کا محل نہیں۔	۶۰۵	"مجھ سے محمودہ سے کوئی تعلق نہ رہا" کنایہ ہے وقوعِ طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	۶۰۹
"مجھ کو کوئی دعوی نہیں، جہاں چاہے چلی جا" الفاظ کنایہ سے ہیں نیت ہو تو ایک طلاق، نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔	۶۰۶	کنایہ میں نیت طلاق ہونے یا نہ ہونے میں مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۶۰۹
عدم نیت کے بارے میں شوہر بیوی کے سامنے قسم کھالے مان لے گی۔	۶۰۶	مجھ سے تجھ سے سروکار نہیں، الفاظِ طلاق میں سے نہیں۔	۶۰۹
قسم کھانے سے انکار کرے تو نکاح جدید کی ضرورت ہے۔	۶۰۶	مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، الفاظ طلاق کنائی سے ہے۔	۶۱۰
"دست برداری، میرا بالکل تم سے کچھ تعلق نہ رہا" کنایہ ہے حالتِ غضب میں طلاق واقع ہوجائے گی۔	۶۰۷	"چھوڑ دیا" صریح ہے۔	۶۱۰
عورت نے طلاق مانگی، شوہر نے کہا "تو ہماری بہن ہوچکی" طلاق بائن واقع ہوگئی۔	۶۰۷	صریح بائن کو لاحق ہوجاتی ہے۔	۶۱۱
تو ہماری بہن ہوچکی "یہ ظہار نہیں کیونکہ اس میں تشبیہ نہیں۔	۶۰۸		

رجعی بائن کے ساتھ جمع ہو کر بائن ہو جاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رجعت ممتنع ہوتی ہے۔	٦١١	امام اعظم کے نزدیک کم از کم دوماہ اور صاحبین کے نزدیک انتالیس دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں۔	٦١٤
صریح نیت کی محتاج نہیں ہوتی۔	٦١١	مسئلہ شرعیہ میں غلط اعتراف کی ترغیب پر سرزنش۔	٦١٥
صریح جب کنایہ طلاق سے مؤخر ہو تو وہ نیت طلاق پر قرینہ نہیں بن سکتی۔	٦١١	دانستہ حق کو باطل اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شبہہ بتانا موجب عزت نہیں دارین میں سخت ذلت کا باعث ہے۔	٦١٥
کنایات میں قرینہ کو مقدم ہونا چاہئے۔	٦١١	خلفاءِ راشدین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کبھی حق سے رجوع نہیں کیا۔	٦١٥
فتاوٰی خیریہ اور محیط میں اختلاف کی طرف اشارہ۔	٦١١	مقدس ہستیوں کی طرف رجوع عن الحق کی نسبت کرنے والا بے ادب مختل الدین ہے۔	٦١٥
شوہر نے بیوی کو کہا انت طالق فاعتدی یا انت طالق واعتدی یاانت طالق اعتدی تو کیا حکم ہے۔	٦١٢	"میں کسی قابل نہیں جواب دے دُوں گا، میری بیوی نیس ماموں زاد بہن ہے" الفاظ طلاق میں سے نہیں۔	٦١٥
وقت اقرار سے عدت کا معتبر ہونا ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ وتابعین کے خلاف جو فتوٰی متاخرین ہے صرف محلِ تہمت میں ہے اور وہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہو۔	٦١٣	"فلاں سے اس کی شادی کردو" کنایہ کے الفاظ میں سے ہے، طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	٦١٦
اگر طلاق اقرار سے پہلے معلوم ہو تو بالاجماع عدت وقت طلاق سے ہوگی نہ کہ وقت اقرار سے۔	٦١٣	"طلاق کنائی میں نیت کے بارے میں شوہر سے قسم لی جائے گی، اگر کہے طلاق مراد نہ تھی تو حکم طلاق نہ ہوگا اور عورت کا دوسری جگہ نکاح محض حرام ہوگا۔	٦١٦
طلاق اگر اقرار سے پہلے ثابت نہ ہو مگر وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کردیا تھا تو عدّت وقتِ طلاق سے شمار ہوگی۔	٦١٣	طلاق بالکنایہ کی صورت میں شوہر قسم سے انکاری ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی۔	٦١٦
امام محمد کے ارشاد اور متاخرین کے فتوٰی میں تطبیق۔	٦١٣	لفظ کنائی استعمال کرکے شوہر غائب ہوگیا اور اس پر قسم نہ رکھی جاسکی تو طلاق ثابت نہیں ہوگی۔	٦١٧
ڈیڑھ دوسال میں اگرچہ ذوات الحیض کی عدت کا انقضاء لازم نہیں مگر یہ مدت انقضاءِ عدت کے لئے کافی ضرور ہے۔	٦١٤	"تم ہمارے سامنے ونظر سے دور ہوجاؤ" بنیت طلاق طلاق ہے۔	٦١٧

شوہر نے عورت کو گھر سے نکالتے وقت کہا "تو نکل جا، آج سے مجھ سے اور تجھ سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں" بعد میں پوچھنے پر شوہر نے اقرار کیا "میں اس کو اسی تاریخ سے چھوڑ چکا ہوں جب وہ گئی" اس صورت میں طلاق بائن واقع ہو گئی۔	۶۱۸	کسی شخص نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ "وہ میرے کام کی نہیں رہی" اور نیتِ طلاق سے انکار کرتا ہے تو بیوی اس سے حلف لے سکتی ہے اگر حلف سے انکار کرے تو قاضی کے سامنے پیش کیا جائے وہاں بھی انکاری ہو تو طلاق بائن ہو گی۔	۶۲۳
عرصہ چھ۶ سال اگرچہ تین حیضوں کا گزر جانا ظاہر ہے مگر نہ گزرنے جانا ظاہر ہے مگر نہ گزرنے کا بھی احتمال ہے اور جب تک تین حیض نہ گزریں حیض والی عورت کی عدت ختم نہیں ہوتی۔	۶۱۸	"میں عائشہ بیگم کو اختیار دیتا ہوں چاہے کسی سے عقد کرے یا بیٹھی رہے، مجھے کچھ عذر نہیں" ان الفاظ سے بشرطِ نیت طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۴
طلاق پہلے دی، اقرار بعد میں کیا، اگر طلاق کے وقت سے ہی جدا ہوں تو عدت اسی وقت سے لی جائے گی اور ساتھ رہتے ہوں تو وقتِ اقرار سے۔	۶۱۸	"چلی جا" نیت طلاق سے طلاق ہے۔	۶۲۴
قولِ امام محمد کہ عدت وقتِ طلاق سے اور فتوائے متاخرین کہ وقتِ اقرار سے ہے، ان میں تطبیق وتوفیق۔	۶۱۸	"میرے مطلب کی نہیں" بشرطِ نیت طلاق ہے۔	۶۲۵
بے اضافت صریح طلاق میں مدار نیت پر ہوگا۔	۶۲۰	حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔	۶۲۵
"آزاد کیا" سے محلِ غضب میں طلاق بائن ہوجائیگی، لیکن عورت کی طرف اضافت نہ ہو تو مدار شوہر کی نیت پر ہوگا۔	۶۲۱	بلا ثبوت طلاق اور عدت کے اندر دوسرا نکاح حرام ہے۔	۶۲۵
"چلی جا" کنایات سے ہے۔ اگر اس پر حلف لینے سے انکار کرے کہ میں نے اپنی عورت مراد نہیں لی تھی تو معاملہ قاضی کے سامنے پیش کیا جائے۔	۶۲۱	"ہفتہ کے اندر میرے پاس نہ آئے تو جہاں چاہے جائے، تجھ اختیار تیرے دل کا مجھے اختیار میرے دل کا" بشرطِ نیت طلاق ہے۔	۶۲۶
غصہ اور حمل کی حالت میں نیز عورت دور ہو تب بھی طلاق واقع ہوجائے گی۔	۶۲۲	کنایہ میں شوہر نیت کے بارے میں حلف سے انکاری ہو تو حاکمِ شرعی کے حضور نالش کی جائے اگر شوہر اس کے سامن بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی۔	۶۲۶
"وہ بالکل میرے کام کی نہ رہی" بشرطِ نیت طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۳	"میں پسند نہیں ہُوں تو دوسرے سے نکاح کر دو" اس جملہ سے حالت مذاکرہ وغضب میں طلاق واقع ہو گی۔	۶۲۶
		"اپنے گھر کو چلی جا میرے کام کی نہیں، میں نے تجھے طلاق دی" عدمِ نیت کی صورت میں صرف آخری لفظ سے طلاق رجعی پڑے گی۔	۶۲۷

حاملہ کو طلاق رجعی دیا اور وضع حمل سے قبل رجوع نہ کیا تو اب برضاءِ عورت دوبارہ نکاح کی حاجت ہے۔	۶۲۷	شوہر کا یہ کہنا کہ اس خط کو بطور طلاق نامہ تصور فرمائیں صالح ایقاع طلاق نہیں۔	۶۳۱
حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے اور جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں۔	۶۲۷	بیوی نے طلاق مانگی، شوہر نے کہا طلاق دادہ انگار (بزبان فارسی) یا کہا احسبی انک طالق (بزبان عربی) یعنی تو خود کو طلاق شدہ شمار کر، تونیت کے باوجود طلاق نہیں ہوگی۔	۶۳۱
لزومِ حلالہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے جو حیلے قنیہ وغیرہ میں مذکور ہیں سب باطل ہیں۔	۶۲۷	شوہر کا یہ کہنا کہ "اگر آپ میری بیوی کا نکاح کرادیں گے تو مجھے کسی سے نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا" بظاہر ترک نزاع کا وعدہ ہے۔	۶۳۲
متعدد الفاظ سے چند طلاقیں دین تو غیرہ مدخولہ ایک ہی طلاق سے بائن ہوجاتی ہے بقیہ لغو ہیں۔	۶۲۸	"مجھے اپنی بیوی سے اب کچھ سروکار نہیں رہا" الفاظ طلاق سے نہیں۔	۶۳۲
"میں تمھاری لڑکی کو چھوڑتا ہوں، میرے کام کی نہیں" سے دو۲ بائن طلاقیں واقع ہوگئیں۔	۶۲۸	لفظ "سروکار" کے لغوی معانی۔	۶۳۲
رخصتی سے پہلے عورت کو طلاق ہوگئی تو عدت کی حاجت نہیں۔	۶۲۸	شوہر کا یہ کہنا محض لغو وغلط ہے کہ "میری بیوی میری بلااجازت گئی تو نکاح سے باہر ہونا اظہر من الشّمس ہے"۔	۶۳۳
بائن کا رجعی کو لحوق امتناعِ رجعت کی وجہ سے رجعی کو بھی بائن بنادیتا ہے۔	۶۲۸	جو اقرار غلط بناء پر ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔	۶۳۳
"چھوڑتا ہوں" کا لفظ صریح ہے تین بار کہا تو طلاق مغلظ واقع ہوگئی۔	۶۲۹	مندرجہ ذیل تین الفاظ کا حاصل اجازت نکاح دینا ہے اور وُہ بیشک کنایات سے ہے: (۱) بخوشی تمام اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے سے کردو (۲) برضاء ورغبت آپ کو اجازت دی (۳) اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دی۔	۶۳۳
"اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا" ایک بائن طلاق ہوگی۔	۶۲۹	کتنی ہی کنایات بائنہ ہوں اور سب سے نیتِ طلاق بھی کی ہو تب بھی صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔	۶۳۴
طلاق کی رجسٹری واپس کردینے سے طلاق واپس نہیں ہوتی۔	۶۳۱	خط کو حرف بحرف پڑھ کرسنادیں تاکہ اس پر شرعاً طلاق واقع ہوجائے اگر خط کا ایک لفظ بھی پڑھنے سے رہ گیا طلاق واقع نہ ہوگی۔	۶۳۴
چند الفاظ کے بارے میں الفاظ طلاق سے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ۔	۶۳۱		

دوسرے نکاح کی اجازت دینے کی صورت میں قرائن سابقہ ولاحقہ کی موجودگی میں قضاءً ایک طلاق واقع ہوگی۔	۶۳۴	شوہر کی جازت سے دوسری کو طلاق دینے کی تین صورتیں ہیں: تفویض، توکیل، رسالہ۔	۶۳۸
دلالت قال دلالت حال کی طرح ہے۔	۶۳۵	الفاظِ تفویض تین ہیں: تخییر، امر بالید اور مشیئۃ۔	۶۳۸
دلالت حال دلالت مقال سے عام ہے۔	۶۳۵	عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو باطل محض اور حرام قطعی ہے۔	۶۳۹
خط کی بناء پر وقوعِ طلاق کا حکم اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب شوہر مقر یا گواہان عادل شرعی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورت ثابت ہو کہ یہ خط اس کا ہے ورنہ محض مشابہت خط پر حکم نہیں۔	۶۳۵	تفویض طلاق کی صورت میں اپنے نفس کو اختیار کرنے نہ کرنے میں میاں بیوی میں اختلاف ہو تو عورت کو گواہ پیش کرنے ہوں گے، اسی قسم کے ایک مسئلہ سے متعلق عالمگیری کے ایک جزئیہ کی توضیح۔	۶۴۰
طلاق کے مسئلہ میں عورت مسئلہ قضاء پر عمل کرے گی۔	۶۳۶	خلع کے بعد جب عدت گزر جائے تو عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اس سے پہلے نہیں کرسکتی۔	۶۴۰
اقرار کاذب کا دیانۃً کوئی اثر نہیں ہوتا۔	۶۳۶	شوہر خلافِ ظاہر دعوٰی کرے تو عورت کا قول قول معتبر ہوگا۔	۶۴۱
خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق سے کل مہر واجب ہوجاتا ہے۔	۶۳۶	عورت مدعیہ طلاق ہو اور شوہر منکر تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔	۶۴۱
باب تفویض الطلاق	۶۳۷	مولٰی نے غلام کو کہا کہ میں نے کل تیرے عتق کا تجھے اختیار دیا تھا مگر تُو نے خود کو آزاد نہیں کیا، غلام نے کہا میں نے ایسا کرلیا تھا، تو غلام کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔	۶۴۱
میں اس شرط پر تم سے نکاح کروں گی تم کسی سے شادی نہ کرو، اور اگر کرو تو مجھے اپنے نفس کا اختیار رہے گا، یہ اختیار دوسری عورت کی شادی کی خبر سننے کی مجلس پر محدود رہے گا۔	۶۳۸	کسی شخص نے اپنے غلام کو کہا کہ میں نے کل تجھے مال کے بدلے آزاد کیا تھا مگر تو نے قبول نہیں کیا، غلام کہتا ہے کہ میں نے قبول کرلیا تھا، تو مولٰی کا قول معتبر ہوگا۔	۶۴۲
فضول واجنبی کلام اور جنگ سے مجلس بدل جاتی ہے۔	۶۳۸	قبل نکاح عورت کو اختیار دینے کی صحت کے لئے یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو طلاق کا اختیار ہے۔	۶۴۲

تفویض طلاق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضروری ہے۔	۶۴۳	ذات الحیض کی عدت کا چار ماہ میں پورا ہونا قطعی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ تین سال میں بھی تین حیض مکمل نہ ہوں۔	۶۵۱
طلاق فضولی اجازتِ زوج پر موقوف ہوتی ہے۔	۶۴۳	جس عورت کو مرد نے طلاق تفویض کی وُہ یہ کہہ کر گھر سے چلی گئی کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں، تو طلاق نہ ہوگی۔	۶۵۲
تفویض طلاق کی شرط پر نکاح کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۶۴۳	استفتاء میں تغیر و تبدل کرنے والے گنہگار ہیں انہیں خوفِ خدا چاہئے۔	۶۵۲
تفویض طلاق ملک یا اس کی طرف اضافت کرنے سے صحیح ہوتی ہے۔	۶۴۴	ایک شخص نے اپنی عورت کو نکاح کے بعد "امرھا بیدھا" مختار کردیا نکاح سے خارج ہونا اور آزاد ہونے کے ساتھ اختیار دیا، یہ طلاق کی تفویض ہے، نیت کرے گا طلاق پڑے گی، نہ کرے گا نہ پڑے گی۔	۶۵۴
جو کچھ سوال میں ہو جواب اس کو متضمن ہوتا ہے۔	۶۴۴	زیور بنوانے پر طلاق معلق کی اور چھ۶ ماہ کی میعاد رکھی، اگر تعلیق میں عورت کی طرف سے اضافت ہے طلاق معلق ہوگئی۔	۶۵۴
مرد نے عورت کو تفویض طلاق کسی شرط سے معلق کی تو وقوع شرط پر عورت کو اسی مجلس تک اختیار رہے گا، مجلس بدلنے سے اختیار جاتا رہے گا اس کے بعد اپنے نفس کو طلاق دے گی تو واقع نہ ہوگی۔	۶۴۴	گواہ شرعی نہ ہوں تو طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۶۵۵
تبدیلی مجلس کی صورتیں۔	۶۴۴	طلاق کے بارے میں اکیلی عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔	۶۵۵
تفویض معلق بالشرط کی دو قسمیں ہی مطلق و مؤقت۔	۶۴۴	مآخذ ومراجع	۶۵۷
سوال دیگر متعلقہ مسئلہ مذکورہ بالا۔	۶۴۶	ضمیمہ مآخذ ومراجع	۶۸۱
جس عورت پر عدت واجب ہو وہ مرور عدت سے قبل دوسرے مرد سے نکاح کرے تو ناجائز و باطل و زنا و حرام ہے۔	۶۴۸		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

حیض		امامت در نماز حق حکام ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔	۴۸۱
امام اعظم کے نزدیک تین حیض کم از کم ساٹھ دن اور صاحبین کے نزدیک اڑتالیس دن میں ہو سکتے ہیں۔	۴۶۶	**نکاح**	
امام اعظم کے نزدیک کم از کم دوماہ اور صاحبین کے نزدیک انتالیس دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں۔	۶۱۴	نکاح عورت کے گوشت پوست پر نہیں منافع بضع پر وارد ہوتا ہے۔	۱۲۰
عرصہ چھ[۶] سال میں اگرچہ تین حیضوں کا گزرجانا ظاہر ہے مگر نہ گزرنے جانا ظاہر ہے مگر نہ گزرنے کا بھی احتمال ہے۔	۶۱۸	نکاح فاسد میں متارکہ بالقول ہی ہو سکتا ہے مثلاً یُوں کہہ دے کہ میں نے تیری راہ کھول دی یا تجھے چھوڑا۔	۱۵۶
امامت		ایک بہن نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح فاسد۔	۱۶۰
فاسد کی امامت ناجائز ہے۔	۴۶۲	نکاح فاسد میں متارکہ واجب ہے۔	۱۶۰
جو فاسق کو امامت پر باقی رکھے گا گنہگار ہوگا۔	۴۶۲	معًا دو[۲] بہنوں سے نکاح فاسد ہے، یونہی ایک کی عدت میں دوسری سے نکاح بھی فاسد ہے۔	۱۶۱
غیر منکوحہ سے نکاح کرنے والے کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے پڑھ لی تو پھیرنی واجب ہے۔	۴۶۴		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ایک بہن نکاح میں تھی پھر دوسری سے بھی کرلیا یہ دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں یا نہیں، نکاح دوم کا کیا حکم ہے اور ان دونوں سے جو اولاد ہو اس کا کیا حکم ہے۔	۱۸۴	دورانِ عدت عورت سے نکاح باطل ہے۔	۴۲۳
مسلمان کا نصرانیہ یا مجوسیہ سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۲	زندگی شوہر میں بے وقوع طلاق اگر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرلے تو مردود ہوگا۔	۴۸۸
اگر دھوکے سے کسی رافضیہ سے نکاح کرلے کہ معلوم نہ ہو کہ یہ رافضیہ ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۶۵	**محرمات**	
منگنی کے بعد دوسرے کو پیغام بھیجنا جائز نہیں جب تک منگنی باقی ہے۔	۲۸۳	ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح حرام و باطل ہے۔	۴۰۱
مصنف کی تحقیق انیق کہ نکاح ثانی مثل نکاح اوّل فرض، واجب، سنّت، مباح مکروہ اور حرام سب کچھ ہے۔	۲۹۱	ایک شخص نے کسی عورت کو رکھا اب اس کی بیٹی کو رکھتا ہے تو وُہ اس پر ضرور حرام ہے چاہے بلانکاح رکھے یا نکاح کرے۔	۴۰۸
کس حالت میں نکاح سنّت ہے۔	۲۹۳	**ولایت**	
کس کے حق میں نکاح مباح ہے۔	۲۹۴	عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔	۱۱۵
دورانِ عدت نکاح ہرگز صحیح نہیں ہوتا بلکہ حرام محض ہوگا۔	۳۷۰	باپ کو کسی طرح اپنی بیٹی کا مہر معاف کرنے کا اختیار نہیں، نہ ہرگز اس کے معاف کئے معاف ہوسکے۔	۱۲۱
نکاح کے لئے قاضی یا وکیل یا برادری کے لوگوں کی ضرورت نہیں۔	۴۰۸	ہندو کی نابالغ لڑکی سے بے اس کی ولی کی اجازت کے اور بے مسلمان کئے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۴
مرد عورت دو۲ گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں نکاح ہوجائے گا۔	۴۰۸	نابالغہ ونابالغ کا نکاح بذریعہ ولی کے ہوسکتا ہے۔	۳۹۰
نکاح ثانی کے لئے مرد کو پہلی بیوی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔	۴۰۸	باپ نے نودس سالہ لڑکی کا نکاح چوبیس سالہ لڑکے سے کردیا تو درست ہے۔	۳۹۰
عدت ختم ہونے سے پہلے نکاح کرلیا تو یہ نکاح نہیں نرا حرام ہوا۔	۴۰۸	بالغ کو اپنے نکاح میں ولی کی اصلاً ضرورت نہیں۔	۳۹۹

بغیر ولی کے نابالغہ کا اشارۃً یا خود زبان سے صراحۃً ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں۔	۳۹۰	خلوت ہوچکی تو عدّت واجب، حیض والی کے لئے تین حیض، ورنہ تین ماہ۔ اگر خلوت نہیں ہوئی تو عدت لازم نہیں۔	۳۹۱
کفاءت		مطلقہ حائضہ کی عدت۔	۴۰۸
بالغہ کو اپنے نکاح میں ولی کی ضرورت نہیں جبکہ نکاح کفو سے ہو یا غیر کفو سے ہو مگر اس کا کوئی ولی ہو ورنہ جب تک ولی قبل نکاح اس غیر کفو کو غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دے گا بالغہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا۔	۳۹۹	مطلّقہ صغیرہ اور آئسہ کی عدّت۔	۴۰۸
کفو کسے کہتے ہیں۔	۴۰۸	مطلقہ حاملہ کی عدت	۴۰۸
غیر کفو میں عورت کا نکاح کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۴۰۸	طلاق نامہ میں شوہر کا یہ لکھنا کہ میں نے عدت معاف کی، جاہلانہ بات ہے، اس سے عدّت ساقط نہیں ہوتی۔	۴۲۳
عدت		عدت اسی وقت سے لی جائیگی جب سے طلاق بائن دی اگرچہ حالت حیض میں دی ہو۔	۴۲۷
خلوت ودخول سے قبل طلاق دی تو عورت پر عدّت لازم نہیں۔	۱۲۲	تمام احکامِ عدت وقتِ طلاق سے ثابت ہوجائیں گے۔	۴۲۷
کافر کے لئے عدّت اصلاً نہیں۔	۲۶۵	جس حیض میں طلاق دی وُہ عدت میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے۔	۴۲۷
عدّت وفات (غیر حاملہ) کی بنصِ قرآن چار ماہ دس دن ہے۔	۳۰۸	طلاق میں حائضہ کے لئے تین حیض کی عدت فرض۔	۴۹۴
حاملہ کی عدّت بچّہ پیدا ہونے پر ختم ہوتی ہے۔	۳۲۸	تنہائی میں یکجائی ہوئی تو عدت بھی بعد طلاق واجب ہوگی۔	۴۹۶
حرہ موطوءہ اور لونڈی کے ایّامِ عدّت کی تفصیل۔	۳۶۸	نامرد کا نکاح جائز عورت کے دعوی نامردی پر ہی فسخِ نکاح کا حکم نہ ہوگا۔	۴۹۶
خلوت صحیحہ پائی گئی تو عدّت واجب ہے اگرچہ دخول نہ ہو، اور اگر خلوت بھی نہ ہوئی تو عدّت ضروری نہیں۔	۳۶۹	وقت اقرار سے عدت کا معتبر ہونا ائمہ اربعہ اور جمہور صحابہ وتابعین کے خلاف جو فتوی متاخرین ہے صرف محلِ تہمت میں ہے اور وہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہو۔	۶۱۳
عدت کا وجوب خلوتِ صحیحہ کے بعد ہے نہ کہ خلوتِ فاسدہ کے بعد۔	۳۷۰		

اگر طلاق اقرار سے پہلے معلوم ہو تو بالاجماع عدت وقتِ طلاق سے ہوگی نہ کہ وقت اقرار سے۔	۶۱۳	عورت پر جب طلاق بائن پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی اب شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا۔	۴۲۷
طلاق اگر اقرار سے پہلے ثابت نہ ہو مگر وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کردیا تھا تو عدّت وقتِ طلاق سے شمار ہوگی۔	۶۱۳	طلاق رجعی میں ایّام عدت کے اندر زبان سے رجعت کرسکتا ہے عورت کی رضامندی ضروری نہیں۔	۴۴۷
ڈیڑھ دوسال میں اگرچہ ذوات الحیض کی عدت کا انقضاء لازم نہیں مگر یہ مدت انقضاءِ عدت کے لئے کافی ضرور ہے۔	۶۱۴	طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجعت کا اختیار دیا جائے گا۔	۵۱۵
جب تک تین حیض نہ گزریں حیض والی عورت کی عدت ختم نہیں ہوتی۔	۶۱۸	**حلالہ**	
طلاق پہلے دی، اقرار بعد میں کیا، اگر طلاق کے وقت سے ہی جدا ہوں تو عدت اسی وقت سے لی جائے گی اور ساتھ رہتے ہوں تو وقتِ اقرار سے۔	۶۱۸	حلالہ کی صورت کیا ہے۔	۳۸۹
حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔	۶۲۵	حلالہ بغیر وطی زوج ثانی صحیح نہیں۔	۳۹۸
رخصتی سے پہلے عورت کو طلاق ہوگئی تو عدت کی حاجت نہیں۔		میاں بیوی میں اصلاح اور مشکل کشائی کی نیت سے کسی حلالہ پر راضی کرنا باعثِ اجر وثواب ہے۔	۳۹۹
ذات الحیض کی عدت کا چار ماہ میں پورا ہونا قطعی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ تین سال میں بھی تین حیض مکمل نہ ہوں۔	۶۵۱	حلالہ کی تفصیل	۴۰۸
رجعت		نکاح میں حلالہ کی شرط لگانا گناہ ہے اور بے شرط لگائے دل میں ارادہ ہو تو اس پر اجر کی اُمید ہے۔	۴۰۹
رجعت میں زبان سے یہ کہہ لینا کافی ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں رکھ لیا۔	۳۲۸	محلل جب تک نکاح صحیح کے بعد وطی نہ کرے عورت شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں ہوتی۔	۴۲۳
تین طلاقیں ہوجائیں تو رجعت محال ہے۔	۳۶۰	نکاح فاسد وموقوف حلالہ کے لئے کافی نہیں نکاح نافذ ضروری ہے۔	۴۲۳
طریق رجعت کیا ہے۔	۳۶۸	حلالہ سے بچنے کے لئے مرتد ہونے سے ارتداد کا گناہ الگ رہا اور پھر مسلمان ہونے کے بعد حلالہ بھی ضروری ہے۔	۴۶۶
رجعت کا بہتر طریقہ	۳۶۸		

مطلقہ ثلٰثہ کا شوہر اوّل سے بلاحلالہ نکاح نہیں ہوسکتا۔	۵۵۹	**خلع**	
حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے اور جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں۔	۶۲۷	بطور خلع شوہر کو کچھ رقم دینا جائز ہے چاہے عورت خود دے یا اس کی طرف سے کوئی اور دے۔	۴۶۴
تعلیق		شوہر کی رضا سے عورت مہر وغیرہ مال پر خلع کرے تو جائز ہے۔	۴۷۵
طلاق کو شرائط پر موقوف کیا شرائط نہ پائے گئے طلاق واقع نہ ہوئی۔	۴۲۰	خلع کے بعد جب عدت گزر جائے تو عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اس سے پہلے نہیں کرسکتی۔	۶۳۰
بیوی سے مرد نے کہا "ان خرجت یقع الطلاق" یایُوں کہا "میرے اذن کے بغیر مت نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے"۔ وہ عورت نکلی تو طلاق نہ ہوگی۔	۴۴۲	**عنین**	
خط اس کو سُنادیں تاکہ طلاق شرعًا اس پر واجب ہوجائے، طلاق معلّق ہے۔	۴۵۱	آلہ بریدگی یا نامردی کے سوا کوئی مرضِ شوہر سببِ فسخ نکاح نہیں۔	۴۷۰
آج سے اس قدر ماہوار ماہ بماہ دیا کرے گا، نہ دے تو طلاق واقع ہوگی۔ اس صورت میں ایک مہینہ گزر گیا اور نہ دیا تو طلاق واقع ہوجائیگی۔	۴۵۲	مسئلہ عنین کی تفصیل۔	۴۸۷
خط میں لکھا کہ "تجھ فارغ خطی دی" تو لکھتے ہی ایک طلاق واقع ہوگئی اور اگر یہ لکھا کہ "خط پہنچے تو تجھے فارغ خطی" تو خط پہنچنے پر طلاق ہوگی۔	۵۶۰	نامرد کا نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور طلاق ہو تو عورت مہر پائے گی۔	۴۹۵
خط کو حرف بحرف پڑھ کر سنادیں تاکہ اس پر شرعًا طلاق واقع ہوجائے اگر خط کا ایک لفظ بھی پڑھنے سے رہ گیا طلاق واقع نہ ہوگی۔	۶۳۴	ثبوتِ نامردی کے لئے سندِ ڈاکٹ ناکافی و نامعتبر ہے۔	۴۹۵
زیور بنوانے پر طلاق معلق کی اور چھ۶ ماہ کی میعاد رکھی، اگر تعلیق میں عورت کی طرف سے اضافت ہے طلاق معلق ہوگئی۔	۶۵۴	نامرد کا نکاح ناجائز ہے اگر ہمبستری میں عورت کے حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ فورًا طلاق دے دے۔	۴۹۶

مسئلہ تفریق عنین کی تفصیل۔	۴۹۷	**ظہار**	
نامرد نے عورت کو طلاق دے دی، اب کچہری میں نالش عدم طلاق کی کرتا ہے گنہگار ہے ہاں اگر عدت باقی تھی اور رجعت کی نالش کرتا ہے مسموع ہے۔	۵۰۲	اپنی بیوی کو بہن کہا، نہ ظہار ہے نہ طلاق۔	۵۸۴
ایک اور مسئلہ عنین۔	۵۰۸	طلاق کے بعد "بجائے میری ماں بہن کے" کہا تو ظہار کا محل نہیں۔	۶۰۵
ثبوتِ نامردی کے بعد مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جائے گی، اگر اس میں عورت پر قادر ہوگیا فبہا، ورنہ پھر عورت کے دعوی کرنے اور اب بھی نامردی ثابت ہوجانے پر حاکم عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کے پاس رہنا مانے یا جُدائی اگر وہ فورًا کہے گی کہ جدائی چاہتی ہوں تو دونوں میں تفریق کردے گا۔	۵۰۹	"تو ہماری بہن ہوچکی" یہ ظہار نہیں کیونکہ اس میں تشبیہ نہیں۔	۶۰۸
مفقود		**نسب**	
مفقود الخبر کی بیوی شوہر کی عمر ستر ۷۰ سال ہونے تک انتظار کرے۔	۵۰۹	منکوحہ غیر سے لاعلمی میں نکاح کرنے والے کی اولاد کا نسب اسی نکاح سے ثابت ہوگا۔	۴۶۴
زوجہ مفقودالخبر کے بارے میں امام احمد، امام شافعی اور امام مالک کے مذہب کا بیان۔	۵۰۹	کسی شخص نے خاوند والی عورت سے جان بوجھ کر نکاح کیا تو اولاد شوہر اوّل کی ہوگی۔	۴۶۴
مفقودالخبر کی زوجہ کے بارے میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا فرمان۔	۵۰۹	**خیار**	
مفقود الخبر کی بیوی کو بے ظہور طلاق یا وضوح موت حقیقۃً یا حکمًا ہرگز نکاح ثانی جائز نہیں۔	۵۸۹	تفویض طلاق کی صورت میں اختیار مجلس تک باقی رہتا ہے۔	۴۸۵
لفظ کنائی استعمال کرکے شوہر غائب ہوگیا اور اس پر قسم نہ رکھی جاسکی تو طلاق ثابت نہیں ہوگی۔	۶۱۷	زوجین میں سے کسی کو دوسرے کے عیب کی وجہ سے نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں۔	۴۸۹
		احدالزوجین کو خیار عیب حاصل نہ ہونے کے مذہب کے لئے سات ۷ وجوہِ ترجیح۔	۴۹۰

مذہب حنفی میں عیب احدالزوجین سے دوسرے کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اختیار ہے مگر یہ خلافِ مذہب ہے، بایں ہمہ ضرورت واقعیہ ہو تو امام محمد کے قول پر عمل کیا جاسکتا ہے۔	۵۰۳	نکاح فاسد کی معتدہ اور معتدۃ الموت کا نفقہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ حاملہ ہو۔	۴۷۲
عیب احدالزوجین سے حصول خیار کی صورت میں مسئلہ امام محمد کی تفصیل۔	۵۰۴	ناشزہ کے لئے نفقہ نہیں۔	۴۷۳
نفقہ		نفقہ اگر مفروضہ بحکم حاکم ہو تو موت احدالزوجین سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا ہو اور بحکم قاضیِ شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا۔	۴۷۳
برائے وصولی مہر معجّل وطی وسفر سے انکار کرنیوالی عورت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۳	بیمار شوہر پر بھی عورت کا نان ونفقہ واجب ہے جبکہ وُہ عورت اس کی قید میں رہے۔	۴۷۳
ناشزہ عورت کے لئے نفقہ شوہر پر واجب نہیں۔	۱۴۴	آوارہ گرد عورت کا نفقہ شوہر کے ذمے لازم نہیں۔	۴۷۵
گھرمین پہننے کے کپڑے جن کا دینار بحکم نفقہ شوہر پرواجب ہوچکا تھاوُہ دے کر دعوی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہیں بنایا تھاتواس میں شوہر کا قول معتبر نہ ہونا چاہئے۔	۱۶۰	عورت کی طرف سے کوئی بات مسقط نان ونفقہ نہیں ہوئی شوہر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم شوہر کو مجبور کرے کہ وُہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے۔	۴۷۵
جب تک شوہر مہرِ معجّل ادانہ کرے نان نفقہ پاسکتی ہے یانہیں۔	۱۸۹	شوہر کے ظلم وتعدّی کی وجہ سے عورت مجبوراً والدین کے پاس رہے تو نفقہ شوہر پر لازم ہے۔	۴۷۸
نفقہ مثل کے معنی۔	۲۱۴	حنفیہّ کے نزدیک غیبتِ زوج یا عسرت کے سبب عدم ادائے نفقہ باعثِ تفریق نہیں۔	۵۱۰
مرتدہ کے لئے نفقہ نہیں۔	۲۶۳	کون سی عدت کا عورت نفقہ پاتی ہے اور کونسی عدت کا نہیں پاتی۔	۵۹۸
طلاق کا جب سے اقرار کرے اسی وقت سے واقع مانی جائے گی نفقہ البتہ آج تک کااور آج سے عدّت کا نفقہ دلائیں گے۔	۳۳۳	**حجر**	
بعد موتِ شوہر زمانہ عدّت یا اس کے بعد کا نان ونفقہ باتفاقِ مذہب صحیح حنفی وشافعی واجب نہیں۔	۴۷۲	لڑکے اور لڑکی کو جب آثار بلوغ ظاہر ہوں تو اس وقت سے وُہ بالغ ہیں اور اگر آثارِ بلوغ ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس عمر پوری ہونے پر بالغ سمجھ جائیں گے۔	۳۹۹

حِیل		جبر واکراہ در بارہ نکاح مخل صحت ونفاذ ولزوم نہیں۔	۵۷۹
جبر واکراہ کی طلاق سے بچنے کا حیلہ۔	۳۸۷	مکرہ کے تمام تصرفات قولیہ منعقد ہوتے ہیں۔	۵۸۰
لزومِ حلالہ کے بعد اس کو ساقط کرنے کے جو حیلے قنیہ وغیرہ میں مذکور ہیں سب باطل ہیں۔	۶۲۷	مکرہ کا نکاح، عتاق اور طلاق لازم ہے۔	۵۸۰
اِکراہ		**عتاق**	
جبر واکراہ کے ساتھ بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔	۳۸۵	مولٰی نے غلام کو کہا کہ میں نے کل تیرے عتق کا تجھے اختیار دیا تھا مگر تُونے خود کو آزاد نہیں کیا، غلام نے کہا میں نے ایسا کرلیا تھا' تو غلام کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔	۶۴۱
اجبار شرعی کی صورت میں اگر صرف تحریر دی زبان سے کچھ نہ کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۳۸۵	کسی شخص نے اپنے غلام کو کہا کہ میں نے کل تجھے مال کے بدلے آزاد کیا تھا مگر تو نے قبول نہیں کیا، غلام کہتا ہے کہ میں نے قبول کرلیا تھا، تو مولٰی کا قول معتبر ہوگا۔	۶۴۲
لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ جبر نہیں اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی اور اس نشہ میں طلاق دے دی تو بالاتفاق طلاق ہوجائے گی۔	۳۸۶	**جنائز**	
کسی نے قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے کر یا ہاتھ پاؤں باندھ کر شراب پلادی اس نشہ میں طلاق دی واقع نہ ہوگی۔	۳۸۶	ہر مسلمان کی نمازِ جنازہ فرض ہے چاہے وُہ کتنا ہی گنہگار ہو۔	۲۹۹
عورت کو دینی، دُنیوی، جانی اور جسمانی ضرر کا اندیشہ ہو تو شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کی جائے گی۔	۴۷۸	**اقرار**	
شوہر کسی طرح درست نہ ہو تو اس سے جبراً طلاق حاصل کی جاسکتی ہے۔	۴۷۹	مرد وعورت صرف روزِ اوّل کوٹھے میں رہے اور دشمن کوٹھے کے گرد اگرد مارنے کو کھڑے رہے، زوجین کو بھی یہ معلوم تھا، صبح مرد نے طلاق دے دی، مرد دخول کا مقر ہے اور عورت منکر۔ یہ دخول یا خلوت معتبر ہے یا نہیں۔	۱۸۰
طلاق بائن کے بعد عورت دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو اس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۱	اقرار مقرلہ کے انکار سے رَد ہوجاتا ہے۔	۱۸۰

اقرار طلاق سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔	۴۰۰	عورت کا اندامِ نہانی نا قابلِ ادخال تھا بعد از نکاح کبھی شوہر و زن میں مجامعت نہ ہوسکی اور نہ کوئی اولاد ہوئی اب وہ عورت فوت ہوگئی اس عورت کے کیا کیا حقوق شوہر پر عائد ہوسکتے ہیں۔	۵۱۱
خط سے اس وقت تک طلاق نہیں ہوتی جب تک شوہر خط لکھنے کا اقرار نہ کرے۔	۶۰۸	**تفسیر**	
اقرار کاذب کا دیانۃً کوئی اثر نہیں ہوتا۔	۶۳۶	اباحتِ نکاح ثانی کا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہے۔	۳۰۸
حقوق العباد		وانکحوا الیامٰی میں ایم کا معنی ہے زن بے شوہر جس کے اطلاق میں کنواری، مطلقہ اور بیوہ سب داخل ہیں۔	۳۰۸
حقوق العباد میں اگر صاحبِ حق راضی ہوں تو ممانعت نہیں رہتی۔	۱۷۴	بالخصوص بیوہ کے نکاح سے متعلق چند قرآنی آیات۔	۳۰۸
پرایا مال جبراً لینا حرام اور اس کی خوشی سے لینا حلال ہے۔	۱۷۴	آیت کریمہ الطّلاق مرّتٰن کا شان نزول۔	۴۰۷
مردوں کے حقوق عورتوں پر جسطرح ہیں یُونہی بحکمِ قرآن عظیم مردوں پر عورتوں کے۔	۲۷۴	آیۃ کریمہ محسنین غیر مصافحین میں کون سی ممانعت کی طرف اشارہ ہے۔	۴۶۹
جس کے دو بیبیاں ہوں اور اُن میں عدل نہ کرے تو قیامت کے دن ایک طرف کو جُھکا ہوا اُٹھے گا۔	۲۷۵	**فوائد حدیثیہ**	
بوقتِ تعارض حق العبد حق اللہ پر مقدم ہوتا ہے۔	۲۹۳	اس حدیث کا مطلب جس میں فرمایا گیا کہ جن کا نکاح ہوا اور ان کی نیت میں اداءِ مہر نہیں وُہ روزِ قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے۔	۱۹۹
شوہروں کی اطاعت اور ان کے حقوق کی معرفت میں عورتوں کے لئے جہاد کے برابر اجر ہے۔	۲۹۶	حدیث شریف "انا اوّل من یفتح باب الجنۃ الاانی اری امرۃ تبادرنی" کا مطلب۔	۳۰۷
عورتیں اگر شوہروں کی نافرمانی نہ کریں اور نماز پڑھیں تو سیدھی جنت کو چلی جائیں۔	۲۹۶	حدیث "لعن اللہ المحلل والمحلل لہ" کا مطلب۔	۴۰۹
شوہر کے بیوی پر بعض حقوق کا ذکر۔	۲۹۷	**سیرۃُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم**	
شوہر جب ادائے حق زوجہ پر قادر نہ ہو تو طلاق حق العبد ہے۔	۳۲۵	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اُمّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہا کو پیغامِ نکاح کا واقعہ۔	۳۰۰

حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو پیغامِ نکاح کا واقعہ۔	۳۰۲	جو مباح کبائر اور اتباع شیطان کی طرف منجر ہو وہ اس عارضہ کی وجہ سے مباح نہیں رہتا۔	۳۱۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آخر شوال سن چار ہجری میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے نکاح فرمایا۔	۳۰۳	عوام کے سامنے حقائق عالیہ اور دقائق غالیہ کا ذکر جو ان کے مدارک وافہام وراء ہو شرعًا ممنوع ہے۔	۳۱۲
حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حفظِ دین نو مسلمین کے لئے قریش کی طرف سے تعمیرِ کعبہ میں کی گئی تبدیلیوں کو برقرار رکھا، ان کی اصلاح نہ فرمائی۔	۳۱۶	تکفیرِ اہلِ قبلہ واصحاب کلمہ طیبہ میں جرات وجسارت محض جہالت اور سخت ہے جس میں وبالِ عظیم ونکالِ صریح کا اندیشہ ہے۔	۳۱۷
عقائد وکلام		کلمہ گو کے ہر قول وفعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو کفر سے بچانا فرض قطعی ہے۔	۳۱۷
فرائض ادا نہ کرنے یا اُن کی ادائیگی سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا۔	۲۹۱	مسلمان کے کسی قول یا فعل میں کوئی ضعیف سے ضعیف تاویل ایسی نکلتی ہو جس کے سبب سے حکم اسلام ہوسکتا ہو تو اسی کی طرف جانا لازم ہے اگرچہ اس میں ہزار احتمال جانبِ کفر جاتے ہوں۔	۳۱۷
ایسے فرض کی فرضیت کا منکر کافر ہوجاتا ہے جس کی فرضیت ضروریاتِ دین سے ہو۔	۲۹۱	اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔	۳۱۷
مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۲۹۱	احتمال اسلام کو چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانیوالے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں۔	۳۱۷
تنبیہ: حضورت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بارہا ہوگا۔	۳۰۷	لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وُہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔	۳۱۸
دخولِ جنّت میں اوّلیت مطلقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے۔	۳۰۷	تین باتیں اصلِ ایمان میں داخل ہے۔	۳۱۸
مباح پر طعن صرف اسی صورت میں کفر ہوسکتا ہے کہ اس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو۔	۳۰۷	اہلِ قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہو۔	۳۱۸
نکاح ثانی کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہے۔	۳۰۷	جاہلوں سے ذات وصفات کے دقیق مسائل پُوچھنا ناجائز ہے۔	۴۰۳
نکاح ثانی کو ازرُوئے شرع حلال نہ جاننا کُفر ہے۔	۳۰۹	جو کسی مسلمان کے لئے چاہے کہ کافر ہوجائے اس کے ہونے سے پہلے وُہ خود کافر ہوگیا۔	۴۰۳

حکم علی ترمذی کا نہیں محمّد مدنی کا ہے۔	۴۰۳	**حدود و تعزیر**	
یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعہ وراثت نہیں کلمہ کفر ہے۔	۴۷۱	مالی جرمانہ شرعًا ناجائز و باطل ہے۔	۲۷۰
رَدِّ بدمذہباں		عورت کو تین طلاق دے کر عدّت میں وطی کرنا زناء خالص ہے جبکہ اس کی حُرمت کا علم ہو۔	۴۰۰
نسبت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس سے لڑکی کی نسبت کی وُہ رافضی وہابی وغیرہ بدمذہب ہے تو نسبت چھڑانا شرعًا لازم ہے۔	۲۸۱	مطلقہ مغلظہ سے دورانِ عدّت وطی کرنیوالے پر حد جاری ہوگی۔	۴۰۰
وہابیہ کی اکثر عادت ہے کہ مسلمانوں کو وجہ بے وجہ کافر، مشرک اور بے ایمان ٹھہرادیتے ہیں۔	۲۹۰	مسلمانوں کو حرام کار مرد وعورت سے مقاطعہ کرنا لازم ہے۔	۴۰۰
وہابیہ کا قدیمی داب۔	۳۹۵	دورانِ عدّت نکاح کرنیوالے سے عورت کو فورًا جُدا کردیا جائے، اگر نہ مانے تو اسے برادری سے خارج کردیا جائے۔	۴۰۸
وہابیہ محمد بن اسحاق کے مقلد ہیں اور انہوں نے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر صریح تبرّا لکھے ہیں۔	۳۹۶	حرامکار مرد وعورت سے برادری والوں کو مکمل مقاطعہ کرنا ضروری ہے۔	۴۰۸
ایک جلسہ میں تین طلاقوں کو ایک ماننا جمہور اسلام کے خلاف ابن قیم ظاہری کا مذہب ہے۔	۴۰۴	اغواء کرنے والے کو برادری سے خارج کرنا اور اس سے میل جول چھوڑ دینا لازم ہے۔	۴۲۹
سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان اقدس میں کلماتِ گستاخی بکنے والا کُھلا رافضی ہے۔	۴۰۴	مطلقہ ثلاثہ کو حلالہ کے بغیر رکھنے والا شوہر مبتلائے زناء ہوگا اور مستحق عذاب شدید ہوگا۔	۴۳۳
ایک مجلس میں تین طلاقوں کے وقوع کے منکر مخالفِ سواد اعظم ہیں۔	۴۵۹	دیدہ دانستہ غلط طلاق کی شہرت دینا حرام اور کارِ ابلیس ہے۔ ایسے لوگ تعزیر کے مستحق ہیں۔	۴۶۰
لامذہب یعنی زندیق دہریہ کا نکاح ہی نہیں ہوتا۔	۶۰۹	ترک واجب گناہ جس پر حاکم سزادے سکتا ہے۔	۴۷۹
		جس معصیت پر حد لاگو نہ ہوتی ہو اس پر تعزیر ہے۔	۴۷۹

افتاء ورسم المفتی		متون وفتاوٰی باہم متعارض ہوں تو معتمد وہی ہوگا جو متون کے موافق ہوگا۔	۱۱۳
متون خاص نقلِ مذہب صحیح ومعتمد کیلئے وضع کئے جاتے ہیں۔	۱۰۵	صاحب ھدایہ اصحاب ترجیح میں سے ہیں۔	۱۱۴
ملتقی الابحر متون معتمدہ فی المذہب سے ہے۔	۱۰۶	امام کمال الدین ابن الھمام صاحب فتح القدیر لائق اجتہاد اور اصحاب ترجیح سے ہیں۔	۱۱۴
ملتقی الابحر میں جو قول مقدم ہو وہی ارجح ومختار للفتوٰی ہوتا ہے۔	۱۰۶	امام قاضی خاں اصحاب ترجیح سے ہیں اُن کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۴
فقیہ النفس امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر واظہر اور معتمد ہوتا ہے۔	۱۰۶	علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناء پر رَد کردیں کہ متون ان کے خلاف پر ہیں۔	۱۱۵
صاحب ہدایہ اکثر قولِ قوی کو مقدم کرتے ہیں اور قول مختار کی دلیل کو مؤخر کرنا ان کی عادت مستمرہ ہے	۱۰۷	جس پر متون ہوں وہی قول معتمد ہوگا۔	۱۱۵
علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قولِ امام پر فتوٰی دے اور قاضی عموماً مذہبِ امام پر فیصلہ کرے مگر بضرورت داعیہ ترک۔	۱۰۹	صاحب محیط ائمہ ترجیح سے ہیں۔	۱۱۵
امام اعظم کے بعد امام ابویوسف پھر امام محمد پھر امام زفر وحسن بن زیاد کے قول کی طرف رجوع کرنا چاہئے	۱۰۹	بعض جگہ قولِ صاحبین پر فتوٰی کی وجوہ۔	۱۱۶
ہم پر امام کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف فتوٰی دیں۔	۱۱۰	ایک تہائی مذہب کے قریب قولِ صاحبین قولِ امام کے خلاف ہے لیکن اکثر اعتماد قولِ امام پر ہی ہے۔	۱۱۶
مسائل وقف وقضاء میں غالبًا امام ثانی کے قول پر فتوٰی ہے۔	۱۱۱	علماء نے اس کی تصحیح فرمائی کہ ہم پر بقولِ امام فتوٰی دینا لازم اگرچہ مشائخ نے اس کے خلاف پر فتوٰی دیا ہو۔	۱۱۷
لاکھوں مسائلِ معاملات میں قولِ امام پر فتوٰی ہے اگرچہ امام ابویوسف کی رائے سے امام محمد بھی موافق ہوں۔	۱۱۱	قولِ امام سے قولِ صاحبین کی طرف یا ان میں سے کسی ایک کی طرف بلاضرورت عدول نہ کیا جائے۔	۱۱۸
متون شروح پر اور شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۱۱۳	صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں قولِ امام پر فتوٰی بہرحال میرے نزدیک واجب ہے۔	۱۱۸
متن وشرح میں تعارض ہو تو عمل متن پر ہوگا۔	۱۱۳		

وقت عشاء میں قول صاحبین کو درر میں مفتٰی بہ کہا اس پر اعتماد جائز نہیں کہ قول امام سے عدول کا کوئی سبب نہیں۔	۱۱۸	قاعدہ یہ ہے کہ عمل اس قول پر ہوگا جس پر جزم واعتماد کرنے والے کثیر ہوں۔	۴۹۱
فتوٰی جب مختلف ہو توظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے۔	۲۰۹	امام قاضی خاں کی ترجیح اوروں کی ترجیح پر مقدم ہے۔	۴۹۱
مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے۔	۲۱۴	جو متون وشروح میں ہے وہ اس پر مقدم ہے جو فتاوٰی میں ہے۔	۴۹۱
جو اہلِ زمانہ کو نہ جانے اور فتوٰی دیتے وقت اپنے علاقے کے حال کو ملحوظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے۔	۲۱۴	مبنائے باطل پر اقرارِ طلاق محض لغو ہے۔	۵۸۶
جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام اور مخالفانِ دین کی طرف رجوع کر سخت اشد حرام ہے۔	۴۲۶	چودہ برس کی لڑکی میں بلوغ وعدمِ بلوغ دونوں محتمل ہیں۔	۶۰۹
قول مرجوح فتوٰی اور حکم جہل وخرقِ اجماع ہے۔	۴۸۲	مفتی کا خود شقوق قائم کرکے ہر شق کا جواب دینا خلافِ مصلحتِ شرعیہ ہے۔	۶۰۹
مقلد کس صورت میں قولِ مرجوح یا دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرسکتا ہے۔	۴۸۲	**فوائد اصولیہ**	
مفتی کا قول مرجوح پر فتوٰی باطل ہے نیز کسی دوسرے امام کے مذہب کے مطابق بھی فتوٰی نہیں دے سکتا۔	۴۸۲	اقتصار وتعلیل دونوں دلیل اختیار وتعویل ہیں۔	۱۰۵
امام قاضی خاں اسی قول کو مقدم رکھتے ہیں جو راجح ومعتمد ہو۔	۴۸۸	تعلیل دلیل ترجیح ہوتی ہے۔	۱۰۶
علامہ ابراہیم حلبہ اسی قول کو تقدیم دیتے ہیں۔ جو مؤید ہو۔	۴۸۹	جواب سوال دوم۔	۱۱۰
امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد کے بعد امام ابویوسف کا قول مرجح ومقدم ہے۔	۴۹۰	مجتہد کے سوا کسی کو قوّتِ دلیل پر نظر کا اختیار نہیں۔	۱۱۱
متون کی جلالتِ شان کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکتی۔	۴۹۰	مشقّت جالب تیسیر ہے۔	۱۱۱
علماء کی تصریح کے مطابق شروح فتاوٰی پر مقدم ہیں۔	۴۹۰	بغیر ضعف دلیل یا ضرورت یا تعامل یا اختلافِ زماں قولِ امام پر قولِ صاحبین مرجّح نہیں ہوسکتا۔	۱۱۸

ضعف دلیل جس کے سبب قولِ امام سے عدول جائز ہے وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدین فتوی اس کے ضعف پر تنصیص کریں۔	۱۱۹	حرام سے اجتناب واجب ہے۔	۳۳۲
بصورت تجدّد بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں اور نہ بعض پر رضا سے کل پر رضا لازم ہے۔	۱۲۰	متکلم جب اپنے کلام میں جواب سے الگ بات ذکر کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ الگ کلام مانا جاتا ہے۔	۳۴۹
اشیائے متعددہ میں اقباضِ بعض اقباضِ کُل نہیں۔	۱۲۰	جو عرفاً معہود ہو وُہ ایسے ہی ہے جیسے موجود لفظاً ہو۔	۳۵۰
المعروف کالمشروط۔	۱۹۵	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۳۵۹
عوض ومعوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہو سکتے۔	۲۰۴	صریح لفظ محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۳۹۵
ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا۔	۲۱۵	رضا بالحرام حرام بلکہ بعض دفعہ کُفر ہوتی ہے۔	۳۹۸
اگر کوئی شخص اپنا تلف ہوتا ہُوا دیکھے اور خاموش رہے تو یہ خاموشی اذنِ اتلاف نہ ہوگی۔	۲۱۵	تاسیس اولٰی ہے بنسبت تاکید کے۔	۴۲۵
نابالغ تبرع کی اہلیّت نہیں رکھتا اور نہ ہی اس کے مال سے کسی کو تبرع کرنے کا اختیار ہے۔	۲۱۵	شان خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔	۴۲۵
عقد ایک ربط ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔	۲۱۷	کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے۔	۴۳۷
جو شیئ مقصود سے خالی ہو وُہ باطل ہوتی ہے۔	۲۱۷	ایسا دعوی جسمیں کوئی حصہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم نہ کریں گے۔	۴۳۸
قبول علم کی فرع۔	۲۲۲	انقضاءِ عدت کو اجنبی اور محلیت طلاق سے خارج کردیتی ہے۔	۴۴۱
بعض احکام شرع بحکم شرع عرف پر دائر ہوتے ہیں۔	۲۲۸	ضرر شرعاً واجب الدفع ہے۔	۴۷۸
جب دو امر محتمل ہوگا تو اقل متعین ہوتا ہے کیونکہ وہی یقینی ہوتا ہے۔	۲۲۹	ضرورتِ صادقہ میں کسی امام کی تقلید صرف اس مسئلہ میں ان کے مذاہب کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہے۔	۵۱۰
عرف غالب کا اعتبار ہوگا مغلوب نامقبول ہوگا اور جہاں دونوں برابر ہوں وہاں تعیین مراد کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۲۲۹	صریح محتاج نیت نہیں ہوتا۔	۵۵۹
مملک جہت تملیک کو زیادہ جانتا ہے۔	۲۳۲	صحیح یہ ہے کہ "طلاق لے" طلاق صریح ہے۔	۵۶۱
منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۲۷۰	تاسیس تاکید سے اولٰی ہے۔	۵۶۱

مُفَوَّض مملک ہوتا ہے۔	۵۶۶	مہر کی اگر کچھ مدّت مقرر نہ ہوئی وہاں اس شہر کے عرف وعادات پر عمل ہوگا۔	۱۳۸
مُملَّک اپنی مرضی سے کام کرتا ہے مُملِّک کی مرضی کا پابند نہیں ہوتا۔	۵۶۶	مہر میں معجّل ومؤجل کی وضاحت نہ کی گئی ہو تو وُہ عرف بلد پر رہے گا۔	۱۴۰
جو شرعًا معتبر نہ ہو اس کو معتبر بنانا کسی کے بس میں نہیں۔	۶۰۲	ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل وتاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اس کے لزومِ ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے۔	۱۴۰
جو اقرار غلط بناء پر ہو وہ معتبر نہیں ہوتا۔	۶۳۳	زنا سے حاملہ سے لاعلمی میں نکاح کیا مرد کہتا ہے میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا۔ یہ عذر اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں۔	۱۴۱
دلالت قال دلالت حال کی طرح ہے۔	۶۳۵	خلوت صحیحہ کی تعریف کیا ہے۔	۱۴۲
دلالت حال دلالت مقال سے عام ہے۔	۶۳۵	مہر معجّل کی تعریف۔	۱۴۲
جو کچھ سوال میں ہو جواب اس کو متضمن ہوتا ہے۔	۶۴۴	مہر مؤجل اس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آئے گا، اس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔	۱۴۲
فوائد فقہیہ		اگر مؤجل کہا اور کوئی میعاد بیان نہیں کی تو وہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا۔	۱۴۲
مہر شرع محمدی کی مقدار کیا ہے۔	۱۲۳	خلوتِ صحیحہ وجوب مہر کے لئے شرط نہیں۔	۱۴۳
ہر عاقد وحالف اور واقف وموصی کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کرنا لازم۔	۱۲۴	جو بات عرف ورواج سے ثابت ہو وہ ایسی ہی ہے جیسے زبان سے شرط کی گئی ہو۔	۱۵۹
فساد تسمیہ کے وقت مہر مثل قائم ہوتا ہے۔	۱۲۵	صراحتًا کہی ہوئی بات عرف ورواج وغیرہ سے دلالۃً سمجھی جانے والی بات پر ترجیح رکھتی ہے۔	۱۵۹
کون سا وہ امر ہے جس سے تمام مہر ساقط ہوجاتا ہے اور کون سا وہ جس سے نصف رہ جاتا ہے۔	۱۲۶	متارکہ فسخ ہے طلاق نہیں اگرچہ الفاظِ طلاق سے ہو۔	۱۶۰
درہم شرعی کا وزن۔	۱۳۶	نکاح فاسد وُہ نکاح ہے جس میں شرائط صحت سے کوئی مفقود ہو مثلًا بے شہود نکاح۔	۱۶۱
دینار کا وزن۔	۱۳۷	چونکہ نکاح فاسد میں طلاق دراصل نہیں بلکہ فسخ ہے لہذا اس سے تعدادِ طلاق میں کمی نہ ہوگی۔	۱۶۱

کم از کم مہر دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی ہے۔	۱۶۲	حکم دیانت اور حکمِ قضاء کی تفصیل۔	۳۳۶
مہر مؤجل کے کیا معنی ہیں اور غیر مؤجل کے کیا، اور معجّل کے کیا، اور ان کا کیا حکم ہے۔	۱۶۶	ترک اضافت کی مختلف صورتیں۔	۳۴۳
دینار سُرخی کتنے روپے کا ہوتا ہے۔	۱۶۶	وقوعِ طلاق کے لئے لفظ یانیت میں اضافت ضروری ہے۔	۳۴۴
دس درہم کی آجکل کے روپے سے قیمت۔	۱۶۷	لفظ میں وجود اضافت کی تین صورتیں ہیں۔	۳۴۴
مہر معجّل ومؤجل کی کچھ تعداد ہے یا نہیں، اور کس وقت زرِ مہر وصول کرنے کا مجاز ہے اور کوئی سبب ہے یا نہیں۔	۱۷۱	صحتِ خلوت کی بنیاد مانع حقیقی کے معدوم ہونے پر ہے اگرچہ مانع شرعی موجود ہو۔	۳۷۰
مہر تین قسم ہے: (۱) معجّل (۲) مؤجل (۳) مؤخر۔	۱۷۱	ایک مجلس میں تین طلاقوں کا ایک ہونا، چاروں اماموں کے مذہب کے خلاف ہے۔	۳۹۵
بے تعیین مہر نکاح ہوگا یا نہیں اور شرعی مہر کہا تو کس قدر لازم ہوگا۔	۱۷۲	معاہدوں میں دستاویز کا لکھنا حسبِ عرف معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔	۴۲۰
وہ کون سی صورت ہے کہ صرف ایک جوڑا کپڑا پانے کی زوجہ مستحق ہے۔	۱۷۳	المشروط عرفاً کالمشروط لفظاً۔	۴۲۰
مہر مثل سے اپنے خاندان پدر ہی کا مہر مراد ہے۔	۱۷۵	طلاق صریح غیر کو لاحق ہوجاتی ہے۔	۴۲۵
مہر کی اقسام ثلثہ یعنی معجّل، مؤجل اور مؤخر کی تعریفات اور احکام کی تفصیل۔	۱۸۹	صریح کے بعد بائن طلاق دی تو وہ صریح بھی بائن ہوجائے گی۔	۴۲۷
دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔	۲۲۱	زنِ غیر مدخولہ تفریق طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتی۔	۴۳۷
عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کی رعایت واجب ہے۔	۲۳۰	مدخولہ جمعًا وتفریقًا تین طلاق تک کی صالحہ ہے زیادہ کی نہیں کہ تین سے آگے طلاق ہی نہیں۔	۴۳۷
شیئ واحد میں حل وحظر دو جہت سے مجتمع ہونا بعید نہیں۔	۲۳۰	کافی لرخصۃ العمل اور مغنی حاجت الاثبات میں شرعًا فرق زمین وآسمان کا ہے۔	۴۴۵
طلاق دینے کے حق کو شوہر شرعًا باطل نہیں کرسکتا۔	۲۳۲	طلاق صریح جب بائن کو لاحق ہو تو بائن ہوجاتی ہے۔	۴۵۰
حکم کی دو قسمیں ہے۔	۳۳۶	ایک یا دو طلاق دے کر نکاح کیا تو حل جدید کے ساتھ نہ لوٹے گی۔	۴۵۹

تفریق حاکم طلاق بائن ہوتی ہے۔	۴۹۴	قولِ امام محمد کہ عدت وقتِ طلاق سے اور فتوائے متاخرین کہ وقتِ اقرار سے ہے، ان میں تطبیق وتوفیق۔	۶۱۸
طلاق کے بارے میں کون سا لفظ اور کونسا کنایات میں سے ہوتا ہے۔	۵۵۹	بائن کا رجعی کو لحوق امتناعِ رجعت کی وجہ سے رجعی کو بھی بائن بنادیتا ہے۔	۶۲۸
جو لفظ عرف میں طلاق کے لئے غالب الاستعمال ہو وہ طلاق کے لئے صریح ہوگا چاہے کسی لغت کا ہو۔	۵۵۹	کتنی ہی کنایات بائنہ ہوں اور سب سے نیتِ طلاق بھی کی ہوتب بھی صرف ایک واقع ہوگی کیونکہ بائن بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔	۶۳۴
اگر اپنی بیوی کو کہا "تو مجھ پر حرام ہوچکی تو بلانیت طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہ صریح ہے مگر یہ بائن کو لاحق نہیں ہوگی اور نہ اس کو بائن لاحق ہوگی کیونکہ یہ بائن ہے۔	۵۶۲	فضول واجنبی کلام اور جنگ سے مجلس بدل جاتی ہے۔	۶۳۸
بائن جب رجعی کو لاحق ہو تو اس کو بھی بائن بنادیتی ہے۔	۵۷۱	شوہر کی جازت سے دوسری کو طلاق دینے کی تین صورتیں ہیں: تفویض، توکیل، رسالہ۔	۶۳۸
بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی۔ اگر اس کو خبر قرار دینا ممکن ہو۔	۵۸۵	الفاظِ تفویض تین ہیں: تخییر، امر بالید اور مشیئۃ۔	۶۳۸
ایک طلاق کے بعد صرف غیر مدخولہ مزید طلاق کی محل نہیں رہتی۔	۵۸۵	تفویض طلاق کے لئے ملک یا اضافت الی الملک ضروری ہے۔	۶۴۳
لفظ "حرام" بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے۔	۵۸۶	**دعوی**	
رجعی بائن کے ساتھ جمع ہوکر ہوجاتی ہے کیونکہ اس صورت میں رجعت ممتنع ہوتی ہے۔	۶۱۱	عورت نے اقرار کیا کہ یہ چیز شوہر کی ملک تھی پھر دعوی کرے کہ اس کی ملکیت میری طرف منتقل ہوگئی ہے تو بغیر گواہوں کے عورت کا یہ دعوی ثابت نہ ہوگا۔	۱۶۰
صریح نیت کی محتاج نہیں ہوتی۔	۶۱۱	شوہر نے مہر معجّل کا چھٹا حصہ وقت نکاح ادا کردیا، اب ہندہ زوجہ کو باقی پانچ حصوں کا مطالبہ قبل افتراق پہنچتا ہے یا نہیں، اور اگر رخصت ہوئی خلوت صحیحہ نہ ہوئی تو دعوی کا اختیار ہے یا نہیں۔	۱۶۴
صریح جب کنایہ طلاق سے مؤخر ہو تو وہ نیت طلاق پر قرینہ نہیں بن سکتی۔	۶۱۱	ایک شخص پندرہ [۱۵] ماہ باہر رہا، واپس آیا تو معلوم ہوا کہ بی بی کے آٹھ ماہ کا حمل ہے وُہ طلاق پر آمادہ ہے بعد طلاق وُہ عورت مہر کا دعوی کرسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۴
کنایات میں قرینہ کو مقدم ہونا چاہئے۔	۶۱۱		

اگر طلاق ومطلقہ میں خلوت ودخول کے بارے میں اختلاف ہو تو کس کے قول پر اعتماد ہوگا۔	۱۹۳	ایک بار بھی ہمبستری ہوچکی تو دعوی عنینیت کا حق نہیں پہنچتا،	۵۰۸
بیٹی کو جہیز دیا پھر مدعی ہوا کہ میں نے عاریۃً دیا تھا بیٹی کہتی ہے تملیکاً یا اس کے مرنے کے بعد اس کا شوہر یہ کہتا ہو تو کس کا قول کب اور کس طرح معتبر ہوگا۔	۲۲۹	اس صورت میں زید البتہ واجب ہے کہ ادائے حق پر قادر نہ ہو تو طلاق دے دے۔	۵۰۸
بحالت عدم عرف مدعی کا قول بقسم معتبر ہوگا یہ حکم باپ کے لئے ہے حقیقی ماں کو بھی اس سے عرفاً لاحق کیا گیا ہے۔	۲۳۶	عورت کے عیب کے سبب شوہر کو دعوی فسخ نہیں۔	۵۱۱
بحالت عدم عرف مدعی کا قول بقسم معتبر ہوگا یہ حکم باپ کے لئے ہے حقیقی ماں کو بھی اس سے عرفاً لاحق کیا گیا ہے۔	۲۳۶	شوہر خلافِ ظاہر دعوی کرے تو عورت کا قول قول معتبر ہوگا۔	۶۴۱
ماں کا دعوی اختصاص محتاج بینہ ہونا چاہئے مگر دو صورتوں میں، ایک یہ کہ باپ مال نہ رکھتا ہو، دوسرے یہ کہ ماں نے اس سے جدا ہو کر بطور خود تزویج کی ہو۔	۲۳۶	عورت مدعیہ طلاق ہو اور شوہر منکر تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔	۶۴۱
ایک زمانہ تک کسی شیئ میں تصرف ہوتا دیکھتا رہا پھر مدعی ہوا حالانکہ پہلے بھی دعوی کے کوئی امر مانع نہ تھا اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۲۴۵	**شہادت**	
اگر اجنبی نے جہیز دیا بعد مرگ عروس عاریت کا مدعی ہوا تو بے بینہ اس کا قول معتبر نہیں۔	۲۴۵	ہندہ مدعیہ نے گواہوں سے ثابت کیا کہ میرا مہر ایک لاکھ روپے تھا شوہر نے گواہوں سے یہ ثابت کیا کہ دس ہزار تھا کس کے گواہ معتبر ہوں گے کمی کے یا زیادتی کے۔	۱۸۹
عورت نے شوہر کی بے خبری میں کسی اور سے شادی کرلی بچّہ پیدا ہوا شوہر اوّل دعوی کرے تو دعوی مسموع ہے۔	۳۶۶	ثبوت خلوت صحیحہ یا دخول گواہوں سے ہوگا یا طلاق ومطلقہ سے۔	۱۹۳
ثقہ گواہوں سے طلاق کا ثبوت ہو تو شوہر کے انکار کا اعتبار نہیں۔	۳۹۵	نفی پر شہادت معتبر نہیں۔	۱۹۴
طلاق کے دو مہینہ کے بعد بکر سے نکاح ہوا۔ اٹھارہ سال بعد وہاں سے بھاگ کر خالد کے پاس گئی، اس عورت پر کس کا دعوی صحیح ہے، مسئلہ کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۶۶	شوہر تیسری طلاق کا منکر ہے اور ایک کافرہ گواہ اس کی گواہی بالکل معتبر نہیں۔	۳۶۷
		طلاق کی گواہی میں شوہر اگر موجود ہو تو اس کی طرف اشارہ کرکے اور موجود نہ ہو تو باپ دادا کے نام کا ذکر ضروری ہے، بے اس کے گواہی ناقص۔	۴۱۵

طلاق کی گواہی کے لئے دعوی ضروری نہیں کوئی دعوی نہ کرے تو گواہوں پر فرض ہے کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں۔	۴۲۸	میاں بیوی کے اختلاف کی صورت میں طلاق کے گواہ عورت کے معتبر ہوں گے۔ اگر گواہ عادل نہ ہوں تو شوہر سے قسم لے کر فیصلہ کیا جائے گا، شوہر کے گواہ پیش نہیں ہو سکتے۔	۴۵۳
حقوق العباد میں قبول شہادت کے لئے تقدم دعوی شرط ہے حقوق اللہ میں شرط نہیں۔	۴۲۸	دیانات اور مذہبی معاملات میں فاسق وغیر مسلم کی بات معتبر نہیں۔	۴۹۴
طلاق کے گواہوں میں ایک لڑکا بارہ چودہ سال 'ایک عورت کی ماں ایک بھاوج اور ایک اجنبی عورت۔ پھر طلاق کی تعداد میں ان کے درمیان اختلاف۔ ان مختلف صورتوں کا حکم۔	۴۳۰	گواہ شرعی نہ ہوں تو طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۶۵۵
تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔	۴۳۰	طلاق کے بارے میں اکیلی عورت کی گواہی قبول نہیں ہوگی۔	۶۵۵
فرع کی گواہی اصل کے لئے اور اصل کی گواہی فرع کے حق میں نہیں۔	۴۳۰	**قضاء**	
امام صاحب کے نزدیک شہادت میں لفظاً اور معنیً جتنے پر اتفاق ہو وُہ ثابت ہے۔	۴۳۱	قاضی پر لازم ہے کہ حد خالص، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوی بھی شہادت سُنے۔	۴۲۸
اختلافِ شہود موجب رَدِّ شہادت ہے۔	۴۳۱	قاضی حجتِ شرعیہ کے ساتھ فیصلہ کرے گا، نہ مجرد خط کے ساتھ کیونکہ خط خط کے مشابہ ہو سکتا ہے۔	۴۴۵
شوہر کا انکار طلاق ثقہ گواہوں کی موجودگی میں اصلاً مسموع نہ ہوگا۔	۴۳۲	فاسق قضاءِ شرعی کے عہدہ کا مستحق نہیں ہوتا۔	۴۶۲
بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعاً قبول ہے۔	۴۳۲	موجودہ کچہریوں کے فیصلہ سے شرعاً طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۴۷۷
طلاق کے ثبوت کے لئے دو شرعی گواہ کافی ہیں۔	۴۳۲	قاضی شرع نائب شرع مطہر ہوتا ہے۔	۴۸۱
طلاق کی آواز سُنی، دینے والے کو دیکھا نہیں، گواہی نہیں دے سکتے۔	۴۳۳	مقلد قاضی اپنے مذہب کے خلاف حکم نہیں کر سکتا۔	۴۸۱
جو شخص زید سے عداوت ظاہرہ دنیویہ اس حد تک رکھنے والا ہو کہ اس کے باعث زید کے حق میں متہم ہو تو اس کی گواہی ضرر زید پر قبول نہیں۔	۴۴۰	مذاہب اربعہ سے غیر حنفی قاضی اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یا حنفی قاضی جسے سلطان نے منصب قضاء پر مقرر کیا ہو اور اجازت دے رکھی ہو بوقتِ ضرورت قول مرجوح پر فیصلہ کردے تو اس کی قضاء نافذ ہوگی۔	۴۸۲

قاضی مقلد مقید بالقضاء مبالمذہب کسی دوسرے امام کے مذہب پر فیصلہ کرنا باطل ہے۔	۴۸۲	ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں۔	۱۳۶
شوہر کی بیماری اور معذوری سبب فسخ نکاح نہیں۔	۴۸۳	امّ المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم اور دوسری پر چار ہزار دینار تھا۔	۱۳۶
جنون کی بنیاد پر موجودہ کچہریوں کے حاکم کا نکاح فسخ کرنا باطل ہے۔اس مسئلہ کے تفصیلی دلائل۔	۴۸۸	حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا۔	۱۳۶
جہاں قاضی شرع نہ ہو وہاں جو عالم دین تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو وہ حاکمِ شرعی ہے۔	۵۰۶	عہدِ پاک رسالت میں سونا فی تولہ سات روپیہ ۷ ِ آنہ ۵۔ ۵/۳ پائی تھا۔	۱۳۷
شوہر عدم نیت طلاق پر قسم کھانے سے انکار کرے تو عورت معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرے وہ انکار کی صورت میں تفریق کردے گا۔	۵۷۵	حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زرہ چار سواسی درہم میں فروخت ہوئی۔	۱۵۱
تاریخ وتذکرہ		رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں دراہم مختلف ہوتے تھے۔	۱۵۴
علامہ شیخی زادہ دیار رومیہ کے عالم، دولت عثمانیہ کے قاضی اور صاحب درمختار کے معاصر تھے۔	۱۰۸	عہد فاروقی میں دراہم تین طرح کے تھے :	۱۵۴
علامہ خیر الدین رملی صاحب درمختار کے استاذ ہیں ۔	۱۰۸	(۱) دس درہم دس مثقال کے ہم وزن۔	۱۵۴
بے اذنِ امام اعظم امام ابویوسف نے مجلس درس قائم کی ، پانچ سوالوں کے جواب میں متحیر ہو کر پھر خدمتِ امام رجوع لائے۔	۱۱۲	(۲) دس درہم چھ مثقال کے ہم وزن۔	۱۵۴
مہرہ ازواج مطہرات وحضرت فاطمہ زہرا کس قدر تھا۔	۱۳۵	(۳) دس درہم پانچ مثقال کے ہم وزن ۔	۱۵۴
عامہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پر نور علیہ وعلیہن افضل الصلوات واکمل التحیات کا مہر اقدس پانچسو درہم سے زائد نہ تھا۔	۱۳۶	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انواع ثلثہ (دس، چھ، پانچ) میں سے ہر ایک کا ثُلث لیا جس کا مجموعہ سات بنتا ہے، اور ایسا درہم مقرر فرمایا جس میں سے درہم سات مثقال کے ہم وزن ہوں چنانچہ بعد ازاں اخذ وعطامیں خصومت سے بچنے کے لئے وہی درہم جاری رہا۔	۱۵۴

حاصل یہ قرار پایا کہ حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اصل مہر کریم جس پر عقد اقدس ہوا چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھی اور زرہ برسم پیشگی وقتِ زفاف دی گئی کہ بحکم اقدس چار سو اسی ۴۸۰ درہم کو بکی۔	۱۵۵	بائع نے وصولی ثمن سے قبل اگر مبیع کا بعض حصہ مشتری کے حوالے کردیا تو بقیہ کو روکنے کا اسے حق حاصل ہے۔	۱۰۷
ام المومنین حضرت سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر مبارک اور سنِ وصال۔	۳۰۳	بیع میں اگر چند چیزیں ایک عقد بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں، بعض باقی کو روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو۔	۱۲۰
سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرؤالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہا حضرت علی اصغر اور حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی والدہ ہیں۔امام مظلوم کی شہادت کے بعد شرفاءِ قریش کے پیغاماتِ نکاح کو مسترد کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔ چنانچہ آپ جب تک زندہ رہیں کسی سے نکاح نہ کیا۔	۳۰۴	ثمن مؤجل ہوتو حبس مبیع کا استحقاق بالاجماع زائل ہوجاتا ہے۔	۱۲۰
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک صحابیہ کا قصہ جن کا نام نامی رباب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	۳۰۵	امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ حق حبس بیع میں ۱۲۰ا اصل عقد کا اقتضاء نہیں اور نکاح میں بحالتِ اطلاق نفس عقد کا مقتضٰی ہے۔	۱۲۰
حضرت اسماء بنتِ صدّیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما جفاکشی کا ایک واقعہ۔	۳۱۰	بیع مقایضہ میں احدالبدلین کی تسلیم اوّلاً واجب نہیں۔	۱۲۰
قریش نے زمانہ جاہلیت میں کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے وقت کیا کیا تبدیلیاں بناءِ خلیل میں کیں۔	۳۱۶	ایسا فعل جو رضائے تبادل ملکین پر دال ہو وُہ بیع کا رکن ہے۔	۲۱۷
امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی عمر شریف بوقتِ نکاح کیا تھی۔	۳۹۰	تعاطع احداجانبین سے بعض کے نزدیک بیع جائز ہے اور یہی مفتٰی بہ اور راجح ہے مگر بیان بدل ضروری ہے اگر بدل مجہول ہوگا تو بیع اجماعًا منعقد نہ ہوگی۔	۲۱۸
بیوع		شرائط بیع میں سے جو شرط مفسد معروف ہوجائے محتمل ہے ورنہ نہیں۔	۲۸۸

فضولی کا شراء جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے۔	۲۵۵	**ہبہ**	
اگر دوسرے کے لئے کچھ خریدا تو شراء اس مشتری پر نافذ ہوگی جبکہ اسے دوسرے کی طرف مضاف نہ کیا ہو، ہاں اگر یُوں کہا ہو کہ یہ شئی فلاں کے لئے بیچ کر، اس پر بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے بیع کی تو یہ شراء موقوف ہوگی۔	۲۵۵	جب زن وشو ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کریں تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ نکاح منقطع ہوجائے۔	۱۵۹
مزارعت		نابالغ کو ہبہ کیا اس کے باپ نے قبضہ کرلیا تو ہبہ تام ہوگیا۔	۱۹۸
مزارعت یعنی بٹائی پر کھیت دینا جائز ہے۔	۱۰۹	ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو واپس نہیں لے سکتا۔	۱۹۸
اشربہ		ہلاک موہوب مطلقاً مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۴
نشہ آور اور رقیق شئی قلیل بھی ہو تو حرام ہے۔	۱۰۹	قرابت محرمہ اور زوجیت دونوں مانع رجوع ہبہ ہیں۔	۲۰۵
قرض		عوض صریح موانع رجوع ہبہ سے ہے۔	۲۰۶
مدیون کو مہلت دینے یا دین معاف کرنے والا قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوگا۔	۱۳۹	ہبہ میں جہاں رجوع کا اختیار ہو وہاں بھی رجوع سے گنہگار ہوگا۔	۲۰۶
مدیونوں سے درگزر کرنے والے کی اللہ تعالٰی نے مغفرت فرمائی اور اس کو جنت میں جگہ بخشی۔	۱۳۹	دے کر پھیرنے والا مثل کُتّے کے ہے کہ قے کرکے پھر کھالے۔	۲۰۶
اگر عورت چاہے تو سب مہر کو مثل نقد یا اپنے قرضہ کے وصول کرسکتی ہے۔	۱۸۹	ہبہ سے رجوع مکروہ تحریمی ہے۔	۲۰۶
زوج نے جو زیور مہر معجّل دیا اگر واپس لے لے تو مقروض ہوگا یا نہیں۔	۱۸۹	موہوب لہ، مِلک سے خروج مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۰۸
بیٹی کا باپ پر قرض تھا جہیز دیا پھر کہا میں نے قرضہ میں دیا ہے، بیٹی کہتی ہے نہیں اپنے مال سے تو کس کا قول معتبر ہوگا۔	۲۳۱	باپ نے بیٹے کی شادی اپنے صرف سے کی اب بہو کا جہیز روکتا ہے کہتا ہے میں نے جو شادی میں صرف کیا ہے اس کے عوض میں نے یہ مال رکھ لیا ہے، اس مال اسباب کی مالک زوجہ ہوگی یا والدِ زید۔	۲۱۰

بہن بھائی ترکہ میں شریک ہوں اور بھائی بہن کو جہیز دے تو یہ عرفاً ہبہ نہیں بخلاف والدین ان کا جہیز عرفاً ہبہ ہوگا۔	۲۲۱	زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحتاً یا عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قول شوہر معتبر ہوگا اور وُہ جبراً واپس لے سکتا ہے۔	۱۵۹
اگر کسی نے کہا میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی لوگوں کو اجازت دی کہ جو لے وہ اس کا ملک ہے تو جن لوگوں کو واہب کے اس اذن کی خبر ہوئی وہ جو بھی لیں گے اس کے مالک بن جائیں گے مگر جو شخص اذنِ واہب سے بے خبر ہوگا وُہ جو کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا۔	۲۲۲	بلاتملیک شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے، پہننے اور استعمال کرنے سے ملک عورت ثابت نہیں ہو سکتی۔	۱۶۰
ہبہ مشاع محتمل قسمت صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک۔	۲۲۵	والدین زوج نے بہو کو کچھ زیور واسطے تالیف دیا، یہ سمجھ کر کہ کہا ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں دوسرے کام میں لائیں گے جیسا تاجر بطور عاریت دیا کرتے ہیں، اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک اس صورت میں اس کے مالک والدین ہیں یا نہیں۔	۲۰۳
ہب مشاع غیر متحمل قسمت کی شرط صحت یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو۔	۲۲۵	عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وُہ ان کی ملک نہ ہوں گے۔	۲۰۳
ہبہ تاحینِ حیات ہبہ کاملہ ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو وباطل ہے۔	۲۳۵	عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز وحلال ہے۔	۲۰۸
احد المعاقدین کی موت رجوع ہبہ کے موانع میں سے ہے۔	۲۳۵	جو اشیاء عاریتاً لی جائیں وہ اگر بلا تعدّی حلال ہو جائیں تو ضمان لازم نہیں۔	۲۰۸
موہوب شیئ کا ہلاک ہو جانا یا موہوب لہ، کی ملک سے خارج ہونا دونوں رجوع ہبہ سے مانع ہیں۔	۲۴۷	مستعار شیئ میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو۔	۲۰۸
اگر دو شخص کسی کو ایک گھر ہبہ کردیں تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ مشاع نہیں۔	۲۵۵	اگر عاریت کسی وقتِ معین تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معیّن کے بعد بھی اپنے پاس اسے روکے رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معیّن کے بعد استعمال نہ کی ہو۔	۲۰۸
عاریت			

عاریت امانت ہے بے تعدی اس میں ضمان نہیں۔	۲۴۸	صلح شرعًا ایک عقد ہے جو رافع نزاع اور قاطع خصومت ہے۔	۲۱۷
سود		جہالت اگر منازعت تک پہنچانے والی ہو تو وُہ جوازِ صلح سے مانع ہو گی۔	۲۱۷
سود کے لینے اور دینے پر اگر دونوں راضی ہوں تب بھی حرام قطعی ہے۔	۱۷۴	**امانت**	
شرکت		امین ضامن ہوتا ہے جبکہ تعدی کرے	۲۲۰۔
بصورت شرکت ہبہ، قرض، اتلافِ مال اور تملیک بلاعوض جائز نہیں جب تک شریک صراحتًا نہ کہہ دے۔	۲۱۶	**غصب**	
شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور مال میں ماذون التصرف ہوتے ہیں۔	۲۱۶	غاصب اگر مغصوبہ شیئ کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے اور وُہ ان لوگوں کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ اصل مالک کے لئے ضامن ہوں گے اور غاصب کی طرف رجوع نہ کر سکیں گے بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ غاصب کی طرف رجوع کریں گے۔	۲۲۱
شرکت عین میں دوسرے کے حصّہ سے اجنبی محض ہے اور اسے دوسرے کے حصہ میں تصرف جائز نہیں۔	۲۱۶	**وقف**	
قسمت		اشیاء منقولہ میں اسے جنکا وقت معروف ہو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بلاتراضی ناممکن ہے، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں۔	۲۱۷	**اجارہ**	
صلح		جن چیزوں کے استصناع کا رواج ہو ان میں اُجرت دے کر معدوم شیئ کا بنوانا جائز ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۸
جو جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہو وُہ جوازِ صُلح سے مانع نہیں ہوتی۔	۲۱۷		

رہن		زید قادیانی ہوگیا، اس کی عورت مسلمان ہی رہی، کیا حکم ہے۔	۲۶۱
مرتہن کا شیئ مرہون سے انتفاع اگر باذن راہن بے شرط ہو تو جائز ورنہ حرام، مگر ہمارے زمانے میں مطلقاً حکمِ حُرمت دیا جائیگا کو بے طمعِ نفع بہ مرہون قرض نہ دینے کا عُرف ورواج ہے۔	۲۲۹	عورت نے شریعت کی توہین کی تو کیا وہ مرتدہ ہو گئی اور نکاح فسخ ہوگیا۔	۲۶۳
بے اجازت مالک کوئی شے رہن کردی مالک نے بعد میں بھی اس تصرف کو جائز نہ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اس رہن کو فسخ کرکے مرتہن سے اپنی چیز واپس لے لے اپنا دین مدیون سے لیتا رہے۔	۲۴۹	بعد تجدید ایمان عورت بلااجازت شوہر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔	۲۶۳
اگر مالک سے پوچھ کر اس کی شیئ کو رہن رکھا یا بعد رہن مالک نے اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن نافذ صحیح ہوگیا۔ اب جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو مالک مرہون شیئ کو واپس نہیں لے سکتا۔۔ مالک کی اجازت سے کوئی شیئ کسی نے رہن کردی تو مالک کو اختیار ہے کہ مرتہن کا دین دے کر اپنی چیز چھڑالے اور جو کچھ مرتہن کو دے وُہ مدیون یا اس کے وارثوں سے واپس لے لے۔	۲۴۹	عورت اگر کفر کرے تو نکاح سے نہیں نکلتی، یہی مفتٰی بہ ہے۔	۲۶۳
وکالت		مرتدہ بعد اسلام تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی۔	۲۶۳
صدر انجمن جس کا حکم سے سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائزہ انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہوتا ہے	۲۵۴-	مرتدہ اور مرتد کا نکاح جہاں بھر میں کسی سے نہیں ہو سکتا جس سے ہوگا محض زناء ہوگا۔	۴۰۳
اگر کسی کو غیرہ معیّن شیئ کی خریداری کا وکیل کیا تو شراء وکیل کے لئے ہوگی مگر جبکہ وکیل نے مؤکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو یا مال مؤکل سے شیئ خریدی ہو۔	۲۵۴	عورت مرتدہ ہوجائے تو حلالہ سے چھٹکارا نہیں مسلمان ہوگی تو پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی۔	۴۰۳
وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔	۵۶۶	**یمین**	
سیر		ایک شخص کو لوگوں نے شراب پینے کے لئے بلایا، اس نے جُھوٹ کہا کہ میں نے شراب پینے پر طلاق کی قسم کھائی ہے۔ اب شراب پیئے تو طلاق واقع ہوگی۔	۳۵۳

طلاق کی مدعیہ عورت کی قسم بامعتبر ہے۔	۳۷۳	**قراءۃ**	
مدعی کا حلف نہیں سنا جاتا بلکہ اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں۔	۳۷۳	قرآن مجید کی دسوں قراتیں حق اور منزّل من اللہ ہیں اور دسوں طرح اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھا ہے۔	۳۱۵
مدعی گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے۔	۳۷۳	جہاں جو قراءۃ رائج ہو نماز اور غیر نماز میں عوام کے سامنے وہی پڑھی جائے، جس قراۃ سے ان کے کان آشنا نہ ہوں وُہ نہ پڑھی جائے مبادا وُہ اس پر ہنسنے اور طعن کرنے سے اپنا دیں خراب کرلیں۔	۳۱۵
گواہوں کو طلاق کی تعداد یاد نہ ہو اور شوہر ایک کی قسم کھالے تو اس کی قسم کا اعتبار ہے۔	۴۲۹	**فرائض**	
مرد طلاق نہ دینے کی قسم کھائے اور عورت طلاق دینے کی، اعتبار شوہر کی قسم کا ہوگا، لیکن عورت جس طرح ممکن ہو چھٹکارا حاصل کرے۔	۴۴۳	اولاد ثابت النسب باپ کا ترک پائے گی اگرچہ حرامی ہو۔	۱۸۴
گواہ شرعی موجود نہ ہوں تو قسم لینے کے لئے عورت کا شوہر منکرِ طلاق سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے۔	۴۴۴	نکاح فاسد وباطل میں زوجین ایک دوسرے کے وارث نہیں۔	۱۸۴
شوہر قسم کھا کر عدم نیت طلاق کا قول کرے تو مان لیا جائے گا اور قسم لینے کے لئے قاضی یا پنچ کی ضرورت نہیں، خود عورت بھی شوہر سے یہ قسم لے سکتی ہے۔	۵۷۳	یہ رواج کہ بہن کو ترکہ نہیں دیتے باطل ومردود ہے۔	۱۹۳
اگر کوئی یوں کہے کہ "اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی، چور یا شرابی ہوں" تو حالف نہیں ہوگا۔	۵۹۳	تجہیز میں جمع وموائد داخل نہیں تو تجہیز کے علاوہ خرچ کرے گا اگر وارث ہوگا تو اسی کے حصہ پر پڑے گا اور وُہ متبرع ٹھہرے گا یُوں ہی اجنبی۔	۲۱۶
یمین غموس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا۔	۶۰۴	متوفی کی بیوی مستحق وراثت ہوتی ہے۔	۴۷۰
عدم نیت کے بارے میں شوہر بیوی کے سامنے قسم کھالے مان لے گی۔	۶۰۶	زوجہ متوفی کا مستحقِ میراث ہونا نصِ قرآنی سے ثابت ہے۔	۴۷۱
کنایہ میں شوہر نیت کے بارے میں حلف سے انکاری ہو تو حاکمِ شرعی بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی۔	۶۲۶	متوفی کی اولاد نہ ہو تو اس کی بیوی کو چوتھا اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ بطور میراث ملتا ہے۔	۴۷۱

وراثتِ زوجہ ضروریات دین سے ہے اور تمام فرق اسلام کا اس پر اجماع ہے۔	۴۷۱	لفظ "میکنم" محض حال کے لئے اور لفظ "کنم" محض مستقبل کے لئے، جبکہ عربی میں لفظ "اطلق" حال واستقبال میں دائر ہے۔	۵۸۸
یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعہ وراثت نہیں کلمہ کفر ہے۔	۴۷۱	**لغت**	
عروض جذام کو مزیل نکاح سمجھ کر عورت استحقاق وراثت کا انکار جہل وسفاہت ہے۔	۴۷۲	فارغ خطی کے اصلی معنی اور باب طلاق میں اس کے استعمال اور معنٰی کی تشریح۔	۵۶۴
"کسی مصلحت سے اپنی عورت کی زوجیت سے انکار کیا تو جُھوٹے حلف پر گنہگار ہوا۔ عورت کا نکاح باقی ہے اور ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔	۶۰۳	لا دعوٰی کا لفظ عربی لفظ "انک مجارۃ" کا ہم معنی ہے نیت ہو تو طلاق بائن ہوگی۔	۵۷۴
تہذیب وتمدّن		لفظ وطن لفظِ بلد وقریہ سے عام ہے۔	
ان شہروں میں یہ متعارف ہے کہ جوڑا دُولھا کی جانب سے دُلھن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہٰذا جوڑے بہت گراں قیمت اور اس کے ہمراہ اور کچھ بھی بیجا جاتا ہے اور صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دوسو کا جائے گا تو اُدھر سے چارسو کا آئیگا۔ اس صورت میں کیا جُدائی پر واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور اگر ہلاک کردے تو کیا حکم ہوگا۔	۲۰۲	لفظ "سروکار" کے لغوی معانی۔	۶۳۲
جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع میں خاص ملک زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں طلاق ہوئی تو کُل لے لے گی اور مرگئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔	۲۰۳	**ترغیب وترہیب**	
بلادِ شام وغیرہ میں اس امید پر مہر بڑھاتے ہیں کہ عورت کثیر جہیز لائے گی۔	۲۰۴	"جو شخص شریعتِ مطہرہ کے فتوٰی پر عمل نہ کریگا گنہگار و مستحق سزا وعذاب ہے۔	۵۸۵
نحو		مسئلہ شرعیہ میں غلط اعتراف کی ترغیب پر سرزنش۔	۶۱۵
بعض اطرافِ ہند کے بلاد میں فاعل فعل متعدی کے ساتھ بھی لفظ "نے" نہیں کہتے، مثلاً تو کیا بولتے ہیں۔	۳۸۰	دانستہ حق کو باطل اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شبہہ بتانا موجبِ عزت نہیں دارین میں سخت ذلت کا باعث ہے۔	۶۱۵
لفظ نعم (ہاں) خبر کے بعد تصدیق کے لئے اور امرونہی کے بعد وعدہ کے لئے ہوتا ہے۔	۳۸۰		

مقدس ہستیوں کی طرف رجوع عن الحق کی نسبت کرنے والا بے ادب مختل الدین ہے۔	۶۱۵	ابن اسحٰق دجّال وکذّاب ہے۔	۳۹۶
استفساء میں تغیر وتبدل کرنے والے گنہگار ہیں انہیں خوفِ خدا چاہیے۔	۶۵۲	**حظر واباحت**	
حساب		مہر معاف کردینا نیک کام ہے یا نہیں۔	۱۳۹
مہر فاطمی چارسو مثقال چاندی تھا، آج کل کے روپے سے ایک سوساٹھ روپے۔	۱۲۵	نکاح (ماصہ عہ) مہر پر ہوا اب شوہر مہر میں اضافہ کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو اس کے کیا شرائط ہیں۔	۱۶۲
سکہ رائجہ سے دینار ودرم کا حساب۔	۱۳۷	میکے والوں نے محض جھوٹی خبر پر کہ سسرال والے زہر دے دیں گے ہندہ کو روک رکھا ہے ان کا ارادہ مہر وصول کرکے دوسری جگہ شادی کردینے کا ہے، نصف مہر معجّل ہے اور نصف غیر معجّل، معجّل میں زمانہ کی کوئی حد نہیں اسے روک رکھنا قبل طلاق مہر وصول کرنا، دوسری جگہ شادی کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۱۷۳
مہر شرعی جو بنات صالحات کا چارسو مثقال چاندی ہے آج کل کے سکّہ سے کتنے روپے ہوئے۔	۱۷۲	جو معاملات برادری سے طے ہوں اور شریعت سے باہر ہوں تو کیا حکم ہے۔	۱۷۴
مہر ازواج مطہرات سوائے ام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کہ پانچ سو درہم ہے سکّہ مروّجہ سے کس قدر ہوتے ہیں، وزن درہم اور اوقیہ اور مثقال اور دینار کی صراحت فرمائی جائے۔	۱۷۳	اگر زوجہ یہ جانے کہ نباہ نہ ہوگا تو اپنی خلاصی کے لئے کل مہر چھوڑدے اور لیا ہوا واپس دے دے تو جائز ہے۔	۱۷۴
دس درم شرعی کے سکّہ مروّجہ سے کے روپے ہوتے ہیں۔	۱۷۳	حسب حیثیت تنخواہ زائد سے زائد کتنے کا مہر شرعی باندھنا جائز ہے اور حیثیت سے زائد مہر ہونے کا کچھ مواخذہ ہے۔	۱۷۷
اسماء الرجال		عورت کے ورثاء سے اس کا مہر شوہر یا ورثائے شوہر بخشوالیں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔	۱۷۷
امام مالک اور امام ہشام بن عروہ تبع تابعین سے ہیں اور امام بخاری سے علمِ حدیث وعلمِ فقہ میں بدرجہا افضل ہیں۔	۳۹۶	شوہر پر حرام قطعی ہے کہ زوجہ پر معافیِ مہر کا جبر کرے اور نہ ایسا کرنے سے معاف ہوگا۔	۱۸۰

بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا، ان کے کھانے پینے کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اوران امور میں ان کامال بے اسراف و تبذیر ان پر اٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وُہ بچے ان کے پاس ہوں۔	۲۱۲	عورت پر تنگی کرنااور اسے ضرر پہنچانا بحکمِ قرآن ممنوع ہے۔	۲۷۰
غیر کے مال میں اذن وولایت تصرّف ناجائز ہے۔	۲۱۲	شوہر شرمگاہِ زن وقت جماع دیکھے توکچھ حرج ہے؟ یونہی اگر مُس کرے۔	۲۷۰
چند صورتوں میں بلااذن وولایت مالِ غیر تصرّف جائز ہے۔	۲۱۲	کیاعورت شوہر کے آلۂ تناسل کو چھوئے توحرج ہے۔	۲۷۰
تبرع اوراحسان کرنے والا کسی سے مجرانہ پائیگا۔	۲۱۵	بوقتِ جماع رؤیتِ فرج ممنوع اور نابینائی کاسبب ہے۔	۲۷۱
چڑھاوے کاکیا حکم ہے آیا جائز ہے یانہیں۔	۲۵۹	عورت کو شوہر سے جان کاخطرہ ہو تو اس کے یہاں رہنے پر مجبور نہیں کی جاسکتی، اور اس صورت میں ناشزہ بھی نہیں۔	۲۷۸
لگن کاحکم اور یہ کہ وُہ کس کی ملک ہے۔	۲۵۹	بیبیوں کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی، انکی بدخوئی پر صبر، اُن کی دل جوئی، ان کے مراعات جو خلافِ شرع نہ ہو محبوب شرع ہے۔	۲۷۳
بوسہ کاحکم۔	۲۶۷	ایسی لڑکی جو بظاہر جماع کی متحمل نہیں ہوسکتی اس صورت میں اس کاولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یانہیں۔	۲۸۰
چھاتی مُنہ میں لینے کے احکام۔	۲۶۷	باپ نے اپنی جوان لڑکی کی نسبت ایک لڑکے سے کردی، کچھ عرصہ کے بعد اس سے چھُڑاکر دوسرے سے کردی، کیا یہ جائز ہے، اور کیا اس میں اس لڑکے کی اجازت ورضامندی ضروری ہے جس سے پہلے نسبت کی تھی۔	۲۸۱
بیوی کابوسہ مسنون ومستحب ہے اگرنیت صالحہ ہو، تواس پر اجر پائے گا۔	۲۶۸	نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یانہیں۔	۲۸۴
عورت اگر دودھ والی نہ ہو تو اس کاپستان منہ میں لینا شوہر کے لئے جائز ہے۔	۲۶۸	تشدّدوبیجا ناجائز اور سببِ ہلاک ہے۔	۲۹۰
اگر بیوی زیادہ دودھ والی ہے ورنہ خدشہ ہے کہ دودھ حلق میں جائےگاتوپستان مُنہ میں لینامکروہ ہے۔	۲۶۸	نکاح کی مختلف صور اوران کے احکام کی تفصیل۔	۲۹۱

کس عورت کو نکاح ممنوع وناجائز ہے۔	۲۹۱	عمامہ کا شملہ چھوڑنا سنّت ہے مگر جہاں جُہال اس پر ہنستے ہوں وہاں علماءِ متاخرین نے غیر حالتِ نماز میں اس سے بچنا اختیار فرمایا۔	۳۱۴
کون سی عورت کو نکاح حرام قطعی ہے۔	۲۹۱	فاحشہ عورت کو طلاق دینی مستحب ہے۔	۳۲۱
کس عورت کو نکاح کی ترغیب دینا خلافِ شرع ومعصیت ہے۔	۲۹۱	عورت کی کج خلقی پر اسے طلاق دینا ضروری نہیں بلکہ حتی الامکان نباہ کیا جائے، اگر بضرورت دینی ہی ہو تو صرف ایک طلاق دی جائے۔	۳۲۸
کس عورت کو نکاح کرنا واجب ہے۔	۲۹۱	بے نمازی عورت کے ادائے مہر پر قادر نہ ہو تب بھی طلاق دینا مستحب ہے۔	۳۳۱
کس عورت کو نکاح کرنا فرض قطعی ہے۔	۲۹۱	ماں باپ طلاق کا حکم دیں تو طلاق دینی واجب ہے۔	۳۳۲
جن عورتوں پر نکاح فرض یا واجب ہوا انہیں نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔	۲۹۱	والدین کی نافرمانی حرام ہے۔	۳۳۲
جن عورتوں پر نکاح فرض وواجب ہو وُہ اگر خود نہ کریں گی گنہگار ہوں گی اور اولیاء اگر مقدور بھر کوشش نہ کریں تو وُہ بھی گنہگار ہوں گے۔	۲۹۱	تین طلاق سے عورت مغلظ قابل حلالہ ہوجاتی ہے۔	۳۳۲
مرد پر نکاح اسی وقت فرض وواجب ہوگا جب وُہ مہر نفقہ کا مالک ہو ورنہ وُہ ترک نکاح پر گنہگار ہوگا۔	۲۹۲	ایسی عورت سے طلاق کی ہمبستری زنا ہے، اگر مسئلہ جانتے ہوئے ایسا کیا تو زانی، اولاد ولدالزناء اور ترکہ پدری سے محروم ۔اور ایسا شخص قابلِ خلافت وسجادہ نشینی نہیں۔	۳۸۹
اگر نکاح نہ کرے تو زناء میں مبتلاء ہونے کا خوف ہے اور اگر کرے تو جور وظلم کا ڈر ہے تو نکاح فرض نہ ہوگا۔	۲۹۲	جھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق یا ناحق کو حق بنانا یہودیوں کی خصلت ہے۔	۳۹۹
جور وظلم ایسی معصیت ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے اور زناء سے باز رہنا حقوق اللہ سے ہے۔	۲۹۳	رسم باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پروا نہ کرنا کافروں کی عادت ہے۔	۳۹۹
بحکم حدیث غیبت، زنا سے سخت تر گناہ ہے۔	۲۹۳	مسئلہ شرعیہ محلِ استہزا نہیں ہوتا، ایسا کرنے والا گنہگار ہے اس پر توبہ فرض ہے۔	۳۹۹
اشاعتِ علم فرض اور کتمانِ علم حرام ہے۔	۳۱۲	طلاق بائن میں بے نکاح، اور رجعی میں بعد عدت بے نکاح اور تین میں بے حلالہ عورت سے ملنا حرام قطعی، جتنے لوگ ایسے شخص کے شریک ہوں سب مرتکبِ حرام فاسق۔	۴۶۲
لوگوں سے وہ باتیں کہی جائیں جنہیں وُہ سمجھیں۔	۳۱۲	فاسق کی تقلید ناجائز اور اس کا مقلد گنہ گار ہے۔	۴۶۲

قضاء عرف یعنی نکاح خوانی کا عہدہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے۔	۴۶۲	جب زید نے تین طلاقیں دے دیں تو مطلقہ کا اس کے پاس جانا حرام محض ہے۔	۵۵۹
فاسق کا امورِ دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں، نہ اس پر کسی بات میں اطمینان۔	۴۶۲	بدیہیات پر اہل علم حوالہ طلب نہیں کیا کرتے۔	۵۷۰
کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق ثلاثہ دے کر اپنی مطلقہ سالی سے نکاح کرلے تو کیا حکم ہے۔	۴۶۲	جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سُوءِ ادب ہے۔	۵۷۰
غیر محرم عورت کو بلا نکاح اپنے مکان میں رکھنا اور خلوت میں اس کے ساتھ ہونا فسق ہے۔	۴۶۳	بیوی کا دودھ پینا حرام ہے۔	۵۹۳
طلاق کے لئے مالکانہ دینے کا جو رواج ہے اس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں۔	۴۶۳	طلاق بائن کے بعد بے تجدید نکاح مباشرت عورت سے حرام ہے۔	۵۹۵
خاوند والی عورت سے علم رکھنے کے باوجود نکاح کیا یا لاعلمی میں کیا اور علم آنے پر اس کو چھوڑا نہیں تو یہ زانی ہے۔	۴۶۴	جس عورت پر عدت واجب ہو وہ مرور عدت سے قبل دوسرے مرد سے نکاح کرے تو ناجائز و باطل و زنا و حرام ہے۔	۶۴۸
نیت ہو کہ تھوڑے دنوں بعد طلاق دے دوں گا، تو یہ متعہ نہ ہوگا، لیکن ایسی عادت بنانا یا لوگوں کو اس کی ترغیب دینا جائز نہیں۔	۴۶۷	**فضائل ومناقب**	
نکاح متعہ اور نکاح مؤقت صحیح نہیں۔	۴۶۸	امام ابو یوسف علماً امام اعظم کے ہم پلّہ نہیں۔	۱۱۲
بے ضرورت شرعیہ طلاق شرعاً ممنوع ہے۔	۴۶۸	جو مسئلہ امام اعظم کے حضور طے نہ ہو لیا وہ قیامت تک مضطرب رہے گا۔	۱۱۲
ایک وقت چار تک عورتیں رکھنے کی شرعی اجازت ہے اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتیں	۴۶۹	امام ابو یوسف فرماتے ہیں جس مسئلہ میں ہمارے استاذ کا کوئی قول نہیں اس میں ہم پریشان حال ہیں۔	۱۱۲
شوہر بڈھا ہو اور عورت کے ادائے حقوق پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے مگر عورت بے طلاق دئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔	۴۷۶	امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ میں بعض مسائل میں جانتا کہ حدیث میری طرف ہے، تنقیح کے بعد کُھلتا کہ جس حدیث سے امام صاحب نے فرمایا ہے میرے خواب میں بھی نہ تھی۔	۱۱۲
جو مرد عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا اس پر طلاق دینا فرض ورنہ گنہگار و مستحق عذاب ہوگا۔	۴۸۷		

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تابعی ہیں۔	۱۱۷	مہر کی تعداد شرعی پیمبری کیا ہے اور حضرت خاتونِ جنت کا مہر کیا تھا۔	۱۶۵
عرب کی عورتوں میں سب سے بہتر زنانِ قریش ہیں جو اپنے بچّوں پر بہت زیادہ مہربان اور شوہروں کے مال کی زیادہ نگران و محافظ ہوتی ہیں۔	۳۰۱	مہر درجہ اول، دوم، سوم، چہارم کی تعداد کتنی ہے۔	۱۶۷
جس عورت کا شوہر مرجائے اور وُہ دونوں جنتی ہوں پھر عورت اس کے بعد نکاح نہ کرے تو اللہ تعالٰی ان دونوں کو جنّت میں جمع فرمادے گا۔	۳۰۳	ازواجِ مطہرات امّہات المومنین ہیں، امّہات المومنات نہیں۔	۱۷۶
یتیم بچّوں کے لئے بیٹھی رہنے والی اور ان کے خیال سے نکاح نہ کرنے والی بیوی کی تعریف میں چند احادیث۔	۳۰۶	دادا باپ کی طرح ہے سوائے چند مسائل کے۔	۲۳۹
کسی کی بیٹیاں اور بہنیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاحبزادیوں اور سیّدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی صاحبزادیوں سے زیادہ غیرت اور عزّت والی نہیں ہوسکتیں۔	۳۱۸	زمانہ دراز سے کون سازمانہ مراد ہے۔	۲۴۴
حکمِ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ حکمِ خدا ہے۔	۴۵۹	خلفِ وعد کی تین ۳ صورتیں ہیں۔	۲۸۱
حق سبحٰنہ وتعالٰی نے حقِ عمر میں فرمایا "لعلمه الذين يستنبطونه منكم"	۴۵۹	عورتیں ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئیں۔	۲۹۵
مذہب امام، امام مذاہب سے ہے جس سے بلاوجہ عدول ہرگز جائز نہیں۔	۴۹۰	ناقابل جماع نابالغہ کو طلاق دی تو مہر کا حکم۔	۳۲۳
امام ابویوسف اعظم ارکان مذہب ہیں۔	۴۹۰	متعہ یعنی جوڑا کی تفصیل۔	۳۲۳
امام قاضی خاں فقیہ النفس ہیں۔	۴۹۱	سید علی ترمذی کی طرف منسوب کی گئی کتاب ارشاد الطالبین کی عبارت کے بارے میں سوال۔	۴۰۱
خلفاءِ راشدین اور ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کبھی حق سے رجوع نہیں کیا۔	۶۱۵	تحریر بے شہادت یا اقرار کاتب مسلم نہیں ہوسکتی اگرچہ اسی کا معلوم ہوتا ہو۔	۴۱۵
متفرق		خط خط کے مہر مہر کے مشابہ ہوسکتی ہے۔	۴۱۵
معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔	۱۱۴	قرائن سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے کہ خط فلاں کا ہے۔	۴۱۹
مہر حضرت سیّدۃ النساء بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی مقدار میں بظاہر مختلف روایات اور ان میں نفیس تطبیق۔	۱۴۵		

آج کل عادل شخص کاملنادشوار ہے۔	۴۲۱	مرد نے کہا کہ "اگر بیوی کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دودھ پیوں" یہ نہ تو ایلاء ہے اور نہ ہی قسم، لہٰذا کفارہ لازم نہیں۔	۵۹۲
آج کل عدالت شرعیہ مردوں میں کم ہے اور زنان ناقصات العقل میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں۔	۴۴۰	تطفل علی الخیریہ۔	۵۹۸
سیدنا امام حسن مجتبٰی اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں ایک شبہہ کاازالہ۔	۴۶۹	فتاوٰی خیریہ اور محیط میں اختلاف کی طرف اشارہ۔	۶۱۱
نفسِ امّارہ سختی سے دبتا ہے اور ڈھیل دینے سے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔	۴۶۹	امام محمد کے ارشاد اور متاخرین کے فتوٰی میں تطبیق۔	۶۱۳
مجتہد صدیوں سے مفقود ہے۔	۴۸۲		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بابُ المھر

رسالہ
البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل ۱۳۰۵ھ

(زوجہ بعد وطی بھی مہر معجّل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے اس بارے میں کشادہ تحریر اور فیصلہ مسٹر محمود کارد)

مسئلہ ۱و۲: از مراد آباد مرسلہ محمد نبی خاں صاحب یکم جمادی الاخری ۱۳۰۵ھ

سوال اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے ہندہ کا نکاح ہوا، نصف معجّل نصف مؤجل ٹھہرا، حسبِ رواج ہندہ کی رخصتی ہوگئی کہ وطی برضائے ہندہ واقع ہوئی۔ بعدہ، زید بد اطوار نکلا اور ہندہ سے بہت ایذا واضرار وتکلیف وآزار کے ساتھ پیش آیا، ہندہ ان وجوہ سے ناراض ہو کر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تا وصول مہر معجّل اس کے پاس جانے سے انکار رکھتی ہے، اس صورت میں ہندہ کو مہر معجّل لینے تک حق منع نفس حاصل ہے یا نہیں؟ اور منع کرنے سے ناشزہ ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

سوال ۲ دوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب ادائے مہر معجّل سے پہلے وطی برضائے زوجہ واقع ہوجائے تواِس صورت میں برخلاف مذہب امام مذہب صاحبین کو کہ منع نفس کا حق ساقط ہوجاتا ہے بوجوہ عــہ مصرحہ ذیل ترجیح دینی صحیح ورجیح اور نظر فقہی میں قرینِ تحقیق وتنقیح ہے یانہیں:

(۱) درمختار میں ہے جب ایسے امر کی نسبت مابین ابوحنیفہ اور اُن کے مریدوں (یعنی صاحبین) کے اختلاف ہوتورائے مریدوں کی غالب ہونی چاہیۓ۔

(۲) امام ابوحنیفہ اورامام محمد دونوں محض ذہنی باتوں کے مقنن تھے لیکن قاضی ابویوسف کواُسی قدر علم روایات تھااور بوجہ عہدہ قاضی القضاۃ کے موقع متعلق کرنے کاحالات انسان سے حاصل تھااوران کے قواعد خصوصا معاملات دُنیوی اور تعبیر شرع میں اس قدر مستند سمجھے جاتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ یاامام محمد کی رائے ان سے متفق ہوتواُن کی رائے ازرُوئے ایک قاعدہ مسلّمہ کے قبول کی جاتی ہے۔

(۳) سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی کتاب مستند شرع یعنی فتاوٰی عالمگیری (کی عبارت یہ ہے) اس سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف نہ صرف ان کے دو ۲ مشہور مریدوں بلکہ شیخ الصفار نے بھی جہاں تک کہ بحث ہم خانگی کو تعلق ہے رائے ظاہر کی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ اور ان کے دو ۲ مرید قانون حنفی مین تین استاد سمجھے گئے ہیں اور میں قاعدہ عام تصوّر کرتا ہوں کہ اختلاف رائے ہوتودو ۲ کی رائے بمقابلہ تیسرے کے غالب ہوگی بموجب معمولی قاعدہ شرع کے میں رائے دو ۲ مریدوں کی بطور کثرت رائے منجملہ تین استادوں کے اختیار کرتا ہوں۔ **(۵)** اس حق کے نفاذ میں کہ زوجہ کے ساتھ ہم خانگی کرے مانع یہ بیان کیاگیا ہے کہ مہر معجّل ادانہ ہواہو اور یہ قاعدہ محض اس مواخذے کی مشابہت پر مبنی ہے جو بائع کومال پرتاادائے قیمت قبل حوالگی مال کے حاصل رہتا ہے لیکن اُس مواخذے میں دراصل حق ملکیت مشتری کاقیاس کرلیاگیا ہے اور جبکہ حوالگی عمل میں آجائے گی تواسی وقت وہ مواخذہ ختم ہوجاتا ہے **انتہٰی، بینوا توجروا**

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ المنعم فی المعجل والمؤجل	سب تعریفیں دنیاوآخرت میں ہم پرانعام کرنے والے

عــہ: یہ وجوہ مسٹر محمود اپنے فیصلے میں ایجاد کیں ۱۲ (م)

والصلٰوۃ والسلام علی من ختم دفتر الرسالۃ واسجل علٰی اٰلہ وصحبہ وجمیع اھل دینہ المبجل۔	اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، اور صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس نے رسالت کا دفتر ختم کیا اور مضبوط کیا، اور اُن کی آل واصحاب اور ان کے تمام برگزیدہ دین والوں پر۔(ت)

جواب سوال اوّل

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کو حق منع نفس حاصل ہے اُسے اختیار ہے جب تک مہر معجّل وصول نہ کرلے اپنے آپ کو تسلیم شوہر نہ کرے اس منع کئے سے ناشزہ نہ ہوگی۔ وقایہ میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والسفر بھا والنفقۃ لومنعت ولو بعد وطی او خلوۃ برضاھا[1]۔	معجّل مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع سے اور سفر پر ساتھ لے جانے سے روکنے اور نفقہ وصول کرنے کا بیوی کو حق ہے اگرچہ وطی اور خلوت رضامندی سے ہوجانے کے بعد روک دے۔(ت)

نقایہ میں ہے:

قبل اخذ المعجل لھامنعہ من الوطی والسفر بھا ولو بعد وطئ برضاھا بلاسقوط النفقۃ[2]۔	مہر معجّل وصول کرنے سے قبل بیوی کو حق ہے کہ خاوند کو جماع، سفر پر ساتھ لے جانے سے روک دے اگرچہ رضامندی سے وطی کے بعد ہو، بیوی کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔(ت)

کنز میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والاخراج للمھر وان وطئھا[3]۔	بیوی کو مہر کے لئے وطئ اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لھامنعہ من الوطی والسفر بھا ولو وطی او خلوۃ رضتھما[4]۔	خوشی سے وطی یاخلوت کے بعد بھی بیوی کو مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے۔(ت)

---

[1] شرح الوقایۃ باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۵

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ باب المھر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[3] کنزالدقائق باب المھر ایچ ایم کمپنی کراچی ص ۱۰۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

درمختار میں ہے:

لان کل وطأة معقود علیها فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[1]۔	ہر وطی مہر کے بدلے میں ہے (ہر وطی پر جداجدا مہر لازم ہے) تو بعض کا بدل دینے سے باقی کا دینا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولومنعت نفسها للمهر دخل بها اولا[2] اھ ملخصًا۔	خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے خاوند کو اپنے سے روک رکھا ہو دخول ہوچکا یا نہیں اھ ملخصًا (ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ مہر معجّل لینے سے پہلے وطی یا خلوت برضائے عورت واقع ہوجانا صاحب مذہب امامِ اقدم قدوۂ اعظم امام الائمہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حق منع نفس و منع سفر کسی کا اصلًا مسقط نہیں، اور عورت کو اختیار ہے جب تک ایک روپیہ بھی باقی رَہ جائے نہ تسلیم نفس کرے نہ شوہر کے ساتھ سفر پر راضی ہو اگرچہ اس سے پہلے بارہا وطی برضامندی ہوچکی ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک صرف خلوت برضا واقع ہوجانا بھی حق منع نفس و منع سفر دونوں کا مسقط ہے، امام ابوالقاسم صفار علیہ رحمۃ الغفار دربارہ سفر قولِ امام اور دربارہ وطی قولِ صاحبین پر فتوے دیتے تھے اصل معنٰی اس تفصیل کے یہی ہیں اُن کے بعد جس نے ادھر میل کیا انہیں کا اتباع کیا مثلًا امام صدر شہید شرح جامع صغیر میں ان کا مسلک نقل کرکے فرماتے ہیں: وانه حسن[3] (بیشک وہ حسن ہے۔ت) امام بزدوی شرح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں:

هذا احسن فی الفتیا[4] کما نقله عنه فی البنایة کذا الطحطاوی عن البحر عن غایة البیان۔	یہ فتوٰی کے لئے مناسب ہے، جیسا کہ صاحب، بنایہ نے اس کو بنایہ میں ان سے نقل کیا ہے، اور ایسے ہی طحطاوی نے بحر سے انہوں نے غایۃ البیان سے نقل کیا ہے (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب نفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۷-۲۶۶

[3] حاشیۃ الجامع الصغیر باب فی المہور مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱

[4] البنایۃ فی شرح الہدایۃ باب المہر المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۲/ ۱۵۶

واستحسن بعض المشایخ اختیارہ اھ [1]۔	بعض مشائخ نے ان کے مختار کو پسند فرمایا ہے اھ (ت)

اسی طرح ہندیہ میں محیط سے ہے: **ولفظہ مشایخنا** [2]۔ (اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے بعض مشائخ نے۔ت) مگر اکثر اکابر ائمہ وعلماء فقہاء مذہب امام کو ترجیح دیتے اور اسی پر جزم واعتماد کرتے ہیں متون کہ خاص نقل مذہب صحیح ومتعمد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں علی العموم اسی مذہب پر ہیں۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے: **بہ صرحت المتون قاطبۃ** [3] (تمام متون اس کی تصریح کرچکے ہیں۔ت) اور وقایہ ونقایہ وتنویر ودرمختار کی عبارتیں سُن چکے کہ اُنھوں نے تصریحاً مذہب صاحبین کی نفی فرمائی اور جب ماتن نے باب نفقہ میں **ولومنعت نفسھا للمھر** [4]۔ (اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے اپنے کو روک رکھا ہو۔ت) فرمایا شارح نے **دخل بھا اولا** [5] (دخول ہوچکا ہو یا نہ۔ت) اور بڑھایا تاکہ اس کی نفی پر تنصیص تام ہوجائے، اسی طرح وافی ومختار میں بھی اسی پر اقتصاد کیا اور درمختار میں صرف اسی مذہب پر دلیل قائم کی **کما سبق نقلہ** (جیسا کہ اس کی نقل گزری۔ ت) اور اقتصار وتعلیل دونوں دلیل اختیار وتعویل، ردالمحتار میں ہے:

اقتصارہ فی المتن (یعنی تنویر الابصار) یفید ترجیحہ [6] اھ ملخصًا ذکرہ فی کتاب القضاء مسئلۃ ولایۃ بیع الترکۃ لامستغرقۃ بالدّین۔	ماتن کا یعنی تنویرالابصار کا اس پر اکتفاء کرنا ترجیح کو مفید ہے اھ ملخصًا۔ اس کو انھوں نے کتاب القضاء میں قرض میں مستغرق ترکہ کی ولایت بیع کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ [7] اھ ذکرہ قبیل الوصیۃ بثلث المال۔	اس پر اکتفاء ان کے اعتماد کی دلیل ہے اھ اس کو انھوں نے ثلثِ مال کی وصیّت سے قبل ذکر کیا۔(ت)

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی المھر قلمی نسخہ ص ۶۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسھا بمھرھا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۷

[3] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[6] ردالمحتار مطلب فی بیع الترکۃ المستغرقہ بالدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۰

[7] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۲۱

عقوالدریہ میں ہے: التعلیل دلیل الترجیح[1] (علت کو بیان کرنا ترجیح کی دلیل ہے۔ت) اسی میں ہے:

ھو المرجح اذھو المحلی بالتعلیل اھ[2] ذکرھما فی النکاح قبل باب الولی۔	یہی راجح ہے کیونکہ یہی دلیل سے مزین ہے، یہ دونوں باتیں انہون نے کتاب النکاح میں باب الولی سے پہلے ذکر کی ہیں۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں کہ بتصریح فاضل شامی متون معتمدہ المذہب سے ہے قول امام کو مقدم رکھااور اسی پر حکم دے کر صاحبین کی طرف خلاف نسبت کی،

حیث قال ھذا قبل الدخول وکذا بعدہ خلافا لھما[3]۔	جب انہوں نے کہا کہ یہ دخول کے بعد ہو یا پہلے اس میں صاحبین کا خلاف ہے(ت)

اور وہ خود دیباچہ ملتقی میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں مَیں جس قول کو مقدم لاؤں وہی ارجح ہے شارح نے فرمایا: وہی مختار للفتوی ہے، متن وشراح کی عبارت یہ ہے:

صرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا وقدمت من اقاویلھم ماھو الارجح (المختار للفتوی[4]) (ملخصًا)	میں نے اپنے ائمہ کے ہاں اختلاف کی تصریح کردی اور ان میں سے زیادہ راجح قول کو پہلے ذکر کیا، ارجح وُہ ہے جو فتوی کے لئے مختار ہے(ملخصًا)۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں امام علامہ فقیہ النفس نے قول امام کی تقدیم کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر واظہر ہو، خود اپنے فتاوی کے خطبے میں فرمایا:

قدمت ماھو الاظھر وافتتحت بما ھو الاشھر[5]۔	میں ظاہر کو مقدم اور مشہور ابتداء کرتا ہوں۔(ت)

علماء فرماتے ہیں تو جسے یہ پہلے بیان کریں وہی قول معتمد ہے، حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

[1] عقود الدریہ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران ارگ بازار قندھار ۱/۱۷

[2] عقود الدریہ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار وپسران ارگ بازار قندھار ۱/۱۷

[3] ملتقی الابحر باب المہر موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/۲۵۱

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مقدمہ کتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۷

[5] فتاوی قاضی خان مقدمہ کتاب نولکشو لکھنوا/ ۲

اصطلاحہ تقدیم الاظھر فیکون المعتمد اھ[1] ذکرہ فی کتاب الوصایا اول باب الوصی۔	ان کی اصطلاح زیادہ ظاہر کو مقدم کرنا ہے تو وہی قابلِ اعتماد ہے اھ، اس کو انہوں نے کتاب الوصایا میں باب الوصی کے شروع میں بیان کیا ہے۔(ت)

امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ کی عادت مستمرہ ہے کہ استدلال کے وقت قول مختار کی دلیل اخیر میں لاتے ہیں تاکہ اقوال سابقہ کے دلائل سے جواب ہوجائے اور نقل اقوال کے وقت غالبًا قولِ قوی کو پہلے ذکر فرماتے ہیں تاکہ اوّل صحیح مسئلہ سمع متعلّم میں آئے، درمختار میں نہر الفائق سے ہے:

تاخیر صاحب الھدایۃ دلیلھما(ای فی مسئلۃ کساد فلوس القرض) ظاہر فی اختیارہ قولھمااھ[2] ذکرہ اخر باب الصرف قبیل التذنیب۔	صاحب ہدایہ کا صاحبین کی دلیل کو مؤخر لانا (یعنی قرض والے سکّے کے بند ہوجانے کے مسئلہ میں) ان کے قول کو مختار بنانے کی دلیل ہے، اس کو انہوں نے تذنیب سے قبیل باب الصرف کے آخر میں ذکر کیا ہے(ت)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے، افندی زین الدین رومی نتائج الافکار حاشیہ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

من عادۃ المصنف المستمرۃ ان یؤخر القوی عند ذکر الادلۃ علی الاقوال المختلفۃ لیقع المؤخر بمنزلۃ الجواب عن المقدم وان کان قدم القوی فی الاکثر عن نقل الاقوال[3]۔	مصنّف کی عادتِ مستمرہ ہے کہ دلائل ذکر کرتے وقت قوی دلیل کو آخر میں ذکر کرتے ہیں تاکہ پہلے اقوال کا جواب بن سکے، یہ اختلافی بحث میں ایسا کرتے ہیں اگرچہ وُہ قوی قول کو ذکر میں پہلے لاتے ہیں جب اقوال کو نقل کرنا ہو، اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔(ت)

اب یہاں انہوں نے مذہب امام کو پہلے نقل بھی کیا اور اُسی کی دلیل کو مؤخر بھی لائے اور قول صاحبین کو برقرار بھی نہ رکھا تو بوجوہ عدیدہ ترجیح قول کا افادہ فرمایا، علامہ سید جلال الملّۃ والدّین خوارزمی نے کفایہ حاشیہ ہدایہ میں تائید مذہب امام کو دوبالا کیا اور ایک مسئلہ متفق علیہا سے جسے صاحبین بھی تسلیم فرمائیں، قولِ امام کو رنگ ایضاح دیا،

حیث قال، لابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہا منعت منہ ماقابل البدل کمالوسلم	جب انہوں نے فرمایا امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی بدل کے مقابل کو روک سکتی ہے جیساکہ کوئی بائع

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الوصی دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۴۰

[2] درمختار باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] نتائج الافکار

البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقه فی حبس مابقی منه[1]۔	بعض مبیع مشتری کو سونپ دے تو بائع کے لئے باقی مبیع کے روکنے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اسی طرح صدر الشریعۃ شرح وقایہ وکافی شرح وافی واختیار شرح مختار و مستخلص شرح کنز وغیرہا شروح میں مذہب امام پر دلیل قائم کی اور دلیل صاحبین سے جواب دئے، امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی نے فتح القدیر میں ترجیح ہدایہ اور علامہ شیخی زادہ عالم دیار رومیہ قاضی دولت علیہ عثمانیہ معاصر و مستند صاحب درمختار نے مجمع الانہر میں تقدیم ملتقی اور علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی میں اعتماد متن وشرح اور محقق علامہ وسیع النظر دقیق الفکر محمد بن عابدین شامی نے ردالمحتار علی الدرالمختار میں افاداتِ درمختار کو مقرر و مسلّم رکھا اور ترجیح مذہب امام میں خلاف ونزاع کی طرف بھی اشارہ نہ کیا پھر بکثرت علماء اہلِ متون وشروح وفتاوٰی ان مذکورین اور ان کے غیر باب النفقات میں عورت کو طلب مہر معجّل کے لئے بالفظ ارسال واطلاق منع نفس کا استحقاق بتاتے ہیں اور اصلاً عدمِ وطی وخلوت برضا کی قید نہیں لگاتے کما یظهر بالمراجعة الی کتبهم (جیسا کہ انکی کتب کی طرف مراجعت سے ہوتا ہے۔ت) بلکہ شرح وقایہ میں تو صورتِ مسئلہ یُوں فرض کی کہ:

خروجها بحق کما لولم یعطها المهر المعجل فخرجت عن بیته[2]۔	بیوی کا باہر نکلنا برحق ہے جیسا کہ خاوند نے اس کو مہر معجّل نہ دیا ہو تو وہ اس کے گھر سے نکل جائے۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ شوہر کے یہاں آنے کے بعد غالبًا وطی واقع ہی ہوتی ہے بانیہمہ حکم مطلق چھوڑا تقیید کی طرف مطلق التفات نہ فرمایا یہ اطلاقات بھی اُسی اختیار مذہب امام سے خبر دے رہے ہیں، لاجرم علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار نے قولِ امام ہی پر فتوٰی دیا اور مذہب آخر کا ذکر تک نہ کیا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فی المرأة اذا سلمت نفسها قبل استکمال ماشرط تعجیله لها من المهر هل لها بعد ذلك منع نفسها عنه اجاب لها منع نفسها حتی تستکمل	ان سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو مہر معجّل وصول کرنے سے پہلے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرچکی ہو کیا پھر مہر معجّل کے لئے اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے؟ تو جواب دیا کہ ہاں روک سکتی ہے یہاں تک کہ مہر معجّل پورا

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المهر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۵۰-۲۴۹

[2] شرح الوقایہ باب النفقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۳

ذٰلك عند الامام وان كانت سلمت نفسها وبه صرحت المتون قاطبة[1]۔	وصول کرلے امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہے، اگرچہ بیوی پہلے اپنے آپ کو سونپ چکی ہو، اس مسئلہ پر تمام متون تصریح کرچکے ہیں۔(ت)

آخر یہ علمائے محققین وعظمائے مدققین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فتوائے امام صفار واختیار بعض مشائخ سے غافل نہ تھے، پھر قولِ امام ہی پر جزم واعتماد فرماتے ہیں، کوئی تو قولِ صاحبین کا نام تک نہیں لیتا اور اکثر متون کا یہی حال ہے، کوئی صاف وہ الفاظ بڑھاتا ہے جس سے ان کے مذہب کی صریح نفی ہوجائے، کوئی صرف مذہب امام ہی پر دلیل قائم کرتا ہے، کوئی دلیل صاحبین سے جواب دیتا ہے، جنہوں نے وعدہ کیا کہ قولِ قوی کو مقدم لائیں گے وُہ اسی مذہب کی تقدیم کرتے ہیں، جنہوں نے التزام کیا کہ دلیل معتمد کی تاخیر کریں گے وہ اسی کی دلیل پیچھے لاتے ہیں۔ غرض طرح طرح سے ترجیح وتصحیح مذہب امام کاافادہ فرتے ہیں، اور کبرائے ناظرین شراح ومحشین کہ مذکور ہوئے تقریر وتسلیم سے پیش آتے ہیں' ناچار ماننا پڑے گا کہ ان سب کے نزدیک معتمد ومرجح ومحقق ومنقح مذہب امام ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور قوت دلیل کہ مطالعہ ہدایہ وکافی واختیار وکفایہ وغیرہ سے واضح ہوتی ہے اس پر علاوہ، پس جبکہ یہی [1]مذہبِ امام اعظم ہے اور اسی پر [2]متون کا اجماع اور اسی [3]کی دلیل اقوی اور اس [4]قدر کثرت سے اس کے مرجحین، تو وجہ کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقًا قول امام پر فتوی دے، اور قاضی عمومًا مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک، نہ ہو، کما فی مسئلتی جواز المزارعة وتحريم القليل من لامائع المسكر جیساکہ مزارعت کے جواز اور قلیل مسکر پانی کی تحریم کے دونوں مسئلوں میں ہے۔ت اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ مذہب اس کے خلاف پر فتوی دیں۔ [1]منیہ و [2]سراجیہ و [3]محیط امام سرخسی وفتاوٰی [4]عالمگیری و [5]بحرالرائق و [6]نہرالفائق و [7]فتاوی خیریہ و [8]تنویر الابصار و [9]شرح علائی [10]حاشیہ طحطاویہ وغیرہا کتبِ معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، درمختار میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وهو الاصح منیة وسراجیة[2]۔	قاضی بھی مفتی کی طرح امام صاحب کے قول مطلقًا لے گا، پھر امام ابویوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر اور حسن بن زیاد کے اقوال کو لے گا، یہی اصح ہے، منیہ وسراجیہ۔

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۶۹

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

بحر الرائق میں فرمایا:

یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافہ[1]۔	ہم پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دے چکے ہوں۔(ت)

اور ایسا ہی فتاوٰی خیریہ میں ہے خصوصًا صورت مسئولہ میں جبکہ تقریر سوال سے ظاہر کہ زید کی طرف سے سوء معاشرت ہندہ کے ساتھ واقع ہوئی تو یہاں توایک اور فتوٰی قولِ امام کے موافق ہے تہذیب میں کلامِ امام ابوالقاسم نقل کرکے فرماتے ہیں:

المختار عندی فی المنع ان کان سوء المعاشرۃ من الزوج لہا المنع وان کان من جھتھا فلیس لہا المنع وفی السفر قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	میرے نزدیک منع کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اگر بداخلاقی خاوند کی طرف سے ہو تو بیوی کو منع حق ہے اور اگر بداخلاقی بیوی کی طرف سے ہو تو پھر اس کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند سے روک رکھے، سفر کے بارے میں فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے(ت)

اسی طرح فتاوٰی ابراہیم شاہی وفتاوٰی حمادیہ میں اس سے نقل کیا، یہ ہے اس بارے میں کلام اجمالی، اور قدرے تفصیلی ان مباحث کی ہمارے فتوائے ثانیہ میں آتی ہے وباللہ التوفیق، بالجملہ صورت مستفسرہ میں عندالتحقیق مفتی وقاضی کے لئے قولِ امام ہی پر اعتماد ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جواب سوال دوم

اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اس تقریر میں **امر اول** ایک سخت حیرت انگیز بات ہے، درمختار میں اس مطلب کا کہیں پتا نہیں بلکہ اس میں صراحۃً اس کاخلاف مصرح کتاب القضا میں فرماتے ہیں:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق[3]۔	قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقًا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول لے گا۔(ت)

پھر منیۃ المفتی وفتاوٰی سراجیہ سے نقل کیا ہو الاصح[4] (وہی زیادہ صحیح ہے۔ت) ہاں ایک قول حاوی قدسی سے یہ لائے کہ وقت دلیل پر مدار ہے پھر اُسے بھی برقرار نہ رکھا، اور نہر الفائق سے نقل فرمایا: الاول اضبط[5] (وہی

[1] بحر الرائق فصل تقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۲۹۔۷۰

[2] تہذیب

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[4] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

زیادہ مضبوط ہے۔ت) اور تحقیق وتوفیق وُہ ہے جو ماتن نے فرمایا کہ لایخیر الااذاکان مجتھدا یعنی جو خود مجتہد ہو وہ قوتِ دلیل پر نظر کرے اور ہم پر وہی ترتیب لازم کہ علی الاطلاق مذہبِ امام پر افتاوقضا کریں جب تک کوئی مانع قوی وعظیم نہ پایا جائے کماسنذکرہ ان شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی اس کو عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ت)

امر دوم کے جواب، میں **اوّلًا** عبارتِ درمختار کہ ابھی گزری اور وُہ عبارت کثیرہ کہ ان شاء اللہ تعالٰی لکھتا ہوں بس ہیں۔

ثانیًا کلماتِ علماء میں نہ عمومًا نہ بعد تخصیص معاملاتِ دُنیوی کہیں اس کانشان نہیں کہ جب امام ابویوسف کے ساتھ حضرات طرفین سے ایک رائے اور ہو توان کی تجربہ کاری کے باعث اُس کا قبول قاعدہ مسلّمہ ہے، ہاں علماء نے مسائلِ وقف وقضاء کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالبًا قولِ ثانی پر فتوٰی ہے، اس سے ہر وہ امر کے زیر قضاآسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم وصلٰوۃ کے سوا نکاح وبیع وہبہ اجارہ ورہن وغیرہا تمام ابواب فقہ کو عام ہوجائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا، پھر خاص اسے الگ گننے کے کیا معنی، نہ ہرگز عالم میں کوئی عالم اس کا قائل، اور خود ہزاراں ہزار کتبِ فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل، کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قولِ امام ہی پر فتوٰی ہے اگرچہ رائے امام ابویوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص اُن مسائل میں اکثری طور پر ہے جنہیں فقہاء کتاب القضاء وکتاب الوقف میں لکھتے ہیں اشباہ والنظائر میں جہاں یہ فائدہ زیرِ قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت کے سبب حکم میں آسانی ہوجایا کرتی ہے۔ت) وہاں یہی مسائل شمار کئے۔حیث قال:

ووسع ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی فی القضاء والوقف والفتوی علی قولہ فیما یتعلق بھما فجوز للقاضی تلقین الشاھد وجواز کتاب القاضی الی القاضی من غیر سفر ولم یشترط فیہ شیئا مما شرطہ الامام و صحح الوقف علی النفس وعلٰی جھۃ تنقطع ووقف المشاع ولم یشترط التسلیم الی المتولی ولاحکم القاضی وجوز استبدالہ عند الحاجۃ	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے قضاء ووقت کے متعلق وسعت پیدا کی ہے، ان دونوں بابوں میں ان کے قول پر فتوی ہوگا، انہوں نے گواہ کو قاضی کی تلقین، قاضی کا قاضی کو بغیر سفر خط، بغیر ان شرائط کے جوامام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے لگائی ہیں کو جائز قرار دیا ہے، انہوں نے وقف علی النفس (یعنی اپنی جائدادیوں وقف کرے کہ تاحیات وہ خود اسکی آمدنی سے ممتنع رہے گا) اور وقف علی جہۃ منقطعہ اور غیر منقسم چیز کے وقف کو جائز کہاہے اور متولی کو سونپ دینے کی شرط نہیں لگائی اور نہ ہی

الیه بلاشرط وجوزہ مع الشرط ترغیباً فی الوقف وتیسیرًا علی المسلمین [1]۔	انہوں نے وقف کے لئے قاضی کے حکم کی شرط لگائی ہے، اور انہوں نے وقف کو ضرورت کے وقت تبدیل کرنے کو بلا شرط جائز قرار دیا ہے اور بلا ضرورت اس کے تبدیل کرنے کو مع جائز الشرط جائز قرار دیا ہے تاکہ وقف کرنے میں ترغیب اور مسلمانوں کے لئے آسانی ہو۔(ت)

ثالثًا ان مسائل میں تو موافقت رائے دیگر، کی بھی حاجت نہیں **کما یظھر بالمراجعة** (جیسا کہ کتب کی طرف سے مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ت) تو کلماتِ علماء اس قید کے مساعد نہیں۔

رابعًا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام ابویوسف علمًا امام اعظم کے ہم پلّہ ہیں، امام سے بے اذن لئے ان کے مجلس درس منعقد کرنے پر امام کا کسی کو پانچ سوال دے کر بھیجنا' ان کے ہر مسئلے میں مختلف جواب دینا، ہر جواب پر سائل کی طرف سے تخطیہ ہونا' آخر متحیّر ہو کر خدمتِ امام میں رجوع لانا، مشہور اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں مذکور۔ علماء فرماتے ہیں جو مسئلہ امام کے حضور طے نہ ہولیا قیامت تک مضطرب رہے گا، امام ابویوسف بعض مسائل میں پریشان ہو کر فرماتے: جہاں ہمارے استاد کا کوئی نہیں اس میں ہمارا یہی حال (پریشان) ہے۔ بحر الرائق کے **مفسدات الصّلٰوۃ** میں ہے:

لقد صدق صاحب الفتاوی الظھیریة حیث قال فی الفصل الثالث فی قراءۃ القراٰن ان کل مالم یروعن ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی فیه قول بقی کذٰلك مضطر باالٰی یوم القیامة وحکی عن ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی علیه انه کان یضطرب فی بعض المسائل وکان یقول کل مسئلة لیس لشیخنا فیھا قول فنحن فیھا ھکذا انتھی [2]۔	فتاوٰی ظہیریہ والے نے درست فرمایا، جو انہوں نے قراءت قرآن کی فصل ثالث میں فرمایا کہ جس معاملہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوئی قول مروی نہ ہو وُہ معاملہ قیامت تک باعثِ اضطراب ہی رہے گا، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب تھے تو انہوں نے فرمایا: جس معاملہ میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہ ہو تو اس میں ہمارا یہی حال ہوتا ہے **انتھی**۔(ت)

امام ابویوسف سے منقول ہے میں بعض مسائل میں جانتا حدیث میری طرف ہے تنقیح کے بعد کُھلتا کہ امام نے جس حدیث سے فرمایا وہ میری خواب میں نہ تھی او کما قال رحمۃ اللہ تعالٰی۔

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعة المشقته تجلب التیسیر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۵۔ ۱۱۴

[2] بحر الرائق باب مفسدات الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

امر سوم میں فتاوٰی عالمگیری کو سب کتب پر ترجیح دی گئی حالانکہ وُہ ایک فتاوٰی ہے، اور علماء ارشاد فرماتے ہیں: عمدہ ترین کتب مذہب متون ہیں پھر شروح پھر فتاوٰی عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاوٰی سب سے مؤخر۔ پھر کیونکر روا ہو کہ سب میں مفضول کو سب سے افضل قرار دیجئے۔ ردالمحتار میں ہے:

مافی الفتاوٰی اذا خالف مافی المشاھیر عن الشروح لایقبل[1]۔	فتاوٰی میں جو کہا گیا ہو وہ مشہور شروحات کے مخالف ہو تو قبول نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

حیث تعارض متنه وشرحه فالعمل علی المتون کما تقرر مرارا[2]۔	جب متن وشروح میں تعارض ہو تو متن پر عمل ہوگا، جیسا کہ کئی دفعہ گزرا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذا تعارض مافی المتون والفتاوٰی فالمعتمد مافی المتون کما فی انفع الوسائل وکذا یقدم مافی الشروح علی مافی الفتاوٰی[3] اھ نقله الشامی من القضاء فی فصل الحبس۔	اگر متون اور فتاوٰی میں مذکور کا تعارض ہو تو متون کا ذکر کردہ قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ انفع المسائل میں ہے، اور یُونہی جو شروحات میں ہو وہ فتاوٰی سے مقدم ہے اھ اس کو علامہ شامی نے کتاب القضاء فصل فی الحبس سے نقل کیا ہے۔(ت)

حموی شرح اشباہ میں ہے:

غیرخاف ان مافی المتون والشروح ولو کان بطریق المفھوم مقدم علی مافی فتاوی وان لم یکن فی عبارتھا اضطراب[4]۔	یہ چیز مخفی نہیں کہ جو متون اور شروح میں ہو اگرچہ بطریق مفہوم ہی ہو وہ فتاوٰی میں مذکور پر مقدم ہے اگرچہ فتاوٰی کی عبارات میں اضطراب نہ بھی ہو (ت)

[1] درالمحتار کتاب الرضاع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۲

[2] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ / ۸۶

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۷، بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی الحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۸۵

[4] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر والمأذون ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۸۰

رہاامام صفار کا در بارہ وطی قول صاحبین اختیار فرمانا، اس کا جواب ہمارے فتوائے سابقہ سے مل سکتا ہے جس سے ظاہر کہ قول امام کو کتنی وجہ سے ترجیح ہے : اوّلاً قوت دلیل جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوگی ۔

ثانیاً کثرت مفیدان و مسلّمانِ ترجیح جن میں ایک امام برہان الحق والدّین فرغانی صاحب ہدایہ جن کی جلالتِ شان آفتاب نیم رُوز وماہتاب نیم ماہ سے اظہر، ایک امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام ہیں جن کی نسبت علماء کی تصریح کہ پایہ اجتہاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے بعض معاصر اُنہیں لائقِ اجتہاد کہتے حالانکہ معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔ ردالمحتار میں ہے :

قدمنا غیر مرة الکمال من اھل الترجیح کما افادہ فی قضاء البحر بل صرح بعض معاصریة بانه من اھل الاجتھاد [1]۔	ہم متعدد بار پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ امام کمال اہلِ ترجیح سے ہیں جیسے کہ بحر کے قضاء کے باب میں افادہ کیا ہے بلکہ ان کے بعض معاصرین نے تصریح کی ہے کہ وُہ اہلِ اجتہاد میں سے ہیں۔(ت)

ایک امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں ہیں جن کی نسبت علماء فرماتے ہیں ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے :

فی تصحیح القدوری للعلامة قاسم ان مایصححه غیرہ لانه کان فقیه النفس [2]۔	علامہ قاسم کی تصحیح القدوری میں ہے کہ جس کو امام قاضی خان صحیح قرار دیں، وہ قول دوسروں کے اقوال پر مقدم ہے کیونکہ آپ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

اور فرماتے ہیں ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے، ردالمحتار میں ہے :

کن علی ذکر مما قالوا لایعدل عن تصحیح قاضی خاں فانه فقیه النفس [3]۔	فقہاء کرام نے جو فرمایا اسے یاد رکھو کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول جائز نہیں کیونکہ وُہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

ثالثاً اجماع متون جن کی عظمتِ مکان ابھی سُن چکے پھر اُن کا اطباق واتفاق کیسا ہوگا ولہٰذا بارہا

---

[1] ردالمحتار کتاب العتق باب التدبیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶-۴۵۵

[3] ردالمحتار کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

دیکھا ہے کہ علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بناپر رَد کردی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں، درمختار کی کتاب القسمۃ میں ہے:

قال فی الخانیة وعلیه الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیه المعول [1]۔	خانیہ میں فرمایا کہ فتوٰی اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہیں تواسی پر اعتماد ہوگا۔(ت)

دیکھو امام اجل قاضی خاں سامرجح، اور علیہ الفتوی سالفظ ترجیح جسے علماء آکد الفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں بااینہمہ کہا گیا کہ متون اوّل پر ہیں تو وہی معتمد ہے، امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔ قہستانی شرح مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں، اور یہی ایک روایت امام سے ہے، پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا: وعلیه الفتوی [2] (اور اس پر فتوٰی ہے۔ت) مگر محققین نے نہ مانا کہ خلافِ متون ہے۔ بحرالرائق ونہرالفائق دونوں میں فرمایا:

ماقیل من ان الفتوی علی الثانی غریب لمخالفته المتون الموضوعة لبیان الفتوی اھ [3]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فتوٰی ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتوٰی کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں اھ (ت)

علامہ شامی نے ردالمحتار اسے نقل کرکے مقرر رکھا، کنوئیں سے نجاست نکلے اور وقتِ وقوع نہ معلوم ہو تو امام ایک یا تین دن سے تنجس مانتے ہیں اور صاحبین فی الحال صاحب محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں در بارہ وضو غسل وعجین قولِ امام اور ان کے ماورا میں قول صاحبین اختیار کرتے اور وُہ امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں اسی تفصیل کو **ھوالصحیح** (یہی صحیح ہے۔ت) کہتے ہیں اور اسی پر بحرالرائق ومنح الغفار وتنویرالابصار ودرمختار میں جزم کیا، بااین ہمہ علّامہ شامی سے رَد کرتے اور عدمِ تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ **مخالف لاطلاق المتون قاطبة** [4] (یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔ت) حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلے کی نسبت جس میں روایتِ ابی یوسف کو حاوی قدسی میں **علیه الفتوی** اشباہ میں **المصحح المعتمد** کہا، فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۱۹

[2] جامع الرموز فصل الولی والکفؤ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۶۷

[3] بحرالرائق باب الاولیاء والاکفیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۴، ردالمحتار بحوالہ البحر والنہر باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۲

[4] ردالمحتار فصل فی البیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱۲

مجرددعوی الحاوی ان الفتوٰی علیه لایقتضی انه المصحح المعتمد فی المذهب کیف واصحاب المتون قاطبة والشروح ماشون علی قولهما(یعنی الطرفین) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المتون والشروح مقدمه علی مافی الفتاوی[1]۔	حاوی کا صرف یہ دعوٰی کر دینا کہ اسی پر فتوٰی ہے، اس سے یہ لازم آتا کہ یہی تصحیح شدہ اور قابلِ اعتماد ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تمام متون اور شروح طرفین کے قول پر ہیں، اور تمام متون اس تصحیح کا التزام کیے ہوئے ہیں کہ متون وشروح کے مسائل فتاوٰی کے مسائل پر مقدم ہیں۔(ت)

رابعًا یہی مذہب امام ہے، اور علماء فرماتے ہیں قولِ امام ہی پر اعتماد ضرور ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ کرام مذہب صاحبین کی تصحیح کریں کمایاتی اُنفاان شاء اللہ تعالٰی (جیساکہ عنقریب آئے گاان شاء اللہ تعالٰی۔ت)

امر چہارم میں جس قاعدہ کا ذکر ہُواجب سے مذہب حنفی عالَم میں آیا کسی عالم نے دربارہ اختلاف امام وصاحبین اُسے جاری نہ کیا، نہ ہرگز تمام دنیا میں کوئی اس کا قائل، بلکہ سلف وخلف کا اجماع کامل اُس کے برخلاف پر گواہ عادل، ہزار ہا مسائل میں صاحبین نے خلاف کیا، پھر شوق وغروب سے کتب فقہ جمع کرکے دیکھئے قولِ صاحبین معدود ہی جگہ مفتٰی ملے گا جہاں اختلافِ زمانہ کے سبب تغیر حکم ہوا یا تعامل ودفع حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئی، علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

حصل المخالفة من الصاحبین فی نحو ثلث المذهب ولکن الاکثر فی الاعتماد علی قول الامام[2]۔	صاحبین کا تقریبًاایک تہائی مذہب میں اختلاف ہے لیکن اکثر اعتماد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر ہے۔(ت)

میں یہاں ائمہ محققین کی بعض عبارات اقتصار کرتاہوں جن سے کالشّمس ظاہر کہ سوا موضع معدودہ کے قولِ امام ہی پر اعتماد لازم، اور اس کے خلاف کثرتِ رائے، بلکہ فتوائے مشائخ پر بھی التفات نہیں کہ ایک آفتاب لاکھ ستاروں کوچھپالیتا ہے، اسی "سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی مستند کتاب" فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

اذا اختلفو فیما بینهم قال عبداللہ بن	جب احناف کاآپس میں اختلاف ہو توعبداللہ بن مبارک

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام الجمعة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار مقدمة الکتاب دار المعرفة بیروت ۱/ ۴۸

المبارك يؤخذ بقول ابی حنيفة رحمه الله تعالٰی لانه کان من التابعين وزاحمهم فی الفتوی [1]۔	کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کا قول قابل عمل ہوتا ہے کیونکہ وہ تابعی ہیں اور دیگر تابعین کے فتاوٰی کے مقابل اُنہوں نے فتاوٰی پیش کئے۔(ت)

تنویرالابصار میں ہے:

یاخذ بقول ابی حنیفة علی الاطلاق [2]۔	قاضی مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول کو لے گا۔(ت)

درمختار کامنیہ وسراجیہ سے نقل کرنا گزرا **ھوالاصح** (وہی زیادہ صحیح ہے۔ت) اور یہ بھی کہ **القاضی کالمفتی** (قاضی کی مثل ہے۔ت) اور یہ بھی کہ نہر الفائق میں اسی کو اضبط کہا، اسی کی کتاب ادب المقال میں تصحیح کی، **کما فی الحاشیة الطحطاویة** (جیسا کہ حاشیہ طحطاوی میں ہے۔ت) اسی پر امام محقق علی الاطلاق نے جزم فرمایا، اور بعض مشائخ جو کہیں قولِ صاحبین پر افتا کردیتے ہیں اُسے بلاوجہ قوی محض نامقبول ٹھہرایا۔ حاشیہ شامیہ میں ہے:

ردالمحقق ابن الھمام علی بعض المشائخ حیث افتوابقول الامامین بانه لایعدل عن قول الامام الالضعف دلیله [3]۔	بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا تو محقق ابن ہمام نے ان کارَد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے قول سے اعراض نہیں کیاجاسکتا الّایہ کہ ان کی دلیل کمزور ہو۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

قد صححوا ان الافتاء بقول الامام فینتج من ھذا انه یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه [4] اھ نقله العلامة الطحطاوی اول القضاء۔	مشائخ نے تصحیح فرمائی ہے کہ فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، تواس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم پر امام کے قول پر فتوٰی دیناواجب ہے اگرچہ مشائخ نے قولِ امام کے خلاف فتوٰی دیا ہواھ اس کو طحطاوی نے باب قضاء کی ابتداء میں نقل کیا ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی ترتیب الدلائل للعمل بہا نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳۱۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

[3] ردالمحتار مطبع عن الامام اذا صح الحدیث الخ داراحیاء التراث بیروت ۱/۴۶

[4] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/۲۶۹-۲۷۰

فتاوٰی خیریہ" کی کتاب الشہادات مسئلہ شہادۃ الاعمٰی میں ہے:

المقرر ایضاً عندنا انه لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنه الی قولهما اوقول احدهما اوغیرهما الالضرورة (من ضعف دلیل اوتعامل بخلافه) لمسئلة المزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما لانه صاحب المذهب والامام المقدم۔ اذا قالت حذام فصدقوها فان القول ماقالت حذام [1]	یہ طے شدہ ہے کہ ہمارے ہاں امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہی عمل وفتوٰی ہوگا، اور صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول یا کسی اور کے قول پر بغیر ضرورت فتوٰی نہ ہوگا (اور ضرورت کی مثال، ضعیف دلیل یا عرف وتعامل کا اس کے خلاف ہونا ہے) جیسا کہ مزارعت کا مسئلہ ہے اگرچہ مشائخ تصریح کرچکے ہوں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحبِ مذہب ہیں اور سب سے مقدم امام ہیں (شعر کا ترجمہ) جب حذام کچھ کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیونکہ بات وہی ہے جو حذام کہتی ہے۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح بحرالرائق کی کتاب الصّلٰوۃ بحث اوقات میں تصریح فرمائی اور اس سے ردالمحتار وحاشیہ طحطاویہ میں نقل کرکے مقرر رکھا، امام المحققین شیخ الاسلام برہان الدین صاحبِ ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال [2]	میرے نزدیک ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے۔ (ت)

مسئلہ وقتِ عشا میں جو قول صاحبین کو دُرر میں مفتٰی بہ بتایا علّامہ نوح آفندی نے اس پر فرمایا:

لایجوز الاعتماد علیه لانه لایرجح قولهما علی قوله الابموجب من ضعف دلیل او ضرورة او تعامل او اختلاف زمان ولم یوجد شئی من ذٰلك فالعمل علٰی قوله [3] اھ نقلهما	اس پر اعتماد درست نہیں کیونکہ امام صاحب کے مقابلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح نہیں ہوسکتی مگر جب کوئی سبب ہو مثلاً دلیل کا ضعف، ضرورت، تعامل یا اختلاف زمان میں سے کوئی چیز ہو، اور جبکہ ان میں سے کچھ بھی نہیں تو امام کے قول پر عمل ہوگا اھ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصّلٰوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصّلٰوۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۷۵

العلامۃ الطحطاوی فی مبحث اوقات الصّلوٰۃ۔	علامہ طحطاوی نے ان دونوں عبارتوں کو اوقاتِ صلوٰۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے(ت)

پھر یہ ضعیف دلیل جسے علماء مبیح عدول فرماتے ہیں اس کے معنی بھی سمجھ لیجئے یہ وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدانِ فتوٰی اُس کے ضعف پر تنصیص کریں، نہ وُہ جسے من وتو اپنے اذہان قاصرہ سے ضعیف سمجھ لیں کہ اوّل تو یہ دلائل جو مصنفین لکھتے ہیں کیا معلوم امام کی نظر انہیں پر تھی اور ہو بھی تو ہم کیا اور ہمارا ضعیف سمجھنا کیا۔

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش

نظام مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ ! گدائے خاک نشین کومت چھیڑ کہ ملک کے نظام کو چلانا خود بادشاہ ہی جانتا ہے)علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

انہ قد یظھر قوۃ لہ بحسب ادراکہ ویکون الواقع بخلافہ او بحسب دلیل ویکون لصاحب المذہب دلیل اٰخر لم یطلع علیہ انتھی[1]	بھی امام کی دلیل کی قوت ظاہر ہوتی ہے جس کا ادراک کرلیا جاتا ہے اور واقع میں اس کے خلاف ہوتا ہے، یا یہ ہوتا ہے یہ کچھ دلیل سمجھے حالانکہ صاحبِ مذہب (امام صاحب) کی دلیل کچھ اور ہے جس پر اطلاع نہ ہوئی انتہی(ت)

اب مجھے اس تحقیق انیق کے بعد اصلاً ضرورت نہ رہی کہ امر پنجم کی طرف توجہ کروں، میرا یہی کلام ہر گونہ دلائل کے جواب میں بس ہے معہذا جو کچھ اُس میں بیان ہُوا اُسی دلیل سے ماخوذ ہے جو ہدایہ وشرح وقایہ وکافی واختیار ومستخلص وغیرہا میں مذہب صاحبین پر ظاہر کی گئی اور اُس کے ساتھ ہی انہیں کتابوں میں اُس کا نفیس جواب بھی دے دیا جہاں تک میری نظر ہے کوئی کتاب مستند ایسی نہ ملے گی جس میں یہ تقریر مسطور اور اُس کا جواب نہ مذکور ہو میں یہاں صرف درمختار کے وُہ مختصر لفظ جو اُنہوں نے امام صدر الشریعۃ وغیرہ سے اخذ کرکے لکھے نقل کرنا کافی سمجھتا ہوں دلیل امام میں فرماتے ہیں:

کل طأۃ معقود علیھا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[2]	ہر وطی مہر کا بدل ہے تو بعض مہر کا سونپنا باقی کے سونپنے کا موجب نہیں بنتا ہے۔(ت)

اس مرام نفیس کی توضیح وتلخیص یہ ہے کہ بیع عین پر وارد ہوتی ہے وُہ ایک بار سپرد ہوکر کیا باقی ہے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء مطبع دار المعرفۃ بیروت ۱۷۶/۳

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۲۰۲/۱

کہ محبوس ہو بخلاف نکاح کہ عورت کے گوشت پوست پر وارد نہیں منافع بضع پر ہے اور وُہ متجدد تو بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں، نہ بعض پر رضا سے کل پر رضا لازم، وبعبارۃ اُخری شرع نے حق حبس دیا ہے نہ اختیار استرداد، اور مبیع میں تجدید منع بشکلِ استرداد ہی معقول، اور نکاح میں منفعت ماضیہ کی واپسی محال تو نہ ہوگا مگر حبس منفعت آئندہ، ولہذا اگر بیع میں بھی چند چیزیں ایک عقد میں بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں بعض باقی کر روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو، کہ یہاں بھی بوجہ تعدد اقباض بعض اقباض کل نہیں، کفایہ میں ہے:

لوسلم البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقه فی حبس مابقی منه [1]۔	اگر بائع مشتری کو کچھ مبیع سونپ دے تو باقی کو روک رکھنے کا حق اس سے ساقط نہیں ہوگا۔ (ت)

پس فرق واضح ہوگیا اور استدلال ساقط، میں یہاں تطویل کلام نہیں چاہتا کہ یہ امر تو علما پہلے ہی طے فرما چکے مگر شاید اتنا کہنا بیکار نہ ہو کہ خود امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بیع ونکاح کے اس مسئلہ میں زمین وآسمان کا فرق رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک مہر مؤجل کے لئے بھی عورت کو حق، منع حاصل، اور ثمن مؤجل ہو تو استحقاق حبس بالاجماع زائل، وُہ فرماتے ہیں حقِ حبس بیع میں اصل عقد کا مقتضی نہیں اور نکاح میں بحالت اطلاق نفس عقد کا مقتضی ہے، ولہذا شوہر پر تقدیم تسلیم مطلقًا لازم اگرچہ مہر اشیائے متعینہ سے ہو جیسے عبد یا دار یا ثوب، اور بیع میں مشتری پر تقدم اُسی حالت میں ضرور کہ مبیع عین ہو اور ثمن دین، جیسے درہم ودینار، امام سغناقی نہایہ میں کہ ہدایہ کی پہلی شرح ہے تقریر مذہب ابی یوسف میں میں فرماتے ہیں:

قال ان موجب النکاح عند الطلاق تسلیم المهر عینا کان اودینا فحین قبل الزوج الاجل مع علمه بموجب العقد فقد رضی بتاخیر حقه الی ان یوفی المهر بعد حلول الاجل وبه فارق البیع لان تسلیم الثمن اولا لیس من موجبات البیع لامحالة الاتری ان البیع لوکان مقایضة لاتجب تسلیم احد	انہوں نے کہا کہ نکاح کا موجب مطلقًا مہر کا ادا کرنا ہے خواہ نقد ہو یا دین ہو، توجب خاوند نے مہر کے لئے مدّتِ مقررہ قبول کرلی جبکہ وُہ نکاح کے موجب کے جانتا ہو تو گویا اس نے مدت مقررہ گزرنے تک اپنے حق کو مؤخر کرنا تسلیم کرلیا، اسی نکتہ کی بنا پر نکاح اور بیع میں فرق واضح ہوگیا، کیونکہ بیع میں اوّلًا ثمن کی ادائیگی اس کا موجب لازمی نہیں، آپ جانتے ہیں کہ بیع مقایضہ (سامان کا سامان سے سودا) میں کسی بدل کا

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۲۵۰

البدلین اولافلم یکن المشتری راضیا بتاخیر حقه فی المبیع الی ان یوفی الثمن وجعل (ف)فتوی علی قول ابی یوسف [1]۔	بھی ادا کرنا ابتداءً ضروری نہیں، لہذا بیع میں ثمن کی ادائیگی تک مشتری بیع کی تاخیر پر راضی نہ ہوا اور فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے (ت)

اسی طرح فتح القدیر وغیرہ شروح ہدایہ میں ہے پھر باوجود اس قدر تفرقوں کے کیونکر مانا جائے کہ نکاح میں یہ حکم محض مشابہت بیع ہی پر مبنی ہے کہ اس کے احکام سے کہیں تفاوت نہ کرسکے، یہ مسئلہ ایک مبسوط رسالے کے قابل تھا،

وفیما ذکرنا کفایة لاهل الدرایة واللہ ولی الهدایة منه البدایة والیه النهایة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس اہلِ فہم کے لئے کفایت ہے، اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک اور اسی سے ابتداء اور انتہا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳: از سہسوان ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے صرف نکاح کرکے چلا گیا، رخصت نہ ہُوئی، نہ ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی، دو۲ برس بعد ہندہ نے اس پر نالش کی، رخصت کرائے یا طلاق دے۔ وُہ کچہری میں آیا اور حاکم کے سامنے طلاق نامہ لکھ دیا، پدر ہندہ نے کل مہر ہندہ بے اجازتِ ہندہ معاف کردیا، ہندہ اس معافی کو نامنظور کرتی اور اپنا نصف مہر مانگتی ہے، اس صورت میں ہندہ پر عدّت لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کا دعوی مہر صحیح ہے یا نہیں؟ اور باپ کے معاف کئے سے مہر معاف ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

باپ کو کسی طرح اپنی بیٹی کے مہر معاف کردینے کا اختیار نہیں، نہ ہرگز اس کے معاف کئے معاف ہوسکے

فان البنت ان کانت بالغة فلاولایة للاب علیها اصلاوان کانت صغیرة فالولایة للنظر ولانظر فیما تمحض للضرر وکتب المذهب طافحة بهذا۔	اگر بیٹی بالغ ہو تو باپ کو اس پر بالکل ولایت نہیں اور اگر نابالغہ ہو تو پھر باپ کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جو چیز محض ضرر ہو وُہ شفقت نہیں ہوسکتی مذہب کی کتب اس بیان میں بھرپور ہیں۔ (ت)

[1] العنایة حاشیة علی الهدایة مع فتح القدیر باب المهر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲۴۹/۳

ف: خط کشیدہ عبارت عنایہ میں نہیں، یہ نہایہ کی ہے، اور نہایہ دستیاب نہیں۔ **نذیر احمد**

پس اگر زید نے بلا شرط معافیِ مہر طلاق دی تھی تو بیشک ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوئی جس کے سبب وُہ زید کے نکاح سے نکل گئی اور ازانجا کہ ہنوز خلوت نہ ہُوئی تھی عدّت کی بھی حاجت نہیں،

فی مجمع الانھر طلق غیر المدخول بھا بانت لاالی عدۃ[1] اھ ملتقطا۔	مجمع الانہر میں ہے: غیر مدخول بہا کو طلاق دی تو عورت بائنہ ہو جائے گی اور عدت نہ ہوگی اھ ملتقطا (ت)

اور اس لئے نصف مہر ہندہ زید پر واجب الادا، جس کے دعوی کا اسے ہر وقت اختیار،

اذ لاحالۃ تنتظر بعد الافتراق بموت او طلاق۔	کہ موت یا طلاق کی وجہ سے افتراق کے بعد کوئی قابلِ انتظار نہیں۔ (ت)

اور اگر اُس نے یُوں کہا کہ میں نے ہندہ کو اس شرط پر طلاق دی کہ مجھے مہر معاف ہو جائے تو صورتِ مسئولہ میں نہ مہر معاف ہُوا نہ طلاق پڑی اذا فات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط بھی فوت ہو جاتا ہے۔ت) اس تقدیر پر دعوی مہر میں حکم ہوگا جو عورت کو بحالتِ زوجیت دیا جاتا ہے کہ مہر معجّل ہو تو فی الفور لے سکتی ہے اور کچھ وعدہ مقرر ہُوا ہو تو میعاد معلوم تک نہیں مانگ سکتی اور کچھ نہ ٹھہرا ہو تو اُس شہر کے رواج پر چھوڑیں گے یعنی ایسی حالت میں جو وہاں کا عُرف ہو اُسی پر عمل ہے،

فی النقایۃ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	نقایہ میں ہے کہ اگر مہر معجّل یا مؤجّل بیان کرے تو بہتر ورنہ جو عرف میں ہو وہ ٹھہریگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴: از سہوان مرسلہ حافظ علی محمد صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح اُس کی رضاعی بہن کے ساتھ بوجہ لاعلمیت کے ہُوا اور وُہ اس کے تصرف میں بھی رہی، تو اس صورت میں زید پر دین مہر واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں پُورا مہر مثل واجب ہے اگرچہ مہر مسمّٰی سے زائد ہو، ردالمحتار وطحطاوی علی الدرالمختار میں زیر قول شارح **ویجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط** (نکاح فاسد وطی کرلینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور وہ مقررہ سے زائد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ ساقط

---

[1] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر فصل فی طلاق غیر المدخول بھا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰۰

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

پر راضی تھی۔ت) فرمایا:

وفی الخانیۃ لوتزوج محرمہ لاحدّ علیہ عند الامام وعلیہ مھر مثلھا بالغا ما بلغ اھ فھی مستثناۃ الاان یقال ان نکاح المحارم باطل لافاسد[1]۔ الخ ای فلا استثناء۔	خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے محرم عورت سے نکاح کیا تو امام صاحب کے ہاں اس پر حد نہیں، ہاں اس عورت کا مہر مثل جتنا گراں ہو خاوند پر لازم ہوگا اھ تو یہ صورتیں مستثنٰی ہیں، ہاں یُوں کہا جاسکتا ہے کہ محارم سے نکاح فاسد نہیں بلکہ ابتداء ہی باطل ہے الخ تو استثناء نہ ہُوا۔(ت)

خانیہ میں اس کی امثلہ میں فرمایا:

نحو الام والبنت والاخت والعمۃ والخالۃ اوتزوج بامرأۃ ابیہ وابنہ الخ[2] فذکر محرمات الصھر ایضا فافادشمول محرمات الرضاع بالاولی وقال فی رد المحتار قولہ شبھۃ العقد کوطی محرم نکحھا مانصہ اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا ورضاعا و صھریۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، یا باپ کی بیوی یا بیٹے کی بیوی الخ تو اس میں انہوں نے سسرالی رشتے بھی ذکر کئے، تو اس سے رضاعی محرمات کا شامل ہونا بطریقہ اولی واضح ہوگیا۔ ردالمحتار میں شبہہ عقد کی مثال لکھی ہے جیسے محرم عورت سے نکاح کرکے وطی کرلی ہو۔ اس عبارت میں انہوں نے محرمات نسبیہ، رضاعیہ، صہریہ یہ سب کو شامل کیا ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: از ازماہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت سیّد ابراہیم میاں صاحب یکم ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تعداد مہر شرع محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چہ مقدار است؟ بیّنوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعتِ محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مہر کی مقدار کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

مہر در شرع مطہر جانب کمی حدے معین ست	شریعت پاک میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم مقرر ہے

[1] ردالمحتار باب المھر مطلب فی نکاح الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المھر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحدود مطلب فی بیان شبھۃ العقد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۳

یعنی دہ درہم جانب زیادت ہیچ تحدید نیست ہرچہ کہ بستہ شود ہماں قدر بحکم شرع محمد لازم آید صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ بارك وسلم .قال اللہ تعالٰی وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا[1]، پس تعیین نتواں کرد کہ ہمیں قدر مقدار مہر شرعی است نہ غیر او آرے ایں لفظ در بسیارے از عوام اہلِ حرفہ ایں بلاد شائع وذائع است ماں کہ او را مقابل رسم شرفاؤ متمولانِ ہند نہادہ باشند آناں در مہور مغالات وافراط را از حد گزرانیدہ بر گردن کم مایہ پنجہ پنجاہ ہزار وصد ہزار وازاں ہم فزوں تر بار می نہادند ایناں بتقلیل گرائیدہ مہر کمی سہل الحصول می بستند وایں را بمقاصد شرع مطہر نزدیک تر دانستہ مہر شرع محمدی می گفتند تا رفتہ رفتہ تسمیہ و تعیین از میان برخاست و در بسیارے از عقود ایشاں ہمیں لفظ برزباں ہا ماند اگر پسی چہ قدر مہر بستہ شد گویند شرع محمدی وگر ہیچ وچوں ایں لفظ اصطلاح خاص ایشاں ست واجب ست در فہم مرادش رجوع ہم ایشاں کردن **فانہ یجب ان یحمل کلام کل عاقد وحالف وموص و واقف علی عرفہ**[2] **کما فی رد المحتار وغیرہ**

لیکن زیادہ سے زیادہ مقدار نہیں بلکہ جتنا بھی مقرر کردیا جائے وُہ شریعت محمدی میں لازم ہوگا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلّم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اور تم ان عورتوں میں سے بعض کو بہت زیادہ مال دیتے ہو، اس لئے کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی کہ یہ مقدارِ شرعیہ اور یہ نہیں ہے ہاں شرعی مہر کا لفظ اس علاقے کے اہل ہُنر لوگون میں مشہور ہے تاکہ اس کو بڑے مالدار لوگوں اور معزز خاندانوں کی رسم کے برابر رکھا جائے جو اپنے ہاں بہت بھاری مہر مقرر کرتے تھے وُہ اس حد تک بڑھ گئے کہ ولی اپنے سے کم مایہ لوگوں کی گردن پر بھی پچاس ہزار پچپن ہزار اور لاکھ اور اس سے بھی زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں، تو اہلِ ہنر نے مہر کا بوجھ کم کرنے کے لئے اور سہل اور معتدل کام کو شریعت کے قریب تر خیال کرکے اس کو شرعی مہر کہنا شروع کردیا اور آہستہ آہستہ یہ نام مشہور ہوگیا اور اکثر طور پر نکاح میں جب پوچھا جائے کہ کتنا مہر ہے تو جواب میں شرعی کہہ دیتے ہیں جب یہ لفظ خاص لوگوں کی اصطلاح بن گیا تو اب لازمًا اس کی مراد یا مقدار کا تعیّن معلوم کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا کیونکہ عقد، قسم، وصیّت اور وقف کرنے والے لوگوں کے کلام کو ان کے عرف پر محمول کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے،

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۰

[2] ردالمحتار باب التعلیق ۲/ ۴۹۹، باب الایلاء ۲/ ۵۵۳، کتاب البیوع ۴/ ۱۴ داراحیاء التراث العربی بیروت

پس اگر مراد ومتعارف ایشاں یا گروہے ازایشاں ازیں لفظ ہماں اقل مقادیر مہرست دراں گروہ دہ درہم لازم آید وقومے راکہ مقصود ومفہوم مہر سرادق عفت فلک رفعت کنیز ان درگاہ طہارت پناہ حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا باشد آنجا چار صد مثقال سیم کہ بسکہ نوقت یک صد و شصت روپیہ است واجب شود وکسانکہ خود اذہان ایشاں نیز از معنی ایں لفظ خالی ست ہمیں سخنے ست کہ برزباں رانند ومفہوم ومرادش خود ندانند (ومی ترسم کہ غالب ہمچنیں باشک) تاآنگاہ ظاہر آنکہ مہر مثل لازم گردو اذ ھوالاصل اذھوالاعدل فلاعدول عنہ الاعند صحۃ التسمیۃ وقد فسدت لمکان الجہالۃ فوجب المصیر الی الاصل وراجع لہدایۃ وغیرھا من الکتب المعللۃ۔	لہٰذا اس لفظ کو استعمال کرنے والے لوگوں سے معلوم کیا جائے، اگر اس سے ان کا مقصد مہر کی کم از کم مقدار ہے تو دس درہم مراد ہوں گے اور اگر کسی قوم کا مقصد حضرت بتول زہرا جناب عزّت مآب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ہے تو یہ چار سو مثقال چاندی مراد ہوگی جو آج کل کے سکّہ کے حساب سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے ہوں گے، اور اگر اس لفظ کو استعمال کرنے والے کچھ لوگ خالی ذہن ہیں اور کوئی مراد معین نہیں ہے ویسے ہی زبان پر یہ لفظ لاتے ہیں اسکے مفہوم ومراد کو نہیں جانتے، میرے خیال میں اکثریت ایسی ہی ہے جو ایسی صورت میں نکاح ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اس لئے کہ وہی اصل اور معتدل ہے اس سے عدول جائز نہیں ہے جب تک مقرر شدہ ہونا معلوم نہ ہو اور مقرر شدہ یہاں مفقود ہے کیونکہ مجہول ہے، تولازمی طور پر اصل کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو کہ مہر مثل ہے۔ ہدایہ وغیرہ جو احکام کی علت کو بیان کرنے والی کتب ہیں انکی طرف رجوع کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معرابیان تعجیل وتاجیل سے قبل از موت وطلاق واجب الادافی الحال ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں نہ عموماً وجوب ادافی الحال ہے نہ کلیۃً عدم، بلکہ مدار عرف وعادت پر ہے، اگر عرف یہ ہے کہ قبل از موت وطلاق ادا کردیتے ہیں توفی الحال ادالازم ہے ورنہ نہیں،

فی مختصر الوقایۃ والمعجل والمؤجل ان بینا والا فالمتعارف[1] وفی شرحہا	مختصر الوقایہ میں ہے کہ معجّل یا مؤجّل مہر کو بیان کیا گیا ہو تو بہتر ورنہ عرف میں جو مراد ہو وہی ٹھہرے گا، اسکی شرح میں ہے

[1] مختصر الوقایہ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۵۶

مختصر الوقایہ والمختار ھذافان المتأخرین اختار وھذا بناءً علی المتعارف [1] واللہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب۔	یہی مختار ہے کیونکہ متاخرین نے مہر کو عرف پر مبنی قرار دیا ہے۔(ت) واللہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب

مسئلہ ۷: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب یکم جمادی الاولی ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ دریں مسئلہ کہ اگرزن فاسقہ گردد مرد بوجہ فسق او طلاقش دہد مہر ساقط شود یانہ وبچہ کار تمام مہر عورت دُور میشود وبچہ کار نصف مے ماند۔ بینوا بیانا شافیا اجر کما اللہ تعالٰی اجرا وافیا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ اگر بیوی کو فاسقہ ہوجانے کی وجہ سے مرد نے طلاق دے دی ہو تو کیا اس کا مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں، اور کس وجہ سے پورا مہر ختم ہوجاتا ہے اور کس وجہ سے نصف مہر رہ جاتا ہے، مکمل بیان فرمائیں، اللہ تعالٰی آپ کو پُورا اجر عطا فرمائے۔(ت)

الجواب:

مہر بنفس عقد زن وشوئی واجب شود بوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احد الزوجین تاکد وتقرر یابد کہ بعد وقوع یکے ازینہا ہیچ وجہ پارہ ازاں بے ادا یا ابراء ساقط نہ گردد اگرچہ زن معاذا للہ فسق وفجور ورزد، یا عیاذاً باللہ مرتدہ شود فی الدر المختار یتاکد عند وطی او خلوۃ صحت او موت احدھما [2] وفی ردالمحتار، افادان المھر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطہ بردتھا او تقبیلھا ابنہ اوتنصفہ بطلاقھا قبل الدخول، وانما یتأکد لزوم تمامہ بالوطی	مہر محض نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور وطی یا خلوتِ صحیحہ یا فریقین میں سے کسی کے فوت ہوجانے سے مہر پکّا ہوجاتا ہے اور مذکورہ امور کے بعد مہر میں سے کوئی حصہ بغیر ادائیگی یا بغیر معاف کئے ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذاللہ مرتدہ بن جائے، درمختار میں ہے: وطی یا خلوتِ صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کے فوت ہوجانے پر مہر پکّا ہوجاتا ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ اس معلوم ہوا کہ مہر محض نکاح سے واجب ہوجاتا ہے لیکن مرتدہ ہوجانے یا خاوند کے بیٹے کو بوس وکنار کرنے سے ساقط ہوجانے کا احتمال باقی رہتا ہے یا دخول سے قبل طلاق ہوجانے کی

[1] شرح الوقایہ باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

ونحوہ(الٰی قولہ) قال فی البدائع واذا تأکد المھر بماذکر لایسقط بعد ذٰلك وان کانت الفرقۃ من قبلھا لان البدل بعد تأکدہ لایحتمل السقوط الا بالابراء کالثمن اذا تأکد بقبض المبیع [1] اھ آرے اگر پیش از وقوع چیزے از مؤکدات ثلثہ مذکور زن معاذاللہ ارتداد کند یا باپدر یا پسر شوہر یعنی اصل یا فرعش زنا نماید بشہوت پدر یا پسر شوئے رابوسہ دہد یادست بذکر آناں رساند یاذکرشاں را بہ شہوت نظر کند یا ضرّہ صغیرہ خودرا شیر دہد یا احد الزوجین بخیار بلوغ فسخ نکاح اختیار کند یا در عقد فاسد پیش از وطی حقیقی متاسرکہ شود دریں صور ہمہ مہر ساقط گردد و اگر شوئے معاذاللہ مرتد شود یا بامادر یا دختر زن یعنی اصل یا فرعش زنا کند یا بشہوت مادر یا دختر زن رابوسہ آنہا چیند یا مساس کنند یا دربرکشد یا فرج اندرونی آنہا بینند، درصونیم مہر سقوط پذیرد وغیر ایں صور صور تہائے دیگر نیز ہست کہ اگر درجملہ انہا بتفصیل کلام و تحقیق احکام و تنقیح مرام پردازیم رسالہ مستقلہ مے باید نوشت فی الدر المختار یجب نصفہ بطلاق قبل وطی او خلوۃ [2]۔ردالمحتار لو قال بکل فرقۃ	بناپر نصف مہر کا احتمال ہوسکتا ہے، اور وطی وغیرہ سے پُورا مہر پکا ہوجاتا ہے، یہ بیان انہوں نے یہاں تک فرمایا کہ بدائع میں فرمایا کہ جب مہر مذکور پکا ہوجائے تواس کے بعد ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی کی طرف سے فرقت ہو، کیونکہ بدل (وطی) حاصل ہوجانے کے بعد اس کا بدل (مہر) ساقط ہونے کا احتمال نہ رکھے گا مگر جب عورت معاف کردے جیسا کہ بیع میں مبیعہ پر قبضہ سے ثمن لازم ہوجاتا ہے اھ ہاں اگر مہر کو پکا کرنے والی مذکورہ تین چیزوں سے قبل عورت معاذ اللہ مرتد ہوجائے یا خاوند کے باپ یا بیٹے سے یعنی اس کے اصول و فروع میں سے کسی کے ساتھ زنا کیا یاان میں کسی کا شہوت سے بوسہ لیا یا دیا یااُن کی شرمگاہ کو چھولیا یا ان کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھا، یا اپنی شیر خوار سوکن کو دُودھ پلایا، یا زوجین میں سے کسی کو خیار بلوغ تھاتواس اختیار سے نکاح فسخ کردیا، یانکاح فاسد تھاتو حقیقی وطی سے قبل متارکہ ہوگیا، توان تمام صورتوں میں پورا مہر ساقط ہوجائے گا، اوراگر خاوند معاذاللہ مرتد ہوگیا یااس نے بیوی کی اصل یا فرع یعنی ماں یا بیٹی کو شہوت سے چُھولیا یاان سے زنا کرلیا یا بوس وکنار کرلیا یا دبوچ لیا یا انکی اندرونی فرج کو دیکھ لیا توان تمام صورتوں میں نصف مہر ساقط ہوجائے گا، ان مذکور صورتوں کے علاوہ اور بھی ایسے امور ہیں جن سے مہر کُل یا نصف ساقط ہوجاتا ہے، اگر ان تمام امور کی تفصیل اوران کے احکام کی تحقیق اور مقاصد کی

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۰

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

من قبله لشمل مثل ردته وزناه و تقبيله ومعانقته لام امرأته وبنتها قبل الخلوة قهستانی عن النظم اھ[1] وفيه عن البحر عن القنيه طلقها قبل الدخول اوجاءت الفرقة من قبلها يعود نصف المهر فی الاول ولكل فی الثانی الی ملك الزوج[2] الخ وفی التنوير للموطوءة كل مهرها ولغيرها نصفه لو ارتد ولاشیئ لوارتدت[3] اھ وفی الدرالمختار لو ارضعت الكبيرة ضرتها الصغيرة حرمتا ولامهر للكبيرة ان لم توطا لمجی الفرقة منها وللصغيرة نصفه لعدم الدخول[4] اھ ملخصا،وفی ردالمحتار فی النكاح الفاسد بعدم الشهود مثلا، مهر المثل ان يكن دخل اما	تنقیح کی جائے تواس سے ایک مستقل کتاب بن جائے۔ درمختار میں ہے کہ دخول سے قبل یا خلوت سے قبل طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوگا۔ اور ردالمحتار میں کہا کہ اگر مصنف طلاق کی بجائے خاوند کی طرف سے فرقت کہہ دیتے تواس میں خاوند کا مرتد ہونا، زنا، بوس کنار، بیوی کی ماں یا بیٹی سے معانقہ، قبل از خلوت تمام کو شامل ہوجاتا (یہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے) اھ اور اس میں بحر سے اس نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر خاوند نے قبل از دخول طلاق دی تو نصف مہر، اور اگر عورت کی طرف سے فرقت کی وجہ پائی جائے تو پُورا مہر خاوند کی ملکیت میں آجائے گا الخ، تنویرالابصار میں ہے: وطی سے پورا اور بغیر وطی نصف مہر دینا ہوگا اگر خاوند مرتد ہوجائے، اور اگر وطی سے قبل عورت مرتد ہوجائے تو اس پر کچھ مہر نہ ملے گا اھ، درمختار میں ہے: اگر بڑی بیوی نے شیر خوار سوکن کو دُودھ پلایا تو دونوں حرام ہوجائیں گی اور بڑی سے اگر وطی نہ ہوئی تو اسکا پُورا مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فرقت کی وجہ اس نے پیدا کی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا کیونکہ اس سے دخول نہیں کیا گیا، ملخصًا ردالمحتار میں ہے: نکاح فاسد مثلاً بغیر گواہوں کے نکاح ہوا

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۲

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

اذالم یدخل لایجب شئی [1] اھ ملتقطا وفی الدرالمختار لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیہ ویلزم کل المھر [2] الخ وفی الشامیۃ قولہ ویلزم کل المھر لان المھر کما یلزم جمیعہ بالدخول ولو حکما کالخلوۃ الصحیحۃ کذٰلک یلزم بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلک فیسقط ولو الخیار منہ لان الفرقۃ بالخیار فسخ للعقد والعقد اذا انفسخ یجعل کانہ لم یکن کما فی النھر [3] اھ ھذا۔(یعنی فاحفظ ھذا) واعلم ان من العلماء من قررلہ ضابطۃ وھی ان کل فرقۃ جاء ت من قبل الزوج قبل الدخول فانھا تنصف المھر، وکل فرقۃ اتت من قبلھا تسقط وھو الذی یبتنی علیہ ماذکر الشامی من استثنٰی منھا خیار البلوغ لما مرانہ وان کان منہ لاینصف بل یسقط	اگر دخول کیا گیا ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اور دخول نہ کیا ہو تو کوئی مہر نہ ہوگا اھ ملتقطا، درمختار میں ہے: بالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار فسخ بالبلوغ ہو تو یہ فسخ قاضی کی قضاء کی شرط سے مؤثر ہوگا (پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی فسخ سے قبل فوت ہوگیا) تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور پورا مہر بھی لازم ہوگا الخ، شامی میں ہے کہ مصنف کا قول کہ کل مہر لازم ہوگا اس لئے کہ کل مہر دخول حقیقی یا حکمی مثلاً خلوتِ صحیحہ کے ساتھ لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل کسی کے مرجانے سے کل مہر لازم ہوتا ہے اور اس دخول یا موت کے بغیر مہر ساقط ہوجائے اگرچہ یہ فرقت لڑکے کے خیار بلوغ کی وجہ سے ہو کیونکہ فرقت خیار کی وجہ سے نکاح فسخ ہوتا ہے اور جب نکاح فسخ ہو تو کالعدم ہوجاتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ اسکو محفوظ کرلو۔ واضح رہے کہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں ضابطہ بنایا کہ اگر دخول سے قبل فرقت کی وجہ عورت کی طرف سے ہو تو پورا مہر ساقط ہوگا اور خاوند کی طرف سے ہو تو مہر نصف ہوگا۔ اسی ضابطہ کی بناپر علامہ شامی نے نظم سے منقول علامہ قہستانی کا قول بیان کیا ہے، اور بعض نے اس ضابطہ سے لڑکے کے خیارِ بلوغ کی صورت کو مستثنٰی قرار دیا کہ اگر یہ خیار بلوغ لڑکے کی طرف سے ہو تو نصف مہر نہ ہوگا بلکہ ساقط

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۵۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳۔ ۱۹۲

[3] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰۱

وھوالذی اختارہ فی الدرالمختار ولکن ردھما فی الذخیرۃ بما اذاملك الزوجۃ قبل الدخول بشراء مثلاحیث ینفسخ االنکاح ویسقط المھر کلہ مع انھا فرقۃ جاء ت من قبلہ وحقق الضابطۃ بان کل فرقۃ جاء ت من قبلہ وھی طلاق فانھاتنصف وکل ماجاءت وھی فسخ فانھا تسقط وردہ فی البحر بردۃ الزوج حیث تنصف کما علمت مع انھا فسخ جاء من قبلہ ثم قال فالحق ان لایجعل لھذہ المسألۃ ضابط بل یحکم فی کل فرد بما افادہ الدلیل اھ[1] ھذا ھوالذی حمل العبد الضعیف علی الاقتصار علی ذکر بعض الصور وعدم التعرض لضابط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ہوگا، اسی کو دُرمختار میں اختیار کیا، لیکن ذخیرہ میں اس کو رد کیا ہے مثلًا اگر کسی نے (لونڈی) بیوی کو دخول سے قبل خرید لیا اور اس کا مالک بن گیا تو یہ نکاح فسخ ہوگیا اور پورا مہر ساقط ہوا، حالانکہ وجہ فرقت خاوند کی طرف سے ہے، اس کے بعد انہوں نے نیا ضابطہ یہ بتایا کہ اگر خاوند کی طرف سے فرقت کی وجہ ہو اور وُہ وجہِ طلاق بنے تو مہر نصف ہوگا اور جو فرقت فسق بنے تو مہر ساقط ہوجائے گا، پھر اس ضابطہ کو بحر میں رَد کیا کہ جب خاوند مرتد ہوجائے تو قبل دخول مہر نصف ہوگا حالانکہ یہ فرقت مرد کی طرف سے فسخ ہے طلاق نہیں ہے، جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، پھر بحر نے کہا کہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کے لئے کوئی ضابطہ نہ بنایا جائے بلکہ ہر جزئیہ کا جواب اس کی دلیل کے مطابق علیحدہ دیا جائے اھ، اسی بناء پر اس عبد ضعیف نے بعض جزئیات کے ذکر پر اکتفاء کیا اور کسی ضابطہ کو بیان نہیں کیا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸: ازاٹاوہ قریب کچہری منصفی مرسلہ مولوی حبیب علی صاحب علوی ۲۰ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس صورت میں کہ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح شرعی دوہزار روپے مہر پر بکر بالغ کے ساتھ کیا، قضارا دختر مذکورہ بعد نکاح کے ایامِ نابالغی میں زید کے گھر مر گئی اب زید پدر ودیگر وارثانِ شرعی متوفاۃ مذکورہ کو دعوی مہر مذکور کا بکر شوہر دختر متوفاۃ پر شرعًا پہنچتا ہے تو کس قدر کا، بحوالہ کتب معتبرہ فقہ حنفی جواب مرحمت ہو، گو اس مسئلہ کا جواب اصول سے بہت صاف دیا جاسکتا ہے مگر مستفتی کو اصرار کہ بحوالہ کتاب اس صورت خاص میں حکم دیا جائے۔ میرے پاس جو کتابیں ہیں ان میں باوصف تلاش یہ صورتِ خاص نہ ملی، چونکہ آپ کا کتب خانہ بہت بڑا ہے

[1] بحرالرائق باب الاولیاء والاکفیاء ایچ ایم سعید کراچی ۳/ ۱۲۱

اور نظر کی اکثر کتب پر بہت وسیع ہے اس واسطے صورتِ مسئلہ تحریر کی جاتی ہے، جواب سے جس قدر جلد مشرف فرمائے گا ممنون ہوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگرچہ موت احد الزوجین کے سبب مہر کا متأکد ہوجانا اور تمام وکمال لازم آنا یونہی علی وجہ الاطلاق جمیع کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں مبین جس میں بالغ ونابالغ ودخول وعدمِ دخول کی اصلاً کوئی تقیید و تخصیص نہیں اور صرف اسی قدر جواب مسئلہ میں قطعاً بس تاہم اگر یہ صورت خاص معیّنہ ہی درکار ہے کہ عورت نابالغہ ہو اور ولی اس کا نکاح ایک مہر پر کردے اور وُہ قبل بلوغ شوہر نادیدہ مرجائے تو یہ جزئیہ بھی بہت کتب میں صاف صاف مصرح اور حکم اس کا وہی کہ بوجہ موت کل مہر لازم بلکہ علماء نے اس صورت میں اس کی تصریح فرمائی کہ ولی مزوج غیر اب وَجد ہو جہاں نکاح لازم نہیں ہوتا اور بعد بلوغ صغیر وصغیرہ کو اختیار طلب فسخ دیا جاتا ہے تو شاید کسی کو عدمِ تاکد کا توہم ہوتا نہ کہ تزویج پدر کہ قطعاً لازم وناقابلِ فسخ ہے یہاں کسی کو بھی اُس کا وہم گزرنا اصلاً معقول نہیں۔ ملتقی الابحر اور اُس کی شرح مجمع الانہر میں ہے:

للولی انکح الصغیرہ والصغیرۃ فان مات احدھما ورثہ الاٰخر بلغا اولا ویجب المھر کلہ وان مات قبل الدخول اھ[1] ملتقطا **قلت** و معلوم ان ضمیر مات الی احدھما الشامل للزوج والزوجۃ کما لایخفی۔	ولی کو نابالغہ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کردینے کا اختیار ہے۔ پھر اگر دونوں میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہوجائے تو دوسرا وارث ہوگا اور پورا مہر واجب ہوگا بالغ ہوں یا نابالغ، اگرچہ وہ دخول سے قبل ہی فوت ہوگیا ہو اھ ملتقطا **قلت مات** کی ضمیر دونوں سے ایک کے لئے ہے جو خاوند بیوی دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

یتوارثان فیہ (یعنی الصغیر والصغیرۃ) ویلزم کل المھر[2]۔	اس صورت میں دونوں نابالغ لڑکا اور لڑکی باہم وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا (ت)

تبیین الحقائق شرح کنزالدقایق میں ہے:

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

وتوارثا قبل الفسخ لان النکاح صحیح والملك به ثابت فان مات احدهما فقد انتهی النکاح سواء مات قبل البلوغ اوبعدہ لان الفرقة بینهما لاتقع الا بالقضاء القاضی فیتوارثان ویجب المهر کله وان مات قبل الدخول الخ[1]۔	قبل از فسخ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ نکاح صحیح ہے، اور اس سے ملکیت ثابت پس جب کوئی مرگیا تو نکاح تو مکمل ہو چکا، یہ موت بلوغ قبل ہو یا بعد، کیونکہ ان میں فرقت ہوئی تو قضاء قاضی سے ہوتی، اس لئے آپس میں وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا اگرچہ دخول سے قبل مرا ہو الخ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں کل مہر مسمّٰی ذمہ بکر لازم ہُوا جس میں نصف یعنی ایک ہزار روپے کا وُہ خود وارث ہے بقیہ ورثاء ہزار روپے کا اس پر دعوی کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کی زوجہ منکوحہ کو اُس کی غیبت میں بھگا کرلے گیا اور اُس سے زنا کرتا ہے اور واسطے براءت الزام تعزیرات ہند کے دعوی دلاپانے دین مہر شرعی زوجہ بکر کی جانب سے بصیغہ دیوانی دائر کراکر بیان کرایا کہ مجھ کو بکر نے طلاق دے دی میرا مہر شرعی بکر زوج میرے سے دلایا جائے۔ اس صورت میں ازروئے شرع شریف زوجہ ہندہ مفرورہ وصول یابی مہر کا استحقاق ہے یا نہیں، اور مہر ہندہ کا مؤجل ہے اور کوئی میعاد معیّن قرار نہ پائی اور بکر نے طلاق بھی نہیں دی۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو عورت کو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں کہ جب مہر مؤجل بندھا اور میعاد کی کوئی شرح بیان میں نہ آئی کہ سال بھر بعد ادا کیا جائے گا یا دس برس تو شرعًا اس کی میعاد موت یا طلاق قرار پاتی ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاخلاف لاحد ان تأجیل المهر الی غایة معلومة نحو شهر او سنة صحیح وان کان لاالی غایة معلومة فقد اختلف المشائخ فیه قال بعضهم یصح وهوالصحیح وهذا لان الغایة معلومة فی نفسها	اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مہر کے لئے مدّت مقرر کی جاسکتی ہے مثلاً مہینہ یا سال وغیرہ، یہ صحیح ہے اور اگر مدّت معلوم نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا صحیح ہے، اور یہی اصح ہے کیونکہ انتہا معلوم ہے کہ وہ طلاق یا موت ہے۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الاولیاء والاکفاء مطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۲۵

وھو الطلاق اوالموت الایری ان تاجیل البعض صحیح وان لم ینص علی غایۃ معلومۃ کذا فی المحیط [1]۔	دیکھا نہیں کہ بعض مہر کو مؤخر کرنا صحیح ہے اگرچہ اس کی انتہائی مدت معلوم نہ ہو، محیط میں یونہی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح واذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر ما یتعارفه اھل البلدۃ فیؤخذ منه الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسه [2]۔	ایک شخص نے عورت سے نکاح کیا ہزار مہر پر، اور مکمل ہزار مؤخر کیا، تو اگر انتہائی مدّت معلوم ہے تو صحیح ہے، اگر معلوم نہیں تو صحیح نہیں، توجب صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے لحاظ سے جتنا ہوسکے فوری ادا کرو اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا،اور قاضی اس پر باقی کی وصول پر جبر نہ کرے گا اور نہ ہی اس کو قید کرے گا۔(ت) پس میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ ہرگز روا نہیں، نہ ایسا دعوی مسنوع ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰: از سجول ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب تاجر لٹھا ۷ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوجہ شرعی اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دیدی، جب ہندہ کے ولی یعنی خالد اس کے باپ نے زید سے مہر طلب کیا تو زید مدعی اس امر کا ہوا کہ میرا مہر دس درم کا تھا، اور صورت یہ واقع ہوئی ہے کہ تعداد مہر کی نہ ہندہ اور نہ اُس کے ولی خالد کو یاد ہے اور نہ قاضی نکاح خواں اور نہ وکیل کو یاد ہے اور نہ یہ امر یاد ہے کہ وقتِ نکاح کون کون گواہ مقرر ہُوئے تھے لیکن اُس قوم میں ادنٰی ادنٰی عورتوں کا بھی مہر کم درجہ پانچ سو روپے اور دو ۲ دینار سُرخ اکثر ہیں اور دس ۱۰ درہم مہر جیسا کہ دعوی زید کا ہے اُس قوم میں کسی کا نہیں بلکہ غالبًا اُس شہر میں بھی جہاں یہ دونوں طلاق دہندہ اور مطلّقہ رہتی ہے شاید کسی کا بھی نہ ہو اور اسی اعتبار سے کہ اکثر عرف قوم میں ادنٰی درجہ پانچ سو روپے اور دو ۲ دینار سُرخ ہے، خالد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسها نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المهر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۳

ولی ہندہ مدعی اور طالب پانچ سو روپے اور دو ۲ دینار سُرخ کا ہے پس ایسی شکل میں ہندہ بقول اپنے زوج طلاق دہندہ کے دس ۱۰ درم پائے گی یا بموجب عرف اپنی قوم کے حسبِ دعوی اپنے ولی خالد کے پانچ سو روپیہ اور دو ۲ دینار سُرخ پانے کی مستحق ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب:

عبارتِ سوال سے واضح کہ یہ طلاق بعد رخصت وخلوت زن وشو واقع ہوئی، پس اگر واقع ایسا ہی ہے توصورتِ مستفسرہ میں زوج وزوجہ میں جو اپنے دعوے پر گواہان عدول شرعی قائم کردے گا اُسی کے موافق فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر دونوں اپنے اپنے مطابق گواہ شرعی دے دیں تو عورت کے مہر مثل پر نظر کرینگے اگر وہ پانچ سو روپے دو ۲ دینار سُرخ کی اور اگر دس ۱۰ درم سے زائد اور پانچ سو روپے دو ۲ دینار سے کم ہو تو جتنا مہر مثل ہو اسی قدر دلایا جائے گا اور اگر ان میں سے کوئی اپنے دعوے پر گواہ نہ لاسکے تو بھی مہر مثل کو دیکھیں گے، اگر پانچسو روپے دو ۲ دینار یا اس سے زائد ہوا تو عورت سے قسم لے گیں واللہ میرا نکاح اس سے دس درم نہ ہوا، اگر قسم کھالے گا دس ۱۰ درم کی ڈگری ہوگی، اور انکار کیا تو پانچسو روپے دینے ہوں گے، اور اگر دس ۱۰ درم سے زائد پانچسو روپے دو ۲ دینار سے کم ہوا تو مرد وزن دونوں سے قسم ہائے مذکورہ لیں گے، اور اولیٰ یہ کہ شوہر سے ابتدا کریں، اگر وُہ قسم سے انکار کرے پانچسو روپے دو ۲ دینار دلائیں اور قسم کھائے تو عورت سے قسم لیں اگر وُہ انکار کرے دس درم پائے اگر وُہ بھی کھالے تو مہر مثل دلائیں۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار ان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح (ای قبل الدخول اوبعدہ کذا بعد الطلاق والدخول رحمتی) فالقول لمن شهد له مهر المثل بیمینه وایّ اقام بینة قبلت سواء شهد مهر المثل له اولها اولا وان اقاما فبینتها مقدمة ان شهد له وبینته ان شهد لها، لان البینات لاثبات خلاف الظاهر	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا، یہ اختلاف قیامِ نکاح کے دوران ہوا ہو (یعنی قبل از دخول یا بعد از دخول اور یوں ہی یہ اختلاف طلاق ودخول کے بعد ہوا ہو، رحمتی) تو دونوں میں سے جس کی مہر مثل تائید کرے اس کی بات معتبر ہوگی اور ساتھ قسم بھی لی جائیگی، اور دونوں میں سے جس نے گواہ پیش کئے تو گواہی قبول کرلی جائے گی خواہ مہر مثل زوج یا زوجہ کی موافقت کرے یا نہ کرے اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو بیوی کے گواہ مقدم ہوں گے اگر مہر مثل خاوند کی تائید کرے اور

وان کان مهر المثل بینهما تحالفا (والاولی البداء ۃبتحلیف الزوج فایهما نکل لزمه دعوی الاخر) فان حلفا اوبرهنا قضی به(ای بمهر المثل) [1] اھ ملتقطا **قلت** وفی عبارۃ الدر ھٰهنا تقصیرنبه علیه الشامی وایضاح المسئلة فی الخانیة والهندیة وغیرهما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند کے گواہ مقدم ہوں گے اگر مہر مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی خلافِ ظاہر کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہے تو دونوں سے قسم لی جائے گی (بہتر ہے کہ پہلے خاوند کی قسم لی جائے، تو جو قسم سے انکار کرے اس پر دوسرے کا دعوٰی لازم ہو جائے گا) اور اگر دونوں نے قسم دے دی یا گواہ پیش کردئے تو پھر قاضی مہر مثل پر فیصلہ دے اھ ملتقطا **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) یہاں دُر کی عبارت میں کوتاہی ہے جس پر علامہ شامی نے توجہ دلائی ہے اور مسئلہ کی وضاحت خانیہ اور ہندیہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۱۳رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

مہر ازواج مطہرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کس قدر تھا؟ اور مہر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا کس قدر مع تعداد درہم و دینار و تطبیق سکّہ رائج الوقت ارشاد ہو اور وزن درہم و دینار موافق وزن اس وقت کے کیا ہے؟ وبینوا توجروا

الجواب:

عامہ ازواج مطہرات وبنات مکرمات حضور پُر نور سیّد الکائنات علیه وعلیهن افضل الصلٰوۃ اکمل التحیات کا مہر اقدس پانچ سو درہم سے زائد نہ تھا۔

مسلم فی صحیحه عن ابی سلمة قال سألت عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها کم کان صداق النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قالت کان صداقه لازواجه ثنتی عشرۃ اوقیة ونش، قالت اتدری ماالنش،	صحیح مسلم شریف میں ہے ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی سے پوچھا کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے اپنی ازواج کیلئے بارہ اوقیہ (چالیس درہم فی اوقیہ) اور ایک نش مقرر فرمایا۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲-۲۰۳، ردالمحتار باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۲-۳۶۱

[1] قلت لاقالت نصف اوقیة فتلك خمس مائة دراهم احمد والدارمی والاربعة عن امیرالمؤمنین عمر الفاروق الاعظم رضی الله تعالٰی عنه قال ماعلمت رسول الله صلّی الله تعالٰی علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا انکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة[2]۔	تو آپ نے پُوچھا کہ تمہیں معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے، میں نے کہا نہیں، تو آپ نے فرمایا: نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں، تو یہ کل پانسو درہم ہوئے۔ امام احمد، دارمی اور سُنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے اپنی ازواج یا صاحبزادیوں کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو یہ مجھے معلوم نہیں۔ (ت)

مگر اُم المومنین اُمِّ حبیبہ بنت ابی سفیان خواہر جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ ان کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم[3] کما فی سنن ابی داؤد (جیساکہ سُنن ابی داؤد میں ہے۔ت) دوسری میں چار ہزار دینار تھا[4]۔

فی المستدرك صححه الحاکم واقره الذهبی ولا یخالف هذاامر من حدیثی ام المؤمنین وامیر المؤمنین رضی الله تعالٰی عنهما فان هذه الامهار لم یکن من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بل من ملك الحبشة سیّدنا النجاشی رضی الله تعالٰی عنه۔	جیساکہ مستدرک میں امام حاکم نے اس کی تصحیح کی اور ذہبی نے اس کو ثابت مانا، اور یہ حضرت ام المؤمنین اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی کا مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ مہر حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام نے مقرر نہیں کیا بلکہ حبشہ کے بادشاہ حضرت سیّدنا نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقرر کیا تھا۔ (ت)

اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر اقدس چار سو چاندی[5] علی ماذکر فی المرقاة الجزم به عن روضة الاحباب والمواهب (جیساکہ مرقاۃ میں ذکر فرمایا کہ روضۃ الاحباب اور مواہب نے اس پر جزم کیا ہے۔ت) درہم شرعی کا وزن ۳ ماشے ۵-۱/۱ سرخ چاندی ہے کما حققنا فی الزکوة

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸

[2] جامع الترمذی ابواب النکاح امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۳۲

[3] سنن ابی داود کتاب النکاح باب الصداق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۷

[4] المستدرك للحاکم کتاب النکاح مہر ام حبیبہ دار الفکر بیروت ۲/۱۸۱

[5] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح فصل ثانی حدیث ۔۳۳ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الزکوۃ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور دینار ایک مثقال یعنی چار[۴] ماشے سونا، یہی وزن سبعہ ہے یعنی سات مثقال وزن میں برابر دس درہم کے، **فی تنویر الابصار کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مساقیل**[1] (تنویر الابصار میں ہے کہ ہر دس[۱۰] کا وزن سات مثقال ہے۔ت) اور باعتبار قیمت ایک دینار شرعی دس[۱۰] درہم کا تھا،

فی ردالمحتار فی الھدایۃ کل دینار عشرۃ دراہم فی الشرع قال فی الفتح ای یقوم فی الشرع بعشرۃ کذاکان فی الابتداء[2]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ ہر دینار دس۱۰ درہم ہے شرع، فتح میں فرمایا ہے کہ شرع میں ہر دینار کی قیمت دس۱۰ درہم مقرر ہوئی جیسا کہ ابتداء میں تھا۔(ت)

یہاں کا روپیہ ۱۱ ماشہ ۲ سُرخ ہے تو درہم اس کا ۲۵/۷ ہے کہ مجنس کرنے سے درہم ایک سو چھبیس روپیہ ۴ ۵۰ ہوا تو درہم روپے کا ۲۶لا ۱ / ۵۰ ۴ یعنی ۲۵/۷ ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہے کہ معہ ۷ روپے برابر مع ۲۵ درہم کے یا ایک روپیہ برابر ۳-۴/۷ درم کے، ولہذا نصاب فضّہ کہ دوسو[۲۰۰] درم ہے اس درم ہ اس روپے سے ۵۶ آتی ہے صما ۵۰/ درمکے مالعہ ۱۴۰ ہوئے اور چار سو[۴۰۰] مثقال کے ایک سوساٹھ[۱۶۰] روپے، دس[۱۰] درہم اقل مقدارِ مہر ہے عا ۹/۱۲-۵/۳ پائی یعنی دو روپے پونے تیرہ آنہ اور پانچواں حصّہ پیسے کا، چار ہزار درم کے یہاں کہ سکّہ سے ایک ہزار ایک سو بیس[۱۱۲۰] روپے ہُوئے، اور ہر دینار دس[۱۰] درہم کا ہے، لہٰذا چار ہزار دینار کے گیارہ ہزار دوسو روپے۔ اس حساب سے ظاہر ہُوا کہ زمانہ اقدس رسالت میں سونے کی قیمت ساڑھے سات روپے تولہ سے بھی کم تھی کہ جب دینار یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا دس[۱۰] درم یعنی دو[۲] روپے بارہ[۱۲] آنے ۹-۵/۳ پائی کا تھا تو بحساب اربعہ ایک تولہ سونا معہ ۷/۵-۵/۳ پائی کا ہوا، یہ برکات دنیا تھیں علاوہ برکات دینیہ کے جن کا شمار اللہ عزّوجل کے سوا کوئی نہیں کرسکتا **وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ لَاتُحۡصُوۡھَا**[3] (اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو نہیں شمار نہ کرسکو گے۔ت)

مسئلہ ۱۲: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنی کا جھانپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤمائی بنت غلام حسین ۱۶ رجب ۱۳۱۱ھ

عورت کا مہر سوا دس ہزار روپے کا ہے، مرد نے نان ونفقہ بند کرلیا ہے، عورت نے مہر کا دعوٰی کیا ہے، اس صورت میں مہر اسے دلایا جائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] درمختار تنویر الابصار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴

[2] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱

[3] القرآن الکریم ۱۶/۱۸

الجواب:

اگر مہر پیشگی یعنی شوہر کے پاس جانے سے پہلے دینا قرار پایا تھا کوئی میعاد معین ٹھری تھی کہ اتنی مدّت کے بعد دیا جائے گا اور وُہ مدّت گزر گئی جب تو عورت ابھی دعوٰی کرسکتی ہے اور مہر فورًا دلایا جائے گا، اور اگر کچھ مدّت مقرر نہ ہُوئی تھی تو وہاں اُس شہر کے عرف وعادت پر عمل ہوگا' اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت جب طلب کرے ادا کیا جاتا ہے تو دعوٰی قابلِ سماعت ہے مہر ابھی دلایا جائے، اور اگر عرف یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب مرد وعورت میں کسی کا انتقال ہو یا مرد طلاق دے دے اُس وقت مہر کا مطالبہ ہوتا ہے تو اُسی وقت ملے گا اس سے پہلے دعوٰی نہ سُنا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف [1]۔	مہر معجّل یا مؤجّل کی مدّت بیان کردی گئی ہو تو وہی مراد ہے ورنہ جو عرف میں ہو وہی مراد ہوگا(ت)

ہمارے شہروں کا عرف یہی ہے تو یہاں عورت کو پیش از طلاق یا موت مطالبہ مہر کا اختیار نہیں، ایسے ہی عرف کے سبب ردالمحتار کتاب القضا میں ہے:

حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت والطلاق [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق طلاق یا موت بعد ثابت ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بوقتِ نکاح تصریح مہر معجّل ومؤجل نہیں ہُوئی تو کس وقت میں مہر ذمہ شوہر واجب الادا ہوگا؟

الجواب:

جب طلاق یا زن وشوہر میں کسی کی موت واقع ہو اس وقت واجب الادا ہوگا اس سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی،

ھو المتعارف فی بلاد فی ردالمحتار حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علاقہ میں یہی متعارف ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق طلاق یا موت کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل اقل المہر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

مسئلہ ۱۴: از بڑودہ پہلی پلٹن تیسری کمپنی مکان شیخ امام صوبہ دار مرسلہ رحمت بی ۲۲ذوالحجہ ۱۳۱۱ھ

شرع محمدی حنفیّہ مذاہب کا اس سوال کے جواب میں کیا حکم ہے میرا مہر سات سو روپے کا تھا میں نے اپنے شوہر کو معاف کردیا میں نے نیک کام کیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک نیک کام کیا اور اس میں بڑے ثواب کی امید ہے اِن شاء اللہ تعالٰی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نفس عن غریمه او محی عنه کان فی ظل العرش یوم القیامة[1]۔ رواہ الامام احمد ومسلم عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه والامام البغوی شرح السنة عن ابی قتادة رضی اللہ تعالٰی عنه وقال هذا حدیث حسن۔	جو اپنے مدیون کو مہلت دے یا معاف کردے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہو۔ (اسے امام احمد اور امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنۃ میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ت)

اگلی اُمتوں میں ایک گنہگار آدمی اپنے مدیونوں سے درگزر کرتا تھا جب وُہ مرا اللہ تعالٰی نے اُس کے گناہوں سے درگزر فرمائی[2] رواہ الشیخان عن حذیفة رضی اللہ تعالٰی عنه (اس کو بخاری اور مسلم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) اور اُسے جنّت میں جگہ بخشی[3] رویاہ عنه وعن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنهما (انہوں نے اس سے اور ابو مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت) مولٰی تعالٰی نے فرمایا: جب یہ اپنے مدیون سے درگزر کرتا تھا تو مجھے زیادہ لائق ہے کہ درگزر فرماؤں[4] رواہ مسلم عن ابی مسعود وعن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنهما کلهم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم (اس کو مسلم نے ابو مسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے ان سب نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ صغیرہ نابالغہ کا

---

[1] مسند امام احمد حدیث ابوقتادہ انصاری مطبع دارالفکر ۵/ ۳۰۸

[2] صحیح مسلم کتاب امساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸

[4] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸

نکاح عمرو کے ساتھ کرنا چاہا، وقت نکاح کے وکیلِ نکاح نے تعداد مہر کی مبلغ دس ہزار روپے اور دو ۲ دینار سُرخ ظاہر کی، اس پر عمرو کی طرف سے لوگوں نے کہا کہ تعداد مہر کی بہت ہے، عمرو کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ دسواں حصّہ اس کا ادا کرسکے، تعداد مہر کی کم کرنا چاہئے، وکیلِ نکاح نے جواب دیا کہ تعدادِ مہر کم کرنے کا مجھ کو اختیار نہیں ہے مگر یہ مہر ایسا نہیں ہے جو دونوں کی زندگی میں لیا دیا جائے، جبکہ اس مہر پر نکاح ہوگیا اور ہندہ باپ کے گھر سے آکر عمرو کے گھر دو تین مہینے رہی مگر بوجہ صغیرہ ونابالغہ ہونے ہندہ کے عمرو کو استمتاع وطی نہیں ہوا بعدہ، زید ہندہ کو بلا مرضی عمرو کے اپنے گھر لے گیا اور اب عمرو کے گھر نہیں آنے دیتا ہے اور دعوی بعض مہر کا بہ ترک بعض مہر کے منجانب ہندہ کو بولایت پانے بوجہ نابالغی ہندہ کے کرتا ہے پس اس صورت میں مہر عمرو سے دلایا جائے گا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مہر میں جب نہ یہ شرط کی جائے کُل یا اس قدر پیشگی لیں گے جسے معجّل کہتے ہیں، نہ اُس کے ادا کے لئے کوئی میعاد معیّن کی جائے، مثلاً سال دوسال، یا جو قرار پائے، جسے مؤجل کہتے ہیں، تو وہ عرفِ بلد پر رہے گا، جس شہر میں عام طور پر یہ رواج ہو کہ مثلاً نصف یا ربع یا کسی قدر بغیر تصریح تعجیل کے بھی پیشگی لیتے ہیں وہاں اتنا پیشگی دینا ہوگا، اور جہاں عرف یُوں ہے کہ بے موت یا طلاق لینا دینا نہیں ہوتا وہاں جب تک زوجین میں کسی کا انتقال یا طلاق واقع نہ ہوا اختیارِ مطالبہ نہ دیں گے۔ مختصر الوقایہ میں ہے

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف [1]۔	اگر مہر معجّل و مؤجّل کی مدّت بیان کی گئی ہو تو بہتر ورنہ متعارف مراد ہوگا۔ (ت)

ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل وتاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اُس کے لزوم ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر وکیلِ نکاح اس مضمون کی تصریح بھی نہ کرتا کہ یہ وُہ مہر نہیں جو زندگی میں لیا دیا جائے تاہم پدرِ ہندہ بحالتِ نابالغی اور خود ہندہ بعد بلوغ تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عمرو سے کسی جزوِ مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتے، ردالمحتار میں ہے:

حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح [2]۔	بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ (ت)

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ فصل اقل المھر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

یہاں کہ وکیلِ نکاح نے وقتِ نکاح اس مضمون کی صاف تصریح کردی بدرجہ اولٰی کسی کو اختیارِ مطالبہ نہیں۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کاکہ زنا سے حاملہ تھی نکاح غیر زانی سے کہ اُسے اس کے حمل سے اطلاع نہ تھی ہوگیا، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عذر مرد کا کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ حاملہ، اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اب نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، مگر جس صورت میں حمل اس مرد سے نہیں رہا تواُسے قبل از وضعِ حمل مباشرت اور اس کے دواعی اس عورت کے ساتھ جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

وصح نکاح حبلی من زنالاحبلی من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی او سیدھا المقربہ وان حرم وطؤھا اور دواعیہ حتی تضع[1]۔	زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے غیر زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ اسکی نصب ثابت ہوگی خواہ حربی سے یا مالک سے جب وُہ اقرار کرے اگرچہ زنا کی حاملہ سے نکاح جائز مگر جماع اور دواعی حرام ہیں جب تک وُہ بچّہ کو جنم نہ دے۔(ت)

اور یہ عذر کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ کہ حاملہ، مہر کو ساقط نہ کرے گا کہ کفاءت عورت کی طرف سے معتبر نہیں۔ کتاب مذکور میں ہے:

لاتعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلاتغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کی طرف سے کفاءت نہیں کیونکہ خاوند کے لئے بیوی بستر بنتی ہے تو اسے کمتر مفروش سے رنج وغیظ نہیں آتا۔ صحیح مذہب میں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۷: از ذخیرہ مسئولہ مولوی برکات احمد صاحب وکیل دیوانی

مولانا صاحب دام عنایتکم، سالم مسنون کے بعد عارض ہوں، ایک مسئلہ شرعی بتادیجئے، وُہ یہ ہے

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

کہ مہر کب واجب ہوتا ہے، اگر معجّل ہو تو کس وقت؟خلوتِ صحیحہ مہر کے واسطے ضروری ہے یا نہیں؟اور خلوتِ صحیحہ کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف کیا ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

مہر معجّل وُہ مہر یا پارہ مہر کا ہے جس کا ادا کرنا فوراً اقرار پایا ہو خواہ ازرُوئے شرط کہ نفس عقد نکاح میں تعجیل مذکور ہو یا عقد کے بعد شرط تعجیل ٹھہری خواہ ازروئے عرف جبکہ وُہ شرط صحیح کے مخالف نہ واقع ہو یہ مہر فوراً واجب الادا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ادا سے پہلے شوہر عورت کو بے اس کی رضا کے ہاتھ نہیں لگا سکتا بلکہ رخصت نہیں کراسکتا، اور مؤجّل وہ جس کے لئے کوئی میعاد معیّن قرار دی گئی ہو مثلاً ایک سال، دس سال، یا جس قدر ٹھہرائیں، یہ اُس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آجائے اس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ جامع الرموز میں ہے:

المهر المعجل والمؤجل ان بينا ای بين فی العقد كله او بعضه يكون معجلا او مؤجلا فذاك المبين واجب اداؤه علی مابين[1]۔	مہر معجّل اور مؤجل اگر بوقت عقد بیان ہوچکے ہیں یعنی تمام یا بعض معجّل ہوگا یا مؤجّل ہوگا، تو اس بیان کے مطابق ادائیگی واجب ہوگی۔(ت)

اور اگر مؤجل کہا اور کائی میعاد اصلًا نہ بیان کی تو وُہ طلاق یا موت تک مؤجل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو اصلًا استحقاق نہیں۔ردالمحتار میں ہے:

من اول الفروع المذكورة فی كتاب القضاء قبل باب التحكيم مسئلة عدم سماع الدعوی بعد مرور كذا سنه. لامات زوج المرأة او طلقها بعد عشرين سنة مثلاً من وقت النكاح فلها طلب موخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النكاح[2]۔	کتاب القضاء میں تحکیم کے باب سے قبل سب سے پہلا جزئیہ یہ مذکورہ کہ اتنے سال گزرجانے کے بعد دعوی قابلِ سماعت نہیں ہوتا، اس پر تفریع یہ ہے کہ نکاح کے وقت سے مثلاً بیس ۲۰ سال بعد خاوند فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر شدہ مہر کے مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ مہر مؤجل میں بیوی کو مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے نکاح کے وقت سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔(ت)

[1] جامع الرموز باب المہر مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۴۸۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴

اسی طرح جس پارہ مہر یا کل مہر کی نسبت تعجیل وتاجیل کا کچھ ذکر نہ آیا وُہ بھی موت یا طلاق تک مؤجل ٹھہرے گا کہ ایسی صورت میں مدار عرفِ بلد پر ہے اور یہاں عام عرف شائع فی البلاد یہی ہے کہ جس مہر کی تعجیل مشروط نہ ہُوئی اُس کا مطالبہ تا وقت فرقت نہیں کیا جاتا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف [1]۔	معجّل اور مؤجل کی مدّت بیان ہوچکی تو بہتر ورنہ اس میں عرف کا اعتبار ہوگا کہ کتنا مؤجل ہے یا معجّل۔ (ت)

اور خلوت صحیحہ یہ ہے کہ زن وشو تنہائی کے مکان میں جہاں کسی کے آنے جانے یا نظر پڑنے سے اطمینان ہو، یُوں متفق ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی تیسرا ایسا نہ ہو جو ان کے افعال کو سمجھ سکے، نہ اُن میں کسی کو مقاربت مانع شرعی یا حسّی ہو مثلاً مرد یا عورت کی ایسی کم سنی جس میں صلاحیت قربت وقابلیتِ صحبت نہ ہو یا شوہر کی ناسازی طبع یا عورت کا حیض یا نفاس یا ایسے مرض میں ہونا جس کے سبب وقت وقوع فعل قربت سے اسے مضرت پہنچے یا ان میں کسی کا نماز میں فرض یا ماہِ رمضان میں روزہ فرض سے مشغول ہونا کل ذٰلك فی الخانیة والدر المختار وحواشیة (یہ تمام بحث خانیہ، درمختار اور اس کے حواشی میں ہے۔ت) اور خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کی شرط نہیں، وجوبِ مہر تو عقدِ نکاح سے ہوتا ہے، ہاں خلوت سے مہر متاکد ہوجاتا ہے بایں معنی کہ اگر پیش ازوطی وخلوتِ صحیحہ طلاق تو نصف مہر لازم آتا، اب کہ خلوت واقع ہوگئی کُل لازم آئے گا۔ نقایہ میں ہے:

یجب نصفه بطلاق قبلها ای قبل خلوة الصحیحة [2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نصف مہر، طلاق قبل از خلوتِ صحیحہ سے واجب ہوتا ہے اھ ملخصًا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ہندہ سے نکاح ہوا اور خلوتِ صحیحہ برضائے زوجہ واقع ہوگئی اور مہر مؤجل قرار پایا تھا اب ہندہ مطالبہ کرتی ہے اور زید کے پاس نہیں جاتی، اور زید درصورت نہ آنے ہندہ کے مہر دینے سے منکر ہے، اس صورت میں یہ مطالبہ صحیح اور بوجہ نہ آنے ہندہ کے مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کوئی جزو مہر کا بعد وقوع خلوتِ صحیحہ ذمہ شوہر سے ساقط نہیں ہوسکتا اور تمامی مہر کا ادا کرنا زید

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایة فصل اقل المهر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۵

پر لازم، مگر ہندہ کو بوجہ تاجیل و وقوعِ خلوت برضائے زوجہ بالاتفاق مطالبہ مہر و منع نفس کا اختیار حاصل نہیں، امام ابویوسف سے کہ مہر مؤجل میں تخیر منع منقول ہے قبل از تسلیم نفس وو قوع وطی یا خلوت صحیحہ برضائے زوجہ پر محمول ہے کہ وُہ بعد از تسلیم مہر معجّل میں بھی اختیارِ منع نہیں دیتے حالانکہ وہاں بوجہ تعجیل حق منع و مطالبہ مؤکد ہوچکا ہے پس مؤجل میں کہ ایسا نہیں بالاولٰی نہ دیں گے۔

فی الھدایۃ وللمرأۃ ان تمنع نفسھا حتی تاخذ المھر ای المعجل ولو کان المھر کلہ مؤجلا لیس لھا ان تمنع نفسھا لاسقاطھا حقھا بالتأجیل کما فی البیع وفیہ خلاف ابی یوسف وان دخل بھا فکذٰلك الجواب عند ابی حنیفۃ وقالا لیس لھا ان تمنع نفسھا [1] انتھی ملخصا ومثلہ فی غیرھا من کتب الفقہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	ہدایہ میں ہے: بیوی کو مہر معجّل کی صورت میں اپنے اسے خاوند کو منع کرنے کا حق ہوتا ہے تک وصول نہ کرے، اور اگر تمام مہر مؤجل ہو تو پھر اس کو اپنے سے خاوند کو روکنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے مہر مؤجّل کرکے اپنے مطالبہ کا حق ساقط کردیا ہے جیساکہ بیع میں ہوتا ہے، اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے اور مہر معجّل کی صورت میں اگر دخول ہوچکا ہو تو عورت کو منع کا حق ہے مہر معجّل وصول کرنے تک یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مسلک ہے۔ اس میں صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس کو اس کے منع کا حق نہیں ہے انتھٰی ملخصًا، اسی طرح دوسری کتب میں بھی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: ۲۵ محرم ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بغیر اجازت شوہر کے کئی مرتبہ اپنے میکے چلی گئی اور اپنے شوہر سے اکثر لڑتی رہتی ہے اور اب کی دفعہ اُس نے اپنے شوہر کو مارا بھی، اگر شوہر مہر اُس کا ان وجوہ کے سبب نہ دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں اور اُس کو اپنے گھر رکھے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وُہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہگار ہے، مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا، رکھنے نہ رکھنے کا مرد کا اختیار ہے مگر اگر نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے دے یہ جائز نہیں کہ نکال دے اور طلاق نہ دے اور خبر گیری بھی نہ کرے ہاں وُہ خود ہی نکل جائے تو اس پر نان ونفقہ واجب نہیں جب تک واپس نہ آئے

لانھا ناشزۃ ولا نفقۃ للناشزۃ وقال	کیونکہ نافرمان ہے اور اس کے لئے خاوند پر نفقہ

[1] ہدایہ باب المہر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۳۱۴

تعالٰی فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡسَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واجب نہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو پاس رکھو بھلائی سے یا ان کو چھوڑ دو بھلائی سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی عبد العلی صاحب مدراسی ۱۷ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایجاب وقبول مہر فاطمی پر بلا تصریح وتعیین دراہم وسکّہ وغیرہ ہو یعنی بروقتِ نکاح صرف مہرِ فاطمی کا لفظ کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ مہر فاطمی پر جس کے اس قدر دراہم شرعی یا سکّہ رائج الوقت ہوتے ہیں تو اس صورت میں مہر فاطمی ہی رہے گا یا مہر مثل کی طرف عود کر جائے گا بوجہ اختلافِ روایات کے جو در بارہ مہر جناب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وارد ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر فاطمی ہی رہے گا۔ ذخیرہ پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

واللفظ للبحر لیس من صور عدم التسمیۃ مالو تزوجت بمثل مھر والزوج لایعلم مقدار مھرامھا فانہ جائز بمقدار مھر امھا الخ [2]۔	الفاظ بحر کے ہیں مہر مقررہ نہ ہونے کی یہ صورت نہیں ہے کہ بیوی کا مہر اس کی ماں کے مہر کے برابر ہو اور خاوند کو ماں کے مہر کا علم نہ ہو کیونکہ بیوی کی ماں کے مہر مقدار پر مہر رکھنا جائز ہے الخ (ت)

مہر اقدس حضرت سیّدۃ النساء بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علی ابیہا الکریم وعلیہا وسلّم میں اگرچہ روایات بظاہر مختلف ہیں مگر بتوفیق اللہ تعالٰی اُن سب میں تطبیق بروجہ نفس ودقیق حاصل ہے **فاقول:** **وباللہ التوفیق** اس بارے میں روایات مسندہ معتد بہا تین ۳ ہیں:

اوّل یہ کہ مہر مبارک درم ودینار نہ تھے بلکہ ایک زِرہ کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی وہی مہر میں دی گئی،

اخرج ابن سعد فی طبقاتہ اخبرنا خالد بن مخلد ثنا سلیمٰن ھو ابن بلال ثنی جعفر بن محمد عن ابیہ	ابن سعد نے طبقات میں تخریج کی ہے کہ خالد بن مخلد نے بیان کیا ان کو سلیمان ابن بلال نے حدیث بیان کی جعفر بن محمد نے اپنے والد سے بیان کیا حضرت

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[2] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۴۶

اصدق علی فاطمة درعا من حدید وعن عازم عن حماد بن زید عن ایّوب عن عکرمة ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لعلی حین زوجه فاطمة اعطها درعك الحطمیة[1]. قال الحافظ فی الاصابة هذا مرسل صحیح الاسناد[2]، وابوداؤد فی سننه عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال لما تزوج علی فاطمة رضی الله تعالٰی عنهما قال له رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعطها شیئا قال ماعندی شئی قال این درعك الحطمیة[3]۔ واحمد فی مسندہ من طریق ابن ابی نجیح عن قبیه عن رجل سمع علیا یقول اردت ان اخطب الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابنته فقلت مالی من شیئی ثم ذکرت صلته وعائدته وخطبتها الیه	علی کرم وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک لوہے کی درع دی، عازم سے انہوں نے حماد بن زید سے انہوں نے ایوب سے انہوں نے عکرمہ سے بیان کی کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے جب حضرت فاطمہ کا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نکاح کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تُو اپنی خطمی درِع (تلواروں کو توڑنے والی زرہ) مہر میں دے دے۔حافظ نے اصابہ میں کہا یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نکاح کیا تو فرمایا: اس کو مہر میں کُچھ دو۔ تو انہوں نے عرض کی: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے فرمایا: تیری خطمی زرہ کہاں ہے؟ احمد نے اپنی مسند میں ابن ابی نجیح وہ اپنے والد اور انہوں نے ایک ایسے شخص سے روایت کیا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سُنا ہے کہ وُہ فرمارہے تھے کہ میرا ارادہ ہُوا کہ میں حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام سے آپکی صاحبزادی کا رشتہ طلب کروں تو مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں، پھر مجھے آپ کی شفقت اور مہربانی یاد آئی، پس میں نے رشتہ طلب کیا تو

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر بناتِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۸/۲۱

[2] الاصابة فی تمیز الصحابة ترجمہ ۸۳۰ فاطمة الزہرا رضی اللہ عنہا دار صادر بیروت ۴/۳۷۷

[3] سُنن ابوداؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۹

فقال وھل عندك شئی،قلت لا،قال فاین درعك الحطمیة التی اعطیتك یوم کذاوکذا،قلت ھو عندی،قال فاعلطھا ایاہ [1] ابن اسحٰق فی السیرۃ الکبرٰی حدثنی ابن نجیح عند مجاھد عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ خطب فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فقال لہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل عندك من شیئی،قلت لا،قال فما فعلت الدرع التی سلحتکھا یعنی من مغانم بدر [2]۔	آپ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا کچھ نہیں تو فرمایا تیری خطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے اسلحہ کے طور پر فلاں موقعہ (یعنی بدر کے روز) غنیمت میں سے دی تھی؟ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس ہی ہے۔ توآپ نے فرمایا: وہ اسے دے دو۔ ابن اسحاق نے سیرت کبرٰی میں یُوں بیان کیا کہ ابن نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے کہا کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے منگنی کی تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے پُوچھا پاس کچھ ہے نے کہا: کچھ نہیں۔ تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے فرمایا: تیری وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے بدر کی غنیمت میں سے دی تھی۔ (ت)

دوم چار سو اسی ۴۸۰ درم تھے،

اخرجہ الائمۃ احمد فی المناقب وابوداؤد ابوحاتم الرازی وابن حبان فی صحیحہ کلھم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بعضھم اتم سیاقا من بعض،قال جاء ابوبکر ثم عمر یختبان فاطمۃ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،فسکت ولم یرجع الیھما شیئا فانطلقا الی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ یأمرانہ بطلب ذٰلک	امام احمد نے مناقب میں اور ابوداؤد اور ابوحاتم رازی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، ان تمام نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا بعض کا سیاق بعض سے اتم ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا رشتہ مانگنے آئے تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا، تو یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انہیں رشتہ

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/۸۰

[2] السنن الکبرٰی مروی عن محمد بن اسحٰق کتاب الصدق دار صادر بیروت ۷/۲۳۵

قال علی فنبهانی لامر کنت عنه غافلا فقمت اجر ردائی حتی اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقلت تزوجنی فاطمة، قال عند شیئ، فقلت فرسی وبُدنی، قال امافرسك فلابدلك منها واما بدنك فبعها فبعتها باربع مائة وثمانین درهما فجئته بها فوضعتها فی حجره صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقبض منها قبضه فقال ای بلال ابتع بها لنا طیبا وامرهم ان یجهزوها فجعل لها سریرا مشرطا بالشرط ووسادة من ادم حشوها لیف وقال لعلی اذا اتتك فلا تحدث شیئا حتی اٰتیك فجاء ت مع ام ایمن حتی قعدت فی جانب البیت وانا فی جانب وجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الحدیث[1]، وفی الخمیس فی روایة خطبها فزوجها النبی صلی اللہ تعالٰی علیه	طلب کرنے کو کہا تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ انہوں نے مجھے ایسے معاملے کی طرف متوجہ کیا جس سے میں غافل تھا تو میں فورًا چادر سنبھالتے ہوئے اٹھا حتٰی کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! فاطمہ کا نکاح مجھ سے کردیں۔ آپ نے پوچھا: تیرے پاس کُچھ ہے؟ میں نے عرض کی: گھوڑا ہے اور ایک اونٹ ہے گھوڑا تو تیرے لئے ضروری ہے لیکن اُونٹ کو فروخت کردو۔ تو میں نے اس کو چار سو اسّی ۴۸۰ درہم میں فروخت کردیا وُہ آپ کے پاس لاکر میں نے آپ کی گود میں ڈال دئے۔ تو آپ نے ان میں سے ایک مٹھی بھر اٹھا کر فرمایا: اے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ! اس کی خوشبو خرید لاؤ۔ اور فرمایا: اس رقم سے جہیز تیار کرو۔ تو ایک بُنی ہُوئی چار پائی اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجی بھری تھی تیار کئے، تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! جب تیرے پاس فاطمہ پہنچ جائے تو کوئی بات نہ کرنا جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔ تو حضرت فاطمہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ہمراہ آئیں حتی کہ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور دُوسری جانب مَیں تھا تو اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لے آئے، الحدیث۔ اور خمیس ہے کہ ایک روایت ہے کہ منگنی کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے

[1] کنزالعمال بحوالہ مسند انس حدیث مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۸۵ - ۶۸۴

وسلم علی اربعمائۃ وثمانین درھما[1] الخ وفیہ قیل انہ باع الدرع باثنتی عشرۃ اوقیۃ والاوقیۃ اربعون درھم وکان ذٰلک مھر فاطمۃ من علی رضی اللہ تعالٰی عنھما[2]۔	نکاح کردیا اور مہر چار سواسّی ۴۸۰ درہم تھا، اور خمیس میں یہ بھی کہ کہا گیا ہے کہ انہوں نے زرہ فروخت کی بارہ اوقیہ کے عوض میں۔اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے تھا(ت)

سوم چار سو مثقال چاندی،

اخرج الحافظ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل القزوینی لاحاکمی وابوعلی الحسن بن شاذان عن انس ایضا رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث طویل قال فیہ فی خطبۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم ان اللہ تعالٰی امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی ابن ابی طالب فاشھدوا انی قدزوجتہ علی اربع مائۃ مثقال فضۃ ان رضی بذٰلک علی ثم دعا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بطبق من بسرثم قال انتھبو افانتھبنا ودخل علی فتبسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی وجھہ ثم قال ان اللہ عزوجل امرنی ان ازوجك فاطمۃعلی اربعمائۃ مثقال فضۃ ارضیت بذالک،فقال قدرضیت بذالك یا رسول اللہ،فقال صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع اللہ	حافظ رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل قزوینی حاکمی اور ابوعلی حسن بن شاذان نے بھی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا طویل حدیث ہے جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کردوں، تو گواہ ہوجاؤ کہ میں نے یہ نکاح چار سو مثقال چاندی پر کردیا ہے بشرطیکہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس پر راضی ہوں۔پھر حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے بُسر کھجوروں کا بڑا ٹوکرا طلب فرمایا اور فرمایا: اس میں سے چن چن کر کھاؤ۔تو ہم نے کھائیں۔اتنے میں حضرت علی آئے تو آپ نے ان کی آمد پر تبسم فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا کہ میں فاطمہ کا نکاح تجھ سے کروں چار سو مثقال چاندی پر، کیا تو راضی ہے؟ تو حضرت علی نے عرض کیا: میں اس پر راضی ہوں۔تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے دُعا کرتے ہوئے

[1] تاریخ الخمیس تزوج علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۶۱

[2] تاریخ الخمیس تزوج علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۶۲

شملکما واعزجدکما وبارك علیکما واخرج منکما کثیرا طیبا،قال انس فواللہ لقد اخرج منھما الکثیر الطیب[1]،ورواہ ابن عساکر نحوہ من طریق محمد بن شھاب بن ابی الحیاء عن عبدالملك بن عمر عن یحی بن معین عن محمد بن دینار عن ھشیم عن یونس بن عبد عن الحسین عنھما وعن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکرہ محمد بن طاھر فی تکملۃ الکامل بن عدی کمانقلہ الحافظ فی لسان المیزان۔	فرمایا:اللہ تعالٰی تم دونوں کے حال متفق فرمائے اور تمہاری بزرگی کو باعزّت بنائے اور تم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اور تم میں سے اللہ تعالٰی کثیر طیّب پیدا فرمائے۔تو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے ان دونوں سے کثیر طیب پیدافرمائے۔اور ابن عساکر نے اسی طرح کی روایت محمد بن شہاب بن ابوالحیا سے انہوں نے عبدالملک بن عمر سے انہوں نے یحیٰی بن معین سے انہوں نے محمد بن دینار سے انہوں نے ہشیم سے انہوں نے یونس بن عبد سے انہوں نے حسین سے انہوں نے انس(رضی اللہ تعالٰی عنہما)سے،اس کو محمد بن طاہر(بن القیسرانی)نے تکملہ کامل بن عدی میں ذکر کیا ہے،جیسا کہ اس کو حافظ نے لسان المیزان میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

ان کے سوا جو اقاویل مجہولہ ہیں کہ پانسو درم مہر تھا یا چالیس مثقال سونا،

نقلھافی الرحمانیۃ عن بعض حواشی شرح الوقایۃ۔	ان دونوں روایتوں کو شرح وقایہ کے بعض حاشیوں سے رحمانیہ میں نقل کیا ہے(ت)

یا انیس ۱۹ مثقال ذہب،

ذکرہ فی المرقاۃ انہ اشتھر بین اھل مکۃ قال ولا اصل لہ[2]۔	اس کو مرقاۃ میں ذکر کیا ہے کہ یہ اہل مکّہ میں مشہور ہے جس کی کوئی اصل نہیں(ت)

سب بے اصل ہیں۔

امّا ما حاول القاری من توجیہ ھذا المشھور بقولہ اللھم الا ان یقال ان ھذا المبلغ قیمۃ درع علی رضی اللہ	لیکن مّلا علی قاری نے جو اس روایت کی مشہور توجیہ اپنے اس قول سے فرمائی،مگر یہ ہو سکتا ہے کہ یُوں کہا جائے کہ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زرہ کی یہ

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ حدیث انس رضی اللہ عنہ زواج علی من فاطمہ رضی اللہ عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۵

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

تعالٰی عنه [1] **فاقول:** لایلتئم لما علمت انها بیعت باربعمائة وثمانین درهما تسعة عشر مثقالا من الذهب لاتبلغ بسعرذاك الزمن المبارك الامائة وتسعین درهما اذکل دینار مثقال وکل دینار بعشرة دراهم نعم یجوز ان یکون هذا التقدیر ببعض الاسعار الواقعة فی البلدة الکریمة فی بعض الازمنة المتأخرة والله تعالٰی اعلم، وکذاماحاول هو رحمه الله تعالٰی من الجمع بین تقدیری الدراهم والمثاقیل بان عشرة دراہم سبعة مثاقیل مع عدم اعتبار الکسور [2] ۔**فاقول:** لایتجة ایضا فان اربعمائة مثقال فضة علی هذا خمس مائة واحد وسبعون درهما کسر، واربع مائة وثمانون درهما ثلث مائة ستة وثلاثون مثقالا فلکسر فی الاول ازید من النصف فلایحذف وفی الثانی اقل فلایرفع علی انه لامعنی یحذف وفی الثانی اقل فلایرفع علی انه لامعنی لاسقاط الزیادة فی الدراہم والقصر علی ثمانین بلا لو کان لقیل خمسمائة کام لایخفی فلیتأمل لعل لکلامه وجها اٰخر۔

قیمت تھی۔ **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بنتا نہیں جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا کہ وہ زرہ چار سواسّی ۴۸۰ درہم مین فروخت ہوئی تھی جب کہ ۱۹ مثقال سونا اس زمانہ مبارک کے بھاؤ سے صرف ایک سونوے ۱۹۰ درہم کا بنتا ہے، کیونکہ ایک دینار مثقال کا اور ہر دینار دس ۱۰ درہم کا تھا، ہاں ہوسکتا ہے کہ یہ اندازہ بعد کے زمانے میں مدینہ منورہ کے کسی بھاؤ کا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ اور یونہی ان کی وُہ تاویل جس میں وُہ درہم اور مثقال کے وزنوں کو جمع کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ دس ۱۰ درہم سات ۷ مثقال میں کچھ کسریں ہوں جن کا اعتبار نہ کیا گیا ہو **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بھی قابلِ توجہ نہیں کیونکہ اس طرح چارسو ۴۰۰ مثقال چاندی پانچسو اکہتر ۵۷۱ درہم اور کچھ کسر ہوتے ہیں اور چار سواسّی ۴۸۰ درہم تین سو چھتیس ۳۳۶ مثقال ہیں تو پہلے میں کسر نصف سے زائد ہوئی جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اور دوسرے میں نہایت ہی کم ہے تو اس کو قابل لحاظ نہیں کہا جاسکتا، اس کے علاوہ دراہم میں زیادتی کو ساقط کرنے اور صرف اس ۸۰ پر اکتفا کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے بلکہ اگر ایسا ہوتا تو پُورا پانچسو ۵۰۰ کہنا چاہئے تھا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، غور کرو، ہوسکتا ہے انکے کلام کی کوئی دوسری وجہ بن سکے (ت)

اب بتوفیقہ تعالٰی توفیق سُنئے، پہلی دو ۲ روایتوں میں وجہِ تطبیق ظاہر ہے کہ مہر میں زرہ دی کہ چار سواسّی ۴۸۰ کو بکی، اب چاہے کہئے خواہ اتنے درم، حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ طبرین نے دونوں روایت میں اسی طرح توفیق کی، ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربٰی میں فرماتے ہیں:

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

اختلف فی صداقھا رضی اللہ تعالٰی عنھا کیف کان' فقیل کان الدر ولم یکن اذ ذاك بیضاء ولاصفراء وقیل کان اربع مائة وثمانین ووردمایدل کلا اقولین ویشبه ان العقد وقع علی الدرع وانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعطاھا علیا لیبیعھا فباعھا واتاہ بثمنھا فلاتضاد بین الحدیثین [1] اھ ملخصا	حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مہر کے متعلق اختلاف ہے کہ کی تھا، بعض نے کہا کہ زرہ تھی اور درہم یا دینار نہ تھے اور بعض نے کہا کہ چار سواسّی ۴۸۰ درہم تھے۔ دونوں باتوں پر دلالت کرنیوالی مناسب اور مشابہ بات یہ ہے کہ نکاح کا انعقا زرہ پر ہُوا اور بعد میں حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے وہی زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی کہ فروخت کردو، تو اُنھوں نے فروخت کرکے قیمت آپ کو پیش کردی، تو دونوں حدیثوں میں تضاد نہ رہا اھ ملخصًا (ت)

اور پُر ظاہر کہ روایت مسندہ ثانیہ کے الفاظ ہی خود اس تطبیق کے شاہد ہیں ولہذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں کلامِ طبری نقل کرکے فرمایا:

ھذا الجمع مدلول الحدیث السابق [2]۔	یہ پہلی حدیث کا مدلول ہے جو دونوں کو جمع کرتا ہے۔ (ت)

اور روایت ثالثہ سے ان کی یُوں کہ حدیث زرہ کو ہمارے علمائے کرام نے مہرِ معجّل پر محمول فرمایا جو وقت زفاف اقدس ادا کیا گیا۔

قلت ویشھد له ایضا الحدیث المذکور حیث ذکر انه جاء بالدراھم فامر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بشراء الطیب وان تجھز وقال لعلی ماقال فان ذٰلك انما کان حین زفت لاحین العقد کمالایخفی۔	میں کہتا ہوں کہ اس پر مذکورہ حدیث بھی شاہد ہے، جس میں ذکر ہُوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دراہم پیش کئے تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے خوشبو اور جہیز خرید نے کا حکم فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو گفتگو فرمائی وُہ زفاف کے وقت ہے نہ کہ نکاح کے وقت کی، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ میں زرہ کی نسبت فرماتے ہیں **دفعھا الیھا مھرا معجلا** [3] یہ مہر معجّل کے طور پر دی گئی تھی۔ ت) امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ ذخائر العقبٰی ذکر تزویجِ علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا دار المعرفۃ بیروت ۶/۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ ذخائر العقبٰی ذکر تزویجِ علی بفاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنھا دار المعرفۃ بیروت ۶/۲

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

ان العادة عندهم كان تعجيل بعض المهر قبل الدخول، حتى ذهب بعض العلماء الى انه لايدخل بها حتى يقدم شيئا لها، نقل عن ابن عباس وابن عمر والزهری وقتادہ تمسكابمنعه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیا فیما رواہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ لما تزوج بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اراد ان یدخل بھا فمنعه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یعطیھا شیئا فقال یارسول اللہ لیس لی شیئ فقال "اعطھا درعک" فاعطاھا درعہ ثم دخل بھا اللفظ لابی داؤد و رواہ النسائی ومعلوم ان الصداق کان اربع مائة درھم وھی فضة[1] الخ **قلت** وحدیث ابی داؤد کماتری نص صریح لایقبل التاویل ان ھذاکان حین البناء ومعلوم ان البناء کان بعد عدة اشھر من حین العقد، ثم الروایة الثالثة مصرحة بان العقد وقع علی اربعمائة مثقال فضة ولیس فی الروایات الاولی مایصرح بصدور العقد علی الدرع ومن مارس	ان کے ہاں عادت تھی کہ مہر کا کچھ حصّہ دخول س قبل معجّل طور پر دے دیا جاتا تھا، حتی کہ بعض علماء نے اسی بناء پر فرمایا کہ پہلے کچھ ادائیگی کے بغیر دخول جائز نہیں۔ ابن عباس، ابن عمر، زہری، قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کو وُہ حضرت علی کو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کے منع فرمانے کی دلیل قرار دیتے ہیں جس اس روایت میں ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا تو انہوں نے دخول کا ارادہ فرمایا تو حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے ان کو پہلے کچھ ادا کئے بغیر دخول سے منع فرمایا، تو اُنہوں نے عرض کی میرے پاس تو کچھ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنی زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دو۔ چنانچہ انہوں نے زرہ دے دی اور اس کے بعد دخول کیا۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں' اور اسی کو نسائی روایت کیا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو دراہم تھا جو کہ چاندی ہے الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) ابوداؤد والی حدیث صریح نص ہے جو اس تاویل کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ واقعہ بناء یعنی دخول کا ہے جس کے متعلق معلوم ہے کہ وُہ نکاح سے چند ماہ بعد ہوا ہے۔ پھر تیسری روایت تصریح کر رہی ہے کہ نکاح چار سو مثقال چاندی ہُوا ہے، اور پہلی روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ نکاح زرہ پر ہوا ہے۔ جو شخص حدیث میں

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل اول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳۵۶/۶

الاحادیث علم ان الرواۃ ربما یختصرون الاشیاء فلابد من ردالمحتمل الی المنصوص والجمع متعین مهما امکن فکیف وهو واضح جلی ثم قول المحقق معلوم ان الصداق کان اربع مائة درهم استشکله فی المرقاۃ لمخالفته لحدیثی المثاقیل والدراهم جمیعا. **اقول:** ولا اشکال فان الدراهم کانت مختلفة علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعهد ابی بکر ن الصدیق الی زمن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما فمنها ماکان زنة مثقال ومنها دون ذٰلك ثم ان عمر هوالذی ردها الی وزن سبعة فی رد المحتار عن الطحطاوی عن منح الغفار اعلم ان الدراهم کانت فی عهد عمر رضی اللہ تعالٰی عنه مختلفة فمنها عشرۃ دراهم علی وزن عشرۃ مثاقیل عشرۃ علی ستة مثاقیل وعشرۃ علی خمسة مثاقیل فاخذ عمر رضی اللہ تعالٰی عنه من کل نوع ثلثا کی لاتظهر الخصومة فی الاخذ والعطاء فالمجموع سبعة ولذا کانت الدراهم العشرۃ وزن سبعة[1] اھ ملخصا. وفی خزانة المفتین برمزظ لفتاوی الامام ظهیر الدین ان الاوزان فی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

ممارست رکھتا ہے وُہ جانتا ہے کہ راوی حضرات بعض چیزوں کو مختصر کرجاتے ہیں، تواس لئے ضروری ہے کہ قابل احتمال کو منصوص کی طرف پھیرا جائے جبکہ مختلف روایات کو حتی الامکان جمع پر محمول کرنا طے شدہ بات ہے، یہ بات بالکل واضح ہے پھر محقق کا یہ قول کہ یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو درہم تھے اس کو مرقاۃ میں مشکل قرار دیا کیونکہ مثقال اور دراہم والی دونوں حدیثوں میں اس کی مخالفت ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے عہد اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے عہد تک مختلف دراہم تھے تو کچھ کا وزن ایک مثقال اور کچھ کا اس سے کم تھا، پھر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انکو ایک وزن سبعہ پر مقرر کیا۔ ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے منح الغفار سے نقل کیا کہ جاننا چاہئے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں دراہم مختلف تھے بعض دس ۱۰ درہم کا وزن دس ۱۰ مثقال تھا اور بعض دس ۱۰ کا چھ مثقال، اور بعض دس ۱۰ کا وزن پانچ مثقال تھا، تو عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قسموں میں سے ہر ایک کا ثلث لیا تاکہ لینے دینے میں جھگڑا نہ ہو، تو مجموع کا وزن سات ہُوا اس لئے دس درہم کا وزن سات مثقال قرار پایا اھ ملخصًا۔ اور خزانۃ المفتیین ظ کے رمز سے امام ظہیر الدین کے فتاوٰی کی طرف اشارہ کیا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں وزن مختلف تھے، بعض دراہم بیس ۲۰ قیراط تھے

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸و۲۹

وعهد ابی بکر رضی الله‌تعالٰی عنه کانت مختلفة فمنها ماکان الدرهم عشرون ماکان عشرة قراریط وهو الذی یسمی وزن خمسة. ومنها ماکان اثنی عشر قیراط وهو الذی یسمی وزن ستة فلما کان فی زمن عمر رضی الله‌تعالٰی عنه طلبوا منه ان یجمع الناس علی نقد و احد فاخذ من کل نوع [1] الخ ومن الدلیل علی ذٰلك ان المحقق جعل الدرع ماعجل من المهر وقد بیعت باربع مائة وثمانین فکیف یکون المعجل من اربع مائة اربع مائة وثمانین۔	اور بعض کا وزن ۱۰دس قیراط تھا جن کو پانچ کا وزن کہتے تھے،اور بعض کا وزن بارہ ۲ قیراط تھا جن کو چھ کا وزن کہتے تھے، توجب عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عہد آیا تو لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ایک سکّہ ہونا چاہئے توآپ نے ہر ایک میں سے کچھ لیا الخ اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محقق علیہ الرحمۃ نے زرہ کو مہر معجّل قرار دیا جو کہ چار سواسّی ۴۸۰ دراہم میں فروخت ہُوئی، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کل چار سو۴۰۰ میں سے چار سواسّی ۴۸۰ معجّل ہوں۔(ت)

پس حاصل یہ قرار پایا کہ اصل مہر کریم جس پر عقدِ اقدس واقع ہُوا چار ۴۰۰ مثقال چاندی تھی۔ ولہذا علماءِ سیر نے اس پر جزم فرمایا، مرقاۃ میں ہے،

ذکر السید جمال الدین المحدث فی روضة الاحباب ان صداق فاطمة رضی الله‌تعالٰی عنهاکان اربع مائة مثقال فضه وکذاذکره صاحب المواهب [2] الخ۔	سیّد جمال الدین محدّث نے روضۃ الاحباب میں ذکر کیا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھی۔ اسی کو صاحبِ مواہب نے ذکر کیا ہے الخ۔

زرہ برسمِ پیشگی وقت زفاف دی گئی کہ بحکمِ اقدس چار سواسّی ۴۸۰ درم کو بکی،

وبه ظهر ما فی العلامة المحب الطبری یشبه ان العقد وقع علی الدرع وانما حقه ان یقال ان المعجل کانت الدرع ولعل حامله علیه ذهوله عن	اس سے علّامہ محب طبری کے قول پر اعتراض بھی واضح ہوگیا جو انہوں نے کہا کہ "حق کے مشابہ یہ ہے کہ نکاح زرہ پر ہوا" جبکہ حق بات یہ ہے کہ یُوں کہا جائے کہ زرہ مہر معجّل تھی، ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ

[1] خزانۃ المفتین فصل فی مال تجارۃ قلمی نسخہ ۱/۴۱و۴۲

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

حدیث المثاقیل المصر اھ بان العقد انما وقع علیھا لاعلی الدرع ولاعلی الدراھم ولذا لم یذکر الاقولین کما رأیت۔	انداز اس حدیث سے ذہول کی وجہ سے اختیار کیا جس میں مثاقیل کے بارے میں تصریح ہے کہ نکاح ان پر ہُوا نہ کہ زرہ پر، اور نہ ہی دراہم پر ہوا۔ اسی لئے انہوں نے صرف دو ۲ قول ہی ذکر کئے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے (ت)

مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے، اور یہاں کا روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو چار سو مثقال کے پورے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے ہُوئے **فاحفظه فلعلك لاتجد هذاالتحریر فی غیر هذاالتحریر** (اس کو محفوظ کرلو، ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ تحریر دوسری جگہ نہ ملے۔ ت) **واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں مسئولہ احمد حسین خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسلمان سے ایک مسلمان کا نکاح ہوا، اُس کے بعد نکاح کنندہ کو معلوم ہُوا کہ اُس عورت کے باپ سے مجھ کو رشتہ شِیرخوارگی ہے یعنی میری ماں نے اس کے باپ کو دُودھ پلایا ہے اور اس زمانہ میں بوجہ عدم واقفیت ہمبستری بھی ہوگئی، ایسی صورت میں نسبت جواز نکاح کے کیا حکم ہوگا اور مہر کی نسبت کیا حکم فرمایا جائے گا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ امر مذکور معلوم وثابت ہولیا تو ظاہر ہُوا کہ وُہ عورت اس شخص کی بھتیجی ہے اور نکاح ناجائز وفاسد،

فی ردالمحتار یحرم من الرضاع اصوله وفرعه وفروع ابویه وفروعه[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ رضاعت سے اس کے اصول وفروع اور اس کے والدین کے فروع اور فروع کے فروع ہوجاتے ہیں۔ (ت)

اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے ترک کردے اور اُس جُدا ہوجائے زبان سے کہہ دے کہ میں نے تُجھے چھوڑا یا تیرے نکاح کو ترک کیا،

فی ردالمحتار فی البزازیة المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابا لقول کخلیت سبیلك او ترکتك[2] الخ۔	ردالمحتار میں ہے، بزازیہ میں ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکہ کہ صرف قول (مثلاً میں نے تیرا راستہ آزاد کیا یا تجھے چھوڑ دیا ہے) سے ہوتا ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

[2] ردالمحتار باب المهر مطلب فی النکاح الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲-۳۵۱

اور ازانجا کہ ہمبستری یعنی مجامعت واقع ہولی عورت کے لئے مہر مثل تمام وکمال لازم آیا اگرچہ مہر مسمّٰی سے زائد ہو، نکاح فاسد میں ضروریہ حکم ہے کہ جب مہر کچھ معین کیا گیا تو لازم تو مہر مثل ہی آئے گا مگر قرار یافتہ سے زیادہ نہ دلایا جائے گا، مثلاً ہزار روپیہ مہر ٹھہراتھا تو اگر مہر مثل ہزار یا ہزار سے زائد ہے تو ہزار ہی دلائے جائیں گے اور مہر مثل ہزار سے کم ہے تو صرف اُسی قدر دلائیں گے ہزار تک نہ بڑھائیں گے، لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنٰی ہیں ازاں جملہ نکاح محارم کہ نادانستہ وقوع میں آیا وہاں بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمّٰی سے زائد ہو مسمّٰی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہاں یہی صورت واقع ہے کہ وہ اس کی بھتیجی اور محرم رضاعی ہے۔

فی تنویر الابصار، یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزد علی المسمی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	تنویر الابصار میں ہے: نکاح فاسد میں مہر مثل صرف جماع سے لازم آتا ہے کسی غیر جماع سے نہیں، وُہ مہر مثل بھی مقرر سے زیادہ نہ ہو۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲: ۵ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح ایّام نابالغی میں زید کے ساتھ ہُوا اور نکاح کے روز سے ایک لمحہ کو بھی ہندہ زید کے گھر نہیں گئی اور نہ ہم صحبت ہوئی اس صورت میں ہندہ مہر چاہے تو پاسکتی ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ زن وشو نے انتقال کیا اور اُن میں ایک کا مرجانا بھی مہر کو مؤکد کرتا ہے، پس صورتِ مذکورہ میں کُل مہر ہندہ ترکہ زید پر لازم ہے جبکہ وُہ نکاح لازم واقع ہُوا جیسا کہ اَب وجد نے کیا یا نافذ غیر لازم تھا اور پیش از رد، احد الزوجین کا انتقال ہوگیا۔

فی الدرالمختار، یتأکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما[2] الخ۔	درمختار میں ہے: وطی یا خلوت صحیحہ یا دونوں میں سے کسی کی موت سے مہر لازم ہوجاتا ہے الخ (ت)

اور اگر نکاح منعقد ہی نہ ہُوا تھا جیسے غیر اَب وجد نے نابالغی ہندہ میں غیر کفو سے یا مہر مثل میں کمی فاحش کے ساتھ نکاح کردیا کہ شرعاً ایسا نکاح باطل ہے' یا موقوفاً منعقد ہُوا اور ہنوز نافذ نہ ہونے پایا تھا کہ

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷

اُن میں ایک نے انتقال کیا جیسے بحالتِ ولایتِ پدر اُس کے غیر نے بے اسکی اجازت نکاح کردیا اور ہنوز باپ نے جائز نہ کیا تھا کہ احد الزوجین نے وفات پائی تو اس صورت مین اصلاً کچھ مہر وغیرہ نہ ملے گا۔

فی ردالمحتار، المهر کما یلزم جمیعه بالدخول والخلوة کذٰلك بموت احدهما قبل الدخول اما بدون ذٰلك فتیسقط لان العقد اذا انفسخ یجعل کانه لم یکن نهر اھ[1] مختصرا والله تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح دخول اور خلوتِ صحیحہ سے پورا مہر لازم ہوجاتا ہے ایسے ہی دونوں میں سے کسی کی موت قبل از دخول سے بھی لازم ہوجاتا ہے، اگر مذکورہ صورتیں نہ واقع ہُوئی تو مہر ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ جب نکاح فسخ ہو تو وُہ کالعدم ہوجاتا ہے، نہر اھ مختصرا۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳: ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، اُس عورت کو مرد کے قابل نہ پایا، اُس کے جسم میں ہڈی ہے، ایک زمانے کے بعد زید نے اُسے طلاق دے دی، اب اس کا مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں آدھا مہر دینا آئے گا۔ درمختار میں ہے:

یجب نصفه بطلاق قبل وطء او خلوة[2]۔	طلاق قبل از خلوت سے نصف مہر لازم ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الخلوة بلا مانع کرتق التلاحم (وقرن) عظم (وعفل) غدة (کالوطء تأکد المهر[3] اھ ملتقطا۔ والله تعالٰی اعلم	خلوت ایسی کہ جہاں کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً شرمگاہ میں گوشت پُر ہوجائے، ہڈّی ہوجائے، غدود ہوجائے ان موانع کے بغیر خلوت ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہے مہر لازم ہوجاتا ہے اھ ملتقطا (ت) والله تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

[2] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

[3] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۹

مسئلہ ۲۴: از ریاست ریواں محلّہ گھوگھر مرسلہ عبداللہ خاں صاحب چابک سوار ۱۰صفر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو باشتباہِ زنا اپنے مکان سے نکال دیا، چار ماہ سے زائد ہوتا ہے کہ نان نفقہ مطلقًا نہ دیا، قریب ایک ماہ کے ہوتا ہے کہ جلسہ واحد میں تین طلاق دئے مگر نہ رُوبرو عورت کے بلکہ دوسرے اشخاص کے۔ دین مہر عورت کا ۲/۱ پایا تھا شوہر نے قطعہ مکان مالیتی ۲/۱ بعوض دین مہر رجسٹری کرا کر دخل دے دیا تھا اب بے دخل کرکے نکال دیا اپنے دئے ہُوئے زیورات کا مسمّاۃ سے بجبر واکراہ بنالش کچہری دعویدار ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں آیا مرد مجاز ہے کہ علاوہ دین مہر کے جو اشیاء از قسم زیورات وغیرہ عورت کو بنوادیا تھا جبرًا واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ مع ترجمہ عبارتِ عربی جلد مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

تین طلاقیں ہو گئیں، عورت کے رُوبرو ہونا کچھ شرط نہیں، قطعہ مکان کہ بعوض دین مہر دیا تھامِلک عورت ہے عورت بذریعہ نالش واپس لے سکتی ہے، علاوہ مہر جو اشیاء مثل زیور وغیرہ زید نے ہندہ کو دیں اگر گواہان عادل شرعی یا اقرار زید سے ثابت ہو کہ وُہ چیزیں زید نے ہندہ کو ہبہ کردی تھیں تو زید ان کی واپسی کا اختیار نہیں رکھتا۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا وھب ازوجین لصاحبہ لایرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما[1]۔	جب میاں بیوی نے ایک دُوسرے کو کوئی ہبہ دیا تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ بعد کو نکاح منقطع ہوجائے۔ (ت)

یُونہی جس چیز کی نسبت اُس کی مالک سمجھی جاتی ہےں اُس میں بھی زید کو اختیارِ واپسی نہیں۔ علماء فرماتے ہیں: **المعھود عرفا کالمشروط نصًا** (عرف میں ثابت ایسے ہے جیسا کہ نص کرکے مشروط کیا ہو۔ ت) مگر جبکہ اس قسم دوم کی چیز میں زید گواہان شرعی سے ثابت کردے کہ میں نے دیتے وقت جتادیا تھا کہ برتنے کے لئے دیتا ہوں تجھے مالک نہیں کرتا، توالبتہ وُہ چیز ملک شوہر سمجھی جائے گی اور وُہ بالجبر واپس لے سکتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: **الصریح یفوق الدلالۃ** (صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اسی طرح زیور کپڑا وغیرہ ہر وُہ چیز کہ شوہر نے دی اور تملیک صراحۃً خواہ عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہُوئی اس میں بھی قول شوہر کا معتبر ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الرجوع فی الھبۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۶/۴

جبراً واپس لے سکے گا اور بلاتملیک شوہر عورت کے برتنے، پہننے، استعمال کرنے سے مِلک عورت ثابت نہیں ہو سکتی البتہ گھر میں پہننے کے کپڑے جن کا دینا بحکمِ نفقہ شوہر پر واجب ہو چکا ہو وُہ دے کہ اگر دعوٰی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہ کیا تھا اس میں شوہر کا قول معتبر ہونا چاہیے۔ عقود الدریہ میں ہے:

قال فی البحر وفی البدائع اقررت بالزوجھا ثم ادعت الانتقال الیھا لایثبت الانتقال الابالبینۃ اھ، ولابد من بینۃ علی الانتقال الیھا منہ بھبۃ او نحو ذٰلک ولایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذٰلک دلیلا علی انہ ملکھا ذٰلک کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذٰلک مرارا، وینبغی تقییدہ بمالم یکن من ثیاب الکسوۃ الواجبۃ علی الزوج اھ [1] ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بحر میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ بیوی نے خاوند کی ملکیت کا اقرار کیا اور پھر اس کے اپنی طرف منتقل ہوجانے کا دعوٰی کیا تو اب بیوی کی ملکیت شہادت کے بغیر ثابت نہ ہوگی اھ، گواہ ضروری ہیں کہ شوہر نے بذریعہ ہبہ وغیرہ عورت کو مالک کردیا بیوی کا خاوند کی خریدی ہُوئی چیز سے فائدہ پانا اگرچہ خاوند کی رضامندی سے ہو، یہ بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عام طور پر عورتیں اور عوام سمجھ لیتے ہیں کہ یہ خاوند کی طرف سے ملکیت کردی گئی ہے میں نے کئی بار یہ فتوٰی جاری کیا اھ یہاں یہ قید مناسب ہے کہ وُہ دی ہُوئی چیز پہننے کے کپڑے نہ ہوں جن کا دینا شوہر پر واجب ہوچکا تھا اھ ملخصًا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵: از کٹرہ ڈاک خانہ ادیرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سیّد کریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جاہل نے بدون طلاق اپنی زوجہ کی رضاعی بہن سے نکاح کرلیا، جب اس کو معلوم ہوا کہ جمع بین الاختین حرام ہے تب اس نے ثانیہ کو طلاق دینا چاہا، ثانیہ نے کہا کہ مجھ کو طلاق دینا چاہتے ہو تو میرا مہر ادا کرو۔ تو اس صورت میں بہ سبب ناجوازی نکاح زوجہ ثانیہ کے زوجہ ثانیہ کے حق میں صرف تفریق ہی معتبرہ یا اس پر طلاق واقع ہوگا اور مہر زوجہ ثانیہ زوج پر باوجود عدم جوازِ نکاح لازم آئے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک بہن جب نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح نکاح فاسد ہے، متارکہ یعنی چھوڑ دینا جُدا کردینا واجب ہے، اور وہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے، یہاں تک کہ اگر الفاظِ طلاق کہے گا جب بھی متارکہ ہی ٹھہرے گا طلاق

[1] عقود الدریۃ کتاب الفرائض حاجی عبد الغفار وپسران تاجرانِ کُتب قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۰

میں شمار نہ ہوگا، پھر اگر اس دوسری سے حقیقۃً وطی یعنی خاص فرج داخل میں بقدر حشفہ ایلاج ذکر، کرچکا تھا تو مہر مثل و مہر مسمّٰی سے جو کم ہو لازم آئے گا ورنہ کچھ نہیں اگر پر خلوت بلکہ بوس وکنار بہ شہوت بلکہ غیر فرج میں ادخال کرچکا ہو،

فی الدرالمختار یجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم کزد علی المسمی ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل[1] اھ باختصار وفی ردالمحتار **قولہ** کشھود ومثلہ تزوج الاختین معاونکاح الاخت فی عدۃ الاخت **قولہ** فی القبل فلوفی الدّبر لایلزمہ مھر خلاصۃ وقنیۃ فلایجب بالمس والتقبیل بشھوۃ شیئی بالاولی کما صرحوا بہ ایضا بحر[2] اھ ملتقطا، وفی الدر من العدۃ، الخلوۃ فی النکاح الفاسد لاتوجب العدۃ والطلاق فیہ لاینقص عدد الطلاق لانہ فسخ جوھرۃ[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ نکاح فاسد میں صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ نکاح فاسد وُہ ہے کہ جس میں صحتِ نکاح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو، مثلاً بے شہود نکاح اور مہر مثل بھی مقرر مہر سے زیادہ نہ ہوگا، اور اگر مہر مثل کم ہو مہر مسمٰی سے تو بھی مہر مثل لازم ہوگا، یہاں خلوت وغیرہ سے مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ وطی کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ نکاح فاسد میں وطی خود حرام ہے اھ اختصارًا۔ اور ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول، جیسے گواہ' اور اسی طرح اگر دو۲ بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا ہو یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کیا ہو، ماتن کا قول کہ صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر لازم ہوتا ہے تو دُبر میں وطی کرنے سے مہر لازم نہ ہوگا، خلاصہ اور قنیہ یونہی مَس اور بوس کنار شہوت سے کئے ہوں تو بھی مہر بطریق اولٰی لازم نہ ہوگا، جیسا کہ فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے، بحر اھ ملتقطا۔ درمختار کی عدّت بحث میں ہے کہ نکاح فاسد میں خلوت، عدّت کو واجب نہیں کرتی اور نکاح فاسد میں طلاق سے عدد طلاق کم نہ ہوگا کیونکہ یہ فسخ ہے، جوہرہ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از جنگل کوکرہ ڈاک خانہ گولا ضلع کھیری مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح بعوض دس ۱۰ درہم مہر کے کیا تو

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۰۔۵۱

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۸

ایسی صورت میں کہ مُلک ہند میں رواج درہم کا نہیں ہے، بجائے دس ۱۰ درہم کے دس ۱۰ درہم چاندی کافی ہوگی یا تعداد اُس کی روپے آنے سے پُوری کرنی ہوگی، اگر روپے آنے مہر کے تجویز کئے جائیں گے تو کس قدر ہوں گے؟ اور کم سے کم کتنا مہر ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چاندی کافی ہے، سکّہ ہونے کی کچھ ضرورت نہیں، کم سے کم مہر دس ۱۰ ہی درہم ہے یعنی دو ۲ تولے ساڑھے سات ماشے چاندی اُس تولے سے جس کے حساب میں انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، نہ روپیہ بھر کا تولہ جو بعض بلاد میں معروف ہے، مہر خود اس قدر چاندی ہو یا چاندی کے سوا اور کوئی شے اتنی ہی چاندی کی قیمت کی۔

فی الدرالمختار، قلہ عشرۃ دراھم فضۃ وزن سبعۃ مثاقیل مضروبۃ کانت اولا ولو دینا او عرضا قیمتہ عشرۃ وقت العقد[1] فی ردالمحتار "فلوسمی عشرۃ تبرا اوعرضا قیمۃ عشرۃ تبرًا لامضروبۃ" صح[2]۔	درمختار میں ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس ۱۰ درہم چاندی جس کا وزن سات ۷ مثقال ہو، یہ چاندی سکّے کی شکل میں ہوں یا بے سکّہ اگرچہ قرض ہو یا کوئی سامان ہو جس کی قیمت دس ۱۰ درہم بوقت نکاح ہو۔ ردالمحتار میں ہے اگر دس ۱۰ ٹکڑیاں مہر مقرر کیا یا سامان جس کی قیمت دس ۱۰ ٹکڑیوں کے برابر ہو دس ۱۰ سکّوں کے برابر نہ ہو تو بھی جائز ہے (ت)

وزن کے اعتبار سے دس ۱۰ درم کے دو ۲ روپے ایک اٹھنی ایک چوانی اور ۹-۳/۵ پائی ہُوئے یعنی کچھ کم دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے، اگر روپے اٹھنی چوانی دے تو اسی قدر دینا ہوگا، لان الجنس لامعتبر فیہ للقیمۃ (کیونکہ جنس میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ت) اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز دے تو دو ۲ تولے ساڑھے سات ماشہ چاندی کی قیمت معتبر ہوگی مثلاً چاندی ۱۲۔ تولہ ہو تو ایک روپے ساڑھے پندرہ آنے کی قیمتی شَے کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷: شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے بتعین صہ عہ (۲۵۰۰۰) ہزار مہر کے ہوا زید کو مہر میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے لئے کیا شرائط لازم وضروری ہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۰

الجواب:

شوہر کو ہر وقت زوجہ کے مہر میں زیادت کرنے کا اختیار ہے اور اب مہر یہی قرار پائے گا جو بعد اس زیادت کے مقرر ہُوا اور اس کے لئے تجدید نکاح کی حاجت نہیں، بلاتجدید بھی زیادت کرسکتا ہے، نہ گواہوں کی ضرورت تنہائی میں باہم اضافہ کرلینا صحیح ہوجائے گا، نہ زیادت جنسِ مہر سے ہونی لازم، خلافِ جنس بھی صحیح ہے، مثلاً روپے مہر تھے اب کوئی جائداد اضافہ کردی وُہ روپے اور یہ جائداد سب کا مجموعہ مہر ہوجائے گا، نہ اگلے مہر کا صرف تین [۳] شرطیں درکار ہیں، دو [۲] بالاتفاق۔ ایک [۱] تو اُس زیادت کا معلوم ومعین ہونا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تیرے نے تیرے مہر میں کچھ بڑھادیا تو یہ زیادت باطل دوسرے [۲] اسی جلسہ میں عورت کا اسے قبول کرلینا، اگر عورت نے قبول نہ کیا یا بعد مجلس بدلنے کے قبول کیا زیادت صحیح نہ ہوگی۔ تیسری [۳] "**شرط مختلف فیه**" بقائے نکاح ہے اگر بعد زوال نکاح بموت زوجہ یا طلاق بائن یا انقضائے عدّت بعد طلاقِ رجعی زیادت کی تو ایک روایت پر صحیح نہ ہوگی۔ نہرالفائق میں اسی کو ظاہر الروایۃ قرار دیا۔ درمختار میں ہے:

زید علی ماسمی فانها تلزمه بشرط قبولها فی المجلس اوقبول ولی الصغیرة ومعروفة قدرها وبقاء الزوجية علی الظاہر نہر [1]	اگر مقررہ مہر پر زیادہ کیا ہو تو خاوند پر یہ زائد مہر لازم ہوجائے گا بشرطیکہ بیوی نے مجلس میں قبول کرلیا ہو یا اس کے ولی نے جب یہ نابالغہ ہو۔ اور مقدار بھی معلوم ہو اور زوجیت کا موجود رہنا بھی شرط ہے ظاہر مذہب میں، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

افادا نها صحيحة ولو بلاشهود او بعد هبة المهر والابراء ومن غير جنسه بحر، وفی انفع الوسائل لایشترط فیها لفظ الزیادة بل تصح بلفظها وبقوله	اس عبارت نے یہ فائدہ دیا کہ یہ زیادتی جائز ہے خواہ گواہوں کے بغیر اور مہر ادا کردینے کے بعد یا مہر سے معاف کرنے کے بعد ہو، یہ زیادتی جنس مہر سے ہو یا غیر جنس مہر سے ہو، بحر۔ اور انفع الوسائل میں ہے اس کے لئے "زیادہ" کا لفظ بھی ضروری نہیں بلکہ اس لفظ سے اور اس قول سے بھی صحیح ہے کہ میں نے

[1] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

راجعتك بكذا ان قبلت وكذا بتجديد النكاح وان لم يكن بلفظ الزيادة على خلاف فيه وكذا لو اقر لزوجته بمهر وكانت قد وهبته له فانه يصح ان قبلت فی مجلس الاقرار وان لم يكن بلفظ الزيادة[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اتنوں کے ساتھ تجھ پر رجوع کیا اگر تجھے قبول ہو، اور یُوں ہی تجدید نکاح سے اگرچہ اس میں زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو، اس میں خلاف ہے، اور یونہی اگر بیوی نے خاوند کو مہر ہبہ کردیا اور بعد میں خاوند بیوی کے لئے کسی مہر کا اقرار کرلے، جب بیوی نے اقرار والی مجلس میں قبول کرلیا ہو اگرچہ زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو تو یہ زیادت صحیح ہے اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: ۶ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مہر معجّل سے ششم حصّہ بکر شوہر نے وقتِ نکاح ادا کردیا اب ہندہ کو بقیہ پانچ حصّوں کا مطالبہ قبل افتراق زن و شو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رخصت بلاخلوت صحیحہ واقع ہُوئی ہو تو دعوی کا اختیار رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں بالاتفاق ہندہ کو قبل افتراق بموت یا طلاق بقیہ مہر معجّل کا دعوی اور جب تک وتمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے گھر جانے سے باز رہنا اور اپنے نفس کو شوہر سے روکنا پہنچتا ہے، اور اصل مذہب یہ ہے کہ اگر خلوت بلکہ قربت برضائے زوجہ واقع ہولی تو اس کے بعد بھی زوجہ کو ہر وقت اختیار دعوی و مطالبہ و منع نفس حاصل ہے جب چاہے رُک جائے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دے اور اُس کے گھر جانے سے انکار کرے جب تک مہر معجّل نہ لے لے۔ درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطئ ودواعيه والسفر بها ولو بعد وطئ وخلوة رضيتهما لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لايوجب تسليم الباقی لاخذ مابيّن تعجيله من المهر كله او بعضه او اخذ قدر مايعجل لمثلها عرفا، به يفتی[2]۔	بیوی کو مہر وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطی سے اور اس کے دواعی سے سفر میں ساتھ لے جانے سے منع کا حق ہے اگرچہ برضائے زوجہ وطی یا خلوت کرلی گئی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے، تو کچھ دے دینے سے باقی کو بھی دے دینا ثابت نہیں کرتا، یہ منع کا حق اس واسطے ہے کہ عورت وُہ مہر وصول کرلے جس کا جلد دینا بیان ہوچکا وہ کل مہر ہو یا بعض، یا اس قدر مہر وصول کرلے جتنا اس جیسی عورتوں کو عرف میں جلد دیا جاتا ہے فتوی اسی پر ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۸

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

اسی میں ہے:

لها السفر والخروج من بيت زوجها للحاجة وزيارة اهلها بلا اذنه مالم تقبض المعجل[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مہر معجّل وصول کرنے تک بیوی کو سفر کرنا اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کسی حاجت یا والدین کی زیارت کے لئے نکلنا جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

مہر کی تعداد شرع پیغمبری کیا ہے؟اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر کیا تھا؟**بینوا توجروا**

الجواب:

مہر شرعی کی کوئی تعداد مقرر نہیں، صرف کمی کی طرف حد معین ہے کہ دس درم یعنی تقریباً دو روپے تیرہ آنے سے کم نہ ہوا اور زیادتی کی کوئی حد نہیں، جس قدر باندھا جائے لازم آئے گا۔اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر اقدس چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے روپے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از فرید پور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے مہر شرعی پر نکاح کیا مگر اب وُہ طلاق دیتا ہے بوجہ نافرمانی کے،اور وہ تخمین مال ۲۵۰ؔ روپے قرضدار ہے قرض سودی ہے وہ اس کے مہر سے کس صورت سے ادا ہووے اور کتنا دیوے بموجب حکم خدا اور رسول سے؟ تحریر فرمائے۔

الجواب:

مہر شرعی جو لوگ یہ سمجھ کر باندھتے ہیں کہ سب سے کم درجے کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے تو اس صورت میں دو تولے سات ماشے چار رتی چاندی دینی آئے گی،اور جو یہ سمجھ کر باندھتے ہوں کہ جو مہر حضرت خاتونِ جنّت کا تھا تو ڈیڑھ سو تولے چاندی آئے گی، یعنی انگریزی روپے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر،اور جس کی سمجھ میں کچھ معنی نہیں خالی ایک لفظ بول دیتے ہیں تو وہاں مہر مثل لازم آنا چاہئے یعنی عورت کے دُدھیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت شکل اور کنواری یا بیاہی ہونے میں اور اُن باتوں میں جن سے مہر کم بیش ہو جاتا ہے اس عورت کی مانند ہو اس کا جو مہر بندھا ہو وُہ دینا آئے گا،اور جو اپنوں

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

میں ایسی عورت نہ ملے تو بیگانوں سے دیکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱تا۳۲: ۲۸ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

سوال اوّل

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح ساتھ عمرو کے عوض مہر پانچ ہزار روپے اور دو ۲ دینار شریک کردیا تھا اور یہ بات قرار پائی گئی تھی اور وکیلِ نکاح نے تصریح کردی تھی کہ مہر نہ تو اس وقت نقد لیا جائے گا اور نہ رخصت کے وقت، اور نہ کوئی وعدہ ادائے مہر کا ہے، اور ہنوز رخصت نہیں ہوئی ہے، تو ہندہ مذکور یا اُس کے باپ کو کس وقت میں طلب کرنے جزو یا کُل مہر کا اختیار حاصل ہوگا اور اس مہر کو کون سا مہر کہا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسے مہر کا مطالبہ بعد موتِ زوج یا زوجہ یا بعد طلاق ہوسکتا ہے اس سے قبل نہیں، یہ نہ معجّل ہے کہ قبلِ رخصت دینا قرار نہ پایا، نہ مؤجل کہ کوئی اجل یعنی میعاد مقرر نہ کی گئی بلکہ عرفاً مؤخر ہے، ردالمحتار میں ہے:

لو مات زوج المرأۃ اوطلقها بعد عشرین سنة من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر بیوی کا خاوند بیس ۲۰ سال بعد فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر کیاہُوا طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کو اس مہر کے مطالبے کا حق مرنے یا طلاق دینے کے بعد ثابت ہوتا ہے وقت نکاح سے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم ز۔(ت)

سوال دوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر موجل کے کیا معنے ہیں اور غیر مؤجل کے کیا معنے ہیں؟ اور معجّل جس کا حرف ثانی عین مہملہ ہے کیا معنی ہیں اور ان کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت) اور دینار سُرخ کتنے روپے کا ہوتا ہے؟

الجواب:

مہر مؤجل وُہ جس کے لئے کوئی میعاد مقرر کی ہو مثلاً دس ۱۰ برس بعد دیا جائے گا، اور غیر مؤجل وُہ کہ تعین وتقرر میعاد نہ ہو فان کان مع نفی الاجل کان معجلا والافلا (اگر میعاد کی نفی کی ہو تو معجّل ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

ورنہ نہیں۔ت) اور معجّل وہ جس کا قبل رخصت ادا کرنا قرار پایا ہو۔ مؤجل کا مطالبہ میعاد آنے پر ہو سکتا ہے اس سے پہلے اختیار نہیں، اور معجّل کو عورت فورًا مانگ سکتی ہے، اور جب تک نہ ملے رخصت سے انکار کا اسے اختیار ہے اور جو نہ معجّل اور نہ مؤجل وُہ بحکم عرف طلاق یا موت تک موخر ہے اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہیں۔

فی النقایہ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نقایہ میں ہے: مہر معجّل اور مؤجّل کی مدّت بیان کردی گئی تو بہتر، ورنہ عرف کے لحاظ سے مہر ادا کیا جائیگا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

دینار شرعی دس ۱۰ درم شرعی کا ہوتا ہے، دس ۱۰ درم انگریزی روپے سے دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے ہوتے ہیں پانچواں حصّہ پیسہ کا کم، کما حققنا فی الزکوٰۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بابِ زکوٰۃ میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۳: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی لڑکی کا نکاح تھا اور قاضی صاحب نے نکاح پڑھا دیا، کلمہ ودعائے قنوت اور دونوں اٰمَنتُ باللہ پڑھا کر اقرار پڑھایا تھا اور فاتحہ کے لئے جب حاضرینِ محفل پڑھنے کو ہُوئے تب ایک قاضی دیگر جگہ کے تھے وہ اس نکاح میں گواہ تھے لڑکی کی طرف سے، اور درجہ دوم شرع پیغمبری قائم کیا گیا تھا تو نکاح پڑھانے والے قاضی نے کہا کہ مجھ کو اس کی تعداد معلوم نہیں کہ کتنی تعداد ہے، وُہ جو قاضی گواہ تھے اُس نکاح کے، وہ کہنے لگے صہ ۶۵ روپے، درجہ دوم کی میں خلاصہ کردیوں تاکہ محفل میں اور لوگوں کو معلوم ہوجائے، پڑھانے والے نے کہا کہ درجہ اول دوم درجہ سوم درجہ چہارم کی تعداد مجھ کو معلوم نہیں مع نام درجہ تعداد روپیہ کے آگاہی ہوجائے۔

الجواب:

شریعت میں مہر کی کم سے کم تعداد مقرر ہے کہ دس ۱۰ درم سے کم نہ ہو جس کے اس روپے سے کچھ کوڑیا کم دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے بھر چاندی ہُوئی یعنی دو ۲ روپے بارہ ۱۲ آنے ۹-۵/۳ پائی بھر اس کے سوا شریعت میں مہر کا کائی درجہ مقرر نہیں فرمایا ہے، یہ ان قاضیوں کی گھڑت ہے مہ ۶۵ روپے کا کوئی درجہ مہر کا نہیں ہے، اکثر ازواج مطہرات کا مہر پانسو ۵۰۰ درم تھا کہ یہاں کے روپوں سے ایک سو چالیس ۱۴۰ ہُوئے، اور حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی تھا جس کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی ہوئی، اور حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار ہزار درم یا دینار تھا جس کے گیارہ سو بیس ۱۱۲۰ یا گیارہ ہزار دو سو ۱۱۲۰۰

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایۃ فصل اقل المھر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

روپے ہُوئے، مہر معیّن کر دینا چاہئے، فقط شرع پیغمبری یا اس کا فلاں درجہ کہنا بیوقوفی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دُوں تو سو روپے مہر کے ادا کروں اور اگر مجھ سے خود طلاق چاہے گی تو تجھ کو مبلغ تین روپے میں دُوں گا اور کچھ نہ دُوں گا، اب خود ہندہ نے درخواست طلاق کی زید اپنے شوہر سے رُوبرو وکیل اور رُوبرو گواہان نکاح مسمّیان عظیم اللہ اور جمّن کے' حسبِ درخواست ہندہ کے، زید نے ہندہ کو طلاق دے دی آیا ہندہ اس صورت میں سَو روپے پانے کی مستحق ہوگی یا تین روپے پانے کی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نہ تین روپے نہ سَو روپے بلکہ اُس کا مہر مثل دیکھا جائے، وُہ اگر سَو روپے یا سَو سے زائد ہو تو سَو روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے یا بالفرض تین روپے سے دو تین آنے کم ہوں کہ یہاں تک کمی کی گنجائش ہے تو تین روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے سے زائد اور سَو روپے کم ہوں تو پورا مہر مثل دیا جائے، درمختار میں ہے:

نکحھا علی الف ان اقام بھا وعلی الفین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف لرضاھابہ، والافمھر المثل لایزاد علی الفین ولاینقص عن الف لاتفاقھما علی ذٰلك بخلاف مالو تزوجھا علی الف ان کانت قبیحۃ والفین ان جمیلۃ فانہ یصح لقلۃ الجھالۃ، الٰی آخرۃ[1] مختصرا، **اقول:** وفیما نحن فیہ الجھالۃ اشد من الصورۃ الاولی، فثمہ احد الشرطین حاصل والثانی علی الخطر وھٰھنا کان کل علی الخطر لجواز ان لایقع شیئی منھما فلایطلق	بیوی کے شہر میں رہنے پر ایک ہزار اور وہاں سے لے جانے پر دوہزار مہر پر نکاح کیا، تو اگر مرد عورت کے شہر میں رہے تو ایک ہزار بیوی کو دے گا کیونکہ وُہ اس پر راضی ہُوئی تھی، اگر وہاں سے باہر لے جائے تو پھر مہر مثل ہوگا جو دوہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر دونوں کی رضا مندی تھی، یہ صورت اس کے خلاف ہے، جب یہ، کہہ کر نکاح کیا ہو کہ اگر بد شکل ہو تو ایک ہزار اور خوبصورت ہو تو دوہزار مہر ہے تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ اس میں جہالت کے مواقع بہت کم ہیں، مختصراً۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) ہماری بحث میں پہلی صورت سے بھی زیادہ جہالت ہے کیونکہ وہاں ایک شرط تو حاصل ہے دوسری میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے، اور

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰

ولاتسأل فتمکنت الجھالۃ ففسد التسمیتان فوجب مھر المثل مطلقا۔ واللہ تعالٰی اعلم	یہاں تو دونوں میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں میں کوئی بھی حاصل نہ ہو، مثلاً نہ مرد طلاق دے اور نہ عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو جہالت مؤثر ہوگئی، اور دونوں شرطیں مفقود ہوں گی، لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا، مطلقاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵: از لاہور مسئولہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو کسی قبالہ میں یہ عبارت لکھ دی (جو کچھ تقریبات شادی وغمی خانگی اور خاندانی میں تھوڑا یا بہت صرف ہوگا اس کے سرانجام کا صرفہ میرا ہے اور آمدنی تنخواہ ودیہی جاگیر سے کچھ علاقہ نہیں) پس تحریر کے بعد قبالہ نویس خود یا بعد وفات قبالہ نویس کے اُس کی اولاد اس شرط کی وفانہ کرے بلکہ زوجہ مذکورہ کو جو کچھ دیا جائے وہ اُس کے دین مہر وغیرہ میں شمار کیا جائے تو شرعاً کیا حکم ہے آیا قاضیِ شریعت اس شرط کی ایفا پر قبالہ نویس یا اُس کی اولاد کو مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور وُہ دیا ہوا اس کے دین مہر میں محسوب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب

فی الواقع اس وعدہ کی وفا پر شرعاً نہیں **کما نص علیہ فی الاشباہ والنظائر وجامع الفصولین** (جیسا کہ الاشباہ والنظائر اور جامع الفصولین میں اس پر نص ہے۔ت) شوہر نے جو کچھ دیا اگر دینے کے وقت مہر کے سوا اور کسی وجہ کا نام لیا جس پر وُہ جانب شوہر سے ہبہ وعطیہ قرار پاسکے جب تو اُسے مہر میں محسوب کرنے کا اختیار نہیں، یُوں ہی نان ونفقہ واجبہ کو اُس میں محسوب نہ کرسکے گا اگرچہ دیتے وقت نام نفقہ نہ لیا ہو، بلکہ نفقہ ہی ٹھہرے گا۔ یُونہیں اور اشیاء جواز رُوئے عرف ہدیہ قرار پاتی ہیں اور جو ان تینوں صورتوں سے جُدا ہے اُس میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بقسم کہہ دے گا کہ میں نے مہر میں دیا تھا مہر میں محسوب ہوگا، یُونہی بعد شوہر اولادِ شوہر جو کچھ بھیجنے اور ظاہر حال بسبب عُرف ورسم قوم منافی ارادہ مہر نہ ہو، نہ اُنہوں نے صراحۃً غیر مہر کسی اور وجہ کے لئے اُسے قرار دیا ہو تو اُن کا قول بھی معتبر ہے۔

لان المملك ادری بجھۃ التملیك کما فی عقود الدریۃ وغیرھا۔	کیونکہ مالک بنانے والا ملکیت کی وجہ کو بہتر جانتا ہے، جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر جهة عند الدفع غیر المهر کقوله لشمع او حناء ثم قال انه من المهر لم یقبل، لو قوعة هدیة فلاینقلب مهرا فقالت هدیة وقال من المهر فالقول له بیمینه والبینة لها فی غیر المهیأ للاکل ولها فی المهیأله لان الظاہر یکذبه ولذاقال الفقیة، المختار انه یصدق فیما لاتجب علیه کخف وملاء ةلافیما یجب کخمار ودرع [1]اھ مختصرا۔	خاوند نے بیوی کو کوئی چیز ارسال کی اور دیتے وقت مہر کے علاوہ کسی وجہ کو ذکر نہ کیا ہو مثلاً شمع اور مہندی۔ پھر بعد میں کہا کہ یہ مہر ہے تو خاوند کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ وُہ ہدیہ ہو چکی جواب مہر نہیں بن سکتا، پھر بیوی کہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند مہر کہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیّا نہیں کیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقدم ہونگے اور عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا کیں کیونکہ زوج کا ظاہر حال جھٹلاتا ہے، اسی لئے فقیہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ خاوند کی بات کی تصدیق اس صورت میں کی جائے گی جب وُہ چیز نفقہ واجبہ میں سے نہ ہو، مثلاً موزہ یا باریک کپڑا اور جو چیز زوج پر واجب ہو اس میں زوج کی تصدیق نہ کی جائے، جیسے دوپٹہ اور قمیص۔ اھ مختصراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح الذی یجب اعتبار فی دیارنا ان جمیع ما ذکر من الحنطه واللوزوالد قیق والسکروالشاة الحیة وباقیها یکون القول فیها اقول المرأة لان المتعارف فی ذٰلك کله ان یرسله ہدیة والظاہر معها لامعه ولایکون القول قوله الافی نحوالثیاب و الجاریة وذکر تائیده فی البحر وتقییده عن النهر [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتح میں ہے: ہمارے علاقے میں جن چیزوں میں بیوی کی بات معتبر ہوگی وُہ یہ مذکور ہیں مثلاً گندم، اخروٹ، آٹا، شکّر اور زندہ بکری وغیرہ (جو چیز مہینہ بھر باقی رہے نہ وسڑے خراب ہو) کیونکہ ان تمام چیزوں کو ہمارے عرف میں ہدیۃً دیا جاتا ہے لہٰذا ظاہر بیوی کا ساتھ دے گا، خاوند کا نہیں، اور خاوند کا قول معتبر نہ ہوگا لونڈی، کپڑا وغیرہ میں ___ اس کی تائید بحر میں اور اس کی تقیید نہر سے ذکر کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب از حسن پور ضلع مراد آباد محلّہ چاہ کنکر ۸ رمضان ۱۳۲۴ھ

الحمدللہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصّلوٰة والسلام علی سیّدنا محمد وآله واصحابه اجمعین،

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۴

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومتوجہان متین دربارہ مہر معجّل وموٴجّل، مہر معجّل کے کیا معنی ہیں اور منکوحہ کو کس وقت زرِمہر کا مجاز وصول کرنے کا ہے، اور کوئی سبب ہے یانہیں، اوراس کی کچھ تعداد ہے یانہیں۔ مہر موٴجّل کے کیامعنی اور کس وقت منکوحہ کو زرِمہر وصول کرنے کامجاز ہے اوراس کی کوئی تعداد بھی یانہیں، اور کوئی سبب ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مہر تین قسم ہے:

معجّل کہ پیش از رخصت دینا قرار پالیا ہواُس کے لئے عورت کو اختیار ہے کہ جب تک وصول نہ کرلے رخصت نہ ہو، اور اگر رخصت ہوگئی تواسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مطالبہ کرے اوراس کے وصول تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہو۔

دوسرا موٴجل جس کی میعاد قرار پائی ہو کہ دس برس یا بیس برس یا پانچ دن کے بعد ادا کیا جائے گااس میں جب تک وُہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کااختیار نہیں اور بعد انقضائے میعاد ہر وقت مطالبہ کرسکتی ہے۔

تیسرا موٴخر کہ نہ پیشگی کی شرط ٹھہری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو،یُونہی مطلق ومبہم طور پر بندھا ہو جیسا کہ آج کل عام مہر یوں ہی بندھتے ہیں اس میں تاوقتیکہ موت یاطلاق نہ ہو' عورت کو مطالبہ کااختیار نہیں، مہر معجّل وموٴجل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معین نہ فرمائی، جتنا پیشگی دینا ٹھہرے اس قدر معجّل ہوگا باقی کی کوئی میعاد قرار پائی تو اتنا موٴجل ہوگا ورنہ موٴخر رہے گا، ہاں اگر کسی قوم یاشہر کارواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگراس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلاقرار دارِ تصریح بھی اُتنا معجّل ہوجائے گا باقی بدستور موٴجل یاموٴخر رہے گا۔ درمختار میں ہے:

لہا منعہ من الوطی ودواعیۃ ولو بعد وطء وخلوۃ رضیتھما لاخذ مابیّن تعجیلہ من المھر کلہ اوبعضہ او اخذ قدر ما یعجل لمثلھا عرفا بہ یفتی ان لم یؤجل اوریعجل کلہ فکماشرطا[1]۔	بیوی کو مہر معجّل کل یا بعض جتنا بیان ہُوا یا عرف میں جتنی مقدار معجّل ہوتی ہے وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطی اور اس کے دواعی سے منع کرنے کا حق ہے اگرچہ زوجہ کی رضامندی سے پہلے وطی یاخلوت ہوچکی ہے اسی پر فتوی ہے (یعنی رواج کااعتبار ہے اگر کل مہر کی مدّت یا تعجیل مقرر نہ کی گئی ہو، اگر مدّت یا تعجیل مقرر ہوچکی ہو) تو ویسا ہی کرنا چاہیے جیساکہ دونوں نے شرط کیا (ت)

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

ردالمحتار میں ہے:

لومات زوج المرأۃ او طلقها عبد عشرین سنۃ مثلا من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او لطلاق لامن وقت النکاح [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر خاوند فوت ہوجائے یا نکاح سے بیس سال بعد فوت ہو یا اس نے طلاق دی ہو تو بیوی کو مؤخر مہر طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کے لئے موت یا طلاق کے بعد ہی مہر کے مطالبہ کا حق ثابت ہوتا ہے نہ کہ وقتِ نکاح سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷ تا ۴۲:

سوال اوّل

حضور! اوّل یہ بتادیجئے کہ بلاتعیینِ مہر نکاح ہوگا یانہیں، اگر لفظ شرعی مہر کہا جائے اور کوئی تشریح نہ کی جائے تو کس قدر مہر سمجھا جائے گا، بینوا توجروا

الجواب:

نکاح بلاتعیینِ مہر بلکہ نفی مہر کے ساتھ بھی صحیح ہوجاتا ہے اور مہر مثل دینا آتا ہے یونہی مہر شرعی کہنے سے بھی، جبکہ ان کی اصطلاح میں اس سے کوئی خاص مقدار مثلاً اقل درجہ مہر یا مہر حضور بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا مراد نہ ہو ورنہ جو ان کی اصطلاح معروف ہے وہی لازم آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال دوم

مہرِ شرعی جو بنات صالحات کا لکھا ہے چار سو مثقال چاندی کا، آج کل کے سکّہ سے کس قدر روپے ہوئے ہیں؟

الجواب:

چار سو مثقال چاندی مہر حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا تھا یہاں تک کے سکّے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال سوم

مہر جو ازواج مطہرات کا پانچ سو درہم کا سوائے بی بی اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کہ دوہزار قدقیہ یا پانچ سو دینار کا لکھا ہے سکّہ مروّجہ سے کس قدر ہوتے ہیں؟ وزن درم اور اوقیہ مثقال اور دینار کی صراحت فرمادیجئے۔

الجواب

پانچسو درم کے اس سکّہ رائجہ سے ایک سو چالیس روپے ہوتے ہیں۔ درم شرعی تین ماشے ایک رتّی اور

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

پانچواں حصّہ رتّی کا، اور مثقال کہ وہی وزن دینار شرعی ہے ساڑھے چار ماشے، ایک اوقیہ چالیس درم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال چہارم

اقل درجہ دس ۱۰ درم شرعی کے سکّہ مروّجہ سے کَے روپے ہوتے ہیں؟

الجواب:

دس ۱۰ درم کے اس سکّہ سے دو ۲ روپے تیرہ ۱۳ آنے ایک پیسے کا پانچواں حصہ، دوسو ۲۰۰ درم کے پُورے چھپن ۵۶ روپے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال پنجم

آج کل جو حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے جس کے ادا کی کوئی صورت حالت موجودہ سے نہیں ہے دل میں یہ خیال کرلینا کہ کُچھ دینا تو نہیں پڑتا ہے صرف زبانی جمع خرچ ہے قبول کرلو، ایسے خیال سے کوئی نکاح میں تو نقص نہیں آئے گا؟

الجواب

نکاح میں کوئی نقص نہیں مگر ایسا خیال عنداللہ سخت قبیح و شنیع ہے یہاں تک کہ حدیث میں ارشاد ہوا جو مرد و عورت نکاح کریں اور مہر کے دینے لینے کی نیّت نہ رکھیں یعنی اُسے دَین نہ سمجھیں وُہ روز قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے اھ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال ششم

وہ کون سی صورت طلاق کی ہے کہ ایک جوڑی کپڑے پانے کی زوجہ مستحق ہے۔

الجواب

نکاح جب بلاتعیّن مہر ہُوا اور عورت کو قبل خلوت طلاق دی جائے تو ایک جوڑا واجب آتا ہے جس کی قیمت پانچ درم شرعی سے کم نہ ہو اور عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو ان دو حدوں کے اندر، اگر مرد وزن دونوں غنی ہوں اعلٰی درجہ کا واجب ہوگا اور دونوں فقیر تو ادنٰی اور ایک فقیر ایک غنی تو اوسط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔[1]

مسئلہ ۴۳: از موضع دیوری نیا ضلع بریلی مسئولہ مسیح الدین صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید کی بی بی ہندہ کو اس کے میکے والوں نے محض جھوٹی خبر پر کہ ہندہ کو سسرال والے زہر دے دیں گے روک رکھا ہے اور اُن کا یہ ارادہ ہے کہ ہندہ کا دین مہر وصول کرکے ہندہ کی شادی دوسری جگہ کردیں، آیا قبل طلاق دینے شوہر کے ہندہ کے دین مہر کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں، اور اس کا دوسری جگہ نکاح کردینا جائز ہے یا نہیں، اور اسے

---

[1] السنن الکبرٰی باب ماجاء فی حبس الصداق دار صادر بیروت ۷/ ۲۴۲، کنزالعمال حدیث موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲۳

روک رکھنا جائز ہے یا نہیں، ہندہ کا مہر سوا لاکھ روپیہ ہے جس میں نصف معجّل ہے اور نصف غیر معجّل، مگر معجّل میں زمانے کی کوئی حد نہیں ہے۔

الجواب:

آدھا مہر یعنی ساڑھے باسٹھ ہزار روپیہ تک ادا نہ کرے زید کو ہندہ کے بلانے کا کوئی اختیار نہیں، اور میکے والے ہندہ کو روک سکتے ہیں قبل طلاق اگر نکاح کر دیا جائے حرام وزنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۴ تا ۴۵: از مراد آباد محلّہ مقبرہ مرسلہ حاجی کریم بخش صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) زوج نے زوجہ کے نام کچھ زمین مہر معجّل میں دے دی اور غیر معجّل مہر شوہر کے ذمّہ ہے، زوج سے لڑکی تولّد ہوئی یا لڑکا تولّد ہوا، اب زوج زوجہ سے ناراض ہے اور طلاق دیتا ہے، اب وہ معاملہ برادری کے پنچوں میں ہے، اگر پنچ مہر معجّل واپس کرلیں اور غیر معجّل بھی نہ دلائیں اور کچھ روپے مسمّاۃ کو دے کر رضامند کرلیں اور زوج سے طلاق دلوادیں تو ایسے پنچوں پر کیا حکم ہے، اور زوجہ سے مہر معجّل واپس کرنے کا کچھ گناہ ہے یا نہیں، اور پنچوں کو کس بات کا زیادہ لحاظ رکھنا لازم ہے، اور اگر پنچ کسی کی رعایت کرکے فیصلہ کریں تو کیا کچھ گناہ ہے؟

(۲) جو معاملات برادری کے متعلق طے ہوں اور شریعت سے باہر ہوں تو کیا گناہ ہے؟

الجواب:

یہ معاملہ رضامندی پر ہے جبکہ وُہ جانے کہ باہم نباہ نہ ہوگا تو زوجہ اپنی خلاصی کے لئے کُل مہر چھوڑ دے اور لیا ہُوا واپس دے اور اُس کے سوا اور روپے بھی دے سب جائز ہے، **قال تعالٰی:** فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهٖ[1] (عورت اگر فدیہ دے تو خاوند بیوی دونوں پر کوئی حرج نہیں۔ت) ہاں اگر پنچوں نے اُسے ناجائز طور پر دبا تو گنہگار ہُوئے اور عورت کے حق میں گرفتار، جن معاملات میں شریعت مطہرہ نے اپنے حق کے لئے کوئی حکم خاص فرمایا ہے اُس کا اتباع مسلمانوں پر فرض، کسی کی رضامندی اس کی مخالفت کو جائز نہیں کرتی جیسے سُود کہ اگر لینے دینے والا دونوں راضی ہوں جب بھی حرام قطعی ہے اور جن امور میں شرع نے اپنے حق کیلئے کوئی حکم نہ فرمایا جو ممانعت ہے وہ بندہ کے حق کے سبب ہے اُن میں اگر صاحب حق راضی ہو جائے تو ممانعت نہ رہے گی جیسے پرایا مال چُرالینا حرام اور اُس کی خوشی سے حلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

مسئلہ ۴۶ تا ۴۷: از شہسرام ضلع گیا مرسلہ سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اصناف تعین مہر میں کہ معجّل ومؤجل ومثل ہے معجّل میں کلام نہیں اور مؤجل میں کا بین کا لکھنا ضرور ہے یا نہیں ہے، ہے تو موافق شریعت کے مضمون کیا ہے؟

(۲) مہر مثل ازواج مطہرات رسول علیہ التحیۃ والصلٰوۃ کہ امہات المومنین والمومنات ہیں کا افضل یا خاندانی مثل ام وعمہ، عروس وداماد۔

الجواب:

(۱) مہر معجّل وُہ ہے جو پیشگی دینا ٹھہرے، اور مؤجل وہ جس کی ایک میعاد معین قرار پائے کہ اتنے زمانے کے بعد ادا کی جائے گا، اور مؤخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا نہ اُس کا کوئی وقت معین کیا گیا، مہر مثل کوئی ان کی مقابل قسم نہیں، مؤجل کی دستاویز لکھنا بہتر ہے۔ قال تعالٰی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُؕ[1]۔	اے ایمان والو! جب تم ادھار لین دین مقررہ مدت پر کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (ت)

تفسیر احمدی میں ہے:

فی الزاھدی ان الاٰیۃ عامۃ فی السلم وکل دین یصح فیہ الاجل[2]۔	زاہدی میں ہے کہ یہ آیہ کریمہ بیع سلم اور ہر ادھار سودا جس میں مدّت مقرر کرنا صحیح ہو سب کو شامل ہے (ت)

مدارک التنزیل میں ہے: **الامر للندب**[3] (آیہ کریمہ میں امر استحباب کے لئے ہے۔ت) لباب التاویل میں ہے: **وھو قول جمھور العلماء**[4] (یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ت) اور مضمون میں وہی طریقہ معہودہ کافی ہے جو تمسکات میں رائج ہے کہ میں فلاں بن فلاں ہوں میں نے فلاں تاریخ فلانہ بنت فلاں بن فلاں سے اتنے مہر پر نکاح کیا جس کی ادا اتنے دنوں بعد قرار پائی ہے (اقرار کرتا ہُوں کہ مہر مذکور میعادِ مذکور ادا کروں گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ازواج مطہرات کا مہر کس کے لئے مہر مثل ہو سکتا ہے، ان کے مثل کون ہے، مہر مثل سے اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] تفسیر احمدیہ تحت آیۃ اذا تداینتم بدین الخ (پ ۳) مطبع کریمہ، بمبئی، بھارت ص ۱۷۵

[3] مدارك التنزيل (تفسیر النفسی) تحت آیہ مذکورہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۳۹

[4] لباب التاویل (تفسیر خازن) مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۵

خاندانِ پدر ہی کا مہر مراد ہے بہن پھوپھی وغیرہ عمر ومال وجمال وبکارت وغیرہا میں اس کے مثل ہیں، ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں امہات المومنات نہیں، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

انا ام رجالکم ولست ام نسائکم۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	میں تم مردوں کی ماں ہوں تمہاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از بجواڑ اکاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب ۱۵رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

تجدید نکاح میں مہر کم از کم کتنا باندھنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مہر کی مقدار کم از کم دس ۱۰ درم بھر چاندی ہے جس کی مقدار تقریبًا دو۲ روپے پونے آنے تیرہ آنے بھ رہوئی، باقی جو احکام مہر کے ابتدائی نکاح میں ہیں وہی تجدید نکاح میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۹: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سیّد امیر عالم حسن صاحب ۷ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی نا کتخدا کا نکاح کسی شخص سے کردیا اور وُہ شخص بلا قربت کئے اپنی بی بی کے مرگیا اور کسی طرح کی کوئی بات چیت نہیں کی یعنی کسی طرح کا کوئی فعل نہیں کیا اَب علمائے دین فرمائیں کہ اس لڑکی ناکتخدا کا کتنا مہر اس کے شوہر کے مال یا جائداد وغیرہ سے چاہئے نصف یا پُورا، اور اگر اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو کتنے دنوں کے بعد کیا جائے، بعض شخص کہتے ہیں کہ ایسے نکاح کی عدّت نہیں ہوتی ہے کیونکہ جب اس کے شوہر نے اس قربت ہی نہیں کی تو عدّت کس چیز کی کرنا چاہئے، اور بعض کہتے ہیں کہ تین ماہ کی عدّت کے بعد نکاح ایسے کا جائز، اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ لوگ غلطی پر ہیں یا صحیح پر، اور جو لوگ غلطی پر ہوں شریعت کو نہ مانتے ہوں ان کے لئے کیا سزا شرع اطہر میں ہے فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سزا پوچھنا لغو ہے، آج کون کس کو سزا دے سکتا ہے جو شریعت کو نہ مانے جہنّم میں سزا پائے گا، جب شوہر مرجائے پورا مہر واجب ہوتا ہے اگرچہ ایک نے دوسرے کی صورت نہ دیکھی ہوں اور چار مہینے دس دن کی عدّت فرض ہے اس سے پہلے نکاح حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] درمنثور بحوالہ ابن سعد وابن المنذر والبیہقی تحت آیہ اولی بالمومنین الخ آیت اللہ العظمی المرعشی ایران ۵ /۱۸۳

مسئلہ ۵۰: از بلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سکنڈ ماسٹر مڈل اسکول ۲ ربیع الاوّل ۱۳۳۷ھ

بکر اپنی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ کردینے کے لئے چند شرائط پر تیار ہے زید جو سلسلہ ملازمت بیس ۲۰ روپیہ ماہوار سے زائد حیثیت نہیں رکھتا ہے حسبِ حیثیت تنخواہ زائد سے زائد کتنے روپیہ پر اُس کا مہر شرعی ہونا جائز ہے اور حیثیت سے زائد مہر ہونے پر کیا مواخذہ ہے؟

الجواب:

حیثیت سے زائد مہر نامناسب ہے کوئی گناہ نہیں جس پر مواخذہ ہو **فان المال غاد ورائح** (مال آنے جانے والی چیز ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از شہر بریلی محلّہ صندل بازار مرسلہ نواب نثار احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی فوت ہوجائے تو اس کے ورثا شرعی سے مہر عورت مذکورہ متوفیہ کا شوہر یا ورثاء شوہر بخشوالیں تو شرعًا جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب:

وارثانِ زن میں جو عاقل بالغ معاف کرے گا اُس کا حصّہ معاف ہوجائے گا' اگر سب عاقل بالغ ہوں اور سب معاف کردیں توسب معاف ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۲: ۲۰ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فاحشہ سے توبہ کراکے نکاح کیا، بروقت عقدِ نکاح مہر شرعی پیمبری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مقرر ہُوا تھا اور اُس کے قبیلہ کی کوئی عورت نہیں بلکہ اُن کا نکاح بھی نامعلوم، اب مہر مجمل معلوم نہیں ہوسکتا، زید نے اس کو قرآن مجید پڑھوایا، اب بعد فوت زید کے وہ عورت زید کو سخت سخت گالیاں دیتی ہے، یہاں تک کہ ولدالزنا بھی کہہ دیتی ہے، وہ لوگ کہ زندگیِ زید میں اُس کے سامنے نہ آئے تھے اب برابر آتے ہیں، راتوں کو گھومتی ہے، وکیلوں کے پاس جاتی ہے، اب وُہ کل اشیاء پر دعوی کرتی ہے، مکان بیچنا چاہتی ہے تو اب اُس کا کتنا مہر از روئے شرع شریف نکلتا ہے اور اس کی گفتگو ہے کہ وُہ کہتی ہے مر گیا وُہ جہنمی جو مجھ کا یہاں چھوڑ گیا، پڑیں اس کے لاشے میں کیڑے، تین بھائی اور والدین اور ایک ہمشیرہ بھی ہے۔

الجواب:

اُس کے اقوال افعال کی سزا اللہ کے یہاں ہے اس سے اُس کا مہر یا حصّہ نہیں جاتا مہر شرعی پیمبری سے اگر لوگوں کے عرف میں اقل مقدارِ مہر مراد ہوتی ہے تو وہ دس ۱۰ درم ہے یعنی دو ۲ روپے پونے تیرہ آنے اور ۳/۵ پائی

اور اگر اُن مراد مہرِ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ہوتی ہے تو وہ چار سو ۴۰۰ مثقال چاندی یعنی یہاں کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر، اور اگر مہرِ ازواج مطہرات مراد ہے تو پانسو درم یعنی یہاں کے ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے، اور اگر کوئی خاص رقم ان کے ذہن میں نہیں تو مہرِ مثل لازم آئے گا جو ایک سو ساٹھ روپے بھر چاندی یا ایک سو چالیس روپے سے زائد نہ ہو کہ یہ قلّت ضرور مراد ہوتی ہے، یہاں کے کثیر التعداد مَہروں سے بھاگنے کے لئے یہ لفظ عوام نے وضع کیا ہے تو اُن سے زیادہ نہ دیا جائے گا، وارث اگر کمی کا دعوٰی کریں تو بحلف کہیں کہ ایسی عمر و شکل کی بازاری عورت کا مہر مثل اتنا ہوتا ہے یا حکم تجویز کرے جو اس مقدار سے زائد نہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: از ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں صاحب کلرک مہاندی ڈویژن دفتر ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معجّل کی شرطِ ادا کیا ہے، اور زید کا نکاح ہندہ سے بمہر معجّل قرار پایا لیکن عرصہ دراز تقریبًا ۲۵ سال کا گزرا کہ وہ مہر معجّل ادا نہ ہوا، ایسی حالت میں کیا معجّل مؤجل ہوسکتا ہے یا اس مہر کا استحقاق جاتا رہا، در صورت حبطِ استحقاق آیا زید اور ہندہ کی خلوت صحیح ہُوئی۔ بینوا توجروا

الجواب:

ادا نہ ہونے سے مہر کا استحقاق کبھی نہیں جاسکتا، اور جو معجّل ٹھہرا ہے وُہ ہمیشہ معجّل ہی رہے گا جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجل نہ کردے، پچیس برس مطالبہ نہ کرنا اُس کے حق میں فرق نہیں لاتا، وُہ جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجل نہ کردے، پچیس برس مطالبہ نہ کرنا اُس کے حق میں فرق نہیں لاتا، وُہ اب بھی جس وقت چاہے اپنے مہر معجّل کا مطالبہ کرسکتی ہے اور جب تک نہ ملے اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے، درمختار میں ہے:

(ولہا منعہ من الوطی) ودواعیہ شرح مجمع (والسفر بہا ولو بعد وطی وخلوۃ رضیتہا) لان کل وطأۃ معقود علیہا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی (لاخذ مابین تعجیلہ) من المھر کلہ او بعضہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی کی وطی اور اس کے دواعی سے خاوند کو منع کرنے کا حق ہے۔ شرح مجمع، سفر سے بھی، اگرچہ برضائے زوجہ وطی اور خلوت ہوچکی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے (یعنی ہر وطی پر جدا جدا مہر لازم آتا ہے) تو بعض بدل دینے سے باقی کا دے دینا ثابت نہیں ہوتا، جتنا مہر معجّل بیان کیا ہو اس کی وصولی کے لئے وُہ کُل مہر ہو یا بعض، عورت اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

مسئلہ ۵۴: ازمدن پور مرسلہ عزیز الدین صاحب ۲رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ دیہات میں ہمارے یہاں رواج ہے کہ مہر کی تفصیل نہیں ہوتی، اور بعض لوگ کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ زیور وغیرہ مہر معجّل دیتے ہیں اور بعض قاضی مہر معجّل نام رکھ دیتے ہیں ورنہ علی العموم نہ معجّل نام رکھتے ہیں نہ مؤجل، تو ایسی حالت میں ہندہ اپنے شوہر زید سے مطالبہ دَین مہر کرسکتی ہے یانہیں کہ پہلے میرا مہر ادا کردو تو میں اپنے والدین کے یہاں سے رخصت ہوں تمہارے گھر چلوں گی، اور حال یہ ہے کہ فی الحال زید کو مہر ادا کرنے کی مقدرت بھی نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ نہ مہر معجّل ٹھہرا رخصت سے پہلے ادا کیا جائے نہ مؤجل کہ اتنی مدّت معیّن گزرنے پر دیا جائے یا جتنا معجّل ٹھہرا تھا وُہ زیور وغیرہ دے کر ادا ہوچکا ہو، باقی نہ معجّل ٹھہرا نہ مؤجل خواہ قاضی نے غیر معجّل کہہ دی یا کچھ نہ کہا ہو تو اب ہندہ کو جب تک طلاق یا دونوں میں سے ایک کی موت نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا کچھ حق تھا نہ وہ اس لیے رخصت سے انکار کرسکتی ہے اگرچہ زید کو فی الحال ادائے مہر کی لاکھ مقدرت ہو۔ ردالمحتار کتاب القضاء میں قبیل باب التحکیم ہے:

لومات زوج المرأة او طلقها بعد عشرین سنة مثلا من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المھر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر خاوند فوت ہوجائے یا نکاح سے بیس ۲۰ سال بعد طلاق دے تو بیوی کو مؤخر کردہ مہر طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس مہر کے مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے نہ کہ نکاح کے وقت سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵: از رچھا مرسلہ رفیق احمد صاحب ۸رجب شریف یوم دوشنبہ ۱۳۳۸ھ

ایک عورت سے اس کے خاوند نے کہا تُو اپنا مہر معاف کردے، اس نے کہا کہ میں معاف نہیں کرتی، اس پر اس کے خاوند نے سخت پریشان کیا اور تنگ رکھا اور ساس سسر نے بھی بُرا بھلا کہا لہٰذا وہ عورت اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی ہے، اس کا خاوند لینے آیا تو اس نے سوال کیا کہ میں اپنا مہر جب تک کُل نہ لُوں گی جب تک جاؤں گی، اس کے خاوند نے کہا کہ ہم تم کو زبردستی پکڑلے جائیں گے، اور یہ بھی کہا کہ تُو مہر کا کیا کرے گی، تو اس نے کہا کہ میں مسجد بنواؤں گی۔ اب عرض یہ ہے کہ پنچ لوگ بلا مہر ادا کرائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

اس کو زبردستی لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ میاں بیوی میں نااتفاقی ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیانِ سائل ہُوا کہ مہر بلامیعادی ہے، لہٰذا قبل موت یا طلاق اُس کے مطالبہ کا عورت کو کچھ اختیار نہیں، نہ اس کی وجہ سے اپنے مہر آپ کو شوہر سے روک سکتی ہے، اُسے شوہر کے یہاں جبراً جانا ہوگا اور شوہر پر حرام قطعی ہے کہ اس پر معافی مہر کا جبر کرے، اور اگر جبر کرکے معاف کرالے گا معاف نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: از رامسہ تحصیل گوجر خاں ڈاک خانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ایک مرد اور زوجہ صرف اوّل روز ایک کوٹھے میں رہے اور دشمن گرد گرد کوٹھے کے مارنے کے لئے کھڑے رہے ہیں، اور زوجین کو بھی یہ حالت معلوم تھی، علی الصباح اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی ہے، مرد دخول کا مقر اور عورت منکر ہے، اب یہ دخول یا خلوت صحیحہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

الجواب:

اگر کوٹھے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور مسقف ہے یا دیواریں بلند ہیں کہ دشمنوں کے گھس آنے کا اندیشہ نہیں تو خلوت صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

تصح علی سطح کانا فوقه وحدهما وامنا من صعود احد الیهما[1] اھ ملتقطا۔	ایسی سطح ہو جس پر صرف دونوں میاں بیوی ہوں اور کسی تیسرے کے وہاں چڑھنے سے بے فکر ہوں تو خلوت صحیح ہے اھ ملتقط (ت)

صورت اگر پہلی تھی تو عورت کا دخول سے انکار بیکار ہے کہ مہر کامل بہر حال لازم ہوگیا، دخول ہوا یا نہیں، ہاں صورتِ ثانیہ میں شوہر کا کہنا کہ دخول ہوا کل مہر لازم ہونے کا اقرار ہے اور عورت کا انکار اس کا رَد ہے اور اقرار مقرلہ کے انکار سے رَد ہوجاتا ہے تو صرف نصف مہر پائے گی **ھذا ماظھر لی** (یہ جو مجھے معلوم ہوا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت اللہ شاہ صاحب خاکی بوڑاہا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر کسی نے بی بی کے نزع کے وقت اس سے کہا کہ میرا دَین مہر معاف کیا اس نے زبان سے بوجہ

---

[1] ردالمحتار باب المہر مطلب فی احکام الخلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۰

آواز بند ہو جانے کے جواب نہ دیا لیکن سر ہلا دیا تو اس کا دَین مہر معاف ہوا یا نہیں؟

الجواب:

مرض الموت میں مہر کی معافی بے اجازت دیگر ورثاء معتبر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: از اودیپور میواڑ ہاتھی دروازہ مدرسہ شرفیہ مسئولہ عبدالرحیم خلف مولوی شرف شاہ صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص وزیر خاں نے دو۲ عورتیں کیں اور ہر دو عورتیں کے تین تین بچّے ہیں، سابق عورت کو بوجہ معمولی لڑائی کے طلاق دے کر ایک طلاق کی تحریر لکھ دی، اس میں یہ مضمون درج کیا کہ جو کہ تیرا مہر ہے اُس میں تیرے بطن کے دونوں بچّے تجھ کو مہر میں دئے۔ اور حمل سے بھی تھی، بعد طلاق کے لڑکی بھی پیدا ہوئی، وزیر خاں فوت ہوگیا، بعد عدّت کے اس عورت نے نکاح ثانی کرلیا، اب یہ اس وقت بالکل بچّے بالغ ہیں اور آوارہ ہیں، سو یہ لڑکے جدّی حق پانے کے حقدار ہیں یا نہیں۔

الجواب:

دونوں لڑکے اور وُہ لڑکی اپنے باپ کے مال میں حصّہ پائیں گے اور طلاق شدہ اگرچہ حصّہ نہ پائے گی مگر مہر کی مستحق ہے، اور وُہ جو کہہ دیا تھا کہ دونوں بیٹے تیرے مہر میں دئے فضول تھا اس سے مہر ادا نہیں ہوتا، ہاں اگر عورت نے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں بیٹے میرے دو میں نے مہر چھوڑا، تو مہر نہ پائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از کریلی گنج ضلع نرسنگ پور ڈاک خانہ و تحصیل نرسنگ پور مسئولہ الہ بخش صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

زید اپنی عورت ہندہ کو عرصہ تقریبًا پانچ سال سے علیحدہ کئے ہوئے ہے، ہندہ کے ماں باپ اس عرصہ مذکورہ میں چند مرتبہ اپنی لڑکی کو زید کے گھر چھوڑ آئے لیکن بوجہ عدم توجہی زید، زید کے ماں بہن ہندہ کے اقسام اقسام کی تکالیف دیتے ہیں جو اس سے برداشت نہیں ہو سکتیں، مزید برآں نان نفقہ کی بھی کفالت نہیں کرتا، نہ اس کو رخصت دیتا کہ وُہ اپنا دوسرا تدارک کرے اور مہر ہندہ زرِ مہر کچہری سے پانے کی مستحق ہو سکتی ہے یا نہیں اور اپنے نفس کو اس سے علیحدہ کر سکتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید کی نیت صرف اُس کو اور اس کے ماں باپ کو اذیت پہنچانی ہے، ورنہ اس کا وجہ کفاف ایسا ہے کہ وُہ اپنی زوجہ متوسط حالت پر نان نفقہ کی کافی طور پر امداد پہنچا سکتا ہے، اس لئے عرض ہے کہ موافق شرع شریف جو ہندہ کے حق میں انسب ہو اس سے ابلاغ فرمایا جائے۔

الجواب:

مہر اگر واقعی معجّل بندھا ہے تو ہندہ ہر وقت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے، زید نہ دے تو بذریعہ ناش وصول کرے، اور جب تک نہ ملے ہندہ کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو زید روکے اور اس کے گھر نہ جائے، اور اس روکنے کی وجہ سے ہندہ کا نان نفقہ زید سے ساقط نہ ہوگا۔

لانها منعت بحق فلم تکن ناشزة والمسئلة فی الدر المختار من الاسفار۔	کیونکہ بیوی نے اپنے حق کے لئے خاوند کو منع کیا ہے لہذا نافرمان نہ ہوگی، اور مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

ہاں یہ ناممکن ہے کہ ہندہ بغیر طلاق یا موتِ شوہر وانقضائے عدّت دوسرے سے نکاح کرسکے، قال تعالٰی: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] (شادی شدہ عوتیں تم پر حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۰: از شہر محلّہ برہمپور مسئولہ حاجی شاہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ معصومن زوجہ لعل محمد کے مہر کا حال اس طرح معلوم ہوا ہے کہ وُہ خود کہتی ہے کہ میرا ایک سودس "روپیہ کا مہر ہے اور وکیل وگواہ نکاح مسماّۃ مذکورہ کے فوت ہوگئے کوئی زندہ نہیں ہے، اس کے چچازاد بہنیں چار ہیں جن میں سے تین کے مہر کی تعداد معلوم نہیں، سب یہی کہتے ہیں کہ شرع پیغمبری تھا اور ایک چچازاد بہن کا مہر مبلغ پانچسو روپےہ ہونا معلوم ہوا ہے جو کہ مسمّی ننھے کی زوجہ ہے، ایسی صورت میں مسمّاۃ معصومن کا مہر کیا قائم کیا جائے گا؟

الجواب:

جبکہ عوت ایک سودس روپے اپنا مہر بتاتی ہے اور اس سے زائد بھی اس کے خاندان میں باندھا گیا ہے اور اس کے خلاف پر کوئی شہادت نہیں تو اس پر اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف سے کہہ دے کہ میرا مہر ایک سودس روپے بندھا تھا تو ایک سودس دلائے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

امرأة ادعت علی زوجها بعد موته ان لها علیه الف درهم من مهرها فالقول قولها الی تمام مهر	اگر خاوند کے فوت ہوجانے کے بعد بیوی نے دعوی کیا کہ میرے مہر کے ہزار درہم اس کے ذمہ ہیں تو اس کی بات مہر مثل کی حد تک قابل قبول ہوگی، محیط السرخسی

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

مثلہا[1] کذافی محیط السرخسی۔ واللہ تعالٰی اعلم	میں ایسے ہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ حاجی کفایت اللہ صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہندہ بہت محتاج ہے اور خانہ ویران، بظاہر کوئی حیلہ رزق نہیں رکھتی، اس کا بھائی زید مزدوری کرکے لاتا ہے اسمیں دونوں گزر کرلیتے ہیں، ہندہ کے خسر نے بعد اپنی موت کے ایک مکان تقریبًا ڈیڑھ سو گز وسعت کا چھوڑا جواب ٹوٹ پھوٹ گیا، اس کے دو۲ وارث ہوئے، ہندہ کا اپنی شوہر اور دوسرا ہندہ کا جیٹھ، ہندہ کے جیٹھ نے اپنا حصّہ اپنے لڑکے کو دے دیا، اب ہندہ کے شوہر کے حصّے پر قبضہ کرکے بیچنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں ہندہ کا کیا حق ہے اس واسطے کہ میرے بھائی کو غائب ہوئے تقریبًا تیس برس ہوگئے، غالبًا مرگیا، کیونکہ پانچ چھ برس سے اُس کی خبر نہیں، اور قانون کہتا ہے کہ تیس برس کے بعد دعوی مہر نہیں چل سکتا ہے اور وکیل کہتا ہے کہ دعوی مہر کرو تم کو ملے گا، اور وکیل یہ رائے دیتا ہے کہ تمہارا دعوی چلے گا اس صورت میں کہ ہندہ کہے میرے شوہر کے مرنے کی خبر تو تم نے مجھے آج دی ہے میں ابھی تک اپنے آپ کو بیوہ نہیں جانتی تھی میں جانتی تھی کہ وُہ زندہ ہے اگراب تم کہتے ہو کہ مرگیا تو آج سے تین برس تک مہر طلب کرنے کا مجھ کو حق ہے ہندہ کے عزیزوں میں سے کسی مہر کی تعداد یاد نہیں اس نکاح کو کم وبیش چالیس برس ہوئے ہوں گے ہندہ کو خوب یاد ہے کہ میرا مہر دوسو ۲۰۰ روپے تھا اور میں سُنتی ہوں کہ میری والدہ اور پھوپھی کا مہر بھی دوسو ۲۰۰ روپے تھا اور اب میری بھتیجیوں اور میرے بھائیوں اور میرے بھائیوں کا مہر بھی دوسو ۲۰۰ روپے ہے اب ہندہ کے اقوال پر اُن کا حقِ شرعی دلانے کے لئے یہ کہہ دینا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہاں دوسو ۲۰۰ روپے کا تھا، ان کے لئے کچہری میں اس کا حق شرعی دلانے کے لئے یہ کہہ دینا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہاں دوسو ۲۰۰ روپے تھا، ان لوگوں کی گواہی پر اگر اُس کا حق ان شاء اللہ تعالٰی ملے گا تو اس کا جینا اور مرنا بآسانی ہوجائے گا کسی وقت ہندہ کے جیٹھ نے ہندہ کی خبر نہیں لی کہ وُہ کس حالت میں ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ جبکہ دوسو ۲۰۰ روپے مہر بیان کرتی ہے اور اُس وقت کا کوئی گواہ نہیں اور ثابت ہو کہ یہ اس کا خاندانی مہر مثل ہے تو ضرور دوسو ۲۰۰ روپے دلائے جائیں گے، گواہوں کی گواہی یہ جائز نہ ہوگی ہمارے سامنے دوسو ۲۰۰ روپے کا مہر بندھا تھا، بلکہ یہ گواہی دینا کہ اس کا مہر مثل دوسو ۲۰۰ روپے ہے، یہی گواہی اس کی ڈگری کے لئے کافی ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۲۲

مسئلہ ۶۲: حفیظ اللہ خاں صاحب محلّہ ٹیکور قصبہ چنار پوسٹ آفس چنار ضلع مرزا پور ۱۸ جمادی الآخر

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سال بھر اور تین ماہ پردیس رہابعدہ، جب اپنے مکان پر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کو آٹھ مہینے کا حمل ہے موقع سے وُہ شخص مذکورہ طلاق دینے پر آمادہ وتیار ہے ایسی حالت میں بعد طلاق کے وہ عورت کچہری مجاز میں مہر کا دعوی کرسکتی ہے یانہیں؟ اور شرعاً مہر پانے کی مستحق ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس وجہ سے اُس کا طلاق پر آمادہ ہونا محض ناواقفی ہے، شریعت میں حمل کی مدّت دو ۲ برس کامل ہے اتنی مدّت تک بچّہ پیٹ میں رہ سکتا ہے اور دایہ وغیرہ کی یہ شناخت کہ آٹھی مہینے کا ہے کچھ معتبر نہیں، بہر حال اگر طلاق دے گا مہر واجب الادا ہوگا' اور اگر مرد کی جھوٹی بدگمانی بالفرض صحیح ہو جب بھی عورت مہر کی مستحق ہے کہ معاذاللہ زنا سے مہر ساقط نہیں ہوتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: ۱۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس کی حیات میں اس کی چھوٹی بہن کے ساتھ نکاح کیا، نکاح دوم جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان دونوں عورتوں سے جو اولاد ہوگی وُہ کسی ہوگی؟ اور زید کا متروکہ پانے کی مستحق ہے یانہیں؟ اور یہ نہیں دونوں عورتوں مہر پانے کی مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ جب تک زوجیت یا عدّت میں ہے اس کی بہن سے نکاح حرام قطعی ہے، **قال تعالٰی:** **وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ**[1] (حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ت) اس سے جو اولاد ہوگی شرعاً اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں اسے ولد حرام بمعنی ولد الزنا کہنا جائز نہیں جب تک اس دوسری کو ہاتھ نہ لگایا تھا پہلی حلال تھی اس وقت تک کے جماع سے جو اولاد پہلی سے ہوئی ولد حلال ہے اور بعد کے جماع سے جو اولاد ہو وہ بھی شرعاً اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں، دونوں عورتوں کی سب اولادیں کہ زید ہوئیں زید کا ترکہ پائیں گی کہ نسب ثابت ہے، ہاں زوجہ ثانی ترکہ نہ پائے گی کہ نکاح فاسد سے ہے، دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں پہلی مطلّقا اور دوسری اس صورت میں کہ حقیقۃً اس سے جماع کیا ہو فقط خلوت کافی نہیں، پھر اپنا پورا مہر پائے گی اور دوسری مہر مثل، اور جو مہر بندھا تھا ان دونوں میں سے جو کم وُہ پائے گی، درمختار میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/۴

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد و ھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشھود[1] (ومثله تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدة الاخت[2] اھ ش) بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط ولوکان دون المسمی لرضاھا مھر المثل[3]۔	نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحتِ نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو جیسے گواہ نہ ہوں، اور اسی طرح ہے دو بہنوں سے اکھٹا نکاح کرنا، اور ایک بہن کی عدت میں دوسری سے نکاح کرنا اھ ش) نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور صرف وطی سے واجب ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں مثلاً خلوت سے نہیں اور یہ مہر مثل، مقررہ سے زائد نہ ہوگا بسبب راضی ہوجانے عورت کے کمی مہر پر اور اگر مہر مثل کم ہو مہر مسمّی سے تو بھی مہر مثل ہی لازم آئے گا۔(ت)

ھدایہ باب النکاح الرقیق میں ہے:

بعض المقاصد فی النکاح الفاسد حاصل کالنسب ووجوب المھر والعدة[4]۔	بعض مقاصد نکاح فاسد میں حاصل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ نسب، وجوب مہر اور عدّت (ت)

درمختار میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولاباطل اجماعا[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث کا استحقاق صحیح سے ہوتا ہے لہٰذا فاسد یا باطل نکاح سے وراثت کا استحقاق بالاجماع نہ ہوگا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۴: ازرامپور مدرسہ انوار العلوم مسئولہ جلال الدّین پٹھان ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مدعیہ نے اپنے گواہان سے یہ ثابت کیا کہ میرا دَین مہر ایک لاکھ روپے کا تھا، فریق ثانی نے گواہان سے اس امر کا ثبوت پیش کیا کہ ہندہ کا دین مہر دس ہزار روپے کا تھا، صورتِ مسئولہ میں گواہان کمیِ مہر کے معتبر ہوں گے یا زیادتی

---

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵

[3] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[4] ہدایہ باب نکاح الرقیق مکتبہ عربیہ کراچی ۱/۳۲۰

[5] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۲

کے۔بینوا توجروا

الجواب:

اگر شوہر زندہ اور نکاح قائم ہے یا طلاق بعد خلوت ہوئی یا شوہر مرگیا اور عورت کی نزاع اُس کے وارثوں سے ہے ان سب صورتوں میں دیکھا جائے کہ [1]عورت کا مہر مثل دس ہزار خواہ کم ہے یا [2]ایک لاکھ خواہ زائد یا [3]دس ہزار سے زیادہ ایک لاکھ سے کم ہے، پہلی [1]صورت میں عورت کے گواہ معتبر ہیں لاکھ روپے کی ڈگری ہوگی۔ دوسری [2]صورت میں فریق ثانی کے گواہ معتبر ہیں دس [10]ہزار دلائے جائیں گے۔ تیسری [3]صورت میں جتنا مہر مثل ہے اُتنے کی ڈگری دیں گے۔ یہ سب اُس حال میں ہے کہ دونوں کے گواہ قابل قبول شرع ہوں اور وجہ شرع پر شہادت ادا کی ہو، اور اگر اُن میں ایک ہی فریق کے گواہ ایسے ہیں تو مطلقًا انہوں کا اعتبار ہوگا خواہ لاکھ کے ہوں یا دس [10]ہزار [10] کے، دوسرے فریق کی شہادت کالعدم ہوگی، اور اگر دونوں فریق کی شہادت شرعًا کالعدم ہو تو پہلی صورت میں فریقِ شوہر سے حلف لیں گے کہ لاکھ روپے مہر نہ بندھا تھا اگر قاضی کے حضور حلف سے انکار کردے گا لاکھ کی ڈگری ہوگی اور حلف سے انکار کردے گی دس [10]ہزار پائے گی اور حلف کرلے گی تو لاکھ، اور تیسری صورت میں دونوں حلف کرلیں گے مہر مثل دلایا جائیگا اگر زن وشو میں طلاق قبل خلوت کے بعد اختلاف ہوا تو مطلقًا قولِ شوہر حلف سے معتبر ہے۔ جس طرح بعد موت زوجین اُن کے ورثہ میں اختلاف ہو تو مطلقًا وارثان، شوہر کا قول معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

(ان اختلفا) فی المھر (فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شھد له مھر المثل) بیمینه (وای اقام بینة قبلت) سواء(شھد له او لھا اولاوان اقاما فبینتھا) مقدمةان شھد له وبینته ان شھد لھا وان کان بینھما تحالفا فان حلفا اوبرھنا قضی به وان برھن احدھماقبل	نکاح کے دوران اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا (تو مہر مثل کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا) لہذا مہر مثل جس کی تائید کرے گا اس کی بات قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور جس نے گواہ پیش کردئے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی، مہر مثل بیوی یا خاوند کی تائید کرے یا کسی کی نہ کرے، ہر طرح گواہی مقبول ہوگی، اگر مہر مثل خاوند کی تائید کرے اور خاوند کی شہادت کو اولیت

برھانہ)لانہ نور دعواہ [1] اھ(ملخصًا)**اقول:** قولہ وان کان بینھما مسئلۃ مستانفۃ غیر داخلۃ تحت قولہ"وان اقاما"جمع فیہ ما اذا برھن احدھما وکلاھما اولا احد۔فبین احکام الصور الثلاث وقد اختار قول ابی بکر الرازی الذی صححہ قاضیخان فی شرح الجامع الصغیرو السغناقی فی النھایۃ وجزم بہ فی الملتقٰی وقدمہ فی الھدایۃ والتبیین وغیرھما ان لاتحالف الا اذاکان المھر بینھما' فسقط کلا اعتراضی العلامۃ الشامی انہ کان علیہ حذف قولہ"تحالفا"لانہ اذا برھنا لاتحالف وان قولہ"وان برھن احدھما"یغنی عنہ قولہ قبلہ وای اقام بینۃ قبلت الخ فللّٰہ درہ ما امھرہ،وقول الکرخی انھما یتحالفان مطلقا سواء شھد المھر لہ اولھا اولا وصححہ فی المبسوط والمحیط وجزم بہ فی الکنز فی باب التحالف اقول لکن الاول ھوالمذکورفی الجامع الصغیر کما فی ش فترجح بہ بعد تکافؤالتصحیحین خلافا لما فی البحر انہ لم یرمن رجح الاول فلذاجعلناعلیہ المحول وباللّٰہ التوفیق۔	ہوگی اگر مہر مثل بیوی کی تائی کرے اور مہر مثل دونوں کے مابین ہو یعنی کسی کی تائید نہ کرے تو دونوں سے قسم لی جائیگی پھر اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہ پیش کئے تو قاضی مہر مثل کا فیصلہ کرے اور اگر صرف ایک نے شہادت پیش کی تو قاضی اس کی شہادت پر فیصلہ دے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کو روشن کردیا اھ (ملخصا) **اقول:** اس کا قول"ان کان بینھما" سے نیا مسئلہ شروع کیا ہے یہ پہلے مذکورہ انہوں نے تین صورتوں کو جمع کیا ہے کہ کسی نے گواہ پیش نہ کئے، یا ایک نے کئے، یا دونوں نے کئے، تو تینوں صورتوں کے احکام بیان کئے اور ابوبکر رازی کے قول کو مختار بنایا جس کو قاضی خان نے شرح جامع صغیر میں اور سغناقی نے نہایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اور اس پر ملتقٰی میں جزم کیاہ، اور اسی کو ہدایہ میں اور تبیین وغیرہما میں مقدم رکھا کہ جب مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے علامہ شامی کے دونوں اعتراض سقط ہوگئے کہ مصنّف پر لازم تھا کہ وہ "تحالفا" کو حذف کرتے، کیونکہ جب دونوں نے گواہ پیش کردئے تواب دونوں پر قسم نہیں ہوگی۔اور دوسرا یہ اعتراض کہ اس کا قول"ان برھن احدھما" سے ان کا پہلا قول"وای بینۃ قبلت" مستغنی کرتا ہے الخ تو اللہ تعالٰی کے لئے ہی مصنّف کی بھلائی ہے انہوں نے کیا مہارت دکھائی۔اور امام کرخی کا قول ہے کہ مطلقًا دونوں قسم دیں، مہر مثل دونوں سے کسی کی تائید کرے یا نہ کرے اس کو مبسوط ومحیط میں صحیح قرار دیا، اور کنز کے

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲۔۲۰۳

	باب تحالف میں اس پر جزم کیا، **اقول:** لیکن پہلا قول: جامع صغیر میں مذکور ہے جیسا کہ ش میں ہے تو دونوں تصحیحات کے مساوی ہونے کے بعد ترجیح بن جائے گی۔ بحر میں اس کے خلاف ہے، انہوں نے پہلے کو ترجیح دینے والا کوئی نہ پایا، تو اسی بناء پر ہم نے اس پر نشان دہی کر دی، توفیق من جانب اللہ ہے۔ (ت)

بدائع وہندیہ میں ہے:

ولو اختانا بعد الطلاق بعد الدخول او الخلوۃ فکما لو اختلفا حال قیام النکاح، وان کان قبل الدخول والخلوۃ والمھر دین فاختلفا فی الالف والالفین فالقول قول الزوج ویتنصف مایقول الزوج ولم یذکر الخلاف ذکرہ الکرخی وحکی الاجماع وقال نصف الالف فی قولھم[1] اھ وصححہ فی البدائع و شرح الطحاوی ورجحہ فی الفتح۔	اگر خاوند بیوی نے طلاق کے بعد اختلاف کیا جبکہ دخول یا خلوت ہوچکی تو حکم وہی ہے جو حالت نکاح میں اختلاف کا تھا، اور اگر یہ اختلاف طلاق قبل از دخول وخلوت کے بعد ہوا اور مہر دین ہوا تو ہزار اور دو ہزار میں اختلاف ہوا تو اس میں خاوند کا قول معتبر ہے، لہٰذا خاوند کے بیان کردہ کا نصف دیا جائے، اور انہوں نے کرخی کا بیان کردی خلاف ذکر نہیں کیا اور اجماع کو حکایت کرکے یہ کہہ دیا کہ سب کے قول میں ہزار کا نصف ہوگا اھ اس کو بدائع میں اور شرع طحاوی میں صحیح کہا، اور فتح میں اس کو راجح قرار دیا۔ (ت)

تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

فان مات الزوجان ووقع الاختلاف بین الورثۃ فی مقدار المسمّٰی فالقول قول ورثہ الزوج[2]۔	اگر خاوند بیوی دونوں فوت ہوجائیں اور ان کے وارثوں میں مقرر مہر کے بارے میں اختلاف ہوا تو خاوند کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیلزمھم ما اعترفوا بہ بحر، ولا یحکم بمھر المثل لان اعتبارہ یسقط عند ابی حنیفۃ بعد موتھما درر اھ[3]، کذا ھو فی نسختی بمھر المثل	توان پر اپنے اقرار کے مطابق لازم ہوگا، بحر۔ اور مہر مثل پر فیصلہ نہ دیا جائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دونوں کی فوتگی کے بعد مہر مثل کا اعتبار ختم ہوجاتا ہے، درر، اھ۔ اور

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۱

[3] ردالمحتار باب المھر مسائل الاختلاف فی المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۲

اقول والاولی اسقاط الباء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میرے پاس نسخہ میں "بمھر المثل" باء کے ساتھ ہے **اقول:** باء کو ساقط کرنا اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵تا۶۶: ازریاست جاورہ لال املی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہل کار محکمہ حساب ۲ شوال ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے لئے مہر کا ہونا لازم ہے جو عموماً متعین ہوتا ہے مہر کی نقد اُدھار بھی ضروری ہے اگر عورت چاہے تو کیا سب مہر کو مثل نقد یا مثل اپنے مطالبہ یا قرضہ کے حاصل کر سکتی ہے اس کی حسب ذیل تشریح فرمادی ہے:

(ا) مہر معجّل کی یہ تعریف ہے کہ تاوقتیکہ زوجہ تمام وکمال معجّل وصول نہ کرے اسے اختیار ہے کہ خواہ وُہ زوج کے گھر جائے یا نہ جائے یا اس سے بات چیت کرے یا نہ کرے، پس اگر زوج نے دھوکے سے منجملہ مہر معجّل جو زیور ہندہ کو دیا تھا وُہ نکاح کے بعد دُلہن گھر گئی واپس لے لیا پس اب زوج بھی اس کا مقروض سمجھا جائے گا یا نہیں اور زوج نے منجملہ مہر معجّل کے پانسو روپیہ (صماء) کا مکان حسبِ منشاء زوجہ خود خرید کر دینے کا تحریری اقرار کیا تھا تو کیا ہندہ اب مہر معجّل پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا جب تک اسے مہر معجّل نہ پہنچے اسے زوج کے گھر جانا چاہئے یا نہیں، اگر اسے اختیار ہے تو کیا جب تک شوہر مہر معجّل ادا نہ کر دے وُہ نان ونفقہ پا سکتی ہے یا نہیں؟

(ب) مہر غیر معجّل نکاح اور خلوتِ صحیحہ کے بعد کب سے کب تک زوجہ پا سکتی ہے کیونکہ مہر غیر معجّل کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں، اگر بعد خلوتِ صحیحہ ہر وقت مہر پانے کی مستحق ہے تو جب تک اپنا مہر اتنا نہ وصول کرلے زوج کے گھر رہنے سے انکار کر سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح کے لئے مہر لازم ہے بایں معنی کہ مہر کا ذکر نکاح میں ہو یا نہ ہو بلکہ مہر کی نفی شرط کرلی ہو جب بھی مہر دینا آئے گا تعیینِ مہر نکاح کے لئے کچھ ضرور نہیں، اگر تعیین نہ ہوگی مہر مثل دینا پڑے گا، مہر کہ نکاح میں مقرر کیا جاتا ہے تین قسم ہے:

معجّل، مؤجل، مؤخر۔

معجّل وُہ کہ قبل رخصت دینا قرار پائے۔ عورت کو اختیار ہے کہ جب تک اُسے تمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے یہاں نہ جائے، اور اس نہ جانے سے وہ نفقہ سے محروم نہ ہوگی، پانسو (صماء) روپیہ کا مکان اگر منجملہ مہر قرار پایا تھا تو اس کے وصول تک بھی ہندہ اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔ زیورات جو مہر معجّل میں دئے گئے تھے وہ مہر ادا ہوگیا، پھر اگر زوج نے دھوکا دے کر واپس لے لئے تو اس سے مہر معجّل اس کے ذمہ عود نہ کرے گا

اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا کہ مہر تو زیور پر قبضہ زن سے ادا ہو لیا تھا، اب یہ عورت کا ایک مال ہے جو زوج نے غصب کرلیا، اگر بعینہٖ باقی ہے اس کا واپس دینا فرض ہے اور ہلاک ہوگیا تو اس کا تاوان دے۔
اور مہر مؤجل وُہ جس کے ادا کی ایک میعاد مُعیّن قرار پائی ہو، مثلاً سال بھر بعد یا دس برس بعد، میعاد جب تک نہ گزرے عورت کو مطالبہ اختیار نہیں، بعد انقضائے میعاد مطالبہ کرسکے گی، اور میعاد آنے پر اگر شوہر دینے میں تاخیر کرے تو اس کے لئے اپنے نفس کو نہیں روک سکتی خصوصًا جبکہ رخصت ہوچکی ہو۔ شرح جامع صغیر امام قاضی خاں میں ہے:

لوکان المھر مؤجلا لیس لھا المنع قبل حلول الاجل والابعدہ وعلی قول ابی یوسف لھا المنع الی استیفاء الاجل اذالم یکن دخل بھا[1]۔	اگر مہر معجّل ہو تو مقررہ مدّت ختم ہونے سے قبل یا بعد بیوی کو منع کا حق نہیں ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول پر غیر مدخول بہا کو مدت مقررہ آنے تک بیوی کو منع حق ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وبہ یفتی استحسانا. والوالجیة[2]۔	اسی پر فتوٰی دیا جائے گا استحسانًا، والوالجیہ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی البحر عن الفتح ھذا کلہ اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطہ ورضیت بہ لیس لھا الامتناع اتفاقا[3]۔	بحر میں فتح سے ہے یہ جب ہے کہ مقررہ مدت پوری ہونے سے قبل دخول کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر یہ شرط لگائی گئی ہو اور بیوی کی رضامندی سے دخول ہوچکا ہو تو پھر بالاتفاق اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔(ت)

اس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے:

اقول: وعرف بلادنا الدخول قبل اداء شیئ منہ والمعروف کالمشروط فلایکون لھا الامتناع	**اقول:** اور ہمارے علاقے کا عرف یہ ہے کہ مہر کا حصہ ادا کرنے سے قبل دخول ہوتا ہے، تو معروف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح الجامع الصغیر امام قاضیخان باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۰

[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

[3] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

اجماعا بالاتفاق[1]	مشروط کی طرح ہوتا ہے اس لئے ہمارے علاقہ میں بالاجماع بیوی کو منع کا حق نہیں ہوگا۔ (ت)

مؤخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا ہو، نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کیا ہو اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، مگر بعد موت یا طلاق نہ اس کے لئے کسی وقت اپنے نفس کو روک سکتی ہے۔ فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر مایتعارفه اهل البلدة فیؤخذ منه الباقی بعد الطلاق او الموت ولایجبره القاضی علی تسلیم الباقی ولایحبسه[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے مطابق جو قدر معجّل ہو وہ ادا کردے اور باقی طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا، اس سے قبل قاضی اس کو تمام مہر ادا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ہی قاضی اسے قید کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷: از قصبہ نرہڑ ڈاکخانہ چڑوہ ضلع شیخاواٹی محلّہ پیرزادگان مرسلہ منشی محمد علی صاحب ارم مدرس ۲۲ شوال ۱۳۳۹ھ

اس مسئلہ میں شریعت عزائے اسلام کا کیا حکم ہے ایک شخص نے اپنا نکاح ثانی کیا اور اپنی تمام جائداد کا مہر مقرر کیا، جائداد علی التوریث چلی آرہی ہے جس میں ایک کھیت زمین بارانی' مکان سکنی، آمدنی خانقاہ ہر قسم حصّہ خود ایک گاؤں سے کچھ نقد رقم آتی ہے، وُہ رقم حصّہ خود غرض سب جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مہر مقرر کرکے اپنی بیوی کے نام ہبہ کردی، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا مہر لازم آئے گا؟ اس کے ایک حقیقی بہن بھی ہے مگر یہاں رواج ہمشیرہ کو حصّہ کا نہیں، رشتہ کے بھتیجے موجود ہیں جو حسب دستور اُس کے بعد مستحق جائداد وغیرہ ہیں، عمر ساٹھ برس ہے جو مکان اور جائداد مہر ہو کر ہبہ ہوچکی اس کے سوا اور کوئی مکان رہنے کو اور نان نفقہ کو کوئی وجہ معاش نہیں، یہاں نکاح ثانی نہیں ہوتا اب بکوشش جاری ہوا ہے، یہی وجہ زیادتی مہر ہے، ان سب صورتوں میں یہ شخص یا ہر شخص ایسا مہر مقرر کرسکتا ہے؟

الجواب:

جس قدر جائداد اُس کو متروکہ پدری یا مادری سے پہنچی اُس میں سے جس قدر اس کا حصّہ ہے

---

[1] جدا لممتار حاشیہ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۲/۴۱۷

[2] قاضیخان باب فی ذکر مسائل المھر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷۳-۷۴

وُہ مہرملِک زوجہ ہوگیا، اور جتنا حصّہ اس کی بہن کا ہے اگر وُہ اجازت دے دے تو وُہ بھی مِلک زوجہ ہوگیا، اور اگر وُہ اجازت نہ دے تو حصّہ خواہر کی جتنی قیمت ہے وہ اسے مہر میں دیناپڑے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

فاذا تزوجها علٰی هذا العبد وهو ملك الغير او علی هذه الدار وهی ملك الغير فالنكاح جائز والتسمية صحيحة فبعد ذٰلك ينظر ان اجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذٰلك فلها عين المسمی وان لم يجز المستحق لايبطل النكاح ولاالتسمية حتی لايجب مهر المثل وانما تجب قيمة المسمی كذافی المحيط[1]۔	جب کسی نے ایک خاص عبد یا ایک مکان بطور مہر پر نکاح کیا جبکہ وُہ عبد اور مکان کسی غیر کی ملکیت ہوں تو یہ نکاح جائز ہوگا، اور مہر کے طور پر ان کا ذکر صحیح ہے، بعد میں دیکھا جائے کہ اس عبد یا مکان کا مالک دینے پر تیار ہے تو وہی عبد یا مکان مذکورہ دیا جائے گا اور مالک دینے پر تیار نہ ہو تو پھر بھی نکاح اور مہر باطل نہ ہوگا حتی کہ مہر مثل واجب نہ ہوگا بلکہ اب اس عبد یا مکان کی قیمت دی جائے۔ محیط میں یُونہی ہے (ت)

آمدنی خانقاہ جیسے نذور وغیرہا کہ فی الحال معدوم ہیں وُہ داخل مہر نہ ہُوئیں مگر ان چیزوں کے نکل جانے سے جائداد کے حصص موجودہ کہ مہر کئے گئے اُن پر اثر نہ پڑے گا وہ مہر میں ہوچکے، نہ اس کی وجہ سے مہر مثل لازم آئے بلکہ وہی حصص موجودہ مہر میں دئے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

واذاسمی فی العقد ماهو معدوم فی الحال بان تزوجها علی مایثمر نخيله العام او علی ماتخرج ارضه العام او علی مایکتسب غلامه لایصح التسمية وکان لها مهر المثل[2]۔	اگر نکاح میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا جو فی الحال معدوم ہے مثلاً اس سال کھجوریں یا زمین جو فصل دیں گی، یا میرا غلام اس سال جو کمائے گا وغیرہ، تو مہر میں ان کا ذکر صحیح نہیں لہٰذا مہر مثل واجب ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوسمی عشرة دراهم ورطل خمر فلها المسمی ولا یکمل مهر المثل بحر[3]۔	اگر مہر میں دس درم اور ایک رطل شراب مقرر کیا ہو تو بیوی کو مقررہ مہر دیا جائیگا اور مہر مثل کو پورا نہ کیا جائے گا، بحر۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۳

[2] فتاوٰی ہندیہ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۳

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۵

بھتیجے اس کے وارث ہونا، یا نفقہ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا مانع صحت مہر نہیں، جو مہر میں دے چکا، اور جو کوئی ایسا مہر باندھے گا اس کا یہی حکم ہوگا اگرچہ ایسا کرنا عقل سے بعید ہے اور وہ رواج کہ بہن کو ترکہ نہیں دیتے باطل و مردود ہے، اس سے اس کا حق سقط نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۸تا۷۰: از رامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

رئیس المحققین عمدۃ الامین محافظ الدین دام لطفہ، تسلیم کے بعد عرض خدمت ہے کہ:

(۱) اگر طالق اور مطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ نہ ہم نے وطی کی ہے نہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھے ہیں، اب حضور انور بتائیں کہ ان کے کہنے پر اعتماد کرکے بغیر عدّت کئے نکاح کیا جائے تو کچھ نکاح خواں پر تو گناہ نہیں ہے یا ہے؟

(۲) اگر محض عورت طالق کے دخول اور خلوتِ صحیحہ سے منکرہ ہے، اور طالق کہتا ہے میں نے دخول کیا ہے، یا برعکس ہو تو کس کے قول پر اعتماد کرکے بغیر عدّت کئے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جائے یا نہیں؟

(۳) ثبوت خلوت صحیحہ اور دخول کا گواہان سے ہوگا یا طالق مطلقہ سے، سند فقہاء مع عبارت کتب و اسم کتاب ارشاد ہو قیمت رقیمہ دی جائے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جبکہ ظاہر حال اُن کے قول کا مکذب نہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا نکاح خواں پر کوئی الزام نہ ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر عورت خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہے، تنویر میں ہے:

ولوافترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها[1]۔	جب دونوں میں مفارقت ہوئی تو بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد ہوئی ہے اور خاوند نے کہا دخول سے قبل مفارقت ہُوئی ہے، تو بیوی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فقالت بعد الدخول المراد هنا الاختلاف فی الخلوة[2]۔	اس کے قول کہ "بیوی نے دخول کے بعد کہا" سے مراد خلوت میں اختلاف ہے۔ (ت)

اور اگر عکس ہو تو قولِ شوہر بدرجۂ اولٰی معتبر ہے کہ وہ مقر ہے اور عورت انکار سے متعنت۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۳

درمختار میں ہے:

والاصل ان من خرج کلامه تعنتا فالقول لصاحبه بالاتفاق[1]۔	ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی اپنے مفاد کے خلاف بات کرے تو دُوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی بالاتفاق۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: **تعنتا بان ینکر ماینفعه**[2] (تعنت یہ ہے کہ وُہ اپنے مفاد کے خلاف بات کرے۔ت) بہرحال اُن میں جو کوئی خلوت صحیحہ ہونا بیان کرتا ہو دوسرے کو قبل عدّت نکاح پر اقدام نہ چاہئے، **قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف وقد قیل**[3] (حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے فرمایا: کیا کیا جائے جب بات کہہ دی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) دربارہ دخول تو ظاہر ہے کہ گواہوں کو کچھ دخل نہیں کہ وہ اس پر مطلع نہیں اور ظاہرا خلوت صحیحہ بھی شہادت سے جُدا۔اُن کا علم اگر محیط ہوسکتا ہے تو صرف اتنی بات کو کہ سامنے یہ دونوں تنہا مکان میں گئے اُس میں کوئی اور نہ تھا اور کواڑ بند کرلئے اس پر اگر ثابت ہوئی تو صرف خلوت صحیحہ کے لئے تو یہ بھی لازم ہے کہ کوئی مانع نہ حسی ہو نہ شرعی نہ طبع۔ اس پر شہادت نفی پر شہادت ہوگی اور وہ معتبر نہیں خصوصا بعض موانع وُہ ہیں جو شاہدوں کی اطلاع سے وراہیں' معہذا اگر شوہر خلوتِ صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے تو وُہ مقرہے اقرار کے ساتھ شہادت کسی۔ اور اگر عورت بیان کرتی ہے تو وُہ منکرہ ہے اور گواہ منکر سے نہیں لئے جاتے بلکہ مدعی سے، ہاں یہ صورت متصور ہے کہ عورت اپنے اوپر سے دفع حلف کے لئے اقرارِ شوہر کے گواہ دے جو شہادت دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خلوت صحیحہ ہونے کا اقرار کیا،

هذاكله ماقلته تفقها والفقير الاٰن متنزه علی جبل بعید عن وطنی وکتبی فان اصبت فمن ربی وعنده العلم بالحق وهو حسبی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ جو کچھ میں نے کہا ہے محض فہم کی بنا پر کہا ہے اس وقت میں دور ایک پہاڑ پر تفریح میں ہوں، اپنی کتب اور وطن سے دور ہوں، لہذا اگر یہ درست ہو تو میرے علم رب کی طرف سے ہے اور اس کے پاس ہی حق کا علم ہے، وہی مجھے کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسائل پر بفضلہٖ تعالٰی یہاں کبھی کوئی اُجرت نہیں لی جاتی اور اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے مَآ اَسْئَلُکُمْ

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۴۹/۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۱۱/۴

[3] صحیح البخاری باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹/۱

عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ [1] (تم سے کسی اجر کا سوال نہیں میرا اجر اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۱ تا ۷۲: از کانپور طلاق محال مکان ابوالضیاء حکیم نورالدین صاحب مسئولہ عبیداللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی قبیلہ میں یہ رسم ہے کہ عقد کے پیشتر جو کچھ شرائط متعلق عقد کرنا ہوتے ہیں نوشاہ سے بتوسط والدین یا کسی دیگر عزیز قریب کے ساطرح پر طے کرتے ہیں کہ نوشاہ بالکل خاموش بیٹھا رہتا ہے اور دوسرے لوگ جو کچھ اس کے واسطے طے کردیتے ہیں اس کا وُہ پابند سمجھا جاتا ہے اور پابندی بھی کرتا ہے تو کیا زید کو جو اسی قبیلہ کا ہے اور اس سے بھی اس رسم قبیلہ کے مطابق یہ طے کیا گیا کہ وُہ بعد بلوغ زوجہ کے سسرال میں رہ کر نان نفقہ کی خبر گیری کرتا رہے گا یا نقد ادا کردے گا مگر بعد عقد کے زید ان معاہدوں کو پورا کرنے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے معاہدہ میرے والد سے ہُوا تھا نہ کہ مجھ سے، حالانکہ معاہدہ کے وقت زید بھی موجود تھا اور باوجود بالغ ہونے کے اُس نے معاہدہ کے کسی جُز سے انکار نہیں کیا، تو کیا ایسی صورت میں حسبِ رواج قبیلہ زید ان معاہدوں کے پورا کرنے کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

(۲) ہندہ کا عقد زید سے اس طرح پر ہوا کہ حسبِ رواج قبیلہ عقد سے چار یوم پیشتر زید سے بتوسط والدین یہ طے پایا تھا کہ مہر مؤجل باجل دو ۲ سال مقرر ہے اس طرح پر کہ چاہے دو ۲ سال کے اندر بعوض دین مہر مبلغ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ کے جائداد غیر منقولہ بنام ہندہ خرید کردی جائے گی یا مبلغ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ نقد بابت دین مہر ادا کردیا جائے گا مگر بروقت عقد یہ تفصیل دُہرائی نہیں گئی صرف اتنا کہا گیا مہر مؤجل تعداد ساڑھے پانچ ہزار روپیہ ہے تو کیا یہ مہر مطلق میں شمار کیا جائے گا یا باجل دو ۲ سال مؤجل ہوگا؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

(۱) شرع مطہر کا قاعدہ عامہ ہے کہ **المعروف کالمشروط** (عرف رواج مشروط کی طرح ہے۔ت) جبکہ ان لوگوں میں عام رواج یہی ہے اور شوہر کے سامنے شرائط کئے جاتے ہیں اور وہ ساکت رہتا ہے اور اس کا سکوت ہی قبول قرار پاتا ہے اور ان شرائط کی پابندی کرتا ہے تو زید کہ انہیں لوگوں میں سے ہے اس قاعدہ سے مستثنٰی نہیں ہوسکتا مگر پہلا معاہدہ بیکار ہے سسرال میں رہنا ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر جبر نہیں اور زوجہ کو اپنے پاس

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/۱۰۹

رکھنا حقِ شوہر وحکمِ شرعی ہے۔ قال تعالٰی:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ[1]	ان کو سکونت دو جہاں تم ساکن ہو اپنی گنجائش کے مطابق۔ (ت)

شوہر جب چاہے اس حق کا مطالبہ کرسکتا ہے **کمن ترکت قسمھا لھا ان تعود متی تشاء** (جیسا کہ بیوی اپنی باری چھوڑ دے تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جب چاہے۔ت) اور دوسرے معاہدہ سے مہر دو۲ برس کے لئے مؤجل ہوگا اس پر لازم ہے کہ دو برس کے اندر کردے خواہ جائداد خرید کر یا نقد۔ اگر صرف جائداد خرید دینے کا معاہدہ ہوتا تو وہ بھی محض ایک وعدہ ہوتا زوجہ کو دو برس کے بعد مطالبہ مہر ہی کا استحقاق ہوتا نہ بالخصوص جائیداد کا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر شوہر تسلیم کرے کہ عقد اسی قرار داد کی بناء پر ہُوا تھا اور مؤجل سے وہی اجل مراد تھی تو دو۲ سال میں ادا کرنا لازم ہوگا ورنہ اطلاق لفظ اپنا عمل کرے گا اور یہ مہر مؤخر رہے گا قبل موت وطلاق مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا کہ تاجیل بوجہ جہالت اجل صحیح نہ ہوئی۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح واذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر مایتعارفہ اھل البلدۃ فیوخذ منہ الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولایحبسہ[2]۔	ایک شخص نے کسی عورت سے ایک ہزار پر نکاح کیا اور کہا کہ پُورا ہزار مؤجل ہے، تو اگر اس کی مدت معلوم ہو تو مہلت دینا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو مہلت دینا صحیح نہیں اور جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائیگا کہ علاقہ کے عرف کے مطابق کچھ معجّل طور پہلے دے دے اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائیگا اور قاضی اس پر باقی کی ادائیگی میں جبر نہ کرے گا اور نہ قید کرے گا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

تأجیل المھرلا الی معلومۃ یصح ھوالصحیح لان الغایۃ معلومۃ فی نفسھا وھوالطلاق او الموت کذا فی المحیط[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مہر کی مہلت، مدتِ غیر معین تک ہو تو صحیح ہے، یہی صحیح ہے، کیونکہ انتہائی مدت خود بخود معلوم ہے، اور وہ طلاق یا موت ہے، محیط میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی مسائل ذکر المھر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۷۴۔۱۷۳

[3] فتاوٰی ہندیہ باب المھر فصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۸

مسئلہ ۷۳: از سرائے صالحہ ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور مرسلہ حاجی عبدالعزیز خاں صاحب ۱۲ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے نواسہ خالد کی منگنی میں جرگہ عام میں ایک زیور از قسم طلائی اس کے والد عمرو کو دے کر بطور ہبہ کہاکہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی لڑکی کو پہناتاہُوں، اس وقت عمرو کالڑکا خالد نابالغ تھااور عمرو نے وہ زیور زید سے قبول کرلیالڑکی کے ہاتھ میں خالد کی طرف سے پہنایا گیا، اب وُہ دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں کسی خاص وجہ سے لڑکی کی طرف سے وُہ زیور وغیرہ اور پارچات واپس ہوکر طلاق ہونے پر فریقین تیار ہیں لیکن وُہ زیور جو زید نے اپنی طرف سے نواسہ کو دیا ہے اور لڑکی کو اس کی طرف سے پہنایا گیا تھا زید کہتا ہے کہ وہ مجھ کو واپس ہوئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں اب بالغ ہوں مجھ کو ملے اور عمرو لڑکے کا والد کہتا ہے مجھ کو ملنا چاہئے، اس لئے صاحبانِ شرع شریف سے مفصل طور پر دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا اس صورت میں اس زیور کے لینے کا شرعاً کون مستحق ہے، کیا نانا یا باپ یا خود لڑکا جس کی منگنی ہُوئی تھی؟ جوابِ باصواب عنایت فرماکر اجردارین حاصل فرماویں، بینواتوجروا، اگر صورتِ مسئولہ میں ہبہ ہے تو نانا نواسے وُہ زیور شرعًا واپس لینے کاحقدار ہے یا نہ؟

الجواب:

ایسے زیور پارچہ کو عرف میں چڑھاوا کہتے ہیں اسے دُولھا کی طرف سے دُلہن کو دینے میں اگرچہ عرف وعادت ناس کا اختلاف ہے، بعض ہبۃً دیتے ہیں بعض عاریۃ، مگر وُہ جو دُولہاکے اقارب دُولہاکے یہاں بھیجتے ہیں اس میں اصلاً اختلاف نہیں وُہ یقینا بطور ہبہ وامداد ہی ہوتا ہے، کسی حالت میں اُنہیں اس کی واپسی کا دعوی نہیں ہوتا، اولاد کی شادیوں میں جو ایسی اعانت کی جاتی ہے اس میں اعانت کرنے والا اگر تصریح کردے کہ میں نے ہبہ کی جب تو وہ اس کی ہے، اور تصریح نہ کرے تو وُہ چیز اگر اولاد کے مناسب ہے تو ان کی ہے ورنہ اگر یہ امداد کرنے والا باپ کے اقارب یا شناساؤں میں سے ہے تو وہ ہبہ باپ کے لئے ہے اور ماں کے اقارب سے یا شناساؤں میں ہے تو ماں کے لئے، مگر یہ کہ امداد کرنے والے نے اس وقت کچھ نہ کہا، اور اب وہ موجود ہے اور بیان کرے کہ میں نے فلاں کو ہبہ کیا تھا مثلاً باپ یا ماں یا اولاد کو تو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا اتخذ الرجل عذیرۃ للختان فاھدی الناس ھدایا ووضعوا بین یدی الولد فسواء قال المھدی ھذا للولد اولم یقل فان کانت الھدیۃ تصلح للولد	مثلاً بچے کے کپڑے، یا وہ شے جو بچّے استعمال کرتے ہیں جیسے ہاکی اور گیند تو یہ بچے کیلئے ہی ہونگے کیونکہ ایسی چیزیں عادۃً بچّے کی ملکیت کیجاتی ہیں، اور اگر وُہ ہدیے بچّے کے مناسب ہوں

مثل ثیاب الصبیان اوشیئی یستعمله الصبیان مثل الصولجان والکرۃ فھو للصبی لان ھذا تملیك للصبی عادۃ کالدراھم والدنانیر. ینظر الی المھدی فان کان من اقارب الاب او معارفه فھو للاب وان کان من اقارب الام اومعارفه فھو للاب وان کان من اقارب الام اومعارفھا فھو للام لان التملیك ھنا من الام عرفا وھناك من الاب فکان التعویل علی العرف حتی لو وجد سبب او وجه یستدل به علی غیر ماقلنا یعتمد علی ذٰلک، وکذٰلك اذا اتخذولیمة لزفاف ابنته فاھدی الناس ھدایا فھو علی ماذکرنا من التقسیم، وھذاکله اذالم یقل المھدی شیئا وتعذر الرجوع الی قوله اما اذا اقال اھدیة للاب اوللام اوللزوج اوللمرأۃ فالقول للمھدی کذافی الظھیریة[1]۔	مثلاً بچے کے کپڑے، یا وہ شے جو بچّے استعمال کرتے ہیں جیسے ہاکی اور گیند تو یہ بچے کیلئے ہی ہونگے کیونکہ ایسی چیزیں عادۃً بچّہ کی ملکیت کیجاتی ہیں، اور اگر وُہ ہدیے بچّے کے مناسب نہ ہوں جیسا کہ دراہم ودینار وغیرہا، تو پھر ہدیہ دینے والوں کو دیکھا جائے گا کہ وُہ والد کے قریبی اور واقفیت والے ہیں یا ماں کے، اگر وُہ والد کے تعلق والے ہوں تو وہ والد کے لئے ہوں گے، اور اگر ماں کے تعلق والے ہوں تو وُہ ماں کے لئے ہوں گے، کیونکہ عرفاً یہاں ماں کی طرف سے تملیک سمجھی جاتی ہے اور وہاں باپ کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا عرف پر اعتماد کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی ایسا سبب یا وجہ پائی جائے جو ہمارے بتائے ہوئے عرف کے خلاف قرینہ ہے تو پھر اسی قرینہ پر اعتماد کی جائے، اور یُونہی اگر کسی نے بیٹی کے زفاف کے لئے ولیمہ کا انتظام کیا تو لوگوں نے ہدیے دئے تو وہ اسی تقسیم پر ہوں گے جو ہم نے ذکر کی ہے، یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب ہدیہ دینے والے نے کوئی تصریح نہ کی ہو، اور اس سے معلوم کرنے کے لئے رجوع بھی مشکل ہو، لیکن جب اس نے کہہ دیا کہ یہ باپ یا ماں یا خاوند یا بیوی کے لئے ہیں تو پھر اس کے قول کے مطابق حکم ہوگا، ظہیریہ میں یُونہی ہے۔(ت)

بالجملہ زید کی طرف سے وہ زیور ہبہ ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کے لفظ وُہ ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی تو یہ نواسے کو ہبہ ہُوا اور وُہ اس وقت نابالغ تھا اور اس کے باپ نے قبول کرکے قبضہ کرلیا تو ہبہ تمام ہوگیا اور نواسہ اس کا مالک ہوگیا، اس میں نہ باپ کا حق ہے نہ نانا کا، نہ نانا اسے کسی طرح واپس لے سکتا ہے کہ قرابت محرمہ مانع رجوع ہے، درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب لاھبہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۸۳

لو وھب الذی رحم محرم نسبا ولو ذمیا او مستامنا لایرجع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے اپنے ذی محرم نسبی کو ہبہ دیا تو وہ خواہ کافر ذمی ہو یا امن لے کر آیا ہو تو واپس نہ لے سکے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۴: از چاندہ پار ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسئولہ محمد یار علی صاحب نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے وقت لڑکی بالغہ کے والدین نے بخیال دنیا اس قدر وسیع مہر بندھوایا کہ لڑکا بالغ اپنے والدین کی جائداد موجودہ سے کسی صورت ادا نہیں کرسکتا، لڑکے نے اس خیال پر کہ اگر منظور نہ کروں گا نکاح نہ ہوگا مجبورًا محض اللہ کے بھروسے پر اپنے نزدیک نکاح جائز سمجھ کر منظور کرلیا جب مکان پر ہمراہ رہنے کا دونوں کا اتفاق ہُوا تو اسی ہفتہ کے اندر لڑکی بالغہ نے بخوشی ورضامندی بغیر کسی مجبوری اور دباؤ شوہر کے سامنے اللہ کو شہید وبصیر جان کر جمیع انبیاء وملائکہ کا واسطہ دلاکر معاف کردیا، جب سے آج تک ایک سال کا زمانہ گزرا میاں بی بی دونوں ساتھ ہیں اب چند روز سے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ نکاح ناجائز وحرام ہوا اور یہ صحبت حرامکاری ہے لڑکا بخوف عقبٰی اپنی براءت کے لئے ہر صورت سے راضی ہے گو کہ بی بی اس کو بہت محبوب ہے مگر شرعی فتوی پر کاربند ہونے کو دل وجان سے تیار ہے، مہر جو بندھا ہے اس کی تعداد ایک ہزار دو اشرفی لڑکے کے والدین کی جائداد تقریبًا پانچ سو روپے ۵۰۰ سکّہ رائج الوقت، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر لڑکے کے پاس ایک پیسے کا سہارا نہ ہوتا اور دس کروڑ اشرفی کا مہر باندھا جاتا جب بھی نکاح صحیح تھا اور معاذاللہ اسے حرام کاری سے کچھ تعلق نہ تھا، یہ جو حدیث میں ارشاد ہُوا ہے کہ جن کا نکاح ہوا ان کی نیت میں ادائے مہر نہیں وہ روز قیامت زانی وزانیہ اٹھائے جائیں گے[2] یہ ان کے واسطے ہے جو محض برائے نام جھُوٹے طور پر ایک لغو رسم سمجھ کر مہر باندھیں شرعًا نکاح اُن کا بھی ہوجائے گا اور وُہ بحکم شریعت زانی وزانیہ نہیں زن وشو ہیں اگرچہ قیامت میں اُن پر اس بدنیت کا وبال مثل زنا ہو کہ اُنہوں نے حکم الٰہی کو ہلکا سمجھا یہاں کہ لڑکے نے اللہ عزوجل پر بھروسا کرکے قبول کیا تو اس صورت سے کچھ علاقہ نہ ہُوا پھر جبکہ لڑکی بالغہ نے بے کسی دباؤ کے بخوشی معاف کردیا معاف ہوگیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۳/۲

[2] السنن الکبرٰی باب ماجاء فی حبس الصداق الخ دار صادر بیروت ۲۴۲/۷، کنز العمال حدیث بیروت ۳۲۳/۱۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الجھاز

(جہیز کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۷۵: ۲۵صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں اُس کو کچھ زیور یا اسباب یا جائداد دی تواُس مال کامالک اس لڑکی کے حینِ حیات میں اس کا شوہر ہوسکتا ہے یا وہ لڑکی ہی مالک ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مال تمام وکمال خاص مِلک عورت ہے دوسرے کااس میں کُچھ حق نہیں:

فی ردالمحتار احد یعلم ان الجھاز ملك المرأة وانہ اذا طلقھا تاخذ کلہ واذا ماتت یورث عنھا ولایختص بشیئ منہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور جب شوہر اس کو طلاق دے دے وہ تمام جہیز لے لے گی، اور اگر عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا شوہر اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی مختص نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

مسئلہ ۷۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو زیور اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا اس کی مالک دخترِ زید ہے یا اس کا شوہر، اور اگر شوہر بے اذنِ زوجہ اس میں تصرف کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور وغیرہ جہیز کہ زید نے اپنی بیٹی کو دیا خاص مِلک دختر ہے شوہر کو کسی طرح کا استحقاق مالکانہ اُس میں نہیں، نہ اس کا تصرف بے رضا واذنِ زوجہ نافذ ہوسکے۔

فی الدر المختار جھز ابنتہ بجھاز وسلمھا ذٰلك لیس لہ الاسترداد منھا، ولا لورثتہ بعدہ ان سلمھا ذٰلك فی صحتہ بل تختص بہ وبہ یفتی [1]۔	درمختار میں ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیٹی کو کچھ جہیز دیا اور وُہ اس کے سپرد بھی کردیا تو اب اس سے واپس نہیں لے سکتا، اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اُس کے وارث واپس لے سکتے ہیں بلکہ وہ خاص عورت کی ملکیت ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس نے یہ جہیز حالتِ صحت میں بیٹی کے سپرد کیا ہو (یعنی مرض الموت میں نہ دیا ہو)۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ [2] لاحق لاحد فیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: ۳۰ جمادی الاآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ یہ جو متعارف ان شہروں میں ہے کہ دُولہا کی طرف سے جوڑا وغیرہ دُلہن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہٰذا بامید عوض جوڑے گراں قیمت سَو روپے دوسو روپے کے اور دیگر اسباب قیمتی مناسب اس کے بھیجتے ہیں اور یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دوسو کا مال جائے گا تو اس کے عوض میں چارسو کا مال ملے گا، ایسا ہی دُلہن کی طرف سے دُولہا کے واسطے جوڑا وغیرہ گراں قیمت بھیجا جاتا ہے، پھر جب زوجین میں جُدائی ہوگئی اور زوجہ کی طرف سے طلب اپنے دئے کی ہُوئی، اور زوج کی طرف بمقتضائے ایمانداری جو کچھ اُدھر سے آیا تھا جوڑا وغیرہ سب دے دیا اور رسید اُن اشیاء کی لکھوالی، اس صورت میں زوج کی طرف سے جو کچھ جوڑا اور زیور وغیرہ گیا تھا واپس ہوسکتا ہے یا

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار باب النفقہ احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

نہیں اور اگر ہلاک کردے ایک شخص ان دونوں میں سے جو دیا تھا اس کو دوسرے نے، تو اس صورت میں ہلاک کردینے والے سے وُہ دوسرا شخص جس کا مال ہلاک کیا، لے سکتا ہے یا نہیں۔ والدین زوج نے اپنے پسر کی زوجہ کو کچھ زیور وغیرہ واسطے تالیفِ قلوب کے بایں غرض کہ ہمارے گھر میں رہے گا اور ہر وقت ہمارے اختیار میں جس وقت چاہیں گے اس کو دوسرے کام میں لائیں گے اور جب چاہیں گے بنادیں گے جیسا کہ تاجروں میں ہے بطور عاریت کے ایسا مال دیا کرتے ہیں واسطے زیبائش اپنے گھر کے، نہ بطور تملیک کے، اس صورت میں مالک اُس مال کے والدین ہیں یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع سے خاص ملکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہُوئی تو کُل لے گئی، اور مرگئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز للمرأة وانه اذا طلقها تاخذه کله واذا ماتت یورث عنها[1]۔	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ (ت)

ہاں مرد بحالت ہمخانگی اُن کے والدین بھی بعض اشیائے جہیز مثل ظروف وفروش وغیرہا اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی اس کی بنا ملک شوہر یا والدینِ شوہر پر نہیں بلکہ باہمی انبساط کہ زن وشو کے املاک میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا جیسے عورتیں بے تکلف اموال شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ اُس کی ملِک نہ ہوگئے۔ عقود الدریہ کتاب الفرائض میں بحرالرائق سے ہے:

لایکون استمتاعها بمشریه ورضاه بذٰلك دلیلا علی انه ملکها ذٰلك کما تفهمه النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا[2]۔	شوہر کے خریدے ہوئے مال سے عورت کا نفع حاصل کرنا اور شوہر کا اس پر رضا مند ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت اس مال کی مالک ہوگئی جیسا کہ عورتیں اور عام لوگ سمجھتے ہیں اور تحقیق میں اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہُوں۔ (ت)

یہاں سے ظاہر کہ جانب شوہر کی بری اگرچہ بامید کثرت جہیز گراں بہا بنے معاوضہ نہیں کہ اگر یہ اشیاء اپنے ملک پر رکھتے اور وقت پر برائے نام بھیج دیتے ہوں کہ ہمارے گھر آجائے گی جب تو ظاہر کہ

---

[1] ردالمحتار باب النفقه احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

[2] العقود الدریه تنقیح فی فتاوٰی حامدیة، کتاب الدعوی / کتاب الفرائض ۲/ ۵۰ و ۳۴۳ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان

جانب شوہر سے کوئی تملیک نہ ہُوئی' اور تملیک ہی قصد کرتے اور دُلہن کو اس گہنے جوڑے کا مالک جانتے ہوں تاہم معاوضہ نہ ہُوا کہ اس کے عوض میں جس شے کی امید رکھتے ہیں یعنی جہیز وہ بھی ملک زوجہ ہی ہوگا اور عوض و معوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ہاں کثرت جہیز کی امید پر بھاری جوڑے گہنے بھیجتے ہیں مگر نہ اس لئے کہ ہم یہ دے کر جہیز کے مالک ہوں گے بلکہ اس خیال سے کہ بسببِ انبساط مذکور ہمیں بھی تمتع وانتفاع ملے گا ہمارے گھر کی زیب وآرائش ہوگی نام ہوگا آرام ہوگا وقتِ حاجت ہر گونہ کا برآری کی توقع ہے کہ یہاں کی نیک بیبیاں غالبًا اپنا مال خصوصًا ہنگامِ ضرورت اپنے شوہروں سے دریغ نہیں رکھتیں، یہ وجوہ اُس باعث ہوتی ہیں کہ ادھر سے دوسو کا جائے گا تو چار سو کا آئے گا جیسے بلادِ شام وغیرہ میں اسی اُمید پر مہر بڑھاتے ہیں۔

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة ولایختص بشیئی منه وانما المعروف انه یزید فی المهر لتاتی بجهاز کثیر لیزین به بیته وینتفع به باذنها ویرثه هو واولاده اذا ماتت کما یزید فی مهرا لغنیة لاجل ذٰلك لالیکون الجهاز کله او بعضه ملکا له، ولا لیملك الانتفاع به وان لم تأذن[1]۔	ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور شوہر اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا، اور بیشک متعارف ہے کہ شوہر مہر میں اس توقع پر اضافہ کرتا ہے کہ عورت بھی زیادہ جہیز لائے گی تاکہ اس سے گھر کی زینت وآرائش ہو اور عورت کی اجازت سے شوہر اس سے نفع اٹھائے گا اور عورت کے مرنے کے بعد وُہ اور اس کی اولاد جہیز کی وارث بنے گی، جیسا کہ اسی غرض سے وہ غنی عورت کے مہر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے نہیں کہ وُہ تمام یا بعض جہیز کا مالک بن جائے گا یا عورت کی اجازت کے بغیر اس سے نفع حاصل کرسکے گا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں جہیز تو ذرّہ ذرّہ دینا واجب ہی تھا اور اُس کی واپسی سے بری کی واپسی لازم نہیں کہ وُہ اس کا عوض نہ تھی بلکہ اُس کا حکم آگے آتا ہے شوہر کا جوڑا ادھر سے آتا ہے بعد قبضہ قطعًا مِلک شوہر ہو جاتا ہے کہ لوگ اُس تملیک ہی کا قصد کرتے ہیں وذٰلك واضح لاخفاء به (اور یہ واضح ہے اس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں۔ ت) پس اگر وہ اس نے ہلاک کردیا خواہ ہلاک ہوگیا تو اُدھر والے اس کا کوئی تاوان اس سے نہیں لے سکتے کہ ہلاک موہوت مطلقًا مانع رجوع ہے۔ یونہی اگر جوڑا عورت کے والد یا والدہ نے اپنے مال سے بنا کر بھیجا جیسا کہ ان بلاد میں اکثر یہی متعارف ہے اور یہ شخص نسبًا اس کا محرم مثلًا بھتیجا بھانجا ہے یا نکاح پہلے ہو لیا بعدہ، جوڑا مال زوجہ

[1] ردالمحتار باب النفقه داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

سے بر ضائے زوجہ بنا کر بھیجا گیا تو ان صورتوں میں بھی واپس لینے کا اصلاً اختیار نہیں اگرچہ جوڑا سلامت موجود ہو کہ قرابت محرمہ زوجیت دونوں مانع رجوع ہیں،

فی الدرمختار و ردالمحتار یمنع الرجوع فیھا حروف **دمع خزقه** فالزوجیة وقت الھبة فلو وھب لامرأة ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأته لا کعکسه ای لو وھبت لرجل ثم نکحھا رجعت ولو لزوجھا لا ،والقاف القرابة فلو وھب لذی رحم محرم منه نسبا لا یرجع والھاء ھلاك العین الموھوبة وکذا اذا استھلك کما ھو ظاہر صرح به اصحاب الفتاوٰی رملی[1] اھ ملتقطین۔	درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں رجوع سے مانع یہ حروف ہیں: **دمع خزقه**، پس (ان سات حروف میں سے زا سے مراد ہے زوجیت ہے جو بوقتِ ہبہ موجود ہو لہٰذا اگر کسی عورت کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس عورت سے نکاح کرلیا تو ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے اور اگر اپنی بیوی کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع کرسکتا ہے اور اگر اپنی بیوی کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتا، ایسا ہی اس کے برعکس میں بھی ہے یعنی اگر عورت نے کسی مرد کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس سے نکاح کیا تو رجوع کرسکتی ہے، اور اگر اپنے شوہر کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتی۔ اور قاف سے مراد قرابت ہے، لہٰذا اگر کسی ایسے ذی رحم رشتہ دار کو بطور ہبہ کچھ دیا جو اس کے لئے محرم نسبی ہے تو رجوع نہیں کرسکتا۔ اور ہاء سے مراد موہوب شیئ کا ہلاک ہونا ہے اور اسی طرح ہلاک کرنا ہے: جیسا کہ ظاہر ہے اصحاب فتاوٰی نے اس کے تصریح کی، رملی اھ ملتقطین۔ (ت)

فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

لو بعث ابوھا من ماله فله الرجوع لو قائما والا فلا ولو من مالھا باذنھا فلارجوع لانه ھبة منھا والمرأة لاترجع فی ھبة زوجھا[2]۔	اگر زوجہ کے باپ نے اپنے مال سے کچھ بھیجا تو اگر وُہ موہوب شیئ شوہر کے پاس موجود ہے تو رجوع کرسکتا ہے ورنہ نہیں، اور زوجہ کے مال سے اس کی اجازت سے بھیجا تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ یہ زوجہ کی طرف سے ہبہ ہے اور زوجہ کو زوج کے ہبہ میں رجوع کا حق نہیں۔ (ت)

ہاں اگر جوڑا ملک شوہر میں موجود اور باقی موانع رجوع بھی مفقود ہوں مثلاً والدینِ زن نے بنایا تو اُن سے قرابت محرمہ نسبیہ نہ ہو، یا مالِ زوجہ سے بنا تو پیش از نکاح بھیجا گیا ہو تو شوہر کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کا اختیار ہوگا کہ طرفین سے جوڑیں کا جانا بحکمِ عرف دونوں جانب کی مستقل رسم ہے، نہ ایک دوسرے کے عوض

---

[1] ردالمحتار باب الرجوع فی الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹/۴-۵۱۸-۵۱۵، درمختار باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲

[2] فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵۶/۳-۲۵۵

میں، ولہٰذا اگر ایک جان سے مثلاً بوجہ افلاس جوڑا نہ آئے تو بھی دوسری طرف والے بھیجتے ہیں تو عوض صریح کہ موانع رجوع سے ہے متحقق نہیں، پھر دُولہا کی جانب سے بری میں ہر گز اُس جوڑے کا خیال نہیں جو دُولہا کو ملتا ہے بلکہ محض ناموری یا وہی کثرتِ جہیز کی طمع پروری، بہر حال یہ ہبہ معاوضہ سے خالی ہے تو بشرائط مذکورہ دُلہن والوں کو رجوع کا اختیار، مگر گنہگار ہوں گے۔ حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ [1]۔ رواہ الائمۃ احمد والستۃ بالفظ شتی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	دے کر پھیرنے والا مثل کُتّے کے ہے قے کرکے پھر کھالے (اس کو امامِ احمد اور اصحاب صحاح ستّہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

درمختار میں ہے:

(کرہ) الرجوع (تحریما) وقیل تنزیھا نھایۃ[2] اھ **اقول:** والاول الذی جزم بہ فی المتن واشار الشارح الٰی تضعیف خلافہ فانہ ھو الصحیح الذی لامعدل عنہ لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یحل للرجل ان یعطی عطیۃ فیرجع [3] فیھا ،رواہ الائمۃ احمد والاربعۃ عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم قال فی المنتقٰی صححہ الترمذی۔	(ہبہ میں) رجوع مکروہ تحریمی ہے، اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے نہایہ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اوّل جس پر متن میں جزم کیا اور شارح نے اس کے خلاف کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا وہی صحیح ہے اس اعراض کا کوئی سبب نہیں بسبب فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ کچھ عطیہ دے کر اس میں رجوع کرے۔ اسے امام احمد اور اصحابِ سُننِ اربعہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، منتقٰی میں فرمایا کہ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا۔(ت)

اس صورت میں شوہر نے اگر یہ جوڑا واپس کردیا تو رجوع صحیح ہوگئی اور اس کی ملک سے خارج ہوگیا **لتحقق الرجوع بالتراضی** (باہمی رضامندی سے رجوع متحقق ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگر موجودہ صورت اولٰی ہے

[1] صحیح مسلم کتاب الھبۃ باب التحریم فی الصدقۃ مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

[2] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل مروی از ابن عمر وابنِ عباس دارالفکر بیروت ۲/ ۲۷

یعنی قرابت وزوجیت وغیرہما کوئی مانع، تواس حال مین بھی اگراس نے برضائے خود جوڑا انہیں ہبہ کرنے کے ارادہ سے واپس کردیا ہبہ صحیح ہوگیا۔

فی الدرالمختار اتفق والواھب والموھوب لہ علی الرجوع فی موضع لایصح رجوعہ من لامواضع السبعۃ السابقۃ کالھبۃ لقرابتہ جاز ھذاالاتفاق منھما جوھرۃ وفی المجتبی لاتجوز الاقالۃ فی الھبۃ و الصدقۃ فی المحارم الابالقبض لانھا ھبۃ[1]۔	درمختار میں ہے کہ واہب اور موہوب لہ، ہبہ کے رجوع پر متفق ہوگئے، مذکورۃ الصدر ان سات مواضع میں سے کسی موضع پر جن میں رجوع صحیح نہیں جیسے ہبہ بوجہ قرابت توان دونوں کا یہ اتفاق جائز ہے(جوہرہ) اور مجتبٰی میں ہے کہ محارم کے ہبہ اور صدقہ میں بلاقبضہ اقالہ جائز نہیں کیونکہ (اقالہ) ہبہ ہے۔(ت)

اور اگراس گمان پر واپس دیا کہ جوڑا بھی مثل جہیز ہے بعد افتراق اس کی واپسی بھی مجھ پر لازم تو یہ واپس دینا معتبر نہ ہوگا، نہ وُہ جوڑاملک شوہر سے نکلے گا، اسے اختیار ہے اب واپس لے لے، اوران پر لازم کہ واپس دیں۔

لان الجوع حیث لایصح انما یصح ھبتہ مبتدأۃ کما تقدم واذلاھبۃ فلاصحۃ ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ قال فی العقود الدریۃ من کتاب الشرکۃ من دفع شیألیس بواجب علیہ فلہ استردادہ الا اذا دفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ القابض کما فی شرح النظم للوھبانی وغیرہ من المعبترات[2]اھ وفی الخیریۃ من الوقف قد صرحوا بان من ظن ان علیہ دینا فبان خلافہ یرجع بما ادی ولوکان قداستھلکہ رجع ببدلہ اھ[3]۔	کیونکہ جہاں رجوع صحیح ہو وہاں نئے سرے سے ہبہ صحیح ہوتا ہے جیسا کہ گزرا، جب ہبہ نہیں تو صحت نہیں، اور اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطاء واضح ہے۔ عقودالدریہ کی کتاب الشرکۃ میں فرمایا کہ جس نے کسی کوایسی شے دی جس کا دینا واجب نہ تھا تواس کو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس کے کہ جب بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے اس کو ہلاک کرڈالا ہو جیسا کہ وہبانی کی شرح النظم اور دیگر معتبر کتابوں میں ہے اھ اور خیریہ کے کتاب الوقف میں ہے تحقیق انہوں نے تصریح کی اس بات کی کہ کسی شخص نے گمان کیا کہ اس پر قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا توجو کچھ ادا کرچکا ہے واپس لے سکتا ہے، اور اگر لینے والے نے اس کو ہلاک کردیا ہے تواس کا بدل لے سکتا ہے اھ (ت)

[1] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] العقودا الدریۃ تنقیح فی فتاوٰی حامدیۃ کتاب الشرکۃ حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۔۳

دلہن کا گہنا جوڑا جو بری میں دیا جاتا ہے اگر نصًا یا عرفاً اس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہے جیسے شکر، میوہ، عطر، پھل وغیرہ، مطلقًا ہوتی ہے تو وہ بھی قبضہ منکوحہ ملک منکوحہ ہوگا ہمارے یہاں شرفا کا عرف ظاہر یہی ہے ولہذا بعد رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب وموجب مطعونی جانتے ہیں، اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا جب دُلہن آگئی چھین لیا، یعنی یہ ان کی رسمِ معہود کے خلاف ہے اس صورت میں تو اس کے لئے بھی بعینہٖ وہی احکام ہوں گے جو دُولہا کے جوڑے میں گزرے کہ بعد ہلاک دُلہن سے تاوان لینے کا اصلاً اختیار نہیں جیسے شکر میوہ کا تاوان بٹ جانے کے بعد نہیں مل سکتا اگرچہ ہنوز کھانے میں نہ آیا ہو،

فان الخروج عن ملك الموهوب له ایضا من الموانع کما فی الدر وسائر الاسفار الغر۔[1]	اس لئے کہ بیشک موہوب لہ، کی مِلک سے ہبہ کا نکل جانا بھی رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ در اور دیگر عظیم الشان روشن کتابوں میں ہے (ت)

یُونہیں اگر وُہ جوڑا گہنا بحالتِ قرابت محرمہ والدین شوہر یا بعد نکاح شوہر نے بنا کر بھیجا تو رجوع نا متصور، ورنہ بحالت بقائے موہوب وفقدان موانع برضائے زوجہ یا قضائے قاضی واپسی گناہ کے ساتھ ممکن، ہاں جہاں عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہنانے کے لئے بھیجا جاتا اور بنانے والوں ہی کی مِلک سمجھا جاتا ہو وہاں دُلہن کی ملک نہیں ایک عاریت ہے کہ بحالتِ بقا جس سے بروقت رجوع جائز وحلال اور بحال ہلاک اگر قبل افتراق زوجہ کے پاس بے اُس کے فعل کے تلف ہوگیا مثلاً، چور لے گیا، گرپڑا، دُلہن کے پہنے برتنے میں ٹوٹا بگڑا خراب ہوگیا بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو جہاں تک کے پہننے پر عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہو تو ان صورتوں میں دُلہن پر تاوان نہیں،

فان العواری لاتضمن بالهلاك من غیر تعد[2] کما فی التنویر وغیرہ وفی الهندیة عن الفصول العمادیة اذا انتقض عین المستعار فی حالة الاستعمال لایجب الضمان بسبب النقصان اذا استعمله	اس لئے کہ بے شک مستعار اشیاء پر بلا تعدی ہلاک کی صورت میں ضمان نہیں جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ ہندیہ میں فصول عمادیہ سے ہے کہ جب مستعار شئی میں استعمال کی حالت میں کوئی نقص پیدا ہوجائے تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہیں

[1] درمختار باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[2] درمختار کتاب العاریة مطبع مجتبائی دہلی ۱۵۶/

استعمالًامعهودا[1]	استعمال عادت وعرف کے مطابق ہو۔(ت)

اور اگر خلاف عرف وعادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا مثلاً بھاری جوڑے یا موتیوں کے نازک جڑاؤ گہنے راتوں کو پہنے سویا کی، یا صرف آنے جانے میں پہننے کا عرف تھا یہ گھر میں پہنتی ہے تو نقصان کا تاوان دے گی، یُونہی اگر بے احتیاطی بے پروائی سے گمادیا یا بعد طلاق اپنے گھرلے آئی اور یہاں کسے طرح تلف ہوگیا تو قیمت دینی آئے گی،

لان العارية كانت موقتة دلالة الى بقاء الزوجية فانتهت كانتهائها فامساكها بعد ذلك تعد منها وان لم تستعمل.فی جامع الفصولين لو كانت العارية موقتة فامسكها بعد الوقت مع امكان الرد ضمن وان لم يستعملها بعد الوقت هو المختار سواء توقتت نصا او دلالةً الخ[2] **اقول**: هذاهو المنصوص عليه فی الاصل كما فی الهندية فيترجح على مافيها ان من مشائخنا من قال بان هذا انتفع بها بعد الوقت فان لم ينتفع بها لم يضمن وهو المختار[3] الخ فان الفتوى متى اختلف وجب المصير الى ظاهر الرواية بل هٰهنا اولی كما لایخفی۔	اس لئے کہ یہ عاریت، دلالت کے اعتبار سے بقاءِ زوجیت تک مؤقت تھی لہٰذا زوجیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی ختم ہوگئی چنانچہ اب اس کے بعد عورت کا اس کو روکے رکھنا عورت کی طرف سے تعدی ہے اگرچہ اسے استعمال نہ کرے جامع الفصولین میں ہے کہ اگر عاریت موقت ہو اور وقت گزرجانے کے بعد امکان رد کے باوجود اُسے روکے رکھے تو ضامن ہوگا اگرچہ وقت مختار ہے.برابر ہے کہ توقیت باعتبار نص کے ہو یا باعتبار دلالت کے الخ __ **اقول**:(میں کہتا ہوں) یہ وہی ہے جس پر اصل میں نص کی گئی جیسا کہ ہندیہ میں ہے پس اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو اس میں ہے کہ بیشک ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ تحقیق یہ حکم تب ہے جب وقت گزرنے کے بعد اس سے نفع اٹھائے، اور نفع نہیں اٹھایا تو ضامن نہ ہوگا یہی مختار ہے الخ اس لئے کہ جب فتوی میں اختلاف واقع ہوجائے تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہوتا ہے بلکہ یہاں پر اولی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

اور وُہ **زیور** وغیرہ کہ والدین زوج اپنی بہو کے پہننے برتنے دیتے ہیں جس میں نصاً یا عرفاً کسی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳۶۸/۴

[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۵۶/۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس فی تصنیع العاریۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴ / ۳۶۸

طرح مالک کر دینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور ملک والدین پر ہے بہو کا اُس میں کچھ حق نہیں **کما تقدم فی استمتاع المرأۃ بمشری الزوج** (جیسا کہ عورت کے لئے شوہر کے خریدے ہُوئے مال سے نفع حاصل کرنے کی صورت میں گزر چکا ہے۔ ت) اس کے احکام وہی احکام عاریت ہیں کہ مفصلاً مذکور ہوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۸: ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسمّٰی زید نے اپنے پسر ابو محمد کی شادی ساتھ حبیبہ بنت خالد کے بصرف زر اپنے کے کی خالد نے بطریق جہیز اسباب وزیور وغیرہ دے کر زوجہ ابو محمد کو بدستور معروف رخصت کیا بعد چند روز کے زید نے اپنی خوشی سے ابو محمد اور اس کی زوجہ کا کھانا پینا علیحدہ کیا اُس وقت اُس کی زوجہ نے اپنا مال واسباب جو اس کے والدین نے اُسے دیا تھا زید یعنی خسر سے طلب کیا زید نے کہا وہ مال ہمارا ہے ہم نے بالعوض اُس روپے کے جو شادی ابو محمد میں صَرف ہوا رکھ لیا ہے اب فرمائیے کہ عندالشرع اس مال واسباب کی مالک زوجہ ابو محمد ہے یا زید والد ابو محمد ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وُہ زیور واسباب کہ زوجہ ابو محمد اپنے جہیز میں لائی خاص اُس کی مِلک ہے ابو محمد یا اُس کے باپ کا اس میں کچھ حق نہیں اور وُہ روپیہ کہ زید نے ابو محمد کی شادی میں صَرف کیا بحکم عرف شائع وعام تبرع واحسان قرار پائے گا کہ زید اس کا مطالبہ کسی سے نہیں کر سکتا اور اگر قرض بھی ٹھہرے مثلاً ابو محمد بالغ نے خود استدعا کی کہ میری شادی کے مصارف آپ میری طرف سے ادا کر دیجئے میں واپس دُوں گا، یا زید ہی نے اس سے کہا کہ یہ صرف تیری طرف سے بطور قرض کروں گا، اُس نے قبول کرلیا، یا ابو محمد نابالغ تھا زید نے قبل صَرف لوگوں کو گواہ کرلیا کہ یہ خرچ میں طرف ابو محمد بطور قرض اٹھاتا ہوں میں اس سے واپس لُوں گا، اور اس صورت میں صرف وہی کیا جو رسم وعادت وحیثیت کے موافق تھا، ان سب صورتوں میں جو اُٹھایا وہ قرض ہے مگر اُس کا تقاضا ابو محمد سے کرے، زیور واسباب کو مِلک زوجہ ہے کہ اُس روپے کے عوض کیونکر لے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

فصل اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۷۹: ۲۷ ربیع اول ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دو ۲ لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہُوا، نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں (جب وُہ بالغ ہُوئیں توبکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کردیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس سے نہ ہوا) صرف دو ۲ بہنوں کا خرچ پرورش وشادی اس نے مال متروکہ ومشترکہ سے کیا اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں تین ۳ چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارفِ بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ ہوتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانے کے جوڑے، دُولہا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیا وغیر ذٰلک۔

(۳) دُلہن کا جہیز۔

بتوفیق اللہ تعالٰی ہر ایک کا حکم علیحدہ سُنئے:

خرچ پرورش بے شک بحکم دیانت بحالت عدم وصی، وارثانِ کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا اور اُن کے کھانے پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں اُن کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر اُن پر اٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وُہ بچّے اُن کے پاس ہوں اگرچہ یہ اُن روصابت وولایت مالیہ نہ رکھیں۔ تنویرالابصار ودرمختار وردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جاز شراء مالابد للصغیر منه (کالنفقة والکسوة واستئجار الظئر منح) وبیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم وام وملتقط ھو فی جرھم ای فی کنفھم والالا۔[1]	چھوٹے بچّے کا مال سے اس کی ضرورت کی اشیاء خریدنا (جیسے کھانا، لباس اور اجرت پر دایہ حاصل کرنا، منح) اور ضرورت کے تحت اس کے مال سے کچھ بیچنا بھائی، چچا، ماں اور گم شدہ بچّے کو پانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وُہ ان کی زیرِ حفاظت وپرورش ہو ورنہ نہیں۔(ت)

علامہ شامی قولِ درمختار لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا اذنه ولاولایته الافی مسائل (غیر کے مال میں بے اذن ولایت تصرف ناجائز سوائے چند مسائل کے۔ت) کی شرح میں بہ ضمن مسائل استثنا ارشاد فرماتے ہیں:

کذا لو انفق بعض اھل المحلة علی مسجد لامتولی له من غلته لحصیر ونحوہ اوانفق الورثة الکبار علی الصغار ولاوصی لھم فلاضمان فی الکل دیانة[2] اھ ملخصا **اقول**: ولایخالفه بل ربما یؤیدہ مافی شھادة الاوصیاء من الطحطاوی من الفصول حیث قال ورثه صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار	جیسے بعض اہل محلّہ کسی ایسی مسجد پر مسجد کے مال سے خرچ کرے جس کا کوئی متولی نہیں مثلًا چٹائی وغیرہ کا انتظام کرے یُوں ہی بڑے وارث ایسے چھوٹے وارثوں پر جس کا کوئی وصی نہیں ان کا مال خرچ کریں تو اس تمام میں دیانتًا ضمان نہیں (تلخیص) میں کہتا ہوں یہ اس کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید ہُوں یہ اس کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید کرتا ہیں وہ جو طحطاوی میں بحوالہ فصول شہادۃ الاوصیاء کے بارے میں ہے جہاں فرمایا کہ

[1] درمختار کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۶، ردالمحتار کتاب الخطر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۵۰ ۵/۱۲۷

فهلك بعض المال وانفق الكبار البعض علٰى انفسهم وعلى الصغار فما هلك فهو على كلهم، وما انفقه الكبار ضمنوا حصّة الصغار ان كانوا انفقوا بغير امر القاضى اوالوصى وما انفقوه بامر احد هما حسب لهم الى نفقه مثلهم[1] اھ فان هذاعند وجود الوصى ومامر فعند عدمه لاسيمافى بلادنا فافهم۔	اگر وارث بڑے اور چھوٹے ہیں اور ترکہ میں دین وعتار ہے پھر بعض مال ہلاک ہوگیااور بڑے وارثون نے کچھ مال اپنے آپ اور چھوٹے وارثوں پر خرچ کردیا تو جو مال ہلاک ہوا وہ سب پر ہے اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا اگر قاضی اور وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو ضامن ہوں گے، اور اگران دونوں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو نفقہ مثلی کی مقدار مجرا پائیں گے اھ اس لئے بے شک یہ حکم وصی کے موجود ہونے کی صورت میں ہے اور جو حکم ماقبہ گزرا وہ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خاص طور پر ہمارے علاقے میں۔ پس سمجھ۔ (ت)

پاس جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقہ مثل کا دعوی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا،

فانه كان ماذونا له فى ذٰلك من جهة الشرع فلايكون ضمينا بل امينا مقبول القول مالم يدع مايكذب به الظاهر، الا ترى الى ماقدمنا عن الفصول حيث حكم بالاحتساب الى نفقة المثل عند وجود الاذن ممن له الاذن كالوصى والقاضى والشرع المطهر احق من له الاذن وقد وجد منه الاذن فى مسئلتنا وان لم يوجد من وصى او قاض لفقد انهما هٰهنا راسًا و انت تعلم عن المفتى انما يفتى بالديانة	کیونکہ اس کو شرع کی طرف سے ایسا کرنے کااذن حاصل تھا لہٰذا وُہ ضامن نہیں بلکہ ایسا امین ہوگا کہ جب تک وُہ خلافِ ظاہر دعوی نہ کرے اس کے قول کو تسلیم کیا جائے گا، کیا تو نے نہیں دیکھا جس کا ذکر ہم فصول کے حوالے سے پہلے کرچکے ہیں کہ نفقہ مثل تک مجرا پانے کا حکم کیا گیا جبکہ وصی یا قاضی وغیرہ جنھیں اختیار اذن ہے میں سے کسی کااذن پایا جائے اور شرع مطہر زیادہ حقدار ہے کہ اس کو اختیارِ اذن ہو، اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے اذن نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں دوسرے سے

[1] حاشية الطحطاوى على الدر المختار فصل فى شهادة الاوصياء دار المعرفة بيروت ۳۴۵/۴

بل قد اثبتنا عرش التحقیق بتوفیق المولٰی سبحانہ وتعالٰی فی کتاب الوصایا من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ان الابن الکبیر فی امصارنا ھذہ فی اعصارنا ھذہ یقوم مقام وصی ابیہ علی الاولاد الصغار من دون حاجۃ الی تصریح بالوصایا لوجود الاذن والتفویض دلالۃ بحکم العرف الفاشی المطر دمع تحقق الضرورۃ الملجئۃ الی اعتبار تلك الدلالۃ واللہ یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اھل زمانہ ولم یراع فی الفتیا حال مکانہ فھو جاھل مبطل فی قولہ وبیانہ وقد بینا المسئلۃ بحول القدیر جل مجدہ بما یتعین المراجعۃ الیہ وحینئذ فالامر اظھر۔	موجود ہی نہیں ہیں۔اور تُو جانتا ہے کہ مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحانہ، وتعالٰی کی توفیق سے العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب الوصایا میں بلند ترین تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں موجودہ زمانے میں تصریح وصیت کے بغیر بھی بڑا بیٹا باپ کے وصی کے قائم مقام ہوتا ہے کیونکہ ہمارے عام و رائج عرف وعادت کے طابق بطور دلالت اذن تفویض موجود ہے باوجودیکہ ایسی ضرورت بھی متحقق ہے جسے اس دلالت کا اعتبار کرنے پر مجبور کرنے والی ہے۔اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے جو شخص اپنے اہلِ زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اپنے علاقے کے احوال کا لحاظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے اور ہم نے اللہ قدیر جل مجدہ، کی طاقت سے مسئلہ کو اس اسلوب سے بیان کردیا جس کی طرف رجوع کرنا متعین ہے، اس صورت میں معاملہ زیادہ ظاہر ہوا۔(ت)

اور نفقہ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدّت ایسے بچّوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی واسراف کس قدر ہوتا ہے اتنا مجرا پائے گا۔عالمگیری میں ہے:

نفقۃ المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط[1]۔	نفقہ مثل وہ ہے جو فضول خرچی اور تنگی کے درمیان ہو، ایساہی محیط میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماینفق علی مثلھم فی تلك المدۃ[2]۔	جواُن کا مثل بچّوں پراتنی مدت میں خرچ کیا جاتا ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] ردالمحتار فصل فی شھادت الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۰

مصارف شادی: عبارتِ سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعد استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیاکہ مصارف عروسی وجہیز سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا،اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہُوئیں نہ ان سے دربارہ صرف کوئی استفسار ہوا نہ اُن کا کوئی اذن نہ قاصرات سے کہاگیاکہ ہم یہ صرف تمہارے حصّہ سے کرتے یا جہیز تمہارے حصّے میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارف شادی کنّواریوں سےپُوچھ کر نہیں ہوتے نہ اُن سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیانِ مذکور صحیح ہے توجو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہُوئے وہ دُلہن کے حصّہ سے مجرا نہیں ہوسکتے:

لانا وان قلنا بوصایه بکر دلالة کمااشرنا الیه فقد انقطعت الولایة بالبلوغ۔	کیونکہ بیشک ہم نے اگرچہ بکر کے لئے باعتبار دلالت وصی ہونے کا قول کیا ہے جیساکہ ہم اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں مگر وہ ولایت بالغ ہونے کے ساتھ منقطع ہوگئی۔(ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انهم (یعنی ورثه الکبار) اذاکانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکة اصلا الا اذا الخ[1]	بے شک وُہ (یعنی بڑے ورثاء) جب حاضر ہوں تو وصی کے ترکہ تصرف کا کوئی حق نہیں مگر جب الخ (ت)

توان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جو کسی سے مُجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصہ پر پڑے گا خواہ ضمانًا خواہ قصاصًا دوسرے ورثہ جنہوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا بری رہیں گے اگرچہ اُنہوں نے صرف ہوتے دیکھا اور خاموش رہے ہوں اذا لاینسب الیٰ ساکت قول (خاموش رہنے والے کی طرف قول کی نسبت نہیں کی جاتی۔ت) اشباہ میں ہے:

لو رأی غیره یطلف ماله فسکت لایکون اذنا باتلافه[2]۔	اگر کوئی کسی کو اپنا مال تلف کرتا دیکھ کر خاموش رہے تو خاموشی اتلاف کی اجازت نہ ہوگی۔(ت)

خصوصًا اگراُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کااذن بھی معتبر نہیں،

فانه لیس من اهل التبرع ولا لاحد ان یتبرع من ماله۔	کیونکہ وُہ اہلِ تبرع میں سے نہیں اور نہ ہی کسی اور کو یہ حق ہے کہ اس کے مال میں تبرع کرے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دارا حیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۴

[2] اشباہ النظائر القاعدة الثانیة عشر لاینسب الی ساکت قول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۱/۱۸۵

بزازیہ وبحر الرائق وردالمحتار وتنویر الابصار وسراج وہاج وغیرہامیں ہے:

الهبة والقرض وماكان اتلافا للمال او تمليكا من غير عوض فانه لايجوز مالم يصرح به نصا[1] اھ اقول: هذا افادوه فی شريكی العنان والمفاوضة مع ان كلامنهما وكيل عن صاحبه ماذون التصرف فی المال من جانبه، فكيف بالشريك شركة العين فانه اجنبی صرف عن حصة اخيه ليس له التصرف فيه كمانصوا عليه۔	ہبہ وقرض اور جو مال کا اتلاف یا بے عوض تملیک ہو وُہ جائز نہیں جب تک شریک بنص صریح اس کی اجازت نہ دے دے اھ اقول (میں کہتا ہوں) یہ وُہ ہے جس کاانہوں نے شرکت عنان ومفاوضہ کے شریکوں کے بارے میں افادہ فرمایا باوجودیکہ شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور ایک دوسرے کی طرف سے تصرف کے مجاز ہوتے ہیں تو یہ حکم شرکت عین کے شریک کیلئے کیسے ہوسکتا ہے کہ اس میں توشریک دوسرے کے حصہ سے محض اجنبی ہوتا اسے دوسرے کے حصہ میں تصرف حلال نہیں جیساکہ اُنہوں نے اس پر نص کی ہے۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

التجهيز لايدخل فيه الجمع والموائد فالفاعل لذلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه و يكون متبرعا وكذا ان كان اجنبيا اھ[2] ملخصا۔	جمع وموائد تجہیز میں داخل نہیں تو جو تجہیز کے علاوہ ان میں خرچ کرے اگر وُہ ورثاء میں سے ہے تو اُسی کے حصّہ سے شمار کیا جائے گااور وہ متبرع ٹھہرے گایُونہی اجنبی اھ ملخصًا(ت)

دُلہن کا جہیز وہ اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو یہ دینا کچھ اثر پیدانہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصّہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کُل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جُدا جُدا جوڑ کر دُلہن کا حصّہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصّہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اُس کے لئے جُدا کرلیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فصلا عن الاقتصار على المثليات والتحرز عن الا اسباد بالاستبدال فی القيميات۔	چہ جائیکہ مثلی چیزوں پر اکتفاء کیا گیا ہو اور قیمت والی چیزوں میں مستقل تبادلہ کرنے سے احتراز کیا گیا ہو۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الشرکت داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۵

[2] حاشیہ طحطاویہ کتاب الفرائض دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷

انہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضی ممکن یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعاً (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس پر نص فرمائی گئی۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصہ میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہوسکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر لما مر (جیسا کہ گزرا۔ت) صُلح وتخارج یُوں نہیں کہ کُل ترکہ یا اُس کی کسی قسم سے حصہ دلہن کا ساکت نہ کیا گیا نہ دلہن کے خیال میں ہوگا اب فلاں قسم طرقہ میں میرا کوئی دعوٰی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے، نہ ایسا امر بے صریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے،

فان العقد ربط ولا بدفی الربط من شیئین۔	کیونکہ عقد ربط ہوتا ہے اور ربط میں دو۲ چیزوں کا ہونا لازم ہے۔(ت)

معہذا عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح تخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

وما من شیئی خلاعن مقصودہ الابطل وجہالۃ المصالح عنہ انما لاتمنع جواز الصلح اذالم تفض الی المنازعۃ والامنعت۔	اور نہیں ہے کوئی شیئ اپنے مقصود سے خالی مگر وہ باطل ہے، اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہے اس کا مجہول ہونا اگر موجبِ نزاع نہ ہو تو جواز صلح سے مانع نہیں ورنہ مانع ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع ویقطع الخصومۃ[1]۔	صلح شرعًا ایسا عقد ہے جو نزاع کو رفع اور خصومت کو قطع کرتا ہے۔(ت)

نہایہ میں ہے:

جہالۃ تفضی الی المنازعۃ تمنع جواز الصلح اھ ملخصین[2]۔	جو جہالت منازعت تک پہنچائے وُہ جواز صلح سے مانع ہوتی ہے اھ ملخصین (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب وقبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا ہے میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے

---

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۱۴۱/۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہایۃ کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲۳۱/۴

جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصّہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصّہ عروس میں آئیں گی یہاں کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اُس وقت قلبِ عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقدِ شرعی قرار دے سکتے ہیں،

ومعلوم انه لیس من عقد یتم بالنیة بل لابد من شیئ یظهر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضا النفسی۔	اور یہ معلوم ہے کہ ایسا کوئی عقد نہیں جو محض نیت سے تام ہوتا ہو بلکہ کسی ایسی شیئ کا ہونا ضروری ہے جو ارادہ قلبی کو ظاہر کرے رضاءِ قلبی پر دلالت کرے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

رکنه الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول او فعل[1] اھ(ملخصًا) نعم المظهر قد یکون نصًا وهو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلاله کالمساومة واخذالثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لاحاجة الی البیان للعرف العام کالخبز مثلاً حیث یکون له قیمة معلومة لاتختلف ففتح البائع الدکان وجلوسه للبیع واعداده الخبز لذٰلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء اما ھٰهنا فان فرضت دلالة من بکر فلادلالة اصلامن قبل العروس ولئن سلمت ایضا فالتعاطی ھهنا من احد الجانبین وهو وان جاز عند البعض وبه یفتٰی وهو اربح التصحیحین فلابد فیه عند مجیزہ من بیان البدل	اس کا رکن وُہ فعل ہے جو قولی یا فعلی طور پر تبادل ملکین کے ساتھ رضامندی پر دلالت کرے، ہاں کبھی تو اس امر کا ظاہر کرنے والی شیئ بطور نص ہوتی ہے اور وُہ لفظ ہے جو ایجاب وقبول کے لئے مقرر کیا گیا اور کبھی وُہ بطور دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤ چکانا اور بیع تعاطی میں بیان ثمن کے بعد مبیع کو لے لینا اور جہاں عرف عام کی وجہ سے حاجتِ بیان نہیں ہوتی جیسے مثال کے طور پر روٹی جہاں اس کی قیمت متعین ہو اور مختلف نہ ہوتی ہو وہاں بائع کا دکان کھول کر بیٹھنا اور فروخت کے لئے روٹی تیار کرنا بیع پر دلالت کرتا ہے اور مشتری کا اس کو لے لینا خریداری پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دُلہن کی طرف سے بالکل دلالت نہیں پائی گئی اور اگر بالفرض اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہاں تعاطی صرف ایک جانب سے ہوگی ایک طرف سے تعاطی

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۵۵/۵

والبدل ھھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔	اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی مفتی بہ اور ارجح التصحیحین ہے، مگراس کو جائز ماننے والوں کے نزدیک بیان بدل، ضروری ہے اور یہاں پر جیسا کہ تُو جانتا ہے بدل مجہول ہے لہٰذا بالاجماع یہ بیع منعقد نہ ہوگی۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحوانی کذافی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ ھو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احد ھما کاف لنص محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النھر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع وھکذا حکی فتوی الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذافی المحیط[1]۔	بیع تعاطی میں دونوں جانبوں سے اعطاء امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک شرط ہے یونہی کفایہ میں ہے، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، البحرالرائق میں بھی ایسے ہی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ایک کا قبضہ کافی ہے کیونکہ امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ ایک پر قبضہ ثمن ومبیع دونوں کا شامل ہے جیسا کہ النہرالفائق میں ہے اور یہ قائل تسلیم مبیع کے ساتھ اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے بیان ثمن کی شرط لگاتا ہے، اور اسی طرح شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوٰی نقل کیا گیا جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

پس واضح ہو کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلاً کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وُہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی مِلک پر رہے گا۔ اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہا کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وُہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترکہ تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کردیں وہ سب مطلّقاً مِلک بکر تھیں اور اب بھی خاص اسی کی مِلک پر ہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں لماعلم ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ (کیونکہ یہ معلوم ہوچکا کہ بیشک شراء جب نفاذ پائے تو مشتری

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۹

پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) غایت یہ کہ مال مشترک سے خرید نے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار رہے گا **کما نقلنا فی مواضع منافتاوٰنا عن ردالمحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دُلہن کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا **لحصوله بتسليط المالك** (کیونکہ اس قبضہ کا حصول مالک کی طرف سے قدرت دینے سے ہوا۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اُس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل وتعدی سے تلف ہُوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمّہ واجب ہوگی **لان الامين ضمين اذا تعدی** (اس لئے کہ امین جب امانت میں تعدی کرے تو ضامن ہوگا۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقًا تاوان آئے گا،

وذلك لان بكرا قد تعدی علی حصص الشركاء بتجهيز الاخت من مال مشترك وتسليمه اليها جهاز التلبس وتستعمل وبالتصرف تستقبل وكل يد مترتبة علی يد ضمان يد ضمان۔	اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی کیونکہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر بہن کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کے پہنے اور استعمال کرے اور اس میں مستقل تصرف کرے قبضہ جو قبضہ ضمان پر مترتب ہو وہ قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے۔(ت)

پس باقی وارث جنہوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں **لانه الغاصب** (کیونکہ وُہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے **لانها كغاصبة الغاصب** (کیونکہ وہ گویا غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اليد المترتبة علی يد الضمان يد ضمان فلرب البهيمة ان يضمن من شاء[1] الخ۔	قبضہ ضمان پر مترتب ہونے والا قبضہ بھی قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے لہٰذا چار پائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے ضمان لے الخ (ت)

اور وہ بکر یا دُلہن جس سے ضمان لیں اُسے دُوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا:

اما بكر فلانه الغاصب وانما قبض العروس بتسليطه واما العروس فلانها قبضت	لیکن بکر تو اس لئے کہ وُہ غاصب ہے بے شک دلہن نے اس کے قدرت دینے سے قبضہ کیا اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الغصب دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۹

لنفسہا لاالبکر۔	رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ بے شک اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے نہ بکر کے لئے۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

وھب الغاصب المغصوب او تصدق اواعار وھلك فی ایدیھم وضمنوا للمالك لایرجعون بماضمنوا للمالك علی الغاصب لانھم کانوا عاملین فی القبض لانفسھم بخلاف المرتھن والمستاجر والمودع فانھم یرجعون بماضمنوا علی الغاصب لانھم عملوا له[1] الخ۔	غاصب نے شئ مغصوبہ کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے دی اور وہاں ہلاک ہوگئ تو جنہیں وہ شئ بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دی گئ یہ لوگ اصل مالک کیلئے ضامن ہوں گے اور جتنا ضمان انہوں نے مالک کو دیا وُہ غاصب سے نہیں لے سکیں گے کیونکہ انہوں نے قبضہ کرنے میں اپنے لئے عمل کیانہ کہ غاصب کے لئے بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ یہ لوگ جتنے کے ضامن ہوئے غاصب سے اس کا رجوع کرسکیں گے کیونکہ اُنہوں نے غاصب کے لئے عمل کیاالخ۔(ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں، یہ سب احکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بے شک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانه الدافع فھوادری بجھة الدفع کما فی الاشباہ وجامع الفصولین والفتاوی الخیریة وغیرھا وقد نصوا علیه فی مسائل کثیرہ **اقول**: ولیس فی تجھیز الاخوة الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی ماباید ی الاخوة من الترکة عرف فاش یقضی بالھبة بخلاف الاباء والامھات فی بلادنا کیف یکون الظاھر	کیونکہ بیشک وُہ دینے والا ہے لہذا وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ دینے کی جہت کی ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے اور تحقیق انہوں نے متعدد مسائل میں اس پر نص فرمائی ہے **میں کہتا ہوں** کہ مال دار بہنیں جو بھائیوں کے جہیز دینے میں یہ عرف عام نہیں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے ہبہ ہے بخلاف ماں باپ کے کہ وُہ جو کچھ بطور جہیز دیں وہ ہمارے علاقے کے عرف میں ہبہ ہے اور بقاء واجب کے

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۶

قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاھر انھم یریدون الاحتساب علیھن من انصابھن۔	ہوتے ہوئے قصدِ تبرع کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر تو یہاں یہ ہے کہ وُہ بہنوں کے حصّوں سے مجرا کاارادہ کرتے ہیں(ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیتِ ہبہ کی مگر دُلھن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلًا اپنے حصّہ کا معاوضہ یا حصّے میں مجرائی سمجھ کرلیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دُلہن کی طرف سے قبولِ ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذا لم تحسبه ھبة کیف یتصور انھا قبلت الھبة۔	اس لئے کہ قبول علم کی فرع ہے توجب اس نے اسے ہبہ جانا ہی نہیں تو یہ کیسے متصور ہے کہ اس نے ہبہ قبول کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وکذا بقوله اذنت للناس جمیعا فی ثمر نخلی من اخذ شیئا فھو له فبلغ الناس من اخذ شیئا یملکه کذا فی المنتقی وظاھرہ ان من اخذ ولم یبلغه مقالة الواھب لایکون له کما لایخفی [1] اھ **اقول**: ومثله مافی الھندیة عن الخلاصة رجل سیب دابته فاصلحھا انسان ثم جاء صاحبھا واقروقال قلت حین خلیت سبیلھا من اخذھا فھی له اوانکر فاقیمت علیه البینة او استحلف فنکل فھی للاٰخذ سواء کان حاضر اسمع ھذہ المقاله اوغالب	اور اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی تمام لوگوں کواجازت دی کہ جو جتنا لے لے وہ اُسی کا ہے، لوگوں کواس کی خبر پہنچی تواس میں سے جو جتنا لے گا وہ اس کامالک ہوجائے گا جیسا کہ منتقٰی میں ہے۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس کے واہب کے اس کہنے کی خبر نہ پہنچی اس نے جو کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں، **میں کہتا ہوں** اسی کی مثل ہے وہ جو ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اپنا چوپایہ آزاد چھوڑدیا پھر کسی نے اس کو پکڑ کراس کی اصلاح کرلی یعنی اس کو کام کے لائق بنالیا اب مالک آیا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ جو بھی اس کو پکڑلے گا یہ اسی کا ہوگا' یا اس نے

[1] البحرالرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۸۴

فبلغه الخبر[1] ووجهه ظاہر فانه اذاعلم بمقالة الواهب فيكون الاخذ على جهة الاتهاب ويقوم القبض مقام القبول بخلاف ما اذا لم يعلم فانه يتحقق القبول قطعا وهو مدار ثبوت الملك للموهوب له قطعا سواء جعل ركنا كما نص عليه فى التحفة ولو الجية والكافى والكفاية والتبيين والبحر ومجمع الانهر والدرالمختار وابى السعود وغيرہا من كتب الكبار وهو ظاہر الهداية وملتقى الابحر وغيرها من الاسفار الغر اوشرطا كما نص عليه فى المبسوط والمحيط والهندية وغيرها وافادفى البدائع انه الاستحسان وان الاوّل قول زفروعلى كل فاتفق القولان على انه لاتملك فيها بدون القبول وهو الذى نص عليه فى الخانية وغيرها وقد حققنا المسئلة بتوفيق اللّٰه تعالٰى على هامش ردالمحتار بما لامزيد عليه۔	انکار کیا اور گواہ قائم ہوگئے کہ اس نے ایسا کہا تھا یا اس سے حلف کا مطالبہ کیا گیا تو وہ حلف سے انکار کر گیا، ان تمام صورتوں میں ہوچوپایہ اُس پکڑنے والے شخص کا ہوگا چاہے تو خود حاضر ہو کر اُس نے اپنے کانوں سے اس کی یہ بات سُنی ہو یا وُہ غائب تھا اور اس تک یہ خبر پہنچی ہو اھ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ جب اس کو واہب کے اس قول کا علم ہوگیا تو قبضہ قبول کے قائم مقام ہوگا بخلاف اس کے جب اس کو واہب کے قول کا علم نہ ہو تو قطعًا قبول متحقق نہ ہوگا اور وُہ قبول ہی موہوب لہ، کے لئے ثبوتِ ملک کا مدار ہے چاہے اس قبول کو رکن قرار دیا جائے، جیسا کہ اس پر تحفہ، والوالجیہ، کافی، کافیہ، تبیین، بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ کتب کبیرہ میں نص کی گئی اور ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ جلیل القدر کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہے، یا اس قبول کو شرط قرار دیا جائے جیسا کہ اس پر مبسوط، محیط اور ہندیہ وغیرہ میں نص کی گئی اور بدائع میں افادہ فرمایا کہ بے شک یہ استحسان ہے اور یہ بے شک اول قول زفر ہے اور بہر صورت دونوں اس پر متفق ہیں کہ بغیر قبول کے ہبہ میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور خانیہ وغیرہ میں اسی پر نص فرمائی گئی اور البتہ ہم نے اس مسئلہ کی حاشیہ ردالمحتار میں ایسی تحقیق کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ (ت)

تو اس حالت میں بھی وُہ اشیاء بدستور ملک اصل مالک پر رہیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء اور احکام سابقہ عود کریں گے، **ہاں** اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولًا یا فعلًا یا درایۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الهبة الباب الثالث فیما یتعلق بالتحلیل نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۲/۴

دلہن نے اسے ہبہ ہی سمجھ کر فیصلہ کیا تو البتہ ایجاب وقبول دونوں متحقق ہوگئے،

فان القبض لوجه الاتهاب قبول وان ناقصا کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالة علی الرضا کما لایخفی۔	اس لئے کہ ہبہ سمجھ کر قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہو جیسے متحمل قسمت مشاع کا ہبہ کیونکہ رضا پر دلالت کرنے میں تمام برابر ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

ولوالجیہ میں ہے:

القبض فی باب الهبة جار مجری الرکن فصار کالقبول [1]۔	ہبہ کے باب میں قبضہ رکن کے قائمقام ہے لہذا وُہ قبول کی طرح ہوگیا۔(ت)

پس اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دلہن اُن کی مالک مستقل ہوگئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہُوا یہاں تک کہ خود اُس دلہن کے حصّے کا بھی جس نے جہیز پایا،

فان البدل وان الیها اوصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له وتم الضمان ثم العطاء للعروس هبة علیحدة من مال نفسه فلایرتفع به ضمان قسط العروس۔	اس لئے کہ بدل اگرچہ دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء بکر پر نافذ ہُوئی لہذا اس کے لئے ملک ثابت ہوئی اور ضمان تام ہُوا پھر بکر کا دُلہن کو عطا کرنا یہ بکر کے اپنے مال سے علیحدہ ہبہ ہُوا تو اس سے دُلہن کے حصّے کا ضمان ساقط نہیں ہوگا۔(ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہُوا اذا منهم ولاولایة علیهم (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اذن ہے اور نہ ہی اس کی ان پر ولایت ہے۔ت) تو اُن کے حصّے تو ہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ اُنہیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر، جس پر ڈالیں دوسرے حصّہ جہیز جس مال قابل تقسیم تھا یعنی اس کے حصّے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم ہے ملتا تھا جب تو بکر کے حصّے میں بھی بہ ہوا لانها هبة فیما یقسم (کیونکہ یہ متحمل قسمت مشاع کا ہبہ ہے۔ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دُلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصّہ بکر کا تاوان خاص پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

[1] والوالجیہ

لاتصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولایفید الملك فی ظاہر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لایملکه فیکون مضمونا علیه اھ[1] ملخصا وتمامه فیهما وفی ردالمحتار۔	محتمل قسمت مشاع کا ہبہ ظاہر الروایۃ کے مطابق صحیح نہیں، اور نہ ہی مفید ملک ہے۔ امام زیلعی نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مشترک غیر منقسم شیئ بطور ہبہ دے دے تو موہوب لہ، اس کا مالک نہیں ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا، اس کی پُوری تفصیل مذکورہ بالا دونوں کتابوں اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر مال ناقابلِ تقسیم ہو مگر دُلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصّہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

یشترط فی صحة هبته المشاع الذی لایحتملها ان یکون قدرا معلوما حتی لو وهب نصیبه من عبد ولم یعلمه به لم یجز[2]۔	غیر متحمل قسمت مشاع کے ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر غلام سے اپنا حصہ کسی کو ہبہ کیا اور مقدار نہ بتائی تو جائز نہ ہُوا۔ (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذاعلم الموهوب له نصیب الواهب ینبغی ان تجوز عند ابی حنیفة رحمه اللّٰه تعالٰی[3] نقلها فی الفتاوی الهندیة۔	اگر موہوب لہ، کو واہب کا حصہ معلوم ہے تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ جائز ہونا چاہئے۔ ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل فرمایا۔ (ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذاهلکت افتیت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذالفاسدة مضمونة علی مامر[4]۔	اگر شیئ موہوب ہلاک ہوجائے تو میں اس واہب کیلئے رجوع کا فتوٰی دُوں گا جس نے اپنے ذی رحم محرم کو بطور ہبہ فاسدہ کچھ دیا کیونکہ ہبہ فاسدہ پر ضمان لازم آتا ہے جیساکہ گزر گیا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

[2] بحرالرائق کتاب الهبة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی الباب الثانی فیما یجوز من الهبة نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[4] جامع الفصولین الفصل الثلثون فی التصرفات الفاسدة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷

اور اگر دُلہن کو معلوم تھاتو اس قدر میں ہبہ صحیح ونافذوتام ولازم ہوگیا اور ان اشیاء میں دُلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہوگئی باقی ورثہ کے حصّے بدستور ودستِ عروس میں حکمِ ضمان پر ہیں جن کا حکم بارہا گزرا اور اوّل سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دُلہن کے ہاتھ میں تلف ہُوئی اُن میں دُلہن اپنے حصّہ کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اُس کا مال اُسی کے ہاتھ میں ہلاک ہُوا اور بکر نے اس کے حصّے پر کوئی تعدی نہ کی۔

فانه انما سلم الملك لید من ملك فما هلك فی یدها فعلیها هلك هذا كله من اوله الی آخره مما افیض علی قلب الفقیر من فیض القدیر واخذته تفقها من كلمات العلماء اعظم الله اجورهم یوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالٰی وله الحمد علیه وما اخطأت فمن قصور نفسی وانا اتوب الیه اتقن هذه اتقانا كبیرا فان المسائل مما تمس الیه الحاجة كثیرا فاغتنم هذا التفصیل الجمیل والحمد لله علی فیضه الجلیل۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ بیشک اس نے مملوک شیئ اس کے سپرد کی جو مالک ہوا تو جو دُلہن کے قبضہ میں ہلاک ہُوا وہ اسی کی ضمان میں ہلاک ہُوا۔ یہ تمام از اول تا آخر ربِّ قدیر جل مجدہ، کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور میں نے اس کو بطور فقہ علماءِ کرام کے ارشادات عالیہ سے اخذ کیا تو جو میں نے درست کہا وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اس پر اسی کے لئے حمد ہے اور جس میں مجھ سے خطا ہُوئی تو میرا اپنا قصور ہے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتا ہوں وہ ان مباحث کو زبردست مضبوطی عطا فرمائے کیونکہ یہ وُہ مسائل ہیں جن کی طرف بکثرت حاجت واقع ہوتی ہے پس اس عمدہ تفصیل کو غنیمت جان اور اللہ تعالٰی کے فیض جلیل پر اسی کی حمد ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۸۰ تا ۸۶: از بیجناتھ پارا رائے پور ممالک متوسط مرسلہ شیخ اکرم حسین صاحب متولی مسجد ودبیز مجلس انجمن نعمانیہ ۲۸ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدًا و مصلّیًا

(فیض النساء بیگم مدعیہ بنام حسام الدین داروغہ جنگل مدعا علیہ)

دعوی واپس پانے سامان جہیز ہر قسم کپڑے وزیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ مسمّاۃ فیض النساء بیگم نے اپنی سوتیلی لڑکی خدیجہ بی بی کی شادی حسام الدین کے ساتھ کردی، ڈیڑھ برس بعد وُہ لڑکی مر گئی اور اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہُوا تھا بعمر ایک سال بعد چار مہینے مرنے ماں کے وُہ لڑکا مر گیا، فیض النساء بیگم کا دعوی ہے کہ کُل سامان جہیز زیور وغیرہ جو وقت شادی خدیجہ بی بی مرحومہ کو جہیز دی تھی واپس ملے اور صرف سامان جہیز وغیرہ میں اپنے پیسے سے کرنے کے سبب میں واپس پانے کی حقدار ہوں سامان جہیز واپس ملنے کا رواج ملک مدراس میں جاری ہے۔ جواب حسام الدین یہ ہے کہ زیورات متوفیہ کے حکم سے اسی کے دوا معالجہ میں رہن رکھ کر خرچ ہُوا مجھ کو اس قدر وسعت نہ تھی کہ اس قدر عرصہ دراز کی بیماری میں اس کثیر صرفہ کے بار کا متحمل ہو سکتا اس کے علاوہ اور بھی بہت سا میرا ذاتی خرچ ہُوا ہے متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے کثیر صرفہ کے بار کا متحمل ہو سکتا اس کے علاوہ اور بھی بہت سا میرا ذاتی خرچ ہُوا ہے متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا، ماں کے جائداد کا لڑکا مالک ہوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوں، متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں ہے۔ علمائِ دین اور مفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) مُلک مدراس میں متوفیہ لڑکی کا جہیز واپس لینے کا رواج ہے فرمایئے شرع میں کہاں حکم ہے۔

(۲) شرع میں رواج ملک کو مداخلت ہے کیا۔

(۳) جہیز میں جو سامان لڑکی کو دیا جاتا ہے وُہ عاریۃً سمجھا جائے گا یا تملیگا۔

(۴) شرح وقایہ جلد سوم میں ہبہ واپسی کا حکم ہے کیا ہبہ جہیز اسی قسم کا ہبہ ہے حسبِ دعوی مدعیہ۔

(۵) جو شیئ منجانب مدعیہ خاص مدعا علیہ یعنی داماد کو وقت شادی کے ملی ہے اُس کے واپس پانے کا کیا مدعیہ کو حق ہے۔

(۶) جو جہیز یا سامان مدعا علیہ نے وقتِ شادی اپنی بی بی کو دیا اس پر بھی حق واپس لینے کا مدعیہ کا ہے یا نہیں۔

(۷) متوفیہ کے حکم سے زیورات وقتِ بیماری رہن رکھ کر صَرف ہوا اُس کے چھُڑانے کا کون ذمہ دار ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جواب سوال اوّل تا چہارم

حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف ورواج وغیرہ کسی کو حکم میں کُچھ دخل نہیں **ان الحکم الا للّٰہ** (نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالٰی کا۔ت) ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شے معروف ورائج ہو جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے ورنہ یہ جس طرح وقف منقول کہ اشیائے منقولہ میں جس کا وقت معروف ہو جائز، ورنہ نہیں، یا استصناع یعنی بے طریق سلم معدوم چیز اُجرت دے کر بنوانا اس میں جن اشیاء کے بنوانے کا رواج ہو، جائز، ورنہ نہیں، یا شرط البیع کہ جو شرط مفسد معروف ہو جائے متحمل ہے ورنہ نہیں **الی غیر ذٰلك مما صرحوا به فی الکتب** (اس کے علاوہ جس کی تصریح انہوں نے کتاب میں فرمائی۔ت) خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہٖ حاصل اور عُرف اُس کی صورت کا بتانے والا مثلاً مرتہن کا شیئ مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو، جائز، ورنہ حرام۔ اب اگر عرف ورواج ہو کہ بے طمع نفع بمرہون قرض نہیں دیتے، جیسے ہمارے زمانہ میں، تو مطلقاً حکمِ حُرمت دیا جائے گا **کما فی الشامی عن الطحطاوی وقد افتیت به مرارا** (جیسا کہ شامی میں طحطاوی کے حوالے سے ہے اور تحقیق میں اس پر کئی بار فتوٰی دے چکا ہوں۔ت) یہاں عرف نے بتادیا کہ صورتِ شرط ہے نہ یہ کہ قرض ورہن خالص واقع ہوئے اور اُس کے بعد راہن نے برضائے خود مرتہن کو اجازتِ انتفاع دی، ایسی ہی جگہ **المعروف کالمشروط** (معروف مشروط کی طرح ہوتا۔ت) یا **المعهود عرفا کالمشروط لفظا** (جو عرف کے اعتبار سے معہود متعین ہو وُہ

ایسے ہی ہے جیسے لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ت) کہتے ہیں کتبِ فقہ میں دونوں صورتوں کی مثالیں بکثرت موجود۔ یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ وعاریت دونوں کو محتمل، تو بنظر اصل حکم مطلقاً اُنہیں کا قول معتبر ہونا چاہئے تھا۔

فان الاصل ان الدافع ادری بجھة الدفع وایضااذا احتمل امران تعین الاقل اذھو المتیقن والی ھذا نظر الامام شمس الائمة السرخسی فاختار ان القول للاب مطلقا۔	بے شک اصل یہ ہے کہ دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے نیز جب دو عمر محتمل ہوں تو ان میں سے اقل متعین ہوتا ہے کیونکہ وہی یقینی ہوتا ہے۔امام شمس الائمہ سرخسی نے اسی کی طرف نظر فرمائی اور اختیار فرمایا کہ قول مطلقاً باپ ہی کا معتبر ہے۔(ت)

مگر عرف بلاد مظہر قصد ومراد ہوتا ہے جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعوی عاریت نامقبول اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہان شرعی سے اپنا عاریۃً دینا ثابت نہ کریں، اور جہاں عرفِ غالب عاریت، ہو یا دونوں رواج یکساں وہاں آپ ہی ان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور ایسی جگہ جہیز دینا تملیک سمجھا جائے گا۔"مشیاعلی الاصل المار لعدم مایحمل علی العدول عنه" (اصل رائج پر چلتے ہوئے کیونکہ اس سے عدول پر برانگیختہ کرنے والی کوئی شیئ موجود نہیں۔ت) یہی صحیح و معتمد و مختار للفتوی ہے بل ھو التوفیق بین الاقوال فاذاحقق فالیه المآل (بلکہ مختلف اقوال میں اسی سے تطبیق حاصل ہوئی جب اس کی تحقیق ہو گئی تو اسی کی طرف لوٹنا لازم ہے۔ت) درمختار میں ہے:

جھز ابنته ثم ادعی ان مادفعه لھا عاریة وقالت ھو تملیك اوقال الزوج ذلك بعد موتھا لیرث منه وقال الاب او ورثته بعد موته عاریة فالمعتمد ان القول للزوج ولھا اذاکان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثله جھازا لاعاریة واماان مشترکا کمصر و الشام فالقول للاب[1]۔	کسی شخص نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا پھر دعوی کیا کہ اس نے جو کچھ دیا وہ بطور عاریت دیا، جب کہ لڑکی کہتی ہے کہ بطور تملیک دیا تھا، یا اس کے مرنے کے بعد یہی بات اس کا شوہر کہے تاکہ وُہ جہیز سے بطور میراث حصّہ پائے، اور لڑکی کا باپ یا اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء کہیں کہ یہ رعایت کے طور پر دیا تھا تو معتمد یہی ہے کہ قول بیٹی اور اس کے شوہر کا مانا جائے گا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور رعایت

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

(جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے) اور اگر عرف مشترک ہو جیسا کہ مصر اور شام میں، تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔ (ت) اسی میں ہے: بہ یفتی (اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

فی فتح القدیر والتجنیس والذخیرۃ المختار للفتوی ان القول للزوج ولھا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھاز الاعاریۃ کما فی دیارنا وان کان مشترکا فالقول قول الاب[1]۔	فتح القدیر، تجنیس اور ذخیرہ میں کہ فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ بیشک قول بیٹی اور اس کے شوہر کا معتبر ہوگا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت، جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے۔اور اگر عرف مشترک ہو تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان العرف مشترکا فالقول للام مع یمینھا وقد ذکر ان کل من کان القول قولہ یلزمہ الیمین الا فی مسائل اوصلھا فی شرح الکنز الی نیف وستین مسئلۃ لیست ھذہ منھا وافتی قاریء الھدایۃ القول قول الاب والام انھما لم یملکاھا انما ھو عاریۃ عندکم مع الیمین[2] مختصرا۔	جہاں عرف مشترک ہو تو وہاں ماں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ تحقیق مذکور ہے کہ ان تمام صورتوں میں جن میں کسی کا قول معتبر ہو اُسے یمین لازم ہے سوائے چند مسائل کے جنہیں شرح کنز میں ساٹھ سے کچھ اوپر تک پہنچایا، مسئلہ جہیز ان مسائل میں سے نہیں (یعنی اس میں قول قسم کے ساتھ ہی معتبر ہوگا) اور قاری ہدایہ نے فتوٰی دیا کہ قول ماں باپ کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ بے شک اُنہوں نے بیٹی کو جہیز کا مالک نہیں بنایا اور تمہارے نزدیک عاریت ہے اھ مختصراً (ت)

پھر عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کے مراعات واجب مثلاً شرفا میں عرف تملیک ہے کم درجہ کے لوگوں میں مشترک تو صرف شرفا ہی کی جانب سے تملیک سمجھی جائے گی یا حسب حیثیت ایک مقدار خاص تک جہیز دینے کا عرف ہو اور زیادہ ہو تو عاریت، تو جب اُسی مقدار تک دیا گیا ہو تملیک سمجھیں گے۔ بحر الرائق میں ہے:

قال قاضی خاں وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الاب من الشراف والکرام لایقبل قولہ انہ عاریۃ	قاضی خاں نے فرمایا کہ جواب بالتفصیل ہونا چاہئے، اگر باپ اشراف ومعززین میں سے ہے تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ (جہیز) عاریت ہے

[1] بحر الرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

[2] العقود الدرایۃ تنقیح فی الفتاوی الحامدیۃ مسائل الجھاز مطبع حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۲۶

وان کان الاب ممن لایجھز البنات بمثل ذٰلك قبل قوله[1]۔	اور اگر باپ ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی مثل جہیز بیٹیوں کو نہیں دیتے تو اس کا قول مان لیا جائے گا(ت)

نہر الفائق میں ہے:

وھذا العمری من الحسن بمکان[2]۔	اور میری عمر کی قسم یہ قول حُسن میں اُونچا مقام رکھتا ہے۔(ت)

در مختار میں ہے:

لوکان اکثر مما یجھر به مثلھا فان القول له اتفاقا[3]۔	اگر جہیز میں دیا جانے والا مال اس سے زیادہ ہے جتنا ایسی لڑکیوں کو جہیز میں دیا جاتا ہے تو بالاتفاق باپ کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

بالجملہ یہاں مدار عرف ورواج پر ہے اور ان سب اقوال وتفاصیل کا یہی منشاء، تو جدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب، مگر کہ یہ کوئی دلیل دیگر اُس سے صارف ہو، مثلاً باپ پر بیٹی کا قرض آتا تھا وُہ کہتا ہے میں نے قرض دیا یہ کہتی ہے اپنے مال سے دیا، تو باپ کا قول بقسم معتبر ہے کہ مدیون کے حال سے یہی ظاہر کہ ادائے دین کی فکر مقدم رکھے گا۔ بحر الرائق میں ہے:

لو کان لھا علی ابیھا دین فجھزھا ابو ھاشم قال جھزتھا بدینھا علیّ وقالت بل بمالك فالقول للاب وقیل للبنت[4]۔	اگر بیٹی کا باپ پر قرض ہو اور باپ بیٹی کو جہیز دے پھر کہے کہ میں نے یہ اس کے قرضے کے عوض میں دیا جو بیٹی کا مُجھ پر تھا اور بیٹی کہے کہ باپ نے انے مال سے دیا ہے تو باپ کا قول معتبر ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔(ت)

انقرویہ میں ہے:

والاول اصح فانه لوقال الاب کان لامك	اول اصح ہے اس لئے کہ اگر باپ کہے تیری ماں کو مجھ پر

[1] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہر الفائق باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[4] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

علیّ مائۃ دینار فاتخذت الجھاز بھا وقالت بل بمالك فالقول للاب جامع الفتاوٰی وکذا فی القنیۃ[1]۔	سو ۱۰۰ دینار قرض تھا میں نے اس سے جہیز بنایا ہے، اور بیٹی کہے کہ تو نے اپنے مال سے بنایا ہے، تو باپ کا قول معتبر ہوگا، جامع الفتاوٰی، اور ایسا ہی قنیہ میں ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق مگر اگر بحالت دین بھی عرف مقتضی تملیک ہو تو اسی پر نظر کی جائے گی کہ اب دلالتِ دین دلالتِ عرف کے معارض نہ رہی۔ ہدایہ میں ہے:

(من بعث الی امرأتہ شیأ فقالت ھو ھدیۃ وقال الزوج ھو من المھر فالقول لہ) لانہ ھو المملك فکان اعرف بجھتہ المتلیك کیف وان الظاہر انہ یسعی فی اسقاط الواجب (الا فی الطعام الذی یؤکل) فان القول قولھا والمراد منہ مایکون مھیأ للاکل لانہ یتعارف ھدیۃ فاما فی الحنطۃ و الشعیر فالقول قولہ لما بینا[2] اھ فانظر کیف رجح دلالۃ العرف علی دلالۃ انہ مدین فالظاہر منہ السعی فی اسقاط الدین ثم زاد الشارحون فسایرو العرف کیفما سار قال المحقق فی الفتح ھذا والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیع ماذکر من الحنطۃ	شوہر نے عورت کو کوئی شیئ بھیجی عورت کہتی ہے وہ ہدیہ ہے اور شوہر کہتا ہے وہ مہر سے ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے لہٰذا وہ تملیک جہت کو بہتر طور پر سمجھتا ہے اور اس کا قول کیسے معتبر نہ ہوگا جبکہ ظاہر یہی ہے کہ وُہ اس شیئ کو ساقط کرنے کی کوشش کرے گا جو اس پر واجب ہے سوائے اس طعام کے جو کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں عورت کا قول معتبر ہوگا، اس سے مراد وہ طعام ہے جو کھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو کیونکہ ایسا طعام بطور ہدیہ ہی متعارف ہے، لیکن گندم اور جو وغیرہ کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اسی بناء پر جس کو ہم نے بیان کیا، پس دیکھ کہ دلالت عرف کو کیسے ترجیح حاصل ہوئی اس دلالت پر کہ وُہ مدیون ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وُہ اسقاطِ دین میں سعی کرے گا پھر شارحین نے اس پر اضافہ کیا کہ عرف کے ساتھ چلو جدھر لے جائے محقق نے فتح میں فرمایا اور وُہ جس کا اعتبار ہمارے علاقے میں واجب ہے یہ ہے کہ بیشک گندم،

[1] فتاوٰی انقرویہ باب فی اختلاف الجھاز والمھر دار الاشاعت العربیہ افغانستان ۱/۶۵۔۶۴

[2] ہدایہ باب المھر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۳۱۷

و اللوز والدقیق والسکر والشاۃ الحیلۃ وباقیھا یکون القول فیھا قول امرأۃ لان المتعارف فی ذلك کله ان یرسله ھدیۃ فالظاہر مع المرأۃ لامعه ولایکون القول له الا فی نحو الثیاب والجاریۃ[1] اھ وقال فی النھر الفائق واقول وینبغی ان لایقبل قوله ایضا فی الثیاب المحمولۃ مع السکر ونحوہ للعرف[2] اھ وقال السید ابو السعود فی حاشیۃ الکنز بعد نقله واقول ینبغی ان یکون القول لھا فی غیر النقول للعرف المستمر[3] اھ وقال فی ردالمحتار قلت ومن ذلك مایبعثه الیھاقبل الزفاف فی الاعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی وکذا ما یعطیھا من ذلك اومن دراھم اودنا نیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبحۃ فانکل ذلك تعورف فی زماننا کونه ھدیۃ لامن المھر ولاسیما المسمی صبحۃ فان الزوجۃ تعوضه عنھا ثیابا ونحوھا صبیحۃ العرس[4] ایضا اھ فکل ذلك انما ھو لان العرف	بادام، آٹا، شکّر، زندہ بکری اور دیگر تمام اشیاء مذکورہ میں عورت کا قول معتبر ہوگا ان تمام اشیاء میں عرف یہ ہے کہ بطور ہدیہ بھیجی جاتی ہیں لہٰذا ظاہر عورت کا مؤید ہے نہ کہ مرد کا، اور مرد کا قول کپڑوں اور لونڈی جیسی اشیاء کے ماسواء میں معتبر نہ ہوگا النہر الفائق میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں شکّر وغیرہ کے ساتھ بھیجے ہُوئے کپڑوں میں بھی عرف کی وجہ سے مرد کا قول معتبر نہیں ہونا چاہئے، سیّد ابوالسعود نے حاشیہ کنز میں اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں کہ عرف عام کی وجہ سے نقود کے غیر میں عورت کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں فرمایا میں کہتا ہوں کہ زفاف سے پہلے عیدوں اور موسموں پر جو کپڑے اور زیور کی مثل اشیاء شوہر بیوی کی طرف بھیجتا ہے وُہ بھی اسی قبیل سے ہیں، اور یونہی حکم ہے ان اشیاء اور دراہم ودنانیر کا جو شبِ زفاف کی صبح اپنی بیوی کو دیتا ہے جس کو عرف میں صبحہ کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ ان تمام اشیاء کا ہمارے زمانے میں ہدیہ ہونا متعارف ہے نہ کہ مہر سے ہونا خصوصًا وہ جس کو صبحہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ عورت بھی شبِ زفاف کی صبح اس کے عوض میں کپڑے وغیرہ

[1] فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶

[2] ردالمحتار بحوالہ النہر الفائق باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[3] فتح المعین باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۰

[4] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

قضی بکونه هدیة مع العلم بان الزوج مدین بالمهر فسقطت بجنبه دلالة الدین فکذلك لوان العرف ههنا عم وصم ولوالاب مدینالها وجب القضاء بالتملیك وکان القول قولها هکذا ینبغی ان یفهم هذا المقام والله الموفق وبه الاعتصام۔	شوہر کو دیتی ہے پس یہ سب عرف ہی ہے جس نے ان اشیاء کے ہدیہ ہونے کا فیصلہ دیا باوجود اس بات کے معلوم ہونے کے کہ شوہر مہر کا مدیون ہے چنانچہ عرف کے مقابل دلالت دین ساقط ہوگئی، تو یوں ہی یہاں پر جب عرف عام وکثیر ہے اگرچہ باپ بیٹی کا مدیون ہو تملیک کا فیصلہ دینا واجب ہے اور بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔اس مقام کو اسی طرح ہی سمجھنا چاہئے، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور اسی کی پناہ مطلوب ہے۔(ت)

اور شک نہیں کہ اب عامہ بلاد وعجم کا عرف غالب وظاہر وفاش ومشتہر مطلقاً یہی ہے کہ جہیز جو دلہن کو دیا جاتا ہے دلہن ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے بلکہ جہیز کہتے ہی اُسے ہیں جو اُس وقت بطور تملیک دلہن کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔

کمافی سبق من قول الدر والبحر والفتح والتجنیس والذخیرة ان الاب یدفع مثله جهاز الاعاریة[1]۔	جیسا کہ در، بحر، فتح، تجنیس اور ذخیرہ کے قول سے گزرا کہ بیشک باپ اس کی مثل بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت۔ (ت)

ہمارے بلاد میں عموماً شراء واوساط وعامہ اراذل سب کا یہی عرف ہے جہیز واپس لینے یا بیٹی کے قرض میں محسوب کرنے کو سخت عیب وموجبِ طعن سمجھیں گے تو یہاں علی العموم تملیک ہی مفہوم اور سماع دعوی عاریت بے بینہ معدوم۔ردالمحتار میں ہے:

هذا العرف غیر معروف فی زماننا بل کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة وانه اذا طلقها تأخذه کله واذا ماتت یورث عنها[2] اهملخصا وفیه عن حاشیة الاشباه للسید محمد ابی السعود	یہ عرف ہمارے زمانے میں معروف نہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام لے لیتی ہے اور اگر وُہ عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو ملتا ہے، اھ ملخصًا، اور اسی میں سیّد محمد ابوالسعود کے حاشیہ

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸۷/۳

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۸/۲

عن حاشیة العلامة الشرف الغزی قال قال الشیخ الامام الاجل الشھید المختار للفتوی ان یحکم بکون الجھاز ملکا لاعاریة لانه الظاہر الغالب[1] الخ	اشباء سے بحوالہ حاشیہ علامہ شرف غزی مذکور ہے کہ شیخ امام اجل شہید نے فرمایا فتوی کے لئے مختار یہ ہے کہ جہیز کے مِلک ہونے کا فیصلہ دیا جائے نہ کہ عاریت ہونے کا، کیونکہ یہی ظاہر غالب ہے الخ(ت)

ملک مدراس میں کہ واپس لینے کارواج ہے اگر مثل عامہ بلادِ دُنیا وہاں بھی جہیز تملیکاً ہی دیتے اور تملیک ہی اس سے قصد کرتے ہیں اور یہ واپسی بعد موتِ عروس اس بنا پر ہوتی ہے کہ اُسے ہبہ تا حینِ حیات سمجھتے ہیں جب تو وہ مثل دیگر بلاد ہبہ کاملہ ہو جاتا ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو و باطل بعد موت عروس ترکہ عروس قرار پاکر وارثانِ عروس پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمرله لو ورثته بعده لبطلان الشرط[2]۔	ہبہ تا حینِ حیات جائز ہے معمولہ، کی زندگی میں اس کے لئے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کے لئے ہوگا کیونکہ حین حیات کی شرط باطل ہے(ت)

شوہر وغیرہ دیگر ورثہ عروس پر واپسی کا جبر ہر گز نہیں ہو سکتا، نہ اس کا اصلاً استحقاق، فان مواحد العاقدین من موانع الرجوع (کیونکہ بے شک عاقدین میں سے کسی ایک کی موت رجوع کے موانع میں سے ہے۔ت) ہبہ میں واپسی جہاں ہو بھی سکتی ہے تواُسی وقت تک واہب و موہوب لہ، دونوں زندہ ہوں، جب اُن میں کوئی مرجائے تواُسی شرح وقایہ وغیرہ تمام کتب میں تصریح ہے کہ اب رجوع نہیں، اور اگر وہاں تملیکاً نہیں دیتے بلکہ عاریت مقصود ہوتی ہے تو بیشک یہ واپسی حق وبجا ومطابق شرع مطہر ہے اگرچہ دلہن کی حیات ہی میں واپس لے،

فان علی الید مااخذت حتی تردھا اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَاۙ[3]۔	اس لئے کہ بے شک جو اس عورت نے لیا وہ بطور احسان وامانت ہے یہاں تک کہ وہ اسے لوٹادے (قرآن پاک میں ہے کہ) بے شک اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کوادا کرو۔(ت)

یہاں تک چار سوال پیشین کا جواب تھا، سائل نے کلیۃً سوال کئے لہٰذا اُن کے جواب میں ان مسائل

---

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] درمختار کتاب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

کی حاجت ہوئی ورنہ مسئلہ فیض النساء بیگم سے اس بحث کو علاقہ نہیں، یہ حکم کہ بحالت عدم عرف تملیک مدعی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو کہ میں نے اپنے مال سے عاریۃً جہیز دیا لہٰذا واپسی کا مستحق ہوں عامہ کتبِ مذہب میں باپ کے لئے مذکور ہے اور بحکم عرف حقیقی ماں کو بھی اس سے لاحق کیا گیا واقعی ماں باپ پانے ہی مال سے اولاد کا جہیز تیار کرتے ہیں توان کی طرف سے ہونا بحکم ظاہر خود ثابت رہا دعوی عاریت وہ بحال عدم دلیل تملیک اُنہیں اصول پر واجب القبول بخلاف اجنبی کہ اُس کا یہ دعوی حدِ دعوی سے ہر گز متجاوز نہیں یہاں تک کہ علامہ بحر نے بحر میں حقیقی ماں اور دادا کے لئے بھی اس حکم کے ہونے میں تردّد فرمایا اور جبکہ اُن کے تلمیذ علّامہ غزی نے متنِ تنویر میں ماں کے مثل پدر ہونے پر جزم کیا۔علامہ طحطاوی کو حقیقی نانی دادی کے مثلِ مادر میں تردّد رہا،

فقال تحت قوله والام کالاب فی تجهیزها انظر هل الجدة مثلها[1]۔	چنانچہ اپنے اس قول کے تحت کہ ماں جہیز دینے میں باپ کی طرح ہے فرمایا دیکھو کیا دادی اور نانی ماں کی مثل ہے؟(ت)

علامہ ابن واہبان نے اپنی رائے سے دیگر اولیاء کو اسی حکم میں شامل کرنے کی بحث کی علامہ ابن الشحنہ نے اُس میں نظر کردی کہ علّامہ شرنبلالی نے نقل فرما کر مقرر رکھی اور شک نہیں کہ یہ الحاق سخت محلِ تامل ہے جب تک والدین کی طرح عرف عام وخاص سے ثابت نہ ہو جائے کہ سب اولیاء بھی اپنے ہی مال سے جہیز دیتے ہیں بلکہ ہمارے بلاد میں تنہاماں کے مال خاص سے بھی تجہیز ہونا ہر گز معروف نہیں جہیز مطلقاً مال پدر سے ہوتا ہے یا بعض اشیاء ماں بھی شامل کردیتی ہے نہ کہ خاص مالِ مادر سے ہو، مگر جبکہ باپ مال نہ رکھتا ہو یا اُس سے جُدا ہو کر ماں نے بطورِ خود تزویج کی وہ تو ان دو۲ صورتوں کے علاوہ ماں کا دعوی اختصاص بھی ضرور محتاج بینہ ہونا چاہئے کہ ظاہراً اُس کے لئے شاہد نہیں کما لایخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔

وهذا بحمد الله تحقیق شریف فتح به المولی القوی اللطیف علی عبده الذلیل الضعیف' اتضح به نظر العلامة عند البر واتجه به کلام البحر فلنسق لك کلماتهم لیتجلی عندك الامر	اور یہ بحمد اللہ تعالٰی عظیم الشان تحقیق ہے جو قوی ولطیف مالک نے اپنے اس ناقص وضعیف بندے پر منکشف فرمائی، اس سے علامہ عبدالبر کی نظر واضح ہو گئی اور کلامِ بحر وجیہ ہو گیا تواب ہم تیرے لئے ان کے ارشادات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تیرے نزدیک

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار باب المهر دار المعرفة بیروت ۲/ ۶۷

قال ابن وهبان فی منظومته ؎ ومن فی جهاز البنت قال اعرته یصدق والاشهاد یشترط اظهر [1] ثم قال فی شرحها ینبغی ان یکون الحکم فیما تدّعیه الام وولی الصغیرة اذا زوجها کما مر لجریان العرف فی ذٰلك کذٰلك [2] الخ ای انهم انما یجهزون من اموالهم فکان الظاهر شاهدا لهم قال الشارح العلامة قلت وفی الولی عندی نظر [3] اه وهکذا انقله الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد واقرقال فی الدر (الام) وولی الصغیرة (کالاب) فیما ذکر [4] اه قال ط قوله فیما ذکر ای فی اعتبار العرف وهذا الحکم فی الام والولی بحث لابن وهبان قال العلامة عبد البر وفی الولی عندی نظر ای فان الغالب من حاله العاریة بخلاف الابوین	معاملہ منکشف ہوجائے۔ ابن وہبان نے اپنی منظومہ میں فرمایا: اور جو شخص اپنی بیٹی کے جہیز کے بارے میں کہے کہ میں نے بطور عاریت دیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس میں گواہوں کا شرط ہونا اظہر ہے۔ پھر اس کی شرح میں فرمایا کہ جہیز کے بارے میں ماں اور نابالغہ کا نکاح کرنے والے ولی کے دعوی کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ گزرا کیونکہ اس میں عرف ایسا ہی ہے یعنی وُہ اپنے مالوں سے جہیز بناتے ہیں تو ظاہر ان کے لئے شاہد ہُوا۔ علامہ شارح نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے، ایسا ہی شرنبلالی نے تیسیر المقاصد میں اس کو نقل کرکے مقرر رکھا۔ در میں فرمایا کہ ماں اور صغیرہ ولی مذکور میں باپ کی طرح ہیں، اور ط نے فرمایا کہ اس کے قول فیما ذکر (مذکور میں) سے مراد یہ ہے کہ اعتبار عرف میں، اور ماں اور صغیرہ کے ولی کے بارے میں یہ حکم ابن وہبان کی بحث ہے۔ علامہ عبد البر نے فرمایا کہ ولی صغیرہ میں میرے نزدیک نظر ہے کیونکہ اس کے حال سے غالب عاریت ہے بخلاف ماں باپ کے کہ ان کی

[1] منظومہ ابن وہبان

[2] ردالمحتار بحواله شرح منظومه باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[3] ردالمحتار بحواله شرح منظومه باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[4] درمختار کتاب العاریة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

المزید شفقتھا لکن حیث کان العرف مستمرا ان الولی یجھز من ھذه فلانظر[1] اھ **اقول**: لیس منشأ النظر بثبوت الحکم بعد تسلیم العرف وانما الشان فی جریان العرف فالایراد علی قول ابن وھبان لجریان العرف فی ذٰلك کذٰلك وبه ظھر انه ماکان ینبغی تفسیر قوله ماذکر باعتبار العرف فان العرف اذا ثبت اینما ثبت فھو القاضی الماضی القول لاتفرقة فی ذٰلك بین اب وام وغیرھما بل المراد فیما ذکر من قبول دعوی العاریة من ماله وکذٰلك لیس تفسیر النظر ماذکر بل النظر انالانسلم ان الغالب من حاله التجھیز من ماله. ثم اعلم ان العلامة البحر بعد ماافادحکم الاب کما تقدم. قال فی البحر صغیرۃ نسجت جھازا بمال امھا وابیھا وسعیھا حال صغرھا وکبرھا فماتت امھا فسلم ابوھا جمیع الجھاز الیھا فلیس لاخوتھا دعوی نصیبھم من جھة الام[2] اھ ثم قال وبھذا	شفقت بیٹی پر زیادہ ہوتی ہے، لیکن عرف رائج یہی ہو کہ ولی اپنے پاس سے جہیز بناتا ہے تو پھر کوئی نظر نہیں اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اعتراض کا منشاء عرف کے تسلیم کرنے کے بعد حکم ثبوت نہیں، اصل معاملہ تو صرف عرف کے جاری ہونے میں ہے، پس ابن وھبان کے قول پر اعتراض وارد ہے کیونکہ اس (ولی کے عاریۃً دینے) میں عرف اسی طرح ہے اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ ماذکر سے مراد اعتبارِ عرف لینا درست نہیں اس لئے کہ عرف جب بھی ثابت ہو وہی حاکمِ قوی ہوتا ہے اس میں ماں اور باپ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ ماذکر سے مراد اُسکے اپنے مال سے دعوی عاریت کو قبول کرنا ہے اور یُوں ہی نظر کی بھی وہ تفسیر نہیں جو ذکر کی گئی بلکہ نظر یہ ہے کہ بیشک ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اُس کے ولی صغیرہ کے حال سے غالب اس کے اپنے مال سے جہیز بنانا ہے۔ پھر جان کہ علّامہ بحر نے باپ کے حکم کا افادہ فرمانے کے بعد، جیسا کہ گزرا۔ بحر میں فرمایا کہ صغیرہ نے ماں باپ کے مال اور اپنی دستکاری سے حالتِ صغر اور کبر میں کچھ جہیز بنایا پھر اس کی ماں مر گئی اور باپ نے وُہ سارا سامان اس لڑکی کو جہیز میں دے دیا تو اس کے بھائیوں کو یہ حق نہیں کہ ماں کا ترکہ قرار دے کر اس میں سے اپنے حصّے کا دعوی کریں اھ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۰

[2] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

یعلم ان الاب او الام اذا جهز بنته ثم مات فلیس لبقیه الورثة علی الجهاز سبیل لیکن هل هذاالحکم لامذکور فی الاب یتأتی فی الام والجد فلو جهز ها جدها ثم ماتت وقال ملکی وقال زوجها ملکها صارت واقعة الفتوی ولم ار فیها نقلا صریحا [1] اھ قال فی منحة الخالق قال الرملی الذی یظهر ببادی الرأی انهما ای الام والجد کذلك اما الام فلما قدمه من قول القنیة صغیرة نسجت جهازامن مال امهاوابیها الخ واماالجد فلقولهم الجد کالاب الافی مسائل لیست هذه منها تأمل [2] اھ **اقول:** ماکان هذاالبحر الطام الحبر التام لیذکر فرع القنیة فی هذه الاسطر العدیدة ویفرع علیه بنفسه ان الاب او الام اذجهز بنته فلیس لوارث علی الجهاز سبیل ثمّ یتردد متصلا به فی التحاق الام بالاب فی کون التجهیز منها ظاہرافی	پھر فرمایا اسی سے معلوم ہوگیا کہ جب باپ یاماں بیٹی کو جہیز بنا کردیں تو ان کے مرنے کے بعد باقی وارثوں کا جہیز پر کوئی حق نہیں ہوتا لیکن کیا یہ حکم جو باپ کے لئے مذکور ہُوا وہ ماں اور دادا کے لئے حاصل؟ تو اگر لڑکی کو اس کے دادا نے جہیز دیا پھر وہ لڑکی مر گئی اور دادا نے کہا یہ جہیز میری ملکیت ہے اور اس لڑکی کا شوہر کہتا ہے کہ یہ لڑکی کی ملکیت ہے یہ فتوے سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔ منحۃ الخالق میں فرمایا کہ رملی نے کہا ہے بنظر ظاہر وُہ دونوں یعنی ماں اور دادا، باپ کی طرح ہی ہیں، ماں تو اس وجہ سے جس کا بحوالہ قنیہ پہلے ذکر کیا ہے کہ لڑکی نے اپنے باپ اور ماں کے مال سے جہیز بنایا الخ اور دادا اس لئے کہ ان (فقہاء) کا قول ہے کہ دادا مثل باپ کے ہے سوائے چند مسائل کے جن میں جہیز نہیں ہے۔ غور کرالخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ایسے عظیم سمندر اور کامل وماہر عالم کے لائق یہ نہیں کہ وُہ ان چند سطروں میں قنیہ کی فرع ذکر کرے اور بذاتِ خود اس پر یہ تصریح ذکر کرے کہ بیشک ماں یا باپ جب بیٹی کو جہیز دیں تو کسی وارث کا جہیز میں کوئی حق نہیں پھر اس کے متعلق ہی اس بات میں تردّد کرے کہ ماں اس حکم میں باپ کے ساتھ ملحق ہے کہ ماں کی طرف سے

[1] بحرالرائق باب المهر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

[2] منحة الخالق حاشیة البحرالرائق باب المهر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

التملیك حتی یرد علیه بماقدم من قول القنیة وھل یتأتی مثله الامن لایکاد یفھم مایخرج من رأسه فکیف یجعل علی مثله کلام مثل ھذا الجلیل النبیل،ولذا لمالم یتضح الامرعند العلامة السیّدالطحطاوی اسقط لفظ الام من کلام البحر واقتصر علی قوله ھل ھذا الحکم المذکورفی الاب یتأتی فی الجد[1] الخ لکن العلامة الشرنبلالی فی غنیة لم یستبعدہ فقال قال صاحب البحر ھل ھذاالحکم المذکور فی الاب یتأتری فی الام والجد صارت واقعة الفتوی ولم ارفیھما نقلا صریحا[2] اھ وقال العلامة الشامی تردد فی البحر فی الام والجد[3] الخ وقال الرملی ماسمعت فانماالامر مافتح المولٰی سبحانه وتعالٰی ان لاتردد فی الحاق الام بالاب فی کون التجھیز منھا تملیکا لمکان العرف وانما تردّد رحمه اللہ تعالٰی فی قبول	جہیز دینا تملیک میں ظاہر ہے۔ یہاں تک اس پر وارد ہو وُہ قنیہ کے قول سے مقدم گزرا۔اور نہیں حاصل ہوتا اس کی مثل مگر صرف اس شخص سے جو یہ نہ سمجھتا ہو کہ اس کے سر سے کیا خارج ہورہا ہے، تو ایسے عظیم الشان عالم نبیل کے کلام کو اس قسم کے بیہودہ مؤقف پر کیسے محمول کیا جاسکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب علّامہ سیّد طحطاوی پر یہ امر واضح نہ ہوسکا تو انہوں نے کلام بحر سے لفظ ام کو حذف کرتے ہوئے اس قول پر اکتفاء فرمایا کہ کیا یہ حکم جو باپ کے بارے میں مذکور ہے دادا کے لئے حاصل ہوگا الخ لیکن علامہ شرنبلالی نے اس کو مستبعد نہ جانتے ہوئے غنیہ میں فرمایا کہ صاحب بحر نے کہا کیا یہ حکم جو باپ کے بارے میں مذکور ہے ماں اور دادا کے لئے حاصل ہوگا؟ یہ فتوٰی سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔علامہ شامی نے فرمایا کہ بحر میں ماں اور دادا کے بارے میں تردّد کیا، رملی نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، بے شک معاملہ جو مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی نے منکشف فرمایا وُہ یہ ہے کہ صاحبِ بحر نے ماں کو باپ کے ساتھ اس حکم میں ملحق ماننے میں تردّد نہیں فرمایا کہ ماں کی طرف سے دیا جانے والا جہیز عرفاً تملیک ہے البتہ صاحب بحر

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار باب المھر دار المعرفة بیروت ۲/ ۶۷

[2] غنیة ذوی الاحکام حاشیة الدرر الاحکام باب المھر مطبعة احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/ ۳۴۸

[3] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

دعوی التجهیز من مال نفسها عاریة فان الاکثر ان الجهاز انما یکون من مال الاب وح لامساس لفرع القنیة بماهو فیه ولاماقدمه من قوله بهذا یعلم ان الاب اوالام الخ ینا فیه وکذا لانظر ههنا الی کون الجد کالاب الافی مسائل فان هذا امر لایؤخذ الامن العرف وانما قبلنا دعوی الاب لما علمنا من العرف الفاشی ان الجهاز یکون من ماله فکان الظاهر شاهدا له فان ثبت مثله فی الجد فذاك والا فلا الحاق ولااشتراك هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق واغرب من هذا ماذکر بعده فی منحة الخالق من قوله قلت وجزم فی متن التنویر ان الام کالاب فی تجهیزها وعزاه فی شرح المنح الی فتاوی قاری الهدایة وفی شرحه الدرالمختار معزیا الی شرح الوهبانیة وکذا ولی الصغیرة ولایخفی شموله الجد وغیره اه[1]۔**اقول:** نعم لایخفی ولکن البحر

رحمۃاللہ تعالٰی علیہ نے ماں کے اس دعوی کو قبول کرنے میں تردّد فرمایا کہ جو جہیز اس نے مال سے دیا ہے وُہ عاریت ہے کیونکہ اکثر طور پر جہیز باپ کے مال سے دیا جاتا ہے، تو دریں صورت قنیہ کی فرع کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں جس میں صاحبِ بحر گفتگو کررہے ہیں نیز ان کا قول سابق کہ اسی سے معلوم ہوگیا کہ بیشک باپ اور ماں الخ اس کے منافی نہیں، اور نہ ہی یہاں اس بات کی طرف نظر ہے کہ دادا سوائے چند مسائل کے باپ ہے اس لئے کہ یہ امر تو صرف عرف سے ماخوذ ہے اور بلاشبہ ہم نے باپ کا دعوی اس لئے قبول کیا کہ ہم نے عرف مشہور سے جان لیا کہ جہیز وُہ اپنے مال سے دیتا ہے لہٰذا ظاہر اس کے لئے شاہد ہوا، تو اگر کسی کی مثل دادا میں ثابت ہوجائے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا ورنہ نہ الحاق ہے نہ اشتراک، یوں ہی تحقیق چاہئے، اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے، اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے وہ جو اس کے بعد منحۃالخالق میں اس کے اس قول کے ساتھ مذکور ہُوا، میں کہتا ہوں کہ متنِ تنویر میں اس پر جزم فرمایا کہ تجہیز میں ماں، باپ کی طرح ہے۔ اور شرح منحہ میں اس کی نسبت فتاوٰی قاری ہدایہ کی طرف کی، اور درمختار کی شرح میں شرح وہبانیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ہے کہا یونہی ولی صغیرہ بھی ہے اور اس کا شمول دادا وغیرہ کو مخفی نہیں ہے اھ **اقول:** (میں

[1] منحة الخالق حاشیة البحر الرائق باب المهر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

انما یقول لم ارفیها نقلا صریحا وبحث ابن وهبان لیس من النقل فی شیئ والعبد الضعیف فی عجب من سوق الدر المسألة مساق المنقول مع علمه بانه بحث منه وقد بحث فیه الشارحون وقد علمت مماقد منا ان بحثهم حسن وجیه فالحمد ﷲعلی حسن التنبیه۔	کہتاہُوں ہاں مخفی نہیں لیکن بے شک بحر میں فرماتے ہین کہ میں نے اس میں صریح نقل نہیں دیکھی اور ابن وہبان کی بحث کوئی نقل نہیں اور بندہ ضعیف کو اس بات پر حیرت ہے کہ درنے مسئلہ بطور منقول چلایا حالانکہ وُہ جانتے ہیں کہ یہ ابن وہبان کی بحث ہے اور تحقیق شارحین نے اس ہیں بحث کی ہے اور تحقیق ہمارے بیان سابق سے تو جان چکا ہے کہ ان کی بحث حسن و وجیہ ہے پس حُسنِ تنبیہ پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

بالجملہ جب حقیقی دادی نانی، حقیقی دادا، حقیقی ماں میں علمائے کرام نے تردّد فرمایا تو سوتیلی ماں کہ محض اجنبیہ ہے کیونکر اس حکمِ پدر میں شریک ہوسکتی ہیں، اجنبی کے لئے صورتِ مستفسرہ میں یہی حکم لکھتے ہیں کہ اُس کا دعوی لے گواہانِ مسموع نہ ہوگا۔
درمختار میں ہے:

الام وولی الصغیرہ کالاب فیما ذکر وفیما یدّعیه الاجنبی بعد الموت لایقبل الابیینة شرح وهبانیة[1]۔	ماں اور ولی صغیرہ حکمِ مذکورہ میں باپ کی طرح ہیں اور جہاں اجنبی کے بعد دعوی کرے تو گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، شرح وہبانیہ۔(ت)

اور یہاں گواہوں سے اثبات عاریت کے دو۲ طریقے ہیں:
ایک یہ کہ باپ ماں یا اجنبی جس کے ذمے اقامت بینہ کا حکم ہو گواہان عادل شرعی سے شہادت دلائے کہ میں نے یہ جہیز عروس کو دیتے وقت شرط کرلی تھی کہ عاریۃً دیتا ہوں۔
دوسرے یہ کہ دُلہن کا اقرار نامہ بتصدیق شہود عدل پیش کرے جس میں اس نے اقرار کیا ہو کہ یہ یہ جہیز مجھے فلاں نے اپنی ملک سے عاریۃً دیا ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

قال فی التجنیس والولوالجیة والذخیرة والبینة الصحیحة ان یشهد عند التسلیم	تجنیس، ولوالجیہ اور ذخیرہ میں فرمایا بینہ صحیحہ یہ ہے کہ عورت کو یہ اشیاء دیتے وقت گواہ قائم کرے کہ

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۷

الی المرأۃ انی انما سلمت ھذہ الاشیاء بطریق العاریۃ اویکتب نسخۃ معلومۃ ویشھد الاب علی اقرارھا ان جمیع مافی ھذی النسخۃ ملك والدی عاریۃ فی یدی منه[1] الخ	بے شک میں نے یہ اشیاء بطور عاریت دی ہیں یا یہ کہ ایک معین تحریر تیار کرکے باپ کو لڑکی کے اس اقرار پر گواہ قائم کرے کہ وُہ تمام اشیاء جواس تحریر میں مرقوم ہیں میرے والد کی ملکیت ہیں اور میرے پاس اس کی طرف سے بطور عاریت ہیں الخ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہُوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت) یہاں دو۲ مرحلے ہیں: اول اس کا اثبات کہ یہ جہیز میں نے مال سے دیا، ان بلاد میں باپ اس ثابت کرنے میں گواہوں کا محتاج نہیں لما تقدم من جریان العرف فی ذٰلك کذٰلک (جیسا کہ پہلے گزرا کہ اس میں عرف ایسا ہی جاری ہے۔ت) بلکہ دُلہن یا اس کے ورثہ میں اسکے منکر ہوں تووہ گواہ دیں کہ یہ جہیز باپ نے اپنے مال سے نہ دیا دُلہن کی مِلک سے بنایا، بخلاف اجنبی کہ اُسے اوّلًا یہی ثابت کرنا ضرور ہوگا۔

لعدم ظاہر یشھد له فی ذٰلك وانما البینة علی کل من یدعی خلاف الظاہر۔	کیونکہ اس معاملہ میں ظاہر اس کے لئے شاہد نہیں اور ہر اس شخص پر گواہ لازم ہوتے ہیں جو خلاف ظاہر دعوی کرے۔ (ت)

پھر اگر یہ امر بینہ یا اقرار عروس یا تسلیم ورثہ سے ثابت ہو تو دوسرا درجہ ثبوت عاریت کا ہے یہاں اگر عرف عام یا مشترک سے عاریۃً دینا ثابت یا محتمل ہو توظاہرًا اجنبی بھی مثل پدر اور اس ثبوت دوم میں محتاج اقامت بینہ نہیں کہ جب اباء عاریۃً دیتے ہیں تو اجنبی کا قصدِ عاریت ہر گز خلافِ ظاہر نہیں بلکہ بلحاظ اجنبیت وہی اظہر ہے

ولا بینة علی من شھد له الظاہر مع انه قد ثبت انه الدافع فھو ادری بجھة الدفع مع ماتقدم من ان الاقل ھو المتعین فی مااحتمل۔	اس پر گواہ لانا لازم نہیں جس کے لئے ظاہر شاہد ہو باوجود اس کے کہ ثابت ہوچکا ہے کہ وُہ دینے والا ہے پس وُہ دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے باوجود اس کے جو گزرا کہ محتمل میں اقل ہی متعین ہوتا ہے۔ (ت)

توجب تک صراحۃً کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی جائے بحالِ عموم یا اشتراک عرف عاریت اجنبی کا اس فعل پر اقدام خواہی نخواہی قصدِ تملیک پر محمول نہ ہونا چاہئے اور اگر عرف عام تملیک ہو کہ جہیز دینا مالک کرنا ہی سمجھا جاتا ہو

[1] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

جیسا کہ ہمارے بلاد میں ہے کہ اقارب اجانب جو تجہیز کریں تملیک ہی کرتے ہیں، اگر کوئی کسی لڑکی کو پالیتا یا ویسے ہی کسی یتیمیہ کا نکاح کرتا ہے تو جو کچھ جہیز میں دیتا ہے یقیناً تملیک ہی کا ارادہ کرتا ہے چند روزہ عاریت دے کر واپسی لینے کا اصلاً وہم بھی نہیں گزرتا تو ایسی حالت میں اس ثبوت دوم یعنی دعوی عاریت میں اجنبی بھی آپ ہی محتارج گواہان ہوگا **کما علمت ان المعھود عرفا کالمشروط نصا** (کیونکہ تُو جان چکا ہے کہ جو بطور عرف کے معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے بطور نص کے مشروط ہوت) اسی طرح اگر جہیز دئے ایک زمانہ ممتد گزر جائے دلہن برتتی استعمال کرتی رہے اور اسکی جانب سے بے مانع غیبوبت وغیرہ سکوتِ مطلق رہے طلب واپسی ظاہر نہ ہو پھر ایک مدّت مدیدہ خصوصًا موتِ عروس کے بعد دعوی کرے کہ میں نے توعاریۃً دیا تھا مجھے واپس ملے تو اب بھی اس کا یہ دعوی خلافِ ظاہر و محتاج بینہ ہے والدین واولاد کا معاملہ دوسرا ہے ان میں ایک دوسرے کے مال سے مدۃ العمر ممتع رہے تو باہم گوارا ہوتا ہے عرفا اجانب سے متوقع نہیں کہ اتنی مدت تک اپنامال دوسرے کے ایسے تصرف واستعمال میں چھوڑے رہیں اور اپنی ملک ہونا زبان پر نہ لائیں۔

وھذا کما قال فی البحر قال فی المبتغی من زفت الیہ امرأتہ بلاجھاز فلہ مطالبۃ الاب بما بعث الیہ من الدنانیر والدراھم ولو سکت بعد الزفاف طویلا لیس لہ ان یخاصمہ بعدہ[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قال الشارح فی کتاب الوقف ولو سکت بعد الزفاف زمانا یعرف بذلك رضاہ لم یکن لہ ان یخاصم بعد ذٰلك وان لم یتخذ لہ شیئ اھ واشار بقولہ یعرف الی ان المعتبر فی الطول والقصر	ایسا ہی ہے جیسا کہ بحر میں فرمایا کہ مبتغی میں کہا جس شخص کی بیوی جہیز کے بغیر رخصت ہو کر اس کی طرف آئی ہو تو بیوی کے باپ ان ونانیر ودراہم کا مطالبہ کرسکتا ہے جو اس نے اس کی طرف بھیجے تھے اور اگر زفاف کے بعد زمانہ دراز تک خاموش رہا تو اس کے بعد اس سے مخاصمہ نہیں کرسکتا اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ شارح نے کتاب الوقف میں فرمایا کہ اگر زفاف کے بعد اتنا زمانہ خاموش رہا جس سے اس کی رضا سمجھی گئی تو اب اس کے بعد اس کو مخاصمت کا حق نہیں اگرچہ اس کے لیے کچھ بھی نہ بنایا ہو الخ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول "**یعرف**" سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمانہ کے

[1] بحر الرائق باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷،۱۸۶

العرف [1] اھ وفیه عن البزازیة لانه لما کان محتملا وسکت زمانا یصلح للاختیار دل ان الغرض لم یکن الجهاز [2] اھ **قلت** وقد نصوا ان من رأی احدا یتصرف فی شیئ زمانا ثم ادعی انه ولم یکن ثم مانع من دعواہ لم تسمع قطعا للحیل وقد بیناہ فی الدعاوی من فتاوٰنا۔	دراز اور مختصر ہونے کا اعتبار عرف پر ہے اھ اور اسی میں بزازیہ سے ہے،اسلئے کہ جب محتمل تھااور وہ اتنازمانہ اور ردالمحتار میں ہے کہ شارح نے کتاب الوقف میں فرمایا کہ اگر زفاف کے بعد اتنازمانہ خاموش رہا جس سے اس کی رضا سمجھی گئی تو اب اس کے بعد اُس کو مخاصمت کا حق نہیں اگرچہ اُس کے لئے کچھ بھی نہ بنایا ہو الخ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول"یعرف" سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایاکہ زمانہ کے خاموش رہاجس میں وُہ مطالبہ کو اختیار کرسکتا تھاتواس بات کی دلیل ہے کہ اس کی غرج جہیز لینانہ تھاالخ **قلت**(میں کہتاہوں)اس پر انہوں نے نص کی کہ جو شخص ایک زمانہ تک کسی کو کسی شیئ میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتارہا، پھر دعوی کیاکہ یہ شیئ اس کی ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی دعوی سے کوئی مانع نہ تھاتواس کا یہ دعوی اس کے حیلوں کی بنیاد پر مسموع نہ ہوگا۔ تحقیق ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی کے دعاوی میں بیان کیاہے۔(ت)

قرۃالعیون میں ہے:

لوجهزها الاجنبی ثم ادعی انه عاریة بعد موتها لایقبل قوله الاببینة لان الظاہر انه لا یجهزها ویترکه فی یدها الی الموت الابمالها بخلاف الاب والام فانهمایجهزانهابمال انفسهالکن یکون ذلك تملیکاتارۃ وتارۃ عاریة ولذاقال شارح الوهبانیة وفی الولی عندی نظر الخ ای فی جعله کالاب والام لان الظاہر فی	اگر اجنبی نے کسی عورت کو جہیز دیا پھر عورت کے مرنے کے بعد دعوی کی کہ یہ بطور عاریت تھاتو بغیر گواہوں کے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ عورت کو جہیز دے کر اس کے مرنے تک اس کے قبضہ میں چھوڑ دینا صرف وہیں ہوگا جہاں عورت کے اپنے مال سے ہو بخلاف ماں باپ کے کیونکہ وہ اپنے مال سے بیٹیوں کو جہیز دیتے ہیں تاہم کبھی تو وہ بطور تملیک ہوتا ہے اور کبھی بطور عاریت۔اسی لئے شارح وہبانیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے الخ یعنی اس کو ماں باپ کی مثل قرار

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[2] ردالمحتار باب المهر ۲/ ۳۶۸

غیرہما لا یجھز ھا الا بمالھا اھ[1] **اقول:** ھذاکلام قدرزق مت من الحسن وھو ینحو منحی ماقدمت من التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولعلك تفطنت مماالقینا علیك سابقا ولاحقا ان الموت غیر قید وقد احسن السید العلامۃ الطحطاوی حیث قال قد ذکرالمص فی باب المھران الام کالاب وان حکم الموت کحکم الحیات[2] اھ ھذاکلہ ماظھر لی والعلم بالحق عندربی، والحمدللہ رب العالمین۔

دینے میں کیونکہ ماں باپ کے غیر میں ظاہر یہی ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے جہیز بناتے ہیں الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلام کو حسن سے وافر حصّہ ملا اور وُہ اسی روش پر چلا جو تحقیق ہم سابق میں کرچکے ہیں اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے، اور ہم نے سابق ولاحق میں جو تجھ پر القاء کیا (یعنی بیان کیا) اُس سے شاید تو نے سمجھ لیا ہوگا کہ حکم مذکور میں موت قید نہیں، اور علّامہ سیّد طحطاوی نے بہت خوب کہا جہاں فرمایا کہ تحقیق مصنّف نے باب المہر میں کہا کہ بیشک ماں، باپ کی طرح ہے۔ اور موت کا حکم حیات کے حکم کی مثل ہے الخ یہ سب وُہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (ت)

بہرحال فیض النساء بیگم میں حکم یہی ہے

کہ اس کا یہ دعوٰی یُوں قابلِ سماعت نہیں، اولًا اس کی بنائے دعوٰی پر نظر لازم، آیا واپسی بخیال ہبہ تاحینِ حیاتے چاہتی ہے (جس طرح لفظ کپڑے وزیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ سے اُس کا کچھ پتا چلتا ہے جبکہ عرضی دعوے میں فیض النساء بیگم کے لفظ یہی ہوں کہ عاریت کو مستعیر متوفی کا ترکہ نہیں کہتے) جب تو دعوٰی کہ بعد مرور مدت خصوصًا بعد موت عروس ہوا بہت کیف محتاج شہادت ہے انہیں دو طریقہ مذکورہ سے کسی طریقہ پر گواہان عادل دے کہ یہ جہیز بدی تفصیل خدیجہ بی بی کو میں نے اپنے مال خاص سے عاریۃً دیا اگر گواہ دیدیں فبہا نہ دے سکے تو حاکم یا حاکم شرعی شوہر خدیجہ وغیرہ ورثاء سے قسم لے کہ واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ جہیز مال فیض النساء بیگم سے خدیجہ بی بی کے پاس عاریۃً تھا اگر وُہ قسم کھالیں تو مقدمہ بحقِ وارثانِ خدیجہ ورنہ بحق فیض النساء بیگم

[1] قرۃ عیون الاخبار کتاب العاریۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۱۷

[2] حاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار باب المہر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

فیصل ہو۔ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

قولہ وفیما یدعیہ الاجنبی ای من انہ اعار المتوفی ھذاالشیئ لایصدق الاببینۃ ولہ ان یحلف الوارث ان انکر علی العلم کما ھو الحکم فی نظائرھا [1] اھ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور قول مصنف کہ جس میں اجنبی دعوی کرے یعنی یُوں کہے کہ یہ شیئ میں نے متوفی کو بطور عاریت دی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور متوفی کاوارث اگر منکر ہو تو (حاکم) اس سے یُوں قسم لے سکتا ہے کہ ہمیں اس کے عاریت ہونے کا علم نہیں جیسا کہ اس کے نظائر میں یہی حکم ہے اھ اور واللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

جواب سوال پنجم

بھی تقریباتِ سابقہ سے واضح اس دعوی کے ثبوت میں کہ یہ اشیاء وقت شادی حسام الدین کو فیض النساء بیگم نے اپنے مال سے دیں فیض النساء بیگم محتاج گواہان ہے اگر یہ امر شہادت یا اقرار مدعا علیہ سے ثابت ہو تو در بارہ تملیک وعاریت وہی عرف وغیرہ دلاء پر نظر ہوگی اگر نصًا یا عرفًا کسی طرح دلالتِ تملیک ثابت ہو (جس طرح ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دلہن والوں کی طرف سے سلامی وغیرہ جو کچھ کپڑے یا نقد یا دیگر اشیاء دُولہا کر دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں بلکہ یہاں عاریت بتانا جہیز دختر کو عاریت کہنے سے زیادہ موجب ننگ وعار سمجھتے ہیں) تو وُہ دینار ہبہ سمجھا جائے گا اور فیض النساء بیگم اگر عاریت کہے گی تو بغیر اُن طرق ثبوت کے مسموع نہ ہوگا اور اگر دلالتِ تملیک متحقق نہیں تو فیض النساء بیگم کا قول عاریت بہ قسم قابلِ قبول ہوگا، پھر اگر اُس مال کا ہبہ ہونا ثابت ہو تو اُس میں سے کچھ تلف ہوگیا خواہ حسام الدین کے اپنے فعل سے یا بلا قصد یا اُس نے کسی کو دے دیا یا بیچ ڈالا تو اس کی واپسی ممکن نہیں،

فان ھلاك الموھوب وخروجہ عن ملك الموھولہ کلاھمامن موانع الرجوع۔	کیونکہ بے شک موہوب شیئ کا ہلاک ہونا اور اُس کا موہوب کہ کی ملک سے خارج ہونا دونوں ہی رجوع کے موانع میں سے ہیں۔ (ت)

اور جو بدستور اُس کے پاس موجود ہے اور کوئی مانع موانع رجوع سے نہیں تو فیض النساء بیگم بتراضی یا بالقضائے قاضی واپس لے سکتی ہے مگر گنہگار ہوگی کہ ہبہ میں رجوع سخت مکروہ ممنوع ہے بغیر اس کے بطور خود رجوع نہیں

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ: بیروت ۳/۳۹۰

کر سکتی، اور اگر عاریت ہونا ثابت قرار پائے تو جو جہیز موجود ہے اُسے بطورِ خود واپس لے سکتی ہے اگرچہ حسام الدین نے کسی کو دے دی یا بیع کردی ہو فان العواری مردودۃ وتصرف الفضول الفضولی بالرد یبطل (کیونکہ بطورِ عاریت دی ہوئی اشیاء واپس کی جاتی ہےں اور فضول کا تصرف رَد سے باطل ہو جاتا۔ت) اور جو تلف ہوگیا اگر بے فعلِ حسام الدین تلف ہُوا مثلاً چوری ہوگیا جل گیا ٹوٹ گیا اور اُس میں حسام الدین کی طرف سے کوئی بے احتیاطی نہ تھی تو اُس کا تاوان نہیں لے سکتی فان العاریۃ امانۃ لاتضمن الابالتعدی (اس لئے کہ عاریت امانت ہے اور بلا تعدی اس میں ضمان لازم نہیں آتا۔ت) اسی طرح جو کُچھ حسام الدین کے پہنے برتنے میں تلف ہوا نقصان ہو اس کا بھی تاوان نہیں جبکہ اُس نے عادت وعرف کے مطابق اُسے برتا استعمال کیا ہو فان کان بتسلیط منہا وما کانت العاریۃ الاللاستعمال (کیونکہ وُہ اس عورت کی تسلیط دے اس کے پاس تھا اور عاریت تو ہوتی ہی استعمال کیلئے ہے۔ت) ہاں جو کچھ حسام الدین نے قصداً خراب کیا یا اُس کے بے احتیاطی سے ضائع ہُوا یا عرف و عادت سے زیادت استعمال کرتے میں ہلاک ہوگیا اُس کا تاوان حسام الدین سے لے سکتی ہے لحصول التعدی (تعدی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ت) فصول عمادی میں ہے:

اذا انتقص عین المستعار فی حالۃ الاستعمال لایجب الضمان بسبب النقصان اذا استعملہ استعمالا معہودا [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب عین مستعار کی حالت میں نقصان ہُوا تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہں ہوگا بشرطیکہ اُس نے عرف وعادت کے مطابق استعمال کیا ہو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال ششم

جومال حسام الدین نے وقتِ شادی خواہ بعد شادی اپنی بی بی کو دیا اُس کی واپسی سے فیض النساء بیگم کو کُچھ علاقہ نہیں ہوسکتا کہ اگر حسام الدین نے عاریۃً دیا تھا تو وُہ خود اُس کا مالک ہے اور اگر زوجہ کو مالک کردیا تھا تو بعد مرگ زوجہ اُس کے پسر و شوہر کو پہنچ کر پھر حسام الدین کے پاس آیا فیض النساء بیگم کا اُس میں کوئی حق نہ تھا' نہ ہے،وھذا ظاہر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

الجواب سوال ہفتم

(اس سوال کا جواب اُسی تحقیق جوابات سابقہ پر مبنی ہے زیور جہیز اگر بنظرِ احکام مذکور ملکِ خدیجہ بی بی

[1] فصول عمادی

قرار پائے تو وُہ ایک چیز ہے کہ بحکم مالک رہن رکھی گئی ہے مورثہ مدیونہ ہے اور مرتہن دائن وارث فک رہن کرائیں گے یا بتراضی باہمی وہی شے دین مرتہن میں دے دیں گے یا زیور دین میں بیچا جائے گا کچھ ہوگا یہ ان کا باہمی معاملہ ہے جس سے فیض النساء بیگم کو کوئی تعلق نہیں اور اگر زیوروں کا ملک فیض النساء بیگم اور خدیجہ بی بی کے پاس عاریت ہونا ثابت ہو تو نظر کریں گے کہ یہ رہن رکھنا بے اجازت فیض النساء بیگم تھا یعنی نہ اُس سے اذن لے کر رہن رکھا نہ اُس نے بعد رہن اس تصرف کو جائز کیا جب اُسے اختیار ہے کہ رہن فسخ کرکے اپنی چیز مرتہن سے واپس لے لے مرتہن اپنا دین ترکہ خدیجہ بی بی سے لیتا رہے، ردالمحتار میں ہے:

لانہ تصرف فی ملکہ علی وجہ لم یؤذن لہ فیہ فصار غاصبا وللمعیر ان یاخذہ من المرتھن ویفسخ الرھن جوہرۃ[1]۔	کیونکہ بیشک اس (راہن) نے دوسرے (معیر) کی مِلک میں اس طور پر تصرف کیا جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تا تو وُہ غاصب ہوگیا اور عاریت دینے والے کو حق حاصل ہے کے مرتہن سے شیئ مرہون لے لے اور رہن کو فسخ کردے۔ جوہرہ۔ (ت)

اور اگر اُس سے پوچھ کر اس کی مرضی کے مطابق رہن رکھا (اگرچہ صورتِ حاضرہ میں ظاہراً اس کی اُمید نہیں) یا بعد رہن اس نے تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن صحیح و نافذ ہوگیا اب فیض النساء بیگم جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو شیئ مرہون واپس نہیں لے سکتی، ہاں یہ اختیار رکھتی ہے کہ اگر ورثہ خدیجہ بی بی فک رہن میں دیر لگائیں یہ خود مرتہن کو اُس کا دین دے کر اپنی چیز چُھڑا لے اور جو کچھ مرتہن کو دے ترکہ خدیجہ بی بی سے واپس لے۔ عالمگیریہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

لو ارادالمعیر افتکاکہ لیس للراھن والمرتھن منعہ ویرجع علی الراھن بما قضی لانہ مضطر فی قضائہ لاحیاء حقہ وملکہ[2]۔	اگر معیر مرہون شَے کو چُھڑانا چاہے تو راہن اور مرتہن اس کو منع نہیں کرسکتے اور وُہ جو کچھ مرتہن کو دے راہن سے لے سکتا ہے کیونکہ وُہ اپنے حق وملک کو حاصل کرنے کے لئے اس ادائیگی پر مجبور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

لورھن دار غیرہ فاجاز صاحبھا جاز[3]۔	اگر کوئی کسی کا گھر رہن رکھ دے پھر گھر کا مالک اس کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۳۱/۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط سرخسی الباب الحادی عشر فی التفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴۸۶/۵

[3] درمختار باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲۷۴/۲

ردالمحتار میں ہے:

ویکون بمنزلۃ مالو اعارھا لیر ھنھا[1] ط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور یہ بمنزلہ اس شیئ کے ہوگیا جس کو کسی نے بطور عاریت دیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس کو رہن رکھ دے، ط۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۷: از رائے پور چھتیس گڈھ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد قاسم صاحب حوالدار پیشی ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مقدمہ ذیل میں، فیض النساء بیگم انجمن نعمانیہ رائے پور میں دادخواہ تھی کہ میں اپنی سوتیلی لڑکی مسماۃ خدیجہ بی بی کی شادی مسمّٰی حسام الدین سے کردی اور لڑکی مذکور نے رحلت کی، اب مجھے حسبِ رواج ملک اپنے کے جو کچھ مال متاع بنام جہیز اپنی لڑکی کو دی ہوں حسام الدین سے واپس دلایا جائے چونکہ وقت دینے اسباب جہیز اپنی لڑکی کو مطابق رسم ورواج عادت عالَم کے نہ تو نیت تملیک کی جاتی ہے نہ ہبہ وعاریت کی بلکہ یُوں ہی بلا کسی نیت کے جو کچھ دینا ہو وقت رخصت دولہا دُلہن کے ہمراہ اُن کے کردیا کئے جاتا ہے غرض جو رواج عام خاص وعام میں پشتہا پُشت سے جاری ہے حسام الدین سے واپس دلاکر دادرسی فرمائی جائے انتہی، اربابِ انجمن فیصلہ مقدمہ ھذا کا صرف اپنی ہی معلومات پر منحصر نہ فرمایا علمائے دین سے بھی فتوؤں کا استدعا کیا چنانچہ علمائے دیوبند کا آخری فیصلہ فتوی روایات فقہ اس بارہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرفا میں مطلقاً تملیک سمجھا جاتا ہے اور بغالب ظن عرف میں یہی ہے کہ کوئی شخص اسباب شادی دے کر واپس نہیں لیتا لیکن باایںہمہ عرف وہاں کا یہی ہے کہ واپس لیا جاتا ہے اور ہبہ وتملیک نہیں ہوتا فیض النساء بیگم اُس کو واپس لے سکتی ہے انتہی، فتوی ندوۃ العلماء جس جگہ میں یہ عرف ہو کہ اشیاء جہیز بطور تملیک دیا جاتا ہے جیسا کہ بلاد ہندوستان میں بھی یہی رواج ہے تو اُس مقام میں اشیاء لڑکی کی مِلک ہوجائیں گی اور لڑکی کے ماں باپ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ واپس کرلے، ہاں جس مقام میں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں اشیائے جہیز مِلک لڑکی کی نہ ہوں گی اور ماں باپ کو اختیار ہوگا کہ واپس کرلے فیض النساء بیگم کو چاہئے کہ گواہوں سے اسباب جہیز دینا اپنے مال سے ثابت کردے اُس کے بعد حسبِ رواج کاربند ہو انتہی فیض النساء کے اپنے مال سے دینے پر صدہا گواہ موجود ہیں۔ فتوی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۰

بریلوی، سوال انجمن نعمانیہ رائے پور، **سوال**: شرع میں رواج ملک کو بھی مداخلت ہے کیا؟ **جواب**: مولانا صاحب! حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف ورواج وغیرہ کسی و حکم میں کُچھ دخل نہیں، ہاں بعض احکام کو شرع اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شَے معروف ورائج ہو جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہ حاصل، اور یہ اس کی صورت کا بنانے والا ہے یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دُلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ وعاریت دونوں کو محتمل' اور ان کا تعیّن عرف پر محمول، جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعوی عاریت نامقبول، اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہانِ شرعی سے اپنا عاریت دینا ثابت نہ کریں، اور جہاں عرف غالب عاریت ہو یا دونوں رواج یکساں ہوں وہاں ان کے قول قسم کے ساتھ معتبر، ایسی جگہ جہیز دینا جہاں تملیک نہ سمجھا جائے گا الخ۔ جنابِ من! فتوٰی جناب کا فائز انجمن نعمانیہ ہو کر کے عرصہ دوسال کا ہوگا اس عرصہ دراز میں اکثر اوقات پیش نظر یعنی جناب رکن اعظم انجمن جناب مولوی حکیم مسمّی ابو سعید صاحب کے بھی رہا، یقین ہُوا کہ مولوی صاحب اُن فتووں کے مطالب مقاصد ظاہر الروایات کے موافق ومطابق بخوبی سوچ سمجھ گئے ہوں گے، آخر الامر بروز جلسہ مع فتوٰی جناب کا بھی فتوٰی مولوی صاحب نے پڑھا اور جملہ اوّل جناب کے فتوٰی کا یہ تھا: "حکم شرع مطہر کے لئے ہے۔" مولوی صاحب نے جملہ مذکور کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ جو حکم شرع کا ہے وُہ پاک ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ علاوہ بریں مولانا ممدوح کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواج مُلک کو شرع میں کُچھ دخل نہیں ورنہ فیض النساء بیگم موافق دعوی اپنے اشیاءِ جہیز پانے کا کسی طرح حقدار ہو سکتی ہے بلکہ دعوی اس کا شرعًا مردود اور رواج مُلک مطرود، کیونکہ رواج مُلک بمقابلہ شرع کے ایک بیہودہ بات ہے، غرض اربابِ انجمن نے مولوی صاحب کے لاطائل بیان کو عدمِ واقفیت مسائل فتوٰی سے بلاغور وتامل مان لیا انتھی، التماس بندہ محمد قاسم ع

دل صاحبِ انصاف سے انصاف طلب ہے

اگرچہ یہ ناچیز حسبِ مقدور انجمن نعمانیہ میں بہت کُچھ رویا مگر نہ رونے کا اثر ہُوا نہ گانے کا، چونکہ تاریخ ملاحظہ فتوٰی سے تاآخر یہی کہتا رہا کہ مقدمہ مذکور میں جو رواج ملکی کا ذکر ہے ہر فتوٰی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ رواج حکم میں عین شرعِ محمدی ہے اور جس پر حکم شارع علیہ السلام کا موجود، پس فیض النساء بیگم موافق فتوٰی علمائے دین کے مال واسباب جہیز کا موافق شرع محمدی کے واپس لینے کی مستحق ہے، جیسے مولانا احمد رضاخاں صاحب مدظلہ، اپنے فتوے میں لکھتے ہیں، قولہ ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دُلہن والے اپنی طرف سے سلامی وغیرہ جو کچھ کپڑے ونقد دُولہا کو دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں وُہ دینا ہبہ سمجھا جائے گا۔ غرض بندہ نے جناب کے مسئلہ کا خلاصہ ممبران انجمن کو اس طرح سمجھا و سمجھا دی کہ ہندوستان میں ہزارہا بندگانِ خدا اس طرح کے بھی ہیں کہ جنہوں نے عمر خود میں کبھی نام تملیک کا سُنا نہ ہبہ وعاریت کا بلکہ خاص رواج ملک کے بلانیت تملیک وہبہ وعاریت کے

جو کچھ دینا ہے بیٹی داماد کو دیا کرتے ہیں مگر اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ یہ جو اسباب شادی ہم بیٹی داماد کو دیتے ہیں وُہ سب خاص مِلک اُنھوں ہی کی ہے پس اسقدر سمجھنا اُنھوں کا حکم تملیک کا رکھتا ہے پس اسی کا نام شرع محمدی ہے پس اُس رواج عام کی تعمیل ہر فرد بشر پر کیا معنی بلکہ حاکم پر بھی واجب ہے پس اسی طرح اہلِ مدراس بھی بلانیت تملیک وہبہ عاریت کے اسباب جہیز دیا کرتے ہیں مگر دینے کے وقت اُن کی نیت یہ ہوا کرتی ہے کہ بعد فوت لڑکی کے وہ سب مال واسباب واپس لیا کریں گے اور دُولہا بھی سمجھ لیا ہے کہ مجھے ضرور ہی واپس دینا ہوگا، پس یہ طرفین کے سمجھ لینے کا نام شرع محمدی میں معاہدہ ٹھرا، پس اُس کے واپس لینے میں کون امر شرعی مانع ہے، پس بموجب رواج شرعی کے ایک بڑے زبردست فاضل وفقیہ مسمّٰی صوبیدار شیخ حسین صاحب نے بمجرد فوت ہوتے ہی اپنی بہوکے اُس کا سب مال واسباب جہیز کا واپس کردیا اور اس مال کے استعمال کو واسطے حلال نہ جانا اور اس معاملہ کو ممبرانِ انجمن بخوبی جانتے ہیں بمقابلہ سمجھ اپنے نہ توخدا کی مانے اور نہ رسولِ خدا کی، تو پھر علماء فضلاء کی کب ماننے لگے غرض اگر کوئی ہندوستانی مدراسی عورات کو شادی کرے بعد موت اُس عورت کے موافق رواج ملک کے اُس کو سب جہیز واپس دینا ہوگا، چونکہ پابندی رواج مُلک کی اس پر واجب ہوگی برخلاف رواج مُلک اپنے کے، غرض فیض النساء بیگم کا اسبابِ جہیز دینا لڑکی کو موافق رواج ملک کے طرفین کی رضامندی سے شرعًا معاہدہ ٹھرا جو حقیقت میں نظیر عاریت کی ہوسکتی ہے، غرض فتوے سے علمائے دین کے صرف دو[۲] بات ہے:

اوّلًا یہ کہ جس ملک میں رواج تملیکًا کا ہے وہاں مِلک لڑکی کی ہوگی اُس میں ماں باپ واپس نہیں لے سکتے اور جہاں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں ماں باپ واپس لے سکتے ہیں اور ملک مدراس میں موافق رواج قدیم کے بمجرد فوت ہونے لڑکی کے جو کچھ اسباب جہیز میں دیا گیا ہے واپس لیا کرتے ہیں، نہ وہاں کوئی تمیک کو پوچھتا ہے انتہٰی التماس فیض النساء بیگم موافق رواج ملک اپنے کے اور مطابق فتوی علمائے دین کے جو آگے لکھ چکا ہوں اپنے داماد ہندوستانی سے پا سکتی ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا**

ثانیًا فیض النساء بیگم کی نسبت جو کچھ مناسب ہو مختصر طور سے دوچار سطر کافی ہے باقی جناب کے فتوے کا پہلا مسئلہ جو رواج، اسباب جہیز وغیرہ کی نسبت ہے آگے اس استفتاء کے لکھاہوں جس کا پہلا جملہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے، اس تمام مسئلہ کا خلاصہ سہل سلیس عبارت موافق عام فہم کے جس میں عربی وفارسی عبارت ولغات نہ ہو، براہِ نوازش تحریر فرمائیں، عین بندہ نوازی ہوگی، اُمید کہ جواب بھی اسی کاغذ میں مرحمت ہو تااعتبار میں بندہ کے فرق نہ ہو۔

الجواب:

فتوائے فقیر کا وہ مطلب کہ رکن اعظم انجمن نے بیان کیا محض غلط ہے، نہ اُن الفاظ سے کسی طرح اس کا وہم گزر سکتا ہے، سائل نے ان لفظوں سے سوال کیا تھا کہ "شرع میں رواج ملک کو مداخلت ہے کیا ان کے جواب میں اگر "ہاں" کہا جاتا تو ایک بُرے معنٰی کو موہوم ہوتا کہ شرع کے حکم میں اُن کے غیر کو مداخلت ہے اور اگر "نہ" کہا جاتا تو معنی غلط مفہوم ہوتے کہ عرف کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں حالانکہ صدہا احکام شرع مطہر نے عرف پر دائر فرمائے ہیں، لہٰذا ان لفظوں سے جواب دیا گیا کہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے یعنی اصل حاکم شرع شریف ہے عرف ورواج وغیرہ کسی کو حکم میں کچھ دخل نہیں کہ خلافِ شرع یا بے حکم شرع عرف وغیرہ اپنے آپ کوئی حکم لگا سکیں ان الحکم الا للہ حکم کا مالک بس ایک اللہ ہے ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے کہ جہاں جیسا عرف ہو شرع اس کا لحاظ فرما کر ویسا ہی حکم دیتی ہے تو اصل حکم شرع ہی کیلئے ہُوا اور اُسی کے معتبر رکھنے سے وہاں عرف کا اعتبار ہُوا یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ شرع نے یہاں عرف ورواج ملک پر مدارِ کار رکھا ہے، اگر جہیز دے کر دُلہن کو اس کا مالک سمجھتے ہیں تو تملیک مطلقاً مردود و بے اعتبار ہے، اُسی فتوٰی میں صراحۃً یہ لفظ موجود تھے، بالجملہ یہاں مدار عرف ورواج پر ہے اور ان سب اقوال وتفاصیل کا یہی منشا، توجدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب الخ سائل نے سوالات کلّی طور پر کئے تھے کہ شرع میں رواج کو دخل ہے یا نہیں، جہیز جو لڑکی کو دیا جاتا ہے عاریت سمجھا جائے گا یا نہیں۔ اس وجہ سے جواب میں اُن تفصیلوں تحقیقوں کا افادہ ضرور ہُوا، اب کہ آج کے سوال میں خاص مسئلہ فیض النساء بیگم سے سوال اور تصریحًا بیان کیا ہے کہ یہاں تملیک مقصود نہیں ہوتی اور عمومًا واپس لیتے ہیں اور گواہ موجود ہیں کہ فیض النساء بیگم نے یہ جہیز اپنے ہی مال سے دیا، اس کا جواب اسی قدر ہے کہ اس صورت میں ضرور فیض النساء بیگم جہیز واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے جبکہ اس کی طرف سے کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی ہو جبکہ وہاں مطلقًا عمومًا بعد موت عروس لینے کا اختیار رکھتی ہے جبکہ اس کی طرف سے کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی ہو کہ جبکہ وہاں مطلقًا عمومًا بعد موت عروس واپسی جہیز کا رواج ہے تو ظاہرًا یہ رواج حقیقی ماں باپ کے سوا اَوروں میں بھی دائر وسائر ہوگا کہ جو شخص اپنے مال سے عروس کو جہیز دے بعد موتِ عروس واپس لے کہ جب حقیقی ماں باپ ہمیشہ واپس لیتے ہیں تو اور لوگ بدرجہ اولی واپس لیتے ہوں گے تو اس عرف واپسی بعد الموت میں فیض النساء بیگم بھی داخل ہُوئی، ہاں غیروں کے لئے یہاں محلِ نظر اتنا امر تھا کہ جہیز اپنے مال سے دینا ثابت ہو اس کی نسبت سائل بیان کرتا ہے کہ صدہا گواہ موجود ہیں تو اب فیض النساء بیگم کو اختیار واپسی ملنے سے کوئی مانع نہ رہا،

وذٰلك كله ظاہر لمن حقق النظر فی فتوٰنا الاولی ھذا اما عندی والعلم بالحق عند ربّی واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور یہ تمام اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس نے ہمارے فتوی سابقہ میں تحقیقی نظر ڈالی۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: ازانجمن بریلی ۴جمادی الاآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن اسلامیہ بریلی نے ایک یتیمیہ کا نکاح کیا، بعد نکاح کے معلوم ہُوا کہ یتیمیہ عورت نہیں اس وجہ سے شوہر نے نہیں رکھا اور سامانِ جہیز جو انجمن سے یتیمیہ کو دیا گیا تھا وہ واپس آیا، آیا وُہ جہیز حق انجمن کا ہے یا یتیمیہ کا ہے یا یتیمیہ کو ملنا چاہئے؟

الجواب:

بیان تفصیلی سوال آرندہ سے معلوم ہُوا کہ یتیمہ عورت توضرور ہے مگر مرد کے قابل نہی، عورت نہ ہونے سے سائل کی یہ یہی مراد ہے، صورتِ مستفسرہ میں وُہ جہیز خاص ملک یتیمہ ہے انجمن کا اُس میں کچھ حق نہیں کہ جہیز ان بلاد بلکہ عامہ امصار کے عرفِ عام میں تملیکاً دیا جاتا ہے اور عورت اس کی مالک مستقل ہوتی ہے، مرد کے قابل نہ ہونا کچھ مانع مِلک نہیں۔

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ[1]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے۔ (ت)

اقول: تحقیق مقام یہ ہے کہ انجمنوں میں جو روپیہ چندے سے جمع ہوتا ہے اگرچہ ملک چندہ ہندگان سے خارج نہیں ہوتا کما حققناہ بتوفیق اللہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر صدر انجمن جس کے حکم سے یہ سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائز و انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہے اسبابِ جہیز کہ اس نے خریدا اگرچہ یہاں کسی شیئ معین کی خریداری پر توکیل نہیں، نہ وقت شرا یہ نیت ظاہر کہ چندہ دینے والوں کے لئے خریدا اگرچہ یہاں کسی شیئ معین کی خریداری پر توکیل نہیں، نہ وقت شرا یہ نیت ظاہر کہ چندہ دینے والوں کے لئے خریدتا ہوں مگر زرِ چندہ نیت للموکلین ہے کہ انجمن اُن کی ہیئت مجموعی سے عبارت ہے۔

فی الدر المختار لووکله لشراء شیئ بغیر عینه	درمختار میں ہے کہ اگر کسی کو غیر معین شیئ کی

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۸/۲

فالشراء للوکیل الّا اذانواہ للموکل وقت الشراء اوشراء بمال الموکل اھ ملتقطا[1]	خریداری کے لئے وکیل بنایا تو خریداری وکیل کے لئے ہوگی مگر جب کہ وکیل نے بوقت خریداری موکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو۔ یا موکل کے مال سے خریداری ہو اھ ملتقطا

اب جس طرح وُہ وکیل بالشرا تھا بالہبہ بھی ہے تو یہ ایک ہبہ ہے کہ جماعت کی طرف سے بنام یتیمہ واقع ہوا اور ایسا ہبہ مطلق جائز ہے اگرچہ شے موہوب قابل قسمت بھی ہو۔

لان القابض واحد فلاشیوع فی الدرالمختار وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع[2]۔	کیونکہ قابض ایک ہے تو شیوع نہ ہُوا۔ درمختار میں ہے کہ دو شخصوں نے ایک شخص کو گھر ہبہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ شیوع نہیں ہے۔(ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ یتیمات کا نکاح کرنا اُنہیں مالِ انجمن سے جہیز دینا اغراضِ مشتہرہ معلومہ انجمن میں داخل ہو جس سے اس امر میں بھی ملکانِ چندہ کی طرف سے توکیل صدر حاصل ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ بلا اذن مالکین یہ تجہیز صدر نے بطور خود کی تو اب وُہ اس شرائے سامان میں فضول ہوگا اور شراء جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے اور اس صورت میں وقت شراء چندہ دہندوں کی طرف اضافت نہ ہونا خود ظاہر، تو تمام سامان مِلک صدر ہوا اور اس کی طرف سے یتیمہ کے لئے ہبہ تامہ ہوگیا، یُوں بھی صورت مذکورہ میں مال مِلک یتیمہ ہوگا حق انجمن سے اصلاً علاقہ نہیں، ہاں انجمن کے روپے کا تاوان صدر پر آئے گا لخلافہ واتلافہ فیما لم یوذن بہ (اس کی مخالفت اور اس چیز کو تلف کرنے کی وجہ سے جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تھا۔ت) درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضاف بان قال بع ھذا لفلانٍ فقال بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرہا باختصار،[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے دوسرے کے لئے کچھ خریدا تو شراء مشتری پر نافذ ہوگی جبکہ اُسے دُوسرے کی طرف مضاف نہ کیا ہو۔ اور اگر دوسرے کی طرف اس کی اضافت کی اوریُوں کہا کہ یہ شیئ فلاں کے لئے بیچ، اس پر بائع نے کہا کہ میں نے فلاں کے لئے بیچی تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ اختصار۔ اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۱۰۵/۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲

[3] درمختار باب البیع الفاسد فصل فی الفضول مطبع مجتبائی دہلی ۳۱/۲

مسئلہ ۸۹: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی جس وقت شادی ہُوئی تو اس کے والدین حسبِ دستور جوڑے زیور وغیرہ چڑھایا اور بعد نکاح ہونے کے لڑکی کے والدین نے کچھ زیور اور جوڑے وغیرہ جہیز میں دیا بعدہ، کُچھ زیور نکاح کے بعد بنوادیا زید نے، اور کچھ کپڑا وغیرہ بھی علاوہ معمولی کپڑے کے، اور اس عورت نے وقت مرنے اپنے شوہر کے اور اب تک مہر بھی معاف نہیں کیا بلکہ مرتے وقت اُس کے پاس بھی نہیں گئی اور زید کے نام کچھ جائداد وغیرہ نہیں ہے، اس صورت میں اُس مال کا مالک کون ہوگا اور مہر کا ادا کرنا کسی کے ذمّے عائد ہوگا یا نہیں، اگر عائد ہوگا تو کس کے ذمّے ہوگا؟

الجواب:

جو کُچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا اس کی مالک خاص عورت ہے اور جو کچھ چڑھاوا شوہر کے یہاں سے گیا تھا اس میں رواج کو دیکھا جائے گا، اگر رواج یہ ہو کہ عورت ہی اس کی مالک سمجھی جاتی ہے تو وُہ بھی عورت کی مِلک ہو گیا، اور اگر عورت مالک نہیں سمجھی جاتی ہے تو وہ جس نے چڑھایا تھا اُسی کی مِلک ہے خواہ والدِ شوہر ہو یا والدہ یا خود شوہر۔ اور جو زیور زید نے بعد نکاح بنوایا اگر عورت کو تملیک کر دی تھی یعنی یہ کہہ دیا تھا کہ میں نے یہ زیور تجھے دے ڈالا تجھے اس کا مالک کر دیا اور قبضہ عورت کا ہو گیا تو یہ زیور بھی مِلکِ زن ہو گیا، اور اگر کہا کہ تجھے پہننے کو دیا تو شوہر کی مِلک رہا۔ اور اگر کچھ نہ کہا تو رواج دیکھا جائے گا، اسی طرح زیور بنادینے کو اگر عورت کی تملیک سمجھتے ہیں تو بعد قبضہ عورت مالک ہوگی ورنہ مِلک شوہر پر رہا، عورت کا مہر ذمہ شوہر ہے، اگر شوہر کا کچھ مال مثلاً یہی زیور کہ اس نے بنادیا تھا اور عورت کی مِلک اس میں ثابت نہ ہوئی تھی، یا اور جو چیز مِلک شوہر پالے اُس سے وصول کرلے، اگر مِلک شوہر کُچھ نہ ملے تو شوہر کے والدین وغیرہما سے کچھ مطالبہ کسی وقت نہیں کرسکتی جبکہ انہوں نے مہر کی ضمانت نہ کرلی ہو اُس کا معاملہ عاقبت پر رہا اور افضل یہ ہے کہ شوہر کو معاف کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: از ملک برہما شہر اکیاب تھانہ منگڈوچ پوسٹ آفس ناکپورا بازار موضع رامپور بیل مسئولہ ناظر علی صاحب

دادوستد معتادومعروف کہ در مصالح انتظام مناکحت و مصاہرت مروج ومعروف ست ازروئے شرع شریف جائز است یانہ، اگر چیزے ونقدے بنابر عرف دیار خود از خاطب وناکح گرفتہ مع شود خواہ بشرط باشد بغیر چنانکہ در دیار بنگالہ	عرف وعادت کے مطابق دینا اور لینا جو کہ شادی بیاہ کے انتظامی مصالح کے لئے مروج ومانوس ہے شرع شریف کی رُو سے جائز ہے یا نہیں، اگر کوئی چیز یا نقدی اپنے علاقے کے رواج کے مطابق خاطب (پیغامِ نکاح دینے والا) اور

وبرہماازقدیم الایام دستور است کہ از خطاب ونلح قبل عقد نکاح بطور ساچق لوازمہ شادی ونکاح کہ مراد ازبرگ تنبول وپوپل وجغرات وشکروغیر ذلک باشد وخرچہ ضیافت احباب طرفین می گویند کہ باہں طور گرفتین جائز نیست زیرا کہ رشوت ست وداقسام رشوت داخل پس قولِ ایشاں صحیح ست یانہ۔ بینوابسند الکتاب توجروامن اللہ الوہاب فی یوم الجزاء والحساب۔	نلح سے لی جائے چاہے مشروط ہو یا غیر مشروط، جیسا کہ بنگال اور برہما کے علاقوں میں زمانہ قدیم سے دستور چلاآرہا ہے کہ عقد نکاح سے پہلے خاطب ونلح سے شادی اور نکاح کے لئے ضروری سامان کے طور پر لیتے ہیں جس سے ان کے مراد پان کے پتّے، سپاری، چھالیہ، دہی، شکّر، اور فریقین کے احباب کی دعوت کاخرچہ ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز، بنگال وبرہما کے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح لینا جائز نہیں کیونکہ یہ رشوت ہے اور رشوت کی رقموں میں داخل ہے، کیاان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتاب بیان فرمائیں جزاء وحساب کے روز بہت عطافرمانے والے معبود سے اجر پائیں۔ (ت)

الجواب:

رشوت آنست کہ دربعض اقوام اراذل شائع ست کہ دختر وخواہر خودرابزنی ندہند تاچیزے بمعاوضہ از خاطب برائے خود نگیرند ونیز آنست کہ کسے مولیہ خود را بزنی دادہ باشد بشوئی نسپرد تا چیزے برائے خود نگیر وفی البزازیۃ الاخ ابی ان یزوج الاخت الا ان یدفع الیہ کذا فدفع لہ ان یاخذہ قائما اوھالکالانہ رشوۃ[1] اھ وفی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم بان ابی	رشوت وُہ ہے جو بعض قوموں میں رائج ہے کہ اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی سے اس وقت تک نہیں کرتے جب تک خاطب سے اپنے لئے کوئی چیز حاصل نہ کرلیں، نیز رشوت وُہ ہے کہ کوئی شخص اپنے زیر ولایت لڑکی کا رشتہ تو کردے مگر اپنے لئے کچھ لئے بغیر وہ لڑکی شوہر کے حوالے نہ کرے۔ بزازیہ میں ہے کہ بھائی نے اپنی بہن کی شادی کرنے سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ اس کو کُچھ دیا نہ جائے چنانچہ اس کو کُچھ دے دیا گیا تو دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وُہ اس بھائی سے واپس لے چاہے وُہ دی گئی شے اُس کے پاس موجود ہو یا ہلاک ہوچکی ہو

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ باب المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۳۶

ان یسلمها اخوها اونحوه حتی یاخذ شیئا فللزوج ان یسترده لانه رشوة[1] اما انچه بروجه صله وہدیه ومعونة متعارف شده است تادرضیافات وامثالها صرف کرده شود زنهار نه رشوت ست نه حرام فی الخیریة رجل خطب من اٰخرته ودفع لها شیئا یسمّٰی ملا کا ودراهم وایضامن عادة اهل الزوجة اتخاذ الطعام بها ان اذن لهم باتخاذه واطعامه للناس صار کانه اطعم الناس بنفسه طعاما له وفیه لایرجع[2] ۔تمام تحقیق ایں مسئله درفتاوٰی فقیر مذکور ست۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وُہ رشوت ہے الخ تنویر الابصار، در مختار اور ردالمحتار میں ہے کہ عورت والوں نے رخصتی کے وقت کوئی شَے وصول کی بایں طور کہ عورت کے بھائی وغیرہ نے کچھ لئے بغیر وہ عورت شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تو شوہر وہ شیئ واپس لے سکتا ہے کیونکہ وُہ رشوت ہے، مگر وُہ جو تحفہ، ہدیہ اور امداد کے طور پر متعارف ہے کہ اسکو دعوت وغیرہ میں خرچ کریں وُہ ہرگز رشوت وحرام نہیں ہے۔ خیریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو اس کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا اور اُس کو کوئی شیئ دی جس کو ملاک کہا جاتا ہے اور کچھ درہم بھی دئے کہ عورت والوں کی عادت اُس سے کھانا تیار کرنے کی ہے، اگر اُس نے ان کو کھانا تیار کرنے اور لوگوں کو کھلانے کی اجازت دی ہے تو ایسا ہی ہے جیسے اس نے بذاتِ خود اپنی طرف سے لوگوں کو کھانا کھلایا ہو لہٰذا اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔ اس مسئلہ کی پُوری تحقیق فقیر کے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۱: از کھاتہ نگریا مرسلہ سیّد ضیاء الدین صاحب ۹ محرم شریف ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد نعیم خاں نے اپنے بست سالہ لڑکے عبدالرحیم خاں کا نکاح ایک لڑکی سے اور قبل عقد حسبِ رواج کچھ زیور طلائی ونقرئی اس لڑکی کو چھڑھایا، رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ عبدالرحیم خاں انتقال کرگیا، لڑکی اپنے والدین کے گھر رہی، شوہر کو بالکل دیکھا بھی نہیں، ایسی حالت میں وُہ زیور والد متوفی کو قابلِ واپسی ہے یا نہیں، اور یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ ایسے موقع پر اکثر زیور عاریت لے کر بھی چڑھادیتے ہیں اور بعد رخصت واپس لے کردے دیتے ہیں یہ شخص بہت قلیل المعاش اور معمولی شخص تھا اس کے والدین اس قدر حیثیت نہیں رکھتے کہ اس قدر کثیر مال کے زیور کو اپنے پسر کی زوجہ کو بعد رخصت

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳، ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۶

[2] فتاوٰی خیریۃ باب المہر دارالمعرفۃ بیروت ۱/۶۷

بھی بخشیدہ اور موہوبہ سمجھ لیتے اور اُن کے یہاں رواج عام بھی خانگی ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اگر ایسا چڑھاوا چڑھایا تو بعد رخصت واپس لے لیا، اگر ذی مقدور ہوئے اور حاجت نہ ہُوئی تو چھوڑ دیا، فقط۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اُس کی واپسی ضروری ہے،

لانہ لاھبۃ نصاولادلالۃ ولواشترك العرف لم یدل علی التملیك وکان الدافع ادری بجھۃالدفع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ یہ نہ تو صراحۃً ہبہ ہے اور نہ ہی دلالۃً، اور اگر عرف مشترک ہو تو تملیک پر دلالت نہیں کرتا اور دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ تا ۹۳: مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شادی کے قبل جس کو چھڑھاوا کہتے ہیں جو کہ دُلہن کو کچھ زیورات وکپڑا وغیرہ پہنایا جاتا ہے وہ کیسا ہے؟

(۲) جس کو لگن کہتے ہیں ایک پیتل کی تھالی ہوتی جس میں کچھ روپیہ کپڑا وغیرہ دُلہن کی طرف سے رکھ کر دُولہا کے مکان پر آتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا مالک کون ہے؟

الجواب:

(۱) جائز ہے پھر اگر اس سے مقصود دُلہن کو مالک کردینا ہوتا ہو تو بعد قبضہ دُلہن مالک ہوجائے گی ورنہ جس نے چڑھایا اس کی ملک رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جائز ہے اور دُولہا بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے کہ اس میں یہی عرف عام ہے اور گہنے میں رواج مختلف۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از بلہاری احاطہ مدراس مرسلہ محمد نصیرالدین صاحب قادری حنفی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید بچپن سے اپنے باپ کے ساتھ ایک ہی دکان میں بیوپار کرتا رہا (یعنی اپنے باپ کے ماتحت تھا اور کام بھی کرتا تھا) اور اپنے باپ ہی کے گھر میں تھا مذکور زید کی شادی باپ عمرو نے ہی کیا اب زید نے انتقال کیا مرحوم زید کی عورت اپنا جہیز اور اپنا مال وزر اور وُہ مال جو نسبت کے وقت اس کو دئے ہیں (عرف میں جسکو چڑھاوا کہتے ہیں) اور اپنا مہر اپنے خسر سے طلب کرسکتی ہے یا نہیں اور اس کی عدّت میں نان ونفقہ کس کے ذمّہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جہیز تو سب عورت کا ہے اس میں کسی کا حق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

کُل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ لاحق لاحدٍ فیه [1]	ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا (ت)

اور چڑھاوے کا اگر عورت کو مالک کر دیا گیا تھا خواہ صراحۃً کہہ دی تھا کہ ہم نے اس کا تجھے مالک کیا ی وہاں کے رسم و عرف سے ثابت ہو کہ تملیک ہی کے طور پر دیتے ہیں جب تو وُہ بھی عورت ہی کی ملک ہے ورنہ جس نے چڑھایا اس کی مِلک ہے باقی مال ورز جو اپنے باپ کے یہاں سے لائی یا شوہر یا شوہر کے باپ نے بطور تملیک اُس کو دیا یعنی ہبہ کرکے قبضہ دے دیا وہ بھی عورت ہی کی مِلک ہے اور اگر گھر کے خرچ کے لئے دیا اور مالک اس کا ذاتی مال ہو اُس سے وصول کرے شوہر کے باپ پر دعوی نہیں کر سکتی جب تک اُس نے کفالت نہ کرلی ہو عدّتِ طلاق کا نفقہ ہوتا ہے عدتِ موت کا نفقہ ہی نہیں جس کا وُہ کسی سے مطالبہ کرسکے اپنے پاس سے کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۶۸/۲ و ۶۵۳

باب نکاح الکافر
(کافر کے نکاح کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۹۵: از شاہجہان پور محلّہ بارہ دری مرسلہ عبداللہ خاں صاحب ۵رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید نے قادیانی مذہب اختیار کرلیا اور اس کی عورت بدستور اپنے اصلی مذہب حنفی پر رہی گو زید نے مذہب قادیانی گوارا کرنے میں اپنی عورت کر مجبور نہیں کیا لہذا ایسی حالت میں کہ جب مابین زن و شوہر کے اختلاف مذہب ہوگیا ازرُوئے حکم شرع شریف کے بحالت طرزِ معاشرت درمیان زن وشوہر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت فوراً نکاح سے نکل گئی اُن میں باہم کوئی علاقہ نہ رہا مرد محض بیگانہ ہوگیا اب اس قربت زنائے خالص ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:

وارتد احدھما فسخ عاجل[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے اُسی وقت نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

مسئلہ ۹۶: از ریاست بھوپال کچھ بنگلہ چیف سکریٹری صاحب مرسلہ مجتبٰی علی خاں صاحب ۱۰رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ ایک عورت قوم نصارٰی یا مجوس ہے اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہُوئی ہے وُہ اپنے مذہب پر قائم ہے،ایک شخص کہ وہ مسلمان ہے اور وہ شخص اس کے ساتھ عقد کرنا چاہتا ہے،اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہوئی،تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا مسلمان ہووے تو جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عورت مجوسیہ سے مسلمان نکاح نہیں کرسکتا،اگر کرے گا باطل،یوں ہی نصرانیہ سے ایک قول پر اور دوسرے قول پر نصرانیہ سے نکاح اگرچہ ہوجائے گا مگر ممنوع وگناہ ہے،پہلے قول پر اس سے بچنا فرض ہے اور دوسرے قول پر واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۷: از خیرآباد ڈاکخانہ خاص محلّہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن وشوہر ہیں ہندہ سیّدہ ہے مگر جاہل بیوقوف تندمزاج ہے اور زید شیخ کچھ لکھاپڑھا اور سخت مزاج عصّہ ور ہے اور ہر دو معزز اور ایسے خاندان کے ہیں جو اپنے مذہب کے پابند ومطیع اور مسائل شریعت سے واقف ہیں جس میں ایک دوسرے کے حقوق کے بھی مسائل شامل ہیں،زید چاہتا ہے کہ ہندہ پرورشِ اطفال وخدمتِ خود وخاطر مدارات اعزاواحباب وامورِ خانہ داری ومہمان نوازی تابہ مقدور کرے،اگر کوئی کام زید کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو زید ہندہ سے سختی سے پیش آتا ہے اور اکثر سخت مگر مہذّب الفاظ کہتا ہے ایسے کاموں میں وسط رمضان المبارک میں زید ہندہ سے خفا ہوا اور ہندہ سے کہا کہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی اور پھر اپنے اور تمہارے گھر والوں میں فضیحت کی مگر کُچھ سُود مند نہ ہُوا اب صرف اذیت کا درجہ باقی ہے جس کو اگر میں چاہوں تو مجھ کو پہنچانے کا حق ہے اور یہ شرعی احکام ہیں مگر میں بوجہ شرافت اس کو پسند نہیں کرتا ہوں اگر تم کو یہ پسند نہیں ہے اور نباہ ہونا مشکل ہے تو مجھ سے کہہ دو کہ میں تم کو آزاد کردُوں یعنی طلاق دے دوں کیونکہ شریعت کی یہ تعلیم ہے بعد کو تم اپنا کرلینا جیسا تم کو اچھا معلوم ہو میں اپنا کرلوں گا اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔اس پر ہندہ نے عصّہ میں آکر کہا کہ "چُولہے میں جائے ایسی شریعت" یا "مَری پڑے ایسی شریعت پر" زید کو فقرہ اوّل یاد ہے کہ ہندہ نے کہا تھا،ہندہ اس سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے فقرہ نمبر ۲ کہا تھا،

اور کہتی ہے کہ مجھ سے غصّہ میں روز مرہ کو بول چال کے مطابق یہ الفاظ نکل گئے اس سے میری غرض نیت اسلام سے خارج ہونے کی نہ تھی نہ تحقیر شریعت، لہٰذا مفصلہ ذیل امور کا جواب برائے خدا و رسول بحوالہ کتب جلد مرحمت فرمائے:

(۱) کیا فقرہ مذکورہ بالا سے ہندہ مرتد ہو گئی اور اسلام سے خارج ہوئی؟

(۲) اگر مرتد ہو گئی تو کیا نکاح فسخ ہو گیا اور ہندہ درجہ طلاق میں گئی؟

(۳) کیا اب زید بلاطلاق دئے ہُوئے ہندہ سے تعلق ترک کرسکتا ہے اور کوئی مواخذہ اس سے نہ ہوگا؟

(۴) کیا بحالت مرتد ہونے کے اور نکاح فسخ ہونے پر مہر سابقہ کلیۃً یا اس کا کوئی جُز اس پر جواب الادا ہے یا بالکل سوخت؟

(۵) کیا ایسی صورت میں ہندہ بعد تجدید ایمان بلااجازت زید دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

(۶) کیا ہندہ کا نفقہ ایسی صورت میں زید پر واجب الادا ہے؟

(۷) اگر ہندہ نے تجدید ایمان کرلیا تو کیا زید و ہندہ باہم گر تجدید نکاح پر شرعاً مجبور ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(۸) صورتِ حال میں اگر زید تجدید نکاح پر تیار ہو تو مہر سابقہ تعداد پر معیّن ہوگا یا اب تعداد جدید فریقین کی رضامندی پر معیّن ہوگی۔

(۹) صورت حال میں کیا ہندہ زید کی مرضی کے موافق کم مہر پر مجبور کی جائے گی اور تعداد مہر کم سے کم کیا ہوسکتی ہے؟

الجواب:

ہندہ نے پہلا فقرہ کہا ہو خواہ دوسرا، ہر طرح اس کا ایمان جاتا رہا کہ اس نے شرع مطہر کی توہین کی مگر ہندہ نکاح سے نہ نکلی، نہ ہرگز اُسے روا ہے کہ بعد اسلام کسی دوسرے سے نکاح کرلے **لان الفتوی علٰی روایۃ النوادر لاجل فسادالزمان کما بیّنّاہ فی فتاوٰنا** (کیونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے فتوٰی نوادر کی روایت پر ہے جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) ہاں بعد اسلام زید سے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی **احتیاطا لاصل المذہب** (احتیاط کے طور پر واسطے اصل مذہب کے۔ت) زید اگر اُس سے ترک تعلق چاہے تو طلاق دے، ہندہ کا نفقہ زید پر نہیں جب تک اسلام نہ لائے کہ وُہ اپنے فعل سے زید پر حرام ہو گئی ہے **ولا نفقۃ لمرتدۃ** (مرتدہ کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ت) مگر مرتدہ ہونے سے مہرِ مدخولہ ساقط نہیں ہوتا تمام و کمال بدستور زید پر واجب ہے، تجدید نکاح میں مہر جدید برضائے فریقین معیّن ہونا یا پہلی تعداد کا لحاظ کچھ ضرور نہیں بلکہ ہندہ سب سے کم مہر پر مجبور کی جاسکتی ہے جس طرح نکاح پر مجبور

کی جائے گی۔ درمختار میں ہے:

تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوٰی[1]۔	اسلام پر مجبور کی جائے گی اور بطور زجر کمترین مہر مثلاً ایک دینار کے بدلے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی اور اسی پر فتوی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلکل قاض ان یجددہ بمھر یسیر ولو بدینار رضیت امر لا[2]۔	یہ قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اس عورت سے کمترین مہر کے عوض تجدید نکاح کرائے اگرچہ ایک دینار ہو چاہے وُہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔(ت)

مہر کی اقل مقدار دس۱۰ درم ہے کہ یہاں کے دو۲ روپے تیرہ آنے سے کُچھ کم ہے یعنی ۹/۱۲-۲/۵ پائی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از نذر محمد خاں صاحب امام جامع مسجد مُلّاجی صاحب ڈاکخانہ خاص لگانہ ضلع رہتک۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کسی ہندو کی لڑکی نابالغ بغیر اجازت والی کے کہیں سے لے آوے اور بغیر مسلمان کئے پڑھادیوے جائز ہے یا کہ نہیں، اور اسی طرح مسلمان نابالغ لڑکی سے بغیر اجازت والی کے دُوسرا کوئی نکاح پڑھادیوے تو پھر والی اس کو توڑ سکتا ہے یا کہ نہیں اور پڑھانے والے پر کیاالزام ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نابالغہ کا نکاح بے اجازت ولی نافذ نہیں ہوسکتا، ولی اس کو فسخ کرسکتا ہے، اور ہندو کی لڑکی سمجھ وال کہ اسلام وکفر جانتی ہے اگر کُفر اختیار کرے تو خود مشرک ہے، اور سمجھ وال نہ ہو تو اپنے باپ کے اتباع سے مشرک ہے، بہر حال اس سے نکاح باطل ہے اگرچہ باجازت ولی ہو، ہاں اگر سمجھ دار ہونے کی حالت میں ایمان لے آئے اس کے بعد باجازت اُس کے کسی ولی مسلم ورنہ اذنِ حاکمِ اسلام سے نکاح کیا جائے تو صحیح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۲

مسئلہ ۹۹: از لکھنؤ محلّہ گڈھیا کمال جمال مسئولہ مولوی عابد حسین صاحب عباسوی ۱۴محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضیہ عورت سے نکاح شرعاً جائز ہے یا ناجائز، نیز اگر دھوکہ سے کوئی شخص کسی رافضیہ عورت سے نکاح کرے مثلاً زید کو یہ نہیں معلوم ہے کہ عورت کامذہب سُنّی یا شیعہ، اور زید سے پوشیدہ بھی رکھا جائے اور بعد کو معلوم ہو جائے اور منکوحہ توبہ بھی نہ کرے تو ایسی میں کیا کرنا چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

رافضیہ سے نکاح باطل محض ہے اس وقت معلوم ہو یا نہ ہو بہرحال اس پر فرض ہے کہ اُس سے جُدا ہو جائے وہ محض اجنبیہ ہے اصلاً قابلیت نکاح نہیں رکھتی جب تک اسلام نہ لائے۔ عالمگیریہ میں ہے:

وکذلك لایجوز نکاح المرتدة مع احد[1]۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰۰: از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب شب ۵ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک ہندو قوم کھٹک نے اپنی عورت کو مذہب کے موافق طلاق دے دی، تخمیناً چار ماہ کے بعد عورت مذکورہ مسلمان ہوئے اپنی خوشی ورضامندی سے، اور جس جلسے میں مسلمان ہوئی اسی جلسہ میں نکاح بھی ہُوا، نکاح کیسا ہُوا اور اس میں عدّت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نکاح صحیح ہوگیا، کافر کے لئے عدّت تو اصلاً نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لاعدة من الکافر عند الامام اصلا فلاتثبت الرجعة للزوج بمجرد طلاقها وقیل تجب والاصح الاول کما فی القهستانی عن الکرمانی ومثله فی العنایة وذکر فی الفتح انه ولی[2]۔	امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کافر کے لئے اصلاً عدّت نہیں۔ محض اُس عورت طلاق دینے سے شوہر کے لئے رجوع ثابت نہ ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ عدّت واجب ہے اور اصح قول اوّل ہے جیسا کہ قہستانی میں کرمانی سے ہے اور اسی کی مثل عنایہ میں ہے، فتح میں مذکور ہے کہ یہی اولٰی ہے۔ (ت)

اور جب وُہ طلاق دے چُکا اسے عورت سے کُچھ علاقہ نہ رہا کہ بعد اسلامِ زن اُس کے اسلامی انکار کاانتظار

[1] فتاوٰی ہندیۃ باب المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸۶

کیا جائے اور یہاں بوجہ عدم حکومت اسلام تین حیض گزرنے تک اُس کے اسلام نہ لانے کو قائم مقام انکار ٹھرا کر حکمِ فرقت دیا جائے، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لواسلم احد المجوسیین فی دار الحرب وملحق بہالم تبن حتی تحیض ثلاثا قبل اسلام الاخر اقامۃ لشرط الفرقۃ(وھو مضی ھذہ المدۃ ش مقام السبب وھوالاباء لان الاباء لایعرف الا بالعرض وقد عدم العرض لانعدام الولایۃ ومست الحاجۃ الی التفریق لان المشرك لایصلح للمسلم واقامۃ الشرط عند تعذر العلۃ جائز .فاذا مضت ھذہ المدۃ صار مضیھا بمنزلۃ تفریق القاضی بدائع ش)ولیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بھا[1]۔	اگر مجوسی زوجین میں سے کوئی ایک دارالحرب میں یا ایسی جگہ مسلمان ہوجائے جو دارالحرب کے ساتھ ملحق ہے تو بیوی نکاح سے خارج نہ ہوگی جب کہ دوسرے کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کو تین حیض نہ آجائیں شرط فرقت یعنی اس مدّت کے گزرنے کوسبب فرقت یعنی انکار اسلام کا پتا تو عرضِ اسلام (اسلام پیش کرنے) سے چلے گا اور دارالحرب میں عدمِ ولایت کی وجہ سے عرض اسلام معدوم ہے حالانکہ تفریق کی ضرورت ہے کیونکہ مشرک و مسلم کا نکاح برقرار نہیں رہ سکتا اور تعذرعلّت کے وقت شرط کو اس کے قائم مقام رکھنا جائز ہے، چنانچہ جب یہ مدّت گزرجائے تو اس کا گزرنا تفریق قاضی کے قائم مقام ہوجائے گابدائع ش) اور یہ مدّت عدّت نہیں کیونکہ غیر مدخولہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے (حالانکہ غیر مدخولہ پر عدّت نہیں)۔(ت)

یہاں نفسِ طلاق سے فرقت پہلے ہی ہوچکی اور عدت ہے نہیں لہذا انتظار کی اصلاً حاجت نہیں، عورت اگرچہ طلاق ہوتے ہی فوراً مسلمان ہوجائے مسلمان ہوتے ہیں فوراً نکاح کرسکتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لابی حنیفۃ انھا ای العدہ اثر النکاح المتقدم وجبت اظھار ا لخطرہ ولاخطر لملك الحربیّ ولھذا لاتجب علی المسبّیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل یہ ہے کہ عدّت پہلے نکاح کا اثر ہے جواس کے احترام کے اظہار کے لئے واجب ہوئی اور حربی کی ملک کاکوئی احترام نہیں اور اسی لئے اُس عورت پر عدت واجب نہیں جو گرفتار کرکے لائی گئی ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

---

[1] درمختار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۸۔۲۰۹، ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] ہدایہ باب نکاح اہل الشرک المکتبۃ العربیہ، کراچی ۲/ ۳۲۸

بابُ المُعَاشِرَۃ
(زوجین کے باہمی برتاؤ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۱تا۱۰۲: از مسجد جامع میرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ سراج الحق صاحب امام جامع مذکور و شیخ بدّو ودربان چٹکل ۷ ۲ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسألۃ ھل یجوز لزید عند الاختلاط ان یقبل خدمنکوحتہ وثد یھاوان یمص ثدیھا اوان یدخل ثدیھا فی فمہ شھوۃ و تلذذا سواءکانت ذات لبن ام لا،وسواءکانت مراھقۃ ام بالغۃ،فبینواحکم کل شق منھا بالادلۃ والتفاصیل۔	کیاارشاد ہے آپ کااللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیازید کے لئے بوقتِ صحبت اپنی بیوی کے رخسار اور پستان کا بوسہ لینا یاپستان کو مُنہ میں دبانا یا شہوت وتلذّذ کے طور پرپستان کو مُنہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ چاہے اس کی بیوی دُودھ والی ہو یا نہ ہو، چاہے قریب البلوغ ہو یا نابالغہ، ہر شق کا جواب دلائل وتفصیلات کے ساتھ بیان فرمائیں۔(ت)

الجواب:

یجوز للرجل التمتع بعرسہ کیف	مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کے سر سے لے

ماشاء من رأسها الى قدمها الامانهى اللهتعالٰى عنه،وكل ماذكر فى السؤال لانهى عنه.اماالتقبيل فمسنون مستحب يؤجر عليه ان كان بنية صالحة واما مص ثديها فكذلك ان لم تكن ذات لبن،وان كانت واحترس من دخول اللبن حلقه فلاباس به،وان شرب شيئا منه قصدًا فهو حرام وان كانت غزيرة اللبن وخشى ان لومص ثديها يدخل اللبن فى حلقه فالمص مكروة قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم ومن رتع حول الحمٰى اوشك ان يقع فيه[1]۔والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔	کر پاؤں تک جیسے چاہے لُطف اندوز ہو سوائے اس کے جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے،اور سوال مذکور امور میں سے کسی سے منع نہیں کیا گیا۔بوسہ تو مسنون و مستحب ہے اور اگرت بنیّت صالحہ ہو تو باعثِ اجروثواب ہے۔رہا پستان کو مُنہ میں دبانا،تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے جب کہ بیوی دُودھ والی نہ ہو،اور اگر وُہ دُودھ والی ہے اور مرد اس بات کا لحاظ رکھے کہ دودھ کا کوئی قطرہ اس کے حلق میں داخل نہ ہونے پائے تو بھی حرج نہیں،اور اگر اُس دُودھ میں سے جان بُوجھ کر کچھ پیا تو یہ پینا حرام ہے۔اور اگر وُہ زیادہ دُودھ والی ہے اور اُسے ڈر ہے کہ پستان منہ میں لے گا تو دُودھ حلق میں داخل ہوگا تو اس صورت میں پستان کو منہ میں لینا مکروہ ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چراگاہ کے ارد گرد (جانور) چرائے تو قریب ہے کہ وہ (جانور) چراگاہ میں جا پڑے۔اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خُوب جانتا ہے۔

السوال الثانی	دوسرا سوال
وکم مدة یجوزله السفر حال کونه مجردًا عنها۔	بیوی کو چھوڑ کر سفر پر جانے والے کے لئے کتنی مدّت تک سفر میں رہنا جائز ہے:

الجواب:

السفر ان کان بضرورة تقدر بقدرها ولایعین له حد وقدامر	سفر اگر ضرورت کی وجہ سے ہو تو بقدر ضرورت ہوگا اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تحقیق حضور اقدس

[1] شرح السنة للامام البغوی باب مضاجعة الحائض المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۰/۲

صلّی اللہ تعالٰی علیه وسلم بتعجیل القفول بعد قضاء الحاجة والسفر قطعة من العذاب یمنع احدکم طعامه وشرابه ونومه فاذا قضی احدکم نهبه فلیعجل الی اهله [1] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اما اذا کان بلاضرورة ولم یستصحبها معه فلا یسکن اکثر من اربعة اشهر بذٰلك امر امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه وفی الحدیث قصّة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ضرورت پُوری ہو جانے کے بعد جلدی واپسی کا حکم دیا ہے اور سفر عذاب کا ٹکڑا ہے جو تم میں سے کسی ایک کو اس کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت پُوری کرلے تو جلدی گھر لوٹے، یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیکن اگر سفر بلاضرورت ہو اور بیوی کو ساتھ نہ لے کر جائے تو چار ۴ ماہ سے زیادہ سفر میں نہ ٹھہرے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کا حکم فرمایا، حدیث میں قصّہ مذکور ہے۔ اور اللہ سُبحانہ و تعالٰی خُوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از حیدر آباد دکن معرفت پوسٹ ماسٹر مرسلہ حسام الدین صاحب ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو زید کے خالو ہوتے ہیں اور اُن کا وطن قدیم امیٹھی خطّہ اوّدھ ہے، اُن کے تعلقات ملازمت حیدرآباد میں ہُوئے، زید اصل باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ کا ہے اور اس نے خطّہ متوسط میں ملازمت انگریزی اختیار کی۔ تعارف وقرابت سابقہ کی وجہ سے زید کا نکاح عمرو کی دختر کے ساتھ حیدرآباد میں ہُوا اور کوئی شرط کسی قسم کی مہر وآمد ورفت وغیرہ کی نسبت نہیں ہوئی، بعد نکاح عمرو نے اپنی دختر کو زید کے ساتھ متعدد مرتبہ زید کی جائے ملازمت مختلف اضلاع خطّہ متوسط پر اس کے ہمراہ روانہ کردیا حتی کہ زید کی صلب سے ہندہ دختر عمرو کے تین اولادیں ہُوئیں، نکاح کے چھ سال بعد مسمّاۃ ہندہ اور خود والد ہندہ کو یہ عذر ہُوا کہ زید کے ساتھ سفر دُور دراز جائے ملازمت زید پر جانا منظور نہیں کیونکہ اُن کا بیان ہے کہ زید کو شرعًا ایسا حق نہیں کہ وُہ ہندہ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے مطالبہ مہر باعث انکار سفر نہیں قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں زید کو اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی جائے ملازمت وسکونت پر لے جانے کا شرعًا حق ہے کہ نہیں، اگر ہندہ عذر اذیت وتکلیف دہی پر جانے سے انکار کرے اور اس عذر کو ثابت

[1] صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب ذکر الطعام ۲/۸۱۶، صحیح بخاری کتاب الجهاد باب الشرعة فی السیر باب ذکر الطعام ۱/۴۲۱

نہ کرسکے یا ثبوت پیش کردہ اگر سمجھا جائے تو زید بعد ادخال ضمانت معتبر ہندہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا مجاز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

اصل حکم ہے مرد جہاں رہے اپنی عورت کو اپنے ساتھ رکھے۔ قال اللہ تعالٰی:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ ۔[1]	عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرو۔ (ت)

اور ساتھ ہی یہ حکم ہے کہ عورت کو ضرر نہ پہنچائے، اس پر تنگی نہ کرے قال اللہ تعالٰی:

وَلَا تُضَآرُّوۡهُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ ؕ ۔[2]	انہیں ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر تنگی کرو (ت)

جبکہ مہر معجّل نہ تھا یعنی پیش از رخصت دینا قرار نہ پایا تھا تو عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا کوئی اختیار نہیں، نہ اُس کا باپ اُسے شوہر سے جُدا کرسکتا ہے، ہاں اگر شوہر کی طرف سے عورت کو ضرر رسانی و بلاوجہ شرعی ایذادہی بروجہ کافی ثابت ہو تو اُس کا بندوبست کیا جائے اگرچہ کچہری کے ذریعہ سے ضمانت داخل کرنے سے ظاہرًا یہ سمجھا جاتا ہے کہ زید کوئی ایسا کفیل معتمد پیش کرے گا جو زید کو ایذارسانی سے مانع ہوسکے اور عمرو وہندہ کو اس پر اعتبار ہو یا یہ معنٰی ہیں کہ کوئی ضامن دیا جائے گا۔ کہ اگر زید ایذا رسانی کرے تو اتنا روپیہ جرمانہ کا بھرے اور وُہ نہ دے تو ضامن دے گا۔ اگر معنی اوّل مراد ہیں تو صحیح و قابلِ قبول ہیں اور معنی دوم مراد ہیں تو یہ شرعًا ناجائز باطل ہے مالی جرمانہ نہیں ہوسکتا **لانہ منسوخ والعمل بالمنسوخ حرام** (کیونکہ یہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے۔ ت) اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۴: از قادری گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ ظہورالحسن صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جماع کے وقت شوہر کا اپنی بی بی کی فرج دیکھنا تاکہ لذّتِ پوری پوری حاصل ہو یا شوہر کا اپنی بی بی کی شرمگاہ کو مس کرنا اور عورت کا اپنے شوہر کے آلہ تناسل کو مس کرنا تاکہ آلہ تناسل ایستادہ ہو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجین کا وقتِ جماع ایک دُوسرے کی شرمگاہ کو مس کرنا بلاشبہ جائز بلکہ بہ نیتِ حسنہ مستحق و

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] القرآن الکریم ۶۵/۶

موجب اجر ہے **کمارُوی عن نفس سیّدنا الامام الاعظم رضی تعالٰی عنہ** (جیسا کہ خود ہمارے سردار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ت) مگر اُس وقت رؤیتِ فرج سے حدیث میں ممانعت فرمائی اور فرمایا: **فانہ یورث العمی** وہ نابینائی کا سبب ہوتا ہے۔ علمائے نے فرمایا کہ محتمل ہے کہ اس کے اندھے ہونے کا سبب ہو یا وُہ اولاد اندھی ہو جو اس جماع سے پیدا ہو یا **معاذ اللہ** دل کا اندھا ہونا کہ سب سے بدتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

www.dawateislami.net

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب القسم

(بیویوں میں باری مقرر کرنا اور حقوق میں مساوات رکھنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۰۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ کو بے وجہ شرعی ایذادینا اور عاریت مساوات دو ۲ زوجہ میں نہ کرنا اور دونوں کو مکانِ واحد میں جبراً رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر چند اللہ تعالٰی نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی،

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ[1] ۔	مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان میں ایک دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے۔(ت)

یہاں تک کہ حدیث میں آیا اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم کرتا عورت کو حکم دیتا کہ مرد کو سجدہ کرے مگر عورتوں کو بے وجہ شرعی ایذا دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی اور اُن کی بدخوئی پر صبر اور

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

اُن کی دلجوئی اور جن باتوں میں مخالفتِ شرع نہیں اُن کی مراعات شارع کو پسند ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازواج مطہرات کی دلجوئی کرتے اور فرماتے:

ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا و الطفھم باھلہ[1]۔	بیشک مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جوان میں سے زیادہ حسن اخلاق والا اور اپنی اہل کے ساتھ زیادہ مہر بان ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں:

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی[2]۔	تم میں سب سے بہتر وُہ ہے جو اپنی اہل کے ساتھ زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والا ہے اور میں اپنی اہل کے ساتھ حسنِ سلوک میں تم سب سے بہتر ہوں۔(ت)

اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ج[3]۔(اور ان (اپنی بیویوں) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ت) امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں:

واعلم انہ لیس من حسن الخلق معھا کف الاذی عنھا بل احتمال الاذی منھا والحلم عند طیشھا وغضبھا اقتداءً برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]۔الخ	اور تُو جان لے کہ عورت کے ساتھ حُسنِ خلق یہ ہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دے بلکہ اس کی طرف سے اذیتیں برداشت کرنا ہے اور رسولِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے اُس(عورت) کے طیش و غضب کے وقت تحمل اختیار کرنا ہے۔(ت)

اور جس طرح اللہ تعالٰی نے مردوں کے حق اُن پر مقرر فرمائے اُن کے حق بھی مردوں پر مقرر کئے وَلَھُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْھِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص[5] (اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق۔ت) ازانجملہ کھلانے پہنانے وغیرہا امور اختیاریہ میں اُنہیں برابر رکھنا واجب ہے۔

[1] شعب الایمان حدیث دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۱۵

[2] شعب الایمان دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/۴۱۵

[3] القرآن الکریم /۱۹

[4] احیاء العلوم الباب الثالث فی آداب المعاشرۃ المکتبۃ المشھد الحسینی ایران ۲/ ۴۳

[5] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

فی الدرالمختار یجب وظاہر الآیۃ انہ فرض نہران یعدل ای ان لایجوز فیہ ای فی القسم بالتسویۃ فی البیتوتۃ وفی الملبوس والماکول والصحبۃ[1]۔	درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کاظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت میں برابری قائم رکھے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگرفرق کرے گا قیامت میں ایک طرف جھکا اٹھے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الی احدٰھمادون الاخری جاء یوم القیٰمۃ واحد شقیہ مائل[2]۔	جس کی دو۲ عورتیں ہوں وُہ ان میں سے ایک کی طرف میلان کرے اور دوسری کو نظرانداز کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوگی (ت)

اور اُنہیں مکانِ واحد میں جبرًا رکھنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک کو مکان علیحدہ کا مطالبہ شوہر سے پہنچتا ہے،

فی الدرالمختار فلکل من زوجتہ مطالبتہ ببیت من دار علحدۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ دو۲ بیویوں میں سے ہرایک اپنے شوہر سے گھر کا علیحدہ مکان طلب کرسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کی رعایت مساوات دو۲ زوجہ میں مرد پر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگران میں قومِ طوائف میں سے ہوتو کچھ فرق کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرد اپنی دو۲ زوجہ حرّہ کو کھلانے اور پہنانے اور پاس رہنے وغیرہا امور اختیار میں برابر رکھنا واجب ہے اور اس امر میں طوائف وغیر طوائف شریف ورذیل میں کچھ فرق نہیں کہ آیت قسم مطلق ہے۔

فی الدرالمختار یجب وظاہر الاٰیۃ انہ فرض "نہر" ان یعدل ای ان لایجور فیہ ای فی القسم بالسویۃ فی البیتوتۃ و	درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کاظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم میں ظلم نہ کرے، بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱
[2] سُنن ابن کاجہ باب القسمۃ بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳
[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۱

فی الملبوس والمأکول والصحبة[1]۔	میں برابر قائم رکھے (ت)

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیمت کو ایک طرف جھکائے اٹھے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الی احدٰھما دُون الاخری جاء یوم القیٰمة واحد شقیہ مائل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس کی دو ۲ بیویاں ہوں ان میں سے ایک کو نظر انداز کرتے ہُوئے دُوسری کی طرف میلان کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جُھکی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷: از بچھرایوں ضلع مراد آباد مکان حکیم غلام علی صاحب مرسلہ حکیم غلام احمد صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱عدل بین الزوجین میں کھانے کی کیا صورت ہے، آیا جو چیز ایک زوجہ کو کھانے کو دی وہی دوسرے کو بھی دے اگرچہ از قسم مکلفات ہو یا فقط معمولی غذا میں، ۲مثلًا ایک کو دُوسری زوجہ سے خفیہ دُودھ پلایا یا ثمارِ فصل کھلائے تو اُسی قدر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے یا یہ مستحب ہے، اگر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے تو صورتِ ذیل میں کُچھ فرق ہے یا نہیں مثلًا ۳ایک زوجہ نے زوج سے کسی چیز کی فرمائش کی چونکہ اس کی طبیعت اس چیز کے کھانے کو چاہتی تھی بایں وجہ خفیةً دوسری زوجہ سے اسکی فرمائش کی پورا کردیا تو دُوسری کو بھی شیئ مذکور کا کھلانا بذمہ زوج ضرور ہے یا نہیں، ۴اگر ضرور ہے تو اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں کہ اگر دوسری زوجہ بھی اس شیئ کی فرمائش کرتی تو اس کو بھی پورا کرتا اور اگر ۵زوج اپنی خواہش طبیعت سے کچھ شیئ ایک زوجہ کو کبھی کوئی شیئ دوسری کو کھلاتا ہے مگر برابری نہیں ہے کہ جس قیمت اور جس لذت کی وُہ شیئ ہے دُوسری کو وُہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں، ۶ایک یہ صورت ہے کہ ایک زوجہ کھانا کھاتے وقت زوج کو کھانا پکا کر لاتی ہے دُوسری نہیں آتی ہے خاطرًا اس کو ہر ترکاری سے قدرے قدرے کھلایا تو اس میں زوج گنہگار ہُوا یا نہیں، اور خفیہ میں یہ مصلحت ہے کہ دونوں زوجہ میں بغض نہیں پڑتا ہے اور زوج سے دونوں خوش رہتی ہیں کیونکہ ایک کی دوسری کو خبر نہیں۔ جواب مدلّل تحریر فرمائے۔

الجواب:

کھانا دو ۲ قسم ہے ایک اصل نفقہ جو زوجہ کے لئے زوج پر واجب ہے، دُوسرا اس سے زائد مثل

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱

[2] سُنن ابن ماجہ باب القسمة بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

فواکہ وپان و الائچی وعطایا وہدایا، قسم اوّل میں برابری صرف اُس صورت میں واجب ہے جب دونوں عورتیں مال حالت فقر وغنا میں یکساں ہوں ورنہ لحاظ حال زوج کے ساتھ غنیہ کے لئے اس کے لائق واجب ہوگا اور فقیرہ کے لئے اس کے لائق مثلاً زوج اور ایک زوجہ دونوں امیر کبیر ہیں کہ اپنے اپنے یہاں اُن کی خوراک باقرخانی ومُرغ پلاؤ ہے، اور دوسری زوجہ فقیرہ ہے کہ جوار باجرے کی روٹی کھاتی ہے اور آپ پیستی پکاتی ہے، ان دونوں کے نفقہ میں مساوات واجب نہیں ہوسکتی، پہلی کے لئے وہی بریانی اور مرغ لازم ہے اور دوسری کے لئے گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت، پہلی کے لئے خادم بھی ضرور ہوگا دوسری آپ خدمت کرلے گی، پہلی کریب اور زربفت پہنے گی دوسری کو تنزیب اور ساٹھن بہت ہے، پہلی کے لئے مکان بھی عالی شان درکار ہوگا دوسری کے لئے متوسط۔ اور قسم دوم میں مطلقاً برابری چاہئے، جو چیز جتنی اور جیسی ایک کو دے اُتنی ہی اور ویسی ہی دوسری کو بھی دے۔ دُودھ، چائے، میوے، پان، چھالیا، الائچی، برف کی قلفیاں، سُرمہ، مہندی وغیرہ وغیرہ تمام زوائد میں مساوات رکھے کہ وہاں فرق اصل وجوب میں تھا یہ اشیاء واجب نہیں ان میں ایک کو مرجح رکھنا اس کی طرف میل کرنا ہوگا اور میل ممنوع ہے فرمائشوں کا حال بھی یہیں سے واضح ہوگیا اگر اس نے وہ فرمائش اپنے نفقہ کے متعلق کی ہے اور وہ اسکی مستحق ہے اور دوسری مستحق نہیں تو اس پر لازم نہ ہو کہ دوسری کو بھی وہی چیز دے اور نفقہ سے زائد شَے کی تو برابری درکار ہوگی کہ وُہ بعد فرمائش بھی عطیہ کی حد سے خارج نہیں،

وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بنیك نحلت مثل ھذا[1] قال لاقال لاتشھد نی علی جور[2] (ملخصًا) فاذاکان التفضیل فی العطایا جورا ومیلافی البنین ففی الازواج اولی واحری۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تُونے ہر بیٹے کو اس کی مثل تحفہ دیا۔ صحابی نے عرض کی کہ نہیں، تو حضور نے فرمایا کہ مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ جب تحائف میں کمی بیشی بیٹوں کے اندر ظلم ومیل قرار پائی تو بیویوں میں بدرجہ اولٰی ظلم ومیل ہوگی۔ (ت)

اور چھپا کر دینے سے دونوں کی رضا سمجھنی غلطی ہے بلکہ جسے چھپا چھپا کر دے گا وہ جان لے گی کہ میری جگہ اس کے قلب میں زائد ہے وُہ دوسری کا دبانے کی جرأت کرے گی اور یہ تخم فساد کا بونا ہوگا۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دار الفکر بیروت ۲۶۸/۴

[2] سُنن النسائی کتاب النحل المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۲۶/۲

یجب ان یعدل ای لایجوز فی القسم بالتسویة فی البیتوتة وفی الملبوس والماکول والصحبة لافی المجامعة کالمحبة بل یستحب[1]۔	بیویوں میں عدل کرنا واجب ہے یعنی قسم میں ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباسِ خوردونوش اور صحبت وموانست میں برابری کرے نہ کہ جماع میں مثل محبت کے بلکہ جماع میں برابری مستحب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر قال فی البدائع یجب علیه التسویة فی الماکول والمشروب والسکنی والبیتوتة وھکذا ذکر الولوالجی والحق انه علی قول من اعتبر حال الرجل وحدہ فی النفقة واما علی القول المفتی به من اعتبار حالهما فلا،فان احدھما قدتکون غنیة والاخری فقیرة فلایلزم التسویة بینهما مطلقا فی النفقة[2]اھ ورأیتنی کتبت علیه مانصه یقول العبد الضعیف غفرله بقی له مجملان اخران الاول ان تستوی المرأتان یسار او اعسار ا وح لامحل للتفاضل بینهما بل تجب التسویة فی الماکول والمشروب والملبوس والسکنی ایضا کالبیوتة مطلقا،والیه[ف] الاشارة بقوله فلایلزم التسویة	بحر میں فرمایا کہ بدائع میں کہا ہے کہ کھانے،پینے، لباس، رہائش اور شب باشی میں شوہر پر مساوات واجب ہے ولوالجی نے بھی یُوں ذکر فرمایا اور حق یہ ہے کہ بے شک یہ اس کا قول ہے جس نے نفقہ میں فقط شوہر کے حال کا اعتبار کیا لیکن مفتی بہ قول میں چونکہ دونوں کا حل معتبر ہے تو اس کے مطابق نفقہ میں مطلقًا مساوات واجب نہیں کیونکہ کبھی دو۲ بیویوں میں سے ایک مالدار اور دوسری فقیر ہوتی ہے تو ان میں برابری لازم نہیں۔مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یُوں ہے بندہ ضعیف کہتا ہے کہ اس کے دو محمل اور بھی ہیں ایک یہ کہ دونوں عورتیں امیری اور فقیری میں برابر ہوں تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقًا برابری لازم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے اس قول میں کہ ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقًا برابری لازم نہیں اس بنیاد پر کہ "مطلّقا" منفی کی طرف ناظر ہے نہ کہ نفی کی طرف،

[1] درمختار باب القسم مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۱/۱

[2] ردالمحتار باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۹۸/۲

ف: جدالممتار مطبوعہ میں عبارت مختصر ہے خط کشیدہ عبارت مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ نذیر احمد

بینهما مطلقا فی النفقة، علی ان مطلقا ناظر الی المنفی دون النفی فیکون محصله سلب الاطلاق لا اطلاق السلب فانه غیر سدید، والثانی ان یراد مایزاد علی النفقة من الهدایا والعطایا فلامانع من ایجاب التسویة بینهما بل هو الظاہر نفیا للمیل المنهی عنه اھ[1] ما کتبته وارجوان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	پس اس کا ثمر سلب اطلاق ہوگا نہ کہ اطلاق سلب کیونکہ وہ درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ مراد وُہ اشیاء ہوں جو اصل نفقہ سے زائد ہیں یعنی تحفے اور ہدیے وغیرہ، تو اب دونوں کے درمیان برابری کو واجب ٹھرانے سے کوئی مانع نہیں بلکہ یہی ظاہر ہے اس میل کی نفی کے لئے جس سے رد کا گیا ہے، میرے حاشیہ کی عبارت ختم ہُوئی اور مجھے امید ہے ان شاء اللہ تعالٰی وہ درست ہوگا۔ اور اللہ سُبحانہ، وتعالٰی خُوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از شہر محلّہ ربڑی ٹولہ مسئولہ احسان علی صاحب زردوز ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ کی چند اولادیں ہُوئیں ان میں سے صرف ایک بچّہ چند سال کا دائم المریض حیات ہے اس ہندہ کو مرض ایسا سخت لاحق ہے کہ ہر بار سخت تکلیف اور مرض میں مبتلا ہو جاتی ہے اور مس ہر بار وقت ولادت یہی تجویز کرتی ہے کہ یہ عورت ضرور مرجائے گی مگر شافی مطلق برحق ہر بار بعد تکلیف بسیار وخرچ کثیر کے اچھا کردیتا ہے چنانچہ حال میں بعد ولادت وصحت کے ہندہ نے اپنی جان بچانے اور ہر بار غم وصدمہ سے بچنے کے لئے عہد کیا کہ اب میں اپنے زوج سے جماع نہ کروں گی تاکہ اسبابِ نطفہ نہ واقع ہو، اور اپنے زوج سے کہا کہ تم کو صبر نہ آوے تو دوسری شادی کرلو اور جو مقدرت نہ ہو تو مجھے نان ونفقہ بھی نہ دو۔ پس شوہر نے کہا کہ اگر شرع شریف تجھ کو اس امر کی اجازت دے تو مضائقہ نہیں میں صبر کرلُوں اور جو شرع اس عہد کی اجازت نہ دے تو میں اپنے حقوق اور منافع اور تیرے حقوق کو تلف ہرگز نہیں کرسکتا لہذا تحریر فرمائیں کہ شرعًا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی صورت میں شوہر ہندہ کے کہنے پر عمل کرسکتا ہے اور دُوسری شادی کرلے اور ہندہ سے جُدا رہے جب تک ہندہ راضی ہو، اور نان نفقہ ہندہ کو بھی ضرور دے اگر ہندہ اس کے یہاں رہے، اور اگر

[1] جد الممتار حاشیہ ردالمحتار باب القسم حاشیہ نمبر المجمع السلامی مبارکپور انڈیا ۲/ ۴۵۰

ہندہ اپنا نفقہ ساقط کرے تو اختیار کہ نہ دے جب تک ہندہ پھر از سرِ نو مطالبہ پر نہ آئے، اور اگر ہندہ اپنے والدین کے یہاں چلی جائے اور شوہر کے بُلانے پر نہ آئے تو آپ ہی اس کا نفقہ ساقط ہے جب تک واپس نہ آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۹: از کانپور طلاق محال مطب حکیم نورالدین صاحب مسئولہ عبید اللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نابالغہ ۱۲ سال کی جو مجامعت کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے اس کا ولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب بارہ ۱۲ سال کی ہے ضرور متحمل ہو سکتی ہے مگر کسی صورت نادرہ میں کہ بہت کمزور نازک ہو اور مرد دیو قامت قوی الجثّہ کہ واقعی عدم تحمل مظنون ہو، تو اس صورت میں بیشک روک سکتا ہے،، اور عند الاختلاف اس کا فیصلہ رائے قاضی سے ہوگا وہ دیکھ کر تجویز کرے گا کہ عورت تحمل کر سکتی یا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا عندنا بان الزوجة اذاکانت صغیرة لا تطیق الوطی لاتسلم الی الزوج حتی تطیقه و الصحیح انه غیر مقدر بالسن بل یفوض الی القاضی بالنظر الیها من سمن اوهزال وقد منا عن التاتر خانیة ان بالغة اذاکانت لاتحمّل لایؤمر بدفعها الی الزوج ایضا فقوله لاتتحمل یشمل مالوکان لضعفها اوهزالها اولکبرآلته[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تحقیق انہوں نے تصریح فرمائی کہ زوجہ جب صغیرہ ہو اور وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو شوہر کے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ وطی کے قابل نہ ہو جائے، اور صحیح یہ ہے کہ اس میں عمر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ وُہ دیکھے کہ زوجہ قوی ہے یا کمزور۔ اور ہم تاتارخانیہ سے سابق میں ذکر کر چکے ہیں کہ حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور اس کا قول کہ "وہ وطی کی متحمل نہ ہو" ان دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ وُہ عدمِ تحمل چاہے تو عورت کی کمزوری کی وجہ سے یا مرد کے آلہ کی بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب القسم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۹

مسئلہ ۱۱۰: از سوروں ضلع ایٹہ محلّہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمروایک شخص جس کی ایک لڑکی جوان ہے اور بہت جگہ سے پیغام نسبت کے اُس کے پاس آئے لیکن اس نے سب کو جواب دیا اور زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت کردی، بعد چند عرصہ کے عمرومذکور نے زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت چھڑا کر دوسری جگہ پر یعنی بکر کے لڑکے سے کردی، اب یہ نسبت جو آخر جگہ پر بکر کے لڑکے سے کی گئی ہے درست وجائز ہے یانہیں؟ یاکہ اول عمرو کے لڑکے سے کہ جس کے ساتھ اس نے پہلے نسبت کردی تھی اس کی اجازت اور رضامندی لینا چاہئے، اور اگر عمرو کالڑکا اجازت نہ دے تو بکر کے لڑکی کے نکاح میں تو کوئی نقص شرعی باقی نہیں رہا؟ مفصل طور پر جواب مرحمت فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نسبت صرف ایک اقرار ووعدہ ہے، اور ایک جگہ نسبت کرکے چُھڑا لینا خلف وعدہ جس کی تین صورتیں ہیں اگر وعدہ سرے سے صرف زبانی بطور دنیاسازی کیا اور اُسی وقت دل میں تھا کہ وفانہ کریں گے تو بے ضرورتِ شرعی وحالتِ مجبوری سخت گناہ وحرام ہے ایسے ہی خلافِ وعدہ کو حدیث میں علاماتِ نفاق سے شمار کیا،

کما بیناہ فی رسالتنا انباء الحذاق بمسالك النفاق و هو محمل مافی الاشباہ من ان خلف الوعدہ حرام[1] الخ۔	جیساکہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "انباء الحذاق بمسالك النفاق" میں بیان کیا ہے، اور وہ جو اشباہ میں ہے وعدہ خلافی حرام ہے اس کا محمل بھی یہی ہے۔ الخ (ت)

اور اگر وعدہ سچے دل سے کیا پھر کوئی عذر مقبول وسبب معقول پیدا ہوا تو وفانہ کرنے میں کچھ حرج کیا ادنٰی کراہت بھی نہیں جبکہ اس عذر و مصلحت کو اس وفائے وعدہ کی خوبی وفضیلت پر ترجیح ہو خصوصًا امر نکاح میں کہ عمر بھر کے ساتھ کا سامان اور سخت نازک معاملہ ہے خصوصًا بے چاری شریف زادیوں کے لئے خصوصًا بلادِ ہندوستان میں، پس اگر نسبت کے بعد کوئی حرج ونقصان ظاہر ہو نسبت چھڑالی جائے ورنہ اپنی زبان پالنے کے لئے ایک بے کس بے زبان کو عمر بھر مضرت میں پھنسانا ہوگا خصوصًا جبکہ ضرورت دینی ہو مثلًا معلوم ہوا کہ جس سے نسبت قرار پائی رافضی وہابی اور کسی قسم کا بدمذہب ہے کہ اس صورت میں نسبت چُھڑالینا شرعًا لازم۔ **قال تعالٰی:**

[1] الاشباہ والنظائر باب حظر واباحت ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۹

وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾[1]، وللعقیلی عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم[2]۔	اور اگر تجھے شیطان بُھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ۔اور عقیلی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نہ اُن کے ہم مجلس بنو نہ کھانے پینے میں ان سے مشارکت کرو نہ ہی ان سے باہمی نکاح کرو۔(ت)

لڑکی والوں کو تولحاظ مصالح واحتراز مفاسد زیادہ اہم ہے لڑکے والے بھی اگرترک میں مصلحت سمجھیں ترک کردیں، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ضباعہ بنت عامر بن قرط رضی اللہ تعالٰی عنہا کو نکاح کا پیغام دیا انہوں نے قبول کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مصلحت پیش آئی ترک فرمایا۔

فی المواہب وشرحھا للعلامۃ الزرقانی السادسۃ ضباعۃ اسلمت قدیما بمکۃ وھاجرت وکانت من اجمل نساء العرب خطبھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ابنھا سلمۃ بن ھشام فقال یارسول اللہ تعالٰی علیك وسلم ماعنك مدفع افاستأمرھا قال نعم فاتاھا فقالت اللہ افی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تستأمرنی انی ابتغی ان احشر مع ازواجہ ارجع الیہ فقل لہ نعم قبل ان یبدولہ فقیل للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھا کبرت فلما عاد ابنھا وقد اذنت لہ	مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں ہے کہ (جن عورتوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیجامگر نکاح نہ فرمایا ان میں سے) چھٹی حضرت ضباعہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں وہ ابتدًا ہی مکرمہ میں ایمان لے آئی تھیں پھرانہوں نے ہجرت کی وہ عرب کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سلمہ بن ہشام کو ان کے لئے پیغام نکاح دیا تواس (سلمہ) نے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! آپ سے کوئی مانع نہیں، کہا میں اس (ضباعہ) سے مشورہ کرلوں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں (مشورہ کرلو) چنانچہ وُہ ضباعہ کے پاس آیاتوانہوں (ضباعہ) نے کہاکہ اللہ سے ڈر، کیارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیتا ہے، میں ان کی ازواج مطہرات کے ساتھ قیامت میں اٹھنا چاہتی ہوں آپ

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ احمد بن عمران نمبر ۱۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۶

سکت عنھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکحھا رضی اللہ تعالٰی عنھا[1] ملخصًا۔	کی طرف واپس جا اور قبل اس کے آپ کے لئے کوئی نئی بات ظاہر ہو ہاں کہہ دے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ (ضباعہ) عمر رسیدہ ہیں۔ چنانچہ جب ان کا بیٹا واپس آیا اس حال میں کہ انہوں نے نکاح کی اجازت دے دی تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور ان سے نکاح نہ فرمایا اھ ملخصًا (ت)

اور اگر کوئی عذر و مصلحت نہیں بلاوجہ نسبت چھڑائی جاتی ہے تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے،

وھو محمل مافی ردالمحتار من ھنا تعلم ان خلف الوعد مکروہ لاحرام وفی الذخیرۃ یکرہ تنزیھا لانہ خلف الوعد ویستحب الوفاء بالعھد[2]۔	اور یہی محمل ہے اس کا جو ردالمحتار میں ہے، یہاں سے تو جان جائے گا کہ وعدہ خلافی مکروہ نہ کہ حرام، اور ذخیرہ میں ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ خلف وعد ہے اور وفاءِ عہد مستحب ہے (ت)

یہ بات اس تقدیر پر بے جا وخلافِ مروّت ہے مگر حرام وگناہ نہیں، حضور پُر نور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان لایفی[3]۔ رواہ ابو یعلی فی مسند عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	وعدہ خلافی یہ نہیں کہ مرد وعدہ کرے درانحالیکہ اس کی نیّت وعدہ کو پورا کرنے کی ہو، لیکن وعدہ خلافی یہ ہے کہ مرد وعدہ کرے درانحالیکہ اس کی نیت اس وعدہ کو پورا نہ کرنے کی ہو۔ اس کو ابویعلی نے اپنے مسند میں حضرت زید ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت فرمایا۔ (ت)

اس صورت میں یہ کراہت ہی دفع ہوگی کہ پہلے جہاں نسبت کی تھی وُہ بخوشی اجازت دے دیں، یہ تو نسبت چھڑانے کا حکم تھا، رہا دوسری جگہ نکاح کرنا اس میں کسی طرح کوئی خلل نہیں خواہ یہاں تینوں صور مذکورہ سے کوئی صورت واقع ہو کہ نسبت بہر حال صرف وعدہ ہی وعدہ تھی کوئی عقد نہ تھی کہ اب بے موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہ ہوسکے ہاں جب تک وہاں سے نسبت چھُوٹ نہ جائے دوسروں کو پیام دینے کی ممانعت ہے،

---

[1] شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ ذکر صفیہ ام المومنین دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۷۰

[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۲

[3] کنز العمال بحوالہ ع عن زید بن ارقم حدیث مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۳۴۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایخطب الرجل علی خطبة اخیه حتی ینکح اویترک[1]۔اخرجه الشیخان عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑدے۔ شیخین نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔(ت)

یہ جُدا بات ہے مگر نکاح بے نسبت چھڑائے بھی کردیا جائے گا تو نکاح میں کچھ نقص نہیں کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: موضع علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳رمضان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وُہ روپیہ دینے والا اس لئے دیتا ہے کہ اس کے لالچ سے میرے ساتھ نکاح کردیں جب تو وہ رشوت ہے اس کا دینا لینا سب ناجائز وحرام۔

فی الهندیة انفق علی طمع ان یتزوجها قال الاستاذ قاضی خاں الاصح انه یرجع علیها زوجت نفسها اولم تزوج لانها رشوة[2] اھ ملخصا۔	ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس طمع پر خرچہ دیا کہ وہ اس سے نکاح کرے گی تو امام استاذ (قاضی خاں) نے فرمایا کہ اصح یہی ہے کہ وُہ اس عورت سے واپس لے سکتا ہے وہ عورت اس سے نکاح کرے یا نہ کرے کیونکہ یہ رشوت ہے اھ ملخصًا (ت)

یُوں ہی اگر اولیائے عورت نے کہا کہ اتنا روپیہ ہمیں دے تو تجھ سے نکاح کردیں گے ورنہ نہیں جیسا کہ بعض دہقانی جاہلوں میں کفار ہنود سے سیکھ کر رائج ہے تو یہ بھی رشوت وحرام ہے،

فی الهندیة خطب امرأة بیت اخیها فابی ان یدفعها	ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس کے بھائی کے گھر

---

[1] صحیح بخاری باب لایخطب علی خطبه اخیه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۴۰۳

حتی یدفع دراھم فدفع وتزوجھا یرجع بما دفع لانھا رشوۃ کذا فی القنیۃ[1]۔	پیغامِ نکاح بھیجا تو اس کے بھائی نے اس شرط پر نکاح دینے کا اظہار کیا کہ وہ اس عورت کے بھائی کو کچھ درہم دے تو اس شخص نے وہ درہم دے دئے تو اس کے بھائی نے اس کا نکاح اس مرد سے کردیا اب وہ درہم واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔ایسے ہی قنیہ میں بھی ہے۔(ت)

اور اگر یہ صورتیں نہیں بلکہ رسم ہے کہ نکاح سے پہلے دُولہا کی طرف سے کچھ روپیہ دُلہن کی طرف جائے جیسے ہمارے بلاد میں گہنا اور جوڑا جاتا ہے جسے چڑھاوا کہتے ہیں، اگر نکاح ہوجائے تو ہوجائے ورنہ وُہ مال واپس دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور اس کا وہی حکم ہے کہ اگر نکاح ٹھہرے گا تو واپس دیا جائے گا۔

فی الھندیۃ سئل من علی بن احمد عمن ارسل الی اھل خطیبتہ دنانیر ثم اتخذوالہ ثیابا کما ھو العادۃ، ثم بعد ذلك یقول ھو نقدتھا من المھر ھل یکون القول قولہ فقال القول قول الباعث، قیل لہ لودفع الیھم دنانیر فقال انفقوا البعض الی اجرۃ الحائك والبعض الی ثمن الشاۃ للشراء والبعض الی الجوزقۃ کما ھو العادۃ، ثم فعلوا ذلك فزفت الیہ ثم بعد ذلك یدّعی انی بعثت الدنانیر لاجل المھر یقبل قولہ قال اذا صرح بالقول لایقبل قولہ فی التعیین، وسئل ابوحامد عن رجل خطب لابنہ خطیبۃ وبعث	ہندیہ میں ہے کہ علی بن احمد سے ایسے شخص کے بارے میں پُوچھا گیا جس نے اپنی منگیتر والوں کو کچھ دینار بھیجے پھر انہوں نے حسبِ عادت اس شخص کے لئے کپڑے بنادئے، اب وہ کہتا ہے کہ میں نے دینار مہر میں دئے تھے تو کیا اس کا قول معتبر ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ بھیجنے والے کی بات معتبر ہوگی، عرض کی گئی کہ اگر وہ منگیتر والوں کو دینار دے کر کہے کہ اس میں سے کچھ جولاہے کی مزدوری میں خرچ کردو کچھ بکری خرید لو اسکی قیمت میں خرچ کردو اور دیگر رسم ورواج میں حسبِ عادت خرچ کردو، پھر اہلِ مخطوبہ نے ایسا ہی کیا اور وُہ عورت اس کے پاس بھیج دی گئی اب وُہ کہتا ہے کہ میں نے وہ دینار مہر میں بھیجے تھے تو کیا اس کا قول تسلیم کیا جائے گا، آپ نے فرمایا کہ جب اس نے قول کے ساتھ تصریح کردی ہے تو اب تعیین میں اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔امام ابوحامد سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المتفرقات کتاب الھبۃ نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۰۳

الیھا دراھم ثم مات الاب وطلب سائر الورثۃ لا میراث من ھذا المال المبعوث، فقال ان تمت الوصلۃ بینھما فھو ملك لابنہ وان لم تتم فھو میراث، وان کان الاب حیا یرجع الی بیانہ، وسئل والدی عمن بعث الی الخطیبۃ سکرا وجوزا وتمرًا و غیرھا ثم بدالھم فترکوا المعاقدۃ ھل لھذا الخاطب ان یرجع علیھم باسترداد مادفع فقال ان فرق ذلك علی الناس باذن الدافع لیس لہ حق الرجوع وان لم یأذن لہ فی ذٰلك فلہ ذٰلك کذافی التتارخانیۃ[1] اھ قولہ فھو ملك لابنہ **اقول:** انت تعلم ان ھذا یرادعلی العرف فان کان العرف ان یراد بذلك تملیك العروس فھو ملکھا لاملك الزوج کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے لئے کسی لڑکی سے منگنی کی اور اس لڑکی کو کچھ درہم بھیجے پھر یہ باپ مرگیا تو اس کے وارثوں نے اس مال سے میراث طلب کی جو لڑکی کو بھیجی گئی تھی، توامام ابوحامد نے فرمایا کہ اگر ان دونوں میں تعلق تام ہوگیا ہے تو وُہ مال اس کے بیٹے کی ملک ہوگا، اور اگر تعلق تام نہیں ہوا تو وُہ میراث ہوگا اور اگر باپ زندہ ہو تو اس کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔اور میرے والد سے پُوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی منگیتر کی طرف شکر، اخروٹ، بادام اور چھوہارے وغیرہ بھیجے پھر مرد والوں کی رائے میں آیا تو انہوں نے عقد ترک کردیا تو اکیا اب اس مرد (خاطب) کے لئے جائز ہے کہ وُہ یہ بھیجی ہوئی چیزیں واپس لے، توانہوں نے فرمایا کہ اگر لڑکی والوں نے یہ چیز اس مرد کے کہنے سے لوگوں میں تقسیم کردی ہیں تو وہ واپس لینے کا حق نہیں رکھتا، اور اگر اس نے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی تو واپس لینے کا حق رکھتا ہے، ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے اھ اس کا قول کہ وُہ بیٹے کی ملک ہوگا **اقول:** (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر ہے اگر عرف میں اس مراد دلہن کی ملکیت ہوتا ہے تو اس کی ملک ہوگا نہ لڑکے کی، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب اختلاف الزوجین فی المھر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۲

بابُ النکاح الثانی

رسالہ
اطائبُ التّہانی فی النّکاح الثّانی ۱۳۱۲ھ
(بیوہ کے نکاح ثانی کے مفصّل احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

حمد کے لائق ہے وُہ اک پاک ذات جس نے پیدا کی یہ ساری ممکنات
اور حبیب اپنے کو بس پیدا کیا جس سے عالم میں ہوئے نور وضیا

محمد یعقوب علی خاں خلف پیر محمد خاں مرحوم نظامی چشتی قادری خدمت فیض موہب میں عرض پرواز ہے کہ یہ فتوی نوشتہ مولوی عبدالرحیم دہلوی نظرِ احقر سے گزرا، اس کے مضمون سے اکثر ساکنانِ ہند اہلِ اسلام پر گناہ در کنار کفر عائد ہوتا ہے، اس واسطے عبارتِ فتوی خدمت شریف میں روانہ کرکے طالبِ جواب ہُوں کہ تسکین خاطر کی جائے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾ [1] (بیشک اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰

خلاصہ فتوٰی یہ ہے جانو اے مسلمانو! نکاح بیوہ کا ثابت ہے قرآن مجید وحدیث شریف سے، فرمایا اللہ تعالٰی نے: وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ[1] یعنی نکاح کردو بیوہ عورتوں کا۔ اور فرمایا حضرت رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

النکاح سنّتی فمن رغب عن سنتی فلیس منّی۔[2]	نکاح کرنا میری سنّت ہے اور جس نے منہ پھیرا میرے طریقہ سے یعنی انکار کیا سو وہ مُجھ سے نہیں۔

پس جو لوگ اس سے انکار کریں یا عیب اور بُرا جانیں یا کرنے والوں پر طعن کریں حقیر جانیں ذات سے نکالیں یا نکاح کرنے والوں کو روک دیں نہ کرنے دیں یا ایسی فساد کی بات اٹھائیں جس سے حکمِ خدا اور سنت رسول جاری نہ ہو اور کافروں کی رسم قائم رہے یا جاہلوں کے کہنے سننے کا خیال کرکے خدا اور رسول کا حکم قبول نہ کریں، سو یہ سب قسم کے لوگ کافر ہیں، عورتیں اُنکی نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں، نماز روزہ کچھ قبول نہیں، کھانا پینا ان لوگوں کے ساتھ ہرگز درست نہیں جب تک توبہ نہ کریں اس واسطے کہ ان سب صورتوں میں انکارِ حکم خدا اور تحقیر سنت لازم آتی ہے اور یہ ظاہر کفر ہے جیسا کہ تمام کتابوں میں لکھا اور آیت مذکور کی تفسیر میں آیا ہے کہ جو کوئی عیب جانے دوسرے نکاح کو وہ بے ایمان ہے، پس سب مسلمانوں کو واجب ہے کہ جن لوگوں کے گھر میں بیوہ عورت لائق نکاح کے ہو ان کو سمجھادیں اور نصیحت کردیں، اور جو نہ مانیں تو تعزیر دیں، اور جو تعزیر کا قابُو نہ چلے تو اُن کے گھر کا کھانا پینا بولنا سلام علیک کرنا سب چھوڑدیں اور اپنی شادی غمی میں اُن کو نہ بُلائیں اور نہ اُن کے جنازے پر جائیں، اگر ایسا نہ کریں گے تو یہ بھی ان کے ساتھ دنیا و عاقبت کے وبال میں گرفتا ہوں گے، سوائے بھائیوں! نکاح رانڈوں کا کردو، اور جو نہ مانے اس سے ملنا چھوڑدو اور ذات سے ڈال دو نہیں تو تمہارے بھی ایمان جانے کا خوف ہے، مکّہ کے سو اسو بزرگوں نے یہ فتوٰی بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اب بھی جو لوگ نہ مانیں گے دنیا میں بے عزّت اور تباہ ہو جائیں گے اور آخر کو بے ایمان مریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی سال ۱۲۸۸ھ میں عشاء کے وقت ہزار آدمیوں نے دیکھا کہ ایک سُرخی بڑی شدت کی مدینہ مبارک کی طرف نمودار ہُوئی اور بڑی دیر تک رہی پھر تمام آسمان میں پھیل گئی اس ہیبت کی تھی کہ اس کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا، مکّہ شریف میں تمام بزرگوں نے فرمایا کہ بڑا بھاری

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۲

[2] صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۷، صحیح مسلم کتاب النکاح باب استحباب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۹، سُنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

غضب نازل ہونے والا ہے، سوایک بزرگ کو خواب میں الہام ہُوا کہ یہ سُرخی ہندوستان کی بیوہ عورتوں کا خون جمع ہو کر جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فریاد کرنے آیا تھا، سو عنقریب ان مسلمانوں پر غضب آنے والا ہے جلد نکاح کردیں ورنہ بھاری وبا آئے گی اور قحط پڑے گا کہ اکثر یزید کی طرح غارت ہوجائیں گے۔ الٰہی! سب مسلمانوں کو ہدایت کر اور غضب سے بچا، آمین یارب العالمین برحمتك یا ارحم الراحمین۔ اللھم ھدایة الحق والصواب

الجواب:

اس مسئلہ میں جاہلانِ ہندو دو فرقے ہوگئے ہیں: اہلِ تفریط کہ نکاح بیوہ کو ہنود کی طرح سخت ننگ وعار جانتے اور **معاذ اللہ** حرام سے بھی زائد اس سے پرہیز کرتے ہیں نوجوان لڑکی بیوہ ہوگئی اگرچہ شوہر کا منہ بھی نہ دیکھا ہو اب عمر بھر یونہی ذبح ہوتی رہے ممکن ہے کہ نکاح کا حرف بھی زبان پر نہ لاسکے، اگر ہزار میں ایک آدھ نے خوفِ خدا وترس روزِ جزا کرکے اپنا دین سنبھالنے کو (کہ حدیث میں آیا:

من تزوج فقد استکمل نصف دینه فلیتق اللہ فی نصف الباقی[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیھقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پُورا کرلیا باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (اس کو کبیر میں امام طبرانی نے اور امام حاکم وبیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

نکاح کرلیا اس پر چار طرف سے طعن تشنیع کی بوچھار ہے، بیچاری کو کسی مجلس میں جانا بلکہ اپنے کُنبے میں مُنہ دکھانا دشوار ہے، کل تک فلاں بیگم یا فلاں بانو لقب تھا اب دوخصمی کی پکار ہے **ولاحول ولاقوة الا باللہ العلیّ العظیم**، یہ بُرا کرتے اور بے شک بہت بُرا کرتے ہیں باتباع کفار ایک بیہودہ رسم ٹھہرالینی پھر اس کی بناپر مباح شرعی پر اعتراض بلکہ بعض صور میں ادائے واجب سے اعراض کسی جہالت اور نہایت خوفناک حالت ہے، پھر حاجت والی جوان عورتیں اگر روکی گئیں اور معاذاللہ بشامتِ نفس کسی گناہ میں مُبتلا ہُوئیں تو اس کا وبال ان روکنے والوں پر پڑے گا کہ یہ اس گناہ کے باعث ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] شعب الایمان عن انس بن مالك حدیث دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۸۲_۸۳

مکتوب فی التوراة من بلغت له ابنته اثنتی عشرة سنة فلم یزوجها فرکبت اثما فاثم ذلك علیه[1]۔ رواہ البیهقی فی شعب الایمان عن امیرالمومنین عمر الفاروق وعن انس بن مالك رضی الله عنهما بسند صحیح۔	اللہ عزّوجل توراۃ شریف میں فرماتا ہے جس کی بیٹی بارہ ۱۲ برس کی عمر کو پہنچے اور وہ اس کا نکاح نہ کردے اور یہ دختر گناہ میں مبتلا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت امیرالمومنین عمر فاروق اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما بسندِ صحیح روایت فرمایا۔ت)

جب کنواری لڑکیوں کے بارہ میں یہ حکم ہے تو بیاہیوں کا معاملہ تو اور بھی سخت کہ دخترانِ دوشیزہ کو حیاء بھی زائد ہوتی ہے اور گناہ میں تفضیح کا خوف بھی زائد اور خود ابھی اس لذّت سے آگاہ نہیں صرف ایک طبعی طور پر ناواقفانہ خطرات دل میں گزرتے ہیں، اور جب آدمی کسی خواہش کا لطف ایک بار پاچکا تو اب اس کا تقاضا رنگِ دگر پر ہوتا ہے اور ادھر نہ ویسی حیا نہ وُہ خوف واندیشہ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت بخشے، آمین۔

(۲) دوسرے اہلِ افراط کہ اکثر واعظین وہابیہ وغیرہم جُہّال مُتشدّدین ہیں، ان حضرات کی اکثر عادت ہے کہ ایک بیجا کے اٹھانے کو دس ۱۰ بیجا اس سے بڑھ کر آپ کریں، دوسرے کو خندق سے بچانا چاہیں اور آپ عمیق کنویں میں گری، مسلمانوں کو وجہ بے وجہ کافر مشرک بے ایمان ٹھہرادینا تو کوئی بات ہی نہیں، ان صاحبوں نے نکاح بیوہ کو گویا علی الاطلاق واجب قطعی و فرض حتمی قرار دے رکھا ہے کہ ضرورت ہو یا نہ ہو بلکہ شرعًا اجازت ہو یا نہ ہو بے نکاح کئے ہرگز نہ رہے اور نہ صرف فرض بلکہ گویا عین ایمان ہے کہ ذرا کسی بناء پر انکار کیا اور ایمان گیا اور ساتھ لگے آئے گئے پاس پڑوسی سب ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ کیوں پیچھے پڑ کر نکاح نہ کردیا اور اگر بس نہ تھا تو پاس کیوں گئے، بات کیوں کی، سلام کیوں لیا، بات بات پر عورتیں نکاح سے باہر جنازہ کی نماز حرام، تمام کفر کے احکام، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هلك المتنطعون[2]۔ رواہ الائمة احمد ومسلم وابو داؤد عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	ہلاک ہوئے بے جا تشدّد کرنے والے (اس کو امام احمد، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۸۶۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴۰۲/۶

[2] صحیح مسلم کتاب العلم باب النهی اتباع متشابه القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۳۹/۲

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نکاح ثانی مثل نکاح اول فرض، واجب، سنّت، مباح، مکروہ، حرام سب کچھ ہے صور واحکام کی تفصیل سُنیے:

(۱) جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالبًا اس سے شوہر کی اطاعت اور اُس کے حقوق واجبہ کی ادا نہ ہوسکے گی اسے نکاح ممنوع و ناجائز ہے اگر کرے گی گنہگار ہوگی، یہ صورت کراہت تحریمی کی ہے۔

(۲) اگر یہ خوف مرتبہ ظن سے تجاوز کرکے یقین تک پہنچا جب تو اُسے نکاح حرام قطعی ہے۔

حکم ایسی عورتوں کو نکاح اول خواہ ثانی کی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے بلکہ ترغیب دینی خود خلاف شرع ومعصیت ہے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا یہ عورتیں یا ان کے اولیاء اگر نکاح سے انکار کرتے ہیں انہیں انکار سے پھیرنے والا جاہل ومخالفِ شرع۔

(۳) جنہیں اپنے نفس سے ایسا خوف نہ ہو انہیں اگر نکاح کی حاجت شدید ہے کہ بے نکاح کے معاذاللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہے تو ایسی عورتوں کو نکاح کرنا واجب ہے۔

(۴) بلکہ بے نکاح معاذاللہ وقوع حرام کا یقین کُلی ہو تو اُنہیں فرض قطعی یعنی جبکہ اُس کے سوا کثرت روزہ وغیرہ معالجات سے تسکین متوقع نہ ہو ورنہ خاص نکاح فرض وواجب نہ ہوگا بلکہ دفع گناہ جس طریقہ سے ہو۔

حکم ایسی عورتوں کو بیشک نکاح پر جبر کیا جائے اگر خود نہ کریں گی وُہ گنہگار ہوں گی، اور اگر ان کے اولیاء اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلو تہی کریں گے تو وُہ بھی گنہگار ہوں گے، ایسی جگہ ترک وانکار پر بیشک انکار کیا جائے مگر کتنا، صرف اتنا جو ترِک واجب وفرض پر ہوسکتا ہے، نہ یہ جاہلانہ جبروتی حکم کہ جو انکار کرے کافر، جو روک دے کافر، جو نہ کرنے دے کافر، فرائض ادا کرنے یا اُنکی ادا سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک ایسے فرض کی فرضیت کا منکر نہ ہو جس کا فرض ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، پھر ترک واجب وفرج پر جس قدر انکار وتشدّد کرسکتے ہیں وہ بھی یہاں اس وقت روا ہوگا جب معلوم ہو کہ اس عورت سے اطاعت وادائے حقوق واجبہ شوہر کا ترک متیقن یا مظنون نہیں کہ ایسی حالت مین تو فرضیت ووجوب درکنار عدمِ جواز و حرمت کا حکم ہے، پھر یہ بھی ثابت ہو کہ اس عورت کی حالتِ حاجت اس حد تک ہے کہ نکاح نہ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہوجانے کا یقین یا ظن غالب ہے کہ بغیر اس کے وجوب اصلاً نہیں، اور جب کسی خاص عورت کے حق میں یہ امور بروجہ شرعی ثابت نہ ہوں تو مسلمان پر بدگمانی خود حرام، اور محض اپنے خیالات پر تارک فرض و واجب ٹھہرا دینا بیباک کا کام، پھر امر حاجت میں عورت کا اپنا بیان مقبول ہوگا کہ حاجت نکاح امر خفی و وجدانی ہے جس پر خود صاحبِ حاجت ہی

کو ٹھیک اطلاع ہوتی ہے جب وُہ بیان کرے کہ مجھے ایسی حاجت نہیں تو خواہی نخواہی اس کی تکذیب کی طرف کوئی راہ نہیں ہوسکتی عُمرو غیرہ کامظنہ سب جگہ ایک سانہیں ہوتامزاج، عقل، حیا، خوف، اشغال، احوال، ہموم، افکار، صحبت، اطوار صدہا اختلافوں سے مختلف ہوجاتا ہے جس کی تفصیل اہلِ عقل وتجارب پر خوب روشن ہے، درمختار میں ہے :

یکون واجبا عند التوقان (المراد شدۃ الاشتیاق کما فی الزیلعی بحیث یخاف الوقوع فی الزنا لولم یتزوج اذلایلزم من الاشتیاق الی الجماع الخوف المذکور، بحر) فان تیقن الزنا الابہ فرض، نھایۃ (ای بان کان لایمکنہ الاحتراز من الزنا الّابہ لان مالایتوصل الی ترک الحرام الابہ یکون فرضا بحر، وقولہ لایمکنہ الاحتراز الابہ ظاھر فی فرض المسألۃ فی عدم قدرتہ علی الصوم المانع من الوقوع فی الزنا فلو قدر علی شیئ من ذٰلک لم یبق النکاح فرضا او واجبا عینا بل ھو أوغیرہ مما یمنعہ من الوقوع فی المحرم) وھذا ان ملک المھر والنفقۃ والافلا اثم بترکہ بدائع (ھذا الشرط اثم الی القسمین اعنی الواجب والفرض وزاد فی البحر شرطا اٰخر فیھما وھو عدم خوف الجور ای الظلم قال فان تعارض خوف الوقوع فی الزنا لو لم یتزوج وخوف	اور غلبہ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے (اس سے مراد بقول امام زیلعی کے ایسا شدید اشتیاقِ جماع ہے کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو وقوعِ زنا کا خوف ہے کیونکہ محض اشتیاقِ جماع کو خوف مذکور لازم نہیں، بحر) پس اگر نکاح کے بغیر زنا یقینی ہو تو نکاح فرض ہے، نہایہ (یعنی نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو کیونکہ جس کے بغیر ترک حرام رسائی نہ ہو وہ فرض ہوتا احتراز ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ مسئلہ کی وُہ صورت فرض کی گئی ہے جس میں نلح روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جو کہ زنا سے مانع ہیں لہٰذا اگر وہ روزے رکھنے پر قادر ہو تو نکاح فرض یا واجب عین نہ ہوگا بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ نکاح کرے یا حرام یعنی زنا سے نبچنے کا کوئی اور طریقہ اپنائے) اور یہ وجوب وفرضیتِ نکاح اس صورت میں ہے جب وُہ مہر ونفقہ پر قادر ہو ورنہ ترک نکاح میں گناہ نہیں، بدائع (یہ شرط دونوں قسموں یعنی نکاح واجب وفرض کی طرف راجح ہے۔ بحر میں ان دونوں قسموں میں ایک اور شرط کا اضافہ فرمایا ہے اور وُہ یہ ہے کہ جور وظلم کا ڈر نہ ہو، صاحبِ بحر نے فرمایا کہ عدمِ نکاح کی صورت میں خوفِ زنا نکاح کی صورت میں جوروظلم کے خوف سے متعارض ہو

الجور لو تزوج قدم الثانی افتراض بل یکرہ افادہ الکمال فی الفتح ولعلہ لان الجور معصیۃ متعلقۃ بالعبادوالمنع من الزنا من حقوق اللہ تعالٰی وحق العبد مقدم عند التعارض لاحتیاجہ وغنی المولٰی تعالٰی اھ)ویکون مکروھا(ای تحریما،بحر)لخوف الجور فان تیقنہ(ای الجور)حرم[1] اھ ملخصا مزیدا من ردالمحتار مابین الخطین۔**اقول:** ویؤید تعلیل البحر حدیث ابن ابی الدنیا وابی الشیخ عن جابر بن عبداللہ وابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا ان الرجل قدیزنی ویتوب فیتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبۃ لایغفرلہ حتی یغفرلہ صاحبہ[2]۔

تو ثانی کا اعتبار مقدم و راجح ہوگا چنانچہ اس صورت میں نکاح فرض نہیں بلکہ مکروہ ہوگا، کمال نے فتح میں اس کاافادہ فرمایا، شاید خوف جور کو خوفِ زنا پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ جَور و ظلم ایسا گناہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا سے باز رہنا حقوق اللہ سے ہے اور حق عبد بوقت تعارض حق اللہ پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ عبد محتاج ہے اور مولٰی تعالٰی غنی ہے اھ) اور اس صورت میں نکاح مکروہ یعنی مکروہ تحریمی ہوگا جبکہ ظلم کا خوف ہو اور اگر ظلم کا یقین ہو تو حرام ہے۔ قوسین میں زائد عبارتیں ردالمحتار سے لی گئی ہیں،

اقول: (میں کہتاہوں کہ) بحر کی بیان کردہ علت کی تائید کرتی ہے ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ کی وُہ حدیث جس کو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا کہ غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زناء سے سخت تر ہے، اس لئے کہ آدمی زناء کرتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور غیبت کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی (ت)

(۵) اگر حاجت کی حالت اعتدال پر ہو یعنی نہ نکاح سے بالکل بے پروائی نہ اس شدّت کا شوق کہ بے نکاح وقوعِ گناہ کا ظن بالیقین ہو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے مگر بشرطیکہ عورت اپنے نفس پر اطمینان کافی رکھتی ہو کہ مجھ سے ترک اطاعت اور حقوقِ شوہر کی اضاعت اصلاً واقع نہ ہوگی۔

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۔۲۶۰

[2] جامع الاحادیث للسیوطی قسم الاقوال حدیث ۹۳۱۰ دارالفکر بیروت ۳/۳۹۰

(٦) اگر ذرا بھی اس کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں نکاح سنّت نہ رہے گا صرف مباح ہوگا بشرطیکہ اندیشہ حدِ ظن تک نہ پہنچے ورنہ اباحت جداسرے سے ممنوع وناجائز ہو جائے گا **کماسبق** (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) درمختار میں ہے:

یکون سنة مؤکدة فیاثم بترکه (مع الاصرار) حال الاعتدال (ای الاعتدال فی التوقان ان لایکون بالمعنی المارّفی الواجب والفرض وھو شدّة الاشتیاق وان لایکون فی غایة الفتور کالعنین ولذا فسره فی شرحه علی الملتقٰی بان یکون بین الفتور والشوق وفی البحروالمراد حاله عدم الخوف من الجور وترک الفرائض والسنن فلو خاف فلیس معتدلا فلایکون سنة فی حقه کما افاده فی البدائع، وترک الشارح قسما سادسا ذکره فی البحرعن المجتبٰی وھوالاباحة ان خاف العجز عن الایفاء بمواجبه اھ ای خوفا غیر راجح والاکان مکروھا تحریما لان عدم الجور من مواجبه [1] اھ ملتقطا مزیدا من ابن عابدین۔	اور حال اعتدال میں نکاح سنّتِ مؤکدہ ہوتا ہے جس کے (باصرار) ترک پر گناہ لازم ہوتا ہے (اعتدال سے مراد یہ ہے کہ غلبہ شہوت اس حد تک پہنچا ہوا نہ ہو جیسا کہ نکاح واجب وفرض میں گزرا یعنی جماع کا اشتیاق شدید اور نہ ہی انتہائی طور پر کمزور اور قاصر ہو جیسا کہ عنین۔ اسی واسطے شرح ملتقٰی میں اس کی تفسیر یُوں فرمائی کہ وُہ فتور اور شوق کے درمیان ہو۔ بحر میں ہے کہ اس سے مراد آدمی کا وہ حال ہے جس میں اسے ظلم، ترک فرائض اور ترک سُنن کا خوف نہ ہو، اور اگر اسے ان امور کا خوف ہے تو وہ معتدل نہیں، لہٰذا اس کے لئے نکاح سنت نہیں ہوگا جیسا کہ بدائع میں اس کا افادہ فرمایا، اور شارح نے نکاح کی چھٹی قسم کا ذکر نہیں فرمایا جس کو بحر مجتبٰی سے ذکر کیا اور وُہ ہے نکاح کا مباح ہونا جبکہ لوازمِ نکاح راجح نہ ہو ورنہ مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ عدمِ جور لوازمِ نکاح میں سے ہے اھ ملتقطا__ زائد عبارتیں ابن عابدین سے لی گئی ہیں۔ (ت)

حکم بحالت سنیت بیشک نکاح کی ترغیب بتاکید کی جائے اور اس سے انکار پر سخت اعتراض پہنچتا ہے اسی قدر جتنا ترک سنت پر چاہئے اور درصورت اباحت نہ نکاح پر اصلا جبر کا اختیار نہ اس سے انکار پر کچھ اعتراض وانکار کہ مباح وشرع مطہر نے مکلّف کی مرضی پر چھوڑا ہے چاہے کرے یا نہ کرے، پھر انصاف

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۵، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۱

کی میزان ہاتھ میں لیجئے تو عورتوں کے حق میں سنیت نکاح بھی بہت ندرت سے ثابت ہوگی، ہزار میں ایک ہی ایسی نکلے گی جس کے لئے سنت کہہ سکیں، کیا کسی عورت کی نسبت خود وُہ یا اس کے اولیاء یا یہ تشدد والے حضرات پورے طور پر ضامن ہوجائیں گے کہ اس سے نافرمانی شوہر یا اس کے کسی حق میں ادنٰی تقصیر واقع ہونے کا اصلاً اندیشہ نہیں، ایسی بے معنی ضمانت وہی کرسکتا ہے جسے نہ مردوں کے حقوق عظیمہ پر اطلاع، نہ عورات کی عادات ونقصان عقل ودین پر وقوف کیا، **حدیث** صحیح میں حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد سُنا کہ:

رأیت النار فلم ارکالیوم منظرا قط افظع ورأیت اکثر اھلھا النساء	میں نے دوزخ ملاحظہ فرمائی تو آج کی برابر کوئی چیز سخت وشنیع نہ دیکھی اور میں نے اہلِ دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھیں۔

فقالو! یارسول اللہ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ یعنی حضور! اس کا کیا سبب ہے؟ **قال بکفرھن** فرمایا ان کے کفر کے باعث۔ **قیل یکفرن باللہ** عرض کی گئی کیا اللہ عزّوجل سے کفر کرتی ہیں؟ **قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان** فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی ہیں **لو احسنت الی احدٰھن الدھر ثم رأت منك شیئًا قالت ما رأیت منك خیرا قط**[1] اگر تو ان میں سے کسی کے ساتھ عمر بھر احسان کرے پھر ذراسی بات خلافِ مزاج تجھ سے دیکھے تو کہے میں نے کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہ دیکھی **رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما** (اس کو شیخین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان المرأۃ خلقت من ضلع اعوج لن تستقیم لك علی طریقۃ فان استمتعت بھا وبھا عوج وان ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا[2]۔ رواہ مسلم و الترمذی عن ابی ھریرۃ ونحوہ	عورت ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے ہرگز سی راہ پر تیرے لئے سیدھی نہ ہوگی، اگر تُو اس سے نفع لے تو اس کی کجی کے ساتھ نفع لے اور سیدھا کرنے چلے تو توڑ دے، اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے (اس کو امام مسلم وترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

[1] صحیح بخاری باب صلوٰۃ الکسوف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۴، صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳-۲۸۷

[2] صحیح مسلم باب الوصیۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۹۸

احمد ابن حبان والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تعالٰی عنہ سے اور اس کی مجمل کو امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حاصل یہ کہ پسلی ٹوٹ جائے گی مگر سیدھی نہ ہوگی، عورت بھی بائیں پسلی سے بنی ہے نہ نبھے تو طلاق دے دے مگر ہر طرح موافق آئے یہ مشکل ہے۔

حدیث ۳: ایک بی بی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں عورتوں کی فرستادہ ہوں، حضور کی بارگاہ میں جن عورتوں کو خبر ہے اور جنہیں خبر نہیں سب میری اس حاضری کی خواہاں ہیں، اللہ عزوجل مردوں عورتوں سب کا پرودگار ہے اور حضور مردوں عورتوں سب کی طرف اس کے رسول، اللہ عزوجل نے مردوں پر جہاد فرض کیا کہ فتح پائیں تو دولتمند ہو جائیں اور شہید ہوں تو اپنے رب کے پاس زندہ رہیں رزق پائیں اور ہم عورتیں اُن کے کاموں کا انتظام کرنے والیاں ہیں تو ہمارے لئے وُہ وہ کون سی طاعت ہے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔ فرمایا:

طاعۃ ازواجھن بحقوقھم وقلیل منکن من یفعلہ[1]۔ رواہ البزار والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	شوہروں کی اطاعت اور اُن کے حق پہچاننا اور اس کی کرنے والیاں تم میں تھوڑی ہیں (اس کو بزار اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

حاملات والدات مرضعات رحیمات باولادھن لولا ما یأتین الٰی ازواجھن لدخل مصلیا تھن الجنۃ[2]۔ اخرجہ الامام احمد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر	حمل کی سختیاں اٹھانے والیاں، دُودھ پلانے والیاں، جننے کی تکلیف جھیلنے والیاں، اپنے بچوں پر مہربانیں، اگر نہ ہوتی وُہ تقصیر جو اپنے شوہروں کے ساتھ کرتی ہیں تو ان کی نماز والیاں سیدھی جنّت میں

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی حق المرأۃ علی الزوج دارالکتاب بیروت ۳۰۶/۴، مصنف عبدالرزاق حدیث حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۴۶۳/۸

[2] المعجم الکبیر حدیث المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳۰۲/۸، مسند امام احمد دارالفکر بیروت ۲۵۲/۵

والحاکم فی المستدرك عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جائیں (اس کو امام احمد، ابن ماجہ، کبیر میں طبرانی نے اور مستدرک میں حاکم نے حضرت ابوامام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

تو سنّیت در کنار اکثر عورتوں کے لئے حدیث اباحت ہی ثابت رہے یہی بڑی بات ہے پھر اُن کے انکار پر اعتراض اور نکاح پر اصرار کی کیا سبیل نہ کہ اعتراض بھی معاذاللہ تاحد اکفار اور اصرار بھی ہم پہلوئے اکراہ واجبار، ولہذا احادیث میں وارد کہ حقوقِ شوہر اوران کی شدّت سُن کر متعدد بیبیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے عمر بھر نکاح نہ کرنے کا عہد کیا اور حضور پُرنور صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا مگر جاہل واعظین خصوصًا وہابیہ ہمیشہ خدا و رسول سے بڑھ کر چلا چاہتے ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۱: ایک زن خثعمیہ نے خدمت اقدسِ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! حضور مجھے سُنائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے کہ میں زنِ بے شوہر ہوں اُس کے ادا کی اپنے طاقت دیکھوں تو نکاح کروں ورنہ یوں ہی بیٹھی رہوں، فرمایا:

فان حق الزوج علی الزوجة ان سألھا نفسھا وھی علی ظھر بغیران لاتمنعه نفسھا ومن حق الزوج علی الزوجة ان لاتصوم تطوعا الاباذنه فان فعلت جاعت وعطشت ولایقبل منھا ولاتخرج من بیتھا الاباذنه فان فعلت لعنتھا ملئكة السماء وملئكة الارض وملئكة الرحمة وملئكة العذاب حتی ترجع۔	تو بیشک شوہر کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ عورت کجاوہ پر بیٹھی ہو اور مرد اُسی سواری پر اس سے نزدیکی چاہے تو انکار نہ کرے، اور مرد کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کے بے اجازت کے نفل روزہ نہ رکھے اگر رکھے گی تو عبث بُھوکی پیاسی رہی روزہ قبول نہ وہوگا اور گھر سے بے اذن شوہر کہیں نہ جائے اگر جائے گی توآسمان کے فرشتے، زمین کے فرشتے، رحمت کے فرشتے، عذات کے فرشتے سب اُس پر لعنت کرینگے جب تک پلٹ کر آئے۔

یہ ارشاد سُن کر بی بی نے عرض کی: لاجرم لاتزوج ابدا[1] ٹھیک یہ ہے کہ نکاح نہ کرونگی رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما (اس کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ

---

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار باب حق الزوج علی المرأة مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۱۷۷، مجمع الزوائد باب حق الزوج علی المرأة دارالکتاب بیروت ۴/ ۳۰۶-۳۰۷

تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: ایک بی بی نے دربارِ دُربار سیّد الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: میں فلاں دخترِ فلاں ہوں۔ فرمایا: میں نے تجھے پہچانا اپنا کام بتا۔ عرض کی: مجھے اپنے چچا کے بیٹے فلاں عابد سے کام ہے۔ فرمایا: میں نے اُسے بھی پہچانا یعنی مطلب کہہ۔ عرض کی؛ اس نے مجھے پیام دیا ہے۔ تو حضور ارشاد فرمائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے اگر وُہ کوئی چیز قابو کی ہو تو میں اُس سے نکاح کرلوں۔ فرمایا:

من حقه لوسال منخراه دما او قیحا فلحسته بلسانها ما ادت حقه لوکان ینبغی لبشران یسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها اذادخل علیها بما فضله الله علیها۔	مرد کے حق کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اگر اس کے دونوں نتھنے خون یا پیپ سے بہتے ہوں اور عورت اُسے اپنی زبان سے چاٹے تو شوہر کے حق سے ادا نہ ہوئی اگر آدمی کا آدمی کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد جب باہر سے آئے اس کے سامنے آئے اسے سجدہ کرے کہ خدا نے مرد کو فضیلت ہی ایسی دی ہے۔

یہ ارشاد سُن کر وُہ بی بی بولیں:

والذی بعثك بالحق لاا تزوج مابقیت الدنیا۔[1] رواہ البزاروالحاکم عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں رہتی دنیا تک نکاح کا نام نہ لوں گی (اسکو بزار اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۳: ایک صاحب اپنی صاحبزادی کو لے کر درگاہِ عالم پناہ حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کی: میری یہ بیٹی نکاح کرنے سے انکار رکھتی ہے حضور صلوات اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: "**اطیعی اباك**" اپنے باپ کا حکم مان۔ اُس لڑکی نے عرض کی: قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں نکاح نہ کروں گی جب تک حضور یہ نہ بتائیں کہ خاوند کا حق عورت پر کیا ہے۔ فرمایا:

---

[1] مستدرك کتاب النکاح باب حق الزوج علی ال زوجة دار الفکر بیروت ۱۸۹/۲، کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث موسسة الرسالہ بیروت ۱۷۸/۲

حق الزوج علی زوجتہ لوکانت بہ قرحۃ فلحستھا اور انتثر منخراہ صدیدا اودما ثم ابتلعتہ ماادت حقہ۔	شوہر کا حق عورت پر یہ ہے اگر اس کے کوئی پھوڑا ہو عورت اسے چاٹ کر صاف کرے یا اس کے نتھنوں سے پیپ یا خون نکلے عورت اسے نگل لے تو مرد کے حق سے ادا نہ ہوئی۔

اس لڑکی نے عرض کی:

والذی بعثك بالحق لاا تزوج ابدا۔	قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں کبھی شادی نہ کروں گی۔

حضورپُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتنکحوھن الاباذنھن[1] رواہ البزار وابن حبان فی صحیحہ عن ابی سعید الخدر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	"عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک ان کی مرضی نہ ہو"۔اس کو بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام حافظ زکی الملۃ والدّین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند جیّد اور اس کے سب راوی ثقات مشہورین ہیں انتھی، سبحان اللہ اس حدیث جلیل کو دیکھئے دختر ناکتخدا کو نکاح سے انکار، باپ کو اصرار، باپ حضور کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں، صاحبزادی عین دربار اقدس میں قسم کھاتی ہیں کہ کبھی نکاح نہ کروں گی۔اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ اس انکار کرنے والی پر ناراض ہوتے ہیں نہ اعتراض کرتے ہیں بلکہ اولیاء کو ہدایت فرماتے ہیں کہ جب تک ان کی مرضی نہ ہو ان کا نکاح نہ کرو، کہاں یہ ارشادِ ہدایت بنیاد کہاں وُہ جبروتی حکم زبردستی کا ظلم کہ اگرچہ ایک بار نکاح ہوچکا اب بیوہ ہوگئی،اور دوبارہ نکاح پر جبر کرو اور پھر بیوہ ہو تو پھر سہ بارہ گلا دباؤ اگر مان لے تو خیر،اور انکار کرے تو کافرہ ہوگئی،اور ساتھ لگے اولیا کی بھی خیر نہیں اگر وُہ خواہ مخواہ نکاح نہ کردیں تو اُن پر بھی معاذاللہ اللہ عزوجل کا غضب ٹوٹے عیاذًا باللہ یزید پلید کی طرح غارت ہوں، مرتے وقت ایمان جانے کا اندیشہ،مزہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک ایک حکم شریعت مطہرہ کا اُنہوں نے چھوڑا دوسرے حکم فرض قطعی کے ترک کی یہ مسلمانوں کو تاکید کرتے ہیں کہ وہ مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، حالانکہ حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصّلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت	ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۷۸/۲

براكان او فاجرا وان هو عمل الكبائر [1]۔ اخرجه ابو داؤد ابو يعلى والبيهقى فى سننه عن ابى هريرة رضى الله تعالٰى عنه بسند صحيح علٰى اصولنا معشر الحنفية۔	چاہے اُس نے کتنے ہی گناہ کبیرہ کئے ہوں (اس کو امام ابوداؤد، ابویعلی اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایسی سند کے ساتھ روایت فرمایا جو ہمارے یعنی احناف کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔ ت)

دوسری **حدیث** میں ہے، مولائے دوجہاں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلو علی کل میّت [2]۔ اخرجه ابن ماجة عن واثلة والد ابى الطفيل رضى الله تعالٰى عنهما۔	ہر (مسلمان) میت کی نماز جنازہ پڑھو۔ (اس کو ابن ماجہ نے واثلہ والدِ ابی الطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

تیسری **حدیث** میں ہے حضور سیّد عالم مولائے اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علی من قال لااله الاالله [3]۔ اخرجه ابوالقاسم الطبرانى فى معجمه الكبير ابونعيم فى حلية الاولياء عن عبدالله ابن الفاروق رضى الله تعالٰى عنهم۔	جس نے لاالٰہ الّا اللہ پڑھا اس کی نماز جنازہ پڑھو۔ اس کو ابو القاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ (ت)

معاذاللہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت ڈالنا اور اپنی طرف سے نئی شریعت نکالنا بیوہ کے نکاح کرنے سے لاکھ درجے بدتر ہے۔ جبھی تو کہا تھا کہ یہ حضرات اور کو خندق سے بچائیں اور خود گہرے کنویں میں گرجائیں **ولاحول ولاقوة الّا باللہ العلی العظیم**۔

بالجملہ عندالتحقیق عامہ زنان خصوصًا زنانِ زمان کے حق میں غایت درجہ حکم اباحت ہے اور مباح سے انکار پر اصلًا مواخذہ نہیں خصوصًا جب اس کے ساتھ اور کوئی مصلحت بھی ترک نکاح پر داعی ہو۔ صحیح **حدیث** میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت اُمّ ہانی بنت ابی طالب خواہر

---

[1] سُنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی الغزو مع ائمة الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳، السنن الکبرٰی باب الصّلٰوۃ حلف من لایحمد فعله دار صادر بیروت ۳/ ۱۲۱

[2] سنن ابن ماجه ابواب الجنائز باب فی الصلٰوۃ علٰی اہل القبلہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۰

[3] المعجم الکبیر حدیث مروی از عبداللہ ابن عمر المکتبة الفیصلیه بیروت ۱۲/ ۴۴۷

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو پیامِ نکاح دیا، عرض کی:

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھه کو پیامِ نکاح دیا، عرض کی: مابی عنك رغبة یارسول اللہ ولکن لا احب ان اتزوج وبنی صغار۔	یارسول اللہ! کچھ حضور سے مجھے بے رغبتی تو ہے نہیں مگر مجھے یہ نہیں بھاتا کہ میں نکاح کروں اور میرے بچّے چھوٹے چھوٹے ہیں۔

سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی طفل فی صغرہ وارعاہ علی بعل فی ذات یدہ[1]۔ رواہ الطبرانی عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا برجال ثقات، قالت خطبنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت فذکرہ۔	عرب کی تمام عورتوں میں بہتر زنانِ قریش ہیں اپنے بچّہ پر اس کے بچپن میں سب سے زیادہ مہربان اور خاوند کے مال کی سب سے زیادہ نگاہ رکھنے والیاں۔ (اس کو طبرانی نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ذریعہ روایت کیا، وہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے عرض کی، اور آگے حدیث مذکورہ کو ذکر کیا۔ت)

دوسری صحیح **حدیث** میں ہے، جب حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے انہیں پیام دیا، یوں عرض کی:

یارسول اللہ لانت احب الی من سمعی وبصری وحق الزوج عظیم فاخشٰی ان اضیع حق الزوج[2] ملخصًا۔ اخرجہ ابن سعد بسند صحیح عن الشعبی مرسلا۔	یارسول اللہ! بیشک حضور مجھے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے زیادہ پیارے ہیں اور شوہر کا حق بڑا ہے میں ڈرتی ہوں کہ حق شوہر مجھ سے فوت نہ ہو، ملخصًا۔ (اس کو ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ شعبی سے مرسلًا روایت فرمایا۔ت)

تیسری **حدیث** میں ہے:

فخطبھا الی نفسھا فقالت کیف بھذا ضجیعا وھذا رضیعا لولدین بین یدیھا[3]۔	جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے لئے فرمایا اپنے دو بچّوں کی طرف کہ سامنے موجود تھے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۶۷ مروی از امّ ہانی رضی اللہ عنہا المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۴/ ۴۳۷

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النساء دارصادر بیروت ۳/ ۱۵۲

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النساء دارصادر بیروت ۳/ ۱۵۲

رواہ عن ابی نوفل بن عقرب ایضا مرسلا۔	اشارہ کرکے عرض کی یہ دودھ پینے اور یہ ساتھ سونے کو بہت ہے۔(اس کو بھی ابن سعد نے ابو نوفل بن عقرب سے مرسلاً روایت کیا۔ت)

امّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنے شوہر اوّل حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بیوہ ہُوئیں امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُنہیں پیغامِ نکاح کردیا، انکار کردیا، پھر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیام دیا انکار کردیا، پھر حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیام دیا، عرض کی:

انی امرأۃ غیری وانی امرأۃ مصیبۃ ولیس احد من اولیائی شاھدا۔	میں رشک ناک عورت ہوں (یعنی ازواج مطہرات سے شکر رنجی کا خیال ہے) اور عیالدار ہوں اور میرا کوئی ولی حاضر نہیں۔

حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے عذروں پر کُچھ عتاب نہ فرمایا نہ یہ ارشاد ہوا کہ تم سنت سے منکر ہوتی ہو تم پر شرعی الزام ہے، بلکہ عذر سن کر اُن کے علاج وجواب ارشاد فرمادئے کہ تمہارے رشک کے لئے ہم دُعا فرمائیں گے اللہ تعالٰی اسے دور کردے (چنانچہ ایسا ہی ہوا ام المومنین ام سلمہ باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن کے ساتھ اس طرح رہتی تھیں گویا یہ ازواج ہی نہیں صلی اللہ تعالٰی علی بعلھن وعلیھن وبارك وسلم اور تمہارے بچّے اللہ و رسول کے سپرد ہیں اور تمہارا کوئی ولی حاضر غائب میرے ساتھ نکاح کو ناپسند نہ کرے گا[1] رواہ احمد والنسائی عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح (اس کو امام احمد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

ابن ابی عاصم روایتوں میں ہے منجملہ عذروں کے یہ بھی عرض کی کہ امّا انا فکبیرۃ السن میری عمر زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا فانا اکبر منک[2] میں تم سے بڑا ہوں۔ رواہ من طریق عبدالواحد بن ایمن عن ابی بکر بن عبد الرحمن عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا (ابن عاصم نے اس کو عبد الواحد بن ایمن کے طریق سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ت)

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ام سلمہ دار الفکر بیروت ۳۱۳/۶، سنن النسائی کتاب النکاح المکتبۃ السلفیہ لاہور ۶۸/۲

[2] طبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر فی خطب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نساء دار صادر بیروت ۹۱/۸

ام المومنین (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے ۶۰ھ عـــہ یا ۶۱ یا ۶۲ میں وفات پائی، عمر شریف چوراسی ۸۴ برس کی ہوئی قالہ الواقدی وکثیر من العلماء نقلہ عنہم فی الاصابۃ[1] وھو الصواب کما فی الزرقانی (واقدی اور کثیر علماء نے یہی کہا ہے جن سے اصابہ میں نقل کیا اور یہی درست ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آخر شوال ۴ھ ہجری میں ان سے نکاح فرمایا ھو الصحیح کما فی الزرقانی (یہی صحیح ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) تو جس وقت انہوں نے ترک نکاح کے لئے عمر زیادہ ہونے کا عذر عرض کیا ہے تیس ۳۰ سال کی نہ تھیں یہی کوئی چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ برس کی عمر تھی رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے ابن سعد انہیں ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی کہ انہوں نے فرمایا:

بلغنی انہ لیس امرأۃ یموت زوجھا وھو من اھل الجنۃ وھی من اھل الجنۃ ثم لم تزوج بعدہ الا جمع اللہ بینھما فی الجنۃ۔	جس عورت کا شوہر مرجائے اور وہ دونوں جنتی ہوں پھر عورت اُس کے بعد نکاح نہ کرے تو اللہ تعالٰی اُن دونوں کو جنت میں جمع فرمائے۔

اسی بنا پر اُنہوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا تھا آؤ ہم تم عہد کریں کہ جو پہلے مرجائے دوسرا اس کے بعد نکاح نہ کرے، مگر یہ علمِ الٰہی میں امہات المومنین میں داخل ہونے والی تھیں، حضرت ابوسلمہ نے قبول نہ فرمایا[2] رواہ من طریق عاصم الاحول عن زیاد بن ابی مریم عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھا (اس کو بطریق عاصم احول، زیاد بن ابی مریم سے روایت کیا اور انہوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ت)

عـــہ: صحح الاوّل الیعمری والثانی ابو عمر بن عبد البر والثالث الحافظ التقریب وھناك تصحیح رابع وھو ۵۹ھ صححہ القسطلانی فی المواھب قال الزرقانی وھو معارض بھذہ التصحیحات[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ (م)	اول کو یعمری، ثانی کو ابوعمر بن عبد البر اور ثالث کو حافظ نے تقریب میں صحیح قرار دیا اور یہاں ایک چوتھی تصحیح ۵۹ھ کی بھی ہے جس کو قسطلانی نے مواہب میں صحیح قرار دیا، زرقانی نے فرمایا کہ وہ ان تصحیحات کے معارض ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ذکر ام سلمہ نمبر ۰ دار اصادر بیروت ۴/ ۶۰_۴۵۹

[2] الطبقات الکبرٰی ذکر من خطب النبی صلی اللہ تعالٰی وسلم من النساء دار صادر بیروت ۸/ ۸۸

[3] شرح الزرقانی علی المواہب الدنیۃ ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہا دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۴

حضرت سلمٰی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہاکے شوہر شہید ہُوئے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا میرے شوہر نے شہادت پائی اور لوگ مجھے پیام دے رہے ہیں میں نکاح سے انکار رکھتی ہوں کیا آپ اُمید کرتے ہیں کہ اگر میں اور وہ جمع ہوئے تومیں آخرت میں ان کی زوجہ ہوں (بیوی بنوں) فرمایا: ہاں۔

احمد فی المسند حدثنا ابو احمد ثنا ابان عبد اللہ البَاجلی عن کریم بن ابی حازم عن جدتہ سلمٰی بنت جابر ان زوجھا استشھد فاتت عبد اللہ بن مسعود فقالت انی امرأۃ استشھدزوجی وقد خطبنی الرجال فابیت ان اتزوج حتی القاہ فترجو لی ان اجتمعت انا وھو ان اکون من ازواجہ قال نعم فقال لہ رجل ما رأیناك نقلت ھذا منذقاعدناك قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ان اسرع امتی لی لحوقا فی الجنۃ امرأۃ من احمس [1]۔	امام احمد نے اپنی مسند میں یُوں بیان فرمایا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو احمد نے، انہوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابان بن عبداللہ بجلی نے، انہوں نے کریم بن ابی حازم سے، اور انہوں نے اپنی دادی سلمٰی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ ان (حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا) کے شوہر شہید ہوئے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں وہ عورت ہوں جس کے شوہر شہید ہوگئے ہیں اور بہت سے مردوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا مگر میں نے نکاح سے انکار کیا تاوقتیکہ میں اپنے شوہر سے ملوں، کیا آپ میرے متعلق امید کرتے ہیں کہ اگر میں اور میرا شوہر جمع ہُوئے توان کی بیوی بنوں گی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہاں۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا کہ جب سے ہم آپ کے پاس بیٹھ رہے ہیں آپ کو یہ نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ بیشک جنت میں سب سے جلد مجھ ملنے والی عورت احمس (قریشی) سے (ت)

حضرت سید سعید شہید سیّدنا امام حسین صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علٰی جدّہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرئ القیس کہ حضرت اصغر وحضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں بعد شہادت امامِ مظلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت شرفائے قریشی نے انہیں پیامِ نکاح دیا، فرمایا:

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود دارالفکر بیروت ۱/۴۰۳

ماکنت لاتخذنی حموا بعد رسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[1]۔	میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔(ت)

جب تک زندہ رہیں نہ کیا ذکرہ ابن الاثیر فی الکامل (ابن اثیر نے اسے کامل میں ذکر کیا ہے۔ت) مرثیہ حضرت امام انام رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتی ہیں:

واللہ لاابتغی صھرا ابصھرکم

حتی اغیب بین الرملی والطین[2]

خدا کی قسم تمہارے رشتہ کے بعد کسی سے رشتہ نہ چاہوں گی یہاں تک کہ ریت اور مٹی میں دفن کردی جاؤں ذکرہ ھشام بن الکلبی (اس کو ہشام بن کلبی نے ذکر کیا۔ت)

بلکہ علّامہ ابوالقاسم عمادالدین محمود ابن فریابی کتاب خالصۃ الحقائق لمافیه من اسالیب الدقائق میں صحابیات حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بی بی رباب نامی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ذکر کرتے ہیں:

انھاکانت زوجا لرجل یقال له عمر وفتعاھدا أیھما مات قبل الاخر لایتزوج الذی یبقٰی حتی یموت فمات فاقامت مدۃ فزوجھا ابوھا فرأت فی تلك اللیلة عمرا انشدھا ابیاتا فاصبحت مذعورۃ وقصت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم القصة فامرھا ان تستأنس بالوحدۃ حتی تموت وامرزوجھا بفراقھا ففعل ذٰلک۔	یعنی وُہ ایک شخص عمرو نامی کی زوجہ تھیں اُن کے آپس میں عہد ہولیا تھا کہ جو پہلے مرے دوسرا تادم مرگ نکاح نہ کرے، عمر کا انتقال ہوا، رباب ایک مدّت تک بیوہ رہیں پھر ان کے باپ نے اُن کا نکاح کردیا، اُسی رات اپنے پہلے شوہر کو خواب میں دیکھا اُنہوں نے کچھ شعر اس معاملے کی شکایت میں پڑھے یہ صبح کو خائف وترساں اُٹھیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مرتے دم تک تنہائی میں جی بہلائیں اور اس شوہر کو حکم دیا کہ انہیں چھوڑدے، انہوں نے چھوڑدیا۔(ت)

نقله الحافظ فی الاصابة وقال ھی حکایة مشھورۃ لغیر ھذین[3] الخ (اس کو حافظ نے الاصابہ میں نقل کیا اور فرمایا کہ یہ حکایت ان دونوں کے غیر کے لئے مشہور ہے الخ۔ت) بلکہ احادیث میں ہے خود

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر ذکر مقتل حسین رضی اللہ تعالٰی عنه دارصادر بیروت ۸۸/۴

[2] الکامل فی التاریخ لابن اثیر ذکر مقتل حسین رضی اللہ تعالٰی عنه دارصادر بیروت ۸۸/۴

[3] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوله محمود بن احمد فریانی الرباب غیر منسوبه دارصادر بیروت ۳۰۰/۴

حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُس بیوہ کی نہایت تعریف فرمائی جو اپنے یتیم بچّوں کو لئے بیٹھی رہے اور اُن کے خیال سے نکاح ثانی نہ کرے،

حدیث ۱: سُنن ابوداؤد میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا :

انا وامرأۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیٰمۃ واومی بیدہ یزید بن زریع السبابۃ والوسطی امرأۃ ایمت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علی یتاماھا حتی بانوا اوماتو [1]۔	میں اور چہرہ کا رنگ بدلی ہُوئی عورت روزِ قیامت ان دو ۲ انگلیوں کے مثل ہوں گے (راوی نے انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرکے بتایا یعنی جیسے یہ دو۲ انگلیاں پاس پاس ہیں یُونہی اسے روزِ قیامت میرا قُرب نصیب ہوگا) وہ عورت کہ اپنے شوہر سے بیوہ ہُوئی عزّت والی صورت والی باینہمہ اُس نے اپنے یتیم بچّوں پر اپنی جان کو روک رکھا سبب بناؤ سنگھار کی حاجت نہیں)۔

حدیث ۲: ابن شبران انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرأۃ قعدت علی بیت اولادھا فھی معی فی الجنۃ [2]۔	جو عورت اپنی اولاد پر بیٹھی رہے گی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔

حدیث ۳: ابویعلٰی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول من یفتح باب الجنۃ الا انی اری امرأۃ تبادرنی فاقول لھا مالك ومن انت فتقول انا امرأۃ قعدت علی ایتام لی [3]۔	سب سے پہلے جو دروازہ جنت کھولے گا وُہ میں ہُوں مگر میں ایک عورت کو دیکھوں گا کہ مجھ سے آگے جلدی کریگی میں فرماؤں گا تجھے کیا ہے اور تُو کون ہے، وہ عرض کریگی میں وُہ عورت ہوں کہ اپنے یتیموں پر بیٹھی رہی۔

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی فضل من عال الیتامٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۵

[2] کنز العمال بحوالہ ابن بشر ابن عن انس حدیث مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۴۰۸

[3] مسند ابی یعلٰی حدیث موسسہ علوم القرآن بیروت ۶/ ۱۲۵

امام عبدالعظیم منذری فرماتے ہیں: اسنادہ حسن ان شاء اللہ تعالٰی (اس کی اسناد ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے۔ت)

تنبیہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بارہا ہوگا، اولیت مطلقہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، دروازہ کھلنا حضورِ والا ہی کے لئے ہوگا، رضوان دار روغہ جنت عرض کرے گا مجھے یہی حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں، حضور پر کوئی نبی مرسل بھی تقدیم نہیں پاسکتا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ سب مضامین احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں جن کی بعض فقیر نے اپنے رسالہ مبارکہ تجلی الیقین بان نبینا سیّد المرسلین میں ذکر کیں۔ حضور کے بعد جو اور بندگانِ خدا جائیں گے دروازہ کھلا پائیں گے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے سے فتح باب فرماچکے ہوں گے:

قال تعالٰی جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بسنے کے باغ ان کے لئے سب کے دروازے کھلے ہوئے۔(ت)

یہاں جو اُس عورت کا آگے ہونا ہُوا یہ اور بار کے تشریف لے جانے میں ہے، جب اہتمام کار اُمّت میں آمد رفت فرماتے ہوں گے نہ کہ خاص بارِ اوّل میں، **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ت)

الحمدللہ اس تحقیقِ انیق سے مسئلہ کا حکم بھی بہنایت ایضاح منصّہ ظہور پر مرتفع ہُوا اور اہل تشدّد کے وہ متعصبانہ احکام بھی مخذول ومندفع **والحمدللہ علی ماوفق وعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد واٰلہ وسلم** (تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے توفیق اور علم عطا فرمانے پر، اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا مصطفٰی اور آپ کی آل پر۔ت) یہاں تک نفسِ نکاح اور اس پر اجبار اور عورت یا اولیاء کی جانب سے ترک یا انکار اور ان کے انکار پر زجر وانتہا کا حکم تھا۔

اب رہا نکاح ثانی پر طعن **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔ت) ہماری تحقیق سابق سے روشن ہُوا کہ نکاح ثانی مطلقاً فرض یا واجب یا سنت نہیں بلکہ عام زنان کیلئے نہایت درجہ مباح ہی ہے اور مباح پر طعن صرف اُسی صورت میں کفر ہوسکتا ہے کہ اُس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو اور باوصف اس کے یہ شخص اُسے شرعاً مباح نہ جانے، نکاح ثانی کی اباحت تو بیشک ضروریاتِ دین

[1] القرآن الکریم ۳۸/۵۰

سے ہے کہ تمام مسلمین اُس سے آگاہ، قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اُس پر گواہ۔

قال اللہ تعالٰی عَسٰی رَبُّہٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَہٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ الٰی قولہ تعالٰی ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا [1]۔ (وقال تعالٰی فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا [2]۔ وقال تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗ [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے رب قریب ہے اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں کہ انہیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے (اللہ تعالٰی کے قول) ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا (بیاہیاں اور کنواریاں) تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وُہ (زینب) تمہارے نکاح میں دے دی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اب وُہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ آئے۔ (ت)

کریمہ وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰی [4] (اور نکاح کردواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہیں۔ ت) میں ایم کے نکاح کردینے کو فرمایا، ایم ہر زنِ بے شوہر کو کہتے ہیں جس کے اطلاق میں کنواری، مطلّقہ، بیوہ سب داخل۔ اگرچہ ایم خاص بیوہ کا نام نہیں بالخصوص بیوہ کے لئے یہ آیتیں ہیں قال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت):

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا	اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پُوری ہو جائے تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو تمہارے کاموں کی خبر ہے، اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم نے عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کروگے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ رکھو یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں

[1] القرآن الکریم ۶۶/۵

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

[4] القرآن الکریم ۲۴ / ۳۲

مَّعْرُوْفًا ۬ؕ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى یَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ[1]	معروت ہے اور نکاح کی گرہ پکّی نہ کرو جب تک لکھا ہُوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی:

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۴۰﴾ [2]	اور تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وُہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر نان ونفقہ دینے کی بے نکالے، پھر اگر وُہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انہیں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا،اور اللہ تعالٰی غالب حکمت والا ہے(ت)

ان آیاتِ کریمہ کا جملہ جملہ جوازِ نکاح بیوہ پر نص صریح ہے، پھر حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واہلبیتِ کرام وصحابہ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے قولاً وفعلاً تقریراً اس کی اباحت متواتر، اُمّ المومنین صدیقہ بنت الصدیق تھیں کما ثبت ذٰلك فی صحیح البخاری من حدیث نفسها ومن حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم (جیسا کہ صحیح بخاری میں خود ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت ہے۔ت) مگر کلام اس میں ہے کہ جاہلانِ ہند جو اُسے ننگ وعار سمجھتے ہیں آیا اس بناء پر ہے کہ اُسے از رُوئے شریعت ہی حلال نہیں جانتے ایسا ہو تو بیشک کفر ہے مگر انصافاً عامہ ناس سے اس کا اصلاً ثبوت نہیں، جس مسلمان سے پُوچھئے صاف اقرار کرے گا کہ شرعًا بے شک جائز ہم ناجائز وحرام نہیں جانتے بلکہ از رُوئے رسم لوگوں کے نزدیک ایک ننگ وعار کی بات ہے بخیال طعن وبدنامی اس سے احتراز ہے ایسے خیالات پر ہر گز حکمِ تکفیر نہیں ہوسکتا سلفاً وخلفاً تمام لوگوں میں معاملاتِ دنیویہ میں مصالح دُنیویہ کے لحاظ سے ہی باہم ایک دوسرے پر مباحات میں طعن وسرزنش رائج ہے وہاں کیوں گیا، یہ کیوں کیا، فلاں سے کیوں ملا حالانکہ یہ سب امور مباحات شرعیہ ہیں یہ تو خاص خاص ہر شخص کے اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور مصلحاتِ عامہ قوم یا شاملہ ملک میں بھی بہت باتیں مباح شرعی ہیں کہ بوجہ عرف وعادت معیوب ٹھہری ہیں کہ اس احتراز واعتراض میں اکثر یہ حضرات مکفرین بھی شریک مثلاً باپ کے سامنے اپنے زوج یا زوجہ سے ہمکلام ہونا خصوصًا نئے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۵۔۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۰

دنوں میں۔یُوں ہی باپ یا پیر وغیرہما بزرگوں کے حضور حقّہ پینا، دختر و داماد رات کو ایک پلنگ پر ہوں اُن کے پس جانا پاس بیٹھنا بات کرنا اُن کا بدستور لیٹے رہنا۔ماں بہن بیٹی کا اپنے بیٹے بھائی باپ کے سامنے سینہ وپستان کھولے پھرنا، شریف عورتوں کا برقع اوڑھ کر سرِ بازار سودے خریدنا، اجنبی لوگوں سے باتیں کرنا، ان میں کون سی بات شرعًا ممنوع وناجائز ہے مگر رسم ورواج واصطلاح حادث کی وجہ سے اب تمام اہل حیا انہیں عیب جانتے ہیں جو ایسے امور کا مرتکب ہو اُس پر طعن کریں گے، کیا اس بناپر معاذاللہ سب مسلمان کافر ٹھہریں گے اسی قبیل کا طعن واعتراض یہاں کے عوام کو نکاح ثانی میں ہے تو اس پر بے تکلّف حکم کُفر جاری کرنا سخت مجازفت اور کلمہ طیبہ پر بیباکانہ جرأت ہے **والعیاذ باللہ رب العلمین**۔ صحیح حدیث سے ثابت کہ حضرت امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی حضرت اُمّ المومنین صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بہن حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سالی حضرت اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے گھر کا پانی خود بھر کر لاتیں اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گھوڑے کے لئے بیرونِ شہر دو۲ میل پر جاکر دانہائے خرمہ جمع فرماتیں اُن کی گھڑی پیادہ پا اپنے سر مبارک پر اُٹھا کر لاتیں، ایک بار پلٹتے ہوئے راہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ایک جماعت انصار کرام کے ملے حضور نے اُنہیں بلایا اور اونٹ بیٹھنے کا حکم فرمایا کہ اپنے پیچھے سوار فرمالیں، اُنہوں نے مردوں کے ساتھ چلنے میں حیا کی، اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی غیرت کا خیال آیا، نہ مانا۔ حضرت زبیر سے حال کہا، فرمایا واللہ تمہارا گٹھلیاں سر پر لے کر چلنا مجھ پر زیادہ سخت تھا اس سے کہ تم حضور کے ساتھ سوار ہولیتیں۔ صحیحین میں ہے :

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما قالت تزوجنی الزبیر وماله فی الارض من مال ولا مملوك ولا شیئ غیر ناضح وغیر فرسه فکنت اعلف فرسه واستقی الماء واخرز عربه واعجن ولم اکن احسن اخبز وکان تخبز جارات لی من الانصار وکن نسوة صدیق وکنت انقل النوی من ارض الزبیر التی اقطعه رسول اللہ	حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا مُجھ سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نکاح کیا حالانکہ زمین میں اس کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ ہی کوئی مملوک، اور ایک اونٹنی اور ایک گھوڑے کے سوا کوئی شیئ اس کے پاس نہ تھی، میں اس کے گھوڑے کو چارہ دیتی اور اس کو پانی پلاتی تھی اور اس کا ڈول سیتی اور آٹا گوندتی تھی اور میں اچھی طرح روٹی نہیں پکا سکتی تھی، ہماری ہمسائی انصار عورتیں تھی جو کہ بہت اچھی عورتیں تھیں وُہ مجھے روٹیاں پکادیتی تھی اور میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی رأسی وھی منی علی ثلثی فرسخ فجئت یوما والنوی علی رأسی فلقیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومعہ نفر من الانصار فدعانی ثم قال اخ اخ لیحملنی خلفہ فاستحییت ان اسیر مع الرجال وذکرت الزبیر وغیرتہ وکان اغیر الناس فعرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی قد استحییت فمضی فجئت الزبیر فقلت لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی راسی النوی ومعہ نفر من اصحابہ فاناخ لارکب فاستحییت منہ وعرفت غیرتک فقال واللہ لحملک النوی کان اشد علی من رکوبک معہ قالت حتی ارسل ابوبکر بعد ذلک بخادم یکفینی سیاسۃ الفرس فکانما اعتقنی[1]۔	زمین سے جو کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دی تھی اپنے سر پر گھٹلیاں اٹھا کر لاتی تھی جبکہ وُہ زمین مجھ سے دوتہائی فرسخ (یعنی تقریبًا چھ کلومیٹر) دُور تھی، ایک دن میں گھٹلیاں سر پر اٹھا کر آرہی تھی پس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملی اور آپ نے مجھے بلایا پھر (اُونٹ کو بٹھانے کے لئے) فرمایا: اخ اخ، تاکہ مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھالیں، مجھے شرم آئی کہ میں مردوں کے ساتھ چلوں، مجھے زبیر اور اس کی غیرت یاد آئی جبکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غیّور تھے، جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہچان لیا کہ میں شرم کر رہی ہوں، چنانچہ آپ تشریف لے گئے، پھر میں زبیر کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملے جبکہ گھٹلیاں میرے سر پر تھیں آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام تھے آپ نے اونٹ کو بٹھایا تاکہ اس پر سوار ہو جاؤں مجھے اس سے شرم آئی اور میں نے تمہاری غیرت کو یاد کیا، زبیر نے کہا بخدا تمہارا گھٹلیوں کو سر پر اٹھانا سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ سوار ہونے سے مجھ پر زیادت سخت تھا۔ حضرت اسماء نے کہا میرا یہ حال رہا حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بعد میری طرف ایک خادم بھیجا جو مجھ سے گھوڑے کے انتظام سے کفایت کرتا تھا گویا کہ اس نے مجھے آزاد کردیا۔ (ت)

تکفیر کرنے والے حضرات ذرا سچ سچ کہیں اُن کے یہاں کے معزّز شریف شہری لوگ کیا اسے روا رکھیں گے کہ ان کی شریف خاندانی بیبیاں گھر کا پانی کنویں سے بھر کر لائیں شہر سے دو۲ دو۲ کوس پر جاکر گھوڑے کیلئے گھاس چھیلیں گھاس کا گھٹّا سر پر رکھ کر سرِ بازار لائیں، بہنوئی نہیں خاص اپنے حقیقی بھائی ہی کے پیچھے مردوں

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۸۶

کے مجمع میں اُونٹ پر چھڑھی پھریں، کیا وہ ان باتوں کو عیب نہ جانیں گے، کیا وہ ان پر طعن نہ کریں گے، اگر نہیں تو زبانی جمع خرچ کی نہیں سہی، ذرا کر دکھائیں، اور اگر ہاں تو پہلے اپنی نسبت بتائیں پھر اور مسلمانوں پر منہ آئیں، میں اس قسم کی بکثرت حدیثیں پیش کرسکتاہُوں مگر عاقل کو ایک حرف کافی اور نامنصف کو دفتر ناوانی بلکہ اگر نظر تدقیق کیجئے تو ایک وجہ وُہ بھی نکل سکتی ہے کہ کوئی شخص ان بلاد میں نکاح ثانی کو ممنوع شرعی جانے اور اس کی تکفیر کی طرف اصلاً راہ نہ ہو وہ یہ کہ مثلاً زید زعم کرے کہ نکاح ثانی فی نفسہٖ اگرچہ مباح ہے مگر ان اعصار وامصار میں نکاح بیوہ پر لوگ طعنہ زن ہو کر کبیرہ شدیدہ میں واقع ہوتے اور اس عورت کی مذمت کرتے اور اس سے نفرت رکھتے ہیں تو یہاں اس کا فعل مسلمانوں کے ایسے مہالک عظیمہ میں واقع ہونے اور اُن پر دروازہ کبائر واتباع شیطان کھلنے کا باعث ہوگیا ہے اور جو مباح ایسے امور کی طرف منجر ہو اس عارض کو وجہ سے مباح نہیں رہتا شرعاً قابل احتراز ہو جاتا ہے۔ **نظیر نمبرا** اس کی عوام کے سامنے حقائق عالیہ ودقائق غالیہ کا ذکر جو اُن کے مدارک واقسام سے وراہو، کہ اشاعتِ علم فرض اور کتمان حرام، مگر یہاں عوام کا فتنہ میں پڑنا گناہ میں مبتلا ہونا متوقع، لہٰذا اُن کے سامنے ایسا بیان شرعاً ممنوع۔ **حدیث** میں ہے :

حدثواالناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ[1]۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ موقوفا علیہ والدیلمی فی مسند الفردوس عنہ عن النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	لوگوں سے وُہ باتیں کہو جنہیں وُہ پہچانیں، کیا یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ ورسول کی تکذیب کریں (اس کو بخاری نے اپنی صحیح میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے موقوفاً روایت کیا اور علمی نے مسند الفردوس میں حضرلی علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

حدیث ۲:

امرنا ان تکلم الناس علی قدر عقولھم[2]۔ رواہ الامام ابو عبدالرحمٰن السلمی ومن طریقہ الدیلمی والحسن بن سفیان فی مسندہ وابوالحسن التمیمی فی کتاب العقل عن	ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے بقدر ان کے عقول کے کلام کریں۔ اس کو امام عبدالرحمٰن سلمی اور ان کے طریق سے دیلمی اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابوالحسن تمیمی نے کتاب العقل میں حضرت عبداللہ

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من خصّ بالعلم قوماً الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث مطبع دارالباز مکۃ المکرمۃ ۱/ ۳۹۸

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۳:

ماحدث احدکم قوما بحدیث لا یفھمونہ الاکان فتنۃ علیھم۔[1] رواہ العقیل وابن السنی وابونعیم فی الریاضۃ وغیرہم عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	تم میں سے کوئی شخص کسی قوم سے کوئی ایسی حدیث کہ ان کی سمجھ سے وراہو بیان نہ کرے گا مگر یہ کہ وُہ حدیث ان پر فتنہ ہو جائے گی(اس کو عقیلی،ابن سنی اور ابونعیم نے الریاضۃ میں اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

دوسری روایت میں ہے:

لاتحدثوا امتی من احادیثی الامالاتحتملہ عقولھم فیکون فتنۃ علیھم[2]۔رواہ عنہ ابونعیم ومن طریقہ الدیلمی وفیہ فکان ابن عباس یخفی اشیاء من حدیثہ ویفشیھا الی اھل العلم۔	میری اُمّت سے میری حدیثیں نہ بیان کرو مگر وہ جوان کی عقلیں اُٹھالیں کہ وُہ حدیث فتنہ ہوجائے گی۔اس کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابونعیم نے اور ان کے طریق سے دیلمی نے روایت کیااور اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سے کُچھ اشیاء مخفی رکھتے اور انہیں اہلِ علم پر ظاہر فرماتے۔ت)

تیسری روایت میں ہے:

یاابن عباس لاتحدث قوما حدیثا لا تحتملہ عقولھم[3] ۔رواہ عنہ	اے ابن عباس! لوگوں سے وہ حدیث بیان نہ کروجو اُن کی عقل میں نہ آئے۔(اس کی مسند الفردوس

---

[1] اتحاف السادۃ بحوالہ العقیلی فی الضعفاء بیان ما بدل من الفاظ العلوم مطبع دار الفکر بیروت ۱/۲۵۳

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث مطبع دار الباز مکۃ المکرمۃ ۵/۱۷

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث مطبع دار الباز مکۃ المکرمۃ ۵/۳۵۹

فی مسند الفردوس۔	میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ما انت بمحدث قوما حدیثا لاتبلغه عقولھم الاکان لبعضھم فتنة[1]۔رواہ مسلم فی مقدمة صحیحه۔ **قلت** ومن ھذا الباب ماکان الامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنه یخفی فی بعض مجالسه القول بروية النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ربه لیلة المعراج ذکرہ الزرقانی وقد صح عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه انه قال حفظت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعائین اماحدھما فبثثته واما الاٰخرفلو بثثته قطع ھذا البلعوم[2]۔رواہ البخاری۔	توجب کسی قوم سے وُہ حدیث بیان کرے گا جس تک ان کی عقل نہ پہنچے وُہ ضرور اُن میں کسی پر فتنہ ہوجائے گی۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اپنی بعض مجالس میں حضرت امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کاشبِ معراج نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی عنہ وسلم کے رؤیت باری تعالٰی کے قول پر چھپانا اسی باب سے ہے جیساکہ زرقانی نے ذکر کیا، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث صحیح مروی ہے کہ میں نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علم کی دو ۲نوعیں یاد کیں، ان میں سے ایک کو تو میں نے لوگوں میں پھیلایا، اور رہی دوسری تو اس کو اگر پھیلاؤں تو گلا کاٹ دیا جائے۔اس کو بخاری نے روایت فرمایا۔(ت)

نظیر۲: عمامہ کا شملہ چھوڑنا یقیناً سنّت مگر جہاں جُہّال اس پر ہنستے ہوں وہاں علمائے متاخرین نے غیر حالتِ نماز میں اس سے بچنا اختیار فرمایا جس کامنشاء وہی حفظ دینِ عوام ہے۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدّثِ دہلوی قدس سرہ القوی رسالہ آدابِ لباس میں فرماتے ہیں:

ارسالِ رابر ارسال شملہ براہین قیاسی بسیارست وارسالِ آں سنّتِ مؤکدہ دانند وعلمائے متاخرین سوائے صلوات پنجگانہ را ارسال ندارند برائے طعن ومسخرہ جہّالِ زمانہ[3] اھ ملخصًا۔	فقہاء کے پاس شملہ چھوڑنے پر بہت سے دلائل قیاسیہ موجود ہیں اور وہ اس کو سنت،مؤکدہ سمجھتے ہیں مگر علماء متاخرین جہّال زمانہ کے طعن و تمسخر سے بچنے کے لئے سوائے نماز پنجگانہ کے شملہ نہیں چھوڑتے ہیں اھ ملخصًا(ت)

[1] الصحیح المسلم باب النھی عن الروایة عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹/۱
[2] الصحیح البخاری کتاب العلم باب حفظ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳
[3] رسالہ آدابِ لباس عبدالحق دہلوی

نظیر۳: قرآن عظیم کی دسوں قراتیں حق اور دسوں منزّل من اللہ، دسوں طرح حضور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھا اور حضور سے صحابہ، صحابہ سے تابعین، تابعین سے ہم تک پہنچا تو ان میں ہر ایک کا پڑھنا بلاشبہہ قراتِ قرآن ونورِ ایمان ورضائے رحمان ہے۔ بایں ہمہ علماء نے ارشادفرمایا کہ جہاں جو قرات رائج ہو نماز وغیر نماز میں عوام کے سامنے وہی قرات پڑھیں، دُوسری قرات جس سے ان کے کان آشنا نہیں نہ پڑھیں مبادا وہ اس پر ہنسنے اور طعن کرنے سے اپنے دین خراب کرلیں۔ ہندیہ میں ہے :

فی الحجۃ قراءۃ القراٰن بالقراءات السبعۃ والروایات کلھا جائزۃ ولکنی اری الصواب ان لایقرء القرأۃ العجبیۃ بالامالات والروایات الغریبۃ کذافی التاتار خانیہ[1]۔	حجہ میں ہے کہ ساتوں قراء ات اور تمام روایات میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے لیکن اس بات کو درست سمجھتا ہُوں کہ نامانوس قراء ت میں امالات اور روایات غریبہ کے ساتھ قرآن مجید نہ پڑھاجائے، جیساکہ تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے :

لان بعض السفھاء یقولون مالایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء ولاینبغی للائمۃ ان یحملوا العوام علی مافیہ نقصان دینھم ولا یقرأعندھم مثل قراءۃ ابی جعفر وابن عامروعلی بن حمزۃ والکسائی صیانۃ لدینھم فلعلھم یستخفون اویضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحۃ فصیحۃ ومشائخنا اختاروا قراءۃ ابی عمر وحفص عن عاصم اھ[2] من التتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ۔	اس لئے کہ بعض بیوقوف وُہ کچھ کہیں گے جو وُہ جانتے نہیں ہیں توگناہ اور بدبختی میں مبتلا ہوجائیں گے، اور ائمہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عوام کو اس چیز پر ابھارنے کریں جس میں ان کے دین کا نقصان ہے اور عوام کے دین کو بچانے کے لئے ان کے پاس ابوجعفر، ابن عامر، علی بن حمزہ اور کسائی کی قراء ۃ میں قرآن مجید نہ پڑھائے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اس کو ہلکا جانیں اور اس پر ہنسیں اگرچہ تمام قراء ات وروایات صحیح اور فصیح ہیں۔ ہمارے مشائخ نے ابوعمر وحفص کی قراء ۃ کو اختیار کیاہے جو عاصم سے مروی ہے اھ تتارخانیہ از فتاوٰی حجہ۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الرابع فی القراءۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۹

[2] ردالمحتار فصل فی القراءۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۶۴

نظیر۴: قریش نے جب زمانہ جاہلیت میں کعبہ از سرِ نو بنایا کچھ تنگی خرچ اپنی اغراضِ فاسدہ سے بنائے خلیل صلی اللہ تعالٰی علٰی ابنہ وعلیہ وبارک وسلم میں بہت تغیرات کردیں، دو۲ روازہ غربی شرقی سے صرف ایک در شرقی رکھا اور اُسے بھی زمین سے بہت بلندی پر نکالا کہ جسے چاہیں میں خرچ زیادہ درکار تھا بآنکہ یہ صریح بدعتِ جاہلیت و تغییر سنّت ابراہیمی علیہ الصّلوٰۃ والتسلیم تھی مگر حضور سیّد المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محض بغرضِ حفظ دینِ نو مسلمین اُسے قائم وبرقرار رکھا کہ تغییر بے ہدم عمارت موجودہ نہ ہوتی خدا جانے ان کے دلوں میں کیا وسوسہ گزرے۔ صحیحین میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الجدار من البیت ھو، قال نعم، قلت فما لھم لم یدخلوہ فی البیت قال ان قومك قصرت بھم النفقۃ قلت فماشأن بابہ مرتفعا قال فعل ذٰلك قومك لیدخلوا من شاءوا ویمنعوا من شاءوا ولولا ان قومك حدیث عھدھم الجاھلیۃ فاخاف ان تنکر قلوبھم ان ادخل الجدر فی البیت وان الصق بابہ بالارض [1] وفی الاخری ان النّبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لھا یا عائشۃ لولا ان قومك حدیث عھد بجاھلیۃ لامرت بالبیت فھدم فادخلت فیہ ما اخرج منہ و الزقتہ بالارض وجعلت لہ بابین بابا شرقیا وبابا غربیا فبلغت بہ اساس ابراھیم [2] الخ۔	ام المومنین حضرت سیّدہ عائشہ صدّیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حطیم کی دیوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا بیت اللہ کا حصّہ ہے، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، میں نے دریافت کیا اس کو قریش نے بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کیا، آپ نے فرمایا: تمہاری قوم کے پاس خرچ کم ہوگیا ہے، میں نے پوچھا پھر اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے یہ اس لئے کیا تاکہ وُہ جس کو چاہیں بیت اللہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں، اگر تمہاری قوم نے نیا نیا کفر نہ چھوڑا ہوتا اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ ان کو دلوں کو بُرا لگے گا تو میں حطیم کی دیواروں کو بیت اللہ میں داخل کردیتا اور دروازے کو زمین سے ملادیتا۔ اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو گرانے کا

[1] صحیح بخاری باب فضل المکۃ وبنیانہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۵

[2] صحیح بخاری باب فضل المکۃ وبنیانہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۱۵

حکم دیتااوراس میں سے جو خارج کر دیا گیاہے میں اس کواس میں داخل کر دیتااوراس کو زمین کے برابر کرکے دو۲ دروازے بناتا ایک دروازہ مشرقی اورایک دروازہ مغربی،اور میں اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔(ت)

یہ **تقریر** اگرچہ دعوی ممانعت کے اثبات سے قاصر یا سراسر غلط ہی سہی مگر شک نہیں کہ اب تکفیر قطعًا محال کہ اس میں نفس اباحت کاکہ ضروریاتِ دین سے تھی انکار نہ ہُوابلکہ اس میں کسی ایسی چیز کا بھی انکار نہیں جس کی وجہی سے تکفیر درکنار تضلیل ہوسکے غایت یہ کہ خطا وغلط کہیئے وُہ بھی بلحاظ دعوی ممانعت ورنہ شبہہ نہیں کہ نظائر مذکورہ ان بلاد میں نکاح ثانی سے مصلحةً احتراز کی وجہ موجہ ہوسکتی ہیں جبکہ نوبت تا وجوب وافتراض نہ ہو **کما یخفی علی اولی النھٰی واللہ الھادی الی صراط سوی** (جیساکہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ت)

بالجملہ تکفیر اہل قبلہ واصحاب کلمہ طیّبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبال عظیم ونکال کاصریح اندیشہ والعیاذباللہ رب العالمین،فرض قطعی ہے کہ اہل کلمہ کے ہر قول وفعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع وفظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف،نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رُو سے حکمِ اسلام نکل سکتا ہو تواس کی طرف جائیں،اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانبِ کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔حدیث میں ہے حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الاسلام یعلوولایعلی[1]۔**اخرجه الرؤیانی والدارقطنی والبیھقی والضیاء فی المختارة والخلیل کلھم عن عائذ بن عمر والمزنی رضی اللہ تعالٰی عنه۔**	اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔اس کو رؤیانی،دارقطنی،بیہقی،مختارہ میں ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

احتمال اسلام چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں **والعیاذباللہ رب العالمین۔**

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کفوا من اھل لاالٰه الا اللہ لاتکفروھم	لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکوانہیں

[1] سنن ادارقطنی باب المھر نشر السنة ملتان ۳/ ۲۵۲

بذنب فمن اکفر اھل لاالٰہ الااللّٰہفھو الی الکفر اقرب[1]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما۔	کسی گناہ پر کافر نہ کہو،لاالٰہ الااللّٰہ کہنے والوں کو کافر کہے وُہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔(اس کو طبرانی نے کبیر میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لاالٰہ الااللّٰہ ولاتکفر بذنب ولاتخرجہ من الاسلام بعمل[2]۔ رواہ ابوداؤدعن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں،لاالٰہ الااللّٰہ کہنے والے سے باز رہنا اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔(اس کو ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتکفروا احدامن اھل القبلۃ[3]۔رواہ العقیلی عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہو(اس کو عقیلی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

الحمدُللہ کلام اپنی نہایت کو پہنچا اور حکم مسئلہ نے من جمیع الوجوہ رنگِ ایضاح پایا خلاصہ مقصود یہ کہ عوام جو نکاح بیوہ کو باتباع رسم مردود وعنود ونَنگ وعار سمجھتے ہیں اور کیسی ہی حالت حاجت وضرورتِ شدیدہ ہو معاذاللہ حرام کے مثل اس سے احتراز رکھتے ہیں،برا کرتے ہیں اور بہت برا کرتے ہیں،بیجا پر ہیں اور سخت بیجا پر،خاں صاحب شیخ صاحب مرزا صاحب درکنار وُہ کوئی حضرت میر صاحب ہی ہوں تو کیا ان کی بیٹیاں نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاص جگر پاروں سیّدۃ النساء بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا وعلیہا وسلم کی بطنی صاحبزادیوں سے زیادہ عزّت والیاں بڑھ کر غیرت والیاں ہیں جن کے دو دو تین تین اور اس سے بھی زائد نکاح ہوئے سُبحان اللہ! ع

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۷۲/۱۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ایمۃ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۳/۱

[3] نصب الرایہ بحوالہ العقیلی الضعفاء باب الاحادیث فی الاقتداء المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲۸/۲

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

(ان خاکی عورتوں کو ان پاکباز عورتوں سے کیا نسبت۔ت)

مسلمانو! کلمہ پڑھنے کی شرم کرو اور اپنے آقا اپنے مولا اپنے بادشاہ عرش بارگاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ کر ناپاکوں، گندوں، اینٹ پتھر کے بندوں کے قدم پر قدم نہ دھرو، ذرا غور کرو کس کی راہ چھوڑتے اور کس گمراہ کے پیچھے دوڑتے ہو۔

بقول دشمن پیماں دوست شکستی

بہ بیں کہ از کہ بُریدی وباکہ پیوستی

(دشمن کے کہنے پر تو دوست کے پیماں (عہد) کو توڑتا ہے، بنظرِ غائر دیکھ تو کس سے قطع تعلق کر رہا ہے اور کس سے تعلق جوڑ رہا ہے۔ت)

نکاح کی چھ۶ صورتیں اور ان کے احکام مفصلاً گزرے انہیں بغور دیکھو اور بصدقِ دل عمل میں لاؤ کہ دنیا وآخرت کے منافع پاؤ، اور اس رسمِ نیک کے طعن و تشنیع سے قطعًا باز رہو کہ کہیں اس اندھے کنویں میں گر کر نورِ ایمان کو خیر باد نہ کہو، ادھر ان حضرات اہلِ تکفیر سے التماس کہ شوق سے منکر کو اٹھائیے بُری رسم کو مٹائیے مگر ذرا اپنا بھی نفع ونقصان دیکھے بھالے، اپنا بھی دین وایمان روکے سنبھالے، یہ کیا موقع ہے اور کو نصیحت آپ کو فضیحت، اللہ اکبر، لاالٰہ الا اللہ کی عظمت جانو تو اہلِ لاالٰہ الا اللہ کی تکفیر سخت آفت مانو، یہاں زبان قابُو میں ہے جسے چاہو کافر بتاؤ مشرک کہہ جاؤ مگر اس دن کا بھی کچھ جواب بنا رکھو جب لاالٰہ الا اللہ کو اپنے قائلوں کی طرف سے جھگڑتا دیکھو۔ اے لاالٰہ الا اللہ کے سچّے ایمان پر دُنیا سے اٹھا اٰمین اٰمین الٰہ الحق اٰمین والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّد المرسلین محمّد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

الحمدللہ کہ یہ شافی جواب خفیف جلسوں میں ۱۵ صفر ۱۳۱۲ھ کو تمام اور بلحاظِ تاریخ اطائب التہانی فی النکاح الثانی ۱۳۱۲ھ نام ہوا، امید کرتا ہوں کہ یہ سب مباحث رائقہ ودلائل فائقہ حصّہ خاصہ خامہ فقیر اور اس مسئلہ کی توضیع اس مطلب کی تنقیح میں آپ ہی اپنی نظیر ہوں والحمد للہ اولًا واٰخرًا وباطنًا وظاھرًا والصّلٰوۃ والسلام علٰی سیّد الانام محمد الحبیب واٰلہ الکرام وردا وصدرا وسرًا وجھرًا والحمدللہ رب العالمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتابُ الطّلاق

(طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱۱۳: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب مکان میر خادم علی صاحب اسٹنٹ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ وطریقت آگاہ دریں مسئلہ کہ زوجہ مسمّٰی زید کارِ فحش وناقصہ علانیہ می نماید وزوجہ عمرو بہ خلاف شوہر خود می باشد وکارِ فحش پوشیدہ می کند وایں کار زشتہ او ہم پہلوئے یقین کامل ست پس بہ تشکیک یقینی شوہر شوہر او طلاق دادن خواہد درست ست یانہ؟ **بینوا توجروا۔**	علمائے شریعت و طریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں، کہ زید کی بیوی فحش کاری وبدکاری علانیہ کرتی ہے، اور عمرو کی بیوی اپنے شوہر کے مخالف ہے اور فحش کاری خفیہ طور پر کرتی ہے اور اس کا بدکاری یقین کی حد تک ہے، پختہ ظن ہوجانے پر شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ بیان کرو، اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

درصورتِ مستفسرہ طلاق باجماع درست ومباح ست زیرا کہ درا باحت طلاق علماء راسہ ۳ قول ست: یکے آنکہ مطلقًا مباح ست گو بے سبب محض باشد **مشی علیہ العلامۃ الغزی فی**	صورتِ مستفسرہ میں بالاجماع طلاق درست اور مباح ہے کیونکہ طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں: ایک[۱] یہ کہ طلاق مطلقًا مباح ہے اگرچہ بلاوجہ دی جائے۔ علامہ غزی نے تنویر کے متن

متن التنویروزعم شارحه العلامة العلائی انه هو قول العلامه وادعی العلامة المذهب۔ دوم آنکہ جزبوجہ پیروی زن یاآوارگی وبدوضعی او اباحت نہ دارد وهو قول ضعیف کما فی ردالمحتار سوم آنکہ حاجتے باشد مباح ست ورنہ ممنوع ہمیں صحیح ومؤید بدلائل ست صححه العلامة المحقق علی الاطلاق فی الفتح وانتصرله خاتم المحققین العلامة الشامی بمایتعین استفادته ایں جاکہ آوارگی زناں متحقق ست ہرسہ قول براباحت طلاق متفق آمد بلکہ چوں فسق وارتکاب چیزے از محرمات ثابت شود طلاق مستحب گردد فی الدر المختار بل یستحب لوموذیة اوتارکة صلٰوة کذا فی الغایة [1] وفی ردالمحتار الظاهران ترك الفرائض غیر الصلوة کالصلوة [2] اما واجب نیست اگر شوئے دادن نخواہد ندہد فی الدرالمختار لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں اس کو بیان کیا ہے جس کے متعلق اس کے شارح علّامہ علائی کا خیال ہے کہ علامہ غزی کا یہی مؤقف ہے اور علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر میں دعوی کیا ہے کہ یہی حق اور یہی مذہب ہے۔ دوسرا [2] یہ کہ بیوی کے بڑھاپے یا اس کی آوارگی یا بدوضعی کے بغیر شوہر کے لئے طلاق دینا مباح نہیں ہے، یہ ضعیف قول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ تیسرا [3] قول یہ ہے کہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے ورنہ ممنوع ہے، یہی قول صحیح اور دلائل سے مؤید ہے۔ علامہ محقق نے فتح القدیر میں اس کو صحیح قرار دیا ہے اور علّامہ خاتمۃ المحققین شامی نے اس کا دفاع کیا ہے جس سے اس کی صحت مستفاد ہوتی ہے، مسئولہ صورت میں جب آوارگی پائی جاتی ہے تو تینوں اقوال پر طلاق کا مباح ہونا محقق ہے بلکہ عورت کا فسق اور کسی حرام فعل کا ارتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: بلکہ عورت اگر موذی ہے یا نماز کو ترک کرنے کی عادی ہے تو مستحب ہے غایہ میں اسی طرح ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر فرائض کا ترک بھی نماز کی طرح ہے، تاہم اس صورت میں طلاق دینا واجب نہیں ہے اگر خاوند طلاق نہ دینا چاہے تو نہ دے۔ درمختار میں ہے کہ فاسقہ عورت کا طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵
[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۶
[3] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

مسئلہ ۱۱۴: از کسراٹون پرگنہ شکن آباد ڈاک خانہ سرسا گنج مرسلہ تصدق حسین صاحب زمیندار ورئیس موضع مذکور ۶ رجب ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغہ کی شادی ایک شخص سے ہوئی جو آنکھوں سے معذور ہے، عورت کی عمر اب دس ۱۰ برس کی ہے، اس کے سسرال والے چاہتے ہیں کہ اسے شوہر سے طلاق دلوا کر شوہر کے چھوٹے بھائی سے اُس کا عقد کردیں اور عورت کی بڑی بہن بیوہ کا اس نابینا سے نکاح کریں، اس صورت میں چھوٹی بہن کہ بے خطا ہے کوئی شرعی جرم اس کے ذمہ نہیں، طلاق دینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا مہر ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بلاوجہ شرعی طلاق دینا اللہ تعالٰی کو سخت ناپسند ومبغوض ومکروہ ہے، حدیث میں ہے:

ابغض الحلال الی اللہ تعالٰی الطلاق[1]۔	حلال چیزوں میں سے طلاق دینا اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔(ت)

مگر وہ اس کا اختیار ضرور رکھتا ہے، اگر دے گا ہوجائے گی، پھر اگر زوجہ سے ابھی خلوت یعنی بغیر کسی مانع کے تنہائی یکجائی نہ کی یا زوجہ کی ابھی دہ ۱۰ سالہ ہے قابلیتِ جماع اصلًا نہ رکھتی ہو جب تو نصف مہر دینا ہوگا اگر بندھا ہو، اور کچھ نہ بندھا ہو تو ایک پورا جوڑا جس میں دوپٹہ، پاجامہ اور عورتوں کے چھوٹے کپڑے اور جوتا سب کچھ ہو، اور مرد عورت دونوں کے حال کے لحاظ سے عمدہ نفیس یا کم درجہ یا متوسط ہو دینا آئے گا جس کی قیمت نہ پانچ درہم سے کم ہو نہ عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ ہو، اگر مرد عورت دونوں غنی ہیں تو نفیس اور دونوں فقیر تو ادنٰی اور ایک فقیر دُوسرا غنی تو اوسط اور اگر یہ دس ۱۰ سالہ لڑکی قابلِ جماع ہے اور خلوت ہوچکی تو پُورا مہر لازم ہوگا ___ تنویر الابصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

تجب متعۃ لمفوضۃ وہی من زوجت بلا مہر طلقت قبل الوطء وہی درع وخمار وملحفۃ (قال فخر الاسلام ہذا فی دیارہم اما فی دیارنا فیزاد علی انوارو	مفوضہ یعنی جس عورت سے مہر کے بغیر نکاح کیا ہو اور اس کو وطی سے قبل طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کے لئے پُورا جوڑا لباس دینا بطور متعہ واجب ہے، اور وہ قمیص، دوپٹہ اور بڑی چادر ہے (فخر الاسلام نے فرمایا یہ ان کے علاقہ کا رواج ہے،

[1] سُنن ابو داؤد باب فی کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

مکعب کذافی الدرایة.قلت مقتضی ھذا ان یعبتر عرف کل بلدة لا ھلھا فیما تکسٰی بہ المرأة عند الخروج اھ ش)لاتزید علٰی نصف مھر المثل لوالزوج غنیا،ولا تنقص عن خمسة دراھم لو فقیر او تعتبر المتعة حالھما کا لنفقة.بہ یفتی(فان کان غنیین فلھا الا علی من الثیاب.اوفقیرین فالادنی.او مختلفین فالوسط،وماذکرہ قول الخصاف وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقة قال فی البحر قول الخصاف لان الولوالجی صححہ وقال وعلیہ الفتوی کما افتوا بہ فی النفقةاھ[1]ش)الکل ملخص واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن ہمارے ہاں اس پر تہبند اور جُوتا مزید دیا جائے گا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہر علاقہ کا رواج وہاں کے لوگوں میں معتبر ہوگا یعنی جو لباس عورت باہر نکلتے وقت پہنتی ہو وہ دیا جائے گا اھ،ش)اور وُہ جوڑا قیمت میں مہر مثل کے نصف سے زائد نہ ہو اگر خاوند امیر ہو،اور اگر وُہ غریب ہو تو پھر کم از کم پانچ درہم سے کم نہ ہو،اور اس جوڑے میں خاوند بیوی کی حیثیت کا اعتبار ہوگا جیسا کہ نفقہ میں دونوں کا لحاظ کیا جاتا ہے،اسی پر فتوٰی ہے پھر اگر دونوں امیر ہیں تو عورت کو اس کا اعلٰی لباس اور اگر دونوں فقیر ہوں تو ادنٰی لباس،اگر دونوں کی حیثیت مختلف ہو تو پھر درمیانہ لباس دیا جائے گا اور یہ جو خصاف کا قول مذکور ہے۔اور فتح میں اس کو اشبہ بالفقہ کہا ہے۔بحرالرائق میں کہا ہے کہ خصاف کا قول ارجح ہے کیونکہ ولوالجیہ نے اس کو صحیح بتایا ہے اور کہا کہ اس پر فتوٰی ہے جیسا کہ نفقہ میں فقہاء نے فتوٰی دیا ہے،اھ ش) یہ تمام عبارت ملخص ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۵: از ملک بنگالہ موضع سبیب پور علاقہ کملا مرسلہ انوار الدین بار اول ۱۹ شعبان ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق حق اللہ یا حق العباد ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق کسی کا حق نہیں، حق ہے وہ جس کا مطالبہ پہنچے،اور طلاق کا مطالبہ عورت کو نہیں پہنچتا،بلکہ بے وجہ شرعی مطالبہ کرے تو گنہگار ہو۔اور اللہ عزوجل بھی طلاق طلب نہیں فرماتا بلکہ اسے ناپسند و مبغوض رکھتا ہے،تو نہ وُہ حق اللہ ہے نہ حق العبد،ہاں جب مرد عورت کو وجہ شرعی رنہ رکھ سکے مثلاً نامرد ہو تو اس وقت شرعاً

[1] ردالمحتار معہ درمختار شرح تنویر الابصار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۶

اس پر طلاق دینی لازم ہو جاتی ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ [1]۔	ان کو بھلائی کرتے ہوئے روک لو، یا ان کو بھلائی کے ساتھ رخصت کردو۔ (ت)

ایسی حالت میں ضرور وُہ حق العبد و حق اللہ دونوں ہو جائے گی، حق العبد تو یُوں کہ عورت کی خلاصی اسی سے متصور، اور حق اللہ یُوں کہ ہر حق العبد حق اللہ بھی ہے جس کے ادا کا وُہ حکم فرماتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۷: از ملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاک خانہ ایٹ کھولا موضع نارائن پور مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب روز عرفہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

سوال اوّل: کسی نے تین برس کے بعد ایک عورت کے طلاق پر گواہی دی اب شرعًا گواہ مقبول ہے یا مردود؟ اور مدّت فاصلہ جو درمیاں طلاق اور شہادت کے ہے مانع شہادت ہے یا نہیں؟ اور قبل اس شہادت کے تذکرہ طلاق اور عدمِ تذکرہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا مع الدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ ت)

سوال دوم: طلاق حق اللہ ہے حق العباد؟ مع برہان قاطع **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق بمعنی الایقاع یعنی اُس کا احداث اصلاً منجملہ حقوق نہیں،

حیث لامطالب لامن جھة العبد ولامن اللہ تعالٰی بل ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔	کیونکہ یہاں اللہ تعالٰی اور بندے کو طلاق کا کوئی مطالبہ نہیں پہنچتا بلکہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ہے۔ (ت)

البتہ جب ادائے حقِ زوجہ پر قادر نہ ہو جیسے عنین وغیرہ، تو طلاق حق العبد ہے حق زن کے لئے دیانۃً بھی واجب ہے اور ہر واجب دیانۃً حق اللہ سبحٰنہ تو اس حالت خاص میں طلاق حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی ہے **لقولہ تعالٰی**:

فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ [2]۔	انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی سے رخصت کرو۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۱

[2] القرآن ۲/ ۲۳۱

اور طلاق بمعنی الوقوع یعنی بعد حدوث اُس کا ثمرہ حالاً مآلاً تحریم فرج ہے جو حق اللہ عزوجل ہے ولہٰذہ اس پر ادائے شہادت کے لئے کسی کا مدعی ہونا ضرور نہیں یہاں تک زن ومرد دونوں منکر ہوں مگر دوشاہد شرعی شہادتِ طلاق دیں حکم طلاق دیا جائے گا اور اُن دونوں کے انکار پر اصلاً التفات نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشہادۃ فی حقوق اللہ تعالٰی کطلاق امرأۃ ای بائنا وعتق امۃ وتدبیرھا[1] (ملخصًا)	طلب کئے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی حقوق اللہ میں ضروری ہے جیسا کہ کسی عورت کی بائنہ طلاق اور لونڈی کی آزادی اور اس کے مدبّر کرنے کے بارے شہادت (ملخصًا)۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

وتقبل وان انکر الزوجان[2]۔	بائنہ طلاق کے متعلق شہادت قبول کرلی جائے گی اگرچہ خاوند بیوی انکار کریں۔(ت)

ولہٰذا اطلاق بائن میں اگر شاہدین جانبین جبکہ زوجین بعد طلاق بھی بروجہ ناجائز معاشرت رکھتے ہوں بلاعذر شرعی شہادت ایک عدّت تک ادانہ کریں فاسق ہوجائیں گے اور اب ان کی گواہی مردود ہوگی۔ قنیہ واشباہ ودرمختار میں ہے:

متی اخرشاھد الحسبۃ شہادتہ بلا عذر فسق فیرد[3]۔	اگر گواہ نے بلاوجہ حقوق اللہ میں شہادت دینے میں تاخیر کردی تو وُہ فسق قرار پائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوجائے گی۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

شاھد الحسبۃ اذا اخرشہادتہ ھل المعتبر خمسۃ ایام او ستۃ اشھر فیہ خلاف ذکرہ فی القنیۃ ولم یذکرہ المصنف	اگر حقوق اللہ میں شہادت دینے میں گواہ نے تاخیر کی تو تاخیر میں پانچ دن یا چھ ماہ میں سے کیا معتبر ہے، اس میں اختلاف کو قنیہ نے ذکر کیا ہے اور مصنف نے

[1] درمختار کتاب الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۹۰/۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الشہادت دار المعرفۃ بیروت ۲۲۹/۳

[3] درمختار کتاب الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۹۰/۲

رحمہ اللہ تعالٰی قال بعض الفضلاء الذی یظھر ان ذکر خمسۃ ایام کلام القنیۃ لیس بقید، بل المدار علی التمکن من الشھادۃ عند القاضی، ویدل علیہ مافی الصیرفیۃ شھدا انھما کان یعیشان عیش الازواج وکان طلقھا منذ کذا لاتقبل، لانھما صار فاسقین بتاخیرھما الشھادۃ[1] اھ۔	ذکر نہیں کیا۔ بعض فضلاء نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ قنیہ کا کم از کم پانچ دن کا ذکر کرنا کوئی قید نہیں ہے بلکہ قاضی کے ہاں پہنچ کر شہادت دینے کی قدرت کا مدار ہے۔ صیرفیہ کی یہ عبارت اس پر دال ہے کہ دو گواہوں نے شہادت دی کہ طلاق دینے کے باوجود یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں جبکہ زوج نے طلاق اتنی مدت سے دے رکھی ہے تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے دونوں گواہ فاسق ہوگئے اھ (ت)

پس صورت مسئولہ میں اگر طلاق مغلظ تھی یا طلاق بائن تھی اور ادائے شہادت سے کوئی عذر صحیح مانع نہ تھا اور شہادت ادا نہ کی تو گواہی مردود ہے اگرچہ ہنوز تین ہی دن ہوئے ہوں نہ کہ تین برس، اور اس سے پہلے تذکرہ وعدم تذکرہ طلاق میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸: بریلی محلّہ نقشبندیاں مسئولہ سیّد والیت حسین صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید اور اس کی خالہ کے باہم نفاق دلی ہے اور دونوں کے مکان سکنی کا صحن ایک ہ، زید اپنی زوجہ کو ممانعت کرتا ہے کہ تو میری خالہ کے صحنِ مکان میں مت جایا کر، اور میری خالہ سے مت مل، اور نہ بات کر، نہ کچھ لینے دینے کا رسوم رکھ کہ وہ میری مخالف ہے۔ اور وہ اس کی نہیں مانتی اور اس کی خالہ کے مکان میں جانا اور اس سے بات کرنا اور راہ رسم نہیں چھوڑتی، اور جب زید اس بات پر اس سے سخت کلامی کرتا ہے تو وُہ برابر سخت کلامی کرتی ہے اور اپنے ماں باپ اور خالہ سے زید کو مجبور کراتی ہے یہاں تک کہ زید کو اور اس کی والدہ کو تنگ کرتی ہے، اور بے حرمتی کی باتیں کرتی ہے اور زید اس کی نافرمانی کی وجہ سے اپنی زوجہ کو طلاق شرعی دینا چاہتا ہے، تو ایسی عورت نافرمان کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس حالت میں کہ وہ بارِ حمل سے ہو، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جاوے۔

الجواب:

حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ: عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے ٹیڑھی ہی چلے گی اور اگر تو اس سے فائدہ لینا چاہے

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادت والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۷

تو اسی حال پر اس سے نفع اٹھا اور سیدھی کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا توڑنا اُسے طلاق دینا ہے[1]۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا کہ: مسلمان عورت سے اچھا برتاؤ رکھو اگر تمہیں اس کی ایک عادت ناپسند ہُوئی تو دوسری ہو گی[2]۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا۔[3]	قریب ہے کہ تم ایک بات کو مکروہ جانو گے اور اللہ عزوجل اس میں بہت بھلائی رکھے گا۔

اور اگر عورت کو طلاق دے کر پھر کبھی نکاح نہ چاہے تو خیر، ورنہ کیا معلوم کہ دوسری اس سے بھی بُری ملے، اس لئے حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دلجوئی اور اُسے خوش کرکے اپنی اطاعت پر لانا اور اس کی کج خلقی پر صبر کرنا چاہئے، اور اصلاح ناممکن ہو تو طلاق دے سکتا ہے، مگر ایک طلاق رجعی سے زیادہ دینا گناہ ہے، فقط ایک بار اس سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اگر عدّت کے اندر یعنی حاملہ کے بچّہ پیدا ہونے سے پہلے دل میں اُسے رکھنے کی آئی تو زبان سے کہہ لے میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھر لیا، وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی ورنہ اس سے الگ رہے، یہاں تک کہ بچّہ پیدا ہو جائے اس وقت وہ نکاح سے نکل جائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۱۹تا۱۲۰: از چھاؤنی فیروز پور مرسلہ عبدالعزیز خاں پنشنر یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بخدمت اقدس حامی شرعِ رسول، حاوی معقول ومنقول حضرت مجدد مائۃ حاضرہ جناب مولانا صاحب دامت فیوضہم، مؤدبانہ السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ طلاق بہر نہج کے باشد عورتوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو واقع ہو جاتی ہے مگر اس کا ایقاع بلاوجہ ملجیہ شرعیہ نادرست اور حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وایقاعه مباح عند العامة لاطلاق الأیات اکمل، وقیل قائله الکمال	طلاق دینا جمہوری فقہاء کے نزدیک مباح ہے کیونکہ طلاق والی آیاتِ کریمہ مطلق ہیں کماذکرہ اکمل اور بعض نے

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع الوصایۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

[2] صحیح مسلم کتاب الرضاع الوصایۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/۲۱۶

الاصح حظرہ الالحاجۃ[1] الخ۔	کہا یعنی کمال الدین ابن ہمام نے کہ قولِ اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہو تو مباح ہے الخ (ت)

معاشرتِ نساء کے بارے میں جو آیات اور احادیث وارد ہیں اُن میں بھی جانب عدم ایقاع اور حرمت مرجح معلوم ہوتی ہے، بعد نکاح ایقاع وعدم کل مختار ہے اور عدمِ ایقاع زیادہ مختار اور پسندیدہ **نظرًا الی الاٰیات والاحادیث التی وردت فی المعاشرت بالنساء** (اُن آیات واحادیث کے پیشِ نظر جو عورتوں سے معاشرت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ت) اور بعد چند سال کے اگر آپس شقاق واقع ہو تو پنچایت مطابق آیت **وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ**[2] (اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو۔ت) مصالحت کی راہ سے اختیار کریں بنابریں قرار پایا کہ میں اس عورت کو ہرگز طلاق نہ دوں گا تازندگی، اور اقرار نامہ لکھ دیا اور اپنے اختیار ایقاع طلاق کو اس معاہدہ سے باطل کردیا ہے اور بروئے اقرار نامہ کے طلاق نہیں دے سکتا کہ اسے نقضِ معاہدہ لازم آتا ہے نقض معاہدہ عام ہے **وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾**[3] (وعدہ وفا کرو یقینا عہد کے متعلق سوال ہوگا۔ت) واقع ہوا بدیں لحاظ ایقاعِ طلاق بلاوجوہ موجبہ شرعیہ حرام اور محظور ہوگا لہٰذا سوال کے جواب میں طلاق دینا بلحاظ اقرار نامہ محظور وممنوع لکھنا درست اور استفتاء ثانی میں عدمِ وقوع طلاق عبارت عالمگیریہ سے بظاہر ثابت ہوتا ہے وہ بھی صحیح ہے کیونکہ حبیب خاتون کے خاوند نے طلاق نامہ اس بناپر لکھوایا ہے کہ اسے خرچ نہ دینا پڑے لہٰذا اس کا طلاق نامہ لکھوانا قابلِ سماعت نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا بیان ہے کہ میں نفقہ نہیں دُوں گا میں اُس کو طلاق نامہ رجسٹری بذریعہ ڈاک بھیج چکا ہوں، مسمّاۃ حبیب خاتون نے واپس کردیا مسماۃ خاتون انکاری ہے اور کہتی ہے کہ مجھے خبر تک بھی نہیں کہ مجھے طلاق دیا گیا اور طلاق نامہ میرے پاس نہیں بھیجا گیا، لہٰذا ملتمس ہوں کہ براہِ عنایت ونوازش قدیمانہ کے دست بستہ عرض ہے کہ آپ ہر دو ۲ استفتاء کو بعد ملاحظہ کے حقیقت مسئلہ سے آگاہ فرمائیں کیونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے اور جناب کی ذات والا صفات پر کمال بھروسا ہے۔

سوال: جو عورت صالحہ نمازی اللہ اور رسول کی تابعداری ہے احکامِ شریعت پابندی خاوندی کی تابعداری ہر ایک حکم میں مع ہذا چار پانچ سال بعد کسی ناچاقی کے وقت میں رُوبروئے پنچایت اقرار نامہ بھی لکھ دیا جس میں شرط

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵

[2] القرآن ۴/۳۴

[3] القرآن ۱۷/۳۴

ہے کہ تازندگی طلاق نہیں دُوں گا، کیا اسے پانے اس اقرار نامہ کے رو سے اس عورت کو طلاق دینا جائز اور درست ہے؟ اور شیر خوار لڑکی بھی اس کے پاس ہے۔

سوال متعلق سوال سابق اقرار نامہ

سائل نے یہ بھی تحریر کر دیا ہے اس اقرار نامہ کے ضمن میں نان نفقہ بابت پانچ روپیہ ماہور دیا کروں گا، خرچ نہ بھیجنے پر عورت نے حاکم کے پاس نالش کی ہے، مدعا علیہ کی طلبی ہوئی، اس پر جواب دعوی کے ساتھ وکیل نے طلاق نامہ لکھوا کر پیش کر دیا ہے، یہ طلاق نامہ نان و نفقہ کے نہ لازم ہونے کے لئے پیش کیا ہے کہ میں اس کو طلاق نامہ دے چکا تھا جس سے عورت انکاری ہے، کیا یہ طلاق نامہ اس کا ایسی صورت میں معتبرہ اور نان و نفقہ اس پر واجب نہ ہوگا؟

جواب سوالِ اوّل

شَے واحد میں حل وحظر کا دو جہت سے مجتمع ہونا کچھ بعید نہیں، طلاق فی نفسہٖ حلال ہے، اور ازانجاکہ شرع کو اتفاق محبوب اور افتراق مبغوض ہے، بے حاجت یاریت محظور ہے، حدیث میں ان دونوں جہتوں کے اجتماع کی طرف صاف اشارہ فرمایا گیا:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[1]۔	حلال چیزوں میں سے اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ناپسندیدہ ترین ہے (ت)

حلال بھی فرمایا اور مبغوض بھی، آیہ کریمہ میں مطلقًا ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ[2]۔	اے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! جب آپ طلاق دیں تو عدت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دیں اور عدت کو شمار کریں۔ (ت)

اور حدیث میں فرمایا:

[1] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

[2] القرآن ۶۵/۱

لعن اللہ الزواقین ف۱ والزواقات[1]۔	نکاح کو شغل بنانے والے مرد اور عورت پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔(ت)

اور فرمایا:

ان المختلعات ھن النافقات[2]۔	خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں(ت)

اور فرمایا:

ماحلف بالطلاق مومن ولا استحلف بہ الامنافق[3]۔	طلاق کی قسم دینے والا مومن نہیں، اور طلاق کی قسم لینے والا صرف منافق ہے۔(ت)

آیت کاوہ حکم اور احادیث کے یہ ارشادات انہی وجہین حل وبغض پر ہیں، اگر عورت پر کوئی شُبہ ہو یا وُہ عاصیہ ہو یا نماز نہ پڑھتی ہو یا بُوڑھی ہو گئی ہو اور اُسے قسم بین النساء سے بچنا ہو تو ان سب صورتوں میں طلاق بلاکراہت جائز ومباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں مستحب، علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت نماز نہ پڑھے اور یہ ادائے مہر پر قادر نہ بھی ہو جب بھی طلاق دے دینی چاہئے کہ

لان ف۲ یلقی اللہ ومھرھا فی عنقہ خیر لہ من ان یعاشر امرأۃ لاتصلّی کما فی الخانیۃ والغنیۃ وغیرھما[4]۔	اللہ تعالٰی کے ہاں پیشی میں بیوہ کا مہر شوہر کے گلے میں پڑا ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بے نماز عورت سے معاشرت جاری رکھے، جیسا کہ خانیہ، غنیہ وغیرہما میں ہے۔(ت)

---

[1] مجمع الزوائد باب من یکثر الطلاق دارالکتاب بیروت ۴/ ۳۳۵

[2] الترغیب والترتیب باب ترہیب المرأۃ ان تسأل زوجھا مصطفی البابی مصر ۲/ ۸۴، جامع الترمذی ابواب الطلاق امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۲

ف۱: غالبًا حدیث کے الفاظ یُوں ہیں: ان اللہ لایحب الزوقین والزوقات۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو معجم اوسط ۸/ ۴۱۳، دُرمنثور ۱/ ۲۷۸، تفسیر القرطبی ۱۸/ ۱۴۹، کشف الاستار عن زوائد البزار ۲/ ۱۹۲ ان سب کتب میں "ان اللہ لا یحب الزواقین" کے الفاظ ہیں "لعن اللہ الزواقین" کے الفاظ نہیں۔ **نذیر احمد**

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۴۶۳۴۰ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

[4] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت /

ف۲: یہ عبارت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے اصل الفاظ یوں ہیں: "لان القی اللہ وصداقھا بذمتی خیر من ان اعاشر امرأۃ لاتصلی"۔ ملاحظہ ہو ردالمحتار کا صفحہ مذکور ۲/ ۴۱۶۔ **نذیر احمد**

بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہوتی ہے، جیسے اس کو اس کے ماں باپ کو طلاق دینے کا حکم دیں اور نہ دینے میں ان کی ایذا وناراضی ہو واجب ہے کہ طلاق دے دے اگرچہ عورت کا کچھ قصور نہ ہو "لان العقوق حرام والا جتناب عن الحرام واجب" (کیونکہ نافرمانی حرام ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ت) حدیث میں فرمایا:

وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك فاخرج [1]۔	اگر والدین بیوی اور مال سے علیحدگی کا حکم دیں تو ایسا ہی کرو۔(ت)

ہاں بے حاجت بلا عذر شرعی طلاق دینا مکروہ وممنوع ہے مگر دے گا تو پڑ ضرور جائے گی کہ وہ اس کی زبان پر رکھی گئی "بیدہ عقدۃ النکاح" (نکاح کی گرہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ت) اس کا مرتکب مکروہ وہ بلکہ گنہگار ہونا بھی اس کے وقوع کو نہیں روکتا جیسے حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے کہ حکم فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ [2] (عدّت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دو۔ت) مگر دے گا تو ضرور ہو جائے گی اور یہ گنہگار۔ عہد نامہ کا اثر فقط اتنا ہو گا کہ بلاحاجت جو طلاق جو طلاق دینا مکروہ تھا اب سخت مکروہ ہو گا کہ نقضِ عہد بھی ہو گا مگر وقوع سے یہ بھی مانع نہیں ہو سکتا، دے گا تو پڑ جانے میں شبہہ نہیں اگرچہ مخالفت کا عہد بھی ہو گا مگر وقوع سے یہ بھی مانع نہیں ہو سکتا، دے گا تو پڑ جانے میں شبہہ نہیں اگرچہ مخالفت کا عہد بھی اس پر الزام آئے گا۔ اس عہد کا اگر حاصل یہ تھا کہ پانے اختیار طلاق کو سلب کرتا ہے تو وُہ عہد ہی مردود ہے کہ تغیر حکم شرع ہے شرع مطہر نے اس کو مالک کیا ہے اس مِلک کو باطل نہیں کر سکتا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مابال اقوام یشترطون شروطالیست فی کتاب الله، من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فهورد ان کانت مائة شرط شرط الله احق واوثق [3]۔	قوموں کا کیا حال ہو گا کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں موجود نہیں یعنی اللہ تعالٰی کی پسندیدہ نہیں، تو وہ شرط مردود ہے اگرچہ ایسی سو۱۰۰ شرطیں ہوں، صرف اللہ تعالٰی کی پسندیدہ شرط قبولیت کے لائق اور باوثوق ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] الترغیب والترہیب من ترك الصّلوٰۃ تعمدًا مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۸۳، السنن الکبرٰی کتاب القسم والنشور دارصادر بیروت ۷/ ۳۰۴، کنز العمال حدیث ۴۴۰۱۸ موسسة الرساله بیروت ۱۶/ ۴۹

[2] القرآن ۶۵/ ۱

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء طن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

یقع کثیر فی کلام العوام انت طالق تحلی للخنازیر وتحرّمی علیّ وافتی فی الخیریّة بأنه رجعی لان قوله وتحرمی علیّ ان کان للحال فخلاف المشروع لانھا لا تحرم الابعد انقضاء العدّة، وان کان للاستقبال فصحیح ولاینافی الرجعة، وکذلك افتی بالرجعی فی قولھم انت طالق لایردك قاضی ولا عالم لانه لا یملك اخراجه عن موضوعه الشرعی وایده فی حواشیه علی المنح بمافی الصیرفیة لوقال انت طالق ولارجعة لی علیك فرجعیة[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عوام کے کلام میں کثیر الوقوع ہے کہ "تجھے طلاق ہے تو خنزیروں پر حلال اور مجھ پر حرام ہے"، خیریہ میں فتوی دیا ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ "تومجھ پر حرام" کہنا، اگراس سے مراد یہ ہے کہ "فی الحال مجھ پر حرام" تو یہ خلاف مشروع ہے کیونکہ طلاق کے بعد بیوی عدت ختم ہونے پر حرام ہوتی ہے اور استقبال کے لئے حرام کیا تو یہ صحیح ہے اور یہ رجوع کرنے کے خلاف نہیں اور یوں ہی فقہاء نے رجعی طلاق کا فتوی دیا ہے جب کوئی یہ کہے کہ تجھے ایسی طلاق جس پر تجھے کوئی قاضی اور عالم واپس نہ کرسکے، کیونکہ ایسا کہنے کا وُہ مجاز نہیں کہ جس سے وُہ شرعی حکم کو معطل کردے۔ منح کے حواشی میں اس کی تائید پر صیرفیہ کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اور تجھے پر رجوع کا حق نہیں ہے، تو یہ طلاق رجعی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال دوم

طلاق نامہ دربارہ وقوعِ طلاق ضرور معتبر ہے اس کے کہنے سے کہ میں طلاق دے چکا ہوں، ضرور طلاق ہوجائے گی،

لانه یملك انشاءه فی الحال فلاینازع فیماقال۔	کیونکہ فی الحال وُہ طلاق کا مالک ہے، توجو اس نے کہا وہ اس کے مخالف نہیں۔ (ت)

ہاں زمانہ کی طرف اس کی اسناد اگر کرے کہ اتنے دن ہوئے میں اسے طلاق دے چکا ہوں تو یہ مدّت نہ مانی جائے گی بلکہ اسی وقت سے طلاق قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے:

لو اقر بطلاقھا منذزمان ماض فان الفتوی انھا من وقت الاقرار نفیا	اگر ماضی میاں میں کسی وقت کی طلاق اقرار کیا تو مطلقًا اس وقت اقرار سے طلاق کا فتوی ہے تاکہ

[1] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

لتھمۃ المواضعۃ[1]۔	میاں بیوی کے ناجائز سمجھوتہ کی تہمت نہ لگ سکے (ت)

مگر نفقہ مفروضی ساقط کرنے کے لئے اس کا قول معتبر نہ ہوگا اس وقت تک کا نفقہ مفروضہ دلائیں گے اور اس وقت سے مطلقہ مانیں گے اور آج سے تمامی عدت تک کا نفقہ واجب کریں گے۔ ہاں اگر عورت بھی تسلیم کرلے کہ اتنا زمانہ ہوا طلاق ہوچکی اور عدّت گزرچکی تو بے شک نفقہ لازم نہ آئے گا مگر طلاق بہر حال اس وقت سے لازم ہے۔ درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لکن ان کذبتہ فی الاسناد اوقالت لا ادری وجبت العدۃ من وقت الاقرار ولھا النفقۃ والسکنی وان صدقتہ فکذٰلک غیرانہ لانفقۃ لاسکنی لقبول قولھا علٰی نفسھا خانیۃ[2] (ملخصاً)	لیکن اگر عورت مرد کو زمانہ کی نسبت میں جھوٹا قرار دے یا کہے کہ مجھے معلوم نہیں، تو ایسی صورت میں اقرار کے وقت سے عدّت شروع ہوگی، اگر اس کو نفقہ اور رہائش دینی ہوگی، اور عورت اس کی تصدیق کرے تو پھر حکم یہی ہے مگر وُہ اپنی تصدیق کی وجہ سے اپنے نفقہ اور سکنٰی کے حق سے محروم ہوجائے گی (ملخصًا) (ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود پھر ہندیہ میں امام خصاف رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

لوان رجلا قدمتہ امرأتہ الی القاضی وطالبتہ بالنفقۃ وقال الرجل للقاضی کنت طلقتھا منذسنۃ وانقضت عدتھا وجحدت الطلاق لایقبل قولہ فان شھد لہ شاھدان بذلك والقاضی لایعرفھما فانہ یامرہ بالنفقۃ علیھا فان عدلت الشھود واقرت انھا حاضت ثلث حیض فی ھذہ السنۃ فلانفقۃ لھا علیہ فان اخذت منہ شیئا ردت علیہ[3]۔	اگر کسی عورت نے قاضی کے ہاں کسی شخص کی پیشی کرادی اور نفقہ کا مطالبہ کیا اور مرد نے قاضی سے کہا کہ میں نے اس کو ایک سال قبل طلاق دے دی تھی اور عدت بھی گزرچکی ہے اور عورت طلاق کا انکار کردے تو قاضی مرد کی بات کو قبول نہیں کرے گا، اگر دو گواہوں جن کو قاضی نہیں جانتا، نے گواہی مرد کے حق میں دی تو پھر بھی قاضی نفقہ واجب کردے گا، ہاں اگر عورت ان گواہوں کو عادل قراردے اور تین حیض سال بھر میں گزرنے کا اقرار کرلے تو اب عورت کے لئے نفقہ نہ ہوگا پھر اگر عورت نے کچھ وصول کیا ہو تو واپس کرے گی۔ (ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۷

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۹

لم یقبل قولہ فی ابطال نفقتھا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد کا قول بیوی کے نفقہ کو باطل کرنے میں قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مکان بوائن صاحبہ مرسلہ مولوی ابوالخیر سید حسن صاحب ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

سیّدی مولائی وماوائی مدظلہ اللہ تعالٰی بعد السلام علیکم کے خدمت میں عرض یہ ہے کہ حضور معتمد علیہ کلی ہیں لہٰذا یہ استفتاء بھیجا جاتا ہے حضور ہی کے مہر پر جواز وعدمِ جواز ہے اگرچہ اکثر علماء نے دستخط کیا ہے، صورت سوال یہ ہے:

چہ می فرمایند دین اندریں صورت کہ زید بحضور خالد بعدم موجودگی عدم تسمیہ ہندہ یعنی زوجہ خود گنت یک طلاق، دوطلاق، سہ طلاق، مید ہم یا نمی دہم ہیچک نہ گفتہ وبکر کہ بردر حقیقی زید ست می گوید کہ رُوبروئے من بلا تسمیہ وبلا حضور ہندہ می گفت طلاق مید ہم طلاق مید ہم طلاق عمرو میگوید کہ صباح زید پرسیدم کہ شب گزشتہ درمکان شما شوروغل چہ سبب بود گفت من طلاق دادہ ام (بلا حضور ہندہ وبلاتسمیہ واضافت) وہندہ لفظ طلاق از جائے دیگر شنیدہ می گوید کہ زید یعنی شوہرم مرا طلاق دادہ است زید ازو انکار می سازد۔ دریں صورت ہندہ مطلقہ خواہد شد یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے خالد کے ہاں اپنی بیوی ہندہ کا نام لئے بغیر، بغیر اسکی موجودگی کے لئے "ایک طلاق، دو۲طلاق، تین طلاق"۔اس نے "دیتا ہوں" یا "نہیں دیتاہوں" کچھ نہ کہا۔ زید کا حقیقی بھائی بکر کہتا ہے کہ میرے سامنے زید نے اپنی بیوی ہندہ کی غیر موجودگی اور اس کا نام ذکر کئے بغیر کہا: "طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں"۔ عمرو کہتا ہے صبح جب میں نے زید سے پوچھا کہ تمہارے گھر گزشتہ رات کیا شوروغل ہورہاتھا، اس نے کہ میں نے طلاق دی ہے۔ (یہ ہندہ کا نام اور اسکی طرف نسبت کئے بغیر اس کی غیر موجودگی میں کہا ہے) اور ہندہ نے طلاق کے متعلق کسی سے سن کر کہاکہ زید یعنی میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہ۔ (ت)

حضور والا راسخ المحققین ہیں گوکہ کبھی اس حقیر کو حضور وملازمت حاصل نہ ہوئی لیکن فیوضات نا متنا ہی سے مستفیض ہوتا ہے، اکثر فتوے حضور کے اس شہر میں آتے رہتے ہیں، یہ واقعہ اس خاکساری کے بالمواجہ ہوا ہے، زید نے بلاتسمیہ وخطاب واضافت بحالت عدم موجودگی ہندہ لفظ "طلاق" و "طلاق دیتا ہوں" کہا ہے

[1] بدائع الصنائع کتاب النفقۃ فصل فی سبب وجوب ہذہ النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۸/۴

اور صبح کو بوقتِ دریافت عمرو زید نے کہا کہ میں نے جو کہا کہ میں نے طلاق دیا ہے بلاتسمیہ وبلااضافت بطرف زوجہ اس کہنے سے زید کی مراد وہی لفظ طلاق ہے جو شب کو کہا تھا انشا نہیں خبر دے رہا ہے طلاق شب کی۔ زیادہ حدِ ادب!

الجواب:

حکم ہر دو گونہ است حکم دیانت و حکم قضاء، دیانت آنکہ فیما بین العبد وربہ باشد ایں جا دیگراں را دخل نیست او داند وخدائے او۔ دریں سخن اضافت بسوئے زن نیست، اگر در دل ہم قصد اضافت نہ کردہ باشد قطعًا طلاق نیست وذٰلك لان الطلاق لاوقوع له الابالا یقاع ولا ایقاع الاباحداث تعلق الطلاق بالمرأة ولایتاتی ذلك الابالاضافة ولو فی النیة، فاذا خلیا عنه لم یکن احداث تعلق اذلاتعلق الا بمتعلق فلم یکن ایقاعا فلم یورث وقوعا وهذا ضروری لایرتاب فیه، مجرد تلفظ بلفظ طلاق ہی بے اضافت بزن نہ در لفظ ونہ در قصد اگر موجب تطلیق شود ہر کسے کہ لفظ طلقت یا طلاق دادم یا می دہم بر زبان آرد زن او مطلقہ شود اگرچہ ہمیں قصد حکایت دارد ولازم آید طلبہ در کتاب الطلاق ازیں گونہ صدہا	حکم دو۲ طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً۔ دیانۃً حکم کا معنٰی یہ ہے کہ بندے اور اللہ تعالٰی کے درمیان معاملہ ہے یہاں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں، بندہ جانے اور اس کا خدا جانے اور مسئولہ صورت میں بیوی کی طرف طلاق کی اضافت کا قصد نہ کیا ہو تو قطعًا طلاق نہ ہوئی، کیونکہ طلاق کا وقوع بغیر واقع کرنے (ایقاع) کے نہیں ہوتا اور ایقاع اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک طلاق کا تعلق بیوی سے نہ کیا جائے اور یہ اضافت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اضافت ضروری ہے خواہ نیت میں ہو، تو طلاق جب اضافت لفظی یا قلبی سے خالی ہو تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہوسکتا، اس لئے ایقاع نہ ہوگا، تو وقوع بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ اگر زبان پر لفظ طلاق نسبتِ لفظی یا ارادی کے بغیر ہی طلاق دینے کا موجب قرار پائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی صورت میں اپنی زبان سے لفظ طلاق استعمال کرے اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے خواہ حکایت کرتے ہوئے ہی استعمال کرے، نیز دینی طلباء کتاب الطلاق

الفاظ می خوانند ودر بحث وتکرار بار بار زبان رانند زنان ہمہ سہ ۳ طلاقہ مانند ھل ھذا الابھت بحت۔ در محیط وہندیہ وغیرہما است لایقع فی جنس الاضافۃ اذا لم ینو لعدم الاضافۃ الیھا[1] زید بہ نیت خود عالم ہست وعالم الضمائر والسرائر جل جلالہ، از وعالم تراست اگرارادہ طلاق ہندہ نہ کردہ بود ہندہ ہمچناں زن اوست و فہم وقول دیگراں ہیچ زیاں نیارد آنچناں کہ محبان قصد طلاق فتوائے مفتی بعدم سود نہ دارد، واللہ علیم بذات الصدور والیہ سبحانہ ترجع الامور، واما حکم قضاء کہ قاضی وزن بآں کاربند ند پس تحقیق آں ست کہ قضاءً نیز حکم بوقوع طلاق را از تحقق اضافت باگزیرست، کما فی کتب المذھب لا یحصی عددھا ولا ینقطع مددھا ومن فقیر در تعلیقات خودم بر ردالمحتار بعد تحقیق آں کہ اضافت در لفظ ہر چند گونہ است تحقیق آں کہ اضافت در لفظ ہر چند گونہ است تحقیق نمودہ ام کہ چوں لفظ از ہمہ وجوہ اضافت تہی باشد آنگاہ بنگرند اگرایں جاقرینہ باشد کہ باو راجح تر ارادہ اضافت ست قضاءً

میں اس قسم کے صدہا الفاظ پڑھنے، تکرار اور بحث کرنے میں بار بار زبان پر لاتے ہیں تو لازم کہ آئیگا کہ ان سب کی بیویوں کو تین طلاق پڑجائیں۔ جبکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ محیط اور ہندیہ وغیرہما میں ہے کہ اضافت نہ ہونے پر طلاق نہ ہوگی تو موجودہ صورت میں زید اپنی نیت کو اس سے زیادہ جاننے والا ہے، اگر ہندہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ دوسروں کا فہم یا ان کی بات اس معاملہ میں مضر نہیں ہے، جو لوگ طلاق کے خواہاں ہیں ان کو کسی مفتی کا فتوی عدمِ طلاق کار آمد نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی دل کی باتوں کو جانتا اور امور کا فیصلہ آخر اس کے پاس ہوگا۔ حکم قضاء میں قاضی اور عورت کا کردار ہوگا، تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قضاءً بھی طلاق کو واقع کرنے کے حکم کے لئے اضافت کا تحقق ضروری ہے، جیسا کہ مذہب کی کتب میں بے شمار مرتبہ مذکور ہے، اور اس فقیر نے ردالمحتار کی تعلیقات میں بحث کرتے ہوئے پہلے لفظی اضافت کی تحقیق پیش کی کہ وُہ کن کن صورتوں میں ہوسکتی ہے پھر یہ تحقیق کی کہ اگر لفظ ہر طرح اضافت سے خالی ہوں تو وہاں دیکھا جائے گا کہ یہاں کوئی ایسا قرینہ

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

حکم بطلاق کنند نظر الی الظاہر واللہ یتولی السرائر اگر شوہر بہ قسم انکار ارادہ آں را کند پس اورا مصدق دارند وزن را مطلقہ نانگارند لکونہ امینا فی الاخبار عن نفسہ وقدائی بما یحتملہ کلامہ درہندیہ از فتاوی می آرد رجل قال لا مرأتھا گرتوزن منی سہ ۳طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیھا[1]۔ ہندیہ از محیط می نگارد سئل شیخ الاسلام الفقیۃ ابونصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیۃ اگرتوزن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یردبہ الطلاق فالقول قولہ[2] ہمچناں درخانیہ فرمود وزاد معللا لانہ لم یضف الطلاق	موجود ہے جس سے اضافت کا ارادہ راجح طور پر معلوم ہوتا ہو تو قضاءً ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، باطنی امور اللہ تعالٰی کے سپرد ہیں ارادے کا انکار کرتا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی بیوی مطلّقہ نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا جبکہ وہ بات ایسی ہی کہتا ہے جس کا کلام میں احتمال موجود ہے۔ ہندیہ میں متعدد فتووں میں کہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو میری بیوی، تین طلاق (یائے نسبت کو محذوف کیا) تو طلاق نہ ہوگی جب یہ بتائے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، کیونکہ یائے اضافت کو حذف کردینے کی وجہ سے بیوی کی طرف اضافت کا ذکر نہ ہوا، ہندی نے محیط سے نقل کرتے ہوئے لکھا کہ شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے کسی نے پوچھا کہ ایک نشے والا اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں؟ بیوی نے جواب میں ہاں کہا تو نشے والے نے فارسی میں کہا اگر تو میری بیوی، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ جا، نکل جا۔ اور خاوند کا گمان ہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی بات مان لی جائیگی۔ یوں ہی خانیہ میں ہے لیکن اس پر انہوں نے علّت

[1] الفتاوی الھندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالا الفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] الفتاوی الھندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالا الفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

الیھا[1]، نیز در ہندیہ از ذخیرہ می سپارد سئل نجم الدین عمن قال لامرأته چوں تو روی طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم[2] ہم در خانیہ وبزازیہ است قال لھا لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکرہ حلفه بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول له[3]،واگر ہیچ قرینہ نیست آنگاہ حکم طلاق اصلا نہ کنند مگر آنکہ شوہر اقرار ارادہ طلاق نماید۔ درخلاصہ وہندیہ وجیز والنقروی وغیرہا است سکران ھربت منه امرأته فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[4] ولفظ مجموعہ چناں ست	بیان کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا، کیونکہ اس نے طلاق کی اضافت بیوی کی طرف نہ کی، نیز ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول لکھا، کہ، نجم الدین سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے بیوی کو کہا جب تو گئی تو طلاق ہو جائے گی، اور کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق کی نیّت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی بات مان لی جائیگی۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا ہاں مان لی جائے گی خانیہ اور بزازیہ میں بھی ہے، کسی نے بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر نہ نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اگر عورت نکل جائے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کو ذکر نہ کیا تو اس میں غیر بیوی کی قسم کا احتمال ہے اس لئے اس کی بات تسلیم کرلی جائے گی، اگر وہاں قرینہ بالکل نہ ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی اور قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، مگر یہ کہ خاوند طلاق کے ارادے کا اقرار کرے۔ خلاصہ، ہندیہ، وجیز اور نقروی وغیرہا میں ہے کہ ایک نشہ والے سے اس کی بیوی فرار ہوگئی، وہ پیچھے بھاگا اور کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا: تین طلاق کے ساتھ، پس اگر وہ خاوند کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی نیت سے کہا، تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر اس نے

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق مطبوعہ نولکشور ۱/۲۱۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی حاشیۃ الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۲۷۰

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق الفصل الاول من جنس اخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ جزء ۲/۷۶

فرت ولم یظفر بھا فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا ،ودر بحر الرائق لو قال طالق فقیل من عنیبت فقال امرأتی طلقت امرأته[1] اھ.فقد علق الوقوع علی اقرارہ انه عناھا این ست تحقیق انیق وبه یحصل بتوفیق اللہ تعالٰی التوفیق وتمام الکلام فی غیر المقام مع توضیع المسائل وتنقیح الدلائل مذکورفیما علقنا علی ردالمحتار فعلیك به فانك لا تجدہ فی غیرہ والحمدللہ العزیز الغفار۔چوں ایں معنی عالی منجلی شد حالادر مسئلہ دائر نظر باید پیداست کہ لفظ عاری از اضافت ست وسائل فاضل درنامہ خودش وانمودہ کہ صدور ایں کلام از زید ابتداءً بود بے مکالمہ احدے دربارہ طلاق ہندہ حتی یتوھم وجود الاضافة فی سوال صدر ھذاجوباً له و السوال معاد فی الجواب بازآغاز اظہار سوال آنست کہ زید ہمیں یک طلاق دوطلاق سہ طلاق	کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔اور مجموعہ الفتاوٰی کے الفاظ یہ ہیں: بیوی بھاگ گئی اور کامیاب نہ ہوا تو اس نے کہا، تین طلاق، اگر وہ کہے میں نے بیوی کے ارادے سے یہ الفاظ کہے ہیں تو بیوی کو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، بحرالرائق میں ہے: کسی نے کہا طالق، تو پوچھا گیا کہ تو نے کس کے ارادے سے کہا، اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کے ارادے سے کہا ہے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اھ۔بحرالرائق نے طلاق واقع ہونے کو اس کے اقرار سے مشروط کیا ہے کہ اس نے بیوی مرادلی ہے، یہ واضح تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے عبارات میں موافقت ہوگئی ہے، اس کی مکمل بحث دوسری جگہ مسائل کی وضاحت اور دلائل کی چھان بین کے ساتھ ردالمحتار کے ہمارے حاشیہ میں مذکور ہے، اس کی طرف رجوع تجھ پر لازم ہے کیونکہ دوسری جگہ ایسی تحقیق نہ پائے گا، سب تعریف اللہ تعالٰی غالب اور بخشنے والے کے لئے ہی ہے۔جب یہ عالی شان بحث روشن ہوگئی تو اب زیرِ نظر مسلہ میں غور کرنا ضروری ہے کہ یہاں لفظ اضافت سے خالی ہیں، اور سائل نے اپنے خط میں خود واضح کیا ہے کہ زید سے یہ کلام ابتداء صادر ہوا ہے جس سے قبل کوئی مذاکرہ طلاق ہندہ کسی نے نہیں کیا، تاکہ یہ شبہہ ہوسکے کہ ہندہ کے بارے میں طلاق کے سوال میں اضافت مذکور ہے جس کے جواب میں یہ کلام ہے

[1] بحر الرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۳

گفت ومی دہم وغیرہ باد ہیچ نیامیخت پس ایں صورت از وجہ دوم اعنی عدم قرینہ مذکورہ باشد کما رأیت النص فی قولہ بعد طلبہا وعدم الظفر بہا سہ ۳طلاق اوبسہ ۳طلاق پس ایں جا قضاءً نیز حکم طلاق راخود گنجائشے نیست لانہ حِ یتوقف علی اقرارہ وزید ھٰھنا أب عنہ کما ذکرہ فی السوال، واگر رنگ ثبوت گیرد کہ زید طلاق می دہم گفتہ بود چناں کہ بکر برد رش دانمود، آنگاہ غایت آنکہ ایں صورت از صور وجہ اوّل باشد فان قولہ مید ہم فان نفی احتمالات اخر کانت لسری الی ماعری عنہ کان یقول سہ طلاق یرید دادنی است او دادن میخواہم اوسہ طلاق راسزاوار است الی غیرذٰلک ممالیس من الایقاع شیئ فلاینفی احتمال ارادۃ غیرہا ولیس باصرح من قولہ لامرأتہ لاتخرجی فانی حلف بالطلاق بل ولامن قولہ لہا اگرتوزن منی یک طلاق دوطلاق سہ طلاق بل الحق ان ھٰذین اللفظین المنصوص علیہما اصرح وقولہ طلاق مید ہم من دون

اور جواب میں سوال کا اعادہ ہونے کی وجہ سے جواب میں اضافت پائی گئی ہے، پھر سائل نے سوال کی ابتداء میں ذکر کیا کہ زید نے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق بغیر ذکر "دیتا ہوں" وغیرہ کہے ہیں، تو اس سے قرینہ نہ ہونے کی دوسری وجہ پائی گئی جیسا کہ اسکی نص پہلے "بیوی بھاگ گئی اور کامیاب نہ ہوا" آپ کو معلوم ہے تو خاوند نے "تین طلاق" یا "تین طلاق کے ساتھ" کہا تھا (اور قرینہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہ ہوئی تھی) لہٰذا یہاں بحکم قضاء بھی طلاق کی گنجائش نہیں ہے، کہ اب طلاق، زید کی اقرار پر موقوف ہوئی جبکہ زید یہاں انکاری ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر یہ ثابت بھی ہوجائے کہ زید نے "میں دیتا ہوں" کہا ہے جیساکہ اس کا بھائی بکر کہہ رہا ہے تو ایسی صورت میں بھی یہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ اس کو پہلی صورتوں سے ایک صورت شمار کیا جائیگا کیونکہ زید کا کہنا "میں دیتا ہوں" اگر دوسرے احتمالات کی نفی بھی کردے تب بھی ان الفاظ کی طرح ہوگا جو "میدہم یعنی میں دیتا ہوں" سے خالی ہیں، جیسے تین طلاق کہنا کہ اس میں "میں نے دی"، "دینا چاہتا ہوں" یا "یہ تین طلاق کے لئے لائق" وغیرہ احتمالات ہیں جو کہ طلاق کو واقع کرنیوالے نہیں ہیں، لہٰذا اس سے دوسرے احتمالات کی نفی نہ ہوگی، اور یہ لفظ بیوی کو کہنا "مت نکل" کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے بلکہ اس کو یہ کہنا "تو اگر میری بیوی ہے ایک طلاق، دوطلاق، تین طلاق" وغیرہ سے زیادہ صریح نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ "طلاق می دہم" سے زیادہ صریح ہیں، اور زید کا اپنی

ذکر جری لامرأته ہندہ ولا من غیرھا پس ایں جانیز حکم طلاق علی الاطلاق نتواں کرد بلکہ اگر زید بقسم گوید کہ بایں سخن ارادہ طلاق زنش نہ کردہ بود مصدق دارند وزن را مطلقہ نشمارند کما قدمنا النصوص علیه ہمچناں قول او بجواب عمرو کہ طلاق دادہ ام نیز از اضافت خالی است در سوال وجواب ہیچ جا ذکر زن نیست پس قضاء حکمش ہماں حکم الفاظ سابقہ است ودیانۃً ازاں ہم آسان تراست کہ طلاق دادہ ہم صریح در اخبار است اگر ایں جا اضافت در نیت داشتہ از اضافت منویہ عاری بود لانہ ح لایکون الا اخبارا کاذبا والاخبار الکاذب لایرد بہ طلاق دیانۃ کما نص علیه فی الخیریۃ وردالمحتار وغیرہما من معتمدات الاسفار، پس در صورت مستفسرہ حکم قضاء آن است کہ اگر ثابت ہماں بمجرد لفظ یک طلاق دوطلاق سہ طلاق بے ضم می دہم است کما مشروح فی اول السوال آنگاہ بازید ہیچ تعرض نہ کنند بعدم ثبوت الطلاق اصلا، واگر بدو شاہد عدل ثبوت نہ پزیرد کہ سہ بار طلاق مید ہم گفتہ بود پس زید را سوگند دہند اگر حلف کرد کہ بایں سخن طلاقِ زن

بیوی ہندہ یا غیر کے ذکر کے بغیر "طلاق می دہم" کہنے پر بھی علی الاطلاق قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، بلکہ اگر زید قسم کھا کر کہہ دے میں نے بیوی کی طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو قاضی کو اس کی تصدیق کرنی ہوگی، اور بیوی کو مطلقہ نہ قرار دے گا، جیسا کہ ہم سابقہ نصوص میں اسے بیان کر آئے ہیں اور یونہی زید کا عمرو کے جواب میں یہ کہنا "طلاق دادہ ام" (میں نے طلاق دی ہے) بھی اضافت سے خالی ہے، لہٰذا قضاءً اس کا حکم بھی سابقہ الفاظ کی طرح ہوگا، اور دیانۃً یہ لفظ پہلے الفاظ سے آسان ہیں کیونکہ "طلاق دادہ ام" صریح خبر ہے اس میں یہاں اگر اضافت کی نیت ہو تب بھی طلاق نہ پڑے گی نیز مذکورہ الفاظ نیت میں اضافت سے خالی ہونے کی بناء پر جھوٹی خبریں قرار پائیں گے جبکہ جھوٹی خبر سے طلاق کا ارادہ دیانۃً درست نہیں ہے جیسا کہ اس پر خیریہ اور ردالمحتار وغیرہما معتبر کتب میں تصریح موجود ہے۔ لہٰذا مسئولہ صورت میں قضاءً حکم یہ ہے کہ اگر صرف یہی الفاظ ہوں ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، ان کے ساتھ "مید ہم" نہ ثابت ہو تو یہ زید سے کسی قسم کا تعرض جائز نہ ہوگا کیونکہ طلاق کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں، اور اگر زید نے ان الفاظ کے ساتھ "مید ہم" کہا ہو تو پھر اگر دو ۲ گواہ عادل ثابت نہ کرسکیں کہ زید نے تین بار "طلاق مید ہم" کہا ہے تو زید سے قسم لی جائے، اگر حلفاً کہہ دے کہ میں نے ان الفاظ سے بیوی کی طلاق

نخواستہ ام راہش گزارندوانش دارند واگر نکول کند بارادہ طلاق معترف شود سہ طلاق رنگ ثبوت یابد۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اقول: وباللہ التوفیق بقی بعد اشیاء فانك ان تتبعت فروع ترك الاضافة وجدتهم ،ربما يقولون لايقع مالم يقل اردتها فهذا يدل على ان الوقوع مشروط بالقول،وربما قالوا يقع مالم يقل اردت غيرها اولم اردطلاقها فهذا يدل على ان عدم الوقوع هو الموقوف حتى لولم يقل ذلك وقع وان لم يقل اردت طلاقها،وربما تراهم يحكمون بالوقوع من دون حاجة الى النية مع ترك الاضافة حيث وجدت فی كلام الخاطب كالمرأة وغيرها وواخرى تراهم ينوون مع وجودالاضافة فی كلام المخاطب،وربما تسمعهم يحكمون بالوقوع مطلقا من دون نية مع عدم الاضافة لافی قوله ولافی قول غيره،وربماينوون فی

مراد نہیں لی، توزید بری ہے اور اس کو امن ہے اور اگر وُہ قسم سے انکار کرے تو وہ طلاق کے ارادہ کا معترف قرار پائے گا اور اس کی بیوی کی تین طلاق ہوجائیں گی۔ واللہ سبحانہ، و تعالٰی اعلم (ت) **اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے۔ت) کچھ امور باقی ہیں، کیونکہ جب آپ فقہاء کرام کی عبارات کو ترک اضافت کے مسائل میں غور سے تلاش کریں تو آپ ان کو کبھی یُوں پائیں گے کہ وُہ کہہ رہے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی جب تک خاوند بیوی مراد لینے کا قول نہ کرے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا وقوع خاوند کے اس قول سے مشروط ہ،اور کبھی وُہ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگی جب تک یہ نہ کہہ دے کہ کسی اور عورت کا ارادہ کیا ہے یا میں نے بیوی کی طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اضافت طلاق کا عدمِ وقوع اس کی مذکور وضاحت پر موقوف ہے،اگر وضاحت نہ کرے تو طالق ہوجائے گی اگرچہ بیوی کی طلاق کا ارادہ نہ بھی ظاہر کرے۔اور کبھی تم دیکھوگے کہ فقہاء کرام ایسی صورت میں طلاق کا حکم دیتے ہیں اور نیت کی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اضافت بھی متروک ہوتی ہے جہاں پر کوئی بیوی یا کسی غیر سے خطاب کررہاہو اور کبھی ان کو اضافت کے باوجود نیت کا متلاشی پاؤگے، جبکہ مخاطب کے کلام میں اضافت پائی جائے اور کبھی آپ سُنیں گے کہ وہ اضافت نہ ہونے کے باوجود نیت نہ ہونے پر وقوعِ طلاق کا

ھذہ الصورة فھذہ اختلافات یتحیرلدیھا من لم یتأمل ولم ینزل کل فرع علٰی ماینبغی ان ینزل۔

و الذی تحصل للعبد الضعیف بتوفیق المولی اللطیف جل وعلا،ان الاضافة لابد منھا ام فی اللفظ واما فی النیة اذلاطلاق الابالایقاع الاباحداث تعلق الطلاق بالمرأة،ولیس ذٰلك الابالاضافة وھذا ضروری لاشك فیه اذ لولاہ لزم الطلاق عل کل من تلفظ بلفظ طلاق او طالق ونحوھما وان لم یرد علی ھذاشیئا اولم یرد طلاق امرأته وھو باطل قطعًا فاشتراط الاضافة حق لامریة فیه،نعم قد توجد الاضافة فی اللفظ فلایحتاج فی الحکم الی النیة وقد لاتوجد فی اللفظ فیحتاج الٰی ظھور النیة۔

اماوجود الاضافة فی اللفظ **فاقول:** علی ثلثة انحاء، الاوّل تحققھا صریحا فی کلام الزوج وھذا الذی ذکر الحلبی والطحاوی امثلته کقوله انت طالق

حکم لگاتے ہیں حالانکہ خاوند یا غیر کے کلام میں اضافت کا کوئی ذکر نہیں ہوتا،اور بعینہٖ اسی صورت میں کبھی وُہ نیّت کی بات کرتے ہیں، تو فقہاء کرام کی عبارات میں یہ اختلافات ہیں جو غور کرنے والے اور ہر مسئلہ کو مناسب محمل پر محمول نہ کرنے والے کے لئے حیرت کا باعث بنتے ہیں۔(ت) اور عبد ضعیف کو اللہ تعالٰی لطف فرمانے والے جلّ وعلا کی توفیق سے جو حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے میں اضافت ضروری ہے لفظوں میں ہو خواہ وُہ نیت میں ہو، کیونکہ طلاق کا وقوع، ایقاع پر موقوف ہے اور ایقاع کا وجود نہیں ہوتا تاوقتیکہ طلاق کو عورت سے متعلق نہ کای جائے،اور یہ چیز ہے جس میں شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرنا اور اس کی طرف اضافت کرنا ضروری نہ ہو تو پھر طلاق یا طالق کا تلفظ کرنے والے ہر شخص کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے اگرچہ وُہ اس پر کسی چیز کا ارادہ نہ کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا لہٰذا طلاق کے وقوع کے لئے نسبت اور اضافت کے شرط ہونے میں کوئی شک نہیں، ہاں اضافت کبھی لفظوں میں موجود ہوتی ہے تو اس وقت حکم کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی لفظوں میں اضافت نہیں ہوتی اس وقت نیت کو ظاہر کی حاجت ہوتی ہے۔(ت) (یا میں اضافت کا موجود ہونا **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) یہ تین طرح ہوتی ہے: اوّل، یہ کہ خاوند کی کلام میں صراحۃً پائی جائے وہ یہ کہ جس کی مثال علامہ حلبی اور طحاوی نے یہ ذکر کی ہیں، مثلاً تو طلاق

او طلقتك او هذه او زينب اوبنت زيد او ام عمرو اواخت بكر او امرأتى طالق.الثانى ٢ تحققها فيه لاجل كونه جوابا كلام تحققت فيه فتحقق فى الجواب ايضا لان السوال معاد فى الجواب وهذا مافى الهندية عن الخلاصة قالت طلاق بدست تو است، مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق می کنم وکرر ثلثا طلقت ثلثا[1] اهـ وفيها عن الذخيرة سئل شمس الائمة الاوزجندى عن امرأة قالت لزوجها لوكان الطلاق بيدى لطلقت نفسى الف تطليقة فقال الزوج من نيز ہزار دادم ولم يقل دادم ترا قال يقع الطلاق[2] اهـ وفيها عن العمادية زن را گفت ترا طلاق دادم، مردماں ملامت کردند، گفت دیگر دادم نہ گفت ویرا ونہ گفت طلاق، قال يقع اذا كان فى العدة[3] اهـ وفيها عن الخانية دخلت عليه ام امرأته فقالت طلقها ولم تحفظ حق ابيها وعاتبته فى ذلك فقال الزوج هذه ثانية او هذه ثالثة

والی ہے، میں تجھے طلاق دی، (بیوی کو اشارہ کرتے ہوئے) اس کو، نام لے کر، زینب کو، زید بیٹی کو، عمرو کی ماں، بکر کی بہن کو، میری بیوی کو، طلاق دوسری دوسری صورت، یہ کہ طلاق الفاظ کسی ایسی کلام کے جواب میں ذکر کیے جائیں جس میں اضافت مذکور تھی تو اس وجہ سے وہ اضافت جوابًا طلاق کے الفاظ میں بھی متحقق ہوگی، کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے، اس کی مثالیں ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہیں، مثلًا بیوی کہے "طلاق تیرے ہاتھ میں ہے مجھے طلاق دے۔" تو جواب میں خاوند کہے "میں نے طلاق دی" تین دفعہ تکرار کیا تو تین طلاقیں بیوی کو پڑیں گی اھ (ت) اور ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ اوزجندی سے سوال ہوا کہ عورت کہے اگر طلاق میرے ہاتھ میں ہوتی تو اپنے ہزار طلاق دے دیتی، اس کے جواب میں خاوند نے کہا میں بھی ہزار دے دیں، یہ نہ کہا کہ تجھے دے دیں، تو شمس الائمہ نے جواب دیا کہ طلاق ہوجائے گی، اور ہندیہ میں عمادیہ سے منقول ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، اس پر لوگوں نے ملامت کی، تو خاوند نے کہا میں نے دوسری دی، اس میں نہ تو بیوی کی طرف نسبت کی اور نہ ہی لفظِ طلاق کہا، تو شمس الائمہ نے فرمایا یہ دوسری بھی ہوگئی اگر بیوی عدّت میں ہو اھ، ہندیہ میں خانیہ سے منقول، کہ خاوند کے پاس بیوی کی ماں داخل ہوئی اور کہا کہہ تو نے بیوی کو طلاق دے دی تو نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

تقی اخری ولوعاتبته ولم تذکر الطلاق فقال ھذہ المقالۃ لاتقع الزیادۃ الابالنیۃ[1] اھ وفی جامع الفصولین برمز فشین لفوائد شیخ الاسلام برھان الدین قال تربیك طلاق فلاموگفت دیگر دادم یقع آخر لانہ جواب لذلك وبناء علیہ[2] اھ قلت یعنی اذا ذکروا فی الملامۃ طلاق المرأۃ کی یکون معادا فی الجواب والا لم یقع بدون نیۃ کما سمعت من الخانیۃ وانما لم یذکرہ فشین لان العادۃ ذکر مالیم علیہ فی الملامۃ کمالایخفی۔	اس کے باپ کے حق کا بھی پاس نہ کیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے خاوند کو ملامت کررہی تھی تو خاوند نے کہا یہ دوسری یا یہ تیسری ہے، تو یہ بھی واقع ہوجائیگی اور ملامت کرتے ہوئے اگر لفظ طلاق کو ذکر نہ کیا ہو اور خاوند واقع نہ ہوگی اھ۔اور جامع الفصولین میں فشین کی رمز سے بیان کیا، فشین کا اشارہ فوائد شیخ الاسلام بُرہان الدین کی طرف ہے، خاوند نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق، لوگوں نے اس کو ملامت کی، اس نے کہا اور میں نے دوسری دی، دوسری واقع ہوجائے گی، کیونکہ یہ جواب کے طور اور پہلی طلاق پر مبنی ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) یعنی یہ تب ہے جب لوگوں نے ملامت میں عورت کی طلاق ذکر کی ہو تاکہ جواب میں اس کا اعادہ ہو ورنہ نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، جیساکہ آپ نے خانیہ سے سُنا ہے، اس بات کو فشین نے اس لئے ذکر نہ کیا کہ عادۃً جس چیز ملامت کی جاتی وُہ ملامت میں مذکور ہوتی ہے، جیساکہ مخفی نہیں ہے۔(ت)
فان قلت! لیس فی الھندیہ عن الذخیرۃ سئل نجم الدین عمن قالت لہ امرأتہ مرا برگ باتو باشیدن نیست مرا طلاق دہ فقال الزوج چوں تروئے طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم ووافقہ فی ھذا الجواب بعض الائمۃ[3] اھ وفیھا عن المحیط سئل	**اگر تو اعتراض کرے** کہ کیا ہندیہ میں ذخیرہ سے یہ نہیں ہے کہ نجم الدین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کو اس کی بیوی نے کہا کہ میرا تیرے ساتھ گزارہ نہیں ہے مجھے طلاق دے، تو اس کے خاوند نے کہا تیرے منہ جیسی کو طلاق دی ہوئی ہے۔اور پھر کہتا ہے میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی تصدیق کی جائے گی، تو نجم الدین نے فرمایا ہاں۔اور بعض ائمہ نے اس بات میں نجم الدین کی موافقت

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق الصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثانی والعشرون فی مسائل الخلع الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۷

نجم الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته أتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیة اگر تو زن منی یك طلاق دو طلاق سه طلاق قومی اخرجی من عندی وھو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله [1] اھ ومثله فی الخانیة معللاً بانه لم یضف الطلاق الیھا [2] اھ فلم یحکموا بالوقوع مع وجود الاضافة فی کلامھا امافی فرع الامام نجم الدین فظاھر۔واما فی فرع الفقیه ابی نصروالخانیة فلان قولھا نعم کان جوابا لقوله اتریدین ان اطلقك فکانھا قالت اریدان تطلقنی،**قلت** وبالله التوفیق المخاطب اذا اتی فی کلامه بکلام اجنبی عن الجواب یخرج عن کونه جوابًا ویصیر کلامًا مبتداء ففی المسئلتین انما کان جواب قولھا ان یقول طلاق دادہ شد اویك طلاق ودو طلاق وسه طلاق ولو اقتصر علی ھذا	کی ہے اھ اور اسی میں محیط سے مروی ہے کہ شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے ایک نشے والے کے بارے میں سوال ہوا جس نے بیوی کو کہا کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں؟ بیوی نے کہا ہاں چاہتی ہوں۔تو اس خاوند نے بالفاظ فارسی یوں کہا اگر تو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، میرے پاس سے اُٹھ اور نکل جا۔اب خاوند کا خیال ہے کہ میں نے اس بات سے طلاق مراد نہیں لی، تو خاوند کی بات مقبول ہوگی اھ کہا اس لئے کہ خاوند نے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب نہیں کیا اھ تو ان مذکورہ واقعات میں ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہیں کیا حالانکہ تمام میں بیوی کے کلام میں اضافت موجود ہے۔نجم الدین کے مسئلہ میں تو ظاہر ہے لیکن فقیہ ابونصر اور خانیہ کے مسئلہ میں تو ظاہر ہے لیکن فقیہ ابو نصر اور خانیہ کے مسئلوں میں اس لئے کہ بیوی نے جب ہاں کہا تو یہ خاوند کی بات "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں" کا جواب ہے تو گویا بیوی نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے طلاق دے، (لہذا ان مسائل میں بیوی کے کلام میں اضافت مذکور ہوئی اس کے باوجود کہ خاوند کے جواب میں اضافت معتبر ہے ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہ دیا) **قلت وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے) کہ مخاطب شخص اپنے کلام میں جواب سے

[1] الفتاوی الهندیة الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

[2] الفتاوی القاضیخان باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۹

الحکم بالوقوع من دون الحاجۃ الی نیۃ کماکان فی الفروع المتقدمۃ التی تلونا لکنہ لما زاد قولہ چوں تو روئے اوقولہ اگرتو زن منی،لم یبق جوابا وصار کلامًا مبتدأفلم تسر اضافۃ السوال الیہ وقد نص علی ھذاالاصل العلماء کمالایخفی علی من خدم کلماتھم من ذٰلک عن الذخیرۃ قال لہ تغد معی قال واللہ لاتغدّی فذھب الٰی بیتہ وتغدّی مع اھلہ لایحنث لان قولہ خرج جوابالسوال المخاطب وامکن جعلہ جوابالانہ لم یزد علی حرف الجواب بخلاف مالوقال واللہ لاتغدی معك لانہ زاد علی حرف الجواب ومع الزیادۃ علیہ لایمکن ان یجعل جوابا[1] اھملخصًا۔	اجنبی کوئی بات کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ نیا کلام متصور ہوتا ہے،تو مذکورہ دونوں مسئلوں میں جواب صرف اتنا تھا طلاق دی گئی یا ایک طلاق،دو طلاق، تین طلاق،اگر خاوند جواب میں اتنی بات ہی کہتا تو طلاق کے واقع ہونے کا حکم ہوتا اور نیت کی ضرورت نہ ہوتی، جیسا کہ پہلے گزرے مسائل میں اس کو ہم نے بیان کیا ہے۔لیکن جب ان دونوں مسئلوں میں خاوند نے، پہلے میں "جب توجائے"اور دوسرے میں "اگر تُومیری عورت ہو"جواب سے زائد کردئے تو یہ بیوی کو جواب نہ ہوا بلکہ نیا کلام بن گیا جس سے سوال والی اضافت ختم ہوگئی۔اس قاعدہ کی علماء نے تصریح کی ہے۔یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں جو علماء کے کلام کا خادم ہے۔اسی قاعدہ پر ذخیرہ سے منقول ہے،ایک شخص نے دوسرے کو کہاآؤ میرے ساتھ ناشتہ کرو تو دوسرے نے جواب میں کہاخدا کی قسم میں ناشتہ نہیں کروں گا،یہ کہہ کر وُہ اسی شخص کے گھر جا کر اس کے گھر والوں کے ساتھ ناشتہ کرتا ہے،تو قسم سوال کو جواب بنانا بھی ممکن ہے کیونکہ اس نے جواب پر کوئی حرف زیادہ نہیں کیا اس کے برخلاف اگر ہو مستقل زائد کلام کرتے ہوئے یہ کہتا خدا کی قسم میں تجھ سے ناشتہ نہ کروں گا،تو پھر صرف جواب ہونا ممکن نہیں(لیکن یہاں صرف ناشتہ نہ کروں گا، کہا جو کہ صرف جواب کے طور پھر درست ہو سکتا ہے)اھ ملخصًا(ت)
فان قلت ماالجواب عن فرع الھندیۃ عن الخلاصۃ لوقالت طلقنی فضربھا وقال لھا اینك طلاق لایقع ولو قال اینك طلاق یقع[2] اھفقد کانت	اس پر **اگر تیرا اعتراض ہو** کہ ہندیہ میں خلاصہ سے منقول مسئلہ کے بارے میں کیا جواب ہوگا جس میں عورت نے کہا مجھے طلاق دے تو خاوند نے اس کو مارا اور کہا یہ طلاق ہے،تو طلاق نہ ہوگی،اور اگر

[1] ردالمحتار بحوالہ ذخرہ کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۵

[2] الفتاوی الھندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

الاضافۃ موجودۃ فی السوال وھو لم یزد فی الجواب شیئا حتی یجعل کلامًا مبتدأ۔	یُوں کہا یہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہو جائے گی اھ، تو اس مسئلہ میں عورت کے سوال میں اضافت موجود ہے اور خاوند نے جواب میں کوئی زائد حرف ذکر نہیں کی، جس کو نیا مستقل کلام تصور کیا جائے۔ (ت)
قلت لما اخذیضربھا بعد قولھاطلقنی اورث ذٰلك احتمالًا فی کونہ جوابًا وقال اینك طلاق می خواہی بل الظاہر من الضرب ھو الرد دون الجواب فان الجواب الجواب بمعنی قولھم یحتمل السؤل وقبول المامول وھذا معنی قولھم یحتمل جوابًا وسبًّا او جوابًا وردًّا او جوابًا محضًا۔ فاذا وقع الاحتمال لم یتیقن بکونہ جوابا حتی یحکم بسرایۃ اضافۃ السوال الیہ فمعنی قولہ لایقع ای مالم ینو وقولہ یقع ای وان لم ینولوجود الاضافۃ حِ فی نفس الکلام۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) جب خاوند نے طلاق کے مطالبہ پر بیوی کو مارنا شروع کیا تو اس وجہ سے یہ احتمال پیدا ہو گیا کہ یہ جواب ہے یا جواب میں رد کی کاروائی ہے۔ تو بیوی کے سوال پر مارنا ناراضگی کے طور پر مار کر کہا تو یہ طلاق چاہتی ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ مارنا ردّ ہے جواب نہیں ہے کیونکہ جواب کا معنی مسئول کا جواب دینا، اور سائل کی امید کو پورا کرنا، دونوں میں استعمال ہوتا ہے، فقہاء کے قول کہ "یہاں جواب اور گالی، یا جواب اور رَد یا محض جواب کا احتمال ہے" کا یہی مطلب ہے (یعنی جواب کے طور پر گالی یا رَد یا محض جواب (سائل کی امید کو پورا کرنا ہے) تو جب خاوند کی طرف سے کارروائی میں احتمال پیدا ہو گیا تو اب محض جواب ہونے کا یقین نہ رہا تاکہ سوال میں مذکور اضافت، جواب میں پائی جائے، تو مسئلہ میں "اینک طلاق" کے ساتھ خلاصہ میں "لایقع" (طلاق واقع نہ ہوگی) کا معنٰی یہ ہے یعنی جب تک نیتِ طلاق نہیں ہے اور "اینک طلاق" کے ساتھ "یقع" (طلاق ہو جائے گی) کا معنٰی یہ یعنی اگرچہ نیت نہ بھی ہو کیونکہ لفظوں میں اب اضافت موجود ہے۔ (ت)
الثالث ان لایشتمل کلامہ علی الاضافۃ ولایکون خرج مخرج الجواب لکن یکون اللفظ خصّہ العرف بتطلیق امرأۃ فحیث یطلق یفھم منہ ایقاع الطلاق علی المرأۃ کقولھم الطلاق یلزمنی و	لفظی اضافت کی تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند کے کلام میں اضافت کی تیسری مذکور نہ ہو، اور نہ ہی اس کا کلام جواب کے طور پر ہو، لیکن عرف میں اس لفظ کو بیوی کو طلاق دینے کے لئے مختص کر دیا گیا ہو کہ جب دینا ہی سمجھا جائے۔ مثلًا کوئی کہے "طلاق مجھ پر لازم ہوگی"

الحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فانه کما قال فی ردالمحتار صارفاشیا فی العرف فی استعماله فی الطلاق لایعرفون من صیغ الطلاق غیرہ ولایحلف به الا الرجل فھھناوان لم تذکر الاضافة لفظا لکنھا ثابتة عرفا ولامعھود عرفا کالموجود لفظا فمن ھٰھنا وجدت الاضافة فی اللفظ وحکم بالوقوع من دون نیة فھذہ صورتحقق الاضافة فی اللفظ.اما اذ خلاعنھا بوجوھھا الثلثة فح لابد من وجودھا فی النیة فان نوی وقع والالا وھذا ماقال فی الھندیة عن المحیط لایقع فی جنس الاضافة اذا لم ینولعدم الاضافة الیھا[1] اھھذافیمابینه وبین ربه تعالٰی۔

اما قضاء فتنقسم ھذا الصورة الی قسمین الاوّل ان توجد ھٰھنا قرینة یستأنس بھا علی تحقق النیة ویکون ھوالاظھرفی المقام فح یحکم بالوقوع مالم یقل انی لم اردھافان قاله فلا یصدق

یا "حرام مجھ پر لازم ہوگا" یا "مجھ پر طلاق ہے" یا "مجھ پر حرام ہے" جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق دینے کے لئے استعمال میں مشہور ہوچکے ہیں حتی کہ عرف والے طلاق کے لئے دوسرے الفاظ سے واقف نہیں، اور ان الفاظ کو صرف مرد ہی طلاق کی قسم کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر اگرا گرچہ لفظوں میں اضافت مذکور نہیں، لیکن عرفاً اضافت ثابت ہے، اور عرفاً جو چیز معلوم ہو وہ ایسے ہی معتبر ہے جیسے لفظوں میں مذکور چیز ہوتی ہے تو یہاں اضافت پائی گئی تو وقوع طلاق کا حکم نیت کے بغیر کردیا جائے گا، یہ لفظوں میں اضافت پائے جانے کی صورتیں ہیں، لیکن جب کوئی کلام ان تین صورتوں کی اضافت سے خالی ہو تو پھر اضافت کا نیت میں پایا جانا ضروری ہے۔ اگر نیت کرے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ ہندیہ نے محیط سے نقل میں جو یہ کہا کہ اضافت نہ پائی جائے گی اھ کا مطلب یہی ہے۔ یہ نیت کا معاملہ خاوند اور اس کے رب تعالٰی کے درمیان ہے۔ یعنی دیانۃً یہ حکم ہے۔ (ت)

لیکن نیّت میں اضافت کا قضاءً حکم دو۲ قسم پر ہے: اوّل یہ ہے کہ ایسی صورت کہ جہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس سے محسوس کیا جائے کہ خاوند نے اضافت کی نیت کی ہے، اور یہ مقام کے لحاظ سے واضح ہوسکے، تو ایسے مقام پر طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ

[1] فتاوٰیہ ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

الا بالیمین فان حلف صدق لکونه امینا فی الاخبار عما فی نفسه وقداتی بمایحتمله کلامه وھذاماقال فی الھندیة عن خلاصة الفتاوٰی رجل قال لامرأته اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاءلایقع اذاقال لم انو الطلاق لانه لما حذف لم یکن مضیفا الیھا[1] اھ فان الاضافة وان عدمت بوجوھا الثلثة لکن التعلیق علٰی قوله "اگر تو زن منی" یفید تبادر ارادة طلاق المرأة فیتوقف انتفاء الوقوع علی نفیه النیة ولایتوقف الوقوع علی اقراره بھا، وعلم منھا الفرعان المار ان عن الامام نجم الدین وعن شیخ الاسلام ابی نصرفانھا وان خرجا عن تحقق الاضافة لخروج الکلام عن الاجابة لکن الذی جری بینھما مع قوله فی الشرط "چوں تو روئے" واگر تو زن منی یفید ماذکرنا فلذا توقف عدم الوقوع علٰی ادعائه عدم	میں نے بیوی کا ارادہ نہیں کیا اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو اس سے قسم لی جائے گی اور قسم کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اگر اس نے قسم دے دی تو پھر اس کی تصدیق کردی جائے گی اور طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اپنی نیت کے متعلق خبر دینے میں سے امین تصوّر کیا جائے گا جبکہ اس نے کلام بھی ایسی کی ہے جس میں گنجائش ہے، یہی وُہ صورت ہے جس کو ہندیہ میں خلاصۃ الفتاوٰی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر تو میری بیوی ہے تین طلاق، نسبت کی یاء کو طلاق سے حذف کرکے کہا تو اس وقت طلاق نہ ہوگی جب وہ یہ کہے کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت نہیں کی ہے، کیونکہ جب اضافت حذف ہے تو طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ ہوئی اھ، کیونکہ اگرچہ اضافت تینوں لفظی طریقوں سے نہ پائی گئی لیکن خاوند نے "اگر تُو میری بیوی ہے" سے تعلیق کی ہے جس سے فہم میں یہی آتا کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق کہی ہے، اس لئے طلاق کا عدمِ وقوع خاوند کی وضاحت پر موقوف ہوگا کہ میں نے نیّت نہیں کی، لیکن اس مسئلہ میں طلاق کا وقوع خاوند کے اقرار نیت پر موقوف ہوجائے گی نہ ہوگا (بلکہ نفی نہ ہونے پر خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی) تو اس بحث سے امام نجم الدین اور شیخ الاسلام ابو نصر کے مذکورہ دونوں مسئلے واضح معلوم ہوگئے، کیونکہ یہ دونوں مسئلے اگرچہ اضافت سے خالی ہیں اس لئے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

النية ومنه فرع البزازيه والخانية قال لها لاتخرجي الاباذني فاني حلفت بالطلاق فخرجت لايقع لعدم ذكره حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له[1] اھ وذٰلك كما افاد الشامي ان العادة ان من له امرأة انما يحلف بطلاقها لابطلاق غيرها فقوله اني حلفت بالطلاق ينصرف اليها مالم يرد غيرها لانه يحتمله كلامه[2] اھ ومنه فرع القنية عن الامام برهان الدين محمود صاحب المحيط، رجل دعته جماعته الى شرب الخمر فقال اني حلفت بالطلاق اني لااشرب وكان كاذبا فيه ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفة لايطلق[3] اھ فقول البزازية لايقع ديانة ان لم ينوقضاءً ايضا ان قال لم انو بدليل قول قوله فالقول له، وقول البرهان طلقت اي قضاءً مالم يقل اني لم اردها كما قال الشامي انه يمكن حمله على ما اذا لم يقل اني اردت الحلف بطلاق غيرها فلايخاف في البزازية[4] اھ وقول صاحب التحفة لايطلق

یہ دونوں جواب میں نہیں ہیں، لیکن خاوند بیوی میں جو گفتگو ہے اس میں خاوند نے شرط کے الفاظ کہے "تیری منہ جیسی کو" اور دوسرے میں "اگر تو میری بیوی ہے" یہ گفتگو ہمارے بیان کے مطابق فائدہ دے رہی ہے، اس لئے ان میں طلاق نہ ہونا خاوند کی طرف سے نیت نہ ہونے کے بیان پر موقوف ہوگا، اور اسی قبیل سے بزازیہ اور خانیہ کے بیان کردہ دونوں مسئلے ہیں کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ "میری اجازت کے بغیر مت جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" بیوی باہر نکل گئی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند نے قسم میں بیوی کی طلاق کو ذکر نہ کیا جس کی وجہ سے کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال ہوسکتا ہے تو اس لئے خاوند کی بات قابل قبول ہوگی اھ اس کو علامہ شامی نے یوں بیان کیا ہے کہ عادت یہ ہے کہ جس کی بیوی ہو وہ اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے نہ کہ غیر کی طلاق کے لئے، اس لئے خاوند کا کہنا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، بیوی کی طرف ہی منسوب ہوگی تاوقتیکہ غیر بیوی کو مراد لینا بیان نہ کرے، کیونکہ بیوی کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے غیر کا بھی احتمال ہے اھ اسی ضابطہ کے تحت

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[2] ردالمحتار باب الصریح کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[3] القنیۃ کتاب الایمان المطبعۃ المشھرۃ النہانندیۃ ص۱۱۵، ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹

[4] ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

دیانۃ ظاہر لان الاخبار انما کان کاذبًا اما قولی انما یصدقہ بالیمین فلما صرحوا بہ من انہ حیث یکون القول لہ فانما یصدق بالیمین کماصرح بہ فی التبیین وغیرہ[1]۔	قنیہ میں ذکر کردہ امام برہان الدین محمود صاحب محیط کا بیان کردہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کو چند لوگوں نے شراب پینے کی دعوت دی تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے اس لئے میں شراب نہیں پیوں گا تحفہ نے کہا کہ دیانۃً طلاق نہ ہوگی اھ۔ان مذکورہ تینوں حضرات کے مسائل میں بزازیہ کا یہ کہنا کہ "نہ واقع ہوگی" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیّت نہ کی ہو تو دیانۃً نہ ہوگی،اور اس نے اپنے بیان میں کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کا ارادہ نہیں کیا۔علامہ شامی نے فرمایا کہ اس بات کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ میں نے کسی دوسری عورت کی طلاق کی قسم کھائی ہے،لہٰذا یہ صورت خاوند کی قسم والی خبر جھوٹی ہے،باقی میرا یہ کہنا کہ خاوند کی تصدیق اس کے حلف پر کی جائے گی کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جہاں وُہ کہتے ہیں کہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی وہاں وہ قسم لے کر تصدیق مراد لیتے ہیں جس کی تصریح کی ہے جہاں وُہ کہتے ہیں کہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی وہاں وہ قسم لے کر تصدیق مراد لیتے ہیں جس کی تصریح تبیین وغیرہا میں موجود ہے۔(ت)
الثانی ان لاتکون ھنا قرینۃ ذٰلک وح یتوقف الوقوع علی اخبار بالنیۃ فان اقرّوقع والا لا اذلا سبیل الی الحکم بالوقوع بالشك وھذا ماقال فی الھندیۃ عن الخلاصۃ سکران ھربت منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھافقال بالفارسیۃ بسہ طلاق ان قال	دوسری قسم یہ ہے کہ وہاں یہ قرینہ پایا جائے،تو وہاں طلاق کا واقع ہونا خاوند کے اس بیان پر موقوف ہوگا کہ میں نے بیوی کی نیت کی ہے لہٰذا وہاں نیت میں بیوی مراد لینے کا اقرار ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں،کیونکہ محض شک کی بنا پر طلاق کے حکم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔اس قسم کی صورت وُہ ہے جس کو ہندیہ نے خلاصہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کسی نشے والے بیوی بھاگ گئی تو اس نے تعاقب کیا

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

عنیت امرأتي يقع وان لم يقل شيئا لا يقع اھ[1] وفي مجموعة انقروی عن البزازية فرت ولم يظفر بها فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتي يقع والالا[2] اھ وقال في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت فقال امرأتي طلقت امرأته[3] اھ فقد الوقوع على اقراره انه عنی امرأته۔	اور وُہ کامیاب نہ ہوا تو اس نے کہا فارسی میں "سہ طلاق" (تین طلاق کے ساتھ) تو اس صورت میں اگر وہ نشے والا کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی مراد لے کر کہا ہے تو طلاق ہوگی اور اگر کچھ بھی بیان نہ کیا تو طلاق نہ ہوگی اور اگر کچھ بھی بیان نہ کیا تو طلاق نہ وگی اھ اور یوں ہی مجموعہ انقرویہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ بیوی بھاگی اور وُہ کامیاب نہ ہوا تو کہہ دیا" تین طلاق"۔اس پر خاوند نشے والا یہ کہے کہ میں نے بیوی کے ارادے سے کہا ہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں اھ۔اور بحر میں ہے کہ ایک شخص نے "طالق" کہا،پُوچھا تو نے کس کو کہا ہے؟ تو اس نے کہا اپنی بیوی کو، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، یہاں پر انہوں نے طلاق کے وقوع کو اقرار سے معلّق کیا ہے کہ وُہ یہ کہے کہ میں نے بیوی مراد لی ہے۔ (ت)
فان قلت ماالفرق بين هذه الفروع وبين قوله حلفت بالطلاق فان الرجل كما لايحلف عادة الا بطلاق امرأتها كذٰلك لايقول سه طلاق او طالق الا لها فكان ينبغي الوقوع مالم يقل لم اعنها۔قلت الفرق بين فان ارادة الحلف بالطلاق متحققة بصريح قوله حلفت.فيحمل على الظاہر المعتاد مالم يصرف	**فان قلت** (اگر اعتراض ہو کہ) ان مذکورہ مسائل جن میں وقوعِ طلاق کے لئے تصریح ضروری ہے اور اس مسئلہ میں کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ "میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" میں کیا فرق ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا کسی دوسری عورت کے طلاق کی نہیں، یونہی کوئی بھی "تین طلاق" یا "طالق" بھی اپنی بیوی کے لئے ہی استعمال کرتا ہے مناسب تھا کہ وقوع ہی مراد ہو جب تک وُہ یہ نہ کہے میں نے اپنی بیوی مراد نہیں لی (پھر کیا وجہ کہ حلف والی صورت ہیں طلاق ہونا ظاہر ہے اور دوسری یعنی سہ طلاق یا صرف طالق والی صورت میں طلاق نہ ہونا ظاہر ہے)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی انقروی مایقع الطلاق ومالا یقع بہ دارالاشاعت العربیہ قندھار ۱/۷۴

[3] بحرالرائق باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

اماھٰھنا فارادۃ الایقاع غیر متحققۃ ولعل فی نفسہ سہ طلاق دادنش بایر ادسہ طلاق راسزا وارست واما ھو جالس فی بیتہ فابتدأیتلفظ بلفظ طالق فکیف یجوز الحکم بانہ ارادبہ ایقاع الطلاق علی امرأتہ ولیس فی حال ولاقال دلیل علیہ فوجب التوقیف علی اجارہ عمافی نفسہ' ھذاکلہ مافاض اجارہ عمافی نفسہ' ھذاکلہ مافاض علی قلب العبدالذلیل من بحار فیوض الرب الجلیل فقد التأمت الفروع جمیعا وارتفع الاضطراب ونزل کل فرع منزلہ من الصواب والحمدللہ رب العالمین۔	**قلت** (میں کہتا ہوں کہ) فرق واضح ہے کہ کیونکہ پہلی صورت "میں نے قسم کھائی ہے طلاق کی" میں تصریح ہے، میں نے قسم کھائی، تو اس کو عام فہم معنٰی پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی مخالف وضاحت نہ پائی جائے، اور یہاں یعنی تین طلاق یا "طالق" کیا صورت ہیں طلاق کو واقع کرنے کا ارادہ متحقق نہیں کیونکہ ہوسکتا ہ کہ اس کو تین طلاق دینے سے اس کی مراد یہ ہو کہ تین طلاق کے قابل ہے، لیکن ایک شخص گھر بیٹھے صرف لفظ "طالق" سے بات کی ابتداء کرتا ہے اور طلاق کو واقع کرلے کا کوئی حال یا کوئی بات قرینہ نہ ہو جو دلیل بن سکے تو بلاوجہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے اس لئے ایسی صورت میں اپنے دل کی بات واضح کرنے پر حکم موقوف رہے گا۔ یہ تمام بحث بندہ ناچیز کے دل پر رب جلیل کے فیوضات کے سمندر سے وارد ہوئی ہے، تو اس سے تمام صورتیں آپس میں موافق ہوگئیں اور اضطراب ختم ہوگیا، اور ہر مسئلہ اپنے صحیح مقام پر منطبق ہوگیا الحمدللہ رب العالمین۔ (ت)
نعم بقی ھھنا فرع فی الھندیۃ عن الخلاصۃ لاقالت گراں بخریدی بعیب بازدہ فقال بعیب بازدادمت ونوی یقع بہ الطلاق ولو قال بہ عیب بازدادم بغیر التاء لایقع وان نوی [1] اھ فان الفصل الاخیر منہ من القسم الاخیر الذی ذکرنا فکان ینبغی علی ما اصلنا لایقع دیانۃ مالم ینوولاقضاء	**ہاں** یہاں ہندیہ کا خلاصہ سے منقول ایک مسئلہ رہ گیا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کی وجہ سے واپس کردے، تو جواب میں خاوند نے کہا عیب کی بناء پر میں نے تجھے واپس کیا، طلاق کی نیت س کہا تو خاوند کے اس قول سے طلاق ہوجائے گی، اور اگر خاوند نے جواب میں صرف یہ کہا میں نے عیب کی بناپر واپس کیا، بیوی کو خطاب کے بغیر کہا، تو طلاق کی نیت ہو کہ تو بھی طلاق نہ ہوگی اھ یقینا اس مسئلہ میں جواب

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳۸۲/۱

مالم یخبر عن نیۃ الطلاق لان لایقع وان نوی فانہ یفید انہ بدون التاء لیس من الفاظ الطلاق اصلا کقولہ لاحاجۃ لی فیك ولارغبۃ اولااشتیك وامثال ذٰلك وھو کما تری مشکل فلع المعنی ان اللفظ من الکنایات وھو مع التاء ایضا محتاج الی النیۃ کما لایخفی فاذاعدم التاء احتاج نیتین نیۃ الطلاق ونیۃ الاضافۃ ولاشك ان احدھمالاتکفی فقولہ قال بعیب بازدامت ونوی لیس معناہ الیھا لاجل کون اللفظ من الکنایات فھی المرادۃ ایضامن قرینۃ اعنی قولہ فی الفصل الاخیروان نوی ای لوقال بغیر التاء لایقع وان نوی باللفظ الطلاق لخلوہ عن الاضافۃ فیحتاج بعد الی شیئ اُخروھی نیۃ الاضافۃ فافھم وتأمل لعل اللہ یحدث بعد ذٰلك امرا۔ھذاوبما تقرر تحرر ان لااعتراض علی الفاضل

کی دُوسری صورت ہمارے پہلے ذکر کردہ آخری مسئلہ کی صورت سے متعلق ہے تو ہمارے بیان کردہ ضابطہ کے تحت جب تک نیت نہ کریگا دیانۃً طلاق نہ ہوگی اور قضاءً بھی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک طلاق کی نیت سے مطلع نہ کرے اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خطاب کے بغیر نیّت کے باوجود، طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس سے تو لازم آئے گا کہ خطاب کے بغیر "عیب کی بناپر واپس کیا" یہ الفاظ طلاق میں سے ہی نہ ہوا جیسے "تیری مجھے حاجت نہیں" اور رغبت نہیں یا تجھ سے شوق نہیں رکھتا وغیرہ الفاظ طلاق کے لئے نہیں ہیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات مشکل ہے۔ تو اس کا حل یوں ممکن ہے کہ "تجھے عیب کی بناء پر واپس کیا" بیوی کے جواب میں خطاب کرکے کہا ہو تو یہ ایسا کنایہ ہے جس مین ایک نیت کی ضرورت ہے، اور اگر بغیر خطاب کہا تو دو نیتوں کی ضرورت ہے، ایک نیتِ طلاق دوسری نیتِ اضافت، اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی صورت میں ایک نیت کافی نہیں، تو خاوند کا یہ کہنا "میں نے تجھے عیب کی بناپر واپس کیا" اور نیت کی تو وُہ طلاق کی نیت ہوگی جس کی ضرورت تھی کیونکہ یہ لفظ، طلاق سے کنایہ ہے تو نیت سے مراد، طلاق کی نیت ہے نیز اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ مسئلہ کی دوسری صورت یعنی بغیر خطاب کہا ہو تو وہاں یہ کہا گیا ہے طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ خطاب کے بغیر یہ صورت اضافت سے خالی ہے، لہٰذا اس کے بعد ایک دوسری شیئ کی احتیاجی ہوگی اور وہ اضافت کی نیت ہے (یعنی نیّت اضافت کا محتاج ہوگا) پس

الشارح ولاعلی العلامة البحر رحمة اللہ علیه فانهما اتیابعین مافی الوجیز والخانیة فانهما ایضا نصا علی عدم الوقوع وعللا بترك الاضافة' فکما وجب حمل کلامهما علی ماتقدم کذالك یحمل علیه کلام هذین الفاضلین، بیدان الامامین اتیابعده بما اوضح المراد من قولهما ان القول قوله والفاضلین اقتصرا علی ذٰلك فبقی کلامهما علی الایهام. ولیس فی کلامهما ان الاضافة الصریحة اللفظیة شرط للوقوع حتی یتوجه علیه بقیة کلام الفاضل المحشی رحمه اللہ تعالٰی نعم علل الفاضلان الشارحان الحلبی و الطحاوی بان الاضافة شرط حق فی نفسه کما قررنا و لکن لایصح ح الجزم بعدم الوجد ان فان الشرط مطلق الاضافة نصًا اوعرفًا اوجوابًا والمفقود جزما هی الاضافة اللفظیة المنصوصة ولیست بشرط فالاخذان کان فعلی المحشیین دون الفاضلین العلامتین۔ اللّٰهم الافی ترك الایضاح کما علمت، هکذا ینبغی تحقیق المقام واللہ ولی الفضل والانعام۔

سمجھو اور غور کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی سبیل پیدا فرمادے، اسے مضبوط رکھو۔ اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ فاضل علامہ بحر رحمہما اللہ تعالٰی پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ اُنہوں نے وہی کچھ کہا جو وجیز اور خانیہ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ ان (وجیز وخانیہ) دونوں نے مذکورہ میں یہ طلاق نہ واقع ہونے کی تصریح کی اور اس کی وجہ ترک اضافت کو قرار دیا، تو جس طرح وجیز اور خانیہ کی عبارت کو مذکورہ معنٰی پر محمول کرنا ضروری ہوا یونہی ان دونوں فاضل حضرات شارح وبحر کلام کو اسی معنٰی پر محمول کرنا ضروری ہے، صرف اتنا ہوا کہ دونوں اماموں وجیز وخانیہ نے اس کے بعد اپنی مراد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی، جبکہ دونوں فاضل حضرات نے عدمِ وقوع طلاق کے ذکر پر اکتفاء کیا جس کی بناء پر ان کی کلام میں احتمال کی گنجائش رہ گئی حالانکہ ان دونوں حضرات کے کسی کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اضافت کا لفظوں میں صریح طور پر مذکور ہونا وقوعِ طلاق کے لئے ضروری ہے تاکہ بقیہ کلامِ فاضل محشّی سے اس پر اعتراض ہوسکے ہاں، فاضل حلبی اور فاضل طحاوی دونوں حضرات نے شرح میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ اضافت شرط ہے جو یہاں موجود نہیں ہے تو ان دونوں حضرات کا یہ کہنا بجا ہے کہ اضافت شرط ہے، جیسا کہ نے ذکر کیا ہے، لیکن ان کا یہ کہنا کہ یقینا یہاں اضافت نہیں پائی گئی، یہ درست نہیں کیونکہ اضافت کا پایا جانا شرط ہے خواہ بطور نص ہو، یا عرف یا جواب کے طور پر ہو، اضافت کے صرف صراحتًا لفظی طور پر مفقود ہونے پر شرط کے مفقود ہونے کا قول نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صرف لفظی طور پر مذکور ہونا شرط نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر مواخذہ ہو بھی تو دونوں محشّی حضرات پر ہوگا

	نہ کہ فاضلین شارح وبحر پر۔ہاں ان پر وضاحت نہ کرنے کا اعتراض ہوگا، جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا، اس مقام کی تحقیق یُوں مناسب ہوگی جبکہ اللہ تعالٰی ہی فضل وانعام کا مالک ہے (ت) [یہاں سے غیر مربوط عبارت کو خارج کردیا گیا ہے]

مسئلہ ۱۲۲: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

شمس العلماء رئیس الفضلائے خان خاناں جناب احمد رضاخاں صاحب دام لطفہ،السلام علیکم ! اگر بے اضافت طلاق دے جائے تو کیا حکم ہوگا واقع ہوگی یا نہ؟ قاضی خاں مجتہد المسائل سے ہے اور شامی ناقلوں سے ہے ان کے مابین اختلاف ہو تو کس پر حکم دیا جائے؟

الجواب:

طلاق بے اضافت میں جبکہ ایقاع مفاد ہو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے،اگر بحلف کہہ دے گا کہ زوجہ کو طلاق مقصود نہ تھی مان لیں گے،یہی مفادِ قاضی خاں ہے اور یہی شامی نے تحقیق کیا،ان میں تخالف نہیں،خانیہ میں **فالقول قوله صراحة** (خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ت)اسی پر دال ہے **وتمام تحقیقه فی رسالتنا فی الباب** (اس کی مکمل تحقیق اس مسئلہ سے متعلق ہمارے ایک رسالہ میں ہے۔ت)**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: (سوال منقول نہیں)

(۱) اجمالی جواب بذریعہ تار برقی

اگر طلاق کی نیّت تھی تین طلاقیں ہوگئیں۔

(۲) تفصیلی جواب بذریعہ ڈاک

جبکہ زید کے کلام میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت اصلاً نہ تھی کہ تجھ کو یا فلاں عورت یا اپنی زوجہ یا دختر فلان کو طلاق ایک،دو تین،نہ دینے ہی کا کوئی ذکر زبان پر آیا کہ طلاق ایک دو تین دی یا ہُوئی جس کے باعث بحسب ظاہر زوجہ ہی کو طلاق دینا مفہوم ہوتا،نہ عورت ہی کے کلام میں ایسے الفاظ تھے جن کے جواب میں زید کے یہ لفظ بظاہر اس پر ایقاع سمجھے جاتے،مثلاً وہ کہتی میں طلاق چاہتی ہوں مجھے طلاق دے،بلکہ عورت کی طرف سے سکوت محض تھا،تو جس طرح خود یہ الفاظ محض ناوصف ومحتمل ہیں ممکن کہ یہ مراد ہو کہ طلاق ایک دو تین میں نے تجھے دیں،ممکن کہ یہ مقصود ہو کہ طلاق ایک دو تین کتنی چاہتی ہے جس کے باعث عنداللہ یہاں مدار نیّت شوہر پر ہوا،اگر ان الفاظ کے کہنے میں طلاق کی نیت تھی تین طلاقیں ہوگئیں ورنہ

کچھ نہیں، اسی طرح بوجہ عدم ظہور مراد عند الناس بھی بیان شوہر کی طرف رجوع ضرور، اگر وہ اقرار کرے کہ یہ لفظ میں نے بقصد طلاق کہے تھے تین طلاقوں کا حکم دیا جائے گا اور بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا۔ اس صورت میں عورت کو عدّت گزرنے پر اختیار ہوگا جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے وُہ بدستور شوہر کی زوجیت میں سمجھی جائے گی فان الیقین لایزول بالشک (کیونکہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا۔ت) اگر واقع میں اس نے نیّت کی اور اس نے ظاہر نہ کی تو اس کا وبال اور اپنے اور عورت دونوں کے زنا کا عذاب شوہر پر ہوگا عورت پر الزام نہیں کہ دلوں کا مالک اللہ ہے جلا وعلا۔ لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1] (کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) عورت اپنے آپ کو مطلقہ نہیں سمجھ سکتی اگر دوسرے سے نکاح کرے گی حرامکار ٹھہرے گی فانھا مکلفۃ بالظاہر واللہ تعالٰی یتولی السرائر (کیونکہ وہ عورت ظاہر حکم کی مکلّف ہے رازوں کا اللہ تعالٰی ہی حاکم ہے۔ت) ہندیہ میں محیط سے ہے:

لایقع فی جنس الاضافۃ اذالم ینولعدم الاضافۃ الیھا۔[2]	اضافت والے معاملہ میں طلاق نہ ہوگی جب تک اضافت کی نیّت نہ کی ہو کیونکہ بیوی کی طرف اضافت نہ ہوئی۔(ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

سکران ھربت منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع۔[3]	نشے والے کی بیوی بھاگی تو اس نے تعاقب کیا، ناکامی پر کہا، تین طلاق پر۔ اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی ہے۔ تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اگر کچھ نہ بتایا تو نہ ہوگی۔(ت)

انقرویہ میں بزازیہ سے ہے:

فرت ولم یظفر بھا فقال سہ طلاق	بیوی بھاگی تو خاوند نے ناکامی پر کہا: تین طلاق،

---

[1] القرآن ۶/۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

ان قال اردت امرأتی یقع والالا۔[1]	اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی تھی تو طلاق ورنہ نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لوقال طالق فقیل له من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته[2]۔	اگر خاوند نے کہا "طالق"۔اس سے پوچھا گیا کہ تیری کیا مراد ہے جواب دیا کہ میری بیوی مراد ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔(ت)

عالمگیریہ میں خلاصہ سے ہے:

قالت طلقنی فضربها وقال لها اینك طلاق لایقع ولو قال اینکت طلاق یقع۔[3]	بیوی نے کہا: "مجھے طلاق دے"،تو خاوند نے اس کو پیٹ دیا اور کہا "یہ طلاق ہے" تو طلاق نہ ہوگی،اور اگر کہا "یہ طلاق تجھے طلاق ہے" تو طلاق ہوجائیگی۔(ت)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ دوسرے عالم کا جواب تو محض باطل وناصواب تھا بحالِ نیت تین طلاقیں ہوں گی جن میں رجعت محال،اور بحالِ عدمِ نیّت ایک بھی نہ ہوگی تو رجعت کا خیال محض خیال محال،اور پہلے عالم کا جواب بھی غلط تھا کہ یہاں تین طلاقیں صرف بصورتِ نیّت ہیں،نہ مطلقًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ شیخ بدودربان چٹکل ومحمد سراج الحق امامِ مسجد جامع ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

محمد ظفر کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہورہا تھا اس کی والدہ نے کہا کہ اگر اپنی بی بی کو نہ چھوڑوگے تو تم سُور کھاؤ،اسی طرح تین مرتبہ بولی،مظفر نے کہا طلاق دیتے ہیں،پھر اس نے بلاقصد غصّہ کے ساتھ اپنی والدہ کے سامنے کہا طلاق طلاق طلاق،بغیر مخاطب کرنے کسی کو اب شرعًا صورتِ مسئولہ میں ظفر کی بی بی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں،بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی النقرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ۱/۴۷

[2] بحرالرائق باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

مسئلہ ۱۲۵: از مؤناٹ بھنجن دفتر مدرسہ دارالعلوم ضلع اعظم گڑھ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ نقل اسٹامپ قیمتی عہ۔
جمن ابن منا، میں ان کو لکھ کردیتا ہوں کہ آپ کی لڑکی کی اُلفت کا خرچ بھرپورا کروں گا اور بغیر علیم اللہ ستار باز کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا اگر آپ کی حکم عدولی کروں تو آپ اور سب پنچ جو چاہیں کریں سب منظور ہے کیونکہ ہمارا کوئی ماں اور باپ نہیں ہے آپ لوگ ہمارے ماں اور باپ ہیں تاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء، اور اگر سب خلاف ہو تو اس شرط پر طلاق۔ نشانی انگوٹھا جمن مقر، اسمائے شاہدان (۲) علیم اللہ ستار باز۔ ہماری لڑکی الفت جو ہے اگر ہم قضا کرجائیں تو ہمارے گھر سامان اور جتنا مال ہو اور جتنا ہم پر قرض ہو سب الفت کا قرض بھی وہ سب دے اور مال وغیرہ وہ لے اور دوسرے کا تعلق نہیں، باقی گواہ اوپر گزرے، دستخط عبدالرحمٰن قول اجمیری بقلم خود، محمد ابراہیم ابن محمد اسمٰعیل۔ یہ فتوی بمبئی سے آیا ہے مگر سوال نہایت مہمل یعنی اقرار نامہ کا ہے، ای روپیہ کا اسٹامپ پر اقرار نامہ تحریر ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ جمن کا نکاح اس اقرار نامہ کے چار روز بعد ہوا، بعد نکاح جمن مذکور الفت کو لے کر اپنے سسر کے ساتھ رہتا تھا مگر قریب دو برس کے ہوئے علیم اللہ اپنے سسرال اور بیوی کو بھی چھوڑ کر بمبئی میں آوارگی اختیار کیا ہے اور بیوی کو نہ روٹی کپڑا دیتا ہے نہ کسی قسم کی خبر گیری کرتا ہے، نوٹس بھی مسماۃ الفت و علیم اللہ ستار باز کے طرف سے دیگئی مگر کچھ جواب نہیں دیتا لہٰذا اب مسمّاۃ الفت مطلّقہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

صورۃ مذکورہ میں طلاق کسی طرح نہیں ہوسکتی، قطع نظر اُس نقص کے جو الفاظ اقرار نامہ میں ہے جس میں عورت کی طرف اضافت طلاق نہیں اور اس میں جمن کو اس انکار کی گنجائش ملتی کہ زوجہ کو طلاق مراد نہ تھی، جب یہ اقرار نامہ نکاح س پہلے لکھا گیا اور اس میں شرط نکاح کا ذکر نہیں تو اگر صاف یُوں لکھا ہوتا کہ میں ایسا کروں تو الفت پر تین طلاقیں، اور ویسا کرتا جب بھی ہرگز طلاق نہ ہوتی اذ لاملک حینئذ ولا اضافۃ الیہ والیہ الی سببہ فلغی (کیونکہ ابھی تک ملکیت نہیں اور نہ ہی ملکیّت کی طرف نسبت اور نہ ملکیت کے کسی سبب کی طرف نسبت ہوئی، تو کلام لغو ہو۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: موضع مانیاوالہ ضلع بجنور از کفایت علی صاحب وحمایت علی صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ
حضورِ والا! بعد سلام عرض ہے کہ غلام کی بیوی اطاعت نہیں کرتی، سمجھا اثر نہیں کرتا، والدین بھی ناخوش ہیں والدین کی خوشی ہے کہ طلاق دے دو تو حضور اس کو کس طریقہ سے طلاق دی جائے خاکسار اور والدین میں ایک کوڑی مہر دینے کی طاقت نہیں مہر دو سو پانچ ۲۰۵ اشرفیاں میں نے قبول کرلیا تھا، عورت معاف نہیں

کرتی مگر مہر کی ایک کوڑی کا گونرنمنٹی کاغذ اسٹامپ نہیں ہے کچہری سے بھی عورت کا ولی ایک کوڑی نہیں لے سکتا، یہاں کے مولوی سے دریافت کیا تو یہ کہا کہ شرعًا اسے ساڑھے بارہ روپے دینے چاہئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر آپ طلاق دینا چاہیں تو عورت جب حیض سے فارغ ہو اس کے بعد قبل جماع اس سے ایک بار کہئے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اسے چھوڑے رہئے اور اس سے بالکل الگ رہئے یہاں تک کہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہر کر ختم ہو جائیں اس وقت وہ نکاح سے نکل جائے گی، اور مہر وہ معاف نہ کرے تو بہر حال دوسو پانچ اشرفیاں دینا لازم ہوں گی، وہ کوئی جاہل شخص تھا جس نے ساڑھے بارہ روپے بتائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: از بچناتھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بچناتھ باڑہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت کے نان نفقہ سے بے خبر تھا کہ عورت کے وارثوں میں سے کسی نے آن کر اس سے کہا کہ اگر نان نفقہ نہیں دے سکتا تو طلاق دے دے۔ چنانچہ اسی وقت اس آدمی کے رُوبرو طلاق دے دی تو یہ طلاق ہوئی یا نہیں کیونکہ عورت وہاں نہ تھی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق ہو گئی، طلاق کے لئے عورت کا وہاں حاضر ہونا کچھ شرط نہیں **فان ازالۃ لاعقد کما لایخفی** (کیونکہ یہ ازلہ نکاح ہے نکاح نہیں ہے (تاکہ حاضری ضروری ہوتی) جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: از پیلی بھیت مرسلہ شیخ فیض محمد صاحب ۶ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

زید اپنے مکان میں تنہا مقیم تھا اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی لیکن زوجہ نے نہ سُنی نہ دوسرے آدمی نے، اس وجہ سے کہ اور آدمی دوسرے مکان میں تھے، پس طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سُننا ضرور نہیں بلکہ جبکہ شوہر اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچے کے قابل تھے (اگرچہ کسی غل شور یا ثقل سماعت کے سبب نہ پہنچی عند اللہ طلاق ہو گئی، عورت کو خبر ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو مطلقہ جانے، ہاں اگر صرف دل میں طلاق

دے لی تو بالاجماع نہ ہوگی، یا زبان سے لفظ تو کہے مگر ایسے کہ زبان کو صرف جنبش ہوئی آواز اپنے کان تک آنے کے بھی قابل نہ تھی تومذہب اصح میں یُوں بھی نہ ہوگی۔

فی الدر المختار ادنی الجھرا سماع غیرہ ادنی المخافتۃ اسماع نفسہ ویجری ذٰلك فی کل مایتعلق بالنطق کتسمیۃ علی ذبیحۃ ووجوب سجدۃ تلاوۃ، وعتاق وطلاق واستثناء فلوطلق او استثنٰی ولم یسمع نفسہ لم یصح فی الاصح[1] اھ بالاختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	در مختار میں ہے کم از کم جہر یہ ہے کہ دوسرا سُنے اور کم از کم خفاء یہ ہے کہ خود سُن سکے۔ یہ ضابطہ ہر ایسے مقام کے لئے ہے جس کا تعلق نطق سے ہو، جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ، سجدہ تلاوت پر سجدہ کا وجوب، غلام کو آزاد کرنا، طلاق دینا، اور کلام میں کوئی استثناء کرنا، لہٰذا اگر طلاق دی یا استثناء کیا اور خود نہ سنا تو اصح مذہب پر طلاق اور استثناء صحیح ہوگا اھ اختصارًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از بدایوں فرشولی ٹولہ شیخ وہاب الدین احمد صاحب ۲۷ رجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ توعمرو یا بکر سے نکاح کرلے اور زید اپنے والد کو مخاطب کرکے بموجودگی والدین ہندہ یہ کہا میری بیوی کا نکاح ولید سے کرادو۔ اس واقعہ سے دو تین مہینہ کے بعد زید نے ہندہ کے مکان پر آن کر ہندہ اور اس کے والدین کی عدم موجودگی میں ایک غیر مخاطب کرکے کہا میں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتاہوں اگراس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں۔ وہ شخص ان الفاظ کو سُن کر چلنے لگا تو زید نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا اور ہندہ اس کے ساتھ نہ بھیجی گئی، ہندہ حاملہ تھی، اور اسی زید نے اسی روز ہندہ کے گھر کو چھوڑنے کے بعد یہ کہا کہ میں نے یہ الفاظ دھمکانے کو کہے تھے تاکہ میری بیوی میرے ساتھ کردیں اور میں اپنے الفاظ اب واپس لیتا ہوں، واپس لیتا ہوں واپس لیتا ہُوں۔ یہ واقعہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۳۲۷ھ ہجری نبوی کا ہے۔ زید عرصہ زائد از سال سے بعارضہ مراق علیل ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے اظہار کیا کہ زید نے ان اخیر الفاظ میں کہ میں طلاق دیتاہُوں طلاق دیتاہُوں طلاق دیتاہوں اگراس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں کوئی لفظ عورت کی طرف اضافت کانہ کہا تھا، نہ نام نہ نسب، نہ وصف نہ لقب، نہ اشارہ مثلاً فلاں عورت یا فلان کی بیٹی یا اپنی زوجہ کو یا اس کو وغیرہ وغیرہ کوئی لفظ اس قسم

[1] درمختار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۸۰۔۷۹

کانہ تھا، نہ یہ کلام کسی سوال کے جواب میں تھا جس سے اضافت پیدا ہو، بلکہ ابتداءً یہی الفاظ اُس نے مکرر کہے اس صورت میں زید سے قسم لی جائے اگر وُہ حلف کرے کہ ان الفاظ سے اپنی زوجہ مراد نہ تھی تو حکمِ طلاق نہ دیا جائے۔

وذٰلك لان زيد اينكر ارادة الطلاق بها والاضافة كما فی السؤال فيكون القول قوله بيمينه وان كان الظاهر ارادة المرأة بذٰلك لانه نوی محتمل كلامه فيصدق۔	یہ اس لئے کہ زید طلاق کے ارادے سے انکاری ہے اور اضافت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ سوال میں ہے تو قسم لے کر اس کی بات مان لی جائے گی اگرچہ ظاہری طور اس سے بیوی مراد ہوسکتی ہے لیکن کلامِ خاوند میں احتمال پایا جاتا ہے جس کی نیت پر خاوند پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی۔(ت)

خانیہ وبزازیہ وغیرہا میں ہے:

قال لها لاتخرجی من الدار الاباذنی فانی حلفت يا لطلاق، فخرجت لايقع لعدم ذكره حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له۔[1] اھ۔	خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر مت نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو بیوی نکل گئی، اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، کیونکہ قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں ہے، جبکہ قسم میں کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے لہٰذا خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

سئل شيخ الاسلام الفقية ابو نصر عن سكران قال لامرأته اتريدين ان اطلقك فقالت نعم، فقال اگر تو زن منی يك طلاق دو طلاق سه طلاق قومی واخرجی من عندی وهو يزعم انه لم يرد به الطلاق فالقول قوله۔[2]	شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشہ والے نے اپنی بیوی کو کہا "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں؟" تو بیوی نے کہا ہاں، تو خاوند نے کہا "اگر تو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ جا، نکل میرے پاس سے"۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی، تو اس کی بات، معتبر ہوگی۔(ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علٰی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ کتاب الایمان ۱/ ۳۸۳

یونہی اس کے پہلے لفظ کہ "تو عمرو یا بکر سے نکاح کرلے یا اس کا نکاح ولید سے کرادو" محتاج نیت ہیں، اگر بہ نیتِ طلاق کہے ایک طلاق بائن ہوئی، اور نیتِ طلاق نہ تھی تو کچھ نہیں اور اس بارے میں کہ ان الفاظ سے اس نے طلاق کی نیت نہ کی تھی، اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر قسم کھالے گا حکمِ طلاق نہ ہوگا، پھر واقع میں نیت کی تھی اور جُھوٹی قسم کھالی تو وبال اُس پر ہے۔ ردالمحتار میں ہے

فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان لوقال اذھبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شیئ لان معناہ ان امکنك وفی الذخیرۃ اذھبی وتزوجی لایقع الابالنیة وان نوی فھی واحدۃ بائنة وان نوی الثلاث فثلاث[1]	قاضی خان کی شرح وجامع صغیر میں ہے: خاوند نے بیوی وکہا" جاؤ نکاح کرو" اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اس کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر تجھے ممکن ہو تو نکاح کرو۔ اور ذخیرہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا" جاؤ نکاح کرو" تو نیت ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوگی۔ (ت)

عرض یہاں مدار اس حلف پر ہے اگر ان سب الفاظ کی نسبت قسم کھالے سے انکار کرے تو ایک طلاق بائن پڑے گی کہ برضائے زوجہ عدّت میں خواہ عدّت کے بعد اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ زید کا مراد اس حد کو نہ پہنچا ہو کہ وہ فاسد العقل مختل الحواس ہوگیا ہو کبھی غافلوں کی سی بات کرے، کبھی خاصے پاگلوں کی سی، اور اگر یہ حالت ہے (اور اللہ خوب جانتا ہے) تو اصلاً طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس نے وُہ سب الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہوں۔ درمختار میں ہے:

لایقع طلاق المجنون والصبی والمعتوہ[2] الخ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	مجنون، بچّہ اور ذہنی مریض کی طلاق واقع نہ ہوگی الخ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴

[2] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۷

مسئلہ ۱۳۰: ازمارہرہ شریف ضلع ایٹہ محلّہ کمبوہ مرسلہ چودھری عبدالرحمٰن صاحب ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک عورت اپنے خاوند سے بہت تنگ ہو، اس کا خاوند اُسے ستاتا ہو تو وُہ لاچار ہو کر جواب طلب کرے تو وُہ جواب بھی ضد سے نہ دے اور حقوق بھی ادا نہ کرے تو پھر وُہ غصّہ میں جواب یعنی طلاق کا ارادہ کرے اور تنہائی میں جواب دے عورت کے سامنے، تو طلاق مانی جائے گی یا نہیں، دوسرے یہ کہ وُہ عورت مجبور ہو کر کسی مرد سے عقد کرلے اور اس پانچ ماہ تک میاں بی بی کا واسطہ رہے اور ایک اس مرد سے لڑکا پیدا ہوگیا، پھر اُس پہلے خاوند نے دعوی کیا کہ میں نے طلاق چار کے سامنے تو نہیں دی غرض یہ کہ وہ واپسی لینا چاہتا ہے تو وُہ عورت شرعًا پہلے خاوند پر جائز رہی یا نہیں؟

الجواب:

بیانِ سوال سے ظاہر یہ ہے کہ شوہر اوّل دینے کا مقر ہے مگر عذر صرف یہ کرتا ہے کہ طلاق خفیہ دی چار اشخاص کے سامنے نہ دی، لہٰذا اپنی جہالت سے طلاق نہ ہونا سمجھتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا دعوی باطل ہے، طلاق بالکل تنہائی میں دے جب بھی ہوجاتی ہے، اگر عورت نے عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح ہوگا اور پہلے شوہر کو اس پر کچھ دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر شوہر سرے سے طلاق دینے سے منکر ہو اور عورت کا نکاح ثانی کرنا اور پانچ ماہ دوسرے کے پاس رہنا اور اس لڑکا پیدا ہونا، ان باتوں کی شوہر اوّل کو خبر نہ ہو کہ کسی دوسرے شہر میں ہُوئی ہوں، بعد اطلاع اس نے دعوی کیا تو ضرور اس کا دعوی قابل سماعت ہے اور عورت کا بیان کہ اس نے طلاق دے دی تھی بے گواہانِ شرعی ہرگز مسموع نہیں، عورت شوہر اول کو دلادی جائے گی، پھر اگر واقع میں اس نے طلاق دے دی تھی اور جُھوٹ انکار کیا تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اسے سے دور بھاگے یا مہر وغیرہ دے کر طلاق لے اور اگر کچھ نہ کرسکے وبال اس پر ہے، اور عورت جب تک راضی نہ ہو مجبور ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۱: از پیلی بھیت محلّہ پکھریا مسئولہ عبدالرحمٰن گھڑی ساز ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا ایک گوشہ بیٹھ کر جس کو کسی نے نہیں سُنا اپنے دل کے اندر اپنی بیوی کو طلاق دی اس کے عرصہ پانچ ماہ کا گزرا اب وہ شخص رجوع کرنا چاہتا ہے اس کو کس طرح کرسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر فقط دل میں طلاق دی تھی یُوں کہ زبان سے کچھ کہا ہی نہ تھا یا کہا مگر فقط زبان کو حرکت تھی اتنی آواز نہ تھی کہ اپنے کان تک آنے کے قابل ہو جب تو طلاق ہوئی ہی نہیں، اور اگر ایسی آواز سے کہا کہ اپنے کان تک

آنے کے قابل تھی اگرچہ مینہ یا ہوا یا کسی غل شور کے سبب اپنے کان تک نہ پہنچی تو طلاق ہو گئی اگر رجعی تھی تو عدّت کے اندر رجعت کر سکتا ہے اور بائن تھی تو برضائے زوجہ اس سے نکاح کر سکتا ہے، اور مغلظ تھی تو بے حلال نکاح نہیں ہو سکتا، یہ ان الفاظ پر موقوف ہے جس اس نے کہا اور جتنی باز کہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: ازامریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ تاج الدین خاں صاحب ۱۵ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسمّی زید نے غصّہ میں آکر پانی منکوحہ مسمّاۃ ہندہ کو ایک شخص مسلمان وایک عورت قوم ہنود کے رُوبرو طلاق دی۔ اور یہ بھی ہے شخص مسلمان کے رُوبرو دو مرتبہ لفظ طلاق صاف طور سے کہا کہ وُہ سننے میں نہیں آیا، وُہ عورت اہل ہنود جو وہاں موجود تھی بیان کرتی ہے کہ میں نے سنا یہ لفظ طلاق نہیں کہا تھا، زید ایک شخص بالکل جاہلِ اور اُمّی ہے، اس وقت زید وہندہ دونوں راضی ہیں نکاح کس طرح ہو؟

الجواب:

اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر ایک کے دل کی جانتا ہے، اللہ سے ڈرے، اگر واقع میں اس نے تیسری بار بھی طلاق دی تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر وُہ منکر ہے اور سوا اُس کافرہ عورت کے اور کوئی تیسری طلاق کا بیان نہیں کرتا تو کافرہ کی بات اصلاً معتبر نہیں، جب تک عدّت میں ہے وہ عورت کو رجعت کر سکتا ہے یعنی اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھر لیا وہ بدستور اس کے زوجہ رہے گی اگر پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ ایک وُہ اور دو یہ مل کر تین ہو گئیں عورت نکاح سے نکل گئی حلالہ کی ضرورت ہو گی، یوں ہی اگر پہلے طلاق نہ دی تھی یہ دو دی ہیں تو آئندہ جب کبھی ایک طلاق دے گا عورت بے حلالہ کے نکاح میں نہ آسکے گی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از رامپور مسئولہ محمد سعید

زید نے بحالتِ غضب اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق دیا، اب اس صورت میں طلاق ہو گی یا نہیں؟

الجواب:

ایک طلاق رجعی ہُوئی، غضب مانع طلاق نہیں بلکہ غالبًا طلاق بحالتِ غضب ہی ہوتی ہے **والدھش شیئ اٰخر بینہ فی الخیریۃ وردالمحتار وتحقیقہ فی فتاوٰنا** (مدہوش اور چیز ہے، اس کو خیریہ اور ردالمحتار

میں بیان کیاہے،اوراس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے ت)واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴: کیافرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصّہ میں اپنی زوجہ مدخولہ سے دوبارہ کہاکہ میں نے تجھے طلاق دی، آیایہ کون سی طلاق واقع ہوئی اوراس کاکیاحکم ہے؟**بینواتوجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں دوطلاقیں رجعی واقع ہُوئیں، حکم ان کا یہ ہے کہ مابین عدّت کے رجعت کااختیار ہےاور بعد انتضائے عدت اگر عورت چاہے اس سے نکاح جدید کرسکتاہےاور ایامِ عدّت حرہ موطوہ میں تین حیض کامل ہیں اور اگر بوجہ صغر یاکبر کے حیض نہ آتاہوتوتین مہینہ ،اورلونڈی میں اگر حائضہ ہوتودوحیض ورنہ ڈیڑھ مہینہ ،اور طریق رجعتِ یہ ہے کہ مطلّقہ سے ایام عدت میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے پھیر لیایارد کیایاروک لیایاامثال اس کے کہے یامابین عدت کس کرے یابوسہ یاجماع کرے۔بہتر طریق اول ہے،

فی تنویر الابصار وھی فی حرۃ تحیض بعد الدخول ثلث حیض کوامل،وفی من لم تحض بصغر اوکبر ثلثۃ اشھر ،وفی امۃ تحیض حیضتان،وفی امۃ لم تحض نصف الحرۃ[1] ملخصًا،وفیہ ھی استدامۃ الملک القائم فی العدۃ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویرالابصار میں ہے وہ عدت وطی شدہ حیض والی کے لئے تین حیض کامل،اور جس کو نابالغی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتاہو ان کے لئے تین ماہ،اور لونڈی حیض والی کے لئے دو حیض اور غیر حیض والی کے لئے ایسی آزاد عورت کی عدت کا نصف یعنی ڈیڑھ ماہ۔اور اسی میں ہے:رجعت (رجوع کرنا) یہ عدت کے درمیان موجود ملکیت کوباقی قائم رکھناہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۲۳جمادی الآخرہ۱۳۳۸ھ

زید نے غصہ میں اپنی عورت کوطلاق دی اس وقت ایک آدمی اور موجود تھابعدہ جو شخص آیااور پوچھاتوکہامیں نے اپنی عورت کوطلاق دے دی،ڈیڑھ ماہ تک علیحدہ رہے،اس درمیان میں جس آدمی نے پوچھاتم کیسے علیحدہ ہوتو بارہایہی کہاکہ طلاق دے دی،توطلاق ہُوئی یانہیں؟اگر ہوگئی تونکاح کس طور پر ہوناچاہئے؟

الجواب:

اگراس وقت ایک بارطلاق دی تھی اور باقی باراوروں کے پُوچھنے پر کہااور وُہ قسم کھاکر کہہ دے کہ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵۔۲۵۶

میں نے ان دفعوں میں طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ اس کے پُوچھنے پر خبر دی تھی تو صرف ایک طلاق ہُوئی اگر رجعی تھی رجعت کرسکتا ہے جب تک عدت نہ گزرے ورنہ دوبارہ اس سے نکاح کرلے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶: از شہر مسئولہ علی محمد برادر ہندہ جس کا بیان ہے ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر تھا وہ اور میں اور میرے ماں بھائی ایک ہی مکان رہتے تھے اور روٹی کپڑے پر لڑائی ہوتی تھی تو وہ مجھ کو مارتا اور برا بھلا کہتا تھا تو میں ماں نے یہ کہا کہ اب تیرا کیا کام ہے تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اب یہاں مت آ۔

الجواب:

اگر یہ بیان سچ ہے تو ایک طلاق ضرور ہوگئ لیکن عورت ابھی نکاح سے نہ نکلی، ہاں اگر ہاں پہلے لفظ سے بھی کہ "تم میرے کام کی نہ رہیں" اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو دو طلاقیں ہو گئیں اور عورت نکاح سے نکل گئ، رہا یہ کہ اس نے اس لفظ سے بھی نیت کی تھی یا نہیں، یہ اس کے بیان پر ہے، اس سے قسم لی جائے، نہ ہوں گی ایک ہی رجعی ہو گی کہ عدت کے اندر وُہ اپنے نکاح میں پھیر لے عورت بدستور اس کی زوجہ رہے گی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: از ستار گنج ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید سے نکاح کیا مگر صحبت نہ ہوئی، صبح کو بوجہ اغوائے چند اشخاص ہندہ نے مہر معاف کیا اور زید نے طلاق دے دی، اس صورت میں اُسی روز شام کو نکاح ہندہ عمرو کے ساتھ جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اگر زوج وزوجہ تنہائی کے مکان میں یکجا ہولئے ہوں اور اُن میں کوئی مانع حقیقی ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے وطی اصلًا نہ ہوسکے اس کے بعد زید نے طلاق دی تو بیشک ہندہ پر عدت واجب ہے اگرچہ مباشرت نہ ہوئی

فان الخلوۃ الصحیحۃ فی النکاح الصحیح مثل الوطی فی ایجاب العدۃ	عدت کو واجب کرنے میں صحیح نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے اور یہاں خلوت کی صحت سے

وصحة الخلوة ھٰھنا العدم المانع الحقیقی وان جد مانع شرعی کالصوم۔	مراد جماع سے مانع کا موجود نہ ہونا ہے اگرچہ شرعی مانع مثلاً روزہ پایا جائے تو خلوتِ صحیحہ ہوجائیگی (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

العدة للطلاق بعدالدخول او الخلوة الصحیحة فانه طلقها قبل الدخول اوبعد الخلوة الفاسدة والفساد لعجزه عن الوطی حقیقة لم تجب العدة، ولو لامر شرعی کصوم الفرض تجب کما فی قاضیخان وذکر فی المحیط انه لاعدة بخلوة الرتقا [1] اھ ملخصًا۔	طلاق بعد دخول یا خلوت صحیحہ ہو تو عدّت ہے کیونکہ اگر دخول سے قبل یا خلوت فاسدہ کے بعد طلاق ہو تو عدّت واجب نہ ہوگی، خلوت کا فساد یہ کہ جماع سے کوئی حقیقی مانع موجود ہو، اگر شرعی مانع مثلاً فرضی روزہ ہو تو وہ مانع موجود ہو، اگر شرعی مانع مثلاً فرضی روزہ ہو تو وہ مانع نہیں ہے اور اس پر عدت لازم ہوگی جیسا کہ قاضی خاں میں ہے اور محیط میں ذکر کیا کہ شرمگاہ میں ہڈی والی عورت سے خلوت پر عدت واجب نہ ہوگی، اھ، ملخصًا (ت)

پس اگر عدت کے دوران کے بعد طلاق تین حیض کامل کا گزرنا ہے دوسرے سے نکاح کرے گی ہرگز صحیح نہ ہوگا اور حرام محض رہے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذا المعتده کذافی السراج الوھاج سواء کانت العدّة عن طلاق اووفات او دخول فی نکاح فاسد او شبهة نکاح کذافی البدائع [2]۔	کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی منکوحہ یا دوسرے کی عدت والی سے نکاح کرے۔ السراج الوہاج میں ایسے ہی ہے، عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، یا نکاح فاسد میں دخول یا شبہہ نکاح میں دخول کی وجہ سے ہو (سب میں دوسرے کا نکاح حرام ہے) بدائع میں یونہی ہے۔ (ت)

ہاں اگر خلوت بھی نہ ہوئی اور ویسے ہی طلاق دے دی تو ہندہ پر عدت نہیں، اسے اختیار ہے کہ اسی وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

سبب وجوبها (یعنی العدة) عقد النکاح	وجوبِ عدت کا سبب وہ نکاح ہے جس میں بیوی

[1] جامع الرموز فصل فی العدۃ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السادس المحرمات التی یتعلق بہا حق الغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۰

المتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوت الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سپرد کردی گئی ہو یا وُہ جو اس کے قائم مقام ہو مثلًا موت یا خلوت ہو، الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۸: از کیمپ میرٹھ لال کورتی بازار کوٹھی خان بہادر صاحب مرسلہ شیخ میر محمد صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید اور عمرو (برادر منکوحہ زید) کی ایک روز کسی بات پر باہم سخت حجت ہوئی اور عمرو نے زید اپنے بہنوئی س کہا کہ مہربانی کرکے اس طرف کاارادہ نہ کیجئے جس کا مقصد یہ تھا کہ میرے (عمروکے) مکان پر نہ آئے گا۔ اس کے جواب میں زید نے غصّہ کی حالت میں کہا میں اس کو طلاق دے چکا، یا یہ کہا میں تو اس کو طلاق دے چکا، اسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظِ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیا اس صورت میں زید کی منکوحہ پر طلاق ہو گئی یا نہیں؟

الجواب:

عمرو کی مراد اس طرف سے کچھ بھی سہی جبکہ زید اپنی زوجہ کی نسبت سمجھا اور اُسے تین بار کہا میں اس کو یا میں تو اس کو طلاق دے چکا، تین طلاقیں ہو گئیں، زید گنہگار ہوا اور عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

قال اللہ تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کے لئے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وُہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

اور غصّہ کا عذر بیکار ہے طلاق اکثر غصّہ ہی میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: از پالی مارواڑ متصل دروازہ جھالر باڑ مسئولہ نبی بخش صاحب ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی رمضانی ولد گنگا نداف نے اپنی عورت جنابنت محمد بخش قوم نداف ساکنہ پالی کو ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو حسب ذیل تین طلاقیں دیں اور نکال دیا' پانچ روز بعد مولوی سیّد احمد علی صاحب کے پاس جاکر اپنا حال کہا، انہوں نے جواب دیا میں شام کو فریقین کے بیان سنوں گا، بعد عشاء آئے اور فریقین اور گواہوں کے بیان لے کر طلاق کا زبانی فیصلہ دے کر

---

[1] درمختار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

بیان میں چلے گئے وہ بیانات درج ذیل ہیں:

بیان گواہ اوّل مسمّی رحمان علی شاہ درویش: اس طلاق سے میں واقف ہوں اس نے اپنی عورت کو طلاق دی اور یہ لڑکی اپنے باپ کے مکان چوترے پر بیٹھی تھی تب میں نے اُس سے کہا کہ آبیٹی! میں تجھ کو تیرے مکان پر لے چلوں تب وُہ میرے ساتھ ہولی اُس وقت رمضانی نے ایک پتّھر پھینکا اور کہا کہ شاہ صاحب اس کو کہاں لے جاتے ہو میں اس لڑکی کو باپ کے گھر جانے کو کہہ دیا اور میں نے اپنی جگہ جا بیٹھا تب رمضانی مذکور سے کہا گیا کہ بیان سچ ہے یا نہیں، کہا ہاں سچ ہے۔

بیان گواہ ثانی مسمّٰی بنی بخش ولد حسن جی نداف: میں ایمان سے بیان کرتا ہوں کہ یہ (رمضانی) واہی تباہی بکتا تھا، میں نے کہا کہ اگر اس کو رکھنا منظور نہ ہو تو اس کو چھوڑ دے یعنی طلاق دے دے، تب اس نے کہا کہ میں اس کو کل طلاق دے چکا ہوں، اور باقی رہا مہر چار روپیہ تو اس کے باپ سے میں مانگتا ہوں باقی پانے برتن بیچ کر دے دُونگا۔ رمضانی صاحب سے کہا گیا یہ سچ بیان کرتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر ایک قرآن مجید منگوا کر اس سے کا گیا اگر تُو نے طلاق نہیں دی ہے تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے، جواب دیا: میں قسم نہیں کھاتا اس عورت کو قرآن دے دو اگر قسم کھالے گی سچّی ہوگی، شاید وہ بھی طلاق چاہتی ہو اور چھٹکارے کے واسطے قسم کھالے تو پھر کوئی علاج نہ ہوگا، اس نے پھر یہی جواب دیا اگر یہ قسم کھالے تو یہ سچّی ہے، تب لڑکی سے کہا گیا تجھ کو اگر اس نے طلاق دے دی ہو تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے اس نے دونوں ہاتھ قسم کیلئے قرآن شریف لینے کو بڑھائے لیکن اس خیال سے کہ شاید حیض سے ہو قرآن اس کے ہاتھ میں نہ دیا اور کہا تو خدا کی قسم کھا کر بیان کر کہ کس طرح طلاق دی ہے تب اس نے قسمیہ بیان کیا کہ ہمارے بار بار لڑائی رہتی ہے اس رات کو بھی ہوئی اور اس نے کہا کہ میں تجھ کو صبح ٹھیک کروں گا، جب صبح میں اُٹھی تو اس نے کہا کہ آٹا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ آٹا تھوڑا ہے زیادہ نہیں، تب اس نے کہا بندولے کے واسطے کہا تھا تو نے کیوں نہیں پیسا؟ اب میں نے کہا کہ اب پیسنے لانی ہوں، تب اس نے کہا اب کوئی ضرورت نہیں تو روٹی بیکر، تب اس کے کہنے سے روٹی بیکرنے لگ گئی، تو اس نے کہ تجھ طلاق ہے تو چلی جا، تب اٹھ کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی تو تھوڑی دیر بعد چچا مجھ کو بلوا کر لے گئے تو ہم دونوں کو سمجھا کر بٹھا آئے تب میں نے روٹی پکائی تو اس نے مجھے کہا کہ تو کیوں آئی تجھ کو طلاق ہے تُو چلی جا، تو پھر میں وہاں سے چلی آئی، باقی شاہ صاحب گواہ اول اور پتھر وغیرہ کا قصہ بیان کیا، تب مسمّی رمضانی سے دریافت کیا کیا یہ عورت سچ کہتی ہے؟ اس نے کہا ہاں سچ

ہے فقط، لہٰذا عرض یہ ہے کہ ان بیانوں پر طلاق ہو گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

گواہوں کے بیان ناقص ہیں اور ان میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں اور عورت کا قسم کھانا محض نامعتبر ہے کہ وُہ مدعیہ ہے مدعی کا حلف نہیں سُنا جاتا اس سے گواہ مانگے جاتے ہیں گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے۔ رمضانی نے جو گواہوں کے بیان کی تصدیق کی اس سے صرف طلاق ثابت ہو گی تین طلاقوں کا ثبوت نہیں کہ اس کا ذکر بیان شاہدان میں خود نہ تھا، ہاں اگر ثابت ہو کہ عورت کا بیان مذکور سُن کر رمضانی نے اس کی تصدیق کی تو بیشک تین طلاقیں ثابت ہو گئیں تصدیق بیان عورت کا اگر رمضانی کو اقرار ہے تو بہتر ورنہ اس تصدیق پر دو۲ گواہ لینے ہوں گے جو "گواہی دیتا ہوں" کہہ کر پوری صحیح شرعی شہادت ادا کریں، اگر شہادت سے یہ تصدیق نہ ثابت ہو تو تین طلاقوں کا حکم نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اُن میں کسی گواہ کا بیان رمضانی کا تصدیق کرنا اس کے اقرار یا دو۲ شاہدین عادلین کے اظہار سے ثابت ہو تو ایک طلاق ہوئی، اگر رجعت نہ کی اور عدّت گزر گئی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اور عدّت کے اندر رجعت کر لی تھی تو عورت بدستور اس کی زوجہ مانی جائے گی، اور اگر کسی گواہ کی بھی تصدیق ثابت نہ ہو تو ایک طلاق کا بھی حکم نہ ہوا لیکن عورت اگر جانتی ہے کہ اس نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں تو اس پر فرض ہو گا کہ جس طرح جانے اس سے بھاگے باعلانیہ طلاق حاصل کرے اگرچہ اپنے مہر کے بدلے اور مال دے کر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از مقام دیپاسرائے پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد بر مکان حاجی امیر حسین صاحب ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی طلاق کی نیت دل میں تو کی لیکن زبان سے کوئی طلاق کا لفظ نہیں نکالا اور دو برس تک اس نے اس سے مجامعت بھی نہیں کی لیکن ہر طرح کا خلا ملا اور خورد نوش اور کھلا انتظامات خانہ داری کا برتاؤ برابر اس کے ساتھ رکھا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بی بی کا وہی نکاح سابق قائم رہا یا پھر اس کی تجدید کی جاوے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح سابق باقی ہے اس وجہ سے تجدید کی کوئی حاجت نہیں، نری نیت سے طلاق نہیں ہو سکتی اگرچہ دن میں سو بار نیت کرے، جب تک زبان سے لفظ نہ کہے گا طلاق نہ ہو گی بلکہ زبان کی خالی حرکت بھی کافی نہیں، جب تک اتنی آواز نہ ہو کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو اپنے کان تک پہنچے، زبان کو جنبش ہوئی اور آواز اتنی بھی نہ نکلی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی جب بھی صحیح مذہب میں طلاق نہ ہو گی۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ادنی المخافتة اسماع نفسه ویجری ذلك فی کل مایتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة وعتاق وطلاق وغیرھا فلوطلق ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح [1]۔	مخفی آواز ادنٰی یہ ہے کہ خود کو سُنائے، اور یہ حکم ان تمام میں جاری ہوگا جن کا تعلق نطق سے ہو، مثلاً ذبیحہ پر بسم اللہ، آزاد کرنا، طلاق دینا وغیرہا، تو اگر طلاق کہی اور خود نہ سُن سکا، تو صحیح قول میں طلاق نہ ہوگی (ت)

ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگرچہ کسی مانع مثلاً غُل شور چکّی، مینہ، بہرے پن وغیرہا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہوجائے گی،

ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولوحکما کما لوکان ھناك مانع من صمم اوجلبة اصوات اونحو ذٰلک۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ادنٰی حد ہے کہ آواز اتنی ہو کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگرچہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز پہنچ جاتی اگر وہاں بہرہ پن شوروغل وغیرہ نہ ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: ازرامہ تحصیل گوجرخاں ڈاکخانہ جاتلی ضلع روالپنڈی مرسلہ تاج محمد صاحب　۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک لڑکے نے اپنے باپ سے بولا کہ تم میری زوجہ کو طلاق دے دو، اس نے طلاق دے دی ہے، یہ طلاق واقع ہوسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

نابالغ نہ خود دے سکتا ہے نہ دوسرے کو وکیل کرسکتا ہے، نہ باپ بذریعہ ولایت اُس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے **فانه ضرر والولایة للنظر** (کیونکہ یہ توضرر ہے جبکہ ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲: ۱۱ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ عورت چارماہ کا حمل رکھتی ہے اور شوہر طلاق دے تو طلاق جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز وحلال ہے اگرچہ حمل میں بلکہ آج ہی بلکہ ابھی ابھی اس سے جماع کرچکا ہو،

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجھر الامام　مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۹

فی الدرالمختار حل طلاقھن ای الاٰیسة والصغیرة والحامل عقب وطی لان الکراھة فیمن تحیض لتوھم الحبل وھو مفقود ھنا[1]۔	درمختار میں ہے، بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا حلال ہے کیونکہ مکروہ حیض والی عورت کو طُہر میں جماع کے بعد طلاق دینا اس لئے تھا کہ وہاں حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہ احتمال یہاں نہیں ہے۔(ت)

مگر ایک طلاق رجعی دے، اگر دو تین دے گا گنہگار ہوگا،

فی الدر البدعی ثلث متفرقة اوثنتان بمرّة او مرتین الخ[2]۔	درمختار میں ہے: بدعی طلاق یہ ہے کہ تین طلاقیں خواہ متفرق ہوں یا دو طلاقیں ایک مرتبہ یا متفرق دی جائیں الخ(ت)

یُوں ہی طلاق بائن ایک ہی دے جب بھی ظاہر الروایۃ میں گناہ ہے،

فی ردالمحتار الواحدة البائنة بدعیة فی ظاہر الروایة[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے: ایک بائنہ طلاق، بدعی طلاق ہے، ظاہر روایت کے مطابق۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۳: از زیر یواڈاک خانہ امریا ضلع پیلی بھیت مسئولہ جناب محمد بخش صاحب وذوالفقار خاں صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص نے حالتِ غصّہ میں بہ سبب ملامت برادران زوجہ اپنے کے اپنی بیوی کو طلاق دی اور زمانہ طلاق میں عورت کو ۵ء۵ ماہ کو حمل تھا بعد طلاق اور پورا ہونے مدت حمل کے عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور تین چار روز زندہ رہ کر مرگیا یہ طلاق جائز ہے یا ناجائز، اور ایسی صورت میں جو حکم مسئلہ ہو اطلاع دی جائے اس عورت کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

عورت کو حمل ہونا مانع وقوعِ طلاق نہیں، اگر طلاق بائن تھی تو مطلقاً اور اگر رجعی تھی اور بچّہ پیدا ہونے تک نہ زبانی رجعت کی نہ زوجہ کو ہاتھ لگایا تو بعد ولادت عورت نکاح سے نکل گئی اب اسے اختیار ہے جس سے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجھر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۶

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۸

چاہے نکاح کرے، اور اگر طلاق رجعی تھی اور قبل ولادت قول یا فعل کے ذریعہ سے شوہر نے رجعت کرلی تو عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴: از موضع بلہری ڈاکخانہ صفدر گنج ضلع بارہ بنکی مرسلہ مہدی حسن صاحب ۴رجب ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص درمیان فساد باہمی کے بحالتِ غیظ وغضب اپنی بی بی سے تین بار یُوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا، اور بروقت دینے کے یہ بھی اپنے دل میں ارادہ کرلیا کہ میں ٹھیک ٹھیک اور صحیح عقل سے کہتا ہوں باوجود درمیان جھگڑے باہمی کے غصّہ میں یہ سب باتیں وقوع میں آئی ہوں تو اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو پھر چند ساعت کے بعد غصّہ فرو ہوگیا اور میاں اپنے ان افعال قبیحہ پر منفعل ہوکر بی بی کو رجعت کرنا چاہے اور بی بی بھی رجعت پر آمادہ ہو تو کس صورت سے بی بی، میاں پر حلال ہے فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس کی عدت گزرے پھر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس سے ہمبستری بھی ہو، پھر وہ اسے طلاق دے یا مرجائے اور عدت گزر جائے اس کے بعد اس شخص کو عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتحلّین الزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوقی عسیلته[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تیسری طلاق دی تو اس کے لئے مطلّقہ دوبارہ حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت تو حلال نہ ہوگی پہلے شوہر کے لئے جب تک تو دوسرے خاوند کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ لے لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شاہجہان پور محلّہ باڑوزئی مسئولہ حفیظ اللہ صاحب ۱۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ درباب طلاق فتوٰی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوکا کہ مجموعۃ الفتاوٰی جلد دوم صہ ۵۳ میں واقعہ اور پیش خدمت نقل اُس کی اخیر تحریر میں موجود ہے کیا عندالضرورت ہم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لم تحرّم ما احلّ اللہ لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۲

لوگ اس پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

نقل فتوٰی مولانا عبدالحیّ صاحب لکھنوی قدس سرہ الولی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا، پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہونگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی میں مثلاً واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کے رخصت دی جائے گی یا نہیں؟

ھو المصوّب الجواب: اس صورت میں حنفیّہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح نہ درست ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود وعدّت ممتدۃ الطھر موجود ہے کہ حنفیّہ عند الضرورت قول امام مالک پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ ردالمحتار میں مفصّلاً مذکور ہے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وُہ شخص کسی عالم شافعی سے استفتاء کرکے اس پر عمل کرے، **واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنه**[1]۔

الجواب:

یہ فتوٰی گمراہ گری ہے، اس پر عمل حرام قطعی ہے، ان کے مجموعہ فتاوٰی میں این وآں وزید وعمر کے فتوی بھی بھرے ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے بھی، یہ فتوی بھی کسی غیر مقلّد کا ہوگا اور وُہ بھی نرے جاہل اجہل کا، جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں ہوجانے پر جمہور صحابہ وتابعین وائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے، ہر گز امام شافعی یا کوئی امام اس کے خلاف کے قائل نہیں، اور اگر وُہ یہ جانتا ہے پھر امام شافعی و مخالف مانتا ہے تو سخت کذّات مکّارہ اور عوام کو دھوکے دینے والا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

قال الشافعی ومالك ابوحنیفة واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث[2]۔	امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء علماء نے فرمایا تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی لکھنوی کتاب الطلاق مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۴۸۔ ۳۴۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی باب طلاق الثلاث قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۸

یعنی امام شافعی وامام مالک وامام ابوحنیفہ وامام محمد وجمہور علمائے سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں معہذا اسے ضرورت ماننا صراحتًا مذہب کا ڈھانا ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ عورت کا علیحدہ ہونا مجھ پر دشوار ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ احتمال مفاسد ہے، احتمال کو ضرورت جاننا عجب جہالت ہے نہ کہ فقط نفس پر شاق ہونے کو تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا ہدم کرے گا وہ سب نفس پر شاق ہونا ضرورت ٹھہرا والضرورات تبیح المحظورولاحول ولا قوۃ الّا باللّٰہ (ضروریات، ممنوعات کو مباح کرتی ہیں ولاحو ولاقوّۃ الاباللّٰہ۔ت) مسئلہ مفقود وامتداد طہر پر اس کا قیاس کرنا صریح وسواس ہے پھر رفع سراسر بطالت وجہالت کرخمیر ہے کسی طرح یقین نہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب کی ہو اگرچہ غلطی کاتب سے ان کا نام لکھا گیا ہو اور اگر واقعی اُن کی ہے تو اتباع حق کا ہے، نہ غیر۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۶: ازرامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷شعبان ۱۳۳۹ھ

شمس العلماء رئیس الفضلائے خانخاں جناب احمد رضاخاں صاحب دام لطفہ، السّلامُ علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟

الجواب:

غضب اگر واقعی اس درجہ شدّت ہو کہ حدّ جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدت پر تھا، یا تو گواہان عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعوٰی کرے اور اس کی یہ عادت معہود معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعوٰی معتبر نہیں، یوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصّہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالبًا طلاق نہیں ہوتی مگر بحالتِ غضب، ردالمحتار میں خیریہ سے ہے:

الدھش من اقسام فلایقع واذاکان یعتادہ بان عرج ھذا الدھش مرّۃ یصدق بلابرھان اھ[1] وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا۔	مدہوشی، جنون کی قسم ہے۔ لہٰذا طلاق نہ ہوگی۔ جب عادت بن چکی ہو اور ایک مرتبہ مدہوشی معلوم ہوچکی ہو تو خاوند کی بات بلادلیل مان لی جائے گی اھ اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی سے معلوم کی جائے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

مسئلہ ۱۴۷: از شہر پوربندر مقام کھاری مسجد مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب ۴ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت زینب سے حالتِ غصّہ میں کہازینب طلاق طلاق طلاق یعنی بے شمار طلاق جس کااندازہ معلوم نہیں،اور زید کہتا ہے کہ مجھ کو حالتِ غصّہ میں خبر نہیں کہ میں نے کتنے دفع طلاق دیا ہے بحضور الشاہدین،اور زینب کے خویش واقارب کہتے ہیں کہ زید نے تین طلاقیں شرعًا دی ہیں اور اب زید اپنی عورت زینب سے رجعت کرنا چاہتا ہے اور عورت کے وارث انکار کرتے ہیں،اور یہ آدمی نمازی ہے اور غریب ہے،یہاں علماء نے فتوی دیا ہے کہ رجوع صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے،اب حق آپ کی جانب ہے جیساکہ حکمِ شریعت ہو،اگر آپ جواب نہ دوگے تو غریب کا حق ماراجائے گااور دوسرا کوئی ہندوستان میں آپ جیساعالم نہیں،آپ کافتوٰی اطراف میں جاری ہے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید ان الفاظ سے طلاق دینے کااقرار کرتا ہے،گنتی میں سہو بتاتا ہے،اگر ثابت ہو کہ یہ لفظ تین بار کہے تین طلاقیں ہو گئیں رجعت ناممکن ہے بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔

قال اللہ تعالٰی فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیسری طلاق کے بعد عورت حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۸: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ نمبر ۱۶۲مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب پیش امام مسجد ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کئی آدمیوں نے مل کر ایک شخص سے کہاکہ تواپنی اہلیہ کوطلاق دے دے۔پس اس کی زبان سے بلانیّتِ طلاق کے نکل پڑا"ہاں ہاں"تواس صورت میں اس کی اہلیہ پر طلاق ہوگا یا نہیں؟ جواب کُتب دینیہ سے ارشاد ہو۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ اُن اشخاص نے اس سے طلاقِ زن کی درخواست کی اوراس کے جواب میں اس نے "ہاں ہاں" کہاطلاق اصلًا نہ ہوئی اگرچہ نیت طلاق ہی کہتاکہ لفظ "ہاں "جب امر کے جواب میں واقع ہوتواس کاحاصل وعدہ ہوتا ہے یعنی ہاں طلاق دے دُوں گااور اس سے طلاق نہیں ہوسکتی اگرچہ نیت کرے کہ طلاق کے لئے نیت

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

بے لفظ کافی نہیں، ہاں اگر وہ یوں کہتے کہ تُو نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی، تو یہ اخبار یا بتقدیر لفظ کیا استخبار ہوتا اس کے جواب میں اگر وہ ہاں کہتا ضرور وقوع کا حکم دیا جاتا کہ اب وہ تصدیق واقرار ہے اس صورت کی تصریح کی ضرورت یہ بھی تھی کہ بعض اطرافِ ہند کے بلاد میں فاعل فعل متعدی کے ساتھ بھی لفظ (نے) نہیں کہتے مثلاً تو کہا یا آپ فرمائے، بولتے ہیں اگر ان لوگوں کا یہی محاورہ معلومہ معروفہ ہے اور "دے دی" بیائے معروفہ کہا تھا اور زید نے یہی معنٰی سمجھ کر "ہاں" کہا تو حکماً طلاق واقع مانی جائے گی، اگرچہ عنداللہ طلاق نہ ہوئی جبکہ واقع میں نہ دی تھی اور جھوٹ اقرار کر دیا۔ تاج العروس میں ہے:

فی التھذیب قد یکون نعم تصدیقا ویکون عدۃ و حاصل مافی المغنی وشروحه انه یکون حرف تصدیق بعد الخبر ووعدہ بعد افعل ولاتفعل[1] الخ۔	تہذیب میں ہے کہ نعم (ہاں) کا لفظ تصدیق ہوتا اور وعدہ ہوتا ہے، اور مغنی اور اس کی شروح میں مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ نعم خبر کے بعد تصدیق اور کر (امر) اور نہ کر (نہی) بعد وعدہ ہوتا ہے الخ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

سئل نجم الدّین عن رجل قال لامرأته اذھبی الی بیت امّلك فقالت طلاق دہ تا بردم فقال تو برومن طلاق دادم فرستم قال لاتطلق لانه وعد کذافی الخلاصة[2]۔	نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "تو اپنی والدہ کے ہاں جا" بیوی نے جواب میں کہا "طلاق دے تاکہ میں جاؤں" خاوند نے کہا "تو جا میں نے طلاق دی ہے بھیج دی ہے" تو نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ وعدہ ہوگا۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن البزازیة والقنیة لواراد الخبر عن الماضی کذبا لایقع دیانة وان اشھد قبل ذلك لایقع قضاء ایض[3] اھ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	بحر میں بزازیہ اور قنیہ سے منقول ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر خاوند نے ماضی کے بارے میں جھُوٹی خبر دیتے ہوئے کہا ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر پہلے سے گواہ بنالئے ہوں تو قضاءً بھی طلاق نہ ہوگی اھ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم (ت)

[1] تاج العروس فصل النون من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۸

مسئلہ ۱۴۹: از کلکتہ امرتلہ لائن نمبر ۲۶ مسئولہ رحمت اللہ آدم غنی ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ثابت رہا یا طلاق ہوا، ہماری بی بی سے اور ہماری والدہ سے جھگڑا ہوا، اس رنجش سے ہماری والدہ دوسرے مکان پر چلی گئی ایک ہفتہ بعد جمعرات کو سب لوگ گئے، بی بی سے دریافت کیا کہ ہماری والدہ رنج ہو کر چلی گئی تم اُن کو راضی کرکے لاؤ، بی بی نے انکار کیا، میں نے بہت سمجھایا مگر وُہ راضی نہ ہوئی، میں نے کہا جب تک میری والدہ کو راضی نہیں کروگی ہم بھی تمہارے شریک رنج ملال کے نہیں ہوں گے، اس پر بی بی نے جواب دیا ہم تم کو اور تمہاری ماں کو نہیں چاہتے ہیں تم چلے جاؤ، میں مکان آئے لگا، بی بی نے کہا ایسے کیوں جاتے ہو صفائی کرکے چلے جاؤ ہم نے جواب دیا کہ کس کو صفائی کے لئے بلاؤں اپنے دل میں ارادہ کیا کہ روزانہ جھگڑے سے اس کو طلاق دینا ہی بہتر ہے، چلے آئے، بستی والوں نے پوچھا کہ کسی کے نزدیک اس کو طلاق دیا، ہم نے جواب دیا کہ اپنے دل سے طلاق اس کو دے دیا جس کو آٹھ نو مہینے کا زمانہ گزرتا ہے اس تاریخ سے آج تک ہم سے اس سے ملاقات نہیں ہے بعد پانچ چھ ماہ کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم اپنی بی بی سے کیونکہ نہیں ملتے، جواب دیا کہ ہم نے اس کو طلاق دے دیا بجواب اس کے تم نے کس کے نزدیک طلاق دیا، ہم نے اس کو کسی کے سامنے طلاق نہیں دیا اپنے دل سے اس کو ترک کردیا بجواب اس کے ان نے کہا کہ گھر بیٹھے طلاق طلاق طلاق نہیں ہوتا ہے کسی کے سامنے طلاق دینا چاہئے، اس پر اس نے کہا کہ ایسے طلاق نہیں ہوتا ہے، نہ ہوا، اس پر ہم نے کہا ایک طلاق دو طلاق تین طلاق یہ کہہ کر کہا اب ہوا یا نہیں؟ ان نے کہا ہو گیا۔

الجواب:

دل میں طلاق دینے سے نہیں ہوتی جب تک زبان سے نہ کہے،

بل بصوت یسمع نفسہ لولامنع کما ھوالصحیح لا معتمد فی کل ماھو قول کما فی الدر وغیرہ۔	بلکہ ایسی آواز سے جس کو مانع نہ ہونے پر خود سُن سکے، جیسا کہ یہی صحیح اور قابل اعتماد قول ہے ہر قولی معاملہ میں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے (ت)

پہلے شخص کے جواب میں اگریُوں کہتا کہ اپنے دل میں طلاق دے دی تو اس سے بھی طلاق نہ ہوتی لانہ اقرار بالباطل (کیونکہ یہ باطل کا اقرار ہے۔ت) مگر اس نے کہا کہ اپنے دل سے اس کو طلاق دے دی یہ ایک طلاق رجعی ہوئی، عبارتِ سوال سے ظاہر یہ ہے کہ اس گفتگو کے پانچ چھ مہینہ بعد دوسرے شخص سے گفتگو ہوئی، اور اگر ایسا ہے اور اس پانچ چھ مہینے میں گفتگوئے شخص اول کے بعد سے اب تک عورت کی تین حیض شروع ہو کر ختم ہو چکے تو یہ تین طلاقیں نہ ہوئیں **لفوات المحل**

بالبینونۃ (بائنہ طلاق کی وجہ سے اب طلاق کا محل نہ رہی۔ت) عورت اسی پہلی طلاق پر نکاح سے نکل گئی اب بلاحلالہ اس سے نکاح جدید کرسکتا ہے اور اگر اس پانچ چھ مہینے میں عورت کو تین حیض آکر ختم نہ ہوئے تو اب تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۰: طلاق کتنے مرتبہ دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوسکتی ہے؟

الجواب:

تین مرتبہ ہوجائے تو عورت ایسی نکاح سے باہر ہوتی ہے کہ بے حلالہ پھر اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین مرتبہ سے کم کے لئے کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ ان سے نکاح جاتا ہے مگر بے حلالہ نکاح پھر کرسکتا ہے، اور ابھی عورت سے خلوت کی نوبت نہ پہنچی ہو تو کسی لفظ سے ایک ہی طلاق دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱تا۱۵۲: از اندور چھاؤنی ریزیڈنسی گورنمنٹ پریس سنٹرل انڈیا مسئولہ عبدالکریم پسر سکندر خاں پہلواں ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو واقعی طلاق نہیں دی تھی کسی مقدمہ میں برسر اجلاس فریق ثانی کے سوال کے تردید میں جس نے کہ اس کی زوجہ کا بوجہ نوع بنوع تکالیف کے اس کے یہاں سے فرار ہونا ظاہر کیا تھا یہ جواب دیا کہ اس کی زوجہ فرار نہیں ہوئی بلکہ میں نے اس کو طلاق دے دی تھی لیکن بعد میں تحقیقات سے معلوم ہوا کہ شخص مذکور الصدر نے محض اپنی آبروریزی کے خیال سے نیز اپنی بات کو بالا رکھنے کی وجہ سے طلاق کا اظہار کچہری کے رُوبرو کیا تھا، آیا ایسی صورت میں جیسا کہ اس نے کچہری کے رُبرو ظاہر کیا طلاق ہونا جائز ہے کیا؟

(۲) شخص مذکور الصدر ہی نے ایک دعوی بازیابی زوجہ اپنی زوجہ کے خلاف کچہری مجاز میں دائر کیا، کچہری نے بعد انفصال مقدمہ ایک نوٹس میعادی آٹھ یوم بایں مضمون بنام مدعی جاری کیا کہ میعاد مقررہ کے اندر مدعی اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور سمجھا جائے گا کہ مدعی مذکور کی جانب سے طلاق ثلاثہ ہوگئی، چنانچہ نوٹس مجریہ بعد بعد اطلاع یابی مدعی بلا کسی اطلاع کے کہ مدعی اپنی زوجہ کو اتنے روز میں لے جائے گا موصول کچہری مجاز ہوگا، بعد اختتام میعادِ مذکور وکیل مدعاعلیہا نے ازروئے قانون مروجہ ہدایت کی کہ مدعاعلیہا اب اپنا عقد ثانی کرسکتی ہے، اس صورت میں اگر خلاف مدعاعلیہا کسی قسم کا دعوی مدعی کی طرف سے ہوگا تو اس کا ذمّہ دار میں ہوں، لہذا عرض ہے کہ اس صورت میں بھی کہ جو یہاں کی گئی تحریر فرمائیں ازروئے شرع شریف طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:

پہلی صورت میں ایک طلاق ہوجانے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ عنداللہ نہ ہو، جبکہ جُھوٹ کہا ہو **کما فی الخیریۃ فیمن اقربا لطلاق کاذبا** (جیساکہ خیریہ میں طلاق کا جھوٹا اقرار کرنے والے کی بحث میں ہے۔ت)

صورت دوم میں ہرگز طلاق نہ ہوئی، نوٹس میں دوسرے کا یہ لکھ دینا اور شوہر کا جواب نہ دینا محض مہمل ہے، ہرگز اس سے عورت کو دُوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں ہوسکتا، حدیث میں ہے: **الطلاق لمن اخذ بالساق**[1] (طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳: از شہر رجمٹ اکا کور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب سہارنپوری ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو کو عشق ہوگیا تھا اور ہر وقت خیالِ معشوق رہتا تھا اور فکر دل رہتا تھا اور خلش بہت تھی عمرو نے گھبراہٹ میں طلاق دے دی، اس کلمہ کو دن میں بار بار جنون کی حالت میں بیان کرتا تھا۔

الجواب:

فقط گھبراہٹ یا دماغ پر گرمی کا نام جنون نہیں، اگر واقعی مجنون نہ تھا تو طلاق ہوگئی، اگر تین بار کہی تو تین بار، وُہ الفاظ جو اس نے بار بار کہے سائل نے بیان نہ کئے کہ اُن کا مفصل حکم دیا جاتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میں لڑائی ہوئی، زید نے حالتِ غیظ وغضب میں ہندہ کو طلاق نامہ لکھ دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا، اُسے مدت گزری یہاں تک کہ عدت گزر گئی، اب زید کہتا ہے کہ مجھے طلاق منظور نہ تھی میں نے شدتِ غضب میں وہ طلاق نامہ لکھا تھا اور زبان سے کوئی لفظ طلاق نہ کہا تھا، پس اس صورت میں زید کا یہ عذر قابلِ سماعت ہے یا نہیں؟ ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو اب زید اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کا مہر زید پر واجب الادا ہوگیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غصّہ مانعِ وقوعِ طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اسے مانع قرار دینا گویا حکمِ طلاق کا راسًا ابطال ہے، ہاں اگر شدّتِ غیظ وجوشِ غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہوجائے، خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے، تو بیشک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی، پس صورت مستفسرہ میں اگر زید اس حالت تک نہ پہنچا تھا تو صرف غصّہ ہونا اسے مفید نہیں اور

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۲

طلاق جس طرح قول سے واقع ہوتی ہے یونہین تحریر سے، پس وہ طلاق واقع ہو گئی اور بہ سبب مرور عدت کے اب رجوع بھی نہیں کرسکتا، ہاں اگر تین طلاقیں نہ تھیں تو نکاح جدید بے حلالہ کے کرسکتا ہے ورنہ حلالہ کی ضرورت ہے **کما ھوالحکم المعروف** (جیسا کہ حکم مشہور ہے۔ت) اور مہر ہندہ اس صورت میں بیشک زید پر واجب الادا ہے، اور اگر وہ دعوی کرے کہ اس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہو گئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کیا میرے منہ سے نکلتا ہے، تو اطمینانِ ہندہ کے لئے اس کا ثبوت گواہانِ عادل سے دے کہ اگرچہ عنداللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو اور اسے عورت کے پاس جانا دیانتًا روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت بقائے نکاح اس کے پاس رہنا ہرگز حلال نہیں ہوسکتا، تو ضرور ہوا کہ زید اپنے دعوی پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اسے پہلے بھی کبھی اس کی ایسی حالت ہو گئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۱۵۵: ازرامپور محلّہ پھول واڑہ مرسلہ محمد علی صاحب مورخہ ۷ ذی الحجۃالحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ طلاق کے کہ زید کی بیوی جب اپنے میکہ گئی تو علیل ہو گئی اور حاملہ بھی ہے جب کچھ فرست ہوئی تو سسرال میں آئی شام کے ۷ بجے ماہِ رمضان میں ایک دورہ گرمی یا کسی دوسری بیماری کے سبب سے لاحق ہوا اور اس وقت کی حالت خطرناک تھی زید اپنے مکان پر موجود نہ تھا کچھ عرصہ کے بعد جب زید مکان پر آیا اور اپنی کو ایسی حالت میں دیکھا فورًا واپس گیا تاکہ حکیم صاحب کو لائے جب حکیم صاحب کے یہاں وُہ جارہا تھا تو اس نے اپنی سسرال میں بھی اس واقعہ کی خبر کردی جس پر زید کے خسر اور ساس آگئے حکیم صاحب نے اپنی تشخیص سے یہ ثابت کیا کہ کسی چوٹ کی وجہ سے یہ دورہ پڑا ہے اس پر زید کے سالے نے یہ خیال کرکے کہ زید نے اس کی ہمشیرہ کو مارا ہے سخت وسُست کہنا شروع کیا جس پر زید بھی وہی کہنے کے لئے تیار ہوگیا، نوبت بانیجار سید کہ ہاتا پائی شروع ہو گئی، زید کی والدہ نے زید کے پھوپھازاد بھائی کو آواز دی اور وُہ زید کی زوجہ سے بھی یہ رشتہ رکھتے ہیں وہ فورًا آگئے اور زید کو پکڑ کرلے گئے۔ اس وقت زید کی حالت ایک دیوانے کُتّے کی تھی اس کو کسی بات کا ہوش نہ تھا، اسی رات میں اس نے یہ کہا جس عورت کی وجہ سے یہ بے عزّتی مجھ کو اٹھانا پڑی میں نے اس کو تین طلاق پر چھوڑا لیکن یہ کلمہ ایک مرتبہ اس کے منہ سے نکلا زید کے خسر اپنی بیٹی کو اسی وقت لے گئے جس کو اب تک دو ۲ ماہ اور کچھ دن گزرے اس پر کیا حکم ہے اور زید نے اپنی بیوی بلانے کے لئے کہا ہے۔

الجواب:

تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں ہوسکتا مگر جبکہ گواہانِ عادل شرعی سے ثابت ہو کہ واقعی وہ اس وقت حالتِ جنون میں تھا یا یہ معلوم و مشہور ہو کہ اسے جب غصّہ آتا ہے عقل سے باہر ہوجاتا ہے اور حرکاتِ مجنونانہ اس سے صادر ہوتی ہے اس حالت میں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ اس وقت میرا یہی حال تھا اور میں عقل سے بالکل خالی تھا تو قبل کرلیں گے اور بحکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر جُھوٹا حلف کریگا وبال اس پر ہے **والمسئلة فی الخیریة وردالمحتار وغیرھا** (یہ مسئلہ خیریہ اور ردالمحتار وغیرہما میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: ۲۸ ربیع الثانی شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی کے جبر وظلم سے محض ناچار ومجبور ہو کر اپنی عورت کو طلاق دے دی اور طلاق نامہ لکھ دیا اس صورت میں طلاق پڑے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

طلاق بخوشی دی جائے خواہ بجبر' واقع ہوجائے گی۔ نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ، شیشہ پر پتّھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چھوٹ پڑے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ زبان سے الفاظِ طلاق کہنے میں ہے، اگر کسی کے جبر واکراہ سے عورت کو خطرہ میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا اور زبان سے الفاظِ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو مکرھا او مخطئا[1] **وفی ردالمحتار عن البحران المراد الاکراہ علی تلفظ بالطلاق فلو اکرہ علی ان کتب طلاق امرأته فتکتب لاتطلق لان الکتابه اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة ھنا**[2]۔	ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق نافذ ہوجائیگی اگرچہ مجبور کیا گیا یا خطاء سے طلاق کا کہہ دیا ہو، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ جبر سے مراد لفظ طلاق کہنے پر جبر کیا گیا ہو، اور اگر اس کو اپنی بیوی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ کتابت کو تلفّظ کے قائم مقام محض حاجت کی بناء پر کیا گیا ہے اور یہاں خاوند کو حاجت نہیں ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۱

مگر یہ سب اس صورت میں جبکہ اکراہ شرعی ہو کہ اُس سے ضرر رسانی کااندیشہ ہوا اور وُہ ایذاء پر قادر ہو صرف اس قدر کہ اُس نے اپنے سخت اصرار سے مجبور کردیا اور اس کے لحاظ پاس سے اسے لکھتے بنی، اکراہ کے لئے کافی نہیں یُوں لکھے گا تو طلاق ہوجائے گی کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از ڈاک خانہ راموچکما کول ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ مفیض الرحمٰن ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کسی نے ایک شخص کو جبرًا نشہ پلایا وُہ حالتِ بیہوشی میں اگر عورت کو طلاق دے تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب:

لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں، اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی اور اس نشہ میں طلاق دی بلاشبہہ بالاتفاق ہوگئی، ہاں اگر جبر واکراہِ شرعی ہو۔ مثلاً قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے جس کے نفاذ پر یہ اسے قادر جانتا ہو، یایُوں کہ کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر منہ چیر کر حلق میں شراب ڈال دی تو یہ صورت ضرور جبر کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اس نشہ میں اگر طلاق دے نہ پڑے گی۔ درمختار میں ہے:

اختلف التصحیح فیمن سکر مکرھا او مضطرا[1]۔	جس شخص نے مجبور ہو کر یا اضطراری حالت میں نشہ آور چیز کو استعمال کیا اور اسی نشہ میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسے شخص کی طلاق میں تصحیح مختلف ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

صحح فی التحفۃ وغیرھا عدم الوقوع وفی النھر عن تصحیح القدوری انہ التحقیق[2]۔ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تحفہ وغیرہ میں طلاق واقع نہ ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور نہر میں قدوری کی تصحیح بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہی تحقیق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۴

مسئلہ ۱۵۸: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اگر طلاق جبراً دلوائی جائے تو اگر خوفِ جان سے مجبوراً اگر کوئی عورت اپنی کو طلاق دیوے تو طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں اور اگر لفظِ نفی آہستہ سے اپنی دبی زبان سے کہہ لیوے کہ وہ نہ سمجھے اور نہ سُنے تو بھی واقع ہوجاوے گی یا نہیں مثلاً یہ کہے میں نے اپنی عورت کو طلاق (نہیں) دی یا لفظ استثنا (اِن شاء اللہ) آہستہ سے کہہ لیوے تو کیا حکم ہے، یا اور کوئی حیلہ ہوسکتا ہے یا نہیں جس سے طلاق واقع نہ ہو۔

الجواب:

طلاق اگر دبی زبان سے دے کیسے ہی جبر واکراہ سے دی ہوجائے گی، اور استثناء یا الحاق نفی اگر ایسی آواز سے تھا کہ خود اپنے کان تک پہنچے کے قابل بھی نہ تھی تو عنداللہ بھی معتبر نہیں طلاق ہوگئی، اور اگر اپنے کان تک آواز آئی اس مکرہ نے نہ سنی نہ اور حاضرین نے تو قضاءً طلاق جائے گی عنداللہ نہ ہوگی۔ حیلہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے اکراہ پر کہے طلاق طلاق طلاق، اور نیّت یہ کرے کہ مہمل مطالبہ کررہے ہو، لیکن مکرہ اگر ہوشیار ہے اور بے تصریح اضافت نہ مانے تو کوئی حیلہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۹: از حافظ شمس الدّین شاہ آباد ضلع ہردوئی گگیانمی ۲۰ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پندرہ سال سے دیوانہ ہوگیا ہے اواس کی عورت ہے اس کو اپنی عورت سے کوئی غرض واسطہ نہیں ہے، اس کا حق پورا نہیں کرسکتا کھانا کپڑا وغیرہ کچھ نہیں دے سکتا ہے، عرصہ آٹھ دس ماہ کا ہوا اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے، تب اس نے دو۲ مرد اور ایک عورت کے سامنے طلاق دے دی، تین بار اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، عورت کون ہے جس کے رُوبرو طلاق دی دیوانہ کی ماں ہے، مرد وہ کون ہیں جن کے رُوبرو طلاق دی ایک دیوانہ کا بھائی ہے دوسرا بھانجا ہے یہ شخص ایسا دیوانہ نہیں ہے جو بالکل ہوش وحواس نہ رکھتا ہو، کھاتا پیتا ہے مکان میں رہتا ہے اس کی کوئی جائداد ایسی نہیں جو اپنا گزر کرسکے، اس کی عورت دوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ برائے مہربانی جواب سے جلد مطلع فرمائے

الجواب:

مجنون کی طلاق باطل ہے وُہ لاکھ دفعہ طلاق دے ہرگز نہ ہوگی، نہ عورت کو دوسرے سے نکاح جائز ہوگا نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے لان الولایۃ للنظر لاللضرر (کیونکہ

ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے ضرر کے لئے نہیں۔ت) کھاناپینا مکان میں رہنا منافی جنوں نہیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور زوجہ عبدالرحمٰن صاحب ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محبوبن کا نکاح مستری عبدالرحمٰن سے عرصہ نوسال کا ہواجب ہوا تھابعد نکاح ایک سال تک باقاعدہ رہاپھراس کے یہاں سے چلاگیاچونکہ مکان مسماۃ محبوبن کا تھااس واسطے وُہ اکیلی مکان میں رہی محلّہ والے اس کو سمجھا کرلائے غرضکہ اسی طرح کبھی وُہ چلاجاتا اور کبھی آجاتا یونہی عرصہ نوسال کا ہوابعد نوسال کے وہ لوگ جونکاح کے گواہ تھے ان کے سامنے کہہ گیا تین بار کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی اور کہانہ تُو میری بی بی نہ میں تیرا شوہر اب اس صورت میں نکاح جائز رہایانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سچ اور جُھوٹ کا حال اللہ جانتا ہے، یہ حلال وحرام وقبر وحشر کا معاملہ ہے، بناوٹ سے حلال حرام نہ ہو جائے گا، نہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بناوٹ کام دے گی جولوگوں کی چھپی جانتا ہے، اگرواقع میں عورت جانتی ہے کہ وُہ تین بار اس سے یہ الفاظ کہہ گیاتو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہےاوراگرشوہر واپس آئے اور طلاق سے منکر ہواور گواہوں میں دو۲ گواہ حامل قبول نہ نکلیں توطلاق ثابت نہ ہوگی شوہر کے حلف کے بعد عورت اُسے جبراً واپس دلائی جائے گی۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۱تا۱۶۳: از فتح پور ضلع شیحاواٹی درگاہ مسئولہ پیرجی محمد حنیف صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کتنی بار طلاق دینے سے عورت خاوند پر حرام ہوسکتی ہے؟

(۲) جس شخص اپنی زوجہ کو دس۱۰ بار طلاق دے اوراس کے ثبوت میں تین بار خاص اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ لکھ کر لوگوں پر ظاہر کرے توکیاوُہ عورت بغیر حلالہ اس کے لئے بغیر نکاح حلال ہوسکتی ہے؟

(۳) اسی مطلقہ سے اُنہیں شرطوں پر بغیر حلالہ کئے رہی، طلاق دینے والا خاوند صحبت کرتا رہے اوراس کو بدستور اپنے عملدرآمد میں لاتا رہے اس کا کیا حکم ہے؟ اُس کی اولاد کیسی ہے اوراس کی جائداد کی مستحق ہوگی یانہیں اورایسا شخص قابلِ خلافت وسجادگی و خرقہ درویشی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں پھر وُہ عورت اس کے لئے بے حلالہ کسی طرح حلال نہیں ہوسکتی،

قال اللہ تعالٰی فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) جس نے دس طلاقیں دیں، تین سے طلاق مغلظ ہوگئی اور باقی سات ۷ شریعت سے اس کا استہزا تھیں، بلا نکاح تو مطلقہ بائن بھی حلال نہیں ہوسکتی ہے اور یہ تو نکاح سے حرام محض رہے گی جب تک حلالہ نہ ہو طلاق دے یا مرجائے اور بہر حال اس کی عدت گزر جائے اس کے بعد اس پہلے سے نکاح ہوسکتا ہے ورنہ ہرگز ورنہ ہرگز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) وُہ صحبت زنا ہوگی اور اسے اگر مسئلہ معلوم ہے تو یہ زانی اور شرعًا سزائے زنا کا مستحق اور اولاد ولدالزناء اور ترکہ پدری سے محروم، اور ایسا شخص قابلِ خلافت وسجادہ نشینی نہیں،

وقد قال فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار انہ زنا اذاعلم بالحرمۃ[2]۔	ردالمحتار وغیرہ کتب میں فرمایا: جب حرام ہونا معلوم ہے تو یہ زنا ہے۔ (ت)

اور اس میں برابر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا متفرق۔ درمختار میں ہے:

لاحد بشبہۃ الفعل ان ظن حلہ کوطء معتدۃ الثلاث ولوجملۃ[3]۔ (ملخصًا)	جب حلال ہونے کا گمان کیا تو یہ شبہہ فعل ہوگا جس پر حد نہیں، جیسا کہ اپنی مطلقہ ثلاثہ کی عدت میں جماع کیا اگرچہ اکٹھی تین طلاقیں ہوں (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ولوکان تطلیقۃ الثلاث بلفظ واحد فلایسقط عنہ الحد الاان ادعی ظن الحل	یعنی ایک لفظ سے تینوں طلاقیں دے دی ہوں تو عدت میں وطی کرنے پر حد ساقط نہ ہوگی مگر اس نے اس صورت میں حلال ہونا گمان ہو تو پھر

[1] القرآن ۲/۲۳۰

[2] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۱۲، ۶۱۰، ۶۱۵

[3] درمختار باب العطاء الذی لایوجب الحد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۱۸

وکذالو وقع الثلاث متفرقۃ بالطریق الاولٰی اذلم یخالف فیہ احد لان القراٰن ناطق بانتفاء المحل بعد الثلاثۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس پر حد نہ ہوگی، اور یوں ہی اگر اس نے تین متفرق دی ہوں تو بطریق اولٰی حد ساقط ہوگی کیونکہ اس میں کوئی مخالف نہیں تین طلاقوں کے بعد بیوی کا محلِ وطیئ نہ رہنا قرآن کی نص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۴تا۱۶۶:　جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ اور نابالغہ کا نکاح بذریعہ اُن کے ولی کے ہوسکتا ہے یانہیں؟

(۲) زید نے اپنی لڑکی نابالغہ عمر تقریباً دس ۱۰سال کا نکاح ایک لڑکے چوبیس ۲۴ سالہ کے ساتھ کردیا اپنی ولایت سے درست ہے یانہیں؟

(۳) اگر اس لڑکی نے کچھ اشارہ وقت لینے اقرار کے کردیا ہو تو بھی نکاح درست ہے۔ اب عمرو نے ان تینوں صورتوں میں ایسی کسی صورت کو حاصل کرکے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اس کے باپ کے کہنے سے، اور لڑکی بھی اپنی نادانی سے طلاق پر رضامند تھی طلاق ہوگئی، لفظ طلاق یوں کہا طلاق دی طلاق دی طلاق دی، تین دفعہ کہنے سے طلاق ہوگئی، اب بعد طلاق اس کا نکاح پھر پڑھا جاوے تو کس شرط کے بعد نکاح جائز ہوجائے گا؟ **بینوا توجروا** (بیان کرکے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

نابالغ نابالغہ کا نکاح بذریعہ ولی ہوسکتا ہے۔

(۲) باپ نے اپنی نودس برس کی لڑکی کا نکاح چوبیس سالہ لڑکے کے ساتھ کردیا درست ہے،

وقد تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امّ المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا وھی بنت ست سنین و بنی بہا وھی بنت تسع سنین[2]۔	بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح فرمایا تو وہ چھ سال کی تھیں آپ نے رخصتی حاصل کی تو وہ نوسال کی تھیں۔ (ت)

(۳) ولی جائز کے ہوتے نابالغہ کے اشارہ کی کوئی حاجت نہیں اور بغیر ولی کے نابالغہ کا اشارہ یا خود زبان سے صراحت ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں، شوہر عاقل بالغ نے اگر اپنی زوجہ نابالغہ کو طلاق دی

---

[1] ردالمحتار باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۲

[2] سنن ابن ماجہ باب نکاح الصغار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۶

قال اللہ تعالٰی فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: نابالغہ اور جن کو حیض بند ہوگیا ہے ان کی عدت تین ماہ ہے۔ (ت)

اس کے بعد اس کا نکاح ہوسکتا ہے،

فی الدرالمختار العدۃ فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعًا اوکبربان بلغت سن الایاس ثلثۃ اشھران وطئت فی الکل ولو احکما کالخلوۃ ولو فاسدہ مطلقا[2]۔	درمختار میں ہے: جن عورتوں کو نابالغی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، نابالغی سے مراد جو نوسال کو نہ پہنچی اور بڑھاپے سے مراد جن کا رِحم ناقابل ہوگیا، توان سب مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ حکمًا مدخولہ ہوں جیساکہ خلوت مطلقًا خواہ فاسدہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المطلقۃ قبل الدخول لایلحقھا طلاق اخراذالم تکن معتدۃ بخلاف ھٰذہ[3]۔	قبل از دخول مطلقہ کو دوسری طلاق ملحق نہ ہوگی بشرطیکہ عدت والی نہ ہو بخلاف عدت والی کے۔ (ت)

اور اگر ابھی خلوت نوبت نہ آئی تو ایک طلاق ہوئی اور عورت پر عدّت نہیں اسی وقت جس سے چاہے نکاح ممکن ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: از پنڈی ضلع منڈلہ مرسلہ ولی محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

محمد بخش نے اپنی عورت کو اس ترکیب سے ایک خطبہ یوں طلاق دیا کہ طلاق طلاق طلاق، اور مہر بھی جو کچھ تھا ادا کردیا، اور طلاق دئے ہوئے عرصہ ایک سال کا ہوا، اور اب پھر دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں مطابق دوسرے پارہ کے، جیساکہ چودھویں رکوع میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے، مگر ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا

[1] القرآن ۶۵/۴

[2] درمختار باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۱

صورتِ بالامیں مطابق قرآن وحدیث کے جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

اگراس نے اتنے ہی لفظ کہے کہ طلاق طلاق طلاق، نہ یہ کہا کہ دی، نہ یہ کہا کہ تجھ کو یااس عورت کو، نہ یہ الفاظ کسی ایسی بات کے جواب میں تھے جس سے عورت کو طلاق دینا مفہوم ہو، تو طلاق اصلًا نہ ہوئی، وہ بدستور اس کی عورت ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، اور اگراس کے ساتھ یااس بات میں جس کے جواب میں یہ الفاظ تھے وُہ لفظ موجود تھے جن سے یہ مفہوم ہو کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی یاوہ اقرار کرے کہ میں نے یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیّت سے کہے تھے تو تین طلاقیں ہوگئیں بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: از ڈھاکہ مرسلہ عبدالکریم میاں ۱۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی برادری میں کوئی بات لے کر آپس میں متنازع ہو رہے تھے اس گفتگو میں وہ شخص کہنے لگا بھائی! میں ایک پریشانی اٹھاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنی زوجہ کی سبب سے ہمیشہ پریشان ہوں کیونکہ وہ عورت میری باتوں میں دخل دیا کرتی ہے لہٰذا میں شرمندہ ہوں اُس وقت اُن کی زوجہ گھر میں تھی میاں نے جواپنی زوجہ کی شکایت کیازوجہ نے ازاول تاآخر سب سُنا زوجہ نے جواب دیا اگر میرے سبب تمہارے تکلیف اور ناگوار ہو تو مجھے نکال دوگے اور کیا کروگے، زوج زوجہ کا کلام سُنتے ہی خفا ہوگیااور کہا جاایک طلاق دوطلاق تین طلاق دادم، آیااس صورت مذکورہ میں وہ عورت تین طلاق سے مغلظہ ہوئی یانہیں مگر طالق نہ مخاطب زوجہ کو ہوانہ اُن کا نام لیااور سوال میں جو لفظ "جا" مقولہ طالق ہے یہ معنی امر کی مقصود نہیں ہے بلکہ وُہ اپنے کلام میں اکثر یہ لفظ بولا کرتے ہیں معنی امر کے نہیں ہوتے ہیں باوجود ان وجوہات کے کیاحکم؟

الجواب:

اگر "جا" سرے سے کلمہ خطاب نہ ہوتا یاحسب قول سائل یہ اُس کا تکیہ کلام ہےاس سے خطاب کاارادہ نہیں کرتااور کلام مُطلّق کہ جواب زوجہ میں ہے اُس کے جواب میں بھی نہ ہوتا ابتداءً ہوتا اتنا ہی کہتاکہ "تین طلاق دادم" جب بھی بلاشبہہ حکم مغلظہ دیا جاتا کہ طلاق دینے سے ظاہر زوجہ ہی کاارادہ ہے ہاں ازانجاکہ کلام زوجہ میں سوال طلاق نہ تھانہ کلام زوج الفاظ ایک طلاق دوطلاق الخ عورت کی طرف اضافت ہے اور "جا" احتمال مذکور سائل کے علاوہ خود کنایات سے ہے صریح الفاظ سے نہیں کہ تقدم طلاق ہوکر خود مذاکرہ ثابت ہوجائے ان وجوہ سے عدم نیت کااحتمال باقی ہے اگر زوج بحلف شرعی کہہ دے کہ اُس نے

نہ لفظ۔"جا" بہ نیت طلاق کہانہ "طلاق دادم" سے زوجہ کو طلاق دینے کاارادہ کیاتواس کا قول مان لیں گے اور اصلاً طلاق نہ ہونے کا حکم دیں گے اگر جُھوٹا حلف کرے گا اپنے زنااور زوجہ کے زنا کا سخت شدید وبال اس کی گردن پر ہے، اور اگران میں سے کسی بات پر حلف نہ کرے یا صرف امر دوم پر حلف کرے تو تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔اور اگرامر دوم پر حلف کرلے کہ اس طلاق دادم سے عورت کو طلاق کی نیّت نہ تھی لیکن یہ حلف نہ کرے گا کہ لفظ "جا" بہ نیت نہ کہا تو عورت اُسے حاکم کے یہاں پیش کرے اگر حاکم کے سامنے حلف کرلے گا کہ "جا" بھی طلاق کی نیت سے نہ کہا تو حکمِ طلاق نہ ہوگا، اور اگر وہاں بھی اس پر حلف سے باز رہا تو تین طلاق ہوجانے کا حکم دیں گے۔

وذلك لان المطلوب فی اللفظ الثانی لعدم الحکم بالطلاق وجود الحلف بانه لم ینوبه الطلاق فاذا لم یوجد حکم به قال فی الخانیة والبزازیة قال لها لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلف بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکره حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] اھ وفی ردالمحتار یفهم منه انه لو لم یقل ذلک (ای لم یحلف انه لم یرد به طلاقها بل طلاق غیرها) تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لابطلاق غیرها فقوله انی حلفت بطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمل کلامه[2] اھ وتمام تحقیقه	یہ اس لئے کہ دوسرے لفظ میں طلاق نہ ہونے کا حکم، اس قسم پر کہ اس نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا، مطلوب ہے، توجب قسم نہ پائی گئی تو طلاق کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور بزازیہ میں فرمایا خاوند نے بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر باہر مت نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے تو بیوی باہر نکل گئی، اس پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کا قسم میں ذکر نہیں ہے اور اس میں کسی غیر عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے، اس لئے خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں یوں ہے کہ اس سے معلوم ہورہاہے اگر خاوند یہ بات نہ کہے، یعنی اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ نہ کرنے اور غیر کا ارادہ کرنے کی قسم نہ کھائے، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیوی والا اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے کسی دوسری عورت کی قسم نہیں کھاتا تو خاوند کی قسم

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲۷۰/۴

[2] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۰/۲

فیما علقناء علیه،والمطلوب فی الفظ الاول لحکم الطلاق به نکوله عن الحلف بانی لم ینوبه الطلاق والنکول لایکون الاعند القاضی فاذا نکل عنده حکم بالطلاق به فحصلت الاضافه فی کلامه فحمل اللفظ الثانی من دون حاجة الی اقراره بالنیة لکنونه صریحا۔قال فی الدر المختار من الکنایات والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی[1] قال ط ثم ش فان نکل ای عند القاضی لان النکول عند غیرہ لایعتبر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کے متعلق اسکی اپنی بیوی کے لئے ہی ہوگی جب تک دوسری عورت کے ارادے کو ظاہر نہ کرے، کیونکہ دوسری کا بھی احتمال ہے اھ،اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔اور پہلے لفظ یعنی "جا"میں طلاق کا حکم لگانے کے لئے،اس کا قسم سے انکار مطلوب ہے کہ میں نے بیوی کی طلاق نہیں مراد لی، جبکہ قسم سے انکار صرف قاضی کے ہاں معتبر ہوتا ہے تو جب قاضی کے سامنے قسم سے انکار کردے گا تو قاضی طلاق کا حکم کردے گا،تو یوں انکار کی وجہ سے اسکے کلام میں اضافت حاصل ہوجائیگی،تو دوسرے لفظ کو طلاق پر محمول کرنے کے لئے اسکے اقرار بالنیۃ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ اس میں صریح ہے۔درمختار کے باب کنایات میں ہے کہ نیت ہونے سے متعلق خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور گھر میں ہی اس سے قسم لینا کافی ہے،اگر وہ قسم سے انکار کرے تو بیوی کو قاضی کے ہاں پیش کرنے کا حق ہوگا اگر وہ قاضی کے ہاں پیش کرنے کا حق ہوگا اگر وہ قاضی کے ہاں بھی حلف سے انکار کردے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے گا، مجتبٰی اھ، طحاوی پھر شامی نے فرمایا کہ قسم سے انکار قاضی کے ہاں انکار مراد ہے کیونکہ غیر قاضی کے ہاں قسم سے انکار معتبر نہیں ہوتا،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۹: از سرائے چھیبلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ صاحب امام مسجد جامع ۱۹رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ کو طلاق دی، دس بارہ روز بعد نکاح کرکے اُسے پھر رکھ لیا برادری نے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵

زید کو دبایا تو کہا میں نے طلاق رجعی دی تھی وُہ بھی ایامِ حیض میں، جو گواہ وقتِ طلاق موجود تھے وہ حلفی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دیں اور زید بھی حلفی بیان کرتا ہے کہ ہاں طلاق دی مگر یہ نہیں کہتا کہ تین دیں یا ایک، مجھے یاد نہیں، قولِ زید ہے کہ عورت سے جو تکرار رہتی تھی اس لئے دھمکانے کو کاغذ تحریر کردیا تھا اب عورت و مرد نے کاغذ دونوں چاک کرڈالے، زید کہتا ہے کہ حشر کا بوجھ میں پنے ذمّہ لیتا ہوں گواہ غلط بیان کرتے ہیں. برادری نے اس زید کو خارج کردیا ہے اور صہ عہ ۲۵ جرمانہ کردئے تو اب برادری میں اُسے ملالیں یا عورت کو الگ کراکر ملادیں اور جرمانہ برادری کا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

طلاق جب دی جائے واقع ہوجائے گی خواہ دھمکی مقصود ہو یا کچھ اور، صریح لفظ محتاج نیت نہیں ہوتے اُن سے نیّت کرے یا نہ کرے طلاق ہوجاتی ہے، اگر وُہ تین طلاقیں دینے یا لکھنے کا مقر ہے اور عذر یہ بیان کرتا کہ دھمکی مقصود تھی طلاق کی نیت نہ تھی تو بلاشک تین طلاقیں ہوگئیں اور بغیر حلالہ اُسے رکھنا زنائے محض ہے، جب تک اُس عورت کو نکال نہ دے اور علانیہ توبہ نہ کرے برادری میں ہرگز نہ ملایا جائے، یُونہی اگر وُہ مقر نہ ہو مگر دو۲ گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اپنے سامنے تین طلاقیں دینے کی شہادت دیتے ہوں جب بھی تین طلاقیں ہوگئیں، اور حکم یہی ہے جو اُوپر گزرا، اگر نہ وُہ تین طلاقوں کا اقرار کرتا ہو نہ گواہوں میں دو۲ شخص ثقہ قبول شرع ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ (مسودہ ناقص ملا) [تاہم خلاصلہ کلام متروکہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کے اقرار پر فیصلہ ہوگا۔ مترجم]

مسئلہ ۱۷۰: از لمکن ضلع بریلی مرسلہ قاضی اشفاق حسین صاحب ۲۲صفر ۱۳۱۶ھ

مع فتوائے شخصے غیر مقلد کہ تین طلاقیں ایک جلسہ میں ایک ہی طلاق حضرت ارشاد فرمائیں کہ یہ فتوی صحیح ہے یا نہیں اور اس پر عمل جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فقط حضرت پر اطمینان ہے جو حکم ہو اس پر عمل کریں۔ والسلام

الجواب:

مکرمی کرم فرمائے قاضی محمد اشفاق صاحب اکرمکم اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ فتوی جس کی نسبت فقیر کا مسلک آپ دریافت فرماتے ہیں نظر سے گزرا یہ محض غلط حکم ہے اس پر عمل حرام ہے، یہ نہ صرف ہمارے ائمہ بلکہ چاروں مذہب کے خلاف ہے، اس کی تفصیل علمائے کرام اپنی تصانیف میں اعلٰی درجہ پر فرما چکے انہیں باتوں کو جن کے جواب ہزار ہزار بار دے دئے گئے پھر پیش کردینا حضرات وہابیہ کا قدیمی داب ہے، لطف یہ ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت صریح لکھا کہ انہوں نے فتوٰی دیا اور پھر یہ کہ حکمِ خدا اور رسول کے خلاف

تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خدا و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا خلاف نہ کرنا چاہا، حکمِ خدا اور رسول خود بھی جانتے تھے کہ وُہ یہی ہے، کیا فتوٰی اپنے گھر سے جو جی میں آئے کہہ دینے کا نام ہے یا خدا و رسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا حکم بتانا، ان کے اگلوں نے اسی معاملہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر صریح تبرا لکھے ہیں محمد ابن اسحٰق عــہ کی نقل کی اور دعوی یہ کہ ہم کسی کے مقلد نہیں، اگر مقلّد نہیں ہو تو امام بخاری کی بات ماننی کس آیت وحدیث نے فرض کی، امام بخاری سے پہلے جو ائمہ کرام امام مالک وامام ہشام الدین بن عروہ کہ تبع تابعین تھے اور امام بخاری سے علمِ حدیث وعلمِ فقہ ہر بات میں بدرجہا افضل واعلٰی تھے، اور ان کے سوا اور ائمہ نے جو قسمیں کھا کھا کر فرمایا کہ ابن اسحاق دجال کذّاب ہے، وہ کیوں نہ مانے۔ اس سے مقصود یہ کہ یہ حضرات جہاں جس کی بات مطلب کی دیکھتے ہیں اُس کا کلام وحی قرآن وحدیث ٹھہرا لیتے ہیں ورنہ پھینک دیتے ہیں کہ ہم کسی کے مقلّد نہیں، والسّلام!

مسئلہ ۱۷۱ تا ۱۷۳: از بلرام پور ضلع گونڈہ محلّہ پورنیا تالاب متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد آتشباز ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک مجمع میں دیں۔ ہندہ عرصہ پانچ ماہ تک اپنے باپ کے گھر رہی، پانچ مہینے کے بعد پھر زید کے گھر چلی گئی اور عرصہ دراز تک زید کے گھر رہی، ہندہ کو جب تین طلاق کا مسئلہ معلوم ہوا تو زید سے منہ موڑنا چاہا تب زید قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایک طلاق دی تھی اور ایک مہینہ کے بعد رجعت کرلی تھی، ہندہ رجعت کی منکر ہے اور تین طلاق پر گواہ رکھتی ہے، ایسے وقت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہوں یا زید کی قسم معتبر ہوگی۔

(۲) اگر عورت نے شہادت پیش کرکے کچہری انگریزی سے ڈگری اپنی طلاق کی حاصل کرلے تو یہ عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا اب تک پہلے ہی شوہر کی منکوحہ رہے گی۔

(۳) تین طلاق یا طلاق کچہری انگریزی کی صورت میں اگر کچھ لوگ شوہر کی طرفداری کرکے عورت کو لوٹانا چاہیں تو کیا حکم ہے، ان لوگوں کے ساتھ میل جول جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسی صورت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہیں جبکہ قابلِ قبول شرع ہوں اور زید کی قسم پر کچھ لحاظ نہ ہوگا ہاں اگر گواہ ناقابلِ قبول ہوں تو زید کی قسم معتبر ہوگی پھر اگر ہندہ اپنے ذاتی یقینی علم سے جانتی ہے کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اسے جائز نہ ہوگا کہ زید کے ساتھ رہے ناچار اپنا مہر یا مال دے کر جس طرح ممکن ہو طلاق بائن لے اور یہ بھی ناممکن ہو تو زید سے دُور بھاگے اور یہ بھی ناممکن ہو تو وبال زید

عــہ: اصل میں بیاض ہے ۱۲۔

پر ہے جب تک کہ ہندہ راضی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴تا۱۸۰: از جھریا ضلع مان بھوم محلّہ گوالہ ٹولی مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) زید کا ہندہ کو تین بار طلاق دینا ایک طلاق کا حکم رکھتا ہے یا تینوں طلاق واقع ہوگئیں اور حلالہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(۲) باوجود ممانعت زید کا نہ ماننا اور صریح لفظوں میں تین بار یہ کہنا کہ میں نے طلاق دیا، ایسی صورت میں نیت پر طلاق کا مدار رہے گا یا نہیں؟ اور زید کا یہ قول کہ لوٹانے کی نیت تھی معتبر ہوگا۔

(۳) بہ نیت حلالہ خالد و ہندہ کو سمجھا کر راضی کرنا اور بدون اجازت ولی ہر دو کا برضا ایجاب وقبول کرلینا یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟

(۴) اگر خالد کا نکاح درست ہے تو بغیر خالد کے طلاق دئے یا بغیر صحبت کئے وعدت گزارے شوہر اوّل سے ہندہ کا نکاح کرادینا اور میاں بیوی کی طرح دونوں کا اکٹھا رہنا کیسا ہے اور نکاح کرانے والے حضرات اور جو لوگ اس نکاح سے راضی ہیں اور جو ایسے آدمی سے میل جول رکھتے ہیں ان کے لئے وعید اور حکم شرعی ہے؟

(۵) بالفاظِ مرقومہ بالا حلالہ کی ترغیب دلانے والے کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

(۶) خلافِ واقع جھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق بنانے اور رسمِ قدیم نہ ٹوٹنے اور اپنی مونچھ کز تار رکھنے کے لئے اور حلال وحرام کی پرواہ نہ کرنے والے کے واسطے حکمِ شرعی کیا ہے؟

(۷) لڑکی ولڑکا حدِ بلوغت کو کتنے برس کے بعد ہوتے ہیں، اور جب بالغ دونوں ہیں تو اپنے نکاح کے مختار ہیں کہ نہیں کہ اس میں بھی ولی کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) بلاشُبہہ باجماعِ ائمہ اربع تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالٰی :

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر تیسری طلاق دے دی تو بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

(۲) اس صورت میں لوٹانے کی نیت حکمِ الٰہی کو بدلنا ہے اور یہ الفاظ صریح ہیں صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، جس نے یہ فتوٰی دیا ہے کہ رجعت کی نیت تھی تو ایک رجعی ہوئی وہ گمراہ ہے۔

(۳) اگر خاوند ہندہ کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ ہندہ کا اُس سے نکاح اس کمی کے سب اولیائے ہندہ کے لئے ننگ وعار ہو اور انہوں نے دو۲ گواہوں کے سامنے جو سُنتے اور سمجھتے تھے ایجاب وقبول کرلیا تو صحیح ہوگیا اجازتِ ولی کی کوئی حاجت نہ تھی،

اذلاولایۃ مجبرۃ علی البالغین لمانصوا علیہ فی الکتب قاطبۃ۔	کیونکہ بالغ حضرات پر کسی کو جبری ولایت نہیں ہے جیسا کہ تمام کتب میں نصوص ہیں (ت)

(۴) بحالت صحت نکاح خالد ظاہر ہے کہ بے طلاق وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال تعالٰی وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شادی شدہ (منکوحہ) عورت دوسروں کے لئے حرام ہیں (ت)

اور اگر خالد بے صحبت کئے طلاق دے بھی دے جب بھی ہرگز شوہر اوّل کے لئے حلال نہیں ہوسکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ لاتحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاخر عسیلتك تذوقی عسیلتہ[2]۔	حضور علیہ الصّلٰوۃ والسلام نے فرمایا اے عورت تو حلال نہیں پہلے شوہر کیلئے جب تک دوسرا خاوند تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھ لے (یعنی جماع نہ کرلو)۔ (ت)

جو لوگوں نے دانستہ یہ نکاح کرادیا سب زنا کے دلال ہوئے اور زید ہندہ زانی زانی۔ اور اُن سب کے لئے عذابِ شدید نارِ جہنم کی وعید ہے، یُونہی وُہ جو اس سے نکاح پر راضی ہوئے، نکاح نہیں زنا پر راضی ہوئے۔

والرضا بالحرام وقد یکون کفرا والعیاذ باللہ تعالٰی۔	حرام فعل پر رضا حرام ہے اور کبھی یہ رضا کفر ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (ت)

ان سب سے مسلمانوں کو میل جول منع ہے، قال تعالٰی:

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ	خبردار شیطان تجھے بُھلادیتا ہے یاد ہونے پر

---

[1] القرآن ۴/ ۲۴

[2] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۲

بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ [1]	ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔(ت)

اُن سے میل جول کرنے والے اگراُس نکاح پر راضی یااُسے ہلکاجانتے ہیں تواُن کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

(۵) اگراس نے زن وشومیں اصلاح اوراُن کی مشکل کشائی کی نیّت سے ترغیب دلائی تواس پرالزام نہیں بلکہ باعثِ اجر ثواب ہے۔

(٦) جُھوٹی باتیں کہہ کرحق کوناحق یاناحق کوحق بنانایہودیوں کی خصلت ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَکۡتُمُوا الۡحَقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرواور دیدہ ودانستہ حق کونہ چھپاؤ۔(ت)

رسمِ باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پروانہ کرناکافروں کی عادت ہے۔ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ [3] (کفار نے کہابلکہ ہم اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے۔ت)

(۷) لڑکے اورلڑکی کوجب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں مثلاًلڑکے کواحتلام ہواورلڑکی کوحیض آئے اس وقت سے وُہ بالغ ہیں اوراگرآثار بلوغ ظاہر نہ ہوں توپندرہ برس کی عمرپُوری ہونے سے بالغ سمجھے جائیں گے کما فی الدرالمختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختاراورعام کتب میں ہے۔ت) بالغ کواپنے نکاح میں ولی کی اصلاً ضرورت نہیں یُونہی بالغہ کوجبکہ نکاح کفوسے ہویاغیرکفوٴ سے ہوتواس کاکوئی ولی نہ ہو، ورنہ جب تک ولی قبل نکاح اس غیرکفوٴ کوغیرکفوٴ جان کر صریح اجازت نہ دے گا بالغہ کانکاح صحیح نہ ہوگا،

فی الدرالمختار ویفتی فی غیرالکفوٴ بعدم جوازہ اصلا لفساد الزمان [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختارمیں ہے: زمانہ کے فساد کی بناء پرغیرکفوٴ میں نکاح اصلاً جائز نہ ہونے پرفتوٰی دیاجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

اورایک بات یہ بھی قابلِ بیان رہی کہ وُہ جس نے استہزاکہاتھاچھوٹی کتاب میں جائز لکھاوُہ بھی سخت گنہگار ہواتوبہ فرض ہے مسئلہ شرعیہ استہزاکامحل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ٦/٦٨

[2] القرآن الکریم ٢/٤٢

[3] القرآن الکریم ٢/١٧٠

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ١/١٩١

مسئلہ ۱۸۱: ازڈھاکہ پٹی ضلع نوگانوں ملک آسام مرسلہ عبدالسبحان صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تمیزالدّین اپنی منکوحہ سراج النساء کی حقیقی بہن پر عاشق ہوکر ایک رات مولوی اسرائیل علی صاحب ومحمد اسرافیل بیوپاری اور تمیزالدّین بیوپاری ار عبدالغفار خیاط کو اپنے گھر میں بلالے جاکر کہاکہ آپ لوگ میری سالی کے ساتھ میرا عقد پڑھادیجئے، تب یہ لوگ پُوچھے کہ تم اپنی بی بی کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتے ہواس وقت تمیز نے کہا تین روز قبل میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دیا کسی نے ان میں سے تمیزالدین کوپُوچھا تم نے کس طرح پر طلاق دیا وہ جواب دیا کہ میں اپنی منکوحہ کواس طرح پر طلاق دیا کہ تم کوایک طلاق دوطلاق تین طلاق بائن دیااس وقت اس کا بیوی پسِ پردہ حاضر تھی شاہدمذکورین نے اس سے سوال کیا تجھ کو طلاق مِلاوہ صاف جواب دی کہ مجھ کو طلاق ملااس کے بعد مولوی صاحب مذکور وغیرہم عقدپڑھاکرچلے آئے اور تمیزالدین کی ساس نے صبح کواپنی لڑکی جس پر تمیزالدین نے عاشق ہوکر عقد کرنے کاارادہ ظاہر کیا تھا تمیزالدین کے گھر سے اپنے گھر میں لے گئی کئی روز بعد تمیزالدین جواپنی بیوی کو علیحدہ رکھا تھااُس سے ہمبستر ہوناشروع کیاتب لوگوں نے پُوچھاتم اپنی منکوحہ کو طلاق دے کرحاضرانِ محفل میں اقرار بھی کرچکے اب حرامی کیوں کرتے ہوتب تمیزالدین نے جواب دیا موافق شرع کے میں اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دیا بلکہ ایک کاغذ میں لکھ کرالماری پر رکھا تھااس کو میری بیوی مکان صاف کرنے کے وقت پائی اور وُہ عوام الناس میں شور مچائی فی الحقیقت میں نے زبان سے طلاق نہیں دیااس صورت میں طلاق واقع ہوگا یاکہ نہیں اگرواقع ہوتو کس روز طلاق واقع ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں تمیزالدین اللہ ورسول کے سخت گنہگار اور زانی حرامکاری ہے وہ صاف صاف تین طلاق کااقرار کرچکا اب اس سے پھرنے کااُسے کوئی اختیار نہیں، پہلی عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہوگئی جب تک حلالہ نہ ہواُن مردوعورت پر فرض ہے کہ فوراً جداہوجائیں اور اگرنہ مانیں تو مسلمان اُن کو چھوڑدیں کہ وُہ زانی اور زانیہ ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لووطئ معتدته من الثلاث علما بحرمتها فانه زنًا یحدبه[1]۔	اگر تین طلاق کے بعد بیوی سے عدت میں جماع کیا توزنا ہوگا اور اس کو اس پر حد لگائی جائے گی بشرطیکہ خاوند کواس کے حرام ہونے کاعلم ہو۔(ت)

[1] ردالمحتار باب العدّۃ الطاعۃ المصریہ مصر ۲/ ۶۱۲

اور دوسری سے جو نکاح کیا وُہ بھی حرام و باطل ہے کہ بہن کی عدت میں بھی دوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

حرم الجمع بین المحارم نکاحًا وعدّۃ[1]۔	محرم عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے نکاح میں اور عدت میں۔ (ت)

وُہ لوگ کہ صرف طلاق سُن کر عدت میں نکاح پڑھا آئے سب گنہگار ہوئے سب پر توبہ فرض ہے۔

مسئلہ ۱۸۲تا۱۸۳: از لکھنؤ محلّہ چار باغ بانسمنڈی مرسلہ شاہ نعیم اللہ فخری چشتی نظامی قادری سہروردی ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کتاب ارشاد الطالبین فقیہ سیّد علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول ہے جو بعینہٖ نقل کی جاتی ہے کہ:

بداں اے فرزند چہار مذہب حق اند ودانستن آں فرض سب واختلاف درمیاں ایشاں اختلاف برحمت ست نہ اختلاف بعداوت کہ الاختلاف راحت گفتہ اند وحنفی مذہب رانشاید کہ گوید مرا بشافعی چہ کارست زیراکہ درہنگام ضرورت رانشاید کہ گوید مرا بشافعی چی کارست زیراکہ درہنگام ضرورت ازمذہبے بمذہبے انتقال کردہ شود چنانکہ بحج رفتن پیادہ بمذہب امام ابوحنیفہ روانیست، پس عالمان حاجی ماشی رابمذہب مالک می سیر اند کہ درمذہب او رواست وچوں بعرفات حاضر شد باز بمذہب ابوحنیفہ میگردد ایضا چوں کسے مطلقہ ثلثہ راحیلہ بکند باید کہ اورا از احکام وارکان ایمان بپرسید تابے تحلیل نکاح جدید کند واگر ہماں را نیز میداند باید کہ اورامذہب امام احمد آرد کہ درمذہب او حق تعالٰی را بذات وصفات شناختن فرض ست اگر آنرانمیداند نکاح جدید کند واگر آنرانیز میداند ایں ہنگام تحلیل باید کرد۔ عبارت ارشاد الطالبین ختم۔	ارے بیٹے! چاروں مذہب حق ہیں، یہ عقیدہ فرض ہے۔ان کااختلاف رحمت ہے، یہ اختلاف مخالفت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ آسانی کے لئے اختلاف کرتے ہیں، کسی حنفی کو نہ چاہئے کہ وُہ کہے شافعی سے مجھے کیاکام، کیونکہ ضرورت کے وقت ایک مذہب چھوڑ کردوسرے مذہب کی پیروی جائز ہے جس طرح کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں پیدل حج جائز نہیں ہے، لہٰذا علماء حاجی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر پیدل حج کا کہیں کیونکہ ان کے مذہب میں پیدل حج جائز ہے،اور جب عرفات میں پہنچ جائے تو پھر حنفی مذہب اپنالے،اور یونہی اگر کوئی شخص تین طلاق دی ہوئی بیوی کے لئے حیلہ کرنا چاہے تو چاہئے کہ اس طلاق دینے والے سے ایمان کے ارکان واحکام پوچھے جائیں اگر وہ بتادے تو پھر اس سے نماز کے احکام وارکان پوچھے جائیں اگر نہ بتاسکے تو وُہ بغیر حلالہً اپنی مطلقہ سے نکاح کرلے اگر وُہ بھی بتادے تو اس کو امام احمد کے مذہب پر پابند کریں کیونکہ ان کے مذہب

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

	پر اللہ تعالٰی کی ذات وصفات کا جاننا ضروری،اور فرض ہے،اگر ذات وصفاتِ باری تعالٰی نہ بتاسکے تو وُہ بیوی سے بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کرلے،اور اگر وذاتِ باری تعالٰی کو جانتا ہوتو پھر اس کو حلالہ کرنا ہوگا۔ارشاد الطالبین کی کی عبارت ختم ہوئی۔(ت)

یہ کتاب (ارشاد الطالبین) مولوی حافظ محمد جان صاحب فرنگی محلّی معلمِ مدرسہ مولوی عین القضاۃ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی اُنہوں نے کہا کہ جو کچھ کہ لکھاہے وُہ درست ہے عندالضرورۃ شرعی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے،ایک جلسہ میں اگر تین طلاق دی جائے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک طلاق ہو جاتی ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوتی،لہٰذا عندالضرورۃ دوسرے مذہب میں انتقال کرنے سے طلاق نہیں ہوگی،اسی طریق پر اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک ۹۰ برس کے بعد اس کا دوسرا عقد ہو سکتا ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک چار برس کے بعد اُس کو عدت بٹھلادیا جائے اور بعد گزرنے میعاد وعدت کے اس کا دوسرا عقد کیا جاسکتا ہے پس عندالضرورۃ شرعی جو عورت کہ پابند مذہب امام ابوحنیفہ ہے دوسرے ائمہ کے مذہب میں انتقال کرکے اس طریق پر نکاح جدید کر سکتی ہے،پر انتقال کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو اس مذہب میں فرض کرلے،اور ضرورت شرعی اسے کہتے ہیں کہ مثلاً عقد نہ ہونے پر خوف ہے کہ وُہ ارتکابِ زنا کرے اور اس طرح سے مبتلائے گناہ ہوجائے،یا اس طرح کی کوئی اور خرابی پیش آئے،لہٰذا ایسی صورت میں مطلع صاف مذہب امام احمد میں لاکر عقدِ جدید کر سکتا ہے۔

(۱) مولوی صاحب نے جو فرمایا کہ وُہ عورت جو کہ پابند مذہب امام ابوحنیفہ ہے اس کو دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے،مولوی حافظ محمد جان اور مولوی فقیہ سیّد علی کا قول کس مذہب کے اصول سے ہے اور اصل مقصد کیا ہے۔

(۲) جو عورت کہ پابند نہ ہو کسی مذہب خاص کی رُو سے کیا کرنا چاہئے حالانکہ وُہ اپنے آپ کو گروہِ اسلام سے سمجھتی ہے اور دعوی مذہب حنفیّہ،باوجود اس دعوی کے سماع بالمزا امیر مذہب شافعیہ سے گروہِ خاصان میں سے انتخاب کرکے اپنے اُوپر روا رکھا ہم بریں بالائے طاق وُہ گانا بجانا جس میں اشتعال نفسانی ہو او ہوس شیطانی پُر ہیں اور ہر مذہب میں وہ سراسر حرام پایا گیا اس کا بھی وہ ارتکاب کرتی ہو اور جہالتِ زمانہ سے رسوم گراں وکافراں برتتی ہے کیسے پابندی مذہب حنفیّہ ایسے پر نامزد ہو سکتی ہے،دعوی پابندی مذہب خصوصیت کا باطل،لہٰذا ایسی عورت کا مذہب امامِ احمد میں فرض کرلینا جائز ہے یا فی الواقع اتباع ضروری،چونکہ یہاں خدمت میں جناب مولٰنا عبدالکافی صاحب مدظلہ العالی کے

پیش کیا گیا مولٰنا موصوف نے فرمایا: حضور میں مولٰنا احمد رضاخاں صاحب کے بھیجا جائے لہٰذا مستدعی کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

الجواب:

یہ مہملات ہیں اور شریعت پر جرأت اور ایک مسلمان کو خواہی نخواہی کفر میں دھکیلنا اور یہ چاہنا کہ جس طرح بنے اسے کافر کرلیں، ائمہ دین تو یہ تصریح فرماتے ہیں کہ جاہلوں سے اگر کوئی مسئلہ ذات و صفات عقائدِ اسلامیہ کے متعلق پوچھو تو جواب پہلے بتادو نہ کہ اس سے دقیق مسائلِ ذات وصفات پوچھے جائیں کہ کسی طرح اسے کافر بنالیا جائے، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو وہ کفر کرے یا نہ کرے یہ ابھی کافر ہوگیا کہ مسلمان کا کافر ہونا چاہا اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ جس مصیبت کے واسطے یہ بلائے عظیم اوڑھنی چاہی وہ دو[۲] وجہ سے بدستور رہی ایک تو یہ محض کذب اور جھوٹ اور شریعت پر افتراء ہے کہ تین طلاق کی مطلقہ اگر کفر کرے تو حلالہ کی حاجت نہیں اگر کفر کرے گی تو دوہری حُرمت ہوگئی ایک تو تین طلاق کی تھی وُہ خاص اسی کے لئے تھی اور دوسری مرتد ہونے کی ہوئی کہ اب وُہ جہان بھر میں کسی مسلمان کسی کافر کسی مرتد کسی آدمی کسی جانور کے نکاح کے قابل نہ رہی، مرتدہ کا نکاح جہان بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا، نہ مرتد کا جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا کما فی العٰلمگیریۃ وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔ ت) اور اگر اسے کافرہ کرکے پھر مسلمان کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اب حلالہ کی حاجت نہ رہی تو یہ بھی محض ہوس رجیم ہے حلالہ ضرور کرنا ہوگا اور بغیر حلالہ قطعاً حرام، ایک تو یہ بھاری مصیبت ہوئی دوسرے سے اس کا نکاح حلال نہ رہا، اگر اب مسلمان ہوا اور یہ سمجھے کہ اب مجھے حلالہ کی حاجت نہ ہوگی تو یہ وہی ہوس ملعون حلالہ اُن کی دُم سے بندھا ہوا ہے ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گا، تو کھایا اور کال بھی نہ کٹا، اور کھایا بھی کیسا کہ آپ بھی مرتد عورت بھی مرتد، انّا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ت) سیّد علی ترمذی کی کوئی کتاب ارشاد الطالبین ہمیں نہیں معلوم، اور ہو بھی تو حکم، علی ترمذی کا نہیں محمد مدنی کا ہے صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کی تفاصیل میں کلام کثیر ہے مگر اس کے بعد زیادہ تطویل کی حاجت نہیں۔ درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (اگر خانہ عقل میں کچھ سُوجھ ہو تو اشارۃً ایک حرف بھی کافی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴: از موضع گیلانی ڈاکخانہ برگھ ریلوے اسٹیشن لکھی سرائے مرسلہ ضمیر الحسن صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

تمامی علمائے ہند کی خدمت میں گزارش ہے کہ برابر بزرگان سے سنتے چلے آتے تھے کہ تین طلاق ایک جلسے میں دی جائے یا جلساتِ متفرقہ میں، طلاق مغلظہ پڑے گی، لیکن بالفعل لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر جلسے میں تین طلاق دی جائے رجعی پڑے گی، جو لوگ بیچارے مسکین عمر کی تائید کرتے ہیں گمراہ کرتے ہیں۔

الجواب: عـــہ

المجیب مصیب فی الواقع مذہبِ منصور ومشربِ جمہور وقول ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوں گی، ائمہ کرام وعلمائے اعلام شکراللہ تعالٰی مساعیہم بحث تمام فرما چکے، اب باتباعِ ابن قیم ظاہری المذہب فاسد المشرب سواد اعظم امّت وحق واضح کی مخالفت نہ کرے گا الّا **من سفه نفسه** (مگر وہ جس نے پانے آپ کو بیوقوف بنایا ہو۔ت) اور امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین حضرت سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان اجل وارفع میں کلماتِ گستاخی بکنے اور ان کے موید کو گمراہ کہنے والا کھلا رافضی ہے **خذلهم الله تعالٰی**، **وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ** ﴿۲۲۷﴾ [1] (اللہ تعالٰی ان کو ذلیل کرے، اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے وہ کس طرف پلٹے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از رامپور متصل مرادآباد محلّہ ملاظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خان صاحب ۴ رمضان ۱۳۱۵ھ

بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام مسنون التماس محزون اینکہ برائے جواب مسئلہ اشد ضرور تست اگر بزدد	بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام، مسنون پریشان حال کا التماس یہ ہے کہ ایک مسئلہ کا اشد ضروری

عـــہ: باآوجواب مولوی ابوالنصر گیلانوی بود این دو حرف در تصو یبش نوشتہ شد ۱۲ (م)	یہ جواب بعینہٖ وہی جواب ہے جو ابونصر گیلانوی نے دیا ہے یہ دو حرف اس کی درستگی سے متعلق لکھے گئے ہیں ۱۲ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۶/۲۲۷

تحریر فرمودہ عنایت فرمایند از عنایت واحسن بعید بخواہد شد ومردمان بسیار دعا سازند فیصلہ دریں باب درمیان فریقین بتحریر آنجناب قرار یافتہ است وعبارت خلاصۃ التفاسیر منقولہ از تفسیر احمدی	ہے، اگر جلدی تحریر فرماویں تو مہربانی ہوگی، یہ آپ کی مہربانی اور احسان سے بعید نہ ہوگا، اور لوگ بہت دعائیں دیں گے، اس بارے میں فریقین میں فیصلہ آپ کی تحریر طے ہوا ہے، اور تفسیر احمدی سے منقول خلاصۃ التفاسیر کی عبارت یہ ہے:

(چونکہ عدد طلاق کے جاہلیت میں مقرر نہ تھے جس قدر چاہتے طلاق دیتے یہاں تک کہ ایک عورت ام المومنین عائشہ کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے بار بار رجوع کرنے کی شکایت کی یعنی طلاق دی جب عدت پوری ہونے آئی رجوع کیا پھر طلاق دی یونہی اسے معلّق چھوڑ دیا تھا حضرت صدیقہ نے حضور میں عرض کیا حق سبحانہ، وتعالٰی نے نازل فرمایا اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ)

بباعث اردو قابل تسلیم فریقین دریک مسئلہ ہم قرار نیافتہ۔ اگر عبارت شیر احمدی مرقوم بودے قابل فیصلہ شدے اکنوں امید دادم کہ آنحضور بتحریر عبارت کتب سرفراز نمودہ فیصلہ فرمایند، **والسّلام**	اردو کی وجہ سے فریقین ایک مسئلہ پر متفق نہ ہوسکے اگر تفسیر احمدی کی اصل عبارت ہوتی تو فیصلہ کے قابل ہوتی، اب آپ سے امید کہ جناب کتب کی عبارت تحریر فرما کر سرفراز فرمائیں گے، والسلام (ت)
زید زوجہ خود را یک طلاق رجعی دادہ درعدت رجوع کردہ بااودو سال زندگانی کرد بازیک طلاق رجعی دادہ عدت رجوع کردہ سہ سال اورابخانہ خود داشت بعدہ بازدیک طلاق رجعی داد اکنوں زید زوجہ مذکورہ را بلا تحلیل تئس مستعار درنکاح خود تواں آورد یانہ؟ **بینوا توجروا**	زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی، اور عدت میں رجوع کرلیا، اور دو سال گزارنے کے بعد پھر ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کرلیا، تین سال گھر رکھنے کے بعد پھر ایک طلاق دی اب زید مذکورہ بیوی کو نئے شخص سے نکاح اور حلالہ کے بغیر نکاح میں دوبارہ لاسکتا ہے یا نہیں؟ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

حرام ست بالنص والاجماع تا بنکاح شوہرے دیگر درآید وشہد اوراذوق نماید واوطلاقش	دوسرے شخص سے نکاح اور پھر جماع کے بعد طلاق ہو یا دوسرا شخص فوت ہوجائے اور اس

دہد میردوعدتش فراغ پذیرد قال تعالٰی بِاِحْسَانٍؕ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ[1] الٰی قولہ عزوجل فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَهٗؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَاۤ اَنْ یَّتَرَاجَعَاۤ[2] الاٰیۃ۔قال رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم لاتحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوقی عسیلتہ[3]۔و فی العالم عن عروۃ کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصرولاعدد وکان الرجل یطلق امرأتہ فاذا قاربت انقضاء عدتھا راجعھا ثم طلقھا کذلك ثم راجعھا یقصد مضارتھا فنزلت ھذہ الاٰیۃ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی الطلاق الذی یملك الرجعۃ عقیبہ مرتان فاذا طلق ثلثا فلا تحل	کی عدت پوری ہوجانے کے بغیر دوبارہ زید کامذکورہ بیوی سے نکاح حرام ہے یہ حرمت نصِ قرآن اور اجماع سے ثابت ہے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا دو۲ طلاقیں دی ہیں تو بیوی کو بھلائی کرتے ہوئے روک لے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑدے۔تا۔اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے،پس اگراس نے طلاق دے دی تو دونوں پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے الاٰیۃ۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت تو پہلے خاوند کیلئے حلال نہ ہوگی حتی کہ تو دوسرے خاوند کا اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے یعنی جماع نہ کرلے"۔اور معالم التنزیل میں عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ابتداء میں لوگ بے حساب اور لاتعداد طلاقیں دیا کرتے تھے،اور مرد بیوی کو طلاق دیتا تو جب عدّت پورا ہونے کے قریب ہوتی تو پھر طلاق دیتااور یونہی بار بار کرتا اور مقصد بیوی کو پریشان کرنا ہوتا تھا،تو اس واقعہ پر قرآن پاک کی آیہ کریمہ الطلاق مرّتٰن الاٰیۃ نازل ہوئی،یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے،دو طلاقیں ہیں،تو جب تیسری طلاق دے دے تواب دوسرے سے

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

[3] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۹۲

له الا بعد نكاح زوج غيره[1] اھ والمسئلة اوضح من ان توضح۔ والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	نکاح کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہے اھ، اور مسئلہ وضاحت کا محتاج نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۸۷: از ضلع خاندیس پچھم بھاگ تعلقہ تلودھا ڈاکخانہ لگر مندھا بسوستان کاٹھی مقام عکلکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) حلالے کے بارے میں ایک شخص نے نکاح کیا اور پہلی بی بی کا حق کُل نہیں ادا کیا، وہاں پر قاضی نہیں ہے، اپنے مکان کے لوگ آپ ہی قاضی آپ ہی وکیل آپ گواہ، جس شخص نے پہلے نکاح کیا اس نے خوشی سے طلاق دیا اور اس عورت نے خوشی سے طلاق لیا، بعد دس ۱۰ روز اسی عورت اور وہی دھنی ایک جگہ رہنے لگے، اور اس شخص طلاق دے کر تین مہینے رکھا، پھر تین مہینے بعد حلالہ کیا، حلالہ کرنے والا جو شخص تھا اس کی بی بی نے رضا نہیں دی، رضا لینے کے واسطے اپنی بی بی مارا، تو بی بی نے زبردستی سے رضا دی، اس کا حلالہ درست ہو کہ نہیں؟

(۲) ایک دوسرا آدمی ایک عورت کا لے کر بھاگ گیا، اس کی دو لڑکیا تھیں، دو ۲ برس بغیر نکاح کے اس عورت کو رکھا، بعد دو برس کے لڑکے ہوشیار ہو گئی، اس عورت کو چھوڑ کر بیٹی کو رکھنے لگا اس شخص کے حرام سے ایک لڑکی ایک لڑکا پیدا ہوئے، سو یہاں کے پنچوں نے جماعت سے باہر کر دیا سو اس لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہوا ہے، بعد بارہ ۱۲ مہینے کے جماعت کے آدھے لوگ اس کو ہمراہ لے گئے اور وہی لوگ کہتے تھے اس کا منہ دیکھنا روا نہیں ہے، اب وہی لوگ اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اس کے بارے میں مسئلہ کیا کہتا ہے، اور یہاں اسلام کی ٹھٹھول کرتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم اسلام کی مشکری کریں گے تو ہمارے کیا حال ہوں گے، اس پر حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شریعت کا کیا بیان ہے؟

الجواب:

(۱) شریعت کا حکم یہ ہے جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہوں ایک دفعہ میں خواہ برسوں میں کہ ایک کبھی دی اور رجعت کرلی پھر دوسری دی اور رجعت کرلی اب تیسری دی دونوں صورتوں

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرتان مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

میں عورت اس پر بغیر حلالہ حرام ہے۔ حلالہ کے یہ معنٰی ہیں کہ اس طلاق کے بعد عورت اگر حیض والی ہے تو اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور اگر حیض والی نہیں مثلاً نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے یا پچپن برس سے زائد عمر کی عورت ہے اور اس طلاق کے بعد تین مہینے کامل گزر جائیں یا اگر حاملہ ہے تو بچّہ پیدا ہولے، اس وقت اس طلاق کی عدّت سے نکلے گی، اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بروجہ صحیح کرے یعنی وہ شوہر ثانی اس کا کفو ہو کہ مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ کسی میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعثِ بدنامی ہو، یا اگر ایسا کم ہے تو یہ عورت کا ولی نکاح ہونے سے پہلے اس کو یہ جان کر کہ یہ کفو نہیں اس کے ساتھ نکاح کی بالتصریح اجازت دے دے، یا یہ ہو کہ عورت بالغہ کا کوئی ولی ہی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور ولی نے اسے غیر کفو جانکر نکاح سے پہلے صریح اجازت نہ دی تو نکاح ہی نہو گا، یونہی لڑکی اگر نابالغہ ہے ہے اور اس کے نہ باپ ہے نہ دادا بھائی چچا وغیرہ ولی ہیں، لوگوں نے کسی غیر کفو سے اس کا نکاح کردیا جب بھی نکاح نہ ہوگا، غرض جب شوہر ثانی سے نکاح صحیح طور پر واقع ہو اور وُہ اس سے ہمبستری بھی کرلے اور اس کے بعد وُہ طلاق دے اور اس طلاق کی عدت اسی طرح گزرے کہ تین حیض ہوں اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، اور حمل رہ جائے تو بچّہ پیدا ہونے کے بعد اس کے بعد پہلا شوہر اس سے نکاح کرسکتا ہے، ان میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو وہ نکاح نہ ہوگا زنا ہوگا، ہاں نکاح کے لئے چاہے وہ شوہر ثانی سے ہو یا پہلے سے قاضی یا وکیل یا برادری کے لوگوں کی ضرورت ہے کہ مرد نکاح ثانی کرے تو پہلے بیوی سے اجازت لے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں، فقط اس طریقہ کی ضرورت ہے جو ہم نے لکھا اس طرح پر اگر اصلًا نہ ہوا مثلًا دوسرے شوہر نے جب طلاق دی تو اس کے دس ہی دن بعد بے عدّت گزرے پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح نہ ہوا نرا حرام ہوا اُس صورت میں ضرور ہوگا کہ عورت کو اس سے جُدا کردیا جائے اور نہ مانے تو اسے برادری سے خارج کردیا جائے۔

(۲) اسی طرح وہ شخص جس نے عورت کو رکھا اب اُس کی بیٹی کو رکھتا ہے وہ اس پر ضرور حرام ہے اگر نکاح نہ کرے جب تو زنا ہے ہی، اور نکاح کرے جب بھی حرام ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہو چکی، برادری والوں کو چاہیئے کہ اگر وُہ مرد وعورت جُدا نہ ہوں تو اس کو برادری سے خارج کردیں، اُن سے سلام کلام نہ کریں، اُن کے پاس نہ بیٹھے اُنہیں اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں، اور وہ لوگ جو پہلے اُن سے

جُدا ہوگئے تھے اور اب مل گئے اور اُن کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں بیجا کرتے ہیں اُنہیں چاہئے اس سے باز رہیں،

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ۝۶۸ [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	شیطان تجھے بُھلادیتا ہے، تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حلالہ مع شرط کے یعنی اس قصد سے کہ بعد چند روز کے طلاق دے دے تاکہ زوج سابق کے واسطے بعد عدّت گزرنے کے حلال ہوجائے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرائط اور چیز ہے اور قصد اور چیز۔ شرط تو یہ کہ عقد نکاح میں یہ شرط لگالے یہ ناجائز وگناہ ہے اور حدیث میں ایسے حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے، اور قصد یہ کہ دل میں اس کا ارادہ ہو مگر شرط نہ کی جائے تو یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر کی امید ہے۔

درمختار میں ہے:

(کرہ) التزوج للثانی (تحریما) لحدیث لعن اللہ المحلل والمحلل لہ (بشرط التحلیل) کتزوجتك علی ان احللک (اما اذا اضمرا ذٰلك لا) یکرہ (وکان) الرجل (ماجورا) لقصد الاصلاح اھ [2] مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حلالہ کی شرط پر نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق دے کر حلال کردوں گا دوسرے شخص کا نکاح مکروہِ تحریمہ ہے لیکن دونوں نے اگر دل میں حلالہ کی نیت کی تو مکروہ نہیں، اس صورت میں دوسرا شخص اصلاح کی غرض سے نکاح کرنے پر اجر کر مستحق ہوگا اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۹: از کانپور بیگم گنج طلاق محل مرسلہ احمد علی خاں وکیل ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقت حالتِ غصّہ میں مجبور ہوکر ہندہ زوجہ کو تین بار طلاق دی، نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مغلظ ہوگئی اور نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رہی، تو ایسی حالت میں جو پیر وامام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ حالاتِ مقدمی یہ ہیں کہ زید کو ہندہ کے ساتھ محبت قلبی ہے اس نے قصدًا چھوڑا

[1] القرآن الکریم ۶/۶۸

[2] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۱

دینے کی نیّت سے طلاق نہیں دی اور نہ ہندہ اپنے عدول حکم پر سمجھ سکتی ہے کہ مجھ پر طلاق ہوگی کیونکہ بجائے خود نادم تھی، مگر ہندہ کی بہن جو دشمن ہندہ کی ہے چند الفاظ دلانے والے جو طلاق دینے پر مبنی تھے ایسے کہ جس سے زید کو مجبورًا غیظ آگیا اور دفعۃً تین بار طلاق دے کر ہندہ کے مکان سے اُٹھ آیا، اب زید وہندہ وسخت صدمہ ہے اور دو لڑکے یعنی ایک پسر بعمر ۹ سال ایک دختر بعمر ۵ سال جو ہندہ کے پاس ہیں اور ہندہ محتاج ہے پرورش بدقت کرسکتی ہے اور نیز بلاتعلیم رہنے کا خیال قوی ہے اور زید کو ایسا رنج ہے کہ نوبت بجان ہے۔ بر نظر حالات رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک بار تین طلاق دینے سے نہ صرف نزد حنفیّہ بلکہ اجماعِ مذاہبِ اربع تین طلاقیں مغلظہ ہوجاتی ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ائمہ متبوعین سے کوئی امام اس باب میں اصلًا ہوا اور عورت اس کے نکاح سے ایسی خارج ہوئی کہ اب بے حلالہ ہرگز اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اگر یُوں ہی رجوع کرلی بلاحلالہ نکاح جدید باہم کرلیا تو دونوں مبتلائے حرامکاری ہوں گے اور عمر بھر حرام کاری کریں گے۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ مَخۡرَجًا ۙ[1]	جو اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے اللہ تعالٰی اس کیلئے راستہ بنادیتا ہے۔ (ت)

اس نے تقوٰی نہ کیا بلکہ خلافِ خدا اور سول تین طلاقیں لگاتار دینے کا مرتکب ہوا اللہ عزوجل نے اس کے لئے مخرج نہ رکھا اب حلالہ کے سخت تازیانے سے اسے ہرگز مفر نہیں یہاں تک کہ ائمۂ دین نے فرمایا کہ اگر قاضی شرح حاکمِ اسلام ایسے مسئلہ میں ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو وُہ حکم باطل ومردود ہے۔ وہابیہ غیر مقلدین اب اس مسئلہ میں خلاف اٹھا رہے ہیں وہ گمراہ دین ہیں، ان کی تقلید حلال نہیں، فتح القدیر میں ہے:

ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلث، وفی سُنن ابی داؤد عن مجاھد قال کنت عند عباس رضی اللہ تعالٰی	جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا مسلک ہے بیک لفظ تین طلاقیں تین ہوں گی۔ امام مجاہد سے سُنن ابو داؤد میں مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[1] القرآن الکریم ۶۵/۲

عنهما فجاء رجل فقال انه طلق امرأته ثلثا قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ايطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس فان الله عزّوجل قال ومن يتق الله يجعل له مخرجا عصيت ربك وبانت منك امرأتك. ثم ذكر ادلته برواية لامؤطا عن ابن عباس وابی ہریرۃ معا ومثله عن ابن عمر قال وروی ایضا عن عبد الله بن عمرو بنن العاص واسند عبدالزاق عن علقمة عن ابن مسعود و وکیع عن امیر المؤمنین علی وامیر المومنین عثمان بن عفان وقد قدمه عن امیر المومنین عمرو اورده برواية ابن ابی شيبة والدار قطنی عن ابن عمر عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وذکرہ فی اٰخر	پاس موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، مجاہد کہتے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کچھ دیر خاموش رہے تو میں نے خیال کیا کہ شاید ان عباس سائل کو بیوی واپس کردیں گے، تو کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ بیوی کو طلاق دیتے ہوئے حماقت سے کام لیتے ہیں اور پھر اے ابن عباس اے ابن عباس کہتے ہیں، تو یاد رکھو اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے لئے کوئی سبیل پیدا فرمادیتا ہے، جبکہ تو نے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی ہے تیری بیوی تجھ سے لاتعلق ہوچکی ہے۔ اسکے بعد فتح القدیر نے اس پر دلائل ذکر کئے۔ مؤطا کے حوالہ سے ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت ذکر کیں جیسا کہ ابوداؤد نے ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اکٹھی روایت کی، اس طرح کی روایت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی، اور کہا کہ عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مروی ہے، اور انہوں نے کہا کہ عبدالرزاق نے علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور وکیع عن امیر المومنین عمر فاروق عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہم سے سند ذکر کی، اور قبل ازیں فتح القدیر نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ذکر کی اور انہوں نے ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی روایت بھی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیان کی۔ اور اسی کو انہوں نے کلام کے

الکلام بروایۃ عبدالرزاق فی مصنفہ عن عبادۃ بن الصامت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین الی ان قال، قد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحا بایقاع الثلث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا لم یحکم حاکم بان الثلث بفم واحد واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لایسوغ الاجتھاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	آخر میں یُوں ذکر کیا کہ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں عبادہ بن الصامت کے واسطہ سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت کیا، یہاں تک کہا کہ ہم نے اکثر حضرات سے تین طلاقوں کا نافذ ہونا صراحتًا ثابت کیا اور ان حضرات کوئی بھی مخالف ظاہر نہ ہوا، تو اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہوسکتا، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی حاکم نے بیک زبان تین طلاقوں کے ایک طلاق کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور یہ حق کے خلاف ہوگا اس کو اختلاف نہ کہا جائے گا(ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۰: از پیلی بھیت محلّہ محمد واصل مرسلہ خلیق احمد صاحب ۳ربیع الاآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہلک مریض نے اپنیہ زوجہ کی نافرمانی کے سبب جو اس کی زوجہ نے اپنی ماں کے اشتعال کی وجہ سے اپنے زوج کو تکلیف دی اور ہر قسم کی خبرگیری شوہر سے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے طلاق لکھ بھیجی، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں کو واضح ہو کہ تم نے اپنی ماں کو اشتعال کے باعث جو کچھ میرے ساتھ برتاؤ کیا اور اسباب متفرق معہ بکس محمولہ پارچہ وغیرہ میرا رکھ لیا بہت اچھا کیا یہ ایک عمدہ طریقہ حصولِ مالیّت کا ہے اس طور سے بہت کچھ جمع ہوسکتا ہے اس وجہ سے تم میرے لائق نہیں ہو، لہٰذا میں تم کو طلاق دیتا ہوں، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے طلاق دی، مسمّاۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے اس کو طلاق دی، مسماۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے اس کو طلاق دی۔ عورت کے بھائی کے نام کارڈ کا پتہ اس طور سے لکھا تھا جو ناخواندہ ہے بمقام فلاں محلّہ

[1] فتح القدیر باب طلاق السنۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۳۰

فلاں پاس فلاں پہنچ کر مسمّاۃ فلاں بنت فلاں کو ملے۔ اب چونکہ شوہر کئی ماہ بعد صحت یاب ہوالوگ طرفین پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طور طلاق نہیں ہوئی اگر تحریر پوسٹ کارڈ کسی دوسرے کے نام جاتی جو اس کام کے واسطے مقرر کیا جاتا اس کو لکھا جاتا کہ تم میری طرف سے بطور وکیل دے دو تب طلاق ہوجاتی، دوسرے یہ کہ وہ عورت حاملہ تھی کسی صورت میں بھی طلاق نہیں ہوئی، لہٰذا آنجناب فیض مآب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو بدلائل اس سے سائل کو جلد مطلع فرمائیے۔

الجواب:

شخص مذکور تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے گنہگار ہوااور عورت پر تین طلاقیں پڑگئیں وُہ نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، عورت کا حاملہ ہونا یا کسی کو طلاق دینے کا وکیل نہ کرنا کچھ منافی طلاق نہیں، یہ محض جاہلانہ خیال ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از بھموری ڈاک خانہ بھیکم پور ضلع علی گڑھ مرسلہ عبدالرزاق صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید نے بذریعہ خطوط اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پہلا خط جو کہ اپنے خسر کو لکھا یہ ہے کہ میں اپنے اظہار خیالات کی اجازت چاہتا ہوں، مگر آپ کی رائے کا منتظر ہوں، امید کہ مجھ کو اظہار خیالات کی اجازت دی جائے گی مگر خسر نے جواب نہیں دیا، اس پر دوسرے خط میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اپنے اظہارِ خیالات کی اجازت چاہی تھی مگر قبلہ نے سکوت اختیار فرمایا اب میں جرأت کرتا ہوں کہ میری شادی آپ کی لڑکی سے محض والد صاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی ورنہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہااور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں آج کی تاریخ سے آپ کی لڑکی کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں آپ جانیں والد صاحب جانیں۔ اب اُس خط سے جس میں طلاق ہے اول میں انکار تھا اظہار جرأت والے خط میں اقرار تھا اس کے تین سال بعد زید کا خسر زید کے پاس گیا اور کہا میری لڑکی کے ساتھ تمہارا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا میرا کچھ تعلق نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ سرائے تک چلو تاکہ تمہارے بیان کا سرائے میں کوئی گواہ بھی ہوجائے، چنانچہ وُہ سرائے میں آیا اور دو[۲] آدمیوں کے سامنے جن کا نام مرزا محمد صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر اور دوسرے کا نام حافظ فخر الدین ساکن آنوا محلّہ پٹھان، چنانچہ دونوں گواہوں کے بیانات ایک عالم محمد عبدالرشید سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد کے سامنے بیان ہوئے۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے یعنی زید نے کہ پہلے خطوط میں بھی اپنی بی بی کو طلاق دے چکا ہوں، اور اب بھی طلاق مکرر سہ کردیتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں خطوں کی نقل اور تینوں کاغذات کی نقل دو کاغذ بیانات گواہ اور ایک کاغذ مولوی عبدالرشید

صاحب موصوف کے ہمرشتہ سوال یہ ہے کہ اس صورتِ بالا میں زید کی بی بی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو عدّت خطوط کے وقت سے شروع ہوگی یا گواہی دینے گواہان مذکور سے؟

نقل خط اوّل

قبلہ وکعبہ مدظلہ، تسلیم بصد تعظیم، عرصہ سے خیریت دریافت نہیں ہوئی تردد ہے، امید کہ مطلع فرمایا جاؤں، نیاز مند کسی قدر اپنے اظہار خیالات کی اجازت چاہتا ہے جو میری دانست میں ضروری ہیں لیکن بلااستخراج رائے جرأت نہیں کرسکتا، مجھے امید ہے کہ آپ میری اس قسم کی گزارش کو ضرور منظور فرمائیں گے جس کی شاہدات میری نظروں میں نہایت خوش آیند ودلفریب ہیں، زیادہ نیاز۔ احقر ازلی سیّد عابد علی۔

خط دوم بعدکا

قبلہ نعمت وکعبہ کرامت مدظلہ العالی تسلیم بعد تکریم، نیاز مند قبل اس کے اظہار خیالات اپنے کی اجازت چاہی، قبلہ نے سکوت اختیار فرمایا، نیاز مند خاموش ہورہا، اب جرأت کرتا ہوں عرض کرنے کی، جس کو جناب منظور فرمائیں گے۔ میری شادی جناب کی دختر کے ساتھ ہوئی محض والد صاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی، نہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہا اور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں، بموجب شرع کے آپ کی لڑکی کو آج کی تاریخ سے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، آپ جانیں والد صاحب جانیں۔

بیان مرزا صدیق بیگ گواہ جن کے سامنے عابد علی نے پانی زوجہ کو طلاق دینے اقرار کیا۔

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق سے سرائے بلہور میں یُوں کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصلہ گزرا کہ بذریعہ تحریر کے طلاق دے چکا ہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرواور مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان کے سامنے کہتا ہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہو چکے ہیں، یہ اشارہ اُن کا ہم مسافروں کی طرف تھا۔ بقلم مرزا صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر

مہر

بیان حافظ فخر الدین ولد حافظ قیام الدین صاحب ساکن قصبہ آنولہ محلّہ پٹھاناں

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب سے سرائے بلہور میں یُوں کہا

کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصلہ گزرا بذریعہ اپنی تحریر کارڈ رجسٹری کے طلاق شرعی دے چکا ہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرو

اوراب مررسہ کرر کہتاہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی، اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان سے کہتاہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہوچکے ہیں، یہ اشارہ ہم مسافران کی طرف تھا۔

مہر

العبد حافظ فخرالدین ولد حافظ قیام الدین ساکن آنولہ محلّہ پٹھاناں بقلم خود

آج تاریخ دو جولائی ۱۹۱۷ء مطابق ۱۱رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ سیّد عبدالرزاق صاحب سکنہ بھموری میرے یہاں تشریف لائے اور تین صاحب اور اُن کے ہمراہ تھے، سید عبدالرزاق صاحب نے میر عابد اپنے داماد کا اُن کی لڑکی کو بذریعہ رجسٹرڈ تحریر موجودہ کے طلاق دینا اُن تینوں ہمراہیوں میں سے دو ۲ صاحبوں کو میر عابد علی مذکور کے طلاق مذکور کے اقرار زبانی کا گواہ بیان کیا۔ گواہان مذکور الصدر نے میرے زبانی طلاق بدستخط اپنے اپنے بیان تحریر کئے رجسٹر تحریر موجود کا خود میر عابد علی کی تحریر ہونا اور نیز زبانی طلاق مکرر سہ کر دینا بخوبی ثابت ہے، بیانات مذکور ہمرشتہ تحریر ہذا ہے۔ الراقم خادم الاطباوالعلماء ابو محمد عبدالرشید ظہور الاسلام سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد۔ مہر و دستخط سے آج تاریخ ۲ جولائی ۱۹۱۷ء کو روانہ کیا گیا۔ فہرست اوراق { تحریر راقم ایک، بیان مرزا صدیق بیگ ایک، بیان حافظ فخرالدین صاحب ایک } کُل تین اوراق۔

الجواب:

کوئی تحریر بے شہادت یا اقرار کاتب مسلّم نہیں ہوسکتی اگرچہ خط اسی کا معلوم ہوتا ہو، علماء فرماتے ہیں:

الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم کما فی الہندیۃ[1] وغیرہا۔	خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے (ت)

یہاں عابد علی اس خط سے منکر ہے تو شہادت درکار، اُن دو گواہوں نے جو گواہی دی ناقص و ناتمام ہے وہ اپنے بیانوں میں، عابد و عبدالرزاق کہتے ہیں ملک میں اس نام کے ہزاروں ہوں گے۔ شرطِ شہادت یہ ہے کہ اگر وُہ حاضر ہوں تو ان کی طرف اشارہ کرکے گواہی دے کہ اس عابد علی نے اس عبدالرزاق کی بیٹی زوجہ کی نسبت یہ کہا اور اگر حاضر نہ ہوں تو اُن کا نسب پاک دادا تک بیان کرے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

عابد علی بن فلاں بن فلاں نے اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کی نسبت یہ کہا اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا ذکر بھی ضرور ہے **کمافی العٰلمگیریۃ** (جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ت) یعنی جبکہ فقط باپ کی طرف نسبت سے تمیز کامل نہ ہوجاتی ہو،

فان المقصود التعریف لاتکثیر الحروف کمافی جامع الفصولین والدر المختار۔	کیونکہ معرفت مقصود ہے حروف کی کثرت مقصود نہیں ہے، جیسا کہ جامع الفصولین اور در مختار میں ہے۔(ت)

اگر دو[1] گواہ ثقہ عادل اگرچہ یہی دو[2] ہوں اس طرح شہادت ادا کریں تو ضرور تین طلاقیں ثابت ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: ازامریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ مظفر علی خاں ۳ محرم ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ محمودہ کے حق میں مضمون طلاق مندرجہ ذیل بہ شہادت دو شخصوں کے تحریر کردیا طلاق بائنہ ہوئی یا رجعی مضمونِ طلاق میں نے محمودہ منکوحہ کو طلاق دے دی اور چھوڑدیا اور مجھ کو اب اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا اور زبان سے تین بار طلاق ادانہیں کیا صرف کاغذ پر تحریر کردی۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں زید سخت گنہگار ہوا، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، اس پر تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح بھی نہیں کرسکتا، زبان سے کچھ کہنا ضرور نہیں تحریر کافی ہے جبکہ بلاوجہ واکراہ شرعی ہو جیسا کہ یہاں ہوا، اشباہ میں ہے: **الکتاب کالخطاب**[1] (تحریر، خطاب کی طرح ہے۔ت) لفظ اوّل ودوم دونوں صریح طلاق ہیں اور تیسرا لفظ اگرچہ کنایہ تھا مگر تقدمِ طلاق نے اسے بھی طلاق کے لئے معین کردیا، ردالمحتار میں ہے:

دلالۃ الحال المراد بھا الحالۃ الظاہرۃ المفیدۃ للمقصود،	دلالت حال سے مراد، وُہ حالت جو ظاہر طور پر مقصود کو مفید ہو۔اس کی ایک صورت، پہلے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱۹۶/۲-۵۹۷

ومنھا تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط[1]۔	طلاق کا ذکر ہونا ہے، محیط سے منقول بحر میں۔(ت)

اسی میں ہے:

فی النھر دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال فتفسر المذاکرۃ بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع کما فی اعتدی ثلاثا[2]۔	نہر میں ہے کہ دلالتِ حال، دلالتِ قول کو شامل ہے، لہٰذا اس کی تفسیریُوں درست ہے کہ طلاق کے مطالبہ کے طور مذاکرہ، یا پہلے طلاق واقع کرنا، مثلاً عدّت پوری کر تین کی۔(ت) اسی طرح اور مواقع میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳: از شاہ گڈھ ڈاکخانہ شب نگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بیوہ مسمّاۃ ہندہ سے بدیں شرط انکار کیا کہ وُہ اپنے ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلے، اس نے منظور کیا اور نکاح ہوگیا، ہندہ مذکور نے گو اس ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلیا لیکن زید نے اس سے گفتگو کرتے دیکھ لیا اور غصہ میں زید نے ایک لکھے پڑھے شخص سے کہا کہ تم مضمون لکھ دو جس سے میں ہندہ سے دست بردار ہوجاؤں اور وہ تحریر بذریعہ رجسٹری مسمّاۃ کے پاس بھیج دوں۔ یہ وہ الفاظ بعینہٖ تھے جو ادا کئے گئے تھے، لکھے پڑھے شخص نے ایک تحریر لکھی جس میں ہندہ کو تحریر کیا کہ تم نے شرط پوری نہیں کی لہٰذا تم میری نہیں رہیں تم کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، اب مسمّاۃ ہندہ کہتی ہے کہ گو میں نے شخص متعلق سے تمہاری مرضی کے خلاف گفتگو کی ہے لیکن اب کوئی واسطہ نہیں ہے نہ اب گفتگو کروں۔ چونکہ زید کو طلاق رجعی یا بائن کا کچھ علم نہیں تھا لیکن زید کے ذہن میں قطعاً قطع تعلق نکاح نہ تھا زید نے مضمونِ طلاق سُن لیا تھا اب مسمّاۃ پشیمانی کے ساتھ طالبِ معافی ہے اور زید بھی چاہتا ہے کہ مسمّاۃ ہندہ مذکور میرے نکاح میں رہے۔ واضح رائے عالی ہو کہ مسمّاۃ ہندہ کو شخص متعلق سے گفتگو کرتے دیکھ کر اس کے دوسرے تیسرے دن تحریر رجسٹری طلاق کی بھیجی تھی اور جس روز تحریری طلاق بھیجی اسی روز ہندہ اور زید میں گفتگو ہو کر خواہشمند بقائے نکاح

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

ہوئے ہیں کہ نکاح رہا یا نہیں؟

الجواب

اس نے اس کی درخواست سے لکھا اور اس نے لکھنے کے بعد سُن بھی لیا اور عورت کو بھیج دیا عورت پر تین طلاقیں ہو گئیں، اب بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ذہن میں ہونے نہ ہونے وغیرہ کے عذر بیکار ہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴: از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ عطاء اللہ خاں سوداگر جفت ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ سے عرصہ سے ناراض ہے اس کو زوجہ کی جانب بدگمانی ہے وُہ عرصہ سے اس سے تقریر و تحریری ذرائع سے واقعات کو دریافت کررہا ہے اب اس نے ایک خط اپنی زوجہ کے نام پردیس تقریری و تحریری ذرائع سے واقعات کو دریافت کررہا ہے اب اس نے ایک خط اپنی زوجہ کے نام پردیس سے تحریر کیا ہے جس کی عبارت طول طویل ہے اس میں سے بقدر ضرورت عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے، یہ ثابت ہے کہ یہ خط زید کا ہے کیونکہ وُہ اپنے والد کو لکھتا ہے کہ میرے لڑکے کو اور میرے سامان کو زوجہ سے لے لو اور زید اپنے سالے کو بھی لکھتا ہے کہ تم میرے والد کو میرا سامان دے دو اور اپنی ہمشیرہ کے جہیز کا سامان پانی ہمشیرہ کو دے دو اور میرے لڑکے کو بھی والد کو دے دو، اسی خط اور بہت سی بیہودہ باتیں اپنی زوجہ کے متعلق تحریر کی ہیں اور کوئی اجنبی شخص ان کو نہیں لکھ سکتا اور زید کی بہت سے تحریریں انہیں قرائن کو ظاہر کرتی ہیں، زید کے خط کی عبارت یہ ہے: "تو نے جس قدر جھوٹ سے کام لیا تیرے دل کو معلوم ہے مگر تو نے اب بھی پوشیدہ حال رکھا ہے اب میں اپنے دل سے طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہُوں طلاق دیتا ہوں اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی، میں اس وجہ سے وہاں سے چُپ ہو کر چلا آیا ہُوں کہ تُو ڈر کے مارے نہیں بتاتی۔" دریافت طلب امر یہ ہوا کہ زید نے جو یہ کلمات اپنے خط میں لکھے ہیں کیا اس کی زوجہ مطلقہ ہو گئی یا نہیں اگرچہ اس کی زوجہ نے کوئی راز پوشیدہ ہی رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔

الجواب:

ثبوت خط کے لئے اُس کا اقرار ہو یا گواہانِ عادل کی شہادت، اگر وُہ انکار کرے اور گواہ نہ ہوں

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۰

تو مجرد خط ملنے یا اُن قرائن سے ثبوت نہیں ہو سکتا، علماء نے فرمایا ہے: **لایعمل بالخط** (خط پر عمل نہ کیا جائے گا۔ت) اور فرمایا ہے:

الخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم [1]۔	خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔ (ت)

پھر وُہ لفظ کہ اس نے لکھے ہیں محتمل ہیں کہ پوشیدہ رکھی بیائے معروف یا بیائے مجہول، اگر عورت کو وثوق ہے کہ یہ خط اسی کا ہے تو جب تک وُہ انکار نہ کرے اس پر کاربندی کر سکتی ہے، اگر یائے معروف ہے تو تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی تھی، اور یائے مجہول ہے تو اب تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات اس خط کے بعد پوشیدہ کرے لیکن اگر وُہ اس خط سے منکر ہو تو عورت کو بے شہادت عادلہ بالائی وثوق کام نہ دے گا۔

مسئلہ ۱۹۵: از محمود آباد ضلع سیتاپور مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سُنی حنفی محمود آبادی ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ زید نے ایک دن غصّہ میں اپنی منکوحہ عورت کے واسطے فارغ خطی تحریر کیا اور لکھا کہ میں نے طلاقیں دیں مگر زبان سے کچھ نہیں کہا اور نہ عورت نہ کسی اور اس کو بابت کچھ معلوم ہوا محض لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا مگر عورت نے کسی طرح معلوم کرلیا لہٰذا ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر فارغ خطی باضابطہ لکھی تھی کہ میں فلاں بن فلاں ساکن فلاں مَیں نے اپنی زوجہ فلاں کو تین طلاقیں دیں جیسا کہ لفظ فارغ خطی سے بھی ظاہر ہے۔ فارغ خطی باضابطہ کاغذ ہی کو کہتے ہیں تو بلاشبہ تین طلاقیں ہو گئیں، عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی عورت کو یا کسی کو خبر نہ ہونا شرطِ طلاق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شہر محلّہ کوہاڑا پیر مسئولہ قمرالدین صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عقد نکاح کیا ہندہ کے ساتھ، مگر بعدہ، حسب شرائط ذیل بوجوہ خانگی ومصالح خاندانی تجویز طلاق قرار پائی اور طلاقنامہ لکھا گیا مگر حسب اندراج دستاویز مذکور کلمات شرعیہ کہ طلاق دی طلاق دی طلاقی دی اور جلسہ عالم میں طلقت کہا وقوع میں نہیں آئی بلکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

سرپرستِ منکوحہ نے حکمتِ عملی سے زبرستی دستاویز حاصل کرلیااور اس نے اس کو روک لیانیز مخفی نہ رہے کہ بعد ہنوز رخصتی کے رسم عمل میں نہیں آئی ہے، آیا بعد ملاحظہ بالاولحاظ شرائط تحت طلاق جائز ہے یاواقعی عمل میں بموجب شرع شریف نہیں آئی۔

شرائط جو عمل میں نہیں آئیں

(۱) کھنڈوہ طلائی وزنی ۴۰ تولہ بوقتِ عقد منجانب نالکح چڑھائے گئے تھے واپس ہوں گی اور نیز مبلغ معہ / روپیہ لڑکی والا بابت خرچ نالکح کوادا کرے گا۔

(۲) کل پارچہ پوشیدہ لڑکی والا نالکح کو واپس کرے گاجو کہ بوقتِ عقد چڑھایا تھا۔

(۳) شرائط نمبر۱و۲ کی تکمیل منجانب لڑکی والے کے ہونے کے بعد نالکح بروئے دستاویز مذکورہ طلاق دے گا جلسہ عام میں اس کااعلان کرے گا۔

(۴) شرط نمبر۳ کی تکمیل کے ساتھ معافی مہر منجانب منکوحہ لازم تھی۔

الجواب:

ایسے معاہدوں میں معرف یہ ہے کہ دستاویز کالکھنا معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔ تنفیذ اُنہیں شرائط پر مشروط ہوتی ہے جو معاہدے قرار پائے، تو یہاں اگرچہ لفظًا تعلیق ہو عرفاً تعلیق ہوتی ہے **والمشروط عرفًا کالمشروط لفظًا** (عرف میں مشروط چیز، لفظوں میں مذکور مشروط کی طرح ہے۔ت) ولہذا اگر شوہر عورت سے کہے کہ تو مہر معاف کردے تو میں تجھے طلاق دے دُوں گا، عورت نے کہا میں نے اپنا مہر معاف کیا، شوہر نے طلاق نہ دی، مہر معاف نہ ہوا کہ اگرچہ اس نے بلاشرط الفاظ معافی کہے، لفظوں، میں کوئی شرط نہ تھی مگر معنیً شرط موجود تھی اور وُہ نہ پائی گئی لہذا معافی نہ ہوئی، اسی طرح یہاں طلاق معنیً اُن شرائط سے مشروط ہے اور وُہ نہ پائی گئی لہذا طلاق نہ ہوئی، عالمگیریہ میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا کابین تُرا بخشیدم چنگ ازمن بدار ان لم یطلقھا لمیبرأعن المھر کذافی الظھیریۃ[1] **۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	بیوی نے خاوند کو کہا میں تجھے مہر بخشتی ہوں تو مجھے پر سے قبضہ ختم کردے یعنی طلاق دے دے، اگرخاوند نے طلاق نہ دی تو مہر معاف نہ ہوگا ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل الخلع بالفارسیہ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۵۸

مسئلہ ۱۹۷: از شہر کہنہ ۱۲صفر ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو جس کو عرصہ قریب تین سال کے ہوا طلاق دے دی، طلاق ہوجانے کااقرار بکر نے زبانی عورت مطلّقہ اور نیز عورت مذکورہ کے بھائیوں کی زبانی سُنا ہے، اب بکر مذکور اپنا نکاح اس عورت سے کیا چاہتا ہے، لہٰذا شرع کاکیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت اور اس کے بھائی تین طلاقیں اُتنی مدّت سے ہونا بیان کرتے ہیں اور اب زید سال بھر غائب ہے اس صورت میں بکر کو چاہئے کہ اپنے دل کی طرف غور کرے، اگر عورت اور اس کے بھائیوں کا بیان دل پر جمتا ہو کہ یہ لوگ اس میں سچّے ہیں اور کوئی فریب نہیں کرتے تو بکر کو اختیار ہے کہ اس عورت سے نکاح کرلے جبکہ وہ اس طلاق کے بعد عدّت بھی گزرجانا بیان کرتی ہو یعنی طلاق کے وقت اگر حاملہ ہونا کہے جب تو ظاہر ہے کہ تین سال کے قریب زمانہ گزرا ضرور وضعِ حمل ہو کر عدّت، گزر گئی، اور اگر حمل نہ تھا تو عورت یہ بیان کرے کہ طلاق کے بعد اسے حیض تین بار شروع ہو کر ختم ہوچکا ہے، اور اگر بکر کے دل پر اُن کا سچ نہ جمے فریب معلوم ہوتا ہو تو ہر گز نکاح نہ کرے۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ لوان امراۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلثا وانقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجھا وان کانت فاسقۃ تحری وعمل بما وقع تحریہ علیہ[1]۔	ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے، اگر ایک عورت نے کسی مرد کو کہا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں اور عدّت بھی گزر چکی ہے، تو اگر عورت عادلہ ہے تو اس شخص کو اس پر اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، اور اگر وُہ عورت فاسقہ ہے تو پھر وُہ شخص غور فکر کرے اور غور وفکر کے نتیجہ پر عمل کرے۔ (ت)

اس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ آج کل عادل شخص کا ملنا دشوار ہے ورنہ اگر عورت عادلہ ہو تو اس کا صرف اتنا بیان ہی کہ مجھے طلاق ہو گئی اور عدّت گزر گئی جواز کے لئے کافی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: قاضی عبدالغنی صاحب از ڈیڈوانہ مارواڑ محلّہ قاضیحان

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور بسبب دلی رنجش کے بہ رُوبرو دو تین شخص کے حرفِ طلاق مکرر سہ کرر زبان پر لایا، ہندہ کے پاس ایک طفلِ شیر خوار تھا اس وجہ سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۱۳

اُس نے اس کی پرورش کی درخواست کی جس کا زید نے اقرار کیا کہ ۴/ماہوار دودھ خرچ کے دیا کرے گا، چند عرصہ کے بعد ہندہ طالب مہروز ہوئی، اب زید نے دیکھا کہ روپیہ ہاتھ سے جاتا ہے انکاری ہوگیا کہ میں نے طلاق نہیں دی اس غرض سے کہ ہندہ نہ تو کسی دوسرے سے نکاح کرسکے گی اور نہ گھر سے خرچ ہوگا۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ طلاق جائز ہے یا نہ جائز، طلاق کن کن امور سے ہوتی ہے کیا ہندہ مستحق پرورش خرچ مہر ہے؟

الجواب:

طلاق کے مسئلے ایسے گول لکھنے کے نہیں ہوتے، حرف طلاق مکرر سہ کرر زبان پر لایا اس سے کیا معلوم ہُوا کہ اس نے کیا الفاظ کہے حرف طلاق لاکھ بار زبان پر لانے سے بھی طلاق نہیں ہوتی اور ایک ہی بار کہنے سے ہو جاتی ہے، اس کے پُورے الفاظ لکھے جائیں جن پر اصلاً کم وبیش تغیر نہ ہو اور یہ بھی کہ اس کے گواہ کون کون لوگ ہیں کہ اُس نے یہ لفظ کہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از ٹانڈہ ضلع فیض آباد مسئولہ حکیم سیّد حاضر علی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

رہبر شریعت وطریقت جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب، السلام علیکم! ایک شخص سلیمان نے کئی آدمیوں کے سامنے طلاق دے کر طلاق پر انگھوٹھے کا نشان ثبت کردیا۔ اس طلاق نامہ کے وصول پر مسمّاۃ صغرٰی بی بی بالغ کے باپ نے اس کا عقد چھ ماہ ہوا ایک متمول خوبصورت شخص سے کردیا اب سلیمان چند مفسدوں کے بہکانے سے کہتا ہے میں نے طلاق نہیں دیا ہے، مفسدوں کا منشا ہے کہ شوہر ثانی سے ناجائز طور پر کثیر رقم وصول ہو۔ نقل طلاق نامہ یہ ہے: "۱۲/ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۸ ہجری بروز شنبہ منکہ سلیمان بن عبدالرزاق حافظ، رُوبرو پنچوں کے لکھوادیا ہوں کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے میرے سر پر گرمی چڑھتی ہے تو تین تین چار چار روز ہوش نہیں رہتا اس وقت طبیعت بہت ٹھیک ہے اس لئے میں چار گواہی دے کرکے میری منکوحہ مسمّاۃ صغرٰی بنت حیدر اس کو تین طلاق دے کر اپنے نکاح سے دور کردیا اگر مجھ کو کوئی دیوانہ گردانے تو واقعی دیوانہ ہوں لیکن اس وقت دیوانہ نہیں ہُوں اور مسمّاۃ مذکور کی جانب سے ولی محمد ابن امام الدین مختار ہو کر مہر وعدّت معاف کردیا جب میں طلاق دیا ہوں"۔

ٹکٹ ا۔ (نشان انگوٹھا سلیمان ولد عبدالرزاق حافظ)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر سلیمان کو اس تحریر کا اقرار ہے یا گواہان عادل سے ثابت ہے تو بیشک صغرٰی پر تین طلاقیں ہوگئیں اس کا نکاح اگر عدّت گزرنے کے بعد دوسرے شخص سے کیا گیا تو وہ نکاح صحیح ہے

اور اگر عدّت کے اندر کر دیا کہ سوال میں انقضائے عدّت کا کوئی ذکر نہیں اور طلاق نامہ میں عدت کا معاف کرنا جاہلانہ لکھا ہے تو یہ دوسرا نکاح بھی باطل ہوا مگر سلیمان کو اب بھی صغرٰی پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا نہ وہ صغرٰی سے نکاح کرسکتا ہے کہ اس نکاح ثانی کے باطل ہونے کے سبب حلالہ صحیح نہ ہوا۔ درمختار میں ہے:

لاینکح مطلقة بالثلاث حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف[1]۔(ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	تین طلاقوں سے مطلقہ عورت سے دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا جب تک دوسرا خاوند صحیح اور نافذ نکاح کے ساتھ اس عورت سے جماع نہ کرلے، صحیح اور نافذ نکاح کی قید سے نکاح فاسد اور نکاح موقوف خارج ہوگیا (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۰: ازانبالہ چھاؤنی صدر بازار محلّہ پلیداران مرسلہ ننّے خاں نبیت ۱۵رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے بخوشی چار آدمیوں کے سامنے اپنی عورت کو طلاق دی اب وہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں دی۔ یہ طلاق ہوئی نہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر واقع میں تین طلاقیں دی ہیں عنداللہ عورت اُس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ قال اللہ تعالٰی:

فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ[2]۔	مطلقہ ثلاثہ عورت خاوند کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

اور اس کا انکار اللہ عزّوجل کے یہاں کچھ نفع نہ دے گا ان گواہوں پر فرض ہے کہ گواہی دیں اگر اُن میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہوں طلاق ثابت ہوجائے گی اور اس کا انکار دُنیا میں بھی نہ سُنا جائے گا اور اگر ان میں ایسے گواہ نہ ہوں اور عورت کے سامنے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس سے حلف لے اگر وہ حلف دے کہ میں نے طلاق نہ دی تو عورت اپنے آپ کو اس کی زوجہ سمجھے اگر اُس نے حلف اُٹھا جھوٹا کیا تو وبال اس پر ہے اور اگر خود زوجہ کے سامنے اُسے تین طلاقیں

---

[1] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۰

[2] القرآن ۲/ ۲۳۰

دیں اور منکر ہوگیا اور گواہ عادل نہیں ملتے تو عورت جس طرح جانے اس سے رہائی لے اگرچہ اپنا مہر چھوڑ کر، یا اور مال دے کر، اور اگر وُہ یُوں بھی نہ چھوڑے تو جس طرح بَن پڑے اس کے پاس سے بھاگے اور اُسے اپنے اُوپر قابو نہ دے۔ اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشو کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال اس پر ہے، لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا[1] (اللہ تعالٰی وسعت کے مطابق ہی کسی جان کو تکلیف دیتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از گنج مراد آباد ضلع اوناؤ مرسلہ شیخ حرمت علی صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ قریب دوسال کہ ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں بکر اور عمر کو خط لکھے ہیں کہ میں ہندہ کو طلاق دی اُس کو اب اختیار حاصل ہے، ل اب زید آیا اور وُہ حلفیہ بیان کرتا ہے میں نے بکر اور عمر کو خط نہیں لکھے اور وُہ خط ہندہ کے پاس بکر نے رکھ دئے تھے اب گم ہوگئے اور اسی دریافت میں زید نے بکر سے کہا تم نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ ہندہ کو طلاق دو تب میں نے طلاق نہیں دی ہندہ بھی اقرار کرتی ہے کہ زید سے بکر نے خواہش ظاہر کی تھی فقط، بینوا توجروا باحسن الثواب۔

الجواب:

ایسے خطوط سے ثبوت طلاق دو امر پر موقوف یا تو شوہر اقرار کرے واقعی میں نے یہ خط لکھا تھا یا دو[2] مرد خواہ ایک مرد دو ۲ ثقہ شرعیہ دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خط مذکور لکھا، اشباہ وغیرہا ہے:

ان کتب علی وجہ الرسالۃ مصدار معنویا وثبت ذلك باقرارہ او بالبیّنۃ فکالخطاب[2]۔	اگر خاوند نے تحریری طلاق کو طلاق نامہ کے انداز سے معنون کرکے ارسال کیا اور اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے کہ طلاق دی ہے تو زبانی طلاق کی طرح نافذ ہوگی۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ اگر شہادت معتمدہ سے بروجہ کافی تحریر خط ثابت ہو تو الفاظ مذکورہ سوال ایک سے تین تک جتنے خطوں میں لکھنے کا ثبوت تابقائے عدت ہو اسی قدر طلاقیں وقتِ تحریر سے پڑنے کا

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۸۔ ۵۹۷، ردالمحتار کتاب القاضی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

حکم دیا جائے گا مثلاً شہادت مقبولہ سے صرف ایک خط ایک ثبوت ہُوا تو جس وقت اُس نے یہ خط لکھا اُس وقت س ایک طلاق مانیں گے اور اگر ایک خط عمرو کے نام اور دوسرا عدّت کے اندر اُنہیں الفاظ یا اُن کے مثل سے بکر یا عمرو ہی کے نام لکھنا ثابت ہو تو دو اور اگر اسی طرح کے تین یا زائد ایک ہی شخص خواہ متعدد اشخاص کے نام لکھے ثابت ہوں تو تین کہ الفاظ مذکورہ کہ صریح ہیں ان میں ہر شخص کو لکھنا ہر بار کا لکھنا جدا طلاق سمجھا جائیگا۔

لما نصوا علیه من ان التاسیس خیر من التاکید وان الصریح یلحق غیرہ۔	کیونکہ فقہاء نے تصریح کردی ہے کہ کلام سے نیا فائدہ اخذ کرنا پہلے ذکر شدہ فائدہ سے بہتر ہے اور یہ کہ صریح طلاق پہلی طلاق ولاحق ہوسکتی ہے۔(ت)

ہاں اگر بعض خطوط میں الفاظ مذکور اور باقی میں اس طرح کا مضمون مسطور ہو کہ میں فلاں کو ایسا لکھ چکا ہُوں یا میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے،

وامثال ذلك مما یتعین الاخبار عن ذاك السابق لا یصلح للانشاء۔	اس کی مثل وُہ الفاظ جو پہلے خبر کے لئے متعین ہوں چکے تو وُہ الفاظ دوبارہ استعمال پر انشاء کی صلاحیت نہیں رکھتے۔(ت)

تو ان باقی خطوط کی تحریر اُسی طلاق سابق کا ذکر قرار پائے گی جُدا طلاق نہ ٹھہرے گی،

فی الهندیة عن الظهیریة لو طلقها ثم قال لها طلاق دادمت یقع اخری ولو قال طلاق دادہ است لایقع اخری،[1]	ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے اگر خاوند نے طلاق دینے کے بعد کہا تجھے میں نے طلاق دی، تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی، اور اگر کہا طلاق دی گئی ہے، تو یہ دوسری نہ ہوگی۔(ت)

اور اگر شہادت کافیہ نہ ہو تو ازانجا کہ زید منکر ہے اصلاً ثبوت طلاق نہیں اگرچہ خطوط موجود اور اس کے خط سے بالکل مشابہ ہوتے کہ خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں،

لما صرحوا به فی عامة الکتب ان الخط یشبه الخط فلا یعتبر[2]۔	کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہوسکتا ہے، جیسا کہ عام کتب میں ہے، لہٰذا خط کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق بالصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱، الہندیہ باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹

بکر وعمر کا بیان کہ ہمیں خط لکھے اگرچہ وُہ دونوں ثقہ عادل بھی ہوں اگرچہ بکر پر اُس اظہارِ خواہش کے سبب اس امر میں کوئی اپنی غرض وتہمت بھی نہ ہو اصلا قابلِ التفات نہیں کہ کوئی کسی کو اسکے سامنے خط نہیں لکھا کرتا ڈاک میں آئے یا قاصد لایا بہر حال اُن کا یہ اظہار اسی مشابہت خط یا بیان ایلچی پر مبنی ہوگا اور یہ کوئی شہادت شرعیہ نہیں **کمالایخفی علی ادنی خادم للفقه وقد بیناه فی رسالتنا الازکی الاهلال** (جیسا کہ یہ بات علم کے ادنٰی خادم پر مخفی نہیں ہے اور اس کو ہم نے اپنے رسالہ ازکی الاھلال میں بیان کیا ہے۔ت) یہ جو کچھ گزرا دربارہ حکم قضا ہے یعنی جب تک اُن دووجوہ شہادت واقرار میں کسی وجہ سے ثبوت نہ ہو حکمِ طلاق نہ دیا جائے گا، عورت کو حرام ہے کہ باوصت انکار شوہر ایسی مہمل خبر پر، اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر کوئی کاروائی آزادی کرے، مردوں کا حرام ہے کہ اسے مطلّقہ ٹھہرا کر قصدِ تزوّج کریں، مگر فی الواقع اگر زید اس انکر میں جھوٹا ہے تو اس کا حساب لینے والا خدا ہے عورت اس وبال سے پاک وجد ہے خدا سے ڈرے اور حق ظاہر کرے **واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعله جل مجده اتم۔**

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ حکیم حسین خاں از بریلی محلّہ فراشی ٹولہ ۲۰رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ساڑھے تین سال سے رنڈی کے ساتھ نکاح کرلیا اور ہندہ قدیمہ زوجہ کو اذیّت وتکلیف دیتا رہا حتی کہ ایک روز سال گزشتہ ۱۴ مئی ۱۹۱۶ء کو بمواجہہ دو شخص عاقل وبالغ مسلم عمرو بکر جو کہ اس کے قرابت دار ہیں زید نے ہندہ سے کہا کہ مجھے [۱] دو [۲] عورت کی استطاعت نہیں، میں [۲] اپنے پسند سے رنڈی لے آیا اور تو [۳] میرے مطلب کی نہیں، میں [۴] تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا ہوں، تجھ [۵] کو میں نے طلاق دی، تو [۶] میرے پاس سے چلی جا، تجھ [۷] کو اختیار اپنا ہے جو چاہ سو کر، مجھ [۸] کو اپنا اختیار ہے کہ میں نے رنڈی سے نکاح کرلیا اب زید طلاق سے انکار کرتا ہے اور نہ بلاتا ہے اور نہ آتا ہے اور نہ روٹی کپڑا دیتا ہے اور وُہ دونوں شخص مقر ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں ہندہ کو خوب دق کرونگا، اور ہندہ صبر وتحمل سے عاجز ہوکر نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے پس بحکم شرع شریف طلاق ہوئی یا نہیں، اور الفاظ مذکورہ سے کتنے طلاق واقع ہوئے اور ہندہ بعد عدّت نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں، شمارِ عدّت کب سے ہوگا اور دین مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام ہے، مخالفانِ دین کو طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے، اس طلاق کو رجعی سمجھنا سخت جہالت ہ، اور عدّت اس وقت سے شروع نہ جاننا اگر یہ طلاق بحالت حیض ہو بلکہ جب یہ حیض ختم ہو اس کے بعد کا طُہر ختم ہو جدید حیض شروع ہو اس وقت سے عدّت کا آغاز لینا دوسری جہالت ہے

بلکہ حکم شرعی یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر بیانِ مذکور صحیح ہے عورت پر دو۲ طلاقیں بائن پڑ گئی، عورت سے نکل گئی، شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا،

فان اللفظ الخامس طلاق صریح ولاسادس لکنه یحتمل الردان توقف علی النیة حتی فی المذاکرة فالسابع لایحتمله وقد صارت الحالة بالطلاق حالة المذاکرة فوقع بلانیة لان البائن یلحق الصریح ولکونه بائنا عاد الاول ایضا مثله لاستحالة الرجعة بعد البینونة فطلقت تطلیقتین بائنتین۔	کیونکہ پانچواں لفظ صریح طلاق ہے اور چھٹا لفظ جواب کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس میں نیّت کی ضرورت ہے حتی کہ مذاکرہ طلاق میں نیت پر موقوف ہے،اور ساتواں لفظ رَد کا احتمال نہیں رکھتا پہلے طلاق کہنے کی بنا پر مذاکرہ طلاق ہوجانے کی وجہ سے یہ طلاق بھی بغیر نیّت واقع ہوگئی، کیونکہ یہ بائنہ طلاق ہے،اور بائنہ، رجعی طلاق کو لاحق ہوجاتی ہے اور بائنہ پہلی کو بھی جیسی بنادیتی ہے اس لئے کہ بائنہ کے بعد رجوع ناممکن ہوجاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں دو۲ بائنہ طلاقیں ہوگئی ہیں۔(ت)

عدّت اسی وقت سے لی جائیگی جب سے یہ طلاق دی اگرچہ حالتِ حیض میں دی ہو تمام احکامِ عدّت مثلاً عورت پر گھر سے باہر جانے کی حرمت وغیرہ اسی وقت ثابت ہوجائیں گی نہ یہ کہ حیض جدید کے بعد آغاز ہوں، ہاں صرف یہ حیض شمار میں نہ آئے گا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے، جس وقت سے یہ طلاق پڑی عورت کا مہر واجب الادا ہوگیا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۳: از کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ محمد ابراہیم خاں وکیل سرشتہ ۲۳رجب ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جس کی عمر ۱۵سال کی ہے ہندہ کے باپ عمرو کے مواجہہ میں طلاق بائن مغلظ دے دیا اس طلاق کے اندازاً ایک سال بعد زید نے کسی طرح پر ہندہ کو بہکا کر یہ کہلادیا کہ مجھے طلاق نہیں ہوئی ہے اور زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے،اس صورت میں پدر ہندہ عمرو کو بروئے شریعت کیسا اختیار حاصل ہے، کیا عمرو قاضی کے سامنے دعوی پیش کرکے استقرارِ طلاق کی ڈگری لے سکتا ہے اور پانی لڑکی ہندہ نابالغہ کو زید کے قبضہ سے نکال سکتا ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل ہر غیب کو جانتا ہے فی الواقع اگر زید نے ہندہ کو طلاق مغلظ دی تھی اور اب زید وہندہ دونوں منکر ہوگئے ہیں تو اُن کا نکار کچھ مسموع نہیں،اور ان پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جُدا ہوجائیں ورنہ زنا ہے اور دونوں کو عذابِ جہنّم وغضبِ جبّار کا استحقاق ہے، اگر وُہ جُدا نہ ہوں تو ہندہ کے باپ پر فرض ہے کہ قاضی کے

یہاں دعوی طلاق کرکے فوراً جدائی کرالے اگر وہ نہ کرے تو جو مسلمان اس پر اطلاع رکھتا ہے اس پر فرض ہے کہ دعوی کرکے اُن میں جدائی کرادے اس میں ہر مسلمان کو دعوی اختیار ہے بلکہ اگر کوئی شخص دعوی نہ کرے تو جن جن کے سامنے زید نے طلاق دی تھی اُن پر فرض ہے کہ قاضی کے یہاں حاضر ہو کر گواہی دیں اور اگر اُن میں دو ۲ گواہ قابل قبول شرع ہوں تو قاضی پر فرض ہے کہ بغیر کسی مدعی کے ان کے شہادت سُن لے اور اُن مرد وعورت کر جبراً جُدا کردے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

تسمع الشھادۃ بدون الدعوی فی الحد الخالص وفی الطلاق والایلاء والظھار [1]۔	خالص حد، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوی بھی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولا بخلاف حقوق اللہ تعالٰی لوجوج اقامتھا علی کل واحد فکل احد خصم فکان الدعوی موجودہ [2]۔(ملخصًا)	حقوق العباد میں شہادت قبول کرنے کے لئے پہلے دعوی پایا جانا شرط ہے بخلاف حقوق اللہ کے کہ ہر ایک پر واجب ہے کہ ان کو قائم کرے اس لئے حقوق اللہ معاملہ میں ہر ایک فریق ہوسکتا ہے، گویا کہ دعوی موجود قرار پائے گا۔(ت)

ہاں واقع میں زید نے طلاق نہ دی اور ہندہ کا باپ جُھوٹا دعوی طلاق کرکے جُدا کرانا چاہتا ہے تو ہو سخت عذات کا مستحق ہوگا۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از بلرامپور ڈاک خانہ خاص ضلع گونڈہ محلّہ پھاٹک جانب اوتر سرائے بختہ مرسلہ نور محمد آتشباز ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خواندہ آدمی ہے عرصہ پندرہ سولہ سال کا گزرتا ہے کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو بوجہ وجوہ طلاق واحد تنبیہًا دی اور بعد گزرنے گزرنے پندرہ یوم کے دونوں میاں بیوی نے رجعت کرلی اور آج تک زید کی زوجیت میں رہی اتفاقًا بعد سولہ برس کے دونوں میں نااتفاقی بوجہ ورغلانے ایک شخص کے جو زید کی تجارت میں شریک تھا ہوگئی اور زدی کے مکان سے فرار ہوگئی بعد چندس روز کے واپس آئی اور

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الشھادات والدعادی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۳۵۸

[2] درمختار باب الاختلاف فی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۸

سابقہ طلاق واحد کو تین طلاقوں کی مقر ہوئی، چونکہ زید برادری والا آدمی ہے، پنچایت میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور گواہوں نے بیان کیا، مجھے یاد نہیں ہے کہ زید نے طلاق واحد دی تھی یا طلاق ثلاثہ، اس وقت پنچایت میں زید سے قسم لی گئی، زید نے طلاقِ واحد کی قسم کھالی، ہندہ پھر زید کی زوجیت میں چند روز رہی، بعد ازاں ہندہ پھر فرار ہو کر اور دو گواہ بے نمازی دائمی وار شراب خوار و زانی ایک برادری و دیگرے قوم دیگر کچہری دیوانی میں پیش کرکے مقدمہ دائر کرکے ڈگری حاصل کرلی اور اس شخص کے مکان پر رہتی ہے جو کہ زید کا شریک تھا اور اسی کے ورغلانے کا گمان غالب تھا، پس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کے گواہ مذکورہ کچہری کا قول معتبر ہوگا یا کہ گواہ اول پنچایتی برادرانِ زید کا قسم معتبر ہوگا اور اہلِ برادری کو زید کے شریک جہاں ہندہ رہتی ہے اور اسی کے ورغلانے کا تمام اہلِ برادری کو اور زید کو گمان غالب ہے تنبیہًا خاندان ترک کردینا جائز ہے یا نہیں ؟ اور ہندہ زوجہ زید ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو پنچایت کا فیصلہ حق تھا اس کے بعد ہندہ کا چند روز اس پر کاربند رہ کر اغوائے شیطان سے پھر فساد اٹھانا اور دو ۲ فاسق گواہ پیش کرکے کچہری سے ڈگری لینا اسے شرعًا کچھ مفید نہیں، ہندہ بدستور زوجہ زید ہے، اور شریک زید پر اگر ہندہ کے اغوا کا ثبوت ہو تو اہلِ برادری ضرور اسے برادری سے خارج کریں اُس سے میل جول چھوڑدیں اس کے پاس نہ بیٹھیں۔

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ [1] ۔	اگر تجھے شیطان بُھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا [2] رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمرو	ہمارے گروہ سے نہیں جو کسی کی عورت کو اس سے بگاڑدے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے صغیر اور اس کی مثل اوسط میں ابن عمر رضی اللہ

[1] القرآن ۶/ ۶۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶، المستدرك للحاکم باب لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۶

فی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عنا بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تعالٰی عنہ سے، اور اوسط میں ابویعلٰی کی طرح صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از پکھریر ضلع مظفر پور محلّہ نور العین شاہ شریف آباد رائے پور مظفر پور مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

ہندہ کہتی ہے کہ مجھے میرا شوہر شیخ اسمٰعیل نے یکدم پانچ طلاق دی ہے اور ایک ماں اور ایک بھاوج اور ایک غیر عورت بالغ اور ایک لڑکا بارہ چودہ سالہ گواہ رکھتی ہے اس کی مائی کہتی ہے کہ ہاں پانچ طلاق دی ہے اور بھاوج کہتی ہے کہ پانچ طلاقی دی ہے، غیر عورت موجودہ کہتی ہے کہ دو۲ دی ہے، لڑکا کہتا ہے کہ تین ۳ دی ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں مسمّاۃ مورن بھی تھی مسمّاۃ مورن کہتی ہے کہ طلاق نہیں دی ہے، اور پڑوس موجودہ لوگ سب بیک زبان کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی ہے، اور اسمٰعیل شوہرِ ہندہ کہتا ہے کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ دُوں گا، ہندہ اور ہندہ کی ماں اور بھاوج باہمی سازش سے مجھ پر تہمت جھوٹی کی ہے چونکہ میں بیمار تھا ہندہ کو اپنی خدمت کے لئے تنبیہ و مجبور کرتا تھا اس لئے مجھ سے ناراض ہو کر جُھوٹی تہمت مجھ پر کی ہے۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں کہ اگر وُہ لڑکا بالغ ہو یا وُہ خواہ بھاوج خواہ وُہ دوسری عورت کہ دو۲ طلاق کہتی ہے ثقہ عادل شرعی نہ ہوں جب تو ظاہر یہاں تک کہ اگر یہ لڑکا بالغ اور یہ اور ماں اور بھاوج سب ثقہ عادل ہوں فقط وُہ غیر عورت ثقہ نہ ہو جب بھی طلاق اصلاً ثابت نہ ہو گی پہلی صورت میں اس لئے کہ صرف عورتیں ہیں اور تنہا عورتوں کی گواہ مقبول نہیں اور دوسری صورت میں اس لئے کہ عدالت نہیں اور تیسری صورت میں اس لئے کہ ماں گواہی بیٹی کے حق میں نہیں۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الفرع لاصلہ وبالعکس [1]۔ (ملخصًا)	فرع (اولاد) کی شہادت اصلا (والدین اور اوپر) کے حق میں اور اس کا عکس ہو تو بھی مقبول نہیں (ملخصًا)۔ (ت)

بحر الرائق میں ہے:

فی الولوالجیۃ تجوز شھادۃ الابن علی	ولوالجیہ میں ہے کہ باپ نے اگر اپنی بیوی کو طلاق

[1] درمختار کتاب الشہادت باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

ابیہ بطلاق امرأتہ اذالم تکن لامہ أولضرتھا لانھا شھادۃ علی ابیہ وان کان لامہ اولضرتھالاتجوز لانھا شھادۃلامہ[1]۔	دی تو بیٹے کی اپنے باپ کے خلاف شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ جس کو طلاق دی گئی ہو وہ اس بیٹے کی ماں یاماں کی سہیلی نہ ہو، یہ شہادت باپ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگی اور اگر بیٹے کی ماں یااس کی سہیلی ہوتو پھر بیٹے کی یہ شہادت مقبول نہیں کیونکہ اگرچہ باپ کے خلاف ہے لیکن ماں کے حق میں ہے۔(ت)

اور بالفرض اگر یہ لڑکا بالغ اور بھاوج اور وُہ دوسری عورت سب ثقہ عادل ہوں بھی تو دو ۲ طلاقیں ثابت ہوسکتیں کہ اسی قدر تینوں شاہدوں کا اتفاق ہے لیکن یہ مذہب صاحبین کا ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اب بھی شہادت مقبول نہیں کہ دو ۲ اور تین ۳ میں اختلاف ہے اور اختلاف شہود موجب رَدِّ شہادت۔ ہدایہ میں ہے:

یعتبر اتفاق الشاھدین فی اللفظ والمعنی عندابی حنیفۃ فاذاشھد احدھمابالف والاٰخربالفین لم تقبل الشھادۃعندہ وعندھماتقبل علی الالف اذاکان المدعی یدعی الفین وعلی ھذاالطلقۃ والطلقتان والطلقۃ والثلث[2]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دونوں گواہوں کا لفظ اور معنٰی میں اتفاق معتبر ہے لہٰذا اگرایک گواہ نے ایک ہزار کہا اور دوسرے نے دوہزار کہا تو یہ شہادت امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک ہزار پر دونوں گواہوں کی شہادت قبول کرلی جائے گی بشرطیکہ مدعی نے دوہزار کا دعوٰی کیا ہو، یُوں ہی ایک طلاق اور دوطلاق کا یا ایک اور تین طلاقوں میں (گواہوں کا اختلاف ہوتو امام صاحب کے نزدیک اس اختلاف میں کوئی طلاق ثابت نہ ہوگی)۔(ت) تو ثابت ہوا کہ صورت مستفسرہ میں اصلاً طلاق ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: از گلاوٹھی ضلع بلند شہر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب مدرس ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بیان ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو

---

[1] بحرالرائق باب من تقبل شھادۃ ومن لاتقبل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸۰/۷

[2] ہدایہ باب الاختلاف فی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۵/۳

طلاق دے دی ہے قطعی جس کو عرصہ ۷ مہینے کا ہوا اور اپنے بیان کی تائید میں پنے دو۲ بھائی حقیقی اور دو شخص غیر کو پیش کرتی ہے، چنانچہ وُہ چاروں قطعی طلاق دینا مسمّاۃ کو بیان کرتے ہیں اور شوہر سے جو دریافت کیا گیا تو وہ انکار کرتا ہے اس صورت میں عورت مطلقہ سمجھی جائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان چاروں میں اگر عورت کے دونوں بھائی یا دونوں غیر یا ایک بھائی ایک غیر فرض کوئی سے دو۲ شخص ثقہ عادل شرعی قابل قبول شہادت ہوں تو عورت ضرور مطلقہ سمجھی جائے گی شوہر کا انکار گواہان ثقہ کے حضور اصلًا مسموع نہ ہوگا، بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعًا قبول ہے۔ درمختار میں ہے:

نصابہا لنکاحٍ وطلاقٍ رجلان اورجل وامرأتان[1] اھ ملخصًاملتقطا۔	نکاح وطلاق میں شہادت کا نصاب دو۲ مرد یا ایک مرد اور دو۲ عورتیں ہے___ اھ ملخصًاملتقطا(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجوز شھادہ الاخ لاختہ کذافی محیط السرخسی[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بھائی کی شہادت بہن کے حق میں مقبول ہے، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۷: از ریاست رامپور مسئولہ امراؤ دلہا مفتی غلام حیدر صاحب محلّہ زاخ دوارہ مورخہ ۲۶ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے دروازہ پر جاکر بآوازِ بلند اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ میں نے فلانے کی بیٹی فلانی کو طلاق دی، اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ ایک دفعہ محض خوف دلانے کے لئے غصّہ کی حالت میں کہا تھا اور گھر میں زوجہ کے دو۲ بھائی اور والدہ اور نانی اور دروازہ پر ایک ملازم کا بیان ہے کہ ہم نے طلاق دی دی دی کا لفظ تین دفعہ سنا اور دروازہ کے باہر دو شخصوں نے بھی اسی آواز کو سُنا کہتے ہیں کہ ہم نے دی کا لفظ ایک دفعہ سُنا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تین طلاق ہوئیں یا ایک طلاق رجعی۔ **بینوا توجروا۔**

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] الفتاوی الھندیۃ الفصل الثالث فیمن لاتقبل شہادتہ للتھمۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۰

الجواب:

عورت کے دونوں بھائی اور ملازم ان تینوں شخصوں میں اگر دو۲ ثقہ عادل قابل قبول شرع ہیں تو تین طلاقیں ہو گئیں عورت بے حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی بشرطیکہ بھائیوں نے اسے آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کے قول مذکور کو کان سے سُنا اور اگر وُہ گھر ہی میں رہے اور یہ باہر ہی رہا تو محض شناخت آواز پر شہادت نہیں ایک طلاق سے زائد ثابت نہ ہو گی پھر اگر واقع میں تین بار "دی" کا لفظ کہا تو اس پر فرض ہے کہ اسے چھوڑدے اور بے حلالہ ہاتھ نہ لگائے اگر خلاف کرے گا مبتلائے زنا ہو گا اور مستحق عذاب شدید، واللہ علٰی کل شیئ شھید، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: تحصیل کچھانپنی تال مرسلہ عبدالغنی صاحب ۱۷رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو۲ منکوحہ ہیں ہندہ، زینت۔ ہندہ نے چاہا کہ زینب زوجہ ثانیہ کو طلاق ہو جائے زید کو اہلِ دِہ نے بہت ڈرایا دھمکایا مگر زید نے ہرگز نہ مانا زینب کو طلاق نہ دی ان مغویانِ دہ نے پٹواری دِہ سے کہ از قوم ہنود تھا ساز کرکے طرح طرح کے نقصان مالی وجانی منجان کچہری کے اندیشہ پیدا کردیا اور کہا تمہاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اپنی عورت زینب کو طلاز دے دو اور یہ کلمات اُس پٹواری سے پُورا مخوف ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی تین مرتبہ اس کلمہ کا اعادہ کیا اور کرایا مگر یہ لفظ طلاق سے ثابت نہ ہُوا کہ کون سی بی بی کو زید سے مرد ہنود پٹواری نے طلاق دلوائی، بعد تھوڑی دیر کے جبکہ جلسہ منتشر ہو گیا پٹواری نے زید سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی کون سی بی بی کو طلاق دی زید نے کسی کا کچھ نام بھی نہیں لیا اور کسی عورت کی طرف اشارہ بھی نہ کیا اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں اور زید شوہر اور زینب زوجہ کو باہم کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

جبکہ زید نے تین بار جُدا جُدا یہ لفظ اپنی زبان سے کہے کہ "میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی" اگرچہ ڈرانے دھمکانے جبر واکراہ سے اگرچہ وہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی تھا اس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی اگر اس کی مراد زینب تھی تو زینب پر تین طلاق ہو گئیں اور اگر ہندہ مراد تھی تو ہندہ کو تین طلاقیں ہو گئیں اور اگر دھمکانے سے وہ الفاظ زبان سے ادا کردئے اور نیت نہ زینب کی تھی نہ ہندہ کی، تو اب اس کے اختیار میں ہے جس کی طرف چاہے ڈال دے اگر زینب کو کہے گا اس پر تین طلاقیں ہو جائیں گی اور ہندہ کو تو اس پر تنویر میں ہے:

لوقال امرأتی طالق ولہ امرأتان اوثلاث تطلق واحدۃ منھن ولہ	اگر خاوند نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے جبکہ سا کی بیویاں دو تھیں یا تین تو ان میں سے ایک کو طلاق

خیار التعیین[1]۔	ہوگی ان میں سے طلاق کے لئے ایک معین کرنے کا اختیار خاوند کو حاصل ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لافرق فی ذلك بین المعلق والمنجز وکذا لافرق بین حلفه مرة اواکثرفله صرف الاکثرالی واحدة ففی البزازیة عن فوائد شیخ الاسلام قال حلال الله علیه حرام ان فعل کذاوفعله وحلف بطلاق امرأته ان فعل کذاوفعله وله امرأتان فاراد ان یصرف ھذین الطلاقین فی واحدة منھا اشارفی الزیادات الی انه یملك ذلک[2]۔	مذکورہ صورت میں طلاق معلّق ہو یا غیر معلّق ہو اور یونہی یا متعدد بار کہنے میں کوئی فرق نہیں، ایک سے زائد طلاقوں کو ایک ہی بیوی کے لئے مراد لینے کا بھی خاوند کو اختیار ہے، تو بزازیہ میں شیخ الاسلام کے فوائد سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے کہا کہ اللہ تعالٰی کی حلال کی ہوئی چیز مجھ پر حرام ہے اگر میں فلاں کام کروں، اور پھر اس نے وہ کام کرلیا اور اس کے بعد پھر اس نے کہا اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق، پھر اس نے وُہ کام کرلیا، تو ان دونوں قسموں کے بعد خاوند کو دو۲ بیویوں کی صورت میں اختیار ہے ان دونوں طلاقوں کو ایک بیوی کے لئے قرار دے، زیادات میں خاوند کو اس اختیار کامالک قرار دینے کا اشارہ دیا ہے۔(ت)

اور جبکہ وُہ خالی الذہن تھا کسی لفظ سے کسی عورت کی نیت نہ تھی لیکن یہ الفاظ خالی نہیں جاتے اور شرع اسے تعیین کا اختیار دیتی ہے تو ظاہر اس پر لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ ایک پر ایک اور ایک پر دو۲ ڈال سکتا ہے اور دونوں پر یہ طلاق رجعی ہونی چاہئے جبکہ اسے سے پہلے دو۲ والی کو ایک اور ایک والی کو دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو، پھر اگر دونوں کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہے تو عدّت کے اندر رجعت کرلے دونوں بدستور اس کی زوجہ رہیں گی، ہاں آئندہ کبھی اگر دو۲ والی ایک یا ایک والی کو دو۲ طلاقیں دے گا تو تین ہوجائیں گی اور پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکوں گا۔

اقول: والدلیل علی جواز التفریق مامر عن البزازیة عن	**اقول:** (میں کہتا ہوں) مذکورہ صورتوں میں طلاقوں کو بیویوں پر متفرق کرسکتا ہے اور اس کے جواز کے

[1] درمختار باب طلاق غیرالمدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۳

[2] ردالمحتار باب طلاق غیر مدخول بہا داراحیاء التراث العربی ۲/۴۵۹

شیخ الاسلام عن اشارة محمد انه یملك الصرف الی واحدة ان اراد فقط افادانه یملك التفریق ان شاء والثلاث والاربع والاثنان فی ذلك سواء ولیس قوله طلقت طلقت طلقت أوامرأته طالق امرأته طالق امرأته طالق کقوله طلقت امرأتی ثلاثا،او امرأتی طالق ثلاثا فان هنا قد افهم المغلظة فلایملك التخفیف بالتفریق مع ان المروی عن الامام فیه ایضا خیار التفریق غیر انه تقع علی کل منهن واحدة بائنة لئلایلغی وصف الاصل فی ردالمحتار رأیت بخط شیخ مشائخنا السائحانی عن المنیة لوکان الرجل ثلاث نساء فقال امرأتی ثلاث تطلیقات یقع ثلاث لکل واحدة وعندابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه لکل واحدة منهن طلاق بائن وھو الاصح [1] اھ **اقول:** ای الا اذابین وعین احدٰھن فعلیها الثلاث	دلیل بزازیہ کی گزشتہ عبارت شیخ الاسلام سے منقول کہ امام محمد نے اس میں اشارہ فرمایا کہ خاوند کو ایک ہی بیوی پر دونوں طلاقوں کو صرف کرنیکا اختیار ہے اگر چاہے تو واضح ہُوا کہ انہوں نے افادہ کیا کہ خاوند اگر چاہے تو ان طلاقوں کو اپنی متعدد بیویوں پر متفرق کرسکتا ہے اس میں بیویوں کی تعداد دو ۲ یا تین چار ہونے میں کوئی فرق نہیں، اور خاوند کا "میں نے طلاق دی" میں نے طلاق دی" یایوں" میری بیوی طلاق والی ہے" تین بار کہنا، اس کا حکم وُہ نہیں جو "میں نے بیوی کو تین طلاقیں دیں" یا" میری بیوی تین طلاق والی ہے" کا حکم ہے کیونکہ آخری دونوں الفاظ میں طلاق مغلظ مفہوم ہوتا ہے، تو اب اس مغلظہ کو متعدد بیویوں پر تقسیم کرکے مخففہ نہیں بناسکتا (لہذا یہ تین ایک ہی بیوی کے لئے قرار پائیں گی) حالانکہ امام سے اس مسئلہ میں بھی مروی ہے کہ انہوں نے یہاں بھی تفریق کا اختیار خاوند کو دیا ہے صرف اس میں یہ بات فرمائی کہ ہر ایک بیوی کو ایک طلاق بائنہ ہوگی تاکہ اصل طلاق کا وصف لغو نہ جائے۔ ردالمحتار میں ہے کہ میں کہ میں نے شیخ المشائخ سائحانی کے خط میں دیکھا انہوں نے منیۃ الفقہاء سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص کی تین بیویاں ہوں اور وُہ کہے "میری بیوی کو تین طلاقیں ہیں" تو اس کی تینوں بیویوں میں سے ہر ایک کو تین تین طلاقیں واقع ہونگی، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہر ایک

[1] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۹

فلامخالفة فيه لمسألة خيار التعيين خلافا لما فهم العلامة الشامی اما ههنا فكل كلمة على واحدة وكل تحتمل كل امرأته ولاترجيح فاليه البيان فان شاء جمع الكل على كل رجعية اذلا اصل هٰهنا موصوفا بالبينونة وبه انحل مافی ردالمحتار، وبالله التوفيق، والله تعالٰی اعلم۔	بیوی کو ایک ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور یہی زیادہ صحیح ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) مگر یہ اس صورت میں ہے جب خاوند نے بیویوں میں کسی کو معیّن نہ کیا ہو اور اگر اس نے تینوں بیویوں سے ایک کو واضح طور معیّن کرلیا تو پھر ایک کو ہی تین طلاقیں ہوں گی، لہٰذا یہ صورت، تعین کے اختیار والے مسئلہ کے مخالف نہیں، یہ ابت علّامہ شامی کے فہم کے خلاف ہے، لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں تو ہر طلاق علیحدہ ذکر کی گئی ہے جو کہ ہر بیوی کے لئے ہو سکتی ہے اور کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے لہٰذا خاوند کو ہی بیان کا حق ہوگا، وُہ چاہے تو سب کو طلاقیں ایک کے لئے بیان کرے اگر چاہے تو ان طلاقوں کو متعدد بیویوں پر متفرق کردے، اگر اس نے متفرق کردیں تو پھر ہر ایک کو طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہاں طلاق کو بائنہ سے موصوف نہیں کیا گیا، اواس تقریر سے ردالمحتار میں ذکر کردہ اشکال حل ہوگیا، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو۲ زوجہ ہیں چھمی اور بشیرن، اور اس نے دو۲ بار یا تین بار کہا میری عورت پر طلاق، اور کسی کا نام نہ لیا تو اُن میں کس پر اور کتنی طلاقیں پڑیں گی، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں یا تو وُہ دونوں عورتیں مدخولہ ہوں گی یا دونوں غیر مدخولہ یا ایک مدخولہ ایک غیر مدخولہ، اور ہر صورت میں یا تو ایک کی تخصیص کرے گا کہ میں نے اسی کو طلاقیں دی تھیں یا دونوں کو دینا بتائے گا تو یہ چھ صورتیں ہوئیں اور بہر تقدیر مذکور دو بار کہا یا تین بار تو مجموع بارہ۱۲ ہیں جن میں یہ جگہ مدخولہ کے اس لحاظ سے کہ اسے پہلے ایک طلاق دے چکا ہے یا دو۲ یا نہیں چالیس۴۰ عــہ بلکہ

عــہ: دونوں مدخولہ ہونے میں چھ۶ صورتیں ہیں کہ دونوں۱ سادہ ہوں یعنی اس سے پہلے کسی کو کوئی طلاق نہ دی تھی (باقی اگلے صفحہ پر)

اٹھاون عــہ ہو جائیں گی،

ان سب کا حکم چار اصل کلی سے نکل سکتا ہے:

اوّل زن غیر مدخولہ تفریق طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتی یعنی غیر مدخولہ کو یُوں کہے کہ اس پر دو ۲ طلاقیں یا اس پر تین طلاق، جب تو اس پر دو ۲ یا تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو یا تین یوں کہا کہ تجھ پر طلاق تجھ پر طلاق، تو ایک ہی طلاق ہو کر نکاح سے نکل جائے گی باقی لغو جائیں گی۔

دوم مدخولہ جمعًا و تفریقًا ہر طرح تین طلاق رک کی صالحہ ہے زیادہ کی نہیں کہ تین ۳ سے آگے طلاق ہی نہیں، تو جس مدخولہ کو کبھی ایک طلاق دے چکا تھا اب اُسے دو ۲ سے زائد نہیں دے سکتا اور جسے وُہ دو ۲ دے چکا اس پر ایک سے زیادہ نہیں ڈال سکتا، اگر زیادہ دے گا باقی لغو ہو جائیں گی۔

سوم کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے، اور ایسا دعوی جس میں کوئی حصّہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یا دونوں کو ایک ایک دے چکا تھا یا دو ۳ دو یا ایک ۴ سادہ دوسری کو ایک یا ایک ۵ سادہ دوسری کو دو یا ایک ۶ کو ایک دوسری کو دو ۲، اور ایک مدخولہ دوسری غیر مدخولہ میں تین ۳ صُورتیں ہیں کہ وہ امدخولہ سادہ ہو یا ایک ۲ پا چکی ہو یا دو ۳، تو یہ نو ہوئیں اور دسویں ۱۰ وُہ کہ دونوں غیر مدخولہ، ان دسوں پر محتمل ہے کہ ایک کی تخصیص کرے یا دونوں کو دینی کہے بیس ۲۰ ہوئیں ان بیسوں ۲۰ پر احتمال ہے کہ لفظ دو ۲ بار کہا یا تین ۳ بار، چالیس ۴۰ ہوئیں الخ

عــہ: اس لئے کہ ان دس ۱۰ صورتوں میں چھ ۶ صورتیں اختلاف حال زوجہ کی ہیں یعنی چوتھی سے جس میں ایک سادہ اور دوسری کو ایک ہو چکی ہے نویں ایک مدخولہ اور دوسری غیر مدخولہ ہے اور چار ۴ صورتیں دسوں ۱۰ سے متعلق ہونے والی ہیں، دو۲ کی تخصیص دو کی تقسیم، تین کی تخصیص تین کی تقسیم، ان صورتوں سے ان چار شکلوں میں جن میں حال زوجتین متفق ہے کوئی اختلاف نہ پڑے گا جس کی چاہو تخصیص مان لو یا تین قسم کی تقسیم جس پر طلاق چار ہو دو اور دوسری پر ایک واقع مان لو حکم ایک ہی رہے گا جس کی چاہو تخصیص مان لو یا تین قسم کی تقسیم جس پر طلاق چاہو دو اور دوسری پر ایک واقع مان لو حکم ایک ہی رہے گا، لہٰذا یہ چاروں ۴ چار ۴ سے مل کر سولہ ۱۶ ہی ہُوئیں، اور اسی طرح ان چھ ۶ صور اختلاف حالین میں تقسیم دو سے کوئی فرق نہ آئے گا ہر ایک پر ایک پڑے گی اور بیشک وُہ دونوں ایک حال کی ہوں ایک پڑنے کی ضرور صالحہ ہیں ورنہ اس کے نکاح ہی میں نہ ہوتیں، یہ چھ ۶ طلاق چھ ۶ ہی رہیں، سولہ ۱۶ اور چھ ۶ بائیس ۲۲، مگر بحالتِ تخصیص دو ۲ یا سہ ۳، یہ چھ ۶ مختلف الحکم ہوں گی کہ تخصیص ۲ یا ۳ اس عورت سے کی یا اس سے تقسیم، تین ۳ میں دو ۲ اس پر مانیں اور ایک اس پر، بالعکس تو یہ چھ ۶ یہاں آکر بارہ ۱۲ ہوئیں اور تین ۳ صور تخصیص دو ۲ و سہ ۲ و تقسیم سہ ۳ سے ضرب کھا کر چھتیس ۳۶ بائیس ۲۲ اٹھاون ۵۸، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

نہ کریں گے۔

چہارم جس کے پاس دو۲ زوجہ ہوں اور وُہ بلاتعیین اپنی عورت کو طلاق دے تو اسے اختیار ہے کہ وہ طلاق اُن میں سے جس کی طرف چاہے پھیرے تعیین مطلقہ میں اس کا بیان معتبر ہوگا جب تک اس کے قبول میں کلام کا لغو ہونا نہ لازم آتا ہو۔

یہ چاروں اصول جابجا کُتبِ فقہ میں مصرح ہیں، پس اگر چھمّی بشیرن دونوں **مدخولہ** ہیں تو اب ان میں سے جس کی تخصیص کرے گا دو یا تین جتنی طلاقیں دی ہیں سب اسی پر پڑیں گی دوسری پر کچھ نہیں بشرطیکہ وہ اتنی طلاقوں کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً دو بار لفظ مذکور کہا تو اب جس کی تخصیص کرتا ہے اُسے دو۲ طلاقیں کبھی نہ دی ہوں یا تین بار کہا تو اصلًا نہ دیں ہو ورنہ جس قدر اس کی صلاحیت ہے اُتنی اس پر باقی دوسری پر پڑیں گی جبکہ اس میں کل باقی کی صلاحیت ہو ورنہ ایک طلاق بناچاری لغو ٹھہرے گی مثلاً دو بار کہا اور چھمّی کی تخصیص کی اور اسے پہلے دو۲ بار دے چُکا تو اس بار پر ایک ہی پڑ کر وہ تین طلاقوں سے مطلقہ ہوجائے گی، اور اگر تین اور اس سے پہلے ایک دے چکا تھا تو اب اس پر دو۲ ہی پڑ کر تین ہوجائیں گی اور دونوں صورتوں میں باقی ایک بشیرن پر پڑے گی، اور اگر چھمّی کو دو دے چکا تھا تو اب تین بار کہا تو اس پر ایک پڑ کر تین ہو گئیں اور باقی دو۲ بشیرن پر پڑیں گی جبکہ بشیرن پر پڑیں گی جبکہ بشیرن کو پہلے دو۲ نہ دے چکا ہو ورنہ ان دو۲ باقیماندہ سے ایک ہی بشیرن پر پڑ کر اس کی بھی تین ہوجائیں گی اور ایک مجبورًا لغو ہوجائے گی اس کے لئے کوئی محل نہیں، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو ہر ایک پر ایک ایک تو ضرور پڑے گی، رہی تیسری، اگر اس کی صلاحیت کسی میں نہیں تو لغو جائے گی اور خاص ایک میں ہے تو اُسی پر ضرور پڑے گی اور دونوں میں ہیں تو وُہ جسے بتائے گا اس پر ہوگی مثلاً چھمی بشیرن دونوں پہلے دو۲ دو۲ طلاقیں پاچکی تھیں تو اب ہر ایک پر ایک ایک پڑ کر تین تین ہو گئیں تیسری بیکار، اور اگر مثلاً چھمّی کو دو۲ ہو چکی تھی اور بشیرن کو ایک، تو یہ تین جو دونوں کو دیں ان میں کی دو۲ خاص بشیرن پر پڑیں گی اور چھمّی پر ایک، اگرچہ وہ اس کا عکس بتاتا ہو کہ میں نے چھمّی پر دو۲ ڈالیں اور بشیرن پر ایک۔ اور اگر دونوں ایک ایک طلاق ہوچکی تھی یا ایک بھی نہ ہوئی تھی یا ایک کو ایک، دوسری کو اصلًا نہ ہوئی تھی تو دونوں ان تینوں میں سے دو۲ کی قابل ہیں جس پر دو۲ بتائے گا اس پر ان کی دو۲ پڑیں گی، اور جس پر ایک اس پر ایک۔ اور اگر دونوں **غیر مدخولہ** ہیں تو ایک کی تخصیص اصلًا قبول نہ ہوگی کہ باقی کو لغویت لازم آتی ہے بلکہ ہر طرح دونوں پر ایک ایک پڑے گی، اور اگر تین بار کہا تھا تو تیسری عبث جائے گی۔ اور اگر **مدخولہ وغیر مدخولہ** ہیں اور تخصیص غیر مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول نہ ہوگی بلکہ دو۲ کی صورت میں دونوں پر ایک ایک پڑے گی اور تین کی صورت میں غیر مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول نہ ہوگی بلکہ دو۲ کی صورت میں دونوں پر ایک ایک پڑے گی اور تین کی صورت میں غیر مدخولہ پر ایک اور باقی دو مدخولہ پر اگر اسے پہلے دو۲ نہ دے چکا ہو ورنہ اس پر بھی ایک ہی، اور تیسری بیکار۔ اور اگر تخصیص مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول

ہو گی جبکہ دو۲ کی صورت میں اسے پہلے دو۲ اور تین۳ کی صورت میں پہلے ایک یا دو۲ نہ دے چکا ہو ورنہ ایک یا دو۲ مدخولہ پر پڑ کر باقی ایک غیر مدخولہ پر پڑ جائیں گی، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو غیر مدخولہ پر ایک ہی پڑے گی اگرچہ اس رتین میں سے دو۲ بتاتا ہو باقی مدخولہ پر بشیرن تین کی صورت میں اُسے پہلے دو۲ نہ دی ہوں ورنہ اس پر بھی ایک پڑیگی اور ایک عبث۔ غرض تقسیم طلاق و تخصیص غیر مدخولہ کے احکام یکساں ہوں گے۔ خانیہ میں ہے:

لوکان له امرأتان لم یدخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق بانتاوان قال اردت واحدة منهما لایصدق وکذالو قال امرأتی طالق وامرأتی طالق وکذا العتق ولوکان دخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق کان له ان یوقع الطاقین علی احدٰهما[1]۔	ایک شخص کی دو۲ بیویاں ہیں دونوں سے دخول ابھی نہیں کیا تو اس کی تصدیق نہ کی جائیگی، اور یُونہی اگر اس نے کہا میری بیوی کو طلاق اور میری بیوی کو طلاق یعنی عطف کے ساتھ دونوں جُملے کہے تو بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اپنے دو۲ غلاموں کے بارے میں عتق کے لئے ایسے کہا تو دونوں آزاد ہو جائیں گے، اور اگر دونوں بیویوں کو دخول کرچکا ہو تو ان کو "میری بیوی کو طلاق، میری بیوی کو طلاق" کہا تو خاوند کو اس صورت میں یہ اختیار ہوگا وُہ دونوں طلاقوں کو ایک بیوی کے لئے قرار دے۔ (ت)

جو ہمارے اس بیان کو سمجھ لے وُہ اس مسئلہ کے تمام باقی صدہا صور کے بھی احکام نکال سکتا ہے مثلاً دو۲ زوجہ کی حالت میں یہ لفظ چار۴ یا پانچ۵ یا چھ۶ بار کہا تین کی حالت میں دو۲ سے نو تک یا چار۴ کی صورت میں دو۲ سے بارہ۱۲ تک کہ اس سے زائد جو کچھ ہے وُہ مطلّقا فضول ہوگا **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت)۔ رہا ایک ہی بار کہنا اس کا حکم سب صور میں یہی ہے کہ جس پر چاہے ڈال سکتا ہے کہ کم سے کم ایک کی صلاحیت تو ہر زوجہ میں ضرور ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از بھیکم پور کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ حرہ کو یہ ہدایت کی فلاں رشتہ دار میرا تیرا دشمن ہے لہٰذا تو اس سے مراسم اتحاد ترک کر، زوجہ نے نہ مانا، زید نے بموجودگی چند اشخاص زوجہ کو طلاق دی اور عدت منقضی ہو چکی ہے، اب زید رجوع کیا چاہتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایک یا دو۲ بار اس موقع پر جہاں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۷

طلاق واقع ہوئی تھی طلاق دی تھی تین مرتبہ نہیں کہا تھا، اشخاص موجود دین موقعوزوجہ مطلقہ بیانِ زد کی تصدیق کرتے ہیں مگر عمرو وہندہ وصفیہ کا بیان ہے کہ جب ہم سے ملا تھا اور ہم نے اس سے کیفیت واقعہ طلاق کو اپنے مکان پر دریافت کیا تو زید نے ہمارے سامنے تین مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ (میں طلاق دیتا ہوں) زید بیان عمرو وغیرہ کے تصدیق نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے عمرو وغیرہ میرے مخالف ہیں اور براہ مخالفت جو مجھ سے رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں تاکہ میری عورت مغلظہ ہوجائے اور میں عورت سے رجوع نہ ہونے پاؤں ورنہ ظاہ رہے کہ موقع طلاق پر علیحدہ تین مرتبہ کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ عمرو وغیرہ نے مجھ سے کیفیت دریافت کی میں نے صورت واقعہ ظاہر کی، اس صورت میں زید بتجدید نکاح پانی زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور تحلیل کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر موقع وقوع طلاق سے علیحدہ ہوکر دوسرے مقامپر عمرو وغیرہ کے سامنے تین مرتبہ جملہ مذکور کہنا تسلیم کیا جائے تو وُہ جملہ متصور ہوگا یا واقع کرن والا طلاق مغلظہ کا، مترصد کہ بحوالہ کتاب وحدیث سے ہدایت فرمائی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ واقعہ اگر یُونہی ہے تو طلاق مغلظہ ہر گز ثابت نہیں، زید حرہ سے بے حاجت تحلیلِ نکاح کرسکتا ہے، عمرو وہندہ وصفیہ میں اگر ایک ہی شخص ثقہ عادل شرعی نہیں اگرچہ باقی دو بروجہ کمال عدالۃ شرعیہ رکھتے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ نصاب شہادت کامل نہیں اور آج کل عدالۃ شرعیہ مردوں میں کم ہے نہ کہ زنان ناقصات العقل والدّین کہ اُن میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں کما بیّنّاہ فی کتاب الشھادۃ من فتاوٰنا (جیساکہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی کی کتاب الشادت میں بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر اُن میں کوئی شخص زید سے عدالت ظاہرہ دنیویہ اس حد پر رکھتا ہے جس کے باعث باوصف عدالت اس کے حق میں متہم ہو جب بھی حسبِ فتوٰی ائمہ متاخرین اس کی گواہی زید کے ضرر پر مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

تقبل من عدوبسبب الدین لانھا من التدین بخلاف الدنیویۃ فانہ لایأمن من التقول علیہ[1]۔	دینی دشمن کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ شہادت دینداری ہے۔ بخلاف دنیوی دشمن کے کہ وُہ جُھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتا۔(ت)

اسی طرح اگر زید نے مکانِ عمرو پر وُہ جملہ اس وقت کہا ہو کہ حرہ کی عدّت گزر چکی ہو،

[1] درمختار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

فان انقضاء العدة یجعلها اجنبیة خارجة عن محلیة الطلاق۔	کیونکہ عدّت کا گزرنا جانا بیوی اجنبی بنادیتا ہے اور اسکو طلاق کے محل سے خارج کردیتا ہے(ت)

اور اگران سب سے قطع نظر کیجئے بلکہ مان ہی لیجئے کہ زید نے جملہ مذکورہ ضرور کہااور ایّامِ عدّت کے اندر ہی کہااور اس قدر شک نہیں کہ یہ جملہ زمان حال بتاتا ہے، نہ زمان ماضی، تو حکایت طلاق سابق نہ ہوگابلکہ جبکہ لفظ اسی قدر ہیں کہ "میں طلاق دیتا ہوں" اور اس میں کچھ نام وذکر نہیں کہ کسے دیتا ہوں نہ بیان کوئی قرینہ دالّہ ارادہ تطلیق حرہ کا قصد کیا تھا۔خلاصہ وہندیہ میں ہے:

سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسية بسه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا۔[1]	نشے والے کی بیوی بھاگی تواس نے بیوی کا پیچھا کیااور ناکام رہاتو اس نے کہا: تین طلاق سے، اگراس پر خاوند نے کہا میں نے بیوی مراد لی ہے تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اور اگر کچھ بھی وضاحت نہ کی توطلاق نہ ہوگی(ت)

بزازیہ وانقرویہ میں ہے:

فرت ولم یظفر بها فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا[2]۔	عورت بھاگی تو شوہر پکڑنے میں کامیا نہ ہوا، تو کہا تین طلاق، اگر وضاحت کی اور کہا بیوی کو دی ہے تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

لو قال طالق فقیل من عنیت فقال امرأتی طلاقت امرأتره اھ[3] فقد علق الوقوع علی اقراره انه عنی امرأته۔	اگر کہا طلاق والی، توپُوچھا گیا کس کو طلاق کہا ہے، تو خاوند نے کہا اپنی بیوی کو، تواس کی بیوی طلاق ہوجائے گی۔توانہوں نے وقوعِ طلاق کو خاوند کے اس اقرار پر معلق رکھا کہ اس سے اس نے اپنی بیوی مراد لی ہے۔(ت)

اور اگر بالفرض وجود قرینہ بھی تسلیم کرلیں تاہم جب کلام میں عورت کی طرف اصلًا اضافت نہیں تو زید کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی انقرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دار الاشاعت قندھار افغانستان ۱/ ۷۴

[3] بحرالرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۳

قول کہ میں نے طلاق حرہ کی نیّت نہ کی قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق مغلّظ کا حکم نہ ہوگا۔ محیط وخانیہ وہندیہ میں ہے:

سئل شیخ الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته اتریدون ان اطلقك قالت نعم فقال اگرزن منی یک طلاق دوطلاق سه طلاق قومی اخرجی من عندی وھو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله۔[1]	شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی سے کہا کیا تُو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں، تو بیوی نے کہا ہاں۔ اس پر خاوند نے کہا تُو میری بیوی ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اُٹھ میرے پاس سے دُور ہوجا۔ اس کے بعد خاوند نے کہا کہ میں نے بیوی کو طلاق کی نیّت سے نہیں کہا، تو اس کی بات مان لی جائیگی (ت)

نیز عالمگیری میں ہے:

فی الفتاوی رجل قال لامرأته اگرزن منی سه طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانه لما حذف فلم یکن مضیفا الیها[2]۔	فتاوٰی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہ اگر تُو میری بیوی ہے تین طلاق، اضافت کی یاء کو حذف کرکے کہا، تو اگر وضاحت کرتے ہوئے خاوند نے کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یائے اضافت کو حذف کرنے پر بیوی کی طرف نسبت نہ ہوئی۔ (ت)

در مختار میں ہے:

لوقال ان خرجت یقع الطلاق اولا تخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکه الاضافة الیها[3]۔	اگر خاوند نے کہا! گو تو نکلے گی تو طلاق واقع ہوگی یا یوں کہا میری اجازت کے بغیر باہر نہ جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھار کھی ہے، بیوی نکل گئی، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے قسم میں بیوی کی طلاق کو ذکر نہیں کیا۔ (ت)

بزازیہ وخانیہ میں ہے:

لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها	مذکورہ صورت میں طلاق اس لئے نہ ہوگی کہ اس نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ لافاسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ لافاسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول قولہ[1]۔	قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں کیا تو احتمال ہوسکتا ہے کہ غیر عورت کی طلاق کی قسم ہو، لہٰذا خاوند کی وضاحت قابلِ قبول ہوگی۔(ت)

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں اگر عمرو وہندہ وصفیہ کا بیان صحیح بھی مانا جائے تاہم کسی طرح تین طلاقیں ہونا ثابت نہیں البتّہ اگر واقع میں زید نے ایّامِ عدّت کے اندر انشائے طلاق حرہ کی نیّت سے دوبار بھی جملہ مذکورہ کہا یا اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو ایک ہی بار بہ نیتِ ایقاعِ طلاق کہا ہو تو عنداللہ حرہ پر طلاق مغلظ ہوگئی اگر زید غلط انکار کرے گا مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا اللہ سے ڈرے اور جو امر واقع ہو اس پر عمل کرے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: از صدر بریلی ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، اور بیوی کہتی ہے کہ دی، اور دونوں قسم کھاتے ہیں، اور زوجہ ایک کاغذ پیش کرتی ہے کہ جس میں طلاق لکھی ہوئی ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مرد کی قسم معتبر ہے، عورت کی قسم فضول جب گواہ نہیں مرد کو اقرار نہیں اس کاغذ کو وُہ اپنا لکھا مانتا نہیں، تو طلاق ہرگز ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر واقع میں طلاق دے دی ہے اور جُھوٹ انکار کرتا ہے تو اس کا وبال اور سخت عذاب اس پر ہے، عورت خوب جانتی ہے کہ اس نے طلاق دے دی تھی، تو اگر وہ طلاق رجعی تھی تو کچھ حرج نہیں اور اگر بائن تھی تو عورت کو اس سے کہنا چاہئے کہ تُونے طلاق نہیں دی سہی از سرِ نو نکاح میں کیا حرج ہے، اور مرد کو چاہئے کہ تجدید نکاح کرلے، اور اگر عورت جانتی ہے کہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے تو جس طرح ممکن ہو اس سے بھاگے نجات حاصل کرے اپنا مہر وغیرہ چھوڑنے کے بدلے اس سے طلاق مل سکے تو یُوں لے، نہ ہو تو عذاب اس پر رہے گا جب تک یہ خود اس کے پاس جانے کی رغبت نہ کرے گی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: از شہر بریلی ذخیرہ مرسلہ کرامت حسین

ماقولکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء کرام، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے،

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) زید کہتا ہے کہ میں نے دو۲ طلاق اپنی زوجہ کو دی ہیں، اور زوجہ کہتی ہے کہ مجھے علم طلاق دینے کا نہیں ہے، اور گواہ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں۔ آیا قول زید کا معتبر ہوگا یا گواہوں کا؟ مع تصحیح نقل بیان فرمایئے فقط۔

الجواب:

اگر دو۲ مرد یا ایک مرد دو۲ عورتیں نمازپرہیزگار ثقہ عادل قابل قبول شرع گواہی شرعی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی، زید کا انکار نہ سُنا جائے گا، اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی، اگر اس نے قسم کھانے سے انکار ردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گے۔ اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو۲ ہی طلاقیں دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی، پر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا عورت الزام نہیں، گواہ شرعی نہ ہوں تو قسم لینے کے لئے عورت کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہوگا۔

والمسائل کلھا منصوص علیھا فی کتب المذہب کالدرالمختار وغیرہا۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یہ تمام مسائل مذہب کی تمام کتب میں واضح مذکور ہیں، جیسا کہ درمختار وغیرہا میں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: محمد ارشاد علی صاحب معلّم درجہ اوّل عربی مدرسہ عالیہ ریاست رام پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لوگوں کے رُوبرو صرف یہ کہا کہ فلاں و طلاق۔ زوجہ وغیرہ کس کا نام نہیں لیا پھر کہا "عزیزالرحمٰن کے باپ کی بیٹی فلاں کو طلاق" بلاذکر نام زوجہ کے اور اس کے اور اس شخص کے، علاوہ مطلق کی بی بی کے اور بھی کئی بیٹیاں ہیں، بعد کو جب ایک شخص نے کہا یہ فلاں فلاں کیا کہتا ہے، تب کہا "آمنہ خاتون کو طلاق"، اور اس کی بیوی کا نام آمنہ خاتون ہے، غرض پہلے جو طلاق مطلق اور مبہم تھی اس کو اقرارِ ثالث میں بالکل متعین کرکے بیان کیا ہے تو اس صورت میں اسکی بی بی پر کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؟ جواب مدلّل کتبِ فقہ سے مرحمت ہو۔

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں **وقد فسر المبھم فنصّہ بعض السوال** (اس نے مبہم کی تفسیر اپنے سوال کے ایک حصّہ میں کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از شاہ جہان پور محمد خلیل مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہ جہان پوری ۱۳ذی القعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر کسی دوسرے شہر میں ہے اور اس نے طلاق تحریر کرکے اور رجسٹری بھی حسبِ قانون انگریزی اس پر کراکے بذریعہ ڈاک کے پاس اولیائے ہندہ کے ارسال کی، تواب سوال یہ ہے کہ تحریری طلاق حالانکہ اس کاغذپر شہادر بھی گواہوں کی لکھی، یہ شرعًا معتبر ہے یا نہیں؟ اور بحالتِ عدمِ اعتبار ہندہ کو نکاح ثانی اپنا دوسرے شخص سے کرنا یا ولی ہندہ کو ہندہ کا نکاح کسی شخص ثانی سے کرادینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ایسی مرسوم معہودہ تحریر مطلقًا معتبر وموجب وقوعِ طلاق ہے جبکہ بلااکراہ ہو **نص علٰی ذلك فی الاشباہ والبحر والدر والخانیۃ والھندیۃ وسائر والھندیۃ وسائر الاسفار الغر** (اشباہ، بحر، دُر، خانیہ، ہندیہ اور باقی مشہور کتب میں اس کو واضح طور پر بیان کردیا ہے۔ت) تو واقع میں اگر یہ تحریر شوہر بندہ نے برضائے خود لکھی دیانۃً ضرور طلاق واقع ہوگئی۔ رہا یہ کہ زن واولیائے زن اس پر کہاتک کاربند ہوسکتے ہیں، اسکی تین صورتیں ہیں:

اگر شوہر اس تحریر کا اقرار کرتا ہے تو ثبوتِ طلاق ظاہر، اور اگر منکر ہے تو ہر گز معتبر نہیں جب تک حجّت شرعیہ قائم نہ ہو۔

فان الخط یشبہ الخط فلایعتبر والقاضی انّما یقضی بالحجۃ لابمجرد الخط وقد حققناہ فی کتاب الصوم من فتاوٰنا واکثر نافیہ من النقول عن الائمۃ الفحول۔	خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا معتبر نہ ہوگا، اور قاضی دلیل کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے صرف خط کی بناء پر فیصلہ نہیں کرے گا، اس کی تحقیق ہم اپنے فتاوٰی کی **کتاب الصوم** میں کرچکے ہیں اور وہاں ہم نے جلیل القدر ائمہ کرام کے اقوال خوب نقل کئے ہیں (ت)

اور اگر اقرار انکار کچھ معلوم نہیں مثلًا ہنوز اس شہر سے واپس نہ آیا اس صورت میں اکبر رائے وغلبہ ظن ان کے لئے حجت کاربندی ہے، اگر اس خط کی صحت میں شبہہ ہو تو ہندہ کو ہرگز حلال نہیں کہ اپنے آپ کو مطلقہ عمل کرسکتے ہیں، شرعًا کافی لرخصۃ العمل ومغنی حاجت الاثبات ہیں فرق زمین وآسمان کا ہے، ولہٰذا اگر شوہر انکار واعتراض سے پیش آئے ان کی اکبر رائے کام نہ دے گی اور پھر ثبوت بہ حجت شرعیہ کی حاجت پڑے گی، خانیہ میں ہے:

لوان امرأة غاب عنها زوجها فاخبرها مسلم ثقه ان زوجها طلاقها ثلثا اومات عنها اوکان غیرثقة فاتاها بکتاب من زوجها بالطلاق وهی لاتدری ان الکتاب کتاب زوجها ام لا ان اکبر رأیها انه حق لا باس بان تعتد وتتزوج[1]۔	اگر کسی عورت کاخاوند غائب ہوچکا ہے تو ایک ثقہ مسلمان نے آکر کہا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، یا کہا اس کا خاوند فوت ہوگیا ہے، یا کوئی غیر ثقہ مسلمان آکر اس عورت کے خاوند کا طلاق نامہ دکھادے، عورت کو معلوم نہیں کہ یہ اس کے خاوند کا خط ہے یا نہیں، لیکن عورت کا غالب گمان یہ ہے کہ حق و درست ہے تو عورت کو عدّت گزار کر نکاح کرلینا میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

ذکر فی کتاب قضیة انکتب الخلیفة الی قضاته اذاکان الکتاب فی الحکم بشهادة شاهدین شهد عنده بمنزلة کتاب القاضی الی القاضی لایقبل الابالشرائط التی ذکرناها واما کتابه انه ولی فلانا اوعزل فلانا فیقبل عنه بدون تلك الشرائط ویعمل به المکتوب الیه اذوقع قلبه انه حق ویمضی علیه وهو نظیر کتاب ساء الرعایابشییٔ من لامعاملات فانه یقبل بدون تلك الشرائط ویعمل به المکتوب الیه وقع فی قلبه انه حق کذاهنا[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	انہوں نے کتاب الاقضیہ میں ذکر کیا کہ اگر خلیفہ نے قاضیوں کے جام کوئی حکم نامہ بذریعہ خط جاری کیا ہو اور دو ۲ گواہوں کی موجودگی میں خلیفہ نے فیصلہ اور حکم دیا، تو خلیفہ کا یہ حکم نامہ کتاب القاضی الی القاضی کی طرح ہوگا لہٰذا خلیفہ کا وُہ خط ان شرائط کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا جن کو ہم نے کتاب القاضی میں ذکر کیا ہے، لیکن اگر خلیفہ کا وُہ خط کسی کی تقرری یا معزولی کے بارے میں ہو تو ان مذکورہ شرائط کے بغیر بھی قبول کرلیا جائے گا اور مکتوب الیہ اس پر عمل کرے گا بشرطیکہ مکتوب الیہ اس پر عمل کرے گا کو دلی اطمینان ہو کہ یہ درست ہے لہٰذا وہ عمل پیرا ہوگا، اور یہ خط، عام رعایا کی آپس کے معاملات میں خط وکتابت کی طرح ہوگا کہ مکتوب الیہ کو دلی اطمینان پر عمل جائز ہے، یہ بھی ایسے ہی ہوگا اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الخطر والاباحة نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۹۶

مسئلہ ۲۱۵: ازبڑوودہ ملک گجرات موتی باغ بریا مرسلہ سیّد غلام سرور صاحب ۲۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

شرع محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص نے اجمیر شریف سے جاکر اپنی عورت کو بڑودہ میں بذریعہ خط ایک طلاق بنام جماعت لکھ کر روانہ کیا میری عورت کو کہہ دینا میں نے ایک طلاق اپنی عورت کو دی، جماعت نے عورت کو خط سُنادیا، دو۲ مہینے کے بعد بڑودہ میں آیا، عورت نکاح میں رہی یا نکل گئی؟ سوال کے جواب عطا فرمائے ثواب آپ کو خداوند تعالٰی عطافرمائے گا۔

الجواب:

اگر واقع میں اس شخص نے یہ خط آپ کو لکھا یا دوسرے کو عبارۃ مذکورہ بتاکر لکھوایا کہ میری عورت کی نسبت یہ الفاظ لکھ دے توجس وقت اس کے قلم یا زبان سے یہ لفظ نکلے اسی وقت سے عورت ایک طلاق پڑ گئی اور اسی وقت سے عدّت کا شمار ہوگا اگرچہ یہ خط بڑودہ نہ پہنچتا یا وہ خود ہی لکھ کر نہ بھیجتا یا مکتوب الیہم عورت کو نہ سُناتے کہ جو الفاظ طلاق لکھے یا بتائے جب ان میں کوئی شرط نہیں کہ یہ خط جب پہنچے یا سنایا جائے اس وقت طلاق ہو تو ان کا لکھنا یا بتانا ہی طلاق کا موجب ہوگیا بھیجنے پہنچنے سنانے پر توقف نہ رہا مگر ازانجا کہ طلاق رجعی ہے عورت نکاح سے نہ نکلے گی جب تک عدّت نہ گزر جائے۔ ایامِ عدت میں بے تجدید نکاح عورت سے رجعت کرسکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے میں نے اسے اپنے نکاح میں پھر لیا، بدستور اس کی زوجیت میں باقی رہے گی جس میں عورت کی رضامندی بھی ضرور نہیں، اور اگر عدّت گزر گئی تو برضائے عورت اس سے ازسرنو نکاح کرسکتا ہے کچھ حلالہ کی حاجت نہیں جبکہ اس سے پہلے دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ اور اگر واقع میں یہ اس شخص کا کام نہیں بلکہ کسی اور نے بطورِ خود اس کے نام سے لکھ بھیجا ہے تو طلاق نہ واقع ہوئی کہ دوسرے کے نزدیک طلاق اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ اسے اس خط کا اقرار ہو یا انکار کرے تو گواہان عادل شرعی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے یہ کاروائی کی، بغیر اس کے صرف اتنی بات کہ خط اس کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے بکار آمد نہیں، ہاں اگر واقع میں یہ کاروائی اسکی تھی اور منکر ہوگیا اور گواہ نہیں تو اس کا وبال اسی پر ہے، عورت پر گناہ نہیں۔ [1]مبسوط امام محمد و [2]خلاصہ و [3]بزازیہ و [4]اشباہ و [5]شافی و [6]کفایہ و [7]ردالمحتار میں ہے:

ان کتب علی وجه الرسالة مصدرا معنونا وثبت ذٰلك باقرارہ او بالبینة	اگر طلاق نامہ تحریر کیا ہو تو باقاعدہ سرنامہ کے ساتھ بھیجنے کے انداز میں لکھا گیا ہو اور لکھنے والے کے اقرار سے یا گواہوں سے اس کا ثبوت ہو تو وُہ زبانی

فکالخطاب[1]۔	طلاق کی طرح نافذ العمل ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب یقع وتلزمھا العدۃ من وقت الکتابۃ وان علق بمجیئ الکتاب فمالم یجیئ الیھالا[2] اھملخصًا۔	اگر تحریری طلاق بھیجی ہو تو جو کچھ اس میں لکھا ہے اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور تحریر کے وقت سے عدّت شمار ہوجائے گی اور اگر طلاق کو خط ملنے پر معلّق کیا ہو تو آنے سے پہلے طلاق نہ ہوگی اھ ملخصًا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ اخبر امرأتی بطالقھا اوقل لھا انھا طالق طلقت للحال کما لوقال اکتب الی امرأتی انھا طالق[3] اھملخصًا۔	ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق کی اطلاع دے دو، یا کہا کہ میری بیوی کو کہو کہ وہ طلاق والی ہے، تو اسی وقت سے طلاق ہوگی، جیسے کسی نے کہا تُو میری بیوی کو لکھ کر وُہ طلاق والی ہے، تو اسی وقت طلاق ہوجائے گی اھ ملخصًا (ت)

ہدایہ میں ہے:

لان الکتاب یشبہ الکتاب فلایثبت[4]۔	تحریر، تحریر کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا معتبر نہ ہوگی۔(ت)

اس مسئلہ کی باقی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۶: از ملک چھتیس گڈھ شہر رائپور محلّہ بیجناتھ باڑہ مکان منشی رحیم بخش عرضی نویس مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۲ھ

بخدمت سراپا برکت جناب فیض مآب علوم سبحانی ومعدن یزدانی جامع فروع واصول مولٰنا صاحب

---

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۸، فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الطلاق بالکتابۃ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق الفصل الاول فی صریح الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

[4] ہدایہ کتاب القاضی الی لقاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹

سلّمہ اللہ تعالٰی بعد از آداب کے بندہ محمد اسحٰق عرض رساں ہے کہ حضور پُر نور کا فتوٰی پہنچا کمال درجہ کی خوشی حاصل ہوئی، اللہ تعالٰی آپ کو اجرِ عظیم بفحوائے **خیر الناس من ینفع الناس** (لوگوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ت) عطا فرمائے گا، التماس خدمتِ بابرکت میں یہ ہے کہ طالعور خاں اقرار کرتا ہے ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ اقرار کرچکا ہے فقط اس کا مقولہ یہ ہے کہ بیشک یہ خط تو میں نے تحریر کیا ہے اب اس کے موافق مجھے شرع سے کیا حکم ہوتا ہے اور جب یہ خط آیا تو سرمست خاں صاحب نے طالعور خاں کی زوجہ عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو حرف بحرف پڑھ کر سُنا بھی دیا، اس صورت میں یہ معلوم کرنا منظورہ کہ ازروئے شرع عمدہ کے حق میں کیا حکم ہے، طالعور خاں اس پر اپنے ساتھ نکاح کرلینے کا جبر کرسکتا ہے یانہیں اور عمدہ کو بوجہ اس کے کہ عدت گزرچکی جس سے چاہے نکاح کرلینے کا اختیار ہے یا نہیں اور حکم وقوع طلاق میں کیا صرف پہلے خط کو دخل ہے یا اوروں کو بھی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ طالعور خاں اسی خط کے لکھنے کا مقرہ اور سرمست خاں نے حسبِ درخواست طالعور خاں یہ خط اُن دونوں کو حرف بحرف سُنا بھی جیساکہ سوال میں مذکور ہے تو مستفسرہ میں عمدہ کے حق میں حکم شرع یہ ہے کہ اس پر دو۲ طاقیں بائن ہوگئیں ایک تو اسی وت جبکہ طالعور خاں نے یہ لفظ لکھے تھے کہ آپ کو اجازت دیتا ہون کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کہ دوسرے سے نکاح زن اجازت دیتا ہوں کہ اُس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کہ دوسرے سے نکاح زن کی اجازت دینی بیشک کنایاتِ طلاق سے ہے اور اس خط کی عبارت اوّل تا آخر نیت ازالہ نکاح میں ظاہر **کما لایخفی علی کل ماہر وقد بیناہ فی ماسبق** (جیساکہ کسی ماہر پر مخفی نہیں ہے اور ہم نے اس کو پہلے بیان کردیا ہے۔ت) او ان کنایوں سے طلاق بائن ہی پڑتی ہے۔

کنزالدقائق میں ہے:

فی غیرھا بائنۃ وھی بائن، حرام، ابتغی الازواج[1] اھ ملخصًا۔	مذکورہ الفاظ ثلثہ کے غیر میں طلاق بائنہ ہوگی اور طلاق بائنہ کے الفاظ یہ ہیں: بائن، حرام، تُو شوہر تلاش کر اھ ملخصاً (ت)

تو بغور تحریر خط طلاق ہوگئی اور اسی وقت سے عدت کا شمار لیا جائے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب وتلزمھا	اگر طلاق لکھ کر بھیجی تو جو لکھا وہ طلاق واقع ہوگی،

[1] کنز الدقائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

العدۃ من وقت الکتابۃ الخ[1] (ملخصًا)	اور بیوی کو لکھائی کے وقت سے عدت لازم ہوگی الخ (ملخصًا)۔ (ت)

اور دوسری اس وقت جبکہ یہ خط بحرف عمدہ اور اس کے والد کو سرمست خاں نے سُنایا کہ طالعور خاں کا لکھنا سرمست خان سُنادیں تاکہ اس پر طلاق شرعًا واجب ہوجائے طلاق معلّق تھی تو جب شرط ایامِ عدّت میں پائی گئی یہ طلاق بھی واقع ہوئی اور ازانجاکہ پہلی طلاق بائن تھی یہ دوسری بھی خواہی نخواہی بائن ہوگئی۔ ردالمحتار میں ہے:

اذ الحق الصریح البائن کان بائنا لان البینونۃ السابقہ علیہ تمنع الرجعۃ کمافی الخلاصۃ[2]۔	اگر بائنہ طلاق کے بعد رجعی طلاق دی تو وہ رجعی بھی بائنہ ہوجائے گی، کیونکہ پہلی بائنہ کے بعد رجوع ممنوع ہوجاتا ہے جیساکہ خلاصہ میں ہے (ت)

بالجملہ عمدہ پر واجب کہ اپنے آپ کو طالعور خاں کے نکاح سے باہر سمجھے طالعور خاں کو اس پر ہرگز جبر نہیں پہنچتا، عمدہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے کہ طلاق بائن سے عورت خود مختار ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

لانہا لاتملك نفسہا الا البائن[3]۔	بیوی بائنہ طلاق کے بعد اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے۔ (ت)

اور جبکہ پہلے ہی خط بائن طلاق پڑی اور عدّت گزر چکی تو بعد کے خطوط کو وقوعِ طلاق میں کچھ دخل نہیں۔ عالمگیری میں ہے:

شرطہ قیام القید فی المرأۃ نکاح او عدۃ کذافی المحیط السرخسی[4] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقوعِ طلاق کے لئے شرط ہے کہ بیوی ابھی تک نکاح یا عدّت میں مقید ہو۔ جیساکہ محیط سرخسی میں ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۷: بریلی محلّہ نیم کی چڑھائی مرسلہ چودھری اشتیاق احمد ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو بذریعہ تحریر کے یہ اطلاع دی کہ میں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الطلاق بالکتابۃ نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۸

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۹

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق باب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۱/۳۴۸

اپنی زوجہ کو علیحدہ کردیا جس پر خالد نے یہ تحریر کردیا کہ مہربانی کرکے مطلع کیجئے کہ آپ نے اپنی زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دی زید نے خالد کی تحریر کے نیچے تحریر کردیا جی ہاں اور بعد اس کے اپنے دستخط کردئے زید کی زوجہ ثانیہ کو اس تحریر سے طلاق واقعہ ہوگئی اور زید کو رجوع کاموقعہ نہ رہا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید مقر ہو یا گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ دونوں تحریریں اُس کی ہیں تو عورت نکاح سے نکل گئی رجوع نہیں کرسکتا، ہاں بے حلالہ دوبارہ برضائے زوجہ کرسکتا ہے اگر اس سے پہلے کبھی اسے دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: از ہاشی ضلع حصار ڈاک خانہ خاص مسئولہ محمد ظہیر الدّین و محمد نظیر الدین عطاران ۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین وارباب باتمکین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مسمّاۃ ہندہ کو کھانے پینے کی تکلیف دیتا تھا پس مسمّاۃ ہندہ کے والد نے بوجہ اپنی لڑکی کی تکلیف دفع کرنے کے پنچایت کو جمع کرکے فیصلہ چاہا حالانکہ زید پنچایت کے جمع کرنے پر راضی نہ تھا، پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ مسمّی زید اپنی بیوی مسمّاۃ ہندہ کو مبلغ معہ ۸/ دیا کرے جس کا ایک کاغذ بھی لکھا گیا بایں مضمون کہ "اگر زید مذکور اپنی بیوی مسماۃ ہندہ مذکورہ کو رقم مجوزہ نہ دے گا تو ہندہ کو طلاق واقع ہوجاوے گی" جو بغرض دھمکی پنچایت نے لکھوایا تھا نہ کہ طلاق کی نیّت سے زید نے نہ کاغذ لکھنے کو کہا اپنی زبان سے اور نہ اپنے قلم سے کاغذ مذکور لکھا بلکہ ایک دوسرے شخص نے کاغذ لکھا باوجودیکہ خود شخص زید خواندہ شخص ہے اور کاغذ پر دستخط زید نے برادری کے خوف سے کئے ہیں راضی نہ تھا بعد فیصلہ پنچایت مسماۃ ہندہ کو اس کا والد اپنے مکان پر لے گیا اور ہندہ مذکورہ بعد دو ۲ ماہ کے زید کے مکان میں آئی تو زید برابر اس کو نان نفقہ دیتا رہا مذکورہ بالا صورت میں جبکہ زید نے وُہ رقم مجوزہ پنچایت نہیں دی ہندہ کو طلاق ہوگئی یا **بمصداق الاعمال بالنیات** (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) نہیں ہوئی کیونکہ نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ پنچایت طلاق دلانا چاہتی تھی بلکہ محض دھمکی تھی **بینوا توجروا مع عبارۃ الکتب وبحوالہ الفصل والباب** (عبارت کتب اور فصل اور باب کے حوالہ کے ساتھ بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ت) **فقط۔**

الجواب:

صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، اور خود لکھنا اور دوسرے کے لکھے ہوئے کو سُن کر اس پر دستخط کرنا یکساں ہے اور خوفِ برادری کہ حدِ اکراہ تک نہ ہو کوئی عذر نہیں، اگر تحریر میں یہ تھا کہ

آج سے اس قدر ماہوار یعنی ماہ بماہ دیا کرے، اور مہینہ گزر گیا کہ اس نے نہ دیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی عدّت کے اندر اُسے رجوع کا اختیار ہے اگر پہلے کبھی دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو ورنہ تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ نکاح نہ ہوسکے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹: از موضع بھرتول ضلع بریلی مسئولہ نظام علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی بدلو کا نکاح مسماۃ کامنی سے عرصہ تین برس کا ہُوا تھا کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کہ بدلو ملازم ہوکر ڈیرہ اسمٰعیل خاں چلا گیا، خبر گیری نان نفقہ کی چھوڑ دی، جب اُس کی بیوی کے ورثا نے یعنی والدہ اور خالو نے خط بنابر خبر گیری نان نفقہ کے روانہ کئے تو اُس نے اُس کے جواب میں خط روانہ کیا کہ میں نے مسمّی کو طلاق دی اور اُسے زوجیت سے چھوڑ دیا، چنانچہ مزید احتیاط والدہ خالو مسماۃ کامنی نے تھانے میں رپٹ لکھالی اور خط دکھلادیا اور ایک تار معرفت تھانہ دار روانہ کیا، تار کا جواب بذریعہ خط بیرنگ کے دیا کہ میں نے مسماۃ کو طلاق دے دی، پھر تیسرا خط آیا اس میں بھی یہی لفظ تحریر ہیں کہ ہم نے مسماۃ کامنی کو طلاق دے دی، اب یہ طلاق شرعی ہُوئی یا نہیں؟ تیسرے خط میں ہی لفظ تحریر ہیں کہ میری طرف سے تین دفعہ طلاق ہے اب ہمارے پاس خط نہ بھیجنا اب تار پھر دیا تب بھی جواب طلاق کا دیا۔

الجواب:

اگر کامنی کو واقعی صحیح اطمینان ہے کہ یہ خطوط بدلو ہی کے لکھے ہوئے ہیں تو وُہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلّقہ سمجھے اور بعد عدّت نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر وُہ آیا اور اُن خطوط کے لکھنے سے منکر ہوا تو بغیر شہادت گواہانِ عادل طلاق ثابت نہ ہوگی اور نکاح ثانی رَد کردیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۰: از رنگپور مسئولہ محمد یونس ۱۱ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

(۱) اگر زوجین میں طلاق کی بابت اختلاف ہو خاوند منکر اور بی بی طلاق کا ثبوت دینا چاہتی ہو تو ثبوت کا کیا طریقہ؟

(۲) جانبین میں شاہدین موجود ہوں مطلّقہ کے شاہد کی گواہی دیں اور خاوند کے اس بات پر کہ مطلّقہ نے بعد طلاق اُن سے کہا ہے کہ خاوند نے طلاق دینا چاہا تھا مگر نہ دی تو اب کون سی بات قابلِ سماعت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بحالتِ اختلاف طلاق کا ثبوت گواہوں سے ہوگا اور دو۲ گواہ عادل شرعی شہادت بروجہ شرعی ادا

کریں کہ اس شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی طلاق ثابت ہو جائے گی، پھر اگر شوہر نفی کے گواہ دے گا یا اس بات کے کہ مطلّقہ بعد طلاق اس سے بولی کچھ اصلاً مسموع نہ ہوگا، ہاں اگر عورت گواہ بروجہ شرعی نہ دے سکے تو شوہر پر حلف رکھا جائے گا اگر حلف سے کہہ دے گا کہ اُس نے طلاق نہ دی طلاق ثابت نہ ہو گی اور اگر حاکم شرعی کے سامنے حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت مانی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲: از کوٹہ راجپوتانہ محلّہ روزپورہ فراش پاٹن مرسلہ عبدالشکور خاں صاحب ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی بعد عرصہ دراز ہندہ نے زید پر اس مضمون سے نالش زرِ مہر دائر کی کہ زید نے یہ کہہ کر کہ مجھ کو میری والدہ یہ وصیّت کرکے مری ہے کہ اگر تُو اپنی زوجہ کو پانی زوجیت میں رکھے گا تو میں قیامت میں دامنگیر ہوں گی گھر سے نکال دیا زید نے زرمہر اپنے ذمّہ واجب سمجھ کر دعوی زرمہر سے اقبال کیا اور ہندہ کو اپنی زوجہ قبول کرکے سپردگی خواہش کی کچہری نے زرمہر کی ڈگری دے دی ہندہ نے ایک سال دس ماہ بعد نالش زرمہر کو طلاق کی بنا پر ظاہر کرکے یعنی وصیّت والفاظ مذکورہ بالا کی بنا پر نالش نان ونفقہ ایّام عدّت دائر کی، زید اس بیانِ ہندہ سے قطعی انکاری ہے بلکہ کچہری میں نالش سپردگی زوجہ دائر کی ہے تو کیا ایسی صورت میں ایسے الفاظ سے طلاق ہو سکتی ہے اور کیا نالش زرمہر کی بنا پر تصوّر ہو سکتی ہے اور کیا زید اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے اور کیا ہندہ ایسی حالت میں نان ونفقہ ایامِ عدّت پا سکتی ہے؟

الجواب:

محض بیانِ ہندہ سے کہ زید نے اپنی ماں کی یہ وصیّت بیان کرکے اسے نکال دیا طلاق ثابت نہیں ہو سکتی جبکہ زید اُس بیانِ ہندہ کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اگر اتنے الفاظ خود بیانِ زید سے ثابت ہوں جب بھی مثبت طلاق نہ تھے، ماں کی وصیّت بیان کرنا طلاق نہیں، عورت کو گھر سے نکال دینا طلاق نہیں جب تک زبان سے بہ نیتِ طلاق نہ کہے کہ "نکل جا"، اور نیتِ طلاق کا حل اس کے اقرار سے ثابت ہوگا وُہ کہے میں نے ت طلاق نہ کہا اور قسم کھالے معتبر ہوگی۔

وذٰلك لان اخرجی یحتمل ردافیتوقف علی النیة لکل حال ویکفی تحلیفھا فی منزلة[1] کمافی الدرالمختار۔	یہ اسلئے کہ "نکل جا" میں جواب کا احتمال ہے لہذا ہر صورت میں اس سے طلاق مراد لینا نیت پر موقوف ہوگا، اور نیت کے لئے خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے (ت)

بالجملہ صورتِ مسئولہ میں طلاق ثابت نہیں زید اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، ہندہ کی نالش

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

باطل ہے، اور جب طلاق نہیں عدت کہا کہ اس کا نفقہ ہو، نفقہ زوجیت کا ہوگا اگر شوہر کے یہاں رہے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: از شہر کہنہ بریلی محلّہ شاہدانہ صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مسئولہ نصر اللہ صاحب ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصّہ میں اپنی زوجہ کو مارنے گیا اور کہا کہ اگر تُولڑنے اور منہ زوری کرنے سے نہ مانے گی تو میں تجھ کو طلاق دے دُوں گا، وہ نہ مانی، شوہر نے کہا کہ "تجھ کو طلاق دی میں نے، جا تجھ کو طلاق دی میں نے"۔ اس کا نتیجہ یہ ہے جا فقط، اب زید رجوع کرنا چاہتا ہے، بموجب شرع کے کیا حکم ہے؟

الجواب:

تین طلاقیں ہو گئیں بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لان (جا) وان کان یحتمل رداو غایتہ تقدم الطلاق ان الحال صال حال المذاکرۃ لکن مایحتمل الردینوی فیہ مطلقا غیران ایقاعہ الطلاق یرد ارادۃ فیہ مطلقا غیران ایقاعہ الطلاق یرد ارادۃ الرد وکذا قولہ (اس کا نتیجہ یہ ہے) فان الناتج من نشوزھا تطلیقھا لاردہ فکان خلاف الظاہر فلایصدق فیہ قضاء، والقرینۃ کالقاضی[1] کما فی الفتح والبحر قال فی الدرالمختار ذھبی وتزوجی تقع واحدۃ بلانیۃ[2] قال الشامی لان تزوجی قرینۃ فان نوی الثلاث فثلاث بزازیۃ[3] ثم نازعہ بان تزوجی	اس لئے کہ "جا" کا لفظ اگرچہ جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے اور اگر پہلے طلاق دی ہو تو اس کی غایت بننے کا بھی احتمال رکھتا ہ، چونکہ حال مذاکرہ طلاق ہے لیکن جواب کے احتمال والے لفظ میں طلاق کے لئے نیت ضروری ہے، مگر یہاں خاوند کا طلاق کو واقع کرنا جواب کے احتمال کو رَد کردیتا ہے اور یُوں ہی خاوند کا کہنا "اس کا نتیجہ یہ ہے" بھی جواب کے احتمال کو ختم کرتا ہے کیونکہ بیوی کی نافرمانی کا نتیجہ طلاق کو قرار دیا گیا جواب کو نہیں، لہٰذا جواب کا احتمال خلافِ ظاہر ہے اس لئے قضاءً بھی اس کی تصدیق نہ ہوگی، اور قرینہ قاضی کی

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۷

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

ایضا کنایة فکیف یکون قرینة وان القرینة لابدلها من التقدم وھو ھٰھنا متاخر[1] اھ محصله، ولاورد لشیئ منهما فیما نحن فیه لتقدم الصریح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طرح فیصل ہوتا ہے جیسا کہ فتح اور بحر میں ہے، درمختار میں کہا کہ خاوند نے کہا "تو چلی جا اور نکاح کرلے" تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بغیرنیت بھی ہوجائے گی۔علّامہ شامی نے فرمایا: یہ اس لئے کہ "نکاح کرلے" کا لفظ قرینہ ہے اور مذکورہ صورت میں تین کی نیّت کی تو تین طلاقیں ہوں گی، بزازیہ اھ۔ پھر علّامہ شامی نے اس پر سوال اٹھایا کہ "نکاح کرلے" خود کنایہ ہے تو یہ کیسے قرینہ ہوگا، نیز قرینہ پہلے ہوتا ہے جبکہ "نکاح کرلے" "تو چلی جا" کے بعد ہے، اھ، محصلہ، جبکہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ دونوں اعتراض نہیں ہیں کیونکہ یہاں صریح طلاق پہلے ہے اور "جا" کا لفظ بعد میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۴: از بڑودہ محلّہ فتح پورہ پانی گرہ مکان رحمٰن مہاوت مرسلہ زینب بی بی بنت پیر خاں ۷ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

علمائے شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطابق میرے سوال کے جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، میرے شوہر نے رُوبرو چار گواہ کے عرصہ دو ۲ برس کا ہوا طلاق بائن دیا نکاح باطل ہوگیا یا نہیں؟ اس اس کا اجر اللہ جل شانہ، دے گا۔

الجواب:

طلاق بائن دیتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے مرد کو اس پر کچھ اختیار نہیں رہتا۔ عالمگیری میں ہے:

اما حکمه فوقوع الفرقة بانقضاء العدة فی الرجعی وبدونه فی البائن کذافی فتح القدیر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی طلاق میں عدّت گزرتے ہی بیوی اور خاوند میں جُدائی ہوگی اور بائنہ طلاق میں طلاق کے بعد ہی فُرقت ہوجائے گی عدّت گزرنے کا انتظار نہیں ہوگا کذافی فتح القدیر واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت /

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الباب الاوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۸

مسئلہ ۲۲۵: از بمبئی محلّہ کماٹی پورہ دوسری گلی مرسلہ محمد عثمان صاحب حنفی سُنّی قادری ۱۴جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو ایک شخص کے سامنے کہا "میں تجھے طلاق دیتا ہوں" بعینہٖ یہی زید کی زوجہ اور خواشدامن کا کہنا ہے، بعدہ، ایک طلاق نامہ تحریر کیا گیا جس میں یہ عبارت درج تھی کہ اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کہہ دیا اور زید کا والد حلفاً کہتا ہے کہ میرے لڑکے نے "طلاق دیتا ہوں" کہا تھا اور اس کے والد کی نسبت دو۲ آدمیوں نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں کہتا اور زید کے والد نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص یعنی زید جو لڑکا ہے میر از ہرہ بی بی کے والد کا نام نہ لیا جو بھولٹی تھا بلکہ زہرہ لعل محمد کو طلاق دیتاہُوں۔ اور طلاق نامہ پانچ آدمیوں کے رُوبرو تحریر کیا گیا اُن میں ایک آدمی یہ کہتا تھا کہ زید سے جب کہا گیا کہ طلاق دے تو زید نے کہا "ہُوں دیتاہُوں" اس صورت میں طلاق بائنہ ہوئی یا رجعی یاں نہیں؟

الجواب:

سائل نے کچھ نہ لکھا کہ زید اب طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے یا منکر ہے، اگر اقرار کرتا ہے تو جیسی طلاق کو وُہ مقر ہے ویسی ہو گئی رجعی یا بائن یا مغلظہ، اور اگر منکر ہے تو ان بیانوں سے جو سوال میں لکھے گئے اگر واقع میں ایسے ہی میں اصلاً کوئی طلاق ثابت نہیں، اُس کا یہ لفظ کہ "میں تجھ کو طلاق دیتاہوں" اس کا گواہ صرف ایک مرد ایک عورت اور وُہ بھی اس کی عورت کی ماں، اور طلاق نامہ کے یہ لفظ سوال میں ہیں کہ "اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کو دیا" اس سے طلاق نہیں ہوتی، اس کا تو اتنا حاصل ہے کہ اسے طلاق دینے کے لئے کسی کو سپرد اور کیا اور اس باپ کا جو بیان ہے وُہ بھی مثبت طلاق نہیں کہ پہلے مرد کے ساتھ مل کر نصاب کامل ہو جائے، جب عورت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ نام لیا اور لعل محمد کی بیٹی کہا اور وہ لعل محمد کی بیٹی نہیں تو اس کو طلاق نہیں۔ پچھلے بیان میں اس کی طرف اضافت نہ سوال میں ہے نہ جواب میں، اور طلاق نامہ لکھتے وقت کا یہ بیان ہے تو معنی ارادہ پر حمل واضح ہے، غایت یہ کہ اگر وُہ پہلا اور یہ پچھلا شخص ثقہ عادل ہوں تو زید سے حلف لیا جائے، اگر حلفاً کہہ دے کہ میرا ارادہ طلاق کا نہ تھا تو ہر گز طلاق ثابت نہیں، ہاں اگر نقل طلاق نامہ میں دوسرا لفظ "کو" قلمِ سائل سے زائد نکل گیا ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ "زہرہ کو تلاخ دیا" اور اس طلاق نامہ کے لکھنے کا وہ مقر ہو یا دو۲ گواہ عادل شرعی باقاعدہ شہادت دیں تو ایک طلاق رجعی ثابت ہو گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: از شہر بریلی محلّہ باغ احمد علی خاں ۳۰ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو غصّہ کی حالت میں طلاق کے لفظ بولا

یعنی کہا حرامزادی تجھ کو میں نے طلاق دیا تو میرے گھر سے نکل جامیں تجھ کو نہیں رکھوں گا۔تواب زید کہتا ہے ہندہ کو میں نے بیشک طلاق دیا لیکن دوطلاق دی یا تین طلاق دیا اس وقت میری یاد نہیں ہے مگر اس جگہ میں اُس وقت دو عورت تھی ایک زید کی میادوسری بہن یہ دونوں عورتیں کہتی ہیں زید نے اپنی بی بی کو ایک طلاق دیا اور حرامزادی میرے گھر سے نکل جامیں تجھ کو نہیں رکھوں گا اور ہندہ زید کی بیوی بھی یہی کہتی ہے۔شرع شریف میں کیا حکم ہے طلاق واقع ہوا یا نہیں تو رجعی یا بائن یا طلاق مغلظہ؟ **بینوا توجروا** زیادہ والسلام فقط۔

الجواب:

جب طلاق میں شک ہو کہ دو۲ تھی یا تین، تو دو سمجھی جائیں گی جب تک گواہان شرعی سے زیادہ کا ثبوت نہ ہو،

فی الاشباہ والدرالمختار والعقود الدریۃ وغیرھا لوشك اطلق واحدۃ اواکثر بنی علی الاقل[1]۔	اشباہ، درمختار، عقود دریہ وغیرہا میں ہے کہ ایک طلاق یا زیادہ میں شک ہو تو کم عدد والی یقینی ہوگی۔(ت)

زید نے اس لفظ سے کہ "تُو میرے گھر سے نکل جا" اگر طلاق کی نیت کی تھی تو دو۲ طلاقیں بائن پڑیں **فان البائن یلحق الصریح والرجعی یصیر بائنا بلحوق البائن** (بائن طلاق، رجعی طلاق کو لاحق ہو سکتی ہے تو بائنہ کے لاحق پر رجعی بھی بائنہ ہو جاتی ہے۔ت) ورنہ ایک طلاق رجعی پڑی،

لان اخرجی ممایحتمل ردا فلایقع بہ بلانیۃ وان کانت الحال حال المذاکرۃ لتقدم التطلیق یقع کما نصوا علیہ۔	کیونکہ "نکل جا" یہ لفظ رَد کا احتمال رکھتا ہے لہٰذا نیت کے بغیر اس سے طلاق نہ ہوگی، اور اگر مذاکرہ طلاق کا حال جیسے پہلے طلاق دے دی ہو تو "نکل جا" سے طلاق واقع ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے۔(ت)

ہاں اگر یہ سارا جملہ کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی، میرے گھر سے نکل جا" دوبارہ کہا اُن میں ایک بار بھی "میرے گھر سے نکل جا" سے نیّت طلاق کی کی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔**واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

مسئلہ ۲۲۷: محمد حسن از مدرسہ منظر اسلام بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیک میں کہ زید اپنی بی بی سے بولنااور بوسہ لینااور جماع کرنااور مباشرت کرناحرام سمجھتا ہے، آیا طلاق واقع ہوگی یانہیں؟اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ تمام عمر تُو مجھ پر حرام ہے طلاق واقع ہُوئی یانہیں؟

الجواب:

نِرے سمجھنے سے کُچھ نہیں ہوتاجب تک زبان سے نہ کہے اوراس کہنے سے کہ تُو مجھ پر حرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے کل گئی بعد عدّت اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے،اور اگراُس شوہر سے نکاح چاہے توعدّت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی۔

فی ردالمحتار تحت قولہ خلیۃ،بریۃ حرام بائن الخ قولہ حرام سیأتی وقوع حرام بائن بہ بلانیۃ فی زماننا للتعارف سواء قال علیّ اولا[1] الخ وتمام تحقیقۃ فیما علقناہ علیہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ماتن کے "تُو اکیلی ہے، توبری ہے، تو حرام ہے طلاق بائن" کے تحت لکھا ہے کہ ماتن کا قول "حرام ہے" عنقریب بیان آئے گا کہ اس ہمارے زمانے میں بغیر نیّت بھی بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے لئے یہ لفظ عرف بن چکا ہے حرام کے ساتھ عَلَیَّ (مجھ پر) کہے یا نہ کہے الخ،اسکی مکمل تحقیق اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۸تا۲۲۹: از ڈاک خانہ سنواہ قادریہ ضلع چاٹگام جونیر مدرسہ مرسلہ مولوی جمال الدین صاحب ۷ رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) اگر کسے زنے خود را دو یا یک طلاق بائن دہد بعد ازاں تجدید عقد نماید پس ثانیًا مالک سہ طلاق گردد یانہ؟ (۲) درآن واحد سہ طلاق معادادن وایقاعش نمودن از کدامی آیت وحدیث ثابت نگردد حضرت	(۱) اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بائنہ طلاقیں دی ہوں اور دوبارہ نکاح کرلیا ہو تو کیا وُہ دوبارہ تین طلاقون کامالک قرار پائے گا یانہیں (۲) ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا کسی آیت یاحدیث سے ثابت

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایں حکم از کجا آوردند واجماع بروئے چرانمودند واگر خلافش کند وحکم یک طالق دہد مواخذہ خواہد شد یانہ چرا؟	نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہُوا، اگر کوئی ان مذکورہ تین کو ایک طلاق قرار دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں تو کیوں؟

الجواب:

(۱) مالک سہ طلاق نہ شود ہرچہ باقی ماندہ است ہموں بدست اوست۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ **(۲)** خلافش نہ کند مگر مخالف سواد اعظم وحکمِ عمر حکمِ خداست قال اللہ تعالیٰ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ[1]، وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخفاء الراشدین وعضوا علیہا بالنواجذ[2]، وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[3] امّا آنکہ از کجا آورد ااز انجا آوردہ کہ حق سبحٰنہ ہم در حق عمر فرمودہ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ط[4]۔ واللہ تعالیٰ اعلم	**(۱)** تین طلاقوں کا مالک نہ ہوگا بلکہ باقیماندہ طلاق کا مالک رہے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ **(۲)** حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ اور اس پر اجماع کی مخالفت صرف سواد اعظم کی مخالف ہی کرے گا، کیونکہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ اور اس پر اجماع کی مخالفت صرف سواد اعظم کا مخالف ہی کرے گا، کیونکہ عمر فاروق کا حکم اللہ تعالیٰ کی ترجمانی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جو کچھ سنّت اور خلفائے راشدین کی سنّت کو لازم پکڑو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔" اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی پیروی کرو۔" لیکن یہ کہ عمر فاروق حکم کہاں سے لائے، تو وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالیٰ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرمایا ہے حکم کو معلوم کرلیں گے وُہ لوگ جو استنباط کریں تم سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[2] سُنن ابن ماجہ باب اتباعِ سنت الخفاء الراشدین المھدیین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیروت ۵/ ۳۸۲

[4] القرآن ۴/ ۸۳

مسئلہ ۲۳۰: از قصبہ کوردرکوٹ ضلع اٹاوہ مسئولہ محی الدین احمد صاحب ۲۴شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور وُہ اس کے گھر سے باہر ایک ہفتہ رہی، اندر ایک ہفتہ کے پھر اس نے اُس کو اپنے گھر میں رکھ لیا او وہ اس کے گھر میں مثل زوجہ موجود ہے، اس کے واسطے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر عورت کو طلاق دے کر ہفتہ کے بعد پھر رکھ لیا، اگر تین طلاقیں دی تھی فاسق وزانی ہوا، یونہی اگر طلاق بائن دی تھی اور دوبارہ نکاح نہ کیا حرامکاری ہوا، اور اگر طلاق بائن تھی اور نکاح کرکے رکھا یا طلاق رجعی تھی اور بلانکاح واپس کرلیا توگناہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: ۸ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ کے باپ اور بھائی اور ماں اور دیگر ورثا بہ نیّت اس امر کے طلاق مشہور کرتے ہیں کہ جو کُچھ جائداد شوہر کی ہے اس کو چھین کر اور شوہر سے زوجیت کو چھڑا کر بجائے دیگر اس کا عقد کریں اور زر شوہر سے نفع اُٹھاویں، بموجب شرع کے ایسے شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں اس نے طلاق نہ دی یہ لوگ دانستہ جُھوٹ باندھ کر طلاق مشہور کرتے ہیں تاکہ عورت کو اس کے شوہر سے چُھڑا لیں تو سخت عذاب ولعنتِ الٰہی کے مستحق ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) **قال اللہ تعالٰی:**

فَیَتَعَلَّمُوۡنَ مِنۡهُمَا مَا یُفَرِّقُوۡنَ بِهٖ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَ زَوۡجِهٖ[1]۔	اور سیکھتے ہیں ان دونوں سے وُہ جس سے مرد اور اسکی بیوی میں جدائی کرسکیں۔(ت)

رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا او عبدًا علی سیّدہ رواہ[2]۔	وُہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کی بیوی کو اس کے خلاف بنائے، یا کسی غلام کو اپنے آقا کے خلاف

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] المستدرك للحاکم باب لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۶، سنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابوداؤد والنسائی والحاکم بسند صحیح وابن حبان فی صحیحه عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنه وھو عند احمد بسند صحیح والحاکم وقال صحیح واقرہ والبزار وابن حبان عن بریدۃ وعن الطبرانی فی الاوسط والصغیر عن ابن عمر وعند ابی یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم۔	کرے۔اس کو ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے بسند صحیح اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ امام احمد کے ہاں صحیح سند اور امام حاکم نے کہا صحیح ہے اور اس کو انہوں نے ثابت قرار دیا، اور بزار اور ابن حبان نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے اوسط اور صغیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابویعلی کے ہاں اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔(ت)

مسئلہ ۲۳۲: ازبیجناتھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ باڑہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع رائے پور میں ایک موروثی قاضی نے اپنی بی بی کو شرعی طور پر طلاق دی اور طلاق دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا حتی کہ اوس کے کپڑے وغیرہ بھی دے دئے اور اپنے یہاں سے اُس کی ماں کے گھر پہنچادیا بعض بعض باشندگان رائے پور نے بغرض تحقیق اس بات کے کہ طلاق دی یانہیں جلسہ کیا قاضی نے اس جلسہ میں بھی مکرر سہ کرر ان الفاظ سے بیان کی کہ میں اُنہوں نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سمجھایا، تقریبًا چار برس کے بعد عورت کے وارثوں نے مہر کا دعوٰی کیا جب نوبت وارنٹ کی پہنچی تو قاضی اور دوسرے لوگوں نے جن کی یہ منشا تھی کہ کسی طرح سے بس اس میں میل ہوجائے کسی دوسری عورت کے ذریعہ اس عورت مطلّقہ کو ملادیا کچہری کا جھگڑا تو عورت کے آنے پر طے ہُوا اب عدالت شرعی کیا حکم فرماتی ہے آیا طلاق ہُوئی یانہیں درصورت طلاق ہونے کے یہ کس صورت میں اپنے نکاح میں لاسکتا ہے اور یہ شخص امامت اور قضاءت کرسکتا ہے یانہیں، اور دُوسرا شخص اس کے حکم سے نیابت کرسکتا ہے یانہیں، اور جن اشخاص نے عورت کو راضی کرنے اور بلانے میں مدد کی اُن کے واسطے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

جبکہ قاضی نے اپنی عورت کو طلاق دی طلاق ہوگئی، اس میں تو اصلاً شُبہہ نہیں، پھر اگر طلاق

بائن دی تھی یا عدّت گزر کر بائن ہوگئی تو بے نکاح جدید اُسی عورت سے مل جانا حرام قطعی تھا، اور اگر تین طلاقیں دے چکا جب تو بے حلالہ نکاح جدید بھی ناممکن تھا اور یہ خیال کہ غصّہ میں مطلقاً طلاق نہیں ہوتی محض جاہلانہ خیال ہے، طلاق اکثر غصّہ ہی میں ہوتی ہے رضامندی میں کون چھوڑتا ہے، پس دو۲ صورت سابقہ میں اگر قاضی نے بے نکاح جدید اور صورت اخیرہ میں بے حلالہ ونکاح اُس عورت سے میل کرلیا تو وُہ اور اس کے ساتھی جتنے لوگ اس ملانے میں شریک ومددگار تھے سب مرتکب حرام وفاسق ہُوئے، فاسق امام بنانے کے لائق نہیں یہاں تک کہ جو اُسے امامت پر باقی رکھے گا گنہگار ہوگا **کما نص علیہ فی ردالمحتار عن الغنیۃ عن الحجۃ** (جیسا کہ ردالمحتار میں غنیہ کے حوالے سے حجّہ سے صراحتاً نقل کیا۔ت) یُونہی وُہ عہدہ قضائے شرعی کا بھی مستحق نہیں (کرم خردہ ہونے کی وجہ سے عبارت ختم ہوگئی ہے ۱۲)

فی الدرالمختار الفاسق لایقلد وجوبا ویأثم مقلدہ بہ یفتی اھ[1] ملخصًا۔	دُرمختار میں ہے ضروری ہے کہ فاسق کو قاضی کا عہدہ نہ سونپا جائے اس کو قاضی کرنیوالا گنہگار ہوتا ہے، اسی پر فتوی ہے اھ ملخصًا (ت)

اور وُہ خود ان عہدوں پر نہ رکھا جائے، دوسرے کو نائب کیا کرے گا اور یہ قضائے عرف عینی نکاح خوانی جسے عہدہ قضا بولتے ہیں یہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے کہ نکاح خاص امر دین ہے اور عمر بھر صدہا احکامِ دینیہ اُس پر متفرع ہوتے رہتے ہیں اور فاسق کا امورِ دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں، نہ اس پر کسی بات میں اطمینان، ولہٰذا قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا[2] الاٰیۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی خُوب چھان بین کرلے الآیۃ (ت)

مسئلہ ۲۳۳: از بھدرک ضلع بالسیر ملک اوڑیسہ مسئولہ ضمیر خاں نگھا ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضمیر خاں نامی ایک شخص نے اپنی حقیقی سالی سے زنا کا مرتکب ہُوا، اُسکے شوہر نے ضمیر پر کچہری میں مقدمہ دائر کیا بعد مقدمہ اس کی سالی کو اُسکے شوہر نے باقاعدہ طلاق دے دی لیکن جس وقت مقدمہ چل رہا تھا ضمیر کی زوجہ کے ضمیر کو سخت سُست کہنے سے غصّہ میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے چکا تھا جب مقدمہ سے ضمیر نے خلاص پایا اُس نے اپنی سالی سے

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

وعدہ کیا تھا، اگر میں مقدمہ سے خلاص ہُوا تو تجھے اپنے مکان میں رکھوں گا لہٰذا اپنی سالی کی زبان بندی سے مقدمہ سے مخلص پایا اور اپنی سالی کو اپنے مکاں میں لے آیا اُوپر کے بیان کے مطابق ضمیر کو کاروائی کرنے سے بستی والوں نے جبر کیا اور ایک جلسہ کرکے کہا تو چاہے چھوٹی کو نکال دے یا بڑی کو طلاق دے اور چھوٹی سے نکاح کرلے، اُس وقت ضمیر نے اپنی منکوحہ کو طلاق ثلٰثہ دیا اور اپنی سالی سے نکاح کرلیا، ایسی حالت میں کیا حکمِ شرع شریف ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس کی پہلی زوجہ کو تین طلاقیں ہوگئی، اسکی عدّت گزرنے کے بعد نکاح کیا ہے نیز سالی کو اس کے شوہر نے جو طلاق دی اس کی عدّت بھی گزرنے کے بعد تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اور اگر دونوں عدّتوں میں سے کوئی عدت باقی تھی تو حرام فاسد ہُوا اس پر فرض ہے کہ اُس دوسری کو بھی چھوڑدے جب دونوں بہنوں کی عدتیں گزرجائیں اس دوسری سے نکاح کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۳۴: از دلیل گنج ڈاک خانہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر یار خان صاحب وحافظ سیّد میر صاحب ۱۴ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جو غیر جگہ کی رہنے والی تھی اُس کی ماں ایک عرصہ سے یہاں آباد تھی جب اُس کی ماں بیمار ہُوئی تو اُس کے دیکھنے کی غرض وُہ عورت یعنی اُس کی لڑکی دلیل گنج آئی اُس کی ماں اس عرصہ میں مرگئی اسکی دو ۲ بہنیں بھی دلیل گنج میں موجود ہیں جن کی شادی بھی یہیں ہوئے بعد انتقال اُس کی ماں کے اس کے بہنوئی کے بھائی نے اپنے گھر میں رکھ لیا کچھ عرصہ تک وُہ اپنے بہنوئی کے بھائی کے یہاں رہی پھر اُس کے خاوند کو بُلوایا اور چودہ ۱۴ روپے دے کر اُس کے خاوند سے طلاق دلوائی اب وُہ بدستور اُس شخص کے یہاں موجود ہے یہ فیصلہ جن پنچوں نے کیا ہے آیا صحیح ہے اور ان شخصوں کی بابت کیا حکم ہے جنہوں نے یہ پنچایت کی اور اس کی نسبت جس کے گھر میں غیر نکاحی عورت موجود ہے اب اس کا نکاح بعد عدّت کرنے کا ارادہ ہے آیا وُہ نکاح صحیح ہوگا یا غلط؟

الجواب:

طلاق ہوگئی بعد عدّت نکاح صحیح ہوگا اور یہ جس نے بلانکاح اُسے اپنے یہاں رکھا ہے اگر کسی امرِ ناجائز کا اُس کے ساتھ مرتکب ہوا ہے اگرچہ اسی قدر کہ تنہا مکان میں ایک منٹ کے لئے ساتھ ہونا تو فاسق ہے مستحقِ عذاب ہ اور چودہ ۱۴ روپے اگرچہ بطور مالکانہ نہ دئے گئے جیسا بعض رذیل جاہلوں میں رواج ہے تو یہ لینا دینا دونوں حرام اور وُہ فیصلہ کرنے والے سب مبتلائے آثام، اور اگر مرد وزن میں اتفاق

کی کوئی صورت نہ تھی اور عورت نے روپے دے کر طلاق لی یا اس کی طرف سے کسی اور نے دئے تو یہ صورت خلع میں آجائے اور جس کی طرف سے زیادتی ہے اس پر الزام رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۵: از موضع آواں ڈاکخانہ بیگووال ریاست کپورتھلہ ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید اپنی منکوحہ سے نو یا دس ۱۰ سال سے جُدا ہوگیا البتہ خط ارسال کرتا رہا اس کی منکوحہ روزِ نکاح سے اپنے والدین کے گھر میں رہی اب ایک سال سے زید کی منکوحہ نے خود زاپنا دوسرے خاوند بکر سے نکاح کرلیا اس کے نطفہ سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس کے پہلے خاوند مسمّی زید کی خبر اور خط آتے رہتے ہیں اب عرض یہ ہے کہ نکاح جائز ہے اور اولاد اس عورت سے بکر نے جو حاصل کی طریقہ جائز ہے اور وہ اولاد شرعاً حلال ہے؟ اور بکر امام مسجد بھی ہے اور اس نے یہ ناجائز کام کیا تو جو شخص اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے کیا وُہ درست ہیں؟ اور اگر درست نہیں تو انہیں کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

الجواب:

بکر نے جو اس عورت سے نکاح کیا اگر اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے تو یہ نکاح اس کے حق میں گناہ نہ ہُوا اور اس نکاح سے اگرچہ ۶ مہینے یا زیادہ کے بعد بچّہ پیدا ہُوا تو اسے ولدالزنا نہ کہیں گے اور وُہ اسی بکر کا ہے،

علی مارجع الیہ الامام وعلیہ الفتوی تجنیس، خانیہ، سراجیۃ، ھندیۃ وغیرہا۔	امام صاحب نے جس طرف رجوع فرمایا اس کی بناء پر اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تجنیس، خانیہ، سراجیہ، ہندیہ وغیرہ۔ (ت)

پھر اگر اسے اب تک نہیں معلوم تو اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں کوئی حرج، اور اگر بعد کو معلوم ہوگیا اور عورت کو نہیں چھوڑتا تو زانی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب اور اگر وقت نکاح ہی سے اسے معلوم تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے اور دانستہ نکاح کیا تو نکاح نہ ہوا زنائے محض ہُوا **بہ یفتی**، ذخیرۃ، بزازیۃ، فتح، بحر (اسی پر فتوٰی ہے ذخیرہ، بزازیہ، فتح، بحر۔ ت) اور اس صورت میں لڑکا کازید کا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بچّہ شوہر کا اور زانی کو پتھر، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بن عفان دار الفکر بیروت ۱/۵۹، کنز العمال حدیث تراث الاسلامی حلب بیروت ۵/۲۹۳

مسئلہ ۲۳۶: ازرائے پور ممالک متوسط محلّہ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو عورت مطلقہ بطلاق بائن غیر مغلظہ ہے تواس کا نکاح بعد عدّت اس کے زوج سے تو ہو سکتا ہے لیکن جس صورت میں کہ وُہ اپنے زوج سے راضی نہ ہو بعد عدت بائن کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے عندالشرع یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرواجر پاؤ۔ت)

الجواب:

شوہر سے تواسی وقت نکاح ہو سکتا ہے کچھ عدّت گزرنے کی حاجت نہیں، ہاں دوسرے شخص سے بعد عدّت گزرنے کے کر سکتی ہے، جس عورت پر طلاق بائن ہو وُہ فوراً اطلاق پڑتے ہیں خود مختار ہو جاتی ہے بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، شوہر اوّل سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہو سکتی،

فی الھندیۃ عن الھدایۃ اذاکان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدّۃ وبعد انقضائھا[1] الخ وفیھا عن الفتح حکمہ وقوع الفرقۃ بانقضاء العدّۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن[2] اھ وفی الدرالمختار لانھا لاتملك نفسھا الابالبائن[3] اھ وفی العقود الدریۃ وقع علیہ طلقۃ بائنۃ ملکت بھا نفسھا وحیث انقضت عدتھا صارت اجنبیۃ[4] اھ ملخصًا والمسائل کلھا واضحۃ شھیرۃ معلومۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہدایہ سے منقول ہے کہ جب طلاق بائنہ ہو اور تین سے کم ہوں تو خاوند کو عدت کے اندر اور ختم ہونے پر دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگاالخ اور ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی ہو تو عدّت ختم ہوجانے پر اور بائنہ ہو تو عدّت ختم ہُوئے بغیر بھی جُدائی ہو جائے گی اھ، درمختار میں ہے کہ بائنہ طلاق سے بیوی نکاح کے لئے خود مختار ہو جاتی ہے اھ، عقوددریہ میں ہے کہ بائنہ طلاق واقع ہو جانے پر اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے اور عدّت ختم ہوجانے پر وہ خاوند کیلئے اجنبی بن جاتی ہے، ملخصًا، یہ تمام مسائل مشہور اور واضح طور پر معلوم ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ومایتصل بہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۷۳۔۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۸

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳۵

مسئلہ ۲۳۷: از موضع لال پور ڈاکخانہ موہن پور بنگال مرسلہ منیر الدین احمد لاپوری کمرلوی ۸ شوال ۱۳۳۳ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ شرک پر عین اعتقادر کھے اور بتخانے میں سجدہ وغیرہ کرنے سے اپنی بی بی کے نکاح سے خارج ہوگیا وُہ اگر توبہ کرکے مسلمان ہوجائے بی بی مذکورہ سے نکاح کرے تو حلالہ کرے یا بغیر حلالہ کے نکاح درست ہے؟

الجواب:

جو تین طلاق دے چکا ہو وُہ یا جورو یا دونوں اگر قہار کی لعنت اپنے سر لینے کو مرتد، مشرک، بت پرست کُچھ بھی ہوجائیں وہ تین طلاقیں رہیں گی مسلمان ہوجانے کے بعد پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی بے حلالہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوگا۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے طلاق زید سے دو۲ مہینے بعد بکر سے نکاح کرلیا ۱۸سال تک اس کے یہاں رہی اس مدّت میں چار بیٹے ہوئے زید قید ہوگیا تھا بعد قید بھی ہندہ کا دعوٰی دار نہ ہُوا اب اس قدر مدّتِ کثیر کے بعد ہندہ بے رضائے بکر خانہ بکر سے نکل کر خالد کے ہیں چلی گئی اس صورت میں ہندہ منکوحہ بکر ہے اور اس پر بکر کا دعوٰی اپنے پاس رکھنے کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صُورت مسئولہ میں اگر طلاق کے بعد ہندہ کو تین حیض عـــہ کامل گزر چکے تھے اس کے بعد نکاح ہُوا یعنی حیض بعد طلاق شروع ہُوئے ہوں اور قبل نکاح ثانی ختم ہوچکے ہوں یا وقتِ طلاق زید ہندہ حاملہ تھی اور بعد طلاق وضعِ حمل ہوگیا اگرچہ اُس دن ہُوا ہو اُس کے بعد اس نے بکر سے نکاح کیا تو ان دونوں صورتوں میں تو بیشک نکاح بکر صحیح تھا اور بکر اسے لینے کا دعوٰی کرسکتا ہے عورت جبراً اُسے دلائی جائے گی،

قال اللہ تعالٰی اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مردوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہے۔ (ت)

اور اگر ان دو مہینے میں تین حیض کامل بعد طلاق گزرے تھے نہ وضع حمل ہُوا کہ بکر سے نکاح کرلیا تو وُہ

عـــہ: امام اعظم کے نزدیک تین حیض کم سے کم ساٹھ دن اور صاحبین کے نزدیک اڑتالیس دن میں ہوسکتے ہیں ۱۲۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

نکاح ہر گز صحیح نہ ہوا،

قال تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ[1] وقال تعالٰی وَلَا تَعۡزِمُوۡا عُقۡدَةَ النِّکَاحِ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡکِتٰبُ اَجَلَهٗ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلّقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک پابند رکھیں۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا عدّت مکمل ہونے تک مطلقہ عورتیں نئے نکاح کا عزم نہ کریں۔ (ت)

اس صورت میں عورت پر بکر کے پاس جانے کا جبر ہونا درکنار ان دونوں پر فرض ہے کہ باہم جُدا ہوجائیں اور ترک تعلق کریں، اور بکر نہ مانے تو عورت بطورِ خود جُدا ہوسکتی ہے ورنہ حاکم بالجبر جُدائی کرادے،

فی الدر المختار یثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر صاحبه دخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلاینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما[3]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	دُرمختار میں ہے: دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی یا غیر موجودگی میں فسخ کا اختیار ہے دخول کرچکا ہو یا نہ کیا ہو، اصح قول یہی ہے تاکہ گناہ سے اجتناب ہوسکے، لہٰذا یہ بات وجوبِ فسخ کے منافی نہیں بلکہ اس کے باوجود قاضی پر واجب ہے کہ دونوں میں تفریق کرے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از کانپور محلّہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان مولوی سیّد محمد اشرف صاحب وکیل مرسلہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۱۴ رمضان ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فتاوٰی شمس الدین وفتاوٰی تمرتاشی میں ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا لیکن نیّت میں ہے کہ بعد اتنے دنوں کے طلاق دُوں تو یہ نکاح درست ہے پس جو شخص دوچار روز یا دوچار مہینے میں طلاق دے دیا کرے اور اس قسم نکاح پر مداومت کرے اور لوگوں کو بھی اس جانب مائل کرے تاکہ وُہ لوگ زنا سے محفوظ رہیں تو آیا ایسے شخص کو ثواب ملے گا یانہیں، اور مداومت کی صورت میں متعہ تو نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

متعہ تو ہر گز نہ ہوگا جب تک نفسِ عقد میں مدّت معیّنہ خواہ غیر معیّنہ کی حد نہ مقرر کی جائیگی،

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۵

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

فی الدر المختار بطل نکاح متعة مؤقت وان جهلت المدة اوطالت فی الاصح ولیس منه مالو نکحها علی ان یطلقها بعد شهر اونوی مکثه معها مدة معینة[1]۔	درمختار میں ہے: متعہ اور مقررہ مدت تک کا نکاح باطل ہے اگر ہو مدّتِ مقررہ مجہول ہو یا دراز ہو اصح قول میں، اور اگر ایک ماہ بعد طلاق دینے کی شرط پر نکاح کیا یا صرف نیت میں معیّنہ مدّت تک پاس رکھنا مقصود ہو تو یہ دونوں صُورتیں از قبیل باطل نہ ہوں گے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

التوقیت انما یکون باللفظ[2]۔	مدّتِ مقررہ تک نکاح کے لئے زبانی مدّت کا تعیّن ضروری ہے (جو کہ باطل ہے)۔(ت)

مگر ایسے کی طرف لوگوں کو ترغیب نہ کی جائے اور خود بھی اس سے احتراز چاہئے جب تک کوئی حاجت صحیحہ شرعیہ ہر بار طلاق زوجہ کی طرف داعی نہ ہو کہ بے حاجتِ شرعیہ عورت کو طلاق دینا ثواب درکنار شرعًا ممنوع،

علی ماصححه فی الفتح وحققه فی ردالمحتار وفیه وعنه عن مشائخ المذهب ان الاصل فیه الحظر لمافیه من کفران نعمة النکاح والاباحة للحاجة الی الخلاص[3]۔	شرعی ضرورت کے بغیر طلاق دینا ممنوع ہے جس کی تصحیح فتح میں ہے اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں فتح سے منقول کہ مشائخ سے مروی ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے کیونکہ اس میں نکاح جیسی نعمت کی ناشکری ہے، اور طلاق کا مباح ہونا خلاصی کے لئے حاجت کی وجہ سے ہے۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تزوجوا ولاتطلقوا[4] فان الله لا یحب الذواقین ولا الذواقات[5] وفی لفظ لاتطلقو النّساء	نکاح کرو اور جب تک عورت کی طرف سے کوئی شک نہ پیدا ہو (یعنی بے حاجت صحیحہ) طلاق نہ دو

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

[2] بحرالرائق فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۶

[4] تاریخ بغداد ترجمہ نمبر دارالکتاب العربی بیروت ۱۲/۱۹۱

[5] مجمع الزوائد باب فیمن یکثر الطلاق دارالکتاب العربی بیروت ۴/۳۳۵

الّامن ریبة فان اللہ تعالٰی لا یحب الذاوقین ولا الذواقات[1]۔رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کہ اللہ بہت چکھنے والے مردوں اور بہت چکھنے والی عورتوں کو دوست نہیں رکھتا یعنی جو چکھ چکھ کر چھوڑدینے کے لئے نکاح کرتے ہیں(اس کو طبرانی نے کبیر میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

غور کیجئے تو آیہ کریمہ مُّحۡصِنِیۡنَ غَیۡرَ مُسٰفِحِیۡنَ ؕ[2]میں بھی اسی سے ممانعت کی طرف اشارہ ہے یعنی نکاح کرو عورتوں کو قید میں رکھنے،نہ مستی نکالنے،پانی گرانے۔بعض صحابہ کرام مثل سیّدنا امام حسن مجتبٰی ومغیرہ بن شعبہ وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جو کثرتِ نکاح وطلاق منقول ہے اسی حالت حاجت شرعیہ پر محمول ہے،

فی ردالمحتار اذا وجدت الحاجة المذکورة ابیح وعلیھا یحمل ماوقع منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن اصحابہ وغیرہم من الائمة صونالھم عن العبث والایذاء بلاسبب[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ جب حاجت مذکورہ پائی جائے تو طلاق مباح ہے،اور اسی معنٰی پر محمول ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور دیگر ائمہ کرام سے متعدد نکاح کے واقعات ہُوئے،تاکہ ان حضرات کی طرف عبث اور ایذاء رسانی کی نسبت نہ ہونے پائے۔(ت)

محفوظ زنا کاعذر بے معنی ہے ایک وقت میں چار تک شرعی اجازت ہے اور اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتیں،اور عقل ونقل وتجربہ شاہد ہیں کہ نفسِ امّارہ کی باگ جتنی کھینچئے دبتا ہے اور جس قدر ڈھیل دیجئے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے۔

والنفس کالطفل ان تمھلہ شبّ علی حب الرّضاع وان تفطمہ ینفطم

(نفس بچّے کی طرح ہے اگر آپ اسے موقعہ دیں گے تو وہ ماں کا دودھ پینے میں دلیر رہے گا،
اور آپ دُودھ چھڑادیں تو وُہ چھوڑدے گا۔ت)

[1] المعجم الاوسط حدیث نمبر المکتبة المعارف الریاض ۸/ ۴۱۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

جب ہمیشہ خواہشِ نو کی عادت ڈالی گئی اور پُر ظاہر کہ چند روز رکھ کر چھوڑنے کے لئے دولتا تازہ عورت کا ملنا خصوصًا ہندوستان میں سخت مشکل ہے تو جب اس میں کمی ہوگی نفس بدخو جسے صبر کا خوگر کیا ہی نہ تھا وُہ رنگ لائے گا کہ ایک پر قناعت کرنے والے اس کی ہوا سے آگاہ نہیں۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالٰی، واللّٰہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰تا۲۴۱: مرسلہ محمد عبدالرحمٰن جاشانی شافعی از بنارس محلّہ مدنپورہ مدرسہ امداد العلوم مسجد کلاں ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں ازرُوئے مذہب شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے:

(۱) ایک شخص شافعی المذہب زوجین باہم رہتے تھے شوہر کو جذام کا عارضہ ہوگیا جس کے خوف کی وجہ سے اُس کی زوجہ اپنے ماں کے یہاں چلی گئی، شوہر اس کو بُلاتا رہا مگر اس کے لاحقہ عارضہ کے خوف سے اس کی زوجہ نہ آئی یہاں تک کہ شوہر اُس کا اُسی عارضہ میں فوت ہُوا، اس صورت میں مہرو ورثہ ونان نفقہ زوج کے ترکہ سے زوجہ کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ ازرُوئے شرع الطیف بحوالہ کتبِ معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔

(۲) بعض اشخاص زوجہ مذکورہ بالا کو زوج مرحوم کے ترکہ سے ورثہ ونان نفقہ دینے میں انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زوجہ کو کُچھ پہنچتا ہی نہیں ورثہ زوجہ قرآن مجید سے ثابت یا نہیں اور منکر اُس کا دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں فقط، **بینوا توجروا**

الجواب:

زوجہ متوفی کو صورت مستفسرہ میں باتفاق ائمہ حنفیہ وشافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی مہر ورترکہ قطعًا ملے گا، ائمہ حنفیہ کے نزدیک توجَبّ وعِنّت یعنی آلت بریدگی یا نامردی کے سوا کوئی مرض شوہر مطلقًا سببِ فسخِ نکاح نہیں، درمختار میں ہے:

لا یتخیر احد الزوجین بعیب الاخرولو فاحشا کجنون وجذام وبرص[1] **الخ۔**	خاوند بیوی میں کسی کو دوسرے کے عیب جسمانی مثلًا جنون، جذام اور برص کے امراض کی وجہ سے فسخ کا اختیار نہیں ہے الخ (ت)

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اور ائمہ شافعیہ کے یہاں اگرچہ جنون وجذام مستحکم وبرص مستحکم سے خیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان امراض کے سبب آپ ہی نکاح زائل یا عورت کو بطورِ خود فسخِ نکاح کا اختیار حاصل ہوجائے بلکہ یہ معنی کہ فی الفور بلاتاخیر قاضی شرع کے حضور مطالبہ فسخ پیش کرنے کا اختیار ملتا ہے، جب وُہ حکمِ فسخ دے اس وقت نکاح فسخ ہوتا ہے، بغیر اس کے وُہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ امام علامہ یوسف اردبیلی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ اجلّہ شافعیہ سے ہیں کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

لایثبت بالبرص والجذام قبل الاستحکام خیار العیب علی الفور ولاینفردان بالفسخ بل لابدمن الرفع الی القاضی[1] اھ ملتقطا۔	برص اور جذام کے مستحکم ہونے سے قبل فوری طور پر خیار عیب ثابت نہیں ہوتا، اور خاوند بیوی خود فسخ نہیں کرسکتے بلکہ قاضی کے ہاں مرافعت ضروری ہے اھ ملتقطا (ت)

یہاں جبکہ نہ حاکمِ شرع کی طرف مرافعہ ہُوا، نہ اس نے فسخِ نکاح کا حکم دیا بلکہ عورت بطورِ خود اپنی ماں کے یہاں چلی گئی تو باتفاقِ ائمہ نکاح قائم رہا پس بنص قطعی قرآن عظیم وہ اس کے ترکہ میں مستحق فریضۃ اللہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نے ترکہ چھوڑا اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کو ترکہ کا چوتھائی حصّہ، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ملے گا، یہ تقسیمِ وراثت تمہاری وصیت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ہے۔ (ت)

وراثتِ زوجہ بلاشبہہ ضروریات دین سے ہے جس پر تمام فرقِ اسلام کا اجماع اور ہر خاص وعام کو اس کی اطلاع، تو مطلقاً اس کا انکار یعنی یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعہ وراثت ہی نہیں صریح کلمہ کفر ہے، ہاں اگر براہِ ناواقفی عروضِ جذام کو خود مزیلِ نکاح سمجھ کر اس عورت کے استحقاقِ وراثت سے انکار کیا تو جہل وسفاہت باتفاق اور شرع مطہر پر بے باکانہ جرات ہے کُفر نہیں، بالجملہ صورتِ مسئولہ میں عورت یقیناً مستحق ترکہ ہے، یونہی باتفاق مہر مسمّی تمام وکمال واجب الادا ہے، حنفیّہ کے طور پر تو ظاہر ہے، شافعیہ کے نزدیک یُوں کہ شوہر قبل انفساخ نکاح مرگیا، انوار میں ہے:

---

[1] الانوار لاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۷۳

[2] القرآن الکریم ۴/۱۲

لومات المعیب قبل الفسخ تقرر المھر ولافسخ[1]۔	عیب والا خاوند اگر فسخ سے قبل فوت ہوجائے تو مہر لازم ہوگا، فسخ نہ ہوگا۔(ت)

بلکہ یہاں تو بالفرض اگر نکاح فسخ بھی کردیا جاتا جب بھی مہرِ مثل ساقط نہ ہوتا۔عبارتِ سوال سے ظاہر کہ شوہر کو اس مرض کا حدوث بعد زفاف ہوا تو بحالتِ فسخ بھی پورا مہر لازم الادا۔انوار میں ہے:

اذافسخ فان کان قبل الدخول سقط المھر ولامتعۃ، فسخ ھواوھی وان کان بعدہ فان کان بعیب مقارن او حادث قبل الدخول وجب مھر المثل وان کان بحادث بعدہ وجب المسمی[2]۔	مرد یا عورت نے نکاح فسخ کیا تو اگر یہ فسخ دخول سے قبل ہُوا تو مہر ساقط ہوجائے گا،اور جوڑا ساقط نہ ہوگا،اور اگر فسخِ نکاح دخول کے بعد ہُوا تو اگر دخول کے ساتھ یا دخول سے قبل، عیب پیدا ہُوا تو مہر مثل واجب ہوگا،اور دخول کے بعد عیب پیدا ہوا تو پھر مقررہ مہر واجب ہوگا۔(ت)

رہا نان ونفقہ وُہ بعد موتِ شوہر زمانہ عدّت یا اس کے بعد کا باتفاقِ مذہب صحیح حنفی وشافعی اصلاً واجب نہیں،اس کے دینے سے ورثہ انکار کرتے ہوں تو بیشک بجا ہے۔درمختار میں ہے:

لاتجب النفقۃ بانواعھا لمعتدۃ موت مطلقا ولو حاملا[3]۔	کسی قسم کا نفقہ موت کی عدّت والی کے لئے مطلقاً واجب نہ ہوگا اگرچہ حاملہ ہو۔(ت)

انوارِ شافعی میں ہے:

المعتدۃ عن النکاح الفاسد لانفقۃ لھا حاملاکانت او حائلا وکذاالمعتدۃ عن الوفاۃ[4]۔	نکاح فاسد کی عدّت والی کے لئے کوئی نفقہ نہیں، حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو،اور یہی حکم موت کی عدت والی کا ہے۔(ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانوار میں ہے:

المعتدۃ عن الوفاۃ لاتستحق النفقۃ والمؤنۃ	موت کی عدت والی نفقہ اور خرچہ کی مستحق نہیں ہے،

[1] الانوار الاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۷۳

[2] الانوار الاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۷۳

[3] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

[4] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثالث فی موانع النفقۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۸

لصحۃ الخبر بذلک[1]۔	کیونکہ اس معاملہ میں صحیح حدیث ہے۔(ت)

اسی طرح اگر ان دنوں کا نفقہ مانگتی ہے جن میں وُہ بے اجازتِ شوہر اپنی ماں کے یہاں چلی گئی اور شوہر بلاتا رہا، نہ آئی، تو ان ایّام کا نفقہ بھی بالاتفاق نہ پائے گی کہ اس چلے جانے سے وُہ ناشزہ و نافرمان ہے اور ناشزہ کے لئے جب تک ناشزہ رہے بالاجماع نفقہ نہیں۔ قرۃ العین علامہ زین شافعی میں ہے:

تسقط بنشوز ولو ساعۃ کامتناع من تمتع لالعذر وخروج من مسکن بلااذن[2]۔	بیوی کی نافرمانی اگرچہ ایک دفعہ ہو جیسا کہ بلاعذر جماع سے انکار، یا بغیر اجازت گھر سے نکلنا نفقہ کو ساقط کردیتا ہے۔(ت)

انوار میں ہے:

لانفقۃ للناشزۃ وان قدر علی ردھا الی الطاعۃ قھرا ولو ھربت منہ او خرجت بلااذنہ من بیتہ فناشزۃ[3] اھ ملخصًا۔	نافرمان بیوی کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں اگرچہ جبراً خاوند اسے اطاعت پر مجبور کرسکتا ہو، اور اگر بیوی بھاگ جائے یا گھر سے بلااجازت نکل جائے تو وُہ نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا(ت)

ہاں اس سے پہلے ایّام تسلیم نفس وعدمِ نشوز میں اگر کسی دن کا نفقہ نہ ملا تھا تو ہمارے ائمہ کے نزدیک تو اس کا بھی دعوٰی نہیں کرسکتی کہ نفقہ اگر مفروضہ بحکم حاکم ہو موتِ احدالزّوجین سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا اور بحکم قاضی شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا، تنویر حنفی میں ہے:

بموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض الااذا استدانت بامر القاضی[4]۔	بیوی اور خاوند میں سے کسی ایک کے فوت ہوجانے یا طلاق ہوجانے سابقہ مقررہ نفقہ ساقط ہوجائے گا لیکن اگر قاضی کے حکم پر بیوی قرض لے کر خرچ کرتی رہی تو وُہ قرض ساقط نہ ہوگا۔(ت)

البتہ ائمہ شافعیہ کے نزدیک جب ایام مذکورہ کا نفقہ نہ ملا شوہر پر مطلقًا دین ہے کہ کسی کی موت سے

---

[1] الکمثری علی الانوار الطرف الثالث فی موانع النفقۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۸

[2] قرۃ العین فی شرح فتح المعین فصل فی النفقۃ عامر الاسلام پور پریس اتروانگاری کیرص ۲۲۰ تا ۲۲۲

[3] الانوار لاعمال الابرار الطرف الثالث فی موانع النفقہ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

ساقط نہ ہوگا اتنے دعوی کے نزدیک کرسکتی ہے۔ ہدایہ حنفیّہ میں ہے:

قال الشافعی رحمه الله تعالٰی تصیر دینا قبل القضاء ولاتسقط بالموت لانه عوض عنده فصار کسائر الدیون[1]۔	امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: قاضی کے حکم کے بغیر بھی بیوی کا لیاہُوا قرض برائے نفقہ، موت کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک نفقہ معاوضہ ہے لہٰذا دوسرے واجب الادا امور کی طرح ہوگا۔ (ت)

انوارِ شافعیہ میں ہے:

لولم یکسها مدة صارة علیه دینا[2]۔	اگر کچھ مدّت بیوی کو لباس نہ دیا تو وُہ خاوند کے ذمّہ قرض ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوماتت فی اثنائه بلاقبض فدین فی ذمته[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر بیوی اسی اثناء میں فوت ہوجائے تب بھی خاوند کے ذمّہ واجب الادا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از کٹھگھر مرسلہ شیخ احمد بخش ۵ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ساتھ بکر کے تیرہ ۱۳ ہوئے جب بطور زوجہ اور شوہر بہ تعین مہر صہ عہ ہزار روپے اور دس ۱۰ دینار سُرخ کے اس کے مکان میں رہی آٹھ برس تک برابر رہی ہندہ کے جانے سے مکان میں بکر کے دو ۲ برس کے بعد بکر کو بیماری جذام کی شروع ہوئی جب چھ ۶ برس تک ہندہ سے اور بکر سے صحبت مثل زن وشوہر کے نہیں ہوئی اسکے بعد آٹھ برس کے ہندہ کو بکر نے اپنے گھر سے نکال دیا ہندہ اپنی گزرِ اوقات جس طرح ممکن ہُوا کرتی رہی مکان سے نکال دینے سے چھ ۶ ماہ بعد ہندہ پر بکر نے دعوی فراری فوجداری میں دائر کیا اس میں ہندہ نے زوجیت سے انکار کیا اور بکر نے بجائے صہ عہ ہزار روپے سَو روپے کے مہر کا اقرار کیا کچہری فوجداری نے زوجہ ہونا قائم رکھا بعد اُس کے سال بھر بعد دلاپانے زوجہ کا دعوی دیوانی میں دائر کیا اس وقت حسبِ تصفیہ باہمی یہ طے ہُوا کہ ہندہ جہاں چاہے رہے اس عرصہ پانچ برس نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور عرصہ تیرہ برس سے بوجہ بیماری صحبت نہیں ہوئی اور بکر نے واقعی

---

[1] الهدایة باب النفقة المکتبة العربیة کراچی ۴۲۰/۲

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثانی فی کیفیة الانفاق مطبعة جمالیة مصر ۲۲۵/۲

[3] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثانی فی کیفیة الانفاق مطبعة جمالیة مصر ۲۲۵/۲

مہر سے انکار کیا اور نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور قابل صحبت نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا چارہ ہندہ کے واسطے ہونا چاہئے ہندہ خُلا یا طلاق پاسکتی ہے یا کیا ہندہ نان نفقہ اور کرایہ مکان پاسکتی ہے یا نہیں کیونکہ بکر اپنی زوجہ کے ساتھ معہ اپنی دختر کے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں اور ہندہ علیحدہ ایک مکان میں بکر کے مکان سے بفاصلہ ایک جریب کرایہ پر رہتی ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکر پر نان ونفقہ ومسکنِ ہندہ کا انتظام لازم ہے جبکہ ہندہ اپنے آپ کو اس کی قید میں رکھے، آوارہ گرد کا نان نفقہ نہیں ہوتا، اگر ہندہ اپنی جانب سے کوئی بات سقط نان ونفقہ نہ کرے اور بکر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم بکر کو مجبور کرے کہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے، یا بکر راضی ہو تو ہندہ اس سے مہر وغیرہ مال پر خُلع کرلے بغیر اس کے جب تک بکر زندہ ہے اگرچہ بیمار ہے ناقابلِ صحبت ہوگیا ہندہ خود مختار نہیں ہوسکتی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: از سنگ پور مرسلہ ابراہیم صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص بعارضہ جذام مبتلا ہوکر بستی سے نکل گیا مگر اپنی زوجہ کو باوجود علیحدگی بھی طلاق نہں دیتا، عورت مذکور از حد خواہشِ نکاح رکھتی ہے، دیگر ایک شخص مسمّٰی رستم نے اسی عورت مندرجہ بالا سے زنا کیا جس کا مقر ہے زیادہ ثبوت کا حاجت نہیں، بردرانِ اسلام نے اس جُرم پر اس کا حقّہ پانی سلام وکلام ترک کردیا ہے اب وُہ نادم اور توبہ کار ہے لہٰذا اس کو ملانا چاہتے تو آیا وُہ اس طریقہ سے شامل برادرن اسلام ہوسکتا ہے؟ **فقط والسّلام۔**

الجواب:

اگر وُہ شخص عورت سے صحبت کرسکتا ہے اور اس کے ادائے حق پر قادر ہے تو اس پر واجب نہیں کہ عورت کو طلاق دے اور عورت اس سے جدائی نہیں کرسکتی، اور اگر اُس کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں تو اس پر واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار ہوگا، اس صورت میں کہ صورت اس پر واجب ہو اور نہ دی، اگر جبراً اس سے طلاق لے لی جائے تو ہوجائے گی۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا[1]۔ **رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ہریرۃ**	ہمارے گروہ سے نہیں جس کسی کی عورت کو اس سے بگاڑدے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ

[1] سُنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶، المستدرك للحاکم باب لیس منّا من جب امرأۃ علی زوجھا الخ دار الفکر بیروت ۲/۱۹۶

والطبرانی فی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر وفی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابُوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے صغیر میں اور ایسے ہی اوسط میں عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور اوسط میں ابو یعلی کی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۴: از بلرام پور ضلع گونڈہ متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے پیر سالگی میں ہندہ نوجوان سے نکاح کیا بعد چند روز کے ہندہ اور زید میں طرح طرح کی مخالفتیں واقع ہُوئیں اور بوجہ بدکرداری زید کے ہندہ نے زید سے طلاق مانگا اس شرط پر کہ میں مہر معاف کردوں اور تم طلاق دے دو زید نے نہ مانا مجبور ہو کر ہندہ نے اپنا معاملہ حاکم تحصیل کی کچہری میں پیش کیا حاکم تحصیل نے ہندہ کو طلاق کی ڈگری دے دی اب ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں، اگر عورت جوان طاقتور ہے اور شوہر بڈھا فرتوت ہے عورت شوہر کے پاس نہیں رہنا چاہتی ہے شوہر چھوڑنا نہیں چاہتا تو شرعًا کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب:

لاالٰہ الا اللہ بے شوہر کے طلاق دئے طلاق تحصیلدار کے دئے نہیں ہو سکتی قال اللہ تعالٰی بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ت) دوسری جگہ نکاح کرے گی تو حرام قطعی وزنا ہوگا قال اللہ تعالٰی وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حرام ہیں منکوحہ عورتیں۔ت) ہاں شوہر پر فرض ہے کہ اسے اچھی طرح رکھے اس کے حقوق ادا کرے، اگر وُہ اس پر قادر نہیں تو اُس پر فرض ہے کہ اسے طلاق دے دے،

قال اللہ تعالٰی فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو حُسنِ سلوک سے پاس رکھو یا اُن کو بھلائی کے ساتھ فارغ کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۵: از بلرامپور محلّہ پورنیا تالاب ضلع گونڈہ مرسلہ تیغ بہادر خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ نے اپنے شوہر زید پر بحالتِ نزاع

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۶۵

کچہری دیوانی میں دعوی طلاق دائر کیا۔ شہادت وغیرہ پیش کرکے عورت نے اپنی طلاق کی ڈگری حاصل کرلی اب یہ عورت ازرُوئے شرع شریف دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور اگر بعد طلاق حاصل کردو شوہر اوّل اس سے بعد چار پانچ ماہ کے رجعت کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں زید نے طلاق دی تھی اور ہندہ نے سچّا دعوی رکے ڈگری لی تو اگر طلاق بائن تھی تو بعد عدّت مطلقاً اور اگر رجعی تھی تو اس شرط پر کہ زید نے عدّت میں رجعت نہ کی ہو نکاح کرسکتی ہ، اور اگر زید نے واقع میں طلاق نہ دی تھی ہندہ نے جُھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق رجعی دی تھی اور ختم عدّت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دُوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے اگر کرے گی زنا ہوگا **قال اللہ تعالٰی وَّ الۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) حیض والی عورت کی عدّت تین حیض ہیں جو طلاق کے بعد شروع ہو کر ختم ہوں،

وَ الۡمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصۡنَ بِاَنۡفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوۡٓءٍ ؕ[2] ۔	طلاق دی ہوئی عورت اپنے آپ کو تین حیض تک پابند کریں(ت)

اگر اس چار پانچ مہینے یں تین حیض شروع ہو کر ختم نہ ہوئے ہوں تو شوہر رجعت کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۶: ازبریلی محلّہ بہاری پور مرسلہ غلام مرتضٰی صاحب ۱۶شعبان ۱۳۲۶ھ

ہندہ صالحہ ہے اور اس کا شوہر فاسق فاجر موذی معلن سود خوارہ اور شرابی وعیاش ہے، ہندہ کو مارپیٹ کرتا تھا بلکہ چاقو چھری سے آمادہ رہتا تھا اور ایک بار چاقو مارا کہ جس سے گھائی دہنے ہاتھ کی کٹ گئی، دوسری مرتبہ ایک چاقو مارا جس بائیں ہاتھ کی کلائی میں زخم پہنچا جس کے ہر نشان اب تک موجود ہیں، اکثر عورت کو شراب پینے پر بحالت نشہ مجبور کرتا تھا، چنانچہ ایک بار اس کے جبر پر ہندہ نے شراب سے نفرت ظاہر کی تو اس کے وہی گلاس مارا جس سے اس کو چوٹ لگ گئی اور آنکھوں میں شراچ پڑی جس سے آنکھیں دکھ آئیں اور عرصہ تک تکلیف رہی اور شخص مذکور تعلق ناجائز کئی عورتیں سے رکھتا تھا ان میں سے ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا چند روز بعد اُسے مارپیٹ کر نکال دیا شوہر کی ان حرکاتِ ناشائستہ سے ہندہ نہایت پریشان رہتی تھی اران بدچلن عورتوں کو اکثر گھر میں رکھتا تھا آخرکار

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مجبورًا ہندہ کے والدین نے عرصہ سات ۴سال کا ہُوا بٹھالیا اس مدّت میں شوہر ہندہ نے نان ونفقہ کی کُچھ خبر نہ لی اور بد چلنی اس کی اب تک برابر اسی روش پر ہے عرصہ ڈھائی سال کے قریب ہُوا کہ ایک عورت اور کرلی ہے اسی دوران میں شوہر نے نالش دلاپانے زوجہ کے دائر کی کہ وُہ بوجہ ثبوت بد چلنی کے خارج ہو گئی پر شوہر نے اپیل بھی کی وُہ بھی خارج ہو گئی ہندہ کی یہ خواہش ہر گز نہیں ہے کہ میں اس موذی کے گھر جاؤں کیونکہ علاوہ دیگر تکالیف کے اب اندیشہ ٔجان بھی غالب ہے اس لئے کہ نالش مذکور خارج ہو جانے سے مخالفت باہمی بہت کچھ بڑھ گئی ہے پس اس صُورت میں علمائے دین سے استفسار ہے کہ شوہر سے طلاق یا دست بردار ی ہو سکتی ہے یا نہیں، اور شرعًا فسخ نکاح بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صُورتِ مستفسرہ میں عورت پر ہر گز جبر نہ ہوگا کہ شوہر کے یہاں جائے کہ اس میں دینی دُنیوی وجانی وجسمانی اُس کا ہر طرح کا ضرر ہے، جان جانے کا اندیشہ باقی وموجود اور ضرر شرعًا واجب الدفع ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ [1] عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار فی السلام [2]۔	اسلام میں نہ ضرر ہے نہ کسی کو ضرر دینا۔

پس اگر کچھ لوگ صالحین واہلِ دین میسر ہو سکتے جن کی حمایت میں عورت کا رہنا شرعًا بھی جائز ہو اور وہ اس کی نگہداشت کافی طور پر کر سکیں اور شوہر کو اس کے دین جسم وجاں پر تعدّی نہ کرنے دیں جب تو عورت وہاں اپنے آپ کو سپردِ شوہر کرتی کہ اس میں دونوں کے حق مراعات رہتے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لوقالت انه یضربنی ویوذینی فمرہ ان یسکننی بین قوم صالحین فان علم القاضی ذلك زجره ومنعه عن التعدی فی حقها والایسأل عن صنیعه فان صدقوها منعه عن التعدی فی حقها ولا یترکها ثمه	بحر میں ہے اگر بیوی نے قاضی کو درخواست دی کہ خاوند مجھے مارتا اور اذیّت دیتا ہے تو اس حکم دیجئے کہ مجھے نیک لوگوں میں سکونت دے، اگر قاضی خود اس معاملہ سے آگاہ ہو تو خاوند کو ڈانٹے اور مارنے اور زیادتی سے منع کرے، ورنہ پڑوسیوں سے خاوند کے رویے کے متعلق معلوم کرے اگر وہ بیوی کی تصدیق کریں تو قاضی خاوند کو زیادتی سے منع

[1] القرآن الکریم ۶/۶۵

[2] معجم اوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۹۱/۶

وان لم یکن فی جوارھا من یوثق بہ او کانوا یمیلون الی الزوج امرہ باسکانھا بین قوم صالحین[1]۔	کرے ورنہ اسی مسکن میں رہنے دے، اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی ثقہ آدمی نہ ہو یا پڑوسی خاوند کی طرفداری کریں تو خاوند کو پابند کرے کہ وہ بیوی کو نیک لوگوں میں رہائش دے۔(ت)

مگر غیر لوگوں سے اس زمانے میں نہ ایسی اُمید نہ ایسے لوگ ملیں گے پر نان نفقہ لازم کای جائے لانھا لیست بناشزۃ لان امتناعھا بحق (کیونکہ وُہ نافرمان نہیں کیونکہ اپنے حق کے لئے وُہ خاوند کو جماع سے روکتی ہے۔ت) پھر اگر اُس کے ساتھ خلوت میں اندیشہ ہو تو اس سے منع کریں اور یہی صورت معتبر ہے، اور اگر اب اندیشہ صحیحہ ہو اور بندوبست کافی کی اُمید نہ ہو اور فی الواقع شرابی کا بندوبست ناممکن سا ہے تو حاکم شوہر پر جبر کرے کہ عورت کو طلاق دے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

فَاَمۡسِکُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡسَرِّحُوۡھُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ[2]	ان کو پاس روکے رکھو بھلائی کے ساتھ، یا ان کو فارغ کردو بھلائی کے ساتھ۔(ت)

عورتوں کو تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑدو، جب اچھی طرح رکھنا نہیں تو اچھی طرح چھوڑنا اس پر واجب ہُوا اور ترک واجب گناہ ہے اس گناہ پر حاکم سزا دے سکتا ہے،

کمافی البحر والدروغیرھما ان کل مرتکب معصیۃ لاحد فیھا فیھا التعزیر[3]۔	جیسا کہ بحر میں ہے کہ وُہ گناہ جس پر حد نہ ہو اس پر تعزیر ہوتی ہے۔(ت)

بغیر اس کے بطور خود فسخ نکاح کی صورت ہمارے یہاں مذہب میں نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۷: از موضع گھورنی ڈاک خانہ کرشن گڑھ ضلع ندیا ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فسخ نکاح بہر وجہیکہ بود بلا تفرقہ قاضی شرع وبشرط بنودن قاضی شرع بلاحکم حاکم وقت میتواند شدیانہ، ودریں بلادِما	نکاح کا فسخ جیسے بھی ہو، قاضی کو تفریق کے بغیر اور قاضیِ شرع نہ ہونے کی وجہ سے وقت کے حاکم کے بغیر ہوسکے گا یا نہیں، اور ہمارے ملک

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

که قاضی شرع عدیم الوجود ست حکم حاکم غیر مسلم مناسب تفرقه قاضی میواند شد یانه بتقدیر جواز نیابت اذن اولا بدیست یانه؟	میں شرعی قاضی موجود نہیں تو کیا غیر مسلم حکمران قاضی کے قائم مقام ہو کر نکاح کو فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں اور اگر یہ فسخ کرسکتے ہیں تو کیا نیابت کیلئے ان کو اجازت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

فسخ نکاح بر دو گونه است یکے آنکه حقاً للشرع باشد مقارن ہمچو نکاح زنے برخواہرش یا اصول وفروع ممسوسه یا آنکه حرمت رضاعت داشته باشد الی غیر ذٰلك خواه طاری چوں آنکه رضاع یا مصاہرت بعد نکاح حرمت آرد یا شوہر مرتد شود والعیاذ باللہ تعالٰی درہمچو صور ہیچ حاجت قضا نیست برہریک زن وشوہر واجب ست فسخ کردنش اعظاماً للشریعة واعداماً للمعصیة نص علیه فی الدر المختار وغیره من معتمدات الاسفار، دوم آنکه برائے حق زن باشد چوں خیار بلوغ وعنین وغیرہما اینجا قضائے قاضی شرط ست تنہا زن یا ولی او باد مستبد نتواں شد اگر ولی بے تفریق قاضی جُدا کرده بزنے دیگر دہد حرام باشد زیراکه حق زوج باد متعلق ست وشرع حکم بتفریق نه فرموده است واصل ایں منصب شرع مطہر راست که کارکارِ دین ست پس ایں تفریق نه رسد مگر قاضی راکه نائب	نکاح کا فسخ دو ۲ قسم ہے، ایک شرع کی پاسداری کے لئے، اور یہ شرعی حق کو ابتداء سے عارض ہو، جیسے بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح، یا بیوی کے اصول (ماں، دادی) وغیرہ یا فروع (بیوی کی پہلی بیٹی) کو شہوت سے چھُوا ہو، یا بیوی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو وغیرہ ذالک، یا شرعی حق نکاح کے بعد لاحق ہُوا، مثلاً رضاعت یا مصاہرت کی حرمت نکاح کے بعد عارض ہوئی ہو یا والعیاذ باللہ تعالٰی، خاوند مرتد ہوگیا ہو تو ان تمام صورتوں میں فسخ نکاح کے لئے قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مرد وعورت دونوں پر لازم ہے کہ وُہ فسخ قرار دے کر جدائی اختیار کریں تاکہ شریعت کی تعظیم اور گناہ سے اجتناب کیا جاسکے، اس پر درمختار وغیرہ معتبر کتب میں تصریح کی گئی ہے، فسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بیوی کے حق کی وجہ سے فسخ کیا جائے مثلاً بیوی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار حاصل ہو یا خاوند نامرد ہو وغیرہ، تو اس قسم میں فسخ کے لئے قاضی شرط ہے، بیوی یا اس کے ولی کو مستقل اختیار نہیں کہ وُہ قاضی کے بغیر جُدائی کا فیصلہ کریں، اگر اس صورت میں ولی نے قاضی کے بغیرہ عورت کا دوسرے سے نکاح کردیا تو یہ نکاح حرام ہوگا کیونکہ ابھی پہلے

شرع مطہر است چنانکہ امامت درنماز حق حکام ست فاما شرط اسلام ست، واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند کا حق اس عورت پر باقی ہے، اور شرعًا یہ تفریق نہ ہوگی کیونکہ یہ دینی معاملہ ہے جس میں شرع کو ہی حق ہے، لہٰذا یہ کاروائی قاضی کے بغیر نہ ہوسکے گی۔ کیونکہ وہی شرع کا نائب ہے، جیسا کہ نماز میں حقِ امامت حاکم کو ہی حاصل ہے، ہاں مسلمان ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۸: سائل مذکور الصدر (سائل وہی پہلے مذکور ہے۔ت)

زنے راکہ شوہرش دیوانہ شدہ از سہ چہار سال بہسپتال مقید گردیدہ است میرسد کہ بلاتفرقہ قاضی شرعی یا بلاحکم حاکم فسخِ نکاح خودکند یانہ و بلاانقضائے عدّت فسخ بادیگرے نکاح خود میتواند کردیانہ یا ولی اورا میرسد کہ بطلب اویا بلاطلب او تفریق را و بلاتفرقہ قاضی محج بجہت مجنون شدن شوہر نکاح اوبدیگرے کردہ بدہد یانہ وبوقتِ ضرورت مثلًا خوفِ زناواحتیاج نفقہ وغیرہ عمل بمذہب دیگر یابقول غیر مفتی بہ از اقوال کے از ائمہ حنفیّہ روا باشد یانہ وبشرطِ جواز قول کسے دربارہ جواز فسخ نکاح آں مجنون الزوج رابلا تفرقہ قاضی ہست یانہ، ودرصورت عدم فسخ نکاح حکم ناکح ومنکوحہ و منکح چیست۔	جس عورت کاخاوند دیوانہ ہونے کی وجہ سے تین چار سال ہسپتال میں پابند ہے ایسی عورت کو یہ اختیار ہے کہ وُہ قاضی کی تفریق کے بغیر یا حکمِ حاکم کے بغیر نکاح فسخ کرلے یانہیں ؟اور فسخ کی عدت پوری کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں ؟ یا کیااس کے ولی کو یہ اختیار ہے عورت کے مطالبہ پر یابغیر مطالبہ خود ہی قاضی تفریق کے بغیر صرف خاوند کے مجنون ہونے کی بناپر دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح کردے یانہ ؟ اور کیا بوقت ضرورت مثلًا زنا یا نفقہ کی محتاجی کے خطرہ پر غیر مفتٰی بہ قول کے مطابق حنفی مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل جائز ہوگا یانہیں ؟ اگر جائز ہے تو دوسرے کسی امام کے مذہب پر خاوند کے مجنون ہونے پر قاضی کے بغیر فسخِ نکاح کااختیار ہے یانہیں؟ قاضی کے فسخ کے بغیر عدمِ جواز کی صورت میں نکاح کرانے والے اور نکاح کرنے والے مرد اور عورت کاکیا حکم ہے؟

الجواب:

شوہر اگرمجنون گردد نزد ماہیچ گاہ فسخِ نکاح نتواں شد واگر قاضی شرع مقلد حنفی حکم بفسخ کند نیز باطل ست اذلیس للمقلد ان	خاوند اگر مجنون ہوجائے توکسی طرح بھی ہمارے مذہب حنفی میں نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی حنفی مذہب کامقلد ہوتو اگر وُہ فسخ کرے گاتواس کا

یخالف مذہبہ در صحیح القدوری علامہ قاسم باز و در مختار ست الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1] (ومجتہد خود از صدہا سال مفقود است،آرے اگر قاضی شرعی شافعی المذہب باشد یا حنفی مگر سلطان کہ اورا بر قضا داشتہ است اذن دادہ باشد مثلاً ہنگام ضرورت بقول مرجوح فی المذہب یا بمذہب دیگر قضا کنی آں گاہ قضائے او صحیح و نافذ باشد و پیداست کہ ایں تفریق اگر باشد بخاطر جا گر بے تفریق قاضی شرع ولی بزنے دیگر دہد یا زن خودش بدگرے نکاح کند زنہار جائز نیست ناکح و منکوحہ ہر دو بزہ کار و منکح نیز اگر بریں حال مطلع باشد بوقتِ ضرورت اگر صادقہ باشد عمل بقول مرجوح یا مذہب امام دیگر درآں خاص مسئلہ مبتلا برائے نفس خودش عمل میتواں کرد فاما مفتی را نمی رسد کہ باو فتوی دہد یا قاضی مقلد مقید بالقضا بالمذہب باو حکم تواں کرد و اگر کند باطل شد کما قد مناوکل ذلك مصرح بہ فی الکتب المعتمدة و آنکہ برائے نفس خودش باو عمل کند واجب ست کہ جملہ شرائط آں قول مرعی دارد مثلاً قول امام محمد در تفریق زن مجنون شرط تفریق قاضی کہ بے روبراں قول مرجوح ہم عمل بنا شد بلکہ بہوائے نفس والعیاذ

فسخ باطل ہوگا کیونکہ مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا، قدوری کی تصحیح میں علامہ قاسم نے اور پھر درمختار میں فرمایا کہ فتوٰی اور فیصلہ قولِ مرجوح پر جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے،اور مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے،ہاں اگر شافعی یا حنفی قاضی کو سلطان نے عہدہ پر مقرر کرتے ہوئے یہ اجازت دی ہو کہ وُہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کرسکتا ہے تو اس قاضی کا فیصلہ صحیح ہوگا اور نافذ بھی ہوگا۔اور یہ واضح ہے کہ اگر یہ تفریق ہوگی تو عورت کی خاطر ہوگی،شریعت کے حق کے لئے نہ ہوگی جبکہ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ ایسی صورت میں اگر ولی نے یا خود عورت نے قاضی کی تفریق کے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیا تو ہرگز جائز نہ ہوگا،نکاح کے دونوں فریق اور نکاح کرکے دینے والے زناکاری میں مبتلا ہوں گے بشرطیکہ نکاح پڑھانے والے کو صورتِ حال کا علم ہو،ضرورت اگر صحیح اور واقعی ہو تو پھر مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر مبتلا شخص کو چاہئے کہ وُہ خود عمل کرے لیکن مفتی ہرگز فتوٰی نہیں دے سکتا،اور وُہ قاضی بھی جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہو،وہ بھی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتا اگر فیصلہ کرے گا تو وُہ بھی باطل ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں اور قابلِ اعتماد کُتب میں اس کی تصریح موجود ہے،اور اگر مبتلا شخص خود دوسرے

[1] درمختار مقدمہ کتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مذہب یا مرجوح قول پر عمل کرے تو ضروری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی رعایت کرے، مثلاً امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مجنون کی بیوی کے متعلق تفریق کے جواز کو قاضی سے مشروط کیا ہے اس کے بغیر مرجوح قول پر بھی تفریق جائز نہ ہوگی بلکہ یہ نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از اعظم گڈھ ڈاکخانہ مبارکپور محلّہ پرانی بستی متصل مکان ناظر جی مرسلہ حبیب اللہ ولد بابو ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نابالغی میں نکاح ہُوا اور وُہ بی بی میکے سے اب تک رخصت ہو کر سسرال نہیں گئی عرصہ تین برس کا ہوا کہ شوہر بیمار ہوگیا ہے اور برابر علاج بھی ہورہا ہے مگر کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی اور نہ کوئی حکیم مرض کا پتا بتائے کہ کون سا مرض ہے اب شوہر کی یہ حالت ہے کہ کوئی عضو کام کرنے کے لائق نہیں ہے ہر عضو سے معذور ہے، نہ چل سکتا ہے نہ کھڑا ہوسکتا ہے اور پاخانہ پیشاب سے بالکل معذور ہے اور زبان بھی درست نہیں ہے کہ زبان سے کوئی بات صاف نکلے کہ جو کوئی سمجھ سکے بلکہ پاخانہ پھرتا ہے تو دوسرا آبدست لے دیتا ہے یہی حالت آج تین برس سے ہے اور وُہ باولے کی شکل ہوگیا ہے اپنے کپڑے کا کچھ خیال نہیں کرتا ننگا مادر زاد بھی ہوجاتا ہے اپنا خرچ بھی نہیں چلاسکتا اور نہ عورت کا چلاسکتا اور نہ شوہر کے والدین نے اس عورت کے نان نفقہ کا ابھی تک خیال کیا، لڑکی کے والدین عاجز ہو کر کے آپ کے پاس یہ سوال حبیب اللہ ولد بابو نے روانہ کیا ہے، ان سب حالتوں میں لڑکی کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ سب حالت اور واقعہ سچّا تحریر ہے۔

الجواب:

ان وجوہ سے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن [1]۔	خاوند بیوی سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناپر فسخ کا اختیار نہیں ہے اگر وہ عیب واضح ہو مثلاً جنون، جذام، برص یا عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا اس میں ہڈی یا غدود پیدا ہوگئی ہو۔ (ت)

اس میں ہے:

---

[1] دُرمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ای عن النفقۃ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند اگر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو بھی تفریق جائز نہیں، اگر حنفی قاضی نے ایسا فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۰ تا ۲۵۴: ازم بمبئی پوسٹ ۹ پیر ولین مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب مینیجر طلسمی پریس ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہوئی ۷ سال ہوئے اور اس تمام زمانہ کا خرچہ والدین پر رہا زید کوئی کام کرنا نہیں چاہتا اپنے چھوٹے بھائی کی معمولی آمدنی پر اپنا بار ڈالے ہوئے ہے اسی وجہ سے زید کے والد بھی ناخوش ہیں کہ باوجود ان کے بہت سمجھانے کے بھی کچھ کام نہیں چاہتا، ہندہ کے والد کے انتقال کے بعد زید کو اس کی خوشدامن نے بُلا کر سمجھایا مگر وُہ نہ مانا اور اپنے مکان جا کر یہ خط بھیج دیا بعدہ ہندہ کی والدہ نے انتقال کے بعد ہندہ کے ایک رشتہ دار بھائی نے خط کتابت کی اس لئے کہ حقیقی کوئی بھائی بھی نہیں ہے لہٰذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مندرجہ ذیل عبارات پر فسخ نکاح یا تفویض طلاق کا حکم ہو سکتا ہے یا نہیں اور بفتوائے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بحالت عدم وصولی نان نفقہ کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

(۱) خط خوشدامن کے نام، ماسوا اس کے میں تمہارا کوئی مزاحم نہیں اور نہ میں تمہارے کسی کام میں دخل دے سکتاہُوں مجھے تمہاری خیریت اور خبر کی ضرورت نہیں ہے صرف اپنی لونڈیا کی وجہ سے خط بھیجتا ہوں تمہارے ہر کام کا تم کو اختیار ہے ہم کوئی نہیں ہیں کیوں دخل دیں گے جو تمہارے لوگوں کے مزاج میں آوے وہ کرو، بعد انتقال والدین عمرو رشتہ کے بھائی نے خط بھیجا کہ اب تو خبر گیری کرو اب نہایت نازک وقت ہے، اس کا جواب ذیل ہے۔

(۲) ذرا قرآن اور حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر تصفیہ کیجئے گا کہ مرد پر کون سی عورت کا حق ہے اور کس وجوہات سے عورت نکاح سے باہر ہو جاتی ہے بہت معاملات اور عادات ایسے کہ اگر مرد ان عادات کو عورت کی گوارہ کرے تو جہنمی ہو جائے وہ میری نیک بخت بیوی میں سب موجود ہیں، بعدہ یہ لکھنے پر کہ خبر گیری کرو اور خبر گیری اپنے ذمّہ واجب نہیں سمجھتے تو صاف صاف علیحدگی کے الفاظ لکھ دو اگر کوئی صورت بھی منظور کرتے ہو تو میں یہ رعایت کروں گا کہ بحالت یکجائی اب تک کے حقوق ہندہ سے معاف کرادوں گا اور بحالت علیحدگی مہر بھی، تاکہ عنداللہ بھی آپ ماخوذ نہ ہیں۔

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

(۳)جواب: آپ کاتواب یہ خیال ہے جناب قبلہ خواشدامن صاحبہ نے بعد انتقال خسر صاحب مجھ کو یہاں سے بُلایااور مُجھ سے بجائے اسکے کہ وُہ رکھنے پر مجبور کرتیں یہ کہا کہ تم طلاق دیدو تو بہتر ہے میں خاموش ہورہا اگر میں طرح نہ دے دیتا تو جب ہی معاملہ طے تھا مگر مجھے خالوتوں سے واقفیت ہوگئی اور میں نے پھر وہاں رہ کر انتظار کیا کہ شاید مزاج عالی درست ہوجائے مگر ماشاء اللہ اُس مزاج مبارک نے وہ عروج حاصل کیا کہ ہمیشہ سے چہار چند سوار نگرد کھلایااور خیر مجھے شکایت نہیں ہے میں ایسے نافرمان متکبر لوگوں کی صحبت میں کبھی رہنا پسند نہیں کرتا اس واسطے کہ میں خود بدطینت ہُوں اس وجہ سے بہتر ہے کہ وُہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں میری بھی یہی رائے ہے لیکن یہ لکھ دیجئے کہ زہرہ کا کیا حشر ہوگا یہ فیصلہ آپ کے سر ہے جو آپ کردیں اگر زہرہ کو بھی دے دیں تو آپ کو مرضی، میں تیار ہوں، اگر آپ نہ دیں تو بھی راضی ہوں، بہر حال جو تصفیہ آپ کریں اس خط کے جواب پر آپ جو چاہیں گے میں لکھ دُوں گا (بعدہ، دوسرا خط آیا)

(۴) برائے کرم جواب سے خط ہذاکے مطلع فرمایئے تاکہ جو رائے ہو اس پر عمل درآمد کیا جائے، اس پر عمرو کے یہ کہنے پر کہ زہرہ ابھی صغیر سِن ہے اور تم لوگوں کی صورت سے ناآشنا ایسی حالت میں اس کو علیحدہ کرنا گویا زندہ درگور کرنا ہے، لہٰذا یہ معاملہ آئندہ پر رکھو اور اپنی علیحدگی کی تحریر دوچار دستخط کرکے بھیج دو تمہارے اطمینان کو یہ لکھے دیتے ہیں کو ہندہ کے تمام حقوق بشرطیکہ تم اپنی تحریر ایسی بھیجدو معاف ہیں (اس کو جواب یہ آیا)

(۵) میں یہ نہیں چاہتا کہ فی الحال، زہرہ آپ لوگوں سے علیحدگی کی جائے کیونکہ ابھی وُہ صغیرہ ہے جب تک وہ ہوشیار نہ ہوجائے تب تک میں اس کو وہاں رکھنا پسند رکتا ہوں جس وقت وہ مجھ تک نہ آجائیگی جب تک یہ امر دشوار ہے، فقط۔

الجواب:

پہلا خط خوشدامن کے نام ہے اُس ہیں نہ زوجہ سے خطاب نہ اس کا ذکر۔ اگر خود زوجہ سے کہتا تم کو اختیار ہے اور تفویضِ طلاق چاہتا تو اختیار بھی اُسی مجلس پر موقوف رہتا نہ کہ اب تک مستمر۔ درمختار میں ہے:

قال لها اختاری اوامرك بيدك ينوی تفويض الطلاق فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مالم تقم او تعمل مايقطعه۔[1]	خاوند نے بیوی کو کہا تجھے اختیارہ، یاترا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ الفاظ بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کی نیت سے کہے تو بیوی کو اسی مجلس میں جس میں اس کو اس اختیار کے ملنے کی اطلاع ملی اپنے کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا بشرطیکہ وہ سُن کر وہاں سے

[1] درمختار تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

اٹھ نہ گئی ہو یا ایسا عمل نہ کیا ہو جس سے اس کا اختیار باطل ہوتا ہو۔(ت)

اور "اگر ہم کوئی نہیں" کی جگہ خود زوجہ سے کہتا "نہ تُو میری زوجہ میں نہ میں تیرا شوہر" جب بھی طلاق صاحبین کے نزدیک مطلقاً نہ ہوتی،

وفی جواہر الاخلاطی والخلاصۃ وخزانۃ المفتین ہوالمختار وان نوی[1]۔	جواہر اخلاطی، خلاصہ، خزانۃ المفتین میں ہے کہ اگرچہ نیت کی ہو یہی مختار قول ہے(ت)

اور امام کے نزدیک کی نیت پر موقوف رہتی،

قدمہ فی الخانیۃ واقتصر علیہ فی البدائع والکنز والملتقی وکان ہوالاوجہ۔	خانیہ میں اس کو پہلے ذکر کیا۔ بدائع اور کنز اور ملتقی میں اسی پر اکتفاء کیا، لہٰذا یہی راجح ہے(ت)

درمختار میں ہے:

لست لك بزوج ولست لی بامرأۃ طلاق ان نواہ خلافا لہما[2]۔(ملخصًا)	خاوند نے اگر بیوی کو کہا "میں تیرا خاوند نہیں تُو میری بیوی نہیں" طلاق کی نیت سے کہا تو ہوگی۔ اس میں صاحبین کا قول مخالف ہے(ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قید بالنیۃ لانہ لایقع بدونہا اتفاقا لکونہ من الکنایات واشار الی انہ لایقوم مقامہا دلالۃ الحال لان ذٰلك فیما یصلح جوابا فقط وھو الفاظ لیس ھذا منہا[3]۔	نیّت سے مقید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر نیت طلاق نہ ہوگی بالاتفاق، کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔ اس میں یہ اشارہ دیا کہ دلالتِ حال نیت کے قائم مقام نہیں بن سکتا کیونکہ دلالتِ حال وہاں معتبر ہوتا ہے جہاں وہ فقط جواب بن سکے اور وُہ خاص الفاظ ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

خط دوم میں یہ پوچھا ہے کہ کن وجوہ سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اسے انشائے طلاق سے کُچھ علاقہ نہیں اگرچہ اس کے دل میں یہی کہ ہندہ میں بعض وجوہ ایسی ہوئیں جن کے سبب وہ نکاح سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۹۷

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

باہر ہو گئی کہ طلاق لفظ سے ہوئی ہے دل کا تصور کچھ نہیں، اسی خط میں اس میں اس نے کہا ہے کہ میری بی بی الخ

خط سوم میں فیصلہ دوسرے کے سر رکھا ہے اور یہ کہ جو آپ چاہیں گے میں لکھ دوں گا، یہ ایک وعدہ ہے اور وہ ایک رائے ہے کہ بہتر ہے کہ وُہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں یہ کہ اُسے آزاد کیا۔

خط چہارم میں طلب مشورہ ہے۔

خط پنجم میں جب تک زہرہ نہ مل جائے طلاق دینے سے انکار ہے۔

غرض ان خطوط میں کوئی حرف صورتِ طلاق کا نہیں چارہئ کار معززین کے دباؤ خواہ نالش سے مجبور کرتا ہے کہ نان نفقہ دے یا طلاق، بغیر اس کے کوئی صورتِ خالص نہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی نفقہ نہ دینے پر تفریق نہیں کراتے بلکہ عاجز محتاج ہونے پر جو ادائے نفقہ پر قادر نہ ہو اور اگر ہو بھی تو حنفی کو اپنے امام کا اتباع واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: از رامپور محلّہ گھیر یُوسف الدین خاں دیوار جنوبی انگوری باغ متصل مسجد پاکھر مطب نمبر ۳۴ مسئولہ سید مختار احمد یتیمی ڈاکٹر ۷ اجمادی الاولٰی

ایک مرد مسلمان کا پاک عورت مسلمان کے ساتھ عقدِ شرعی ہُوا، لیکن اب منکوحہ سے شوہر مذکور کوئی تعلق ظاہری و باطنی نہیں رکھتا اور ہر طرح منکوحہ سے بے پرواہ ہے ابتدائے نکاح سے ہنوز کوئی بات تخلیہ شوہریت کا بھی نہیں ہُوا معلوم ہوا کہ شوہر دائرہ مردانیت سے بالکل بعید ہے یعنی نامرد ہے لہٰذا اس قسم سے یا ایسے نامرد سے منکوحہ نکاح جائز ہے یا ناجائز، اس عورت کو کیا عمل کرنے کی ضرورت ہے، اور موافق حدیث شریف کیا حکم ہے؟

الجواب:

نکاح صحیح ہوگیا، عورت بے موت یا طلاق جُدا نہیں ہو سکتی اگرچہ مرد نامرد ہو۔ ہاں چارہ کار حاکمِ شرعی کے یہاں دعوی ہے وہ اس ثبوت لینے کے بعد کہ مرد اس پر قادر نہ ہوا، مرد کو ایک سال کی کامل مہلت دے کہ اپنا علاج کرے، اس سال میں عورت مرد سے جُدا نہ رہے اگر سال گزر جائے، اور اب بھی قادر نہ ہو عورت پھر دعوی کرے اور حاکم پھر ثبوت لینے کے بعد عورت پُوچھے کہ تُو اپنے اس شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے یا اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے، اگر عورت فورًا بلاتاخیر کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، تو حاکم اُن میں تفریق وجُدائی کردے، یہ تفریق طلاق ہوئی، اور اب بعد عدّت عورت دوسرے سے نکاح کرسکے گی ورنہ نہیں، یہ حکم عورت کی جانب ہے، رہا مرد، اُسے حکمِ شریعت ہے کہ جب وُہ عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا تو اُس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے نہ دے گا تو گنہگار و مستحق عذاب

ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس ساکن شیر کوٹ تاجر الموڑہ ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

یہاں کوہِ الموڑہ پر ایک شخص امان اللہ نے اپنی دختر کا نکاح سیّد فضل حسین شاہ باشندہ ٹھاکردوارہ سے دیا، رخصت ہوگئی، سال بھر تک عورت اپنے شوہر کے پاس رہی اور ہم بستری ہوئی، پھر باپ کے یہاں آئی، امان اللہ و سیّد فضل حسین میں کوئی رنجش پیدا ہُوئی، فضل حسین اپنی منکوحہ کو ٹھاکردوارہ لے جانا چاہا، امان اللہ نے لے جانے نہ دیا بلکہ قسم قسم کے تنازع ہوگئے یہاں تک کہ نوبت نالش کی آئی۔ امان اللہ نے جھُوٹا طلاق کا دعوی کیا کہ بوجہ ظہورِ دروغ حاکم نے خارج کردیا۔
ثانیًا مقدمہ اجازت فعل مختاری قائم کیا وُہ بھی خارج ہُوا، بعد ازاں سیّد فضل حسین اپنے مکان پر تھا، یہاں کے تھانہ دار سے کچھ مخاصمت تھی تھانہ دار نے عنادًا سیّد مذکور کو بریلی کے پاگل خانے میں بھیج دیا، اس اثناء میاں امان اللہ موقع پاکر بربناءِ پاگل ہونے کے مقدمہ دائر کرکے حاکم سے اجازت نکاح ثانی کی چاہی، حاکم ہندو نے وجہ پاگل ہونے کی قائم کرکے نکاح ثانی کی اجازت دے دی، امان اللہ نے اجازت سے دس ۱۰ دن بعد نکاح ثانی کردیا جسے اب کئی سال گزرے، جب سیّد فضل حسین رہائی یاب ہُوا تو آکر داد خواہ ہُوا اور مقدمہ دائر کردیا۔ لہٰذا علمائے دین ومفتیانِ شرع متین سے اس صورت میں استفسار مطلوب ہے کہ نکاح ثانی دختر امان اللہ کا بنائے مجنونیت پر جائز ہُوا یا نہیں، اگر ناجائز ہو تو بوجہ مرورِ مدّت چند سال فضل حسین کا دعوی ساقط ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کا یہ نکاح ثانی کہ اس نے زندگیِ شوہر میں بے وقوع طلاق دوسرے شخص سے کرلیا بالاتفاق محض ناجائز مردود ہے اور حاکم کی اجازت باطل ومطرود۔ ہمارے امام مذہب سیّدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جن کے ہم پیرو ہیں اور اُن کے اعظم اصحاب حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذہب پر تو اس بیہودہ نکاح کے عدمِ جواز اور عورت کا اب تک بدستور زوجیّت شوہر اوّل میں ہونا آفتابِ نیمروز سے زیادہ روشن کہ ہمارے امام کے مذہب میں جنون شوہر کے باعث عورت کو ہرگز کسی وقت تفریق کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور یہی مذہب اعظم ارکان مذہب امام ابویوسف کا ہے اور اسی کو بوجوہِ کثیرہ ترجیح حاصل، اسی کو تمام متونِ مذہب مثل کنز و وافی و وقایہ ونقایہ ومختار واصلاح وتنویر وملتقی وغیرہا میں اختیار فرمایا، اسی دلیل کو عامہ شروح معتمدہ مثل ہدایہ وکافی وتبیین واختیار وفتح القدیر وغیرہ میں مرجح کیا، اسی پر اکثر فتاوٰی کا اطباق ہُوا، اسی کو امام اجل قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں

مقدم رکھااور وُہ اسی قول کو مقدم رکھتے ہیں جو راجح ومعتمد ہو،اسی کو علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں تقدیم دی اور وُہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو مؤید ہو،اسی کو خانیہ پھر خزانۃ المفتین میں ہمارامذہب کہاامام علامہ فخر الدین زیلعی نے شرح کنزالدقائق پھر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام نے شرح ہدایہ میں اس عظیم وجلیل تحقیق کے ساتھ ہمارے اس مذہب کی تائید وتوصیف اور قول خلاف کی تضعیف وتزییف فرمائی کہ اصلاً گنجائش کلام باقی نہ رکھی **من شاء فلیشرف بمطالعتھا** (جو چاہے ان کے مطالعہ مشرف ہو۔ت)اور اکثر کتبِ مذہب میں تواس پر ایسا جزم قطعی فرمایا کہ قولِ خلاف کا نام تک نہ لیا،میں یہاں صرف چند کتابوں کی عبارتیں نقل کرتاہوں،[1]وقایہ و[2]نقایہ [3]اصلاح تینوں کتابوں میں ہے :

لایتخیر احدھمابعیب الاٰخر[1]۔	دونوں میں سے کسی کے عیب کی وجہ سے دوسرے کو فسخ کا اختیار نہیں ہے۔(ت)

[4]کنز میں ہے :

لم یتخیر احدھمابعیب[2]۔	ایک کے عیب کی وجہ سے دُوسرا فسخ کو اختیار نہیں کرسکتا۔(ت)

[5]ملتقی الابحر اور اس کی [6]شرح مجمع الانہر میں ہے :

لاخیار لھا ان وجدت (المرأۃ) بہ(ای بالزوج) جنونا[3] الخ۔	بیوی کو اختیار نہ ہوگا اگر وُہ خاوند میں جنون پائے الخ(ت)

اختیار[7]شرح مختار میں ہے :

الحاصل اذا کان باحد الزوجین عیب فلاخیار للاٰخر الافی الجب والعنۃ والخصی[4]۔	اگر زوجین میں سے کسی میں عیب ہوتو دوسرے کے اختیار نہ ہوگا مگر جب شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی ہوتو عورت کا اختیار ہوگا۔(ت)

[8]خزانۃ المفتین و[9]فتاوی امام قاضی میں ہے :

---

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایۃ کتاب الطلاق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۷۱-۷۰

[2] کنز الدقائق باب العنین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶۳

[4] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی العیوب التی یثبت بہ الخیار الخ دارفراس للنشر والتوزیع ۳/۱۱۵

حق الفسخ بسبب العیب عندنا لایثبت فی النکاح فلاترد المرأۃ بعیب ما وان وجدت المرأۃ زوجھا جنوبا وجذاما وبرصا لیس لھا حق الفرقۃ[1] ملخصًا۔	ہمارے نزدیک عیب کی وجہ سے نکاح کے فسخ کا حق نہ ہوگا، لہٰذا بیوی کسی عیب کی وجہ سے رَد نہیں کیا جاسکے گا، اور عورت اگر خاوند میں جنون، جذام یا برص کا مرض پائے تو اس کو جدائی کا حق نہ ہوگا، ملخصًا۔(ت)

تنویرالابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخرولو فاحشا کجنون[2] الخ۔	خاوند اور بیوی سے کسی کے عیب اگرچہ فحش ہو، پر دوسرے کو اختیارِ فسخ نہیں مثلاً جنون الخ (ت)

فقیر کی اس اجمالی تقریر سے واضح ہوگیا کہ ہمارا یہ مذہب کتنی وجوہِ کثیر سے ترجیح رکھتا ہے:

اوّلاً خود یہی کہ وُہ مذہبِ امام ہے اور مذہبِ امام، امام مذاہب جس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔

الّالضرورۃ ضعف دلیلہ اوتعامل بخلافہ کما نصوا علیہ وقد اوضحناہ فی فتاوٰنا۔	مگر ضعفِ دلیل یا تعامل کے خلاف ہونے پر، جیسا کہ فقہا نے اس پر تصریح کی ہے جس کی وضاحت ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔(ت)

ثانیًا یہی امام ابویوسف اعظم ارکان مذہب کا قول ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ارشاد امام اعظم قول امام ابویوسف مرجح ومقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

یأخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقولِ محمد[3] الخ	قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کو اپنائے گا، پھر امام ابویوسف پھر امام محمد کے قول کو الخ۔(ت)

ثالثًا اس پر اجماع متون جن کی جلالتِ شان کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکتی **کما نصوا علیہ قاطبۃ وحققناہ فی کتاب النکاح من فتاوٰنا** (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں کی ہے۔ت)

[1] قاضی خاں فصل الخیارات التی تتعلق بالنکاح نولکشور لکھنؤ ۱/۱۸۷

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

رابعًا نظافر شروحکہ بتصریح علماء فتاوٰی پر مقدم ہیں و سیأتی عن الغمز (غمز سے عنقریب منقول ہوگا۔ت)

خامسًا اس پر جزم واعتماد کرنے والوں کی کثرت۔امداد الفتاح وردالمحتار وعقوالدریہ میں ہے: **القاعدة ان العمل بما علیہ الاکثر**[1] (قاعدہ یہ ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا۔ت)

سادسًا اس کر مرجح ومختار رکھنے والوں کی جلالت وعظمت جن میں مثل برہان الدین صاحب ہدایہ وامام قاضی خاں وامام محقق علی الاطلاق وغیرہم اجلئ ائمہ اعلامہ ہیں، علماء فرماتے ہیں امام قاضی خان کی ترجیح اوروں کی ترجیح پر مقدم ہے اور فرماتے ہیں اُس سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما فی ردالمحتار وغیرہ (جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت)

سابعًا قوّتِ دلیل کہ بعد ملاحظہ تبیین الحقائق وفتح القدیر آفتاب کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

اقول: فثبت بحمد اللہ نقول الحاوی القدسی بقول محمد ھنا بہ ناخذ کما نقلہ عنہ فی الھندیۃ انما ھو کقولہ ایضا لروایۃ شاذۃ عن ابی یوسف مخالفۃ للمذہب المعتمد المجمع علیہ بین المتون والشروح والفتاوی وھی عدم کراھیۃ النفل یوم الجمعۃ عند الاستواء لان النار لاتسعر فیہ ان علیہ الفتوی کما نقلہ فی الاشباہ عن الحلیۃ عن الحاوی **قلت** والمراد ھو ھذا اعنی حاوی القدسی فقد رأیت التصریح بہ فی الحلیۃ قال العلامۃ السید الحموی فی غمز العیون مجرد دعوی الحاوی ان الفتوی علیہ لایقتضی انہ المصحح	**اقول:** (میں کہتا ہوں) الحمد للہ یہ ثابت ہوگیا کہ حاوی قدسی کا یہاں کہنا کہ امام محمد کے قول کو ہم لیں گے، جیسا کہ ہندیہ میں ان سے منقول ہے، تو یہ ایسے ہے جیسے انہوں نے امام ابویوسف سے ایک شاذ روایت جو کہ معتمد مذہب اور تمام متون وشروح وفتاوٰی کے خلاف ہے کہ جمعہ کے روز استواء شمس کے وقت نفل پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ اس دن آگ شعلہ زن نہیں ہوتی، کے متعلق علیہ الفتوی (اس پر فتوی ہے) کہہ دیا، جیسا کہ اس کو اشباہ میں حلیہ سے انہوں نے حاوی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتاہوں) وہاں حاوی سے یہی حاوی قدسی مراد ہے کیونکہ میں نے اس کی تصریح حلیہ میں دیکھی ہے، علامہ سید حموی نے غمز العیون میں فرمایا کہ حاوی کا صرف یہ دعوی کرنا کہ "اس پر فتوی ہے" سے لازم نہیں آتا کہ یہ تصحیح شدہ

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۲/۲۵۶

المعتمد فی المذہب کیف واصحاب المتون قاطبة والشروح ماشون علی قولهما(یعنی الطرفین رضی الله‌عنهما)ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان مافی المنون والشروح مقدم علی مافی الفتاوی[1]اھ۔	ہو اور مذہب معتمد علیہ ہو یہ کیونکر ہوسکتا جبکہ تمام اصحاب متون وشروح، طرفین کے قول پر قائم ہیں،اور اصحابِ متون کی طرف سے یہ التزامی تصریح موجود ہے کہ متون وشروح کا بیان فتوٰی کے بیان پر مقدم ہے اھ (ت)

خیر یہاں تک ہمارے اصلامذہب پر بنائے سخن تھی مگر مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ نکاح مذکور کو روایت خلاف سے بھی اصلاً تعلق نہیں بلکہ وُہ باتفاق ہمارے تمام ائمہ کے محض ناجائز واقع ہُوا۔ میں اگرچہ اسے متعدد دلائل سے ثابت کرسکتا ہوں مگر یہاں صرف چند واضح امور پر اقتصاد کافی، روایت خلاف کاہر گزیہ حکم نہیں کہ جنونِ شوہر میں مطلقاً حاکم فوراً اجازتِ نکاح ثانی دے بلکہ جب جنون پیدا ہوتو لازم کہ روزمرافعہ سے مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دے اگر اس میں اچھا ہوگیا تو اب ہر گز تفریق جائز نہیں،اور نہ اچھاہُوا تو عورت جب تک پھر دعوی نہ کرے حاکم ہر گز حکم نہ دے وُہ بدستور زوج زوجہ رہیں گے ہاں اگراب عورت پھر دوبارہ خواستگاری تفریق کو آئے تو قاضی اسے اختیار دے کہ چاہے تو اپنے نفس کو اختیار کریا شوہر کو،اگر اس نے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کُچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا قاضی سپاہیوں نے اسے اُٹھادیا قاضی فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا تو اب اسے اصلاً اختیار نہ رہا ہمیشہ کے لئے اس کی زوجہ ہے کہ کبھی دعوی تفریق نہیں کرسکتی،اور اگر اسی جلسہ میں اس نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اب قاضی تفریق کردے،یہ تفریق طلاقِ بائن گنی جائے گی،اس کے بعد عورت ایّامِ عدّت پورے کرکے جس سے چاہے نکاح کرلے،اور ضرور ہے کہ عورت درخواست قاضی مصر یا مدینہ کے حضور پیش کرے وُہ سال بھر کی مدّت دے،اس کے سواد ُنیا میں کسی کی تاجیل کی معتبر نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے:

قال محمد ان کان الجنون حادثایؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذالم یبرأ۔اھ[2]	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند کو جنون نیا عارض ہوا تو اس کو نامردی کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی،پھر سال کے بعد بیوی کو فسخ کا اختیار دیاجائیگا بشرطیکہ تندرست ہوا ہو اھ (ت)

[1] غمزعیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر القول احکام الجمعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۲۳۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

اسی میں ہے:

جاءت المرأة الی القاضی بعد مضی الاجل والزوج لم یصل الیها خیرها القاضی فی الفرقة کذا فی شرح الجامع الصغیرلقاضی خان فان اختارت زوجها اوقامت عن مجلسها اواقامها اعوان القاضی اوقام القاضی قبل ان تختار بطل خیارها کذافی المحیط، و هکذا روی عن محمد رحمه الله تعالٰی عنه وعلیه الفتوی کذافی التاتارخانیه ناقلا عن الواقعات، ان اختارات الفرقة امر القاضی ان یطلقها بائنة.فان ابی فرق بینهما هکذا ذکر محمد فی الاصل کذافی التبیین[1] اھملخصا۔	مذکورہ صورت میں عورت سال کے بعد آکر کہے میرا خاوند تندرست نہیں ہُوا، خاوند اس دوران جماع نہ کرسکا ہو تو قاضی بیوی کو اس وقت اختیار دے گا، شرح جامع صغیرہ قاضی خاں میں ایسے ہی ذکر کیا ہے تو قاضی کے اس اختیار پر عورت نے اپنے خاوند کو ترجیح دی یا اس مجلس اختیار سے اُٹھ گئی، یا قاضی کے اہلکاروں نے اسے وہاں سے اٹھادیا یا قاضی عورت کے فیصلہ بتانے سے قبل چلاگیا، تو عورت کا اختیار ختم ہوجائے گا، محیط میں ایسے ہی بیان ہے،اور یونہی امام محمد امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تاتارخانیہ میں واقعات سے یونہی منقول ہے،اور اگر مذکور صورتوں کو خلاف عورت نے خاوند سے فرقت کو ترجیح دی تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم صادر کرے گا،اگر خاوند نے طلاق سے انکار کردیا تو پھر قاضی خود دونوں میں تفریق کردے گا،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں یُوں ذکر فرمایا، جیساکہ تبیین میں ہے اھ ملخصًا(ت)

اُسی میں ہے:

لایکون هذاالتاجیل الاعند قاضی مصر اومدینة فان اجلته المرأة اواجله غیر القاضی لایعتبر ذٰلك کذافی فتاوٰی قاضی خاں۔[2]	یہ مہلت کا حکم قاضیِ شہر کی موجودگی میں دیا جائیگا،اگر خود عورت نے خاوند کو یہ مہلت دی یا کسی غیر قاضی نے دی ہوتو یہ معتبر نہ ہوگی، جیساکہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے(ت)

اُسی میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۳

لاتصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشھادۃ کذافی الھدایۃ من الاسلام والحریۃ و التکلیف[1] الخ۔	قاضی کی دی ہُوئی مہلت بھی تب معتبر ہوگی جب اس قاضی میں تقرری کے تمام شرائط موجود ہوں، وہ شہادت والے شرائط ہیں یعنی اسلام، آزاد ہونا اور مکلّف ہونا الخ (ت)

ظاہر ہے صورت مظہرہ سوال میں شوہر کا جنون نَو پیدا تھا کہ بغرضِ ثبوت ہنوز چار ہی مہینے گزرے تھے تو جوز نکاح ثانی و تحصیل فرقت کا یہ طریقہ ہرگز نہ تھا کہ حاکم اسے نکاح ثانی کی اجازت دے دیتا بلکہ اُس پر فرض تھا کہ ثبوتِ کامل کے کر سال بھی کی مہلت دیتا اُس کے بعد کاروائی مذکور کرتا۔ یہاں نہ سال[۱] کی مہلت دی گئی، نہ بعد[۲] مہلت عورت نے دوبارہ دعوی کیا، نہ بعد[۳] تخییر عورت نے اُسی جلسہ میں اپنے نفس کر اختیار کرنا ظاہر کیا، طرفہ[۴] یہ کہ حاکم سرے سے مسلمان بھی نہیں، ایسی کاروائی اصلاً قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتی، نہ اس کے سبب وُہ زوجیّت شوہر اوّل سے باہر آسکتی ہے، نکاح وطلاق ہم مسلمانوں کے دینی ومذہبی معاملات ہیں جن میں ہماری شریعت تمام احکام کی مراعات بغیر چارہ نہیں، اگر کوئی زنِ شوہر دار کو بے وقوع طلاق وافتراق اجازت نکاح دے دے تو کیا اُسے جائز ہوجائے گا کہ وُہ جس سے چاہے نکاح کرلے، حاشا ہرگز روانہ ہوگا نہ وہ عصمت شوہر سے باہر آئے گی۔ یہاں بعینہٖ یہی صورت واقع ہُوئی، طرہ یہ کہ عورت عدت بھی نہ بیٹھی اجازت سے دس ۱۰ ہی دن بعد نکاح ثانی کرلیا، اس کے حرام ہونے میں کیا شبہہ ہے، ہم ابھی عالمگیری سے نقل کرآئے کہ یہ تفریق بائن ہوتی ہے، اور طلاق میں تین حیض کی عدّت فرض۔

قال اللہ تعالٰی وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍؕ[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدّت والی عورتیں اپنے آپ تین حیض کامل ہونے تک پابند رکھیں (ت)

بالجملہ یہ دوسرا نکاح بالیقین ناجائز، اور ہمارے سب ائمہ کے نزدیک یہ وہی چیز قانون حال میں ازدواج مکرر کہتے ہیں، اور کوئی سفیہ سافیہ گمان نہیں کرسکتا کہ مرورِ مدّت سے زوجیّت زوجل ہوگئی اور ہوگئی اب شوہر کس بناپر دعوی کرسکتا ہے **ولاحول ولاقوّۃ الّاباللہ العلی العظیم**، پس عورت پر واجب حتمی ہے کہ اس حرام سے باز آئے اور اپنے شوہر کے سوا دوسرے سے کنارہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول فی تفسیر معنی الادب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مسئلہ ۲۵۷:　　۲۲ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر پیدائشی عنین یعنی نامرد نکلا چنانچہ ڈاکٹر نے اس کا ملاحظہ کیا اور سند نامرد ہونے کی دے دی دریں صورت نکاح اس کا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے آیا زوجہ شوہر سے محتاج طلاق ہے یا نہیں اور ایسی حالت میں مستحق کسی جزء مہر کی ہوتی ہے یا نہیں اور ڈاکٹری سند ثبوت نامردی کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زوج کا عنین ہونا مانع صحت نکاح نہیں، زوجہ عنین مثل دیگر زنان بے طلاق شوہر سے جُدائی کا اختیار نہیں رکھتی، خلوتِ صحیحہ اگر ہولی تو مہر تمام وکمال پائے گی،

فی التنویر الخلوۃ بلامانع کا لوطء ولو مجبوبا او عنینا او خصیا فی ثبوت النسب وتاکد المہر[1] اھ ملتقطا۔	تنویر میں ہے: خلوت میں مانع نہ ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہوگی اگرچہ خاوند کا ذکر کٹا ہوا ہو، یا نامرد یا خصی ہو، تو یہ خلوت نسب کے ثبوت اور مہر کو لازم کرنے میں وطی کی طرح ہوگی، اھ، ملتقطا (ت)

سندِ ڈاکٹری محض ناکافی و نامعتبر ہے،

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا[2] الاٰیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی وضاحت کو لوالآیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۸ :　　از شہر بریلی محلّہ کوہاڑا پیر مسئولہ نصیر اللہ صاحب　　۷ جمادی الاٰخرہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے شوہر کی ناقابلیت بیان کرتی ہے کہ چھ ۶ برس کا عرصہ شادی کو ہوا اب تک شوہر میں کوئی مردی نہیں۔ مرد کی ایسی حالت اس کے ورثاء کو بھی معلوم ہے مرد خود علاج کراتا رہتا ہے لیکن کوئی علاج مفید نہ ہُوا اب عورت چاہتی ہے میرا عقد دوسرا شخص کے ساتھ ہوجائے مرد کو اس کے خیال سے تعرض نہیں تو ایسے مرد کے ساتھ نکاح جائز ہوا یا نہیں، اور اپنا ارادہ کس طرح پُورا کرے، آیا طلاق دے یا کوئی ضرورت نہیں؟

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

الجواب:

نکاح مذکور جائز و صحیح ہے، عورت کو ہر گز روا نہیں کہ بے طلاق یا فُرقتِ شرعیہ کے دُوسرے سے نکاح کرلے، اگر کرے محض حرام ہوگا۔ مرد جب ہمبستری میں عورت کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے۔

قال اللہ تعالٰی فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡسَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی پاس رکھ لو یا بھلائی کے ساتھ آزاد کردو۔ (ت)

بعد طلاق عورت عدّت بیٹھے اگر مرد خلوت کرچکا ہو اگرچہ اس پر قادر نہ ہُوا ہو۔ اُس کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اب تک خلوت نہ ہُوئی تو بعد طلاق فورًا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

فی الھندیۃ من باب العنین علیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلابھا وان لم یخل بھا فلاعدۃ علیھا[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں "نامرد کے احکام" کے باب میں ہے کہ عورت پر بالاجماع عدّت ہوگی جب خاوند نے خلوت کرلی ہو، اور اگر خلوت نہ پائی ہو تو پھر عورت پر عدّت نہیں ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۹: از محکمہ پیمائش ضلع گورکھپور مرسلہ منشی فرید احمد اہلکار پیشی کرنیل ۹ ربیع الاوّل ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم دس ۱۰ برس کی تھی اور زید پندرہ ۱۵ برس کا کہ ان کے والدین نے برضا و رغبت خود ان کا نکاح کردیا جب مریم بالغہ ہوئی تو اسے ظاہر ہوا کہ شوہر نامرد ہے اس صورت میں وُہ نکاح ہوا یا نہیں، اور مریم بے طلاقِ زید کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور شوہر طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص کیا ہے، دعوی مہر پہنچتا ہے یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نکاح قطعًا صحیح ہے **لصدورھا عن اھلہ فی محلہ** (کیونکہ یہ نکاح اپنے محل میں اپنے اہل سے صادر ہوا ہے۔ ت) اور جب تک زید کی طرف سے طلاق نہ ہو اس کی زوجہ ہے، اور دوسرے سے نکاح ہر گز جائز نہیں، **قال اللہ تعالٰی** وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۴

[3] القرآن الکریم ۴/۲۴

عورتوں سے منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) عقودالدریہ میں ہے:

سئل فی بکر صغیرۃ زوّجھا ابوھا من رجل ودخل بھا ثم بلغت رشیدۃ وادعت بہ عنۃ وطلبت التفریق فما الحکم، الجواب لایفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین[1] الخ	ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ نابالغہ بیٹی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور خاوند نے جماع کرلیا اس کے بعدہ وہ بیٹی بالغ ہوئی تو اس نے عقل وفہم کے باوجود خاوند کے نامرد ہونے کا دعوٰی کیا جس میں اس نے تفریق (فسخِ نکاح) کا مطالبہ کیا تو ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے، توجواب دیا کہ لڑکی کے محض اس دعوٰی پر کہ خاوند نامرد ہے تفریق نہ ہوگی الخ (ت)

البتہ جب زید نے غیر قادر اور اس کے ادائے حق سے قاصر ہے تو اس پر بنص قطعی قرآن طلاق دینا واجب، اگر یونہی رکھ چھوڑے گا گنہگار ہوگا۔

قال تعالٰی فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ‌ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔(ت)

پس اگر وہ طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص یہ ہے کہ مریم وزید کسی عالم دین فقیہ متین کو پنچ کریں،

فی الفتاوٰی الخیریۃ للعلامۃ خیرالدین الرملی، سئل فی العنین اذاجعل بینہ وبین زوجۃ محکمین فاجلوہ سنۃ ومضت، ھل لھم ان یفرقوا بینھما اذاطلبت ام لااجاب نعم یصح التحکیم فی مسئلۃ العنین لانہ لیس یحدو لقودولایۃ علی العاقلۃ ولھم ان یفرقو بطلب الزوجۃ، واللہ اعلم[3] اھ قلت وھذا نص یقدم علی استظھار	فتاوٰی خیریہ میں ہے مصنف خیرالدین رملی سے سوال کیا گیا نامرد ہونے کے دعوٰی پر خاوند اور بیوی کے معاملہ میں ثالث بنایا جائے اور وُہ ثالثی والے حضرات خاوند کو ایک سال کی مہلت دیں اور مہلت ختم ہوجائے تو کیا ثالث حضرات اس پر تفریق کا فیصلہ کرسکتے ہیں یا نہیں، توانہوں نے جواب دیا کہ ہاں کرسکتے ہیں کیونکہ یہ نامرد ہے، حد یا قصاص یا عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہیں ہے اس لئے ثالث حضرات کو بیوی کے

[1] عقودالدریہ باب العنین حاجی الغفار وپسران قندھار افغانستان ۳۲/۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[3] فتاوٰی خیریہ باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۱۶/۲

مطالبہ پر یہ تفریق جائز ہے، واللہ اعلم اھ العلامۃ امین الدین ابن عابدین اما بالتامل مع ان ما استظھر بہ لایفیدہ کما اوضحنا فیما علقناہ علیہ فتبصر۔	قلت (میں کہتا ہوں) ی فقہی نص ہے جو علامہ ابن عابدین کی رائے پر مقدم ہے لیکن بغور معلوم ہورہا ہے کہ ان کی رائے ان کو خود مفید نہیں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں واضح کیا ہے، تو غور چاہئے۔ (ت)

ہندہ اگر اس کے حضور دعوی کرے حکم زید سے جواب لے اگر اپنی نامردی اور مریم پر قدرت نہ پانے کا مقر ہو اسے آج سے سال بھر کامل کی مہلت دے اور منکر ہو تو عورت ثقہ نمازی پرہیزگار مریم کو دیکھے جب وُہ شہادت دے کہ واقعی مریم ہنوز بکر ہے تو زید کو سال بھر کی مہلت دی جائے اگر وُہ دن ختم ماہ قمری ہو تو سال کے بارہ[12] مہینے تیرہ[13] ہلالوں سے لئے جائیں ورنہ تین سوساٹھ[360] دن شمار کرلیں اور اس مدّت میں جتنے دنوں مریم باختیارِ خود زید کے مسکن میں نہ رہے یا اُسے خواہ زید کو ایسا مرض ہو جس میں مجامعت نہ ہوسکے وُہ دن شمار میں نہ آئیں گے اور اگر زید ہی اُسے نہ رکھے یا اُس کے پاس نہ آئے تو کُچھ مجرا نہ پائے گا یُوں ہی ایامِ حیض بھی مجرا نہ ہونگے، جب اس طرح سال گزر جائے اور زید مریم پر قدرت نہ پائے مریم پھر حکم کے پاس تفریق وازالہ نکاح کا دعوی کرے حکم پھر زید سے وجواب لے اگر معترف ہو یا بحالت انکار پھر کسی عورت معتمدہ نمازی متقیہ کی شہادت معاینہ سے ثابت ہو کہ اب بھی مریم بدستور بکر ہے تو حکم مریم سے پوچھے تو زید کو اختیار کرتی ہے یا اپنے نفس کو اگر کہے زید کو یا بغیر کُچھ کہے چلی جائے یا کھڑی ہوجائے یا اٹھادی جائے یا حکم اٹھ کھڑا ہو تو اب اس کا دعوی باطل اور نکاح لازم ہوگیا اور اگر اسی جلسہ میں کہہ دے میں اپنے نفس کو اختیار کیا تو حکم زید کو حکم دے کہ اُسے طلاق دے کہ بحکم شرع تجھ پر طلاق دینی واجب ہے اگر دیدے فبہا ورنہ حکم کہہ دے میں تم دونوں میں تفریق کردی فوراً مریم اس کے نکاح سے نکل جائے گی جس سے چاہے نکاح کرلے، پس اگر زید و مریم میں خلوت ہوچکی تو مریم پر عدّت اور زید کے ذمّہ پُورا مہر ورنہ عدّت نہیں اور آدھا مہر،

فی تنویر الابصار والدر المختار وردالمحتار لو وجدتہ عنینا اجل سنۃ قمریۃ بالاھلۃ علی المذہب ولو اجل فی اثناء الشھر فبالایام اجماعا (کل شھر ثلثون یوما) ورمضان وایّام	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کو نامرد پائے تو خاوند کو ایک سال کی قمری مہینوں کے حساب سے مہلت دی جائے گی، جیسا کہ مذہب میں ہے، اور اگر مہینہ کے درمیان مہلت دی گئی تو پھر بالاجماع دنوں کی گنتی بحساب ہر ماہ تیس دن مہلت شمار ہوگی، اور ماہِ رمضان اور

حیضها منها وکذاحجه وغیبته لامدة حجها وغیبتهاومرضه ومرضا ویوجل من وقت الخصومة فان وطیٔ مرة فبها والابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها یتعلق بالجمیع(ای جمیع الافعال وهی فرق واجل وبانت)ولوادعی وانکرته فقالت امرأة ثقة والثنتان احوط هی بکر خیرت فی مجلسها(ای یخیرها القاضی)وان اختارته بطل حقها کما لو وجد منها دلیل اعراض بان قامت من مجلسها واقامها اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار شیئا به یفتی لامکانه مع القیام [1] اھ ملتقطا۔	عورت کے حیض کے دن مہلت میں شمار ہوں گے، اور یُوں ہی خاوند کے حج اور غیر حاضری کے ایّام مہلت میں شمار نہ ہوں گے، اور مہلت کا شمار دعوی پیش ہونے کے وقت سے ہوگا، اس دورانِ مہلت اگر خاوندی نے بیوی سے ایک مرتبہ جماع کرلیا تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے بیوی بائنہ ہوجائے گی اگرچہ خاوند طلاق دینے سے انکار کردے یہ کاروائی بیوی کے مطالبہ پر ہوگی، عورت کے مطالبہ کا تعلق، تفریق، مہلت اور اس کے بائنہ ہونے تمام امور سے ہے، اگر مہلت کے دوران خاوند وطیٔ کرنے کا مدعی ہواور بیوی انکار کرتی ہو تو پھر ثقہ ایک عورت یا دو ۲ عورتوں نے کہہ دیا کہ بیوی تاحال باکرہ ہے تو بیوی کو اسی مجلس میں اختیار ہوگا، اور یہ اختیار قاضی دے گا، اگر بیوی نے اس موقعہ پر خاوند کو اپنایا تو بیوی کا اختیار ختم ہوجائیگا جس طرح مجلسِ اختیار میں بیوی خاوند سے جدائی کو ناپسند کرتے ہوئے اٹھ جائے یا قاضی کے عملہ نے بیوی کو اٹھادیا، یا قاضی خود اٹھ کر چلاگیا اور بیوی نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا تو ان تمام صورتوں میں بیوی کا اختیار باطل ہوجائے گا، اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ بیوی کے اُٹھ جانے میں یہ امکان موجود ہے اھ ملتقطا (ت)

عالمگیری میں ہے:

ان اختارت الفرقة امر القاضی ان یطلقها بائنة فان ابی فرق بینهما هکذا ذکر محمد رحمه اللہ تعالٰی فی الاصل کذا فی التبیین	اگر بیوی نے فرقت کو پسند کیا تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم دے گا، اگر خاوند انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں یونہی فرمایا ہے، جیسا

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴، ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۵

والفرقة تطليقه بائنة كذافى الكافى ولها المهر كاملا وعليها العدة بالاجماع ان كان الزوج قدخلا بها وان لم يدخل بها فلاعدة عليها ولها نصف المهر ان كان مسمّى والمتعة ان لم يكن مسمى كذا فى البدائع اھ[1]۔	کہ تبیین میں مذکور ہے،اور قاضی کی تفریق بائنہ طلاق قرار پائے گی جیسا کہ کافی میں مذکور ہے۔بیوی کے لئے کامل مہر ہوگا اور اس پر بالاجماع عدت لازم ہوگی بشرطیکہ خاوند نے خلوت پالی ہو،اور اگر اس نے خلوت بیوی سے نہ کی ہو تو عدت نہ ہوگی اور مہر بھی نصف ہوگا،اور اگر مہر مقررہ نہ تھا تو اس صورت میں صرف (متعہ) جوڑا دیا جائے گا، جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے اھ (ت)

اصل حکم یہ ہے پھر زید براہِ شرارت واضرار زوجہ کسی کو پنچ کرنے پر راضی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ اس شہر میں جو عالمِ دین وہاں کے سب اہلِ علم فقہ وعلوم دینیہ میں زائد ہو مریم اُس کے یہاں بطورِ خود دعوی مذکور کرے عالم موصوف زید کو بلا کرکاروائی بروجہ مذکور کرے۔

فان اعلم البلد لایحتاج فی زماننا فی امثال هذاالی التحکیم کما نص علیه المولی الفاضل سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة عن الامام العتابی وعن السید السمهودی ثم عن المناوی رحمهم اللّٰہ تعالٰی علیهم اجمعین۔	کیونکہ علاقہ کا بڑا عالم ہمارے زمانہ میں کسی پنچایت کا پابند نہیں یعنی ثالثی کا محتاج نہیں، جیسا کہ فاضل محترم مولانا عبد الغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس پر تصریح فرماتے ہوئے امام عتابی اور سیّد سمہودی اور پھر علّامہ مناوی رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے۔(ت)

پھر اگر زید کو آنے میں بھی انکار ہو تو عالم ممدوح خود اس کے پاس تکلیف کرے،

فی الهندیة یذهب بنفسه اویبعث من یحضره ورسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیهم فعل کلا النوعین[2] اھ ملخصًا۔	ہندیہ میں ہے خود جائے یا کسی کو بھیج کر طلب کرے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دونوں طریقے اپنائے ہیں اھ ملخصًا (ت)

اور غالبًا ہنوز حکم مسئلہ سے ناواقفی کے باعث اسے عالم موصوف سے ملنے اور گفتگو کرنے میں باک نہ ہوگا بس صرف اتنا اس سے دریافت کرلے کہ مریم تیری نامردی کی شاکی ہے آیا واقعی ایسا ہی نہیں اگر اقرار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵

کرے سال بھر کی مہلت دے داور بحالتِ انکار زنانِ ثقات کو دکھا کر بقائے بکارت کا ثبوت لے کر زید کو مہلت ایک سال کی اطلاع کو دے جب بعد مرورمدّت عورت پھر جُدائی چاہے عالم دوبارہ زید کے پاس جائے، بن پڑے توکاروائی مذکور کرے مگر جب زید کوخواہی نخواہی ایذاوضررِ مریم ہی منظور ہے تو بعد سماع مہلت عجب نہیں کہ دوبارہ عالم سے نہ ملے کہ آخر جبر شرعی کی طرف تو کوئی راہ ہی نہیں، اگر ایسی صورت واقع ہو تو مریم اس بار دوم کی کاروائی میں اپنے آپ کو اعانت عالم سے غنی سمجھے اور صرف اُس قدر امداد پر جو اوّل بار بحکم عالم نامردیِ زید ثابت ہو کر مہلت یکساں دی گئی تھی قناعت کرے اب کہ زید عالم سے نہ ملے اور کاروائی آئندہ نہ ہونے دے ہندہ خود کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور زید کے نکاح سے باہر آئی مذہبِ صاحبین پر اس قدر بھی کافی ہو جائے گا اور مریم اس کے ظلم سے نجات پائے گی،

فی ردالمحتار تحت قولہ والابانت بالتفریق من القاضی وقیل یکفی اختیارھا نفسھا ولایحتاج الی القضاء کخیار العتق قیل وھو الاصح کذا فی غایۃ البیان وجعل فی المجمع الاوّل قول الامام والثانی قولھما نھر .وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ظاہر الروایۃ ثم قال وزکر فی بعض المواضع ان ماذکر فی ظاہر الروایۃ قولھما[1] انتھی۔	ردالمحتار میں ماتن کے قول (ورنہ قاضی کی تفریق سے بائنہ ہوجائے گا) کے تحت بیان کیا کہ بعض نے کہا قاضی کی تفریق کے بجائے بیوی خود اپنے کو علیحدہ قرار دے تو کافی ہے اور قاضی کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عتق میں خیار کی صورت میں عورت کو خودکاروائی کا اختیار ہے، بعض نے اس قول کو اصح قرار دیا، جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے۔اور مجمع میں پہلے قول (قاضی کی تفریق) کو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول اور دوسرے کو صاحبین کا قول قرار دیا ہے، نہر۔اور بدائع میں مختصر الطحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ دُوسرا قول ظاہر روایۃ ہے، اور پھر کہا کہ بعض مواقع میں ظاہر روایۃ صاحبین کا قول ہے، اھ۔(ت)
اقول: وقد نص علمائنا ان تقلید الغیر یجوز فی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ہمارے علماء نے نص فرمائی ہے کہ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۹۵/۲

مواقع الضرورۃ قال اللہ تعالٰی مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ[1] فماظنك بالعمل بقول صاحبی الامام المثبت فی ظاہر الروایۃ المذیل بترجیح مافقد صرحوا انه لیس فی المذہب قول لاحد غیر الامام الھمام رضی اللہ تعالٰی عنہ، وامّامایُنسب الی الصاحبین او الی احدھما فما ھو الارواية عنه مال الیھا بعض الاصحاب، فنسبت الیه کما اقسم علیه الاصحاب بایمان غلاظ شداد کما ذکرہ فی ردالمحتار و غیرہا من الاسفار واللہ یحب التیسر ولایرضی بالظلم ولاضرر ولاضرار فی الاسلام[2] والیه المشتکی من احوال الزمان، واللہ تعالٰی اعلم۔	کے علاوہ کی تقلید بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں فرمائی۔" توامام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کے قول پر عمل کے بارے میں تجھے کیا تردّد ہوسکتا جبکہ وُہ قول ظاہر الروایۃ کے ضمن میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے، فقہاء میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے، فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مذہب میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے ماسوا کوئی قول نہیں اور جو صاحبین یا ان میں کسی ایک کی طرف منسوب ہے تو وُہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قول ہے جوان سے مروی ہوتا ہے اور بعض شاگرد اس قول کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ اس کو آپ کے شاگردوں نے شدید قسموں کے ذریعے ذکر فرمایا ہے کہ جیسا کہ اس کو ردالمحتار وغیرہ کتب میں بیان کیا ہے، اور اللہ تعالٰی آسانی پیدا کرنے کو پسند فرماتا ہے اور ظلم اور ضرر کو اسلام میں پسند نہیں فرماتا، اور اس کے دربار میں ہی زمانہ کے احوال کی شکایت ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰: ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامرد ہے اُس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اب وہ مقدمہ جھوٹا بنا کر کچہری چڑھتا ہے کہ ہم نے طلاق نہیں دی ہے کچہری سے حکم ہوا ڈاکٹر معاینہ کرے اس کا ملاحظہ بھی ہُوا وہ نامرد ہے دوچار شخصوں نے اس کو چڑھا کر نالش کردی ہے، اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب طلاق دے دی اور عدّت گزر گئی طلاق بائن تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی اور وُہ جھوٹی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/۷۸

[2] المعجم الکبیر حدیث مکتبہ المعارف الریاض ۶/۹۱

نالش کرنے سے سخت گنہگار ہُوا، اور اگر طلاق رجعی تھی اور عدّت کے اندر رجعت کرلی تو عورت اُس کے نکاح میں ہے اور نالش میں وُہ گنہگار نہ ہُوا اگرچہ طلاق نہ دی کہنا نہ چاہئے تھا، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۱: ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع بلارعایت کسی کے مسائل مفصلہ ذیل میں، ایک عورت جوان تیس ۳۰ سالہ کہ جس کا خاوند مدّت دراز سے مجنون ہے اور اس کا علاج بھی ہر قسم سے کرایا گیا مگر کچھ افاقہ نہ ہُوا، م اور اس شخص کا جنون حد کو پہنچ گیا کہ جس کو فقہ والے جنون مطبق کہتے ہیں، اور نیز اس مجنون کے پاس کچھ مال واسباب بھی نہیں ہے جس سے اس عورت کے نان ونفقہ کا انتظام ہوسکے، ایسے مجنون کی زوجہ کو ائمہ ثلٰثہ سے کسی امام کے نزدیک خیارِ تفریق ہے یا نہیں اور مسئلہ میں خیار تفریق کس امام کے قول پر فتوی ہے۔ اگر ضرورت کے وقت مسئلہ شرعی میں دوسرے امام کے قول پر فتوی دیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مثلاً شرح وقایہ وہدایہ وشامی وغیرہ میں اکثر مسائل کے اندر صاحبین کے قول کی ترجیح، امام کے قول پر ثابت کرتے ہیں، اور کتب فتاوٰی مثلاً عالمگیریہ وقاضی خاں وغیرہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دیتے ہیں، آیا یہ بات جائز ہے یا نہیں۔ جن مسائل میں قاضی وحاکم حکم وغیرہ نہیں ہے چنانچہ آج کل عملداری نصارٰی کی ہے تو اس صورت میں مفتی کا فتوی قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں، جواب مسئلہ صاف صاف معہ حوالہ کتب کے مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے ہرگز تفریق نہیں ہوسکتی۔ درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون[1] الخ	خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناء پر اگرچہ وہ عیب جنون کی طرح واضح ہو، فسخ کا اختیار نہیں الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وقد تکفل فی الفتح بردما استدل بہ الائمۃ الثلثۃ و محمد بما لامزید علیہ[2]۔	فتح میں ائمہ ثلثہ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کے مؤقف کا خوب رَد کیا جس سے زائد کی گنجائش نہیں ہے (ت)

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴
[2] ردالمحتار باب العنین داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۷

ہمارے علماء سے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جانبِ خیار گئے اور حاوی قدسی میں حسبِ عادت برخلاف عامہ متون وشروح وفتاوٰی اس کی نسبت "بہ ناخذ" (ہمارا اخذ مختار ہے۔ت) بھی لکھ دیا جیساکہ اُس سے عالمگیریہ میں منقول ہُوا۔ فقیر کے فتاوٰی میں بتفصیل تام واضح کر دیا گیا ہے کہ ماخوذ ومختار، معتمد و واجب التعویل مذہبِ مہذّب سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے :

وان قول الحاوی لخلافه، به ناخذ، قد خالف فيه المذہب وجمهور ائمة المذہب والدليل ايضا فان الدليل مع الامام فلا يلتفت الى خلافه۔	حاوی کا امام صاحب کے قول کے خلاف پر بہ ناخذ (ہماری یہی مختار ہے) کہنا، یہ مذہب اور جمہور ائمہ مذہب کے خلاف ہے جبکہ دلیل بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی ہی قوی ہے اس لئے اس کے خلاف کی طرف التفات کی ضرورت نہیں۔(ت)

بانیہمہ اگر جنون حادث ہے پیش از نکاح شوہر مجنون نہ تھا بعد کو پیدا ہُوا اور حالتِ ضرورت بلا مکر وفریب وپیروی نفس سچی سچی واقعی متحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن۔

فقد اجاز والتحقق الضرورة الصحيحة تقليد الغير بشرائط فهذا اولى بالجواز اذ ليس بحمد الله في المذہب قول خارج عن اقوال الامام كما نص عليه العلماء الكرام وذكره اصحاب امامنا رضى الله تعالٰى عنه وعنهم بغلاظ الايمان وشد اد الاقسام لاسيما وقد ذيل لما هو اكد الفاظ الافتاء۔	فقہاء کرام نے صحیح ضرورت کی بناء پر دیگر ائمہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے تو یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی بطریقِ اُولٰی اتباع جائز ہو گی کیونکہ بحمدہٖ تعالٰی مذہب کا کوئی قول امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے خارج نہیں ہے جیساکہ اس پر علماء کرام نے نص کی ہے اورا اس چیز کو ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے شاگردوں نے غلیظ حلفوں اور شدید قسموں کے ذریعہ بیان کیا ہے خصوصًا جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے ذیل میں فتوٰی کے پُرتاکید الفاظ کو ذکر کیا گیا ہو۔(ت)

مگر قول امام محمد یہ نہیں کہ شوہر کو جنون ہوجائے تو عورت بطورِ خود اس سے فرقت کرکے دوسرے سے نکاح کرلے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں،

لان فيه خلافا عظيما شديدا قويا بل اجل واقوى فلا يترجح هذا الجانب الا بالقضاء كما فى العنة بل	کیونکہ اس میں عظیم، قوی اور شدید بلکہ بہت بڑا قوی خلاف ہے، اس لئے اس پہلو کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ترجیح نہیں ہوسکتی، جیساکہ مسئلہ

اولی کمالایخفی۔	عنین (نامرد) بلکہ اس سے بھی اولٰی تر، جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکم شرعی کے حضور دعوٰی کرے وہ ثبوتِ جنون لے کر روزِ نالش ایک سال کامل کی مہلت دے، اگر اس مدّت میں شوہر اچھا ہوگیا **فبہا**، اور اگر اچھا نہ ہوا اور عورت نے بعد انقضائے سال پھر دعوٰی نہ کیا تو وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وُہ عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا کسی نے اسے اٹھادیا یا حاکم خود اٹھ کھڑا ہوا تو اب عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی، اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اب حاکم تفریق کردے گا اس روز سے عورت طلاق کی عدّت بیٹھے بعدہ، جس سے چاہے نکاح کرے، یہ اس صورت میں ہے کہ جنون ثابت ہُوا اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہُوا، اور اگر حاکم کو ثابت ہوجائے کہ واقعی مدتہائے دراز گزر گئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا جنون اس کا مطبق یعنی ملازم وممتد ہے تو اب سال کی مہلت نہ دے گا بلکہ فی الفور عورت کا اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو (عــــہ بیان ہُوئے) ہندیہ میں ہے:

اذاکان بالزوج جنون او برص او جذام فلاخیار لہا کذا فی الکافی قال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذالم یبرأ وان کان مطبقا فھو کالجب وبہ ناخذ کذافی الحاوی القدسی[1]۔	جب خاوند میں جنون، برص یا جذام جیسی امراض کا عیب ہو تو بھی بیوی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ کافی میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند کو نکاح کے بعد جنون لاحق ہُوا تو نامرد کی طرح اس کو بھی قاضی ایک سال کی مہلت دے گا، پھر سال کے بعد تندرست نہ ہونے پر عورت کو نکاح کے فسخ کا اختیار دیا جائے گا، اور اگر جنون شروع سے چلا آرہا ہو تو اس کا حکم ذکر کٹے کی طرح ہوگا، اور اسی پر ہمارا عمل ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

عــــہ: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

بہر حال یہ تفریق بے حکم شرع نہیں، جہاں قاضیِ شرع نہ ہو وہاں جو عالمِ دین سچا تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہوایسے امور میں حاکمِ شرعی ہے:

کما نص علیه فی الحدیقة الندیة عن فتاوی الامام العتابی رحمة الله تعالٰی علیه۔	جیسا کہ اس پر فتاوٰی امام عتابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حدیقۃ الندیہ میں نص کی گئی ہے (ت)

مگر یہ لحاظ لازم ہے کہ ایسا فیصلہ اس کے لئے کسی قانونی دقّت کا موجب نہ ہو ورنہ عالم اس سے ضرور احتراز کرے اور یہ لوگ رامپور وغیرہ ریاست اسلامیہ میں چارہ جوئی کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۲: از بہیڑی ۳ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح اس کے باپ نے زید کے ساتھ کیا اب کئی سال گزرے رخصت بھی ہوگئی مگر زید نامرد نکلا ہندہ اس کے پاس بدقت تمام کچھ دنوں تک رہی، ہر چند زید سے کہا جاتا ہے طلاق بھی نہیں دیتا اس وقت میں ہندہ کے واسطے چارہ کار کیا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید نے ہندہ پر قدرت نہ پائی اور اس کے ادائے حق واجب میں قاصر رہا تو اس پر شرعًا فرض ہے کہ ہندہ کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار رہے گا۔

قال الله تعالٰی فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک طلاق یا دو ۲ طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ اس کو آزادی دے دی۔ (ت)

اگر زید خداناترسی کرکے طلاق نہیں دیتا تو اس کی تدبیر شرع مطہر میں یہ ہے کہ ہندہ حاکمِ شرع کے حضور دعوٰی کرے، حاکم زید سے جواب لے، اگر وُہ ہندہ پر اپنے قادر نہ ہونے کا اقرار کرلے فبہا ورنہ حاکم کسی عورت مسلمان نیک پارسا ثقہ معتمدہ ہوشیار کو دکھا کر شہادت لے کہ ہندہ دوشیزہ ہے، بعدہ، زید کو ایک سال کامل کی مہلت دے، اس سال میں زید ہندہ پر قاسر ہوجائے تو بہتر ورنہ عورت پھر دعوٰی کرے اور تفریق چاہے، اب پھر اگر زید خواہ شہادتِ یک عورت مسلمہ ثقہ سے ہندہ کی دوشیزگی ثابت ہو تو حاکم عورت سے دریافت کرے کہ اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو، اگر عورت شوہر کو اختیار کرے، یا اپنے نفس کے اختیار میں تاخیر کرے کہ مجلس بدل جائے تو اب اس کا دعوٰی بالکل ساقط ہوجائے گا، لہٰذا اسی جلسہ میں

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

فوراً اپنے نفس کو اختیار کرلے اس وقت حاکم زید کو حکم دے وُہ اگر مان لے بہتر ورنہ حاکم خود اُن میں تفریق کاحکم کردے، یہ تفریق طلاق بائن ہوجائے گی، بعد مرور عدّت ہندہ کو اختیار ملے گا جس سے چاہے نکاح کرلے،

فی الدر المختار لووجدته عنینا اجل سنة قمریة فان وطئ مرة فبھا والا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقھا بطلبھا[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے اگر بیوی خاوند کو نامرد پائے تو قمری مہینوں کے حساب سے سال بھر کی خاوند کو مہلت دی جائے گی، اگر اس دوران میں ایک مرتبہ وطی کرلے تو بہتر، ورنہ عورت کے مطالبہ پر قاضی کی تفریق سے بیوی کو بائنہ طلاق ہوگی، اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے اھ ملخصًا۔(ت)

یہ ساری کارروائی قاضی شرع کے حضور جسے حاکمِ اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا ہو، فی الدر لاعبرة بتاجیل غیر قاضی البلدة[2] (درمختار میں ہے کہ شہر کے قاضی کے علاوہ کسی اور کی مہلت کا اعتبار نہیں ہے۔ت) اگر اُن کے شہر میں کوئی ایسا قاضی نہ ہو تو زید وہندہ کسی ذی علم کو پنچ مقرر کریں اس کے یہاں یہ کاروائیاں ہوں،

فی الخیریة یصح التحکیم فی مسئلة العنین لانه لیس بحد ولاقود ولادیة علی العاقلة ولھم ان یفرقوا بطلب الزوجة[3]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں ثالثی فیصلہ جائز ہے کیونکہ یہ حد، قصاص یا عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، تو ثالث حضرات کو بیوی کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے۔(ت)

اگر زید کسی کو پنچ بنانے پر راضی نہ ہو تو ہندہ رامپور وغیرہ بلاد اسلامیہ میں جاکر قاضی شرع کے یہاں دعوٰی کرے جس کی قضاء کو والیٔ اسلام نے اس کے خاص اس شہر والوں سے مخصوص نہ کردیا ہو،

فان القضاء یقبل التخصیص بالزمان والمکان کمافی الاشباہ وغیرہا۔	کیونکہ قضاء زمانہ اور مکان کے لئے مخصوص ہوسکتی ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

وہ احکام مذکورہ پر عملدرآمد کرے۔

فی بحر الرائق وردالمحتار وغیرہما من	بحرالرائق، ردالمحتار وغیرہما کتب میں ہے کہ

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[2] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

[3] فتاوٰی خیریہ باب التحکم دارالمعرفة بیروت ۲/۱۶

الاسفار ولایشترط ان یکون المتداعیان عن بلد القاضی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	دعوی کرنے والوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قاضی کے شہر کے ہوں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۳: ازبریلی محلّہ باغ احمد علی خاں متصل بانس منڈی مسئولہ اسحٰق احمد صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نصیبن کا نکاح زید کے ساتھ ہُوا، زید نامرد ہے اور نصیبن خانہ زوج میں بخوشی اپنی موجود تھی مگر والدین نصیبن مذکور چاہتے ہیں کہ مسمّاۃ مذکور اس سے علیحدہ کرلی جائے، زید سے طلاق لینا واجب ہے یانہیں، نصیبن کے نکاح کو عرصہ ڈھائی برس کا ہوا شروع نکاح میں صرف تین مرتبہ ہمبستری کا اتفاق ہُوا ازاں بعد نامرد ہوگیا اب نصیبن مذکور ناخوش ہے بنائے ناخوشی یہ ہے کہ زید کے باپ نے ایک مکان وقتِ نکاح اس کے نام کردیا تھا اب جبرًا واپس لے لیا اور رجسٹری کرالی۔

الجواب:

طلاق لیناواجب نہیں، نہ اب بربنائے نامردی دعوی ہوسکتا ہے کہ ایک بار چھوڑ تین بار ہمبستری کرچکا ہے، ہاں اگرزید جانتا ہے کہ وُہ اس کے ادائے حق سے قاصر ہے توعنداللہ اُس پر لازم ہے کہ اُسے طلاق دے دے جبکہ وُہ اپنا حق جماع چھوڑنے پر راضی نہ ہو،

قال تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ روک رکھو یا اسے نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۴: ازبریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ امانت علی صاحب ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دو۲ جگہ اپنے نکاح کا پیام بھیجالڑکی والوں کو تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ یہ شخص نامرد ہے تیسری جگہ دھوکہ دے کرایک لڑکی سے عقد کرلیا اور نامرد ثابت ہوا، پس ایسی حالت میں نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

الجواب:

ہاں نکاح ہوگیا، عورت دعوی کرے گی کہ توبعد ثبوتِ نامردی مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جائیگی،

---

[1] بحرالرائق کتاب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

اگراس مدت میں اس عورت پر قادر ہوگیا فبہا، ورنہ پھر عورت کے دعوی کرے اور اب بھی نامردی ثابت ہوجانے پر حاکم عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کے پاس رہنا مانے یا جُدائی، اگر وُہ فورًا کہے گی کہ جُدائی چاہتی ہُوں تو دونوں میں تفریق کردے گا، اُس وقت عورت بعد عدّت دوسری جگہ نکاح کرسکے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵: از پرتاب گڑھ محلّہ سیّدامین مسئولہ عبدالرب صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جس عورت کا مرد پانچ سال سے زیادہ تک نامعلوم وبے نشان ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا شوہر کرلیوے۔ امام مالک شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بیچ ایک قول کے فرماتے ہیں کہ "جب گزر جائیں چار برس تو تفریق کرادے درمیان میں ان دونوں کے قاضی، بعد اس کے نکاح کریں زوج ثانی سے۔" اور غرض مستفسر کی یہ ہے کہ برتقدیر جائز ہونے اس مسئلہ کے فسخ نکاح کی کیوں کر قاضی سے کرادی جائے، اس زمانہ پُرآشوب میں بباعث حکام غیرمذہب کے احکام قاضی کے بالکل مسدود ہوگئے ہیں پس ایسے وقت میں طریقہ اُس کے فسخ کرنے نکاح کے کیونکر عمل میں لائی جائے گی۔ دوسرے [۲] یہ کہ بعد فسخ کرادینے نکاح قاضی کے، آیا اس کے لئے کوئی عدت طلاق یا وفات کی کرنا چاہئے یا کہ بدون عدت کے نکاح ثانی کرلے۔ تیسرے [۳] یہ کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت بعض مسئلوں میں امام شافعی وامام مالک کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں اس شخص کو ہمیشہ کے لئے کل مسئلوں میں اس امام کی تقلید لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ چوتھے [۴] یہ کہ حنفیّہ بھی اس فتوے کے موافق فتوٰی دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ہمارے مذہب میں وُہ نکاح نہیں کرسکتی جب تک شوہر کی عمر سے ستر ۷۰ سال گزر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدّتِ وفات نکاح کرسکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی طرف امام شافعی نے رجوع فرمائی، امام مالک کہ چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے کی دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن دے سے خود امام مالک نے کتاب مدونہ میں تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس ۲۰ برس گزر چکے ہوں اُن کا اعتبار نہیں، ادعائے ضرورت کا علاج تو اُن کے یہاں بھی نہ نکلا، آج تک تو جتنا زمانہ گزرا بیکار ہے اب قاضیِ شرع اگر ہو بھی اور اسکے یہاں مرافعہ کیا جائے اور وُہ شوہر کا مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اُس کے بعد چار برس کی مہلت دے اور پھر اب تک مفقود رہنا تحقیق کرے اُس کے بعد تفریق کرے اور عورت عدّت بیٹھے یہ ممتد زمانہ بے شوہر اور بے نان نفقہ کے کیسے گزرے گا، مذہب بھی چھوڑا اور کال بھی نہ کٹا، لہٰذا وُہ کرے جو امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ھی امرأۃ ابتلیت فلتصبر	یہ ایک عورت ہے جسے اللہ تعالٰی نے بلا میں مبتلا

حتی یأیتھاموت اوطلاق[1]۔	فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کی موت یاطلاق ظاہر ہو۔

ضرورت صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمہ ثلٰثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امورِ واجبہ میں ضرور ہوگی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کے قتل کی نیت سے چاقومارے اور اپنی دانست میں اس کاکام تمام کردیا تھامگر قضائے الٰہی سے وُہ زندہ بچ گئی، شوہر بعد میں سزائے جُرم میں دس برس کے لئے دریائے شور بھیجاگیا، شوہر نے لفظ طلاق کاکچھ نہیں کہا تھااب زوجہ محتاج ہے اور کسب پر قادر نہیں، دُوسرے شخص سے وُہ نکاح کرسکتی ہے یانہیں؟ وقتِ مقدمہ جب انگریز نے شوہر کو دریائے شور بھیجا تھااور شوہر نے یہ بیان کیا تھامیں نے تواُس کو بالکل مارڈالا تھا، وارثانِ زوجہ نے حاکم سے یہ کہاکہ اس شخص سے زوجہ کو طلاق بھی دلوادو، توحاکم نے یہ کہاکہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو، باقی مجرم نے تواپنی زوجہ کواپنے ذہن میں قتل ہی کرڈالا تھا، طلاق کے استفسار وطلب کی حاجت کیا ہے، اور واقعی شوہر نے زوجہ کواس طور مارا تھاکہ اس کابچ جانا تعجبات سے ہے یعنی زوجہ کی آنتیں وغیرہ سب نکل کر باہرآ گئی تھیں فی الجملہ صورتِ مستفسرہ میں ہندہ زوج کے نکاح میں ہے یانہیں اور دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں اور جس عورت کا شوہر دائم الحبس ہوگیاوُہ نکاح دوسرے سے کرسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

بے افتراق بموت یاطلاق دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، ہمارے نزدیک، غیبت خواہ عسرت کے سبب ادائے نفقہ سے شوہر کا عجز یاتحصیل نفقہ سے عورت کی محرومی باعثِ تفریق نہیں بلکہ شافعیہ وغیرہم کے نزدیک بھی جواز تفریق کے یہ معنی کہ عورت قاضی شرع کے حضور دعوٰی پیش کرے اور قاضی گواہ شرعی لے کر تفریق کردے نہ یہ کہ عورت بطور خود جس سے چاہے نکاح کرلے، یہ ہرگزائمہ اربعہ میں

[1] مصنّفِ عبدالرزاق باب التی تعلم مہلك زوجھا المکتبۃ الاسلامی بیروت ۷/۹۱۔۹۰ حدیث نمبر ۱۲۳۳۴، ۱۲۳۳۲، ۱۲۳۳۰

سے کسی کامذہب نہیں،اسی طرح شوہر کا بقصد قتل زوجہ پر حربہ کرنا اور اپنے گمان میں اس کاکام تمام کردینا کسی کے نزدیک موجب افتراق نہیں، کوئی جاہل سا جاہل بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ جس کی عمر تخمیناً صہ صہ سال کی تھی فوت ہوگئی وُہ بوجہ ناقابل ہونے زوجیت کے مباشرت شوہری سے مجبور ہے اندامِ نہانی قابلِ ادخال نہ تھا قدرۃً اس میں قابلیت مباشرت نہ تھی زن وشوہر میں کبھی مجامعت نہ ہُوئی نہ کوئی اولاد پیدا ہوئی بس اس زوجہ کے شوہر پر کیا کیا حقوق عائد ہوسکتے ہیں اور شوہر متروکہ منقولہ وغیر منقولہ زوجہ میں حقوق شرعی رکھتا ہے یا دونوں ایک دوسرے کی مالیت میں کچھ حق نہیں رکھتے یافلاں اس قدر کہتا ہے اور فلاں اس قدر یا فلاں بالکل حق نہیں رکھتا اور فلاں رکھتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زن وشوہر کے باہمی حقوق ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے زنِ قابلِ جماع کے ساتھ صرف فرق اتنا ہے کہ اگر فرج داخل میں بقدرِ حشفہ ادخال ناممکن تھا اور ایسی حالت میں شوہر طلاق دیتا تو نصف مہر لازم آتا اگرچہ خلوت کرچکا ہوتا کہ وُہ خلوت بوجہ مانع، خلوت صحیح نہ تھی اور عدّت جب بھی لازم آتی اور عورت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم آتا اب کہ عورت کا انتقال ہوگیا اس کا کل مہر ذمہ شوہر واجب الادا ہوگیا اور عورت کا نصف ترکہ شوہر کو وراثۃً پہنچے گا کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح شرعاً صحیح بلکہ لازم ہوتا ہے کہ شوہر دعوٰی فسخ نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احدالزوجین بعیب الاٰخرولو فاحشا کجنون وجذام ورتق وقرن۔[1]	فحش عیب ہوتو بھی خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناء پر فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، مثلاً جنون، جذام، بیوی کی شرمگاہ میں تنگی یاہڈی ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

الخلوۃ بلامانع کرتق وقرن وعقل کالوطء فی تاکد المھر وتجب العدۃ فی الکل ولو فاسدۃو	خلوت جس میں مانع جماع نہ پایا جائے مثلاً عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا ہڈی وغیرہ ہوتو ایسی خلوت وطی کے حکم میں ہوگی جس سے مہر لازم ہوجائے گا

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

الموت ایضاکالوطی فی حق العدۃ والمھر[1] اھملتقطا۔	عدّت واجب ہوگی اگرچہ نکاح فاسد ہو،اور موت بھی وطی کی طرح ہے اس سے بھی مہر اور عدّت لازم ہوگی اھ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ بنکاح صحیح ولو رتقاء اوقرناء اوکبیرۃ لاتوطأ[2] (ملخصًا)	بیوی کے لئے نفقہ واجب ہے نکاح صحیح ہو خواہ بیوی کی شرمگاہ میں ہڈی یا غدود کی وجہ سے تنگی ہو، یا بڑھاپے کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو (ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح لافاسد ولاباطل[3] (ملخصًا)۔واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح نکاح میں وراثت کا استحقاق ہوتا ہے فاسد یا باطل میں نہیں (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷۔۲۶۶

[3] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۲

بابُ الکنایۃ

(طلاق کنایہ کا بیان)

رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق ۱۳۱۱ھ

(طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۶۸: از بڑودہ ضلع گجرات کلاں ٹھکانہ پائیگاہ قاسم حالہ مرسلہ غلام حسین حالہ ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں عالم شریعت محمدی صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، چند روز بعد اُس کے خاوند نے طلاق بائن دی جائز یا نہیں؟ عورت فاحشہ ہے خاوند نے طلاق بائن دیا جائز ہے یا نہیں؟ طلاق بائن کسے کہتے ہیں؟ طلاق بائن کا کیا طریقہ ہے؟ طلاق بائن کس طور سے دیتے ہیں؟ جس وقت چاہے خاوند اپنی عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے یا نہیں؟ مع مہر و نام کتاب عبارت عربی ترجمہ اردو، خلاصہ تحریر فرمایئے، اس کا اجر آپ کو خداوند کریم عطا کرے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بائن وُہ طلاق جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے، اگر بعد نکاح ابھی وطی وجماع کی نوبت نہ پہنچی اگرچہ خلوت ہوچکی ہو تو طلاق دی جائے بائن ہی ہوگی۔

فی التنویر والدرورد المحتار الخلوۃ لاتکون کالوطی فی حق الرجعۃ لارجعۃ لہ بعد الطلاق الصریح بعد الخلوۃ بحر ای لوقوع الطلاق بائنا[1] اھ بالالتقاط۔	تنویر، در، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی سے رجوع کے معاملہ میں خلوت، وطی کی طرح نہیں، یعنی خلوت کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق دی ہو تو اس صریح طلاق کے بعد بیوی سے رجوع نہیں ہوسکتا ہے، بحر___ کیونکہ صریح طلاق قبل از جماع بائنہ ہوتی ہے اھ ملتقطا (ت)

یونہی جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں خواہ ایک بار میں خواہ دس برس میں، تو وُہ بھی بائن ہوجاتی ہیں بلکہ وُہ بائن کی قسم اکبر ہیں کہ پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہیں ہوسکتا۔ بائن کی تیسری صورت وہ طلاق کہ مال کے بدلے دی جائے مثلاً شوہر نے کہا میں بعوض ہزار روپیہ تجھے طلاق دی یا تیرے مہر کے بدلے طلاق دی، اور عورت نے قبول کرلیا، یا عورت نے کہا میں نے اپنے مہر یا فلاں قرض سے تجھے بری کیا اس شرط پر کہ تُو مجھے طلاق دے دے، مرد نے دے دی، یا مرد نے کہا جتنے حق عورتوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں اُن سب سے مجھے بری کر، اس نے کہا بری کیا، اس نے فوراً کہا میں نے طلاق دی، کہ اس میں اگرچہ صراحۃً ذکرِ عوض نہ تھا مگر صورتِ حال دلیل معاوضہ ہے،

فی التنویر الواقع بالطلاق علی مال طلاق بائن[2] اھ وفی ردالمحتار ارادبالمال مایشمل الابراء منہ حتی لو قالت ابرأتك عمالی علیك علی طلاقی ففعل برئ و بانت، بحر عن البزازیۃ وفی الفتح اٰخر الباب قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتك وھی مدخول بھا یقع بائنا لانہ بعوض[3]۔	تنویر میں ہے کہ مال کے عوض طلاق، بائنہ طلاق ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ مال سے مراد عام ہے نقد ہو یا خاوند کے ذمہ اگر بیوی کا مال ہو مثلاً مہر وغیرہ تو طلاق کے عوض بیوی کا خاوند کو اپنے حق سے بَری کرنا حتی کہ اگر بیوی نے کہہ دیا کہ طلاق کے عوض میں تجھے اپنے حق سے بری کرتی ہوں، اور اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق بائنہ ہوگی، بحر نے اس کو بزازیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور فتح میں اس باب کے آخر میں ہے خاوند نے کہا تو مجھے ہر ایسے حق سے بَری کردے جو عورتوں کا مردوں کے ذمّہ ہوتا ہے، اور بیوی نے ایسے کردیا تو خاوند نے فوری طور پر کہہ دیا میں نے تجھے طلاق دی، اگر بیوی مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ

[1] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۲

[2] درمختار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۵

[3] ردالمحتار باب الخلع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۰

ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے۔(ت)

چوتھی جو طلاق کسی قسم کی دی گئی اور بغیر رجعت ہُوئے عدّت گزر گئی وہ طلاق بھی بائن ہوگی۔ان چاروں صورتوں میں کسی لفظ کی تخصیص نہیں سب الفاظ ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

پانچواں یہ کہ عورت سے جماع ہولے اس کے بعد طلاق دے اور گنتی بھی تین تک نہ پہنچے،نہ مال کے بدلے طلاق ہو نہ عدّت گزرے،باایں ہمہ طلاق دیتے ہی بائن ہوجائے اس کے لئے الفاظ مقرر ہیں کہ ان لفظوں سے کہا تو بائن ہوگی اور ان سے کہا تو رجعی کہ عدّت کے اندر رجعت کا اختیار دیا جائیگا مثلاً اگر زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو عورت نکاح سے نکلنے نہ پائے گی بدستور زوجہ رہے گی اور حکمِ طلاق زائل نہ ہوگا۔

بائن کے بعض الفاظ یہ ہیں:

۱جا، ۲نکل، ۳چل، ۴روانہ ہو، ۵اٹھ، ۶کھڑی ہو، ۷پردہ کر، ۸دوپٹہ اوڑھ، ۹نقاب ڈال، ۱۰ہٹ، ۱۱سرک، ۱۲جگہ چھوڑ، ۱۳گھر خالی کر، ۱۴دور ہو، ۱۵چل دور، ۱۶اے خالی، ۱۷اے بَری بفتح با، ۱۸اے جدا، ۱۹تو مجھ سے جدا ہے، ۲۰میں نے تجھ بے قید کیا، ۲۱میں نے تجھ سے مفارقت کی، ۲۲تو جدا ہے،

فی الدرفنحواخرجی واذھبی وقومی تقنعی،تخمری، استتری،انتقلی انطلقی،اغربی، اعزبی،من الغربۃ اومن العزوبۃ یحتمل ردا، ونحو خلیۃ،بریۃ،حرام بائن،ومراد فھا کبتۃ بتلۃ یصلح سبا، انت حرۃ،سرحتک،فارقتك لایحتمل السب والرد، ففی حالۃ الرضی تتوقف الاقسام علی نیۃ[1] (ملتقطا)۔	دُر میں ہے،نکل جا،چلی جا،کھڑی ہو جا،پردہ کر،دوپٹہ اوڑھ،ہٹ جا،جگہ چھوڑ،دُور ہو،خالی ہو۔اغربی یا اعزبی غربت یا عزوبت سے ہے،یہ الفاظ جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں،اور اکیلی،اے بَری یا حرام یا بائنہ،یہ الفاظ اور ان کے ہم معنٰی جیسے،تو مجھ سے جدا ہے،میں نے تجھے آزادی دی،ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں،اور،تو مجھ سے آزاد ہے، میں نے تجھے بے قید کیا،میں نے تجھ سے مفارقت کی،یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتے،یہ تمام اقسام رضا کی حالت میں کہے ہوں تو نیت پر موقوف ہوں گے۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

۲۳رستہ ناپ، ۲۴اپنی راہ لے کنایتان عن الذھابیہ دونوں کنایہ ہیں، جانے، سے۔(ت) ۲۵کالامنہ کر، ۲۶چال دکھا، ۲۷چلتی بن، ۲۸چلتی نظرآ، ۲۹دفع ہو، ۳۰دال فے عین ہو، ۳۱رفوچکر ہو، ۳۲پنجرا خالی کر، ۳۳ہٹ کے سڑ، ۳۴اپنی صورت گما، ۳۵بستر اٹھا، ۳۶اپنا سُوجھتا دیکھ، ۳۷اپنی گٹھڑی باندھ، ۳۸اپنی نجاست الگ پھیلا، ۳۹تشریف لے جایئے، ۴۰تشریف کا ٹوکرا لے جایئے، ۴۱جہاں سینگ سمائے جا، ۴۲اپنامانگ کھا، ۴۳بہت ہوچکی اب مہربانی فرمایئے، **کلھا کنایۃ عن البعد والذھابیہ** سب دُور ہونے، اور جانے سے، کنایہ ہیں۔(ت) ۴۴اے بے علاقہ ہو **کقولہ بتۃ بتلۃ** "بے علاقہ ہو" کہا تو بتۃ اور بتلۃ کی طرح ہے۔(ت) ۴۵منہ چھپاؤ، **کقولہ تقنعی تخمری استتری** پردہ کر، اوڑھنی لے، نقاب ڈال، کی طرح ہیں۔(ت) ۴۶جہنم میں جا، ۴۷چولھے میں جا، ۴۸بھاڑ میں جاپڑ،

فی فروع الدر اذھبی الی جھنم یقع ان نوی خلاصۃ[1]۔	دُر کے فروعی مسائل میں ہے: جہنم میں جا، کہا، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، خلاصہ۔ت

۴۹میرے پاس سے چل، ۵۰اپنی مراد پر فتح مند ہو، ۵۱میں نے نکاح فسخ کیا، ۵۲تومجھ پر مثل مردار یا ۵۳سوئر یا ۵۴شراب کے ہے

فیھا ایضًا وکذا اذھبی عنی وافلحی وفسخت النکاح وانت علی کالمیتۃ او کلحم الخنزیر اوحرام کالماء[2]۔	اسی میں ہے اوریُوں ہی اگر کہا میرے پاس سے چلی جا، اپنی مراد پر کامیاب ہو، میں نے نکاح فسخ کیا، تو مجھ پر مردار کی طرح ہے، تُومجھ پر خنزیر کی طرح یا شراب کی طرح ہے۔ت

نہ مثل بھنگ یاافیون یامال فلاں یازوجہ فلاں کے،

فی ردالمحتار تحت قول الدر انت علی کالمیتۃ والمراد التشبیہ بما ھو محرم العین کالخمر والخنزیر و المیتۃ فالحکم فیہ کالحکم فی انت علی حرام بخلاف مالوقال انت علی کمتاع فلان فلایقع وان نوی افادہ فی الذخیرۃ[3]۔	ردالمحتار میں درمختار کے قول "تو مجھ پر مردار کی طرح ہے" سے مراد وہ چیز ہے جو قطعی حرام ہے جیسے شراب، خنزیر اور مردار۔ ان کا حکم وہی ہے جو "تومجھ پر حرام ہے" کا ہے، اس کے بخلاف اگر اس نے کہا "تو مجھ پر فلاں کے مال کی طرح ہے" اس میں نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی، ذخیرہ میں یہ افادہ کیا۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

[55]تو مثل میری ماں یا[56] بہن یا[57] بیٹی کے ہے اور یُوں کہا کہ تُو ماں بہن بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں،

فی الدروان نوی بأنت علی مثل امی اوکامی وکذالو حذف علی. خانیه براً اوظهاراً او طلاقاً. صحت نیته ووقع مانواه لانه کنایة والاینوشیئاً او حذف الکاف لغاوتعین الادنی اے البریعنی الکرامة ویکره قوله انت امی ویابنتی ویااختی ونحوه[1]۔	دُر میں ہے اگر بیوی کو کہا "تُو مجھ پر میری ماں کی طرح" لفظ مثل یا کاف کو تشبیہ کے لیے ذکر کیا، اور یوں ہی اگر لفظ علیّ (مجھ پر) کو حذف کردیا ہو اور خدمت یا ظہار یا طلاق جو بھی نیت کرے گا وہی حکم ہوگا، ہر ایک کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ لفظ کنایہ ہے، اور کچھ بھی نیت نہ تھی یا تشبیہ کے لفظ کو حذف کردیا ہو تو یہ لغو کلام ہوگا، اور صرف ادنٰی معنی یعنی خدمت وکرامت مراد ہوگا، اور "تُو میری ماں ہے اور اے میری بیٹی اے میری بہن" جیسے الفاظ مکروہ ہیں۔ (ت)

[59]تیری گلوخلاصی ہُوئی، [60]تو خالص ہوئی فی ردالمحتار انت خالصة[2] (ردالمحتار میں ہے: تُو خالص ہوئی۔ ت) [61]حلالِ خدا، یا[62] حلالِ مسلمانان [63] یاہر حلال مجھ پر حرام، [64]تو میرے ساتھ حرام میں ہے،

الکل فی الشامی کما یأتی صریحا وخالف فیها المتاخرون ائمتنا المتقدمین فقالو الاحاجة الی النیة لانه المتعارف قلت وفی بلادنا قد انعدم التعارف فاٰل الامر الی ماکان علیه قال الشامی ان المتاخرین خالفوا العرف الحادث فیتوقف الاٰن وقوع البائن به علی وجود العرف۔	یہ تمام فتاوٰی شامی میں ہے جیسا کہ آئندہ صراحتًا آئے گا، ان میں متاخرین فقہاء نے ہمارے متقدمین ائمہ کی مخالفت کی ہے اور کہا ان الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق میں عُرف بن چکے ہیں، **قلت** (میں کہتا ہوں) ہمارے علاقہ میں یہ عُرف نہیں ہے تو یہ الفاظ اپنے اصل پر لوٹ آئیں گے، علامہ شامی نے فرمایا: متاخرین نے جدید عُرف کی بناپر خلاف کیا تو اس کے ساتھ وقوع بائن وجود عرف پر موقوف ہوگا۔ (ت)

[65]میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا اگر کسی عوض کا ذکر نہ کرے،

فی ردالمحتار عن الخانیة ولو قال بعت نفسك منك فقالت اشتریت یقع	ردالمحتار میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "میں نے تجھے تیرے پاس فروخت کیا" تو

[1] درمختار باب الظهار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۲

طلاق بائن لان بیع نفسها تملیك النفس من المرأة وملك النفس لایحصل الابالبائن فیکون بائنا[1] اھ۔	بیوی نے کہامیں نے خریدا، تو بائنہ طلاق ہوجائیگی، کیونکہ بیوی کو اس کے پاس فروخت کرنا بیوی کو اپنے نفس کا مالک بنانا ہے نفس کی ملکیت بیوی کو بغیر بائنہ طلاق کے حاصل نہیں ہوسکتی، لہٰذا بائنہ طلاق ہوگی اھ۔(ت)

اقول: (میں کہتاہُوں) یہاں عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا،

لانه تملیك نفسها منها وھی لاتملك نفسها الابالبائن بخلاف ماسیجئی من قوله بعت منك طلاقك فانه تملیك الطلاق منها فکان تفویضا فاشترط قبولها۔	کیونکہ یہ بیوی کو اپنے نفس کامالک قرار دینا ہے تو بیوی اپنے نفس کی مالک بائنہ طلاق کے بغیر نہیں بن سکتی، اسکے بخلاف جو آئندہ عنقریب آئے گا کہ خاوند اگریُوں کہے "میں نے تجھے تیری طلاق فروخت کی" تو اسے یہ طلاق کا مالک بنانا ہُوا لہٰذا یہ خاوند کا بیوی کو طلاق تفویض کرنا ہے جس میں بیوی کا قبول کرنا شرط ہے۔(ت)

۶۶میں تجھ سے باز آیا، ۶۷میں تجھ سے در گزرا فی ردالمحتار عدّیت عنها[2] (ردالمحتار میں ہے: میں تجھ سے در گزرا۔ ت) ۶۸تُو میرے کام کی نہیں، ۶۹میرے مطلب کی نہیں، ۷۰مصرف کی نہیں کما حققناہ علی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس تحقیق کی ہے۔ت) ۷۱مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں، ۷۲کچھ قابو نہیں، ۷۳ملک نہیں، ۷۴میں نے تیری راہ خالی کردی، ۷۵تو میری ملک سے نکل گئی، ۷۶میں نے تجھ سے خلع کیا، ۷۷اپنے میکے بیٹھ، ۷۸تیری باگ ڈھیلی کی، ۷۹تیری رسّی چھوڑدی، ۸۰تیری لگام اتارلی، ۸۱اپنے رفیقوں سے جامل،

فی الهندیة وألحق ابویوسف رحمه الله تعالٰی بخلیة وبریّة وبتّة وبائن وحرام اربعة اخری ذکرها السرخسی فی المبسوط وقاضی خان فی شرح الجامع الصغیر واخرون وھی لاسبیل لی علیك، لاملك لی علیك، خلیت سبیلك، فارقتك، ولارِوایة فی خرجت من ملکی قالوا ھو	ہندیہ میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ نے خلیۃ، بریۃ، بتۃ، بائن اور حرام کے الفاظ کے ساتھ دیگر چار الفاظ کو ملحق کیا ہے ان دیگر چاروں کو امام سرخسی نے مبسوط میں اور قاضیخاں نے شرح جامع صغیر میں اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے وہ لاسبیل لی علیك (مجھے تجھ پر چارہ نہیں)، لاملك لی علیك (تجھ پر میری ملکیت نہیں)، خلیت سبیلك (میں نے تیرا راستہ آزاد کیا)، فارقتك (میں نے تجھ سے مفارقت کی)،

[1] ردالمحتار باب الخلع قوله کبعت نفسك مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵۹

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۲

بمنزلة خليت سبيلك، وفى الينابيع الحق ابو يوسف رحمه الله تعالٰى بالخمسة ستّة اخرى وهى الاربعة المتقدمة وزاد خالعتك والحقى باهلك هكذا فى غاية السرجى[1]، اھ، **قلت** وهو فى حديث المستعيذة وفيها ايضا، وفى قوله حبلك على غاربك لايقع الطلاق الّا بالنّيّة كذافى فتاوٰى قاضى خان وانتقلى وانطلقى كالحقى وفى البزازية وفى الحقى برفقتك يقع اذا نوى كذافى البحر الرائق[2]۔	اور خرجت من ملکی (تُو میری ملکیت سے نکل گئ) میں کوئی روایت نہیں ہے، اور فقہاء نے فرمایا یہ بمنزلہ "خلیت سبیلک" کے ہے، اور ینابیع میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے پانچ الفاظ کے ساتھ مزید چھ الفاظ ملحق فرمائے ہیں، اور وُہ چار پہلے ذکر شدہ اور دو[2] مزید، وہ **خالعتک** (میں نے تجھ سے خلع کیا) **الحقی باھلک** (اپنے خاندان میں چلی جا) غایۃ السروجی میں یُونہی مذکور ہے اھ، **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ بات پناہ طلب کرنے والی میں ہے۔ اور اسی غایۃ السروجی میں یہ بھی ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا "تیری ڈوری تیرے کندھے پر ہے" تونیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے تُو منتقل ہو، تو جا، الحقی کی طرح ہے_اور بزازیہ میں ہے اگر یُوں کہا "اپنے دوستوں سے مل جا" نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، بحرالرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

۸۲ مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں ھو کقولہ لاسبیل لی علیک (جیساکہ اس کا قول "مجھے تجھ پر چارہ نہیں۔ ت) ۸۳ خاوند تلاش کر۔

فى الهندية ويا بتغى الازواج تقع واحدة بائنة ان نواها [عہ] واثنتين وثلث ان نواها هكذا فى شرح الوقاية[3]۔	اور ہندیہ میں ہے اگر یُوں کہا "تو خاوند تلاش کر" ایک بائنہ طلاق ہوگی اگر نیّت کی ہو، یا دو[2] اور تین ہونگی اگر ان کی نیت کی ہو، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

عـــہ: قابلت عبارة عن اصل الهندية فوجدتها هكذا او ثنتان وثلث حامد رضا غفرله۔	میں نے ہندیہ کے اصل قلمی نسخہ سے مقابلہ کیا تو میں نے وہاں یُوں عبارت پائی اور دو اور تین ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

۸۴ مجھے تیری حاجت نہیں، ۲ مجھے تجھ سے سروکار نہیں، ۳ تجھ سے مجھے کام نہیں، ۴ غرض نہیں، ۵ مطلب نہیں، ۶ تو مجھے درکار نہیں، ۷ تجھ سے مجھے رغبت نہیں، ۸ میں تجھے نہیں چاہتا، یہ محض مہمل ہیں اگرچہ نیت کرے،

فی الھندیۃ ولو قال لاحاجۃ لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذافی السراج الوھاج واذاقال لااریدك اولااحبك اولااشتھیك اولارغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کذافی بحرالرائق۔[1]	ہندیہ میں ہے اگر کہا "مجھے تجھ میں حاجت نہیں ہے، طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج وہاج میں مذکور ہے، اور جب یُوں کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" یا "میں تجھے پسند نہیں کرتا" یا "میں تجھ میں خواہش نہیں رکھتا" یا "مجھے تجھ میں دلچسپی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو، یہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، بحرالرائق نے ایسے ہی بیان کیا۔(ت)

۸۵ میں تجھ سے جُدا ہُوں یا ہوا (فقط میں جُدا ہُوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بنیت طلاق کہے)

فی الھندیۃ ولو قال انا منك بائن ونوی الطلاق یقع ولو قال انا بائن ولم یقل منك لایقع وان نوی کذافی محیط السرخسی[2]۔	ہندیہ میں ہے اگر یوں کہا، میں تجھ سے بائن ہوں اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر صرف میں بائن ہوں اور "تجھ سے" نہ کہا تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، محیط سرخسی میں ایسے ہی مذکور ہے۔(ت)

۸۶ میں نے تجھے جُدا کردیا، میں نے تجھ سے جُدائی کی، ۸۷ تو خود مختار ہے، ۸۸ تو آزاد ہے،

فی الھندیۃ ولوقال فی حال مذاکرۃ الطلاق بأینتك او ابنتك اوکابنت منك اوانت سائبۃ اوانت حرۃ یقع الطلاق وان قال لم انو الطلاق لایصدق قضاء[3]۔	ہندیہ میں ہے اگر حالت مذاکرہ طلاق میں، میں تجھ سے جُدا ہوں، میں نے تجھ کو جدا کیا، میں تجھ سے جُدا ہوا، تو سائبہ ہے یا تو آزاد ہے، تو طلاق ہوجائے گی اور اگر وُہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیّت نہیں کی تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

۸۹مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں، ۹۰مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا،

فی الھندیة ولوقال لھا لانکاح بینی وبینك اوقال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی کذافی فتاوٰی قاضی خاں[1]۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا، تجھ میں مجھ میں نکاح نہیں، یا کہا، مجھ میں اور تجھ میں نکاح باقی نہیں ہے، تو نیتِ طلاق سے طلاق ہوگی، جیساکہ فتاوٰی قاضیخاں میں ہے۔(ت)

۹۱میں نے تجھے تیرے گھروالوں یا ۹۲باپ یا ۹۳ماں یا ۹۴خاوندوں کو دیا یا ۹۵خود تجھ کو دے ڈالا (اور تیرے بھائی یاماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو کہاتو کچھ نہیں)

فی الھندیة روی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه اذا قال وھبتك لاخیك اولخالك اولعمك اولفلان الاجنبی لم یکن طلاق کذافی السراج الوھاج ولوقال لھا وھبت نفسك منك فھو من جملة الکنایات ان نوی به الطلاق یقع والافلا[2]۔	ہندیہ میں ہے: امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا کہ اگریُوں کہا، میں نے تجھے تیرے بھائی، خالو، چچے یافلاں اجنبی کو ہبہ کیا طلاق نہ ہوگی جیساکہ سراج وہاج میں ہے۔اور اگریُوں کہا، میں نے تیرا نفس تجھے ہبہ کیا تو کنایہ کے الفاظ میں سے ہے اگرنیّت کی تو طلاق ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔(ت)

۹۶مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا یا تجھ میں مجھ میں کچھ شئی نہیں اگرچہ نیت کرے،

فی الھندیة ولوقال لم یبق بینی وبینك شئی ونوی به الطلاق لایقع وفی الفتاوی لم یبق بینی وبینك عمل ونوی یقع کذافی العتابیة[3]۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا، تیرے اور میرے درمیان کوئی شئی باقی نہیں، اور اس سے نیت طلاق کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور فتاوٰی میں مذکور ہے اگریُوں کہا، تیرے اور میرے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا، نیت کی ہو تو طلاق ہوگی، جیساکہ عتابیہ میں مذکور ہے۔(ت)

۹۷میں تیرے نکاح سے بری ہُوں، ۹۸بیزار ہوں،

فیھا عن الخانیة ولوقال انا بریئ من	ہندیہ میں ہے خانیہ سے منقول ہے، اگر کہا میں تیرے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

نکاحك یقع الطلاق اذا نوی[1]۔	نکاح سے بری ہُوں، طلاق کی نیت سے طلاق ہو جائے گی۔(ت)

۹۹مجھ سے دُور ہو جا،

فیھا عنھا ولو قال ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع[2]۔	ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے، اگر کہا تُو مجھ سے دُور ہو جا، طلاق کی نیّت سے طلاق ہو جائے گی(ت)

۱۰۰مجھے صورت نہ دکھا،

وھذا بمعنی ابعدی عنی، وفیه ینوی کما مرانفا بخلاف استتری منی فانه بزیادة منی خرج عن کونه کما فی الخانیة ایضًا قال الشامی یکون قوله منی قرینة لفظیة علٰی ارادة الطلاق بمنزلة المذاکرة تأمل[3] اھ، ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه، اقول وذٰلك بخلاف ان یقول لاترنی وجھك فانه یکون عبارة عن البغض والتنفرفلایزول الاحتمال اھ فافھم[4]۔	اور یہ "مجھ سے دُور ہو جا" کے معنٰی میں ہے، اور اس میں نیت کرے گا، جیسا کہ ابھی گزرا، اس کے بر خلاف "مجھ سے پردہ کر" منّی (مجھ سے) کا لفظ زائد ہونے کی وجہ سے کنایہ سے خارج ہے، جیسا کہ خانیہ میں بھی ہے، نیز علّامہ شامی نے فرمایا کہ یہاں منّی (مجھ سے) کا لفظ قرینہ لفظیہ ہے کہ اس نے طلاق مراد لی ہے یہ بمنزلہ مذاکرہ طلاق ہے، غور چاہئے اھ مجھے اس کے حاشیے پر لکھنا یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کے بر خلاف ہے یہ کہنا، تو اپنا چہرہ مجھے نہ دکھا، کیونکہ یہ لفظ بغض اور نفرت کے اظہار کے لئے ہے لہٰذا دوسرا احتمال ختم نہ ہوگا، اھ، غور کرو۔(ت)

۱۰۱کنارے ہو، ۱۰۲تُو نے مجھ سے نجات پائی،

فی الھندیة ومن الکنایات تنحی عنی ونجوت منّی کذا فی فتح القدیر[5]۔	ہندیہ میں ہے: الفاظ کنایہ میں سے، کنارے ہو، مجھ سے تو نے نجات پائی، ایسے ہی فتح القدیر میں ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۶/۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۶/۱

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۶۳/۲

[4] جدالممتار باب الکنایات حاشیة. المجمع الاسلامی مبارکپور ۵۱۵/۲

[5] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۶/۱

ومثلھا (اور اسی کی مثال ہے۔ت) ۱۰۳الگ ہو، ۱۰۴میں نے تیرا پاؤں کھول دیا

لعدم التعارف فی بلادنا ومافی الخلاصۃ پای کشادہ کردم ترا تفسیر قولہ طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا وتقع بدون النیۃ[1] اھ فمبنی کما تری علی العرف فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الامام ظھیر الدین یفتی فیما سواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنا[2]۔	ہمارے علاقہ کا عرف نہ ہونے کی بناپر، اور جو خلاصہ میں ہے کہ "میں نے تیرے پاؤں کھول دئے، عرف میں "میں نے تجھے طلاق دی" کے ہم معنٰی ہے، لہٰذا اس سے طلاق رجعی ہوگی، اور بغیر نیت طلاق ہوجائے گی اھ تو یہ عرف پر مبنی ہے جیساکہ تودیکھ رہاہے، ہندیہ میں ذخیرہ سے امام ظہیر الدین سے منقول ہے کہ مذکورہ الفاظ کے علاوہ میں نیت شرط ہونے پر فتوٰی دیا جائے گا اور اس سے بائنہ طلاق ہوگی۔(ت)

۱۰۵میں نے تجھے آزاد کیا، ۱۰۶آزاد ہوجا،

فیھا ولوقال اعتقتك طلقت بالنیۃ کذا فی معراج الدرایۃ وکونی حرۃ اواعتقی مثل انت حرۃ کذافی بحرالرائق[3]۔	ہندیہ میں ہے: اور اگر خاوند کہے "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیّت سے طلاق ہوگی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے، اور "تُو آزاد ہوجا" یا "تو آزاد ہے" انت حرۃ کی طرح ہے، جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔(ت)

۱۰۷تیری بند کٹی، ۱۰۸تُو بے قید ہے،

فیھا ولوقال انت السراح فھو کما قال لھا انت خلیۃ کذافی فتاوٰی قاضی خان[4]۔	ہندیہ میں ہے: اگر کہا "تُو بے قید ہے" یہ ایسے ہی ہے جیسے یُوں کہے "تُو جدا ہے" جیساکہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ (ت)

۱۰۹میں تجھ سے بری ہُوں،

فیھا فی مجموع النوازل امرأۃ قالت لزوجھا انا بریئۃ منك فقال الزوج	ہندیہ میں ہے کہ مجموع النوازل میں ہے، بیوی نے کہا "میں تجھ سے بَری ہوں" تو خاوند نے جواب میں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۹۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۹

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[4] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

انابریٔ منك ایضاً فقالت ماذا تقول فقال مانویت الطلاق لایقع الطلاق لعدم النیة کذافی المحیط[1]۔	کہا"میں بھی تجھ سے بری ہوں" پھر بیوی نے کہا خیال کرو کیا کہہ رہے ہو، تو خاوند نے کہا میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ نیت نہیں ہے، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

"۱اپنا نکاح کر، ۱۱جس سے چاہے نکاح کر،

فیھا ولو قال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلث صح وان لم ینوشیئًالم یقع کذافی العتابیة[2]۔	ہندیہ میں ہے اگر کہا"تُو نکاح کرلے" اور طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق، اور تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ اور کوئی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عتابیہ میں ہے (ت)

"۱۲میں تجھ سے بیزار ہُوا،

فیھا عن الخلاصة ولوقال لھا ازتو بیزار شدم لایقع بدون النیة[3] **قلت** وظاھران لیس کقوله انامنك طالق فافھم عــه وثبت۔	ہندیہ میں خلاصہ سے ہے، اگر کہا"میں تجھ سے بیزار ہوں" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ **قلت** (میں کہتا ہُوں) ظاہر یہ ہے مذکور لفظ خاوند کے قول"میں تجھ سے طلاق والاہوں" کی طرح نہیں ہے، غور کرو اور ثابت رہو۔(ت)

"۱۳میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں،

فی الخانیة وفی قولك لانکاح لی علیك لایقع الطلاق الابالنیة[4]۔(ملخصًا)	خانیہ میں ہے: خاوند کے اس قول سے کہ "میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں ہے" نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔(ت)

"۱۴میں نے تیرا نکاح فسخ کیا،

فیھا ولوقال لھا فسخت نکاحك یقع الطلاق	خانیہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا"میں نے تیرا نکاح

عــه: اشارة الی ان مافی الدر سھو ۱۲ منه	یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو درمختار میں ہے وہ سہو ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۶

[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۶

اذا نوی[1]۔	فسخ کیا، نیّت سے طلاق ہوجائے گی۔(ت)

"[۵]تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں (اور اگر یُوں کہا کہ "تجھ پر چاروں کھلی ہیں" تو کچھ نہیں جب تک یہ بھی نہ کہے، "[۶]جو راستہ چاہے اختیار کر

فهاولوقال لها"اربع طرق عليك مفتوحة ونوى الطلاق لايقع الطلاق الاان يقول اربع طرق عليك مفتوحة فخذى فى اى طريق شئت فحينئذ يقع الطلاق اذا نوى ولاقال (چهار راه برتو کشادم) لايقع الطلاق مالم ينو[2] وفى الهندية اذاقال لها چهارراه برتو کشاده است لايقع الطلاق وان نوى مالم يقل خذى ايما شئت عند اکثر المشائخ وانه منقول عن محمد رحمه الله تعالٰى واذاقال لها چهارراه برتو کشادم يقع الطلاق اذا نوى وان لم يقل خذى ايما شئت[3]۔	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا "چاروں راہ تجھ پر کھلے ہیں" اور طلاق کی نیّت کی تو طلاق نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے جس راستے کو تُو چاہے اختیار کرلے، اگر طلاق کی نیّت سے یہ کہہ دیا تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر کہا تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں، تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور ہندیہ میں بھی ہے کہ اگر خاوند نے صرف یہ کہا "تجھ پر چار راہیں کھلی ہیں تو نیت کے باوجود نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے "تو جس کو چاہے" اختیار کرلے۔ "اکثر مشائخ کے ہاں یہ ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہی منقول ہے۔ اور اگر کہا "تجھ پر چاروں راہیں کھولتا ہوں" تو نیّت کی تو طلاق ہوجائیگی، اگرچہ اس نے "جس کو تُو چاہے اختیار کرے" نہ کہا ہو۔(ت)

"[۷]میں تجھ سے دست بردار ہُوا

فى الخانية (چنگ باز داشتم) از تو قال الفقية ابو جعفر واحدة بائنة وغيره يقع رجعية والاول اصح[4]۔	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا "میں تجھ سے دستبردار ہوا" تو ابو جعفر فقیہ نے کہا ایک طلاق بائنہ ہوگی، اور دوسروں نے کہا کہ ایک طلاق رجعی ہوگی، پہلا قول اصح ہے (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۶
[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۷
[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۱
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۷

۱۸"میں نے تجھے تیرے گھر والوں یا۱۹"باپ یا۲۰"ماں کو واپس دیا،

فی الطحطاوی عن الدر المنتقی رددتك الیھم ولا یشترط قبولھم[1]۔	طحطاوی میں درمنتقی سے منقول ہے، خاوند نے کہا "میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو واپس کردیا" تو گھر والوں کا قبول کرنا شرط نہیں ہے(ت)

۲۱"تو میری عصمت سے نکل گئی،

فی العقود صرح فی الوجیز لبرھان الائمۃ انہ لوقال فسخت النکاح بینی وبینك ولم یبق بینی وبینك لایقع الابالنیۃ، ولایخفی ان قولہ انت خارجۃ عن عصمتی مثلہ فی المعنی من الفتاوی المزبورۃ **قلت** فان الخروج عن العصمۃ یکون بطلاق وفسخ کطریق حرمۃ مصاھرۃ ولومن قبلہ، فلم یتعین للطلاق وکذا الخروج عن الملك کمامر۔[2]	عقود دریہ میں ہے کہ علامہ برہان الائمہ نے وجیز میں تصریح کی ہے اگر خاوند نے کہا "میرے اور تیرے درمیاں نکاح فسخ ہوگیا ہے اور ہمارے درمیان نکاح باقی نہ رہا" تو نیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور یہ مخفی نہیں کہ خاوند کا کہنا کہ "تو میری عصمت سے خارج ہے" معنٰی میں اسی کی مثل ہے جو فتاوٰی مذکورہ سے مروی ہے **قلت** (میں کہتاہوں) عصمت سے خارج ہونا طلاق اور فسخ کے ساتھ ہوتا ہے۔ مثلاً حرمتِ مصاہرۃ کی بناپر جو کہ خاوند کی طرف سے بھی طاری ہوسکتی ہے لہٰذا فسخ کے لئے طلاق متعین نہیں ہے، اور اسی طرح ملکیت سے خارج ہونا بھی ہے جیسا کہ گزرا۔(ت)

۲۲"میں نے تیری ملک سے شرعی طور پر اپنا نام اتار دیا،

فی الخیریۃ سئل فی رجل قال فی حال الغضب وسؤال الطلاق لزوجتہ نزلت عنھا نزولا شرعیا ھل تبین بذلك ام لا (اجاب) لم ارمن تعرض لھذا فی کلامھم لکن رأیت فروعا متعددۃ فی الکنایات تقتضی انہ	خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو غصہ میں اور طلاق کے مطالبہ پر کہا "میں نے اس سے شرعی نام اتاردیا" تو کیا اس شخص کی بیوی بائنہ ہوجائے گی یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا میں نے فقہاء کے کلام میں اس مسئلہ کے بیان کو نہیں پایا، لیکن میں نے کنایہ کے بہت سے مسائل

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الکنایات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۸

[2] عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۴۳

یقع بمثله الطلاق البائن اذاوجدت النیة اودلالة الحال فتعین الافتاء بالوقوع فی الحادثة واذاعلمت ان هذایصلح جوابا لاردا وشتیمة وتأملت فی فروع ذکرهاصاحب البحر والتتارخانیة وغیرها قطعت بما ذکرنا[1]۔	دیکھے ہیں جن کی روشنی میں اس صورتِ مذکورہ میں طلاق بائنہ ہوگی جب نیّت پائی جائے یا حال کی دلالت پائی جائے، لہٰذا اس مذکورہ حادثہ میں طلاق کا فتوٰی متعین ہوگا، جب معلوم ہوگیا کہ مسئلہ مذکور میں خاوند کا قول جواب ہی ہوسکتا ہے اور میں نے بحر اور تاتارخانیہ وغیرہما میں مذکور فروعات میں غور کیا، تو مجھے یقین ہوگیا کہ طلاق کے وقوع کا حکم ایسے ہی ہے جیسے ہم نے ذکر کیاہے۔(ت)

۲۳ تو میرے لائق نہیں قیامت یا ۲۴ عمر بھر،

فی الخلاصة ولوقال لامرأته.تومرانه شائی تاقیامت اوہمه عمر .لایقع الطلاق بدون النیة۔[2]	خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تُو میرے لائق نہیں ہے قیامت تک یا عمر بھر، تونیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔(ت)

۲۵ تو مجھ سے ایسی دُور ہے جیسے مکہ معظّمہ مدینہ طیبہ سے یا دلّی لکھنؤ سے،

فی الخلاصة ولوقال لها توازچناں دُوری که مکه ازمدینه لایقع الطلاق بدون النیة[3]۔	خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تُو مجھ سے ایسی دور ہے جیسے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ" تو بغیر نیّت طلاق نہ ہوگی۔(ت)

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑجائے گی، تو ۱ مطلقہ بائنہ ہے (بے حرف عطف) یا تو ۲ مطلقہ پس بائنہ ہے تجھ پر ۳ سب سے فحش تر طلاق، ۴ شیطانی طلاق، ۵ بدعت کی طلاق، ۶ بدتر طلاق، ۷ پہاڑ کی مثل، ۸ ہزار کے مثل، ۹ کوٹھری بھر کے ۱۰ سخت یا ۱۱ لمبی یا ۱۲ چوڑی طلاق، ۱۳ سب سے بُری، ۱۴ سب سے کرّی، ۱۵ سب سے گندی، ۱۶ سب سے ناپاک، ۱۷ سب سے کڑی، ۱۸ سب سے بڑی، ۱۹ سب سے چوڑی، ۲۰ سب سے لمبی، ۲۱ سب سے موٹی طلاق، ۲۲ کلاں تر طلاق،

[1] الفتاوٰی الخیریه کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۰

[2] خلاصة الفتاوٰی الفصل الثان فی الکنایات مکتبه حبیبیه کوئٹه ۲/۱۰۰

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبه حبیبیه کوئٹه ۲/۹۹

فی الدر ویقع بقوله انت طالق بائن اوافحش الطلاق اوطلاق الشیطان والبدعة او اشر الطلاق اوکالجبل اوکالف اوملئ البیت او تطلیقة شدیدة او طویلة او عریضة اواسوأه او اشده او اخبثه او اکبره اواعرضه او اطوله او اغلظه او اعظمه واحدة بائنة ان لم ینو ثلاثا،فیه ایضا ولو بالفاء(ای فی قوله انت طالق فبائن)فبائنة ذخیرة[1]۔(ملخصًا)	دُر میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا تجھے بائن طلاق، فحش تر طلاق، شیطانی طلاق، بدتر طلاق، بدعت طلاق، یا پہاڑ برابر، یا ہزار برابر، کوٹھری بھر طلاق، شدید طلاق، طویل، عریض، سب سے بری، سب سے شدید، سب بڑی، سب سے عریض سب سے طویل، سب سے غلیظ، سب سے عظیم طلاق۔تو ان تمام صورتوں میں ایک بائنہ طلاق ہوگی جبکہ یہاں بھی تین کی نیت نہ کی ہو۔اور اگر بائن کو ف کے ساتھ ذکر کرے مثلاً تو طلاق والی "فبائنہ" کہا تو بائنہ ہوگی۔ذخیرہ۔(ت)

۲۳ تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہوجائے۔

فی الدر کما یقع البائن لوقالت انت طالق طلقة تملکی بها نفسك لانها لاتملك نفسها الا بالبائن[2]۔	دُر میں ہے: اگر کہا" تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہوجائے" تو بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ بیوی بائنہ طلاق کے بغیر اپنی مالک نہیں ہوسکتی(ت)

۲۴ تجھ پر بائن طلاق،

فی ردالمحتار تحت قوله لانه لاتملك نفسها صرح به فی البدائع وقال اذاوصف الطلاق بصفة تدل علی البینونة کان بائنًااھ وهذه الصفة بمعنی قوله انت طالق طلقة بائنة[3] الخ۔	ردالمحتار میں ماتن کے قول کہ "اپنے نفس کی مالک نہ ہوگی" کے تحت ہے اس کی تصریح بدائع میں کی ہے،اور کہاکہ جب طلاق ایسے وصف سے موصوف ہوجو بائنہ ہونے پر دلالت کرے تو وُہ طلاق بائنہ ہوگی اھ،اور یہ صفت "تو بائنہ طلاق والی ہے" کے معنی میں ہوگی الخ(ت)

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

۲۵ تجھ پر وہ طلاق جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں، اس میں بالاتفاق ہمارے ائمہ کے مذہب میں طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر یہ کہا" تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کا اختیار نہیں، جوہرہ میں فرمایا کہ اس میں رجعی ہوگی، اور بائن ہونے کو ضعیف بتایا مگر تبیین الحقائق اور غایۃ البیان اور فتح القدیر میں فرمایا کہ اوّل تو ہمیں رجعی ہونا مسلّم نہیں اور ہو بھی تو اس کی وجہ یہ ہے یہ ایک بحث ہے جس سے اصلاً مذہب ہمارے ائمہ کا اس صورت میں وقوع بائن ہونا ثابت نہیں ہوتا اگرچہ بحرالرائق میں اسی بحث کی بناء پر جزم فرمایا کہ یہاں وقوع بائن ہمارا مذہب ہے،

فی البحر عن الجوھرۃ ان قال انت طالق علی انہ لارجعۃ لی علیك یلغوویملك الرجعۃ وقیل تقع واحدۃ بائنۃ وان نوی الثلث فثلاث اھ وظاھر مافی الھدایۃ ان المذھب الثانی فانہ قال واذا وصف الطلاق بضرب من الشدۃ والزیادۃ کان بائنا[1] اھ	بحر میں جوہرہ سے منقول ہے: اگر خاوند نے کہا تجھے طلاق اس شرط پر جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں، تو یہ رجعی ہوگی، اور بعض نے کہا ایک بائنہ واقع ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ اور ہدایہ کے بیان سے ظاہر یہ ہے کہ دوسرا قول مختارِ مذہب ہے کیونکہ اس نے کہا کہ اگر طلاق کو کسی شدّت اور زیادتی کے ساتھ موصوف کیا جائے تو وُہ بائنہ ہوگی اھ (ت)

اس کے سوا تیسری صورت ایک اور ہے وُہ یہ کہ تجھے طلاق ہے اور مجھے رجعت کا اختیار نہیں، اس میں بلاشبہ رجعی ہوگی کمافی الشامی ویاتی (جیساکہ شامی میں ہے اور آگے آئے گا۔ت) یُونہی اگر کہا تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ اس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہا تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہا کہ تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہ ہوگی، تو ان سب صورتوں میں بلاخلاف رجعی ہونا چاہئے،

والسر فیہ ان الصور ھھنا ثلث العطف والشرط و الوصف کقولہ انت طالق ولارجعۃ لی علیك اوانت طالق علی ان لارجعۃ لی علیك اوانت طالق طلقۃ	اس میں رازیہ ہے کہ یہاں تین صورتیں ہیں، ایک عطف، دوسری شرط، تیسری وصف، پہلی، جیسے کہے" تجھے طلاق اور مجھے رجوع کا حق تجھ پر نہیں۔" دوسری، جیسے کہے" تجھے طلاق اس شرط پر کہ مجھے

[1] بحرالرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۱/۳

لارجعة لی فیھا علیک،الاول کلام مستقل لایغیر ماقبله فلایتغیرعن حکمه الشرعی والثانی مغیر ویختلف النظرفیه فمن نظر الی انه تغیر لحکم الشرع،الغاه و اوقع الرجعی لان شرط الرجعی احق واوثق ومن شرط مالیس فی کتاب اللہ فشرطه باطل وان شرط مائة شرط[1] کماارشد الیه الحدیث الصحیح ومن ارجعه الی معنی الوصف اوقع به البائن فلم یجعله تغیرابل تعبیراکانه یقول ان مرادی طلاق لارجعة لی فیه وانت تعلم ان الاول اظهر لکن ربما یؤید ھذاالان الاعمال اولی من الاھمال واماالثالث فلاشبھة فیه عندنا لما مر انه اذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزیادة کان بائنا،اماما ذکرت انه ینبغی وقوع الرجعی بلاخلاف فیما اذاقال انت طالق طلقة لاارا جعك بعدھا فالوجه فیه ان الطلاق الرجعی لایستلزم الرجعة فلاینافی عدمھا انما ینافی عدم اختیارھا،فحل محل ابعاد وبھذا القدر لایسلب منه خیار الرجعة فمن جھته احتمال ھذاالمعنی لم یکن نصافی ارادة	رجوع کا حق نہیں"۔ تیسری، جیسے کہے "تجھے وہ طلاق جس میں مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں"پہلی صورت میں عطف کی وجہ سے مستقل کلام ہے ماقبل کو تبدیل نہیں کرے گااور ماقبل اپنے شرعی حکم سے متغیر نہ ہوگا،اور دوسری صورت میں شرط کی وجہ سے ماقبل متغیر کرے گا،اور اس میں وجہ مختلف ہے، جس نے یہ وجہ بنائی کہ ماقبل کے لئے مغیّر ہے اور شرعی حکم متغیر کررہاہے، تواس شرط کو لغو قرار دیااور ماقبل کو رجعی قرار دیا، کیونکہ اس کو رجعی کی شرط بنانا زیادہ وزنی ہے اور یہ کہاکہ اللہ کے حکم کے خلاف شرط باطل ہے، اگرچہ ایسی سَوشرطیں بھی ہوں تو وُہ باطل ہوں گی جیساکہ حدیثِ صحیح میں ارشاد ہے۔اور تیسری صورت وصف تو جس نے یہاں وصف قرار دیاانہوں نے کہااس وصف کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی، لہٰذا ان کے نزدیک یہ وصف پہلے بیان کی تبدیلی نہیں بلکہ یہ اس کی تعبیر ہے گویااس نے کہا"طلاق سے میری مراد ایسی طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو"۔آپ جانتے ہیں کہ پہلی صورت واضح ہے،اور دوسری صورت میں شرط کو مؤثر ماننے کو ترجیح ہوگی کیونکہ کسی کلام کو عمل میں لانا اسے مہمل قرار دینے سے بہتر ہے،اور تیسری صورت میں کوئی شُبہہ نہیں ہے کیونکہ جب طلاق کو کسی شدید اور زیادتی والے وصف سے موصوف کیا جائے تو وُہ طلاق بائنہ ہوجاتی ہے، لیکن خاوند کے اس قول میں "تجھے طلاق وُہ کہ میں تجھ سے رجوع نہ کروں گا" کے متعلق جو میں نے ذکر کیا ہے کہ اس میں بالاتفاق رجعی

[1] صحیح البخاری باب اذاالشرط فی شروطالاتحمل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

البینونة فلم یکن بائنا بالشک، فاذا کان ھذا فی الوصف ففی الشرط اولی ھذاماظھر لی فلیراجع ولیحرر، واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق ہونی چاہئے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی کو رجوع لازم نہیں ہے بلکہ خاوند کی مرضی پر ہے، ہاں خاوند کا کہنا "میں رجوع نہ کروں گا" رجوع کے عمل کے خلاف ہے تو اس کا یہ کہنا رجوع سے بعید ہے منافی نہیں، لہٰذا صرف اس وجہ سے خاوند کو عملاً رجوع سے نہیں روکا جاسکتا، تو اس احتمال کی بناپر مذکورہ الفاظ "بائنہ طلاق کے لئے نص نہ بن سکیں گے" تو اس شک کی وجہ سے طلاق بائنہ نہ ہوگی۔جب وصف میں یہ گنجائش ہے تو شرط میں بطریق اولی گنجائش ہوگی، یہ وُہ ہے جو مجھ پر عیاں ہُوا، تاہم تحقیق کی طرف رجوع اور وضاحت کو اختیار کرنا چاہئے

۲۷ مجھ سے پردہ کر،

کماتقدم عن الشامی وھو قولہ استتری منی۔	جیساکہ شامی کا بیان گزرااور وہ، تو مجھ سے پردہ کر۔(ت)

۲۸ اے حرام، ۲۹ تو حرام ہے، ۳۰ تو مجھ پر حرام ہے، ۳۱ میں نے تجھے حرام کیا، ۳۲ میں نے تجھے اپنے اوپر حرام کیا، ۳۳ میں تجھ پر حرام ہوں، ۳۴ میں نے اپنے آپ کو تجھ پر حرام کیا، یہاں فقط حرام ہوں یا میں نے اپنے آپ کو حرام کیا کافی نہیں جب تک تجھ پر نہ کہے۔

فی ردالمحتار قولہ حرام سیاتی وقوع البائن بہ بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذلک بین محرمة وحرمتک سواء قال علی اولا، اوحلال المسلمین علی حرام وکل حل علی حرام وانت معی فی الحرام وفی قولہ حرمت نفسی لابدان یقول علیک[1] اھ قلت وھو کذٰلک بھذہ الالفاظ متعارف عندنا بخلاف مامر من قولہ حلال اللہ او المسلمین اوکل حلال فبھذہ الثلثة لایقع الطلاق	ردالمحتار میں ہے: خاوند کا کہنا "تو حرام ہے" عنقریب آئے گا کہ اس سے ہمارے زمانہ میں طلاق کے لیے عرف بن جانے کی وجہ سے بغیر نیت طلاق ہوجائے گی۔اس میں محرّمة یا حرمتک (حرام شدہ یا تجھے حرام کرتا ہوں) میں کوئی فرق نہیں، اور پھر "مجھ پر" کالفظ کہے یا نہ کہے تو بھی کوئی فرق نہ ہوگا، اور خاوند کا کہنا، مسلمانوں کا حلال مجھ پر حرام، اور ہر حلال مجھ پر حرام، تُو میرے ساتھ حرام میں ہے، ان میں کوئی فرق نہیں، تاہم حرمت نفسی (میں نے اپنے نفس حرام کیا) کے

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۹

الا بالنیة لعدم العرف فی زماننا۔	ساتھ علیک (تجھ پر) کہنا ضروری ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس لفظ میں ہمارے زمانے میں بھی یہی حکم ہے کہ بغیر نیت طلاق ہو جائے گی، لیکن "اللہ کا حلال یا مسلمانوں کا حلال اور ہر حلال مجھ پر حرام ہے" اس کے برخلاف ہے، ان تین الفاظ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی کیونکہ ہمارے زمانے میں یہ طلاق کے لئے معروف نہیں ہیں۔ (ت)

(۳۵) ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق،

شامی عن البحر وفی واحدۃ کالف واحدۃ اتفاقا وان نوی الثلث[1]۔	شامی نے بحر سے نقل کیا "ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق" میں اتفاق ہے کہ ایک ہی ہوگی اگرچہ وُہ تین کی نیت کرے۔ (ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا۔

رجعی کے بعض الفاظ یہ ہیں:

۱میں نے تجھے طلاق دی، ۲اے مطلّقہ بتشدید لام، ۳اے طلاق گرفتہ، ۴اے طلاق دی گئی، ۵اے طلاقن، ۶اے طلاق شدہ، ۷اے طلاق یافتہ، ۸اے طلاق کردہ،

فی الدر وانت طالق ومطلّقة بالتشدید[2]۔	دُر میں ہے "تو طلاق والی ہے یا طلاق دی ہُوئی" بالتشدید۔ (ت)

۹اے طلاق دادہ،

فی الخزانة ولو قال لها ای طلاق دادہ یقع واحدة[3]۔	خزانہ میں ہے کہ اگر کہا "اے طلاق دی ہوئی" تو ایک طلاق واقع ہوگی (ت)

مگر اس عورت نے اگر اپنے پہلے شوہر سے طلاق پائی تھی بایں معنی اس نے یہ آٹھ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوگی،

فی الخانیة رجل قال لامرأته یا مطلقة وکان لها زوج قبله وقد کان طلقها ذلک	خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اے طلاق دی ہُوئی" جبکہ اس بیوی کو پہلے کسی خاوند نے طلاق

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

[3] خزانۃ المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/ ۱۱۰

الزوج ان لم ینوبکلامه الاخبار طلقت،وان قال عنیت به الاخبار دین فیما بینه وبین الله تعالٰی وهل یدین فی القضاء اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یدین[1]۔	دی تھی، تو اگر خاوند نے پہلے واقعہ کی حکایت کی نیت نہ کی تو طلاق ہو جائے گی،اور اگر اس نے کہا کہ میں نے پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دی ہے تو دیانۃً یعنی اللہ تعالٰی کے ہاں اس بات کو تسلیم کیا جائے گا، لیکن کیا قضاءً بھی اس کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں،اس میں روایات کا اختلاف ہے،اور صحیح یہ ہے کہ تصدیق کیجائے اور طلاق نہ ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا۔(ت)

"۱میں نے تجھے چھوڑ دیا،

فی الهندیة ترا بهشتم فهذا تفسیر قوله طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا[2]۔	ہندیہ میں ہے،اگر کہا" میں نے تجھے چھوڑدیا" تو عرف میں یہ "میں نے تجھے طلاق دی"کے معنی میں ہے حتی کہ اس سے رجعی طلاق ہوگی (ت)

"۲میں نے تجھے فارغخطی یا ۲فارکھتی دی،

فانه بلسان کثیر من اهل الحرف الدنیة کالحائکین وغیرهم صریح فی الطلاق بل کثیر منهم لایعرف للطلاق لفظا غیرهذا ومعلوم ان کلام کل حالف یحمل علی عرف عــه خاصة ولایجب شیوع ذلك العرف فی الناس عامة کما صرح به المحقق حیث اطلق۔	تو یہ لفظ کسبی لوگوں کی زبان میں صریح کے معنٰی میں ہے بلکہ بہت سے لوگ اس کے علاوہ کوئی لفظ طلاق کے لئے سمجھتے ہی نہیں،اور یہ بات مسلّمہ ہے حلف والے کی کلام کو اس کے خاص عرف پر محمول کیا جائے گا،اور اس عرف کا تمام لوگوں میں معروف ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس پر محقق ابن ہمام نے تصریح کی ہے(ت)

"۳تجھے تیرے شوہر نے طلاق دی،اس کا بھی وہی حکم ہے،

عــه:هکذا فی الاصل بقلم الناسخ والصواب عندی علی عرفه۔حامد رضا غفرله۔	اصل میں ناقل کے قلم سے اسی طرح ہے جبکہ میرے نزدیک علی عرفہ درست ہے۔حامد رضا غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ ۱/۳۸۹

فی الھندیۃ سئل بعضھم عن سکران قال لامرأتہ ای سرخ لبک بماہ ماند رویت کہ بانوی من طلاق دادہ شویت قال ینظر ان کانت المرأۃ ثیبا وکان قبل ھٰذا لھا زوج طلقھا ثم تزوجھا ھذا فانہ لایقع الطلاق بھٰذا اللفظ ان لم تکن لہ نیۃ الطلاق وان لم یکن لہ قبل ھذا زوج یقع الطلاق نوی اولم ینو کذا فی التتارخانیۃ[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ جب کوئی شخص نشے میں اپنی بیوی کو یُوں کہے: "اے سرخ رخسار چاند جیسے چہرے والی میری بانو! تجھے طلاق دی گئی" تو انہوں نے جواب دیا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر بیوی پہلے کسی خاوند سے مطلّقہ اور مدخولہ ہے اور بعد میں اس سے نکاح کیا، تو پھر اس لفظ سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، اور اگر وُہ بیوی کسی سے مطلّقہ نہ ہُوئی تھی تو نیت کی یا نہ کی ہر طرح طلاق ہو جائے گی، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

۱۵ تجھ پر طلاق،

فانہ من اصرح صریح فی زماننا وعرفنا فلا یرد مافی البحر و ذٰلک مثل قول الدر علیّ الطلاق، یقع بلانیۃ للعرف قال الشامی ولاینافی ذٰلک مایاتی من انہ لوقال طلاقک علی لم یقع، لان ذاک عند عدم غلبۃ العرف[2]۔ الخ۔	تو یہ صریح طلاق سے بھی زیادہ واضح طلاق ہے ہمارے زمانہ اور عرف میں، لہٰذا بحر کا بیان یہاں اعتراض کے طور پر وارد نہ ہوگا اور جیسا کہ دُر کا قول کہ "مجھ پر طلاق ہے" کہا تو بغیر نیّت بھی طلاق ہو جائے گی کیونکہ یہ عرف میں طلاق ہے، تو اس پر علامہ شامی نے فرمایا: دُر کی یہ بات آئندہ آنے والی اس بات کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "مجھ پر طلاق" کہنے پر طلاق نہ ہوگی، یہ اس لئے کہ یہ وہاں ہے جہاں یہ لفظ طلاق کے لئے عُرفِ غالب نہ ہو الخ (ت)

۱۶ طلاق ہو جا،

فی الدرو یدخل طلاق باش بلافرق بین	در میں ہے کہ اگر کہا "طلاق ہو" یہ بھی صریح طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیمن یقع طلاقہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۵۴

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

عالم وجاہل[1]۔	کے حکم میں داخل ہے خواہ عالم کہے یاجاہل کہے کوئی فرق نہیں۔(ت)

^۱۷^تو طلاق ہے، ^۱۸^تو طلاق ہو گئی،

فی الدر وفی انت الطلاق او طلاق،یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیئا او نوی واحدۃ او ثنتین فان نوی ثلاثا فثلث[2]۔	در میں ہے: اگر کہا"تو طلاق ہے"تو ایک رجعی طلاق ہو گی خواہ کوئی نیت نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت کی ہو،اور اگر تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہا تو تین طلاقیں ہوں گی۔(ت)

^۱۹^طلاق لے،

فی ردالمحتار خذی طلاقك فقالت اخذت فقد صحح الوقوع بہ بلااشتراط نیۃ کما فی الفتح وکذا یشترط قولھا اخذت کما فی البحر[3]۔	ردالمحتار میں ہے: اگر کہا"اپنی طلاق لے"جواب میں بیوی نے کہا"میں نے لی"تو نیت کے بغیر بھی طلاق ہو گی، صحیح یہی ہے، جیسا کہ فتح میں ہے،اور اس میں عورت کا جواب میں"میں نے لی"کہنا بھی شرط نہیں ہے، جیساکہ بحر میں ہے(ت)

وُہ باہر جاتی تھی کہ کہا ^۲۰^طلاق لئے جا،

فی الخانیۃ واذاجرت الخصومۃ بینھا وبین زوجھا فقامت لتخرج فقال(الزوج سہ طلاق باخویشتن طلاق ببر)فقال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان نوی الایقاع یقع فان لم تکن لہ نیۃ فکذٰلك لانہ ایقاع ظاھرا[4]۔	خانیہ میں ہے:اگر خاوند بیوی میں جھگڑا ہُوا اور بیوی اٹھ کر باہر جانے لگی تو خاوند نے کہا"اپنے ہمراہ تین طلاقیں لے جا"اس پر شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند نے طلاق واقع کرنے کی نیّت سے کہا تو طلاق ہو جائے گی اور نیت نہ ہو تو بھی طلاق ہو جائیگی کیونکہ اس کلام کاظاہر طلاق ہے۔(ت)

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۰

[4] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۲

۲۱اپنی طلاق اٹھااور روانہ ہو،

فی الھندیة عن الخلاصة ولو قال لھاسه طلاق خود بردار ورفتی یقع بدون النیة[1]۔	ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے: اگر کہا "تو اپنی طلاق اٹھااور جا" تو بغیر نیت بھی طلاق ہوجائے گی۔(ت)

۲۲میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی،

فی الخزانة عن الخلاصة ولو قال سه طلاق بکرانه چادر تو بر بستم برو تطلق[2]۔	خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے: اگر کہا "میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی جا" تو طلاق ہوگی(ت)

۲۳جا تجھ پر طلاق (اور اگر صرف جابنیّتِ طلاق کہتا تو بائن تھی)

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته روحی طالق ھل تطلق طلاقا رجعیا ام بائنا واذاقلتم تطلق رجعیا فما الفرق بینه وبین مااذا اقتصر علی قوله روحی ناویا به طلاقا حیث افتیتم بانه بائن اجاب بانه فی قوله روحی طالق معناه روحی بصفة الطلاق فوقع بالصریح بخلاف روحی فان وقوعه بلفظ الکنایة[3]۔	خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا "جا تجھ پر طلاق رجعی ہوگی یا بائنہ ہوگی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رجعی ہے تو پھر صرف "جا" کہنے میں اور اس میں کیا فرق ہوگا جبکہ طلاق کی نیّت سے صرف "جا" کہا تو آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہے۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا "جا تجھ پر طلاق" کا مطلب یہ ہے کہ تو طلاق کی صفت سے موصوف ہو کر جا، تو یہ صریح طلاق ہے اس لئے رجعی ہوگی، اس کے برخلاف اگر صرف "جا" کہا تو صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اس لئے یہ بائنہ ہوگی۔(ت)

۲۴تجھے طلاق یا طلاق تجھ کو،

فی الھندیة خزانة المفتین ولو قال	ہندیہ میں خزانۃ المفتین سے منقول ہے "تجھے طلاق

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] خزانہ المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/۱۰۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق بولاق مصر ۱/۵۱

لها ترا طلاق او طلاق ترا فهی طلاق ولافرق بین التقدیم والتاخیر[1]۔	یا طلاق تجھے" تو اس تقدیم وتاخیر میں کوئی فرق نہیں ہر طرح یہ طلاق ہوجائے گی (ت)

یُوں ہی وہ الفاظ جو کچّی زبان والے کہتے ہیں، مثلاً ۶تلاق، ۷تلاک، ۸تلاغ، ۹تلاکھ، ۱۰تلاخ، ۱۱تلّاکھ، ۱۲تلّاخ ھٰذان بتشدید اللام (یہ دونوں الفاظ لام مشدّد کے ساتھ بھی ہیں۔ت) بلکہ توتلے کی زبان سے ۱۳تلات

وعلٰی ھٰذاالقیاس، وکله ظاهر، فی الطحطاوی ذکرفی البحران الفاظ المصحفة خمسة وهی تلاق وتلاغ وطلاك وطلاغ، تلاك زادفی النهر تلاع وتلال و ینبغی ان یقال ان الفاء اماطاء اوتاء واللام اماقاف اوعین اوغین اوکاف اولام واثنان فی خمسة بعشرة الصریح منها الطاء مع القاف وماعداذلك مصحف[2] اھ **اقول:** وذکر فی الخلاصة رجل قال لامرأته ترا تلاق ھٰهنا خمسة الفاظ (وعد منها) طلاغ وتلاك عن الامام ابی بکر محمد بن الفضل انه یقع وان تعمد وقصدان لایقع عــہ قضاء ویصدق دیانة[3]۔	اسی پر قیاس ہے اور سب ظاہر ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ بحر میں ہے کہ تبدیل شدہ الفاظ پانچ ہیں: تلاق، تلاغ، طلاک، طلاغ، تلاک،۔ اور نہر میں تلاع اور تلال کو بھی شامل کیا ہے۔ تو یہاں یہ بیان مناسب ہوگا، ان الفاظ میں پہلا حرف (فاء کلمہ) ت یا ط ہے اور آخری حرف (لام کلمہ) ق، ع، غ، ک، یا ل ہے تو یوں پہلے حرف کے دو۲ احتمال کو آخری حرف کے پانچ احتمالات میں ضرب سے کل دس۱۰ صورتیں (الفاظ) ہُوئیں ان میں سے ط اور ق کے ساتھ لفظ طلاق میں صریح ہے، اور اس کے علاوہ باقی تمام تبدیل شدہ ہیں اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) خلاصہ میں یُوں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے بیوی کو کہا تجھے تلاق ہے، یہاں پانچ الفاظ ہیں، ان میں انہوں نے طلاغ اور تلاک کو شمار کیا ہے، اور کہا کہ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ ان

عــہ: ھٰهنا سقط والعبارة فی الخلاصة ھکذا ولایصدق قضاء حامد رضاغفرله۔	یہاں کچھ عبارت رہ گئی ہے خلاصہ میں عبارت اس طرح ہے قضاءً تصدیق نہ کی جائے ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب الصریح دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب الطلاق جنس آخر فی الفاظ الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۸۳

الفاظ سے طلاق واقع ہوگی، اور اگر وُہ قاضی کے ہاں کہے میں نے ان الفاظ سے یہ قصد کیا ہے کہ طلاق واقع نہ تو قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا، لیکن دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔(ت)

کسی نے کہا تیری عورت پر طلاق ہے کہا ۳۳ ہاں یا ۳۴ کیوں نہیں،

فی الدرولوقیل لہ طلقت امرأتك فقال نعم اوبلٰی بالھجاء طلقت بحر[1]۔	در میں ہے: اگر کسی نے خاوند سے پُوچھا "تُو نے بیوی کو طلاق دی ہے" تواس نے جواب میں کہا "ہاں" یا "کیوں نہیں" کے ہجے کرتے ہُوئے، توطلاق ہوجائے گی، بحر۔(ت)

مگرجب ایسی سخت آواز ایسے لہجہ سے کہا جس سے انکا وعدمِ اقرار سمجھا جائے، یہ فائدہ اکثر جگہ قابلِ لحاظ ہے فی الخانیۃ والخزانۃ وغیرہما (خانیہ اور خزانہ وغیرہما میں ہے۔ت) یا کہا تیری عورت پر طلاق نہیں، کہا کیوں نہیں (اور اگر کہے نہ یا ہاں توطلاق نہ ہوگی)

اما الاول فانہ صریح فی الانکار اما الاٰخر ففیہ احتمالان اثبات النفی واثبات المنفی ای الطلاق فلایقع بالشک، اقول ولایردمافی الفتح من عدم الفرق بین نعم وبلٰی لان مبناہ علی العرف کما قال صاحب الفتح والذی ینبغی عدم الفرق فان اھل العرف لایفرقون بل یفھمون منھما ایجاب المنفی[2] اھ امافی عرفنا فمعناہ کما قلت فی ردالمحتار عن البحر ان موجب نعم تصدیق	ان میں پہلا لفظ (نہ) صریح انکار ہے، اور دوسرا (ہاں) تو اس میں کئی احتمالات ہیں، نفی کا اثبات یا منفی یعنی طلاق کا اثبات، تو ایسی صورت میں شک ہو تو طلاق نہ ہوگی۔اقول (میں کہتا ہوں) فتح میں یہاں "ہاں" اور "کیوں نہیں" میں عدم فرق کو ذکر کرنا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ ان کے اس بیان کا مبنٰی عرف پر ہے جیسا کہ صاحبِ فتح نے خود بیان کیا ہے کہ مناسب یہی ہے کہ ان دونوں میں فرق نہ ہو کیونکہ عرف والے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ وُہ دونوں میں منفی کا اثبات سمجھتے ہیں اھ، لیکن ہمارے عُرف میں ان دونوں میں فرق ہے، جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ نعم (ہاں) کا

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[2] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۵۳

ماقبلها من کلام منفی او مثبت استفهامًا کان اوخبرا، وموجب بلی ایجاب مابعد النفی استفهامًا کان اوخبرا، الاان المعتبر فی احکام الشرع العرف حتی یقام کل واحد منهما مقام الاٰخر [1] اھ	استعمال پہلی کلام کی تصدیق کے لئے ہوتا ہے خواہ وُہ مثبت ہو منفی استفہامی ہو یا خبر ہو، اور بلٰی (کیوں نہیں) کا استعمال پہلی کلام میں نفی کا اثبات کرنے لئے ہوتا ہے خواہ وہ نفی استفہام میں ہو یا خبر میں، مگر احکامِ شرع میں بہر حال عرف کا اعتبار ہے، حتی کہ عرف میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال مراد لیا جاتا ہے اھ (ت)

۳۷ تجھے طلاق ہے اور مجھے اختیار رجعت نہیں،

فی الشامی عن الخیریة عن الصیرفیة انت طالق ولارجعة لی علیك فرجعیة [2]۔	فتاوٰی شامی میں خیریہ سے اور انہوں نے صیرفیہ سے نقل کیا کہ اگر خاوند نے کہا" تجھے طلاق اور مجھے رجوع کا حق نہیں ہے" تو ایک رجعی طلاق ہوگی (ت)

۳۸ تجھ پر طلاق ہے نہ پھیرے تجھے کوئی قاضی نہ حاکم نہ عالم،

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته انت طالق لا یردك قاضی ولاوال ولاعالم هل یکون بائنا ام رجعیا اجاب هو رجعی ولایملك اخراجه عن موضوعه الشرعی بذٰلك [3]۔	خیریہ میں ہے: سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا" تجھے طلاق ہے تجھے کوئی قاضی، کوئی حاکم یا عالم واپس نہ کرسکے، تو کیا اس صورت میں طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رجعی ہوگی، اور اس کے کہنے سے شرعی ضابطہ ختم نہ ہوگا۔ (ت)

تو ۳۹ مذہب یہود یا نصارٰی یا چاروں مذہب یا سب ۴۰ مذاہب مسلمین پر مطلقہ،

فی الخیریة قال فی منح الغفار اقول وقد کثر فی زماننا قول الرجل انت طالق علی الاربعة مذاهب یرید بذٰلك ان الطلاق یقع علیها	خیریہ میں ہے: منح الغفار میں کہا" میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں خاوند کا قول تجھے چاروں مذہب طلاق" تو اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مذاہب پر متفقہ طلاق ہے، تو ایسی صورت میں یقینا طلاق

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶

باتفاقهم وینبغی الجزم بوقوعه قضاء ودیانة کمالا یخفی اھ اقول: ولاشبهة فی کونه رجعیا لابائنا لما قدمنا[1]۔سئل عن رجل قال لزوجته انت طالق علی مذهب الیهود والنصاری،وعن رجل قال لزوجته انت طالق علی سائر مذاهب المسلمین اجاب فیهما بانه طلاق رجعی[2]۔	ہوجائے گی قضاءً بھی اور دیانۃً بھی، جیسا کہ واضح ہے اھ،اقول: (میں کہتاہوں) یہ طلاق بلاشبہہ رجعی ہوگی بائنہ نہ ہوگی، جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے، نیز ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے یہودی اور نصرانی مذہب پر طلاق، دوسرے نے کہا تجھے مسلمانوں کے تمام مذاہب پر طلاق، توانہوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی۔(ت)

"۲" جا تجھے طلاق ہے، "۳" سوئروں یا یہودیوں کو حلال اور مجھ پر حرام ہو،

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته روحی طالق تحلی للیهودی وتحرّمی علیّ وعمن قال روحی طالق تحلی للخنازیر وتحرمی علی،اجاب بانه رجعی لان قوله روحی طالق صریح فیه،وقوله تحلی للیهود او للخنازیر لغولانه خلاف المشروع وهو لایملکه، وقوله وتحرمی ای حرمة تحصل بانقضاء العدة اذهو ثابت شرعا بصریح الطلاق بعد الدخول[3]۔	خیریہ میں ہے ان سے سوال ہُوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "جا طلاق ہے تُو یہودیوں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام" اور یوں ایک دوسرے نے بیوی کو کہا "جا طلاق ہے تُوخنزیروں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام ہے" تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ "جا طلاق ہے" صریح طلاق ہے، اور اس کا یہ کہنا تو یہودیوں یاخنزیروں کے لئے حلال ہے، لغوبات ہے اور خلافِ شرع ہے جس کا اسے اختیار نہیں، اور اس کا یہ کہنا کہ "تُو مجھ پر حرام ہے" سے مراد وہ حرمت ہے جو عدّت گزرنے کے بعد ہوتی ہے جیساکہ شریعت میں مدخولہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد حرمت ہوتی ہے(ت)

مگر یہ اس وقت جبکہ اس لفظ سے کہ "مجھ پر حرام ہو" طلاق کی نیت نہ کی ورنہ دو بائن پڑیں گی،

فی الشامی نعم لوقصد بقوله وتحرّمی	فتاوٰی شامی میں ہے ہاں اگراس نے "تُو مجھ پر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۷

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۰

علیٰ ایقاع الطلاق وقع بہ اخری بائنۃ [1] اھ **اقول**: ولایردان تحریما اوتحریم نفسہ علیھا طلاق بلانیۃ کما تقدم لان ھذا مضارع ظاہرہ الاستقبال کقولہ طلاق کنم او تکونین مطلّقۃ فافھم۔	حرام ہے" سے نئی طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہو تو یہ دوسری طلاق بائنہ ہوگی اھ، **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ پہلے گزرا ہے کہ بیوی کو اپنے لئے یا اپنے آپ کو بیوی پر حرام کرنا، بغیر نیت بھی طلاق ہوگی جبکہ یہاں یہ کہنا کہ "نئی طلاق کی نیت سے مجھ پر حرام ہے" کہا تو نیت سے طلاق، تو دونوں بیان آپس میں مختلف ہیں، تو جواب یہ کہ یہاں "**تحرمی**" (تو مجھ پر حرام ہوگی) ظاہر طور پر یہ استقبال ہے، جیساکہ میں طلاق دُوں گا یا تو طلاق والی ہوگی، کا حکم ہے، غور کرو۔ (ت)

۴۴ تو مطلقہ اور بائنہ یا ۴۵ مطلقہ پھر بائنہ ہے،

فی الدرولو عطف فقال وبائن اوثم بائن ولم ینو شیئا فرجعیۃ [2]۔	در میں ہے: اگر عطف کیا تو یُوں کہا انت طالق وبائن، یا یوں کہا انت طالق ثم بائن، اور لفظ بائن سے کوئی نئی طلاق مراد نہ لی تو ایک ہی رجعی طلاق ہوگی (ت)

مگر جبکہ ہر لفظ سے جُدا طلاق کی نیت کی ہو تو دو ۲ بائنہ ہیں،

فی ردالمحتار ومفھوم التقیید بعدم النیۃ انہ لو نوی تکریر الایقاع مع الحروف الثلثۃ اونوی بالبائن الثلاث انہ یقع مانوی [3]۔	ردالمحتار میں ہے: نیت نہ ہونے کا مطلب یہ ہُوا کہ اگر اس نے نئی طلاق کی نیت سے تینوں حروف کہے ہوں اور تین طلاقوں کی نیت سے یہ تکرار کیا یا بائن سے تین کی نیت کی ہو، جو بھی نیت کی ہوگی وہ واقع ہوگی۔ (ت)

۴۶ عورت کے بیٹے کو دیکھ کر کہ اے طالقن کے جنے، ۴۷ اے مادر طلاقہ عـــہ،

عـــہ: ھکذا فی الاصل ولعلہ نسخہ الناسخ وعندی صوابہ ای مادرت شش طلاقہ کما یجیئ عن الھندیۃ فقیر حامد رضا قادری	اصل (قلمی نسخہ) میں ایسے ہی ہے اور ممکن ہے یہ ناقل کی غلطی ہو، میرے خیال میں درست یوں ہے اے مادرت شش طلاقہ، جیساکہ ہندیہ سے آئیگا ۱۲ فقیر حامد رضا قادری

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

فی الهندية عن الظهيرية رجل من عادته ان يقول اذا رأى صبيا اى مادرت شش طلاقه فسكر من الخمر فاتاه ابنه فظنه صبيا اجنبيًا فقال رواے مادرت شش طلاقه ولم يعلم انه ابنه طلقت امرأته ثلثا اھ[1]	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ ایک شخص کی عادت ہے کہ وُہ جب کسی بچّے کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے "اے تیری ماں چھ طلاق والی" تو اس کو شراب کا نشہ تھا اس حالت میں اس کا اپنا بیٹا آیا تو اس نے نشے میں سمجھا کہ کوئی اجنبی بچّہ ہے تو اس نے اس کو بھی "جااے تیری ماں چھ طلاق والی" کہہ دیا تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہو جائیں گی اھ (ت)

اقول: (اس میں بھی وہی تفصیل چاہئے جو لفظ مطلقہ وغیرہ میں گزری کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ۴۸تجھ پر پوری یا ۴۹آدھی یا ۵۰تہائی وغیرہ ۵۱تجھ پر طلاق کا ہزارواں حصہ،

فی الدر وجزء الطلقة ولو من الف جزء تطليقة لعدم التجزی[2]۔	در میں ہے: طلاق کی جزء خواہ ہزارویں جُزء، ایک ہی طلاق ہوگی، کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہو سکتے۔ (ت)

۵۲تجھ پر کم درجہ کی طلاق،

فی الخانية ولو قال اقل الطلاق يقع واحدة۔[3]	خانیہ میں ہے اگر کہا کم از کم طلاق تو ایک ہی ہوگی۔ (ت)

۵۳تیرے پر نصف، ۵۴تیرے چوتھائی پر طلاق، ۵۵تیرے ہزارویں ٹکڑے پر طلاق، ۵۶تیری روح پر طلاق، ۵۷تیری جان پر طلاق، ۵۸تیری ناک پر طلاق (اور اگر انف یا بینی پر کہے یا عربی فارسی میں انفك طالق، بر بینی تو طلاق (تیری ناک پر طلاق۔ ت) کہے تو کچھ نہیں، بر عکس اس کے عربی میں عنقك طالق یا فرجك طالق (تیری گردن کو طلاق یا تیری شرمگاہ کو طلاق۔ت) کہے، طلاق ہو جائے گی، اور اُردو میں تیری عنق یا گردن یا فرج پر طلاق کہے تو کچھ نہیں جبکہ لفظ فرج یا اس کا اور مرادف بولے جس سے عرف ہند میں کل عورت مراد نہ لیتے ہوں اگرچہ خاص اردو ہی کا لفظ ہو، وجہ یہ ہے کہ یہاں خاص وُہ لفظ ہونا چاہئے جس سے اُس زبان میں انسان کی ذات کو تعبیر ہوں، عربی میں عنق و فرج ایسے ہی ہیں اور ہماری زبان میں عنق و گردن و خاص لفظ وبینی وغیرہ ایسے نہیں، اور ہمارے یہاں کا یہ عام محاورہ ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۵

[2] درمختار باب السابع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۸

کہ فلاں شخص شہر بھر کی ناک ہے، خاندان کی ناک ہے، عورت موم کی ناک ہے، توظاہر اس میں طلاق ہو جانا چاہئے۔اسی طرح فرج کاوُہ نام جس سے کل عورت مراد لیتے ہوں۔

فی الدر واذااضاف الطلاق الیھا اوالیٰ مایعبربه عنھا کالرقبة والعنق والروح والبدن والجسد(الاطراف داخلة فی الجسد دون البدن)والفرج والوجه والراس وکذاالاست بخلاف البضع والدم علی المختار خلاصة او اضافه الیٰ جزء شائع منھا کنصفھا وثلثھا الیٰ عشرھا(وکذالواضافه الیٰ جزء من الف جزء منھا کما فی الخانیة)وقع لعدم تجزیه[1]اھ مزیدا من ردالمحتار وفیه ایضا کمالایقع لواضافه الی الانف[2]۔	درمختار میں ہے کہ جب طلاق کو بیوی کی طرف یااس کے ایسے حصے کی طرف منسوب کرے جس سے بیوی کی شخصیت مراد لی جاتی ہو، مثلاً گردن، رقبہ، روح، بدن، جسم (ہاتھ اور پاؤں جسد کا حصّہ ہیں بدن کا حصہ نہیں ہیں) شرمگاہ، چہرہ، سَر اور اسی طرح سرین، تو بیوی کو طلاق ہوگی، مگر بضع، دُبر اور خُون کی طرف نسبت کی طلاق نہ ہوگی۔خلاصہ میں اس کو مختار قرار دیا ہے،اور یُونہی اگر طلاق کو بیوی کے غیر معیّن حصّہ مثلاً نصف، ثلث تا دسویں حصّہ کی طرف منسوب کیا اور اگر معیّن حصہ خواہ کتنا مثلاً ہزارواں حصّہ تو طلاق ہو جائے گی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہیں جیسا کہ خانیہ میں اضافہ ہے اھ ردالمحتار میں اضافہ کرتے ہوئے کہا کہ جس طرح ناک کی طرف طلاق کی نسبت، مثلاتیری ناک کو طلاق، توطلاق نہ ہوگی۔(ت)

کسی سے اپنی عورت کی نسبت کہااُسے اس کی طلاق کی خبر دے یا[61] مژدہ دے یا[62] اس کی طلاق کی خبر اس کے پاس لے جایا[63] اسے خبر دے یا[64] اس لکھ بھیج یا اس سے کہہ کہ وہ مطلقہ ہے یا[66] اس کے لئے اس کی طلاق کی سند یا[67] یاداشت لکھ دے ابھی طلاق ہوگئی اگرچہ یہ اس سے نہ کہے نہ لکھے،اوریُوں کہا کہ اس سے کہہ کہ تُو مطلقہ ہے توجب جا کر کہے گااس وقت پڑے گی ورنہ نہیں،

فی الخانیة رجل قال لغیرہ اخبرامرأتی بطلاقھا او احمل الیھاطلاقھااواخبرھا انھاطالق	خانیہ میں ہے،اگر دُوسرے شخص کو کہا، میری بیوی کواس کی طلاق کی خبر دے، یا،اس کی طلاق اس کی طرف لے جا،اسکو خبر دے دو یا کہہ دو کہ وُہ طلاق والی ہے،

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۹/۱،ردالمحتار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۴۳۶/۲

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۹/۱

اوقل لها انها طالق طلقت للحال ولایتوقف علی وصول الخبر الیها ولاعلی قول المامور ذٰلک،ولوقال قل لها انت طالق لایقع الطلاق مالم یقل لها المامور ذٰلک،ولو قال اکتب لها طلاقها ینبغی ان یقع الطلاق للحال کما لوقال احمل الیها طلاقها،وکما لو قال اکتب الٰی امرأتی انها طالق[1]،وخالف العقود فی مسئلة قل لهاھی کذافجعله توکیلا فراجع[عـــه]۔	تو ان صورتوں میں اسی وقت طلاق ہو جائے گی اور بیوی کو خبر پہنچنے یا اس شخص کے بیوی کو کہہ دینے پر موقوف نہ ہوگی،اور اگر یُوں کہا کہ تُو اس کو کہہ دے کہ تُو طلاق والی ہے تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات کہہ نہ دے،اور اگر دوسرے کو کہا کہ تُو میری بیوی کو طلاق لکھ دے،تو اسی وقت طلاق ہوگی جس طرح کہ کہا"اس کو طلاق پہنچادے" یا جس طرح کہا"تو میری بیوی کی طرف لکھ دے کہ اس کو طلاق ہے۔"اور عقوددریہ نے"بیوی کو کہہ دے کہ اس کو طلاق ہے"کے مسئلہ میں مخالف قول کیا ہے اور کہا کہ یہ خاوند کی طرف سے یہ دوسرے شخص کو وکیل بنانا ہے،تو عقوددریہ کی طرف تحقیق کے لئے رجوع کرنا چاہئے۔(ت)

عـــه:عبارة العقود ھکذا سئل فی رجل قال لآخر قل لامرأتی تکون طالقة بالثلث ولم یقل لها الاٰخر شیئافهل لاتطلق مالم یقل لها الجواب نعم لانه توکیل کما صرح به فی البزازیة فی نوع الفاظه[2]اھ وکنت کتبت علی ھامشه مانصه،**اقول**:المضارع	عقود کی عبارت یُوں ہے:اس شخص کے متعلق سوال ہُوا جس نے دُوسرے کو کہا"تُو میری بیوی سے کہہ دے کہ تُو تین طلاق والی ہے"اور جبکہ دوسرے شخص نے یہ بات اس کی بیوی کو نہ کہی ہو تو کیا طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات نہ کہہ دے،اس سوال کے جواب میں فرمایا ہاں(نہ ہوگی)کیونکہ وکالت ہے جیسا کہ بزازیہ میں اس کی تصریح"طلاق کے الفاظ کے اقسام"میں ہے اھ۔میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا،جو یہ ہے،**اقول**:(میں کہتا ہوں)مضارع (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

[2] العقود الدریة کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/۴۱

۶۸ میں تجھے طلاق دیتاہُوں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) انما یعمل اذا غلب للحال ح.ھو کقولہ قل لھا ھی طالق وصرح فی الخانیہ انھا تطلق بذٰلك فی الحال بخلاف قولہ قل لھا انت طالق فلاتطلق مالم یقل.راجع و حرر وان کانت المسئلۃ(اعنی مسئلۃ العقود)قل لامرأتی تکوی طالقۃ(بزیادۃ الیاء وحذف النون کما ھو لغۃ شائعۃ لاسیمافی العوام حتی تکون الصیغۃ للخطاب)فالجواب صحیح بلاریب وموافق لما فی الخانیۃ فلتراجع البزازیۃ اھ ثم من المولی سبحٰنہ وتعالٰی بالبزازیۃ فاتضح ان الامر کما فھمت وان (تکون)تصحیف من(تکونی)فان عبارۃ البزازیۃ ھکذا قال لھا قولی انا طالق فقالت وقع وان لم یقل لا.بخلاف مالو قال لاٰخر قل لامرأتی	کا صیغہ طلاق میں تب عمل کرے گاجب اس سے غالب طور پر حال مراد ہو، توایسی صورت میں اس کا حکم ایسا ہوگا جیسے خاوند دوسرے کو کہے کہ بیوی کو کہہ دواس کو طلاق ہے،اور خانیہ میں تصریح ہے کہ اس سے اسی وقت طلاق ہوگی،بخلاف جب کہے "بیوی کو تُو کہہ دے کہ تجھے طلاق ہے" توطلاق نہ ہوگی جب تک وہ نہ کہہ دے اس کی طرف رجوع کرکے دیکھو،اور اگر یہ عقود کا مسئلہ،یوں ہو کہ،دوسرے کو خاوند کہے،کہ،تُومیری بیوی سے کہہ دے"تو طلاق والی ہوجا" (تکون میں نون کا حذف اور یاء کا اضافہ کرکے کہے جیساکہ یہ عام طور پر خصوصًا عوام میں مشہور ہے،تو یہ بصیغہ امر خطاب ہوگا) تو عقود کا یہ جواب بلاشک وشبہہ درست ہوگا،اور خانیہ کے بیان کے موافق ہوگا،تو بزازیہ کی عبارت پر غور کرواھ ، پھر اللہ تعالٰی نے احسان فرماکر بزازیہ کا مسئلہ واضح کردیا کہ معاملہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور سمجھا کہ "تکونی" کی تبدیلی میں "تکون" ہوگیا، کیونکہ بزازیہ کی عبارت یُوں ہے خاوند نے یہ کہہ دیا تو طلاق ہوجائے گی ورنہ اگر خاوند نے نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی،اس کے برخلاف جب خاوند نے دُوسرے شخص کو کہا کہ تُومیری بیوی سے (باقی برصفحہ آئندہ)

فی الھندیۃ وفی المحیط لوقال بالعربیۃ اطلق لایکون طلاقا الااذا غلب استعمالہ للحال فیکون طلاقا[1]، وفیھا عن الخلاصۃ قالت طلاق بدست مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم طلاق میکنم وکرر ثلثا طلاقت ثلثا بخلاف قولہ کنم لانہ استقبال فلم یکن تحقیقا بالتشکیک۔[2]	ہندیہ میں ہے: اور محیط میں ہے اگر عربی میں مضارع (اطلق) کہا تو طلاق نہ ہوگی، مگر جب یہ لفظ غالب طور پر حال کے لئے استعمال ہوتا ہو تو طلاق ہوجائے گی، اور ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ بیوی نے خاوند کو کہا "طلاق تیرے اختیار میں ہے مجھے طلاق کردے" تو خاوند نے اگر جواب میں یہ کہا "میں طلاق کررہا ہُوں طلاق کررہا ہوں" تین مرتبہ تکرار کیا تو تین طلاقیں ہوں گی، اس کے برخلاف اگریُوں کہے "میں کروں گا" تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ استقبال ہے لہٰذا شک ہوگا اور طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

۶۹میں تجھے طلاق چھوڑتا ہوں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انھا طالق حیث تطلق قال الرجل ام لا، اصلہ ماذکر فی الاصل قال لاٰخر اخبرھا بطلاقھا او بشرھا اواحمل الیھا طلاقھا یقع اخبر ام لا، ولو قال لاُخر قل لھا انت طالق لاتطلق مالم یقل لانہ توکیل[3] اھ فھو کما تری مطابق لما فی الخانیۃ ومختص بصورۃ الخطاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب منہ۔	کہہ دے کہ "وہ طلاق والی ہے" تو طلاق ہوجائے گی وہ شخص بیوی سے کہے یا نہ کہے، اس کا اصل مبسوط میں مذکور ہے کہ خاوند نے دوسرے کو کہا کہ تُو میری بیوی کو طلاق کہہ دے یا اس کو خوشخبری طلاق کی دے یا تو اس کی طلاق اس کو لیجادے، ان صورتوں میں خبر دے یا نہ دے ہر طرح طلاق ہوگی اور خاوند نے دوسرے کو یُوں کہا کہ تُو میری کو کہہ کہ تجھے طلاق ہے، تو جب تک وُہ شخص بیوی کو کہہ نہ دے گا طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ اس شخص کو وکیل بنانا ہوا اھ، تو جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں یہ خانیہ کے مطابق ہے اور خطاب کے صیغہ سے مختص صورت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۵۔ ۱۷۴

فی ردالمحتار عن البحر من الصریح المضارع اذاغلب فی الحال[1] اھ قلت فکیف اذا تمحض له وچھوڑنا من الصریح بلساننا۔	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ مضارع کا صیغہ جب حال کے لئے غالب الاستعمال ہو تو یہ طلاق صریح میں شمار ہوگا، **قلت** (میں کہتا ہوں) اور اگر خالص حال کے لئے ہو تو پھر طریق اولٰی صریح ہوگا جبکہ "چھوڑنا" کالفظ ہماری زبان میں طلاق میں صریح ہے (ت)

ہاں اگر عزم وارادہ کی نیت پر کہے گا بایں معنٰی کہ تجھے طلاق دیا چاہتا ہوں تو عنداللہ طلاق نہ ہوگی،

فی الخیریة یدین علی کل حال أی ولو غلط فی الحال[2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے: مضارع میں خاوند کی بات پر دیانۃً تصدیق بہرحال ہوگی اگرچہ وہ مضارع، حال کے معنٰی میں غالب ہو۔ (ت)

"تجھ پر دو۲ مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہ دی تھی ابھی پڑ گئی بشرطیکہ نکاح کو دو۲ مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں، اور اگر جھوٹی خبر کی نیت تھی تو عنداللہ کچھ نہیں یہ ہر صیغہ میں جاری ہے،

کمافی الخیریة وغیرھا وفیه ایضاقال لھا انت مطلقة من شھرین ویقول نویت الاخبار فی الماضی کاذبا ھل یقع علیه الطلاق ام لاواذا قلتم یقع ھل له ان یردھا ام لا، اجاب یقع قضاء لادیانة وعلی حکم القضاء له مراجعتھا فی العدة بغیرعقد وبعدھا بعقدجدید حیث لم یصدر منه سوی ماذکر،[3] وفی الدروکذاانت طالق امس وقد نکحھا الیوم ولونکحھا قبل امس وقع الاٰن لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال[4]۔ (ملخصًا)	خیریہ وغیرہ میں جیسے ہے کہ اگر کہا "تُو دو۲ ماہ سے مطلقہ ہے، اور اس کے بعد کہا کہ میں نے یہ ماضی کی خبر کاذب کے طور پر کہا ہے، تو کیا اس پر طلاق ہوگی یا نہیں اور اگر آپ فرمائیں کہ طلاق ہوگی تو اس کو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں، اس کا جواب دیا کہ قضاءً طلاق ہوگی دیانۃً نہ ہوگی، اور قاضی کے فیصلہ پر اس کو عدت میں بغیر نکاح اور عدّت کے بعد جدید نکاح سے رجوع کا حق ہوگا، جبکہ مذکورہ کارروائی کے علاوہ خاوند نے کچھ اور نہ کہا ہو، اور دُر میں ہے کہ یُونہی اگر خاوند نے کہا "تو گزشتہ روز سے طلاق والی ہے" تو اگر نکاح آج کیا ہو تو یہ بات لغو ہوگی اور گزشتہ روز سے قبل نکاح کیا ہو تو ابھی سے طلاق ہوجائیگی کیونکہ ماضی کا انشاء حال کا انشاء متصور ہوگا (ت)

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۰

[4] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۰

۱۔ تجھ پر دو برس تک طلاق ہے، اس میں دو برس بعد پڑے گی،

فی الخیریة قال لها انت طالق الی سنتین ولانیة له فما الحکم. اجاب یقع علیها بعد السنتین طلقة واحدة رجعیة صرح به صاحب البحر والبزازیة والولو الجیة وغیرهم من کتب الحنفیة۔[1]	خیریہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تجھے دو ۲سال پر طلاق" اور کوئی خاص نیّت نہ کی ہو تو کیا حکم ہے، تو جواب دیا کہ دو ۲سال بعد رجعی طلاق ہوگی اس کی تصریح بحر، بزازیہ اور ولوالجیہ وغیرہ کتبِ حنفیّہ میں موجود ہے۔(ت)

۲۔ تجھ پر یہاں سے عرب تک طلاق، اور اگر یُوں کہا کہ اتنی لمبی یا بڑی طلاق تو بائن ہوگی،

فی الدر وبقوله من هنا الی الشام واحدة رجعیة مالم یصفها بطول اوکبر فبائنة۔[2]	در میں ہے: خاوند نے کہا "تجھے یہاں سے ملک شام تک طلاق ہے تو ایک رجعی طلاق ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کو کسی طوالت یا بڑائی سے موصوف نہ کیا ہو، اور اگر ایسی صفت سے موصوف کیا تو بائنہ ہوگی(ت)

۳۔ تو فلاں عورت سے زیادہ مطلّقہ ہے، طلاق ہوجائے گی اگرچہ فلاں عورت مطلقہ نہ بھی ہو،

بخلاف مالوقال بالعربیة انت اطلق من فلانة فلاتطلق الابالنیة بشرط ان تکون فلانة مطلقة فقد عد فی الدر قوله انت اطلق من امرأة فلان وهی مطلقة[3] من الکنایات التی یقع بها الرجعی، قال الشامی علیه الرحمة فی الفتح بان افعل التفضیل لیس صریحا فافهم[4] اھ بخلاف مانحن فیه فانه مطلقة صریحة ولایعتریه الاحتمال بزیادة فما فیه الاثبات الطلاق	بخلاف اس کے جب بزبان یُوں کہا "انت اطلق من فلانة" تو نیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، نیت سے بھی تب ہوگی جب وُہ فلاں عورت مطلقہ ہو، خاوند کے اس قول کہ "تجھے فلاں کی عورت سے بڑی طلاق بشرطیکہ وُہ فلاں کی عورت مطلقہ ہو تو در میں اس کو ان کنایات میں شمار کیا ہے جن سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ علامہ شامی نے اس پر فرمایا کہ فتح میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صیغہ تفضیل طلاق میں صریح نہیں ہے، غور کرو اھ، اس کے برخلاف وُہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفة بیروت ۱/۵۱

[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۹

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[4] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۶

والزیادۃ وقد حققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔	صورت جو ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ وُہ صریح مطلقہ ہے اس میں زیادتی وغیرہ کا احتمال رکاوٹ نہ ہوگا یہ طلاق اور زیادتی کا اثبات ہےاور اس کو ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں محقق کیا ہے۔(ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق رجعی پڑتی ہے،[1] اے مطلقہ بسکون طاء،فی الدر انت مطلقۃ بالتخفیف (در میں ہے خاوند نے مُطْلَقَہ یعنی ط پر جزم کے ساتھ،بیوی کو کہا "تُو مُطْلِقَہ ہے"۔ت)[2] میں نے تیری طلاق چھوڑدی،[3] میں نے تیری طلاق روانہ کردی،[4] میں نے تیری طلاق کاراستہ چھوڑدیا،

فی ردالمحتار قولہ خلیت سبیل طلاقك وکذا خلیت طلاقك او ترکت طلاقك ان نوی وقع والا فلا خانیۃ۔[1]	ردالمحتار میں ہے: خاوند نے کہا"میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑدیا،میں نے تیری طلاق روانہ کردی،میں نے تیری طلاق چھوڑدی" تو اگرنیّت کی توطلاق ہوگی ورنہ نہیں،خانیہ۔(ت)

[5] تجھ پرط،ل،ا،ق۔[6] تجھ پرطا،لام الف،قاف۔

فی ردالمحتار قولہ اوط ل اق ظاھر ماھنا مثلہ فی الفتح والبحران یأتی بمسمّی احرف الھجاء والظاھر عدم الفرق بینھا وبین اسمائھا ففی الذخیرۃ قال لامرأتہ الف نون تاء طاء الف لام قاف انہ ان نوی الطلاق تطلق المرأۃ[2]۔(ملخصًا)	ردالمحتار میں ہے: یا خاوند کا قول ط،ل،ا،ق تو یہ طلاق میں ظاہر ہے،اسی کی مثل فتح اور بحر میں ہے کہ حروف ہجاء اور اس کے مسمّٰی کو ذکر کرے تو ظاہر میں کوئی فرق نہیں،ہم نے حروف کے اسماء کو بیان کردیا ہے تو ذخیرہ میں ہے کہ اگر بیوی کو کہا الف،نون،تاء،طاء،الف،لام،قاف،اور طلاق کی نیت کیا تو طلاق ہوگی(ملخصًا)۔(ت)

[7] میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کی،[8] قرض دی،[9] تیرے پاس گروکی،[10] امانت رکھی،[11] میں نے تیری طلاق چاہی،[12] تیرے لئے طلاق ہے،اللہ نے تیری طلاق چاہی،[13] اللہ تعالٰی نے تیری طلاق مقدر کی،

فی ردالمحتار وغیر ذٰلك مثل الطلاق	ردالمحتار میں ماتن کے قول وغیرہ ذٰلک کے تحت

[1] ردالمحتار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۴۶۶/۲

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۳۰/۲

علیك وھبتك طلاقک،بعتك طلاقك اذا قالت اشتریت من غیر بدل،خذی طلاقك اقرضتك طلاقك شاء اللہ طلاقك او قضاء او شئت ففی الکل یقع بالنیۃ رجعی کما فی الفتح،زادفی البحر الطلاق لك الخ [1] وفیہ امامافی البحر ایضا من ان منہ اودعتك طلاقك ورھنتك طلاقك فسیذکر الشارح تصحیح عدم الوقوع بہ [2] **اقول**:ای ان لم ینولان المقصود بہ الرد علی البحر فی جعلہ صریحا۔	بیان کیا،مثلاً میں نے تجھے تیری طلاق ہبہ کی،میں نے تیری طلاق تجھ کو فروخت کی جب جواب میں عورت یہ کہے کہ میں نے بدلہ کے بغیر خریدی،میں نے تیری طلاق تجھے قرض دی،اللہ نے تیری طلاق چاہی،یا اللہ نے تیری طلاق مقدر فرمائی،کیا تُو چاہتی ہے،ان مذکورہ صورتوں میں نیت کی تو ایک طلاق رجعی ہوگی جیساکہ فتح میں ہے،بحر میں اس پر زائد ہے تیرے لئے طلاق ہے الخ اور اسی ردالمحتار میں ہے لیکن جو بحر نے افادہ فرمایا وُہ بھی کہ،میں نے تیرے پاس تیری طلاق امانت رکھی ہے یا رہن رکھی ہے،اس پر شارح طلاق نے واقع ہونے کی تصحیح ذکر کررہے ہیں،**اقول**:(میں کہتاہوں) یعنی اگر نیت نہ کی ہوتو یہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سے مقصد بحر پر رَد کرنا ہے کیونکہ وُہ اس کو صریح قرار دیتے ہیں۔(ت)

۱۵میں نے تیری طلاق تیرے ہاتھ بیچی،عورت نے کہا میں نے خریدی،اور کسی عوض مالی کا ذکر نہ ہوا ور نہ بائن ہوگی)

فی ردّالمحتار عن البحر ولو قال بعت منك تطلیقۃ فقالت اشتریت یقع رجعیا مجانا لانہ صریح [3] اھ وفی الدر وحکم الواقع بالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن [4]۔	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے:اگر خاوند نے کہا میں تجھے ایک طلاق فروخت کرتا ہوں،تو بیوی نے جواب میں کہا میں نے خریدا،تو بلامعاوضہ ایک طلاق رجعی ہوگی،کیونکہ یہ صریح ہے اھ اور دُر میں ہے کہ مال کے بدلے صریح طلاق واقع ہوتو وُہ بائنہ کے حکم میں ہوگی(ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۷
[2] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰
[3] ردالمحتار باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۹
[4] درمختار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۵

(۱۶) میں نے تجھے اس عورت پر طلاق دی کہ تُو اتنے دنوں کے لئے فلاں مطالبہ مجھ سے ہٹادے۔

فان العوض غیر مال ففی ردالمحتار بعد ذکر الطلاق علی مال بخلاف طلقنی علی ان اؤخر مالی علیک، فان التاخیر لیس بمال وصح التاخیر لوله غایة معلومة والا فلا، والطلاق رجعی مطلقا بحر عن البزازیة[1]، کمامر۔	کیونکہ یہ عوض مال نہیں تو ردالمحتار میں طلاق بعوض مال کے بعد ذکر کیا، بخلاف اس کے کہ جب بیوی کہے میرا جو مال تیرے ذمّہ ہے اسے میں تجھ پر مؤخر کرتی ہوں اس کے عوض تُو مجھے طلاق دے۔ خاوند نے اس پر طلاق دے دی تو وُہ رجعی ہوگی کیونکہ یہ عوض یعنی تاخیر مال نہیں ہے۔ اگر مال کی کوئی مدّت مقرر تھی یہ تاخیر درست ہوگی ورنہ نہیں، بزازیہ سے بحر نے گزشتہ کی طرح نقل کیا۔ (ت)

۱۷ میں نے طلاق تیرے دامن میں رکھ دی عـــہ۱

فی الخزانة عن الخلاصة ولو قال ہزار طلاق در دامنت کردم ان نوی اوکان فی حال مذاکرة الطلاق یقع والا فلا[2]۔	خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند نے کہا "میں نے تیرے دامن میں ہزار طلاق رکھ دی ہے" اگر نیت کی تو طلاق ہوگی، یونہی اگر یہ بات طلاق کے مذاکرہ کے بعد کہی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

۱۸ عدت بیٹھ فی ردالمحتار عـــہ۲، ۱۹ تجھ پر ایک،

عـــہ۱: **اقول:** شاید مسئلہ دامن ومسئلہ سابقہ چادر میں فرق بوجہ اضافت وعدمِ اضافت طلاق ہے کہ وہاں یہ کہا تھا تیری طلاق تیرے آنچل باندھی، لہٰذا بے نیّت پڑ گئی، یہاں صرف طلاق کہا، تیری طلاق نہ کہا لہٰذا نیّت پر رہی، ولیحرر، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ

عـــہ۲: ھٰھنا فی الاصل بیاض ولعل العبارة المطلوبة منھا ھی مانقل ھھنا فی الذیل قوله اعتدی امر بالاعتداد الذی ھومن العدة اومن العد، ای اعتدی نعمی علیك بدائع اھ الفقیر حامد رضا قادری غفرلہ۔	یہاں قلمی نسخہ میں بیاض ہے ہوسکتا ہے اس سے مطلوب وُہ عبارت ہو جس کی ذیل میں نقل کیا جاتا ہے کہ اعتدی، اعتداد سے امر ہے جو عدت سے ہے یا عد سے ہے یعنی میرے نکاح کو اپنے اُوپر خدا کو نعمت شمار کر، بدائع اھ ۱۲ الفقیر حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۶۰

[2] خزانة المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/۱۰۸

فی المتون انت واحدۃ ویعرف ماترجمنا من یعرف الدلیل۔	متون میں ہے: تو ایک ہے، تو ہمارے قائم کردہ عنوان سے دلیل جاننے والے کو معلوم ہے۔(ت)

[۱۰] تجھ پر دو، اس میں دو [۲] طلاقیں رجعی بحالتِ نیّت پڑیں گی،

فانه مثله بعین الوجه لان الوقوع بطلاق مضمر فکان رجعیا ویحتمل غیرہ فتوقف علی النیّة وعد فی البحر من ھذا القسم لست لی بامرأۃ وما انالك بزوج[1]، حیث یقع رجعی ان نوی **قلت** والوقوع به مذھب الامام وعندھما لاوان نوی کما فی الخانیة و قد قدم قول الامام لکن فی الخلاصة وخزانة المفتین وجواھر الاخلاطی والھندیة فی قوله توزن من نیی لایقع وان نوی ھوالمختار[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ بھی پہلی ہی وجہ کی طرح معلوم ہے کہ یہاں لفظ طلاق پوشیدہ ہے جس سے یہ طلاق رجعی ہوگی، اور غیر طلاق کا احتمال ہونے کی وجہ سے نیت پر موقوف ہوگی، اور بحر میں اسی قسم سے شمار کیا ہے جب یہ کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں اور میں تیرا خاوند نہیں" نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہوگی، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس کلام سے طلاق کا وقوع امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک نیّت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، اور بحر میں امام کے قول کو پہلے ذکر کیا ہے، لیکن خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواھر الاخلاطی اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ خاوند نے کہا "تو میری بیوی نہیں ہے" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی مختار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

ان سب میں نیت کی حاجت ہے اگر نیت نہیں تو کچھ نہیں اور ہے تو طلاق رجعی عــہ۔ [۱] بے وجہ بے سبب طلاق

عــہ: اصل میں اتنی عبارت اور زائد ہے یہ دوسوبیس [۲۲۰] الفاظِ طلاق ہیں جن میں سے ایک سو تیس [۱۳۰] سے بائن پڑتی ہے، نوے [۹۰] سے رجعی۔ دونوں میں ننانوے [۹۹] سے بے نیّت باقی سے منوی، اور ہنوز ہر قسم میں زیادت کو اور الفاظ باقی اقوال بعد تکمیل الفاظ اضافہ فرمائے گئے لہٰذا منوی ایک سوپینتالیس [۱۴۵]، غیر منوی ایک سوآٹھ [۱۰۸]، یہ کل دوسوترپن الفاظ ہیں ۲۵۳، ایک سوساٹھ [۱۶۰] سے بائن اور ترانوے [۹۳] رجعی ۱۲حامد رضا غفرلہ

---

[1] بحر الرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۰۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۶

دینا فی نفسہٖ ناپسندیدہ بلکہ شرعًا مذموم ہے، ۲خصوصًا بائن کے بے ضرورت محض بدعت و ممنوع ہے۔ عورت کا معاذاللہ فاحشہ ہونا اگرچہ سب سے بڑھ کر اجازتِ طلاق کی وجہ، مگر بائن کی بھی کار برآری ممکن کہ طلاق رجعی بطور مسنون دے اور رجعت نہ کرے خود ہی بائن ہوجائے گی، وقت طلاق میں بھی یہ خصوصیت ہے کہ زن مدخولہ کو ۳حیض یا ۴نفاس میں طلاق نہ دے مگر خلع وغیرہ جو طلاق مال کے عوض ہو وہ اس حال میں بھی جائز ہے، ۵عورت کی عمر اگر نو۹ برس سے کم ہے، ۶یا پچپن تک پہنچ چکی ہو، ۷یا جوان تو ہوئی مگر حیض کبھی نہ آیا، ۸یا حاملہ ہے تو ایسی عورت کو ایک مہینے میں دو طلاق نہ دے، اور ۹جو عورت ان چار کے علاوہ ہے اسے ایسی پاکی نہ دے کہ اس میں یا ۱۰اس سے پہلے کے حیض میں یہ اسے طلاق دے چکا، یا ۱۱ان میں، یا ۱۲دھوکے سے دُوسرا شخص اس سے جماع کرچکا ہے، طلاق میں یہ بارہ ۱۲صورتیں منع ہیں، پھر ان سب ممانعتوں کے یہ معنٰی کہ مرد اُن کے خلاف سے گنہگار ہوگا ورنہ طلاق تو بہر حال پڑ جاتی ہے جب تک عورت پر قیدِ نکاح یا عدّت اور مرد کے ہاتھ میں کوئی طلاق باقی ہے،

فی فتح القدیر اول کتاب الطلاق الاصح حظرہ الالحاجۃ غیران الحاجۃ لاتقتصر علی الکبر والریبۃ اھ ملخصًا[1]، فی ردالمحتار ان الضعیف ھو عدم اباحتہ الا کبر او ریبۃ والذی صححہ فی الفتح عدم التقیید بذٰلك کماھو مقتضی اطلاقھم الحاجۃ وبما قررناہ ظھران لامخالفۃ بین مادعاہ انہ المذہب وما صححہ فی الفتح[2] اھ وفیہ عن البحر عن الفتح الواحدۃ البائنۃ بدعیۃ فی ظاھر الروایۃ[3] الخ	فتح القدیر میں کتاب الطلاق کے شروع میں ہے، اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہو تو ممنوع نہیں ہے، مگر حاجت صرف بڑھاپے اور شکوک میں منحصر نہیں ہے اھ ملخصًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ طلاق کا صرف بڑھاپے یا شکوک کی بناء پر مباح ہونا ضعیف ہے اور جس کو فتح میں صحیح قرار دیا ہے اُس میں اِس کی قید نہیں بیان کی، جیسا کہ فقہاءِ کرام نے مطلق حاجت کو بیان کیا ہے، اور ہماری تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ جس کے متعلق مذہب ہونے کا دعوی کیا اور جس کی تصحیح فتح میں کی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اھ اور اسی میں بحر اور اس نے فتح سے نقل کیا کہ ایک بائنہ طلاق، ظاہر روایت میں بدعی طلاق

[1] فتح القدیر کتاب الطلاق نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

[3] کتاب الطلاق ۲/ ۴۱۸

فی الدر طلقة رجعیة فقط فی طهر لاوطی فیه احسن، وطلقة لغیر موطؤة ولو فی حیض، ولموطوئة تفریق الثلث فی ثلاثة اطهار لاوطی فیها ولافی حیض قبلها ولاطلاق فیه فیمن تحیض وفی ثلاثة اشهر فی حق غیرها حسن وسنی، وحل طلاق الآیسة والصغیرة و الحامل عقب وطی لان الکراهة فیمن تحیض لتوهم الحبل، والبدعی ماخالفهما والخلع فی الحیض لایکره والنفاس کالحیض[1] اھ ملخصاً. قال الشامی قوله لاوطء فیه لم یقل، منه، لیدخل فی کلامه مالووطئت بشبهة، فان طلاقها فیه حینئذ بدعی نص علیه الاسبیجابی، وبهٰذا عرف ان کلام المصنف اولی من قول غیره لم یجامعها فیه لکن لابد ان

ہے الخ، اور دُر میں ہے کہ ایک رجعی طلاق ایسے طُہر میں جس میں وطی نہ کی ہو فقط وہی احسن طلاق ہے اور غیر موطوءہ بیوی کو اگرچہ حیض کے دوران ایک طلاق اور وطی شدہ کو تین طُہروں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہوئی اور نہ ایسے طُہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہوئی ہو اور نہ ایسے طہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو، حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جس کو حیض نہ آتا ہو، تو ایسی طلاقیں حسن اور سنی ہوں گی۔ اور بوڑھی، نابالغہ اور حاملہ کو وطی کے بعد طلاق دینا حلال ہے کیونکہ وطی کے بعد طلاق دینا اسلئے مکروہ ہے کہ حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ جوان حیض والی میں ہوسکتا ہے، اور بدعی طلاق وُہ ہے جوان مذکورہ دو۲ قسموں (احسن اور حسن) کے خلاف ہو، اور حیض میں خلع مکروہ نہیں اور نفاس بھی حیض کا حکم رکھتا ہے اھ ملخصا۔ علامہ شامی نے فرمایا: ماتن کا قول "وُہ طہر جس میں وطی نہ ہو" کہا، یہ نہ کہا کہ اس خاوند سے وطی نہ ہوئی ہو، یہ اس لئے تاکہ کلام شبہہ سے وطی کو بھی شامل ہوسکے، کیونکہ ایسی صورت میں بھی طلاق بدعی ہوگی جیسا کہ اس پر اسیجابی نے نص کی ہے۔ اور اس سے معلوم ہُوا

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵تا۲۱۷

یقول ولافی حیض قبلہ ولاطلاق فیھما ولم یظھر حملھا ولم تکن آیسۃ ولاصغیرۃ کما فی البدائع لانہ لو طلقھا فی طھر وطئھا فی حیض قبلہ کان بدعیا، وکذا لوکان قد طلقھا فیہ وفی ھذاالطھر،لان الجمع بین تطلیقتین فی طھر واحد مکروہ عندنا[1]، قولہ فی حق غیرھا ای فی حق من بلغت بالسن ولم تر دما اوکانت حاملا او صغیرۃ لم تبلغ تسع سنین علی المختار او اٰیسۃ بلغت خمس وخمسین سنۃ علی الراجح، اما ممتدّۃ الطھر فمن ذوات الاقراء لانھا شابۃ رأت الدم فلایطلقھا للسنۃ الاواحدۃ مالم تدخل فی حدّ الایاس[2]، قال فی الذخیرۃ عن المنتقی لاباس بان

کہ مصنف کی کلام دُوسروں کی نسبت اولٰی ہے کیونکہ دُوسروں نے یُوں کہا ہے کہ خاوند نے اس طُہر میں وطی نہ کی ہو، لیکن مصنف کی کلام میں یہ کہنا بھی ضروری تھا کہ اس طُہر سے قبل حیض میں بھی وطی نہ ہو اور نہ طلاق ہو، اور حمل ظاہر نہ ہو اور بوڑھی اور نابالغہ نہ ہو، جیسا کہ بدائع میں ہے کیونکہ اگر ایسے طُہر میں طلاق دی جس سے قبل حیض میں وطی کی ہو تو وہ طلاق بدعی ہوگی اگرچہ طُہر میں وطی نہ ہو، اور یُوں ہی اگر اس حیض میں طلاق کے بعد طُہر میں طلاق دی ہو کیونکہ ایسی صورت میں ایک طہر میں دو ۲ طلاقیں شمار ہوں گی جو کہ ہمارے ہاں مکروہ ہے۔ اور ماتن کا قول کہ "اس کے غیر میں" یعنی وُہ عورت حیض کی بجائے عمر کے حساب سے بالغ قرار پائے اور اس نے کسی حیض کا خُون نہ دیکھا اور نہ پایا، یا عورت حاملہ ہو، یا ایسی نابالغہ جو نو ۹ سال سے کم عمر والی ہو مختار قول کے مطابق، یا آئسہ (وہ عورت جو پچپن ۵۵ سال کو پہنچ چکی ہو) راجح قول کے مطابق، یا حیض والی عورتوں میں وُہ عورت جس کا طُہر دراز مدّت تک ختم نہ ہو، کیونکہ نوجوان عورت جس کو خونِ حیض آچکا ہے تو اس کو سنت طلاق صرف ایک ہی ہوگی جب تک وُہ حدِایاس تک نہ پہنچی ہو۔ ذخیرہ میں منتقی سے منقول ہے: اگر بیوی سے کوئی ناپسندیدہ

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۹

یخلعها فی الحیض اذا ارای منها مایکره اھ وکذا الطلاق علی مال لایکره فی الحیض کما صرح به فی البحر عن المعراج والمراد بالخلع ماذاکان خلعا بمال[1]. قوله والنفاس کالحیض قال فی البحر ولما کان المنع من الطلاق فی الحیض لتطویل العدة علیها کان النفاس مثله جوھرة[2] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔	امر محسوس کرے تو حیض کے دوران بھی خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں اھ یُوں ہی مال کے عوض طلاق حیض میں دی جائے تو مکروہ نہیں جیسا کہ بحر میں معراج سے نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے اور خلع سے مراد وُہ ہے جو مال کے عوض ہو۔ ماتن کا قول کہ "نفاس، حیض کی طرح ہے"۔ بحر میں فرمایا کہ حیض میں طلاق عورت کی عدت کو طوالت سے بچانے کی وجہ سے ممنوع ہے تو نفاس میں یہی بات ہے اس لئے یہ بھی حیض کی طرح ہے، اھ، (ردالمحتار کی تمام عبارت، ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

فہرست الفاظِ طلاق

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑجائے گی

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
١	جا	۵۱۵	١١	سرک	۵۱۵
٢	نکل	۵۱۵	١٢	جگہ چھوڑ	۵۱۵
٣	چل	۵۱۵	١٣	گھر خالی کر	۵۱۵
۴	روانہ ہو	۵۱۵	١۴	دُور ہو	۵۱۵
۵	اُٹھ	۵۱۵	١۵	چل دُور	۵۱۵
٦	کھڑی ہو	۵۱۵	١٦	اے خالی	۵۱۵
٧	پردہ کر	۵۱۵	١٧	اے بَری	۵۱۵
٨	دوپٹہ اوڑھ	۵۱۵	١٨	اے جُدا	۵۱۵
٩	نقاب ڈال	۵۱۵	١٩	توجُدا ہے	۵۱۵
١٠	ہٹ	۵۱۵	٢٠	تو مجھ سے جُدا ہے	۵۱۵

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴١٨/٢

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۴١٨/٢

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۲۱	میں نے تجھے بے قید کیا	۵۱۵	۴۰	تشریف کاٹو کرالے جائیے	۵۱۵
۲۲	میں نے تجھ سے مفارقت کی	۵۱۵	۴۱	جہاں سینگ سمائے جا	۵۱۵
۲۳	رستہ ناپ	۵۱۶	۴۲	اپنا مانگ کھا	۵۱۵
۲۴	اپنی راہ لے	۵۱۶	۴۳	بہت ہوچکی اب مہربانی فرمایئے	۵۱۵
۲۵	کالامنہ کر	۵۱۶	۴۴	اے بے علاقہ	۵۱۵
۲۶	چال دکھا	۵۱۶	۴۵	منہ چھپا	۵۱۵
۲۷	چلتی بن	۵۱۶	۴۶	جہنم میں جا	۵۱۵
۲۸	چلتی نظر آ	۵۱۶	۴۷	چولھے میں جا	۵۱۵
۲۹	دفع ہو	۵۱۶	۴۸	بھاڑ میں جا	۵۱۵
۳۰	دال فے عین ہو	۵۱۶	۴۹	میرے پاس سے چل	۵۱۵
۳۱	رفوچکّر ہو	۵۱۶	۵۰	اپنی مراد پر فتحمند ہو	۵۱۵
۳۲	پنجرا خالی کر	۵۱۶	۵۱	میں نے نکاح فسخ کیا	۵۱۵
۳۳	ہٹ کے سڑ	۵۱۶	۵۲	تُو مجھ پر مثل مردار [عہ۱]	۵۱۵
۳۴	اپنی صورت گما	۵۱۶	۵۳	یا مثل سُوئر	۵۱۵
۳۵	بستر اٹھا	۵۱۶	۵۴	یا مثل شراب کے ہے	۵۱۵
۳۶	اپنا سُوجھتا دیکھ	۵۱۶	۵۵	تو مثل میری ماں [عہ۲]	۵۱۷
۳۷	اپنی گٹھڑی باندھ	۵۱۶	۵۶	یا بہن	۵۱۵
۳۸	اپنی نجاست الگ پھیلا	۵۱۶	۵۷	یا بیٹی کے ہے	۵۱۵
۳۹	تشریف لے جائیے	۵۱۶	۵۸	توخلاص ہے	۵۱۵

عہ۱: نہ مثل بھنگ یاافیون یامال فلاں یازوجہ فلاں کے۔

عہ۲: یُوں کہاتُوماں بیٹی ہے، توگناہ کے سواکچھ نہیں۔

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۵۹	تیری گلوخلاصی ہوئی	۵۱۷	۷۹	تیری رسی چھوڑدی	۵۱۸
۶۰	توخالص ہوئی	۵۱۷	۸۰	تیری لگام اتارلی	۵۱۸
۶۱	حلال خدا	۵۱۷	۸۱	اپنے رفیقوں سے جاہل	۵۱۸
۶۲	یاحلال مسلماناں	۵۱۷	۸۲	مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں	۵۱۹
۶۳	یاہر حلال مجھ پر حرام	۵۱۷	۸۳	خاوند تلاش کر	۵۱۹
۶۴	تو میرے ساتھ حرام میں ہے	۵۱۷	۸۴	میں تجھ سے جدا ہوں یا ہوا عہ۲	۵۲۰
۶۵	میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا عہ۱	۵۱۷	۸۵	میں نے تجھے جدا کیا	۵۲۰
۶۶	میں تجھ سے باز آیا	۵۱۸	۸۶	میں نے تجھ سے جدائی کی	۵۲۰
۶۷	میں تجھ سے در گزرا	۵۱۸	۸۷	توخود مختار ہے	۵۲۰
۶۸	تُو میرے کام کی نہیں	۵۱۸	۸۸	توآزاد ہے	۵۲۰
۶۹	میرے مطلب کی نہیں	۵۱۸	۸۹	مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں	۵۲۱
۷۰	میرے مصرف کی نہیں	۵۱۸	۹۰	مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا	۵۲۱
۷۱	مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں	۵۱۸	۹۱	میں نے تجھے تیرے گھر والوں عہ۳	۵۲۱
۷۲	کچھ قابو نہیں	۵۱۸	۹۲	یاباپ	۵۲۱
۷۳	ملک نہیں	۵۱۸	۹۳	یاماں	۵۲۱
۷۴	میں نے تیری راہ خالی کردی	۵۱۸	۹۴	یاخاوندوں کو دیا	۵۲۱
۷۵	تومیری ملک سے نکل گئی	۵۱۸	۹۵	یاخود تجھ کو دے ڈالا	۵۲۱
۷۶	میں نے تجھ سے خلع کیا	۵۱۸	۹۶	مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا عہ۴	۵۲۱
۷۷	اپنے میکے بیٹھ	۵۱۸	۹۷	میں تیرے نکاح سے بری ہوں	۵۲۱
۷۸	تیری باگ ڈھیلی کی	۵۱۸	۹۸	بیزار ہوں	۵۲۱

عہ۱: اگرچہ کسی عوض کا ذکر نہ کرے اور عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا۔

عہ۲: فقط میں جدا ہوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بہ نیت طلاق کہے۔

عہ۳: کیا میں نے تجھے تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو دے دیا تو کچھ نہیں۔

عہ۴: مجھ میں تجھ میں کچھ نہیں رہا سے کچھ نہیں اگرچہ نیّت کرے۔

مسئلہ ۲۶۹: از کانپور فراش خانہ عقب آبکاری سڑک جدید متصل کوڑہ گھر مکان حافظ زبیر حسن مرسلہ مولوی سیّد سعید الحسن صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو بذریعہ خط یہ لکھاکہ تم مجھ کو فارغ خطی دے دواوراس زوجہ ہندہ کے لکھنے پر شوہر زید نے یہ لکھ دیاکہ میری طرف سے تین مرتبہ فارغ خطی ہے مجھ کو تم سے کچھ مطلب نہیں جو تمہارا جی چاہے وہ کرو، تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یانہ؟ اور مسمّاۃ ہندہ کو اب کیا کرنا چاہئے؟ شوہر زید کے پاس جانادرست ہے یانہ؟ اگر جائے توکیاہے؟ **بینوا فی الکتاب توجروا یوم الحساب۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، زید کے پاس اسے جانا حرام محض ہے، بے حلالہ کے زید سے نکاح نہیں ہوسکتا،

فان ھذا اللفظ من الرجل لامرأتہ لایستعمل الافی معنی الطلاق ولایرادو لایفھم منہ الاھذا، فکان من الصریح الذی لایحتاج الی النیۃ لانہ حیث یقع جوابا لسؤالھا کما ھٰھنا فانہ لایحتمل الرد کما لایخفی۔	خاوند کی طرف سے بیوی کے لئے اس لفظ کا استعمال صرف طلاق کے معنٰی میں ہوتا ہے اوراس سے مراد اور فہم یہی ہوتا ہے، لہٰذا یہ لفظ صریح ہے جس میں نیّت کی محتاجی نہیں ہے کیونکہ جیسے یہاں بیوی کے سوال کے جواب میں مذکور ہو تو اس سے رَد کا احتمال نہیں ہوتا، جیساکہ مخفی نہیں ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فمالایستعمل فیھا الافی الطلاق فھوصریح یقع بلانیۃ ومااستعمل فیما استعمال الطلاق وغیرہ فحکمہ حکم کنایات العربیۃ فی جمیع الاحکام، بحر[1]۔	جو لفظ صرف طلاق میں استعمال ہو وہ صریح ہوتا ہے جس میں نیت کی حاجت نہیں، اور جو لفظ طلاق اور غیر طلاق میں استعمال ہوتواس حکم تمام احکام میں عربی کنایہ جیسا ہوتا ہے، بحر۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ میں بدائع سے ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹

مسئلہ ۲۷۰: (مسوّدہ میں سوال نہیں ملا)

الجواب:

اگر یہ بات اس نے صحیح کہی کہ میں تو پہلے خط میں فارغ خطی بھیج چکاہُوں تو اگر اس خط میں یہ تھا کہ میں نے تجھے فارغ خطی دی تو خط لکھتے ہی ایک طلاق ہو گئی تھی اور اگر خط میں یہ تھا کہ جب یہ خط تجھے پہنچے تو تجھے فارغ خطی ہے، اور وہ خط اسے پہنچا تو اس وقت اسے طلاق ہو گئی تھی بہرحال اس طلاق کے بعد اگر تین حیض عورت کو ہو چکے تھے، اس کے بعد یہ خط لکھا جس کی نقل سوال میں ہے جب تو یہ خط بیکار ہے کہ پہلے طلاق ہو چکی اور عدت گزرلی اور اگر اس نے رجعت نہ کی تو عورت اجنبیہ ہو گئی اس کی طلاق کا محل نہ رہی اس صورت میں عورت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے، اور اگر اس خط کے لکھنے یا پہنچنے کے بعد عورت کو ابھی تین حیض نہ ہوئے یا خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وُہ نہ پہنچا یا اس نے سرے سے خط لکھا ہی نہ تھا یوں ہی غلط لکھ دیا تو ان سب صورتوں میں اس پر تین طلاقیں ہو گئیں، بعد انقضائے عدت سوائے شوہر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے شوہر سے بے حلالہ نہیں ہو سکتا، حلبی پھر شامی علی الدرالمختار میں ہے:

انت علیّ المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ لکونہ بائنا[1]، ملخصا۔	تو مجھ پر حرام ہے، کہنے پر مفتٰی بہ قول میں نیت پر موقوف نہیں، حالانکہ یہ طلاق بائنہ ہے ملخصًا (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

افتی المتأخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلانیۃ۔[2]	متاخرین نے کہا "تو مجھ پر حرام ہے" کہنے میں طلاق بائنہ ہوگی، عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر واقع ہوگی (ت)

فارغ خطی عرف میں طلاق صریح ہے کہ عورت کی طرف اس کی اضافت سے طلاق ہی مراد و مفاد ہوتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

الصریح ماغلب فی العرف استعمالہ فی الطلاق بحیث لایستعمل عرفا الافیہ من ایّ لغۃ کانت وھذافی عرف زماننا کذٰلک فوجب اعتبارہ صریحا[3]۔	صریح وُہ لفظ ہے جس کا عرف میں غالب استعمال طلاق کے لئے ہو۔ اور کسی بھی عرف میں وہ بغیر نیت صرف طلاق کے لئے استعمال ہو اور یہ لفظ ہمارے زمانہ کے عرف میں ایسا ہی ہے لہذا اس کے صریح ہونے کا اعتبار ضروری ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۹

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

[3] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۲

اور صحیح یہ ہے کہ طلاق لے طلاق صریح ہے، محیط پھر ہندیہ میں ہے:

لوقال لها داد طلاق يقع من غير نية وهو الاشبه لان قوله داد فی العادة، وقوله خذسواء ولو قال لها خذى طلاقك يقع من غير نية كذاههنا كذافی المحيط[1]، ملخصًا۔	اگر خاوند نے کہا "طلاق دے" تو بغیر نیت طلاق ہو جائے گی، اور یہی اشبہ بالحق ہے، کیونکہ "داد" کہنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے "خذ" (لے پکڑ) کہا تو عادت میں "داد" (فارسی) اور خذ (عربی) دونوں مساوی ہیں، اور اگر خاوند کہے "لے طلاق پکڑ" تو بغیر نیت طلاق ہو جاتی ہے، تو یہاں بھی ایسے ہی ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے۔ ملخصًا (ت)

اور دوبارہ لفظ کے طلاق جدید ہوگا نہ تاکید، اشباہ میں ہے:

التاسیس خیر من التاکید فاذا دار اللفظ بینهما تعین الحمل علی التاسیس ولذا قال اصحابنا رحمهم اللّٰه تعالٰی لو قال لزوجته انت طالق طالق طالق طلقت ثلثا[2]، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	تاسیس یعنی نیا فائدہ، تاکید سے بہتر ہے، لہٰذا جب کوئی لفظ تاسیس اور تاکید دونوں کا احتمال رکھے تو اس کو تاسیس پر محمول کرنا متعین ہوگا، اس لئے ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند نے لفظ طلاق کو تین مرتبہ دہرایا تو تین طلاقیں ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

اگر خط مذکور میں "لے" کا لفظ مکرر نہ ہوتا، یُوں ہوتا کہ فارغ خطی لے تو بقیہ کی وجہ سے تین طلاقیں ہوتیں یا کیا حکم تھا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خط لکھنے اور پہنچنے کے احکام وہی ہیں جو گزرے اور اگر اس میں خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وُہ نہ پہنچا تو دو۲ طلاقیں بائن ہوئیں، تو اگر اس نے اس لفظ کہ "تو میرے کام کی نہیں" طلاق کی نیت کی تو ایک اس سے

وانما احتاج الی النية مع ان الحال حال المذاكرة كما ذكره مسندا	حالت مذاکرہ طلاق (جیسا کہ بیوی کے باپ کے خط کا حوالہ ہے) ہونے کے باوجود نیت کا محتاج ہوگا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] الاشباہ والنظائر التاسیس خیر من التاکید ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۱

الیٰ کتاب ابیھا لانه یحتمل السب کما حققناه فی جدالممتار والحالة حالة الغضب فلاتجعله المذاکرة غنیا من النیة کما حققناه فیه مستفتدین اور دوسری فارغ خطی لے، سے لانه رجعی صریح فیلحق البائن اماقوله حرام ہوچکی فھو وان صار صریحا بالعرف لایلحق البائن علی مافی الحلبی ثم الشامی، حیث قالا ولایرد انت علی حرام، علی المفتی به من عدم توقفه علی النیة مع انه لایلحق البائن ولایلحقه البائن لکونه بائنالما ان عدم توقفه علی النیة امر عارض له لابحسب اصل وضعه[1] اھ۔	کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ہم جدالممتار میں تحقیق کرچکے ہیں جبکہ یہاں حالت بھی غصّہ کی ہے، اس لئے مذاکرہ طلاق یہاں نیت سے مستغنی نہیں کرسکتا، جیسا کہ ہم نے فتح القدیر سے ان کو استفادہ کرکے تحقیق کی ہے، اور دوسری (طلاق یہ کہنے سے کہ "فارغ خطی لے" کیونکہ یہ صریح رجعی طلاق ہے تو بائن کو لاحق ہوگی، لیکن خاوند کا کہنا "حرام ہوچکی ہے" یہ لفظ اگرچہ عرف کی بناء پر صریح طلاق بن چکا ہے لیکن بائن کو لاحق نہ ہوگی حلبی اور پھر شامی کے بیان پر کہ "ضابطہ پر تو مجھ پر حرام ہے" سے اعتراض نہ ہوگا جیسا کہ مفتٰی بہ قول پر یہ نیت پر موقوف نہیں ہے (یعنی صریح طلاق ہے) حالانکہ نہ بائنہ اس کو لاحق ہوسکتی اور نہ ہی یہ بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، کیونکہ ایسی بائنہ ہے جو نیّت پر موقوف نہیں ہے، اور اس کا نیت پر موقوف نہ ہونا (یعنی صریح ہونا) عارضہ کی بناء پر ہے اپنے اصل کے اعتبار سے نہیں اھ (ت)

اقول: والوجه فیه انه یمکن جعله اخبارا فلاضرورة جعله انشاء (**میں کہتا ہوں**، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو قبل ازیں طلاق سے حکایت اور خبر قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے اس کو انشاء قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ت) اور اگر اس لفظ سے کہ "تو میرے کام کی نہیں" اس نے نیت طلاق کی تو ایک حرام سے ہوچکی اور دوسری فارغ خطی سے، بہرحال باقی الفاظ سے کچھ نہ پڑے گی،

لان کل مابعده کنایات بوائن فلاتلحق البائن و اللفظ الثانی وان کان الواقع به رجعیاقدصار بلحوقه البائن بائنا فلاتلحقه	کیونکہ اس کے بعد تمام الفاظ بائنہ طلاق والے ہیں لہٰذا وہ بائنہ کو لاحق نہ ہوں گے، اور دوسرا لفظ، اگرچہ اس سے رجعی طلاق ہوئی مگر اس کو بائنہ لاحق ہونے پر وُہ بائنہ ہوگئی اس لئے اس کو

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۹

کنایة بائن لامکان جعله اخبار ابل لحوقه بالثانی لحوقه بالاول وقد کان بائنا فیمتنع کله کما بیناه فی جدالممتار.	کنایہ والی بائنہ لاحق نہ ہوسکے گی، بلکہ اس کو خبر بنایا جانا ممکن ہے اس لئے اس کو طلاق نہ قرار دینے کی وجہ سے بھی لحوق نہ ہوگا بلکہ اس کو ثانی کو لحوق ہی اول کو لحوق قرار دیا جائے گا جبکہ یہ بائنہ ہے لہٰذا اس کے بعد والی تمام بائنہ ممنوع ہوں گی جیسا کہ ہم نے جدالممتار میں بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر وہ خط اس نے لکھا ہی نہ تھا تو تین طلاقیں ہونا چاہئے۔

لان اقراره بتقدیم فار غخطی اقرار بالطلاق، فیکون طلاقا قضاء والباقیان باللفظین المذکورین هذاماظهرلی والعلم بالحق عند ربّی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس کا "فارغ خطی" کے بارے میں پہلے ہونے کا اقرار، طلاق کا اقرار ہے تو یہ قضاءً طلاق ہوگی اور باقی دو۲ طلاقیں مذکورہ دو۲ لفظوں سے ہوجائیں گی، مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از مرزاپور کلکتہ مرسلہ عبدالغفور خاں ۴ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ میں اور میری بی بی میں تکرار ہوئی اس کو مار پیٹ کیا جس گھر میں وُہ تھی اس گھر میں سے ہم باہر نکل آئے اپنے کارخانے میں بیٹھے ہوئے لڑکے نے جو دوسری بیوی سے ہے ہم سے کہا کہ اس کو چھوڑ دو ہم جو پیدا کریں گے تم کو دیں گے، تو ہم نے کہا کہ تم کہتے ہو تو ہم اس کو مانگتا نہیں دو۲ مرتبہ کہا ہم اس کو مانگتا نہیں مانگتا نہیں، بیٹے نے کہا تم اس کو فارغ خطی دے دو، ہم نے کہا تم کو اختیار ہے، لڑکا ہمارا فارغ خطی لکھ کر لایا لکھوالا یا ہم نے اس کو پڑھوایا نہیں، دستخط اس پر کردئے، فارغ خطی زبان بنگلہ میں ہے بجنسہٖ بلف ہذا مرسل ہے، اس صورت میں طلاق ہوا یا نہیں؟ اب عورت چاہتی ہے کہ بے حلالہ کے نکاح ہوجائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے، حلالہ کی اصلاً ضرورت نہیں، اس سوال کے ساتھ زبان وخط بنگلہ میں دو۲ کاغذ آئے، ایک از جانبِ زوجہ جس میں شوہر سے مہر وطلاق پانے کا ذکر ہے، دوسرا از جانبِ شوہر جس کا ترجمہ چند معتبر مسلمان بنگالی طلبہ علم نے یہ کیا (میں عبدالغفور خاں ساکن کلکتہ مرزاپور، طلاق یہ ہے کہ شاہد النساء کو ساڑھے تین روپے دین مہر مطابق شریعت دین محمدی کے نکاح کیا، اس وقت راضی سے مہر ادا کرکے طلاق بائنہ دی۔ راقم عبدالغفور خاں) عبدالغفور کا دو۲ خواہ دس۱۰ بار کہنا ہم اس کو مانگتا نہیں

مانگتا نہیں، یہ تو محض بے اثر تھا کہ اس کے معنی نفی خواہش وطلب وارادہ ہے اور ان کی نفی سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیتِ طلاق کہے،

فی الھندیة اذاقال لااریدک، اولااحبک، اولا اشتھیک، اولارغبة لی فیک، فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالٰی کذافی البحر الرائق۔[1]	ہندیہ میں ہے: جب خاوند نے کہا، میں تجھے نہیں چاہتا، یا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں کرتا، یا، مجھے رغبت نہیں، ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول میں ہے، بحر الرائق میں یونہی ہے۔(ت)

اور فارغ خطی کی اصل وضع اس کاغذ کے لئے ہے جو مدیون کو بابت بے باقی وبرات ذمہ لکھ کر دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اب اس پر کچھ مطالبہ نہ رہا، یہ لفظ جب عورت کی طرف نسبت کیا جائے تو اس سے مراد عورت کو لکھ دینا ہوتا ہے کہ وہ اس کے مطالبہ وحقوق نکاح سے بری ہوئی جس کا حاصل طلاق نامہ بائن تحریری تھی

علاانہ ھو الحقیقة العرفیة کما علمت فھو ظاھر بنفسہ وان لم یکن ھناك مظھر لہ۔	اس کے علاوہ یہ حقیقت عرفیہ ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ خود ظاہر ہے اگرچہ کوئی دوسری چیز اس کو ظاہر نہ کرے۔ (ت)

پسر عبدالغفور خاں نے جبکہ اس سے فارغ خطی دینے کی درخواست کی اور اس نے کہا تم کو اختیار ہے تو یہ طلاق بائن تحریری کا اسے اختیار دیناہُوا، مرد جسے اپنی عورت کو طلاق کا اختیار دے اس میں حکم یہ ہے کہ وہ اختیار اسی جلسہ تک باقی رہتا ہے اگر وہ شخص بلاضرورت خواہ کسی ایسی ضرورت کیلئے جو اس کار طلاق سے متعلق نہ تھی اُٹھ جائے یا وہیں بیٹھا کسی اور کام بلکہ بے علاقہ کلام میں مشغول ہوجائے تو وُہ اختیار زائل ہوجاتا ہے،

فی الھندیة عن الخلاصة عن الصغرٰی لوقال لاجنبی امر امرأتی بیدک، یقتصر علی المجلس ولایملك الرجوع[2] اھ وفیھا	اگر کسی اجنبی کو کہا، کہ، میری بیوی کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے، تو اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا، اور رجوع کا اختیار نہ ہوگا اھ اور اسی میں خانیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰیہ ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید ۱/۳۹۳

عن الخانیۃ لوقال لغیرہ طلق امرأتی فقد جعلت ذٰلك الیك فھو تفویض یقتصر الی المجلس[1] الخ وفی الدر المختار فی قولہ لاجنبی طلق امرأتی یصح رجوعہ عنہ ولم یقید بالمجلس لانہ توکیل الّا اذا علقہ بالمشیئۃ فیصیر تملیکا والفرق بینھما فی خمسۃ احکام ففی التملیك لایرجع ولایعزل ویتقید بمجلس[2] الخ ملخصًا۔وفی ردالمحتار عن الفتح المبدل للمجلس مایکون قطعا للکلام الاوّل وافاضۃ فی غیرہ[3] الخ وفیہ الاصح انہ لابدان یکون مع القیام دلیل الاعراض اھ[4] وفیہ الکلام الاجنبی دلیل الاعراض اھ[5]۔

سے منقول ہے: اگر خاوند نے دوسرے کو طلاق کااختیار دیتے ہوئے کہا"تو میری بیوی کو طلاق دے"، تو یہ اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا الخ درمختار میں ہے اگر خاوند نے دوسرے کو کہا"تو میری بیوی کو طلاق دے"اگر اجنبی نے اس اختیار سے طلاق دے دی تو رجعی ہوگی، انہوں نے اس اختیار کو صرف مجلس کے لئے نہیں کہااور کہا یہ توکیل ہے اور اگر تیری مرضی ہو تو میری بیوی کو طلاق کہا تو پھر تملیک ہوگی، اور وکیل بنانا اور مالک بنانا ان دونوں باتوں میں پانچ فرق ہیں، مالک بنانے پر اختیار کو واپس نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے معزول کرسکتا ہے اور یہ اختیار مجلس کے لئے ہی ہوگا الخ ملخصًا۔ ردالمحتار میں ہے کہ مجلس کی تبدیلی ایسی چیز سے ہوگی جو پہلی بات کو منقطع کردے اور دوسرے کام میں مصروف کردے الخ۔ اور اسی میں ہے مجلس سے کھڑا ہوجانا اس میں اعراض کے لئے دلیل بھی ہونی ضروری ہے اھ، اسی میں ہے پہلے بات سے ہٹ کر کوئی اجنبی بات کرنا اعراض کی دلیل ہے اھ (ت)

الفاظِ سوال یہ ہیں کہ فارغ خطی لکھ کر لایا لکھوایا جس سے ظاہر ہے کہ پسر نے اسی جگہ فارغ خطی نہ لکھی بلکہ وہاں سے اٹھ کر جانے کے بعد تحریر ہوئی، اب اگر صورت واقعہ یہ ہے کہ کاغذ مذکور پسر نے اپنے ہاتھ سے لکھااور اس سے پہلے کسی غیر کام میں مصروف نہ ہوا یہ اٹھ کر جانا بضرورت قلم یادوات یاکاغذ لینے کے تھا یہ اشیاوہاں موجود نہ تھیں جب تو یہ تحریر اسی اختیار کی بناء پر واقع ہوئی اور پسر کے لکھتے ہی شاہد النساء پر ایک طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹۳

[2] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

[3] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

[4] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی ۲/ ۴۷۷

[5] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی ۲/ ۴۷۷

بائن پڑ گئی، عبدالغفور خاں کا اس تحریر کو پڑھنا سُننا کچھ ضرور نہ تھا،

فانہ انما عمل بموجب التفویض والمفوض مملك والمملك یعمل بمشیۃ نفسہ من دون توقف علی رضا المملك بالکسر حتی لو رجع بعد ماملك لم یملك الرجوع کماتقدّم۔	کیونکہ اس نے تفویض کے مطابق عمل کیا ہے، اور جس کو تفویض کیا گیا ہو وہ مالک بنادیا جاتا ہے اور جس کو مالک بنایا گیا ہو وہ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے اور مالک بنانے والے کی مرضی پر موقوف نہیں رہتا، حتی کہ جب کسی کو مالک بنادیا تو اب مالک بنانیوالا واپس لینے کا مالک نہیں رہتا، جیسا کہ پہلے گزرا۔ (ت)

اور اگر یہ اٹھ کر جانا بے ضرورت یا ضرورت تحریر سے جدا کسی اور غرض کے لئے تھا یا وُہ تحریر اس نے کسی اور سے لکھوائی تو ان صورتوں میں اُس اختیار کی بناء پر نہ ہُوا بلکہ ایک فضول واجنبی کا لکھا تھا،

فان المفوض الیہ بفصل اجنبی یصیر اجنبیا، وھو انما فوض الیہ التطلیق دون التوکیل کما ان الوکیل بالطلاق لایملك ان یوکل غیرہ اویجیز مافعل غیرہ کمانص علیہ فی الانقروی من الخانیۃ۔	جس کو کوئی اختیار سونپا جائے تو اجنبی شخص سے دخل کی وجہ سے وہ بھی اجنبی ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے اس کو طلاق دینے کا اختیار سونپا ہے نہ کہ دوسرے کو وکیل بنانے کا اختیار سونپا، جس طرح وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل بنانے کا مجاز نہیں اور نہ ہی وہ دوسرے کے عمل کے اس میں جائز کرسکتا ہے جیسا کہ انقروی نے خانیہ سے نقل میں اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)

اور فضولی شخص جسے شوہر کی طرف سے امر یا اذن تحریر نہیں یا نہ رہا وُہ اگر عورت کی طلاق لکھ لائے تو اس کا نفاذ اجازتِ شوہر پر موقوف رہتا ہے اگر وہ اس کے مضمون پر مطلع ہو کر اس تحریر کو نافذ کردے مثلاً صراحۃً کہہ دے کہ میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا نفاذ دیا کوئی فعل ایسا کرے جو نافذ کرنے پر دلیل ہو مثلاً اس پر اپنے دستخط کردے یا اپنی طرف سے عورت کے پاس روانہ کرے یا بھیجنے کو کہے تو وہ تحریر نافذ ہو جاتی اور گویا خود شوہر کی تحریر قرار پاتی ہے ورنہ نہیں،

فی البزازیۃ قبیل مسائل المجازاۃ کتب غیرالزوج کتاب الطلاق وقرأہ علی الزوج فاخذہ وختم علیہ اوقال لرجل ابعث ھذاالکتاب الیھافھذا بمنزلۃ کتابتہ	بزازیہ میں اجازت کے مسائل سے تھوڑا پہلے ہے کہ زوج کے غیر نے طلاق نامہ لکھا اور پھر اس کو خاوند پر پڑھا تو خاوند نے لے کر اس پر مہر لگائی یا دوسرے کسی شخص کو کہا یہ طلاق نامہ میری بیوی کو جا کردے دو، تو یہ کارروائی ایسے ہی ہو گی جیسے خاوند نے خود

بنفسه[1]اھ، ومثله فی الخلاصة قلت ولعل هذاهو محمل مافی الهندیة عن المحیط عن المنتقی وفی ردّالمحتار عن التاتارخانیة ان کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لایقع الطلاق به اذالم یقرانه کتابه[2]اھ فان الاقرار کما یکون صریحا فکذالك دلالة۔	طلاق نامہ لکھا ہو اھ، اور خلاصہ میں بھی ایسا ہے قلت (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں محیط سے اور انہوں نے منتقٰی سے اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے جو ذکر کیا کہ جو طلاق نامہ خاوند نے خود نہ لکھا نہ لکھوایا تو اس سے طلاق نہ ہوگی تاوقتیکہ خاوند اس تحریر کی تصدیق نہ کردے کہ یہ میری کارروائی ہے، تو بزازیہ کی مذکورہ عبارت کا محمل بھی یہی ہے کیونکہ جس طرح اقرار صراحتًا ہوتا ہے یونہی دلالۃً بھی ہوسکتا ہے (ت)

اور پُر ظاہر کہ تنفیذ کے لئے صرف مضمون پر مطلع ہونا درکار ہے اور وُہ اس میں منحصر نہیں کہ حرف بحرف اسے پڑھوا کر سنے بلکہ آپ پڑھ لے یا دیکھ لے یا دوسرا پڑھ دے یا اس کا خلاصہ مضمون بتادے ہر طرح حاصل ہے۔

فقول البزازیة قرأه علی الزوج غیر قید بل تصویر لاطلاع الزوج علی مافیه فانه لامعنی لتنفیذ ما لایدری۔	تو بزازیہ کا قول کہ "خاوند پر پڑھے اور سنائے" قید نہیں ہے بلکہ خاوند کو طلاق نامہ کی تحریر پر اطلاع کی ایک صورت ہے کیونکہ خاوند کے علم کے بغیر اس کی طرف سے کارروائی بے معنٰی ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

قال فی فتح القدیر وصورته ان یکتب الیها بخطبها فاذا بلغها الکتاب احضرت الشهودوقرأته علیهم وقالت زوجت نفسی منه، او تقول ان فلانا کتب الی یخطبنی فاشهدوا انی قدزوجت نفسی منه، امالولم تقل	فتح القدیر میں فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت کو خط لکھے اور اس نکاح کے پیغام کو کوئی لے جاکر عورت کو پیش کرے، عورت گواہوں کو حاضر کرکے انہیں خط سنائے اور پھر یُوں کہے کہ میں نے فلاں سے اپنا نکاح کیا، یا یُوں کہے کہ فلاں نے مجھے منگنی کا پیغام لکھا ہے تو تم گواہ بن جاؤ کہ میں نے اپنا نکاح اس سے کردیا ہے۔ لیکن اگر عورت نکاح کا پیغام

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش ہندیہ نوع آخر التوکیل والکنایۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۸۵/۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱۸۵/۴

بحضرتھم سوٰی زوجت نفسی من فلان لاینعقد لان سماع الشطرین شرط باسماعھم الکتاب اوالتعبیرعنہ منھاقد سمعوا الشطرین بخلاف مااذا انتفیا[1]۔	سنائے بغیر مجلس میں موجود گواہوں کو صرف یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح فلاں سے کردیا ہے تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کا ایجاب اور قبول دونوں باتوں کو ایک مجلس میں سننا ضروری ہے، تو عورت کا گواہوں کو منگنی کا خط سنانا یا منگنی کو فلاں کی طرف سے ذکر کرنا اور پھر اپنی طرف سے قبولیت کو ذکر کرنے سے نکاح کے دونوں رکن گواہوں نے ایک مجلس میں سُن لئے، اس کے برخلاف اگر یہ چیز منتفی ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اور بلاشبہ قاعدہ عامہ یہی ہے کہ جو شخص کوئی کاغذ لائے اور دوسرے سے اس پر دستخط یا مہر کرائے تو اگر وُہ حرف بحرف پڑھ کر نہ سنائے گا تو حاصل مضمون ضرور بتائے گا یا وہ نہ بتائے تو یہ مہر کرنے والا پوچھ لے گا کہ اس میں کیا لکھا ہے پس اگر ایسا ہی ہوا اور عبدالغفور خاں نے اس کے مضمون پر مطلع ہو کر مہر کی تو اب وقت مہر سے شاہد النساء پر طلاق پڑ گئی اور شاید اس کے خلاف ہی واقع ہوا اور بے اطلاع مضمون مہر کردی تو البتّہ طلاق نہ ہوئی، بالجملہ اگر یہ پچھلی صورت واقع ہے جب تو شاہد النساء بدستور نکاح عبدالغفور خاں میں ہے اور اگر وہ پہلی دو۲ صورتیں واقع ہوئیں تو ایک صورت پر تحریر پسر اور دوسری صورت پر مہر کرنے کے وقت طلاق پڑی بہر حال ایک طلاق سے زائد نہ ہوئی اگر اس سے پہلے کبھی دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا تھا تو بے تکلّف اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی کچھ حاجت نہیں، **ھذاکلہ ماظھر للعبد الضعیف والعلم بالحق عندالخبیر اللطیف** (یہ تمام وہ ہے جو اس عبد ضعیف (مصنف) پر ظاہر ہوا، جبکہ حقیقت کا علم علیم خبیر کے پاس ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از مانگرول بندر کاٹھیاواڑ تائی باڑی مرسلہ فتح محمد بن نور محمد جمعدار ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

حضرت قبلہ گاہ مولٰنا صاحب سلمھم اللہ تعالٰی از جانب مانگرول بندر فدوی خاکسار فتح محمد ابن نور محمد جمعدار کے ازحد آداب وتسلیمات کے واضح ہو کہ میں نے میری عورت کو پڑوسی کے ساتھ تکرار کرنے میں منع کرنے سے نہ ماننے کے سبب غصّہ میں طلاق فارقتی لکھ کے اس کی والدہ کے اس کو فارقتی بھیج دی، پھر بہت پچھتایا، ایک اور بچّہ بھی صغیر برس روز کا ساتھ ہے اس کے بعد دونوں کو تڑپ بے حد ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶۔۵۹۷

وُہ رات روز رو رہے ہیں اور فارقتی لکھ کر دی ہے اور منہ سے کچھ بھی نہیں کہا ہے، آخر اس کے رونے پر اور میرا بچّہ چھوٹا ساتھ ہونے پر پھر گھر میں لانے کا خیال کیا ہے ہمارے یہاں کے عالموں میں مولوی احمد سے دریافت کیا تو فرماتے ہیں کہ سوا حلالہ کے درست نہیں ہوسکتی اور مولوی محمود انتقال کرگئے اب آپ اس میں جو حکم فرمایئے سو کیا جائے گا۔

سُوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی زوجہ کو بباعث کسی منازعت کے حالتِ غصّہ میں اس کے والدین کے گھر جانے کے بعد ایک ورقہ میں مبہم بلا عدد لفظ طلاق کے یوں لکھا کہ طلاق دے کر فارقتی دیتا ہوں، جواب بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دو ۲ طلاقیں ہوگئیں، حلالہ کی کوئی حاجت نہیں، اگر اس طلاق کے بعد عدّت گزر گئی ہے یعنی تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے جب تو عورت کی رضامندی سے اس کے ساتھ نکاح کرلے اور اگر عدت باقی تو دو صورتیں ہیں اگر فارقتی دینا وہاں کے محاورہ میں طلاق کے الفاظ صریحہ سے سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں کی بعض اقوام میں ہے کہ عورت کی نسبت اس کے کہنے سے طلاق ہی مفہوم ہوتی ہے جب تو دو ۲ طلاقیں رجعی ہوئیں کہ عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی بشرطیکہ اس سے پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ بیشک اب تین ہوگئیں اور اب بے حلالہ جائز نہیں، اور اگر یہ لفظ وہاں صریح نہیں سمجھا جاتا تو دو طلاقیں بائن ہوئیں، عورت نکاح سے نکل گئی مگر اس کی رضا کے ساتھ دوبارہ اس سے نکاح کرسکتا ہے خواہ عدّت گزری ہو یا نہیں اسی شرط پر کہ اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دی ہو یہ سب اس صورت میں کہ فارغ خطی سے اس نے وہ کاغذ مراد نہ رکھا ہو اور اگر یہ مقصود ہے کہ طلاق دے کر یہ اس کی سند بھیجتا ہوں تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی کہ عدّت کے اندر رجعت کرسکتا ہے جب کہ پہلے کبھی دو ۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴: از دفتر مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت مرسلہ مولوی فضل حق صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور اس کے سسرالیوں میں رنجش کے ساتھ گفتگو ہو رہی تھی اس درمیان میں ہندہ جو زوجہ زید تھی اس کے چھوڑ دینے کی بات چھڑ گئی اور زید سے کہا گیا کہ اس روز روز کے جھگڑے سے چھوڑ دو، زید نے کہا تم کل چُھڑاتی ہو میں ابھی چھوڑتا ہُوں۔ اس اخیر جملہ کی تین بار یا اس سے زیادہ تکرار کی ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں اور کس قسم کی طلاق پڑی؟ بحوالہ کتب سے

عبارت جواب کا جلد اُمیدوار ہوں۔

الجواب:

تین طلاقیں مغلظہ ہوگئیں، محیط وذخیرہ وخلاصہ وہندیہ کی تصریحات کے علاوہ ذی علم پر یہ مسئلہ بدیہیات سے ہے تو وہ اس پر حوالہ وعبارت طلب نہ کرے گا، اور جاہل کا حوالہ وہ بھی مع عبارت طلب کرنا سوءِ ادب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از پیلی بھیت محلّہ عبداللطیف خاں مسئولہ پیارے ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خُسر اور داماد میں لڑائی ہونے پر داماد کہے کہ اگر تم کل چھوڑواتے ہوتو میں آج ہی چھوڑتا ہوں، اس لفظ کے کہنا پر طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

طلاق رجعی ہوگئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: از شہر کانپور اے بی روڈ، دکان جناب حافظ پیر بخش صاحب سوداگر مسئولہ ولی محمد صاحب ۱۷جمادی الاخری

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ کو رخصت کرانے کے لئے جب اپنے سسرال گیاتواس کی خوشدامن نے کہاکہ ہم لڑکی کو رخصت نہیں کریں گے بلکہ ہم قصہ ختم کرنا چاہتے ہیں، اس پر زید نے اپنی خوشدامن سے کہاکہ میں جانتاہوں کہ میرا آنا آپ لوگوں کو بہت ناگوارا ہوا، پھر خوشدامن نے کچھ ایسے الفاظ کہے جس سے اس کا منشاء یہ تھاکہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، اس پر زید نہایت برہم ہوا، اور کہاکہ اگر میں پسند نہیں ہُوں تو دوسرے سے نکاح کردو، اس کے جواب میں خوشدامن نے کہاہاں تو پسند نہیں ہے، آیاایسی صورت میں زید کی زوجہ کو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر بہ نیّتِ طلاق تھاایک طلاق بائن گئی، اور اگر بقسم کہے کہ میری نیّت طلاق کی نہ تھی قبول کرینگے اور وقوعِ طلاق کاحکم نہ دیں گے۔ عالمگیریہ میں عنایہ سے ہے:

لوقال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلاث صح وان لم ینوشیئالم یقع۔[1]	اگر خاوند بیوی کو کہے کہ تو نکاح کرلے، طلاق کی نیت یا تین طلاقوں کی نیت کی ہونیت کے مطابق ایک یا تین طلاقیں صحیح ہوں گی اور اگر کچھ نیت نہ کی تو واقع نہ ہو گی (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

ردالمحتار میں شرح جامع صغیر امام قاضی خاں سے ہے:

لوقال اذھبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شیئ لان معناہ ان امکنک [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کچھ نیت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ تجھے ممکن ہو تو نکاح کر (جبکہ طلاق کے بغیر ممکن نہیں، تو طلاق نہ ہوگی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۷: از موضع نان ٹوڈاکخانہ اکبرآباد ضلع علی گڑھ مسئولہ محمد تحسین علی صاحب یکم رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بدچلنی اور بدکاری کے الزام لگائے اور اس سے کہا کہ میں نے تجھے چھوڑدیا تُو میرے کام کی نہیں مگر زید کہتا ہے کہ میں نے ہرگز طلاق نہیں دی، توکیا اس صورت میں ادائے لفظِ طلاق زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو دو۲ طلاقیں بائن ہوگئیں، عورت نکاح سے خارج ہوگئی، اگر پہلے کبھی اسے کوئی طلاق نہ دی تھی تو عورت کی مرضی سے اس سے دوبارہ جدید مہر کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور پھر کبھی ایک طلاق دے گا تو تین ہوجائیں گی اور بے حلالہ نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر اس وقت عورت اس سے دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو یہ اس پر جبر نہیں کرسکتا، اور اگر پہلے کبھی ایک طلاق اسے دے چکا تھا تو ابھی تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا،

وذٰلك لان اللفظ الاول صریح والثانی کنایۃ یحتمل السب وقدصار الحال باللفظ الاوّل حال المذاکرۃ فوقع بہ بائن فجعل الاوّل ایضًا بائنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اسلئے کہ پہلا لفظ طلاق میں صریح ہے، اور دوسرا کنایہ ہے جو کہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتا ہے جبکہ پہلے لفظ کی وجہ سے مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگئی تو اس قرینہ کی وجہ سے کنایہ کا لفظ بھی طلاق بائنہ قرار پائے گا جس کی وجہ سے صریح طلاق بھی بائنہ کے حکم میں ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از پیلی بھیت محلّہ پکریا مسئولہ بشیر احمد صاحب ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی زید جس کی علمی لیاقت علم عربی میں قریب دستار بندی ہے اب بیوی کو چند بار یہ الفاظ بحالت صحت نفس کہے کہ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتاہوں کہ جہاں تمہارا

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴

دل چاہے چلی جاؤخواہ تم دوسرا خاوند کرلو خواہ بلا خاوند رہو، مگر بی بی چند بار یہ الفاظ سُن کر بھی خاموش تھی تو کچھ دن کے بعد یہ کہا کہ مجھ کو افسوس ہے کہ کیسی بے حیا عورت ہے کہ میں خوشی سے اجازت چلے جانے کی دیتاہوں اور میرا پیچھا نہیں چھوڑتی جب بی بی پر یہ ملامت ڈالی تو بی بی نے جانے کی تیاری کی تو زید نے کاغذات دیہہ زمینداری بی بی جس کا زید کارکن تھا حوالہ کردئے تواب اس مسئلہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور بیوی اب زید سے راضی نہیں ہے اور زید سے قطع تعلق کرتی ہے۔

الجواب:

یہ الفاظ کنایہ ہیں نیّت پر حکم ہے، اگر زید نے بہ نیّت طلاق کہے ایک طلاق ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اس سے بلاحلالہ اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے جبکہ اس سے پہلے اس عورت کو دو۲ طاقیں نہ دے چکا ہو، اور اگر وُہ قسم کھا کر انکار کردے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیتِ طلاق نہ کہے تھے تو طلاق نہ مانی جائے گی، اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از آرہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ زینب سے کہا بصورت نااتفاقی کہ ہم تمہارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھائیں گے، تب اس پر بی بی مذکور نے کہا کہ جب کھانا نہیں کھاؤگے تو ہم کو صفائی دے دو تب زید نے کہا کہ صفائی دے دیا بی بی نے کہا صفائی دے دیا تو پھر کہا کہ صفائی دے دیا پھر بی بی نے کہ صفائی دے دیا تو پھر کہا صفائی دے دیا تو بی بی نے کہا کہ تب ہم کہیں چلے جائیں تو زید نے کہا کہ کہیں چلی جاؤ اس صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوا کہ نہیں اگر طلاق واقع نہیں ہوا تو کیا دلیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں طلاقِ مغلّظ تو کسی طرح نہ ہوئی **فان البائن لایلحق البائن**[1] **کما فی المتون** (کیونکہ بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی، جیسا کہ متون میں ہے۔ت) ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید نے کہے اگر کسی ایک لفظ یا دو تین یا چاروں سے عورت کو طلاق دینے کی نیت زید نے کی تو ایک طلاق بائن ہو گئی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کی رضا سے اس سے نکاح دوبارہ کرسکتا ہے اور اگر اصلاً کسی لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تو وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے طلاق نہ ہوئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اذھبی یحتمل رداونحوخلیة بریة یصلح سبا (الی قولہ) فی الغضب توقف الاولان ان نوی وقع والالا۔[1]	اس لئے کہ یہ جواب بھی بن سکتا ہے اور تُو جدا ہے، تو بری ہے، یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال رکھتے ہیں اس کے قول کہ "غصہ میں پہلے دونوں الفاظ موقوف رہیں گے، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں" تک۔(ت)

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ الحق بھذہ الالفاظ خلیت سبیلک، فارقتک، لاسبیل الیک، لاملك لی علیك لانھا تحتمل السب، ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی وفارقتك اتقاء لشرك وخلیت سبیلك لھوانك علیّ[2] (ملخصًا)	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ "میں نے تیرا رستہ کھول دیا" "میں تجھ سے جدا ہو" اور "میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں" کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں یعنی "میری تجھ پر ملکیت نہیں" کا یہ معنٰی بھی ہوسکتا ہے کہ تو اس قابل نہیں کہ میں تیرا مالک بنوں، اور میں تجھ سے جدا ہوا یعنی تیرے شر سے جدا ہوں، میں نے تیرا راستہ کھولا کیونکہ میرے ہاں تو حقیر ہے (ملخصًا) (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یدین فی الغضب لان ھذہ الالفاظ تذکر للابعاد وحالة الغضب یبعد الانسان عن الزوجة۔[3]	غصہ میں ان الفاظ کے متعلق خاوند کی تصدیق کی جائیگی کیونکہ یہ الفاظ دور کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جبکہ غصّہ کی حالت میں انسان بیوی سے دور رہتا ہے۔(ت)

یہ بات کہ ان میں اصلاً کسی لفظ سے طلاق کی نیّت نہ کی تھی اگر زید قسم کھا کر کہہ دے قبول کرلیں گے اور حکمِ طلاق نہ دیں گے اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہوگا یہ قسم گھر میں عورت بھی کرسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

ویکفی تحلیفھا لہ فی	عورت کا مرد سے گھر قسم لینا

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴-۲۲۵

[2] مبسوط امام سرخسی باب ما تقع بہ الفرقة الخ دار المعرفة بیروت ۶/۸۱

[3] فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۴۰۲

منزلہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از مارہرہ مطہرہ مسئولہ حافظ عبدالکریم صاحب ۲۵ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس امر کے ایک شخص نے اپنی خواشدامن وخسر ونیز رُوبرو چند عورات دیگر کے یہ کہا کہ میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہوں تم اس کو بُلالو ورنہ میں اس کو بے عزّت کرکے نکال دوں گا۔ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں اگر اس نے ان لفظوں سے کہ "میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہوں" طلاق دینے کا قصد کیا تھا اور بہ نیت طلاق یہ کلام کہا تھا تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سئل فی رجل ضرب زوجتہ فلامہ اھلھا فقالت انت مجارۃ انی ماقربك غیرنا وطلاقا ھل تطلق بھذا القول ام لا'(اجاب) لاتطلق. ففی الخانیۃ فی قولہ لاملك لی علیك. لاسبیل لی علیك خلیت سبیلك. الحقی باھلك. لوقال ذٰلك فی حال مذاکرۃ الطلاق اوفی الغضب وقال لم انوبہ الطلاق یصدق قضاء فی قول ابی حنیفۃ وقال ابویوسف لایصدق ومعنی انت مجارۃ انت منتقذۃ معاذۃ مما تکرھینہ وھو قریب من معنی ھذہ الالفاظ[2] واللہ اعلم انتہی **اقول:**	ان میں سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو پیٹا تو خاوند کو بیوی کے گھر والوں نے ملامت کی، اس پر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "تو محفوظ ہوگئی میں تیرے قریب نہ ہُوں گا" طلاق کی نیت نہ کی ہو تو کیا اس بات سے طلاق ہو جائے گی یا نہیں، جواب میں انہوں نے فرمایا طلاق نہ ہوگی۔ تو خانیہ میں ہے: خاوند کا بیوی کو کہنا، تجھ پر میری ملکیت نہیں، تجھ پر مجھے کوئی چارہ نہیں، تیرا راستہ میں نے کھول دیا" یا کہا" تو اپنے گھر والوں کے ہاں جا"۔ اگر یہ الفاظ مذاکرہ طلاق یا غصہ میں کہے اور بیان کیا کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قضاءً خاوند کی بات مان لی جائے گی، اور امام ابویوسف کے نزدیک قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی "تو مجارہ" کا معنٰی تو بچی ہوئی پناہ میں ہے اس چیز سے جس کو تو ناپسند کرتی ہے، اور یہ لفظ اوپر مذکورہ الفاظ کے قریب ہے واللہ تعالٰی اعلم انتہی **اقول:**

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۵۱

وانت تعلم ان مسئلتنا ھذہ اقرب الی المنصوص من مسئلۃ الخیریۃ کمالایخفی۔	(میں کہتا ہوں کہ) ہمارا زیر بحث مسئلہ خیریہ میں بیان کردہ مسئلہ کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔(ت)

پس اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دے کہ ان لفظوں سے میں نے طلاق دینے کی نیت نہ کی تھی قبول کرلیں گے اور وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے،

فی الدرالمختار القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبٰی[1]۔	درمختار میں ہے: نیت ہونے نہ ہونے میں خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور اس سے گھر میں ہی حلف لے لینا کافی ہے اور اگر وہ حلف دینے سے انکار کرے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرسکتی ہے تو اگر وہاں بھی حلف سے انکار پر مصر رہے تو پھر حاکم خاوند بیوی میں تفریق کردے، مجتبٰی۔(ت)

ہاں اگر واقع میں اس نے نیت طلاق کی تھی اور اب جُھوٹی قسم کھالی تو عنداللہ طلاق ہوگئی مگر اس کا وبال شوہر پر ہے، عورت پر الزام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۱: ازبریلی صدر مسئولہ شیخ عبدالخالق ۱۷ محرم شریف ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبدالخالق نے اپنی عورت کو طلاق نامہ لکھا اور اس دستاویز میں ان الفاظ سے طلاق لکھی "میں لادعوی ہُوں یہ عورت جہاں چاہے شادی کرلے" ایسی صورت میں طلاق ہوئی یانہیں؟ اور اگر عبدالخالق پھر اسے نکاح میں لانا چاہے تو ضرورتِ حلالہ ہوگی یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کہ طلاق لکھنے کی نیت سے یہ الفاظ لکھے ہوں عورت پر ایک طلاق ہوگئی وہ نکاح سے نکل گئی، اب اس سے نکاح کرے تو صرف نکاح جدید برضائے زوجہ کافی ہے حلالہ کی کُچھ حاجت نہیں اگر اس سے پہلے کبھی اسے دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲: مرسلہ حکیم احمد حسین صاحب محلّہ طویلہ ۷ شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میاں بی بی میں باہم جھگڑا رہتا تھا اکثر اسے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

تکلیف دیتا اور مارتا ایکدن اس سے زیور مانگا اس نے انکار کیا کہا تجھے چاقو سے مارڈالوں گا ہندہ بخوفِ جان والدین کے یہاں چلی آئی شوہر نے چوری کا الزام بھی لگایا اور تھانہ میں رپٹ کا ارادہ کیا لوگوں نے سمجھایا اس وقت یہ گفتگو ہُوئی جو لکھی جاتی ہے، ناصح کیا فضیحت کراؤگے۔ زید: وُہ میری بیوی ہی نہیں رہی فضیحت کیسی۔ ناصح: دیکھو لغو باتیں نہ کرو۔ زید: جب وہ میری بلا اجازت چلی گئی میرے نکاح سے باہر ہے اور وُہ میرے کام کی نہ رہی مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ ناصح: دیکھو کنایہ اشارہ سے بھی طلاق ہوجاتی ہے ذرا سوچ سمجھ کر کہو تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ زید: مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں نہ وُہ میری بیوی ہے۔ آیا اس گفتگو سے وُہ عورت مطلّقہ ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زید کا پچھلا قول کہ "نہ وُہ میری بیوی ہے" مذہبِ مختار پر اصلاً الفاظ طلاق سے نہیں یہاں تک کہ بہ نیتِ طلاق بھی کہے تاہم واقع نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

لوقال لَستِ لی بامرأۃ ... لوقال تُوزنِ من نئی لایقع وان نوی ھو المختار کذافی جواھر الاخلاطی[1]۔	اگر کہا تو میری بیوی نہ ہے، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی قول مختار ہے، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ (ت)

اسی طرح "مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں" یہ بھی لفظِ طلاق نہیں کہ غرض بمعنی شوق مستعمل ہے **کما فی القاموس** (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ت) یا قصد وخواہش **کما فی المنتخب** (جیسا کہ منتخب میں ہے۔ت) یا حاجت **کما فی شروح النصاب** (جیسا کہ شروح النصاب میں ہے۔ت) اور ان اشیاء کی نفی سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق اطلاق کرے۔ عالمگیری میں ہے:

لو قال لاحاجۃ لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذافی السراج الوھاج اذا قال لااریدك اولااحبك اولااشتھیك اولارغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی کذافی البحر الرائق[2]۔	اگر کہا "مجھے تیرے بارے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی، سراج وہاج میں ایسے ہی ہے۔ اور کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" "میں تجھے پسند نہیں کرتا" "تیرے بارے مجھے رغبت نہیں" اگر نیت ہو تب بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی، بحر الرائق میں یُوں ہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

اسی میں ہے:

رجل قال لامرأته مرا بکارنیستی ونوی به الطلاق لایقع کذافی الظهیریة۔[1]	کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "تُومیرے لئے کام کی نہیں" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

ہاں "وہ میری بیوی ہی نہ رہی" کنایات طلاق سے ہے۔عالمگیری میں ہے:

لوقال صرت غیرامرأتی فی رضاأو سخط تطلق اذا نوی کذافی الخلاصة[2]۔	اگر خاوند نے رضایا ناراضگی میں کہا "تومیری بیوی نہ رہی" اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ خلاصہ میں ہے(ت)

اسی طرح یہ لفظ بھی کہ "وہ میرے نکاح سے باہر ہے" صریح نہیں کنایہ ہے،

لان الخروج من النکاح یکون بالطلاق وبکل فرقة جاءت من قبله کتقبیله بنتها اومن قبلها کتقبیلها ابنه وغیر ذٰلک،فلم یتعین لافادة الطلاق وصار کقوله لم یبق اولیس بینی وبینك نکاح بل هما عبارتان عن معنی واحد،وهذایتوقف علی النیة فکذاذاک۔	کیونکہ نکاح سے خروج، طلاق کے ساتھ اور دیگر وجوہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً خاوند بیوی کی بیٹی کا (شہوت کے ساتھ) بوسہ لے یا بیوی خاوند کے بیٹے کا اسی طرح بوسہ لے یا اس کے علاوہ بھی کئی طرح سے فرقت کے اسباب ہوسکتے ہیں، لہٰذا یہ لفظ طلاق کے لئے خاص نہ رہا، جب وُہ کہے "نکاح باقی نہ رہا" یا "تیرے میرے درمیان نکاح نہیں ہے" بلکہ یہ دونوں ہم معنی ہیں تو نیت پر موقوف ہوں گے، یہ بھی ایسا ہے(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال لها لانکاح بینی وبینك اوقال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی[3]۔	اگر کہا "تیرے میرے درمیان نکاح باقی نہیں رہا" اگر نیت ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔(ت)

یوں ہی "وہ میرے کام کی نہ رہی" بھی کنایات سے ہے کما حققناہ فی ماعلقناہ علی ردالمحتار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

(جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار کے حاشیہ میں کردی ہے۔ت) مگر سوقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ زید نے یہ الفاظ بطور اخبار کہے، نہ نیتِ انشائے طلاق۔ تیسرا لفظ دوسرے پر معطوف ہے اور دوسرا پہلے کی شرح وبیان علّت، اور اس اخبار کا مبنٰی وُہ غلط گمان جو عوامِ زمانہ میں شائع ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اور جو اخبار واقرار طلاق بربنائے غلط فہمی مسئلہ ہو دیانۃً اصلاً مؤثر نہیں،

فی الخیریۃ عن الاشباہ عن جامع الفصولین والقنیۃ اذااقر بالطلاق بناء علی ماافتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع[1]۔	خیریہ میں اشباہ سے اور وہاں سے جامع الفصولین اور قنیہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی کے فتوی کی بناپر طلاق ہونے کا اقرار کیا تو پھر معلوم ہوا کہ طلاق نہ ہوئی، تو اس اقرار کو طلاق نہ قرار دیا جائے گا۔(ت)

خیر بہر حال مدارِ کار نیت پر ہے، اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کُل یا بعض کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ایک طلاق بائن واقع ہوئی کہ عورت راضی ہو تو اب یا عدت کے بعد جب چاہے بے حلالہ اس سے نکاح کرسکتی ہے۔عالمگیری میں ہے:

لایلحق البائن البائن بان قال لھا انت بائن ثم قال لھا انت بائن لایقع الاطلقۃ واحدۃ بائنۃ[2]۔	اگر کہا، تجھے ایک بائنہ طلاق، اس کے بعد دوبارہ کہا تجھے بائنہ طلاق، تو ایک ہی بائنہ طلاق ہوگی کیونکہ پہلے بائنہ کے بعد دوسری بائنہ اس کو لاحق نہیں ہوسکتی۔(ت)

اور اگر ان تین میں کسی لفظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی اگرچہ اخیر کے دونوں لفظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو اصلاً طلاق نہ ہوئی وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے اور نیتِ طلاق نہ ہونے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر وُہ بقسم کہہ دے کہ میں نے ان تینوں لفظوں میں کسی سے نیت انشائے طلاق نہ کی تھی قطعاً مان لیں گے اور انہیں زوج وزوجہ جانیں گے، اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے: القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ[3] (نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۷

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

مسئلہ ۲۸۳: از متھرا محلّہ کیشورپورہ مرسلہ حکیم توحید الحق صاحب ۲۲ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید عاقل وبالغ بفہمائش دیگر مرداں وزبردستی والدین بایجاب ہندہ رضادادہ او را بنکاح خوددر آرد وخلوتِ صحیحہ بوقوع نیاید کہ ہندہ پیش مادر خود باشد وہنوز رخصت نشدہ باشد وباز یدپیش دوسہ مردماں صادق وعادل بناراضی بگوید کہ من بایجاب ہندہ برضا ورغبت خود اقرار ندادہ ام محض بفہمائش وزبردستی مردماں اقرار بلسان نمودم ایں نکاح من مسلم نشدہ باز از سرِ نوخواہد شد واندراں حالت ناراضی از خویش واقارب رنجیدہ بجائے سفر نماید واز ہندہ خبرے نگیرد ونہ از قرائن واطوار او توقع بازآمدن ماند ودرانجا قاضی وشاہدان عندالایجاب اقرار بالجزم دہد کہ من ناکتخدا ام ہنوز نکاحم ازکسے نگردیدہ ونہ از خویش واقارب ماکسے زندہ نہ مارا ازکسے دروطن سروکارے است ونہ خواہد شد حالا ہندہ درنکاح زید ماندہ یانہ ودریں صورت چگونہ از زید آزاد گردد، فقط۔	علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں، کہ زید عاقل بالغ نے دوسرے لوگوں کی تلقین اور والدین کے جبر پر ہندہ سے ایجاب وقبول کیا اور اس سے نکاح کرلیا، اور ابھی رخصتی نہ ہوئی اور خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی کیونکہ ہندہ ابھی والدہ کے پاس ہے، اس کے بعد زید نے دوتین سچے اور عادل حضرات کے سامنے نکاح پر عدمِ رضامندی ظاہر کی اور کہا کہ میں نے ہندہ سے اپنی رضامندی اور رغبت کے ساتھ ایجاب نہیں کیا بلکہ محض دوسروں کی زبردستی کی بناپر اور ان کی تلقین کی وجہ سے صرف زبانی رضامندی ظاہر کی تھی اس لئے یہ نکاح مجھے منظور نہیں، یہ نکاح دوبارہ ہونا چاہئے، اندریں حالات خویش واقارب کی ناراضگی ہوئی جس پر وُہ کہیں سفر پر نکل گیا اور ہندہ کی خبر تک نہ لی، اور اس کے قرائن واطوار بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وُہ واپس نہیں آئے گا، وہاں اس نے تمام گواہوں اور قاضی وغیرہ کو بالجزم یہ تاثر دیا کہ وہ ابھی کنوارہ غیر شادی شدہ ہے اور کسی سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اور یہ بھی تاثر دیا کہ میرے خویش واقارب میں کوئی بھی زندہ نہیں رہا اور میرا اب وطن سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی ہوگا۔ تو مذکورہ حالات میں ہندہ ابھی زید کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں زید سے ہندہ کا چھٹکارا کیسے ہو؟ فقط۔

الجواب:

درصورتِ مستفسرہ بقطع نظر از انکہ تحقق اکراہ شرعی معلوم نیست جبر واکراہ دربارہ نکاح مخلِ صحت ونفاذ ولزوم نباشد فی الھندیۃ	صورتِ مسئولہ میں قطع نظر اس بات کے کہ یہ جبر واکراہ شرعی تھا یا نہیں، نکاح میں جبر واکراہ اس کے نفاذ اور لزوم کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ ہندیہ میں ہے

تصرفات المکرہ کلھا قولامنعقدۃ عندنا وما لا یحتمل الفسخ منہ کالطلاق والعتاق والنکاح فھو لازم کذافی الکافی[1] اھ ملخصا قول او من ناکتخدا ام وہنوز باکسے نکاح نہ کردہ چیزے نیست زیراکہ جحود نکاح خبر دروغ ست واثرے ندارد فی الھندیۃ ان قال لم اتزوجك ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذافی البدائع ولوقال مالی امرأۃ لایقع وان نوی[2] ہمچناں قول او مرا در وطن باکسے سروکارے نیست ونخواہد بود کہ سروکار نبودن بمعنی نفی غرض وتعلق قلب ست کہ عبارت از رغبت وحاجت باشد گویا گفت باکسے غرضے ندارم یا حاجتم نیست یا پروائے کسے ندارم وایںہا خود از الفاظ طلاق نیست فی الھندیۃ لوقال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق اذاقال لااریدك ولااحبك ولااشتھیك اولارغبۃ لی فیک، فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[3] باز علماء

کہ مجبور کئے ہوئے شخص کے قولی تصرفات ہمارے نزدیک منعقد ہوجاتے ہیں اور وُہ امور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں مثلاً طلاق، عتاق اور نکاح یہ لازم ہو جاتے ہیں جیسا کہ کافی میں ہے، ملخصًا۔ لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ میں ابھی کنوارا ہوں اور ابھی تک کسی سے نکاح نہیں کیا کوئی چیز نہیں کیونکہ نکاح کا انکار جُھوٹی خبر ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو طلاق کی نیت ہو تو بھی طلاق بالاجماع نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے، اور یُوں نہیں اگر کہے "میری کوئی بیوی نہیں" طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ زید کا یہ کہنا کہ "وطن میں میرا کسی سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہوگا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قلبی تعلق یا غرض کسی سے نہیں ہے، جس کا معنٰی رغبت اور حاجت ہے، گویا اس نے یُوں کہا مجھے کسی سے غرض یا حاجت نہیں ہے یا مجھے کسی کی پروانہیں ہے جبکہ یہ مذکور الفاظ طلاق میں سے نہیں ہیں، ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا مجھے تجھ میں حاجت نہیں یا میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں رکھتا، مجھے تجھ سے رغبت نہیں، تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک۔ نیز علماء کرام نے فرمایا ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول فی تفسیر شرعاً الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

فرمودہ اند اگر گفت زنانے بغداد ہمہ طلاقہ اند وزنِ او نیز از بغداد ست مطلّقہ نشود مگر آں کہ بالتعبیر نیت او کردہ باشد فی ردالمحتار ذکر فی الذخیرۃ اولا الخلاف فی نساء اھل بغداد طالق،فعندابی یوسف وروایۃ عن محمد لاتطلق الاان ینویھا لان ھذاامر عام[1]،وفیہ ایضا عن الاشباہ عن الخانیۃ الفتوی علی قول ابی یُوسف[2] (ایں جا لفظ وطن گفتہ است کہ از بلدہ وقریہ عام ترست باز تخصیص زناں ہم نہ کرد مطلق لفظ کسے گفت کہ زناں ومرداں وپسراں ودختراں ہمہ راشامل است باجملہ درصورت مسئولہ نکاح صحیح ولازم ست وطلاق ثابت نیست چارہ کارجزیں چیست کہ رجوع بحکومت کردہ آید تاطلاق رسد یا حقوق زناشوئی مودی شود۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کہ کوئی شخص کہے بغداد کی تمام عورتوں کو طلاق ہے اور اس کی بیوی بھی بغداد میں ہو تو اس کی بیوی کو اس وقت طلاق نہ ہوگی جب تک اس لفظ سے بیوی کی طلاق کی نیت نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے تمام بغداد والوں کی عورتوں کو طلاق تو ذخیرہ میں اوّلاً اسکے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ایک روایت بھی یہی ہے تاوقتیکہ بیوی کی نیت سے نہ کہے، کیونکہ یہ عام بات ہے اور اس میں اشباہ اور وہاں خانیہ سے منقول ہے کہ فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، زید نے وطن کہا ہے جو کئی شہروں اور قریوں پر مشتمل ہے، اور پھر اس نے خاص عورتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف "وطن سے سروکار نہیں" کہا، تو وطن سب مردوں، عورتوں، بچّوں اور بچیوں کو شامل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئولہ صورت میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح ثابت ہے اور طلاق ثابت نہیں ہے، چھٹکارے کا چارہ کار یہی ہے کہ کسی شرعی حاکم کے ہاں رجوع کرے تاکہ وہ طلاق حاصل کرائے یا حقوق زوجیت بحال کرائے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۴: از پیلی بھیت محلہ بشیر خاں متصل مکان مینہ شاہ مرسلہ نظام الدین شانہ گر ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ سے تین بار کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اب اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

[1] ردالمحتار باب الطلاق غیر المدخول بہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

[2] ردالمحتار باب الطلاق غیر المدخول بہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

الجواب

یہ لفظ کہ "مرد نے عورت سے کہا" اگر ان سے طلاق کے معنی مراد نہ تھے جب تو طلاق اصلًا نہ ہوئی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو ایک طلاق پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں، نہ اسے کچھ انتظار کی حاجت، دونوں آپس میں راضی ہوں تو اسی وقت پھر نئے سرے سے نکاح کرلیں، ہاں اگر شوہر نے خود ہی ان میں کوئی لفظ تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو بیشک طلاق مغلظہ ہوگئی کہ اب بے حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔

فی الھندیۃ لوقال اعتقتک، طلقت بالنیۃ کذافی معراج الدرایۃ اھ[1] وفی الدر، کنایتہ مالم یوضع لہ ای الطلاق واحتملہ وغیرہ ویقع البائن ان نواھا اوالثنتین وثلث ان نواہ، ولایلحق البائن اذاامکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتک بتطلیقۃ فلایقع لانہ اخبار فلاضرورۃ فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتک باخری اوقال نویت البینونہ الکبری لتعذرحملہ علی الاخبار فیجعل انشاء[2] اھ ملتقطا۔	ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیتِ طلاق سے طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے اھ اور دُر میں ہے وُہ لفظ کنایہ ہوتا ہے جو طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور وُہ طلاق اور غیر طلاق دونوں قسم کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہوگی اور ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہو گی ایک یا دو کی نیت سے ایک، اور تین کی نیت سے تین ہوں گی اور ایسا لفظ پہلے بائنہ طلاق کو لاحق نہ ہوگا مگر جب وُہ پہلی طلاق کی حکایت کا احتمال رکھتا ہو تو اس کو خبر وحکایت ہی قرار دیا جائے گا، مثلًا یُوں کہے "تو بائن بائن ہے" یا کہے "میں نے ایک طلاق بائنہ دی ہے" تو دوسری بائنہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں، اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی" یا کہے "میں نے بڑی بائنہ کی نیت کی ہے" تو اس صورت میں اس کو خبر قرار دینا درست نہیں ہوسکتا، لہٰذا اس کو انشاء ہی ماننا پڑے گا اھ ملتقطا (ت)

مسئلہ ۲۸۵: ازبدایوں مرسلہ اعلیحضرت سیّد ابوالحسن احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

ایک عورت سے ایک مرد اجنبی نے جبریہ زنا کیا شوہر نے سُنا تو اعتبارِ جبر نہ کرکے یہ کلمات کہے کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

"میرے کام کی نہ رہی، میں نے چھوڑدی، اگرآئے گی تو ناک کاٹ لُوں گا، جہاں چاہے چلی جائے، جو چاہے سو کرے"۔ اور اس کو عرصہ سال بھر سے زیادہ گزرگیا، آیا طلاق پڑی یا نہیں؟ وہ عورت دُوسرا نکاح کرے یا نہ کرے؟ خاوند نے باوجود فہمائش بھی رجوع نہ کیا، بدستور مقر اسی بات کا ہے جو کہی تھی الفاظِ طلاق صریح نہ تھے یہی تھے جو کہے، فقط۔

الجواب:

عورت کو چھوڑدینا عرفاً طلاق میں صریح ہے، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لوقال الرجل لامرأته تراچنگ باز داشتم او بهشتم اویله کردم ترااوپاے کشادہ کردم ترا فهذاکله تفسیر قوله طلقتك عرفاحتی یکون رجعیاویقع بدون النیة[1]۔	اگر کوئی شخص بیوی کو کہے "میں نے تیرا چنگل باز رکھا، تجھے چھوڑا ہے، تجھے جُدا کردیا ہے یا تیرے پاؤں کھول دئے ہیں، تو یہ تمام الفاظ عرفاً" تجھے طلاق دی "کے ہم معنٰی ہیں، اس لئے ان سے رجعی طلاق ہوگی اور بغیر نیت طلاق ہوگی۔ (ت)

"اور جہاں چاہے چلی جائے" کنایاتِ طلاق سے ہے کہ کلام میں تقدم طلاق صریح کے باعث وہ بھی تنقیحِ نیت کا محتاج نہ رہا،

فی التنویر کنایته مالم یوضع له واحتمله وغیرہ فلاتطلق بها الابنیة اودلالة الحال[2]۔ فی ردالمحتار المراد بها الحالة الظاهرة المفیدة المقصودة ومنها تقدم ذکر الطلاق، بحرعن المحیط[3]۔	تنویر الابصار میں ہے کہ جو لفظ طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بغیر دلالت ونیت طلاق نہ ہوگی، اس پر ردالمحتار میں ہے: دلالت سے مرادیہ ہے کہ کوئی ظاہر ایسی حالت ہو جو مقصود کے لئے مفید ہوسکے اسی قبیل سے ہے کہ ان الفاظ سے قبل طلاق کا ذکر ہوچکا ہو، بحر میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

اور جبکہ یہ بائنہ اس طلاق صریح رجعی سے ملی وُہ بھی بائنہ ہو گئی،

فان البائن یلحق الرجعی وبلحوقه یبطل	بائنہ طلاق جب رجعی کو لاحق ہوجائے تواب خاوند کو

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[3] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

خیار الرجعۃ فیصیران بائنین، کما صرحوا بہ۔	رجوع کا اختیار ختم ہوجاتا ہے کیونکہ دونوں بائنہ بن جاتی ہیں، جیساکہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے(ت)

پس صورت مذکورہ میں عورت نکاح سے نکل گئی اس پر دو۲ طلاقیں بائن پڑ گئیں، اگر اس مدت میں عدت گزر گئی ہو تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۶: ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

اپنی عورت کو دو مرتبہ اس نے چھٹی دی اس کے بعد جو آدمی اس کے محلّے کے ہیں وُہ کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی اور اس کا آدمی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی اور عورت کہتی ہے کہ مجھ کو طلاق نہیں دی صرف آدمیوں کے سامنے اس آدمی نے یہ کہا کہ چھٹی دی اور دوسرے یہ کہ جب عورت اپنے مکان کو چلی گئی تو اس کے مکان کو آگ لگ گئی تو لوگوں نے کہا کہ آگ اس شخص نے دی جس کی تو عورت ہے اب اس کا نام لے کر آدمی کو اور عورت کو دونوں کو چوکی پر لئے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے یہ کہو کہ اس شخص کی ماں بہن ہیں اور اس شخص نے بوجہ خوف کے یہ بات کہہ دی کہ یہ عورت میری بہن ہے تو ان دونوں کو اُن آدمیوں نے چھوڑا اب وہ عورت مرد دونوں باہم راضی ہیں تو اس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص آپ کے پاس سے فتوٰی لے جاوے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کا کیا نتیجہ ہے؟ بینوا توجروا عنداللہ۔

الجواب:

عورت کی نسبت یہ لفظ کہا کہ "یہ میری بہن ہے" نکاح میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ سائل نے اظہار کیا کہ اس شخص نے حالتِ غضب میں اپنی زوجہ کی نسبت دوبار یہ لفظ کہے کہ "میں نے اسے چھٹی دی" اس کہنے سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑ گئی وُہ نکاح سے نکل گئی جب مرد و عورت دونوں راضی ہیں نئے سرے سے پھر نکاح کرلیں،

فی تنویر الابصار اخرجی واذھبی یحتمل ردا وحرام، بائن، یصلح سبا وسرحتك لایحتمل السب والرد ففی حالۃ الرضا تتوقف الاقسام علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط[1] اھ مختصرا۔	تنویر الابصار میں ہے' خاوند کا بیوی کو کہنا "تو نکل جا، تُو چلی جا" یہ جواب کا احتمال بھی رکھتے ہیں، اور اس کا یُوں کہنا "حرام ہے، بائن ہے" یہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ کہنا "میں نے تجھے آزاد کردیا" یہ ڈانٹ اور جواب دونوں کا احتمال نہیں رکھتے، تو رضا کی حالت میں یہ تمام الفاظ نیت پر موقوف ہوں گے، اور غصّہ کی حالت میں پہلے دونوں موقوف اور مذاکرہ طلاق میں صرف پہلا لفظ نیت پر موقوف ہوگا اھ مختصراً(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

جو شخص شریعت مطہرہ کے فتوٰی پر عمل نہ کرے گنہگار مستحق سزا وعذاب ہے والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۷: از نجیب آباد ضلع بجنور مرسلہ شیخ عبدالرزاق ۱۵ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالتِ غصّہ اپنی زوجہ سے بہ نیتِ طلاق ایک وقت میں تین بار کہا کہ "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی مغلظ یا بائنہ یا رجعی؟ **فقط۔**

الجواب:

صورتِ مسئولہ میں عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوئی یعنی عورت نکاح سے نکل گئی، زوج کو اس پر کوئی اختیار جبر نہ رہا وہ عدّت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے مگر حلالہ کی اصلًا حاجت نہیں جب کہ اس بار سے پہلے کبھی دو۲ طلاقیں اس عورت کو نہ دے چکا ہو، زن ومرد اگر راضی ہوں تو شوہر عدت میں اور بعد عدت اس سے نکاح جدید کرسکتا ہے، یہاں تین طلاق کا حکم دینا یُوں غلط ہے کہ تمام متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ کنایہ بائنہ طلاق بائن کے بعد طلاق جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اسی طلاق اول سے اخبار ہوتا ہے **الا ان ینص بما لایحتملہ** (مگر ایسے الفاظ سے واضح کہے جو دوسرے معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ ت) درمختار میں ہے:

لایلحق البائن البائن اذاامکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن اوابنتك بتطلیقۃ فلایقع لانہ اخبار فلاضرورۃ فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتك باخری[1]۔	بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی جب دوسری بائنہ پہلی سے حکایت وخبر ہو مثلًا "تو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے طلاق سے بائنہ کیا" تو دوسری بائنہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ پہلی سے حکایت وخبر ہے، لہٰذا اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی۔ (ت)

اور ایک ہی پڑنے کی یہ وجہ ٹھہرانا کہ الفاظِ طلاق متفرقًا کہے جب اول پڑی اب عورت محلِ طلاق نہ رہی لہٰذا دوسری نہ پڑی، یہ یُوں جہل محض ہے یہ حکم خاص زنِ غیر مدخولہ کے ساتھ ہے، زنِ مدخولہ جب تک عدت نہ گزرے تین طلاق مجموع ومفرق سب کی محل ہے **کما نصوا علیہ قاطبۃ فی جمیع کتب المذہب** (جیسا کہ اس پر مذہب کی تمام کتب میں نص ہے۔ ت) اور یہاں مدخولہ ہے **کما افصح عنہ السائل فی سوال آخر** (جیسا کہ سائل

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۵

نے خود اس کو دوسرے سوال میں واضح کیا ہے۔ت) بلکہ ایک پڑنے کی صحیح وجہ یہ ہے جو فقیر نے بیان کی **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) اس صورت میں کہ زید کی زوجہ کو کسی نے دوسرے ایک شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا جب زید کو خبر ہوئی تو اس نے چار پانچ آدمیوں کے رُوبرو اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ چونکہ تم لوگوں نے میری زوجہ کو غیر شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا لہٰذا اب وُہ مجھ پر حرام، پس کیا حکم ہے، آیا وہ زوجہ طلاق ہوگئی یا ہنوز حسبِ سابق اس کی زوجہ ہے، بر تقدیر تعلق زوجیت کے قائل کے ذمّہ کچھ کفارہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو،

فی ردالمحتار قوله حرام سیأتی وقوع البائن به بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذٰلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علیّ اولا [1] اھ ملخصا وتمامه فیه۔	ردالمحتار میں ہے کہ خاوند کا کہنا "تُو حرام ہے" عنقریب بیان ہوگا کہ اس لفظ سے ہمارے زمانے میں بغیر نیت بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ اس کے طلاق ہونے پر عرف بن چکا ہے۔ تو مجھ پر حرام ہے، اور میں نے تجھے حرام کیا، دونوں برابر ہیں، یہاں "مجھ پر" کا لفظ کہے نہ کہے کوئی فرق نہیں ہے اھ ملخصًا، مکمل عبارت کتاب میں ہے۔(ت)

مگر کلامِ زید "چونکہ تم نے ایسا کیا لہٰذا حرام ہے" اس کے یہ معنی بھی محتمل کہ صرف اس بند کرنے کو موجب حرمت بتاتا ہے جیسے بہت جہّال کے خیال میں ہوتا ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر باہر جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اس تقدیر پر یہ کلام انشائے طلاق نہ ہوگا بلکہ ایک مبنائے باطل پر اقرارِ اطلاق، اور وُہ محض لغو ہے،

فی الخانیة رجل طلق امرأته وهو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلك الحالة کان واقعا قال مشائخنا رحمهم اللّٰه تعالٰی	خانیہ میں ہے کہ ایک شخص نے خیال کیا کہ مرض برسام میں خود بخود طلاق ہو جاتی ہے، اس بناء پر اس نے کہا "میری بیوی مطلقہ ہوگئی" پھر تندرست ہونے کے بعد طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ برسام میں خود بخود طلاق ہو جاتی ہے،

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

حین ما اقر بالطلاق ان ردہ الی حالة البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالة البرسام فالطلاق غیرواقع [1] الخ۔	تو اس صورت میں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر طلاق کا اقرار کرتے ہوئے مرض کو وجہ بتائے اور کہے کہ "میں نے مرض برسام میں طلاق دی ہے" تو طلاق واقع نہ ہوگی الخ۔ (ت)

پس اگر یہی معنی مراد تھے تو نہ طلاق ہوئی نہ کوئی کفارہ لازم، اور اگر بہ نیت طلاق الفاظ مذکورہ کہے تو ایک طلاق بائن ہوئی عورت نکاح سے نکل گئی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹: از بحری آباد ڈاکخانہ سادات ضلع غازی پور ۷ اذی الحجہ ۱۳۱۲ھ مسئلہ محمد ابوالخیر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ مرتکب زنا سمجھ کر ناراض ہو کر اس کے باپ کے گھر پہنچادیا اور یہ کلام کیا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہمارے قابل نہ رہی اور بعد دو ایک مہینہ کے نہیں معلوم کہاں چلا گیا اس کو عرصہ سات ۷ برس کا ہُوا کہ ہنوز مفقود الخبر ہے اس کے بعد اس کے باپ نے زوجہ کے شوہر کے بڑے بھائی کو جو مالک وبزرگ خانداری ہے بلا کر یہ کہا کہ یہ عورت عزّت وآبرو تمہاری ہے لے جاؤ ہمارے یہاں اس کا گزر نہیں ہوگا اس کے شوہر کے بڑے بھائی نے انکار کیا اور یہ کہا اول تو شوہر اس کا مکان پر نہیں ہے دوسرے یہ عورت ہمارے کام کے لائق نہیں ہے ہم نہ لے جائیں گے تم کو اختیار ہے کہ جہاں چاہو کردو، اس جواب پر اس کا باپ دوسرے نکاح کے سامان میں تھا کہ اس اثناء میں وُہ عورت بطور خود ایک شخص کے ساتھ بلانکاح چلی گئی اور اسی مرد کے ساتھ اس زمانہ سے بلانکاح رہی اب اس عورت نے اس شخص کے ساتھ جس کے ساتھ بطور خود چلی گئی تھی نکاح کرلیا تو آیا یہ نکاح ثانی اس کا شرعاً جائز ہوا یا نہیں اور زوج اوّل کا غصے سے یہ کہنا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہماری قابل نہیں رہی اور بعد اس کے اس کو چھوڑ دینا اور دی ہوئی چیز واپس لینا حکم میں طلاق کے ہے یا نہیں؟ اور بقرائن مذکور اس کہنے سے کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے طلاق واقع ہوئی یا نہیں حالانکہ قرائن حالیہ ودلالت حال اس امر پر موجود ہے کہ زید نے کلام بالا جو کنایہ طلاق ہے بارادہ طلاق کہا تھا مختصر وقایہ میں ہے:

وکنایة مایحتمله وغیرہ فنحو اخرجی واذهبی وقومی یحتمل ردا، ونحو خلیة وبریة، بتہ، حرام، بائن، یصلح سبا ونحو اعتدی واستبرئ	اور کنایہ وُہ ہے کہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہو مثلاً نکل جا، چلی جا، اُٹھ جا۔ یہ الفاظ کسی بات کا جواب ہوسکتے ہیں اور جُدا، بری ہے، علیحدہ ہے، حرام ہے، بائن ہے، ڈانٹ کا احتمال

[1] قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۳

رحمك انت واحدة انت حرة اختاری امرك بيدك سرحتك فارقتك، لايحتمل الردوالسب[1]۔	رکھتے ہیں، اور مثلاً عدّت پوری کر، رحم کو صاف کر، تُو اکیلی ہے، تُو آزاد ہے، تجھے اپنا اختیار ہے، تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے، میں نے تجھے چھوڑدیا، میں نے تجھ سے فرقت کرلی، یہ صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وفی حالة الغضب يتوقف الاولان ای مايصلح ردا و مايصلح سبا علی النية ان نوی الطلاق يقع به الطلاق وان لم ينو لايقع واما القسم الاخير وهو ما يصلح ردالاسبا يقع به الطلاق وان لم ينو[2] اھ۔	اور غصّہ کی حالت میں پہلے دونوں الفاظ یعنی جوجواب بن سکتے اور وُہ جو ڈانٹ بن سکتے ہیں، نیت پر موقوف ہوں گے، اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن تیسری قسم جو ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہ غصہ کی حالت میں بغیر نیّت بھی طلاق قرار پائیں گے، اھ (ت)

اور ظاہر ہے کہ ہم نے تجھ کو چھوڑ دیا ہم تجھے نہ رکھیں گے متحد المفاد وداخل قسم اخیر ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہم تجھ کو نہ رکھیں گے متمحض للاستقبال والابعاد ہے اور ایسا لفظ اگر صریح بھی ہو اصلاً موثر نہیں مثلاً اگر ہزار بار کہے میں تجھے طلاق دے دُوں گا طلاق نہ ہوگی۔

وهذا ظاهر جدا، وفی جواهر الاخلاطی فقال الزوج طلاق ميكنم انها ثلاث لان می کنم يتمحض للحل وهو تحقيق بخلاف قوله کنم لانه يتمحض للاستقبال، وبالعربية قوله اطلق لايكون طلاقا لانه دائر بين الحال والاستقبال	یہ بالکل ظاہر ہے: اور جواہر اخلاطی میں ہے خاوند نے کہا "میں طلاق کرتا ہوں، طلاق کرتا ہوں تو تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ اس کا قول "کرتا ہوں" صرف حال کیلئے مختص ہے اور یہ طلاق کو واقع کرتا ہے اس کے برخلاف اس کا یہ کہنا "طلاق کروں گا" یہ خالص استقبال کے لئے ہے اور عربی میں اطلق (طلاق دوں گا) سے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ

[1] مختصر الوقایہ کتاب الطلاق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ٦١

[2] شرح الوقایہ باب ایقاع الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ٨٨/٢

فلم یکن تحقیقا مع الشک[1] الخ۔	حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے، لہٰذا شک کی بناء پر طلاق واقع نہ ہوگی الخ (ت)

اور "تو ہمارے قابل نہ رہی" اگرچہ کنایہ ہوسکتا ہے مگر وُہ سب کو بھی محتمل ہے کہ اس کی نالائقی وناکارگی کا اظہار ہے جس طرح برادرِ شوہر نے بھی اس مضمون کے لفظ کہے، اور جب کہ حالتِ غضب تھی جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر، تو الفاظ صالحہ سب محتاج نیت رہیں گے بے ظہور نیت بوجہ شک حکم طلاق نہیں دے سکتے کما یظھر من عبارۃ النقایۃ التی نقل السائل و الجواھر التی نقلنا (جیسا کہ نقایہ کی عبارت جس کو سائل نے نقل کیا ہے۔ سے ظاہر ہورہا ہے اور جواہر اخلاطی کی عبارت جس کو ہم نے نقل کیا ہے، سے بھی ظاہر ہورہا ہے۔ت) اور اسے نکال دینا، کپڑے وغیرہ چھین لینا دلیل غضب ہے، نہ دلیل طلاق تو بے ظہور طلاق یا وضوح موت حقیقیہ یا بالحکم بمرور مدّت معینہ للمفقود بمذہب مفتی بہ مؤید بالحدیث روزِ ولادت سے ستر ۷۰ سال ہے، عورت کو نکاح ثانی ہرگز نہ تھا نہ ہے وُہ اب بھی معصیت ومخالفتِ شرع مطہر میں مبتلا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے بحالتِ غضب یہ لفظ کہے: "۱مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں۔ ۲جس سے چاہ مباشرت کر۔ ۳جسے چاہے اپنا خاوند بنا۔ ۴مجھ سے تجھ سے کچھ تعلق نہ رہا" اس صورت میں طلاق واقع اور ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئول بہا میں لفظِ اوّل یعنی "مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں" الفاظ طلاق ہی سے نہیں حتی کہ اگر اس سے نیت کرے گا تاہم واقع نہ ہوگی،

فی فتاوی الامام قاضی[عہ] خاں لو قال	فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: اگر خاوند نے کہا

عـــہ: قال فی الھندیۃ لو قال لھا مرا باتو کارے نیست وترا با من نے اعطینی ماکان لی عندك واذھبی حیث شئت لایقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ[2] مفتی اعظم الامہ مصطفٰی رضا مد ظلہ۔	ہندیہ میں کہا، اگر یوں کہے، میرا تجھ سے کام نہیں اور تیرا مجھ سے نہیں میرا جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے، جہاں چاہے چلی جا، تو بغیر نیت طلاق نہ ہوگی۔ خلاصہ میں یونہی ہے ۱۲ مفتی اعظم الامۃ مصطفٰی رضا مد ظلہ (ت)

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۷۰۔۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لایقع وکذا لوقال مرابکارنیستی وکذا لوقال ماارید ک[1]اھ	"مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی یُونہی اگر کہا "تو میرے کام کی نہیں" اور یونہی اگر کہا" میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت طلاق ہو اھ (ت)

باقی الفاظ ثلٰثہ میں چند صورتیں ہیں:

(۱) اگر اس نے کسی لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا کہ لفظ ثالث محتمل رَد وسبّ نہیں، اور ایسے الفاظ حالتِ غضب میں حاجتِ نیّت نہیں رکھتے۔

فی الھدایة فی حالة الغضب یصدق فی جمیع ذٰلك لاحتمال الرد والسب الّا فیما یصلح للطلاق ولایصلح للردوالشتم[2] انتہی۔	ہدایہ میں ہے کہ غصّہ کی حالت میں ان تمام الفاظ میں خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں، مگر وُہ الفاظ جو صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اور ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہاں تصدیق نہ کی جائیگی اھ۔ (ت)

(۲) اور جو صرف پہلے سے نیتِ طلاق کی تو بشرطیکہ لفظ ثانی سے معنی حقیقی یعنی میں تو طلاق دے چکا اب تزوج کا تجھے اختیار ہے مراد نہ لئے ہوں تو دو ۲ بائنہ واقع ہوں گی، لفظِ اوّل سے بحکمِ نیت اور ثانی سے بدیں سبب کہ بوجہ تقدم ومقارنت نیت حالت حالتِ مذاکرہ ہوگئی اور اس حالت میں الفاظ غیر صالحہ رد پابندنیت نہیں رہتے،

فی الھدایة لما نوی بالاولی الطلاق صار الحال حال مذاکرة الطلاق فتعین الباقیان للطلاق بھذہ الدلالة. بخلاف ما اذا قال نویت بالثلاثة الطلاق دون الاولیین حیث لایقع الا واحدة لان الحال	ہدایہ میں ہے: جب پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہو تو مذاکرہ طلاق ہوجانے کی وجہ سے باقی دو ۲ الفاظ بھی طلاق کے لئے متعین ہوجائیں گے اس کے برخلاف جب یہ کہے کہ میں نے تیسرے لفظ سے طلاق مرادلی ہے تو پھر پہلے دونوں لفظ طلاق نہ ہونگے صرف آخری ایک طلاق ہوگی کیونکہ پہلے دونوں کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] الھدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبة العربیة کراچی ۲/۳۵۴

عند الاولیین لم تکن حال مذاکرۃ الطلاق (وفیھا) قال نویت بالاولی طلاقا وبالثانی حیضا دین فی القضاء لانہ نوی حقیقۃ کلامہ[1] ملخصا انتھی، وفی الکافی شرح الوافی فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء لافیما یصلح جوابا وردافانہ لایجعل طلاقا عزاہ لہ فی العٰلمگیریۃ۔[2]	وقت مذاکرہ طلاق نہ تھا، اور اسی میں اگرمذکورہ صورت میں یہ کہے کہ میں نے پہلے لفظ سے طلاق اور دوسرے سے حیض مراد لیا ہے تو خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے لفظ کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے اھ ملخصًا (ت) اور کافی شرح وافی میں ہے کہ مذاکرہ طلاق میں ان تمام الفاظ سے قضاءً طلاق واقع ہوگی جو طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور جو صرف ڈانٹ یا جواب بننے کا احتمال رکھتے ہیں ان میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ان کو طلاق قرار نہ دیا جائے گا، اس عبارت کو عالمگیری میں کافی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ت)

رہا تیسرا لفظ، ہرچند وہ بھی محتاج نیت نہ تھا مگر اس سبب سے کہ دوسری طلاق سابق سے اخبار قرار دینا ممکن، اور ایسی صورت میں بائن سے بائن لاحق نہیں ہوتی اس سے طلاق واقع نہ ہوئی،

فی الدر المختار لایلحق البائن البائن اذاامکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتك بتطلیقۃ لانہ اخبار فلاضرورۃ فی جعلہ انشاء[3]۔	درمختار میں ہے: بائن کے بعد دوسری بائن نہ ہوگی جبکہ دوسری بائن پہلی سے حکایت بن سکے، مثلاً "تو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے طلاق کے ساتھ بائنہ کردیا" یہ اخبار ہے اول سے کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

(۳) اسی طرح اگر پہلی یا دوسری دونوں (۴) یا تینوں سے نیّتِ طلاق کی تو دوہی بائنہ واقع ہوں گی،

لمامر من ان البائن لایلحق البائن ماامکن حملہ علی الاخبار۔	جیسا کہ گزرا کہ بائن بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی جب وُہ پہلی سے حکایت بن سکے (ت)

باقی سب صورت میں خواہ (۵) صرف دوسرا (۶) یا صرف تیسرا (۷) یا پہلا اور تیسرا دونوں (۸) یا

[1] الھدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۵۵

[2] الکافی شرح الوافی

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۵

دوسرا اور تیسرا مقرون بہ نیت ہوں تو ایک ہی بائنہ واقع ہوگی،

کما یظھر مماالقینا علیك من الادلۃ وان لاطلاق بالثالثۃ کلماتقدمھا طلاق۔	جیسے ہم نے آپ کو دلائل بیان کردئے اس سے ظاہر ہے، اور یہ کہ تیسرے لفظ سے طلاق نہ ہوگی جب اس سے قبل طلاق بائنہ ہوچکی ہو۔(ت)

پس اس میں شبہہ نہیں کہ ہندہ نکاح زید سے خارج ہوگئی اور تاوقتیکہ زید اس سے نکاح جدید نہ کرے وُہ اس کی زوجہ نہیں ہوسکتی،

فی تنویر الابصار وینکح مبانتہ بمادون الثلث فی العدۃ وبعدھا بالاجماع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے کہ تین سے کم بائنہ میں دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے خواہ عدّت میں ہو یا عدّت کے بعد ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی نسبت کہا "مجھے اس سے کُچھ کام نہیں میں اسکو نہیں رکھوں گا اگر اسے گھر میں رکھوں تو اسی کا دُودھ پیوں" پھر اس اندیشہ سے کہ شاید اس سے طلاق نہ ہوگئی ہو اس سے پھر نکاح کرلیا، اس صورت میں عورت پر طلاق ہوئی یا نہیں اور یہ نکاح کافی ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس عورت پر طلاق واقع نہ ہوئی اور پہلا ہی نکاح اس کا بحالِ خود قائم ہے دوسرے نکاح کی کچھ حاجت نہ تھی یہ عبث واقع ہوا۔

فی العالمگیریۃ رجل قال لامرأتہ مرابکارنیستی ونوی بہ الطلاق لایقع[2] انتھی۔	عالمگیری میں ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا "تو میرے کام کی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ (ت)

اما قولہ "میں اس کو نہیں رکھوں گا"

فھذا وان احتمل الجماع لان رکھنا بلغتنا یکنی بہ عن الجماع الا انہ عدۃ فلایفید شیئا، واما قولہ (اس کو گھر میں رکھوں	تو یہ اگرچہ جماع کا احتمال بھی رکھتا ہے کیونکہ "رکھنا" ہماری لغت میں جماع سے کنایہ ہوتا ہے مگر یہ وعدہ ہے لہٰذا اس سے کچھ بھی مراد نہ ہوگا، اور اس کا

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

تواسی کادودھ پیوں) فھذہ لیس من باب الایلاء فی شئی لان گھر میں رکھنا انما ھو الایلاء ای ھوالتمکین من ان تسکن فی بیتہ ولایکنی بہ عن الوطی و لا یکون یمینا ایضاحتی لواٰواھا ومکنھا بعد من التمکن لاتلزمہ کفارۃ یمین لان شرب لبن العرس غایتہ ان یکون حراما وقولہ ان فعلت کذا فانا زان او سارق او شارب خمر اواٰکل ربٰو فلیس بحالف[1] ھکذا فی الھندیۃ عن الکافی فلایلزمہ بذٰلك شیئ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	قول "اس کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دودھ پیوں" تو یہ ایلاء یعنی قسم کے معنٰی میں نہیں ہے کیونکہ گھر میں رکھنا، گھر میں رہنے کی اجازت دینا ہے، اس سے وطی مراد نہیں ہوسکتی، اور قسم بھی نہیں ہوسکتی حتی کہ اس کو گھر میں رکھا بھی تو قسم کا کفارہ نہ پڑے گا کیونکہ بیوی کا دودھ پینا زیادہ سے زیادہ حرام ہے، اور یُوں ہی اگر کہا اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی یا چور یا شرابی یا سُود خور قرار پاؤں، قسم نہ ہوگی۔ ہندیہ میں کافی سے یہی منقول ہے، لہٰذا اس سے کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس باب کے کہ زید نے حالت ناراضگی یا راضگی میں ہندہ سے جو اس کی زوجہ ہے یہ کلمے کہے کہ "میرے مکان سے نکل جا اور میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا، تواب اور کوئی شوہر کرلے، یا کسی سے آشنائی کر، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، اور اگر تُو میرے کہنے سے نہ نکلے گی تو پھر میں تیری ناک کاٹ لُوں گا کہ پھر تو خاوند کرنے سے بھی بیکار ہوجائے گی" وہ ہندہ بخوف ناک اور بسبب یہ کلمے کہنے زید کے، وہاں سے نکل کر ایک مکان میں کہ جو اس کے اقرباؤں کا تھا چلی آئی، چرچا اس کا محلّہ میں پھیلا، جب زید سے آکر اہلِ محلّہ نے کہا ہندہ کے باپ نے جواب پایا زید سے کہ "میری اب طبیعت اس سے بہت ناراض ہے میں اس کو اب اپنے پاس نہ رکھوں گا" اور جس نے کہا یہی جواب پایا کہ "مجھ کو اُس سے کچھ سروکار نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے وہاں جائے" اور ایک صاحب نے کہا کہ تمہاری بے حُرمتی ہوگی تو زید نے کہا "کیا بے حُرمتی ہوگی کیا مرد عورت کو چھوڑ نہیں دیتے ہیں کچھ بے حُرمتی اور بے عزّتی نہیں ہے" بس یہ کلمے زید کے مثل طلاق ہوئے بیچ حق ہندہ کے یا نہیں؟ جو حکم شرعی ہو ارقام فرمائیں فقط **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ کلمات جو زید نے کہے کنایاتِ طلاق میں سے ہیں ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یعنی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الایمان الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۵

زید مذکور کو اختیار ہے کہ اس سے رجعت کرلے یا بعد انقضائے عدت نکاح کرلے۔ درمختار میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ:

اذھبی وتزوّجی یقع واحدۃ بلا نیّۃ[1]۔	یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا کہ چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے تو اس سے ایک طلاق پڑجائے گی خود شوہر کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔

کتبہ محمد احسن الصدیقی الحنفی

محمد احسن صدیقی ۱۲۷۶

الجواب:

اقول: وباللہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔ت) جواب میں الفاظ مندرجہ سوال سے تعرض نہیں اور جس بات کا حکم درمختار سے نقل کیا یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا "چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے" سوال میں بہیئت کذائی نہیں، اگر "اخرجی اور اذھبی" میں فرق نہ کیا جائے تاہم بسبب لفظ ثالث یعنی اس کلام کے کہ "میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا" صورت مسئلہ کی بدل جائے گی، پس دلیل جناب مجیب کی قطع نظر اس سے کہ رجعی ہونا صورت محکوم علیہا کا اس سے ظاہر نہیں سوال سے علاقہ نہیں رکھتی کہ حکم ہیئت اجتماعیہ کا حالت انفراد کے حکم سے مغایر ہوسکتا ہے **فلا یتم التقریب اصلا** (تو دعوی اور دلیل مطابق نہ ہوئے۔ت) علاوہ بریں بعد تسلیم اس امر کے کہ یہ کلمات کنایات طلاق سے ہیں طلاق مذکورہ کو رجعی قرار دینا بس عجیب ہے اس لئے کہ سوا چند الفاظ کے کہ کُتبِ فقہ میں مذکورہ ہیں باقی کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور لفظ **ابتغی الازواج** (خاوند تلاش کر۔ت) کو وقایۃ الروایۃ میں کنایات میں ذکر کرکے کہا **واحدۃ بائنۃ**[2] (ایک بائنہ طلاق ہوگی۔ت)

پس جواب صحیح یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں تین لفظِ کنایات طلاق سے مذکور ہیں:

۱اول، تو میرے مکان سے نکل جا کہ حاصلِ معنی "اخرجی" کا ہے بشرطِ نیت اس سے طلاق بائن ہوجاتی ہے **کما مر** (جیسا کہ گزر چکا ہے۔ت)

۲دوم، تو اب کوئی شوہر کرلے یا کسی سے آشنائی کر، اس تردید کے جُزء اوّل کا بھی یہی حکم ہے، **وقد مر ایضًا** (اور یہ بھی گزر چکا۔ت)

۳سوم، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، یہ لفظ بھی کنایاتِ طلاق سے ہے کہ بشرطِ نیت اس سے

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

[2] شرح الوقایہ باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۷

طلاق بائن ہوتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ولوقال لم یبق بینی وبینك عمل یقع الطلاق اذانوی[1]۔	اگریوں کہا کہ "تیرے اور میرے درمیان کوئی عمل نہ رہا" جب طلاق کی نیت سے ہو طلاق واقع ہوگی۔ (ت)

پس اگر جملہ یا بعض الفاظِ مذکورہ بہ نیت طلاق کے کہے طلاق بائن واقع ہوئی، بے تجدید نکاح کے مباشرت عورت سے حرام ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

البائن یلحق الصریح لاالبائن الااذا[2]۔	بائن طلاق، صریح کولاحق ہوسکتی ہے بائن کو نہیں مگرجب۔ (ت)

(جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۹۳: از شہر کہنہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنی زوجہ سے جس کا نام ہندہ اور جو کئی سال سے اس کے نکاح میں تھی بغرض اپنی شادی دوسری جگہ کرنے کے اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں اور بجبر اس پر تہمت زنا کی لگا کر ایک پرچہ تحریر کیا اور پرچہ اپنے قلمدان میں رکھا اس روز ہندہ کو سختی ایسی دی کہ زید کے وارثان نے ہندہ کے وارثوں کو خبر دی کہ تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اس پر ہندہ کی ماں ہندہ کو اپنے گھر لے آئی اور پرچہ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ بھی ہندہ اپنے ساتھ لائی اس پر ہندہ کے وارثوں نے ایک مجمع عام میں زید کو ایسے کلمات کی تحریر سے نصیحۃً فہمائش کی، بجواب اس کے زید نے کہا کہ میں نے چھوڑا، مجھے کچھ تعلق نہیں، جو اسباب ہندہ کا ہے ابھی مجھ سے لے لو۔ ہندہ کے وارثوں نے دو شخصوں کو زید کے پاس ہندہ کا اسباب لینے کو بھیجا، زید نے کُل اسباب دے دیا، اُن لوگوں نے ہندہ کے حوالہ کردیا، ہندہ نے کہا کہ میرا زیور باقی ہے وہ بھی لاؤ۔ وہی شخص زیور لینے زید کے پاس گئے، زید نے زیور کا وعدہ کیا کہ بیس ۲۰ روز میں دوں گا۔ چنانچہ زید نے بیسویں روز رُوبرو چار آدمیوں کے کل زیور دے دیا اور پھر کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس صورت میں زید نے دو مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ منشا زید کا ان کلمات سے ظاہر ہے۔ عرصہ چار سال ہوا جب سے اس وقت تک کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اس صورت میں شرعًا ہندہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر طلاق پڑجانے اور نکاح زید سے باہر ہوجانے کا حکم دیا جائے گا، ہاں

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اگر لفظ جو زید نے کہے اسی قدر ہیں اور اس حالت میں وُہ حلف شرعی کے ساتھ بیان کرے کہ میں نے یہ الفاظ ہندہ کی نسبت نہ کہے تھے اسے چھوڑنا مراد نہ تھا تو وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے پھر اگر وُہ اپنے اس حلف میں جُھوٹا ہو تو اس کا وبال اور عذابِ الٰہی کا استحقاق زید ہی پر رہے گا ہندہ پر الزام نہ آئے گا،

فی الهندیة عن الخلاصة عن الفتاوی رجل قال لامرأته اگر توزن منی سه طلاق مع حذف الیاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق لانه لما حذف فلم یکن مضیفا الیها [1] اھ وفی البزازیة والخانیة فی قوله لاتخرجی من الدار الاباذنی فانی حلفت بالطلاق انه یحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول قوله [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں خلاصہ سے اور وہاں فتاوٰی سے منقول ہے اگر کسی نے بیوی کو کہا "اگر تُو عورت ہے تو مجھ سے تین طلاق" عورت کے ساتھ یاءِ نسبت کو ذکر نہ کیا، تو پھر کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی اس نے جب یاء کو حذف کردیا تو اب طلاق بیوی کی طرف منسوب نہ ہوئی اھ۔ بزازیہ اور خانیہ میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر مت نکل، کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اس میں خاوند کی وضاحت معتبر ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی اور کی طلاق مراد لے کر قسم کھائی ہو اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۴: از قصبہ ولی تحصیل آنولہ ضلع بریلی مرسلہ مسمّاۃ محمودی بنت شیخ علیم اللہ ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمّی ولایت خاں شوہر (مجھ مسمّاۃ محمودی) نے عرصہ دراز سے مجھ کو چھوڑ دیا ہے، نہ مجھ کو نان نفقہ دیتا ہے، میں بوجہ نہ ملنے نان ونفقہ کے بہت تکلیف میں ہوں، لہٰذا میں بھی اس شخص سے بوجہ تارک الصلٰوۃ ونیز نہ دینے نان ونفقہ کے ناخوش ہوں، چنانچہ ایک پرچہ نوٹس ناخوشی شوہر مذکور کا میرے پاس آیا وہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے، امید کہ برائے خدائے علمائے دین بموجب شرع شریف حکم آزادگی کا ارقام فرمائیں تاکہ میں نکاح اپنا کسی شخص صالح سے کرلوں اور عمر میری بسر ہو، عبارت نوٹس یہ ہے کہ پرچہ نوٹس آپ کا دربارہ نالشی متذکرہ نان ونفقہ دختر آپ کی کا یعنی محمودی کا آیا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آپ کی لڑکی میرے گھر رہی تب تک آپ میرے خسر رہے جس روز سے کہ اس کو میں نے آزاد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۵

کرکے معہ جملہ اسباب جہیز وغیرہ اس کے ہمراہ کردیا گیااور آپ کے گھر بھیج دیا گیا مجھ سے اور اس سے کچھ تعلق شرعاً نہیں رہا، نہ اس کا کوئی سامان میرے ذمہ باقی رہابلکہ اس روز بہت پنچان قصبہ سرولی کے موجود تھے وہ بھی اس امر کے گواہ ہیں، اگر مجھ سے اور مسماۃ مذکور سے کچھ تعلق ہوتا تو میں ضرور اس کے نان ونفقہ کی فکر کرتا، آپ کیوں برابر تحریر کرتے ہیں، اب آپ کے نوٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ پھر پنچان جمع کرکے میرے مکان پر لانے والے ہیں اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھ سے اور آپ سے رنج حد کو پہنچے گا، لہٰذا اب آپ پنچان کے جمع کرنے کا ارادہ نہ کریں، اس واسطے نوٹس دیا گیا مطلع رہو۔ از مقام دھنورہ مرسلہ ولایت خاں ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۰ء۔

الجواب:

عبارت نوٹس سے (کہ جب تک میرے گھر رہی آپ میرے خُسر رہے جس روز سے اس کو میں نے آزاد کرکے آپ کے گھر بھیج دیا) صاف اقرار طلاق ظاہر ہے،

اعتاق المرأۃ وان کانت من الکنایات فلایتحمل ردّاولاسبا کمالایخفی، وفی الدر المختار انت حرۃ لا یحتمل السب والرد[1]. قال الشامی واعتقتك مثل انت حرۃ کما فی الفتح[2] والحالۃ کماتری حالۃ الغضب فلایفھم فی الحکم الاالطلاق والمرأۃ کالقاضی کمافی الفتح وغیرہ۔	بیوی کو "آزاد ہے" کہنا، اگرچہ الفاظ کنایہ میں سے ہے تاہم یہ ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتا اور صرف طلاق مراد ہوگی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، درمختار میں ہے: بیوی کو کہنا "تو آزاد ہے" ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتا، اور اس پر علّامہ شامی نے فرمایا "میں نے تجھے آزاد کیا" ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے "تُو آزاد ہے" جیسا کہ فتح میں ہے، اور حالت بھی غصہ کی ہو تو پھر طلاق ہی حکم سمجھا جاسکتا ہے، اس میں عورت قاضی کی مانند ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پس اگر گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ نوٹس اسی کا لکھا ہوا ہے یاوُہ مقر ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور وقت تحریر نوٹس سے عدّت لی جائے گی اگرچہ ہندہ بھی تسلیم کرتی ہو کہ جس وقت اس نے گھر سے نکالا تھا طلاق دے دی تھی جس کا اقرار اس نوٹس میں ہے، ہاں اگر ہندہ گھر سے نکالتے وقت

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵

طلاق دینے کی مقر ہے اور اس وقت سے تحریر نوٹس کے وقت تک اتنا زمانہ گزرگیا جس میں عدّت منقضی ہو تو عدّت تو محمودی کو روز تحریر نوٹس ہی سے کرنی پڑے گی مگر اس عدّت کا نفقہ شوہر سے نہ پائے گی

مواخذة علیھا باقرارھا وان امرہ الشرع بالعدّۃ قطعاللتزویر۔	یہ بیوی کے اپنے اقرار پر مواخذہ ہے اگرچہ شرع نے اس کو عدّت کا حکم دیا ہے کیونکہ جھوٹ ہوسکتا ہے۔(ت)

اگر محمودی اس وقت طلاق دئے جانے کی مقر نہیں تو اس عدّت کے ایام کا نفقہ بھی شوہر سے پائے گی،

لان نفقۃ عدۃ الطلاق علی الزوج بالنص وبہ ظھر ضعف مافی الخیریۃ۔ فی الخیریۃ سئل فی رجل فرض علیہ القاضی نفقۃ وکسوۃ لزوجتہ و مضت مدّۃ فادعی طلاقھا منذ زمان اجاب ان کذبتہ فی الاسناد ولم تقم بینۃ کان علیھا العدّۃ من وقت الدعوی ولھا فیھا النفقۃ والسکنی وان صدقتہ فلانفقۃ لھاو لا سکنی[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ طلاق کی عدت میں نفقہ خاوند پر نص کی وجہ سے ثابت ہوا ہے، اس سے خیریہ کے بیان کا ضعف واضح ہوگیا ہے(ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پر اس کی بیوی کا نفقہ اور لباس قاضی نے لازم کیا، اور کُچھ مدت گزرنے پر خاوند نے یہ دعوی کیا کہ میں نے بیوی کو مدت سے طلاق دے رکھی ہے، تواُنہوں نے جواب دیا کہ اگر عورت خاوند کے اس دعوی کو دلیل سے جُھوٹ ثابت کردے اور گواہ پیش نہ کرسکے تو بیوی پر دعوی کے وقت سے عدّت لازم ہوجائے گی، اور عدّت میں اس کو نفقہ اور رہائش ملے گی، اور اگر بیوی خاوند کے دعوے کو سچ قرار دے تو پھر عدّت میں نفقہ اور رہائش نہ ملے گی۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷۵

مسئلہ ۲۹۵:

ماقولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسئلۃ نکاح زید باہندہ حسب آئین شرع محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منعقد گشت بعد چند روز ہندہ راخلل جن واقع گردید از دُعا ودوا ہیچ فاقہ نہ شد سالے ہمیں حال مبتلا ماند والدینِ ہندہ ہندہ رابر مکان خود آوردند ووالدینِ زید زید رانصیحت کردند کہ انقطاع واحتراز از صحبت ہندہ باید کرد مبادا ایں بلابر تو ہم مستولی نشود زید نوعے خیال ایں سخن نکرد وخفیہ از والدین خود آمد وشد جاری داشت وقتیکہ والدین زید ازیں آمد وشد مطلع شدند زید راتنگ گرفتند وممانعت قطعی نمودند زید نصیحت وامتناع والدین کار گرشد واز ہندہ انقطاعِ کلی کرد وہمدریں اثنا بفضلِ الٰہی ہندہ را صحت کلی حاصل گشت مگر زید از وانقطاع دارد وتا حال بہ ہندہ رجوع نکرد ید وارادہ رجوع ہم ندارد وتاسہ سال کامل نزد والدین خود قیام نمود وتاحال موجود ست جملہ مصارف ہندہ متعلق والدین ہندہ ماند ووالدین ہندہ مفلوک الحال ومزدور پیشہ ہستند وزید از قرض نانے ہم باہندہ گاہے مسلوک نگشت ونمی شود بارہا گفتگوئے ایں بجانبین درمیان آمد الّا زید ووالدینش صاف جواب دادوگفت کہ (ماراز ہندہ مطلق سروکار نیست از جانب ما ایں جواب صاف راطلاق فہمید) پس اندریں صورت نکاح ہندہ بادیگر کس کردن جائز خواہد شد یانہ، علمائے

علمائے کرام، آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ زید کا ہندہ کے ساتھ شرع محمدی کے مطابق نکاح ہوا، اس کے چند روز بعد ہندہ کو آسیب ہوگیا، علاج ودعا کے باوجود ہندہ کو کوئی افاقہ نہ ہوا، ایک سال اسی حال میں مبتلا رہی، تو ہندہ کے والدین ہندہ کو اپنے گھر لے گئے، اور زید کے والدین زید کو ہندہ سے انقطاع اور احتراز کی تاکید کرتے رہے تاکہ زید اس بیماری سے متاثر نہ ہو، تو زید نے اپنے والدین کی اس نصیحت کی پروانہ کرتے ہوئے خفیہ طور پر ہندہ کے پاس آنا جانا جاری رکھا، جب زید کے والدین کو اس پر اطلاع ہوئی تو انہوں نے زید کو سختی سے اس میل جول سے منع کردیا اور زید نے والدین کی ممانعت پر عمل کرتے ہوئے ہندہ سے کلی طور انقطاع کرلیا اسی دوران اللہ کا فضل ہوا اور ہندہ بالکل تندرست ہوگئ، مگر زید نے اپنا کُلی انقطاع قائم رکھا اور اب تک اس نے ہندہ کی طرف رجوع نہ کیا اور نہ ہی رجوع کا ارادہ رکھتا ہے اور دو تین سال سے والدین کے پاس ہی ہندہ تمام مصارف پورے کررہی ہے اور تمام بوجھ ہندہ کے والدین پر ہے جب کہ ہندہ کے والدین خود مفلوک الحال اور مزدور پیشہ ہیں اور زید نے کبھی ہندہ کے لئے روٹی کی ٹکیہ تک خرچہ نہ بھیجا، متعدد بار فریقین میں معاملہ بنانے کی کوشش ہوئی مگر زید اور اس کے والدین نے صاف جواب دے دیا اور کہا ہمارا ہندہ سے کوئی سروکار نہیں اور ہماری طرف سے یہ صاف

ذوی الکرام ومفتیان ذوی الاحترام استفتاء راازمواہیر ودستخط بجواب صاف شرعیہ مزیّن فرمایند بینواتوجروامکر رااینکہ گفتگو ے اووالدینش کہ آں برجواب صاف دادن مبنی ست جواز طلاق دادن رایانہ فقط،	جواب ہے اور اس کو طلاق سمجھا جائے، تو کیا اندریں حالات، ہندہ کا کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ علمائے کرام اور مفتیان ذوی الاحترام سے درخواست ہے کہ استفتاء کا جواب اپنے دستخطوں اور مہروں سے مزیّن فرماکر ماجور ہوں، نیز مکرر ہے کہ زید اور اس کے والدین کا یہ کہنا کہ "ہمارے صاف جواب کو طلاق سمجھا جائے" کو طلاق دینا متصوّر کیا جائے یا نہیں، فقط، (ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ در صورت مستفسرہ طلاق براں زن واقع نشد زیراکہ سروکار نبودن جز اظہار بے غرضی وبے پروائی افادۃ معنی دیگر نمی کند واگر شوہر مرزنش راگوید مراباتوغرضے نیست یا پروائے تو نداریم یا تو مرابکار نیستی یا تومراچیزے نباشی یا میان من وتوچیزے نماندہ است ہرگز طلاق واقع نشود اگرچہ باینہاارادہ ونیّت طلاق کردہ شد وپُرظاہر کہ سروکار نبودن بیش ازیں الفاظ نیست بلکہ علماء روشن گفتہ اند کہ اگرزن راگفت تومرابیگانہ ایں ہم لغو ومہمل باشد پس لفظ مذکور فی السؤال اولی باہمال فی العٰلمگیریۃ لوقال لاحاجۃ لی الیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق (وفیھا) اذا قال لااریدك اولااحبك اولااشتھیك اولارغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمھم	اے اللہ! حق کی رہنمائی فرما۔ (ت) مسئولہ صورت میں عورت کو طلاق نہ ہوئی، کیونکہ سروکار نہ ہونا، بے غرضی، بے پروائی کے علاوہ کوئی معنٰی نہیں رکھتا، بلکہ اگر شوہر خاص بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے غرض نہیں، میں تیری پروا نہیں رکھتا، تو میرے کام کی نہیں، تو میرے لئے کوئی چیز نہیں، یا تیرے اور میرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں رہی" تب بھی ہرگز طلاق نہ ہوگی، اگرچہ یہ الفاظ طلاق کی نیت سے بھی کہہ دے اور طلاق کی نیت کرے، تو "سروکار نہیں" ان مذکورہ الفاظ سے زیادہ سخت نہیں، بلکہ مشہور علماء کا ارشاد ہے کہ اگر خاوند، بیوی کو یہ کہے "تُو میرے لئے بیگانی ہے" تو یہ مہمل اور لغو کلام ہوگی، تو سوال میں مذکور الفاظ بطریق اولیٰ مہمل ہیں، عالمگیری میں ہے کہ خاوند بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کرے تو بھی طلاق نہ ہوگی۔ اور اسی میں ہے اگر یُوں کہے کہ "میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تجھ سے خواہش نہیں رکھتا" یا کہے "مجھے تجھ میں کوئی رغبت

اللہ تعالٰی[1] (وفیہا) لوقال لم یبق بینی وبینك شیئ ونوی به الطلاق لایقع[2] وفی الخلاصۃ قال تومرابیگانہ او قال لا حاجۃ لی فیك لایقع وان نوی[3]، وفی الھندیۃ ایضا سئل ابوبکر عن سکران قال لامرأته بیزارم بیزارم بیزارم تومراچیزے نباشی الٰی قوله ارجو انہا لاتطلق وھی امرأته[4]، وچوں ظاہر شد کہ ایں لفظ از الفاظ طلاق نیست نہ صریح نہ کنایہ، پس قولِ اُوکہ از جانب ماایں جواب صاف راطلاق فہمند نیز لغو باشد زیراکہ اُو پیش از اظہار طلاق نیست پس گویا حاصل کلامش آن ست کہ چنیں گفتہ کہ بایں گفتن نیت طلاق کردم وخود اگرنیت مے کرد کارگر نمی باشد کما اوضحنا پس اظہار مہمل جز مہمل نباشد **قلت ولایمکن جعله طلاقا مبتدأ لانه**	نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق ہے۔ اور اسی میں ہے کہ اگر یوں کہا" میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں" تو نیت طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ اور خلاصہ میں ہے اگر خاوند نے کہا تو میرے لئے بیگانی ہے یا کہے مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے کہ علّامہ ابوبکر سے نشہ والے کے بارے میں سوال کیا گیا اس نے اپنی بیوی کو کہا" میں بیزار ہوں میں بیزار ہوں میں بیزار ہوں' تو میرے لئے کچھ نہیں" تو انہوں نے جواب میں بیان فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ طلاق نہ ہوگی اور بیوی بحال رہے گی۔ تو واضح ہوگیا کہ سوال میں مذکور لفظ، صریح یا کنایہ طلاق کا لفظ نہیں ہے تو ان کا کہنا کہ" ہمارا صاف جواب طلاق سمجھا جائے" بھی لغو اور مہمل ہے، کیونکہ اس سے قبل زید کی طرف سے طلاق کا کوئی اظہار نہیں، تو اس کی کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اس نے کہا" میں نے اس بات سے طلاق کی نیت کی ہے" اور نیت بھی کرے تب بھی طلاق کے لئے کارگر نہیں ہے جیسا کہ واضح ہوچکا ہے، پس یہ مہمل

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۶
[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۹۸
[4] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

ارشاد الی غیر معتبر شرعا وما لم یعتبر شرعا فلیس فی وسع احدان یجعله معتبرا قال فی الدر المحتار لا یقع طلاق النائم ولو قال اجزته اواوقعته لایقع لانه اعاد الضمیرالٰی غیر معتبر جوہرۃ [1] اھ وقد صرح بالجزئیة فی الخانیة حیث قال، قال لها احسبی انك طالق لایقع وان نوی [2] اھ ملخصا پس درصورت مذکورہ زنہار روانیست کہ ہندہ بامردے دگر نکاح کند ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	برائے مہمل ہے۔**قلت** (میں کہتا ہوں۔ت) اس گفتگو کو ابتداء طلاق قرار دینا درست نہیں، کیونکہ شرعی طور پر غیر معتبر لفظ سے اشارہ ہے، اور جو شرعًا غیر معتبر ہو اس کو کوئی بھی معتبر نہیں بناسکتا، دُرمختار میں فرمایا کہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ وُہ بیدار ہو کر کہے کہ میں نے اسے جائز قرار دیا ہے یا اس کو واقع کرتا ہُوں، تو پھر بھی نہ ہوگی کیونکہ وُہ جس کلام کو واقع کرنا چاہتا ہے وہ نیند کی کلام ہے جو غیر معتبر ہے، جوہرہ، اھ۔ اور خانیہ میں اس خاص جزئیہ کی تصریح کی ہے کہ اگر خاوند بیوی کو کہے، تو یہ خیال کرلے کہ تُو طلاق والی ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے بھی کہے اھ ملخصًا، لہٰذا مسئولہ صورت میں ہندہ کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ یہ میری تحقیق ہے حقیقی علم اللہ تعالٰی رب العزت کو ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۶:　　　　　　۵ ربیع الاوّل شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچہری میں اپنی بی بی کی نسبت بیان کیا کہ میرا اس سے نکاح نہیں ہوا اور اس کی اولاد میرے نطفہ سے نہیں ہے اور حاکم نے بموجب بیان کے مقدمہ کو فیصل کرکے اس کی بی بی اور اس کی اولاد قرار نہ دی حالانکہ نکاح اس کا درحقیقت اسی عورت سے ہوچکا تھا اب شرعًا نکاح اس کا جائز رہا یا نہ رہا اور اولاد اس کی فوت ہونے کے بعد اس کا ترکہ پائے گی یا نہ پائے گی اور بعد حنث اس شخص پر کفارہ یمین عائد ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

[2] قاضی خان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

الجواب:

سائل مظہر کہ شخص مذکور نے انگریزی کچہری میں کسی مصلحت سے ایسا اظہار حلفی دیا پس صورت مستفسرہ میں وُہ شخص جھوٹے حلف کا گنہگار ہوا، توبہ استغفار کرے، باقی نہ نکاح گیانہ کفارہ آیا، نہ اولاد اس کے لئے ترکہ سے محروم ہوئی،

امابقاء النکاح فلان جحودہ لایزیلہ والمقام ھٰھنا متعین للاخبار لانہ فی اظہار لاسیمامع الحلف بل اللفظ بنفسہ لایحتمل الانشاء کما لایخفی بخلاف قول القائل لست لی بامرأۃفلم یکن طلاقا اجماعا۔	نکاح کا باقی رہنا اس لئے کہ اس کا انکار نکاح کو موثر نہیں کرتا جبکہ یہ مقام بھی خبر دینے کے لئے متعین ہے کیونکہ یہ اظہار ہے اور وُہ بھی حلف کے ساتھ ہے بلکہ خود لفظ بھی انشاء کا احتمال نہیں رکھتا، جیسا کہ مخفی نہیں، اس کے برخلاف اگر کوئی کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں ہے تو یہ بالاجماع طلاق نہیں (باوجودیکہ یہ انشاء ہے)۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

ان قال لم اتزوجك ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذافی البدائع۔[1]	اگر خاوند کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو بالاجماع طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے(ت)

اُسی میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لوقال واللہ ماانت لی بامرأۃ ولست واللہ بامرأۃفانہ لایقع شیئ وان نوی کذافی السراج الوھاج[2]۔ملخصًا۔	اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر خاوند کہے "خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں" یایوں کہے "خُدا کی قسم میری بیوی نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے ملخصًا۔(ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے:

واما عدم الکفارۃ فلان المعھود فی محاکمھم غیر القسم وان کان فلاکفارۃ	اور لیکن کفارہ اس لئے نہیں کہ کچہری میں حلف کو قسم نہیں قرار دیا جاتا ہے، اور اگر قسم ہو بھی تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

فی غموس واما عدم انتفاء نسب الولد حتی یحرموا من ترکۃ فلعدم تحقق اللعان ومجرد النفی لاینفی وان تصادق علیہ الزوجان۔	یہ یمین غموس ہے جس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا۔(ماضی کے معاملہ میں جھوٹی قسم کو یمین غموس کہتے ہیں) باقی بچے کے نسب کا انتفاء اس لئے نہیں ہوگا کہ لعان کے بغیر نکاح کی نسبت منتفی نہیں ہوسکتی، اور لعان کے بغیر نفی پر خاوند بیوی دونوں متفق ہوجائیں تب بھی اولاد کی نسب منتفی نہیں ہوسکتی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من قذف زوجتہ ونفی نسب الولد منہ اومن غیرہ وطالبتہ بموجب القذف وھوالحد، لاعن فان لاعنت بعدہ والاجست تلاعن او تصدقہ فان صدقہ لا ینتفی النسب لانہ حق الولد فلایصدقان فی ابطالہ[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا بچے کے نسب سے انکار کردیا، یا بیوی کے پہلے خاوند سے بچے کے نسب کو اس کے والد سے منتفی کیا اور بیوی نے قاضی کے ہاں اس پر حدِ قذف کا دعوی کیا تو خاوند نے لعان کیا تو اس کے بعد اگر عورت نے لعان کیا تو بہتر ورنہ بیوی کو قید کیا جائے گا حتی کہ وُہ لعان کے لئے تیار ہوجائے یا خاوند کی تصدیق کرے، اور خاوند کی تصدیق کردی تو نسب منتفی نہ ہوگا کیونکہ یہ بچے کا حق ہے، لہٰذا بچے کے حق کو باطل کرنے میں ان دونوں کی بات تسلیم نہ کی جائیگی اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷:　　　۱۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید نے اپنی منکوحہ سے دو ۲ بار کہا کہ "تو میرے نکاح سے باہر ہے، بجائے میری ماں بہن کے ہے" آیا اس کی منکوحہ پر طلاق پڑی یا نہیں؟ اور یہ ظہار ہے یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو رجعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد رجعت کفارہ ظہار زوج کو ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے عندالتفتیش بیان کیا کہ اس نے ایک جگہ جانے کے لئے اپنی زوجہ کو کہا تھا اس نے

[1] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲۔۲۵۱

انکار کیا اس نے اصرار کیا آخر کہا "اگر نہ جائے گی تو میرے نکاح سے باہر ہو جائے گی" اس نے پھر بھی نہ مانا تو کہا "تو میرے نکاح سے باہر ہو گئی، تُو بجائے میری ماں بہن کے ہے" اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جانے کا حکم ہے،

لان اللفظ من الکنایات کقولہ لم یبق بینی وبینك نکاح[1] کما فی الھندیۃ وظاھر انہ لایصلح ردًّا ولاسبًّا والحالۃ حالۃ الغضب۔	کیونکہ یہ لفظ کنایات میں سے ہے، جیسا کہ "تیرے اور میرے درمیان نکاح نہیں" جیسا کہ ہندیہ میں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا اور حالت بھی غصّہ والی ہے۔ (ت)

اور اب ظہار کا کوئی محل نہیں،

فان الظھار یعتمد الزوجیۃ کما فی الدر المختار وانہ بعد البینونۃ صادق فی بیان الحرمۃ کما فی رد المحتار ۔	کیونکہ ظہار نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، اور خاوند طلاق بائن کے بعد اپنے بیانِ حُرمت میں سچا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ (ت)

تو کفارے کی حاجت نہیں اور صرف رجعت کی صورت نہیں بلکہ نکاح پھر کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸: از رچھا تھانہ بہیڑی ضلع بریلی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے بیٹوں سے ناخوش ہوا اور ان کو علیحدہ کر دیا، لوگ برادری کے جمع ہُوئے کہ ان کو ایک جگہ جمع کر دیں، باپ یعنی زید کو سمجھانا شروع کیا، اسی اثناء میں زید نے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں خواہ یہ اپنے لڑکوں میں رہے یا کسی جگہ چلی جائے میں لادعوی ہوں مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، وُہ برادری کے لوگ جو جمع تھے ان میں سے ایک شخص عمرو نے کہا کہ اے زید! خاموش ہو اپنی زبان کو روک، یہ کیا کہتا ہے، ایسے لفظ نہیں بولتے ہیں زید نے پھر دوبارہ سہ بارہ اسیطرح سے کہا کہ میں پھر کہتا ہوں کہ مجھ کو کوئی دعوی نہیں جہاں چاہے چلی جائے مجھ کو کچھ تعلق نہیں، غرض جُوں جُوں عمرو اس کو سمجھاتا تھا اُتنا ہی زید ان الفاظ کو بار بار کہتا تھا چار چھ مرتبہ اُن سب کے رُوبرو یہ الفاظ زید نے اپنی زبان سے نکالے، اب زید چاہتا ہے کہ میں بی بی کو اپنے پاس رکھوں، برادری کے بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ زید نے اس وقت غصے میں کہہ دیا تھا کچھ حرج نہیں اور چاہتے ہیں کہ میاں بی بی کا میل جول کرادے، تو فرمائیے کہ اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور میاں بی بی کو خلط ملط

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

جائز ہے یا نہیں؟ یا جو بات عنداللہ ہو بیان فرمائیے۔ بینوا بالصدق والصواب وتوجروا عنداللہ یوم الحساب۔

الجواب:

"مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں" کے سوا باقی الفاظ کنایات طلاق سے ہیں ان کے کہنے میں اگر زید نے عورت کو طلاق دینے اور اپنے نکاح سے باہر کردینے کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن ہوگئی،

ولایتعدد بالتکرار لان الکنایۃ البائنۃ لاتلحق طلاقا بائنا کما فی البحر والدر وغیرہا۔	اور یہ تکرار کی وجہ سے متعدد طلاقیں نہیں ہوسکتیں، کیونکہ کنایہ والی بائنہ طلاق پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی، جیسا کہ بحر اور دُر وغیرہما میں ہے (ت)

اس صورت میں تو عورت کو رضامندی کے ساتھ اس سے نکاح کرلے اور اگر یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے نہ کہے تھے تو طلاق ہی نہ ہوئی عورت بدستور اس کے نکاح میں ہے یہ بات کہ ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہ کی تھی خود زید کے بیان سے معلوم ہوگی عورت اس سے قسم لے کر پوچھے اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو طلاق کا حکم نہ ہوگا،

فی الدر المختار ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ۔[1]	درمختار میں ہے کہ عورت کا گھر میں خاوند سے قسم لے لینا کافی ہے (ت)

اگر زید جھوٹی قسم کھائے گا تو اس کا وبال زید ہی پر ہے، عورت الزام سے بری ہے اور اگر زید قسم کھانے سے انکار کردے یا صاف اقرار کردے کہ میں نے وہ الفاظ بنیت طلاق کہے تھے تو بغیر نکاح جدید کے اُن میں میل جول نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹: از سرولی پرگنہ آنولہ ضلع بریلی محلہ رنگریزاں مرسلہ مسیتن زوجہ وزیر بیگ ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسماۃ مسیتن کو مرزا وزیر بیگ شوہر میرے نے عرصہ دراز سے ہر طرح کی تکلیف دے کر اپنے مکان سے نکال دیا ہے اور میں اپنے باپ کے گھر رہتی ہوں، یہاں تک کہ میں نان شبینہ کو محتاج ہُوں، چنانچہ چند بار میں نے شوہر مذکور سے بابت نان ونفقہ بذریعہ تحریر طلب کیا سو اس کے جواب میں یہ نوٹس بھیجا جو ہمرشتہ سوال ہذا ہے یقین ہے کہ ملاحظہ سے گزرا ہوگا لہٰذا امید ہوں کہ برائے عنداللہ بموجب حکم شرع شریف کے اجازت ہو کہ میں اپنا نکاح کسی مرد صالح

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

کے ساتھ کرلوں جس سے قوت بسری میری متصور ہو فقط

نقلِ نوٹس: نوٹس بنام مسمّاۃ مسیتن دخیر خیراتی واضح ہو تم نے چند بار واسطے خرچ کے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو خرچ کی سخت ضرورت ہے خوب بات ہے اگر تم بلااجازت میرے اپنی ماں کے گھر نہ چلی جاتیں تو میں تم کو خرچ کچھ نہ کچھ دیا کرتا اگرچہ میں پہلے ہی تم سے ازحد ناخوش ہوں مگراب تو میرا بالکل ہی تم سے کُچھ تعلق نہیں رہا، مجھ سے تم کسی قسم کی اُمید مت رکھنا بلکہ تم کو اپنی ذات کا اختیار ہوچکا، میں تم سے دست بردار ہُوں، زیادہ اور لکھوں فقط، راقم وزیر بیگ از پیاس ۹ جولائی ۱۹۰۴ء

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ایک طلاق بائن پڑنے کا حکم دیا جائے گا عورت اپنے آپ کو نکاح سے باہر سمجھے اور روز طلاق کے بعد تین حیض کامل شروع ہو کر ختم ہوجانے کے بعد اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے،

لان نفی التعلق من بین کنایات التطلیق وکذا دست برداری ولا یحتملان ردا و لاسبّا والحالۃ حالۃ الغضب فیحکم بالوقوع بل اللفظ الباقی ایضاکنایۃ عن التطلیق دون التفویض کما یعلم من یعرف اسالیب التحاور واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کنایات میں تعلق کی نفی کو طلاق دینا قرار دیا گیا ہے اور یُونہی "دستبردار ہونا" کا حکم ہے، یہ دونوں لفظ جواب اور ڈانٹ کا احتمال نہیں رکھتے اور حالت بھی غصہ والی ہے، اس لئے طلاق واقع ہونے کا حکم ہوگا اور اسی طرح باقی الفاظ بھی کنایہ والے ہیں جن سے طلاق ہی مراد ہوتی ہے اور ان سے بیوی کو اختیار دینا نہیں ہوتا جیسا کہ محاورات کے مفہومات کو سمجھنے والا ماہر شخص جانتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور اس کا مرد یعنی خاوند اس کا میاں بی بی میں جھگڑا اور فساد ہوا اور غصہ تھا اس غصہ کی حالت میں عورت نے کہا مجھ کو طلاق دے دو، اس کے میاں نے غصّہ کی حالت میں تین بار کہا تو ہماری بہن ہوچکی تو ہماری بہن ہوچکی تو ہماری بہن ہوچکی۔ اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں جب غصہ اُترا تو خیال کیا یہ ہم نے کیا کہا فقط۔ یہ واقعہ ہُوا ہے ایک نومبر ۱۹۰۶ء کو، آج پانچواں دن ہے۔

الجواب:

تین طلاق کی اس صورت میں اصلاً گنجائش نہیں،

لانہ کان بائنا والبائن لایلحق البائن	کیونکہ اگر بائنہ ہو تو وہ پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی،

وظاھر انہ لیس ظھار العدم التشبیہ وظاھر کلامھم ان لاطلاق فیہ تامّل۔	اور ظاہر یہ ہے کہ ظہار نہیں کیونکہ ظہار میں تشبیہ ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہے لہٰذا فقہاءِ کرام کا ظاہر قول یہی ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، غور کی ضرورت ہے۔(ت)

احتیاط یہ کہ آپس میں نکاح نئے سرے سے کرلیں، دو۲ مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۱: از شاہجہانپور محلّہ باروزی اول ۸ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ اپنی ساس کی بدمزاجی اور سخت کلامی سے اپنے والدین کے مکان پر چلی آئی زید اس کے شوہر نے جو پردیس میں ملازم ہے ایک خط بقلم خود بذریعہ ڈاک ہندہ کے باپ کے نام لکھا، علاوہ کلماتِ سخت کے یہ بھی لکھا کہ اب آپ عمر بھر لڑکی کو بٹھائے رکھئے اور اب وہ کبھی نہیں بلائی جاوے گی اور اب آپ دیکھئے گا کہ مجھ کو لوگ کیسے لڑکی دیتے ہیں اور اب آپ لڑکی کو اپنے پاس رکھئے اور آپ کی لڑکی میں کیا صفت ہے، اب آپ لڑکی کو بٹھائے رکھئے جب تک جی چاہے، اور میرا اس کا کچھ تعلق نہیں اور اب آپ کی لڑکی کو کوئی نہیں بُلائے گا اور میں والد صاحب کو لکھ دُوں گا کہ آپ سے کچھ تعلق نہ رکھا جاوے اور لڑکی کو بلایا جاوے اور میری آپ کی خط وکتابت بھی یہیں سے قطع ہوتی ہے اب آپ جواب اس کا نہ دیجئے گا میں نہیں چاہتا، پس یہ کلمات جو زید نے لکھے وُہ طلاق تک پہنچے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے خط سے طلاق نہیں ہوسکتی جب تک زید اس کے لکھنے کا اقرار نہ کرے، پھر بعد اقرار بھی حکمِ طلاق نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس لفظ کے بہ نیتِ طلاق کہنے کا اقرار نہ کرے کہ میرا اس کا کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر وہ کہے کہ یہ خط میں نے اور یہ الفاظ بہ نیت طلاق لکھے تھے تو ضرور ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائیگا اور اگر واقع میں اس نے یہ لفظ بہ نیت طلاق لکھے تھے اور اب اس کا انکار کرجائیگا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۲: از شاہجہان پور محلّہ دلدداک متصل مسجد کوٹھی بابو سمیع اللہ خاں مرسلہ سید امجد علی صاحب ہیڈ کانسٹیبل پنشنر ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو ایک نوکری پیشہ ہے اور اس کی ایک لڑکی محمودہ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ رہتی تھی عرصہ تین چار سال ہُوا کہ اس کی ماں سوتیلی نے اپنے حقیقی بھائی کی صلاح سے جو محمود کا سوتیلا ماموں ہے بلارضامندیِ عمرو محمودہ جس کی عمر ۱۴ سال تھی کی شادی خالد جو بدچلن لامذہب آدمی ہے سے کردی، دس بارہ یوم میں محمودہ کو جب علم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام مطابق شرع نہیں، تب خالد کو فہمائش پابندی نماز کی کی جس پر

محمودہ کو سخت وسُست کہا گیا اور ہر طرح کی تکلیف خوردونوش اور صوم وصلاۃ کی دی گئی اور آخرکار خالد نے محمودہ کو باپ کے گھر پہنچادیا، کچھ عرصہ بعد والدہ ونانی خالد کی آئیں اور خدا اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اقرار اس بات کا کرکے کہ اب لڑکی کو تکلیف نہ ہوگی اور اس کو ناخوش نہ رکھا جائے گا محمودہ کو رخصت کرالے گئیں، دس پندرہ یوم تک محمودہ وہاں رہی، مگر قسم اور اقرار کی پابندی نہ دیکھ کر وہ میکہ چلی آئی غرضیکہ اس عرصہ چار سال میں چار پانچ مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا، اخیر مرتبہ خالد کے باپ نے حلف لیا اور ذمہ دار ہُوا اور لڑکی کو رخصت کرالے گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خالد نے محمودہ سے بات چیت کرنا گھر میں آنا چھوڑدیا اور بالآخر زیور وکپڑا اتار کر یہ کہہ کر کہ اب عمر بھر کو جاؤ ہم سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اس کو میکے میں پہنچادیا اور ایک جماعت کثیر کے جلسہ میں جس میں چند اصحاب نمازی اور پابندِ صوم وصلوٰۃ موجود تھے کہا کہ ہم نے اب دربہ ہی پھونک دیا اور مجھ سے و محمودہ سے کوئی تعلق نہیں رہا اور جب سے اب تک کوئی خبر گیری نہ لی۔

الجواب:

لوگ بہت گول سوال کرتے ہیں کچھ نہ بتایا کہ نکاح کے وقت محمودہ بالغہ تھی یا نابالغہ، چودہ سال کی عمر میں دونوں باتیں محتمل ہیں، اگر عارضہ ماہواری آتا ہو بالغہ ہے ورنہ نابالغہ، یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر بالغہ تھی تو اس کا اذن لیا گیا یا نہیں، اور نابالغہ تھی تو باپ نے اس نکاح کو سُن کر کیا کہا اور یہ رخصت کس کی اجازت سے ہوئی۔ جب تک ان باتوں کی تفصیل نہ بتائی جائے حکم متعین نہیں ہوسکتا، اور ہر شق کا حکم بتانا خلاف مصلحت شرعیہ ہے، تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ نکاح کو صحیح مان کر طلاق کی نسبت استفسار ہے کہ ان لفظوں سے ہوئی یا نہیں، اگر وُہ واقعی لامذہب ہے بایں معنی کہ زندیق ودہریہ ہے کوئی دین نہیں رکھتا یا بایں معنی کہ وہابی غیر مقلد ہے جب تو نکاح ہی نہ ہُوا طلاق کیسی، اور اگر بایں معنی کہا کہ دین کے احکام پر قائم نہیں، ہر قسم کے لوگوں سے میل جول ہے، تو اگر نکاح صحیح فرض کرلیا جائے جس کی حقیقت بغیر امور مذکورہ کے واضح نہ ہوگی تو طلاق کی نسبت اتنا جواب ہے کہ یہ الفاظ کنایہ ہیں، طلاق اس کی نیت پر موقوف ہے، اگر بہ نیت طلاق کہے ایک طلاق بائن ہوگئی، عورت نکاح سے نکل گئی ورنہ نہیں، اور نیت ہونے نہ ہونے میں مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، **کمافی الدرالمختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۳: از رانچی اوپر بازار مرسلہ جناب عبدالرب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

شوہر نے اپنی بی بی سے کہا کہ مجھ سے اور تجھ سے کوئی سروکار واسطہ نہیں میں نے تجھ کو چھوڑدیا

بعد کہنے ان الفاظ کے تفرقہ وقطع تعلق بعد زمانہ ڈیڑھ سال کے دوسرے مرد نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا بعض نے کہا کہ اسے شوہر نے طلاق نہیں دیا ہے، شوہر سے پوچھا کہ تم نے طلاق دی ہے یا نہیں، اس نے بیان کیا کہ ڈیڑھ دوسال سے میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور کوئی واسطہ وسروکار نہیں ہے اور وُہ داخل طلاق ہے اور طلاق ہی جانئے، سوال یہ ہے کہ واسطہ وسروکار نہیں اور میں نے اسی کو چھوڑدیا ہے، طلاق بالکنایہ محتاج نیت ودلالت حال کی ہے، عرصہ ڈیڑھ دوبرس سے باہمی تفرقہ وقطع تعلق رکھنا موافق قولِ ثانی امام محمد کے جو مختار سغدی ہے دلیل اوپر نیت طلاق کے ہے تیسرا جملہ داخل طلاق یا طلاق ہی جانیے صریح ہے، پس وقوعِ طلاق مسند زمان ماض اندر مدّت ڈیڑھ دوسال کے ثابت ہے یا نہیں اور انقضائے عدت زمانہ وقوع طلاق سے عرصہ ڈیڑھ دوسال کے اندر موافق روایات فقہیہ متعلق ہے یا نہیں، اور یہ دوسرا نکاح بعد ڈیڑھ دوسال کے صحیح ہوا یا نہیں، زید بسند کتب معتبرہ فقہیہ ہدایہ وبحر وفتح وغیرہ ثابت کرتا ہے کہ جب وقوعِ طلاق باسناد سند زمان ماض متعلق ہے اور طلاق سبب عدت تو عدت اندر ڈیڑھ دوسال کے گزر گئی نکاح دوسرا صحیح ہے بکر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ وقتِ اقرار سے عدت محسوب ہوگی یہ دوسرا نکاح باطل ہے بلکہ تمتع فیما بین داخلِ زنا، پس قول بکر کا صحیح ہے یا زید کا؟

الجواب

"مجھ کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں" یہ تو الفاظ طلاق سے ہی نہیں،

کقوله لاحاجة لی فیك لااشتھیک[1] کمانص علیه فی العلمگیریة وغیرہا۔	جیسا کہ خاوند کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، تجھ میں میری خواہش نہیں ہے، جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں اس پر نص موجود ہے (ت)

"مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" یہ ضرور کنایاتِ طلاق سے ہے کقوله لم یبق بینی وبینك شیئ[2] (جیسا کہ یُوں کہے میرے اور تیرے درمیان کچھ نہیں ہے۔ت) اور "میں نے تجھ کو چھوڑدیا" یہ لفظ صریح ہے کما بیناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کو بیان کردیا ہے۔ت) اب اگر اُس نے ان لفظوں سے کہ "مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" طلاق کی نیّت کی تھی تو دو طلاقیں بائن ہوگئیں،

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذاجامعه البائن جعله بائنالامتناع الرجعة۔	کیونکہ صریح بائن کولاحق ہوتی ہے اور صریح اور بائن جمع ہوجائیں تو بائنہ صریح کو بائنہ بنادیتی ہے کیونکہ رجوع نہیں ہوسکتا۔(ت)

اور اگراس سے طلاق کی نیت نہ کی ہوتوایک طلاق رجعی ہوئی اگرچہ دوسرے لفظ سے بھی نیت نہ کی ہو،

لان الصریح لایحتاج الی النیة ولتاخرہ عن الکنایة لم یکن قرینة علٰی نیة الطلاق بہا۔	کیونکہ صریح طلاق نیت کی محتاج نہیں ہوتی،چونکہ صریح طلاق یہاں کنایہ کے بعد ہے لٰہذا کنایہ کے وقت نیتِ طلاق کا قرینہ موجود نہ تھا۔(ت)

عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لوقال لها بینی فانت طالق فهی واحدة اذالم ینو بقوله بینی طلاقا[1]۔	اگر خاوند کہے"توجُدا ہو تجھے طلاق"تو یہ ایک طلاق ہے،اگر اس نے"تُوجداہو"سے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال لامرأته فی حال الغضب روحی طالق یقع واحدة رجعیة وان نوی الاکثراوالابانة اولم ینوشیئا لانه صریح،اذالکنایة ماتحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورایضاکما صرح به قاضی خاں فی الکنایات، وهنا الصریح مذکور[2]۔	خاوند نے بیوی کو غصہ میں کہا"میری روح طلاق والی ہے"توایک طلاق رجعی ہوگی اگرچہ وُہ زیادہ طلاقوں کی یا بائنہ کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے ہر طرح ایک رجعی ہوگی،کیونکہ یہ صریح ہے اور کنایہ وُہ ہوتی ہے جس میں طلاق کا احتمال ہواور طلاق کا ذکر بھی نہ ہو جیسا کہ اس کو قاضی خاں نے کنایات کے باب میں ذکر کیا ہے جبکہ یہاں صریح طلاق مذکور ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

انه مذکوربعدہ والقرینة لابدان تتقدم کمایعلم مما مر	یہ بعد میں مذکور ہے جبکہ قرینہ کے لئے ضروری ہے کہ وُہ پہلے ہو،جیساکہ پہلے اعتدی(تو عدّت

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفة بیروت ۱/۵۴و۵۵

فی اعتدّی ثلثا[1]۔	پوری کر) تین مرتبہ کہنے کے متعلق معلوم ہوچکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایقع بالاول شیئ لانہ لم ینوبہ ودلالۃ الحال وجدت بعدہ[2] **اقول:** وفیما ذکر فی الخیریۃ نوع مخالفۃ لمامر عن المحیط والظاھر مافی المحیط و عبارۃ الخانیۃ الکنایۃ ماتحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورانصا[3] فانما معناہ لایکون نصافی الطلاق کیف وقد قال فیہا لوقال انت طالق فاعتدی وقال عنیت بہ العدۃ صحت نیتہ وان عنی بہ تطلیقۃ اخری اولم ینو شیئا فھی تطلیقۃ اخری وکذٰلک واعتدی اوقال اعتدی بغیر حرف العطف[4] فقد اوقع بالکنایۃ اخری عند النیۃ مع وجود الصریح وانمالم یحتج الی النیۃ لتقدم الصریح فکان من المذاکرۃ بخلاف مانحن فیہ فانہ کقولہ بینی فانت طالق واللہ تعالٰی اعلم۔	کنایہ پہلے ہوتو اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی جبکہ نیتِ طلاق نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں نیت اور دلالت دونوں نہ پائے گئے،اور دلالت اگرچہ ہے مگر بعد میں ہے جو کہ قرینہ نہیں بن سکتی **اقول:** (میں کہتاہوں) خیریہ میں جومذکور ہے وُہ محیط سے منقول کے کچھ خلاف ہے جبکہ ظاہر وہی ہے جو محیط میں ہے،خانیہ کی عبارت یوں ہے کہ کنایہ وُہ جو طلاق کا احتمال رکھے اور صراحۃً طلاق مذکور نہ ہواھ ، جبکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ طلاق میں نص نہ ہو،یہ کیونکر نہ ہو جبکہ انہوں نے خانیہ میں فرمایا کہ اگر خاوند بیوی کو کہے "تو طلاق والی ہے پس تُو عدت پوری کر" اور پھر کہے کہ میں نے فاعتدی (پس تُو عدت پوری کر) سے عدت مرادلی ہے،تواس کی نیت صحیح ہوگی اور اگر کہے کہ میں نے اس سے دوسری طلاق مرادلی ہے یا کہے کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی،تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی،اور یُوں ہی اگر "و" عطف کے ساتھ یا بغیر عطف واعتدی اوراعتدی کہے تو بھی یہی حکم ہے،تو یہاں اس بیان میں انہوں نے "اعتدی" کے کنایہ سے نیت کے ساتھ دوسری طلاق' باوجودیکہ اس سے پہلے صریح طلاق مذکور ہے،واقع ہونا تسلیم کیاہے،تو بلاشک کنایہ میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی جہاں صریح طلاق پہلے مذکور ہو تاکہ وُہ مذاکرہ طلاق بن سکے،اس کے برخلاف جو ہم بیان کررہے ہیں اس میں کنایہ پہلے اور صریح بعد میں ہے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶

[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶

لہٰذا وہ "تو جدا ہو تجھے طلاق ہے" کی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

وقتِ اقرار سے عدت معتبر ہونا کہ برخلاف ائمہ اربعہ وجمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فتوائے متاخرین ہے صرف محل تہمت میں ہے اور وُہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہوا گر پہلے سے معلوم ہے تو بلاشبہہ بالاجماع وقت طلاق ہی سے عدت ہے، یوں ہی اگر پہلے سے طلاق کا ثبوت نہیں مگر جس وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کردیا ہے تو اس صورت سے بھی فتوائے متاخرین متعلق نہیں، اور یہاں یہ دونوں باتیں موجود ہیں طلاق قبل اقرار ثابت ہے اور اس وقت سے وُہ اسے جُدا بھی کرچکا تو یہاں وقت اقرار سے عدت لینا صراحۃً باطل وخلاف اجماع ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھر کلام محمد فی المبسوط وعبارۃ الکنز اعتبارھا من وقت الطلاق الاان المتاخرین اختار وا وجوبھا من وقت الاقرار حتی لایحل لہ التزوج باختھا واربع سواھا زجرالہ حیث کتم طلاقھا، وھو المختار کما فی الصغری اھ و وفق السغدی بحمل کلام محمد علی ماذاکان متفرقین من الوقت الذی اسند الطلاق الیہ، اما اذاکان مجتمعین فالکذب فی کلامھما ظاھر لایصدقان فی الاسناد، قال فی البحروھذا ھو التوفیق ان شاء اللہ تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفۃ للائمۃ الاربعۃ وجمھور الصحابہ والتابعین وحیث کانت مخالفتھم للتھمۃ فینبغی ان یتحری بہ محالھا و الناس الذین ھم مظانھا، ولھذا فصل السغدی بما مراھ ملخصاو	بحر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے، اس لئے اس کو بیوی کی بہن اور اس کے ماسوا زائد چار عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدت پوری نہ ہوجائے، متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ، اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے یُوں کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محمل یہ ہے کہ جب خاوند اور بیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں اور اگر وہ دونوں اس وقت سے اب اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں تو پھر طلاق کے لئے بیان کردہ وقت میں دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے اس لئے وقت کے بیان میں تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی

اقرہ فی البحر والنہر۔[1]	عدت شمار ہوگی) اور بحر میں فرمایا یہ موافقت درست ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ کرام اور تابعین کے قول کے مخالف ہے، تو یہ مخالفت تہمت کے مقام میں ہے، تو بہتر ہے کہ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے سوچ بچار سے کام لیا جائے، اور لوگوں میں ایسے واقعات موجود ہیں اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے جو گزرچکی اھ ملخصًا، اوراس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے۔(ت)

ڈیڑھ دوسال میں اگرچہ ذوات الحیض کی مدت کا انقضاء لازم نہیں **فقد تکون ممتدۃ الطھر** (کیونکہ کبھی لمبے طہر والی ہوتی ہے۔ت) مگر شک نہیں کہ اتنی مدت انقضائے عدت کے لئے کافی ضرور ہے کہ امام کے نزدیک کم از کم دو۲ مہینے اور صاحبین کے ہاں انتالیس۳۹ دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں اور عورت کا نکاح پر اقدام انقضائے عدت کا اقرار تو صحت نکاح میں کوئی شبہہ نہیں جب تک کہ عورت کا اس اقرار میں کذب شرعًا نہ ثابت ہویُوں کہ طلاق سے مثلًا ڈیڑھ برس بعد نکاح کیا اور اس نکاح کو چھ۶ مہینے اور طلاق کو دو برس گزرنے سے پہلے بچّہ پیدا ہوا کہ اس صورت میں صاف ظاہر ہوا کہ عدت نہ گزری تھی، بدائع، و بحر و درمختار وغیرہا میں ہے:

اقدامھا علی التزوج دلیل انقضاء عدتھا[2]۔	بیوی کا نکاح کے لئے اقدام اس کی عدت ختم ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے(ت)

بالجملہ قول بکر غلط محض ہے اور حاصل قول زید کا اس وجہ پر کہ ہم نے تقریر کی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: سائل مذکورالصدر بتاریخ مذکور

اسی مسئلہ کے متعلق بکر بزورِ طبع زید کو ترغیبِ عزت واحترام دنیاوی دلا کر کہتا ہے کہ تم اس مسئلہ میں اقرار شبہہ کا اقرار کرو تو ہم بمقابلہ عوام تمہاری عزّت دونی کرادیویں گے اگر کوئی اعتراض کرے گا تو صدہا غلطیاں و شبہات خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین پیش کرکے لوگوں کو سرنگوں کردیویں گے وبصورتِ عدم اقرار شبہہ بدعتی کا حکم لگادیں گے، غور فرمایا جائے کہ بمقابلہ عوام کے خواص کی غلطیاں دکھلانا ایک جزئی مسئلہ میں توہینِ خواص متصور ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان کو بدعتی کہنا کیسا ہے؟

---

[1] ردالمحتار باب العدّۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰

[2] بحرالرائق باب العدّۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۷

الجواب:

بکر نے جو حکم لگایا تھا کہ یہ نکاح نہ ہوا اور تمتع زنا ہوگا یہ شریعت مطہرہ پر اس کا افتراء تھا، اسی پر اپنی خطا کا اقرار لازم ہے، اگر اصرار کرے تو وہی بدعتی ہے کہ احکامِ شریعت کو نہیں مانتا اور اپنے گھڑے حکم پر جما ہے اس وقت تک اگر اس کا افتراء نادانستہ تھا اور اب جان کر مُصر ہوگا تو قصداً **مفتری علی اللہ** ہوگا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ[1]۔	جھوٹا افتراء وہ لوگ بناتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾[2]۔	بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء بازی کرتے ہیں وُہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اس کا یہ طمع کی رشوت دینا کہ ہم تمہاری عزت بڑھادیں گے ناپاک و مردود ہے، عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے،

اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَہُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾[3]۔	کیا وُہ ان کے ہاں عزت چاہتے ہیں تو عزت ساری کی ساری بیشک اللہ تعالٰی کے لئے ہے (ت)

دانستہ حق کو باطل کہنا اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شبہہ بتانا موجب عزت نہیں دارین میں سخت ذلت کا باعث ہے، خلفائے راشدین وائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کبھی رجوع عن الحق نہ فرمائی ان کا اس طرح ذکر بلاشبہہ توہین ہے بکر بے ادب مختل الدین ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۵: ازمارہرہ ضلع ایٹہ عقب تھانہ مرسلہ عصمت اللہ خاں قادری ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مسمّاۃ مجیدن جس کی عمر قریب ۹ سال کے تھی اس کا نکاح اس کی پھپی کے لڑکے رحیم خاں سے ہوا، کبھی میل جول عورت مرد کا جیسا ہونا چاہئے نہ ہوا، اس وقت مجیدن کی عمر قریب ۱۳ سال کے ہے اس کے شوہر نے گاؤں میں مشہور کیا کہ وُہ مرد نہیں ہے نہ عورت کے قابل، چند آدمی اپنے رشتہ دار اور غیر لوگوں

---

[1] القرآن ۱۰۵/۶

[2] القرآن ۹۶/۱۰

[3] القرآن ۱۳۹/۴

اور اپنی ساس سے یہ کہا کہ میں کسی قابل نہیں ہوں میں جواب دے دُوں گا میرے چھوٹے بھائی سے اس کا عقد کردو یہ بیوی نہیں ہے بلکہ ماموں زاد بہن ہے۔ اس پر اس کی ساس بہت ناخوش ہوئی، اب اس سے جواب کے لئے کہا جاتا ہے وُہ انکار کرتا ہے، کبھی کہتا ہے میں اب مرد ہو گیا، کبھی لوگوں سے کہا میں اس عورت کی ناک کاٹ لوں گا۔ یہ عورت اس کے گھر جانا نہیں چاہتی نہ اس کی ماں اس کو بھیجنا چاہتی ہے بلکہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آیا وہ عورت اب بلاطلاق لئے دوسری جگہ اس کا نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب:

اس کا کہنا کہ میں کسی قابل نہیں اور یہ کہ میں جواب دے دوں گا، اور یہ کہ میری بی بی نہیں، اور یہ کہ ماموں زاد بہن ہے، ان میں سے کوئی لفظ کلمہ طلاق نہیں البتہ اس کا یہ لفظ کہ "فلاں سے اس کا عقد کردو" کنایہ طلاق ہو سکتا ہے،

علی معنی زوجو ھا فلانا لانی طلقتھا کما قال ش فیمن زوج امرأتہ من غیرہ موجھا لمن قال ان نوی طلقت لعل وجھہ ان قولہ زوجتك امرأتی فلانۃ یحتمل ان یکون علی تقدیر ان صح تزویجھا منك اوتقدیر لانھا طالق منی فاذا نوی الطلاق تعین الثانی فتطلق اھ[1]۔	"اس کا نکاح فلاں سے کردو کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے" کے مطابق ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ماتن کے قول "جس نے اپنی بیوی کا نکاح دوسرے سے کردیا" کے متعلق جس نے کہا اگر طلاق نیت کی ہو طلاق ہو جائیگی اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا خاوند کا کہنا کہ "میں نے اپنی فلاں بیوی کا تجھ سے نکاح کیا" اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ تجھ سے نکاح کیا اگر تجھ سے نکاح کرنا جائز ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے تجھ سے نکاح کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے رکھی ہے، تو جب طلاق کی نیت سے کہے تو صرف دوسرا احتمال مراد ہوگا، اس لئے طلاق ہو جائے گی اھ (ت)

رحیم خاں سے قسم لی جائے کہ تُونے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں، اگر قسم کھالے گا کہ میں نے اس لفظ سے طلاقِ مجیدن کی نیت نہ کی تھی طلاق ثابت نہ ہوگی دوسری جگہ نکاح حرام محض ہوگا، اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے گا تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور عورت اسی وقت سے جب سے

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۴

یہ الفاظ اس نے اپنی ساس سے کہے تھے نکاح سے باہر سمجھی جائے گی پھر اگر خلوت اصلًانہ ہوئی جب تو عورت وقتِ طلاق ہی سے نکاح ثانی کی محل ہو گئی اور اگر خلوت ہوئی اگرچہ جماع نہ کرسکا تو اگر جب سے اب تک عدت یعنی بعد طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہو گئے تو اب ورنہ جب ختم ہوں دوسرے سے نکاح ہو سکتا ہے اور اگر رحیم خاں نہ ملے کہ اس پر قسم رکھی جاتی تو طلاق ثابت نہیں نکاح حرام ہو گا قال اللہ تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از چھپّرا محلّہ نئی بازار تربنہ مرسلہ حاجی عبدالرزاق صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے بارہا اپنی بی بی کو غصہ کی حالت میں کہا تم ہمارے سامنے و نظر سے دور ہو جاؤ جب وُہ سامنے سے دُور نہیں ہوتی اس وقت وُہ جوتا لے کر دوڑتا ہے تب وُہ سامنے سے علیحدہ ہو جاتی ہے آیا طلاق عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس نے بہ نیتِ طلاق یہ الفاظ نہ کہے تو طلاق نہ ہوئی، اور اگر ایک بار بھی بہ نیت طلاق کہے تو طلاق ہو گئی عورت نکاح سے نکل گئی مرد سے قسم لی جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ کبھی بہ نیت طلاق نہ کہے تو حکم طلاق نہ دیں گے، اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہے، یہ قسم حاکم کے سامنے ہونا ضروری نہیں عورت گھر میں قسم لے سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفها له فی منزله [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تقریبًا ۱۱سال کا ہوا میری شادی کو ہوئے، میرے شوہر نے مجھ کو تین چار بار اپنے مکان سے نکال دیا، برادر جمع ہوئے اور مجھ کو میرے شوہر کے یہاں پہنچا دیا، اور پھر چند عرصہ کے بعد میرے شوہر نے مجھ کو اپنے مکان سے باہر نکال دیا اور کہہ دیا کہ "تُو نکل جا، آج سے مجھ سے اور تجھ سے کسی قسم کا کچھ تعلق نہیں"۔ اب عرصہ چھ ۶ سال سے اپنے والدین کے مکان پر ہوں، برادران نے دو ۲ شخص مقرر کئے وُہ بتاریخ ۲ شوال ۱۳۳۶ھ یومِ جمعہ کو میرے شوہر کے مکان پر گئے اور انہوں نے یہ لفظ میرے شوہر سے کہے کہ تمہاری بی بی بہت تکلیف میں ہے اور وہ تمہارے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۵

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

پاس آنا چاہتی ہے،اس پر میرے شوہر نے یہ جواب دیا کہ "وہ میری بی بی تو اسی تاریخ سے نہیں رہی جب سے وُہ گئی ہے اور اسی تاریخ سے چھوڑ چکا ہوں صرف اس کو پریشان کرنے کے واسطے چھوڑ رکھا ہے"۔اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے شوہر کی زوجیت میں رہی یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت پر ایک طلاق بائن ہوگئی اور وُہ اس کی زوجیت سے نکل گئی،اگر اس روز سے آج تک جسے سائلہ چھ ۶ سال کا عرصہ بتاتی ہے اسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے ہوں جیسا کہ ظاہر یہی ہے اس صورت میں اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے،اور اگر شاید ابھی تین حیض نہ ہوئے ہوں تو جب ہو جائیں اس وقت اسے دوسرے سے نکاح جائز ہوگا اس لئے کہ وہ چھ ۶ برس سے طلاق دینے کا مقر ہے اور وُہ دونوں اسی وقت سے جدا ہیں تو عدت جبھی سے لی جائے گی۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر وظاھر کلام محمد فی المبسوط وعبارۃ الکنز اعتبارھا من وقت الطلاق،الاان المتاخرین اختار و اوجوبھامن وقت الاقرار حتی لایحل لہ التزوج باختھا واربع سواھا زجرالہ حیث کتم طلاقھا وھو المختار کما فی الصغری اھ ووفق السغدی بحمل کلام محمد علی ماذاکان متفرقین من الوقت الذی اسند الطلاق الیہ.امااذاکانا مجتمعین فالکذب فی کلامھما ظاھر فلایصدقان فی الاسناد قال فی البحر وھذاھوالتوفیق ان شاء اللہ تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفۃ للائمۃ الاربعۃو	بحر میں فرمایا کہ مبسوط میں امام محمد کا ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے اس لئے ایسے شخص کو بیوی کی بہن اور اس کی بیوی کے ماسوا چار عوتوں سے نکال حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدّت پوری نہ ہوجائے،متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے،اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ،اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محمل یہ ہے کہ جب خاوند وبیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں،اور اگر وُہ دونوں اس وقت سے وقتِ اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں،تو دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے لہٰذا وقت کے بیان میں دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی عدت شمار ہوگی)

جمهور الصحابة والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنهم وحیث کانت مخالفتهم للتهمة فینبغی ان یتحری به محالها والناس الذین هم مظانها ولهذا فصل السغدی بما مر اھ واقره فی البحر والنهر[1] اھ **اقول:** وانما اسند الامر الی اقراره لان قوله "نکل جا" یحتمل الرد کما نصوا علیه وقوله "تعلق نہیں" یحتمل السب کما حققناه فی جدالممتار والحال حال الغضب فلایحکم بالطلاق الااذا اقر بالنیّة و"چھوڑنا" من الصریح بلساننا فان کان قوله "اسی تاریخ سے" الخ راجعا الی ذینك اللفظین، کان اقرار بالنیة، فالعدة مذذاك بالاجماع وان فرض علی خلاف الظاهر صرفه عن الکلام المعروف الی کلام باطن مجهول اوجعل اقرار کاذبا کاف انشاء مسند افالعدة مذذاك بحکم التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بحر میں فرمایا دونوں کلاموں میں یہ توفیق اِن شاء اللہ درست ہے، اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مخالف ہے اور متاخرین کا یہ فتوٰی مقام تہمت کے لئے ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ موقع محل کے متعلق سوچ بچار سے کام لیاجائے، اور لوگوں میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں، اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل واضح کرتے ہوئے مذکورہ موافقت بیان کی ہے اھ، اور اس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) اور خاوند کے اقرار سے حکم متعلق اس لئے ہوگا کہ خاوند کا کہنا "نکل جا" جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے، اور خاوند کا کہنا "تعلق نہیں" ڈانٹ کا احتمال رکھتا ہے جیساکہ ہم نے جدالممتار حاشیہ ردالمحتار میں تحقیق کی ہے جبکہ حالت بھی غضب والی ہے تو اس وقت تک طلاق کا حکم نہ ہوگا جب تک طلاق کی نیت کا اقرار نہ کرے، اور لفظ "چھوڑنا" ہماری زبان میں صریح طلاق ہے، اس لئے خاوند کا کہنا "اسی تاریخ سے الخ" اگر پہلے دونوں لفظوں کی طرف راجح ہو تو یہ نیت طلاق کا اقرار قرار پائے گا لہٰذا عدت کا شمار بالاجماع اسی تاریخ سے ہوگا، اور اگر اس کی بات کو معروف معنی کے بجائے مجہول اور مخفی معنی کی طرف پھیرا جائے یا اقرار کو جھوٹ قرار دیا جائے، اگرچہ یہ خلافِ ظاہر ہے تاہم یہ انشاء ہوگا اور اس وقت کا اعتبار ہوگا لہٰذا عدت یہاں سے شمار ہوگی جیساکہ موافقت کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰

مسئلہ ۳۰۸: از ریاست رامپور محلّہ شاہ آباد دروازہ مسئولہ سید نادر علی صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ کو بوجہ زبان درازی مارا، اس پر اور زیادہ بدکلامی اور گفتگو ناشائستہ کرنی چاہی، زید نے اور سختی کی، اور یہ لفظ مجبور ہو کر منکوحہ سے کہا کہ چلی جا۔ اس واقعہ کے وقت زید کے رشتہ کے بہنوئی موجود تھے، لفظ "چلی جا" سُن کر زید سے کہا کہ اب تمہارا نکاح کب رہا، اس پر زید کو اور زیاد غیظ بڑھا جو انتہا درجہ پر شمار کیا جائے اور کوئی نشیب وفراز کا خیال نہ کیا اسی حالتِ غیظ، میں اپنے بہنوئی کی طرف مخاطب ہو کر چونکہ وہ اس کے پاس کھڑا تھا لفظ طلاق چند بار جس کی تعداد پورے طور یاد نہیں کہا اور یہ بھی کہا کہ "آزاد کیا"، ان لفظوں کی ادائیگی زید نے متوجہ کرکے یا مخاطب ہو کر اپنی منکوحہ سے نہ کہے بلکہ اس وقت زید کا فاصلہ اپنی منکوحہ سے آٹھ سات قدم کا تھا اور منکوحہ زید کے روبرو نہ تھی اور اس کا ایجاب وقبول نہ ہوا۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا یا باطل ہوا؟ اور زید کی منکوحہ ۵ ماہ کی حاملہ بھی ہے، لہٰذا یہ مسئلہ علمائے دین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صاحبان اپنی مُہر ودستخط سے مزیّن فرمائیں۔

الجواب:

زید نے لفظ "طلاق طلاق" چند بار کہا اگر اس سے اپنی زوجہ کو طلاق دینی مقصود تھی تو تین طلاقیں ہو گئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لانہ ان ثلث فذاك وان ثنی فثالثھما قولہ قولہ "آزاد کیا" لانہ لایحتمل ردا ولا سبا وقد صارت الحال حال المذاکرۃ لانہ قالہ لمدخولہ "طلاق طلاق" کما ذکرہ السائل والاضافۃ فی السابق اضافۃ فی اللاحق کقولہ طلقتك طلقتك۔	کیونکہ اگر تین مرتبہ کہا تو تین، ورنہ اگر دو مرتبہ طلاق کہا تو پھر تیسری طلاق اس کے "آزاد کیا" کہنے پر ہو گئی، کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب بننے کا احتمال نہیں رکھتا، جبکہ پہلے "طلاق" کہنے پر مذاکرہ طلاق بھی بن چکا ہے کیونکہ مدخولہ عورت (وطی شدہ) کو طلاق طلاق کہا ہے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، اور پہلے طلاق میں بیوی کی نسبت آخری لفظ میں بھی معتبر ہوگی' جیسا کہ "میں نے تجھے طلاق دی" میں ہوتا ہے۔ (ت)

مگر یہ اس کے اقرار پر موقوف ہے کہ اس لفظ "طلاق طلاق" سے زوجہ کو طلاق دینی مراد تھی اگر اقرار نہ کرے گا اُن الفاظ سے حکمِ طلاق نہ ہوگا اگر واقع میں اس نے نیتِ طلاق کی تھی اور مکر جائے گا تو وبال اس پر رہے گا

مستحق عذابِ نار ہوگا، عورت کے پاس جانا اس کے لئے زنا ہوگا عورت پر الزام نہ ہوگا۔ خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے:

سکران ھربت منه امرأته فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[1]۔	ایک نشے والے کی بیوی اس سے بھاگ گئی تو یہ اس کے پیچھے بھاگا اور کامیاب نہ ہوا تو (بالفاظ فارسی) کہا "تین طلاق" بعد میں اگر وُہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو کہا تھا، تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

وجیز کردری پھر انقرویہ میں ہے:

فرت ولم یظفر بھا فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا[2]۔	بیوی بھاگی تو کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا "تین طلاق" اگر بعد میں کہے "میں نے بیوی کو کہا ہے" تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

پھر اگر وہ اقرار مذکور کرلے جب تو کوئی بحث ہی نہ رہی کہ تین طلاقیں ہوگئیں اور اگر اقرار نہ کرے تو یہ الفاظ خارج ہوکر دو[2] لفظ رہے "چلی جا" اور "آزاد کیا" پہلا لفظ مطلقًا محتاج نیت نہیں ہے۔ درمختار میں: اذھبی یحتمل ردا[3] (کیونکہ جواب بن سکتا ہے۔ ت) اگر قسم کھا کر کہے کہ بہ نیت تفریق زن نہ کہا تھا، تو اس لفظ سے طلاق نہ مانیں گے یہ قسم مکان ہی پر کافی ہے حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں، اگر جھُوٹی قسم کھائے گا تو اس کا بھی پھر زنا کا وبال اس پر ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا له فی منزله[4]۔	خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے (ت)

دوسرا لفظ "آزاد کیا" اگرچہ نہ محتملِ رَد ہے نہ محتملِ سبّ، اور حالتِ غضب ہے تو طلاق مطلقًا ہونی چاہئے تھی، درمختار میں ہے:

انت حرۃ لایحتمل السب والرد[5]۔	"تُو آزاد ہے" کہنا ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الطلاق دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۷۴

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[4] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

[5] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

مگر لفظ آزاد کیا میں عورت کی طرف اضافت نہیں تو اگر بحلف کہہ دے گا کہ عورت کی نسبت نہ کہا تھا' تو طلاق کا اصلاً حکم نہ ہوگا اگر جُھوٹا حلف کرے گا تو اس کا پھر زنا کا وبال اور عذابِ شدید کا استحقاق اُس پر ہے۔ خانیہ وبزازیہ میں ہے:

لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1]	"تُو میری اجازت کے بغیر مت نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" کہا، تو عورت نکل گئی، طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کی قسم نہ کہا، اور احتمال ہے کہ کسی دوسری عورت کی طلاق مراد لی ہے لہذا شوہر کی وضاحت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (ت)

بالجملہ اگر "طلاق طلاق" سے نیت طلاق کی اقرار کرے تو تین طلاقیں ہوگئیں ورنہ ایک بائن کا حکم ہے، عورت نکاح سے نکل گئی، عدت میں خواہ بعد عدت اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہ کہ بحلف کہے کہ لفظ "آزاد کیا" اس زوجہ کی نسبت نہ کہا تھا تو اب اس سے حلف لیں گے کہ "چلی جا" سے اس عورت کو طلاقِ بائن کا ارادہ کیا تھا یا نہیں، اگر اس پر بھی حلف کرلے گا تو اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا، اور اگر اس پر حلف سے انکار کرے تو قاضی کے حضور پیش کیا جائے اگر حاکم کے سامنے بھی انکار کرے تو ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا، عورت نکاح سے نکل گئی، غصّہ یا حمل یا عورت کا دُور ہونا کچھ منافیِ طلاق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۹: از شاہجہان پور محلّہ مہند گڑھی مرسلہ حافظ نذیر حسن صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو عرصہ سات برس سے چھوڑ رکھا اور اس کا اصلاً خبر گیراں نہیں ہوتا ہے، نہ روٹی دیتا ہے نہ کپڑا دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے کہ اس کا دوسری جگہ نکاح کردیا جائے اور اس کا کوئی علاقہ بندوں سے دستگیر نہیں ہے کہ اس کا نان نفقہ کسی طرح پر چل سکے سخت مجبور ہے، اب جو حکم صاحبانِ شرع متین کا ہو اس پر عمل کیا جائے، بیان کرو اجر پاؤ، اور اس مدت کے درمیان میں مسماۃ نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ اب میرا شوہر مجھ کو رخصت کرلیجاوے اور بطور اپنی زوجہ کے مجھ کو سمجھے، اس کے واسطے مسمّاۃ نے چند خط بھی روانہ کئے اور آدمیوں کو بھی بھیجا لیکن شوہر نے کچھ توجہ نہیں کی، پھر اس کے بعد خود بھی گئی، پھر بھی اس نے نہیں رکھا واپس کردیا، تب مجبور ہو کر عدالت سے نان نفقہ کا دعوی کیا وہاں اس نے روٹی کپڑا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۵

دینے کا اقرار کیا اس پر بھی وُہ مقدمہ خارج کیا گیا، پھر اس کے بعد مسمّاۃ نے کچھ عرصہ تک انتظار کیا، پھر مسمّاۃ نے وہاں خبر بھیجی اس پر اس نے ایک ایسا کارڈ روانہ کیا کہ جس کو دیکھ کر عقل گم ہو گئی، چونکہ ظاہر میں وہ شخص اقرار کرتا ہے اور باطن میں وُہ ایسا ہے، پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وُہ مسماۃ کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص ضلع شاہجہان پور مقام موضع سندھول کا رہنے والا ہے اور مسمّاۃ باشندہ شاہجہان پور ہے محلّہ مہمند گھڑی، اور جو کارڈ اس نے روانہ کیا وُہ کارڈ بھی اس میں رکھا ہے، آپ اپنے دستخط اور جو علمائے سنت ہوں ان کے دستخط کرواکے روانہ کیجئے، نہایت عاجز اور مسکین ہُوں فقر فاقہ کرتی ہُوں، آپ صاحبان علمائے دین کے دستخط ہو کر فتوی آجائے گا تو اور جگہ نکاح کرلوں گی اور آپ کو دُعادُوں گی اور آپ کو اللہ تعالیٰ اس کا اجرِ عظیم دے گا، واسطے اللہ کے میرے اوپر رحم کیجئے۔

الجواب:

کارڈ دیکھا گیا اس میں صرف یہ لفظ ہے آپ کہتے ہیں اپنی عورت کو لے جاؤ اور اس نے مجھ پر مقدمہ چلایا اور وکیلوں کے پاس گئی اور پھری گئی اور ہر کس وناکس سے ملی اس لئے وُہ بالکل میرے کام کی نہ رہی، اتنے لفظ پر جب تک طلاق کی نیت سے کہنا ثابت نہ ہو طلاق کا حکم نہیں ہو سکتا، نہ ہرگز عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اگر کرے گی محض حرام ہوگا، اس سے پوچھا جائے اگر وُہ اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہ لفظ بہ نیت طلاق کہا تھا تو جبھی سے طلاق ہو گئی جب سے اب تک اگر عورت کو تین حیض آکر ختم ہوگئے یا جب ختم ہو جائیں دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر وُہ نیتِ طلاق کا اقرار نہ کرے اس پر حلف رکھا جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے نیتِ طلاق نہ کی تھی تو ہرگز حکم طلاق نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے **یکفی تحلیفھا له فی منزله**[1] (خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔ ت) اور اگر حلف سے انکار کرے تو شرعی نالش کی جائے کہ اس نے یہ الفاظ کہے ہیں اور ان سے طلاق کا احتمال ہے اگر وُہ حاکم کے سامنے بھی اس حلف سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور عورت بعد عدت دوسری جگہ نکاح کر سکے گی اور اگر وہاں حلف کرلیا تو طلاق ثابت نہ ہوگی، اگر جھُوٹی حلف یہاں یا وہاں کیا تو وبال اس پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۰: از بریلی شہر کہنہ محلّہ قرولی مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مے نوشی وقمار بازی کرتا ہے، اس نے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

حالت مے نوشی وہار کی سوزش قمار بازی میں بیوی اپنی سے روپیہ طلب کیا، روپیہ دینے میں بیوی نے تسہل کیا یہ سمجھ کر کہ حالتِ غیر ہے اس وجہ سے تشدد ہے نیز یہ بھی خیال کیا کہ بچّوں کو تکلیف نہ ہو، یہ سستی کرنا اور انکار روپیہ سے کرنا اس کو اس قدر ناگوار ہوا کہ یہ تحریر لکھ کر دے دی جو حضور کے پیش نظر ہے:

نقل تحریر: مسمّاۃ عائشہ بیگم کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ چاہے کسی کے ساتھ عقد کرے یا بیٹھی رہے مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ عنایت اللہ ولد محمد مصطفیٰ ساکن بریلی شہر کہنہ محلّہ قرولی مورخہ ۷ جولائی ۱۹۱۹ء۔

الجواب:

اگر یہ تحریر اس نے بہ نیت طلاق لکھی یعنی "میں نے اسے طلاق دے کر آزاد خود مختار کردیا چاہے تو دوسرے سے نکاح کرلے" جب تو ایک طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے اور اگر نیتِ طلاق سے نہ لکھی تو طلاق نہ ہوئی یہ بات کہ طلاق کی نیت نہ تھی زید کے حلف پر ہے اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ میں نے اس سے اسے اپنے نکاح سے خارج کرنے کی نیت نہ کی تھی مان لیں گے اور حکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر زید جھُوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی، اور بیوی کا گھر میں خاوند سے قسم لینا کافی ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۱: از شہر بریلی کیمپ صدر مسئولہ حبیب احمد صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئے عرصہ ۹ سال کا ہُوا، شادی کرکے وُہ شخص صرف پندرہ روز اپنی زوجہ کے پاس رہا بعد میں وہ سفر کو چلا گیا اور ۹ سال سے آوارہ پھرتا ہے، جب اس کے قیام کی خبر دہلی میں معلوم ہوئی اس کی زوجہ اس کے پاس گئی اس نے کہا "تو یہاں سے چلی جا ورنہ تیری ناک کاٹ لوں گا، جو تیرا دل چاہے وہ تُو کر، میرے پاس مت آ۔" عورت نوجوان ہے شوہر متذکرہ بالا پر کیا نکاح جائز رہا؟

الجواب:

اگر اس کی نیت ان لفظوں سے طلاق کی نیت ہونا ثابت ہوجائے حکمِ طالق دے دیں گے ورنہ

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

نہیں، اس سے پوچھا جائے کہ تُو نے یہ لفظ بہ نیتِ طلاق کہے تھے یا نہیں، اگر قسم کھالے کہ میں نے بہ نیت طلاق نہ کہے تھے، تو طلاق نہ مانی جائے گی، اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی جب تک یہ انکار حاکمِ شرع کے حضور نہ ہو طلاق ثابت نہ ہوگی ہاں اگر اقرار کردے کہ بہ نیت طلاق کہے تھے تو طلاق ہو گئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۲: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مسئولہ اویس خاں عرف شریف اللہ خاں ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص ملازم فوج ہو کر پردیس جانے کے وقت اپنے والدین سے یہ کہہ کر رخصت ہوا کہ میری یہ عورت میرے مطلب کی نہیں ہے میری واپسی سے قبل نہایت ایذا کے ساتھ اس کو نکال دینا، میں واپس آکر دوسری شادی کروں گا۔ چنانچہ اس شخص کی عورت کو مطابق استدعا کے اس کے والدین نے اندر دو ۲ ماہ نکال دیا اور اس عورت نے اندر ایک ماہ دوسرے شخص کے ساتھ اپنا نکاح کرلیا، عورت مذکورہ دوسرے شوہر کے یہاں سے بھی بلاطلاق کے بوجہ حمل ہونے کے نکال دی گئی اب اس عورت کو اپنے پہلے شوہر کے مکان سے نکلے ہوئے تقریبًا ایک سال گزر گیا اور اس کا شوہر بھی ملازمت فوج سے واپس آیا اور پانچ چھ ماہ ہوئے وقت واپسی کے آج تک عورت مذکور کا خبر گیراں نہیں ہوا اور قبل جانے پردیس کے ایک دن اس کے شوہر نے طلاق نامہ لکھنے کا بندوبست کیا تھا اور کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا مگر اس کو کسی خیال نے تکمیل طلاق نامہ سے روک دیا تھا، عورت مذکور کو اس کے ماں باپ بھی اپنے پاس رکھنے کے روادار نہیں ہیں اور اس کی گود میں ایک لڑکا ساتھ سال کا پہلے شوہر کا موجود ہے کیا عورت مذکور اپنا نکاح کسی اور شخص سے کرسکتی ہے؟

الجواب:

یہ لفظ کہ "یہ عورت میرے مطلب کی نہیں" کنایات سے ہے اور محتمل سبّ ہے اور حالت حالت غضب ہے تو حکم طلاق نیت پر موقوف ہے کہ پہلا شوہر اگر یہ اقرار کرے کہ بہ نیت طلاق یہ لفظ کہے تھے تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور بعد وضع حمل عدت گزر گئی دوسرے سے نکاح کا اسے اختیار ہوگا، اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف کرے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق نہ ہوگی اور عورت کو دوسری جگہ نکاح حرام ہوگا، اور وہ جو دوسرے سے نکاح کیا تھا وہ تو بہرحال حرام تھا کہ بلاثبوت طلاق تھا اور اگر ثبوت بھی ہو جاتا تو عدّت کے اندر تھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۳: از اجمیر شریف محلّہ چاہ ارٹ مسئولہ سید محمد عظیم صاحب ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عورت کا بیان ہے کہ میرے خاوند سے عرصہ دو برس سے کوئی تعلق نا اتفاقیوں کے باعث نہیں تھا چنانچہ اب اس نے زبانی اور تحریر سے یہ لکھ دیا ہے کہ "تو ہفتہ کے اندر میرے

پاس نہ آئے تو جہاں پر چاہے جا، تجھے اختیار ہے تیرے دل کا اور مجھے اختیار ہے اپنے دل کا۔" لہٰذا عورت نے ان الفاظ کو طلاق سمجھ کر اپنے کو بائن کرلیا لہٰذا فرمائیے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور عورت بعد عدّت دوسرے سے عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں طلاق ہونا نیت شوہر پر موقوف ہے عورت کو کوئی اختیار نہیں کہ بطورِ خود اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے، شوہر اگر قسم سے کہہ دے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو ہر گز طلاق نہ مانی جائے گی اور وُہ بدستور اس کی زوجہ ہوگی، ہاں اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو حاکم شرعی کے حضور نالش کی جائے اگر شوہر اس کے سامنے بھی حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۴: از شہر بریلی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غصہ کی حالت میں اور دوران طلب طلاق میں زید نے اپنی ساس اور خسر سے کہا اگر میں پسند نہیں ہوں تو دوسرے سے نکاح کردو یا شادی کردو، سا نے جواب میں کہا ہاں تو پسند نہیں ہے اس سے نکاح ٹوٹ گیا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حالت حالت مذاکرہ وغضب ہے اور لفظ نہ محتمل رد نہ محتمل سبّ ہے لہٰذا طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی **ھذا ما عندی** (یہ جواب میرے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۵: از جیت پور کاٹھیاواڑ جامع مسجد مدرسہ معرفت جناب مولوی سیّد غلام حیدر صاحب مسئولہ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب رضوی بریلی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ،

کیا حکم ہے شریعت مطہرہ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ پر سخت غصہ ہو کر بحالت غصہ یہ کہا کہ "تو اپنے گھر کو جا میرے کام کی نہیں، میں نے تجھ کو طلاق دی"۔ ہندہ کو آٹھ ماہ کا حمل ہے زید حلف اٹھاتا ہے کہ "میں نے فقط تنبیہ کے لئے یہ الفاظ کہے تھے ہر گز ایسے الفاظ طلاق کی غرض سے نہ کہے تھے اور میں اس وقت غصہ میں آپے سے باہر تھا"، اب زید وہندہ کیا کرنا چاہئے؟ اگر حلالہ لازم آتا ہو، تو کوئی صورت شریعتِ مطہرہ نے ایسی بھی بتائی ہے کہ حلالہ نہ کرنا پڑے اور زید وہندہ کے تعلقات قائم رہیں یا قائم ہوجائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر واقعہ اسی قدر ہے عورت نے یا کسی اور نے عورت کے لئے طلاق نہ مانگی تھی جس کے جواب میں یہ لفظ اس نے کہے نہ اس نے ان الفاظ کو مکرر کہا بلکہ صرف ایک ہی بار کہا تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی واقع ہوئی

لان اللفظ الاوّل یحتمل الرد فینوی علی کل حال والثانی یحتمل السب فینوی فی الغضب وقد حلف ویکفی حلفه فی منزله[1] کما فی الدرالمختار واللفظ الثالث وان کان صریحا لایکون قرینة فی الاولین لان شرط النیة ان تتقدم کما فی ردالمحتار۔	کیونکہ پہلا لفظ جواب کا بھی احتمال رکھتا لہٰذا بہر صورت نیتِ طلاق ضروری ہے، اور دوسرا لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لئے صرف غصہ کی حالت میں طلاق کی نیّت کرنی ہوگی جبکہ وُہ قسم دے چکا ہے اور گھر میں قسم دے دینا کافی ہے جیس کہ درمختار میں ہے۔اور تیسرا لفظ اگرچہ طلاق میں صریح ہے لیکن یہ پہلے دونوں لفظوں کے لئے قرینہ کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ قرینہ کے لئے پہلے ہونا شرط ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔(ت)

پس اگر اس سے پہلے کبھی دو۲ طلاقیں نہ دی تھیں نہ ایک طلاق بائن دی تھی جس کی عدّت باقی ہو تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو رجعت کرسکتا ہے، مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ "میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا" تو وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر وضعِ حمل تک رجعت نہ کرے گا تو اس کے بعد برضائے زن اس سے دوبارہ نکاح کرنے کی حاجت ہوگی، حلالہ کی حاجت دونوں صورتوں میں نہیں، حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے، اور جب لازم ہوتا ہے اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں وکل ماذکر فی القنیة من الحیل وغیرہا باطل لااصل له (قنیہ میں جو حیلے ذکر کئے گئے وُہ باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: مرسلہ مستقیم خاں زمیندار ۱۴صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ علی محمد خاں کی بیٹی کا نکاح بھوراخاں کے ساتھ ہُوا ابھی رخصت نہ ہوئی تھی کہ باہم نزاع ہوگیا۔ برکت اللہ خاں، مستقیم خاں، نظیر الدین خاں صلح کے لئے گئے۔ سب کے سامنے بھوراخاں نے کہا "یہ میری زوجہ نہیں ہے میں نے اس کو پہلے چھوڑدیا ہے" اور چند مرتبہ کہا "میں نے چھوڑدی چھوڑدی مجھ کو کچھ سروکار نہیں، میری بی بی نہیں ہے" اس صورت میں طلاق ہوئی یا

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

اس صورت میں عورت نکاح سے نکل گئی،اس پر ایک طلاق بائن ہو گئی،آدھا مہر شوہر پر واجب الادا ہوا،عورت کو عدت کی ضرورت نہیں جس وقت چاہے نکاح کرلے،اگر اس شوہر سابق ہی سے راضی ہو تو اس سے بھی نکاح ہو سکتا ہے حلالے کی حاجت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷: مسئولہ مولانا حشمت علی صاحب سنی حنفی قادری رضوی لکھنوی متعلّم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۹رجب شریف یوم جمعہ ۱۳۳۸ھ بریلی شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی ساس سے کہا"میں تمہاری لڑکی کو چھوڑتا ہوں میرے کام کی نہیں"اب سوال یہ ہے کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

دوطلاقیں بائن ہو گئیں،عورت نکاح سے نکل گئی،عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر رخصت نہ ہوئی تھی تو عدّت کی بھی حاجت نہیں،اور اگر زید ہی سے نکاح چاہے تو اس سے بھی کر سکتی ہے عدّت میں خواہ عدّت کے بعد،جبکہ اس سے پہلے کوئی طلاق اسے نہ دے چکا ہو کہ ایسا تھا تو تین ہو گئیں بے حلالہ نہیں ہو سکے گا،

وذٰلك لان اللفظ الاول صریح فوقع بہ طلاق وان لم ینو وصار الحال بہ حال المذاکرۃ واللفظ الثانی لا یحتمل الرد بل السب فاستغنی عن النیۃ لاجل المذاکرۃ،والواقع بہ بائن لانہ من الکنایات غیر الثلاث المعلومۃ اعتدی واخیھا فلحوقہ جعل الرجعی الاوّل ایضا بائنا لامتناع الرجعۃ بالثانی فبانت بثنتین۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ پہلا لفظ صریح ہے اس لئے یہ طلاق ہوئی اگرچہ نیت نہ بھی ہو،اس سے مذاکرہ طلاق کا حال ہوگیا،اور دوسرا لفظ صرف ڈانٹ کا احتمال رکھتا اور جواب نہیں بن سکتا،لہٰذا یہاں نیت کی ضرورت نہیں کیونکہ مذاکرہ طلاق ہو چکا ہے،اس سے بائنہ طلاق ہوئی کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے لیکن اعتدی اور اس جیسے الفاظ کنایہ تین میں سے نہیں ہے،لہٰذا اس دوسرے لفظ سے پہلی صریح طلاق بھی بائنہ ہو گئی کیونکہ دوسری بائنہ ہے جس کی وجہ سے پہلی میں رجوع ممکن نہ رہا،لہٰذا بیوی کو دو۲ بائنہ طلاقیں ہوئیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۸: ۲۳جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ "جامیں نے تجھے چھوڑ دیا" اور چند مرتبہ اور چند آدمیوں کے سامنے یہی کہا کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" مگر "طلاق" کا لفظ نہیں کہا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اگر تین بار کہا تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین بار سے کم کہا اور عدّت گزر گئی تو دوسرا نکاح آپس میں کرسکتے ہیں، اور عدّت نہ گزری تو مرد کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹: از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مسئولہ سید شرافت علی صاحب ۷رجب مرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی اپنے میکہ میں ہے، زید کے گھر سے ایک آدمی اس کو لینے گیا، اس کے والدین نے نہیں بھیجا، دوسرے دن زید خود گیا پھر بھی نہیں بھیجا اور نہ کوئی وجہ خاص بتلائی، زید کو ناگوار ہوا اس نے کہا کہ "اگر آپ نہیں بھیجتے تو آپ کی لڑکی کو جواب دے دُوں گا اور آپ اس وقت دو چار آدمیوں کو بلوالیجئے تاکہ میں اس وقت اُن کی موجودگی میں جواب دے دُوں اور قطع تعلق کرلوں۔" زید کے خسر او ساس نے جواب دیا کہ "نہ ہم آدمیوں کو جمع کریں گے اور نہ جواب لینا منظور ہے" زید یہ کہہ کر کہ "میں اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا اور کل بذریعہ رجسٹری ڈاکخانہ سے دوبارہ آپ کو اطلاع دُوں گا"۔ دوسرے دن اس نے یہ لکھ کر کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں اور طلاق دیتا ہوں" رجسٹری کردی، زید کے خُسر نے واپس کردی، زید پردیس چلاگیا وہاں سے دو۲ ماہ کے بعد آیا اس وقت زید کے ایک عزیز نے جو کہ اس کی بی بی کا قریبی رشتہ دار تھا، زید سے مل کر یہ چاہا کہ بیوی سے صلح ہوجائے، زید نے اس کو یہ جواب دیا کہ "میں طلاق دے چکا ہوں اب صلح کیسی" وُہ خاموش ہوگیا، چنانچہ ایک اور آدمی سے بھی زید نے یہ کہا کہ "میں اپنی بی بی کو طلاق دے چُکا ہوں" اب زید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اس کی بی بی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب:

طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اگر اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دے چکا تھا تو برضائے زن اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، اور اگر پہلے ایک طلاق بھی دے چکا تھا تو اب بے حلالہ نہیں کرسکتا کہ تین ہوگئیں ایک پہلے اور ایک اس وقت اس کا کہنا کہ "میں اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا" __________ پھر لکھنا کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں" یہ مجموع ایک ہی ہوگی **فان البائن لایلحق البائن والنیۃ قد ظہرت**

(بائنہ طلاق پہلی بائنہ کے بعد نہیں آسکتی اس میں نیت کی ضرورت تھی جو کہ پائی گئی۔ت) اور ایک اس کا لکھنا کہ "طلاق دیتا ہوں" اور رجسٹری واپس دینے سے طلاق واپس نہ ہوگی کہ بلاشرط تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: از ملک متوسط شہر رائپور محلّہ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق مولود خواں عرائض نویس ۱۹ جمادی الاخرہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّی طالع ورخاں نے بحالت غیظ وغضب ایک خط اپنے خسر حقیقی کے نام لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے جناب ماموں نجم خاں صاحب دام ظلہ بعد السلام علیکم واضح ہو میں نے آپ سے بارہا کہا کہ عمدہ کو یہاں سے مت لے جاؤ، مگر آپ لے ہی گئے بغیر رضامندی، آپ نے اپنی ہی ضد کی، میں بھی اس کے اطوار سے نہایت درجہ ناخوش تھا، اس چار مہینہ کے عرصہ میں کبھی میری خدمت نہ کی، اطوار ناشائستہ جو اسمیں ہیں اُن کا دفع غیر ممکن ہے، اس سے بڑھ کر خراب عادات عمدہ میں ہیں، لہٰذا بخوشی تمام آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو، کیونکہ جس حالت میں میرا دل اس سے خوش نہیں اور اس کا بھی مجھ سے نہیں ایسی حالت میں ایک دوسرے کی جان کے ضرور خواہاں رہیں گے ایسانہ ہونا سبب، برضاورغبت آپکو اجازت دیا، اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیاتاکہ خدائے پاک مجھ کو اپنے فضل سے مرتکب گناہ نہ کرے، اس خط کو بطور طلاقنامہ کے تصور فرمائیں اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا صرف ڈیڑھ سوروپیہ نکاح میں صرف ہوا اس کا توالبتہ افسوس ہے کہ حج کا روپیہ خرچ ہوگیا مگر کیاعلاج ہے کچھ چارہ نہیں، مرضی مولٰی ازہمہ اولٰی۔ آپ اپنے دل میں بھی اس امر کا رنج نہ کریں تحریر مختصر کو کثیر تصور فرمائیں، عمدہ سے اور مجھ سے اب کچھ سروکار نہ رہا جو رشتہ پہلے تھا وہی اب قائم رہے گا، سرمست خاں اس خط کو حرف بحرف پڑھ کر ماموں صاحب اور عمدہ کو بھی سُنادیں تاکہ اس پر شرعًا طلاق واجب ہوجائے، کیونکہ وہ میری بلااجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشمّس ہے، فقط بندہ طالع ورخاں از مقام ساکولی۔

جس وقت یہ خط پہنچا سرمست خاں نے عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو سنادیا، بعد ایک ہفتہ کے طالع ورخاں اپنے خسر کے یہاں آئے اور کہنے لگے کہ میری زوجہ عمدہ کو میرے ساتھ روانہ کردو، نجم خاں نے روبروچند آدمیوں کے بھیجنے کا اقرار کیا پھر بعد دو ۲ گھنٹہ کے طالع ورخاں لینے آئے تو معلوم ہوا کہ نجم خاں دیہات پر چلاگیا، بعد چند ماہ کے نجم خاں نے طالعور خاں سے صراحۃً کہہ دیا کہ ہم لڑکی کو کیسے روانہ کریں تم نے تو طلاقنامہ لکھ کر روانہ کردیا، پھر بائیس ۲۲ ماہ کے بعد طالعور خان نے اپنے خسر کے نام یہ خط لکھا:

جناب ماموں صاحب! بعد سلام علیک واضح ہو میں نے یہاں پر کئی علماء سے دریافت کیاسب

یہی کہتے ہیں کہ طلاق ہوچکی اس لئے عرض پرداز ہوں کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح کرادیجئے مجھ سے کوئی واسطہ نہ رہاآپ رنجیدہ نہ ہوں امر مجبوری ہے ورنہ کوئی صورت لانے کی کیا ہوتافقط

پھر نوماہ کے بعد خسر کو خط لکھا کہ فرنگی محل کے علماء سے خط بھیج کر فتوٰی طلب کیا تھا، جواب آیا کہ طلاق ہوچکی مہر کے نسبت اُنہوں نے فتوٰی دیا کہ نصف مہر دینا چاہئے، مگر میں اور جوابوں کا منتظر ہوں، پس عرض یہ ہے کہ صورتِ مرقومہ بالا میں عمدہ پر طلاق ہوئی یانہیں؟ اگر ہوئی توکن لفظوں سے؟ اور کس قسم کی؟ اور کتنی طلاق متحقق ہوئیں؟ غرض عمدہ طالعور خاں کے نکاح میں رہی یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ اس خط میں آٹھ لفظ تھے:

(۱) بخوشی تمام اجازت دیتاہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردو۔

(۲) برضاورغبت آپ کو اجازت دیا۔

(۳) اس کا خرابانہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا۔

(۴) اس خط کو بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں۔

(۵) اگر آپ اس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا۔

(۶) عمدہ سے اور مجھ سے کوئی سروکار نہ رہا۔

(۷) اس خط کو ماموں صاحب اور عمدہ کو سُنادیں کہ اس پر شرعًا طلاق واجب ہوجائے۔

(۸) وُہ میری بلااجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

ان میں **لفظ چہارم** صالح ایقاع طلاق نہیں کہ بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں، کے صاف یہ معنٰی کہ حقیقت میں طلاق نامہ نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا مراطلاق دہ فقال الزوج دادہ انگار او کردہ انگار لایقع وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی[1] **اھ ملخصًا۔**	بیوی نے خاوند کو کہا "مجھے طلاق دے" خاوند نے جواب میں کہا "تُودی ہوئی یاکی ہوئی خیال کرلے" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ عربی میں اس کا معنٰی یُوں ہے "تو گمان کرلے کہ تو طلاق والی ہے" اور اگر یوں بالفاظِ عربی کہا تو طلاق نہ ہوگی چاہے طلاق کی نیت کی ہو اھ ملخصًا (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

اُسی میں ہے:

لوقیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقة اواحسبھا مطلقة لاتطلق امرأته[1] اھ تمام تحقیق ذٰلك فی فتاوٰنا المفصلة۔	ایک شخص نے دوسرے سے کہا "کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے" اور دوسرا جواب میں کہے "تُو اس کو طلاق دی ہوئی شمار کرلے تو مطلقہ سمجھ لے" تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی اھ، اس کی مکمل تحقیق ہمارے مفصل فتووں میں ہے۔(ت)

لفظ پنجم ظاہراً ترک نزاع کا وعدہ ہے،

"آگے بمعنی آئندہ" اوھو تعلیق علی الانکاح ان ارید بقوله "آگے" بعد الانکاح، او اخبار عن النیة فی بعض الالفاظ السابقة ان ارید به من بعدما کتبت ھذا۔	آگے بمعنی آئندہ یا یہ نکاح کردینے پر معلّق ہے اگر اس نے "آگے" کے لفظ سے نکاح کردینے کے بعد کی نیت کی ہو، یا پہلے مذکور الفاظ میں سے کسی لفظ میں نیت کی خبر دینا ہے جبکہ اس نے وہ لفظ لکھنے کے بعد مراد لی ہو۔ اسے محفوظ کرلو۔(ت)

لفظ ششم بھی الفاظِ طلاق سے نہیں، سر بمعنی خیال وخواہش اور کار بمعنی حاجت ہے، سروکار نہیں یعنی غرض، مطلب حاجت کام نہیں، اور ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیتِ طلاق کہے۔ خانیہ وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لوقال لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لایقع وکذالو قال مرابکار نیستی وکذالو قال ماارید ك[2]۔	اگر خاوند نے کہا "مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر اس نے کہا "تو میرے کام کی نہیں" یوں ہی اگر اس نے کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذاقال لاحاجة لی فیك اولاارید ك او لااحبك اولا اشتھیك اولارغبة	اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا،

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۶

لی فیك فانه لایقع وان نوی [1]۔	مجھے تیری خواہش نہیں، تجھ میں میرے لئے رغبت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔(ت)

لفظ ہشتم بھی محض لغو وغلط ہے کہ ایک باطل خیال جہاں پر نکاح سے باہر ہونا بتاتا ہے بے اجازتِ شوہر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور جو اقرار غلط بناپر ہو معتبر نہیں۔ خانیہ میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امرأۃ تزوجها فھی طالق فشرب وھو صبی فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع فقال ھذا البالغ (آرے حرام است بر من) لاتحرم امرأته ھوالصحیح لانه ما اقربالحرمة ابتداء وانما اقربالسبب الذی تصادقا علیه وذٰلك السبب باطل [2] اھ ملخصًا۔	ایک بچے نے کہا "اگر میں یہ پی لوں تو جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق" پھر اس نے دوران بچپن وُہ چیز پی لی، پھر بالغ ہونے کے بعد اس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے سسرال نے خیال کیا کہ اس کے مذکور قول کے مطابق کی وجہ سے طلاق ہوگئی تو اس لڑکے نے کہا "ہاں یہ مجھ پر حرام ہے" تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ یہاں ابتداءً بیوی کو حرام نہیں کہا بلکہ اس نے اس سبب کے وجود کا اقرار کیا جس پر یہ دونوں سچے اور جس سبب پر اس نے یہ اقرار کیا وُہ باطل ہے اھ ملخصًا (ت)

بقیہ چار الفاظ میں **تین لفظ پیشین** کا حاصل اجازتِ نکاح دینا ہے اور وہ بیشک کنایات سے ہے،

فانه ینبئ عن رفع قید النکاح واخراجھا عن عصمة لنفسه کقوله تزوجی [3] کما فی الخانیة وابتغی الازواج [4] کما فی الکنز وھبتك للازواج [5] کما فی	کیونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوند یوں کہے "تو نکاح کر" جیسا کہ خانیہ میں ہے "تو خاوند تلاش کر" جیسا کہ کنز میں ہے

---

[1] بحر الرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۶

[4] کنز الدقائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

[5] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

الهندية۔	"میں نے تجھ کو خاوندوں کے سپرد کیا" جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔(ت)

مگران تین اور ان کے ساتھ کتنی ہی کنایات بائن ہوں سب سے ہوگی تو ایک ہی طلاق بائن ہوگی اگرچہ سب سے نیت کی ہو فان البائن لایلحق البائن (کیونکہ بائن طلاق کے بعد دوسری بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی۔(ت)

لفظ ہفتم طلاق صریح ہے مگراس شرط پر معلق کہ سرمست خاں، نجم خاں اور عمدہ کو حرف بحرف خط پڑھ کر سنادے،

فان لفظه تاكه تضيد ههنا ترتب الطلاق على الاسماع اى ربط حصول ذاك بحصول هذا وهذا هو معنى التعليق وفى الدر المختار يكفى معنى الشرط[1]۔	اس لئے کہ "تاکہ" کالفظ یہاں سنانے پر طلاق کو مرتب کرنے کے لئے ہے یعنی اس چیز کے حاصل ہوجانے پر اس چیز کا حصول بتانے کے لئے ہے اور یہی تعلیق کا معنی ہوتا ہے۔اور درمختار میں ہے کہ تعلیق کا معنٰی ہی شرط کے لئے کافی ہوتا ہے(ت)

توان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو۲ لفظ رہے،ایک کنایہ جس سے بلحاظِ نیت طلاق بائن پڑیگی دوسرا صریح معلّق جس سے بعد تحقق شرط طلاق رجعی ہوگی، صریح کا حکم تو دیانۃً وقضاءً دونوں میں ایک ہی ہے کہ اگر سرمست خاں نے خط مذکور دونوں کو حرف بحرف سُنادیا تو طلاق ہوگئی اور اگراُن میں ایک کو سُنانے میں بھی کچھ کمی رہی جسے حرف بحرف سُنانا نہ کہیں تو نہ ہوئی مگر حکم کنایہ یہاں مختلف ہے دیانۃً حاجت نیت ہے۔ردالمحتار میں ہے:

لایقع دیانة بدون النیة ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحد من النیة اودلالة الحال انما هو فی القضاء فقط کما هو صریح البحر وغیره[2]۔	کنایہ کی صورت میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی اور اگر دلالتِ حال بھی پائی جائے تو طلاق کا وقوع نیت یادلالتِ حال میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یہ صرف قضاءً طلاق ہوتی ہے بحر وغیرہ کی صراحت یہی ہے۔(ت)

اور قضاء بوجہ قرائن سباق وسیاق وقوع طلاق کا حکم علی الاطلاق،

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

فان اللفظ وان کان مما یصلح ردا کما فی الغرر والبحر والخانیة لکن قد حفته قرائن ترد معنی الرد کقوله لھذا وقوله ایسانہ ہوناسبب وقولہ اس کاخرابانہ ہوناسبب وقوله تاکہ خدائے پاک الخ فان ھذہ التعلیلات والتفریعات لاتلائم قصد الرد کما لایخفی ودلالة القال کدلالة الحال۔	غرر، بحراور خانیہ میں جیسا کہ مذکور ہے کہ لفظ اگرچہ جواب بن سکتا ہو مگر وہاں قرائن کا ہجوم اس کے جواب ہونے کو مردود قرار دیتا ہے، جیسا کہ یہاں ایسانہ ہونا سبب، اس کا خرابانہ ہونا سبب، تاکہ خدائے پاک الخ" کے الفاظ ہیں، کیونکہ یہ الفاظ تعلیل اور تفریع ہونے کی بناپر، جواب کے ارادہ سے مناسب نہیں ہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دلالت قال، دلالتِ حال کی طرح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں نہرالفائق سے ہے، **دلالة الحال تعم دلالة المقال**[1] (دلالتِ حال، دلالتِ قال کو بھی شامل ہے۔ت)
مگر خط کی بناپر وقوعِ طلاق کا حکم اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب کہ شوہر مقر یا گواہان عادل شرعی دو مرد یا ایک مرد دو عورت سے ثابت ہو کہ یہ خط اس کا ہے ورنہ صرف مشابہتِ خط پر حکم نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ان کتب علی وجه الرسالة مصدرا معنونا وثبت ذٰلك باقرارہ او بالبینة فکالخطاب[2]۔	اگر خط کا عنوان شروع کرکے لکھا اور پھر اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے تو یہ لکھنا زبانی خطاب کی طرح ہے۔(ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں حکم قضا یہ ہے کہ اگر اس خط کا طالعور خاں کا ہونا نہ اس کے اقرار سے ثابت نہ گواہانِ عادل سے، جب تو اصلاً حکمِ طلاق نہیں، اور اگر اقرار یا شہادت سے ثبوت ہے تو عمدہ پر طلاق بائن پڑ گئی، اگر سرمست خاں نے عمدہ و نجم خاں دونوں کو حرف بحرف سنادیا جب تو دو طلاقیں بائن ہوئیں،

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذالحقه صار مثله لعدم امکان اثبات الرجعة کما فی البزازیة	اس لئے کہ صریح طلاق، بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، اور جب بائنہ کے بعد اس کو رجعی لاحق ہو تو وہ رجعی طلاق بھی بائنہ کی طرح ہوجاتی ہے

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۸۔۲۹۷

وغیرہا۔	کیونکہ ایسی صورت میں رجوع کا امکان نہیں رہتا، جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے (ت)

ورنہ ایک ضرور ہوئی بہر حال، عمدہ نکاح سے نکل گئی، یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے عمدہ کو اسی پر عمل واجب ہے **فان المرأۃ کالقاضی**[1] **کما فی الفتح** وغیرہ (کیونکہ بیوی اس میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ت) اور حکمِ دیانت یہ ہے کہ اگر یہ خط طالع ورخاں کا ہے اور اس نے الفاظ کنایہ میں کُل یا بعض سے نیت ازالہ نکاح کی تو طلاق بائن ہوئی پھر اسکے ساتھ وُہ خط سنانے کی شرط بھی پوری پائی گئی تو دو[2] طلاقیں بائن ہوئی بہر حال عمدہ نکاح سے باہر ہوئی اور اگر نیت کی تو سنانے کی شرط پائے جانے کی حالت میں ایک طلاق رجعی پڑی جس میں اسے اختیار رجعت تاایّامِ عدّت تھا، اور اگر اس شرط میں بھی کمی رہی تو اصلاً طلاق نہ پڑی، یونہی اگر یہ خط اس کا نہیں جب بھی طلاق نہ ہوئی اگرچہ گواہ گواہی دیں یا خود اس نے غلط اقرار کردیا ہو،

فان الاقرار الکاذب لااثر دیانۃ ھذاجملۃ القول و التفصیل فی فتونا المذکورۃ۔	اس لئے کہ جھوٹے اقرار کا کوئی اثر دیانۃً نہیں ہے، یہ تمام خلاصہ کلام ہے اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ (ت)

اور جب کہ عمدہ وطالعور خاں میں خلوتِ صحیحہ ہولی جیسا کہ بیان سوال سے ظاہر ہے کہ وُہ چار مہینے شوہر کے یہاں رہی تو بعد طلاق کُل مہر واجب الادا ہے، نصف ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۷، ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

باب تفویض الطلاق

(تفویض طلاق کا بیان)

مسئلہ ۳۲۱: از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ پوسٹ آفس کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۶ رجب ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا خاتون مسمّٰی زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو خطبہ کیا تب ہندہ کہے کہ اگر اس شرط پر راضی ہو تو تیرے نکاح میں آسکتی ہوں ورنہ نہیں شرط یہ ہے، بغیر اذن ہمارے اس خاتون مطلقہ کو یا کسی اور غیر کو نکاح میں نہ لائیں، اگر لائیں تو اختیار تین طلاق کی میرے ہاتھ میں رہے، زید نے شرط کو قبول کیا اور ہندہ کو نکاح میں لاکر پانچ چھ مہینے رہا پھر زید نے زینب کو بہ نکاح گھر میں لایا ہندہ خفا ہو کر زینب کے ساتھ تھوڑی دیر جنگ وخصومت کے بعد اس کے کہا کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں کہہ کر گھر سے نکل گئی اس قولِ ہندہ کے ساتھ گواہ بھی شرط ہے یا نہیں، اور اس طرح کے اختیار کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد آٹھ نو مہینے کے ولیِ ہندہ نے جاکر زید سے طلاق مانگا زید نے کہا کہ جو میں نے ستر ؎ روپے مہر بانو کو دیا تھا واپس دے دو تب طلاق دُوں گا بحسب کہنے زید کے ستر ؎ روپے جو کہ بابت مہر کے تھے واپس دے کر طلاق دلایا، صحیح ہے یا لغو، بعد اس طلاق کے ہندہ پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر عدت کے اندر ہندہ بکر کے ساتھ نکاح بیٹھے تو وُہ نکاح شرعًا حرام ہے یا حلال؟

بینواتوجروا۔

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ زید وہندہ میں جو یہ گفتگو قبل از نکاح ہوئی، اس میں تعلیق صحیح شرعی واضافۃ الی الملک کہاں تک متحقق تھی کہ اگر اس وقت الفاظ ناکافیہ تھے تو خاص عقد نکاح میں بھی اس شرط کا ذکر آیا یا نہیں، آیا تو کن الفاظ سے؟ اور ایجاب میں تھا یا قبول میں؟ ان تفاصیل پر نظر کے بعد یہ واضح ہوگا کہ ہندہ کو اس قرارداد کی بناء پر بر تقدیر نکاح زینب بے اذنِ ہندہ اپنے نفس کو تین طلاق دے لینے کا اختیار حاصل بھی ہوا یا نہیں، صورت یہی فرض کرلیجئے کہ شرعًا اختیار حاصل ہوگیا تھا پھر بھی اس کے معنی یہ ہیں کہ بعد تحقق شرط جس مجلس میں ہندہ کو نکاح زینب کی اطلاع ہوا اس مجلس میں بے کسی کلام اجنبی کے اپنے نفس کو طلاق دے لے، یہ کہہ کر چلاجانا کہ اب میں مطابق اختیار نامہ رہ نہیں سکتی ہُوں طلاق نہیں، اور جب اپنے نفس کو بے طلاق دئے چلی گئی مجلس بدل گئی اور اختیار جاتا رہا بلکہ اگر یہ کہنا طلاق ہی فرض کیا جائے تاہم اس سے پہلے زینب سے جنگ وجدل کلام فضولی واجنبی کیا ان سے بھی مجلس بدل گئی اور اختیار نہ رہا، درمختار میں ہے:

مایوقعه باذنه وانواعه ثلثة تفویض وتوکیل ورسالة، والفاظ التفویض ثلثة تخییر وامر بیدو مشیئة، قال لها اختاری اوامرك بیدك ینوی تفویض الطلاق او طلقی نفسك، فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهة اواخبارا، وان طال یوما او اکثر مالم یوقته ویمضی الوقت قبل علمها مالم تقم لتبدل مجلسها حقیقة اوحکما بان تعمل مایقطعه ممایدل علی الاعراض۔[1]	خاوند کی اجازت سے دوسرا کوئی شخص طلاق واقع کرے تو اس کے لئے تین طریقے ہیں: ۱تفویض، ۲توکیل، اور ۳خط یا قاصد۔ بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کیلئے تین الفاظ ہیں، بیوی کو طلاق کا اختیار، یا معاملہ طلاق سپرد کرنا، یا اس کی مرضی پر رضا مندی ظاہر کرنا، لہٰذا بیوی کو کہا "اختیار کرلے" یا "تیرا معاملہ تیرے سپرد" تو تفویض طلاق ہوگی۔ یا اس کو کہا "تو اپنے آپ کو طلاق دے" تو ان صورتوں میں بیوی کو جس مجلس میں اس تفویض کا علم ہوا اس مجلس علم میں وُہ بالمشافہ یا بطور اطلاع اپنے اختیار کو استعمال کرسکتی ہے، اگر خاوند نے یہ اختیار کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہو تو یہ مجلس ایک پورا دن یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے اور اختیار کو کسی وقت سے مخصوص کیا ہو اور وُہ وقت بیوی کے علم سے قبل ختم ہوگیا تب

[1] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

	بھی بیوی کو مجلسِ علم میں اختیار باقی ہوگا بشرطیکہ اس مجلس علم میں کوئی تبدیلی اُٹھنے یا اُٹھنے کے مترادف کوئی کام یا بات کرنے سے نہ آئی ہو کیونکہ ایسی بات یا کام حقیقۃً یا حکماً مجلس کی تبدیلی قرار پائے گا، مثلاً کسی ایسے کام میں وہاں ہی مصروف ہوجائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس نے اختیار کو چھوڑ دیا اور ختم کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ودخل فی العمل الکلام الاجنبی۔[1]	ایسے کام میں اجنبی اور اختیار سے لاتعلق کلام بھی اعراض سمجھا جائے گا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں وہ اختیار ہرگز صحیح نہ ہوا نہ اس وقت تک ہندہ پر کوئی طلاق پڑی، ہاں جب ولیِ ہندہ نے طلاق مانگی اور زید نے مہر واپس لے کر طلاق دی، یہ طلاق بیشک صحیح ہوئی اور اسی طلاق کے وقت سے ہندہ پر عدت لازم آئی، اگر ختمِ عدّت سے پہلے بکر وغیرہ زید کے سوا کسی سے نکاح کرے گی باطل محض وحرام قطعی ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض ختم ہونے تک عدت میں پابند رکھیں واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۲: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی اگلی خاتون مسمّاۃ زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بلااذن ہندہ اپنے اگلے خاتون مطلقہ کو یا اور دوسری کسی کو اپنے نکاح میں لائے تو ہندہ کو تین طلاق کا اختیار ہے خواہ کہ طلاق کو اختیار کرکے اپنے نفس کو چھڑائے یا مرضی شوہر پر رہے۔ اب زید بلااذنِ ہندہ اپنی اگلی خاتون مطلقہ کو بہ نکاح گھر میں لایا اس صورت میں ہندہ کو اختیار ایقاع طلاق کے واسطے مجلس شرط ہے یا نہیں، ہندہ دعوٰی کرتی ہے کہ بمجرد آتے ہی زینب کے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تھا زید اور دو عورت حاضر مجلس ہندہ تھے کہتے ہیں ہندہ نے کوئی بات

[1] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

نہ کہی بلکہ گھر سے باہر گئی اور زینب سے جنگ و خصومت کی،اس اختلاف میں عندالشرع گواہ معتبر ہے یا قولِ ہندہ معتبر؟مع الدلیل بیان فرمائیں،اگر ہندہ اس دعوی مذکور کے بناپر بعد تین مہینے کے بکر کے پاس نکاح بیٹھے تو یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور باوجود اس دعوی مذکورہ کے ہندہ نے زید سے خلع کیا تو یہ خلع عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟معترض کہتا ہے اگر وُہ دعوی ہندہ صحیح ہوتا تو کیوں خلع کیا،ہندہ کہتی ہے بسبب خوفِ حاکم خلع کیا تھا،نہ عدمِ اختیار نفس کے اختلافِ زوجین کی صورت میں قولِ زوجہ عالمگیری میں ثابت ہے جیسا کہ:

واذاجعل امرھا بیدھا وطلقت نفسھا وقال الزوج انما طلقت نفسك بعد اشتغالك بكلام او بعمل، وقالت بل طلقت نفسی فی ذٰلك المجلس من غیران اشتغل بكلام اٰخروبشیئ اٰخر فالقول قولھا وقع الطلاق کذافی فصول الاستروشنی[1]۔انتھی۔	اگر خاوند نے بیوی کو اس کی طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا،اور بیوی نے اس پر اپنے آپ کو طلاق دے دی اور خاوند نے کہا چونکہ تو دوسرے کام میں مشغول ہو گئی تھی یا دوسری بات میں مشغول ہو چکی تھی،اور اس کے بعد تو نے طلاق دی ہے اور بیوی نے خاوند کے اس الزام کا انکار کرتے ہوئے کہا"نہیں بلکہ میں نے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے اور میں کسی دوسرے کام میں مشغول یا اجنبی بات میں مشغول نہیں ہوئی"تو بیوی کی بات معتبر ہوگی،اور بیوی کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائیگی،استروشنی کے فصول میں یُوں ہی مذکور ہے۔انتھی (ت)

اس صورت مسطور میں عندالشرع کس کی دلیل معتبر ہے؟بینوا توجروا۔

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں قولِ زوج قسم کے ساتھ معتبر ہے،ہندہ جب تک گواہان عادل شرعی دو[2] مرد یا ایک مرد دو[2] عورتوں کی شہادت سے ثابت نہ کرے کہ میں نے اسی مجلس میں اپنے نفس کو طلاق دے لی تھی اس کی بات ہر گز نہ سُنی جائے گی نہ اسے بکر سے نکاح کی اجازت ہوگی خلع جو کیا صحیح ہے،خلع کی عدت گزرنے پر جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے،اس صورت واقعہ اور صورت مسئلہ فتاوٰی عالمگیری میں فرق عظیم ہے وہاں شوہر کو بھی تسلیم تھا کہ عورت نے اپنے نفس کو طلاق دی مگر یہ کہتا تھا کہ اس کا یہ طلاق دینا باطل واقع ہوا کہ بعد تبدلِ مجلس تھا،یہ صراحۃً خلافِ ظاہر ہے کہ جب عورت نے بعد تخییر طلاق کا قصد کیا تو ظاہر یہی ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۱/۱

کہ ایسے ہی وقت طلاق دی جس سے اُس کا یہ قصد پورا ہو یعنی مجلس بدلنے سے پہلے تو اس صورت میں شوہر خلافِ ظاہر دعوٰی کرتا تھا، لہٰذا قول عورت کا معتبر ہوا، اور یہاں شوہر سرے سے ایقاعِ طلاق ہی کا اقرار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ ہندہ بے طلاق دئے چلی گئی، اور ہندہ دعوٰی طلاق کرتی ہے تو وُہ زوالِ نکاح کی مدعیہ اور شوہر منکر ہے، لہٰذا قولِ شوہر معتبر ہے، اور اختیارِ طلاق دئے جانے سے خواہی نخواہی یہی ظاہر نہیں کہ عورت طلاق ہی اختیار کرے گی، جامع الفصولین میں ہے:

ت(ای الزیادات)قال امرك بیدك فطلقت نفسها فقال انّما طلقت نفسك بعد الاشتغال بکلام او عمل وقالت بل طلقت نفسی فی ذٰلك المجلس بلا تبدل فالقول قولها لانه وجد سببه باقراره محم (ای مختصر الحاکم)قال خیرتك امس فلم تختاری وقالت قد اخترت فالقول قوله شخ(ای شمس الائمة السرخسی)قال لِقِنّه جعلت امرك بیدك فی العتق امس فلم تعتق نفسك قال القن فعلته لا یصدق اذ المولٰی لم یقر بعتقه لان جعل الامر بیده لایوجب العتق مالم یعتق القن نفسه والقن یدعی ذٰلك والمولی ینکره ولاقول للقن فی الحال لانه یخبر بما	ت (یعنی زیادات) میں ہے، خاوند نے بیوی کو کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" تو اس پر بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، اس کے بعد خاوند نے اسے کہا کہ تُو نے اختیار کے بعد مجلس میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کو طلاق دی ہے تو اس صورت میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ بیوی کی تصدیق کا سبب خاوند کا اپنا اقرار ہے کہ (بیوی نے طلاق دی ہے) وُہ پایا گیا ہے محم (یعنی مختصر الحاکم)، خاوند نے بیوی کو کہا "میں نے تجھے کل اختیار دیا تھا تو نے اپنا اختیار استعمال نہ کیا" تو جواب میں بیوی نے کہا "میں نے اختیار کو استعمال کرلیا ہے" تو خاوند کی بات معتبر ہوگی شخ (یعنی شمس الائمہ سرخسی)، مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ "میں نے تجھے کل آزاد ہونے کا اختیار دیا تو تُو نے اپنے آپ کو آزاد نہ کیا" تو غلام نے کہا "میں نے کرلیا ہے" تو غلام کی بات معتبر نہ ہوگی کیونکہ مالک نے اس کی آزادی کا اقرار نہ کیا، کیونکہ محض آزادی کا اختیار دینا عتق کو لازم نہیں کرتا جب تک مالک کے اختیار پر غلام اپنے آپ کو آزاد نہ کرلے، جبکہ غلام اسکا مدعی ہے اور مالک

لایملك انشاءه لخروج الامر من یده بتبدل مجلسه وکذا لو قال اعتقتك علی مال امس فلم تقبل فقال القن قبلت فالقول للمولی وکذا هذا کله فی الطلاق وفی امرك بیدك[1] اھ ملخصًا۔	انکار کرتا ہے اور اس گفتگو میں غلام کا کہنا کہ میں نے اپنے آپ کو آزاد کرلیا ہے یہ اس چیز کی خبر دے رہا ہے جس کی انشاء کا ابھی تک وہ مالک نہیں بنا تو فی الحال غلام کا کوئی قول نہیں ہے، کیونکہ اب مجلس بدلنے کی وجہ سے اختیار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اوریُونہی اگر کہا کہ "میں نے کَل تجھے مال کے عوض آزادی کا اختیار دیا تھا جسے تُو نے قبول نہ کیا"، تو غلام نے کہا "میں نے قبول کرلیا تھا" تو مالک کی بات معتبر ہوگی۔اور یہی تمام صورتیں طلاق اور بیوی کے ہاتھ میں اختیار دینے کے متعلق ہیں اھ ملخصًا(ت)

بحر الرائق میں ہے:

الفرق بینهما ان فی المسئلة الاولی اتفقا علی صدور الایقاع منها بعد التفویض،والزوج یدعی ابطال ایقاعها فلایقبل منه[2]۔واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	مذکورہ صوتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں خاوند وبیوی دونوں اختیار کے بعد مجلس میں اختیار کو استعمال کرنے پر متفق ہیں مگر خاوند، بیوی کے حق کو باطل کرنے کا مدعی ہے اس لئے اس کی بات مقبول نہ ہوگی الخ۔واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے قبلِ نکاح یہ قرار دیا کہ اگر میں دوسرا نکاح کسی اور عورت سے کروں تو تجھ کو اختیار ہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے لے،اس شخص نے دوسرا نکاح کرلیا، عورت اپنے آپ کو فورًا حسبِ اختیار طلاق دے لے اور شوہر اس پر رضامند نہ ہو تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور قبلِ نکاح یہ شرط جائز تصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر لفظ جو اس شخص نے اس عورت سے قبل نکاح کہے اسی قدر اوریُونہی ہیں جس طرح سوال میں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والعشرون فی الامر بالید ومتعلقه اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۳۰۱۔۳۰۲

[2] بحر الرائق فصل فی الامر بالید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۲۶

مذکور ہوئے تو اس صورت میں عورت کو بر تقدیر نکاح ثانی کوئی اختیار طلاق دے لینے کا حاصل نہ ہوا اس کا اپنے نفس کو طلاق دینا کافی نہیں جب تک شوہر اس طلاق کو نافذ نہ کرے،

فان الملك اوالاضافة اليه لابد منه ولم يوجد، او طلاق الفضولی یتوقف عندنا علی اجازۃ الزوج۔	کیونکہ طلاق دیتے وقت ملکیت یا اس کی طرف نسبت کا موجود ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں یہ موجود نہیں، یا یہ کہ یہ فضولی کی طلاق ہے جبکہ فضولی کی طلاق خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے(ت)

پیش از نکاح جو ان الفاظ سے شرط کی جائے لغو و مہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۴: از بنگالہ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اس شرط پر زینب سے نکاح کیا کہ اگر تم کو چھ ۶ مہینے تک بے خوراک و بے خبری چھوڑوں گا تو اختیار ایقاع تین طلاق کی ملک تیرے ہاتھ دے دیا، اب زید نے بعد ایک سال کے اپنی منکوحہ کو خوش و راضی کرکے فی ماہ خوراک مقرر کرکے واسطے کسی کام کے سفر میں گیا اور تین گواہ بھی موجود ہیں، اب بعد چند روز کے منکوحہ زید دعوٰی کرتی ہے کہ میری طلاق واقع ہوگئی، آیا یہ دعوٰی زینب صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر الفاظ شرط کہ زید نے کہے یہی ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے تو اس میں چار ۴ صورتیں ہیں:

اوّل یہ لفظ زید نے پیش از نکاح کہے اگرچہ اسی وقت معًا نکاح کرلیا۔

دوم خاص ایجاب و قبول میں شرط کی اور ابتدائے ایجاب اس شرط کے ساتھ جانبِ زید سے تھی یعنی زید نے کہا میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر تجھ کو چھ ۶ مہینے تک الخ، زینب نے کہا میں نے قبول کیا۔

سوم شرط خود عقد میں تھی اور ابتدائے ایجاب زینب کی طرف سے مثلًا زینب یا اس کے وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا اپنی مؤکلہ زینب بنت فلاں بن فلاں کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ اگر تو تیرے چھ ۶ مہینے تک الخ، زید نے کہا میں نے قبول کیا، یا زینب خواہ وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا مؤکلہ مذکورہ کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کی اس شرط پر کہ اگر میں تجھ کو چھ ۶ مہینے تک الخ۔

چہارم یہ شرط بعد تحقق ایجاب و قبول کی، پہلی دو ۲ صورتوں میں سرے سے یہ تفویض طلاق یعنی زینب کو بشرطِ مذکور طلاق کا اختیار دینا ہی صحیح نہ ہوا، اگر بالفرض زید چھ برس بے نفقہ و بے خبر گیری چھوڑے اور

زینب سو بار اپنے نفس کو طلاق دے طلاق نہ پڑے گی،

لان التفویض تعتمد الملك اوالاضافة الیه ولم یوجد۔	کیونکہ تفویض کا دار ومدار ملکیت یا اس کی طرف نسبت پر ہے جو کہ یہاں موجود نہیں ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

البدأة اذاکانت من الزوج کان التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن اعادة مافی السؤال صار کانه قال قبلت علی ان یکون الامر بیدک،فیصیر مفوضا بعد النکاح [1] اھ مختصرًا۔	بیوی نے خاوند سے طلاق کا اختیار طلب کیا تو اب خاوند نے تفویض کی ابتداء کی تو یہ تفویض نکاح کے بعد متصور ہوگی کیونکہ اگر بیوی کے جواب میں صرف "قبلت" (میں نے قبول کیا) کہا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد اس لئے ہوگی کہ سوال کا جواب میں اعادہ معتبر ہوتا ہے گویا کہ یُوں کہا میں نے قبول کیا کہ معاملہ تیرے ہاتھ میں ہواھ مختصرًا(ت)

اور پچھلی دو ۲ صورتوں میں تفویض صحیح ہوگئی،اب اگر زید نے بعد نکاح چھ ۶ مہینے تک بے نفقہ وخبر گیری نہ چھوڑا تو بھی زینب پر طلاق ہونے کے کوئی معنی نہیں لعدم تحقق الشرط (شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اور اگر شرط مذکور پائی گئ تو جس وقت چھ ۶ مہینے گزرے زینب کو اپنی طلاق دے لینے کا اختیار تو ضرور حاصل ہوا مگر یہ اختیار اسی جلسہ تک رہے گا اگر مجلس بدلی یا کوئی فعل یا قول زینب سے ایسا صادر ہو جو اپنے آپ کو طلاق دینے سے اجنبی ہو تو وُہ اختیار فورًا جاتا رہا اب چاہے سو بار اپنے نفس کو طلاق دے نہ ہوگی،مثلًا جس وقت چھ ۶ مہینے گزرے زینب ایک جگہ بیٹھی تھی وہاں سے کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی چلنے لگی یا کھانا مانگا یا کنگھی کی یا کسی سے کوئی اجنبی بات اس معاملے کے علاوہ کہی اس کے بعد اپنے آپ کو طلاق دی ہر گز نہ پڑے گی اور اگر اسی جلسہ میں بغیر کسی ایسے قول وفعل اپنے آپ کو طلاق دے سب سے پہلے یہی بات کی تو بیشک طلاق ہوگئی۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون مؤقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك فقدم فلان فامرها بیدها اذاعلمت فی مجلسها الذی	وہ تفویض جو کسی شرط سے معلق ہو تو اس کی دو ۲ صورتیں ہیں،وقت مقرر ہوگا یا مقرر نہ ہوگا۔اگر شرط کے ساتھ وقت مقرر نہ ہو جیسے یُوں کہے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے جب فلاں شخص آجائے تو

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۵۲

قدم فیه[1] الخ	اس صورت میں بیوی کو فلاں کے آنے کی اطلاع والی مجلس میں اپنا اختیار حاصل ہو جائے گا الخ (ت)

اُسی میں ہے:

اذاقامت عن مجلسها قبل ان تختار نفسها وكذا اذا اشتغلت بعمل اٰخر يعلم انه كان قاطعا لما قبله كما اذادعت بطعام لتأكله او نامت او نشطت او اغتسلت او اختضبت او جامعها زوجها او خاطبت رجلا بالبيع والشراء فهذا كله يبطل خيارها كذافى السراج الوهاج۔[2]	اگر بیوی مجلس میں اپنے کو طلاق دینے سے قبل اُٹھ کھڑی ہوئی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئی جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ اختیار کے لئے قاطع ہے مثلاً بیوی اس مجلس میں اختیار استعمال کرنے سے قبل کھانے کے لئے کھانا طلب کرلے یا کنگھی کرنا شروع کردے یا غسل شروع کردے یا خضاب مہندی لگانا شروع کردے یا خاوند سے ہمبستری شروع کردے یا کسی دوسرے شخص سے خرید وفروخت کی بات شروع کردے، تو یہ تمام افعال اس کے اختیار کو باطل کردیں گے۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی مذکور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

والفلك لها كالبيت وسيرد ابتها كسيرها حتى لايتبدل المجلس بجرى الفلك ويتبدل بسير الدابة[3] الخ۔	کشتی، گھر کی طرح ہے، اور سواری کا چلنا عورت کے اپنے چلنے کی طرح ہے حتی کہ مجلسِ اختیار تبدیل نہ ہوگی جب کشتی چلتی رہی ہو مگر سواری کے چلنے پر مجلس تبدیل ہو جائے گی الخ (ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں زینب پر طلاق ہونے کے لئے تین امور ضرور:

ایک یہ کہ وہ تفویض جانب زوج سے صحیح واقع ہوئی یعنی بعد نکاح یہ اختیار دیا ہو یا وقت نکاح اس طور پر کہ ابتدائے ایجاب عورت کی طرف سے ہو۔

دوسرے یہ کہ بعد نکاح چھ ۶ مہینے بے نفقہ وخبر گیری گزرے ہوں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹۲

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی تفویض الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۷

[3] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

تیسرے یہ کہ اُن کے گزرتے ہی اسی مجلس میں بے کسی اجنبی بات کے زینب نے اپنے آپ کو طلاق دے لی ہو۔ ان تین امور سے اگرایک بھی کم ہے دعوی طلاق محض غلط وباطل ہے اب اگر زید ان تینوں باتوں کے وجود کا مقر ہو تو آپ ہی طلاق ثابت ہوجائے گی، اور اگر ان میں بعض کا منکر ہو تو امر اوّل ودوم میں زینب پر گواہ دینے ضرور ہیں، شہادتِ شرعیہ سے ثابت کرے کہ شوہر نے اسے تفویض طلاق بروجہ مقبول شرعی کی اور چھ مہینے بے نفقہ وخبرگیری گزرگئے اگر گواہانِ عادل سے اسے ثابت نہ کرسکے گی تو زید کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق ثابت نہ ہوگی، اور امر سوم میں اگر زید کو سرے سے بعد حصول شرط زوجہ کی جانب سے ایقاعِ طلاق صادر ہونے ہی کا انکار ہے جب بھی گواہ ذمّہ زینب ہیں اور اگر ایقاع بھی زید کو تسلیم ہے تو گواہ دینا زید پر لازم ہے یعنی صحتِ تفویض وانقضائے ششماہی وایقاع طلاق زید کو تسلیم یا گواہوں سے ثابت ہے اور تنقیح صرف اس بات کی باقی ہے کہ اس مدت گزرنے پر زینب نے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے لی یا بعد زینب کہتی ہے اسی وقت میں نے دے لی تھی اور زید منکر ہے، تو اس کا بار ثبوت زید پر ہے، یہ گواہوں سے ثابت کرے کہ جس وقت چھ مہینے گزرے ہیں زینب بے طلاق دئے ہوئے کسی اور کام میں مشغول ہوگئی اگر ثابت کردے گا طلاق نہ ہوگی ورنہ زینب کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق ثابت کردیں گے۔ درمختار میں ہے:

قالت طلقت نفسی فی المجلس بلاتبدل وانکر فالقول لها، جعل امرها بیدها ان ضربها بغیر جنایة فضربها ثم اختلفا فالقول له لانه منکر وتقبل بینتها علی الشرط المنفی[1]، کما سیجیئ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بیوی نے کہا میں نے مجلس تبدیل کئے بغیر اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، اور خاوند اس کا انکار کرتا ہے تو بیوی کی بات معتبر ہوگی، مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا اگر وہ اس کے بغیر قصور مارے، پھر خاوند نے بیوی کو پیٹ دیا تو اب بغیر قصور پیٹنے کی شرط پائے جانے، میں خاوند بیوی کا اختلاف ہوا تو خاوند کا قول معتبر ہوگا کہ وہ منکر ہے، اگر عورت شرط کے نہ پائے جانے کے موقف پر خاوند کے خلاف شہادت پیش کرے تو قبول کی جائے گی جیسا کہ عنقریب ذکر آئیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۵: از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۲۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ عبدالکریم میاں مسماۃ ٹکھنگ بی بی را	علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ عبدالکریم نے مسماۃ ٹکھنگ بی بی سے

[1] درمختار باب الامر بالید مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۹

درعقد نکاح خود آورد واز بطن مذکورہ دخترے تولد شد بعد ازاں عبدالکریم از کسے وجہ ناراضی بانو موصوفہ راطلاق بائن داد، بی بی مذکوراز مکان عبدالکریم بمکان دیگر رفت بعد ازاں عبدالکریم مسماۃ مائتون بی بی رانکاح کردونامہ بطور کابین بریں مضمون نوشتہ داد کہ بغیر توہیچ زن راخواہ ٹھکبنگ بی بی باشد یازن دیگر درنکاح من نیارم اگر آرم وآں زن دیگر در باب چوکھٹ پائے داروپس تراختیار طلاق ثلثہ است بہر وقتے کہ باید خودرا از نکاح من خارج کردہ باشوہر دیگر نکاح توانی کرد، اگر درآں وقت دعوے زوجیت بکنم خلافِ شریعت وقانون انگریزی خواہد شد نوشتہ بدست مائتون بی بی داد چند کس رااز مجلس مسلمین گواہ کرد، پس از چندروز عبدالکریم قولِ خود راخلاف نمودہ بانو اول ٹھکبنگ بی بی رابمکان خود آوردبعد ازاں میان ہر دوزن جنگ وجدال شد ٹھکبنگ از شجاعت ودلیری خود مائتون بی بی رااز مکان عبدالکریم بیروں کرد پس مائتون بی بی جبراً روزے بمکان والد عبدالکریم ماندہ.بروز دیگر سخنہائے کہ ضرہ خود دیروز شدہ بود بیان کردہ گفت کہ من بمطابق اقرار نامہ سہ طلاق خودرااختیار می روم وبمکان والدین رفت بعد ازاں عبدالکریم قول خودر اخلاف اقرار نامہ کردہ دعوی زوجیت کرد پس مائتون بی بی بعد چہار ماہ بخوف جنگ وجدال شوہرے خودرا ہفتاد	نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، اس کے بعد عبدالکریم نے بانو موصوفہ کو بائن طلاق دے دی اور وہ عبدالکریم کے مکان سے دوسرے مکان میں چلی گئی، پھر عبدالکریم نے مسماۃ مائتون بی بی سے نکاح کیا اور نکاح نامہ میں یہ تحریر کرکے مائتون بی بی کو دے دیا کہ "وہ تیرے بغیر ٹھکبنگ بی بی یا کسی دوسرے عورت سے نکاح کروں تو وہ جب دروازے کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار دیتا ہوں کہ تو جس وقت چاہے میرے نکاح سے خارج ہوجائے اور دوسرے جس شخص سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اگر اس وقت میں تجھ پر زوجیت کا دعوی کروں تو یہ دعوی شریعت اور انگریزی قانون کے خلاف متصور ہوگا" اس تحریر پر چند حاضر مسلمانوں کو گواہ بنایا، اسکے بعد چند روز میں ہی عبدالکریم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پہلی بیوی ٹھکبنگ بی بی کو اپنے مکان پر لے آیا جس کے بعد دونوں بیویوں میں جھگڑا شروع ہوگیا اور ٹھکبنگ بی بی نے اپنی جرات اور دلیری سے مائتون بی بی کو عبدالکریم کے مکان سے نکال دیا تو مائتون بی بی ایک روز زبردستی عبدالکریم کے والد کے گھر ٹھہری اور وہاں عبدالکریم کے والد کو اپنی سوکن کے ساتھ ہونے والی گزشتہ روز کی کہانی سنائی اور کہا کہ میں نے نکاح نامہ تحریر شدہ عبدالکریم کے اقرار کے مطابق اپنے آپ کو طلاق دیتی ہوں اور اپنے اختیار کو استعمال کرتی ہوں، وُہ یہ کہہ کر اپنے والدین کے

روپیہ دادہ خلع کرد عبدالکریم مائتون بی بی را سہ طلاق داد پس مائتون بی بی بعد یک روز بامرد دیگر نکاح خود کرد پس ایں نکاح جائز شد یا نہ، بابراہین شرعیہ ودلائل قویہ باید نوشت، مخفی نماند کہ از سہ سال دربارہ ایں مسئلہ اختلاف ست، **بینوا توجروا۔**	گھر چلی گئی، اس کے بعد عبدالکریم نے اپنے اقرار نامہ کے برخلاف مائتون بی بی پر اپنی زوجیت کا دعوی کردیا، تو مائتون بی بی نے جنگ وجدال سے بچتے ہوئے عبدالکریم کو اس کے دعوی کے عوض ستّر روپے خلع کے طور پر چار ماہ بعد ادا کردئے، تو عبدالکریم نے اس وقت مائتون بی بی کو تین طلاقیں دیں، تو اس کے ایک روز بعد مائتون بی بی نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، تو کیا اس کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ براہین شرعیہ اور دلائل قویہ سے جواب لکھا جائے۔ یادرہے کہ اس مسئلہ میں تین سال سے اختلاف چلا آرہا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر عبدالکریم آں نامہ پیش از نکاح نوشت وآنجا الفاظ ہمیں قدر بود کہ سائل ذکر نمود بزنے گرفتن مائتون شرطا بالتصریح مذکور نبود مثلاً اگر ترا نکاح کنم وباز بر تو زنے دیگر بزنے گیرم واو بخانہ ام آید پس ترا اختیار سہ طلاق ست الخ پس دریں صورت آں نامہ لغو وباطل ست وبزنے گرفتن منکوحہ اولیٰ خواہ غیر او مائتون راہیچ اختیار طلاق دادن خودش روا ندارد او ہمچناں زن عبدالکریم است تاآنکہ خلع کرد وعبدالکریم سہ طلاق داد ازیں وقت مطلقہ شد وعدّت بروواجب آمد پیش از مرور عدت نکاحی کہ بامرد دیگر کرد ناجائز وباطل وزنا وحرام بود واز باز ماندن فرض ست قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] وردالمحتار ست لو قال لها	اگر عبدالکریم نے وُہ تحریر نکاح سے پہلے لکھی ہو اور اس میں وہی الفاظ ہوں جو سائل نے تحریر کئے ہیں جس میں مائتوں بی بی سے نکاح کو بطور شرط صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا، مثلاً یہ صورت ہو کہ اگر تجھ سے نکاح کروں اور پھر تجھ پر دوسری عورت کو بیوی بناؤں اور وہ میرے گھر آئے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار ہے الخ ـــ تو ایسی صورت میں یہ تحریر لغو اور باطل ہے، اور پہلی بیوی یا کسی دوسری کو نکاح کرکے گھر لائے تو مائتون بی بی کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاق دے وُہ بدستور عبدالکریم کی بیوی ہوگی اور خلع کے بعد اس کو عبدالکریم کے تین طلاق دینے پر وہ مطلقہ قرار پائی اور اس وقت سے اس کی عدت شمار ہوئی، اور عدت پوری ہونے سے قبل دوسرے شخص سے اس کا نکاح حرام،

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

تزوجتك على ان امرك بيدك فقبلت جاز النكاح ولغا الشرط لان الامر انما يصح فى الملك او مضافا اليه ولم يوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بيدها مقارنا لصيرورتها منكوحة [1] اھ نہر، واگر تحریر نامہ پس از نکاح مائتون ست تفویض طلاق نجانہ عـــہ آنچناں کہ دراں نامہ گفتہ است صحیح شد وبوجہ قول عبدالکریم بہر وقتیکہ باید الخ متقید بمجلس نماند فی الدرالمختار من فصل المشیئة تقید بالمجلس لانه تملیك الا اذا زاد متی شئت ونحوه مما یفید عموم الوقت فتطلق مطلقا [2] پس بریں تقدیر زاں باز کہ طلاق خویش اختیار کرد از نکاح بیروں شد اگر چہ ایں معنی روز دوم رونمود وذٰلک لان قولہ بہر وقتیکہ باید الخ توضیح للتفویض المذکور فی قولہ پس ترا اختیار ثلاثہ است کما ھو الظاهر لمتبادر المفهوم المتعارف من امثال التحاور، وان فرض کونه کلاما بحیاله فهو تفویض	ناجائز اور باطل بلکہ زنا ہے اس لئے مائتون کو اس دوسرے شخص سے علیحدہ ہو کر باز رہنا ضروری اور فرض ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو پابند رکھیں۔ ردالمحتار میں ہے: اگر ایک شخص نے کسی عورت سے کہا کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے اس شرط پر نکاح کو قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط مذکور لغو ہوجائیگی، کیونکہ طلاق کا اختیار نکاح میں یا نکاح کی طرف نسبت کرنے میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ یہ دونوں امر یہاں نہیں ہیں، اس کے برخلاف جو گزرا کیونکہ وہاں طلاق کا اختیار نکاح سے مقارن ہوجاتا ہے عورت کے منکوحہ ہوجانے کی وجہ سے اھ نہر۔ اور اگر عبدالکریم نے وُہ تحریر نامہ مائتون بی بی سے نکاح کرنے کے بعد لکھا ہے تو پھر تین طلاقوں کی تفویض جس طرح اختیار نامہ میں موجود ہے صحیح ہے اور عبدالکریم کے تحریر نامہ "جس وقت چاہے" لکھنے کی وجہ سے یہ تفویض اس مجلس سے مقید نہ رہی۔ درمختار کی فصل فی المشیئة میں ہے کہ یہ مشیّت یعنی اختیار طلاق مجلس موجود میں رہتا ہے اور اسی سے مقیّد ہوتا ہے اسکے

عـــہ: یہاں کرم خوردہ ہے ۱۲

[1] ردالمحتار باب الرجعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

[2] درمختار باب الامر بالید مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۹

بنفسہ ولیس فیہ التنصیص علی تفویض طلاق واحد حتی ینافیہ اختیار الثلاث عند الامام انما ھو کلام مطلق لیشتمل کل بینونۃ بواحد اتت اوباکثر فصح علی ھذا ایضا وان لم تبن الابواحدۃ ،وعلی الاول بثلث ،قال فی ردالمحتار لایقع شیئ فیما اذاامرھا بالواحدۃ فطلقت ثلثا بکلمۃ واحدۃ عند الامام امالوقالت واحدۃ وواحدۃ وواحدۃ وقعت واحدۃ اتفاقا لانہ لم یتعرض للعدد لفظا واللفظ صالح للعموم والخصوص وتمامہ فی البحر[1]۔

اگرایں سخن ہمچناں راست باشد کہ سائل وانمود یعنی درکلام عبدالکریم لفظ (ہر وقتیکہ باید) نیز زائد بود پس دریں حالت اگرپس آں طلاق مائتون راسہ حیض کامل آمدہ ختم شدہ بود بعد آں نکاح باشخصے دیگر کرد جائز باشد ورنہ حرام، ووقوع ایں معنی بعد چارماہ از طلاق اولیں دلیل قطعی

بعد نہیں رہتا کیونکہ یہ تملیک ہے، لیکن اگر "جب چاہے" کا لفظ زائد کیا ہو یا اس کی مثل اور کوئی عموم وقت کے لئے لفظ زائد کیا ہو تو پھر مجلس کی قید کے بغیر مطلقًا طلاق ہوگی، پس اس صورت میں مائتون بی بی کا اپنے آپ کو طلاق دینا درست ہوا اور وہ عبدالکریم کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے، اگرچہ عبدالکریم اس کارروائی کے دوسرے روز اس کے خلاف اقدام کرکے رَد بھی کردے، تاہم نکاح ختم ہوگیا ہے، یہ اس لئے کہ اس نے "جس وقت چاہے" کا لفظ ذکر کیا اور یہ تین طلاقوں کی تفویض کی وضاحت ہے، جیسا کہ عرف میں اس محاورہ کے استعمال سے متبادر طور پر مفہومًا سمجھا جاتا ہے، اور اگر بعینہٖ اس کو کلام فرض کیا جائے تو یہ بنفسہٖ تفویض ہوگی اور تفویض میں چونکہ ایک طلاق کا ذکر نہیں ہے اس لئے یہاں تین طلاقوں کو اختیار کرنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں منافی نہ ہوگا، (ہاں اگر بیوی تین طلاقوں کو بیک لفظ کی بجائے "ایک اور ایک اور ایک" تین مرتبہ کہتی ہے تو پھر بالاتفاق ایک ہوتی) لیکن یہاں تو مطلق کلام ہے جس میں ایک یا زیادہ بائنہ طلاقیں ہوں سب کو شامل ہے، تو اس بناء پر بھی تین طلاقیں اپنانا درست ہے اگرچہ علیحدہ علیحدہ کہنے میں ایک ہی سے بائنہ اور بیک لفظ میں تین طلاقوں سے ہی بائنہ ہوجاتی ہے، ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو ایک طلاق کا

[1] ردالمحتار باب فی المشیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۸

انقضائے عدّت نیست زن بحال خود عالمہ است می تواند کہ گاہے در سہ سال نیز سہ حیض تمام نشود ایں ست حکم صورت مسؤلہ، اما فقیر می ترسم کہ ایں مسئلہ ہماں ست کہ در ۱۳۱۷ھ سہ بار از ہمیں سلہٹ نزد فقیر آمدہ بود و سائل ایں بار نیز گفت کہ ایں فساد از سہ سال آنجا برپاست، بار اوّل ۶/رجب ۱۳۱۷ھ بیانے کہ آمد ظاہرش آنست کہ ایں اقرار زید یعنی عبدالکریم پیش از نکاح ہندہ اعنی مائتون بود و آنجا نیز تصریح اضافت بملک یا سبب ملک نیست و قطع نظر ازاں ۶/رجب و ۱۹ شوال و ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۱۷ھ در سوالات ہر سہ بار ہیچ ذکر ایں زیادت تازہ کہ ہر وقتیکہ باید نبود بلکہ در سوال اول لفظ ہندہ ہمیں قدر نوشتہ بود کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں، ایں گفت و از خانہ بروں رفت جواب دادم کہ ایں الفاظِ طلاق نبود بالفرض اگر طلاق باشد پیش آنہا باز ضرہ خود جنگ و جدل سخنے فضول و اجنبی بود مجلس متبدل شد و اختیار طلاق از دست رفت طلاق ازاں روز شد کہ خلع کرد ازیں روز امر در عدت واجب ست ورنہ نکاح حرام، بریں واجب جواب در سوال شوال نیز ہمیں از تقیید بمجلس سوال کرد جواب رفت، در سوال ذیقعدہ فزود کہ ہندہ دعوی میکند کہ بمجرد آمدن

اختیار دیا اور بیوی نے تین کو بیک لفظ اپنایا تو امام صاحب کے نزدیک کوئی طلاق نہ ہوگی اور ایک ایک کرکے تین طلاقوں کو اپنے لئے اختیار کیا تو پہلی ایک بالاتفاق واقع ہوگی کیونکہ لفظوں میں خاوند نے عدد کو ذکر نہیں کیا اس میں عموم اور خصوص دونوں کا احتمال ہے اس کی پوری بحث بحر میں ہے___ تو اگر بات ایسے ہی ہے جیسے سائل نے ظاہر کی ہے یعنی عبدالکریم نے اختیار سونپتے ہوئے "جب چاہے" بھی زائد کیا ہے، پس اندریں صورت مائتون بی بی کے طلاق کو اپنانے کے بعد تین حیض کامل گزر چکے ہوں اور اس کے بعد اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح جائز ہے ورنہ عدت مکمل ہوئے بغیر نکاح کیا تو یہ حرام ہے اور محض چار ماہ طلاق کے بعد گزرنا یہ عدت کے پورا ہونے کی قطعی دلیل نہیں ہے، اس کے متعلق عورت کو علم ہوتا ہے کیونکہ کبھی تین سال میں بھی تین حیض مکمل نہیں ہوتے، یہ صورت مسؤلہ کا حکم ہے۔ مجھ فقیر کو خطرہ ہے کہ یہ وہی مسئلہ ہو جو میرے پاس ۱۳۱۷ھ میں تین بار سلہٹ سے آیا تھا، اور سائل نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہاں یہ فساد تین سال سے چلا آرہا ہے۔ پہلی بار ۶/رجب ۱۳۱۷ھ کو یہ سوال آیا تو اس میں یہ بیان تھا کہ زید یعنی عبدالکریم کا یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور اس میں مائتون سے نکاح کی ملکیت یا سبب کا ذکر بھی نہ تھا، اس سے قطع نظر ۶/رجب ۱۹ شوال اور ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ تین مرتبہ سولات کئے گئے جن میں اس تازہ

ضرہ بخانہ ہماں وقت نفس خودم را اختیار کردہ بودم وشوہر منکر اصل ایں معنی ست میگوید کہ ہندہ ہیچ نگفت وبدر رفت دریں صورت قول کراست جواب نوشتم زید راست، بعد سہ سال چہارم بار ایں سوال آمد ودر ولفظے زائد است کہ تقیید مجلس از بیخ برانداخت بایں معنی باخبر باید بود اگرایں سوال متعلق بہمہ واقعہ است پس تبدیل کنندگاں از خداترسند اگر بہ تعبیر واقعہ حکمے از مفتی بدست آرند عالم الغیب والشھادۃ راچہ جواب دہند"

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ط"[1]۔

واللہ تعالٰی اعلم۔

زائد لفظ "جب چاہے" کا اضافہ نہ تھا بلکہ پہلی مرتبہ سوال میں، ہندہ کے عنوان سے لکھا گیا کہ "اب میں اقرار نامہ کے مطابق نہیں رہ سکتی ہوں، یہ کہا اور زید کے گھر سے چلی گئی، تو میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ طلاق نہیں بن سکتے اور اگر بالفرض ہندہ کے یہ الفاظ طلاق ہوں بھی تو اس کا پہلے اپنی سوکن کے ساتھ جھگڑا کرنا، لاتعلق اور اجنبی بات ہونے کی وجہ سے اختیار والی مجلس تبدیل ہوگئی جس سے ہندہ کے ہاتھ طلاق کا اختیار جاتا رہا، لہٰذا ہندہ یعنی مائتون بی بی کو اس روز طلاق ہوئی جس روز اس نے خاوند سے خلع کیا، اور اسی دن سے عدّت واجب ہوئی اور اس کا مکمل ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا نکاح حرام ہے، اس جواب کے بعد شوال والے سوال میں بھی خاوند کی طرف سے دئے گئے اختیار والی مجلس کی قید سے سوال کیا گیا اس کو جواب دیا گیا، اور ذیقعدہ والے سوال میں یہ بات زائد تھی کہ ہندہ دعوی کرتی ہے کہ خاوند نے صرف سوکن کی گھر آمد پر مجھے طلاق کا اختیار دیا تھا جس کو میں نے اس موقع پر استعمال کرلیا تھا، اور خاوند اس بات سے انکار کرتا ہے اور وُہ کہتا ہے کہ ہندہ نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا اور گھر سے چلی گئی، اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا خاوند یا بیوی کس کی بات معتبر ہے؟ میں نے جواب میں لکھا زید یعنی خاوند کی بات معتبر ہے۔ مذکور تین بار سوال کے بعد چوتھی مرتبہ تین سال کے بعد اب یہ سوال آیا ہے اور اس میں ایک مزید اضافہ کیا گیا ("اور جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے") لکھا گیا ہے اور مجلس کی قید والی صورت کو سرے سے ہی ختم کردیا گیا لہٰذا اس معاملہ کی تحقیق ہونی چاہئے اگر یہ آخری سوال بھی ان پہلے تین سوالوں کا واقعہ ہے تو پھر سوال میں تبدیلی کرنے والوں کو خدا سے ڈرنا چاہئے، اگرچہ سوال کی تبدیلی کے ذریعہ مفتی سے مطلب کا حکم حاصل کرلیں گے لیکن عالم الغیب والشادت اللہ تعالٰی کے ہاں کیا جواب دیں گے۔ جس نے اس کو سننے کے بعد تبدیل کیا تو گناہ بدلنے والوں پر ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۱

مسئلہ ۳۲۶: از خیر آباد میانسرائے مدرسہ عربیہ ضلع سیتاپور اودھ مرسلہ سیّد فخرالحسن صاحب رضوی ۷ ۲جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ
مسمّی زاہد علی ولد عابد علی کا عقد نکاح مسماۃ کریمابنت عبداللہ کے ساتھ باقرار امر بالید منعقد ہوا، حسب ذیل نکاح نامہ تحریر ہوا:

نقل نکاح نامہ

الحمدللہ الذی فاصلابین الحلال والحرام وواصلا بسلك النظام وحرم السفاح عصمة للعالم وحفظا لنسل بنی اٰدم والصلوٰۃ والسلام علٰی خیر خلقه محمد سید الانام وعلٰی اٰله البررۃ الکرام واصحابه العظام۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو حرام وحلال میں فرق فرمانے والا ہے اور نظام کی ڈوری جوڑنے والا ہے اور جس نے نظامِ عالم کی حفاظت کے لئے اور نسل بنی آدم کو محفوظ رکھنے کے لئے زنا کو حرام فرمایا ہے، صلوٰۃ وسلام اللہ تعالٰی کی بہترین مخلوق جہان کے آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر، اس آل جو پاک اور بزرگ ہے، اور صحابہ پر جو عظیم مرتبہ والے ہیں۔(ت)

امّا بعد میں سید زاہد علی ولد سیّد عابد علی ساکن بلدہ خیر آباد نے برضا ورغبت خود مسمّاۃ کریما دختر سیّد عبداللہ کو بعض مہر معجّل چار مثقال نقرہ جس کے ایک سو چھپن بروئے وزن روپیہ چہرہ دار رائج الوقت ہوتے ہیں اپنے عقد نکاح میں لایا، اور مسمّاۃ کریما موصوفہ کو برضا مندی خود بلااکراہ واجبار احدے مضمون امرھا بیدھا (پر مختار کردیا یعنی مسمّاۃ کریما ممدوحہ جب چاہیں اپنی ذات کو میرے عقد نکاح سے خارج کرکے آزاد کرلیں مجھ کو کبھی کسی طرح اپنے نکاح میں رہنے کا دعوٰی نہ ہوسکے گا کیونکہ یہ مضمون امرھا بیدھا اس وقت قطعًا ویقینا وُہ میرے عقد سے خارج ہوجائیں گی لہٰذا یہ تحریر لکھ دی کہ وقتِ ضرورت کام آئے فقط، چونکہ قبل انعقاد نکاح کے مسمّی زاہد علی کی بداطواری وخراب چلنی کی شکایت خارجًا مسموع ہوئی تھی جس کی بالاتفاق اکثر اہل برادری نے تکذیب کرکے نکاح کردینے پر سیّد عبداللہ کو مجبور کیا اور بالآخر سیّد عبداللہ نے بطریق مندرجہ بالا نکاح کردیا تھا اور بالآخر ہموں آش درکاسہ سامنے آیا بمقتضائے ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

(بُری عادت جو طبیعت میں رچ بس جائے وہ وقت موت تک زائل نہیں ہوتی۔ت)

مسمّی زاہد علی نے بعد چند روز کے وہی بد چلنی اختیار کی اور انجام کار کچہری سے سزایاب ہوگیا۔ مسمّاۃ کریما اگرچہ

بوجہ شرم وغیرت خلقی کے کوفت وسوخت درونی کا کسی پر اظہار نہیں کرتی مگر تحلیل ہوتی جاتی ہے، چونکہ کریما ہنوز نوعمر وجوان ہے سیّد عبداللہ ونیز دیگر اعزّا کا خیال ہے کہ بشرطِ رضامندی مسمّاۃ کریما اس سے طلاقِ مسنونہ دلا کر دوسری جگہ مناسب پر اس کا نکاح کردیا جائے، پس اس ضرورت سے ہدایت خواہ ہوں کہ ایسے الفاظ اُردو کا کوئی فقرہ یا چند فقرات بتائے جائیں جس کو مسماۃ کریما اپنی زبان سے رُوبرو چند لوگوں کے ادا کرکے طلاق مسنونہ حاصل کرکے جس میں کوئی قباحت وسُقمِ شرعی باقی نہ رہے، اس طلاق مسنونہ حاصل کرنے کے متعلق جو طریقہ عمدہ ہو اور جو جو الفاظِ اُردو مناسب ہوں اس سے مفصلاً وتصریحاً ہدایت فرمائی جائے۔

الجواب:

اس تحریر میں امرھا بیدھا مختار کردیا نکاح سے خارج ہونا آزاد ہونا جتنے الفاظ ہیں سب کنایہ ہیں اور حالت حالتِ رضا ہے نہ غضب ہے نہ مذاکرہ طلاق، اور حالتِ رضا میں جملہ الفاظ نیتِ زوج پر موقوف رہتے ہیں، کریمًا اپنے آپ کو ایک طلاق دے کہ میں نے بحکم اس اختیار عام کے جو میرے شوہر نے مجھے دیا اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے ایک طلاق دی اس پر زاہد علی سے دریافت کیا جائے کہ تُونے جو وُہ الفاظ لکھے اُن میں طلاق کا اختیار دینے کی تیری نیت تھی یا نہیں، اگر وُہ اقرار کرے فبھا، اور اگر انکار کرے تو اس پر حلف رکھا جائے، اگر حلف کرلے کہ میری نیت یہ نہ تھی تو طلاق نہ ہوگی۔ اگر جھوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے، اور اگر حلف سے انکار کردے گا تو طلاق ہوجائے گی، اور دونوں صورتوں میں بائن ہوگی۔ عورت نکاح سے نکل جائے گی اگر اب تک خلوت نہ ہوئی تھی تو ابھی ورنہ بعد عدّت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: از رامپور کوٹھی چڑیاخانہ مرسلہ حسین احمد صاحب دفعدار ۲۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّاۃ ہندہ بنتِ زید کا عقد بکر کے ساتھ اس شرائط سے ہُوا چنانچہ ایک اقرار نامہ بکر نے اسی وقت بعد عقد مذکور کے لکھ دیا کہ ۲تولہ کی بالی طلائی اور ۴ماشہ کی نتھنی اندر میعاد چھ ماہ کے بنوادُوں گا ورنہ طلاق ہے، ہندہ میعاد مذکور پر اپنے باپ زید کے گھر چلی آئی، اقرار نامہ پر عمر خالد وغیرہ رشتہ دارانِ بکر کی گواہی اور بکر کے (**العبد**) انگوٹھے کے نشان موجود ہیں، پس اس صورت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

اقرار نامہ کی نقل بھی ملاحظہ ہوئی اس میں بھی یہی لفظ ہے کہ "ورنہ طلاق ہے" یہ بیان نہیں کہ کس کو طلاق ہے، لہٰذا صُورتِ مستفسرہ میں باعتبارِ ظاہر جبکہ اس نے چھ ۶ مہینے کے اندر یہ چیزیں بنواکر نہ دیں ایک

طلاق رجعی سمجھی جائے گی کہ عدّت کے اندر شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا لیکن اگر زید قسم کھا کر کہہ دے کہ اس نے "طلاق ہے" سے ہندہ کو طلاق دینا مراد نہ لیا تھا اس کی بات مان لی جائے اور اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا، اگر جُھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا،

قال لها لاتخرجی من الدار الّا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] (ردالمحتار عن البزازیة) واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند نے اگر بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اگر بیوی باہر نکل جائے تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کا ذکر نہیں کیا جبکہ دوسری کسی عورت کی طلاق کی قسم ہوسکتی ہے، لہٰذا یہاں خاوند کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۸: ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ساس ہندہ کے یہاں رہتا تھا ہندہ نے اس سے مکان خالی کرنے کو کہا اس نے انکار کیا اس نے اس کا اسباب پھینک دینا چاہا اُس نے کہا اگر میرا اسباب پھینکو گی تو میں تمہاری لڑکی کو طلاق دے دوں گا، اس پر دو ۲ مرد اور ایک عورت تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ زید نے ہمارے سامنے طلاق دے دی، اور دو ۲ مرد کہتے ہیں اس نے صرف یہ کہا کہ مال پھینکا تو طلاق دے دُونگا نہ اس نے پھینکا نہ اس نے طلاق دی، زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ان دو ۲ مردوں اور ایک عورت جو مدعی طلاق تھے ایک مرد کی نسبت معلوم ہوا کہ بے قید آدمی ہے یہاں تک کہ نماز کا بھی پابند نہیں، اور ایک مرد پہلے کہتا تھا اب وُہ منکر ہے کہ میرے سامنے طلاق نہ دی میں سُنی سُنائی کہتا تھا اور اس عورت کی عدالت معلوم نہیں، اور ہو بھی تو ایک عورت کی

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹

گواہی سے ثبوت نہیں ہوتا اور زید نے ہمارے سامنے حلف شرعی کے ساتھ کہا کہ میں نے ہر گز طلاق نہ دی میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ مال پھینکو گی تو طلاق دے دوں گا، پس اس صورت میں طلاق ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ:

اس جلد کا آخری عنوان "**باب تفویض الطلاق**" ہے، تیرھویں جلد کا آغاز "**باب تعلیق الطلاق**" سے ہوگا،

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مآخذومراجع

	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابو العباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابو سعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحر العلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	الام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابو علی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الہدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تھذیب التھذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشرعیۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تھذیب الاثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التھذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقباس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الھدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابومحمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابو علی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نور الدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبی المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیوٰۃ الحیوان الکبریٰ للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاوٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃالمفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃالدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃالفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃالوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸

د

۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر(درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدرالنثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱

ذ

۱۶۵۔	ذخیرۃالعقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃالفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱

ر

۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃالامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبّی)	۲۳۹

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

۱۷۲۔	رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔	ردعلی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔	رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔	رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔	رمز الحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔	رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔	رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔	رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔	رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔	رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔	رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔	رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔	رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔	رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔	الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔	رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔	رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔	رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔	زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔	زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔	زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔	زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔	زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلة الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجة	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجة	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابو محمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحیٔ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحیٔ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطاامام مالک	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدرالشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰ـ	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱ـ	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲ـ	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳ـ	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴ـ	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبدالعزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵ـ	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶ـ	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷ـ	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸ـ	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبدالرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹ـ	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰ـ	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱ـ	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲ـ	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳ـ	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴ـ	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵ـ	شرح حاشیۃ الکنز ملامسکین	معین الدین الہروی ملامسکین	۹۵۴
۲۵۶ـ	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷ـ	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸ـ	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹ـ	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰ـ	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱ـ	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲ـ	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳ـ	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبداللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴ـ	شرف المصطفٰی	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵ـ	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۴ـ	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۶ـ	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷ـ	شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البہنسی	۹۸۷
۲۶۸ـ	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹ـ	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰ـ	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱ـ	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲ـ	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳ـ	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴ـ	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵ـ	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶ـ	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷ـ	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸ـ	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹ـ	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰ـ	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف بیر کلی	۹۸۱
۲۸۱ـ	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲ـ	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳ـ	العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴ـ	عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵ـ	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶ـ	عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷ـ	عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸ـ	عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹ـ	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰ـ	عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱ـ	عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲ـ	عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳ـ	عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴ـ	عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵ـ	غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶ـ	غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷ـ	غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸ـ	غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹ـ	غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰ـ	غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱ـ	غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲ـ	فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳ـ	فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴ـ	فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵ـ	فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالٰہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابوعبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابوعبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

<u>ق</u>

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الھدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	1050
۳۶۲۔	کتاب الطھور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنزالعمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنزالدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنٰی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابو بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابو الحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعه فی الاحادیث الموضوعه	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیه سید المنتخب من الفتوحات المکیه	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳۔	م ختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفہ	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحۃ الخالق حاشیہ بحرالرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبۃ السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیۃ المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعۃ الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج عل الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۴۷۲۔	السند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابومحمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارک التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السلطانیہ فی علم الکلام	عضدالدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنۃ	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطاامام مالک	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۲۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبید اللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵

ھ

۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳

ی

۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۶/۶۹۱ ۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الی مناسك الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترہیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
ح			
۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
خ			
۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نور الدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
د			
۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴
ذ			
۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الہدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح المأثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰھیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتٰی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیه	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومة النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایة فی شرح ہدایة	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۳۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانه یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوة	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف بابن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائة مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنه	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰة المصابیح	ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمة القرآن	شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامه سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامه حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمه مشکوٰة المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منة الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۴۔ نافع فی الفروع امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی ۴۰۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۲۵۔ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔ نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔ نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔ نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔ النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔ نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔ نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔ نوادر الاصول	ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔ نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔ نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔ نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔ نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔ نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔ نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔ وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔ واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔ وفاء الوفا	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔ ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔ ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۳

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

پیش لفظ 4
تیرھویں جِلد 5
اجمالی فہرست 7
مفصل فہرست 9
طلاق کی قسم کھائی تو اب نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو طلاق رجعی کی قسم کھائی ہے تو بعد وقوع شرط رجوع کرے۔ 9
فہرست ضمنی مسائل 65
باب تعلیق الطلاق 101
(تعلیقِ طلاق کا بیان) 101
رسالہ 155
آکدالتحقیق بباب التعلیق ۱۳۲۲ھ 155
(باب تعلیق کے متعلق تحقیق انیق) 155
باب الایلاء 257
(ایلاء کا بیان) 257
بابُ الخُلع (خلع کا بیان) 263
بابُ الظّھار (ظہار کا بیان) 267
باب العدّۃ 291
(عدّت کا بیان) 291
بابُ الحداد (سوگ کا بیان) 327
باب زوجۃ المفقود (مفقود الخبر کی زوجہ کا حکم) 335
بابُ النسب 349
(نسب کا بیان) 349
بابُ الحضانۃ 383

(پرورش کا بیان) 383
باب النفقة 415
(نفقہ کا بیان) 415
کتاب الایمان 495
رسالہ 511
الجوھر الثمین فی علل نازلة الیمین ۱۳۳۰ھ 511
(قسم کی مصیبت سے متعلق قیمتی جوھر) 511
باب النّذر 581
(نذر کا بیان) 581
باب الکفارة 609
(کفارے کا بیان) 609
کتاب الحُدُود وَالتّعزیر 613
(حدود اور تعزیر کا بیان) 613
مآخذ ومراجع 657
ضمیمہ 681
مآخذ ومراجع 681

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَايَا النَّبَوِيَّة فِي الْفَتَاوِى الرِّضْوِيَّة

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد سیز دہم [۱۳]

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد سیز دہم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیب فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۶۸۸

اشاعت ________ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ/مارچ ۱۹۹۸ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُللہ اعلی حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائنِ علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہُوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک ادارہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی متعدد تصنیف شائع کر چکا ہے، مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہُوا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ جل مجدہ وبعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب تک تقریباً آٹھ سال کے مختصر عرصہ میں کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصّوم، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان اور کتاب الحدود والتعزیر پر مشتمل تیرہ ۱۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں، جن کی تفصیل سنین، مشمولات اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
پہلی جلد	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
دوسری جلد	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
تیسری جلد	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
چوتھی جلد	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
پانچویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
چھٹی جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
ساتویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
آٹھویں جلد	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
نویں جلد	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
دسویں جلد	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
گیارھویں جلد	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
بارھویں جلد	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
تیرھویں جلد	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸

تیرھویں جِلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ جلد پنجم کے باب تعلیق الطلاق سے جلد پنجم کے آخر تک ۲۹۳ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ **بتوفیق اللہ تعالٰی و بفضلہ** راقم پُر تقصیر عفی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس جلد کے مسائل و رسائل کی مکمل و مفصل فہرست نیز مسائل ضمنیہ کی فہرست راقم نے افادہ قارئین کے لئے تیار کر دی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل و فوائد کے علاوہ اس جلد میں مندرجہ ذیل چودہ [14] عنوانات زیرِ بحث لائے گئے ہیں:

(۱) باب تعلیق الطلاق　　(۲) باب الایلاء

(۳) باب الخلع　　(۴) باب الظہار

(۵) باب العدّۃ　　(۶) باب الحداد (سوگ)

(۷)زوجة مفقود الخبر	(۸) باب النّسب
(۹) باب الحضانة (پیدائش)	(۱۰)باب النفقة
(۱۱)کتاب الایمان	(۱۲)باب النذر
(۱۳)باب الکفارة	(۱۴)کتاب الحدود و التعزیر

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور نادر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو ۲رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں:

(۱)اکد التحقیق بباب التعلیق (۱۳۲۲ھ)

مسئلہ تعلیق میں ایک دیوبندی مفتی کا رَدِ بلیغ

(۲)الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین (۱۳۳۰ھ)

ایک نوع کی قسم کے بارے میں اجتہادی جُزئیہ اور اُس پر تفصیلی بحث

بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ بیگم گنج سے ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ کو ارسال کردہ جناب مولنا عبدالمجید شنوپوری کا استفتاء جو فتاوٰی رضویہ جلد پنجم قدیم کے صفحہ ۵۹۰ پر مذکور تھا، چونکہ وہی رسالہ آکد التحقیق بباب التعلیق کے معرضِ تحریر میں آنے کا موجب بنالہٰذا ترتیبِ سابق میں تبدیلی کرکے جلد ہٰذا میں اس استفتاء وجوابِ استفتاء کو رسالہ مذکورہ سے پہلے کردیا گیا تاکہ دونوں آپس میں مربوط ہوجائیں۔ ایک اور ترمیم یہ کی گئی ہے کہ کتاب المفقود جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں جلد سادس میں مندرج تھی اور ابوابِ فقہیہ کی ترتیب کے اعتبار سے اس کو وہاں پر ہی ہونا چاہئے تھا مگر اس کے تحت جو چند فتوے مذکور ہیں اتفاق سے وُہ سب ہی زوجہ مفقود الخبر سے متعلق ہیں لہٰذا مفتی کی سہولت کے پیش نظر مناسب سمجھا گیا کہ کتاب المفقود کو وہاں سے نکال کر باب زوجہ مفقود الخبر کے عنوان سے جلد ہٰذا میں شامل کردیا جائے، علاوہ ازیں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا ایک مفصل فتوٰی جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا (جس میں متعدد وجوہ سے مولوی اشرف علی تھانوی کے جہالت پر مبنی ایک فتوے کا رد بلیغ کیا گیا اور بیسیوں جید علماء کرام نے اس کی تصدیق وتائید فرماتے ہُوئے اس پر مُہریں ثبت فرمائی ہیں) جلد ہٰذا میں شامل کرلیا گیا ہے جس کو آپ صفحہ ۷۱۱ پر ملاحظہ فرماسکتے ہیں نیز جلد ہٰذا کا مسئلہ نمبر ۲۴۹ دراصل فتاوٰی افریقہ کا مسئلہ نمبر ۶۰ ہے جس کو باب النذر کی مناسبت سے اس جلد میں شامل کیا گیا ہے۔

O

ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ	حافظ محمد عبدالستار سعیدی
مارچ ۱۹۹۸ء	ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ______ ۵
باب تعلیق الطلاق ______ ۱۰۱
باب الایلاء ______ ۲۵۷
باب الخلع ______ ۲۶۳
باب الظہار ______ ۲۶۷
باب العدۃ ______ ۲۹۱
باب الحداد (سوگ) ______ ۳۲۷
باب زوجہ مفقود الخبر ______ ۳۳۵
باب النسب ______ ۳۴۹
باب الحضانۃ (پرورش) ______ ۳۸۳
باب النفقۃ ______ ۴۱۵
کتاب الایمان ______ ۴۹۵
باب النذر ______ ۵۸۱
باب الکفارۃ ______ ۶۰۹
کتاب الحدود والتعزیر ______ ۶۱۳

فہرست رسائل

o اکد التحقیق ______ ۱۵۵
o الجوھر الثمین ______ ۵۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مفصل فہرست

باب تعلیق الطلاق	۱۰۱	محض طلاق کی قسم سے طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ وقوع شرط کے بعد واقع ہوتی ہے۔	۱۰۲
خالد سے زمینداری کا کام کراؤں تو میری عورت کو طلاق، طلاق معلق ہوگئی۔	۱۰۱	طلاق کی قسم کھائی تو اب نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو طلاق رجعی کی قسم کھائی ہے تو بعد وقوع شرط رجوع کرے۔	۱۰۲
ائمہ دین کا اجماع ہے کہ جب طلاق کسی شرط پر مشروط کی جائے تو اس شرط کے وقوع سے واقع ہوجائے گی۔	۱۰۱	نکاح سے قبل کہا "اگر زوجہ ہندہ کی اجازت کے بغیر نکاح ثانی کروں تو زوجہ ثانی کو تین طلاق" تعلیق صحیح ہوگئی۔	۱۰۳
آیہ کریمہ الطلاق مرتٰن میں طلاق دونوں قسموں یعنی منجز ومعلق کو شامل ہے۔	۱۰۲	صورت مذکورہ بالا میں اگر ہندہ سے نکاح سے قبل کوئی اور عقد کرے اس پر یہ شرط اثرانداز نہ ہوگی۔	۱۰۴
تعلیق کو اصطلاحات شرع میں یمین اور حلف کہا گیا ہے۔	۱۰۲	ہندہ کی موت کے بعد کسی سے عقد کرے یہ شرط اس پر بھی اثر انداز ہوگی۔	۱۰۴
تحریم حلال یمین ہے۔	۱۰۲	میّت صالح اذن نہیں۔	۱۰۴
طلاق کی قسم کھانے پر کفارہ نہیں بلکہ کفارہ اللہ عزوجل کی قسم میں ہے۔	۱۰۲	طرفین کے نزدیک بقائے یمین کے لئے امکان بر شرط ہے جیسا کہ انعقاد یمین کے لئے شرط ہے۔	۱۰۴

I.T. Majlis of Dawateislami

کسی شخص نے قسم کھائی کہ فلاں کے اذن کے بغیر کچھ نہ دے گا تو فلاں کے مرنے کے بعد اگر دے گا تو حانث نہ ہوگا۔	۱۰۴	اگر بیوی سے کہا کہ زندگی میں تجھ پر غیر سے نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب، پھر دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو دونوں میں سے ایک کو طلاق ہوگئی۔ شوہر کو اختیار ہے جس کی طرف چاہے پھیردے۔	۱۱۰
ہندہ کو طلاق دے کر دوسرا نکاح اس کی اجازت کے بغیر کیا، طلاق واقع ہوجائے گی۔	۱۰۴	کلام میں جب تک اعمال ممکن ہو اہمال سے احتراز چاہئے۔	۱۱۱
تعلیق میں تعمیم نہ ہو تو ایک بار کے بعد شرط کالعدم ہوجاتی ہے۔	۱۰۶	نکاح میں ایجاب عورت کی طرف سے تھا قبول میں مرد نے یہ شرط لگائی، اگر عند الطلب نصف مہر نہ ادا کردوں تو تین طلاق، بعد نکاح زوجہ کے طلب پر ادا نہ کیا تو طلاق واقع ہوگی۔	۱۱۲
بوقت نکاح عورت سے یہ شرط کی، اگر بے تیری اجازت سے دوسرا نکاح کروں تو تجھ کو تین طلاق، نکاح سے قبل یہ شرط لغو ہے اور نکاح کے بعد یہ شرط ہو تو تعلیق صحیح ہے لیکن اگر نکاح ثانی سے قبل عورت کو ایک یا دو طلاق دی اور عدت ختم ہوگئی تو اب دوسرے نکاح سے طلاق نہ پڑے گی اور تعلیق ختم ہوجائے گی، اس صورت کی مزید تفصیل۔	۱۰۶	ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ یمین مضاف منعقد ہے عدم وقوع کی روایت ضعیف ہے۔	۱۱۳
طلاق صریح عدت کے اندر صریح کو بھی لاحق ہوجاتی ہے اور بائن کو۔	۱۰۶	زاہدی قابل اعتماد راوی نہیں۔	۱۱۳
طلاق صریح یہ ہے کہ محتاج نیت نہ ہو چاہے بائن ہو یا رجعی۔	۱۰۶	روایات شاذہ ساقطہ پر فتوی دینا جائز نہیں۔	۱۱۳
شوہر نے بیوی کو کہا اگر تو اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق، پھر کہا تجھے تین طلاقیں ہیں، اب عورت نے دوسرے سے نکاح کیا اور گھر میں داخل ہوئی، پھر حلالہ کے بعد دوبارہ اس کے نکاح میں آئی اور گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی۔	۱۰۷	یمین مضاف میں اگر متفرق معلق کیا ہے تو بے حلالہ دوبارہ شادی ہوسکے گی۔	۱۱۴
اگر بے اجازت زوجہ اولٰی نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، اس صورت میں صحت تعلیق کی صورت میں دوسری کو طلاق واقع ہوگی۔	۱۱۰	یمین مضاف میں طلاق واقع نہ ہونے کی ایک سبیل۔	۱۱۴
		الفاظ شرط اور ان کا حکم۔	۱۱۴

تو میری چیز کھائے تو طلاق ہے اور زوجہ کی نیت نہ کی ہو تو شوہر کی چیز کھانے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۱۱۶	دیوبند مفتی کی جہالتوں میں سے پہلی جہالت کا بیان۔	۱۲۲
مسئلہ مذکورہ میں احتیاطی تدبیر۔	۱۱۶	مذاکرہ طلاق میں تمام صورتوں میں قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے سوائے ان الفاظ کے جو رد وجواب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔	۱۲۳
ایک دیوبند مفتی کے غلط اور جہالت صریحہ پر مشتمل فتوی کا زوردار اور مدلل رد بلیغ۔	۱۱۷	دوسری جہالت کا بیان۔	۱۲۳
قول منکر کا معتبر ہوتا ہے جبکہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں۔	۱۱۷	عدم اضافت کی صورت میں شوہر انکار نیت کرے تو لفظ طلاق سے بھی واقع نہیں ہوتی۔	۱۲۳
یہ لفظ کہ "نکاح سے علیحدہ کردوں گا" یہ نرا وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۱۱۸	تیسری جہالت کا بیان۔	۱۲۳
"طلاق می کنم" کہنے سے طلاق ہوجاتی ہے بخلاف طلاق کنم کے۔	۱۱۸	عورت کو خود اپنے معاملے میں بایں معنی قاضی بتانا کہ اس کا حکم مثل حاکم شرع نافذ ہے صریح جہالت ہے۔	۱۲۳
لفظ "جواب" کے معانی اور اس کے کنایہ طلاق ہونے کا بیان۔	۱۱۸	چوتھی جہالت کا بیان۔	۱۲۳
جو کلمہ صالح رد ہو وہ مطلقًا ہر حال میں محتاج نیت ہے اگرچہ حالت غضب ہو اگرچہ حالت مذاکرہ طلاق ہو۔	۱۱۹	مدعا علیہ کو شہادت پیش کرنے کا ذمہ دار ٹھہرانا جہالت کا واضح نمونہ ہے۔	۱۲۳
حالات تین ہیں: رضا، غضب اور مذاکرہ طلاق۔	۱۱۹	پانچویں جہالت کا بیان۔	۱۲۴
کنایات تین طرح کے ہیں۔	۱۱۹	شرع مطہر میں مفتری کی سزا سلطان اسلام کے یہاں اسی کوڑے ہیں۔	۱۲۴
لفظ "کنایہ" میں شوہر عدم نیت طلاق کی قسم کھائے تو اس کی بات مان لی جائے گی، نہ قاضی اس صورت میں حکم طلاق دے سکتا ہے اور نہ ہی عورت اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ سکتی ہے۔	۱۱۹	شریعت مطہرہ پر افتراء اللہ عزوجل پر افتراء ہے جو بے ایمان ہی کرسکتا ہے۔	۱۲۴
کنایہ کی صورت میں عدم نیت طلاق کی قسم شوہر سے عورت گھر میں بھی لے سکتی ہے۔	۱۱۹	چھٹی جہالت کا بیان۔	۱۲۴
ترک اضافت ہمیشہ مانع حکم طلاق ہے جبکہ شوہر بحلف انکار نیت کرے۔	۱۲۰	جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں، جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں ہو فاسق ہیں، جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔	۱۲۴
عدم اضافت کے سبب طلاق واقع نہ ہونے کی چند مثالیں۔	۱۲۰		

جنھوں نے بے علم فتوٰی دیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔	۱۲۴	تصدیقات علماء بمبئی۔	۱۳۴
جو بغیر علم کے فتوٰی دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔	۱۲۵	تصدیقات علماء پیلی بھیت۔	۱۳۵
ساتویں جہالت کا بیان۔	۱۲۵	ایک مسئلہ تعلیق میں اقوال علماء کے درمیان محاکمہ۔	۱۳۷
زوجہ کو شوہر سے برگشتہ بنانا شیاطین کا کام ہے۔	۱۲۵	تعلیق ربط مضمون جملہ بمضمون آخر ہے نہ کہ خبط مضمون بربط آخر۔	۱۳۷
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے کہ جو کسی مرد سے اس کی زوجہ کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔	۱۲۵	طلاق صریح سے بائن کی نیت کرے تب بھی رجعی ہی واقع ہوگی۔	۱۳۷
تصدیقات وتائیدات علماء کرام ومفتیان عظام	۱۲۶	بندہ تغییر حکم شرع کی قدرت نہیں رکھتا۔	۱۳۷
تصدیقات علماء بدایوں۔	۱۲۷	ہمارے علماء کے نزدیک وقت حلول شرط سے نزول جزا یوں ہوتا ہے کہ گویا اس وقت تکلم بالجزاء منجز واقع ہوا۔	۱۳۸
تصدیقات علماء شاہجہان پور۔	۱۲۸	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح۔	۱۳۸
تصدیقات علماء دہلی۔	۱۲۸	اگر میں تیرے سوا کسی اور عورت سے شادی کروں تو تجھ کو ایسی طلاق کہ تو اپنے نفس کی مالک ہو اس سے ایک طلاق بائن پڑے گی۔	۱۳۹
تصدیقات علماء میرٹھ۔	۱۲۹	مطلقًا تعلیق سے طلاق بائن واقع نہیں ہوتی۔	۱۴۱
تصدیقات علماء احمد آباد۔	۱۲۹	اگر کوئی شے معدوم ہو تو اس کی نقیض موجود ہوتی ہے۔	۱۴۳
علماء سوء کے بارے میں ایک شخص اور شیطان کے درمیان گفتگو کا واقعہ۔	۱۳۰	اگر شوہر نے بیوی کو کہا تجھے طلاق اگر میں تجھے طلاق نہ دوں، تو بوقت موت طلاق واقع ہوگی۔	۱۴۳
تصدیات علماء جبلپور۔	۱۳۱	ایک نکتہ بدیعیہ۔	۱۴۴
تصدیقات علماء مراد آباد۔	۱۳۲	احناف کے نزدیک الفاظ کا مفاد لغوی بنائے یمین نہیں بلکہ معانی عرفیہ پر بنائے کار ہے۔	۱۴۴
لفظ جواب طلاق کے واسطے موضوع نہیں یہ ایک ہندی کلمہ ہے جو چند معنوں میں استعمال ہوتا ہے لہذا اس سے خاص کر طلاق بائن کا مفہوم سمجھنا دلیل نافہمی ہے۔	۱۳۳	اغراض ومقاصد جس قدر مفاد لفظ سے زائد ہوں یعنی عموم واطلاق بھی انھیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔	۱۴۴
تصدیقات علماء لاہور۔	۱۳۴		

لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج و بیگانہ وزائد بات اگرچہ عرفا مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں۔	۱۴۴	زید نے عمرو سے کہا آؤ میرے ساتھ کھانا کھالو، عمرو نے کہا میں کھاؤں تو میری عورت مطلقہ ہو، کل زید کے ساتھ کھانا کھایا طلاق نہ ہوگی۔	۱۴۹
دلالت لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصور ہوجائے گی یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے۔	۱۴۴	عورت کو جماع کے لئے بلایا اس نے انکار کیا، شوہر نے کہا اگر میرے پاس اس کوٹھڑی میں نہ آئے تو تجھ پر طلاق، عورت آئی مگر اس وقت شوہر کی شہوت ساکن ہوچکی تھی تو طلاق ہوگئی۔	۱۴۹
کسی شے کا بھاؤ چکاتے وقت مشتری نے قسم کھائی کہ دس میں نہیں خریدے گا، پھر گیارہ میں خریدا تو حانث ہوجائے گا۔	۱۴۵	کلمہ ان تراخی کے لئے ہے جب تک قرینہ فورنہ پایا جائے۔	۱۴۹
بائع نے قسم کھائی کہ دس میں نہیں فروخت کریگا پھر گیارہ میں فروخت کیا تو حانث نہیں ہوگا۔	۱۴۵	حاکم سے حلف کیا کہ اگر شہر میں کوئی بدمعاش آئے اور میں خبر نہ دوں تو میری عورت کو طلاق ہے، بدمعاش آیا اور اس نے حاکم کو خبر نہ دی اس وقت کہا جب وہ حاکم معزول ہوگیا تھا طلاق ہوگئی۔	۱۴۹
بیع بالعشرۃ دو نوع پر ہے ایک بیع بعشرۃ مفردۃ اور دوسری بیع بعشرۃ مقرونہ۔	۱۴۵	دائن نے مدیون سے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا، یہ حلف بقاء دین تک رہے گا، بعد ادا یا ابراء اذن کی حاجت نہیں۔	۱۵۰
عام کی تخصیص وتقیید عرف سے جائز ہے۔	۱۴۶	قسم کھائی کہ عورت بے میرے اذن کے باہر نہ جائیگی یہ قیام زوجیت تک محدود ہے۔	۱۵۱
غرض متکلم اپنی کلام سے کبھی تو کلام کا حقیقی یا مجازی معنی ہوتی ہے اور کبھی لفظ سے خارج کوئی شیئ۔	۱۴۷	قسم کھائی کہ دس کو نہ بیچوں گا اور گیارہ کو بیچا تو حانث نہ ہوا۔	۱۵۱
تخصیص عوارض الفاظ میں سے ہے۔	۱۴۷	یمین کی بناء عرف پر ہے۔	۱۵۱
یمین فور کا استنباط امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔	۱۴۸	عدم بے سلف کلی متحقق نہیں ہوتا۔	۱۵۱
الفقہاء کلہم عیال لابی حنیفۃ۔	۱۴۸	نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے۔	۱۵۲
یمین فور سے متعلقہ مسائل۔	۱۴۸	عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی صادق نہیں رہتا۔	۱۵۲
عورت باہر جانے کو ہوئی شوہر نے کہا باہر جائے تو تجھ پر طلاق، عورت بیٹھ گئی اور دوسرے وقت باہر گئی طلاق نہ ہوگی۔	۱۴۸	ایک شخص نے اپنی بیوی کو بعد نماز مغرب کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو تجھے دو طلاق، بعدہ بیوی نے عشاء کی نماز نہیں پڑھی تو صبح صادق طلوع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں۔	۱۵۲

مرد نے بیوی سے کہا تو نماز ترک کرے تو تجھے طلاق، عورت نے ایک نماز قصداً قضاء کی طلاق ہو جائے گی اگرچہ اس قضاء کو ادا بھی کرے۔	۱۵۲	دیوبندی مولوی وجیہ اللہ کے فتوی کا پچیس وجوہ سے رد بلیغ۔	۱۶۹
نیت حالف اگرچہ دلالت حال کے خلاف ہو اعتبار اس کا ہوگا۔	۱۵۳	دیوبندی فتوی کی پہلی خطاء۔	۱۷۰
طلاق مغلظہ سے عورت حرام ابدی نہیں ہوتی البتہ بے حلالہ شوہر اول کے نکاح میں آنے کے قابل نہیں رہتی۔	۱۵۳	حکم شرعی کے معلوم ہونے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا مکروفریب ہے۔	۱۷۰
○رسالہ اُکد التحقیق بباب التعلیق (مسئلہ تعلیق میں ایک دیوبندی مولوی کے فتوی کا رد بلیغ)	۱۵۵	دوسری خطاء	۱۷۱
نقل فتوی مولوی وجیہ اللہ دیوبندی باشندہ بنگالہ۔	۱۵۶	انشائے تعلیق اور تعلیق انشاء میں فرق۔	۱۷۱
جواب منجانب مصنف (اعلحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ)	۱۶۶	ہر جزاء کو استقبال لازم ہے۔	۱۷۱
تیسری طلاق دے دی تو اب بیوی حرام قطعی ہو گئی تجدید نکاح سے بھی حلال نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ حلالہ نہ ہو جائے۔	۱۶۶	طلاق باعتبار صدور مرد کی اور باعتبار وقوع عورت کی صفت ہے۔	۱۷۱
خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو نے نماز نہ پڑھی تو تجھے دو طلاقیں بعدہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، تو یہ حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے۔	۱۶۷	تیسری خطاء۔	۱۷۲
جب طلاق نہ ہوئی تو رجوع کیسا اور کس سے رجوع۔	۱۶۷	خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو مجھے نہیں چاہتی تو تجھے طلاق بیوی نے کہا میں چاہتی ہوں تو طلاق نہ ہو گی۔	۱۷۲
یہ کہنا کہ رجوع کر لینے سے پہلی طلاقیں باطل ہو جاتی ہیں گمراہ کلمات ہیں جن پر "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" ہی پڑھا جاسکتا ہے۔	۱۶۷	شوہر نے اپنی بیوی کو کہا اگر میں تین ماہ میں نہ آؤں اور دس دینار نہ لاؤں تو تجھے طلاق پس وہ آیا اور دینار نہ لایا تو طلاق ہو جائے گی۔	۱۷۲
لوگوں میں بدبخت ترین وہ شخص ہے جو دوسروں کی دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کردے۔	۱۶۹	خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو حرام کاری کرے تو تجھے تین طلاق، پھر اس کو طلاق بائنہ دے کر عدت میں اس سے وطی کی تو قسم ٹوٹ گئی اور تین طلاقیں ہو جائیں گی۔	۱۷۲

چوتھی خطاء۔	۱۷۲	کلیت معقولات ثانیہ میں سے ہے۔	۱۷۶
پانچویں خطاء۔	۱۷۳	طبعیہ قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے نہ کہ خارجیہ۔	۱۷۶
دیوبندی مولوی وجیہ اللہ کا معلق کو تین قسموں پر اور پھر ایک کو دو قسموں پر منقسم ماننا جہالت ہے دیوبندی مفتی کی جہالت کہ شرح وقایہ کی عبارت کو نہ سمجھ سکا۔	۱۷۳	منتزع، انتزاع کے تابع ہوتا ہے لہٰذا بلاانتزاع نہیں پایا جاتا اگرچہ منتزع منہ موجود ہو۔	۱۷۶
چھٹی خطاء۔	۱۷۳	بارھویں خطاء۔	۱۷۷
ساتویں خطاء۔	۱۷۴	تیرھویں خطاء۔	۱۷۷
آٹھویں خطاء۔	۱۷۴	الشیئ المطلق کے مرتبہ میں عموم کلیت اور اطلاق ملحوظ ہوتا ہے۔	۱۷۷
نویں خطاء۔	۱۷۴	چودھویں خطاء۔	۱۷۷
یمین الفور کی تخصیص غصہ اور بے اعتدال طبع سے کرنا دیوبندی اجتہاد ہے ورنہ کتب مذہب میں اس کا کوئی نشان نہیں۔	۱۷۴	تحصیل حاصل باطل ہے۔	۱۷۷
حاکم نے قسم کھائی کہ اگر شہر میں کوئی بدمعاش آئے اور تجھے سزا نہ دوں تو بیوی کو طلاق، یہ یمین فور ہے۔ حالانکہ یہاں غصہ اور اشتعال طبع نہیں۔	۱۷۴	پندرھویں خطاء۔	۱۷۷
دسویں خطاء۔	۱۷۵	مبنٰی کے فساد سے بناء کا فساد ہوتا ہے۔	۱۷۸
فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہو جاتا ہے۔	۱۷۵	سولھویں خطاء۔	۱۷۸
عموم سلب اور بوجہ ایجاب جزئی صادق نہیں رہتا۔	۱۷۵	سترھویں خطاء۔	۱۷۹
گیارھویں خطاء۔	۱۷۶	خاوند نے بیوی سے مجامعت کا ارادہ کیا اور بیوی کو کہا کہ اگر تو میرے ساتھ کمرے میں داخل نہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد بیوی اس وقت کمرے میں داخل ہوئی جب خاوند کی شہوت ختم ہوچکی تھی تو طلاق واقع ہوجائے گی اگر زوال شہوت سے پہلے داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی۔	۱۷۹
محققین نے عمدۃ المدققین علامہ سید میر زاہد کی بعض مشہور تدقیقات کا کثیر وجوہ سے رد کیا ہے۔	۱۷۶	دخول مطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے اور وہ اس وقت تک منتفی نہیں ہوتا جب تک جمیع افراد دخول منتفی نہ ہوجائیں۔	۱۷۹
قضیہ طبعیہ کا موضوع کلیت کا معروض ہوتا ہے۔	۱۷۶	اٹھارھویں خطاء۔	۱۸۰
		کسی چیز کا انتفاء اس کے تمام افراد کے منتفی ہونے سے ہوجاتا ہے۔	۱۸۰

انیسویں خطاء۔	۱۸۱	وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا جائز ہے وہ دو بار طلاق ہے اس سے زائد نہیں۔	۱۸۶
مکابرہ کا کوئی علاج نہیں۔	۱۸۱	تین طلاقوں کے بعد مرد کو رجوع کا اختیار ہوتا تھا جو آیت کریمہ "الطلاق مرتان" سے منسوخ ہوگیا۔	۱۸۸
بیسویں خطاء۔	۱۸۲	دیوبندی مقصد شریعت کو پامال اور جاہلیت کے ظلم و ستم کو دوبارہ زندہ کررہے ہیں۔	۱۸۹
بیوی باہر جانے یا غلام کو مارنے کے لئے تیار تھی خاوند نے اس وقت بیوی کو کہا اگر تو باہر نکلی یا تو نے مارا تو تجھے طلاق تو یہ دونوں یمین فور ہیں۔	۱۸۲	بائیسویں خطاء۔	۱۹۰
امام اعظم ابوحنیفہ اقسام یمین کے اتمام کے استنباط میں متفرد ہیں۔	۱۸۳	یہ جزئیہ کہ رجوع کے بعد طلاق کالعدم نہیں ہوتی۔	۱۹۰
نشہ والے شخص نے بیوی کو مارا پیٹا تو وہ باہر نکل گئی، اس پر نشئی نے کہا اگر تو واپس نہ لوٹی میرے پاس تو تجھے طلاق، یہ واقع عصر کے وقت ہوا اور وہ عورت عشاء کے وقت اس کے پاس لوٹ کر آئی تو طلاق ہوجائے گی کیونکہ یہ یمین فور ہے۔ اگر یمین فور کی نیت کا انکار کرے تو قاضی اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔	۱۸۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیا مگر اس کے باوجود وہ طلاق شمار ہوئی۔	۱۹۰
بیوی باہر نکلنے لگی تو خاوند نے کہہ دیا اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے۔ اس پر بیوی واپس بیٹھ گئی اور کچھ دیر کے بعد نکلی تو قسم نہ ٹوٹی اور طلاق واقع نہ ہوئی۔	۱۸۳	دیوبندی تعلیم کی حدیث سے مخالفت۔	۱۹۲
اکیسویں خطاء۔	۱۸۴	تیئیسویں خطاء۔	۱۹۲
دیوبندی گمراہی کا جوش۔	۱۸۴	تیسری طلاق کے بعد عورت خاوند کے لئے بلاحلالہ حلال نہیں ہوسکتی چاہے پہلی طلاق کے بعد رجوع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔	۱۹۲
دیوبندی تعلیم نے قرآن وحدیث اور ائمہ قدیم وجدید کا اجماع پس پشت ڈال دیا۔	۱۸۴	کتب فقہ بلااختلاف تین طلاقوں کو مطلقاً حرمت غلیظ کے لئے مثبت بیان کرتی ہیں۔	۱۹۲
آیہ کریمہ "الطلاق مرتان" کا شان نزول اور اس میں مختلف اقوال مفسرین۔	۱۸۵	ہزارہا عبارات دیوبندی مفتی کی گمراہی کے بطلان پر شاہد ہیں۔	۱۹۲
تین طلاقوں کے بعد مرد کو رجوع اختیار نہیں اور عورت خود مختار ہے۔	۱۸۵	خاوند نے بیوی کو کہا جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے اس کے بعد بیوی نے نئے حمل کے ساتھ تین بچے جنے تو دوسرا اور تیسرا بچہ پہلی اور دوسری طلاق سے رجوع متصور ہوگا جبکہ تیسرے بچے کی پیدائش پر تین طلاقیں ہوجائیں گی اور حرمت غلیظہ ثابت ہوجائے گی اور تینوں بچوں کا نسب خاوند سے ثابت ہوگا۔	۱۹۲

دیوبندی تعلیم ائمہ امت کے مخالف ہے۔	۱۹۵	جو کسی بات پر قسم کھالے پھر دیکھے کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو وہی بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دے لے۔	۱۹۹
چوبیسویں خطاء۔	۱۹۵	اغراض فاسدہ کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصاری کی سنت ہے۔	۱۹۹
دیوبندی مفتی کی انتہائی غباوت اور گمراہی۔	۱۹۵	نااہل کے وعظ کہنے کی مذمت احادیث کریمہ سے۔	۱۹۹
نجدیت کی بدعقلی اور کج فہمی۔	۱۹۶	کیسے واعظ کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں۔	۲۰۰
پچیسویں خطاء۔	۱۹۶	طلاق مغلظہ کی قسم کھائی تو طلاق سے بچنے کا ایک حیلہ۔	۲۰۰
بطلان طلاق اور بطلان عمل میں فرق ہے۔	۱۹۶	یمین وجود شر کے بعد مطلقاً ختم ہوجاتی ہے۔	۲۰۱
دیوبندی مجتہدین کی دین اور شریعت میں نئی بدعت۔	۱۹۷	طلاق کو وعظ کہنے پر معلق کیا تو یہ سبیل ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے وہ عدت سے نکل چکے تو وعظ کہے پھر عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔	۲۰۱
حرام قطعی کو حلال کہنا فقہی حکم کے مطابق قطعی کفر ہے۔	۱۹۷	شوہر نے کہا تو مہر بخشے تو طلاق دوں گا۔ عورت بولی اگر تو طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا، شوہر نے طلاق دی، طلاق واقع ہوئی مہر ساقط نہ ہوا۔	۲۰۲
طلاق مغلظہ کے بعد عورت کو شوہر کے لئے حلال قرار دینے والے مفتیوں کی بیویاں ان پر حرام ہوگئیں ان پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم ہے۔	۱۹۷	ہندہ سے اس شرط پر نکاح کہ نصف مہر عندالطلب ادانہ کروں تو تین طلاق، اس مسئلہ کی مختلف صورتوں کے احکام۔	۲۰۲
طلاق کی قسم کھانا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔	۱۹۸	ہبہ میں تعلیق باطل ہے۔	۲۰۲
طلاق کی قسم کھانا مومنانہ نہیں منافقانہ فعل ہے۔	۱۹۸	تملیکات یعنی بیع وشراء وغیرہ میں تعلیق باطل ہے۔	۲۰۲
جو کوئی اس بستی میں وعظ کرے اس کی عورت پر طلاق، اور جو کوئی سے مراد اس کی اپنی ذات تھی، تو اگر وعظ کہے گا طلاق رجعی واقع ہوگی۔	۱۹۸	"کلما دخلت الدار فانت طالق" میں تین بار دخول دار کے بعد یمین منحل ہوگی یا تین طلاق سے زوال حل ہوئے تب یمین منحل ہوگی۔	۲۰۳
کلمہ من تعمیم کے لئے ہے۔	۱۹۸	لفظ کلما عموم افعال کا تقاضا کرتا ہے جبکہ لفظ کل عموم اسماء کا۔	۲۰۴
وعظ کیسے واعظ کو کرنا چاہئے۔	۱۹۹	اگر تو میرے گھر میں آئی تو تجھے طلاق، اور عورت دوسرے کے گھر میں تھی تو شوہر کے گھر آتے ہی طلاق، اور شوہر کے گھر میں ہی تھی توجب تک وہاں رہے گی طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۰۶

چاروں مذاہب کے چاروں اماموں کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک لفظ میں واقع ہوجاتی ہیں۔	۲۰۶	ہر عاقد وحالف کے کلام کو اس کے عرف پر مجہول کیا جائے گا۔	۲۱۴
وہابی گمراہ بے دین مسئلہ طلاق ثلثہ میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں۔	۲۰۷	شوہر سے چند غلط شرائط کا اقرار نامہ لکھوانے کا حکم۔	۲۱۴
شوہر نے ایک وقت کی نماز بے عذر شرعی نہ پڑھنے پر تین طلاقیں معلق کیں۔بے عذر ایک وقت کی نماز بھی چھوڑ دے گی تین طلاقیں ہوجائیں گی۔	۲۰۷	جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔	۲۱۵
جو حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہو اس کا بتانا بھی حرام ہے۔	۲۰۷	اللہ تعالٰی کا حکم حق اور اللہ تعالٰی کی شرط مؤکد ہے۔	۲۱۵
مفتی کو یصدق دیانۃ نہیں کہنا چاہئے بلکہ ادب یہ ہے کہ لایصدق قضاء کہے۔	۲۰۷	بیوی اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ وآئندہ اولاد کی وہ مالک ہوگی،اور باپ کے گھر بیٹھے نفقہ پائے گی۔یہ سب شرطیں خلاف شرع ومردود ہیں۔	۲۱۵
شوہر نے کہا اگر تو فلاں مکاں میں گئی میری عورت نہ رہے گی،اگر نیت طلاق ہے طلاق معلق ہوگی۔	۲۰۸	مرد کا یہ لکھنا کہ اگر میں شرط کے خلاف کروں تو میری یہ تحریر تین طلاق سمجھی جائے گی،باطل ہے۔	۲۱۶
نیت طلاق کے بارے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا۔	۲۰۹	بحق حضانت لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی عمر تک ماں کے پاس رہیں گے پھر باپ لے گا۔	۲۱۶
اگر تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق مغلظہ ہوگی۔اس شرط پر نکاح کی مختلف صوتوں کے احکام کی تفصیل۔	۲۰۹	شوہر اگر اپنے پاس بلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا کوئی اختیار نہیں۔	۲۱۶
جواب مضمون سوال کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے۔	۲۱۱	عورت شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے تو نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔	۲۱۶
عرف میں طلاق مغلظہ تین طلاقوں کو ہی کہتے ہیں۔	۲۱۲	مہر اگر نہ معجّل ہو نہ مؤجل تو جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا اختیار نہیں۔	۲۱۷
مرد نے بیوی سے کہا تجھ پر تینوں شرطوں سے طلاق،تو کیا حکم شرعی ہے۔	۲۱۳	بے علم کو علماء سے صرف حکم شریعت دریافت کرنا چاہئے نہ یہ کہ صفحہ وسطر جانچے۔	۲۱۷
شرط مجہول پر طلاق معلق کرنے سے طلاق اصلاواقع نہ ہوگی۔	۲۱۳	تعلیق طلاق بہ عدم ادائے حقوق زوجہ کے ایک اقرار نامہ کا شرعی حکم۔	۲۱۷

تاکید مفید شرط وجزاء کے درمیان فاصل نہیں ہوتی۔	۲۱۹	زن غیر مدخولہ یک بارگی تین طلاق کی محل ہے۔	۲۲۶
بیوی کو کہا انت طالق ان شاء اللہ تو کن صورتوں میں استثناء صحیح اور کن میں غیر صحیح ہوگا۔	۲۱۹	غیر مدخولہ کو تین طلاق بطور تعلیق دیں تو شرط کے جزا پر مقدم وموخر ہونے میں کیا حکم ہے۔	۲۲۶
نان ونفقہ نہ ملنے کے بارے میں عورت محتاج گواہان نہیں بلکہ اس کا بیان حلفی کافی ہے۔	۲۲۰	مسئلہ طلاق ثلثہ کی تفاصیل باعتبار حرف عطف اور باعتبار تعلیق وتنجیر اور باعتبار تقدم وتاخر شرط اور باعتبار زن مدخولہ وغیر مدخولہ۔	۲۲۶
شروط میں نفی پر بینہ مسموع ہیں۔	۲۲۱	عورت کو طلاق کا اختیار دینے کے ایک اقرار نامہ کی مختلف صورتوں کا شرعی حکم۔	۲۳۱
اگر میاں بیوی وجود شرط میں اختلاف کریں تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۲۲۱	شرط کابین نامہ قبل تحریر ہو اور اس میں نکاح کی طرف اضافت نہ ہو تو وہ شرط محض فضول وباطل ہے۔	۲۳۱
شوہر نے اقرار نامہ لکھا کہ اپنی عورت کی حیات میں کسی دوسری عورت سے شادی کروں تو اس دوسری پر تین طلاق، اس صورت میں اگر کسی فضولی نے اس کا نکاح کسی دوسری عورت سے کردیا اور اس نے زبان کے بجائے کسی عمل سے اس کی توثیق کردی تو دوسری عورت کو حسب شرائط اقرار نامہ طلاق نہ ہوگی۔	۲۲۳	تفویض طلاق میں زن وشوہر دونوں میں سے ایک کے کلام میں اضافت کافی ہے۔	۲۳۱
فضولی نے کسی کا نکاح کردیا شوہر نے مہر مقررہ عورت کو بھیج دیا تو نکاح نافذ ہوگیا۔	۲۲۳	جو تفویض طلاق معلق بالشرط ہو بعد وقوع شرط اسی مجلس پر محدود رہتی ہے جس میں عورت کو وقوع شرط کا حکم ہوا مجلس بدلنے کے بعد اسے طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔	۲۳۲
شوہر نے فضولی کے نکاح کے بعد کاغذ پر لکھا کہ میں نے اس نکاح کو نافذ کیا تو نافذ ہوگیا۔	۲۲۳	عورت کے ارادہ، رضا اور خواہش پر طلاق کو معلق کرنا تملیک مع التعلیق ہے اور یہی تملیک مجلس تک محدود رہے گی۔	۲۳۲
نکاح فضولی کے بعد کسی نے یا خود اسی فضولی نے شوہر کو مبارکباد دی شوہر نے اس پر سکوت اختیار کیا، تو نکاح نافذ ہوگیا۔	۲۲۳	ایک مہینہ کے اندر عورت کے شوہر کے مکان پر نہ آنے پر طلاق کو معلق کیا، عورت نہ آئی، یہ خود ایک مہینہ کے اندر عورت کے پاس پہنچا، طلاق واقع ہوگئی۔	۲۳۳
غیر مدخولہ کو ایک لفظ سے تین طلاق دینے اور متفرق الفاظ میں تین طلاق دینے کا حکم اور تعلیق کی مختلف صورتوں کا تفصیلی حکم۔	۲۲۶	زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تینوں طلاق پوری کردوں گا، یہ محض وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی۔	۲۳۳

وقوعِ طلاق سے پہلے رجوع عن الطلاق لغو ہے۔	۲۳۳	شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔	۲۳۷
طلاق رجعی کا تعلیق کے سبب بائن ہو جانا باطل قطعی ہے۔	۲۳۳	فسخ نکاح اور آزادی کالفظ کنایات طلاق سے ہے۔	۲۳۸
اقرار نامہ لکھا کہ تمھارے سوا کسی دوسری عورت سے شادی کروں تو ایک دو تین طلاق ہے۔ دوسری عورت سے شادی اپنی بیوی سے اجازت لے کر کی شادی کرتے ہوئے دوسری عورت پر ایک طلاق بائن پڑ گئی۔	۲۳۳	دوسرے نکاح کی اجازت سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی اور نیت کے بارے میں شوہر کا قول قسم سے معتبر ہوگا۔	۲۴۰
مالک نے اپنے غلاموں کے بارے میں کہاھذا حر اوھذا وھذا تو تیسرا آزاد ہوگیا جبکہ پہلے دونوں میں سے ایک آزاد ہے اس کے تعین کا اختیار مالک کو ہے۔	۲۳۵	مرد نے عورت سے کہا اگر میں تجھے جھالود سے باہر لے جاؤں تو تجھے طلاق پھر جھالود نامی گاؤں سے اس کو کہیں اور لے کر جائے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔	۲۴۱
کلمہ "او" تخییر اور "و" شرکت کے لئے ہے۔	۲۳۵	تین طلاقیں واقع ہو جائیں از روئے قرآن بے حلالہ شوہر اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔	۲۴۱
اردو زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا اور کوئی شیئ ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے۔	۲۳۵	شوہر طلاق مغلظہ دے کر منکر ہوگیا عورت کو طلاق کا یقین ہے تو جیسے ہوسکے اس سے دور بھاگے اور اگر اس پر قادر نہیں تو وبال شوہر پر ہے۔	۲۴۲
طلاق کو دو شرطوں پر معلق کیا تو جب تک دونوں شرطیں نہ پائی جائیں طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۳۵	مہر ادا کئے بغیر اور تمھاری اجازت بصیغہ رجسٹری حاصل کئے بغیر اگر دوسری عورت سے شادی کردوں تو اس کو طلاق، مہر ادا کر دیا، اجازت بھی حاصل کی لیکن اس کی رجسٹری نہیں کرائی اور دوسرا نکاح کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۳
عورت کو ناچ گانے کی اجازت دینا حرام قطعی ہے اور ایسا کرنے والا شوہر دیوث ہے۔	۲۳۷	"طلاق سمجھی جائے" سے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۳
دیوث اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام اور اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت ہوتی ہے۔	۲۳۷	"عدم خبر گیری کو طلاق سمجھنا" خبر گیری نہ کی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۵
حدیث کی رو سے تین اشخاص جنت میں نہیں جائیں گے، ماں باپ کو ناحق اذیت دینے والا اور دیوث اور مردوں جیسی وضع بنانے والی عورت۔	۲۳۷	باطل پر کچھ اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔	۲۴۵
		شوہر نے بعد نکاح اقرار نامہ لکھا، اگر مہر النساء کی رضا اور غبت کے بغیر دوسری شادی کروں تو دوسری کو طلاق، تو عدم رضا کا ثبوت اقرار زوجہ سے ہوگا بے اس کے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۷

تحقق شرط تحقق جزاء کو مستلزم ہے۔	۲۴۷	عورتوں کی غالب عادت یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کا نکاح ثانی پسند نہیں کرتیں۔	۲۵۰
محض ایک عورت کا بیان حجت شرعیہ خصوصا سوکن کے بارے کہ محل تہمت ہے۔	۲۴۸	زن نامد خولہ تین طلاق دفعی کی محل ہے۔	۲۵۱
عدم رضااور ترک استرضاء میں بہت فرق ہے۔	۲۴۸	جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر شادی کروں اس کو طلاق، بعدہ اس عورت کو طلاق دے دی، پھر دوسری عورت سے اس کی اجازت کے بغیر شادی کی، طلاق واقع ہو جائے گی۔	۲۵۱
تعلیق بالرضاء میں علم درکار نہیں۔	۲۴۸	اذن کا علم قول سے ہوگااور محبت و بغض کا نہیں۔	۲۵۱
شوہر نے عورت سے کہا بے میری رضا کے باہر گئی تو طلاق، پھر شوہر نے آہستہ سے کہا جا عورت نے سنا نہیں۔ چلی گئی۔ تو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۸	اذن ورضاء کا فرق	۲۵۲
اذن بغیر قول مسموع و مفہوم کے نہیں ہو سکتا۔	۲۴۸	جس شرط کا علم عورت کے ہی بتانے سے ہو اس میں اسی کے قول کا اعتبار ہے۔	۲۵۳
مرد نے قسم کھائی کہ بیوی کے اذن کے بغیر نہیں پیوں گا، بیوی نے اپنے ہاتھ میں پیالہ پکڑکے اس کو پلایا مگر زبان سے اذن نہیں دیا یادیا مگر شوہر نے نہیں سنا تو حانث ہو جائے گا۔	۲۴۸	یہ کہا اگر تجھے حیض آئے تو تو اور فلانہ کو طلاق، عورت نے کہا مجھے حیض آیا تو اس کو طلاق ہوگی فلانہ کو نہیں۔	۲۵۳
عدم اذن محل شرط میں گواہوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔	۲۴۹	اگر فلاں مومن ہے تو تجھے طلاق، عورت پر طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۵۴
عدم رضا ورغبت کا ثبوت شہادت سے نہیں ہو سکتا۔	۲۴۹	اگر میں تیری حاجت پوری نہ کروں تو میری عورت کو طلاق، مخاطب نے کہا میری حاجت یہی ہے کہ تو اپنی عورت کو طلاق دے دے، شوہر اگر اس کو بیان حاجت میں جھوٹا سمجھے تو اس کی عورت کو طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۵۴
دل ہر وقت ایک حال پر نہیں رہتا کیونکہ القلب یتقلب۔	۲۴۹	**باب الایلاء**	۲۵۷
عدم رضائے سابق ولاحق دلیل عدم مقارن نہیں ہو سکتی۔	۲۴۹	ایلاء کسے کہتے ہیں، اس کا حکم کیا ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں۔	۲۵۷
اسباب غضب ہزاروں ہیں لہٰذا کسی ایک سبب پر انحصار درست نہیں۔	۲۴۹		

ایلاء کا مدار پانچ باتوں پر ہے جب تک وہ پانچ جمع نہ ہوں ایلاء درست نہ ہوگا۔	۲۵۷	خلع کی تعریف۔	۲۶۴
وضو، غسل، تلاوت قرآن، سجدہ تلاوت اور اتباع جنازہ نذر سے لازم نہیں ہوتے۔	۲۵۷	تنہا زوجہ کے لئے خلع نہیں ہوسکتا۔	۲۶۴
ایلاء میں چار مہینہ تک قربت نہ کی، عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔	۲۵۸	باپ دادا کا کیا ہوا نکاح عورت بالغ ہوکر بھی فسخ نہیں کرسکتی۔	۲۶۴
ایلاء طلاق مغلظہ نہیں لہٰذا حلالہ کی ضرورت نہیں۔	۲۵۹	باپ دادا کے غیر کا کیا ہوا نابالغہ کا نکاح وہ بالغ ہوتے ہی رد کرسکتی ہے۔	۲۶۴
اگر ایلاء میں طلاق بائنہ ہوگئی تو شوہر و عورت عدت میں یا بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کرسکتے ہیں۔	۲۵۹	نماز روزہ سے مضحکہ کرنے والا اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۲۶۵
ایلاء مؤبد کی صورت میں چار ماہ بلا رجوع گزرنے سے ایک طلاق بائن پڑی، پھر اس سے نکاح کرلیا پھر چار ماہ خالی گزر گئے تو دوسری طلاق پڑجائے گی، پھر نکاح کیا اور چار ماہ اس طرح گزر گئے، تو تیسری پڑجائے گی. اب بلا حلالہ اس کو نکاح میں نہیں لاسکے گا۔	۲۵۹	غیر مدخولہ کا شوہر اسلام سے خارج ہوجائے تو وہ بلا عدت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے عدت لازم نہیں۔	۲۶۵
حنفی مذہب سے منسوب ایک من گھڑت مسئلے کا رد۔	۲۶۰	باب الظہار	۲۶۷
باب الخلع	۲۶۳	یہ لفظ کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا محض نامعتبر اور وعدہ ہے اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا۔	۲۶۷
مہر کے بدلے میں طلاق دی تو طلاق بائن واقع ہوگئی۔	۲۶۳	میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں، یہ جملہ باب طلاق میں لغو ہے۔	۲۶۷
صوم وصلوٰۃ کی پابند لڑکی بدخصلت اور بے نماز شوہر سے بیزار ہوکر خلع کرنا چاہتی ہے کیا شرعًا ایسا کرسکتی ہے۔	۲۶۴	تجھے ماں کے بجائے سمجھتا ہوں، اگر اس کا مطلب یہ تھا کہ حرام سمجھتا ہوں تو یہ کلمہ ظہار ہے۔	۲۶۷
		مظاہر پر عورت کے ساتھ صحبت، بشہوت بوسہ لینا، بشہوت بدن کو ہاتھ لگانا، بشہوت شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے۔	۲۶۸

کفارہ ظہار کا بیان اور غلہ کفارہ میں دے تو اس کا وزن۔	۲۶۹	عورت کو ماں بہن کہنا قول شنیع ہے لیکن یہ قول لغو ہے، نہ اس سے طلاق واقع ہو نہ ظہار۔	۲۸۰
بیوی کو ماں بہن کہنے والا گنہگار اور دروغ گو ہے۔	۲۷۰	عورت کو طلاق کی نیت سے ماں کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔	۲۸۰
از روئے قرآن مجید کسی کی ماں وہی ہے جس نے اسے جنا ہے۔	۲۷۰	بیوی کو بنیت طلاق کہا کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن ہے تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔	۲۸۱
طلاق بائن طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔	۲۷۱	بیوی کو کہا تو میرے لئے مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن ہے اور نیت ظہار یا تحریم کی ہے تو ظہار ہو گیا۔	۲۸۱
عورت کو بجائے ماں بہن کہنے سے نیت طلاق ہو تو طلاق، اور حرمت مراد ہو تو ظہار ہے، اور کچھ بھی مراد نہ ہو تو دیانۃً کچھ نہیں۔	۲۷۲	مظاہر کے لئے کیا کیا چیزیں حرام ہیں۔	۲۸۱
کفارہ ظہار ادا کرنے کے بعد عورت شوہر پر حلال ہو جاتی ہے اور کفارہ میں غلام عیب سے پاک ادا کرنا چاہئے، روزہ میں دو ماہ تک تسلسل ضروری ہے، غلہ دے تو دو سیر تین چھٹانک اٹھنی بھر گیہوں یا دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے۔	۲۷۳	کفارہ ظہار کی تفصیل۔	۲۸۱
حتی الامکان عاقل بالغ کے کلام کو مہمل نہ چھوڑا جائے۔	۲۷۵	بیوی کو بلا کسی نیت کے کہا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کے ہے تو یہ لفظ لغو و مہمل ہو گا طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔	۲۸۱
بیوی کو بجائے ماں بہن کہا اور کہتا ہے کہ نیت کسی قسم کی نہ تھی تو قاضی ظہار پر محمول کرے گا۔	۲۷۶	بیوی کو ماں، بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بنیت طلاق کہے،	۲۸۲
مظاہر کو قاضی مجبور کرے گا کہ کفارہ ادا کرے یا طلاق دے۔	۲۷۷	عورت کو طلاق کی نیت سے ماں کہہ کر مشہور کیا تو یہ قضاءً طلاق مانی جائے گی، ہاں اگر اس کے قول سے یہ واضح ہو کہ یہ اقرار طلاق اسی غلط فہمی کی بناء پر تھا تو قطعاً طلاق نہ ہوگی۔	۲۸۲
مظاہر نے لفظ سے حقیقۃً کچھ مراد نہ لیا لیکن قاضی نے ظہار قرار دیا۔ عورت ادائے حق کے لئے کفارہ کا مطالبہ کرے تو چونکہ حقیقۃً اس نے ارادہ ظہار نہیں کیا تھا اس لئے اس قول شنیع سے توبہ کرکے عورت سے کہہ سکتا ہے کہ میں نے کفارہ ادا کر دیا۔	۲۷۹	برسام کے مریض نے بیوی کو طلاق دی پھر ٹھیک ہونے کے بعد کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی بعدہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ حالت برسام میں طلاق واقع ہو جاتی ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۸۲

خوشدامن سے کہاکہ تیری لڑکی کو تاحیات تیرے مثل اپنی بہن سمجھتاہوں، اگرنیت ظہار سے کہا ظہار ہوگالیکن یہ ظہار موقت ہے۔خوشدامن کی موت کے بعد خود رفع ہوجائے گااور اگرنیت طلاق سے کہاتوایک بائن اور چونکہ طلاق موقت نہیں اس لئے تا حیات کالفظ لغو ہوگا۔اور اگرنیت نہ تھی یااعزاز واکرام خواہ الفت ومحبت کی نیت تھی تویہ الفاظ لغو ہیں۔	۲۸۳	مرد کو بیوی کادودھ پیناحرام مگر نکاح میں خلل نہیں آتا۔	۲۸۸
مظاہر کفارہ نہ دے تو عورت اس پر دعوی کرسکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یاطلاق دے۔	۲۸۳	اڑھائی برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔	۲۸۸
اگر کفارہ ظہار کی ادائیگی سے قبل شوہر نے وطی کی تو استغفار کرے اور فقط ظہار کا کفارہ دے۔	۲۸۴	عورت کواپنے باپ دادا سے تشبیہ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔	۲۸۸
ظہار کو اگر کسی وقت سے مقید کیاہے تواس وقت کے گزرنے سے ساقط ہوجائے گا۔	۲۸۴	تم سے صحبت کروں تو ماں سے زنا کروں،اس قول سے توبہ واستغفار لازم آتاہے اور بس۔	۲۸۹
"سمجھتا ہوں" کالفظ باب ظہار میں تحقیق کے لئے ہے اور باب طلاق میں عدم تحقق کے لئے۔	۲۸۵	عورت کوماں بہن کہناطلاق ہے نہ ظہار۔	۲۸۹
اپنی عورت کے ان اعضاء کو جن سے پورے جسم کی تعبیر کی جاتی ہو یاجزو شائع کو محرمات سے تشبیہ دے تو ظہار ہے اور دیگر اعضاء کو تشبیہ دے تو نہیں اور عورت اپنے کو کسی سے تشبیہ دے کچھ نہیں۔	۲۸۶	اپناٹھکانا دوسری جگہ کرلے،نیت طلاق ہے تو کنایہ ہے،طلاق بائن واقع ہوگی۔	۲۹۰
تشبیہ عادات زوجہ بعادات محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں۔	۲۸۷	**باب العدۃ**	۲۹۱
عورت اگر اعضاء شوہر کو اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہوتا۔	۲۸۷	نابالغہ کو اگر شوہر نے بے خلوت طلاق دی عدت نہیں۔	۲۹۱
جب تک سبب کفارہ نہ پایا جائے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔	۲۸۷	نابالغہ کو خلوت کے بعد طلاق دی تو چار مہینہ دس یوم انتظار کرائیں، حمل ظاہر ہو تو عدت وضع حمل ورنہ تین مہینے پر عدت ختم ہوگی۔	۲۹۱
میاں بیوی کاآپس میں ایک دوسرے کو ماں بیٹا کہہ لینا لغو ہے اور یہ کلام باعث گنہگاری ہے۔	۲۸۸	نابالغہ کی عدت کی تفصیل۔	۲۹۱
عورت کاپستان منہ میں لے لینا کچھ نہیں۔	۲۸۸		

وفات کی عدت غیر حاملہ عورت کے لئے مطلقًا چار ماہ دس دن ہے چاہے صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔	۲۹۳	شوہر نے طلاق دی، عورت کو عمرو سے حمل قرار پاگیا۔ عمرو نے تین مہینہ دس یوم کے بعد نکاح کرلیا، اب معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے اس صورت میں وضع حمل اگر طلاق کے بعد دو سال کے اندر اندر ہو تو بچہ ثابت النسب ہے ورنہ نہیں۔ اور پہلی صورت میں عدت وضع حمل ہے اور دوسری صورت میں نکاح صحیح ہوا۔	۲۹۵
طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اصلا نہیں اگرچہ کبیرہ ہو۔	۲۹۳	حاملہ بیوہ سے نکاح ہوا تو انتظار کیا جائے دو برس کے اندر بچہ ہوا تو عدت وضع حمل ہے اور نکاح مذکور فاسد، اور دو برس کے بعد بچہ پیدا ہو تو نکاح مذکور صحیح۔	۲۹۶
بیوی سے خلوت واقع ہوچکی یا نکاح فاسد میں وطی کرلی تو عدت لازم ہے۔	۲۹۳	معتدہ کے نکاح میں جو لوگ واقف حال شریک ہوں سخت گنہگار ہیں۔	۲۹۶
مطلقہ حائضہ کے لئے عدت تین حیض ہے اور غیر حائضہ یعنی صغیرہ اور آئسہ کے لئے تین ماہ ہے۔	۲۹۳	بیوہ حاملہ سے نکاح باطل محض ہے وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح لازم ہے۔	۲۹۶
نکاح فاسدہ میں محض خلوت سے عدت لازم نہیں ہوتی جب تک وطی نہ کرلی ہو۔	۲۹۳	عدت موت چار مہینہ دس دن ہیں۔	۲۹۷
عورت کے لئے حد صغر ۹ سال ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہرگز نہیں ہوتی۔	۲۹۴	دوران عدت بیوہ سے نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔	۲۹۷
عورت کے لئے آثار بلوغ کیا ہیں۔	۲۹۴	بہت سے احکام الٰہی تعبدی ہیں اور جو معقول المعنی ہیں ان کی حکمتیں بھی من وتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔	۲۹۷
آثار بلوغ پائے تو بالغہ ورنہ پندرہ سال کامل کی عمر پر جوانی کا حکم کردیں گے۔	۲۹۴	احکام الٰہیہ میں چون وچرا اور بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے۔	۲۹۷
"چھوڑنے" کا لفظ صریح طلاق ہے۔ اس کے کہنے کے فورا بعد سے عدت شمار ہوگی۔	۲۹۴	عدت وفات کی حکمت تعرف براءت رحم ہی نہیں بلکہ فوت شدہ شوہر کا سوگ بھی ہے۔	۲۹۸
عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کا دوسرے مرد کے ساتھ رہنا یا اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔	۲۹۴	عدت وفات میں خلوت ہونے نہ ہونے کا کچھ دخل نہیں۔	۲۹۸
مطلقہ اور بیوہ کی عدتوں کی تفصیل۔	۲۹۴	سوائے شوہر کے عورت کو کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ جائز نہیں۔	۲۹۸
قابل جماع لڑکی پر خلوت صحیحہ کے بعد عدت ہے۔	۲۹۵		

عورت اپنے شیر خوار شوہر پچپیس سالہ ایک تنہا مکان میں یکجائی ہو توخلوت صحیح نہ ہوئی۔	۲۹۸	نکاح فاسد میں متارکہ ضروری جو میاں بیوی دونوں میں سے کوئی بھی کر سکتا ہے۔	۳۰۱
مطلقہ کی عدت کے بارے میں تفصیل۔	۲۹۹	عدت میں جانتے ہوئے نکاح کیا تو نکاح باطل اور جماع زنا ہے اور لاعلمی میں کیا تو نکاح فاسد، اگر وطی نہ کی تو متارکہ کے بعد عدت ضروری نہیں، ورنہ متارکہ کے وقت سے بھی عدت واجب ہے۔	۳۰۲
تین حیض دوماہ بھی ہوسکتے ہیں اور دوسال میں بھی۔	۲۹۹	منکوحہ نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر غیر سے نکاح کرلیا، کچھ عرصہ بعد دوبارہ شوہر اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے تواب شوہر اول سے عقد قدیم قائم ہے عقد جدید کی ضرورت نہیں۔	۳۰۳
مرد وعورت یک مکان میں مثل زن وشوہر رہتے ہوں اور باہم انبساط زوج وزوجہ رکھتے ہوں تو شرعا زوج وزوجہ ہی قرار دئے جائیں گے۔	۲۹۹	زنا کی عدت نہیں۔	۳۰۳
اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے۔	۳۰۰	منکوحہ عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح میں لایا تو اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کرے اگر مجامعت کرچکا ہے تو عورت وقت ترک سے تین حیض عدت کرے۔ اس کے بعد شوہر اول کے لئے بے تجدید نکاح رہ سکتی ہے۔	۳۰۳
عدم علم، علم عدم نہیں۔	۳۰۰	حمل کے اعضاء مکمل ہو چکے ہوں تو اسقاط سے عدت تام ہو جاتی ہے۔	۳۰۴
شرع مطہر بدگمانی کو سخت حرام فرماتی ہے۔	۳۰۰	نکاح میں خلوت صحیحہ سے عدت واجب ہو جاتی ہے۔	۳۰۵
بے انقضائے عدت دوسرے سے نکاح حرام و ناجائز ہے اور بعض علماء کے نزدیک اس عقد پر کوئی حکم نکاح اصلا مرتب نہیں ہوتا۔	۳۰۰	عالمگیری کی دو عبارتوں کی توضیح۔	۳۰۵
معتدہ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔	۳۰۰	آیت کریمہ "اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتمو ھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ" کا مطلب۔	۳۰۶
زنا کے پانی کو شرع میں کوئی حرمت نہیں نہ اس کے لئے کوئی عدت۔	۳۰۰	چچا کا کیا ہوا نابالغ کا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۳۰۷
جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز ہے مگر تا وضع حمل جماع جائز نہیں۔	۳۰۰	ولی نے نکاح فضولی کو رد کردیا پھر اجازت دی تو جائز نہ ہوگا۔	۳۰۷
بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح سخت حرام ہے۔	۳۰۰		

الاجازۃ لاتلحق المفسوخ۔	۳۰۷	مکان کرایہ کا ہو تو دوران عدت اس میں رہنے کا کرایہ خاوند پر لازم ہے۔	۳۱۱
نکاح متحقق نہ ہو تو نہ طلاق ہے نہ عدت۔	۳۰۷	حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔	۳۱۲
نابالغ لڑکا اہل طلاق نہیں لہٰذا اس کے دئے سے طلاق نہ ہوگی۔	۳۰۷	معتدہ کا نفقہ اور سکنٰی دونوں شوہروں پر واجب ہیں	۳۱۲
نابالغ کی طرف سے اس کا ولی طلاق نہیں دے سکتا۔	۳۰۷	مطلقہ حاملہ کی عدت بھی وضع حمل ہے۔	۳۱۲
بلوغ پسر سے پہلے بوجہ مخالفت طلاق دلوانا محض باطل ہے۔	۳۰۷	شوہر نے عورت کو طلاق دی اور عدت کے اندر مرگیا۔اگر طلاق صحت میں دی یا مرض الموت میں، بے رضائے زوجہ دی تو عدت تین حیض،اور مرض الموت میں بے رضائے زوجہ دی تو عدت وفات اور عدت طلاق میں سے جو درازتر ہو وہ پوری کی جائے۔	۳۱۳
خلوت صحیحہ سے عدت لازم آجاتی ہے مہر بھی پورا واجب ہوتا ہے۔	۳۰۷	رافضی کا نکاح سنیہ سے نہیں ہوتا اس لئے نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔	۳۱۴
شوہر سے جدائی کتنی ہی طویل مدت سے ہو طلاق کے بعد عدت ضروری ہے۔	۳۰۸	متوفی عنہا زوجہا کی خلوت صحیح ہو یا نہ ہو عدت وفات ضروری ہے۔	۳۱۴
عورت میکے میں تھی شوہر کا انتقال ہوا عدت شوہر کے گھر گزارے،بغیر عذر صحیح اس کا خلاف حرام ہے۔	۳۰۸	عام روافض زمانہ کافر ومرتد ہیں۔	۳۱۵
موطوءہ بیوی کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز وحرام ہے۔	۳۰۹	مرتد ومرتدہ کا نکاح کسی ملت ومذہب والے سے نہیں ہوسکتا،نہ مومنین سے نہ کفار سے۔	۳۱۵
مدخولہ اور غیر مدخولہ کی عدت کا بیان۔	۳۰۹	بے طلاق کسی کی عورت گھر میں رکھ لی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اس کے بعد شوہر مرگیا تو جب تک نکاح جدید نہ کرلیں میاں بیوی نہ ہوں گے،اس صورت میں یہ طلاق دے گا تو واقع نہ ہوگی۔	۳۱۶
تمام عدت تک نفقہ سکنٰی شوہر کے ذمہ ہے۔	۳۱۱	غیر کفو سے عورت کب نکاح کرسکتی ہے۔	۳۱۶
عدت کے دیگر احکام۔	۳۱۱	منکوحہ غیر کو بے طلاق اپنے پاس رکھنے والا فاسق معلن ہے۔	۳۱۶
جو طلاق بطور خلع واقع ہو بائنہ ہوتی ہے۔	۳۱۱	فاسق معلن موذن جیسے دینی عہدے کے لائق نہیں۔	۳۱۶
طلاق بائنہ کے بعد مرد پر لازم ہے کہ عورت کو عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں جگہ دے اور بوجہ زوال نکاح اس سے پردہ کرے۔	۳۱۱		

جس نے حمل کے لئے اقرار کیا کہ میرے زنا سے ہے وہ مستحق سزا ہے۔	۳۱۶	کسی کو پیسے دے کر اس کی بیوی کو طلاق دلوانا تاکہ خود اس سے شادی کرے یہ رشوت ہے۔	۳۱۹
قیام حدود کے لئے اسلامی حکومت اور امام درکار ہے۔	۳۱۶	عدت کے اندر نکاح قطعی حرام ہے۔	۳۱۹
شوہر کے مرنے کے بعد دو سال کے اندر بچہ پیدا ہوا اور عورت عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کرچکی ہو تو لڑکا صحیح النسب ہوگا اور اقرار کرچکی ہو تو مجہول النسب ہوگا۔	۳۱۶	شوہر کی زندگی میں حمل شرعاً شوہر ہی کا سمجھا جائے گا۔	۳۱۹
معتدہ غیر سے لاعلمی میں نکاح کرکے صحبت کی تو صحبت حرام ہے لیکن گناہ نہ ہوگا۔	۳۱۷	وفات شوہر کے بعد حاملہ عورت کا جب تک حمل وضع نہ ہو وہ عدت ہی میں ہے۔	۳۱۹
متوفی عنہا زوجہا عدت میں بضرورت صرف دن میں باہر جاسکتی ہے۔	۳۱۷	مدخولہ کو طلاق دی عدت واجب ہے اور عدت کے اندر نکاح حرام ہے۔	۳۲۰
عدت کے اندر نکاح حرام ہے اس کے لئے طلاق کی ضرورت نہیں متارکہ کافی ہے، صحبت ہوچکی تو عدتیں ایک ساتھ چلیں گی ورنہ ایک ہی۔	۳۱۷	حیض والی عورت طلاق کے ایک مہینہ بعد نکاح کرے تو نکاح عدت کے اندر ہوا اور ایسی عورت کو ناکح سے وراثت کا حق پہنچے گا، اور مہر مثل اور مسمّٰی سے جو کم ہو وہ پائے گی۔	۳۲۰
عدت کے اندر دوسرا نکاح حرام اور قربت زنا ہے اگر ناکح کو علم تھا تو وہ فاسق ہوا اور اس کو امام بنانا گناہ ہے اور دانستہ نکاح میں شریک ہونے والے سخت گنہگار ہوئے۔	۳۱۸	نکاح فاسد وباطل میں توارث جاری نہیں ہوتا بلکہ استحقاق ارث نکاح صحیح سے ہوتا ہے۔	۳۲۱
عدت وفات کے اندر دوسرا نکاح ہوا عورت وہاں سے چلی آئی اگر قربت نہ ہوئی ہو تو چار مہینہ دس یوم کے بعد دوسرا نکاح ہوسکتا ہے اور صحبت ہوچکی ہو تو ایک اور عدت واجب اور دونوں ساتھ ہی ساتھ چلیں گی جو بعد میں ختم ہو اس کے بعد نکاح جائز ہوگا۔	۳۱۸	عورت انقضائے عدت کی دعویدار ہے تو اس کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۳۲۱
جب تک عدت نہ گزرے نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام قطعی ہے۔	۳۱۹	ناکح کو علم تھا کہ عورت مدخولہ ہے اور طلاق کو چار روز ہوئے ہیں ایسی صورت میں نکاح زنا خالص ہے۔ عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد کوئی بھی اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔	۳۲۲

زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت نہیں اور نہ اس کے لئے عدت ہے۔	۳۲۲	**باب الحداد (سوگ)**	۳۲۷
زوجہ کو ماں کہنا گناہ ہے مگر اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۳۲۲	عدت وفات میں عورت شوہر کے مکان سے باہر نہیں جاسکتی ہاں جو عورت کسب معاش کے لئے مجبور ہو وہ دن میں باہر جائے اور رات اس گھر میں گزارے۔	۳۲۷
عورت کتنے ہی دن شوہر سے الگ رہے اگر خلوت ہوچکی ہو تو عدت واجب ہے۔	۳۲۳	اگر شوہر کے مکان میں رہنا کسی وجہ سے ناممکن ہو تو اس کے قریب تر کسی مکان میں منتقل ہوسکتی ہے۔	۳۲۷
پیش از انقضائے عدت نکاح قطعاً ناجائز وحرام ہے۔	۳۲۳	اگر اباحت بوجہ ضرورت ہو توجب ضرورت نہ رہے اباحت بھی نہیں رہتی۔	۳۲۸
متوفی عنہا زوجہا کی عدت چار مہینہ دس دن ہے اس کے لئے خلوت کی شرط نہیں۔	۳۲۳	کن مجبوریوں کے سبب عورت کو عدت وفات میں گھر سے نکلنے کی اجازت ہے۔	۳۲۸
دیدہ دانستہ عدت کے اندر عورت کا نکاح کیا جائے تو وہ محض باطل ہے،اس کو نکاح ہی نہیں کہہ سکتے۔	۳۲۴	کیا معتدہ وفات اپنے کسی حق کو حاصل کرنے کے لئے بامر مجبوری کچہری میں جاسکتی ہے۔	۳۲۸
باپ دادا نہ ہوں تو جوان بھائی حقیقی ولی نکاح ہے۔اس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں۔	۳۲۴	عورت عدت وفات میں نفقہ کے حصول کے لئے یا اس کے استحکام کے لئے دن ہی دن میں باہر جاسکتی ہے۔	۳۲۹
حاملہ کی عدت وضع حمل ہے چاہے طلاق یا وفات کو دو منٹ ہی گزرے ہوں۔	۳۲۴	عدت موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا۔عورت خود اپنے پاس سے کھائے،پاس نہ ہو تو دن کو مزدوری کے لئے باہر جاسکتی ہے۔	۳۳۰
انیس دین میں تین حیض نہیں گزر سکتے۔	۳۲۴	اللہ تعالٰی کے فرض کی ادائیگی میں حیلے بہانے نہ کئے جائیں۔	۳۳۰
طلاق کی معتدہ عدت کے اندر حاملہ ہوئی تو اب اس کی عدت وضع حمل سے پوری ہوگی۔	۳۲۴	متوفی عنہا زوجہا مکان عدت میں جان ومال عزت کا واقعی خوف ہو تب بھی حتی الامکان عدت اسی مکان میں گزارے۔	۳۳۰
معتدہ وفات اگر دوران عدت حاملہ ہوجائے تب بھی اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی۔	۳۲۴	باہر نکلنے والی عورت بھی اگر نفقہ ہو تو عدت شوہر کے گھر میں بیٹھ کر گزارے۔	۳۳۰

عدت وفات میں عورتوں کو کیا چیزیں منع ہیں۔	۳۳۱	چار سال کی تقدیر کا حدیث شریف سے ثبوت نہیں۔	۳۳۶
عدت کے اندر نکاح کا پیغام حرام ہے۔	۳۳۲	زوجہ مفقود کے بارے میں مولا علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مذہب احناف کے موافق ہے۔	۳۳۶
شوہر کے انتقال کے وقت عورت سفر میں ہو تو اس کو مزید سفر حرام، عدت وہیں گزارے۔	۳۳۲	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس مسئلہ میں رجوع ثابت ہے۔	۳۳۶
عورت کو غیر شخص کے پاس ٹھہرنا حرام ہے۔	۳۳۲	امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول جدید وراجح بھی جمہور کے موافق ہے۔	۳۳۷
عدت کے اندر عورت کو سفر حرام ہے۔ سفر کرنے سے عدت ختم نہیں ہوتی اسی گھر میں آکر رہنا ضروری ہے۔	۳۳۳	ائمہ شوافع کے نزدیک قاضی چار سال والے مسئلہ پر عمل کرے تو اس کی قضا توڑ دی جائے۔	۳۳۷
نابالغہ کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا۔	۳۳۳	قول ضعیف پر فتوی دینا جہل و مخالفت اجماع ہے۔	۳۳۸
معتدہ کا نکاح دوران عدت باطل محض ہے۔	۳۳۳	شریعت کو فروج میں سخت احتیاط ملحوظ ہے۔	۳۳۸
معتدہ وفات نابالغہ کے نکاح کا اختیار بعد از عدت اس کے باپ کو ہے نہ کہ سسر کو۔	۳۳۳	اصل اشیا میں اباحت ہے لیکن فروج میں اصل حرمت ہے۔	۳۳۸
عدت کی حالت میں عورت سفر میں ہو تو عدت کہاں گزارے۔	۳۳۳	ہندوستان میں بیوہ کا نکاح نہیں کرتے جس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کے بارے میں ضرورت و مجبوری نہیں ہے۔	۳۳۸
معتدہ وفات کو کن حالات میں موضع عدت سے منتقل ہونے کی اجازت ہے۔	۳۳۳	جو اللہ پر بھروسا کرے اللہ اس کو مخلوق سے بے پروا کرتا ہے۔	۳۳۹
باب زوجہ مفقود الخبر	۳۳۵	عذوبت کا شرعی علاج۔	۳۳۹
زوجہ مفقود الخبر کے لئے چار برس کی مہلت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جمہور ائمہ اس کے خلاف ہیں۔	۳۳۵	امام مالک علیہ الرحمۃ کے مسلک کی غلط پیروی۔	۳۴۰
چار برس کی تقدیر پر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تقلید کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔	۳۳۵	امام مالک کے مذہب میں قاضی کے وہاں معاملہ پیش ہونے سے پہلے بیس سال گزر چکے ہوں ان کا اعتبار نہیں۔	۳۴۰
ائمہ مالکیہ مال کے بارے میں چار سال والی تقدیر کے قائل ہیں۔	۳۳۶	زوجہ مفقود اور اس کے محارم کو ہدایت و نصیحت۔	۳۴۰
		محبوس دائمی کو شرعا یہ حکم ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔	۳۴۲

تفویض طلاق کرنا بھی کافی ہے۔	۳۴۲	زن عنین کا حکم۔	۳۴۸
زوجہ مفقود نے دوسری شادی کی اس کے بعد پہلا شوہر لوٹ آیا۔ عورت اس کو دلادی جائے گی۔	۳۴۲	**باب النسب**	۳۴۹
صورت جماع میں دوسرے شوہر پر بھی مہر مثل واجب ہے۔	۳۴۳	نکاح کے پانچ مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہو تو کس صورت میں صحیح النسب ہوگا اور کس صورت میں نہیں۔	۳۴۹
چار برس کے بعد بطور خود زوجہ مفقود کا نکاح کرنا کسی امام کا مذہب نہیں ہے۔	۳۴۴	حمل چھ مہینے سے کم اور دو سال سے زائد کا صحیح النسب نہ ہوگا۔	۳۴۹
حنفیّہ کے نزدیک عورت پر اس وقت تک انتظار فرض ہے کہ شوہر کی عمر پر ستر برس گزر جائیں۔	۳۴۴	شہادت علی النفی مقبول نہیں۔	۳۵۰
زوجہ مفقود کے لئے تنگی رزق عذر لنگ ہے کہ رزق اللہ پر ہے۔	۳۴۴	جس لڑکے کے بارے میں عورت دعوی کرے کہ یہ شوہر کے نطفہ سے ہے مگر اس کی شرعی توجیہ نہ کرسکے تو حمل مجہول النسب ہوگا۔	۳۵۰
زوجہ مفقود سے متعلق ایک سوال اور اس کا حنفی مسلک پر جواب۔	۳۴۵	حمل مجہول النسب ہو تو ایسی عورت سے نکاح فاسد ہوگا۔	۳۵۱
ماں نے نکاح کیا۔ اگر کفو کے ساتھ کیا اور لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس سے انکار نہ کیا۔ نکاح لازم ہوگیا۔	۳۴۶	نکاح فاسد میں اگر شوہر نے وطی صحیح کرلی تو مہر مثل اور مہر مسمّٰی میں سے جو کم ہے وہ دینا لازم ہوگا۔	۳۵۱
مفقود کی عورت شوہر کی عمر کے ستر برس ہونے تک انتظار کرے۔	۳۴۶	ناکتخدا عورت خواب میں ہمبستری سے حمل ہونے کا دعوی کرے تو اس کا یہ قول مکروہ قرار دیا جائے گا اور ہر گز تسلیم نہ کیا جائے گا۔	۳۵۲
زوجہ مفقود کے نکاح ثانی کے بعد اگر زوج اول آیا اپنی عورت کو دوسرے شوہر سے لے لے گا۔	۳۴۶	ماءِ واحد سے تخلق حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔	۳۵۲
زوجہ مفقود کے بارے میں ایک اور سوال۔	۳۴۷	جن سے نکاح کا دعوی کرے تو دعوی غلط ہوگا اور نسب ثابت نہ ہوگا اور صورت مذکورہ میں لڑکا ولد الزنا ہوگا یا مجہول النسب۔ دونوں روایتیں ہیں۔	۳۵۲
زوجہ مفقود کے بارے میں مذہب احناف کا بیان۔	۳۴۸	عورت خاوند کے یہاں سے بھاگ کر ادھر اُدھر رہی، بچے پیدا کئے جب تک شوہر ان بچوں سے لعان کے ذریعے انکار نہ کرے نسب شوہر سے ثابت ہے۔	۳۵۶
مذہب امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کی توضیح۔	۳۴۸		

نکاح میں ایک گواہ معاینہ اور ایک اقرار بیان کرے تو یہ اختلاف شرعاً موجب رد شہادت ہے۔	۳۵۶	زید کا دادا پٹھان تھا اور دادی اور والدہ سیدانی، اس صورت میں زید سید ہے یا پٹھان۔	۳۶۱
عورت اگر حاملہ ہو تو بعد وفات شوہر وضع حمل تک ورنہ چار ماہ دس عدت گزارے گی۔	۳۵۷	شرع مطہر میں نسب باپ کی طرف سے لیا جاتا ہے صرف امام حسن و حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما اس حکم عام سے مستثنٰی ہیں۔	۳۶۱
عدت کے اندر نکاح مطلقاً ناجائز ہے۔	۳۵۸	جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔	۳۶۱
خلوت کے معنی یہ ہیں کہ مرد و عورت تنہا ایک مکان میں تھوڑی دیر کے لئے اکٹھے ہوں جہاں مباشرت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ مباشرت واقع نہ ہو۔	۳۵۹	سبطین کریمین کی اولاد سید ہے نہ کہ بنات فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں کی طرف نسبت کی جائے گی۔	۳۶۱
قبل از خلوت مرد نے طلاق دے دی تو عورت پر اصلاً عدت لازم نہ ہوئی۔	۳۵۹	جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرچکا تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔	۳۶۲
معتدہ کے نکاح میں جتنے لوگ اس سے واقف ہو کر شریک وساعی ہوئے سب حرام عظیم میں مبتلا ہوئے۔	۳۵۹	مرد پر اس کی مزنیہ اور ممسوسہ بہ شہوت کے اصول وفروع حرام ہیں۔	۳۶۲
معتدہ سے نکاح ہوا اولاد حرام نہیں بلکہ اگر شوہر ثانی کو عدت کا علم تھا تو اولاد شوہر اول کی اور اگر علم نہ تھا تو شوہر ثانی کی قرار پائے گی۔	۳۵۹	جس عورت کے فرج کے داخل کو مرد نے شہوت کے ساتھ دیکھا اس کے اصول وفروع اس مرد پر حرام ہوگئے۔	۳۶۲
ناکح ثانی کو معلوم نہ تھا کہ عورت معتدہ ہے تو جو بچہ پیدا ہو دوسرے ناکح کا ہوگا ورنہ پہلے کا۔	۳۵۹	دوسرے کی عورت سے زنا کرتا رہا اولاد ہوئی تو کس کی قرار دی جائے گی۔ مختلف صورتوں کا بیان۔	۳۶۲
عورت کو آوارہ کرکے گھر سے نکال دیا۔ نکاح میں فرق نہ آیا۔ اولاد اسی کی ہوگی۔	۳۶۰	طہر کے لئے زیادت کی جانب کوئی حد مقرر نہیں۔ لہذا ممکن ہے تین حیض تیس برس میں آئیں۔	۳۶۳
عورت کو بلاوجہ شرعی گھر سے نکالنے پر شوہر گنہگار ہوگا۔	۳۶۱	طلاق رجعی میں مرد کا عدت کے اندر مطلقہ سے وطی کرنا حرام نہیں۔ بلکہ رجعت ہو جاتی ہے۔	۳۶۳

وضع حمل کے بعد بقائے عدت کے کوئی معنی نہیں۔	۳۶۳	امام ضحاک مفسر ومحدث ہیں۔	۳۷۰
بے نکاح جدید مرد کے لئے عدت بائن میں قربت حرام ہے۔	۳۶۳	امام محدث عبدالعزیز ماجشونی چار برس حمل میں رہے۔	۳۷۰
کتاب بہشتی زیور کا دیکھنا حرام ہے۔اس میں بہت مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں۔	۳۶۶	بنی ماجشون کی عورتوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ بچہ ان کے پیٹ میں چار برس رہتا ہے۔	۳۷۰
مصنف بہشتی زیور کی علماء حرمین شریفین نے نام لے کر تکفیر کی ہے۔	۳۶۶	"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں" کنایہ ہے اس سے طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	۳۷۰
عورت نے عدت وفات چار مہینے دس یوم گزار کر نکاح کیا۔چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہوا،اسی شوہر کا قرار دیا جائے گا اگرچہ پہلے شوہر کی موت کے دس مہینہ دس دن بعد ہی پیدا ہوا ہو۔	۳۶۶	کنایہ کے وہ الفاظ جو سب وشتم کا احتمال رکھتے ہوں۔	۳۷۰
نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا حدیث میں آیا ہے۔	۳۶۷	بچہ سے انکار کیا اور عورت کو طلاق دے دی تو بچہ کا نسب اسی شخص سے ایسا ثابت ہوگیا کہ اس کے رد کی کوئی صورت نہیں۔	۳۷۴
ہندہ سے اس کے شوہر نے پونے تین سال سے قربت نہیں کی،بچہ پیدا ہوا،بچہ شوہر کا ہی ہے۔	۳۶۸	لعان کے لئے قیام زوجیت شرط ہے۔	۳۷۴
امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں ایک بچے کی ولادت کا واقعہ جس کے اگلے چاروں دانت ماں کے پیٹ میں ہی نکل چکے تھے۔	۳۶۸	بعد از وجوب بھی لعان طلاق بائن کے سبب ساقط ہوجاتا ہے۔	۳۷۴
فقہ میں عام عادت پر حکم دیا جاتا ہے۔عادت یہی ہے کہ دو سال سے زائد حمل شکم مادر میں نہیں رہتا۔نادراً اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔	۳۶۸	بعد از لعان حاکم اسلام بچے کا نسب باپ سے منقطع کرکے ماں کے ساتھ ملحق کردے گا۔	۳۷۴
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دو سال سے زائد بچہ شکم مادر میں رہنے کی روایت۔	۳۶۹	رضاعی ماموں سے عورت کا نکاح،نکاح خبیث ہے جو ہرگز قائم نہ رکھا جائے گا،مرد وزن پر فرض عظیم ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں،مرد نہ مانے تو عورت خود جدا ہوجائے۔	۳۷۵
امام ضحاک کی ولادت کا ذکر اور ان کے نام کی توجیہ۔	۳۷۰	رضاعی ماموں بھانجی نے نکاح کرلیا اور جدا نہیں ہوتے تو حاکم بالجبر انہیں جدا کردے۔	۳۷۵

زید نے رضاعی بھانجی سے نکاح کیا کچھ عرصہ بعد تفریق ہوگئی تو پورا مہر مثل لازم ہوگا نہ کہ مہر مسمّٰی۔	۳۷۵	زید نے علاتی بہن کی نواسی سے نکاح کیا، چھ برس بعد تفریق ہوئی تو عورت پر عدت ضرور لازم ہے۔	۳۷۸
لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے پھر باپ لے گا۔	۳۷۵	محارم سے نکاح کے بعد تفریق ہو تو مرد پر پورا مہر مثل واجب ہوگا مہر مسمّٰی کا لحاظ نہ ہوگا۔	۳۷۸
اپنے محارم سے نکاح کیا کوئی حد نہ قائم ہوگئی۔ اور مہر مثل واجب ہوگا اور بچہ پیدا ہوا تو نسب ناکح سے ثابت ہوگا۔	۳۷۵	نکاح فاسد میں بچہ کا نسب ناکح سے ثابت ہوتا ہے۔	۳۷۸
شوہر کے انتقال کے بعد بچہ پیدا ہوا۔ اس کا نسب کس سے ثابت ہوگا۔	۳۷۶	زید کے فوت ہونے کے ۷ ماہ بعد عورت نے شادی کی، بروقت نکاح ۵ ماہ کا حمل تھا، اگر موت شوہر اول سے دو سال بعد بچہ پیدا ہو تو نکاح صحیح اور نسب شوہر ثانی سے ثابت ہے ورنہ نکاح باطل اور لڑکا شوہر اول کا ہے۔	۳۷۹
بیوہ عورت کو وفات شوہر کے تین برس بعد اور نکاح ثانی کے پانچ ماہ بعد بچہ پیدا ہوا بچہ مجہول النسب ہے۔	۳۷۶	حمل کی کم سے کم مدت اور زائد سے زائد مدت کا بیان۔	۳۷۹
دوسرے کی عورت بھگالے جانے والا زانی ہے۔ مسلمان اس سے قطع تعلق کریں اور اس دوران جو بچے پیدا ہوئے ان کا نسب اصل شوہر سے ثابت ہے۔	۳۷۷	زید وہندہ نکاح کے بعد ایک ہی مکان میں رہتے تھے باہم مواصلت بظاہر نہیں ہوئی بچہ پیدا ہوا شرعاً بچہ زید کا ہے اگر زید نے طلاق دی پورا مہر واجب ہوگا۔	۳۸۰
ساس سے زنا کیا اس سے بچی پیدا ہوئی، اس لڑکی سے شادی حرام اور اس نکاح حرام سے جو بچہ پیدا ہوا ولد الحرام ہے۔	۳۷۷	زن مشرقی اور مرد مغربی میں کبھی ملاقات نہ ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو شریعت نے شوہر کا ہی قرار دیا۔	۳۸۱
علاتی بہن کی نواسی سے نکاح حرام قطعی، ناکح، نکاح خوان، وکیل اور گواہ سخت تر گناہ کبیرہ میں گرفتار ہیں	۳۷۸	بے ثبوت قطعی شرعی کسی کو زانی قرار دینا درست نہیں۔	۳۸۱
مرتکب کبیرہ کا جہل اس کے گناہ کبیرہ ہونے سے خارج نہیں کرے گا بلکہ خود دوسرا گناہ کبیرہ ہے۔	۳۷۸	باوجود فراش صحیح بچہ کو ولد الحرام قرار دینا ناجائز ہے۔	۳۸۱
عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا ہے۔	۳۷۸		

باب الحضانة (پرورش)	۳۸۳	تزوج عصبات کے حق حضانت کے مسقطات میں سے نہیں۔	۳۹۰
نابالغ بچوں کے باپ مرگئے اولیاء میں نانی، دادا، کا چچازاد بھائی اور ماموں ہے۔ حق پرورش نانی کو ہے۔ اور ماموں موجود ہوں تو اس کو۔	۳۸۳	حق حضانت میں ماموں نانا سے بھی پانچویں درجہ میں ہے۔	۳۹۰
حضانت کے وقت وعمر کا بیان۔	۳۸۳	باپ دادا نہ ہوں تو نابالغوں کی ولایت نکاح کا حق چچا کو ہے۔	۳۹۱
مذکورہ بالا لڑکوں کی ولایت نکاح کا حق دادا کے چچازاد بھائی کو اور مال کی ولایت کا حق باپ دادا کے وصی یا حاکم کو ہے۔	۳۸۵	ماں نے اجنبی سے نکاح کرلیا تو اس کو پرورش کا حق نہ رہا۔ بالغ بہن ہے تو وہ پرورش کرے۔	۳۹۱
بچہ کی ماں نے اجنبی سے نکاح کرلیا تو اس کا حق پرورش ختم ہوگیا۔	۳۸۵	نابالغ یتیموں کے پاس مال نہ ہو تو ان کا نفقہ ایسے وارثوں پر ہے جن کے پاس اپنے بال بچوں کے مصارف کے بعد پس انداز ہوتا ہو۔ ماں کے پاس اپنا مال نہ ہو تو اس پر نفقہ واجب نہیں۔	۳۹۲
دادی، نانی، بہن نہ ہو تو خالہ پرورش کرے۔ مستحقین حضانت کی تفصیل۔	۳۷۵	نفقہ وارثوں پر بقدر ارث لازم ہوتا ہے۔	۳۹۳
نابالغ کے مال کی ولایت باپ، دادا یا ان کے وصی یا حاکم کو حاصل ہے۔	۳۸۶	ماں مرگئی بچہ کا حق پرورش نانی کو ہے اور اس کے مال کی ولایت باپ کو حاصل ہے۔	۳۹۴
ماں نے کسی اجنبی سے شادی کرلی، نانی موجود نہیں۔ لڑکا دادی کے پاس رکھا جائے۔	۳۸۷	جہیز عورت کی ملک ہوتا اور بعد اس کی مرگ کے فرائض اللہ پر تقسیم پائے گا۔	۳۹۵
حضانت کی ایک صورت۔	۳۸۷	بچہ غنی ہو تو پرورش اس کے مال سے ہو ورنہ نفقہ والد پر ہے۔	۳۹۵
حضانت کا تفصیلی بیان اور مستحقین کی ترتیب۔	۳۸۸	عورت نے اجنبی سے شادی کرلی تو بچہ کی پرورش کا حق اس کو نہیں رہا بچہ کی حقیقی دادی اگر موجود ہے تو اس کو حق حاصل ہے۔	۳۹۶
حق حضانت میں نانا اکتالیسویں درجہ میں ہے۔	۳۹۰	عورت اپنے نابالغ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے تو اس کا حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے۔	۳۹۷
نکاح ثانی کے سبب باپ کے پاس مضرت جان اطفال کا اندیشہ گمان فاسد ہے۔	۳۹۰	متوفیہ نے بچہ چھوڑا، اہل حضانت میں صرف ماں کی پھوپھی موجود ہے تو بچہ اس کی پرورش میں دیں گے۔ اُجرت لینی چاہے تو باپ سے دلادیں گے۔	۳۹۸

نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کا نگران باپ کے چچازاد بھائی کے علاوہ نہیں تو ولایت نکاح بھی اسی کو حاصل ہے اور پرورش کے لئے کسی صالح دیندار عورت کو تلاش کیا جائے اور مال کی نگہداشت باپ داداکا وصی ہو تو وہ کرے ورنہ قاضی اس کے لئے بھی کسی دیندار مسلمان کا انتخاب کرے۔	۳۹۹	حضانت کی مستحق عورت نہ رہ جائے اور عصبات میں دادا ہو تو وہی مستحق پرورش ہے۔	۴۰۷
ایتام کی حضانت ولایت وحفاظت سے تعلق ایک مفصل فتوی۔	۴۰۱	نابالغوں کے نکاح کا اختیار عصبات میں چچا کو ہے اگر وہ موجود ہے۔	۴۰۸
شرائط حضانت کی جامع کوئی عورت نہ ہو تو بالترتیب عصبات پھر ذوی الارحام کو منتقل ہوگی وہ بھی نہ ہوں تو اہل شہر دیندار مسلمان بچوں کی نگہداشت اور ایسی عورت کو بچیوں کی نگہداشت کے لئے مقرر کریں۔	۴۰۲	ماں اجنبی سے شادی کرچکی تو نابالغ اپنی بیوہ بہن کے پاس وہ نہ رکھے تو خالہ، پھر پھوپھی کے پاس رکھے جائیں۔	۴۰۸
جس شہر میں کوئی عالم دیندار ہوں امور مسلمین میں اسی کی رائے معتبر ہوگی اور چند علماء ہوں تو اعلم علماء بلد کو حق ہے۔	۴۰۳	نابالغ لڑکی کو ماں کے پاس سے نو سال کی عمر تک جدا نہیں کیا جاسکتا جبکہ اس میں مسقطِ حضانت کوئی عیب نہ ہو۔	۴۱۰
اگر غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں آزادی کسی حد تک محدود کردے تب بھی جہاں تک آزادی ہے اس پر کارروائی لازم ہے۔	۴۰۳	عورت لڑکے کے نامحرم سے شادی کرے تو اس لڑکے کو ماں کی پرورش سے نکال لیا جائے گا لیکن ماں سے ملنے جلنے کو روکنا حرام ہے۔	۴۱۱
حضرت مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی کا ذکر خیر۔	۴۰۶	اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۔	۴۱۱
لڑکے کے حق حضانت سات سال تک ماں کو حاصل ہے جبکہ لڑکے کے اجنبی سے شادی نہ کرے۔	۴۰۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔	۴۱۱
لڑکا غنی ہو تو نفقہ اسی کے مال میں واجب ہے، اور غنی نہ ہو تو باپ کے ذمہ، اور وہ نہ ہو تو دادا کے ذمہ واجب ہے۔	۴۰۷	باپ کے انتقال کے بعد لڑکی کے نکاح اور مال کی نگہداشت کا حق دادا کو ہے اور نو برس تک پرورش کا حق ماں کو ہے۔	۴۱۲
اگر لڑکی کی کوئی عزیزہ اس کی مفت پرورش کرنا چاہتی ہو تو ماں سے کہا جائے گا تو ہی مفت پال یا اس دوسری کو دے دے۔	۴۰۷	لڑکی کسی کو ہبہ کردی شرعا اس کی نہ ہوئی نہ اس کے پاس رہ سکتی ہے نہ اس کے نکاح کی ولایت اس کو حاصل ہے، اس پر جو خرچ کیا تبرع ہوا۔	۴۱۲

باب النفقة	۴۱۵	جس اسقاط کی قسم نہیں کھائی جاسکتی اس کی تعلیق صحیح نہیں۔	۴۱۸
مطلقہ حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ورنہ تین حیضوں کا آکر ختم ہوجانا ہے۔	۴۱۵	عورت آٹھویں دن اپنے والدین کے یہاں بے اذن زوج بھی جاسکتی ہے۔	۴۱۹
مطلقہ کا نفقہ عدت کے بغیر شوہر پر واجب نہیں۔	۴۱۵	والدین کے علاوہ دیگر محارم کی زیارت کو عورت سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے چاہے شوہر اجازت دے یا نہ دے۔	۴۲۰
نفقہ عدت کے تابع ہے۔	۴۱۵	ظالم شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے عورت کو انتقال سکونت کے مطالبہ کا حق ہے۔	۴۲۰
شوہر کو عورت کے اپنے پاس رکھنے کا حق شرعاً حاصل ہے، اس حق کو خود شوہر بھی کسی اقرار نامہ کے ذریعہ باطل نہیں کرسکتا۔	۴۱۷	ایام عدت کا نفقہ شوہر نے ادانہ کیا اور عدت گزر گئی تو وہ ساقط ہوگیا۔	۴۲۱
شوہر کو حق حبس زوجہ، مہر معجّل کی ادائیگی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔	۴۱۷	زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ ہے اور دوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہ شدید جس کی تحریم پر قرآن وحدیث ناطق ہے۔	۴۲۲
ہر وطی معقود علیہ ہے۔	۴۱۷	عورت نے اپنے نفقہ کے لئے باہمی تراضی یا قضاء قاضی کے بغیر جو قرض لیا اس کی ذمہ دار وہ خود ہے اور تراضی یا تقریر قاضی کے بعد اگر اپنے مال سے بھی خرچ کرے تو اس کو شوہر سے وصول کرسکتی ہے۔	۴۲۲
تسلیم بعض موجب تسلیم باقی نہیں۔	۴۱۷	جہاں مہر میں تعجیل یا تاجیل کچھ مذکور نہ ہو تو وہاں حکم عرف رواج کے مطابق ہوگا۔	۴۲۴
مہر معجّل نہ ادا ہو تو عورت شوہر کو انتفاع اور رخصتی سے روک سکتی ہے اور اس صورت میں ناشزہ نہ ہوگی۔	۴۱۸	ہمارے بلاد میں عامہ مہوریوں بندھتے ہیں کہ ان میں تعجیل وتاجیل کچھ مشروط نہیں ہوتی تو بحکم عرف شائع وذائع یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں نہ قاضی کو اختیار کہ ایسی صورت میں پیش از افتراق ادائے مہر پر جبر کرے۔	۴۲۴
اسقاط کے لئے پہلے ثبوت درکار ہے جو شیئ ہنوز ثابت ہی نہیں ساقط کیا ہوگی۔	۴۱۸	عورت جب تک ناشزہ نہ ہو مستحق نفقہ ہے۔	۴۲۴

اگر نفقہ قضاء یارضاء سے مقرر ہولیا ہے تو جتنے دن بعد قرار داد بے نفقہ گزر گئے ہیں عورت ان کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے اور آئندہ کے لئے بھی جو میعاد تکرار نفقہ کے لئے قرار پائی ہے اس کے شروع کے بعد اسی قدر کا مطالبہ کرسکتی ہے مثلا نفقہ ماہ بماہ دینا قرار پایا ہے تو ہر مہینے کے شروع میں اس مہینے کا اور اگر سال بسال مقرر ہوا تو ہر سال کے آغاز پر اس سال کا نفقہ مانگ سکتی ہے۔	۴۲۵	عورت اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوہر پر لازم ہے جبکہ نابالغوں کے پاس ذاتی مال بقدر کفایت نہ ہو۔	۴۳۳
شوہر نفقہ مقرر کرنے پر راضی نہ ہو تو عورت قاضی کے وہاں دعوی کرکے نفقہ مقرر کراسکتی ہے۔	۴۲۶	شوہر نے عورت کو گھر سے نکال دیا۔ عورت جانے کو تیار مگر یہ بلاتا نہیں نفقہ واجب ہے۔	۴۳۳
نفقہ کے تقرر میں مرد وزن دونوں کی حیثیت کا لحاظ ہوگا۔	۴۲۶	تہمت کی وجہ سے اگرچہ وہ تہمت واقع میں صحیح ہی ہو عورت کا نکاح زائل نہیں ہوتا۔	۴۳۴
عورت شوہر کے پاس سے فرار ہوگئی تو ناشزہ ہے اتنی مدت کا نفقہ نہ پائے گی۔	۴۲۸	فاجرہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں۔	۴۳۴
جوان غیر اپاہج بیٹے کی عورت کا نفقہ باپ پر لازم نہیں۔	۴۲۸	جاہلوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اگر عورت معاذاللہ بد وصفی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے محض غلط ہے۔	۴۳۵
نابالغ بچہ کی پرورش کا خرچ اس کے باپ پر، اور پرورش کا حق سات سال کی عمر تک ماں کو ہے اگر آوارہ اور بدکار نہ ہو۔	۴۲۹	شوہر پر فرض ہے کہ بیوی کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرے یا طلاق دے دے۔	۴۳۵
عورت کو بلاوجہ شرعی نان ونفقہ نہ دینے والا شوہر ظالم وگنہگار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے۔	۴۳۰	بیوی کو معلق رکھنے والا شوہر گنہگار اور صریح حکم قرآن کا خلاف کرنے والا ہے۔	۴۳۵
عورت شوہر کے حکم سے کہیں گئی تو ناشزہ نہیں نفقہ پائے گی اور ناشزہ بھی جب شوہر کے پاس آجائے تو نفقہ پائے گی۔	۴۳۰	شوہر کی اجازت کے بغیر جانے سے نفقہ ساقط ہوجاتا ہے لیکن نکاح باقی رہتا ہے۔	۴۳۵
نفقہ اگر قضاء قاضی یاتراضی طرفین سے مقرر نہ ہو تو جو وقت گزر گیا اس کا نفقہ ساقط ہے۔	۴۳۱	نفقہ زوجہ جزاء احتباس ہے۔	۴۳۵
عورت اگر دعوی کرکے بحکم قاضی نفقہ کرالے اور شوہر نہ دے تو جبرًا بذریعہ نالش وصول کرسکتی ہے۔	۴۳۱	وعدہ پر جبر نہیں۔	۴۳۵
بالغ لڑکا جب کسب پر قادر ہو اس کا نفقہ باپ کے ذمہ نہیں۔	۴۳۲	شوہر کے بلانے پر بیوی شوہر کے گھر نہ آئی تو نفقہ ساقط ہوگیا۔	۴۳۵

گزشتہ نفقہ اور اخراجات دوا وعلاج یا تجہیز وتکفین کا مطالبہ شوہر سے نہیں کیا جاسکتا۔	۴۳۶	حوالہ نقل دین ہے۔	۴۳۹
جہیز اور مہر عورت کا ترکہ ہے۔	۴۳۷	جہاں دین معدوم ہو وہاں حوالہ متحقق نہیں ہوسکتا۔	۴۴۰
عورت شوہر اور والدین چھوڑ کر فوت ہوئی اس کا ترکہ چھ سہام ہو کر تین سہم شوہر دو سہم پدر اور ایک مادر کو ملے گا۔	۴۳۷	جہالت مال کی صورت میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا۔	۴۴۰
عورت کو رخصت کراکر اپنے پاس رکھنا شوہر کا شرعی حق ہے۔ نفقہ اسی کے بدلہ میں ہے، اپنے اس حق کو شوہر بھی ساقط نہیں کرسکتا۔	۴۳۷	عورت اگر بلااکراہ شرعی مہر معاف کردے تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔	۴۴۱
باپ کا اپنی بیٹی کو بلاوجہ شرعی شوہر کے گھر جانے سے روکنا ظلم ہے۔	۴۳۷	ابراء مہر بلا اقرار زن یا بینہ عادلہ قاضی کے پاس ثابت نہیں ہوسکتا۔	۴۴۲
عورت کا نفقہ جزاء احتباس ہے لہذا جب احتباس نہ ہوگا تو نفقہ بھی لازم نہ ہوگا۔	۴۳۷	خلوت میں عورت نے مہر معاف کیا پھر انکاری ہوکر خدا ناترسی کرتے ہوئے قاضی کے پاس شوہر پر دعوی کردیا تو قاضی ذمہ شوہر پر مہر کو ثابت قرار دے گا۔ معاملہ باطنی قاضی حقیقی عالم الغیب والشہادۃ کے سپرد ہے۔	۴۴۲
اللہ تعالٰی کی شرط احق ہے۔	۴۳۷	قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا۔	۴۴۲
کتاب اللہ کے خلاف شرط معتبر نہیں اگرچہ سو بار شرط کرے۔	۴۳۷	زنائے زناں موجب بطلان نکاح نہیں۔	۴۴۲
نان نفقہ کی ذمہ داری عورت کے باپ نے لی تو اس کے شوہر کے ذمہ سے نفقہ ساقط نہ ہوگا۔	۴۳۸	نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔	۴۴۲
اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد۔	۴۳۹	اگر عورت شوہر کے باپ یا بیٹے سے بدکاری کرے تو نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور متارکہ فی الفور فرض ہوجاتا ہے۔	۴۴۲
نفقہ زوجہ شوہر پر روزانہ شیأً فشیأً واجب ہوتا ہے۔	۴۳۹	حرمت مصاہرہ سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا حتی کہ متارکہ اور انقضاء عدت سے قبل اس عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ناجائز ہوگا۔	۴۴۲
اسقاط شیئ قبل از وجوب جائز نہیں۔	۴۳۹	حرمت مصاہرہ کے بعد شوہر اگر عورت سے وطی کرے تو اس کو زنا قرار دیا جائے گا یا نہیں۔	۴۴۳
کفالہ بشرط براءت اصیل حوالہ ہے۔	۴۳۹		

بدفعلی کرنے والی عورت اپنے جرم کے مطابق مستحق حد یا تعزیر ہوگی شوہر اگراس کے فعل پر راضی نہ ہو اور اس کے حقوق واجبہ میں کوتاہی نہ کرے تو اس پر کوئی وبال نہیں۔	۴۴۳	جس معصیت میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے۔	۴۴۸
پدر زن وجوب نفقہ سے پہلے اس کو اپنے ذمہ بطور حوالہ بھی نہیں لے سکتا، ہاں بطور کفالہ ہو تو صحیح ہے لیکن نفقہ ذمہ شوہر سے ساقط نہ ہوگا۔	۴۴۳	عدم ادائے نفقہ کی صورت میں قاضی جبر نہ کریگا وجہ فرق میں مصنف کی تحقیق۔	۴۴۹
عورت کے نفقہ سے متعلق ایک سوال	۴۴۴	نفقہ سے عجز احناف کے نزدیک سبب تفریق نہیں۔	۴۴۹
جوان اور نافرمان لڑکوں کا نفقہ باپ پر نہیں اور ناشزہ عورت کا نفقہ شوہر پر نہیں۔	۴۴۵	شافعی قاضی کا بسبب عجز نفقہ تفریق کا حکم احناف کے نزدیک بھی نافذ نہ ہوگا۔	۴۵۰
جو شخص منفعت غیر کے لئے محبوس ہو اس کا نفقہ اسی غیر پر ہے۔	۴۴۵	جوان بہنوں کا نفقہ بھائی پر اس وقت ہے جبکہ ان کا کوئی ذاتی مال نہ ہو اور بھائی ان کی اعانت پر قادر ہو۔	۴۵۲
معلقہ عورت حاکم عدالت سے فریاد کرکے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں۔	۴۴۵	مجبور کا نفقہ تنہا ایک آدمی پر اس وقت واجب ہے جبکہ یہ اکیلا ہی وارث ہو ورنہ تمام ورثاء پر حصہ میراث کے حساب سے۔	۴۵۲
عورتوں کے حقوق سے متعلق آیات قرآنیہ۔	۴۴۶	ضرورتمند باپ کی خدمت کرسکتا ہے اور نہیں کرتا ہے تو لڑکا عاق ہے۔	۴۵۴
عورت کا سکنٰی شوہر پر واجب ہے اس کو معلقہ کی طرح چھوڑ دینا حرام ہے اور گاہ گاہ اس سے صحبت کرنا بھی واجب ہے۔	۴۴۶	قدرت کے باوجود ضعیف ومحتاج باپ کی مدد نہ کرنے والا قابل امامت نہیں۔	۴۵۴
عورت کے اذن ورضا کے بغیر چار مہینے تک ترک جماع بلا عذر صحیح شرعی ناجائز ہے۔	۴۴۶	جن کے نفقے ذمہ میں ہوں ادا نہ کرنا سخت گناہ ہے۔	۴۵۴
نکاح کے بعد ایک دفعہ صحبت کرنا حق زن ہے۔ اگر شوہر حق ادا نہ کرے تو عورت قاضی کے یہاں دعوٰی تفریق کرسکتی ہے۔	۴۴۶	عورت کے نفقہ کا بوجھ دوسرا اٹھاتا ہو تب بھی مستثنیات کے علاوہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتی۔	۴۵۴
شوہر جماع نہ کرے۔ نہ طلاق دے تو قاضی شوہر کو ان دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے گا اگر نہ مانے قید کرے گا پھر نہ مانے تو مار کی سزا دے گا۔	۴۴۸	عورت والدین کی زیارت کو آٹھویں دن اور دیگر محارم کے یہاں سال بعد ایک دن بلا اذن شوہر بھی جاسکتی ہے بشرطیکہ رات شوہر کے پاس واپس آجائے۔	۴۵۴

عورت کے لئے شوہر کی طرف سے کہیں جانے کی ممانعت واجب العمل ہے۔	۴۵۵	نکاح محرمات میں ناکح پر مہر مثل اور مسمّٰی میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے۔	۴۵۸
بعد ادائے مہر معجّل عورت مطلقًا پابند شوہر ہے اس میں کوئی قید وتخصیص ادائے نفقہ تکفل حوائج کی نہیں۔	۴۵۵	موطوءہ بیوی کو طلاق دینے سے مہر تمام وکمال واجب ہوگا۔	۴۵۸
والد کا متکفل نفقہ پسر وزن پسر ہونا ہمارے بلاد میں معمول ہے۔	۴۵۵	نفقہ مقرر کرکے ادا نہ کیا پھر طلاق دے دی، عورت طلاق سے قبل والے نفقہ کی مستحق ہے۔	۴۵۸
شوہر سرکشی پر آمادہ ہو اور نفقہ نہ ادا کرے تب بھی عورت شوہر کے گھر ہی رہے۔	۴۵۵	جو مہر نہ معجّل بندھا ہو نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو عورت قبل موت یا طلاق اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔	۴۶۰
عورت پر واقعی اندیشہ فساد ہو تو شوہر قید خانے میں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کرسکتا ہے۔	۴۵۵	عورت ناراض ہوکر میکہ چلی گئی اس کا نفقہ شوہر پر نہیں۔	۴۶۰
"نفقہ پابندی کے بدلہ میں ہے" اس پر ایک شبہہ اور اس کا ازالہ۔	۴۵۶	ناشزہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں۔	۴۶۰
منکوحہ کی ماں سے زنا کا اقرار کرتے ہی نکاح فاسد ہوجاتا ہے اگرچہ کہے میں نے جھوٹا اقرار کیا۔	۴۵۷	ناشزہ عورت کا نفقہ نہ اصل شوہر پر ہے نہ کفیل پر۔	۴۶۰
محرمات سے نکاح کی صورت میں متارکہ لازم ہے۔	۴۵۷	عورت نشوز چھوڑ دے تو اب کفیل سے مطالبہ کرسکتی ہے جبکہ کفالت موقت نہ ہو۔	۴۶۰
بصورت متارکہ عورت پر روز متارکہ سے عدت لازم ہے۔	۴۵۷	زید نے زبیدہ کے اولیاء کو نوٹس دیا کہ اب اس کے ولی بنو تو بنو بعد میں بننا چاہوگے تو زبیدہ کے اخراجات تم سے وصول کئے جائینگے اس نوٹس کا شرعًا کوئی اعتبار نہیں۔	۴۶۱
تفریق اگر شوہر کی جانب سے ہو تو نفقہ عدت عورت کے لئے شوہر پر مطلقًا لازم ہے۔	۴۵۷	عورت کا نفقہ شوہر پر اس وقت ہے کہ وہ شوہر کے پاس رہے، بلاوجہ میکہ رہے تو کوئی نفقہ نہیں۔	۴۶۱
معصیت نفقہ عدت نہ پائے گی البتہ سکنٰی پائے گی۔	۴۵۸		

اولاد محتاج ہو تو باپ پر نفقہ ہے اور غنی ہو تو نہیں، اولاد کے باپ کے پاس رہنے نہ رہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔	۴۶۱	اللہ ورسول سے زنا کی اجازت مانگنی کفر ہے۔	۴۷۴
جو نفقہ تراضی یا قضائے قاضی سے مقرر نہ ہو وقت گزر جانے کے بعد ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ حکم عورت کے نفقہ کا ہے۔ اولاد کا نفقہ انقضاءِ وقت کے بعد مطلقًا ساقط ہو جاتا ہے۔ ہاں حاکم نے قرض لے کر بچہ پر صرف کرنے کا حکم دیا ہو تو اس کا مطالبہ باپ پر ہے۔	۴۶۲	جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اور طلاق بھی نہ دی ہو اس عورت کا دوسرا نکاح حرام حرام حرام زنا زنا زنا ہے۔	۴۷۴
پہلی عورت مخبوط الحواس ہو تو دوسری شادی کی اجازت ہے، لیکن دونوں میں عدل ضروری ہے۔	۴۶۳	جو اللہ تعالٰی کے لئے صبر کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کی مشکل کھول دیتا ہے۔	۴۷۴
ایک عورت مالدار اور ایک غریب ہو تو شوہر مالدار ہو تو مالدار عورت کو مالداروں کا اور غریب کو متوسط، اور غریب مالدار عورت کو متوسط اور غریب کو غریبوں کا نفقہ ملے گا۔	۴۶۴	رزق اللہ پر ہے شوہر رازق نہیں۔	۴۷۴
تقرر نفقہ سے متعلق تمام امور ملحوظ کی تفصیل اور اس کا حکم۔	۴۶۵	غلبہ خواہش پر قابو پانے کے لئے روزے رکھے جائیں۔	۴۷۴
قرضہ کی وجہ سے نفقہ میں تنگی کا حکم نہیں دے سکتے۔	۴۶۷	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اسی کے لئے راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔	۴۷۴
نفقہ میں میاں بیوی دونوں کے حال کا لحاظ کیا جائے گا۔	۴۶۸	جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔	۴۷۵
نفقہ زن میں تنگی ومالداری کی کوئی خاص حد علماء نے مقرر نہ کی عرف پر اس کا مدار رکھا البتہ نفقہ اقارب میں ایسا مقرر بہ نصاب ہے۔	۴۶۹	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کر دے گا۔	۴۷۵
نفقہ اقارب میں منفق کی دو قسمیں ہیں: قادر وعاجز، اور نفقہ زن میں تین قسمیں ہیں: غنی، فقیر، متوسط۔	۴۷۱	اللہ سچا ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں، شیطان جھوٹا ہے اور اس کے ڈراوے جھوٹے ہیں۔	۴۷۵
غنی، فقیر، متوسط کی اغذیہ کا بیان۔	۴۷۱	طلاق کے بعد مہر ونفقہ عدت کے علاوہ عورت کا کوئی حق نہیں،	۴۷۵
شرع مطہر اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم ہے۔	۴۷۴		

بعد طلاق زندگی بھر کے نفقہ کا اقرار نامہ وعدہ ہے جس کو پورا کرنا چاہئے لیکن یہ واجب نہیں۔	۴۷۵	غیر محارم کے یہاں عورت شوہر کی اجازت سے بھی نہیں کی جاسکتی۔ شوہر اگر اجازت دے گا تو گنہگار ہوگا۔	۴۷۸
جس عورت نے مرتدہ ہونے کا ارادہ کیا وہ اسی وقت مرتدہ ہوگئی۔	۴۷۶	عورت شوہر کے مکان میں ہے تو نفقہ پائے وہ جماع کرے یا نہ کرے۔	۴۷۹
شوہر کی زندگی میں بلاطلاق عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔	۴۷۶	زید آوارہ بدچلن ہے، علاوہ ازیں بیوی کے نان ونفقہ کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا تو بیوی کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	۴۸۰
قاضی حنفی اپنے مسلک کے خلاف حکم نہیں کرسکتا اگر کرے تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۷۶	شوہر نان ونفقہ سے عاجز ہو تو کیا قاضی کو زوجین میں تفریق کا حق ہے۔	۴۸۰
مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بضع کا عوض ہے۔	۴۷۷	شوہر نفقہ نہ ادا کرے تو قاضی اس کو مجبور کریگا یا نفقہ دے یا طلاق دے۔	۴۸۰
عورت کے فاتر العقل ہونے سے مہر ساقط نہ ہوگا اور جب تک وہ شوہر کے گھر آنے سے انکار نہ کرے نفقہ دلایا جائے گا۔	۴۷۷	طلاق شوہر کی زبان پر ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی، طلاق ہوگئی نہ دی تھی تو اب ہوگئی۔	۴۸۱
نفقہ میں مرد وزن دونوں کے حال کا لحاظ رکھا جائے گا۔	۴۷۷	رہنے کو مکان دینا مالک کردینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے۔	۴۸۱
مادر زن کا شوہر سے نصف آمدنی مانگنا ظلم ہے جبکہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو۔	۴۷۷	وعدہ کی بناء پر دعوی نہیں ہوسکتا۔	۴۸۱
گزرے ہوئے نفقہ کا ادا کرنا کسی پر ضروری نہیں۔	۴۷۸	وفاء وعدہ پر جبر نہیں۔	۴۸۱
نفقہ مقرر ہوگیا، لڑکی میکہ آئی، شوہر نے اپنے گھر بلایا نہیں۔ اور یہ اس انتظار میں رہی کہ بلائے تو جاؤں، تو ان ایام میکہ کا نفقہ بھی شوہر کے ذمہ ہے۔	۴۷۸	عورت کا نفقہ مقررہ کب ساقط ہوجاتا ہے۔	۴۸۱
عورت آٹھویں دن دِن بھر کے لئے اپنے والدین کی ملاقات کے لئے بے اذن شوہر بھی جاسکتی ہے۔ اور محارم کے یہاں سال بھر کے بعد، اور باجازت مزید ایام بھی، ناشزہ قرار نہ دی جائے گی۔	۴۷۸	عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو سخت گنہگار ہے۔	۴۸۳

عورت کا شوہر سے طلاق مانگنا خلع نہیں ہے۔	۴۸۳	مقامات مقدسہ کی تصویر چھانٹ کر گندگی میں ڈالنا اگر وہابی عقائد کی بنیاد پر ہو کہ یہ سب بدعت ہے تو جہل وگمراہی ہے اور ان مقامات کی تحقیر مقصود ہو تو کفر ہے۔	۴۸۶
عورت کی نافرمانی کی وجہ سے شوہر نے کام کے لئے نوکر رکھے اس کا تاوان عورت پر نہیں ہے۔	۴۸۳	دیوتاؤں کی تصویریں تزیین کے لئے لگائے تو گناہ کبیرہ اور تعظیم معبودان کفار مقصود ہو تو کفر ہے۔	۴۸۷
ناشزہ جتنے دن شوہر کے پاس نہ رہے نفقہ نہ پاسکے گی۔	۴۸۳	عورت کو نماز وروزہ سے روکنا اور شراب پینے پر مجبور کرنا یونہی ہو تو گناہ کبیرہ شدیدہ اور فرضیت صلوٰۃ یا حرمت خمر کے انکار کے طور پر ہو تو کفر ہے۔	۴۸۷
ناگواری کے ساتھ کسی کے خاموش رہنے کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا۔	۴۸۳	استخفاف شرع کفر ہے۔	۴۸۷
عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے اعزہ کی شادی وغیرہ میں جو خرچ کیا وہ شوہر وصول کرسکتا ہے۔	۴۸۳	مسجد خیر الاماکن ہے۔	۴۸۷
عورت جب تک شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے یہاں یا کسی دوسری جگہ رہے نفقہ کی مستحق نہیں۔	۴۸۴	مسجد کی طرف بلائے جانے کے جواب میں کہتا ہے کہ میں شراب خانے شراب پینے جارہا ہوں تو کیا حکم ہے۔	۴۸۷
جب تک طلاق یا موت واقع نہ ہو غیر میعادی مہر واجب الادا نہیں ہوتا۔	۴۸۴	اسلام کا احتمال بعید ہوتے ہوئے بھی کسی پر کفر کا حکم نہیں لگانا چاہئے۔	۴۸۸
فاتر العقل عورت کا نفقہ ساقط نہیں۔ دو شادیاں کیں جن میں ایک فاتر العقل ہے، عدل ومساوات ضروری ہے۔	۴۸۴	شوہر کے کسی قول یا فعل سے جب تک کفر ثابت نہ ہو جائے عورت کے نکاح سے نکلنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔	۴۸۸
عورت سے زنا متحقق ہونے کے باوجود مرد پر واجب نہیں اسے طلاق دے۔	۴۸۵	اس شخص کا حکم جو یہ کہے کہ نہ میں مسجد میں آتا ہوں نہ اس کی تعمیر میں کوئی درہم دیتا ہوں میرا مسجد میں کیا کام ہے۔	۴۸۸
زانیہ جب تک شوہر کے پاس ہے نفقہ سکنٰی واجب ہے البتہ بعد عدت کا نفقہ خود اس عورت پر یا اس کے وارثوں پر ہے شوہر پر نہیں۔	۴۸۵	شوہر موجود ہو نفقہ پر قادر ہو اور نفقہ نہ دے تو تفریق کا حکم نہ حنفیّہ کے نزدیک نہ شافعیہ کے۔	۴۸۸
شراب پینا گناہ کبیرہ اور اس کو حلال جاننا کفر ہے۔	۴۸۶		

جن مسائل کا تصفیہ حنفی مسلک پر نہ ہوسکے ان کی کاربرآری کی شرعی صورت۔	۴۸۹	قسم کھائی فلاں شخص سے کلام نہ کروں گا۔ نماز میں اس کو لقمہ دینے سے حانث نہ ہوگا۔	۴۹۶
عدم ادائے نفقہ کاایک گول مول سوال اور اس کا جواب۔	۴۹۲	صدہا مسائل ایسے ہیں جن کا ماخذ عرف پر احکام ایمان کی بنا ہے۔	۴۹۷
قرآن عظیم نے شوہر دار عورت کو حرام قطعی فرمایا ہے۔	۴۹۳	زید نے عمرو سے قسمیہ کہا یہ کام کر، اور اس نے نہ کیا۔ تو بہ سبب انکار اس کام کے عمرو پر قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں۔	۴۹۷
عورتوں کو ہوائے نفس کا اتباع کرنا اور اسے کسی امام کے سر رکھنا کوئی دین نہیں۔	۴۹۳	کسی کے قسم دلانے سے قسم واجب نہیں ہوتی۔ نہ اس کام کو کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ ہاں اگر حرج نہ ہو تو مان لینا مستحب ہے۔	۴۹۸
ایک عورت کا شوہر پوری طرح بیوی کا حق ادا نہیں کرسکتا اور بوجہ جہالت طلاق بھی نہیں دیتا تو وہ عورت کیا کرے۔	۴۹۳	قرآن مجید کی قسم شرعی ہے۔	۴۹۸
کتاب الایمان	۴۹۵	قسم اگر امر مستقبل پر ہے جس کا کرنا اس کے قبضہ اقتدار میں ہے تو اس کے جھوٹا کرنے میں گناہ ہے اور کفارہ اس گناہ کا رافع۔	۴۹۸
زید نے قسم کھائی کہ بکر سے کلام کروں تو میری بیوی کو طلاق، مرنے کے بعد قبر پر سلام کیا۔ طلاق واقع نہ ہوگی۔	۴۹۵	یمین منعقدہ اور اس کے کفارہ کی تفصیل۔	۴۹۸
یمین کی بناء عرف پر ہے۔ اس لئے اگر قسم کھائی کہ گوشت نہ کھائے گا، تو مچھلی کے کھانے سے حانث نہ ہوگا۔ یونہی قسم کھائی کلام نہ کروں گا تو قرآن شریف پڑھنے سے حانث نہ ہوگا۔	۴۹۶	کسی معصیت پر قسم کھائی مثلا شراب پیئے گا یا نماز نہ پڑھے گا تو اس کا جھوٹا کرنا پھر کفارہ دینا واجب ہے۔	۴۹۸
قسم کھائی کہ زید سے کلام نہ کروں گا اور زید نماز جماعت میں اس کے برابر کھڑا تھا سلام پھیرتے وقت اس کی طرف منہ کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو حانث نہ ہوگا۔	۴۹۶	والدین سے کلام نہ کرنے کی قسم کھائی تو قسم توڑنا اور اس کا کفارہ دینا واجب ہے۔	۴۹۹
نمازی کو سلام پھیرتے وقت نیت حاضرین کا قطعاً حکم ہے۔	۴۹۶	کسی کو قتل کرنے کی قسم کھائی تو حنث و تکفیر واجب ہے۔	۴۹۹

کفارہ میں دیا جانے والا کپڑا ایسا ہونا چاہئے جو تین ماہ سے زیادہ چل سکے اور تمام بدن ڈھک لے۔	۴۹۹	حلف کی ایک عبارت کی توضیح۔	۵۰۵
قصداً جھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔	۴۹۹	جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطاء کے عوض لے لیا جائے۔ منسوخ ہے۔	۵۰۵
قسموں کو ڈھال بنانے والوں کی قرآن عظیم میں مذمت آئی ہے۔	۴۹۹	منسوخ پر عمل جائز نہیں	۵۰۵
کفارہ اس لئے مقرر ہوا کہ اگر احیاناً حنث واقع ہو تو یہ اس کا مصلح ہوسکے نہ کہ یہ کفارہ پر تکیہ کرکے جھوٹی قسم کھائے۔	۴۹۹	ناجائز بات پر عمل کرنا جس حلف سے لازم آتا ہو اس کا توڑنا واجب ہے۔	۵۰۵
قسم کھائی ظہر جماعت سے پڑھے گا۔ دو رکعت ملی حانث ہوگیا کہ تین رکعت تک پانے والا جماعت والا نہیں۔ ہاں جماعت کا ثواب تو نفس شرکت بلکہ بارادہ جماعت گھر سے نکلنے میں ملے گا۔	۵۰۰	انجمن والوں نے باہم حلف اٹھایا جو نماز نہ پڑھے اس پر اتنا جرمانہ، جو جرمانہ نہ دے اس کو انجمن سے نکال دیا جائے گا۔ یہ تعزیر شرعی نہیں نہ اس میں حرج ہے۔	۵۰۶
ترک سکونت کی مطلق قسم کھائی تو فوراً اس پر عمل ضروری ہے۔ عذر صحیح کے بغیر ترک سکونت میں کچھ بھی ڈھیل دی فوراً حانث ہوگا۔	۵۰۰	جملہ مستقلہ بغیر حرف عطف کے ماقبل سے متعلق نہیں ہوتا۔	۵۰۶
قسم کھائی کہ بریلی میں نہ رہے گا۔ تیاری وتہیہ میں مشغول تھا کہ کسی نے قید کرلیا اور نکلنے نہ دیا۔ تو جب تک یہ مجبوری رہے گی حانث نہ ہوگا اگرچہ عمر گزر جائے۔	۵۰۰	فصل اجنبی عمل حلف کو باطل کردیتا ہے۔	۵۰۶
بریلی میں نہ رہنے کی قسم کھائی مگر بریلی کے سوا کہیں اس کے رہنے کا ٹھکانا نہیں۔ نہ اپنے ذاتی مال یا حرفت یا تجارت کے ذریعے دوسری جگہ بسر ممکن ہے تو مجبور سمجھا جائے گا جب تک ایسی حالت باقی رہے گی۔	۵۰۱	کسی نے کہا "واللہ والرسول لافعلن کذا" یہ جملہ یمین نہ ہوگا۔	۵۰۶
قسم دلانے سے واجب نہیں ہوتی نہ اس کام کا کرنا ضروری ہوتا ہے۔	۵۰۳	اگر کسی نے کہا "واللہ لاشربن لاقومن" تو حلف کے تحت فقط شرب داخل ہوگا نہ کہ قیام ہاں اگر یوں کہا "واللہ لاشربنّ ولاقومن" تو اس صورت میں شرب وقیام دونوں حلف کے تحت داخل ہوں گے۔	۵۰۶
"اگر اس باغ میں رہوں تو اپنی ماں بیٹی سے زنا کروں" یہ الفاظ قسم کے نہیں۔	۵۰۴		

بلاوجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے، ہاں خلاف میں خیر ہو تو قسم توڑ کر کفارہ دے۔	۵۰۷	٥رسالہ **الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین** (ایک نوع کی قسم کے بارے میں اجتہادی جزئیہ اور اس پر تفصیلی بحث)	۵۱۱
ایک امیر شخص نے اپنے ملازم کو خدمت کے صلہ میں زمین دی پھر کسی بات پر خفا ہو کر حالت غصہ میں قسم کھائی کہ میں تیری زمین ضبط کروں گا، اب اگر حلف شکنی کرے تو کفارہ لازم آئے گا یا نہیں۔	۵۰۷	زید نے اپنے بیٹے سے ناراض ہو کر بیوی کو کہا اگر تو نے میرے اس بیٹے کو گھر میں چھوڑا تو مجھ پر تین طلاق ہے بعد ازاں زید کے راضی ہونے پر بیٹا گھر میں رہنے لگا۔ زید کی بیوی نے اسے نہ تو ہاں کہا اور نہ ہی نہ کہا، تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہو گئی یا نہیں۔	۵۱۱
کفارہ قسم کا بیان۔	۵۰۷	گھر میں چھوڑنے کا معنٰی ترک و تخلیہ ہے جو دو وجہ سے منتفی ہو سکتا ہے یا منع بالفعل یا نہی بالقول۔	۵۱۲
"والدین کی کمائی لوں تو خدا کا دیدار اور محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شفاعت نصیب ہو" یہ جملہ قسم نہیں میراث وغیرہ وصول کر سکتا ہے۔	۵۰۸	ایک شخص نے اپنا گھر سال کے لئے کرایہ پر دیا، پھر اس نے کرایہ دار کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے اپنے گھر میں نہ چھوڑوں گا۔ پھر کرایہ دار کو کہا کہ تو میرے گھر سے نکل جا تو اس کی قسم پوری ہو گئی اور وہ حانث نہ ہوا۔	۵۱۳
قسم کھائی "حج کو نہ جاؤں تو کافر ہو جاؤں" وہ صاحب نصاب تھا، بمبئی سے لوٹ آیا۔ اس کا کیا حکم ہے۔ یہ قسم نہ ہوئی۔ چندہ ہبہ تھا اس کا لوٹانا ضروری نہیں اور بمبئی سے کسی معذوری سے لوٹ آیا تو معذور ہے۔	۵۰۸	کسی نے قسم کھائی کہ فلاں کو میں اپنے اس مملوکہ گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا پھر اس کو زبانی طور پر گزرنے سے روکا تو قسم ہو گئی اور طلاق واقع نہ ہوئی۔	۵۱۳
دھوکہ دے کر حج کا جھوٹا ارادہ ظاہر کیا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لیا تو سخت مجرم ہے۔	۵۰۹	کسی شخص نے اپنے بیٹے کو کہا اگر میں تجھے فلاں کے ساتھ کام کرنے کے لئے چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، تو اس صورت میں اگر بیٹا بالغ وخود مختار ہے تو صرف زبانی منع کرنے سے قسم پوری ہو جائے گی اور طلاق واقع نہ ہو گی اور اگر بیٹا نابالغ ہے تو زبان و عمل دونوں سے روکنا ضروری ہے ورنہ طلاق واقع ہو جائے گی۔	۵۱۳
کسی مسلمان پر بدگمانی جائز نہیں۔	۵۰۹		

ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلاں شخص کو اپنے گھر داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، پھر وہ شخص اس کی لاعلمی میں گھر میں داخل ہوگیا تو حالف حانث نہ ہوگا اور اگر علم ہونے کے باوجود اس کو منع نہ کیا تو حانث ہوجائے گا۔	۵۱۴	نفی پر نفی اثبات ہوتی ہے۔	۵۱۸
کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کو یہ کام کرتے ہوئے یا جاتے یا داخل ہوتے نہ چھوڑوں گا، تو قسم پورا کرنے کے لئے صرف زبان سے کہہ دینا کافی ہے کہ یہ کام مت کر یا مت جا یا مت داخل ہو، چاہے وہ مانے یا نہ مانے۔	۵۱۴	امر ثانی۔	۵۱۸
ایک شخص نے طلاق کی قسم کھائی کہ وہ اپنی بالغ بہن کو گھر میں اپنے دیوروں کے ساتھ رہتا ہوا نہیں چھوڑے گا اگر وہ گھر حالف کا نہ ہوا اور وہ زبانی طور پر بہن کو منع کردے تو حانث نہ ہوگا۔	۵۱۴	امر ثالث۔	۵۱۸
کسی شخص نے قسم کھائی میں اپنے گھر میں رہنے والے فلاں شخص کو آج نکال باہر کروں گا حالانکہ وہ فلاں ظالم وغالب ہے جس کو نکالنا اس کے لئے مشکل ہے تو فقط زبانی طور پر اسے نکلنے کا کہہ دینے سے حانث نہ ہوگا۔	۵۱۴	امر رابع۔	۵۱۹
قسم کھائی کہ اگر فلاں شخص کو اس گھر میں داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، اگر یہ گھر حالف کی ملکیت ہے تو زبان وعمل دونوں سے روکنا لازم ہے ورنہ حانث ہوجائے گا۔	۵۱۵	چند شبہات کا ازالہ۔	۵۱۹
مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف سے بطور تحقیق وتنقیح چند امور پر تنبیہ۔	۵۱۵	شبہ اولٰی۔	۵۲۰
امر اول۔	۵۱۵	شبہ ثانی۔	۵۲۰
مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے ائمہ کی مختلف عبارات میں تطبیق،	۵۱۵	فعل اختیار کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔	۵۲۱
اپنے ذاتی گھر میں کلی اختیار کا حاصل ہونا اغلب ہے۔	۵۱۷	عدمی چیز اختیار کے بغیر بھی متحقق ہوجاتی ہے۔	۵۲۱
فقہی احکام کا مدار غالب امور پر ہوتا ہے۔	۵۱۷	شبہ ثالث۔	۵۲۱
فتنہ قتل سے برا ہے۔	۵۱۷	حاضر میں وصف کا ذکر لغو ہوتا ہے۔	۵۲۲
نہ چھوڑنے کے لئے کم از کم زبان سے روکنا ضروری ہے۔	۵۱۷	قسم کھائی کہ اس بچے کے ساتھ کلام نہ کریگا پھر اس کے جوان ہونے کے بعد اس سے بات کی تو حانث ہوگا۔	۵۲۲
قسم میں کلما کا لفظ ہمیشگی کے لئے ہوتا ہے۔	۵۱۸	قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتی۔	۵۲۲

تخصیص حال کی ایک صورت۔	۵۲۲	سلطان نے قیدی کو قسم دی کہ میری اجازت کے بغیر میرے ملک سے تو باہر نہ جائے گا یہ قسم اس کی حکومت کی بقاء کے ساتھ مقید ہوگی سلطان کے معزول ہونے کے بعد اس کی اجازت کے بغیر ملک سے باہر جانے پر قیدی کی قسم نہ ٹوٹے گی۔	۵۲۷
دیانت میں صفت داعیہ وغیر داعیہ دونوں یکساں ہیں اس لئے نیت تخصیص ضروری ہے۔	۵۲۳	آقا نے غلام، بادشاہ نے رعایا یا خاوند نے بیوی کو قسم دی یا خود قسم کھائی کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے تو یہ قسم بقاء ملک بقاء مُلک اور بقاء زوجیت کے ساتھ مقید ہوگی۔	۵۲۸
وصف کو ذکر کئے بغیر نیت تو دیانتا بھی معتبر نہیں چہ جائیکہ قضاءً۔	۵۲۳	ایک شخص نے بیوی کو کہا، اگر تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق، پھر بیوی کو نکاح سے خارج کرکے اس کی اجازت کے بغیر دوسری سے نکاح کرے تب بھی دوسری کو طلاق ہوجائے گی۔	۵۲۸
کسی شخص نے کہا اگر میں باہر جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو دیانتا اس کی تصدیق کی جائے گی اور کسی خاص مکان مثلا بغداد کی طرف خروج کی نیت کرے تو صحیح نہیں۔	۵۲۳	کسی نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلی تو تجھے تین طلاقیں، پھر خاوند نے بیوی کو ایک طلاق بائن دے دی، اب خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکل گئی تو حانث نہ ہوگا۔	۵۲۹
چوتھا شبہ۔	۵۲۳	خاوند جب بیوی کو طلاق بائن دے دے تو ولایت منع زائل ہوجاتی ہے۔	۵۲۹
ایک شخص نے قسم کھائی اگر زید سے بات کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ اب چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے اور بیوی کو طلاق مغلظہ نہ ہو تو بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے عدت گزر جانے کے بعد بات کرسکتا ہے اور بعد ازاں بلاحلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔	۵۲۵	اہل حرب نے قیدی کو قسم دی کہ تو ہمارے حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گا پھر حاکم معزول ہو کر دوبارہ بحال ہوا اب وہ قیدی اس کی اجازت کے بغیر باہر چلا جائے تو حانث نہ ہوگا۔	۵۳۰
سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے قسم کھانے کا واقعہ۔	۵۲۶	مالک نے غلام کو کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلا تو آزاد ہے، پھر اس کو فروخت کرکے دوبارہ خرید لیا اب وہ غلام اس کی اجازت کے بغیر نکلا تو آزاد ہوگا۔	۵۳۰
قسم کا سبب اور داعی ختم ہوجانے کے باوجود قسم باقی رہتی ہے اس کے زوال سے قسم باطل نہیں ہوتی۔	۵۲۶		

خاوند نے قسم کھائی کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی تو یہ قسم بقاء زوجیت کے ساتھ مقید نہ ہوگی کیونکہ اس میں اجازت کا ذکر نہیں۔	۵۳۰	کسی شخص کے لئے آسمان پر چڑھنا یا پتھر کو سونے سے بدلنا عقلا ممکن ہے لیکن عادۃ محال ہے۔	۵۳۴
کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں اس کو طلاق ہوگی۔اس کے بعد بیوی کو طلاق بائنہ یا مغلظہ دے دی پھر کسی عورت سے اس مطلقہ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق ہوجائے گی۔	۵۳۱	پانچواں شبہہ۔	۵۳۵
قسم کھائی کہ اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہوجائے، پھر وہ فلاں فوت ہوگیا تو قسم ختم ہوجائے گی۔	۵۳۱	تطفل علی الشامی۔	۵۳۵
جب قسم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو طرفین کے نزدیک اس شرط کا متصور ہونا ضروری ہے۔	۵۳۱	قسم گواہوں کا خلیفہ بنتی ہے تو جب اصل ہوجائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی۔	۵۳۹
مرنے کے بعد جو حیات ملتی ہے وہ دنیوی حیات کا غیر ہے۔	۵۳۲	اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔	۵۳۹
حیات کا ایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہا واپس لانا ممکن نہیں۔	۵۳۲	کوئی شخص قسم کھائے کہ میں اس کوزے کے پانی کو ضرور پیوں گا، پھر وہ پانی گرادیا گیا تو وہ حانث ہوجائے گا۔	۵۴۱
روح اور حیات ایک دوسرے کے مغایر ہیں۔	۵۳۲	حاکم شہر نے کسی کو قسم دی کہ تو شہر میں داخل ہونے والے ہر فسادی کی اطلاع مجھے دے گا۔ پھر وہ حاکم معزول ہوگیا تو اس کی دی ہوئی قسم بھی ختم ہوجائے گی۔	۵۴۱
قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔	۵۳۲	ردالمحتار کی ایک عبارت کی توضیح و تشریح۔	۵۴۳
اجازت صرف عاقل سے متصور ہوتی ہے۔	۵۳۲	قرضخواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے منہ نہ چھپائے گا اس کا کیا مطلب ہے۔	۵۴۵
تین حضرات نے ایک شخص کو قسم دی کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر بخارا سے باہر نہ جائے گا، پھر ان میں سے ایک مجنون ہوگیا اور باقی دو کی اجازت سے وہ باہر گیا تو حانث ہوجائے گا لیکن اگر ان میں سے ایک فوت ہوجائے اور باقی دو کی اجازت سے وہ باہر چلا جائے تو حانث نہ ہوگا۔	۵۳۳	مقصود کا منتفی ہونا اور اس کا قصد نہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔	۵۴۷
		مقصود کا باقی نہ رہنا اور اسے مقصود نہ بنانا دو مختلف چیزیں ہیں اور ان میں بڑا فرق ہے۔	۵۴۸

متعدد احادیث سے اس بات کا ثبوت غصہ میں کھائی پر غصہ کے زوال کے بعد بھی حنث لازم آتا ہے۔	۵۴۸	ماتریدیہ کے نزدیک مطیع کو سزا دینا محال عقلی ہے۔	۵۵۴
حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا کہ جب تو قسم کھائے پھر اس کے خلاف کو بہتر دیکھے تو قسم توڑ کر اس کا کفارہ دے دے۔	۵۴۸	معتزلہ کے نزدیک توبہ کو قبول کرنا اللہ تعالٰی پر واجب ہے۔	۵۵۴
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بخدا تم میں کسی کا اپنی قسم کی وجہ سے اپنے اہل کو ضرور ایذا پہنچانا عنداللہ زیادہ گناہ ہے اس سے کہ اس کے بدلے وہ کفارہ دے دے جو اللہ تعالٰی نے فرض فرمایا ہے۔	۵۴۹	توبہ کو قبول کرنا محض اللہ تعالٰی کا فضل ہے۔	۵۵۴
قسم اختیاری فعل ہے۔	۵۵۰	ایک شخص نے قسم کھاتے ہوئے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر میں دنیا کی ہر بدی اور قباحت کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔ایسا شخص قسم سے بری ہونے کے لئے کیا کرے۔	۵۵۴
کوئی اختیاری فعل قصد وارادہ کے بغیر ممکن نہیں۔	۵۵۰	طلاق مبغوض اور گناہ مغضوب ہے۔	۵۵۶
مقصود کے انتفاء سے علی الاطلاق اور علی العموم قسم کا باطل ہونا غلط ہے۔	۵۵۰	صلح وآشتی محبوب اور شرعا مطلوب ہے۔	۵۵۶
اگر کوئی شخص غیر مقید طور پر قسم کھائے کہ میں فلاں کو ماروں گا یا حاکم کے سامنے پیش کروں گا یا فلاں چیز کھلاؤں گا یا جوڑا پہناؤں گا، تو یہ قسمیں عرفا زندگی بھر کے لئے ہیں اگر یہ کام نہ کئے اور فلاں مرگیا تو حانث ہوگا اور قسم کا کفارہ دینا لازم ہوگا اور اگر یہ قسمیں طلاق یا عتاق سے متعلق تھیں تو طلاق یا عتاق واقع ہوجائے گا۔	۵۵۰	صلح قسم کو ختم نہیں کرتی۔	۵۵۷
چھٹا شبہہ۔	۵۵۱	زید نے قسم کھائی کہ وہ عمرو کو مارے گا تو عمرو کے بے گناہ ثابت ہونے سے قسم ختم نہ ہوگی بلکہ زید پر لازم ہوگا کہ وہ قسم توڑے اور کفارہ دے۔	۵۵۷
علامہ سائحانی پر تطفل۔	۵۵۱	زید نے قسم کھائی کہ وہ عمرو کو مارے گا تو عمرو کے بے گناہ ثابت ہونے سے قسم ختم نہ ہوگی بلکہ زید پر لازم ہوگا کہ وہ قسم توڑے اور کفارہ دے۔	۵۵۷
اثبات مدعٰی نئے انداز سے۔	۵۵۳	ساتواں شبہہ۔	۵۵۷
جب تک جرم باقی ہو استحقاق انتقام باقی رہتا ہے۔	۵۵۳	ساتویں شبہہ کا جواب اول۔	۵۵۷
اہلسنت کے نزدیک توبہ کو قبول کرنا واجب اصلی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔	۵۵۴	زید اپنی بیوی کو عمرو کے گھر جانے سے روکے بیوی باز نہ آئے اور زید قسم کھائے کہ اگر تو عمرو کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق،اب جب بھی بیوی عمرو کے گھر داخل ہوگی طلاق ہوجائیگی چاہے زید عمرو سے راضی ہوجائے یا ناراض رہے۔	۵۵۷

طلاق مغلظہ کو کسی شرط پر معلق کیا تو مغلظہ سے بچنے کا حیلہ۔	۵۵۸	حلالہ میں صرف نکاح پر اکتفانہ کرنے اور مجامعت کو شرعا لازم قرار دینے کی حکمت۔	۵۶۲
جواب ثانی۔	۵۵۸	تیسری مثال۔	۵۶۳
جواب ثالث۔	۵۵۸	بسا اوقات عورتیں فرقت کے بعد بھی اپنے سابق خاوند کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں۔	۵۶۳
جواب رابع۔	۵۵۹	شوہر نے قسم کھاتے ہوئے بیوی کو کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہیں جائے گی، تو قسم حالت نکاح سے مقید ہوگی۔	۵۶۳
شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا۔	۵۵۹	چوتھی مثال۔	۵۶۳
بیوی نے خاوند سے کہا کہ تو نے مجھ پر کوئی دوسری بیوی بنا رکھی ہے تو خاوند نے جواب میں کہا کہ جو بھی عورت میری بیوی ہے اس کو طلاق ہے، تو اس بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔	۵۵۹	امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن وانس کے مفتی ہیں۔	۵۶۴
الفاظ قسم میں عموم واطلاق ہو تو عموم ہی یقینی ہے نیت تخصیص قضاء معتبر نہ ہوگی۔	۵۶۰	کسی شخص نے اپنی بیوی کو اجنبی شخص سے بے تکلف گفتگو کرتے دیکھ کر کہا اب اگر تو نے کسی بیگانے شخص سے بات کی تو تجھے طلاق ہے۔ یہ قسم عام ہوگی اور ہر غیر محرم کو شامل ہوگی چاہے وہ اس گھر کے ملازم یا خاوند وبیوی کے رشتہ دار ہوں۔	۵۶۴
دلالت حال عموم میں تخصیص نہیں کرسکتی۔	۵۶۰	آٹھواں شبہہ۔	۵۶۴
اسی بات کی چند مثالیں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالت حال معتبر نہیں۔	۵۶۱	قسم میں کسی خاص وصف غیر مذکور کی نیت معتبر نہیں۔	۵۶۵
پہلی مثال۔	۵۶۱	ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی شخص اس کے بارے میں یہ قسم کھائے کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا، پھر کہے کہ میری نیت یہ تھی کہ بوقت قیام اس سے بات نہ کروں گا، تو یہ نیت معتبر نہ ہوگی۔	۵۶۵
دوسری مثال۔	۵۶۱	صفت قیام ترک کلام کی داعی نہیں۔	۵۶۵
ایک شخص کا قصہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر شخص کو پائے تو قتل کردے؟	۵۶۲	حاضر میں وصف لغو ہے۔	۵۶۵
بیک وقت تین طلاقیں دینا کیوں گناہ قرار دیا گیا۔	۵۶۲	اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ عورت نہیں کرے گا اور نیت کرے ہاشمی، عربی یا ترکی یا کوئی خاص نسب والی کی تو یہ نیت دیانۃ معتبر ہوگی قضاء نہیں۔	۵۶۵

قسم کھائی کہ فلاں کے گھر نہ رہوں گا اور کہتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ فلاں کے گھر کرایہ پر نہیں رہوں گا، تو نیت صحیح نہیں۔ لہٰذا اس کے گھر بلا کرایہ بھی رہائش پذیر ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی۔	۵۶۶	خاوند نے تھیلی میں کچھ رقم رکھی اور بیوی کو کہا کہ اگر تو نے صبح تک اس میں سے کچھ باقی رکھا تو تجھے طلاق ہے۔ اب اگر بیوی نے اس میں سے کچھ بھی خرچ نہ کیا یا کچھ خرچ کیا اور کچھ باقی رکھا تو طلاق ہو جائے گی۔	۵۶۸
اگر قسم کھائی کہ فلاں کے اس گھر میں نہیں رہوں گا جو اس نے خریدا ہے اور کہتا ہے کہ میری مراد یہ تھی کہ جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہے تو یہ نیت مان لی جائے گی۔	۵۶۶	جو ابقاء بشر کی صفت ہے وہ عدم فعل ہے نہ کہ فعل۔	۵۶۸
نواں شبہہ۔	۵۶۶	زید نے کوئی چیز بیع فاسد کے ساتھ عمرو پر فروخت کی جس پر قاضی کو غصہ آیا اور کہا اگر میں یہ بیع فاسد باقی رکھوں تو یہ ہو جائے سورج غروب ہوگیا اور قاضی نے بیع فسخ نہ کی تو حانث ہوگا۔	۵۶۸
ابقاء جو کہ حی وقیوم کا فعل ہے محققین کے نزدیک وجودی ہے۔	۵۶۷	اسی شبہہ کا ازالہ کہ کبھی انسانی ابقاء فعل سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسے زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھنا، تو یہ زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے حالانکہ باندھنا فعل ہے۔	۵۶۸
امام الحرمین، امام رازی اور قاضی ابوبکر باقلانی کے مذہب پر بقاء عین وجود ہے نہ کہ وجود پر کوئی امر زائد، لہٰذا ابقاء بمعنی ایجاد ہوگا۔	۵۶۷	کسی کو باندھنا خود ابقاء نہیں بلکہ مستلزم ابقاء ہے۔	۵۶۸
ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر بقاء جواہر سمیت ہر چیز کے امثال کے تجدد کا نام ہے لہٰذا اس مذہب پر ابقاء ہر لمحہ امثال کے ایجاد کا نام ہے۔	۵۶۷	دسواں شبہہ۔	۵۶۹
خالق وباری کی طرح صفت قیوم کا اطلاق بھی غیر اللہ پر جائز نہیں بلکہ اس پر علماء نے تکفیر کی ہے۔	۵۶۷	نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں۔	۵۷۰
ایسی چیز کی نسبت اللہ تعالٰی کی طرف کرنا جو اس کے شایان شان نہ ہو یا جہالت، نقص اور عجز کی نسبت اس کی طرف کرنا یا صفات مختصہ باللہ کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا کفر ہے۔	۵۶۷	وجودی چیز عدمی چیز کی قسم نہیں بن سکتی۔	۵۷۰
جو ابقاء بشر کی طرف سے ہو وہ ترک ازالہ کا نام ہے (نہ کہ ایجاد کا)۔	۵۶۸	کوئی شیئ مقارنات کے ساتھ متنوع ومنقسم نہیں ہوتی۔	۵۷۰
		ضروری نوٹ۔	۵۷۱

دیوبندی حضرات دیو جہالت کے ایسے اسیر ہیں کہ سوال سمجھے بغیر اپنا اجتہادی جواب دے دیتے ہیں۔	۵۷۱	قسم کھائی کہ فلاں کا کھانا نہ کھاؤں گا پھر اس کے کھانے کا تصور کیا، حانث نہ ہوا۔	۵۷۶
حضرت مولانا غلام گیلانی شمس آبادی جن کے استفتاء پر رسالہ الجوہر الثمین معرض تحریر میں آیا کا مکتوب گرامی بنام مصنف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما۔	۵۷۲	حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا عجیب فیصلہ۔	۵۷۶
جس سوال پر اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے رسالہ الجوہر الثمین کی صورت میں مفصل ومدلل جواب تحریر فرمایا اسی سوال پر مفتی دیوبند کا نامکمل اور بلاحوالہ جواب ناصواب۔	۵۷۳	اصول الشاشی اور فصول کی ایک عبارت کی تشریح۔	۵۷۷
مفتی دیوبند کے جواب پر اعلحضرت علیہ الرحمۃ کا تبصرہ۔	۵۷۳	فعل متعدی بغیر مفعول بہ کے متحقق نہیں ہوتا۔	۵۷۷
دیوبند مفتی کی جہالت کہ رکھنے اور چھوڑنے میں فرق نہ سمجھ سکا۔	۵۷۳	چند شخصوں نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے، اس کا کاغذ بھی لکھا گیا بعد ازاں کاغذ پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگے۔ ان کا کیا حکم ہے۔	۵۷۷
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے۔	۵۷۴	بیٹی پر روپیہ لینا اور قرضدار کے یہاں کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو ناجائز ہے۔	۵۷۸
سچی بات ہو تو قسم بھی کھاسکتے ہیں اور قرآن بھی اٹھاسکتے ہیں۔	۵۷۴	قسم کھائی جو ایسا کرے کلمہ اور نماز سے پھرے، پھر قسم توڑ دی تو جو اس سے واقعۃً کلمہ اور نماز سے پھرنا سمجھتا تھا کافر ہوگیا ورنہ گنہگار ہوا اور اس پر کفارہ واجب ہے۔	۵۷۸
کلام اللہ تعالٰی کی صفت ہے اس لئے اس کی قسم شرعی ہے۔	۵۷۴	قسم کھائی کہ عورتوں کو غلط رسوم والی شادی میں نہ جانے دیں گے پھر ایسی شادی میں جانے دیا جہاں غلط رسمیں ہوئیں تو دوہرا گناہ ہوا، ایک گناہ قسم توڑنے کا دوسرا گناہ کی جگہ بھیجنے کا۔	۵۷۸
صفات الٰہیہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات۔	۵۷۴	قسم کھا کر وعدہ خلافی کرنے والوں کو نہ حکم بنایا جائے اور نہ ہی ان کی گواہی سنی جائے۔	۵۷۹
مصحف شریف ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہی تو قسم شرعی نہ ہوگی۔	۵۷۵	عہد پر قائم رہنے والوں پر طعنہ کرنے والوں کے اسلام میں فرق آنے کا خطرہ ہے۔	۵۷۹
کوئی شخص کہے کہ میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ لازم آئے گا۔	۵۷۵		

ایک شخص نے کسی سے غصہ میں آکر کہا کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے۔ یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی مجھ پر حرام ہے، توشرعا یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کھائے پئے گا اس کے مٹکے کا پانی پئے گا تو قسم کا کفارہ دینا آئے گا۔	۵۷۹	حرمین شریفین کے مصارف کے لئے یا وہاں کے علماء وفقراء کے لئے نذر مانی توانسب یہی ہے کہ وہیں خرچ کرے، دوسری جگہ بھی اسی مصرف میں خرچ کرسکتا ہے۔	۵۸۳
کوئی شخص کہے اگر میں تم سے بولوں یا تمھارے مکان جاؤں یا یہ چیزیں کھاؤں تو میرے حق میں حرام ہے، تو استحسانا یہ صورت حلف کی ہے۔	۵۷۹	نذر شرعی کی ادا واجب ہے۔	۵۸۳
یمین تحریم حلال ہی ہے۔	۵۷۹	تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے۔	۵۸۳
باب النذر	۵۸۱	مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کو بھوت خانہ کالی گھر کی مثل کہنا گستاخی وتوہین وکلمہ کفر ہے۔	۵۸۳
"اللہ کو نذر کریں گے" کہنے سے نذر شرعی نہ ہوئی، یونہی نتھی کو دیں گے صرف وعدہ ہے یہ ہبہ بھی نہ ہوگا۔	۵۸۱	نذر پوری کرنے سے جو شخص روکے وہ مناع للخیر ہے۔	۵۸۳
جو وعدہ کیا اس سے پھر نا ہر گز نہیں چاہئے، قرآن شریف میں اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔	۵۸۱	اگر بدرگاہ خداوند کریم سوال کیا جائے کہ مجھ کو فرزند عطا ہو یا بیماری دفع ہو یا قرض ادا ہو تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم علیہ الصلوۃ والسلام یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کردوں گا۔ تو بلا شبہہ یہ نذر جائز ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔	۵۸۳
ایک چیز کو نذر کرنے کو کہا اور ہبہ کرنے کو بھی، طریقہ یہ ہے کہ کسی فقیر کو وہ چیزیں دے دے پھر اس سے خرید کر جس کو ہبہ کرنے کے لئے کہا ہے اس کو دے دے۔	۵۸۱	چہل تن چالیس شہداء ہیں۔	۵۸۴
اللہ کے نام نذر کرنے سے قربانی ضروری نہیں۔ اس کے لئے قربانی کا نام لینا ضروری ہے۔	۵۸۱	نذر ماننے کے بعد ناذر فوت ہوجائے تو اس کے ترکہ سے نذر ادا کی جائے گی۔	۵۸۴
اپنے کاروبار میں غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین حصہ مثلا سولھواں حصہ برائے ایصال ثواب مقرر کیا تو اس رقم کو ہر دینی کام میں صرف کرسکتے ہیں۔	۵۸۲	چہل تنوں کی منت کی شرعی صورت اور فاضل لہو ولعب کارد بلیغ۔	۵۸۴
مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اور اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔	۵۸۲	میلاد مبارک اور گیارھویں احباب کو کھانا کھلانے، مساجد میں شرینی لے جانے یا نمازیوں کو کھلانے کی نذر فقہی نہیں لہٰذا امیر غریب سب کھاسکتے ہیں۔	۵۸۴

خاص معین جانور کی نذر شرعی مانی تو اس کا بدلنا جائز نہیں۔	۵۸۵	جب تک زبان سے الفاظ نذر نہ کہے صرف نیت سے کچھ لازم نہیں آتا۔	۵۹۱
مزار پختہ بنوانے کی نذر شرعی نہیں، نہ اس کا پورا کرنا شرعا واجب ہے۔	۵۸۶	نذر غیر شرعی و نذر شرعی کی تنقیح تام۔	۵۹۱
بزرگوں کی منت حقیقۃً اللہ عزوجل کے لئے ہوتی ہے اس لئے اس میں حرج نہیں۔	۵۸۶	مسلمان پر بدگمانی جائز نہیں۔	۵۹۱
پانچ روپیہ کا غلہ دینے کی منت مانی تو فقیر کو اتنے کا کپڑا دے سکتا ہے سلائی کا پیسہ نذر میں محسوب نہ ہوگا۔	۵۸۶	پہلے مہینے کی تنخواہ کی منت مانی تو عرفا پورے ایک مہینہ کی تنخواہ مراد ہوگی۔	۵۹۱
نذر پورا کرنے کا ثبوت آیات قرآنی سے۔	۵۸۷	ہر عاقد، حالف، ناذر اور واقف کے کلام کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا جو متعارف ہے۔	۵۹۱
نذر والے کی نیت اگر یہ ہو کہ منت ماننے سے مقدر بدل جائے گا اور تقدیر کا نوشتہ پلٹ جائے گا تو یہ اعتقاد فاسد ہے اور ایسی نذر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔	۵۸۷	نذر کے روپے اپنے اصول، فروع، زوج، زوجہ اور سید کو نہیں دے سکتے۔	۵۹۴
سر کی منت مانی تو اس کی قیمت کا گوشت بھی دے سکتے ہیں۔	۵۸۹	ایک ماہ کی تنخواہ دینے کی منت مانی اور روپے غریب عزیز کو دے دئے تو عوض دُونا ثواب ہوگا۔	۵۹۴
منت مانی کہ میرا یہ کام ہوجائے تو جانور نذر کروں گا، اگر الفاظ ایسے ہوں جن سے وجوب شرعی ثابت ہو تو جانور متعین ہوگیا۔	۵۸۹	ایک شخص نے کہا کہ مجھے جو نفع ہوگا اس میں سے سولھواں حصہ واسطے اللہ کے نکالوں گا اب اس کو لاگت سے زائد ایک روپیہ نفع ہوا لیکن متفرق خرچ یعنی تنخواہ ملازمین وغیرہ میں دو آنے صرف ہوگئے باقی چودہ آئے رہے، اب وہ روپے کا سولھواں حصہ نکالے یا چودہ آنے کا۔	۵۹۴
منذور بعینہا ہلاک ہوجائے تو نذر ساقط ہے۔	۵۸۹	صرف دل میں ارادہ کرلینے سے منت نہیں ہوتی اس کے لئے زبان سے کہنا ہوگا۔	۵۹۴
طاق بھرنے کی منت سے اگر طاق بھرنا ہی مقصود ہو تو یہ نیت لغو ہے۔	۵۹۰	اپنی تجارت میں سولھواں حصہ اللہ تبارک وتعالٰی کے لئے نذر کیا اس کے مصارف کیا ہوں گے۔	۵۹۵
میلاد شریف کی منت ماننا کیسا ہے۔	۵۹۰	بے الفاظ نذر زبان سے کہا کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صرف کیا کروں گا، اس سے محفل میلاد، گیارھویں شریف، افطاری رمضان اور اپنے والدین وسادات وعلماء کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے۔	۵۹۵
مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلٰی مستحبات سے ہے۔	۵۹۰		

طاعت پر اجارہ باطل ہے۔	۵۹۵	منت شرعی کا گوشت نہ تو خود کھاسکتا ہے نہ اپنی اصل اور فرع کو کھلاسکتا ہے اور نہ ہی کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے۔	۵۹۷
متاخرین نے امامت، اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔	۵۹۵	جو مصرف زکوۃ ہے وہی مصرف نذر ہے۔	۵۹۷
الفاظ نذر کے بغیر آمدنی کا کچھ حصہ منافعہ تجارت کا اللہ تعالٰی کا مقرر کیا اور نیت خاص مساکین کو خدا کے نام پر دینے کی تھی تو اس رقم سے میلاد شریف، گیارھویں شریف اور افطاری رمضان وغیرہ کراسکتا ہے مگر اب صرف محتاجوں کو کھلائے، سادات وعلماء اور والدین کو بھی بحالت حاجتمندی دے سکتا ہے کیونکہ یہ صدقہ واجبہ نہیں۔	۵۹۵	غیر خدا کے لئے نذر فقہی کی ممانعت ہے۔	۵۹۸
اہل وعیال اور اولاد کو جو کچھ کھلادیا جاتا ہے احادیث میں اس پر صدقہ کا اطلاق آیا ہے۔	۵۹۶	اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں۔	۵۹۸
اگر خاص الفاظ نذر زبان سے ادا کئے تو اب والدین، سادات اور اغنیاء کو نہیں دے سکتا، دیگر محتاجوں کو دے سکتا ہے اگرچہ اس کی پھوپھی، خالہ، چچا، ماموں اور بہن بھائی ہوں۔	۵۹۶	شاہ رفیع الدین صاحب برادر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی عبارت سے تائید۔	۵۹۹
اگر مجلس گیارھویں شریف یا میلاد شریف منعقد کرکے مال نذر فقیر کی ملک کردیا تو درست ہے۔	۵۹۶	علامہ سید عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ کی عبارت سے استدلال۔	۵۹۹
ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی ولی کو ایصال ثواب کے لئے اجتماع نذر وصدقہ کے منافی نہیں۔	۵۹۶	اولیاء گزشتہ کے لئے منت مجازًا ان کے خادمانِ قبور پر تصدق سے عبارت ہے۔	۵۹۹
مال زکوۃ اور خاص نذر کا حکم ایک ہی ہے۔	۵۹۶	فقیر کو زکوۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی۔	۵۹۹
مال زکوۃ اور مال نذر محتاج طالبعلموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنادے خواہ اناج یا کھانا انھیں دے کر مالک کردے، ہاں گھر میں بٹھا کر کھلانے سے زکوۃ ونذر ادا نہ ہوگی۔	۵۹۶	اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔	۵۹۹
مؤذن کی تنخواہ میں نذر یا زکوۃ محسوب نہیں ہوسکتی ہاں اگر بلا تنخواہ اذان دیتا ہے اور محتاج ہے تو دے سکتے ہیں۔	۵۹۶	امام اجل ابوالحسن نور الملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر شطنوفی بے نظیر امام ہیں۔	۵۹۹

شمس الدین ذہبی فن رجال کے امام ہیں۔	۵۹۹	اولیاء کرام کامادہ کے پیٹ کے حال کو جاننا۔	۶۰۲
نذور اولیاء کرام سے متعلق کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار کے حوالہ سے گیارہ روایات۔	۵۹۹	اولیاء کے علوم غیبیہ۔	۶۰۳
پہلی روایت۔	۵۹۹	نویں روایت۔	۶۰۳
سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کھڑاؤں کا کمال۔	۶۰۰	اولیاء اللہ جانوروں کی گفتگو سمجھتے ہیں۔	۶۰۳
سرکار غوث اعظم کی یاد سے نجات ملتی ہے۔	۶۰۰	ایک دہقانی کا انوکھا واقعہ۔	۶۰۳
دوسری روایت۔	۶۰۰	دسویں روایت۔	۶۰۴
حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نذریں قبول فرماتے اور خود بھی تناول فرماتے تھے۔	۶۰۰	اولیاء اللہ شیروں پر حکومت کرتے ہیں۔	۶۰۴
تیسری روایت۔	۶۰۱	اولیاء اللہ کے تصرفات وعلوم غیبیہ۔	۶۰۴
غوث اعظم کی فیاضی اور غریب نوازی کا ایک واقعہ۔	۶۰۱	ولیوں کے قدموں پر گرنا اور قدمبوسی کرنا۔	۶۰۴
چوتھی روایت۔	۶۰۱	اللہ تعالٰی اولیاء سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھتا۔	۶۰۵
شیخ بقاء بن بطور رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل۔	۶۰۱	دلی خطرہ پر ولی کی نظر۔	۶۰۵
پانچویں روایت۔	۶۰۱	گیارھویں روایت۔	۶۰۵
شیخ منصور بطائحی علیہ الرحمۃ کی عظمت۔	۶۰۱	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم فرمانا کہ حاجت برآری کے لئے سیدہ طاہر نفیسہ کی نذر مانو۔	۶۰۵
چھٹی روایت۔	۶۰۲	شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت سے استشہاد۔	۶۰۵
شیخ علی بن ھیتی علیہ الرحمۃ کا مقام۔	۶۰۲	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی عبارت سے استدلال۔	۶۰۷
ساتویں روایت۔	۶۰۲	شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی عبارتوں کے چودہ عظیم وہابیت کش فوائد۔	۶۰۷
ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ علیہ اکابر اولیاء عراق سے ہیں۔	۶۰۲	مجموعہ خطب مؤلفہ مولوی عبدالہ کے وہ اشعار جو استفتاء میں مذکور ہیں موافق اہلسنت نہیں ہے۔	۶۰۸
آٹھویں روایت۔	۶۰۲	استفتاء میں مذکور برکات الامداد کی عبارت متعلق بہ استمداد ہے۔	۶۰۸

باب الکفارۃ	۶۰۹	کافر کی گواہی قبول نہیں۔	۶۱۴
شرع مطہر میں کفارہ اس گناہ پر آتا ہے جو شناعت میں حد سے نہ گزرا ہو، شناعت و قباحت میں حد سے گزرے ہوئے گناہ کے لئے کفارہ موجب معافی نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے توبہ صادقہ لازم ہے۔	۶۰۹	مدعی کا قول مسموع نہیں۔	۶۱۴
اگر اپنی بیوی کو اپنی بہن یا ماں سے تشبیہ دی تو کفارہ لازم ہوگا لیکن اگر (معاذاللہ) اپنی بہن یا ماں کو اپنی بیوی بنالیا تو کوئی کفارہ نہیں۔ بغیر توبہ صادقہ یہ جرم ہرگز معاف نہیں ہوسکتا۔	۶۱۰	بغیر دیکھے کسی مسلمان پر تہمت لگانا کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا سخت حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے۔ ایسی تہمت لگانے والا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔	۶۱۴
قرآن شریف اٹھا کر عہد کرنا اور پھر توڑ دینا قرآن شریف کی توہین ہے جس پر بہت جلد توبہ صادقہ کرے ورنہ عذاب عظیم والیم اور نار جحیم کا منتظر رہے۔	۶۱۰	آبرو اتارنا زنا کے لئے خاص نہیں مار پیٹ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔	۶۱۴
قسم توڑنے کا کفارہ غلام آزاد کرنا، دس مسکین کو کھانا دینا یا کپڑا پہنانا ہے اور اس پر قادر نہ ہو تو تین دن پے در پے روزے رکھنا ہے۔	۶۱۰	زنا کی جھوٹی تہمت لگانے والے پر اسی کوڑے کی سزا ہے اور وہ مردود الشہادت ہے۔	۶۱۴
شرابی کی اخروی سزا کا بیان۔	۶۱۱	جہاں اسلامی قانون نہ ہونے کی وجہ سے حد قذف نہ لگائی جاسکے وہاں مسلمان تہمت لگانے والے سے اعلانیہ توبہ کرائیں نہ کرے تو اس سے مقاطعہ کریں۔	۶۱۵
کفارہ یمین منعقد پر ہے یمین غموس کا کفارہ نہیں۔	۶۱۱	ظالم کے پاس بیٹھنے سے قرآن مجید نے منع فرمایا۔	۶۱۵
کتاب الحدود والتعزیر	۶۱۳	اثبات زنا کے لئے کیسے گواہ درکار ہیں۔	۶۱۵
زنا کا ثبوت چار عینی شاہدوں پر ہوتا ہے ورنہ الزام لگانے والے پر اسی کوڑے حد قذف کے لگیں گے۔	۶۱۴	زنا کی شہادت کے الفاظ کا بیان۔	۶۱۵
عورت نے کسی مرد پر زنا کی تہمت لگائی اس پر حد قذف لازم آئی مگر وہاں اسلامی قانون نافذ نہیں اور حد قائم نہیں ہوسکتی۔ تو اب حکم شرعی یہ ہے کہ مسلمان اس سے اعلانیہ توبہ کرائیں۔	۶۱۴	کسی پر بہتان باندھنا، ناجائز طور پر آبرو لینا، دغا وفریب کسی کے ساتھ ہو، گناہ ہے، شریعت میں اس پر حد مقرر نہیں۔ حاکم شرع اپنی صوابدید سے تعزیر کرسکتا ہے اور تعزیر میں ۳۹ کوڑے سے زیادہ مارنا منع ہے بشرطیکہ بہتان زنا کا نہ ہو ورنہ حد قذف لازم ہے۔	۶۱۵

زنا کا ثبوت بازاری باتوں سے نہیں ہوتا۔	۶۱۸	زانی کے نکاح پر زنا سے کوئی اثر نہیں پڑتا مگر یہ کہ اس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے اپنی زوجہ کی ماں یا بیٹی سے زنا کرے۔	۶۱۸
ثبوت زنا کے لئے کافی شہادت شرعیہ یا کافی اقرار زانی وزانیہ لازم ہے۔	۶۱۸	توبہ کے بعد زانی وزانیہ سے میل جول میں حرج نہیں۔	۶۱۹
عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہو جائے تب بھی نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔	۶۱۸	دیوبندی عقیدہ والے مرتدین ہیں ان سے میل جول منع ہے۔	۶۱۹
عورت اگر شوہر کے باپ یا بیٹے سے زنا کرائے تو حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور نکاح فاسد ہو جائے گا۔	۶۱۸	عورت کے زنا پر شوہر راضی نہ ہو تو اس پر کچھ الزام نہیں۔	۶۱۹
زانیہ کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں۔	۶۱۸	جو لوگ زنا میں ساعی ہوں یا بعد زنا بلاوجہ توبہ زانی وزانیہ کے حامی ہوئے وہ بھی مستحق سزائے شرع ہیں۔	۶۱۹
طلاق جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح قلم سے جبکہ بلا مجبوری شرعی لکھا ہو۔	۶۱۸	کسی عورت کے ساتھ کسی نے زنا کیا شوہر نے از راہ چشم پوشی سزا نہ دلوائی، یہ فعل محمود ہے۔	۶۲۰
الکتاب کالخطاب۔	۶۱۸	مرد زنا کا اقرار کرتا ہے اور عورت انکار کرتی ہے اپنے اپنے بارے میں دونوں کا قول صحیح مانا جائیگا۔	۶۲۰
طلاق نامہ میں طلاق رجعی ہو مگر شوہر طلاق بائن کا اقرار کرے تو بائن ہو گئی۔	۶۱۸	عورت منکر زنا ہے اور مرد اس سے زنا کا مقر، تو جو شخص فقط اقرار مرد کی بناء پر عورت پر تہمت زنا لگائے گا سخت گنہگار اور اسی ۸۰ کوڑوں کا سزاوار ہوگا۔	۶۲۱
زانیہ کو طلاق دی تو عورت کو عدت اسی مکان میں گزارنا لازم ہے اور شوہر پر مہر اور نفقہ عدت لازم ہے۔	۶۱۸	مرد مقر زنا کو زانی قرار دے کر حد جاری کی جائیگی اگر اسلامی سلطنت نہ ہو تو مسلمان اس کو برادری سے خارج کریں اور اس سے میل جول چھوڑ دیں جب تک وہ اعلانیہ توبہ نہ کرے۔	۶۲۱
سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز ہے۔	۶۱۸	بیہودہ بے معنی اور بے اصل گواہوں سے زنا قیامت تک ثابت نہیں ہو سکتا۔	۶۲۲
منزل من اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے والے ظالم ہیں۔	۶۱۸		

شہادت سے زنا کے ثبوت کے لئے شرائط کا بیان۔	۶۲۳	گناہ تین قسم کے ہیں: ہلکے جو حد کی حد تک نہ ہوں، حد سے بڑھے ہوئے، کہ حد بھی اس کا کفارہ نہ ہوسکے، اور متوسط، کہ حد سے پاک ہوجائیں۔	۶۲۵
اگر شہادت زنا کی شرائط پوری نہ ہوں تو خود گواہی دینے والوں پر حد قذف جاری ہوگی۔	۶۲۳	شراب نوشی پر حد ہے، پیشاب نوشی پر کیوں نہیں۔	۶۲۵
ایک گواہ نے زنا کی عینی شہادت دی کہ کالمیل فی المکحلۃ دیکھا۔ دوسرے نے ننگے لیٹے ہوئے ہونے کی، نہ زنا ثابت ہوگا نہ حد جاری ہوگی۔	۶۲۳	اجنبیہ سے زنا پر حد ہے محارم سے نکاح پر کیوں نہیں۔	۶۲۵
زنا کی شہادت میں وقت کا اختلاف ہوا شہادت مردود ہوگی۔	۶۲۳	ہندہ کے چچازاد بھائی نے اس کا بازو پشت کی طرف سے پکڑ کر پھیرا، ہندہ اس پر بدنیتی کا الزام لگاتی ہے حالانکہ خود بدچلن ہے، اس صورت میں چچازاد بھائی پر الزام نہیں۔ اگر موٹا کپڑا درمیان میں حائل تھا تو کوئی قصور نہیں ورنہ اس کو مونڈھا پکڑنا نہیں چاہئے تھا۔	۶۲۶
عورتیں زنا کے بارے میں گواہ ہو ہی نہیں سکتیں۔	۶۲۳	مسلمان پر تہمت رکھنا افعال شنیعہ سے ہے۔	۶۲۶
سنی سنائی گواہی تو دو کوڑی کے مال میں بھی مقبول نہیں چہ جائیکہ زنا جیسا اہم معاملہ ہو۔	۶۲۳	بھاوج سے مذاق اور ہاتھا پائی حرام ہے۔	۶۲۶
باہر سے سن کر زنا کی گواہی دینی نامقبول ہوگی۔	۶۲۳	شوہر جان بوجھ کر چشم پوشی کرتا ہے تو "دیوث" ہے۔	۶۲۶
شوہر اگر اقرار کرے کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے افعال مثل بوس وکنار وغیرہ کیئے، عورت اس پر حرام ہوگئی۔	۶۲۳	دیوث پر جنت حرام ہے۔	۶۲۶
زنا مسلمہ اور کافرہ سب کے ساتھ حرام ہے، زنا کافرہ کو جو حلال قرار دے تو کفر ہے۔	۶۲۴	کسی کے عزیز واقارب اس کو فحاشی وبے حیائی سے منع نہیں کرتے تو شریک گناہ اور مستحق عذاب ہیں۔	۶۲۶
زناکاروں پر توبہ فرض ہے۔	۶۲۴	جانور سے نابالغ نے مجامعت کی تو تنبیہ کی جائے، اور بالغ نے ایسی حرکت کی تو سزادی جائے اور جانور کو ذبح کرکے جلادیا جائے۔	۶۲۷
زانی اور زانیہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئیں تو ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔	۶۲۴	ہر شخص پر اس کی وسعت کے مطابق بُرے کام سے روکنا ضروری ہے اس میں کوتاہی نہ کرے۔ اور متعلقہ باز نہ آئے تو اس پر کوئی الزام نہیں اور راضی ہو تو خود مجرم، اس سے بھی قطع تعلق کیا جاسکتا ہے۔	۶۲۸
محرمات ابدیہ سے نکاح میں حد نہیں۔	۶۲۵		

زانی اور زانیہ کو حالت زنا میں پایا تو کیا حکم ہے، اور آتے جاتے ملتے ملاتے دیکھا تو کیا حکم ہے۔	۶۲۹	سیاستاً قتل غیر امام کے لئے جائز نہیں، اور امام کو بھی صرف ان کبائر میں قتل جائز ہے جو متعدی الضرر ہوں، صغائر یا کبائر غیر متعدی الضرر میں قتل جائز نہیں۔	۶۴۱
سیاست کا حق سلطان کو ہے۔	۶۲۹	زاہدی معتزلی ہے اور ہر رطب ویابس کو جمع کرنے میں معروف، غیر ثقہ وغیر معتمد ہے۔	۶۴۲
ناحق قتل مسلم سخت کبیرہ گناہ اور قاتل پر قصاص لازم ہے۔	۶۲۹	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو یا عالم کو مردود، اُلو وغیرہ کہنا ناحق ایذاء دینا حرام ہے۔	۶۴۴
زانیہ وزانی کے قتل کا حکم مطلق نہیں بلکہ واجب ہے کہ پہلے زجر وضرب وقہر کریں اگر جدا ہو جائیں تو اب عوام کو ان کا قتل حرام ہے۔ ہاں شہادات اربعہ گزریں یا بروجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار تو ان میں سے جو محصن ہو سلطان اسے رجم کرے گا۔	۶۲۹	بلاوجہ شرعی جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دی۔	۶۴۴
زانی اور زانیہ کو قتل کرنے کی اجازت غیر سلطان کو کس صورت میں ہے۔	۶۲۹	علماء دین کی شان ارفع واعلٰی ہے۔	۶۴۵
"قتل زانی بحالت زنا" کے مسئلہ میں اضطراب اور اس کے درمیان مصنف کی توفیق۔	۶۳۰	شان علماء میں گستاخی کرنے والا منافق ہے اور لائق تعزیر ہے۔	۶۴۵
ازالہ منکر اگر بغیر قتل کے حاصل ہو سکتا ہے تو قتل کی اجازت نہیں۔	۶۳۳	اصلاً ہر مسلمان مومن ہے، بعض اطراف کے عرف میں بنکروں کو مومن کہنا ان کی سلیم الطبعی کی وجہ سے ہوگا اور اس لفظ کو بطور طعن استعمال کرنا دوہرا گناہ ہے۔	۶۴۵
زنا کا سد باب ازالہ منکر ہے اور ازالہ منکر اللہ عزوجل کے لئے ہوتا ہے لہذا اس میں محارم واجنبی عورتیں برابر ہیں۔	۶۳۳	مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔	۶۴۵
مامور بشیئین سے اگر ایک فوت ہو جائے تو دوسری ساقط نہیں ہوتی۔	۶۴۰	کسی مسلمان کو اس کے پیشہ کے سبب سے حقیر جاننا بُرا ہے۔	۶۴۶
احدالمعصیتین کا ارتکاب دوسری معصیت کو مباح نہیں کرتا۔	۶۴۰	نماز نہ پڑھنے پر کسی کو مار پیٹ کی، اس کی گھڑی ٹوٹ گئی تو قیمت دینی ہوگی۔	۶۴۶

مسلمان کے مال کا نقصان اور اس کی ہتک عزت بلاوجہ شرعی حرام ہے۔	۶۴۶	علم الٰہی سے کسی شیئ کی نفی اس کے علم سے نفی ہے کہ واقع ہونا تو ضرور علم میں ہوتا ہے۔	۶۴۹
نماز پڑھنے کے لئے تنبیہ و تفہیم چاہئے مار پیٹ کا وقت نہیں ہے۔	۶۴۶	شوہر سے بدزبانی ناشکری ہے جس پر عورت کو توبہ چاہئے۔	۶۴۹
کتوں اور سوروں کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کہنا سخت وشنیع جملہ ہے توبہ اور تجدید اسلام کرے۔	۶۴۷	"الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" حدیث کے الفاظ ہیں۔	۶۵۰
کافروں کا نسب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقطع ہے۔	۶۴۷	مثل اور مانند میں بہت فرق ہے۔	۶۵۰
کفار کو کتے اور سور کہنے والے پر کوئی الزام نہیں کیونکہ کافر تو کتوں اور سوروں سے بھی بدتر ہیں۔	۶۴۷	سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایمانی کایمان جبرائیل یوں کیوں نہیں فرمایا ایمانی مثل ایمان جبرائیل۔	۶۵۰
بھائی ہونے کی نفی کی، اگر کوئی سلوک ایسا بھی کیا ہو تو نفی کر سکتا ہے ورنہ تین گناہوں کا مرتکب ہے۔	۶۴۸	بلاوجہ کسی مسلمان کو سخت وست کہنا حرام ہے۔	۶۵۰
کذب صریح، قطع اور ایذائے مسلم کبیرہ گناہ ہیں۔	۶۴۸	سید، عالم بلکہ مرشد زادہ کو سخت وست کہنا تو اور شدید ہے۔	۶۵۰
جملہ "اچھا ہوا فلاں کے چوری ہوگئی" کے احکام۔	۶۴۸	تین شخصوں کو ہلکا جاننے والا منافق ہے ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، دوسرا عالم، تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔	۶۵۰
حرام قطعی کا استحسان کفر ہے۔	۶۴۸	مرتکب کبیرہ کے اسلام اور نکاح میں خلل نہیں آتا۔	۶۵۱
حسد حرام ہے۔	۶۴۸	جمع بین الاختین کرنے والا حرام کار ہے اس کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔	۶۵۱
کسی کے نقصان پر عداوت کے سبب سے خوش ہونا عداوت کے تابع ہے، اگر عداوت مذمومہ ہے تو یہ بھی قبیح ومذموم، اور اگر عداوت محمودہ ہے جیسے اعداء اللہ سے دشمنی، تو اس میں حرج نہیں۔	۶۴۸	مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی مردود ابلیس کہنا سخت حرام۔	۶۵۲
توبہ کے لئے ندامت اور گناہ سے تبری ضروری ہے۔	۶۴۹	مسلمان کو ایذا دینے کی مذمت قرآن وحدیث سے۔	۶۵۲
عورت نے کہا خدا جانے آپ کو فلاں گھر سے کیوں عشق ہے، مرد نے کہا "خدا جانے" اس پر عورت نے کہا "کچھ بھی خدا جانے نہیں" یہ جملہ کفر نہیں۔	۶۴۹	مسلمان کو کافر کہنے پر سخت وعید۔	۶۵۲
		بلاوجہ شرعی جو شخص دوسروں کو مردود، کافر کہے تو اس کو اس فعل سے توبہ اور شخص متعلقہ سے معافی مانگنی ضروری ہے ورنہ فاسق معلن ہے۔	۶۵۲

فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۵۲	امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ کتب جو بروایت امام ابو حنیفہ حضرت امام اعظم سے روایت کیں، ان امام ابو یوسف کو کنیت سے کیوں یاد نہیں کیا۔	۶۵۵
عالم کے ساتھ سوءِ ادبی سے آدمی مستحق تعزیر ہے۔	۶۵۳	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفات کریمہ بایں معنی خصائص حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل وشریک نہیں۔	۶۵۵
یہ کہنا کہ خدا شریک کو بھی بخش دے گا یا یہ کہنا "آیات و احادیث "کچھ نہیں" صریح کفر ہے۔	۶۵۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بعض صفات کریمہ کا اپنے مستفیضوں اور خادموں اور غلاموں پر پر توڈال دیا جیسے علیم، حلیم اور بشیر ونذیر وغیرہ، ان صفات کی تجلی جس میں متحقق ہو اس پر ان صفات کے اطلاق میں حرج نہیں۔	۶۵۶
حکم کفر کا اطلاق تارک صلوٰۃ پر حدیث شریف میں ہے یہ مسئلہ فقہیہ نہیں کلامی ہے۔	۶۵۴	گمراہ وبددین فتنہ پرور کو شیطان کہہ سکتے ہیں۔	۶۵۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام سادہ اور پیر کا آداب والقاب کے ساتھ سُوءِ ادبی ہے، اور پیر کی عظمت حضور سے زیادہ ہو تو کفر ہے۔	۶۵۵	مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔	۶۵۶
عرب میں کنیت تعظیم ہے۔	۶۵۵	مآخذ و مراجع۔	۶۵۷
امام ابو یوسف امام محمد کے استاذ اور امام اعظم کے شاگرد ہیں، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۶۵۵		

فہرست ضمنی مسائل

تفسیر		حیض	
آیہ کریمہ الطلاق مرتٰن میں طلاق دونوں قسموں یعنی منجز ومعلق کو شامل ہے۔	۱۰۲	تین حیض دوماہ میں بھی ہوسکتے ہیں اور دوسال میں بھی۔	۲۹۹
آیہ کریمہ "الطلاق مرتٰن" کا شان نزول اور اس میں مختلف اقوال مفسرین۔	۱۸۵	انیس دن میں تین حیض نہیں گزر سکتے۔	۳۲۴
تین طلاقوں کے بعد مرد کو رجوع کا اختیار ہوتا تھا جو آیہ کریمہ "الطلاق مرتان" سے منسوخ ہوگیا۔	۱۸۸	طہر کے لئے زیادت کی جانب کوئی حد مقرر نہیں، لہذا ممکن ہے تین حیض تیس برس میں آئیں۔	۳۶۳
آیہ کریمہ "اذا نکحتم المؤمنٰت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ" کا مطلب۔	۳۰۶	**اذان**	
فوائد حدیثیہ		فاسق معلن موذن جیسے دینی عہدے کے لائق نہیں۔	۳۱۶
"الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ" حدیث کے الفاظ ہیں۔	۶۵۰	**نماز**	
		نمازی کو سلام پھیرتے وقت نیت حاضرین کا قطعاً حکم ہے۔	۴۹۶

قسم کھائی ظہر جماعت سے پڑھے گا۔دو رکعت ملی حانث ہوگیا کہ تین رکعت تک پانے والا جماعت والا نہیں۔ہاں جماعت کا ثواب تو نفس شرکت بلکہ بارادہ جماعت گھر سے نکلنے میں ملے گا۔	۵۰۰	اگر تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو طلاق مغلظہ ہوگی،اس شرط پر نکاح کی مختلف صورتوں کے احکام کی تفصیل۔	۲۰۹
امامت		فضولی نے کسی کا نکاح کردیا شوہر نے مہر مقررہ عورت کو بھیج دیا تو نکاح نافذ ہوگیا۔	۲۲۳
عدت کے اندر دوسرا نکاح حرام اور قربت زنا ہے اگر ناکح کو علم تھا تو وہ فاسق ہوا اور اس کو امام بنانا گناہ ہے اور دانستہ نکاح میں شریک ہونے والے سخت گنہگار ہوئے۔	۳۱۸	شوہر نے فضولی کے نکاح کے بعد کاغذ پر لکھا کہ میں نے اس نکاح کو نافذ کیا تو نافذ ہوگیا۔	۲۲۳
قدرت کے باوجود ضعیف ومحتاج باپ کی مدد نہ کرنے والا قابل امامت نہیں۔	۴۵۴	باپ دادا کا کیا ہوا نکاح عورت بالغ ہو کر بھی فسخ نہیں کرسکتی۔	۲۶۴
فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۵۲	باپ دادا کے غیر کا کیا ہوا نابالغہ کا نکاح وہ بالغ ہوتے ہی رد کرسکتی ہے۔	۲۶۴
مساجد		حاملہ بیوہ سے نکاح ہوا تو انتظار کیا جائے،دو برس کے اندر بچہ ہو تو عدت وضع حمل ہے اور نکاح مذکور فاسد،اور دو برس کے بعد بچہ پیدا ہو تو نکاح مذکور صحیح۔	۲۹۶
مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اور اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔	۵۸۲	معتدہ کے نکاح میں جو لوگ واقف حال شریک ہوں سخت گنہگار ہیں۔	۲۹۶
زکوٰۃ		بیوہ حاملہ سے نکاح باطل محض ہے وضع حمل کے بعد دوبارہ نکاح لازم ہے۔	۲۹۶
فقیر کو زکوٰۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہوجائے گی۔	۵۹۹	مرد وعورت ایک مکان میں مثل زن وشوہر رہتے ہوں اور باہم انبساط زوج وزوجہ رکھتے ہوں تو شرعا زوج وزوجہ ہی قرار دئے جائیں گے۔	۲۹۹
نکاح			

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے۔	۳۰۰	عت کے اندر نکاح قطعی حرام ہے۔	۳۱۹
بے انقضائے عدت کے دوسرے سے نکاح حرام و ناجائز اور بعض علماء کے نزدیک اس عقد پر کوئی حکم نکاح اصلاً مرتب نہیں ہوتا۔	۳۰۰	دیدہ دانستہ عدت کے اندر عورت کا نکاح کیا جائے تو وہ محض باطل ہے، اس کو نکاح ہی نہیں کہہ سکتے۔	۳۲۴
معتدہ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔	۳۰۰	عدت کے اندر نکاح مطلقاً ناجائز ہے۔	۳۵۸
جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز ہے مگر تا وضع حمل جماع جائز نہیں۔	۳۰۰	جب تک کسی عورت کا شوہر زندہ ہو اور طلاق بھی نہ دی ہو اس عورت کا دوسرا نکاح حرام حرام زنا زنا ہے۔	۴۷۴
بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح سخت حرام ہے۔	۳۰۰	شوہر کی زندگی میں بلاطلاق عورت کے دوسرے شخص سے نکاح کی کوئی صورت نہیں۔	۴۷۶
نکاح فاسد میں متارکہ ضروری جو میاں بیوی دونوں میں سے کوئی بھی کرسکتا ہے۔	۳۰۱	عورت کا زانیہ ہونا ثابت ہوجائے تب بھی نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔	۶۱۸
عدت میں جانتے ہوئے نکاح کیا تو نکاح باطل اور جماع زنا ہے اور لاعلمی میں کیا تو نکاح فاسد ہے۔	۳۰۲	جمع بین الاختین کرنے والا حرامکار ہے اس کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔	
منکوحہ نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر غیر سے نکاح کرلیا کچھ عرصہ بعد دوبارہ شوہر اول سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو اب شوہر اول سے عقد قدیم قائم ہے عقد جدید کی ضرورت نہیں۔	۳۰۳	**محرمات**	
منکوحہ عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح میں لایا تو اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کرے۔ اگر مجامعت کرچکا ہے تو عورت ترک سے تین حیض عدت کرے، اس کے بعد شوہر اول کے لئے بے تجدید نکاح رہ سکتی ہے	۳۰۳	جب کوئی شخص کسی عورت سے زنا کرچکا تو اس عورت کی بیٹی اس شخص پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔	۳۶۲
رافضی کا نکاح سنیہ سے نہیں ہوتا اس لئے نہ طلاق کی ضرورت ہے نہ عدت کی۔	۳۱۴	مرد پر اس کی مزنیہ ار ممسوسہ بہ شہوت کے اصول وفروع حرام ہیں۔	۳۶۲
بے طلاق کسی کی عورت گھر میں رکھ لی اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے اس کے بعد شوہر مرگیا تو جب تک نکاح جدید نہ کرلیں میاں بیوی نہ ہوں گے۔	۳۱۶	جس عورت کے فرج کے داخل کو مرد نے شہوت کے ساتھ دیکھا اس کے اصول وفروع اسی مرد پر حرام ہوگئے۔	۳۶۲

رضاعی ماموں سے عورت کا نکاح، نکاح خبیث ہے جو ہرگز قائم نہ رکھا جائے گا، مرد وزن پر فرض عظیم ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں، مرد نہ مانے تو عورت خود جدا ہوجائے۔	۳۷۵	شوہر اگر اقرار کرے کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے افعال مثل بوس وکنار وغیرہ کئے، عورت اس پر حرام ہوگئی۔	۶۲۳
رضاعی ماموں بھانجی نے نکاح کرلیا اور جدا نہیں ہوتے تو حاکم بالجبرا نھیں جدا کردے۔	۳۷۵	**کفاءت**	
ساس سے زنا کیا اس سے بچی پیدا ہوئی، اس لڑکی سے شادی حرام اور اس نکاح حرام سے جو بچہ پیدا ہو اولد الحرام ہے۔	۳۷۷	غیر کفو سے عورت کب نکاح کرسکتی ہے۔	۳۱۶
علاتی بہن کی نواسی سے نکاح حرام قطعی، ناکح، نکاح خواں، وکیل اور گواہ سخت تر گناہ کبیرہ میں گرفتار ہیں۔	۳۷۸	**ولایت**	
زید نے علاتی بہن کی نواسی سے نکاح کیا، چھ برس بعد تفریق ہوئی تو عورت پر عدت ضرور لازم ہے۔	۳۷۸	چچا کا کیا ہوا نابالغ کا نکاح باپ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۳۰۷
اگر عورت شوہر کے باپ یا بیٹے سے بدکاری کرے تو نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ وہ شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور متارکہ فی الفور فرض ہوجاتا ہے۔	۴۴۲	ولی نے نکاح فضولی کو رد کردیا پھر اجازت دے تو جائز نہ ہوگا۔	۳۰۷
حرمت مصاہرہ سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا حتی کہ متارکہ اور انقضائے عدت سے قبل اس عورت کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ناجائز ہوگا۔	۴۴۲	نابالغ کی طرف سے اس کا ولی طلاق نہیں دے سکتا۔	۳۰۷
حرمت مصاہرہ کے بعد شوہر اگر عورت سے وطی کرے تو اس کو زنا قرار دیا جائے گا یا نہیں۔	۴۴۳	باپ دادا نہ ہوں تو جوان بھائی حقیقی ولی نکاح ہے، اس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں۔	۳۲۴
قرآن عظیم نے شوہر دار عورتوں کو حرام قطعی فرمایا ہے۔	۴۹۳	معتدہ وفات نابالغہ کے نکاح کا اختیار بعد ازاں عدت اس کے باپ کو ہے نہ کہ سسر کو۔	۳۳۳
عورت اگر شوہر کے باپ یا بیٹے سے زنا کرائے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی اور نکاح فاسد ہوجائے گا۔	۶۱۸		

ماں نے نکاح کیا، اگر کفو کے ساتھ کیا اور لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اس سے انکار نہ کیا، نکاح لازم ہوگیا۔	۳۴۶	نابالغہ کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا۔	۳۳۳
باپ دادا نہ ہوں تو نابالغوں کی ولایت نکاح کا حق چچا کو ہے۔	۳۹۱	صورت جماع میں دوسرے شوہر پر بھی مہر مثل واجب ہے۔	۳۴۳
ماں مرگئی بچہ کا حق پرورش نانی کو ہے اور اس کے ماں کی ولایت باپ کو حاصل ہے۔	۳۹۴	نکاح فاسد میں اگر شوہر نے وطی صحیح کرلی تو مہر مثل اور مہر مسمّٰی میں سے جو کم ہے وہ دینا لازم ہوگا۔	۳۵۱
نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کا نگران باپ کے چچازاد بھائی کے علاوہ نہیں تو ولایت نکاح بھی اسی کو حاصل ہے اور پرورش کے لئے کسی صالح دیندار عورت کو تلاش کیا جائے گا اور مال کی نگہداشت باپ دادا کا وصی ہو تو وہ کرے ورنہ قاضی اس کے لئے بھی کسی دیندار مسلمان کا انتخاب کرے۔	۳۹۹	زید نے رضاعی بھانجی سے نکاح کیا کچھ عرصہ بعد تفریق ہوگئی تو پورا مہر مثل لازم ہوگا نہ کہ مہر مسمّٰی۔	۳۷۵
نابالغوں کے نکاح کا اختیار عصبات میں چچا کو ہے اگر وہ موجود ہے۔	۴۰۸	محارم سے نکاح کے بعد تفریق ہو تو مرد پر پورا مہر مثل واجب ہوگا مہر مسمّٰی کا لحاظ نہ ہوگا۔	۳۷۸
باپ کے انتقال کے بعد لڑکی کے نکاح اور مال کی نگہداشت کا حق دادا کو ہے اور نو برس تک پرورش کا حق ماں کو ہے۔	۴۱۲	زید وہندہ نکاح کے بعد ایک ہی مکان میں رہتے تھے باہم مواصلت بظاہر نہیں ہوئی، بچہ پیدا ہوا شرعًا بچہ زید کا ہے، اگر زید نے طلاق دی پورا مہر واجب ہوگا۔	۳۸۰
مہر		شوہر کو حق حبس زوجہ، مہر معجّل کی ادائیگی کے بعد حاصل ہوتا ہے۔	۴۱۷
شوہر نے کہا تو مہر بخشے تو طلاق دوں گا۔ عورت بولی اگر تو طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا، شوہر نے دو طلاق دی، طلاق واقع ہوئی مہر ساقط نہ ہوا۔	۲۰۲	مہر معجّل نہ ادا ہو تو عورت شوہر کو انتفاع اور رخصتی سے روک سکتی ہے، اور اس صورت میں ناشزہ نہ ہوگی۔	۴۱۸
مہر اگر نہ معجّل ہو نہ مؤجل تو جب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا اختیار نہیں۔	۲۱۷	جہاں مہر میں تعجیل یا تاجیل کچھ مذکور نہ ہو تو وہاں حکم عرف رواج کے مطابق ہوگا۔	۴۲۴
خلوت صحیحہ سے عدت لازم آجاتی ہے مہر بھی پورا واجب ہوتا ہے۔	۳۰۷	ہمارے بلاد میں عامہ مہوریوں بندھتے ہیں کہ ان میں تعجیل وتاجیل کچھ مشروط نہیں ہوتی تو بحکم عرف شائع وذائع یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں، نہ قاضی کو اختیار ہے کہ ایسی صورت میں پیش از افتراق ادائے مہر پر جبر کرے۔	۴۲۴

عورت اگر بلااکراہ شرعی مہر معاف کردے تو شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے۔	۴۴۱	**رضاعت**	
ابراء مہر بلا اقرار زن یا بینہ عادلہ قاضی کے پاس ثابت نہیں ہوسکتا۔	۴۴۲	اڑھائی برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔	۲۸۸
نکاح محرمات میں نکاح پر مہر مثل اور مسمّٰی میں سے جو کم ہو وہ واجب ہے۔	۴۵۸	**طلاق**	
موطوءہ بیوی کو طلاق دینے سے مہر تمام وکمال واجب ہوگا۔	۴۵۸	یہ لفظ کہ "نکاح سے علیحدہ کردوں گا" یہ نرا وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۱۱۸
جو مہر نہ معجّل باندھا ہو نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو عورت قبل موت یا طلاق اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔	۴۶۰	"طلاق می کنم" کہنے سے طلاق ہوجاتی ہے بخلاف "طلاق کنم" کے۔	۱۱۸
مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بضع کا عوض ہے۔	۴۷۷	عدم اضافت کے سبب طلاق واقع نہ ہونے کی چند مثالیں۔	۱۲۰
عورت کے فاتر العقل ہونے سے مہر ساقط نہ ہوگا۔	۴۷۷	مذاکرہ طلاق میں تمام صورتوں میں قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے سوائے ان الفاظ کے جو رد وجواب کی صلاحیت رکھتے ہوں۔	۱۲۳
جب تک طلاق یا موت واقع نہ ہو غیر میعادی مہر واجب الادا نہیں ہوتا۔	۴۸۴	عدم اضافت کی صورت میں شوہر انکار نیت کرے تو لفظ طلاق سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۱۲۳
زانیہ کو طلاق دی تو عورت کو عدت اسی مکان میں گزارنا لازم ہے اور شوہر پر مہر اور نفقہ عدت لازم ہے۔	۶۱۸	طلاق صریح سے بائن کی نیت کرے تب بھی رجعی ہی واقع ہوگی۔	۱۳۷
جہیز		اگر میں تیرے سوا کسی اور عورت سے شادی کروں تو تجھ کو ایسی طلاق کہ تو اپنے نفس کی مالک ہو اس سے ایک طلاق بائن پڑے گی،	۱۳۹
جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اور بعد اس کی مرگ کے فرائض اللہ پر تقسیم پائے گا۔	۳۹۵		

تیسری طلاق دے دی تو اب بیوی حرام قطعی ہو گئی تجدید نکاح سے بھی حلال نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ حلالہ نہ ہو جائے۔	۱۶۶	"طلاق سمجھی جائے" سے طلاق واقع نہ ہو گی۔	۲۴۳
تیسری طلاق کے بعد عورت خاوند کے لئے بلاحلالہ حلال نہیں ہو سکتی چاہے پہلی طلاق کے بعد رجوع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔	۱۹۲	"عدم خبر گیری کو طلاق سمجھنا" خبر گیری نہ کی تو طلاق واقع نہ ہو گی۔	۲۴۵
کتب فقہ بلااختلاف تین طلاقوں کو مطلقًا حرمت غلیظہ کے لئے مثبت بیان کرتی ہیں۔	۱۹۲	یہ لفظ کہ "میں تجھ کو طلاق دے دوں گا" محض نامعتبر، اور وعدہ ہے، اس سے کچھ واقع نہیں ہوتا۔	۲۶۷
چاروں مذاہب کے چاروں اماموں کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک ہی لفظ میں واقع ہو جاتی ہیں۔	۲۰۶	"میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں" یہ جملہ باب طلاق میں لغو ہے۔	۲۶۷
مرد نے بیوی سے کہا تجھ پر تینوں شرط سے طلاق، تو کیا حکم شرعی ہے۔	۲۱۳	عورت کو بجائے ماں بہن کہنے سے نیت طلاق ہو تو طلاق، اور حرمت مراد ہو تو ظہار ہے، اور کچھ بھی مراد نہ ہو تو دیانۃً کچھ نہیں۔	۲۷۲
غیر مدخولہ کو ایک لفظ سے تین طلاق دینے اور متفرق الفاظ میں تین طلاق دینے کا حکم۔	۲۲۶	عورت کو طلاق کی نیت سے ماں کہنے سے طلاق نہیں ہوتی۔	۲۸۰
زن غیر مدخولہ یکبارگی تین طلاق کی محل ہے۔	۲۲۶	بیوی کو بنیت طلاق کہا کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن ہے تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی۔	۲۸۱
مسئلہ طلاق ثلثہ کی تفاصیل باعتبار حرف عطف اور باعتبار تعلیق وتنجیز اور باعتبار تقدم وتاخر شرط اور باعتبار زن مدخولہ وغیر مدخولہ۔	۲۲۶	بیوی کو بلا کسی نیت کے کہا کہ تو مجھ پر مثل میری ماں کے ہے، تو یہ لفظ لغو ومہمل ہو گا طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔	۲۸۱
زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ تینوں طلاق پوری کردوں گا، یہ محض وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی۔	۲۳۳	بیوی کو ماں، بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بنیت طلاق کہے۔	۲۸۱
فسخ نکاح اور آزادی کا لفظ کنایات طلاق سے ہے۔	۲۳۸	عورت کو طلاق کی نیت سے ماں کہہ کر مشہور کیا تو یہ قضاءً طلاق مانی جائے گی، ہاں اگر اس کے قول سے یہ واضح ہو کہ یہ اقرار طلاق اسی غلط فہمی کی بناء پر تھا تو قضاءً بھی طلاق نہ ہو گی۔	۲۸۲
دوسرے نکاح کی اجازت سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو گی اور نیت کے بارے میں شوہر کا قول قسم سے معتبر ہو گا۔	۲۴۰		

برسام کے مریض نے بیوی کو طلاق دی پھر ٹھیک ہونے کے بعد کہا میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، بعدہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سمجھا تھا کہ حالت برسام میں طلاق واقع ہوجاتی ہے تو کیا حکم ہے۔	۲۸۲	طلاق شوہر کی زبان پر ہے جب وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی طلاق ہوگئی، نہ دی تھی تو اب ہوگئی۔	۴۸۱
عورت کو ماں بہن کہنا طلاق ہے نہ ظہار،	۲۸۹	خاوند جب بیوی کو طلاق بائن دے دے تو ولایت منع زائل ہوجاتی ہے۔	۵۲۹
اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے، بنیت طلاق ہے تو کنایہ ہے، طلاق بائن واقع ہوگی۔	۲۹۰	کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں اس کو طلاق ہوگی، اس کے بعد بیوی کو طلاق بائن یا مغلظہ دے دی پھر کسی عورت سے اس مطلقہ کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق ہوجائے گی،	۵۳۱
"چھوڑنے" کا لفظ صریح طلاق ہے، اس کے کہنے کے فورا بعد سے عدت شمار ہوگی۔	۲۹۴	زانیہ کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں۔	۶۱۸
نابالغ لڑکا اہل طلاق نہیں لہذا اس کے دیئے سے طلاق نہ ہوگی۔	۳۰۷	طلاق جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح قلم سے جبکہ بلامجبوری شرع لکھا ہو۔	۶۱۸
بلوغ پسر سے پہلے بوجہ مخالفت طلاق دلوانا محض باطل ہے۔	۳۰۷	طلاق نامہ میں طلاق رجعی ہو مگر شوہر طلاق بائن کا اقرار کرے تو بائن ہوگئی۔	۶۱۸
زوجہ کو ماں کہنا گناہ ہے مگر اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔	۳۲۲	**کنایہ**	
تہمت کی وجہ سے اگرچہ وہ تہمت واقع میں صحیح ہی ہو عورت کا نکاح زائل نہیں ہوتا۔	۴۳۴	لفظ "جواب" کے معانی اور اس کے کنایہ طلاق ہونے کا بیان۔	۱۱۸
فاجرہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر واجب نہیں۔	۴۳۴	جو کلمہ صالح رد ہو وہ مطلقا ہر حال میں محتاج نیت ہے اگرچہ حالت غضب ہو اگرچہ حالت مذاکرہ طلاق ہو۔	۱۱۹
جاہلوں میں جو یہ بات مشہور ہے کہ اگر عورت معاذاللہ بد وصفی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے، محض غلط ہے۔	۴۳۵	کنایات تین طرح کے ہیں۔	۱۱۹
زنائے زناں موجب بطلان نکاح نہیں۔	۴۴۲	"میرا اس سے کوئی تعلق نہیں" کنایہ ہے اس سے طلاق کے لئے نیت شرط ہے۔	۳۷۰
نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔	۴۴۲		

کنایہ کے وہ الفاظ جو سب وشتم کا احتمال رکھتے ہیں۔	۳۷۰	بعد از لعان حاکم اسلام بچے کا نسب باپ سے منقطع کرکے ماں کے ساتھ ملحق کردے گا۔	۳۷۴
رجعت		**عنین**	
تین طلاقوں کے بعد مرد کو رجوع کا اختیار نہیں اور عورت خود مختار ہے۔	۱۸۵	زن عنین کا حکم۔	۳۴۸
وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا جائز ہے وہ دو بار طلاق ہے اس سے زائد نہیں۔	۱۸۶	**متارکہ**	
وقوع طلاق سے پہلے رجوع عن الطلاق لغو ہے۔	۲۳۳	محرمات سے نکاح کی صورت میں متارکہ لازم ہے۔	۴۵۷
طلاق رجعی میں مرد کا عدت کے اندر مطلقہ سے وطی کرنا حرام نہیں بلکہ رجعت ہوجاتی ہے۔	۳۶۳	بصورت متارکہ عورت پر روز متارکہ سے عدت لازم ہے۔	۴۵۷
تفویض		**حلالہ**	
عورت کو طلاق کا اختیار دینے کے ایک اقرار نامہ کی مختلف صورتوں کا شرعی حکم۔	۲۳۱	تین طلاقیں واقع ہوجائیں تو از روئے قرآن بے حلالہ شوہر اول کے نکاح میں نہیں آسکتی۔	۲۴۱
تفویض طلاق میں زن وشوہر دونوں میں سے ایک کے کلام میں اضافت کافی ہے۔	۲۳۱	**معاشرت**	
جو تفویض طلاق معلق بالشرط ہو بعد وقوع شرط اسی مجلس پر محدود رہتی ہے جس میں عورت کو وقوع شرط کا علم ہوا مجلس بدلنے کے بعد اسے طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔	۲۳۲	زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ اور دوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہ شدید جس کی تحریم پر قرآن وحدیث ناطق ہیں۔	۴۲۲
لعان		پہلی عورت مخبوط الحواس ہو تو دوسری شادی کی اجازت ہے، لیکن دونوں میں عدل ضروری ہے۔	۴۶۴
لعان کے لئے قیام زوجیت شرط ہے۔	۳۷۴	ایک عورت مالدار اور ایک غریب ہو تو شوہر مالدار ہو تو مالدار عورت کو مالداروں کا اور غریب کو متوسط اور غریب مالدار عورت کو متوسط اور غریب کو غریبوں کا نفقہ ملے گا۔	۴۶۴
بعد از وجوب بھی لعان طلاق بائن کے سبب ساقط ہوجاتا ہے۔	۳۷۴		

فاتر العقل عورت کا نفقہ ساقط نہیں دو شادیاں کیں جن میں سے ایک فاتر العقل ہے، عدل و مساوات ضروری ہے۔	۴۸۴	طلاق کو وعظ کہنے پر معلق کیا تو یہ سبیل ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے وہ عدت سے نکل چکے تو وہ وعظ کہے پھر عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔	۲۰۱
عتاق		جو حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہو اس کا بتانا بھی حرام ہے۔	۲۰۷
مالک نے اپنے غلاموں کے بارے میں کہا ھذا حرا و ھذا و ھذا تو تیسرا آزاد ہوگیا جبکہ پہلے دونوں میں سے ایک آزاد ہے اس کے تعین کا اختیار مالک کو ہے۔	۲۳۵	جن مسائل کا تصفیہ حنفی مسلک پر نہ ہوسکے ان کی کار برآری کی شرعی صورت	۴۸۹
حِیَل		ایک شخص نے قسم کھائی کہ اگر زید سے بات کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں، اب چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے اور بیوی کو طلاق مغلظہ نہ ہو تو بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے عدت گزر جانے کے بعد بات کرسکتا ہے اور بعد ازاں بلاحلالہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔	۵۲۵
طلاق کی قسم کھائی تو اب نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو طلاقیں رجعی کی قسم کھائی ہے تو بعد وقوع شرط رجوع کرے۔	۱۰۲	ایک شخص نے قسم کھاتے ہوئے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر میں دنیا کی ہر بدی اور قباحت کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھے طلاق ہے، ایسا شخص قسم سے بری ہونے کے لئے کیا کرے۔	۵۵۴
یمین مضاف میں طلاق واقع نہ ہونے کی ایک سبیل	۱۱۴	طلاق مغلظہ کو کسی شرط پر معلق کیا تو مغلظہ سے بچنے کا حیلہ۔	۵۵۸
خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو نے نماز نہ پڑھی تو تجھے دو طلاقیں، بعدہ کہتا ہے کہ میں نے اس سے عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، تو یہ حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے۔	۱۶۷	ایک چیز کو نذر کرنے کو کہا اور ہبہ کرنے کو بھی، طریقہ یہ ہے کسی فقیر کو وہ چیز دے دے پھر اس سے خرید کر جس کو ہبہ کرنے کے لئے کہا ہے اس کو دے دے۔	۵۸۱
طلاق مغلظہ کی قسم کھائی تو طلاق سے بچنے کا ایک حیلہ۔	۲۰۰		

اگر مجلس گیارھویں شریف یا میلاد شریف منعقد کرکے مال نذر فقیر کی ملک کردیا تو درست ہے۔	۵۹۶	لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج وبیگانہ وزائد بات اگرچہ عرفاً مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہے۔	۱۴۴
فوائد اصولیہ		دلالت لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصود ہوجائے گی یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے۔	۱۴۴
میت صالح اذن نہیں۔	۱۰۴	عام کی تخصیص وتقیید عرف سے جائز ہے۔	۱۴۶
طرفین کے نزدیک بقاء یمین کے لئے امکان بر شرط ہے جیسا کہ انعقاد یمین کے لئے شرط ہے۔	۱۰۴	غرض متکلم اپنی کلام سے کبھی تو کلام کا حقیقی یا مجازی معنی ہوتی ہے اور کبھی لفظ سے خارج کوئی شیئ۔	۱۴۷
تعلیق میں تعمیم نہ ہو تو ایک بار کے بعد شرط کالعدم ہوجاتی ہے۔	۱۰۶	تخصیص عوارض الفاظ میں سے ہے۔	۱۴۷
کلام میں جب تک اعمال ممکن ہو اہمال سے احتراز چاہئے۔	۱۱۱	کلمہ ان تراخی کے لئے آتا ہے جب تک قرینہ فور نہ پایا جائے۔	۱۴۹
ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ یمین مضاف منعقد ہے عدم وقوع کی روایت ضعیف ہے۔	۱۱۳	یمین کی بناء عرف پر ہے۔	۱۵۱
الفاظ شرط اور ان کا حکم۔	۱۱۴	نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے۔	۱۵۲
قول منکر کا معتبر ہوتا ہے جبکہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں۔	۱۱۷	نیت حالف اگرچہ دلالت حال کے خلاف ہو اعتبار اسی کا ہوگا۔	۱۵۳
تعلیق ربط مضمون جملہ بمضمون آخر ہے نہ کہ خبط مضمون بربط آخر۔	۱۳۷	ہر جزاء کو استقبال لازم ہے۔	۱۷۱
ہمارے علماء کے نزدیک وقت حلول شرط سے نزول جزا یوں ہوتا ہے کہ گویا اس وقت متکلم بالجزاء منجز واقع ہوا۔	۱۳۸	فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے۔	۱۷۵
احناف کے نزدیک الفاظ کا مفاد لغوی بنائے یمین نہیں بلکہ معانی عرفیہ پر بنائے کار ہے۔	۱۴۴	منتزع، انتزاع کے تابع ہوتا ہے لہٰذا بلا انتزاع نہیں پایا جاتا اگرچہ منتزع منہ موجود ہو۔	۱۷۶
اغراض ومقاصد جس قدر مفاد لفظ سے زائد ہوں یعنی عموم واطلاق بھی انہیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔	۱۴۴	الشیئ المطلق کے مرتبہ میں عموم، کلیت اور اطلاق ملحوظ ہوتا ہے۔	۱۷۷

تحصیل حاصل باطل ہے۔	۱۷۷	عدم رضائے سابق ولاحق دلیل عدم مقارن نہیں ہوسکتی۔	۲۴۹
مبنی کے فساد سے بناء کا فساد ہوتا ہے۔	۱۷۸	جب تک سبب کفارہ نہ پایا جائے کفارہ لازم نہیں ہوتا۔	۲۸۷
کسی چیز کا انتفاء اس کے تمام افراد منتفی ہونے سے ہوجاتا ہے۔	۱۸۰	عدم علم، علم عدم نہیں۔	۳۰۰
کلمہ من تعمیم کے لئے ہے۔	۱۹۸	الاجازۃ لاتلحق المفسوخ۔	۳۰۷
یمین وجود شرط کے بعد مطلقًا ختم ہوجاتی ہے۔	۲۰۱	نکاح متحقق نہ ہو تو نہ طلاق ہے نہ عدت۔	۳۰۷
تملیکات یعنی بیع وشراء وغیرہ میں تعلیق باطل ہے۔	۲۰۲	اگر اباحت بوجہ ضرورت ہو تو جب ضرورت نہ رہے اباحت نہیں رہتی۔	۳۲۸
لفظ کلما عموم افعال کا تقاضا کرتا ہے جبکہ لفظ کل عموم اسماء کا۔	۲۰۴	اصل اشیاء میں اباحت ہے لیکن فروج میں اصل حرمت ہے۔	۳۳۸
جواب مضمون سوال کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے۔	۲۱۱	ہر وطی معقود علیہ ہے۔	۴۱۷
شوہر سے چند غلط شرائط کا اقرار نامہ لکھوانے کا حکم۔	۲۱۴	تسلیم بعض موجب تسلیم باقی نہیں۔	۴۱۷
جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔	۲۱۵	ہنوز ثابت ہی نہیں ساقط کیا ہوگی۔	۴۱۸
اللہ تعالٰی کا حکم حق اور اللہ تعالٰی کی شرط مؤکد ہے۔	۲۱۵	جس اسقاط کی قسم نہیں کھائی جاسکتی اس کی تعلیق صحیح نہیں۔	۴۱۸
تاکید مفید شرط جزاء کے درمیان فاصل نہیں ہوتی۔	۲۱۹	عورت کا نفقہ جزاء احتباس ہے۔	۴۳۷
جس تعلیق میں ملک یا اضافت الی الملک نہ پائی جائے وہ باطل ہے۔	۲۳۱	اللہ تعالٰی کی شرط احق ہے۔	۴۳۷
طلاق رجعی کا تعلیق کے سبب بائن ہوجانا باطل قطعی ہے۔	۲۳۳	کتاب اللہ کے خلاف شرط معتبر نہیں اگرچہ سو بار ہو۔	۴۳۷
کلمہ "او" تخییر اور "و" شرکت کے لئے ہے۔	۲۳۵	اسقاط شئی قبل از وجوب جائز نہیں۔	۴۳۹
باطل پر کچھ اثر مرتب نہیں ہوسکتا۔	۲۴۵	جس معصیت میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے۔	۴۴۸
تحقق شرط جزاء کو مستلزم ہے۔	۲۴۷	شرع مطہر اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم ہے۔	۴۷۴
تعلیق بالرضاء میں علم بر رضا درکار نہیں۔	۲۴۸	صدہا مسائل ایسے ہیں جن کا ماخذ عرف پر ہے احکام ایمان کی بناء ہے۔	۴۹۷
اذن بغیر قول مسموع کے نہیں ہوسکتا۔	۲۴۸	جملہ مستقلہ بغیر حرف عطف کے ماقبل سے متعلق نہیں ہوتا۔	۵۰۶
		فصل اجنبی عمل حلف کو باطل کردیتا ہے۔	۵۰۶

قسم میں کلما کالفظ ہمیشگی کے لئے ہوتا ہے۔	۵۱۸	شک یقین کو زائل نہیں کر سکتا۔	۵۵۹
نفی پر نفی مفید اثبات ہوتی ہے۔	۵۱۸	الفاظ قسم میں عموم واطلاق ہو تو عموم ہی یقینی ہے نیت تخصیص قضاء معتبر نہ ہوگی۔	۵۶۰
فعل اختیار کے بغیر متحقق نہیں رہتا۔	۵۲۱	دلالت حال عموم میں تخصیص نہیں کر سکتی۔	۵۶۰
عدمی چیز اختیار کے بغیر بھی متحقق ہو جاتی ہے۔	۵۲۱	اس بات کی چند مثالیں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالت حال معتبر نہیں۔	۵۶۱
حاضر میں وصف کا ذکر لغو ہوتا ہے۔	۵۲۲	قسم میں کسی خاص وصف غیر مذکور کی نیت معتبر نہیں۔	۵۶۵
قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں۔	۵۲۲	صفت قیام ترک کلام کی داعی نہیں۔	۵۶۵
قسم کا سبب اور داعی ختم ہو جانے کے باوجود قسم باقی رہتی ہے اس کے زوال سے قسم باطل نہیں ہوتی۔	۵۲۶	حاضر میں وصف لغو ہے۔	۵۶۵
جب قسم کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو تو طرفین کے نزدیک اس شرط کا متصود ہونا ضروری ہے۔	۵۳۱	کوئی شئی مقارنات کے ساتھ متنوع و منقسم نہیں ہوتی۔	۵۷۰
قسم گواہوں کا خلیفہ بنتی ہے تو جب اصل ہو جائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی۔	۵۳۹	تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے۔	۵۸۳
اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی۔	۵۳۹	ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی ولی کو ایصال ثواب کے لئے اجتماع، نذر وصدقہ کے منافی نہیں۔	۵۹۶
مقصود کا منتفی ہونا اور اس کا قصد نہ کرنا دو مختلف چیزیں ہیں۔	۵۴۷	الکتاب کالخطاب۔	۶۱۸
کوئی اختیاری فعل قصد وارادہ کے بغیر ممکن نہیں۔	۵۵۰	مامور بشیئین سے اگر ایک فوت ہو جائے تو دوسری ساقط نہیں ہوتی۔	۶۴۰
مقصود کے انتفاء سے علی الاطلاق اور علی العموم قسم کا باطل ہونا غلط ہے۔	۵۵۰	احدا لمعصیتین کا ارتکاب دوسری معصیت کو مباح نہیں کرتا۔	۶۴۰
جب تک جرم باقی ہو استحقاق انتقام باقی رہتا ہے۔	۵۵۳	**فوائد فقہیہ**	
صلح قسم کو ختم نہیں کرتی۔	۵۵۷	تعلیق کو اصطلاحات شرع میں یمین اور حلف کہا گیا ہے۔	۱۰۲

تحریم حلال یمین ہے۔	۱۰۲	یہ کہنا کہ رجوع کرلینے سے پہلی طلاقیں باطل ہوجاتی ہے گمراہ کلمات ہیں جن پر "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" ہی پڑھا جاسکتا ہے۔	۱۶۸
طلاق صریح عدت کے اندر صریح کو بھی لاحق ہوجاتی ہے۔اور بائن کو بھی۔	۱۰۶	انشاء تعلیق اور تعلیق انشاء میں فرق۔	۱۷۱
طلاق صریح یہ ہے کہ محتاج نیت نہ ہو۔چاہے بائن ہو یا رجعی۔	۱۰۶	طلاق باعتبار صدور مرد کی اور باعتبار وقوع عورت کی صفت ہے۔	۱۷۱
یمین مضاف میں طلاق اگر متفرق معلق کیا ہے تو بے حلالہ دوبارہ شادی ہوسکے گی۔	۱۱۴	یمین الفور کی تخصیص غصہ اور بے اعتدالی طبع سے کرنا دیوبندی اجتہاد ہے ورنہ کتب مذہب میں اس کا کوئی نشان نہیں۔	۱۷۴
حالات تین ہیں رضا،غضب اور مذاکرہ طلاق۔	۱۱۹	یہ جزئیہ کہ رجوع کے بعد طلاق کالعدم نہیں ہوتی۔	۱۹۰
لفظ "کنایہ" میں شوہر عدم نیت طلاق کی قسم کھائے تو اس کی بات مان لی جائے گی نہ قاضی اس صورت میں حکم طلاق دے سکتاہے اور نہ ہی عورت اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ سکتی ہے۔	۱۱۹	بطلان طلاق اور بطلان عمل میں فرق ہے۔	۱۹۶
کنایہ کی صورت میں عدم نیت طلاق کی قسم شوہر سے عورت گھر میں بھی لے سکتی ہے۔	۱۱۹	عرف میں طلاق مغلظ تین طلاقوں کو ہی کہتے ہیں۔	۲۱۲
ترک اضافت ہمیشہ مانع حکم طلاق ہے جبکہ شوہر بحلف انکار نیت کرے۔	۱۲۰	شرط مجہول پر طلاق معلق کرنے سے طلاق اصلاواقع نہ ہوگی۔	۲۱۳
مطلقاً تعلیق سے طلاق بائن واقع نہیں ہوتی۔	۱۴۱	ہر عاقد وحالف کے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔	۲۱۴
یمین فور سے متعلقہ مسائل۔	۱۴۸	بیوی کو کہا انت طالق ان شاء اللہ تو کن صورتوں میں استثناء صحیح اور کن میں غیر صحیح ہوگا۔	۲۱۹
دائن سے مدیون نے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا۔یہ حلف بقاء دین تک رہے گا بعد ادا یا ابراء اذن کی حاجت نہیں۔	۱۵۰	شرط کابین نامہ قبل از نکاح تحریر ہو اور اس میں نکاح کی طرف اضافت نہ ہو تو وہ شرط محض فضول وباطل ہے۔	۲۳۱
طلاق مغلظہ سے عورت حرام ابدی نہیں ہوتی البتہ بے حلالہ شوہر اول کے نکاح میں آنے کے قابل نہیں رہتی۔	۱۵۳	عورت کے ارادہ،رضا اور خواہش پر طلاق کو معلق کرنا تملیک مع التعلیق ہے اور یہ تملیک مجلس تک محدود رہے گی۔	۲۳۲
جب طلاق نہ ہوئی تو رجوع کیسا اور کس سے رجوع۔	۱۶۷		

اسباب غضب ہزاروں ہیں لہذا کسی ایک سبب پر انحصار درست نہیں۔	۲۴۹	نفقہ زوجہ جزائے احتباس ہے۔	۴۳۵
زن نامدخولہ تین طلاق دفعی کی محل ہے۔	۲۵۱	نفقہ اقارب میں منفق کی دو قسمیں ہیں: قادر و عاجز، اور نفقہ زن میں تین قسمیں ہیں: غنی، فقیر، متوسط۔	۴۷۱
طلاق بائن طلاق بائن کو لاحق نہیں ہوتی۔	۲۷۱	غنی فقیر اور متوسط کی اغذیہ کا بیان۔	۴۷۱
"سمجھتاہوں" کالفظ باب ظہار میں تحقیق کے لئے ہے اور باب طلاق میں عدم تحقیق کے لئے۔	۲۸۵	عورت کا شوہر سے طلاق مانگنا خلع نہیں ہے۔	۴۸۳
عورت شیر خوار شوہر پچپیس سالہ ایک تنہا مکان میں یکجائی ہوئی تو خلوت صحیح نہ ہوئی۔	۲۹۸	ناگواری کے ساتھ کسی کے خاموش رہنے کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا۔	۴۸۳
جو طلاق بطور خلع واقع ہو بائنہ ہوتی ہے۔	۳۱۱	کفارہ اس لئے مقرر ہوا کہ اگراحیاناحنث واقع ہو تو یہ اس کا مصلح ہوسکے نہ کہ یہ کفارہ پر تکیہ کرکے جھوٹی قسم کھائے۔	۴۹۹
خلوت کے معنی یہ ہیں کہ مرد و عورت تنہا ایک مکان میں تھوڑی دیر کے لئے اکٹھے ہوں جہاں مباشرت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ مباشرت واقع نہ ہو۔	۳۵۹	گھر میں چھوڑنے کا معنی ترک و تخلیہ ہے جو دو وجہ سے متحقق ہوسکتاہے یا منع بالفعل یا نہی بالقول۔	۵۱۲
فقہ میں عام عادت پر حکم دیا جاتاہے، عادت یہی ہے کہ دو سال سے زائد حمل شکم مادر میں نہیں رہتا، نادرا اس کے خلاف بھی ہوتاہے۔	۳۶۸	اپنے ذاتی گھر میں کلی اختیار کا حاصل ہونا اغلب ہے۔	۵۱۷
حمل کی کم سے کم مدت اور زائد سے زائد مدت کا بیان۔	۳۷۹	نہ چھوڑنے کے لئے کم از کم زبان سے روکنا ضروری ہے۔	۵۱۷
حق حضانت میں نانا اکتالیسویں درجہ میں ہے۔	۳۹۰	تخصیص حال کی ایک صورت۔	۵۲۲
تزوج عصبات کے حق حضانت کے مسقطات میں سے نہیں۔	۳۹۰	آقائے غلام، بادشاہ نے رعایا یا خاوند نے بیوی کو قسم دی یا خود قسم کھائی کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے تو یہ قسم بقاء ملک، بقاء ٹلک اور بقاء زوجیت کے ساتھ مقید ہوگی۔	۵۲۸
نفقہ وارثوں پر بقدر ارث لازم ہوتاہے۔	۳۹۳	قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے۔	۵۳۲
مطلقہ کا نفقہ عدت کے بعد شوہر پر واجب نہیں۔	۴۱۵	اجازت صرف عاقل سے متصور ہوتی ہے۔	۵۳۲
نفقہ عدت کے تابع ہے۔	۴۱۵	قسم اختیاری فعل ہے۔	۵۵۰

بیک وقت تین طلاقیں دینا کیوں گناہ قرار دیا گیا۔	۵۶۲	لفظ جواب طلاق کے واسطے موضوع نہیں یہ ایک ہندی کلمہ ہے جو چند معنوں میں استعمال ہوتا ہے لہٰذا اس سے خاص کر طلاق بائن کا مفہوم سمجھنا دلیل نافہمی ہے۔	۱۳۳
حلالہ میں صرف نکاح پر اکتفاء نہ کرنے اور مجامعت کو شرعاً لازم قرار دینے کی حکمت۔	۵۶۲	حکم شرعی کے معلوم ہونے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا مکر وفریب ہے۔	۱۷۰
کلام۔اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس لئے اس کی قسم شرعی ہے۔	۵۷۴	مفتی کو یصدق دیانۃً نہیں کہنا چاہئے بلکہ ادب یہ ہے کہ لایصدق قضاءً کہے۔	۲۰۷
یمین تحریم حلال ہی ہے۔	۵۷۹	حتی الامکان عاقل بالغ کے کلام کو مہمل نہ چھوڑا جائے۔	۲۷۵
نذر غیر شرعی ونذر شرعی کی تنقیح تام۔	۵۹۱	قول ضعیف پر فتوٰی دینا جہل ومخالف اجماع ہے۔	۳۳۸
مال زکوٰۃ اور خاص نذر کا حکم ایک ہی ہے۔	۵۹۲	شریعت کو فروج میں سخت احتیاط ملحوظ ہے۔	۳۳۸
غیر خدا کے لئے نذر فقہی کی ممانعت ہے۔	۵۹۸	چار برس کے بعد بطور خود زوجہ مفقود کا نکاح کرنا کسی امام کا مذہب نہیں ہے۔	۳۴۴
اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذریں کہی جاتی ہے یہ نذر فقہی نہیں۔	۵۹۸	جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطاء کے عوض لے لیا جائے منسوخ ہے۔	۵۰۵
شراب نوشی پر حد ہے۔پیشاب نوشی پر کیوں نہیں۔	۶۲۵	منسوخ پر عمل جائز نہیں۔	۵۰۵
اجنبیہ سے زنا پر حد ہے محارم سے نکاح پر کیوں نہیں۔	۶۲۵	فقہی احکام کا دار ومدار غالب امور پر ہوتا ہے۔	۵۱۷
افتاء ورسم المفتی		دیانت میں صفت داعیہ وغیر داعیہ دونوں یکساں ہیں اس لئے نیت تخصیص ضروری ہے۔	۵۲۳
روایات شاذہ ساقطہ پر فتوی دینا جائز نہیں۔	۱۱۳	وصف کو ذکر کئے بغیر نیت تو دیانتاً بھی معتبر نہیں چہ جائیکہ قضاءً۔	۵۲۳
جنھوں نے بے علم فتوی دیا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔	۱۲۴	کسی شخص نے کہا اگر میں باہر جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے،اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو دیانتاً اسکی تصدیق کی جائے گی اور کسی خاص مکان مثلاً بغداد کی طرف خروج کی نیت کرے تو صحیح نہیں۔	۵۲۳
جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر زمین وآسمان کے فرشتے لعنت بھیجتے ہیں۔	۱۲۵		

اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ وہ عورت نہیں کرے گا اور نیت کرے ہاشمی عربی یا ترکی یا کوئی خاص نسب والی کی تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی قضاءً نہیں۔	۵۶۵	مصنف "بہشتی زیور" کی علماء حرمین شریفین نے نام لے کر تکفیر کی ہے۔	۳۶۶
ہر عاقد، حالف، ناذر اور واقف کے کلام کو اسی معنی پر محمول کیا جائے گا جو متعارف ہے۔	۵۹۱	امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں ایک بچے کی ولادت کا واقعہ جس کے اگلے چاروں دانت ماں کے پیٹ میں ہی نکل چکے تھے۔	۳۶۸
اسماء الرجال		امام ضحاک کی ولادت کا ذکر اور ان کے نام کی توجیہ۔	۳۷۰
زاہدی قابل اعتماد راوی نہیں۔	۱۱۳	امام محدث عبدالعزیز ماجشونی چار برس حمل میں رہے۔	۳۷۰
زاہدی معتزلی ہے اور ہر رطب ویابس کو جمع کرنے میں معروف غیر ثقہ وغیر معتمد ہے۔	۶۴۲	بنی ماجشون کی عورتوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ بچہ ان کے پیٹ میں چار برس رہتا ہے۔	۳۷۰
تاریخ وتذکرہ		سیدنا حضرت ایوب علیہ السلام کے قسم کھانے کا واقعہ۔	۵۲۶
یمین فور کا استنباط امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا۔	۱۴۸	ایک شخص کا قصہ جس نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر شخص کو پائے تو قتل کردے؟	۵۶۴
محققین نے عمدۃ المدققین علامہ سید میر زاہد کی بعض مشہور تدقیقات کا کثیر وجوہ سے رد کیا ہے۔	۱۷۶	حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کا عجیب فیصلہ۔	۵۷۶
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پر حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلیا مگر اس کے باوجود وہ طلاق شمار ہوئی۔	۱۹۰	حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نذریں قبول فرماتے اور خود بھی تناول فرماتے۔	۶۰۰
		غوث اعظم کی فیاضی اور غریب نوازی کا ایک واقعہ۔	۶۰۱

ایک دہقان کاانوکھاواقعہ۔	۶۰۳	سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کھڑاؤں کا کمال۔	۶۰۰
عرب میں کنیت تعظیم ہے۔	۶۵۵	سرکار غوث اعظم کی یاد سے نجات ملتی ہے۔	۶۰۰
امام ابویوسف امام محمد کے استاذ اور امام اعظم کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۶۵۵	شیخ بقاء بن بطور رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فضائل۔	۶۰۱
فضائل ومناقب		شیخ منصور بطائحی علیہ الرحمۃ کی عظمت۔	۶۰۱
الفقہاکلھم عیال لابی حنیفۃ۔	۱۴۸	شیخ علی بن ہیتی علیہ الرحمۃ کا مقام۔	۶۰۲
امام اعظم ابوحنیفہ اقسام یمین کے اتمام کے استنباط میں متفرد ہیں۔	۱۸۳	ابوسعید قیلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اکابر اولیاء عراق سے ہیں۔	۶۰۲
ماء واحد سے تخلق حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خصائص میں سے ہے۔	۳۵۲	اولیاء اللہ شیروں پر حکومت کرتے ہیں۔	۶۰۴
شرع مطہر میں نسب باپ کی طرف سے لیا جاتا ہے صرف امام حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما اس حکم عام سے مستثنٰی ہیں۔	۳۶۱	علماء دین کی شان ارفع واعلٰی ہے۔	۶۴۵
امام ضحاک مفسر ومحدث ہیں۔	۳۷۰	شان علماء میں گستاخی کرنے والا منافق ہے اور لائق تعزیر ہے۔	۶۴۵
حضرت مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی کا ذکر خیر۔	۴۰۶	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفات کریمہ بایں معنٰی خصائص حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مماثل وشریک نہیں۔	۶۵۵
جو اللہ تعالٰی کے لئے صبر کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کی مشکل کھول دیتا ہے۔	۴۷۴	**بیوع**	
مسجد خیر الاماکن ہے۔	۴۸۷	بیع بالعشرۃ دو نوع پر ہے، ایک بیع بعشرۃ مفردۃ اور دوسری بیع بعشرۃ مقرونہ۔	۱۴۵
امام نجم الدین عمر نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن وانس کے مفتی ہیں۔	۵۶۴	**اجارہ**	
امام اجل ابوالحسن نورالملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر شطنوفی بے نظیر امام ہیں۔	۵۹۹	مکان کرایہ کا ہو تو دوران عدت اس میں رہنے کا کرایہ خاوند پر لازم ہے۔	۳۱۱
شمس الدین ذہبی فن رجال کے امام ہیں۔	۵۹۹	وفات پانے والی عورت نے بچہ چھوڑا، اہل حضانت میں صرف ماں کی پھوپھی موجود ہے تو بچہ اسی کی پرورش میں دیں گے۔ اجرت لینی چاہے تو باپ سے دلادیں گے۔	۳۹۸

طاعت پر اجارہ باطل ہے۔	۵۹۵	عورت نے اپنے نفقہ کے لئے باہمی تراضی یا قضاء قاضی کے بغیر جو قرضہ لیا اس کی ذمہ دار وہ خود ہے اور تراضی یا تقریر قاضی کے بعد اگر اپنے مال سے بھی خرچ کرے تو اس کو شوہر سے وصول کرسکتی ہے۔	۴۲۲
متاخرین نے امامت، اذان اور تعلیم القرآن پر اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔	۵۹۵	اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد۔	۴۳۹
کفالہ		حاکم نے قرض لے کر بچہ پر صرف کرنے کا حکم دیا ہو تو اس کا مطالبہ باپ پر ہے۔	۴۶۲
کفالہ بشرط براءۃ اصیل حوالہ ہے۔	۴۳۹	**ہبہ**	
پدر زن وجوب نفقہ سے پہلے اس کو اپنے ذمہ بطور حوالہ نہیں لے سکتا۔ ہاں بطور کفالہ ہو تو صحیح ہے۔	۴۴۳	ہبہ میں تعلیق باطل ہے۔	۲۰۲
والد کا متکفل نفقہ پسر وزن پسر ہونا ہمارے بلاد میں معمول ہے۔	۴۵۵	لڑکی کسی کو ہبہ کردی شرعاً اس کی نہ ہوئی نہ اس کے پاس رہ سکتی ہے نہ اس کے نکاح کی ولایت اس کو حاصل ہے اس پر جو خرچ کیا تبرع ہوا۔	۴۱۲
عورت نشوز چھوڑ دے تو اب کفیل سے مطالبہ کرسکتی ہے جبکہ کفالت موقت نہ ہو۔	۴۶۰	رہنے کو مکان دینا مالک کردینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے۔	۴۸۱
حوالہ		**ضمان**	
حوالہ نقل دین ہے۔	۴۳۹	عورت کی نافرمانی کی وجہ سے شوہر کام کے لئے نوکر رکھے اس کا تاوان عورت پر نہیں ہے۔	۴۸۳
جہاں دین معدوم ہو وہاں حوالہ متحقق نہیں ہوسکتا۔	۴۴۰	عورت نے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے اعزہ کی شادی وغیرہ پر جو خرچ کیا وہ شوہر وصول کرسکتا ہے۔	۴۸۳
جہالت مال کی صورت میں حوالہ صحیح نہیں ہوتا۔	۴۴۰	نماز نہ پڑھنے پر کسی کو مارپیٹ کی، اس کی گھڑی ٹوٹ گئی تو قیمت دینی ہوگی۔	۶۴۶
قرض			

اقرار		دعوی	
شوہر نے بعد نکاح اقرار نامہ لکھا، اگر مہر النساء کی رضا اور غبت کے بغیر دوسری شادی کروں تو دُوسری کو طلاق، تو عدمِ رضا کا ثبوت اقرارِ زوجہ سے ہوا ہے اس کے طلاق واقع نہ ہوگی۔	۲۴۷	نان ونفقہ نہ ملنے کے بارے میں عورت محتاج گواہان نہیں بلکہ اس کا بیان حلفی کافی ہے	۲۲۰
جس شرط کا علم عورت کے ہی بتانے سے ہو اُس میں اسی کے قول کا اعتبار ہے۔	۲۵۳	اگر میاں بیوی وجود شرط میں اختلاف کریں تو شوہر کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۲۲۱
جس نے حمل کے لئے اقرار کیا کہ میرے زنا سے ہے اور مستحقِ سزا ہے۔	۳۱۶	مظاہر کفارہ نہ دے تو عورت اس پر دعوی کرسکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے۔	۲۸۳
شوہر کے مرنے کے بعد دو۲ سال کے اندر بچہ پیدا ہُوا اور عورت عدّت ختم ہونے کا اقرار نہ کرچکی ہو تو لڑکا صحیح النسب ہوگا اور اقرار کرچکی ہو تو مجہول النسب ہوگا۔	۳۱۶	ناکتخدا عورت خواب میں ہمبستری سے حمل ہونے کا دعوی کرے تو اس کا یہ قول مکروہ قرار دیا جائے گا اور ہرگز تسلیم نہ کیا جائے گا۔	۳۵۲
عورت انقضائے عدّت کی دعویدار ہے تو اُس کا قول بقسم معتبر ہوگا۔	۳۲۱	جن سے نکاح کا دعوی کرے تو دعوی غلط ہوگا۔	۳۵۲
منکوحہ کی ماں سے زنا کا اقرار کرتے ہی نکاح فاسد ہوجاتا ہے اگرچہ کہے کہ میں نے جھوٹا اقرار کیا۔	۴۵۷	معلقہ عورت حاکم عدالت سے فریاد کرکے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں۔	۴۴۶
حجر		نکاح کے بعد ایک دفعہ صحبت کرنا حقِ زن ہے، اگر شوہر حق ادا نہ کرے تو عورت قاضی کے یہاں دعوی تفریق کرسکتی ہے۔	۴۴۶
عورت کے لئے حد صغر ۹ سال ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہرگز نہیں ہوتی۔	۲۹۴	وعدہ کی بناء پر دعوی نہیں ہوسکتا۔	۴۸۱
عورت کے لئے آثار بلوغ کیا ہیں۔	۲۹۴	مدعی کا قول مسموع نہیں۔	۶۱۴
آثار بلوغ پائے تو بالغہ ورنہ پندرہ سال کامل کی عمر پر جوانی کا حکم کردیں گے۔	۲۹۴	**شہادت**	
		مدعا علیہ کو شہادت پیش کرنے کا ذمہ دار ٹھہرانا جہالت کا واضح نمونہ ہے۔	۱۲۳

شروط میں نفی پر بینہ مسموع ہیں۔	۲۲۱	زنا کی شہادت میں وقت کا اختلاف ہُوا شہادت مردود ہوگی۔	۶۲۳
عدمِ اذن محل شرط میں گواہوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔	۲۴۹	عورتیں زنا کے بارے میں گواہ ہو ہی نہیں سکتیں۔	۶۲۳
عدم رضاء ورغبت کا ثبوت شہادت سے نہیں ہوسکتا۔	۲۴۹	سُنی سنائی گواہی تو دُور کوڑی کے مال میں بھی مقبول نہیں چہ جائیکہ زنا جیسا اہم معاملہ ہو۔	۶۲۳
شہادت علی النفی مقبول نہیں۔	۳۵۰	باہر سے سُن کر زنا کی گواہی دینی نامقبول ہوگی۔	۶۲۳
نکاح میں ایک گواہ معاینہ اور ایک اقرار بیان کرے تو یہ اختلاف شرعًا موجب ردِ شہادت ہے۔	۳۵۶	**قضاء**	
قسم کھا کر وعدہ خلافی کرنے والوں کو نہ حکم بنایا جائے اور نہ ہی اُن کی گواہی سُنی جائے۔	۵۷۹	عورت کو خود اپنے معاملے میں بایں معنی قاضی بتانا کہ اس کا حکم مثل حاکم شرح نافذ ہے صریح جہالت ہے۔	۱۲۳
کافر کی گواہی قبول نہیں۔	۶۱۴	جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں وُظالم ہیں، جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں، جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ کافر ہیں۔	۱۲۴
اثبات زنا کے لئے کیسے گواہ درکار ہیں۔	۶۱۵	خلوت میں عورت نے مہر معاف کیا پھر انکاری ہو کر خدانا ترسی کرتے ہوئے قاضی کے پاس شوہر پر دعوی کردیا تو قاضی ذمہ شوہر پر مہر کو ثابت قرار دے گا۔ معاملہ باطنی قاضی حقیقی عالم الغیب والشادۃ کے سپرد ہے۔	۴۴۲
زنا کی شہادت کے الفاظ کا بیان۔	۶۱۵	قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا۔	۴۴۲
بیہودہ بے معنی اور بے اصل گواہوں سے زنا قیامت تک ثابت نہیں ہوسکتا۔	۶۲۲	شوہر جماع نہ کرے نہ طلاق دے تو قاضی شوہر کو ان دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے گا اگر نہ مانے قید کرے گا پھر نہ مانے تو مار کی سزا کریگا۔	۴۴۸
شہادت سے زنا کے ثبوت کے لئے شرائط کا بیان۔	۶۲۳	عدم ادائے نفقہ کی صورت میں قاضی جبر نہ کریگا۔	۴۴۹
اگر شہادت زنا کی شرائط پُوری نہ ہوں تو خود گواہی دینے والوں پر حد قذف جاری ہوگی۔	۶۲۳	شافعی قاضی کا بسبب عجز نفقہ تفریق کا حکم احناف کے نزدیک بھی نافذ نہ ہوگا۔	۴۵۰
ایک گواہ نے زنا کی عینی شہادت دی کہ کالمیل فی المکحلۃ دیکھا، دُوسرے نے ننگے لیٹے ہوئے ہونے کی، نہ زنا ثابت ہوگا نہ حد جاری ہوگی۔	۶۲۳	قاضی حنفی اپنے مسلک کے خلاف حکم نہیں کرسکتا اگر کرے گا تو نافذ نہ ہوگا۔	۴۷۶

شوہر نان ونفقہ سے عاجز ہو تو کیا قاضی کو زوجین میں تفریق کا حق ہے۔	۴۸۰	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اُسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔	۴۷۴
شوہر نفقہ نہ ادا کرے تو قاضی اس کو مجبور کرے گا یا نفقہ دے یا طلاق دے۔	۴۸۰	جو اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔	۴۷۵
منزل من اللہ کے خلاف فیصلہ کرنے والے ظالم ہیں۔	۶۱۸	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کردے گا۔	۴۷۵
عقائد وکلام		اللہ سچا ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں، شیطان جھوٹا ہے اور اس کے ڈراوے جھوٹے ہیں۔	۴۷۵
بندہ تغییر حکم شرع کی قدرت نہیں رکھتا۔	۱۳۷	شراب پینا گناہ کبیرہ اور اس کو حلال جاننا کفر ہے۔	۴۸۶
حرام قطعی کو حلال کہنا فقہی حکم کے مطابق قطعی کفر ہے۔	۱۹۷	اسلام کا احتمال بعید ہوتے ہوئے بھی کسی پر کفر کا حکم نہیں لگانا چاہئے۔	۴۸۸
طلاق مغلظہ کے بعد عورت کو شوہر کے لئے حلال قرار دینے والے مفتیوں کی بیویاں اُن پر حرام ہو گئیں اُن پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم ہے۔	۱۹۷	شوہر کے کسی قول یا فعل سے جب تک کُفر ثابت نہ ہو جائے عورت کے نکاح سے نکلنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔	۴۸۸
بہت سے احکام الٰہی تعبدی ہیں اور جو معقول المعنی ہیں انکی حکمتیں بھی من وتُو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔	۲۹۷	اُس شخص کا حکم جو یہ کہے کہ نہ میں مسجد میں آتا ہُوں نہ اس کی تعمیر میں کوئی درہم دیتاہُوں میرا مسجد میں کیا کام ہے۔	۴۸۸
احکامِ الٰہیہ میں چُون وچرا اور بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم و برکات کا دروازہ بند کرنا ہے۔	۲۹۷	مرنے کے بعد جو حیات ملتی ہے وُہ دُنیوی حیات کا غیر ہے۔	۵۳۲
عام روافض زمانہ کافر ومرتد ہیں۔	۳۱۵	حیات ایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہا واپس لانا ممکن نہیں۔	۵۳۲
جو اللہ پر بھروسا کرے اللہ اس کو مخلوق سے بے پروا کرتا ہے۔	۳۳۹	رُوح اور حیات ایک دُوسرے کے مغایر ہیں۔	۵۳۲
اللہ ورسول سے زنا کی اجازت مانگنی کفر ہے۔	۴۷۴	اہلسنت کے نزدیک توبہ کو قبول کرنا واجب اصلی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی پر کچھ واجب نہیں ہوتا۔	۵۵۴
رزق اللہ پر ہے شوہر رازق نہیں۔	۴۷۴	ماتریدیہ کے نزدیک مطیع کو سزا دینا محال عقلی ہے۔	۵۵۴

معتزلہ کے نزدیک توبہ کو قبول کرنا اللہ تعالٰی پر واجب ہے۔	۵۵۴	مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو بُھوت خانہ کالی گھر کی مثل کہنا گستاخی وتوہین وکلمہ کفر ہے۔	۵۸۳
توبہ کو قبول کرنا محض اللہ تعالٰی کا فضل ہے۔	۵۵۴	نذر والے کی نیت اگر یہ ہو کہ منت ماننے سے مقدر بدل جائے گا اور تقدیر کا نوشتہ پلٹ جائے گا، تو یہ اعتقاد فاسد ہے اور ایسی نذر سے رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔	۵۸۷
ابقا جو کہ حیّ وقیوم کا فعل ہے محققین کے نزدیک وجودی ہے۔	۵۶۷	اولیاء کرام کے علومِ غیبیہ۔	۶۰۳
امام الحرمین، امام رازی اور قاضی ابو بکر باقلانی کے مذہب پر بقاءِ عین وجود ہے نہ کہ وجود پر امر زائد، لہٰذا ابقاء بمعنی ایجاد ہوگا۔	۵۶۷	اولیاء اللہ جانوروں کی گفتگو سمجھتے ہیں۔	۶۰۳
ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر بقاء جواہر سمیت ہر چیز کے امثال کے تجدد کا نام ہے۔	۵۶۷	اولیاء اللہ کے تصرفات وعلوم غیبیہ۔	۶۰۴
خالق وباری کی طرح صفتِ قیوم کا اطلاق بھی غیر اللہ پر جائز نہیں بلکہ اس پر علماء نے تکفیر کی ہے۔	۵۶۷	ولیوں کے قدموں پر گرنا اور قدمبوسی کرنا۔	۶۰۴
ایسی چیز کی نسبت اللہ کی طرف کرنا جو اس کے شایانِ شان نہ ہو یا جہالت، نقص اور عجز کی نسبت اس کی طرف کرنا یا صفات مختصہ باللہ کا اطلاق غیر اللہ پر کرنا کفر ہے۔	۵۶۷	اللہ تعالٰی اولیاء سے کوئی چیز مخفی نہیں رکھتا۔	۶۰۵
جو ابقاء بشر کی طرف سے ہو وہ ترک ازالہ کا نام ہے (نہ کہ ایجاد کا)	۵۶۸	دلی خطرہ پر ولی کی نظر۔	۶۰۵
جو ابقاء بشر کی صفت ہے وُہ عدمِ فعل ہے، نہ کہ فعل۔	۵۶۸	مجموعہ خطب مولفہ مولوی الہ کے وہ اشعار جو استفتاء میں مذکور ہیں موافق اہلسنت نہیں ہیں۔	۶۰۸
اس شُبہہ کا ازالہ کہ کبھی انسانی ابقاء فعل سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جیسے زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھنا، تو یہ زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے۔ حالانکہ باندھنا فعل ہے۔	۵۶۸	زنا مسلمہ اور کافرہ سب کے ساتھ حرام ہے، زنائے کافرہ کو جو حلال قرار دے تو کفر ہے۔	۶۲۴
کسی کو باندھنا خود ابقاء نہیں بلکہ مستلزم ابقاء ہے۔	۵۶۸	کُتوں اور سُوروں کو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کہنا سخت وشنیع جملہ ہے۔ توبہ اور تجدید اسلام کرے۔	۶۴۷
صفات الٰہیہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر ذات۔	۵۷۴	کافروں کا نسب حضرت آدم علیہ السلام سے منقطع ہے۔	۶۴۷

کفار کو کتے اور سُور کہنے والے پر کوئی الزام نہیں کیونکہ کافر تو کُتوں اور سُوروں سے بھی بدتر ہیں۔	۶۴۷	حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے اپنی بعض صفات کریمہ کا اپنے مستفیضوں اور خادموں اور غلاموں پر پرتو ڈال دیا جیسے علیم، حلیم اور بشیر و نذیر وغیرہ۔ان صفات کی تجلی جس میں متحقق ہو اس پر ان صفات کے اطلاق میں حرج نہیں۔	۶۵۶
حرام قطعی کا استحسان کفر ہے۔	۶۴۸	**سِیَر**	
عورت نے کہا خدا جانے آپ کو فلاں گھر سے کیوں عشق ہے، مرد نے کہا "خدا جانے" اس پر عورت نے کہا "کچھ بھی خدا جانے نہیں" یہ جملہ کفر نہیں۔	۶۴۹	نماز روزہ سے مضحکہ کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۲۶۵
علم الٰہی سے کسی شیئ کی نفی اس علم سے نفی ہے کہ واقع ہوتا تو ضرور علم میں ہوتا۔	۶۴۹	غیر مدخولہ کا شوہر اسلام سے خارج ہو جائے تو وُہ بلا عدت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے عدت لازم نہیں۔	۲۶۵
تین شخصوں کا ہلکا جاننے والا منافق ہے، ایک وُہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، دوسرا عالم، تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔	۶۵۰	مرتد و مرتدہ کا نکاح کسی ملت و مذہب والے سے نہیں ہو سکتا، نہ مومنین سے نہ کفار سے۔	۳۱۵
مرتکب کبیرہ کے اسلام اور نکاح میں خلل نہیں آتا۔	۶۵۱	قیام حدود کے لئے اسلامی حکومت اور امام درکار ہے۔	۳۱۶
عالم کے ساتھ سُوءِ ادبی سے آدمی مستحقِ تعزیر ہے۔	۶۵۳	جس شہر میں کوئی عالم دیندار ہو تو امور مسلمین میں اسی کی رائے معتبر ہوگی اور چند علماء ہوں تو اعلم علمائے بلد کو حق ہے۔	۴۰۳
یہ کہنا کہ خدا شرک کو بھی بخش دے گا یا یہ کہنا "آیات و احادیث کچھ نہیں" صریح کفر ہے۔	۶۵۴	اگر غیر مسلم حکومت مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں آزادی کسی حد تک محدود کر دے تب بھی جہاں تک آزادی ہے اس پر کارروائی لازم ہے۔	۴۰۳
حکمِ کفر کا اطلاق تارک صلوٰۃ پر حدیث شریف میں ہے یہ مسئلہ فقہیہ نہیں کلامی ہے۔	۶۵۴	جس عورت نے مرتدہ ہونے کا ارادہ کیا وہ اسی وقت مرتدہ ہو گئی۔	۴۷۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام سادہ اور پیر کا آداب والقاب کے ساتھ سُوء ادبی ہے، اور پیر کی عظمت حضور سے زیادہ ہو تو کفر ہے۔	۶۵۵	مقاماتِ مقدسہ کی تصویر چھانٹ کر گندگی میں ڈالنا اگر وہابی عقائد کی بنیاد پر ہو کہ یہ سب بدعت ہے۔ تو جہل و گمراہی ہے اور ان مقامات کی تحقیر مقصود ہو تو کفر ہے۔	۴۸۶

دیوتاؤں کی تصویریں تزئین کے لئے لگائے توگناہ کبیرہ اور تعظیم معبودانِ مقصود ہو تو کفر ہے۔	۴۸۷	چھٹی خطاء۔	۱۷۳
عورت کو نماز و روزہ سے روکنا اور شراب پینے پر مجبور کرنا یونہی توگناہ کبیرہ شدیدہ اور فرضیت صلٰوۃ یا حُرمت خمر کے انکار کے طور پر ہو تو کفر ہے۔	۴۸۷	ساتویں خطاء۔	۱۷۴
استخفافِ شرع کُفر ہے۔	۴۸۷	آٹھویں خطاء۔	۱۷۴
رَدِّبدمذہباں		نویں خطاء۔	۱۷۴
ایک دیوبندی مفتی کے غلط اور جہالاتِ صریحہ پر مشتمل فتوٰی کا زور دار اور مدلل رد بلیغ۔	۱۱۷	دسویں خطاء۔	۱۷۵
دیوبندی مفتی کی جہالتوں میں سے پہلی جہالت کا بیان۔	۱۲۲	گیارھویں خطاء۔	۱۷۶
دوسری جہالت کا بیان۔	۱۲۳	بارھویں خطاء۔	۱۷۷
تیسری جہالت کا بیان۔	۱۲۳	تیرھویں خطاء۔	۱۷۷
چوتھی جہالت کا بیان۔	۱۲۳	چودھویں خطاء۔	۱۷۷
پانچویں جہالت کا بیان۔	۱۲۴	پندرھویں خطاء۔	۱۷۸
چھٹی جہالت کا بیان۔	۱۲۴	سولھویں خطاء۔	۱۷۸
ساتویں جہالت کا بیان۔	۱۲۵	سترھویں خطاء۔	۱۷۹
دیوبندی مولوی وجیہ اللہ کے فتوٰی کا پچیس ۲۵ وجوہ سے رد بلیغ۔	۱۶۹	اٹھارھویں خطاء۔	۱۸۰
دیوبندی فتوی کی پہلی خطاء۔	۱۷۰	انیسویں خطاء۔	۱۸۱
دوسری خطاء۔	۱۷۱	بیسویں خطاء۔	۱۸۲
تیسری خطاء۔	۱۷۲	اکیسویں خطاء۔	۱۸۴
چوتھی خطاء۔	۱۷۲	دیوبندی گمراہی کا جوش۔	۱۸۴
پانچویں خطاء۔	۱۷۳	دیوبندی تعلیم نے قرآن و حدیث اور ائمہ قدیم و جدید کا اجماع پس پشت ڈال دیا۔	۱۸۴
دیوبندی مفتی کی جہالت کہ شرح وقایہ کی عبارت کو نہ سمجھ سکا۔	۱۷۳	دیوبندی مقصدِ شریعت کو پامال اور جاہلیت کے ظلم و ستم کو دوبارہ زندہ کر رہے ہیں۔	۱۸۹

www.dawateislami.net

بائیسویں خطاء۔	۱۹۰	دیوبندی عقیدہ والے مرتدین ہیں ان سے میل جول منع ہے۔	۶۱۹
دیوبندی تعلیم کی حدیث سے مخالفت۔	۱۹۲	**منطق**	
تیئیسویں خطاء۔	۱۹۲	اگر کوئی شیئ معدوم ہو تو اس کی نقیض موجود ہوتی ہے۔	۱۴۳
ہزارہا عبارات دیوبندی مفتی کی گمراہی کے بطلان پر شاہد ہیں۔	۱۹۲	عدم بے سلف کلی متحقق نہیں ہوتا۔	۱۵۱
دیوبندی تعلیم ائمہ اُمت کے مخالف ہے۔	۱۹۵	عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی صادق نہیں رہتا۔	۱۵۲
چوبیسویں خطاء۔	۱۹۵	قضیہ طبعیہ کا موضوع کلیت کا معروض ہوتا ہے۔	۱۷۶
دیوبندی مفتی کی انتہائی غباوت اور گمراہی۔	۱۹۵	کلیت معقولات ثانیہ میں سے ہے۔	۱۷۶
نجدیت کی بدعقلی اور کج فہمی۔	۱۹۶	طبعی قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے نہ کہ خارجیہ۔	۱۷۶
پچیسویں خطاء۔	۱۹۶	دخول مطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے اور وُہ اس وقت تک منتفی نہیں ہوتا جب تک جمیع افراد دخول منتفی نہ ہوجائیں۔	۱۷۹
دیوبندی مجتہدین کی دین اور شریعت میں نئی بدعت۔	۱۹۷	نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں۔	۵۷۰
وہابی گمراہ بے دین مسئلہ طلاق ثلٰثہ میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں۔	۲۰۷	وجودی چیز عدمی چیز کی قسم نہیں بن سکتی۔	۵۷۰
دیوبندی حضرات دیو جہالت کے ایسے اسیر ہیں کہ سوال سمجھے بغیر اپنا اجتہادی جواب دے دیتے ہیں۔	۵۷۱	**نحو**	
مفتی دیوبندی کے جواب پر اعلحضرت علیہ الرحمۃ کا تبصرہ۔	۵۷۳	فعل متعدی بغیر مفعول بہ کے متحقق نہیں ہوتا۔	۵۷۷
دیوبندی مفتی کی جہالت کہ رکھنے اور چھوڑنے میں فرق نہ سمجھ سکا۔	۵۷۳	**دُعا**	
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی عبارتوں کے پندرہ عظیم وہابیت کُش فوائد۔	۶۰۷	نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دعا پڑھنا حدیث میں آیا ہے۔	۳۶۷

توبہ واستغفار		جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرے اس پر خدا اور سب فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت ہے، اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔	۳۶۱
تم سے صحبت کروں تو ماں سے زنا کروں، اس قول سے توبہ و استغفار لازم آتا ہے اور بس۔	۲۸۹	مرتکب کبیرہ کا جہل اس کے گناہ کبیرہ ہونے سے خارج نہیں کرے گا بلکہ خود دوسرا گناہ ہے۔	۳۷۸
توبہ کے لئے ندامت اور گناہ سے تبری ضروری ہے۔	۶۴۹	عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا گناہ ہے۔	۳۷۸
شوہر سے بدزبانی ناشکری ہے جس پر عورت کو توبہ چاہئے۔	۶۴۹	اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اس کے بچے میں جُدائی ڈالے۔	۴۱۱
ترغیب وترہیب		رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔	۴۱۱
شرع مطہر میں مفتری کی سزا سلطانِ اسلام کے یہاں اسی ۸۰ کوڑے ہیں۔	۱۲۴	قسموں کو ڈھال بنانے والوں کی قرآن عظیم میں مذمت آئی ہے۔	۴۹۹
شریعتِ مطہرہ پر افتراء اللہ عزوجل پر افتراء ہے جو بے ایمان ہی کرسکتا ہے۔	۱۲۴	طلاق مبغوض اور گناہ مغضوب ہے۔	۵۵۶
لوگوں میں بدبخت ترین وہ شخص ہے جو دوسرے کی دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کردے۔	۱۶۹	صلح وآشتی محبوب اور شرعاً مطلوب ہے۔	۵۵۶
دیوث اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام اور اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت ہوتی ہے۔	۲۳۷	عہد پر قائم رہنے والوں پر طعنہ کرنے والوں کے اسلام میں فرق آنے کا خطرہ ہے۔	۵۷۹
حدیث کی رُو سے تین اشخاص جنت میں نہیں جائیں گے: ماں باپ کو ناحق اذیت دینے والا اور دیوث اور مردوں والی وضع بنانے والی عورت۔	۲۳۷	قرآن شریف اٹھا کر عہد کرنا اور پھر توڑ دینا قرآن شریف کی توہین ہے جس پر بہت جلد توبہ صادقہ کرے ورنہ عذاب عظیم والیم اور نار جحیم کا منتظر ہے۔	۶۱۰
شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔	۲۳۷	شرابی کی اُخروی سزا کا بیان۔	۶۱۱
زوجہ مفقود اور اس کے محارم کو ہدایت ونصیحت۔	۳۴۰	بغیر دیکھے کسی مسلمان پر تہمت لگانا کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا سخت حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے، ایسی تہمت لگانے والا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔	۶۱۴

دیوث پر جنت حرام ہے۔	۶۲۶	شوہر اگر اپنے پاس بُلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا کوئی اختیار نہیں۔	۲۱۶
بلاوجہ شرعی جس نے کسی مسلمان کو ایذادی اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذادی۔	۶۴۴	عورت شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے تو نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔	۲۱۶
مسلمان کو کافر کہنے پر سخت وعید۔	۶۵۲	بے علم کو علماء سے صرف حکم شریعت دریافت کرنا چاہئے نہ یہ کہ صفحہ وسطر جانچے۔	۲۱۷
حظر واباحت		عورت کو ناچ گانے کی اجازت دینا حرام قطعی ہے اور ایسا کرنے والا شوہر دیوث ہے۔	۲۳۷
زوجہ کو شوہر سے برگشتہ بنانا شیطان کا کام ہے۔	۱۲۵	شوہر طلاقِ مغلظہ دے کر منکر ہوگیا عورت کو طلاق کا یقین ہے تو جیسے ہوسکے اس سے دُور بھاگے اور اس پر قادر نہیں تو وبال شوہر پر ہے۔	۲۴۲
حضور اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان عالی ہے کہ جو کسی مرد سے اس کی زوجہ کو برگشتہ کرے وُہ ہمارے گروہ سے نہیں۔	۱۲۵	صوم وصلوٰۃ کی پابند لڑکی کی بد خصلت اور بے نماز شوہر سے بیزار ہوکر خلع کرنا چاہتی ہے، کیا شرعًا ایسا کرسکتی ہے۔	۲۶۴
طلاق کی قسم شرعًا ناپسندیدہ ہے۔	۱۹۸	بیوی کو ماں کہنے والا گنہگار اور دروغ گو ہے۔	۲۷۰
طلاق کی قسم کھانا موومنانہ نہیں منافقانہ فعل ہے۔	۱۹۸	اگر کفارہ ظہار کی ادائیگی سے قبل شوہر نے وطی کی تو استغفار کرے اور فقط ظہار کا کفارہ دے۔	۲۸۴
وعظ کیسے واعظ کو کرنا چاہئے۔	۱۹۹	میاں بیوی کا آپس میں ایک دوسرے کو ماں بیٹا کہہ لینا لغو ہے اور یہ کلام باعثِ گنہگاری ہے۔	۲۸۸
جو کسی بات پر قسم کھالے پھر دیکھے کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو وہی بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دے لے۔	۱۹۹	عورت کا پستان منہ میں لے لینا کچھ نہیں۔	۲۸۸
اغراض فاسدہ کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصارٰی کی سنت ہے۔	۱۹۹	مرد کو بیوی کا دُودھ پینا حرام مگر نکاح میں خلل نہیں آتا۔	۲۸۸
نااہل کے وعظ کہنے کی مذمت احادیثِ کریمہ سے۔	۱۹۹	عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو دوسرے مرد کے ساتھ رہنا یا اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔	۲۹۴
کیسے واعظ کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں۔	۲۰۰	دورانِ عدت بیوہ نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔	۲۹۷
بیوی اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ وآئندہ اولاد کی وہی مالک ہوگی او باپ کے گھر بیٹھے نفقہ پائے گی، یہ سب شرطیں خلافِ شرع ومردود ہیں۔	۲۱۵	سوائے شوہر کے عورت کو کسی کے لئے تین دن سے زائد سوگ جائز نہیں۔	۲۹۸

شرع مطہر بدگمانی کو سخت حرام فرماتی ہے۔	۳۰۰	اللہ تعالٰی کے فرض کی ادائیگی میں حیلے بہانے نہ کئے جائیں۔	۳۳۰
زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت نہیں، نہ اس کے لئے کوئی عدت۔	۳۰۰	عدت وفات میں عورتوں کو کیا چیزیں منع ہیں۔	۳۳۱
موطوہ بیوی کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز وحرام ہے۔	۳۰۹	عدت کے اندر نکاح کا پیغام حرام ہے۔	۳۳۲
منکوحہ غیر کو بے طلاق اپنے پاس رکھنے والا فاسق معلن ہے۔	۳۱۶	عورت کا غیر شخص کے پاس ٹھہرنا حرام ہے۔	۳۳۲
معتدہ غیر سے لاعلمی میں نکاح کرکے صحبت کی تو صحبت حرام ہے لیکن گناہ نہ ہوگا۔	۳۱۷	معتدہ وفات کو کن حالات میں موضعِ عدت سے منتقل ہونے کی اجازت ہے۔	۳۳۳
متوفی عنہاز وجہاعدت میں بضرورت صرف دن میں باہر جاسکتی ہے۔	۳۱۷	معتدہ کے نکاح میں جتنے لوگ اس سے واقف ہو کر شریک و ساعی ہُوئے سب حرامِ عظیم ہیں مبتلا ہُوئے۔	۳۵۹
عدت کے اندر نکاح حرام ہے۔	۳۱۷	عورت کو بلاوجہ شرعی گھر سے نکالنے پر شوہر گنہگار ہوگا۔	۳۶۱
جب تک عدت نہ گزرے نکاح تو نکاح، نکاح کا پیغام دینا حرام قطعی ہے۔	۳۱۹	بے نکاح جدید مرد کے لئے عدت بائن میں قربت حرام ہے۔	۳۶۳
کسی کو پیسے دے کر اس کی بیوی کو طلاق، دلوانا تاکہ خود اس سے شادی کرے یہ رشوت ہے۔	۳۱۹	کتاب "بہشتی زیور" کا دیکھنا حرام ہے اس میں بہت مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں۔	۳۶۶
پیش از انقضائے عدت نکاح قطعًا ناجائز وحرام ہے اور ان پر جُدا ہونا فرض ہے۔	۳۲۳	دوسرے کی عورت بھگالے جانے والا زانی ہے، مسلمان اس سے قطع تعلق کریں اور اس دوران جو بچے پیدا ہُوئے اُن کا نسب اصل شوہر سے ثابت ہے۔	۳۷۷
عدت وفات میں عورت شوہر کے مکان سے باہر نہیں جاسکتی، ہاں جو عورت کسبِ معاش کے لئے مجبور ہو وہ دن میں جائے اور رات اس گھر میں گزارے۔	۳۲۷	بے ثبوت قطعی شرعی کسی کو زانی قرار دینا درست نہیں۔	۳۸۱
کن مجبوریوں کے سبب عورت کو عدتِ وفات میں گھر سے نکلنے کی اجازت ہے۔	۳۲۸	باوجود فراش صحیح بچہ کو ولد الحرام قرار دینا ناجائز ہے۔	۳۸۱
		عورت لڑکے کے نامحرم سے شادی کرے تو اُس لڑکے کو ماں کی پرورش سے نکال لیا جائیگا لیکن ماں سے ملنے جلنے کو روکنا حرام ہے۔	۴۱۱

عورت آٹھویں دن اپنے والدین یہاں بے اذنِ زوج بھی جاسکتی ہے۔	۴۱۹	غلبہ خواہش پر قابو پانے کے لئے روزے رکھے جائیں۔	۴۷۴
والدین کے علاوہ دیگر محارم کی زیارت کو عورت سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے چاہے شوہر اجازت دے یا نہ دے۔	۴۲۰	مادر زن کا شوہر سے نصف آمدنی مانگنا ظلم ہے جبکہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو۔	۴۷۷
وعدہ پر جبر نہیں۔	۴۳۵	عورت آٹھویں دن دِن بھر کے لئے اپنے والدین کی ملاقات کے لئے بے اذنِ شوہر بھی جاسکتی ہے۔	۴۷۸
بدفعلی کرنے والی عورت اپنے جُرم کے مطابق مستحقِ حد یا تعزیر ہوگی شوہر اس کے اس فعل پر راضی نہ ہو اور اس کے حقوق واجبہ میں کوتاہی نہ کرے تو اس پر کوئی وبال نہیں۔	۴۴۳	غیر محارم کے یہاں عورت شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جا سکتی۔ شوہر اگر اجازت دے گا تو گنہگار ہوگا۔	۴۷۸
جن کے نفقے ذمے ہوں ادا نہ کرنا سخت گناہ ہے۔	۴۵۴	زید آوارہ بدچلن ہے، علاوہ ازیں بیوی کے نان ونفقہ کا کفیل بھی نہیں ہو سکتا تو بیوی کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے یا نہیں۔	۴۸۰
عورت کے نفقہ کا بوجھ دُوسرا اٹھاتا ہو تب بھی مستثنیات کے علاوہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاسکتی۔	۴۵۴	وفاء وعدہ پر جبر نہیں۔	۴۸۱
عورت والدین کی زیارت کو آٹھویں دین اور دیگر محارم کے یہاں سال بعد ایک دن بلا اذنِ شوہر بھی جاسکتی ہے بشرطیکہ رات شوہر کے پاس آجائے۔	۴۵۴	عورت شوہر کی نافرمانی کرے تو سخت گنہگار ہے۔	۴۸۳
عورت کے لیے شوہر کی طرف سے کہیں جانے کی ممانعت واجب العمل ہے۔	۴۵۵	عورت سے زنا متحقق ہونے کے باوجود مرد پر واجب نہیں کہ اسے طلاق دے۔	۴۸۵
شوہر سرکشی پر آمادہ ہو اور نفقہ نہ ادا کرے تب بھی عورت شوہر کے گھر ہی رہے۔	۴۵۵	مسجد کی طرف بُلانے جانے کے جواب میں کہتا ہے کہ میں شراب خانے شراب پینے جارہاہُوں، تو کیا حکم ہے۔	۴۸۷
عورت پر واقعی اندیشہ فساد ہو تو شوہر قید خانے میں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کرسکتا ہے۔	۴۵۵	عورتوں کو ہوائے نفس کا اتباع کرنا اور اسے کسی امام کے سر رکھنا کوئی دین نہیں۔	۴۹۳
ناشزہ عورت کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں۔	۴۶۰	ایک عورت کا شوہر پُوری طرح بیوی کا حق ادا نہیں کرسکتا اور بوجہ جہالت طلاق بھی نہیں دیتا تو وہ عورت کیا کرے۔	۴۹۳

کفارہ میں دیا جانے والا کپڑا ایسا ہونا چاہئے جو تین ماہ سے زیادہ چل سکے اور تمام بدن ڈھک لے۔	۴۹۹	جو وعدہ کیا اس سے پھرنا ہرگز نہیں چاہئے، قرآن شریف میں اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔	۵۸۱
قصداً جُھوٹی قسم کھانا گناہ ہے۔	۴۹۹	اپنے کاروبار میں غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین حصہ مثلاً سولھواں حصہ برائے ایصالِ ثواب مقرر کیا تو اس رقم کو ہر دینی کام میں صرف کرسکتے ہیں۔	۵۸۲
انجمن والوں نے باہم حلف اٹھایا جو نماز نہ پڑھے اس پر اتنا جرمانہ، جو جرمانہ نہ دے اس کو انجمن سے نکال دیا جائے گا، یہ تعزیر شرعی نہیں، نہ اس میں حرج ہے۔	۵۰۶	چہل تنوں کی منت کی شرعی صورت اور فاضل لہو ولعب کا رد بلیغ۔	۵۸۴
بلاوجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے، ہاں خلاف میں خیر ہو تو قسم توڑ کر کفارہ دے۔	۵۰۷	میلاد مبارک اور گیارھویں، احباب کو کھانا کھلانے، مساجد میں شیرینی لے جانے یا نمازیوں کو کھلانے کی نذر فقہی نہیں لہذا امیر فقیر سب کھاسکتے ہیں۔	۵۸۴
دھوکا دے کر حج کا جُھوٹا ارادہ ظاہر کیا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لیا تو سخت مجرم ہے۔	۵۰۹	سر کی منت مانی تو اس کی قیمت کا گوشت بھی دے سکتے ہیں۔	۵۸۹
کسی مسلمان پر بدگمانی جائز نہیں۔	۵۰۹	میلاد شریف کی منت ماننا کیسا ہے۔	۵۹۰
فتنہ قتل سے بُرا ہے۔	۵۱۷	مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلٰی مستحبات سے ہے۔	۵۹۰
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے۔	۵۷۴	مسلمان پر بدگمانی جائز نہیں۔	۵۹۱
سچی بات ہو تو قسم بھی کھاسکتے ہیں اور قرآن بھی اُٹھاسکتے ہیں۔	۵۷۴	منت شرعی کا گوشت نہ تو خود کھاسکتا ہے نہ اپنی اصل اور فرع کو کھلاسکتا ہے اور نہ ہی کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے۔	۵۹۷
چند شخصوں نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے، اس کا کاغذ بھی لکھا گیا، بعد ازیں کاغذ پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگے، ان کا کیا حکم ہے۔	۵۷۷	ظالم کے پاس بیٹھنے سے قرآن مجید نے منع فرمایا۔	۶۱۵
بیٹی پر روپیہ لینا اور قرضدار کے یہاں کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو ناجائز ہے۔	۵۷۸	سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز ہے۔	۶۱۸

زانی کے نکاح پر زنا سے کوئی اثر نہیں پڑتا مگر یہ کہ اس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے اپنی زوجہ کی ماں یا بیٹی سے زنا کرے۔	۶۱۸	ہر شخص پر اس کی وُسعت کے مطابق بُرے کام سے روکنا ضروری ہے اس میں کوتاہی نہ کرے۔اور متعلقہ شخص باز نہ آئے تو اس پر کوئی الزام نہیں اور راضی ہو تو خود مجرم،اس سے بھی قطع تعلق کیا جاسکتا ہے۔	۶۲۸
توبہ بعد زانی وزانیہ سے میل جول میں حرج نہیں۔	۶۱۹	ازالہ منکر اگر بغیر قتل کے حاصل ہو سکتا ہے تو قتل کی اجازت نہیں۔	۶۳۳
عورت کے زنا پر شوہر راضی نہ ہو تو اس پر کچھ الزام نہیں۔	۶۱۹	زنا کا سد باب ازالہ منکر ہے اور ازالہ منکر اللہ عزوجل کے لئے ہوتا ہے لہذا اس میں محارم واجنبی عورتیں برابر ہیں۔	۶۳۳
جو لوگ زنا میں ساعی ہوں یا بعد زنا بلا توبہ زانی وزانیہ کے حامی ہوئے وہ بھی مستحقِ سزائے شرع ہیں۔	۶۱۹	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو یا عالم کو مردود،اُلو وغیرہ کہنا ناحق ایذا دینا حرام ہے۔	۶۴۴
کسی عورت کے ساتھ کسی نے زنا کیا شوہر نے ازراہِ چشم پوشی سزانہ دلوائی، یہ فعل محمود ہے۔	۶۲۰	مومن وُہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔	۶۴۵
زناکاروں پر توبہ فرض ہے۔	۶۲۴	کسی مسلمان کو اس کے پیشہ کے سبب سے حقیر جاننا برا ہے۔	۶۴۶
زانی اور زانیہ اپنے کرتوت سے باز نہ آئیں تو ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔	۶۲۴	کسی مسلمان کے مال کا نقصان اور اس کی ہتک عزت بلاوجہ شرعی حرام ہے۔	۶۴۶
مسلمان پر تہمت رکھنا افعالِ شنیعہ سے ہے۔	۶۲۶	نماز پڑھانے کے لئے تنبیہ و تفہیم چاہئے مار پیٹ کا وقت نہیں ہے۔	۶۴۶
بھاوج سے مذاق اور ہاتھا پائی حرام ہے، شوہر جان بُوجھ کر چشم پوشی کرتا ہے تو "دیوث" ہے۔	۶۲۶	بھائی ہونے کی نفی کی،اگر کوئی سلوک ایسا بھی کیا ہو تو نفی کر سکتا ہے ورنہ تین گناہوں کا مرتکب ہے۔	۶۴۸
کسی کے عزیز واقارب اس کو فحاشی وبے حیائی سے منع نہیں کرتے تو شریک گناہ اور مستحقِ عذاب ہیں۔	۶۲۶	کذب صریح، قطعِ رحم اور ایذائے مسلم کبیرہ گناہ ہیں۔	۶۴۸
جانور سے نابالغ نے مجامعت کی تو تنبیہ کی جائے اور بالغ نے ایسی حرکت کی تو سزا دی جائے اور جانور کو ذبح کرکے جلا دیا جائے۔	۶۲۷	جملہ "اچھا ہُوا فلاں کے چوری ہو گئی" کے احکام۔	۶۴۸
		حسد حرام ہے۔	۶۴۸

کسی کے نقصان پر عداوت کے سبب سے خوش ہونا عداوت کے تابع ہے۔اگر عداوت مذمومہ ہے تو یہ بھی قبیح و مذموم،اگر عداوت محمودہ ہے جیسے اعداء اللہ سے دشمنی، تواس میں حرج نہیں۔	۶۴۸	**قصاص**	
بلاوجہ کسی مسلمان کو سخت وسُست کہنا حرام ہے۔	۶۵۰	ناحق قتلِ مسلم سخت کبیرہ گناہ اور قاتل پر قصاص لازم ہے۔	۶۲۹
سید، عالم بلکہ مرشدزادہ کو سخت وسُست کہنا تواور شدید ہے۔	۶۵۰	**سیاست**	
مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی مردود یا ابلیس کہنا سخت حرام ہے۔	۶۵۲	سیاست کا حق سُلطان کو ہے۔	۶۲۹
مسلمان کوایذا دینے کی مذمت قرآن وحدیث سے۔	۶۵۲	زانی اور زانیہ کو قتل کرنے کی اجازت غیر سلطان کو کس صُورت میں ہے۔	۶۲۹
بلاوجہ شرعی جو شخص دوسروں کو مردود، کافر کہے تواس کواس فعل سے توبہ اور شخص متعلقہ سے معافی مانگنی ضروری ہے ورنہ وُہ فاسق معلن ہے۔	۶۵۲	سیاستاً قتل غیر امام کے لئے جائز نہیں،اور امام کو بھی صرف ان کبائر میں قتل جائز ہے جو متعدی الضرر ہوں، صغائر یا کبائر غیر متعدی الضرر میں قتل جائز نہیں۔	۶۴۱
گمراہ وبد دین فتنہ پرور کو شیطان کہہ سکتے ہیں۔	۶۵۶	**مصارف**	
مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔	۶۵۶	نذر کے روپے اپنے اصول، فروع، زوج، زوجہ اور سید کو نہیں دے سکتے۔	۵۹۴
نفسیات		اپنی تجارت میں سولھواں حصہ اللہ تبارک وتعالٰی کے لئے نذر کیا اس کے مصارف کیا ہوں گے۔	۵۹۵
عورتوں کی غالب عادت یہ ہے کہ وُہ اپنے شوہر کا نکاح ثانی پسند نہیں کرتیں۔	۲۵۰	بے الفاظِ نذر زبان سے کہا کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں حصہ نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صرف کیا کروں گا تواس سے محفل میلاد، گیارھویں شریف، افطاری رمضان اور اپنے والدین وسادات علما کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے۔	۵۹۵
بسا اوقات عورتیں فرقت کے بعد اپنے سابق خاوند کی دُوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں۔	۵۶۳		

اگر خاص الفاظ نذر زبان سے ادا کئے تو اب والدین، سادات اور اغنیاء کو نہیں دے سکتا، دیگر محتاجوں کو دے سکتا ہے اگرچہ اس کی پھوپھی، خالہ، چچا، ماموں اور بہن بھائی ہوں۔	۵۹۶	بیوی کو معلق رکھنے والا شوہر گنہگار اور صریح حکمِ قرآن کا خلاف کرنے والا ہے۔	۴۳۵
مال زکٰوۃ اور مالِ نذر محتاج طالبعلموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنادے خواہ اناج یا کھانا انھیں دے کر مالک کر دے، ہاں گھر میں بٹھا کر کھلانے سے زکوۃ و نذر ادا نہ ہوگی۔	۵۹۶	عورت کو رخصت کرا کر اپنے پاس رکھنا شوہر کا شرعی حق ہے، نفقہ اس کے بدلہ میں ہے، اپنے اس حق کو شوہر خود بھی ساقط نہیں کر سکتا۔	۴۳۷
مؤذن کی تنخواہ میں نذر یا زکوۃ محسوب نہیں ہو سکتی ہاں اگر بلا تنخواہ اذان دیتا ہے اور محتاج ہے تو دے سکتے ہیں۔	۵۹۶	باپ کا اپنی بیٹی کو بلاوجہ شرعی شوہر کے گھر جانے سے روکنا ظلم ہے۔	۴۳۷
جو مصرفِ زکوۃ ہے وہی مصرفِ نذر ہے۔	۵۹۷	عورتوں کے حقوق سے متعلق آیات قرآنیہ۔	۴۴۶
حقوق العباد		عورت کا سکنٰی شوہر پر واجب ہے اس کو معلقہ کی طرح چھوڑ دینا حرام ہے اور گاہ گاہ اس سے صحبت کرنا بھی واجب ہے۔	۴۴۶
محبوس دائمی کو شرعًا یہ حکم ہے کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے۔	۳۴۲	عورت کے اذن و رضا کے بغیر چار مہینے تک ترک جماع بلا عذر صحیح شرعی ناجائز ہے۔	۴۴۶
شوہر کو عورت کے اپنے پاس رکھنے کا حق شرعًا حاصل ہے، اس حق کو خود شوہر بھی کسی اقرار نامہ کے ذریعہ باطل نہیں کر سکتا۔	۴۱۷	ضرور تمند باپ کی خدمت کر سکتا ہے اور نہیں کرتا ہے تو لڑکا عاق ہے۔	۴۵۴
ظالم شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے عورت کو انتقال سکونت کے مطالبہ کا حق ہے۔	۴۲۰	بعد ادائے مہر معجّل عورت مطلقًا پابندِ شوہر ہے اس میں کوئی قید و تخصیص ادائے نفقہ و تکفل حوائج کی نہیں۔	۴۵۵
عورت کو بلاوجہ شرعی نان و نفقہ نہ دینے والا شوہر ظالم و گنہگار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے۔	۴۳۰	طلاق کے بعد مہر و نفقہ عدت کے علاوہ عورت کا کوئی حق نہیں، بعد طلاق زندگی بھر کے نفقہ کا اقرار نامہ وعدہ ہے جس کو پُورا کرنا چاہئے، لیکن یہ واجب نہیں۔	۴۷۵
شوہر پر فرض ہے کہ بیوی کے نان و نفقہ کی خبر گیری کرے یا طلاق دے دے۔	۴۳۵		

فرائض		اذن ورضاء کافرق۔	۲۵۲
حیض والی عورت طلاق کے ایک مہینہ بعد نکاح کرے تو نکاح عدت کے اندر ہُوااور ایسی عورت کا ناکح سے وراثت کا حق نہ پہنچے گا،اور مہر مثل اور مسمّٰی سے جو کم ہو وُہ پائے گی۔	۳۲۰	حنفی مذہب سے منسوب ایک من گھڑت مسئلے کارد۔	۲۶۰
نکاح فاسد و باطل میں توارث جاری نہیں ہوتا بلکہ استحقاق ارث نکاح صحیح سے ہوتا ہے۔	۳۲۱	ازروئے قرآن مجید کسی کی ماں وہی ہے جس نے اسے جنا ہے۔	۲۷۰
جہیز اور مہر عورت کا ترکہ ہے۔	۴۳۷	عالمگیری کی دو۲ عبارتوں کی توضیح۔	۳۰۵
عورت شوہر اور والدین چھوڑ کر فوت ہُوئی اس کا ترکہ چھ ۶ سہام ہو کر تین سہم شوہر، دو سہم پدر اور ایک مادر کو ملے گا۔	۴۳۷	متوفی عنہا زوجہا کے بارے میں ایک عجیب تجربہ۔	۳۳۰
متفرقات		زید کا دادا پٹھان تھا اور دادی اور والدہ سیدانی، اس صورت میں زید سید ہے یا پٹھان۔	۳۶۱
علماء سوء کے بارے میں ایک شخص اور شیطان کے درمیان گفتگو کا واقعہ۔	۱۳۰	سبطین کریمین کی اولاد سید ہے نہ کہ بناتِ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کہ وُہ اپنے والدوں کی طرف نسبت کی جائیں گی۔	۳۶۱
ایک مسئلہ تعلیق میں اقوالِ علماء کے درمیان محاکمہ۔	۱۳۷	امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دو۲ سال سے زائد بچہ شکم مادر میں رہنے کی روایت۔	۳۶۹
درمختار کی ایک عبارت کی توضیح۔	۱۳۸	حلف کی ایک عبارت کی توضیح۔	۵۰۵
ایک نکتہ بدیعیہ۔	۱۴۴	مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے بطور تحقیق و تنقیح چند امور پر تنبیہ۔	۵۱۵
مکابرہ کا کوئی علاج نہیں۔	۱۸۱	مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے ائمہ کی مختلف عبارات میں تطبیق۔	۵۱۵
اردو زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا اور کوئی شئی ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے۔	۲۳۵	تطفل علی الشامی۔	۵۳۵
عدم رضا اور ترک استرضا میں بہت فرق ہے۔	۲۴۸	ردالمحتار کی ایک عبارت کی توضیح و تشریح۔	۵۴۳
دل ہر وقت ایک حال پر نہیں رہتا کیونکہ القلب ینقلب۔	۲۴۹	علامہ سائحانی پر تطفل۔	۵۵۱
اذن کا علم قول سے ہوگا اور محبت و بغض کا نہیں۔	۲۵۱	اصول الشاشی اور فصول کی ایک عبارت کی تشریح۔	۵۷۷

چہل تن چالیس شہدا ہیں۔	۵۸۴	اصلاً ہر مسلمان مومن ہے، بعض اطراف کے عرف میں بنکروں کو مومن کہنا ان کی سلیم الطبعی کی وجہ سے ہوگا اور اس لفظ کو بطور طعن استعمال کرنا دوہرا گناہ ہے۔	۶۴۵
اہل وعیال اور اولاد کو جو کچھ کھلایا جاتا ہے احادیث میں اس پر صدقہ کا اطلاق آیا ہے۔	۵۹۶	مثل اور مانند میں بہت فرق ہے۔	۶۵۰
آبرو اتارنا زنا کے لئے خاص نہیں مار پیٹ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔	۶۱۴	سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایمانی کا یمان جبرائیل، یُوں کیوں نہیں فرمایا: ایمانی مثل ایمان جبرائیل۔	۶۵۰
گناہ تین قسم کے ہیں: ہلکے جو حد کی حد تک نہ ہوں۔ حد سے بڑھے ہوئے، کہ حد بھی اس کا کفارہ نہ ہوسکے۔ اور متوسط، کہ حد سے پاک ہوجائیں۔	۶۲۵	امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ کتب جو بروایت امام ابویوسف حضرت امام اعظم سے روایت کیں ان امام ابویوسف کو کنیت سے کیوں یاد نہیں کیا۔	۶۵۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب تعلیق الطلاق
(تعلیقِ طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱: از ضلع مظفر پور ڈاک خانہ رائے پور سب ڈویژن سیتامڈھی مقام گوری دروازہ سرفراز علیخاں مرسلہ ایوب علی خاں صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

زوج زید نے عقب میں زوجہ ہندہ کے بمقابلہ بکر کے سوگند کھائی کہ ہم اپنے برادر خالد سے کارِ زمینداری نہ کرائیں گے اگر کرائیں تو اس کی زوجہ کو طلاق ہے۔ بعد چند روز کے زید نے برادر موصوف سے کام مذکور کرایا اس صورت میں زوجہ ہندہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہوگی تو کون سی دلیل مطلقہ ہونے کی ہے کیونکہ اللہ جل جلالہ نے اپنے کلام مجید فرقانِ حمید میں کسی جگہ ذکر اس قسم کی سوگند کا نہیں کیا، اگر بمجرد سوگند ہندہ مطلقہ ہوئی تو کون سی صورت نکاح قائم رہنے کی ہے، اور اس سوگند میں کفارہ ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زوجہ پر ایک طلاق پڑ گئی، اس کی دلیل اجماعِ ائمہ دین کہ جب طلاق کسی شرط پر مشروط کی جائے تو اس شرط کے واقع ہوجانے سے واقع ہوجائے گی،

فی الھدایۃ اذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط مثل ان یقول لامرأتہ ان دخلت الدار فانت طالق	ہدایہ میں ہے کہ اگر طلاق کو شرط کی طرف منسوب کیا ہو تو وُہ شرط کے پائے جانے کے بعد واقع ہوگی، مثلاً یوں کہے "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے"

وھٰذا بالاتفاق۔[1]	یہ ضابطہ متفق علیہ ہے۔(ت)

بلکہ وہ آیہ کریمہ الطلاق مرّتٰن وغیرہ سے ثابت ہے،

فان الاٰیات ذکرت الطلاق بالاطلاق فشمل المنجز المعلق۔	کیونکہ آیات میں مطلق طلاق کا ذکر ہے جو مشروط اور غیر مشروط دونوں طلاق کو شامل ہے۔(ت)

اسے سوگند یمین کہنا ایک اصطلاح علمی ہے جس کا پتا آیہ کریمہ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَۚ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَیْمَانِكُمْۚ[2] (اے نبی صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے جو حلال فرمایا اسے آپ کیونکہ حرام فرماتے ہیں تا اللہ تعالٰی کے ارشاد: بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے قسموں کو حلال فرمانا فرض فرمایا ہے۔ت) سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں بھی تحریمِ حلال ہے اور آیت میں تحریمِ حلال ہی کو یمین فرمایا:

علٰی کما بینہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح قبیل باب الیمین فی الدخول والسکنی اقول وللعبد الضعیف ھھنا کلام ذکرتہ علی ھامشہ۔	جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں دخول وسکنی کے باب سے تھوڑا پہلے بیان فرمایا، اقول (میں کہتا ہوں) یہاں اس عبد ضعیف کو اعتراض ہے جس کو میں نے اس کے حاشیے پر ذکر کیا ہے۔(ت)

بلکہ تعلیق طلاق پر حلف کا اطلاق حدیث میں بھی وارد ہے، ابن عساکر حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماحلف بالطلاق مومن ولا استحلف بہ الامنافق۔[3]	مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔(ت)

مگر اس سوگند میں کفارہ نہیں اللہ عزّوجل کی قسم میں ہے نہ بمجرد سوگند طلاق واقع ہوگی بلکہ بعد وقوعِ شرط واقع ہوگی۔ نکاح قائم رہنے کی صورت یہ ہے کہ شرط واقع نہ ہو یا اگر ایک یا دو ۲ طلاق رجعی کی سوگند ہے تو بعد وقوع شرط رجعت کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الہدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۶۵

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

مسئلہ ۲تا۴: از ملک آسام ضلع جورہاٹ ڈاک خانہ کٹنگا بمقام سرائے مرسلہ سید صفاء الدین ۹/ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

سوال اوّل: زید نے اپنی پہلی زوجہ ہندہ کے نکاح کے قبل وعدہ کیا تھا کہ اگر بلااجازت اس زوجہ مسمّٰی بہ ہندہ کے نکاح ثانی کروں تو زوجہ ثانی کو تین طلاق، اس صورت میں کیا حکم ہے۔؟

سوال دوم: زید نے وقتِ نکاح اپنی زوجہ ہندہ سے یہ شرط کی کہ اگر بلااجازت تیرے نکاح ثانی کروں تو تجھ کو تین طلاق۔

سوال سوم: زید نے قبل نکاح کے یہ شرط کی کہ میں اگر بلااجازت اس منکوحہ کے نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، اس صورت میں کس بی بی کو طلاق ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (حق وصواب کے لئے رہنمائی فرما۔ت) صورتِ مستفسرہ میں تعلیق صحیح ہوگئی،

لوجود الاضافۃ الی سبب الملک وھو النکاح ولایضر کونہ قبل نکاح الاولی اذلیس المعلق طلاقھا حتی یحتاج الی ملکھا اوالاضافۃ الیہ اوالی سببہ بل طلاق الاخری وقد اضافہ الی نکاحھا۔	ملکیت کے سبب (نکاح) کی طرف اضافت پائے جانے کی وجہ سے اور پہلی بیوی کے نکاح سے قبل اضافت کا ہونا مضر نہیں کیونکہ اس نکاح والی کی طلاق کو معلق نہیں کیاگیا تاکہ اس کے لئے نکاح یا نکاح کی طرف اضافت یا ملکیت یعنی نکاح کے سبب کی طرف اضافت ضروری ہو بلکہ یہ دوسری عورت کی طلاق کی تعلیق ہے جس کو اس کے نکاح کی طرف مضاف کیا گیاہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرطہ الملک حقیقۃ کقنہ اوحکما کمنکوحتہ او معتدتہ اوالاضافۃ الی الملک کان ملکت عبدا و ملکتک اونکحتک اھ[1] ملخصًا۔	ثبوت تعلیق کی شرط حقیقی ملکیت جیسا کہ لونڈی، یا حکمی ملکیت جیساکہ منکوحہ بیوی یا عدت میں مصروف بیوی یا ملکیت کی طرف اضافت ہو، مثلًا یُوں کہے اگر میں عبد کا مالک بن جاؤں یا تیرا مالک بن جاؤں یا تجھ سے نکاح کروں اھ ملخصًا (ت)

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

ردالمحتار میں ہے:

الاضافة الیه بان یکون معلقا بالملك کما مثل وکقوله ان صرت زوجة لی او بسبب الملك کالنکاح ای التزوج وکالشراء اھ[1]۔	ملکیت کی طرف اضافت جیسے ملکیت کے ساتھ معلق کرنا جیسا کہ مثال بیان ہوئی اور یہ کہ اگر تو میری بیوی ہوجائے یا ملکیت کے سبب کی طرف اضافت ہو یعنی نکاح کی طرف نسبت ہو، مثلاً یوں کہے "جب میں نکاح کروں، یا خریدوں" اھ (ت)

مگر قبل نکاح ہندہ اس کے لئے کچھ اثر نہیں کہ شرط وُہ نکاح ہے جو نکاح ہندہ سے ثانی ہو پس اگر پیش از نکاح ہندہ کسی عورت سے بے اجازت ہندہ نکاح کرے گا اسے طلاق نہ ہوگی نہ بعد موت ہندہ اس کا اثر باقی رہے گا کہ شرط اذن ہندہ ہے اور میت صالح اذن نہیں تو بعد موت ہندہ جس سے نکاح کرے گا اس پر بھی طلاق نہ ہوگی اب وہ تعلیق ہی نہ رہی،

فان امکان البر شرط بقاء الیمین ایضا عند الطرفین کما ھو شرط انعقادھا عندھما رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما۔	کیونکہ قسم کے پورا ہونے کا امکان قسم کے باقی رہنے کیلئے بھی امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اسطرح شرط ہے جس طرح کہ ان کے ہاں یہ امکان قسم کے تحقق کے لئے شرط ہے (ت)

فتح القدیر میں ہے:

اذا حلف لایعطیه حتی یاذن فلان فمات فلان ثم اعطاہ لم یحنث اھ[2] مثله فی ردالمحتار عن البحر۔	جب کسی نے یہ قسم اُٹھائی کہ میں فلاں کو یہ چیز نہ دوں گا جب تک دوسرا فلاں اجازت نہ دے، اور دوسرے فلاں کے فوت ہوجانے کے بعد دے تو قسم نہ ٹوٹے گی اھ اسی کی مثل ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے (ت)

ہاں بقاء میں نکاح ہندہ کچھ شرط نہیں یہاں تک کہ اگر ہندہ اس کے نکاح سے خارج ہوجائے اگرچہ طلاق مغلظہ سے، تاہم جب تک وُہ زندہ ہے اگر بے اس کے اذن کے نکاح ثانی کرے گا زوجہ ثانیہ پر تین طلاقیں پڑجائیں گی،

فان المرأة لاحکم لھا علی بعل	عورت کا کوئی حکم خاوند پر لازم نہیں، خاوند کے لئے

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۵

[2] فتح القدیر

فحال الزوجية وعدمها سواء بخلاف الرجل فانها تحتاج شرعا الى اذنه فی خروجها وغيره من امور كثيرة مادامت الوصلة باقية فاذن الرجل فی مثل قوله لاتخرج الاباذنی ينصرف الى ذلك المعهود والثابت بالشرح اماهی فلم تحتج الی اذنها الا بالتعليق ولم يفصل فيه فلينتظم اذنها مادامت حية وان زال النكاح۔	زوجیت اور عدمِ زوجیت دونوں حال برابر ہیں، اس کے برخلاف بیوی کے لئے خاوند کا حکم الزم ہے کیونکہ بیوی باہر نکلنے اور دیگر امور میں خاوند کی اجازت کی شرعًا محتاج ہے جب تک زوجیت باقی ہے تو خاوند کا بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ نکل اسی عرف اور شرعی ضابطہ کی طرف سے پابندی ہے، لیکن خاوند تعلیق کے ماسوا بیوی کی کسی اجازت کا محتاج نہیں ہے اور یہاں خاوند نے کوئی تفصیل بیان نہیں کی، لہذا بیوی سے نکاح ختم ہوجانے کے بعد بھی خاوند بیوی کی زندگی بھر میں اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو دوسری کو طلاق ہوجائیگی۔(ت)

ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل میں ہے:

لو قال لامرأته كل امرأة اتزوجها بغير اذنك فطالق فطلق امرأته طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغير اذنها، طلقت لانه لم يتقيد يمينه ببقاء النكاح لانها انما تتقيد والمنع بعقد النكاح اھ فتح ای بخلاف الزوج فانه يستفيد ولاية الاذن بالعقد وكذارب الدين كمافی الذخيرة[1]۔	اگر خاوند نے بیوی کو کہا میں جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی، اب خاوند نے بیوی کو طلاق بائنہ یا تین طلاقیں دے دیں اس کے بعد اس نے کسی عورت سے پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو طلاق واقع ہو جائیگی کیونکہ اس نے قسم میں اجازت کو بیوی کے نکاح سے مقید نہ کیا تھا، اور یہ اجازت نکاح کے ساتھ مقید تب ہوتی جب عورت اپنے نکاح کی وجہ سے اذن یا منع کی ولایت حاصل کرتی اھ، فتح میں ہے، یعنی اس کے برخلاف خاوند کو نکاح کی وجہ سے ولایت اذن خودبخود حاصل ہوجاتی ہے، اور ایسے قرض دینے والے کو خودبخود قرض لینے والے پر ولایت حاصل ہوجاتی (کہ جب چاہے مطالبہ کرے) جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

پس حاصل حکم یہ کہ اگر بعد نکاح ہندہ بحالت حیات ہندہ طلاق ہندہ بے اذن ہندہ کسی

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۳۶

عورت سے نکاح کرے گا تو نکاح کرتے ہی فوراً وہ زوجہ ثانی تین طلاقوں سے مطلقہ ہوجائے گی مگر اس کا اثر ایک بار کر ختم ہوجائے گا یعنی اس کے بعد اگر پھر اور نکاح بے اذن ہندہ کرے گا اگرچہ بعد حلالہ اسی زوجہ ثانیہ سے، تو اب طلاق نہ ہوگی کہ تعلیق میں تعمیم نہ تھی کہ جتنے نکاح بے اذن کرے سب میں طلاق پڑے، لہٰذا صرف ایک بار پر انتہا ہو کر آئندہ کچھ اثر نہ ڈالے گی،

فی التنویر ینحل الیمین اذاوجد الشرط مرۃ الافی کلما[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے کہ قسم ایک دفعہ شرط کے پائے جانے سے ختم ہوجاتی ہے الایۃ کہ اس نے قسم میں "کلما" (جب بھی) کا لفظ استعمال کیا ہو تو قسم ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم: اگر یہ شرط ایجاب وقبول سے پہلے کی اگرچہ اس کے متصل بلافصل ہی ایجاب وقبول واقع ہوئے جب تو محض باطل وبے اثر ہے لعدم الملك والاضافة جميعا (ملکیت اور اس کی طرف اضافت بھی نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) پس اگر سو نکاح بے اجازت ہندہ کرے گا ہندہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر بعد ایجاب وقبول کی اگرچہ فوراً بلاتاخیر تو یقیناً صحیح ہوگئی لوقوعہ فی الملک (ملکیت میں وقوع کی وجہ سے۔ت) اب جب تک ہندہ اس کے نکاح یا عدت طلاق غیر مغلظ میں بے اجازت ہندہ نکاح ثانی کرے گا ہندہ پر تین طلاقیں ہوجائیں گی۔

فی الدرالمختار الصریح یلحق الصریح والبائن بشرط العدۃ ،الصریح مالایحتاج الی نیۃ، بائناکان الواقع بہ اورجعیافتح فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقھما[2] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے: صریح طلاق، صریح اور بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے بشرطیکہ وہ پہلی بائن کی عدت میں واقع ہو۔ صریح وہ ہوتی ہے جس میں نیت کی ضرورت نہ ہو خواہ اس سے رجعی طلاق پڑے یا بائنہ پڑے، فتح، تو اسی قبیل سے مغلظ طلاق ہے تو یہ رجعی اور بائنہ دونوں کو لاحق ہوسکتی ہے، اھ، ملخصًا (ت)

ہاں اگر اس نکاح ثانی سے پہلے ہندہ کو طلاقیں ایک یا دو دیں اور عدت گزر گئی اور اسی حالت میں کہ وہ اس کے نکاح سے باہر ہے بے اس کی اجازت کے نکاح ثانی کیا تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی کہ اس حالت میں وہ طلاق کی محل ہی نہیں اور اس نکاح ثانی سے وہ تعلیق ختم ہوجائے گی یہاں تک کہ اب اگر ہندہ سے پھر نکاح کرے اور اس کے بعد کتنے ہی نکاح بے اجازت ہندہ کرے تو ہندہ پر طلاق نہ ہوگی، یونہی

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اگر ہندہ کو قبل از نکاح ثانی تین طلاقیں دے دیں تو اب کسی صورت میں نکاح ثانی بے اجازت ہندہ سے ہندہ پر طلاق نہ پڑے گی اگرچہ یہ نکاح اس وقت کرے جبکہ ہندہ بعد حلالہ اس کے نکاح میں آچکی ہو لانتھاء التعلیق بتنجیز الثلاث (تین غیر معلق طلاقوں کے باعث تعلیق ختم ہونے کی وجہ سے۔ت) ہدایہ میں ہے:

زوال الملك بعد الیمین لایبطلھا لبقاء محله فیبقی الیمین ثم ان وجد الشرط فی ملکه انحلت الیمین ووقع الطلاق وان وجد فی غیر الملك انحلت الیمین لوجود الشرط ولم یقع شیئ لانعدام المحلیة اھ[1] ملخصا۔	تعلیق اور یمین کے بعد ملکیت کا ختم ہونا یمین کو باطل نہیں کرتا کیونکہ یمین کا محل ابھی باقی ہے، پھر اگر شرط ملکیت کے دوران پائی جائے تو یمین وقسم ختم ہوجاتی ہے اور طلاق واقع ہوجاتی ہے اور اگر ملکیت کے بغیر شرط پائی جائے تو شرط کی وجہ سے قسم ختم ہوجائیگی جبکہ طلاق نہ ہوگی کیونکہ طلاق کا محل یعنی نکاح ختم ہوچکا ہے اھ ملخصا (ت)

فتح میں ہے:

لوطلقھا فانقضت عدتھا بعد التعلیق بدخول الدارثم تزوجھا فدخلت طلقت ولابد من تقیید عدم البطلان بما زال الملك بمادون الثلاث امااذا طلقھا ثلثا فتزوجت بغیرہ ثم عادت فدخلت لاتطلق علی ماسیأتی اھ[2] مختصرا قلت والاٰتی ھو قول الھدایة ان قال لھا ان دخلت الدار فانت طالق ثلثا ثم قال لھا انت طالق ثلثا فتزوجت غیرہ ودخل بھا ثم رجعت الی الاوّل فدخلت الدار لم یقع شیئ۔[3]	اگر خاوند نے دخول سے طلاق کے معلق کرنے کے بعد بیوی کو طلاق دے دی اور عدت بھی گزر گئی، اور اس کے بعد دوبارہ سے نکاح کیا اور اب وُہ گھر میں داخل ہوئی تو اب شرط پائے جانے کی وجہ سے طلاق واقع نہ ہوگی، اور زوالِ ملکیت سے قسم ویمین کے عدمِ بطلان کو تین سے کم طلاقوں سے مقید کرنا ضروری ہے اس لئے کہ اگر تین طلاقیں دیں اور حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کیا تو اب گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عنقریب آئے گا اھ مختصرًا، میں کہتا ہوں عنقریب آنے والی عبارت ہدایہ کی ہے جو یہ ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق،

[1] الہدایۃ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۶۶
[2] فتح القدیر باب الایمان فی الطلاق نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۵۰
[3] الہدایۃ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۶۹

اس کے بعد خاوند نے بیوی کو بغیر تعلیق تین طلاقیں دے دیں اور کہا تجھے تین طلاق۔ اس کے بعد مطلقہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ پہلے سے نکاح کیا اور اب گھر میں داخل ہوئی تو کوئی طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

اور اگر زید نے یہ شرط نفسِ ایجاب وقبول میں کی تو اس کی دو[۲] صورتیں ہیں: [۱] اگر پہلے زید نے کہا کہ میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط کہ اگر تیری بے اجازت کے نکاح ثانی کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا، تو اس کا حکم مثل صورت اولی ہے یعنی شرط محض باطل وبے اثر ہے کہ جب تک ہندہ نے قبول نہ کیا تھا وُہ اس کی زوجہ نہ ہوئی تھی تو اس کی تعلیق پر بے حصول ملک یا اضافہ بہ ملک اسے کچھ اختیار نہ تھا۔ [۲] اور اگر پہلے ہندہ نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر بے تیری اجازت الی اخرہ تو شرط صحیح ہو گئی، اور وقوعِ طلاق کے وہی احکام ہوں گے جو اوپر گزرے کہ جب کلام اول جانب ہندہ سے تھا تو یہ تعلیق بعد تحقق ایجاب وقبول وثبوتِ زوجیت متحقق ہوئی اور اس وقت اسے اختیار کامل تھا، خانیہ وبزازیہ وعمادیہ وبحر ونہر وغیرہا میں ہے:

واللفظ للامام الاجل فقیہ النفس رجل تزوج امرأۃ علی انھا طالق او علی ان امرھا فی الطلاق بیدھا ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الجامع انہ یجوز النکاح والطلاق باطل ولایکون الامر بیدھا. قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا اذا ابدأ الزوج فقال تزوجتك علی انك طالق وان ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق لان البدایۃ اذا کانت من الزوج کان الطلاق والتفویض قبل النکاح فلایصح	الفاظ امام فقیہ النفس کے ہیں کہ ایک شخص نے ایک عورت کو کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ "تو طلاق والی ہے، یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے"۔ اس کے متعلق امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع میں ذکر فرمایا کہ یہ نکاح صحیح ہے اور طلاق کی شرط باطل ہے اور بیوی کو طلاق کا اختیار بھی نہ ہوگا۔ اس پر فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اگر خاوند نے ابتداء کرتے ہوئے کہا "میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے" تو پھر مذکور حکم یعنی نکاح صحیح اور طلاق باطل ہے، اور اگر عورت ابتداء کرتے ہوئے کہے میں نے اپنے آپ کو تجھ سے نکاح دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہو تو خاوند نے جواب میں کہا میں نے قبول کیا، تو نکاح صحیح ہو کر طلاق ہو جائے گی کیونکہ خاوند کی طرف سے ابتداء کرنے میں طلاق اور تفویض، نکاح سے قبل

امااذاکانت البدایۃ من قبل المرأۃ یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأۃ قبلت والجواب یتضمن اعادۃ مافی السؤال صار کانہ قال قبلت علی انك طالق او علی ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح [1] اھ باختصار **اقول:** انت تعلم ان کلام المرأۃ لاعبرۃ بھا فی قبول الزوج لاجل ان السؤال معاد فی الجواب فاذاوقع فیہ تحقیقا کان اولی بالصحۃ کما یرشدك الیہ قولہ رحمہ اللہ تعالٰی قال قبلت علی انك طالق الخ' وبما افاد فی الخانیۃ ظھر الفرق بین البدایتین کما اوضحناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار وان کان خفی علی العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی۔	ہوئی تو طلاق کی شرط صحیح نہ ہوئی، لیکن عورت کی طرف سے ابتداء ہوئی تو پھر طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہوئی کیونکہ جب زوج نے عورت کی کلام کے بعد جواب میں "میں نے قبول کیا" کہا، تو چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہوتا ہے تو گویا خاوند نے یوں کہا کہ "میں نے نکاح قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہو یا طلاق کا معاملہ تیرے اختیار میں ہو" تو یوں نکاح پہلے ہوگیا اور تفویض طلاق بعد ہوئی اھ، اختصارًا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہے کہ طلاق کے معاملہ میں عورت کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا لیکن یہ طلاق خاوند کے نکاح کو قبول کرنے پر خاوند کی طرف سے مقدر ہوئی کیونکہ خاوند کے جواب میں سوال کا اعادہ معتبر ہے، تو جب سوال معتبر ہے تو صحت نکاح پر طلاق مرتب ہوئی لہٰذا طلاق صحیح ہوگی، جیسا کہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی کا قول کہ خاوند کا "قبول ہے" کہہ کر کہنا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے الخ، تیری رہنمائی کررہا ہے، اور خانیہ کا یہ بیان دونوں ابتداؤں میں فرق کو واضح کررہا ہے جیسا کہ ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیے میں واضح کیا ہے، اگرچہ یہ فرق علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی پر مخفی رہا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوقال لھا تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح	اگر مرد کسی عورت کو کہے کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، تو عورت نے قبول کرلیا، اس صورت میں نکاح صحیح اور شرط لغو ہوگی کیونکہ طلاق کا

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۲

فی الملك او مضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة اھ نھر. والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأة لا اذا ابتدأ الرجل ولکن الفرق خفی [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اختیار دینا نکاح میں یا نکاح کی طرف منسوب کرنے میں درست ہوسکتا ہے جب کہ یہاں دونوں باتوں میں کوئی بھی موجود نہیں ہے، اس کے برخلاف جب عورت ابتداء کرے تو پھر اختیارِ طلاق عورت کو بیوی بننے سمیت ہوا، اھ، نہر۔ حاصل یہ ہے کہ اگر عورت ابتداء کرے تو شرط صحیح ہوگی اور اگر مرد ابتداء کرے تو شرط صحیح نہ ہوگی، لیکن فرق مخفی رہا، الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال سوم: دوسری کو مگر انہیں شرائط سے جو جواب اول میں گزریں کہ پہلا وہ نکاح جو بعد نکاح ہندہ بحیات ہندہ اگرچہ بعد افتراق ہندہ بے اجازت ہندہ کسی عورت سے کرے گا اس عورت کو طلاق ہوگی، اصل یہ ہے کہ یہ لفظ کہ "تو میرا نکاح باطل" مجمل و محتمل تھا کہ اس میں بیان نہ کیا کہ کون نکاح باطل، اگر بعد نکاح ہندہ یہ الفاظ کہتا یا قبل نکاح یوں کہا ہوتا کہ اگر ہندہ سے نکاح کروں اور اس کے بعد کسی عورت سے بے اس کی اجازت کے نکاح ثانی کروں تو میرا نکاح باطل، تو اسے اختیار تھا کہ زوجہ اولٰی یا ثانیہ جس کی طرف چاہے پھیر دے کہ دونوں اس تعلیق تطلیق کی صالح تھیں،

الاولی لتحقق الملك وفی الاخری کا لاخری فیهما لحصول الاضافة۔	پہلی کو اس لئے کہ وہ ملکیت نکاح میں ہے اور دوسری کے لئے اسکے لئے کہ یہ پہلی کے بعد دوسری ہے اور اضافت نکاح موجود ہے (ت)

فتح القدیر پھر ہندیہ میں ہے:

لو قال لامرأة ان تزوجت علیك ماعشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج علیها تقع تطلیقة علی واحدة منهما یصرفها الی ایتهما شاء [2] اھ ملخصًا۔	اگر کسی عورت کو کہا "جب تک تو زندہ ہے تجھ پر نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد خاوند نے اس پر دوسرا نکاح کرلیا تو یہ طلاق ان بیویوں میں سے ایک پر پڑ جائے گی، دونوں میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے اھ ملخصًا (ت)

[1] ردالمحتار باب الرجعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ فصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۲۶، فتاوٰی قاضیخاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۳۷

یہاں کہ قبل نکاح ہندہ یہ لفظ کہا اور اس میں نکاح ہندہ کی طرف وہ اضافت بھی نہیں جو یہاں کام دے یعنی صریح الفاظِ شرط کہ زنِ معینہ میں اسی کی حاجت ہے معنی شرط کافی نہیں،

کما فی الفتح وغیرہ قال فی الدر یکفی معنی الشرط الّا فی المعینۃ باسم او نسب او اشارۃ الخ[1]۔	جس طرح فتح وغیرہ میں ہے، در میں کہا کہ شرط کا معنی کافی ہے ماسوائے نام یا نسب یا اشارہ کے ساتھ معین کردہ عورت کے۔ (ت)

غرضیکہ صرف نکاح ثانیہ کی طرف اضافت اور صحت تعلیق کئے سے وجود ملک یا اضافت بملک لازم تو ہندہ اس تعلیق کی اصلاً محل نہیں، لاجرم زوجہ ثانیہ متعین ہوگئی، بالجملہ ہندہ اس تعلیق میں اجنبیہ محض ہے بخلاف ثانیہ، تو اجنبیہ کی طرف پھیرنے کی کوئی راہ نہیں،

لما فیہ من اہمال الکلام ھو محترز عنہ مھما امکن اعمالہ۔	کیونکہ اس میں کلام کو مہمل بنانا لازم آتا ہے جبکہ اس سے حتی الامکان بچنا ہوتا ہے (ت)

یہ تو ایسا ہوا جیسے اپنی عورت اور ایک اجنبیہ کو ملا کر کہا میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی خواہی نخواہی اس کی عورت ہی پر طلاق پڑے گی اجنبیہ کی طرف پھیرنے کا اختیار نہ دیا جائے گا کہ اسے طلاق دینا اس کے قابو میں نہ تھا،

فی الھندیۃ لوضم الٰی امرأتہ امرأۃ اجنبیۃ وقال احدٰکما طالق او قال ھذہ طالق او ھذہ لاتطلق امرأتہ الا بالنیۃ لان الاجنبیۃ محل لذٰلك خبرا و ان لم تکن محلا لہ انشاء وھذہ الصیغۃ بحقیقتھا اخبار ولو قال فی ھذہ الصورۃ طلقت احدٰکما طلقت امرأتہ من غیر نیۃ ذکرہ فی طلاق الاصل[2] اھ	ہندیہ میں ہے: اگر خاوند نے اپنی بیوی کے ساتھ اجنبی عورت کو ملا کر کہا تم دونوں میں سے ایک کو طلاق، یا یوں کہا اس کو یا اس کو طلاق ہے، تو اس کی بیوی کو بغیر نیت کئے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اجنبی عورت اگرچہ انشاءِ طلاق کے محل نہیں لیکن طلاق کی خبر وحکایت کا محل ہے جبکہ خاوند کا کلام حقیقۃً خبر ہے، ہاں اگر یوں کہے میں نے تم دونوں میں سے ایک کو طلاق دی، تو بیوی کو نیت کے بغیر طلاق ہوجائے گی، اس کو مبسوط کے طلاق میں ذکر

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق الصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۶۳

وانت تعلم ان التعلیق انشاء التعلیق وان الاولی لیست محلالہ لترك الاضافة فوجب الصرف الی المحل لابقاء العمل وھذا کلہ واضح جدا. واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا ہے اھ، آپ کو معلوم ہے کہ معلق کرنا، تعلیق کا انشاء ہے، جبکہ اجنبیہ اسکا محل نہیں کیونکہ وہ نہ نکاح میں ہے اور نہ اس سے نکاح کی طرف نسبت ہے اس لئے محل کی طرف پھیرنا ضروری ہے تاکہ کلام بامقصد بن سکے، اور یہ تمام خوب واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

کیا ہے اھ، آپ کو معلوم ہے کہ معلق کرنا، تعلیق کا انشاء ہے، جبکہ اجنبیہ اسکا محل نہیں کیونکہ وہ نہ نکاح میں ہے اور نہ اس سے نکاح کی طرف نسبت ہے اس لئے محل کی طرف پھیرنا ضروری ہے تاکہ کلام بامقصد بن سکے، اور یہ تمام خوب واضح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے بعوض ہزار روپیہ کے نکاح کیا اور قبل نکاح درمیان نکاح کے یہ شرط کی کہ نصف مہر یعنی پانسو روپیہ اگر عند الطلب زوجہ ادانہ کروں تو ہندہ پر تین طلاقیں ہیں، پس نکاح کے بعد ہندہ مذکور نے روپیہ طلب کیا زید نے روپیہ مذکورہ اس وقت ادانہ کیا اور شرط مذکورہ ایجاب میں ہوا تھا اور ایجاب جانب عورت سے اور قبول جانب مرد سے، اب اس صورت میں ہندہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر تین طلاقیں ہوگئیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

تزوج علی انہا طالق ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ یجوز النکاح والطلاق باطل قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا اذا ابدأ الزوج فقال تزوجتك علی انك طالق وان ابتدأت المرأۃ فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال زوجت نفسی منك علی انی طالق فقال قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	مرد نے کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا تو نکاح صحیح اور طلاق باطل ہوگی، فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جب ہے کہ یہ بات خاوند پہلے کہے، اگر عورت نے ابتداء کرتے ہوئے یوں کہا "میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ مجھے طلاق ہو، تو خاوند کے قبول کرنے پر نکاح صحیح ہو کر طلاق ہوجائے گی الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶: از مدراس محلّہ جمکنڈی مسیت مکہ مرسلہ مولوی عبد الرزاق صاحب ۷ محرم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص حنفی نے یمین مضاف کی ہو اس طرح پر

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۲

کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق ہے وطلاق ہے وطلاق ہے، آیا اس کو تقلید مذہب شافعی کی جائز ہے تاکہ وطی اس عورت کی بلاتردد ہوجائے کیونکہ عندالشافعی یمین مضاف میں طلاق نہیں واقع ہوتی۔

کمافی الدرالمختار فی المجتبی عن محمد فی المضافة لایقع وبہ افتی ائمة خوارزم انتھی وھو قول الشافعی[1]	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ مجتبی میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جس عورت کے نکاح سے کوئی شرط منسوب کی جائے تو طلاق نہ ہوگی، اسی پر ائمہ خورازم کا فتوی ہے اھ، یہی امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے یا نہیں۔ (ت)

الجواب:

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ یمین مضاف منعقد ہے اور ایسی صورت میں نکاح کرتے ہی فورًا طلاق بائن ہوجائے گی، وُہ روایت ضعیفہ کہ مجتبی میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے جس کا پانا بیان کیا قطع نظر اس سے کہ زاہدی چنداں موثوق فی النقل نہیں وہ خود بھی اس کے ضعف کا معترف ایسی روایات شاذہ ساقطہ پر فتوی دینا جائز نہیں، ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نہ مفتی کو اس روایت پر افتا کی مجال، نہ کسی کو اس پر عمل حلال۔ درمختار میں عبارت منقولہ سائل کے بعد ہے:

ھذا یعلم ولایفتی بہ[2] (اس کو معلوم کرلیا جائے لیکن اس پر فتوی نہ دیا جائے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیة وعن الصدر اقول لایحل لاحدان یفعل ذٰلك وقال الحلوانی یعلم ولایفتی بہ لئلایتطرق الجھال الی ھدم المذھب اھ بحر[3]۔	بزازیہ میں ہے اور صدر سے مروی ہے میں کہتا ہوں کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور حلوانی نے فرمایا معلوم کرلیا جائے لیکن اس پر فتوی نہ دیا جائے تاکہ جاہل لوگ مذہب کے خلاف نہ مصروف ہوجائیں اھ بحر۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فلیس للمفتی الافتاء بالروایة الضعیفة وکونھا افتی بھا کثیر من ائمة خوارزم	مفتی کو ضعیف روایت اختیار نہیں کرنی چاہئے، اور ائمہ خوارزم کا اس پر فتوی اس کے ضعف کو

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[3] ردالمحتار باب التعلیق الطباعة المصریة بمصر ۲/۴۹۶

لاینفی ضعفھا ولذا تقدم عن الصدر انه لایحل لاحدان یفعل ذٰلك وكذا ماتقدم عن الحلوانی من انه یعلم ولایفتی به فلو تثبت ھذہ الروایة عن محمد وكانت صحیحة لبنوا الحكم علیها ولم یحتاجوا الی بنائه علی مذھب الشافعی فھذا یدل علی انها روایة شاذة كما یشیر الیه كلام المجتبٰی المار [1]۔	ختم نہیں کرسکتا، اسی لئے صدر سے منقول گزرا کہ کسی کو یہ کام حلال نہیں، اور یوں ہی علامہ حلوانی سے منقول گزرا کہ اس کو جان لیاجائے مگر فتوی نہ دیا جائے، تو اگر یہ بات امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے صحیح ثابت ہو تو پھر چاہئے تھا کہ اس قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی کو مبنٰی حکم بناتے اور امام شافعی کے قول کے محتاج نہ ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ روایت شاذ ہے جیسا کہ اس پر گزشتہ مجتبٰی کا کلام اشارہ کررہا ہے۔ (ت)

پھر اگر مخلص چاہے تو کچھ تقلید امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاجت نہیں، خود اپنے مذہب میں مخلص موجود ہے مثلاً صورتِ مستفسرہ میں اس عورت سے نکاح کرلے، نکاح کرتے ہی طلاق پڑجائے گی، اور ازانجا کہ عورت غیر مدخولہ ہے اور اس نے تین طلاقیں بتفریق ذکر کی ہیں کہ طلاق ہے وطلاق ہے وطلاق ہے لہذا ایک ہی واقع ہوگی،

فی الدر المختار وان فرق بوصف اوخبر اوجمل بعطف اوغیرہ بانت بالاولی لاالی عدّة ولذالم تقع الثانیة بخلاف الموطوة حیث یقع الكل۔ [2]	درمختار میں ہے: اگر طلاق کو متفرق وصف یا خبر یا حکم کے ساتھ متفرق کرے خواہ عطف کے ذریعہ یا بغیر عطف تو عورت پہلی طلاق سے ہی بائنہ ہوجائے گی اور عدت نہ ہوگی، اسی وجہ سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر وطی شدہ بیوی کو ایسے کہا تو سب طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

پس اسی وقت پھر اس سے نکاح کرلے اب طلاق نہ پڑے گی کہ یمین ایک بار سے کھل گئی،

فی التنویر الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وكل وكلما ومتٰی ومتٰی ما	تنویر میں ہے: عربی شرط کے الفاظ یہ ہیں: ان، اذا، اذاما، کل، کلما، متٰی، متٰی ما،

[1] ردالمحتار باب التعلیق الطباعة المصریة بمصر ۲/ ۴۹۷

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بھا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۳

تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرّۃ الافی کلما فانہ ینحل بعد الثلاث۔[1]	ان تمام الفاظ کی شرط جب پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے گی ماسوائے لفظ "کلما" کیونکہ اس میں شرط تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی۔(ت)

مگر اتنا ہوگا کہ عورت پر صرف دو طلاقوں کا مالک رہے گا کہ ایک تو نکاح پیش میں پڑچکی اب اگر کبھی دو طلاقیں دے گا مغلظہ ہوجائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ذی علم کے سامنے تذکرہ کہے کہ میں نے یوں حلف کرلیا ہے کہ مجھے نکاح فضولی کی حاجت ہے یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی شخص بے میری توکیل کے بطور خود میرا نکاح اس سے کردے تا ذی علم مذکور خود یا کسی اور اسے کہہ کر عورت کا نکاح اس سے کردے جب اس شخص کو نکاح کی خبر پہنچے یہ زبان سے کچھ نہ کہے بلکہ کوئی فعل ایسا کرے جس سے اس نکاح موقوف کی اجازت ہوجائے، مثلاً عورت کو مہر بھیج دے یا لوگوں کی مبارکباد قبول کرے کہ اس صورت میں نکاح ہوجائے گا اور طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی،

فی الدرالمحتار عن البحر عن البزازیۃ ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول لہ ماحلف واحتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیزبالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منھم، اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا[2] اھ	ردالمحتار میں بحر سے منقول اور وہاں بزازیہ سے منقول ہے کہ مناسب ہے کہ کسی عالم کے پاس آکر جو اس نے قسم اٹھائی ہے اس کو بیان کرے اور کسی ایسے فضولی شخص (جو اس کی بیوی کو پہچانتا ہو) کی ضرورت کو بیان کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے نکاح کردے اور یہ اس عالم کی کارروائی کو کسی اپنے عمل سے جائز کردے تو حانث نہ ہوگا اور یونہی کسی ایسی جماعت کے سامنے اپنے لئے فضولی کے نکاح کی ضرورت کو پیش کرے تو اس جماعت میں کوئی شخص خود اس کا نکاح کردے البتہ خاص کسی شخص کو فضولی بننے کے لئے نہ کہے کیونکہ کسی کو کہنا کہ تو فضولی بن میرا نکاح کردے، تو یہ فضولی نہ ہوگا، بلکہ یہ تو اس کو وکیل بنانا ہوا، اھ (ت)

مسئلہ ۷: از سیتاپور ۶ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زن وشو میں باہم نزاع لفظی واقع ہوا اس پر شوہر نے کہا تو میری چیز کھائے تو طلاق ہے، شوہر کی مراد اس سے نقصان نکاح کی ہرگز ہرگز نہیں ہے غصہ میں

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۹۷

ایک مہمل لفظ زبان سے نکل گیا، اب زوجہ شوہر کی دی ہوئی کوئی چیز نہ لیتی ہے، نہ کھاتی ہے، نہ پہنتی ہے، نہ قریب آتی ہے، اور کہتی ہے کہ مجھ کو یہ خوف ہے کہ اگر میں کھاؤں تو مجھ پر شرعی نقصان پڑجائے گا، شوہر اس امر سے قطعی انکار کرتا ہے اس کا بیان ہے کہ غصہ میں میرے منہ سے نکل گیا ہے ہر گز میری یہ مراد نہ تھی، بقسم شرعی کہتا ہے، یومِ عقد سے گاہے اس نے ایسا لفظ بدمنہ سے نہیں نکالا ہے بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر الفاظ اسی قدر تھے جو مذکور ہوئے جن میں کچھ ذکر نہیں کہ کون طلاق ہے کس پر طلاق ہے، اور ایسی حالت میں شوہر کا بقسم بیان کہ ان الفاظ سے میں نے طلاق زوجہ کی نیت نہ کی تو صورت مذکورہ میں بموجب روایات کثیرہ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ وفتاوٰی ذخیرہ ومحیط امام برہان الدین وقنیہ وبحر الرائق ودر مختار وغیرہا ان الفاظ سے نکاح پر کوئی اثر نہ اب ہے نہ آئندہ کسی چیز کے کھانے سے پیدا ہو، اور بنظر دقیق احتیاط یہ ہے کہ اگر الفاظ یہی تھے کہ میری چیز کھائے الخ جب تو جو چیز کھانے سے پہلے زوجہ کو شوہر ہبہ کردے کہ اب میری چیز کھانا صادق نہیں، اور اگر لفظ وہ ہیں جو کرامت نامہ میں ارشاد ہوئے کہ اب اگر میری لائی ہوئی کھائے الخ تو علاج یہ ہے کہ خود چیز نہ لائی جائے نوکر یا عزیز یا غیر اوروں سے منگوا کر دی جائے، یہ احتیاط صرف کھانے میں ہے اس کے سوا پہننا، بولنا، قریب آنا جانا وغیرہا کسی فعل سے کوئی اثر ضرر نہیں اور ایک بار سہواً خواہ قصداً ایسا واقع ہو جائے کہ خلافِ شرط کھانا عمل میں آئے تو الفاظ مذکورہ سے بنظرِ احتیاط بھی صرف ایک طلاق رجعی کا حکم ہوگا کہ عدت کے اندر فقط زبان سے اتنا کہہ دینا کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا کفایت کرے گا، اس کے بعد وہ شرط باطل ہو جائے گی جو چاہے اور جتنی بار چاہے شوہر کی چیز اسی کی لائی ہوئی کھائے ہر گز طلاق نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا یہ وہ مفصل فتوی ہے جس کا ذکر پیش لفظ میں گزرچکا ہے، یہ فتوی فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ تھا، اس مسئلہ کی اہمیت اور اس باب سے متعلقہ ہونے کے پیش نظر اس مقام پر جلد ہذا میں شامل کرلیا گیا ہے۔

مسئلہ ۸: از انبٹھہ ضلع سہارن پور مرسلہ فضل کریم انصاری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی فضل کریم نے اپنی زوجہ مسماۃ حسینہ بی کو بلایا، اس کی والدہ نے بھیجنے سے انکار کیا، فضل کریم اس کے پاس گیا اور سمجھایا، جب دیکھا کہ وہ راضی نہیں ہوتی تو اس سے کہا کہ "اگر آج آپ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا" اور اثنائے راستہ میں بہنگام واپسی مکان خسر خود صدیق احمد یا تایا زوجہ خود کے مل جانے پر اس سے بھی فضل کریم نے کہا کہ "ان کو سمجھا کر بھجوادو میں کہہ آیا ہوں کہ عصر تک اپنے گھر نہ آئیں تو میں اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا" اس پر اہالیِ زوجہ نے اس کو روک رکھا اور لفظ یہ بتائے کہ فضل کریم یہ لفظ کہہ گیا تھا کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان میں نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" اور یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب کہے تھے نیز یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ فضل کریم نے باہر از مکان خسر خود تایا زوجہ خود سے کہا تھا کہ "معافی نامہ مہر میرے پاس لکھا رکھا ہے اور میں کہہ آیا ہوں کہ "اگر عصر تک آپ اپنے گھر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" فضل کریم ان الفاظ سے منکر ہے نیز بحلف شرعی کہتا ہے کہ بالفرض لفظ یوں ہوں یا کچھ ہوں جو کچھ ہوں میں نے کہا تھا اس سے زوجہ مذکور کو طلاق دینے کی نیت میری نہ تھی" اس پر بعض صاحبان [عہ] نے بے تحکیم فضل کریم

عہ: یعنی جناب مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی مصنف حفظ الایمان جن کی نسبت حسام الحرمین شریف میں علماء کرام حرمین شریفین کا حکم مشہور ومعروف ہے ۱۲

(بوجہ مراسم تایا مسماۃ حسینہ بی تایا مذکور کے بلالانے پر) بطور خود حکم ہونے کا دعوی کیا اور یہ فیصلہ لکھ دیا کہ زوجہ فضل کریم مسماۃ حسینہ بی پر ایک طلاق بائن ہوگئی اور اس صورت میں کہ فضل کریم نے لفظ "جواب ہے" کہا تھا نیت فضل کریم کی حاجت نہیں، اور زوجہ حسینہ بی اپنے معاملہ میں قاضی ہے،

اور یہ بھی لکھا کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے سے قاصر رہا حالانکہ منجانب حسینہ بی اس کے رشتہ دار گواہ جو ثقہ اور عادل ہیں پیش ہوئے، اگرچہ فیصلہ مذکور میں شہادت پیش شدہ غیر محدود صورت کے ساتھ ہے لیکن ایک اقربا حسینہ بی سے معلوم ہوا کہ تایا مذکور وچچی وتائی زوجہ مذکور نے اور ان کی ایک ماما غیر پردہ نشین نے بیان مسماۃ حسینہ بی کی تائید کی ہے۔

قابلِ استفتاء یہ امور ہیں کہ یہ فیصلہ کرنا اور صورتِ مذکورہ میں طلاق کا حکم دینا شرعًا حق ہے یا باطل، اور عورت کو اس موقعہ پر کیا سمجھنے کا حکم ہے وُہ خود قاضی ہوسکتی ہے یا نہیں، اور جن لوگوں نے ایسا فیصلہ دیا ان کی نسبت کیا حکم ہے اور ان ہر دو اقوال میں فضل کریم شوہر کا قول معتبر ہے یا زوجہ حسینہ بی اور اس کے اقربا مذکورہ کا، اور ان ہر دو الفاظ سے شرعًا کسی قسم کی طلاق مذکورہ بالا صورت میں عائد ہوگی یا نہیں، مدلل مرقوم فرمائیں، بینوا توجروا۔ احقر فضل کریم انصاری ساکن انبٹھ ضلع سہارنپور

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب

صورت مستفسرہ میں ہرگز حکمِ طلاق نہیں، یہاں شرعًا فضل کریم کا قول معتبر ہے کہ حسینہ طلاق کی مدعیہ ہے اور فضل کریم اس سے منکر اور قاعدہ شرع ہے کہ القول للمنکر والبینۃ علی المدعی (منکر کی بات معتبر ہے اور گواہی مدعی کے ذمہ ہے۔ت) اگر اس نے یہی لفظ کہے تھے کہ "نکاح سے علیحدہ کردوں گا" جب تو ظاہر ہے کہ یہ نرا وعدہ ہے اور وعدے سے طلاق نہیں ہوتی۔ جواہر اخلاطی میں ہے:

طلاق میکنم طلاق بخلاف قولہ کنم لانہ یتمحض الاستقبال[1]۔	طلاق میکنم، حال ہونے کی وجہ سے طلاق ہے اس کے برخلاف طلاق کنم، کہا تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ محض استقبال ہے۔ (ت)

اور اگر بالفرض اس نے وہی لفظ کہے ہوں جو اہلِ زن بیان کرتے ہیں تو جبکہ وہ عدم نیت طلاق پر حلف کرتا ہے حکم طلاق محض باطل وخطا ہے، اولا لفظ جواب اگرچہ اردو میں بمعنے ترک تعلق بھی آتا ہے جس کے سبب طلاق سے کنایہ ہوسکتا ہے

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۶۹

نوکر کو جواب دے دیا یعنی برخاست کردیا مگر وہ اردوئے معلّٰی بلکہ فارسی میں بھی بمعنی رد وانکار وعدمِ قبول شائع وذائع ہے گدارا جواب داد (فقیر کو جواب دیا۔ت) یعنی اس کا سوال رد کیا، دینے سے انکار کردیا، زید سے فلاں کام کو کہا اس نے جواب دیا یعنی نہ مانا، قبول نہ کیا، عمرو سے کوئی درخواست کی اس نے کہا میری طرف سے جواب ہے یعنی مجھے منظور نہیں۔ مخلص کاشی راست۔

دریں زمانہ گدا رنگ می تواند بست　　　اگرز خواجہ ممسک جواب میگیرد

(اس زمانہ میں گدا گراپنے ڈنگ کا بختہ ہے اگرچہ بخل والا جواب بھی دے دے۔ت)

فصیح الملک۔

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب　　　سُن چکا میں چاردن پہلے مقدر کا جواب

اس قسم کے محاورات نظم ونثر میں بکثرت ہیں۔

تو کلمہ یقینا صالح رد ہے، اور جو کلمہ صالح رد ہو مطلقاً ہر حال میں محتاج نیت ہے اگرچہ حالت غضب ہو اگرچہ حالتِ مذاکرہ طلاق ہو۔ درمختار میں ہے:

الحالات ثلثة رضی وغضب ومذاکرة والکنایات ثلث مایحتمل الرد اومایصلح للسب اولا ولافقی الرضی تتوقف الثلثة علی نیة للاحتمال وفی الغضب الاولان وفی مذاکرة الطلاق الاول فقط[1]۔	حالات تین ہیں: رضا، غصہ اور مذاکرہ طلاق، اور کنائے تین ہیں: رد کا احتمال نہ رکھتا ہو، تو رضا کی صورت میں تینوں احتمال ہوسکتے ہیں جس کی نیت کریگا وہی ہوگا، اور غصہ کی صورت میں پہلے دونوں اور مذاکرہ کی صورت میں صرف پہلا احتمال یعنی رد ہوسکتا ہے۔(ت)

اور جب وُہ حلف کے ساتھ نیت کا انکار کرتا ہے تو یقینا اس کا قول مانا جائے گا۔ نہ قاضی حکم طلاق دے سکتا ہے نہ عورت اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله[2]۔	قسم کے ساتھ خاوند کی بات معتبر ہوگی اور بیوی کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔(ت)

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

ردالمحتار میں ہے:

قولہ للاحتمال لما ذکرنا من ان کل واحدٍ من الالفاظ یحتمل الطلاق وغیرہ والحال لاتدل علی احدھما فیسأل عن نیته ویصدق فی ذلك قضاء بدائع[1]۔	ماتن کے قول للاحتمال کی وجہ جو ہم نے ذکر کی کہ مذکور الفاظ میں سے ہر ایک طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہے جبکہ حال کی دلالت کسی ایک پر نہیں لہٰذا اس کی نیت پوچھی جائے گی اور قضاء اس کے بیان کی تصدیق کی جائے گی، بدائع۔(ت)

ثانیًا بالفرض لفظ "جواب" معنی رد وانکار کا صالح نہ ہوتا بلکہ جانے دیجئے یوں فرض کیجئے کہ وہ سرے سے کنایہ ہی نہ ہوتا بلکہ خاص صریح ہوتا جب بھی صورت مستفسرہ میں بعد اس کے کہ فضل کریم نے حلفًا انکار نیت کیا، حکمِ طلاق زنہار ممکن نہ تھا کہ یہاں عورت کی طرف اضافت نہیں، صرف اتنا کہا ہے کہ "میری طرف سے جواب ہے" یہ کچھ نہ کہا کہ کس کو جواب ہے، اور ترک اضافت ہمیشہ مانع حکم طلاق ہے جبکہ شوہر بحلف انکار نیت کرے۔ فتاوٰی خانیہ میں پھر فتاوٰی خلاصہ پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

واللفظ للاولی رجل قال لامرأته فی الغضب اگر توزن من سہ طلاق وحذف الیاء لاتطلق لانه ماأضاف الطلاق الیھا[2]۔	یعنی اگر کسی شخص نے اپنی عورت سے حالتِ غضب میں کہا "تو میری عورت ہے تو تین طلاق"۔ اور یوں نہ کہا کہ "تو میری عورت ہے تو تجھے تین طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ جب اس نے "تجھے" کا لفظ نہ کہا تو طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کیا۔

نیز فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

امرأة قالت لزوجھا طلقنی ثلاثا فقال الزوج اینك ہزار طلاق لاتطلق امرأته لانه کلام محتمل۔[3]	یعنی عورت نے شوہر سے کہا "مجھے تین طلاق دے دے" اس نے کہا "فی الحال ہزار طلاق" طلاق نہ ہوگی کہ اس میں اپنی عورت کو طلاق دینا صاف نہیں۔

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

قالت طلقنی فضربھا وقال اینك طلاق	یعنی عورت نے کہا "مجھے طلاق دے دے" اس پر

[1] ردالمحتار باب الکنایات احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

لایقع ولو قال اینك طلاق یقع۔[1]	مرد نے اسے مارا اور کہا"فی الحال طلاق"طلاق نہ ہوگی اور اگر کہا"فی الحال تجھے طلاق"طلاق ہو جائیگی۔

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

رجل قال"نان خردیم ونبیذ خوریم زنان ما بسہ[۳]"ثم قال له رجل بعد ماسکت"بسہ[۳] طلاق"فقال الرجل"بسه طلاق"لاتطلق امرأته لانه لما فرغ عن الکلام وسکت ساعة کان هذا ابتداء کلام لیس فیه اضافة الی شیئ۔[2]	ایک شخص نے کہا"ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پی ہماری عورتوں کو تین"پھر جب چپ رہا دوسرے نے اس سے کہا"تین طلاقیں"تو جواب میں اس نے کہا"تین طلاقیں"طلاق نہ ہوگی کہ جب وہ پہلی بات کہہ کر کچھ دیر چپ رہا تو اب یہ ابتدائی کلام ہوا اور اس میں کسی طرف اضافت نہیں۔

محیط پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

سئل شیخ الاسلام الفقیه ابونصر عن سکران قال لامرأته اتریدون ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیة اگر تو زن منی یک طلاق دو[۲] طلاق سہ[۳] طلاق قومی واخرجی من عندی وهو یزعم انه لم یرد به الطلاق فالقول قوله۔[3]	یعنی امام شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی عوت سے نشہ میں کہا"کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں"اس نے کہا"ہاں"مرد نے کہا"اگر تو میری جورو ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اٹھ میرے پاس سے دور ہو"اور اس کا بیان ہے کہ اس نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی، تو اس کا قول معتبر ہے۔

امام اجل قاضی خان نے فرمایا: لانه لم یضف الطلاق الیها[4] اس کا قول اس لئے معتبر ہوا کہ اس نے ان لفظوں میں طلاق کو عورت کی طرف نسبت نہ کیا تھا یعنی یوں نہ کہا تھا کہ اگر تو میری عورت ہے تو تجھے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق۔ فتاوٰی ذخیرہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

سئل نجم الدین عمن قالت له امرأته مرا	امام نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال ہوا ایک شخص

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۷۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۳

[4] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۹

برگ باتو باشیدن نیست مرا طلاق دہ فقال الزوج چوں تو روی طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم۔[1]	سے اس کی عورت نے کہا "تیرے ساتھ میرے رہنے کا فائدہ نہیں مجھے طلاق دے دے" شوہر نے کہا" تجھ جیسی کو طلاق دے دی گئی" اور کہا میری نیت طلاق کی نہ تھی، کیا اس کا قول مانا جائیگا۔فرمایا ہاں۔

فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

قال لھا لاتخرجی الاباذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقھا ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول لہ۔[2]	یعنی عورت سے کہا "بے میری اجازت کے باہر نہ جانا کہ میں طلاق کا حلف کرچکا ہوں"۔عورت بے اجازت چلی گئی، طلاق نہ ہوگی کہ اس نے یہ نہ کہا کہ تیری طلاق کا حلف کرچکا ہوں ممکن ہے کہ اور کسی کی طلاق کا حلف کیا ہو تو جب وہ اس عورت کو طلاق دینے کی نیت سے منکر ہے تو اس کا قول معتبر ہے۔

درمختار ہے:

لم یقع لترکہ اضافۃ الیھا۔[3]	اس صورت میں طلاق اس لئے نہ ہوئی کہ عورت کی طرف طلاق کی اضافت نہ کی۔

کتب معتمدہ میں اس مسئلہ میں سندیں بہت بکثرت ہیں اور تمام تحقیق ہمارے رسالہ **الکاس الدھاق باضافۃ الطلاق** (۱۳۱۳ھ) میں ہے تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حکم بن کر یہاں حکم طلاق دیا اور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کا فیصلہ کیا وہ اس کا محض جہل و ظلم و زعم باطل تھا۔وہ حکم جہالت اور وہ فیصلہ بطالت اور وہ حکم بن بیٹھنا افتراء وضلالت۔

اولًا اس نے اپنی جہالت سے لفظ "جواب ہے" کو محتمل دشنام ٹھہرا کر اس بناء پر کہ یہ الفاظ فضل کریم نے بحالتِ غیظ وغضب میں کہے تھے قضاء وقوعِ طلاق کا حکم دیا اور نہ جانا کہ وہ محتمل رد ہے اور جو لفظ محتمل رد ہو اس سے کسی حالت میں بے نیت طلاق نہیں ہوسکتی نہ دیانۃً نہ قضاءً۔ہدایہ میں ہے:

فی حالۃ الغضب یصدق فی جمیع	غصہ کی حالت میں مذکورہ تمام صورتوں میں قائل کی تصدیق

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[3] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

ذلك لاحتمال الرد [1]۔	کی جائے گی کیونکہ رد کا احتمال ہے۔(ت)

کافی میں ہے:

فی مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء الافیما یصلح جوابا وردا فانہ لایجعل طلاقا [2]۔	قضاءً مذاکرہ طلاق میں تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائیگی لیکن جن صورتوں میں جواب اور رد ہونے کا احتمال ہو ان صورتوں میں طلاق نہ ہوگی۔(ت)

ثانیًا اسے نہ سوجھا کہ لفظ اضافت سے خالی ہے تو بحال انکار نیت حکم طلاق ناممکن ہے اگرچہ خود لفظ "طلاق" ہوتا جیسا کہ مسائل مذکورہ میں گزرا، نہ کہ لفظ "جواب" کہ کنایہ ہے اور وہ بھی محتمل رد وانکار۔ محیط میں ہے:

لایقع فی جنس الاضافۃ اذالم ینولعدم الاضافۃ الیھا [3]۔	یعنی جنس اضافت میں جب طلاق کو عورت کی طرف اضافت نہ کرے طلاق نہ ہوگی جب تک شوہر نیت نہ کرے۔

ثالثًا اس نے عورت کو خود اپنے معاملے میں قاضی بتایا اس کا اگر یہ مطلب کہ عورت خود حاکم ہے اور اس کا حکم مثل قاضی شرع نافذ وناطق ہے جب تو صریح جہالت ہے، ہاں جہاں کہ مرد خود حکم بن بیٹھتے ہوں وہاں کی عورتیں اگر خود قاضی بن بیٹھیں تو کیا عجب۔ اور اگر یہ مراد کہ الفاظ طلاق میں عورت کو وہی سمجھنا چاہئے جو عام لوگوں اور قاضی کو کہ دل کا حال اللہ جانتا ہے، یہ سب ظاہر پر عمل کرنے والے ہیں تو ہم درمختار و ردالمحتار وفتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی محیط وبحرالرائق وکافی شرح وافی وہدایہ کے نصوص جلیلہ سنا چکے کہ اس صورت میں جبکہ شوہر بحلف منکر نیت ہے قاضی بھی طلاق نہیں ٹھہرا سکتا تو عورت کیا چیز ہے۔

رابعًا اس کی جہالت کا صاف واضح نمونہ وہ ہے کہ فضل کریم شہادت پیش کرنے میں قاصر رہا وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہاں فضل کریم مدعا علیہ ہے اور حسینہ مدعیہ ہے مدعا علیہ کو شہادت کی کیا حاجت جس کے

---

[1] الھدایۃ فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۵۴

[2] کافی

[3] محیط

پیش کرنے سے اسے قاصر کیا جائے۔

خامسًا حکم بننے میں اگر اس نے یہ زعم کیا کہ فضل کریم نے اسے حکم کیا اور وُہ واقع میں ایسا نہ تھا تو اس نے ایک مسلمان پر افتراء کیا اور شرع مطہر میں مفتری کی سزا اسلام کے یہاں اسی ۸۰ کوڑے ہیں ___ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ [1] (اور بیشک آخرت کا عذاب اور سخت تر) اور اگر یہ ٹھہرایا کہ گو فضل کریم نے مجھے حکم نہ کیا مگر شریعت نے بے رضا و تحکیم خود حکم بن بیٹھنا اور فیصلہ کر دینا جائز کیا ہے اور ایسا فیصلہ شرعًا صحیح و نافذ ہوتا ہے تو اس نے شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور شریعت مطہرہ پر افترا اللہ عزوجل پر افترا ہے اور اللہ عزوجل پر افترا بے ایمان ہی کرتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ [2] جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو مسلمان نہیں۔

سادسًا وہ جانتا تھا کہ شرع مطہر سے اس صورت میں حکم طلاق نہیں ہو سکتا اور پھر دانستہ خلافِ حکم شرع حکم کیا جب تو ان آیات کریمہ سے اپنا حکم معلوم کرے کہ:

وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۴۵	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ ظالم ہیں،
وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۴۷	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ فاسق ہیں،
وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۴ [3]	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہ کافر ہیں،

جب حکم شرع پر حکم نہ کرنے والوں کے لئے یہ احکام ہیں تو جو دانستہ حکم شرع کے خلاف کریں اور اسے حکم شرع بتائیں ان پر کس درجہ سخت تر ہوں گے اور اگر نہ جانتا تھا اور بے علم فتوٰی دیا تو اپنا حکم اس حدیث سے لے:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا [4] رواہ الائمۃ احمد و البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے علم فتوٰی دیا تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا (اسے امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

[1] القرآن الکریم ۲۶/۳۹

[2] القرآن الکریم ۱۰۵/۱۶

[3] القرآن الکریم ۴۴/۵ تا ۴۷

[4] صحیح مسلم کتاب العلم باب رفع العلم وقبضہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۰/۲

اور اس حدیث سے معلوم کرے:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض [1]۔ رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو بغیر علم کے فتوی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔(اسے ابن عساکر نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

بلکہ نظر بواقع صورتِ حاضرہ میں دونوں شقیں موجود ہیں، یہ حکم بن بیٹھنے والا خلافِ شرع حکم دینے والا جاہل بھی ہے، اس کا جہل خود اس کے اس حکم ہی سے ہم نے بوجوہ ظاہر کردیا، اور دیدہ ودانستہ خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے والا بھی ہے کہ ابھی چند روز ہوئے بمقدمہ حاجی بنیاد علی بجنوری اس نے یہی جہالت کی تھی اور اس پر دارالافتاء سے تنبیہ کی گئی حکم صحیح بتایا گیا پھر سائل کے مقرر سوال بغرض دفع اوہام جہال پر دوبارہ مفصل فتوی مرسل ہوا تو حکم اگر جب نہ جانتا تھا اب معلوم تھا اور پھر قصداً اس کا خلاف کیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

سابعًا اس نے یہ ما انزل اللہ کا خلاف اپنی کسی خانگی بات میں نہ کیا بلکہ ایک مسلمان کی زوجہ کو ناحق ناروا اسکے نکاح سے خارج ٹھہرایا اور شوہر سے برگشتہ بنایا، اور یہ شیاطین کا کام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ [2] الٰی قوله تعالٰی فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ [3]۔	شیاطین کافر ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں (الٰی قولہ تعالٰی) جس سے مرد اور اس کی عورت میں جدائی ڈالتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأته علی زوجها [4]۔ رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن	جو کسی مرد سے اس کی زوجہ کو برگشتہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں (اس کو ابوداؤد اور حاکم

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۰ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[4] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب من خبب امرأته علی زوجها آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابی ہریرۃ والطبرانی فی الصغیر والاوسط بنحوہ عن ابن عمر وابویعلی بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	نے ابوہریرہ سے طبرانی نے صغیر اور اوسط میں اسی طرح ابن عمرو سے ابویعلی نے بسندِ صحیح اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

اس حکم بننے والے کا جہل وظلم بہت وجوہ سے بیان ہوسکتا ہے، اور یہ سات ۲ بعد دسبع سمٰوات کیا کم ہیں واللہ تعالٰی اعلم

تصدقات علمائے بدایوں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

حامدًا و مصلیا و مسلما

اگر زوج نے فقط یہی لفظ کہے تھے کہ "اگر عصر تک نہ آئیں تو نکاح سے میں تم کو علیحدہ کردوں گا" تو یہ تو فقط وعدہ ہے طلاق سے تعلق ہی کیا۔ اور اگر یہ لفظ کہے تھے کہ "میری طرف سے جواب ہے" تو یہ کنایہ طلاق میں داخل ہوسکتا ہے مگر جب شوہر بحلف کہتا ہے کہ میری نیت نہ تھی تو اسی کا قول معتبر ہے جیسا کہ مجیب لبیب نے کتاب ردالمحتار وغیرہ سے ثابت کیا ہے، بہر حال صرف انہیں کلمات کی بناء پر باوجود حلف شوہر کے عدم نیت طلاق پر حکم طلاق بائن دے دینا ازروئے کتب فقہ حنفی صریح غلطی ہے کما فصلہ المجیب المصیب، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ حررہ عبدالرسول محب احمد القادری عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح وصواب
محمد عبدالمقتدر القادری عفی عنہ مدرسہ قادریہ بدایوں

ھذا ھو التحقیق وبالاتباع حقیق

الجواب صواب والمجیب شاب

صح الجواب واللہ اعلم بالصواب
عبدالنبی محمد ابراہیم القادری عفی عنہ

تصدیقات علمائے شاہجہانپور

ما اجاب الفاضل المجیب فھو صحیح بالتحقیق
العبد الفقیر محمد ریاست علی عفی عنہ

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح
محمد سلیمان عفی عنہ

موافق روایات مذکورہ بالا طلاق واقع نہیں ہوئی۔
کتبہ عبدہ المسکین غلام محی الدین عفی عنہ

الجواب صحیح
العبد محمد فراست اللہ عفی عنہ

تصدیقات علمائے دہلی

صورت مسئولہ میں طلاق بائن واقع ہونے کا فتوی باوجود انکار اور حلف فضل کریم کے بیشک غلط ہے، صحیح یہی ہے جو مجیب صاحب نے تحریر فرمائی، باقی رہی یہ بات کہ مفتی مخطی نے اگر عمداً یہ کارروائی کی **والعیاذ باللہ**، تو بلاریب مستحقِ عذاب الٰہی ہے اور اگر سہواً ان سے غلط سرزد ہوگیا ہے اور وہ صاحب عالم ہیں اہلِ افتاء ہیں تو اس صورت میں عفو کے مستحق ہیں۔

سیف الرحمن مدرس اوّل مدرسہ فتحپوری دہلی — (مہر: محمد سیف الرحمن)

الجواب صحیح محمد بُردل مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی — (مہر: محمد بُردل ۱۳۱۵)

الجواب صحیح محمد عمر عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ دہلی

الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

للہ درّ المجیب اللبیب محمد کرامت اللہ عفا عنہ دہلوی

الجواب صحیح و المجیب مصیب حبیب المرسلین عفی عنہ سابق مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

الجواب صحیح محمد نسیم احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم دہلی

اصاب من اجاب محمد میاں عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش دہلی

ذٰلک کذٰلک ابو محمد محمد دیدار علی الرضوی الحنفی عفا اللہ عنہ وعن والدیہ

I.T. Majlis of DawateIslami

تصدقات علمائے میرٹھ

جواب مذکور الصدر درست ہے اور جواب میں جو عبارات بطور نقل تحریر فرمائی ہیں وہ جواب کی صحت کو آفتاب کی طرح روشن کرتی ہیں، یہ عبارت کہ "اگر آپ عصر تک اپنے مکان پر نہ آئیں تو میری طرف سے جواب ہے" قابل غور ہے، واضح لفظ "جواب" اردو زبان میں لفظ مشترک ہے اور لفظ مشترک بدون بیان احناف کے نزدیک قابل عمل نہیں، اگر کسی آدمی نے وصیت کی کہ ثلث مال میرے موالی کو دینا اور وصیت کنندہ کا آزاد کرنے والا ہے اور وہ بھی ہے جس کو وصیت کنندہ نے آزاد کیا ہے تو احناف کے نزدیک وصیت باطل ہے اور وجہ بطلان کی بیان کرتے ہیں کہ لفظ مولٰی مشترک ہے معلوم نہیں کہ حکم کا ذہن اس کے ادراک سے کیوں بے نصیب رہا، اور باوجود انکار وعدم اضافت، جواب طلاق بائنہ کا ہار فضل کریم کی گردن میں کیوں چسپاں کردیا، آفریں بادبریں ہمت مردانہ او، پس فیصلہ حکم کا جہالت پر مبنی ہے اور طریق احناف سے خارج ہے، میں فقہائے احناف کی عبارات نقل کرکے طول دینا نہیں چاہتا، جواب میں جو عبارات تحریر فرمائی ہیں وہ کافی ہیں بلکہ عندالانصاف کفایت سے زائد ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

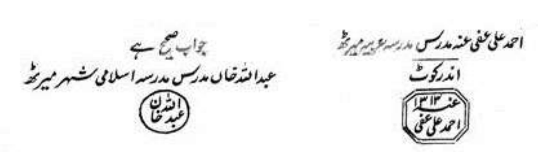

تصدیقات علمائے احمد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الرؤف الرحیم

امابعد، بندہ نے اول سے آخر تک اس فتوی کو پڑھا، حضرت مولٰنا مولوی حامیٔ دین متین جناب احمد رضا خاں صاحب عم فیضہ الصوری والمعنوی نے اس میں دریائے تحقیق بہادیا ہے، اب جس میں مادہ ایمان ہے اس کے واسطے سوائے تسلیم کے اور س کے حکم کو سرپر چڑھانے کے چارہ نہیں، اور جو لوگ اس فتوی کے خلاف حکم کرتے ہیں ان کے حال کو خاکسار اپنے احباب کو سمجھاتا ہے ان پر وحی شیطان کی نازل ہوتی ہے اس کی خبر رب العالمین اپنے کلام مجید میں دیتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ۔[1]	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی:

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾ اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ[2] اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ عزیزے شیطان لعین را دید کہ فارغ نشستہ ست واز تضلیل واغوا خاطر جمع ساختہ آں عزیز سر آنرا پرسید لعین گفت کہ علمائے سوء ایں وقت دریں کار بامن خود مدد عظیم کردند ومرا ازیں مہم فارغ ساختند والحق دریں زمان ہر سستی ومداہنتی کہ درامور شرعیہ واقع شدہ است وہر فتورے کہ در ترویج ملت ودین ظاہر گشتہ ست ہمہ از شومی علمائے سوء ست وفساد نیات ایشاں[3]۔	اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا، سنتے ہو بیشک وہی جھوٹے ہیں، ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلادی، وہ شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔ (ت) ایک عزیز نے شیطان کو فارغ بیٹھا اور گمراہ کرنے اور حق سے ہٹانے کے کام سے مطمئن پایا تو عزیز نے اس سے وجہ پوچھی تو شیطان لعین نے کہا اس وقت کے علمائے سوء اس کام میں میرے بڑے مددگار ہیں اور مجھے اس کام سے انہوں نے فارغ کردیا اور حقیقت یہی ہے کہ اس زمانے میں دین وشریعت کے امور میں جو سستی اور مداہنت اور ہر کوتاہی جو دین وملت کی ترویج میں ظاہر ہورہی ہے یہ تمام علمائے سوء کی نحوست اور بدنیتی کی وجہ سے ہے۔ (ت)

یہ عبارت راقم نے مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کی جلد اوّل کے ص ۹۳ مکتوب ۳۳ سے نقل کی ہے، اب جو لوگ شیطان کی وحی پر چلنا چاہتے ہیں وہ اپنے نفس کی شامت سے حزب الشیطان ہو جائیں ان کے جلانے اور سزا دینے کے واسطے اللہ تعالٰی نے جہنم تیار کر رکھی ہے اور جو شیطان سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۸۔۱۹

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب سی وسوم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۷

کفر کرتے ہیں اور خدائے تعالٰی پر ایمان لاتے ہیں ان کی فہمائش کے لئے علمائے ربانیین نے حکم شریعت مدلل لکھ دیا ہے **فماذا بعد الحق الا الضلال** (پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ت) حضرت رب العزت تبارک وتعالٰی اس تحریر پر تنویر کو سبب ہدایت اپنے بندوں کا کرے اٰمین ثم اٰمین ہذا ما عندی، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

حررہ المفتقر الی ربہ القدیم عبدالرحیم بن پیر بخش السنی الحنفی القادری النقشبندی الاحمد آبادی المدرس الاول فی المدرسۃ القادریۃ

۱۳۱۵ عبدالرحیم

صح الجواب

محمد خلیل الرحمن سنی حنفی قادری

الجواب صحیح

یا الٰھی کن کرم شیر محمد

نعم الجواب وجید التحقیق

عبدالکریم

تصدیقات علمائے جبلپور

ان ھذا لھو الحق والحق للاتباع احق

کتبہ ادون عباد اللہ ذی الجلال والاکرام الراجی الی لطفہ محمد عبدالسلام السنی الحنفی القادری الرضوی الجبلفوری غفرلہ

ما اجاب مولانا امام المحققین لھو الحق المبین

کتبہ الفقیر عبدالباقی محمد برہان الحق الرضوی الجبلفوری کان اللہ تعالٰی لہ

تصدیقات علمائے مراد آباد

نحمدہ ونصلی علی حبیبہ الکریم

بے شک فضل کریم کا قول معتبر ہے جس حالت میں کہ وہ حلف کر رہا ہے کیونکہ وہ مدعا علیہ ہے، اور اس کے الفاظ طلاق نہیں ہیں کما صرحہ العلامۃ المجیب دامت برکاتھم اور اگر اہالی زن کے بیان کردہ الفاظ بھی ثابت ہوجائیں تو بھی حکم طلاق جہل محض ہے، حضرت مجدد مائۃ حاضرہ متع اللہ المسلمین ببرکات انفاسہ نے جو تحقیق فرمائی ہے بالکل حق وصواب ہے۔ جزاہ اللہ تعالٰی احسن الجزاء وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

الجواب صحیح وصواب، العبد المسکین محمد عباد الدین عفی عنہ محمد نعیم الدین عفی عنہ

واضح ہو کہ صورت مسئولہ میں جو فضل کریم نے اپنی زوجہ حسینہ بی کے حق میں کہا کہ آپ آج اپنے گھر میں نہ آئیں تو میں آپ کو اپنے نکاح سے علیحدہ کردوں گا انتہی۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایقاع طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق کا وعدہ ہے اس میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ پھر اگر وہ مسماۃ اپنے گھر میں نہ آئیں جب بھی طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ اس میں محض ایقاعِ طلاق کا وعدہ ہے اور بعد نہ آنے اس کے فضل کریم سے ایقاعِ طلاق کے کوئی کلام (الفاظ) وقوع میں بھی نہ آئے بلکہ پیرایہ وعدہ ہی رہے لہٰذا طلاق شرعًا ثابت نہیں ہوئی اور نہ اس عوت نے اپنے زوج فضل کریم سے سوال کیا تھا نہ اس کے متعلقین نے کہ تو اس کو طلاق دے دے تاکہ یہ صورت مذاکرہ طلاق کی ہوتی، اور لفظ "جواب" کو "جو کلام دوسرے" فضل کریم میں واقع ہوا یعنی اگر آپ عصر تک مکان پر نہ آئیں تو میرا جواب ہے لیکن یہ کلام دوسرا بعد دیر کے اس نے کہا اور فضل کریم زوج مسماۃ مذکورہ کا ان الفاظ سے انکار ہے اور نیز حلف شرعی سے کہتا ہے یوں ہی ہو یا جو کچھ ہو میں نے اس سے زوجہ مذکور کو نیت طلاق کی نہیں کی تھی، بعض متعلقینِ مسماۃ مذکورہ نے بیچارے فضل کریم کے ذمہ زبردستی سے اس لفظ کو چپکا دیا اور کسی ملا نے نافہمی اپنی سے مفہوم طلاق بائن کا سمجھ کر حکم طلاق بائن کا دیا۔ اور برتقدیر فرض اگر اس نے یہ لفظ کہا ہے جب بھی طلاق بائن نہیں ہوئی، **اولًا** اس واسطے کہ یہ لفظ بعد دیر کے کہا پھر یہ کلام کلامِ جدید ہے اور اضافت اس میں

الی شیئ ناپدید ہے۔

قال قاضی خان فی فتاوٰہ رجل قال نان خوردیم ونبیذ خوردیم زنان مابسہ ۳ ثم قال لہ رجل بعد ماسکت بسہ طلاق فقال الرجل بسہ طلاق لاتطلق امرأتہ لانہ لما فرغ عن الکلام وسکت ساعۃ کان ھذا ابتداء کلام لیس فیہ اضافۃ الی شیئ۔[1]	قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایاایک شخص نے کہا ہم نے روٹی کھائی اور نبیذ پیا ہماری عورتوں کو تین، پھر کچھ دیر بعد اس کو ایک شخص نے کہا"تین طلاقیں"تو اس نے کہا"تین طلاقیں"تواس کی بیوی کو طلاق نہ ہوئی کیونکہ جب خاموش ہو کر کچھ دیر کے بعد کہا تو یہ نیا کلام ہے اور اس میں اضافت کسی کی طرف نہ پائی گئی۔(ت)

ثانیًا یہ کہ لفظ"جواب" موضوع واسطے طلاق کے نہیں ہے بلکہ یہ ایک ہندی کلمہ ہے کہیں بمعنی ترک و رد کے آتا ہے، چنانچہ زید نے عمرو سے کچھ مانگااس نے جواب دیا یعنی رد کیا کچھ نہ دیا خالی ہاتھ چلا گیا، دوسرا یہ کہ خالد نے مثلًا بکر سے سوال کیا نماز میں کتنے فرض اور کتنے واجب ہیں؟ اس کا جواب دے دیا یعنی اس کے سوال کو تسلیم کرکے اس کا جواب دیا یعنی رد نہ کیا بتلادیا اتنے فرض ہیں اتنے واجب ہیں۔اور کبھی ایک شیئ کے مقابلہ میں دوسری شیئ تیار کی جائے اس کو ہندی میں جواب کہتے ہیں، مثلًا ایک شخص نے مکان بنایااور اس میں چار در اور چار طاق محاذی ایک دوسرے کے بنائے اس کو اردو میں ایک دوسرے کا جواب کہتے ہیں۔اور یہ بھی مفہوم لفظ جواب کا ہوسکتا ہے کہ اگر تم اپنے گھرنہ آئیں تو ہمارا بھی جواب ہے یعنی ہم بھی تمہارے گھر نہ آئیں گے۔اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ تم ہم سے اگر قرینہ نیک سے اور حُسنِ معاشرت سے رہو گی تو ہم بھی اسی قاعدہ سے رہیں گے اگر تم ہم سے سرکشی رکھو گی ہم بھی سرکشی رکھیں گے۔اور یہ بھی مفہوم ہوسکتا ہے کہ پہلے اس سے اس مخاطبہ نے اپنے زوج فضل کریم سے کوئی چیز مانگی ہو تواس کے دینے میں سکوت کیااور وہ رنجیدہ ہو کر اپنے گھر چلی گئی، جب اس نے اس مسماۃ سے جاکر کہاکہ تم اپنے گھر چلواس نے نہ مانا تواس کے مقابلہ میں زوج نے کہاکہ ہمارا بھی جواب ہے، تواس طرح سے یہ لفظ جواب اردو میں چند معنی میں مستعمل ہوتا ہے توپھر لفظ جواب سے خاص کر طلاق بائن کا مفہوم سمجھنا دلیل نافہمی کی ہے،

کما حققہ الفاضل المحقق الکامل جناب مولٰنا احمد رضاخان صاحب دام مجدھم بعد التی والتیاماترک	جیسا کہ اس کی تحقیق فاضل محقق کامل جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب دام مجدہ نے فرمائی بہر صورت انہوں نے اس معاملہ میں تحقیق میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۵

المحقق المذکور من التحقیق فی ھذا الامر شیأ لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔واللہ اعلم وعلمہ اکمل واتم۔	کوئی کمی نہ چھوڑی، ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی مزید سبیل پیدا فرمادے،واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اکمل واتم۔(ت)

عبدالباری

قد ضل المجیب السابق فی فھمہ ضلالًا بعیدا وقد صارفی ردہ المحقق المذکور مولٰنامصیبًا۔	پہلے مجیب اپنے فہم میں زیادہ بھٹک گئے اور ان کے جواب اور رد میں محقق مذکور نے درست فرمایا۔(ت)

کتبہ المعتصم بحبل اللہ الاحد محمد ابوالفضل المدعو بفضل احمد

تصدیقات علمائے لاہور

الحق حق لاشك فیہ، محمد عبدالعزیز عفی عنہ مدرس مدرسہ نعمانیہ لاہور

ھذا الجواب صحیح والمجیب نجیح، محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ

ھذاھو الحق، فقیر محمد شفیق بگوی حنفی نقشبندی خطیب مسجد شاہی لاہور

ھذاھو الحق المبین، الراجی الی اللہ العٰلمین، المسکین اللہ دین مدرس اول مدرس نعمانیہ لاہور

الجواب صحیح، محمد ذاکر بگوی عفی عنہ مدرس اول حمیدیہ

الحق لایتعداہ المومنون، عبیدہ اصغر علی المدارس العربیۃ

المجیب مصیب فیما اجاب فللہ درہ فیما اجتہد واصاب، کتبہ العبد الضعیف المسکین محمد اکرام الدین البخاری عفی عنہ الباری مشہور بواعظ الاسلام حال خطیب وامام فی مسجد نواب وزیر خان رحمہ اللہ الملك المنان لاہور۔

تصدیقات علمائے بمبئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حامدا ومصلیا ومسلما، جو کچھ اعلٰحضرت عظیم البرکت امام اہلسنت

مد ظلہم العالی نے صورتِ مسئولہ طلاق کے عدم وقوع کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اور جابر حَکَم کے فیصلہ باطلہ کی نسبت فرمایا: تو آفتاب سے زیادہ روشن ہے کہ جس شخص نے خود حکم بن کر یہاں حکم طلاق دیا اور حسینہ کے نکاح سے نکلنے کا فیصلہ دیا وہ اس کا محض جہل وظلم وزعم باطل تھا وہ حکم جہالت اور وُہ فیصلہ بطالت، وہ حکم بن بیٹھنا افتراء وضلالت"۔ یہ سب صحیح ہے مسلمانوں پرلازم ہے کہ ایسے جاہل مضل سے دور رہیں اور اس کے ایسے باطل فیصلہ پر ہر گز ہر گز عمل نہ کریں۔

حررہ العبد الفقیر محمد عمر الدین السنی الحنفی القادری الهزاروی عفا اللہ تعالٰی عنه

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو کچھ کہ اعلٰحضرت امام المسلمین مراد المومنین مولٰنا وسید نا احمد رضاخان صاحب مد ظلہم العالی نے عدم وقوع طلاق کے بارے میں تحریر فرمایا ہے وہ سب صحیح ہے اور اس حکم جاہل کا فیصلہ بالکل لغو وقبیح ہے۔

حررہ الاحقر محمد عبد الرزاق السنی الحنفی القادری المقتدری عفا اللہ تعالٰی عنه

حامدًا ومصلیًا ومسلمًا

اما بعد خاکسار امید وارِ رحمت پروردگار نے یہ جواب کاشف حجاب عجب العجاب من اولہ الی آخرہ بنظرِ غور دیکھا، الحمدللہ دربارہ عدمِ وقوع طلاق وضوح حق نے سرور دیا حق تعالٰی جل شانہ اعلٰحضرت عظیم البرکۃ واقفِ حقیقت مروج شریعت مجدد طریقت حکیم الامت علامہ زمان وفہامہ یگان مولٰنا وبالفضل اولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب مد ظلہم العالی کو دارین میں جزائے خیر عطا فرمائے اور جمیع اہلسنت وجماعت کو اس پر عمل کی توفیق بخشے، آمین ثم آمین!

حررہ حافظ عبد الحلیم السنی الحنفی القادری امام مسجد جاملی محلہ بمبئی

ما اجاب المجیب اللبیب فهو فیه مصیب۔ حررہ خادم الشرع القاضی

اسمٰعیل الجلمائی الشافعی عفا اللہ تعالٰی عنه وعن والدیه وعن استاذیه وعن المومنین، آمین یارب العالمین!

تصدیقات علمائے پیلی بھیت

مجدد مائۃ حاضرہ صاحب حجتِ قاہرہ اعلٰحضرت مولٰنا وسیدنا مولوی احمد رضاخان صاحب

امام اہلسنت کا جواب بتوفیق رب الارباب عین صواب ہے فقط۔

فقیر قادری وصی احمد حنفی خادم حدیث در مدرسۃ الحدیث

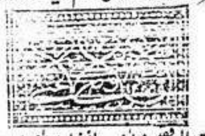

حضرت امام المحققین و راس المدققین مولنا و بالفضل اولٰنا المولوی محمد احمد رضا خان صاحب
دام شمس فیوضہ مشرقۃ و مازال قمر افاداتہ مضیئا کا جواب عین صواب ہے۔
العبد ابو سراج عبدالحق عفی عنہ تلمیذ مولنا و بالفضل اولٰنا المولوی
محمد وصی احمد محدث سورتی عم فیضہ العلی

الجواب ھو الصواب
محمد فضل حق عفی عنہ خادم مدرسہ رحمانیہ پیلی بھیت

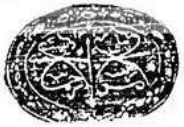

مسئلہ ۹: از بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ مولوی عبدالمجید صاحب شنوپوری ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے، بعدہ وہ بی بی عشاء کی نماز نہیں پڑھی، فجر سے لے کر نماز شروع کی، اور وہ شخص بعد فجر کے رجعت بھی کرلیا ہے، پھر چند برس کے بعد وہ شخص اور دو طلاق بلاشرط دیا اب اس شخص کا رجعت کرنا جائز ہے یا نہیں کیونکہ دو طلاق سابق اور یہ دو طلاق مجموعہ چار طلاق ہوئی، اب سہ طلاق ہو کر محرمہ ابدی ہوئی یا نہ، اور سابق دو طلاق کو جب نماز پر شرط کیا اور نماز بھی نہ پڑھی یعنی عشاء کی، تو طلاق ہوگی یا نہ، **بینوا مع الدلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کیئے۔ت)۔ بعض عالم کہتے ہیں

اول جو طلاق نماز پر شرط کیا تھا نہیں واقع ہوگی کیونکہ قول زوج کا "اگر نماز نہ پڑھے گی" مستقبل کی طرف اشارہ ہے اور مستقبل تا حیات کے لئے ہوتا ہے، اور ثانی جو دو طلاق بلاشرط ابھی دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے اور دوسرے طرف کے علماء کہتے ہیں اب رجعت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سہ طلاق ہو کر مغلظ ہوگئی ہے اس وجہ سے کہ اول جو دو طلاق شرط نماز پر کیا تھا تا حیات پر موقوف نہیں کیونکہ زوج کی مقصود اور نیت یہ ہے کہ زوجہ کبھی نماز نہ چھوڑے، اور تاکید حکم شرع پر کرتا ہے اگر ایک وقت نماز چھوڑے گی تو امر صادق آویگی، اور رامپور کے بعض علماء کہتے ہیں اول دو طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ طلاق رجعی کی جب شرط پر معلق کرتا ہے تو بائن ہوجاتا ہے اور بائن کے لئے درمدت نکاح جدید چاہئے جب نکاح جدید درمدت نہ کیا اور مدت گزر گیا اب بعدہا طلاق صحیح نہیں ہے فقط اول دونوں طلاق واقع ہوں گی اور بعد کے طلاق کی ملک نہیں ہے۔

الجواب:

اللّٰھم لك الحمد اسألك ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! تیرے لئے حمد ہے، میں تجھ سے حق اور صواب کی رہنمائی طلب کرتا ہوں۔ت) فقیر نے ہر سہ فریق علمائے بنگالہ وبعض علمائے رامپور کے اقوال مذکور اور دلائل مزبور مطالعہ کئے جہاں تک اپنی نظر قاصر کا مبلغ بحکم خیر الامور اوسطھا (درمیانی چیز بہتر ہے۔ت) ان میں قول وسط عدل و وسط و صحیح وبے غلط ہے، فریق سوم کا زعم تو محض باطل وبے اصل ہے تعلیق ربطِ مضمونِ جملہ بمضمونِ آخر ہے نہ کہ خبطِ مضمون بربطِ آخر ان دخلت الدار فانت طالق (اگر تو گھر میں داخل ہو تو تجھے طلاق۔ت) کہنے والے نے انت طالق کے مفاد شرعی کو دخولِ دار پر معلق کیا تو ہنگامِ دخول اسی مفاد کا نزول ہوگا نہ کہ مفاد سے عدول، اور قطعًا معلوم کہ اس کا مفاد نہیں، مگر طلاق رجعی یہاں تک کہ اگر انت طالق کہے تو طلاق بائن کی نیت کرے جب بھی رجعی ہوگی کہ وہ تغییر حکم شرع پر قدرت نہیں رکھتا، تنویر میں ہے:

صریحہ کطلقت وانت طالق ومطلقۃ یقع بھا واحدۃ رجعیۃ وان نوی خلافھا[1]۔	صریح طلاق یہ ہے "میں نے تجھے طلاق دی، تو طلاق والی ہے، تو مطلقہ ہے" جیسے الفاظ ہیں، ان الفاظ سے ایک رجعی طلاق ہوگی اگرچہ نیت اس کے خلاف بھی کرے۔(ت)

ہدایہ میں ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

انت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ولايفتقر الى النية وكذا اذا نوى الابانة لانه قصدالتنجيز ماعلقه الشرع بانقضاء العدّة فيرد عليه[1] (ملخصًا)	تجھے طلاق، تو مطلقہ ہے، میں نے تجھے طلاق دی، ان الفاظ سے رجعی طلاق ہوگی اور کسی نیت کی ضرورت نہیں ہے، یونہی اگر ان الفاظ سے بائنہ طلاق کی نیت کرے تب بھی رجعی ہی ہوگی کیونکہ شریعت نے ان الفاظ سے طلاق بائنہ کو عدت ختم ہونے تک معلق رکھا ہے جبکہ طلاق دینے والے نے فی الحال نافذ ہونے کی نیت کی ہے اس لئے بائنہ نہ ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

ہمارے علماء کرام کے نزدیک وقتِ حلول شرطِ نزول جزایوں ہوتا ہے کہ گویا اس وقت تکلم بالجزا منجز واقع ہوا اور ظاہر ہے کہ انت طالق کا تکلم ہرگز مفید نہ ہوگا مگر طلاق رجعی کا۔ فتح القدیر میں ہے:

انه ينزل سببا عندالشرط كانه عندالشرط اوقع تنجيزا[2]۔	کیونکہ طلاق کا سبب، شرط پائے جانے پر وارد ہوتا ہے گویا کہ شرط پائے جانے پر وہ طلاق بول کر نافذ کررہا ہے۔ (ت)

ظاہرًا ان بعض علماء کو ایک عبارتِ درمختار نے دھوکا دیا کہ اواخر باب طلاق بالصریح میں فرمایا:

لوقال انت طالق على ان لارجعة لى عليك. له الرجعة وقيل لا، جوهرة و رجح فى البحر الثانى، خطأ من افتى بالرجعى فى التعاليق وقول الموثقين تكون طالقا طلقة تملك بها نفسها[3]	اگر کہا "تجھے اس شرط پر طلاق ہے کہ مجھے رجوع کا اختیار نہیں، تو اس کو رجوع کا حق باقی ہوگا۔ بعض نے کہا اس کو رجوع کا حق نہیں ہے۔۔ جوہرہ۔ بحر میں دوسرے قول کو ترجیح دے کر کہا کہ جس نے معلق طلاق میں رجوع کا فتوی دیا اس نے خطا کی ہے، اور پختہ کار لوگ فرماتے ہیں کہ مذکورہ صورت میں ایسی طلاق ہوگی جس میں اختیار بیوی کو ہوگا کہ وہ نکاح دوبارہ کرے یا نہ کرے یعنی بائنہ طلاق ہوگی۔ (ت)

اس عبارت میں جملہ "وخطأ من افتى الخ" کے یہ معنی سمجھ لیے کہ علامہ بحر صاحب بحر رحمہ اللہ تعالٰی نے مطلّقا تعلیقات میں طلاق رجعی ماننے کو خطا ٹھہرایا، حالانکہ یہ محض سوئے فہم یا قلّت تدبر سے ناشی ہے یہاں

[1] الهداية باب ايقاع الطلاق المكتبة العربية کراچی ۱/۳۳۹

[2] فتح القدير باب الايمان فى الطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۴۴۵

[3] درمختار باب الصريح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

خاص صورت یہ زیر بحث ہے کہ جزائے معلق میں وصف بینونت مذکور ہو، مثلاً:

ان دخلت الدار فانت طالق طلاقا لارجعه لی علیك فیه یا ان تفعل کذاتکن طالقا طلقة تملك بها نفسها۔	اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو وہ طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو، یا یوں کہے اگر تو یہ کام کرے تو تجھے وہ طلاق ہے جس میں اختیار تیرے ہاتھ میں ہو۔ (ت)

عبارتِ در میں وقول الموثقین بالجر زیر فی داخل (قول الموثقین جر کے ساتھ التعالیق پر داخل "فی" کے تحت ہے۔ ت) اور التعالیق کا عطف تفسیری ہے، بحر۔ ردالمحتار میں ہے:

قوله وخطاء ای نسبه الی الخطأ، وقوله وقول الموثقین بالجر قال ح عطف تفسیر علی التعالیق، قلت واصل المسئلة التی ذکرها صاحب البحر، وقد الف فیها رسالة ایضا، هی ان رجلا قال لزوجته متی ظهر لی امرأة غیرك فانت طالق واحدة تملکین بها نفسک، ثم ظهرله امرأة غیرها فاجاب فیها بانه بائن ورد من افتی رجعی[1] (ملخصًا)	اس کا قول کہ "خطاء" یعنی اس کو خطاء کی طرف منسوب کیا، اور اس کا قول " قول الموثقین، جر یعنی زیر کے ساتھ، تواب اس کا تعالیق پر عطف تفسیری ہوگا۔ **قلت** اصل مسئلہ وہ ہے جس کو صاحب بحر نے ذکر کیا اور اس پر رسالہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ اگر تیرے سوا کوئی میری بیوی معلوم ہوجائے تو تجھے ایک طلاق ہے جس میں تجھے اپنا اختیار ہوگا، اس کے بعد اس شخص کی دوسری بیوی معلوم ہوئی تو بحر والے نے جواب دیا کہ یہ طلاق بائن ہوگی، اور انہوں نے اس شخص کا رد بھی کیا جس نے اس کے رجعی ہونے کا فتوی دیا (ملخصًا) (ت)

خود علامہ بحر کی عبارت سنئے کہ در سے روشن تر ہے بحر میں فرماتے ہیں:

فی الجوهرة قال انت طالق علی انه لارجعة لی علیك یلغو ویملك الرجعة وقیل تقع واحدة بائنة اھ وظاهر مافی الهدایة ان المذهب الثانی فانه قال	جوہرہ میں ہے کہ اگر ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوعِ اختیار نہ ہوگا، تو ایسی میں رجوع نہ ہونے کی شرط لغو، اور اس طلاق پر خاوند کو رجوع کا اختیار باقی رہے گا، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایک بائنہ طلاق ہوگی اھ

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

واذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزيادة كان بائنا وقال الشافعی يقع رجعيا اذاكان بعد الدخول، لانه وصفه بالبينونة خلاف المشروع فيلغو كما اذا قال انت طالق على ان لارجعة لی عليك ولنا انه وصفه بما يحتمله ومسئلة الرجعة ممنوعة اھ،قال فی العناية ای لانسلم انه لايقع بائنا بل تقع واحدة بائنة اھ وهكذا فی فتح القدير وغاية البيان والتبيين فقد علمت ان المذهب وقوع البائن، وقد تمسك به بعض من لاخبرة له ولادراية بالمذهب على ان قول الموثقين فی التعاليق تكون طالقا طلقة تملك بها نفسها لايوجب البينونة مستدلابانه لوقال انت طالق على ان لارجعة كان رجعيا، وهو خطأ وقد اوسعت الكلام فيها فی رسالة[1] اھ ملخصًا۔	جبکہ ہدایہ کی عبارت سے ظاہر یوں ہے کہ دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ انہوں نے یوں فرمایا کہ جب طلاق کو ایسے وصف سے موصوف کیا جائے جو شدت اور زیادتی پر دلالت کرے تو وہ طلاق بائنہ ہوتی ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی بشرطیکہ بیوی سے دخول کرچکا ہو کیونکہ اس نے صریح ایک طلاق کو بائن کے وصف سے موصوف کیا ہے جو کہ خلافِ مشروع ہے لہٰذا یہ وصف لغو ہوگا، جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا تو رجوع کا حق باقی رہے گا اور طلاق رجعی ہوگی، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول کے مقابلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ خاوند نے طلاق مذکورہ کو ایسے وصف سے موصوف کیا جس کا اس میں احتمال بن سکتا ہے اور جس مسئلہ پر آپ نے قیاس کیا یعنی رجوع نہ کرنے کی شرط، تو ہمارے لئے وہ ایسے نہیں ہے بلکہ وہ طلاق بائنہ ہے اھ۔ عنایہ میں حنفی مسلک کی تائید میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں بائنہ طلاق نہ ہونا تسلیم نہیں کرتے بلکہ ایک طلاق بائنہ ہوگی اھ عنایہ کے علاوہ فتح القدیر، غایۃ البیان اور تبیین میں ایسے ہی ہے، اور آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ حنفی مذہب میں طلاق بائنہ ہوگی، جن لوگوں کو مذہب کی خبر اور سمجھ نہیں انہوں نے یہاں استدلال کیا ہے کہ "قول الموثقین فی التعالیق" سے مراد یہ ہے کہ اگر خاوند بیوی کو کہے کہ "تجھے ایک رجعی طلاق جس میں تجھے اپنا اختیار حاصل ہے" تو اس میں طلاق بائنہ نہ ہوگی، اس پر انہوں نے دلیل یہ دی کہ اگر کوئی بیوی کو کہے کہ تجھے ایک طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجوع کا اختیار نہ ہوگا، تو یہ بھی رجعی طلاق ہوگی، حالانکہ ان لوگوں کا یہ بیان واستدلال خطأ ہے، اور میں نے اس بات کو تفصیل سے رسالہ میں لکھا ہے اھ ملخصًا (ت)

[1] بحرالرائق فصل انت طالق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۹۱/۳

نیز علّامہ بحر کے اس رسالہ میں جس کا حوالہ ردالمحتار اور خود بحر الرائق میں گزرا یہاں وقوع بائن کی علت زیادۃ لفظ تملک بھا نفسھا بیان فرمائی نہ یہ کہ نفس تعلیق موجب بینونت ہے رسالہ مذکورہ میں بعد بیان صورتِ واقعہ فرماتے ہیں:

وقع الطلاق ما ینبئی علی الزیادۃ وھو قولہ تملك بھا نفسھا فیکون بائنا وان کان صریحا، فی البدائع، البائن ان یکون بحروف الابانۃ او بحروف الطلاق لکن موصوفا بصفۃ تنبئی عن البینونۃ اھ ولاشك ان قولہ تملك بھا نفسھا یکون بالبائن لا بالرجعی، فی فتح القدیر لا تملك نفسھا الا بالبائن[1] اھ مختصرًا	یہاں طلاق کا وقوع، زائد الفاظ یعنی "وہ اپنے نفس کی مالک ہوگی" کے ساتھ ہوگا، لہٰذا یہ طلاق بائن ہوگی، اگرچہ صریح طلاق مذکور ہے، بدائع میں ہے کہ کسی جدائی والے لفظ یا لفظِ طلاق کو جدائی والے کسی لفظ سے موصوف کردیا جائے، تو یہ بائن طلاق ہوگی اھ، اور اس میں شک نہیں کہ عورت کو اپنے نفس کا اختیار بائن طلاق سے حاصل ہوتا ہے رجعی سے نہیں ہوتا۔ فتح القدیر میں ہے کہ رجعی طلاق میں عورت کو اپنے نفس کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور بدائع میں ہے کہ عورت اپنے نفس کی مالک صرف بائن طلاق سے بنتی ہے اھ مختصرًا (ت)

مطلقًا تعلیق سے بائن کا وقوع علاوہ ان دلائل واضحہ کے کہ صدر کلام میں معروض ہولئے صدہا فروع منصوصہ فی المذہب سے باطل ہے۔ اسی درمختار میں ہے:

علق الثلث بالوطء حنث بالتقاء الختانین ولم یجب العقر باللبث بعد الایلاج ولم یصر بہ مراجعا فی الطلاق الرجعی الا اذا اخرج ثم اولج فیصیر مراجعا[2]۔	خاوند نے اگر طلاق مغلظہ کو وطی سے معلق کیا تو وطی کے ابتدائی مرحلہ میں دونوں شرمگاہوں کے ملنے پر ہی طلاق ہوجائے گی اور دخول کے بعد وقفہ پر بیوی کے لئے جوڑا (عقر) لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس کو طلاق رجعی میں رجوع قرار دیا جائے گا، ہاں اگر دخول کے بعد شرمگاہوں کے جدا ہونے کے بعد دوبارہ دخول کیا تو رجوع قرار پائے گا۔ (ت)

[1] الرسالۃ السابعۃ فی الطلاق المعلق علی الابراء ہل ہو رجعی او بائن مع الاشباہ والنظائر۔ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۶

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۲ و ۲۳۳

ردالمحتار میں ہے:

قوله فی الطلاق الرجعی ای فیما اذاکان المعلق علی الوطی طلاقا رجعیا[1]۔	ماتن کا قول کہ "رجعی طلاق میں" یہ وہ صورت ہے جس میں رجعی طلق کو وطی کے ساتھ معلق کیا ہو۔(ت)

اسی طرح بحرالرائق وہدایہ وفتح القدیر وعامہ کتبِ مذہب میں ہے۔خود رسالہ مذکورہ علامہ زین میں بعد بیان صورت واقعہ کہ زوج نے کہا تھا:

متی ابرأیتنی من مهرك فانت طالق الخ	تو مجھے مہر سے بری کردے تو تجھے طلاق ہے الخ(ت)

اور اثبات بینوت بوجہ زیادت صفت متقدمہ بیان فرمایا:

فان قلت لولم تجعله بائنا بسبب اشتراط الابراء من المهر فان الطلاق الموقع فی مقابلة الابراء یکون بائنا،وعلله فی التجنیس بانه یقع بعوض وهو لاله اهـ قلت فی مسئلتنا جعل الطلاق معلقا بالابراء شرطا له لاعوضا،فلذالم تجعله بائنا الاان یوجد نقل یدل علی ذٰلك اهـ[2] ملتقطا۔	**اگر تو اعتراض کرے** کہ مہر سے بری کرنے کی شرط پر طلاق کو تم نے بائنہ کیوں نہ بنایا، کیونکہ ابراء کے مقابلہ میں طلاق بائنہ ہوتی ہے نہ کہ شرط سے، تجنیس میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس صورت میں یہ طلاق ایسے عوض کے مقابلہ میں ہے جو خاوند کے حق میں نہیں اھ میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں طلاق کو ابراء سے معلق کیا گیا ہے جس میں ابراء کو شرط بنایا ہے عوض نہیں بنایا،اسی لئے تو ہم نے اس کو بائن نہیں بنایا الایہ کہ کوئی نقل اس پر مل جائے جو اس پر دلالت کرے اھ ملتقطا۔(ت)

نیز فتح القدیر میں زیر مسئلہ آتیہ قریبا انت طالق ان لم اطلقک (اگر تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے۔ت) ارشاد فرمایا:

الطلاق یتحقق منه الیاس بموتها واذا حکمنا بوقوعه قبل موتها	کہ طلاق سے مایوسی عورت کی موت سے ہی ہوسکتی اور جب ہم بیوی کی موت سے قبل وقوع طلاق کا حکم

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۰۸

[2] الرسالة السابعة فی الطلاق المعلق الخ مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۳۹

لایرث منها الزوج لانها بانت قبل الموت فلم یبق بینهما زوجیة حال الموت وانما حکمنا بالبینونة وان کان المعلق صریحا لانتفاء العدة کغیر المدخول بها لان الفرج ان الوقوع فی اٰخر جزء لایتجزأ فلم ینله الاالموت وبه تبیین اھ[1]	دیں تو خاوند اس بیوی کا وارث نہ ہوگا، کیونکہ موت سے طلاق بائنہ ہوتی ہے تو موت کے وقت زوجیت دونوں کی ختم ہوچکی ہوگی، اور بیشک ہم نے اس طلاق کو بائنہ قرار دیا ہے اگرچہ لفظوں میں یہ صریح طلاق ہے، کیونکہ اس پر عدت نہیں ہوتی جیسا کہ قبل دخول طلاق کی صورت میں ہوتا ہے اس لئے کہ فرض یہ کیا ہوا ہے کہ موت سے قبل ایک ادنٰی جز جس میں موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا تھا اس میں طلاق واقع ہوئی اس سے وہ بائنہ بن گئی اھ۔(ت)

بالجملہ امر واضح اور بشدت وضوح ایضاح سے مستغنی ہے۔رہا **فریق اول** الفاظ کہ زبانِ زوج سے نکلے یعنی اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو[۲] طلاق ہے، اگر لغۃً ان کا مفاد دیکھا جائے تو واقعہ اسی قدر ہے جو اس فریق نے سمجھا اس لئے کہ یہاں معلق بہ عدم یعنی نماز نہ پڑھنا ہے اور عدم متحقق نہ ہوگا مگر عورت کے آخر جزء حیات میں اگر آج سے عمر بھر کبھی کوئی نماز نہ پڑھتی تو عدم مذکور صادق آتا اور عورت کی پچھلی سانس پر طلاق نازل ہوتی یہاں تک کہ اس نے صبح کی نماز پڑھی تو عدم معدوم اور اس کا نقیض موجود ہوا تو چاہئے تھا کہ یہ دو طلاقیں اصلًا نہ پڑتیں۔ہدایہ فصل اضافۃ الطلاق الی الزمان میں ہے:

العدم لایتحقق الاباليأس عن الحیاۃ وهو الشرط کمافی قوله ان لم اٰت البصرة[2]۔	عدم طلاق کا تحقق صرف زندگی سے مایوس ہوجانے پر ہوسکتا ہے جبکہ طلاق نہ دینا شرط ہے، جیسا کہ کوئی یوں کہے "اگر میں بصرہ نہ آؤں" تو بصرہ میں نہ آنا زندگی بھر میں متوقع رہتا ہے صرف موت سے ہی یہ توقع ختم ہوتی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولوقال انت طالق ان لم اطلقك لم تطلق حتی یموت باتفاق الفقهاء لان الشرط ان لایطلقها	اگر خاوند نے کہا "اگر تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے" کی صورت میں موت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ طلاق

[1] فتح القدیر فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۷۳

[2] الهدایة فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۳۴۵

وذٰلك لایتحقق الابالیأس عن الحیاۃ لانه متی طلقها فی عمرہ لم یصدق انه لم یطلقها بل صدق نقیضه وھو انه طلقها والیأس یکون فی اٰخرجزء من اجزاء حیاته[1]۔	نہ دینے کی شرط ہے، اور یہ شرط تاحیات متحقق نہ ہوگی صرف زندگی سے مایوسی پر ہی متحقق ہوگی، کیونکہ زندگی میں جب طلاق دے گا تو طلاق نہ دینا صادق نہ آئے گا بلکہ اس کی نقیض صادق آئے گی، اور وہ یہ کہ اس نے طلاق دی ہے، اس لئے طلاق نہ دینا عمر کے آخری ادنٰی جزء میں معلوم ہوسکے گا اور وہی زندگی سے مایوسی کا وقت ہے۔(ت)

مگر یہاں ایک نکتہ بدیعہ ہے جس سے غفلت اس فریق کے لئے باعث غلط ہوئی۔ الفاظ کا مفاد لغو ہمارے ائمہ کے نزدیک مبنائے یمین نہیں بلکہ معانی عرفیہ پر بنائے کار ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل ان الایمان مبنیة عند الشافعی رحمه الله تعالٰی علی الحقیقة اللغویة وعند مالك رحمه الله تعالٰی علی الاستعمال القراٰنی وعند احمد رحمه الله تعالٰی علی النیة وعندنا علی العرف مالم ینو ما یتحمله اللفظ[2]۔	امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں قسم میں حقیقی لغوی معنی کا لحاظ کیا جاتا ہے اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں قسم میں قرآن پاک میں استعمال شدہ الفاظ ومعانی کا لحاظ کیا جاتا ہے جبکہ امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں نیت کا لحاظ ہوتا ہے اور ہمارے احناف کے ہاں قسم میں عرفی معانی کا اعتبار ہوتا ہے بشرطیکہ قسم والے نے کسی احتمالی معنی کی نیت نہ کی ہو۔(ت)

اور اغراض ومقاصد جس قدر مفاد لفظ سے زائد ہوں یعنی عموم واطلاق بھی انہیں متناول نہ ہو ملحوظ نہیں ہوتے۔ الایمان مبینة علی الالفاظ لاعلی الاغراض[3] (قسموں میں الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اغراض کا لحاظ نہیں ہوتا۔ت) کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب مذہب میں ارشاد ہے اس سے یہی مراد ہے کہ لفظ کی تناول عرفی سے اجنبی خارج وبیگانہ و زائد بات اگرچہ عرفاً مقصود حالف ہو منظور نہ ہوگی مگر اغراض مخصص ضرور ہوسکتی ہیں، دلالتِ لفظ کہ عموم پر تھی بنظر غرض خاص پر مقصود ہوجائے گی، یہ مدلول لفظ سے خروج نہیں بلکہ بعض مدلولات پر قصر ہے، یہ وہ تحقیق انیق ہے جس سے کلمات ائمہ مذہب میں توفیق ہے اور فروع متکاثرہ مذہب کی شہادت متواترہ سے اس کی توثیق ہے جس کا نفیس وروشن بیان علامہ شامی رحمہ اللہ تعالٰی نے ردالمحتار میں افادہ فرمایا اور اس کے بیان میں ایک مستقل رسالہ رفع الانتقاض ودفع الاعتراض

---

[1] فتح القدیر فصل فی اضافۃ الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۷۳۔۳۷۲

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۶

علٰی قولھم الایمان مبینۃ علی الالفاظ لاعلی الاغراض تالیف کیا۔ تلخیص الجامع الکبیر للامام ابی عبداللّٰہ صدرالدین محمد بن عباد میں ہے:

وبالعرف یخص ولایزاد حتی خص الرأس بمایکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیۃ بالدخول [1]۔	عرف سے تخصیص ہوسکے گی اور لفظ کے مفہوم پر زیادتی نہ ہوسکے گی چنانچہ سر بھونے جانے والی سری سے مختص ہوگا اور اجنبی عورت کی طلاق کو گھر میں داخل ہونے کی تعلیق میں ملکیت مراد نہیں ہوسکتی۔(ت)

علامہ علاءُالدین ابوالحسن علی بن بلبان بن عبداللّٰہ فارسی اس کی شرح تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص میں فرماتے ہیں:

رجلان تساوما ثوبا فحلف المشتری انہ لایشتریہ بعشرۃ فاشتراہ باحد عشرحنث فی یمینہ، ولوکان الحالف البائع لایبیعہ بعشرۃ فباعہ باحد عشرلم یحنث، وھذا لان البیع بالعشرۃ نوعان بیع بعشرۃ مفردۃ وبیع بعشرۃ مقرونۃ بالزیادۃ ففی المشتری مطلق لادلالۃ فیہ علی تعیین احد النوعین فکان مرادہ العشرۃ المطلقۃ، اماالبائع فمرادہ البیع بعشرۃ مفردۃ بدلالۃ الحال اذغرضہ ان یزیدہ المشتری علی العشرۃ ولم یوجد شرط حنثہ وھو	دو۲ حضرات نے کپڑے کا ایک سودا کرتے ہوئے، گفتگو میں خریدار نے قسم اٹھائی کہ میں اسے دس۱۰ میں نہ خریدوں گا، اس کے بعد اس نے گیارہ کا خرید لیا تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فروخت کرنے والا قسم اٹھائے کہ میں اسے دس۱۰ میں فروخت نہ کروں گا، اسکے بعد اس نے گیارہ کا فروخت کردیا تو بائع کی قسم نہ ٹوٹے گی، یہ اسلئے کہ دس سے فروخت کرنے کے دو۲ معنے ہیں، ایک یہ کہ صرف دس سے فروخت کرنا اور دوسرا معنی یہ کہ اس دہائی کے ساتھ کوئی اکائی بھی ہو، تو مشتری کے حلف میں مطلق دس ہے جس میں دونوں قسموں میں سے کسی ایک کے معین کرنے پر کوئی قرینہ نہیں ہے، لہٰذا یہاں دس مطلق مراد ہوں گے یعنی صرف دس یا دس سے کچھ اکائی کے ساتھ زائد، دونوں معنی میں سے کوئی بھی ہو لیکن فروخت کرنے والے کی قسم میں صرف

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۲۹۳

البیع بعشرۃ مفردۃ فلایحنث، وھذا ھوالمتعارف بین الناس فیحمل الیمین علی ماتعارفوہ[1]، وقولہ فی المتن وبالعرف یخص ولایزاد جواب عن سوال مقدروھو ان یقال البائع بتسعۃ مفردۃ وجب ان یحنث لان المنع عن ازالۃ ملکہ بعشرۃ منع عن ازالتہ بتسعۃ عرفا، والجواب ان الحکم لایثبت بمجرد الغرض وانما یثبت باللفظ والذی تلفظ بہ البائع، ھو العشرۃ واسم العشرۃ لایحتمل التسعۃ لیتعین بغرضہ والزیادۃ علی اللفظ بالعرف لاتجوز بخلاف الشراء بتسعۃ لان العشرۃ فی جانب المشتری تحتمل عشرۃ مفردۃ وعشرۃ مقرونۃ فتعین احدٰھما بغرضہ اذالعام یجوز تخصیصہ و تقییدہ بالعرف اھ[2] ملتقطا۔

دس بغیر اکائی مراد ہیں جیسا کہ اس پر حال کی دلالت ہے کہ بائع کی غرض یہ کہ مشتری اسے زائد دے تو گیارہ میں فروخت کرنے پر شرط (یعنی صرف دس میں فروختگی) نہ پائی گئی لہذا قسم نہ ٹوٹی، لوگوں میں یہی متعارف ہے لہذا قسم کو لوگوں کے عرف پر محمول کیاجائیگا۔ اور متن میں یہ قول کہ "عرف سے تخصیص ہوتی ہے زیادتی نہیں ہوتی" یہ ایک سوال کا جواب ہے، سوال یہ مقدر ہے کہ بائع اگر مذکورہ صورت میں نو۹ سے فروخت کردے تو قسم کاٹوٹنا ضروری ہوگا کیونکہ جبکہ دس سے اپنی ملکیت نہیں چھوڑتا تو نو سے بطریقہ اولٰی نہ چھوڑنا ہوگا جیسا کہ عرف میں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ محض غرض ہے جبکہ حکم محض غرض سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس کے ساتھ اس لفظ کا بھی اعتبار ہوتا ہے جس سے تلفظ کیاہے اور بائع نے جو لفظ بولا ہے وہ دس۱۰ ہے، جبکہ اس کا اسم، نو کا احتمال نہیں رکھتا جس کو غرض کے طور پر متعین کیاجاسکے۔ دس۱۰ کا نام، نو۹ پر مراد لینا یہ لفظی زیادتی ہے جو کہ عرف سے ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ عرف صرف تخصیص کرتا ہے زیادتی نہیں کرسکتا، اس کے برخلاف جب مشتری کپڑے کو دس کی بجائے نو سے خرید لے تو عرف یہاں کارآمد ہوگا کیونکہ مشتری کی قسم میں دس کی مذکورہ دونوں قسموں کا احتمال ہے صرف دس یا مع اکائی مراد ہو، تو یہاں جب دس کا لفظ عام ہے تو عرف اس کی ایک قسم کی تخصیص یا تقیید کرسکتا ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

رفع الانتقاض میں ہے:

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ شرح تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۴۔ ۲۹۳

[2] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین بحوالہ شرح تلخیص الجامع الکبیر سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۹۸۔ ۲۹۷

اعلم ان الغرض الذی یقصدہ المتکلم بکلامہ قد یکون معنی اللفظ الذی تکلم بہ حقیقۃ او مجاز او قد یکون امرا اٰخر خارجا عن اللفظ، فالاول کقولہ لا اشتریہ بعشرۃ فغرض المشتری منع نفسہ من التزام العشرۃ فی ثمن ذٰلك المبیع سواء کانت عشرۃ مفردۃ او مقرونۃ بزیادۃ والعرف ارادۃ ذٰلك ایضا، فھنا اجتمع الغرض والعرف فی لفظ الحالف فاذا اشتری باحد عشر حنث لانہ ارادالعشرۃ المطلقۃ و ھی موجودۃ فی الاحد عشر، والثانی کقولہ لاابیعہ بعشرۃ فباعہ بتسعۃ لایحنث لان اغراض البائع ان یبیعہ باکثر من عشرۃ، ولایرید بیعہ بتسعہ لکن التسعۃ لم تذکر فی کلامہ لان العشرۃ لم توضع للتسعۃ لالغۃ ولاعرفا، فغرضہ الذی ھو قصدہ من ھذا الکلام خارج عن اللفظ، والعبرۃ فی الایمان للالفاظ لالمجرد الاغراض لان الاغراض یصلح مخصصا لامزیدا، والتخصیص من عوارض الالفاظ فاذاکان اللفظ عاما والغرض الخصوص اعتبر ماقصدہ

جاننا چاہئے کہ متکلم جب کوئی کلام کرتا ہے تواس کی غرض اس کلام کا حقیقی معنی ہوتا ہےاور کبھی مجازی معنی ہوتا ہےاور کبھی لفظ سے خارج کوئی اور معنی غرض بنتا ہے۔اوّل کی مثال، جیسے مشتری کا کہنا کہ میں دس سے نہ خریدوں گا تو یہاں مشتری کی غرض یہ ہے کہ دس درہم دینے سے باز رہنا ہے یہ محض دس ہوں یا بمع اکائی ہوں مبیع کے عوض نہ دے گا،اور عرف بھی یہی ہے تو یہاں حلف میں غرض اور عرف دونوں حقیقی معنٰی میں مجتمع ہیں، لہٰذا یہاں اگر مشتری نے گیارہ میں خریدا تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اس نے مطلق دس۱۰ مراد لئے تھے جبکہ یہ دس، گیارہ میں بھی موجود ہے۔دوسرے کی مثال، جیسے بائع کہے کہ میں بھی دس درہم سے نہ فروخت کروں گا یہاں اگر اس نے نو میں فروخت کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس کلام سے بائع کی غرض یہ ہے کہ دس۱۰ سے زائد یعنی دس مع اکائی کے بدلے فروخت کرے گا، نو اسکی مراد میں نہیں ہے کیونکہ اس کی کلام میں یہ مذکور نہیں ہے کہ دس۱۰ کا اسم لغت اور عرف میں نو۹ کیلئے وضع نہیں ہے تو دس بول کر نو۹ مراد لینا لفظ سے خارج کسی اور معنی کو مراد لینا ہے جبکہ حلف میں محض غرض کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ لفظ کا اعتبار ضروری ہے، کیونکہ غرض مخصص تو بن سکتی ہے لیکن زیادتی پیدا نہیں کرسکتی جبکہ تخصیص لفظ کی صفت ہے لہٰذا لفظ کا اعتبار ضروری ہے محض غرض کافی نہیں ہے توجب لفظ عام ہو اور غرض خاص ہو تو پھر

کالراس فی لاأکل رأسا،فان لفظه عام والغرض منه خاص کما مر واعتبار هذا الغرض لایبطل اللفظ لانه بعض ما وضع له اللفظ اھ [1] مختصرا	خاص مقصد کا اعتبار ہوتا ہے جیسے کوئی کہے میں سر نہ کھاؤں گا، تو اس میں لفظِ سر عام ہے جو ماکول اور غیر ماکول دونوں کو شامل ہے جبکہ غرض خاص یعنی ماکول ہے جیسے گزرا تو یہ خاص غرض لفظ کے مدلول کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ یہ لفظ کے معنی کا ایک خاص حصہ ہے، اھ مختصراً۔ (ت)

وتمامہ فیہ، یمین الفور جسے خاص فکر بلند ثریا پیوند امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے استنباط فرمایا اور دیگر ائمہ کرام قدست اسرار ہم نے **بحکم الفقهاء کلهم عیال لابی حنیفة** (تمام فقہاء ابوحنیفہ کی عیال ہیں، کے حکم سے۔ت) اس جناب کا اتباع کیا اس کے مسائل اسی اصل جلیل تخصیص بالغرض پر مبنی ہیں متون وشروح وفتاوائے مذہب میں صدہا فروع اس پر مبنی ہیں مثلاً:

(۱) عورت باہر جانے کو ہوئی، شوہر نے کہا باہر جائے تو تجھ پر طلاق، عورت بیٹھ گئی اور دوسرے وقت باہر گئی، طلاق نہ ہوگی۔

تنویر ودر میں ہے:

شرط للحنث فی قوله ان خرجت مثلا فانت طالق او ان ضربت عبدك فعبدی حر لمرید الخروج والضرب، فعله فورا لان قصده المنع عن ذلك الفعل عرفا، ومدار الایمان علیه وهذه تسمی یمین الفور تفرد ابو حنیفة رحمه الله تعالٰی باظهارها ولم یخالفه احد۔ [2]	جب بیوی باہر نکلنے یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو اس وقت خاوند اگر کہے کہ تو نے مارا یا باہر نکلی تو تجھے طلاق ہے، تو مارنے اور باہر نکلنے سے وہی مراد ہے جس کے لئے وہ تیار کھڑی ہے صرف اسی مارنے پر یا اسی نکلنے پر طلاق ہوگی کیونکہ خاوند کا اس عمل سے روکنا مقصود ہے یہی عرف ہے جبکہ حلف کا مدار یہی عرف ہے، اس کا نام یمین فور ہے جس کے اظہار اور بیان میں امام ابوحنیفہ متفرد ہیں اور کسی نے ان کی مخالفت نہ کی۔ (ت)

فتح القدیر وغنیہ ذوی الاحکام وردالمحتار میں ہے:

تهیأت للخروج فحلف لاتخرج فاذا	بیوی باہر نکلنے کو تیار تھی کہ خاوند نے حلف اٹھایا

[1] رفع الانتقاض الخ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۰۔۳۰۱

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج والسکنی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۸

جلست ساعة ثم خرجت لایحنث، لان قصدہ منعها من الخروج الذی تهیأت له، فکانه قال ان خرجت الساعة، وهذا اذالم یکن له نیة فان نوی شیأ عمل به[1]۔	کہ اگر تو باہر نکلے تو تجھے طلاق ہے، تو بیوی بیٹھ گئی اور کچھ دیر بعد نکلی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند کا مقصد وہ نکلنا ہے جس کے لئے وہ تیار تھی اور اس نکلنے سے منع کرنا مقصود تھا، پس گویا خاوند نے یوں کہا کہ تو اب نکلے تو تجھے طلاق ہے، یہ حکم تب ہوگا جب خاوند نے کوئی نیت نہ کی ہو، اور اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔ (ت)

(۲) زید نے عمرو سے کہا "میرے ساتھ کھانا کھالو"۔ عمرو: "میں کھاؤں تو عورت مطلقہ ہو"۔ کل زید کے ساتھ کھانا کھایا طلاق نہ ہوگی۔ تنویر ودر:

وکذافی حلفه ان تغدیت فکذا بعد قول الطالب تعال تغد معی شرط الحنث تغدیه معه ذٰلك الطعام المدعو الیه۔[2]	یوں ہی اگر کھانے پر دعوت دینے والے کے جواب میں کوئی کہے "اگر میں کھانا کھاؤں تو بیوی کو طلاق ہے" تو یہاں بھی طلاق ہونے کے لئے جس کھانے پر دعوت دی گئی اسی کو دعوت دینے والے کے ساتھ کھانا شرط ہے۔ (ت)

(۳) عورت کو جماع کے لئے بلایا اس نے انکار کیا، شوہر نے کہا "اگر میرے پاس اس کوٹھری میں نہ آئی تو تجھ پر طلاق" عورت آئی مگر اس وقت مرد کی شہوت ساکن ہوچکی تھی، تو طلاق ہوگئی، اشباہ ودر:

ان للتراخی الابقرینة الفور، ومنه طلب جماعها فابت فقال ان لم تدخلی معی البیت فانت طالق فدخلت بعد سکون شهوته حنث[3]۔	لفظ "ان" تراخی کے لئے استعمال ہے مگر جہاں فور کا قرینہ پایا جائے تو تراخی مراد نہ ہوگی، اسی فور پر قرینہ کی مثال یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کیلئے طلب کیا تو بیوی کے انکار پر خاوند نے کہا تو میرے کمرے میں داخل نہ ہوئی تو طلاق ہے۔ تو فوراً داخل نہ ہوئی بلکہ خاوند کی شہوت وخواہش ختم ہونے کے بعد داخل ہوئی تو طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

(۴) حاکم نے حلف کیا کہ اگر شہر میں بدمعاش آئے اور میں خبر نہ دوں تو عورت طلاق ہے، بدمعاش آیا اور اس نے حاکم کو خبر نہ دی اس وقت کہا وہ معزول ہوگیا تھا طلاق ہوگئی۔ تنویر:

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۴

[2] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۸

[3] درمختار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۹

حلفه وال ليعلمنه بكل داعر دخل البلد،تقيد بقيام ولايته[1]۔	شہر کے حاکم نے ایک ملازم سے حلف لیا کہ شہر میں داخل ہونے والے ہر بدقماش کی مجھے اطلاع دے گا، تو یہ حلف اس حاکم کی ولایت کے قائم رہنے تک مقید ہے(ت)

درمختار میں ہے:

بيان لكون اليمين المطلقة تصير مقيدة بدلالة الحال وينبغي تقييد يمينه بفور علمه[2]۔	اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہ یہ مطلق حلف کو حال کی دلالت کی وجہ سے مقید ہونے کی مثال ہے اس میں یہ بھی قید ہوگی کہ وہ ملازم معلوم ہونے پر فوراً اطلاع دے گا۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ثم ان الحالف لو علم الداعر ولم يعلمه لم يحنث الااذامات هو او المستحلف اوعزل[3]۔	اگر حلف اٹھانے والے کو بدمعاش کا علم ہوجائے اور وُہ حاکم کو مطلع نہ کرے تو قسم صرف حلف دینے یا حلف لینے والے کی موت یا حاکم کے معزول ہوجانے پر ٹوٹے گی(ت)

فتح القدیر میں ہے:

ولو حكم بانعقاد هذه للفور لم يكن بعيدا نظرا الى المقصود وهو المبادرة لزجره ودفع شره[4]۔	اگر اس حلف کو فوری ہونے کا حکم دیا جائے تو بعید نہ ہوگا کیونکہ حاکم کا مقصد بدقماش کو فوری سزادینا اور اس کے شر کا دفاع کرنا ہے۔(ت)

(۵) دائن نے مدیون سے حلف لیا کہ تیرے بے اذن باہر نہ جاؤں گا، یہ حلف بقائے دین تک رہے گا بعد ادا یا ابراء اذن کی حاجت نہیں، تنویر ودر میں ہے:

لو حلف رب الدين غريمه او الكفيل بامر المكفول عنه ان لايخرج من البلد الاباذنه تقيد بالخروج حال قيام الدين	قرض خواہ نے مقروض یا مقروض کے بنائے ہوئے ضامن سے حلف لیا کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، تو یہ حلف قرض اور ضمانت کی

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۳/۱

[2] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۳/۱

[3] تبیین الحقائق باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذلک مطبعہ کبرٰی امیریہ بولاق مصر ۱۶۱/۳

[4] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۶۸/۴

بالکفالة[1]۔	بقاء تک مقید قرار پائے گا، قرض یا ضمانت ختم ہو جانے کے بعد حالف کو اجازت کی ضرورت نہ رہے گی (ت)

(۶) قسم کھائی عوت بے میرے اذن کے باہر نہ جائے گی، یہ قیام زوجیت تک محدود ہے۔ تنویر ودر میں ہے:

لو حلف لاتخرج امرأته الّا باذنه تقید بحال قیام الزوجیة[2]۔	خاوند نے قسم اٹھائی کہ بیوی اجازت کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو یہ حلف بھی زوجیت کے قیام تک محدود ہوگا۔ (ت)

(۷) وہی مسئلہ کہ دس کو نہ بیچوں گا اور گیارہ کو بیچا حانث نہ ہوا اگرچہ گیارہ میں دس موجود ہیں کہ مراد خاص قسم کے دس یعنی تنہا بلا زیادت تھے۔ یہ سب تقییدیں اور عام کی تخصیص صرف بنظر اغراض متعارفہ ہوئی ہیں کہ یمین کی بناہی عرف پر ہے ولہٰذا امام ہمام بن الہمام نے عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں (جہاں ارشاد ہوا تھا کہ عدم بے سلب کلی متحقق نہ ہوگا) فرمایا:

کما قوله فی ان لم اٰت البصرة اعطاء نظیر والمراد ان کل شرط بأن منفی حکمه کذٰلک، وهو ان لایقع الطلاق او العتاق اذاعلق به الابالموت لماذکرنا، وزاد قیداحسنا فی المبتغی بالغین المعجمة قال اذاقال لامرأته ان لم تخبرینی بکذا فانت طالق ثلاثا فهو علی الابد اذالم یکن ثم مایدل علی الفورانتهی، ومن ثمه قالو الو اراد ان یجامع امرأته فلم تطاوعه فقال ان لم تدخلی معی فانت طالق فدخلت بعد ماسکنت شهوته طلقت، لان مقصوده من الدخول کان قضاء الشهوة وقدفات[3]۔	اس کا قول، جیسا کہ، اگر میں بصرہ میں نہ آؤں تو، یہ نظیر ہے، جس سے مراد یہ ہے جو شرط بھی لفظ اِن کے ساتھ ذکر کی جائے تو اس کا حکم یونہی منفی رہے گا یعنی اس کے ساتھ طلاق یا عتاق کو معلق کیا گیا ہو تو شرط کے منفی ہونے پر موت سے پہلے قسم نہ ٹوٹے گی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور پھر اس پر ایک اچھی قید بڑھائی کہ مبتغی (غین کے ساتھ) میں کہا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو اگر مجھے فلاں خبر نہ دے تو تجھے تین طلاقیں ہوں گی، تو اگر فور پر کوئی قرینہ نہ ہو تو یہ قسم ابدی ہوگی اھ، اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ خاوند نے بیوی کو جماع کے لئے طلب کیا تو بیوی نے اطاعت نہ کی تو کہا اگر تو میرے پاس کمرے میں نہ آئی تو تجھے طلاق، اگر بیوی فوراً نہ آئے بلکہ خاوند کی شہوت اور

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۳

[2] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۳

[3] فتح القدیر فصل فی اضافة الطلاق الی الزمان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۷۳

خواہش ختم ہونے کے بعد آئی طلاق ہوجائے گی کیونکہ طلب مقصد اپنی شہوت کو پورا کرنا تھا جواَب ختم ہوگئی ہے(ت)
اور شک نہیں کہ ہمارے مسئلہ دائرہ میں بھی اس حلف سے شوہر کی یہ غرض نہیں کہ عورت اپنی مدۃ العمر میں کبھی کسی وقت کسی طرح دو سجدے کرلے اور بری ہوجائے بلکہ یقینا بحکم دلالت حال اس سے پابندی نماز مقصود ہے تو جس طرح عوت کا باہر جانا مطلق تھا لفظ شوہر میں کوئی قید نہ تھی کہ اس وقت ہو یا کب ہو مگر بدلالۃ حال خاص اس وقت کا خروج معتبر ہوا جس طرح کلام عمرو میں کھانا مطلق تھا کہ آج ہو یا کل یہ کھانا ہو یا اور، مگر بحکم عرف خاص اس وقت یہ کھانا زید کے ساتھ کھانا ملحوظ رہا، جس طرح عورت کا کوٹھری میں شوہر کے پاس آنا عام تھا کہ اس شہوت موجودہ کی بقا میں ہو یا عمر میں کبھی کسی حالت میں ہو اور عدم متحقق نہ ہوگا مگر اخیر جزء حیات شوہر یا زن میں اور جبکہ کوٹھری میں شوہر کے پاس آئی اگرچہ زوال شہوت کے بعد تو عدم صادق نہ آیا اور بنظر مفاد لغوی لفظ لازم تھا کہ طلاق واقع نہ ہو لیکن بدلالت حال خاص وہ آنا مقصود رہا جو اس شہوت کی قضا کے لئے مطلوب تھا اور اسی کی انتفاپر شرط متحقق اور طلاق واقع مانی گئی، وقس علی ھذا، اسی طرح یہاں بھی اگرچہ عشرہ مفردہ مقرونہ کی مانند نماز پڑھنا بھی دو قسم ہے، ایک ملتزم کہ پابندی کے ساتھ ہو دوسرا اس کا غیر یا دو قسم ہے، ایک مبرئ ذمہ جس میں فرض نماز کا مطالبہ ذمے پر نہ رہے، دوسرا اس کے خلاف اور فعل بعینہٖ ان لم تدخلی (اگر تو میرے پاس نہ آئی۔ت) مذکور کی طرح حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا مگر بحالت دلالتِ حال واجب ہے کہ قسم اول یعنی صلاۃ ملتزمہ مبرئہ مراد ہو اور اس کا انتفا ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عورت نے اس حلف کے بعد نماز عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑگئیں جیسے وہاں سکون شہوت ہوتے ہی عورت مطلقہ ہوگئی تھی بلکہ اگر شوہر نے یہ لفظ اس وقت کہے تھے کہ ہنوز وقتِ مغرب باقی تھا اور عورت ادا پر قادر تھی تو شفق ڈوبتے ہی دو طلاقیں ہوگئیں، ہمارے علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر عورت سے کہا تو نماز ترک کرے تو تجھے طلاق، عورت نے ایک نماز قصداً قضا کی طلاق ہوجائے گی اگرچہ اس قضا کو ادا بھی کرلے، درمختار میں ہے:

قال ان ترکت الصلوۃ فطالق فصلتھا قضا طلقت علی الاظھر، ظھیریۃ[1]۔	بیوی کو کہا اگر تو نے نماز ترک کی تو تجھے طلاق ہے، اب اگر عورت نے نماز قضا کی تو زیادہ واضح قول یہی ہے کہ طلاق ہوجائیگی، ظہیریہ۔(ت)

[1] درمختار باب الیمین فی البیع والشراء الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۰

یہ حکم اس لفظ میں ہے جہاں الصلوۃ معرف باللام ہے جس میں کلام ہوگا کہ عرفاً تارک الصلوۃ کسے کہتے ہیں اور ہمارا مسئلہ دائرہ تو بحکم تحقیق مذکور ان ترکت صلٰوۃ (اگر تو نماز چھوڑے۔ت) بلالام کے مثل ہے یعنی اگر تو ایک نماز چھوڑے تو طلاق ہے، یہاں قضا کرنے سے وقوعِ طلاق میں کیا شک ہوسکتا ہے صاف بتادیا کہ اس کی مراد وہی صلاۃ خاصہ ملتزمہ تھی اس پر دلیل واضح اس کا وقتِ صبح رجعت کرنا ہے، اگر وہ معنی مراد ہوتے جو فریقِ اول نے زعم کئے تو پیش از وقوع رجعت کے کیا معنی تھے اور امثال مقام میں نیت شوہر اگرچہ دلالت حال کے خلاف بھی ہو وہی معتبر رہتی ہے۔ امام محقق علی الاطلاق وغیرہ علماء کا ارشاد گزرا کہ:

ھذا اذا لم یکن لہ نیۃ فان نوی شیأ عمل بہ[1]۔	یہ جب ہے کہ اس نے نیت نہ کی ہو اگر اس نے کوئی نیت کی ہو تو اس پر عمل ہوگا۔(ت)

تو جہاں دلالت حال ونیت دونوں متوافق ہیں نہ اس دلالت کو مانئے نہ شوہر کی سنئے اور اپنی طرف سے ایک معنی تراش کر اس پر عمل کیجئے کس قدر فقہ سے بعید بلکہ قابلیت التفات سے دور ہے، اور اوپر واضح ہوچکا کہ یہ دونوں طلاقیں رجعی تھیں، لاجرم عورت بعد رجعت بدستور ملک نکاح میں باقی اور آئندہ طلاق کی محل رہی، اب کہ شوہر نے چند سال بعد دو طلاقیں اور دیں ایک تو لغو ہوگئی کہ حد شرع سے متجاوز تھی اور ایک ان پہلی دو کے ساتھ مل کر تین طلاقیں مغلظہ ہوگئیں جن سے عورت حرام ابدی تو نہیں ہوسکتی ہاں بے حلالہ اب اس شخص کے نکاح میں آنے کے قابل نہ رہی، **ھذا ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جو مجھے معلوم ہوا، حق تو میرے رب کے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۸۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
آکدالتحقیق بباب التعلیق ۱۳۲۲ھ
(باب تعلیق کے متعلق تحقیق انیق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۰: از بنگالہ موضع نواکھالی ڈاک خانہ بیگم گنج مرسلہ عبدالمجید صاحب از رامپور ۶ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

بگرامی خدمت، فیضدرجت، مجمع الفضائل، منبع الفواضل، کاشف دقائق شرعیہ، واقف حقائق عقلیہ نقلیہ، محی السنّۃ النبویہ، مروج الاحادیث المصطفویہ، صاحب التحقیقات الرائقہ، زبدۃ السعادت الفائقہ، اعنی مولانا المولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب دام افضالہم۔ بعد ادائے تسلیمات فرواواں و کورنشات بیکراں معرض آں خدمت یہ ہے جناب حضور نے جو فتوائے طلاق معلق بالصلوٰۃ کی تحریر فرما کر ارسال فرمائے تھے بندہ گم گشتہ نے ملک کو بھیج دیا اور سب علمائے موافقین و مخالفین نے دیکھ کر بہت خرسندیں حاصل کیں بلکہ سب علماء متفق ہو کر بسبب فرمان فتوائے موصوف کے زوج احمد سے زوجہ مغلظہ کو علیحدہ کیا تھا اور اس پر بہت دن گزر گئے مگر مولوی وجیہ اللہ جو دیوبند سے عنقریب تحصیل کرکے گھر کو گئے اس نے زوج احمد کو کہا کہ تمہاری زوجہ مطلقہ مغلظہ نہیں ہوئی تم ہماری رائے پر چلو تو ہم فتوائے ہند کو مردود کردیں گے، چنانچہ احمد علی بھی بوجہ نفع اپنے کے اور بوجہ تعلیم اپنے قول سے منکر ہوگئے یعنی جو پہلے تعمیم

کے منکر اور تخصیص کے راجع، اب بعد چندیں مدت اپنی نیت ظاہر کرتے ہیں کہ نیت ہمارا علی الابد کے لئے ہے اور مولوی وجیہ اللہ نے اس وقت کے نیت کے مطابق ایک فتوٰی بھی لکھا وہی فتوٰی آپ کی خدمت عالی میں ارسال کرتا ہوں اور فتوٰی تحریر کرکے احمد علی کو مدعی بناکر کچہری میں مقدمہ دائر کئے ہیں بعدہ اس کے فتوٰی اور آنحضور کی تحریر مبارک دونوں کچہری میں پیش ہوا اور مولوی وجیہ اللہ کو اور اس طرف کے علماؤں کو حاکم نے طلب کیا اور دونوں فتوٰی کے مطلب حاکم کو سمجھادئے مگر مولوی وجیہ اللہ نے حضور کے فتوٰی پر اور مذہب کے قیل وقال ناشائستہ بیان کیا مگر حاکم کے نزدیک کچھ اعتبار نہیں ہوا اور حاکم نے خود کہا کہ جناب مولٰینا شاہ احمد رضا خاں صاحب کو میں خوب جانتا ہوں اور ان کی حالت مجھے خوب معلوم ہے اور دیوبند کے علمائے لامذہب کو بھی معلوم ہے کہ میں ہند کی سیر کرنے والا ہوں، مولوی وجیہ اللہ نے کہا کہ صاحب، زجراو تنبیہا بغرض نصیحت طلاق دینے سے طلاق نہیں ہوتی، اور دلالت حال ویمین الفور کا شرعًا کچھ اعتبار نہیں ہے، اگر تسلیم بھی کیا جائے کہ طلاقیں مغلظ واقع ہوگئیں تاہم بوجہ رجعت کے اولین طلاق باطل بعد وجود جو طلاق بلاشرط دیا ہے اس کے لئے رجعت جائز ہے، اور دلیل بھی بیان کیا اس وجہ سے حاکم کے دل میں خدشہ پیدا ہوا حاکم نے اس طرف کے علماؤں کو فرمایا کہ آپ لوگ مولونا موصوف کے بیس ۲۰ دن کے اندر مولوی وجیہ اللہ کا رد جواب منگوایئے ورنہ یہ شبہ کس طرح دور ہوسکتا ہے، اور حاکم نے بیس ۲۰ روز مقدمہ کا حکم مؤخر کردئے، اکنوں دست بستہ ہو کر عرض کرتا ہوں کہ آپ از روئے مہربانی وشفقت گزاری کے پندرہ یا سولہ روز کے اندر جواب تحریر فرمادیجئے اور ہم لوگوں کو بحر غموم سے خلاص کرلیجئے ورنہ جمیع علماء کی بلکہ ملک ہند کی بھی بدنامی کی بات ہے، زیادہ کیا عرض کروں۔ عرض گزار خادم عبدالمجید عفااللہ عنہ

نقل فتوٰی مولوی وجیہ اللہ دیوبندی باشندہ بنگالہ

سوال: چہ مے فرمایند علمائے دین ورازدارانِ شرع متین کہ درحاضران مجلس بحضور علماء وغیرہم کہ احمد علی بزبان خود اقرار نمود کہ من دائمازوجہ ام برائے نمازخوانی تاکید وزجرمی کردہ بودم وبرائے نمازخوانی چند قواعد نماز تعلیم ہم کردم لیکن بعد روزے چند بوقت مغرب مرزوجہ ام راگفتم کہ تو نماز بخواں زن مذکورہ	**سوال:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ورازدارانِ شرع متین کہ حاضرین مجلس علماء وغیرہم کی موجودگی میں احمد علی نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ہمیشہ اپنی بیوی کو تاکید اور تنبیہ کرتا رہا ہوں اور نماز پڑھنے کا طریقہ سکھاتا رہا ہوں لیکن چند روز بعد مغرب کے وقت میں نے بیوی سے کہا کہ نماز پڑھو تو بیوی نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے فرصت نہیں ہے،

اباوانکار کرد وگفت کہ مرا فرصتے نیست ازیں وجہ گفتم کہ اگر تو نماز نگزاری بر تو دو طلاق معلق دادم کہ بزبان بنگالہ (دیلام) ودر لغت اردو (دیامیں) استعمال کنند بعدہ زن مذکورہ نمازِ عشا نخواند وقضاہم نہ گزارد ونمازِ فجر بخواند بعد فجر رجعت ہم کرد وبعد سالے بلاشرط دو طلاق آں زوجہ مذکورہ راایضاہم داد و احمد علی بمحفل مذکور علماء وغیرہم نیت بوقت بیان تعمیم و تخصیص ہر دو منکر بود بلاقرینہ برائے تخصیص راجع اما بعد شش ماہ بجہت تعلیم مخالفین وبوجہ نفع خود بگوید کہ نیتم برائے دائم وعلی الابدست اکنوں از روئے شرع شریف اقرار ش صحیح بود یا چہ وبگوید کہ زجرًا وتنبیہًا برائے تعود للصلٰوۃ طلاق واقع نمی شود بلکہ معنی آں وعدہ طلاق شود ووعدہ طلاق طلاق واقع نمی شود بگوید کہ قول زوج بخوان صیغہ امر بر دلالت حال راجع لیکن فور ثابت نمی شود بلکہ فور راہیچ اعتبار نیست بر تقدیر تسلیم کہ طلاقین اولین بوجہ رجعت باطل ست کما ھوالمعروف اکنوں بہر حال برائے زوج احمد علی رجعت صحیح است آیا حکمش فے الواقع ہمیں ست یا زوجہ احمد علی بہ سہ طلاق شدہ مغلظہ شد بینوا بالتفصیل، اندریں صورت کہ زوج احمد علی بزبان خود اقرار مے کند کہ روزے بعد ادائے نماز مغرب مرزوجہ خود را بسبب تارک الصلوۃ

اس پر میں نے اسے کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھ پر دو ۲ طلاقیں معلق طور پر دیتا ہوں" یہ بات بنگالی زبان میں (دیلام) جس کا اردو میں معنی (میں نے دیا) ہے، کہا، اس کے بعد بیوی نے عشاء کی نماز ادا نہ کی اور نہ قضا کی اور پھر فجر کی نماز پڑھی فجر کے بعد اس نے رجوع کرلیا، اور اس کے ایک سال بعد خاوند نے اس بیوی کو دو طلاقیں بغیر شرط پھر دے دیں، احمد علی مذکور نے علماء کی مجلس مذکورہ میں بیان دیتے ہوئے بیوی کو نہ نماز پڑھنے پر طلاق کو معلق کرنے میں تعمیم، وتخصیص کی نیت کا انکار کیا بلکہ تخصیص کا قرینہ راجع معلوم تھا، لیکن اس کے چھ ماہ بعد ہمارے مخالفوں کے سمجھانے سے اور اپنے فائدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس نے کہا کہ میں نے تو دائمی وابدی کوئی نماز نہ پڑھنے کی نیت سے کہا تھا (یعنی کوئی خاص نماز نہیں بلکہ زندگی میں نماز نہ پڑھنے کی نیت سے طلاق دینے کی بات کی تھی) کیا اب اس کا یہ اقرار درست ہے یا کیا ہے، اب کوئی کہتا ہے کہ اس نے بیوی کو نماز کا عادی بنانے کے لئے یہ بات بطور تنبیہ اور ڈانٹ کی تھی اور یہ طلاق نہیں ہے بلکہ طلاق کا وعدہ تھا جبکہ طلاق کا وعدہ طلاق نہیں ہوتی، اور کوئی کہتا ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا کہ "نماز پڑھ" صیغہ امر ہے جس کی حالت پر دلالت واضح ہے لیکن یہ یمینِ فور ثابت نہیں ہے بلکہ فور کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور اگر تسلیم کر بھی لیا جائے

زجر وتوبیخ کرد کشاں کشاں آنکہ باعتدال طبع واستقلال مزاج بطریق زجر وتنبیہ گفت کہ تو نماز بخواں اگر نماز نخوانی ترادو طلاق وآں زن نیت نماز وسورہ بخوبی ندانستی غرض آنکہ زن عشاء نخواند بوقت فجر وضو کردہ برائے گزاردن نماز فجر استاد شویش نیت وسورۃ تعلیم کردوے نماز خواند بعد دو سہ روز میانجی محلّہ راطلبیدہ رجعت نمود ودر صورت کذائیہ زوجہ اش برائے وے حلال ماند یاچہ وبعد چند ماہ دو طلاق بلاشرط ایضًا برآں زوجہ مذکورہ اش دادہ است، آیا کہ اگر تسلیم کردہ شود کہ اول طلاقین واقع شد ند بر تقدیر ش بوجہ رجعت اول طلاقین بن باطل شد یاچہ، واکنوں رجعت کردہ از زوجہ مذکورہ استمتاع گرفتن رواست یانہ؟ بیّنوا۔

الجواب: البتہ زوجہ اش برائے وے حلال ماند چہ دریں صورت مطلق طلاق واقع نشد نہ حاجت تجدید نکاح نہ رجعت ہم واحتیاطا امرے دیگر قولہ

کہ پہلی دو طلاقیں رجعی تھیں تو اس کے رجوع کرلینے کے بعد وہ دونوں طلاقیں ختم، اور باطل ہوگئیں جیسا کہ مشہور ہے لہذا اب دوسری بار دو طلاقوں کے بعد اب احمد علی خاوند کا دوبارہ رجوع کرنا صحیح ہے۔ کیا یہ باتیں درست ہیں یا پہلی دونوں طلاقوں کے بعد دو طلاقوں سے احمد علی کی بیوی کو تین طلاقیں یعنی مغلظہ طلاق ہوگئی ہے، تفصیل سے بیان کیجئے۔ خلاصہ اس سوال کا یہ ہے کہ احمد علی خاوند نے خود اقرار کیا کہ ایک روز نمازِ مغرب ادا کرنے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو نماز کی تارک ہونے پر ڈانٹ اور سختی سے سمجھایا اور پھر معتدل مزاجی اور مستقل مزاجی سے ڈانٹ کے طور پر کہا نماز اگر تو نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق ہیں، جبکہ وہ بیوی نماز کی نیت اور کوئی سورت اچھی طرح نہیں جانتی غرضیکہ بیوی نے عشاء کی نماز بھی نہ پڑھی فجر کی نماز کے لئے اس نے وضو کیا تاکہ نماز پڑھے، نماز کے لئے کھڑی ہوئی تو خاوند نے اس کو نماز کی نیت اور سورۃ سکھائی اور اس نے نماز پڑھی، اس سے دو تین روز بعد محلّہ کے مولوی صاحب کو طلب کرکے احمد علی نے بیوی سے رجوع کیا، تو اس صورت میں رجوع کرنے پر احمد علی کے لئے اس کی بیوی حلال ہوئی یا نہیں، پھر اس کے چند ماہ بعد مزید دو طلاقیں بلاشرط اس کو دیں کیا یہ تسلیم کرلینے پر پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی تھیں تو ان سے رجوع کرلینے پر کیا وہ پہلی طلاقیں کالعدم اور باطل ہوجائیں گی یا نہیں، اور دوسری طلاقوں کے بعد اس کا بیوی سے رجوع کرنا اور ہمبستری کرنا جائز ہے یا نہیں، بیان کیجئے۔

الجواب: یقینا احمد علی کی بیوی اس پر حلال رہی کیونکہ اس صورت میں مطلقًا کوئی طلاق نہ ہوئی اور نہ ہی تجدید نکاح اور نہ ہی رجعت کی کوئی ضرورت ہے، ہاں احتیاط کریں تو اور بات ہے، احمد علی کا

اگر نماز نخوانی ترادو طلاق اولًا گویم کہ ایں قول تعلیق طلاق نیست بلکہ وعدہ طلاق دادن ست زیراکہ میان تو طلاق وطلاق وتراطلاق فرق ست دراول وصف زن ست ومحمول بروے ودر ثانی طلاق ایقاع زوج ست پس دریں قول فعل ایقاع زوج ضرور محذوف است در تنجیز معنی تراطلاق دادم ست ودر صورت تعلیق یعنی اگر ایں کارکنی تراطلاق معنی آں تراطلاق خواہم دادہست چہ در تعلیق شرط وجزاہر دو خودند وجزاہمیشہ مستقبل مے شود ولو معنی پس دریں مقام مطلب اگر نماز نخوانی ترادو طلاق خواہم دادہست وخواہم در فعل ایقاع محذوف است وپیداست اگر نماز نخوانی ترادو طلاق خواہم داد وعدہ طلاق دادن ست نہ تعلیق طلاق واز وعدہ طلاق، طلاق واقع نشود وایں مطلب از خود نگرفتم بلکہ احمد علی خود میگوید کہ من بہ نیت طلاق دادن نگفتم بلکہ بطریق زجر وتہدید تنبیہًا بغرض تعود للصلاۃ گفتم وطلاق دادن در دلم مطلقا مخطور نشد وظاہر ست کہ وعدہ طلاق مفید ایں مدعاست وباغراض متکلم خوب چسپاں ومقتضائے قرینہ ہم ہمچنیں ست۔ **ثانیًا** گویم قولہ تو نماز بخواں اگر	کہنا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق" اس کے متعلق میں کہتا ہوں: اولًا یہ تعلیق طلاق نہیں بلکہ وعدہ طلاق ہے کیونکہ تو طلاق، تو طلاق والی، اور تجھ کو طلاق، ان تینوں میں فرق ہے۔ پہلی عورت کی صفت اور اسی پر محمول ہے۔ دوسری میں خاوند کا طلاق دینا ہے، لہٰذا اس میں خاوند کا طلاق دینا ضرور محذوف ہے جب شرط سے معلق نہ ہو یعنی اس کا معنی یہ ہے کہ تجھ کو میں نے طلاق دی ہے، اور اگر شرط سے معلق ہو مثلًا یہ کہ اگر تو یہ کام کرے تو تجھے طلاق ہے تو اس کا معنی طلاق کا وعدہ ہے کہ تجھے طلاق دوں گا کیونکہ تعلیق میں شرط وجزا دونوں ہوتے ہیں اور جزا ہمیشہ مستقبل میں ہوتی ہے خواہ معنًا ہو اس مقام میں مطلب یہ ہے کہ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے میں دو طلاق دوں گا کیونکہ "دوں گا" یہاں فعل محذوف ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ یوں کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق دوں گا" تو یہ طلاق دینے کا وعدہ ہوا نہ کہ تعلیق طلاق ہوا، جبکہ طلاق کے وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی، یہ مطلب میں نے خود نہیں نکالا، بلکہ احمد علی خود کہتا ہے کہ میں نے یہ بات طلاق دینے کے ارادے سے نہیں کہی بلکہ ڈانٹ اور زجر کے لیے کہی ہے تاکہ بیوی نماز کی عادی بن جائے اور طلاق دینے کا میرے دل میں خیال تک نہ تھا، تو ظاہر ہوا کہ یہ صرف طلاق دینے کا وعدہ تھا، یہی بات احمد علی کے قول سے حاصل ہوئی، اور متکلم کی غرض کے یہی مطابق ہے اور قرینہ بھی یہی بتاتا ہے۔ **ثانیًا** میں کہتا ہوں کہ احمد علی کا بیوی کو یہ

نماز نخوانی ترا دو طلاق، تعلیق طلاق ست اگرچہ از مطلب متکلم فرسنگہا دور ست معنی آں ترا دو طلاق ہست، باید دانست کہ در تعلیق طلاق معلق ہر سہ گونہ است وہر یک دوگانہ است جانب وجود جانب عدم مجموعہ شش قسمت ست فعل الزوجین وجودًا او عدمًا وفعل الغیر وجودًا او عدمًا کما لایخفی من شرح الوقایۃ دریں جا معلق بہ فعل عدمی زوجہ است یعنی نماز نخواند ومعنی التعلیق ربط حصول مضمون جملۃ ای جزا بحصول مضمون جملۃ اُخری ای الشرط فاذا وجد الشرط وجد المشروط وکذا اذا فات الشرط فات المشروط وھذا یعم الصورۃ الستۃ کلھا من غیر فرق پس ہرگاہ ایں قول تعلیق طلاق مسلم نشت حالانکہ ایں قول مطلق ست مقید بوقت دون وقت نیست وغرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما پس تخصیص نماز عشاء نہ فجر وغیرہ از کجا آمد وقرینہ یمین الفور ہم مفقود بل اعتبار نیست چہ قائل باعتدال مزاج واستقلال طبع بغیر غضب بطریق نصیحت مے گفت	کہنا کہ "تو نماز پڑھ۔ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق"، اس کو تعلیق قرار دیا جائے، اگرچہ یہ احتمال متکلم کے مقصد سے کوسوں دور ہے، تاہم دو طلاق درست ہوں گی، لیکن معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کو کسی شرط سے معلق کرنا تین طرح ہوتا ہے، پھر ہر ایک کی دو دو صورتیں ہوتی ہیں، شرط کا وجود، دوسری شرط کا عدم ہے تو مجموعی چھ صورتیں بنیں، وہ شرط خاوند کا فعل یا بیوی کا فعل وجودًا یا عدمًا، اسی طرح اگر وہ شرط کسی غیر کا فعل ہو تو وجودًا یا عدما ہوگا، جیسا کہ شرح وقایہ میں واضح ہے۔ یہاں زیر بحث صورت میں شرط بیوی کا فعل عدمًا ہے یعنی اس کا نماز نہ پڑھنا اور تعلیق کا معنی یہ ہے کہ ایک جملہ کے مضمون کو دوسرے جملے کے مضمون یعنی جزاء کے جملے کو شرط کے مضمونِ جملہ سے معلق کرنا ہے، تو جب شرط پائی جائے گی جزاء بھی پائی جائے گی، اور جب شرط نہ پائی جائے تو جزاء بھی نہ پائی جائے گی۔ یہ بات سب صورتوں کو شامل ہے جن میں کوئی فرق نہیں لہٰذا جب احمد علی کے قول کو تعلیق تسلیم کرلیں، حالانکہ یہ قول مطلق ہے اور کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں ہے، اور متکلم کی غرض صرف بیوی کو نماز کا عادی بنانا ہے، تو یہاں کسی نماز عشاء یا فجر کی کوئی تخصیص نہ ہوگی کہ اس کی کوئی وجہ نہیں اور نہ ہی یہ یمینِ فور بنتی ہے کیونکہ احمد علی نے معتدل مزاجی غصہ کے بغیر مستقل مزاجی سے یہ بات کہی ہے

یمین الفور از کجا برخاست تا ایں قول را مخصوص باقرب الاوقات للصلٰوۃ گرداند بلکہ ایں تعلیق طلاق ست پس مطلق طلاق ماند چہ قاعدہ اصول ست **المطلق یجری علی اطلاقہ والمقید یجری علی تقییدہ** ووجود صلاۃ مطلق صادق آید بسبب وجود صلاۃ ما یعنی یک صلاۃ بطریق فرد منتشر وعدم صلٰوۃ مطلق صادق آید بسبب عدم جمیع افراد صلاۃ در مدت العمر، وجود مطلق الصلٰوہ متحقق شود بسبب تحقق وجود فرد ما وینتفی بانتفائے فرد ما **ھذا ھو الفرق بین مطلق الشیئ والشیئ المطلق** وہمیں ست فرق میان موضوع مہملہ قد مائیہ وموضوع قضیہ طبعیہ ومطلق الشیئ یعنی مطلق الصلاۃ موضوع مہملہ قد ماست والشیئ المطلق یعنی الصلاۃ المطلقہ موضوع قضیہ طبعیہ است پس درینجا معلق بعدم الصلاۃ المطلقۃ ست وآں بسبب عدم جمیع افراد نماز از زبان متکلم بالتعلیق تا قبیل موت متحقق شود وعدم صلاۃ مطلق منتفی زیراکہ زوجہ احمد علی صرف دراں روز نماز نخواند ونماز فجر خواند متعود بالصلٰوہ گشت وہویداست کہ انتفائے عدم صلاۃ مطلق عدم عدم صلاۃ مطلق ست وعدم عدم صلاۃ مطلق وجود صلاۃ مطلق ست پس وجودِ صلاۃ مطلق متحقق وعدم صلاۃ مطلق معدوم وفائت حالانکہ آں شرط ومعلق بہ بود وفوت شد **فاذا فات الشرط**

اور نصیحت کے طور پر کہی ہے، تو یہ یمین فور کیسے ہو سکتی ہے تاکہ احمد علی کے اس قول کے قریب ترین وقت کی نماز سے مخصوص کیا جائے، اس لئے اس کو تعلیق طلاق ہی کہا جائے گا اور وہ بھی مطلق ہے اور قاعدہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر باقی رکھا جائے اور مقید کو قید سے پابند کیا جائے، لہٰذا کسی نماز سے بھی مطلق نماز کا وجود ہو سکتا ہے یعنی نماز کا فرد پایا جائے تو مطلق نماز کا تحقق ہو جائے گا، یونہی مطلق نماز کا عدم عمر بھر تمام نمازوں کے نہ پائے جانے پر متحقق ہو جائیگا، مطلق الصلٰوۃ کا وجود اور انتفاء ایک فرد کے وجود اور نفی سے ہوتا ہے یہی وہ فرق ہے جو منطقی حضرات، مہملہ قد مائیہ اور قضیہ طبعیہ کے موضوع کے بارے میں بیان کرتے ہیں یعنی مطلق الشیئ قضیہ مہملہ قد مائیہ کا موضوع اور الشیئ المطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، پس یہاں شرط میں نماز مطلقہ کا عدم ہے جس کی نفی اور عدم کے لئے متکلم کے تعلیق کے وقت سے لے کر موت سے تھوڑا قبل تک تمام نمازوں کے معدوم ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں نماز مطلقہ کا عدم نہیں پایا گیا کیونکہ احمد علی کی بیوی نے صرف ایک نماز نہیں پڑھی اس کے بعد اس نے فجر کی نماز اور باقی نمازیں پڑھیں اور نماز کی عادی ہو گئی، تو واضح ہوا کہ نماز مطلقہ کے عدم کا نہ ہونا نماز مطلقہ کے عدم کا عدم ہے، اور نماز مطلقہ کے عدم کا عدم نماز مطلق کا وجود ہے تو اس طرح نماز مطلق کا تحقق ہوا اور نماز مطلقہ کا عدم معدوم ہوا حالانکہ طلاق، عدم نماز مطلقہ سے معلق ہے جو منتفی ہے، اور جب شرط منتفی ہو جائے

فات المشروط وهو المدعا، پس طلاق واقع نشد آنکه درسلک تحریر کشیدہ شد صرف گفتگو در نفس عبارت اقرار بود حالا اثبات مطلوب بادلہ فقیہہ میگویند در عالمگیر یہ جلد دوم ص۵۹۹ آورد الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیهما الی شرط البر وعند فوات شرط البر یتعین الحنث[1] (در ماسخن شرط البر فائت نشد پس حنث متحقق نشود، وایضا هناك مسطور ولو قال ان لم تعطین هذا الثوب ودخلت الدار لم یقع الطلاق حتی یجتمع امران دخول الدار وعدم الاعطاء وعدم الاعطاء انما یتحقق بموت احدهما او بهلاك الثوب[2] وہمچنیں عدم الصلاۃ المطلقۃ قبیل موت زن مذکورہ متحقق تواں شد قبل آں نے وایضا فیه ص۶۵۱ رجل قال لامرأته ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصلاۃ او بعد ماصلت رکعة،

تو مشروط بھی منتفی ہوگا، یہی مطلوب ہے، پس طلاق نہ ہوئی۔ یہ جو کچھ تحریر ہوا صرف احمد علی کے اقرار میں گفتگو تھی، اور اب ہم مطلوب کو فقہی دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ عالمگیریہ کی جلد دوم صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی فعل کے عدم پر جو دو محل میں ہو تو دونوں میں سے جس محل میں قسم پورا ہونے کی شرط پائی جائے اس کو پیش نظر رکھا جائے گا اور جب شرط فوت ہو تو پھر قسم کا ٹوٹنا متعین ہوگا، اس قاعدہ کی رو سے ہماری بحث میں قسم پورا ہونے والی موجود ہے وہ فوت نہیں اس لئے حنث یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، نیز اسی میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اگر تو مجھے یہ کپڑا نہ دے اور تو گھر میں ویسے ہی داخل ہو جائے تو تجھے طلاق ہے" تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک کپڑا نہ دینا اور گھر میں داخل ہونا نہ پایا جائے یعنی دونوں باتیں پائی جائیں تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، جبکہ کپڑا نہ دینے والی بات خاوند یا بیوی میں سے کسی ایک کے مرنے یا اس کپڑے کے ختم ہوجانے تک باقی رہے گی اور قسم نہ ٹوٹے گی، اسی طرح یہاں بھی نماز مطلقہ کا عدم، عورت کے مرنے سے تھوڑا پہلے تک باقی رہے گا اور قسم نہ ٹوٹے گی بلکہ عورت کے مرنے سے ایک گھڑی پہلے جب یہ نماز مطلقہ کے عدم کا احتمال ختم ہوجائے گا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذاوغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمة ان واذاوغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۹

حکی ان الشیخ الامام شمس الائمۃ الحلوانی انہ کان یقول ان کان وقت الحلف الی وقت الحیض مقدار ما یمکنھا ان تصلی رکعتین تنعقد الیمین عند الکل وتطلق [1] دریں عبارت قید الیوم ورکعتین موجود ست ولہٰذا حکمش مغایر حکم مانحن فیہ شد ففترقتا ولاتشکوا وایضا فیہ ص ٦٤١ رجل ضرب رجلا ضربا وجیعا فقال المضروب اگر من سزائے وے نکنم فامرأتہ کذا فمضی زمان ولم یجاز قالوا ھذا لایقع علی المجازاۃ الشرعیۃ من القصاص اوالارش او التعزیر او نحوہ و انما یقع علی الاساءۃ بای وجہ یکون فان نوی الفور فھو علی الفور وان لم ینو یکون مطلقا کذا فی فتاوٰی قاضی خاں [2] ایں مطابق صورت مانحن فیہ ست، فرق لفظی آنکہ سزائے	تب قسم ٹوٹے گی۔ نیز اسی کے صفحہ ٦٥١ پر ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "اگر تو آج نماز دو رکعتیں نہ پڑھے تو تجھے طلاق ہے" تو اس عورت کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آجائے یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آجائے تو شیخ شمس الائمہ حلوانی سے منقول ہے کہ اگر خاوند کی قسم اور حیض آنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ وہ نماز دو رکعتیں پڑھ سکتی تھی تو بالاتفاق یہ قسم صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق ہوجائے گی، چونکہ اس مسئلہ میں "آج کے دن" اور "دو رکعتوں" کی قید ہے اس لئے یہ مسئلہ اور زیر بحث مسئلہ مختلف ہوگئے جن کا حکم بھی مختلف ہوگا، لہٰذا اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ نیز اسی میں صفحہ ٦٤١ پر ہے: ایک شخص نے دوسرے کو ضرب لگائی تو مضروب نے کہا اگر میں اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو فلاں طلاق، تو کچھ وقت گزرجانے کے باوجود اس نے سزا نہ دی (یعنی سزا سے مراد شرعی سزا قصاص یا تعزیر تاوان نہیں بلکہ کوئی تکلیف پہنچانا مراد ہے) تو اس قسم والے نے اگر یمین فور کی نیت کی تو فوراً اس ضرب کے وقت سزا مراد ہوگی اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو پھر مطلق سزا ہوگی یعنی کسی وقت بھی سزا دینا مراد ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں مذکور ہے یہ مسئلہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کے موافق ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ١/٤٣٦

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ١/٤٤٦

وے نکنم معلق بہ فعل عدمی زوج ست در مانحن فیہ اگر نخوانی معلق بہ فعل عدمی زوجہ است حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق ان نوی الفور فھو علی الفور وان لم ینو یکون مطلقا لیکن احمد علی نیت فور نکردہ نہ قرینہ فور یافتہ شود پس یمین مطلق باقی ماند فی شرح الوقایۃ ص۴۸ انت کذا ان لم اطلقك یقع فی اٰخر عمرہ[1] زیرا کہ طلاق ندادن در آخر عمر صادق آید ورنہ ہر وقت احتمال طلاق ہست ہمچنیں نماز خواندن در آخر عمر صادق آید ورنہ نماز خواندن ہر وقت در مدۃ العمر محتمل ست، وفی القھستانی ص۲۷۹ ویقع فی الاصح اٰخر العمر او قبیل موته او موتها وفی النوادر لایقع بموتها فی قوله انت طالق وان لم اطلقك[2] ہمچنیں آں اگر زن قبیل موت نماز نہ خواند بروئے دو طلاق رجعی واقع شود مانحن فیہ چناں نیست بلکہ

صرف لفظی فرق ہے کہ یہاں "سزانہ دوں" جو کہ خاوند کے فعل کا عدم ہے، کے ساتھ معلق کیا گیا ہے اور ہمارے زیر بحث مسئلہ میں "نماز نہ پڑھنے" کو جو کہ بیوی کے فعل کا عدم ہے، کو معلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلوں کا حکم ایک ہے جیسے گزرا چنانچہ یہی حکم، بیوی کے نماز نہ پڑھنے پر ہوگا کہ اگر خاوند نے یمین فور کی نیت کی، فوری مراد ہوگی۔ اور اگر یمین فور کی نیت نہ کی ہو تو عام اور مطلق یعنی نماز کسی بھی وقت نہ پڑھنا مراد ہوگا، لیکن احمد نے فوری یمین مراد نہیں لی اور نہ ہی یمین فور کا یہاں کوئی قرینہ ہے، لہٰذا یہ قسم مطلق مراد ہوگی اور بعد میں بھی باقی رہے گی۔ شرح وقایہ کے صفحہ ۴۸ پر ہے: خاوند نے بیوی کو کہا "اگر میں تجھے طلاق نہ دوں تو تجھے طلاق ہے" تو یہ قسم عمر بھر کے لئے ہے، اگر عمر بھر طلاق نہ دی تو موت کے قریب آخری گھڑی میں طلاق ہوگی کیونکہ اس وقت معلوم ہوگا اس نے عمر بھر طلاق نہ دی ورنہ زندگی میں ہر وقت طلاق کا احتمال تھا، تو اسی طرح "نماز نہ پڑھنے کی شرط" کا وقوع عمر کے آخر میں ہوگا ورنہ زندگی میں ہر وقت نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے۔ قہستانی ص۲۷۹ میں ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ عمر کے آخری حصہ میں خاوند یا بیوی کی موت سے ایک گھڑی قبل شرط کا وقوع

[1] شرح الوقایہ بیان لغویۃ التطلیق قبل التزوج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۷

[2] جامع الرموز (قہستانی) کتاب الطلاق مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۱۳

آں زن ازاں تاریخ تاایں دم متعودہ گشت، فی قاضی خاں ص۳۴۱ ولو قال اذا طلقتك فانت طالق واذا لم اطلقك فانت طالق فلم یطلق حتی ماتت طلقت ثنتین فی اٰخر جزء من اجزاء حیاته [1] ایں ہمہ ثبوت مدعا ست ایضافیہ ص۲۲۹ رجل قال لامرأته ان لم اجامعك علٰی راس ھذاالرمح فانت طالق فما داما حیین والرمح قائم لایحنث [2] وقبیل موت احدہما یابعد ضیاع رمح حانث شود ہکذا مانحن فیه واللہ تعالٰی اعلم. اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین اولین واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح کند بعدہ ایضا طلاق دہد طلاقین اولین باطل شوند بعد تجدید نکاح اگر طلاق دہد آں درحساب کردہ آید نہ طلاق قبل تجدید نکاح ہمچنیں بعد رجعت اول طلاق باطل است کما فی	معلوم ہوگا، اور نوادر میں ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا "تجھے طلاق اگرچہ میں طلاق نہ دوں" تو بیوی کے مرنے پر طلاق نہ ہوگی، اسی طرح اس مسئلہ میں بیوی مرنے سے قبل نماز نہ پڑھے گی تو اس کو دو طلاقیں رجعی ہونگی جبکہ زیر بحث صورت میں بیوی نے نماز نہ چھوڑی بلکہ اس وقت سے لے کر آج تک وہ نماز کی عادی اور پابند ہے۔ قاضی خاں کے ص۳۴۱ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا "جب میں تجھے طلاق دوں تو تجھے طلاق اور جب تجھے نہ دوں تو تجھے طلاق" اس صورت میں عورت کے مرنے پر اس کو طلاق ہوگی اور اس کی عمر کی آخری گھڑی میں دو طلاقیں ہونگی یہ تمام بحث مدعٰی کے ثبوت کے لئے تائید ہے۔ اسی میں ص۲۲۹ پر ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ "اگر میں نے اس نیزے کے سر پر تجھ سے جماع نہ کروں تو تجھے طلاق ہے۔" اس صورت میں جب تک خاوند اور بیوی زندہ ہیں اور نیزہ بھی موجود ہے طلاق نہ ہوگی، ہاں کسی کے مرنے یا نیزے کے ختم ہوجانے پر طلاق ہوگی، تو زیرِ بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ احمد علی کی بیوی کو پہلی دو طلاقیں ہوگئی ہیں تو تب بھی ان سے رجوع کرلینے پر وہ کالعدم ہوگئیں جس طرح کہا بائنہ طلاق کے بعد اگر تجدید نکاح کرلیں اور اس کے بعد طلاق

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۲۸

الدر المختار لوطلقها رجعیا فجعله بائنا او ثلثا [1] وردالمحتار قوله قبل الرجعة لانه بعدھا یبطل عمل الطلاق فیتعذر جعلھا بائنا او ثالثا ھکذا فی الطحطاوی [2] ازیں عبارت خوب واضح شد طلاقین اولیین بوجه رجعت باطل ست اکنوں برائے طلاق بلاشرط رجعت صحیح است وھوالمدعی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ المستخرج محمد وجیہ اللہ۔	دے دے تو بعد والی گنتی میں ہوگی اور پہلی گنتی میں نہ ہوگی کیونکہ پہلی تجدید نکاح سے کالعدم ہوگئی ہے۔ اسی طرح رجوع کر لینے کے بعد پہلی دی ہوئی طلاقیں کالعدم ہوجائیں گی، جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اگر رجعی طلاق دی ہو تو اس کو بائنہ بنادے یا تین طلاق دے دے۔ اس پر ردالمحتار میں کہا کہ ماتن کا قول "رجعت سے پہلے" یہ اس لئے کہ اگر رجعت کے بعد ہو تو طلاق کا عمل باطل ہوجاتا ہے اس لئے اس کو بائن یا تین بنانا ممکن نہ رہے گا، طحطاوی میں یوں ہے: اس عبارت سے خوب واضح ہوگیا کہ احمد علی کی بیوی کی پہلی دونوں طلاقیں رجعت کی وجہ سے کالعدم ہوجائیں گی۔ اب اس کے بعد کسی شرط کے بغیر دی ہوئی طلاق پر رجوع کرنا صحیح ہوگا، یہی مطلوب ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسئلہ کا حل پیش کرنے والا محمد وجیہ اللہ۔

الجواب:

اللّٰھم ھدایة الحق والصواب رب انّی اعوذبك من ھمزات الشیطن واعوذبك رب ان یحضرون در صورت مستفسرہ زن احمد علی از حبالہ نکاحش بدر رفت، ونہ آنچناں کہ بمجرد تجدید نکاح باز زن او تواں شد بلکہ تحلیل لازم ست وبے توسط شوہر دیگر حرمت جازم قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ [3] حالانکہ	اے اللہ! حق اور درستگی کی رہنمائی فرما، اے رب! میں شیطان کے غرور سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں، مسئولہ صورت میں احمد علی کی بیوی اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور اب تجدید نکاح سے بھی حلال نہ ہوگی بلکہ حلالہ ضروری ہے اور دوسرے شخص سے نکاح کئے بغیر قطعی حرام رہے گی، اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد بیوی حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ دوسرے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶

[3] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

احمد علی بتعلیم کسے ادعائے ارادہ عموم میکند یعنی آنکہ اگر تو درہمہ عمر خودت ہیچگاہ پیراموں نماز نکردی ودر مدت حیات یک نماز ہم ادانہ کنی بر تو دو طلاق باشد حیلہ ایست کاسدہ وبہانہ ایست بس فاسدہ کہ غیر طفلاں بخبر ہیچ عاقلے بجوئے نخرو مقصود وعظ زجرآں می شد کہ پابند نماز شود ہمیں معنی در مستفاہم عرف کہ مبنائے ایمان ست مفہوم شود نہ آنکہ در مدت العمر یک سجدہ پسند ست اگر ترا بینم کہ مردے واز دنیا رخت بردی ہیچ گاہ یک سجدہ الہ نکردی آنگاہ بدم واپسیں کہ خود از نکاح من بیروں مے روی بر تو دو طلاق باشد ایں معنی کہ اضحوکہ بیش نیست زنہار نہ مراد قائلاں مے باشد ونہ مفہوم اہل عرف وزبان، وخود احمد علی صباح آں شب بکار روائی عملی خود مرا خودش کہ آشکارا بود آشکاراتر نمود کہ چوں زن نماز عشاء نگزارد بامداد آں رجعت نمود اگر قصد آں بودے کہ حالا بآموزگاری دستاں سازاں دامے نماید طلاق بر کہ بود ورجعت از چہ فرمود ازیں ہمہ واضحات گزشتن وگزاشتن وبہر تحلیل فرج حرام نظر بر فریب وحیلہ گماشتن کار مسلمانی نیست وہم ازینجا حیلہ قصد وعدہ از ہم پاشد بل ہر حیلہ کہ فسو نسازے حالا تراشد عمل بامدادی

شخص سے نکاح نہ کرے، اب احمد علی نے کسی کے سکھانے پر جو حیلہ گھڑا اور کہا کہ عموم کا ارادہ کیا ہے یعنی تمام عمر کبھی کہیں کوئی نماز بیوی نہ پڑھے اور تمام عمر ایک نماز بھی نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، یہ حیلہ جھوٹ اور خالص فاسد بہانہ ہے جس کو بیخبر بچوں کے علاوہ کوئی عقلمند تسلیم نہیں کرے گا، جبکہ مقصد یہ ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند بنانے کے لئے نصیحت اور ڈانٹ کے طور پر بات کی گئی ہے لوگوں کے عرف میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ بیوی کو نماز کا پابند بنانے کے لئے کوئی نماز ترک کرنے پر اس کو دو طلاقیں ہوں گی، نہ یہ کہ تیرا ایک سجدہ ہی پسند ہے اور جب تو مرنے لگی اور دنیا سے رخصت ہوتی دیکھوں کہ تو نے کوئی ایک سجدہ نہ کیا اور دنیا سے واپس جاتے ہوئے جبکہ از خود نکاح ختم ہورہا ہو تو تجھے دو طلاقیں ہوں گی، یہ معنی تو مذاق کے سوا کچھ بھی نہیں اور نہ ہی ایسی بات کرنے والوں کا ہرگز یہ مقصود ہوتا ہے اور نہ ہی اہلِ زبان اور اہلِ عرف یہ معنٰی سمجھتے ہیں۔ احمد علی نے رات کی کارروائی جو کہ پہلے واضح تھی اس کو صبح مزید واضح کرتے ہوئے بیوی کے عشاء کی نماز رات کو نہ پڑھنے پر دو رجعی طلاقوں کے بعد صبح اس نے رجوع کیا، اگر اس کا مقصد وہی تھا جو حیلہ سازوں نے اس کو سکھایا تو عشاء کی نماز نہ پڑھنے سے طلاق نہ ہوئی تو رجوع کیسا اور کس سے رجوع کیا، اس تمام واضح چیز کو نظر انداز کرنا اور

احمد علی ہمہ را جان خراشد و قولہ ایں بیچارہ بے علم چہ داند فقیر سخن ازاں در رد معلم اومی راند و ہمچناں ابطال طلاق بہ رجعت کہ ایں کلمہ ملعونہ از زبانش ہماں بتعلیم ضلال بر آمد ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم حکم مسئلہ در فتوائے جلیلہ سابقہ ہرچہ تمامتر روشن شدہ است اینجا تسکیناً للھواجس وتوھینا للوساوس والدسائس حرفے چند نافع و سود مند در رد فتوائے دیوبندی بر نگاریم وامیدِ توفیق از حضرت عزت عزوعلا داریم۔ ایں طرفہ فتوی جامع الخطا والطغوی کہ اثر دیو بندیش از ہر سطر اش ہویدا و جان وجہاں دیوبندیاں بر حرف حرفش شیدا بملاحظہ آمد، نوبادہ دیوبندیاں در تحلیل حرام خدا بہ تسویل نفس پر دغا، چہ ستم اعجوبہا بکار برد کہ کہن مشقاں دیوبند را نیز رونق بازار برد تفصیلی مفضی تطویل، لہٰذا بر ماقل وکفی تعویل وحاشا روئے سخن بر ہیچو ناشناسانِ فن بلکہ مقصود نصح عوام مومناں ست، تا مبادا باغوائے کسے حرام خدا را حلال پندارد، و کلمات خطا وضلال حتی کہ تکذیب صریح کلام ذی الجلال را سہل انگارند والعیاذ باللہ العزیز الرحیم، ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ

فریب اور غلط حیلہ سے حرام شرمگاہ کو حلال کرنا مسلمانوں کا کام نہیں ہے، نیز یہاں یہ حیلہ کرنا کہ احمد علی نے وعدہ طلاق کا قصد کیا ہے، خود بخود ختم ہوگیا بلکہ وہ تمام حیلے جو کارسازوں نے اسے سکھائے ہیں ان سب کو خود احمد علی نے صیح رجوع کی کارروائی سے باطل قرار دیا اور اس مجیب بیچارے بے علم کو کیا معلوم ہے، یہ فقیر اس کے استاذ کے رد میں بیان کرتا ہے اور یونہی استاذ کے سکھائے ہوئے اس کلام میں کہ رجوع کرنے سے پہلی طلاقیں باطل ہوگئی ہیں جو کسی گمراہ کے بہکانے پر اس کی زبان نے استعمال کی ہیں کا رد کیا جائے گا۔ ان گمراہ کلمات پر "لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم" ہی پڑھی جاسکتی ہے، مسئولہ صورت کا جواب مذکور کلمات سے مکمل ہوگیا ہے تاہم شکوک کو ختم کرنے اور وسوسوں کو مٹانے کیلئے دیوبندی کے فتوی کے رد میں کچھ کلام کی جائے تو مفید اور سود مند ہوگی جس کے لئے میں اللہ تعالٰی سے توفیق کا خواستگار ہوں۔ یہ ردی فتوی جو گمراہی اور غلطیوں کا مجموعہ ہے اس کی ہر سطر سے دیوبندیت اور جہالت نمایاں ہورہی ہے اور اس کے ہر حرف سے دیوبندیوں کا سرمایہ ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، دیوبندیوں کا یہ نیا تماشہ جو اللہ کی حرام کردہ کو حلال بنانے کے لئے من گھڑت فریب سے پر ہے۔ ان عجوبوں پر ظلم یہ کہ دیوبند کی کہنہ مشق شخصیات بھی بازار کی رونق

العلی العظیم عزیزان ہلہ ہشیار وے شتاب زدگی نباید شہسوار خامہ برق بار را بجالش آمدن دہید بحولہ تعالٰی حالاخالی شود وبیان بہ عیاں رسد کہ بیچارہ ازاثر دیوبندی چساں تکذیب نص قطعی قرآن وخرق اجماع ائمہ مومناں علیہم الرضوان نمود، وبطمع آنکہ مگر فرجے حرام رابرائے دیگرے حلال نماید حیادر ملابر روئے خودش کشود وقد صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیما یرویہ عنہ ابوھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عند البیھقی فی شعب الایمان من اسوء الناس منزلۃ من اذھب اٰخرتہ بدنیا غیرہ[1] ۔والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہماچیدہ چیدہ در تنبیہات عدیدہ مفیدہ بر چند خطایائے ایں فتوی نوچاویدہ آگاہی دہیم، تا عاقلاں پے برند وغافلاں خبردار شوند وخاطیاں اگر توفیق یابند گرہ، ہمچناں کور کورانہ نروند وباللہ التوفیق ووصول التحقیق۔

ثابت ہوئے ضرورت سے زائد بات موجب تطویل ہوگی لہٰذا ہم پر قلیل اور کافی کو پیش کرنا مناسب ہے ان جیسے ناسمجھ لوگوں سے ہرگز روئے سخن نہیں ہے بلکہ اہل ایمان کو نصیحت مقصود ہے تاکہ کہیں کسی کے بہکانے پر اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال نہ سمجھ لیں، اور غلط وگمراہی کی باتیں حتی کہ اللہ تعالٰی کے صریح کلام کی تکذیب ہیں پر سہل انگاری سے کام نہ لیں العیاذ باللہ العزیز الرحیم، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ عزیزان نہایت ہوشیار بے صبری نہیں چاہئے، تیز رفتار شہسوار قلم کو حرکت میں آنے دو اللہ تعالٰی کے فضل سے میدان صاف اور بیان واضح ہوجائے گا کہ اس مجیب بیچارے نے دیوبندی اثر کی بناپر قرآن پاک کی نص قطعی کی تکذیب اور مومنوں کے ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اجماع کی خلاف ورزی کس طرح کی ہے اور وہ بھی حرام شرمگاہ کو غیر کے لئے حلال کرنے کے لالچ میں جرات کرکے شرمساری اپنے ذمے لے لی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا سچا ارشاد روایت فرمایا جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ لوگوں میں سب سے بڑا بدبخت وہ شخص ہے جو غیر کی دنیا کے لئے اپنی آخرت خراب کرے والعیاذ باللہ رب العٰلمین، اب ہم چند تنبیہات مفیدہ، اس عجیب فتوی کی چند غلطیوں پر آگاہی کے لئے ذکر کریں گے تاکہ بے پر عاقل اور غافل لو

[1] شعب الایمان باب فی اخلاص العمل للہ وترک الریاء حدیث دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۵۸/۵

خبردار ہوجائیں اور خطاکار اگر توفیق پائیں تو دوسروں کے نہ راستے کو نہ اپنائیں، توفیق اور حق تک رسائی اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

اول: آنکہ خرق طلاق را تبدیل صورت سوال رفو خواست سوال کہ ایں جا آمدہ بود لفظش آں بود کہ "ایک شخص نے اپنی بی بی کو بعد نماز مغرب کے کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے"۔ و تعلیم سوال دیوبندی آنچناں ساخت کہ باعتدال طبع واستقلال مزاج بطریق زجر و تنبیہ گفت کہ نماز بخواں اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق بجائے تو دو طلاقہ ترا دو طلاق نمود تا بزعم باطل خودش اوراز تعلیق برآوردہ وعدہ طلاق نماید وبدنداں طمع گرہ از کار احمد علی کشاید وپیداست کہ تبدیل صورت بعد اطلاع بر حکم شرعی نمی باشد مگر از راہ مکروخدع باز سائل ماکہ دوبارہ ایں سوال فرستاد نقاب ازروئے دستاں ایں ہواپرستاں کشادہ کہ لفظ خاص احمد علی بزبان بنگالہ "دیلام" کہ صراحۃً بمعنی دادم ست نوشت وبساط اختراع وعد یکسر در نوشت۔

اول: یہ کہ، طلاق کے نشان کو سوال کی صورت میں تبدیلی کرکے، مٹانا چاہا، یہاں جو سوال آیا اسکے الفاظ یہ ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو نمازِ مغرب کے بعد کہا "اگر تو نماز نہ پڑھے گی تو دو طلاق ہے" اور دیوبندی کی تعلیم سے سوال یوں بنادیا: ایک شخص نے اعتدال طبع اور مستقل مزاجی سے زجر اور تنبیہ کے طور بیوی کو کہا کہ تو نماز پڑھ، اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاق، یوں اس نے "تو دو طلاق" کی بجائے "تجھے دو طلاق" بنادیا، تاکہ اپنے باطل زعم میں وہ تعلیق طلاق سے نکال کر وعدہ طلاق بناسکے اور لالچ کے دانتوں سے احمد علی کی کارروائی کی گرہ کو کھولے، اور واضح بات ہے کسی شرعی حکم کے معلوم ہونے پر سوال کی صورت کو تبدیل کرنا صرف مکروفریب ہی کہلاسکتا ہے پھر جس نے ہمارے پاس دوبارہ یہ سوال بھیجا ہے اس نے ان نفسانی خواہشات پرستوں کی داستان سے پردہ ہٹادیا ہے کہ احمد علی نے جو لفظ خاص اس موقعہ پر بنگالی زبان میں استعمال کیا ہے وہ "دیلام" ہے جو کہ صراحۃً "میں نے دی" کے معنی میں ہونا لکھا ہے اور وعدہ کی اختراعی صورت بالکل ختم کردی۔ (ت)

دوم: فرقے کہ در تو طلاق وترا طالق از پیش خویش بر آورد محض ایجاد بندہ است بیچارہ در انشائے تعلیق و تعلیق انشا فرق نمی داند مقصود ومفاہم عرف اول ست نہ ثانی، ومعنی استقبال خود لازم ہر جز است چنانکہ در قولش اگر چناں کنی تو طلاق معنی آنست کہ مطلقہ شوی ہم بایں انشانہ بانشائے جدید، کہ آں وقت وعدہ ابدالیش میدہد، ہمچناں در قولش اگر نچناں کنی ترا طلاق معنی ہمان ست کہ تراطلاق شود بہمیں انشاء نہ بانشائے موعود، وطلاق آنچناں کہ صدورًا وصف مرد ست کہ از وبمصدر مبنی للفاعل اے مطلقیت بالکسر تعبیر کنند ہمچناں وقوعًا صفت زن کہ از وبمصدر مبنی للمفعول اعنی مطلقیت بالفتح نشان دہد پس مقدر خواہد شد بود نہ کہ خواہم داد اگر مجرد ملاحظہ آنکہ ایں صفت زن بے فعل شوے صورت نہ بندد مشعر فعل جدید موعود ومفید معنی وعدہ شود پس ایں خود در قول او، اگر چناں شود تو طلاق نیز نقد وقت ست زیراکہ از طلاق بمعنی رفع کہ فعل زوج ست اورا نیز ناگزیر ست بلکہ ہیچ لفظے ازیں معنی بے نیاز نبود پس اگر ایں ملاحظہ بموجب معنی وعدہ شدے ہمانا ہیچ تعلیق صورت نہ بستے مثلًا در تو طلاق نیز تواں گفت کہ معنی آنست کہ تو مطلقہ خواہی شد ومطلقہ نیست مگر آنکہ بروئے ایقاع طلاق نمودہ شود پس معنی آں شد کہ بر تو ایقاع طلاق کردہ خواہد شد وپیدااست کہ ایں وعدہ طلاق نیست بالجملہ ایں وسوسہ وتفرقہ جہالتے بیش نیست۔

دوم: "تو طلاق، اور تجھے طلاق" کا فرق خود اپنی طرف سے من گھڑت بنایا، اس بیچارے کو تعلیق کی انشاء اور انشاء کی تعلیق کا فرق معلوم نہ ہوسکا، جبکہ عرف میں پہلا یعنی تعلیق کی انشاء مقصود ومتعارف ہے نہ کہ دوسرا، اور پھر ہر جزء کو استقبال خود لازم ہے مثلًا یہ کہنا کہ "تو اگر یوں کرے تو طلاق ہے" اس کا معنی یہ ہے کہ "تو مطلقہ ہوجائے گی" اور انشاء بھی یہی ہوگا نہ کہ کوئی بعد میں جدید انشاء ہوگا، اور طلاق صادر ہونے کے اعتبار میں خاوند کی صفت ہوتی ہے جس کو طلاق دینے والا، سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یونہی وہ وقوع کے اعتبار سے بیوی کی صفت ہوتی ہے جس کو مطلقہ سے تعبیر کرتے ہیں (یعنی خاوند کے لئے طلاق مصدر مبنی للفاعل اور بیوی کے لئے وہی طلاق مصدر مبنی للمفعول بن جاتا ہے) تو یہاں "ہوجائے گی" کی تقدیر بنے گی نہ کہ "میں دوں گا" کی تقدیر بنے گی۔ اور اگر صرف یہ لحاظ ہو کہ یہ بیوی کی صفت خاوند کے فعل کے بغیر بن گئی تو بات نہ بنے گی اور اس سے خاوند کے جدید آئندہ فعل اور طلاق کا وعدہ نہ بن سکے گا، پس خاوند کا یہ کہنا کہ "اگر یہ ہوجائے تو طلاق" بھی بروقت انشاء ہے کیونکہ طلاق جس کا معنی ہٹانا اور کھولنا ہے بھی خاوند کے فعل کا نام ہے جو کہ ضروری ہے، بلکہ کوئی لفظِ طلاق بھی خاوند کے فعل سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، پس اگر اس لحاظ سے اس کو وعدہ والا معنی قرار دیا جائے تو پھر تعلیق کے لئے کوئی صورت نہیں بن سکے گی مثلًا کوئی یوں کہے "تو طلاق ہے" تو وہ کہہ سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے تو مطلقہ ہوسکے گی اور ابھی

سوم: جناب مجتہد العصر باجتہاد خودش ایں فرق بدیع ابداع نمود وندید یادیداز چشم حق پوشید کہ در کتب مذہب تصریحا جا بجالفظ "تراطلاق" تعلیق قرار دادہ اند نہ وعدہ، در فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ فرمود اگر مرانخواہی تراطلاق فقالت می خواہم لاتطلق ھذا تعلیق بالارادۃ وانھا امر باطن لایوقف علیہ فیتعلق بالاختیار [1] درفتاوٰی قاضی خاں و خزانۃ المفتین و غیرہما فرمودند اگر سہ ماہ رانیایم ودہ دینار نیارم ترا طلاق فجاء ولم یات بالدنانیر تطلق [2] درفتاوٰی ظہیریہ وخزانہ امام سمعانی فرمودہ قال لھا اگرتو حرام کنی تراسہ طلاق فابانھا ثم جامعھا فی العدۃ یحنث وتطلق ثلثا [3] حالانکہ مجتہد دیوبند از چشم کشادہ نظر فرماید کہ آں بالاخو اینہائے وعدو تقدیر خواہم داد کجاشد۔ **چہارم:** احمد علی رادریں دستاں استاذ خود می گوید کہ ایں مطلب از خود نگر فتم بلکہ احمد علی میگوید حالانکہ معاملہ واژ گونہ است بے چارہ	مطلقہ نہ ہوئی۔اور جس عورت کو کئی طلاق دے تو معنی یہ ہو جائے گا کہ طلاق دوں گا حالانکہ وہ طلاق واقع کر رہا ہے اور طلاق کا وعدہ نہیں کر رہا، غرضیکہ یہ فرق کا وسوسہ جہالت ہے،اس سے زیادہ کچھ نہیں۔**سوم:** یہ عجیب فرق کرنے پر مجتہد العصر نے یہ بھی نہ دیکھا یا دیکھا اور حق نظر نہ آیا کہ مذہب کی تمام کتب میں جابجا صراحۃً" تجھے طلاق ہے" کو تعلیق قرار دیا گیا ہے نہ کہ وعدہ طلاق قرار دیا گیا۔ فتاوٰی خلاصہ اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "اگر تو مجھے نہیں چاہتی تو تجھے طلاق ہے" بیوی نے جواب میں کہا "میں چاہتی ہوں" تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ بیوی کے ارادہ سے معلق ہے اور ارادہ باطنی چیز ہے اس پر واقفیت نہیں ہوسکتی لہٰذا بیوی کے اختیار پر فیصلہ ہوگا،اور فتاوٰی قاضی خان اور خزانۃ المفتین وغیرہما میں فرمایا ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا "اگر میں تین ماہ کو نہ آؤں اور دس دینار نہ لاؤں تو تجھے طلاق"۔تو تین ماہ کے بعد آیا اور دس دینار نہ لایا تو طلاق ہو جائے گی۔ فتاوٰی ظہیریہ اور خزانہ امام سمعانی میں فرمایا اگر بیوی کو کہا اگر تو حرام کرے تو تجھے تین طلاق۔اس کے بعد اس نے بیوی کو طلاق بائنہ دے کر اس سے عدت میں جماع کیا تو قسم ٹوٹ جائے گی اور تین طلاقیں ہوجائیں گی دیوبندی مجتہد آنکھ کھول کر دیکھے کہ مذکورہ بالاعبارات میں وعدہ اور "طلاق دوں گا" کہاں ہے۔**چہارم:** احمد علی کی اس داستان کا استاذ خود کہتا ہے کہ "یہ مطلب میں نے خود نہیں بنایا بلکہ احمد علی کہتا ہے" حالانکہ یہ گہرا معاملہ ہے اگر بے چارہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۷

[2] خزانۃ المفتین فصل فی التعلیق قلمی نسخہ ۱/ ۱۱۳

[3] خزانۃ المفتین فصل فی التعلیق قلمی نسخہ ۱/ ۱۱۲

احمد علی اگر ازیں کید عظیم آگہی داشتے صبحگاہ چار تخم رجعت کاشتے۔

پنجم: باز کہ باعتراف حق گزائید سخنے لغو وبے سود چادیدن گرفت کہ معلق بر سہ گونہ است وقسم را قسمت دانستہ میگوید مجموعہ شش قسمت است حالانکہ ایں تقسیم را در مسئلہ دائرہ دخلے نیست اینجا وفرق حکم میان قسمے وقسمے نیست خودش می سراید **هذا یعم الصورة الستة کلها من غیر فرق** ہوشمند راپرسیدن ست کہ چوں اینجا ہر قسم را حکم یکے ست ذکر ایں تقسیم از شش چہ رود در میان آمد جز اینکہ بینندہ داند کہ جناب اجتہاد مآب راگاہے بر شرح وقایہ ہم نظر افتادہ است **ولو مع عدم الفهم**۔

ششم: شان الٰہی نظارہ کردنی ست کہ خود در ضمن باطل نادانستہ لب بحق می کشاید وباز از خطب بہ جذب می گراید، مرادش آں بود کہ ایں تعلیق رادائم نماز چسپاں نماید تا بوقوع صلٰوۃ ولو مرۃ زن را تحفظ از طلاق بدست آید از ہمیں رو منطق الطیر خود را خرچ نمود ومطلب را کشاں کشاں برآں منزل آورد کہ اگر از زن احمد علی یک نماز ہم پیش از مرگ واقع شد اورا طلاق نیست حالانکہ ایں جا خود می گوید حیث لایشعر راہ حق می پوید، کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ ست دائما سبحان اللہ ایں شتر گربگی بیں غرض متکلم آں بود کہ زوجہ دائما معتاد نماز شود یا آں شد کہ زن در مدۃ العمر یک سجدہ بجا آرد گو در سائر عمر خودش ہیچ روئے بقبلہ میار ببیں تفاوت رہ از کجاست

احمد علی اس عظیم مکر کو سمجھتا تو صبح کو رجوع کیوں کرتا۔

پنجم: پھر حق کے اعتراف سے گزیر کرتے ہوئے لغو اور بے سود معاملہ میں الجھ گیا کہ "معلق تین قسم پر ہے" اور قسم کو تقسیم سمجھ کر کہتا ہے" مجموعہ چھ قسم ہے" حالانکہ زیر بحث مسئلہ میں اس تقسیم کا کوئی دخل نہیں ہے اور یہاں اقسام میں کوئی فرق نہیں ہے اور خود کہتا ہے کہ یہ حکم تمام چھ اقسام کو شامل ہے، اس عقلمند سے کوئی پوچھے کہ جب سب کا حکم ایک ہے تو پھر اس تقسیم کو کس وجہ سے درمیان میں لایا گیا سوائے اس کے کہ دیکھنے والے کو معلوم ہوجائے کہ جناب مجتہد صاحب کی نظر شرح وقایہ پر بھی پڑی ہے اگرچہ سمجھ نہیں آئی۔

ششم: خدا کی شان دیکھئے کہ باطل کے ضمن میں غیر شعوری طور پر حق زبان سے نکل گیا اور پھر دوبارہ گڑھے میں گر گیا، اس کا مقصد تو یہ تھا کہ اس تعلیق کا تعلق دائمی ترک نماز سے بنائے تاکہ ایک نماز بھی پڑھ لینے پر بیوی کو طلاق سے تحفظ مل سکے، اسی بناء پر اپنی منطق کو استعمال کرتے ہوئے مطلب کو کھینچ تان کر اس منزل پر لے آیا کہ اگر احمد علی کی بیوی مرنے سے قبل ایک نماز بھی پڑھ لے تو طلاق نہ ہوگی حالانکہ یہاں راہ حق کو غیر شعوری طور پر پاتے ہوئے کہتا ہے کہ متکلم کی غرض بھی یہی کہ اس کی بیوی دائمی طور پر نماز کی عادی ہوجائے، سبحان اللہ! اس شتر کی چال دیکھئے کہ یا متکلم کی غرض بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے یا یہ غرض ہے کہ پوری عمر ایک سجدہ بجالائے اگرچہ باقی عمر بھر قبلہ رو نہ ہو

تا بکجا۔

ہفتم: خود معترف شدہ کہ غرض متکلم دائما خوگر بودن زن بہ نماز ست، می گوید پس تخصیص نماز عشاوفجر وغیرہ از کجا امد، اجتہاد تا بامانیز ہمیں می گویم کہ غرض تعود دائم ست تخصیص ہیچ نماز نیست، ہر نمازیکہ عمدًا بلاعذر شرعی ترک دہد طلاق شود عشا باشد یا فجر چوں وقت عشا گزشت وزن نماز گزاشت وادا نکرد طلاقہ شدہ۔

ہشتم: باعتراف آنکہ غرض متکلم تعود دائم ست ایں چانہ زنی کہ قرینہ یمین ہم مفقود مگر از باب اجتہاد دیوبند خواہد بود یا ہمانا معنی معتاد صلوٰۃ شدن زوجہ دائما آں باشد کہ در ہمہ عمر جز یکبار ہیچ نماز ادانہ کند ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نہم: تخصیص یمین الفور بصورت غضب وبے اعتدالی طبع نیز از اجتہادات دیوبندیہ است کہ در کتب مذہب ازاں نشانے نیست در فتوائے جلیلہ سابقہ چند امثلہ اش از کتب معتمدہ مذکورہ است چشم مالیدہ آنجا بیند کہ غبار ایں تخصیص از دلش بنشیند در مثال چہارم فرمودہ اند حاکم حلف کرد اگر در شہر بد معاشے آید وترا جزانہ دہم زن طلاقہ باشد ایں نیز از باب یمین الفور ست اینجا کدام غضب واشتعال طبع بود مگر جناب اجتہاد مآب از وجوہ تسمیہ الفور یک وجہ

یہ تفاوت دیکھئے کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

ہفتم: جب خود معترف ہے کہ متکلم کی غرض بیوی کو نماز کا دائمی پابند بنانا ہے، تو عشاء یا فجر کی نماز وغیرہ کی تخصیص کہاں سے آئی، تمہارا اور ہمارا اجتہاد بھی یہی کہتا ہے کہ غرض نماز کا دائمی عادی بنانا ہے جس میں کسی نماز کی تخصیص نہیں ہے جو نماز بھی شرعی عذر کے بغیر ترک کرے گی طلاق ہوجائے گی وہ نماز عشا ہو یا فجر جب عشاء کی نماز کا وقت ختم ہوجائے اور بیوی نے نماز وقت میں ادانہ کی تو اس کو طلاق ہوگئی۔

ہشتم: اس اعتراف کے باوجود کہ متکلم کی غرض دائمی نماز کا عادی بنانا ہے، یہ کہنا کہ "قرینہ یمین خود بھی مفقود ہے" کیسے درست ہوسکتا ہے__ لیکن دیوبند کے اجتہاد میں یہ ہوسکتا ہے کیونکہ بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانے کا مطلب جن کے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ تمام عمر میں ایک نماز کے علاوہ کوئی نماز نہ پڑھے (ان کے ہاں یہ بھی ہوسکتا ہے) لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

نہم: یمین الفور کی تخصیص غصہ اور بے اعتدالی طبع سے کرنا بھی دیوبند کا اجتہاد ہے، جبکہ مذہب کی کسی کتاب میں اس تخصیص کا کوئی نشان نہیں ہے، گزشتہ چند معتمد علیہ کتب کے فتاوٰی جلیلہ کی کچھ مثالیں گزری ہیں ان کو آنکھیں صاف کرکے دیکھیں تاکہ ان کے دل سے تخصیص کی غبار نکل سکے، چوتھی مثال میں فرمایا گیا ہے کہ اگر حاکم نے قسم اٹھائی کہ "اگر کوئی بدمعاش شہر میں داخل ہوا تجھے سزا نہ دوں تو بیوی کو طلاق ہے" یہ بھی یمین فور ہے حالانکہ یہاں غصہ اور اشتعالِ طبع

راملاحظہ فرمودہ گمان بردہ باشند کہ مشبہ ومشبہ بہ یکے ست ومناسبت تسمیہ لازم حقیقت شیئ ست وایں خود از اثر تعلیم دیوبندی دور نیست۔

دہم: ازیں جاتا قول **وھکذا ما نحن فیہ واللہ تعالٰی اعلم** کہ دو ثلث تحریر اومی شود اگر فتوائے جلیلہ سابقہ رابچشم عقل وفہم ودیدن توانستے ازینہمہ یاوہ سرائیہا معاف داشتے ایں معنی کہ ظاہر مفاد لغوی لفظ تعلیق طلاق برعدم دائم نماز ست در فتوائے جلیلہ بالفاظ جزیلہ قلیلہ ادا شدہ بود باز تخصیص بالفرض بور جہے سمت ایضاح تافت کہ آفتاب حق بے حجاب سحاب تافت وخود اینکس نادانستہ ایمان آورد کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما پس حق روشن شد وپردہ از جہالت دیوبندیہ برافتاد ودریں دو ثلث تحریر بے تحریر ہرچہ جاوید ہمہ لغو وضائع رفت کہ حاجت التفات نماند **کما لا یخفی علی کل عاقل فضلا عن فاضل** ایں الفاظ مختصرہ فتوائے جلیلہ سابقہ را کہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز پڑھی صادق نہ رہا با تقریر طویل پریشانی اینکس باید سنجید عـہ وباز تحقیق حق ناصح را، کہ مگر بحکم دلالت حال واجب ست کہ خاص قسم اول یعنی صلٰوۃ ملتزمہ مبریۃ مراد ہو اور اس کا انتفاء

موجود نہیں ہے مگر اس مجتہد صاحب نے یمین فور کی وجہ تسمیہ کے وجوہ میں سے ایک وجہ کو دیکھ کر گمان کرلیا کہ مشبّہ اور مشبّہ بہ ایک ہی چیز ہیں اور وجہ تسمیہ کی مناسبت شیئ کی حقیقت کو لازم ہوتی ہے، یہ بھی تو دیوبند تعلیم کے اثر کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔

دہم: یہاں سے لے کر اس کے اس قول "ہمارے زیر بحث مسئلہ میں ایسے ہی ہے واللہ اعلم" تک جو کہ اس کی تحریر کا دو تہائی حصہ ہے کے متعلق اگر پہلے مذکور فتوی جلیلہ کو عقل وفہم کی آنکھ سے دیکھ لے اس کی یہ تمام یاوہ گوئی ختم ہوجائے اور تعلیق طلاق کا لغوی معنی جس کا مفاد ظاہرًا دلالت کررہا ہے کہ "اگر تو نماز نہ پڑھے گی" کا مطلب دوام نماز کا عدم ہے یعنی کوئی ایک نماز نہ پڑھے، مذکورہ فتوی جلیلہ کے الفاظ نے بھر پور انداز میں اس کو بیان کردیا ہے پھر نماز فرض کی تخصیص واضح انداز میں بادل سے بے حجاب سورج کی طرح روشن ہو گئی ہے، اور خود اس شخص نے نادانستہ طور پر اعتراف کرلیا کہ "متکلم کا مقصد بیوی کو دائمی نماز کا پابند بنانا ہے" پس حق واضح ہوگیا اور دیوبندی کی جہالت سے پردہ اٹھ گیا، اور اس کی دو ثلث تحریر بے تحقیق یہاں لغو اور ضائع ہوگئی اور اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں جیسا کہ کسی بھی عقلمند پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی رہے، گزشتہ فتاوٰی جلیلہ کے مختصر الفاظ کو "کہ فعل حکم نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوجاتا ہے اور عموم سلب بوجہ

عـہ: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے تو لازم ہوا کہ جب عوت نے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی صبح صادق طالع ہوتے ہی اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں باعتراف اینکس کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما باید دید تو وبخدائے تو ہیچ پردہ برچہرہ حق ماندہ است حاشا ثم حاشا بشرط آنکہ تعلیم دیوبندی عقل ترا دیوبندی یعنی بندی دیو نکردہ باشد۔

ایجاب جزئی کہ صبح کی نماز نہ پڑھی، صادق نہ رہا" کو اپنی طویل پراگندہ تقریر کے مقابلہ میں اس شخص کو دیکھنا چاہئے، اور پھر اس کے بعد واضح حق کو "کہ مگر بحکم دلالتِ حال واجب ہے کہ خاص قسم اول یعنی صلٰوۃ ملتزمہ مبرئیہ مراد ہو اور اس کا انتفاء ایک وقت کی نماز فرض عمداً بلاعذر شرعی چھوڑنے سے صادق آجاتا ہے اس حلف کے بعد عشاء نہ پڑھی، صبح صادق طالع ہوتے اس پر دو طلاقیں پڑ گئیں" کو یہ شخص اپنے اس اعتراف کے ساتھ "کہ متکلم کی غرض بھی بیوی کو دائمی طور پر نماز کی عادی بنانا ہے" ملا کر دیکھے تو بخدا بتائے کہ حق کے چہرہ پر کوئی پردہ باقی رہتا ہے؟ ہرگز ہرگز نہیں رہتا، بشرطیکہ دیوبندی تعلیم نے اس کی عقل کو دیوبندی یعنی شیطان کا غلام نہ بنایا ہو۔

یازدہم: مسکین بیچارہ کہ در مدرسہ دیوبند گاہے الفاظ میر زاہد بر ملاجلال را ترجمہ شنیدہ باشد بشامت بخت منطقہ منطق بر رخت فقاہت دیوبندی بست ومطلبے راکہ در فتوائے جلیلہ سابقہ باحسن طریقہ اصول ایضاح یافتہ بود باخس طرق معقول نا معقول خودش اثبات خواست و باآنکہ محققین ایں تدقیق ذائع عمدۃ المدققین سید زاہد مرحوم را بوجوہ کثیرہ رد فرمودہ اند بیچارہ دست نظر قاصر از انہا کوتاہ داشتہ بر تقلید جامد سید زاہد بسند نمودو نداشت کہ موضوع قضیہ طبعیہ معروض کلیت است وکلیت از معقولات ثانیہ پس قضیہ ذہنیہ باشد نہ خارجیہ وزنہار ایں مرتبہ از وجود خارجی بوئے نشود نہ بوجود فردے واحد نہ بوجود جمیع افراد فی الخارج بلکہ وجود فردے فی الخارج مستلزم وجود انتزاعی ایں مرتبہ ہم نتواں شد

یازدہم: بیچارے مسکین نے کبھی دیوبند کے مدرسہ میں ملا جلال پر میر زاہد کے الفاظ کا ترجمہ سن لیا ہوگا جس پر بدقسمتی سے منطق کی بات شروع کردی اور دیوبندی فقاہت بنادی اور مذکورہ فتاوٰی جلیلہ کا مطلب جو وضاحت کے اصول پر بہت اچھی طرح واضح ہوچکا تھا اس کو اپنی نامعقول منطق سے ثابت کرنے کی کوشش کررہا ہے اگرچہ محققین نے عمدۃ المدققین علامہ سید میر زاہد مرحوم کی بعض مشہور تدقیقات کا کثیر وجوہ سے رَد کیا یہ بیچارہ اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے محققین کی بیان کردہ وجوہ سے محروم رہ کر سید زاہد کی تقلید جامد پر ہی انحصار کرسکا۔ اسے معلوم نہیں کہ قضیہ طبعیہ کا موضوع کلیت کا معروض ہوتا ہے اور کلیت معقولات ثانیہ سے ہے جس کو وجود صرف ذہنی ہوتا ہے، لہٰذا یہ طبعیہ صرف قضیہ ذہنیہ ہوتا ہے

فان المنتزع تابع للانتزاع فمالم ینتزع لم یوجد ولو وجد مایصح الانتزاع منه آیا نه بینی که ایں مرتبہ بے لحاظ ماہیت مع الاطلاق ای فی العنوان دون المعنون صورت نہ بند دپس بے لحاظ لاحظ بمجرد وجود فرد فی الخارج چساں وجود ذہنی پزیرد۔	خارجہ نہیں ہوتا، اور یہ ہرگز وجود خارجی کا مرتبہ نہیں پاسکتا، یہ اپنے ایک فرد یا جمیع افراد کے خارجی وجود سے بھی خارج میں متحقق نہیں ہوسکتا بلکہ کسی فرد کے خارج میں پائے جانے سے اس مرتبہ کا وجود انتزاعی بھی نہیں ہوسکتا، کیونکہ انتزاع کی ہوئی چیز، انتزاع کے تابع ہوتی ہے تو جب تک انتزاع نہ کیا جائے اس کا وجود نہیں ہوتا اگرچہ وہ چیز موجود تھی جس سے انتزاع کیا جاسکتا ہو، کیا غور نہیں کرتے کہ یہ مرتبہ ماہیت کے ساتھ اطلاق کو ملحوظ رکھے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا یعنی اطلاق کا لحاظ صرف عنوان میں ہو معنون میں نہ ہو، تو کسی فرد کے محض خارج میں لحاظ کرنے والے کے لحاظ کے بغیر پائے جانے سے ذہنی وجود کس طرح پیدا ہوسکے گا۔
دوازدہم: مراد از وجود طبیعت موضوع طبعیہ وجود خارجی است یا وجود ذہنی اول را خود اوشایاں نیست ودوم در گرد وجود فرونبود کہ بانتفائے افراد منتفی شود۔	**دوازدہم:** قضیہ کے موضوع کے لئے طبیعت کے وجود سے مراد خارجی وجود یا ذہنی وجود ہے وجود خارجی تو خود طبیعت کے شایاں نہیں، اور ذہنی وجود مراد ہو تو وہ حاصل نہیں (کیونکہ یہ افراد سے متعلق نہیں) کہ وہ افراد کے انتفاء سے منتفی ہوجائے۔
سیزدہم: الشیئ المطلق کہ ملحوظ بلحاظ عموم وکلیت واطلاق است احکام افراد بادساری نشود پس چرا بوجود فرد موجود یا بانتفائے افراد منتفی شود۔	**سیزدہم:** الشیئ المطلق کے مرتبہ میں عموم، کلیت اور اطلاق ملحوظ ہوتا ہے، اس میں افراد کے احکام سرایت نہیں کرتے تو اس مرتبہ کے متعلق یہ کہنا کہ ایک فرد کے وجود سے موجود یا ایک فرد کے انتفاء سے منتفی ہوجانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔
چہاردہم: اگر بفرض باطل طبعیہ راخارجیہ گویم پس وجود طبیعت بوجود ہریک از افراد متعاقبہ ہماں نحو وجود ست کہ بوجود فرد اول عارض شود یا غیر آں ولو بالاعتبار اول باطل ست کہ تحصیل حاصل ست وعلی الثانی چوں بوجود ہر فرد نحوے از وجود عارض شود بانتفائے آں فرد ہمانحو وجود منتفی شود پس	**چہاردہم:** اگر بفرض باطل، ہم مان لیں کہ قضیہ طبعیہ کا وجود خارجی ہے تو طبیعہ کا وجود اس کے افراد متعاقبہ میں سے ہر فرد کے وجود سے ہوگا جو کہ اس کے فرد اول کا وجود ہے یا اس کا کوئی غیر وجود ہوگا اگرچہ یہ غیریت اعتباری ہی ہو، اول باطل ہے کیونکہ یہ

انتفا بانتفائے ہر فرد رو نماید و تفرقہ ایں حکم میان مطلق الشیئ والشیئ المطلق ضائع برآید۔

پانزدہم: ایرادات قاہرہ بریں تفرقہ باہرہ در کلماتِ زائرہ ملک العلماء بحر العلوم قدس سرّہ مطالعہ کن غرض بالقدر ما یتعلق بالمقام این ست کہ احمد علی زنِ خود را گفت اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق پس بالبداہۃ مقصود او نمازے ست کہ خواندن و گزاردن وادا نمودن در خارج برروئے کار آوردن را شایاں بود نہ نمازے کہ وجودش محض ذہنی واعتباری باشد و قابلیت ایقاع وادا اصلاندارد پس محال ست انچہ گفتہ کہ مراد دریں جا الصلٰوۃ مطلقۃ یعنی موضوع قضیہ طبعیہ است وبہ بطلانش بطلان ہمہ انچہ برو متفرع کردہ واضح فان فساد المبنی فساد البناء۔

شانزدہم: ہنگام تحقق شرط بر عدم حنث نہ خفائے داشت کہ محتاج بہ نقل بودے فاما مجتہد دیوبند کمال سلیقہ خود را در جلوہ دادن خواست وعبارت عالمگیری الاصل ان الیمین متی عقدت علی عدم الفعل فی محلین ینظر فیما الٰی شرط البر کہ ازیں محل بیعلاقہ بود بہ سند نمود مسکین اگر آں واضحہ را در محل لائق او نتوانستی دید کاش ہم ازیں جا بر فقرہ

تحصیل حاصل ہے، اور دوسری شق پر جب ہر فرد کے وجود سے طبیعت کو ایک قسم کا وجود عارض ہوا تو اس فرد کے انتفاء سے طبیعت کو حاصل شدہ وجود منتفی ہوگا، تو لازم آئے گا کہ ہر فرد کے انتفاء سے طبیعت کا انتفاء ہوجائے تو اس حکم میں مطلق الشیئ اور الشیئ المطلق کا فرق فضول ہوگا۔

پانزدہم: اس فرق پر مضبوط اعتراضات کا مطالعہ ملک العلماء بحر العلوم کے کلام میں کرو۔ زیر بحث مقام سے متعلق غرض یہ ہے کہ احمد علی نے اپنی بیوی کو کہا کہ اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، پس بالبداہت معلوم ہے کہ اس کا مقصد وہ نماز ہے جو خارج میں پڑھی اور ادا کی جاسکے، نہ وہ نماز جس کا وجود محض ذہنی اور اعتباری ہو اور خارج میں پڑھنے اور ادا کرنے کے قابل نہ ہو، تو یہ کہنا کہ یہاں صلٰوۃ مطلقہ مراد ہے جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے، محال ہوگا، اس کے بطلان کے بعد وہ تمام باتیں باطل ہوگئیں جو اس پر متفرع کی گئی ہیں، یہ واضح بات ہے کیونکہ مبنی کے فساد سے بناء کا فساد ہوتا ہے۔

شانزدہم: عدم فعل کی شرط کے پائے جانے پر حنث کا پایا جانا واضح بات ہے جس پر کسی نقل کی ضرورت نہ تھی، لیکن دیوبندی مجتہد بڑے سلیقہ سے اپنا جلوہ دکھانا چاہتا ہے اور اس کا یہاں عالمگیری کی عبارت "کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر قسم کا تعلق ایسے عدم فعل سے ہو جس کا تعلق دو محل سے ہو تو دونوں میں قسم پورا ہونے کی شرط کو دیکھا جائے گا" کو بطور سند پیش کرنا بے علاقہ

وعند فوات شرط البر یتعین الحنث کہ بہ تکلف متکلف بطور مفہوم مخالف با مقصود او موافق می تواں شد قناعت کردے تعلیق یمین بہ دو محل رادریں محل چہ مقام و محل۔	بات ہے اس غریب کو اس واضح بات پر کوئی مناسب دلیل نظر نہ آئی تھی تو یہاں اس فقرہ پر کہ "اور قسم پورا ہونے کی شرط کے فوت ہوجانے پر حنث لازم اور متعین ہوگا" اکتفاء کرلیتا کیونکہ یہ بطورِ مفہوم مخالف اس کے مقصد کے موافق تھی، تو اس مفہوم مخالف کا تکلف کرلیتا، جبکہ قسم کو دو محلوں سے معلق کرنے کا یہاں کیا مقام تھا۔
ہفدہم: آنکہ از عالمگیریہ مسئلہ **ان لم تعطینی ھذا الثوب**[1] باز مسئلہ **ان لم اطأك مع ھذہ المقنعۃ**[2] آوردو مسکین درمیان ایں دو مسئلہ مسئلہ کہ ہمیں عالمگیری از محیط از فتاوائے امام فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ آوردواز بے بصری نہ دید یا دید واز بے بصیرتی نہ فہمید یا فہمید واز راہ مغالطہ عوام قطع وبرید گزید، ببیں کہ در ہمیں سطور عالمگیری چہ می فرماید **فی فتاوٰی ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی اذا اراد الرجل ان یجامع امرأتہ فقال لھا ان لم تدخلی معی فی البیت فانت طالق فدخلت بعد ماسکنت شھوتہ وقع الطلاق علیھا وان دخلت قبل ذٰلك لاتطلق کذا فی المحیط**[3] اینجا چرانہ گوید کہ محلوف علیہ عدم دخول مطلق ست ودخول	**ہفدہم**: یہ کہ عالمگیریہ کا مسئلہ، کہ بیوی کو کہا اگر تو مجھے یہ کپڑا نہ دے تو طلاق۔ اور پھر دوسرا مسئلہ، اگر میں تجھ سے وطی نہ کروں اس اوڑھنی کے ساتھ، کو اس کفایت دینے والے مسئلہ کے ساتھ ذکر کیا اور اس غریب نے ان مذکورہ دونوں مسئلوں کے درمیان، عالمگیری کا محیط سے اور اس کا امام فقیہ ابواللیث سمرقندی سے منقولہ مسئلہ کو ذکر کیا اور بے بصری میں دیکھا نہیں یا دیکھا ہے تو بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے سمجھا نہیں یا سمجھا ہے تو عوام کے مغالطہ دینے کے لئے قطع وبرید کردی، دیکھئے عالمگیری کی انہی سطروں میں کیا بیان کیا ہے کہ فتاوٰی ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے کہ خاوند نے بیوی سے مجامعت کا ارادہ کرتے ہوئے بیوی کو کہا کہ اگر تو میرے ساتھ اندر کمرے میں داخل نہ ہوئی تو تجھے طلاق ہے، اس کے بعد عورت اس وقت داخل ہوئی جب خاوند کی شہوت ختم ہوگئی تو بیوی کو طلاق ہوگی، اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۳۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۳۰

مطلق موضوع قضیہ طبعیہ ست واو منتفی نشود مگر بانتفائے جمیع افراد دخول وایں نبود مگر بعدم دخول اصلاتا حصول موت احد ہما پس دخول گاہے متحقق شود اگرچہ بعد دہ سال عدم دخول مطلق منتفی گردد وشرط حنث صورت نہ بندد۔

شہوت ختم ہونے سے قبل داخل ہوئی تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ محیط میں ہے، یہاں اس عبارت پر اس نے اپنی مذکور تقریر نہ کی کہ عدمِ دخول پر قسم کھائی ہے اور عدمِ دخول مطلق ہے اور دخولِ مطلق قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے جو تمام افراد کے منتفی ہوئے بغیر منتفی نہیں ہوگا مگر اس وقت جب کبھی دخول نہ پایا جائے اور یہ بات خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کے مرنے پر معلوم ہوسکے گی تو جب دخول متحقق ہو خواہ دس سال بعد ہو اس وقت تک دخولِ مطلق کا عدم منتفی رہے گا، اور قسم کے ٹوٹنے کے پائے جانے کی صورت نہ بنے گی۔

ہیجدہم: بازاز عالمگیریہ مسئلہ ان لم تصل الیوم رکعتین فانت طالق فحاضت قبل ان تشرع فی الصّلٰوۃ او بعد ما صلت رکعۃ[1] آورد کہ اگر وقت یمین تا آغازِ حیض زمانے بود کہ دو رکعت راگنجائش دارد مطلقہ شود وایں مسئلہ را بظاہر منافی مسئلہ دائرہ انگاشتہ سنگ تطبیق و توفیق بر سر اجتہاد برمی دارد کہ دریں عبارت قید الیوم ورکعتین موجود ست لہٰذا حکمش مغائر ما نحن فیہ شد فافترقا ولاتشکوا ونمی داند کہ دریں جہت اصلاً نہ در مسائل افتراق نہ در حکم تغیر صلوۃ رکعتین فی الیوم نیز طبیعت کلیہ دارد وانتفائے شیئ بانتفائے جمیع افراد شود چوں روز گزشت و ہیچ فرد از افراد صلٰوۃ دو رکعت دراں متحقق نہ شد شرط بر منتفی گشت وحنث رو نمود وتوہم آنکہ شوہر الیوم گفت وبجا آوری دو رکعت در مدۃ العمر

ہیجدہم: پھر عالمگیری کا مسئلہ ذکر کیا کہ خاوند نے بیوی کو کہا اگر تو آج دو رکعتیں نماز نہ پڑھے تو تجھے طلاق، اس کے بعد بیوی کو نماز شروع کرنے سے قبل حیض آگیا، یا ایک رکعت پڑھنے کے بعد حیض آگیا، تو بتایا کہ اگر قسم اور نماز شروع کرنے کے درمیان اتنا وقت تھا کہ دو رکعتیں نماز پڑھ سکے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی، اس نے اس مسئلہ کو ظاہری طور پر زیر بحث کے منافی بتایا اور تطبیق و توفیق کا پتّھر اجتہاد کے سر پر اٹھا کر کہا اس مسئلہ کی عبارت میں "آج" اور "دو رکعتوں" کی قید ذکر کی گئی ہے لہٰذا اس مسئلے کا حکم ہمارے زیر بحث کے حکم سے مغایر ہے۔ لہٰذا دونوں مسئلے جدا ہیں اور تمہارا اعتراض نہ ہو، اس کو معلوم نہ ہوا کہ اس وجہ کی بنا پر مسائل میں اختلاف اور نہ ہی حکم متغیر ہوا "آج دو رکعتیں نماز" کی بھی طبیعت کلیہ ہے اور کسی چیز کا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی التعلیق بکلمۃ ان واذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

ببیچ روزے از روز ہائے عمر اینجا بسند کند وہمینست کہ ہیچ غیر دیوبندی را عارض نتواں شد اگرچہ در غایت جہل و عنادت باشد حاجت رفعش مگر بقیاس عقول علیہ دیوبندیہ افتاد باز رکعتیں راموجب تفرقہ دانستن طرہ براں۔

نوزدہم: باز بکمال ذیہوشی مسئلہ "اگر سزائے وے نکنم **فامرأته كذا**[1]" آورد اگر نیت فور کند بر فور باشد ورنہ مطلق وخودش گفت کہ ایں صورت مطابق مانحن فیہ است واعتراف کرد کہ ہمچنیں حکم اگر نماز نخوانی ترا دو طلاق **ان نوی الفور فهو علی الفور** تا اینجا نادانستہ بحق رجوع آورد باز زخم نامندمل راچارہ کار بہماں مکابرہ وانکار جست لیکن احمد علی نیت فور نکردہ نہ قرینہ فور یافتہ شد **سبحان اللہ** قرینہ فور از کلام خودت پرس کہ خواہر زادہ خالہ تو بالاچہ گفتہ است کہ غرض متکلم نیز معتاد للصلٰوۃ شدن زوجہ است دائما ونیت احمد علی ہم بامداد کار بامداد احمد علی دریاب کہ چون زن نماز عشاء نگزارد وصباح رجعت نمود اگر نیت فور نبودے رجعت از کدام راہ رونمودے، **الحمد للہ** کہ حق واضح ست فاما مکابرہ راچہ علاج۔

انتفاء اس کے تمام افراد کے انتفاء سے ہو جاتا ہے تو جب دن بھر میں کوئی فرد نماز کا نہ پایا گیا اور اس دن میں دو ۲ رکعتوں کا وجود نہ پایا گیا تو دو رکعت نماز نہ پڑھنے کی شرط پائے جانے کی وجہ سے قسم ٹوٹ گئی تو طلاق ہو گئی ہے، اور اس کا یہ وہم کرنا کہ خاوند نے "آج" کا لفظ کہا ورنہ "دو رکعتیں پڑھنے" کا عمر بھر میں سے کوئی دن بھی ہو سکتا تھا تو یہ وہم دیوبندی کے علاوہ کسی کو خواہ کتنا ہی جاہل اور غبی ہو کسی کو لاحق اور عارض نہیں ہو سکتا، لہٰذا صرف دیوبندی عقول عالیہ کو ہی اس وہم کو دفع کرنے کی حاجت محسوس ہوئی پھر اس پر طرہ یہ کہ اس نے دو ۲ رکعتوں کو بھی وجہ فرق بتایا۔

نوزدہم: پھر اپنی کمال عقلمندی دکھاتے ہوئے، یہ مسئلہ کہ اگر اس کو سزا نہ دوں تو بیوی کو طلاق، ذکر کرکے کہا کہ نیت فور کی کرے تو فور ہوگا ورنہ مطلق ہوگا، اور خود کہا کہ یہ مسئلہ ہمارے زیر بحث مسئلہ کے مطابق ہے اور اعتراف کیا کہ یوں ہی عورت کو کہنا اگر تو نماز نہ پڑھے تو تجھے دو طلاقیں، اس کا حکم بھی وہی ہوگا کہ اگر فور کی نیت کی تو فور ہوگا، یہ کہہ کر اس نے حق کی طرف رجوع نادانستہ طور پر کرلیا اور پھر اس مندمل نہ ہونے والے زخم کا علاج اس مکابرہ اور انکار سے کرتے ہوئے کہا، لیکن احمد علی نے فور کی نیت نہیں کی اور نہ ہی فور کا قرینہ پایا گیا، **سبحان اللہ!** فور کا قرینہ خود اپنے کلام سے پوچھ کہ تیری خالہ کے بھانجے نے (تونے) اوپر کیا کہا ہے" کہ متکلم کی غرض بیوی کو ہمیشہ نماز کا عادی بنانا ہے" اور پھر احمد علی کی نیت معلوم کرنے کے لئے احمد علی سے پوچھ کہ اس کی بیوی کے رات کو عشاء کی نماز نہ پڑھنے پر طلاقوں سے صبح رجوع کرلیا، اگر فور کی نیت نہ ہوتی تو

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان واذا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۶

بستم: باز از شرح وقایہ قہستانی و قاضیخاں مسئلہ انت کذا ان لم اطلقك [1] ومسئلہ ان لم اجامعك علٰی راس ھذا الرمح [2] می آرد کہ تاکہ آخر عمر وتا بقائے نیزہ مہلت دادہ اند وہماں مقدمہ مسلمہ راکہ خود در فتوائے جلیلہ سابقہ بوضح وجوہ واحسن بیان باستناد عبارات ہدایہ وفتح القدیر رنگ ایضاح یافتہ بود بار بار ایضاح واضح می جوید وبتحصیل حاصل می پوید واز نکتہ بدیعہ رفیعہ کہ بحوالہائے تلخیص الجامع الکبیر وشرح ا لتلخیص للعلامۃ الفاسی وانتقاض الاعتراض وتنویر الابصار ودر مختار وفتح القدیر وشرنبلالیہ وردالمحتار واشباہ والنظائر وتبیین الحقائق وغیرہا افادہ شدہ بود چشم می پوشد وبباطل می کوشد یارب مگر ایں راچہ گفتہ آید مادیدہ رادیدہ کشودہ سہل ست آنکہ صد بار دیدہ دیدہ پوشیدہ ودیدہ نادیدہ ساختہ اوراچارہ کدام، بارے مگر در شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ ایں مسئلہ ندیدی کہ شرط للحنث فی ان خرجت وان ضربت (فانت طالق) لمریدۃ خروج او ضرب عبد فعلھما فور [3]، اور در قہستانی، فیہ اشارۃ الٰی ما تفرد بہ ابوحنیفۃ رحمہ اللہ فی استنباطہ	رجوع کرنے کا کیا جواز تھا، الحمدللہ حق تو واضح ہے مگر مکابرہ کا کیا علاج ہے۔ **بستم**: پھر قاضی خاں، قہستانی اور شرح وقایہ سے نقل کرتے ہوئے مسئلہ "تجھے طلاق ہے اگر تجھے طلاق نہ دوں" اور مسئلہ "اگر اس نیزے کے سر پر تجھ سے جماع نہ کروں تو طلاق ہے کو ذکر کرکے کہا کہ ان مسئلوں میں فقہاء نے آخر عمر اور نیزے کی بقاء تک مہلت دی ہے اور تمام وہ مقدمات مسلمہ جن کو فقہائے کرام نے اپنے فتاوٰی جلیلہ میں بہت اچھے انداز سے واضح کرکے ہدایہ، فتح القدیر کی عبارات سے مستند کیا ہے ان کو بار بار یہ ذکر کرتا ہے اور واضح کو بے مقصد واضح اور تحصیل حاصل کرتا چلاجاتا ہے اور بلند پایہ نکتہ جس کو تلخیص الجامع الکبیر، شرح تلخیص علامہ فاسی، انتقاض الاعتراض، تنویر الابصار ، درمختار، فتح القدیر، شرنبلالیہ، ردالمحتار، اشباہ ونظائر اور تبیین الحقائق وغیرہا کے حوالوں سے مستفاد کیا گیا ہے، کو مسلسل نظر انداز کررہا ہے اور باطل کے درپے ہے، یاربّ! کیا کہا جائے، نہ دیکھی چیز کو دکھانا آسان ہے اور صد بار دیکھی چیز سے بند آنکھ اور دیدہ کو نادیدہ بنانے والے کے لئے کیا چارہ کیا جائے۔ کیا آپ نے شرح وقایہ بلکہ خود وقایہ میں یہ مسئلہ کبھی نہیں دیکھا کہ جب بیوی باہر

[1] شرح الوقایہ بیان لغویۃ التعلیق قبل التزوج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۲۸

[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایۃ فصل حلف الفعل نور محمد کتب خانہ تجارت کراچی ص ۸۶

من اتمام اقسام اليمين فان سلفه قسموها الى المؤبدة لفظا ومعنى، والمؤقتة كذلك، مثل لاافعل كذاولاافعله اليوم ثم زاد الامام اتمامًا ماسمّى بيمين الفور او يمين الحال مما هي المؤبدة لفظا و الموقتة معنى كما مر [1] (ملخصًا) ودر قاضی خاں، سكران ضرب امرأته فخرجت من داره فقال ان لم تعودى الى فانت طالق وكان ذلك عند العصر فعادت اليه عند العشاء قالوا يحنث فى يمينه لان يمينه تقع على الفور وان قال لم انو الفور لايصدق قضاء، وفى المرأة اذا قامت لتخرج فقال الزوج ان خرجت فانت طالق وجلست ثم خرجت بعدذلك بساعة لايحنث فى يمينه [2]، مکرایں بیچارگاں چہ کنند کہ تعلیم نجدیت در قرآن و حدیث نیز بمصداق اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ [3] کارمیکند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

جانے کو یا غلام کو مارنے کے لئے تیار ہو تو اس وقت اس کو کہنا کہ تو باہر نکلی یا تو نے مارا تو تجھے طلاق ہے، تو یہ دونوں یمین فور ہیں۔ امام قہستانی نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں اشارہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قسموں کے اقسام مکمل فرمانے میں اپنے استنباط میں تفرد فرمایا ہے کیونکہ آپ سے قبل اسلاف نے یمین کو صرف لفظًا و معنًی مؤبدہ اور موقتہ پر تقسیم فرمایا تھا مثلاً میں یہ نہ کروں گا، اور میں آج یہ نہ کروں گا۔ پھر امام صاحب نے لفظا و معنًا مؤبدہ اور مؤقتہ پر ایک قسم زائد بیان کی جس کو یمین فور یا یمین حال کہا جاتا ہے یہ قسم لفظًا مؤبد ہے اور معنًا موقت ہے جیسا کہ پہلے گزرا، قاضیخاں میں ہے کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی کو پیٹا تو وہ باہر نکل گئی تو اس نے کہا اگر تو واپس میرے پاس نہ آئی تو تجھے طلاق ہے، یہ واقعہ عصر کے وقت ہوا تو بیوی اس کے پاس عشاء کے وقت لوٹ آئی، اس پر فقہاء نے فرمایا قسم ٹوٹ گئی، کیونکہ یہ اس کی قسم یمین فور تھی اگر وہ کہے کہ میں نے فور کی نیت نہیں کی تھی تو قاضی اس کی تصدیق نہ کریگا، اور اس مسئلہ میں کہ بیوی باہر نکلنے لگی تو خاوند نے کہہ دیا کہ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، اس پر بیوی واپس بیٹھ گئی اور تھوڑی دیر بعد نکلی تو قسم نہ ٹوٹے گی، یہ بیچارے کیا جانیں، ان کو قرآن وحدیث کی نجدی تعلیم

---

[1] جامع الرموز فصل حلف الفعل مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۲۶۵

[2] قاضی خان باب التعليق نولكشور لكهنؤ ۱/ ۲۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

بست ویکم: تاانیجا جہالاتِ دیوبندیہ بود حالاضلالات دیوبند یہ جوش رد بیباک بے ادراک کلمہ گفت کہ بد ریا ہانتواں شست کہ "اگر تسلیم کردہ شود کہ طلاقین اولین واقع شدند تاہم بوجہ رجعت باطل الٰی قولہ اکنواں برائے طلاق بلاشرط رجعت صحیح ست "اناللہ وانا الیہ راجعون O ع آدمیاں گم شدند ملک گرفت اجتہاد تعلیم دیوبندی دریں عـــہ۱ قرآن عظیم وحدیث کریم واجماعِ ائمہ حدیث وقدیم ہمہ رایکسر پس پشت انداخت وبزورِ زبان وزور بہتان بمصداق ارشاد حضور سید الاسیاد علیہ وعلٰی آلہ الصلوٰۃ والسلام الٰی یوم القیام کہ یستحلون الخ شرمگاہ زناں را حلال خواہند گرفت فرج حرام راحلال ساخت قال اللہ تعالٰی عزوجل اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ الٰی قولہ تبارك وتعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1] یعنی طلاق کہ بعد وے اختیار رجعت ست ہمیں تادو بارست کہ شوی رادر ماندن زن بخوبی یا آزاد کردن بہ نیکوئی عـــہ۲ اختیارست پس اگر بعد اینہا طلاق دگر دہد	ہے، اور پھر بعض کتاب مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو، کے مصداق عمل کرتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ **بست ویکم:** یہاں تک دیوبندی جہالتیں تھیں اب دیوبندی گمراہی نے جوش مارا اور بے سوچے سمجھے بے دریغ ایسا کلمہ کہہ دیا کہ تمام دریا بھی اس کو صاف نہ کرسکیں، اور کہا کہ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ پہلی دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں تب بھی احمد علی کے رجوع کرلینے پر وہ باطل ہوگئی ہیں، اور آخر میں کہا کہ اب غیر مشروط طلاق کے بعد اس کا رجوع صحیح ہے اناللہ وانّا الیہ راجعون۔ آدمی ختم ہوگئے اب فرشتہ اجتہاد شروع کررہا ہے۔ دیوبندی تعلیم نے یہاں پر قرآن وحدیث اور ائمہ قدیم وجدید کا اجماع تمام کو یکسر نظر انداز کردیا ہے اور زبان وبہتان کے زور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "عورتوں کی حرام شرمگاہوں کو حلال کریں گے" کے مصداق اس کا ارتکاب کیا، حالانکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا دو طلاقیں ہوں تو پھر خوبصورتی سے رجوع کرکے روک لو یا نیکی کے طور پر آزاد کردو۔ اور اس کے بعد اللہ تعالٰی کے قول "پس اگر تیسری طلاق دے دی ہو تو بیوی اس کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے" تک۔ یعنی جس

عـــہ۱: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

عـــہ۲: یہاں مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹۔۲۳۰

زن مرا در احلال نبود تا باشوئے دگر ہمخوابہ نشود، ائمہ تفسیر وحدیث سبب نزول کریمہ چناں آوردہ اند کہ پیش ازیں طلاق راعددے معدود حدے محدود نبود ہر قدر بار شائے خواستے طلاقہا دادے ورجعت ہا کردے وآنکہ اضرار زن خواستے طلاقش دادے تاکہ آنکہ چوں عدتش بر سر گزشتن آمدن رجعت کردے باز طلاق دادے باز در قرب انقضائے عدت رجعت نمودے وہمچناں کردے تاآنگاہ کہ دلش خواستے بیچارہ زن بایں کار معلقہ باندے نہ رائے رفتن نہ روئے ماندن، زن ازیں معنی بحضور بارگاہِ رسالت فریاد آورد آنگاہ آیہ کریمہ نزول فرمود وبعد سہ طلاق اختیار رجعت نماند وکار زن بدست زن شد، امام بغوی در تفسیر معالم التنزیل فرمود قولہ تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ روی عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصر ولاعدد وکان الرجل یطلق امرأتہ فاذا قاربت انقضاء عدتھا راجعھا ثم طلقھا کذٰلك ثم راجعھا یقصد مضارتھا فنزلت ہذہ الاٰیۃ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ یعنی الطلاق الذی یملك الرجعۃ عقیبہ مرتان فاذا طلق ثلثا فلاتحل لہ الابعد نکاح زوج اٰخر[1] امام رازی در تفسیر کبیر

طلاق کے بعد رجوع ہوسکتا ہے وہ دو بار طلاق ہے کہ جس میں خاوند کو اختیار ہے کہ بیوی کو روک رکھے یا نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہوئے طلاق دے دے، اس کے بعد اگر طلاق دے گا تو بیوی اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ ائمہ تفسیر وحدیث نے اس آیہ کریمہ کا شانِ نزول یوں بیان فرمایا کہ اسلام سے قبل طلاق کی کوئی تعداد یا حد مقرر نہ تھی بلکہ خاوند جتنی بار بھی طلاق دے کر رجوع کرنا چاہتا کرلیتا، اور جب بیوی کو تنگ کرنا مقصود ہوتا تو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب وہ رجوع کرلیتا اور رجوع کے بعد پھر طلاق دیتا اور عدت کے خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور جتنی بار دل چاہتا کرتا بیوی بیچاری لٹک کر رہ جاتی اس کے لئے آزادی یا آبادی کا کوئی طریقہ نہ رہتا، اسی پریشانی میں ایک عورت دربارِ رسالت میں حاضر ہوئی اور فریاد کی، تو اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، اور تین طلاقوں کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہوگیا اور بیوی خود مختار ہوگئی۔ امام بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الخ" الآیۃ کا شانِ نزول یہ ہے جس کو حضرت عروہ بن زبیر رضی تعالٰی عنہ نے بیان فرمایا کہ لوگ ابتداء میں بے شمار اور لاتعداد طلاقیں دیتے تھے، اور کوئی بھی شخص بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرلیتا اور پھر طلاق

[1] معالم التنزیل علٰی حاشیۃ تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرتٰن الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۷

فرمود المسئلة الاولی کان الرجل فی الجاهلیة یطلق امرأته ثم یراجعها قبل ان تنقضی عدتها ولو طلقها الف مرة کانت القدرة علی المراجعة ثابتة له فجاءت امرأة الی عائشة رضی الله تعالٰی عنها فشکت ان زوجها یطلقها ویراجعها یضارها بذٰلك فذکرت عائشة رضی الله تعالٰی عنها ذٰلك لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فنزل قوله تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ [1]، در تفسیرات احمدیہ ست لما کان عدد الطلاق فی الجاهلیة غیر مقرر علی وتیرة واحدة حتی انه لو طلقها عشرة یمکنه رجعتها وکان یراجعها وقت انقضاء العدة ثم یطلقها ویراجعها حتی ان جاءت امرأة الی عائشة رضی الله تعالٰی عنها تشکومن مراجعة زوجها ثم تطلیقها ثم وثم هکذا فعرضت الی	دے دیتا اور یوں بار بار کرتا رہتا جس کا مقصد بیوی کو تنگ کرنا تھا تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے وہ دوبار ہے، اور جب تین طلاقیں پوری کردے تو اس کے لئے بیوی حلال نہ ہوگی مگر بیوی دوسرے شخص سے نکاح کرے تو اس کے بعد حلال ہوسکے گی۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا: مسئلہ اولٰی، یہ کہ جاہلیت میں مرد بیوی کو طلاق دے کر پھر عدت کے خاتمہ کے قریب رجوع کرلیتا اور اس طرح ہزار طلاق بھی ہوتی تب بھی خاوند کو رجوع کا اختیار رہتا، تو ایک عورت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں آئی اور اس نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا ہے اور تنگ کررہا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیان کیا تو اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتان، الآیۃ۔ تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ چونکہ جاہلیت میں طلاق دے کر بھی پھر رجوع کرلیتا اور عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرکے پھر طلاق دے دیتا، حتی کہ ایک عورت نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آکر اپنے خاوند کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ وہ بار بار طلاق دیتا اور رجوع کرلیتا ہے، تو حضرت

[1] تفسیر کبیر زیر آیۃ الطلاق مرتان الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ بمصر ۶/ ۱۰۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فنزل قولہ تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ يعنى ان الطلاق الرجعى الذى يتعلق به الرجعة مرتان اى اثنتان لازائدتان فبعد ذٰلك امساكها بمعروف او تسريحها كذٰلك وهذا امر بصيغة الخبر كانه قيل طلقوا الرجعى مرتين وهذا التوجيه المذكور فى الحسينى والزاهدى والبيضاوى والتلويح وهو الموافق لمذهب الشافعى وابى حنيفة جميعا[1]، ترمذی وابن مردودیہ وحاکم بافادہ تصحیح وبیہقی در سنن از ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کنند قالت كان الناس والرجل يطلق امرأته ماشاء ان يطلقها و هى امرأته اذا ارتجعها وهى فى العدة وان طلقها مائة مرة اواكثر حتى قال رجل لامرأته والله لااطلقك فتبينين منى ولاأويك ابدا قالت وكيف ذٰلك قال اطلقك فكلما همت عدتك ان تنقضى راجعتک، فذهبت المرأة حتى دخلت على عائشة فاخبرتها فسكتت عائشة رضى الله تعالٰى عنها، حتى

عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے یہ بات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے عرض کی، تو اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ، یعنی وہ طلاق جس کے بعد رجوع کرنا جائز ہے وہ دو بار طلاق ہے اس سے زائد نہیں، اس کے بعد بھلائی سے بیوی کو پاس رکھنا ہوگا یا نیکی کے ساتھ آزاد کرتے ہوئے آخری طلاق دینا ہوگی۔ اور تفسیر بیان کی جو امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ تعالٰی دونوں کے مذہب کے موافق ہے۔ ترمذی، ابن مردودیہ، حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ لوگ اپنی بیوی کو جتنی چاہتے طلاقیں دیتے اس کے باوجود وہ بیوی رہتی جبکہ وہ عدت کے دوران رجوع لیتا، اگرچہ سومرتبہ یا اس سے بھی زائد طلاقیں دے چکا ہوتا حتی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے طلاق نہ دوں کہ تو جدا ہوجائے اور نہ ہی تجھے پاس رکھوں تو ہمیشہ ایسے ہی رہے گی، بیوی نے پوچھا وہ کیسے؟ تو اس نے کہا میں تجھے طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل جب عدت ختم ہونیوالی ہوگی تو رجوع کرلوں گا، تو اس عورت نے جاکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے یہ شکایت کی، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا خاموش ہوگئیں حتی کہ

[1] تفسیرات احمدیہ زیر آیت الطلاق مرتان الخ مکتبہ کریمی واقع بمبئی ص ۱۲۳

جاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاخبرتہ فسکت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی نزل القراٰن اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ[1]، نیز ابن مردودیہ وبیہقی از ام المومنین روایت آرند، قالت یکن للطلاق وقت یطلق امرأتہ ثم یراجعھا مالم تنقض العدۃ وکان بین رجل وبین اھلہ بعض مایکون بین الناس فقال واللہ لاترکنک لاایما ولاذات زوج فجعل یطلقھا حتی اذا کادت العدۃ ان تنقضی راجعھا ففعل ذلك مرارا فانزل اللہ فیہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ فوقت لھم الطلاق ثلثا یراجعھا فی الواحدۃ وفی الثنتین ولیس فی الثلاثۃ رجعۃ حتی تنکح زوجا غیرہ[2]، ابوداؤد ونسائی وبیھقی از عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما روایت داردند ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فھو احق برجعتھا وان طلقھا ثلاثا فنسخ ذٰلك فقال اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بات پر مطلع کیا جس پر آپ نے سکوت فرمایا حتی یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی الطلاق مرتٰن الخ، نیز ابن مردودیہ اور بیہقی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی، آپ نے بیان کیاکہ بیوی کو طلاق دینے اور پھر رجوع کرنے کا کوئی ضابطہ نہ تھا، کوئی بھی بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلیتا اور خاوند بیوی میں کوئی خانگی جھگڑا جیساکہ عام طور پر ہوتا ہے ہوتا تو خاوند کہتا خدا کی قسم میں تجھے نہ خاوند والی اور نہ غیر خاوند والی بنادوں گا، اس کے لئے وہ بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلیتا اور بار بار ایسے کرتا، اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ الآیۃ، جس میں تین طلاقیں مقرر کردی گئی ہیں، جس میں سے ایک اور دو کے بعد رجوع کا حق دیا گیا ہے اور تیسری کے بعد رجوع نہیں ہوگا تاوقتیکہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ ابوداؤد، نسائی اور بیہقی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابتداء میں مرد کو طلاق دے دیتا تو اس کو منسوخ کرکے اللہ تعالٰی نے فرمایا اَلطَّلَاقُ

[1] جامع الترمذی ابواب الطلاق الثلاث امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۳، السنن الکبرٰی للبیہقی باب ماجاء فی امضاء الطلاق دارصادر بیروت ۷/ ۳۳۳

[2] تفسیر درمنثور بحوالہ ابن مردودیہ والبیہقی تحت آیۃ الطلاق مرتان مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم، ایران ۱/ ۲۷۷

اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍؕ[1] اجلہ ائمہ مالک وشافعی وعبد بن حمید وترمذی وابن جریر وابن ابی حاتم وبیہقی از عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما آرند قال کان الرجل اذا طلق امرأته ثم ارتجعها قبل ان تنقضی عدتها کان ذٰلك له وان طلقها الف مرة فعمد رجل الی امرأته فطلقها حتی اذا ما جاء وقت انقضاء عدتها ارتجعها ثم طلقها ثم قال واللہ لاٰویك الی ولا تحلین لی ابدا فانزل اللہ تعالٰی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍؕ[2] مسلمان دمے انصاف دہید تعلیم دیوبندی چساں مقصود شریعت وحکم آیت رابرھم میزند وظلم وستم جاہلیت را از سرِ نو تازہ می کند اگر طلاق پیشین برجعت باطل شود وبعد او شوئے را از سرِ اختیار سہ طلاق بدست ماند چنانکہ ایں کس زعم نمود پس لاجرم ہماں آتش جاہلیت بکاسہ اندرست وانسداد ظلمے کہ خدائے خواست معاذاللہ باطل وبے اثر، ہر کہ خواہد ھزار بار طلاق دہد وہر بار رجعت کند طلاق ہائے دادہ نادادہ شود واختیارات نامتناہیہ بدست	مرتٰن فامساک بمعروف او تسریح باحسان، امام مالک، امام شافعی، عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم بیہقی ان اجلہ ائمہ کرام نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ ابتداء میں مرد کو اختیار تھا کہ وہ طلاق کی عدت ختم ہونے سے قبل رجوع کرلے اگرچہ وہ ہزار طلاقیں بھی دے دے، تو ایک مرد نے بیوی کو طلاق دے کر عدت ختم ہونے کے قریب رجوع کرلیا اور پھر طلاق دے دی پھر کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے نہ رکھوں گا نہ دوسرے کے لئے بھی حلال ہوسکے گی، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍؕ، اب مسلمانوں کو انصاف سے غور کرنا چاہئے کہ دیوبندی کس طرح شریعت کے مقصد اور آیہ کریمہ کے حکم کو پامال کرتے ہیں اور جاہلیت کے ظلم وستم کو دوبارہ تازہ کررہے ہیں، اگر پہلی طلاقیں رجوع کرنے سے باطل ہوجائیں اور خاوند کو نئے سرے سے دوبارہ تین طلاقوں کا اختیار مل جائے جیسا کہ یہ شخص کہہ رہا ہے تو لازمی طور پر جاہلیت کی آگ محفوظ رہے گی اور اللہ تعالٰی نے جس ظلم کو ختم کرنا چاہا ہے وہ سب باطل اور بے اثر ہوکر رہ جائے گا اور جاہلیت دوبارہ عود کر آئے گی، اور جو شخص بھی ہزار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہے تو رجوع سے پہلی طلاق کا ہونا نہ ہونا برابر

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی باب من جعل الثلاث واحدة وماورد فی خلاف ذلك دار صادر بیروت ۳۳۷/۷

[2] مؤطا امام مالك جامع الطلاق میر محمد کتب خانہ مرکز علم کراچی ص ۵۲۹

شوہر بود ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم اینست مخالفت تعلیم دیوبندی باقرآن عظیم۔

بست ودوم: خاص جزئیہ مسئلہ کہ طلاق بعد رجعت باطل نہ شد ومحسوب ماند در صحیحین بخاری ومسلم وعامہ کتب اسلام مصرح ست عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما زوجہ خودرا بحالتِ حیض طلاق داد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر مراجعت فرمودہ باوصف رجعت آں طلاق را محسوب داشت، **فی صحیح البخاری عن انس بن سیرین قال سمعت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال طلق ابن عمر امرأته وھی حائض فذکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنه للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال لیراجعها قلت تحتسب قال فمه**[1]، **وعن قتادة عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال مرہ فلیراجعها قلت تحتسب، قال أرأیته ان عجز واستحمق**[2]، **وعن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال حسبت علی بتطلیقة**[3] **وفی صحیح مسلم**

ہوجائے گا اور خاوند کو نہ ختم ہونے والا اختیار حاصل ہوجائے گا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ دیوبندی کی یہ تعلیم قرآن کے مخالف ہے۔

بست ودوم: خاص یہ جزئیہ کہ رجوع کے بعد طلاق کالعدم نہیں ہوتی، تو بخاری ومسلم اور عام اسلامی کتب میں تصریح ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس طلاق سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع کے باوجود یہ حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوئی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا انہوں نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) نے اپنی بیوی کو حیض میں طلاق دی تو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اطلاع حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا رجوع کرے، تو میں نے عرض کی کہ کیا وہ حیض میں دی ہوئی طلاق شمار ہوگی، تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اور کیا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عبداللہ سے کہو کہ وہ رجوع کرے تو میں نے پوچھا کہ کیا پہلی طلاق شمار ہوگی، تو جواب

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب اذا طلقت الحائض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۰

عن عبیداللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نحوہ وقال فی اٰخرہ قال عبیداللہ قلت لنافع ماصنعت التطلیقۃ قال واحدۃ اعتدبہا[1]، وعن سالم بن عبداللہ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم عن ابیہ وفیہ کان عبداللہ طلقہا تطلیقۃ فحسبت من طلاقہا وراجعہا عبداللہ کما امرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]، وفی لفظ اخر قال قال ابن عمر فراجعتہاوحسبت لہا التطلیقۃ التی طلقتہا[3]،وعن ابن سیرین عن یونس بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم انہ امران یراجعہا قال قلت افحسبت علیہ،قال فمہ اوان عجز واستحمق[4]،وعن انس بن سیرین قال قلت فاعتددت بتلک التطلیقۃ التی طلقت وہی حائض، قال مالی لا اعتد بہا وان کنت عجزت واستحمقت[5] بلکہ عبدالحق اشبیلی دراحکام، و بیہقی در سنن از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہمار وایت کردند ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ھی واحدۃ[6] اینست مخالفت تعلیم دیوبندی باحدیث کریم۔	میں فرمایا تو بتا اگر وہ رجوع کئے بغیر عاجز ہوجائے حماقت کرے یعنی رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی،اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ عبد اللہ بن عمر سے راوی ہیں کہ میں نے اسے ایک طلاق شمار کیا۔اور صحیح مسلم میں عبیداللہ نافع سے،اور وہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی کی مثل روایت کی اور اس کے آخر میں ہے کہ عبیداللہ نے کہا کہ میں نے نافع کو کہا کہ تو نے اس طلاق کو کیا خیال کیا،تو انہوں نے کہا میں نے اسے ایک شمار کیا۔اور سالم عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے،انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہے اور اس روایت میں ہے کہ عبداللہ نے بیوی کو ایک طلاق دی تو میں نے اس کو طلاق شمار کیااور اس نے رجوع کر لیا جیسا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اسے فرمایا۔اور دوسرے الفاظ میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیااور میں نے جو طلاق دی اس کو میں نے ایک طلاق شمار کیا،اور ابن سیرین،یونس بن جبیر سے وہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ فرمایا کہ رجوع کرنے کا حکم فرمایا،میں نے پوچھا کہ یہ طلاق شمار ہوگی؟ تو فرمایا اور کیا۔رجوع سے عاجز ہوجائے یا حماقت کرتے ہوئے رجوع نہ کرے تو کیا طلاق نہ ہوگی،

[1] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۶

[2] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۶

[3] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۶

[4] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۷

[5] صحیح مسلم باب تحریم طلاق الحائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۷

[6] السنن الکبری باب ماجاء فی طلاق السنۃ وطلاق البدعۃ دار صادر بیروت ۷/ ۳۲۴

	انس بن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا کیا آپ نے وہ طلاق شمار کی جو حالتِ حیض میں آپ نے دی ہے تو انہوں نے مجھے فرمایا شمار نہ کرنے کی وجہ کیا ہو سکتی، اگر میں عاجز ہو جاؤں یا حماقت کروں تو کیا نہ ہو گی، جبکہ عبدالحق اشبیلی نے احکام میں اور بیہقی نے سنن میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے خود فرمایا یہ ایک طلاق ہے، یہ ہے دیوبندی تعلیم کی حدیث کی مخالفت۔
بست وسوم: قال اللہ تعالیٰ نْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ[1] در تفسیر جلالین ست فان طلقها الزوج بعد الثنتین[2] در جمل فرمود ای سواء کان قد راجعها ام لا[3] ایں حکم کہ اطلاق آیت مراد متناول ست ہیچکس از علمائے امت رادر وخلاف نیست کتب فقہ بلاخلاف مطلّقاً ثلاث راثبت حرمت غلیظہ گویند وز نہار در ہیچ کتابے بوئے ازیں وسوسہ نجسہ نیست کہ بعد رجعت طلاق اول در حساب نمی ماند وشوھر از سر سہ طلاق رامالک می شود عبارات ہزار در ہزار بر بطلان ایں ضلالت شاہد ست تنبیہ غافل و تعلیم جاہل راہمیں مسئلہ دوارہ در کتب بسند ست کہ در [1]کنز الدقائق و [2]بحر الرائق فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة فی بطون	**بست وسوم:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو وہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی تاوقتیکہ وہ کسی اور شخص سے نکاح نہ کرلے۔ تفسیر جلالین میں ہے اگر خاوند دو طلاق کے بعد تیسری طلاق دے۔اور تفسیر جمل میں مزید ہے کہ رجوع کر چکا ہو یا نہ۔ مطلب یہ کہ تیسری طلاق کا یہ حکم مطلق ہے ہر صورت کو شامل ہے۔اس میں علمائے امت میں سے کسی نے اختلاف نہیں کیا۔کتب فقہ میں بھی بلا اختلاف تین طلاقوں کو مطلقاً حرمت غلیظہ کے لئے مثبت بیان کرتی ہیں،اور ہر گز کسی کتاب میں بھی اس پلید وسوسہ کی بوتک نہیں ہے کہ رجوع کے بعد پہلے دی ہوئی طلاق کالعدم ہو جاتی ہے اور خاوند نئے سرے سے پوری تین طلاقوں کامالک ہو جاتا ہے،اور ہزار ہا عبارات اس گمراہی کے بطلان پر شاہد ہیں۔غافل کی تنبیہ اور جاہل کی تعلیم کے لئے اس مسئلہ کا تمام کتب میں دائر ہونا کافی سند ہے۔کنزالدقائق اور بحرالرائق میں فرماتے ہیں کہ "خاوند نے کہا جب بھی

[1] القرآن ۲/۲۳۰

[2] تفسیر جلالین تحت الطلاق مرتان ملک سراجدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۳۵

[3] تفسیر جمل (الفتوحات الالٰهیه) تحت الطلاق مرتٰن مصطفی البابی مصر ۱/۱۸۵

فالولد الثانی والثالث رجعة)لوقوع الطلاق بالاول و تثبت الرجعة بالثانی والثالث ویقع بکل طلقة اخری فتحرم حرمة غلیظة[1]۔ ۳؎ در تبیین الحقائق فرمود لانها بولادة الاول وقع علیها الطلاق ثم اذا جاءت بولد اٰخر من بطن اخر علم انه من علوق حدث فتثبت به الرجعة وتقع طلقة اخری بولادته ثم اذا جاءت بالثالث تبین انه کان راجعها بوقوع الثانیة لما قلنا وتقع طلقة ثالثة بولادته فتحرم علیه حرمة غلیظة اھ مختصرًا[2] ۴؎ در شرح مسکین فرمود(فالولد الثانی) یصیر به مراجعا فی الطلاق الاول(والثالث)یصیر فی الطلاق الثانی(رجعة)ویقع الطلاق الثالث بولادة الولد الثالث ولاسبیل الی الرجعة[3]، ۵؎ در تنویر الابصار و ۶؎ در مختار فرمودند فی کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلث بطون	تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے،اس کے بعد بیوی نے نئے نئے حمل پر تین بچے جنے،تو دوسرا بچہ اور تیسرا بچہ پہلی اور دوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا،اس لئے کہ پہلے بچہ سے جو طلاق ہوئی اس سے دوسرے بچے کی وجہ سے رجوع ہوا،اور یونہی دوسرے بچے سے جو طلاق ہوئی اس سے تیسرے بچے کی وجہ سے رجوع ثابت ہوا جبکہ تیسرے سے جو طلاق ہوئی وہ تیسری طلاق ہے جس حرمت غلیظہ ہو گئی، ۳؎ تبیین الحقائق میں فرمایا: یہ اس لئے کہ جب پہلے بچے کی وجہ سے طلاق ہوئی پھر جب اس کے بعد نئے حمل سے دوسرا بچہ پیدا ہوا تو معلوم ہوا کہ یہ نئے نطفہ سے پیدا ہوا ہے جس سے رجوع ثابت ہوا اور دوسری طلاق ہو گئی،پھر جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو اس بیان مذکور سے دوسری طلاق سے بھی رجوع ثابت ہوا اور تیسری طلاق ہو گئی اور بیوی حرمتِ غلیظہ کے طور پر حرام ہو گئی اھ اور ۴؎ شرح ملا مسکین میں فرمایا کہ دوسرے بچے کی پیدائش سے پہلی طلاق سے اور تیسرے بچے کی پیدائش سے دوسری طلاق سے رجوع ہوا اور تیسری طلاق ہو گئی جس کے بعد رجوع کے لئے چارہ نہ رہا، ۵؎ تنویر الابصار اور ۶؎ در مختار میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ تو جب بھی بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے تو اس نے تین حمل کے ساتھ تین بچے جنے تو تین طلاق

[1] بحر الرائق باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۵۵

[2] تبیین الحقائق باب الرجعة المکتبة الامیریه بولاق مصر ۲/ ۲۵۶

[3] شرح کنز لملا مسکین حاشیة فتح المعین باب الرجعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۹

تقع الثلاث والولد الثانی رجعة فی الطلاق الاول، وتطلق به ثانیا کالولد الثالث۔فانه رجعة فی الثانی وتطلق به ثلثا عملا بکلما[1]۔ ۷؎ درغرر و ۸؎ درر فرمود لوقال (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة ببطون یقع) طلقات (ثلاث و) الولد (الثانی والثالث رجعة[2] ۹؎ درملتقی الابحر و ۱۰؎ مجمع الانہر فرمودند (کلما ولدت فانت طالق فولدت ثلثة فی بطون فالثانی والثالث رجعة وتتم) الطلقات (الثلث بولادة الثالث) فتحتاج الی زوج اٰخر[3] ۱۱؎ در ۱۲؎ وقایه و ۱۳؎ شرح اش فرمودند فی کلما ولدت فولدت ثلثة ببطون تقع الثلث والولد الثانی رجعة کالثالث[4] در ۱۴؎ غایة البیان وذخیرة العقبٰی فرمودند اعلم انها تطلق ثلثا ویثبت نسب الاولاد من الزوج وعلیها العدة بثلث حیض بعد ولادة الولد الثالث[5] ۱۵؎ دراصلاح و ۱۶؎ ایضاح

ہوجائیں گی، یوں کہ دوسرا بچہ پہلی طلاق سے اور تیسرا بچہ دوسری طلاق سے رجوع قرار پائے گا اور تین طلاقیں کلما کہنے کی وجہ سے ہوجائیں گی۔ ۷؎ غرر اور ۸؎ درر میں فرمایا کہ جب بیوی کو کہا کہ تو جب بھی بچہ جنے تجھے طلاق ہے، تو اس نے ہر بار نئے حمل سے تین بچے جنے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی، اور دوسرا اور تیسرا بچہ رجوع ثابت کردے گا، ۹؎ ملتقی الابحر اور ۱۰؎ مجمع الانہر میں فرمایا، بیوی کو کہا، جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق ہے تو اس نے مختلف حملوں میں تین بچے جنے تو دوسرا اور تیسرا بچہ رجعت ثابت کریں گے اور تین طلاقیں مکمل ہوجائیں گی، تیسرے بچے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کی ضرورت ہوگی۔ ۱۱؎ وقایہ اور ۱۲؎ اس کی شرح میں ہے: جب بھی بچہ جنے کہنے پر، تین مختلف حملوں میں تین بچے جننے پر بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جیسا کہ تیسرا دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔ ۱۳؎ غایۃ البیان اور ۱۴؎ ذخیرۃ العقبٰی میں فرمایا کہ یاد رکھو مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہوجائیں گی اور تینوں بچوں کے نسب اس خاوند سے ثابت ہوں گے اور بیوی پر تیسرے بچے کی ولادت کے بعد عدت تین حیض ہوگی۔

---

[1] درمختار باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۹

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب الرجعة مطبعه احمد کامل الکائنه دار سعادت بیروت ۱/ ۳۸۶

[3] ملتقی الابحر و مجمع الانہر باب الرجعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۷

[4] شرح الوقایه باب الرجعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[5] ذخیرة العقبٰی باب الرجعة مطبع نولکشور کانپور ۲/ ۲۱۳

فرمودند کلما ولدت فولدت ثلثة ببطون یقع ثلث والولد الثانی رجعة کالثالث [1] امام اجل صدر شہید در شرح ۱۷ جامع صغیر امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمود لما ولدت الولد الثالث صار مراجعا ایضا بالوطی بعد الطلاق ووقع اٰخر بالولادة ولارجعة بعد ذٰلك لانه تم الثلاث [2] در ۱۸ خزانۃ المفتین بر مز ۱۹ اختیار شرح مختار فرمود یقع ثلاث والولد الثانی رجعة کالثالث [3] اینست مخالفت تعلیم دیوبندی بائمہ امت ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ **بست وچہارم:** ازغایت غباوت وغوایت اوست قول او چنانکہ بعد طلاق بائن اگر تجدید نکاح کند بعدہ ایضا طلاق دہد طلاقین اولین باطل شوند وبعد تجدید نکاح اگر طلاق دہدآں در حساب کردہ آید نہ طلاق قبل تجدید نکاح ہمچنیں بعد رجعت اول طلاق باطل است آفریں باوچہ خوش اصوات خارجہ از سوراخ فم اوست کہ دہن ازآواز پر وذہن از معنی	اصلاح وایضاح میں فرمایا کہ جب بھی تو بچہ جنے تو تجھے طلاق، کہنے پر جب تین بچے یکے بعد دیگرے حمل سے پیدا ہوجائیں تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ رجوع ثابت ہوگا جیسا کہ تیسرا بچہ دوسری طلاق سے رجوع ثابت ہوگا۔امام اجل صدر شہید نے امام محمد کی ۱۷ جامع صغیر کی شرح میں فرمایا کہ مذکورہ صورت میں جب تیسرا بچہ جنا تو دوسرے بچے کی طرح یہ بھی طلاق سے وطی کے بعد رجوع ثابت ہوگا،اور تیسرے بچے کی ولادت سے آخری طلاق ہوجائیگی جس کے بعد رجوع نہ ہوسکے گا کیونکہ تین طلاقیں مکمل ہوگئیں۔ ۱۸ خزانۃ المفتین میں ۱۹ اختیار شرح ۲۰ مختار کی علامت سے بیان فرمایا کہ مذکورہ صورت میں تین طلاقیں ہوجائیں گی اور دوسرا بچہ پہلی طلاق سے جس طرح تیسرا دوسری طلاق سے رجعت ثابت ہوگا۔یہ ہے دیوبندی تعلیم،ائمہ امت کے مخالف۔ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**بست وچہارم:** اس کی انتہائی غباوت اور گمراہی اس کا یہ کہنا ہے کہ "جس طرح طلاق بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح کرے تو اس کے بعد بھی طلاق دے دے تو پہلی دو طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں اور دوبارہ نکاح کے بعد اگر طلاق دے تو وہ حساب میں آئے گی اور دوبارہ نکاح سے پہلے دی ہوئی شمار نہ ہوگی اسی طرح رجوع کے بعد پہلی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے"

[1] اصلاح وایضاح

[2] حاشیہ علی الجامع الصغیر بحوالہ صدر الشہید باب الرجعۃ مکتبۃ الیوسفی لکھنؤ ص ۵۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی الرجعۃ قلمی نسخہ ۱/ ۱۳۶

تہی، وبیچارہ چہ کند کہ ہنوز ازیں نو عروساں منصہ دیوبندیت را بامطلب و معنی جفت نکردہ اند، کدام دوطلاق پیشین ست کہ بطلان بائن بعد تجدید نکاح باطل می شود وچوں طلاق قبل تجدید نکاح نزد تو خود در حساب نیست بطلانش بر طلاق بائن بعد تجدید چہ موقوف باشد واگر از کسے شنیدہ است کہ بائن بہ بائن لاحق نشود ایں خود عام نیست باز عدم لحوق بطلان اول را چرا موجب شود باز مبنائش حمل بر اخبار ست در رجعی بعد رجعت اور اچہ کاراست باز اگر باشد بطلان یکے باشد نہ ہر دو وبقطع نظر از جملہ وجوہ امر جامع میان رجعت بعد رجعی وطلاق بائن بعد تجدید نکاح بعد بائن چیست مگر آنکہ بد عقلی وکج فہمی لائق نجدیت و تعلیم دیوبندی است۔

بست وپنجم: از استنادش بمسئلہ درمختار **طلقها رجعيا فجعله بائنا او ثلاثا**[1] مع عبارت ردالمحتار وطحطاوی **لانه بعدها يبطل عمل الطلاق**[2] چہ جائے شکوے کہ ہچومدہو شاں وبیہوشاں در بطلان طلاق وبطلان عمل اگر فرق نکنند سزائے ایشاں فاما ہر مسلم عاقل را مسلم و معقول ست کہ برجعت عمل طلاق مرتفع می شود نہ آنکہ طلاق کردہ ناکردہ گردد واز

اس پر آفرین کہ منہ کے سوراخ سے کیا اچھی آواز نکال رہا ہے، اس کا منہ آواز سے پر اور ذہن فہم سے خالی ہے، یہ بیچارہ کیا کرے کہ ابھی دیوبندیت کی نئی نویلی دلہن سے مطلب ومعنٰی میں جفتی نہیں ہے، کون سی دو طلاقیں پہلے ہیں جو طلاق بائنہ کے بعد دوبارہ نکاح سے کالعدم ہوجاتی ہیں۔ جب تیرے ہاں دوبارہ نکاح سے قبل والی طلاق کالعدم ہوجاتی ہے، تو اس کا کالعدم ہونا دوبارہ نکاح سے طلاق بائنہ پر کیونکر موقوف ہوگا اور اگر کسی سے یہ سن لیا ہے کہ بائنہ کے بعد بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی تو یہ عام قاعدہ نہیں ہے تو پھر پہلی طلاق کو بطلان کے لاحق ہونے کی وجہ کیسے ہوا، پھر اسکا مبنٰی اخبار ہونے پر ہے تو رجعی طلاق کے بعد رجوع سے کیا تعلق ہے، پھر اگر ہو بھی تو ایک کا بطلان ہونا چاہئے نہ کہ دو کا، اور ان تمام وجوہ سے قطع نظر، رجعی کے بعد اور بائنہ طلاق کے بعد دوبارہ رجوع کے بعد بائنہ میں کون سا جامع امر ہے، اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ نجدیت کی بدعقلی اور کج فہمی اور دیوبندی تعلیم ہے۔

بست وپنجم: درمختار کے مسئلہ، کہ رجعی طلاق دے کر اس کو بائنہ یا تین کرنا، اس کے ساتھ ردالمحتار اور طحطاوی کی عبارت کہ اس لئے کہ اس کے بعد طلاق کا عمل باطل ہوجاتا ہے، کہ دلیل بنانا، ان مدہوش اور بیہوش لوگوں کا جو بطلان طلاق اور بطلانِ عمل میں فرق کرنہ سکیں، کیا شکوہ کیا جائیے، یہ انہی کو لائق ہے، لیکن ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ رجوع سے طلاق کا

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

صفحہ واقع ارتفاع پزیرد۔ مسئلہ را بنہایت ایضاح اتضاح دادہ ایم بیش ازیں اطالت درکار نیست۔ بالجملہ حکم ہمان ست کہ زن احمد علی سہ طلاقہ شد وبے تحلیل بہ تحلیل مجتہدانِ دیوبندی حلال نشود بلکہ اینان کہ بدعت زائغہ بطلان طلاقہائے پیشین برجعت پسیں در شرح ودین نہادند، الحق کہ بتحلیل حرام قطعی لب کشادند او برحکم فقہی کفرے ست حتمی۔ زنِ احمد علی بتحلیل اینان حلال نشد مگر ترسند کہ ہما زنان اینان بحکم فقہ براینان حرام شدند ہمچو کسان را باید کہ برائے حطامِ دنیا حلال نسازند وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔	عمل ختم ہوجاتا ہے نہ کہ طلاق ختم ہوجاتی ہے اور کالعدم ہوجاتی ہے۔ ہم نے مسئلہ کو مفصل طور پر واضح کردیا ہے اس سے زائد طوالت کی ضرورت نہیں ہے۔ **بالجملہ** حاصل کلام یہ ہے کہ زیر بحث مسئلہ کا حکم یہ ہے کہ احمد علی کی بیوی کو تین طلاقیں ہوچکی ہیں، دیوبندی مجتہدین کے حلال کرنیکے باوجود بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی، بلکہ یہ کہ، بعد والی رجعت سے پہلی طلاقیں کالعدم ہوجاتی ہیں، یہ ان کی دین اور شریعت میں نئی بدعت ہے، حق یہ ہے کہ حرام قطعی کہ انہوں نے حلال کہہ دیا ہے جو کہ فقہی حکم کے مطابق قطعی کفر ہے، احمد علی کی بیوی ان کے حلال کرنے سے حلال نہ ہوگی مگر ان کو یہ فکر کرنی چاہئے کہ فقہی حکم کے مطابق ان کی بیویاں ان پر حرام ہوچکی ہیں، ان سب کو چاہئے کہ وہ خود تجدید اسلام اور تجدید نکاح کریں، اور اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو دنیاوی ایندھن کی خاطر حلال نہ کریں، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت) (**رسالہ ختم ہوا**)

مسئلہ ۱۱: از جام جودھ ملک کاٹھیاواڑ جماعت اہلسنت وجماعت مرسلہ آدم احمد صاحب ۱۱ شعبان ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک چھوٹی سی بستی میں ایک عالم مدت دس ۱۰ پندرہ سال سے وعظ بیان کرتا تھا ہمیشہ چند لوگ اس عالم کی گلہ وغیبت کیا کرتے تھے اتفاقاً ایک روز ناٹک والے لوگوں کی فاسق کمپنی آئی اور چند مسلمان اس چھوٹی بستی کے اس تماشے میں داخل ہوئے اور اس اثناء میں ایک سید کے مکان پر وعظ کی محفل منعقد ہوئی چند لوگ ناٹک کے تماشا گر بھی اس محفل میں شریک تھے، واعظ صاحب کی نظر جب ان فاسقوں پر پڑی تو وعظ میں بہت لعن طعن کئے، فجر کو فاسقوں منافقوں نے غل مچایا، فساد ودنگا کرنے کی باتیں کیں، ایک شخص نے ان لوگوں کی طرف سے ان کو کہا کہ تم نے رات کو جو وعظ کیا سو چند آدمی آپ سے البتہ فساد کریں گے اور آپ کو فقط نماز روزہ کا وعظ کرنا چاہئے ورنہ ہمیشہ فساد ہوا کرے گا، کبھی دنگا اس کام سے نہ مٹے گا، پس واعظ کو غصہ آیا تو یہ لفظ عین غضب میں منہ سے نکالا کہ جو کوئی اس بستی میں وعظ کرے اس کی جورو پر طلاق ہے جو کوئی اس بستی میں

وعظ کرے سے خود کی نیت کی تھی لیکن تین یا دو کا لفظ منہ سے نہ نکلا اور تین کی نیت نہ تھی، اور وہ مسلمان لوگ سب مل کر واعظ کے پاس عاجزی سے کہتے ہیں کہ تم وعظ کرو، پس واعظ کہتا ہے کہ اگر میں وعظ کروں تو میری زوجہ مطلقہ ہوتی ہے میں ہر گز وعظ نہ کروں گا، پس ان الفاظ سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں، اور کون سی طلاق بائن یا کیا، اور وعظ وہ کرے یا نہیں، اور جب وعظ کرے تو بائن واقع ہونے سے کیا کرے، اور اگر قسم کی طلاقیں واقع ہوتی ہیں تو ان کا بھی خلاصہ لکھنا، کل مسلمان اہلسنت وجماعت آپ کے جواب کے منتظر ہیں، ان الفاظ میں اگر نیت ثلاثہ کی کی ہو تو کیا ثلاثہ واقع ہو گی یا نہیں، والسلام۔

الجواب:

واعظ کو نہ چاہئے کہ طلاق کی قسم کھاتا کہ شرعًا ناپسندیدہ ہے یہاں تک کہ حدیث میں آیا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف به الا منافق[1]۔رواہ ابن عساکر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن طلاق کی قسم نہیں کھاتا اور طلاق کی قسم نہیں لیتا مگر منافق۔ اس کو ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اب کہ کہہ چکا ضرور وہاں وعظ کہنے سے عورت پر ایک طلاق رجعی ہوگی کہ عدت کے اندر رجعت کرلینے سے بدستور وہ اس کی زوجہ رہے گی۔ درمختار میں ہے:

جماعة يتحدثون فی مجلس فقال رجل منهم من تکلم بعد هذا فامرأته طالق ثم تکلم الحالف طلقت امرأته لان کلمة من للتعميم والحالف لايخرج نفسه عن اليمين فيحنث[2]۔	ایک جماعت مجلس میں باتیں کر رہی تھی کہ ان میں سے ایک نے کہا اس کے بعد جو بھی بات کرے اس کی بیوی کو طلاق، پھر خود قسم کھانیوالے نے بات کرلی، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوگئی، کیونکہ "جو بھی" کا لفظ عام ہے تو حلف اٹھانے والے کو بھی شامل ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خارج نہیں کیا اس لئے اس کی قسم ٹوٹ گئی۔ (ت)

ہاں اگر اس قول میں تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو تین پڑیں گی اور عورت بے حلالہ نکاح میں نہ آسکے گی۔ درمختار میں ہے:

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ کتاب الیمین من قسم الاقوال موسسۃ الرسالہ بیروت ۶۸۹/۱۶

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۲۲۴/۱

فی انت الطلاق یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیأ اونوی واحدۃ اثنین لانہ صریح مصدر لایحتمل العدد فان نوی ثلثا فثلث لانہ فرد حکمی [1]۔ ملخصًا۔	"تو طلاق ہے" کے لفظ سے ایک طلاق رجعی ہوگی، ایک کی یا دو طلاقوں کی، یا کوئی نیت نہ ہو تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ طلاق مصدر صریح ہے اس میں عدد کی گنجائش نہیں، اور اگر کہنے والے نے اس لفظ سے تین طلاقوں کی نیت کی ہو تو تین ہوں گی کیونکہ طلاق میں تین کل جنس ہونے کی وجہ سے حکمی فرد بن گیا، ملخصًا (ت)

رہا یہ کہ اب وہاں وعظ کرے یا نہیں، اگر وہ وعظ اللہ عزوجل کے لئے کرتا ہے اور طلب مال یا اپنی شہرت وریاست مقصود نہیں اور اس کا وعظ مطابق شرع ہے، اتنا علم دین کافی ووافی رکھتا ہے جس سے اسے وعظ کی اجازت ہو، جب تو ظاہر ہے کہ ایسے بندہ خدا ہادی راہِ ہدٰی کا وعظ کہنا ہی اس کے، ان مسلمانوں کے سب کے حق میں بہتر ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرمنھا فلیات الذی ھو خیرو لیکفر عن یمینہ [2]۔ رواہ الائمۃ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی بات پر قسم کھالے پھر دیکھے کہ اس قسم کا خلاف بہتر ہے تو وہی بہتر کام کرے اور قسم کا کفارہ دے لے (اس کو امام احمد، مسلم اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر ان باتوں سے کوئی بات کم ہے مثلاً علم دین کافی نہیں یا کسی غرض فاسد یا عقیدہ فاسدہ کے باعث وعظ خلافِ شرع کہے جب تو ظاہر کہ اس کا وعظ اس کے اور مسلمانوں سب کے حق میں برا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأمقعدہ من النار [3]۔ رواہ الترمذی وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس نے بغیر علم قرآن کا مطلب بیان کیا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنائے۔ اس کو ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ (ت)

اور اگر مال یا شہرت مقصود ہے تو اگرچہ مسلمانوں کے لئے اس کا وعظ مفید ہو خود اس کے حق میں سخت

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۹

[2] مسند احمد بن حنبل دار المعرفۃ بیروت ۴/۲۵۸

[3] جامع ترمذی باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/۱۱۹

مضر ہے، علماء فرماتے ہیں ایسی اغراض کے لئے وعظ ضلالت اور یہود ونصاری کی سنت ہے۔ درمختار میں ہے:

التذکیر علی المنا برللوعظ والاتعاذسنة الانبیاء والمرسلین ولریاسة ومال وقبول عامة من ضلالة الیھودوالنصاری۔[1]	منبر پر وعظ ونصیحت کرنا انبیاء اور مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے۔ اپنی بڑائی، مال یا اپنی مقبولیت کے لئے وعظ کہنا یہود ونصاری کی گمراہی جیسے ہے۔(ت)

صورتِ ثانیہ میں اسے وعظ کی اجازت ہی نہیں، نہ کہ ایسی حالت میں کہ اس کے سبب عورت پر طلاق ہو گی اور طلاق اللہ عزوجل کو بلاوجہ شرعی سخت ناپسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[2]۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجة والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما وفی لفظ للحاکم بسند صحیح عنه موصولا ولابی داؤد عن محارب بن دثار مرسلاً مااحل اللہ شیأً ابغض الیه من الطلاق[3]۔	اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ ناپسندیدہ حلال طلاق ہے۔ اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، اور دوسرے الفاظ میں عبداللہ بن عمر ہی سے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ موصولاً روایت کیا، ابوداؤد نے محارب بن دثار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً یوں روایت کی ہے: اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں سے طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ناپسند ہے۔(ت)

اور اگر صورت صورتِ اولیٰ ہے جس میں وعظ کہنا اس کے حق میں بہتر ہے تو وعظ کہے اور عورت کو رجعت کرلے، اور اگر تین طلاق کی نیت کی تھی تو اگر چاہے تو یہ حیلہ ممکن ہے کہ عورت کو ایک طلاق دے جب عدت گزر جائے اور عورت نکاح سے نکل جائے اس وقت وعظ کہے پھر عورت سے نکاح کرلے اور وعظ کہتا رہے طلاق نہ پڑے گی،

لانه لما ابانھا وانقضت العدة لم تبق محلا للطلاق فاذاحنث بعدہ	کیونکہ جب بیوی کو بائنہ کردیا اور عدت گزر گئی تو اب وہ طلاق کا محل نہ رہی، اب اس کے بعد قسم ٹوٹنے

[1] درمختار فصل فی البیع کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی کراھیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

[3] سنن ابوداؤد باب فی کراھیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

نزل الجزاء المعلق ولم یصادف محلا فمضی ھملا وقد انتھی الیمین لعدم مایدل علی التکرار فاذا تزوجھا بعد وعظ لم یحنث۔	کی وجہ سے معلق شدہ جزاء وارد ہوگی تو اس وقت محل نہ ہونے کی وجہ سے مہمل ہوجائے گی اور قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اس میں تکرار والی کوئی بات نہیں،اور اب وعظ کرلے اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کرلے تو حنث نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا فحیلۃ من علق الثلاث بدخول الدار ان یطلقھا واحدۃ ثم بعد العدۃ تدخلھا فتنحل الیمین فینکحھا[1]۔	مطلقاً شرط پائے جانے کے بعد قسم ٹوٹ جاتی ہے لیکن وہ شرط اگر ملکیت نکاح میں پائی جائے تو طلاق ہوجائیگی ورنہ نہیں،تو جس نے تین طلاقوں کو دخولِ دار کی شرط سے معلق کیا ہو اس کے لئے حیلہ یہ ہے کہ بیوی کو ایک طلاق دے دے جب اس کی عدت ختم ہوجائے تو عدت کے بعد عورت دخولِ دار کرلے اب قسم ٹوٹ کر ختم ہو جائے گی پھر وہ عورت سے نکاح کرلے۔(ت)

مگر یہ صورت دقت سے خالی نہیں بعد انقضاءِ عدت عورت خود مختار ہوجائے گی اور اگر وہ اس سے نکاح نہ کرے تو اس پر جبر کا کوئی اختیار نہیں۔یونہی یہ سب صورتیں اس تقدیر پر ہیں کہ اس سے پہلے کبھی اس عورت کو دو طلاقیں مجموع خواہ متفرق نہ دے چکا ہو ورنہ وعظ کہتے ہی یا قبل وعظ ایک طلاق دیتے ہی فوراً تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب سوا حلالہ کوئی علاج نہ ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲: از ریاست رامپور محلّہ باجوری ٹولہ متصل زیارت حافظ جمال اللہ صاحب مرسلہ محمد ضمیر خاں صاحب ۵ذی قعدہ ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو سے اس کی بیوی نے طلاق طلب کی۔عمرو نے یہ کہا کہ تو مہر بخش دے تو تین طلاق دوں گا۔عورت نے یہ کہا اگر تم مجھے طلاق دو تو میں نے مہر بخش دیا۔عورت نے تین مرتبہ یہ کہا کہ اگر میرا شوہر مجھے طلاق دے تو میں نے مہر بخش دیا۔پھر عمرو نے دو مرتبہ یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔اس واقعہ کو قریب ایک ہفتہ کے ہوا اور یہ واقعہ درمیان شوہر اور بیوی کے غصہ کی حالت میں ہوا،آیا طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۱

الجواب:

اگر عورت مدخولہ ہے دو طلاقیں ہو گئیں مگر جب تک عدت نہ گزرے رجعت کر سکتا ہے، مثلاً زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اگر اس سے پہلے کبھی کوئی طلاق نہ دے چکا ہو۔ اور اگر عورت غیر مدخولہ ہے تو ایک طلاق بائن پڑی اور عورت نکاح سے نکل گئی، مگر اس کی رضا کے ساتھ عدت میں خواہ عدت کے بعد اس سے نکاح کر سکتا ہے رہا مہر وہ کسی حالت میں ساقط نہ ہوا بدستور باقی ہے۔ بزازیہ کتاب البیوع میں ہے:

تعلیق الھبۃ بکلمۃ ان باطل۔[1]	ہبہ کو کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع والشراء والھبۃ والابراء[2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	بیع و شراء، ہبہ اور حق کی وصولی سے کسی کو بری کرنا جیسی چیزوں کی تملیک کسی شرط سے معلق کرنا باطل ہے (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳: از ریاست رامپور سرشتہ پولیس مرسلہ سید جعفر حسین صاحب محرر سرشتہ ۲۰ محرم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا نصف مہر یعنی پانسو ۵۰۰ روپے اگر بوقت طلب زوجہ ہندہ ادا نہ کروں تو ہندہ پر سہ طلاق ہیں اب بعد نکاح کے ہندہ نے زید سے نصف مہر طلب کیا زید نے اس وقت روپیہ مذکور ادا نہ کیا اس صورت میں ہندہ پر سہ طلاق ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر عقد نکاح میں ایجاب یعنی ابتدائے کلام بشرط مذکور جانب زید سے ہو مثلاً زید نے ہندہ سے کہا میں تجھے بعوض ہزار روپے مہر کے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر نصف مہر تیری طلب کے وقت ادا نہ کروں تو تجھ پر تین طلاق، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا، تو صورت مستفسرہ میں اگر زید نے ہنگامِ طلب نصف مہر ادا نہ کیا ہندہ پر اصلاً طلاق نہ ہوئی، اور اگر ابتدائے عقد جانب ہندہ سے تھی خواہ شرط کلام ہندہ میں مذکور ہو، مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو اس شرط پر تیرے نکاح میں دیا تو نصف مہر الخ، زید نے کہا میں نے

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی حاشیۃ فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

[2] اشباہ والنظائر القول فی الشرط والتعلیق ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۲۵،۳۲۶

قبول کیا یا کلام زید میں ہو مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنی جان تیری زوجیت میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی اس شرط پر کہ اگر نصف مہر الخ یا ابتدائے ایجاب تو جانب زید سے تھی مگر شرط ہندہ نے قبول میں ذکر کی اور زید نے منظور کرلی، مثلاً زید نے کہا میں نے تجھے اپنی زوجیت میں لیا، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر تو نصف مہر الخ، زید نے کہا مجھے منظور ہے، توان صورتوں میں جب نصف مہر عندالطلب ادا نہ کیا ہندہ پر تین طلاقیں واقع ہو گئیں والفرق نفیس حسن بیناہ فی فتاونا (اور یہ فرق نفیس خوب ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) یہ مسئلہ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وبحرالرائق وہندیہ وردالمحتار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴: از بنگالی ضلع پاپنا ڈاکخانہ سراج گنج موضع قاضی پور مرسلہ امید علی صاحب ۱۲صفر ۱۳۱۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلۃ (اے علماء کرام! اللہ تعالٰی آپ پر رحمت فرمائے، آپ کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے۔ت) کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا **کلما دخلت الدار فانت طالق** (جب بھی تو گھر میں داخل ہوگی تجھے طلاق ہے۔ت) بعد اس کے اس نے ایک طلاق دی بعد عدت عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا، بعدہ دوسرے نے بھی طلاق دے دی، بعد چند روز اول سے نکاح کرلیا پھر دخول دار پایا گیا اب طلاق پڑے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر تین بار دخول دار سے انحلال یمین یا تین طلاق تنجیزی خواہ تعلیقی خواہ مختلط سے زوال حل نہ ہولیا تھا تو یمین ضرور باقی ہے وقوع شرط سے طلاق واقع ہوگی **والتفصیل یستدعی التطویل** (اس کی تفصیل کے لئے تطویل کی ضرورت ہے۔ت) در مختار میں ہے:

اعلم ان التعلیق یبطل بزوال الحل لابزوال الملک فلو علق الثلث او مادونھا بدخول الدار ثم نجز الثلاث ثم نکحھا بعد التحلیل بطل التعلیق فلا یقع بدخولھا شیئ ولو کان نجز مادونھا لم یبطل فیقع المعلق کلہ واوقع محمد بقیۃ الاول وھی	معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تعلیق حلف ختم ہونے پر باطل ہوگی محض ملکیت ختم ہونے پر تعلیق ختم نہ ہوگی، اگر خاوند نے تین طلاقوں یا ایک دو کو دخولِ دار سے معلق کیا ہو اور پھر اس کے بعد اس نے اس بیوی کو غیر مشروط طور پر تین طلاقیں دے دیں جس پر بیوی مذکورہ نے حلالہ شرعیہ کے بعد دوبارہ اس پہلے خاوند سے نکاح کیا تو اس دوسرے نکاح کے بعد بیوی کے گھر میں داخل ہونے پر کوئی طلاق نہ ہوگی اور تعلیق ختم ہے

مسألة الهدم[1] الخ۔	اور اگر مذکورہ صورت میں خاوند نے تعلیق کے بعد تین سے کم طلاقیں دی ہوں تو اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح کرلینے کے بعد بھی تعلیق ختم نہ ہوگی لہٰذا دوبارہ پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر دخول دار ہوا تو تمام معلق طلاقیں واقع ہوجائیں گی، جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی پہلی دی ہوئی طلاق سے بقیہ طلاقوں کو واقع مانتے ہیں ان کا یہ قول، دوسرے خاوند سے نکاح کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنے پر پہلی طلاقوں کے ساقط ہوجانے کے اختلافی مسئلہ پر ان کے مؤقف پر مبنی ہے الخ (ت)

اسی میں ہے:

تبطل اليمين ببطلان التعليق اذا وجد الشرط مرة الافی کلما فانه ينحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الافعال کاقتضاء کل عموم الاسماء فلايقع ان نکحها بعد زوج اٰخر[2] الخ۔	تعلیق سے متعلق یمین، تعلیق کے باطل ہوجانے پر ختم ہوجائے گی جب ایک دفعہ شرط پائی گئی ہو، مگر لفظ "کلما" کے ساتھ کسی شرط سے تعلیق کی گئی ہو تو وہ یمین تین طلاقوں کے بعد ختم ہوگی، کیونکہ "کلما" افعال کے عموم کو چاہتا ہے جیسا کہ "کل" عموم اسماء پر دلالت کرتا ہے، لہٰذا اس صورت میں تین طلاقوں کے بعد حلالہ کرنے پر پہلے خاوند سے نکاح کرے تو اب دخولِ دار سے طلاق نہ ہوگی الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فلايقع تفريع علی قوله فانه ينحل بعد الثلاث وانما لم يقع لان المحلوف عليه طلقات هذه الملك وهو متناهية کمامر امالو کان الزوج الاٰخر قبل الثلاث فانه يقع مابقی[3]۔	ماتن کا قول "فلایقع" اسکے اپنے قول" تین طلاقوں کے بعد یمین ختم ہوجائے گی" پر تفریع ہے، یہ اس لئے کہ حلف کا تعلق موجودہ ملکیت کی پوری طلاقوں سے ہوتاہے اور وہ محدود ہیں اس لئے تین طلاقوں پر یمین ختم ہوجائے گی، جیساکہ گزراہے، اور اگر تین طلاقوں سے کم پر دوسرے خاوند کے بعد پہلے سے نکاح کرے تو اب شرط پائے جانے پر باقی ماندہ طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

اسی میں قبیل باب التعلیق ہے:

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[3] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۰

اذا قال کلما دخلت الدار فانت طالق فدخلتها مرتین ووقع علیها الطلاق وانقضت عدتها ثم عادت الیه بعد زوج اٰخر فعندهما تطلق کلما دخلت الدار الی ان تبین بثلاث طلقات خلافا لمحمد کما ذکره الزیلعی الخ[1] وانظر ماعلقنا علی قوله السابق۔	اگر تعلیق میں "کلما" کے ساتھ شرط بیان کرتے ہوئے کہا جب بھی تو گھر میں داخل ہو تجھے طلاق ہے، تو اگر دو ۲ مرتبہ گھر میں دخول پایا گیا اور اس پر دو طلاقیں ہونے اور عدت گزرنے کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک تین مرتبہ داخلہ کے ساتھ تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اب صرف ایک مرتبہ گھر میں داخلہ کے ساتھ ایک ہی باقیماندہ طلاق ہوگی، جیسا کہ اس کو امام زیلعی نے ذکر فرمایا الخ۔ ردالمحتار کے پہلے قول پر ہمارا حاشیہ ملاحظہ کیا جائے۔ (ت)

در مختار میں ہے:

تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا لکن ان وجد فی الملك طلقت والالا[2]۔	مطلقاً شرط پائے جانے پر یمین ختم ہو جاتی ہے اگر وہ شرط ملکیت یعنی نکاح کے دوران پائی جائے تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں۔ (ت)

اس پر ردالمحتار میں ہے:

المحقق فی الفتح افاد فی باب التعلیق ان قولهم المعلق طلقات هذا الملك الثلاث مقید بمادام مالکا لها فاذا زال ملکه لبعضها صار المعلق ثلثا[3] اھ وانظر ماکتبت علی هامش الفتح من هذا القول واذا جمعت هذه کلها عرفت بعون اللّٰه تعالٰی تفاصیل صور المسئلة، واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	فتح القدیر کے باب التعلیق میں محقق صاحب نے افادہ فرمایا کہ موجودہ ملکیت تین طلاقیں ہوتی ہیں، اس عبارت سے انہوں نے یہ قید بیان فرمائی کہ موجودہ ملکیت جب تک باقی ہے یمین و تعلیق باقی ہے اور اگر تین میں سے بعض طلاقوں کی ملکیت ختم ہو جائے تو تین تک تعلیق رہے گی اھ، فتح القدیر کے اس قول پر میرے حاشیہ کو دیکھو، تو جب یہ تمام عبارات ملاحظہ میں آئیں تو اس مسئلہ کی تمام صورتوں کی تفصیل بعون اللہ آپ کو معلوم ہو گئی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی المشیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۰

[2] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۱

[3] ردالمحتار فصل فی المشیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۱۵: از ہر دوار مسئولہ فضل حسین

ایک شخص نے بحالتِ غصہ اپنی عورت سے یہ کہا کہ اگر تو میرے گھر آئی تو تجھ کو طلاق ہے اور اگر میں تیرے ساتھ کوئی بات کروں (یعنی صحبت کروں) تو حرام کروں، ان الفاظ سے طلاق ثابت ہوتی ہے یا نہیں اور اس عورت کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کرنے میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب:

اس کہنے کے وقت اگر عورت شوہر کے گھر کے علاوہ اور جگہ تھی تو جب شوہر کے گھر آئے گی ایک طلاق رجعی پڑے گی اور اگر اس وقت شوہر ہی کے گھر میں تھی تو جب تک یہاں رہے گی طلاق نہ ہوگی جب کہیں اور جاکر وہاں سے شوہر کے یہاں آئے گی اس وقت طلاق پڑے گی، اور بہر حال طلاق رجعی ہوگی، عدت کے اندر اگر شوہر اتنا کہہ دے کہ میں نے اسے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو وہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی اور اس کا نکاح دوسرے سے نہ ہوسکے گا، ہاں اگر طلاق پڑے اور شوہر اسے اپنے نکاح میں واپس نہ لے یہاں تک کہ طلاق ہونے کے بعد سے تین حیض شروع ہو کر ختم ہوجائیں تو اس وقت عورت نکاح سے نکل جائے گی اور دوسرے سے نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶: از کلکتہ مرسلہ ابوالقمر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے قسمیہ اپنی منکوحہ عورت سے کہہ دیا کہ اگر بغیر عذر شرعی کے تم نے کبھی نماز نہ پڑھی تو تجھ کو میری طرف سے تین طلاقیں ہوں گی، کیا ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک لفظ سے تین طلاقیں واقع ہوں گی چونکہ اس قسم کا سلسلہ دراز ہے جب تک زوج اور زوجہ زندہ ہیں مدام اندیشہ میں ہیں اور اس زمانہ کے لوگ سُست ہیں دین کے کاموں میں بے پرواہو گئے ہیں، ممکن ہے کہ کسی وقت عورت سے غفلت ہوجائے تو اس کو طلاق پڑجائے گی۔ کیا کوئی ایسی صورت ہوسکتی ہے کہ طلاق کے واقع ہونے سے قبل کوئی ایسا حیلہ کیا جائے کہ عورت پر طلاق نہ پڑے۔

الجواب:

چاراماموں چاروں مذہب کا اجماع ہے کہ تین طلاقیں ایک جگہ ایک وقت ایک ہی دفعہ ایک ہی لفظ میں واقع ہوجاتی ہیں۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بانت امرأتك وعصیت ربك ان لم تتق اللہ فلم یجعل لک	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا تیری بیوی بائنہ طلاق والی ہوگئی ہے اور تو نے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کی ہے اگر تو اللہ تعالٰی کے عذاب سے

مخرجا[1]۔	خوف نہ کرے گا تو پھر تیرے لئے اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نہ فرمائے گا۔(ت)

وہابی گمراہ بددین اس میں خلاف کرتے اور حرام کو حلال ٹھہراتے ہیں، زید نے جبکہ ایک وقت کی نماز نہ پڑھنے پر حکم طلاق مغلظ معلق کیا جیساکہ تقریر سوال سے ظاہر تو عورت جب بے عذر شرعی ایک وقت کی نماز بھی چھوڑے گی فورًا اس پر تین طلاقیں ہوجائیں گی اور بے حلالہ اس کے نکاح میں نہ آسکے گی **فان الجزاء ینزل عند نزول الشرط کما فی الھدایۃ وغیرہا** (شرط پائے جانے پر جزاء پائی جاتی ہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اس کا حیلہ ارتکاب کبیرہ بالعمد پر مشتمل ہے اور اس کا بتانا بھی حرام ہے یہ اس معنی پر ہے جس پر سوال مبنی اور اگر مراد زید اور ہے تو اس کا اسی سے استفسار ہو،

فان للکلام محملین اُخرین لاننذکرھا کیلایکون تعلیما والمفتی منھی عنہ بل یسأل فھو اعلم بمرادہ۔	اس کلام کے دو محمل اور جن کو ہم ذکر نہیں کرتے تاکہ تعلیم نہ قرار پائے مفتی کو اس سے باز رہنے کا حکم ہے بلکہ وہ صرف سوال کرے کیونکہ مبتلا شخص اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے۔(ت)

اس وقت اس کا جواب دیا جائے، وجیز کردری وعقود الدریہ میں ہے:

احب المفتی ان لایقول یصدق دیانۃ لانہ تعلیم بل ادبہ ان یقول لایصدق۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	مفتی کے آداب میں سے ہے کہ وہ کسی بات پر دیانت کی تصدیق نہ کرے کیونکہ یہ مبتلاء کو تعلیم قرار پاتی ہے بلکہ ادب المفتی یہ ہے کہ وہ کہے کہ تصدیق نہیں ہوسکتی **واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۱۷: از پیلی بھیت محلّہ منیر خاں مرسلہ مولانا عبدالاحد صاحب ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے پدر سے کسی تذکرہ میں کہا تھا کہ اگر میری بیوی فلاں مکان میں جائے گی تو میری بیوی ہی نہ رہے گی پھر اس کے چندروز بعد دوسرے جلسے میں زید نے پدرِ ہندہ سے الفاظ مذکورہ دوبارہ پھر ادا کئے کہ ہندہ اگر فلاں مکان میں جائے گی تو میری بی بی ہی نہ رہیگی، بعد تھوڑے عرصہ کے ہندہ بلارضامندی اپنے شوہر کے اس مکان میں چلی گئی جس کی بابت زید دو مرتبہ دو جلسوں میں پدر ہندہ سے عدم رضامندی اپنی ظاہر کرچکا تھا اور اب عرصہ پانچ ماہ سے ہندہ اسی مکان میں مقیم ہے،

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلاث آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۹

[2] عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ فوائد تتعلق بآداب المفتی حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۳

پس اس صورت میں نکاح زید سے قائم رہا یا نہیں؟ اور مبادا اگر نکاح ہندہ زید سے نہیں قائم رہا تو کون سی طلاق ہندہ پر پڑ سکتی ہے؟ اور کیا صورت رجعت کی از روئے شرع شریف ہو سکتی ہے؟

الجواب:

اگر زید نے وہ الفاظ دونوں بار خواہ ایک بار بہ نیت ایقاعِ طلاق کے کہے تھے یعنی یہ مطلب تھا کہ اگر وہ وہاں جائے تو اس پر طلاق ہے تو وہاں جانے سے عورت پر ایک طلاق بائن ہو گی نکاح سے نکل گئی رجعت نہیں کر سکتا، ہاں عورت کی رضا سے دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے عدت میں خواہ عدت کے بعد، بہر حال حلالہ کی حاجت نہیں اگرچہ لفظ مذکور تین بار کہا ہو اور اگر کسی بار اس سے نیت طلاق بمعنی مذکور نہ تھی تو عورت کا وہاں جانے سے کچھ نہ ہوا اور وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، رہا یہ کہ نیت تھی یا نہ تھی یہ بیان زید پر ہے اگر وُہ بحلف کہہ دے کہ میرا وہ مطلب ان لفظوں سے کسی بار میں بھی نہ تھا تو طلاق اصلاً نہ مانیں گے اگر زید جھوٹا حلف کرلے گا وبال اس پر رہے گا، درمختار میں ہے:

القول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزله۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نیت نہ ہونے کے متعلق خاوند کی بات حلف کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی اور بیوی کا گھر میں ہی اس سے قسم لے لینا کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے یوں کہہ کر نکاح کیا کہ میں تمہاری بلا اجازت دوسرا نکاح نہیں کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہو گی، اب اس صورت میں شرط فوت ہو جائے تو طلاق واقع ہو گی یا نہیں؟ اور ہو تو کے طلاق ہوں گی؟ بینوا توجروا مع الدلیل۔

الجواب:

اگر زید نے یہ الفاظ عقد نکاح سے پہلے کہے تھے یا خود نفس عقد میں یہ شرط کی مگر ایجاب یعنی ابتدائے الفاظ عقد جانب زید سے تھی، مثلاً اس نے کہا میں نے تجھے اپنے نکاح میں لیا اس شرط پر کہ بے تیری اجازت کے نکاح ثانی نہ کروں گا اگر کروں تو طلاق مغلظہ ہو، ہندہ نے کہا میں نے قبول کیا جب تو بحال وقوع شرط زوجہ ثانیہ پر طلاق نہ ہو گی اور اگر بعد نکاح الفاظ مذکورہ کہے یا نفس عقد اس شرط پر ہوا اور زید کی جانب سے قبول تھا مثلاً ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر الخ یا ہندہ نے کہا میں نے اپنے نفس کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ تو بے میری اجازت کے نکاح ثانی نہ کرے اگر کرے تو طلاق مغلظہ ہو، زید نے کہا میں نے قبول کیا، تو در صورت وقوع شرط دونوں عورتوں میں سے ایک

مطلقہ ہوگی زید کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس کی طرف چاہے طلاق کو پھیر دے خواہ ہندہ کی طرف خواہ منکوحہ ثانیہ کی جانب،

فی الهندية عن الفتح.لوقال لامرأته ان تزوجت عليك ما عشت فالطلاق علی واجب ثم تزوج عليها يقع تطليقة علی واحدة منهما.يصرفها الی ايتهما شاء [1] اھ ملخصا **قلت** ففی الفصل الثانی لما وقع التكلم بالشرط بعد ثبوت النكاح لانه يتم باللفظين فقد كانت هندة محلا للتطليق لثبوت ملكه عليها.فقوله يكن طلاق مغلظ يحتملهما فيصرفه الی ايتهما احب. اما فی فصل الاول لما كان التكلم به قبل حصول النكاح حيث لاتمام له بمجرد الايجاب لم تكن هندة محلاله لعدم الملك والاضافة الی نكاح ہندة فتعينت الاخری اعمالا للكلام كما لو قال لامرأته واجنبية طلقت احدٰكما تطلق امرأته من غير نية	ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: "اگر تیری زندگی میں تجھ پر کسی دوسری عورت سے نکاح کروں تو مجھ پر طلاق واجب ہے" اس کے بعد اس نے اس بیوی پر دوسرا نکاح کرلیا تو پہلی اور دوسری دونوں بیویوں میں سے ایک کو طلاق ہوجائیگی خاوند اس طلاق کو جس پر چاہے نافذ کردے اھ (ملخصا)_(**میں کہتا ہوں کہ**) دوسری صورت یعنی نکاح کے بعد یا بیوی کی طرف سے ایجاب میں یہ الفاظ کہے ہوں، تو چونکہ شرط والے الفاظ کا تکلم ثبوت نکاح کے بعد ہوا کیونکہ نکاح ایجاب وقبول کے دولفظوں سے تام ہوتا ہے لہٰذا مسئولہ صورت میں ہندہ طلاق کا محل بن گئی کیونکہ نکاح کے تام ہونے پر ملکیت نکاح مکمل ہوگئی ہے، چونکہ زید نے اس موقعہ پر طلاق مغلظ واقع ہونے کی بات کی ہے لہٰذا دوسرا نکاح کرنے پر مغلظ طلاق کا احتمال دونوں بیویوں میں سے ہر ایک کے لئے ہے لہٰذا زید اس طلاق کو دونوں میں سے جس پر چاہے نافذ کردے لیکن پہلی صورت یعنی جب نکاح تام ہونے سے قبل شرط کا تکلم ہوا کیونکہ صرف ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا، اس لئے اس صورت میں ہندہ طلاق کا محل نہ بن سکے گی کیونکہ ابھی نکاح نہ ہوا اور نہ ہی نکاح کی طرف طلاق کو

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان.اذا وغیرہما نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۲۶

لتعینها الانشاء[1] کما فی الهندیة عن المحیط عن المبسوط، وفی الدرالمختار من باب الرجعة، لوخافت ان لایطلقها تقول زوجتك نفسی علی ان امری بیدی، زیلعی وتمامه فی العمادیة اھ[2]. فی ردالمحتار حیث قال ولو قال لها تزوجتك علی ان امرك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك اومضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحة اھ نهر. والحاصل ان الشرط صحیح اذا ابتدأت المرأة لااذا ابتدأالرجل ولکن الفرق خفی[3] اھ کلام الشامی باختصار ورأیتنی کتبت علیه مانصه اقول بل هو ظاهر والحمدلله فان الزوج اذا ابتدأ فقال	منسوب کیا گیا، لہٰذا یہ طلاق لازماً دوسری بیوی کو ہوگی اور وہی طلاق کے لئے متعین قرار پائیگی تاکہ زید کا کلام لغو نہ ہو، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی اور اجنبی عورت کو خطاب کرکے کہے میں نے تم دونوں سے ایک کو طلاق دی ہے، تو اس کی بیوی کو ہی بغیر نیت طلاق ہوگی کیونکہ وہی انشاءِ طلاق کا محل ہونے کی وجہ سے متعین ہوگی، اس کو ہندیہ میں محیط کے حوالے سے مبسوط سے نقل کیا ہے۔ درمختار کے باب الرجعۃ میں ہے کہ اگر بیوی کو ڈر ہو کہ کہیں خاوند طلاق نہ دے دے تو نکاح کے وقت بیوی یوں کہے کہ میں تجھ سے اپنا نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میری طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا اس کو امام زیلعی نے بیان کیا یہ بحث عمادیہ میں ہے اھ، ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے ایجاب کرتے ہوئے یوں کہا میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے قبول کیا، اس صورت میں نکاح جائز ہوگا اور شرط کا ذکر لغو ہوگا، کیونکہ تفویض طلاق کے لئے جواز تب پیدا ہوتا ہے جب نکاح موجود ہو یا طلاق کو نکاح کے ساتھ معلق کیا ہو، جبکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے کوئی بھی نہ پائی گئی۔ بخلاف پہلے مذکور مسئلہ کے کہ وہاں عورت کی طرف سے ایجاب میں شرط کو خاوند نے قبول کیا تو نکاح اور طلاق کی شرط دونوں اکٹھے پائے گئے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فی ایقاع الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۶۳

[2] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۱

[3] ردالمحتار باب الرجعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۰

تزوجتك على انك طالق فقالت قبلت كان التعليق قبل حصول الملک، اذلاملك الابعد تمام الركنين، ولاتعليق على سبب الملک، فان المعينة يجب فيها حقيقة الشرط لامعناه كما تقدم فكان باطلا كما نقله عن النهر، امااذاكانت هى المبتدأة انى زوجتك نفسى على انى طالق فقال قبلت كان السؤال معادا فى الجواب، فكانه قال بعد ايجابها قبلت على انك طالق، فوقع بعد تمام الركنين، افاده فى الخانية حيث قال لان البدأة اذاكانت من الزوج كان الطلاق فلايصح اما اذا كانت البدأة من قبل المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت والجواب يتضمن اعادة مافى السؤال صار كانه قال قبلت على انك طالق اوعلى

اس لئے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہوگا اھ نہر، حاصل یہ کہ شرط عورت کے پہل کرنے پر صحیح ہوگی، مرد کے پہل کرنے پر درست نہ ہوگی، لیکن یہ فرق مخفی رہا، اختصارًا، علامہ شامی کا کلام ختم ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے علامہ شامی کے اس کلام پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) فرق مخفی نہیں بلکہ ظاہر ہے الحمد للہ، کیونکہ خاوند کے پہل کرنے اور یہ کہنے پر کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ تجھے طلاق ہے تو عورت نے قبول کرلیا تو یہ تعلیق ملکیت نکاح کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) سے پہلے ہوئی ہے لہذا ملکیت حاصل نہ ہوئی اور ملکیت کے سبب پر بھی تعلیق نہیں کیونکہ معینہ عورت کے لئے حقیقۃ شرط کا پایا جانا ضروری ہے محض شرط کا معنی کافی نہیں، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، تو یہ تعلیق بالطلاق باطل ہوگی جس طرح انہوں نے اس کو نہر سے نقل کیا ہے لیکن، اگر عورت پہل کرکے ایجاب میں کہے میں نے تجھے اپنا نفس نکاح کرکے دیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے تو خاوند نے قبول کرتے ہوئے کہا میں نے قبول کیا، چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے اس لئے گویا خاوند نے یوں کہا" میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے" تو یہ تعلیق نکاح کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) پائے جانے کے بعد پائی گئی اس کا خانیہ نے افادہ فرمایا جہاں انہوں نے فرمایا کہ جب ابتداء زوج کرے تو طلاق اور تفویض دونوں نکاح سے قبل پائی گئیں لہذا صحیح نہ ہوں گی لیکن جب عورت ابتداء کرے تو تفویض نکاح کے بعد پائی گئی کیونکہ جب خاوند نے جواب میں کہا" میں نے

ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح اھ **قلت** وبه تبین حکم ماذا ابتدأت المرأۃ من دون شرط وقبل الزوج بشرط حیث یصح الطلاق و التفویض لان کلام المرأۃ لاعبرۃ بھا فی ھذا الباب، کانت الصحة فیما مر لوقوعه فی قبول الزوج تقدیرا لتضمن الجواب مافی السؤال، فاذا وقع فیه تحقیقا کان اولی بالصحة[1] اھ ماکتبت علیه وبه یظھرلك کل ماذکرناھھنا۔	قبول کیا" چونکہ جواب میں سوال کا اعادہ مراد ہوتا ہے تو گویا یوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے، یا تفویض کی صورت میں یوں کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو تفویض نکاح کے بعد ہوئی اھ، (**میں کہتاہوں**) اس سے صورت کا حکم معلوم ہوگیا جس میں بغیر شرط عورت ایجاب میں پہل کرے اور خاوند قبول کرتے ہوئے شرط ذکر کرے تو طلاق اور تفویض صحیح ہوگی، کیونکہ طلاق کے متعلق عورت کا کلام بے معنٰی ہے اس کی صحت کا دار ومدار خاوند کے قبول کرنے پر ہے جو کہ قبول کرنے میں مقدر طور پر مذکور ہے کیونکہ خاوند کا جواب عورت کے ایجاب یعنی سوال کو متضمن ہے تو جب خاوند کے قبول کرنے میں صراحتًا شرط مذکور ہو تو بطریق اولٰی صحیح ہوگا اھ میں نے یہاں حاشیہ میں جو لکھا وہ ختم ہوا، اس سے یہاں پر تمام بحث کا آپ کو علم ہوگیا۔ (ت)

پھر بہر صورت منکوحہ ثانیہ خواہ ہندہ صورت مذکورہ میں جس پر طلاق پڑے گی تین طلاقیں ہوں گی کہ عرف میں طلاق مغلظہ اسی کو کہتے ہیں۔

اقول وحیث کان البناء علیه فلایرد ان قال انت طالق اغلظ الطلاق واحدۃ بائنة ان لم ینو ثلثا[2] کما فی التنویر ثم اعلم ان الوقوع بالصفة عند ذکرھا کما اذا قال انت طالق البتة حتی لوقال بعدھا ان شاء الله متصلا لایقع ولو کان الوقوع باسم الفاعل لوقع کما فی ردالمحتار فلایتوھم	**اقول** (میں کہتا ہوں کہ) جب گفتگو عرف پر مبنی ہے تو اب تنویر کی اس عبارت سے اعتراض پیدا نہ ہوگا کہ "غلیظ تر طلاق والی ہے" یہ ایک طلاق بائنہ ہوگی بشرطیکہ تین کی نیت نہ کرے۔ پھر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ طلاق کا وقوع صفت کے ساتھ ہوگا جب صفت مذکور ہوگی، مثلاً جب خاوند کہے "تجھے طلاق ہے قطعی" حتی کہ اس کے ساتھ متصل ان شاء اللہ کہہ دے تو یہ طلاق واقع نہ ہوگی (کیونکہ ان شاء اللہ کا تعلق طلاق قطعی کے ساتھ ہے صرف "قطعی" سے نہیں) اگر اس میں

[1] جد الممتار حاشیة ردالمحتار باب الرجعة حاشیه نمبر ۱۰۸۷ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۲/ ۶۶-۵۶۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

ان الاخری ینزل علیها الطلاق وھو غیر مدخول بها والتعلیق کالتکلم عند وجود الشرط فکانه قال لها حینئذ انت طالق طلاقا مغلظا فطلقت بطالق ولغا الوصف فافهم ۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا وقوع صرف لفظ "طالق" اسم فاعل سے ہوتا تو پھر ان شاء اللہ کا تعلق صرف لفظ "قطعی" یعنی البتۃ سے ہوتا، اور طالق کے ساتھ نہ ہونے کی بناء پر طلاق واقع ہو جاتی، جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا ہے تو اس قاعدہ کی بناپر یہ وہم نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری نئی بیوی غیر مدخولہ ہونے کی وجہ سے اس پر مذکورہ شرط والی مغلظہ طلاق نہ پڑی تو وہ انت طالق (تو طلاق والی ہے) سے بائنہ ہو گئی، کیونکہ تعلیق میں شرط کے پائے جانے کے وقت طلاق والی کلام کا تکلم متحقق ہوتا ہے تو شرط پائے جانے پر گویا اس نے کہا تو طلاق والی ہے طلاق مغلظہ کے ساتھ، تو غیر مدخولہ کو طالق کہنے پر بائنہ طلاق ہو گئی اور اس کے بعد مغلظ کا وصف لغو قرار پایا، اس وہم کے مدفوع ہونے پر غور کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: از ریاست رامپور مرسلہ حبیب اللہ بیگ جماعت مولوی فاضل اورنٹیل کالج ۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے کہتا ہے کہ تجھ پر تین شرطوں سے طلاق قول من حیث ہو قول کیا، کسی چیز کی طرف اشارہ وغیرہ نہیں کیا بس تین شرطوں سے کہہ دیا یہ طلاق کون طلاق، واقع ہو گئی اور کیوں؟ اور تین شرطوں سے کیا مراد ہے اور کیوں؟

الجواب:

ظاہر الفاظ کا مفاد یہ ہے کہ طلاق بشرطِ مجہول دیتا ہے تو یہ کہنا ایسا ہوا کہ مطلقہ ہے، اگر تین شرطیں پائی جائیں اس صورت میں طلاق اصلاً واقع نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

وشرط صحته ذکر المشروط فنحو "انت طالق ان" لغو به یفتی [1]۔	تعلیق کی صحت کے لئے مشروط کا ذکر ضروری ہے، تو یوں کہنا "تجھے طلاق ہے اگر" لغو قرار پائے گا، اسی پر فتوٰی ہے (ت)

اور ایک احتمال یہ بھی ممکن کہ اس نے اپنے جاہلانہ محاورہ سے تین عدد کو تین شرطیں کہا ہو جیسے تین بار ہاتھ دھونے کو بعض جہال کہتے ہیں تینوں شرطیں پوری کرلو۔ اگر یہ اس کا محاورہ و مقصود ہے تو تین طلاقیں ہو گئیں۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

یحمل کلام کل عاقل وحالف علی عرفہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	عقد کرنے والے کے اور حلف دینے والے کلام کو اس کے عرف پر محمول کیا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰: از چھاؤنی برار علاقہ ریاست گوالیار متصل عقب گرلس اسکول بمعرفت منشی سید امجد علی صاحب مرسلہ عطا حسین صاحب نقشہ نویس ۵ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے والد اور ہندہ نے زید سے اسٹامپ لکھوا کر کچہری میں رجسٹری کروالی ہے جن میں کے چند شرائط درج ہیں:

(۱) ہندہ تمام عمر اپنے باپ ہی کے مکان پر رہے گی۔

(۲) جو اس وقت اولاد موجود ہے اس کی مالک ہندہ ہوگی زید مالک نہیں ہوسکتا اور آئندہ جو اولاد ہوگی اس اولاد کی بھی مالک ہندہ ہوگی۔

(۳) ہندہ کی حیات میں تم دوسری شادی نہیں کرسکوگے۔

(۴) دس ۱۰ روپیہ ماہوار ہندہ کے خرچ کے لئے زید کو ہندہ کے والد کے مکان پر بھیجنا ہوں گے۔

(۵) میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر کسی وقت میں تین ماہ تک بہ استثنائے حوادثاتِ زمانہ جس کو میری زوجہ تسلیم کرلے خرچ نہ بھیجوں یا شرط مذکورہ بالا میں سے کسی شرط کا ایفاء نہ کروں تو میری یہ تحریر بجائے تین طلاق مغلظ وشرع کے سمجھی جائے، یہ سب شرائط لکھنے کے بعد زید چھ ۶ ماہ تک ہندہ سے ملنے نہیں گیا اور نہ چھ ماہ تک ہندہ کے لیے خرچ بھیجا، بعد چھ ماہ کے زید ہندہ کے مکان پر گیا، ہندہ کے والد نے زید کو ہندہ سے ملنے دیا اور ہندہ کو زید کے ہمراہ رخصت کردیا، زید ہندہ کو اپنے مکان پر لے آیا، اسی طرح سے آنا جانا بنا رہا، بعد چار ماہ کے ہندہ کا خط زید کے پاس آیا مجھ کو خرچ بھیجو، زید اس وقت بوجہ قرضداری کے خرچ نہیں بھیج سکا، ہندہ کے والد نے پھر ایک خط زید کو بھیجا تم نے اپنی تحریر کے موافق خرچ نہیں بھیجا تین ماہ کے بجائے چار ماہ گزر گئے اس لئے تم دونوں کو شریعت نے بالکل علیحدہ کیا طلاق ہوچکی اب کسی طرح میل جول نہیں ہوسکتا تم کو نوٹس دیا جاتا ہے کہ تیرہ سو بیس ۱۳۲۰ روپے حق مہر یکمشت ادا کردو، اس وقت اولاد کا دعوٰی کرنا، زید ہندہ کے والد کے پاس گیا زید نے یہ کہا جبکہ میں نے چھ چھ ماہ تک خرچ نہیں بھیجا اور ہندہ کو آپ نے میرے ہمراہ رخصت کردیا، اتنے عرصہ تک خرچ نہ بھیجنے پر اس وقت طلاق کیوں نہیں ہوئی، ہندہ کے والد نے جواب دیا ہندہ نے تم کو خرچ بھیجنے کیلئے نہیں لکھا تھا اب ہندہ نے تم کو خرچ منگوانے کے لئے لکھا ہے اس وقت سے تین ماہ رکھے گئے ہیں، پھر زید نے

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹

یہ سوال کیاکہ اسٹامپ میں آپ نے یاہندہ نے یہ نہیں درج کروایا ہے کہ خرچ منگوانے پر تین ماہ رکھے جائیں، پھر زید نے ہندہ کا خط ہندہ کے والد کے روبرو پیش کیا، تین ماہ گزرنے میں پانچ یوم باقی ہیں ہندہ کے والد نے زید سے کہا تین ماہ کے تیس ۳۰ روپے دے دو تیس ۳۰ روپے دینے پر بھی تم ہندہ سے نہیں مل سکوگے اس وقت تک جبکہ تمہاری زوجہ کو خرچ نہ بھیجنے پر معذور سمجھے، اور علمائے دین سے دریافت کیا جائے اگر علمائے دین ملنے کی اجازت دے دیں اس وقت تم کو اطلاع دے دیں گے تم آکر اپنی زوجہ کو رخصت کرالے جانا، اور اگر علمائے دین نے ملنے کی اجازت نہ دی اور طلاق مقرر کردی تو تمہارے تیس ۳۰ روپے واپس کردئے جائیں گے، زید نے کہا اس وقت میرے پاس تیس ۳۰ روپے نہیں فی الحال دس روپے لئے لیجئے مکان پر پہنچ کر بیس ۲۰ روپے اور بھیج دوں گا انہوں نے دس روپے نہیں لئے، زید کو واپس لوٹا دیا، ہندہ کے والد نہ تو زید کو اولاد دیتے ہیں اور نہ ہندہ سے ملنے دیتے ہیں، زید میں اس قدر حیثیت نہیں ہے کہ تیرہ سو بیس ۱۳۲۰ روپیہ حق مہر یکمشت ادا کرسکے، اب ہندہ کے والد یہ کہتے ہیں کہ علماء سے اجازت لو اگر علمائے دین ہندہ سے ملنے کی اجازت دے دیں تو پھر مجھ کو کچھ عذر نہ ہوگا تمہارے ساتھ ہندہ کو رخصت کردوں گا، اب عرض یہ ہے کہ ان سب شرائط سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ ہندہ کے والد نے زید کو لکھا کہ جس عالم سے تم فتوی منگواؤ اگر وہ لکھیں کہ طلاق نہیں ہوئی تو ان کو یہ ضرور لکھ دینا کہ جس کتاب سے طلاق نہیں ہوئی ہے (ثابت ہے) اس کتاب کا نام اور صفحہ کا نمبر ضرور لکھیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سب جاہلانہ خرافات ہیں، وہ اقرار نامہ باطل محض ہے اس میں جتنی شرطیں لگائیں سب باطل ومردود وخلاف شرع ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل وان کان مائة شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق[1]۔ رواہ البخاری ومسلم عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	کیا حال ہے ان لوگوں کا جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی شریعت میں نہیں، جو شرط شریعت کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو ۱۰۰ شرطیں ہوں، اللہ کا حکم حق ہے، اور اللہ کی شرط مؤکد۔ (اس کو بخاری اور مسلم نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور اب باپ ہی کے یہاں رہے گی اور موجودہ اولاد کی وہی مالک ہوگی اور آئندہ اولاد کی بھی وہی مالک ہوگی اور

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

باپ کے گھر بیٹھے نفع پائے گی یہ سب شرطیں خلافِ شرع ومردود ہیں پانچویں شرط کو خلاف کرے تو یہی تحریر تین طلاق سمجھی جائے یہ بھی باطل ہے، غیر طلاق کو طلاق سمجھنا کیا معنی، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ. فقال الزوج دادہ انگار او کردہ انگار لایقع وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی [1] اھ ملخصًا۔	ایک عورت نے اپنے خاوند کو کہا تو مجھے طلاق دے، تو خاوند نے کہا دی ہوئی یا کی ہوئی سمجھ، تو طلاق نہ ہوگی خواہ نیت بھی کی ہو۔ گویا خاوند نے عربی میں کہا تو خیال کرلے کہ تو طلاق والی ہے۔ تو ایسا کہنے پر طلاق نہیں اگرچہ نیتِ طلاق بھی ہو، اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

لوقیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدھا مطلقۃ او احسبھا مطلقۃ لاتطلق امرأتہ [2]۔	اگر کسی شخص کو یہ کہا جائے کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو وہ جواب میں کہے تو اس مطلقہ شمار کریا کہے بیوی کو مطلقہ سمجھ لے، تو اس سے طلاق نہ ہوگی (ت)

بالجملہ نہ صورتِ مستفسرہ میں طلاق ہوئی نہ عورت مالک اولاد ہوسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیوی کا نفقہ اولاد والے یعنی خاوند پر ہے۔ (ت)

ہاں بحق حضانت لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گا اور لڑکی نو برس کی عمر تک، پھر باپ لے گا۔ شوہر اگر اپنے پاس بلانا چاہے تو عورت کو باپ کے گھر رہنے کا اختیار نہیں،

قال اللہ تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ [4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم اپنی بیویوں کو وہاں رکھو جہاں سکونت پذیر ہو۔ (ت)

اگر شوہر کے پاس آنے سے انکار کرے گی نفقہ پانے کی مستحق نہ ہوگی۔ عامہ کتب میں ہے: لانفقۃ للناشزۃ [5]

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۲/۲۲۳

[4] القرآن الکریم ۶۵/۶

[5] بحر الرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۷۹، ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۷

(نافرمان بیوی کے لئے نفقہ نہیں۔ت) مہر اگر نہ معجّل تھا نہ مؤجل یعنی رخصت سے پہلے دینا قرار پایا تھا نہ کوئی میعاد معین مثلاً سال دو سال قرار پائی تھی، توجب تک موت یا طلاق نہ ہو عورت کو اس کے مطالبہ کا کچھ اختیار نہیں۔ردالمحتار میں ہے:

مؤخر المهرحق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق[1]۔	مؤخر کردہ مہر کا مطالبہ، طلاق یا موت کے بعد ہوسکتا ہے۔(ت)

پدر ہندہ کا یہ شرط لگانا کہ کتاب کا صفحہ بتایا جائے انہیں شرائط کے قبیل سے ہے جو اس نے اقرار نامہ میں لکھوائیں اگر وہ ذی علم ہوتا اس پر یہ احکام مخفی نہ رہتے نہ ایسا مہمل اقرار نامہ لکھواتا نہ یہ ہوتا کہ چھ مہینے گزرنے پر طلاق نہ سمجھی، تین مہینے گزرنے پر طلاق ہے، اور جو بے علم ہے اس کا حوالہ وصفحہ طلب کرنا اپنے منصف سے بڑھنا ہے اور اسے صفحہ بتانا فضول، اسے یہ حکم ہے کہ علماء سے دریافت کرے نہ یہ کہ صفحہ سطر جانچے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از جبلپور محلّہ بھان تلیا مرسلہ محمد نظیر داد خاں سوال نویس کچہری خفیفہ ۲۰رجب ۱۳۱۸ھ

منکہ علاء الدین ولد شیخ رجب قوم مسلمان ساکن جبلپور محلّہ گلگلا تالاب کا ہوں، چونکہ بوجہ دو عورتوں کے بیاہا تھا عورت میری سے آپس میں تکرار ہوا کرتی تھی سو آج کے روز روبرو گواہان ذیل یہ تصفیہ ہوا کہ میں بلاعذر کھانا کپڑا دیا کروں گا اور رات کے وقت مکان میں بھی رہا کروں گا اور بالفرض اگر میں ایک ماہ تک بلاوجہ کھانا کپڑا نہ دوں اور مکان میں رات کے وقت نہ رہوں تو روبرو گواہان یہ تصفیہ ہوا کہ عورت مذکورہ ہمارے نکاح سے باہر مثل طلاق کے ہوجائے اور میری لگت فسخ ہوجائے اور جو ڈگری عدالت سے ہمارے نام کی ہے وہ بھی باطل ہوجائے اور بیاہتا عورت کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مکان میں جو اس کے باپ کا ہے رہے میں بھی اسی جگہ رہوں گا اور کھانا کپڑا دوں گا اس میں کسی طرح کا عذر وحیلہ نہ کروں گا عذر کروں تو جھوٹ، اس واسطے یہ چند کلمے بطریق اقرار نامہ کے لکھ دئے کہ سند رہے اور وقتِ ضرورت کام آئے۔

میری شادی علاء الدین کے ساتھ عرصہ سات سال کا ہوا ہوگئی تھی اب میرے والدین قضا کرگئے اور میرا کوئی شرپرست نہیں رہا، میرے خاوند نے عرصہ چھ ۶ سال کا ہوا کہ ایک دوسرا نکاح کرلیا اور اس کے ہمراہ رہا کرتا ہے میری کسی طرح سے کفالت نہیں کرتا ایک مرتبہ پنچایت میں اس نے میرے نان نفقہ کا اقرار کرکے ایک اقرار نامہ مورخہ ۱۷جون ۱۸۹۹ء کو تحریر کردیا تھا اور اقرار کیا تھا کہ اگر اقرار پورا نہ کروں تو طلاق ہوجائے مگر اس نے اپنا عہد پورا نہیں کیا اور میری وہ کیفیت ہے جو سابق میں تھی اب میں گزر اوقات کس طرح کروں اور میں نکاح سے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المجلس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

باہر کیونکر ہو سکتی ہوں مجھے اس سے کچھ امید نہیں۔ مؤرخہ ۱۵اگست ۱۹۰۰ء عرضی مسمّاۃ بتول ولد بیچن خاں میاں نظیر داد خاں: باوجود ہونے پنچایت اور تحریر اقرار نامہ کے علاء الدین مسماۃ بتول کی پرورش بالکل نہیں کرتا اور مخفی رہتا ہے، کیا بموجب تحریر اسٹامپ طلاق ہو گئی، اگر ہو گئی ہو تو مطلع کرو اس کا عقد ثانی کر دیا جائے تاکہ بلا سے نجات ہو، اس شخص نے کبھی کفالت نہیں کی اور نہ امید پائی جاتی ہے۔ مورخہ ۱۶/اگست ۱۹۰۰ء

محمد خاں: بخدمت مولٰنا عبدالسلام صاحب زاد فیضہ۔ چونکہ یہ مذہبی معاملہ ہے، میرے پاس یہ کاغذات آئے، میں نے شروع سے اخیر تک دیکھا واقعی علاء الدین اپنی بیاہتا عورت سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھتا اور نہ اس کی کفالت کرتا ہے، اس نے ایک دوسرا نکاح کرلیا ہے اس کی ہمراہی میں رہتا ہے، ایسی حالت میں اسکی زندگی پار ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے، آپ تحریر فرمایئے کہ یہ نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، اور عقد ثانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔ ۱۶/اگست ۱۹۰۰ء محمد نظیر داد

خلاصہ جواب: صورت مستفسرہ میں ثبوت کتابت اقرار نامہ ہذا بلا اکراہ، از علاء الدین یا از جانب علاء الدین مع تحقیق خلاف اقرار نامہ یعنی ترک نان ونفقہ زوجہ وترک شب باشی با زوجہ تا بیک ماہ معلق علیہا الطلاق مستلزم ترتب الجزاء علی الشرط یعنی وقوع طلاق کا ہے بمجرد انقضائے مدۃ معینہ بلاشک اس کی زوجہ مذکورہ پر طلاق بائن واقع ہو گی اور وہ عورت اس کے نکاح سے باہر ہو جائے گی۔ فتاوی الخیریہ لنفع البریہ میں ہے:

لاشك اذا وجدت الغيبة والترك المعلق عليهما الطلاق انه يقع لوجود الشرط الموجب للجزاء الخ[1]۔	اس میں شک نہیں کہ وہ غیر حاضری اور ترک معاملہ جس پر طلاق کو معلق کیا گیا ہو اگر پایا جائے تو طلاق ہو جائیگی کیونکہ جزاء لازم کرنے والی شرط پائی گئی الخ (ت) بعد انقضائے عدت طلاق وہ عورت عقد کر سکتی ہے۔

بجنسہٖ کاغذات ہذا خدمت میں عالی جناب مولانا احمد رضا صاحب بریلوی مرسلہ ہو کر گزارش کی جائے بعد ملاحظہ رائے مناسب سے اطلاع بخشیں۔ المرقوم ۴ ستمبر ۱۹۰۰ء

الجواب:

فی الواقع علاء الدین کا کلام مذکور جہاں تک مقتضاء نظر فقہی ہے تعلیق شرعی ہے کہ وقت وجود شرط موجب وقوع طلاق بائن وزوال نکاح جواز نکاح ثانی زن بعد انقضائے عدت ہے جیسا کہ فاضل مجیب سلمہ اللہ القریب المجیب نے بیان فرمایا،

[1] فتاوی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۵

الظاھر ان لایجعل قولہ تو روبرو گوہان یہ تصفیہ ہو فاصلا بین الشرط والجزاء لانہ من باب التاکید المفید والتائید المزید فلایکون اجنبیا۔(قال فی الدر)فقال لھا انت طالق ان شاء اللہ تعالٰی متصلا الالتنفس او سعال اوجشاء او عطاس او ثقل لسان او امساك فم او فاصل مفید لتاکید او تکمیل اوحد او طالق او نداء ،کانت طالق یازانیۃ اوطالق ان شاء اللہ صح الاستثناء ،بخلاف الفاصل اللغو کانت طالق رجعیا ان شاء اللہ[1] الخ وفی الھندیۃ رجل قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فاعلمی ان شاء اللہ صح الاستثناء ولو قال انت طالق ثلاثا اعلمی ان شاء اللہ او قال اذھبی ان شاء اللہ طلقت ثلثا وبطل الاستثناء کذافی فتاوٰی قاضی خاں[2] اھ وفیھا فی فصل الطلاق قبل الدخول لو قال انت طالق اشھدوا ثلثا فواحدۃ ولو قال فاشھدوا فثلث	ظاہر یہی ہے کہ خاوند کا کہنا "روبرو گواہان یہ تصفیہ ہو" شرط اور جزاء کے درمیان فاصل نہ بنے گا کیونکہ درمیان میں اس کا یہ کہنا مفید تاکید وتائید مزید ہے لہٰذا یہ کلام اجنبی نہ ہوگا،در میں فرمایا: خاوند نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے ان شاء اللہ تعالٰی،تو یہ متصل استثناء صحیح ہوگا یعنی طلاق نہ ہوگی اور اگر کھانسی سانس یا باسی ڈکار یا چھینک یا زبان کے ثقل یا منہ کی بندش یا کوئی اور فاصل جو مفید تاکید یا تکمیل ہو یا وہ فاصل حد یا طلاق یا ندا کیلئے مفید ہو تو بھی استثناء صحیح ہوگا،مثلاً کوئی کہے انت طالق اے زانیہ ان شاء اللہ یا کہے تجھے طلاق ان شاء اللہ،تو طلاق نہ ہوگی،اس کے برخلاف کلام اور استثناء میں وہ فاصل ہے جو لغو ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق رجعی ان شاء اللہ،استثناء صحیح نہ ہوگا اور طلاق ہوجائے گی الخ۔ہندیہ میں ہے ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے تین طلاق پس جان لے ان شاء اللہ تو استثناء صحیح ہوگا،اور اگر یوں کہا تجھے تین طلاق جان لے ان شاء اللہ،یا کہا جا چلی جا ان شاء اللہ تو بیوی کو تین طلاقیں واقع ہونگی اور یہ استثناء باطل قرار پائیگا،یوں ہی فتاوی قاضی خان میں ہے الخ۔اور ہندیہ میں طلاق قبل دخول کی فصل میں ہے کہ اگر کہے تجھے طلاق ہے گواہ ہوجاؤ ان شاء اللہ،تو استثناء صحیح نہ ہوگا اور ایک طلاق ہوگی،اور اگر گواہ ہوجاؤ

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۳

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الرابع فی الاستثناء نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۶۰

کذافی العتابیة [1] اھ ومثله فی هذا الباب المذکور من رد المحتار عن البحر من الظهیریة قال وحاصله ان انقطاع النفس وامساك الفم لایقطع لاتصال بین الطلاق وعدده وکذا النداء لانه لتعیین المخاطبة وکذا عطف فاشهدبالفاء لانها تعلق مابعدها بما قبلها فصار الکل کلاما واحدا [2]۔	کی بجائے پس گواہ ہو جاؤ کہا، تو تین طلاقیں ہوں گی، عتابیہ میں یونہی ہے اھ، اسی باب میں ردالمحتار میں بحر سے انہوں نے ظہیریہ سے نقل کیا اور کہا حاصل یہ ہے سانس کا ٹوٹ جانا یا منہ بند ہو جانا طلاق اور اس کے عدد میں اتصال کو منقطع نہ کرے گا اور یوں مخاطبہ کو معین کرنے کے لئے ندا بھی فاصل نہ بنے گی، اور اسی طرح فاشھدوا، فاء کے ساتھ عطف بھی فاصل نہ ہوگا کیونکہ مابعد کا ماقبل سے تعلق ہوتا ہے تو پورا کلام واحد ہوگا (ت)

تحقق شرط میں اتنے امر کالحاظ ضرور ہے کہ مہینہ بھر تک روٹی کپڑا نہ دینا اور شب کو مکان میں نہ رہنا بلاوجہ مقبول شرعی ہوا ہو کہ شرط میں "بلاوجہ" کالفظ مذکور ہے تو کسی وجہ قابل قبول شرع کے باعث اگر مہینہ بلکہ برس گزر گیا اور اسے نہ کھانا کپڑا دیا نہ مکان میں رہا تو طلاق نہ ہوگی، یونہی اگر دونوں شرط مذکور یعنی عدم انفاق وعدم شب باشی سے صرف ایک ثابت ہوئی مثلاً یہ تو ثابت ہوا کہ بلاوجہ مہینہ بھر تک روٹی کپڑا نہ دیا مگر مہینہ بھر تک رات کو مکان میں بلاوجہ نہ رہنے کا ثبوت نہ ہوسکا یا بالعکس تو جب بھی طلاق ثابت نہ ہوگی کہ یہاں دونوں شرطوں کا ثبوت ثبوتِ طلاق کے لئے ضرور ہے۔

فی ردالمحتار، ان لم یکرر اداة الشرط فلابد من وجود الشیئین قدم الجزاء علیها اواخره [3] بحر، ملخصًا۔	ردالمحتار میں ہے اگر حرفِ شرط مکرر نہ ہو تو دو چیزوں یعنی شرط وجزا کا پایا جانا ضروری ہے، جزاء کو شرط سے مقدم ذکر کیا ہو یا موخر ذکر کیا ہو، برابر ہے، بحر، ملخصًا۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس مقدمے میں بالاتفاق بارِ ثبوت عورت کے ذمے ہے کہ مہینہ بھر تک نان ونفقہ نہ ملنے کے باب میں اگرچہ عورت محتاج گواہان نہیں بلکہ صرف اس کا بیان حلفی کافی ہے،

وعند قیام الزوجیة وکونها مستحقة	زوجیت پائی جائے اور بیوی خاوند سے خرچہ وصول

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بها داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۶

[3] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۰۸

لینفقه کما یشهد به کتابة الزوج لایکون الوجه المانع الاحادثا فیکون الظاهر مع المرأة المنکرة حدوثه فان ادعاه الزوج فلیثبته۔	کرنے کی مستحق ہو، جیسا کہ خاوند کی تحریر شاہد ہے تو پھر کسی نئے حادثہ کے بغیر نفقہ سے کوئی مانع نہیں اور ظاہر حال عورت کے حق میں جبکہ وہ ایسے حادثے کا انکار کرتی ہو پھر اگر خاوند اس حادثہ کا مدعی ہو تو خاوند پر حادثہ کو ثابت کرنا لازم ہوگا(ت)

مگر صرف اسی قدر تو شرط طلاق نہ تھا بلکہ مہینہ بھر تک بلاوجہ ترک شب باشی بھی، اور اس کا ثبوت گواہانِ شرعی سے دینا بلاشبہہ عورت پر لازم ہے فقط اس کا بیان اگرچہ حلفی ہو یہاں ہر گز معتبر نہیں

لانها ترید بهذا اثبات الطلاق وهو ینکره والبینة علی النفی مسموعة فی الشروط، فی الدر المختار (ان اختلفا فی وجود الشرط) ای ثبوته لیعم العدمی (فالقول له مع الیمین) لانکاره الطلاق ومفاده انه لو علق طلاقها بعدم وصول نفقتها ایاما فادعی الوصول وانکرت ان القول له وبه جزم فی القنیة، لکن صحح فی الخلاصة والبزازیة ان القول لها واقره فی البحر والنهر وهو یقتضی تخصیص المتون، لکن قال المصنف وجزم شیخنا فی فتواه بما تفیده المتون والشروح لانها الموضوعة لنقل المذهب کما لا یخفی، (الا اذا برهنت) فان البینة	کیونکہ بیوی اس سے اثباتِ طلاق کا ارادہ رکھتی ہے اور خاوند طلاق سے انکار کر رہا ہے جبکہ شرائط کے متعلق نفی پر بھی گواہی قابل سماعت ہے۔ در مختار میں ہے (اگر خاوند اور بیوی نے طلاق سے متعلق شرط کے پائے جانے میں اختلاف کیا) یعنی شرط کے ثبوت میں، تاکہ یہ عدمی شرط کو بھی شامل ہوسکے (تو خاوند کی بات کو اس سے قسم لے کر، تسلیم کرلیا جائے گا) کیونکہ وہ طلاق سے انکاری ہے۔ اس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر خاوند نے طلاق کو چند دن نفقہ نہ پہنچانے سے معلق کیا تھا تو اب اختلاف میں خاوند کا مؤقف یہ ہے کہ اس نے نفقہ پابندی سے پہنچایا ہے اور بیوی اس کا انکار کرتی ہے تو اس میں خاوند کی بات معتبر ہوگی، قنیہ میں اسی پر جزم کیا ہے لیکن خلاصہ اور بزازیہ میں بیوی کی بات معتبر قرار دینے کو صحیح قرار دیا ہے، اسی کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے، اور وہ متون کی تخصیص کا متقاضی ہے لیکن مصنف نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنے فتاوی میں اس پر جزم کا اظہار فرمایا جس کو متون اور شروح نے بیان کیا ہے کیونکہ مذہب کی ترجمانی کے لئے یہی موضوع ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے (الا یہ کہ بیوی گواہ پیش

تقبل علی الشرط وان کان نفیا[1] اھ فی ردالمحتار قوله واقره فی البحر حیث قال فی فصل الامر بالید قیل القول له لانه ینکر الوقوع لکن لایثبت وصول النفقة الیها والاصح ان القول قولها فی هذاوفی کل موضع یدعی ایفاء حق وهی تنکر اھ.ونقل الخیر الرملی ایضا تصحیحه عن الفیض والفصول.قوله وهو یقتضی تخصیص المتون ای تخصیصها بکون القول له اذالم یتضمن دعوی ایصال مال حملا للمطلق علی المقید[2] اھ باختصار.البزازیة عدم قبول قوله فی کل موضع یدعی ایفاء حق مالی وهی تنکر فهذا یقتضی تخصیص المتون فاغتنم هذا[3]۔	کردے) کیونکہ شرط کے متعلق گواہی قبول ہوتی ہے اگرچہ یہ شرط منفی ہواھ،اس مقام پر ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول کہ اس (بیوی کی بات معتبر ہے) کو بحر میں ثابت رکھا،یہ بات انہوں نے فصل امر بالید میں یوں کہی ہے کہ بعض نے کہا ہے کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی کیونکہ وہ طلاق کے وقوع کا منکر ہے،مگر اس کے ساتھ وہ نفقہ بیوی تک پہنچانے کو ثابت نہیں کررہا،لہٰذا اصح یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بیوی کی بات معتبر ہوگی اور اسی طرح ہر ایسے مقام میں جہاں خاوند حق کو پورا کرنے کا مدعی ہو اور بیوی منکر ہو تو بیوی کی بات معتبر ہوگی اھ،خیر الدین رملی نے بھی فیض اور فصول سے اس کی تصحیح کو نقل کیا ہے،اور ماتن کا قول کہ یہ (بیوی کی بات کا معتبر قرار دینا) متون کی تخصیص کا متقاضی ہے یعنی متون کے اس قول کا کہ خاوند کی بات معتبر ہوگی بایں صورت کہ خاوند کا دعوی مالی حق کو پہنچانے پر مشتمل نہ ہو یعنی متون کی مطلق عبارت کو مقید بنانے سے تخصیص ہوگی اھ مختصرًا۔اور غمز العیون میں ہے کہ خلاصۃ الفتاوی اور بزازیہ میں ہے ہر ایسے مقام پر جہاں خاوند کے مالی حق کو پہنچانے کا دعوی ہو اور بیوی کا انکار ہو تو خاوند کی بات کے معتبر نہ ہونے کی تصحیح کی ہے،لہٰذا یہ بات متون کی تخصیص کا تقاضا کررہی ہے،اس بحث کو غنیمت سمجھو۔(ت)

وجوہ شرعیہ جو یہاں قابل قبول ہوں متعدد مگر ان کے بیان سے دست کشی کی جاتی ہے کہ تعلیم نہ ہو اگر کوئی وجہ باعث ترک تھی تو علاء الدین خود بیان کردے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: از کلکتہ ٹرین اسٹریٹ ۹۲ مسجد سرمد خلیفہ مرسلہ عبدالرشید صاحب ۹ ذی الحجہ المبارک ۱۳۲۰ھ

مرجع خاص وعام ملاذ علمائے کرام لازالت عتبتہم کہف الانام سلام مسنون برسیم فدویان عقیدت کیش

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۱

[2] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۰۲

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الطلاق ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۵۶

بجاآوردہ، گزارش یہ ہے بنگالہ کے بعض دیار میں یہ دستور ہے کہ جب نوشہ شامل براتِ دُلہن کے مکان پر جاتا ہے تو دُلہن کے اولیاء واقرباء غیر مناسب شرائط سے کابین لکھوا کر نوشہ کو اوپر دستخط کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور در صورتِ عدم دستخط لڑکی دینے سے انکار کرتے ہیں، بیچارہ نوشہ بخوفِ ندامت وتضیع زیورات واسباب شادی جبرًا وقہرًا اس پر دستخط کردیتا ہے اور بعد دستخط کرنے کے باقاعدہ رجسٹری بھی کرادیتا ہے حالانکہ پیشتر اس مجلس نکاح کے ان بیہودہ شرائط کا تذکرہ تک نہیں ہوتا ہے، منجملہ ان غیر مناسب شرائط کے ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ تاحینِ حیات منکوحہ ہذا اور کسی عورت سے ہرگز شادی ونکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو دوسری عورت مطلقہ بطلاق ثلاثہ بائنہ ہوگی خواہ منکوحہ ہذا بروقت نکاح بازنِ دیگر میرے نکاح میں موجود ہو یا نہ ہو۔ پس دریں صورت مسئولست کہ شرعًا ایسی بھی صورت ہے کہ ناکح مذکور کو اس منکوحہ کے حینِ حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنا جائز ہوجائے، بینوا بحوالۃ الکتاب توجروا عند الوہاب جواب بحوالہ کتب فقہیہ مع نقل عبارت مرحمت ہو۔

الجواب:

اگر کوئی فضولی بطور خود بے اس کی توکیل کے اس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور وہ شخص اجازت فعلی سے اسے جائز ونافذ کردے زبان سے کچھ لفظ نہ کہے تو اس صورت میں منکوحہ ثانیہ پر طلاق اصلًا نہ ہوگی اگرچہ منکوحہ اولٰی ہنوز خود اس کے نکاح میں موجود ہو اور فضولی یوں آپ نہ کردے تو اس قسم کے الفاظ اس کے سامنے کہے کہ کاش کوئی فلاں عورت سے میرا نکاح کردیتا یا کیا اچھا ہوتا کہ کوئی دوست بطور خود میرا عقد اس سے کردیتا،

وذٰلك لان هذاالفاظ الاماني دون الانابة حتى يكون توكيلا۔	یہ اس لئے کہ یہ الفاظ تمنائی ہیں یہ نیابت ثابت نہیں کرتے حتی کہ وکیل بنانا متصور ہوسکے۔(ت)

اور اجازت فعل یہ کہ مثلًا عورت کو مہر جو مقرر ہوا ہے بھیج دے یا زبان سے نہ کہے کاغذ پر لکھ دے کہ میں نے اس نکاح کو نافذ کیا اور اگر فضولی خواہ کسی نے اس عقد فضولی کی اس کو مبارکباد دی اور اسے سن کر سکوت کیا جب بھی عقد صحیح اور نافذ ہوگیا اور طلاق نہ پڑے گی، درمختار میں ہے:

زوجه فضولی فاجاز بالقول حنث وبالفعل ومنه الكتابة لايحنث به يفتى خانية۔[1]	کسی کا نکاح فضولی شخص نے کردیا تو اس شخص نے زبانی جائز کہہ دیا تو قسم ٹوٹ جائیگی اور عملی کارروائی سے جس میں لکھنا بھی شامل ہے، جائز کرے تو قسم نہ ٹوٹے گی، خانیہ۔(ت)

[1] درمختار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیر ذٰلك مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۴

ردالمحتار میں ہے:

فی حاوی الزاهدی لوهنأه الناس بنکاح الفضولی فسکت فهذا اجازة[1]۔	زاہدی کی کتاب حاوی میں ہے کہ اگر کسی کو لوگوں نے فضولی نکاح پر مبارکباد دی، تو وہ خاموش رہا، تو یہ اجازت متصور ہوگی۔(ت)

اشباہ میں ہے:

حلف لایتزوج فالحیلة ان یزوجه فضولی ویجیزه بالفعل[2]۔	اگر کسی نے شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو تو اس کے لئے شادی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح کردے اور یہ شخص کسی فعل کے ذریعہ سے اس نکاح کو جائز کردے۔(ت)

غمز میں ہے:

الاجازة بالفعل کبعث المهر وشئی منه والمراد الوصول الیها ذکره الصدر الشهید رحمه الله تعالٰی، وقیل سوق المهر یکفی مطلقا لان المجوزة الاجازة بالفعل وهو تحقق بالسوق[3]۔	عملاً (فعل کے ذریعے) نکاح جائز کرنے کی صورت یہ ہے کہ وہ شخص مہر یا اپنی طرف سے کوئی چیز بھیج دے یعنی منکوحہ کو۔اس سے مراد یہ ہے کہ خاص اس تک پہنچادے۔یہ بات صدر شہید نے ذکر کی ہے۔بعض کا قول یہ ہے کہ بیوی کو دینے کی بجائے محض مہر روانہ کردینا ہی نکاح کی فعلی اجازت کو کافی ہے کیونکہ بالفعل اجازت کو جائز قرار دیا گیا ہے تو روانہ کردینا بھی فعل ہے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

ینبغی ان یجیئ الی عالم ویقول له ماحلف واحتیاجه الی نکاح الفضولی فیزوجه العالم امرأة یجیزبالفعل فلایحنث وکذا اذاقال لجماعة لی حاجة الی نکاح الفضولی	مناسب یہ ہے کہ ایسا شخص کسی عالم کے پاس آکر اپنی قسم کے بارے میں بتائے اور فضولی شخص کے نکاح کردینے کی حاجت ظاہر کرے تو وہ عالم اس کا کسی عورت سے خود نکاح کردے، اور یہ اس نکاح کی اجازت اپنے کسی فعل سے دے تو

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الضرب والقتل وغیرذلك دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۴۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الخامس الحیل فی النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۹۵، ۹۶

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائع مع الاشباہ الفن الخامس الحیل فی النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۹۵، ۹۶

فزوجه واحد منهم اما اذا قال لرجل اعقدلی عقد فضولی یکون توکیلا[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قسم نہ ٹوٹے گی اور یہی حکم ہے اگر کسی جماعت کے سامنے وہ کہے کہ مجھے فضولی شخص کے نکاح کی ضرورت ہے تو اس جماعت کا کوئی فرد اس کا نکاح کردے، لیکن جب کسی کو اس نے یوں کہہ دیا کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کردے تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اس صورت میں وکیل بنارہا ہے لہٰذا وہ وکیل بنے گا فضولی نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳: از کلکتہ مولوی امداد علی لین مرسلہ مولوی محمد عبدالعزیز صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

بذروره عرض خدام برتر مقام دام اقبالکم، پس از سلام سنت خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام، معروض اینکہ مسئلہ مالاینحل فی دیارنا پیشکش ملازمان می نہیام جواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت سازند جناب من بعضے اختلاف بدینگونہ می آورند کہ برغیر مدخول بہا بعد از وقوع یک طلاق ثانی وثالث واقع نخواہد شد مگر ارادہ آنکس دریں جا وقوع طلاق علی الانفراد نیست بلکہ باہم واقع کردن ست وسیاق کلام بنگالہ اش ہم ہمچنیں است احقر دریں جا بعینہٖ ترجمہ بنگالہ نمود، زیادہ حدّ ادب۔ ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں شخص در کابین نامہ زوجہ خود نوشتہ داد کہ من بلااجازت تو واجازت ولی معتبر تو نکاح دیگر نخواہم کرد واگر بکنم کل دین مہر تو ادا نمودہ از تو واز ولی تو اجازت گرفتہ خواہم کرد ورنہ بر منکوحہائے دیگر یک طلاق دو طلاق سہ طلاق واقع خواہد شد پس آں شخص یکے راہم از شرائط مذکور بعمل نیاوردہ زنے را بعقد نکاح خود آوردہ اینک زوجہ ثانیہ اش	خدام کی عرض کو پورا کرنے والے، برتر مقام والے، دام اقبالکم، حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام کے مسنون سلام کے بعد معروض یہ ہے کہ ہمارے علاقہ کا ایک لاینحل مسئلہ جناب کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اس کا شافی جواب عنایت فرمادیں تو ممنون احسان ہوں گے، جناب من! بعض نے یہ اختلاف کیا ہے کہ طلاق غیر مدخولہ عورت پر ایک طلاق کے بعد دوسری اور تیسری طلاق واقع نہ ہوگی جبکہ یہاں خاوند کا منشاء تینوں طلاقوں کا علیحدہ علیحدہ دینا نہیں ہے بلکہ اکٹھی دینے کا ارادہ ہے اور بنگالی زبان کا سیاق بھی یہی ہے۔ احقر یہاں بنگالی زبان کا ترجمہ بعینہٖ پیش کرتا ہے، زیادہ ادب۔ اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرماتے آپ کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے نکاح نامہ میں بیوی کو لکھ دیا کہ میں تیری اور تیرے معتبر ولی کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو تیرا مکمل مہر ادا شدہ ہوگا اور تجھ سے اور تیرے ولی سے اجازت کے ساتھ ہوگا ورنہ میری دوسری منکوحہ پر ایک طلاق،

[1] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۷

مطلقہ بسہ طلاق خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔	دوسری طلاق اور تیسری طلاق ہوگی، اس کے بعد اس شخص نے کوئی شرط پوری کئے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرلیا، تو اس کی دوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی یا نہیں؟ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

اصل اینست کہ معلق ہنگام وجود شرط فرود می آید گویا اینک بجز منجز تکلم کردہ است وزن نامدخولہ اگرچہ محل وقوع سہ طلاق بیکبار ہست ولہٰذا اگر اورا گوید برتو سہ طلاق یا اگر بایں خانہ درآئی سہ طلاق باشی در صورت اولیٰ فوراً ودر اخری ہنگام دخولہ خانہ سہ طلاق واقع شود بلکہ اگر سہ طلاق جداگانہ تعلیق کرد اما معطوفہ بغیر حرف "ثم" وشرط را مؤخر آورد مثلاً گفت تو طلاقی وطلاقی وطلاقی اگر چناں کنی نیز بحصول شرط سہ طلاق افتد زیراکہ عطف بواو یا فا آنہارا موصول کردہ وتاخیر شرط اول سخن را بہ تعلیق تغییر دادہ است پس مجموع معلق شد وبوقوع شرط دفعۃً فرود آمد اما غیر مدخولہ وقوع بتفریق را صلاحیت ندارد ولہٰذا اگر گفت ترا یک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق یا اگر اینکار کنی تو طلاقی و طلاقی و وطلاقی بتقدیم شرط یا تو طلاقی طلاقی طلاقی اگر چناں کنی بتاخیر شرط وترک عطف ہمیں بیک طلاق بائن شود وباقی لغو رود زیراکہ در صورت اولیٰ چوں ترا یک طلاق گفت ایں طلاق افتد وزن از عصمت نکاح بیروں شد وعدت ہم نیست پس محلیت طلاق نماند ومعطوفات باقیہ ہنگام انعدام محلیت بر زماں آمد وبیکار رفت ودر ثانیہ چوں شرط مقدم ست گویا ہنگام وقوع شرط	قاعدہ یہ ہے کہ کسی شرط کے ساتھ معلق طلاق، اس شرط کے پائے جانے پر وقوع پذیر ہوتی ہے گویا کہ اس وقت اس نے طلاق کا تکلم غیر مشروط طور پر کیا ہے اور غیر مدخولہ عورت یکبار تین طلاقوں کے وقوع کا محل ہے لہٰذا اگر خاوند نے غیر مدخولہ بیوی کو کہا تجھے تین طلاق، یا کہا تو اگر اس گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاق، تو پہلی صورت میں فوراً اور دوسری صورت میں اس کے گھر میں داخل ہونے پر تین طلاقیں ہوجائیں گی، بلکہ اگر متفرق طور پر تین طلاقیں کسی شرط سے معلق کردے بشرطیکہ ان متفرق طلاقوں کو لفظ "واؤ" یا "فاء" کے ساتھ بطور عطف ذکر کرے نہ کہ لفظ "ثم" کے ساتھ، اور شرط کا ذکر اس کے بعد کرے، مثلاً یوں کہے تجھے طلاق وطلاق وطلاق اگر تو فلاں کام کرے، تو اس صورت میں بھی شرط پائے جانے پر تین طلاقیں ہوں گی، کیونکہ واؤ اور فاء کا عطف سب کو ملا دیتا ہے اور جب اس کے بعد شرط ذکر کی تو اس شرط نے پہلی پوری کلام کو معلق کردیا تو شرط کے پائے جانے پر اس سے معلق تینوں طلاقیں دفعۃً واقع ہوجائیں گی لیکن اس کے برخلاف اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں غیر مشروط طور پر متفرق دے مثلاً یوں کہے تجھے ایک طلاق اور دوسری طلاق اور تیسری یا تینوں کو متفرق طور پر ذکر کرے مگر شرط کو ان سے پہلے ذکر کرے مثلاً یوں کہے اگر تو نے فلاں کام کیا تو تجھے طلاق

چناں گفت کہ تو طلاق وطلاق وطلاق وبدیلیٰ ہمیں عـــہ یک وقوع یافت ودر ثالثہ مغیر کہ در آخر کلام یافتہ شد ہمیں طلاق ثالث را از تنجیز بہ تعلیق تغییر داد کہ ماسلف بجہت ترک عطف باد مربوط نبود، پس ہنگام تکلم بہ کلمہ اولیٰ یک طلاق فی الحال واقع شد ومحل تنجیز دوم وتعلیق سوم نماند چوں ایں مسائل حالی شد حکم مسئلہ مسئولہ رنگ وضوح یافت کہ بر منکوحہ ثانیہ ہمیں یک طلاق واقع شود وبس۔

فی الهندیة ان علق الطلاق بالشرط ان کان الشرط مقدما فقال ان دخلت الدار فانت طالق وطالق و طالق وهی غیر مدخولة بانت بواحدة عند وجود الشرط فی قول ابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه ولغا الباقی،وان کان الشرط مؤخرافقال انت طالق وطالق وطالق ان دخلت الدار،أوذکره بالفاء فدخلت الدار بانت بثلث اجماعا سواء کانت مدخولة اوغیر مدخولة.فان ذکره بغیر حرف العطف ان کان الشرط مقدما فقال

اور طلاق اور طلاق، یامشروط تین طلاقیں ذکر کرے مگر طلاقوں کو بغیر عطف شرط سے پہلے ذکر کردیا ہو مثلاً یوں کہے تجھے طلاق طلاق طلاق اگر تو فلاں کام کرے، تو ان تینوں صورتوں میں متفرق شدہ طلاقوں میں سے ایک ہی طلاق ہوگی جو بائنہ ہوجائے گی اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، کیونکہ ان میں سے پہلی صورت میں جب اس نے "تجھے ایک طلاق" کہا تو بیوی بغیر عدت نکاح سے خارج ہوجائے گی تو وہ اس کے بعد طلاق کا محل ہی نہ رہی تو باقی دو کے وقوع کے وقت بیوی طلاق کا محل نہ تھی لہٰذا وہ دونوں طلاقیں بیکار (لغو) ہوگئیں، اور دوسری صورت میں چونکہ شرط مقدم ہے اس لئے شرط کے وجود پر پہلی طلاق کے بعد باقی دو طلاقوں کا محل نہ رہی کیونکہ وہ پہلی طلاق کے ساتھ ہی بائنہ ہوگئی لہٰذا باقی دونوں لغو ہوگئیں، شرط کے پائے جانے پر، گویا یوں کہا تجھے طلاق وطلاق وطلاق، تو یہ پہلی صورت کی طرح ہوگئی، اور تیسری صورت میں اس لئے کہ تعلیق کا تعلق صرف آخری طلاق سے ہوا کیونکہ طلاقوں کے بعد اس نے شرط ذکر کی جس نے تیسری طلاق کے وقوع سے روک دیا، اور پہلی دونوں عطف نہ ہونے کی وجہ سے تیسری کے ساتھ مربوط نہ ہوسکیں، لہٰذا وہ دونوں ذکر کرتے ہی غیر مشروط واقع ہوگئیں تو جب پہلی واقع ہوئی تو وہ بائنہ ہوگئی تو اس کے بعد وہ دوسری غیر مشروط اور تیسری معلق اور مشروط کا محل نہ رہی لہٰذا دوسری اور تیسری لغو ہوگئیں، جب یہ مذکورہ مسائل معلوم ہوگئے

عـــہ: یہاں مسودہ میں بیاض ہے۔

ان دخلت الدار فانت طالق طالق طالق وھی غیر مدخولۃ فالاول معلق بالشرط والثانی یقع للحال والثالث لغو، وان اخر فالاول ینزل للحال ولغا الباقی کذافی السراج اھ[1] ملخصا، وفی الدرالمختار یقع بانت طالق واحدۃ وواحدۃ ان دخلت الدار ثنتان لودخلت لتعلقھما بالشرط دفعۃ وتقع واحدۃ ان قدم الشرط لان المعلق کالمنجز اھ[2] فی ردالمحتار قولہ لتعلقھما بالشرط دفعۃ لان الشرط مغیر للایقاع فاذا اتصل المغیر توقف صدر الکلام علیہ فیتعلق بہ کل من الطلقتین معا فیقعان عند وجود الشرط کذلک بخلاف مالوقدم الشرط فلا یتوقف لعدم المغیر، قولہ لان المعلق کالمنجز ای یصیر عند وجود شرطہ کالمنجز ولونجزہ حقیقۃ لم تقع الثانیۃ بخلاف مااذا اخر الشرط لوجود المغیر	تو مسئلہ مسئولہ واضح ہوگیا کہ دوسری منکوحہ کو بھی یہ ایک ہی طلاق ہوگی، اور بس۔ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے طلاق کو مشروط کیا اور شرط کو پہلے ذکر کیا مثلاً یوں کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق جبکہ عورت غیر مدخولہ ہو تو شرط پائے جانے پر وہ پہلی طلاق سے بائنہ ہوجائے گی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر اور باقی دو لغو ہوجائیں گی، اور اگر شرط مؤخر ذکر کی ہو مثلا یوں کہا تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق اگر تو گھر میں داخل ہوئی، یا فاء کے ساتھ عطف کیا، تو عورت جب گھر میں داخل ہوگئی تو تین طلاقوں سے بائن ہوجائے گی خواہ عورت مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، یہ مسئلہ بالاجماع ہے، اور اگر طلاقوں کا ذکر عطف کے بغیر ہو تو اگر شرط مقدم ہو مثلاً یوں کہے اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق طلاق طلاق، جب بیوی غیر مدخولہ ہو تو پہلی طلاق شرط سے معلق ہوگی دوسری فی الحال واقع ہوجائے گی جو بائنہ ہوگی اور تیسری لغو ہوجائے گی، اور اگر شرط کو مؤخر ذکر کیا تو پہلی طلاق فوراً واقع ہوگی اور باقی دونوں لغو ہوں گی، سراج میں ایسے ہی مذکور ہے اھ ملخصاً۔ درمختار میں ہے اگر کسی نے یوں کہا تجھے ایک طلاق اور ایک (عطف کے ساتھ) اگر تو گھر میں داخل ہو، تو دونوں طلاقیں واقع ہوں گی کیونکہ دونوں ایک شرط سے مشروط ہیں، لہٰذا

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الرابع فی الطلاق قبل الدخول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۴

[2] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۳

زیلعی،وفی العطف بثم ان اخرہ تنجزت واحدۃ ولغاما بعدھا وان قدم لغا الثالث وتنجز الثانی وتعلق الاول فیقع عند الشرط بعد التزوج الثانی[1] اھ مختصرا، وفی البحرالرائق لوقال لامرأۃ یوم اتزوجك فانت طالق وطالق وطالق فتزوجھا وقعت واحدۃ وبطلت الثنتان ولو قال انت طالق وطالق و طالق یوم اتزوجك وقعت الثلاث کذافی الحاوی القدسی وکذا لوقال ان تزوجتك کما فی المحیط[2] اھ ۔تمام تفاصیل ایں مسئلہ کہ بلحاظ آنکہ عطف بواؤ وفاء باشد یا بثم یا ہیچ وبہر تقدیر منجز باشد معلق بشرط مقدم یا مؤخر وبہر وجہ زن مدخولہ باشد یا غیر آں بہیجدہ صورت میر سد وبلحاظ تفصیلات اخر صور دیگر صورت بند داز بزازیہ وفتح القدیر وبحر الرائق وہندیہ تواں جست۔واللہ تعالٰی اعلم۔	شرط پائے جانے پر دونوں دفعۃً واقع ہوجائیں گی۔اور اگر شرط کو مقدم ذکر کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی کیونکہ یہاں مشروط،غیر مشروط کی طرح ہے اھ۔ردالمحتار میں اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول کہ "(پہلی صورت میں) دونوں معلق بشرط واحد ہیں" کیونکہ شرط کے ذکر نے دونوں کو غیر مشروط سے مشروط بنادیا اس لئے کہ اس تبدیلی والی شرط کی وجہ سے پہلا کلام اس پر موقوف ہوگیا لہٰذا دونوں طلاقوں کا معًا اس شرط سے تعلق ہوگیا لہٰذا شرط پائے جانے پر دونوں اس طرح معًا واقع ہوجائیں گی،اس کے برخلاف اگر شرط کو مقدم ذکر کیا ہوتو دونوں پر موقوف نہ ہوں گی بلکہ صرف پہلی معلق ہوگی اور دوسری غیر مشروط رہے گی جو فی الحال فورًا واقع ہوجائیں گی،اور اس کا قول"(دوسری صورت میں)کہ مشروط،غیر مشروط کی طرح ہوگی"یعنی معلق بالشرط وہ شرط کے پائے جانے پر غیر مشروط کی طرح ہوگی اور حقیقۃً غیر مشروط ہوتو پھر دوسری واقع نہ ہوگی کیونکہ وہ پہلی سے ہی بائنہ ہوجائے گی،اس کے برخلاف جب شرط کو مؤخر ذکر کرے کیونکہ وہاں دونوں طلاقیں بعد والی شرط سے مشروط ہوجانے کی وجہ سے معلق ہوجائیں گی،اور شرط کو مقدم کیا تو تیسری لغو اور دوسری فورًا واقع۔اور پہلی شرط سے معلق ہوکر شرط پائے جانے پر واقع ہوگی جب وہ دوسرے خاوند کے بعد دوبارہ اس سے نکاح کرے گا،اھ مختصرًا۔اور بحر الرائق میں ہے اگر کسی نے ایک عورت کو کہا جس دن میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق،اس کے بعد اس سے نکاح کیا تو ایک طلاق واقع ہوگی اور باقی لغو و باطل ہوجائیں گی،اور

[1] ردالمحتار باب طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۷

[2] بحر الرائق فصل فی الطلاق غیر المدخول بہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷

اگر یوں کہا کہ تجھے طلاق اور طلاق اور طلاق ہے جس دن میں تجھ سے نکاح کروں، تو شرط کو بعد میں ذکر کرنے کی وجہ سے تینوں طلاقیں واقع ہوجائیں گی، حاوی قدسی میں یوں ذکر ہے، اور یہی حکم ہے جب کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو طلاق اور طلاق اور طلاق، کہ شرط کو مؤخر اور مقدم کرنے پر فرق ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے اھ اس مسئلہ کی واؤ اور فاء یا ثم یا کسی اور عطف اور پھر ہر صورت میں بالشرط یا بغیر شرط اور پھر شرط کو مقدم یا مؤخر ذکر کرنے اور پھر ہر صورت میں بیوی کے مدخولہ اور غیر مدخولہ ہونے کے لحاظ سے کل اٹھارہ ۱۸ صورتیں بنتی ہیں اور دیگر تفصیلات کے اعتبار سے مزید صورتیں بن سکتی ہیں، یہ بزازیہ، فتح القدیر، بحر الرائق، اور ہندیہ سے تلاش کی جاسکتی ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴: غلام گیلانی صاحب پنجابی از ضلع پترہ ڈاکخانہ پٹن موضع چنبک نگر معرفت تارو چودھری اوائل صفر ۱۳۲۶ھ

زوج نے قبل عقد نکاح کے کابین نامہ میں عورت کو یہ شرط لکھ دی کہ میں اگر آپ سے ایک برس کی مدت تک جدا رہوں یا کسی صورت سے آپ کا خبر گیر نہ ہوں تو اگر آپ کی مرضی ہو تو ہم کو شوہر سے چھوڑ کر طلاق دے سکتی ہو، انتہی۔ کابین میں بنگلہ زبان میں ایسی عبارت مہمل لکھی ہے جس کا ترجمہ بعینہا یہی ہوتا ہے، آیا یہ معنی ظاہری اس کا ترک کرکے عرفی موافق غرض زوجہ کے اس صورت سے لے سکتے ہیں (تم مجھ کو اپنی شوہری اور زوجیت سے نکال کر طلاق دے سکتی ہو) مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس کو طلاق دے سکتے ہو۔ اضافتِ طلاق زوجہ کی طرف نہیں ہے، بنگلہ زبان میں زوج نے قصداً ایسی عبارت لکھی ہے کہ جس کا ترجمہ ایسا کچھ بنتا ہے جیسا کہ **انا منك طالق** (میں تجھ سے طلاق والا ہوں۔ت) اور اب زوجہ وقوع شرط کی مدعیہ ہے اور زوج منکر ہے، وہ کہتا ہے کہ میں مدت کے اندر چند بار آیا مگر مجھ کو زوجہ کے اقارب نے زوجہ کے پاس جانے، ملاقات، بات چیت کرنے سے روک دیا اور مکان میں داخل ہونے نہیں دیا، دونوں اپنے دعوے پر بینہ رکھتے ہیں، مگر زوج کسی مولوی کو حکم نہیں بناتا اور نہ کسی کے پاس آتا ہے، تین برس گزار دیا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ زوج بھی اپنے الفاظ سے عرفی معنی موافق مدعائے عورت لے کر انکار وقوع شروط کا کرتا ہے ورنہ زوجہ کے دفعہ میں اس کو اسی قدر بس ہے کہ کہہ دے کہ میری عبارت سے یہ نہیں نکلتا کہ عورت کو بعد وقوع شرط کے اختیار طلاق کا ہے۔ اب فقیر پر تقصیر عرض کرتا ہے کہ حضورِ والا ارشاد فرمائیں کہ اس عبارت سے کیا مطلب لیا جائے اور عورت کا بینہ معتبر ہوگا یا کیا؟ کتنی طلاق دے سکتی ہے یا نہیں

دے سکتی؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عورت کو کسی طرح اپنے نفس کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، الفاظ شرط کابین نامہ اگر اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اور اضافت الی النکاح کا اس میں کہیں ذکر نہیں کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں یا جب میں تجھے اپنی زوجیت میں لاؤں اس کے بعد اگر ایسا واقع ہو تو تجھے اختیار طلاق ہے جب تو شرط کابین نامہ محض فضول و باطل ہے کہ اس کی تحریر قبل نکاح ہوئی اور نکاح کی طرف اس میں اضافت نہیں تو نہ ملک پائی گئی نہ اضافتِ ملک، اور ایسی تعلیق محض باطل ہے در مختار میں ہے:

شرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحت امرأة وان نكحتك فانت طالق فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق فنكحها فزارت لم تطلق لعدم الملك والاضافة اليه[1] انتهى مختصرًا۔	اس کی شرط یہ ہے کہ ملکیت یا ملکیت کی طرف اضافت پائی جائے، ملکیت مثلاً منکوحہ بیوی کو کہے اگر تو گئی تو تجھے طلاق، ملکیت کی طرف اضافت مثلاً کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں کسی اجنبی عورت کو یوں کہے اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق، تو محض اجنبی عورت کو اس کا یہ کہنا اگر تو نے زید کو دیکھا تو تجھے طلاق، لغو ہوگا، لہٰذا اگر اس کے بعد وہ اس عورت سے نکاح کرلے اور وہ عورت زید کی زیارت کو چلی جائے تو بھی طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہاں نہ ملکیت ہے اور نہ ہی ملکیت کی طرف طلاق کی اضافت ہے، اھ (ت)

اور اگر کابین نامہ میں اضافت الی النکاح ہے تو یہ تعلیق و تفویض صحیح ہو گئی اور اس کا مفاد مثل انا منک طالق کے نہیں کہ لفظ "ہم کو" "لفظ" "چھوڑ کر" سے متعلق ہے نہ کہ لفظ طلاق سے، اور اس طلاق کی اضافت کلامِ زوج میں عورت کی طرف نہ ہونا کچھ منافی صحتِ تفویض نہیں کہ تفویض میں زن و شوہر دونوں کی اضافت سے ایک کے کلام میں اضافت کافی ہے۔ در مختار میں ہے:

وذكر النفس اوالاختيار في كلام احدكلاميهما شرط صحة الوقوع بالاجماع، ويشترط ذكرها	نفس یا لفظ اختیار کا ذکر کرنا خاوند اور بیوی دونوں میں سے کسی ایک کے کلام میں وقوع طلاق کے لئے شرط ہے بالاجماع، اور اس کا متصل ہونا شرط

[1] در مختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۳۰

متصلا فان کان منفصلا فان فی المجلس صح والالافلوقال اختاری اختیارۃ اوطلقۃ وقع لوقالت اخترت فان ذکر الاختیار کذکر النفس وکذاذکر التطلیقۃ والشرط ذکر ذٰلك فی کلام احدھما فلم یختص بکلام الزوج کماظن [1] انتھی مختصرا۔	ہے اگر منفصل ذکر کیا جائے تو اگر اسی مجلس میں ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، لہٰذا اگر خاوند نے بیوی کو کہا اختاری اختیارۃ یا اختاری طلقۃ، اگر بیوی نے جواب میں اخترت (میں نے اختیار کرلیا) کہا تو طلاق واقع ہوجائیگی کیونکہ "اختیارۃً" کا ذکر ایسا ہی ہے جیسے نفس کو ذکر کردیا جائے اور طلقۃ کا ذکر بھی ایسا ہی ہے اور نفس یا قائم مقام نفس کا خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے کلام میں ذکر ہونا شرط ہے نہ کہ خاوند کا کلام اس کے لئے مخصوص ہے، جیسا کہ بعض کا گمان ہے اھ مختصراً (ت)

مگر تفویض طلاق کہ معلق بالشرط ہو، بعد وقوع شرط اسی مجلس پر محدود رہتی ہے جس میں عورت کو وقوعِ شرط کا علم ہوا مجلس بدلنے کے بعد اسے طلاق لینے کا اختیار نہیں رہتا۔ درمختار میں ہے:

التعلیق بالمشیئۃ اوالارادۃ اوالرضاء اوالھوی او المحبۃ یکون تملیکا فیه معنی التعلیق فتقید بالمجلس [2]۔	طلاق کو عورت کی مشیت، ارادہ، رضا، خواہش یا محبت پر معلق کرنا بیوی کو تعلیق کے طور پر طلاق کا مالک بنانا ہے تو یہ تملیک مقید بمجلس تک محدود ہوگی (یعنی بیوی کو طلاق کا اختیار اسی مجلس تک محدود ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ عورت مدعیہ شرط ہے اور اس نے اب تک اپنے کو طلاق نہ دی مجلس اول ختم ہوتے ہی اسے اختیارِ طلاق نہ رہا، بہرحال صورتِ مسئولہ میں عورت کا دعوی اصلاً قابلِ سماعت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵: ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو بریلی سے رامپور بھیج دیا کہ بوجہ رنج ہوجانے کے باہم زید وماموں زوجہ زید کے اور ایک رقعہ بھی لکھ دیا کہ میں اپنی بیوی کو بخوشی معہ زیور کے بوجہ رنجش کے رامپور کو رخصت کرتا ہوں اور آئندہ مجھ کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دو روپیہ ماہوار لڑکی کے دودھ پلائی کے مقرر کرتا ہوں، لوگوں نے زید سے دریافت کیا کہ کیا طلاق دیتے ہو، زید نے طلاق سے انکار کرکے یہ کہا جس وقت میری حالتِ غصہ درست ہوجائے تو پھر بلوالوں گا، بعد ایک ہفتہ کے جبکہ زوجہ زید رامپور

[1] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷

[2] درمختار فصل فی المشیئۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

چلی گئی، زید نے ایک خط بنام مولوی لطف اللہ صاحب کے لکھا کہ باہم میرے اور میری زوجہ کے ماموں میں رنج ہوگیا ہے آپ صفائی کرادیں اور ان سے کہہ دیجئے کہ یکم تاریخ تک روانہ بریلی کردیں اور اگر نہ روانہ کریں گے تو یہ ایک طلاق دیتا ہوں ایسے درمیان میں جو زید نے واسطے آنے میعاد اپنی زوجہ کے مقرر کی تھی رامپور میں بجضور اپنی زوجہ کے رجوع کرلیا لیکن زوجہ زید رامپور سے بریلی کو اس میعاد مقررہ کے اندر نہیں آئی ایسی صورت طلاق واقع ہوئی یا نہیں، اگر ہوئی تو کس قسم کی رجعی یا بائن، بعد ایک ماہ کے زید رامپور گیا، زوجہ کے ماموں نے یہ کہا کہ طلاق ہوگئی ہے میں رخصت ابھی نہ کروں گا، اس پر زید نے جواب دیا کہ آج ہی اس معاملہ کا فیصلہ نہ ہوگا تو تین طلاق پوری کروں گا، یہ کہہ کر چلا آیا، طلاق واقع ہوئی یا نہیں، ہوئی تو کس قسم کی واقع ہوئی رجعی یا بائن؟ بعض علماء کا بیان ہے کہ یہ طلاق بوجہ معلق ہونے کے بائن ہوگئی، یہ قول کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، زید کا کہنا کہ تینوں طلاق پوری کردوں گا محض وعدہ ہے اور وعدہ سے طلاق نہیں ہوتی، اور زید کا میعاد وقوع طلاق یعنی یکم آنے سے پہلے جاکر رجوع کرنا محض بے اثر ہے **فان الرجوع لایتقدم** (کیونکہ رجوع، طلاق کے وقوع سے پہلے نہیں ہوسکتا۔ت) تو نہ رہا مگر زید کا وہ قول کہ یکم تک نہ روانہ کرینگے تو یہ ایک طلاق دیتا ہوں، یہ طلاق اس شرط پر معلق تھی یکم گزر گئی اور عورت کو روانہ نہ کیا، شرط متحقق ہوئی طلاق پڑ گئی، اور یہ طلاق یقیناً رجعی ہے، تعلیق کے سبب بائن ہوجانا باطل قطعی **کماقدمنا تحقیقہ** (جیسا کہ اس کی تحقیق گزر گئی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶: از بنگالہ نواکھالی محلّہ رامپور فضل الرحمان صاحب ۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی کو اس شرط کے ساتھ کابین نامہ لکھ دیا کہ اگر تمہارے سوا کوئی دوسری بی بی کروں تو وہ ایک دو تین طلاق ہے، بعد اس کے زید نے اپنی منکوحہ سے اجازت لے کر دوسری کرلی مگر کابین اجازت وغیرہ کا ذکر مطلقاً نہیں آیا۔ صورت مذکورہ میں وہ اجازت عندالشرع معتبر ہوگی یا نہیں، اور شرعاً ایسی شرط کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر کرلے تو کیا حکم؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں نکاح ہوتے ہی زوجہ ثانیہ پر معاً ایک طلاق بائن ہوگی وہ نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ کی حاجت نہیں، اگر زید چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرلے خواہ اور عورت سے نکاح کرے، اب زوجہ کو طلاق نہ ہوگی اگرچہ زوجہ اولٰی اجازت بھی نہ دے۔

اماوقوع الطلاق فلتحقق الشرط والاجازة لاتمنعه واماالواحدة والبینونة فلو قوعه قبل الدخول وتفریقه فی الایقاع حیث لم یقل تین بل ایك دوتین ام عدم الوقوع اذانکح اخری او ھذہ مرة اخری فلانحلال الیمین لعدم کلما ومایقوم مقامه۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	طلاق کا وقوع اس لئے ہے کہ شرط پائی گئی اور اجازت اس کے لئے مانع نہیں ہے، لیکن ایک اور بائنہ طلاق اس لئے کہ یہ طلاق قبل دخول اور تینوں کے جدا جدا واقع ہونے سے پہلی واقع ہوئی اس لئے کہ خاوند نے تین کا لفظ نہیں کہا بلکہ ایک، دو، تین کہا، اور دوسری عورت سے یا اسی بیوی سے دوبارہ نکاح سے مزید طلاق نہ ہوگی اس لئے کہ اس نے "کلما" یا اس کا ہم معنٰی لفظ نہیں کہا۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷: از بمبئی پیرولین پوسٹ عمر کھاڑی مرسلہ منشی محمد صدیق قدسیہ جنتری ۲۳ جمادی الاٰخرہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے محکمہ قضاء میں حاضر ہو کر اقرار کیا کہ آج سے آئندہ میں اگر شرط پیوں یا فتنہ وفساد کروں اور وہ پانچ اشخاص (جن کے نام اقرار نامہ میں بطور نگرانی درج ہیں) میری بد چلنی کا ثبوت پہنچا دیں تو میری زوجہ مسماۃ ہندہ میرے نکاح سے باہر ہے اور میری مطلقہ ہے پس بعد عہد واقرار مذکور کے پانچ یا سات نفر معتبر نے جو تحریر اقرار نامہ کے وقت موجود تھے زید کو بر سر راہ حالت نشہ میں پایا اور زید کے والد کو نیز مرقومہ بالا پانچ اشخاص معینہ میں سے ایک شخص کو اسی وقت حالتِ نشہ کی خبر دی مگر زید کے والد اور شخص مذکور نے بخوفِ یا بپاسِ خاطر زید توجہ نہ کی اور اس واقعہ کے چند روز بعد زید نے اپنے والد کے ساتھ حالتِ نشہ میں فساد کیا اور گرفتار ہو کر محکمہ میں اسی بناء یعنی شراب خوری فساد ریزی پر جرمانہ دیا بعد ازاں اہلِ جماعت جمع ہوئے جن میں مذکور الصدر پانچ اشخاص بھی بصورت منصف موجود تھے اور زید کو تقصیر وار گردانا مگر مقدمہ مذکورہ بالا میں زید کی ظاہری بد چلنی جو وقوع میں آئی اس کو زبانی بیان کرنے میں بپاس [عـــہ] رکھتے ہیں، پس ان تمام صورتوں میں زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو عدت کس روز سے شمار ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب:

قول زید کا حاصل یہ ہے کہ اگر اس سے شراب خوری یا فتنہ وفساد کا صدور ہو اور دونوں میں سے جو کچھ ہو اس کے ساتھ ایک اور امر ضرور ہو وہ یہ پانچ اشخاص مذکورین اس کی بد چلنی کا ثبوت پہنچائیں، ان باتوں کے جمع ہونے پر اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر اور اس کی مطلقہ ہے،

عـــہ: یہاں مسوّدہ میں بیاض ہے۔

وذٰلك لانه عطف الثانی علی الاول باو ثم الثالث بالواؤ فکان الشرط وقوع احد الامرین الاولین مع الثالث۔	یہ اسلئے کہ دوسری بات کو پہلی پر لفظ او (یا) سے اور پھر تیسری کا دوسری پر "و" سے عطف کیا لہٰذا تیسری بات کا وقوع پہلی دونوں میں سے ایک کے وقوع سے مشروط ہوگا۔ (ت)

امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ اصول میں فرماتے ہیں:

ولهذا قلنا فیمن قال هذا حر او هذا وهذا ان الثالث یعلق ویخیر بین الاولین لان صدر الکلام تناول احدهما عملا بکلمة التخییر والواؤ توجب الشرکة فیما سبق له الکلام فیصیر عطفا علی المعتق من الاولین کقوله احدکما حر وهذا[1]۔	اسی بناء پر ہم نے کہا کہ اگر مالک نے کہا "یہ آزاد یا یہ اور یہ ہے" تو تیسرا لازمی طور پر آزاد ہوجائیگا اور پہلے دونوں میں سے کسی ایک کو آزادی کیلئے متعین کرنے کا اختیار مالک کو ہوگا، کیونکہ اس کے کلام کا ابتدائی حصہ پہلے دونوں میں سے ایک کو شامل ہے لفظ "او" کے عمل کی وجہ سے اور بعد میں واؤ کا عطف پہلے دونوں میں مصداق کو شراکت کو چاہتا ہے لہٰذا پہلے دونوں میں سے جو آزاد ہوگا اس پر عطف ہوگا، یہ یوں ہوا جیسے کسی نے پہلے دونوں کو کہا ہو تم میں سے ایک اور یہ آزاد ہے (ت)

ہماری زبان میں کسی شیئ کا ثبوت پہنچانا، اور کوئی شیئ ثبوت کو پہنچانا، ان دونوں میں فرق ہے لفظ اول میں ثبوت عـــہ۱ ہوتا ہے یعنی شہادت زبانی حجت تحریری اور اس کا پہنچانا، مہیا کرنا، ادا کرنا، پیش کرنا، اور لفظ ثبوت عـــہ۲ اپنے معنی پر اور ثبوت کو پہنچانا ثابت ومدلل کرنا اس کے ثبوت کا حکم دینا، پہلے لفظ کا تعلق شاہد وساعی ثبوت سے ہے اور دوسرے کا حاکم وقاضی، ثبوت سے بھی غالب مراد ظاہر مفاد یہی ہے، اگر وہاں بھی عرف اسی طرح ہے، تو وہ اشخاص جبکہ بخوف وہراس یا بہ لحاظ وپاس اس کی بدچلنی زبان پر لانے سے بھی احتراز کرتے ہیں تو بدچلنی کا ثبوت پہنچانا ان سے واقع نہ ہوا اور وہ بھی جزء شرط تھا تو شرط کا مل متحقق نہ ہوئی تو طلاق اصلًا نہ ہوئی،

لان ما علق وجود شیئین لاینزل الابعد وجودهما جمیعا۔	کیونکہ جس چیز کو دو۲ چیزوں کے وجود پر معلق کیا ہو تو وہ مشروط دونوں شرطوں کے اکٹھے پائے جانے پر متحقق ہوگا۔ (ت)

عـــہ۱: اصل میں یہاں بیاض ہے۔ عـــہ۲: اصل میں یہاں کرم خوردہ ہے۔

---

[1] اصول امام فخر الدین بزدوی باب حروف المعانی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

اور اگر وہاں کے عرف ومحاورہ میں یہ فرق نہیں کسی شیئ کے ثابت قرار دینے کو بھی اس شیئ کا ثبوت پہنچانا کہتے ہیں تو جبکہ پانچ اشخاص مذکورین نے اس کی بد چلنی کا ثبوت مانا اور اس بنا پر اسے تقصیروار ٹھہرایا ہو اور واقع میں اس سے بعد معاہدہ شراب خوری یا فتنہ وفساد کا صدور بھی ہوا ہو تو ہندہ پر طلاق ہوگئی لاجتماع کل اجزئی الشرطین فینزل الجزاء (کیونکہ دونوں شرطوں کے اجزاء پائے جانے کی وجہ سے مکمل جزاء پائی جائے گی۔ت) اور عدت اسی وقت سے لی جائیگی جس وقت ان پانچ اشخاص نے اس کی بد چلنی کے ثبوت کا حکم دیا لان الوقوع بالمجموع وانما العدۃ من حین الوقوع (کیونکہ طلاق کا وقوع دونوں کے مجموعہ پر ہوا، اور عدت بلاشبہہ وقوع طلاق کے وقت سے شمار ہوگی۔ت) مجرد تقصیروار ٹھہرانا اگر بد چلنی ثابت مان کر نہ ہو وقوع طلاق کے لئے کافی نہ ہوگا،

لان الشرط ھذا لاذاك واثبات التقصیر مطلقا لا یستلزم اثبات الدعارت۔	کیونکہ یہ شرط ہے، وہ نہیں ہے کیونکہ تقصیر کا اثبات مطلق طور پر بد چلنی کے اثبات کو مستلزم نہیں ہے (ت)

یونہی اگر فی الواقع اس سے شراب خوری وفتنہ پر دازی بعد معاہدہ صادر نہ ہوئی اور ثبوت غلط طور پر بہم پہنچایا گیا جس سے اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا تو عند اللہ اس صورت میں بھی ہندہ پر طلاق نہ ہوگی لعدم تحقق الجزاء الاول (پہلی جزاء کے نہ پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اگرچہ محکمہ قضاء میں ثبوت شرعی کے باعث قضاۃ حکم طلاق دیں اور جبکہ ثبوت شرعی گزر گیا اور اشخاص مذکورین نے حکم ثبوت دیا ہو اور محاورہ کا وہ فرق کہ اوپر مذکور ہو وہاں کے عرف میں نہ ہو تو عورت پر بھی لازم ہے کہ اپنے آپ کو مطلقہ جانے لان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح ورد المحتار وغیرہ[1] (کیونکہ اس معاملہ میں عورت یعنی بیوی قاضی کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ فتح اور رد المحتار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از بریلی مرسلہ مولوی بشیر الدین صاحب وکیل ۱۱ جمادی الاول ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اقرار نامہ مصدقہ رجسٹری میں معاہدہ حسب ذیل اپنی منکوحہ بی بی سے کیا وہ معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاہدہ کا نفاذ ہوسکتا ہے یا نہیں جو کہ مسماۃ مشتری جان طوائف دختر بادللہ زوجہ منکوحہ مقر کی ہے مسماۃ مذکور مقر سے خواستگار اجازت مسماۃ مذکور نے کی ہے لہٰذا بصحت نفس وثبات عقل بخوشی خاطر اپنے بلا کسی جبر ودباؤ کے اچھی طرح سمجھ کر مسماۃ مشتری جان مذکور کو اجازت دیتا ہوں کہ پیشہ ناچنے وگانے کا جس طور سے سابق دستور کرتی چلی آئی ہے

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۸

بدستور جاری و قائم رکھے اور بغرض مدد کرنے ناچ وگانے کے خواہ بداؤں سکونت رکھے یا دیگر جگہ قیام کرے میں کسی وقت اور کسی حالت میں مانع اور مزاحم یا حارج نہیں ہوں گا اگر میرے فعل یا ترک فعل سے کسی وقت میں مسماۃ مذکور کا نقصان یا حرج واقع ہو تو ایسی حالت میں نکاح فسخ ہوجائے گا اور مسمّاۃ کو ہر قسم کی آزادی حاصل ہوگی لہٰذا یہ اقرار نامہ بلانالش لکھ دیا کہ سند رہے، واضح ہے کہ معاہدہ کرنے والا شریف خاندان کنچنے وغیرہ سے نہیں ہے اور ان الفاظ کی تحریر سے نکاح فسخ ہوجائے گا یا نہیں اور شوہر اسے اجازت ناچنے وگانے کی اور دیگر جگہ اسے کام کے واسطے اجازت دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اسے اجازت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسی اجازت حرام قطعی ہے اور اجازت دینے والا دیّوث ہے، اگر توبہ نہ کرے تو اس پر جنت حرام، اور اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء[1]۔ رواہ حاکم والبیهقی فی شعب الایمان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند صحیح۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے اپنے ماں باپ کو ناحق ایذا دینے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت (اس کو حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء ومدمن الخمر[2]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند حسن۔	تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی (اس کو طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب الایمان دار الفکر بیروت ۷۲/۱، شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء حدیث ۱۰۷۹۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴۱۲/۴

[2] شعب الایمان باب فی الغیرۃ والمذاء حدیث ۱۰۸۰۰ دار الکتب العلمیه بیروت ۴۱۲/۴، مجمع الزوائد بحواله الطبرانی باب فیمن لایرضی باهله بالخبث دار الکتاب العربی ۳۲۷/۴

ثلثة قد حرم الله علیهم الجنة مدمن الخمر والعاق لوالدیه والدیوث الذی یقرفی اهله الخبث[1]۔رواه احمد والنساءی والبزار والحاکم وقال صحیح الاسناد۔	تین شخصوں پر اللہ تعالٰی نے جنت حرام فرمادی ہے شرابی اور ماں باپ کا موذی اور دیوث کہ اپنے اہل میں گندی بات بر قرار رکھے (اس کو احمد، نسائی، بزار اور حاکم نے صحیح الاسناد کہہ کر روایت کیا۔ت)

رہی طلاق اس کا حکم یہ ہے کہ فسخ نکاح کنایات سے ہے اگر شوہر نے اس لفظ سے طلاق مراد لی ہے طلاق پڑ جائے گی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

اذهبی الی جهنم یقع ان نوی خلاصة وکذا اذهبی عنی وافلحی وفسخت النکاح[2]۔	"جہنم میں جا" طلاق کی نیت سے کہاتو طلاق ہو جائیگی، خلاصہ۔اور اگر یوں کہا "میرے پاس سے چلی جا، تو فلاح پالے، اور میں نے نکاح فسخ کیا" اور ان صورتوں میں طلاق کی نیت سے طلاق ہو جائیگی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال فسخت النکاح ونوی الطلاق یقع[3]۔	اگر کہا "میں نے نکاح فسخ کیا" اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی۔(ت)

یہی حال آزادی کا ہے پس صورت مسئولہ میں اگر شوہر اقرار کرے کہ یہ الفاظ اس نے بہ نیت طلاق لکھے تھے تو بحال وقوع عورت پر ایک طلاق بائن ہوجائے گی اور اگر وہ اقرار نہ کرے تواس سے قسم لی جائے گی قسم کھانے سے انکار کردے تواب بھی جبکہ شرط واقع ہوئی ہو، وقوعِ طلاق کا حکم ہوگااور اگر قسم کھالی کہ واللہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق نہ لکھے تھے توحکم طلاق نہ ہوگا عورت بدستور اس کی منکوحہ رہے گی، پھر اگر وہ جھوٹ قسم کھالے گاتو اس کا وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔درمختار میں ہے:

نحواخرجی یحتمل رداونحوخلیة یصلح سبا ونحو انت حرة لایحتمل	"نکل جا" جیسے الفاظ رد وجواب سوال طلاق کا احتمال رکھتے ہیں، خلیہ۔جیسے الفاظ گالی ہونے کا

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابن عمر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۶۹/۲

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲۲۶/۱

[3] فتاوی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۳۷۵/۱

السب والرد ففی حالة الرضااى غیر الغضب والمذاکرة تتوقف الاقسام الثلثة تاثیرا علی نیة للاحتمال والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی [1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	احتمال رکھتے ہیں، اور "تو آزاد ہے" جیسے الفاظ سب ودشنام اور جواب ہونے کا احتمال نہیں رکھتے، تو حالت رضامندی میں یعنی غصہ کی حالت میں نہ ہو اور مذاکرہ طلاق بھی نہ ہو تو یہ تینوں قسم کے کنایات کی تاثیر نیت پر موقوف ہوگی، کیونکہ نیت اور عدم نیت کا احتمال ہے، اور طلاق کی نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات کو معتبر سمجھا جائے گا اور بیوی کا اس سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے، اور اگر خاوند گھر میں بیوی کو قسم دینے سے انکار کرے تو بیوی حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے، وہاں بھی اگر خاوند انکار کرے تو بیوی حاکم کے پاس اپنا معاملہ پیش کرے، وہاں بھی اگر خاوند انکار کرے تو قاضی دونوں میں تفریق کردے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹: از صدر بازار چھاؤنی نیچ محلّہ بڑی منڈی مرسلہ چودھری ننھے سوداگر چرم ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بکر نے شادی زید کے ساتھ اپنی دختر کی کی جس کو عرصہ ۹ سال کا ہوا بکر اور زید دونوں فقیر ہیں بوقت شادی زید کی عمر ۱۶، ۱۵ سال کی تھی اور لڑکی کی قریبًا سولہ سال کی، شادی ہوتے ہی زید کے ہمراہ بھیج دی گئی تین ماہ بعد بکر کے یہاں آئی اور پھر چھ ماہ بعد زید کے ہمراہ بھیج دی گئی چھ ماہ بعد زید مع اپنی بی بی کے بکر کے یہاں آیا اور رہنے لگے چار ماہ بعد زید چلا گیا اور چوری کی علت میں گرفتار ہوگیا، بکر زید کو چھڑا کر لے آیا مگر آٹھ دس روز کے بعد پھر کسی کی چیز لے کر بھاگ گیا بکر پھر اس کو لے آیا کوئی ایک ماہ رہا پھر ایک بقال کا غلہ چرا کر بھاگ گیا ڈھائی ماہ بعد پھر زید آگیا اور اقرار نامہ منسلکہ تحریر کردیا، کوئی دو ماہ بعد زید اپنی عورت سے مار پیٹ کرکے جبرًا زیور لے کر بھاگ گیا کوئی تین ماہ بعد ذات کی پنچایت ہوئی اور پنچوں نے پنچنامہ منسلکہ تحریر کیا زید کوئی چھ ماہ بعد پھر بکر کے پاس آکر رہنے لگا اور دو ماہ بعد لوگوں کے برتن وغیرہ لے کر بھاگ گیا اس وقت اس کی عورت کا حمل تھا ایک سال کے بعد زید کا باپ زید کی عورت کو لینے آیا زید کی عورت نے جانے سے انکار کیا پھر زید کو بذریعہ خطوط وغیرہ بلایا گیا جسے عرصہ آٹھ ماہ کا منقضی ہوا ہے نہ زید آیا نہ خطوں کا جواب دیا، قریب ایک سال کے زید کی بی بی بچّہ کا بار بکر پر ہے، زید کی عورت زید کے پاس رہنے سے نارضامند ہے، ایسی صورت میں زید کی عورت کا دوسرا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

نقل اقرار نامہ

میں کہ سبور شاہ ولد مدھاری شاہ فقیر ساکن موضع رسینٹ ماریہ علاقہ شاہ پور کا ہوں جو کہ

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

میری شادی ہمراہ مسماۃ مالیلی بنت کنوردی شاہ فقیر ساکن چنادی نیچ ہوئی ہے، بعد شادی کے میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہا اور موضع ریسینٹ ماریہ بھی بوجہ تنازع چلاگیا اب کہ میں بخانہ کنوردی شاہ خسر خود رہ کر زندگی خود بسر کرنا چاہتا ہوں، لہذا اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں کہ میں تا زندگی خود بخانہ کنوردی شاہ رہوں گا اور جو کچھ کما کر یا مانگ کر لاؤں گا وہ اپنے خسر وزوجہ وخوشدامن کو دوں گا اور زوجہ خود کو کسی طرح کی تکلیف نہ دوں گا نہ ماروں گا اور نہ کوئی فعل خراب کروں گا اور برتقدیر کہیں باہر چلا جاؤں تو اس کی اطلاع کنوردی شاہ وزوجہ خود واہلِ محلّہ سے کردوں گا اگر میں چنادی بخانہ خسر نہ رہوں یا کوئی خراب فعل کروں اور بدون اجازت کے چنادی سے چلا جاؤں تو کنوردی شاہ خسر میرے کو اختیار ہے کہ دوسری جگہ زوجہ میری کا نکاح کردے میں کوئی طرح کا دعوی جھگڑا کچہری وپنچوں میں نہ کروں گا، بناء براں یہ چند کلمے بطور اقرار نامہ لکھ دئے کہ سند رہے، ۲۵ جمادی اولیٰ ۱۳۳۶ھ (۳۰ دسمبر)

العبـــد

نشانی انگوٹھا سپورف شاہ

گواہ شد گواہ شد گواہ شد گواہ شد

اللہ بخش ولد شیخ کلو چودھری قمرالدین ولد شیخ گیا نتھن ولد منا بور پاری رحیم بخش ولد سعدی مجاور

الجواب:

جب تک طلاق ثابت نہ ہو یا وہ مر نہ جائے عورت کا نکاح دوسری جگہ نہیں ہوسکتا، وہ اقرار جو اس نے لکھا ثبوت طلاق کے لئے کافی نہیں، ہاں اگر وہ اقرار کرے کہ اس اقرار نامہ سے میری مراد عورت کو طلاق دینا تھی، یہ جو اس نے کہا کہ ایسا کروں تو خسر کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے اس کا نکاح کردے اس سے مراد یہ تھی کہ ایسا کروں تو اسے طلاق ہے تو اس صورت میں طلاق ثابت ہوجائیگی، اور جبکہ وہ یہ سب باتیں کرچکا تو اسی وقت سے عورت نکاح سے نکل گئی، اور اگر وہ اقرار نہ کرے تو اس سے قسم لی جائے، اگر قسم کھالے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو وہ بدستور اس کی عورت ہے دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی، اور اگر عدت گزر گئی یا اب گزر جائے تو دوسری جگہ نکاح جائز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از جھالود ضلع پنچ محال گجرات احاطہ بمبئی مرسلہ شیخ عمرولی ڈاہیا ۷ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

محمد آدم ساکن مورا نے ابراہیم ساکن جھالود اس کی لڑکی کی شادی کا پیام کیا، ابراہیم نے کہا کہ مجھ کو چند شرطیں لکھ دو تو میں تم سے شادی کردوں، محمد آدم نے قبول کیا اور کہا کہ جو شرط کرو بخوشی منظور ہے،

بعد اس کے مسمّٰی آدم نے ایک اسٹامپ تحریر کر دیا، تحریر ذیل مسماۃ فاطمہ بنت ابراہیم ساکن جھالود عمر ۱۶ سال محمد آدم ساکن مورا عمر ۱۶ سال، میں تمہارے ساتھ برسم برادری شادی کرتا ہوں، بعد شادی ہونے کے ہم اور تم بطور مرد عورت کے رہیں گے، بعد میں اس کے متعلق اقرار نامہ برادری کی رسم کے مطابق زیور ۷۵ تولہ چاندی کے بعوض مہر دیتا ہوں اس زیور پر میرا کسی قسم کا حق نہیں، اور اقرار کرتا ہوں کہ اپنا وطن مورا چھوڑ کر جھالود میں سکونت کروں گا باوجود اس کے اگر میری نیت میں فرق اور تم مارپیٹ کرکے جھالود سے دوسری جگہ یا کوئی گاؤں یا جھالود سے باہر لے جاؤں تو بغیر طلاق کے طلاق طلاق طلاق واقع ہو، یہ اقرار نامہ صحیح میں نے لکھ دیا مجھے اور میرے وارثوں کو منظور ہے سوائے اس کے میں تم کو بارہ ۱۲ ماہ کے اندر راضی اور خوش رکھوں گا اور رہوں گا اگر خلاف اس کے کروں تو تحریر بالا کے مطابق سمجھنا، یہ لکھا ہوا صحیح ہے، اگر بارہ ماہ تک میں تم سے جدا رہوں یا دوسری جگہ چھوڑ کر چلا جاؤں تو طلاق سمجھنا یہ لکھا ہوا درست ہے بعد تحریر دستاویز مذکور لڑکی کو سنایا گیا لڑکی نے قبول کیا، ستائیس ۲۷ روز بعد برسم برادری بشرائط مرقومہ بالا شادی کرکے لڑکی کو رخصت کیا۔ تین سال تک جھالود میں رہی بعد تین سال کے ایک روز بلا رضامندی عورت کے جھالود سے جیبرن گاؤں میں سوار کرکے چلا، قریب پون میل گیا ہوگا کہ اس کے والد کو معلوم ہوا کہ لڑکی کو لے گیا اس وقت وہ خود اور برادری کے تین چار آدمی دوڑ کر گئے اور گاڑی روک لی، لڑکی سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتی ہے؟ کہا میں بخوشی نہیں جاتی بلکہ مجھے مارپیٹ کر جیبرن لئے جاتا ہے، لڑکی سے کہا کہ گاڑی سے اتر، فورًا اتر آئی، محمد آدم سے کہا کہ تو نے اقرار نامہ لکھ دیا ہے اور کہاں لئے جاتا ہے، جواب دیا کہ میں اپنے گاؤں نہیں لے جاتا دوسری جگہ لے جاتا ہوں یعنی خود دکان کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا کہ تم نے شرط توڑ دی اس لئے عورت کو طلاق ہوگئی، پھر قاضی کے پاس گئے انہوں نے کہا کہ تو نے شرطی دستاویز لکھ دیا ہے کہا ہاں بیشک میں نے لکھ دیا ہے اور میں موری نہیں لے جاتا ہوں دوسرے گاؤں خود ہی جاتا ہوں۔

الجواب:

شرط میں اپنے گاؤں کی تخصیص نہ تھی اس کا عذر غلط ہے اس میں عام تھا کہ جھالود سے کسی دوسری جگہ لے جاؤں لیکن شرط میں مارپیٹ کرلے جانا ہے، اس کا ثبوت یا تو گواہان ثقہ سے ہو یا آدم اقرار کرے کہ ہاں مارپیٹ کرلے گیا فقط عورت کا کہنا کافی نہیں اگر گواہان یا اقرار سے مارپیٹ کرلے جانا ثابت ہو تو تین طلاقیں ہوگئیں بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتی۔

قال اللہ تعالٰی فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ؕ[1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند تیسری طلاق دے دے تو عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

اور اگر گواہ نہ ہوں یا وہ گواہ ثقہ شرعی نہ ہوں اور آدم مار پیٹ کرلے جانے کا اقرار بھی نہ کرے تو آدم سے حلف لیا جائے اگر حلف کرے گا کہ مار پیٹ کر نہیں لے گیا تو طلاق نہ ہوگی اور اس حلف کا حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں مکان پر بھی لیا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ[1]۔	بیوی کا خاوند سے اپنے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔(ت)

پھر اگر حلف کرلے اور عورت جانتی ہو کہ اس نے جھوٹا کیا، تو عورت پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلقہ سمجھے اور بوجہ طلاق نہ ثابت ہونے کے بذریعہ حکومت جبر نہیں کرسکتی لہذا اپنا مہر چھوڑ کر یا اور مال دے کر اس سے اعلانیہ طلاق لے، اگر طلاق نہ دے تو جس طرح جانے اس کے پاس سے بھاگے اور اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو مجبور ہے اور وبال شوہر پر ہے، ردالمحتار میں ہے:

اذا سمعت او اخبرھا عدل لایحل لھا تمکینہ بل تفدی نفسھا بمال او تھرب فان حلف ولابینۃ لھا فالاثم علیہ اذالم تقدر علی الفداء اوالھرب[2] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم	اگر خود عورت، مرد کی طرف سے تین طلاقیں سن لے، یا کسی عادل شخص نے اس کو یہ اطلاع دے دی تو پھر بیوی کو حلال (جائز) نہیں کہ وہ خاوند کو اپنے پر جماع کا موقعہ دے بلکہ جیسے بن پڑے مال دے کر اعلانیہ طلاق لے یا بھاگ کر اپنے کو بچائے، اور اگر خاوند طلاق نہ دینے کی قسم کھالے اور طلاق پر عورت کے پاس گواہ نہ ہوں اور بیوی مال کے بدلے یا بھاگ کر اپنے آپ کو نہ بچاسکے تو اب گناہ خاوند پر ہوگا (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از جونپور مرسلہ مولوی عبدالاول صاحب ۲۸ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی زوجہ کے کابین نامہ میں منجملہ شرائط ایک شرط یہ لکھی کہ اگر بغیر رجسٹری شدہ اجازت نامہ تم سے حاصل کئے ہوئے اور بغیر تمہارا کل مہر ادا کئے ہوئے دوسرا نکاح کروں تو منکوحہ جدیدہ کو میری طرف سے تین طلاق ہوں گی، اب صورت حال یہ ہے کہ زوجہ نے مہر معاف کردیا اور اجازت نامہ نکاح بلا رجسٹری شدہ شوہر نے حاصل کرکے دوسرا نکاح کرلیا، اب شرعاً اس مسئلہ میں کیا حکم ہے کہ اجازت نامہ بلارجسٹری شدہ ہے اور ایفائے مہر نہیں پایا بلکہ زوجہ نے معاف کردیا تو منکوحہ جدیدہ مطلقہ ہوگی

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۲

یا نہیں؟

الجواب:

فقیر شب ہلال ماہ مبارک سے بغرضِ علاج بعض اعزہ اس پہاڑ پر آیا ہوا ہے، وطن سے دور، کتب سے مہجور، بظاہر مقتضائے نظر فقہی یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں طلاق نہ ہوگی کہ ایفا سے مقصود برأت ذمّہ ہے وہ حاصل اور رجسٹری کہ وقت انکار تحفظ کے لیے ہوتی ہے جب عورت نے اجازت دے دی اجازت نامہ لکھوادیا اصل مقصود حاصل ہوگیا جیسے عورت سے کہا اگر کل مجھے فلاں چیز لاکر نہ دے یا فلاں چیز لے کر نہ آئے تو تجھ پر طلاق، اس نے چیز کسی کے ہاتھ بھیج دی، طلاق نہ ہوئی جبکہ مقصود اس شئے کا پہنچنا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲: از محکمہ شرعیہ نل بازار بمبئی مسئولہ سید حسین صاحب نائب قاضی ۱۹رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے ایک اقرار نامہ اپنی زوجہ کو لکھ دیا جس میں ایک شرط یہ تھی کہ اگر منمقر اپنی توبہ کا پابند نہ ہوااور خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو اسی وقت میری زوجہ کو اختیار ہوگا کہ وہ بلااجازت میری اپنے ورثاء کے یہاں یا اپنے باپ بھائی کے یہاں فوراً چلی جائے یا اس کے ورثاء بلا میری دریافت کے اسے لے جائیں اور اس خلاف ورزی شرع شریف میں میری جانب سے میری زوجہ کو طلاق قطعی سمجھی جائے نیز میری زوجہ کو یہ بھی اختیار ہوگا کہ بموجب ہوجانے طلاق طلاق شرعی کے بعد میعاد عدت اپنا نکاح ثانی خود کرلے یا اس کے ورثاء اس کا نکاح ثانی جہاں اس کی خوشی ہو کردیں مجھ کو اس میں کسی قسم کا عذر نہ ہوگا اگر وہ اپنے تحریر کردہ شرط کی خلاف شرط کی ورزی کرکے تو طلاق ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں طلاق نہ ہوئی،

کما بیناہ فی فتاوٰنا ونص فی الخانیۃ فان احسبی انك طالق لیس بطلاق [1]۔ وفی الھندیۃ عن الخلاصۃ	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں بیان کیا ہے، اور خانیہ میں نص موجود ہے کہ خاوند کا بیوی کو کہنا کہ "تو طلاق سمجھ لے" یہ طلاق نہیں ہے، اور ہندیہ

[1] فتاوی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۰

ف: خانیہ کے الفاظ اس طرح ہیں: لایقع الطلاق وان نوی کانہ قال لھا بالعربیۃ احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی۔ نذیر احمد سعیدی)

امرأۃ قالت لزوجھا مرا طلاق دہ فقال دادہ انگار او کردہ انگار لایقع وان نوی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی عورت نے اپنے خاوند کو کہاکہ "مجھے طلاق دے" تو خاوند نے جواب میں کہا "تواس کو طلاق دی ہوئی یا طلاق کی ہوئی سمجھ لے" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۳و۳۴: از سرائے بھنولی ڈاک خانہ شاہ گنج ضلع فیض آباد مرسلہ محمد فیض اللہ صاحب ۲۰جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) ایک اقرار نامہ مندرجہ ذیل مضمون کالکھاگیاجس کے کل شرائط ولی ہندہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں جو کہ مضمون اقرار نامہ سے صاف ظاہر ہے اور محمد شفیع کی طرف سے کوئی شرط مقرر نہیں کی گئی اور نہ اس کو قرار داد شرط کی اجازت دی گئی حالانکہ اقرار نامہ کے ایک لفظ سے بھی محمد شفیع کو اتفاق نہیں تھااور نہ اس کا کوئی معاون وولی تھا کہ کچھ عذر کرتا،ولی ہندہ ایک زبردست واہل مقدور شخص ہے اس نے بالجبر محمد شفیع سے دستخط کرالیا،پس یہ اقرار نامہ شرعًا معتبر ہے یاکہ غیر معتبر؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) قبل تحریر اقرار نامہ ولی ہندہ جو کہ بمقابلہ محمد شفیع ہر حالت میں بدرجہا زور آور واہل مقدور تھابیکس وبے بس محمد شفیع سے بالجبر طلاق لینے پر آمادہ تھامگراس وقت محمد شفیع کچھ گریہ وزاری سے منت وسماجت کی کہ اس کااثراس پر کار گر ہواور نتیجہ یہ ہوا کہ طلاق سے تو باز رہے مگر اقرار نامہ مذکورہ ذیل پر دستخط کرالیا محمد شفیع نے اس فرصت کو غنیمت سمجھ کر دستخط کردیاکچھ دن کے بعد محمد شفیع رنگون چلاگیااور تھوڑے عرصے تک حسبِ وسعت مبلغ بیس پچیس روپیہ ہندہ کو روانہ کیامگر کچھ عرصہ تک بوجہ مجبوری خرچ روانہ نہ کرسکاالبتہ خطوط روانہ کرتارہااور اسکے ذریعہ سے اپنی مجبوری ظاہر کرتارہااور بعد کو بھی تین چار روپیہ روانہ کیااب محمد شفیع قریب ساڑھے تین سال کے بعد رنگون سے واپس آیااور وجہ عدم ادائیگی خرچ میں یہ عذر بیان کیاکہ میں سخت جل گیا تھااور کوئی امید زندگی نہ تھی،چنانچہ چھ ماہ میں ہسپتال میں پڑارہا(جلنے کاحال زبانی آئندگان آنصوبہ سے بھی سنا گیااور اب بھی اس کے جسم پر نشان دیکھاگیایعنی موجود پایاگیا)اس حالت میں مبلغ پچاس روپیہ کاقرضدار ہوگیابعد صحت چند روز بیکار رہااور جب کامیاب ہواتوقرض اداکیا بقیہ زادِراہ میں صرف ہواعدم روانگی خرچ سے ہندہ بوجہ اہل مقدور ہونے اپنے ولی کے محتاج نان ونفقہ نہ تھی

---

[1] فتاوی ہندیۃ الفصل السابع بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

علاوہ اس کے قریب دو صد روپیہ کی مالیت کا زیور کہ ملکیت محمد شفیع تھی اس کے پاس موجود تھے غرضیکہ ہندہ اور اس کے ولی کو نسبت نان ونفقہ وعدم روانگی خرچ کوئی شکایت نہیں ہے اور سب اس سے رضا مند ہیں پاس سوال یہ ہے کہ بحالت صحت اقرار نامہ ایسی صورت میں ہندہ زوجیت سے خارج ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

نقل اقرارنامہ

منکہ محمد شفیع ولد عبدالقادر متوفی ساکن موضع سرائے بھنولی پرگنہ کچرانہ تحصیل کالو ضلع فیض آباد ام، چونکہ باغوائے شیطان چند افعال ناجائز مجھ سے آج تک ہوتے رہے میں نے اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ بنت محمد یسین خاں کے نان نفقہ سے بالکل غافل تھا حتی کہ میں نے آج تک ادنٰی ضرورت بھی اس کی رفع نہ کی اور خلافِ حکم خدا رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس کے نان نفقہ سے بالکل بے خبر تھا، مگر اب میں اپنے افعال شنیعہ اور سراسر غفلت وبے فکری سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لئے اقرار کرتا ہوں کہ مطابق مرضی منکوحہ اور اس کے والدین کے ہر ایک فعل کی پابندی کرتا رہوں گا اور جو کچھ وہ لوگ کہیں گے اس پر عملدرآمد کروں گا اور اپنے گھر سے غیر ملک نہ جاؤں گا حسبِ اتفاق اگر غیر ملک جانے کے موقع نہ ہو اور میں چلا جاؤں تو اپنی منکوحہ کے نان ونفقہ کی خبر گیری کرتا رہوں گا اگر ایسی غفلت کروں یعنی اپنی منکوحہ کا نان نفقہ وخبر گیری نہ کروں تو وہ عدم خبر گیری میری بجائے طلاق ثلاثہ کے سمجھی جائے اور پھر مجھ کو کوئی عذر نہ ہوگا، لہٰذا یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ کے لکھ دئے تاکہ سند رہے اور عندالضرورت کام آئے، فقط بقلم محمد فیض اللہ ۹ جولائی ۱۹۱۵ء العبد محمد شفیع بقلم خود۔

الجواب:

فرصت غنیمت سمجھ کر دستخط کردیا جبر واکراہ نہیں مگر وہ اقرار نامہ بذاتہ خود ہی باطل و مہمل ہے، اگر محمد شفیع بے کسی قریب کے آپ ہی لکھتا اور پھر بلاضرورت غیر ملک کو چلا جاتا اور قصداً بلاعذر خبر گیری زوجہ سے دستکش رہتا اور ایک پیسہ کبھی نہ بھیجتا جب بھی اس باطل اقرار نامہ کی رو سے اصلاً طلاق نہ ہوسکتی وہ اس میں طلاق نہیں کہتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ میری عدم خبر گیری کو بجائے طلاق ثلثہ سمجھا جائے، "یہ سمجھ کر" صریح باطل ہے عدم خبر گیری ایک طلاق بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ تین طلاق کی جگہ اور باطل سمجھ کی اجازت دیں باطل، جیسے کوئی کہے اگر میں نہ آؤں تو دیوار کو طلاق سمجھ لینا کیا اس کے کہنے یا کسی کے سمجھ لینے سے دیوار طلاق بن جائے گی اور جب وہ اجازت وقول وفہم سب باطل ہے اور باطل پر کچھ اثر مرتّب نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ اقرار نامہ مہمل ہے اور طلاق اصلاً نہ ہوئی، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الزوج دادہ انگار او قال کردہ انگار	اگر خاوند نے کہا "تو طلاق ہوئی سمجھ" یا کہا "تو

لایقع الطلاق وان نوی کانه قال لها بالعربیة احسبی انك طالق وان قال ذٰلك لایقع وان نوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طلاق کی ہوئی سمجھ "تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی عربی میں کہے 'ترجمہ: تو خیال کرلے کہ تو طلاق والی ہے" تو یہ بات کہنے سے طلاق نہ ہوگی، اگرچہ طلاق کی نیت بھی کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵: از رامپور محلّہ فرنگن محل بزریاملاظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خاں صاحب ۲۲ شوال ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند اصحاب شرع وار باب ورع اندرینکہ شخصے بعد ایجاب وقبول نکاح خودرا اقرار نامہ ایں عبارت تحریر نمود کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم حال ساکن ناکندیہ علاقہ تھانہ منکنڈ وضلع ارکانم منمقر در حالت صحت ذات وثبات عقل بلااجبار واکراہ بخوشی مہر النساء دختر غلام علی مرحوم را بچند شرائط بنکاح خود آوردم: شرط اوّل اینکہ مسماۃ مذبورہ رادر باب تعلیم احکام شرعیہ مثل نماز وروزہ وغیرہ امور دینیہ کوشش کما حقہ بکار آرم (الٰی ان قال) شرط ہشتم بغیر رضا ورغبت مسماۃ مذکورہ زنے دیگر بنکاح خود نیارم اگر آرم برثانیہ سہ طلاق واقع خواہد شد۔ شرط نہم اگر زشرطے ازیں شرائط مرقومہ بالاانحراف ورزم آنگہ اختیار مسماۃ موصوفہ رااست کہ بتوسل کاغذ ہذا نفس خود را از زوجیتم سہ طلاق کردہ بنکاح دیگر پرداز دیا بنکاح ماند انتہی نقل اقرار نامہ بعینہٖ۔	کیافرماتے ہیں اصحابِ شرع وتقوٰی اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے نکاح میں ایجاب وقبول کے بعد اقرار نامہ میں یہ تحریر کیا کہ منکہ یونس علی پسر حسین علی مرحوم ساکن ناکند یہ علاقہ تھانہ منکنڈ وضلع اراکانم، اپنی صحت اور بقائمی عقل بغیر جبر واکراہ اپنی خوشی سے اقرار کرتا کہ مسماۃ مہر النساء دختر غلام علی مرحوم کو چند شرائط کے ساتھ اپنے نکاح میں لاتا ہوں: پہلی شرط یہ کہ مسماہ مذکورہ کو شرعی تعلیم بابت نماز، روزہ وغیرہ امور دینیہ دینے میں پوری کوشش کروں گا، حتی کہ یہ کہا آٹھویں شرط یہ ہے کہ مسماۃ مذکورہ کی مرضی کے بغیر کسی دوسری عورت سے اپنا نکاح نہ کروں گا، اگر کروں تو دوسری بیوی کو تین طلاق ہوں گی، اور نویں شرط یہ کہ اگر مذکور شرائط میں سے کسی شرط سے انحراف کروں تو مسماۃ موصوفہ کو اختیار ہوگا کہ اس کاغذ اور تحریر کے بموجب اپنے آپ کو تین طلاق کے ساتھ میری زوجیت سے خارج کرکے دوسرے شخص سے نکاح کرلے یا میرے نکاح میں رہے، نقل بعینہٖ اقرار نامہ ختم ہوئی۔

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

اکنوں یونس علی مسماۃ مہر النساء راسہ طلاق دادہ بلا رضا و رغبت مہر النساء بزنِ دیگر نکاح نمود است دریں صورت مرقومہ بزوجہ ثانیہ یونس علی سہ طلاق واقع خواہد شد یا نہ، جناب فیضماب مولانا صاحب دام اقبالہم و فیضہم بعد سلام عرض اینکہ جواب سوال بزودی عنایت فرمودہ ممنون فرمایند چنانکہ نخستین ہم مرہون منت و ممتاز داریں فرمودہ بودند دریں باب نیز علماء مختلف اند بعضے طلاق ثانیہ قائلے ست و بعضے بعد مش مصر فیصلہ چیست و مفتی بہ و مختار کدام، نزدم کتب مختلفہ موجود نیست بناء علیہ مکلّف شدم عفو فرمایند، **والسلام**۔	اب اس کے بعد یونس علی نے مسماۃ مذکور کو تین طلاقیں دے کر مہر النساء کی رضا و رغبت کے بغیر دوسرا نکاح کرلیا، تو مسئولہ صورت میں یونس علی کی دوسری بیوی کو تین طلاقیں ہوئیں یانہیں، جناب فیض مآب مولانا صاحب! آپ کا فیض واقبال ہمیشہ قائم رہے، سلام کے بعد وعرض ہے کہ اس سوال کا جواب جلدی عنایت فرماکر ممنون فرمائیں تاکہ ہم ہمیشہ ممنون احسان رہیں، اس مسئلہ میں دوسرے علماء بھی اختلاف کررہے ہیں، بعض دوسری بیوی کی طلاق پر مصر ہیں اور بعض اس کی طلاق نہیں مانتے، آپ کا فیصلہ اور فتوی کیا ہے اور مختار قول کیا ہے میں اپنے مختلف کتب نہ ہونے کی بناء پر تکلیف دے رہا ہوں، تکلیف پر معافی چاہتا ہوں، **فقط، والسلام**۔

الجواب:

اللّٰھم ھدایة الحق والصواب درصورت مستفسرہ قضیہ نظر فقہی تفصیل ست، اگر مہر النساء گوید کہ یونس علی ایں نکاح دوم بے رضا و رغبت من کردہ است، و یونس علی دریں معنی تصدیق بیانش کند زن پسیں ہم از وقت نکاح سہ طلاق شود ورنہ ہیچ طلاق و فراق نیست۔ **اقول: وباللّٰه التوفیق** تحقیق مقام آنست کہ طلاق زن ثانیہ معلق بوقوع نکاحش متلبس باعدم رضا و رغبت مہر النساء ست، پس ہم وقت نکاح ایں عدم باید و تحقق شرط کہ	اے اللہ تجھ سے حق وصواب (درستگی) کی رہنمائی کا طلبگار ہوں، مسئولہ صورت میں شرعی فیصلہ فقہی نظر میں تفصیل طلب ہے، اگر مہر النساء کہے کہ یونس علی نے یہ دوسرا نکاح میری رضا و رغبت کے بغیر کیا ہے اور یونس علی اس کی تصدیق کرتا ہے تو دوسری بیوی کو نکاح کے وقت سے ہی تین طلاقیں ہوگئیں، ورنہ کوئی طلاق اور جدائی نہ ہوگی، **اقول: وباللّٰه التوفیق** (اللہ کی توفیق سے میں کہتا ہوں کہ) اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ دوسری بیوی کی طلاق، مہر النساء کی رضا و رغبت کے معدوم ہونے سے مشروط ہے، تو شرط کا پایا جانا جزاء کے

مستلزم تحقق جزاوزوال عصمت است تسلیم او مرہون ثبوت شرعی است کہ اقرار زوج باشد یا اظہار بینہ **اما البینة فلانها کاسمها مبینة. اما اعتراف الزوج فلانه یملك الانشاء فلایزاحم فی الاخبار**، تنہا بیان مہر النساء در حق زوجہ ثانیہ شنودن ندارد کہ بیان یک زن حجت شرعیہ نیست خاصۃ در حق ضرہ کہ محل تہمت ست واقدام یونس علی بریں عقد بے استئذان مہر النساء مثبت شرط نتواں شد کہ شرط عدم رضا بود نہ ترک استرضا، وشتان ماہما، ولہذا علماء گفتہ اند کہ در تعلیق بالرضا علم برضا در کار نیست، مثلاً شوہر حلف بطلان کردہ مرزنش را گوید کہ بے رضائے من بیروں نروی باز آہستہ گفت برو، زن نشنید یا شنید و نفہمید وبیروں رفت طالق نہ شود کہ بے رضا نرفتہ است، گو خود برضا مطلع مباش بخلاف اذن کہ او نباشد الابقول مسموع ومفہوم تا آنکہ دلائل واضحہ رضا نیز آں جابکار نیاید مثلا حلف کند بے اذن زن نیا شامم زن کاسہ بدست خود گرفتہ نوشاند وبرزبان ہیچ نگفت یا گفت وشوے نشنود یا مفہومش نشد حانث شود کہ اذن متحقق نگشت، پس عدم اذن در محل شرط بہ بینہ ثابت تواں کرد **لان الشہادۃ علی النفی مقبولۃ فی الشروط** اما باثبات عدم رضا ورغبت راہے نیست زیرا کہ او صفتے قلبی ست وعلمش از علوم غیبی، نہایت کار شہود چنگ بدلائل خارجہ زدن ست وور ہیچو

پائے جانے کو مستلزم ہوگا جس سے نکاح ختم ہوجائے گا لیکن اس کو تسلیم کرنا شرعی ثبوت پر موقوف ہے اور ثبوت شرعی خاوند کا اقرار یا شہادت ہے، شہادت اس لئے ضروری کہ وہ معاملہ کو واضح کرتی ہے، اور زوج کا اقرار اس لئے کہ خاوند ہی طلاق کو نافذ کرنے کا مالک ہے، لہٰذا حال کی خبر وہ خود ہی دے سکتا ہے، تنہا مہر النساء کا بیان دوسری بیوی کے متعلق قابل سماعت نہیں ہے کیونکہ ایک عورت کا بیان شرعی حجت نہیں ہے خاص کر اپنی سوکن کے بارے میں کہ تہمت کا احتمال ہے اور یونس علی کا مہر النساء سے اجازت طلب کئے بغیر یہ دوسرا نکاح کرنا طلاق کی شرط کے پائے جانے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ طلاق کی شرط مہر النساء کی عدم رضا ورغبت ہے نہ کہ اس سے اجازت طلب کرنا، جبکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے، اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ رضا کے ساتھ مشروط امر کے پائے جانے میں رضا کا علم ضروری نہیں بلکہ رضا کا پایا جانا ہی کافی ہے، مثلا ایک شخص نے طلاق کا حلف کہتے ہوئے اپنی بیوی کو کہا کہ تو میری رضا کے بغیر باہر مت جا۔ پھر آہستہ سے کہا جا، بیوی نے نہ سنا، یا سنا مگر سمجھا نہیں اور باہر چلی گئی تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ وہ رضا پر باہر گئی اگرچہ وہ خود رضا پر مطلع نہ ہوئی، اس کے برخلاف اگر رضا کی جگہ وہ اذن کا لفظ کہتا تو طلاق ہوجاتی کیونکہ اذن کے لئے ایسا قول ضروری ہے جو سنا اور سمجھا جاسکے حتی کہ وہاں اذن کی واضح دلیل بھی پائی جائے تو کار آمد نہ ہوگی، مثلاً خاوند نے بحلف کہا کہ میں بیوی کی اجازت

مقام امارات ظاہرہ اگر باچند ہر چہ تمامتر واضحہ باشد بکار نیاید، علماء فرمودہ اند زن راگفت اگر فلاں مومن ست تو طلاقہ وفلاں رامی بینیم از صلحائے امصار واتقیائے روزگار ست اور ہزار گفتہ باشد من مومنم در حق تطلیق تصدیق نباشد وطلاق نیفتند تازوج بایں معنی اعتراف نکند زیرا کہ ایمان در دل ست وامارات ازینجا حجیت منعزل وشہادت فرداز قبول منفصل، باز ایں دلائل اگر بعد وقوع ایں نکاح ثانی یافتہ شد مثلاً مہر النساء را خبر رسید او روئے درہم کشید یا پیش از نکاح منع ایں معنی می کرد وبرذکر او غضب می آورد خود بکار نیست زیرا کہ شرط بوقوع نکاح متلبسا بعدم الرضاست، دل ہر وقت بریک حال نیست، القلب یتقلب، پس عدم رضائے سابق ولاحق دلیل عدم مقارن نتواں شد الابہ استصحاب در سابق یا قیاس در لاحق وایںہمہ از ظاہر ست وظاہر واقع است نہ مثبت بلکہ آں سابق ولاحق نیز خود ظاہری بیش نبود واللہ علیم بذات الصدور ،ایں ظاہر در ظاہر شد وضعف در ضعف راہ یافت واگر خود عین وقت ایں عقد دلائل غضب یافتہ شود علت منحصر دریں نیست اسباب غضب ہزار ست یمکن کہ یاد تطلیق خودش در غضب آوردہ باشد نہ عدم رضا بایں عقد، اطلاع برآنکہ وجہ غضب چیست باز نیاز باں آرد کہ آں وقت سخناں مہر النساء اور دستاویز نمایند ایں باز رجوع بہ بیان زن شدہ وشہادت شہود از میاں برخاست

کے بغیر نہ پیوں گا، اگر بیوی اپنے ہاتھ سے پانی والا پیالہ دے اور وہ پی لے اور بیوی نے اس موقعہ پر اپنی زبان سے کچھ نہ کہا یا زبان سے پینے کو کہا مگر خاوند نے نہ سنا یا سنا مگر سمجھ نہ سکا، تو قسم ٹوٹ جائے گی کیونکہ اذن نہ پایا گیا، پس عدم اذن کی شرط ہو تو یہ گواہی سے ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ شرائط میں منفی پر گواہی سے ثابت کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ قلبی معاملہ ہے جس کا علم غیبی علوم میں سے ہے، جبکہ گواہی میں خارجی امور پر سہارا ہوتا ہے اور ایسے قلبی حال پر کتنی ہی واضح علامات کیوں نہ ہوں وہ کار آمد نہیں ہو سکتیں، علماء نے فرمایا کہ خاوند بیوی کو کہے اگر فلاں شخص مومن ہے تو تجھے طلاق ہے، جبکہ فلاں شخص کو شہر میں نیک اور زمانہ کا پرہیزگار دیکھا جارہا ہو اور وہ ہزار بار مومن ہونے کا دعوی کرے لیکن طلاق دینے کے معاملہ میں اس کی بات کی تصدیق نہ کی جائے گی اور طلاق نہ پڑے گی جب تک خاوند اس کے مومن ہونے کا اعتراف نہ کرے گا طلاق نہ ہوگی، کیونکہ ایمان دل میں ہے اس پر علامات یہاں حجت نہیں بن سکتیں اور کسی فرد کی شہادت پر علامات یہاں مقبول نہ ہوں گی، پھر اگر یہ علامات نکاح ثانی کے بعد سرزد ہوں، مثلاً مہر النساء کو دوسرے نکاح سے قبل مہر النساء نے اس سے منع کیا ہو اور دوسرے نکاح کے ذکر پر ناراض ہوئی ہو، یہ علامات بھی کار آمد نہیں ہو سکتیں کیونکہ شرط یہ ہے کہ دوسرا نکاح مہر النساء کے دل کی رضا مندی سے نہ ہو تو طلاق ہوگی، جبکہ دل کا حال

بلے غالب عادت زناں خاصہ دریں بلاد وزماں ہمانست کہ نکاح ثانی شوہر ان پسند نکنند اگرچہ خود آنہا طلاقہ شدہ باشند، امااین ظاہر بآنکہ ظاہر واز جمعیت قاصر ست ضعیف ترست، بارہا زناں مطلقہ بلکہ معلقہ بدعا، آرزو کنند کہ شوہر پنجہ زنے بلایا سلیطہ کج ادا گرفتار آید تا کیفر کردار خود چشد وعذابے کہ مارا کردہ است خمیازہ اش کشد ورضا بچیزے راعلم بآں چیز ہم در وقت حدوث اور ضروری نیست مثلاً پدر زید را تمنا است کہ زید بمنصب وزارت رسد در غیبت پدر وزیرش کردند گفتہ نشود کہ ایں وزارت بے رضائے پدرست پس وقوع ایں عقد بے اطلاع مہر النساء نیز محقق شرط نباشد، بالجملہ راہ باثبات ایں شرط نیست، جز باخبار مہر النساء مع تصدیق یونس علی، واصل کار ہماں اقرار یونس علی ست اگر یافتہ شد سہ طلاق بفور نکاح نقد وقت ثانیہ است کہ نامدخولہ محل سہ طلاق دفعی ست اگرچہ تفریق برنیابد کہ انتثال تعلیقات بزمان بقائے زوجیت زوجہ اولٰی مقتصر نیست ورنہ خیر۔

بدلتا رہتا ہے، پس پہلے یا بعد کی عدم رضا نکاح کے وقت ناراضگی دل کی دلیل نہیں بن سکتی، ہاں سابق ناراضگی استصحابِ حال اور بعد والی قیاس بن سکتی ہے، لیکن یہ سب کچھ ظاہری چیزیں جبکہ ظاہر واقع تو ہو سکتا مگر وہ مثبت نہیں بن سکتا بلکہ وہ سابق اور لاحق خود بھی ظاہر سے بڑھ کر نہیں ہیں، دل کی کیفیت تو اللہ تعالٰی ہی جانتا ہے یہ جو کچھ ظاہر ہو ظاہری معاملہ ہے اور ضعف ہے جو کہ ضعف کا راستہ پاتا ہے بلکہ عین نکاح ثانی کے وقت بھی مہر النساء کا غصہ پایا جائے تو یہ بھی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یہ دوسرے نکاح سے ناراض ہو رہی ہے کیونکہ غصہ کی وجود کئی ہو سکتی ہیں ممکن ہے اس وقت نکاح عدم رضا کی وجہ سے نہ ہو، یہ معلوم کرنا کہ غصہ کی وجہ کیا ہے آخر کار دلیل اس کی یہی ہو سکتی ہے کہ مہر النساء نے دوسرے نکاح کے وقت غصہ کی باتیں کی ہیں یہ پھر بیوی کے بیان پر موقوف ہوا، اور درمیان میں گواہوں کی گواہی ناپید رہی بلکہ تسلیم شدہ ہے کہ اس ملک میں موجودہ زمانے کی عورتوں کی عادت ہے کہ وہ خاوند کے دوسرے نکاح کو پسند نہیں کرتیں اگرچہ ان میں سے خود طلاق بھی حاصل کر چکی ہوں مگر یہ بات عادت بھی تو ظاہر معاملہ ہے اور نکاح کے وقت دل کی کیفیت پر دلالت قاصر اور ضعیف تر ہے، کیونکہ بارہا اور معلقہ عورتیں بدعائیں اور بری آرزوئیں کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ خاوند کا برا ہو اور کسی بری عورت کے پنجہ یا مصیبت میں گرفتار ہو تا کہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچے اور اس نے جو مجھے تکلیف دی اس کا خمیازہ بھگتے، کسی چیز پر رضا کو یہ لازم نہیں کہ اس چیز کے حدوث اور وجود کا علم بھی ہو مثلاً زید کے والد کی تمنّا ہے کہ زید وزارت کے منصب تک پہنچے جبکہ والد کی عدم موجودگی میں زید کو وزیر بنادیا جائے تو یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ وزارت والد کی رضا کے بغیر دی گئی ہے (غرضیکہ رضا وعدم رضا پائے جانے کے باوجود یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ عین واقعہ کے وقت رضا موجود تھی) پس یونس علی کے دوسرے نکاح کا مہر النساء کی اطلاع کے بغیر ہونا بھی شرط کا ثبوت نہیں بنتا، حاصل یہ کہ

حالا برخے از کلمات علماء برخوانیم وانچہ گفتہ ایم بپایہ اثبات رسانیم، وباللہ التوفیق۔

امام محقق علی الاطلاق در فتح القدیر کتاب الایمان فی مسائل متفرقہ فرماید. لو قال لامرأته کل امرأة اتزوجها بغیر اذنك طالق فطلق امرأته طلاقا بائنا اوثلاثا ثم تزوج بغیر اذنها طلقت لانه لم تتقید یمینه ببقاء النکاح لانها انما تتقید به لوکانت المرأة تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح[1]۔

علامہ محقق زین بن نجیم در بحر الرائق فرماید الاذن یطلع علیه بالقول بخلاف المحبة[2] ملخصًا، ہمدان ست حقیقة المحبة والبغض امر خفی لایوقف علیها من قبل احد لامن قبلها ولامن قبل غیرها لان القلب یتقلب لایستقر

دوسرے نکاح کے وقت مہر النساء کی عدم رضا کا اثبات سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مہر النساء خود بتائے اور یونس علی اس کی تصدیق کرے بلکہ اصل دار ومدار یونس علی کے اقرار پر ہے اگر اس کا یہ اقرار پایا جائے تو فوری طور پر دوسرے نکاح کو کرتے ہی دوسری غیر مدخولہ کو بیک وقت تین طلاقیں ہوجائیں گی، کیونکہ غیر مدخولہ بیوی بیک لفظ تین طلاقوں کا محل ہے اگرچہ متفرق طلاقوں میں تینوں کا محل نہیں، کیونکہ تعلیقات کا عمل پہلی بیوی کی زوجیت کی بقاء پر منحصر نہیں ہے اور اگر یونس علی کا اقرار نہ ہو تو خیر (یعنی طلاق نہ ہوگی) (ت)

اب ہم علماء کا کچھ کلام بیان کرکے اپنے مذکورہ موقف کو ثابت کریں گے وباللہ التوفیق۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں کتاب الایمان کے مسائل متفرقہ میں فرمایا ہے اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے جس عورت سے بھی تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اسے طلاق ہے، پھر اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی یا تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے اس دوران پہلی بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کیا تو دوسری کو طلاق ہوجائے گی کیونکہ اس نے حلف میں دوسری عورت سے نکاح کو پہلی بیوی کے نکاح کے باقی رہنے سے مقید نہیں کیا، اس سے مقید تب ہوتا جب پہلی بیوی اپنے نکاح کے وقت اذن یا منع کا اختیار حاصل کرتی۔ (ت) علامہ محقق زین بن نجیم نے بحر الرائق میں فرمایا اذن پر صرف قول کے ذریعہ اطلاع ہوسکتی ہے بخلاف محبت کے، اسی میں یہ بھی فرمایا کہ محبت اور بغض کی حقیقت مخفی معاملہ ہے اس پر مرد یا عورت کسی کی طرف سے واقفیت نہیں ہوسکتی، کیونکہ یہ دلی کیفیت ہے جو بدلتی رہتی ہے کیونکہ دل بدلتے رہنے والی

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۶۸

[2] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۲۶

علی شیئ [1]۔	چیز ہے دل کو کسی ایک چیز پر قرار نہیں۔ (ت)
امام حافظ الدین محمد کردری در وجیز کتاب الایمان فصل تاسع فرماید ان اذن ولم تسمع لایعتبر عند الامام ومحمد رحمهما الله تعالٰی، وفی الصغری، لاتخرجی الا برضائی اوبغیر رضائی فاذنها ولم تسمع او سمعت ولم تفهم لایحنث بالخروج، بخلاف الاباذنی اوبغیر اذنی حیث یحنث لان الرضا یتحقق بلاعلمها والاذن لایتحقق [2]۔	امام حافظ الدین محمد کردری نے وجیز کتاب الایمان کی نویں فصل میں فرمایا: اگر اذن دیا اور دوسرے نے نہ سنا تو یہ اذن معتبر نہ ہوگا، یہ امام اعظم اور امام محمد رحمہمااللہ کا مسلک ہے، صغرٰی میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا تو میری رضا کے بغیر باہر نہ جائیگی، تو اس کے بعد خاوند نے بیوی کو اجازت دی مگر بیوی نے نہ سنا، یا سنا ہے لیکن سمجھی نہیں تو بیوی نکل جانے سے حانث نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر اس نے بیوی کے نکلنے کو اذن پر موقوف کیا ہو تو مذکورہ صورت میں خلاف ورزی قرار پائے گی یعنی حانث ہوگی، کیونکہ رضا بیوی کے علم کے بغیر بھی ہوسکتی ہے جبکہ اذن اس کے علم کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتا۔ (ت)
ہمدراں ست لایشرب الاباذنه فناوله القدح بیده ولم یقل بلسانه شیأ فشرب یحنث لانه دلیل الرضا، لاالاذن، لاتخرج امرأته الا بعلمه فخرجت وهو یراها لایحنث، وان اذن لها بالخروج فخرجت بعده بلاعلمه لایحنث [3]۔	اسی میں ہے: ایک نے دوسرے کو کہا "تو میرے اذن کے بغیر نہ پئے گا" اس کے بعد اس نے خود پانی کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا دوسرے نے پانی لیا تو خلاف ورزی ہوجائیگی اور وہ حانث ہوجائیگا (کیونکہ ہاتھ میں دینا رضا کی دلیل تو ہوسکتی ہے مگر اذن نہیں ہوسکتا) یونہی بیوی کو کہا "میرے علم کے بغیر باہر نہ جائے گی" پھر اس کے دیکھتے ہوئے اس کی عورت نکلی تو حانث نہ ہوگا، اور اگر اس کے بعد نکلنے کی اجازت زبانی دے دی تو اب علم کے بغیر بھی نکل جائے تو حانث نہ ہوگا۔ (ت)

[1] بحر الرائق باب التعلیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۷/۴

[2] فتاوی بزازیۃ علی ھامش فتاوی ہندیۃ التاسع فی الیمین فی الاذن نورانی کتب خانہ کراچی ۲۹۴/۴

[3] فتاوی بزازیۃ علی ھامش فتاوی ہندیۃ التاسع فی الیمین فی الاذن نورانی کتب خانہ کراچی ۲۹۶/۴

امام اجل برہان الملۃ والدین در ہدایہ فرماید ان کان الشرط لایعلم الا من جهتها فالقول قولها فی حق نفسها مثل ان یقول ان حضت فانت طالق وفلانة فقالت قد حضت طلقت هی ولم تطلق فلانة ووقوع الطلاق استحسان، والقیاس ان لایقع لانه شرط فلا تصدق کما فی الدخول، وجه الاستحسان انها امینة فی حق نفسها اذلایعلم ذلك الامن جهتها فیقبل قولها کماقیل فی حق العدة والغشیان ولکنها شاهدة فی حق ضرتها بل هی متهمة فلایقبل قولها فی حقها[1]، در فتح القدیر ست شهادتها علی ذٰلك شهادة فرد واختبارها به لایسری فی حقها مع التکذیب[2] علامہ آفندی شامی در ردالمحتار فرماید قال فی البحر قید بمحبتها لانه لو علقه بمحبة غیرها فظاهر مافی المحیط انه لابد من تصدیق الزوج	امام اجل برہان الملّۃ والدّین نے ہدایہ میں فرمایا اگر شرط ایسی ہو کہ اس کا علم صرف عورت کے بیان واظہار پر موقوف ہو تو عورت کی بات معتبر ہوگی جس کا تعلق اس عورت کی ذات سے ہو، مثلاً کہا اگر تجھے حیض آئے تو تجھے طلاق ہے اور فلانی کو بھی، اب اس عورت نے کہ مجھے حیض آیا ہے، تو اس کو خود طلاق ہو جائیگی دوسری فلانی کو نہ ہوگی، اس کو طلاق ہونا بطور استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ طلاق نہ ہو، کیونکہ یہ شرط ہے جبکہ شرط کے وقوع میں صرف عورت کی بات معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ دخول وغیرہ کی شرط میں، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ اپنے معالمہ میں وہ امین متصور ہوگی کیونکہ معاملہ ایسا ہے جس کا علم اس کے بیان پر موقوف ہے اس لئے اس کی ذات کے بارے میں اس کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ عدت اور اس سے وطی کے متعلق اس کی بات معتبر ہوتی ہے لیکن اس کی یہ بات سوکن کے حق میں شہادت بنتی ہے بلکہ تہمت متصور ہوتی ہے اس لئے سوکن وغیرہ دوسری عورت کے بارے میں اس کی یہ بات معتبر نہیں ہوگی اور قبول نہ کی جائے گی۔ فتح القدیر میں ہے: عورت کی گواہی دوسری عورت کے بارے میں یہ ایک فرد کی گواہی بنتی ہے تو اس لئے اس کی یہ بات دوسری پر اثر انداز نہ ہوگی تہمت کی وجہ سے اس کو جھوٹ قرار دیا جاسکتا ہے۔ علامہ آفندی شامی نے ردالمحتار

[1] ہدایہ باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۳۶۶/۲

[2] فتح القدیر باب الایمان فی الطلاق المکتبۃ العربیۃ کراچی ۴۵۱/۳

فانه قال لوقال انت طالق ان لم تکن امك تهوی ذلك فقالت الام انا اهوی وکذبها الزوج لاتطلق فان صدقها طلقت لما عرف، وروی ابن رستم عن محمد انه لوقال ان کان فلان مؤمنا فانت طالق لا تطلق لان هذالایعلمه الا هو، ولایصدق هوعلی غیره و ان کان هو من المسلمین یصلی ویحج، ولو قال الاٰخر لی الیك حاجة فاقضها لی فقال امرأته طالق ان لم اقض حاجتک، فقال حاجتی ان تطلق زوجتك فله ان لایصدقه فیه ولاتطلق زوجته لانه محتمل للصدق والکذب فلایصدق علی غیره اھ.قال الخیر الرملی وقد علم من هذه الفروع انه ان علق بفعل الغیر	میں فرمایا کہ بحر میں کہا ہے کہ بیوی کی محبت سے اس کو مقید کیا کیونکہ اگر کسی غیر کی محبت سے طلاق کو مشروط کیا جائے، تو محیط کے بیان سے ظاہر یہی ہے کہ خاوند کی تصدیق کے بغیر محض بیوی کے کہنے پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہاں یہ فرمایا ہے کہ اگر خاوند نے کہا، اگر تیری ماں یہ نہ چاہتی، اور خاوند نے ماں کی بات کو غلط قرار دیا تو طلاق نہ ہوگی ہاں اگر خاوند ماں کی تصدیق کردے تو طلاق ہوجائے گی جیسے کہ معلوم ہے۔ ابن رستم نے امام محمد سے نقل کیا کہ خاوند نے کہا اگر فلاں مومن ہے تو تجھے طلاق ہے، تو یہاں طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے جس کی اطلاع وہ فلاں شخص خود دے سکتا ہے لیکن اس کا بیان دوسرے کے خلاف قابلِ تصدیق نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ مسلمان نظر آئے نماز اور حج وغیرہ ادا کرتا ہو، اور اگر ایک نے دوسرے کو کہا مجھے تجھ سے ایک حاجت ہے تو میری حاجت پوری کردے، دوسرے نے کہا اگر میں تیری حاجت پوری نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق، تو پہلے نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ تو اپنی بیوی کو طلاق دے، تو دوسرے شخص کو حق ہے کہ وہ اس کی بات تسلیم کرنے سے انکار کردے تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی کیونکہ پہلے کی بات جھوٹ اور سچ ہونے کا احتمال رکھتی ہے لہٰذا غیر کے خلاف یہ دلیل نہیں قرار نہیں دی جاسکتی اھ، خیرالدین رملی نے اس پر فرمایا کہ ان مسائل سے معلوم ہوا کہ اگر دوسرے کے فعل پر طلاق کو مشروط کیا ہو تو اس

لایصدق ذٰلك الغیر علیه سواء،کان مما لایعلم الامنه ام لاولابدمن تصدیق الزوج فیهما او البینة فیما یثبت بها من الامر الذی یعلم [1] ایں عین جزئیہ مطلوبہ ماست،وللہ الحمد،واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کی تصدیق ضروری نہیں ہے خواہ غیر کا یہ فعل دوسروں کو معلوم ہوسکے یا صرف وہی اظہار کرسکتا ہو دوسری کو معلوم نہ ہوسکتا ہو،دونوں صورتوں میں خاوند کی طرف سے تصدیق کرنا ضروری ہے یا پھر گواہی سے ثابت ہوجائے وہ فعل جس پر دوسروں کو اطلاع ہوسکتی ہو،یہی ہمارا مطلوبہ جزئیہ ہے وللہ الحمد،واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الایلاء

(ایلاء کا بیان)

مسئلہ ۳۶: ۱۳ شعبان معظم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایلاء کے یہ معنی کہ مرد اپنی عورت سے جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یوں کہے کہ اس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزالازم آئے، اور یہ قسم و تعلیق یا تو مطلق ہوں مثلاً واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم، یا موبد یعنی صراحۃً ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا، یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو، یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وہ مدت چار مہینے سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا، یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سو رکعت نماز لازم، اور تعلیق کی صورت میں یہ بھی ضرور کہ وہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے امثلہ مذکورہ، یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے، یا تجھ پر طلاق ہے، یا میرا مال خیرات ہے، یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذلک، اور وہ شرعاً تعلیق کہے سے بھی لازم آسکتا ہو جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف، عمرہ، طلاق، کفارہ، وغیرہا، نہ مثل وضو و غسل وتلاوت قرآن وسجدہ تلاوت واتباعِ جنازہ وغیرہ کے یہ چیزیں نذر و تعلیق سے لازم نہیں ہو جاتیں، اور یہ قسم و تعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اصلا مفر نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ یہ اس

عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی ایلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں، مثلاً نہ قسم کھائی نہ تعلیق، خالی عہد کرلیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اس کے اندر جماع کیا تو بصورت قسم خاص کفارہ اور بصورت تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثل قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم و تعلیق کا ہے، مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکم ایلاء ہے، یونہی اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہے تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں، اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں، اور اگر تعلیق میں تلاوت قرآن وغیرہ اشیائے غیر لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یوں کہا کہ واللہ میں اس میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر سوج لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مفر موجود ہے جب چاہے اس گھر یا شہر سے باہر لے جاکر جماع کرسکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں وہ قسم یا تعلیق جھوٹی کی تو اس کا جرمانہ اسی طرح دینا ہوگا کہ قسم خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار ہے چاہے وہ چیز بجالائے جو لازم مانی تھی چاہے قسم کے مثل کفارہ دے لے علی ہذا القیاس جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفر ملتی ہو ایلا نہیں، ان سب قیود واحکام کی تصریح وتفصیل در مختار و ردالمحتار میں ہے **من شاء فلیرا جعهما** (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے۔ت) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اس عورت سے جماع کیا تو بتفصیل معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امر شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اس سے جماع نہ کیا یا جماع مثلاً بوجہ مرض یا حبس یا دوری مسافت کہ مدت کے اندر عورت تک نہیں پہنچ سکتا ناممکن تھا تو زبانی رجوع نہ کیا مثلاً یوں نہ کہہ لیا کہ میں نے اپنی عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اس کہنے سے پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کردیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی جس سے وہ خود مختار ہو جائے گی،

فی الدر حکمه وقوع طلقة بائنة ان بر ولم یطأ ولزم الکفارة او الجزاء المعلق ان حنث بالقربان[1] فی رد المحتار	در میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاق بائنہ ہوجائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزاء لازم ہوگی۔ ردالمحتار میں

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۲

قوله ولم یطأعطف تفسیر والمراد بالوطی حقیقته عند القدرة او مایقوم مقامه کالقول عند العجز فالمراد ولم یفئی ای لم یرجع الی ماحلف علیه [1] اھ وفی الدر عجز عجزا حقیقیا لاحکمیا کاحرام لکونه باختیارہ عن وطئہا لمرض باحدھما او صغرھا او جبه او عنته او بمسافة لایقدر علی قطعها فی مدة الایلاء او لحبسه لابحق ففیؤہ نحو قوله بلسانه فئت الیها او راجعتك او ابطلت الایلاء او رجعت عما قلت ونحوہ اھ ملخصا۔ [2]	اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول "ولم یطأ" (اور وطی نہ کی) عطف تفسیری ہے، اور وطی سے حقیقی جماع مراد ہے اگر قدرت ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جماع کے قائم مقام مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا، کہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے اور قسم کو پورا نہ کرے تو کفارہ لازم آئے گا اھ، اور در میں ہے "عاجز ہوجائے" سے مراد حقیقی عجز ہے حکمی عجز نہیں جیسا کہ احرام کی حالت میں ہونا عجز حکمی ہے کیونکہ یہ عجز اختیاری ہے، بیوی سے وطی کے عجز کا مطلب یہ ہے کہ خاوند یا بیوی کو مرض لاحق ہو، یا بیوی صغیرہ ہو، یا خاوند نامرد یا آلہ سے محروم ہے، یا اتنی دور مسافت ہے کہ قسم کی مدت میں اس کو طے کرنا، قدرت میں نہیں ہے، یا ناحق قید میں ہے، تو ان صورتوں میں بیوی سے رجوع زبانی کرے اور یوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کرلیا ہے یا میں نے ایلاء یعنی قسم کو باطل کردیا ہے، یا کہے میں نے قسم کھائی اس سے میں نے رجوع کرلیا ہے یا اس کی مثل الفاظ کہہ دے، اھ ملخصاً (ت)

مگر ایلاء طلاق مغلظہ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کرسکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہوگئیں یہ جدا بات ہے یا اگر (مدت عــہ) کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحةً موبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاق بائن پڑی پھر اس سے نکاح کرلیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کرلیا اور یونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لاسکے گا۔

فی التنویر فی الحلف باللہ وجبت الکفارة	تنویر میں ہے: ایلاء میں، اگر اللہ کی قسم، کہ تو اس سے

عــہ: اصل میں کرم خوردہ ہے۔

[1] ردالمحتار باب الایلاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۶

[2] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۳

وفی غیرہ وجب الجزاء وسقط الایلاء والابانت بواحدۃ وسقط الحلف لو موقتا لا لوکان موبدا فلو نکحها ثانیا وثالثا ومضت المدتان من وقت التزوج فان نکحها بعد زوج اٰخر لم تطلق وان وطئها کفر لبقاء الیمین [1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا، اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی، اور ایلاء ساقط ہوجائیگا ورنہ قسم کو پورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہوجائیگی اور حلف مقررہ وقت کیلئے ہو تو ختم ہوجائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا، لہٰذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی مدت کا اعتبار نکاح کے وقت ہوگا لہٰذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی وجہ سے باقی ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: ڈالور فرسٹ ایچ روڈ مکان ۱۰۱ مسئولہ ابوبکر ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کوئی شخص حنفی مذہب کے موافق اپنی عورت سے کسی معاملہ میں ان بن ہوگئی اور چہار حیض تک کچھ تعلق نہ رہا تو ایک طلاق ہوگی، پھر اس پر ایک اور حیض گزرنے سے دوسری طلاق ہوگی پھر ایک اور حیض گزرنے سے تیسری طلاق ہوگی، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ محض بے اصل ہے اس کا پتا نہ مذہب حنفی میں ہے نہ کسی مذہب میں، اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قربت کی قسم کھائے، رب عزوجل نے اسے چار مہینے کی مہلت دی ہے، اگر چار مہینے کے اندر قربت کرلے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی کفارہ دینا ہوگا، اور اگر چار مہینے کامل گزر جائینگے تو ایک طلاق بائن ہوجائے گی، عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی،

قال اللہ تعالٰی لِلَّذِیۡنَ یُؤْلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِہِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ ۚ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے

[1] درمختار باب الایلاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۳۔ ۲۴۲

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ [1] وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس دوران رجوع کرلیں تو اللہ تعالٰی بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے، اور اگر وہ (رجوع نہ کرکے) طلاق کا عزم کئے ہوں تو اللہ تعالٰی سننے والا جاننے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۶

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۷

باب الخُلع

(خلع کا بیان)

مسئلہ ۳۸: از ریاست رامپور محلّہ مردان خاں مرسلہ سید محمد نور صاحب ۶ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زوجین میں باہم نزاع وجھگڑا رہتا تھااور کسی صورت سے مصالحت نہیں ہوتی تھی آخر الامر زوجین نے چند اہل محلّہ کو جمع کیا، خلاصہ یہ کہ زوجین نے اپنی علیحدگی ہونے کا تصفیہ چاہا، اہل محلّہ نے تصفیہ اس طرح پر کیا کہ جو اشیائے موجودہ زوجہ کی تحت میں تھیں مثل پلنگ وصندوق وزیور وغیرہ زوجہ کو دلوادئے گئے اور زوجہ سے کل مہر بخشوادیا اور زوج نے طلاق دی اور لفظ طلاق کا ایک مرتبہ یا دو مرتبہ کہا، آیا یہ طلاق رجعی واقع ہوئی یا بائن؟ کتب معتمدہ حنفیّہ سے تفصیلاً وتشریحاً جواب مرحمت فرمائیے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس تصفیہ یا باہمی مکالمات یا قرائن حالات سے واضح تھا کہ یہ طلاق اس معافی مہر کے عوض دی گئی تو طلاق بائن ہوئی،

فی فتح القدیر ثم ردالمحتار قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتك وھی	فتح القدیر میں ہے اور پھر ردالمحتار میں کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا تو مجھے ان تمام حقوق سے بری کردے جو بھی بیوی کے لئے خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں، تو بیوی نے ایسا کردیا تو اس کے ساتھ متصل فوراً خاوند نے

مدخول بها یقع بائنا لانه بعوض [1] اھ وفی الذخیرة والخانیة وغیرهما وعنهما فی ردالمحتار تقع بائنة لانه طلاق بعوض وهو الابراء دلالة [2] اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، بیوی اگر مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اھ، اور ذخیرہ، خانیہ وغیرہما میں، اور ردالمحتار میں بھی ان دونوں سے منقول ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے، اور حقوق سے بری کرنا وہ دلالۃً معاوضہ ہے، اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹: از چوبیس پرگنہ ڈاکخانہ حالی شہر مقام حاجی نگر چٹکل ڈیلی سردار مرسلہ امیر اللہ میاں ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

زید کی ہمشیرہ کی نابالغی کی حالت میں حسب رواج قوم بکر سے شادی ہوئی، اب وہ سن بلوغ کو پہنچی، اور وہ قرآن شریف وغیرہ بھی پڑھی ہے اور صوم وصلوٰۃ میں از بس پابند ہے، اور شرع شریف کے بھی برخلاف نہیں ہے، اور اس کا بیان یعنی بکر بالکل تبرہ اسلام ہے یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے بلکہ اس لڑکی یعنی زید کی بہن کو نماز پڑھنے وروزہ رکھنے پر نقل ومضحکہ کرتا ہے، اور وہ بکر تاڑی بھی پیتا ہے، اور لڑکی کے ورثہ اسے ان فعلوں سے بہت روکتے اور سمجھاتے ہیں لیکن وہ ایک نہیں مانتا، اور لڑکی اسی وجہ سے بہت دن سے میکے میں ہے، اور بکر کی چال چلن اب تک نہیں بدلی، اس لئے لڑکی وارث بھی بہت تنگ ہیں کہ لڑکی کو کیا کریں، کتنے دن تک بالغ لڑکی کو کنواری رکھیں، اور لڑکی بھی بکر سے بیزار ہو کر چاہتی ہے کہ میں اس سے خلع کرالوں، اور ورثہ کی بھی یہی رائے ہے۔ آیا لڑکی ایسی حالت میں خلع کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اور بکر کے ساتھ اب تک خلوتِ صحیحہ بھی ہوئی نہیں۔

الجواب:

خلع شرع میں اسے کہتے ہیں کہ شوہر برضائے خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جدا کردے تنہا زوجہ کے لئے نہیں ہوسکتا، اور نابالغہ کا نکاح جو اس کے باپ نے کیا ہو عورت بالغہ ہو اس پر اعتراض کا بھی حق نہیں رکھتی، اور اگر باپ دادا کے سوا اور ولی نے کیا اور شوہر اس وقت عورت کا کفو تھا

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الذخیرۃ والخانیہ باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۶

یعنی مذہب یا نسب یا پیشہ یا چال چلن میں ایسا کم نہ تھا اس سے نکاح اولیائے زن کے لئے باعثِ ننگ وعار ہو تو اس صورت میں اگرچہ عورت کو بعد بلوغ فسخ کرانے کا اختیار ملتا ہے مگر جبکہ بالغ ہوتے ہی فوراً اس سے اظہار ناراضی کرے کہ مجھے یہ نکاح منظور نہیں، چارہ کار یہ ہے کہ اس سے طلاق لی جائے یہ اس صورت میں کہ وہ اسلام پر قائم ہو، سائل نے نہ لکھا کہ وہ نماز روزہ پر عورت سے کیا مضحکہ کرتا ہے، اگر وہ مضحکہ نماز روزہ کی طرف راجع ہو تو وہ اسلام ہی سے نکل گیا اور عورت اس کے نکاح سے خارج ہو گئی، اور اگر واقعی اب تک خلوت نہیں ہوئی تو عدت کی بھی حاجت نہیں، ابھی جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب الظّھار

(ظہار کا بیان)

مسئلہ ۴۰: از بہیڑی پنجم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت پر غصہ ہو کر زوجہ سے یہ لفظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا میں تجھے بجائے ماں بہن کے سمجھتا ہوں اگر تجھ سے کلام کروں تو اپنی بہن سے کلام کروں۔ اس صورت میں عورت اس کے نکاح سے خارج ہو گئی یا نہیں؟ تو اس کی نسبت کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

پہلا لفظ کہ "میں تجھے طلاق دے دوں گا" محض نامعتبر ہے کہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے اس سے کچھ نہیں ہوتا، یونہی پچھلا لفظ کہ "میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں" کوئی چیز نہیں اگرچہ کلام کرنے سے ہمبستری ہی کرنا مراد لیا ہو،

فی الهندیة لو قال ان وطئتك وطئت امی فلاشئی علیه کذافی غایة السروجی[1]۔	ہندیہ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اپنی ماں سے وطی کروں، تو خاوند پر کچھ لازم نہیں۔ غایۃ السروجی میں یونہی مذکور ہے (ت)

رہا بیچ کا لفظ، اس کی نسبت سائل مظہر کہ میری مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ تجھے مثل اپنی ماں بہن کے اپنے اوپر

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

حرام سمجھتا ہوں طلاق دینا میری نیت میں نہ تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو صورت ظہار کی ہے،

فی العالمگیریۃ لو قال لھا انت علی مثل امی ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل کذا فی فتاوٰی قاضی خاں اھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار عن البحر منی وعندی ومعی کعلی[2] اھ اقول وانت تعلم ان سمجھتا ہوں بلساننا یودی مؤدی عندی بلسان العرب۔	عالمگیری میں ہے: اگر خاوند نے کہا "تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے" اگر اس سے حرام کرنے کی نیت کی ہو تو اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ ظہار ہوگا سب کے نزدیک جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے اھ ملخصًا، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ "اگر تو مجھ پر" کی بجائے "مجھ سے، میرے ہاں، میرے ساتھ" کے الفاظ کہے تو وہ بھی "مجھ پر" کے حکم میں ہوں گے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) ہماری زبان میں "سمجھتا ہوں" کا لفظ عربی زبان میں "عندی" کے قائم مقام ہے۔ (ت)

پس صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نہ نکلی مگر اسے اس کے ساتھ صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا شہوت سے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا یا اسی طور پر اس کی شرمگاہ دیکھنا یہ سب باتیں حرام ہوگئیں اور ہمیشہ حرام رہیں گی جب تک کفارہ ادا نہ کرے،

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار یصیر بہ مظاھر افیحرم وطؤھا علیہ ودواعیہ من القبلۃ والمس والنظر الی فرجھا بشھوۃ اما المس بغیر شھوۃ فخارج بالاجماع نھر، وکذا یحرم علیھا تمکینہ ولایحرم النظر الی ظھرھا اوبطنھا ولاالی الشعر	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہٰذا بیوی سے وطی اور وطی کے دواعی اس پر حرام ہو جائیں گے، وطی کے دواعی بوس وکنار اور شہوت سے بیوی کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا وغیرہ ہیں لیکن بغیر شہوت چھونا اس حکم سے بالاجماع خارج ہے، نہر اور یونہی بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے، اور بیوی کی پشت، پیٹ، چھاتی اور بالوں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

[2] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۵

والصدر بحرای ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة، عن محمد لوقدم من سفرله تقبيلها للشفقة، حتى يكفر غاية لقوله فيحرم [1] اهملخصة۔	کو دیکھنا حرام نہیں ہے بحر یعنی اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف بیوی کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر سفر سے آئے اور بیوی کو شفقت سے بوسہ دے لے تو جائز ہے حتی یکفر (کفارہ دینے تک) یہ ماتن کے قول فیحرم (پس حرام ہے) کی غایت ہے (ت)

اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے، ان دنوں کے بیچ میں نہ کوئی روزہ چھوٹے نہ دن کو یا رات کو کسی وقت عورت سے صحبت کرے ورنہ پھر سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، اور جو ایسا بیمار یا اتنا بوڑھا ہے کہ روزوں کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو گیہوں دے فی مسکین بریلی کی تول سے پونے دو سیر آٹھ آنے بھر زائد یا اس قدر کی قیمت ادا کرے، جب تک اس کفارہ سے فارغ نہ ہو ہرگز عورت کو ہاتھ نہ لگائے،

فی الدرالمختار، هی تحریررقبة فان لم یجد ما یعتق، صام شهرین ولوثمانیة وخمسین یومًا بالهلال والافستين يوما متتابعين قبل المسيس، فان افطر بعذراو بغيره اووطئها فی الشهرين مطلقا ليلا او نهارا عامدا اوناسيا استأنف الصوم، لا الا طعام فان عجز عن الصوم لمرض لايرجى برؤه او كبر اطعم ستين مسكينا ولو حكما كالفطرة او قيمة ذٰلک، وان غداهم وعشاهم واشبعهم جازا كمالو اطعم واحداستين يوما لتجدد الحاجة [2] اه ملتقطا، والله تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو جماع سے قبل دوماہ کے روزے رکھے، اگرچہ چاند کے حساب سے یہ کل روزے اٹھاون ۵۸ بنیں، ورنہ دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے مسلسل پورے کرے، پھر اگر درمیان میں کوئی روزہ چھوڑ دیا عذر کی بناء پر خواہ بغیر عذر، یا ان دوماہ میں بیوی سے جماع کرلیا، دن یا رات میں، قصدًا یا بھول کر، جیسے بھی ہو تو پھر نئے حساب سے ساٹھ روزے رکھے، اگر طعام کی صورت میں کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کرلیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں آئے گا، پھر اگر کسی ایسے مرض کی وجہ سے جس سے برات کی امید نہیں، روزہ نہ رکھ سکے، یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ ہو تو پھر

---

[1] ردالمحتار باب الظهار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶۔۵۷۵

[2] درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۱۔۲۵۰

	ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اگرچہ کھلانا حکمی ہو یعنی غلہ بمقدار فطرانہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، اور اگر صبح وشام دو وقت کھانے سے مسکینوں کو سیر کردیا تو یہ جائز ہوجائیگا، جس طرح ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز صبح وشام سیر کرکے کھلادیا تو بھی جائز ہے کیونکہ ایک مسکین کو بھی روزانہ نئی حاجت ہوتی ہے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱: از متھرا محلّہ کیشور پورہ مرسلہ سید مدد علی صاحب رئیس ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از ہندہ الفتے گیرد ودر خلوت اظہار محبت گرداند ہندہ بگوید کہ تو مراچرا دوست پنداری کہ حمرا زوجہ خود بداری زید در جواب او مکرر وسہ کرراز ہندہ وپیش ہمچشماں خود بگوید کہ من در محبت تو حمرا زوجہ خود را بجائے مادر وہمشیرہ خود میدانم وترادوست می انگارم وزید دیگر بار ہم عند الاستفسار در مجمع بیان کند کہ وقتے کہ ہندہ از من پرسیدہ بود من واقعی نسبت حمرا زوجہ خود اطلاق مادر وہمشیرہ کردہ ام دریں صورت حمرا در نکاح زید ماندہ است یانہ، وحکم شرع دریں مسئلہ چیست براہ نوازش مربیانہ فتوی بہ تدقیق وتحقیق ارشاد شود۔ **بینوا توجروا۔**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید ہندہ سے محبت کرتا ہے اور خلوت میں اس سے اظہار محبت کرتے ہوئے، ہندہ کے اس سوال کے جواب میں کہ، تو مجھ سے محبت کیوں کرتا ہے جبکہ حمرا تیری بیوی موجود ہے، دو بار بلکہ تین بار ہندہ اور دوسرے حاضرین کے سامنے زید نے کہا کہ میں تیری محبت میں اپنی بیوی حمرا کو اپنی ماں بہن کی جگہ سمجھتا ہوں اور تجھے پسند کرتا ہوں، اور پھر زید ایک بار مجلس میں پوچھنے پر بیان کرتا ہے کہ جب ہندہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو واقعی میں نے حمرا کی بابت یہ بات کہی تھی کہ وہ میری ماں بہن ہے، تو کیا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں باقی رہی یانہ؟ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ براہِ نوازش تحقیق وتدقیق کے ساتھ فتوی ارشاد فرمائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

درصورت مستفسرہ زید باطلاق ہیچو کلمات فساق آثم وبزہ کار است، **قال تعالٰی مَّا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ۖ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ ۚ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُورًا**[1] ہمخواہ بہامادراں ایشاں	مسئولہ صورت میں زید اپنے ان کلمات کی وجہ سے فاسق، گنہگار اور جھوٹا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ (بیویاں) مائیں نہیں ہیں، مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے اور بیشک یہ بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ پھر اگر زید نے ان کلمات سے بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

نیند، ہم مادراں شاں ہم آناں اند کہ ایناں رازائیدہ اند وبدرستی ہمچناں ست کہ ایشاں ہرزہ می لافند ودروغ مے بافند، باز اگر زید بایں کلمہ ارادہ طلاق حمرا داشت ودل براخراجش از قید نکاح گماشت حمرا بیک طلاق بائن مطلقہ شد اگرچہ نوبت تکلم بایں کلمہ بسہ رسید باشد طلاق مغلظ نشود لان البائن لایلحق کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب، پس برضائے حمرا بے حاجت تحلیل حمراء رابسلک نکاح خود میتواں کشید، واگر بقصد ظہار گفت مظاہر گشت کہ حمرا ہمچناں در نکاح است اماجماع حمرا وبوسہ شہوت ودست بخواہش بہ تنش سودن ونگاہ رغبت بفرجش نمودن ہمہ ہا بروحرام شد وتن بایںہا دادن برحمرا حرام، تاآنکہ زید کفارہ ظہار ادانماید، واو بندہ آزاد کردن ست کہ فائت جنسے از اجناس منفعت نیست ہیچو سمع وبصر و بیہوش وہر دودست یا ہر دو پایا یک دست وپاازیک جانب بریدہ وامثال اینہا در کفارہ بکار نیایند، واگر بندہ نیابد دوماہ پے درپے بے فصل روزے پیش ازجماع آں زوجہ روزہ دارد اگر درمدت صیام باآں زن نزدیکے نمود اگرچہ شبانہ اگرچہ بسہو تاروزہا ازسر گیرد واگر نہایت پیرانہ سالی یا مرضے قوی بے امید بہی طاقت

اور دل میں بیوی حمرا کا نکاح سے خارج کردینے کا ارادہ کررکھا تھا تو حمرا کو ایک بائنہ طلاق ہوگئی، اگرچہ کلمات تین بار کہے ہوں ایک ہی طلاق ہوگی، تین طلاقوں سے مغلظہ نہ ہو گی، کیونکہ بائنہ کے بعد بائنہ طلاق نہیں ہوتی، جیسا کہ عام کتب میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا زید دوبارہ حمرا سے بغیر حلالہ حمرا کی رضامندی سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر زید نے یہ کلمات ظہار کی نیت سے کہے ہوں تو ظہار ہوگا، لہٰذا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں بدستور رہے گی لیکن حمرا سے جماع یا بوس وکنار، شہوت کے ساتھ چھونا، شہوت کے ساتھ اسکی شرمگاہ کو دیکھنا یہ تمام چیزیں زید پر حرام ہیں اور بیوی پر خاوند کو جماع کا موقعہ دینا حرام ہے تاوقتیکہ زید کفارہ ظہار ادانہ کردے، اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ غلام ایسا آزاد کرے جو کسی عیب سے متصف نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی کوئی جسمانی منفعت ختم ہوگئی ہو مثلاً سمع، بصر، عقل وغیرہ منفعت ختم نہ ہو، لہٰذا نابینا، بہرا، مجنون، بے ہوش، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب کا ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا، اور اس قسم کے دیگر عیب والا غلام کفارہ کی ادائیگی میں کارآمد نہ ہوگا، اور اگر غلام نہ ملے تو پھر پے درپے مسلسل بغیر ناغہ دوماہ کے روزے اپنے بیوی کے ساتھ جماع سے قبل رکھے گا، اگر اس دوماہ کے روزوں میں بیوی سے دن یارات کو بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو نئے سرے سے پھر دوماہ کے روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور اگر

اور اگر روز ہائے پیہم بروہ است شصت مسکین را طعامے ہیچو صدقہ فطر رساند یعنی بہر مسکین صاعے از جو یانیم صاع گندم یا قیمت اینہا تملیک کند یا شصت مسکین را کہ خوراک معتاد انسان جوان خوردن توانند شاموپگاہ شکم سیر خوراند چوں ایں چنیں کند حمرابر وحلال شود واگر مراوزید بایں کلمات مجرد حرمت حمرابرخود بود بے قصد طلاق وظہار یعنی اورادر محبت تو برخود چناں حرام میدانم تاہم ظاہر خواہد شد وہماں احکام کفارہ درکار، واگر ہیچ نیت نہ داشت ہمیں سخنے بود کہ بے قصد معنی برزبان راند آنگاہ ہیچ لازم نیاید حمرا بدستور در نکاح وجماع ودواعی جملگی مباح ہمچناں اگر کلام مذکور بایں قصد گفت کہ زن خود دربرو کرامت بجائے مادر وخواہر خویش میدانم تاہم چیزے لازم نیست۔

نہایت بڑھاپے یا کسی قوی مرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو اور روزہ رکھنے کی طاقت بحال ہونے کی امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا شخص ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک صاع جو یا نصف صاع گندم یا ان کی قیمت کا مالک بنائے یا ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، جب یہ کام کرلے تو اس کی بیوی حمرا اس کے لئے حلال ہوجائے گی، اور اگر زید نے ان کلمات سے صرف حمرا کا حرام ہونا مراد لیا ہو، اور طلاق یا ظہار کی نیت نہ کی ہو یعنی یوں کہا تیری محبت میں اس کو میں اپنے اوپر حرام جانتا ہوں۔ تو بھی ظہار ہی ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا، اور اگر اس نے ان کلمات سے طلاق، ظہار یا حرام ہونا کچھ مراد نہ لیا اور صرف زبان پر یہ کلمات بغیر نیت جاری ہوگئے تو پھر زید کے ذمہ کچھ نہ ہوگا، اور حمرا بدستور اس کی بیوی ہوگی اس سے جماع اور دواعی جماع سب مباح ہوں گے، اور اگر زید نے ان کلمات سے یہ نیت کی ہو کہ حمرا میرے لئے ماں اور بہن کی طرح کرامت والی ہے تو بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔ (ت)

در تنویر الابصار ودر مختار و ردالمحتار فرمودہ اندان نوی بانت علی مثل امی اوکلامی وکذا لوحذف علی "خانیۃ" برا او ظھارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ (قال فی البحر واذانوی بہ الطلاق کان بائنا، وقال خیر الرملی وکذا لو نوی الحرمۃ المجردۃ ینبغی ان یکون ظھارا،

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں فرمایا ہے اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یوں ہی اگر "علی" (مجھ پر) کا لفظ حذف کردے خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے۔ (بحر میں فرمایا خاوند نے جب طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور خیر الدین رملی نے فرمایا: یوں ہی اگر صرف حرام ہونے کی نیت کی تو ظہار ہوگا، اور جھگڑے

وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادۃ البر، اذاکان فی حال المشاجرۃ وذکر الطلاق اھ)والاینوشیأ لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ[1] انتہت ملخصات، وفیھمایصیر بہ مظاھرا فیحرم وطؤھا علیہ ودواعیہ (من القبلۃ والمس والنظر الٰی فرجھا بشھوۃ امالمس بغیر شھوۃ فخارج بالاجماع نھر)وکذا یحرم علیھا تمکینہ ولایحرم النظر(ای الٰی ظھرھا وبطنھا ولاالی الشعر والصدر بحرای ولو بشھوۃ بخلاف النظر الی الفرج بشھوۃ)وعن محمد لوقدم من سفر لہ تقبیلھا للشفقۃ(افادان التقبیل لایحرم الا اذا کان عن شھوۃ)حتی یکفر[2] انتہت تلخیصا، وفیھما الکفارۃ تحریر رقبۃ	ومذاکرہ طلاق میں اگر یہ بات کہی ہو اور خاوند کہے کہ میں نے اس سے ماں کی طرح عزت وکرامت والی مرادلی ہے، تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے اھ)اور اگر یہ بات کرتے وقت کوئی نیت نہ تھی تو کلام لغو ہوگا،اور ادنٰی احتمال یعنی کرامت والا متعین ہوگا، عبارات کی تلخیص ختم ہوئی۔ درمختار وردالمحتار میں ہے: ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والاقرار پائے گا لہٰذا خاوند پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی یعنی بوس وکنار، شہوت سے شرمگاہ کو دیکھنا وغیرہ حرام ہوں گے، تاہم بغیر شہوت چھونا بالاجماع حرام ہونے سے خارج ہے، نہر۔ یونہی بیوی پر حرام ہے کہ وہ خاوند کو جماع کا موقعہ دے، اور ظہار میں خاوند کو بیوی کی پیٹھ، پیٹ، بال اور چھاتی کو دیکھنا حرام نہیں ہے بحر، یعنی دیکھنا اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اگر خاوند سفر سے واپس آئے اور ازراہِ شفقت بیوی کو بوسہ دے دے تو جائز ہے(اس سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینا صرف شہوت سے حرام ہے) یہ حرمت

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹، ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۶-۵۷۷

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹، ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۵-۵۷۶

ولو صغیرا رضیعا او اصم ان صبیح به یسمع، والا لا، لافائت جنس المنفعة (ای البصر والسمع والنطق والبطش والسعی والعقل قهستانی، والمراد فوت منفعة بتمامها) کالاعمی ومجنون الذی لایعقل والمقطوع یداه اورجلاه اویدورجل من جانب فان لم یجد مایعتق صام شهرین متتابعین قبل المسیس فان وطئها ای المظاهر منها فیهما ای الشهرین لیلا او نهارا عامدا او ناسیا استأنف الصوم فان عجز لمرض لایرجی برؤه او کبر اطعم ای ملك ستین مسکینا کالفطرة قدر او مصرفا او قیمة ذٰلك وان اراد الاباحة غداهم وعشاهم جاز (ولوکان فیمن اطعمهم صبی فطیم لویجیزه لانه لایستوفی کاملا، المراد بالفطیم من لایستوفی فی الطعام المعتاد) [1] انتهت بالتلخیص۔	کفارہ کی ادائیگی تک ہوگی اھ تلخیصًا۔ درمختار وردالمحتار میں ہے کہ کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگرچہ غلام دودھ پینے والا بچہ یا ایسا جو بلند آواز کو سن سکے اور جو کوئی آواز نہ سن سکے تو وہ جائز نہیں اور بدنی منفعت (مثلًا دیکھنا، سننا، بولنا، پکڑنا، چلنا اور عقل سے کلیۃً محروم، جائز نہیں، قہستانی، اور بدنی منفعت فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلیۃً فوت ہو) جیسے نابینا، مجنون بے عقل، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یا ایک پاؤں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہو، اور اگر غلام نہ پائے تو دوماہ کے روزے پے درپے جماع سے قبل رکھے، اور اگر ظہار والے نے ان دوماہ کے دوران دن یا رات کو، بھول کر یا قصدًا جماع کرلیا تو پھر نئے سرے سے دوبارہ دوماہ کے روزے رکھے، پھر اگر وہ مظاہر کسی ختم نہ ہونے والی مرض یا نہایت بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا ملک کرے، اور یہ کھانا فطر کی مقدار ہے اور مصرف بھی صدقہ فطر والا ہوگا یا اتنی مقدار غلہ کی قیمت دے دے اور اگر کفارہ کی مقدار کو مسکینوں کی ملکیت کی بجائے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلادے تو جائز ہے (اگر مسکینوں میں کوئی شیر خواری سے فارغ بچہ ہو تو اس کو شمار نہ کرے کیونکہ وہ پوری خوراک نہیں کھاسکتا، اور شیر خواری سے فارغ بچے سے مراد یہ ہے کہ وہ پوری عادی خوراک نہ کھاسکے) اھ، ملخصًا (ت)

[1] ردالمحتار، باب الکفارۃ، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۹ ودرمختار، باب الکفارۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۰

این ست تفصیل صوراین قول منکر زید باارادہ کہ داشت نیکو داناست وخدائے اودانا تر ازو،از خدائے ترسد وبہر ارادہ کہ ایں سخن گفتہ باشد حکمش ازیں تفصیل برآرد براں کار بند واینہا حکم دیانت بود **فاما قضاء** درمسئلہ دائرہ صورت آخرہ راگنجائش نیست طرز کلام وسیاق وسباق وحال آں وقت ہمہ گواہ عدل ست کہ زید آن ہنگام از ارادہ بروکرامت حمرا بمراحل دور بود وضابطہ کلیہ شرع ست کہ از محتملات سخن ہرچہ خلاف ظاہر باشد زنہار قضاء پذیرا نیفتد خاصۃ کہ دراں تخفیفے باشد مرمدعی را ودر نظر تحقیق سقوط ایں احتمال موجب سقوط احتمال چہارم نیز ست زیراکہ ہم از ضوابط شرع ست کہ تاتوانند کلام عاقل بالغ رامہمل نگزارند **لما فیہ من الحاقہ بالبھائم وقد عقد لذلك فی الاشباہ والنظائر قاعدۃ مستقلۃ** آخر ندیدی کہ در مختار بحالت عدم نیت چوں کلام را لغو بمعنی غیر مثمر حکم کردند ہمچناں مہمل وبیمعنی نہ گزاشتند بلکہ برادنی محتملات یعنی معنی بروکرامت فرود آوردند **حیث قال والا ینو شیأ لغا ویتعین الادنی ای البر**[1] ایں جاچوں معنی بررا بار نیست چنانکہ شنیدی لاجرم برادنی البواقی کہ ظہار وتحریم

یہ زید کے ناپسندیدہ قول کی تفصیل ہے اور وہ اپنی نیت کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اللہ تعالٰی زیادہ بہتر جانتا ہے اس لئے نیت کے بیان میں وہ اللہ تعالٰی کا خوف کرے،اس نے جو بات کی ہے اور جس ارادہ سے کی،اس تفصیلی حکم کے مطابق اس پر عمل کرے،یہ تمام بحث دیانۃً حکم کی تفصیل ہے لیکن قضاء اس کی اس بات میں آخری احتمال یعنی ماں جیسی عزت وکرامت والی،مراد لینا جائز نہ ہوگا،اس کی گنجائش،انداز کلام اوراس کے سیاق سباق اور حال کی وجہ سے نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ تمام اموراس بات کی شہادت ہیں کہ یہاں وہ حمرا بیوی کو ماں جیسی عزت وکرامت دینے کے درپے نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بعید تر ہے،اور شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے کہ کلام میں وہ احتمال ساقط قرار پائیگا جو ظاہر کے خلاف ہوگا،خصوصًا جبکہ وہ احتمال قائل کے لئے تخفیف کا باعث بھی ہو،اور تحقیق نظر میں اس احتمال کا یہاں ساقط قرار پانا احتمال چہارم یعنی نیت نہ ہونے پر لغو ہونا،کو بھی ساقط کردے گا،کیونکہ یہ بھی شرعی ضابطہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عاقل بالغ کے کلام کو مہمل ہونے سے بچایا جائے،کیونکہ اس کی بات کو مہمل قرار دینا گویا اس کو حیوان قرار دینا ہے اشباہ ونظائر میں اس کے لئے مستقل قاعدہ بیان کیا گیا ہے،کیا آپ نے درمختار کو دیکھا نہیں کہ اس کلام میں کوئی بھی نیت نہ ہونے کو لغو بمعنٰی غیر ثمرآور قرار دیتے ہوئے یونہی مہمل اور بے معنی قرار نہ دیا بلکہ اس کو

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

ست تنزیل کردہ آید، وخود چہ گونہ گوارائے عقل سلیم باشد کہ زید بکرات ومرات درجواب ہندہ وبخطاب مردماں ایں کلام گوید وہیچ گاہ ارادہ ہیچ معنی بدل ندارد بلکہ ہمچناں بے قصد معنے در رنگ ہذیان برزبان آرد ہیچ احتمالے بعید ترازیں احتمال می شناسی باز ہنگام استفسار سپید وآشکار اقرار مے کند کہ واقعی ہمخوابہ خود را برابر مادر خواہر نہادہ ام ونمی گوید کہ بفضولے سخنے بیمعنے بے نیت وقصدے برداده ام، لاجرم قضاءً ازاں پنج صور ہمیں سہ صورت پیشین را مساغ ست پس اگر زید اعتراف بہ نیت یکے ازانہا کند حکمش پیداست ورنہ انکارش قضاء نامسموع وحمل بریکے ازانہا لازم فاما طلاق کہ اعلٰی وابعد ست وہیچ دلیلے براں نے ازمیاں رود، وظہار یا مجرد تحریم کہ حاصل ہر دو یکیست باقی ماند، واگر نیکو بنگری ملاحظہ حال عوام ہمیں معنی تحریم را متعین میکند اگر تفتیش ہمانا بینی کہ جزیں معنی ایں کلام رادر ذہن ایشاں کمتر محملے بودہ باشد۔

بالجملہ زید اگر اقرار نیت طلاق کند طلاق بود ورنہ بہرحال درچشم قاضی ظہار

ادنی احتمال قرار دے کر عزت وکرامت کے معنی پر محمول کیا______اور یوں کہا اگر کوئی نیت نہ کی تو لغو ہو کر ادنی معنی متعین قرار پائیگا، یعنی عزت وکرامت مراد ہوگا،

جب یہاں عزت وکرامت والا معنی نہیں بن سکتا جیساکہ آپ سن چکے تو باقی پہلے تین احتمالات میں ادنی معنی مراد ہوگا، جو کہ ظہار یا تحریم ہے، زید چونکہ کئی مرتبہ ہندہ کے جواب میں اور لوگوں سے خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہے تو عقل سلیم کیسے یہ گوارا کرلے کہ اس نے یہ بات بغیر نیت اور کوئی معنی مراد لئے بغیر بطور ہذیان زبان سے کہہ دی ہے، تو اس احتمال سے بعید اور کوئی احتمال نہیں ہوسکتا۔ پھر زید نے استفسار کرنے پر واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیوی کو ماں اور بہن کے برابر قرار دیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فضول اور بے معنی بات کی ہے، تو لازم طور پر قضاء پانچ مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں کو ہی متعین کیا جائے، لہٰذا اگر زید ان تین میں سے کسی ایک کے ارادہ کرنے کا اعتراف کرے تو وہ حکم اس پر نافذ ہوجائے گا، ورنہ ان سب سے انکار قضاءً قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ کسی ایک احتمال پر کرنا ضروری ہوگا، ان میں طلاق کا احتمال تو آخری بات ہے اور بعید ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ظہار یا تحریم جن دونوں کا حاصل ایک ہی ہے باقی رہ جاتے ہیں، اور قاضی اگر بہتر سمجھے تو عوام کے حال کو ملاحظہ کرتے ہوئے تحریم والا معنی متعین قرار دے گا کیونکہ غور کرنے سے معلوم ہوجائے گا عوام اس لفظ سے تحریم سے کم معنی مراد نہیں لیتے اور کم از کم یہی مراد ہوتا ہے۔ (ت)

حاصل کلام یہ ہے کہ، زید اگر طلاق کا اقرار کرلے تو طلاق ہے ورنہ بہرحال قاضی کی نگاہ میں

باشد ودیگر ہیچ وزن دریں کار بمشابہ قاضی است لاشترا کھما کسائر الخلق فی قصر النظر علی الظھار واللہ سبحنہ یتولی السرائر پس حمرا گر بگوشِ خود شنید یا مرد عادل وثقہ اوراخبر رسانید کہ شوہرش ایں چنیں چانہ زدہ است ناچار خویشتن رازن مظاہر داند وتن بجماع در ندہد و زید رابشہوت بوسہ چیدن ودر بر کشیدن ودست رسانیدن وشرمگاہ دیدن نگزارد نظر برفرج بے شہوت یا ہر غیر فرج اگرچہ سینہ وشکم اگرچہ بشہوت باکے نیست کما مرعن ردالمحتار پس اگر زید کفارہ ندہد وحمرا راز قصد جماع ودواعی جماع معاف نہ دارد وحمراہر چوں کہ تواند خویشتن راز دست عـــہ اویعنی بعوض مہر خواہ ببدل مال دیگر طلاق از دستاند اگر بیند کہ طلاق ہم نمی دہد بپائے کہ دارد از خانہ گریزد وبحاکم رجوع آرد تااورا بالجبر بحبس وضرب برکے از دوکار دارد فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[1] کفارہ دہد یا طلاق وقد حرم علیه ربه ان یذرھا کالمعلقة، درردالمحتار فرمود المرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرھا عدل لایحل لھا تمکینه والفتوی علی انه لیس	ظہار ہے اور کوئی بھی خواہ بیوی ہو وہ قاضی کی موافقت کرے گا کیونکہ وہ سب عام لوگوں کی طرح ظہار ہی سمجھیں گے، اور اللہ تعالٰی ہی باطنی امور کا مالک ہے، پھر اگر حمرا نے اپنے کانوں سے سنا یا کسی عادل اور ثقہ آدمی نے اس کو اطلاع دی کہ اس کے خاوند نے یوں بات کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظہار کی ہوئی سمجھے اور اپنے آپ کو زید سے جماع اور شہوت کے ساتھ اس کو ہاتھ لگانے، بوس وکنار کرنے اور شرمگاہ کو بنظر شہوت دیکھنے سے محفوظ رکھے، لیکن بغیر شہوت شرمگاہ یا کسی عضو کو مثلاً چھاتی، پیٹ اگرچہ شہوت سے چھوئے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے بیان گزرا ہے، پس اگر زید کفارہ نہ دے اور اس دوران حمرا سے جماع یا دواعی جماع کے متعلق باز نہ آئے تو پھر خود حمرا کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کے قبضہ سے کسی مال کے عوض خواہ مہر کے بدلے طلاق حاصل کرے اور اگر طلاق نہ دے تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کے گھر سے جدا رہے اور حاکمِ وقت سے شکایت کرے تاکہ وہ جبراً اس کو باز رکھنے کے لئے قید کرے یا سزا دے اور دو کاموں میں سے ایک پر اس کو مجبور کرے کہ رکھنا ہو تو شریعت کے مطابق رکھے ورنہ اس کو آزاد کردے، یعنی کفارے یا

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

لھا قتله ولاتقتل نفسھا بل تفدی نفسھا بمال او تھرب، وفی البزازیة عن الاوزجندی انھا ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة لھا فالاثم علیه اھ قلت ای اذالم تقدر علی الفداء او الھرب ولاعلی منعه عنھا فلاینافی ماقبله[1] اھ باختصار، دردرمختار ست للمرأة ان تطالبه بالوطی لتعلق حقھا به، وعلیھا ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر، وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنھا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق[2]۔ آری اگر زید خبر دہد کہ من کفارہا ادا کردم وپیشتر ازیں معروف بکذب ودروغ گوئی نبودہ باشد آنگاہ حمرا را می رسد کہ سخنش باور کردہ بااو بہم آید واز جماع وغیرہ ابانمماید اگر در واقع زید بہ نیت ظہار آں سخن گفتہ وہنوز کفارہ نہ دادہ بغلط اظہار نمودہ است تاگناہ بر گردن اوست حمرا از جرم یکسوست فی الدرالمختار فان قال کفرت صدق مالم یعرف بالکذب[3]۔	طلاق پر مجبور کرے ان دو صورتوں کے بغیر کہ اس کو معلق چھوڑدے اللہ تعالٰی نے حرام قرار دیا ہے۔ ردالحتار میں ہے: جب عورت خود سن لے یا ثقہ عادل شخص اس کو مطلع کردے تو پھر عورت کو حلال نہیں کہ وہ خاوند کو جماع کا موقعہ دے اور اس معاملہ میں فتوی اس پر ہے کہ عورت کو مرد کا قتل کرنا یا خود کشی کرنا جائز نہیں، بلکہ عورت مال کے بدلے اپنے آپ کو آزاد کرائے یا اس کے گھر سے دور ہوجائے، اس معاملہ میں عورت خود فیصلہ کرنے میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، اور بزازیہ میں اوزجندی سے منقول ہے کہ بیوی اپنے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرے، پھر عورت کے گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر خاوند قسم دے دے تو پھر گناہ خاوند پر ہے اھ، میں کہتاہوں یہ جب ہے کہ عورت خود کو فدیہ دے کر یا بھاگ کر نہ بچاسکے اور نہ ہی اپنے آپ کو خاوند سے روک سکے، لہذا بزازیہ کا بیان پہلے کلام کے منافی نہ ہوگا اھ اختصارًا، درمختار میں ہے: عورت کو وطی کے مطالبہ کا حق ہے کیونکہ عورت کا حق وطی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے ساتھ عورت پر لازم ہے کہ وہ کفارہ کے بغیر خاوند کو جماع سے باز رکھے، اور قاضی پر لازم ہے کہ مرد کو کفارہ دے کر عورت کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے تاکہ عورت کا ضرر ختم ہوسکے، وہ یوں کہ قاضی اس کو قید کرکے یا سزادے کر طلاق یا کفارہ پر مجبور کرسکتا ہے، ہاں اگر زید قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے ظہار کا

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹

[3] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹

	کفارہ دے دیا ہے جبکہ زید قبل ازیں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں معروف و مشہور نہیں ہے تو اس صورت میں حمرا کو جائز ہے کہ وہ زید کی بات کو تسلیم کرکے جماع وغیرہ کا موقعہ دے دے اور انکار نہ کرے اور اگر فی الواقع زید نے ظہار کی نیت سے وہ کلام کیا تھا اور ابھی تک کفارہ ادا نہ کیا ہو اور غلط بیانی کرتا ہو کہ میں نے کفارہ ادا کردیا ہے تو پھر گناہ زید پر ہوگا حمرا اس گناہ سے بری ہوگی۔ درمختار میں ہے: اگر خاوند کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی جائے گی بشرطیکہ وہ اس سے قبل جھوٹ بولنے میں معروف نہ ہو۔ (ت)
فقیر گویم آں چناں کہ ایں بدترین تدبیرے است مرکسے راکہ در واقع ظہار کردہ و کفارہ ندادہ غلط اخبار، ہمچناں نیکو بدترے ست مرکسے راکہ معروف بکذب نیست و سخن مذکور بے نیت طلاق وظہار و تحریم برزبانش آمد وبوجہ دلالت حالے چنانکہ ایں جاست، قضاء دعوی ارادہ بر مقبول نیفتاد کہ اگر کفارہ ندہد زن بجماع تن نہ دہد واگر راضی شود آثمہ گردد واگر ایں کس کفارہ دہد مالے بے سبب از دست مے رود یا مشقت روزہ دو ماہہ بر سر آید زیرا کہ دیانۃً بوجہ عدم موجب کفارہ بروے لازم نبودہ است پس باید کہ بسوئے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی از شناعت آں قول منکر توبہ آرد ایں توبہ کفارہ اش خواہد شد باز زن را گوید من کفارہ ادا کردم او کفارہ معلومہ ظہار پندارد ورضا بجماع دادن بر اوروا گردد ایں ست تنقیح حکم بروجہ کافی **واللہ تعالٰی اعلم**۔	میں **فقیر** کہتا ہوں کہ یہ بہت بری تدبیر ہے کہ فی الواقع کوئی شخص ظہار کرکے کفارہ نہ دے کر غلط خبر دے اس سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو معروف بکذب نہ ہو اور کہے کہ میں نے ظہار، طلاق اور تحریم کی نیت کے بغیر وہ کلام کی ہے دلالت حال کی بناپر جس طرح کہ اس مسئولہ صورت میں ہے تو قاضی اس کے اس دعوی کو قبول نہ کرے گا اور اگر کفارہ نہ دیا ہو تو عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے جماع سے دور رکھے، اور اگر وہ اس پر راضی ہوئی تو گنہگار ہوگی، اور اگر فی الواقع وہ شخص سچا ہے تو اس کفارہ میں مال دینا یا دوماہ کے روزوں کی مشقت برداشت کرنا بے مقصد ہے کیونکہ دیانۃً اس پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے، تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس لغو بات پر توبہ کرے اور بخشش طلب کرے یہ توبہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے تو اس کے بعد بیوی کو کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے اور بیوی اس کو کفارہ ظہار سمجھتے ہوئے جماع پر راضی ہوجائے تو جائز ہوگا، یہ اس مسئلہ کی تنقیح ہے جو کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار و مشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ میں ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکم شرع شریف جاتی رہی؟

الجواب

زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے، یا یوں کہے تو میری ماں بہن ہے، سخت گناہ وناجائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ[1]	جو روئیں ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور وہ بیشک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

الاینو شیأ او حذف الکاف لغا وتعین الادنیٰ ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ[2]۔	اگر کوئی نیت نہ کی یا حرف تشبیہ (کاف) کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ نیت لغو ہے اور احتمالات میں سے ادنٰی احتمال یعنی عزت وکرامت متعین ہوگا اور یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے یا میری بیٹی ہے یا میری بہن ہے یا اس کی مثل الفاظ، مکروہ ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد در منتقی عن القہستانی قلت ویدل علیہ ماذکرہ عن الفتح من انہ لابد من التصریح بالاداۃ[3]۔	قولہ کاف تشبیہ کو حذف کرنا مثلاً یوں کہتا ہے تو میری ماں ہے نہ کہ جیسے بعض نے گمان کیا کہ "زید اسد" کی طرح حرف تشبیہ کو محذوف مانا جائے، اور تشبیہ ببلیغ ہے جیسا کہ درمنتقی میں قہستانی سے منقول ہے قلت میں کہتا ہوں کہ حرف تشبیہ کے بغیر ہونے پر دلیل وہ ہے جو ہم عنقریب فتح سے نقل کریں گے کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ذکر ضروری ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

انت امی بلاتشبیہ فانہ باطل وان نوی[4]۔	حرف تشبیہ کے بغیر "تو میری ماں ہے" کہنا اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا باطل ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹

[3] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۷

[4] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۴

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہو گئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہو گیا اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہو گیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اسکی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے **کما امر بہ المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فی القراٰن العظیم** (جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا ہے۔ت) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو و مہمل ہو گا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا۔ در مختار میں ہے:

ان نوی بانت علیّ مثل امی وکامی وکذا لوحذف "علیّ" خانیۃ، برا اوظھارا اوطلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والالغا۔[1]	اگر (طلاق کی) نیت کرے گا تو بیوی بائنہ ہو جائیگی، جب یوں کہے تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا ماں کی طرح ہے، یا حرف علیّ (مجھ پر) کو حذف کرکے کہے، خانیہ۔ ان الفاظ سے کرامت زوجہ یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو گی جو بھی نیت کرے وہی حکم ہو گا کیونکہ یہ کنایہ ہے اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ بات لغو ہو گی۔ (ت)

ہندیہ میں خانیہ سے ہے:

ان نوی التحریم اختلف الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل[2]۔ واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر اس سے صرف تحریم کی نیت کی تو اس میں روایات مختلف ہیں، صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک ظہار ہو گا۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۳: از کلکتہ امام باغ لین نمبر ۱۴ مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمان صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معنی و مطالب سے آگاہ نہ ہو اور وہ بالعوض طلاق بائن کے اپنی زوجہ سے یوں کہے کہ تو ماں ہے میری، اور اس کو مطلقہ لوگوں میں مشہور کرے اور اپنے اوپر حرام سمجھے تو آیا اس شخص کی زوجہ مطلقہ ہو گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] در مختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] فتاوی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۷

الجواب:

عورت کو یوں کہنے سے کہ تو اس شخص کی ماں بہن یا بیٹی ہے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق کہے، ردالمحتار میں ہے:

انت امی بلاتشبیہ فانہ باطل وان نوی[1]۔	اگر تشبیہ کے بغیر "تو میری ماں ہے" کہا تو یہ باطل ہے اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے (ت)

لوگوں میں اسے مشہور کرنا اور اپنے اوپر حرام سمجھنا اگر انہیں لفظوں کی بناء پر تھا تو عنداللہ یہ بھی محض باطل کہ بربنائے غلط فہمی تھا، اسی طرح اگر اس کے بیان سے ظاہر تھا کہ یہ اقرار طلاق انہیں الفاظ کی بناء پر ہے تو عندالناس بھی طلاق نہ ہوئی، ہاں اگر بیان وقرائن سے یہ امر ظاہر نہ ہو تو مطلقہ مشہور کرنے سے عندالناس اس پر طلاق مانی جائے گی اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔ فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل طلق امرأتہ وھو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی، ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلک الحالۃ کان واقعا، قال مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی حین ما اقر بالطلاق ان ردہ الی حالۃ البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالۃ البرسام فالطلاق غیر واقع وان لم یرد الی حالۃ البرسام فھو ماخوذ بذٰلک قضاء[2]۔	کسی نے مرض برسام کی حالت میں بیوی کو طلاق دی جب تندرست ہوا تو اس نے طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرا گمان تھا کہ اس مرض کی وجہ سے طلاق ہو جاتی ہے، تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اقرار طلاق کے وقت اگر اس نے طلاق کو مرض برسام کی طرف منسوب کیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو برسام کی حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس نے طلاق کو مرض برسام کی طرف منسوب نہ کیا، تو قضاءً طلاق ہو جائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امرأۃ اتزوجھا فھی طالق	ایک نابالغ بچے نے کہا اگر میں نوش کروں تو جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے

---

[1] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۳

فشرب وھو صبی، فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع، فقال ھذا البالغ آرے حرام است برمن قالواھذا اقرار منہ بالحرمۃ فتحرم امرأتہ وھو الصحیح لانہ ما اقربا لحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ وذٰلك السبب باطل[1]۔ انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کے بعد اس نے نابالغی میں نوش کرلیا پھر اس نے بالغ ہونے پر نکاح کیااور اس کے سسرال نے گمان کیا کہ اس کہنے پر طلاق ہو گئی، اس پر اس لڑکے بالغ نے کہا ہاں بیوی مجھ پر حرام ہے، تو فقہاء نے فرمایا چونکہ لڑکے نے حرام ہونے کا اقرار کیا ہے لہٰذااس کی بیوی اس پر ابتداءً حرام ہو گئی، اور بعض نے فرمایا کہ حرام نہ ہوگی، اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے ابتداء حرام ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ سسرال کی بات پر اس نے یہ کہا ہے، اور سسرال والوں کے کہنے کا سبب بچپن کی بات ہے جو کہ باطل ہے کیونکہ نابالغ کی طلاق نہیں ہوتی انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت محلّہ اشرف خاں مرسلہ عزیز الرحمان خاں ۱۶ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی ماں سے یہ بات کہی کہ تیری لڑکی تاحیات تیری، مثل اپنی بہن کے سمجھتاہوں، تواس میں کیاحکم شرع ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگران لفظوں سے اس کی مراد ظہار یا تحریم تھی یعنی تیری حیات تک اپنی زوجہ سے ظہار کرتا ہوں یا تیری حیات تک اسے حرام سمجھتا ہوں، جب تو ظہار ہوگیا یعنی نکاح بدستور باقی ہے، مگر حیاتِ خوشدامن تک بے کفارہ دئے عورت کے پاس جانا بلکہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی حرام ہوگیا، کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، اراس کی قدرت نہ تو دو مہینے کے لگاتار روزے، اس کی طاقت بھی نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطرکے مثل اناج یااس کی قیمت دینا یا دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، جب تک ساس زندہ ہے بغیر کفارہ دئے عورت کو ہاتھ لگائے گا تو گنہگار ہوگا، توبہ کرے، اور پھر نزدیک نہ ہو جب تک کفارہ نہ ادا کرلے، ہاں بعد انتقال خوشدامن ظہار جاتارہے گا، اور بے کفارہ عورت سے جماع حلال ہوجائے گا، پھر اگر ساس زندہ ہےاور یہ شخص کفارہ نہیں دیتا جس کے سبب عورت حلال ہوجائے تو منکوحہ اس پر دعوی کرسکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے کہ عورت پر سے ضرر دفع ہو

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۵

فی تنویر الابصار فیحرم وطؤھا علیه ودواعیه حتی یکفر فان وطی قبله استغفر وکفر للظھار فقط ولایعود قبلھا[1] الخ وفیه الکفارۃ تحریر رقبة فان لم یجد صام شھرین متتابعین قبل المسیس، فان عجز اطعم ستین مسکینا کالفطرۃ او قیمة ذٰلك وان غداھم و عشاھم جاز[2] اھ ملخصا۔ وفی الدر لو قیدہ بوقت سقط بمضیه[3] اھ فی ردالمحتار کفارۃ بحر[4] اھ وفی الدر للمرأۃ ان تطالبه بالوطی وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنھا بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق[5] اھ ملخصًا۔	تنویر الابصار میں ہے: ظہار کرنے والے پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی حرام ہوجاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کفارہ دے، اگر اس نے کفارہ سے قبل وطی کرلی تو توبہ کرکے صرف ظہار کا کفارہ دے اور پھر کفارہ سے قبل ایسا نہ کرے الخ، اور اسی میں ہے ظہار میں کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر وطی سے قبل دو ماہ کے روزے مسلسل پورے کرے، اگر یہ بھی نہ ہوسکے بلکہ عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے ہر مسکین کو صدقہ فطر کی مقدار دے یا اسکی قیمت دے، اگر صبح وشام دو وقت کا کھانا پیٹ پھر کر کھلادے تو جائز ہے اھ ملخصًا، اور درمختار میں ہے اگر ظہار کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ مقید کیا ہو تو اس وقت کے گزرجانے پر ظہار ختم ہوجائیگا اھ اس پر ردالمحتار میں ہے کہ اگر اس مقررہ وقت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دئے بغیر جائز نہیں بحر اھ اور درمختار میں ہے کہ ظہار میں بیوی کو جماع کے مطالبے کا حق ہے لہٰذا قاضی خاوند کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے تاکہ بیوی کے ضرر کا ازالہ ہوسکے یوں کہ قاضی اس کو قید کرے یا سزادے یہاں تک کہ خاوند کفارہ ادا کرے یا عورت کو طلاق دے اھ ملخصًا (ت)

ظاہر ان لفظوں سے یہی نیت تحریم و ظہار ہوتی ہے خصوصًا جبکہ ایک وقت تک اسے محدود کردیا کہ تیری حیات تک ایسا سمجھتا ہوں، اس کا حکم وہ تھا اور شاید اس نے یہ الفاظ بارادہ طلاق کہے تھے تو ظاہرًا ایک طلاق بائن ہوکر عورت نکاح سے نکل گئی کسی حد تک محدود کرکے طلاق دینا بھی طلاق دائم ہے اور وہ حد نامعتبر عہ

عہ: مسودہ میں بیاض ہے ۱۲

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[2] درمختار باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۱-۲۵۰

[3] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

[4] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۷۶

[5] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۹

واما "الحسبان" ففی مثل الکلام انما یرادبه التحقیق للتشبیه لالنفیه عن نفس الامر کمن اراد الامتناع عن تناول شیئ یقول احسبه علی کالخنزیر فانما یرید انه محرم علیه کمثله، بخلاف ما اذا قیل له اطلقت امرأتك فقال عدها او احسبها مطلقة حیث لایقع وان نوی وکذا احسبی انك طالق [1] کما فی الخانیة فانه ظاہر فی نفی الطلاق فی نفس الامر والفرق بینهما لایخفی علی من عرف العرف فافهم واعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	"سمجھنا اور خیال کرنا" اگر ایسے کلام میں ہو تو اس سے تشبیہ کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور واقع سے اس کا انتفاء مراد نہیں ہوتا، جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو لینے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ اس کو میں اپنے لئے خنزیر سمجھتا ہوں تو اس سے اس چیز کا اس پر قطعًا حرام ہونا مراد ہوتا ہے جس طرح خنزیر حرام ہے، اس کے برخلاف طلاق کے معاملہ میں جب کوئی پوچھے کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، تو جواب میں یوں کہے "تو طلاق شمار کرلے، یا کہے تو اس کو مطلقہ خیال کرلے" تو یہاں طلاق نہ ہوگی اگرچہ وہ طلاق کی نیت سے کہے اور یوں ہی حکم ہے اگر بیوی کو کہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق والی سمجھ لے، جیسا کہ خانیہ میں مذکور ہے، کیونکہ یہاں یہ الفاظ ظاہری طور پر طلاق کے وقوع میں نفی پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں مقاموں میں ان الفاظ کا فرق عرف کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے، سمجھو اور غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور اگر کچھ نیت نہ تھی یا اعزاز واکرام خواہ الفت ومحبت کی نیت تھی یعنی اپنی بہن کے برابر عزیز یا پیاری جانتا ہوں تو یہ الفاظ لغو وفضول ہیں عورت بدستور عورت اور کفارہ وغیرہ کچھ دینا نہیں مگر اگر اس وقت کی گفتگو وحالت شاہد ہو کہ یہ الفاظ اس نے بلانیت یا بہ نیت اعزاز ومحبت نہ کہے تھے تو حاکم اس دعوے کو نہ مانے گا تو عورت اسے قبول کرسکتی ہے،

فان المرأة کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ [2]، وفی الدر المختار ان نوی بانت علی مثل امی اوکامی وکذا لو حذف "علیّ" خانیة، برا اوظهارا اوطلاقا صحت	کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کا حکم رکھتی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے، اور درمختار میں ہے اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے، اور یونہی اگر "علیّ" (مجھ پر) کا لفظ حذف کرکے کہا ہو، خانیہ۔ ان الفاظ سے اگر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۸

نیته ووقع مانواه لانه کنایة والاینو شیأ او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة[1] اھ وفی الهندیة عن الخانیة وان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظهارا عند الکل[2] اھ وفی ردالمحتار عن العلامة خیر الدین الرملی وینبغی ان لایصدق قضاء فی ارادة البراذاکان فی حالة المشاجرة وذکر الطلاق[3] اھ. واللہ تعالٰی اعلم۔	تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی ہو تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے (لہٰذا اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائنہ ہوگی) اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو یا حرف تشبیہ کو ترک کردیا ہو تو یہ کلام لغو ہو کر احتمالات میں سے ادنی احتمال یعنی عزت وکرامت متعین قرار پائے گا اھ، اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر حرام کرنا مراد ہو تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ سب کے ہاں ظہار ہوگا اھ، ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے منقول ہے: مناسب ہوگا کہ اس صورت میں کرامت وعزت والا احتمال مراد لینے کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے جبکہ لڑائی جھگڑے اور طلاق کے مذاکرہ کے وقت یہ الفاظ کہے ہوں اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عادات زوجہ کو عادات محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء وعادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کی ادا تک عورت حرام ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

تاوقتیکہ اپنی زوجہ یا اس کے ان اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عربی میں راس، ورقبہ، وظہر، وفرج، یا اس کے ایک جزو شائع مثل نصف، وربع، وثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے ظہار نہیں ہوتا پس تشبیہ عادات زوجہ بعادات محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں،

فی الدرالمختار هو تشبیه زوجته او مایعبربه عنها من اعضائها او تشبیه جزشائع منها بمحرم	درمختار میں ہے کہ بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جاسکتا ہو یا غیر معین حصہ مثلاً نصف وغیرہ کو ابدی محرمات کے ساتھ

[1] درمختار باب اظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

[3] ردالمحتار باب الظہار داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۶

علیہ تابیدٌ[1]۔	تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں۔(ت)

اور عورت تو اگر اعضائے شوہر کو بھی اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہوجاتا

کما فی الدر المختار وظھارھا عــہ منہ لغو فلاحرمۃ[2] اھ۔	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ عورت کا خاوند کو اپنے محرمات کے ساتھ تشبیہ دینا لغو کلام ہے اس سے حرمت نہ ہوگی(ت)

پس جبکہ اس کا قول خود اپنے حق میں مؤثر نہ ہوا تو حق شوہر میں کیا تاثیر کرے گا اور اپنے اعضاوعادات محارم شوہر سے تشبیہ دے گی تو کیونکہ اس پر حرام ہوجائے گی اور سبب کفارہ، ظہار ہے جب ظہار نہ پایا گیا تو کفارہ کہاں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶: از گوڑھوا ضلع پلاموں مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چرم ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بی بی سے جھگڑا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہوگیا کہ اپنی بی بی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بی بی نے بھی غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب ان دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم وشرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مواخذہ میں ہم دونوں گنہگار ہوں، اور اسی وقت کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب علیحدہ کرلیا، اب وہ اس بات کے خواہشمند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمائے دین کیا فتوی دیتے ہیں، آیا میاں بی بی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بی بی کا دودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بی بی نکاح

عــہ: علی قولہ محمد المصحح المفتی بہ قال فی العالمگیریۃ لاتکون المرأۃ مظاھرۃ من زوجھا عند محمد رحمہ اللہ تعالٰی والفتوی علیہ وھو الصحیح کذا فی السراج الوھاج[3] مفتی اعظم	عــہ: یہ مسئلہ امام محمد کے تصحیح شدہ اور مفتی بہ قول پر ہے فتاوٰی ہندیہ میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عورت اپنے شوہر سے مظاہر نہیں ہوتی، فتوی اسی پر ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ سراج وہاج میں ہے ۱۲ مفتی اعظم (ت)

[1] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۸
[2] درمختار باب الظہار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۹
[3] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۰۷

کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہوا یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں وہ اسے ماں اور اسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہوئے،

قال اللہ تعالٰی وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ بیشک لوگوں کا (بیوی کو ماں بہن کہنا) بری بات اور جھوٹ ہے (ت)

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، اور پستان منہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا، مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ ڈھائی برس کی عمر کے بعد دودھ سے حرمت نہیں ہوتی اور دونوں کو جدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وہ بدستور زوج وزوجہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۷: از درو ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید کی عورت نے بحالتِ غصہ زید سے کہا کہ تمہارے نزدیک میری، ایک بال زیرِ ناف کے برابر بھی قدر نہیں۔ اس پر زید نے ازراہِ تمسخر اس سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنے باپ اور دادا سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ ایسی حالت میں زید پر ظہار کا حکم لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ لغو و مہمل الفاظ ہیں انہیں ظہار یا کفارے سے کوئی تعلق نہیں فتاوی امام قاضی خاں میں ہے:

التشبیہ بالرجل ای رجل کان لایکون ظهارا[2]۔	عورت کو کسی بھی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہوتا۔ (ت)

بدائع ونہر میں ہے:

من شرائط عـــہ الظهار کون المظاهر به	ظہار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ظہار میں جس سے تشبیہ

عـــہ: لکن مافی العالمگیریہ فیہ تفصیل حیث قال لامرأته علی کظهر[3] الخ۔	عـــہ: لیکن عالمگیری میں اس کے متعلق تفصیل ہے جہاں انہوں نے بیان کیا کہ کوئی بیوی کو کہے تو مجھ پر پیٹھ کی طرح الخ (ت)

[1] القرآن ۵۸/۲

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الظہار نولکشور لکھنؤ

[3] فتاوی ہندیۃ الباب التاسع فی الظہار نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۰۶

من جنس النساء [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دی جائے وہ عورت کی جنس ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۸: از لکھنؤ امین الدولہ پارک مرسلہ محمد ابراہیم ایس اینڈ سنگر کمپنی ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رات کے وقت اپنی زوجہ کو واسطہ صحبت کے بلایا تو بیوی کے انکار کرنے پر زید نے یہ قسم کھائی کہ اب میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں، بعدہ زید بہت شرمندہ ہوا اور توبہ واستغفار کیا، اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بالفرض اگر زید نے اسی شب بعد استغفار صحبت بھی کی تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب:

اس نے برا کیا برا کیا، توبہ واستغفار کے سوا اور کچھ لازم اس پر نہیں، صحبت کی تو کچھ حرج نہ ہوا، نہ اس سے نکاح پر کچھ حرف آیا، **کما یظھر بمراجعۃ الفتح والدر وغیرہما** (جیسا کہ فتح اور در وغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: خاوند نے ماں بہن کہا، طلاق نہیں دی، یہ صورت مسئلہ ہے، لہٰذا عندالشرع کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں، نہ یہ ظہار، صرف برا کہا اور گنہگار ہوا، توبہ کرے وبس،

قال اللہ تعالٰی وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور وہ بیشک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: از شہر بریلی گڑھی مسئولہ عبدالکریم صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان پر جبکہ اس کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، اپنے بھائی وغیرہ کے روبرو کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو اس وقت سے ماں بہن کے برابر جانتا ہوں اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے، اور یہ بات اس وقت اس نے کہی تھی کہ جب اس کی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو جھوٹی خبر دی تھی کہ تم کو تمہارے سسر نے پٹوایا ہے، یہ حالت سخت غصہ

[1] بدائع الصنائع فصل واما الذی یرجع الی المظاہر بہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۳۳

[2] القرآن ۵۸/ ۲

کی تھی، آیا اس کو اب نکاح کرنا چاہئے یا نکاح سابق جائز رہا؟

الجواب:

یہ لفظ کہ "اس کو خبر کردو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کرلے" اگر بہ نیت طلاق نہ کہے جب تو طلاق نہ ہوئی اور اس کا قسم کھا کر کہہ دینا مان لیا جائے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اگر بہ نیت طلاق کہے تو طلاق ہوگئی، نکاح جاتا رہا، نئے سرے سے اس کی مرضی سے اس سے نکاح کرسکتا ہے اگر پہلے دو طلاقیں نہ دے چکا ہو حلالہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب العدّة

(عدّت کا بیان)

مسئلہ ۵۱: ۲۳رجب ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جس کی عمراس وقت بارہ ۱۲ برس ہے کوئی علامت بلوغ کی پائی نہیں جاتی، اس حالت میں اس کو شوہر طلاق دے تو عدت بیٹھے گی یا نہیں؟اوراس کی شادی کو عرصہ تین برس کا گزرا تھا۔ بینوا توجروا

الجواب:

اگراب تک شوہر سے خلوت نہ ہوئی تھی تو اصلاً عدت نہیں اسی وقت اس کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور اگر شوہر اس کے پاس جاچکا تھا تو چار مہینے دس دن انتظار کرائیں، اگراس مدت میں عورت کو حمل ظاہر ہو تو وضع حمل تک عدت بیٹھے، اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو عدت تین ہی مہینے گزشتہ گزر چکی آگے انتظار نہ کرایا جائے۔

فی ردالمحتار فی البحر عن الامام الفضلی انھا اذاکانت مراھقة لاتنقضی عدتھا بالاشھر، بل یوقف حالھا حتی یظھر ھل حبلت من ذٰلك الوطی ام لا، فان ظھر حبلھا اعتدت بالوضع والافبالاشھر قال فی	ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں امام فضلی سے منقول ہے کہ جب مطلقہ عورت مراہقہ ہو تو وہ اپنی عدت مہینوں کے حساب سے نہ گزارے بلکہ اس کی عدت کا حال اس بات پر موقوف رہے گا کیا اس کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں، اگر واضح ہو جائے کہ حمل ہوا ہے تو اس کی عدت وضع حمل قرار پائے گی ورنہ عدت تین ماہ

الفتح ویعتد بزمن التوقف من عدتها اھ قلت یعنی اذاظهر عدم حبلها یحکم بمضی العدة بثلاثة اشهر مضت ویکون زمن التوقف بعدها لغوا حتی لو تزوجت فیه صح عقدها وفی نفقات الفتح فی الخلاصة عدة الصغیرة ثلثة اشهر الااذاکانت مراهقة فینفق علیها مالم یظهر فراغ رحمها کذافی المحیط اھ. من غیر ذکر خلاف وهو حسن اھ کلام الفتح.لکن ینبغی الافتاء به احتیاطا قبل العقد بان لایعقد علیها الا بعدالتوقف لکن لم یذکروامدة التوقف التی یظهر بها الحمل، وذکر فی الحامدیة عن بیوع البزازیة انه یصدق فی دعوی الحبل فی روایة اذاکان من حین شرائها اربعة اشهر وعشرلااقل.وفی روایة بعد شهرین وخمسة ایام وعلیه عمل الناس اھ ومشی فی الحامدیة علی الاخیرة وفیه نظر لان المراد من مسألتنا التوقف بعد مضی ثلثة اشهر فالاولی الاخذ بالروایة الاولی فاذامضت

شمار ہوگی اور فتح میں ہے کہ توقف کا زمانہ بھی عدت میں شامل کیا جائے گا اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) اگر حمل ظاہر نہ ہو تو گزشتہ تین ماہ کو عدت قرار دیا جائیگا اور ان تین ماہ کے بعد والا توقف بیکار ہوگا حتی کہ اگر اس نے تین ماہ کے بعد اور نکاح کرلیا تو وہ صحیح ہوگا اور فتح میں نفقات کی بحث میں خلاصہ سے منقول ہے کہ نابالغہ کی عدت تین ماہ ہے ہاں اگر وہ مراہقہ ہو تو پھر اس کو خاوند اس وقت تک نفقہ دیتا رہے گا جب تک رحم کا خالی ہونا واضح نہ ہو جائے، محیط میں یوں ہی مذکور ہے اھ۔اور اس میں اختلاف کو ذکر نہیں کیا،اور یہ بہتر کلام ہے،فتح کا کلام ختم ہوا،لیکن نکاح سے قبل اس پر فتوی مناسب ہے تاکہ توقف کے بغیر عدت کا فیصلہ نہ کردیا جائے،لیکن یہاں فقہاء نے توقف کی عدت کو ذکر نہیں کیا وہ کتنی مدت ہے جس سے حمل ظاہر ہوسکے، حامدیہ میں مذکور ہوا کہ بزازیہ کے مسائل بیوع میں ہے کہ اگر لونڈی خریدی ہو تو ایک روایت کے مطابق مالک کے دعوی حمل کی تصدیق تب کی جائے گی جب لونڈی کو خریدے ہوئے چار ماہ دس دن گزر چکے ہوں،اس سے کم مدت میں اس دعوی کی تصدیق نہ ہوگی،اور دوسری روایت میں ہے کہ دو ماہ پانچ دن کے بعد تصدیق ہوسکے گی جبکہ لوگوں کا عمل اسی پر ہے اھ۔اور حامدیہ نے دوسری روایت پر عمل کیا ہے اور اس میں اعتراض ہے کہ ہماری بحث اس صورت میں ہے جب تین ماہ گزر جانے کے بعد توقف ہو لہٰذا پہلی

اربعۃ اشھروعشرولم یظھر الحبل علم ان العدۃ انقضت من حین مضی ثلثۃ اشھر[1] اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	روایت پر عمل بہتر ہوگا، توجب چار ماہ دس دن گزر جائیں اور حمل ظاہر نہ ہو تو معلوم ہوگا کہ اس کی عدت گزر چکی ہے جب تین ماہ پورے ہو چکے تھے اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۲: از بنگالہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ صغیرہ مطلقہ ہو یا متوفیہ الزوج مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ شرعًا اس کے لئے عدت ہے یا نہیں اور حدِ صغر کہاں تک ہے؟ بینوا توجروا (بیان کرکے اجر حاصل کرو)

الجواب:

وفات کی عدت عورت غیر حامل پر مطلقًا چار مہینے دس دن ہے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور طلاق کی عدت غیر مدخولہ پر اصلًا نہیں اگرچہ کبیرہ ہو اور مدخولہ پر یعنی جس سے خلوت واقع ہولی اگرچہ خلوت فاسد ہو یا نکاح فاسد میں حقیقۃً وطی کرلی غیر حیض والی کے لئے تین مہینے ہیں خواہ صغیرہ ہو کہ ابھی حیض آیا ہی نہیں یا کبیرہ آئسہ کہ اب عمر حیض کی نہ رہی۔ در مختار میں ہے:

العدۃ فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا اوکبر بان بلغت سن الایاس ثلثۃ اشھر ان وطئت فی الکل ولو حکمًا کالخلوۃ ولو فاسدۃ والعدۃ للموت اربعۃ اوکتابیۃ تحت مسلم ولو عبدافلم یخرج عنھا الاالحامل[2] والخلوۃ فی النکاح الفاسد لاتوجب العدۃ[3] اھ ملتقطا۔	بچپن کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو کہ وہ ابھی نو سال سے کم عمر ہے یا بڑھاپے کی وجہ سے کہ وہ عمر رسیدہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے وہ حیض والی نہیں ہے تو ان کی عدت تین ماہ ہوگی جبکہ حقیقۃً وطی یا حکمًا یعنی خلوت ہوچکی ہو، اگرچہ خلوتِ فاسدہ ہو، اور موت والی کی عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان کے نکاح میں اگرچہ مسلمان غلام ہو موت کی عدت کا یہی حکم ہے اس حکم سے صرف حاملہ بیوی خارج ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، اور فاسد نکاح میں خلوت سے عدت واجب نہیں ہوتی اھ ملتقطا (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۱

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵۔۲۵۶

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۵۔۲۵۶

عورت کے لئے حد صغر ۹ سال کی عمر تک ہے اس سے کم عمر میں جوانی ہر گز نہیں ہوتی، اس کے بعد ۱۵ سال کی عمر تک احتمال ہے اگر آثارِ بلوغ حیض آنا یا احتلام ہونا یا حمل رہ جانا پایا جائے تو بالغہ ہے ورنہ جب ۱۵ سال کامل کی عمر ہو جائے گی جوانی کا حکم کردیں گے اگرچہ آثار کچھ ظاہر نہ ہوں **بہ قال وعلیہ الفتوی کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر** (یہی کہا اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ در وغیرہ مشہور کتب میں ہے۔ت) **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از ٹھاکردوارہ ضلع مراد آباد بازار گنج مرسلہ نجیب اللہ صاحب عطار ۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے اپنے گھر سے نکال دیا اور کہہ دیا کہ تجھ کو نہیں رکھتا، یہاں تک کہ اس عورت نے اپنے خاوند کے ڈرانے کی غرض سے خودکشی کا قصد کیا اور کچہری سے بجرم خودکشی تیس روپیہ جرمانہ عورت پر ہوئے، اس کے خاوند کو کچھ سروکار نہ ہوا بلکہ کچہری میں بیان کیا کہ میں نے عورت کو چھوڑ دیا مجھ سے کچھ غرض نہیں، اس روز سے وہ عورت دوسرے مرد کے پاس ہے، اس کے خاوند سے چند بار کہا گیا کہ عورت اپنی کو طلاق دے، وہ کہتا ہے میں طلاق کو نہیں جانتا میں نے عرصہ پانچ سال کا ہوا چھوڑ دیا۔ اب نکاح دوسرے آدمی کے ساتھ جس کے ساتھ وہ رہتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر واقعی کچہری میں اس نے وہ الفاظ کہے کہ "میں نے اس کو چھوڑ دیا" تو اسی وقت سے طلاق ہو گئی، اس وقت سے اگر تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے اور اگر ابھی ختم نہ ہوئے تو جب ختم ہو جائیں اس کے بعد کر سکتی ہے اور یوں جو عزیزوں کے یہاں رہتی ہے یہ حرام ہے، اور وہ جو اس نے کہا "پانچ برس سے چھوڑ چکا ہوں" اس کا اعتبار نہیں اگرچہ کچہری میں "چھوڑنے" کا لفظ پہلے کہا تھا تو جب سے عدت ہے اور اگر یہ لفظ پانچ برس سے چھوڑنے کا پہلے کہا تھا تو جب سے ہے غرض جو لفظ کہا ہو اس کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہونا درکار ہے بغیر اس کے دوسری جگہ نکاح حرام ہے، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عدت بیوی کی کتنی ہے اور مطلقہ کی کتنی؟

الجواب:

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے مطلقہ ہو یا بیوہ، اور غیر حاملہ بیوہ کی عدت اگر خاوند کسی مہینے کی پہلی شب یا پہلی تاریخ میں مرا اگرچہ عصر کے وقت، چار مہینے دس دن ہیں یعنی چار ہلال اور ہو کر اس

پانچویں ہلال پر وقت وفات شوہر کے اعتبار سے دس دن کامل اور گزر جائیں اور پہلی تاریخ کے سوا اور کسی تاریخ میں مرا تو ایک سو تیس ۱۳۰ دن کامل لئے جائیں اور مطلقہ اگر حیض والی ہے تو بعد طلاق تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اور اگر صغیرہ کہ ابھی حیض نہیں آتا یا کبیرہ کہ حیض آنے کی عمر گزر گئی تو عدت تین مہینے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵: از شہر یکم ذیقعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نکاح نابالغی میں کر دیا تھا چونکہ لڑکی اس لڑکے کے قابل نہ تھی لہٰذا اس نے ہر طرح کی تکلیفیں پہنچائیں؟ لڑکی کے والدین نے اسے اپنے گھر رکھ لیا اس لڑکے نے چار بار برادروں کو جمع کرکے کہا میں طلاق دے دوں لیکن برادروں نے اسے باز رکھا، اب جبکہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو برادروں نے طلاق دلوادی، تو ایسی صورت میں عدت معتبر ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اگر لڑکی قابل جماع تھی اگرچہ خاص اس مرد کے قابل نہ ہو اور خلوتِ صحیحہ ہو چکی تھی عدت لازم ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: مولٰنا حافظ حشمت علی صاحب لکھنوی طالب علم مدرسہ اہلسنت بریلی ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دے دی بوجہ اس کی بدچلنی کے۔ ہندہ طلاق کے بعد عمرو کے پاس رہی اور ہندہ کو عمرو سے حمل رہ گیا، عمرو نے ہندہ کے ساتھ بعد گزرنے ایام عدت نکاح کر لیا اور بعد نکاح عمرو کو اس بات کا علم ہوا کہ ہندہ کو مجھ سے حمل ہے، آیا یہ نکاح جائز ہے اور یہ کہ بعد طلاق، نکاح کے واسطے عدت کا زمانہ کیا ہے؟

الجواب:

طلاق کی عدت حیض والی کے لئے تین حیض ہیں جو بعد طلاق شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور جسے حیض ابھی نہیں آیا یا حیض کی عمر سے گزر چکی اس کے لئے تین مہینہ اور حمل والی کے لئے وضع حمل۔ یہ احکام قرآن عظیم میں منصوص ہیں اور عمرو نے جو قبل عدت اس سے تعلق کیا اور حسب بیان سائل اس سے حمل رہ گیا تو وہ کون سے ایام عدت تھے جو اس نے گزارے، اس کی عدت تین حیض تھے، اور حاملہ کو حیض آتا نہیں، اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اور ابھی وضع حمل ہوا نہیں، یہ نکاح فاسد ہوا، اس پر فرض ہے کہ عورت کو فوراً الگ کردے اور انتظار کیا جائے اگر یہ بچہ طلاق شوہر سے دو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہے اور اب وہ عدت سے نکلی اس سے نکاح ہو سکتا ہے اور دو برس کے بعد پیدا ہو تو شوہر کا نہیں اب نکاح ہر حال جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷: از موضع کیسر پور ضلع بریلی مسئولہ خدا بخش انصاری ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح ایک بیوہ عورت سے مقرر ہوا، جس وقت نکاح ہوا برادری کے لوگ جمع ہوئے اور ان کے روبرو عاقد نے دریافت کیا کہ اس عورت میں کوئی نقص یا جھگڑا تو نہیں ہے تو اس میں دو شخصوں نے کہا کہ کچھ نہیں بیوہ ہے آپ نکاح پڑھادیں، آخر کلام نکاح ہوگیا اب جس وقت شب کو خلوت ہوئی تو معلوم ہوا کہ عورت حاملہ ہے، آخر پولیس کو خبر ہوگئی تو داروغہ پولیس نے عورت سے دریافت کیا، اس نے جس کا حمل تھا اس کو نہ بتایا اور شخص کا نام لے دیا، پولیس نے اس کے سپرد کردیا، اور اہل برادری میں کئی شخص اس بیوہ کو جانتے تھے مگر پوشیدہ رکھا ظاہر نہ کیا، اب شرع شریف سے جس کے گھر وہ عورت ہے اس کو کیا حکم ہے اور عاقد وکیل وشاہدوں کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

سائل کا بیان ہے کہ شوہر کے انتقال کے ڈیڑھ برس ہوا اور حمل وہیں کا معلوم ہوتا ہے، اس صورت میں جس شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے اس پر لازم ہے کہ عورت کو اپنے سے جدا دوسرے مکان میں رکھے اور بچہ پیدا ہونے کا انتظار کرے، اگر شوہر کی وفات سے پورے دو برس کے اندر بچہ پیدا ہوجائے تو یہ نکاح باطل محض ہوا اور جو لوگ واقف حال شریک نکاح تھے سخت گنہ گار ہوئے، بعد بچہ پیدا ہونے کے پھر یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر وفاتِ شوہر کو دو برس کامل گزر جائیں اس کے بعد بچہ پیدا ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگیا دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، بچہ پیدا ہونے کے بعد اسے ہاتھ لگانا بھی جائز ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۸: از جلیسر ضلع ایٹہ بالائے قلعہ مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے نکاح کیا جس کو ابتک چھ ماہ ہوئے، بعد تین ماہ کے اس کا خاوند مرگیا اور اس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی اب تک اپنے ماں باپ کے یہاں ہے، مدت عدت وفات کی دو صورتیں ہیں، یا وہ بعد وفات کے حاملہ ہے یا حمل کا انتظار ہے، بہر حال اس کو حمل نہیں ہوا، نیز ایام معمولی آتے ہیں، مدت چار ماہ دس دن محض اس غرض سے تھی کہ اس عرصہ میں ظہور حمل ہوجائے گا، اس صورت میں وہ قبل از عدت وفات عقدِ ثانی کرلے یا بعد گزرنے چار ماہ دس دن کے نکاح کرے، عدت طلاق تین قروء ہیں، اگر اس کو خلوتِ صحیحہ نہیں ہوئی تو اس کو تین قروء کی ضرورت نہیں، بعد طلاق فورًا عقد کرسکتے ہیں، علٰی ہذا صورت مسئولہ کی شکل بھی یہی ہے، جبکہ وہ خاوند کے یہاں نہیں گئی اور خلوتِ صحیحہ نہیں نصیب ہوئی تو پھر عدتِ وفات کی کیا ضرورت ہے، بہر حال دونوں صورتیں ایک ہیں، لہٰذا جو حکم شرع

ہے وہ سر آنکھوں پر کوئی دلیل عقلی ضرور ہونی چاہئے تاکہ دونوں صورتوں میں تمیز ہوجائے کوئی مسئلہ شرعی ایسا نہیں جو کسی اصول پر مبنی نہ ہو عقل کا حکم تو یہی ہے کہ جو عورت ہمبستر نہ ہو اس پر عدت کی ضرورت نہیں پھر چار ماہ دس دن کے انتظار کی کیا ضرورت یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا[1] (وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ت) محض ظہور حمل کے لئے چار ماہ دس دن کا انتظار ہے، سو صورت ہذا میں نہ خلوت نہ حمل فتاوی عالمگیری اکثر جزئیات سے مملو ہے جو جزئی چاہو اس میں نکال سکتے ہیں شاید اس میں اس خاص جزئی کا ذکر ہو لیکن دلیل عقلی کی ازحد ضرورت ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اس پر چار مہینے دس دن عدت فرض ہے اس سے پہلے نکاح بلکہ نکاح کی گفتگو بھی حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وللموت اربعة اشھرو عشرا مطلقا وطئت اولا ولو صغیرة او کتابیة تحت مسلم ولو عبد افلم یخرج عنھا الا الحامل[2]۔	موت کی عدت مطلقًا چار ماہ دس دن ہے بیوی مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اگرچہ نابالغہ ہو یا کتابیہ مسلمان آزاد کے نکاح میں ہو یا مسلمان غلام کے نکاح میں، صرف حاملہ کا حکم اس سے علیحدہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے (ت)

احکام الٰہی میں چون وچرا نہیں کرتے، الاسلام گردن نہادن نہ کہ زبان بجرأت کشادن (اسلام، سر تسلیم خم کرنا ہے نہ کہ دلیری سے لب کشائی کرنا۔ت) بہت احکام الٰہیہ تعبدی ہوتے ہیں اور جو معقول المعنی ہیں ان کی حکمتیں بھی من وتو کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ صبح کو دو، مغرب کی تین، باقی کی چار چار رکعتیں کیوں ہیں، تعرف براءت رحم کے لئے ایک حیض کافی تھا تین اگر احتیاطًا رکھے گئے تو عدت وفات حیضوں سے بدل کر مہینے کیوں ہوئی اور ہوتی تو تین مہینے ہوتی جس طرح آئسہ وصغیرہ میں تین حیض کی جگہ تین مہینے قائم فرمائے ہیں ایک مہینہ دس دن اور زائد کیوں فرمائے گئے، غرض ایسے بیہودہ سوالوں کا دروازہ کھولنا علوم وبرکات کا دروازہ بند کرنا ہے، مسلمان کی شان یہ ہے:

سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾[3]۔	ہم نے سنا اور اطاعت کی، تیری بخشش کے طلبگار ہیں اور تیری طرف ہی لوٹنا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

صورت طلاق تعرف براءت رحم کے لیے ہے قبل خلوت براءت خود معلوم پھر عدت کیوں ہو اور عدتِ وفات میں صرف یہی مقصود نہیں بلکہ موت شوہر کا سوگ بھی۔ اور اس میں خلوت ہونے نہ ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الاٰخر ان تحد علی میت فوق ثلث لیال الاعلی زوج اربعۃ اشھر وعشرا[1]۔ رواہ البخاری ومسلم عن ام المومنین ام حبیبۃ و زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ اور آخر پر ایمان رکھنے والی عورت کے لئے حلال نہیں کہ وہ خاوند کی موت کے بغیر کسی میت پر تین دن سے زائد سوگ کرے، صرف خاوند کے موت کے لئے چار مہینے دس دن سوگ ہے۔ اس کو بخاری اور مسلم نے ام المومنین ام حبیبہ اور زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹: از قصبہ کریالی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات پنجاب ڈاکخانہ سرائے اورنگ آباد مسئولہ غلام یسین صاحب ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر شیر خوارہ مسماۃ نور بانو کا نکاح ہمراہ مسمّٰی عمرو جس کی عمر پچیس سال ہے کر دیا، بعد نکاح کے اس دختر شیر خوارہ کو اس کی والدہ ایک مکان میں جہاں عمرو جس کے ساتھ مسماۃ نور بانو شیر خوارہ کا نکاح ہوا تھا مع عمرو کے چھوڑ کر کہیں باہر چلی گئی اس کے بعد جب والدہ شیر خوارہ واپس آئی عمرو نے اس شیر خوارہ منکوحہ خود کو طلاق بائن دے دی، آیا خلوتِ صحیحہ ثابت ہوئی یا نہ؟ اور اس مطلقہ شیر خوارہ پر عدت لازم ہوئی یا نہ اور مستحقِ مہر ہوئی یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، نہ عدت لازم آئی، نصف مہر دینا ہوگا، درمختار میں ہے: **لاعدۃ بخلوۃ الرتقاء**[2] (ناقابل جماع بیوی کی خلوت پر عدت نہیں ہے۔ ت) جامع الرموز میں ہے:

لو طلقھا قبل الدخول او بعد الخلوۃ الفاسدۃ والفساد لعجزہ عن الوطی	اگر جماع سے پہلے یا خلوتِ فاسدہ کے بعد طلاق دی ہو اور فساد مثلاً یہ کہ خاوند وطی سے حقیقۃً عاجز ہو

[1] صحیح مسلم باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۸۶

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

حقیقۃ لم تجب العدۃ[1] اھ وانظر ما کتبنا علی رد المحتار۔	تو اس صورت میں عدت لازم نہ ہوگی اھ یہاں ردالمحتار پر میرا حاشیہ دیکھو۔(ت)

مسئلہ ۶۰: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مطلقہ عورت کی عدت تین ماہ ہو یا زائد؟

الجواب:

مطلقہ اگر حاملہ ہو تو عدت وضع حمل ہے۔ اور اگر نابالغہ ہو یا کبر سن کے سبب اب حیض نہیں آتا تو عدت تین ماہ ہے ورنہ تین حیض خواہ دو مہینے ہوں یا مثلاً دو برس میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از قصبہ میترانوالی ڈاکخانہ گلکسر ریلوے ضلع گوجرانوالہ مرسلہ میاں امیر احمد صاحب ۷ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عورت مطلقہ کو بلانکاح دو سال تک اپنے گھر میں رکھا بلکہ اس سے اولاد بھی ہوئی پھر وہ شخص فوت ہوگیا تو اس کے برادر حقیقی نے اس عورت کے ساتھ بغیر عدت گزرے نکاح کرلیا اس عورت پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ زنا کی کوئی عدت نہیں اور بعض کہتے ہیں وہ مثل عورت خاوند کے دو سال تک رہے واسطے استبراء رحم کے عدت لازم ہے **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے)

الجواب:

اگر وہ دونوں ایک مکان میں مثل زن و شوہر رہتے اور باہم انبساط زوج وزوجہ رکھتے، مرد اسے بیبیوں کی طرح رکھتا، عورت اس کے پاس ازواج کی مانند رہتی تو وہ دونوں شرعاً زوج وزوجہ ہی سمجھے جائیں گے یہاں تک کہ جس نے ان کی یہ حالت دیکھی اسے قاضی شرع کے حضور زن و شوہر ہونے پر گواہی دینی حلال اگرچہ نکاح ہوتے نہ دیکھا ہو، ہدایہ میں ہے:

اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد منھما الی الاٰخر انبساط الازواج وسعہ ان یشھد انھا زوجتہ[2]۔	جب کوئی شخص مرد و عورت کو ایک مکان میں رہتے ہوئے اور خاوند بیوی والی بے تکلفی کے طور پر دونوں کو رہتے ہوئے دیکھے تو ایسے شخص کو جائز ہے کہ وہ شہادت دے کہ یہ دونوں خاوند بیوی ہیں(ت)

[1] جامع الرموز فصل العدۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۵۷۸

[2] ہدایہ باب مایتحملہ الشاہد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

اپنے سامنے نکاح نہ ہونے کو نکاح نہ ہونا سمجھ لینا سخت سفاہت ہے، عدم علم، علم عدم نہیں۔ دنیا میں بے شمار زوج وزوجہ ہیں کیا ہم سب کے عقد میں حاضر تھے۔ پھر ہم کیونکر انہیں نلح ومنکوحہ سمجھتے ہیں، شرع مطہر بد گمانی کو سخت حرام فرماتی ہے، اور جب وہ شرعًا زن وشوہر قرار دئے گئے تو بے انقضائے عدت نکاح بنصِ قطعی قرآن ناجائز وحرام۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے فرمایا کہ اس عقد پر اصلًا کوئی حکم نکاح مترتب نہ ہوگا کہ معتدہ غیر سے دانستہ نکاح کرنا باطل محض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا[1]۔	بحر میں مجتبٰی سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ وہ جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہٰذا یہ نکاح ہی اصلا منعقد نہ ہوا۔ (ت)

ہاں اگر صورتِ مذکورہ نہ ہو اور ان کا زانی وزانیہ ہونا متحقق ہو تو بیشک یہ نکاح صحیح ہوگیا کہ زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت نہیں نہ زانیہ پر زنا کی عدت، یہاں تک کہ جس عورت کو زنا کا حمل ہو غیر زانی کو بھی باوجود حمل اس سے نکاح جائز، البتہ ازانجا کہ حمل غیر ہے تاوضع حمل جماع ناجائز ہے، درمختار میں ہے:

صح نکاح حبلی من زنا وان حرم وطؤھا حتی تضع لئلایسقی ماءہ زرع غیرہ[2]۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	زنا سے حاملہ عورت کے ساتھ نکاح جائز ہے اگرچہ نکاح کے بعد وطی حرام ہے تاوقتیکہ بچے کی پیدائش ہو تاکہ غیر کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرنے والا نہ بنے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بریلی ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہوگئی، رانڈ اپنے بہنوئی کے پاس گئی اور بہن بھی موجود تھی بہنوئی نے اس کا بھی نکاح اپنے ساتھ کرلیا، اب کئی سال سے اس عورت کو نکال دیا، استغفار وغیرہ نہیں دیا، اب وہ عورت اور جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے، نکاح جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

بہن کی موجودگی میں بہنوئی سے نکاح حرام حرام سخت حرام ہوا، بہنوئی نے کہ اس کو نکالا اگر کوئی لفظ

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

ایسے کہے تھے اس وقت خواہ اس کے بعد، جن سے اس کا عزم اس پر سمجھا جائے کہ اب اس عورت کو کبھی نہ رکھے گا اور ان الفاظ کے کہنے کے بعد اس عورت کو تین حیض شروع ہو کر ختم ہوگئے تو یہ اور جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور اگر ایسے الفاظ ثابت نہ ہوں تو اب عورت کہہ دے میں نے اس نکاح کو رد کیا جو بہنوئی سے کرلیا تھا اس کے بعد حیض دیکھ کر دوسرے سے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

مبدؤھا فی النکاح الفاسد بعد التفریق اواظھار العزم علی ترك وطئھا[1]۔	نکاح فاسد کی عدت کی ابتداء تفریق کے بعد یا خود خاوند کے متارکہ کے بعد ہے، متارکہ یہ کہ خاوند نے عورت سے وطی کے ترک پر اپنے عزم کا اظہار کردیا ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

ویثبت لکل واحد منھما فسخہ ولو بغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح[2]۔	خاوند اور بیوی دونوں کو فاسد نکاح میں فسخ کا اختیار ہے، دونوں کو یہ اختیار دوسرے کی موجودگی کے بغیر بھی ہے دخول کیا ہو یا نہ، اصح روایت یہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ورجحنا فی باب المھر انھا (ای المتارکۃ) تکون من المرأۃ ایضا اھ والمقدسی تابع البحر[3] اھ۔ **اقول:** وحققنا فیما علقنا علیہ ان الفساد ان کان مقارنا کما ھھنا کان لکل فسخہ والمتارکۃ غیرہ وان کان طارئا تفرد بہ الزوج۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بحر میں فرمایا ہے کہ ہم نے باب المہر میں عورت کی طرف سے متارکہ کو بھی جائز ہونے کی ترجیح ذکر کی ہے اھ اور مقدسی نے بحر کی اتباع کی ہے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) میں نے ردالمحتار کے حاشیہ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اگر نکاح کا فساد ابتداءً نکاح سے مقارن ہو جیسے یہاں ہے تو پھر خاوند اور بیوی دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اور متارکہ کا حکم علیحدہ ہے، اور اگر نکاح کا فساد بعد میں طاری ہو تو پھر صرف خاوند کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۸

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[3] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۲

مسئلہ ۶۳: ۴/ رجب مرجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی ایامِ عدت منقضی نہ ہوئے تھے صرف بیس پچیس دن بعد بکر نے اس سے نکاح کرلیا، چار برس بعد بکر نے بھی طلاق دی، اب شخص ثالث اس سے نکاح کیا چاہتا ہے، یہ نکاح طلاق کے چار مہینے دس دن بعد ہو یا فوراً ہو سکتا ہے کہ بکر نے قبل انقضائے عدت نکاح کرلیا تھا جو شرعاً نادرست تھا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر بکر نے یہ جان بوجھ کر کہ ابھی عورت عدت میں ہے اس سے نکاح کرلیا تھا جب تو وہ نکاح نکاح ہی نہ ہوا زنا ہوا، تو اس کے لئے اصلاً عدت نہیں اگرچہ بکر نے صدہا بار عورت سے جماع کیا ہو کہ زنا کا پانی شرع میں کچھ عزت ووقعت نہیں رکھتا عورت کو اختیار ہے جب چاہے نکاح کرلے،

فی ردالمحتار عن البحر الرائق اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا ولھذا یجب الحد مع العلم بالحرمۃ لکونہ زنا کما فی القنیۃ وغیرہا۔[1]	ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ غیر کی منکوحہ بیوی یا غیر کی مطلقہ عدت والی سے نکاح کے بعد دخول سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے کیونکہ اس نکاح کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں ہے لہٰذا یہ نکاح ہی اصلاً منعقد نہ ہوا، یہی وجہ ہے کہ یہ معلوم ہونے پر کہ یہ غیر کی منکوحہ ہے اس کے باوجود نکاح اور دخول پر حدِ زنا لازم ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر بکر نے انجانی میں نکاح کیا تو یہ دیکھیں گے کہ اس چار برس میں اس نے عورت سے کبھی جماع کیا ہے یا نہیں، اگر کبھی نہ کیا تو بھی عدت نہیں، بکر کے چھوڑتے ہی فوراً جس سے چاہے نکاح کرلے،

ففی البحر فی امثلۃ النکاح فسد ولم یبطل نکاح المعتدۃ[2] الخ وقیدہ الشامی بما اذالم یعلم بانہا معتدۃ لما مر عن البحر،	بحر میں ایسے نکاح جو فاسد ہوں مگر باطل نہ ہوں کی مثالوں میں غیر کی معتدہ کا نکاح ذکر کیا ہے۔ اھ اور علامہ شامی نے اس کو غیر کی معتدہ کا علم نہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے جیسا کہ بحر کے حوالے سے گزرا،

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] بحرالرائق

وفی الدر المختار فی احکام النکاح الفاسد، تجب العدۃ بعد الوطی لاالخلوۃ وقت التفریق او متارکۃ الزوج اھ ملخصًا۔[1]	اور در مختار کے احکامِ نکاح فاسد میں مذکور ہے کہ فاسد نکاح میں وطی کے بعد عدت لازم ہوگی، صرف خلوت سے لازم نہ ہوگی اور یہ عدت یا خود خاوند کی طرف سے متارکہ کے وقت سے شروع ہوگی اھ ملخصًا (ت)

اور جو ایک بار بھی جماع کرچکا ہے تو جس دن بکر نے چھوڑا اس دن سے عورت پر عدت واجب ہوئی جب تک اس کی عدت سے نہ نکلے دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی، اور عدت طلاق کی چار مہینے دس دن نہیں یہ عدت موت کی ہے، طلاق کی عدت تین حیض کامل ہیں یعنی بعد طلاق کے ایک نیا حیض آئے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، جب یہ تیسرا ختم ہوگا اس وقت عدت سے نکلے گی اور اسے جس سے چاہے نکاح کرنا روا ہوگا،

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ (ت)

مسئلہ ۶۴: از متھرا محلّہ مہوپورہ مرسلہ رمضان خاں ۱۳ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ ایک عرصہ سے بوجہ کسی خاص رنجی کے بلاطلاق اپنے شوہر سے علیحدہ ہوکر اور خلافِ مرضی اس کے کہیں چلی گئی اور کسی غیر شخص سے اپنا عقد کرلیا بالفعل وہاں سے بھی نکل کر پھر شوہر اول سے عقد چاہتی ہے اور طلاق ہر دو شوہروں کی جانب سے ثابت نہیں، پس قابلِ استفسار یہ امر ہے کہ اب شوہر اول سے عقد قائم رہے گا یا عقدِ جدید کی ضرورت ہے یا اس کے سوا کوئی اور شرعی صورت ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقد قدیم قائم ہے جدید کی کچھ حاجت نہیں، دوسرا شخص جس نے اس منکوحہ غیر سے نکاح کیا اگر آگاہ تھا کہ یہ منکوحہ غیر ہے جب تو عدت کی بھی ضرورت نہیں کہ یہ زنا تھا اور زنا کی عدت نہیں، درمختار میں ہے: لاعدۃ للزّنا[3] (زنا کی عدت نہیں ہوتی۔ت) اور اگر وہ واقف نہ تھا عورت کو خالی وحلال سمجھ کر نکاح

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

میں لایا تو اس پر فرض قطعی ہے کہ عورت کو ترک کردے وقت ترک سے عورت تین حیض کی عدت کرے اس کے بعد شوہر اول بے حاجت تجدید نکاح اس سے متر تب کر سکتا ہے، یہ اس تقدیر پر کہ شخص ثانی نے عورت سے صحبت یعنی مجامعت کرلی ہو، ورنہ حاجتِ عدت نہیں، در مختار میں ہے:

لاعدة لو تزوج امرأة الغير ووطئها عالما بذٰلك وفی نسخ المتن ودخل بها ولابد منه وبه يفتی ولهذا يحد مع العلم بالحرمة لانه زنا والمزنی بها لاتحرم علی زوجها الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کی منکوحہ سے نکاح کے بعد وطی کرنے سے عدت لازم نہ ہوگی بشرطیکہ اسے معلوم ہو کہ عورت غیر کی ہے اور متن کے نسخوں میں "دخل بھا" (اس نے دخول کیا ہو) کا لفظ ہے جبکہ یہ قید ضروری ہے۔ اور فتوی اسی پر دیا جائے گا۔ اس لئے علم کے باوجود اس حرام کاری پر حد لگائی جائے کیونکہ یہ زنا ہے اور زناوالی عورت اپنے خاوند پر اس وجہ سے حرام نہیں ہوتی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۵: از موضع ٹانڈا پر گنہ بہیڑی معرفت پیارے میاں ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص اپنی قضا سے فوت ہوگیا اور اس کی بیوی کو حمل تھا، بعد اس کے مرجانے کے ایک مہینہ کے بعد وہ حمل ساقط ہوگیا تو اس عورت کو عدت کرنا چاہئے یا اس حمل کے گرجانے سے عدت جاتی رہی اور وہ حمل چار یا پانچ مہینہ کا تھا اہلِ شرع کیا فرماتے ہیں؟

الجواب:

سائل نے ظاہر کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بن گئے تھے تو اس کے گرجانے سے عدت تمام ہوگئی اب عدت کی حاجت نہیں،

فی ردالمحتار اذا سقطت سقطا ان استبان بعض خلقه انقضت به العدة لانه ولد والافلا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے حاملہ کا حمل ساقط ہوجائے تو اگر بچے کے کچھ اعضاء کی تخلیق ظاہر ہوتی ہو تو پھر اس سے عدت ختم ہوگئی کیونکہ یہ مکمل بچہ شمار ہوتا ہے اور اگر ابھی اعضاء ظاہر نہ ہوئے ہوں تو عدت ختم نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۹

[2] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۴

مسئلہ ۶۶: از بنگالہ ضلع سلہٹ ڈاک خانہ کمال گنج موضع پھولٹولی مرسلہ عبدالغنی صاحب ۱۹ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح صحیح کیا، قبل از دخول بعد خلوتِ صحیحہ طلاق دی، اب عدت ہندہ پر واجب ہے یا نہیں؟ ایک جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ واجب ہے،

رجل تزوج امرأۃ نکاحا جائزا فطلقها بعد الدخول او بعد الخلوۃ الصحیحۃ کان علیها العدۃ کذا فی فتاوٰی قاضی خان [1]۔	کسی نے ایک عورت سے صحیح نکاح کیا پھر دخول کے بعد طلاق دی یا خلوتِ صحیحہ کے بعد طلاق دی تو اس عورت پر عدت لازم ہوگی جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے۔ (ت)

اور دوسری جگہ عالمگیری سے مفہوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بعد خلوت صحیحہ کے ہو عدت واجب نہیں،

اربع من النساء لاعدۃ علیهن المطلقۃ قبل الدخول الخ [2]۔	چار عورتیں ہیں جن پر عدت نہیں ان میں سے ایک قبل از دخول طلاق والی ہے الخ (ت)

اور کلام مجید میں ایک جگہ یوں ہے:

اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا [3]۔	جب تم مؤمن عورتوں سے نکاح کرکے قبل از دخول ان کو طلاق دے دو تو تمہارے حق میں ان عورتوں پر عدت نہیں۔ (ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عدت واجب ہے اور عالمگیری کی دونوں عبارتوں میں تنافی نہ آیہ کریمہ عبارت اولیٰ کی نافی، اصل یہی ہے کہ موجب عدۃ مس ودخول یعنی وطی ہے مگر نکاح صحیح میں مجرد خلوت اگرچہ صحیحہ ہو ایجاب عدت کے لئے قائم مقام وطی ہے، تنویر میں ہے:

الخلوۃ کالوطء فی العدۃ [4] (ملخصًا)۔	عدت کے معاملے میں خلوت کا حکم وطی والا ہے (ت)

---

[1] فتاوی ہندیہ باب العدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۶

[2] فتاوی ہندیہ باب العدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۸-۱۹۹

ردالمحتار میں ہے:

وجوبها من احکام الخلوة سواء کانت صحیحة ام لا ط ای اذاکانت فی نکاح صحیح اما الفاسد فتجب العدة بالوطء کما سیأتی۔[1]	عدت کا وجوب خلوت کے احکام میں سے ہے خلوت صحیحہ ہو یا فاسدہ ہو، طحاوی، یعنی صحیح نکاح میں یہ حکم ہے لیکن فاسد نکاح میں صرف وطی سے عدت لازم ہوتی ہے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔(ت)

مدارک شریف میں ہے: من

قبل ان تمسوهن والخلوة الصحیحة کالمس[2] اھ ورأیتنی کتبت علی هامشها الاولی ان یقول قدس سرہ والخلوة فی النکاح الصحیح کالمس فیقید النکاح بالصحیح ویطلق الخلوة لان الخلوة وان فسدت توجب العدة اذاصح النکاح، اما الفاسد فلا عدة فیه الا بحقیقة الوطء کما فی الدر وغیرہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قبل ازیں کہ تم ان کو مس کرو(یعنی جماع کرو)اور خلوتِ صحیحہ بھی جماع کی طرح ہے اھ اور مجھے یاد آرہا ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے کہ بہتر تھا کہ صاحب مدارک یوں کہتے اور خلوت نکاح صحیح میں جماع کی طرح ہے اس طرح نکاح کو صحیح کی قید سے مقید اور خلوت کو مطلق قرار دیا جاسکتا ہے کیونکہ جب نکاح صحیح ہو تو خلوت فاسدہ بھی عدت کو لازم کرتی ہے لیکن نکاح فاسد میں صرف حقیقی وطی سے ہی عدت لازم ہوتی ہے جیسا کہ در وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷تا۷۳: از شہر کہنہ بریلی

حضور والا! مسمّی جمن کا بیان ہے کہ 'میری لڑکی نابالغ کا نکاح میرے حقیقی بھائی نے بلارضامندی میرے کردیا اور مجھ کو راضی کرکے رخصت کرادی، وہ لڑکی اپنے اس خاوند کے پس رہی اور نوبت مجامعت کی پہنچی، اس کے یہاں سے بعد کو رخصت ہو کر جس وقت کہ وہ اپنے باپ کے مکان پر آئی کہ اس کو عرصہ تین سال کا ہوا پھر کبھی نہ گئی حتی کہ نوبت نالش تک پہنچی، باالآخر اس نے اس کو فیصلہ پنچایت سے طلاق دی،

---

[1] ردالمحتار باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۴۱/۲

[2] مدارك التنزیل تحت سورة الاحزاب دار الکتاب العربیه ۳۰۸/۳

[3] حواشی مدارک اعلٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ

اب اس کا نکاح درمیان عدت طلاق کے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ [2] اور یہ نکاح اول جو نابالغی میں بلااسترضا باپ کے ہوا، جائز تھا یا نہیں؟ فقط، اس قوم میں نابالغ لڑکیوں کا نکاح نابالغ لڑکوں کے ساتھ بولایت اکثر ہوتا ہے اور حالتِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے کسی مخالفت سے طلاق ہوجاتی ہے، [3] اس صورت میں عدت طلاق کی لازم آتی ہے یا نہیں؟ [4] اور مہر کس قدر دلایا جاسکتا ہے؟ [5] بحالت خلوت صحیحہ اور مجامعت کے کیا حکم ہے؟ [6] اور بحالت طلاق اس کا کیا حکم ہے؟ [7] اگر بحالت لازم آنے عدت کے نکاح ہوجائے اور وہ اپنے خاوند سے علیحدہ رہ کر تین ماہ تمام کرے تو یہ نکاح صحیح رہے گا یا پھر نکاح کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب:

نکاح اول کہ بے اجازت پدر چچانے خود کردیا تھا اجازت پدر پر موقوف تھا، اگر اس نکاح کے بعد اس نے کوئی لفظ نامنظوری اور رد کرنے کا کہا تھا تو باطل ہوگیا اور زن و شوہر میں کوئی علاقہ نہ رہا تھا، اس کے بعد جو رخصت ہوئی محض حرام ہوئی اور جو مجامعت ہوئی نری زنا ہوئی **فان الاجازۃ لاتلحق المفسوخ** (کیونکہ فسخ شدہ کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ت) طلاق کی کوئی حاجت نہیں نہ اس فراق کی عدت **اذلانکاح فلاطلاق فلاعدّۃ** (اس لئے کہ نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق اور عدت کاہے کی۔ت) جس وقت چاہے نکاح کرے اور اگر نکاح کے بعد قبل اظہار نامنظوری باپ نے کوئی لفظِ منظوری کہا یا بھائی کے اصرار سے لڑکی کو رخصت کردیا (کہ رخصت کردینا بھی صحتِ نکاح کو کافی ہے جبکہ نامنظوری نہ ظاہر کرچکا ہو) تو اب یہ نکاح صحیح ہوگیا اور یہ طلاق طلاق ہوئی اور اس کی عدت لازم ہے، عدت گزرنے سے پہلے جو نکاح کیا جائیگا باطل محض ہوگا، نابالغ لڑکا اہلِ طلاق نہیں، نہ اس کے دئے سے طلاق ہوسکتی ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے، بلوغِ پسر سے پہلے جو بوجہ مخالفت طلاق دلوالیتے ہیں محض باطل ہے، نہ اس کی عدت ہے نہ اس کے بعد دوسرے سے نکاح کسی طرح حلال ہوسکتا ہے، ہاں عاقل بالغ جو طلاق دے اگر قبل خلوت صحیحہ دی نصف مہر لازم آئے گا اور بعد خلوت صحیحہ دی تو پھر پورا مہر، عدت کے اندر نکاح محض باطل ہے وہ نکاح ہی نہ ہوگا اگرچہ عدت تک اس دوسرے مرد سے جدا رہے، بعد ختم تحصیل زوجیت کے لئے دوبارہ نکاح فرض ہوگا ورنہ زنا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: مسئولہ مولوی عبدالرشید صاحب مدرس اول مدرسہ اکبریہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ اگر تو میکے سے میرے گھر نہ آئی تو تجھ کو طلاق دے دوں گا، عورت دو برس اپنے میکے میں رہی، پھر اس عورت نے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح ثانی کرنے کا قصد کیا، شوہر نے کہا کہ میں نے تجھے طلاق نہیں دی تو نکاح کیسا کرتی ہے اگر مجھ کو سو [100] روپے دے تو میں تجھے طلاق دے دوں، عورت نے سو [100] روپے

دے دئے شوہر نے طلاق دے دی، اب اس پر عدت پوری کرنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور، اور اس کا دو برس خواہ دس برس شوہر سے جدا رہنا مسقط عدت نہیں ہو سکتا،

لاطلاق قولہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اللہ تعالٰی کا قول کہ "مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں" مطلق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵: ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے گھر بیمار ہے اور اس کی زوجہ اس حالتِ بیماری میں اس کے پاس ہے، زوجہ زید کی برضامندی اپنے شوہر کے اپنے گھر گئی اسی کو دوسرے روز پھر بلایا تو وہ عورت بلحاظ اس کے کہ میرا زیور وغیرہ نہ چھین لیں اور مجھ کو برا نہ کہیں نہ گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ زید درحالت اصلی کہا کرتا تھا کہ میں سفر کو لے جاؤں گا اور اس کے یعنی زوجہ کے والدین اس وجہ سے باہر جانے کے مانع ہوتے تھے کہ اس عورت یعنی زوجہ زید کو حمل تھا بوجہ زید کی زوجہ کے تکلیف کی غرض سے، اب وہ زید بیمار بعد تین دن کے مرگیا اور زوجہ زید کی اپنے والدین کے یہاں ہے بس وہ عدت کہاں ختم کرے اور دیگر یہ کہ اپنے شوہر کے یہاں بغرض نقصان اپنے مال یا اپنی جان بچانے کی وجہ سے وہاں جانا ناپسند کرتی ہے کہ مجھ کو میرے زوجہ کے متعلقین مار نہ ڈالیں یا میرا اسباب چھین لیں، پس اس صورت میں کیا حکم ہے اور مہر زوجہ کا کس کے ذمہ باقی ہے، اور یہاں تک اس کے والدین کو اندیشہ ہے کہ ہم باہر چلے جائیں گے تو شاید آبرو بچے ورنہ ناممکن، اور زوجہ زید اب تک حالتِ حمل میں ہے یعنی حمل اس کو قریب چھ ماہ کا ہے، ان صورتوں میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوجہ پر فرض ہے کہ اپنے شوہر کی خبر مرگ سنتے ہی فوراً اس کے گھر چلی جائے اور وضع حمل تک وہیں رہے اور غلط عذر درمیان میں نہ لائے، ایسا خیال بہت ناقابل قبول ہے کہ قتل کر دی جائے گی، رہا مال اسے ساتھ نہ لے جائے، اپنے ساتھ اپنے اقارب سے کسی کو رکھے جس سے حفاظت متوقع ہو، ہاں اگر

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

کوئی صورت ممکن نہ ہو اور واقعی سچا اندیشہ جان کا ہے جس کا تدارک اس کے قابو میں نہیں تو نہ جانے کے لئے عذر صحیح ہے، اور اللہ تعالٰی صحیح وغلط سب کو خوب جانتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از ملک موضع مہمانیہ سیری رامپور ضلع باریسال مرسلہ عبدالحمید صاحب ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اینکہ زینب نابالغہ راکہ سنش بہ نہ سال نہ رسیدہ است وتخمیناً مدت نکاحش بدوسال رسیدہ زوجش طلاق دادہ خواہر زینب رازوج زینب بعد یکروز یا دو روز نکاح کرد حالانکہ زوج زینب می گوید کہ زینب را قبل دخول طلاق دادہ پس اکنوں نکاح کردن زوج زینب خواہر زینب را پیش از گزشتن عدت طلاق زینب موجب شرع شریف درست باشد یاچہ؟ اگر نکاح مذکور زوج زینب را روا باشد پس عباراتِ درمختار وردالمحتار ودیگر کتب کہ عدت مطلقہ صغیرہ کہ سنش بہ نہ سال نہ رسیدہ است سہ ماہ است بلاقید دخول وبعد دخول آمدہ است مطالب آنہا چہ؟ **بینوا توجروا۔**	سوال یہ ہے کہ زینب نامی لڑکی جس کی عمر ابھی نو سال نہیں ہوئی اس کا نکاح اندازاً دو سال قبل ایک شخص سے ہوا تو اس کے خاوند نے اسے طلاق دے کر ایک دو دن بعد اس کی بہن سے نکاح کرلیا جبکہ زینب کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح بموجبِ شرع شریف درست ہوا یانہیں، اگر نکاح مذکور درست ہوا ہے تو پھر درمختار وردالمحتار اور دیگر کتب کی یہ عبارت کہ نابالغہ لڑکی جس کی عمر نو سال سے کم ہو اس کی عدت تین ماہ ہے جس میں دخول کے بعد یا قبل کی کوئی قید مذکور نہیں ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟ بیان کیجئے اور اجر حاصل کیجئے۔

الجواب:

اگر میان زن شو خلوت واقع شدہ بود اگرچہ خلوت فاسدہ باشد بعد ازاں شوہر بالغ آں دختر ہفت یا ہشت سالہ را طلاق داد عدت سہ ماہ واجب است ونکاح باخواہرش قبل انقضائے عدت ناجائز وحرام، اگر خلوت ہم نشدہ بود البتہ از عدت اثرے نیست واز بعد طلاقش خواہرش را بزنی تواں گرفت **قال اللہ تعالٰی فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا**[1] درکتب مذکورہ	اگر زینب اور اس کے خاوند میں خلوت صحیحہ یا فاسدہ ہوچکی ہو تو اس کے بعد طلاق دی ہو اگرچہ زینب کی عمر سات یا آٹھ سال ہو تو عدت واجب ہے اور اس کی عدت گزرنے سے قبل اس کی بہن سے نکاح ناجائز ہے۔ اور اگر خلوت نہ ہوئی ہو تو پھر زینب پر کوئی عدت نہیں ہے اور اس کو طلاق دینے کے بعد اس کی بہن سے نکاح جائز ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا تمہارے حق میں دخول سے قبل مطلقہ

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۹

حکم عدت را مطلق نگزاشتہ اند بلکہ سابقًا ولاحقًا دو جا مقید بدخول یعنی **ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ**[1] داشتہ اند، عبارت تنویر الابصار ودر مختار بالتقاط واختصار این ست **العدۃ سبب وجوبھا النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراہ من موت او خلوۃ، وھی فی حق حرۃ تحیض بعد الدخول حقیقۃ او حکما ثلث حیض، وفی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا او کبر ثلثۃ اشھران وطئت فی الکل ولوحکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ**[2] (ملخصًا) دررد المحتار ست **قولہ فی الکل یعنی ان التقیید بالوطی شرط فی جمیع مامر من مسائل العدۃ بالحیض و العدۃ با لاشھر کما افادہ سابقا بقولہ راجع للجمیع**[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیویوں پر عدت نہیں ہے جس کو تم شمار کرو۔ کتب مذکور میں نابالغہ کی عدت کو عام قرار نہیں دیا گیا بلکہ اس سے قبل اور بعد دونوں جگہ عبارت دخول کی قید سے مقید ہے اگرچہ وہ دخول حکمی ہو جیسے خلوت خواہ فاسد ہی کیوں نہ ہو تنویر الابصار اور در مختار کی عبارت ملتقطًا اور اختصارًا یوں ہے عدت کے وجوب کا سبب نکاح جو رخصتی یا اس کے قائم مقام موت یا خلوت سے پختہ ہوتا ہے اور وہ عدت آزاد حیض والی عورت کے لئے اس سے دخول حقیقی یا حکمی کے بعد ہو تو تین حیض ہے، اور جو عورت حیض والی نہ ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، یہ تمام بیان مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ دخول حکمی ہو، جیسے خلوت اگرچہ فاسدہ ہو (ملخصًا) اور ردالمحتار میں اس پر یوں ہے ماتن کا قول "فی الکل" یعنی وطی شرط ہے تمام مذکورہ مسائل عدت میں خواہ حیض والی کی عدت ہو یا مہینوں والوں کی، جیسا کہ ماتن اس کو پہلے بیان کرچکے ہیں اس قول کے ساتھ کہ "یہ سب کو شامل ہے" (یعنی عدت بالحیض وعدت بالاشہر دونوں کو شامل ہے)۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اب

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۵۶-۲۵۵

[3] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۲

تاوقتیکہ عدت پوری کرے، نان نفقہ آیا زید کے ذمہ ہے یا وارث ہندہ کے؟اور وہ مکان جس میں ہندہ اپنی عدت پوری کرے زید پر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تمام عدت تک نان نفقہ زید کے ذمہ ہے اور زید ہی کے مکان میں عدت پوری کرے جبکہ قبل از طلاق وہی مکان اس کے رہنے کا تھا اگرچہ علاج کے لئے چند ماہ پیشتر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی تھی **کما قال لی السائل بلسانہ** (جیسا کہ سائل نے خود اپنی زبان سے مجھے بیان کیا ہے۔ت) اور یہ طلاق کہ بطریق خلع واقع ہوئی تھی **کما بین ایضا** (جیسا کہ اس نے یہ بھی کہا۔ت) بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں اسے جگہ دے اور بوجہ زوال نکاح اس سے پردہ کرے، اور اگر زید ظلمًا اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرایہ کا ہو تو اختتام عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے، اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بتائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ فورًا اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہر گز اس سے باہر نہ آئے۔

فی الخانیۃ المعتدۃ عن الطلاق تستحق النفقۃ والسکنی کان الطلاق رجعیا او بائنا او ثلثا[1] الخ. وفی الدرالمختار طلقت او مات وھی زائرۃ فی غیر مسکنھا عادت الیہ فورا لوجوبہ علیھا وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ(ھو ما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ الخ شامی) ولایخرجان منہ الا ان تخرج(وشمل اخراج الزوج ظلما الخ شامی فتخرج لاقرب موضع الیہ وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلاتخرج	خانیہ میں ہے کہ طلاق کی عدت والی نفقہ اور سکنٰی کی مستحق ہے خواہ طلاق رجعی یا بائنہ یا تین طلاقوں والی ہو الخ اور در مختار میں ہے عورت جب گھر سے باہر کسی کو ملنے گئی ہو اور اس دوران اس کو طلاق ہو جائے یا خاوند فوت ہو جائے تو فورًا گھر واپس آجائے کہ یہ اس پر واجب ہے، اور دونوں یعنی طلاق اور موت کی وجہ سے عدت والی عورتیں اس گھر میں عدت بسر کریں جس گھر میں عدت واجب ہوئی ہے (یہ وہ گھر ہے جو فرقت سے قبل ان کی رہائش کے لئے منسوب ہے الخ شامی) اور وہ اس گھر سے منتقل نہ ہوں الّا یہ کہ ان کو جبرًا نکالا جائے (اس میں خاوند کا ظلمًا نکالنا بھی شامل ہے الخ شامی) موت کی عدت والی کو

[1] فتاوی قاضی خاں فصل فی نفقۃ العدۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۰

منه شامی [1] اھ ملخصًا. واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مجبورًا نکلنا پڑے تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے اور طلاق کی عدت والی خاوند جس مکان میں چاہے وہاں منتقل ہو جائے (اور جب دوسرے مکان میں منتقل ہو تو پھر وہی اصل مسکن کے حکم میں ہوگا لہٰذا عورت وہاں سے نہ نکلے الخ شامی) ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۸: ۷ ۲رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دی ایک جلسہ میں تین مرتبہ سامنے دو شخص نمازیوں کے، اور وہ عورت حاملہ بھی تھی، اب زید اپنے گھر سے اس کو نکال دے یا نہیں، یا اپنے گھر میں اس کو رکھے اور کھانے کو اس کو دے اور کب تک اس کو کھانے کو دے، اور زید نے تکرار زن وشوہر کے سبب سے طلاق دی تھی، اب دونوں رضامند ہیں، اب زید چاہتا ہے کہ پھر گھر میں رکھے، اب سائل کا سوال علمائے دین سے یہ ہے کہ از روئے قرآن وحدیث کیا حکم ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور امام ابن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک شرع شریف سے کیا حکم ہے؟

الجواب:

تین طلاقیں ہو گئیں، چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے، اب وہ بغیر حلالے اس سے نکاح نہیں کرسکتا، یہی حکم قرآن وحدیث کا ہے وہ عدت تک یعنی بچہ ہونے تک گھر میں رہے گی اور روٹی کپڑا زید کو دینا ہوگا مگر بالکل غیر واجنبی عورت کی طرح رہے اس سے پردہ کرے،

قال اللہ تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدت والی عورتوں کو وہاں رہائش دو جہاں تم خود رہائش رکھتے ہو اپنی حیثیت کے مطابق، اور ان کو تنگی دے کر ضرر مت پہنچاؤ، پھر اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو خرچہ دوتاوقتیکہ وہ بچے کو جنم دیں۔ (ت)

صورت حمل میں یہی مذہب چاروں ائمہ کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار فصل فی الحداد دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۱، درمختار فصل فی الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۶

مسئلہ ۷۹: از محلّہ مرداد مرسلہ حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب (سابق پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) ۲۶ شوال ۱۳۱۸ھ

عالم اہلسنت فاضل بریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقائکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، زید نے اپنی بی بی کو طلاق بائن دی اور بعد ایک مہینہ کے مرگیا، اب اس کی بی بی کتنی مدت بعد عقد ثانی کرے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مطلقہ اگر حاملہ تھی تو عدت حمل ہے مطلقاً، اور اگر حمل نہ تھا تو طلاق مذکور اگر شوہر نے اپنی صحت میں دی یا برضائے زوجہ مرض الموت میں دی تو عدت تین حیض ہے، موت شوہر سے نہ بدلے گی، اور اگر طلاق بائن مرض الموت میں بے رضائے زن دی تو تین حیض، اور چار مہینے دس دن سے جو مدت دراز تر ہے وہ عدت ہے یعنی چار ماہ ودہ روز بعد موت گزرنے سے پہلے طلاق کے بعد تین حیض کامل ختم ہوجائیں تو بعد مرگ چار ماہ دس یوم انتظار کرے، اور اگر مرگ شوہر پر چار مہینے دس دن ہوگئے اور ہنوز بعد طلاق تین حیض کامل نہ ہوئے تو تین ۳ حیض کامل ہونے تک منتظر رہے،

فی ردالمحتار ابانہا فی مرضہ بغیر رضاھا بحیث صارفارا و مات فی عدتہا فعدتہا ابعد الاجلین، ولو ابانہا برضاھا بحیث لم یصر فارا، تعتد عدۃ الطلاق فقط، ولوطلقہا بائنا فی صحتہ ثم مات لاتنتقل عدتہا اتفاقا اھ[1] ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے خاوند نے اپنی مرض الموت میں بیوی کی مرضی کے بغیر طلاق دے دی عورت کے وارث بننے سے فرار اختیار کرتے ہوئے پھر وہ خاوند مطلقہ بیوی کی عدت میں فوت ہوجائے تو ایسی صورت میں عورت کی عدت، موت یا طلاق کی عدت میں سے جو بھی طویل ہو وہی قرار پائے گی۔ اور اگر مرض موت میں عورت کی رضامندی سے طلاق دی ہو کہ اس سے وہ عورت کے وارث ہونے سے فرار اختیار کرنے والا نہ ہوگا تو ایسی صورت میں عورت کی فقط طلاق والی عدت ہوگی، اور اگر خاوند نے اپنی صحت میں طلاق بائنہ دی ہو پھر بیوی کی عدت کے دوران خاوند فوت ہوجائے تو اس صورت میں بالاتفاق طلاق والی عدت ہوگی اور موت کی وجہ سے عدت تبدیل نہ ہوگی اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۵

مسئلہ ۸۰: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ والدین ہندہ سنی المذہب نے ہندہ سنی المذہب کا نکاح زید شیعہ مذہب سے (جو پورا پورا عقائد مجتہدین حال لکھنؤ کا پیرو تھا جناب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو سوائے سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تمام انبیائے سلف سے افضل جانتا اور قرآن مجید کو ناقص اور محرف مانتا) بوجہ کفو وبرادری کے کردیا، زید قبل از عقد مرض الموت مریض تھا بعد عقد اور اشتداد ہوا کہ روز وشب میں گاہ گاہ لمحہ بھر کو ہوش آتا اس باعث سے خلوت صحیحہ نہ ہوسکی صرف اتنا ہوا کہ ہندہ کی چچی ہندہ کو بوقت شام زید کے پاس لے گئی اس کے قریب جو چوکی بچھی تھی اس پر بٹھادیا، زید کو اس وقت اتنا ہوش آیا تھا کہ اس نے ہندہ کے منہ پر سے ہاتھ اٹھانے کا قصد کیا مگر ہاتھ لگاتے ہی کثرت ضعف و بیہوشی سے زید کا ہاتھ گر پڑا، یہ حال دیکھ کر اس کی چچی کہ کچھ دور علیحدہ کھڑی دیکھی رہی تھی آئی اور ہندہ کو اٹھالے گئی، اس کے بعد کبھی نوبت ایک دوسرے کو دیکھنے کی بھی نہ آئی کہ زید سات آٹھ روز میں مرگیا، والدین نے ہندہ کا نکاح بکر سنی المذہب کے ساتھ نیز کفو وبرادری تھا چار مہینے دس دن گزرنے سے پہلے کردیا، ۱۵ ذی الحجہ کو زید سے نکاح ہوا تھا ۲۱ ذی الحجہ کو زید مرگیا، ۱۷ ربیع الثانی کو ہندہ کا نکاح بکر سے ہوا، عدت میں ۱۴ روز کم تھے، اب ہندہ صاحب اولاد ہے، بعض لوگ اولاد ہندہ کی صحت نسب پر معترض ہیں کہ بکر نے یہ نکاح عدت کے اندر ہی کرلیا، اس صورت میں بعد نظر عمیق ان مراتب کا جواب عنایت ہو کہ زید وہندہ کا عقد صحیح ہوا تھا یا نہیں؟ ہندہ پر بوجہ عدم صحت نکاح یا عدمِ وقوع خلوت صحیحہ کے بعد مرگ زید عدت موت واجب تھی یا نہیں؟ عقد ثانی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عقد ثانی بلاتامل صحیح اور اس سے جو اولاد ہوئی بلاوجہ صحیح النسب ہے، عدت موت چار مہینے دس دن ہونے کے لئے اگرچہ خلوت وغیرہ کسی بات کی حاجت نہیں غیر حاملہ عورت پر مرگ شوہر سے عدت لازم آتی ہے،

فی الدرالمختار العدۃ للموت اربعۃ اشھر و عشرا بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت مطلقا وطئت اولا، ولو صغیرۃ فلم یخرج عنھا الا الحامل[1]۔	درمختار میں ہے کہ موت کی وجہ سے عدت مطلقاً چار ماہ دس دن ہوگی بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو، بیوی سے وطی ہوئی یا نہ، بیوی اگرچہ نابالغہ ہی کیوں نہ ہو، اس ضابطہ سے صرف حاملہ عورت کی عدت مختلف ہوگی۔(ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶

مگر عدت تو منکوحہ پر ہوتی ہے ہندہ وزید میں باہم نکاح ہی اصلًا نہ تھا کہ جب زید مثل عام روافض زمانہ ان عقائد کفر کا معتقد تھا تو قطعًا کافر مرتد تھا، عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم (وعد بعض عقائدھم المکفرۃ وقال) وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[1]	رافضیوں کو کافر قرار دینا ضروری ہے ان کے عقائد کی بابت (یہاں روافض کے بعد عقائد کفریہ ذکر کرکے ہندیہ میں فرمایا کہ) یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے، اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ (ت)

اور مرتد مرد خواہ عورت کا نکاح کسی ملت ومذہب والے سے ہو ہی نہیں سکتا نہ مومنین سے نہ کفار سے نہ خود اسی کے ہم مذہبوں سے۔ ہندیہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولا کافرۃ اصلیۃ وکذٰلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط۔[2]	مرتد کو جائز نہیں کہ وہ مرتدہ، مسلمان یا کافرہ اصلیہ سے نکاح کرے، اور یونہی مرتدہ کا نکاح کسی سے بھی جائز نہیں، جیسا کہ مبسوط میں ہے (ت)

تو ہندہ اگرچہ زید کی حیات ہی میں بلاطلاق اسی وقت اپنا عقد بکر سے کرلیتی جب بھی جائز وصحیح تھا۔ (جواب ناقص ملا)۔

مسئلہ ۸۱: ازمارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ محبوب علی صاحب ۱۰/ شوال المکرم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے شوہر زید کی حیات میں جس کی طلاق ثابت نہیں عمرو نامی سے بطور عاشقی کے دوسرے شہر میں جاکر عقد نکاح کیا، اس کے تھوڑے ہی دن بعد شوہر سابق مر گیا، بعد مرنے کے چار برس تک عورت عمرو کے قبضہ میں رہی بطور زوجہ۔ ایک روز باہم نااتفاقی اور لڑائی کے عمرو نے عورت کو طلاق بائن دی اور کئی روز تک کہا کہ میں نے طلاق دی اور ایک جلسہ میں دس پانچ دفعہ کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور پندرہ روز تک علیحدہ رہا۔ اب بباعث عشق باہمی کے عورت اور عمرو چاہتا ہے کہ پھر تجدید نکاح کی ہونی چاہئے، اور عذر کرتا ہے کہ جب بغیر طلاق شوہر سابق کے نکاح ہی نہیں ہوا تو طلاق کیا چیز ہے اور عمرو مسجد میں مؤذن ہے اہل اسلام اس کو تجدید نکاح سے روک

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ باب فی المحرمات بالشرك نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ مرنے شوہر سابق اور گزرنے عدت سے وہ نکاح ہی قائم ہو گیا کہ جس کی وجہ سے تیری زوجیت پانچ سال رہی ورنہ کیا آج تک تونے اس سے حرام کیا ہم تجھ کو مسجد سے نکال دیں گے جب تک حلالہ نہ ہو جائے، جب تک نکاح جدید نہ ہو جائے عورت تجھ پر حرام ہے، اور علاوہ اس کے عمرو غیر کفو بھی ہے، اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں آیا نکاح جدید کیا جائے یا بعد حلالہ کے عورت سے نکاح جائز ہوگا، اور اگر اس عورت سے عمرو خلافِ شرع کوئی فعل کرے تو مؤذن بنانا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید کی حیات میں بے طلاق عورت نے عمرو سے نکاح کرلیا پھر بعد موتِ زید وانقضائے عدت وفات عمرو کے ساتھ نکاح جدید نہ کیا بلکہ اسی نکاح باطل پر قائم رہی تو وہ ہرگز زن و شوہر نہ تھے بلکہ زانی وزانیہ تھے، طلاقیں کہ عمرو نے دیں محض لغو تھیں، حلالے کی کوئی حاجت نہیں، صرف نکاح از سرِ نو کرلینا کافی ہے جبکہ عمرو قوم یا مذہب یا پیشے وغیرہ میں عورت کے اولیاء سے ایسا کم نہ ہو کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے زن کے لئے باعث ننگ وعار ہو یا ایسا کم ہے تو عورت کے ولی نے پیش از نکاح عمرو کو ایسا جان کر اس سے نکاح زنِ مذکور کی صریح اجازت دے دی یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان تینوں صورتوں میں نکاح ہو جائے گا ورنہ عمرو ایسا کم رتبہ ہے اور عورت ولی رکھتی ہے اور ولی پیش از نکاح اس کی کم رتبگی پر مطلع ہو کر اجازت نکاح نہ دے تو عورت کا عمرو سے نکاح کسی طرح نہیں ہوسکتا۔ عمرو جب تک تائب ہو کر بحال جواز نکاح، نکاح نہ کرے یا عورت سے صاف جدا نہ ہو جائے ہرگز مؤذن نہ بنایا جائے وہ فاسق معلن ہے اور فاسق اس عہدہ دین کے لائق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: از موضع کرگینا مرسلہ امام بخش علی بخش ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مٹھو لوہار کی عورت بیوہ تھی ۱۴ مہینے سے، چند روز بعد کچھ عورتوں نے شناخت کیا کہ یہ حاملہ ہے، اس سے دریافت کیا تو اس نے کہا اپنی تنہائی میں زبردستی عظیم اللہ قوم نداف نے میرے ساتھ یہ کام کیا میں حاملہ ہوئی، تو بعد کو لوگوں نے عورت کو بند کردیا حفاظت اس کی کی، بعد کو جب لڑکا پیدا ہوا تو نکالدیا وہ چلی گئی اور عظیم اللہ نے عوام میں مشہور کیا کہ لڑکا میرا ہے، بستی والوں نے اس کو بند کردیا، عورت کو نکال دیا، اب ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

ان کے لئے سخت سزا کا حکم ہے مگر یہاں کون سزا دے سکتا ہے یہی سزا کافی ہے کہ برادری سے خارج رکھے جائیں۔ رہا لڑکا، اگر مٹھو کے مرنے سے دو برس بعد پیدا ہوا یا چار مہینے دس دن بعد عورت نے

اقرار کرلیا تھا کہ وہ عدت سے فارغ ہوگئی تو ان دو صورتوں میں وہ لڑکا مجہول النسب ہے اور اگر عدت سے فارغ ہونے کا اقرار نہ کیا تھا اور مٹھو کے مرنے سے دو برس کے اندر لڑکا پیدا ہوا تو لڑکا مٹھو کا ہے وہ نداف جھوٹا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۳: از رانچی محلّہ اوپر بازار مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ۸ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

اگر معتدہ غیر سے بصورت لاعلمی کوئی شخص نکاح کرے اور تمتع کرے اور بصورت علم اس سے کنارہ [عـــه] کیا یہ تمتع داخل زنا ہوگا یانہیں؟

الجواب:

جبکہ اسے معلوم نہ تھا اور جس وقت معلوم ہوا فوراً جدا کردیا تو اس کے حق میں کسی طرح زنا نہیں، زنا ہونا درکنار اس پر کوئی الزام بھی نہیں البتہ وہ وطی واقع میں ضرور وطی حرام تھی اور اثم مرفوع، **کمانصواعلیه وذٰلك لان الجهل فی موضع الخفاء عذر مقبول** (جیساکہ اس پر نص ہے اور یہ اس لئے کہ پوشیدہ مقام پر جہالت عذر مقبول ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۴: از شہر مرسلہ نواب نثار احمد صاحب مورخہ ۳۰ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا ایک موضع میں رہتا تھا وہاں کوئی طبیب نہیں ہے، پس اس کی زوجہ ایام عدت ہی میں بوجہ علالت اپنی دختر نیز اپنے بچوں خورد سال کے واسطے علاج کے کسی دوسری جگہ جاسکتی ہے یانہیں اور نبض کسی حکیم کو دکھا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

نبض بضرورت دکھا سکتی ہے اور دوسری جگہ اس طور پر جاسکتی ہے کہ رات کا اکثر حصہ شوہر ہی کے مکان میں گزارے، اور اگر اسی مکان میں ممکن ہو تو یہ بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور پنجاب مرسلہ منشی محمد علی ارم ۶ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام عدت طلاق یا مرگ میں نکاح ہوجائے تو از خود فسخ ہے یا اعادہ طلاق کی ضرورت ہوگی عدت پہلی ہی رہی یا جدید، اور دانستہ ایسا نکاح پڑھانے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے مرد وزن دونوں پر اس کا ترک فرض ہے مرد کہے میں نے اس

عـــه: کرم خوردہ تھا۔

نکاح کو ترک کیا خواہ اس سے کہہ دے، اور دونوں نہ مانیں تو حاکمِ شرع جبراً تفریق کردے بس یہ ترک یا تفریق ہی کافی ہے طلاق کی حاجت نہیں، اس دوسرے شخص نے اگر اس سے قربت نہ کی تو عدت وہی پہلی ہے ورنہ دوسری بھی لازم آئی دونوں ایک ساتھ ادا ہوتی جائیں گی اخیر میں جو باقی رہے گی پوری کرلی جائے گی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از شہر محلّہ بھوڑ مسئولہ شیخ نتھے ۹رجب ۱۳۳۸ھ

ایک لڑکی جسے طلاق ہوئے ایک مہینہ نہیں ہوا تھا دوسری جگہ ایک حافظ سے نکاح ہوا وہ پیش امام ہے، یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور اس میں جو لوگ شریک ہوئے ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر وہ لڑکی اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور حاملہ نہ تھی کہ اس مہینہ کے اندر بعد طلاق بچہ پیدا ہوگیا ہو اس کے بعد نکاح ثانی ہوا ہو تو یہ دوسرا نکاح عدت کے اندر ہوا اور محض حرام حرام ہوا اور میں قربت خالص زنا، اگر جس کے ساتھ زنا ہوا اسے خبر تھی کہ یہ مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہ گزری جان کر نکاح کرلیا تو اشد فاسق و فاجر ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور اسے امام بنانا گناہ۔ یونہی اگر معلوم نہ تھا اور اب معلوم ہوا اور فوراً جدا نہ ہوگیا جب بھی اس پر یہی احکام ہیں اور جو لوگ دانستہ اس حرام نکاح میں شریک ہوئے اور کھایا پیا وہ بھی سخت گنہگار ہوئے اور وہ حرام کھانے والے ہوئے ان سب پر بھی توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۷: از چھٹن شاہ ۲۸رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اس کی عورت کو زید تین ہفتہ کے اندر لے گیا، زید رہنے والا دیس کا تھا اسلئے اس عورت سے نکاح کیا وہ عورت راضی نہیں تھی ایک ماہ کے اندر چلی آئی اب اس کا نکاح اور جگہ کیا جائے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ نکاح حرام محض ہوا، پھر اگر زید نے اس سے صحبت نہ کی تو وفات شوہر سے چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرسکتی ہے، اور اگر زید صحبت کرچکا تو ان پر فرض ہے کہ جدا ہوجائیں اور عورت تین حیض کا انتظار کرے، اگر تین حیض اسی چار مہینے دس دن کے اندر گزر جائیں تو چار مہینے دس دن کے بعد نکاح کرلے، اور اگر ابھی تین حیض اس جدائی کے بعد نہ گزریں تو انتظار اسی جدائی کے بعد اور کرے کہ تین حیض پورے ہوجائیں اور اس وقت دوسرے سے نکاح کرے، درمختار میں ہے:

اذا وطئت المعتدۃ بشبھۃ وجبت عدۃ	اگر عدت والی مطلقہ عورت سے شبہہ کی وجہ سے وطی

اخری وتداخلتا وعلیھا ان تتم العدۃ الثانیۃ ان تمت الاولٰی[1]۔	کرلی جائے تو اس عورت پر دوسری عدت ضروری ہے اور پہلی عدت کی بقیہ مدت دوسری میں شمار ہوجائے گی اور اگر پہلی عدت ختم ہوچکی ہو تو پھر دوسری عدت پوری کرے۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: از موضع پستوڑ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ فدا حسین صاحب ۲۹ رمضان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ عبدالرحمٰن نے مبلغ دوسوروپے مجھ سے لے کر بخوشی استعفاء دے دیا اپنی بی بی کو، اب اس میں نکاح ابھی ہوسکتا ہے یانہیں؟ یابعد عدت عورت کے، تین سال سے بیوی اپنی ماں کے مکان پر تھی اس اثناء میں خاوند استعفاء دے گیا۔

الجواب:

جب تک عدت نہ گزرے نکاح کا پیام دینا حرام قطعی ہے، اور وہ روپیہ کہ دیا رشوت تھا، دینا لینا دونوں حرام تھا۔ عبدالرحمٰن پر لازم ہے کہ وہ روپیہ فدا حسین کو واپس دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹: از قصبہ پکسر الورن ڈاکخانہ رسولپور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کہ اس کے شوہر نے عرصہ چار برس سے اس کو اپنے گھر سے نکال دیا ہے اور طلاق نہیں دی، اور اس اثناء میں وہ زنا سے حاملہ ہوچکی ہے اب اس کا شوہر انتقال کرگیا ہے مگر عدت پوری نہیں ہوئی ایسی حالت میں جبکہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے عدت کے اندر نکاح جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے، اور جب یہ حمل حیاتِ شوہر سے ہے شرعًا شوہر کا ہے اور جب تک وضع نہ ہو عدت ہی میں ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]، وقال تعالٰی وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ نکاح والے کی طرف ہی منسوب ہوگا اور زانی نسب سے محروم ہوگا، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حمل والی عورتوں کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۶
[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/۴۰۹
[3] القرآن الکریم ۶۵/۴

مسئلہ ۹۰: ۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دی اور عمرو نے اس کے دوسرے دن یا اسی دن ہندہ سے نکاح کرلیا، یہ نکاح جائز ہے یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے ظاہر ہوا کہ شوہر اول اس عورت سے خلوت کرچکا تھا کئی سال کے بعد طلاق دی اور عورت کو حمل نہ تھا پس یہ نکاح کہ قبل گزرنے عدت کے دوسرے شخص سے ہوا اصلاً صحیح نہیں، ان دونوں پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں۔

قال اللہ تعالٰی وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مثلاً زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دی، اس نے بعد منقضی ہونے ایک ماہ یا دوماہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ نکاح بدون انقضائے عدت کے شخص اجنبی سے ہوا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کو اس شخص سے دعوی مہر اور وراثت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔)

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ معتدات بالحیض سے ہے پس صورتِ مستفسرہ میں اگر وہ نکاح ایک مہینہ بعد ہوا تھا بیشک فاسد کہ اس قدر مدت میں مضی عدت معقول نہیں، ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں، اور مہر مسمّٰی و مہر مثل سے جو کم ہوگا اس قدر پائے گی، اور اگر مہر مسمّٰی کچھ نہ تھا مجہول ہوگیا تو پورا مہر مثل لازم آئے گا۔

فی الدرالمختار ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطی لابغیرہ ولم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط، ولو کان دون المسمی لزم مہر المثل لفساد التسمیۃ بفساد العقد، ولولم یسم او جھل لزم	درمختار میں ہے اور نکاح فاسد میں صرف وطی کی وجہ سے مہر مثل واجب ہوتا ہے وطی کے بغیر نہیں، پھر وہ مہر مثل مقررہ سے زائد نہ ہوگا کیونکہ عورت مقررہ کم مہر پر راضی تھی، اور اگر مہر مثل مقرر مہر سے کم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا کیونکہ نکاح کے فساد کی وجہ سے مقررہ مہر فاسد ہوجاتا ہے، اور اگر مہر

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

بالغامابلغ [1] انتھی ملخصا وفیہ ایضا یستحق الارث برحم ونکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولا باطل اجماعا [2] انتھی ملتقطا۔	مقرر نہ کیا گیا ہو یا مقدار معلوم نہ ہوسکے تو پھر مہر مثل جتنا بھی ہو وہی لازم ہوگا اھ ملخصا اور اسی میں ہے کہ وراثت کا استحقاق رشتہ اور صحیح نکاح کی وجہ سے ہوتا ہے لہٰذا محض نکاح فاسد یا باطل کی بناء پر استحقاق وراثت بالاجماع نہ ہوگا اھ ملخصا(ت)

اور جو بعد گزرنے دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے ہوا اور ہندہ دعوی کرے کہ تین حیض کامل اس وقت تک گزر چکے اور عدت منقضی ہوگئی تھی تو قول ہندہ بقسم معتبر ہوگا، اگر ورثاء زوج ثانی اس کا خلاف گواہوں سے ثابت کردینگے تو حکم اس صورت کا بھی مثل صورت اولی کے ہے ورنہ جب ہندہ مضی عدت بحلف بیان کردے گی تو میراث و مہر دونوں پائے گی،

فی الدرالمختار قالت مضت عدتی والمدۃ تحتملہ وکذبھا الزوج قبل قولھا مع حلفھا والاتحتملہ المدۃ لا، لان الامین انما یصدق فیما لایخالفہ الظاھر، ثم لو بالشھور فالمقدار المذکور، ولو بالحیض فاقلھا للحرۃ ستون یوما [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: بیوی نے کہا میری عدت ختم ہوچکی ہے اور خاوند اس کو جھوٹا قرار دیتا ہے تو اگر مدت اتنی ہو جو عدت گزرنے کی گنجائش رکھتی ہے تو حلف لے کر عورت کی تصدیق کردی جائے گی، اگر وہ مدت ایسی نہیں تو پھر عورت کی تصدیق نہ کی جائیگی، کیونکہ کسی امین کی تصدیق ایسی صورت میں کی جاتی ہے جب ظاہر شواہد اس کے مخالف نہ ہوں پھر اگر عدت مہینوں کے حساب سے ہو تو تین ماہ عدت کے ہیں اور عدت حیض کے حساب سے ہو تو کم از کم آزاد عورت کے لئے ساٹھ دن عدت ہے (جس پر عورت کی تصدیق کی جائے گی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲: از شہر کہنہ مسئولہ ننھے ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو طلاق دی بعد طلاق تین یا چار یوم اس کا نکاح اور جگہ ہوگیا اور ایک یاڈیڑھ سال تک وہاں رہی بعد کو خاوند نے اس کو نکال دیا اس عورت نے تیسری جگہ نکاح کیا، اب یہ دریافت کرنا ہے کہ اس عورت کا دوسرا نکاح جو بعد طلاق بعد چھ یا چار یوم ہوا آیا جائز تھا یا

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲

[3] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۸

ناجائز؟اور تیسرا نکاح بھی اسی طرح جائز ہوا یا ناجائز؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل بیان کرتا ہے کہ عورت پہلے خاوند کے پاس رخصت ہو کر رہ چکی تھی اس کے بعد طلاق ہوئی اور طلاق کے بعد دوسرے نکاح سے پہلے عورت کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوا طلاق کے تین چار ہی دن بعد عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اس شخص کو بھی یہ سب حال معلوم تھا کہ ابھی طلاق کو تین چار ہی دن ہوئے پس اس صورت میں عورت کا یہ دوسرا نکاح حسب اختیار بحرالرائق محض زنا ہوا یہاں اس کی لڑکی بھی پیدا ہوئی پھر اس دوسرے شخص نے نکال دیا اور عورت نے تین چار ہی دن کے بعد تیسرے شخص سے نکاح کرلیا، یہ تیسرا نکاح صحیح وجائز ہوا کہ اب پہلے نکاح کی عدت گزر چکی تھی اور دوسرا نکاح نکاح ہی نہ تھا نرا زنا تھا اور زنا کے پانی کی شرع میں کوئی حرمت، نہ اس کے لئے عدت۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو اپنی ماں کہا اور ایک سال تک اسی زوجہ سے اس طور پر مفارقت رکھی کہ زوجہ کو اس کے والدین کے گھر بھیج دیا جب ایک سال گزر گیا تب زید نے بالفاظ صریح اپنی زوجہ کو طلاق دے دی، زوجہ نے بعد گزرنے ایک ہفتہ کے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا، پس یہ نکاح قبل انقضائے عدت جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

زوجہ کو ماں کہنا گناہ مگر اس سے طلاق نہیں ہوتی،

کمانص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر ثم العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وقد قال تعالٰی وَاِنَّهُمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ مُنۡكَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا[1] وفی الحدیث أ اختک ھی فکرہ ذٰلک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونھی عنہ[2]۔	جیسا کہ اس کو محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں پھر علامہ شامی نے ردالمحتار میں ذکر کیا ہے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ لوگ غلط اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور حدیث شریف میں بہن کہنے پر فرمایا: کیا یہ تیری بہن ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ناپسند فرماتے ہوئے یہی فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابو داؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۰۱، سنن الکبری باب مایکرہ من ذلک دار صادر بیروت ۷/ ۳۶۶

تو جس روز سے طلاق دی اس دن سے مطلقہ ہوئی اور پیش از انقضائے عدت نکاح قطعًا ناجائز حرام ہوا ان پر جدا ہو جانا فرض ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۴: مرسلہ رفیع الدین صاحب مختار ۲۵ شوال ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند بی بی کا نکاح بعمر گیارہ برس پیر خاں کے ساتھ ہوا، چاند بی بی بعد نکاح حسب دستور اپنے شوہر کے گھر آئی، ایک دو روز رہ کر ماں باپ کے گھر واپس گئی، بعد نکاح کے تین برس بعد بیوہ ہو گئی، مسماۃ مذکور کا نکاح ثانی عطاخاں کے ساتھ جس کی عمر چھ برس کی تھی بعد فاتحہ چالیسویں کے کر دیا، انتظار گزرنے عدت کا نہ کیا گیا، وقت نکاح ثانی چاند بی بی تخمینًا ۱۴، ۱۳ برس کی ہو گی، اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ بلاانتظار گزرنے عدت کے یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں؟ اور بیوہ کے بھائی اور ماں زندہ ہیں تو کس کی اجازت درکار ہے؟

الجواب:

جو عورت آزاد کسی عقد صحیح سے کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور موتِ شوہر تک وہ نکاح اپنی صحت پر باقی رہے، کوئی فساد اس میں عارض نہ ہو اور موتِ شوہر کے وقت عورت کو کسی طرح کا حمل ہونا ثابت نہ ہو تو عورت پر ہر حال میں خواہ مسلمہ ہو یا کتابیہ بالغہ ہو یا صغیرہ شوہر بالغ تھا یا صبی خلوت ورخصت ہوئی یا نہیں بہر صورت چار مہینے دس دن کا انتظار لازم ہوتا ہے، اس مدت کے گزرنے سے پہلے اس کا نکاح حرام و ناجائز ہے،

فی الدرالمختار العدۃ(للموت اربعۃ اشھرو عشرا) بشرط بقاء النکاح صحیحا الی الموت(ملتقطا)وطئت اولا، ولو صغیرۃ او کتابیۃ تحت مسلم ولو عبدافلم یخرج عنھا الاالحامل (ولو)کان (زوجھا) المیت (صغیرا)غیر مراھق[1] اھملتقطا۔	درمختار میں ہے موت کی وجہ سے عدت چار ماہ دس دن ہے بشرطیکہ موت تک نکاح صحیح رہا ہو مطلقًا، یعنی وطی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، اگرچہ عورت نابالغہ ہو یا کوئی کتابیہ عورت مسلمان کے نکاح میں ہو اگرچہ وہ مسلمان غلام ہی ہو سب کا حکم یہی ہے، اگرچہ خاوند اس قدر چھوٹا ہو جو بلوغ کے قریب نہ ہو فوت ہوا ہو اھ ملتقطا۔(ت)

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۵۶/۱

سائل مظہر کی چاند بی بی کا یہ دوسرا نکاح شوہر متوفی کے باپ نے اپنے بیٹے کی موت سے اکتالیسویں یا بیالیسویں دن اپنے دوسرے بیٹے صغیر السن کے ساتھ کر دیا تو یہ نکاح از آنجا کہ دیدہ و دانستہ عدت کے اندر کیا گیا محض باطل ہوا جسے نکاح ہی نہیں کہہ سکتے **کما ذکرہ فی البحر وعنہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ بحر میں اور اس سے ردالمحتار میں ذکر کیا گیا ہے۔ت) چار مہینے دس دن موت شوہر سے گزرنے کے بعد چاند بی بی اگر بالغہ ہو تو اسے خود ورنہ اس کے ولی کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کر دے، چاند بی بی کے اگر باپ دادا نہیں تو اس کا جوان بھائی حقیقی ولی نکاح ہے اس کے ہوتے ہوئے ماں کو اختیار نہیں **والمسائل ظاھرۃ وفی الکتب دائرۃ** (یہ مسائل ظاہر ہیں اور کتب میں مذکور چلے آرہے ہیں۔) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد متصل مسجد کانچ محلّہ جماپور مرسلہ مولٰنا عبدالرحیم صاحب ۳ صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تاریخ ۱۰ شعبان ۱۳۲۵ھ کو طلاق دی اور وہ عورت مدخولہ بہا تھی اور زوج ثانی نے اسی شعبان کی تاریخ ۲۹ کو نکاح کیا اور اس نے اپنی زوجہ کو اپنے مکان میں ۱۲، ۱۰ دن رکھ کر اس سے صحبت کی اس عرصہ میں اس کو حمل رہ گیا اب علماء نے اس کو فتوی دیا کہ نکاح عدت کے اندر ہوا ہے اس لئے فاسد ہوا، اب اس نے شوال کے تاریخ ۲۴ یا ۲۵ کو پھر دوبارہ عورت سے نکاح کیا، اب یہ نکاح شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ شق ثانی میں زوج شرعًا کیا کرے؟ **بینوا توجروا بیانا شافیا۔**

الجواب:

اگر عورت وقتِ طلاق حاملہ تھی اور ۲۹ شعبان کو جو زوج ثانی نے نکاح کیا اس سے پہلے وضع حمل ہو چکا تھا تو وہ نکاح صحیح ہوا اور عدت کے بعد ہی ہوا دوبارہ نکاح کی حاجت نہ تھی، اور اگر عورت کا وقتِ طلاق حاملہ ہونا ثابت نہ تھا تو یہ دونوں نکاح کہ شخص دوم نے کئے ناجائز و باطل ہیں کہ دونوں عدت کے اندر واقع ہوئے، پہلے کا عدت میں ہونا تو ظاہر کہ ۱۹ دن میں تین حیض نہیں گزر سکتے اور دوسرے کا یوں کہ جب زنِ مطلقہ عدت کے اندر حاملہ ہو جائے تو اب اس کی عدت اس حمل کے وضع تک ہو جاتی ہے، پس اس پر فرض ہے کہ عورت کو فورًا الگ کر دے، یہ حمل جواب ظاہر ہوا ہے اس کے وضع کا انتظار کرے، بعد وضع اس سے نکاح کر سکتا ہے،

فی ردالمحتار عن النھر الفائق عن البدائع اعلم ان المعتدۃ لو حملت فی عدتھا ذکر الکرخی ان	ردالمحتار میں نہر الفائق سے منقول ہے انہوں نے بدائع سے نقل کیا کہ واضح رہے کہ عدت والی دوران عدت اگر حاملہ ہو جائے تو امام کرخی کے قول کے

عدتها وضع الحمل ولم يفصل، والذی ذکرہ محمد ان هذا فی عدة الطلاق امافی عدة الوفاة فلاتتغير بالحمل وهو الصحيح [1] اھ اقول: ووجهه ظاہر ان عدة الوفاة بالاشهر والطلاق بالحيض والحيض يرتفع بالحبل فافهم، واللہ تعالٰی اعلم۔	مطابق اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے، امام کرخی نے اس کی تفصیل نہ فرمائی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے خود جو ذکر فرمایا اس کے مطابق یہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن اگر وفات کی عدت ہو تو پھر حمل کی وجہ سے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہے گی اور وفات والی عدت میں تبدیل نہ ہوگی، یہی صحیح مذہب ہے، اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر کہ وفات کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے اور طلاق کی عدت حیض کے حساب سے ہوتی ہے اور حیض حمل کی وجہ سے ختم ہوجاتا ہے، غور کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بابُ الحداد
(سوگ کا بیان)

مسئلہ ۹۲: مسئولہ محمد عنایت اللہ ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

حضرت مولوی تسلیم عرض، وہ لڑکی کہ بیوہ ہوگئی ہے میں اسے شاہجہان پور لے جانا چاہتا ہوں اس میں کیا حکم ہے ؟ اور ایامِ عدتِ وفات میں عورت بضرورت بھی دوسرے مکان یا دوسری جگہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ والسلام محمد عنایت اللہ

الجواب:

تا ختمِ عدت عورت پر اسی مکان میں رہنا واجب ہے، شاہجہان پور خواہ کسی جگہ لے جانا جائز نہیں، ہاں جس کے پاس کھانے پہننے کو نہیں اور ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے خورد ونوش کا سامان گھر میں بیٹھے نہیں کر سکتی تو وہ صبح وشام باہر نکلے اور شب اسی مکان میں بسر کرے دوسرے مکان میں چلے جانا ہر گز جائز نہیں، مگر یہ مکان اس کا نہ تھا مالکانِ مکان نے جبرًا نکال دیا، یا کرایہ پر رہتی تھی اب کرایہ دینے کی طاقت نہیں یا مکان گر پڑا یا گرنے کو ہے یا اور کسی طرح اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہے غرض اسی طرح کی ضرورتیں ہوں تو وہاں سے نکل کر جو مکان اس کے مکان سے قریب تر ہو اس میں چلی جائے ورنہ ہر گز نہیں درمختار میں ہے:

معتدۃ موت تخرج فی الحدیدین و تبیت اکثر اللیل فی منزلھا لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج، حتی لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلایحللھا الخروج فتح[1] اھ اقول فکذا اذا قدرت علی الکسب فی البیت من دون خروج فان المبیح ھی بالضرورۃ فبحیث لاضرورۃ فلا باحۃ وھذا واضح جدا۔	موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتی کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے، فتح اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کرکے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولاتخرجان منہ الاان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لاتجد کراء البیت ونحو ذٰلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی اور وہاں سے باہر نہ نکلیں الایہ کہ ان کو جبرًا نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو، یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر تھا عورت میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں تو قریب ترین مکان میں منتقل ہوجائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں خاوند اسے سکونت دے وہاں رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلّہ شاہ آباد متصل چاہ کنکر مسئولہ سید منصور علی صاحب ۱۵ شوال ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت جس کا خاوند مرگیا وہ ایام عدت میں اپنے کسی استحقاق وراثت کے استحکام کے واسطے باہر گھر سے جاسکتی ہے یا نہیں، اور اگر باہر جائے تو کس قدر عرصہ تک اور اس کے باہر جائے سے اس کے کسی حقوق میں فرق تو نہ آئے گا بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

[2] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

الجواب

سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مسکینہ ہے پانچ روپے کی ایک معاش کہ اس کے شوہر نے اسے لکھ دی تھی صرف وہی پاس رکھتی ہے اور اہلکار کچہری کو کمیشن دے کر بلانے کی استطاعت اصلًا نہیں اور اگر نہ جائے تو وہ جائداد اس کے نام نہ ہوگی اور وہ جگہ جہاں جانا چاہتی ہے اس کے مکان عدت سے صرف چھ میل دور ہے دن ہی دن میں جانا اور مکان میں واپس آنا ہو جائے گا رات یہیں آکر بسر کرے گی اگر بات یوں ہے تو صورت مذکورہ میں اسے جانا اور دن کے دن واپس آکر رات مکان عدت ہی میں بسر کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

معتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلها لان نفقتها علیها فتحتاج للخروج، حتی لوکان عندها کفایتها صارت کالمطلقة ولایحل لها الخروج فتح، وجوزفی القنیة خروجها لاصلاح لا بدلها منه کزراعة ولاوکیل لها[1]۔	موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے نکلے اور رات کا اکثر حصہ واپس اپنے مکان ہی میں بسر کرے کیونکہ اس کا اپنا خرچہ خود اس کے ذمہ ہے اس لئے وہ محتاج ہے کہ باہر نکلے حتی کہ اگر اس کے پاس کفایت کے مطابق خرچہ موجود ہے تو پھر یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر جانا جائز نہیں ہے، فتح۔ اور قنیہ میں اسے اپنی ضروری اشیاء کی اصلاح کے لئے نکلنا جائز قرار دیا ہے، مثلًا زراعت کی نگرانی کرنی ہے اور اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر ولابدان یقید ذلك بان تبیت زوجها[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نہر میں کہا ہے یہ قید ضروری ہے کہ رات کو خاوند والے گھر میں واپس آئے اور وہاں رات گزارے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از شہر روہیلی ٹولہ بریلی مسئولہ مسیت خاں ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا اس کی زوجہ کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اور نہ کوئی شخص ورثاء و متعلقین متوفی سے اس کے نان ونفقہ کا متکفل ہو بلکہ اشخاص مذکور کی جانب سے چور شارب الخمر تارك الصلوٰۃ قمار باز ہیں ونیز دیگر امور خلافِ شریعت کے مرتکب رہتے ہیں نسبت مسماۃ مذکور کے انعدام عصمت واتلاف مال ودیگر قسم کے

---

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

[2] ردالمحتار باب الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۲۰

فساد کا اندیشہ کامل و قوی ہے ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو مکان مسکونہ اپنا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ایام گزاری عدت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عدت موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا خود اپنے پاس سے کھائے پاس نہ ہو تو دن کو محنت ومزدوری کے لئے باہر جاسکتی ہے، چار مہینے دس دن وہیں گزار نا فرض ہے، اللہ عزوجل کے ادائے فرض میں حیلے نہ کئے جائیں وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ (اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ت) اگر اندیشہ واقعی و صحیح ہے بذریعہ حکومت بندوبست کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از پرانا شہر روہیلی ٹولہ بریلی مرسلہ احمد اللہ خاں صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ قوم حجام سے ہے اور ہمیشہ بوجہ حجامی باہر نکلتی ہے، ایسی صورت میں اس کو بایّامِ عدت دن میں اور شب میں باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام شب دوسرے مکان پر کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عدت موت کی ہے، پس اگر عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ چار ماہ دس دن گھر بیٹھ کر کھائے جب تو اسے نکلنا جائز نہیں ورنہ جتنے دنوں کھانے کا سامان رکھتی ہے اتنے دنوں اسے گھر بیٹھ کر کھانا لازم، اور پھر نکلنا جائز، رات اپنے گھر میں گزارے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: از شہر بریلی ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، ایک زوجہ حاملہ اور ایک لڑا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑیں، وہ ایک غریب آدمی تھا جس کے رہنے کو مکان بھی نہ تھا کرایہ کا مکان تھا مکان والے کا دو مہینہ کا کرایہ چاہئے وہ کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو، زوجہ زید کے پاس نہ کھانے پینے کو کچھ ہے اور نہ کرایہ مکان ادا کرنے کو، ایسی حالت میں زوجہ زید اندر میعاد عدت کے وہ مکان جس میں زید فوت ہوا چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جہاں سے ممکن ہو کرایہ ادا کرے اور عدت کے دن وہیں گزارے،

امرت بہ السائلۃ وھی ام المتوفی عنھا زوجھا فرضیت فعلمت انھا قادرۃ انما ذلك احتیال	جس کا خاوند فوت ہوگیا تھا یہ بات میں نے اس کی ماں سے کہی وہی سائلہ تھی تو اس بات پر وہ راضی ہوگئی تو میں نے معلوم کرلیا کہ عورت کرایہ اور نفقہ پر

للانتقال وکم جربنا مثل ذٰلک۔	قادر ہے، اور یہ بیان منتقل ہونے کا ایک بہانہ تھا اس بات کا تجربہ بارہا ہم کرچکے ہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھی فی دار باجرۃ قادرۃ علی دفعھا فلیس لھا ان تخرج بل تدفع[1]۔	اگر موت کی عدت والی کسی کرایہ کے مکان میں ہو اور کرایہ دینے پر قادر ہو تو اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں بلکہ کرایہ ادا کرے (ت)

درمختار میں ہے:

تعتدان معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ ولاتخرجان منہ الاان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا اولا تجد کراء البیت و غیر ذٰلك من الضروریات فتخرج لاقرب موضع الیہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں اسی مکان میں عدت بسر کریں جہاں عدت واجب ہوئی ہے الایہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا مکان کرایہ پر تھا عورت کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو، یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں جن سے مجبور ہو تو قریب ترین موضع میں منتقل ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱: یہ چند مسائل محمد میر خان صاحب پیلی بھیت کو ارسال فرمائے گئے۔ بتاریخ ۴ شعبان المعظم

عدت میں عورت کو یہ چیزیں منع ہیں: ہر قسم کا گہنا یہاں تک کہ انگوٹھی چھلا بھی مہندی، سرمہ، عطر، ریشمی کپڑا، ہار پھول، بدن یا کپڑے میں کسی قسم کی خوشبو، سر میں کنگھی کرنا، اور مجبوری ہو تو موٹے دندانوں کی کنگھی کرے جس سے فقط بال سلجھالے پٹی نہ جھکالے۔ پھلیل، میٹھا تیل، کسم، کیسر کے رنگے کپڑے، یونہی ہر رنگ جس سے زینت ہوتی ہوا گرچہ پڑیہ گیرو کا، چوڑیاں اگرچہ کانچ کی، غرض ہر قسم کا سنگار ختم عدت تک منع ہے۔ چارپائی پر سونا، بچھونا سونے یا بیٹھنے میں بچھانا منع نہیں۔

مسئلہ ۱۰۲: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ درمیان عدت کے عورت سے واسطے کرنے نکاح کے دریافت

---

[1] ردالمحتار باب الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۲۰

[2] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۰

کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

عدت میں نکاح کا پیام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اس کے گھر والے دریافت کریں کہ نکاح ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳: از شہر متصل جامع مسجد پیارے میاں معرفت عنایت خاں ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باہر تھی اور خبر انتقال شوہر سن کر آئی اور ایک مکان میں قیام کیا جس میں بیٹھک ہے اور ایک دروازہ صدر ہے لہذا ایام عدت میں بیٹھک سے مکان میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت گوالیار میں تھی اور وہاں سے آئی، شوہر کا مکان گاؤں میں، یہ وہاں نہ گئی بلکہ شہر میں ایک غیر شخص کے یہاں ٹھہری، اس کے بیٹھک اور زنانخانہ کیا پوچھنا اس سے سفر کرکے آنا حرام تھا اور غیر شخص کے یہاں ٹھہرنا حرام تھا، بیٹھک ہو یا زنانخانہ اسے حکم ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت پوری کرے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرگیا حالت نابالغی میں، عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی، زوجہ اس کی ہندہ ۱۳ سال کی، کوئی علامت بلوغت کی نہ تھی، بعد مرنے زید کے تین روز کے بعد زید کا باپ زید کی زوجہ کو اپنے مکان کو لے گیا، موضع سوڑا میں، اور وہاں لے جاکر ہندہ سے اسٹامپ لکھایا معافی مہر کا، دوچار روز رہ کر پھر اسی مکان پر آگیا جہاں زید کا انتقال ہوا تھا وہ مکان زید کی نانی کا تھا، اب زید کا باپ ہندہ کے باپ کو ہندہ کو دیکھنے نہیں دیتا، کہتا ہے بعد عدت یا عدت کے اندر میں ہندہ کا نکاح اپنی رائے سے کردوں گا اور ہندہ بیمار ہے جاڑا بخار آتا ہے، ہندہ کے باپ کو صدمہ ہوتا ہے کہ میں اس کا علاج کروں لیکن زید کا باپ نہیں بھیجتا نہ دیکھنے دے، ہندہ کے کسی رشتہ دار کو نہیں دیکھنے دیتا، ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ شریعتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بدلنے مکان کے وہی قید باقی رہی ہندہ کے ذمہ یا بدل گئی کیونکہ زید کا باپ ہندہ کو اس مکان سے اور مکان میں لے گیا دوچار روز رکھا اب ہندہ کا باپ چاہتا ہے کہ شریعت اجازت دے تو میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے آؤں اس وجہ سے کہ ہندہ کو زید کے سامنے تکلیف پہنچاتا تھا اب تو اور بھی زیادہ تکلیف پہنچی ہے ہندہ کو، لہذا سوال کا جواب عنایت فرمایا جائے، زید کی نانی کے مکان سے زید کے باپ

کا مکان چار کوس ہے۔

الجواب:

عدت کے اندر اسے دوسری جگہ لے جانا حرام تھا اور جب تک وہاں رکھا یہ بھی حرام ہوا مگر اس سے عدت جاتی نہ رہی موت سے چار مہینے دس دن تک شوہر ہی کے مکان پر رہنا پڑے گا اگر وہ نابالغہ ہے تو اس کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہوسکتا اور عدت کے اندر تو کوئی اس کا نکاح نہیں کرسکتا جو کرے گا باطل محض ہوگا عدت کے بعد ہندہ کے باپ کو اس کے نکاح کا اختیار ہے پدر زید کو کچھ اختیار نہیں کہ اگر یہ کردے گا پدر ہندہ کی اجازت پر موقوف رہے گا وہ رد کردے فوراً رد ہو جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۰۵: ۱۶ شوال ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور وہ غیر شہر میں جس مکان میں اس کا شوہر سکونت رکھتا تھا عدت میں ہے، لیکن بسبب نادانی اور غیر محرم کے وحشتناک ہو کر چاہتی ہے کہ والدین کے مکان میں جاکر رہوں، آیا اس کو شرع اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اوّلاً یہاں شرعاً واقع عذر سچی مجبوری دیکھی جاتی ہے **وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ** (اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے۔ت) خدا ہر ایک کا نہاں وعیاں سب جانتا ہے اگر ایام عدت تک وہاں رہنے میں کوئی خوف صحیح واندیشہ واقعی ہندہ کے مال یا جان ناموس پر نہیں، کوئی ضرر صحیح وہاں اتنے دن گزارنے میں نہیں یا ہے تو اس کا علاج اسے ممکن ہے مثلاً اسکے بعض اعزّہ محارم اس کے پاس رہ سکتے ہیں یا قابل اعتماد عورات کو ساتھ کے لئے رکھ سکتی ہے اگرچہ اجرت دے کر، تو اسے ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی، خوف میں شاید اور عجب نہیں کا لحاظ نہیں ہوتا خوف صحیح منشاء صحیح سے ناشی ہونا چاہئے نہ اس وحشت کا کچھ اعتبار جو کم عمری کا لازمہ ہے خصوصاً ایسے غم کی حالت میں جب تک وہ ایسی شدت پر نہ ہو جس سے نقصان صریح عقل وغیرہ پر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

ثانیاً اور اگر واقعی حالت مجبوری ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مکان سکونت سے قریب تر کون سے مکان ایسا ہے جس میں وہ اندیشہ وخطرہ نہ ہو، اگر اسی شہر میں کوئی دوسرا مکان قابل اطمینان اپنے کسی عزیز کا ہو تو وہاں چلی جائے، شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں بلکہ وہیں دو محلوں میں دو مکان قابلِ اطمینان ہوں ایک دور ایک پاس، تو دور والے میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر اس شہر میں نہ ہو مگر دوسرے شہر کہ بہ نسبت شہر والدین اور اس شہر سکونت سے قریب تر ہے میں کوئی مکان قابلِ اطمینان ہے تو وہیں جائے، ہاں اگر

سب صورتیں معدوم ہوں توالبتہ بحالت ضرر صریح ومجبوری محض اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

تعتدان ای معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولاتخرجان منه الاان تخرج او ینهدم المنزل او تخاف انهدامه او تلف مالها اولا تجد کراء البیت ونحو ذٰلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه وفی الطلاق الی حیث شاء الزوج[1]۔	موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی مکان میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہو، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں الایہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گرجائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور عورت کرایہ نہ پائے، اور دیگر ایسی ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو تو قریب ترین مکان میں منتقل ہوجائے، اور طلاق والی کو یہ حکم، ہے کہ جہاں خاوند انتظام کرے وہاں رہے۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتدة اذاکانت فی منزل لیس معها احد وهی لا تخاف من اللصوص ولامن الجیران ولکنها تفزع من امر المبیت ان لم یکن الخوف شدیدا لیس لها ان تنتقل من ذٰلك الموضع، وان کان الخوف شدیدا کان لها ان تنتقل کذافی فتاوی قاضی خاں[2]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	عدت والی عورت جب کسی ایسے مکان میں ہو کہ وہاں اس کے ساتھ کوئی نہ رہتا ہو اور چوروں یا پڑوسیوں سے خائف نہ ہو لیکن وہ عورت رات کو ڈرتی ہو، اگر یہ ڈر شدید نہ ہو تو عورت کو وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں، اور اگر یہ ڈر شدید ہو تو عورت کو پھر منتقل ہونا جائز ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ایسے ہی مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۰

[2] فتاوی ہندیہ الباب الرابع عشر فی الحداد نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۳۵

باب زوجۃ المفقود
(مفقود الخبر کی زوجہ کا حکم)

مسئلہ ۱۰۶: زوجہ عـــہ مفقود کے لئے چار برس کی مہلت کہ حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، جمہور ائمہ کرام اس کے خلاف پر ہیں، ادھر قرآن عظیم صاف صاف ارشاد فرمارہا ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] تم پر حرام ہیں وہ عورتیں جو دوسرے کے نکاح میں ہیں۔ اس عورت کا نکاح مفقود میں ہونا تو یقینا معلوم، اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک و موہوم، کیا آدمی اتنی مدت میں خواہ مخواہ مرہی جاتا ہے یا اس کی مرگ پر ظن غلبہ کرتا ہے یہاں تک کہ خود علمائے مالکیہ رحمہم اللہ تعالٰی اقرار فرماتے ہیں کہ اس چار سال کی تقدیر پر سواء تقلید امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ ہرگز نظر فقہی اس کے مساعد،

کما نقل العلامۃ الزرقانی فی شرح المؤطا عن الکافی انہا مسئلۃ قلد نافیہا	جیسا کہ علامہ زرقانی نے شرح المؤطا میں کافی سے نقل کیا کہ یہ وہ مسئلہ ہے جس میں ہم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

عـــہ: یہ مضمون مسئلہ ازاجین تک، مولوی ضیاء المصطفٰی صاحب نے کسی رسالہ سے نقل کرکے دیا اور مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم نے شامل کیا ۱۲

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

عمر ولیست مسئلة النظر [1]۔	کی تقلید کی ہے اور یہ نظری مسئلہ نہیں ہے (ت)

اور تمام ائمہ کہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا، ولہذا خود ائمہ مالکیہ در بارہ مال اس تقدیر چار سال کے قائل نہ ہوئے، حالانکہ یہ نہایت مستبعد ہے کہ آدمی مہلت چار سال کے بعد حقِ زوجہ میں مردہ ٹھہر کر اس کا مال ورثاء پر تقسیم نہ ہو، فاضل ابراہیم شرح انوار اردبیلی میں لکھتے ہیں:

نقض حکمه لمخالفته القیاس الجلی اذلایجوز ان یکون حیًا فی ماله ومیتا فی حق زوجه [2]۔	قاضی کا حکم کالعدم قرار دیا جائے گا کہ یہ ظاہر قیاس کے خلاف ہے کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا ہے مفقود شخص کو مال کے حق میں زندہ اور بیوی کے حق میں مردہ قرار دیا جائے۔ (ت)

تو نص قطعی و قضیہ یقینی کے خلاف ایک موہوم بات پر کہ حق مال میں بالاتفاق مقبول نہیں، کیونکر زنِ زید نکاح عمرو میں آسکتی ہے، ادھر احادیث حضور المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس مذہب کا کہیں پتا نہیں، بلکہ حدیث آئی ہے تو ہمارے ہی موافق آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

امرأة المفقود امرأته حتی یأتیها البیان [3]۔ رواه الدار قطنی فی سننه عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه۔	مفقود کی عورت اسی کی عورت ہے یہاں تک کہ اس کی موت کا حال ظاہر ہو۔ (اس کو دار قطنی نے اپنی سنن میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

امیر المومنین مولی المسلمین حضرت سیدنا علی المرتضی و کنیف العلم سید الفقہاء سند الائمہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما ہماری ہی طرف ہیں رواہ عنہما عبدالرزاق [4] فی مصنفه (اس کو عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں دونوں حضرات علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت) اور قوت بر قوت یہ کہ امیر المومنین امام العادلین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ پہلے قائل چار سال کے تھے بلکہ وہی پہلے قائل چار سال کے ہوئے بعدہ قولِ حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی طرف رجوع فرمایا،

کما ذکره فقیه الکوفة ابن ابی لیلی رحمه الله تعالٰی	جیسا کہ اس کو فقیہ الکوفہ ابن ابی لیلٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالك عدة التی تفقد زوجها المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ۳/۲۰۰
[2] شرح الانوار فصل القسم الثانی عدة الوفاة مطبعة الجمالیه مصر ۲/۲۱۲
[3] سنن الدار قطنی باب المهر حدیث نشر السنة ملتان ۳/۳۱۲
[4] مصنف عبدالرزاق باب التی لاتعلم مهلك زوجها حدیث ۰ مجلس علمی بیروت ۷/۹۰ و ۹۱

نقله المحقق فی الفتح[1]۔	نے ذکر فرمایا، یہ فتح القدیر میں محقق سے منقول ہے (ت)

تو وہ دلیل کہ مالکیہ کو اس قول پر حامل تھی یعنی تقلید فاروقی وہ بھی نہ رہی۔ اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ارشد تلامذہ امام مالک ہیں پہلے قولِ امام مالک کے قائل تھے پھر ہمارے ہی قول کے طرف رجوع لائے، اور وہی ان کے مذہب میں راجح قرار پایا،

کمافی میزان الشریعة الکبری، ورحمة الامة فی اختلاف الائمة، وهذا لفظهما اختلفوا فی زوجة المفقود فقال ابوحنیفة والشافعی فی الجدید الراجح و احمد فی احد روایتیه لاتحل للازواج حتی تمضی مدة لا یعیش فی مثلها غالبًا[2]۔	جیسا کہ میزان الشریعۃ الکبری اور رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ میں ہے، یہ الفاظ دونوں سے متفق ہیں کہ مفقود کی بیوی کے متعلق فقہاء نے اختلاف کیا ہے، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے جدید راجح قول اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق اس کو دوسرا نکاح حلال نہیں حتی کہ گم شدہ اتنی عمر میں غالب طور پر زندہ نہ رہ سکے۔ (ت)

بلکہ جمہور ائمہ شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی تو یہاں تک اس سے اختلاف رکھتے ہیں کہ اگر قاضی مہلت چار سالہ بعد تفریق کردے تو اس کی قضا توڑدی جائے کہ اس دلیل صریح کے خلاف حکم کیا، امام نور الدین یوسف بن ابراہیم اردبیلی شافعی کتاب الانوار لعمل الابرار میں فرماتے ہیں:

لوحکم حاکم بانها تتربص اربع سنین فتعتد عدة الوفاة ثم تنکح وتربصت وحکم ثانیا بالفرقة واعتدت ونکحت نقض حکمه الا اذا بان انه کان میتا وقت الحکم۔[3]	اگر کسی حاکم نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ چار سال انتظار کے بعد وفات کی عدت پوری کرے اور پھر کسی سے نکاح کرے، چنانچہ فیصلہ کے مطابق اگر عورت نے چار سال انتظار کیا اور اس حاکم نے فرقت کا نیا حکم دے دیا اور اس کے بعد عورت نے عدت گزار کر نکاح کرلیا تو قاضی کا یہ حکم کالعدم قرار پائے گا الایہ کہ واضح ہوجائے کہ قاضی کے مذکور فیصلے کے وقت گمشدہ شخص فوت ہوچکا تھا۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] فتح القدیر کتاب المفقود مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۳۷۲

[2] المیزان الکبری کتاب العدد والاستبراء مصطفی البابی مصر ۲/۱۳۶، رحمة الامة فی اختلاف الائمة کتاب العدد مطابع قطر الوطنیة الدوحة قطر ص ۳۱۲

[3] الانوار لاعمال الابرار فصل القسم الثانی عدة الوفاة مطبعة الجمالیه مصر ۲/۲۱۲

لوقضی قاض بصحة نکاح زوجة المفقود بعد اربع سنین ومدّة العدة نقض حکمه [1] اھ ملخصًا۔	اگر کسی قاضی نے مفقود کی بیوی کے متعلق چار سال انتظار اور اس کے بعد عدت پوری کرکے نکاح کی صحت کا فیصلہ دیا تو اس کا حکم کالعدم ہوگا اھ ملخصًا (ت)

شرح انوار میں ہے:

لمخالفته القیاس الجلی فی جعل المفقود میتا فی النکاح دون المال وما جزم به المصنف ھو الذی علیه الاکثرون کما یعلم من کلام الرافعی [2] ھنا الخ۔	یہ قیاس جلی کی مخالفت کی وجہ سے کہ مفقود کو نکاح کے حق میں مردہ اور مال کے حق میں زندہ قرار دیا جائے، اور مصنف نے جس پر جزم فرمایا وہ ہے جس پر اکثر ائمہ نے اعتماد فرمایا جیسا کہ یہاں امام رافعی کے کلام سے معلوم ہو رہا ہے الخ (ت)

توجو اس قول کے قائل تھے ان پر بھی اس کا ضعف ظاہر ہوا جب تو اس سے رجوع کرتے آئے اور قول ضعیف پر حکم و فتوی دینا جہل و مخالفتِ اجماع ہے۔

فی الدر المختار، حاصل ماذکرہ الشیخ قاسم القاضی الاان المفتی مخبر عن الحکم والقاضی ملزم به وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق الاجماع [3]۔	درمختار میں ہے: شیخ قاسم نے اپنی تصحیح میں جو ذکر فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ مفتی اور قاضی کا یہاں کوئی فرق نہیں ماسوائے اس کے کہ مفتی حکم کی خبر دیتا ہے اور قاضی اس کو نافذ کرتا ہے جبکہ مرجوح قول پر فتوی اور فیصلہ جہالت ہے اور اجماع کی مخالفت ہے۔ (ت)

پھر معاملہ بھی کون سا معاملہ فروج جس میں شریعتِ مطہرہ کو سخت احتیاط ملحوظ، یہاں تک کہ باآنکہ اصل اشیاء میں اباحت وحلت ہے، فروج میں اصل حرمت ٹھہری، تو ایسے امر میں ایسے قول کی طرف اپنا ایسا قوی ومدلل مذہب چھوڑ کر جانا کیسی کھلی بے احتیاطی ہے، رہا دعوی ضرورت، اس کا حال یوں کھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہو جاتی ہیں باآنکہ انہیں شرعًا نکاح ثانیہ کی اجازت ہے اپنی ایک جھوٹی رسم کی پیروی میں عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں اس وقت نہ انہیں ضرورت سوجھتی ہے نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیونکر کٹے گی نہ یہ کہ نان ونفقہ کہاں سے

[1] الانوار لاعمال الابرار کتاب ادب القضاء الطرف السابع فی الاشھاد الخ مطبعة الجمالیه مصر ۲/ ۴۱۳ و ۴۱۴

[2] شرح الانوار کتاب ادب القضاء الطرف السابع فی الاشھاد الخ مطبعة الجمالیه مصر ۲/ ۴۱۳

[3] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

ملے گا مگر خاوند مفقود ہو کر یہ سب دعوی ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعوی سچا ہے تو وہاں صبر کیونکر ہوتا ہے اور جب وہاں کیا جاتا ہے، حالانکہ قطعًا بے شوہر، اور ازواج کے لئے حلال ہیں تو یہاں صبر کیوں نہیں کیا جاتا کہ یقینا شوہر دار تھیں اور موتِ شوہر ثابت نہیں ہوئی مگر ہے یہ کہ جہال کے نزدیک رسم کا اتباع حکم کے اتباع سے زیادہ اہم ہے، یہاں حیلے تلاش کئے جاتے ہیں کہ کسی مذہب میں کوئی راستہ نکلے اگرچہ اپنے مذہب میں نراحرام ہو، وہاں رسم نہیں چھوڑی جاتی اگرچہ چاروں مذہب میں کھلی حلت ہے، اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے، بات یہ ہے کہ نفس کی باگ جب نرم کرلیجئے دبالیتا ہے۔ اس وقت ضرورت، حاجت، معذوری، مجبوری، سوجھتی ہے اور باگ جب کڑی کرلیجئے دب جاتا ہے۔ اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جوش نرا دعوی ہی دعوی تھا۔ حدیث میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استغنٰی باللہ اغناہ اللہ ومن استعف اعفّہ اللہ[1]۔ رواہ الامام احمد والنسائی والضیاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اللہ عزوجل کے بھروسا پر خلق سے بے پروائی کریگا اللہ تعالٰی اسے غنی کردے گا، اور جو سچے دل سے پارسا بننا چاہے گا اللہ تعالٰی اسے پارسا بنادے گا۔ (اسے امام احمد، نسائی اور ضیاء نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

جنہیں نکاح پر قدرت نہ ہو ان کا علاج صحیح حدیث میں روزے رکھنا ہوا ہے:

من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء[2]۔ رواہ احمد والستۃ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وسوق الحدیث وان کان فی الرجال، فالنساء شقائقھم[3]۔ بعضکم من بعض۔	جو نکاح پر قدرت نہ رکھے اس کو روزہ لازم ہے کیونکہ یہ اس کے لئے شہوت سے رکاوٹ ہے۔ اس کو امام احمد اور ائمہ ستّہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے، اور حدیث کے یہ الفاظ اگرچہ مردوں کے بارے میں ہیں، تو عورتیں وہ مردوں کی طرح ہیں اور تم آپس میں ایک دوسرے کی طرح ہو۔ (ت)

بلکہ احتیاج نفقہ کے عذر کو غور کیجئے تو وہ بھی اسی عذر جوانی کے ساتھ ہے جس کا علاج حدیث میں ارشاد ہوگیا۔

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۶۶

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۲۴

[3] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۶

سن رسیدہ عورتیں جن کے شوہر مرتے یا مفقود ہو جاتے ہیں انہیں تلاشِ نفقہ کے لئے فکر نکاح نہیں ہوتی وہ کیونکر بسر کرتی ہیں اور یہ حالت بیوگی تو ہند کی نوجوانیں بھی اسی حال میں شریک ہیں، وہاں خدا جانے شان رزاقی خاوند میں کیوں نہیں منحصر ہو جاتی ہے، لطف یہ ہے کہ یہاں تقلید امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا دامن پکڑا جاتا ہے، جاہل لوگ ان کا مذہب یہ سمجھتے ہیں کہ مرد کو گے چار برس گزرے اور عورت کو یونہی عدت بیٹھ کر نکاح حلال ہوگیا، حاشا یہ ان کا مذہب نہیں بلکہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور دعوی پیش کرے، قاضی بعد ثبوتِ مفقودی کہ اس کی خبر ملنے سے بالکل ناامید ہو گئی ہو اب چار برس کی مدت اپنے حکم سے مقرر کرے، اس مدت میں بھی پتا نہ چلے تو پھر قاضی تفریق کردے، اس کے بعد عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اور شوہروں کے لئے حلال ہو جائے، حضور قاضی میں رجوع لانے سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں تو اسکا اصلاً اعتبار نہیں۔ علامہ زرقانی مالکی شرح مؤطائے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

قول مالك لو اقامت عشرين سنة ثم رفعت يستأنف لها الاجل[1]۔	امام مالک کا قول ہے کہ اگر عورت بیس سال بھی گزار چکے اور بعد میں قاضی کے ہاں معاملہ پیش کرے تو بھی قاضی اس کے لئے نئی مہلت مقرر کرے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قول مالك ايضا تستأنف الاربع من بعد اليأس وانها من يوم الرفع[2]۔	امام مالک کا یہ بھی قول ہے کہ ناامیدی کے بعد چار سال کی نئی مہلت مقرر کی جائے گی اور اس مہلت کی ابتداء قاضی کے ہاں معاملہ پیش ہونے کے بعد ہوگی (ت)

اب کہئے قولِ امام مالک ہی پر عمل کیجئے تو اول تو یہاں قاضی مالکی کہاں! اور قاضی حنفی اپنے خلافِ مذہب کیوں حکم دینے لگا! اور دے بھی تو اس کے نفاذ میں دقتیں ہیں، اور نافذ ہو بھی جائے تو ابھی ساڑھے چار برس پڑے ہیں یہ کیونکر کٹیں گے! ایسی بے صبری وادعائے بے رزقی کا علاج تو یوں بھی نہ بنا۔ غرض خلاصہ مقصد یہ ہے کہ اللہ سے ڈرے، اللہ سے ڈرے۔ اور امر فروج کو سہل نہ جانے۔ نہ فقدانِ شوہر کو مرگِ شوہر کے پلے میں رکھے اور اتباعِ حکم کو اتباعِ رسم سے اہم تر سمجھے اور تصور کرے کہ ہند کی نوجوانیں بیوہ ہو کر کیونکر بسر کرتی ہیں بلکہ یہ بھی درکنار اس دار الفتن ہند پر محن میں بہت شریف زادیاں ایسی نکلیں گی جن کے

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك عدة التی تفقد زوجها المكتبة التجارة الكبرٰی مصر ۳/ ۱۹۹

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك عدة التی تفقد زوجها المكتبة التجارة الكبرٰی مصر ۳/ ۱۹۹

خداناترس شوہروں نے انہیں جیتے جی معلقہ کر رکھا ہے نہ تعلق رکھیں نہ قطع کریں، وہ بیچاریاں نہ شوہر والیاں نہ بے شوہروں میں۔ پھر وہ کیا کرتی اور اپنی عفت، باپ دادا کی عزت، شرع کی اطاعت کیونکر نگاہ رکھتی ہیں۔ قطع خواہش کے لئے روزوں کی کثرت کرے۔ خیالات دل کو یادِ موت و قبر سے لگائے کہ موت کی یاد ہر خواہش و لذت کو بھلادیتی ہے۔ اگر ماں باپ بھائی کے ذریعہ سے گزر کی صورت نہیں، سینے پرونے وغیرہ کاموں سے وقت کاٹے کہ اللہ عزوجل کے یہاں صابروں میں لکھی جائے اور بہ حکم قرآن بے حساب ثواب پائے۔ اقارب، محارم اگر خبر گیری کر سکتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا ثوابِ عظیم لیں، اپنی بیٹی بے ثبوتِ بیوگی نکاح غیر کی بلامیں نہ پڑنے دیں۔ عوامِ ہند ذرا ذرا سے فضول و بے جا دنیوی جھگڑوں پر دختروں خواہروں کو بٹھار کھتے اور ان کا کلی خرچ اپنے پاس سے کرتے ہیں۔ یہ دینی حکم ہے اور اپنی ناموس کے خاص حرام وحلال کا معاملہ، اس میں بھی ذرا غیرت وحمیّت کو کام میں لائیں اور سمجھ بوجھ کر انجان نہ بن جائیں، **وباللّٰہ التوفیق وھو الھادی الٰی سواء الطریق**۔ مؤیدین: (۱) محدث سورتی صاحب علیہ الرحمۃ (۲) مولانا عبدالمقتدر صاحب بدایونی (۳) مولانا الشاہ احمد حسن صاحب کانپوری (۴) مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی (۵) مولانا الشاہ ہدایت رسول صاحب قادری۔

مسئلہ ۱۰۷: از اجین مرسلہ محمد یعقوب علی صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

چہ فرمایند علمائے اہل حق و مفتیانِ برحق دریں مسئلہ کہ برادر عبداللہ دائمی محبوس گردید عورت خود را طلاق نمی دہد واو بدون شوہر نمی تواند ماند صورت ایں مسئلہ چگونہ است، وشوہر محمودہ نیز از مدت دوازدہ سالہ مفقود الخبر وزوجہ اوجوان طاقتے ضبط ندارد لہٰذا موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کہ نزد او شان تفریق درچہار سال صحیح عمل نمودہ درحبالہ نکاح میر تقی دادہ شد بعد از چند روز نکاح شوئے سابق اور ا مقام ہذا آمدہ بودہ، عورت مستحق اواز ہر دو کیست و مہرش برکہ واجب می شود دریں مسئلہ چہ حکم شرع بیان فرمایند بعبارت کتب مشرح رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔	علمائے حق اور مفتیانِ برحق کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عبداللہ کا بھائی قید دوامی ہوا ہے اپنی عورت کو طلاق نہیں دیتا، اور بیوی کا شوہر کے بغیر گزارہ نہیں، اس مسئلہ کا کیا حکم: نیز مسئلہ یہ ہے کہ محمودہ کا شوہر بارہ سال سے مفقود الخبر ہے، اس کی بیوی جوان ہے اپنے پر کنٹرول نہیں کرسکتی، لہٰذا امام مالک کے مذہب کے موافق جن کے ہاں چار سال کی مدت پر تفریق صحیح ہے پر عمل کرکے اس عورت کا نکاح میر تقی سے کردیا گیا اور اس نکاح کے چند روز بعد اس عورت کا سابق خاوند وہاں آگیا تو وہ عورت اب کس کی بیوی قرار پائے گی اور مہر کس پر واجب ہوگا، ان دونوں مسئلوں میں شرعی حکم کو کتب کی عبارات سے واضح فرمائیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین (ت)

الجواب:

در صورتِ اولیٰ برادر عبداللہ فرمان آں چنان ست کہ زن راطلاق دہد قال اللہ تعالیٰ:

فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[1] مرد چوں از داشتن بخوبی عاجز آمد گزاشتن بہ نیکی واجب گشت و در ادائے ایں واجب اگر طلاق بالفعل ندہد تفویض طلاق نیز کافی ست زیرا کہ مقصود آنست کہ زن از مضرت فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[2] محفوظ ماند وایں بہ سپردن طلاق بدست زن نیز حاصل ست یعنی زن رابنویسد کہ طلاق تو بدست تو نہادم ہر گاہ کہ خواہی خود راطلاق دہی واز قید نکاح من بدر آئی، نفعش آنست کہ زن مصلحت خود دیدہ کار خواہد بوفاداری شوہر صبر پیش گرفتن خواہ بناچاری خواہش چارہ دگر جستن اماتا از شوئے افتراق نشود نکاح با دیگر حرام بود قال اللہ تعالیٰ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ[3] ودر صورت ثانیہ زن بلاشبہہ بزوج پیشین دادہ شود، فی رد المحتار عن شرح المجمع لابن ملك تحت قول الدر، غاب من امرأته فتزوجت باٰخرو

پہلی صورت میں عبداللہ کے بھائی کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیوی کو بھلائی سے پاس رکھو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو، خاوند بخوبی پاس رکھنے سے عاجز ہے تو نیکی کے ساتھ چھوڑدینا اس پر واجب ہے، اس واجب کی ادائیگی میں اگر بالفعل طلاق نہیں دیتا تو بیوی کو طلاق کا اختیار سونپ دے تو بھی کافی ہے کیونکہ مقصد یہ ہے کہ عورت کو معلق کرکے رکھنے کے ضرر سے بچایا جائے تو یہ مقصد عورت کو اختیار تفویض کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے یعنی بیوی کو لکھ دے کہ تیری طلاق تیرے ہاتھ دیتا ہوں تو جب چاہے طلاق اختیار کرلے اور میری قید سے آزاد ہوجا، اس کا فائدہ یہ ہے کہ بیوی اپنی مصلحت کے مطابق فیصلہ کریگی خواہ خاوند کی وفاداری میں صبر کرے خواہ مجبوری خواہشات کی بنا پر کوئی دوسرا راستہ اپنالے، تاہم جب تک خاوند سے مفارقت نہ ہوجائے کسی اور سے نکاح حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نکاح والی عورتیں بلاشبہہ پہلے خاوند کی بیوی ہے اسی کو دی جائے۔ ردالمحتار میں شرح المجمع ابن ملک سے درمختار کے قول، ایک شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

[2] القرآن ۴/۱۲۹

[3] القرآن الکریم ۴/۲۴

ولدت اولاد، ثم جاء الزوج الاول مانصه، المرأة ترد الی الاول اجماعا[1] ومہرے کہ در نکاح اول بستہ بودند خود بر ذمہ شوہر اول است وبریں دوم نیز مہر مثل لازم بشرطیکہ باایں زن بہم آمدہ وجماعش کردہ باشد اما اگر کابینے در نکاح ثانی قرار دادہ اند کم از مہر مثل ست تا آنگاہ ہموں قدر دہند وبرونیفز ایند ورنہ مہر مثل تمام وکمال لازم آید وزیادہ براں بہیچ صورت واجب نشود گو مہر قرار دادہ ایشاں زائد از و باشد خلاصہ آنکہ ہرچہ از مہر مثل ومہر مسمّٰی کم ست ہموں لازم بود، اما وجوب المهر فیما استحل من فرجها واما ماذکرنا من التقدیر فلظهور فساد النکاح وهذا هو حکم المهر فی النکاح الفاسد فی الدرالمختار یجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطی فی القبل لابغیره کالخلوة لحرمة وطئها ولم یزد علی المسمی لرضاها بالحط ولوکان دون المسمی لزم مهر المثل لفساد التسمیة بفساد العقد[2] بالالتقاط۔ واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا اور اس سے اولاد ہوگئی پھر پہلا خاوند واپس آگیا، کے تحت نقل کیا، جس کی عبارت یہ ہے کہ عورت پہلے خاوند کو بالاجماع واپس کی جائیگی، اور مہر پہلے خاوند نے جو مقرر کیا وہ پہلے خاوند کے ذمہ ہے اور دوسرے خاوند پر بھی مہر مثلا ادا کرنا واجب ہے بشرطیکہ دوسرے نے اس عورت سے جماع کرلیا ہو، لیکن اگر نکاح ثانی میں مہر مثل سے کم مقرر ہو تو وہی واجب الادا ہوگا اس پر زائد واجب نہ ہوگا ورنہ مقررہ نہ ہونے یا مہر مثل سے زائد مقرر ہونے کی صورت صرف مہر مثل اور مقررہ سے جو بھی کم ہوگا وہی واجب الادا ہوگا، مہر اس لئے دینا ہوگا کہ اس کے بدلے شرمگاہ کو حلال کیا اور بیان کردہ مقدار اس لئے کہ اس ثانی نکاح کا فساد واضح ہوگیا اور نکاح فاسد میں بھی مہر کا حکم اسی طرح ہے، درمختار میں ہے کہ وطی کرنے پر نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے شرمگاہ میں وطی کے بغیر مہر واجب نہیں ہوتا اگرچہ خلوت کرچکا ہو، اور مہر مثل اور اگر وہ مہر مقررہ سے کم ہو تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ مہر مقررہ کا فساد نکاح کے فساد پر ہوگیا (ملتقطا) واللّٰہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از بنگال کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر عرصہ چار سال سے

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۱

[2] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

مفقود الخبر ہے اس کی حیات و موت کی کچھ خبر نہیں ملی اور وہ گھر میں اپنی بی بی کو خورد و نوش بھی نہیں دے گیا ہے اور ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑ گیا ہے جس سے اس کی بیوی کی گزراوقات ہو، اور اس بی بی کو کہیں سے قرض دام بھی نہیں ملتا ہے، اور وہ بی بی کوئی حرفہ یا پیشہ نہیں جانتی ہے جس سے گزراوقات ہو یا یہ کہ اس وقت مفقود کی بیوی ایسی ہے کہ انواع انواع کی تکلیف میں مبتلا ہے اور نیز خوف زنا بھی ہے، تو ایسی صورت میں اس کو نکاح ثانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو بلاعدت گزارے اور بلاحکمِ قاضی یا حاکم مسلم کسی مولوی یا کم علم سے کہہ دینے سے نکاح دوسرا کرسکتی ہے یا نہیں؟ یا عدت بھی گزارے گی؟ اور عدت کب سے گزارے گی؟ یا اس روز سے عدت محسوب ہوگی کہ جس روز سے شوہر مفقود ہوا ہے؟ یا جس روز سے قاضی نے حکم تفریق نکاح کا کیا ہے؟ اور جو شخص فتوی اس بات کا لکھے کہ بلاعدت گزارے یا بلا تفریق قاضی نکاح ثانی ہندہ خود کرے اور یہ کہے کہ جب بعد انقضائے ۴ سال موافق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مفقود اموات میں شمار ہوا اب اگر قاضی تفریق کرے گا اور مردہ کے واسطے عدت ہے نہ فسخ نکاح، اور جس حالت میں یہ چار سال گزر چکے اب اسے عدت کی ضرورت نہیں، اس بناء پر ہندہ کا نکاح بلا تفریق کرائے قاضی اور بلاعدت پوری کرنے وفات کے کسی دوسرے سے کرادے تو وہ فتوی دینے والا امر تکب حرام ہوا یا نہیں اور یہ نکاح ثانی جائز ہوا یا نہیں اور ایسے فتوی لکھنا اس کو درست ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نکاح ثانی حرام ہوا، اور ایسا فتوی دینا حرام ہے، ایسے مفتی کو بند کرنا واجب ہے، چار برس گزرنے پر بطور خود نکاح کرلینا کسی امام کا مذہب نہیں، امام مالک نے کہ چار برس رکھے ہیں، یوں کہ عورت قاضیِ شرع کے حضور نالش کرے وہ بعد ثبوت اپنے یہاں سے آج سے چار برس کی مہلت دے اس سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں اصلاً معتبر نہیں اور ہمارے مذہب میں عورت پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ شوہر کی عمر سے ستر برس گزر جائیں، اگر پچاس برس کی عمر میں مفقود ہوا ہے تو بیس برس انتظار کرے اور ساٹھ برس کی عمر میں دس برس، اس کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے، اور عورت چار مہینے دس دن عدت کرے پھر دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے اسی طرف انہوں نے رجوع فرمائی، اور یہی قول امام احمد کا ہے، اور دوسرا قول مثل امام مالک ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اس سوال کی ہولناک باتیں کہ نہ وہ چھوڑ گیا نہ اس کے پاس کچھ ہے نہ کچھ حرفہ کرسکتی ہے نہ کہیں سے قرض مل سکتا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تمام ذرائع رزق بند ہیں مگر یہ قرآن کے خلاف، رزق اللہ پر ہے نہ کہ شوہر پر عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا[1] نہ کہ علی الزوج وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/۶

مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّ یَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ ؕ[1] اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی پہنچائے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔ صدہا نہیں ہزارہا وہ ہیں کہ ان کے شوہر زندہ بیٹھے ہیں اور انہیں معلق چھوڑ رکھا ہے، نہ روٹی کپڑا دیتے ہیں نہ حقوق زوجیت ادا کرتے ہیں، اب انہیں بھی اجازت دے دو کہ شوہر زندہ بیٹھا ہے اور طلاق ہوئی نہیں جس سے چاہیں نکاح کرلیں یعنی خوف زنا سے بچنے کے لئے واقعی زنا کرو۔ خوفِ زنا سے بچنے کا علاج حدیث میں کثرت روزہ فرمایا ہے:

ومن لم یستطع فعلیه بالصوم فانه له وجاء[2]۔	اور جو قدرت نہ رکھے اس پر روزہ لازم ہے کیونکہ اس کے لئے شہوت کو روکتا ہے (ت)

اور فرمایا:

ومن استعف اعفه الله[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو پارسائی چاہے گا اللہ اسے پارسا بنادے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: مرسلہ مولوی نظر محمد صاحب پیش امام جامع مسجد منگانہ ضلع رہتک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک آدمی گمشدہ ہے اور اس کے مرنے کی کوئی معتبر سند نہیں اور نہ کسی نے دیکھا صرف یہ ہوا کہ ہسپتال میں سکھ تھا یعنی زیر علاج تھا وہ اپنے کپڑے چھوڑ کر گم ہوگیا انگریزوں نے یہ مشہور کردیا کہ وہ مرگیا اور مرا کسی نے نہیں دیکھا اب اس کی بیوی سے دوسرا شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں عرصہ آٹھ ماہ سے گم ہے، اور کتنے عرصہ کے بعد نکاح درست ہوگا، اور اب جو شخص اس عورت کا نکاح پڑھادے گا اور گواہ، ان کے اوپر کیا الزام آئے گا؟ اس کی پوری پوری بمعہ حوالہ کتب تصریح فرمادیں اور جو الزام آئے گا ان پر اس سے بری ہونے کا کیا راستہ ہوگا؟

الجواب:

اگر تحقیق ہوجائے کہ وہ ہسپتال میں یا کہیں اور مرگیا تو عدت کے بعد عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر موت ثابت نہ ہو تو جب اس شخص کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں یا زندہ ہوتا تو جس وقت ستر برس کا ہوجاتا اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے تو اس وقت اس کی موت کا حکم دیا جائے اور عدت کے بعد

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۳

[2] مسند امام احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۲۴

[3] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب الالحاف فی المسئلۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۱/ ۳۶۳

عورت نکاح کرسکے گی ورنہ حرام حرام حرام، اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ [1] (اور خاوند والی حرام ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: از للت پور مسئولہ محمد بخش، کریم بخش سوداگران ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک لڑکی نابالغہ کا نکاح اس کی ماں اور سوتیلے باپ نے کردیا تھا بعدہ لڑکی کا شوہر فوج میں نوکر ہوکر چلاگیا آٹھ سال سے زائد عرصہ ہوااور چھ سال سے اس نے نہ کوئی خط بھیجا نہ خرچہ متواتر بھیجے مگر اس کا پتا نہیں کہ مرگیا یا زندہ ہے اور اب لڑکی بالغ ہوگئی ہے اس کے ماں باپ خرچ برداشت نہیں کرسکتے خود لڑکی اور اس کے والدین دوسرا نکاح کرنا چاہتے ہیں لہٰذا دوسرا نکاح جائز ہوگا یا نہیں اور اگر پہلا شوہر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جس سے نکاح کیا گیا اگر وہ اس لڑکی کا کفو شرعی تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ کسی بات میں ایسا کم نہ تھا کہ اس سے نکاح ہونا اولیائے دختر کے لئے باعث ننگ وعار ہو جیسا کہ یہی ظاہر سوال ہے تو نکاح صحیح ہوگیا اور جبکہ لڑکی نے بفور بلوغ خیار بلوغ کا استعمال نہ کیا جیسا کہ یہی مفاد سوال ہے تو اب نکاح لازم ہوگیا، عورت پر فرض ہے کہ اتنی مدت انتظار کرے کہ شوہر اگر زندہ رہے تو ستر برس کامل کا ہوجائے اس وقت تک اگر اس کی موت وحیات کا پتا نہ چلے اس کی موت کا حکم کیا جائے گا پھر عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے اس کے بعد دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے ورنہ نہیں، پھر اگر اتنی مدت گزر گئی اور عورت نے بعد عدت نکاح کرلیا اسکے بعد شوہر اول واپس آیا تو اپنی عورت کو شوہر دوم سے لے گا اور دوم سے اگر اولاد ہوچکی ہے تو وہ اولاد دوم ہی کو دلائی جائے گی صرف عورت شوہر اول کو ملے گی، ردالمحتار میں ہے:

لوعاد حیابعد الحکم بموتہ قال ط رأیت المرحوم ابا السعود نقل عن زوجتہ لہ والاولاد للثانی [2] اھ مافی ش، لکن فی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ انہ ان عاد زوجھا حیا بعد مضی المدۃ فھو احق	اگر قاضی کے فیصلہ کے بعد پہلا خاوند واپس آجائے تو طحاوی نے فرمایا: میں نے مرحوم ابوسعود کو نقل کرتے ہوئے پایا کہ وہ عورت پہلے خاوند کی بیوی ہوگی اور دوسرے سے اولاد ہو تو وہ دوسرے کی ہوگی، شامی کا بیان ختم ہوا، لیکن ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر قاضی کی طرف سے مقررہ مہلت ختم

[1] القرآن الکریم ۴/۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المفقود داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۲

بہا وان تزوجت فلا سبیل لہ علیہا[1] اھ **اقول:** ووجہ الاول ان تزوجہا کان بظن موتہ وقد بان حیا ولا عبرۃ بالظن البین خطؤہ وھی محصنۃ زید فکیف تسلم لعمرو وجہ الثانی ان الشرع حکم بموتہ بعد مضی المدۃ وحلہا للازواج فلاینقض قضاء الشرع کما لاینقض قضاء القاضی بلا اولٰی لکن قدصرح فی التاتارخانیۃ انہ ان عادحیاولم تتزوج فھواحق بہا،فلو کان حکم الشرع بموتہ حتما مقضیا لکان الشرع فرق بینہما فکیف یکون احق بہا فلیحرر ولیراجع،واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونے کے بعد خاوند واپس آئے تو وہی بیوی کا حقدار ہے اور اگر بیوی نے اس صورت میں دوسرا نکاح کرلیا تو پھر پہلے خاوند کو استحقاق نہیں ہے اھ ،**اقول** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار کے قول کی وجہ یہ ہے کہ خود بیوی نے خاوند کے فوت ہوجانے کا گمان کرکے نکاح کیا تو اب پہلے خاوند کی واپسی پر معلوم ہوا کہ زندہ ہے تو اس صورت میں غلط گمان پر مبنی کارروائی ہے لہٰذا معتبر نہ ہوگی جبکہ وہ عورت خاوند (زید) کی منکوحہ ہے تو عمرو کے لئے کیسے بیوی بن سکتی ہے،اور دوسرے قول یعنی ہندیہ والے قول کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قاضی کے فیصلہ موت کے بعد کارروائی ہے جو کہ شرعی حکم اور مقررہ مہلت ختم ہونے کے بعد دوسرے نکاح کے لئے حلال قرار دینے پر کارروائی ہے تو یہ شرعی فیصلہ کالعدم نہ ہوگا جیسا کہ قاضی کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوتا بلکہ اس سے اولٰی تر محفوظ ہوگا حالانکہ تاتارخانیہ میں تصریح ہے کہ اگر قاضی کے حکم کے بعد ابھی دوسرا نکاح نہ ہو تو پہلا خاوند ہی حقدار ہوگا،اگر مہلت گزرے بغیر محض قاضی کے حکم موت کو ہی قطعی فیصلہ قرار دیا جاتا تو پھر پہلے خاوند سے تفریق شرعی ہوجاتی تو ایسی صورت میں پہلا خاوند کیسے حقدار قرار پاتا،اس کی تنقیح کرلی جائے اور کتب کی طرف مراجعت چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱تا۱۱۲: از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ مسئولہ ابویوسف محمد شریف ۷ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دس پندرہ سال کی عمر میں ملازم ہوکر کہیں چلاگیا،بیس پچیس سال اس کی تلاش کرتے رہے،کچھ پتانہ چلا پچیس سال گزرنے کے بعد اس کی زوجہ نے نان نفقہ ضروریات سے تنگ آکر ایک حنفی عالم سے فتوٰی لے کر ایک حنفی شخص حافظ قرآن کے ساتھ نکاح کرلیا،آج بیس سال اس کو نکاح کئے ہوئے اور زید کو گم ہوئے پینتالیس سال ہوگئے ہیں،اب حافظ موصوف کے گھر اس عورت کے بطن سے تین چار لڑکیاں بھی پیدا ہوئیں،اب ایک حنفی عالم نے فتوٰی دیا ہے کہ حافظ صاحب موصوف کا یہ نکاح بالکل ناجائز ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہرگز درست نہیں اور ایک اور عالم حنفی المذہب ان کے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المفقود نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۰۰

پیچھے نماز درست بتاتے ہیں اور مطابق تحقیق شامی ودیگر فقہاء رحمہم اللہ امام مالک کی روایت پر عمل کرلینا بوقتِ ضرورت جائز سمجھ کر نکاح بھی جائز قرار دیتے ہیں، پس آپ اس امر کا فیصلہ فرمائیں:

(۱) کیا حافظ صاحب کا نکاح کسی صورت جائز قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) کیا حنفی کسی وقت کسی حالت میں بھی کسی دوسرے مذہب کی روایت پر عمل نہیں کرسکتا، اگر نہیں کرسکتا تو عبدالحہ لکھنؤی نے عمدۃ الرعایہ میں جو لکھا ہے کہ اتفاقاً دوسرے مذہب کی روایت پر عمل کرسکتا ہے' اس کا کیا مطلب ہے، اور اگر کر سکتا ہے تو یہ نکاح کیوں ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مذہب ائمہ حنفیّہ وجمہور ائمہ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادةً موت مفقود مظنون ہو اور اس کی تقدیر مفتی بہ مؤید بحدیث صحیح یہ ہے کہ روز ولادت مفقود سے ستّر سال گزر جائے، امام مالک رضی اللہ عنہ بھی در بارہ مال مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر در بارہ زن خلاف کرتے ہیں پھر بھی ہرگز یہ ان کا مذہب نہیں جو آج کل کے جہّال بلکہ بعض مدعیان علم نے سمجھ رکھا ہے کہ مفقود ہوئے چار برس گزرے اور عورت بطور خود نکاح کرلے بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ زنِ مفقود قاضی شرع کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق روز مرافعہ سے چار برس کی مہلت اپنی طرف سے دے، عورت یہ دن گزارے، اس کے بعد پھر مستغیث ہو اور قاضی بعد تحقیق تفریق کرے، اسکے بعد عورت عدت بیٹھے پھر نکاح کرسکتی ہے، خود امام مالک نے اپنی کتاب مدوّنہ میں اس کی تصریح فرمائی اور صاف ارشاد فرمایا کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گزر گئے وہ اصلا شمار میں نہ آئیں گے، آج سے چار برس لئے جائیں گے، حنفی وقت تحقق ضرورت صحیحہ اس پر عمل کرسکتا ہے نہ یہ کہ اپنی ایک اختراعی بات پر کہ ہرگز امام مالک کا بھی مذہب نہیں، چلو اور مذہب امام مالک پر عمل کا نام لو، اس کی نظیر یہی ہے کہ مذہب حنفی میں زنِ عنین کے لئے حکم ہے کہ قاضی کے حضور مرافعہ کرے قاضی بعد تحقیق اپنی طرف سے ایک سال کامل کی مہلت دے، جب سال گزر جائے اور مطلب حاصل نہ ہو عورت پھر مرافعہ کرے، قاضی بعد تحقیق شوہر کو طلاق دینے کی ہدایت فرمائے، اگر وہ نہ مانے عورت سے پوچھے تو اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو؟ اگر وہ فوراً اپنے نفس کو اختیار کرے قاضی ان میں تفریق کردے، عورت عدت بیٹھے اور اب جس سے چاہے نکاح کرلے، تاجیل قاضی سے پہلے اگر بیس برس گزر گئے ہیں ان کا اصلا لحاظ نہ ہوگا آج سے ایک سال کامل لیا جائے گا۔ کیا اگر کسی عنین کی عورت بطور خود وقت نکاح سے سال بھر کے بعد اسے چھوڑ کر چل دے اور دوسرا نکاح کرلے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس نے مذہب حنفی پر عمل کیا، کیا اس کا یہ نکاح جائز واقع ہوا، حاشا (ایسا نہیں۔ ت) **ونسأل اللہ العفو والعافیة** ان تمام مسائل کی تحقیق ہمارے فتاوٰی اور رسالہ **اللواء المعقود لبیان حکم امرأة المفقود** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

بابُ النسب

(نسب کا بیان)

مسئلہ ۱۱۳: ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیوہ عورت کو لاعلمی میں معتبر و نیکبخت جان کر اس کے ساتھ نکاح کیا اور بعد پانچ ماہ کے اس عورت کے بطن سے ایک لڑکی زندہ پورے دنوں کی سی یعنی اس بچی کے کسی عضو میں کسی طرح فرق نہیں ہے پیدا ہوئی اور جملہ عورات و مرد گمان کرتے ہیں کہ ایسا بچہ نکاح کرنے کے بعد پانچ ماہ کا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ حمل قیاسًا نکاح کرنے سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے اور عورت کا یہ بیان ہے کہ یہ حمل میرے شوہر کا ہے اور زید یعنی خاوند کو کوئی آثار بعد نکاح ڈیڑھ ماہ تک نہیں معلوم ہوئے جب اس عورت نے بیان کیا تو معلوم ہوا، اس صورت میں زید اس عورت کو چھوڑ دے یا رہنے دے، اور اگر اپنی بدنامی کا خیال کرکے چھوڑ دے تو دین مہر اس عورت کا ذمہ زید واجب الادا ہے یا نہیں، اور نکاح عورت سے رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت جو دعوی کرتی ہے کہ یہ حمل اسی شوہر سے تھا اگر یوں کہتی ہے کہ اس کی پیدائش سے چھ مہینے پہلے نکاح ہو گیا تھا، یا چھ مہینے سے زائد بتائے اور اس کے ساتھ قسم بھی کھائے تو اس کا قول معتبر ہوگا اور یہ لڑکی اسی شوہر کی ٹھہرے گی اور نکاح میں اصلاً خلل نہ آئے گا شوہر اس کی پیدائش اور عورت کے ساتھ اپنے نکاح میں چھ مہینے اسے کم فاصلہ بتایا کرے اصلاً نہ سنا جائے گا اگر اپنے بیان پر گواہ بھی دے گا مسموع نہ ہونگے

بلکہ یوں قرار دیں گے خفیۃً نکاح تو اس عورت کا ہو لیا تھا جس کا عورت دعوی کرتی ہے اور اس کے بعد علانیہ نکاح آپس میں پھر کیا جس کا بیان شوہر اور اس کے گواہ کرتے ہیں، درمختار میں ہے:

لو ولدت فاختلفا فی المدۃ فقالت المرأۃ نکحتنی منذ نصف حول وادعی الاقل فالقول لہا وقال تحلف والو لد ابنہ حملا لہا علی الاصلاح[1] اھ ملخصًا۔	اگر معتدہ کا بچہ پیدا ہو پھر خاوند بیوی میں مدت حمل میں اختلاف ہو عورت کہے چھ ماہ مکمل ہوگئے ہیں کہ تو نے مجھ سے نکاح کیا ہے، اور خاوند چھ ماہ سے کم مدت کا دعوی کرے تو اس صورت میں بیوی کی بات بلاقسم معتبر ہوگی، صاحبین کے نزدیک عورت سے قسم لی جائے اور بچہ اس شخص کا قرار پائیگا تاکہ عورت کا معاملہ اصلاح پر رہے اھ ملخصًا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتسمع بینتہ ولابینۃ ورثتہ علی تاریخ نکاحہا بمایطابق قولہ لانہا شہادۃ علی النفی معنیً فلاتقبل، والنسب یحتال لاثباتہ مہماامکن والا مکان ھٰہنا بسبق التزوج بہا سرًّا بمہر یسیر وجہرا باکثر سمعۃ ویقع ذٰلک کثیرا[2]۔	خاوند اور اس کے ورثاء کی طرف سے بیوی کے نکاح کے متعلق تاریخ پر گواہی نہ لی جائے گی کہ خاوند سچا ہے کیونکہ معنیً یہ شہادت نفی پر ہے جو مقبول نہ ہوگی، اور نسب کے اثبات کے لئے بقدر امکان حیلہ کیا جانا چاہئے اور وہ یہاں موجود ہے ہوسکتا ہے کہ پہلے پوشیدہ طور پر قلیل مہر کے ساتھ نکاح کیا گیا ہو (جیسے بیوی کہتی ہے، اور بعد میں لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے اعلانیہ زیادہ مہر کے ساتھ دوبارہ نکاح کیا ہو (جیسے کہ ورثاء اور گواہ کہتے ہیں) اور بہت دفعہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ (ت)

اس صورت میں اگر زید عورت کو چھوڑ دے گا تمام وکمال مہر جتنا بندھا تھا لازم آئے گا اور اگر عورت مذکورہ بقسم بیان نہیں کرتی بلکہ اسی نکاح کے بعد جسے پیدائش دختر تک چھ مہینے نہ گزرے تھے حمل رہنا کہتی ہے یا پیش از نکاح مانتی ہے یا کچھ نہیں کہتی صرف یونہی دعوی کئے جاتی ہے کہ یہ دختر اسی شوہر سے ہے تو اس کا کہنا ہرگز مسموع نہ ہوگا اور یہ لڑکی اس شوہر سے ہرگز نہیں ٹھہر سکتی کہ بچہ چھ مہینے سے کم پیٹ میں نہیں رہ سکتا نہ شوہر اول کی ٹھہر سکتی ہے کہ حسب بیان سائل اس کی موت کو چار برس سے زیادہ گزر چکے تھے جب لڑکی پیدا ہوئی اور کوئی بچہ دو برس سے زیادہ پیٹ میں نہیں رہتا، مگر لڑکی ولدالزنا بھی نہ کہی جائیگی

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۲

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۲۷

صرف مجہول النسب کہیں گے یعنی باپ معلوم نہیں نہ یہ کہ زنا سے ہونا معلوم ہے کہ ممکن ہے کہ اس شوہر موجود سے پہلے بیوہ نے خفیہ کسی اور سے نکاح کیا ہو یہ حمل اس سے رہا ہو یا کسی شخص نے دھوکے اور شبہہ سے اس عورت کے ساتھ ہمبستری کی ہو یہ لڑکی اس جماع کی ہو، ان دونوں صورتوں میں لڑکی ولدالزنا نہ ہوگی، اور جب اس حمل کا زنا سے ہونا ثابت نہ ہوا تو عورت کا نکاح اس شوہر موجود سے فاسد ہوگیا،

ولایکون باطلا کما یفیدہ کلام البدائع والبحر والھندیۃ وردالمحتار کما بیناہ علی ھامشہ من باب ثبوت النسب لاسیما ھٰھنا فان الزوج لم یکن عالما بحبلھا کما ذکر السائل فلایتاتی ھٰھنا کلام القنیۃ والمجتبی۔	اور باطل نہ ہوگا جیسا کہ بدائع، بحر، ہندیہ اور ردالمحتار کے کلام کا مفاد ہے اور جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ پر ثبوت نسب کے باب میں اس کو بیان کیا ہے خصوصًا یہاں کیونکہ خاوند بیوی کے حمل پر مطلع نہ ہوا جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، لہٰذا یہاں قنیہ اور مجتبٰی کا کلام منطبق نہیں ہوتا۔(ت)

اب شوہر پر لازم ہے کہ عورت کو فورًا چھوڑدے اس صورت میں اگر زید نے عورت سے صحبت یعنی خاص فرج میں جماع کیا تھا تو مہر مثل و مہر مسمّٰی سے جو کم ہے وہ دینا آئے گا یعنی یہ دیکھیں گے کہ مہر بندھا کتنا تھا اور اس عورت کا مہر مثل کیا ہے ان دونوں میں جو کم ہے وہ دیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی الزیلعی وغیرہ لوولدت المنکوحۃ لاقل من ستۃ اشھر مذتزوجھا لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انہ من زوج اٰخر بنکاح صحیح اوبشبھۃ[1]۔	زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر منکوحہ نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت میں بچے کو جنم دے تو خاوند سے نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ نطفہ کا استقرار نکاح سے قبل ہوا، اور نکاح اس احتمال کی بناپر فاسد قرار پائیگا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نطفہ کسی دوسرے صحیح نکاح یاشبہہ نکاح سے ٹھہرا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

یجب مھر المثل فی نکاح فاسد بالوطی فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ ولم یزد مھر المثل علی المسمی ولو	فاسد نکاح میں مہر مثل تب واجب ہوگا جبکہ خاوند نے شرمگاہ میں وطی کی ہو، وطی کے علاوہ کسی اور طریقہ سے مثلاً خلوت سے واجب نہ ہوگا، اور یہ مہر مثل

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

کان دون المسمی لزم مھر المثل [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مقرر کردہ مہر سے کم ہو تو مہر مثل ہی لازم ہوگا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۴: از چاٹگام ملک بنگالہ مرسلہ شیخ اصغر علی محلّہ قطب دیا ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ زنِ دوشیزہ راکہ ہنوز بحبالہ نکاح کسے نیامدہ است فرزندے آمدزن میگوید کہ بخواب دیدم کہ مردے بامن بہم شدو احتلام کردم وبار گرفتم ایں پسر ازان ست دریں صورت قولش مقبول شود یانہ وپسر راولدالزنا دانند یاچہ؟ بینوا توجروا	آپ حضرات (رحمکم اللہ تعالٰی) کا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ ایک نوجوان کنواری لڑکی نے بچے کو جنم دیا ہے اور وہ یہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک مرد کو اپنے ساتھ دیکھا جس کی وجہ سے مجھے احتلام ہوا اور یہ بچہ اس حمل سے پیدا ہوا ہے، کیا اس صورت میں اس لڑکی کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں اور اس بچے کو ولدالزنا کہا جائے گا یا نہیں۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

ہمچو سخنے بے معنی ہیچ گونہ قابل پذیرائی نیست کہ بجماع خواب بار آورشدن محال عادی ست ہمچنانکہ پسر بے پدر بوجود آمدن فی میزان الامام العارف الشعرانی ان الولد لایتخلق الامن ماء الرجل والمرأۃ معاو تخلق الولد من ماء واحد من خصائص عیسٰی علیہ الصلوۃ و السلام [2] اگر امثال ایں دعاوی بگوش قبول آید در فتنہ عظیمہ برروئے مسلمانان کشاید زنان بے قید ہرچہ خواہند کنند وہنگام مواخذہ بھمچواکاذیب واضحہ چنگ زنند کما قال الامام الاجل سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فیما ھواظھرو	ایسی بے معنی بات کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ خواب میں جماع کی وجہ سے حمل کا ٹھہرنا اور ایسے ہی بغیر باپ بچہ پیدا ہونا محال عادی ہے،امام عارف شعرانی نے میزان میں فرمایا کہ بچہ مرد اور عورت کے مشترکہ نطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور صرف ایک کے نطفہ سے بچہ کا پیدا ہونا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہی خصوصیت ہے،اگر ایسی بات تسلیم کرلی جائے تو مسلمانوں میں عظیم فتنہ پیدا ہوجائے اور عورتیں جو چاہیں کرتی رہیں گی اور مواخذہ کے وقت ایسے جھوٹ گھڑنا شروع کردیں گی،جیسا کہ امام اجل سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا یعنی جن ّ کا کسی انسان عورت سے نکاح کے بطلان کے متعلق

[1] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] المیزان الکبرٰی باب حکم الزنا مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۹

اقرب من ھذا اعنی نکاح الجنی انسیۃ انی اکرہ اذا وجدت امرأۃ حاملا قیل لھا من زوجك قالت من الجن فیکثر الفساد فی الاسلام بذٰلک[1] رواہ ابو عثمٰن بن سید بن العباس الرازی فی کتاب الالھام والوسوسۃ قال حدثنا مقاتل عن سعید بن داؤد الزبیدی فذکرہ وفیہ قصۃ اوردہ سیّدی احمد الحموی فی الغمز[2] اما آنکہ در ہمچو صورت زن رازانیہ وپسر رازنازادہ گویند یانہ روایت بدائع مفید اوّل ست فی الدر المختار لو تزوجت معتدۃ بائن فولدت لاقل من الاقل منذ تزوجت ولاکثر منھا مذبانت لم یلزم الاوّل ولاالثانی والنکاح صحیح[3] اھ ملتقطا۔قال الشامی صحیح ای عندھما وعند ابی یوسف فاسد لانہ اذا لم یثبت من الثانی کان من الزنا۔ونکاح الحامل من الزنا	زیادہ واضح اور ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ جب کسی عورت کو حاملہ پایاجائے تو اس سے پوچھا جائے کہ تجھ سے کس نے قربت کی ہے تو وہ کہے کہ میرا نکاح جن سے ہوا ہے جس کی وجہ سے یہ حمل ہے مجھے یہ بات زیادہ ناپسند اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے اسلام میں عظیم فتنہ وفساد برپا ہوجائے گا،اس کو ابوعثمان بن سعید بن عباس نے کتاب الالہام والوسوسہ میں روایت کیا ہے انہوں نے یوں بیان کیا کہ مجھے مقاتل نے سعید بن داؤد زبیدی سے بیان کیا ہے اور اس میں ایک قصہ ہے جس کو سید احمد حموی نے غمز میں ذکر کیا ہے،بہر حال ایسی صورت میں اس عورت کو زانیہ اور بچے کو ولدالزنا کہا جائے یانہ،بدائع کی روایت پہلے احمال یعنی عورت کو زانیہ اور بچے کو ولدالزنا قرار دینے کے لئے مفید ہے،درمختار میں ہے کہ اگر بائنہ طلاق والی معتدہ دورانِ عدت نکاح کرے اور نکاح کے بعد چھ ماہ سے قبل بچے کو جنم دے یا طلاق بائنہ کے دو سال بعد بچہ جنے تو وہ نسب نہ پہلے خاوند اور نہ دوسرے خاوند کے لئے ثابت ہوگا جبکہ نکاح صحیح قرار پائے گا اھ ملتقطا،اس پر علامہ شامی نے کہا کہ یہ نکاح امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک صحیح ہوگا اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہوگا کیونکہ جب دوسرے خاوند کا

[1] المیزان الکبرٰی باب حکم الزنا مصطفی البابی مصر ۲/۱۵۹

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ ابوعثمان فی کتاب الالہام والوسوسۃ احکام الجن ادارۃ القرآن کراچی ۲/۸۳۔۵۸۴

[3] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

صحیح عند هما لاعنده کما فی البدائع[1] وروایت امام زیلعی وغیرہ مفید ثانی ست وہمین است اظہر من حیث الدلیل وہمدرین ست احتیاط جمیل درہچو امر جلیل چہ می رسد کہ زن پنہانی عقد زن و شوئی باکسے بستہ یا بوطی شبہہ مبتلا گشتہ باشد حالا بوجہ حیا تسّتر می پوشد بسخنے باطل می کوشد آری مجہول النسب خوانندش یعنی پسرے کہ پدرش معلوم نیست ففی ردالمحتار فی الزیلعی وغیرہ لوولدت المنکوحة لاقل من ستة اشهر مذتزوجها لم یثبت النسب لان العلوق سابق علی النکاح ویفسد النکاح لاحتمال انه من زوج اٰخر بنکاح صحیح او بشبهة[2] وپیش ازاں بعد نقل کلام بدائع فرمود تبعه فی البحر ولم یظهر لی وجهه لانه اذالم یثبت من واحد منهما علم انه من غیرهما ولایلزم ان یکون من الزنا لاحتمال کونه بشبهة، ولا یصح النکاح الااذاعلم انه من زنا ففی الزیلعی وغیرہ الی اٰخرہ فلیتأمل[3] اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	نسب بھی ثابت نہ ہوا تو حمل زنا سے ہوگا جبکہ زنا سے حاملہ کا نکاح امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک صحیح ہوتا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک فاسد ہوتا ہے بدائع میں یونہی مذکور ہے اھ، اور امام زیلعی وغیرہ کی روایت دوسرے احتمال یعنی زانیہ اور ولدالزنا نہ کہنے کو مفید ہے جبکہ دلیل کے اعتبار سے بھی یہی زیادہ واضح ہے نیز ایسے عظیم معاملہ میں احتیاط کی خوبی بھی اسی میں ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس عورت نے خفیہ نکاح کیا یا شبہہ میں اس سے کسی نے وطی کرلی ہو اور اب حیاوشرم کی وجہ سے وہ پردہ پوشی کررہی ہو اور غلط بیانی سے کام لے رہی ہو اس لئے بچے مجہول (یعنی ایسا بچہ جس کا باپ معلوم نہ ہو) قرار دینا ہی مناسب ہے، ردالمحتار میں ہے کہ زیلعی وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی منکوحہ نے نکاح کے بعد چھ ماہ پورے ہونے سے قبل بچے کو جنم دیا تو اس خاوند سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ یہ نطفہ نکاح سے قبل کا ہے اور یہ نکاح فاسد قرار پائے گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حمل کسی دوسرے شخص سے نکاح صحیح یا شبہ سے وطی کے ساتھ ٹھہرا ہو، انہوں نے اس سے قبل بدائع کا کلام نقل کرکے فرمایا کہ بحر میں بدائع کی اتباع کی ہے جبکہ مجھے بدائع کے کلام کی وجہ معلوم نہیں ہوسکی کیونکہ ایسی صورت میں جب بچے کا نسب نہ پہلے خاوند سے ثابت ہوا اور نہ ہی دوسرے

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

[2] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

[3] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۲

	سے، تو ظاہر ہے کہ دونوں کے علاوہ کسی غیر کا ہے اور وہ غیر ضروری نہیں کہ زنا ہو، ہو سکتا ہے کہ یہ حمل وطی بالشبہہ کی وجہ سے ہوا ہو، اور یہ نکاح صحیح نہ ہوگا مگر جب معلوم ہو جائے کہ یہ حمل زنا سے ہے، پھر زیلعی وغیرہ کا گزشتہ کلام آخر تک ہے، پس اس میں غور کرنا چاہیے اھ، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۱۵: ۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ مجیدن ساکنہ بدایوں عرصہ ۲۲ سال ہوا کہ اپنے گھر سے بھاگ کر خدا معلوم کہاں کہاں رہی بعد دو برس کے معلوم ہوا کہ نوکری آیا گیری کرلی چنانچہ وہاں کا حمل بھی رہا اور دعوی ایک انگریز پر اس حمل کا کیا پھر بریلی میں مسمّٰی اسد علی خاں سے ملاقات کرلی اور اس حمل کو اسد علی خاں کی یہاں وضع کیا، بعد وضع کے ایک ماہ اور رہی، اور پھر بچہ چھوڑ کر بھاگ گئی، اور نوکری آیا گیری کرلی، وہاں اسد علی خاں بھی پہنچے اور چند سال کے بعد وہیں انتقال کیا، وہ عورت بعد انتقال اسد علی خاں کے آوارہ پھرتی رہی اور کئی بچے پیدا ہو کر مرگئے، ان میں سے ایک لڑکا پندرہ برس کا اور ایک سال بھر کا موجود ہے، جس مدت میں کہ اس علی خاں سے ملاقات تھی پردہ میں ہرگز نہیں رہی اس کے نکاح کا کوئی گواہ کامل نہیں، ممّن میاں بیان کرتے ہیں کہ میں نے جب اسد علی خاں کو بہت غیرت دلائی تو کہا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے۔ چندا میاں بیان کرتے ہیں کہ میرے سامنے ہوا تھا اس کی عمر اس وقت تیس برس کی ہے اور بوقت نکاح کی دس برس کی تھی کیونکہ اس واقعہ کو بیس برس پورے ہوگئے تو ان کی شہادت بوقت نابالغی کی ہے اور جو لڑکا کہ پندرہ یا سولہ برس کا ہے اس کو اسد علی خاں کا بتاتے ہیں، پس اس صورت میں استفسار ہے کہ یہ عورت بدایوں والے خاوند کے نکاح میں رہی یا نہیں، اور ممّن میاں جو اسد علی خاں کے قول کو نقل کرتے ہیں یہ نقل کرنا قول کا شہادت عقد کا کام دے سکتا ہے یا نہیں، اور چندا میاں شخص واحد نابالغ کی شہادت معتبر ہے یا نہیں اور وہ لڑکا جو اسد علی خاں کا بتاتے ہیں ان کا ہے یا نہیں، ہاں زمانہ قرار نطفہ ان کی حیات کا زمانہ ہے اور درصورت ثبوت نکاح کے وہ لڑکا وارث ترکہ اسد علی خان کا ہے یا نہیں؟ **فقط بینوا بسند الکتاب توجروا فی یوم الحساب۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مجیدن بدستور اپنے شوہر بدایونی کے نکاح میں ہے کہ آوارگی وبدکارگی مزیل نکاح نہیں،

لحدیث ابی داؤد والنسائی	ابوداؤد اور نسائی کی حدیث میں ہے خاوند

قال ف انی احبھا قال فامسکھا[1] وفی الدر المختار عن القنیۃ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[2]۔	نے کہا مجھے بیوی سے محبت ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تو اسے پاس رکھ لے، اور درمختار میں قنیہ سے منقول ہے فاجرہ بیوی کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ (ت)

اور شہادت مذکورہ ناکافیہ ہے کہ نکاح میں جب ایک گواہ معاینہ اور ایک اقرار بیان کرے تو یہ اختلاف شرعًا موجب ردِّ شہادت ہے،

فی الخانیۃ ثم الھندیۃ لوکان المشھور بہ قولا لایتم الا بفعل کالنکاح واختلف الشھود فی المکان والزمان اوفی الانشاء والاقرار لاتقبل شھادتھم[3] اھ وفی جامع الفصولین لو اختلف الشاھد بان شھد احدھما علی الانشاء والاخر علی اقرار فی فعل کجنایۃ اوقول ملحق بالفعل کنکاح یمنع	خانیہ پھر ہندیہ میں ہے جس کے متعلق گواہی دی جارہی ہو وہ ایسا قول ہو جو فعل کے بغیر تام نہ ہو، مثلًا نکاح، تو وہاں گواہوں کا مکان یا زمان یا اس کے انشاء یا اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، اور جامع الفصولین میں ہے اگر دو گواہوں کا کسی فعل کے متعلق اختلاف ہو کہ ایک نے انشاء اور دوسرے نے اقرار کی گواہی دی مثلًا جنایت یا اختلاف شہادت اس قول سے متعلق جو فعل پر تام ہو، مثلًا نکاح، تو ان کا یہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۰، سنن النسائی تزویج الزانیۃ ۲/ ۷۱ وباب ماجاء فی الخلع ۲/ ۱۰۷ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

[2] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۰ و ۲/ ۲۵۴

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل الشھادۃ التی تخالف الدعوٰی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۹، فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاھدین نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

ف: سنن ابوداؤد کے الفاظ یوں ہیں: ان امرأتی لاتمنع ید لامس قال غربھا قال اخاف ان تتبعھا نفسی قال فاستمتع بھا، اور سنن النسائی ص ۱۰۷ پر بھی یہی الفاظ ہیں جبکہ ص ۷۱ پر الفاظ یوں ہیں: ان عندی امرأۃ ھی احب من الناس الیّ وھی لاتمنع ید لامس قال طلقھا قال لاصبر عنھا قال استمتع بھا۔ نذیر احمد سعیدی

قبول الشهادة [1] اھ ملخصا وفيه من الفصل من اختلاف الدعوى والشهادة لو شهد احدهما بنكاح والاخر باقرار به لايقبل كغصب [2]	اختلاف شہادت کے قبول کرنے کے لئے مانع ہوگا اھ، ملخصاً، اسی میں فصل ۱۱ اختلاف دعوٰے و شہادت سے ہے کہ ایک نے نکاح اور دوسرے نے اس کے اقرار پر شہادت دی تو یہ مقبول نہ ہوگی جیسا کہ غصب میں بھی یہی حکم ہے۔ (ت)

پس جبکہ شوہر کافراش صحیحہ ثابت اور اسد علی خاں کے نکاح کااصلاً ثبوت نہیں کہ برتقدیر تزوج بحالت ناواقفی از نکاح غیر فراش فاسد حقیقی ٹھہر کر فراش صحیح حکمی پر بربنائے روایت مفتی بہاماخوذ للامام الثانی مرجح رہی، **كما حققه فی الدرالمختار و اوضحه فی ردالمحتار** (جیسا کہ درمختار میں اسکی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ت) تو بحکم حدیث صحیح متواتر **الولد للفراش وللعاھر الحجر** (بچے کانسب نکاح والے کے لئے ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔ت) وہ لڑکا شرعاً اسی بدایونی کاقرار پائے گا **مالم ینف لعانا** (جب تک لعان سے نسب کی نفی نہ کرے۔ت) اسد علی خان سے کوئی علاقہ نہیں رکھتاکہ اس کاوارث ہوسکے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت بعد وفات اپنے شوہر کے کس قدر ایام تک نکاح کرنے سے ممنوع ہے اگر درمیان عدت کے عورت مذکور کے ساتھ کوئی شخص نکاح کرلے تو وہ نکاح صحیح ہے یا نہیں اور اولاد جو نکاح مذکور کے بعد پیدا ہوگی وہ صحیح النسب سمجھی جائیگی یاکیسے؟ **بینوا مع حوالة الکتاب۔**

الجواب:

اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ چار مہینے دس دن تک نکاح نہیں کرسکتی **کما ھو منصوص فی القرآن العزیز** (جیسا کہ اس کے بارے میں قرآن کریم میں نص وارد ہوئی ہے۔ت):

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا [3]۔	اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔ (ت)

[1] جامع الفصولین فصل فی الاختلاف بین الدعوٰی والشہادت الخ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۱۶۴۔۱۶۳

[2] جامع الفصولین فصل فی الاختلاف بین الدعوٰی والشہادت الخ اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۱۶۵

[3] القرآن الکریم ۲/۲۳۴

عدت کے اندر نکاح مطلقًا ناجائز ہے، ہاں اگر شوہر کو معلوم نہ تھا کہ دوسرے کی عدت میں ہے نادانستگی میں نکاح کرلیا تو اولاد صحیح النسب سمجھی جائے گی اور دانستہ اس حرام خالص کا مرتکب ہوا تو قنیہ و مجتبٰی و بحر الرائق وغیرہا کا مقتضٰی یہ ہے کہ اولاد ولد الزنا ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر عن المجتبٰی ان نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انہا اصلا ولہذا یجب الحدمع العلم بالحرمۃ لانہ زنا کما فی القنیۃ وغیرہ[1]۔	بحر میں مجتبٰی سے ہے اگر غیر شخص کی منکوحہ یا معتدہ کو جانتے ہوئے کسی نے اس سے نکاح کے بعد جماع کیا تو اس سے عورت پر عدت لازم نہ ہوگی کیونکہ کسی نے بھی اس کو جائز نہیں کہا اس لئے یہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا اس لئے جان بوجھ کر ایسا کرنے والے پر زنا کی حد واجب ہوگی کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

مگر تحقیق یہ ہے کہ اس صورت میں حتی الامکان اولاد شوہر اول کی ٹھہرے گی جبکہ اس کی موت سے دو برس کے اندر ہوئی ہو اور اگر دو برس کے بعد ہوئی تو شوہر ثانی کی قرار دیں گے جبکہ نکاح ووطی سے چھ مہینے بعد ہوئی ہو اور اگر اول کی موت کو دو سال کامل ہوچکے تھے، اور دوسرے کے نکاح ووطی کو ابھی چھ مہینے نہ ہوئے تو اسے مجہول النسب کہیں گے۔فی البحر عن البدائع (بحر میں ہے بدائع سے منقول ہے۔ت)

فان علم وقع الثانی فاسد فان جاءت بولد فان النسب یثبت من الاول ان امکن اثباتہ منہ بان جاءت بہ لاقل من سنتین منذطلقہا الاول او مات[2]۔	یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ یہ عورت غیر کی عدت میں ہے اگر کسی نے اس سے نکاح کرلیا تو نکاح ثانی فاسد ہوگا، پھر اگر وہ عورت بچہ جنے تو بچے کا نسب پہلے خاوند سے قرار دیا جائے گا اگر اس سے ثابت کرنا ممکن ہو، مثلًا یوں کہ پہلے خاوند کی طلاق یا اس کی موت سے دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو نسب پہلے کا قرار دیا جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اما اذالم یمکن بان جاءت بہ لاکثر من سنتین مذبانت ولستۃ اشہر	لیکن جب ایسا ممکن نہ ہو مثلًا بچے کی پیدائش طلاق بائنہ سے دو سال بعد اور دوسرے نکاح سے چھ ماہ

[1] ردالمحتار باب العدّۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] بحر الرائق باب ثبوت النسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۵۸

مذ تزوجت فھو للثانی کما فی البحر عن البدائع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پورے ہونے پر ہوئی تو اس صورت میں بچہ دوسرے کی طرف منسوب ہوگا جیسا کہ بحر میں بدائع سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۷: ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق بائن دی جو اس کے پاس بعد نکاح پندرہ روز رہی تھی مگر مرد نے خلوت اس کے ساتھ نہیں کی، دو اشخاص درمیانیوں نے کہ جو پورے اس حال سے واقف تھے اسی روز رشوت لے کر دوسرے شخص سے نکاح اس عورت کا کرادیا، بعد ایک سال کے اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا، اس وقت خاوند کو معلوم ہوا کہ ایامِ عدت پورے ہونے سے پہلے نکاح ہوگیا تھا، اب وہ لوگ جنھوں نے اس شخص کا نکاح دھوکے سے کرادیا تھا کہتے ہیں کہ یہ نکاح جائز نہیں، عورت کا از روئے شرع شریف کے نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کیا حکم کرانے والوں کے واسطے معہ زوجہ زوج کے اور اس لڑکے کے واسطے؟ آیا حرام ہے یا نہیں؟ فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

خلوت کے معنی یہ ہیں کہ مرد وعورت دونوں تنہا ایک مکان میں تھوڑی دیر اکٹھے ہوئے ہوں جہاں مباشرت سے کوئی مانع نہ ہو اگرچہ مباشرت واقع نہ ہو۔ اگر خلوت بایں معنی ان مرد وزن میں نہ ہوئی تھی کہ مرد نے طلاق دے دی تو عورت پر اصلاً عدت لازم نہ ہوئی، اسی وقت اس سے نکاح کرلینا جائز تھا، اس تقدیر پر دوسرا نکاح کہ اس عورت نے کیا جائز ہوا، اور اولاد ولدالحلال ہے، ہاں اگر ایسی خلوت ہوگئی تھی اور پھر طلاق ہوئی اور عورت نے عدت نہ کی تو نکاح ثانی حرام قطعی ہوا اور جتنے لوگ اس سے واقف ہو نکاح ثانی میں شریک وساعی ہوئے سب حرام عظیم میں مبتلا ہوئے، شوہر دوم کو اگر اطلاع نہ تھی کہ یہ عورت مطلقہ ہے اور ہنوز عدت نہیں گزری ہے بلکہ بعد ولادتِ پسر اطلاع ہوئی جیسا کہ بیان سائل ہے جب تو یہ بچہ بلاشبہہ ولدالزنا نہیں، اور اگر وہ بھی آگاہ تھا اور دانستہ اس امر کا مرتکب ہوا تو بھی بچہ حرامی نہیں، فرق اتنا ہے کہ پہلی صورت میں شوہر ثانی کا بچہ قرار پائے گا اور دوسری صورت میں شوہر اول کا۔ درمختار میں ہے:

[1] ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

تزوجت معتدۃ بائن فولدت لاقل من سنتین مذبانت ولنصف حول مذتزوجت عن البدائع انہا للثانی معللا بان اقدامہا علی التزوج دلیل انقضاء عدتہا،حتی لو علمہ بالعدۃ فالنکاح فاسد وولدہا للاول[1] اھملتقطا،واللہ تعالٰی اعلم۔	بائنہ طلاق کی عدت والی نے نکاح کرلیا پھراس نے بائنہ طلاق کے وقت سے دو سال کے اندر اندر دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے بعد بچے کو جنم دیا،تو بدائع سے منقول ہے کہ یہ بچہ دوسرے کا ہوگا،اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا عورت کا دوسرے نکاح کے لئے اقدام کرنا عدت ختم ہونے کی دلیل قرار دی جائیگی حتی کہ اگر مرد وعورت دونوں کو معلوم ہو کہ عدت ابھی باقی ہے،تو یہ نکاح فاسد ہوگا،اور بچہ پہلے خاوند کا قرار دیا جائے گا،ملتقطا،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۸: ۲۷ جمادی الاآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو یہ کہہ کر نکال دیا کہ عورت خراب اور بدکار ہے،پس وہ عورت مذکورہ ایک مدت آوارہ طور پر پھرا کی،اب زید نے اس عورت کو اپنے مکان میں لاکر رکھ لیا،مکان میں داخل ہونے کے تین ماہ بعد دختر پیدا ہوئی،اس صورت میں اول تو یہ کہ زید کا نکاح نکاح رہا یا نہیں؟دوسرے یہ کہ وہ لڑکی زید کی قرار دی جائے گی یاحرام کی؟کیونکہ ایام آوارگی میں کبھی زید کے پاس نہیں آئی،اوراب زید نے جواس عورت کو پھر رکھا ہے نکاح کرے یا نہیں؟اور زید عورت کے نکال دینے پر اور پھر رکھ لینے پر ازروئے شریف مستوجب کسی سزا ہے؟

الجواب:

صرف نکال دینے سے زید کے نکاح میں کچھ فرق نہ آیا،لڑکی زید ہی کی قرار پائے گی اگرچہ ایام آوارگی میں یہ عورت کبھی زید کے پاس نہ آتی اور مکان میں واپس آتے ہی اسی دن لڑکی پیدا ہو جاتی۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگااور زانی کو محرومی ہے(ت)

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

زید کو دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں پھر رکھ لینے میں اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں نکال دینا اگر بلاوجہ شرعی تھا تو گنہگار ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا دادا پٹھان تھا، دادی اور والدہ سیدانی۔ اس صورت میں زید سید ہے یا پٹھان؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع مطہر میں نسب باپ سے لیا جاتا ہے جس کے باپ دادا پٹھان یا مغل یا شیخ ہوں وہ انہیں قوموں سے ہوگا اگرچہ اس کی ماں اور دادی سب سیدانیاں ہوں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا ہے:

من ادعی الی غیر ابیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ یوم القیٰمۃ صرفا ولاعدلا [1] ۔ ھذا مختصر۔	جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنے آپ کو نسبت کرے اس پر خود اللہ تعالٰی اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے، اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کا نہ فرض قبول کرے نہ نفل۔ مختصراً۔

بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وغیرہم نے یہ حدیث مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی ہے، ہاں اللہ تعالٰی نے یہ فضیلت خاص امام حسن وامام حسین اور ان کے حقیقی بھائی بہنوں کو عطا فرمائی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹے ٹھہرے پھر ان کی جو خاص اولاد ہے ان میں بھی وہی قاعدہ عام جاری ہوا کہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوں اس لئے سبطین کریمین کی اولاد سید ہیں نہ کہ بناتِ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کہ وہ اپنے والدوں ہی کی طرف نسبت کی جائیں گی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۰: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ نواب پورہ مرسلہ نیاز اللہ خاں　　۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

حضور لامع النور عالم ظاہر و باطن ومعقول ومنقول جناب فیض مآب مفتی محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیوضہم، عالیجاہ! عرض یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے زنا کیا مدت تک پھر اسی کی زندگی میں اس کی بیٹی سے بھی حرام کیا، یہاں تک کہ دس برس تک اسے گھر میں ڈال کر پردہ میں رکھ کر حرام کرتا رہا، چار بچے پیدا ہوئے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، وہ پرورش پاگئے، اور یہ عورت منکوحہ جس کی یہ اولاد حرامی موجود ہے

[1] المعجم الکبیر حدیث مروی از عمرو بن خارجہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۳۴

دوسرے شخص کی منکوحہ تھی اس کے پاس سے بھاگ کر زانی کے پاس رہنے لگی، خاونداس کو لینے آیا خلق بیان کرتی ہے کہ خاوند نے اس فعل کو دیکھ کر برادری کے سبب سے طلاق دے دی واللہ اعلم بالصواب والغیب عنداللہ اب وہ شخص زنا سے توبہ کرکے نکاح میں لانا چاہتا ہے، آیا نکاح ہوسکتا ہے یانہیں؟ اور در صورت ناجائز ہونے نکاح کے وہ عورت مع ان بچوں کے نکال دی جائے گی یا بچے اس سے وہ شخص پرورش کرنے کے لئے لے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر شوہر نے اسے طلاق بھی دی ہوتا ہم زانی سے نکاح نہیں ہوسکتا جب یہ اس کی ماں سے زنا کرچکا، بیٹی ہمیشہ کو حرام ہوگئی،

فی الدرالمختار حرم اصل مزنیۃ وممسوسۃ، والمنظور الی فرجھا الداخل وفروعھن [1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں مزنیہ اور جس عورت کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور وہ جس کی شرمگاہ کے داخل حصہ کو شہوت سے دیکھا ہوان عورتوں کے اصول وفروع حرام ہوجائیں گے اھ ملخصًا(ت)

اور جبکہ معلوم ہے کہ اس زانی نے اب تک اس سے نکاح نہ کیا تھا اب زنا سے توبہ کرکے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ بچے اس شخص کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے بلکہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی یا طلاق سے پہلے یا اس کے بعد چھ مہینے کے اندر تک یہ اولادیں پیدا ہوئیں تو سب شوہر ہی کی قرار پائیں گی اور زانی کے لئے پتھر۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بچے کا نسب نکاح والے سے ہوگا اور زانی کو محرومی ہے(ت)

اور طلاق سے چھ مہینے یازائد کے عــہ رجعی تھی اور بچہ اس وقت ہوا کہ عورت نے ہنوز عدت گزرجانے کا اقرار نہ کیا تھا یا اقرار ایسے وقت کیا تھا کہ اتنی مدت میں عدت کا گزرجانا محتمل نہیں یعنی امام کے نزدیک طلاق کو دو مہینے اور صاحبین کے نزدیک انتالیس ۳۹ دن نہ گزرے تھے یا اقرار وقت تو گزرنا محتمل تھا مگر بعد کو اس کا

عــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

[2] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت اوآمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

کذب ظاہر ہوا کہ جو وقت اس نے انقضائے عدت کا بتا یا تھا اس سے چھ ۶ مہینے کے اندر بچہ ہوا تو ان صورتوں میں پہلا بچہ جو بعد طلاق ہوا ہے علی الاطلاق شوہر ہی کا ٹھہرے گا طلاق سے بیس برس بعد پیدا ہوا کہ طہر کے لئے زیادت کی جانب کوئی حد مقرر نہیں، ممکن ہے کہ تین حیض تیس برس میں آئیں تو انقضائے عدت نہ فی نفسہٖ ثابت ہوا نہ عورت کے اقرار مقبول سے، لاجرم اس کا پیٹ میں رہنا ایامِ نکاح میں تھا یا زمانہ عدت میں ہر طرح نسب ثابت ہے کہ طلاق رجعی میں شوہر جب عدت کے اندر وطی کرے تو وہ حرام نہیں ہوتی بلکہ رجعت ہو جاتی ہے ولہٰذا عدت ہی میں حمل رہنا ثابت نہ ہوا بلکہ محتمل کہ طلاق سے پہلے کا ہو تو اس کی ولادت مثبت رجعت نہ ہوگی بلکہ مثبت انقضائے عدت ہوگی کہ وضعِ حمل کے بعد بقائے عدت کے کوئی معنی نہیں، اس صورت میں اور بچے جو اسی کی ولادت کے چھ مہینے یا زائد کے بعد پیدا ہوئے شوہر کے نہیں ٹھہر سکتے کہ ان کا پیٹ میں رہنا نہ ایامِ نکاح میں ہوا نہ زمانہ عدت میں، ہاں اگر دوسرا بچہ اس سے پہلے کی پیدائش سے چھ مہینے کے اندر ہو گیا تو یہ بھی شوہر کا قرار پائے گا کہ چھ ۶ مہینے سے کم میں دوسرے حمل کا بچہ نہیں ہو سکتا، لاجرم یہ اسی کے ساتھ تھا، اور اگر طلاق بائن تھی اگرچہ مغلظہ ہو اور عورت اپنے شوہر کی مدخولہ تھی اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کے اقرار مقبولہ بمعنی مذکور کیا تھا کہ طلاق سے دو ۲ برس کے اندر بچہ ہوا تو بھی شوہر کا ٹھہرے گا کہ اس کا پیٹ میں رہنا ایام نکاح میں محتمل ہے، اور دو برس کے بعد ہوا تو اب حمل زمانہ نکاح کا تو یقیناً نہ تھا نہ ایامِ عدت کا ٹھہرا سکتے ہیں کہ بے نکاح جدید عدت بائن میں قربت حرام ہے، اس صورت میں ناچار شوہر کا نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ اپنا ایک بچہ ہو لیا تھا یہ دوسرا اس سے چھ ۶ مہینے کے اندر ہو گیا تو بوجہ سابق اسے بھی شوہر کا ٹھہرا دیں گے، بالجملہ اتنی صورتیں ہیں جن میں یہ بچے کل یا بعض شوہر ہی کے ٹھہریں گے اور ثابت النسب ہوں گے اور انہیں ولد الزنا کہنا ناجائز ہوگا، اور اگر بالفرض ان صورتوں سے کوئی شکل نہ پائی جائے تو غایت یہ کہ شوہر کے نہ ٹھہریں ولد الزنا یا مجہول النسب ہوں، بہر حال زانی کے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے نہ اسے ان پر کوئی استحقاق و دعوی۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولو لعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ وکانت الولادۃ	رجعی طلاق کی عدت والی کے ہاں بچہ پیدا ہو تو نسب اسی خاوند کا ہوگا اگرچہ یہ بچہ طلاق سے دو سال، بیس سال یا بیس سال سے بھی زیادہ عرصہ میں پیدا ہوا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ نطفہ عدت میں ٹھہرا ہو اور عدت کے دوران طہر طویل ہوئے ہوں تاوقتیکہ

رجعة لوفی الاکثر منهما اولتمامهما لعلوقهافی العدة (فیصیر ف بالوطء مراجعا نهر)لافی الاقل للشك (فان اقرت بانقضائها والمدة تحتملة بان تكون ستین یوما علی قول الامام وتسعة وثلثین علی قولهما ثم جاءت بولد لایثبت نسبه الا اذاجاءت به لاقل من ستة اشهر من وقت الاقرار فانه یثبت نسبه للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظهر كذبها، وكذاهذافی المطلقة البائنة والمتوفی عنها اذا ادعت انقضائها ثم جاءت بولد لتمام ستّة اشهر لایثبت نسبه.ولاقل یثبت كما یثبت بلادعوة احتیاطا فی مبتوتة(یشمل البت بالواحدة والثلاث تزوجها فی العدة اولابحر)جاءت به لاقل منهمامن

عورت نے عدت ختم ہونے سے پہلے اقرار نہ کیا ہو اور بچے کی ولادت کو خاوند کا رجوع قرار دیا جائے گا اگر مطلقہ رجعی دوسال یا دو سال کے بعد بچہ جنم دے کیونکہ ممکن ہے کہ استقرار حمل عدت میں ہوا ہو (لہٰذا خاوند وطی کے ساتھ رجوع کرنے والا قرار پائے گا، نہر)اور دوسال سے کم مدت میں پیدائش ہوتو شک کی بناپر خاوند کا رجوع ثابت نہ ہوگا(کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ حمل طلاق سے پہلے کا ہو)پھر اگر عورت نے عدت ختم ہونے کا اقرار کرلیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے ختم ہونے کا احتمال رکھتی ہو مثلاً امام اعظم کے قول پر ساٹھ دن اور صاحبین کے قول پر انتالیس۳۹ دن گزر چکے ہیں پھر اس اقرار کے بعد بچہ کو جنم دے تو اس صوت میں بچے کا نسب پہلے خاوند سے ثابت نہ ہوگا مگر جبکہ اقرار کے وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ جنم دے تو نسب اسی سے ہی ثابت ہوگا کیونکہ اب یقینا اقرار کے وقت وہ حاملہ تھی تو اس سے عورت کا اقرار جھوٹا ثابت ہوجائے گا اور یوں ہی اگر مطلقہ بائنہ یا جس کا خاوند فوت ہوجائے گا اور یوں ہی اگر مطلقہ بائنہ یا جس کا خاوند فوت ہوا ہو جب وہ عدت ختم ہوجانے کا دعوی کرے پھر دعوی کے چھ ماہ بعد بچہ کو جنم دے تو یہ نسب بھی پہلے خاوند کا نہ ہوگا اور اگر چھ ماہ سے کم مدت ہو تو احتیاطًا نسب پہلے خاوند کا ہوگا جیسا کہ بغیر دعوی بھی بائنہ طلاق والی میں نسب ثابت ہوتا ہے(خواہ ایک طلاق یا تین طلاق سے بائنہ ہوئی ہو اور اس نے عدت میں دوسرے سے نکاح کیا یا نہ کیا ہو، بحر) بشرطیکہ اس نے طلاق سے دوسال کے اندر

ف: قوسین کے درمیان والی عبارت ردالمحتار کی ہے جبکہ قوسین سے باہر والی عبارت تنویر اور درمختار کی ہے۔ **نذیر احمد**

وقت الطلاق لجوازہ وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا، کما مر، ولولتمامھما لایثبت النسب الابدعوتہ لانہ التزمہ وھی شبھۃعقدایضا والا اذا ولدت توأمین احدھما لاقل من سنتین والاخر لاکثر فیثبت لکن فی القھستانی الدعوۃمشروطۃفی الولادۃلاکثر منھما وان لم تصدقہ المرأۃ فی الاوجہ فتح، ویثبت نسب ولد المقرۃ بمضیھا لولاقل من اقل مدتہ من وقت الاقرار ولا قل من اکثرھا من وقت البت للتیقن بکذبھا (استشکلہ الزیلعی بماذااقرت بعد سنۃ مثلا ثم ولدت لاقل من ستۃ اشھر من وقت الاقرار ولا قل من ستین من وقت الفراق فانہ یحتمل بانقضائھا ان تنقضی فی ذٰلك الوقت فلم یظھر کذبھا بیقین الااذاقالت انقضت عدتی الساعۃ ثم ولدت لاقل المدۃمن ذٰلک

بچہ کو جنم دیا ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کے وقت اس کا حمل موجود ہواور اقرار بھی نہ پایاگیا ہو جیساکہ گزرچکا ہے اور اگر طلاق سے دوسال پورے ہوجانے کے بعد بچہ جنا ہو تو پھر اس کے دعوی کے بغیر نسب ثابت نہ ہوگا، کیونکہ زوج نے نسب اپنے اوپر خود لازم کرلیااور یہ مشابہ عقد بھی ہے مگر یہ کہ عورت نے اس حمل سے دو بچے جنے یوں کہ ایک کو دو سال پورے ہونے سے قبل اور دوسرے کو دوسال کے بعد جنم دیا ہوتو اس صورت میں دعوی کے بغیر نسب ثابت ہوجائے گا لیکن قہستانی میں ہے اوجہ روایت کے مطابق دو سال کے بعد کی ولادت کی صورت میں دعوی شرط ہے اگرچہ عورت زوج کی تصدیق نہ کرتی ہو، فتح۔ایسی عورت جس نے عدت گزرجانے کا اقرار کررکھا ہو اور وہ اقرار کے وقت سے چھ ماہ سے کم مدت میں بچہ کو جنم دے یا طلاق بائن کے وقت سے دوسال کے اندر بچہ کو جنم دے تو اس بچے کا نسب ثابت ہوگا کیونکہ اس صورت میں عورت کا جھوٹا ہونا یقینی ہے، اس پر زیلعی نے یہ اشکال پیدا کیا ہے کہ مثلاجب عورت سال بعد عدت ختم ہونے کا اقرار کرے پھر وقت اقرار سے چھ ماہ کے اندر اور وقت فراق سے دوسال کے اندر بچے کو جنم دے تو ایسی صورت میں عدت کے ختم ہونے کا احتمال موجود ہے کہ عدت اسی وقت میں ختم ہوئی ہو تو عورت کا جھوٹا ہونا بطور یقین ثابت نہ ہوگا مگر اس صورت میں کہ جب وہ یوں کہے کہ میری عدت اب ختم ہوئی ہے پھر اس وقت سے چھ ماہ کے اندر بچہ کو جنم دے تو جھوٹا ہونا ظاہر

الوقت اھ[1] استظھرہ فی البحر، وقال یجب حمل کلامھم علیه کما یفھم من غایة البیان وتبعه فی النھر والشرنبلالیة انتھت ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگا اھ اس کو بحر میں ظاہر قرار دیا، اور کہا کہ فقہاء کے کلام کو اس معنی پر محمول کرنا ضروری ہے جیسا کہ غایۃ البیان سے سمجھا جارہا ہے، اور نہر اور شرنبلالی میں اس کی پیروی کی ہے انتہت ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱ تا ۱۲۴: از کوہ منصوری ڈاکخانہ کلہڑی کام اپر انڈیا گیٹ مرسلہ کلیم اللہ صاحب ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

۱ کتاب بہشتی زیور میں حصہ چہارم میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند مرجائے اور ایک دن کم دو سال کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ مرحوم خاوند کا مانا جائے گا، یہ مسئلہ شرع محمدی یا طب یا ڈاکٹری سے تحقیق ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کب سے ہے؟ یا کہ پرانا مسئلہ ہے یا اولیائے کرام سے جائز ہے؟

۲ دوسرے یہ کہ چار مہینے دس دن جو شرع سے قائم ہیں بعد عدت سے نکاح کرے تو بعد کو ایک سال یا ۹ مہینے کے بچہ پیدا ہوا تو پہلے خاوند کا مانا جائے گا یا اب جس سے نکاح ہوا اس کا؟

۳ تیسرے یہ کہ وہ بچہ کونسی حق ملکیت میں مستحق ہوگا پہلے باپ کی ملکیت میں یا دوسرے کی؟

۴ چوتھے یہ کہ بعض امام سلام پھیر کر سرپر ہاتھ رکھتے ہیں تو کس مصلحت سے رکھتے ہیں؟

الجواب:

کتاب بہشتی زیور نہ دیکھا کیجئے، اس کا دیکھنا حرام ہے، اس میں بہت سے مسائل غلط اور بہت باتیں گمراہی کی ہیں اس کے مصنف کو تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام لے کر لکھا ہے **من شك فی کفرہ فقد کفر**[2] جو اس شخص مذکور کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

یہ مسئلہ یوں ٹھیک نہیں بلکہ اگر چار مہینے دس دن عدت کے گزار کر عورت نکاح کرلے اور نکاح سے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہو کہ موتِ شوہر سے دس مہینے دس ہی دن بعد ہوا ہرگز پہلے شوہر کا نہ ٹھہرے گا بلکہ اسی دوسرے کا ہے پہلے شوہر کے ترکہ سے اسے کچھ نہ ملے گا، یہ دوسرا شخص ہی اس کا باپ ہے اگر یہ مرے گا تو وہ بچہ اس کا وارث ہوگا بلکہ اگر عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ بھی کرے صرف اتنا ہو کہ چار ماہ دس دن بعد وہ اپنی عدت

---

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۲۶۱/۱-۲۶۲، ردالمحتار فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۲۳/۲ تا ۶۲۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۵۶/۱

گزر جانے کا اقرار کرچکی ہو اس کے چھ مہینے بعد بچہ پیدا ہو اجب بھی ہر گز اس شوہر مردہ کا نہ ٹھہرے گا۔ در مختار میں ہے:

لواقرت بمضیھا بعد اربعۃ اشھر وعشرا فولاد تہ لستۃ اشھر لم یثبت لاحتمال حدوثہ بعد الاقرار [1] (ملخصًا)	اگر عورت موتِ زوج کے وقت سے چار ماہ دس دن عدت گزرنے کا اقرار کرے پھر وقت اقرار سے پورے چھ ماہ میں بچہ کو جنم دے تو بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا کیونکہ احتمال ہے کہ حمل کا حدوث اقرار کے بعد ہوا ہو۔ (ت)

نماز کے بعد پیشانی پر ہاتھ رکھ کر ایک دعا پڑھنا حدیث میں آیا ہے کارڈ میں دعا لکھنے کی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از پیلی بھیت مرسلہ عثمان صاحب معرفت مولوی عبدالحق صاحب ۲۲ شوال ۱۳۳۶ھ

ہندہ سے اس کے شوہر نے پونے تین سال سے قربت نہیں کی اور اس زمانہ میں پونے تین سال ہندہ اپنے باپ کے یہاں رہی اور اس صورت میں کہ میکے میں سوائے باپ کے اور کوئی اس کا رشتہ دار نہیں تھا اور ماں بھی اس کی نہیں تھی اور نہ کوئی عورت اور اس کے پاس تھی، اب پونے تین سال کے بعد اس کے بچہ پیدا ہوا، ہندہ حلف سے اور قسم سے کہتی ہے کہ بچہ میرے شوہر کا ہے جس طرح چاہے اطمینان کرلو، اس زمانہ پونے تین سال میں اپنے شوہر یا اس کے خاندان والوں کو یا اپنے ماں باپ کے رشتہ داروں کو مطلع نہیں کیا حالانکہ دونوں طرف بچہ ہونے کی کمال تمنا تھی کیونکہ اس کے شوہر کی دوسری بی بی سے بھی نیز اس سے اور کوئی اولاد نہ تھی، ہندہ کہتی ہے کہ مجھ کو دوڈھائی مہینے سے آثارِ حمل کچھ ظاہر ہوئے میں نے بوجہ اپنی سوت کے کسی سے اظہار نہیں کیا کہ مبادا سوت درپے آزار ہو مگر میں نے اپنے شوہر کو نیز اپنی چچی کو بلایا وہ میرے پاس نہیں آئی بچہ باپ کے یہاں پیدا ہوا، چوتھے روز شوہر کو بذریعہ تحریر مطلع کیا، ہندہ نے یہ بھی اپنی چچی سے کہا میری بینائی میں فرق آگیا ہے اور میرا جسم اکثر پکتا ہے، یہ اس کی حالت تھی، یہ اس کی چچی کا بھی بیان ہے اور ایام بھی بند تھے مگر گاہے کچھ معلوم ہو کر بند ہو جاتا تھا، جب ہندہ اور اس کے باپ نے بذریعہ تحریر شوہر کو اطلاع دی مولود کی، تب شوہر نے حالتِ غم میں اس کا جواب تحریری بھیجا کہ عرصہ سے میرا اس سے تعلق نہیں لہٰذا وہ بچہ میرا نہیں ہے اور میرا اس سے تعلق نہیں ہے۔ اس کا جواب عباراتِ فقہاء واحادیث وتمثیلات سے فرمایا جائے، فقط۔

[1] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۲

الجواب

صورت مستفسرہ میں وہ بچہ شرعًا بلاشبہہ اسی شوہر کا ہے اسے اس کا انکار جائز نہیں پونے تین در کنار تیس چالیس برس سے دونوں الگ ہوتے جب بھی بچہ اسی کا ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[1]۔	بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی کے لئے محرومی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قد اکتفوا بقیام الفراش بلا دخول کتزوج المغربی بمشرقیۃ بینھما مسافۃ سنۃ فولدت لستۃ اشھر مذ تزوجھا لتصور کرامۃ واستخداما، فتح[2]۔	فقہاء کرام نے ثبوت نسب میں نکاح موجود ہونے کو کافی قرار دیا اگرچہ جماع نہ پایا جائے، جیسے کوئی مغرب میں رہنے والا شخص مشرق میں رہنے والی عورت سے نکاح کرے اور دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت ہو اور اس عورت کے ہاں وقتِ نکاح سے چھ ماہ بعد بچہ پیدا ہو تو نسب نکاح والے کا ہوگا کیونکہ کرامت اور استخدام کے طور پر یہ ممکن ہے اور متصور ہے، فتح۔(ت)

ہمارے ائمہ نے اکثر مدت حمل دو سال رکھی ہے کہ غالب یہی ہے اور فقہ میں غالب ہی کا اعتبار ہے نادر خصوصًا ایسا کہ صدہا سال کروڑوں ولادتوں میں اس کا خلاف نہ مسموع ہو لحاظ نہیں کیا جاتا، امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں ایک صاحب اپنی زوجہ کو وطن میں چھوڑ کر سفر کو گئے دو برس بعد واپس آئے تو عورت کو حاملہ پایا ایک مدت بعد بچہ ہوا قد نبتت ثنیتاہ یشبہ اباہ اس کے اگلے چاروں دانت پیٹ ہی سے نکل چکے تھے صورت میں اپنے باپ سے مشابہ تھا فلماراہ الرجل قال ولدی ورب الکعبۃ جب ان صاحب نے اس بچے کو دیکھا کہا خدا کی قسم میرا بچہ ذکرہ فی الفتح، وقال انما ھو بقیام الفراش ودعوی الرجل نسبہ اھ[3] (اس کو فتح میں ذکر کیا ہے، اور فرمایا یہ تب ہے کہ نکاح موجود ہو اور زوج نسب کا دعوٰی کرے اھ۔ت)

اقول: فی صدر الحدیث ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ھم برجمھا	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) حدیث کے شروع میں ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عورت کو رجم

---

[1] صحیح البخاری باب الولد للفراش حرۃ کانت اوامۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[2] درمختار فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۳

[3] فتح القدیر باب فصل فی ثبوت النسب نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۸۱

فقال له معاذ رضی الله تعالٰی عنه ان کان لك علیها سبیل فلاسبیل لك علی مافی بطنها، فترکها حتی ولدت ولداقد نبتت [1] الخ فالفراش قد کان قائما حین هم برجمها وهو لایحتاج الی الدعوة فالصواب ان یشاء الله تعالٰی ان ذٰلك قد یقع بغایة الندرة والعبرة فی الفقه الغالب فافهم، ثم بعد سویعة رأیت ولله الحمد الامام السرخسی رحمه الله تعالٰی صرح فی مبسوطه بماسبق الیه خاطر الفقیر اذقال بعد ذکر الحدیث المذکور والاحکام تبتنی علی العادة الظاهرة وبقاء الولد فی بطن امه اکثر من سنتین فی غایة الندرة [2]۔	کرنے کا قصد فرمایا تو ان سے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ کو اس عورت پر قدرت ہے مگر اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اس پر آپ کی قدرت نہیں، تو اس پر عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عورت کو چھوڑ دیا حتی کہ اس عورت نے ایسے بچے کو جنم دیا جس کے دانت نکل چکے تھے الخ تو جب حضرت عمر فاروق نے اس عورت کے رجم کا ارادہ فرمایا تو اس وقت اس کا نکاح موجود تھا، تو ایسی صورت میں نسب کا دعوی کی ضرورت نہیں، تو درست یہی ہے۔ اگر اللہ تعالٰی نے چاہا کہ ایسا واقعہ انتہائی نادر ہوتا ہے۔ جبکہ فقہ میں کثیر الوقوع کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس پر غور کرو۔ پھر تھوڑی دیر بعد للہ الحمد میں نے امام سرخسی کا نقل کردہ کلام دیکھا کہ آپ نے اپنی مبسوط میں اسی بات کی تصریح فرمائی جو میرے دل پر وارد ہوئی تھی، جب انہوں نے مذکورہ حدیث اور کچھ ایسے واقعات جن کا ذکر آرہا ہے، کو بیان کرکے فرمایا ہمارے لئے احکام ظاہر عادت پر مبنی ہیں، جبکہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زائد عرصہ بچے کا رہنا انتہائی نادر واقعہ ہے۔ (ت)

دارقطنی و بیہقی اپنے اپنے سنن میں ولید بن مسلم سے راوی امام دارالہجرۃ عالم المدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

هذه جارتنا امرأة محمد بن عجلان امرأة صدق و زوجها رجل صدق حملت ثلثة ابطن فی اثنی عشرة سنة کل بطن فی اربع سنین [3]۔	یہ ہیں ہماری ہمسائی محمد بن عجلان کی بی بی، یہ سچی عورت اور وہ سچے مرد، ان کے تین حمل بارہ ۱۲ برس میں ہوئے، ہر حمل چار سال میں۔

[1] فتح القدیر باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۸۱

[2] مبسوط سرخسی باب العدة وخروج المرأة من بیتها دار المعرفة بیروت ۶/ ۴۵

[3] فتح القدیر بحوالہ الدارقطنی والبیہقی باب ثبوت النسب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۸۱۔۱۸۰

امام شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں فرماتے ہیں:

قیل ان الضحاك ولدته امه لاربع سنین، وولدته امه لاربع سنین، وولدته بعد مانبتت ثنیتاه وھو یضحك فسمی ضحاکاوعبدالعزیز الماجشونی رضی اللہ تعالٰی عنه ولدته امه لاربع سنین وھذہ عادۃ معروفۃ فی نساء ماجشون رضی اللہ تعالٰی عنھم انھن یلدن لاربع سنین[1]۔	یعنی منقول ہوا کہ امام مفسر محدث ضحاک چار برس ماں کے پیٹ میں رہے، پیدا ہوئے تو اگلے چاروں دانت نکل چکے تھے، ہنستے معلوم ہوتے تھے اس لئے ضحاک نام رکھا گیا (یعنی بہت ہنسنے والے)، اور امام محدث عبدالعزیز ماجشونی بھی چار برس حمل میں رہے، اور بنی ماجشون کی عورتوں کی یہ عادت مشہور ہے کہ بچہ ان کے پیٹ میں چار برس رہتا ہے۔

شوہر زن کا کہنا ہے کہ وہ بچہ میرا نہیں اور میرا اس سے تعلق نہیں، اس لفظ اخیر میں اگر لفظ اول کے خلاف اس کی ضمیر بچے کی طرف ہے جب تو ظاہر کہ اسے طلاق سے کوئی تعلق نہیں اور اگر مثل اول ضمیر عورت کی طرف ہے تو یہ لفظ کنایات طلاق سے ہے اور وہ محتمل سَبّ و ذم ہے یعنی میں ایسی عورت سے بیزار ہوں اور حالت حالت غضب ہے تو بے اقرار شوہر نیت طلاق کا ثبوت نہ ہوگا اس سے قسم لی جائے اگر بحلف کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ نہ نیت ازالہ علاقہ نکاح نہ کہا تھا تو طلاق نہ ہوئی اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہے، مبسوط امام شمس الائمہ میں ہے:

انت بائن حرام بتۃ خلیۃ بریۃ تحتمل معنی السب ای انت بائن من الدین بریۃ من الاسلام خلیۃ من الخیر حرام الصحبۃ والعشرۃ بتۃ عن الاخلاق الحسنۃ وعن ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی انه الحق بھٰذہ الالفاظ اربعۃ الفاظ اخر خلیت سبیلك فارقتك لاسبیل لی علیك لاملك	اگر خاوند بیوی کو کہے "تو بائن ہے، حرام ہے، دور ہے، خالی ہے، بری ہے" تو یہ الفاظ محتمل معنی سب وذم ہیں یعنی تو دین سے الگ ہے، تو اسلام سے بری ہے، خیر سے خالی ہے، صحبت وعشرت سے محروم ہے، اخلاق حسنہ سے دور ہے (لہٰذا یہ الفاظ مذکورہ معانی کی وجہ سے گالی بن سکتے ہیں اس لئے طلاق کی نیت کئے بغیر طلاق نہ ہوگی) امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے ان پانچ الفاظ پر مزید چار الفاظ ذکر فرمائے (جن میں گالی کا احتمال ہونے

[1] مبسوط السرخسی باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتھا دارالمعرفۃ بیروت ۶/ ۴۵

لی علیك لانھا تحتمل معنی السب ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی، لاسبیل لی علیك لشرك وسوء خلقك، وفارقتك اتقاء لشرك و خلیت سبیلك لھوانك علیّ[1]۔	کی وجہ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی) وہ چار الفاظ یہ ہیں، میں نے تیرا راستہ کھول دیا، میں تجھ سے الگ ہوں، میرا تجھ پر چارہ نہیں، میری تجھ پر ملکیت نہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ گالی کا احتمال رکھتے ہیں یعنی میری تجھ پر ملکیت نہیں کیونکہ تو اس قابل نہیں، میرا تجھ پر چارہ نہیں تیرے شر اور بداخلاقی کی وجہ سے، میں تجھ سے الگ ہوں تیرے شر اور بداخلاقی سے بچتے ہوئے، میں نے تیرا راستہ کھول دیا ہے کہ تو میرے ہاں کمینی ہے۔ (ت)

اسی طرح تبیین امام زیلعی میں ہے۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

روی عن ابی یوسف انہ زاد علی ھذہ الالفاظ الخمسۃ خمسۃ اخری لاسبیل لی علیک، فارقتک، خلیت سبیلک، لاملك لی علیک، بنت منی، لان ھذہ الالفاظ تحتمل الشتم کما تحتمل الطلاق، فیقول الزوج لاسبیل لی علیك لشرک، وفارقتك فی المکان لکراھۃ اجتماعی معک، وخلیت سبیلك ومااَنت علیہ، ولاملك لی علیك لانك اقل من اتملك، وبنت منی لانك بائن من الدین اوالخ[2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے ان پہلے پانچ مذکورہ الفاظ پر مزید پانچ ذکر فرمائے جن میں چار وہی پہلے والے اور ایک "تو مجھ سے دور ہے"، کیونکہ یہ الفاظ جیسے طلاق کا احتمال رکھتے ہیں گالی ہونے کا احتمال بھی رکھتے ہیں، مثلاً خاوند کہتا ہے تیرے شر کی وجہ سے میرا تجھ پر چارہ نہیں، میں مکان میں تجھ سے جدا رہتا ہوں کیونکہ تیرے ساتھ اکٹھا رہنا ناپسند کرتا ہوں، تیرا راستہ تیرے حال پر کھولتا ہوں، تجھ پر میری ملکیت نہیں کیونکہ تو اس قابل نہیں، تو مجھ سے دور ہو کیونکہ تو دین سے دور ہے یاالخ (ت)

ہدایہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی قولہ لاملک	"تو مجھ سے دور ہے" کہ ماسوا باقی چار الفاظ کو

[1] مبسوط السرخسی باب ماتقع بہ الفرقۃ مما یشبہ الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۶/۸۰و۸۱

[2] بدائع الصنائع فصل واما الکنایۃ فنوعان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۰۷

لی علیك ولاسبیل لی علیك وخلیت سبیلك وفارقتک، انہ یصدق فی حالۃ الغضب لما فیھا من احتمال معنی السب[1]۔	ذکر کرکے کہا کہ ابویوسف سے مروی ہے کہ اگر خاوند کہے کہ یہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو غصہ کی حالت میں کہنے پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ ان الفاظ میں گالی ہونے کا احتمال ہے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

فان قولہ لاملك لی علیك یحتمل ان یکون معناہ لانك اقل من ان تنسبی الی ملکی او نسب الیك بالملك ولاسبیل لی علیك لسوء خلقك واجتماع انواع الشرفیک، وخلیت سبیلك لقذارتك و فارقتك فی المضجع لذفرك وعدم نظافتك والحقی باھلك لانك اوحش من ان تکونی خلیلتی۔[2]	خاوند کا کہنا کہ "تجھ پر میری ملکیت نہیں ہے" کا معنی ہوسکتا ہے کہ تو میری ملکیت کے قابل نہیں یا میں تیرا مالک بنوں تو اس قابل نہیں، "میرا تجھ پر چارہ نہیں" کا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ یہ تیری بداخلاقی کی وجہ سے اور تیرے ہر قسم کے شر کی وجہ سے، اور تیرا راستہ کھول دیا تیری بری حالت کی وجہ سے، میں تجھ سے جدا ہوں لیٹنے میں تیری بدبو اور صفائی نہ ہونے کی وجہ سے، تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا کیونکہ تو میرے ہمراہ رہنے میں وحشت محسوس کرتی ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الحق ابویوسف بالتی تحتمل السب الفاظ اُخری وھی لاملك علیک، لاسبیل لی علیک، خلیت سبیلک، فارقتك فھذہ اربعۃ الفاظ ذکرھا الوالوالجی وذکرھا العتابی خمسۃ، لاسبیل، لاملک، خلیت سبیلک، الحقی باھلک، حبلك علی	ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جو ان الفاظ کے ساتھ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں مزید چار مذکورہ الفاظ شامل کئے، انہی چاروں کو ولوالجی نے ذکر کیا اور عتابیہ میں یہ پانچ ذکر کئے، تجھ پر چارہ نہیں، تجھ پر ملکیت نہیں، تیر راستہ کھول دیا، اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، تیری رسی تیرے کندھے پر ہے، ایضاح اور شرح جامع صغیر میں شمس الائمہ نے پانچ یہی ذکر فرمائے، لیکن، تیری رسی تیرے کندھے پر ہے، کی

[1] الہدایۃ کتاب الطلاق فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۵۵

[2] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

غاربک،وفی الایضاح وشرح الجامع الصغیرلشمس الائمۃ ذکر خمسۃ ھی ھذہ الاانہ ذکر مکان حبلك علی غاربك فارقتک،فتتم ستۃ الفاظ ووجہ احتمالھا السب ان لاملك لی یعنی انت اقل من ان تنسبی الی بالملک، ولاسبیل لی علیك لزیادۃ شرک،وخلیت سبیلک، وفارقتك والحقی باھلک،وحبلك علی غاربك ای انت مسیئۃ لایشتغل احد بتأدیبك اذلا طاقۃ لاحد بما رستک[1] **اقول:** والدلیل دلیل ان لاحصر بل کل لفظ یدل علی التبری عنھا والتخلی و الانقطاع وترك الاشتغال بھا فھو مما یحتمل المعنی المذکور کمالایخفی۔	بجائے انہوں نے "میں تجھ سے الگ ہوں" ذکر کیا،یوں کل چھ الفاظ ہوئے،ان کی وجہ یہی ہے کہ گالی ہونے کا احتمال رکھتے ہیں "تو میری ملک نہیں" یعنی تو اس قابل نہیں کہ میری ملکیت کے لئے منسوب ہو، "میرا تجھ پر چارہ نہیں" یعنی تیری بداخلاقی اور تیرے شر کی وجہ سے، "میں نے تیرا راستہ کھول دیا" یعنی میں تجھ سے جدا ہوا، "تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا"، "تیری رسی تیرے کندھے" یعنی تو ایسی بد ہے کہ کوئی تجھے تربیت نہیں دے سکتا کیونکہ بار بار سمجھانے کی کسی میں طاقت نہیں ہے اھ،**اقول:** (میں کہتا ہوں) مذکور بیان اس بات کی دلیل ہے کہ ان الفاظ میں حصر نہیں بلکہ جو الفاظ بھی براءت، علیحدگی، انقطاع اور بیوی سے ترک تعلق پر دلالت کریں وہ تمام گالی بننے کا احتمال رکھتے ہیں، جیسا کہ مخفی نہیں (ت)

درمختار میں ہے:

القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما، مجتبٰی[2]۔	مذکورہ الفاظ کہنے کے بعد خاوند بیان دے کہ طلاق کی نیت نہ کی تھی، تو اس کی تصدیق کردی جائے گی،اور اس معاملہ میں بیوی کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے اور اگر خاوند اپنے بیان سے متعلق گھر میں قسم نہ کھائے بلکہ انکار کردے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرے اگر حاکم کے مطالبے پر بھی قسم کھانے سے انکار کرے تو پھر حاکم میاں بیوی میں علیحدگی کا فیصلہ دے دے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان نکل ای عند القاضی لان	اگر قاضی کے ہاں قسم سے انکار کرے تو تفریق کرے،

[1] فتح القدیر فصل فی الطلاق قبل الدخول مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۴۰۲/۳

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۲۳۰/۱

النکول عند غیرہ لایعتبر، ط[1] اھ۔ **اقول:** ھو مستفاد من قولہ فان ابی رفعتہ فلم یجعل اباءہ عندھا شیأ۔	کیونکہ قاضی کے علاوہ کسی غیر کے ہاں انکار کرے تو وہ انکار تفریق کے لئے معتبر نہیں ہوگا، ط، اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بات ماتن کے اس قول سے عیاں ہورہی ہے کہ "اگر گھر میں انکار کرے تو بیوی حاکم کے ہاں معاملہ کو پیش کرے" تو انہوں نے بیوی کے ہاں انکار کو غیر معتبر قرار دیا۔ (ت)

ہاں اگر وہ اقرار کرے کہ (اس) کی ضمیر عورت کی طرف تھی اور یہ لفظ قطع تعلق نکاح ہی کی نیت سے کہے تو بیشک ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی، اور اب بچہ اسی شوہر کو ایسا لازم ہوگیا کہ اس سے چھوٹ ہی نہیں سکتا کہ بینونت کے بعد احتمال لعان بھی نہ رہا جو حاکم اسلام کے حضور ہوسکتا اور جب اس کے بعد قاضی ان زن وشو میں تفریق کرکے بچے کی نسبت اس شوہر سے قطع کردیتا اس کا نہ ٹھہرتا مجہول النسب رہ جاتا، درمختار میں باب اللعان میں ہے: **شرطہ قیام الزوجیۃ**[2] (لعان کی شرط یہ ہے کہ نکاح موجود ہو۔ ت) اسی میں ہے:

ویسقط بعد وجوبہ بالطلاق البائن ثم لایعود بتزوجھا[3]۔	لعان واجب ہوجانے کے بعد بائنہ طلاق دے دینے پر ساقط ہوجائے گا، اور دوبارہ نکاح کرنے پر بھی لعان نہ ہوسکے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وان قذف الزوج بولدحی نفی الحاکم نسبہ عن ابیہ والحقہ بامہ[4]۔	جب خاوند بیوی پر تہمت لگائے کسی زندہ بچے کے بارے میں، تو حاکم اس بچے کے نسب کو اس خاوند سے منقطع کردے اور بچے کو ماں سے ملحق کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای لابد ان یقول قطعت نسب ھٰذا	یعنی قاضی کے لئے اس موقعہ پر ضروری ہے کہ وہ یہ

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۵
[2] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱
[3] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۲
[4] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۲

الولد عنه بعد ماقال فرقت بينكما وفی المبسوط هذا هوالصحيح[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اعلان کرے کہ میں نے اس بچے کا نسب اس شخص سے منقطع کر دیا ہے، یہ اعلان وہ تفریق کرنے کے بعد کرے۔اور مبسوط میں ہے کہ یہی صحیح ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۶: از ریاست جے پور نمک منڈی اجمیری دروازہ مرسلہ محمد عبدالعزیز بیگ ۲۱ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ کے دختر رابعہ پیدا ہوتے ہی ہندہ کا انتقال ہوگیا چنانچہ مسماۃ رابعہ نے ابتدائے پیدائش خود سے ڈیڑھ سال کامل ایامِ رضاعت میں مسماۃ شافیہ وکافیہ کا دودھ پیا' اتفاق سے مسماۃ شافیہ وکافیہ کے حقیقی بھائی مسمّٰی بزید سے مسماۃ رابعہ کا عقد ہو کر اولاد بھی ہوگئی (حالانکہ مسمّٰی بزید ومسماۃ رابعہ زن و شوہر باہمی رضاعی ماموں وبھانجی ہوتے ہیں) توایسی صورت میں نکاح قائم رہ سکتا ہے یانہیں ؟اور بصورت قائم رہنے کے کفارہ عائد ہوگا یانہیں؟اور اولاد کس کی کفالت میں رہے گی اور بارِ مہر زوج پر عائد ہوگا یانہیں؟

الجواب:

حاشاوہ خبیث نکاح ہر گز قائم نہ رکھا جائے گا،مرد وعورت پر فرض فرض عظیم فرض ہے کہ فورًا فورًا جدا ہو جائیں،مرد نہ مانے تو عورت خود جدا ہو جائے،دونوں نہ مانیں تو حاکم بالجبر جدا کردے گا۔عورت کے لئے مرد پر پورا مہر مثل ہے اگرچہ جو مہر بندھا تھا اس سے کتنا ہی زائد ہو،اولاد میں لڑکا سات برس اور لڑکی نوبرس کی عمر تک ماں کے پاس رہے پھر باپ لے گا۔ردالمحتار میں ہے:

فی الخانية لوتزوج محرمه لاحد عليه عند الامام عليه مهر مثلها بالغامابلغ[2]۔	خانیہ میں ہے اگر کسی نے اپنی محرم سے نکاح کیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ سخت تعزیر ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا،یہ امام اعظم کے نزدیک ہے۔(ت)

اسی میں نہر سے ہے:

قال فی الدراية الصحيح انها شبهة عقد فيثبت النسب وهكذاذكر فی المنية[3] اھ	درایہ میں ہے کہ یہ شبہہ نکاح ہے لہٰذا نسب ثابت ہو جائے گا،منیہ میں بھی یونہی مذکور ہے اھ ملخصًا

---

[1] ردالمحتار باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۹

[2] ردالمحتار باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱

[3] ردالمحتار باب الوطی داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۴

(ملخصًا)وذکرہ الخیرالرملی عن العینی ومجمع الفتاوٰی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس کو خیر الدین رملی عینی اور مجمع الفتاوٰی سے نقل کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۷: از حافظ گنج ضلع بریلی مسئولہ حیدر بخش

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت رانڈ ہوگئی اور اس کے حمل عرصہ تین ماہ سے رہ گیا،جب پنچوں نے دریافت کیاتو مسمّٰی حیدر بخش نے جو اسی گاؤں کا آدمی تھا یعنی اس عورت کا بھانجا ہے کہ میں اس عورت کو بعد وضع حمل نکاح میں لاؤں گا میں نے اس عورت کا عیب ثواب اپنے اوپر رکھ لیا،اس بات پر پنچوں نے اور کل بستی نے بوجہ ہونے حرام کے اس عورت واس شخص یعنی حیدر بخش دونوں کا حقہ پانی اس غرض سے بند کردیا کہ آئندہ عورت وآدمی ایسا فعل ناجائز نہ کرے،اب جو حکم شریعت ہو وہ کیا جائے یا بروئے شریعت کھولا جائے۔

الجواب:

خاوند کی موت سے دوبرس کے اندر بچہ پیدا ہو وہ خاوند ہی کا ہے،سائل بیان کرتا ہے کہ خاوند کی موت کو دس مہینے ہوئے اور تین مہینے سے حمل بتاتا ہے اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد عدت ختم ہوجانے کا اقرار نہ کرچکی ہو اور یہ مرگِ شوہر سے دو برس کے اندر پیدا ہو تو شوہر ہی کا ہوگا اور عورت کو حرام کی طرف نسبت کرنا حرام ہوگا،اگر عورت چار مہینے دس دن کے بعد اپنی عدت ختم ہوجانا ظاہر کرچکی تھی اور اب تین مہینے سے حمل ظاہر ہوا تو عورت پر الزام ہے اس کا حقہ پانی بند کردیں،لیکن حیدر بخش پر اس کہنے سے کوئی الزام نہیں اس کا حقہ پانی کھول دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از موضع کریلی ضلع بریلی مسئولہ امام الدین صاحب ۱۲شعبان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ہندہ سے نکاح کئے ہوئے پانچ ماہ اور دس یوم ہوئے ہیں،ہندہ نے بچہ جنا،تو اس بچہ پر کیا حکم ہے آیا وہ زید کا قرار دیا جائے گا یا نہیں؟اہل برادری معترض ہیں تو اس حالت میں زید اور ہندہ پر اور بچہ پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت بیوہ تھی شوہر کے مرے تین برس ہوئے،اس کے بعد یہ بچہ ہوا تو یہ نہ اگلے شوہر کا ہے نہ زید کا،بلکہ مجہول النسب ہے،اور زید پر کچھ الزام نہیں،ہندہ کا حال خدا جانے،بے ثبوت اسے بھی زانیہ نہیں کہہ سکتے،ممکن کہ دھوکے سے وطی واقع ہوئی ہو جس سے یہ بچہ ہے۔بدائع وبحر ودرمختار وہندیہ میں ہے:

ان جاءت بہ لاکثر من سنتین منذطلقھا الاول اومات ولاقل من ستۃ اشھر منذتزوجھا الثانی لم یکن للاول ولاللثانی وھل یجوز نکاح الثانی فی قول ابی حنیفۃ ومحمد جائز اھ[1]۔وتأمل فی ھذا الجواز فی رد المحتار فراجعہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	پہلے خاوند کی موت یا طلاق کے بعد دوسال سے زائد عرصہ پر عورت نے بچے کو جنم دیا ہو یا دوسرے نکاح سے چھ ماہ کے اندر جنم دیا ہو تو اس بچے کا نسب نہ پہلے سے ہوگا نہ دوسرے سے۔اور کیا اس صورت میں دوسرا نکاح صحیح پائے گا، تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز قرار پائے گا اھ، ردالمحتار میں اس جواز پر تامل کیا ہے، اس کی طرف رجوع کرو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹تا۱۳۰: از گوپند گڑھ ضلع اجمیر شریف مسجد خورد مرسلہ فیض محمد صاحب امام مسجد ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک شخص ایک عورت کو فرار کرکے لے گیا، عورت کا خاوند زندہ ہے، وہ عورت مرگئی اور وہ شخص واپس چلا آیا، اس عورت کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب ان بچوں اور اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اس کے ساتھ مصافحہ اور کھانا کھانا کیسا ہے؟

(۲) ایک شخص نے اپنی ساس سے زنا کیا اور حمل رہا، لڑکی ہوئی اور پھر شادی کی، اس شادی سے لڑکا ہوا، اس لڑکے پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) صورت مذکورہ میں وہ شخص زانی ہے، سزائے زناء کا سزاوار اور مستحق عذاب نار ہے، مسلمان اگر اس سے سلام کلام نہ کریں، اس کے ساتھ کھانا نہ کھائیں، اس سے مصافحہ نہ کریں تو وہ ضرور اس قابل ہے جب تک توبہ نہ کرے، شوہر اور عورت کے بچے اس کے شوہر ہی کے ہوتے ہیں۔ صحیح حدیث میں فرمایا:

الولد للفراش وللعاھر الحجر[2]۔	بچہ اس کا جس کا بچھونا یعنی خاوند کا اور زانی کے لئے پتھر۔

(۲) جس نے اپنی ساس سے زنا کیا اس نے اپنی ماں سے زنا کیا، اور شادی اگر کسی اور عورت سے کی اور اس سے لڑکا پیدا ہوا تو اس لڑکے میں کوئی خلل نہیں، اور اگر سائل کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامش عشر فی ثبوت النسب نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۳۸

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

ایک عورت سے زنا کیا پھر اس کی لڑکی سے نکاح کیا اس سے لڑکا ہوا تو وہ شخص اس وقت بھی زانی ہوا اور اس نکاح میں بھی حرام کار کہ یہ اس کی بیٹی کی جگہ ہے، اور اب یہ جو لڑکا پیدا ہوا ولد الحرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت وجماعت مسئولہ طالبعلم مدرسہ مذکور ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی علاتی اخت کی نواسی کے ساتھ چھ برس ہوئے نکاح کیا تھا اس سے ایک لڑکی ہوئی، اب زید کو اور محلّہ کے لوگوں کو معلوم ہوا کہ زید کا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا زید سے تفریق کرادی، زید کا یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں تو اس لڑکی کا مستحق کون ہے، مہر لازم ہوا یا نہیں؟ عدت ہوگی یا نہیں؟ اور اس نکاح کے وکیل وگواہ اور پڑھانے والوں کا کیا حکم؟ اور زید پر کیا حکم؟ باوجود اس کے کہ بے علم ہیں۔

الجواب:

نکاح مذکور حرام حرام قطعی حرام، اور زید اور نکاح خواں ووکیل وگواہ سب سخت ترگناہ کبیرہ میں گرفتار، اور جہل اس کے گناہ کبیرہ ہونے سے خارج نہ کرے گا بلکہ جہل خود دوسرا گناہ کبیرہ ہے، ولہذا حدیث میں ہے:

ذنب العالم واحد وذنب الجاھل ذنبان[1]۔	عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا گناہ۔

عورت پر ضرور عدت لازم ہے اور زید پر پورا مہر مثل واجب ہے یعنی اس طرح کہ عورت کا مہر مثل کیا ہے وہ جو باندھا تھا اس کا لحاظ نہ ہوگا چاہے مہر مثل سے کم ہو یا زائد، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذا تزوج بذات رحم محرم منه ودخل بها لاحد علیه وعلیه مھر مثلھا بالغا ما بلغ[2]۔ (ملخصًا)	جب کسی نے ذی رحم محرم عورت سے نکاح کرکے جماع کرلیا تو اس پر حد نہیں (بلکہ تعزیر سخت ہے) اور مہر مثل جتنا بھی ہو اس پر لازم ہوگا (ملخصًا)۔ (ت)

لڑکی زید ہی کو دلائیں گے، ۹ برس کی عمر ہونے تک ماں کے پاس رہے گی اور اگر وہ کسی ایسے سے نکاح کرے جو اس لڑکی کا محرم مثل چچا کے نہ ہو، اس کے بعد باپ یعنی زید لے لے گا۔ درمختار کتاب الحدود میں ہے:

انھا من شبھة المحل وفیھا	یہ محل کا شبہہ ہے اور اس میں نسب

---

[1] کنز العمال بحوالہ فر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۵۳، کنز العمال بحوالہ فر، عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۷۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۵

یثبت النسب[1]۔	ثابت ہو جاتا ہے۔(ت)

معراج الدرایہ پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الصحیح انہا شبہة عقد لانه روی عن محمد انه قال سقوط الحد عنه لشبہة حکمیة فیثبت النسب و ھکذا ذکر فی المنیة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ یہ شبہہ نکاح ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس سے حد کا سقوط حکمی شبہہ کی بناء پر ہے، لہٰذا نسب ثابت ہوگا، منیہ میں یونہی ذکر کیا ہے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اندور رانی پورہ مسئولہ واحد ملا ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام وفضلائے عظام اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا ہے، ہندہ نے ساتویں ماہ عقد کیا بکر کے ساتھ، اور ہندہ کو پانچ چھ ماہ کا حمل تھا، بروقتِ نکاح ہندہ نے حمل کو ظاہر نہ کیا، بعد عقد ایک ماہ کے ہندہ اور بکر میں جھگڑا ہوا کہ حمل کس کا ہے، بکر کہتا ہے میرا حمل ہے اور ہندہ کہتی ہے تیرا نہیں ہے، تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ حمل کس کا قائم ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر موتِ شوہر اول سے دو سال کے بعد بچہ پیدا ہو تو شوہر دوم کا ہے اور نکاح صحیح ہے اور دو سال سے کم میں پیدا ہو تو لڑکا پہلے شوہر کا ہے اور اس دوسرے کا نکاح باطل، **کما یظھر مما لخصناہ علی ھامش ردالمحتار** (جیسا کہ یہ اس سے ظاہر ہے جو ردالمحتار پر حاشیہ میں ہم نے اس کی تلخیص کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از کریلی ضلع بریلی مسئولہ ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدت حمل کی زائد سے زائد کے برس ہے؟ اور کم سے کم کتنے سال ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کم سے کم چھ مہینے اور زیادہ سے زیادہ دو سال کامل بے کم و بیش، مگر عورت جس کا شوہر زندہ ہو اگرچہ کتنے ہی برسوں سے اس سے کتنا ہی دور ہو، اس کی اولاد شوہر ہی کی اولاد قرار پائے گی، اس کے لئے دس بیس پچاس سال

[1] درمختار باب الوطء یوجب الحد والذی لایوجبہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۱۹/۱

[2] ردالمحتار باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵۴/۳

کوئی مدت مقرر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۴: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ سید عبدالجلیل صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقد ہندہ سے واقع ہوا، مگر بموجب رواج ہندوستان رسمِ رخصت عروس عمل میں نہ آئی اور زید وہندہ دونوں بالغ تھے اور ایک ہی مکان میں سکونت پذیر تھے اور اس مکان میں غیر مردوں کا بھی گزر تھا اہل کفو میں سے نامحرم لوگ آتے جاتے تھے، یکایک ہندہ کو حمل رہ گیا، اس نے اس کو پوشیدہ رکھا یہاں تک کہ وضعِ حمل قریب آگیا، جب لڑکا پیدا ہوا تو لوگوں کو نہایت تعجب آیا، الغرض مولود تو اسی دم مرگیا اور ہندہ سے مستورات نے بطورِ خود دریافت کیا کہ یہ حمل کس کا ہے، ہندہ نے اپنے اعزّہ میں سے ایک شخص کا نام لیا اور اس قضیہ کو عرصہ قریب چار سال کے گزر گیا، پس شوہر اس کا بسبب اس فعل شنیع کے اس سے ناراض ہے، ہندہ کو اپنے عقد میں رکھنا نہیں چاہتا، بظاہر زن و شو میں مقاربت و مواصلت واقع نہ ہوئی، مگر پوشیدہ طور پر ممکن ہے کہ وہ حمل زید کا ہو، چونکہ رسم رخصت عمل میں نہ آئی تھی شاید بوجہ لحاظ و شرم غیر کا نام ظاہر کردیا ہو اور زید کا نام نہ لیا ہو۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید سے ہندہ کو طلاق دلوائی جائے تو عدت ہندہ کی کَے ماہ کی ہوگی؟ اور درباب مہر کے بھی ارشاد ہو کہ بذمہ زید کس قدر واجب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ دنیوی خیالات کو بہت وسعت ہے، اہلِ بدگمانی کے نزدیک ناراضی زید جدا خبر دے رہی ہے کہ اپنا ہوتا تو وہ خود جانتا، اور ہندہ کا دوسرے کی طرف نسبت کرنا جدا۔ پھر اسے یوں بنانا کہ بوجہ عدم رخصت شرم دنیا کے سبب شوہر کا نام نہ لیا بہت پوچ عذر ہے، آخر قبل رخصت جماع حلال ہونا اہلِ دنیا کے نزدیک زنا سے زیادہ شرم کی بات نہیں، یہ خیالات بدگمانیوں کو بہت تائید دیں گے، مگر حاشا شرع مطہر انہیں اصلاً مقبول نہیں فرماتی اور قطعًا حکم دیتی ہے کہ لڑکا شوہر ہی کا تھا، حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الولد للفراش وللعاھر الحجر** [2] (بچہ نکاح والے کا ہے اور زانی محروم ہے۔ت)

---

[1] صحیح بخاری باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[2] صحیح بخاری باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/ ۴۰۹

جب شریعت نے مرد مغربی وزن مشرقی کے مسئلہ میں باوجود بعد المشرقین باحتمال کرامت یا استخدام جن بچہ شوہر ہی کا ٹھہرایا تو زید وہندہ تو ایک ہی مکان میں رہتے تھے یہاں کیونکر ممکن کہ بے ثبوتِ قطعی شرعی فلاں کا معاذ اللہ زانی یا باوجود فراش صحیح بچہ کو ولد الحرام قرار دیں۔ رہا ہندہ کا فلاں کی نسبت کردینا، ممکن ہندہ کو اس سے کوئی عداوت ہو اور شاید وہ رنجش اسی بنا پر پیدا ہوئی ہو کہ ہندہ نے اس سے بدنگاہی پائی، مانع آئی، کارگر نہ ہوا، دشمن ہو گئی، اور بوجہ شدت غیظ اس خیال سے کہ اولیائے ہندہ یہ امر عظیم سن کر حتّی المقدور اس شخص کے درپے آزار ہوں گے، اس تہمت کی مرتکب ہوئی، اپنا بھی صریح ضرر سہی، اہل مکر وحیلہ سے اس قسم کی بات کا صدور کچھ عجب نہیں جس میں ان کے دشمن کو ایذا پہنچے اگرچہ خود بھی ____ عـــه
اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ [1] (بیشک تمہارا چرتر بہت بڑا ہے۔ت) اور اب ناراضی زید کی بھی صریح توجیہ موجود کہ بغلط و دروغ اپنے ساتھ اس امر ناپاک کا وقوع بتانے پر ہندہ سے بیزار ہوا، بہرحال حکم یہی ہے کہ وہ بچہ زید ہی کا تھا، اور جب شرع نے یہ مان لیا تو ہندہ کا مدخولہ ہونا خود ہی ثابت ہو لیا طلاق تین حیض کامل کی عدت لازم، وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ [2] (طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک روک رکھیں۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

عـــه: مسودہ میں بیاض ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/۲۸

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

بابُ الحضانۃ

(پرورش کا بیان)

مسئلہ ۱۳۵: ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے رحلت کی، دو پسر نابالغ زوجہ اولٰی سے جو زید کے روبرو فوت ہوچکی ہے اور تین دختر زوجہ ثانیہ سے جو حی و قائم ہے وارث چھوڑے، اب درباره ان بچوں نابالغان کے ولایت کی فکر درپیش ہے، نابالغان مذکورین کے اجداد میں دو شخص موجود ہیں ایک مسمّٰی عمرو دادا کا چچازاد بھائی، دوسرا بکر دادا کا ماموں زاد بھائی جس کو مسمّٰی زید مورث کی حقیقی ہمشیرہ جوان پانچوں نابالغان کی حقیقی پھوپھی ہے منسوب ہے، اور تین پھوپھی حقیقی بیاہی ہندہ و معصومہ و صدیقہ اور دختران مذکورین کی والدہ اور پسران مذکورین کی نانی و ماموں موجود ہیں پس اس صورت میں ان پانچوں نابالغان کی ولایت کا استحقاق کس کس شخص کو مرتبہ حاصل ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دونوں کا حقِ حضانت ان کی نانی کو ہے کہ سات ۷ برس کی عمر تک اس کے پاس رہیں گے جوانی تک عمرو کے پاس کہ دادا کا چچازاد بھائی ہے رکھے جائیں گے۔ درمختار میں ہے:

الحاضنۃ اما او غیرھا احق بالغلام	پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور، وہ لڑکے کی

حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی [1]۔	حقدار ہوگی جب تک لڑکا عورت کی پرورش سے مستغنی نہیں ہوجاتا اور یہ مدت اندازاً سات سال ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا۔

ردالمحتار میں ہے:

اذااستغنی الغلام فالعصبة اولی یقدم الاقرب فا لاقرب [2]۔	جب بچہ مستغنی ہوجائے تو پھر درجہ بدرجہ عصبات اس کے حقدار ہیں، قریب ترین کو تقدم حاصل ہوگا۔ (ت)

اور لڑکیوں کی شادی ہوجائے وہ شوہروں کے قابل ہوں تو شوہروں کے پاس رہیں گی ورنہ نو برس کی عمر تک ماں کے پاس، پھر اگر ان کے محارم میں کوئی مرد عاقل بالغ مثل حقیقی ماموں وغیرہ کے ہوگا تو اس کے سپرد کی جائیں گی ورنہ جوانی تک ماں ہی رکھے گی، درمختار میں ہے:

الام والجدة احق بالصغیرة حتی فی ظاھر الروایة وغیرھما احق بھا حتی تشتھی وقدر بتسع وبه یفتی وعن محمد ان الحکم فی الام والجدة کذٰلك وبه یفتی لکثرة الفساد زیلعی وافاد انه لاتسقط الحضانة بتزوجھا مادامت لاتصلح للرجال [3] ملخصًا۔	لڑکی کی حقدار اس کی ماں یا دادی ہے جب تک وہ بالغ نہ ہوجائے، یہ ظاہر روایت ہے، اور ماں اور دادی کے غیر ہوں تو پھر وہ لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہوں گے، یہ مدت اندازاً نوسال ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں اور دادی کے لئے بھی یہی حکم ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا فتنہ کی کثرت کی وجہ سے، زیلعی ـــــ اور اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عورت کا حقِ حضانۃ (پرورش) نکاح کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا جب تک لڑکی مرد کے قابل نہیں ہوجاتی، ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان صلحت تسقط الخ [4]۔ **اقول:** واخترنا ظاھر الروایة حین لامحرم لھا لانھا ھی المتعینة	جب بچی مرد کے قابل ہوجائے تو پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجائے گا الخ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم ظاہر روایت کو ہی ترجیح دیں گے، جب بچی کا کوئی محرم ولی نہ ہو اور یہ ظاہر

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۱

[3] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[4] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۱

ح للفتیافان نشوھا فی حضن امھا خیر لھا والنظر من ترکھا ضائقۃ لاحاضن لھا وقد علمت ان لاحق لغیر محرم فی حضانتھا۔	روایت ہی فتوٰی کے لئے متعین ہے کیونکہ اس صورت میں بچی کا اپنی ماں کے پاس نشو ونما پانا بہتر ہے اور ماں کو چھوڑنے میں بچی پر کمزور شفقت ہوگی جبکہ اس کا کوئی پرورش کرنے والا محض نہ ہو حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ غیر محرم کو بچی کا حقِ حضانت نہیں ہے۔(ت)

اور ان پانچوں نابالغوں کے نکاح کی ولایت عمرو ہی کو ہے لان العصبۃ لاغیر (کیونکہ ان کے علاوہ کوئی عصبہ نہیں۔ت) اور ماں کی ولایت ان مذکورین میں سے کسی کو نہیں لاختصاصھا بالاب ووصیہ والجد ووصیہ والحاکم الشرعی (یہ ولایت باپ اور اس کے وصی یا دادا اور اس کے وصی اور شرعی حاکم کے ساتھ خاص ہے۔ت) ہاں اگر زید ان لوگوں خواہ ان کے غیر میں سے کسی کو اپنی جائداد کے حفظ و نگہداشت یا اولاد کے غور و پرداخت کے لئے کہہ گیا ہو تو ولایتِ مال اسے ہوگی لکونہ وصیا علیھم (کیونکہ وہ ان پر وصی مقرر ہوا۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶: ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عباد اللہ ایک زوجہ اور ایک پسر نابالغ اور ایک چچازاد بھائی فیض اللہ چھوڑ کر فوت ہوا، عورت نے ایک اجنبی شخص سے نکاح کرلیا جسے اس نابالغ سے کوئی علاقہ نہیں، اس بچے کی نہ نانی ہے نہ دادی ہے نہ کوئی بہن بلکہ سوتیلی خالہ اور سگی پھوپھی ہے، اس صورت میں یہ بچہ جس کی چار برس کی عمر ہے کس کے پاس رہے گا اور اس کے مال کی ولایت فیض اللہ کو ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ نابالغ کی ماں نے ایک اجنبی سے نکاح کرلیا، اب اسے نابالغ کے رکھنے کا اختیار نہ رہا ایک سات برس کی عمر تک سوتیلی خالہ کے پاس رہے گا، اگر وہ نہ مانے گی تو پھوپھی کے پاس رکھا جائے گا اور اگر وہ بھی انکار کرے گے تو جبراً خالہ کے پاس رہے گا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ خالہ اور پھوپھی دونوں میں کوئی مانع حضانت نہ ہو ورنہ اگر ایک میں مانع حضانت ہو تو دوسرے کے پاس رہے گا، سات برس کے عمر بعد جوان ہونے تک فیض اللہ کے پاس رہے گا،

فی الدر المختار الحضانۃ للام الاان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر [1] الخ۔	درمختار میں ہے بچے کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے مگر یہ کہ وہ فاجرہ ہو یا بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے (ت)

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

اسی میں ہے:

ثم بعد الام بان ماتت اولم تقبل او تزوجت باجنبی ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات کذٰلك ثم العمات[1] الخ۔	ماں فوت ہوجائے یا ماں قبول نہ کرے یا بچے کے اجنبی وسے نکاح کرلے توماں کے بعد نانی پھر دادی کو پھر حقیقی بہن کو پھر مادری بہن کو پھر پدری بہن کو پھر خالات کو اسی ترتیب سے پھر پھوپھیوں کوالخ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ظاہر کلامھم ان الام اذامتنعت وعرض علی من دونھا من الحاضنات فامتنعت اجبرت الام لامن دونھا[2]	فقہاء کرام کاظاہر کلام یہ ہے کہ جب ماں انکار کردے اور بچے کو دوسری پرورش کنندہ پر پیش کیا گیا ہوتواس نے بھی انکار کردیا ہوتو ایسی صورت میں ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائیگا،ماں کے سوا دوسری پرورش کنندہ کو مجبور نہیں جائے گا۔ (ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے:

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن وسواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب[3]۔	اگر بچے کا باپ نہ ہو اور پرورش کی مدت ختم ہوچکی ہوتو پھر دوسرے عصبات ولی ہوں گے،ان کو ولایت درجہ بدرجہ قرابت کے لحاظ سے ہوگی یعنی سب سے قریب تر کو پہلے حق ہوگا۔ (ت)

اور ولایتِ مال میں فیض اللہ کا اصلاً حق نہیں بلکہ اسے ملے گی جسے نابالغ کا باپ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی نگہداشت تو کرنا یا میرے ترکہ کی غور پرداخت تیرے متعلق ہے یا اس بچہ کو میں تیری سپردگی میں دیتا ہوں، اسے وصی کہتے ہیں، اگر باپ کا کوئی وصی موجود نہ ہو تو باپ کے وصی نے جسے اپنا وصی کیا ہو وہ ولی مال ہوگا، وہ بھی نہ ہو تو دادا کا وصی، وہ بھی نہ ہو تو دادا کے وصی کا وصی۔ درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ[4] الخ، واللہ سبحٰنہ	بچے کا ولی باپ، پھر اس کا وصی، پر وصی کا وصی، پھر اس کا جد صحیح (یعنی جو عورت کے واسطہ کے بغیر جد ہو) پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] بحرالرائق باب الحضانۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۶۶

[3] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ وغیرہا باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۳

[4] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

وتعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	کاوصی الخ،واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔(ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے والدین اور ایک زوجہ اور ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر انتقال کیا،لڑکے کی نانی پہلے فوت ہوچکی ہے،اس صوت میں اگر لڑکے کی ماں کسی اجنبی سے نکاح کرے تولڑکا کس کے پاس رہے گا؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اگرماں کسی ایسے شخص سے نکاح کرلے جولڑکے کا محرم نسبی مثل چچاوغیرہ کے نہ ہوتولڑکاماں سے لے لیاجائے گااور جبکہ نانی نہیں ہے توسات ۷ برس کی عمر تک دادی کے پاس رہے گا پھر دادا رکھے گا۔

فی الدر ثم بعد الام بان ماتت اولم تقبلا او اسقطت حقھا او تزوجت باجنبی ام الام وان علت عند عدم اھلیۃ القربی،ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکور[1] الخ وفیہ والحاضنۃ اما او غیرھا احق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع،وبہ یفتی[2] اھ وفی ردالمحتار عن شرح المجمع و اذا استغنی الغلام عن الخدمۃ اجبر الاب اوالوصی او الولی علی اخذہ لانہ اقدر علی تادیبہ وتعلیمہ اھ وفی الخلاصۃ وغیرھا واذا استغنی الغلام فالعصبۃ اولی یقدم الاقرب فالاقرب[3] اھ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا اپناحق حضانت ساقط کردے یابچے کے کسی اجنبی سے نکاح کرلے توپھر ماں کے بعد نانی کو پرورش کا حق ہے اگرچہ اوپر تک جب کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی ہو پھر دادی کو اوپر تک بشرطیکہ اس سے کوئی قریبی عورت نہ ہو الخ،اسی میں ہے پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور،توان کو لڑکے کے متعلق یہ حق اس وقت تک ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے،جس کی مدت کا اندازہ سات سال کی عمر ہے،اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ،اس پر ردالمحتار میں شرح المجمع سے منقول ہے کہ جب لڑکا عورتوں کی خدمت سے مستغنی ہوجائے تو باپ یا اس کے وصی یا ولی کو مجبور کی جائے گا کہ وہ لڑکے حاصل کرے کیونکہ اس کے بعد یہ لوگ عورتوں کی بنسبت لڑکے کی تعلیم و

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۶۵

[3] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۰

تربیت زیادہ بہتر جانتے ہیں اھ خلاصہ وغیرہ میں ہے کہ جب لڑکا مستغنی ہو جائے تو اس کے عصبہ مرد قرابت کے لحاظ سے درجہ بدرجہ اس کے حقدار ہوں گے اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۷ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق حضانت اور پرورش اطفال صغیر سن کا بعد وفات ماں کے کس کو ہے؟ اور ماموں چچا میں کس کو ترجیح ہے؟ اور وہ حق کس عمر تک رہتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ اطفال لڑکیاں ہیں، ان کے باپ، بھائی، بھتیجا، بہنیں، نانی، ماموں، چچا حقیقی ہیں، ایک لڑکی نوبرس کی ہے ایک گیارہ کی، پس صورتِ مستفسرہ میں نانی ماموں کو ان کے رکھنے کا کچھ اختیار نہیں، لڑکیاں اپنے چچا کے پاس رہیں گی کہ جب نوبرس کی ہو جائے تو ماں بھی اسے نہیں رکھ سکتی چچا کو دلادی جائے گی، نانی وغیرہا تو دوسرا درجہ ہے۔ درمختار میں ہے:

الام والجدۃ لام اولاب احق بالصغیرۃ حتی تحیض وغیرہما احق بہا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی وعن محمد ان الحکم فی الام والجدۃ کذٰلک وبہ یفتی[1] اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم۔	ماں نانی اور دادی لڑکی کی حقدار اس کو حیض آنے تک ہیں اور دوسری عورتیں لڑکی مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں، اور مشتہاۃ کا اندازہ ۹ سال کی عمر لگایا گیا ہے، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ماں نانی اور دادی کا بھی یہی حکم ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از میران پور کٹرہ کمال زئی شاہجہان پور مرسلہ نادر خاں صاحب رئیس کٹرہ ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صغیر و صغیرہ جن کی ماں انتقال کر گئی اور باپ نے دوسرا نکاح کرلیا نانا، ماموں، ممانی اور خالہ زاد اور پھوپھی زاد نانیاں اور نانیوں کی بیٹی بیٹیاں ہیں بچے نانا کے پاس ہیں باپ ان سے بالجبر لینا چاہتا ہے حالانکہ بوجہ نکاح ثانی اس کے پاس بچوں کی مضرت جان کا اندیشہ ہے، اس صورت میں حق پرورش اطفال کس کو ہے؟ پوری تفصیل درج ہو کہ حقِ حضانت ترتیب وار کس کو ہے اور پرورش کنندہ کے پاس کس عمر تک رہیں گے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حقِ حضانت ذی رحم محرم کے لئے ہے یعنی وہ نسبی رشتہ جس میں نکاح ہمیشہ کو حرام ہوتا ہے تو نانی کی

---

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

خالہ زاد یا پھوپھی زاد بہنوں یا ان کی اولاد یا ممانی کے لئے کوئی حقِ حضانت نہیں جیسے خود صغیر صغیرہ کی خالہ زاد ماموں زاد پھوپھی زاد چچازاد بہنیں کہ یہ محارم سے خارج ہیں۔ درمختار میں ہے:

لاحق لولد عم وعمّة وخالة لعدم المحرمية [1]۔	چچازاد، پھوپھی زاد اور خالہ زاد کو بچے کا حق پرورش نہیں ہے کیونکہ یہ محارم نہیں ہیں (ت)

پھر محارم میں پہلے مستحق عورتیں ہیں بشرطیکہ معاذاللہ مرتدہ یا بدکار یا بے اطمینان یا کسی ایسے شخص کے نکاح میں نہ ہوں جس اس بچہ کا محرم نہیں، بے اطمینانی کی یہ صورت کہ بچہ کو بے حفاظت چھوڑ کر باہر چلی جایا کرتی ہو، ایسی بے پروائی ماں بھی کرے تو بچے اس سے بھی لے لئے جائیں گے، درمختار میں ہے:

الحضانة للام الاان تكون مرتدة او فاجرة او غير ما مونة بان تخرج كل وقت و تترك الولد ضائعا او متزوجة بغير محرم الصغير [2] الخ ملخصًا۔	پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب ہو مرتدہ یا فاجرہ یا غیر محتاط ہو کہ ہر وقت بچے کو چھوڑ کر باہر چلی جاتی ہو یا اس نے بچے کے غیر محرم اجنبی سے نکاح کرلیا ہو الخ ملخصًا (ت)

عورتوں سب سے مقدم ۱ماں ہے، پھر ۲سگی نانی، پھر اس کی ۳ماں، پھر ۴سگی دادی، پھر اس کی ۵ماں، پھر ۶اس کی بہن، پھر مادری ۷بہن (یعنی جو اس بچے سے ماں میں شریک اور باپ میں جدا ہو) پھر روایت متون میں ۸سوتیلی بہن، پھر ۹سگی بھانجی، پھر ۱۰مادری، (یعنی مادری بہن کی) بیٹی، پھر ۱۱سگی خالہ، پھر ۱۲مادری خالہ، پھر ۱۳سوتیلی خالہ، پھر ۱۴سگی بھانجی، پھر ۱۵سوتیلی بھانجی، پھر ۱۶سگی بھتیجی، پھر ۱۷سوتیلی، پھر ۱۸سگی پھوپھی، پھر ۱۹مادری، پھر ۲۰سوتیلی، پھر ۲۱ماں کی سگی خالہ، ۲۲پھر مادری، پھر ۲۳سوتیلی، پھر ۲۴باپ کی سگی خالہ، پھر ۲۵مادری، پھر ۲۶سوتیلی، پھر ۲۷ماں کی سگی پھوپھی، ۲۸پھر مادری، ۲۹پھر سوتیلی، ۳۰پھر باپ کی سگی پھوپھی، ۳۱پھر مادری، ۳۲پھر سوتیلی، یہ بتیس ۳۲ عورتیں ہیں جب ان سے کوئی نہ ہو یا بوجوہ مذکورہ مستحق نہ رہے تو حقِ حضانت عصبات ذکور کی طرف منتقل ہوگا جن میں سب سے مقدم باپ ہے، پھر دادا، پھر سگا بھائی، پھر سوتیلا، پھر سگا بھتیجا، پھر سوتیلا، پھر سگا چچا، پھر سوتیلا۔ ان میں سے کسی کے ہوتے نانا ماموں وغیرہما ذوی الارحام کو استحقاق نہیں تو خود باپ کے سامنے کب مستحق ہوسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

ثم بعد الام ۱ام الام وان علت، ثم ۲ام الاب وان	ماں کے بعد ۱نانی اوپر تک، پھر ۲دادی اوپر تک، پھر

[1] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

علت، ثم ۳الاخت لاب وام، ثم ۴لام، ثم ۵لاب، ثم ۶بنت الاخت لابوین، ثم ۷لام، ثم ۸لاب، ثم ۹الخالات کذلك ای الابوین، ثم ۱۰لام، ثم ۱۱لاب، ثم ۱۲بنت الاخت لاب، ثم ۱۳بنات الاخ (لاب وام، او ۱۴لام او ۱۵لاب علی الترتیب) ثم ۱۶العمات (لاب وام، ثم ۱۷لام ثم ۱۸لاب) ثم ۱۹خالۃ الام کذلک، ثم ۲۰خالۃ الاب کذلک، ثم ۲۱عمات الامھات و۲۲الاباء بھذا الترتیب، ثم ۲۳العصبات بترتیب الارث فیقدم الاب، ثم ۲۴الجد، ثم ۲۵الاخ الشقیق، ثم ۲۶لاب، ثم ۲۷بنوہ کذلک، ثم ۲۸العم، ۲۹ثم بنوہ، ثم اذالم تکن عصبۃ فلذوی ۳۰الارحام اھ[1] ملخصا منقحا مزیدا من رد المحتار۔	۳حقیقی بہن، پھر ماں کی طرف سے ۴سگی بہن، پھر باپ کی طرف سے ۵سگی بہن، پھر ۶حقیقی بہن کی بیٹی، پھر ماں کی طرف سے ۷بہن کی بیٹی، پھر باپ کی طرف سے ۸سگی بہن کی بیٹی، پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کی بیتی، پھر اس ترتیب پر ۹،۱۰،۱۱خالات، پھر باپ کی طرف سے ۱۲بہن کی بیٹی، پھر بھائی کی ۱۳،۱۴،۱۵بیٹیاں اس ترتیب، پھر ۱۶،۱۷،۱۸پھوپھیاں اس ترتیب پر، پھر ۱۹ماں کی خالہ، پھر ۲۰باپ کی خالہ اس ترتیب سے، پھر ماؤں کی ۲۱پھوپھیاں، پھر آباء کی ۲۲پھوپھیاں اسی ترتیب پر پھر عصبہ مرد حضرات وارث ہونے کی ترتیب پر یعنی پہلے ۲۳باپ ۲۴پھر دادا، پھر ۲۵حقیقی بھائی، پھر باپ کی طرف سے ۲۶سگا بھائی، پھر ۲۷بھائی کے بیٹے اس ترتیب پر، پھر ۲۸چچا، پھر ۲۹اس کے بیٹے، اور پھر اگر عصبات نہ ہوں تو ۳۰ذوالارحام حقدار ہوں گے اھ ملخصا منقحا اس پر ردالمحتار سے بڑھاتے ہوئے۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں ان بتیس ۳۲ عورتوں سے اگر کوئی عورت بھی قابل حضانت موجود ہے جس نے بوجہ موانع مذکورہ اپنے حقِ حضانت کو ساقط نہ کیا تو صغیر صغیرہ نانا سے لے کر اس عورت کے پاس رکھے جائیں گے لڑکا سات برس کی عمر اور لڑکی نو برس کے سن تک بعد ازاں باپ کو دے دئے جائیں گے اور اگر زنانِ مذکورہ سے کوئی عورت مستحق باقی نہیں تو آج ہی سے بچے باپ کے پاس رہیں گے، نانا کہ اکتالیسویں درجہ میں ہے ان کا استحقاق نہیں رکھتا اور نکاح ثانی کے سبب باپ کے پاس مضرتِ جان اطفال کا اندیشہ گمان فاسد ہے،

فان العلماء لایعدون التزوج من مسقطات حضانۃ العصبات کیف والرجال قوامون علی النساء بخلاف المرأۃ فانھن عوان بین یدیکم۔	علمائے عصبہ مردوں کے حق حضانت کو ان کے نکاح کرلینے کی وجہ سے ساقط نہیں کیا ان کا حق کیسے ساقط ہو جبکہ یہ مرد بیویوں پر غالب ہیں اسکے برخلاف عورت کا معاملہ ہے کیونکہ وہ خاوند کے کنٹرول میں ہے۔ (ت)

اور بالفرض اگر یہ امر باطل بثبوت کافی ثابت بھی ہو جائے تو غایت یہ کہ باپ سے لے کر اور نیچے کے عصبات بترتیب مذکور کو دیں گے جب تک ان سے کوئی باقی ہے نانا کو استحقاق نہیں، ماموں تو نانا سے بھی

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴ـ۲۶۵

پانچویں درجہ میں ہے،

کما یظھر من الدرالمختار وردالمحتار، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار سے ظاہر ہورہا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور لڑکا اور ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زوجہ نے کہ ان بچوں کی ماں ہے ایک اجنبی آدمی سے نکاح کرلیا، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ کی، اس کی ماں اس کا نکاح ایک جگہ کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں بلکہ اپنے بھتیجے سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں ان نابالغوں کے نکاح کا اختیار ماں کو یا چچا کو ہے، اور ان کو رکھنے کا اختیار کسے ہے، نابالغوں کی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو [2] پھوپھیاں ہیں، اور پھوپھیاں انہیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں، اور نابالغوں کا کچھ مال نہیں، تو ان کا کھلانا بلانا کس کے ذمہ ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نابالغوں کے نکاح کا اختیار ان کے چچا کے سوا کسی کو نہیں، اسکے ہوتے ہوئے ماں کا نکاح میں کچھ دخل نہیں، اور جبکہ وہ ایک اجنبی شخص سے نکاح کرچکی تو اسے بچوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں، بلکہ لڑکا سات برس کی عمر تک اور لڑکی جوانی تک اپنی بہن کے پاس رہیں، اور وہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، اور وہ بھی قبول نہ کرے تو پھوپھیوں کے پاس،

فی الدرالمختار الحضانۃ للام الا ان تکون فاجرۃ او متزوجۃ بغیر محرم الصغیر ثم بعدالام بان ماتت اولم تقبل اوتزوجت باجنبی ام الام، ثم ام الاب، ثم الاخت ثم الخالات ثم العمات اھ[1] ملخصاً۔	درمختار میں ہے: ماں اگر فاجرہ یا بچے کے غیر محرم سے نکاح والی نہ تو وہی پرورش کا حق رکھتی ہے، پھر ماں اگر فوت ہوجائے یا بچے کو قبول نہ کرے یا بچے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو اس کے بعد نانی پھر دادی پھر بہن پھر، خالات، پھر پھوپھیوں کو حق حضانت ہے اھ ملخصًا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

الحاضنة لاتجبر اذا لم تتعین لھا لان المحضون لایضیع حقه لوجود من یحضنه غیرھا وتجبر اذا تعینت لعدم من یحضنه غیرھا[1] اھ ملتقطا وتمام تحقیقه فیه وھذاحاصل ما وفق به بین نقلین مختلفین۔	پرورش کرنے والی صرف ایک ہونے کی وجہ سے متعین نہ ہوتو اس کو پرورش پر مجبور نہ کیاجائے گا کیونکہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہونے کی وجہ سے بچے کی پرورش ضائع نہ ہوگی اور اگر وہ ایک ہی متعین ہو تو اس کو مجبور کی اجائے گا کیونکہ کوئی دوسرا نہیں ہے اھ ملتقطا اور اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے یہ دو مختلف روایات میں تطبیق و توفیق کا ماحاصل ہے۔(ت)

اور جبکہ ان یتیم نابالغوں کا کچھ مال نہیں تو ان کا کھانا کپڑا ان کے ان قابلانِ وراثت پر ہے جن کے پاس اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے پہننے وغیرہ ضروری مصارف کے بعد پس انداز ہوتا ہو جس سے اپنے ان عزیزوں کی امداد کرسکیں یہاں ماں بہن چچا پھوپھی خالہ اگرچہ سب محارم ہیں مگر خالہ پھوپھی ان تین کے سامنے وارث نہیں لہٰذا ان میں اگر کوئی ویسا مرفہ الحال ہو تو خالہ پھوپھی پر نفقہ دیناواجب نہیں۔

فی الدر المختار ویجب ایضا لکل ذی محرم رحم محرم صغیر او انثی مطلقا ولو کانت الانثی بالغة صحیحة اوکان الذکر بالغا لکن عاجزا عن الکسب نحو زمانة کعمی وعته وفلج اولایحسن الکسب فقیرا بحیث تحل له الصدقة ولوله منزل وخادم علی الصواب بدائع اھ[2] ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ ہر ذی محرم(خواہ نابالغ ہو یا عورت ہو)کا نفقہ واجب ہے،اگرچہ عورت بالغہ اور صحتمند ہو یا مرد بالغ ہو لیکن عاجز ہو محنت نہ کرسکتا ہو مثلاً اپاہج،نابینا،بے عقل یا فالج زدہ ہو،یا محنت کی مہارت نہ رکھنے والا محتاج ہو جس کو صدقہ حلال ہو اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو،درست قول کے مطابق یہی حکم ہے،بدائع،ملخصا(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوکان له عم وعمة وخالة فالنفقة علی العم فان کان العم معسرا فالنفقة علیھما[3]۔	اگر چچا،پھوپھی اور خالہ ہو تو نفقہ چچے پر لازم ہوگا،اور اگر چچا تنگدست ہو تو پھر پھوپھی اور خالہ دونوں پر لازم ہوگا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۶

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی النفقة ذوی الارحام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۶۶

اب یہ دیکھنا رہا کہ ان تین وارثوں میں اس طرح کا مالدار کون ہے جس کا ہم نے بیان کیا، اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عورت اگر اپنا کچھ نہ رکھتی ہو تو وہ مرفہ الحال نہ گنی جائے گی اور اس سے نفقہ نہ لیا جائے گا اگرچہ اس کا شوہر ہزاروں کا آدمی ہو والا لزم ایجاب النفقۃ علی الاجنبی کمالایخفی (ورنہ اجنبی پر نفقہ واجب کرنا لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس اگر صورت مستفسرہ میں ان تینوں وارثوں سے صرف ایک ایسا مرفہ الحال ہی باقی ہے تو ان دونوں بچوں کا نفقہ صرف اس ایک پر واجب ہوگا خواہ ماں ہو یا بہن یا چچا، اور اگر صرف دو ماں اور بہن مالدار ہیں چچا نہیں تو جس قدر ان بچوں کے کھانے پہننے میں صرف ہونا سمجھا جائے اس کے پانچ حصے کریں دو ۲ حصے ماں سے لئے جائیں اور تین حصے بہن سے، مثلاً سوار وپے مہینے کا خرچ سمجھیں تو ۸/ ماں دے اور ۱۲/ بہن، اور اگر چچا مالدار ہیں بہن نہیں تو تین حصے کریں دو تہائی ماں سے لیں ایک تہائی چچا سے، اور اگر بہن، چچا مالدار ہیں ماں نہیں تو چار سہام کریں ایک چوتھائی چچا دے تین حصے بہن، اور اگر تینوں مالدار تو چھ سہام کریں دو حصے ماں دے، تین حصے بہن، ایک حصہ چچا،

وذٰلك لما عرفت ان النفقة بقدر الارث وقد قال فی الهندية الاصل فی هذا ان كل من كان يحرز جميع الميراث وهو معسر يجعل كالميت واذا جعل كالميت كانت النفقة علی الباقيين علی قدر مواريثهم وكل من كان يحرز بعض الميراث لايجعل كالميت فكانت النفقة علی قدر مواريث من كان يرث معه[1] الخ ومثله فی الدرالمختار وغيره وقد علمت انه ليس هٰهنا احد من الثلثة يحجب الباقيين ويحرز كل	یہ اس لئے کہ جس کو آپ نے جان لیا کہ نفقہ بقدر وراثت لازم ہوتا ہے، اور ہندیہ میں کہا ہے اس میں ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص تمام وراثت حاصل کرنے کا حق رکھتا ہو جب وہ تنگدست ہو تو اس کو مردہ (کالعدم) قرار دیا جاتا ہے اور جب وہ کالعدم قرار پائے گا تو پھر نفقہ باقی ورثاء پر بقدر وراثت واجب ہوگا اور وہ وارث یہ تمام وراثت کو حاصل نہیں کرتا بلکہ وراثت کا کچھ حصہ پاتا ہے تو اس کو تنگدستی پر مردہ (کالعدم) نہیں قرار دیا جاتا لہٰذا اس کی موجودگی میں اس کے ساتھ جو لوگ وراثت میں حصہ دار ہوتے ہوں ان پر حصہ کے مطابق نفقہ لازم ہوگا الخ، اور اسی طرح درمختار وغیرہ میں مذکور ہے، اور آپ معلوم کرچکے ہیں کہ یہاں تینوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو دوسرے ورثاء کو محروم

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الخامس فی نفقۃ ذوی الارحام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۶۶

المیراث فان کان احدھم معسرا لایجعل کالمیت و یعتبر فی التقسیم ثم یخرج من البین کما یفعل فی الخارج وحٍ یتضح لك ماذکرنا بتوفیق اللہ سبحٰنه وتعالٰی. واللہ تعالٰی اعلم۔	کرکے تمام وراثت کو حاصل کرسکے توان میں سے اگر کوئی تنگدست ہوجائے تواس کو مردہ (کالعدم) نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کو تقسیم میں باقی اور شامل تصور کرکے درمیان سے الگ کردیا جائے گا، جیسا کہ وراثت کی تقسیم میں کسی کو الگ کردیا جاتا ہے، تواب وہ بات واضح ہوگئی جو ہم نے ذکر کی ہے اللہ سبحٰنہ کی توفیق سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور مادر اس کی، اور طفل شیر خوار اس نے چھوڑا اور شوہر بھی اس کا باقی رہالیکن کوئی شخص ماں یا بہن یا پھوپھی وغیرہ شوہر ہندہ کا نہیں رہا ہے کہ پرورش اس طفل شیر خوارگی کی کرے، نانی اس طفل مذکور کی پرورش کرتی ہے اور باپ اس طفل کا نہیں چاہتا ہے کہ نانی کے پاس وہ لڑکا رہے، تواس حالت میں وہ لڑکا باپ کو عندالشرع دلایا جائے گا یا نانی کے پاس رہے گا؟ اور اسباب وظروف وغیرہ کہ ہندہ متوفیہ کا جہیز ہندہ نے پایا تھا وہ بھی شوہر اس کے نے اپنے تصرف میں کرلیا تو وہ مال واسباب متصرفہ شوہر ہندہ ملک اس پسر صغیرہ کی ہوگا یا اس کے باپ کے قبضہ میں رہے گا اور مصارف نان ونفقہ ایامِ رضاعت کا کس کے ذمہ چاہئے، بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں سات برس کی عمر تک پسر کی پرورش ان کی نانی کا حق ہے، باپ بلاوجہ شرعی اس کا مزاحم نہیں ہوسکتا،

فی الدرالمختار الحضانة تثبت للام ثم ام الام والحاضنة اماو غیرھا احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی اھ[1] ملتقطا۔	درمختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو پھر نانی کو ہے، اور پرورش کرنے والی عورت لڑکے کی اس وقت تک حقدار ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کی مدت اندازاً سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اور ہندہ نے جو کچھ اسباب اپنے جہیز میں پایا تھا سب اسی کی ملک تھا اور بعد اس کی مرگ کے فرائض اللہ پر تقسیم پائے گا،

فی العقود الدریۃ کل احد یعلم ان الجھاز ملك البنت لاحق لاحد فیھا[1]۔	عقود الدریہ میں ہے کہ ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز لڑکی کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا حق نہیں ہوتا۔(ت)

البتہ جس قدر مال حصہ نابالغ قرار پائے گا اس پر قبضہ اس کے باپ ہی کا ہوگا مگر نہ مالکانہ از راہِ ولایت کہ باپ کے ہوتے ہوئے دوسرا شخص بچہ کا ولی اور اس کے مال کا محافظ نہیں کما فی الدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ در مختار اور عامہ کتب میں ہے۔ت) رہا یہ بچے کا نان ونفقہ اور اجرت رضاعت وغیرہ مصارف کثیرہ ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر بچہ نے اپنی ماں کے ترکہ یا کسی اور وجہ سے اتنا مال پایا ہے جس کے سبب اسے شرعًا غنی کہا جائے اور زکوۃ دینا ناروا ہو تو یہ سب صرف خاص اسی کے مال سے ہوں گے باپ پر واجب نہیں کہ اپنے پاس سے صرف کرے، ہاں ان مصارف کی کارپردازی بحکم ولایت باپ کے ذمہ ہوگی، اور اگر بچہ کے پاس اتنا مال نہیں تو بیشک یہ صرف باپ کے ذمہ ہیں،

فی ردالمحتار عن الخیر الرملی ان الحضانۃ کالرضاع فلھا الاجرۃ من مال الصغیر ان کان لہ مال والافمن مال ابیہ[2] ا ملخصا، وفی الدر المختار وتجب النفقۃ لطفلہ الفقیر فان نفقۃ الغنی فی مالہ الحاضر وتجب ایضا لکل ذی رحم محرم فقیرا بحیث تحل لہ الصدقۃ ولولہ منزل وخادم علی الصواب بدائع[3] اھ بالالتقاط، فی ردالمحتار قولہ ولولہ منزل وخادم وھو محتاج الیھما۔ وھذا عام فی الوالدین والمولودین وذوی الارحام کما صرح	ردالمحتار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے کہ پرورش کا حکم رضاعت والا ہے لہٰذا پرورش کرنیوالی کو اجرت کا استحقاق ہے، اگر بچے کا اپنا مال ہو تو اس میں سے ورنہ بچے کے والد کے مال میں سے اجرت دی جائے گی اھ ملخصًا۔ اور در مختار میں ہے کہ بچے کا نفقہ اگر وہ فقیر ہو تو باپ پر ہے کیونکہ اگر وہ فقیر نہ ہو تو غنی ہونے کی وجہ سے نفقہ اس کے اپنے موجود مال سے کیا جائے گا، اور یونہی جو ذی محرم فقیر ہو اس کے لئے صدقہ حلال ہو تو اس کے لئے بھی نفقہ ضروری ہے اگرچہ اس کا مکان اور خادم بھی ہو یہ حکم درست قول کے مطابق ہے

1

[2] درمختار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۷

[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳و۲۷۶

بدائع .اھملتقطا۔فی الذخیرۃ[1]اھ.واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	اس پر ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو" یعنی جبکہ اس کو ان کی احتیاجی ہو۔یہ حکم والدین،اولاد اور ذوالارحام سب کو شامل ہے جیسا کہ ذخیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے اھ،واللہ سبحانہ،وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۴۲: ۱۹ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کی زید نے ہندہ کو طلاق دی اور ایک پسر شیر خوار جو زید کو نطفے سے ہے واسطے پرورش کے ہندہ کے پاس چھوڑااور اس کی پرورش کے واسطے ماہانہ مقرر کردیا اب وہ لڑکا بعمر تین برس کچھ ماہ کے ہواہندہ نے نکاح ایک شخص سے کرلیااب وہ لڑکازید کو مل سکتاہے یانہیں،اور اگر مل سکتاہے تو کس عمر میں؟اور ہندہ کو اپنے ماں باپ کے پاس چھوڑ کر شوہر کے یہاں چلی گئی وہ عورت ہندہ کی مادر حقیقی نہیں ہے تو زید کے مقابلہ میں ہندہ کے ماں باپ کو استحقاق پرورش پسر مذکور حاصل ہے یانہیں؟بینوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ نے جس شخص سے نکاح کیاوہ لڑکے کا محرم نہیں بلکہ اجنبی شخص ہے اور ہندہ کی ماں اور نانی مرگئیں،باپ اور سوتیلی ماں،اور ہندہ کی سگی دادی خود کی سگی دادی زندہ ہیں،پس صورت مذکورہ میں ہندہ کے باپ یا سوتیلی ماں کو لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہیں بلکہ سات برس کی عمر تک اپنی دادی کے پاس رہے گا بعدہ باپ لے لے گا ماں کی دادی بھی لڑکے کی دادی کے ہوتے نہیں رکھ سکتی۔

فی الدرالمختار ثم بعد الام بان ماتت اوتزوجت بالجنبی ام الام وان علت عند عدم اهلیة القربی، ثم ام الاب وان علت بالشرط المذکوروامّا ام اب الام فتؤخر عن ام لاب بل عن الخالة ایضابحر، والام احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی[2]اھ ملتقطا،و	درمختار میں ہے کہ ماں فوت ہوجائے یا بچے کے اجنبی غیر محرم سے نکاح کرلے تو ماں کے بعد نانی خواہ اوپر والی ہو جبکہ کوئی قریبی عورت پرورش کا حق نہ رکھتی،پھر دادی خواہ اوپر والی ہو مذکور لہ شرط کے ساتھ،لیکن ماں کی دادی تو وہ بچے کی دادی بلکہ اس کی خالہ سے بھی مؤخر ہے،بحر۔ماں لڑکے کی حقدار ہے جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہ ہوجائے جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوی دیاجائیگا،

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۲

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

فی ردالمحتار عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائہ عن الام [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اھ ملتقطا،اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کہ والد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ بچے کو ماں کی نگرانی سے مستغنی ہوجانے کے بعد اپنی تحویل میں لے لے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو طلاق دے دی جس کو عرصہ پانچ سال کا ہوا اور اس کا ایک لڑکا تھا وہ بھی تقریبًا پانچ سال کا ہوا،اب ہندہ نے نکاح ثانی کرلیا ہے،اور اس لڑکے کی نانی سوتیلی ہے اور خالہ نابالغ ہے اور اس کی دادی اور پر دادی اور دادا اور باپ موجود ہیں اس حالت میں لڑکا مذکور کس کے پاس رہنا چاہئے؟ بیان کیجئے۔بینوا توجروا

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ عورت نے اجنبی شخص سے نکاح کیا جو اس لڑکے کا کوئی نہیں اور نانی سوتیلی ہے،اور سگی نانی کی ماں بھی نہیں اور دادی حقیقی ہے،پس اس صورت میں ماں کو اس لڑکے کے رکھنے کا کوئی حق نہ رہا،اور سوتیلی نانی کوئی چیز نہیں،لڑکا سات برس کی عمر تک دادی یعنی اپنے باپ کی ماں کے پاس رہے گا پھر باپ لے لے گا۔درمختار میں ہے:

الحاضنۃ یسقط حقہا بنکاح غیر محرم الصغیر۔[2]	پرورش کرنے والی کا حق ساقط ہوجاتا ہے جب وہ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

ثم بعد الام ان ماتت او تزوجت باجنبی ام الام وان علت ثم ام الاب [3] اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔	ماں فوت ہوجائے یا بچے کے اجنبی سے نکاح کرلے تو پھر نانی کو حق ہے خواہ اوپر والی ہو،پھر دادی کو حق ہے اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے انتقال کیا اور ایک لڑکا بعمر چھ سات ماہ

[1] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

[3] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

کا شیر خوار چھوڑا، اور شوہر اور مسماۃ متوفیہ کی پھوپھی یعنی اس کے باپ کی حقیقی بہن اور مسماۃ بہن اور مسماۃ متوفیہ کا ماموں موجود ہیں، ان سب میں کس کو ولایتِ پرورش پہنچ سکتی ہے؟ اور بحالت انکار اول حقدار کے دویم درجہ میں کس کو پہنچے گی؟

الجواب:

جبکہ اس لڑکے کی نہ نانی ہے نہ کوئی جوان بہن ہے، نہ بھانجی نہ خالہ، نہ پھوپھی نہ ماں کی خالہ، نہ باپ کی خالہ، صرف ماں کی پھوپھی ہے اور وہ بیوہ ہے۔ جیسا کہ سائلوں نے بیان کیا تو اس صورت میں لڑکا سات برس کی عمر تک ماں کی پھوپھی کے پاس رہے گا اس کے ہوتے ہوئے باپ کو بھی اختیار نہیں ماں کا ماموں تو بہت بعید ہے اور جبکہ لڑکے کے باپ کی پھوپھی بھی حسبِ بیان سائلان نہیں، غرض ماں کی پھوپھی کے سوا کوئی عورت جسے حقِ حضانت ہو موجود نہیں تو ماں کی پھوپھی کو اس سے انکار کا اختیار نہیں البتہ اس پرورش کی اجرت لینی چاہے تو باپ کو دینی ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:

الحضانة تثبت للام، ثم ام الام، ثم ام الاب وان علت، ثم الاخت لاب وام، ثم لام، ثم لاب، ثم بنت الاخت لابوین، ثم لام، ثم الخالات، ثم العمات، ثم خالة الام، ثم خالة الاب، ثم عمات الامهات والاٰباء، بهذا الترتیب ثم العصبات بترتیب الارث۔[1]	پرورش کا حق ماں کو ہے پھر نانی پھر دادی کو اگرچہ اوپر والی ہوں، پھر حقیقی بہن کو پھر ماں کی طرف سے سگی بہن کو پھر باپ کی طرف سے سگی بہن کو پھر حقیقی بہن کی بیٹی کو پھر ماں کی طرف سے بہن کی بیٹی کو پھر خالات کو پھر پھوپھیوں کو پھر ماں کی خالہ پھر باپ کی خالہ کو پھر ماں اور باپ کی پھوپھیوں کو، اسی ترتیب سے پھر، عصبہ مردوں کو وراثت کی ترتیب پر۔ (ت)

انہیں میں ہے:

ولاتقدر الحاضنة علی ابطال حق الصغیر وان لم یوجد غیرها اجبرت بلاخلاف وتستحق اجرة الحضانة وهی غیر اجرة ارضاعه ونفقته بحر عن	پرورش کرنے والی حقِ صغیر کو باطل نہیں کر سکتی، اگر ماں کے علاوہ کوئی پرورش کرنے والی نہ ہو تو ماں کو بچے کی پرورش پر مجبور کیا جائے گا، اس میں اختلاف نہیں، وہ البتہ پرورش کی اجرت کی مستحق ہوگی جو کہ دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

السراجیۃ[1] اھ ملخصین، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگی بحر نے اسے سراجیہ سے نقل کیا ہے اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور محلّہ چاہ شور مرسلہ مناخاں ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنی ایک زوجہ منکوحہ اور ایک پسر نابالغ اور دولڑکیاں نابالغہ ہیں، وراثت مع الحصر چھوڑ کر وفات پائی، اور بعد وفات مذکور کے اس کی منکوحہ وارثہ نے بقضاءِ الٰہی وفات پائی، اب ایک لڑکا نابالغ اور دولڑکیاں نابالغہ بطن مسماۃ متوفیہ سے باقی رہی، مسماۃ متوفیہ مذکورہ کادادھیال اور نانھیال میں سے کوئی ذکور اور اناث میں سے نہیں ہے اور زید مرحوم مذکور کے دو چچازاد بھائی ہیں اور ایک عورت حسینی کہ متوفیہ مرحومہ کو بطور فرزندی پرورش کیا تھا دعویدار ہیں کہ ولایت ان ہرسہ نابالغ صغیرہ کی ہم کو پہنچی ہے پس ولایت صغیران مذکور برادرانِ زید متوفی جو چچازاد بھائی زید کے ہیں اور وہ عورت جس نے منکوحہ کو فرزندانہ پرورش کیا تھا ان دونوں میں کس کو حسبِ شرع شریف حقِ ولایتِ نابالغان حاصل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ پسر کی عمر گیارہ سال ہے اور ایک دختر کی دس سال اور دوسرے کی تین سال، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا جوان ہونے تک زید کے چچازاد بھائی کے پاس رہے گا اور لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کرنے کی ولایت بھی بھائیوں کو ہے مگر لڑکیاں ان میں سے کسی کو سپرد نہ کی جائیں گی قاضیِ شرع پر فرض ہے کہ ان کے رکھنے کے لئے کوئی عورت صالحہ متدینہ امینہ تجویز کرے کہ تابلوغ یاجب تک شادی نہ ہولڑکیاں اس کی حفاظت میں رہیں اور ان تینوں نابالغوں نابالغوں کا جو مال ہے اگر ان کے باپ یادادا کا کوئی وصی موجود ہے یعنی جسے وہ اپنے مال یااولاد کی حفاظت ونگہداشت کی وصیت کرگئے ہوں یا وہ نہ ہو تو ایسے وصی کاجو وصی ہو اس کی حفاظت میں سپرد کیاجائے ورنہ اس کے لئے بھی قاضی شرع پر فرض ہے کہ امین صالح دیندار قادر نیک مسلمان تجویز کرے جو قرآن پر سچا ایمان رکھے یتیم کے مال کو آگ جانے اور اللہ ان سب حسب لینے والا ہے، رہی وہ عورت جس نے ان کی ماں کو پالا تھا اس کا اصلًا کوئی حق نہیں، ہاں لڑکیوں کی حفاظت کے لئے اگر قاضی شرع کی رائے میں وہ عورت ہی انسب ہو تو اسے دے دے مگر نکاح یا حفاظت مال میں اس کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ منہاج وخلاصہ وتاتارخانیہ وحاشیہ الخیر الرملی وردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیران الانثٰی لا تدفع الاالی محرم[1]۔	جب بچے کی پرورش کی مدت ختم ہوجائے اور باپ نہ ہو تو باپ کے بعد والے عصبہ مردوں میں سے جو قریب تر ہو اس کی تحویل میں دے دیا جائے گا لیکن اگر لڑکی ہو تو اسے غیر محرم کی تحویل میں نہ دیا جائے گا۔(ت)

تحفۃ الفقہاء، و بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

ان لم یکن للجاریۃ غیرابن العم فالاختیار للقاضی ان راٰہ اصلح الیہ والاتوضع علی ید امینۃ اھ(قال الشامی)مافی التحفۃ علله فی شرحھا البدائع بقولہ لان الولایۃ فی ھذہ الحالۃ الیہ فیراعی الاصلح اھ وھو ظاہر فی انہ لاحق لابن العم فی الجاریۃ مطلقا[2] الخ۔	اگر لڑکی کا چچازاد کے بغیر کوئی عصبہ نہ ہو تو قاضی کو اختیار ہے کہ اگر وہ چچازاد کو نیک وصالح سمجھتا ہے تو لڑکی اس کی تحویل میں دے دے ورنہ کسی امین صالح عورت کے سپرد کرے اھ، علامہ شامی نے فرمایا کہ تحفہ میں جو بیان ہے اس کی وجہ اور علت کو اس کی شرح بدائع میں یوں بیان کیا ہے، چونکہ ایسی صورت میں قاضی کو ولایت حاصل ہوتی ہے لہٰذا وہ بہتری کی تدبیر کرے اھ، یہ بات ظاہر ہے کیونکہ چچازاد کو لڑکی پر حق مطلقاً نہیں ہے الخ۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ(بعد موتہ)ثم وصی وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[3] اھ مزیدا من الدر المختار۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بچے کا ولی اس کا باپ پھر باپ کے فوت ہونے پر باپ کا وصی اور پھر وصی کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور پھر قاضی ہے اھ، درمختار سے کچھ زیادتی شامل کرتے ہوئے۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۲

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

مسئلہ ۱۴۶: از پیلی بھیت پنجابی ٹولہ مرسلہ شیخ عبدالعزیز ۱۴/شوال ۱۳۲۱ھ

(شجرہ حاجی کفایت اللہ متوفی)

(زوجہ اولٰی حیات نجم النساء)

یہاں امیج کی شکل میں نقشہ بنانا ہے جلد ۱۳ ص ۴۰۱

(زوجہ ثانی متوفیہ حمید النساء)

یہاں امیج کی شکل میں نقشہ بنانا ہے جلد ۱۳ ص ۴۰۱

حاجی کفایت اللہ نے انتقال کیا اور انہوں نے اپنی ایک مادر جو سن خزافت کو پہنچ گئی ہیں اور ہوش وحواس ان کے قائم نہیں ہیں اور دو بہنیں اور ایک زوجہ اور اسی زوجہ حیات سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں اور دوسری زوجہ متوفیہ سے تین لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں، فریق اول یعنی زوجہ اولی کی اولاد سب بالغ ہے اور فریق ثانی زوجہ ثانیہ کی اولاد بعض بالغ اور بعض نابالغ ہیں۔ فریق اول چونکہ بالغ اور غالب تھے اور فریق ثانی نابالغ اور مغلوب، لہٰذا فریق اول کو ہمیشہ فریق ثانی کے ساتھ بوجہ سوتیلے پن کے قدرتی مخالفت ہے، چنانچہ ان نابالغان کے سوتیلے بہن بھائی بہ اتفاق نجم النساء سوتیلی ماں کی والدہ نابالغان کے مخالف اور درپے تخریب وایذارسانی ودل آزاری رہی اور شرکت شادی وغمی اور ملنا جلنا تاحیات متوفیہ حمید النساء والدہ نابالغان قطعی ترک رہا مگر حین حیات حاجی کفایت اللہ ان کی عداوت کا کوئی اثر پورے طور پر ظاہر نہیں ہو پایا لیکن بعد وفات حاجی کفایت اللہ فریق اول کی عداوت فریق ثانی کے ساتھ بخوبی ظاہر ہوگئی چنانچہ اس کی وجوہات یہ ہیں:

(۱) یہ کہ بعد وفات حاجی کفایت اللہ ان میں سے نابالغوں کو جو سب سے چھوٹے اور ان کے اختیار میں تھے ایک خادمہ کے سپرد کرکے گڑھی مانکپور کو جو جائے سکونت سے ایک مسافت بعید پر واقع ہے باقی اعزاواقارب سے جدا کرکے روانہ کردیا چھ ماہ تک ان کو لاوارث حیثیت سے چھوڑ رکھا جس کی وجہ سے ان کو طرح طرح کی خورد ونوش وغیرہ کی تکلیف اور اذیتیں پہنچیں۔

(۲) یہ کہ جملہ آمدنی ان کے حصص واقعہ میں سے اپنے صرف میں لا چکے ہیں اور ان کے مصارف کی کوئی خبر گیری نہیں کرتے۔

(۳) یہ کہ بہت سے اشیاءِ منقولہ زرِ نقد وزیورات واشیاء خانگی جو نابالغان سے تعلق رکھتے ہیں ان لوگوں نے مخفی کرلیں اور ظاہر نہیں کیں اور دیون مورث کے وصول کرکے تصرف ذاتی اپنے میں لائے۔

(۴) یہ کہ طریقہ زندگی سوتیلے بھائیوں ان نابالغان کا ناشائستہ اور غیر مہذّب بدچلنی کے ساتھ ہے۔

سوال

حاجی محمد کفایت اللہ متوفی نے انتقال کرکے اس شجرہ مذکورہ بالا کے مطابق ورثاء چھوڑے اب ان اولاد نابالغان زوجہ ثانی متوفیہ، فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق واحمدی بیگم کا حق ولایت جان ومال از روئے شرع شریف ان اولیاء میں سے بمقابلہ وجوہات بالا کے کس کو پہنچتا ہے:

اخ لاب۔ اخ لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت لاب۔ اخت الاب وام۔ جدہ صحیحہ۔ عمہ۔ عمہ۔

عبدالحق۔ احسان الحق۔ عجائب النساء۔ لطیف النساء۔ حبیب النساء۔ جمیل النساء۔ کریم النساء۔ اللہ جلائی۔ نجم النساء۔ صاحب النساء۔

الجواب:

حق حضانت لڑکے میں سات اور دختر میں نو برس کی عمر تک رہتا ہے اس کے بعد عصبہ کے پاس رہے گی جو عصوبت میں مقدم ہے یہاں بھی مقدم ہے بشرطیکہ فاسق بدچلن نہ ہو اس سے صغیر پر اندیشہ نہ ہو اور دختر کے لئے اس کا محرم ہونا بھی شرط۔ اور سات یا نو برس کی عمر تک جو حقِ حضانت میں عورات ذوات فروض مثل مادر وخواہر پھر ذوات رحم مثل خالہ وعمہ عصبات پر مقدم ہیں ان میں شرط یہ ہے کہ صغیر کے نامحرم کے نکاح میں نہ ہوں ورنہ بچے ماں کو بھی سپرد نہ کئے جائیں گے جہاں شرائط حضانت کی جامعہ کوئی عورت نہ ہوگی، حضانت عصبات پھر ذوی الارحام ذکور کی طرف انتقال کرے گی اور دختر کے لئے وہی محرمیت ضرور ہوگی پھر اگر کوئی ذی رحم ان بچوں کے حق میں قابل اعتماد نہ ہو تو ذی علم دیندار خداترس مسلمانانِ شہر کہ کوئی بدعت کفریہ مثل نیچریت ورفض وغیرہما نہ رکھتے ہوں نہ مکذبان باری عزّوجل یا منکرانِ ختم نبوتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسلمان جانتے ہوں جمع ہو کر کسی ایسے ہی متدیّن لائق کو بچوں کی حفاظت کے لئے تجویز کریں اور لڑکیاں بالخصوص کسی ایسی ہی عورت عاقلہ امینہ قادرہ کو سپرد کی جائیں جو نامحرم کے نکاح میں نہ ہو نہ ایسوں کے یہاں رہتی ہو جن سے بچوں پر مضرت واذیت کا اندیشہ ہو اور یہ شرط عدمِ نیچریت ورفض وغیرہ بدعات کفریہ کہ ہم نے ان رائے وہندوں کے لئے ذکر کی مطلقًا

ہر عورت و مرد میں ضرور ہے جسے حضانت یا حفاظت جان یا مال دی جائے بچوں کے مال کو ولایت باپ کے بعد باپ کے وصی کو ہے یعنی جسے وہ کہہ کر مرا ہو کہ میری اولاد کی غور پر داخت کرنا یا کہا ہو میری جائداد کی نگہداشت کرنا، وصی نہ ہو تو وصی کا وصی، وہ بھی نہ ہو تو دادا، پھر دادا کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، اور ان میں کوئی نہ ہو تو پھر وہی حکم ہے کہ ذی علم متدین مسلمان نہایت غائر نظر سے مشورہ کرکے کسی ایسے ہی مسلمان کو محافظ مقرر کریں جو یتیم کے مال کو آگ جانتا ہو، اور جس شہر میں کوئی عالم دین معتمد سنّی المذہب فقیہ متدین موجود ہو تو ان امور میں رائے اسی کی معتبر ہے، اور جہاں ایسے چند عالم ہوں وہاں جو ان سب میں زیادہ علم والا ہو اس پر نظر ہے، جب کوئی مستحقِ حضانت وولایت مال نہ ہو تو وہ عالم شہر اپنی رائے سے بلحاظ امور مذکورہ بچوں کی سپردگی جان و مال کے لئے رجال ونساء باوصافِ مذکورہ تجویز کرے، شریعت کی ایسی باتوں میں جہاں قاضی اسلام نہ ہو اس عالمِ شہر کی رائے رائے قاضی اسلام کی مثل ہے، اور مسلمانوں پر اس کا اتباع لازم ہے، گورنمنٹ نے معاملات مثل نکاح وطلاق وحضانت وولایت ووراثت ووصایت میں مسلمانوں کو آزادی دی ہے وہ ہرگز مجبور نہیں کرتی کہ تم ان امور کو اپنی شرع کے مطابق باہم فیصلہ نہ کرلو بلکہ وہ خود ان امور میں شریعت وفتوی کی طرف رجوع کرتی ہے، جہاں تک میرا خیال ہے یہ امور اسی قبیل سے ہیں، اور اگر فی الواقع ایسا نہیں بلکہ آزادی کسی حد تک محدود کی گئی ہے تو جہاں تک آزادی ہے اس پر کارروائی لازم ہے **واللہ الموفق**، درمختار میں ہے:

الحاضنۃ احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی واحق بہا حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی[1]۔	لڑکے پر پرورش کرنے والی کا حق اس وقت تک ہے جب تک وہ عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہوجاتا جس کا اندازہ سات سال عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا اور لڑکی پر اس کا حق لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک ہے جس کا اندازہ نو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوی دیا جائیگا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی حاشیۃ البحر للرملی فی المنہاج والخلاصۃ و التاتارخانیۃ ان لم یکن للصبی اب وانقضت الحضانۃ فمن سواہ من العصبۃ اولی الاقرب فالاقرب غیران الانثی لاتدفع الاالی محرم[2]۔	بحر پر رملی کے حاشیہ میں ہے کہ منہاج، خلاصہ اور تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر بچے کا والد نہ ہو اور بچے کی مدت پرورش ختم ہوجائے تو قریب ترین مرد عصبہ کے سپرد کیا جائیگا، مگر بچی ہو تو وہ غیر محرم عصبہ کے سپرد نہ کی جائے گی۔ (ت)

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۳

تنویر الابصار میں ہے:

الحضانة تثبت للام الاان تکون مرتدة او غیرما مونة او متزوجة بغیر محرم ثم ام الام ثم ام الاب ثم الاخت لاب وام ثم لام ثم لاب ثم الخالات ثم العمات کذٰلک[1]۔	پرورش کا حق والدہ کو ہوگا بشرطیکہ وہ مرتدہ، غیر محتاط اور بچے کے غیر محرم کی منکوحہ نہ ہو، والدہ کے بعد نانی، پھر دادی، پھر حقیقی بہن، پھر ماں کی طرف سے سگی بہن، پھر والد کی طرف سے سگی بہن، پھر خالات اور پھر پھوپھیاں اسی ترتیب سے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ثم العصبات بترتیب الارث سوی فاسق و معتوہ ثم اذالم یکن عصبة فلذوی الارحام[2] (ملخصا)	پھر عصبہ مرد حضرات وراثت کی ترتیب پر ماسوائے فاسق اور پاگل کے، اگر عصبات نہ ہوں تو ذوی الارحام حقدار ہوں گے (ملخصًا)۔(ت)

برہان وعینی وبحر وردالمحتار میں ہے:

فی البدائع لوکانت الاخوة والاعمام غیرمأمومنین علی نفسها اومالها لاتسلم الیهم وینظر القاضی امرأة ثقة عدلة امینة فتسلمها الیها الیٰ أن تبلغ[3]۔	بدائع میں مذکور ہے اگر بھائی اور چچے، لڑکی اور اس کے مال کی حفاظت میں غیر محتاط ہوں تو لڑکی ان کے سپرد نہ کیا جائے گی اور قاضی لڑکی کے بالغ ہونے تک کسی قابلِ اعتماد عادہ دیانتدار عورت کے سپرد کردے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

الحاضنة یسقط حقها بنکاح غیرمحرمه ای الصغیر وکذا بسکنٰها عندالمبغضین له[4]۔	پرورش کرنے والی بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہونے یا بچے کے مخالفین کے ہاں رہائش پذیر ہونے کی بناء پر پرورش صغیر کی حقدار نہ رہے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

[1] درمختار تنویر الابصار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[2] درمختار تنویر الابصار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

[3] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۸

[4] درمختار باب الحضانة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم القاضی[1]۔	بچے کے مال کے متعلق والی والد ہوگا پھر والد کا وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی جد صحیح (جو کسی عورت کے واسطہ کے بغیر ہو) پھر دادے کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی اور پھر قاضی ہوگا۔ (ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے:

فی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور کلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروافالمتبع اعلمھم[2]۔	عتابی میں مذکور ہے کہ جس وقت بااختیار حاکم شرعی نہ پایاجائے تو پھر معاملات علماء کے سپرد قرار پائینگے تو امت پرلازم ہے کہ وہ علماء کی طرف اپنے معاملات میں رجوع کرے، پھر جب سب کا ایک عالم کی طرف رجوع کرنا مشکل ہوتو پھر ہر علاقہ والے اپنے اپنے علاقہ کے علماء کی طرف راجع ہوں، اور اگر علاقہ میں علماء کی کثرت ہوتو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع کریں۔ (ت)

جب یہ مسائل معلوم ہولئے اب صورت مستفسرہ کی طرف چلئے، فضل حق وضیاء الحق تو حدِ حضانت سے نکل چکے ہیں کہ ان کی عمریں سات سال سے زائد ہیں، انہیں چاہئے تھا کہ عصبات کے سپرد ہوں، عصبہ یہاں سوتیلے بھائی ہیں جنہیں سائل بد چلن بتاتا ہے اور نابالغوں کا بدخواہ ودشمن بھی، اور فی الواقع سوتیلوں میں خصوصًا جہاں جائداد کا قدم درمیان ہو بدخواہی نہ ہونا ہی تعجب ہے، تولازم ہے کہ ان دونوں بچوں کے لئے کوئی اور عصبہ دیندار معتمد بشرائط مذکورہ تلاش کیاجائے، سائل نے زبانی احمدی بیگم کو ریاض الحق سے بھی چھوٹی بتایا تو یہ دونوں ابھی حضانت طلب ہیں، اللہ جلائی کو سائل مختل الحواس بتاتا ہے اور کریم النساء، حقیقی بہن بچوں کے نامحرم کے نکاح میں ہے یونہی سوتیلی بہنیں بھی، اور ان کا نامعتمد ہونا علاوہ، بچوں کی کوئی خالہ بیان میں نہ آئی، پھوپھیوں کی نسبت بھی مسموع ہوا کہ نامحرموں کے نکاح میں ہیں، اس تقدیر ان کی حضانت بھی بھائیوں کی طرف آتی ہے مگران میں وہی موانع ہیں تواس کے لئے بھی کوئی عصبہ اور وہ نہ ہوتو ذو رحم تلاش کرنا چاہئے اور احمدی بیگم کے واسطے اس کا محرم بھی درکار، یہ حفاظتِ جان تھی، رہی سپردگی مال اس کے لئے لازم کہ باپ کا وصی یا

[1] درمختار کتاب المأذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

وصی وصی یادادا یعنی پدرِ پدر کا وصی وصی کی تحقیق کریں، مثلاً حاجی کفایت اللہ نے اگر کریم النساء یا اپنی بہن نجم النساء یا صاحب النساء یا جس کسی شخص کو ان بچوں یا اپنی جائداد کی نگہداشت کی وصیت کی ہو نا بالغوں کے مال اسی کو سپرد کئے جائیں گے، یہ تین مقام تلاش و تحقیق کے ہیں، ان میں سے جس میں بعد تلاش بھی کوئی شخص ان شرائط کا نہ ملے تو عالم شہر کی رائے لی جائے گی۔ یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں ان صفاتِ مذکورہ کا کوئی عالم نہیں سوا مولٰنا وصی احمد صاحب محدّث سورتی **دامت فیوضھم** کے، تو ان کی طرف رجوع لازم اور ان پر واجب کے بعد غور تمام وتحقیقاتِ تام جملہ مسائل مذکورہ ومصالح نابالغین و مالھم وماعلیھم پر نظر غائر فرما کر جزم واحتیاط کامل سے کام لیں اور ذی رائے دیندار اہلسنت عمائد شہر کو رائے و شوری میں شریک کریں، **وباللہ العصمۃ والتوفیق** (اور اللہ تعالٰی کی امداد سے ہی عصمت اور توفیق ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷: ایک عورت کا خاوند فوت ہوگیا، بعد انتقال دوماہ اس عورت کے لڑکا پیدا ہوا اور بعد چندے زمانہ عدت گزرنے پر عورت نے نکاح ثانی کرلیا، پرورش اس بچے کی اب تک کہ قریب تین سال کے ہوئے وہ عورت کرتی ہے اس بچہ کے دادا نے اس درمیان میں یہ چاہا تھا کہ اس بچہ کی پرورش میں کروں لیکن اس عورت نے نہیں دیا اور کہا کہ بعد ہوشیار ہوجانے کے لے لینا، اب صورتِ مسئولہ یہ ہے کہ اس بچہ کی پرورش اس کی والدہ کب تک کرنے کی مستحق ہے، اگر دادا بچہ کا اس بچہ کو اپنے پاس رکھنے کو لے تو اس کی ماں کو بطریقہ شرعی کچھ خوراک یا نفقہ معین کرنا یا معاوضہ میں دینا چاہئے یا نہیں، اور اس زیور میں اس لڑکے کا کچھ حق ہے یا نہیں جو اس کی ماں کے پاس ہے، اگر ہے تو کس قدر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت نے اگر پسر کے محرم مثلاً حقیقی چچا سے نکاح کیا ہے تو لڑکا سات برس کی عمر تک ماں ہی کے پاس رہے گا اور اس مدت تک عورت اسی کے پالنے پر ماہانہ پائے گی جس کا وجوب لڑکے کے مال میں ہوگا اور لڑکے کا مال نہ رہے تو اس کے دادا پر ہوگا۔

فی الدرالمختار تستحق الحاضنۃ اجرۃ الحضانۃ وھی غیر اجرۃ ارضاعہ ونفقتہ کما فی البحر عن السراجیۃ وفی کتب الشافعیۃ مؤنۃ الحضانۃ۔	درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اجرت کی مستحق ہوگی جو بچے کو دودھ پلانے کی اجرت اور نفقہ ولد کے علاوہ ہوگی، جیسا کہ بحر نے سراجیہ سے نقل کیا ہے اور شافعی حضرات کی کتب میں ہے کہ پرورش کا خرچہ

فی مال المحضون لوله مال والافعلی من تلزمه نفقته قال شیخنا وقواعدنا تقتضیه فیفتی به [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن الشامی عن البرجندی تجبر الام علی الحضانة اذالم یکن لها زوج والنفقة علی الاب. وقال الفقیه ابو جعفر تجبر وینفق علیها من مال الصغیرة وبه اخذ الفقیه ابو اللیث [2] اھ مختصرا۔	پرورش پانے والے بچے کے مال سے ادا ہوگا اگر بچے کا اپنا مال ہو، اگر بچے کا اپنا مال نہ ہو تو پھر یہ اسی شخص پر ہوگا جس پر بچے کا نفقہ واجب، ہمارے شیخ نے فرمایا ہمارے قواعد بھی یہی تقاضا کرتے ہیں لہذا اس پر فتوی دیا جائے گا اھ مختصرًا۔ ردالمحتار میں شامی نے برجندی سے نقل کیا ہے کہ جب خاوند نہ ہو تو ماں کو پرورش پر مجبور کیا جائے گا اور پرورش کا خرچہ بچے کے والد پر ہوگا، اور ابو جعفر فقیہ نے فرمایا کہ بچے کی پرورش کے لئے ماں کو مجبور کیا جائے گا اور خرچہ خود بچے کے مال سے ادا کیا جائے گا، اسی کو فقیہ ابواللیث سمرقندی نے لیا ہے اھ مختصرًا (ت)

ہاں اگر لڑکے کی کوئی قریب رشتہ دار عورت لائق حضانت مثلًا خالہ یا پھوپھی بلااجرت حضانت پر راضی ہو تو اس صورت میں کہ لڑکا مال رکھتا ہے اور اس کا مال بچانے کو لڑکے کی ماں سے کہا جائے گا یا تو تو مفت اپنے پاس رکھ یا اس دوسرے کو دے دے کہ مفت پرورش کرے،

فی ردالمحتار ان کان المتبرع غیر اجنبی، والصغیرله مال یقال للام اما ان تمسکیه مجانا او تدفعیه للعمة مثلا المتبرعة صونا لماله لوله مال [3] (ملخصًا)	ردالمحتار میں ہے: اگر مفت میں پرورش کرنے والی غیر اجنبی عورت (محرم) ہو اور بچے کا اپنا مال ہو تو ماں کو کہا جائے گا کہ تو بچے کی مفت میں پرورش کر یا پھر مفت پرورش کرنے والی محرمہ مثلًا پھوپھی کو سونپ دے، یہ اس لئے کہ بچے کا مال محفوظ رہے، (ملخصًا)۔ (ت)

اور جس سے عورت نے نکاح کیا لڑکے کا محرم نہیں تو عورت کا حق حضانت ساقط ہوگیا لڑکا اس سے فورًا لے لیا جائے اور نانی وہ نہ ہو تو دادی پھر بہن پھر خالہ پھر پھوپھی جوان میں قابل حضانت ہو کہ لڑکے کے اجنبی کے نکاح میں نہ ہو اسی کے سات سال کی عمر تک رکھا جائے اور عورتوں میں کوئی ایسی نہ تو دادا

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۶

[3] ردالمحتار باب الحضانة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۸

لے لے، جو زیور اس کے باپ نے اس کی ماں کو ہبہ کر دیا ہو اس میں لڑکے کا حق نہیں ورنہ بعد فرض اصحاب فرائض باقی لڑکے کا ہے مثلاً اس کے باپ کا سوا زوجہ و پدر و پسر کے کوئی وارث نہ ہو تو بعد دین و وصیت ۲۴ حصے ہو کر ۳ حصے زوجہ اور ۴ والد ۱۷ پسر کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: ۷ شعبان ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک لڑکا ایک لڑکی نابالغ اور ایک بیٹی بالغہ منکوحہ بیوہ اور ایک بھائی چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے کہ اس بچے کی ماں ہے ایک اجنبی سے نکاح کرلیا جو ان بچوں کا رشتہ دار نہیں، لڑکا چار برس کا ہے اور لڑکی آٹھ برس کی، اس کی ماں ایک جگہ اس کا نکاح کیا چاہتی ہے، چچا وہاں راضی نہیں اپنے بھتیجے یعنی دوسرے بھائی کے پسر سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اس صورت میں ان نابالغوں کے اختیار ماں کو ہے یا چچا کو؟ اور ان کے رکھنے کا اختیار کسے ہے؟ نابالغوں کی نانی دادی کوئی نہیں، خالہ اور دو پھوپھیاں انہیں اپنے پاس رکھنے پر راضی نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان نابالغوں کے نکاح کا اختیار چچا کے سوا کسی کو نہیں، اس کے ہوتے ہوئے ماں نکاح میں کچھ دخل نہیں رکھتی۔

فی تنویر الابصار لم تکن عصبة فالولایة للام [1]۔	تنویر الابصار میں ہے: اگر کوئی عصبہ ولی نہ ہو تو پھر ولایت ماں کو حاصل ہوگی۔ (ت)

اور جبکہ وہ اپنا نکاح ایک اجنبی شخص سے کرچکی تو اسے ان بچوں کے رکھنے کا بھی اختیار نہیں،

فی الدر المختار الحضانة للام الا ان تکون فاجرة او متزوجة بغیر محرم الصغیر [2] اھ مختصرا۔	در مختار میں ہے: پرورش کا حق ماں کو ہے مگر جب وہ فاجرہ ہو یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر نہیں اھ مختصراً (ت)

بلکہ لڑکا برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک اپنی بیوہ بہن کے پاس رہیں، اور وہ نہ رکھے تو خالہ کے پاس، وہ بھی قبول نہ کرے تو پھوپھیوں کے پاس،

فی الدر المختار ثم بعد الام بان ماتت	در مختار میں ہے: ماں فوت ہوجائے یا بچے کو قبول

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

[2] در مختار شرح تنویر الابصار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۴

اولم تقبل اوتزوجت باجنبی ام الام، ثم ام الاب، ثم الاخت، ثم الخالات، ثم العمات [1] اھ مختصرا، وفی ردالمحتار الحاضنۃ لاتجبر اذالم تتعین لھا، لان المحضون ح لایضیع حقہ لوجود من یحضنہ غیرھا و تجبر اذا تعینت لعدم من یحضنہ غیرھا [2] اھ ملتقطا وتمام تحقیقہ فیہ وھذا حاصل ماوفق بہ بین نقلین مختلفین، وفی الدرالمختار الحاضنۃ اما او غیرھا احق بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یفتی وبالصغیرۃ حتی تشتھی وقدر بتسع وبہ یفتی [3] اھ بالالتقاط، واللہ تعالٰی اعلم۔	نہ کرے یا بچے کے غیر محرم کی منکوحہ ہو تو پھر ماں کے بعد نانی، پھر دادی، پھر بہن، پھر خالات، پھر پھوپھیاں ترتیب وار حقدار ہیں اھ مختصراً، اور ردالمحتار میں ہے کہ پرورش کرنے والی اگر واحد اکیلی نہ ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ پرورش کرنے والی اگر واحد اکیلی نہ ہو تو اس کو مجبور نہ کیا جائے کیونکہ پرورش پانے والے بچے کا حق ضائع نہ ہوگا اس لئے کہ دوسری پرورش کرنے والی موجود ہے، ہاں اگر پرورش کرنے والی واحد اکیلی ہونے کی وجہ سے وہی متعین ہے تو اس کو مجبور کیا جائے گا، کیونکہ دوسری نہ ہونے کی وجہ سے بچے کا حق ضائع ہوگا اھ ملتقطا، اس بحث ک مکمل تحقیق اسی میں ہے، یہ دو مختلف نقول میں توفیق کا حاصل ہے، درمختار میں ہے کہ پرورش کرنے والی ماں ہو یا کوئی اور وہ لڑکے کی حقدار ہیں جب تک لڑکا عورتوں کی نگرانی سے مستغنی نہیں ہو جاتا، جس کا اندازہ سات سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، اور پرورش کرنے والی لڑکی کی حقدار ہیں جب تک لڑکی مشتہاۃ نہ ہو جائے جس کا اندازہ نَو سال کی عمر ہے اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۹: ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ

زن و شوہر میں نااتفاقی ہے ان کی لڑکی کی عمر قریب چھ برس کے ہے شوہر نے جبر کرکے اس کو ماں کے پاس سے علیحدہ کرلیا ہے اور اس کو ماں کے پاس نہیں آنے دیتا ہے، پس اس صورت میں حکم شرع شریف استفسار ہے کہ لڑکی کس کے پاس رہے اور حق ماں کو لڑکی کے رکھنے کا کَے برس کی عمر تک ہے اور باپ لڑکی کا بحالت موجود ہونے لڑکی کی ماں کے مستطیع ہے اور اس کی تعلیم اچھی طرح کرسکتی ہے" لڑکی کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۴

[2] ردالمحتار باب الحضانۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۶

[3] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۵

یا نہیں؟ اور باپ لڑکی کا غیر مستطیع ہے فقط بینوا توجروا

الجواب:

لڑکی نو برس کی عمر تک ماں کے پاس رہے گی بعدہ باپ کو دے دی جائے گی، اس سے پہلے جب تک ماں میں کوئی اور مسقط حضانت نہ ثابت ہو کسی کو بلاوجہ شرعی اس سے لینے کا اختیار نہیں،

فی الدرالمختار الام والجدۃ احق بھا حتی تشتھی وبہ یفتی[1]۔	درمختار میں ہے کہ ماں اور دادی لڑکی کے مشتہاۃ ہونے تک حقدار ہیں، اور اسی پر فتوی دیا جائے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وقدر بتسع وبہ یفتی۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	مشتہاۃ اندازًا نو سال کی عمر ہے، اور اسی پر فتوی دیا جائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۰: از رنگون سورتی بازار دکان ۲۶۸ مرسلہ شیخ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمر کی دو لڑکیاں زبیدہ اور ہندہ تھیں، زبیدہ کا نکاح خالد سے ہوا اور ہندہ کا نکاح بکر کے لڑکے ولید سے۔ ولید سے ہندہ کو ایک لڑکا زید تولد ہوا، بعد کو ولید انتقال کرگیا، کچھ عرصہ بعد زبیدہ جو کہ خالد کے نکاح میں تھی گزر گئی، اس کے بھی چند اولاد ہیں، بعد ایک عرصہ کے عمرو نے سنت رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم سمجھ کر بیوہ ہندہ کا نکاح اپنی مرحولم لڑکی زبیدہ کے خاوند سے کردیا، یہ بات ہندہ کے اگلے شوہر ولید کے باپ بکر کو ناگوار گزری اور ولید کے لڑکے زید کو اپنے قبضے میں لے لیا اور اس لڑکے کو اس کی والدہ سے اور والدہ کے رشتہ داروں سے ملنے جلنے نہ پائے اس کا سخت بدوبست کیا اس طرف اب زید کی والدہ جو نکاح ثانی کرچکی ہے لڑکے فراق میں سخت بے چین ہے روز و شب لڑکے کو یاد کرتی ہے اس بچے سے کسی طرح بھی ملنا چاہتی ہے حتی کہ ہندہ کی صحت بھی بگڑھ چکی ہے اس سبب سے ہندہ کے والد عمرو بھی بے چین ہیں اور بہت ذریعے سے بکر سے عرض کرچکے ہیں حتی کہ ایک جلسے جماعت مسلمین میں بھی یہ طے پایا کہ بکر کو جماعت کی طرف سے عرض کیا جائے کہ زید کو اس کی والدہ ہندہ کے پاس وقتًا فوقتًا کچھ دیر ملاقات کے لئے بھیجا کرے، مگر پھر بھی نتیجہ کچھ حاصل نہ ہوا، اب سوال یہ ہے کہ فعل بکر کا جائز ہے یا نہیں؟ کس طرح کے حقوق اس وقت ایک دوسرے پر ہیں، کیا بکر پر فرض نہیں کہ زید کو اس کی والدہ کے پاس صرف ملاقات کے لئے بھیجا کرے، کیا ایسے

[1] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

[2] درمختار باب الحضانۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۵

افعال اور جبر سے نکاح ثانی جو کہ نہایت ضروری سنّت شریف ہے کہ کرنے میں رکاوٹیں پیدا نہ ہوں گی خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ ہند میں اکثر یہ مذموم رسم جاری ہے کہ نکاح ثانی نہیں کرتے، کیا والدہ بیچاری جس کی محبت بچے کے ساتھ اظہر من الشّمس ہے خصوصًا بچہ جبکہ سات، آٹھ، نوسال ہی کا ہو اتنا بھی حق نہیں رکھتی کہ ایک آدھ مرتبہ بچے کی صورت دیکھ لے۔

الجواب:

اگر ماں دوسرا نکاح نہ بھی کرے تو لڑکا سات برس کی عمر کے بعد اس کے پاس نہ رکھا جائے گا دادا سے لے لے گا اور اگر سات برس سے کم عمر ہو اور ماں دوسرا نکاح نہ کرے یا کرے تو لڑکے کے محرم یعنی چچا سے، تو لڑکا سات سال کی عمر ہونے تک ماں کے پس رہے گا دادا نہیں لے سکتا، لیکن جب لڑکے کے نامحرم مثلًا خالو سے نکاح کرلے جیسے یہاں ہوا تو اس نکاح کرنے کو جو برا کہے گا سخت گنہگار ہوگا لیکن شوہر دوم نامحرم پسر ہونے کے سبب لڑکا ماں سے لے لیا جائے گا، یہ سب مسائل درمختار وغیرہ عامہ کتب میں مصرح ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بچہ ماں سے بالکل تڑالیا جائے اس سے ملنے تک نہ دیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ سنن ابن ماجہ میں ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعنه الله من فرق بين الوالدة ولدها[1]۔	اللہ کی لعنت ہے اس پر جو ماں اور اس کے بچے میں جدائی ڈالے۔

بکر پر لازم ہے کہ اس حرکت سے توبہ کرے اور بچے کو اس کی ماں سے ملنے دے اور بلاوجہ ایذائے مسلمان کا شدید وبال اپنے سر نہ لے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلمًا اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی الله[2]۔ رواه الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔ والله تعالٰی اعلم۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ عزّوجل کو ایذادی۔ (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] سنن ابن ماجہ باب النهی عن التفریق بین الصبی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۳

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/۳۷۳

مسئلہ ۱۵۱: از حسن پور ضلع سارن مسئولہ شاہ حمیدہ احمد ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باپ، بی بی اور دس سالہ لڑکی نابالغہ چھوڑ کر انتقال کیا، زید کی بی بی نے بعد ایامِ عدت زید کے ایک ایسے بھائی سے عقد ثانی کرلیا جو بعد وفات پدر زید کے اس کے ترکہ وہی وارث جائز ہے اور مکان بھی اس کا بالکل زید کے مکان سے متصل ہے اور زید کے ہر جزو جائداد میں حصہ دار بھی ہے اور لڑکی زید کی آج تک پرورش اور پرداخت میں اپنی ماں کے ہے، ایسی صورت میں حق پرورش وپرداخت وولایت نکاح کا لڑکی کی ماں کو حاصل ہے یا دادا کو باوجود لڑکی ہنوز پرورش وپرداخت میں اپنی ماں کی ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

لڑکی کے نکاح یا اس کے مال کی نگہداشت کا حق تو باپ کے بعد دادا کے سوا کسی کو نہ تھا، پاس رکھنے کا حق ماں کو تھا، جب لڑکی نوبرس کی ہوئی وہ بھی ختم ہوگیا اب دادا اسے لے لے گا، ماں یا چچا کسی کو تعرض کا اختیار نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست جاورہ سڑک رتلام دروازہ مرسلہ چھوٹے خاں معرفت سید حسن انسپکٹر ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حامد لاولد کو زید صاحبِ اولاد نے اپنی ایک دختر بسبب محبت ویگانگت وہمدردی اسلامی لوجہ اللہ دے کر یہ اختیار دے دیا کہ اب یہ لڑکی تمہاری ہے ہمارا کسی قسم کا اس پر دعوی جھگڑا نہیں ہے اس کو بطور اولاد کے تم پرورش کرو اور جہاں چاہو اس کی شادی وغیرہ کردینا ہمیں کوئی تعلق نہیں، چنانچہ حامد نے دس گیارہ سال تک اس دختر کو بطور اولاد خود اپنے پاس رکھ کر اپنے صرفہ سے پرورش کیا اور اب جبکہ دختر ہوشیار ہوئی تو زید نے بباعث طمع یا جو کچھ ہو اپنی طرف اس کو لوٹانا چاہا اور حامد اس کے دینے سے انکاری ہے تو ایسی صورت میں عندالشرع دختر مذکورہ اس کے والدین کو دلائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر دلائی جاسکتی ہے تو کیا بلا ادائے صرفہ پرورش دختر؟

الجواب:

دختر کا ہبہ کردینا باطل ہے نہ وہ باپ کی ملک تھی نہ حامد کی ملک ہوگئی، اور اب کہ بالغہ ہوئی یا قریب بلوغ پہنچی جب تک شادی نہ ہو ضرور اس کو باپ کے پاس رہنا چاہئے یہاں تک کہ نوبرس کی عمر

کے بعد سگی ماں سے لڑکی لے لی جائے گی اور باپ کے پاس رہے گی نہ کہ اجنبی جس کے پاس رہنا کسی طرح جائز ہی نہیں، بیٹی کرکے پانے سے بیٹی نہیں ہو جاتی، اس نے جو خرچ کیا اپنی اولاد بنا کر کیا نہ کہ بطور قرض، لہٰذا واپسی کا بھی مستحق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بابُ النفقة

(نفقہ کا بیان)

مسئلہ ۱۵۳: ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں اور عدت گزرچکی اب عورت کا نفقہ زید پر واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اگر فی الواقع عدت گزرچکی (یعنی حاملہ تھی تو وضع حمل ہوگیا ورنہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہوکر ختم ہولئے) تواب نفقہ واجب نہیں کہ مطلقہ کا نفقہ عدت تک ہے بعد عدت کوئی علاقہ باقی نہیں جس کے سبب نفقہ لازم ہو، **فی ردالمحتار النفقة تابعة للعدّة**[1] (ردالمحتار میں ہے: عورت کا نفقہ عدت کے تابع ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: از ٹونک محلّہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ولی اللہ صاحب ۲۱ شوال ۱۳۰۹ھ

بعد عالی جناب فیض مآب حضرت مولٰنا وبالفضل اولانا قبلہ وکعبہ ام مولٰنا احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیضہ، پس از تسلیم نیاز معروض می دارد۔ نقل اقرار نامہ بذریعہ ہذا خدمت شریف میں ابلاغ ہے. بروئے اس کے

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۶۹

مدعیہ مسماۃ رقیہ بیگم کو اختیار حاصل ہے کہ بصورت ہونے تکلیف کے اپنے والدین کے مکان پر جا کر ہمیشہ رہے یا نہیں، اور جواز اس کا شرع سے ہے یا نہیں؟

اوّل یہ تکلیف ہے نان نفقہ جو پہلے دیتا تھا نہیں دیتا باوجود مقدوری کے۔

دوسرے سخت وسست بولتا ہے۔

تیسرے بدعہدی کرتا ہے کہ حقِ زوجہ ادا نہیں کرتا ہے۔

چوتھے والدین کے مکان پر حسبِ اقرار جانے نہیں دیتا۔

پانچویں وعدہ تھا کہ مہر معجّل دوں گا، اور ڈگری بھی شریعت سے ہو گئی یکمشت دلانے کی، آج تک نہیں دیا، برخلاف اس کے (ماعہ ۸/) دئے ہیں باقی ہنوز بے وصول ہیں، اور یہ بھی مسمّاۃ کہتی ہے اگر مکان مسکونہ جو متصل والدین کے ہے اس میں تکلیف ہے دیگر محلّہ میں رہے تو نہیں رہنے دیتا، یہ درخواست بھی قابل لحاظ ہے یا نہیں؟ مہر شریعت ناظم شریعت

نقل اقرارنامہ

میں کہ سید احمد علی بن سید اکبر علی مرحوم ساکن کالی پلٹن ام جو کہ مسماۃ رقیہ بیگم زوجہ مظہر نے نسبت میرے دعویات تکلیفات قسم قسم وزرِ مہر وغیرہ دائر عدالت شرع شریف کئے ہیں بناء براں فی الحال اقرار کرتا ہوں ولکھے دیتا ہوں کہ آئندہ کسی قسم کی تکلیف مسماۃ مذکور کو نہ دوں گا اور حسنِ سلوک خود سے سب طرح رضا مندر کھا کروں گا اگر خلاف شرع کے کوئی بات نسبت مسماۃ مذکور کروں اور زوجہ میری مجھ سے ناراض ہو تو بدل اس بدعہدی کا اس صورت میں حسب تحریر معاہدہ ہذا کے مدعیہ اختیار کھتی ہے کہ اپنے والدین کے مکان پر جا رہے میں مزاحمت نہیں کروں گا اور مسافرت کو نہیں جانے پائے گی، لہٰذا یہ چند کلمہ بطریق اقرار نامہ لکھ دئے کہ سند ہو فقط، المرقوم ۷ اذی قعدہ ۱۳۰۸ ہجریہ

العبــــــــــــــــــــــــد

سید احمد علی

گواہ شد — منشی عبداللہ وکیل بقلم خود

گواہ شد — نصرت یار خاں (دستخط ہندی)

امید کہ براہ عنایت بزرگانہ اس کا جواب تحریر فرما کر تابعدار کو سرفراز فرمایا جائے۔ عریضہ ادب: محمد ولی اللہ عفاعنہ مولاہ برادر حقیقی مولوی سید ظہور اللہ صاحب از ریاست ٹونک

الجواب:

یہ اقرار نامہ کوئی چیز نہیں، نہ اس کے سبب رقیہ بیگم اپنے شوہر کا وہ حق جو شرع اس کے لئے ثابت کرے، بعد ثابت ہونے کے ساقط و باطل کرسکتی ہے، شرع مطہر نے شوہر کو حق حبس دیا ہے کہ عورت کو اپنے پاس رکھے، مگر یہاں بات یہ ہے کہ جب سید احمد علی نے ابھی رقیہ بیگم کا مہر معجّل ہی پورا ادانہ کیا ہنوز سید مذکور کو رقیہ بیگم کے حبس کرنے اور اپنے پاس رکھنے کا سرے سے اختیار ہی حاصل نہ ہوا کہ شوہر کو یہ اختیار بعد ادائے مہر معجّل حاصل ہوتا ہے بلکہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تواس کے وصول سے پہلے برضائے زوجہ وطی واقع ہونا بھی عورت کو حبس پر مجبور نہیں کرتا،

ھذاھو مذہب الامام وعلیہ المتون فعلیہ التعویل کماحققناہ فی کتاب النکاح من فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی۔	امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا یہی مذہب اور اس پر متون وارد اسی پر اعتماد ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے کتاب النکاح میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لہامنعہ من الوطی ودواعیہ،شرح مجمع،والسفر بہا ولو بعد وطی وخلوۃ رضیتھمالان کل وطأۃ معقود علیہافتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[1]۔	بیوی کو حق حاصل ہوگا کہ وہ خاوند کو جماع اور اس کے دواعی سے روک دے، شرح مجمع۔اور سفر پر ہمراہ لے جانے سے بھی روک سکتی ہے اگرچہ وطی اور خلوت برضاکے بعد چاہے تو بھی روک سکتی ہے، کیونکہ ہر بار کا جماع عقد کا بدل ہے بعض کو سونپنا کل بدل کا سونپ دینا نہیں بنتا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ والسفر الاولی التعبیر بالاخراج کما عبرفی الکنز لیعم الاخراج من بیتہا کماقالہ شارحوہ[2]ط۔	قولہ سفر پر لے جانا، یہ باہر لے جانے کی تعبیر سے بہتر ہے جیسا کہ کنز میں تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ باہر لے جانا تو گھر باہر ہمراہ کرنے کو بھی شامل ہے جیسا کہ کنز کے شارحین نے کہا ہے ط۔(ت)

توصورتِ مستفسرہ میں جب تک باقی مہر معجّل ادانہ ہوجائے رقیہ بیگم کو اختیار ہے کہ شوہر گھر نہ جائے اسے اپنے

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۸

پاس آنے نہ دے، نہ اپنے بدن کو ہاتھ لگانے دے، ہاں جب وہ مہر معجّل تمام و کمال ادا کرلے اس وقت رقیہ بیگم بے اذن شوہر اپنے گھر نہیں رہ سکتی، نہ اس اقرار نامہ کی بناپر شوہر سے مواخذہ کرسکتی ہے کہ بالفعل شوہر کو حق حبس حاصل نہ ہونا جس طرح ابھی رقیہ بیگم کو تاادائے مہر معجّل آزادی دے رہاہے یونہی اقرار نامہ کو بھی باطل محض وبے اثر کررہاہے کہ اس کا حاصل اگر ہے تو یہی کہ شوہر درصورت بدعہدی اپنے حقِ حبس کو ساقط کرتاہے وہ حق اسے ہنوز حاصل ہی نہیں تو ساقط کس چیز کو کرے گا، اسقاط کے لئے پہلے ثبوت درکار، جو شیئ ہنوز ثابت نہیں ساقط کیا ہوگی، تو احمد علی کی یہ تحریر محض مہمل و بیکار ہوئی جس سے رقیہ بیگم کو کسی وقت استناد کا محل نہیں، امام علامہ زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں فرماتے ہیں:

لھا ان ترجع ان وھبت قسمھا للاخری، لانھا اسقطت حقالم یجب بعدفلا یسقط، وھذالان الاسقاط انما یتحقق فی القائم [1] الخ۔	بیوی نے اگر اپنی باری کا حق دوسری بیوی کو دیا ہو تو وہ واپس اپنا حق لے سکتی ہے کیونکہ اس نے اپنے حق کو ساقط کیا جو ابھی تک خود اس کے لئے واجب وثابت نہ ہوا تھا لہٰذا وہ ساقط نہ ہوا، یہ اس لئے کہ اسقاط تب قرار پاتاہے جب وہ خود ثابت ہوجائے (ت)

پھر اس تقریر کی بھی حاجت کہ نفس عبارت دستاویز کو خلل سے سالم مان لیا جائے ورنہ نظر فقہی تو (قطع نظر اس سے کہ مہر معجّل ہنوز ادا ہوا یا نہیں اور وطی برضائے رقیہ بیگم واقع ہوئی یا نہیں) خود اس نفس تحریر کو مہمل و مختل بتاتی ہے کہ اس نے اسقاط حبس کو معلق کیا اور یہ اسقاط سرے سے قابلیتِ تعلیق نہیں رکھتا،

لانہ مما لایحلف کما لایخفی وکل اسقاط لایحلف بہ فانہ لایصح تعلیقہ۔	کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کا حلف (کسی شیئ سے مشروط کرنا) نہیں دیا جاسکتا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور ہر اس چیز کا اسقاط جو قابل حلف نہ ہو تو اس کی تعلیق (شرط سے مشروط کرنا) صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

مایجوز تعلیقہ بالشرط مختص بالاسقاطات المحضۃ التی یحلف بھا کطلاق وعتاق وبالالتزامات التی یحلف	جس چیز کو کسی شرط سے مشروط کیا جاسکتا ہے وہ صرف اسقاطات محضہ ہیں جن کا حلف دیا جاسکتا ہے جیسا کہ طلاق و عتاق ہے، اور وہ التزامات ہیں جن کا حلف

[1] تبیین الحقائق باب القسم المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ ببولاق مصر ۲/ ۱۸۱

بها کحج وصلوٰۃ والتولیات کقضاء وامارۃ عینی وزیلعی[1]۔	دیا جاسکتا جیسا کہ حج و نماز ہے اور وہ معاملات کی ذمہ داریاں ہیں، جیسا کہ قضاء اور امارت ہے، عینی اور زیلعی۔ (ت)

ردالمحتار میں خلاصہ سے ہے:

انمایحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف به[2]۔	کسی شرط کے ساتھ وہی چیزیں معلق ہونے کا احتمال رکھتی ہیں جن کا حلف دیا جاسکے۔ (ت)

اسی میں عینی سے ہے:

انه لیس مما یحلف به فلایصح تعلیقه بالشرط[3]۔ (تلخیصًا)	وہ چونکہ ایسی چیز ہے جس کا حلف نہیں دیا جاسکتا لہٰذا اس کی کسی شرط سے تعلیق جائز نہیں تلخیصًا (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان قوله لایصح تعلیقه لیس المراد به بطلان نفس التعلیق مع صحة المعلق بل المراد انه لایقبل التعلیق بمعنی انه یفسد به[4]۔	واضح کہ ماتن کے قول "لایصح تعلیقه" سے مراد یہ نہیں کہ معلق شدہ چیز کی صحت کے باوجود محض معلق کرنا (نفس تعلیق) باطل ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز تعلیق کو قبول نہیں کرتی لہٰذا وہ تعلیق کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے تعلیق سے فاسد ہوجاتی ہے (ت)

بہر حال حکم یہی ہے کہ دستاویز مذکور مہمل و باطل اور رقیہ بیگم کو تا ادائے مہر معجّل اپنے ماں باپ کے گھر رہنے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دینے کا خود ہی اختیار حاصل اور بعد ایفائے تمام مہر معجّل رقیہ بیگم کا یہ اختیار یک لخت زائل، ہاں والدین کے یہاں آٹھویں دن بے اجازتِ شوہر بھی جاسکتی ہے کہ دن کے دن رہے اور رات کو چلی آئے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البحر الصحیح المفتی به انها تخرج	بحر میں ہے: صحیح مفتی بہ یہ ہے کہ بیوی ہر ہفتہ میں

---

[1] درمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[3] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۶

[4] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۲

للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم فی کل سنة مرة باذنه وبدونه[1]۔	(شرعی اصطلاح جمعہ میں) خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو والدین کی ملاقات کے لئے گھر سے باہر جاسکتی ہے اور اپنے باقی محارم کی ملاقات کے لئے سال میں ایک مرتبہ جاسکتی ہے خاوند کی اجازت ہو یا نہ ہو۔(ت)

اور دوسرے محلّہ میں رہنے کی درخواست سے اگر رقیہ بیگم کی یہ مراد ہے کہ شوہر سے جدا رہے اور شوہر اس کے پاس نہ آنے پائے تو اس کا جواب تو ہوچکا کہ قبل ادائے مہر معجّل اسے شوہر سے جدائی کا اختیار ہے اور بعد ادا ہر گز نہیں، اور اگر یہ مقصود ہے کہ یہاں شوہر اسے ایذائیں پہنچاتا تکلیفیں دیتا ہے اور کوئی اسے روکنے والا نہیں ہوتا لہذا چاہتی ہے کہ شوہر اسے ایسی جگہ اپنے پاس رکھے جہاں اس کا دستِ تعدی کوتاہ رہے تو بیشک یہ درخواست اس کی ضرور قابل لحاظ ہے حاکم شرع اس معاملہ میں غور فرمائے گا اگر رقیہ بیگم کا یہ بیان صحیح جانے گا اور شوہر کو زجر و منع سے کام چلتا نہ دیکھے گا نہ وہاں ہمسایوں میں کوئی اس قابل پائے گا جو شوہر کو دبائے اور ایذائے زوجہ سے مانع آئے تو ضرور ایسی ہی کوئی امن کی جگہ تجویز کرکے احمد علی کو حکم دے گا کہ رقیہ بیگم کو وہاں رکھے، عالمگیری میں ہے:

ان اسکنها فی منزل لیس معها احد فشکت الی القاضی ان الزوج یضربها ویؤذیها و سألت القاضی ان یأمره ان یسکنها بین قوم صالحین یعرفون احسانه واساء ته فان علم القاضی ان الامر کما قالت زجره عن ذٰلك و منعه عن التعدی وان لم یعلم ینظر ان کان جیران هذه الدار قوما صالحین اقرها هناك ولکن یسأل الجیران عن صنعه فان ذکر وامثل الذی ذکرت	اگر خاوند نے بیوی کو ایسے مکان میں رہائش دی جہاں عورت اکیلی ہے تو عورت نے قاضی سے شکایت کی کہ خاوند اسے پیٹتا اور اذیت دیتا ہے، اور قاضی سے درخواست کرتی ہے کہ وہ خاوند کو حکم دے کہ وہ ایسی جگہ اس کو رہائش دے جہاں ارد گرد نیک لوگ ہوں جو خاوند کی نیکی وبدی معلوم کرسکیں تو اگر قاضی کو معلوم ہو عورت کی شکایت درست ہے تو وہ خاوند کو ڈانٹ کر اس کو زیادتی سے منع کرے اگر قاضی کو معلوم نہ ہو تو وہ معلوم کرے کہ اگر ارد گرد والے نیک لوگ ہیں تو عورت کو وہاں رہنے پر پابند کرے لیکن ساتھ ہی قاضی پڑوسیوں سے خاوند کے سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرے اگر پڑوسی، عورت کی شکایت کی تائید کریں

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۴

زجرہ عن ذٰلك ومنعه عن التعدی فی حقها وان ذکر وا انه لایؤذیها فالقاضی یترکها ثمه وان لم یکن فی جوارہ من یوثق به اوکانوا یمیلون الی الزوج فالقاضی یامر الزوج ان یسکنها فی قوم صالحین ویسأل عن ذٰلك ویبنی الامر علی خبرهم کذافی المحیط[1]، والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	تو قاضی خاوند کو ڈانٹے اور زیادتی سے منع کرے، اور اگر پڑوسی لوگ کہیں کہ خاوند کوئی زیادتی اور اذیت نہیں دیتا تو قاضی عورت کو اسی مکان میں رہنے کا پابند کرے اور اگر عورت کے پڑوس میں کوئی قابلِ اعتماد شخص نہ ہو یا پڑوسی خاوند کے طرفدار ہوں تو پھر قاضی خاوند کو حکم دے گا کہ عورت کو نیک لوگوں کے پڑوس میں رہائش دے اور پھر قاضی اس معاملہ کے متعلق معلومات حاصل کرے اور پڑوسیوں کے بیان کو کارروائی کی بنیاد بنائے، محیط میں یوں ہی بیان کیا ہے، والله تعالٰی اعلم، اور الله جل مجدہ کا علم کامل اور محکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از ڈاکخانہ سجولی ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۷ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایامِ عدت کا نفقہ اور سکونت کا مکان دینا بذمہ زید واجب تھا لیکن زید نے بعد طلاق ہندہ کو اپنے مکان سے نکال دیا اور نفقہ بھی نہیں دیا اس شکل میں ایام عدت کا نفقہ اور مکانِ سکونت کا معاوضہ ہندہ زید سے پاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

عدت طلاق کا نفقہ وسکنٰی اگرچہ بذمہ زید واجب تھا اور وہ عورت کو نکال دینے سے گنہگار ہوا مگر جبکہ عدت گزر گئی اور نفقہ مفروض ومقدور نہ ہوچکا تھا تو اس کا کوئی معاوضہ ہندہ کو نہ ملے گا۔

فی الهندیة المعتدة اذالم تخاصم نفقتها ولم یفرض القاضی شیأ حتی انقضت العدة فلانفقة لها کذافی المحیط[2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے کہ جب عدت والی عورت اپنے نفقہ کے متعلق خاوند کے خلاف دعوٰی نہ کرے اور نہ ہی قاضی نے ابھی اس کے لئے کوئی نفقہ مقرر کیا ہو حتی کہ عدت ختم ہوجائے تو اب عورت کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں ہے، محیط میں یونہی مذکور ہے۔ (ت) والله تعالٰی اعلم

[1] فتاوٰی ہندیة الفصل الثانی فی السکنٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۶

[2] فتاوٰی ہندیة الفصل الثالث فی نفقة المعتدة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۸

مسئلہ ۱۵۶: از پیلی بھیت ۲۱ شوال ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے اور ایک زوجہ کے نان ونفقہ میں کم کمی کی اس زوجہ نے بوجہ تکلیف ضروریات بقدر ضرورت قرض لے کر خرچ کیا اس صورت میں ادائے قرضہ ذمہ زوج ہوگا یا زوجہ اور مستحق و طالب اپنے مہر کی بغیر طلاق ہر وقت ہے یا نہیں اور در صورت نہ وہونے طلاق خواہان مکان سکونت و نیز ہوسکتی ہے یا نہیں اور برتقدیر ثبوت وطلب زوج کی آمدنی سے کس قدر لے سکتی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

زوجہ کو بلاوجہ تکلیف دینا ایک گناہ اور دوسری زوجہ سے کم رکھنا دوسرا گناہ شدید جس کی تحریم پر قرآن و حدیث ناطق مگر جب تک نفقہ باہمی تراضی اور قضائے قاضی سے مقرر نہ ہو جائے عورت جو کچھ بطور خود اپنے مصارف کے لئے قرض لے کر اُٹھائے گی وہ قرض عورت ہی پر ہوگا شوہر سے مجرانہ پاسکے گی اگر خورد ونوش وغیرہما مصارف ضروریہ ہی کے لئے بقدر ضرورت و بحال ضرورت ہی لے اگرچہ زوج محض ظلمًا اسے نفقہ نہ دے۔ عالمگیری میں ہے:

استدانت علی الزوج قبل الفرض والتراضی فانفقت انہا لاترجع بذٰلك علی زوجہا بل تکون متطوعۃ بالانفاق سواء کان الزوج غائبا اوحاضرا[1]۔	عدت والی نے خاوند کے نام پر قرض لیا جبکہ ابھی تک قاضی نے کوئی مقرر نہ کیا ہو اور نہ ہی ابھی آپس میں رضامندی سے نفقہ ہوا جبکہ عورت اس قرض کو خرچ کر چکی ہو، تو اب عورت اس قرض کے متعلق خاوند سے مطالبہ نہیں کرسکتی بلکہ یہ کارروائی اس کی رضاکارانہ قرار دی جائے گی، خاوند موجود ہو یا غائب دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے۔ (ت)

ہاں اگر حکم قاضی یا باہمی تراضی سے قرار پا گیا تھا کہ مثلًا روپے روز یا بیس روپے ماہانہ خواہ اس قدر غلّہ ولباس سالانہ اس عورت کا نفقہ ہے کہ روزانہ یا ماہ بماہ یا سالانہ شوہر ادا کرے گا اور اس قرار داد کے بعد نہ دیا اور عورت نے قرض لیا خواہ اپنے ذاتی مال سے صرف کیا تو بیشک شوہر سے بقرار داد مجرا لے سکتی ہے

وان کان الدین علیہا نفسہا اذا لم تکن الاستدانۃ بامر القاضی۔	اگر عورت نے قرض لیا ہو تو وہ خود ذمہ دار جب وہ قرض قاضی کے فیصلہ کے بغیر لیا ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۱

عالمگیری میں ہے:

ولو انفقت من مالها بعد الفرض او التراضی لها ان ترجع علی الزوج وکذا اذا استدانت علی الزوج سواء کانت استدانتها باذن القاضی او بغیر اذنه غیر انها ان کانت بغیر اذن القاضی کانت المطالبة علیها خاصة ولم یکن للغریم ان یطالب الزوج بما استدانت وان کانت باذن القاضی لها ان تحیل الغریم علی الزوج فیطالبه بالدین ھکذا فی البدائع[1]۔	اگر عورت نے اپنے مال میں سے صرف کیا جبکہ قاضی نے اس کا نفقہ مقرر کردیا ہو یا آپس میں عورت اور خاوند نے طے کرلیا ہو تو پھر عورت وہ صرف شدہ مال خاوند سے وصول کرسکتی ہے اور یونہی اپنے مال کی بجائے اگر اس نے خاوند کے نام پر قرض لیا ہو تو اگر قاضی کے حکم واجازت پر لیا ہو تو خاوند سے وصول کرے گی اور اگر قاضی کے حکم واجازت کے بغیر لیا ہو تو قرض کا مطالبہ صرف عورت سے ہوگا قرض خواہ کو عورت کی بجائے خاوند سے مطالبہ کا حق نہ ہوگا، اور جب قاضی کے حکم اور اجازت سے عورت نے قرض لیا تو عورت کو جائز ہوگا کہ وہ اس قرض کے مطالبہ کو خاوند کے ذمہ کردے تاکہ قرض خواہ اب خاوند سے مطالبہ کرے، بدائع میں یوں ہی بیان ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

النفقة لا تصیر دینا الابا لقضاء اوالرضاء ای اصطلاحهما علی قدر معین اصنافا او دراهم فقبل ذٰلك لایلزمه شیئ و بعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]۔	عورت کا لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ صرف اس وقت ہوگا جب عورت نے وہ قرض قاضی کے حکم پر یا خود خاوند کے ساتھ مصالحت میں طے کرلیا ہو کہ فلاں جنس یا نقد اتنی مقدار ہوگی، اس سے قبل لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ نہ ہوگا، اور بعد میں عورت کا لیا ہوا قرض، خواہ اپنے مال سے ہی قاضی کے حکم کے بغیر اس نے صرف کیا ہو تو خاوند سے وصول کرسکتی ہے (ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لاترجع بما استقرضت بل بالمفروض فقط[3]۔	عورت نے نفقہ کے لئے قرض لیا تو خاوند سے اس کا مطالبہ نہیں ہوگا بلکہ خاوند سے صرف اسی صورت میں مطالبہ کرسکے گی جب قاضی کی طرف سے یا آپس میں طے کرلیا ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵۱

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[3] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۹

اور مہر میں جبکہ تعجیل وتاجیل کچھ بیان میں نہ آئی یہ نہ شرط کی جائے کہ کل اس قدر پیشگی لیا جائے گا نہ کوئی میعاد قرار پائے کہ فلاں وقت معلوم یا اتنی مدت کے بعد ادا ہوگا تو اس وقت عرف ورواج بلد پر چھوڑا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بُیِّنَا فذٰلك والا فالمتعارف[1]۔	مہر معجّل یا مؤجل اگر بیان کردیا ہوتو وہی ورنہ عرف کے مطابق ہوگا۔ (ت)

سائل زبانی مظہر کے یہاں صورت واقعہ یونہی تھی یعنی تعجیل وتاجیل کچھ مشروط نہ ہوئی اور واقعی ہمارے بلاد میں عامہ مہور ایسے ہی بندھتے ہیں تو بحکم عرف شائع وذائع (کہ ہرگز نہ کسی قدر مہر پیشگی دینا معہود ہے، نہ اسکے لئے کوئی میعاد معلوم متعارف بلکہ عامہ بیوت میں موت یا طلاق تک مؤخر رہتا ہے) یہاں کی عورتیں جب تک مرگ یا طلاق سے افتراق نہ واقع ہو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں رکھتیں، نہ قاضی کو اختیار کہ ایسی صورت میں پیش از فراق ادائے مہر پر جبر کرے، خانیہ میں ہے:

ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح، ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسه[2]۔	اگر مہر کی مدت مقرر ہے تو مؤخر صحیح ہے ورنہ صحیح نہیں اور قاضی باقی مہر کی ادائیگی کے لئے خاوند پر جبر نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس کو قید کرسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لا من وقت النکاح[3]۔	کیونکہ بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق خاوند کی موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کرتے ہی مطالبے کا حق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور جب تک کوئی امر مانع نفقہ مثلاً عورت کا شوہر کے گھر سے ناحق نکل جانا یا اس کے یہاں آنے سے ناحق انکار کرنا نہ پایا جائے بلاشبہہ وہ مستحق نفقہ وسکنٰی رہے گی، اسی طرح جب یہ موانع زائل ہوجائیں گے مثلاً عورت شوہر کے یہاں واپس آئے گی تو پھر بدستور مستحق نفقہ ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها ولو	اگر بیوی اپنے والد کے گھر ہو تو خاوند اس کو اپنے

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الهدایۃ فصل اقل المهر عشرۃ دراہم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المهر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۴۔

[3] ردالمحتار فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۳

ھی فی بیت ابیھا اذالم یطالبھا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا اذا طالبھا ولم تمتنع او امتنعت للمھر، لاخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود اھ ملخصًا۔[1]	گھر منتقل کرنے کا مطالبہ نہ کرے تو تب بھی خاوند پر نفقہ زوجہ واجب ہوگا، اور یوں ہی جب وہ خاوند کے مطالبہ پر اس کے گھر منتقل ہونے سے انکار نہ کرتی ہو یا وہ اپنے مہر کے مطالبہ کی وجہ سے منتقل ہونے سے انکار کر رہی ہو تو بھی خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا جبکہ خاوند کے گھر سے باہر بلاوجہ رہ رہی ہو تو نفقہ واجب نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ خاوند کے گھر واپس نہ آنے تک نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا (ت)

رہا مطالبہ اگر نفقہ قضا یا رضا سے مقرر ہولیا ہے تو جتنے دن بعد قرار داد بے نفقہ گزر گئے ان کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ت) اور آئندہ کے لئے بھی جو میعاد تکرار نفقہ کے لئے قرار پائی ہے اس کے شروع کے بعد اسی قدر کا مطالبہ کر سکتی ہے مثلاً نفقہ ماہ بماہ دینا ٹھہرا ہو تو ہر مہینے کے شروع پر اس مہینے اور سال بسال مقرر ہوا ہو تو ہر سال کے آغاز پر اس سال کا نفقہ مانگ سکتی ہے اس سے زیادہ مثلاً چاند دیکھے یا سال پلٹے آئندہ کے دو مہینے یا دو برس خواہ اس ماہ یا سال کا ہنوز آغاز نہ ہوا نفقہ نہیں مانگ سکتی، ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ تفرض لمعنی الحاجۃ المتجددۃ فاذا فرضت کل شھر کذا صارت الحاجۃ متجددۃ بتجدد کل شھر فقبل تجددہ لایتجدد الفرض فلم تجب النفقۃ قبلہ انہ لو فرض کل سنۃ کذا صح الابراء عن سنۃ دخلت، لاعن اکثر ولاعن سنۃ لم تدخل[2] اھ ملخصًا۔	آئندہ کا نفقہ آئندہ نئی حاجت کی وجہ سے فرض ہوتا ہے تو جب ماہانہ خرچہ مقرر ہولے تو نئے ماہ پر گویا عورت کو حاجت بھی نئی ہوئی تو نئی حاجت سے قبل نیا نفقہ مقرر نہ ہوگا لہٰذا ادائیگی بھی پہلے واجب نہ ہوگی، اور اگر خرچہ سالانہ طے شدہ ہو تو صرف شروع ہونے والے سال کا نفقہ لازم ہوگا، سال شروع ہونے سے پہلے کا اور سال سے زیادہ کا بھی لازم نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

الفرض فی الشھر الاول تنجز وفیما	سال کے پہلے مہینہ میں دیا ہوا خرچہ مدت کے اختتام

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۳

بعدہ مضاف فتنجز بدخول الشھر وھکذا[1] .	تک کی ادائیگی ہوتی ہے اس کے بعد اضافت ہوتی ہے اس لئے مہینہ شروع ہونے پر ہی ادائیگی ہوگی، یوں ہی جاری رہے گا۔(ت)

اور اگر ہنوز نفقہ کے لئے کوئی تقرر و تعین نہ قضاءً ہوا نہ رضاءً تو عورت نہ ایامِ ماضیہ کا مطالبہ کرسکتی ہے نہ آئندہ کا۔ ردالمحتار میں ہے:

لایلزمه عما مضی قبل الفرض بالقضاء او الرضاء ولا عما یستقبل لانه لم یجب بعد[2]۔	قاضی کی طرف سے مقرر کئے یا آپس میں مصالحت سے طے کئے بغیر سابقہ مدت کا خرچہ خاوند پر لازم نہ ہوگا اور یونہی پیشگی ادا کرنا بھی لازم نہ ہوگا کیونکہ نفقہ ابھی خاوند کے ذمہ واجب نہیں ہوا۔(ت)

ہاں قبل از قرار داد عورت یہ اختیار رکھتی ہے کہ شوہر برضامندی نفقہ مقرر نہ کرے تو حاکم شرع کے حضور قرار داد کرنے کی نالش کرے جب بحکم قاضی کوئی ماہانہ سالانہ یا روزانہ یا فصلانہ مقرر ہوجائے تو اس کے بعد اسے بہ تفصیل مذکور مطالبہ و دعوی پہلے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: یقدرھا ان طلبته[3] اھ ملخصًا (اگر عورت مطالبہ کرے تو قاضی نفقہ مقرر کردے اھ ملخصًا۔ت) اور نفقہ مرد و زن دونوں کی حیثیت دیکھ کر مقرر کیا جائے گا اسی قدر آمدنی زوج سے لے سکتی ہے، اگر دونوں غنی ہیں تو اغنیاء کے لائق، اور دونوں فقیر تو فقراء کے قابل، اور ایک غنی اور ایک فقیر تو متوسط یعنی نفقہ اغنیاء سے کم اور نفقہ فقراء سے زائد، مثلاً عورت کی حیثیت اطلس و زربفت و مشجر پہننے اور بریانی و مزعفر و گوشت مرغ کھانے کی ہے اور مرد کی مقدرت چھینٹ چار خانے دال ماش نان جو کھانے کے قابل یا بالعکس تو عورت کے لئے تنزیب و گلبدن و مشروع کا لباس اور گوشت گوسپند و نان گندم مقرر کریں گے، جتنا بالفعل دے سکتا ہے دے باقی اس کے ذمے دین رہے گا یہاں تک کہ اللہ عزّوجل استطاعت بخشے۔ درمختار میں ہے:

تجب علی زوجها بقدرحا لهما به یفتی ویخاطب بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة[4] اھ ملخصًا۔	خاوند پر دونوں کی حیثیت کے لحاظ سے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور خاوند اپنی وسعت کے مطابق ادائیگی کا مکلّف ہوگا اور باقی رہ جائے تو وہ اس کے ذمہ قرض ہوگا جس کو اپنی سہولت سے ادا کریگا اھ ملخصًا (ت)

[1] بحر الرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/۱۸۸
[2] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۸
[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸
[4] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر اتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین اذاکانا موسرین وعلی نفقة المعسرین اذاکانا معسرین وانما الاختلاف فیما اذاکان احدھما موسرا او الاخر معسرا فعلی المفتی بہ تجب نفقة الوسط وھو فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة[1] اھ ملخصًا۔	بحر میں ہے: سب کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں خوشحال ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر نفقہ واجب ہوگا اور اگر دونوں تنگ دست ہیں تو ان کے حال کے مطابق خاوند پر واجب ہوگا، اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب دونوں میں سے ایک امیر اور دوسرا غریب ہے تو مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں کے حال کی رعایت پر درمیانہ نفقہ واجب ہوگا، اور وہ یہ کہ خوشحالی سے کم اور تنگ دستی سے زائد ہو، اھ ملخصًا۔(ت)

اسی میں بدائع سے ہے:

حتی لوکان الرجل مفرطا فی الیسار یاکل خبز الحواری ولحم الدجاج والمراۃ مفرطة فی الفقر تأکل فی بیت اھلھا خبز الشعیر یطعمھا خبز الحنطة ولحم الشاة[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر خاوند انتہائی خوشحال ہونے کی بناء پر صاف باریک آٹا، مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور بیوی انتہائی تنگ دستی کی بناء پر اپنے گھر والوں کے ہاں جو کی روٹی کھاتی ہو تو خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکرے کا گوشت نفقہ کے طور پر کھانے کو دے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۷: از لکھن ضلع بریلی مرسلہ شیخ احمد حسین ۲۱ رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ جو ایک قلیل حقیت کی زمیندار تھی بلارضامندی واجازت زید اپنے شوہر کے بطور بدکاری عمرو کے ساتھ فرار ہوگئی اور مدت دراز تک عمرو کے ساتھ رہی، پھر واپس آئی، اب زید پر دعوی مہر اور دلا پانے نان نفقہ کا کرتی ہے اس صورت میں وہ مہر و نفقہ پائے گی یا نہیں؟ اور زید محض نادار ہے مگر زید کا باپ متمول ہے تو دعوی ہندہ کا پدرِ زید پر کچھ اثر ہوگا یا نہیں؟ اور ہندہ بحالت فراری زید کا حمل رکھتی تھی، بعد وضع حمل اس نابالغ کی پرورش کا زید ذمہ دار ہوگا

---

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

[2] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جتنی مدت عورت فرار رہی اس مدت کا نفقہ تو زید پر اصلاً نہیں، ہاں اب کہ واپس آئی آئندہ نفقہ کی مستحق ہے زید سے نفقہ طلب کرے، اگر دے فبہا، ورنہ قاضی کے یہاں نالش کرکے اپنا نفقہ مقرر کرالے اگر زید نادار ہے قاضی حکم دے گا کہ تو قرض لے کر صرف کر، اور جب زید کو استطاعت ہو اس سے مجرالے،

فی الدرالمختار لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وھی الناشزة حتی تعود ولو بعد سفرہ[1]۔	بیوی اگر خاوند کے گھر سے باہر بلاوجہ رہائش پذیر ہو تو وہ واپس خاوند کے پاس آنے تک نافرمان قرار پائے گی اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی ایسا کرے لہٰذا اس کے لئے نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فتستحق النفقة فتکتب الیه لینفق علیھا اوترفع امرھا الی القاضی لیقرض لھا علیه نفقة[2]۔	یعنی خاوند سفر میں ہو اور بیوی نفقہ کی مستحق ہو تو وہ خاوند کو خط لکھ کر مطالبہ کرے کہ میرا نفقہ ادا کیا جائے، یا بیوی قاضی کے ہاں درخواست کرے تاکہ قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا وبعد الفرض یامرہ القاضی بالاستدانة لتحیل علیه[3]۔	خاوند اگر نفقہ کی ادائیگی سے عاجز ہو تو دونوں میں تفریق نہ کی جائے گی اور نفقہ مقرر کردیا ہو تو قاضی خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دے گا۔ (ت)

اور زید کے باپ پر دعوٰی کا اصلاً اثر نہیں ہوسکتا کہ جوان بیٹے غیر اپاہج کی زوجہ کا نفقہ باپ پر کہیں لازم نہیں، درمختار میں ہے:

فی الملتقی نفقة زوجة الابن علی ابیه ان کان	ملتقی میں مذکور ہے کہ اگر خاوند نابالغ فقیر یا اپاہج ہو تو اس کی

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[2] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۶

[3] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

صغیرا فقیرا اوزمنا[1]۔	بیوی کا نفقہ نابالغ کے والد کے ذمہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وقد علمت ان المذهب عدم وجوب النفقة لزوجة الابن ولو صغيرا فقيرا[2]۔	آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ نابالغ کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہ ہونا ہی مذہب ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔(ت)

رہا مہر سائل مظہر کہ اس میں کوئی شرطِ تعجیل وتاجیل نہ تھی اور لکھن میں بھی یہی رواج ہے جو یہاں عامہ بلاد میں ہے کہ قبل از افتراق بموت یا طلاق ادا نہیں ہوتا تو ہندہ کا مطالبہ مہر بیجا ہے جب تک زید اسے طلاق نہ دے یا دونوں میں کوئی مر نہ جائے۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بينافذاك والافالمتعارف[3]۔	مہر معجّل یا مؤجل اگر بیان کردیا ہو تو وہی واجب ہے ورنہ عرف میں جو رواج ہو وہ واجب ہوگا۔(ت)

اور اس بچے نابالغ کی پرورش بیشک ذمہ زید لازم ہے، رہے گا سات برس کی عمر تک ماں کے پاس بشرطیکہ وہ اپنی بدکاری سے باز آئے اور آوارگی چھوڑ چکی ہو اور نفقہ پائے گا باپ سے بشرطیکہ اپنا کوئی مال نہ رکھتا ہو اس عمر تک اجرت یا حرفت سے اپنے کھانے پہننے کے قابل کماسکے اس کی خبر گیری باپ پر واجب ہے، درمختار میں ہے:

تجب النفقة لطفله الفقير[4]۔	چھوٹے فقیر بچے کا نفقہ والد پر لازم ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ان لم يبلغ حدالكسب فان بلغه كان للاب ان يوجره او يدفعه فی حرفة ليكتسب وينفق عليه من كسبه لو كان ذكرا[5] الخ، والله تعالٰی اعلم۔	بشرطیکہ وہ نابالغ بچہ محنت کی عمر کو نہ پہنچا ہو، اور اگر وہ اس عمر کو پہنچ گیا ہو تو والد اس کو ملازمت دلائے یا کسی کارخانہ میں مزدوری پر لگائے تاکہ اس کی کمائی کو اس پر خرچ کرے بشرطیکہ لڑکا ہو الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۳

[2] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۷۴

[3] المختصر الوقایة فی مسائل الهدایة کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶۱

[4] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۳

[5] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۷۰ و ۶۷۱

مسئلہ ۱۵۸: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنی کا چھاپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ ۱۶ رجب ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں (مسئلہ اولیٰ) ایک شخص نے اپنی حقیقی پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کیا، چند روز بعد ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا، بعد واپس آنے کے دو برس تک نان ونفقہ موقوف کردیا، کچہری گائیکواڑی میں یہ مقدمہ پیش ہے، کچہری کہتی ہے نان ونفقہ کیوں نہیں دیتا، خاوند کہتاہے بغیر حکم میرے یہ کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قوی اپنے حقیقی چچااور چچی اور کئی آدمی کنبہ کو پیش کیا ہے سب نے یہی کہا کہ ہمارے روبرو اس کے خاوند نے اپنی عورت کو جانے کے لئے حکم دیااور حلف بھی اٹھایا، اس صورت میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

صورتِ مستفسرہ میں عورت کونان ونفقہ نہ دینااس شخص کا محض ظلم ہے جس کے سبب وہ ظالم وگنہگار اور عورت کے حق میں گرفتار ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ[1]۔	بیویوں کا نفقہ اور لباس بھلائی کے ساتھ اس کے ذمّہ ہے جس کے لئے اولاد ہے۔ (ت)

اوراس کا یہ بیہودہ عذر کہ "عورت بے میرے حکم کے کیوں گئی" محض باطل و ناقابلِ سماعت ہے اگر وہ اس میں سچا بھی ہوتو عورت جب بے اجازت شوہر ناحق چلی جائے تواس کا نان ونفقہ اسی مدت تک کالازم نہیں ہوتاجب تک وہ اس ناحق طور پر باہر رہے جب پھر شوہر کے گھر چلی آئے گی اسی وقت سے نان ونفقہ دینا شوہر پر فرض ہوجائے گا، درمختار میں ہے:

لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق حتی تعود ولو بعد سفرہ[2]۔	بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں تاوقتیکہ وہ واپس نہ آجائے اگرچہ خاوند کے سفر پر جانے کے بعد ہی باہر رہی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوعادت الی بیت الزوج بعد ماسافر	یعنی اگر خاوند کے سفر پر جانے کے بعد بیوی خاوند کے گھر لوٹ آئے

[1] القرآن ۲/ ۲۳۳

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

خرجت عن کونہا ناشزۃ بحر عن الخلاصۃ ای فتستحق النفقۃ[1]۔	تو اس کی نافرمانی ختم ہو جائے گی، یہ بحر میں خلاصہ سے منقول ہے، یعنی اس وقت بیوی نفقہ کی حقدار ہو گی۔(ت)

تو اس شخص نے کہ عورت کے واپس آنے کے بعد نان و نفقہ موقوف کر دیا نرا ظلم کیا، تو اس پر فرض ہے کہ اسی وقت سے جاری کر دے۔ رہا گزشتہ مدت کا نفقہ، اسکی دو صورتیں ہیں، اگر پہلے آپس کی رضامندی یا قاضی کے حکم سے مقدار نفقہ مقرر ہو چکی تھی کہ مثلاً مہینے میں اتنے روپے یا اس قدر اناج اور کپڑا دیا جائے گا اور اب بلاوجہ شرعی بند کر دیا تو جب تک نہیں دیا ہے اس ساری مدت کا اسی قرارداد کے حساب سے عورت کو دلایا جائے گا، اور اگر عورت یونہی رہتی کھانا کھاتی کپڑا پہنتی تھی کچھ قرارداد باہمی یا بحکم قاضی نہ ہوا تھا کہ ماہوار یا سالانہ یا ششماہی پر اتنا دیا جائے گا تو جتنے دنوں اس نے نہ دیا ظالم و گنہگار ہوا مگر عورت اس گزری مدت کا دعوی نہیں کر سکتی اب سے دعوی کرکے بحکم قاضی آئندہ کے لئے مقرر کرالے، اس کے بعد اگر وہ نہ دے گا تو یہ جبراً بذریعہ نالش وصول کر سکتی ہے، درمختار میں ہے:

النفقۃ لاتصیر دینا الابا لقضاء اوالرضاء ای اصطلاحہما علی قدر معین اصنافاو دراہم فقبل ذٰلك لایلزمہ شیئ و بعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسہا بلا امر قاض[2]۔	عورت کا لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ صرف اس وقت ہو گا جب عورت نے وہ قرض قاضی کے حکم پر یا خود خاوند کے ساتھ مصالحت میں طے کرلیا ہو کہ فلاں جنس یا نقد اتنی مقدار ہوگی، اس سے قبل لیا ہوا قرض خاوند کے ذمہ نہ ہوگا، اور بعد میں عورت کا لیا ہوا قرض، خواہ اپنے مال سے ہی قاضی کے حکم کے بغیر اس نے صرف کیا ہو تو خاوند سے وصول کر سکتی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لاتصیر دینا ای اذالم ینفق علیہا بان غاب عنہا اوکان حاضرا فامتنع فلایطالب بہا بل تسقط بمضی	نفقہ قرض نہ بنے گا یعنی جب خاوند غائب رہا یا موجود رہا لیکن بیوی کو نفقہ نہ دیا ہو تو اس مدت کے نفقہ کا مطالبہ خاوند سے نہیں کیا جاسکتا بلکہ مدت گزر جانے

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۶

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

المدۃ[1]۔	کی بناپر ساقط ہو جائے گا۔(ت)

اسی میں ہے:

الا بالقضاء بان یفرضها القاضی علیه اصنافا او دراهم اودنانیر نهر[2]۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	مگر یہ کہ جو نفقہ قاضی نے خاوند پر مقرر کیا ہو جنس، دراہم یا دنانیر تو وہ خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا، نہر واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک لڑکا بالغ جس کی عمر تیس برس کے قریب ہے اور کمائی پر خوب قدرت رکھتا ہے اور پیشہ حجامی وغیرہ طرق سے تحصیل رزق کرسکتا ہے زید پر اپنے کھانے پہننے وغیرہ مصارف کا بار ڈالتا ہے اور اسے اپنے مال میں تصرف سے مانع آتا ہے، آیا اس صورت میں زید پر روٹی کپڑا اس کا واجب اور زید اپنے مال میں تصرف سے ممنوع ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

جبکہ وہ لڑکا بالغ اور کسب پر ہر طرح قادر تو اس کا روٹی کپڑا یا کوئی صرفہ زید پر واجب نہیں زید کو اختیار ہے اسے کچھ نہ دے اور زید اس لڑکے کے منع کرنے سے اپنی جائداد میں تصرف سے ممنوع نہیں ہوسکتا،

فی الدرالمختار وکذا تجب لولده الکبیر العاجز عن الکسب کأنثی مطلقا و زمن ومن یلحقه العار بالتکسب وطالب علم لایتفرغ لذٰلك کذا فی الزیلعی والعینی[3]۔واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ یوں ہی بڑے بالغ بیٹے کا نفقہ لازم ہوگا جو کسب و محنت سے عاجز ہو جیسا کہ بیٹی کے لئے مطلقًا اور اپاہج بیٹے کے لئے اور اولاد کے لئے جن کو محنت مزدوری کرنے میں عار ہو، اور اس طالبعلم کے لئے جو مزدوری فراغت نہ پائے، زیلعی اور عینی میں یوں مذکور ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور اس کے بطن سے ایک لڑکی اب سات برس کی ہے اور ایک لڑکا کہ ابھی پانچ چھ مہینے کا ہے پیدا ہوئے، اب زید نے اپنا اور

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۸

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۸

[3] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

نکاح کرلیا اور ہندہ کو جبرًا نکال دیا کہ وہ مع دونوں بچوں کے اپنے باپ کے یہاں چلی آئی، اب زید نہ اسے بلاتا ہے نہ اس کے بچوں کے کھانے پہننے کی خبر گیری کرتا ہے، اس صورت میں ہندہ ودختر وپسر کا نان ونفقہ زید پر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک ہندہ کا نان نفقہ زید پر لازم ہے اور بچوں کا اپنا کوئی ذاتی مال نہ ہو تو ان کی خبر گیری بھی زید پر واجب ہے اگر شوہر نہ دے عورت حاکم کے یہاں رجوع کرکے اپنا اور اپنے بچوں کا نفقہ مقرر کراسکتی ہے،

فی الدر المختار النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجہا ولوھی فی بیت ابیھا اذالم یطالبھا الزوج بالنقلۃ بہ یفتی وکذا ان طالبھا ولم تمنع ملخصًا[1]۔	درمختار میں ہے: بیوی اگرچہ اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند وہاں سے اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرتا ہو یا مطالبہ کرتا ہو اور بیوی انکاری نہیں ہے تو خاوند پر نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائیگا، ملخصًا۔ (ت)

اسی میں ہے:

تجب النفقۃ بانواعھا لطفلہ الانثٰی و الجمع الفقیر فان نفقۃ الغنی فی مالہ ولو خاصمتہ الام فی نفقتھم فرضھا القاضی وامرہ بدفعھا للام مالم تثبت خیانتھا فیدفع لھا صباحا ومساء اویأمر من ینفق علیھم[2]۔ انتھتا ملخصین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیٹی اور فقیر عاجز لڑکوں کے لئے نفقہ واجب ہے کیونکہ غنی اولاد کا نفقہ اس کے اپنے ذاتی مال سے ہے، اور اگر مذکورہ بچوں کے لئے ان کی ماں قاضی کی طرف سے مقرر کردہ نفقہ کو وصول کرنے میں اصرار کرے تو قاضی نفقہ مقرر کرکے خاوند کو ادائیگی کا حکم دیگا بشرطیکہ بچوں پر صرف کرنے میں ماں کی خیانت ثابت نہ ہو تو خاوند صبح وشام ماں کو ان کا خرچہ ادا کرے گا یا وہ کسی کو ان پر خرچ کرنے کے لئے کہے گا، دونوں عبارتیں ختم ہوئیں ملخص طور پر، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے دیور کے ساتھ متہم ہوئی اس کے شوہر زید اور زید

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۶

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۳

کے باپ نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا، ہندہ اب دو برس سے اپنے باپ کے یہاں ہے نہ تو زید اسے بلاتا ہے اور نہ روٹی کپڑا پہنچاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، اس میں ہندہ کا روٹی کپڑا ذمہ زید کے واجب ہے یا نہیں؟ اور زید اس صورت میں گناہ گار ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ ہندہ کا اپنے باپ کے یہاں رہنا اس بناء پر ہو کہ اسے زید اور زید کے باپ نے نکال دیا اور زید بلاتا بھی نہیں اور بلائے تو اسے جانے میں انکار بھی نہیں تو بیشک اس کا روٹی کپڑا زید کے ذمہ واجب ہے،

فی الدر المختار النفقة تجب للزوجة ولو هی فی بیت ابیها اذالم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی وکذا اذاطالبها ولم تمنع[1] اھ ملخصًا۔	در مختار میں ہے: اگرچہ بیوی اپنے والد کے گھر ہو جب خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو خاوند پر اس کا نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی ہے، اور یونہی اگر خاوند مطالبہ کرے لیکن بیوی انکار نہ کرے تو بھی واجب ہوگا، اھ، ملخصًا (ت)

اور اس تہمت کی وجہ سے اگرچہ وہ واقع میں صحیح ہی ہو نکاح زائل نہیں ہوتا،

ففی الحدیث ان رجلا قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان امرأتی لاترد ید لامس قال ففارقها قال انی احبها قال فامسکها[2]۔ اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. وفی الدر المختار وغیرہ لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرة[3] اھ فکان ذٰلك نصافی بقاء النکاح۔	حدیث شریف میں ہے: ایک شخص نے حضور علیہ والصلوٰہ والسلام سے عرض کی کہ میری بیوی چھونے والے کے ہاتھ کو رد نہیں کرتی، توآپ نے فرمایا اس کو علیحدہ کردے۔ تواس شخص نے عرض کی مجھے اس سے محبت ہے، توآپ نے فرمایا: پھر اسے پاس رکھ یا جیسے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور در مختار وغیرہ میں ہے کہ خاوند پر فاجرہ بیوی کو طلاق دینا لازم نہیں ہے اھ، تو یہ عبارت نکاح کے باقی رہنے میں نص ہے (ت)

---

[1] در مختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب النکاح آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۰، سنن النسائی کتاب النکاح تزویج الزانیة نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۷۱، سنن النسائی کتاب الطلاق باب ماجاء فی الخلع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۰۷، ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۲

[3] در مختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۰

جاہلوں میں جو یہ مشہور ہے کہ عورت اگر معاذاللہ بدوصفی کرے تو نکاح جاتا رہتا ہے محض غلط بات ہے، اور جب نکاح باقی ہے تو اس صورت میں زید پر فرض ہے کہ یا تو اسے طلاق دے دے یا اس کے نان نفقہ کی خبر گیری کرے ورنہ یوں معلق رکھنے میں زید بیشک گنہگار ہے اور صریح حکم قرآن کا خلاف کرنے والا،

فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا کَالْمُعَلَّقَةِ[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کلی میلان نہ ہو کہ بیوی کو معلق کر چھوڑو، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ مہربان علی صاحب ۱۹ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بے اجازتِ شوہر زید کے اپنے بھائیوں کے گھر چلی گئی، جب زید اپنی نوکری سے آیا عورت کو نہ پایا، اس صورت میں نکاح و مہر باقی رہا یا نہیں؟ بعد ایک عرصہ کے زید حسبِ مصلحت اور پاس اپنی حرمت کے زید نے کچھ خرچ نان و نفقہ کا مسماۃ مذکورہ کا مقرر کر دیا تھا کہ خواہ زوجہ میرے مکان میں رہے یا اپنے بھائی کے پاس رہے دیا جائے گا، اب بموجب شرع شریف کے وہ نان و نفقہ حسبِ وجوہ مندرجہ بالا ذمہ زید کے واجب الادا رہا یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب

نکاح و مہر بدستور قائم رہے، ہاں بے اجازتِ شوہر چلے جانے کے باعث نفقہ ساقط ہو گیا، سائل مظہر کہ زید بلاتا ہے اور وہ نہیں آتی تو اب تک وہ نان نفقہ کی اصلاً مستحق نہیں جب تک شوہر کے گھر میں نہ آئے، در مختار میں ہے:

لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وھی الناشزة حتی تعود وتسقط به المفروضة[2] (ملخصًا)۔	بلاوجہ خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی نافرمان ہے تاوقتیکہ واپس اس کے گھر نہ آئے اس کے لئے نفقہ نہیں ہے خواہ نفقہ قاضی کی طرف سے ہی کیوں نہ مقرر ہو۔ (ت)

گھر بیٹھے کا جو نفقہ زید نے مقرر کر دیا اول تو وہ نفقہ واجب نہ تھا **فان النفقة جزاء الاحتباس** (کیونکہ نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا صلہ ہے۔ت) بلکہ صرف ایک احسانی وعدہ تھا اور وعدہ پر جبر نہیں **کما فی العالمگیریة وغیرہا** (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) معہذا جب اس نے بلایا اور وہ نہ آئی وہ بھی ساقط ہو گیا **کما من الدر المختار** (جیسا کہ در مختار سے معلوم ہوا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۹

[2] در مختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۲۶۷

مسئلہ ۱۶۳: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرکے قبل رخصت نوکری پر چلاگیا، بارہا والدین ہندہ نے رخصت کو کہا، چار برس کے بعد رخصت کراکر اپنے گھرلے گیا، ہندہ بیمار تھی دو ایک دن کے بعد پھر والدین کے یہاں واپس آکر ایک ماہ بعد فوت ہوگئی، نفقہ اس چار سال کا اور جو خرچ دوا وعلاج و تجہیز و تکفین میں والدین نے کیا شوہر پر واجب ہے یانہیں؟ جہیز شوہر کو ملے گا یاماں باپ کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نفقہ وخرچ دواوعلاج کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

لاتصیر دینا الا بالقضاء اوالرضاء وبموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض لانھا صلۃ الااذا استدانت بامر القاضی[1]۔	نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی کا مقرر کردہ یا باہمی رضامندی سے طے کردہ نہ ہو، اور خاوند بیوی دونوں میں سے ایک کی موت یا طلاق سے نفقہ ساقط ہوجاتاہے کیونکہ یہ صلہ کے طور پر لازم ہوتاہے، ہاں اگر قاضی کے حکم پر بیوی نے قرض لے رکھا ہو تو پھر خاوند کو اس کی ادائیگی لازم ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

علیہ ماتقطع بہ الصنان لاالدواء للمرض ولااجرۃ الطبیب ولاالفصاد ولاالحجام[2]۔	خاوند پر بدن کی حفاظت والی چیز لازم ہے۔ مرض کیلئے دوا، طبیب کی اجرت، فصد یا سنگی لگانے کی اجرت لازم نہیں ہے۔ (ت)

یونہی خرچ تجہیز و تکفین بھی مجرانہ ملے گا جبکہ والدین خواہ کسی نے بے اذن شوہر بطور خود کیا،

فی اواخر وصایا ردالمحتار عن حاشیۃ الفصولین للرملی، الزوجۃ اذاصرفہ من مالہ غیر الزوج بلااذنہ اواذن القاضی فھو متبرع کالاجنبی[3]۔	ردالمحتار میں وصایا کی بحث کے آخر میں فصولین پر رملی کے حاشیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے خاوند یا قاضی کی اجازت کے بغیر اس کی بیوی کو کفن دیا تو یہ خرچہ صرف کرنے والے کی طرف سے مفت ہوگا جیسا کہ کوئی اجنبی اپنی طرف سے مفت خرچ کردے (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۹

[3] ردالمحتار فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۹

جہیز ملک و ترکہ ہندہ ہے۔ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت چھ سہام ہو کر تین سہم شوہر، دو سہم پدر، ایک مادر کو ملے گا۔ اسی حساب سے مہر ہندہ اگر باقی ہو تقسیم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر کا نکاح عمرو سے کیا اور پیش از نکاح ایک اقرار نامہ زید نے عمرو سے لکھوایا کہ میں بے رضامندی زوجہ کے اسے کہیں نہیں لیجا سکتا ہوں اور خود میں وہیں یعنی زوجہ کے مکان پر رہوں گا اور در صورت وعدہ خلافی میں نان نفقہ دوں گا، بعدہ نکاح ہوا اور مہر ڈھائی سو روپے کا بندھا جس میں کوئی شرط پیشگی دینے یا کسی میعاد کے قرار نہ پائی، اب عمرو اپنے خسر کے یہاں شب کو رہنا چاہتا ہے تو اس کا خسر اور خود زوجہ اسے گوارہ نہیں کرتے، عمرو کا مکان اسی شہر میں ہے وہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے، اس صورت میں اسے اس امر کا اختیار ہے یا نہیں؟ اور اگر زید نہ لے جانے دے اور ہندہ نہ جائے تو مستحق نان نفقہ کی ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک صورت مستفسرہ میں زید کو اختیار ہے کہ اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جا کر رکھے، زوجہ اور اس کے باپ کا بلاوجہ شرعی روکنا محض ظلم ہے، اور زوجہ نہ جائے گی تو نان نفقہ کی مستحق نہ ہوگی،

لانھا ناشزۃ لامتناعھا بغیر حق وانما النفقۃ جزاء الاحتباس فاذ لا احتباس لانفقۃ کما صرحوا بہ قاطبۃ۔	کیونکہ وہ نافرمان ہے اس لئے کہ وہ بلاوجہ مانع بنی ہوئی ہے جبکہ نفقہ خاوند کے حق میں پابند ہونے کا عوض ہے تو جہاں پابندی نہیں وہاں نفقہ نہیں ہوگا جیسا کہ سب نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

عمرو کا اقرار نامہ لکھ دینا کہ در صورت وعدہ خلافی نان نفقہ دوں گا کوئی چیز نہیں،

فان شرط اللہ احق، ومن اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس لہ، وان شرط مائۃ مرّۃ[1]، کما قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الحدیث الصحیح۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کے حکم کے موافق شرط مقبول ہے اور جس نے اللہ تعالٰی کے حکم کے خلاف کوئی شرط لگائی تو وہ ناحق ہے اگرچہ ہزار بار شرط لگائے، جیسا کہ صحیح حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

مسئلہ ۱۶۵: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ ہرگاہ بازید، پدر ہندہ گفت دخترم راشادی بکن زید گفت من فی الحال شادی نتوانستم چراکہ طالب علم ہستم و حصول علم رامدتے معلوم نیست کہ بچند سال بدست آید و قدرت نان و نفقہ اندریں مدت ندارم و پدر ہندہ دریں حالتِ اضطراری او بہ پیش چند مرد ماں ایں ہمہ شرائط مذکورہ برذمہ خود قبول کردہ وراضی شدہ دخترِ او بازید نکاح کنانیدہ برائے تحصیل علوم اجازت داد، پس بعد از چند سال قبل از تحصیل علوم ازونان ونفقہ طلب کرد و بریں تقدیر نان ونفقہ وغیرہ دادن بروے واجب خواہد شد یانہ واز ہندہ اگر بامرد اجنبی ازیں مدت حرام کاری وغیرہ صادر گردد در نکاح زید ثابت ماند یانہ وبرہندہ شرعًا چہ حکم دادہ شود و شوہر ہندہ ازبدفعلی او بری گردد یانہ واگر ہندہ مہر خود عندالرضا ساقط گردد بعد ازاں عندالنزاع می گوید کہ مہرم رازوساقط نکردہ ام دعوے مہر او برزید شرعًا ثابت گردد یانہ۔ **بینوا توجروا۔**	علمائے کرام (رحمکم اللہ تعالٰی) آپ کی کیا رائے ہے، کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے باپ نے زید کو کہا کہ میری بیٹی سے شادی کرلو، زید نے کہا کہ میں فی الحال شادی نہیں کرسکتا کیونکہ میں طالبعلم ہوں اور حصول علم میں نہ معلوم کتنی مدت صرف ہو، مجھے اس مدت میں بیوی کے نان ونفقہ پر قدرت نہ ہوگی، تو اس پر ہندہ کے والد نے چند لوگوں کی موجودگی میں زید کی اس مجبوری کے حالت کی تمام ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی اور رضامندی کے ساتھ زید سے اپنی لڑکی کا نکاح کردیا اور زید کو تحصیل علم کے لئے اجازت دے دی، اور اس کے چند سال بعد زید کی طلب علمی کے دوران تحصیل علم سے پہلے، ہندہ کے والد نے زید سے نان ونفقہ کا مطالبہ کردیا، تو کیا اس صورت میں زید کو بیوی کا نان و نفقہ دینا واجب ہوگا یا نہیں، اور اس دوران اگر ہندہ کسی غیر مرد سے بدکاری کرے تو کیا وہ زید کے نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں اور ہندہ پر کیا حکم شرعی ہوگا اور زید اپنی بیوی کی اس بدفعلی سے بری قرار پائے گا یا نہیں، اور اگر ہندہ رضامندی سے اپنا مہر معاف کردے اور بعد مخالفت ہوجانے پر کہے کہ میں نے اس کو مہر معاف نہیں کیا تو کیا اب زید پر شرعًا مہر کا دعوی کرسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

درصورت مستفسرہ اگر از جانب زن تسلیم نفس واقع شد وخویشتن رااز شوہر بناواجبی باز نداشت نفقہ اوبرذمہ شوہر لازم شد وآں کہ پدر زن پیش از نکاح آں شرائط برذمہ خود قبول کرد اگر	مسئولہ صورت میں اگر بیوی نے اپنے آپ کو زید کے سپرد کردیا اور بلاوجہ رکاوٹ نہ کی ہو تو خاوند کے ذمہ اس کا نفقہ واجب ہوگا اور بیوی کے والد کا نکاح سے پہلے اس کی ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لینا اگر

معنیش اینست کہ اوبنا دادن نفقہ راضی شد و پیمان داد کہ تامدت تحصیل علم زن از تو نان و نفقہ نخواہد ایں رضاو پیمان خود چیزے نیست اگرچہ حسبِ اجازت زن بالغہ شدہ باشد زیرا کہ اسقاط دین پیش از وجوب معنی ندارد خاصةً نفقہ کہ روزانہ شیأً فشیأً واجب می شود فی الدر المختار الابراء قبل الفرض باطل و بعدہ یصح مما مضی ومن شھر مستقبل حتی لوشرط فی العقد ان النفقۃ تکون من غیر تقدیر والکسوۃ کسوۃ الشتاء والصیف لم یلزم فلھا بعد ذٰلك طلب التقدیر فیھما [1] الخ.وفی رد المحتار عن الفتح فھو اسقاط للشیئ قبل وجوبہ فلا یجوز [2] واگر مراد آنست کہ از جانب شوہر ایں دین را کفیل شدہ برذمہ خود گرفت اگر مقصود برات شوہر ست کما ھو ظاہر الکلام ایں حوالت باشد فان الکفالۃ بشرط برائۃ الاصیل حوالہ وحوالہ نقل دین ست	اس کا مطلب یہ تھا کہ اس دوران نفقہ نہ دینے پر راضی ہے اور عہد کرتا ہے کہ تحصیل علم کے دوران بیوی تجھ سے نان ونفقہ طلب نہ کرے گی تو والد کا یہ عہد و پیمان اور رضامندی کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگرچہ بالغ بیوی کی رضامندی سے یہ معاہدہ کیا ہو کیونکہ واجب ہونے سے پہلے دین کو ساقط کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے خصوصًا نفقہ کا معاملہ جو کہ روزانہ تھوڑا تھوڑا واجب ہوتا ہے۔ در مختار میں ہے کہ، مقرر ہونے سے قبل بری (ساقط) کرنا باطل ہے جبکہ مقرر ہوجانے کے بعد گزشتہ یا آئندہ ماہ کے نفقہ کو ساقط کرنا صحیح ہے، حتی کہ اگر نکاح میں یہ شرط رکھی کہ نفقہ کا تقرر نہ ہوگا اور لباس سردی اور گرمی میں ایک ہوگا تو اس شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا لہٰذا بیوی نکاح کے بعد نفقہ اور لباس کے تقرر کا مطالبہ کرسکے گی الخ۔ اور ردالمحتار میں فتح سے منقول ہے کیونکہ یہ وجوب سے قبل کسی چیز کو ساقط کرنا ہے لہٰذا جائز نہ ہوگا۔ اور اگر والد کے اس عہد ورضا کا مطلب یہ تھا کہ بیوی کے نان ونفقہ کا خاوند کی بجائے میں خود کفیل ہوں گا اور میں ذمہ دار ہوں گا تو اس سے مقصد خاوند کو ذمہ سے بری کرنا ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو یہ عقد حوالہ ہوگا کیونکہ اصل کو بری کرنے کی شرط سے کفالت تبدیل ہوکر حوالہ بن جاتی ہے جبکہ حوالہ کا معنی یہ ہے کہ

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۳

كمافی التنویر وھوالصحیح کمافی الھندیۃ عن النھر آنچناں کہ دین خود معدوم ست نقل راچہ معنی فی الدر المختار تصح فی الدین المعلوم[1] الخ فی رد المحتار الشرط کون الدین للمحتال علی المحیل[2] الخ وفیہ لاتصح ھذہ الحوالۃ مع جھالۃ المال[3] الخ وفیہ لاتصح ھذہ الحوالۃ لان کلامن الغازی والمستحق لم یثبت لہ دین فی ذمۃ الامام والناظر[4] الخ واگر براءت شوہر منظور نیست کفالت اگرچہ صحیح شد کما فی الھندیۃ من فصل النکاح ضمان المھر من صحۃ الضمان بالمھر، عند الخطبۃ قبل النکاح فراجعھا ان شئت وھوالموافق للمفتی بہ من قول الامام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان الکفالۃ بالنفقۃ المستقبلۃ تصح وان لم تجب بعد کما اوضحہ فی

کسی کو قرض سے بری کرکے اپنے ذمے لے لینا، جیسا کہ تنویرالابصار میں ہے، اس کو ہندیہ میں نہر سے نقل کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے، تو اس صورت میں ابھی قرض معدوم ہے تو اس کو نقل کرکے دوسرے کے ذمہ کیسے کیا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے کہ، حوالہ، معلوم قرض میں صحیح ہوتا ہے الخ، ردالمحتار میں ہے کہ، حوالہ میں یہ شرط ہے کہ قرضخواہ کا اصیل پر قرض ثابت ہو الخ، اور اس میں یہ بھی کہے، کہ، مال مجہول ہونے پر حوالہ صحیح نہ ہوگا، الخ، اور اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ، غازی اور دیگر مستحق شخص کے وظیفہ کا حوالہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ یہ وظیفہ حاکم اور نگران کے ذمہ ان کے لئے ثابت شدہ نہیں ہے الخ، اور اگر والد کے اس عہد ورضا سے خاوند کو نفقہ سے بری قرار دینا نہیں تھا تو یہ کفالت صحیح ہوگی (اور خاوند بری الذمّہ نہ ہوگا) کیونکہ ہندیہ میں ہے "مہر کی ضمانت پر نکاح کی فصل" میں ہے کہ، نکاح سے قبل مہر کی ضمانت صحیح ہے، اگر آپ چاہیں تو ہندیہ کی طرف رجوع کریں، اور یہ ہندیہ کا بیان امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول کے موافق ہے کہ مستقبل کے نفقہ کی کفالت صحیح ہے اگرچہ یہ نفقہ ابھی واجب نہیں ہوا، جیسا کہ اس بات کو ردالمحتار میں واضح کیا ہے،

---

[1] درمختار کتاب الحوالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۶۹/۲

[2] ردالمحتار کتاب الحوالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۰/۴

[3] ردالمحتار کتاب الحوالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۰/۴

[4] ردالمحتار کتاب الحوالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۱/۴

ردالمحتار[1] اما کفالت موجب براءت ذمہ شوہر نباشد،پس بہر حال نفقہ بر شوہر بشرائطہالازم ست،آرے اگر بتراضی یا قضائے قاضی نفقہ رافرضے وتقدیرے میان نیامد مثلاً ماہانہ ایں قدر زر یاایں مقدار طعام و پارچہ آں گاہ ہر قدر مدت کے بے ادائے نفقہ گزشت نفقہ اوساقط گشت مطالبہ اش نتواں کرد آئندہ راطلب فرض وتقدیر کند تا دین شود وبر مطالبہ دست یابد فی الدرالمختار النفقۃ لاتصیردینا الا بالقضاء اوالرضاء ای اصطلاحھما علی قدر معین اصنافا اودراھم فقبل ذٰلك لایلزمه شیئ،وبعدہ ترجع بما انفقت ولو من مال نفسھا بلا امر قاض[2]،وفی ردالمحتار لایلزمه عما مضی قبل الفرض بالقضاء اوالرضاء ولا عما یستقبل لانه لم یجب بعد[3]،زن اگر شوئے خودرا از مہر ابرائے شرعی بلا اکراہ کرد مہراز ذمہ شوہر ساقط شد اگرچہ ایں معنی درخلوت محضہ	(لہٰذا والد کی کفالت خاوند(زید) کی نفقہ سے براءت کو واجب نہیں کرتی) پس ہر حال میں خاوند پر نفقہ اپنی شرائط کے مطابق واجب ہوگا۔ہاں اگر باہمی رضامندی یا قاضی کے فیصلہ سے ابھی نفقہ کی مقدار متعین نہیں ہوئی تھی،مثلاً ماہانہ اس قدر نقد یا خوراک کی یہ مقدار اور فلاں وقت پر لباس طے نہیں ہوا تھا اور کچھ مدت نفقہ دئے بغیر گزر گئی ہوتو گزشتہ مدت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا بیوی کو اس کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا،اور آئندہ کے لئے مقدار متعین کرانے کا اس کو حق ہوگا تاکہ خاوند کے ذمہ قرض بن سکے اور مطالبہ پر اسے حاصل کرسکے درمختار میں ہے کہ،نفقہ خاوند کے ذمہ قرض نہیں بنتا تاوقتیکہ قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کرلیا گیا ہو،مثلاً یوں کہ اتنی مقدار جنس یا نقد مقرر کرلیا گیا ہوتو اس فیصلہ سے قبل کا نفقہ واجب الادانہ ہوگا اور اس کے بعد والے نفقہ میں جو بیوی نے قرض لے کر یا خود اپنے مال سے قاضی کے حکم کے بغیر جو خرچ کیا ہوتو وہ خاوند سے وصول کرسکتی ہے الخ، ردالمحتار میں ہے: قاضی یا باہمی رضامندی سے قبل کا گزشتہ نفقہ خاوند پر واجب الادانہ ہوگا(البتہ طے کرنے کے بعد کا واجب الادا ہوگا)اور آئندہ مستقبل کا نفقہ بھی واجب الادانہ ہوگا کیونکہ وہ ابھی واجب نہیں ہوا،بیوی نے اگر شرعی طور پر اپنی رضامندی سے بلا جبر واکراہ خاوند کو مہر سے بری کردیا ہوتو وہ مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالہ داراحیاء التراث العربی بیرت ۴/ ۲۶۳

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۸

روئے داد فامانزد قاضی بے اقرار زن یا بینہ عادلہ رنگ ثبوت نیابد اگر خدا ناترسی کردہ بعد ابرابد عوے پرداز قاضی بر ذمہ شوہر ثابت سازد و معاملہ باطنی ایشاں بمحکمہ قاضی حقیقی عالم الغیب والشہادۃ جل جلالہ پردہ از روئے حقیقت اندازد **فالقاضی انما یقضی بالظاھر واللہ سبحانہ یتولی السرائر** آرے جائیکہ تعجیل و تاجیل مہر بہ بیان نیامدہ باشد چناں کہ غالب مہورِ ایں دیار ہمچناں مے باشد آنجا بنائے کار بر عرف دیارست وعرف عام وشائع ایں بلاد بلکہ دیگر ممالک ھم ہمین ست کہ بہیچو صورت مہر نزد افتراق بموت یا طلاق حال مے شود پس پیش ازاں مطالبہ زن مسموع ندارد **کما بیناہ فی فتاوٰنا مرارا**، زنائے زناں موجب بطلان نکاح آناں نیست **قال تعالٰی بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ**[1] تاآنکہ اگر باپدر یا پسر شوہر ایں چنیں وقاحت روئے دہد ہم نکاح باطل نشود اگرچہ زن حرام ابدی گردد و متارکہ فی الفور فرض شود، **فی الدرالمختار بحرمۃ المصاھرۃ**

خاوند سے ساقط ہوجائے گا اگرچہ بیوی نے اپنی خلوت میں معاف کیا ہو، لیکن قاضی کے ہاں بیوی کے اقرار یا شہادت کے بغیر براءت ثابت نہ ہوگی، اگر بیوی خداترسی نہ کرتے ہوئے معاف کرنے کے بعد قاضی کے ہاں مہر کا دعوی کردے تو قاضی خاوند کے ذمہ مہر کی ادائیگی لازم کردے گا۔ تاہم دونوں کا یہ باطنی معاملہ، اللہ تعالٰی جو کہ حقیقی قاضی عالم الغیب والشہادۃ ہے کے دربار میں پیش ہوگا اور حقیقی فیصلہ پائے گا، قاضی تو ظاہر پر فیصلہ دیتا ہے باطنی امور تو اللہ تعالٰی کے سپرد ہیں، ہاں اگر مہر کے معجّل ہونے یا مؤجل کا فیصلہ نہ ہوا ہو جیسا کہ عام طور پر اس علاقے میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں معاملہ علاقہ کے عرف پر ہوگا، جبکہ اس علاقے بلکہ دیگر ممالک میں بھی یہی ہے کہ میاں یا بیوی کی موت یا طلاق کے وقت جو بھی مہر ہو وہ ادا کیا جاتا ہے اور اس سے قبل عورت کے مطالبہ کو قابل توجہ نہیں سمجھا جاتا، جیسا کہ ہم نے کئی مرتبہ اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے، بیوی کے زنا سے نکاح باطل نہیں ہوتا، اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیدہ عقدۃ النکاح (نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے) یہی وجہ ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کے باپ یا بیٹے سے بدفعلی کرے تو بھی نکاح باطل نہیں ہوتا اگرچہ بیوی ہمیشہ کے لئے خاوند پر حرام ہوجاتی ہے، اور فوری طور پر دونوں میں متارکہ فرض ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے کہ، حرمتِ مصاہرہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷

لایرتفع النکاح حتی لایحل لھا التزوج باٰخر الا بعد المتارکۃ وانقضاء العدۃ والوطی بھا لایکون زنا[1]. بہر حال زن بقدر جرم خودش مستحق حد یا تعزیر شود شوئے اگر در حفظ ومنعش از قدر واجب تقصیر نہ کرد وبریں کار راضی نشد ہیچ وبال برونیست لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کے ساتھ نکاح باطل نہیں ہوتا حتی کہ دوسرے شخص سے اس بیوی کا نکاح حلال نہیں ہوگا تاوقتیکہ متارکہ کے بعد عدت نہ گزر جائے، اور متارکہ سے قبل اگر خاوند وطی کرلے تو زنا کا حکم نہ لگے گا، بہر حال بیوی اپنے جُرم کی خود ذمہ دار ہے اس پر حد لگے گی یا تعزیر ہوگی، خاوند نے اگر حفاظت ونگرانی میں کوتاہی نہ کی ہو اور وہ اس کے اس فعل سے راضی نہ ہو تو اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک کا بوجھ دوسرے پر نہ ہوگا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۶: ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحبِ جائداد ہے اس نے عرصہ بیس سال سے اپنی زوجہ ہندہ کو بسبب ڈال لینے دوسرے عورت کے تکرار کرکے بلاقصور شرعی گھر سے نکال دیا وہ اپنے باپ خالد کے مکان پر چلی آئی اس کا باپ متکفل رہا اس وجہ سے اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہوئی چونکہ اب خالد کا انتقال ہوگیا لہٰذا اس کو نان ونفقہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس مدت بیس سال میں زید ہندہ کو اتفاقِ یکجائی نہ ہوا یہ امر مانع نان ونفقہ تو نہ ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیس سال گزشتہ کا نفقہ تو ہر طرح ساقط ہی ہوگیا، آئندہ کے لئے جبکہ اس کا نکلنا اپنی خوشی سے نہ تھا بلکہ شوہر نے نکال دیا یہ دیکھا جائے گا کہ عورت کا اپنے باپ کے گھر رہنا شوہر ہی کے جبر سے ہے کہ وہ بلائے تو اسے جانے سے انکار نہ ہو تو وہ خود ہی نہیں بلاتا اس کا آنا نہیں چاہتا جب تو نفقہ کی مستحق ہے اور اگر یہی جانا نہیں چاہتی، وہ بلاتا ہے اور یہ نہیں جاتی تو استحقاق نہیں،

فی الدرالمختار تجب للزوجۃ ولو ھی فی بیت ابیھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ وبہ یفتی،	درمختار میں ہے: بیوی اگر اپنے والد کے گھر ہو اور خاوند اپنے گھر منتقل ہونے کا مطالبہ نہ کرے تو بیوی کے لئے نفقہ واجب ہوگا، اسی پر فتوی دیا جائیگا،

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وکذا اذا طالبہا ولم تمتنع او مرضت وفی منزلہا بقیت ولنفسہا ما منعت وعلیہ الفتوی [1] اھ ملتقطا، وفی الھندیۃ عن البدائع لہا النفقۃ بعد النقلۃ وقبلہا ایضا اذا طلبت النفقۃ فلم ینقلہا الزوج وھی لاتمتنع من النقلۃ لوطالبہا الزوج وان کانت تمنع فلا نفقۃ لہا کالصحیحۃ [2] **قلت** والشرط عدم منعہا لا وجود طلبہا کما حققنا فیما علقناہ علی ردالمحتار وھو المصرح فی الفتح عن الخلاصۃ عن الجامع الکبیر والیہ اخر کلام البدائع ایضا یشیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یونہی اگر وہ منتقل ہونے کا مطالبہ کرے اور بیوی انکار نہ کرے یا بیوی اس وقت بیمار ہو اور اپنے گھر میں اور اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کرنے سے مانع نہ ہو تو بیوی کا نفقہ واجب ہے، اسی پر فتوی ہے اھ ملتقطا۔ اور ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے بیوی کیلئے نفقہ واجب ہوگا جب وہ خاوند کے ہاں منتقل ہو جائے، یا قبل منتقل ہونے کے جب عورت نفقہ کا مطالبہ کرے تو خاوند اسے منتقل نہ کرے حالانکہ بیوی منتقل ہونے سے انکاری، نہ اگر خاوند اسے منتقل کرنا چاہے، اور اگر وہ منتقل ہونے سے انکار کرے تو پھر اس کے لئے نفقہ نہیں جیسا کہ صحت مند ہونے کے باوجود منع کرنے پر نفقہ نہیں ہے، **قلت** (میں کہتا ہوں) شرط یہ ہے کہ عورت انکاری نہ ہو، خاوند کا مطالبہ کرنا شرط نہیں، جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور یہی فتح میں خلاصہ سے بحوالہ جامع کبیر منقول ہے، اور بدائع کا آخری کلام بھی یہی اشارہ دیتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از منڈی ہلدوانی ضلع نینی تال سررشتہ ڈپٹی کمشنری مرسلہ منشی علی الدین احمد ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت ہندہ زید سے سخت دشمنی رکھتی ہے، ایک دفعہ زید کے غیبت میں اناج بیچا، زید نے بہت تھوڑا سامارا کنویں میں کود پڑی، غیر مردوں نے نکالا، باریک کپڑے جوان عمر، پانی میں بھیگ کر بے ستری ہوئی، کنویں سے نکل کر بولی بازار اور سراء میں بیٹھوں گی مگر زید کے گھر نہ جاؤں گی، اس پر وہ غیر آدمی اپنے گھر لے گئے جب زید نوکری سے آیا وہاں سے سوار ہو کر ہندہ کے ماں باپ کے یہاں بھیج دیا، وہاں سے پھر آئی اور یہ عادت رکھی کہ ذرا سی تکرار پر دن دوپہر کو سر بازار پیادہ پا آدھ آدھ میل تک کسی کے مکان زید کو زک دینے اور بدنام کرنے کے لئے چلی جاتی ہے، زید کے لڑکے بالغ ہوگئے ہیں وہ ہر طرح اپنی ماں کے ساتھ ہیں اس سے مل کر زید کا مقابلہ کرتے ہیں کاٹنے اور داڑی پکڑنے تک نوبت پہنچ گئی ہے

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] فتاوی ہندیہ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴۶

اور کہتے ہیں تمہارے پاس مسالہ ہی کیا ہے جس پر مزاج دکھاتے ہو تم سے زائد تو اب ہمارے پاس ہے، ہندہ کو اپنے شوہر کے پاس آنے سے بھی عذر اور حیلہ اور انکار ہمیشہ رکھتی ہے، ایک قاعدہ یہ بھی مقرر کیا ہے کہ بغیر اطلاع زید کے کسی لڑکے کو ساتھ لے کر زید کے یہاں آجاتی ہے اور چار پانچ مہینے رہ کر کل نقد وجنس اپنے قبضے میں کرکے جب زید اپنی نوکری پر الہ آباد جاتا ہے ہندہ اور لڑکا اپنے ماں کے یہاں لکھنؤ چلے آتے ہیں اس مال کا پھر کبھی پتہ نہیں چلتا اس صورت میں لڑکوں کے حق حقوق اور ہندہ کے نان ونفقہ اور مہر کی نسبت ازروئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

لڑکے جبکہ جوان اور خود مالدار ہیں تو ان کا کوئی حق ذمہ زید باقی نہیں خصوصًا ایسی حالت میں کہ وہ اس قدر موذی وعاق ہیں والعیاذ باللہ رب العٰلمین ایسے لڑکوں اور عورت کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب شدید وغضب عظیم کا استحقاق ہے، عورت جبکہ اس کے یہاں آنے سے ہمیشہ عذر وانکار رکھتی ہے اور جب کبھی آنا ہوتا ہے وہ اس لئے نہیں کہ شوہر کی قیدی بن کر رہے بلکہ خود مختارانہ بالجبر آنا اس غرض فاسد سے ہوتا ہے کہ اندوختہ لوٹ کرلے جائے جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر تو ایسی صورت میں یہ عورت صریح ناشزہ ہے اس کا نان ونفقہ اصلاً زید کے ذمہ نہیں، درمختار میں ہے:

النفقۃ جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعۃ غیرہ تلزمہ نفقتہ [1]۔	نفقہ بیوی کے پابند ہونے کا معاوضہ ہے اور جو دوسرے کے حق میں محبوس ہو تو اس کا نفقہ پر لازم ہوتا ہے۔ (ت)

البتہ مہران حرکات سے ساقط نہیں ہوتا اور اس کی کوئی میعاد ادا مقرر نہ ہوئی تھی تو حسبِ عرف بلاد بعد موت یا طلاق ادا کرنا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: از ریاست رام پور بزریا ملا ظریف گھیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں ۲۵ محرم ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص شرارت سے نہ تو اپنی زوجہ کو اپنے پاس بلاتا ہے نہ طلاق دیتا ہے بلکہ کہتا ہے کہ تجھ کو معلقہ رکھوں گا، اب اس صورت میں وہ بیچاری حاکم عدالت سے فریاد کرکے طلاق لے سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۶

الجواب

قال اللہ سبحانہ وتعالٰی فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[1]۔ وقال تعالٰی فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ[2]۔ وقال تعالٰی وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[3]۔ وقال تعالٰی اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ[4]۔ وقال تعالٰی فَلَا تَمِیْلُوْا كُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[5]۔	(اللہ سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا:) عورتوں کو یاتو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑدو۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) یا بھلائی کے ساتھ رکھنا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑدینا۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) عورتوں سے اچھے برتاؤ کے ساتھ زندگانی کرو۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) جہاں آپ رہو وہاں عورتوں کو رکھو اپنے مقدور کے قابل اور انہیں نقصان نہ پہنچاؤ کہ ان پر تنگی لاؤ۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) پورے ایک طرف نہ جھک جاؤ کہ عورتوں کو یوں چھوڑ کر جیسی ادھر میں لٹکتی۔

بالجملہ عورت کو نان ونفقہ بھی واجب اور رہنے کو مکان دینا بھی واجب اور گاہ گاہ اس سے جماع کرنا بھی واجب جس میں اسے پریشان نظری نہ پیدا ہو، اور اسے معلقہ کردینا حرام، اور بے اس کے اذن ورضا کے چار مہینے تک ترک جماع بلاعذر صحیح شرعی ناجائز، اور بعد نکاح ایک بار جماع تو بالاجماع بالاتفاق حقِ زن ہے کہ اسے بھی ادانہ کرسکے تو عورت کے دعوی پر قاضی مرد کو سال بھر کی مہلت دے گا اگر اس میں بھی جماع نہ ہو تو بطلبِ زن تفریق کردے گا، مگر ایک بار کے بعد پھر جبری تفریق کا قاضی کو اختیار نہیں، نہ ہمارے نزدیک نفقہ نہ دینے پر تفریق ہوسکتی ہے، ہاں قاضی اعانت ضعفاء ومددِ مظلومین کے لئے مقرر ہوا ہے، تواس پر لازم کہ جس طرح ممکن ہو دفع ظلم کرے، ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح اعلم ان ترك جماعها	فتح القدیر میں فرمایا: واضح ہو کہ بیوی سے جماع مطلقًا

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۳۱

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۹

[3] القرآن الکریم ۴/۱۹

[4] القرآن الکریم ۶۵/۶

[5] القرآن الکریم ۴/۱۲۹

مطلقا لایحل له صرح اصحابنا بان جماعها احیانا واجب دیانة لکن لایدخل تحت القضاء والالزام الاالوطأة الاولی ولم یقدروافیه مدة،ویجب ان لایبلغ به مدة الایلاء الا برضاها وطیب نفسها به اھ ویسقط حقها بمرة فی القضاء ای لانه لولم یصبها مرة یؤجله القاضی سنة ثم یفسخ العقد امالو اصابها مرة واحدة لم یتعرض له لانه علم انه غیرعنین وقت العقد بل یأمره بالزیادة احیانا لو جوبها علیه الالعذرمرض او عنة عارضة او نحوذلك وسیأتی فی باب الظهار ان علی القاضی الزام المظاھر بالتکفیر دفعاللضرر عنها بجس او ضرب الی ان یکفر اویطلق اھ[1] مختصرا۔	ترک کردینا حلال نہیں، ہمارے اصحاب نے تصریح فرمائی ہے کہ دیانةگاہے گاہے بیوی سے جماع کرنا واجب ہے لیکن اس پر قاضی کو کاروائی کا حق نہیں کہ وہ خاوند پر لازم قرار دے تاہم نکاح کے بعد پہلا جماع خاوند پر قاضی لازم کرسکتا ہے اور فقہاء کرام نے اس جماع کے لئے مدت کا تعین نہیں کیا کہ کتنہ مدت کے اندر واجب ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ یہ وقفہ ایلاء کی مدت (چار ماہ) تک نہ پہنچنے پائے الایہ کہ بیوی کی رضامندی اور خوش طبعی سے جتنا وقفہ ہو اھ ایک دفعہ جماع کرلینے سے قضاءً بیوی کا حق ساقط ہوجائے گا یعنی اگر دوران نکاح ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو بیوی کے مطالبے پر قاضی خاوند کو ایک سال کی مہلت دے گا اور اس مدت میں جماع نہ کرنے پر قاضی نکاح کو فسخ کردے گا، اور ایک مرتبہ جماع کرلیا ہو تو پھر قاضی مداخلت نہ کرے کیونکہ معلوم ہوچکا ہے کہ خاوند نکاح کے وقت نامرد نہ تھا تاہم قاضی خاوند کو مزید جماع کا مشورہ دے گا کیونکہ خاوند پر حقوقِ زوجیت واجب ہے لیکن مریض ہو یا عارضی مردمی کمزوری یا کوئی اور وجہ ہو تو واجب نہیں اور ظہار کے باب میں بیان رہاہے کہ قاضی پر ضروری ہے کہ وہ بیوی کی پریشانی دور کرنے کیلئے ظہار کرنے والے خاوند کو کفارہ ظہار دینے پر قید اور جسمانی سزا کے ساتھ مجبور کرے تاکہ وہ کفارہ دے یا طلاق دے، اھ، مختصرًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

قالو وللمرأة ان تطالبه بالوطأ وعلیها ان تمنعه الاستمتاع حتی یکفر ،وعلی القاضی ان یجبره علی التکفیر	فقہاءِ کرام نے فرمایا ہے کہ عورت کو حق کہ خاوند سے جماع کا مطالبہ کرے، اور ساتھ ہی اس پر لازم ہے کہ کفارہ دینے تک خاوند کو جماع سے روکے، اور قاضی کو

[1] ردالمحتار باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۹۸/۲

دفعا للضرر عنها بحبس فان ابی ضربه ولا یضرب فی الدین ولو قال قد کفرت صدق مالم یعرف بالکذب وفی التتارخانیة اذا ابی عن التکفیر عزره بالضرب والحبس الی ان یکفر او یطلق [1]۔	حق ہے کہ وہ بیوی کی پریشانی دور کرنے کیلئے خاوند کو قید کرکے کفارہ دینے پر مجبور کرے اور اگر خاوند انکار کرے تو اس کو جسمانی سزادے جبکہ قرض کے معاملہ میں قاضی جسمانی سزا نہیں دے سکتا، اور اگر خاوند بتائے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو قاضی اس کی تصدیق کرے جب تک اس کا جھوٹ واضح نہ ہو، اور تاتارخانیہ میں ہے کہ اگر کفارہ دینے سے انکار کرے تو قاضی خاوند کے کفارہ ادا کرنے یا طلاق دینے تک اسے جسمانی تعزیر اور قید کرسکتا ہے۔(ت)

جب یہ اصول معلوم ہوگئے حکمِ مسئلہ واضح ہوگیا پاس نہ بلانا ترک جماع کو مستلزم اور نفقہ نہ دینے کو بھی محتمل، ترک جماع اگر راسا ہے یعنی بعد نکاح اس کے پاس گیا ہی نہیں تو قاضی شرع اس پر جبر کرے گا کہ پاس جائے، اگر ظاہر ہوگا کہ اسے اس عورت سے مجامعت پر قدرت نہیں تو بعد دعوی عورت وہی مسائل عنین ومہلت یکسال وتفریق جبری بطلبِ زن جاری ہوں گے، اور اگر باوصفِ قدرت نہیں جاتا خواہ ابتداءً خواہ ترک مطلق کا ارادہ کرلیا ہے اور عورت کو اس سے ضرر ہے تو قاضی مجبور کرے گا کہ جماع کرے یا طلاق دے، اگر نہ مانے گا قید کرے گا اگر نہ مانے گا مارے گا یہاں تک دو باتوں سے ایک کرے۔

وذٰلك رفعا للمعصیة ودفعا للضرر وقد نصوا کما فی البحر والدر وغیرهما ان کل مرتکب معصیة لاحد فیها ففیها التعزیر [2] وفی ردالمحتار قوله وعلی القاضی الزامه به. اعتراض بانه لافائدة للاجبار علی التکفیر الا الوطئ والوطئ لایقضی به علیه الامرة. قال الحموی وفرض المسئلة فیما اذا لم یطأها	یہ تعزیر اس لئے ہے کہ خاوند گناہ ختم کرے اور بیوی کی پریشانی دور کرے، اور فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے کہ وہ جرم جس پر حد نہیں ہے تو اس میں تعزیر ہوگی جیسا کہ بحر اور در وغیرہما میں مذکور ہے۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ درمختار کا یہ بیان کہ قاضی پر لازم ہے الخ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ خاوند کو کفارہ دینے پر مجبور کرنے کا مقصد صرف بیوی سے جماع ہے جبکہ جماع کے معاملے میں قاضی خاوند کو نکاح کے بعد ایک سے زائد مرتبہ پر مجبور نہیں کرسکتا تو حموی نے کہا اور جواب کے لئے

[1] بحرالرائق باب الظہار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۹۷۔۹۶

[2] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

قبل الظھار ابدا بعید، اوقد یقال فائدۃ الاجبار رفع المعصیۃ اھ ای ان الظھار معصیۃ حاملۃ لہ علی الامتناع من حقھا الواجب علیہ دیانۃ فیأمرہ برفعھا لتحل لہ کما یأمر المولی من امرأتہ بقربانھا فی المدۃ اویفرق بینھما لدفع الضرر عنھا اھ[1] مختصرا۔	یہ فرض کرنا کہ ظہار سے قبل خاوند نے ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو تو تب قاضی مجبور کرسکتا ہے، تو یہ بعید سی بات ہے، یا جواب میں یوں کہا جائے گا کہ خاوند کو مجبور کرنے کا مقصد خاوند کے جرم کا ازالہ ہے اھ، یعنی ظہار کرنا جرام ہے جو خاوند کو بیوی کے اس حق کی ادائیگی سے روکتا ہے جو دیانۃً ہر خاوند پر واجب ہے تو اس لئے قاضی اس کو جرم کے ازالہ کا حکم دے گا تاکہ بیوی حلال ہوسکے، جیسے مولٰی اپنے غلام کو ظہار کی مدت میں بیوی سے جماع کرنے یا طلاق دینے کا حکم کرسکتا ہے تاکہ بیوی کی پریشانی دور ہوسکے۔ اھ مختصراً (ت)

اور نفقہ نہ دینے پر اگر ادائے نفقہ پر قادر ہے تو قاضی بقدر مناسب عورت کے لئے نفقہ مقرر کرے گا اور شوہر کو اس کے ادا کا حکم دے گا اگر نہ مانے گا قید کرے گا اور اس مدت میں اس سے نہ پانے کے سبب جو کچھ عورت قرض لے کر خواہ اپنے مال سے اپنے نفقہ میں صرف کرے گی سب شوہر پر دین ہوگا اور اس سے دلایا جائیگا مگر یہاں تفریق کردینے یا طلاق پر جبر کرنے کی صورت نہیں،

اقول: اور وجہ فرق ظاہر ہے جماع ونفقہ دونوں کی طرف عورت محتاج اور ان کے نہ ملنے میں اس کا ضرر، اور دفعِ ضرر جس طرح ممکن ہو واجب، اور طرقِ دفع میں آسان تر کا لحاظ لازم کہ طرف ثانی کا بھی اضرار نہ ہو، جماع ایسی چیز ہے کہ غیر شوہر سے اس کا ملنا محال، تو طریق دفع اس میں منحصر کہ شوہر جماع کرے یا طلاق دے کہ وہ دوسرے سے نکاح کرسکے بخلاف نفقہ کہ یہ حاجت اپنے مال سے خواہ دوسرے سے قرض لے کر بھی مندفع ہوسکتی ہے، عورت کا ضرر یوں دفع ہوگیا کہ حاجت روا ہوئی اور جو اٹھا وہ بعد فرضِ قاضی شوہر پر قرض رہا تو یہاں طلاق پر مجبور کرنے میں شوہر کا ضرر زائد ہے جس کی طرف عورت سے دفعِ ضرر میں حاجت نہیں۔ تنویر میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ولابعدم ایفائہ حقھا ولو موسرا[2]۔ اھ مختصرا۔	نفقہ سے عاجز ہوجانے پر اور امیر ہوتے ہوئے بھی بیوی کو پورا حق نہ دینے پر قاضی دونوں کی تفریق نہ کرے گا، اھ مختصراً۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] تنویر الابصار باب الظھار دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۷۶

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۲۶۹

بل یفرض لها النفقة علیه ویأمرها بالاستدانة[1]۔	بلکہ قاضی خاوند کے ذمہ بوی کا نفقہ کردے گا اور بیوی کو خاوند کے نام قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

وبعده ترجع بما انفقت ولو من مال نفسها بلا امر قاض[2]۔	اس کے بعد بیوی خرچ کیلئے نفقہ کو خاوند سے وصول کرے گی جو بیوی نے خرچ کیا ہو خواہ اس نے اپنے ہی مال سے قاضی کے حکم کے بغیر خرچ کیا ہو۔(ت)

شامیہ میں بدائع سے ہے:

یحبس فی نفقة الاقارب کالزوجات[3]۔	قریبیوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے جیسا کہ بیویوں کے نفقہ میں قید کیا جاسکتا ہے۔(ت)

اور اگر شوہر فقیر ہے کہ نفقہ نہیں دے سکتا جب بھی حکم یہی ہے کہ تفریق نہیں اور محتاجی معلوم ہو تو قید بھی نہیں بلکہ قاضی نفقہ مقرر کرکے عورت کو قرضًا صرف کرنے کا حکم دے جو کچھ حسب قرار داد قاضی خرچ ہوتا رہے ذمہ شوہر دین ہوا کرے گا یہاں تک کہ زمانہ اس کو تونگری کی طرف پلٹالے، اس وقت سب وصول کرلیا جائے مگر اگر قاضی دیکھے کہ عورت کو اس امید پر قرض نہیں ملتا تو شوہر کو سمجھائے کہ طلاق دے دے، اگر نہ مانے تو قاضی جبکہ نائب مقرر کرنے کا اختیار ہو باختیار خود ورنہ بحکم والی مسلم مقدمہ کسی شافعی المذہب کے سپرد کردے کہ ان کے یہاں جب کہ شوہر کا نفقہ دینے سے عاجز ہو تفریق کرادیتے ہیں وہ فریقین کو بلا کر بعد سماع مقدمہ و ثبوت عجز تفریق کردے، یہ حکم جب قاضی حنفی کے حضور پیش ہو اسے نافذ کردے کہ شوہر جب حاضر ہو تو حاکم شافعی کا ایسا حکم ہمارے نزدیک لائق تنفیذ مانا جاتا ہے، یوں عورت اس بلا سے خلاصی پاسکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

جوزه الشافعی باعسار الزوج. ولو قضی به حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیا فقضی به نفذ[4]۔	خاوند کے تنگدست ہوجانے پر نفقہ کی وجہ سے تفریق کو امام شافعی نے جائز قرار دیا ہے، اور اگر حنفی قاضی یہ فیصلہ دے تو نافذ نہ ہوگا، ہاں حنفی قاضی اگر شافعی قاضی کو فیصلہ دینا سپرد کردے پھر شافعی قاضی فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ دے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔(ت)

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶

[2] درمختار باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[3] ردالمحتار بحوالہ البدائع باب النفقۃ ۲/۶۸۷ و فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۲۲

[4] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

ردالمحتار میں ہے:

قولہ نعم لوامر شافعیا۔ای بشرط ان یکون ماذونا لہ بالاستنابۃ، خانیۃ۔ قال فی غررالاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبہ التفریق بینھما اذاکان الزوج حاضرا و ابی عن الطلاق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لایتیسر بالاستدانۃ اذالظاھر انھا لاتجد من یقرضھا وغنی الزوج مالا امر متوھم فالتفریق ضروری اذاطلبتہ وان کان غائبا لایفرق لان عجزہ غیرمعلوم حال غیبتہ وان قضی بالتفریق لاینفذ قضائہ لانہ لیس فی مجتھد فیہ لان العجزلم یثبت [1] اھ وتمامہ فیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا کہنا کہ "ہاں اگر شافعی کو کہے" یعنی بشرطیکہ ہو حنفی قاضی دوسرے کو فیصلہ سپرد کرنے کا مجاز ہو، خانیہ غررالاذکار میں کہا ہے کہ واضح ہو کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے حنفی قاضی کسی ایسے شخص کو اپنا نائب قرار دے جس کا مذہب یہ ہو کہ خاوند اور بیوی میں نفقہ کی وجہ سے تفریق جائز ہے، توجب خاوند حاضر ہو اور طلاق دینے سے انکاری ہوتو وہ نائب بیوی کے مطالبہ پر تفریق کردے کیونکہ نفقہ کی دائمہ حاجت قرض لینے سے حل نہیں ہوتی جبکہ ظاہر یہی ہے کہ بیوی کسی قرض دینے والے کو نہیں پاتی اور خاوند کا بعد میں کسی وقت امیر ہونا موہوم معاملہ ہے لہٰذا بیوی کے مطالبہ پر تفریق ضروری ہے، اور اگر خاوند غائب ہوتو پھر تفریق نہ کرے کیونکہ غیر موجودگی کی وجہ سے خاوند کا نفقہ سے عاجز ہونا معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں اگر تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں عجز ثابت نہ ہونے پر مسئلہ اجتہادی نہ رہے گا، مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: از پنجاب مرسلہ مولوی فاضل صاحب ۲۰ صفر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو ہمشیریں حالتِ جوانی میں بیوہ ہوگئیں اور انہوں نے عقدِ ثانی نہیں کیااور دونوں کے پاس دو مکان پیدا کردہ شوہر کے ہیں لیکن ترکہ پدری کچھ بھی نہیں ہے کہ جس سے ان بیوگان کی گزر ہوسکے، اور زید بھی کم مقدرت ہے اور اہل وعیال رکھتا ہے مگر اپنے اوپر تکلیف اٹھا کر ہمیشروں کی خبر گیری بھی کرتا ہے، پس اس صورت میں زید کا بہنوں کے ساتھ یہ برتاؤ از قسم سلوک ہے یا از قسم واجب، اور بہنوں کا نان ونفقہ بھائیوں پر واجب ہے یا تورع واحسان، اور اگر واجب ہے تو کس صورت میں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بہنوں کا نان و نفقہ بھائی پر واجب ہے دو شرط سے:

اول: زید ان کی اعانت پر قادر ہو یعنی اپنی حاجت اصلیہ سے فاضل چھپن روپے کا مالک ہو یا ایسا مال نہیں رکھتا بلکہ پیشہ ور ہے تو اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے نفقہ سے پس انداز ہوتا ہو جس سے بہنوں کی اعانت کرسکے۔

دوم: بہنیں زیور وغیرہ کوئی مال ذاتی نہ رکھتی ہوں جو ان کی حاجت اصلیہ سے زائد چھپن روپے کا ہو، نہ کھانے کے لئے اناج پہننے کے لئے کپڑا یا دام موجود ہو کہ یہ جب تک رہے گا اس قدر نفقہ دوسرے پر واجب نہ ہوگا اگرچہ چھپن روپیہ سے کم کا ہو، نہ مکان اس قابل ہو کہ اس کا ایک حصہ بیچ کر باقی میں گزر کرسکیں، ایسا ہوگا تو بیچ کر خود اپنے نفقہ میں اٹھانا لازم ہوگا جب نہ رہے گا بھائی پر نفقہ آئے گا، نہ وہ عورتیں دستکاری مثل سلائی وغیرہ کے ایسا کررہی ہوں جو ان کے نفقہ کو کافی ہو، اگر ایسا ہے تو اپنا نفقہ خود انہیں پر ہے بھائی پر نہیں، ہاں اگر وہ دستکاری نہیں کرتیں، نہ اپنے کسی مال سے اپنی بسر کرسکتی ہےں تو بھائی پر نفقہ واجب ہوگا اور وہ یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم سلائی وغیرہ کوئی کام مزدوری کا کرکے اپنا پیٹ پالو، یہ دو شرطیں متحقق ہوں تو نفقہ بھائی پر ہے تنہا اس پر جب کہ ان عورتوں کا وارث صرف وہی ہو ورنہ بقدر میراث جبکہ اس کے سوا ان کا اور کوئی وارث ذی مقدور مثل دوسرے بھائی یا بہن یا دختر کے ہو۔ درمختار میں ہے:

تجب (علی موسر یسار الفطرۃ) علی الاجع ورجع الزیلعی والکمال انفاق فاضل کسبہ (النفقۃ لکل ذی رحم محرم صغیر او انثی) مطلقا (ولو بالغۃ صحیحۃ او) کان الذکر (بالغا عاجزا) عن الکسب (فقیرا) حال من المجموع بحیث تحل لہ الصدقۃ ولو لہ منزل و خادم علی الصواب بدائع (بقدر الارث)[1] اھ ملتقطا۔	(فطرانہ کے وجوب والی استعداد والے پر) زیادہ راجح قول کے مطابق نفقہ واجب ہے، جبکہ زیلعی اور کمال نے ضروری آمدن سے زائد کسب والے پر وجوب کو ترجیح دی ہے (نفقہ دینا ہر ذی رحم محرم نابالغ یا عورت کو) مطلقًا (اگرچہ عورت بالغہ صحت مند ہو) یا لڑکا (بالغ عاجز ہو) محنت سے (جبکہ یہ فقیر ہوں) لازم ہے تو فقیر ہونا تمام کا حال ہے یوں کہ اس کو صدقہ حلال ہو اگرچہ اس کا اپنا مکان اور خادم ہو، درست قول کے مطابق یہی حکم ہے، بدائع (یہ نفقہ ہر ایک کو بقدر وراثت دینا لازم ہے) اھ ملتقطا (ت)

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۶ تا ۲۷۷

ردالمحتار میں ہے:

قوله مطلقا قید للانثی ای سواء کانت بالغة اوصحیحة قادرة علی الکسب لکن لوکانت مکتسبة بالفعل کالقابلة والمغسلة لانفقة لها،قوله بحیث تحل له الصدقة بان لایملك نصابانامیا اوغیرنام زائداعن حوائجه الاصلیة والظاہر ان المراد ماکان من غیر جنس النفقة اذلوکان یملك دون نصاب من طعام او نقود تحل له الصدقة ولاتجب له النفقة فیما یظهر لانها معللة بالکفایة ومادام عنده مایکفیه من ذٰلك لایلزم غیره کفایته،قوله ولوله منزله منزل وخادم ای وهو محتاج الیهما وفی الذخیرة لوکان یکفیه بعض المنزل امر ببیع بعضه وانفاقه علی نفسه وکذالو کانت له دابة نفیسة یومر بشراء الادنی وانفاق الفضل اھ ومثله فی شرح ادب القاضی اھ مختصرا واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	ماتن کا قول "مطلقًا" یہ لفظِ "انثیٰ" کی قید ہے یعنی خواہ بالغہ ہو یا تندرست ہو محنت پر قادر ہو، لیکن اگر وہ عملاً محنت کر رہی ہو مثلاً دایہ یا غسل دینے والی ہو، تو اس کے لئے نفقہ واجب نہ ہوگا، اور ماتن کا قول "بحیث تحل له الصدقة" (اس کے لئے صدقہ حلال ہو) یعنی وہ نامی نصاب یا غیر نامی جو اصلی حاجت سے زائد، کا مالک نہ ہو، اس میں ظاہر یہ ہے کہ جس مال کا وہ مالک ہو وہ نفقہ کی جنس سے نہ ہو، کیونکہ اگر وہ نصاب سے کم غلہ یا نقد کا مالک ہو تو اگرچہ اس کے لئے صدقہ حلال ہے لیکن اس کے لئے نفقہ ظاہرًا واجب نہیں، کیونکہ نفقہ کے وجوب کی علت ضرورت کی کفایت ہے اور جب تک اس کے پاس نفقہ کی کفایت والامال موجود ہے تو دوسرے پر اس کا نفقہ نہ ہوگا۔ اور ماتن کا قول "لو له منزل وخادم" (اگرچہ اس کا مکان اور خادم ہو) یعنی جبکہ وہ ان کا حاجتمند ہو۔ اور ذخیرہ میں ہے کہ اگر اس کی حاجت مکان کے کچھ حصے میں پوری ہوجاتی ہے تو اس کو مکان کے باقی حصہ کو فروخت کرکے اپنے نفقہ میں خرچ کرنے کو کہا جائے گا، اور یونہی اگر اس کے پاس اعلٰی قسم کی سواری ہے تو اس کو فروخت کرکے ادنی قسم کی سواری خریدنے کے لئے کہا جائے گا تاکہ زائد رقم کو اپنے نفقہ میں خرچ کرے اھ اور شرح ادب القاضی میں اس کی مثل بیان ہے، اھ، مختصرًا۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۰ تا ۱۷۱: از بھونا فار کیٹ کراچی بندر مرسلہ پیر سید ابراہیم گیلانی قادری بغدادی ۱۵ رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱۔۸۲

(۱) جو شخص العمر باپ کو اصلی وطن میں مفلسی اور محتاجی کی حالت میں چھوڑدے اور اس کو رنج ومصیبت میں ایسے ڈال دے کہ وہ ضعیف العمر اس کے پیچھے دربدر شہر بہ شہر پھرے شریف خاندان ایسے شخص عاق الوالدین اور نافرمانی عقوق الوالدین میں داخل ہے یا نہیں، اس کے پیچھے نماز جائز ہے:

(۲) جو شخص اپنی منکوحہ بی بی کو مع دوجوان بالغ لڑکیاں جو کہ اس کے نطفہ سے ہوں بلانان ونفقہ چھوڑرکھا ہو اور ان کی خبر نہ لیتا ہو اور لوگوں کی تحریر سے معلوم ہوا کہ نہایت سختی وکمال ذلت سے اوقاتِ بسر کررہے ہیں ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اگر باپ ضعیف ومحتاج ہے اور یہ اس کی خدمت واعانت کرسکتا ہے اور نہ کرے اور اس سے باز رہے اور اس کے فقر وفاقے کی پروانہ رکھے تو بیشک عاق ہے اور مستحق جہنم، ایسا شخص قابلِ امامت نہیں، اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہوگی۔

(۲) ایسا شخص گنہگار اور حقوق العباد میں گرفتار اور مستحقِ عذاب نار ہے۔ حدیث میں فرمایا:

کفی بالمرء اثمان یضیع من یقوت[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی شخص کو یہ گناہ کافی ہے کہ جس کا نفقہ اس کے ذمہ ہو اسے ادانہ کرے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۲: از کانپور محلّہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان سید اشرف صاحب وکیل مرسلہ سید محمد آصف صاحب ۱۳ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زوجہ کے نان ونفقہ وغیرہ اخراجات کا بار زوج کا والد یا کوئی عزیز اٹھاتا ہو اور وہ عورت کو والدین کے یہاں جانے کی اجازت دے تو خاوند زوجہ کو جانے سے روک سکتا ہے اور عورت بلااجازت خاوند کے جانے سے گنہگار ہوگی یازوج کو روکنا جائز نہیں اور زوجہ جانے سے گنہگار نہ ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مہر معجّل نہ تھا یا جس قدر معجّل تھا ادا ہوگیا تو چند مواضع حاجت شرعیہ جن کا استثناء فرمادیا گیا مثلاً والدین کے یہاں آٹھویں دن دیگر محارم کے یہاں سال پیچھے دن کے دن کو جانا اور شب شوہر ہی کے یہاں کرنا وغیر ذلک ان کے سوا کسی جگہ عورت کو بے اذن شوہر جانے کی اجازت نہیں، اگر جائے گی گنہگار ہوگی، شوہر

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الزکوٰۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۱۵

روکنے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ نفقہ کا بار دوسرا شخص اٹھاتا اور وہ دوسرا عورت کو جانے کی اجازت دیتا ہو اس کی اجازت مہمل ہوگی اور شوہر کی ممانعت واجب العمل۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ادائے مہر معجّل عورت مطلقاً پابند شوہر ہے اس میں کوئی قید و تخصیص ادائے نفقہ و تکفل حوائج کی نہیں فرماتے۔ در مختار میں ہے:

لها الخروج من بيت زوجها للحاجة ولها زيارة اهلها بلا اذنه مالم تقبض المعجل فلا تخرج الالحق لها او عليها، اوزيارة ابويها كل جمعة مرة او المحارم كل سنة اولكونها قابلة او غاسلة لافيما عدا ذلك[1]۔ (ملخصاً)	بیوی کو حاجت کے وقت خاوند کے گھر سے نکلنا جائز ہے اور اپنے گھر والوں (والدین) کی زیارت کے لئے خاوند کی اجازت کے بغیر نکلنا جائز جب تک اس نے مہر معجّل وصول نہ کیا ہو، لہٰذا وہ اپنے حق کی وصولی یا اپنے ذمہ حق کی ادائیگی یا والدین کی زیارت ہفتہ میں ایک مرتبہ، اور ذی محرم کی زیارت سال میں ایک مرتبہ، دایہ گیری یا غسل دینے کے بغیر کسی اور وجہ کے لئے باہر نہ نکلے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله فلاتخرج جواب شرط مقدر ای فان قبضته فلاتخرج[2] الخ۔	ماتن کا قول "فلاتخرج" (تو باہر نہ نکلے) یہ مقدر شرط کا جواب ہے، یعنی اگر اس نے مہر معجّل وصول کرلیا ہو تو نہ نکلے الخ (ت)

والد کا متکفل نفقہ پسر وزنِ پسر ہونا تو ہمارے بلاد میں معمول ہے اور دیگر بعض اعزّہ بھی تبرعاً تکفل کریں تو یہ ضرور نہیں کہ شوہر نفقہ دینے سے منکر ہو علمائے کرام تو اس صورت میں کہ شوہر نے ظلماً انفاق سے دست کشی کی یہاں تک کہ عورت محتاج نالش ہوئی تاآنکہ شوہر کو نفقہ دینے پر مجبور کرنے کے لئے حبس کی درخواست دی اور حاکم نے شوہر کا تعنت دیکھ کر اسے قید کردیا اس صورت میں تصریح فرماتے ہیں کہ عورت شوہر ہی کے گھر رہے بلکہ عورت پر واقعی اندیشہ فساد ہو تو شوہر قید خانہ میں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کرسکتا ہے اور محبس میں مکان تنہا ہو تو حاکم عورت کو حکم کرے گا کہ وہیں اس کے پاس رہے۔ ہندیہ میں ہے:

لوفرض الحاكم النفقة على الزوج فامتنع من دفعها وهو موسر وطلبت المرأة حبسه له ان يحبسه	اگر حاکم نے خاوند پر بیوی کا نفقہ مقرر کردیا ہو اور خاوند استطاعت کے باوجود نفقہ نہ دے اور بیوی خاوند کو قید کرنے کا مطالبہ کرے تو قاضی اس کو قید کرسکتا ہے،

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۹

کذافی البدائع، واذاحبسه لاتسقط عنه النفقة و تؤمر بالاستدانة حتی ترجع علی الزوج فان قال الزوج للقاضی احبسها معی فان لی موضعا فی الحبس خالیا فالقاضی لایحبسها معه ولکنها تصبر فی منزل الزوج ویحبس الزوج کذافی المحیط[1]۔	جیسا کہ بدائع میں ہے، اور جب قید کردیا ہو تب بھی نفقہ اس کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا، اور بیوی کو کہا جائے گا کہ وہ قرض لے کر خرچ کرے تاکہ بعد میں خاوند سے اس کو وصول کرسکے، اگر خاوند قید میں قاضی سے یہ مطالبہ کرے کہ بیوی کو قید میں میرے ساتھ رکھا جائے کیونکہ یہاں میرے پاس خالی جگہ ہے تو قاضی بیوی کو اس کے ساتھ قید میں نہ دے گا تاہم بیوی خاوند کے گھر میں صبر سے رہے گی اور خاوند قید ہوگا، جیسا کہ محیط میں ہے(ت)

درمختار میں ہے:

وفی البحر عن مآل الفتاوی ولو خیف علیها الفساد تحبس معه عند المتاخرین[2]۔	بحر میں مآل الفتاوی سے منقول ہے: اور اگر بیوی کو تنہائی میں فساد کا خطرہ ہو تو متاخرین فقہاء کے نزدیک بیوی کو خاوند کے پاس قید میں رکھا جائے گا۔(ت)

توجب صریح نفقہ نہ دینے پر بھی عورت پابندِ شوہر رہی تو صورت سوال میں کیونکر خود مختار ہوسکتی ہے نفقہ نہ دینا رافع پابندی ہو تو نفقہ نہ دینا مسقط نفقہ ہوجائے اور عورت کو ہرگز دعوٰی نفقہ کا اختیار نہ رہے کہ نفقہ جزائے پابندی ہے جب پابندی نہیں نفقہ کس بات کا ہے۔ درمختار میں ہے:

النفقة جزاء الاحتباس وکل محبوس لمنفعة غیره یلزمه نفقته کمفت وقاض ووصی زیلعی[3] الخ۔ **اقول:** وایاك ان تتوهم ان النفقة اذاکانت جزاء الحبس فاذا عدمت عدم وذلك لان وجوبها متفرع عنه فوجوب الاحتباس علیها متقدم علی وجوب النفقة علیه لا ان الاحتباس	نفقہ بیوی کو پابند کرنے کا بدل ہے جو کسی غیر کے فائدہ کے لئے پابند ہو اس کا نفقہ پابند کرنے والے پر ہوتا ہے جیسا کہ مفتی اور وصی، زیلعی الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تجھے یہ وہم نہ ہو کہ جب نفقہ پابندی کی جزا ہے تو نفقہ معدوم ہوجانے پر پابندی بھی معدوم ہوجائے گی، یہ وہم اس لئے درست نہیں کہ نفقہ پابندی پر متفرع ہوتا ہے تو بیوی پر پابندی پہلے لازم ہوگی اسکے بعد شوہر پر نفقہ لازم ہوگا نہ یہ کہ پابندی

---

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الاول فی نفقة الزوجة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۲

[2] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[3] درمختار باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

متفرع علی الانفاق فان عدم عدم، وبالجملة ان کان اللازم فوجوب الانفاق لاوقوعه فبرفع الوقوع لایرتفع الملزوم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نفقہ پر متفرع ہے کہ نفقہ معدوم ہوجائے تو حبس بھی معدوم ہوجائے تاہم اگر نفقہ کو پابندی پرلازم قرار دیا جائے تو نفقہ کا وجوب لازم اس کی ادائیگی لازم نہ ہوگی کہ ادائیگی ختم ہوجانے پر پابندی ختم ہوجائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳:　　۳۰ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

اگر کوئی شخص اپنے نکاح کے بعد یہ ظاہر کرے کہ میری زوجہ کی مادر کے ساتھ قبل نکاح سے میری آشنائی یعنی سابقہ زناکاری تھی اس واسطے میرا نکاح باطل ہوا میری زوجہ کا اس سبب سے مجھ پر کچھ حق نہیں ہے اور یہ معاملہ پندرہ پچیس برس کے بعد ظاہر کرے کہ اولاد بھی زوجہ مذکور سے موجود تھی تو ایسے شخص کے واسطے علمائے دین کیا فرماتے ہیں علمائے دین کیا فرماتے ہیں یعنی زوجہ اس کی دین مہرو نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں جس کے علم میں اپنے شوہر کی یہ حرکت نہ تھی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شوہر کے اس بیان سے نکاح کے فساد کا فوراً حکم ہوگیا،

فی الدرالمختار عن الخلاصة قیل له مافعلت بام امرأتك فقال جامعتها تثبت الحرمة ولایصدق انه کذب ولوهازلا[1]۔	درمختار میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند سے پوچھا گیا کہ تو نے اپنی بیوی کی ماں (ساس) سے کیا کارروائی کی ہے تو جواب میں اس نے کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے تو اسکے بیان واقرار پر بیوی اس پر حرام ہوجائے گی، اس کے بعد اس کا یہ کہنا کہ میں نے مذاق میں جھوٹ بولا قابل قبول نہ ہوگا۔ (ت)

اس پر لازم ہوگیا کہ عورت کو فوراً جدا کردے اور عورت پر روز متارکہ سے عدت لازم ہے، جب تک عدت میں رہے گی اسکا نان ونفقہ شوہر پر لازم رہے گا، شوہر کا کہنا کہ اس کا کوئی حق مجھ پر نہیں محض جھوٹ ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر الحاصل ان الفرقة امامن قبله اومن قبلها فلو من قبله فلها النفقة مطلقا سواء کان بمعصیة اولا، طلاقا او فسخا،	ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ خاوند بیوی میں فرقت خاوند کی کاروائی کی وجہ سے ہوگی یا بیوی کی کاروائی سے ہوگی اگر خاوند کی طرف سے ہو تو بیوی کو ہر حال میں نفقہ دینا ہوگا خاوند کی کاروائی گناہ ہو یا نہ ہو،

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

وان كانت من قبلها فان كانت بمعصية فلا نفقة لها ولها السكنى فی جميع الصور [1]۔	طلاق ہو یا فسخ ہو، اور اگر بیوی کی طرف سے فرقت کی کاروائی ہوئی ہو فسخ واجب ہوا تو اگر اسکی کاروائی جرم تھی تو اس کو نفقہ نہیں، تاہم اس کو رہائش تمام صورتوں میں ملے گی۔(ت)

رہا مہر اگر تسلیم کرے کہ شوہر نے اس کی ماں سے پیش از نکاح زنا کیا تھا تو اس صورت میں جو مہر مثلا اس عورت کا ہو اور جو مقرر ہوا ہو ان دونوں میں جو کم ہے وہ دینا آئے گا مثلاً مہر مثل ہزار روپے ہے اور دو ہزار بندھے تھے تو ہزار دینے آئیں گے اور مہر مثل دو ہزار ہے اور ہزار بندھے تھے تو بھی ہزار ہی ہوں گے،

فی التنوير يجب مهر المثل فی نكاح فاسد بالوطئ لابغيره ولم يزد على السمى [2]۔	تنویر میں ہے: فاسد نکاح میں وطئ کے بغیر مہر مثل واجب نہ ہوگا اور یہ مہر مثل، مقررہ مہر سے زائد نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر تکذیب کرے تو جو مہر بندھا تھا کامل پائے گی **وهی مسئلة ما اذا كذبته فی الاسناد** (یہ مسئلہ اس صورت میں ہے جب بیوی خاوند کو جھوٹا قرار دے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو خاوند نے نکال دیا وہ تین برس تک محنت کرکے تن پروری کرتی رہی بعدہ یہ تصفیہ ہوا کہ اگر تو میرے کہنے پر الگ ایک مکان میں رہے جس طرح کہ رہتی ہے (اس لئے کہ اس شخص کے دوسری بی بی ہے) تو میں تجھ کو دس روپیہ ماہوار دیتا رہوں گا، بموجب اس تصفیہ کے خاوند نے دو سال اور کچھ دن تک ماہوار دیا باگیارہ ماہ کچھ دن سے نہ دیا عورت نے نوٹس دیا خاوند نے لے کر رکھ لیا اور کچھ دن بعد عورت کے مکان پر آکر بہت فساد مچایا بعدہ تین طلاقیں دے دیں، اب علمائے دین سے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جو اوس کے ذمے واجب الادا یعنی طلاق سے پیشتر کا نفقہ اس سے لینے کی عورت پر مجاز ہے یا نہیں اور مہر بھی اس کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب:

طلاق سے مہر تمام وکمال واجب الادا ہوگیا اور بیان سوال سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ قصور مرد کا ہے یہی اسے نفقہ دینا نہیں چاہتا تو اس صورت میں نفقہ واجب ہے، درمختار وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی وعلمائے کبار کا فتوٰی موافق اعتماد وترجیح محقق صاحب بحر الرائق ومحقق شرنبلالی وتصحیح صریح صاحبِ خزانۃ المفتین رحمہم اللہ تعالٰی

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۹

[2] درمختار باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

جمیعا یہی ہے کہ جو ماہوار باہم دونوں میں رضامندی سے قرار پایا تھاجب تک کا نہ ملا سب لینے کا عورت کو اختیار ہے۔ درمختار میں ہے:

صحیح الشرنبلالی فی شرحه للوهبانیة مابحثه فی البحر من عدم السقوط ولو بائناً قال هوالاصح ورد ماذکره ابن الشحنة فیتأمل عندالفتوی[1]۔	شرنبلالی نے وہبانیہ کی شرح میں بحر کی اس بحث کو، کہ اگرچہ بائنہ طلاق ہو تو بھی نفقہ ساقط نہ ہوگا، صحیح قرار دیا ہے، اور کہا کہ یہی اصح ہے اور ابن شحنہ نے جو ذکر کیا اس کا انہوں نے رد کیا ہے، تو فتوی دیتے وقت غور کرنا چاہئے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بان ینظر فی حال الرجل هل فعل ذلك تخلصا من النفقة اولسوء اخلاقها مثلا فان کان الاول یلزم بها وان کان الثانی لایلزم هذا ماقاله المقدسی وینبغی التعویل علیه[2] ط۔	ایسی کارروائی میں قاضی کو غور کرنا چاہئے کہ کیا خاوند مثلاً یہ کاروائی نفقہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کی ہے یا واقعتاً بیوی بدفطرت ہے، اگر پہلی وجہ ہو تو قاضی بیوی کے لئے نفقہ کو لازم قرار دے اور اگر دوسری وجہ ہو تو پھر لازم نہ کرے، یہ مقدسی کا بیان ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے۔ طحطاوی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

المفروضة لاتسقط بالطلاق علی الاصح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مقررہ نفقہ طلاق کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا اصح قول پر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۵: از سرولی ضلع بریلی مرسلہ جناب عشاق احمد صاحب مورخہ ۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص کی عورت عرصہ دوسال سے اپنے ساس اور سسر سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی خانگی جھگڑے پر، اور وہی عورت اپنے خاوند سے رضامند ہے لیکن خاوند اس کا پانے والدین کو چھوڑنا نہیں چاہتا اس وجہ سے وہ عورت اپنی سسرال میں نہیں آتی باوجودیکہ چند مرتبہ اس کے ساس اور سسر رخصت کے واسطے اس عورت کے مکان پر گئے لیکن نہیں آئی، اب لڑکے کے والدین

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۰

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۹

[3] خزانۃ المفتین فصل فی النفقۃ قلمی نسخہ ۱/ ۱۰۲

دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں اور اس کو طلاق دینا نہیں چاہتے اس صورت میں پہلی بیوی از روئے شرع اپنے مہر کا مطالبہ بذریعہ نالش کر سکتی، اور اگر طلاق دے دی جائے تو مستحق مہر کی ہوگی یا نہیں کیونکہ اس کے والدین طلاق کو کہتے ہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر طلاق دی جائے گی عورت مطالبہ مہر کرسکے گی ورنہ جو مہر نہ معجّل بندھا ہو نہ اس کی کوئی میعاد مقرر کی گئی ہو عورت قبل موت یا طلاق اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی، جبکہ وہ ناراض ہو کر اپنے میکے چلی گئی اور بلانے سے نہیں آئی تو اس کا نان و نفقہ بھی شوہر پر سے ساقط ہے جب تک وہ شوہر کے یہاں واپس نہ آئے اور شوہر پر یہ بھی لازم نہیں اسے طلاق دے، جب کہ یہ بلانا چاہتا ہے اور وہ بلاوجہ شرعی نہیں آتی تو الزام عورت پر ہے شوہر پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶: از ریاست جاورہ ڈونگر دروازہ مرسلہ ہدایت نور خاں صاحب برادر نواب جاورہ ۲۴ رمضان ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت اپنے زوج کی نافرمانی کرکے بلااجازت و بغیر حق مکان شوہر سے نکل کر علیحدہ بخانہ والدین کسی عزیز کے یہاں جر کر سکونت کرے جس کو اہل شرع ناشزہ کہتے ہیں، پس اس عورت کا نان ونفقہ کفیل پر دینا واجب ہوگا نہیں اور ایسی عورت میں کفیل کی کفالت وضمانت صحیح و معتبر رہی یا نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زنان نشوز کا نفقہ دینا نہ آئے گا یعنی جب تک وہ بے اجازت شوہر بروجہ ناحق جگہ رہے گی اتنی مدت کے نفقہ کا مطالبہ کفیل سے بھی نہیں کر سکتی کہ کفالت **ضم الذمۃ الی الذمۃ فی الدین** (ایک ذمہ دار کے ساتھ دوسری ذمہ دار کو قرضہ میں ملانا) یا **فی المطالبۃ وھو الاصح کما فی الھدایۃ** (مطالبہ میں ملانا، یہی اصح ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے) اور ناشزہ کا نفقہ خود اصیل یعنی زوج ہی پر لازم نہیں تو کفیل سے اس کا مطالبہ کیونکر ممکن۔ رہا یہ کہ اس صورت میں کفالت نفقہ صحیح رہی یا نہیں، اگر کفالت ابتداءً بروجہ صحت واقع ہولی ہے اور وہ کسی مدت معینہ تک کے لئے نہ تھی کہ اس کی انتہا سے منتہی ہو جائے تو عورت کا ناشزہ ہونا اسے رفع نہ کرے گا، اگر عورت نشوز سے باز آکر پھر تسلیم نفس شوہر کو کردے گی تو جتنے نفقہ کی مستحق ہوگی کفیل سے اس کا مطالبہ کرسکے گی مذہب مفتی بہ میں کفالت نفقہ اگر مطلقہ ہو، ابد کے لئے ہے۔ در مختار میں ہے:

ولو کفل لھا کل شھر کذا ابدا وقع علی الابد وکذا لولم یقل ابدا عند	بیوی کے لئے ہر ماہ اتنا نفقہ دائمی ہوگا، کا کوئی شخص اگر ضامن بنے تو یہ دائماً اتنے کا ضامن ہوگا اور امام

الثانی وبه یفتی بحر[1] وتحقیق المقام فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ابویوسف کے نزدیک اگر دائمًا نہ کہے تو بھی دائمی ہوگا،اسی پر فتوی دیا جائے گا،بحر۔اس مقام کی مکمل تحقیق ردالمحتار میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۷: از ساندھن ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ محبوب احمد صاحب ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے زبیدہ کے وارثوں کو نوٹس اوز بانی ذریعہ سے ولی بننے کو کہا اور زبیدہ کے وارثوں نے انکار کردیا،زید نے نوٹس کے ذریعہ اطلاع دی کہ اگر اب تم ولی نہ بنوگے اور بعد میں بننا چاہوگے تو تم سے زبیدہ کے خورد ونوش وغیرہ کا خرچ لے لیا جائے گا،اب اگر چند سال بعد زبیدہ کے وارث ولی بننا چاہیں تو کیا زبیدہ کے خورد نوش وغیرہ کا خرچ لے سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ نوٹس کوئی عقد شرع نہیں اس کی بناء پر کوئی مطالبہ نہیں ہوسکتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: از حافظ اسمٰعیل خاں عقب کوتوالی بریلی ۴ رجب ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو زید نے طلاق مغلظہ دے دی اور اس کی زید سے ایک دختر صغیرہ ہے چند سال بعد ہندہ مدعی ہوئی کہ وہ اتنی مدت سے اپنے میکے میں رہتی ہے میں نے اب تک قرض دام لے کر اپنی اور اپنی دختر کی حاجت پوری کی لہٰذا روز طلاق سے چار مہینے دس دن بعد تک میرا نفقہ اور آج تک کا دختر کا پچاس پچاس روپے ماہوار کے حساب سے مجھ کو دلایا جائے حالانکہ نہ کوئی ماہوار وغیرہ تقرر نفقہ زید نے کیا نہ حاکم نے بلکہ ہندہ اس سے پہلے نفقہ کا دعوی فوجداری میں دائر کرچکی تھی جو خارج ہوا اس صورت میں ہندہ کا دعوی مسموع ہے یانہیں اور کل گزشتہ مدت کا نفقہ ہندہ یا دختر ہندہ کا زید پر واجب الادا ہے یانہیں اور عورت اور اولاد کے نفقہ میں اس بارے میں کوئی فرق ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں ہندہ کا دعوی محض باطل و نامسموع ہے گزشتہ ماہ کا ایک حبہ نہ عورت کے نفقہ کا زید پر لازم ہے نہ دختر کا،زن اور اولاد کے نفقہ میں یہ فرق کہے کہ عورت اگرچہ مالدار ہو اس کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اس کے یہاں رہے اور بلاوجہ شرعی میکے میں رہے تو اصلًا نفقہ کی مستحق نہیں اور اولاد کا نفقہ ان کی محتاجی کی حالت میں لازم ہوتا ہے،اگر مال رکھتے ہیں ان کا نفقہ باپ پر نہیں ورنہ ہے

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

اگرچہ وہ اس کے یہاں نہ رہیں، پھر جو نفقہ نہ باہمی قرارداد سے مقرر ہوا ہو نہ حاکم کے حکم سے اسے اگر ایک مہینہ یا زیادہ کتنے ہی برس گزر جائیں اور اس مدت میں عورت اور اولاد قرض دام سے خواہ کسی طریقہ سے اپنی حاجت نکالتے رہیں یا عورت اپنے مال خواہ قرض یا گداگری سے اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالے تن ڈھکے تو اس مدت کے کسی حبہ کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہوسکتا، ہاں اگر بحکم حاکم یا تراضی باہمی قرار داد نفقہ ہولیا تھا کہ مثلاً اتنا ماہوار دینا ٹھہرا اور مدتیں گزریں شوہر نے نہ اس کا نفقہ دیا نہ اولاد کا، تو عورت اپنے نفقہ مقرر شدہ کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اولاد کا نفقہ اگرچہ برضائے باہمی یا بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب وقت گزر گیا ساقط ہوگیا کہ وہ بوجہ حاجت تھا اور مدت گزشتہ کی حاجت نکل چکی اگرچہ کسی طرح نکلی یہاں تک کہ اگر حاکم نے صغیر بچہ کے لئے ماہوار اس کے باپ پر مقرر کیا اور ماں کو حکم دیا کہ اس سے نہ ملے تو تو قرض لے کر بچہ پر خرچ کر تو اگر اس نے قرض لے کر خرچ کیا جب تو بوجہ حکم حاکم باپ سے واپس پائے گی اور اگر اپنے پاس سے خرچ کیا تو حبہ لینے کی مستحق نہ ہوگی کہ حاکم نے قرض لے کر خرچ کرنے کو کہا تھا وہ اس نے نہ کیا، درمختار میں ہے:

لانفقۃ لخارجۃ من بیتہ بغیر حق وھی الناشزۃ حتی تعود[1]۔	خاوند کے گھر سے باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں ہے وہ واپس آنے تک نافرمان قرار پائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

النفقۃ لا تصیر دینًا الا بالقضاء او الرضاء ای اصطلاحھما علی قدر معین اصنافًا اودراھم فقبل ذٰلک لایلزمہ شیئ[2]۔	نفقہ اس وقت تک خاوند کے ذمہ قرض نہ ہوگا جب تک قاضی نے یا باہمی رضامندی سے طے نہ کرلیا ہو، یعنی جب تک خاوند بیوی نے باہمی مصالحت سے نفقہ کی مقدار جنس یا نقد متعین نہ کردی ہو، تو اس سے قبل خاوند پر کچھ لازم نہیں ہوگا۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

قضی بنفقۃ غیر الزوجۃ ومضت مدّۃ سقطت[3]۔	اگر قاضی نے بیوی کے علاوہ غیر کا نفقہ لازم کیا ہو اور بغیر ادائیگی جو مدت گزر گئی اس مدت کا نفقہ ساقط قرار پائے گا۔(ت)

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۷

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۷

ہدایہ میں ہے:

اذا القاضی للولد والوالدین وذوی الارحام بالنفقة فمضت مدہ سقطت الاان یاذن القاضی بالاستدانة علیه[1]	جب قاضی اولاد، والدین یاذوی الارحام کے لئے نفقہ کی ادائیگی کا فیصلہ دے تو گزری ہوئی مدت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا الایہ کہ قاضی نے اس کے نام پر ان لوگوں کو قرض لے کر خرچ کرنے کا حکم دیا ہو تو ساقط نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

وان انفقت(ای الام)علیه من مالها اومن المسئلة من الناس لاترجع علی الاب[2]۔	اگر ماں نے بچے پر اپنا مال خرچ کیا ہو یا لوگوں سے مانگ کر خرچ کیا ہو تو اس خرچہ کو بچے کے والد سے وصول نہ کرسکے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

امرت بالاستدانة فلم تستدن بل انفقت من مالها فلا رجوع لها،لانها لم تفعل ماامرها به القاضی[3]۔(ملخصًا)	اگر قاضی نے عورت کو قرض لے کر خرچ کرنے کا فیصلہ دیا ہو تو پھر عورت نے قرض کی بجائے اپنا مال خرچ کیا تو اس کی وصولی کا حق اسے نہ ہوگا، کیونکہ اس نے قاضی کے فیصلہ پر عمل نہ کیا۔(ملخصًا)۔(ت)

اور عدت طلاق چار مہینے دس دن سمجھنا محض جہالت ہے اس کی مدت تین حیض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: از یادسوگنج ضلع ہردوئی(اودھ) مرسلہ سید عنایت حسین گرداور قانون گو ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

زید کی شادی تقریبًا تین سال ہوئے کہ ہوئی، اس وقت تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، عورت منکوحہ ناقص العقل یہاں تک کہ ایک آنہ کا حساب نہیں جانتی، تین سو روپے کا زیور گم کرچکی ہے، ناقص العقل ہونے کی وجہ سے اسے گم کردیا، اسے گفتگو کی تمیز نہیں ہے کہ جو اس کا ہے اس سے گفتگو کرسکے، وہ کھانا پکانا اور کپڑا سینا بھی نہیں جانتی ہے اور نماز روزے کو بھی نہیں سمجھتی ہے اور نہ اسے یاد ہوتا ہے، اب وہ شخص شادی دوسری ان وجوہات سے کرنا چاہتا ہے، مسئلہ اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں، اور اس کو کس صورت سے

[1] ہدایہ باب النفقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۲۸-۴۲۹

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ التاسع عشر النفقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۵

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۶

شوہر کو رکھنا پڑے گا جبکہ وہ خبط الحواس ہے، کیا اخراجات دونوں عورتوں کے برابر اٹھانا پڑیں گے یا نہیں، اور اگر وہ منکوحہ دوسری عورت صاحبِ جائداد ہووے تب کس حیثیت سے اس کو رکھنا چاہئے اور آیا شوہر کو دونوں عورتیں اپنے ہمراہ رکھنا پڑیں گی یا صرف ایک اور ایک بہ سبب خبط الحواس ہونے کے نہیں رکھنا پڑے گی۔

الجواب:

دوسری شادی کی اجازت ہے مگر عدل فرض ہوگا، دونوں کو برابر رکھنا ہوگا، یہ جائز نہ ہوگا کہ دوسری کے پاس رہے اور پہلی سے اس کی کم عقلی کے باعث جدا رہے، دوسری عورت اگر مالدار ہے اور پہلی محتاج ہے تو شوہر اگر مالدار ہے تو دوسری کے لئے مالداروں کا نفقہ واجب ہوگا اور پہلی کے لئے مالداروں اور محتاجوں کے نفقہ کا اوسط، اور اگر شوہر محتاج ہے تو پہلے کے لئے محتاجوں کا نفقہ واجب ہوگا اور دوسری کے لئے اوسط، یہ اوسط اب نہ دے سکا تو جتنا دے سکے دے گا باقی اس پر اس دوسری عورت کے لئے قرض رہے گا جب طاقت پائے ادا کرے۔ درمختار میں ہے:

النفقۃ تجب للزوجۃ علی زوجھا بقدر حالھما بہ یفتی ویخاطب بقدر وسعہ والباقی دین الی المیسرۃ [1]۔ ملخصًا۔	خاوند پر بیوی کا نفقہ دونوں کے حال کے پیش نظر واجب ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، لہٰذا خاوند سے وصولی اس کی توفیق کے مطابق ہوگی، اگر کچھ باقی رہ جائے تو وہ خاوند کے ذمہ قرض ہوگا جس کی وصولی اس کی بہتر پوزیشن پر کی جائے گی، ملخصًا۔ (ت)

دونوں عورتوں کے نفقہ میں فرق ہوگا اگر ایک ان میں مالدار اور دوسری محتاج ہے، باقی رات کو رہنے اور لینے دینے وغیرہ اختیاری باتوں میں دونوں کو برابر رکھنا ہوگا اگرچہ ایک کم عقل اور بے سلیقہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یسوی بین الجدیدۃ والقدیمۃ والبکر والثیب والصحیحۃ والمریضۃ والرتقاء والمجنونۃ التی لا یخاف منھا والحائض والنفساء والحامل والحائل والصغیرۃ التی یمکن وطؤھا کذافی التبیین [2]۔ وھو تعالٰی اعلم۔	نئی، پرانی، باکرہ، ثیبہ، تندرست، بیمار، شرمگاہ کی تنگی والی، مجنونہ جس سے ضرر کا خوف نہ ہو، حیض ونفاس والی، حاملہ وغیرہ اور نابالغہ جس سے وطی کی جاسکتی ہو، تمام بیویوں کا حق برابر اس پر ہوگا، جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ باب القسم نورانی کتب خانہ ۱/۳۴۰

مسئلہ ۱۸۰: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مولوی عبداللہ صاحب ناظمِ دینیات و نصرت شیر خاں محرر دینیات ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

زید کو عرصہ تئیس سال سے پچھتّر روپے ماہوار بذریعہ ملازمت کے ملتا ہے اور بجز اس ماہواری تنخواہ کے اور کسی قسم کی زید کو آمدنی نہیں ہے اور زید کی یہ عادت مستمرہ ہے کہ جو روپیہ ماہواری ملتا ہے وہ سب کا سب اپنی اہلیہ کو دے دیتا ہے، اور زید نے اپنی اہلیہ سے یہ کہہ رکھا ہے کہ جو مقدار شرعی طور سے تمہارے نان نفقہ میں یا میرے ذاتی اخراجات یا میری زوجہ اولٰی کی اولاد پر اس میں سے خرچ ہو کر جو کچھ پس انداز ہو اس رقم کو تم اپنے مہر میں محسوب کرتی رہو تاکہ آٹھ دس برس میں تمہارے مہر سے مجھ کو سبکدوش حاصل ہو، اور اس معاملہ پر زید نے اپنے اور اپنی اہلیہ کے اقربا کو گواہ بھی کرلیا ہے اور زید کی زوجہ کو بھی اس معاہدہ اور معاملہ سے انکار نہیں ہے بلکہ اس وقت تک اقرار ہے لیکن نان نفقہ کی مقدار رقم میں زید اور اس کی زوجہ کا اختلاف ہے، زید تو یہ کہتا ہے کہ میرے پاس بجز اس ملازمت کی آمدنی کے اور کسی قسم کی آمدنی نہیں او میں پانچ ہزار روپے کا قرضدار ہوں جو مہر کا ہے جس کے ادا کرنے کا میں نے ڈول ڈالا ہے، اس صورت میں نان نفقہ کی مقدار رقم ماہواری معسر یعنی تنگدست کی شرعاً ہونی چاہئے، اور زید کی زوجہ رائقہ یہ کہتی ہے کہ تمہارا مشاہرہ بڑا مشاہرہ ہے نان و نفقہ کی رقم ماہواری کی مقدار موسر یعنی مالدار کی حیثیت سے مقرر ہونی چاہئے، اب علمائے اسلام عالی مقام سے یہ سوال ہے کہ شرعاً زید کا کہنا مقبول ہے یا زید کی زوجہ رائقہ کا قول شرعاً مقبول ہے؟ اور معسر شخص کو کتنے روپے ماہوار آٹھ سال سابق سے دینے چاہئے؟ اور اس زمانہ میں جو گرانی ہے کے روپیہ نان و نفقہ کے لگائے جائیں؟ اور یہ بھی عرض کردینا ضرور ہے کہ باہر کے کام مثلاً غلہ یا دال یا پان وغیرہ منگانے کا زید اپنی وجاہت سے کسی نہ کسی سے کرادیتا ہے اور گھر کے کھانا پکانے کا کام جب سے نکاح ہوا زید کی زوجہ یا اس کی والدہ نے اپنے متعلق کر رکھا ہے جیسے کہ عموماً شرفاء کے گھروں میں عرفاً مروّج معمول بہ ہو رہا ہے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں متعدد امور ملحوظ ہوتے ہیں:

(۱) مقدار دخل۔

(۲) گرانی وارزانی۔

(۳) حال مقام، مثلاً زیادہ سرد ممالک جاڑے کا سامان درکار ہوتا ہے معتدل میں کم، اور بلحاظ آب و ہوا غذا میں بھی تفاوت ہوتا ہے۔

(۴) زمانہ موجودہ میں عادتِ بلد جہاں جیسی خوراک و پوشاک معتاد و معہود ہو مثلاً اب عرب خصوصاً مدینہ طیّبہ

میں عموماً خوش خوراکی وخوش پوشاکی معمول ہے حالانکہ یہی عرب ایک وقت کمال سادگی وتقلل سے موصوف تھا اعتبار عام عوائد کا ہوگا نہ خاص کسی بخیل یا مسرف کا بعض بلاد مثلاً شاہجہانپور میں عام طور پر تیل کھاتے ہیں، پلاؤ قورمہ پراٹھے کے ہوتے ہیں، ہمارے بلاد میں یہ طبعاً مکروہ اور عرفاً معیوب، تو وہاں گھی کا مطالبہ نہ ہوگا یہاں ہوگا وقس علیہ، متعارف طور پر ان سب باتوں کے لحاظ کے بعد کہہ سکتے ہیں کہ اتنی آمدنی اتنے مصارف والا ایسے وقت ایسے مقام میں موسر مرفہ الحال یا معسر تنگدست یا متوسط۔ تنویر الابصار میں ہے:

یقدرھا بقدر الغلاء والرخص [1]۔	نفقہ مہنگائی اور ارزانی کی اعتبار سے ہوگا۔ (ت)

نیز اسی میں اور بحوالہ اختیار درمختار میں ہے:

یختلف ذلك یسارا واعسارا وحالا وبلدا [2]۔	نفقہ خوشحالی، تنگدستی، علاقے اور صورت حال کے لحاظ سے مختلف ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو قال ووقتا لکان اولی [3]۔	اگر ماتن یہاں وقت کو بھی ذکر کرتے تو بہتر ہوتا (ت)

اسی میں ہے:

یراعی کل وقت او مکان بما یناسبه [4]۔	وقت اور جگہ کا اعتبار کرتے ہوئے نفقہ مناسب مقرر ہوگا۔ (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

ماذکرہ محمد علی عادتهم وذلك یختلف باختلاف الاماکن حرا وبردا و العادات فعلی القاضی اعتبار الکفالة بالمعروف فی کل وقت مکان [5]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے لوگوں کی عادت کے اعتبار کو ذکر کیا ہے، تو نفقہ جگہوں کے گرم سرد اور وہاں کی عادات کے اختلاف سے مختلف ہوگا، تو قاضی کو ہر مقام اور وقت کے لحاظ سے عرف میں کفایت کا اعتبار کرنا ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۸

[3] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۲

[4] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۱

[5] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۲

بحر میں ہے:

فی الظھیریة قدر محمد الکسوة بدرعین وخمارین وملحفة فی کل سنة.ارادبھما صیفیا وشتویا ولم یذکر السراویل فی الصیف اذلا بد منه فی الشتاء، وھذا فی عرفھم امافی عرفنا فتجب السراویل وثیاب اخر کالجبة والفراش التی تنام علیه واللحاف وما تدفع به اذی الحر والبرد.وفی الشتاء درع خز وجبة قز وخمار ابریسم اھ وفی المجتبی ان ذٰلك یختلف باختلاف الاماکن والعادات فیجب علی القاضی اعتبار الکفایة بالمعروف وفی کل وقت ومکان[1]۔	ظہیریہ میں ہے کہ امام رحمہ اللہ تعالٰی نے لباس میں سالانہ دوچادروں،ایک لحاظ اور دو اوڑھنیوں کی مقدار ذکر کی ہے، اس سے مراد گرما اور سرما دونوں موسموں کے لئے، انہوں نے موسم گرما میں شلوار کاذکر نہ فرمایا کیونکہ یہ سردی کے موسم میں ضروری ہے،یہ ان کے عرف میں ہے،لیکن ہمارے عرف میں شلوار اور دیگر کپڑے مثلاً، گدّا جس پر سوتے ہیں اور لحاف اور وہ کپڑا جس سے سردی اور گرمی کی شدت سے تحفظ کیا جاتا ہے اور سردیوں میں اونی چادر اور گرم جبہ اور ریشمی دوپٹہ اھ،مجتبٰی میں ہے کہ لباس علاقوں اور عادتوں کی وجہ سے مختلف ہوتا ہے تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ ہر علاقے اور وقت کا اعتبار کرتے ہوئے وہاں کے عرف کے مطابق کفایت والے کا فیصلہ کرے۔(ت)

اسی طرح فتح القدیر میں اقضیہ اور ہندیہ میں محیط سے ہے۔رہا شوہر کا مدیون ہونا اقول (میں کہتا ہوں۔ت) ظاہراً اس کے سبب نفقہ زن میں تنگی نہیں کرسکتے کہ یہ بھی مطالبہ عبد ہے بلکہ فتاوی امام اجل قاضی خاں پھر ہندیہ میں ہے:

المحبوس بالدین اذاکان یسرف فی اتخاذ الطعام یمنع القاضی عن الاسراف ویقدر له الکفاف المعروف وکذٰلك فی الثیاب یقتصد فیھا ویأمره بالوسط ولایضیق علیه فی مأکوله ومشروبه وملبوسه[2]۔	قرض میں مقید شخص اگر خوراک کی تیاری میں اسراف سے کام لیتا ہو تو قاضی اس کو اسراف سے منع کرے اور بقدر کفایت عرف کے مطابق خرچ کا پابند کرے اور ایسے ہی لباس کے معاملے میں میانہ روی سے کام لے اور اس کا پابند کرے تاہم کھانے پینے اور لباس میں اس پر تنگی نہ کرے۔(ت)

[1] بحر الرائق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۷

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الحجر نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

جب مدیون پر خود اس کے نفقہ میں تنگی نہ کی گئی اوسط کا لحاظ رہا تو دوسرے کے نفقہ واجبہ میں بدرجہ اولی فلیراجع ولیحرر (اس کی طرف رجوع کیا جائے اور چھان بین کی جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ اس کے ساتھ عورت کا خود اپنا حال بھی دیکھا جائے گا کہ غنیہ مفرطہ فی الغنا ہے یا فقیرہ یا متوسطۃ الحال۔ اگر زن و شو دونوں ایک طرح کے ہیں تو اسی طرح کا نفقہ لازم آئے گا اور مختلف ہیں تو دونوں کے حال کے اوسط مثلاً ایک کے اعتبار سے عورت کا نفقہ دس روپے ماہوار ہونا چاہئے اور دوسرے کے لحاظ سے چار روپے تو سات روپے ماہوار واجب کریں گے پھر اگر شوہر فی الحال اس کی ادا پر قادر ہے فبہا ورنہ جس قدر پر قادر ہے دے گا باقی وقت فراخی تک اس پر دین رہے گا۔

قال اللہ تعالٰی لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَیْهِ رِزْقُهٗ فَلْیُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُؕ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَاؕ سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا۠[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر خرچہ مقدر کیا گیا ہو وہ اللہ تعالٰی کے دئے سے خرچ کرے اللہ تعالٰی کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اسی کے جو اس نے اسے عطا کیا ہے عنقریب اللہ تعالٰی تنگی کے بعد آسانی فرمائے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

یستحق النفقة بقدر حالهما به یفتی ویخاطب بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة[2]۔	دونوں کے حال کے مطابق وہ نفقہ برداشت کرے گا، اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور جتنی توفیق ہو اسی کے مطابق ادائیگی کا حکم ہوگا اور باقی اس کے ذمہ ہوگا اس کو آسانی کے وقت ادا کرے گا۔(ت)

ردالمحتار و بحرالرائق میں ہے:

اتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقة المعسرین اذا کانا معسرین، وانما الاختلاف فیما اذا کان احدهما موسرا والاٰخر	فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ اگر دونوں کشادہ حال ہوں تو اسکے مطابق اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو اس کے مطابق نفقہ واجب ہوگا اور اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب ایک فراخی والا ہو اور دوسرا

[1] القرآن ۶۵/ ۷

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

معسرا فعلی ظاہرا الروایة الاعتبار لحال الرجل فان کان موسرا وھی معسرة فعلیه نفقة الموسرین وفی عکسه نفقة المعسرین واما علی المفتی به فتجب نفقة المعسرین واما علی المفتی به فتجب نفقة الوسط فی المسألتین وھو فوق نفقة المعسرة ودون نفقه الموسرة[1]۔	تنگدست ہو تو ظاہر روایت کے مطابق اس صورت میں خاوند کی حالت کا اعتبار ہوگا اگر خاوند فراخ دست اور بیوی تنگدست ہو تو فراخی والا نفقہ اور اگر خاوند تنگدست ہو اور بیوی امیر ہو تو تنگی والا نفقہ واجب ہوگا جبکہ فتوی والا قول یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں صرف خاوند کے حال کی بجائے دونوں کے حال کے اعتبار سے درمیانہ نفقہ واجب ہوگا، اور وہ تنگ حالی سے زائد اور فراخی سے کم ہوگا۔ (ت)

اس کے سوا ایسار واعسار کی کوئی خاص تحدید یہاں علماء نے نہ فرمائی امر عرف پر دائر رکھا ہے، بخلاف نفقہ اقارب کے وہاں یسار مقدر بہ نصاب ہے،

ورأیت فتاوی الخیریة انه ساق الی ھنا ماذکروہ ثمه. اذسئل فی الزوجین اذاکانا غنیین ھل تجب علیه نفقة الاغنیاء وماحدالغنی فی باب النفقة(اجاب) نعم تجب نفقة الاغنیاء قال فی البحر اختلفوا فی حدالیسار علی اربعة اقوال احدھا انه مقدر بنصاب الزکٰوة قال فی الخلاصه وبه یفتی واختارہ الولو الجی معللا بان النفقة تجب علی الموسر ونھایة الیسار لاحدلھا وبدایته النصاب فیقدربه. والثانی انه نصاب حرمان الصدقة وھو النصاب الذی لیس بنام قال فی الھدایة وعلیه الفتوی وصححه فی الذخیرة اھ	اور میں نے فتاوی خیریہ میں دیکھا تو انہوں نے وہی روش اختیار کی جو فقہا نے اوپر ذکر کی ہے، جب ان سے سوال ہوا کہ جب دونوں غنی ہوں تو کیا غنی والا نفقہ واجب ہوگا اور نفقہ میں غنی کی حد کیا ہے تو انہوں نے جواب دیا ہاں غنی والا نفقہ واجب ہوگا، بحر میں فرمایا کہ غنا کی حد میں فقہاء نے اختلاف کیا جو چار قول ہیں، ایک یہ غنا کی حد نصاب زکوٰۃ کا اندازہ ہے، خلاصہ میں کہا، اسی پر فتوی ہے، ولوالجی نے اسی کو پسند کیا اور وجہ یہ بیان کی کہ نفقہ سہولت پر مبنی ہے اور سہولت کی کوئی آخری حد نہیں ہے جبکہ اس کی ابتدائی حد نصاب ہے لہذا اسی کو معیاد قرار دیا جائے گا۔ اور دوسرا قول یہ کہ غناء کی حد وہ ہے جس پر صدقہ لینا حرام ہوتا ہے یہ وہ نصاب ہے جو نامی نہ ہو یعنی تجارتی یا نقدی والا نصاب نہ ہو، ہدایہ میں فرمایا اسی پر فتوی ہے، اور ذخیرہ میں اسی کو صحیح

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۶۴۵/۲

والذی یظھر للفقیه البارع فی الفقه ان الاول اولیٰ بالقبول لان مالیس بنام سریع النفاد اذا توارد علیه النفقات کما ھوظاھر واللہ تعالٰی اعلم [1] اھ مافی الخیریة.**اقول:** تعلیل الامام الولو الجی لایفید الاشتراط النصاب دون النمو الاان یضم الیه ما افادالعلامة الرملی وفیه تامل فتامل ثم **اقول:** فی سوقه الی ھنا نظر فان المعتبر فی الاقارب القدرة حتی اوجب محمد علی من یکسب کل یوم درھما وتکفیه اربع دوانق ان ینفق الدانقین علی محارمه قال فی الفتح وھذا یجب ان یعول علیه فی الفتوٰی [2] اھ فالموسر ثمه من یمکنه دفع حاجة غیرہ بدون لحوق ضرربه والمعسر بخلافه ولذا لم تجب علیه اصلا اما نفقة المرأة فتجب علی الزوج مطلقا وان لم یکن	قرار دیا ہے اھ اور فقہ میں مہارت رکھنے والے پر جو ظاہر ہو رہا ہے وہ یہ کہ پہلا قول قبولیت میں اولیٰ ہے کیونکہ جو نصاب نامی نہ ہوئے بعد دیگرے اخراجات میں وہ جلدی ختم ہو جاتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے، واللہ تعالٰی اعلم، خیریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) امام ولوالجی کی بیان کردہ علت صرف نصاب کی متقاضی ہے نامی ہونے کو متقاضی نہیں ہے ہاں اگر علامہ رملی کی بیان کردہ وجہ کہ نفقہ کے باب میں غناء کا اعتبار ہوتا ہے، کو شامل کیا جائے تو نامی کی وجہ بن سکتی ہے، کو شامل کیا جائے تو نامی کی وجہ بن سکتی ہے جبکہ وہ قابل غور بات ہے تو غور کرو، **ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں) خیریہ کا جو یہاں تک بیان ہے اس میں اعتراض ہے کیونکہ اقرباء کے نفقہ میں صرف قدرت والی وسعت معتبر ہے حتی کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے روزانہ ایک درھم کمانے والے پر اقرباء کے نفقہ کے متعلق یہ واجب کیا ہے کہ اگر درھم کمانے والے کا گزارا چار دانق پر ہوتا ہے تو وہ اپنے ذوالارحام پر دو دانق خرچ کرے۔ فتح میں فرمایا کہ یہی وہ قول ہے جس پر فتوی دینے میں اعتماد کیا جاسکتا ہے اھ، تو ذوی الارحام کے نفقہ میں جو دوسرے کی حاجت کو پورا کرسکے اور خود ضرر میں مبتلا نہ ہو وہ فراخ دست کہلائے گا، اور تنگدست وہ ہوگا جو ایسا نہ کرسکے اور اس وجہ سے اس پر بالکل واجب نہ ہوگا لیکن بیوی کا نفقہ تو خاوند پر ہر حال میں

[1] فتاوٰی خیریۃ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۷۵

[2] فتح القدیر فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۲۷

له شیئ وانما الموسر والمعسر ههنا بمعنی الموسع و المقتر وذٰلك لایتقید بالنصاب ولایلزمه، بل یختلف بما قدمنا فجعلهم مالك النصاب قادرا لا یستلزم جعله موسعا، وان یلزم علیه لامرأته نفقة الاغنیاء، وهی ربما تفنی النصاب فی اقل من نصب سنة بل فی ربعها۔	واجب ہوتا ہے اگرچہ خاوند کے پاس کچھ بھی نہ ہو، تو بیوی کے نفقہ کے معاملہ میں غنی اور تنگدست بمعنی صاحب وسعت اور تنگی ہے اور یہ معنی نصاب سے مقید نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کو نصاب لازم ہے بلکہ دونوں جدا ہوجاتے ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، تو ان کا خاوند کو صاحب نصاب قرار دے کر نفقہ پر قادر ماننا اس چیز کو مستلزم نہیں کہ خاوند وسعت والا قرار پائے اور اس پر غنیوں والا نفقہ بیوی کے لئے واجب ہو جبکہ بیوی چھ ماہ میں نصاب کا خاتمہ کردیتی ہے بلکہ سال کے چوتھائی حصّہ میں خاتمہ کردیتی ہے۔(ت)

لاجرم ردالمحتار میں ہے:

صرحوا ببیان الیسار والاعسار فی نفقة الاقارب ولم ار من عرفهما فی نفقة الزوجة ولعلهم وکلو ذٰلك الی العرف والنظر الی الحال من التوسع فی الانفاق و عدمه ویؤیده قول البدائع لوکان الرجل مفر طافی الیسار[1] الخ، وسیاتی تمامه۔	فقہاء نے اقرباء کے نفقہ میں خوشحالی اور تنگ حالی کو بیان کیا لیکن میں نے بیوی کے نفقہ میں کسی کو خوشحالی اور تنگ حالی کے معیار کو بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اور ہوسکتا ہے کہ انہوں نے یہ معیار عرف پر چھوڑدیا ہو کہ عرف میں خوشحالی کا نفقہ اور غیر خوش حالی کا کیا ہے، اور اس کی تائید بدائع کا یہ قول کہ "اگر کوئی شخص خوش حالی میں انتہائی زیادہ ہوالخ" کررہا ہے، بدائع کا مکمل قول آگے آرہا ہے۔(ت)

ولہذا نفقہ اقارب میں دوہی قسمیں رہیں کہ قادر اور عاجز میں حصر ہے اور یہاں تین قسمیں ہیں: غنی، فقیر، متوسط۔ اور ان کے نفقات کے فرق میں عبارات مختلف آئیں، امام سراج الدین قاری الہدایہ نے فرمایا غنی کے لئے دونوں وقت گیہوں کی روٹی اور گوشت ہے، متوسط کے لئے روٹی اور روغن، فقیر کے لئے روٹی اور پنیر و سرکہ۔ اقضیہ میں فرمایا: غنی کی نانخورش گوشت، متوسط کی دودھ، فقیر کی روغن یعنی زیتون، وقال تعالٰی وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰکِلِیۡنَ ﴿۲۰﴾[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کھانے والوں کے لئے سالن ہے۔ت) اور

[1] ردالمحتار باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۲۰

ہمارے عرف سے قریب تر وہ ہے جو امام ملک العلماء نے فرمایا کہ اعلی درجہ مرغ کا گوشت اور سوجی کے پھلکے، اور اوسط گیہوں کی روٹی بکری کا گوشت اور ادنی جو کی روٹی۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل قاری الھدایۃ اذا طلبت تقدیر النفقۃ لھا ولاولدھادراھم ھل لھا ذلک(اجاب)لایجب بل الواجب علیہ طعام وادام علی الغنی خبز حنطۃ ولحم غدا وعشاء بقدر کفایتھا،والمتوسط خبز و دھن وعلی الفقیر خبز وجبن وخل[1]۔	قاری الہدایہ سے سوال کیا گیا کہ جب بیوی اپنے لئے اور اولاد کے لئے روزانہ چند درہم کا نفقہ مقرر کرنے کا مطالبہ کرے تو کیا اس کو یہ حق ہے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ عورت کا یہ مطالبہ پورا کرنا ضروری نہیں بلکہ خاوند پر اگر غنی ہو تو روٹی اور سالن میں صبح و شام گندم کی روٹی اور گوشت بقدر کفایت اور درمیانے حال والا ہو تو اس پر دونوں وقت روٹی اور روغن، اور اگر فقیر ہو تو روٹی، پنیر اور سرکہ واجب ہے(ت)

فتح القدیر میں ہے:

وفی الاقضیۃ یفرض الادام ایضا اعلاہ اللحم وادناہ الزیت واوسط اللبن[2]۔	فیصلوں کے بیان میں ہے کہ سالن بھی مقرر کیا جائے جس کا اعلی درجہ گوشت، ادنی درجہ زیتون اور درمیانہ درجہ دودھ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں بدائع سے ہے:

لوکان الرجل مفرطافی الیسار یاکل خبز الحواری ولحم الدجاج والمرأۃ مفرطۃ فی الفقر تأکل فی بیت اھلھا خبز الشعیر یطعمھا خبز الحنطۃ ولحم الشاۃ[3]۔	اگر خاوند اعلی درجے کا امیر ہے جو سوجی کے پھلکے اور مرغ کا گوشت کھاتا ہے اور عورت انتہائی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جو کی روٹی کھاتی ہو، تو یہ خاوند اس کو گندم کی روٹی اور بکری کا گوشت دے۔(ت)

عالمگیریہ میں کافی سے ہے:

ان کانت موسرۃ وھو معسر لھا فوق مایفرض لوکانت معسرۃ فیقال	اگر خاوند فقیر ہو تو امیر بیوی کو وہ خوراک دے جو غریب بیوی کے لئے مقررہ سے زیادہ ہو، اس

[1] عقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ باب النفقۃ حاجی عبدالغفار تاجران ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۷۴

[2] فتح القدیر باب النفقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۲۰۰

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۴۵

له اطعمها خبز البر و باجة او باجتین، وان کان الزوج موسرا مفرط الیسار نحوان یاکل الحلواء واللحم الشوی والباجات و ھی فقیرة کانت تاکل فی بیتها خبز الشعیر لایجب علیه ان یطعمها مایاکل بنفسه ولاماکانت تاکل فی بیتها، لکن یطعمها خبز البر و باجة او باجتین [1]۔	صورت میں خاوند کو پابند کیا جائے گا کہ وہ اس کو گندم کی روٹی باجہ یا دو باجے (بھیڑ بکری کے پائے) خوراک دے، اور اگر خاوند اعلیٰ درجے کا امیر ہو مثلاً وہ حلوا، گوشت بھنا ہوا یا بھیڑ بکری کے پائے کھاتا ہے اور بیوی فقیر ہو جو اپنے گھر میں جو کی روٹی کھاتی تھی تو خاوند پر یہ واجب نہیں کہ اس کو وہی خوراک دے جو خود کھاتا ہے، اور نہ ہی وہ خوراک دے جو بیوی اپنے گھر میں کھاتی تھی بلکہ وہ اس کو گندم کی روٹی اور بھیڑ بکری کے پائے ایک یا دو خوراک میں دے۔ (ت)

ان اعصار وامصار میں بچھتّر روپے ماہوار کی آمدنی والا نہ امیر کہلائے گا نہ فقیر بلکہ ایک متوسط الحال ہے، اگر عورت بھی ایسی ہی ہے اور متوسط زناں کا نفقہ لیا گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت کبھی سادہ کبھی ترکاری کا، کبھی اور کھانا کہ قیمۃً اس کے قریب ہو، اور پہننے کو ململ خاصا چھینٹ (یہاں مسودہ میں بیاض ہے) تو حق بقدار رسید، نہ یہ اس میں کمی کر سکتا ہے نہ وہ اس سے زائد کے مطالبے یا صرف کا اختیار رکھتی ہے، اور اگر وہ غنا میں طبقہ اعلیٰ سے ہے تو ضرور زائد کی مستحق ہے جو اوسط اعلیٰ کے اوسط سے زائد نہ ہو، اور اگر طبقہ ادنیٰ سے ہے تو ضرور کم کی مستحق و مستوجب ہے جو اوسط وادنیٰ کے اوسط سے کم نہ ہو، ان اصول پر صحیح محاسبہ کیا جائے، اگر اس نے اپنے استحقاق سے زیادت قلیلہ کی ہے تو قابل لحاظ نہیں اور زیادت فاحشہ کی ہے مثلاً اس کے خرچ میں حساب شرعی سے دس ۱۰ روپے ماہوار ہونا چاہئے تھا اور اس نے پندرہ روپے ماہوار خرچ کیا تو جبکہ اول سے شوہر نے اسے مقدار شرعی پر خرچ کی اجازت دی تھی زیادت غصب ہوئی اور اس کا تاوان عورت پر آیا جو اس کے مہر میں محسوب ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تؤدی [2]۔ ھذا ماظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاتھ نے جو لیا وہ اس پر بوجھ ہے جب تک وہ اسے ادا نہ کرے۔ یہ وہ بحث ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الاول فی نفقۃ الزوجۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۴۸

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۲

مسئلہ ۱۸۱: از جاورہ محلّہ مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ جو جوان العمر نیک چلن ہے عرصہ آٹھ نو سال سے ہندہ کے شوہر زید نے ہندہ کو چھوڑ دیا ہے اس کا نان ونفقہ نہیں دیتا ہے، نہ کسی طرح کی خبر گیری اس کی کرتا ہے، بلکہ ہندہ کو ایذاوتکلیف پہنچانے کی غرض سے طلاق بھی نہیں دیتا ہے تاکہ ہندہ اس کے ظلم سے نجات پاکر کسی شخص سے نکاح کرکے اپنی گزراوقات کرے، ہندہ پردہ نشین ہے اس کو کوئی کھانا کپڑا دینے والا نہیں ہے، نہ اس کو کوئی قرض دیتا ہے، نہ اس کے پاس اثاثہ ہے جس کو فروخت کرکے بسر اوقات کرے، نہ ہندہ دستکار ہے، کہ جس کی اجرت سے ضروریات خورد ونوش کو پورا کرسکے، اگر ہندہ کا نکاح ثانی نہ ہوگا تو وہ یقینی طور پر ضرور زناکاری میں مبتلا ہوگی کیونکہ اس کا عالم شباب ہے اور بغیر نکاح ثانی کئے دوسرا ذریعہ معاش نہیں ہوسکتا، اور ہندہ ایسے مقام پر ہے جہاں قاضی نہیں ہے پس صورت مرقومہ میں ہندہ کے واسطے خاوند ظالم سے کوئی صورت رہائی کی نکلتی ہے یانہیں؟ اگر کوئی صورت ہندہ کی خلاصی کی نہیں نکلتی ہے توکیا شرع ہندہ کو زنا کراکر گزراِوقات کرنے کی اجازت دیتی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

شرع مطہر اللہ ورسول کا حکم ہے، اللہ ورسول سے زنا کی اجازت مانگنی کفر ہے، جب تک شوہر زندہ ہے اور طلاق نہیں دی دوسرا نکاح حرام حرام حرام، زنا زنا زنا ہے۔ وساوس اور اندیشے کا ہے کے ہیں زنا کے، موہوم زنا سے بچنے کے لئے موجود زنا کراؤ یہ کون سا دین ہے، چارہ کار نالش ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو سوائے صبر کے کچھ علاج نہیں، اور جو اللہ کے لئے صبر کرتا ہے اللہ اس کی مشکل کھول دیتا ہے، رزق اللہ پر ہے شوہر رزاق نہیں، محنت مزدوری کرے اور غلبہ خواہش کے لئے روزے رکھے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء [1]۔	اور جو شادی کے خرچ کی استطاعت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے شہوت کاتوڑ ہے۔(ت)

اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لئے راہ نکال دے گا

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۲۴، ۴۳۲

وَّیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ[1]	اور اسے وہاں سے رزق پہنچائے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا، جو اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔

اور فرماتا ہے:

وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝ [2]	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کا کام آسان کردے گا۔

اللہ سچا اور اس کے وعدے سچے، اور شیطان جھوٹا اور اس کے ڈراوے جھوٹے، اللہ سے ڈرے اور اس پر بھروسہ کرے، یقیناً اللہ اس کے لئے آسانی کردے گا اور اس کے لئے راہ نکال دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ محلّہ چھاوت واڑی مرسلہ قادر بخش چابک سوار ۱۳ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا کوئی ایسی تحریر دستاویز کہ جس کو زید نے مسماۃ ہندہ کو دوسری شادی کے وقت بابت انتظام نان نفقہ لکھ دی ہو کیا بعد طلاق ہندہ کا اس تحریر سے کسی قسم کا کوئی حق رہتا ہے:

الجواب:

مہر ونفقہ ایام عدت کے سوا اور کوئی حق واجب شرعاً نہیں اور اگر زید نے لکھ دیا ہو کہ عمر بھر تیرا نان ونفقہ میرے ذمہ ہے تو یہ ایک وعدہ ہے اسے وفا کرنا چاہئے مگر اس کی بنا پر جبراً مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اشباہ میں ہے: **لاجبرف علی الوفاء بالوعد**[3] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ ت) اس کے سوا اس تحریر کا حاصل اگر کچھ اور ہو تو بعد ملاحظہ تحریر معلوم ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۲و۳

[2] القرآن الکریم ۶۵/۵

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۰۱ و ۱۱۵

ف: وفائے وعدہ سے متعلق اشباہ سے جو عبارت مجھے ملی اس کے الفاظ یوں ہیں: وعدہ ان یأتیہ فلم یأتہ لایأثم ولا یلزم الوعد الا اذا کان معلقا ___ اسی معنٰی کی عبارت فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی اجازۃ المستاجر جلد ۴ ص ۴۲۷ پر ملاحظہ ہو۔ نذیر احمد سعیدی

مسئلہ ۱۸۳: از چتوڑ گڑھ محلّہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلمانان گنگرار ۱۵محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کو شوہر عرصہ آٹھ سال سے ہندوستان چھوڑ کر غیر ملک میں چلاگیا زندہ ہے خیریت کا حال لکھتا رہتا ہے مگر اس کے لئے نہ تو یہاں اس کی جائداد ہے اور نہ اس نے آج تک خرچ کے لئے زوجہ کے پاس روپیہ پیسہ روانہ کیا نہ اس عرصہ میں وہ کبھی آیا اور نہ آئندہ آنے کا قصد رکھتا ہے، زوجہ نے نان نفقہ کے انتظام کے لئے کئی مرتبہ اسے لکھا مجبور ہو کر طلاق چاہی مگر نہ تو نان نفقہ دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے، اب سنا جاتا ہے کہ عورت پریشان ہو کر نصرانیت اختیار کرنے والی ہے، ایسی صورت میں عورت مذکورہ سے معاملہ مندرجہ سوال میں کسی عالم با معتبر سے فسخ نکاح کی درخواست کراکے بعد انقضائے عدت فسخ نکاح نکاح جدید کسی دوسرے شخص سے کرادینا جائز ہے یا ناجائز، آیا اس کے لئے کوئی صورت ہے شرعی کہ اسے مرتدہ ہونے سے بچائے۔

الجواب:

جس نے مرتدہ ہونے کا قصد کیا وہ اس وقت مرتدہ ہوگئی، بچائی کاہے سے جائے، اور شوہر کی زندگی میں بلاطلاق دوسرے سے نکاح کی کوئی صورت نہیں **قال تعالٰی وَّ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نکاح والی عورتیں (حرام ہیں)۔ت) یہاں نہ کوئی حنبلی مذہب کا قاضی ہے نہ کسی حنفی مقلد کو اس مذہب کے خلاف قضا کا اختیار ہے اور اگر کرے گا نافذ نہ ہوگی ایسی توسیعیں لازم مذہب کرتی ہیں، **والتفصیل فی البحر الرائق وردالمحتار وغیرھما من الاسفار** (اور اسکی تفصیل بحرالرائق اور ردالمحتار وغیرہما کتب میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۴: از اکورہاڈاک خانہ گنگیری ضلع علی گڑھ مسئولہ امداد علی خاں صاحب مدرس اول ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ وقتِ نکاح بدمزاج معلوم ہوتی تھی بعد میں وہی بدمزاجی بڑھتے بڑھتے فتور عقل ثابت ہوئی، فاتر العقلی کی حالت میں اس سے تین بچے بھی مختلف اوقات میں پیدا ہوئے اور مرے، اس کے مرض کا علاج مدت مدید تک حکیموں، دائیوں، ڈاکٹروں، عاملوں کے ذریعہ کرایا گیا اور اپنی حیثیت سے زیادہ صرف کیا مگر کوئی صورت افاقہ کی نہ ہوئی اور مریضہ کے عملوں سے بہت کچھ نقصانات مالی ظہور میں آئے، اس کی حالت فاتر العقلی کے باعث ایسی ہوگئی ہے کہ وہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

احکام شرعیہ اور خاوند کے جائز حکموں کی تعمیل نہیں کر سکتی نہ وہ اپنی خواہشات کو محسوس کر سکتی ہے نہ پاکی وناپاکی میں تمیز رکھتی ہے نہ امورات خانہ داری وعلائق زندگی کو سمجھ سکتی ہے غرض کہ مجھے اس سے تمام مصلحتیں فوت نظر آتی ہیں اس کے علاج سے ہر طرح مایوس ہو کر اعزاواقربا کے اصرار واپنی آسائش وقیام نسلی کی امید پر میں نے بحالت مجبوری بعد بسیار کے دوسری شادی کرلی ہے اس سے بفضلہ ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے، اب میرے متعلقین میں میری ایک والدہ ضعیفہ اور زوجگان وایک بچہ و ایک میں خود یہ پانچ کس ہیں اور کچھ بارِ قرضہ بھی ہے جو بوجہ ضروریات شرعی ہوا ہے اب زوجہ سابقہ یعنی فاترالعقلی کی والدہ کو (میرے خیال میں تجاہل عارفانہ سے) شبہہ ہے کہ میری لڑکی کو ان لوگوں سے تکالیف پہنچتی ہیں، اور نہ وہ ان لوگوں میں آسائش رہ سکتی ہے، اس لئے ان کی خواہش ہے کہ اپنی بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر میری نصف آمدنی کو بٹالیں اور اسی امید پر وہ عنقریب کچہری مجاز میں نالش کرنے والی ہیں میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ میری جانب سے کوئی تکلیف کبھی نہیں ہوئی نہ آئندہ ہوگی بلکہ آپ خود رہ کر میرے کاموں میں مدد کیجئے اور اپنی بیٹی کو حسبِ منشا آرام پہنچایئے اور بوجہ ناپاک رہنے اور ہوش وحواس درست نہ ہونے کے اپنی بیٹی کے ساتھ کھانے پینے اور اس کے برتنوں سے احتیاط رکھئے یا زردین مہر سے دست بردار ہو کر مجھ سے اپنی بیٹی زوجہ میرے کے واسطے چار روپیہ ماہوار علاوہ پارچہ پوشیدنی کے تاحینِ حیات لیتی رہئے، کیونکہ اس وقت پانچ آدمیوں کی پرورش، قرضہ کی ادائیگی، تربیت اولاد، اتفاقی ضروریات کا پورا کرنا میرے ذمہ ہے، اور اس کو اپنے مکان پر رکھئے وہ ان باتوں میں سے کسی کو منظور نہیں کرتیں، پس ایسی صورت میں میرے لئے شرع شریف کا کیا حکم ہے جس سے کہ میں خدا ورسول کے نزدیک مواخذہ دار نہ ہوں اس میں دوسرا سوال یہ ہے کہ ایسی عورت کا دین مہر ونان نفقہ کسی خدمت کے عوض مجھ پر واجب ہے۔

الجواب:

مہر کسی خدمت کا معاوضہ نہیں وہ نکاح میں بضع کا عوض ہے اور بہر حال واجب ہے اور جب فاتر العقل ہے تو اس کے مہر سے دستبرداری نہ وہ کر سکتی ہے نہ اس کی ماں نہ کوئی اور، یوں ہی جب تک وہ شوہر کے گھر ہے یا اس کے گھر آنے سے انکار نہ کرے، اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے جو زن وشو دونوں کو حال کی رعایت سے بقدر متوسط دلایا جائے گا مادرِ زن کا نصف آمدنی مانگنا ظلم صریح ہے جب کہ یہ مقدار نفقہ زن سے زائد ہو، درمختار میں ہے:

النفقة تجب للزوجة علی زوجها بقدر حالهما به یفتی ویخاطب	خاوند پر بیوی کا نفقہ ان دونوں کے حال کے مطابق ہے، اسی پر فتوی دیا جائے گا، اور خاوند کو اس کی

بقدر وسعه والباقی دین الی المیسرة[1]. واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	وسعت کے مطابق ادائیگی کا حکم ہوگا اور باقی ہو تو اس کے ذمہ واجب الادا رہے گا جب وہ آسانی والا ہوگا، واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۵: از جامع مسجد بریلی مسئولہ نواب چھوٹے میاں صاحب ۷ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی کا عقد بکر کے لڑکے کے ساتھ کیا عقد کے بعد ایک ماہ تک زید کی لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر رہی اس وقت سے زمانہ تخمیناً نو ماہ کا ہوا کہ لڑکی زید کے مکان پر موجود ہے، نان نفقہ کی شوہر یا شوہر کے باپ نے خبر نہیں لی، اب اس امر کا تقاضا ہے، کہ زید اپنی لڑکی کی رخصت کردے، زید کو رخصت کرنے سے کچھ انکار نہیں ہے، علمائے دین کی خدمت میں صرف یہ گزارش ہے کہ ان ایام کا نان نفقہ کس پر فرض ہے اور لڑکی رخصت ہونے کے بعد زید کے اور شرعی خاندان کے تعلق والوں کے کس کس کے یہاں جاسکتی ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اس نو مہینے کا نان نفقہ کسی پر نہیں، جو دن گزر گئے گزر گئے، ہاں اگر نان ونفقہ کچھ مقرر ومعین قرار پاچکا کہ اتنا ماہوار دیں گے، اور زید نے لڑکی کو بٹھانہ رکھا، نہ لڑکی نے شوہر کے یہاں جانے سے انکار کیا بلکہ باپ کے یہاں آئی تھی، پھر شوہر کے بلانے کی منتظر رہی اور اس نے اتنے مہینوں نہ بلایا تو اس صورت میں وہ مقرر شدہ نفقہ ان مہینوں کا دے گا، اور اگر یہ بلانا چاہتا تھا اور لڑکی نہ گئی تو ان مہینوں کا نفقہ کسی پر نہیں اگرچہ مقرر شدہ ہو، عورت آٹھویں دن اپنے ماں باپ کے یہاں صبح سے شام تک کے لئے بلا اجازت شوہر جاسکتی ہے اور اپنے محارم مثلاً حقیقی یا سوتیلے بہن، بھائی، بھتیجے، بھتیجی، بھانجے، بھانجی، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ، نانا، دادا کے یہاں ہر سال بھر بعد دن بھر کے لئے، رات کو بہر حال شوہر کے یہاں آنا ہوگا، یہ بلا اجازت ہے، اور شوہر کی اجازت سے انہیں لوگوں کے یہاں مہینہ بھر اور زائد جتنے دنوں کی وہ اجازت دے رہ سکتی ہے، لیکن غیر محارم مثلاً چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں بیٹیوں یا جیٹھ دیور بہنوئی وغیرہم یا اجنبی کے یہاں شوہر کی اجازت سے بھی نہیں جاسکتی اگر شوہر اجازت دے گا تو وہ بھی گنہگار ہوگا۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ احمد یار خاں صاحب ۱۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے چند اولادیں ہوئیں ان میں سے ایک

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۶

لڑکی بعمر چھ سال موجود ہے اس عورت کے جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو بہت سخت تکلیف ہوتی ہے اور قریب المرگ ہو جاتی ہے، لہٰذا اب یہ عورت اور اس کی ماں و بھائی وغیرہ کہتے ہیں کہ ہم کو جان بچانا فرض ہے، اور یہ عورت اپنے خاوند سے جماع کرنا نہیں چاہتی اور کہتی ہے کہ مجھ کو اپنی جان کا اندیشہ ہے، اس حالت میں اس کے خاوند پر نان نفقہ دینا لازم ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت اور اس کی ماں و بھائی کہتے ہیں کہ تم اپنی دوسری شادی کرلو، اس کے خاوند میں اتنی قوت نہیں کہ دو عورتوں کا خرچ برداشت کرسکے کیونکہ یہ بیحد غریب آدمی ہے، لہٰذا شرع شریف کا جو حکم ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عورت اگر مکانِ شوہر میں نہ رہے نفقہ نہ پائے گی، اور اگر یہاں رہے اور جماع پر راضی نہ ہو مگر شوہر چاہے تو جماع کرسکے پھر اگرچہ نہ کرے نفقہ پائے گی، مرد اگر دو کا خرچ برداشت نہ کرسکنے کے سبب اسے نکال دے گا اور عورت اس کے یہاں رہنا چاہے گی اور یہ اس سے زبردستی جماع پر قادر ہوگا تو نفقہ آئے گا۔ درمختار میں ہے:

لها النفقة لو مرضت وفی منزلها بقیت ولنفسها مامنعت لانفقة لخارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود قید بالخروج لانها لو مانعته من الوطئ لم تکن ناشزة [1] اھ۔	بیوی کے لئے نفقہ کا حق ہوگا وہ بیمار ہو، اور اپنے گھر میں ہو اور اپنے آپ کو سپرد کرنے سے مانع نہ ہو اور خاوند کے گھر سے بلاوجہ باہر رہنے والی کے لئے نفقہ نہیں وہ نافرمان ہوگی تا وقتیکہ واپس آئے، اور ماتن نے خاوند کے گھر سے باہر کی قید ذکر کی، اس لئے کہ اگر خاوند کے گھر میں رہتے ہوئے جماع سے رکاوٹ کرے تو نافرمان نہ ہوگی اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو مانعته قیده فی السراج بمنزل الزوج و بقدرته علی وطئها کرها [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار نے جو کہا کہ جماع سے منع کرے، تو اس کو سراج الوہاج میں، خاوند کے گھر، اور خاوند کو جبراً اس سے جماع کی قدرت ہو، کے ساتھ مقید کیا ہے (کہ ایسی صورت ہو تو وہ نافرمان نہ کہلائے گی) **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷

[2] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۷

مسئلہ ۱۸۷: از کانپور طلاق محل مکان حکیم نورالدین مسئولہ عبید اللہ ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید آوارہ اور بدچلن ہونے کے علاوہ نان و نفقہ کا کفیل بھی نہیں ہوسکتا اور اس کا باپ یعنی خالد اگرچہ نان و نفقہ کا کفیل ہوسکتا ہے اگر وہ چاہے، مگر وہ اور اس کی اہلیہ وغیرہ بھی ہندہ کو سخت تکالیف کھانے پینے پہننے کی دیتے ہیں اور سخت خدمت مثل ایک لونڈی کے لیتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں ہندہ کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی معاشرت نہایت خراب ہے بلکہ جان کا خطرہ ہے، اور کیا قاضی کو حق ہے کہ وہ دونوں میں تفریق یعنی خلع کرادے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

نفقہ نہ دینے پر حاکم اسے مجبور کرے گا کہ نفقہ دے یا طلاق لقولہ تعالٰی فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ[1] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: بھلائی کے ساتھ پاس رکھو یا نیکی کرتے ہوئے چھوڑ دو۔ت) لیکن قاضی بطور خود اس وجہ سے تفریق نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلثۃ (وھی ماکول وملبوس ومسکن ح اھ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا ولو موسرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تینوں کے حقوق سے عجز پر خاوند اور بیوی میں تفریق نہ ہوگی، وہ حقوق، خوراک، لباس اور مسکن ہیں، بحر، اھ ش (شرح کی عبارت ختم) اور نہ ہی امیر ہونے کے باوجود بیوی کے یہ حقوق مکمل نہ کرنے پر تفریق ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: از اودے پور میواڑ مدرسہ شرقیہ مرسلہ سید عبدالرحیم صاحب ۲۰ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قادر بخش کی عورت مسماۃ محرم ہے ۳۰ سال شادی کو ہوئے اولاد نہ ہونے کی وجہ سے نام بردہ سے عقد ثانی کیا اور محرم کو اس مضمون کی تحریر لکھ دی کہ جو میرا گاؤں جاگیر کا ہے اس میں ۳۰۰ روپے سالانے ادا کرتا رہوں گا بلاعذر، اور حال میں نیا مکان جو بنایا ہے وہ تیرے رہنے کو دے دیا، اگر تیرے لڑکا ہوگا تو میری تمام جائداد کا مالک ہوگا اور اگر اس دوسری عورت سے ہوگا تو وہ اس تحریر کی پابندی کرے گا، کچھ عرصہ بعد دوسری کے لڑکا پیدا ہوا، مسماۃ محرم قادر بخش کی تابعداری کرتی رہی لیکن دوسری عورت کی اور اس کی باہمی تکرار اس بنا پر ہوتی رہی کہ جو تحریر قادر بخش نے زوجہ اولٰی کو لکھ دی ہے وہ واپس دے دے کیونکہ میرے لڑکا تولد ہوگیا ہے، محرم نے باوجود تکرار فساد

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۱۹

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹، ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶

تحریر نہیں دی، قادر بخش نے زوجہ ثانیہ کے بہکانے سے پہلی کو نکال دیا، جبکہ محرم نے کچہری میں نان ونفقہ وپابندی تحریر کا دعوی کیا اس پر شوہر نے اپنا بیان قلمبند کرایا کہ محرم کو میں نے طلاق دے دی، لیکن اصلیت یہ ہے کہ اس نے اسے طلاق نہ دی نہ کوئی طلاق نامہ تحریر کیا نہ کوئی گواہ طلاق دینے کا ہے، صرف دوسری عورت کے ورغلانے پر اس نے ایسا کہہ دیا ہے اور مشہور کیا ہے، محرم نے شوہر کی کوئی خطا نہیں کی ہے، کیا قادر بخش کے ایسا کہہ دینے اور شہرت دے دینے سے محرم کو عندالشرع طلاق ہوگئی اگر ہوگئی تو محرم کو عندالشرع یہ حق حاصل ہے کہ وہ تحریر جو قادر بخش نے محرم کو دی ہے اس کی پابندی کرانے کی وہ کس حد تک مستحق ہے؟

الجواب:

طلاق شوہر کے زبان پر ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق دے دی طلاق ہوگئی نہ دی تھی تو اب ہوگئی اور رہنے کو مکان دینا مالک کر دینا نہیں جب تک ولایت تملیک ثابت نہ ہو، اور اس کے ساتھ اپنے اسباب وغیرہا سے خالی کرکے قبضہ دلادینا ضرور ہے، تین سو روپے سالانہ دینا اگر علاوہ نان ونفقہ تھا تو محض ایک وعدہ تھا وعدہ کی بناء پر دعوی نہیں ہوسکتا۔ اشباہ وغیرہا میں ہے: **لاجبر علی الوفاء بالوعد**[1] (وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں۔ ت) اور اگر یہ نفقہ مقرر کیا گیا تھا تو طلاق سے ساقط ہوگیا اس کا دعوی نہیں کرسکتی، مگر ماہ رواں کا جس میں اس نے کہا کہ میں نے اسے طلاق دے دی۔ تنویر میں ہے:

بموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض[2]۔	خاوند بیوی میں سے ایک کے فوت ہوجانے یا طلاق سے مقررہ نفقہ ساقط ہوجاتا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الخیرالرملی وقید السقوط بالطلاق شیخنا الشیخ محمد بن سراج الدین الحانوتی بما اذا مضی شھر فازید وھو قید لابد منه تامل[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	خیرالدین رملی نے فرمایا کہ طلاق کی وجہ سے نفقہ ساقط ہونے کو، ہمارے شیخ محمد بن سراج الدین حانوتی نے ایک ماہ یا زائد گزر جانے سے مقید کیا ہے اور یہ قید ضروری ہے، غور کرو، اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۵۱۱/۲، ۱۱۰

[2] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲۷۰/۱

[3] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۵۹/۲

مسئلہ ۱۸۹تا۱۹۳: از مہاندی ہیڈورکس ڈویژن ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں کلرک ۲۶ صفر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ ہندہ اس سے سخت بدزبانی اور درشت کلامی سے پیش آتی ہے اور مندرجہ ذیل امور اس نے بغیر اپنے خاوند زید کی رضامندی کے کئے:

(۱) بغیر اجازت زید کے وہ اپنے مکان سے باہر کئی مرتبہ گئی اور اپنے عزیزوں رشتہ داروں کی شادی میں اس نے زید کی کئی چیزیں بغیر اجازت ورضامندی زید کے بطور جہیز دے دیں۔

(۲) بلااجازت ومرضی زید اس نے اپنے چھوٹے بھائی کی لڑکی کو اپنا متبنی کیا اور زیورات، آب وخورش اور ملبوسات سے اس کی کفالت کرتی رہی، یہ زیورات وغیرہ بھی اس نے بلااجازت زید کے اس لڑکی کیلئے زید کی آمدنی سے بنوائے۔

(۳) چونکہ زید کی ملازمت ایسی ہے کہ اسے گاہے گاہے حکام کے ساتھ دورہ پر نیز کارِ گورنمنٹ کی بجاآوری کے لئے دوسری جگہ جانا پڑا اس لئے اس نے ہندہ کو ساتھ چلنے کے لئے کہا مگر اس نے تعمیل احکامِ زید نہ کی یا اگر کی بھی تو کسی بہانہ سے چند روز کے بعد بلا اس کی اجازت رضامندی کے واپس آگئی اس لئے اپنے انتظامات کے خیال سے زید کو دوسری ملازمہ رکھنی پڑی اور مزید خرچ کا بار اٹھانا پڑا۔

(۴) زید نے ان امور کو ضبط اور تحمل سے اس وجہ سے برداشت کیا کہ وہ شریف ہے اور ہندہ بدزبان بدکلام، نیز ہندہ کے رشتہ دار اس کے معاون، مبادا زیادہ فساد برپا ہو، غرض جو کچھ فضول خرچیاں اور دیگر امور بلارضامندی زید کے ہوتے رہے انہیں دیکھ کر زید نے خاموشی اختیار کی مگر جب زید نے دیکھا ہندہ کسی طرح راہ راست پر نہیں آتی تو اس نے اسے بہت کچھ سمجھایا اور تاکید کی کہ ایسا نہ کرے مگر ہندہ نے بالعوض راستی اختیار کرنے کے زید کو دھمکایا اور اس نے نہایت فحش الفاظ میں برا کہا کہ اگر تم اپنے باپ کی اولاد ہو تو ہمیں طلاق دے دو اور ہرگز ہم سے بات نہ کرو، پس صورت مسئولہ میں تحقیق طلب یہ امور ہیں، بلااجازت زید کے جب ہندہ نے باہر قدم رکھا تو آیا وہ نان ونفقہ کی مستحق ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلااجازت زید کے ایک لڑکی کو اپنی فرزندی میں لیا و نیز خلاف مرضی زید کے اس کو زیورات ولباس وخورش کی کفیل ہوتی رہی و نیز دورہ ودیگر مقامات میں زید کے ہمراہ نہ رہ کر اس پر مزید خرچہ کا بار ڈالا پس ایسی حالت میں کیا وہ اپنے پورے مہر مستحق ہوسکتی ہے اگرچہ مہر اس کا واجب ہے تو ہندہ جو زید کے ساتھ نہ گئی اور نہ ہی جس کی وجہ سے زید کو مزید خرچہ کا بار پڑا اس کا دین دار کون ہوگا، اور لڑکی متبنی کو زید کی بلااجازت اپنی فرزندی میں لی اور خلاف مرضیِ زید کے اس کو زیورات اور لباس وخورش کی کفیل جو ہوتی رہی اس کا دیندار کون ہوگا، یہ امر ذہن نشین رہے کہ زید نے شرافت کو مدّ نظر رکھ کر

آئندہ کے فساد کی مدافعت کے خیال سے جیسا کہ فقرہ نمبر ۵ میں مذکور ہے ہندہ کے معاملات میں دخل نہیں دیا۔
(۵) چونکہ ہندہ نے زید کو قسم دی کہ اسے طلاق دے دے پس ایسی حالت میں خلع کی صورت ہو سکتی ہے کیا۔

الجواب

ہندہ سخت گنہگار ہے مگر صرف اتنی بات کہ اس نے اپنے منہ سے طلاق مانگی خلع نہیں ہو سکتی، نوکر وغیرہ کا مزید بار جو زید پر اپنے آرام کے لئے پڑا ہندہ سے اس کا مطالبہ نہیں کر سکتا اگرچہ ہندہ کا اس کے پاس نہ رہنا ہی اس کے باعث ہوا ہو، ہاں جتنے دنوں بے اجازتِ زید زید کے یہاں سے جا کر دوسری جگہ رہی اتنے دنوں نفقہ نہ پائیگی جو مالِ زید اس نے اس متبنی یا اپنے اعزا کی شادیوں یا متبنی کے خوردونوش میں بے اجازت زید صرف کیا اس کا تاوان ہندہ پر لازم ہے اور ناگواری کے ساتھ زید کا خاموش رہنا اجازت نہ سمجھا جائے گا "لاینسب الی ساکت قول" (خاموش کی طرف قول منسوب نہ کیا جائے۔ت) اس سب کا مجموعہ جتنی قیمت کا ہو زید اس کے مہر میں سے کم کر سکتا ہے لصحۃ جریان المقاصۃ بینھما (کیونکہ خاوند بیوی میں لین دین کا حساب صحیح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۵: از سکندرہ راؤ ضلع علی گڑھ مرسلہ امداد علی خاں ۱۵رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میری زوجہ فاترالعقل ہونے کے باعث اپنی ضروریات زندگی و نفسانی خواہش کو محسوس نہیں کر سکتی یا ظاہر نہیں کرتی۔ نہ مری آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرتی ہے بلکہ اشیاء کو خراب و برباد کرتی ہے اور تربیت اولاد و پاکیزگی جسم و صوم و صلوٰۃ امورات شرعیہ و معاملات خانہ داری سے بالکل غافل ہے ہدایت پر عمل نہیں کرتی، جب بیماری شروع تھی تو اس سے تین لڑکے پیدا ہوئے، بے حفاظتی کے باعث بقضائے الٰہی فوت ہوئے، وقت شادی سے جس کو عرصہ تقریبًا دس سال کا گزرا ان نقصانات کو برداشت کرتے ہوئے حتی الامکان میں نے اور میری ضعیفہ ماں نے مریضہ کی دلجوئی، خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کی مرض کا یقین ہونے پر حکیموں ڈاکٹروں دائیوں اور عاملوں سے علاج کرانے پر بھی کامیابی نہ ہوئی، مرض مستقل ہوگیا صحت سے مایوسی ہوگئی تقریبًا پانچ سال سے خاموشی طاری ہے اور وہ میری خدمت سے قاصر ہے، اب میری ماں کی رائے اور میری خواہش ہے کہ دوسری عورت سے عقد کیا جائے مگر مریضہ کی ماں نے اس امر سے مطلع ہو کر مجھ سے اور میری ماں سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے اور اسی بنا پر تجاہل عارفانہ سے کام لے کر تمام برادری میں مشہور کرتی ہیں کہ میری بیٹی پاگل نہیں ہے بلکہ اس کے سسرالیوں کے ظلم سے اس کی بدمزاجی بڑھ گئی ہے، اور اپنے اس قول کی تائید کے لئے اپنی بیٹی کو بلا رضامندی اپنے پاس تقریبًا چھ ماہ سے رکھ چھوڑا ہے اور چاہتی ہیں کہ میرے پاس ہی اس کے لئے پانچ روپیہ ماہوار اور خوردنوش کو مقرر کردو یا ساڑھے پانچ سو روپیہ ماہوار زر مہر معینہ ادا کرکے اس کو

طلاق دے دو، میں نے مریضہ کی ماں سے درخواست کی مہر سے لادعوی ہو کر مجھ سے تین روپیہ ماہوار کا اقرار نامہ عمر بھر کے واسطے لکھالو یہ اس کے خورد و نوش کو کافی ہے مجھے اتنی ہی توفیق ہے اور کل زرِ مہر ادا کرنے کی استطاعت اس وقت مجھے نہیں ہے، وہ اس درخواست کو منظور نہیں کرتیں، اس صورت میں ازروئے شرع مجھے کیا عمل کرنا چاہئے؟

دوم یہ کہ مندرجہ صورت میں دوسرا عقد ہونے پر اگر عورت خاوند کی خدمت واطاعت کم کرے یا بالکل نہ کرے اور دوسری عورت اس سے زیادہ خدمت واطاعت کرے تو حقوق زوجگان میں مساوات رکھنی شوہر کے ذمہ لازم ہوگی یا کوئی تفریق رہ سکتی ہے اور کیا؟

الجواب:

جب تک وہ آپ کی اجازت کے بغیر اپنی ماں کے یہاں یا کسی دوسری جگہ رہے نفقہ کی مستحق نہیں، اور جب تک طلاق یا موت نہ ہو غیر میعادی مہر واجب الادا نہیں ہوتا۔ دوسری شادی اگر کی جائے اور زوجہ اولٰی بھی شوہر کے پاس رہے تو دینے لینے اور شب کو پاس رہنے میں مساوات ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شہر بریلی محلّہ کانکرٹولہ مسئولہ تلن ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا حالتِ نابالغی میں نکاح کردیا تھا وہ اپنے شوہر کے گھر بالغ ہوئی اور اس کے اولادیں پیدا ہوئیں حتی کہ اب اس کے اولاد جوان موجود ہے مگر اسی عرصہ میں وہ آوارہ اور زانیہ ہوگئی اس سبب سے اس کے شوہر نے نکال کر اس کے حقیقی بھائی کے گھر پہنچادیا، بھائی نے پھر اس کو شوہر کے یہاں پہنچادیا، ایسا قصہ تین چار مرتبہ ہوا، اور ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہندہ کو اس کے شوہر کے چچا نے اپنی لڑکیوں کی شادی میں بلوایا، اور چودھری نے اسکے شوہر کے یہاں حلقہ شادی میں پہنچادیا، مگر صبح کو پھر اس کے شوہر نے اس کو اس کے بھائی کے یہاں پہنچادیا، اور ایک مرتبہ ہندہ مذکور کو بھائی نے نہیں رکھا تو وہ اپنے ماموں کے گھر آئی تو ماموں نے چند روز رکھ کے کہا کہ میں کنبہ والا ہوں مجھ میں اب طاقت رکھنے کی نہیں ہے اپنے چچا تایاؤں اور دوسرے عزیزوں کے یہاں رہو۔ برادر لوگ، بھائی اور ہندہ کے ماموں کا حقہ پانی بند کرتے ہیں، ازروئے شرع کے ان کا حقہ پانی بند ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور ہندہ کا رکھنا کس پر واجب ہوگا؟ چچا یا شوہر یا ماموں اور بھائی وغیرہ کس پر اس کا روٹی کپڑا مقرر ہوگا یا کوئی بھی رکھنے کا ذمہ دار نہ ہوگا؟ ہندہ کو نکال دیا جائے یا کیا کیا جائے؟ مکرر یہ کہ شوہر نے ہندہ کو ابھی طلاق نہیں دی ہے اور برابر اس کو روٹی کپڑا دیتا ہے، سال بھر سے ماقبل کے اپنے بھائی اور ماموں کے سرہے شوہر کے بوجہ نہ دینے طلاق کے نان و نفقہ ہندہ کو دینا چاہئے یا نہیں؟ اور شوہر کو تحقیق ہوجانے زنا پر فوراً طلاق دینا چاہئے یا روٹی بند کرنا چاہئے؟

الجواب:

اگر زنا متحقق بھی ہوجائے جب بھی طلاق دینا واجب نہیں جب تک طلاق نہ دے، اور ہندہ اس کے یہاں سے خود نہ نکلے تو روٹی کپڑا شوہر کے ذمہ ہے اس پر واجب ہے کہ روٹی کپڑا دے یا طلاق دے گا تو ختم عدت تک کا روٹی کپڑا اور مہر اسے ادا کرنا ہوگا، بعد عدت ہندہ مہر وغیرہ اپنے مال سے کھائے گی اگر مال رکھتی ہو یا دوسرے شوہر کے پاس سے، اگر دوسرا نکاح کرے، اور مال نہ رکھتی ہو نہ کما سکتی ہو نہ دوسرا نکاح ہو تو اس کا روٹی کپڑا اس کے جوان بیٹے پر واجب ہے بھائی یا چچا یا ماموں وغیرہ پر کچھ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷: از کلکتہ دھرم تلالین مکان حاجی سلیمان یوسف مہ پارہ نمبر ۴۵ مرسلہ مولوی سید ابراہیم صاحب مدنی ۱۸ شوال ۱۳۱۹ھ

ماقولکم دام فضلکم معشر علماء الاسلام رحمکم اللہ تعالٰی فی الدارین فی رجل یشرب الخمر دائما ویھتك ویمزق الاوراق الکریمة التی فیھا نقش المسجد الحرام والروضة المطھرة النبویة علیه الف الف صلٰوة وتحیة ویعلق بدلھا علی الجدران تصاویر اٰلھة الکفار الفجار، وقدرمی اوراق المتبرکة فی القاذورات ویضرب الزوجة علی اداء الصلٰوة ویمنعھا ویضربھا اذا لاتشرب الخمر واذا قیل له تعال نذھب الی المسجد فیقول انا اذھب الی المسکرات لاشربھا ومالی حاجة الیه ولاینفق علیھا النفقة واذا اجبر علی الطلاق لایطلقھا ویأبی الطلاق حتی عجزت ورفعت شکواھا الی الحاکم فاقر عندہ فی الشھر بعشرة مضروبة مسکوکة والان	علماء اسلام کی جماعت، اللہ تعالٰی تم پر دونوں جہان میں رحمت فرمائے اور تمہاری فضیلت کو دائم رکھے، آپ کا کیا ارشاد ہے ایسے شخص کے بارے میں جو ہمیشہ شراب پیتا ہے اور مسجد حرام اور روضہ مطہر نبی پاک ان پر ہزار ہزار صلٰوۃ وسلام ہو، کے نقش والے مبارک اوراق کی ہتک کرتے ہوئے ان کو پھاڑتا ہے، اور دیوار پر ان کی جگہ کافروں کے بتوں کی تصاویر کو آویزاں کرتا ہے اور اس نے مبارک اوراق کو گندگی میں پھینکا ہے اور بیوی کو نماز سے روکتا اور مارتا ہے اور اسے شراب نہ پینے پر مارتا ہے، اور جب اسے مسجد میں جانے کے لئے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے میں تو شراب خانوں میں جاکر شراب نوشی کرونگا اور مجھے مسجد میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اور بیوی کو نفقہ نہیں دیتا اور جب اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے تو وہ انکار کرتے ہوئے بیوی کو طلاق نہیں دیتا حتی کہ بیوی نفقہ سے عاجز ہوکر حاکم سے شکایت کرتی ہے تو وہ حاکم کے پاس بیوی کو ماہانہ دس روپے دینے کا اقرار کرتا ہے جبکہ اب تک

صارت ثلث مااعطاها شیأً من ذٰلك فما حكمه فی الصور المرقومة هل بقیت زوجته فی النكاح ام لا وهل یحكم بكفره ام لا فاذا بطل نكاحه بالامور المذكورة هل یجوز لها ان تنكح رجلا اٰخر للضرورة والظاهر انها لاتجد من یقرضها وهل استحسن الاحناف ان ینصب القاضی الحنفی نائبا شافعی المذهب یفرق بینهما اذاكان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجة الدائمة لایتیسر بالاستدانة فالتفریق امر ضروری بینوا بالكتاب تؤجروا بیوم الحساب۔	تین سال ہوچکے ہیں اس نے بیوی کو کچھ نہیں دیا، تو ان تمام مذکورہ صورتوں میں اس شخص کے لئے کیا حکم ہے، کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں باقی ہے، اور کیا اس کے کافر ہوجانے کا حکم ہوگا یا نہیں، تو کیا مذکور امور کی وجہ سے جب اس کا نکاح باطل ہے تو بیوی دوسری شخص سے ضرورت کی بناپر نکاح کرسکتی ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کے لئے اس کو قرض دینے والا کوئی نہیں ملتا اور کیا احناف نے حنفی قاضی کے لئے کسی شافعی مذہب والے کو اپنا نائب بنانا پسند کیا ہے تاکہ وہ شافعی مذہب کے مطابق خاوند کی موجودگی میں اس سے طلاق کا مطالبہ کرے اور انکار پر وہ دونوں میں تفریق کا فیصلہ دے، کیونکہ بیوی کی دائمی نفقہ کی حاجت قرض سے پوری ہونا آسان نہیں ہے اس بناپر دونوں میں ضرورت کی وجہ سے تفریق کے بغیر چارہ نہیں ہے، کتاب کے حوالے سے بیان کرو اور قیامت کے روز اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

اللهم لك الحمد رب انی اعوذبك من همزات الشیٰطین واعوذبك رب ان یحضرون كل ماوصف فی السوال فما للرجل من سیئ الافعال واسوء الاقوال فكبائر متناهیة فی الاثم والو بال وكله كفر علی الاحتمال فان شرب الخمر كبیرة والادمان اكبر صحبه استحلال لها اواستخفاف بحرمتها فقد كفر وتمزیق الاوراق الكریمة المذكورات	یا اللہ! تیرے لئے ہی حمد ہے، اے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اور اے رب! شیطانوں کی موجودگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ سوال میں شخص مذکور کے برے افعال اور بدترین اقوال جو ذکر کئے گئے ہیں وہ گناہ اور وبال میں انتہائی کبیرہ ہیں، اور تمام کفر کا احتمال رکھتے ہیں کیونکہ شراب پینا کبیرہ گناہ ہے اور اس پر دوام اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور اس پر دوام اس سے بھی بڑا گناہ ہے اور اگر اس سے کے ساتھ ساتھ وہ حلال جان کر اور شراب کی حرمت میں تخفیف جان کر پیتا ہے تو وہ کافر ہے۔ اور مبارک اوراق کو پھاڑنا اور

والقاء ھافی موضع القاذورات ان کان مبنیا علی اصول الوھابیة النجدیة خذلھم اللہ تعالٰی من ان ذلك بدعة والبدعة تزال،فجھل وضلال واستحقاق لعذاب ونکال وان قصد اھانة تلك البقاع فکفر بواح وارتداد صراح وتعلیق تلك التصاویر النجسة علی الجدران ان کان علی مایتعاداہ المجان یزعمون فیه تزیین المکان غیر متعمدین الی الکفر من الکفران فکبیرة خبیثة تدعوا الی النیران وتبعد الملئکة وتقرب الشیطان،وان وقع علی جھة استحسان صنیع الکفار وتعظیم اٰلھة اصحاب النار فکفر صریح جلی الاکفار وضرب المرأة علی اداء الصّلوٰة ومنعھا منه وضربھا علی ترك شرب الخمر وابائھا عنه کل ذٰلك تناہ فی التشطین والبغی والتفرعن وان کان مع ذٰلك ینکر فرضیة الصلوٰة اوحرمة الخمر او یستخف بالشرع والنھی والامر فکفر واعراضه عن المسجد خیر الاماکن ومکابرة الداعی الی اللہ بذلك القول الخبیث المنتن فھو به للکفر اقرب منه للایمان و باللہ العیاذ من مجون المجان فان کان قاله علی نھج الملاعبة فیالھا

ان کو گندگی میں پھینکنا اگر بدنامِ زمان نجدی وہابیوں کی روش پر مبنی ہے کہ یہ بدعت ہیں اور بدعت کو ختم کرنا چاہئے تو یہ جہالت، گمراہی اور عذاب و سزا کا مستحق بننا ہے،اور اگر اس عمل سے اس کا مقصد اوراق پر تصویروں والے مقامات کی اہانت و تحقیر مقصود ہے تو یہ کھلا کفر ہے اور واضح طور پر ارتداد ہے۔اور بتوں کی ناپاک تصویروں کو دیواروں پر آویزاں کرنا اگر ویسے عادت کے طور پر کہ اس کو پاگل لوگ مکانات کی زینت سمجھتے ہیں اور کسی کو کفر کی طرف تجاوز نہ کیا ہو تو یہ خبیث ترین کبیرہ گناہ ہے جو جہنم میں لے جانے والا فرشتوں کو دور اور شیطانوں کو قریب کرنے والا ہے،اور اگر یہ کام کفار کی رسم کو پسند کرتے ہوئے اور دوزخیوں کے معبودوں کی تعظیم کے طور پر کیا ہو تو یہ صریح کفر جو اس کی تکفیر کا باعث ہے،واضح وارتداد فاضح بیوی کو نماز کی ادائیگی پر مارنا اور اس سے منع کرنا اور شراب نہ پینے پر اور شراب نوشی سے انکار پر اس کو مارنا تو یہ تمام انتہائی شیطینت،فرعونیت اور بغاوت ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ نماز کی فرضیت اور شراب کی حرمت کا منکر ہے اور شریعت اور اس کے اومر اور نواہی کی تحقیر کرتا ہے تو یہ کھلا کفر ہے اور رسواکن ارتداد ہے۔اس کا بہترین مکان جو مسجد ہے سے اعراض کرنا اور اللہ تعالٰی کی دعوت سنانے والے کو مکابرہ کے طور پر خبیث اور بدبو والی بات کہنا (کہ میں شراب خانے جاؤں گا مجھے مسجد کی ضرورت نہیں ہے) تو اس سے وہ کفر سے قریب اور ایمان سے دور ہوگیا (پاگلوں کے پاگل پن سے اللہ تعالٰی کی پناہ) تو یہ بات

من کبیرۃ کثیرۃ الشناعۃ والافالکفر ظاہر فیہ لاشك یعتریہ بید ان الکفر امر شدید لایحکم بہ مع احتمال الاسلام ولو من بعید والمرأۃ لاتبین الا بتفریق مبین اوکفر متبین نعم یومر بالتوبۃ عن تلك القبائح ثم بعد ذٰلك بتجدید النکاح، فی جامع الفصولین اواخر الفصل قیل لہ یایک درہم بدہ تا بعمارت مسجد صرف کنم یابہ مسجد بیا بنماز فقال من نہ بمسجد آیم ونہ درہم دہم مرا بمسجد چہ کار وھو مصر علی ذٰلك لایکفر ولکن یعزر[1]، واما التفریق لعدم الانفاق والزوج حاضر وموسر قادر فلم یقل بہ حنفی ولاشافعی بل نص علی خلافہ الامام الشافعی فلا سبیل للمرام الاالاشتکاء الی الحکام لیجبروہ علی الانفاق وان لم یرضہ فعلی الطلاق لقولہ تعالٰی

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ[2]۔

اگر کھیل میں رغبت کے طور پر کی ہے تو یہ کتنی بڑی جرات کبیرہ ہے اور بہت زیادہ قابلِ نفرت ہے، ورنہ یہ کھلا کفر ہے جس میں کوئی شک نہیں، تاہم کفر شدید معاملہ ہے، تو جب تک اسلام کا پہلو نکل سکتا ہے کفر کا حکم نہ لگایا جائے، اگرچہ اسلام کا احتمال بعید ہی کیوں نہ ہو، جبکہ بیوی صرف قاضی کی تفریق یا واضح کفر کی بناء پر ہی نکاح سے خارج ہوگی، ہاں ایسے شخص کو اس کی مذکورہ قباحتوں پر توبہ کرنے اور پھر بعد میں تجدید نکاح کا حکم کیا جائے، جامع الفصولین کی فصل نمبر ۳۸ کے آخر میں ہے کسی شخص کو کہا کہ مسجد کی عمارت کے لیے ایک درہم چندہ دے یا اس کو کہا گیا مسجد میں آکر نماز پڑھ، تو اس نے جواب میں یوں کہا کہ میں نہ مسجد میں آتا ہوں اور نہ درہم دیتا ہوں مجھے مسجد سے کیا کام، اور اس نے اصرار کیا ہو تو اسے کافر نہ کہا جائے گا لیکن تعزیر لگائی جائیگی۔ لیکن خرچ نہ دینے پر جب خاوند حاضر ہو اور امیر ہو نفقہ دینے پر قادر ہو تو اس صورت میں کسی حنفی نہ کسی شافعی نے تفریق کا قول کیا ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کے خلاف تصریح کی ہے لہٰذا خاوند جب قادر ہو اور امیر ہو تو پھر مقصد برآری کی یہی صورت ہے کہ حکام سے بیوی شکایت کرے تاکہ وہ خاوند کو نفقہ دینے پر مجبور کریں اگر نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو پھر اس کو طلاق دینے پر مجبور کریں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۳۱۶/۲

[2] القرآن الکریم ۲۳۱/۲

فی ردالمحتار عن غرر الاذکار ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائبا ممن مذھبہ التفریق بینھما اذاکان الزوج حاضرا وابی عن الطلاق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لایتیسر بالاستدانہ اذ الظاھر انھا لاتجد من یقرضھا وغنی الزوج مآلا امرمتوھم فالتفریق ضروری اذا طلبتہ وان کان غائبا لایفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ وان قضی عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ وان قضی بالتفریق لاینفذ قضاؤہ لانہ لیس فی مجتھد فیہ لان العجز لم یثبت [1] اھ فانظر الی قولہ وغنی الزوج مآلا امرمتوھم وقولہ فی الغائب لان عجزہ غیر معلوم یرشدانک ان الکلام انما ھو فی العاجز المعسر دون القادر المستکبر وانظر اٰخر الکلام یفیدک ان القضاء بالتفریق حیث لم یثبت عجزہ باطل سحیق وقد قال فی ردالمحتار ایضا قبلہ	بیویوں کو اچھی طرح رکھو یا ان سے بھلائی کے ساتھ جدائی کرلو۔ ردالمحتار میں غررالاذکار سے منقول ہے کہ ہمارے مشائخ نے یہ پسند کیا ہے کہ حنفی قاضی کسی شافعی یا اس شخص کو جس کا مذہب یہ ہو کہ نفقہ نہ دینے پر حاضر خاوند کو طلاق دینے پر مجبور کیا جائے اگر طلاق نہ دے تو قاضی تفریق کرے، اپنا نائب بنا کر اس سے تفریق کرادے کیونکہ نفقہ کی حاجت دائمی ہے جو کہ بیوی کے قرض اٹھانے پر پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ ظاہر میں کوئی ایسا شخص نہیں ملتا جو اس کو قرض دیتا رہے جبکہ خاوند کا بالآخر غنی ہو کر نفقہ ادا کرنا موہوم بات ہے تو بیوی کے مطالبہ پر اس صورت میں تفریق ضروری ہے، اور مذکورہ صورت میں اگر خاوند غائب ہو تو تفریق نہ کی جائے کیونکہ غائب ہونے کی صورت میں خاوند کا نفقہ سے عجز معلوم نہ ہوسکے گا اس صورت میں اگر تفریق کردی تو وہ نافذ نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تفریق مجتہدین کے ہاں زیر بحث مسئلہ نہیں ہے کیونکہ خاوند کا عجز معلوم نہیں ہے، اھ۔ اس عبارت میں "بالآخر خاوند کا غنی ہونا موہوم ہے" اور غائب ہونے والے کے بارے میں "یہ کہ اس کا عجز معلوم نہیں" پر غور کریں تو یہ رہنمائی ملتی ہے کہ تفریق کی بات صرف خاوند کے تنگدست اور عاجز ہونے کی صورت میں ہے، نہ کہ قادر اور ہٹ دھرم خاوند کی صورت میں، اور پھر مذکورہ کلام کا آخری حصہ تو واضح طور پر بتارہا ہے کہ جب خاوند کا عجز ثابت نہ ہو تو وہاں تفریق کا فیصلہ

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۶

مانصه والحاصل ان عند الشافعی اذا اعسر الزوج بالنفقة فلها الفسخ وکذا اذا غاب وتعذر تحصیلها منه علی مااختاره کثیرون منهم لکن الاصح المعتمد عندهم ان لافسخ مادام موسرا وان انقطع خبره وتعذر استیفاء النفقة من ماله کما صرح به فی الاُم قال فی التحفة (یعنی سیدنا الامام الشافعی رضی الله تعالٰی عنه) قال (یعنی العلامة ابن حجر المکی الشافعی رحمه الله تعالٰی) بعد نقله ذلك فجزم شیخنا (یعنی العلامة شیخ الاسلام زکریا الانصاری) فی شرح منهجه. ان القول بالفسخ فی منقطع خبر لامال له حاضر مخالف للمنقول کما علمت[1] الخ وفی کتاب الانوار للامام یوسف اردبیلی الشافعی رحمه الله تعالٰی لوامتنع مع القدرة اوغاب مع الیسار اوقدرت علی ماله فلاخیار[2]۔ وفیه ولو جهل حال الغائب من الیسار او الاعسار او شك فی یساره فلا خیار لان

بالکل باطل ہے جبکہ ردالمحتار میں مذکور کلام سے قبل بھی فرمایا، عبارت یوں ہے، الحاصل امام شافعی کے ہاں جب خاوند تنگدست قرار پائے تو بیوی کو فسخ کے مطالبے کا حق ہوتا ہے اور یونہی اگر خاوند غائب ہو اور اس کے ملنے کی امید نہ ہو تو بھی نفقہ کی ناامیدی پر اکثر شوافع حضرات کے ہاں فسخ مختار ہے لیکن ان کے مذہب میں معتمد علیہ اور اصح یہ ہے کہ اس وقت تک فسخ کا اختیار نہیں جب تک اس کی تنگدستی ثابت نہ ہو جائے اگرچہ غائب ہو کہ اس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کے مال سے بیوی کے لئے نفقہ کی کوئی صورت نہ بن پاتی ہو، جیسا کہ امام شافعی کی کتاب "الام" میں تصریح ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے تحفہ میں فرمایا، علامہ ابن حجر مکی شافعی نے یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام زکریا انصاری نے اپنی منہج کی شرح میں یہ جزم فرمایا ہے کہ ایسے غائب شخص جس کی کوئی خبر نہ ہو اور اس کا مال بھی موجود نہ ہو، تو فسخ کا فیصلہ منقول کے خلاف ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہوا ہے۔ امام یوسف اردبیلی شافعی کی "کتاب الانوار" میں ہے کہ خاوند قادر ہونے کے باوجود نہ دے، یا امیر ہونے پر وہ غائب ہو، یا بیوی اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنے پر قادر ہو تو پھر فسخ کا اختیار نہیں ہے، اور اس میں ہے کہ اگر غائب ہو اور اس کی تنگدستی یا تونگری معلوم نہ ہو یا اس کے حال میں شک ہو تو فسخ کا اختیار نہیں ہوگا، کیونکہ فسخ کا

[1] ردالمحتار باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۶

[2] الانوار

السبب لم یتحقق ویفھم من ھذا انہ لوغاب معسر اومضت مدۃ فلاخیار لھا لاحتمال الیسار [1]، وفی شرح الکمثری قال فی التحفۃ والمنھاج والاصح ان لافسخ بمنع موسراو متوسط حضر اوغاب لتمکنھا منہ ولو غائبا کمالہ بالحاکم والمعتمد مافی المتن ومن ثم صرح فی الام بانہ لافسخ مادام موسراوان انقطع خبرہ وتعذر استیفاء النفقۃ من مالہ والمذھب نقل کما قالہ الاذرعی فجزم شیخنافی شرح منھجہ بالفسخ فی منقطع خبر لامال لہ حاضرا مخالف للمنقول کما علمت ولافسخ بغیبتہ من جھل حالہ یسارا او اعسارا بل لو شھدت بینۃ انہ غاب معسرا فلافسخ مایشھد باعسارہ الان اھ کلام التحفۃ [2] ھ باختصار، وفی تعلیقاتہ للفاضل ابراھیم الشافعی جزم فی شرح منھجہ بالفسخ فی منقطع خبر	سبب موجود نہیں ہے۔اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر خاوند تنگدست غائب ہو اور کچھ مدت گزر جائے تو بھی اختیار فسخ نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اب وہ امیر بن چکا ہو۔ کمثری کی شرح میں ہے کہ تحفہ اور منہاج میں فرمایا کہ اصح یہ ہے کہ امیر خاوند غائب یا متوسط حال والاحاضر ہو یا غائب تو فسخ نہیں ہوگا کیونکہ بیوی کو نفقہ کا حصول ممکن ہے جیساکہ غائب ہونے کی صورت میں اس کا مال موجود ہو تو قاضی کے ذریعہ حاصل کر سکتی ہے،اور قابل اعتماد وہ ہے جو متن میں ہے،اسی لئے الام میں تصریح ہے کہ امیر خاوند غائب ہوا گرچہ اس کی کوئی خبر نہ ہواور اس کے مال سے نفقہ حاصل کرنا مشکل ہو،یہی مذہب منقول ہے،جیسا کہ اذرعی نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں فرمایا کہ ایسا غائب جس کی کوئی خبر نہ ہواور حاضر مال بھی نہ ہو تواس صورت میں فسخ کا قول منقول مذہب کے خلاف ہے جیساکہ تمہیں معلوم ہوا ہے،اور فسخ جب بھی نہیں کہ غائب شخص کے تنگدست یا امیر ہونے کا علم نہ ہو بلکہ گواہوں نے شہادت بھی دی ہو کہ غائب ہونے والا تنگدست ہے تب بھی فسخ نہیں کہ یہ شہادت موجودہ حال کی نہیں ہے، تحفہ کا کلام ختم ہوا،اھ، اختصارًا۔ الفاضل ابراہیم شافعی نے اپنی تعلیقات میں فرمایا کہ شیخ نے اپنی منہج کی شرح میں اس پر جزم کیا ہے کہ وہ غائب جس کی خبر

[1] الانوار
[2] الانوار

لامال لہ قال ابن حجر وھو خلاف المنقول فانہ صرح فی الام بانہ فسخ مادام موسر اوان انقطع خبرہ وتعذر استیفاء النفقۃ من مالہ [1] اھ وفی قرۃ العین بمھمات الدین وشرحھا فتح المعین کلاھما للعلامۃ زین الدین الشافعی تلمیذ الامام ابن حجر المکی رحمھما اللہ تعالٰی (فسخ نکاح من اعسر فلا فسخ) علی المعتمد (بامتناع غیرہ) موسرا او متوسطا من الانفاق حضر اوغاب (و) لافسخ (قبل ثبوت اعسارہ) باقرارہ او بینۃ تذکراعسارہ الاٰن ولا تکفی بینۃ ذکرت انہ غاب معسرا [2] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	معلوم نہ ہو اور اس کا مال نہ ہو تو فسخ ہوگا جبکہ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ منقول مذہب کے خلاف ہے کیونکہ امام شافعی نے الام میں تصریح کی ہے کہ غائب شخص جس کی خبر معلوم نہ ہو وہ جب تک امیر ہے اور اس کے مال سے نفقہ پورا کرنا مشکل ہو تو بھی فسخ نہ ہوگا۔علامہ زین الدین شافعی تلمیذ امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالٰی کی دونوں کتب، قرۃ العین بمھمات الدین، اور اس کی شرح فتح المعین، میں ہے کہ تنگ دست کا نکاح فسخ ہوگا اور معتمد قول کے مطابق کسی ایسے شخص کا جو امیر ہو یا متوسط ہو اور وہ نفقہ نہ دے خواہ حاضر ہو یا غائب کا نکاح فسخ نہ ہوگا تنگدستی کا ثبوت اس کے اقرار سے ہوگا یا شہادت سے ہوگا جس میں یہ ذکر ہو کہ اب تنگدست ہے اس میں یہ ذکر کافی نہیں کہ غائب ہوتے وقت وہ تنگدست تھا اھ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۸: از ہوڑہ رام کشٹو پور محلّہ بانس تلا گھاٹ روڈ مرسلہ محمد حسن رضا خاں صاحب ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت پردہ نشین اپنے شوہر کی مطلقہ ہے، بعد عدت عقد ثانی کیا، بعد گزرنے ایک برس میکے آئی اور ذاتی یا زوجی تکلیف کی وجہ سے شوہر ثانی کے یہاں جانا پسند نہیں کرتی ہے اور اس سے خلع چاہتی ہے اور شوہر اولٰی کی موانست کو پسند کرتی ہے، شوہر ثانی باعث جہالت اور بہکانے دوسروں کے طلاق نہیں دیتا اور نہ کافی طور پر بی بی کا حق ادا کرسکتا ہے اور صورت اوقات بسری عورت کی ذاتی حیثیت کچھ بھی نہیں اور نہ میکے میں فراغت، پردہ بھی فرض ہے اور کھانا کپڑا بھی واجب، پھر ایسے موقعہ میں کیوں اقتداء مسائل حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ چاروں امام جب کہ برحق ہیں اور اگر اقتدا امام شافعی کی کی جائے تو حقیقت اس مسئلہ کی کیا ہے، ایسی حالت میں پیروی دوسرے

---

[1] تعلیقات

[2] فتح المعین شرح قرۃ العین عامر الاسلام پور پریس ترونگاری کیرص ۴۲۴تا۴۲۷

امام کی نہ کرنے سے خوف غلبہ شیطان کا ہے نہ معلوم کس گناہ کبیرہ میں مرتکب ہو اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضرورۃ اور مصلحۃً اقتداء لازم ہے۔

الجواب:

قرآن عظیم نے شوہر دار عورتوں کو حرام قطعی فرمایا سائل کے گول لفظ شرط مذہب شافعی کو پورا نہیں کرتے، عورتوں کو ہوائے نفس کا اتباع کرنا اور اسے کسی امام دین کے سر رکھنا دین نہیں نہ حنفی اس پر فتوے کا مجاز بلکہ اگر حنفی حاکم شرعی اس پر حکم دے گا قضا نافذ نہ ہوگی، درمختار میں ہے:

لایفرق بینھما بعجزہ عنھا ولابعدم ایفائہ حقھا ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ[1]۔	حنفی مذہب میں نفقہ سے عاجز ہونے یا بیوی کا حق پورا نہ کرنے پر تفریق نہ ہوگی اگر کسی حنفی نے یہ تفریق کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

چارہ کار حکومت کی طرف رجوع ہے کہ وہ اسے دو باتوں میں سے ایک پر مجبور کرے یا ادائے نفقہ یا طلاق، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الایمان

مسئلہ ۱۹۹: ۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم o الحمد للہ رب العٰلمین o والعاقبۃ للمتقین o والصلوٰۃ والسلام علٰی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین o

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ مقدمہ میں کہ زید نے قسم مغلظہ کھائی ساتھ اس معاہدہ کے کہ اگر میں بکر سے کسی وقت میں ہمکلام ہوں توزوجہ میری کو طلاق ہے چنانچہ بعد اس عہد کے بکر نے وفات پائی اور زید قبر پر گیا اور احکام شرعیہ کو کام میں لانا یعنی سلام علیکم کہہ کر فاتحہ قبر پر زید نے پڑھی تواس صورت میں زوجہ زید پر طلاق عائد ہوئی یا نہیں؟ فقط

الجواب:

الحمد الکثیر للحی القدیر، والصلوٰۃ والسلام علی السمیع البصیر واٰلہ وصحبہ الٰی یوم المصیر۔	کثیر ترین حمدیں زندہ قدرت والے کے لئے ہیں، صلوٰۃ وسلام کامل سمع و بصر والے پر اور ان کی آل واصحاب پر تایوم القیامۃ۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں زنِ زید پر طلاق نہ ہوئی، جامع صغیر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل قال	امام محمد نے امام ابویوسف سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ ایک شخص نے دوسرے

لاٰخر ان ضربتك فعبدی حر فمات فضربه قال فهو علی الحیٰوة،وکذٰلك الکسوة والکلام والدخول انتهی[1]۔	کو کہا اگر میں تجھے ماروں تو میرا غلام آزاد ہے،دوسرے کے فوت ہونے کے بعد اس نے اسے مارا(تو قسم نہ ٹوٹے گی)یوں ہی لباس،کلام یا دخولِ دار کی قسم کھائی ہو تو وہ بھی فوت ہونے کے بعد کارروائی پر نہ ٹوٹے گی کہ ان قسموں کا تعلق زندہ سے ہوتا ہے اھ(ت)

وجہ اس کی یہ ہے کہ بنائے یمین عرف پر ہے اور عرف میں اس سے کلام بعد الموت مقصود و مفہوم نہیں ہوتا،نہ بعد موت کلام وسلام کو یہ کہتے ہیں کہ زائر میت سے باتیں کررہا ہے اگرچہ وحقیقۃً وشرعًا کلام وسلام ہے جیسے قسم کھانے والا کہ گوشت نہ کھائے گا مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا اگرچہ حقیقۃً وشرعًا گوشت اس پر بھی صادق،

قال اللہ تعالٰی لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:تم دریا سے تازہ گوشت کھاؤ۔(ت)

ولہذا اگر قسم کھائی کہ کلام نہ کرے گا اور قرآن پڑھا،تسبیح و تہلیل کی،حانث نہ ہوگا،حالانکہ حقیقۃً وشرعًا یہ بھی کلام ہے

قال اللہ تعالٰی اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّیِّبُ[3] وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم[4]۔رواہ البخاری۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اسی کی طرف طیب کلمات اٹھتے ہیں۔اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:دو کلمے زبان پر خفیف،ترازوں میں بھاری،اللہ تعالٰی کے ہاں محبوب ہیں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم،اس کو بخاری نے روایت کیا(ت)

یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اگر قسم کھائی زید سے کلام نہ کروں گا اور زید نماز جماعت میں اس کے برابر کھڑا تھا سلام پھیرتے وقت اس کی طرف منہ کرکے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا حانث نہ ہوا اگرچہ اس سلام میں نیت حاضرین کا قطعًا حکم ہے اسی طرح اگر جس کی نسبت قسم کھائی تھی وہ امام ہوا اور نماز میں بھولا اس نے بتایا قرات میں لقمہ دیا حانث نہ ہوگا حالانکہ یہ قطعًا اس سے خطاب ہے اور خاص بقصد خطاب صادر،

فی الهندیة لوحلف لایتکلم ولانیة	ہندیہ میں ہے کسی نے قسم کھائی کہ کلام نہ کروں گا،اور

[1] جامع الصغیر باب الیمین فی القتل والضرب مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۷۴

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۴

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۱۰

[4] صحیح بخاری کتاب الرد علی الجہمیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۹

له فصلی وقرأفیها اوسبح او هلل لم یحنث وقال الفقیه ابواللیث ان عقد یمینه بالفارسیة لایحنث بالقراءة والتسبیح خارج الصلوٰة ایضا للعرف فانه یسمی قارئا ومسبحا لامتکلما وعلیه الفتوی کذافی الکافی اھ[1] ملخصًا۔	خاص نیت نہ کی، تو نماز پڑھنے میں قرات کرنے، تسبیح و تہلیل کرنے پر قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور ابواللیث فقیہ نے فرمایا اگر کسی نے فارسی زبان میں قسم کھائی کہ بات نہ کروں گا، تو خارج از نماز قرات کرنے اور تسبیح پڑھنے پر بھی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس عمل والے کو عرف میں قاری اور تسبیح پڑھنے والا کہا جاتا ہے کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ کافی میں ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی میں ہے:

اذاحلف لایکلم فلانا فاقتدی الحالف بالمحلوف علیه فسها المحلوف علیه فسبح له الحالف لم یحنث کذافی المحیط[2]۔	اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں سے بات نہ کرے گا، تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے ہوئے وہ بھول جائے تو قسم کھانے والے نے اسے سبحان اللہ کہہ کر لقمہ دیا تو حانث نہ ہوگا، یعنی قسم نہ ٹوٹے گی جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

کذا اذا سلم عن الصلوٰة وفلان عن جنبه کذافی العتابیة[3]۔	یونہی جب نماز سے سلام پھیرے اور وہ فلاں اس کے پہلو میں ہو، جیسے کہ عتابیہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لوکان المحلوف علیه اماماوالحالف مقتدیابه ففتح علی الامام لایحنث[4] الخ۔	جس کے متعلق قسم کھائی اگر وہ امام ہو اور قسم کھانے والا مقتدی ہو تو امام کو لقمہ دینے پر وہ حانث نہ ہوگا، الخ (ت)

اسی طرح صدہا مسائل میں جن کا ماخذ وہی عرف پر احکامِ ایمان کی بنا ہے، واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ شوال ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے قسمیہ کہا کہ یہ کام کر، اور اس نے

---

[1] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[2] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[3] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

[4] الفتاوی الهندیة الباب السادس فی الیمین علی الکلام نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۹۷

نہ کیاتو بہ سبب انکار اس کام کے عمرو پر قسم عائد ہوتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کسی کے قسم دلانے سے نہ اس پر قسم عائد ہو نہ اس کام کا کرنا واجب، حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتقسم**[1] قسم نہ دو۔ معلوم ہوا کہ دلانے سے ماننا واجب نہیں ہوتا، ہاں اگر حرج نہ ہو تو مان لینا مستحب ہے **کما نص علیہ الفقھاء الکرام** (جیسا کہ اس پر فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱: قرآن مجید کی قسم کھانے سے قسم ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا کفارہ کیا ہے؟ اور اگر کسی گناہ کرنے پر قسم کھائی ہو تو اسے توڑے یا کیا کرے؟ اور جو شخص دوسرے کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھائے اس کے پورے کرنے کا دل میں ارادہ نہ ہو اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرآن مجید کی قسم شرعاً قسم ہے،

فی الدر المختار قال الکمال لایخفی ان الحلف بالقرآن الاٰن متعارف فیکون یمینا انتہی[2]۔	در مختار میں ہے کہ کمال نے فرمایا کہ مخفی نہ رہے کہ آجکل قرآن پاک کی قسم متعارف ہو چکی ہے لہذا یہ قسم قرار پائیگی اھ (ت)

اسی میں ہے:

الایمان مبنیۃ علی العرف فما تعورف الحلف بہ فیمین ومالا فلا انتہی[3]۔	قسموں کی بناء عرف پر ہے، تو عرف میں جس چیز کی قسم متعارف ہو جائے وہ قسم قرار پائے گی، اور جو متعارف نہ ہو قسم نہ ہو گی اھ (ت)

اور قسم اگر امر مستقبل پر ہے جس کا کرنا اس کے قبضہ اقتدار میں ہے تو اس کے جھوٹا کرنے میں گناہ ہے اور کفارہ اس کا رافع، بشرطیکہ وہ کسی معصیت پر نہ ہو مثلاً شراب پئے گا یا نماز نہ پڑھے گا کہ اس کا تو جھوٹا کرنا پھر کفارہ دینا واجب ہے

فی الدر المختار ومنعقدۃ وھی حلفہ علی مستقبل اٰت یمکنہ وفیہ الکفارۃ	در مختار میں ہے: یمین منعقدہ اور وہ ہوتی ہے کہ آئندہ ممکنہ چیز کے متعلق حلف دیا جائے، اس میں حانث

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عباس دار الفکر بیروت ۱/۲۱۹

[2] الدر المختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۱

[3] الدر المختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۱

ان حنث وھی ای الکفارة ترفع الاثم وان لم توجد منه التوبة معھا ای مع الکفارة۔سراجیه [1] اھ ملخصًا، وفیه ایضا من حلف علی معصیة کعدم الکلام مع ابویه اوقتل فلان وجب الحنث والتکفیر لانه اھون الامرین [2]۔	ہونے پر کفارہ ہوتا ہے اور وہ کفارہ قسم کے گناہ کو ختم کردیتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ توبہ بھی نہ کرے، سراجیہ اھ ملخصًا۔ اس میں یہ بھی ہے اگر کسی نے گناہ پر قسم کھائی مثلًا کہا میں والدین سے بات نہ کروں گا یافلاں کو قتل کروں گا، تو اس پر لازم ہے کہ وہ حنث کرے (یعنی قسم توڑ دے) اور کفارہ دے دے کیونکہ یہ کفارہ اس گناہ کے مقابلہ میں کم تر ہے۔ (ت)

اور کفارہ ایک غلام آزاد کرنا یادس مسکینوں کو متوسط کھانا یا کپڑا دینا جو تین مہینہ سے زیادہ چلے اور سب بدن ڈھک لے، اور جو کچھ نہ ہوسکے تو متواتر تین روزے رکھنا ہے،

فی الدرالمختار وکفارته تحریر رقبة او اطعام عشرة مساکین کمافی الظھار او کسوتھم بمایصلح للاوساط وینفع به فوق ثلثة اشھر ویستر عامة البدن فان عجز عنھا کلھا وقت الاداء صام ثلثة ایام ولاء [3] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے کہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ گردن آزاد کرے، یا دس مسکینوں کو کھانا دے جیسا کہ ظہار میں ہوتا ہے، یادس مسکینوں کو درمیانہ لباس دے جو عام بدن کو ڈھانپ لے اور کم از کم تین ماہ تک وہ لباس کام دے۔ اور اگر ان امور کی ادائیگی سے عاجز ہو تو مسلسل تین دن روزے رکھے اھ ملخصًا (ت)

اور اپنی بریت کو مغالطہ مسلمین کے لئے قصدًا جھوٹی قسم کھانا کہ زبان سے قسم کھانا اور دل میں اس کے خلاف پر عزم رکھتا ہو ہر گز جائز نہیں، اور احترام نام پاک الٰہی سے بالکل خلاف ہے، حق سبحانہ وتعالٰی نے قرآن عظیم میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی جو قسموں کو اپنی سپر بناتے ہیں، کفارہ اس لئے مقرر ہوا ہے کہ اگر احیانًا حنث واقع ہو یہ اس کا مصلح ہوسکے نہ کہ یہ کفارہ پر تکیہ کرکے قصدًا جھوٹی قسم کھائے اسے اپنی بریت کی ڈھال بنائے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۰۲:　　۷ ۲ رمضان ۷ ۳۲ ۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے قسم کھائی کہ میں آج ظہر جماعت کے ساتھ ادا کروں گا

---

[1] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۰

[2] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۳

[3] الدرالمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳۔ ۲۹۲

اور مسجد کو گیا مگر امام دو رکعت پڑھ چکا تھا دو رکعت سے امام کے ساتھ اس صورت میں زید کی قسم پوری ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کی قسم پوری نہ ہوئی کہ دو رکعت بلکہ تین رکعت پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہیں، در مختار میں ہے:

وکذا مدرك الثلث لایکون مصلیا بجماعۃ علی الاظھر وقال السرخسی للاکثر حکم الکل وضعفہ فی البحر[1]۔	جماعت میں تین رکعتیں پانے والا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والا نہ قرار پائے گا، اظہر قول کے مطابق اور امام سرخسی نے فرمایا: اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے، لیکن اس کو بحر میں ضعیف قرار دیا ہے۔ (ت)

ہاں ثواب جماعت کا قعدہ میں شامل ہونے پر بھی پائے گا وہ جدا بات ہے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ جو گھر سے بارادہ جماعت چلے اور جماعت ہو چکی اس نے ثواب پالیا **فقد وقع اجرہ علی اللہ** (ہاں اجر وثواب اللہ تعالٰی سے پائے گا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: مسئولہ شیخ عاشق علی خادم مسجد بی بی صاحبہ شہر بریلی ۴ جمادی الاول ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی نے غصہ میں قسم کھالی کہ میں بریلی ہی میں نہ رہوں گا، پھر غصہ دور ہوجانے کے بعد وہ پچھتایا، تو کوئی تدبیر ایسی ہے کہ بریلی میں رہے اور حانث نہ ہو یا سوا کفارہ ادا کرنے کے کوئی صورت نہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بریلی سے ترک سکونت کرکے نکل جانے کے لئے جس سامان وتدبیر ضروری کی اسے حاجت واقعیہ تھی اگر اس کلمہ کے زبان سے نکلتے ہی اس نے شروع نہ کردی یا اس میں معمولی واقعی کوشش نہ کی یا سامان مہیا ہوجانے پر پھر نکلنے میں ڈھیل کی تو حانث ہوگیا اور کفارہ لازم، اب چاہے نکلے یا نہ نکلے کفارہ دینا ہوگا اور نکلنا کچھ ضرور نہ رہا، اور اگر اسی وقت سے سچے طور پر تدبیر میں مشغول ہے اور اس میں ایسی سستی نہ کی جسے عرف میں ایسے کام میں سستی گنیں تو جب تک سامان مہیا کرنے میں رہے گا حانث نہ ہوگا اگرچہ کچھ دن گزر جائیں، ہاں سامان درست ہوتے ہی نکل جانا ہوگا، ایسی کوئی صورت نہیں کہ باختیار خود بریلی میں رہے

[1] الدرالمختار باب ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۰

اور کفارہ دینا نہ پڑے، البتہ اگر یہ تہیّہ میں مشغول تھا کہ کسی نے قید کرلیا اور نکلنے نہ دیا تو جب تک یہ مجبوری رہے گی حانث نہ ہوگا اگرچہ عمر گزر جائے، یوں ہی اگر بریلی کے سوا کہیں اس کے رہنے کا ٹھکانا نہیں نہ اپنے ذاتی مال یا حرفت یا تجارت کے ذریعہ سے دوسری جگہ بسر ممکن ہے تو بھی مجبور سمجھا جائے گا جب تک حالت ایسی باقی رہے،

فی تنویر الابصار والدرالمختار دوام الرکوب و اللبس والسکنی کالانشاء فیحنث بمکثه ساعة[1] فی رد المحتار یعنی لو حلف لایرکب هذه الدابة وهو راکبها اولایلبس هذاالثوب وهولابسه اولا یسکن هذه الدار وهو ساکنها فمکث ساعة حنث فلو نزل او نزع الثوب او اخذ فی النقلة من ساعته لایحنث[2]۔	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ لباس اور سواری اور سکنٰی پر مداومت کرنا یعنی قسم کے بعد اس کو جاری رکھنا ابتداء عمل کی طرح ہے، لہٰذا قسم کے بعد ایک گھڑی بھی باقی رکھنے پر قسم ٹوٹ جائے گی، ردالمحتار میں ہے: یعنی اگر قسم کھائی کہ میں اس جانور پر سواری نہ کروں گا جبکہ اس پر سوار تھا یا یہ کپڑا نہ پہنوں گا جبکہ وہ پہنے ہوئے تھا، یا اس گھر میں رہائش نہ کروں گا جبکہ اس میں رہائش پذیر تھا، تو قسم کے بعد ایک گھڑی بھی اس حال پر باقی رہا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر فورًا سواری سے اتر گیا یا کپڑا اتار دیا، یا مکان سے منتقل ہونا شروع ہوگیا تو حانث نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتح ثم انما یحنث بتاخیر ساعة اذا امکنه النقل فیها والا بان کان لعذر خوف اللص او منع ذی سلطان او عدم موضع ینتقل الیه او اغلق علیه الباب فلم یستطع فتحه لایحنث ویلحق ذٰلك الوقت بالعدم للعذر اھ ولو قدر علی الخروج بهدم بعض الحائط ولم یهدم لم یحنث لان المعتبر القدرة علی الخروج	فتح میں فرمایا کہ پھر اگر کچھ دیر کردی جبکہ اس کو فورًا منتقل ہونا ممکن تھا تو حانث ہوجائے گا، ورنہ اگر فورًا ممکن نہ تھا کہ وہاں چوری کا ڈر تھا، یا اختیار والے حاکم کی طرف سے رکاوٹ تھی، یا منتقل ہونے کو دوسرا مکان نہ تھا، یا دوسرے مکان کو تالا پڑا ہوا تھا جس کو کھولنے پر قادر نہ ہوا تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ فورًا منتقل ہونے میں یہ وقت بھی شمار ہوگا، اور عذر کی وجہ سے اس وقفہ کو کالعدم قرار دیا جائے گا اھ، اور اگر وہاں

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۷

[2] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۶

من الوجه المعهود عند الناس كذافی الظهيرية بحر [1] اھ ملتقطا۔	سے دیوار توڑ کر فوراً نکلنے پر قدرت ہو تو بھی قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ نکلنے کے لئے معروف طریقے پر نکلنا معتبر ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے، بحر، اھ ملتقطا (ت)

اسی میں زیر قول در مختار لو یمکنه الخروج او اشتغل بطلب دار اخری او دابة وان بقی ایاما لم یحنث (اگر نکلنا ممکن ہو یا وہ دوسرا مکان تلاش کرنے یا منتقل ہونے کے لئے سواری کی تلاش میں مصروف ہو گیا اور کئی روز اس تلاش میں گزر گئے تو بھی حانث نہ ہوگا۔ت) فرمایا:

هو الصحيح لان طلب المنزل من عمل النقلة فصار مدة الطلب مستثنی اذا لم يفرط فی الطلب فتح [2] اھ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	یہی صحیح ہے، کیونکہ دوسرا مکان تلاش کرنا یہ منتقل ہونے کا عمل ہے لہذا تلاش کی مدت شمار نہ ہوگی بشرطیکہ تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرے، فتح، اھ۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۴: از سیتاپور تامسن گنج دولت کدہ حضرت سید صادق میاں صاحب مرسلہ سید ارتضا حسین صاحب ۲۳ جمادی الاول ۱۳۱۶ھ

زید نے قسم کھائی کہ میں مغرب کی نماز میں امام کے ساتھ آدھی میں شریک ہوں گا، اور وہ وضو کر رہا تھا، اب وہ تیسری رکعت میں شریک ہوا، آیا وہ حانث ہوگا یا نہیں؟ اور آیا اس کو آدھی نماز ملی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حانث ہوگا، ظاہر ہے کہ ایک رکعت تین کی تہائی ہے نہ کہ آدھی۔ قسم پوری اس وقت ہوتی کہ دو رکوع پاتا کہ دو تہائی اگرچہ نصف سے زائد ہے مگر زیادت مانع بر نہیں،

وبهذا الوجه كان البر متصورا فانعقدت اليمين وان لم يكن للصلٰوة الثلاثة نصف معتبر فی الشرع نعم ان حلف ليدرکن نصفها لا اقل ولا ازيد فالظاهر	تو اس طرح قسم کو پورا کرنا متصور ہو سکتا ہے لہذا قسم قرار پائے گی اگرچہ شرعاً تین رکعت والی نماز کا نصف نہیں ہوتا، ہاں اگر قسم میں یوں کہا ہو میں اس نماز کا نصف پاؤں گا نہ اس سے کم نہ زیادہ، تو پھر ظاہر یہ ہے کہ بالکل

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۸۔ ۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۸

انہ لایحنث اصلا لعدم تصور البر فیما یظہر وھو شرط الانعقاد کما قدصرحوا بہ فی مسئلۃ الکوز و غیرہ ھذا ماظھر لی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حانث نہ ہوگا، کیونکہ اس صورت میں قسم کا پورا ہونا ممکن نہیں، یہی ظاہر ہورہا ہے کیونکہ قسم منعقد ہونے کے لئے، اس کا پورا ہونا متصور ہو، یہ شرط ہے، جیسا کہ فقہاء نے کوزے کے مسئلہ میں تصریح فرمائی ہے۔یہ ہے جو مجھے ظاہر معلوم ہوا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۵: از بنگالہ زین العابدین سراج گنج۔

کسے شخص رابرامر شرعی سوگند خداورسول داداست کہ اگر چنیں کار خواہی کرد بر تو سوگند خداورسول است آنکس سوگند خداورسول در حسابے نیاوردہ ہر کارے از ومنع کردہ بود از راہ سرکشی آں کار کرد شرعاً برآنکس چہ حکم صادر آید وتعزیرش درپیش آید۔بینوا توجروا۔	اگر کوئی شخص دوسرے کو خدا اور رسول کی قسم دیتے ہوئے یوں کہے اگر تو نے یہ کام کیا تو تجھے اللہ ورسول کی قسم ہے، تو وہ دوسرا شخص اس قسم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جس کام سے منع کیا تھا اس کو کرنے پر بضد رہے تو اس شخص پر شرعاً کیا حکم ہوگا اور اس پر کیا تعزیر ہوگی۔بینوا توجروا۔(ت)

الجواب:

سوگند بدادن کسے بردیگرے لازم نمی شود بے آنکہ دیگر سوگند برخود گیرد پذیرد پس در قبول نکردنش برآں الزامے نیست ففی الحدیث ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ عبر رؤیا فاخبرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ اصاب بعضا واخطأ بعضا تالیفا للصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ان نجھرہ واقسم علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتقسم[1]۔	دوسرے کو قسم دینے سے دوسرے کو اس وقت تک قسم لازم نہ ہوگی جب تک وہ خود قسم نہ اٹھائے لہٰذا مذکورہ صورت میں دوسرے شخص پر قسم لازم نہ ہوئی اس لئے اگر وہ قبول نہ کرے تو اس پر الزام نہ ہوگا، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک خواب کی تعبیر بیان کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بتایا کہ یہ تعبیر کچھ درست ہے اور کچھ غلط ہے، یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تالیفِ قلبی کے طور پر فرمائی کہ خطا کو ظاہر نہ فرمایا۔اس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم دی کہ

[1] مسند احمد بن حنبل مرویات ابن عباس دارالفکر بیروت

ففیه دلیل واضح علی ماقلنا وقد نص علی المسألة العلماء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	آپ بتائیں (کیا خطا اور کیا درست) تو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: قسم نہ دو، تو اس حدیث میں واضح دلیل ہے ہمارے بیان پر، اور علمائے کرام نے بھی یونہی مسئلہ ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶: از کریلی ضلع بریلی مرسلہ مولوی انعام الحق صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چار شریکوں نے باغ کی فصل خرید کی اور حصے بخرے پر جھگڑا پیدا ہوا، ایک شخص نے منجملہ ان شریکوں کے قسم کھائی اگر اس باغ میں رہوں تو اپنی ماں اور بیٹی سے زنا کروں، اور اپنے مکان کو چلاگیا، آخر کار دو آدمی اس کو جبراً اسی باغ میں لائے اور رات کو بھی رکھا اور قسم کے خلاف عمل میں آیا لیکن جبراً عمل میں آیا ہے، اور صبح کو اپنا فیصلہ کرکے مکان کو چلاگیا اور شخصوں نے اس کو اپنی برادری سے خارج کیا ہے تو اب اس پر جو قسم خوردہ ہے کیا تعزیر ہونا چاہئے؟ یا نہیں ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ ناپاک و بیہودہ قسم محض مہمل ہے، لوگ بعد قسم اسے باغ میں لائے اور شب کو رکھا اس سے اس قسم کھانے والے پر کوئی تعزیر نہ آئی نہ وہ اس بناء پر برادری سے خارج کئے جانے کے قابل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷تا۲۰۹: ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ نے آپس میں فرداً فرداً حلف اٹھایا ہے نماز کی پابندی پر اور ان قواعد کی پابندی پر جو ہمرشتہ تحریر ہذا پیش ہیں، اب وہ گروہ والے یہ چاہتے ہیں کہ ان قواعد میں جو قاعدہ جرمانے کا ہے وہ منسوخ ہوجائے اور حلف دروغی کے بھی مرتکب نہ ہوں اور قواعد نماز کی ترمیم بھی ہوسکے تو وہ صورت کون سی ہوسکتی ہے جس سے حلف دروغی عائد نہ ہو اور جرمانہ نماز بند ہوجائے اور قواعد نماز ترمیم ہوجائے

سوال ۲: نماز کی قضا یا اس کی قضا ادا کرنے پر بطور تنبیہ اگر کوئی جرمانہ مقرر کردیا جائے تو وہ خلافِ شرع تو نہیں ہے؟

سوال ۳: اگر جرمانہ نماز خلاف شرع شریف ہو اور اس پر حلف سہواً اٹھالیا گیا تو وہ حلف جائز طور سے ہوا یا ناجائز، اور اس کے توڑنے سے گنہگار ہوں گے یا نہیں؟

قواعد متعلق پابندی نماز

(۱) اگر کوئی ممبر کسی وقت کی نماز کی قضا بھی ادا نہ کرے گا اس کو یکم نومبر ۱۹۰۴ سے فی وقت کے

عوض ایک پائی بطور جرمانہ کے انجمن کے اس عہدہ دار یا ممبر کے پاس داخل کرنا ہوگا جس کے سپرد انجمن اس خدمت کو کرے گی۔

(۲) ہر ممبر اور عہدہ دار پر لازم ہوگا کہ ایسی نماز کی اطلاع کہ جس کی قضاء بھی اس سے ادا نہ ہوئی ہو بلا دریافت کے ہفتہ وار انجمن کو کردے۔

(۳) آمدنی جرمانہ کا رجسٹر جدا ہوگا۔

(۴) یہ آمدنی کسی کارِ خیر میں صرف ہوگی۔

(۵) جرمانہ قضا نماز کی ادائیگی بحالتِ موجودگی بریلی ہفتہ وار ہوا کرے گی۔

(۶) اگر ممبر یا عہدہ دار ایسا جرمانہ قصداً وقت معینہ پر ادا نہ کرے گا اور انجمن کی رائے میں اس کا یہ ارادہ مفسدانہ پایا جائے گا تو اس ممبر کا نام باجازت کورم جلسہ معمولی انجمن کیا جائے گا (تعداد ممبران کی ایک حد کا نام کورم ہے)

(۷) اگر کوئی قصداً حلف دروغی کا مرتکب ہوگا وہ انجمن سے خارج کیا جائے گا۔

(۸) کوئی مسلمان ممبر بلاحلف اٹھائے اس انجمن کا ممبر نہ بنایا جائے گا۔

عبارت حلف

(۱) میں حلف کرتا ہوں کہ پانچ وقت کی نماز کی ادائیگی میں کوشش کروں گا۔

(۲) اور اگر سہواً یا اتفاقاً یا عمداً قضا ہوجائے گی تو اس کو دوسرے وقت ادا کروں گا۔

(۳) اگر قضا بھی ادا نہ کرسکوں گا تو یکم نومبر ۱۹۰۴ء سے جو قواعد متعلق پابندی نماز انجمن ہذا سے تیار ہوئے ہیں ان کی پابندی بدل وجان کروں گا۔ واضح رہے کہ حلف اٹھانے سے قبل اور بعد بھی یہ بات سمجھادی گئی تھی کہ حلف بالا کی سطر اول اور دوم کا اثر تم لوگوں پر تمام عمر رہے گا اور سطر سوم وچہارم کا اثر فقط اسی زمانے تک رہے گا جب تک کہ تم اس انجمن کے ممبر ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جرمانہ کے ساتھ تعزیر کہ مجرم کا کچھ مال خطا کے عوض لے لیا جائے منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں **کما حققہ الامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی والمسألۃ فی الدر المختار وغیرہ وقد بیناھا علی ھامش ردالمحتار** (جیسا کہ اس کی تحقیق امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمائی، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے ________ اور ہم نے اس کو ردالمحتار کے حاشیہ میں بیان کیا ہے۔ت) اور ناجائز بات پر عمل کرنا جس حلف سے لازم آتا ہو اس کو توڑنا واجب ہے **کما ارشد الیہ الحدیث**

وفصله فی الهندیة (جیسا کہ اس کے لئے حدیث میں ارشاد ہے اور اسکی تفصیل ہندیہ میں ہے۔ت) مگر صورت مذکورہ میں وہ جرمانہ انجمن والوں نے اپنے لئے لینا نہ قرار دیا بلکہ کسی کارِ خیر میں اس کا صرف کرنا بتایا ہے اور اس کے لینے میں انجمن کی طرف سے کوئی جبر واکراہ نہیں، صرف اتنا قاعدہ قرار دیا ہے کہ جو جرمانہ نہ دے انجمن سے خارج کیا جائے تو انجمن میں داخل رہنے کے لئے جو شخص یہ رقم ادا کرے گا بجبر و تعدی نہ ہوگا بلکہ اس کی اپنی رضا سے ہوگا کہ انجمن سے خارج ہونے میں اس کا کوئی ضرر نہ تھا اس نے باختیارِ خود یہ پسند کیا کہ یہ رقم اس سے لے کر کارِ خیر میں صرف ہو، لہٰذا یہ قانون جرمانہ ناجائزہ کی حد تک نہیں پہنچتا۔ رہا حلف وہ اگر عبارت حلف بے کم وکاست اسی قدر ہے اور اس سے قبل یا بعد زبانی کوئی لفظ ایسا نہ کہلوایا گیا کہ حلف کو ان چاروں سطروں سے شرعًا متعلق کردے تو حلف صرف دو سطر سابق سے متعلق ہو کہ بعد کی دو سطریں حرف عطف سے خالی ہیں،

والجملة المستقلة لاتتعلق بالسابقة الابعاطف فبقیت خارجة عن الحلف لماعلم ان فصل الاجنبی یبطل عمل الحلف حتی لو قال والله والرسول لافعلن کذا لم یکن یمینا لان قوله والرسول لیس یمینا فکان فاصلا کما فی العٰلمگیریة وغیرها فکان کقول القائل والله لاشربن لاقومن لم یدخل تحت الحلف الاالشرب دون القیام بخلاف قوله ولاقومن، هذاماظهر لی وارجو ان یکون صوابا۔	اور یہ جملہ مستقلہ ہے اس کا پہلے عطف کے بغیر تعلق نہیں ہوسکتا، لہٰذا یہ قسم سے خارج ہے کیونکہ اجنبی جملہ کے فاصلہ سے قسم کا عمل ختم ہوجاتا ہے، حتی کہ اگر کوئی شخص یوں کہے اللہ اور رسول کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا، تو قسم نہ ہوگی کیونکہ اللہ کی قسم ہوتی ہے، تو درمیان میں رسول کا لفظ فاصل بن گیا، کیونکہ رسول کی قسم نہیں ہوتی، جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں بیان ہے، تو یہ یوں ہوا جیسے کوئی کہے خدا کی قسم میں ضرور نوش کروں گا ضرور کھڑا ہوں گا، تو یہ نوش کرنے کی قسم ہوگی کھڑے ہونے کی قسم نہ ہوگی، اس کے برخلاف اگر حرفِ عطف کے بعد، میں ضرور کھڑا ہوں گا، کہے، تو کھڑے ہونے کی بھی قسم ہوگی۔ یہ مجھے ظاہر ہوا اور مجھے امید ہے کہ یہ درست ہوگا۔(ت)

اس تقدیر پر پابندی جرمانہ ودیگر قواعد انجمن زیر حلف داخل ہی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خان صاحب ۱۵ شوال ۱۳۲۹ھ

اگر چند بار کسی شخص نے حلف شرعی کسی امر کے واسطے کیا ہو اور پھر اس کے خلاف کرے اور اس امر کا فیصلہ کہ جس کے بابت اس نے حلفِ شرعی کئی مرتبہ کیا ہے تو وہ اس کا فیصلہ قابل مان لینے کے

ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر خلاف کرنے میں شرعاً خیر دیکھے تو خلاف کرے اور کفارہ دے ورنہ بلاوجہ شرعی قسم توڑنا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَكُمْ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی قسموں کو پورا کرو۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من حلف علی یمین فرأی غیرھا خیرا منھا فلیأت الذی ھو خیر ولیکفر عن یمینه[2]۔ رواہ احمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جس نے کسی چیز کا حلف دیا اور اس کے خلاف سے بہتر محسوس کرے تو بہتر کو بجالائے اور قسم کا کفارہ دے۔اس کو احمد، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

یہی حال فیصلہ کا ہے اگر حلف کیا تھا کہ یوں فیصلہ کرے گا پھر حکمِ شرع اس کے خلاف پایا تو اس پر فرض ہے کہ خلاف ہی کرے اور کفارہ دے، اور اگر حکم شرع وہی تھا جس پر حلف کیا پھر اس کا خلاف کیا تو قسم توڑنے کا بھی گناہ ہوا اور ظلم و ناحق فیصلہ کا گناہ سخت تر ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: از سرونج مسئولہ عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ جمادی الاوّل ۱۳۳۱ھ

ایک امیر نے اپنے ملازم کو خدمت کے صلہ میں زمین دی پھر کسی بات پر ملازم سے خفا ہو کر حالتِ غصہ میں قسم کھائی کہ میں تیری زمین ضبط کروں گا، اور یہ بھی حلف لیا کہ میں تیرے گھر کا کھانا بھی نہ کھاؤں گا۔ اب وہ امیر اگر حلف شکنی کرے تو کیا کفارہ لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب:

قسم کا کفارہ لازم ہوگا کہ دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو جوڑے دے یا دس مسکینوں کو فی مسکین ایک صاع جو یا نصف صاع گیہوں یا اس کی قیمت دے، صاع سو روپیہ کے سیر سے ایک روپیہ بھر اوپر ساڑھے تین سیر ہے، اور جس سے یہ نہ ہوسکے وہ تین روزے رکھے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲: از رائپور گول بازار ممالک متوسط مرسلہ مولوی محمد سلیم خاں کتب فروش ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی دوسری والدہ کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۸۹/۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۸/۲

ہوش وحواس میں قسم کھائی کہ مجھ کو خدا کا دیدار اور حضرت (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شفاعت نصیب نہ ہو جو میں اپنے والد کی کمائی کا روپیہ یا جائداد موجودگی یا عدم موجودگی یا بعد وفات والد ماجد کے لوں جائداد میں یا ان کی کمائی میں، اب وہ شخص کسی طرح سے اپنے باپ کی جائداد یا کمائی کا روپیہ لے سکتا ہے یا نہیں؟ امید کہ جواب امورِ مذکورہ بالا از روئے کتب حنفیّہ عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ جو اس نے کہا شرعًا قسم نہیں بلکہ اپنے حق میں بددعا ہے، اس کے سبب مال پدر سے لے لینا ناجائز نہ ہو گیا، لے سکتا ہے، اور ایسے برے لفظ سے توبہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے:

علیه غضبه لایکون یمینا ایضا لانه دعاء علی نفسه ولا یستلزم وقوع المدعو بل ذٰلك متعلق باستجابة دعائه لانه غیر متعارف، فتح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے یوں کہا مجھ پر اللہ تعالٰی کا غضب ہو تو یہ بھی قسم نہ ہوگی، کیونکہ یہ اپنے لئے بددعا ہے اور اس کا وقوع لازم نہیں ہے اس لئے یہ وقوع اس کی دعا کے قبول ہونے پر موقوف ہے کیونکہ یہ غیر متعارف ہے، فتح۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے متعلقوں سے ناراض ہو کر قسم کھائی اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں تو خدا کرے میں کافر ہو جاؤں، اس پر لوگوں نے سمجھایا کہ ایسی قسم مت کھا، مگر زید نے مکرر سہ کرر قسم کھا کر کہا اگر میں حج کو نہ چلا جاؤں کافر ہو جاؤں، لہٰذا بستی والوں نے مبلغ صہ روپیہ چندہ کرکے دے دئے، چنانچہ زید وہ روپیہ لے کر اس بستی سے حج کے ارادہ سے ظاہرًا روانہ ہو گیا مگر دس روز کے بعد پھر اپنی بستی میں واپس آگیا اور کہا میں بمبئی سے لوٹ آیا ہوں حج کو نہیں جاؤں گا، ایک روز زید مسجد میں نماز پڑھنے کو گیا وہاں بکر نے دعا مانگی: یااللہ پاک! تو ہر مسلمان کو حج نصیب کر۔ اس دعا کو سن کر زید نے بکر کو گالیاں دیں مجھ کو تو طعنہ دیتا ہے، درانحالیکہ زید اس وقت اندازًا مبلغ ڈھائی سو روپے کی چیزوں کا بذاتِ خود مالک ہے یعنی بیل بھینس اور ہل نیشکر کا مالک ہے تو ایسی حالت میں اس چندہ کا کیا حکم ہے جو کہ وہ ہضم کر چکا ہے اور اس کو شرع کون سے لفظ سے نامزد کرتی ہے اور مسلمان لوگ کیا برتاؤ کریں، اگر زید اس فعل مذکور سے احاطہ اسلام سے خارج ہو گیا تو دائرہ اسلام میں کس ترکیب سے داخل ہو سکتا ہے اور کس طرح گناہ سے بری ہو سکتا ہے اور کوئی مسلمان اس حالتِ موجودہ میں اس سے ارتباط ومیل جول رکھے تو ایسے مسلمان کے واسطے کیا حکم ہے اور منکوحہ اس کی

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۷

اور اولاد اس کی کا کیا ہے کہ یہ سب زید کے ساتھ کیا سلوک کریں ورنہ اولاد اور منکوحہ اس کی کے ساتھ مسلمان کیا تعلق رکھیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید نے جو الفاظ کہے قسم نہ تھی اسکے بعد حج کو نہ جانے کے سبب احاطہ اسلام سے خارج نہ ہوا روپیہ کہ چندہ والوں نے دیا وہ ہبہ تھا کہ زید بعد قبضہ اس کا ٹکٹ لے کر گیا اگر واقعی زید کا اس وقت ارادہ حج کو جانے کا تھا اور بمبئی تک گیا اور کوئی عذر پیش آیا کہ نہ جاسکا مثلاً زید بہت ضعیف ہوا اور محتاج معین ہو اور اسے کوئی ایسا نہ ملا کہ اس سفر میں اس کی اعانت کرے، بمجبوری پلٹ آیا تو اس پر کچھ الزام نہیں چندہ کا روپیہ بہتر یہ ہے کہ واپس کردے ورنہ شرعاً اس پر واپسی لازم نہیں، ہاں اگر وہ دھوکا دے کر جھوٹ ارادہ ظاہر کرتا اور اس ذریعہ سے لوگوں سے روپیہ لے کر چلتا ہو ضرور شخص مجرم تھا مگر صورتِ سوال سے اس کا ہرگز یہ ارادہ نہیں عــہ۱، نہ کسی پر بدگمانی جائز بلاوجہ قطعی اور بلا ثبوت شرعی دھوکا دینے اور جھوٹ ارادہ روپیہ ہضم کرلینے عــہ۲ کرلیں گے وہ سخت مجرم ہوں گے اس پر توبہ فرض ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

عــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین ۱۳۳۰ھ
(قسم کی مصیبت سے متعلق قیمتی جوھر)

مسئلہ ۲۱۴: از شمس آباد ضلع اٹک مرسلہ جناب مولٰنا مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۱ محرم شریف ۱۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے اندریں مسئلہ کہ زید از پسر خود بوجہ امرے خلاف مرضی ناراض شدہ زن خود راگفت کہ اگر ایں پسر مرادر خانہ گزاشتی تو بر من سہ طلاق طلاق ہستی باز بعد از چند مدت بوجہ عذر خواہی پسرش زید خود ازاں پسر راضی شدو در خانہ گذاشت وزن او چیزے ازلاو نعم نگفت آیا آں زن برزید طلاق شدیانہ؟ بینوا توجروا۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کسی ناپسندیدہ معاملہ پر اپنے بیٹے سے ناراض ہوا تو زید نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو نے میرے اس بیٹے کو گھر میں چھوڑا تو مجھ پر تو تین طلاق ہے، پھر کچھ مدت کے بعد بیٹے کی معذرت خواہی پر زید اپنے اس بیٹے سے راضی ہوگیا اور گھر میں آنے دیا، بیٹے کے گھر آنے پر زید کی بیوی نے بیٹے کو کچھ نہ کہا، نہ ہاں اور نہ ہی نہ کہا، تو کیا اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ الحمد للہ رب	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یااللہ! تجھ سے ہی حق و صواب میں رہنمائی ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو

العٰلمین، وافضل الصلوٰة والسلام علی السید الامین، الذی قال له ربه فسلٰم لك من اصحٰب الیمین، اجله اجلالاوعزه تعزیزاوجعل تعلیقات مواعید فضله فی حق امته تنجیزا، صلی الله تعالٰی وسلم علیه وعلٰی اٰله وصحبه المیامین، عددکل برو فاجر وبر وحنث وعهد ویمین، اٰمین!	سب جہانوں کو پالنے والا ہے، بہترین صلوٰۃ وسلام اس آقا امین پر جس کے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے حبیب! آپ کے لئے دائیں جانب والے اصحاب کی طرف سے سلام ہے، اور اس کو انتہائی بزرگیوں سے نوازا اور اس کو اعلٰی اعزاز عطافرمایا اور اس نے اپنے فضل کے مشروط وعدوں کو آپ کی امت کے حق میں غیر مشروط فرمایا، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام آپ پر اور آل واصحاب پر جو دائیں جانب والے ہیں، ہر نیک وبد اور پورا کرنے والے اور توڑنے والے اور عہد وقسم کی تعداد کے برابر ہو، آمین!
فقیر غفرله المولی القدیر دریں مسئلہ نگاہ تنقیح راجولاں دادم وبقدر قدرت وفرصت دور فرستادم عدم طلاق راوجہے کہ ثلج صدر دہد نیافتم بخانہ گزاشتن ترک وتخلیہ است واوبد ووجہ منتفی شود منع بالفعل یانہی بالقول واینجا بتصریح سوال ہر دو نافی منتفی پس تخلیہ کہ شرط حنث بود روئے نمود وسہ طلاق لازم شد در فتاوی امام اجل قاضی خاں کتاب الایمان مسائل الیمین علی الترك است رجل اٰجر دارہ سنة ثم قال للمستاجر والله لااترکك فی داری ثم قال له اخرج من داری یصیر بارا[1]، در عقود الدریہ از	اس فقیر (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) نے اس مسئلہ میں چھان بین کے لئے نظر دوڑائی اور اپنی ہمت اور فرصت کے مطابق دور گہرائی تک پہنچا، تو طلاق نہ ہونے کی کوئی اطمینان بخش وجہ نہ پائی، گھر میں چھوڑنا، جس کا مطلب ترک کردینا اور علیحدہ ہونا ہے، اور یہ ترک وعلیحدہ ہونا دو طریقوں عملاً منع کرنے یا زبانی بات کرنے کے ذریعے روکنے سے منتفی ہوسکتا ہے اور یہاں پر سوال سے واضح ہورہا ہے کہ بیوی نے بیٹے کو دونوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے بھی منع نہیں کیا، توجب منع کرنا منتفی ہے تو تخلیہ وترک متحقق ہوگیا جو حنث کے لئے شرط قرار دی تھی، تواس تخلیہ کے پائے جانے سے بیوی کو تین طلاقیں لازم ہوگئی ہیں،

[1] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶

فتاوی صغرٰی است باز درخانیہ فرمود رجل حلف ان لایدع فلانا یدخل ھذہ الدار فان کانت الدار للحالف فمنعہ بالقول ولم یمنعہ بالفعل حتی دخل حنث فی یمینہ فیکون شرط برہ المنع بالقول والفعل بقدر مایطیق وان لم تکن الدارللحالف فمنعہ بالقول دون الفعل حتی لودخل لایکون حانثا[1] باز فرمود رجل حلف بطلاق امرأتہ ان لایدع فلانا یمر علی ھذہ القنطرۃ فمنعہ بالقول یکون بارالانہ لایمنعہ بالقول یکون بارالانہ لایملك المنع بالفعل[2] باز فرمود رجل قال لابنہ ان ترکتك تعمل مع فلان فامرأتہ کذا فان کان الابن بالغا لایقدر علی منعہ بالفعل فمنعہ بالقول یکون باراوان کان الابن صغیراکان شرط برہ المنع بالقول والفعل جمیعا[3] ودربزازیہ چنانست قال لابنہ الکبیر ان ترکتك تعمل مع فلان فھو علی المنع بالقول ولو صغیرافعلی

امام اجل قاضی خاں کے فتاوی کے کتاب الایمان میں ترک پر قسم کے مسائل میں ہے کہ ایک شخص نے اپنا گھر ایک سال کے لئے کرایہ پر دیا تو پھر اس نے کرایہ دار کو کہا خدا کی قسم میں تجھے اپنے گھر میں نہ چھوڑوں گا، یہ کہہ کر پھر اس نے کرایہ دار کو زبانی کہا تو میرے گھر سے نکل جا، تو اس کہنے پر وہ مالک قسم میں سچا ہوگیا اور اس نے اپنی قسم پوری کرلی۔ اسی طرح عقودالدریہ میں فتاوی صغری سے منقول ہے اور پھر خانیہ میں فرمایا کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ "میں فلاں کو اس گھر میں داخل نہ ہونے دوں گا" تو اگر یہ گھر قسم کھانیوالے کی ملکیت ہو تو اس نے اس کو زبانی منع کیا اور عملاً منع نہ کیا، پس وہ شخص اس گھر میں داخل ہوگیا تو قسم کھانے والے کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ گھر کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کی قسم پوری ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے حسبِ طاقت منع کرتا اور اگر وہ گھر قسم کھانے والے کی ملکیت نہ ہو تو اس کو زبانی منع کیا اور عملا منع نہ کیا حتی کہ اگر وہ شخص اس مکان میں داخل ہو گیا تو حانث نہ ہوگا خانیہ میں پھر فرمایا کہ ایک شخص نے بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ وہ فلاں شخص کو اس پل سے نہ گزرنے دے گا، پھر اس نے زبانی اس کو گزرنے سے روکا، تو اس کی قسم پوری ہو گئی کیونکہ وہ اس کو عملاً منع کرنے پر قادر نہ تھا۔ پھر فرمایا ایک شخص نے اپنے بیٹے کو کہا اگر میں تجھے فلاں کے ساتھ کام کرنے کے لئے چھوڑوں

[1] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶
[2] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶
[3] فتاوی قاضی خاں مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶

القول والفعل [1] بازدرخانیہ فرمود ولو قال ان ترکت فلانا یدخل بیتی فامرأته کذا فدخل فلان ولم یعلم به الحالف لایحنث وان علم ولم یمنعه حنث [2] درفتح القدیر آخر ایمان ست حلف لااترك فلانا یفعل کذا کلایمر اولایذهب اولایدخل یبر بقوله له لاتفعل لاتخرج لاتمر اطاعه اوعصاه [3] درعقود الدریہ است حلف بالطلاق علی اخته البالغة لااخلیك تسکنین مع حماتك فی الدار فحیث لاتکن الدار للحالف فمنعها بالقول دون الفعل لایحنث [4] کذا فی الخانیة و البزازیة ورسائل العلامة الشرنبلالیة دراں از قنیہ است حلف لیخرجن ساکن داره الیوم والساکن ظالم غالب یتکلف فی اخراجه فان لم یمکنه فالیمین علی التلفظ باللسان [5] درعالمگیریہ است	تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر بیٹا بالغ ہو جس کو عملاً نہ روک سکتا ہوتو اس کو صرف زبانی منع کرنے پر قسم پوری ہوجائیگی، اور اگر بیٹا نابالغ ہو تو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا شرط ہوگا۔اور بزازیہ میں یوں ہے کہ اگر بیٹا بالغ ہوتو پھر صرف زبانی منع کرنا قسم پوراہونے کیلئے شرط ہےاوراگر بیٹا نابالغ ہوتو پھر زبانی اور عملی دونوں طریقوں سے منع کرنا شرط ہوگا۔پھر خانیہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے یوں کہا اگر میں فلاں کو اپنے گھر میں داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، پس وہ شخص اس کی لاعلمی میں داخل ہوگیاتوحانث نہ ہوگا،اور اگر اس کے داخلے پر علم ہواور منع نہ کیاتو حانث ہوگا۔فتح القدیر میں قسموں کے بیان کے آخر میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کواس کام پر نہ چھوڑوں گا، مثلاً گزرنے نہ دوں گا، جانے نہ دوں گا، داخل نہ ہونے دوں گا، تو صرف زبانی، نہ کر، نہ داخل ہو، نہ گزر کہہ دینا قسم کو پورا کرنے کیلئے کافی ہے وہ مانے یانہ مانے عقودالدریہ میں ہےایک شخص نے طلاق کی قسم کھاتے ہوئے اپنی بالغ بہن کو کہا میں تجھے گھر میں تیرے دیوروں کے ساتھ رہتا نہ چھوڑوں گا، توجب وہ گھر قسم کھانے والے کانہ ہوتو پھر زبانی روکنامراد ہوگاعملاً روکنامراد نہیں ہوگاتوزبانی روک دیاقسم پوری ہوجائیگی،

[1] فتاوی بزازیۃ علی حاشیۃ فتاوی ہندیہ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۵۰

[2] فتاوی قاضی خان مسائل الیمین علی الترك نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۷

[3] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۷۴

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق قندھار افغانستان ۱/ ۳۸

[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق قندھار افغانستان ۱/ ۵۰

اذقال ان ترکت فلانا یدخل ھذہ الدار فامرأتی طالق فان کان الحالف یملك ھذہ الدار فشرط برہ ان یمنعہ عن الدخول بالقول الفعل ھکذا ذکرہ الصدر الشھید رحمہ اللہ تعالٰی فی واقعاتہ. وفی النوازل شرط برہ ملك المنع ولم یعترض لملك الدار فقال ان کان الحالف یملك منعہ عن الدخول فھو علی النھی والمنع جمیعا وان کان لایملك منعہ فھو علی النھی دون المنع وکان شیخ الامام ظھیر الدین یعتبر ملك المنع وعلیہ الفتوی[1]۔

اقول: اینجا تنبہ باید برامور **اولا** عبارات علما چنانکہ دیدی در مسئلہ عدم ترک فلاں مثلاً نگزارم کہ بخانہ آید بر رنگہائے مختلف آمدہ امام صدر شہید اعتبار ملک دار فرمود کہ اگر خانہ خانہ اوست منع بقول وفعل کند اگر تنہا بنہی زبانی عمل نماید حانث ہمیں است نص دوم امام قاضی خاں، آرے اگر خانہ ملک اونیست منع زبانی بس است، وامام فقیہ ابواللیث ملک منع رامعتبر داشت کہ اگر بزور باز داشتن تواند مجرد نہی کفایت نکند گوخانہ خانہ اش مباش ورنہ کافی است گوخانہ خود از آں او باش امام ظہیر الدین ہمبریں فتوی داد ونص اول امام قاضی خاں و

یوں خانیہ، بزازیہ اور علامہ شرنبلالی کے رسائل میں ہے اور اس میں قنیہ کے حوالے سے ہے کہ ایک نے قسم کھائی کہ میں آج فلاں رہائشی کو ضرور نکال باہر کروں گا، تو وہ رہائشی ظالم اور غالب ہو جس کو نکالنا مشکل ہو تو پھر نکالنے سے مراد زبانی کہنا ہوگا، لہٰذا زبانی کہہ دینا کہ نکل جا، قسم کے پورا ہونے کے لئے کافی ہے، عالمگیریہ میں ہے کسی نے کہا اگر میں فلاں کو اس گھر میں داخل ہوتا چھوڑوں تو میری بیوی کو طلاق، تو اگر گھر اس کی ملکیت ہو تو پھر قسم پورا ہونے کے لئے زبانی اور عملی دونوں طرح منع کرنا ضروری ہے، اس کو صدرالشہید رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب واقعات میں یونہی ذکر فرمایا ہے، اور نوازل میں ہے قسم پورا کرنے کے لئے منع کی قدرت شرط ہے انہوں نے گھر کی ملکیت کا ذکر نہیں فرمایا اور یوں کہا اگر قسم کھانے والا اس کو دخول سے منع کر سکتا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح منع مراد ہوگا، اور اگر وہ دخول سے روکنے پر قادر نہ ہو تو پھر صرف زبانی منع مراد ہوگا، اور امام شیخ ظہیر الدین منع کی قدرت کا اعتبار کرتے ہیں اور اسی پر فتوی ہے۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں یہاں چند امور پر تنبیہ ضروری ہے **اول** جیسا کہ آپ نے دیکھا عدمِ ترک فلاں، یعنی فلاں کو نہ چھوڑوں گا کہ وہ گھر میں آئے، کے مسئلہ میں علماء کرام کی عبارات مختلف ہیں، امام صدر شہید گھر کے مالک ہونے کا اعتبار کرتے ہیں کہ اگر گھر اس کا اپنا ہے تو پھر زبانی اور عملی دونوں طرح سے روکے، اور اگر صرف زبانی روکا تو حانث ہو جائے گا، اور امام قاضی خاں کی دوسری نص بھی یہی ہے، ہاں اگر گھر اس کا اپنا نہ ہو تو پھر زبانی روکنا کافی ہے، اور امام فقیہ ابواللیث نے روکنے کی قدرت واختیار کو معتبر رکھا ہے کہ اس

[1] فتاوی ہندیۃ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق بکلمۃ ان الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۳۶

امام حسام الدین در فتاوی صغری مسئلہ خود در دار مملوکہ حالف وضع فرمود و علی الاطلاق بر نہی زبانی اقتصاد نمود وہمیں ست قضا ونص مذکور فتح القدیر، ودر بزازیہ جائے دار پسر فرق بصغیر وکبیر فرمود کہ صغیر را باز داشتن بقول وفعل جمیعا لازم است وکبیر را تنہا بقول واز نص چہارم خانیہ تقیید مستفادست کہ اگر بر کبیر قدرت منع بالفعل نہ باشد منع بالقول ست ودر نص سومش در حق اجنبی مطلّقا منع قولی گرفت کہ منع فعلی نمی تواند

فقیر گویم بحقیقت اینجا ہیچ اختلاف نیست اصل سخن آن ست کہ درخانیہ بآں اشارہ رفت کہ قدر ما یطیق پیداست کہ ہر کہ گفت فلاں را بخانہ نگزارم وقادر بود براخراج او گرچہ خانہ خانہ دیگرے باشد وآنکس باجارہ یا اعارہ وغیر ہما آنجامی ماند واگرچہ آنکس پسر بالغ یا اجنبی بود چوں طاقت خود رابکار بزد و تنہا ہر یکبار گفتن کہ میا، یا بیروں شو قناعت در زید قطعًا او را بخانہ گزاشت وحانث شود ہر کہ نتواند گو خانہ خانہ اش باشد وآنکس پسر صغیر، مثلًا حالف مقعد یا زمن یا مفلوج ست وپسر سیز دہ چہاردہ سالہ شریر کہ سر بفرمان ننہد لاجرم اینجا ہمیں نہی بقول کافی بود درخانہ خودش غالب اختیار کلی باشد واحکام فقیہ نظر بغالب دارد ازینجہت امام صدر شہید آں تفرقہ فرمود کہ تعبیر اصل بمظنہ نیست عــہ درزمن متاخر

صورت میں اگر طاقت سے روک سکتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہیں ہے اگرچہ وہ گھر اپنا نہ بھی ہو ورنہ صرف زبانی روکنا کافی ہے اگرچہ گھر اپنا ہی ہو، امام ظہیر الدین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ امام قاضی خان کی پہلی نص اور امام حسام الدین نے فتاوی صغری میں، اپنا یہ مسئلہ، قسم اٹھانے والے کے اپنے گھر کے متعلق بیان کیا اور وہاں انہوں نے مطلقًا زبانی روکنے پر اقتصار فرمایا اور یہی فتح القدیر کا فیصلہ اور نص ہے،

اور بزازیہ میں بیٹے کے معاملہ میں صغیر وکبیر کا فرق کیا ہے کہ اگر بیٹا صغیر ہو تو زبانی اور عملی دونوں طرح گھر سے روکنا ضروری ہے اور اگر کبیر ہو تو پھر صرف زبانی روکنا کافی قرار دیا ہے، اور خانیہ (قاضیخاں) کی چوتھی نص میں یہ تقیید عیاں فرمائی کہ اگر کبیر بیٹے پر عملًا روکنے کی قدرت نہ ہو تو تب زبانی روکنا کافی ہے، اور ان کی تیسری نص اجنبی شخص کے متعلق ہے کہ اس کو مطلقًا زبانی روکنا ہی کافی ہوگا کیونکہ عملی طور اجنبی کو روکنا ممکن نہیں ہے۔ میں فقیر کہتا ہوں کہ حقیقتًا یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ اصل حقیقت وہ ہے جس کی طرف خانیہ میں اشارہ گزرا کہ قدرت کے مطابق روکنا مراد ہے، ظاہر ہے کہ جو یہ کہتا ہے کہ میں فلاں کو گھر میں نہ چھوڑوں گا تو اگر وہ اس کو نکالنے پر قادر ہو گھر اس کا اپنا ہو یا نہ ہو بلکہ کرایہ دار ہو یا عاریةً ہو جو بھی صورت رہنے کی ہو تو جس کے متعلق یہ کہا وہ بیٹا بالغ ہو یا کوئی اجنبی ہو اس کو روکنے کی

عــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

اختیار تام جز بر اطفال صغار نماند لہذا تفریق صغیر وکبیر کردند کہ نیز از ہماں وادی است دیگراں نظر بفساد زمان گفتند کہ غالبا منع بتدافع وتدافع بتضارب انجامد وآتش فتنہ سر بالا کشود والفتنۃ اشد من القتل لہذا از سر اقتصار بر سخن کردند ومراد جملہ یکے وباللّٰہ التوفیق، بالجملہ بریں قدر اتفاق ست کہ نگزا شتن راکم از کم بزبان باز داشتن ناگزیر است ہر کہ ایں رازن آں پسر را برآوردن نتوانست آخر کم نہ ازاں کہ یکبار گفتی میاں یا بیروں رود محلش نہ بود مگر اول وہلہ چوں آں گاہ خموشی گزید گزاشتن حاصل شد وطلاق نازل باز منع بے سود ولاطائل واگر آں وقت یکبار منع کردی سوگند منتہی شدے کہ مصدر بکلمہ کلما نبود پس ازاں ترک اگرچہ مستمر ماندے زیاں نہ رساندے وکل ذٰلک واضح مما قدمنا من نصوص العلماء

اقول: والسرافیہ ان التخلیۃ عدمیۃ لانہا عدم النہی والتعرض وقد اثبتت فی الشرط فیکون منفیۃ ونفی النفی اثبات و

طاقت رکھتا ہے تو پھر زبانی روکنا کافی نہ ہوگا کہ ایک بار زبانی منع کردے اور کہے کہ یہاں نہ آیا باہر ہو جا بلکہ عملی اور زبانی ہر طرح روکنا ہوگا ورنہ اندر چھوڑا تو قطعًا حانث ہو جائے گا، اور جو روکنے پر قدرت نہیں رکھتا گو وہ گھر اس کا اپنا ہو اور بیٹا بھی صغیر ہو تو زبانی روکنا ہی کافی ہے، مثلًا قسم کھانے والا اپاہج ہو یا معذور ہو یا مفلوج ہو اور بیٹا تیرہ چودہ سال کا شریر ہو کہ فرمانبرداری نہیں کرتا، تو ایسی صورت میں مجبورًا زبانی روکنا ہی کافی قرار پائے گا، چونکہ اپنے ذاتی گھر میں کلی اختیار ہونا اغلب ہے اور فقہی احکام کا مدار بھی غالب امور پر ہوتا ہے اس لئے امام صدر شہید نے اپنے اور غیر گھر کا فرق ذکر کیا ہے ورنہ یہ قاعدہ کا بیان نہیں ہے، اور چونکہ آخر زمانہ میں باپ کو صرف صغیر بیٹے پر ہی مکمل اختیار ہوتا ہے اس لیے فقہاء نے صغیر وکبیر بیٹے کا فرق بیان کرنا بھی اسی وجہ سے ہے، دوسرے فقہاء نے زمانہ کے فساد کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف زبانی روکنے کو ذکر کیا کیونکہ اغلب طور پر روکنے کے لئے عملی رکاوٹ ضروری ہوتی ہے اور عملی رکاوٹ مار پیٹ سے ہوتی ہے جبکہ اس سے فتنہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور فتنہ، قتل سے بھی برا ہے، اس لیے تمام عبارات کا ماحاصل ایک ہی ہے، یہ توفیق بیان اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ تاہم خلاصہ یہ ہے کہ نہ چھوڑنے کے لئے کم از کم زبانی روکنا ضروری ہے، تو جب کسی نے زبانی روکنے کا عمل بھی نہ کیا تو گویا اس نے چھوڑا۔ تو زیر بحث مسئلہ میں بیوی اگر بیٹے کو عملًا باہر نہیں نکال سکتی تھی

الاثبات تکفی مرة کان قال ان لم تمنعی تطلقی ای ان منعت فلا فاذا انهت نحت والیمین قد انتهت۔

تو ایک بار زبانی یہ کہہ دینے سے تو عاجز نہ تھی کہ گھر میں مت آ، یا باہر جا، روکنے کا مقام ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے جب ابتداء میں وہ خاموش رہی تو بیٹے کو گھر میں چھوڑنا متحقق ہوگیا اور طلاق کی وجہ پائی گئی اور طلاق ہوگئی، بعد میں منع کرنا اور روکنا بے سود ہے اگر وہ ابتداء میں ایک بار بھی زبان سے روک دیتی تو قسم ختم ہوجاتی کیونکہ قسم میں ہیشگی کے لئے "کلما" کا لفظ نہ تھا ایک دفعہ روکنے کے بعد اگر نہ روکنا باقی رہتا تو کوئی حرج نہ تھا، یہ تمام گفتگو علماء کرام کے مذکورہ نصوص سے واضح ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس میں نکتہ یہ ہے کہ تخلیہ یعنی لا تعلّقی عدمی چیز ہے کیونکہ یہ، نہ روکنے اور نہ چھیڑنے کا نام ہے تو شرط میں اس تخلیہ کا اثبات کیا گیا جس سے یہ منفی بن گیا اور جب اس منفی کا ترک ہوا تو نفی پر نفی ہو جانے سے اثبات ہوگیا (یعنی نہ روکنے کا عدم ہوجانے سے روکنا متحقق ہوگیا) تو قسم کے پورا ہونے کے لئے ایک دفعہ اثبات یعنی روکنا کافی ہے جس کا ماحصل یوں ہوا، گویا اس نے بیوی کو کہا اگر تو نے منع نہ کیا تو تجھے طلاق ہے یعنی اگر تو منع کردے تو طلاق نہ ہوگی تو جب وہ منع کردے تو طلاق سے بچ گئی اور قسم ختم ہوگئی۔ (ت)

ثانیًا اقول: من قدر علی المنع بالفعل فا کتفی به کفی اذ لایصح ان یقال انه ترك وخلی بل اتی بما هو نهایة المعنی و مقصده الاعلی فلیس علیه ان یجمع معه القول جمعا فما یتوهم من ظاهر لفظ الواقعات والنوازل وثانی عبارات الخانیة واربعها والوجیز لیس مرادا قطعا۔

ثانیًا اقول: (دوسری بات کہتا ہوں کہ) جو عملاً روکنے پر قادر ہو عملاً روکنے پر اکتفاء کردینا کافی ہے کیونکہ اس عملی رکاوٹ پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے گھر میں اسے چھوڑا اور اس سے لاتعلق رہا، بلکہ اس نے شرط کا مقصد پورا کردیا اب اس پر زبانی منع کرنا لازم نہ رہا، تو واقعات اور نوازل اور خانیہ کی دوسری اور چوتھی عبارت اور وجیز کی ظاہر عبارات سے جو وہم ہوتا ہے وہ قطعًا مراد نہیں ہے (ت)

ثالثًا اقول: عند الفقیه شرط بره المنع فلفظ الملك وقع زائدا فی عبارة النوازل اما الملك ای القدرة فشرط

ثالثًا اقول: (تیسری بار کہتا ہوں کہ) فقیہ ابواللیث کے نزدیک قسم پورا کرنے کی شرط صرف روکنا ہے، لہٰذا نوازل کی عبارت "ملك المنع" میں "ملک" کا لفظ زائد ہے، لیکن اگر ملک سے

انعقاد الیمین مطلقا وبقاء الموقتة خصوصا اذبه تصور البر ولیس الکلام فیه بل فیما اذااتی به بر الا ان یقال انه من وزان حصول الصورة ای المنع المملوك ای قدر ماقدر۔

مراد قدرت ہو تو یہ مطلقًا قسم بننے کے لئے ضروری ہے اور وقت سے مقید قسم کی بقاء کے لئے خصوصًا ضروری ہے کیونکہ اسی قدرت سے ہی قسم کو پورا کرنا متصور ہوتا ہے۔ لیکن ملک بمعنی قدرت میں یہاں بحث نہیں ہے بلکہ یہاں تو قسم کو پورا کرنیوالی چیز میں بحث ہے۔ ہاں اگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حصولِ مراد کا بیان ہے کہ جس قدر ممکن طور پر روکنے پر قدرت رکھتا ہو۔ (ت)

رابعًا اقول: المنع یعم الفعلی والقولی کما تقدم عن عدة نصوص وقد یخص بالفعلی بقرینة المقابلة بالقولی وھو المراد فی کلام النوازل من قوله یملك منعه الی قوله دون المنع والاول المراد فی قوله اوفی ملك المنع وکذا قول الھندیة اٰخر فتثبت ولاتزل۔

رابعًا اقول: (چوتھی بار کہتا ہوں کہ) روکنا عملی اور قولی دونوں طریقوں کو شامل ہے جیسا کہ متعدد نصوص میں پہلے مذکور ہوا ہے اور جبکہ اس کو قولی کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہو تو اس قرینہ کی بناء پر صرف عملی روکنے کو خاص ہوگا اور نوازل کے کلام میں جہاں انہوں نے "یملك منعه" کہہ کر اس کے بعد "دون المنع" تک عبارت ذکر کی، تو جہاں انہوں نے "منع کا مالک ہو" کہا وہاں پہلا معنی یعنی دونوں کو شامل، مراد ہے اور جہاں انہوں نے "منع کا مالک نہ ہو" کہا وہاں دوسرا معنی یعنی صرف عملی منع مراد ہے، اسی طرح ہندیہ کا دوسرا قول ہے، تو ثابت قدم رہو اور تردد مت کرو۔ (ت)

این نصوص کہ آرایم عین جزئیہ مسئلہ دائرہ بود کہ بحث ہمیں از یمین بر گزاشتن است وآنکہ شرط بر وحنث در وچیست، وتفاوت بآنکہ من نگزارم، اگر تو بگزاری، چیزے نیست کہ تغیر جزئیہ کند، حالاہر کہ خواہد کہ صورت دائرہ راازاں حکم برآرد محتاج بینہ واضحہ باشد ورنہ حکم ہمان ست کہ از نصوص عیان ست تبیین مرام وتسکین اوہام را نظر کردم وچند شبہہ بخاطر رسید بخیال آنکہ مباد بذہن

جو نصوص میں نے پیش کی ہیں یہ زیر بحث مسئلہ کا بعینہٖ جزئیہ ہے کیونکہ ان میں "چھوڑنے" کے متعلق بحث ہے اور اس میں قسم کے پورا ہونے اور اس کے ٹوٹنے کے متعلق یہی بحث ہے اور "میں نہ چھوڑوں گا" اور "تو نے اگر چھوڑا" کے فرق سے جزئیہ تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے باوجود اگر کوئی زیرِ بحث صورت کو ان نصوص سے الگ کرے تو اس کو واضح دلیل پیش کرنی ہوگی ورنہ اس کا حکم وہی ہے جو ان نصوص سے عیاں ہوا، مقصد کو واضح اور اوہام کو دور کرنے میں، میں نے غور سے کام لیا تو چند

کسے عــہ۱ آید جائے جواب بہتر بیند آنہمہ راپیش نہم وبتوفیقہ تعالٰی عــہ۲ اماوہم **شبہہ اولٰی** پسر را مرد بخانہ گزاشت نہ زن **اقول** ایں درایوا گنجائش داشت کہ فعل حقیقۃً از فاعل ست وبہ ساکت اگر منسوب شود بمعنی رضا ومجاز باشد اما گزاشتن کہ تخلیہ وترک تعرضات شک نیست کہ از زن حقیقۃً متحقق ست مرد عــہ۳ زن را منع نکرد اوداشت ایں گزاشت پس در ترک زن چہ جائے ظن۔

شبہہ ثانیہ: زن تابع است **ولا حکم للتبع مع الاصل** **اقول**: لامرد للحقائق در صدور ترک تعرض از زن جائے سخن نیست سائل خود گوید کہ زن چیزے از لاونعم نہ گفت وہمیں قدر شرط حنث بود بیش ازیں درکار نیست آیا نہ بینی کہ در مکان غیر شرط برنہی بالقول داشتہ اند گوبخانہ آرندہ محلوف علیہ خود صاحبِ خانہ باش یادیگر آوردیا خود آمد وصاحب خانہ ہم معترض نہ شد لاطلاق حکم الکل فی جمیع الکتب بلکہ تصریح فرمودہ اند کہ امر عدمی بحالت اکراہ نیز موجب حنث شود چہ جائے رضا ولو تبعا، امام قاضی خاں فرماید **الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل** فرق و

شبہات دل پر وارد ہوئے اس خیال سے کہ شاید کسی کے ذہن میں آئیں توان کو وہ جواب کے لئے بہتر خیال کرے، اس لئے میں ان سب کو پیش نظر رکھتے ہوئے بحث کرتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ لیکن پہلے شبہہ کا وہم، وہ یہ کہ مسئولہ صورت میں گھر میں بیٹے کو مرد نے چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس شبہہ کی گنجائش یہاں اس بنیاد پر ہے کہ فعل حقیقۃً فاعل کا ہوتا ہے اور اس فعل پر خاموش رہنے والے کی طرف وہ فعل رضا کے طور مجازًا منسوب ہو سکتا ہے، لیکن یہاں "چھوڑنا" جو کہ تخلیہ اور تعرض نہ کرنا ہے، یہ بیشک بیوی سے حقیقۃً متحقق ہو چکا ہے، مرد نے اس پر بیوی کو منع نہ کیا اور اس نے اس چھوڑنے کو قائم رکھا، تو اس سے بیوی کے فعل کے نہ ہونے کا گمان کہاں ہو سکتا ہے۔ (ت)

دوسرا شبہہ: یہ کہ، بیوی مرد کے تابع ہے تو اصل کی موجودگی میں تابع پر حکم نہیں ہوتا، **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) حقائق کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ بیٹے سے تعرض نہ کرنا، بیوی سے اس کے صادر ہونے میں شبہہ نہیں ہو سکتا کیونکہ سائل نے خود کہا ہے کہ بیوی نے اس موقعہ پر ہاں یا نہ، کچھ نہ کہا، تو حانث ہونے کے لئے بس یہی کافی ہے اس سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں، صرف زبانی روکنا ہی کافی قرار دیا گیا ہے، جس کے بارے میں قسم کھائی ہے اس کو گھر لانے والا خود صاحبِ مکان ہو یا کوئی غیر ہو یا وہ خود آجائے اور گھر والا، آنے پر اعتراض نہ کرے، ہر صورت میں حانث ہوتا ہے کیونکہ

عــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۳: مسودہ میں بیاض ہے۔

قال فی قوله ان لم اخرج اذا منعه مانع حنث وفی قوله لااسکن اذا منعه مانع عن الخروج لایحنث و الفتوی علی قوله لان فی قوله لااسکن شرط الحنث السکنیٰ والفعل لایتحقق بدون الاختیار وفی قوله ان لم اخرج شرط الحنث عدم الخروج والعدم یتحقق بدون الاختیار [1]۔	تمام کتب میں ان جملہ صورتوں کا حکم مطلق رکھا گیا ہے بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عدمی امور میں جبر واکراہ کی صورت میں بھی حانث ہوجاتا ہے چہ جائیکہ رضامندی سے ہو اگرچہ تبعًا ہی ہو۔ امام قاضی خاں فرماتے ہیں کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرق کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی یوں قسم اٹھائے کہ "اگر میں نہ نکلوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو نکلنے سے منع کیا تب بھی حانث ہوگا، اگر یوں قسم کھائی کہ "میں یہاں رہائش نہ رکھوں تو" اس قسم میں اگر کسی نے اس کو وہاں سے جانے اور نکلنے سے منع کیا تو قسم نہ ٹوٹے گی اور اس فرق والے قول پر فتوی ہے، کیونکہ میں یہاں رہائش نہ رکھوں گا، میں حانث ہونے کی شرط وہاں رہائش پذیر ہونا ہے اور یہ فعل ہے جبکہ کوئی فعل اختیار کے بغیر متحقق نہیں ہوتا، اور "اگر نہ نکلوں تو" کی صورت میں حانث ہونے کی شرط، نہ نکلنا ہے جو کہ عدمی چیز ہے اور عدمی چیز اختیار کے بغیر بھی متحقق ہوجاتی ہے۔ (ت)
شبہہ ثالثہ: ایں جا داعی یمین صفت عقوق وہذا در پسر بود و یمین بزوال صفات داعیہ زائل شود کما فی لایاکل هذا البسر فصار رطبا او الرطب فصار تمرا [2] کما فی الهدایة وسائر الکتب، در عقود دریہ است هذه صفات داعیة الی الیمین فتتقید به [3]، در فتح القدیر فرمود الاصل ان المحلوف علیه اذا کان بصفة داعیة الی الیمین تقید به فی المعرف والمنکر فاذا زالت زال الیمین	**تیسرا شبہہ:** یہ کہ، یہاں قسم کا سبب نافرمانی ہے اور نافرمانی بیٹے کی صفت تھی لہٰذا قسم کا سبب نافرمانی ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجائے گی جیسا کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں یہ بسر کھجور نہ کھاؤں گا تو اب وہ رُطب ہوگئی یا قسم کھائی کہ یہ رُطب نہ کھاؤں گا تو اب وہ تمر بن گئی۔ ایسی صورت میں قسم ختم ہوجاتی ہے جیسا کہ ہدایہ اور دیگر کتب میں ہے، عقود الدریہ میں ہے کہ کھجور کی یہ صفات قسم کا سبب تھی تو قسم بھی ان صفات سے مقید قرار پائے گی لہٰذا یہ صفات تبدیل ہوگئیں تو قسم بھی باقی نہ رہے گی، فتح القدیر میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی وہ چیز اگر صفت رکھتی ہے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی التزویج نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۹۶

[2] الهدایہ باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبة العربیہ کراچی ۲/ ۴۶۷

[3] عقود الدریة کتاب الطلاق ومطالبہ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۴۹

عنه وما لاتصلح داعیة اعتبر فی المنکر دون المعرف[1]۔ اقول: محلش آنجاست کہ در حلف آن صفت داعیہ راذکر کردہ باشد اگرچہ در معرف اگرچہ بالاشارہ باآنکہ وصف در حاضر لغواست ولہذا الوحلف لایکلم ھذا الصبی فکلمہ شابا حنث امادا عی بود نش داعی اعتبارش میشود چنانکہ در ھذا البسر وھذا الرطب وھذا اللبن الی غیرذٰلك ورنہ وصف ملحوظ رامدار بقائے یمین نتواں کرد کہ بنائے ایمان بر الفاظ ست نہ براغراض، در فتح القدیر فرمود من صور تخصیص الحال ان یقول لااکلم ھذاالرجل وھو قائم ونوی فی حال قیامہ فنیتہ لغو بخلاف مالو قال لا اکلم ھذا الرجل القائم فان نیتہ تعمل فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی[2] پیدا ست کہ در دیانت صفت داعیہ وغیر داعیہ یکساں ست نیت خصوص باید امابے ذکر در لفظ نیت مجردہ دیانۃً نیز بکار نیامد تابقضا چہ رسد، ہمدران ست ان خرجت فعبدی حرو نوی السفر مثلا یصدق دیانۃ فلا یحنث بالخروج الی غیرہ تخصیصا لنفس الخروج مالونوی الخروج	جو قسم کا سبب بن سکتی ہے تو وہ قسم اس صفت سے مقید ہوگی خواہ وہ چیز معرفہ کے طور پر مذکور ہو یا نکرہ مذکور ہو تو جب وہ صفت ختم ہوجائے تو قسم بھی ختم ہوجائے گی اور اگر اس چیز کی صفت قسم کا سبب بننے والی نہ ہو تو پھر اس کو نکرہ ذکر کرنے پر قسم میں اس کی صفت کا اعتبار ہوگا معرفہ میں اعتبار نہ ہوگا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس قاعدہ کا محل وہ ہے جہاں قسم کا سبب بننے والی صفت کو قسم میں ذکر کیا گیا ہو اگرچہ وہ معرفہ کے طور پر مذکور ہو خواہ معرفہ اشارہ سے بنایا گیا ہو کیونکہ اشارہ حاضر چیز کی طرف ہوتا ہے باوجودیکہ حاضرین میں صفت کا ذکر لغو قرار پاتا ہے، اسی لئے اگر قسم کھائی کہ میں اس بچے سے بات نہ کروں گا تو اگر اس سے جوانی میں بات کی تو تب بھی حانث ہوگا، تاہم وصف اگر قسم کا داعی ہوگا تو اس کے اعتبار کا بھی داعی ہوگا، جیساکہ یہ بسر اور یہ رطب وغیرہ میں اور یہ دودھ، وغیرہ میں یہ صفات قسم کا داعی ہونے کے ساتھ قسم میں بھی معتبر ہیں، اگر ایسا نہ ہو تو پھر وصف داعی بھی ہو تو غیر معتبر ہونے کی صورت میں اس کی بقاء قسم کی بقاء کے لئے مدار نہیں بن سکتی کیونکہ قسمیں الفاظ پر مبنی ہوتی ہیں اغراض پر مبنی نہیں ہوتیں، فتح القدیر میں فرمایا حال کی تخصیص کرنے کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص کھڑا ہو تو کوئی اس کے بارے میں قسم کھائے کہ

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب المکتبۃ العربیۃ کراچی ۴/ ۳۹۶

[2] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۱۰

الٰی مکان خاص کبغداد حیث لایصح لان المکان غیر مذکور[1]۔

شبہہ رابعہ: دریمین زوال سبب زوال یمین ست گو در لفظ مذکور مباش ولہذا اگر دائن مدیون یا کفیل را یا کفیل بالنفس مکفول عنہ یا کفیل بالامر اصیل را سوگند دہد بے اذنِ من بیرون شہر نروی ودین ادا شد یا کفالت نماند یمین منتہی شودکہ باعث برونبود مگر دین وکفالت پس بزوالش زائل شود در ہندیہ از محیط ست حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الاباذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الدین[2] درخانیہ فرماید الکفیل بالنفس اذا حلّف الاصیل ان لایخرج من البلدۃ الاباذنہ فقضی الاصیل دین الطالب ثم خرج الحالف بعد ذٰلك

میں اس سے بات نہ کروں گا اور قسم میں اس کے کھڑے ہونے کی نیت کرے تو یہ نیت لغو ہوگی بخلاف جب یوں کہے کہ میں اس کھڑے شخص سے بات نہ کروں گا تو اس صورت میں قسم میں کھڑے ہونے کی نیت کا اعتبار عنداللہ ہوسکتا ہے اس سے واضح ہوا کہ دیانۃً یعنی عنداللہ، میں وصف داعی اور غیر داعی دونوں یکساں ہیں اس لئے نیتِ تخصیص ضروری ہے لیکن وصف کو ذکر کئے بغیر محض نیت کرنا دیانت میں بھی کار آمد نہیں ہے تو قضاءً کیسے کار آمد ہوسکتی ہے، اسی میں ہے اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ اگر میں باہر جاؤں تو میرا غلام آزاد ہے، اور باہر جانے سے سفر کی نیت کی تو اس کی تصدیق دیانۃً کی جاسکتی ہے کیونکہ باہر نکلنے کو سفر کے ساتھ خاص کیا ہے تو یہ خروج مذکور کی تخصیص ہے لہٰذا کسی اور مقصد کے لئے باہر نکلے تو حانث نہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس سے وہ کسی خاص جگہ مثلاً بغداد کے لئے نکلنا مراد لے تو یہ نیت صحیح نہ ہوگی کیونکہ قسم میں جگہ کا ذکر نہیں اس لئے جگہ کی تخصیص بھی معتبر نہیں ہے۔ (ت)

چوتھا شبہہ: یہ کہ، قسم کے سبب کے ختم ہوجانے پر قسم بھی ختم ہوجاتی اگرچہ وہ سبب قسم میں مذکور نہ ہو، لہٰذا اگر قرض خواہ اپنے مقروض کو یا اس کے کفیل کو یا نفس کا کفیل اپنے مکفول عنہ کو یا کفیل بالامر اپنے اصیل یعنی اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر مت جائے گا، تو اس قسم کا سبب قرضہ یا کفالت ختم ہوجائے تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ ہندیہ میں محیط سے منقول ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم قرض کی بقاء سے مقید ہوگی کہ جب تک قرض ہے قسم باقی رہے گی ورنہ قرض ختم ہوجانے پر یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی۔ خانیہ میں ہے کفیل بالنفس یعنی کسی شخص کو حاضر کرنے کا ضامن، اپنے اصل ذمہ دار کو قسم دے کہ تو میری

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۰۹

[2] فتاوٰی ہندیہ

لایحنث [1] در تنویر فرمود حلف رب الدین غریمه او الکفیل بأمر المکفول عنه ان لایخرج من البلد الا باذنه تقید بالخروج حال قیام الدین بالکفالة [2] وپیدا است کہ ایں جا سبب یمین ہمیں خشم وناراضی ست چوں برضا بدل شد سبب نماند ومسبّب رفت،	اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، توجب اصیل نے قرض والے کا قرض ادا کردیا تو پھر وہ اس کی اجازت کے بغیر شہر سے باہر گیا تو قسم نہ ٹوٹے گی۔ تنویر میں فرمایا کہ اگر قرض خواہ نے مقروض کو یا کسی معاملے کے ضامن نے اپنے مکفول کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا تو نکلنے کے متعلق یہ قسم قرض کی بقاء اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کہ قرض و کفالت ختم ہوجائے تو یہ قسم بھی ختم ہوجائے گی، تو مذکورہ بیان سے واضح ہوگیا کہ زیر بحث مسئلہ میں قسم کا سبب بیٹے پر باپ کی ناراضگی اور غصہ ہے توجب یہ غصہ و ناراضگی رضا میں بدل گئی تو یہ سبب ختم ہوگیا تو مسبّب یعنی بیوی کے متعلق طلاق کی قسم بھی ختم ہوگئی،
اقول: چناں نیست نہ ہیچ کس باو قائل ورنہ عامہ ایمان عامہ کہ بتنی بر خشم وناچاقی وغضب وناتفاقی باشد بفلاں سخن نکند، وروئیش نہ بیند بخانہ اش نہ رود وبخانہ اش راہ نہ دہد، وار اصد چوب زند چنیں کند، چناں کند، ورنہ زن طلاقہ شود وغیر ذٰلک ہزاراں ہزار سوگند ہمہ بمجرد زوال خشم بر باد رفتے وبے حنث وکفارہ ولزوم ہیچ جزا باطل شدے واصلاً احتیاج احتیال برا ثر بر نماندے آیا ہیچکس بجہاں قائل ایں قول شنیدہ، ائمہ کرام در ایمان مذکور بصور تہائے گوناگوں وتفریعات بوقلموں بہ تقریر وتطمیر سخن فرمودہ وبہر پہلوئے آنہا موج موج تحقیقات رفیعہ وفوج فوج تنقیحات بدیعہ نمودہ فاما ہیچگاہ ہیچ جابہ ہیچ کتاب نگفتہ اند کہ ایں ہمہ بر ودمات تابقائے خشم ست چوں رضا آمد سوگند سپری	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا قائل ہے ورنہ عام قسمیں جو غصہ اور ناراضگی، نااتفاقی پر مبنی ہوتی ہیں، مثلاً فلاں سے بات نہ کروں گا، فلاں کی شکل نہ دیکھوں گا، فلاں کے گھر نہ جاؤں گا، فلاں کو گھر کی راہ نہ دوں گا، فلاں کو ایک سو چھڑی ماروں گا، اگر ایسا کروں تو یہ ہوجائے یا وہ جائے، یا بیوی کو طلاق ہوجائے وغیرہ، تو لازم آئے گا کہ ہزارہا قسمیں غصہ ختم ہوجانے پر برباد ہوجائیں اور بغیر کفارہ اور بغیر حانث ہوئے ختم ہو کر رہ جائیں، اور ان قسموں پر کوئی جزالاگو نہ ہو اور ان قسموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے اصلاً کسی حیلہ کی ضرورت پیش نہ آئے، اور ایسی قسموں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۱۵
[2] الدرالمختار باب الیمین فی الضرب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۳

شد وجملہ احکام نظری تا آنکہ اگر کسے سوگند خورد کہ اگر بازید سخن کند زن سہ طلاقہ ست بازمی خواہد کہ باو سخن گوید چہ بایدش کرد کہ طلاق مغلظ واقع نشود اور افرمودہ اند کہ زن رایک طلاق بائن دہد وبگزارد تا از عدت برآید باز بازید سخن راند جزا فرود آید ومحل نیابد وبے اثر رود باز بازن نکاح کند وبازید ہمکلام ماند دگر طلاق نیفتد کہ یمین بیکبار منحل شد۔ در سراجیہ باز ہندیہ فرمود **اذاحلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقہا واحدۃ بائنۃ ویدعہا حتی تنقضی عدتہا ثم یتکلم فلانا ثم یتزوجہا**[1] اینہمہ تکلفات چرا ست چرا نگفتند کہ چوں آں خشم رفت وباہم مصالحت شد سوگند خود باطل گشت، واین ست نبی اللہ سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام درایام بلازوجہ مقدسہ اش رحمہ بنت آفرائیم یا میشا بن یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بمزدوری ومحنت نان پیدا کردے وبرائے نبی اللہ آوردے روزے نان بسیارے آورد نبی اللہ گمان برد مبادا مال کسے بخیانت گرفت خشم کرد

کا کوئی اثر نہ رہے، کیاآپ نے دنیا میں کبھی کسی سے یہ بات سنی ہے، حالانکہ ائمہ کرام نے ان مذکورہ قسموں کی بابت گوناگوں بحثیں کی ہیں اور طرح طرح کی تفریعات بیان کی ہیں، اور ان کے متعلق ہر پہلو سے بلند تحقیقات اور عجیب تنقیحات کے دریا بہادئے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے کبھی کسی جگہ کسی کتاب میں یہ بات نہ فرمائی کہ یہ تمام قسمیں غصہ تک ہیں جب غصہ ختم ہوجائے اور رضامندی ہوجائے تو قسمیں خود بخود ختم ہوجاتی ہیں، اوران کے تمام غور وخوض پر مبنی احکام محض تکلّف بن کر رہ جائیں، مثلاً اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر زید سے بات کروں تو بیوی کو تین طلاقیں ہیں، پھر یہ قسم کھانے والا زید سے بات کرنا چاہتا ہے تو کیا کیا جائے کیونکہ بات کرنے پر بیوی کو تین طلاقیں پڑتی ہیں اور کیا صورت ہو کہ بات کرلے اور تین طلاقیں نہ پڑیں، تو ایسے شخص کو ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ یہ شخص اپنی بیوی کو ایک طلاق بائنہ دے دے تو اس کی عدت پوری ہونے کے بعد زید سے بات کرے تو اب اس پر جزا یعنی طلاق وارد ہوگی لیکن اس وقت بیوی بائنہ ہوجانے کی وجہ سے طلاق کا محل نہ رہے گی، کیونکہ ایک دفعہ قسم ٹوٹ چکی ہے اور ختم ہوچکی ہے۔ سراجیہ پھر ہندیہ میں فرمایا کہ جب کسی نے تین طلاقوں کی قسم کھا کر کہا میں فلاں سے بات نہ کروں گا، تو اس کے لئے تین طلاقوں سے بچنے کی سبیل یہ ہے کہ بیوی کو پہلے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۷

سوگند خورد صد چوب زند باوخشم رفت وباعلام الٰہی براتِ خاتون ظاہر گشت فاما یمین برجاماند تاآنکہ حضرت عزّت جل جلالہ راہ خلاص ازاں تعلیم فرمود کہ

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ[1] دستہ بدست گیرد زن رازن وسوگند مشکن پیداشد کہ بزوال حامل وانتفائے سبب یمین باطل نشود، اخرج ابن المنذر عن سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بلغہ ان ایوب علیہ الصلٰوۃ والسلام حلف لیضربن امرأتہ مائۃ فی ان جاءتہ فی زیادۃ علی ماکانت تأتی بہ من الخبز الذی کانت تعمل علیہ وخشی ان تکون قارفت من الخیانۃ فلما رحمہ اللہ وکشف عنہ الضر علم براءۃ امرأتہ مما اتہمھا بہ فقال اللہ عزوجل"

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ فاخذ ضغثا من ثمام وھو مائۃ عود

ایک بائنہ طلاق دے دے اور اس کی عدت گزر جائے تو پھر اس فلاں سے بات کرے اور اس کے بعد دوبارہ بیوی سے نکاح کرلے، توان فقہاء نے اس قسم کے تکلفات کیوں فرمائے اور یہ کیوں نہ فرمادیا کہ یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم تھی تو غصہ وناراضگی ختم ہوگئی اور مصالحت ہوگئی تو قسم خود بخود ختم ہوگئی، دیکھئے حضرت سیدنا ایوب علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے پیارے نبی ہیں کہ آزمائش وابتلاء کے دور میں آپ کی پاکیزہ بیوی جن کا نام رحمہ بنت آفرائیم، یا میشا بنت یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام تھا، وہ آپ کے لئے محنت ومزدوری کرکے خوراک مہیّا فرماتی تھیں، ایک دن انہوں نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں زیادہ کھانا پیش کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام کو گمان ہوا کہ شاید وہ کسی کا مال خیانت کے ذریعہ حاصل کرلائی ہیں اس پر آپ کو غصہ آیا تو آپ نے قسم کھائی کہ اس کو ایک سو چھڑی ماروں گا، اس کے بعد اللہ تعالٰی کی طرف سے بیوی کی برات معلوم ہوئی تو آپ کا غصہ ختم ہوا مگر قسم باقی تھی اسی لیے اللہ تعالٰی نے آپ کو اس قسم سے خلاصی کی تعلیم دی کہ سوچھڑیوں کا مٹّھا ہاتھ میں لے کر ایک دفعہ ماردیں اور قسم نہ توڑیں، تواس واقعہ سے معلوم ہوا کہ قسم کا سبب اور داعی ختم ہوجانے کے باوجود قسم باقی رہتی ہے اور اس کے خاتمہ سے قسم ختم نہیں

[1] القرآن الکریم ۳۸/۴۴

فضرت بہ کما امرہ اللہ تعالٰی اھ[1]۔	ہوتی (قرآن پاک میں اس واقعہ کو اشارۃً بیان فرمایا گیا) ابن منذر نے سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ سعید بن مسیّب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو سو چھڑی مارنے کی قسم کھائی کہ بیوی محنت سے روٹی مہیا کرتی تھیں ایک روز اس نے زائد روٹی آپ کی خدمت میں پیش کی جس پر آپ کو خطرہ محسوس ہوا کہ ہوسکتا ہے کہ یہ زائد خوراک کسی کے مال میں خیانت کرکے لائی ہیں، تو جب اللہ تعالٰی کی طرف سے آپ پر خاص رحمت کے ذریعہ تکلیف کی شدت ختم ہوئی اور بیوی کے بارے میں جو آپ کو شبہ تھا اس کی برات معلوم ہوئی تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ آپ ایک مٹھالے کر اپنے ہاتھ سے اس کو ماردیں اور قسم نہ توڑیں، تو آپ نے شاخوں کا ایک مُٹھا جو سو چھڑیوں کا مجموعہ تھا، لے کر اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق بیوی کو مارا اھ۔ (ت)
اقول: وھذا احسن ماسمعناہ فی الباب وعلیہ التعویل ولا اصغاء الی مازاد الناس من تھویل وقال وقیل من دون اصل اصیل واللہ الھادی الی سواء السبیل ودر مسائل مذکورہ وجہ نہ آنست بلکہ آنجا تقیید ونفس بیان ست زیرا کہ باذن مقید کردہ اند پس مخصوص باشد بزمانہ ولایت آنہا مراذن ومنع راوآں نیست مگر زمان قیام دین و کفالت ولہٰذا اگر کہ سلطان اسیرے راحلف دہند کہ بے اذن ملک ایشاں بروں نرود متقید ماند بزمان بقائے سلطنتش تاآنکہ اگر اورامعزول کنند باز نشانند واسیر بے اذن او بیروں رود حانث نشود	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہ واقعہ اس بحث میں بہترین دلیل ہے جو ہم پر واضح ہوئی اور اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور اس پر لوگوں کی زائد باتوں اور بے اصل قیل وقال پر توجہ نہ دی جائے، اور اللہ تعالٰی ہی سیدھے راستے کی رہنمائی فرماتا ہے اور اس شبہ میں ذکر کردہ مسائل کی وجہ وہ نہیں جو شبہ کرنے والوں نے ظاہر کی، بلکہ وہاں قسم کی تقیید اور اس کا بیان ہے کیونکہ انہوں نے وہاں اذن (اجازت) کے ساتھ مقید کرکے اس قسم کو اذن ومنع کی ولایت کی مدت کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور ولایت کی یہ مدت صرف قرض وکفالت کے زمانہ تک ہے، اسی لئے اگر کوئی سلطان کسی قیدی کو قسم دے کہ تو میری اجازت کے بغیر میرے ملک سے باہر نہ جائے گا تو یہ قسم اس سلطان کی حکومت کی بقا

[1] درمنثور بحوالہ ابن منذر تحت آیہ مذکورہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۵/ ۳۱۷

کہ یمین بزوال ملک منتہی شد و باز بہ عودش نکنند ہمچناں اگر شوہر زن یا مولیٰ غلام یا شہ یکے از رعایا راحلف دہد یا خود سوگند خورد کہ بے اذن من بیروں نروی متقید ماند بزمان بقائے زوجیت وملک ملک تاآنکہ اگر زن راجدا کرد باز بزنے آورد یا غلام رافروخت باز خرید یا معزول باز منصوب شد ودریں ملک وملک حادث زن وغلام ورعیت بے اذن بیرون روند حنث روئے ننماید کہ ولایت اذن ہمیں تابقائے نکاح وملک وملک بود ودر حدوث تازہ یمین تازہ نکرد ولہٰذا اگر بے تقیید بودند کررست ولہٰذا اگر زن راگوید اگر بے اذن توزنے رابزنے می گیرم مطلقہ باشد یمین مطلقہ غیر مقیدہ باشد تاآنکہ اگر زن را نکاح بروں کرد بازنے بے اذن اولیٰ بنکاح آورد مطلقہ شود زیرا کہ زن بزنے مالک اذن ومنع نمی شود پس دلیل تقیید منتفی شد واذن ومنع نمی شود پس دلیل تقیید منتفی شد واذن براذن لغوی محمول گشت نہ اذن شرعی واذن لغوی مقتصر بربقائے زوجیت نیست آرے آں روز کہ آں زن میرد یمین منتہی شود کہ حالا او راصلاحیت اذن نماند، دردر مختار بعد عبارت مذکورہ فرمودلو قال لہا ان خرجت من ہذہ الدار الا باذنی فانت طالق ثلثا فطلقہا بائنا فخرجت

کے ساتھ ہوتی ہے حتی کہ اگر اس سلطان کو معزول کردیں تو اب اگر قیدی اس کی اجازت کے بغیر ملک سے باہر چلا جائے تو قیدی کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ وہ قسم سلطان کے معزول ہونے پر ختم ہوگئی، اور دوبارہ سلطان کے بحال ہونے سے قسم بحال نہ ہوگی، اسی طرح اگر خاوند کو یا آقا اپنے غلام کو یا بادشاہ اپنی رعیت میں سے کسی کو قسم دے یا وہ خود قسم کھائے کہ میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے، تو یہ قسم بھی بقاءِ زوجیت، بقاءِ ملک، بقاءِ مُلک کے ساتھ مقید ہوگی، حتی کہ اگر بیوی کو نکاح سے خارج کردیا اور اس کے بعد دوبارہ نکاح کیا یا مالک نے غلام کو فروخت کردیا اور دوبارہ خریدا یا معزول شدہ کو دوبارہ بحال کردیا تو اس دوسری نئی زوجیت، ملک، مُلک میں، بیوی، غلام، رعیّت بغیر اجازت کے باہر چلے جائیں تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ ان لوگوں کو اذن واجازت کی ولایت اس وقت کی موجودہ ولایت تک تھی اور بعد میں دوبارہ نئی ولایت حاصل ہونے پر دوبارہ قسم بحال نہ ہوگی، لہٰذا اگر بیوی کو باہر جانے سے روکنے کے لئے بیوی کو قسم دی یا خود قسم کھائی جس میں اجازت کی قید کا ذکر نہیں ہے، اس لئے اگر بیوی کو کہا کہ میں تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی تو یہ قسم مطلق اور بغیر قید ہوگی، حتی کہ اگر پہلی بیوی کو نکاح سے خارج بھی کردے تب بھی اس کی اجازت کے بغیر دوسری عورت سے نکاح کرنے پر دوسری کو طلاق ہوجائیگی کیونکہ بیوی دوسری عورت سے نکاح کو روکنے اور اجازت دینے کی مالک نہیں بن سکتی، اس لئے اس صورت میں اجازت کا ذکر ہونے کے باوجود وہ قید نہ ہوگی

بغیر اذنہ لایحنث لان یمینہ تقیدت بحال تمام ولایۃ المنع عن الخروج وولایۃ المنع تزول بالطلاق البائن وھو کالسلطان اذاحلف رجلا ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فعزل السلطان ثم خرج الحالف لایحنث (ومعہ[عہ] مسئلۃ الکفیل المذکورۃ ثم قال) ولوان الحالف تزوج المرأۃ بعد ما ابانھا فخرجت بغیر اذنہ لاتطلق لان الیمین بطلت بالابانۃ فلاتعود بعد ذٰلک، وذکر فی اسیر اھل الحرب اذا حلفوا لاسیر ان لایخرج الاباذن ملکھم فعزل الملك ثم عاد ملك فخرج الاسیر بغیراذنہ لا یحنث وکذا لو قال الرجل لعبدہ ان خرجت بغیر اذنی فانت حر فباعہ ثم اشتراہ فخرج بغیر اذنہ لایعتق	اور یہ بیوی کی اجازت لغوی معنی میں ہوگی شرعی معنی میں اجازت مراد نہ ہوگی، اور لغوی اجازت بقائے نکاح پر موقوف نہ ہوگی اور نکاح ختم ہونے کے بعد بھی پہلی بیوی کی اجازت ضروری ہوگی، ہاں جس روز وہ فوت ہوجائے گی تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اب اجازت دینے کی صلاحیت نہ رہی تو اب قسم پوری ہونے کا احتمال ختم ہوجانے پر اجازت سے مشروط قسم بھی ختم ہوجائیگی۔ درمختار میں مذکورہ عبارت کے بعد فرمایا کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلی تو تجھے تین طلاق ہوں گی، اس کے بعد خاوند نے اس کو طلاق بائنہ دے دی اور وہ خاوند کی اجازت کے بغیر باہر نکل گئی تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ بائنہ طلاق کی وجہ سے اب خاوند کو اجازت کا اختیار ختم ہوگیا جبکہ یہ قسم بیوی کو باہر نکلنے سے منع کرنے کی ولایت اور اختیار سے مقید تھی اور یہ اختیار نکاح کے باقی رہنے تک تھا جو نکاح ختم ہوجانے پر ختم ہوگیا ______ جیسا کہ کسی حکمران نے کسی کو قسم دی کہ تو میری اجازت کے بغیر شہر سے باہر نہ جائے گا، اب اگر وہ شخص حکمران کے معزول ہوجانے پر شہر سے باہر اس کی اجازت

عہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

Majlis of Dawateislami www.dawateislami.net

در تبیین الحقائق و فتح القدیر ست وھذا لفظ الفتح یتقید بحال قیام الدین والکفالة لان الاذن انما یصح ممن له ولایة المنع وکذا لاتخرج امرأته الا باذنه بقیام الزوجیة بخلاف ما لو حلف لا تخرج امرأته من الدار فانه لایتقید به، اذلم یذکر الاذن فلا موجب لتقییده بزمان الولایة فی الاذن و کذا الحال فی حلفه علی العبد مطلقا ومقیدا وعلی ھذا وقال لامرأته کل امرأة اتزوجها بغیر اذنك طالق فطلق امرأته طلاقا بائنا او ثلثا ثم تزوج بغیر اذنها طلقت لانه لم تتقید ببقاء النکاح لانها انما تقیدبه لوکانت المرأة تستفید ولایة الاذن والمنع بعقد النکاح[1]، در ہدایہ و فتح فرمایند لوقال ان کلمت فلانا الاان یقدم فلان او یاذن فلان ومات فلان سقط الیمین لان الممنوع منه کلام ینتھی المنع منه بالاذن والقدوم	کے بغیر نکل جائے تو قسم نہ ٹوٹے گی (اس کے ساتھ انہوں نے کفالت مذکورہ کا مسئلہ بھی بیان کیا اور پھر فرمایا) اگر مذکورہ قسم اٹھانے والے خاوند نے مذکورہ بائنہ بیوی سے دوبارہ نکاح کیا تو اب اگر بیوی اس کی اجازت کے بغیر باہر جائے تو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ وہ حلف بیوی بائنہ ہوجانے پر باطل ہوگیا اور دوبارہ نکاح سے وہ حلف بحال نہ ہوگا، درمختار نے اہلِ حرب کے قیدی کے متعلق ذکر کیا کہ اس کو قید کرتے ہوئے انہوں نے یہ قسم دی کہ تو حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گا تو اس حاکم کے معزول ہونے کے بعد دوبارہ بحال ہونے پر وہ قیدی اس حاکم کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو حانث نہ ہوگا یعنی قسم نہ ٹوٹے گی، اور یونہی اگر مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ اگر تو میری اجازت کے بغیر باہر نکلے تو تو آزاد ہے، اب مالک نے اس غلام کو فروخت کردیا اور پھر دوبارہ خریدا تو تو اب غلام مالک کی اجازت کے بغیر باہر نکلا تو آزاد نہ ہوگا۔ تبیین الحقائق اور فتح القدیر میں ہے، یہ عبارت فتح القدیر کی ہے کہ قسم قرض اور کفالت کی بقاء سے مقید ہوگی کیونکہ اجازت تب متصور ہوسکتی جبکہ اس کو روکنے کی ولایت حاصل ہو اور یہ ولایت قرض اور کفالت تک ہوتی ہے اور یونہی خاوند نے بیوی سے کہا کہ تو میری اجازت کے بغیر نہ نکلے گی تو یہ قسم اس زوجیت کے وجود سے مقید ہوگی، اس کے برخلاف اگر خاوند یوں کہے کہ میری بیوی گھر سے باہر نہ نکلے گی،

[1] فتح القدیر کتاب الایمان مسائل متفرقہ نوریہ رضویہ سکھر ۴۶۸/۴

ولم یبق الاذن والقدوم بعد الموت متصور الوجود وبقاء تصوّرۃ شرط بقاء الموقتۃ عند ابی حنیفۃ ومحمد وھذہ الیمین موقتۃ بوقت الاذن والقدوم اذبھما یتمکن من البر اذیتمکن من الکلام بلاحنث فیسقط بسقوط تصور البراھ[1] ملخصًا مخلوطا قال فی الفتح فان قیل لانسلم عدم تصور البر بموتہ لانہ سبحٰنہ وتعالٰی قادر علی اعادۃ فلان فیمکن ان یقدم ویاذن فالجواب ان الحیاۃ المعادۃ غیر الحیاۃ المحلوف علی اذنہ فیھا وقدومہ وھی الحیاۃ القائمۃ حالۃ الحلف لان تلك عرض تلاشی لایمکن اعادتھا بعینھا وان اعیدت الروح فان الحیاۃ غیرالروح لانہ امر لازم للروح فیمالہ روح[2] اھ۔

تواس قسم میں اجازت کا ذکر نہ ہونے کی وجہ سے یہ قسم زوجیت کی بقاء سے مقیّد نہ ہوگی کیونکہ زوجیت کی ضرورت اجازت کی ولایت کے لئے تھی، اور یوں ہی غلام کے بارے میں اجازت سے مقید قسم اور غیر مقید قسم کا حال ہے، اسی قاعدہ کی بناء پر، اگر کسی نے اپنی بیوی کو کہا کہ میں جس عورت سے تیری اجازت کے بغیر نکاح کروں تو اس عورت کو طلاق ہوگی، اس کے بعد اس نے اپنی بیوی کو بائنہ یا مغلظہ طلاق دے دی پھر کسی عورت سے پہلی مطلقہ بیوی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس عورت کو طلاق ہوجائے گی اور یہ قسم بقائے زوجیت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ بیوی کو نکاح سے روکنے یا اجازت دینے کی ولایت نہیں ہوتی (لہٰذا قسم میں مذکور اجازت کے لئے ولایتِ اجازت ضروری نہ تھی۔ لہٰذا نکاح ختم ہونے سے اجازت کی شرط ختم ہوگی) ہدایہ اور فتح القدیر میں فرماتے ہیں، اگر کسی نے کہا اگر فلاں سے اس کی اجازت یا اس کی آمد کے بغیر بات کروں تو یہ ہوجائے، اس کے بعد وہ فلاں فوت ہوجائے تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ اس سے کلام کی ممانعت کا اختتام اس کی اجازت یا آمد پر موقوف تھا جبکہ اس کی موت سے اجازت اور آمد کا تصور ختم ہوگیا، کیونکہ جب قسم کسی چیز سے مشروط ہو تو اس شرط کا متصور ہونا اس قسم کی بقاء کے لئے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے چونکہ یہ قسم اس فلاں کی اجازت یا آمد سے مشروط ہے تو اس شرط کے وجود سے قسم پوری ہوسکے گی تو جب شرط کے وجود کے بغیر کلام کرنے پر حانث ہونے کا احتمال ختم ہوگیا تو قسم پورا ہونے کا احتمال بھی ختم ہوگیا لہٰذا یہ قسم باطل ہوجائے گی اھ ملخصًا، فتح القدیر میں مزید فرمایا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اس فلاں کی موت سے شرط کے وجود کا احتمال ختم ہوجانا ناقابلِ تسلیم نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی قادر ہے کہ اس کو دوبارہ زندہ کردے اور وہ زندہ

[1] فتح القدیر کتاب الایمان باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۴۔۴۲۲
[2] فتح القدیر کتاب الایمان باب الیمین فی الکلام نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۴

ورأيتني كتبت عليه مانصه اقول فيه ان الحياة عرض لاتبقى زمانين فالحياة التى بعد الحلف غير التى كانت عند الحلف والجواب ان مبنى الايمان على العرف واهل العرف يعدونها واحدة مستمرة والمعادة غيرها۔	ہو کر اجازت دے یا آجائے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ دوبارہ زندہ ہونے کی حیات اس حیات کا غیر ہے جس حیات سے اجازت یا آمد کی قسم کھائی تھی اور قسم والی یہ حیات وہ ہے جو قسم کے وقت تھی، کیونکہ حیات ایک ایسا عارضہ ہے جس کو بعینہٖ واپس لانا ممکن نہیں اگرچہ روح واپس ہوجائے کہ روح اور حیات آپس میں ایک دوسرے کے مغایر ہیں کیونکہ حیات، روح والی چیز کی روح کا لازم ہے نہ کہ وہ روح ہے اھ (ت) اور مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر یہ حاشیہ لکھا جس کی عبارت یوں ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلام میں بحث ہے کہ حیات جب عرض ہے تو وہ دو زمانوں میں باقی نہیں رہ سکتی تو اس سے لازم آئیگا کہ حلف کے بعد والی حیات بھی حلف کے وقت والی حیات کا غیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے تو عرف والے لوگ مختلف اوقات کی حیات کو ایک ہی جاریہ حیات قرار دیتے ہیں لیکن موت کے بعد والی حیات کو پہلی حیات کے مغایر قرار دیتے ہیں۔
اقول: لكن لقائل ان يقول لانظر فى الحلف الى تلك الحياة خصوصها بل الى تسليم زمانه فى هذاالامر الاباذنه مثلا والشخص لايتبدل بتبدل الحياة بدليل الحشر والعقد فى تلك الحيوٰة غير العقد على تلك الحياة والاذن وان لم يكن الامن حى فلا يستلزم ذٰلك عقد الحلف على تلك الحياة بعينها الا ترى ان الاذن لايمكن ايضا الامن عاقل ولو جُنّ فلان لايسقط	**اقول** (میں کہتا ہوں) لیکن یہاں اعتراض ہوسکتا ہے کہ قسم میں خاص اس زندگی کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا بلکہ یہاں یہ بات پیشِ نظر ہوتی ہے کہ قسم کھانے والے کو زمانہ اگر یہ موقعہ دے کہ مثلاً وہ فلاں سے بات کرسکے تو وہ اسکی اجازت کے بغیر نہ کرے گا، جبکہ حیات کی تبدیلی سے شخص تبدیل نہیں ہوتا کیونکہ مرنے کے بعد حشر میں وہی شخص ہوتا ہوگا تو اس زندگی میں قسم کھانے کا یہ مطلب نہیں کہ اسی زندگی پر حلف کا دارمدار ہے، اجازت کا تعلق اگرچہ زندہ سے ہوتا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حلف کا تعلق خاص اسی زندگی سے ہو، دیکھئے اجازت صرف عقل والے سے ہی متصور ہوسکتی ہے

الیمین لاحتمال ان یعود عقله والمسألة منصوص علیها واکبر ظنی انها فی الخانیة بل هو فیها اذقال فی فصل فی الخروج ثلثة حلفوا رجلا ان لایخرج من بخارا الاباذنهم فجن احدهم وخرج الحالف باذن الأخرین حنث وان مات احدهم فخرج لایحنث لان الیمین تقیدت باذنهم وقد فات اذنهم بموت احدهم فلایبقی الیمین وفی الوجه الاول لم یقع الیأس عن اذنهم[1] اھ **ثمّ اقول:** یختلج ببالی ان لو قیل ان الموقتة اذاکانت علی امر یمکن عادة فشرط بقاءها تصور البر عادة لامجرد احتمال عقلی لحصل الجواب عن هذا ویؤمی الیه قول الخانیة لم یقع الیأس فانه یفید ان لو وقع الیأس سقط الیمین ولاشك ان	لیکن فلاں عاقل اگر عقل کھو بیٹھے اور اس پر جنون طاری ہوجائے تو اس کے باوجود قسم ساقط نہیں ہوتی کیونکہ عقل کے بحال ہونے کا احتمال ابھی باقی ہے، یہ عقل والا مسئلہ کتب میں مذکور ہے جبکہ میرا غالب گمان ہے کہ یہ مسئلہ خانیہ میں ہے بلکہ یقینا اس میں ہے، جہاں انہوں نے فصل فی الخروج میں یہ ذکر کیا ہے کہ تین حضرات نے ایک شخص کو یہ قسم دی کہ وہ ان تینوں کی اجازت کے بغیر بخارا سے باہر نہ جائے گا اس کے بعد ان تینوں میں سے ایک مجنون ہوگیا اور باقی دو کی اجازت سے باہر چلا گیا قسم ٹوٹ جائے گی لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجائے تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ قسم تینوں کی مشترکہ اجازت سے مشروط تھی تو ایک کے فوت ہوجانے سے وہ شرط ختم ہوجائے گی اور قسم باقی نہ رہے گی، اور پہلی جنون والی صورت میں عقل بحال ہونے کے امکان کی وجہ سے مشترکہ اجازت سے مایوسی نہیں پائی جاتی اھ۔ **ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں کہ) اس اشکال کا جواب جو کہ میرے دل پر وارد ہوا ہے یوں ممکن ہے کہ قسم جب ایسی شرط سے مشروط ہو جس کا وقوع عادتًا ممکن تو اس کی بقاء کے لئے اس شرط کے عادتًا پائے جانے کا امکان ضروری ہے تاکہ قسم کا پورا ہونا متصور ہوسکے ورنہ محض عقلی احتمال کافی نہیں ہوگا، جبکہ خانیہ کا قول کہ "ابھی مایوسی نہیں ہوئی" اس جواب کی صحت کی طرف اشارہ کررہا ہے کیونکہ ان کا یہ قول

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الخروج نولکشور لکھنؤ ۲/۳۱۶

المستحیل عادۃ مایوس عنه و قد قال فی الفتح فی مسئلۃ من حلف لیصعدن السماء اولیقلبنّ ھذا الحجر ذھبا ان العجز ثابت عادۃ فلابرّفی زواله[1] اھ وھذاھو معنی الیاس وقد استشھد لھا فی الھدایۃ بما اذامات الحالف فانه یحنث مع احتمال اعادۃ الحیاۃ[2]، قال فی الفتح فیثبت معه احتمال ان یفعل المحلوف علیه ولکن لم یعتبر ذٰلك الاحتمال بخلاف العادۃ فحکم بالحنث اجماعا[3] الخ فتبین انه لیس الوجه مغائرۃ الحیاۃ المعادۃ للحیاۃ المعقود علیھا الحلف، والالم یتم الاستشھاد لکون العجز اذن عقلا کما قررہ المحقق الاعادۃ بخلاف صعود السماء وقلب الحجر ذھبافاذن لیس النظر الاالی الیاس العادی و	بتارہا ہے کہ اگر مایوسی ہوجائے تو قسم ساقط ہوجائیگی جبکہ مایوسی اسی چیز سے ہوتی جب وہ عادتًا محال ہو، اور فتح میں آسمان پر چھڑھنے اور اس پتھر کو سونے میں بدلنے کے متعلق قسم کے بیان میں فرمایا کہ اگرچہ آسمان پر چڑھنا اور پتّھر کا سونے میں بدل جانا عقلاً ممکن ہے لیکن عادتًا اس سے عجز ثابت ہے لہٰذا قسم ٹوٹ جائیگی کیونکہ ایسا کرنا عادتًا ممکن نہیں ہے اھ، مایوسی کا یہی معنی ہے۔اس پر ہدایہ میں یوں تائید ذکر کی ہے کہ اس صورت میں قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم باطل نہ ہوگی کیونکہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے، فتح القدیر میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ اس امکان سے حلف والے کام کو کرنے کا احتمال ثابت ہو رہا ہے مگر اس کے باوجود یہ احتمال معتبر نہیں کیونکہ یہ خلافِ عادت ہے اس لئے فوت ہوجانے پر بالاجماع قسم کے ٹوٹ جانے کا حکم ہوگا الخ تو اس بیان سے واضح ہوگیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے میں قسم کے بحال نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ دوبارہ زندگی پہلی زندگی کے مغایر ہے ورنہ ہدایہ اور فتح القدیر کا استشہاد تام نہ ہوگا کیونکہ ان کا استشہاد عادی عجز پر تھا جبکہ دونوں زندگیوں کے مغایر ہوجانے پر عجز عقلی ہوجاتا ہے حالانکہ محقق صاحب فتح القدیر نے دوبارہ زندگی

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۶۔۴۱۵
[2] ہدایہ باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ عربیہ کراچی ۱/ ۴۷۳
[3] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ ۴/ ۴۱۶

هو المقصود۔ **اقول**: ویظهر لی توجیهه ان من حلف علی محال عادی فقد عقد علی امکانه العقلی فلم یکن شرط الانعقاد الاهذا امامن عقد الموقتة علی ممکن عادة ثم استحال فلایبعد ان تبقی الیمین لان هذا الامکان غیرالمعقود علیه فلیتا مل ولیحرر، والله تعالٰی اعلم اهما کتبت علیه۔

کے احتمال کو ثابت رکھا ہے، اس کے برخلاف آسمان پر چڑھنے اور پتھر کے سونے میں تبدیل ہونے میں عقلی عجز نہیں ہے بلکہ یہاں صرف عادی مایوسی ہے جو قسم کے ٹوٹ جانے میں مقصود ہے،

اقول (میں کہتا ہوں) اس کی توجیہ مجھے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے کسی عادی محال چیز جو کہ عقلی طور پر ممکن ہو، پر قسم کھائی تو اس کی قسم کے لئے یہی عقلی امکان شرط ہوگا، لیکن جس نے کسی عادۃً ممکن چیز پر قسم کھائی اور وہ چیز قسم کے بعد عادۃً محال ہوجائے تو اس صورت میں قسم باقی نہ رہے گی کیونکہ اب صرف عقلی امکان باقی ہے جبکہ قسم اس امکان پر مبنی نہ تھی بلکہ وہ عادی امکان پر مبنی تھی جو باقی نہ رہا، غور کرنا اور معاملہ کو صاف کرنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم، میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

شبہہ خامسہ: یمین بدلالت حال متقید شود اگرچہ در قال مقید نبود وازیں باب ست تقید بغرض تاآنکہ غرض را باآنکہ بنائے ایمان برونیست تخصیص دانستہ وتصریح فرمودہ اند کہ غرض دریمین نفزاید فاما عـــہ خصوص راشاید در ردالمحتار ست فی تلخیص الجامع الکبیر وبالعرف یخص ولایزاد حتی خص الراس بما یکبس ولم یرد الملك فی تعلیق طلاق الاجنبیة بالدخول اھ ومعناہ ان اللفظ اذاکان عاما یجوز تخصیصه بالعرف کمالو حلف لایأکل رأسا فانه فی العرف اسم لمایکبس فی التنور ویباع

پانچواں شبہہ: کہ قسم حال کی دلالت سے مقید بن جاتی ہے، اگرچہ لفظوں میں وہ مطلق ہو اور اس کے ساتھ قید کا ذکر نہ ہو، اسی باب سے کلام کا غرض سے مقید ہونا ہے، اگرچہ قسموں کی بنیاد اغراض پر نہیں ہے تاہم اغراض میں تخصیص پیدا کردیتی ہیں، چنانچہ فقہاءِ کرام نے یہ تصریح کی ہے کہ غرض قسم میں زیادتی پیدا نہیں کرتی لیکن تخصیص پیدا کرسکتی ہے، ردالمحتار میں ہے کہ جامع کبیر کی تخصیص میں مذکور ہے کہ عرف سے تخصیص ہوسکتی ہے لیکن زیادتی نہیں ہوسکتی حتی کہ کسی نے سری کے متعلق قسم کھائی تو اس سے وہ سری مراد ہوگی جس کو عرف میں آگ سے بھون کر کھایا جائے، اور اجنبی عورت کے متعلق کہا "اگر وہ گھر میں داخل ہوئی تو اسے طلاق ہے" تو اس عورت کی ملکیتِ نکاح مراد نہیں ہوسکتی اھ،

عـــہ: مسودہ میں بیاض ہے۔

فی الاسواق وهو راس الغنم دون رأس العصفور ونحوه فالغرض العرفی یخصص عمومه فاذا اطلق ینصرف الی المتعارف بخلاف الزیادة الخارجة عن اللفظ کما لو قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق فانه یلغو ولاتصح ارادة الملك ای ان دخلت وانت فی نکاحی وان کان هو المتعارف لان ذٰلك غیر مذکور ودلالة العرف لاتاثیر لها فی جعل غیر الملفوظ ملفوظا[1]، همدران ست الغرض یصلح مخصصا لامزیدا[2] واگر تقییدات کہ بدلالت حال باغراض حالفین کردہ اند فروع آنہا را برخوانیم دفتر باید، بر دوسہ مثال منصوص فی المذهب اختیار کنیم:	اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لفظ عام ہو تو عرف کے ذریعہ اس کی تخصیص کی جاسکتی ہے جیسا کہ جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ سری نہ کھاؤں گا، تو قسم میں اگرچہ سری عام اور مطلق مذکور ہے لیکن عرف میں وہی سری مراد ہوتی ہے جس کو بھونا جاسکے اور بازار میں فروخت کیا جائے اس لئے عرف میں سری سے مراد چڑیا وغیرہ کی سری مراد نہ ہوگی، تو یہاں عرف نے سری میں تخصیص کردی تو جب مطلق سری ذکر کی جائے گی تو عرفاً خاص ہی مراد ہوگی اس کے برخلاف ایسی زیادتی جو لفظوں سے مذکور نہ ہو عرف کی وجہ سے وہ زیادتی پیدا نہیں ہوسکتی جیسے کوئی شخص اجنبی عورت کو کہے کہ "اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق ہے" تو یہاں اگر وہ یہ مراد لے کہ گھر میں داخل ہوتے وقت میری منکوحہ ہو تو طلاق ہے، تو منکوحہ ہونا قسم کے الفاظ سے زائد چیز ہے، جس کو مراد نہیں لیا جاسکتا، اگرچہ عرف میں طلاق کے لئے منکوحہ ہونا ضروری ہے مگر عرف کلام میں غیر مذکور لفظ کو زائد نہیں کرسکتا اس لئے اجنبی عورت کے لئے یہ قسم لغو قرار پائے گی، اسی ردالمحتار میں ہے کہ عرف مخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن زیادتی پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ حال کی دلالت سے قسموں کا اغراض سے مقید ہونا، اگر میں اس کی جزئیات کو ذکر کروں تو اس کے لئے دفتر چاہئے، تاہم مذہب میں منصوص دو تین مثالیں ذکر کررہا ہوں:

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۲

[2] ردالمحتار باب الیمین فی الدخول والخروج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۳

(۱) والیئ زید را سوگند داد کہ ہر مفسدے کہ بشہر بود مرا آگاہانی متقید باشد بزمان قیام ولایتش حالانکہ اینجا لفظے مثل اذن وغیرہ مفید تقیید اصلاً نیست مگر حال دال ست کہ عرفش تدارک اوست و ایں نباشد مگر بولایت لاجرم باد مقید شد در ہدایہ ست اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر دخل البلد فھذا علی حال ولایتہ خاصۃ لان المقصود منہ دفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ فلا یفید فائدتہ بعد زوال سلطنتہ[1]، در فتح القدیر است ھذا التخصیص فی الزمان یثبت بدلالۃ الحال وھو العلم بان المقصود من ھذا الاستحلاف زجرہ بما یدفع شرہ او شر غیرہ بزجرہ وھذا لایتحقق الافی حال ولایتہ لانہا حال قدرتہ علی ذٰلک[2]۔ (۲) ہر مدیون خود کہ از دین منکر بود و دائن گواہان نداشت سوگند خورد ترابدر قاضی کشم وحلف گیرم مدیون اعتراف کرد یا دائن	(۱) والیئ شہر نے زید کو قسم دی کہ شہر میں جو بھی شر پسند ہو مجھے اس کی اطلاع دے گا، تو اطلاع دینے کی یہ قسم اس والی کی ولایت کی مدت کے ساتھ مقید ہوگی حالانکہ لفظوں میں اس قید پر دلالت کرنے والا کوئی لفظ مثلاً اجازت وغیرہ موجود نہیں مگر عام حال کی یہاں دلالت موجود ہے کہ قسم دینے کا عرف میں مقصد یہ ہوتا ہے کہ حاکم اس اطلاع پر شر کا تدارک کرے اور یہ تدارک صرف ولایت سے ہوسکتا ہے تو لازماً یہ قسم ولایت کے زمانہ سے مقید ہوگی۔ ہدایہ میں ہے کہ جب والی نے ایک شخص کو قسم دی کہ تو مجھے شہر میں کسی فسادی کے داخل ہونے پر اطلاع دے گا۔ تو یہ قسم اس والی کی ولایت کے زمانہ سے مختص ہوگی کیونکہ والی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس اطلاع پر شریر کو سزادے کر شر کا خاتمہ کرے، لہٰذا ولایت کے خاتمہ کے بعد اس قسم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، فتح القدیر میں ہے کہ قسم کا زمانہ ولایت سے مختص ہونا دلالتِ حال کی وجہ سے ہے اور وہ یہ کہ اس قسم دینے کا مقصد شریر کو سزادے کر اس کے یا غیر کے شر کو ختم کرنا ہے جبکہ یہ مقصد اس والی کی ولایت سے حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ ولایت کی وجہ سے وہ اس مقصد پر قادر ہوتا ہے (ت) (۲) مقروض جب قرض سے انکار کرے اور قرض خواہ کے پاس گواہ نہ ہوں تو قرض خواہ قسم اٹھائے کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کروں گا

[1] ہدایہ کتاب الایمان مسائل متفرقہ مکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۴۸۶

[2] فتح القدیر کتاب الایمان نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۶۸

راگواہان بدست آمد ندیمین ساقط شود کہ بدلالت حال متقید بحال انکار وعدم وجدان شہود بود۔ در درمختار ست حلف ان یجرہ الی باب القاضی ویحلفه فاعترف الخصم اوظھر شھود سقط الیمین لتقییدہ من جھة المعنی بحال انکارہ [1] اھ قال الشامی لکن ھذاالتعلیل لایظھر بالنسبة الی قوله او ظھر شھود فانه بظھور الشھود لم یزل الانکار بل العلة فیه انه بعد ظھور الشھود لایمکن التحلیف تأمل [2] اھ اقول: له ان لایستشھدھم ویطلب حلفه فکیف لایمکن کما یوھمه قول العلامة لایمکن التحلیف فالاولی ان یقال لتقییدہ بانکارہ وعدم وجدان الشھود اذلاحلف علی مقرولامع بینة شھدت، فی الدر	اور وہاں تجھ سے قسم لوں گا تو اس کی قسم کے بعد مدیون ومقروض شخص نے قرضے کا اعتراف کرلیا یا قرض خواہ کو گواہ مل گئے، تو قرض خواہ کی قسم ساقط ہوجائے گی، کیونکہ حال کی دلالت سے وہ قسم انکار وگواہوں کے نہ ہونے کی حالت میں مخصوص قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے کہ قرض خواہ نے قسم کھائی کہ میں تجھے قاضی کے دربار میں پیش کرکے تجھ سے قسم دلاؤں گا تو اس دھمکی پر مقروض نے قرض کا اقرار کرلیا یا اس کو گواہ مل گئے، تو قسم ساقط ہوجائیگی کیونکہ قسم کھانے والے کی یہ قسم مقروض کے انکار کے ساتھ مقید قرار پائے گی اھ، اس پر علامہ شامی نے فرمایا کہ اس وجہ اور علت کا تعلق صرف مقروض کے انکار سے ہے، گواہوں کے دستیاب ہونے کی بات سے نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کے دستیابی کے باوجود انکار باقی رہ سکتا ہے، تو گواہوں کی دستیابی پر قسم کے ساقط ہونے کی علت یہ ہوگی کہ گواہوں کی موجودگی میں قاضی کے ہاں قسم دلانا ممکن نہ رہے گا، اس میں غور چاہئے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) علامہ شامی کا فرمانا کہ گواہوں کی موجودگی میں قسم دلانا ممکن ہے کیسے صحیح ہوسکتا ہے جبکہ مدعی کو اختیار ہے کہ وہ گواہ پیش کرنے کی بجائے مقروض منکر کو قسم دلائے، لہٰذا قسم کو ناممکن کہنا درست

[1] درمختار باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۰۴

[2] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب واللبس والکلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

عن البحر الیمین کالخلف عن البینۃ فاذاجاء الاصل انتھی حکم الخلف اھ[1] ولایرضی الطالب بحلف المنکر مادام یقدر علی الشھود مخافۃ ان یحلف فیذھب مالہ فیتقید بھما عرفا.**اقول:** ولیس ھذاالسقوط لعدم تصور البر بقاء فان قلت الیس فی الدر قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصر وطلب یمین خصمہ لایحلف خلافا لھما ولو حاضرۃ فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا ابن ملک اھ[2]، **قلت** الیس ان الاحضار والاخبار کلیھما بیدہ فان الشھود لایحضرون مالم یحضروا ولایعلم القاضی ان لہ بینۃ فی المصر مالم یخبر فالامکان حاصل لاشك اما اولا فلان الیمین مطلقۃ فلایضرھا انتفاء	نہیں بلکہ یوں کہنا بہتر تھا کہ وہ قسم انکار اور گواہوں کے دستیاب نہ ہونے سے مقید قرار پائے گی، کیونکہ اقرار کرلینے پر اور گواہوں کی شہادت پر قسم کی ضرورت نہیں رہتی۔ درمختار میں بحر سے منقول ہے کہ قسم، گواہی کا خلیفہ بنتی ہے توجب اصل حاصل ہوجائے تو خلیفہ کی ضرورت نہیں رہتی اھ، اور نہ ہی حق والا گواہوں کی موجودگی میں قسم دلانے پر راضی ہوتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مقروض جھوٹی قسم اٹھادے تواس کا قرض ضائع ہوجائے، لہٰذا عرفاً یہ قسم دونوں حالوں (انکار اور گواہ نہ ہونے) سے مقید قرار پائے گی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) گواہوں کی موجودگی میں قسم کا یہ سقوط اس لئے نہیں کہ بالآخر قسم کا پورا ہونا متصور نہیں ہوسکتا کہ قسم کا پورا ہونا ناممکن ہوجانے پر ختم ہوجائے۔ اس پر اگر تو یہ اعتراض کرے کہ کیادرمختار میں یہ موجود نہیں کہ جب قاضی کے ہاں مدعی یہ کہے کہ میرے گواہ ہیں لیکن وہ شہر میں موجود ہیں اور مدعی اس صورت میں اپنے مخالف سے قسم کا مطالبہ کرے، تو امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی مخالف کو قسم نہ دلائے گا۔ صاحبین کامسلک اس کے خلاف ہے، اور اگر مدعی کے گواہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم نہ لی جائیگی، ابن ملک اھ (تو قسم دلانے کا احتمال ختم ہوجانے سے قسم ساقط ہوجائیگی) **قلت** (میں کہتا ہوں) کیا گواہوں کو حاضر کرنا اور قاضی کو گواہوں کی موجودگی

[1] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۸/۲

[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۱۱۹/۲

تصور البر فیما بعد واما ثانیا فلانه متصور اما فی الشهود فلما ذکرنا واما فی الاقرار فلان من اقر عند الطالب لایجب ان یقر عند القاضی فلعله اذا اجر الیه انکر فیحلفه فالتصور حاصل قطعا فلاسقوط الا للتقیید العرفی اھ[1] ما کتبت علیه۔ ثمّ رأیت الامام ابا بکر محمد بن ابی المفاخر بن عبدالرشید الکرمانی ذکره فی جواهر الفتاوٰی کتاب الایمان، الباب الثانی فتاوی الامام جمال الدین البزدوی، فرأیته افاد فوائد منها، التعلیل بدلالة الحال ملحقاله بمسألة تحلیف الوالی لیعلمنه بکل داعر ومنها ان التقیید بالانکار فی صورة الاقرار ومنها ان فی سقوط الیمین بظهور الشهود خلافا وان	کی خبر دینا مدعی کے اختیار میں نہیں ہے؟ ضرور اس کے اختیار میں ہے کیونکہ جب تک وہ گواہوں کو حاضر نہ کرے وہ پیش نہ ہوں گے اور یوں ہی جب تک وہ قاضی کو گواہوں کی موجودگی کی خبر نہ دے قاضی کو معلوم نہ ہوسکے گا کہ اسکے پاس گواہ ہیں، تو بہر صورت گواہوں کی موجودگی کے باوجود مدعی علیہ سے قسم لینے کا امکان قاضی کے ہاں باقی ہے، اولاً تو اسلئے کہ مذکورہ قسم مطلق ہے تو تاحال قسم پورا ہونا متصوّر نہ ہو تو اس کے لئے کچھ مضر نہیں ہے، اور ثانیاً اس لئے کہ قسم کا پورا ہونا ابھی ممکن ہے گواہوں کی موجودگی کی صورت میں تو ہم نے وجہ ذکر کردی، اور مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ، مدعی کے پاس تو اقرار کرتا ہو تو پھر ضروری نہیں کہ وہ قاضی کی مجلس میں بھی اقرار کرے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ مدعی علیہ کو جب قاضی کے ہاں پیش کیا جائے تو وہ انکار کردے تو اس صورت میں قاضی کا اس سے قسم لینا متصور ہے تو معلوم ہوا کہ بہر صورت ابھی قسم کا تصوّر باقی ہے لہذا یہاں قسم کا سقوط صرف عرفی قید کی وجہ سے ہوگا نہ کہ حلف کا امکان ختم ہوجانے سے قسم کا سقوط ہوگا اس پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔ اس کے بعد میں نے امام ابوبکر محمد بن المفاخر بن عبدالرشید کرمانی کو جواہر الفتاوی کی کتاب الایمان کے دوسرے باب۔ امام جمال الدین بزدوی کے فتاوی میں ذکر کرتے ہوئے پایا جس میں ان کو بہت سے

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

الفتوی علی السقوط و ھذا نصہ رحمہ اللہ تعالٰی رجل ادعی علی اٰخر کذا منا حنطۃ فانکر المدعی علیہ فحلفہ المدعی بطلاق امرأتہ ان یجرہ الی باب القاضی ویحلفہ علی ذٰلك ثم ان المدعی علیہ اقربما ادعی استغنی عن الیمین ویکون بارافی یمینہ لان الحلف علی ان یحلفہ مادام منکر افاذا اقرفات الانکار ولیس ھذا کما لو قال لاشربن الماء الذی فی ھذا الکوز فاریق الماء انہ یحنث لان الیمین ھناك علی الشراب ولم یشربہ وھٰھنا الیمین علی الانکار فلم تبق الیمین وصار کانہ حلف مع السلطان ان یعلمنہ بکل داعر دخل المدینۃ ثم عزل السلطان سقط یمینہ لانہ حلف علی ان یعلمہ مادام

فائدے ذکر کرتے ہوئے دیکھا، جن میں ایک فائدہ یہ کہ، والیٔ شہر کا کسی کو قسم دینا کہ وہ اسے ہر فسادی کی اطلاع دے گا، والے مسئلہ میں، قسم کا والی کی ولایت باقی رہنے کی علت، دلالت حال کو بنایا۔ دوسرا فائدہ، مدعی کی قسم کا انکار سے مقید ہونا صرف مدعی علیہ کے اقرار کی صورت میں ہے گواہوں کی صورت میں نہیں (جیسا کہ اوپر بحث گزری)۔ تیسرا فائدہ گواہوں کی صورت میں قسم کا ساقط ہونا مختلف فیہ ہے جبکہ فتوی یہ ہے کہ ساقط ہوجائے گی۔ امام جمال الدین کی عبارت یوں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ اس کے ذمے ہماری اتنی گندم ہے تو مدعا علیہ نے انکار کردیا تو اس پر مدعی نے اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھائی کہ میں اس کو قاضی کے دربار میں پیش کرکے اس کو قسم دلاؤں گا، تو اس دھمکی کے بعد مدعا علیہ نے اس کے دعوی کا اقرار کرلیا تو اب قاضی کے پاس لے جاکر قسم دلانے کی ضرورت نہ ہوگی اور قسم کھانے والا مدعی اپنی قسم سے بری ہو جائے گا کیونکہ اس کی قسم دلانے کی قسم اس مدعا علیہ کے انکار پر تھی، تو جب اس نے اقرار کرلیا تو انکار ختم ہوگیا۔ اور یہ معاملہ ایسا نہیں کہ کوئی قسم کھائے کہ میں اس کوزے کے پانی کو ضرور نوش کروں گا، تو قسم کے بعد کوزے کا پانی گرادیا گیا ہو، تو قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ یہ قسم کوزے کے پانی کو پینے سے متعلق تھی تو وہ اسے پی نہ سکا لیکن یہاں قسم انکار پر مبنی تھی جو ختم ہوگیا، تو قسم بھی ختم ہوگئی، جیسا کہ حاکمِ شہر کسی کو قسم دے کہ تو مجھے شہر میں داخل ہونے والے

هوالوالی فی البلد فکذٰلك هنا بدليل انه لو حمله الی القاضی لايحلفه فاذالا فائدة فی حمله الی القاضی هکذا عـــه ذکر، وهذا الجواب يوافق قول القاضی ابی الهيثم ويخالف قول القاضی الامام الصاعدی فانه ذکر فی فتاواه هذاالمسألة الاانه وضع المسألة هکذاذکر مکان اعتراف المدعی عليه انه ظهر له شهود وقال القاضی الامام ابو الهيثم سقط يمينه وقال الصاعدی لايسقط بل يقع طلاقه فاذاجواب شيخنا جمال الدين وافق جواب القاضی ابی الهيثم وهو الصحيح وعليه الفتوی [1] اھ۔ **(۳)** مدیون را سوگند داد فلاں روز حق من دہی ودستم بگیری وبے دستوری من بیروں	ہر فسادی کی اطلاع دے گا، اس کے بعد وہ حاکم معزول ہوجائے تو اس کی دی ہوئی قسم بھی ختم ہوجائیگی، کیونکہ یہاں بھی قسم کا مطلب یہ تھا کہ میری ولایت جب تک ہے اس وقت تک اطلاع دینی ہوگی، تو یہاں بھی یہی صورت ہے کیونکہ مدعی اگر مدعٰی علیہ کو اب قاضی کے ہاں پیش کرے تو قاضی اس سے قسم نہ لے گا اس لئے اب قاضی کے ہاں لے جانے کا فائدہ نہ رہا، اس کو امام جمال الدین بزدوی نے یونہی ذکر فرمایا ہے، یہ امام جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے قول کے موافق ہے اور قاضی امام صاعدی کے قول کے مخالف ہے، کیونکہ امام صاعدی نے اس مسئلہ کو اپنے فتاوی میں ذکر کیا اور مدعٰی علیہ کے اعتراف کی بجائے انہوں نے گواہوں کے موجود ہونے، کو ذکر کیا، جبکہ قاضی امام ابوہیثم نے کہا کہ قسم ساقط ہوجائے گی اور امام صاعدی نے کہا کہ قسم ساقط نہ ہوگی بلکہ گواہوں کے موجود پانے پر مدعی کے قسم کے مطابق اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، تو جب ہمارے شیخ جمال الدین بزدوی کا جواب قاضی ابوہیثم کے جواب کے موافق ہے تو یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے، اھ۔ (ت) **(۳)** کسی نے اپنے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھے فلاں روز میرا قرض دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا

عـــه: قوله هکذا ذکر ای الامام جمال الدين البزدوی ومن هٰهنا الی اٰخر مانقلنا کلام الامام الکرمانی جامع تلك الفتاوی منه۔

اس کا قول یونہی ذکر کیا ہے یعنی امام جمال الدین بزدوی نے ذکر کیا ہے اور یہاں سے آخر تک جو عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ امام کرمانی کا کلام ہے جو اس فتاوی کے جامع ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] جواہر الفتاوی کتاب الایمان

نہ روی باز مدیوں ہمیں روز دینش داد ودستش نگرفت و بے دستوری اوبیروں رفت حانث نشود کہ ایں یمیں عرفا مقیدست بحال دیں در ردالمحتار ست فی البزازیۃ حلفہ لیوفین حقہ یوم کذاولیأخذن بیدہ ولاینصرف بلا اذنہ فاوفاہ الیوم ولم یأخذ بیدہ وانصرف بلااذنہ لایحنث لان المقصودھو الایفاء اھ. قلت تقدم ان الایمان مبینۃ علی الالفاظ لاعلی الاغراض وھذا المقصود غیر ملفوظ لکن قدمنا ان العرف یصلح مخصصا وھنا کذٰلک فان العرف یخصص ذٰلک بحال قیام الدین قبل الایفاء ویوضحہ ایضا مایأتی قریبا عن التبیین[1] اھ مافی الشامی۔**اقول**: والذی یظھر للعبد الضعیف ان ھنا ثلث ایمان فالاخیرۃ متقیدۃ بنفس	اور میری رضا کے بغیر باہر نہ جائے گا، پھر مقروض نے اسی دن قرض ادا کردیا اور اس کا ہاتھ پکڑے بغیر باہر چلاگیا تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ یہ قسم عرف میں قرض ذمہ ہونے کی وجہ سے تھی، تو قرض ختم ہونے پر قسم ساقط ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے کہ بزازیہ میں ہے کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھے فلاں دن میرا حق دے گا اور میرا ہاتھ پکڑے گا اور میری مرضی کے بغیر باہر نہ جائیگا، تو مقروض نے اس کو قرض اسی روز دے دیا اور ہاتھ پکڑے اور اس کی مرضی کے بغیر باہر واپس چلاگیا تو قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس قسم کا مقصد قرض وصول کرنا تھا اھ۔ قلت میں کہتا ہوں کہ یہ گزرچکا ہے کہ قسموں کی بنیاد الفاظ ہوتے ہیں۔ اغراض بنیاد نہیں ہوتے، اور مذکور قسم کا مقصد الفاظ میں مذکور نہیں ہے، لیکن جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کردیا ہے کہ عرف تخصیص پیدا کردیتا ہے تو یہ بھی ایسے ہی ہے کیونکہ یہاں بھی عرف نے اس قسم کو قرض کی موجودگی کے ساتھ مختص کردیا ہے کہ اس کی ادائیگی سے قبل تک ہوگی، اس کی وضاحت عنقریب تبیین الحقائق سے بیان کی جائے گی، علامہ شامی کا ردالمحتار میں بیان ختم ہوا۔ **اقول** (میں کہتاہوں کہ) مجھ ضعیف بندے پر جو ظاہر ہورہا ہے وہ یہ کہ یہاں ردالمحتار کے بیان کردہ مسئلہ میں تین قسمیں ہیں جن میں سے

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۶

لفظ الاذن کما تقدم والاولی کانت موقتۃ والممتنع الایفاء فی ذٰلك الوقت لحصولہ قبلہ فسقطت لعدم تصور البر ثم رأیتھم بہ عللوہ، وللہ الحمد، اما الثانیۃ فمجازہ عن الایفاء ای لیعینہ لوفاء دینہ اذمن المعلوم قطعا ان لیس المراد خصوص اخذ العضو وھی مطلقۃ وقدبر فیھا اذا وفی وان فرضت لوقتہ بالتوقیت المذکور فقد سقطت ایضا وھذا معنی قول الوجیز لان المقصود ھو الایفاء فلیس ھنا مدخل اصلا للتخصیص بدلالۃ الحال واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال ولیس فیما اتی بہ بعد عن التبیین الاان الیمین تتقید بمقصود الحالف ولھذا تتقید بالصفۃ الحاملۃ علی الیمین وان کانت فی الحاضر علی مابینا من قبل اھ[1]	آخری یعنی "میری اجازت کے بغیر واپس نہ جائے گا" یہ قسم لفظ اجازت سے مقید ہے جیسا کہ گزرا ہے، اور ان میں سے پہلے قسم یعنی "تو میرا حق فلاں روز ادا کرے گا" یہ وقت سے مقید ہے یعنی موقت ہے، جبکہ مقررہ اس دن میں حق کی ادائیگی نہیں ہو سکی کیونکہ ادائیگی مقررہ دن سے پہلے ہو چکی ہے اس لئے قسم ختم ہو جائے گی کیونکہ مقررہ دن میں پورا کرنا ممکن نہ رہا، پھر اس بیان کے بعد میں نے دیکھا تو فقہاء نے قسم کے خاتمہ کی یہی علت بیان فرمائی وللہ الحمد، لیکن دوسری قسم یعنی "تو میرا ہاتھ پکڑلے" یہ حق پورا کرنے، سے مجاز ہے، یعنی تاکہ یہ بات حق کی ادائیگی میں مددگار بنے، کیونکہ خاص عضو یعنی ہاتھ پکڑنا مقصود نہیں ہے، لہٰذا یہ قسم مطلق قرار پائی، اور یہ حق کی ادائیگی ہو جانے پر پوری ہو چکی ہے، اور اگر اس دوسری قسم کو مطلق کی بجائے وقت یعنی مقررہ دن سے مقید اور موقت قرار دیا جائے تو تب بھی یہ ساقط قرار پائیگی، جبکہ وجیز کے اس کہنے کا کہ یہاں مقصود صرف حق کو پورا کرنا ہے، اور یہاں حال کی دلالت سے تخصیص کا کوئی دخل نہیں ہے، کا یہی مطلب ہے جبکہ اللہ تعالٰی ہی حقیقت حال کا بہتر عالم ہے، اور بعد میں تبیین الحقائق کے حوالہ سے جو ذکر کیا وہ صرف یہی ہے کہ یہ قسم حالف کے مقصد سے مقید ہوگی لہٰذا قسم کی وجہ بننے والی صفت سے یہ مقید قرار پائے گی اگرچہ وہ صفت حاضر چیز میں پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۰۷

ولا کلام فیہ انما الکلام فی حصول التخصیص ھنا ثم کلام التبیین فی صفۃ ملفوظۃ کلایکلم عبد فلان وتریدون ھٰھنا اثبات غیر الملفوظ فلا یوضحہ مافی التبیین وغایۃ ما یقال ان المعنی لیوفین یوم کذا ان لم یوف قبلہ فھذا التقیید بدلالۃ الحال وھو المقصود الغیر الملفوظ فیکون الاولی مبرورۃ ساقطۃ واللہ تعالٰی اعلم۔ وچوں دریں مثال در دلالت حال مجال مقال وسیع آمد مثالے دگر جایش بنشانیم دائن حلف گرفت کہ روئے از من نپوشی و معنی ایں پیمان آن ست کہ ھرگاہ ترا طلبم وتو بر طلب من مطلع شوی ظاہر گردی ورنہ فرد روپوشی مدیون در غیر آں طلب دائن بے اطلاع بر طلب دائن موجب حنث نیست گواز ترس دائن باش چنانکہ بخوف او رخ پوشاں بازا ز رفتن زیراکہ ایں روئے پوشیدن بخیال ست نہ ازو سوگند بریں بود نہ براں ایں یمین بدلالت حال مقید ست بزمان بقائے دین تا آنکہ اگر دو دائن بودند

(تبیین الحقائق کے آخر کلام تک) جبکہ یہاں یہ بحث نہیں کہ مقصد سے مقید ہوگی یا نہیں، بلکہ یہاں تو دلالتِ حال سے تخصیص میں بحث ہے اور پھر تبیین الحقائق کی بات کا تعلق لفظوں میں مذکور صفت سے ہے، مثلاً میں فلاں کے غلام سے بات نہ کروں گا جبکہ آپ تو یہاں غیر ملفوظ کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تبیین الحقائق کا کلام اس بحث کی وضاحت نہیں بن سکتا، انتہائی بات جو کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ قسم میں "فلاں دن حق پورا کرے گا" کا معنٰی یہ ہوگا کہ اگر اس دن سے قبل حق پورا نہ کرے تو اس دن ادا کرے گا، تو قبل ازیں پورا نہ کرنے سے قسم مقیّد ہوگی اور یہ مقصد لفظوں میں غیر مذکور ہے جو صرف دلالت حال سے قید کے طور پر معلوم ہو رہا ہے، تو پہلی قسم پوری ہو کر ختم ہوگئی، واللہ تعالٰی اعلم۔ چونکہ مذکورہ مثال میں دلالتِ حال کے متعلق بحث کی وسیع گنجائش پیدا ہوگئی، اس لئے ایک اور مثال یہاں پیش کرتا ہوں کہ، ایک قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے منہ نہ چھپائے گا، تو اس عہد و پیمان کا معنٰی یہ ہے کہ جب میں تجھے طلب کروں اور تو میری طلب پر مطلع ہو جائے تو فوراً سامنے آنا ہوگا، اس لئے اگر وہ اس کی طلب کے بغیر یا طلب پر اطلاع نہ پانے پر روپوشی کرے تو قسم کی خلاف ورزی نہ ہوگی اگرچہ یہ روپوشی اس قرض خواہ کے ڈر سے ہی ہو مثلاً قرض خواہ کے سامنے آجانے پر مقروض منہ پھیر کر رک جائے، کیونکہ یہ روپوشی دوسرے خیال

ودین یکے اداشد یمین در حق او منتہی گشت ، در وجیز کردری فصل ۱۸ افی قضاء الدین فرمود حلف الدائن المدیون کہ از من رو نپوشی **ولم یوقت فکل وقت طلبه وعلم به ولم یظهر له حنث وان دخل السوق متواریا لایحنث وان طلبه ولم یعلم به ولم یظهر الوجه لایحنث ولوکان حین حلف بهذا الوجه رب الدین اثنین فقضی لاحدهما انتهی الیمین فی حقه**[1]، درمسئلہ دائرہ نیز حال دال ست کہ غرض یمین ہجراں پسر و تباعد از ذریت ومساکنت او وسزا دادنش بدوری از خانہ وخوان خود ست پس متقید باشد بزمان بقائے ایں مقاصد چوں پدر خودش ترک مہاجر گفت واوسرا انتقام در گزشت یمین منتہی گشت چنانکہ درفروع مذکورہ چوں بعزل سلطان واقرار مدیون وظہور گواہان وادائے دیون آں اغراض نماند سوگند نماند۔

سے ہے نہ کہ اس کی طلب سے روپوشی ہے، لہٰذا کسی اور وجہ سے روپوشی پر قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ قسم کا تعلق کسی اور وجہ سے نہیں ہے، تو یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے قرض باقی رہنے کے حال سے مقید ہوگی، حتی کہ اگر قرض خواہ دو شخص ہوں دونوں نے یہ قسم دی ہو تو دونوں میں سے جس کا قرض ادا کردے گا اس کے حق میں قسم ختم ہوجائے گی۔ وجیز کردری کی فصل ۱۸ اقرض کی ادائیگی میں فرماتے ہیں کہ قرض خواہ نے مقروض کو قسم دی کہ تو مجھ سے روپوشی نہ کرے گا اور قسم میں کسی وقت کا ذکر نہ کیا تو اس قسم کا معنی یہ ہوگا کہ جب بھی وہ اس مقروض کو طلب کرے اور مقروض کو اس طلب کا علم ہوجائے تو اس وقت روپوشی نہ کرے، لہٰذا اگر قرض خواہ کی طلب پر مقروض اطلاع پانے کے باوجود حاضر نہ ہو سامنا نہ کرے تو قسم ٹوٹ جائے گی، اور اگر بغیر طلب یا طلب پر اطلاع نہ پائی ہو اور بازار میں ویسے ہی قرض خواہ کے ڈر سے روپوشی کرکے نکلے تو قسم نہ ٹوٹے گی، اگر اس صورت میں دو قرض خواہ ہوں جنہوں نے اس کو یہ قسم دی ہو تو ایک کا قرض ادا کردیا تو اس کے حق میں قسم ختم ہوجائیگی۔ زیر بحث مسئولہ مسئلہ میں بھی اس قسم کا مقصد بیٹے سے بائیکاٹ، اس کا گھر اور رہائش سے دور رکھنا اور اپنے گھر اور دستر خوان سے باز رکھنے کی سزا ہے لہٰذا یہ قسم بھی دلالت حال کی وجہ سے ان مقاصد سے مقید ہوگی اور جب باپ نے خود یہ تمام باتیں کردیں اور سزا ترک کردی تو قسم ختم ہوجائے گی جیسا کہ مذکورہ بالا مسائل میں، حاکم کی معزولی، مقروض کے اقرار، گواہوں کی حاضری اور قرض کی ادائیگی جیسے قسم کے اغراض ہوجانے سے قسم ختم ہوجاتی ہے۔ (ت)

[1] فتاوی بزازیہ علیٰ ہامش فتاوی ہندیہ الثامن عشر فی قضاء الدین نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۳۰

اقول اولاً فرق ست میان انتفائے مقصود وانعدام قصد در فروع مستشہدہ افعال محلوف علیہا خود از ثمرات مخصوصہ تہی شدہ است چوں والی معزول شد اطلاع او بر آمدن مفسد در شہر چہ سود دہد و مقصود از بردن منکر پیش قاضی وحلف از و خواستن آں بود کہ قاضی او را بر حلف مجبور کند و بر مقر حلف نتواں نہاد پس تحلیف صورت نہ بندد و طلب حلف مسموع نشود و چوں بر دعوی مدعی گواہان عادل شرعی باشند نیز از منکر حلف نگیرند و ہمچو گواہان داشتن و باز کار برزبان صاحب انکار گزاشتن حق خود را در خطر افگندست کہ خلاف مقصودست پس بہر وجہ ثمرہ مطلوبہ مفقود ست و بعد ادائے دین باروئے مدیون چہ کار ماندہ است کہ پوشیدن ونمودن ثمرہ دہد و مقصود زن حصول انس بمصالحت شوہر ومنع وحشت بوحدت ست وایں بعد زوال زوجیت میسر نیست زن مرد اجنبی را نگوید کہ بامن باش وجدا مشو بخلاف صورت دائرہ کہ بخانہ نگزاشتن ہمچناں مثمر دوری وہجران وسزائے ناشکری وکفران ست مگر حالف حالا زیں قصد برگشتہ است پس ایں نیست کہ آنکار ثمرہ نیارد بلکہ خود او خواہش آں ثمرہ ندارد، بالجملہ از نماندن مقصود تا قصد نماندن مقصود فرق عظیم ست ایں دوم زنہار مبطل یمیں نتواں شد ورنہ

اقول: (میں کہتا ہوں) **اولاً** جواب یہ ہے کہ مقصود کا منتفی ہونا، اور اس کا قصد نہ کرنا یہ دو مختلف چیزیں ہیں جبکہ شبہہ میں مذکور مسائل بیان جن کاموں کے متعلق قسم ہے وہ کام اپنے مخصوص مقاصد سے خالی ہوتے ہیں کہ جب والیٔ شہر معزول ہوجائے تو شہر میں مفسد شخص کے داخل ہونے کی اطلاع اس کو دینے میں کیا فائدہ ہوگا۔ اور منکر کو تو قاضی پر پیش کرکے اس سے قسم لی جاسکتی ہے تاکہ قاضی اس کو قسم پر مجبور کرے لیکن جب قرض کا اقرار کرلیا تو اب اس سے قسم نہیں لی جاسکتی اور اس سے قسم کا مطالبہ نہیں ہوسکتا۔ اور جب مدعی کے دعوی پر شرعی عادل گواہ موجود ہوں تو منکر سے قسم نہیں لی جاتی اور اسی طرح گواہوں کی موجودگی میں اپنے حق کو منکر کی زبانی حلف کے سپرد کرنا اپنے حق کو خطرہ میں ڈالنا بھی مقصود کے خلاف ہے تو یہ تمام صورتیں قسم کے مقصد کے خلاف ہیں، اور قرض ادا کردینے کے بعد مقروض کے چہرہ کو دیکھنے سے کیا کام ہے اب روپوشی کرنا نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے، اور بیوی نکاح کی موجودگی میں تو علیحدہ رہنے میں تنہائی کی وحشت کو ختم کرنے اور اپنے خاوند سے صلح کرکے مانوس ہونے کی کوشش کرے گی جبکہ نکاح ختم ہوجانے پر اس کا یہ مقصد بھی ختم ہوجاتا ہے کیونکہ اب اجنبی ہوجانے پر اس کو اپنے پاس رہنے کی بات نہ کرے گی اور نہ جدائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے گی، جبکہ زیر بحث مسئولہ معاملہ میں گھر میں نہ چھوڑنے کی قسم کا مقصد بیٹے کی ناشکری اور کفرانِ نعمت پر اس کو بائیکاٹ اور

ہماں مفاسد لازم آید کہ در جواب شبہہ چہارم یاد کردیم حلفہائے مبتنی بر خشم و غضب بعد فروشدن خشم خود بخود برباد رود و ہیچ جزایا کفارہ لازم نشود کہ بعد زوال غضب آں ثمرات راخواہش نمی ماند بلکہ بسااوقات نادم می شود و دلیل قاطع بر بطلان آں احادیث کثیرہ عدیدہ صحیحہ سدیدہ بسر حداستفاضہ کشیدہ ست کہ فرمودہ اند صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرھا خیرا منھا فات الذی ھو خیر وکفر عن یمینك**[1] چوں سوگندے خوری باز بینی کہ غیر او ازاں بہتر ست پس آں بہتر را بجا آرو سوگندت را کفارہ گزار، **رواہ البخاری ومسلم عن سمرۃ بن جندب واحمد ومسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ والنسائی وابن ماجۃ عن عوف ابن مالك عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبدالرزاق عن بن سیرین مرسلا وابوبکر بن شیبۃ والبیھقی عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ**. وفرمودند

گھر سے دور رکھنے کی سزا دینا ہے لیکن قسم والے نے اب اپنے مقصد کو چھوڑ دیا تو اس سے قسم والا معاملہ بے سود اور بیکار نہ ہوگا کیونکہ یہاں مقصد فوت نہیں ہوا بلکہ خود اس مقصد کو ترک کر رہا ہے، الحاصل، مقصود کا باقی نہ رہنا اور اس کو مقصود نہ بنانا دو مختلف چیزیں ہیں اور دونوں میں بڑا فرق ہے جبکہ دوسرا یعنی مقصد کو مقصود نہ بنانا اور اس سے روگردانی کرنا قسم کو قطعًا باطل اور کالعدم نہیں کرسکتا، ورنہ اس سے وہ تمام مفاسد لازم آئیں گے جو شبہہ چہارم کے جواب میں ہم نے ذکر کئے ہیں کہ غصہ اور ناراضگی پر مبنی تمام قسمیں، غصہ ختم ہوجانے پر خود بخود ختم ہوجائینگی اور ان پر کوئی جزاء یا کفارہ لازم نہ آئیگا کیونکہ غصہ اور ناراضگی کے دوران قسم کے جو مقاصد تھے وہ غصہ ختم ہوجانے پر باقی نہ رہے بلکہ بسااوقات غصہ کی حالت میں قسموں پر ندامت ہوتی ہے تو لازم آئے گا کہ غصہ ہونے پر کوئی کفارہ یا جزا مرتب نہ ہو حالانکہ اس کے بطلان پر کثیر تعداد میں صحیح احادیث وارد ہیں جو غصہ ختم ہونے کے بعد بھی ان قسموں پر حنث لازم آنے میں درجہ شہرت تک پہنچتی ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جب تو قسم کھائے تو دیکھ کہ اس قسم کا غیر یعنی خلاف بہتر ہو تو بہتر کو بجالا اور قسم کا کفارہ دے۔ اس کو بخاری و مسلم نے سمرہ بن جندب اور احمد اور مسلم ترمذی نے ابوہریرہ اور نسائی اور ابن ماجہ نے عوف بن مالک کے والد سے روایت کیا ہے اور عبدالرزاق نے ابن سیرین سے مرسلًا اور ابوبکر بن شیبہ اور بیہقی نے موقوفًا امیر المومنین

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۸۰

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منھا الا کفرت عن یمینی واُتیت الذی ھو خیر [1] بخدا اگر خدا خواہد ہر سوگند کہ خورم باز غیر او بہتر از و بینم ہماں بہتر را پیش نہم و سوگند را کفارہ دہم رواہ احمد وعبدالرزاق والبخاری ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ عن ابی موسٰی الاشعری والطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیہقی عن ابی الدرداء والحاکم عن ام المومنین الصدیقۃ والطبرانی عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبدالرزاق عن ام المومنین عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھما من قولہ وعبدالرزاق وابن ابی شیبۃ وابناء حمید وجریر والمنذر وابوالشیخ والبیہقی عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بمعناہ وفی الباب غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم ۔ وفرمودند صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واللہ لان یلجّ احدکم بیمینہ فی اھلہ اٰثم لہ عنداللہ من ان یعطی کفارتہ التی افترض اللہ علیہ [2] یعنی اگر کسے در بارہ اہل خود برایذا واضرار ایشاں	حضرت عمر فاروق (رضی اللہ تعالٰی عنہم) سے روایت کیا ہے۔اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: بخدا! اگر اللہ تعالٰی چاہے تو جو قسم بھی میں کھاؤں پھر اس کے بعد اس کے غیر کو بہتر پاؤں تو بہتر کو اختیار کروں گا اور قسم کا کفارہ دوں گا۔ اس کو احمد، عبدالرزاق، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابوموسٰی اشعری سے اور طبرانی نے کبیر میں، حاکم اور بیہقی نے ابودرداء سے، اور حاکم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے، اور طبرانی نے عمران بن حصین سے (رضی اللہ تعالٰی عنہم) روایت کیا ہے۔ اور عبدالرزاق نے حضرت ام المومنین سے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول، اور عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابن حمید، ابن جریر ابن منذر، ابوشیخ، اور بیہقی نے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بالمعنی روایت کیا ہے جبکہ اس باب میں دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایات ہیں، اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص اپنے اہل کے متعلق اس کو اذیت اور ضرر پہنچانے کیلئے قسم کھائے پس بخدا اس کو ضرر دینا اور قسم کو پورا کرنا عنداللہ زیادہ گناہ ہے اس سے کہ وہ اس قسم کے بدلے کفارہ دے جو اللہ تعالٰی نے اس پر مقرر فرمایا ہے، اس کو بخاری اور مسلم (شیخین) نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۸۰

[2] صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۸۰

سوگند خورد پس بخدا کہ باضرار او برابر ارادہ باضرار شاں گناہگار تر باشد نزد خدا ازینکہ سوگند و کفارہ اش کہ خدائے مقرر فرمودہ ست ادا کند رواہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ پیداست کہ ہمیں فعل اختیاری ست و فعل اختیاری را از قصد غایتے چارہ نے وچوں غیر او اخیر یابد رائے بر گردد واں قصد نماند پس یمین ببطلان قصد باطل شدے کفارہ چرا۔

ثانیا بانتفائے مقصود نیز مطلقا بطلان ست اگر یمین مطلقہ آرد کہ فلان رازند یا کشد یا پیش حاکم برد یا چناں خوراند یا پوشاند یا خلعت پوشاند یا خبرے خوش یا بدرساند الٰی غیر ذٰلک مما یختص بالحیاۃ عرفا ونکرد تا آنکہ فلاں مرد یقینا حانث شود و کفارہ دہد اگر یمین بطلان وعتاق بود فرود آید باآنکہ آں جملہ مقاصد بمرگش مرد و درہم خورد وکل ذٰلک واضح جلی وعلیہ فروع جمۃ فی کتب المذھب ، ودر خانیہ و کبری و محیط و تجنیس و خلاصہ و بزازیہ و ہندیہ و غیرہاست رجل شاجر مع اخیہ واختہ، فقال لھما بالفارسیۃ اگر من شمارا بکون خر اندر نکنم تکلموا فی ذٰلک والصحیح انہ یراد بھذا القھر والغلبۃ فلا یحنث حتی یموتا اویموت

سے روایت کیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ قسم اختیاری فعل ہے اور کوئی اختیاری فعل ارادہ اور قصد کے بغیر ممکن نہیں تو اس کے باوجود جب اس کے خلاف کو بہتر جانے تو اس بہتر کو کرے اور اپنی رائے اور ارادہ کو تبدیل کردے اور اس کا قصد نہ کرے، تو اگر قسم والے فعل کا قصد ختم ہوجانے سے قسم ختم ہوجاتی ہے تو پھر ان احادیث میں کفارہ کا ذکر کس چیز پر ہے۔

ثانیا جواب یہ ہے، مقصود کے انتفاء سے بھی علی الاطلاق اور علی العموم قسم کا باطل ہونا غلط ہے، مثلاً کوئی شخص غیر مقید طور پر قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو ماروں گا، یا فلاں کی کھینچا تانی کروں گا، یا حاکم کے سامنے کروں گا یا فلاں چیز کھلاؤنگا یا پہناؤں گا، یا جوڑا پہناؤں گا، یا فلاں کو خوشخبری دوں گا، وغیر ذالک، تو یہ قسمیں عرفاً پوری زندگی بھر کے لئے ہوں گی اگر یہ کام نہ کئے حتی کہ وہ فلاں فوت ہوجائے تو یقینا حانث ہوگا، اور کفارہ دینا ہوگا، اور یہ قسمیں طلاق یا عتاق سے متعلق تھیں۔ تو طلاق یا عتاق واقع ہوجائے گی کیونکہ فلاں کے فوت ہوجانے سے قسم کے تمام مقاصد ختم ہوجاتے ہیں یہ تمام امور واضح ہیں اور مذہب کی کتب میں ان پر کثیر مسائل متفرع کئے گئے ہیں۔ خانیہ، کبریٰ، محیط، تجنیس، خلاصہ، بزازیہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہن سے جھگڑے میں ان کو کہا اگر میں تم دونوں کو گدھے کی دبر میں داخل نہ کردوں تو فلاں چیز لازم آئے، تو اس قسم کی صورت میں

الحالف[1] ھذالفظ الخانیة فی الایمان، ولفظھا فی الطلاق قال بعضھم لایحنث ماداموا فی الاحیاء وقال بعضھم یحنث للحال لانه عاجز عن ذٰلك ظاھر االا ان ینوی بذٰلك القھر والتضییق علیھما فلایحنث ماداموا فی الاحیاء فان مات الحالف اواحد الاخوین قبل ان یفعل ذٰلك حنث وعلیه الاعتماد[2] اھ وقال فی الکبری وغیرہا وعلیه الفتوی وچوں دلالت حال را باایں شبھه کارے نمانداز تنقیح مسئله اش آئندہ سخن رانیم ان شاء اللہ تعالٰی۔	فقہائے کرام نے بحث کی ہے اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ غصہ اور ناراضگی کی قسم ہے اور عمر بھر کے لئے قسم ہوگی اور اگر عمر بھر ان دونوں سے یہ کارروائی نہ کرے تو ان دونوں یا قسم کھانے والے کے فوت ہوجانے پر قسم ٹوٹ جائے گی اور کفارہ لازم آئے گا اھ یہ مذکور الفاظ خانیہ کی قسموں میں مذکور ہیں، اور خانیہ نے طلاق کی بحث میں یوں فرمایا کہ بعض نے کہا ہے کہ جب تک اس قسم سے متعلق حضرات زندہ ہیں قسم نہ ٹوٹے گی، اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ایسا کرنے سے عاجز ہے، ہاں اگر ان الفاظ سے اس نے غلبہ اور تنگی پیدا کرنے کی نیت کی ہو تو ان کی زندگی میں نہ ٹوٹے گی بلکہ مقصد کو پورا کرنے سے پہلے تینوں میں سے کسی کے فوت ہونے پر ٹوٹے گی، اور اسی پر اعتماد ہے اھ اور کبرٰی وغیرہ میں فرمایا کہ اسی پر فتوی ہے۔ اور جب دلالتِ حال کا اس شبہہ میں دخل نہیں تو اس مسئلہ کی تنقیح کو ہم آئندہ پر چھوڑتے ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ (ت)
شبہہ سادسہ: مبنائے یمین براستحقاق پسر مرانتقام راست پس بدلالت حال متقید شود بزمان بقائے آں استحقاق چنانکه از علمائے متاخرین علامہ سائحانی دریک مسئلہ استظہار کردہ ست در رد المحتارست (تنبیہ) رأیت بخط شیخ مشائخنا السائحانی عند قول الشارح لوحلف ان یجرّہ الخ	**چھٹا شبہہ:** اس قسم کی بنیاد بیٹے کا باپ کی ناراضگی کی وجہ سے قابل سزا ہونا ہے تو حال کی دلالت کا تقاضا ہے کہ یہ قسم بیٹے کے قابلِ سزا ہونے تک کے زمانہ سے مقید ہوگی جیسا کہ متاخرین علماء میں سے علامہ سائحانی نے ایک مسئلہ میں اس کا اظہار کیا ہے، اور ردالمحتار میں ہے تنبیہ میں نے اپنے شیخ سائحانی کا قول دیکھا کہ انہوں نے شارح کے اس قول پر کہ "کوئی قسم کھائے کہ میں فلاں کو

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الایمان فصل فی الیمین علی الشتم والقذف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۲۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۳۱/۳۲

هذا یفید ان من حلف ان یشتکی فلانا ثم تصالحا وزال قصد الاضرار واختشی علیه من الشکایة یسقط الیمین لانه مقید فی المعنی بدوام حالة استحقاق الانتقام کما ظهر لی اھ فتأمله[1]۔

اقول این علامہ متاخر نیز این حکم در ہیچ کتاب سلف تا خلف اصلا نیافت محض رائے اوست کہ فرمود کما ظھر لی چنانکہ مرا ظاہر شدہ ست وعلامہ شامی نیز بروا اعتماد نکرد کہ مے فرماید فتأمله این راتأمل کن واین خود سخنے تازہ نیست صدر کلامش بزوال قصد تمسک کرد وحالش در جواب شبہہ پنجم وچہارم شنیدی واستنباط از فروع در مسائل دلالت حال خواست وفرق انعدام قصد وانتفائے مقصود بما لامزید علیہ دیدی وآخر سخنش بہ حالت استحقاق انتقام حوالت نمود واین ہماں صفت داعیہ است کہ حالش بجواب شبہہ سوم شنیدی باز قصہ سیدنا ایوب علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زوال قصد واستحقاق انتقام ہر دو را جواب شافی ووافی ست چنانکہ در رد شبہہ چہارم دیدی بالجملہ از جواب شبہہ ثالثہ تا این جاہر چہ گفتہ ایم

قاضی کی عدالت میں پیش کروں گا الخ" تو انہوں نے اس پر فرمایا کہ شارح کے اس قول سے یہ فائدہ ہو رہا ہے کہ جو شخص قسم کھائے کہ میں فلاں کی شکایت کروں گا، پھر قسم کے بعد صلح ہو جائے اور فلاں کو ضرر دینے کا ارادہ ختم ہو جائے اور شکایت کرنے سے گھبرائے تو قسم ساقط ہو جائیگی کیونکہ یہ قسم معنوی طور پر انتقام کے ارادہ کی بقاء سے مقید ہے، یہ وہ ہے جو مجھے معلوم ہو سکا ہے، اھ، تو غور کرو۔

اقول: (اس کے جواب میں میں کہتا ہوں) کہ متاخرین میں سے اس علامہ مذکور نے یہ مسئلہ کسی کتاب سلف یا خلف میں نہ پایا بلکہ انہوں نے یہ بات اپنی رائے سے کہی ہے اسی لئے انہوں نے فرمایا: "جیسا کہ مجھے معلوم ہوا ہے" اور پھر علامہ شامی نے بھی اس پر اعتماد نہیں کیا اسی لئے انہوں نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ غور کرو، نیز انہوں نے اس کلام سے ابتداء نہیں کی بلکہ اس سے قبل انہوں نے قسم کی وجہ کو ترک کرنے کے قصد کو دلیل بنایا ہے جبکہ اس کا حال پانچویں اور چوتھے شبہہ کے جواب میں آپ نے سن لیا ہے۔اور دلالتِ حال والے مسائل کی تفریعات سے استنباط کرنا چاہا، حالانکہ آپ نے قصد نہ کرنے او مقصد کے خود فوت ہو جانے، کا فرق خوب سمجھ لیا ہے، آخر میں وہ انتقام کے استحقاق کے حوالہ سے بات کر رہے ہیں اور یہ تمام امور قسم کے لئے داعی واسباب بن رہے ہیں، جبکہ ان کا حال تیسرے

[1] ردالمحتار باب الیمین فی الاکل والشرب الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۰۶

ہمیں بریں سخن متوجہ است،اگر نبودے کہ ایں سخن بخط عالمے برہامش کتابے نوشتہ یافتند حاجت بہ افراز او نبود وبقطعے نظر از جملہ کلام سابق جوابے تازہ گویم کہ تقیید باستحقاق انتقام رامساغی نگزارد۔	شبہہ کے جواب میں آپ معلوم کرچکے ہیں،اور پھر یہ کہ حضرت سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں وجہ قسم کو ترک کرنے کا قصد اور انتقام کے استحقاق کے خاتمہ،دونوں چیزوں کا کافی اور شافی جواب موجود ہے جیسا کہ آپ نے چوتھے شبہہ کے رد میں دیکھ لیا ہے،غرضیکہ تیسرے شبہہ کے جواب سے لے کر یہاں تک جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ تمام اس بات سے ہی متعلق ہے،اگر کسی کتاب کے حاشیہ پر کسی عالم کی یہ بات لکھی ہوئی نہ ہوتی تو اس کو واضح کرنے کی ضرورت نہ تھی،تاہم سابقہ تمام گفتگو سے قطع نظر کرتے ہوئے ہم اس بات کا کہ اس قسم کا استحقاقِ انتقام سے تعلق نہیں ہے اور یہ اس سے مقید نہیں ہے،نئے انداز سے اثبات کرتے ہیں۔(ت)
فاقول: وباللہ التوفیق اوّلًا زید کہ سوگندے خورد کہ شکایت عمرو پیش حاکم برو باز مصالحت میکنند آیا عمرو بواقع جرمے وستمے بحق زید کردہ بود یا زید حسبِ عادت بسیارے از مردماں مردم آزار خودش ظالم بود وخود شکایتش می خواست.بر تقدیر دوم استحقاق انتقام از سر نبود وتقیید یمین بزمان انتقامش چہ معنی،وبر تقدیر اول انچہ بمصالحت زائل میشود قصد انتقام نہ استحقاق او کہ بصلح جرم وستم کردہ ناکردہ نشود پس یمین چرا منتہی گردد اگر برجوع مجرم استحقاق انتقام بر طرف شدے بایستے کہ عفو وتجاوز از تائب نہ عفو بودے نہ تجاوز بلکہ از ظلم اورا باز داشتن وھو باطل قطعاً ولہذا نزد اہلسنت قبول توبہ واجب اصلی نیست تاآنکہ نزد ائمہ ماتریدیہ باآنکہ تعذیب مطیع را محال عقلی دانند در شرح مقاصد فرماید **اماقبول التوبۃ فلایجب عندنا اذلاوجوب علی اللہ تعالٰی**[1] باز دلیل معتزلہ	**فاقول:** (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) اولًا یہ کہ زید نے جو قسم کھائی کہ میں عمرو کو حاکم کے ہاں پیش کروں گا،اور پھر قسم کے بعد عمرو سے صلح کرلیتا ہے تو اب دیکھنا ہے کہ عمرو واقعی مجرم تھا اور اس نے زید کے حق میں ظلم کیا تھا یا زید بلاوجہ اپنی مردم آزاری کی عادت پوری کرنا چاہتا تھا تو دوسری صورت میں قسم کی وجہ استحقاق انتقام ہرگز نہ ہوئی کیونکہ عمرو کا کوئی جرم ہی نہیں ہے تو اس صورت میں قسم کو استحقاقِ انتقام سے مقید کرنے کا کوئی مطلب نہیں،اور پہلی تقدیر پر کہ عمرو نے واقعی زید کے حق میں ظلم کیا تھا،تو پھر صلح کرلینے پر عمرو سے انتقام لینے کا قصد ختم ہوا نہ کہ اس سے انتقام کا استحقاق ختم ہوا کیونکہ زید کی صلح سے عمرو کا جرم تو ختم نہ ہوا اور کردہ گناہ ناکردہ نہ بن سکا،توجب جرم باقی ہے تو استحقاقِ انتقام ابھی باقی ہے

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبۃ دارالمعارف النعمانیۃ،پاکستان ۲/ ۲۴۲

آوردہ فرمود اکثر المقدمات مزخرف بل ربما یدعی القطع بان من اساء الی غیرہ وانتھك حرماته ثم جاء معتذر الایجب فی حکم العقل قبول اعتذارہ بل الخیرۃ الی ذٰلك الغیران شاء صفح وان شاء جازاہ[1]۔ علی قاری در شرح فقہ اکبر گوید قبول التوبة وھو اسقاط عقوبة الذنب عن التائب غیر واجب علی اللہ تعالٰی بل کان ذٰلك منه فضلا خلافا للمعتزلة[2]۔ پس بمصالحت سقوط یمین راوجہے نیست۔	تو قسم ختم نہ ہوگی، اگر مجرم کے رجوع کرلینے سے استحقاق انتقام ختم ہوجاتا ہو تو پھر مجرم کی توبہ اور رجوع پر معافی دینا اور در گزر کرنا کیا معنی رکھتا ہے بلکہ اس کی ضرورت ہی نہ رہے، بلکہ اب مجرم کو باز رکھنا بھی بے معنی ہوجائے کیونکہ جرم تو خود بخود ختم ہوگیا حالانکہ یہ بات قطعًا باطل ہے، اسی بناپر اہلسنت ماتریدیہ کے ہاں بھی یہی بات ہے حالانکہ وہ مطیع شخص کو سزا دینا محال عقلی جانتے ہیں۔ شرح مقاصد میں فرماتے ہیں کہ توبہ کو قبول کرنا ہمارے نزدیک واجب نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالٰی پر کوئی وجوب عائد نہیں ہوسکتا، اس کے بعد معتزلہ حضرات جو کہ اللہ تعالٰی پر توبہ کو قبول کرنا واجب جانتے ہیں کی دلیل ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی دلیل کے مقدمات سب شعبدہ ہیں بلکہ ان کا دعوی بھی ایسا ہی ہے، کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ جو شخص کسی غیر سے برائی کرے اور اس کے جرمات میں دخل اندازی کرے پھر وہ برائی کرنے والا معذرت خواہی کرے تو اس حق والے غیر پر بحکم عقل واجب نہیں کہ وہ اس مجرم کی معذرت کو قبول کرے بلکہ اس غیر کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ معاف ودر گزر کردے یا اس کو سزا دے، ملاعلی قاری نے شرح فقہ اکبر میں فرمایا کہ توبہ کو قبول کرنا بایں معنی کہ توبہ کرنے والے سے اس کے گناہ کی سزا کو ساقط کردینا، یہ اللہ تعالٰی پر عقلاً واجب نہیں ہے بلکہ توبہ کو قبول کرنا محض اللہ تعالٰی کا فضل ہے، اس میں معتزلہ مخالف ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ صلح سے قسم کے ساتھ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ (ت)
ثانیًا علماء مسئلہ شکایت رایک جزئیہ نوشتہ اندزن راگفت اگر ہر بدی و شناعت کہ در دنیا است از تو پیش برادرت نگویم بر توطلاق اینجا تصریح فرمودہ اند کہ تاانواع بدی ہائے کہ	**ثانیًا** کہتا ہوں کہ علماءِ کرام نے شکایت کے متعلق ایک مسئلہ ذکر فرمایا کہ، ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "اگر دنیا کی ہر بدی کو تیری طرف منسوب کرکے تیرے بھائی سے شکایت نہ کروں تو تجھ پر طلاق ہے"

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع عشر فی التوبة دارالمعارف النعمانیہ پاکستان ۲/ ۲۴۲

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر التوبة بشرائطہا مصطفی البابی مصر ص ۱۵۵

درکمینگاں ودزداں و مکّاراں وخونریزاں می باشد از زن برادرش نگوید از سوگند برنیاید او اقل انہا سہ نوع بدی ست وہر گز نگفتند کہ چوں قصد انتقام یا استحقاق آوردہ و باہم آشتی کنند یمین منتہی شود باآنکہ تصریح نمودہ اند کہ بابرار ایں سوگند بزہ کار شودوازیں گناہ توبہ رافرمود اند کہ بعد شکایت بہ برادر گوید ایں ہمہ ازجہت سوگند پیش میگفتم ورنہ زن ازینہا مبراست اگر پیش از شکایت اورا خبر دہد کہ حفظ سوگند را چیز ہائے بے اصل بتوخواہم گفت سودند ہد کہ بعد ازیں سخن بربدی کہ گوید بہ بدی نسبت کردہ زن نبود،

درخانیہ وخلاصہ وبزازیہ وغیرہاست رجل قال لامرأته ان لم اقل عنك مع اخيك بكل قبيح فى الدنيا فانت طالق، قالوا ان قال مع اخيها عنها بما هو من اخلاق اللئام واللصوص والخادعين والقاتلين يصير بارافى يمينه ويأثم بذٰلك ويمينه هذه تقع على الكثير من ذٰلك واقله ثلثة انواع من القبح، وقال الفقيه ابو الليث رحمه الله تعالٰى ينبغى للحالف ان يقول عند الاخ بعد ماقال من القبائح انما قلت ذٰلك

یہاں علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ اس قسم کے بعد خاوند کمینے لوگوں، چوروں، مکاروں اور خونریزی کرنے والوں میں پائی جانے والی بدیوں کو بیوی سے منسوب کرکے اس کے بھائی سے جب تک شکایت نہ کرے وہ قسم سے بری نہ ہوگا اور کم از کم ان بدیوں میں سے تین ضروری ہوں گی، یہاں علماءِ کرام نے یہ ہر گز نہیں فرمایا کہ خاوند اپنی بیوی سے انتقام کا قصد کئے ہوئے تھا یا وہ بیوی کو انتقام کا مستحق قرار دئے ہوئے تھا تو اب اگر آپس میں صلح کرلیں تو قسم ختم ہوجائے گی کیونکہ قصد انتقام یا استحقاق انتقام ختم ہوگیا ہے، بلکہ انہوں نے اس شکایت کو گناہ قرار دینے کے باوجود فرمایا کہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کیلئے یہ گناہ کرے اور پھر شکایت کے بعد اس گناہ سے توبہ کرلے، اور بھائی سے شکایت کرنے کے بعد اس کو کہہ دے کہ میں نے یہ باتیں قسم کو پورا کرنے کے لئے کی ہیں ورنہ بیوی ان بدیوں سے بری ہے، اور شکایت کرنے سے قبل بھائی کو یہ عذر نہ بتائے، اگر اس نے شکایت سے قبل بھائی کو اطلاع دے دی کہ میں قسم کو پورا کرنے کے لئے تجھ سے بیوی کے متعلق بے اصل باتیں کروں گا، تو قسم سے بری نہ ہوگا، کیونکہ شکایت سے قبل یہ بات بتادینے میں بیوی سے متعلق بدی کی شکایت نہ رہے گی، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا کہ "اگر میں تیرے بھائی کو یہ شکایت نہ کروں کہ تیری بہن میں دنیا کی تمام قبیح باتیں ہیں تو تجھے طلاق ہے" تو فقہاء کرام نے اس پر فرمایا کہ "اگر اس شخص نے بیوی کے متعلق اس کے

لاجل الیمین وھی برئیة عن ذٰلك فیکون ھذاالکلام توبة منه عماقال فیھا ویکون بارا[1]، در نوازل وتاتارخانیہ و ہندیہ ست ولو قال له قبل ذٰلك لایجوز لانه لایکون بعد ذٰلك قول قبیح[2] نظر کنید ایں جایک پہلو گناہ بود ودگر سوطلاق وایں مبغوض ست وآں مغضوب وآشتی محبوب وشرعًا مطلوب اگر کارہاوکشودے بمارایتموبھموں بودے واجب بودے کہ زن وشوئے بہم آمیزند واز سرجنگ وپرخاش برخیزند تااز مبغوض و مغضوب ہردو پرہیزند امانگفتند وایں راہ آسان نرفتند پس روشن وعیاں شد کہ آشتی رافع یمین نتواں شد وخود علامہ راایں جااطمینان نفس نبود کہ می گوید واختشی علیہ من الشکایة اگریمین بدلالت حال متقید بیقائے سزاواری سزاشدے بعد صلح آں سزاواری نماندے زوال یمین واجب بودے گواز شکایت ترس آزارے مباش مگر علامہ خواست کہ سقوط یمین راعذرے پدید آرد وپیداست کہ سوگند پروائے سود وزیاں کسے ندارد اگر زید سوگند خورد کہ زداعمرو راخواہد گشت بے گناہے عمرو شفیع سقوط حلف نگردد بلکہ برزید فرض بود کہ سوگند شکند وکفارہ اداکند وباللہ التوفیق۔

بھائی کو کمینے، چوروں، مکاروں اور قاتلوں میں پائی جانے والی بدیاں بتائیں تو وہ قسم سے بری ہوجائیگا اور ایسا کرنے پر وہ گنہگار ہوگا، اس کی قسم کثیر بدیوں کے متعلق ہے جن میں سے کم از کم تین بدیاں بھائی کو بتانا ضروری ہوگا، اور فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں فرمایا کہ قسم کھانے والے شخص کو چاہئے کہ وہ بھائی کو بدیوں کی شکایت کرنے کے بعد کہے کہ میں نے آپ سے باتیں قسم کو پورا کرنے کے لئے کی ہیں ورنہ تمہاری بہن (بیوی) ان بدیوں سے بری ہے، تو شکایت کے بعد یہ حقیقت بیان کرنا اس کی طرف سے توبہ قرار پائیگی، اور قسم اور گناہ سے بری ہوجائے گا، نوازل، تاتارخانیہ اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ اگر شکایت سے قبل بھائی کو حقیقت سے آگاہ کردیا تو قسم سے بری نہ ہوگا کیونکہ حقیقت سے آگاہ کرنے کے بعد بیوی سے منسوب بدیوں کی شکایت نہ بنے گی، آپ غور کریں کہ یہاں ایک پہلو گناہ کا ہے اور دوسری تکلیف دہ چیز طلاق ہے، طلاق مبغوض چیز ہے اور گناہ مغضوب چیز ہے جبکہ صلح وآشتی محبوب اور شرعًا مطلوب چیز ہے، اگر معاملہ وہی ہوتا جو آپ سمجھ رہے ہیں تو یہاں پر خاوند اور بیوی کی آپس میں صلح کرنا اور لڑائی اور ناراضگی کو ختم کرنا واجب ہوتا جس کی بناء پر مبغوض اور مغضوب دونوں سے پرہیز ہوسکتا تھا، لیکن فقہاء نے ان سے بچنے کے لئے یہ آسان راستہ نہ بتایا، تو واضح طور پر

[1] فتاوٰی قاضی خاں باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ۲/۲۲۶

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۵

معلوم ہوا کہ صلح قسم کو ختم نہیں کرسکتی اور خود علامہ سائحانی رحمہ اللہ اس بات میں مطمئن نظر نہیں آتے اسی لئے انہوں نے صلح اور زوال قصدِ ضرر کے ساتھ، شکایت کرنے سے خطرہ، کی بات کی ہے، کیونکہ اگر قسم دلالتِ حال کی وجہ سے استحقاق سزا کی بقاء کے ساتھ مقید ہوتی اور صلح کے بعد وہ استحقاق انتقام ختم ہوجاتا ہو تو پھر قسم کا ساقط ہوجانا لازم ہوتا اگرچہ شکایت کرنے سے خطرہ نہ بھی ہوتا مگر علامہ مذکور نے شکایت سے خطرہ کو قسم کے سقوط کے لئے بنانا چاہا، حالانکہ ظاہر ہے کہ قسم میں کسی کے نفع و نقصان کی پروانہیں ہوتی، مثلاً زید نے قسم کھائی کہ وہ عمرو کو مارے گا، تو عمرو بے گناہ ثابت ہوجائے تو اس کی قسم ساقط نہ ہوگی بلکہ زید کو اپنی قسم کی وجہ سے لازم ہوگا کہ وہ قسم کو توڑدے اور کفارہ دے، وباللہ التوفیق۔(ت)

شبہہ سابعہ: بخانہ گزاشتن دوگونہ است موافقہ کہ برضائے پدر باشد و مخالفۃ کہ بے رضائے او وشک نیست کہ حال برارادہ قسم دوم دال ست یعنی خلاف مرضی من بخانہ نگزاری وایں جاواقع قسم اول ست پس شرط حنث متحقق نشد۔

ساتواں شبہہ: کہ بیٹے کو گھر میں چھوڑنا دو طرح ہوسکتا ہے، ایک موافقت کے طور پر کہ باپ کی مرضی سے ہو، اور دوسرا مخالفت کے طور پر کہ والد کی مرضی کے بغیر، جبکہ قسم کے ارادے کا موجب دوسرا احتمال ہے یعنی والد کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ اس کو میری مرضی کے بغیر گھر میں نہ چھوڑنا، اور یہاں واقعہ کا تعلق پہلی صورت سے ہے کہ باپ کی رضامندی سے بیوی نے بیٹے کو گھر میں چھوڑا ہے لہٰذا قسم کے ٹوٹنے کی شرط نہ پائی گئی۔(ت)

اقول اولاً: زید برفتن بخانہ عمرو راضی نباشد زن را بازدارد او سرنہند گوید ان دخلت الدار فانت طالق ثلثاً آیا ہیچ شنیدہ کہ حنث دریں یمین موقوف برعدم رضائے زید ماند تاآنکہ اگر زید گاہے خودش راضی شدہ زن را دستوری دہد باز بدخول طلاق نیفتند حاشا بلکہ تاحیات زن وشوایں تعلیق ہیچ گاہ زوال پذیر نیست تا بحصول شرط نزول جزاء نشود تاآنکہ اگر زید زن رایک طلاق دہد وبگزارد

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) **اولاً** زید اگر اپنی بیوی کو عمرو کے گھر سے روکنے کی کوشش کرے اور بیوی باز نہ آئے تو زید قسم کھائے کہ اگر تو عمرو کے گھر میں داخل ہوئی تو تجھے تین طلاقیں، تو کیا آپ نے کبھی یہ سنا ہے کہ یہ قسم زید کی ناراضگی میں عمرو کے گھر داخل ہونے سے ٹوٹے گی، حتی کہ اگر زید خود راضی ہوجائے اور بیوی سے معاملہ بحال کرلے تو کیا اس کے بعد بیوی وہاں داخل ہو تو طلاق نہ ہوگی، ہرگز ایسا نہیں بلکہ یہ قسم خاوند اور بیوی کی زندگی بھر کے لئے ہے اور قسم میں مذکور طلاق کی

کہ عدت بگزارد، بازن دراں خانہ پائے نہد جزاء فرود آید و محل ندیدہ رائگاں رود کہ زید بلا تحلیل اورابزنے تواں گرفت پس ازاں زن برقدر خواہد برضائے زید یا بے رضائے او بآں خانہ رود طلاق نشود کہ یمین بیکبار منحل شد کما تقدم عن السراجیۃ والھندیۃ۔

شرط ختم نہ ہوگی جب تک شرط پائے جانے پر جزالازم نہ ہوجائے جس کا حیلہ یہ ہے کہ خاوند بیوی کو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے اور عدت پوری ہوجائے تو اس کے بعد بیوی عمرو کے گھر داخل ہو تو اس وقت جزاء یعنی طلاق پڑے گی لیکن اس وقت بیوی طلاق کا محل نہ ہونے کی وجہ سے وہ طلاق لغو ہوجائے گی، اور اب زید یعنی خاوند کو اختیار ہوگا کہ وہ بغیر حلالہ بیوی سے دوبارہ نکاح کرلے تو اس دوبارہ نکاح کے بعد بیوی چاہے تو عمرو کے گھر داخل ہوسکے گی زید کی رضا سے یا بغیر رضا کے داخل ہو اب طلاق نہ ہوگی کیونکہ ایک دفعہ شرط پائے جانے پر قسم ختم ہوچکی ہے جیسا کہ سراجیہ اور ہندیہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔(ت)

ثانیًا اگر سوگند ہا کہ برامور نا مرضیہ حالف باشد متقید بعدم رضا شود ان خرجت فانت طالق بعینہٖ نہد ان خرجت الا باذنی او برضائی فانت طالق بود ایں خلاف اجماع وتصریحات جملہ کتب ست۔

ثانیًا یہ کہ لازم آئے گا کہ ناپسندیدہ امور پر قسم کھائی جائے تو وہ قسمیں ناپسندیدگی سے مقید ہوجائیں کہ رضامندی پائی جائے تو قسم ختم ہوجائے مثلًا خاوند ناراضگی میں بیوی کو کہے کہ اگر تو باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، یا اسی طرح یوں کہے اگر تو میری اجازت یا میری رضا کے بغیر باہر جائے تو تجھے طلاق ہے، تو لازم آئے گا کہ ان دونوں میں فرق نہ ہو حالانکہ یہ اجماع اور تمام کتب کی تصریحات کے خلاف ہے(ت)

ثالثًا حل آں ست کہ دلالت حال برآں ست کہ ایں کار خلاف مرضی حالف ست نہ برآں کہ منع تا خلاف مرضی ماندن ست درہیچو مقام خشم تا بحد توسط باشد انسان را تصور عواقب باز ندارد خودش داند کہ گنجائش رضا و زوال غضب باقی ست آنگاہ امثال تعلیق شدید را مقید باذن میکند کہ بے دستوری من چناں نکنی وچوں خشم بمنتہی رسید رضا در وقتے آئندہ را خیال ہم پیراموں خاطرش نمی گردد وحکم

ثالثًا اس صورت میں دلالتِ حال یہ ہے کہ یہ کام مثلًا گھر میں چھوڑنا، قسم کھانے والے کی مرضی کے خلاف ہے اور یہ دلالت اس پر نہیں کہ اس کام سے منع یعنی گھر میں نہ چھوڑنا، اس کا عدم رضا تک ہے۔ جہاں پر غصہ اور ناراضگی حدِ اعتدال میں ہو وہاں یہ غصہ انسان کو انجام سے بے خبر نہیں کرتا اور وہ جانتا ہے کہ غصہ اور ناراضگی ختم ہونے کی اور راضی ہوجانے کی گنجائش باقی ہے تو ایسے موقعہ پر شدید امور سے مشروط قسم کو اجازت سے مقید کیا جاتا ہے کہ میری

موبد می کند پس تخصیص وتقیید مرا بودن در کنار غالبًا جز تعمیم وتابید تصورے ہم بذہن نمی باشد ولہٰذا متقید باذن وغیرہ نمیکند پس معنی سخن آں نباشد کہ بخانہ گزاشتن تاخلاف مرضی من ست نکنی بلکہ مفہوم آن ست کہ بخانہ گزاشتن خلاف مرضی من ست زنہار نکنی و بریں تقدیر گوآیندہ مطابق مرضیش شود حکم مرتفع نشود کہ خلاف مرضی آن وقت بود نہ مرضی موہوم آیندہ وہرگاہ کند قطعًا خلاف مرضی وقت دیگر را خلاف مفہوم مباش پس شرط حنث متحقق ست۔

مرضی کے خلاف یہ کام نہ ہو اور جب غصہ انتہائی ہو جائے تو رضا کے حال کو دل میں نہیں لاتا اور قسم میں حکم کو ابدی کر دیتا ہے، پس اس موقعہ پر تخصیص وتقیید کو مراد بنانا تو درکنار وہ غالب طور پر تعمیم اور ابدی حکم کے سوا کسی چیز کا تصور تک نہیں کرتا اس لئے وہ یہاں اجازت وغیرہ سے قسم کو مقید نہیں کرتا۔ پس یہاں قسم کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ میری مرضی کے خلاف تک اس کو گھر میں چھوڑنے کا عمل نہ کرنا بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس کو گھر میں چھوڑنا میری مرضی کے خلاف ہے لہٰذا یہ عمل نہ کرنا، تو اس تقدیر پر بعد میں رضامندی سے بھی چھوڑے گی تو قسم کا حکم ختم نہ ہوگا کیونکہ قسم کے وقت مرضی نہ ہونے کا اعتبار ہے نہ کہ آئندہ موہوم مرضی کا اعتبار ہے بلکہ جب بھی یہ عمل ہوگا تو وہ اس قسم کی خلاف مرضی ہی میں ہوگا دوسرے وقت کی مرضی جو قسم کے مفہوم کے خلاف ہے میں نہ ہوگا، تو اس صورت میں قسم کا ٹوٹنا متحقق ہو جائے گا۔ (ت)

رابعًا اگر ازیں تدقیق گزریم غایت آنکہ ہر دو معنی متحمل باشد ودر تقیید بدلالت حال شک نیست اما آنجا کہ در تقیید بدلالت حال شک نیست امر محتمل صالح تقیید نتواں شد کہ اطلاق لفظ یقینی ست والیقین لایزول بالشک ولہٰذا اگر زن شوئے را گفت تو بر من زنے گرفتہ شوئے گفت ھر زن کہ مراہست مطلقہ است ایں زن نیز طلاق شود اگرچہ بظاہر مقصود مرد ارضائے ایں زن مے نماید کہ اگر زنے جز تو گرفتہ ام او را طلاق ست فاما متحمل کہ مقصود سزائے زن بود کہ چرا در حلال بر من خوردہ گرفتی ودلالت محتملہ بسندہ نیست آرے اگرنیت غیرش کردہ ست دیانۃً صحیح باشد در ہدایہ ارشاد می رود **واذا قالت المرأۃ لزوجھا تزوجت علیّ**

رابعًا اگر تدقیق مذکورہ سے قطع نظر بھی کرلیں تو زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہاں اطلاق اور تقیید دونوں کے احتمال ہیں اور دلالتِ حال سے مقید ہونے کے احتمال کی بنا پر قسم دلالتِ حال سے مقید نہ ہوگی کیونکہ قسم کے الفاظ میں اطلاق اور عموم ہے جو کہ یقینی ہے تو یہ یقین محض احتمال اور شک سے ختم نہیں ہوسکتا کیونکہ شک یقین کو زائل نہیں کرسکتا، اسی لئے مثلًا اگر بیوی خاوند کو کہے کہ تونے مجھ پر کوئی عورت دوسری بیوی بنا رکھی ہے تو خاوند جواب میں یوں کہے کہ جو بھی عورت میری بیوی ہو اس کو طلاق ہے تو اس بیوی کو بھی طلاق ہو جائے گی۔ تو یہاں بظاہر خاوند کی قسم کا مقصد

فقال کل امرأة لی طالق ثلثا طلقت هذه التی حلفته فی القضاء ووجه الظاهر عموم الکلام وقد یکون غرضه ایحاشها حین اعترضت علیه فیما احله الشرع ومع التردد لایصلح مقیدا وان نوی غیرها یصدق دیانة لاقضاء لانه تخصیص العام [1] اھ باختصار. ایں قدر بسندہ بود فاما توضیح مرام وزیارت وافادت رامثالے چندازیں پہلو نیز بر خوانیم کہ دلالتِ حال بحال احتمال معتبر نہ داشتہ اند (۱) ہمیں مثال ہدایہ (۲) آنکہ گزشت کہ اگر بر خروج زن یا بندہ مطلقاً شوگند خرد بے تقیید باذن متقید بزمان بقائے ملک نباشد، **اقول:** زیرا کہ یمکن کہ نزد بندہ یا زن اورا رازے بود کہ بہ بروں شدن بروں افتد وحفاظی وکوچہ گردی زن اہل غیرت رابعد بینونت نیز موجب عار شود مردماں گویند ایں زن فلان ست اگرچہ اطلاق بلحاظ ماکان ست بلکہ نخواہد کہ ہمخوابہ خود بعد فراق نیز بکنار دیگرے رود پس از جدائی ہم اورا نگاہ دارند وتکفل نفقہ اش کنند باز تصدیق ایں معنی در حدیث یافتم عبدالرزاق در مصنفہ گوید انبأنا معمر عن الزهری قال سائل رجل صلی اللّٰہ

اپنی اس بیوی کو راضی کرنا ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اور بیوی ہو تو اس کو طلاق ہے، لیکن الفاظ کے پیشِ نظر یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس بیوی کو اعتراض کرنے پر سزا دینا چاہتا ہو کہ اس نے میرے لئے حلال معاملہ میں کیوں مداخلت کی ہے تو ظاہر حال کی دلالت کا احتمال سند نہ بن سکے گا کیونکہ الفاظ میں عموم اور اطلاق ہے جو کہ یقینی ہے، ہاں اس احتمال کی بناء پر موجودہ بیوی کے علاوہ کسی دوسری بیوی کی نیت کا اظہار کرے تو دیانةً اگرچہ معتبر ہوگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی، ہدایہ میں فرمایا ہے کہ جب بیوی خاوند کو کہے تو نے مجھ پر دوسری بیوی کر رکھی ہے تو خاوند اس کو جواب میں یوں کہے کہ جو بھی میری بیوی ہے اس کو تین طلاقیں۔ تو اس قسم دلانے والی بیوی کو بھی طلاق ہو جائیگی، قضاءً یہی حکم ہوگا کیونکہ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ قسم کے الفاظ کا عموم ہے جبکہ ایسے موقعہ پر خاوند کی غرض بھی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ بیوی کو اس کے اعتراض پر سزا دینا چاہتا ہے کہ اس نے شرعاً حلال کام پر اعتراض کیوں کیا ہے تو کلام کے عموم اور سزا دینے کی غرض کے احتمال کے باوجود کسی اور بیوی کی نیت کے احتمال کی وجہ سے یہ قسم دلالتِ حال سے مقید نہ بن سکے گی، ہاں اگر دوسری بیوی کی نیت کرے تو اگرچہ وہ دیانةً معتبر قرار دی جائیگی لیکن قضاءً معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ عموم میں تخصیص ہے جبکہ دلالتِ حال تخصیص نہیں کر سکتی اھ اختصاراً۔ اس مقصد کے لئے یہ مثال کافی ہے تاہم

---

[1] الهدایه کتاب الایمان باب الیمین فی البیع والشراء الخ المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۴۸۱

تعالٰی علیہ وسلم فقال الرجل یجد مع امرأتہ رجلا فیقتلہ فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاتسمعون الی مایقول سیدکم قالوا لاتلمہ یارسول اللہ فانہ رجل غیور واللہ ماتزوج امرأۃ قط الا بکر اولا طلق امرأۃ قط فاستطاع احد منا ان یتزوجھا فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یابی اللہ الا بالبینۃ [1] اھ، **قلت** والسائل ھو سیدنا سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولہذا سہ طلاق دفعۃً کہ گناہ بود وبتفریق از مبغوض شرعی بے حاجت شرع اکثار بروتازیانہ تحلیل مقرر فرمودہ اند وبرمجرد نکاح کفایت نمودہ تاباہم شہد ہمہ گر بچشند حکمتش ہمان ست کہ غیرت منداں از تثلیث طلاق باز مانند تابہ تیس مستعار طوق عار نشود والعیاذ باللہ تعالٰی بخلاف آنکہ بے اذن من	وضاحت اور فائدہ کو زائد بنانے کے لئے اس پر مزید چند مثالیں پیش کرتا ہوں کہ محض احتمال کی صورت میں دلالتِ حال معتبر نہیں ہوتا، ہدایہ کی مثال کے بعد دوسری مثال یہ ہے کہ، جو پہلے گزرا کہ بیوی یا غلام باہر جانے کو تیار ہو تو اس موقعہ پر بیوی کو طلاق یا غلام کو آزادی کی علی الاطلاق قسم کھانا جو اجازت سے مشروط نہ ہو تو یہ قسم عام اور مطلق ہوگی اور ملک یا نکاح کی موجودگی سے مشروط نہ ہوگی، کیونکہ یہاں پر اگرچہ دلالتِ حال کی وجہ سے اس قسم کے مقید ہونے کا احتمال ہے لیکن یہ احتمال معتبر نہ ہوگا کیونکہ الفاظ میں عموم ہے، **اقول** اس کے ساتھ یہ بھی ممکن ہے کہ قسم کھانے والے کا مقصد ہمیشہ کے لئے بیوی یا غلام کو باہر جانے سے روکنا ہو، کیونکہ ان کے پاس اس کا ایک ایسا راز ہے جو ان کے باہر جانے سے افشاء ہوجائے گا اور خفت اٹھانا پڑے گی یا بیوی کو ہمیشہ کے لئے باہر نکلنے سے روکنا مقصود ہو اگرچہ وہ نکاح سے باہر اور جدا بھی ہوجائے کیونکہ غیرت مند لوگ اپنی مطلقہ کی عورت کی کوچہ گردی پر بھی غیرت اور عار محسوس کرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ یہ فلاں کی بیوی ہے اگرچہ اس کی بیوی سابقہ زمانے کے لحاظ سے کہتے ہوں بلکہ غیرت منداپنی مباشرت شدہ عورت کو فراق اور طلاق کے بعد بھی دوسرے کی مباشرت میں دیکھنا پسند نہیں کرتے، اس لئے طلاق مغلظہ کے بعد بھی وہ اس کو اپنی نگرانی میں رکھتے ہوئے اس کے تمام اخراجا

[1] مصنف عبدالرزاق حدیث حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۹/۴۳۴

بیرون نرود کہ ولایت اذن بانتہائے ملک منتہی شود (۳) آنکہ گزشت کہ بے اذن زن زنے نکنم مقید ببقائے زوجیت نباشد **اقول:** ازاں رو کہ مقصود غم نرسانیدن ست بزن و بارہا باشد کہ بعد فراق نیز زناں بتزوج شوہر بزنے دیگر غمگین شوند ایام خود یادمے آید وبجائے خود نشستن دیگرے رنج می رساند بخلاف آنکہ بے اذن زن بیروں نرود ایں متقید شود چنانکہ وجہش بالا بنشتیم (۴) زن را بامردے بیگانہ چانہ زن دید سوگند خورد کہ اگر باز مردِ بیگانہ چانہ زنی رسن زنی از گلو فگنی وبخانہ نوچہ نوکر ست کہ باذن مرد آمد رفت دارد وزن اورا کارہائے خانگی می فرماید نیز پسر آں عم وعمہ وخالہ زن یابرادر ان مرد برضائے مردمے آیند یاخود درہمیں خانہ مے مانند و بازن ہمسخن می شوند مرد بایں ہمہ راضی ست باایں ھمہ اینہا بدلالت حال مستثنیٰ نشوند وزن بعد سوگند اگر باآں نوکر یاایں قریباں سخن گوید طلاقہ شود در جواہر الفتاوی باب چہارم فتاوی امام مفتی الجن والانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ الصفی ست رجل رای امرأتہ تتکلم اجنبیا فقالا گرپیش تو بامرد بیگانہ سخن گوئی فانت طالق فکلمت تلمیذ زوجھا لیس من محارمھا اوکلمت رجلا فی

کی کفالت کرتے ہیں پھر اس مضمون کی تصدیق میں نے حدیث میں پائی ہے، مصنف عبدالرزاق میں فرماتے ہیں ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا اور عرض کی ایک شخص ایک بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو قتل کردے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم اپنے آقا کی بات کو نہیں سنتے کہ وہ کیافرمارہا ہے تو اس پر دیگر اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس شخص کو ملامت نہ فرمائیں کیونکہ یہ غیور شخص ہے خدا کی قسم یہ صرف باکرہ عورت سے نکاح کرتا ہے اور اس کی طلاق دی ہوئی عورت کو دوسرا کوئی بھی ہم میں سے نکاح نہیں کرسکتا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی قتل کی اجازت نہیں دیتا ماسوائے (قاضی کے ہاں اس کے خلاف) گواہ پیش کرنے کے۔اھ، **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ سائل حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے، اور اسی غیرت کی وجہ سے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دینا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ شرعًا مبغوض چیز کو شرعی حاجت سے زائد استعمال کرنے پر حلالہ کی شرط کو سزا کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اور اسی وجہ سے حلالہ میں دوسرے شخص سے صرف نکاح کو کافی نہ قرار دیا گیا بلکہ جب تک ایک دوسرے کے مزے کو نہ چکھ لیں حلالہ مکمل نہیں ہوسکتا، یہ اس لئے تاکہ غیر تمند لوگ تین طلاقیں دینے سے باز رہیں اور خواہ مخواہ دوسرے شخص کے مجامعت کو اپنے گلے میں

هذه الدار بینهما معرفة ولکن لامحرمیة بینهما او کلمها عـــه رجل من ذوی الارحام ولیس من محارمها فانه یقع الطلاق[1] اقول: زیراکہ محتمل ست کہ مرد باعتماد زن پیش ازیں رواداراینہا بود چوں دید کہ بااجنبی محض ہم سخن می شود در سنش تنگ تر کشید و بانام محرم سخن گفتن مطلقا منع کرد پس اطلاق لفظ راتقییدے متیقن متعین نشد، وباللہ التوفیق۔

نہ ڈالیں، والعیاذ باللہ۔اس کے برخلاف اگر قسم کو اجازت سے مشروط کیا ہو تو پھر اجازت کی ولایت ختم ہوجانے یعنی نکاح ختم ہوجانے پر قسم ساقط ہوجائیگی (۳) وہ جو گزرا کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ تیری اجازت کے بغیر دوسری عورت کو بیوی نہ بناؤں گا، تو یہ قسم موجودہ بیوی سے نکاح کی حالت سے مختص نہ ہوگی (بلکہ اس بیوی سے نکاح ختم ہونے کے بعد بھی اس کی اجازت ضروری ہوگی) اقول: (میں کہتا ہوں) اس قسم کا مقصد بیوی کو پریشانی سے بچانا ہے ___ کیونکہ بیوی کی پریشانی صرف نکاح کی حالت سے مختص نہیں کیونکہ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ فرقت کے وقت بھی عورتیں سابقہ خاوند کی دوسری شادی سے غمگین ہوتی ہیں، اپنا وقت یاد کرکے اپنے بجائے دوسری کو رہتی دیکھ کر رنج پاتی ہیں، ___

(غرضیکہ چونکہ بیوی کی پریشانی دوسری عورت کی وجہ سے صرف حالتِ نکاح سے مختص نہیں بلکہ جدائی کے بعد بھی اس چیز پر وہ پریشان ہوتی ہے لہٰذا اس پریشانی سے بچانا حالتِ نکاح کے بعد بھی ہوسکتا ہے لہٰذا یہ قسم بیوی سے فراق کے بعد قائم رہے گی) اس کے برخلاف اگر خاوند قسم کھائے کہ تو میری اجازت کے بغیر باہر نہ جائے گی تو یہ قسم حالتِ نکاح سے مقید ہوگی جیسا کہ اس کی وجہ پہلے ہم بیان کرچکے ہیں۔ (۴) بیوی کو غیر شخص سے بے تکلف باتیں کرتے ہوئے پائے تو اس وقت قسم کھائے کہ اس کے بعد اگر تونے بیگانے مرد سے بات کی نکاح کی رسی تیرے گلے سے نکل جائے گی یعنی تجھے طلاق ہوگی، جبکہ گھر میں نوکر چاکر ہیں جو خاوند کی اجازت سے گھر میں آتے جاتے ہیں جن کو بیوی گھر کے کاموں کے متعلق ہدایات دیتی ہے

عـــه: اقول: والاولی کلمت رجلا لان الحنث بکلامها لابکلام غیرها اذا لم تجب منه۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہاں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے، عورت نے اس مرد سے بات کی۔ کیونکہ عورت کے بات کرنے سے قسم ٹوٹے گی کسی دوسرے کے کلام کرنے سے نہ ٹوٹے گی، بشرطیکہ عورت غیر کو جواب نہ دے ۱۲منہ (ت)

[1] جواہر الفتاوٰی کتاب الایمان

یوں ہی بیوی کے چچا یا پھوپھی زاد یا خالہ زاد یا خاوند کے بھائی خاوند کی اجازت سے گھر آتے ہیں یا اسی گھر میں رہتے ہیں اور بیوی اپنے خاوند کی رضامندی سے ان تمام حضرات سے بات کرتی رہتی ہے، اس دلالتِ حال کے باوجود یہ لوگ اس قسم سے مستثنیٰ نہیں ہوں گے بلکہ بیوی قسم کے بعد گھر کے نوکر یا ان مذکورہ قریبیوں سے بات کرے گی تو اس کو طلاق ہوجائے گی۔ جواہر الفتاوٰی کے باب چہارم میں امام مفتی جن وانس نجم الدین عمر نسفی قدس سرہ کے فتوے ذکر کئے گئے ہیں، جن میں یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی پالیا تو اس نے قسم کھائی کہ اگر اس کے بعد تو نے بیگانے شخص سے بات کی تو تجھے طلاق، تو اس کے بعد بیوی نے خاوند کے غیر محرم شاگرد سے بات کی یا اس گھر میں آنے جانے والے واقف کار غیر محرم سے بات کی یا بیوی کے غیر محرم رشتہ دار شخص نے بیوی سے بات کرلی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اس لئے کہ قبل ازیں خاوند، بیوی پر اعتماد کرتے ہوئے ان مذکور لوگوں کے بارے میں رواداری سے کام لیتا رہا، تو جب اس نے بیوی کو خالص اجنبی شخص سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تو اس نے بیوی کی رسی کو تنگ کرتے ہوئے مطلقاً ہر غیر محرم سے بات کرنا ممنوع قرار دیا تو اس احتمال کے ہوتے ہوئے یہ قسم دلالتِ حال کی وجہ سے مقید نہ ہوگی بلکہ یہ قسم اپنے الفاظ کے عموم پر باقی رہے گی اور ہر غیر محرم کو شامل ہوگی، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے حاصل ہے۔ (ت)

شبہہ ثامنہ: ازیں ہم در گزشتیم آخر کم نہ ازاں کہ موافقہ و مخالفہ دونوع تخلیہ ست وارادہ یک نوع تخصیص عام ست کما حققہ فی الفتح ونیت تخصیص عام دیانۃً مقبول ست کما مر انفا عن الھدایۃ گو قضاءً پذیر مباش وزن نیز برو اعتبار نتواں کرد لان المرأۃ کالقاضی کمافی التبیین والفتح والشامی پس اگر نیت ایں خصوص کردہ باشد باید کہ عنداللہ حانث نشود در فتوی التفات بایں قید می بایست لان المفتی بالدیانۃ یفتی کما فی التنویر وغیرہ۔	**آٹھواں شبہہ:** یہ کہ تمام مذکورہ احتمالات کو نظرانداز کردیں تب بھی کم از کم یہ گنجائش ضرور ہے کہ خاوند کی قسم میں موافق اور مخالف لاتعلّقی کی دو قسمیں ہیں اور دونوں میں سے ایک احتمال کا ارادہ کرنا بھی ایک قسم کی تخصیص ہے جس سے عام کو خاص کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تحقیق موجود ہے، اور عام میں تخصیص کی نیت کرنا دیانۃً مقبول ہے، جیسا کہ ابھی ہدایہ کے حوالہ سے گزرا ہے، اگرچہ یہ تخصیص کی نیت قضاءً قابلِ قبول نہیں اور بیوی بھی ایسے معاملات میں قاضی کا حکم رکھتی ہے اس لئے بیوی بھی اس کو معتبر قرار نہیں دے سکتی جیسا کہ تبیین، فتح اور شامی میں ہے، پس اگر خاوند نے اپنی قسم میں اس تخصیص کی نیت کرلی ہو تو عنداللہ قسم نہ ٹوٹے گی،

اقول: خیر ست دیانۃ نیز ایں نیت کارندہد موافقہ و مخالفہ دو نوع تخلیہ نیست بلکہ دو وصف است ونیت وصفی خاص غیر مذکور معتبر نشود چنانکہ نسبت مردے استادہ سوگند خورد کہ بایں مرد سخن نگویم وآزرد کند کہ باایں مرد استادہ ایں نیت لغو باشد اگر گوید باایں مرد استادہ سخن نزنم ونیت تخصیص بوقت قیامش کند دیانۃً معتبرست نہ قضاءً کہ وصف در حاضر لغوست وصفت قیام داعی ترک کلام نیست، ہمچناں اگر سوگند خورد کہ زن نکنم و مراد زن ہاشمیہ یا ترکیہ یا عربیہ یا نسب دار دیانۃً معتبرست کہ ایں یک نوع زن ست واگر زن مکیہ یا ہندیہ یا عربیہ بالمسکن نیت کرد معتبر نیست کہ ایں صفت زن ست وصفت بے ذکر بمسکن عام خیمہ آں ست در فتح القدیر فرمود حلف لایسکن دار فلان وقال عنیت باجر لایصح حتی لوسکنها بغیر اجر حنث بخلاف مالوحلف لایسکن دارا اشتراها فلان وعنی اشتراها لنفسه فانه یصدق لانه احد نوعی الشراء لانه متنوع الی ما یوجب الملك للمشتری وما یوجبه لغیره فتصح نیة احد

جبکہ فتوٰی دیتے وقت اس قید و تخصیص کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے، جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ وہ دیانت پر فتوٰی دے۔(ت)

اقول (جواب میں کہتا ہوں کہ) کوئی بات نہیں، کیونکہ دیانۃً بھی یہ نیت کارآمد نہیں ہے، قسم میں موافق اور مخالف یہ دونوں لاتعلّقی کی قسمیں نہیں ہیں بلکہ یہ لاتعلق کے دو وصف ہیں جبکہ دو وصفوں میں سے کسی غیر مذکور وصف کی نیت معتبر نہیں ہوتی جیسا کہ ایک شخص کھڑا ہو اس کے متعلق کوئی دوسرا یہ قسم کھائے کہ میں اس شخص سے بات نہ کروں گا، اور اب بعد میں کھڑے ہونے کے وصف کی بابت قسم کو بتائے تو یہ نیت لغو بیکار ہوگی، ہاں اگر قسم کھڑے ہونے کا ذکر کرتا اور قسم اس نیت پر کھاتا تو دیانۃً معتبر ہوسکتی تھی اگرچہ قضاءً یہ نیت معتبر نہیں ہے کیونکہ یہ قسم حاضر شخص کے متعلق ہے جبکہ حاضر میں وصف کا ذکر کارآمد نہیں اور پھر کھڑا ہونا ایسا وصف بھی نہیں ہے جو قسم کا داعی بن سکے اور بات نہ کرنے کی وجہ بن سکے، یوں ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں بیوی نہ بناؤں گا، تو اس سے اگر وہ ہاشمی یا ترکی یا عربی یا کوئی خاص نسب والی عورت مراد لے تو یہ نیت دیانۃً معتبر ہوگی کیونکہ یہ عورت کی اقسام میں سے ایک قسم کی تخصیص ہے، اور اگر رہائش کے لحاظ سے کسی عربی یا ہندی یا مکی عورت کے بارے میں یہ نیت کرے تو معتبر نہ ہوگی کیونکہ یہ ایک خاص جگہ والی عورت کے متعلق ہے جو اس کی صفت ہے اور کوئی صفت ذکر کئے بغیر معتبر نہیں ہوسکتی، چونکہ قسم صرف عورت کے ذکر پر مشتمل ہے اس میں

النوعین بخلاف السکنی لانہا لاتتنوع لانہا لیست الا الکینونۃ فی الدار علی وجہ القرار وانما تختلف بالصفۃ ولایصح تخصیص الصفۃ لانہا لم تذکر بخلاف الجنس، وکذا لو حلف لایتزوج امرأۃ ونوی کوفیۃ او بصریۃ لایصح لانہ تخصیص الصفۃ ولو نوی حبشیۃ او عربیۃ صحت فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی لانہ تخصیص فی الجنس کأن الاختلاف بالنسبۃ الی الاباء اختلاف بالجنس وبالنسبۃ الی البلاد اختلاف بالصفۃ اھ[1] مختصرا۔ **شبہہ تاسعہ**: ترک گاہے بمعنی ابقا آید قال اللہ تعالٰی وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ	مسکنت (رہائش) کاذکر نہیں ہے لہٰذا اس ذکر کے بغیر یہ قسم خیمہ والی عورت کو بھی عام ہے۔ فتح القدیر میں ہے، قسم کھائی کہ فلاں کے گھر سکونت نہ کروں گا، اور کہا کہ میری مراد فلاں کے گھر کرایہ پر نہ رہوں گا، تو یہ نیت صحیح نہیں ہے حتی کہ اگر اس کے گھر میں کرایہ کے بغیر بھی رہائش پذیر ہوا تو قسم ٹوٹ جائے گی، اس کے برخلاف اگر یوں قسم کھائے کہ "میں فلاں کے اس گھر میں سکونت نہ کروں گا جو اس نے اپنی ذات کے لئے خریدا ہو، تو اس نیت کو مان لیا جائیگا کیونکہ خریدنے کی یہ ایک قسم ہے خریدنے کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو اپنے لئے خریدا اور ایک وہ جو اس نے کسی دوسرے کے لئے خریدا ہو، تو قسم میں ان دو قسموں میں سے ایک قسم کی نیت درست ہے اس کے برخلاف رہائش (سکنٰی) کے اقسام نہیں ہیں، کیونکہ سکنٰی (رہائش) کا معنی یہ ہے کہ گھر میں بطور استقرار ہونا جبکہ اس رہائش کی صفات مختلف ہوسکتی ہیں اور صفات کی تخصیص صحیح نہیں ہے کیونکہ یہاں مذکور نہیں ہیں، بخلاف رہائش کے کہ اس کے تحت اقسام ہوتے ہیں (غرضیکہ اقسام کی تخصیص بغیر ذکر ہوسکتی ہے لیکن صفات کی تخصیص ذکر کے بغیر نہیں ہوسکتی) اسی لئے اگر کسی نے قسم کھائی کہ کسی عورت سے نکاح نہ کروں گا یعنی بیوی نہ بناؤں گا، تو اس قسم میں عورت کوفی یا بصرہ والی مراد لے تو صحیح نہ ہوگی کیونکہ یہ صفت کی تخصیص ہے اور اگر اس قسم میں عورت سے مراد حبشی یا عربی عورت مراد لے تو صحیح ہے اور عنداللہ بھی یہ نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ جنس میں اقسام کی تخصیص ہے یہ اس لئے کہ جداعلی کے اختلاف کے لحاظ سے نیت کرنا جنس کا اختلاف ہے اور شہروں کے اختلاف کی نیت یہ صفات کا اختلاف ہے اھ مختصراً (ت) **نواں شبہہ** کہ چھوڑنا، کبھی باقی رکھنے کے معنی میں آتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿٧٨﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ

[1] فتح القدیر باب الیمین فی الاکل والشرب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۰۹

فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾ [1] ای ابقیناله ثناء جمیلا [2] کمافی مجمع البحار وغیرہ وابقاء وجودی ست کہ بقاء وجودی ست۔

اقول: ابقاکہ حی قیوم عزجلالہ میکند عندالمحققین وجودی باشد امابناء علی مذہب امام اہلسنت القاضی ابی بکر الباقلانی والامامین امام الحرمین والرازی ان البقاء عین الوجود لاامر زائد علیہ فالابقاء ھو الایجاد واما بناء علٰی مذہب ائمۃ الکشف والشہود من تجدد الامثال فی کل شیئ حتی الجواہر فیکون الابقاء ایجاد الامثال کل حین ولہذا چنانکہ اطلاق باری وخالق بر غیر او سبحٰنہ نیست اطلاق قیوم نیز نتواں شد بلکہ علماء بروتکفیر کردہ اند در مجمع الانہر فرمود اذا وصف اللہ بما لایلیق بہ او نسبہ الی الجہل اوالعجز او النقص او اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصۃ بالخالق نحو القدوس والقیوم والرحمٰن وغیرہا یکفر [3] (ملخصًا)

فِی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۹﴾۔ بعد والوں میں ہم نے ان کی اچھی ثناء باقی رکھی، جیسا کہ مجمع البحار وغیرہ میں ہے، چھوڑنا، باقی رکھنے کے معنی میں وجودی چیز ہے کیونکہ بقاء وجودی ہے۔(ت)

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں) ابقا (باقی رکھنا) حیّ و قیوم (جل جلالہ) کا فعل ہو تو محققین کے نزدیک وجودی ہے، اس لئے کہ امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی اور امام الحرمین اور امام رازی کے مذہب پر بقاء عینِ وجود کا نام ہے اور وجود سے زائد کسی صفت کا نام نہیں ہے، لہٰذا باقی رکھنا، یہ ایجاد ہوگا جو کہ وجودی ہے، لیکن ائمہ کشف وشہود کے مذہب پر، بقاء، ہر چیز کی امثال کے تجدد کا نام ہے، لہٰذا ابقاء اس معنی میں ہر چیز حتی کہ جواہر کی امثال کو ہر لحہ، ایجاد، کرنے کا نام ہے، اس لئے جس طرح باری اور خالق جیسی صفات کا اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی اور کے لئے اطلاق جائز نہیں اسی طرح قیوم کا اطلاق بھی غیر کے لیے جائز نہیں، بلکہ اس کا غیر اللہ پر اطلاق علمائے کرام کے ہاں کفر ہے، مجمع الانہر میں فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان نہ ہو یا جہالت، عجز اور نقص کی نسبت اس کی طرف کرنا، یا وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں ان کا مخلوق پر اطلاق کرنا جیسے قدوس، قیوم، رحمٰن وغیرہا صفات ہیں، تو یہ کفر ہے، لہٰذا یہاں بڑی

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۷۸ و۷۹

[2] مجمع البحار تحت لفظ ترک نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۴۰

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

اینجا احتیاط عظیم باید کہ بعض مردم بایں مبتلا شدہ اند والعیاذ بالله تعالیٰ بالجملہ اینست بقائے الٰہی عزّجلالہ فاماانچہ از بشرست جزترک ازالہ نیست ولہٰذا اگر زرے در کیسہ نہاد وزن راگفت اگر چیزے از وتا صبح باقی مانی طلاق باشی، زن ہیچ خرچ نکرد یا برخے بصرف آورد وبرخے باقی داشت طلاقہ شود وآں نیست مگر بہ ابقاواز زن نیاید مگر عدم انفاق پس ابقاء نبود مگر ہمیں عدم واگر فعلے بودے وزن خود دراں زر کارے نکردہ است تا آنکہ در کیس نہادن ہم بدست شوہر بود حنث نشدے، ہمچناں اگر زید بدست عمرو چیزے ببیع فاسد فروخت قاضی مطلع شدہ برفروخت وگفت اگر امروز ایں بیع شمارا باقی مانم فلذا آفتاب فرورفت وقاضی حکم فسخ نہ کرد حانث شود پس ابقاء نبود مگر عدم فسخ واگر فعلے بودے قاضی خود متعلق آں بیع کارے نکردہ است حانث نبودے، پس ظاہر شد کہ ابقائے بشری جزترک ازالہ نیست اگر گوئی ابقاء بفعل ہم تواں شد مثلاً زید رابخانہ آوردو بزنجیر بست ایں بستن کہ فعل ست ابقاء شد۔

اقول: این فعل خود ابقاء نیست بلکہ

احتیاط کی ضرورت ہے، بعض لوگ اس بے احتیاطی میں مبتلا ہیں والعیاذ باللہ تعالیٰ، خلاصہ یہ کہ، اللہ تعالیٰ کے باقی کرنے کا یہ حکم ہے، لیکن کسی انسان کا باقی رکھنا اور چھوڑنا، ازالہ کے ترک کا نام ہے، اس کے بغیر کچھ نہیں، اسی لئے اگر خاوند نے جیب یا تھیلی میں رقم رکھی ہو اور بیوی کو کہا "اگر تونے صبح تک اس میں سے کچھ باقی رکھا تو تجھے طلاق ہوگی" اب اگر اس نے اس میں سے کچھ خرچ نہ کیا یا کچھ کیا اور کچھ نہ کیا تو اس باقی رکھنے پر طلاق ہوجائے گی، تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ بیوی کا رقم کو باقی رکھنا صرف اور صرف یہ ہے کہ اس نے رقم کو خرچ نہ کیا، تو معلوم ہوا کہ باقی رکھنا (خرچ نہ کرنا) عدم ہے، اگر ابقاء کوئی فعل ہوتا، اور بیوی نے اس رقم میں تصرف نہ کیا بلکہ صرف خاوند نے وہ رقم تھیلی میں رکھی ہو، تو پھر اس صورت میں قسم نہ ٹوٹتی۔ یوں ہی زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی چیز فاسد بیع کے طور فروخت کی تو یہ معلوم ہونے پر قاضی کے غصہ آیا حکم جاری فرمایا کہ اگر آج تمہاری اس فاسد بیع کو باقی رکھوں تو یہ ہوگا، اب سورج غروب ہونے تک قاضی نے اس بیع کو فسخ نہ کیا تو حانث ہوجائے گا، تو یہاں بھی باقی رکھنا، صرف فسخ نہ کرنے کا نام ہے، اگر ابقاء (باقی رکھنا) کوئی فعل ہوتا تو حانث نہ ہوتا کیونکہ قاضی نے اس بیع کے متعلق کوئی فعل اور عمل تو نہیں کیا، تو معلوم ہوا انسان کا باقی رکھنا صرف کسی ازالہ کو ترک کرنے کا نام ہے۔ اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ کبھی ابقاء (باقی رکھنا) فعل سے بھی حاصل ہوتا ہے، مثلاً زید کو گھر میں لاکر زنجیر سے باندھ دیا، تو یہ باندھنا، زید کو گھر میں باقی رکھنا ہے، جبکہ باندھنا فعل ہے۔ (ت)

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں کہ) باندھنے کا فعل

مستلزم اوست کہ منع زوال ترک ازالہ است مع شے زائد اگر گوئی در انتفائے ترک بر منع بالقول اکتفاء کردہ اند کما تقدم پس اگر زید را بست و بزبان میگوید بیروں شو باید کہ ترک متحقق نشود کہ نافیش موجود ست وابقا یقینا حاصل پس غیر ترک باشد۔

خود بخود ابقاء نہیں بنتا بلکہ ابقاء کو مستلزم ہوتا ہے کیونکہ اس فعل سے ازالہ کا ترک منتفی ہوتا ہے تو باندھنے میں ترک ازالہ کے ساتھ ایک زائد چیز یعنی رکاوٹ، پائی گئی، جس میں ترک ازالہ پایا جاتا ہے۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ، ترک ازالہ کا خاتمہ، قولًا منع کرنے سے کافی ہوسکتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا ہے، تو اب زید کو گھر میں باندھ کر پھر اس کو کہا جائے تو گھر سے باہر ہوجا، تو چاہئے کہ اس صورت میں ازالہ کا ترک متحقق نہ ہو، کیونکہ زبانی ترک کے باوجود، باندھنا اس ترک کی نفی ہے تو یقینا ابقاء یعنی گھر میں باقی رکھنا، حاصل ہوگیا، تو یوں یہ ترک، عدم کی بجائے ایک فعل کے وجود سے حاصل ہوا، لہٰذا انسانی ابقاء، وجودی ہوگیا۔ (ت)

اقول: بالادانستی کہ اصل منع بقدر قدرت ست وبمجرد نہی ہنگام تعسر ش بسندہ کنند پس آنکہ اخراج تو آنست و بر بروں شو اکتفا کرد تارک باشد چہ جائے آنکہ ترک خروج بفعل کرد از و مجرد بروں شود کہ صراحۃً ہزل واستہزاء است بلکہ گوئیا لفظ بے معنی است چہ کار آید پس ابقاء بحصول ترک حاصل ست وبستن امر زائد۔

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں) اوپر گزر چکا ہے، روکنا حسبِ قدرت مراد ہے، صرف قولًا اور زبانی روکنا وہاں مراد ہوتا ہے، جہاں عملًا روکنا ممکن نہ ہو، لیکن جب عملًا روکا جاسکتا ہو تو وہاں محض زبانی روکنا اور یہ کہنا کہ باہر ہوجا، یہ روکنے کا ترک ہے اس پر مزید یہ کہ باندھنے کے فعل سے اس کو نکلنے سے روکنا اور پھر کہنا کہ باہر ہوجا، تو یہ صراحۃً مذاق ہے، بلکہ اس موقعہ پر یہ کہنا بے معنی اور بیکار ہے، لہٰذا اس صورت میں ابقاء (باقی رکھنا) ترک سے حاصل ہوا اور باندھنے کا فعل اس سے زائد چیز ہے (تو ثابت ہوا کہ بشری ابقاء محض ترک کا نام ہے کسی وجودی چیز کا نام نہیں)۔ (ت)

شبہہ عاشرہ: سلمنا کہ ترک را عدم امر بخروج بس ست فاما امر بعدم خروج نیز از وجوہ اوست پس ترک دو نوع شد وزیادت معنی در نوع خود قضیہ نوعیت ست پس حلف اگر بواقع ارادہ نوع اقوی کردہ باشد

دسواں شبہہ: یہ کہ ہمیں تسلیم ہے کہ، ترک یعنی چھوڑنے کے لئے نکل جانے کا حکم نہ دینا کافی ہے لیکن نہ نکلنے کے حکم سے بھی ترک پایا جاتا ہے پس ترک کی دو قسمیں ہوگئیں، ایک نکلنے کا حکم نہ دینا، اور دوسری قسم، نہ نکلنے کا حکم دینا، اور ایک

باید کہ دیانۃً معتبر شود گو پیش زن وسائر ناس مقبول مباش۔

اقول: عدم امر بخروج وامر بعدم خروج متقابل نیست کہ اول در ثانی موجود ست وقسم قسم نتواں شد آرے سکوت مطلق و تکلم باجنبی و تکلم بنافی ہر سہ از وجوہ تحقق اوست فاما انواعش نتواں شد کہ تکلم وجودی ست نوعے از عدم چساں باشد پس مصداقش نیست مگر ہماں عدم امر بخروج و در سکوت محض چیزے بااونیست ودر تکلمات مقارن بکلام ست وشے بمقارنات متنوع نشود و قاطع شغب آنست کہ در جملہ مسائل ترک کہ بالا گزشت علماء ازیں احتمال کہ مراد از و تکلم بمنافی مراد باشد اصلا خبر ندادہ اند پس روشن شد کہ اورا مساغ نیست **هکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق الحمد** للہ سخن بمنتہی رسید ودریں مسئلہ نازلہ ابانت علل وسد خلل ورد زلل بذروہ اقصے در ضمن او مسائل او کثیرہ وفوائد عزیزہ بوضوح پیوست پس بلحاظ تاریخ الجوھر الثمین فی علل نازلۃ الیمین نامش کردن مناسب ست، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

قسم میں معنی کی زیادتی (حکم دینا) خود قسم کو پیدا کرتا ہے یعنی قسم ہونے کے منافی نہیں ہے لہٰذا قسم کھانے والا اگر اقوی یعنی زیادتی والی قسم کی نیت کرے کہ اس معنی کا ترک ہو تو طلاق ہوگی، تو دیانۃً یہ نیت قبول ہونی چاہئے، اگرچہ بیوی اور دوسرے لوگوں کے ہاں وہ مقبول نہ ہو۔ (ت)

اقول: (میں جواب میں کہتا ہوں کہ) نکلنے کا حکم نہ دینا اور نہ نکلنے کا حکم دینا، یہ دونوں چیزیں آپس میں منافی نہیں ہیں کیونکہ پہلا معنی دوسرے معنی میں بھی موجود ہے (حالانکہ اقسام کا آپس میں ایک دوسرے کے مبائن ہونا ضروری ہے) لہٰذا یہ دو قسمیں علیحدہ علیحدہ نہ ہوئیں۔ ہاں مطلق خاموشی، اجنبی گفتگو، اور منافی گفتگو، ان تینوں صورتوں میں ترک متحقق ہو جاتا ہے مگر یہ ترک کی قسمیں نہیں ہیں کیونکہ ترک عدم کا نام ہے اور گفتگو یعنی تکلم وجودی چیز ہے تو وجودی چیز عدمی چیز کی قسم کیسے بن سکتی ہے، تو معلوم ہوا کہ ترک کا مصداق صرف نکلنے کا حکم نہ دینا ہے، اور وہ سکوت جس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ہوا اور مقام کلام میں وہ کلام سے مقارن قرار پاتا ہے اور کوئی چیز اپنے مقارن کے ساتھ قسم نہیں بنتی۔ اس قیل وقال کا خاتمہ یوں ہو جاتا ہے کہ ترک سے متعلق جتنے مسائل گزرے ہیں ان میں علماء کرام نے منافی گفتگو کے احتمال کو ذکر نہیں کیا، اور انہوں نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہ نکلنے کا حکم" تو واضح ہوگیا کہ اس احتمال کا یہاں کوئی دخل نہیں ہے۔ تحقیق یوں مناسب ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے، **الحمد للہ** یہ بحث اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے قسم کے پڑنے میں یہ ایسی بحث ہے جس میں علتوں کی وضاحت، خلل کا سدِّ باب اور غلطیوں کا ازالہ اعلٰی پیمانے پر ہوا ہے اور اس بحث کے ضمن میں کثیر مسائل اور نادر فوائد بھی پائے گئے ہیں، پس تاریخی لحاظ سے اس کا نام **الجوہر الثمین فی علل نازلۃ الیمین**

نوٹ: خادم آستانہ علیہ دار الافتا فقیر عبید النبی نواب مرزا قادری رضوی غفرلہ ربہ القوی عرضہ دارد کہ اعلحضرت شیخنا مجدد الملۃ دام ظلہ العالی پیش ازیں بتاریخ یازدہم محرم شریف ایں سوال را جوابے مختصر نوشتہ ارسال فرمودہ بودند کہ در کتاب الطلاق مرسوم گشت وبوجہ عروض تپ تفصیل را حوالت بر آئندہ فرمودند کہ بتوفیقہ تعالٰی ایں فتوی کتاب الایمان ست از مولٰینا وبالفضل اولٰنا جناب مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی دام بالایادی بتاریخ ہفدہم ماہ مبارک محرم محترم نامہ دگر بزبان عربی آمد ودر طے اوفتوی دیوبندیاں تفصیل را لب بہ استدعا کشادند اینجا بعونہٖ تعالٰی فتوائے معضلہ پیش ورود ایں نامہ تکمیل یافتہ بود فتوائے دیوبند اگر چیزے بہ دلیل علیل گرایندے جوابش خود اینجا دیدے فاما بتقلید کورانہ جناب گنگوہی صاحب نہ عبارتے نگاشت نہ بدلیلے چنگ زد ہمیں مجتہدانہ بانگ بے آہنگ زد کہ اصلاً توجہ را نشاید آرے لطف جواب سفارشی مے شود کہ اوراذکر کنیم تا بینند کہ مفتیان دیوبندی چساں دربند دیو جہالت اند کہ سوال ہم نفہمند وجواب مجتہدانہ دہند۔

رکھنا مناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ: آستانہ عالیہ دارالافتاء کا خادم، نبی پاک کا ادنی غلام فقیر نواب مرزا قادری برکاتی رضوی، اللہ تعالٰی اس کا رب قوی اسکی مغفرت فرمائے، عرض کرتا ہے کہ ہمارے شیخ مجدد ملت اعلٰحضرت دام ظلہ العالی نے قبل ازیں گیارہ محرم شریف کو اس سوال کا مختصرا جواب لکھا اور ارسال کردیا جوکہ کتاب الطلاق میں شامل ہے اور بخار کے عارضہ کی بناء پر اس کا مفصل جواب آئندہ پر چھوڑدیا جبکہ استفتاء کا تعلق کتاب الایمان سے ہے جس کو مولانا بالفضل اولٰنا جناب مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آبادی (زمانہ بھر زندہ رہیں) نے ارسال فرمایا، مولانا مذکور نے یہی سوال عربی زبان میں دوبارہ سترہ محرم الحرام کو بصورت خط بھیجا اور اس کے اندر دیوبندیوں کا تفصیل سے خالی فتوی بھی موجود تھا، اللہ تعالٰی کی توفیق اور مدد سے یہ تفصیلی مضبوط، کتاب الایمان سے متعلق فتوی، مولانا مذکور کے دوسرے خط سے قبل پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا، دیوبند کے فتوے میں اگر کوئی کمزور دلیل ہوتی تو بھی اس مفصل فتوے میں اس کا جواب نظر آجاتا، لیکن دیوبند کا فتوی تو محض گنگوہی صاحب کی اندھی تقلید ہے اس میں نہ کوئی حوالہ ہے نہ کسی دلیل کا سہارا ہے بلکہ وہی بے ڈھنگی مجتہدانہ بولی ہے جو ہرگز قابلِ التفات نہ تھی۔ ہاں تحقیقی جواب کی خوبی سفارش کرتی ہے کہ اس کو ذکر کردیں تاکہ دیکھنے والے معلوم کرسکیں کہ دیوبندی حضرات کس طرح دیو جہالت کی قید میں ہیں کہ وہ سوال کو سمجھے بغیر ہی اپنا اجتہادی جواب دے رہے ہیں۔ (ت)

(نامہ نامی جناب مولٰنا اینست)

الی الجناب المستغنی عن الالقاب بل الالقاب مطروحه دون سدة الباب مجدد الملة والاسلام والدین ناصر المسلمین باعلاء اعلام الدین مزعج اصول الکفرة والمبتدعة والفسقة والمضلین بسط اللہ تعالٰی ظلال فیوضھم علٰی رؤس المسترشدین الی یوم الدین۔

امابعد، فقد ورد الجواب المستطاب مع المطلوبات من الرسالة والکتاب وانکشف الستروالحجاب جزاکم اللہ تعالٰی خیر الجزاء بتعداد المخلوقات ما ھو فی جوالسماء وعلی الارض من الدواب لکن کتب من مدرسة دیوبند علی خلاف ذٰلك فح لابد من الجواب المفصل المزیل للارتیاب لیفتت ترائب المخطی ویدسه فی التراب ویرتفع الخلاف من البین باجلاب الزین والتحاب وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقه والاٰل والاصحاب الی یوم التناد لذوی الخیاب ویوم الریان والشباب لذوی الحجة واصحاب الاقتراب۔

العبد المذنب للاواہ الخامل الجانی القاضی غلام گیلانی الشمس اٰبادی حفظه اللہ تعالٰی عن ایادی الاعادی۔

(مولانا مذکور کا خط یہ ہے)

القاب سے مستغنی بلکہ القاب جن کی چوکھٹ کے سامنے پھینکے پڑے ہیں، مجدد الملت والاسلام والدین، دین کے جھنڈے بلند، اور کفار، بدعتی حضرات، فساق اور گمراہ لوگوں کے اصول و قواعد کو مٹانے میں مسلمانوں کے مددگار کی خدمت میں، اللہ تعالٰی قیامت تک ان کے فیوض کے سائے کو رہنمائی حاصل کرنے والوں کے سروں پر پھیلائے رکھے۔

امابعد، آپ کا جواب مستطاب مطلوبہ قرآن واحادیث وکتب کے حوالوں پر مشتمل موصول ہوا، حجاب اوپردے اٹھ گئے، اللہ تعالٰی آسمان اور زمین کی مخلوقات کی تعداد کے برابر آپ کو جزائے خیر عطافرمائے لیکن مدرسہ دیوبند سے اس کا خلاف لکھا گیا، لہٰذا ضروری ہے کہ اس کا رد مفصّل طور پر کیا جائے جو شکوک کو ختم کردے تاکہ خطاکار کے دل کے خیالات پراگندہ ہوجائیں اور اس کو مٹی میں دفن کردے اور اس خلاف کو یہاں سے مقبول اور پسندیدہ امور کے سبب ختم کردے۔ رسوا لوگوں کی ذلّت، اور محبوب اور اصحاب حجت لوگوں کی رونق وشباب کے دن (قیامت) تک حضور الصلوٰۃ والسلام پر اللہ تعالٰی کی رحمتیں ہوں۔

منجانب گنہگار، پناہ کا خواستگار، پسماندہ اور جنایت کا مرتکب بندہ غلام گیلانی شمس آبادی، اللہ تعالٰی اسے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے۔

سوال فتوائے عین سوال مذکورست و سوال پارسی رابزبان ہندی جواب عجاب چناں:	دیوبندی کے فتوی میں بعینہٖ اس فتوے والا سوال مذکور ہے اور اس فارسی سوال کا عجیب جواب انہوں نے اردو (ہندی) میں دیا ہے، جو یہ ہے:

الجواب: زید جبکہ اپنے پسر سے راضی ہوگیا اور خود اس کو گھر رکھا تو اس کی عورت پر اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر زید اسکو نکالتا اور اس کی زوجہ اس کو رکھتی تو مطلقہ ہوتی فقط واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب پر اعلٰی حضرت کا تبصرہ

در سوال بود اگر بخانہ گزاشتی و در جواب میگوید "اس کو رکھتی" مساکین یفقہم کہ اینجا در گزاشتن وداشتن تمیز ندارند آنہا را گزاشتن بہ کہ داشتن باز حاصل ایں شبہہ ہماں شبہہ اولٰی ست کہ مرد خود گزاشت نہ زن وایں دون ترین شبہہ پیش پا افتادہ نیز ایجاد دماغ دیوبند نیست بلکہ بیچارہ مفتی مخطی از سائل آموخت کہ در عبارت سوال زید راضی شدہ در خانہ گزاشت ایمائے باوجود بلے چوں دید کہ گزاشتن و منع نہ کردن بالیقین از زن نیز مستحق ست براہ گریزی گزاشتن را بداشتن بدل کرد تا ایواد جادادن را بجائے ترک و تخلیہ نشاند و حرام خدا را حلال کردہ داد دیوبندیت از دیوبندیاں ستاند ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی خیر	سوال میں تھا کہ "اگر تو گھر میں چھوڑے"۔ جواب میں دیوبندی لکھتا ہے "اس کو رکھتی"۔ اس مسکین بے فہم مفتی کو یہاں چھوڑنے اور رکھنے کا فرق معلوم نہ ہوسکا، ایسے مفتیوں کو چھوڑنا بہتر یا رکھنا بہتر؟ پھر یہ شبہہ وہی ہے جس کو ہم نے شبہہ اولٰی کے طور پر ذکر کیا ہے کہ خاوند نے خود بیٹے کو گھر چھوڑا، بیوی نے نہیں چھوڑا، اور کمزور ترین اور حقیر سا یہ شبہہ دیوبندی دماغ کی ایجاد نہیں، بلکہ اس بیچارے نے یہ شبہہ سائل سے سیکھا جس نے اپنے سوال میں "زید نے راضی ہو کر بیٹے کو گھر میں چھوڑا" لکھ کر اشارہ دیا ہے، پھر جب اس مفتی نے دیکھا کہ چھوڑنا اور منع نہ کرنا بیوی سے یقینا سرزد ہوا ہے، تو پھر گریز کرتے ہوئے اس نے "چھوڑنے" کو "رکھنے" میں بدل دیا تاکہ آنے کے موقعہ دینے کو ترک اور تخلیہ کی جگہ منطبق کرسکے،

خلقه محمد واٰله واصحابه اجمعين واٰخر دعوٰنا ان الحمدﷲ رب العٰلمين۔	یوں اس نے اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال بنادیا ہے، دیوبندیوں کی دیوبندیت بن گئی، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین۔ وآخر دعوٰنا ان الحمدﷲ رب العالمین۔ (ت) (رسالہ ختم)

مسئلہ ۲۱۵: از محلّہ بہاری پور بریلی ۲۹/رجب ۱۳۳۸ھ مرسلہ ریاض الدین احمد

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اس کا اٹھالینا گناہ ہے یا نہیں؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن شریف کو اٹھالے۔ اس کا اس نے جواب دیا کہ میں سچائی پر ہوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اٹھا سکتا ہوں کیونکہ قرآن شریف اٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جھوٹا قرآن شریف اٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرماکر مطلع فرمائیے کہ دونوں باتوں میں کون سی بات سچی ہے؟

الجواب:

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم کو بہت سخت کرتا ہے، بلاضرورتِ خاصہ نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: از برٹس گائنا برارا تیرس وینج ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر لوگوں نے کلام اللہ کو ہاتھ میں لے کر حلف کیا اپنے پیش امام کی تابعداری کا، وہ حلف یمین ہوا یا کہ نہیں؟ اور یا کہ شرف ہوا اللہ تعالٰی کے ساتھ؟ یا گناہ ہوا؟ اور یا کہ ایسا حلف قسم کلام کا ہوا؟ اور قسم کلام اللہ کا کھانا درست ہے یا کہ نہیں؟ اور جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے اور لوگوں نے حلف کیا ساتھ کلام اللہ کے، تو وہ غیر اللہ کا قسم کہا جائے گا یا کیا کہا جائیگا؟ **فقط۔**

الجواب:

کلام اللہ، اللہ عزوجل کی صفت قدیمہ ہے۔ صفاتِ الٰہیہ عین ذات ہیں نہ کہ غیر ذات۔ کلام اللہ کی قسم ضرور حلف شرعی ہے،

لانه من صفاته وقد تعورف الحلف به فكان كالحلف بعزته وعظمته وجلاله	کیونکہ یہ اللہ تعالٰی کی ایسی صفات میں سے ہے جس کے ساتھ قسم کھانا متعارف ہے لہٰذا قرآن کے ساتھ حلف ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کی عزت،

لاکالحلف برحمتہ وجودہ وکرمہ لعدم التعارف وھذاھو مناط الحلف الشرعی کما فی الدرالمختار وغیرہ۔	عظمت اور جلال کی قسم ہے۔اور اللہ تعالٰی کی رحمت،جوداور کرم کی قسم کی طرح نہیں جن سے قسم متعارف نہیں ہے،اور یہی متعارف ہونا نہ ہونا ہی شرعی قسم کا معیار ہے،جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

ہاں مصحف شریف ہاتھ میں لے کر یا اس پر ہاتھ رکھ کر کوئی بات کہنی اگر لفظاً حلف وقسم کے ساتھ نہ ہو حلف شرعی نہ ہوگا مثلاً کہے کہ میں قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ ایسا کروں گا اور پھر نہ کیا تو کفارہ نہ آئے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۷: از شمس آباد کیمل پور مسئولہ غلام گیلانی سہ شنبہ ۱۸شعبان ۱۳۳۴ھ

زید حلف خورد کہ من بخانہ برادر خود ہرگز نان نخواہم خورد ورنہ کذاو کذا باشد بعدہ در تقریب شادی مردماں آں زید را برخوردن نان مجبور کردند او گفت کہ من بگفتہ شما ایں نان رادر تصور خوردم (یعنی حقیقۃً نمی خورم لیکن در تصور خود میخورم و چہ نخوردہ ام اما خوردہ گیر بادیم ایں واقعہ پیش علمائے دیار رفت مگر حکم بحنث داد واستناد او بایں عبارت حاشیہ اصول شاشی در بحث مقتضی بایں الفاظ ست عبارت اصول شاشی **ولاتخصیص عن الفرد المطلق لان التخصیص یعتمد العموم ولاعموم للمقتضی**[1] وعبارت فصول ایں ست فان قیل فلیراد الطعام الموصوف بصفۃ کذا قلنا **ھذا اثبات وصف زائد علی المطلق وھو زیادۃ علی قدر الحاجۃ فلایثبت**	زید نے قسم کھائی کہ میں اپنے بھائی کے گھر ہرگز کھانا نہ کھاؤں گا اگر کھاؤں تو فلاں چیز لازم آئے،اس کے بعد شادی کی تقریب میں لوگوں نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو اس نے کہا میں تمہارے کہنے پر کھانے کا تصور کرلیتا ہوں،یعنی حقیقۃً نہ کھاؤں گا صرف اپنے تصور میں کھاؤں گا کیونکہ میں نے کھایا نہیں لیکن کھانے والا سمجھا جاؤں گا۔یہ واقعہ علاقہ کے علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اس بات پر قسم کے ٹوٹنے کا حکم دیا،اور اسکی دلیل اصول شاشی کے حاشیہ کی اس عبارت کو بنایا ہے جو اصول شاشی میں مقتضی کی بحث میں ہے۔اصول شاشی کی عبارت یہ ہے کہ فرد مطلق میں تخصیص جاری نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کی بنیاد عموم پر ہے جبکہ مقتضٰی میں عموم نہیں ہوتا۔اس پر حاشیہ فصول کی عبارت یہ ہے:اگراعتراض کیا جائے کہ کھانے،کے

[1] اصول الشاشی وفصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

بطریق الاقتضاء کصفة التعمیم وفیه ایضاکلام قوله لعل المراد(الی ان قال)قیل انه لیس من باب العموم بل لحصول المحلوف علیه فانه لو تصور الاکل الخ[1] راباین حکم حنث درسوال تعلق ست یانه،اگر حضور پر نور مطلب این عبارت مع شواہد و توابع ونظائر در عبارت فارسی مفصل ارقام فرمایند ہر آئنہ رفع حجاب و فتح باب خواہد شد،فقط۔	قول کے بعد مطلق طعام کی بجائے خاص وصف والاطعام بطور مقتضٰی مراد لیاجائے تو کیسا ہے،قلنا(ہم جواب دیں گے کہ)ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ مطلق پر ایک زائد وصف کااضافہ ہے جو قدرِ حاجت سے زائد ہے اور مقتضٰی قدرِ حاجت سے زائد ثابت نہیں ہوسکتا جیساکہ مقتضٰی میں تعمیم کی صفت ثابت نہیں ہوسکتی،جبکہ اس جواب میں بھی کلام ہے،کیونکہ لعل المراد سے آگے،قیل کے تحت،کہ،یہ عموم کے باب سے نہیں بلکہ جس چیز کے متعلق قسم کھائی ہے(محلوف علیہ)اس کا حصول ہے،کیونکہ اگر وہ کھانے کے لئے متصور ہوالخ،توکیااس عبارت کاسوال مذکور کے حانث ہونے سے تعلق ہے یا نہیں،اگر حضور پر نور اس عبارت کا مطلب بمع شواہد،موافق اور نظائر فارسی میں مفصل طور پر بیان فرمادیں توہر طرح حجاب ختم ہوجائے گا اور اس بحث کی وضاحت ہوجائے گی،فقط۔(ت)

الجواب الملفوظ:

روزے پیش امیرالمومنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم یکے گفت کہ فلاں در خواب بامادر آنکس زنا کردہ است۔امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرمود اورادر آفتاب قائم کردہ سایہ اش رادرہ زن،از مدعیان علم ہیچو سخن خیلے بعید است پیداست کہ ایں نزول جزارا از حصول شرط ناگزیرست وشرط اکل بود نہ تصور او وبمجرد تصور تحقق اکل بداہۃً مخالف عقل است ہیچ صبی عاقل گمان نتواں برد کہ ہر کہ تصور	ایک دن حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے سامنے ایک شخص نے کہا کہ فلاں شخص نے خواب میں دوسرے شخص کی ماں سے زنا کیا ہے،توحضرت امیرالمومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایاکہ اس شخص کو دھوپ میں کھڑا کرکے اس کے سایہ پر کوڑے مارو غرضیکہ ایسی باتیں علم کے مدعی لوگوں سے بعید ہیں،کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جزاکے پائے جانے کے لئے شرط کاپایاجانا ضروری ہوتا ہے،جبکہ سوال میں کھانے کی شرط کوذکر کیاگیاہے تو کھانا

[1] اصول الشاشی وفصول الحواشی قبیل فصل فی الامر المطبع المحمدی پشاور ص ۲۰۰

خوردن کرد حقیقۃً خورد واگر چناں بودے فقر و فاقہ از جہاں برخاستے وحکمت الٰہیہ کہ باختلاف لزوم در رزق ست کہ **وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَلٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ**[1] **معاذ اللہ** از ھم پاشیدے وآنکہ از حاشیہ اصول شاشی منقول شد معنیش آنست کہ در (**أکلت**) اقتضائے طعام از جہت تحصیل محلوف علیہ ست زیرا کہ اکل فعل متعدی ست وفعل متعدی بے مفعول بہ صورت نہ بند واینجا مفعول بہ طعام ست تاآنکہ اگر اکل بے طعام صورت بستے حنث بے او حاصل شدے واذ لیس فلیس اینجا بر معنی باطل حمل کردن در چہ مرتبہ از جنون ست **نسأل اللہ العفو و العافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**. **واللہ تعالٰی اعلم**۔

شرط ہوگا نہ کہ تصور شرط ہوگا، کھانے کے محض تصور کر لینے سے کھانا متحقق نہیں ہوتا، یہ بات ہر عقلمند بچہ بھی جانتا ہے اور ایسا ہونا بداہۃً عقل کے خلاف ہے کہ کوئی کھانے کا تصور کرے تو حقیقی کھانا ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہی ہو تو پھر دنیا سے فقر و فاقہ ختم ہو جائے، اور رزق میں تفاوت کی یہ حکمت معاذاللہ ختم ہو جائے جس کو اللہ تعالٰی نے یوں بیان فرمایا، اگر اللہ تعالٰی سب کے لئے رزق کو کشادہ کر دے تو لوگ زمین میں بغاوت کر دیں لیکن وہ بقدر مشیت رزق اتارتا ہے۔ اور اصول شاشی کے حاشیہ سے جو نقل کیا گیا اس کا معنی یہ ہے **اکلت** (میں کھاؤں) کا فعل طعام کا مقتضی ہے تاکہ اس قسم والے کی قسم سے متعلق چیز معلوم ہوسکے کیونکہ اکل (کھانا) متعدی فعل اور کوئی متعدی فعل، مفعول بہ کے بغیر نہیں پایا جاسکتا جبکہ یہاں کھانے کا مفعول بہ طعام ہے حتی کہ اگر کھانا بغیر طعام متصور ہوسکے تو پھر کھانے کے بغیر قسم ٹوٹ جائے، توجب کھانا بغیر طعام متصور نہیں ہوسکتا تو طعام کے بغیر قسم بھی نہ ٹوٹے گی۔ یہاں پر شخص مذکور نے جو معنی مراد لیا ہے۔ وہ غلط اور باطل ہے اور اس کو مراد لینا جنون سے کم نہیں ہے، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۸: ازمدرا سمٰعیل صاحب از مقام پکاسن ملک میواڑ محلّہ مومناں ۱۶ صفر ۱۳۳۶ھ

چند شخص نے مسجد کے اندر کہا کہ جو شخص بیٹی پر روپیہ لے یا قرضدار کے یہاں کھانا کھائے تو کلمہ شریف اور قرآن سے پھرے تو اس کا کاغذ بھی لکھا مگر وہ کاغذ بھی پھاڑ ڈالا اور وہی کام کرنے لگ گئے ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**۔

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۷

الجواب:

بیٹی پر روپیہ لینا ناجائز ہے اور قرضدار کے یہاں کھانا کھانا اگر قرض کے دباؤ سے ہے تو وہ بھی ناجائز ہے، اور جنہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ جو ایسا کرے وہ کلمہ شریف اور قرآن شریف سے پھرے، پھر اس اقرار سے پھر گئے اور وہ کاغذ پھاڑ ڈالا ان میں سے جس کے خیال میں یہ ہو کہ واقعی ایسا کرنے سے قرآن مجید اور کلمہ طیبہ سے پھر جائے گا اور یہ سمجھ کر ایسا کیا وہ کافر ہو گیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی نئے سرے سے اسلام لائے، اسکے بعد عورت اگر راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے ورنہ مسلمان اسے قطعًا چھوڑ دیں اس سے سلام وکلام اس کی موت وحیات میں شرکت سب حرام، اور جو جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے قرآن مجید یا کلمہ طیبہ سے پھر نانہ ہوگا وہ گنہگار ہوا اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے **کقولہ ھو بریئ من اللہ و رسولہ ان فعل کذا** (جیسا کہ وہ یوں کہے اگر ایسا کروں تو اللہ تعالٰی اور رسول اللہ سے بری ہو جاؤں۔ت **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۹تا۲۲۱: از مولوی ضیاء الاسلام صاحب پیش امام جامع مسجد آگرہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

فرازندہ رایت شریعت ومروّج احکام فطوت دام عظمۃ بعد سلام سنت الاسلام کے واضح رائے عالی ہو کہ براہ کرم جواب بہت جلد روانہ فرمایئے گا از حد ضرورت ہے:

(۱) ایک جماعت نے متفق ہو کر اور قرآن شریف ہاتھوں پر رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سب آدمی اپنی مستورات کو قبریں وتعزیہ وشادی وغیرہ کے خلاف شرع رسوم میں نہ جانے دیں گے اور اگر کوئی اس کے خلاف کرے گا اس کے ساتھ کھانے پینے کا تعلق اور حصہ وغیرہ کا لین دین نہ کریں گے، اور نہ اس کے جنازہ میں شریک ہوں گے، یہ قسم قرآن شریف ہاتھوں میں لے کر کھائی، بعد دو روز کے ایک شادی ہوئی تو کچھ لوگوں نے متفق ہو کر اپنی عورتوں کو خود بھیج دیا اور کچھ لوگوں نے قسم کی پابندی کی، اب جن لوگوں نے اس عہد کو توڑ دیا وہ لوگ از روئے شرع کس جرم کے مستحق ہیں۔

(۲) یہ جو قسم کھا کر وعدہ خلافی کر گئے ہیں وہ کسی معاملہ میں حکم (پنچ از روئے شرع ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور گواہی ان کی درست ہے یا نہیں؟

(۳) جو لوگ اپنی قسم پر قائم ہیں ان کی یہ حقارت کرتے ہیں اور طعنہ زن ہوتے ہیں اس کے وہ مواخذہ دار ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ شادی جس میں ان لوگوں نے اپنی عورتوں کو بعد قسم کے بھیجا اگر رسوم خلاف شرع پر مشتمل تھی تو

ان پر دوہرا گناہ ہوا، ایک ایسی جگہ اپنی عورتوں کو بھیجنے کا دوسرا قسم توڑنے کا۔

وَاحْفَظُوْۤا اَیْمَانَکُمْ[1]، وقال اللہ تعالٰی قُوْۤا اَنْفُسَکُمْ وَاَهْلِیْکُمْ نَارًا[2]	اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: اپنی جانوں اور اہل کو آگ سے بچاؤ(ت)

ان پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں اور گواہی سنی جائے۔

(۲) اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں تو ایسوں کو نہ حکم بنایا جائے نہ ان کی گواہی سنی جائے۔

(۳) ضرور مواخذہ دار ہیں اور شدید بلکہ معاملہ شرعی و دینی ہے اس میں عہدِ الٰہی کو قائم رکھنے والوں کو برا جاننا اور قائم رہنے پر طعنہ کرنا معاذاللہ اسلام میں فرق آنے کا باعث ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: ایک شخص نے کسی سے غصہ میں آکر کہا کہ تیرے مکان کا کھانا پینا مجھ پر حرام ہے، یا کہا کہ تیرے مٹکے کا پانی حرام ہے تو شرع شریف میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ قسم ہے اگر اس کے گھر کھائے پئے گا یا دوسری صورت میں اس کے مٹکے کا پانی پئے گا قسم کا کفارہ دینا آئے گا پھر اگر اس سے ترک علاقہ خیر ہو تو چاہئے کہ قسم توڑے اور کفارہ ادا کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: از ڈاکخانہ راموچکما کول ضلع چٹاگانگ ۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کوئی شخص کہے کہ اگر تم سے بولوں یا تمہارے مکان جاؤں یا یہ چیز کھاؤں تو میرے حق میں حرام ہے یا صرف یہ کہنا حرام ہے، کیا یہ کہنے سے حرام ہو جائے گا، اگر حرام ہو تو اس سے بری الذمہ ہونے کی کیا صورت ہے؟

الجواب:

ہاں استحساناً یہ صورت حلف کی ہے اور یمین تحریم حلال ہی ہے اس کہنے کے بعد اگر اس سے بولا یا

---

[1] القرآن الکریم ۵/۸۹

[2] القرآن الکریم ۶۶/۶

گھر گیا، یا وہ چیز کھائی تو قسم ٹوٹ جائے گی، کفارہ دینا ہوگا،

هذاهو الاستحسان کما فی ش عن النهر والفتح عن المنتقی ومافی الخلاصة فالبحر فالدر قیاس والتقدیم للاستحسان، والله تعالٰی اعلم۔	یہ استحسان ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں نہراور فتح کے واسطہ سے منتقٰی سے منقول ہے اور جو خلاصہ میں پھر بحر اور پھر درمختار میں ہے وہ قیاس ہے جبکہ استحسان کو تقدم حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب النّذر

(نذر کا بیان)

مسئلہ ۲۲۴: سید پرورش علی صاحب از متولی ٹولہ سہسوان ضلع بدایوں ۱۰ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی گائے جنی تو انہوں نے کہا کہ یہ بچھیا پال کر ننھی کو دینگے، اب وہ سال بھر کی ہوئی، بہت خوب و مرغوب، دیکھ کر بے ساختہ کہا کہ اللہ کی نذر کریں گے، ننھی کو دینا یاد نہ رہا، نذر ہوئی یا نہیں؟ خریدار پہلے سات روپے قیمت تجویز کرتے ہیں کہ یہ گائے دس بارہ سیر دودھ کی ہوگی، اس کا بدل قربانی کیجیو، اگر نذر ہوگئی تو بدل جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کیا کتنا ہوگا؟

الجواب:

حضرت مولٰنا سید صاحب دامت افضالکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ، اس لفظ سے کہ "اللہ کی نذر کریں گے" نذر نہ ہوئی محض وعدہ ہوا، اور وہ کہنا کہ "پال کر ننھی کو دیں گے" اس سے بھی ہبہ نہ ہوا یہ بھی ایک ارادہ کا اظہار تھا، مگر اللہ عزوجل سے جو وعدہ کیا اس سے پھرنا بھی ہرگز نہ چاہئے، قرآن عظیم میں اس پر سخت وعید فرمائی ہے، افضل یہ ہے کہ کسی فقیر کو ہبہ کرکے دو ایک روپے میں اس سے خرید کر ننھی کو دے دیجائے کہ دونوں وعدے پورے ہوجائیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ لفظ نذر جس طرح مذکور ہوا قربانی کے لئے خاص نہیں، ہاں اگر یہ نذر کرے کہ اللہ عزّوجل کے نام پر قربانی کردے گا تو قربانی ہی واجب ہے بدل ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۲۵: مسئولہ عبدالکریم ہاشم لاکہ کوٹھی مقام بداپور ڈاک خانہ رانگ دیٹہ ضلع مان پور روز پنجشنبہ تاریخ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

افضل الفضلا عالم یگانہ روزگار جناب مولٰنا صاحب مدظلہ العالی، بعد ادائے آداب و تسلیمات بصد تعظیم و تکریم وہدیہ سلام مسنون الاسلام معروض خدمت سراپا برکت ہے کہ فدوی نے اپنے کارخانہ لاکہ کوٹھی میں یوم ابتدا کاروبار سے مسلم ارادہ کرلیا تھا کہ کارخانہ مذکور میں جو کچھ نفع ہوگا اسکے سولہ حصہ میں ایک حصہ خاص جناب سیدنا و مولٰنا پیر دستگیر غوث الثقلین جناب محی الدین عبدالقادر جیلانی صاحب رحمۃ اللہ علی مرقدہ وقدس اللہ سرہ کا بطور تبرک نیاز کیا تھا اور ہے اور یوم ابتدا کاروبار سے بھی کہ جمع خرچ میں بھی ایک کنہ وہ جدا بنام نامی اسم گرامی محب صمدان جناب سید محی الدین عبدالقادر صاحب جیلانی قدس اللہ سرہ کے نام پاک سے موسوم کیا گیا ہے اور اب زمانہ اس کا چند سال کا ہوتا ہے کہ روپیہ نفع کا بھی جمع ہوگیا ہے تصدیعہ وہ خدمت کہ وہ روپیہ کن کن مصارف دینی میں خرچ ہوسکتا ہے یوم ابتدا کاروبار سے آج تک کوئی خاص ارادہ نہیں کیا گیا ہے اور نہ تھا کہ وہ نفع روپیہ فلاں کارِ خیر میں خرچ کیا جائے گا، اب خلاصہ دریافت مسئلہ یہ ہے کہ یہاں کی مسجد بے مرمت اور ویران پڑی ہے او رمسلمان یہاں کے بہت غریب ہیں جس سے مرمت کا ہونا بہت دشوار ہے تو ایسی حالت میں جو روپیہ نفع کا ہے اس کو مصارف مسجد میں خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں، ایسی حالت میں علمائے دین کا کیا اتفاق ہے اور علاوہ اس کے کن کن مصارف میں وہ خرچ کیا جاسکتا ہے بواپسی ڈاک جواب سے سرفراز فرمادیں، فقط۔

الجواب:

نیت کرنے والوں کو مولٰی تعالٰی جزائے خیر دے بہت محمود نیت ہے اور ہر دینی مصرف میں اسے صرف کرسکتے ہیں مسجد ویران کی آبادی نہایت اہم کام ہے اس میں صرف کرنا مقدم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: مرسلہ محمد ساجد علی شاذلی سلہٹی ضلع تیرپورہ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ماقولکم دام فیضکم اس میں بشوق حصول مطلوب غائب حاضر ہوتے یا لاولد واسطے فرزند کے یا مریض واسطے شفا کے وحاجات دینی و دنیوی کے واسطے یا فتح مہمات کے واسطے اللہ تعالٰی میری مقصود حاصل کرے، پس واسطے اللہ تعالٰی اتنا روپیہ یا قندیل یا بتی سراج کی یا شطرنجی یا مصلی یا طعام یا قربانی نذر للہ فی سبیل اللہ ماننا معین کرکے واسطے مسجد مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے، اور علماء و فقرا اور مساکین کے واسطے اہل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درست ہے یا نہیں، اگر مقصود حاصل ہوئے پس ایسی نذر کے اسباب ارسال کرنا امانت دار کی معرفت سے ضرور ہے یا نہیں، اگر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ارسال نہ کرکے غیر ملک مکہ مدینہ منورہ کے علماء فقرا کو دیوے کھلاوے درست یا نہیں، اور ناذر کے ذمہ سے ساقط

ہوگا یا نہیں، اگر کوئی اس حیلہ بہانہ سے منع کرے اور راہ میں ڈاکے چوری ہوتا ہے ارسال نہ کرنا لازم ہے اور بعض امانتدار خیانت کرتا ہے، ایسے احتمال گمان سے روکنا مال نذر کا درست ہے یا نہیں، اگر کوئی شخص مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی تشبیہ بھوت خانہ کالی گھر کے مثل کہے اس کا کیا حکم ہے؟ بدتعظیم بے ادب کلام ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ نذر بلاشبہہ جائز ہے اور نذر کا پورا کرنا واجب، **قال اللہ تعالٰی** وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذروں کو پورا کرو۔ت) اور جب نذر میں تخصیص مساجد طیبہ حرمین شریفین کی کی ہے تو وہیں بھیجنا انسب ہے اگر آسان ہو اور اگر یہیں کی مساجد میں صرف کردے جب بھی حرج نہیں کہ تعیین مکان نذر میں نامعتبر ہے دونوں شہر کریم کی نسبت وہ کلمہ کہنا ضرور گستاخی و توہین وکلمہ کفر ہے اور نذر پوری کرنے سے جو شخص رد کرے وہ **مناعٍ للخیر** (بھلائی سے روکنے والا۔ت) ہے، اور ایسے ناذر کو جو خاطی کہے خود خاطی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۷: نور محمد ریاست بہاول پور اسٹیشن صادق آباد ڈاک خانہ اختر پور ضلع خان پور ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

اگر بدرگاہ خداوند کریم سوال کیا جائے کہ مجھ کو فرزند عطا ہو یا بیماری دفع ہو یا قرض ادا ہو تو اس قدر خیرات فی سبیل اللہ بارواح رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضرت پیر دستگیر یا ولی اللہ کردوں گا یہ نذر جائز ہے یا نہیں؟ **فقط والسلام۔**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے اور اس کا کرنا واجب، **قال اللہ تعالٰی** وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنی نذریں پوری کرو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۸: مرسلہ غلام محی الدین ملازم طبع کریمی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کی نانی نے نیاز مانی کہ اگر میرے نواسی پیدا ہوگی تو میں چہل تنوں کی گائے ذبح کروں گی، چنانچہ ایک مدت کے بعد لڑکی پیدا ہوئی، اس کے پیدا ہونے کے بیس روز بعد نانی کا انتقال ہوگیا، اب لوگ لڑکی کے والدین سے کہتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

کہ یہ نیاز دلواؤاور یہ نیاز ان شرائط سے دلواؤ کہ ایک گائے خریدواس کے سہرا باندھواور فقیروں کا گروہ خاص اس نیاز کے واسطے مخصوص ہے ان کو بلوا کر ان کے سر گروہ کو جوڑا پہناؤ، پھر گائے چہل تنوں کی ذبح کی جائے اس کو پکا کر مع روٹی کے فقیروں کو دے دیا جائے وہ جو کچھ اس میں سے تم کو واپس دے دیں لے کر اپنے صرف میں لاؤ، بعد اس کے کوئلے بہت سے دہکا کر زمین پر بچھائے جائیں ان انگاروں پر وہ فقیر لڑکی کو گود میں لے کر لوٹیں گے اور پاؤں سے گھوندیں گے آگ کا کچھ بھی اثر ان کے بدن پر نہ ہوگا، لہٰذا نوشتہ بالا معنوں سے شرعًا کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چہل تن چالیس شہداء ہیں، اگر منت سے یہ مراد تھی کہ گائے مولٰی عزّوجل کے لئے ذبح کرکے اس کا ثواب ان شہیدوں کو پہنچایا جائے تو وہ نذر واجب ہوگئی عورت کے ترکہ سے ادا کی جائے تو بہتر ہے یعنی گائے مولٰی عزوجل کے نام پر ذبح کرکے اس کا گوشت مساکین مسلمین کو تقسیم کردیا جائے اور وہ لہو ولعب کہ سوال میں مذکور ہے باطل ومردود ہے، اگر منّت ماننے والے کے ذہن میں یہی صورت بازیچہ تھی جو ملنگوں کا معمول ہے وہ منت ہی سرے سے باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۰: از باگ ضلع امجہرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب سب انسپکٹر مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب پنشنر ریاست کوڑ ۱۲جمادی الاولٰی ۱۳۲۶ھ

(۱) زید نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام اللہ کردے گا تو میں مولود شریف یا گیارھویں شریف وغیرہ کروں گا، تو کیا اس کھانے یا مٹھائی کو اغنیاء بھی کھاسکتے ہیں؟

(۲) زید نے یہ نذر مانی کہ اگر میرا کام ہوجائے گا تو میں اپنے احباب کو کھانا کھلاؤں گا، تو کیا اس طرح کی منت ماننا اور اس کا ادا کرنا زید پر واجب ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) مجلس میلاد وگیارھویں شریف میں عرف ومعمول یہی ہے کہ اغنیاء وفقراء سب کو دیتے ہیں جو لوگ ان کی نذر مانتے ہیں اسی طریقہ رائجہ کا التزام کرتے ہیں نہ یہ کہ بالخصوص فقراء پر تصدّق، تو اس کا لینا سب کو جائز ہے، یہ نذور فقہیہ سے نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ کوئی نذر شرعی نہیں، وجوب نہ ہوگا، اور بجالانا بہتر، ہاں اگر احباب سے مراد خاص معین بعض فقراء ومساکین ہوں تو وجوب ہوجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی کہے یعنی منت مانے کہ جان کا بدلہ صدقہ مسجد میں لے جائینگے، اور اسی کو بعض یوں کہتے ہیں کہ جان بچ جائے یاکام بن جائے تو نذر اللہ مصلی کو کھلائیں گے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مساجد میں شیرینی لے جائیں گے یا نمازیوں کو کھلائیں گے، یہ کوئی نذر شرعی نہیں، جب تک خاص فقراء کے لئے نہ کہے اسے امیر فقیر جس کو دے سب لے سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

اگر کسے نذر کرد کہ فلاں حاجتِ من برآید بارواح فلاں مشائخ برائے اللہ فلاں نرگاؤ یا گوسفند خواہم کشت یا بدہم چوں حاجت او برآمد اکنوں گوید کہ آں نرگاؤ کہ نذر کردم بدیگر گوسفنداں بدل کردہ خیرات کنم آیا منذورہ نرگاؤ بعوض دیگر گوسفند بدل کردن جائزست یاخود آں نرگاؤ راخیرات بکند۔	اگر کوئی یہ نذر مانے کہ میری فلاں حاجت پوری ہوجائے تو فلاں مشائخ کی روح کی برکت سے اللہ تعالٰی کے لئے فلاں بیل یافلاں بکرے کو ذبح کروں گا، اور جب حاجت پوری ہوجائے تو وہ کہے کہ فلاں بیل کے بدلے میں چند بکرے خیرات کردوں تو کیا بیل کے بدلے چند بکرے دینا جائز ہے یا وہی بیل جس کی نذر مانی تھی دینا ہوگا؟ (ت)

الجواب:

نذر کہ بر جانور معین واقع شد تبدیلش روانیست **قال تعالٰی** وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ[1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	نذر میں جو جانور معین کیا جائے اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی نذریں پوری کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۳۳: از سکندر پور ضلع بلیا پائی گلی مسئولہ محمد حسین وعطا حسین ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شہید صاحبِ مزار بزرگ کی قبر شریف خام ہے اور زید نے نیت کی کہ میری مراد پوری ہو تو مزار شریف پختہ اینٹ سے بنوادوں گا، اللہ تعالٰی نے برکت

[1] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

شہید صاحب مراد پوری کردی اور اینٹ نئی موجود نہیں بلکہ زید کے باغ کے اندر ایک دیوار ہے اس دیوار سے اینٹ لے کر مزار شریف بنواسکتا ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

مزار پختہ بنانے کی منت شرعی منت نہیں، اس کو پورا کرنا شرعاً واجب نہیں، وہ دیوار جو اس کے باغ میں ہے اگر اس کی ملک ہے تو اس کی اینٹوں سے مزار بنواسکتا ہے جبکہ وہ کسی دیوار ناپاک جگہ استعمال میں نہ آئی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از مانگل لکسڑی ضلع گرگاواں ڈاکخانہ دھینار ریاست دوجانہ مرسلہ حافظ غلام کبریا صاحب پیش امام ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بزرگوں کی منت ماننا کیسا ہے؟ بعضے کہتے ہیں یہ تعظیم اللہ کے واسطے ہے غیر کو نہ چاہئے۔

الجواب:

بزرگوں کی منت حقیقۃً مولٰی عزّوجل ہی کے لئے منت ہوتی ہے اور بزرگوں کو ایصالِ ثواب کرکے ان سے تقرب بغرضِ توسل، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں،

کما افادہ العلامۃ عبدالغنی النابلسی قدس سرّہ القدسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اسے حدیقہ ندیہ میں بیان فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۵: ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

اگر کوئی شخص منت مانے کہ میرا فلاں کام ہوجائے گا تو میں پانچ روپے کا غلّہ محتاجوں کو تقسیم کروں گا، اب تقسیم کے وقت کسی غریب کو کپڑے کی حاجت ہے تو کپڑا بنادینا اور حاجت رفع کرنا ادائے نذر کے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

پانچ روپے یا پانچ روپے کا غلّہ، کپڑا، کوئی چیز محتاج کو پہنچ جائے۔ کپڑا اگر سلوا کردیا تو جو سلائی میں جائے گا مجرانہ ہوگا۔

فی الدرالمختار نذران یتصدق بعشرۃ دراھم من الخبز فتصدق بغیرہ	درمختار میں ہے کہ اگر کوئی نذر مانے کہ میں دس درہم کی روٹی صدقہ کروں گا تو اگر اس نے روٹی کے بجائے

جاز ان ساوی العشرة کتصدقه بثمنه[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	دس درہم کے برابر کوئی اور چیز صدقہ کردی تو جائز ہے، یہ ایسے ہی ہے جیسا کہ روٹی کے بجائے دس درہم دے دے تو جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۶: ۲۷ شوال ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عــہ۱ کا لڑکا بیمار ہوا اس کے والدین نے منت مانی کہ یااللہ! اگر میرے لڑکے کو آرام ہوجائے تو رکھیں عــہ۲ رکھیں گے تیری نذر میں تین محتاج کھلائیں گے اور پچاس رکعت نماز پڑھیں گے۔ یہ کلمہ مولوی نے دامتی مقرر کیا ہے اور اس منت کو حضرت نے بھی منع کیا ہے۔

الجواب:

اس مولوی نے غلط کہا اللہ عزوجل نے پورا کرنے کا قرآن مجید میں حکم دیا ہے وَلْيُوفُوْا نُذُوْرَهُمْ[2] یعنی مسلمانوں پر لازم کہ اپنی نذریں پوری کریں، نذریں پوری کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ[3] نذر پوری کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نذر ماننے سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس کی وفا کا حکم دیا ہے۔ بخاری شریف میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے من نذر ان يطيع الله فليطعه ومن نذر ان يعصيه فلا يعصه[4] یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی طاعت الٰہی مثل نماز و روزہ و صدقہ وغیرہ کی منت مانے وہ بجالائے اور جو کسی گناہ کی منت مانے وہ باز رہے۔ ہاں یہ سمجھنا کہ نذر ماننے سے تقدیر الٰہی بدل جائے گی جو نعمت نصیب میں نہیں وہ مل جائے گی جو بلا مقدر میں ہے وہ ٹل جائے گی، یہ اعتقاد فاسد ہے، ایسی ہی نذر سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے حدیث شیخین:

لاتنذروا فان النذر لایغنی من القدر شیأ وانما یستخرج به من البخیل[5]۔	نذر نہ مانا کرو، کیونکہ نذر تقدیر سے مستغنی نہیں کرتی سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ نذر کے سبب بخیل سے مال خرچ کرایا جاتا ہے۔ (ت)

عــہ۱: مسودہ میں بیاض ہے۔ عــہ۲: مسودہ میں بیاض ہے۔

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۲۲/۲۹

[3] القرآن الکریم ۷۶/۷

[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب النذر فی الطاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۱

[5] صحیح مسلم کتاب النذر باب النذر فی الطاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۴۴

کے نیچے مرقاۃ شریف میں ہے:

قال الخطابی معنی نهیه عن النذر انما هوالتاکید لامره وتحذیر التهاون به بعد ایجابه، ولوکان معناه الزجرعنه لکان فی ذٰلك اسقاط لزوم الوفاءبه اذ صار معصیة، وانما وجه الحدیث لاتنذورا علی انکم تدرکون بالنذر شیألم یقدره الله تعالٰی لکم، او تصرفون شیأ جری القضاء به علیکم واذافعلتم ذٰلك فاخرجوه عنه بالوفاء فان الذی نذرتموه لازم لکم[1]۔

قال الطیبی تحریره انه علل النهی بقوله: فان النذر لایغنی من القدر، ونبه علی ان المنهی عنه هو النذر الذی یعتقد انه یغنی من القدر بنفسه. امااذا نذر واعتقدان الله تعالٰی هوالذی یسهل الامور، وهو الضار والنافع والنذورکالوسائل، فیکون الوفاء طاعة، ولایکون منهیاعنه، کیف وقد مدح الله تعالٰی جل شانه الخیرة من عباده بقوله: "یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ" "اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَافِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا" قلت

خطابی نے فرمایا کہ نذر سے منع کا معنی یہ ہے کہ یہ نذر کے متعلق اہتمام کا اظہار ہے اور نذر کو اپنے ذمہ لازم کرنے کے بعد اس میں لاپرواہی پر ڈرانا مقصود ہے، اور اگر نذر سے یہ منع برائے سزا ہوتا اس سے لازم آئے گا کہ نذر کو پورا کرنے کا حکم ختم ہوجائے کیونکہ یوں نذر گناہ قرار پائے گی، لہٰذا بلاشبہہ حدیث کی وجہ یہ ہے کہ نذر اس اعتقاد سے نہ مانو کہ نذر کی وجہ سے تقدیر بدل جائے گی کہ جس چیز کو اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے مقدر نہیں فرمایا نذر کی وجہ سے تم اس کو حاصل کرلوگے اور تقدیر میں جو چیز تم پر وارد ہونے والی ہے اس کو نذر کے ذریعہ لوٹادو، اور جب نذر مانو تو اس سے بری الذمہ ہونے کے لئے اسے پورا کرو، کیونکہ جو نذر مانی ہے وہ تم پر لازم ہوچکی ہے۔(ت)

طیّبی نے فرمایا اس حدیث کی وضاحت یہ ہے کہ اس میں نہی کا تعلق اور اس کی علت، تقدیر سے نذر مستغنی نہیں کرتی، والاجملہ ہے۔ اور اس میں تنبیہ ہے کہ اس عقیدہ سے نذر ماننا کہ یہ تقدیر کو تبدیل کردے گی اور اس سے مستغنی کردے گی، یہ منع ہے، لیکن نذرمان کر یہ عقیدہ رکھنا اللہ تعالٰی ہی معاملات کو آسان فرماتا ہے اور وہی ذاتی طور پر نافع اور ضار ہے اور نذر محض ایک وسیلہ ہے۔ تو اس عقیدہ سے نذر اور اس کو پورا کرنا عبادت ہے، اور یہ صورت ممنوع نہیں ہے یہ کیسے ممنوع ہوسکتی ہے جبکہ اللہ تعالٰی جل شانہ نے اپنے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۵۹۹

وکذا قولہ "انی نذرت للرحمٰن صوما" فالمنھی عنه ھو الاعتقاد علی ان النذر یغنی عن القدر [1] الخ اھ مختصرًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	نیک بندوں کی مدح میں خود فرمایا کہ وہ نذروں کو پورا کرتے ہیں۔اور فرمایا: جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اس کو میں وقف کرتی ہوں۔اور میں کہتا ہوں یونہی اللہ تعالٰی کا فرمان ہے، میں نے اللہ تعالٰی رحمٰن کے لئے روزہ کی نذر مانی ہے۔تو معلوم ہوا کہ حدیث میں نہی کا تعلق اس نذر سے ہے جس میں یہ عقیدہ شامل ہو کہ یہ نذر تقدیر سے مستغنی کردے گی الخ اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷ تا ۲۳۹: از دلیل گنج ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی شخص نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو میں گائے کے سر کی نیاز کروں گا، اگر وہ شخص بجائے سر کے اور جگہ کے گوشت کی نیاز کرے اور مساکین کو کھلائے تو اس سے واجب ادا ہوگا یا نہیں؟

(۲) کسی نے بکری یا مرغی موجودہ کی نسبت مخصوص کرکے کہا کہ میں اس بکری یا مرغی کی نیاز کروں گا، پھر کسی وجہ سے وہ مفقود ہوگئیں تو بجائے اس کے دوسری بکری مرغی یا گائے وغیرہ کی اسی قدر گوشت سے نیاز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۳) کسی نے مسجد کا طاق بھرنا گلگلو یا مانڈوں سے مانا، اگر وہ مسجد کا طاق نہ بھرے اور گھر پر تقسیم کردے تو نذر پوری ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سر کی تعیین کچھ ضروری نہیں اس قدر قیمت کا گوشت بھی کافی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر یہ نیاز نہ کسی شرط پر معلق تھی مثلاً میرا یہ کام ہوجائے تو اس جانور کی نذر کروں گا، نہ کوئی ایجاب تھا مثلاً اللہ کے لئے مجھ پر یہ نیاز کرنی لازم ہے جب تو یہ نذر شرعی ہو نہیں سکتی، اور اگر لفظ ایسے تھے جن سے شرعًا وجوب ہوگیا تو جبکہ ایجاب خاص جانور معین سے متعلق تھا اس کے گمنے یا مرنے کے بعد دوسرا اس کی جگہ قائم کرنا کچھ ضرور نہیں، نہ اس نذر کا اس پر مطالبہ رہا، اگر دوسرا جانور کردے گا تو تبرع ہے۔ردالمحتار میں ہے:

المنذورۃ بعینھا لو ھلکت او ضاعت	نذر مانی ہوئی چیز بعینہٖ اگر ہلاک ہوجائے یا ضائع ہوجائے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح باب النذور الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵۹۹/۶

سقط النذر [1] انتہی ملتقطا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	تو وہ نذر ختم ہوجائے گی، اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

(۳) مسجد کے طاق بھرنے کی منت سے اگر مقصود مساکین پر تصدق ہو تو نذر صحیح ہے اس طاق بھرنے کی تعیین لغو، جہاں چاہے مساکین کو دے دے نذر ادا ہوجائے گی اور اگر اس منت سے مقصود مسجد کا طاق ہی بھرنا ہے پھر غنی مسکین جو چاہے لے لے، جیسا کہ بعض جہال خصوصًا عورتوں کے تعامل سے ظاہر ہوتا ہے تو وہ منت ہی کرنی لغو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم صاحب مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولود شریف کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مجلس میلاد شریف کہ طریقہ رائجہ حرمین شریفین پر ہو اعلی مستحبات سے ہے، خواہ نذر مان کر کریں یا بلا نذر، ہاں محلِ نظر یہ امر ہے کہ نذر ماننے سے واجب ہوجائے گی، جیسے نماز یا صدقہ۔ یا واجب نہ ہوگی بدستور مستحب رہے گی، جیسے تلاوتِ قرآن مجید کہ ایک قول منت ماننے سے بھی واجب نہیں ہوتی۔ **کما فی الخانیۃ وغیرھا** (جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ت) اس کا جزئیہ اس وقت نظر میں نہیں،

لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ [2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی بعد میں کوئی صورت پیدا فرمادے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۱: از دھڑکی ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے یہ نیت کی کہ اگر میری نوکری ہوجائے گی تو پہلی تنخواہ زیارت پیران کلیر شریف کے نذر کروں گا، وہ شخص تیرہ تاریخ سے نوکر ہوا اور تنخواہ اس کی ایک مہینہ سترہ دن کے بعد ملی اب یہ ایک ماہ کی تنخواہ صرف کرے یا سترہ دن کی؟ اور اس تنخواہ کا صرف کس طرح پر کرے یعنی زیارت شریف کی سفیدی وتعمیر وغیرہ میں لگائے یا حضرت صابر پیا صاحب قدس سرہ کی روح پاک کو فاتحہ ثواب بخشے یا دونوں طرح صرف کرسکتا ہے؟ بینوا توجروا

---

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۰۷

[2] القرآن الکریم ۶۵/۱

الجواب:

صرف نیت سے تو کچھ لازم نہیں ہوتا جب تک زبان سے الفاظ وایجاب نہ کہے،اور اگر زبان سے الفاظ مذکورہ کہے اور ان سے معنی صحیح مراد لئے یعنی پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے نام پر تصدق کروں گا اور اس کا ثواب حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز کے نذر کروں گا، یا پہلی تنخواہ اللہ عزوجل کے لئے فقراء آستانہ پاک حضرت مخدوم رضی اللہ تعالٰی عنہ دوں گا، یہ نذر صحیح شرعی ہے،اور استحساناً وجوب ہوگیا، پہلی تنخواہ اسے فقراء پر تصدق کرنی لازم ہوگئی۔ مگر یہ اختیار ہے کہ فقراء آستانہ پاک کو دے، اور جہاں کے فقیروں محتاجوں کو چاہے۔اور اگر یہ معنی صحیح مراد نہ تھے بلکہ بعض سخت بے عقل جاہلوں کی طرح بے ارادہ تصدق وغیرہ قربات شرعیہ صرف یہی مقصود تھا کہ پہلی تنخواہ خود حضرت مخدوم کو دوں گا، تو یہ نذر باطل محض وگناہ عظیم ہوگی، مگر مسلمان پر ایسے معنی مراد لینے کی بدگمانی جائز نہیں جب تک وہ اپنی نیت سے صراحۃً اطلاع نہ دے۔اسی طرح اگر نذر وزیارت کرنے سے اس کی یہ مراد تھی کہ اللہ کے واسطے عمارتِ زیارت شریف کی سپیدی کرادوں گا یا احاطہ مزار پر انوار میں روشنی کروں گا، جب بھی یہ نذر غیر لازم ونامعتبر ہے کہ ان افعال کی جنس سے کوئی واجب شرعی نہیں۔ رہا یہ کہ جس حالت میں نذر صحیح ہوجائے، پہلی تنخواہ سے کیا مراد ہوگی یہ ظاہر ہے کہ عرف میں مطلق تنخواہ خصوصًا پہلی تنخواہ ایک مہینہ کی اجرت کو کہتے ہیں اگرچہ اس کا ایک جزء بھی تنخواہ ہے اور عمر بھر کا واجب بھی تنخواہ ہے، تو پہلی تنخواہ کہنے سے اول تنخواہ ایک ماہ ہی عرفاً لازم آئے گی۔

فان کلام کل عاقد وحالف وناذر وواقف انما یحمل علی ماھو المتعارف [1] کمانصوا علیہ۔	کیونکہ کسی عقد والے، قسم والے، نذر والے اور وقف کرنے والے کے کلام کو متعارف معنی پر محمول کیا جائیگا جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الخانیۃ ان برءت من مرضی ھذا ذبحت شاۃ فبرأ لایلزمہ شیئ الاان یقول فللّٰہ علی ان اذبح شاۃ اھ وھی عبارۃ متن الدر و عللھا فی شرحہ بقولہ لان	خانیہ میں مذکور ہے کہ جب کسی نے کہا کہ اگر میں اس مرض سے تندرست ہوجاؤں تو بکری ذبح کروں گا، تو تندرست ہونے پر اس پر ذبح کرنا لازم نہیں ہوگا مگر جب یوں کہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں بکری ذبح کروں گا (تو پھر نذر ہوگی اور پورا کرنا

[1] ردالمحتار باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۹ و ۵۳۳

اللزوم لایکون الابالنذروالدال علیه الثانی لاالاول اھ ویؤیدہ مافی البزازیة ولو قال ان سلم ولدی اصوم ماعشت فھذا وعد لکن فی البزازیة ایضاان عوفیت صمت کذالم یجب مالم یقل لله علی،وفی الاستحسان یجب ولو قال ان فعلت کذافانا احج ففعل یجب علیه الحج [1] اھباختصار۔	لازم ہوگا) یہ درمختار کے متن کی عبارت ہے اوراس کی شرح میں اسکی علت یہ بیان کی ہے کہ اس لئے کہ پورا کرنا نذر کی وجہ سے لازم ہوتا ہے،اس پر دوسری عبارت دلالت کرتی ہے،پہلی عبارت اس پر دال نہیں ہے اھ،اوراس کی تائید بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر میرا بیٹا سالم بچے تو میں تازندگی روزہ رکھوں گا،تو وعدہ ہوگا،لیکن اس کے ساتھ بزازیہ میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی کہے "اگر مجھے صحت ہوئی تو اتنے روزے رکھوں گا" تو پورا کرنا واجب نہ ہوگا،جب تک اس میں "اللہ تعالٰی کے لئے مجھ پر روزہ لازم ہے" نہ کہے۔لیکن استحسان یہ ہے کہ اس پر روزہ لازم ہوجائے گا،اور اگر کوئی کہے "اگر میں ایسا کروں تو میں حج کروں گا" اس کے بعد اس نے وہ کام کیا تو حج لازم ہوگا اھ اختصاراً(ت)

درمختار میں ہے:

اعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام ومایؤخذ من الدراہم والشمع والزیت ونحوھا الٰی ضرائح الاولیاء الکرام تقربا الیھم فھو بالاجماع باطل وحرام مالم یقصدوا صرفھالفقراء الانام [2]۔	معلوم ہونا چاہئے کہ اکثر عوام مردوں کے لئے جو نذر مان کر اولیاء کرام کی قبروں پر دراہم،شمع اور تیل وغیرہ اولیاء کے تقرب کے لئے دیتے ہیں توان چیزوں کو وصول کرنا بالاجماع باطل اور حرام ہے جب تک عوام ان چیزوں کو فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کرلیں(ت)

امام ناصح حکیم علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ومن ھذاالقبیل زیارۃ القبوروالتبرک بضرائح الاولیاء والصالحین والنذرلھم بتعلیق ذٰلک علی حصول	اور اسی قبیل سے ہے قبروں کی زیارت کرنا،اور شفایابی یا کسی مسافر کے واپس آنے سے مشروط اولیاء کے لئے نذریں ماننا(یہ سب جائز ہیں) کیونکہ

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۰
[2] درمختار قبیل باب الاعتکاف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۵

شفاء اوقدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین لقبورهم کما قال الفقهاء فیمن دفع الزکاة لفقیر وسماها قرضا صح، لان العبرة بالمعنی لا باللفظ، وکذٰلك الصدقة علی الغنی هبة والهبة علی الفقیر صدقة[1] الی اٰخرما افادواجاد ذکره فی بحث القنیة ونقل جوازه ایضا عن الامام ابن حجر المکی، قلت وهو مفادقوله حرام مالم یقصد واصرفها لفقراء الانام۔	یہ نذریں وہاں مزارات کے خادموں کے لئے صدقہ مجازًا مراد ہوتی ہیں، جیسا کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی زکوٰۃ کسی کو قرض کا نام لے کر دے تو صحیح ہوگا کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے لفظوں کا اعتبار نہیں ہوتا، اور یونہی نفلی صدقہ کسی غنی کو ہبہ کے نام سے یا فقیر کو صدقہ ہبہ کے نام سے دینا (یا ہبہ کو صدقہ کے نام سے) دینا جائز ہے۔ علامہ نابلسی کے بیان کے آخر تک، جہاں انہوں نے قنیہ کی بحث کو ذکر کرکے یہ بہترین فائدہ بیان فرمایا، اور انہوں نے امام ابن حجر مکی سے بھی اس جواز کو نقل فرمایا، قلتُ (میں کہتا ہوں کہ) درمختار کے قول کہ جب تک فقراء پر صرف کرنے کی نیت نہ کریں تو حرام ہے کا یہی مفاد ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان له الصرف الی غیرهم (ای غیرفقراء الباب الذی عینه فی النظر کما مرسابقا، ولابدان یکون المنذور ممایصح به النذر کالصدقة بالدراهم ونحوها اما لو نذر زیتا لایقادقندیل فوق ضریح الشیخ اوفی المنارة فباطل[2] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مخفی نہ رہے کہ اس کو دوسرے فقراء (یعنی نذر میں معین کردہ فقراء کے غیر) پر خرچ کرنے کا اختیار ہوگا جیسا کہ پہلے گزرا، اور ضروری ہے کہ منذور وہ چیز ہو جس سے نذر صحیح ہوجائے جیسا کہ دراہم وغیرہ کا صدقہ کرنا، ہاں اگر تیل کے چراغ قبر کے اوپر جلانے کی نذر مانی ہو یا وہاں مزار کے منارہ پر جلانے کی نذر ہو تو یہ باطل ہوگی، اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذی القعدہ ۱۳۳۷ھ

زید نے عہد کیا تھا کہ میں ملازم ہوجاؤں تو ایک ماہ کی تنخواہ راہِ خدا میں صرف کروں گا، اب وہ ملازم

---

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۱۵۱

[2] ردالمحتار قبیل باب الاعتکاف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۱۲۸

ہوگیا، اگر زید اپنی اس ماہ کی تنخواہ کو اپنے کسی نہایت غریب بیکس و مفلس رشتہ دار کو اس نیت سے دے تو اس کے ذمہ سے وہ عہد ساقط ہوجائے گا یا نہیں، در صورت عدم ساقط ہونے کے وہ اور کس کام میں خرچ کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ضرور نذر ادا ہوجائیگی جبکہ وہ عزیز نہ اس کی اولاد میں ہو، نہ یہ اس کی نہ زوج و زوجہ، نہ سید وغیرہ جنہیں زکوۃ دینا جائز نہیں، بلکہ عزیز کو دینے میں دونا ثواب ہے، صدقہ اور صلہ رحم، **کما ثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ منشی عبدالصبور صاحب سوداگر ۶ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے وقت شروع کرنے روزگار کے، یہ خیال کرلیا کہ مجھ کو جو نفع ہوگا اس میں سولھواں حصہ واسطے اللہ کے نکالوں گا، اب اس کو لاگت سے زائد ایک روپیہ نفع ہوا لیکن متفرق خرچ یعنی تنخواہ ملازمان وغیرہ میں دو آنے اس نفع ایک روپے میں صرف ہوگئے باقی چودہ آنے رہے، اب وہ اصلی لاگت سے جو نفع ہوا ہے اس میں سے سولھواں حصہ نکالے یا بعد مجرا کرنے خرچ متفرق کے ماہوار میں سے نکالے۔

الجواب:

صرف خیال کرلینے سے وجوب تو نہیں ہوتا جب تک زبان سے نذر نہ کرے، ہاں جو نیت اللہ عزوجل کے لئے اس کا پورا کرنا ہی چاہیئے، جو خرچ کہ تجارت کے متعلق ہو اور حساب تجار میں اسی پر ڈالا جاتا ہے وہ مجرا دے کر جو بچے اسے نفع کہتے ہیں، پھر اس نفع میں جو کچھ اپنا خرچ خانگی وغیرہ دیگر مصارف علاوہ خرچ تجارت میں صرف ہوجائے وہ مجرا نہ دیا جائے گا کہ یوں تو جو نفع بچتا ہے وہ خرچ ہی ہونے کے لئے ہوتا ہے، پس وہ نوکر اگر تجارت کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ حسبِ دستور تجار خرچ تجارت میں محسوب کی جاتی ہے، اس کے بعد جو بچتا ہے وہ نفع سمجھا جاتا ہے، جب تو چودہ آنے کا سولھواں حصہ تصدق کرے اور اگر خرچ تجارت مجرا دے کر کامل روپیہ بچا تھا یہ تنخواہ اس کے متعلق نہیں تو پورے روپیہ کا سولھواں حصہ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴ تا ۲۴۷: مرسلہ محمد عبدالصبور صاحب سوداگر ابن منشی محمد ظہور صاحب جوہری ۲۰ ربیع الآخر شریف

اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک شخص نے اپنی تجارت کے منافع میں خداوند کریم کا

سولھواں حصہ مقرر کیا ہے۔

(۱) اس سولھویں حصہ میں محفل میلاد شریف و نیاز گیارھویں شریف کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) اس سولھویں حصہ میں اپنے والدین و پھوپھی و خالہ و سید صاحب و مولوی صاحب کو دینا چاہئے یا نہیں؟

(۳) اس سولھویں حصے میں سامع رمضان المبارک کو دینا و نیز افطاری رمضان المبارک کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) دربارہ زکوۃ مذکورہ کے روپے کو طالب علموں کی خورد و نوش و لباس میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں، اور زکوۃ کا روپیہ مؤذن کو دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر نہ یہ منت ہے نہ زکوۃ ہے بلکہ یونہی دل میں نیت کرلی یا بے الفاظِ نذر زبان سے کہہ لیا ہے کہ اپنے منافع تجارت سے سولھواں حصہ نیک کاموں میں اللہ تعالٰی کے لئے صرف کیا کروں گا، جب تو اس سے محفل میلاد شریف اور گیارھویں شریف اور افطاری رمضان شریف اور اپنے والدین و سادات و علماء کی خدمت سب کچھ کرسکتا ہے کہ یہ سب نیک کام اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں جب کہ نیت خالص اللہ عزوجل کے واسطے ہو، رمضان مبارک کا سامع اگر حاجتمند ہو اور اس سے اجرت نہ ٹھہری ہو اور نہ رواج کی رو سے اجرت مقرر ہو تو اسے بھی دے سکتا ہے کہ اب اسے بھی دینا نیک کام ہے، اور اگر اجرت کی شرط ہولی یا ازروئے رواج اس کی اجرت کا قرار دیا ہے تو اسے دینا کچھ نیک کام نہیں بلکہ گناہ ہے،

لانہ اجارۃ علی الطاعۃ والاجارۃ علیہا باطلۃ الاما استثناہ المتاخرون من امامۃ واذان وتعلیم قراٰن ولیس ھذامنہا والتحقیق فی ردالمحتار وشفاء العلیل۔	کیونکہ یہ عبادت پر اجرت ہے اور عبادت پر اجرت لینا دینا باطل ہے مگر امامت پر یا اذان اور تعلیم قرآن پر اجرت جس کو متاخرین نے اس سے مستثنٰی قرار دیا ہے وہ اور چیز ہے یہ اس قبیل سے نہیں ہے، اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار اور شفاء العلیل میں ہے۔ (ت)

اور اگر صورتِ مذکورہ میں ہر نیک کام کی نیت نہ تھی بلکہ بالخصوص مساکین کو خدا کے نام پر دینا تو وہ سب امور ابھی اس روپے سے جائز ہوں گے مگر یہ چاہئے کہ مجلس مبارک کا حصہ خاص محتاجین کو دے، گیارھویں شریف کی نیاز، رمضان المبارک کی افطاری، صرف مساکین کو بانٹے، سادات و علماء میں انہیں کی نذر کرے جو حاجتمند ہوں، ماں باپ کو بھی بحالتِ حاجتمند دے سکتا ہے،

لاھنا لیست صدقۃ واجبۃ وانما نوی التصدق علی المساکین فاذاکان	کیونکہ یہ صدقہ واجب نہیں ہے اور اس نے مساکین پر تصدق کی نیت کی ہے تو جب ماں باپ بھی مساکین سے ہوں تو بطور صلہ ان پر صدقہ

منهم جاز صلتهما بها وقد سمی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الاحادیث الصحیحة ما اطعمت اهلك صدقة اما اطعمت ولدك صدقة وما اطعمت عیالك صدقة[1]۔	کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صلہ رحمی کو صدقہ قرار دیتے ہوئے صحیح احادیث میں فرمایا کہ جو کچھ تونے اپنی بیوی کو کھلایا وہ صدقہ ہے اور جو تونے پانی اولاد کو کھلایا وہ صدقہ ہے اور جو تونے اپنی عیال کو کھلایا وہ صدقہ ہے۔(ت)

اور اگر خاص منت کے لفظ زبان سے ادا کرلئے ہیں مثلاً کہا" مجھ پر اللہ تعالٰی کے لئے واجب ہے کہ اپنے منافع کا سولھواں حصہ اللہ تعالٰی کے نام پر تصدق کروں" تو نہ والدین کو دے سکتا ہے نہ سادات کو اگرچہ محتاج ہوں، نہ کسی غنی کو اگرچہ عالم ہو، ہاں صرف محتاجوں کو دینا لازم ہے اگرچہ اس کی پھوپھی، خالہ، بہن، بھائی، چچا، ماموں ہوں، اگرچہ مجلس شریف یا گیارھویں شریف کرکے یا افطاری میں مالک کردے،

فانها طریق الاداء والاجتماع لذکر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوایصال الثواب الی ولی الله الکریم رضی الله تعالٰی عنه لاینافی النذر ولاینفی التصدق مال زکوٰة هو۔	کیونکہ یہ صرف ادائیگی کا ایک طریقہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پاک کے لئے اجتماع، یا کسی والی اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایصال ثواب کا ہونا نذر کے منافی نہیں ہے، اور یہ طریقے زکوٰۃ کے مال کو صدقہ کرنے کے منافی نہیں ہیں۔ (ت)

جب بھی یہی حکم ہے جو خاص منت کا حکم تھا مال زکوٰۃ و نذر طالب علموں کو بھی دے سکتے ہیں خواہ کپڑے بنادے خواہ اناج یا کھانا انہیں دے کر مالک کردے، ہاں گھر بٹھا کر کھلانے سے زکوٰۃ و نذر ادا نہ ہوگی لانه اباحة والتصدق تملیك کمانصوا علیه (کیونکہ یہ اباحت ہے جبکہ صدقہ کرنا بطور تملیک ہوتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ت) مؤذن کی تنخواہ ٹھہری ہے تو اس میں زکوٰۃ یا نذر کو محسوب نہیں کرسکتا لان واجبها لایدخل فی واجب اٰخر لیس من جنسه (کیونکہ واجب دوسرے خلافِ جنس واجب میں داخل نہیں ہوسکتا۔ت) ہاں بلا تنخواہ اذان دیتا ہو اور محتاج مصرف زکوٰۃ ہو تو دے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] کنز العمال حدیث موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۴۱۵، المعجم الاوسط حدیث مکتبة المعارف الریاض ۷/ ۴۵۵

مسئلہ ۲۴۸: از صدر ۸ شعبان ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منت مانی کہ اگر فلاں تکلیف میری رفع ہو جائے تو میں بکری وغیرہ ذبح کرکے مسکینوں کو تقسیم کروں گا، اگر زید کامیاب ہوا اور بکرا ذبح کیا تو آیا زید بھی اس گوشت میں سے کھاسکتا ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید خود کھاسکتا ہے نہ اپنے ماں باپ وغیرہما اصول خواہ بیٹا بیٹی وغیرہما فروع کسی ہاشمی یا غنی کو کھلاسکتا ہے بلکہ وہ خاص مساکین مصرف زکوٰۃ کا حق ہے،

فی ردالمحتار مصرف الزکوٰۃ ھو ایضا مصرف النذر[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ زکوٰۃ کا مصرف نذر کا مصرف بھی ہوتا ہے، اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۹: (یہ مسئلہ دراصل فتاوٰی افریقہ کا مسئلہ نمبر ۶۰ ہے، مناسبت کے پیشِ نظر اسے یہاں شامل کیا گیا ہے)

زید کہتا ہے غیر خدا جل وعلا کیلئے نذر چڑھانا حرام ہے چاہے نبی علیہ السلام ہوں چاہے اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مجموعہ خطب حرمین شریفین تالیف مولوی عبدالحہ صاحب کے صفحہ ۴۷ پر ہے ع

صندل بھی تربتوں پہ چڑھانا حرام ہے

اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۲ پر ہے: ؎

نذر بھی غیر خدا کی ہے یقین شرک سنو غیر کی نذر کا کھانا بھی حرام اے اکرم

کیا یہ اشعار اہلسنت کے خلاف ہیں یانہیں؟ اور حضور کے رسالہ برکات الامداد یہ میں ص ۳۱ پر ہے: خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی کے بھاری پتھر کا کیا علاج، وہ صراط مستقیم میں اپنے پیر جی کا حال لکھتے ہیں:

روح مقدس جناب غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ[2]۔	حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (رحمہما اللہ تعالٰی) کی روحیں حضرت کے حال پر متوجہ ہوئیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

[2] صراط مستقیم باب چھارم دربیان سلوک راہ نبوت الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۶

شخصیکه در طریقه دریه قصدِ بیعت میکند البته او رادر جناب حضرت غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم میرسد (الی قولہ) کہ خودراازز مرہ غلاماں آنجناب میشمارد اھ [1] ملخصًا۔	ایک شخص نے طریقہ قادریہ میں بیعت کا ارادہ کیا یقینًا اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت پختہ اعتقاد تھا(الی قولہ) کہ خود کو آنجناب کے غلاموں میں شمار کیااھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم وحضرت خواجہ بزرگ الخ [2]۔	اولیائے عظام جیسے غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت خواجہ بزرگ الخ (ت)

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃالنصائح میں لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت اوخوب شود اوراذبح کردہ وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست۔ [3]	اگر کسی شخص نے کوئی بکرا گھر میں پالاتاکہ اس کا گوشت اچھا ہوجائے اوراس کو ذبح کرکے پکاکر غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو کھلائے تواس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ایمان سے کہیو غوث الاعظم کے یہی معنی ہوئے کہ سب سے بڑے فریاد رس یا کچھ اور، خداجل وعلا کو ایک جان کر کہنا غوث الثقلین کا یہی ترجمہ ہوا کہ جن و بشر کے فریاد رس یا کچھ اور،اور پھر یہ کیسا کھلا شرک تمہارا امام اور اس کا ساراخاندان بول رہا ہے، قول کے سچے ہوتوان سب کو بھی ذرا جی کڑا کرکے مشرک بے ایمان کہ دو ورنہ شریعتِ وہابیہ کیاآپ کی خانگی ساخت ہے کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے گھر والے سب اس سے مستثنٰی ہیں۔

الجواب:

غیر خداکیلئے نذرِ فقہی کی ممانعت ہے،اولیائے کرام کے لئے ان کی حیات ظاہری خواہ باطنی میں جو نذر کہی جاتی ہیں یہ نذر فقہی نہیں،عام محاورہ ہے کہ اکابر کے حضور جو ہدیہ کریں اسے نذر کہتے ہیں، بادشاہ نے دربار کیا اسے نذریں گزریں،شاہ رفیع الدین صاحب برادرِ مولاناشاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رسالہ نذور میں لکھتے ہیں:

---

[1] صراط مستقیم باب چہارم دربیان طریق سلوک راہ نبوت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[2] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۱۳۲

[3] زبدۃ النصائح امام الطائفہ میاں اسمٰعیل

نذر یکہ اینجا مستعمل میشود نہ بر معنی شرعی ست چہ عرف آنست کہ آنچہ پیچ بزرگاں می برند نذر و نیاز می گویند[1]	یہاں نذر کا لفظ شرعی نذر کے معنی میں استعمال نہیں کیونکہ عرف میں بزرگوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔(ت)

امام اجل سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

ومن هذاالقبيل زيارة القبور والتبرك بضرائح الاولياء والصالحين والنذر لهم بتعليق ذٰلك على حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين بقبورهم كما قال الفقهاء فيمن دفع الزكاة لفقير وسماها قرضا صح لان العبرة بالمعنى لا باللفظ[2] یعنی اسی قبیل سے ہے زیارتِ قبور اور مزارات اولیاء و صلحاء سے برکت لینا اور بیمار کی شفا یا مسافر کے آنے پر اولیائے کرام کیلئے منت ماننا کہ وہ ان کے خادمانِ قبور تصدق سے مجاز ہے جیسے فقہاء نے فرمایا ہے کہ فقیر کو زکوۃ دے اور قرض کا نام لے تو صحیح ہو جائے گی کہ اعتبار معنٰی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔

ظاہر ہے کہ یہ نذر فقہی ہوتی تو احیاکے لئے بھی نہ ہو سکتی حالانکہ دونوں حالتوں میں یہ عرف و عمل قدیم سے اکابرین میں معمول و مقبول ہے۔امام اجل سیدی ابوالحسن نورالملۃ والدین علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز جن کو امام فن رجال شمس الدین ذہبی نے طبقات القراء اور امام جلیل جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں الامام الاوحد کہا یعنی بے نظیر امام، اپنی کتاب مستطاب بہجۃالاسرار شریف میں محدثانہ اسانید صحیحہ معتبرہ سے روایت فرماتے ہیں:

(۱)اخبرنا ابوالعفاف موسٰی بن عثمان البقاعی بالقاهرة ۶۶۳ھ قال اخبرنا ابی بدمشق ۶۱۴ھ قال اخبرنا الشيخان الشيخ ابوعمروعثمان الصريفينى والشيخ ابو محمد عبدالحق الحريمى ببغداد ۵۵۹ھ قالا كنا بين يدى الشيخ محى الدين عبد القادر رضى الله تعالٰى عنه بمدرسة يوم الاحد ثالث صفر ۵۵۵ھ۔ہم سے ابوالعفاف موسٰی بن بقاعی نے ۶۶۳ھ میں شہر قاہرہ میں حدیث بیان کی کہ ہمیں میرے والدِ ماجد عارف باللہ ابوالمعانی عثمان نے ۶۱۴ھ میں شہر دمشق میں خبر دی کہ ہمیں دو ولی کامل حضرت ابو عمرو عثمان صریفینی و حضرت ابو محمد عبدالحق حریمی نے ۵۵۹ھ میں بغداد مقدس میں خبر دی کہ ہم ۳ صفر روز یک شنبہ ۵۵۵ھ میں

[1] مجموعہ رسائل تسعہ رسالہ نذور شاہ رفیع الدین مطبع احمدی دہلی ص ۲۱

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الثامن والاربعون الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱۵۱/۲

حضور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی کے دربار میں حاضر تھے حضور نے وضو کرکے کھڑاویں پہنیں اور دو رکعتیں پڑھیں، بعد سلام ایک عظیم نعرہ فرمایا اور ایک کھڑاؤں ہوا میں پھینکی، پھر دوسرا نعرہ مارا اور دوسری کھڑاؤں پھینکی وہ دونوں ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئیں، پھر تشریف رکھی، ہیبت کے سبب کسی کو پوچھنے کی جرأت نہ ہوئی، ۲۳دن کے بعد عجم سے ایک قافلہ حاضر بارگاہ ہوا اور کہا ان معنا للشیخ نذرا ہمارے پاس حضور کی ایک نذر ہے فاستأذناہ فقال خذوہ منھم، ہم نے حضور سے اس نذر کے لینے میں اذن طلب کیا حضور نے فرمایا لے لو، انہوں نے ایک من ریشم اور خز کے تھان اور سونا اور حضور کی وہ کھڑادیں جو اس روز ہوا میں پھینکی تھیں پیش کیں، ہم نے ان سے کہا یہ کھڑاویں تمہارے پاس کہاں سے آئیں؟ کہا ۳صفر روز یک شنبہ ہم سفر میں تھے کہ کچھ راہزن جن کے دو سردار تھے ہم پر آپڑے ہمارے مال لوٹے اور کچھ آدمی قتل کئے اور ایک نالے میں تقسیم کو اترے، نالے کے کنارے ہم تھے فقلنا لو ذکرنا الشیخ عبدالقادر فی ھذا الوقت ونذرنا لہ شیأ من اموالنا ان سلمنا، ہم نے کہا بہتر ہو کہ اس وقت ہم حضور غوث اعظم کو یاد کریں اور جنات پانے پر حضور کے لئے کچھ مال نذر مانیں، ہم نے حضور کو یاد کیا ہی تھا کہ دو عظیم نعرے سنے جن سے جنگل گونج اٹھا اور ہم نے راہزنوں کو دیکھا کہ ان پر خوف چھاگیا ہم سمجھے ان پر کوئی اور ڈاکو آپڑے یہ آکر ہم سے بولے، آؤ اپنا مال لے لو اور دیکھو ہم پر کیا مصیبت پڑی، ہمیں اپنے دونوں سرداروں کے پاس لے گئے ہم نے دیکھا وہ مرے پڑے ہیں اور ہر ایک کے پا ایک کھڑاؤں پانی سے بھیگی رکھی ہے ڈاکوؤں نے ہمارے سب مال پھیر دئے اور کہا اس واقعہ کی کوئی عظیم الشان خبر ہے [1]۔

(۲) نیز فرماتے ہیں قدس سرہ، : حدثنا ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف الازجی قال اخبرنا الشیخ ابو العباس احمد بن اسمٰعیل قال اخبرنا الشیخ ابو محمد عبداللہ بن حسین بن ابی الفضل قال کان شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یقبل النذور ویأکل منھا [2] (ملخصًا) ہم سے حدیث بیان کی ابو الفتوح نصر اللہ بن یوسف ازجی نے، کہا ہمیں شیخ ابوالعباس احمد بن اسمٰعیل نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابو محمد عبداللہ بن حسین بن ابی الفضل نے خبر دی کہ ہمارے شیخ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نذریں قبول فرماتے اور ان میں سے بذات اقدس بھی تناول فرماتے، اگر یہ نذر فقہی ہوتی تو حضور کا کہ اجلہ سادات عظام سے ہیں اس سے

---

[1] بھجة الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۶۷

[2] بھجة الاسرار ذکر شیئ من شرائف اخلاقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲۔۱۰۳

تناول فرمانا کیونکہ ممکن تھا۔

(۳) نیز فرماتے ہیں: حدثنا الشریف ابو عبداللّٰه بن الخضر الحسینی قال اخبرنا ابی قال کنت مع سیدی الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللّٰه تعالٰی عنه ورأی فقیرا مکسور القلب فقال له ماشأنك قال مررت الیوم بالشط وسألت ملاحًا ان یحملنی الی الجانب الاٰخر فابی وانکسر قلبی لفقری فلم یتم کلام الفقیر حتی دخل رجل معه صرة فیها ثلاثون دینارا انذرا للشیخ فقال الشیخ لذٰلك الفقیر خذ هذه الصرة واذهب بها الی الملاح واعطها له وقل له لاترد فقیرا ابدا وخلع الشیخ قمیصه واعطاه للفقیر فاشتری منه بعشرین دینارا[1]

ہمیں شریف ابوعبداللہ محمد بن الحضر الحسینی نے حدیث بیان کی، کہا ہم سے والد فرمایا میں حضور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تھا حضور نے ایک فقیر شکستہ دل دیکھا، فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ عرض کی آج میں کنارہ دجلہ پر گیاملاح سے کہا مجھے اس پار لے جا، اس نے نہ مانا، محتاجی کے سبب میرا دل ٹوٹ گیا، فقیر کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ ایک صاحب ایک تھیلی میں تیس اشرفیاں حضور کی نذر لائے حضور نے فقیر سے فرمایا یہ لو اور جاکر ملاح کو دو اور اس سے کہنا کبھی کسی فقیر کو نہ پھیرے، اور حضور نے اپنا قمیص مبارک اتار کر اس فقیر کو عطا فرمایا وہ اس سے بیس اشرفیوں کو خرید اگیا۔

(۴) نیز فرماتے ہیں: الشیخ بقابن بطوکان الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللّٰه تعالٰی عنه یثنی علیه کثیر و تجله المشائخ والعلماء وقصد بالزیارات والنذور من کل مصر[2]۔ حضور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت شیخ بقابن بطو رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بہت تعریف فرمایا کرتے اور اولیاء وعلماء سب ان کی تعظیم کرتے، ہر شہر سے لوگ ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر لاتے۔

(۵) نیز فرماتے ہیں: الشیخ منصور البطائحی رضی اللّٰه تعالٰی عنه من اکابر مشائخ العراق اجمع المشائخ والعلماء علی تبجیله وقصد بالزیارات والنذور من کل جهة[3] حضرت منصور بطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] بهجة الاسرار ذکر شیئ من شرائف اخلاقه رضی اللّٰه عنه مصطفی البابی مصر ص ۱۰۴

[2] بهجة الاسرار شیخ بقابن بطو مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[3] بهجة الاسرار شیخ منصور البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۴۰

اکابر اولیائے عراق سے ہیں، اولیاء وعلماء نے ان کی تعظیم پر اجماع کیا، اور ہر طرف سے مسلمان ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر لاتے۔

(٦) نیز فرماتے ہیں: **لم یکن لاحد من مشائخ العراق فی عصر الشیخ علی بن الھیتی فتوح اکثر من فتوحہ کان ینذر لہ من کل بلد**[1] حضرت علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں اولیائے عراق سے کسی کی فتوح ان کے مثل نہ تھی ہر شہر سے ان کی نذر آتی۔

(٧) نیز فرماتے ہیں: **الشیخ ابوسعید القیلوی احد اعیان المشائخ بالعراق حضر مجلسہ المشائخ والعلماء وقصد بالزیارات والنذور**[2] حضرت ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ اکابر اولیائے عراق سے ہیں مسلمان ان کی زیارت کو آتے اور ان کی نذر کی جاتی۔

(٨) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوالحسن علی بن الحسن السامری قال اخبرنا ابی قال سمعت والدی رحمہ اللہ تعالٰی یقول کانت نفقۃ شیخنا الشیخ جاگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ من الغیب وکان نافذ التصریف خارق الفعل متواتر الکشف ینذر لہ کثیرا وکنت عندہ یوما فمرت بہ بقرات مع راعیھا فاشار الٰی احدٰھن وقال ھذہ حامل بعجل احمر اغر صفتہ کذا وکذا ویولد وقت کذا یوم کذا وھو نذر لی وتذبحہ الفقراء یوم کذا ویاکلہ فلان وفلان ثم اشار الی اخری وقال ھذہ حامل بانثی ومن وصفھا کذا وکذا تولد وقت کذا وھی نذر لی یذبحھا فلان رجل من الفقراء یوم کذا ویاکلھا فلان وفلان ولکلب احمر فیھا نصیب قال فواللہ لقد جرت الحال علی ماوصف الشیخ**[3]۔ ہمیں خبر دی ابوالحسن بن حسن سامری نے کہ ہمیں ہمارے والد نے خبر دی، کہا میں نے اپنے والد سے سنا، فرماتے تھے ہمارے شیخ حضرت جاگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خرچ غیب سے چلتا تھا اور ان کا تصرف نافذ تھا ان کے کام کرامات تھے علی الاتصال انہیں کشف ہوتا تھا مسلمان کثرت سے ان کی

[1] بہجۃ الاسرار شیخ علی بن ہیتی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۳

[2] بہجۃ الاسرار شیخ ابوسعید القیلوی مصطفی البابی مصر ص ۱۶۱

[3] بہجۃ الاسرار شیخ جاگیر رضی اللہ عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

نذر کرتے، ایک دن میں ان کے پاس حاضر تھا کچھ گائیں اپنے گوالے کے ساتھ گزریں، حضرت نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا اس گائے کے پیٹ میں سرخ بچھڑا ہے جس کے ماتھے پر سپیدی ہے۔ اور اس کا سب حلیہ بیان فرمایا، فلاں دن فلاں وقت پیدا ہوگا اور وہ ہماری نذر ہوگا فقراء اسے فلاں دن ذبح کرینگے اور فلاں فلاں اسے کھائیں گے۔ پھر دوسری گائے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: اس کے پیٹ میں بچھیا ہے۔ اور اس کا حلیہ بیان فرمایا فلاں وقت پیدا ہوگی اور وہ میری نذر ہوگی، فلاں فقیر اسے فلاں دن ذبح کرے گا اور فلاں فلاں اسے کھائیں گے اور ایک سرخ کتّے کا بھی اس کے گوشت میں حصہ ہے۔ ہمارے والد نے فرمایا خدا کی قسم جیسا شیخ نے ارشاد کیا تھا سب اسی طرح واقع ہوا۔

(۹) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا الفقیۃ الصالح محمد الحسن بن موسی الخالدی قال سمعت الشیخ الامام شھاب الدین السھروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول مالاحظ عمی شیخنا الشیخ ضیاء الدین عبدالقاھر رضی اللہ تعالٰی عنہ مریدا بعین الرعایۃ الانتج وبرع وکنت عندہ مرۃ فاتاہ سوادی بعجل وقال لہ یاسیدی ھذا نذرناہ لك وانصرف الرجل فجاء العجل حتی وقف بین یدی الشیخ فقال الشیخ لنا ان ھذا العجل یقول لی انی لست العجل الذی نذر لك بل نذرت للشیخ علی بن الھیتی وانما نذر لك اخی فلم یلبث ان جاء السوادی وبیدہ عجل یشبہ الاول فقال السودی یاسیدی انی نذرت لك ھذا العجل ونذرت الشیخ علی بن الھیتی العجل الذی اتیتك بہ اولا وکانا اشتبھا واخذ الاول وانصرف**[1]۔ ہمیں خبر دی فقیہ صالح ابو محمد حسن بن موسٰی خالدی نے کہ میں نے شیخ امام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ ہمارے شیخ حضرت عبدالقاہر ضیاء الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کسی مرید پر نظرِ عنایت فرماتے وہ پھولتا پھلتا اور بلند رتبہ کو پہنچتا، اور ایک دن میں حضور میں حاضر تھا کہ ایک دہقانی ایک بچھڑا لایا اور عرض کی یہ ہماری طرف سے حضرت کی نذر ہے، اور چلا گیا، بچھڑا آکر حضرت کے سامنے کھڑا ہوا حضرت نے فرمایا یہ بچھڑا مجھ سے کہتا ہے میں آپ کی نذر نہیں ہوں میں حضرت شیخ بن علی بن ہیتی کی نذر ہوں آپ کی نذر میرا بھائی ہے۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ دہقانی ایک اور بچھڑا لایا جو صورت میں اس کے مشابہ تھا اور عرض کی: اے میرے سردار! میں نے حضور کی نذر یہ بچھڑا مانا تھا اور وہ بچھڑا جو پہلے میں حاضر لایا وہ میں نے حضرت شیخ علی بن ہیتی کی نذر مانا ہے مجھے دھوکا ہوگیا تھا۔ یہ کہہ کر

---

[1] بھجۃ الاسرار شیخ عبدالقاہر السہروردی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۴ و ۲۳۵

پہلے بچھڑے کو لے لیا اور واپس چلا گیا۔

(۱۰) نیز فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوزید عبدالرحمٰن بن سالم احمد القرشی قال سمعت الشیخ العارف ابا الفتح بن ابی الغنائم بالاسکندریۃ**[1]، ہمیں ابوزید عبدالرحمٰن بن سالم بن احمد قرشی نے خبر دی کہ میں نے حضرت عارف باللہ ابوالفتح بن ابی الغنائم سے اسکندریہ میں سنا کہ اہل بطائح سے ایک شخص دبلا بیل کھینچتا ہوا ہمارے شیخ حضرت سید احمد رفاعی رضی تعالٰی عنہ کے حضور لایا اور عرض کی: اے میرے آقا! میرا اور میرے بال بچوں کا قوت اسی بیل کے ذریعہ سے ہے اب یہ ضعیف ہوگیا اس کے لئے قوت و برکت کی دعا فرمایئے۔ حضرت نے فرمایا: شیخ عثمان بن مرزوق (بطائحی رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے پاس جا اور انہیں میرا اسلام کہہ اور ان سے میرے لئے دعا چاہ۔ وہ بیل کو لے کر یہاں حاضر ہوا، دیکھا کہ حضرت سیدی عثمان تشریف فرما ہیں اور ان کے گرد شیر حلقہ باندھے ہیں، یہ پاس حاضر ہوتے ڈرا، فرمایا: آگے آ۔ قریب گیا، قبل اس کے کہ یہ حضرت رفاعی کا پیام پہنچائے سیدی عثمان نے خود فرمایا کہ میرے بھائی شیخ احمد پر سلام، اللہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر فرمائے، پھر ایک شیر کو اشارہ فرمایا کہ اٹھ اس بیل کو پھاڑ۔ شیر اٹھا اور بیل کو مار کر اس میں سے کھایا، حضرت نے فرمایا: اب اٹھ آ۔ وہ اٹھ آیا، پھر دوسرے شیر سے فرمایا: اٹھ اس میں سے کھا۔ وہ اٹھا اور کھایا۔ پھر اسے بلایا۔ تیسرا شیر بھیجا، یونہی ایک ایک شیر بھیجتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے سارا بیل کھالیا، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ بطیحہ کی طرف سے ایک بہت فربہ بیل آیا اور حضرت کے سامنے کھڑا ہوا، حضرت نے اس شخص سے فرمایا: اپنے بیل کے بدلے یہ بیل لے لو۔ اس نے اسے پکڑ تو لیا مگر دل میں کہتا تھا میرا بیل تو مارا گیا اور مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی اس بیل کو میرے پاس پہچان کر مجھے ستائے، ناگاہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضرت کے دست مبارک کو بوسہ دے کر عرض کی: **یاسیدی نذرت لك ثورا واتیت بہ الی البطیحۃ فاستلب منی ولا ادری این ذھب**[2] اے میرے مولٰی! میں نے ایک بیل حضور کی نذر کا رکھا تھا اسے بطیحہ تک لایا وہاں سے میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا معلوم نہیں کہاں گیا، فرمایا: **قد وصل الینا ھا ھو تراہ**[3] وہ ہمیں پہنچ گیا یہ دیکھو یہ تمہارے سامنے ہے۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور حضرت کے پائے مبارک چوم کر کہا: اے میرے مولا! خدا کی قسم اللہ نے حضرت کو ہر چیز کی معرفت بخشی اور ہر چیز یہاں تک کہ جانوروں کو حضرت کی پہچان کرادی، حضرت نے فرمایا: **ھذا ان**

---

[1] بہجۃ الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[2] بہجۃ الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

[3] بہجۃ الاسرار شیخ ابوعمرو عثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

الحبیب لایخفی عن حبیبه شیأ ومن عرف الله عزوجل عرفه کل شیئ۔ اے شخص ! بیشک محبوب اپنے محبوبوں سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھتا جسے اللہ کی معرفت ملتی ہے اللہ اسے ہر چیز کا علم عطا کرتا ہے۔ پھر بیل والے سے فرمایا: تو اپنے دل میں میرا شاکی تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرا بیل تو مارا گیا اور خدا جانے یہ بیل کہاں کا ہے مبادا کوئی اسے میرے پاس پہچان کر مجھے ایذا دے۔ یہ سن کر بیل والا رونے لگا۔ فرمایا: کیا تو نے نہ جانا کہ میں تیرے دل کی جانتا ہوں جا اللہ اس بیل کو تجھ پر مبارک کرے۔ وہ بیل کو لے کر چند قدم چلا اب اسے یہ خطرہ گزرا کہ مبادا مجھے یا میرے بیل کو کوئی شیر آڑے آئے۔ فرمایا: شیر کا خوف ہے؟ عرض کی: ہاں۔ حضرت نے جو شیر سامنے حاضر تھے ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے بیل کو بحفاظت پہنچادے۔ شیر اٹھا اور ساتھ ہولیا اس کے پاس سے شیر وغیرہ کو دور کرتا کبھی اس کے داہنے کبھی بائیں کبھی پیچھے چلتا یہاں تک کہ وہ امن کی جگہ پہنچ گیا اور اپنا قصہ حضرت احمد رفاعی سے عرض کیا، حضرت روئے اور فرمایا: ابن مرزوق کے بعد ان جیسا پیدا ہونا دشوار ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے اس بیل میں برکت رکھی کہ وہ شخص بڑا مالدار ہوگیا[1]۔

(۱۱) امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب طبقات کبرٰی احوال حضرت سیدی ابوالمواہب محمد شاذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

وکان رضی الله تعالٰی عنه یقول رایت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال اذاکان لك حاجة واردت قضاء ھا فانذر لنفیسة الطاہرة ولوفلسافان حاجتك تقضی[2] یعنی حضرت ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے فرمایا جب تمہیں کوئی حاجت ہو اور اس کا پورا ہونا چاہو تو سیدہ طاہرہ حضرت نفیسہ کے لئے کچھ نذر مان لیا کرو اگرچہ ایک ہی پیسہ ہو تمہاری حاجت پوری ہوگی۔

یہ ہیں اولیاء کی نذریں، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ نذر اولیاء کو **ما اھلّ به لغیر الله** میں داخل کرنا باطل ہے، ایسا ہوتا تو ائمہ دین کیونکر اسے قبول فرماتے اور کھاتے کھلاتے بلکہ **ما اھلّ به لغیر الله** وہ جانور ہے جو ذبح کے وقت تکبیر میں غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا۔ اب امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی صاحب کے باپوں کے بھی اقوال لیجئے:

(۱) جناب شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی مولوی اسمٰعیل کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر انفاس العارفین

---

[1] بهجة الاسرار شیخ ابوعمر وعثمان بن مرزوق البطائحی مصطفی البابی مصر ص ۱۹۵

[2] طبقات کبرٰی امام عبدالوہاب الشعرانی

میں اپنے والد ماجد کے حال میں لکھتے ہیں:

حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم الہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند و می گویند چیزے خوردہ روید توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بریاراں غالب آمد آنگاہ زنے بیامد طبق برنج و شیرینی برسر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ نشیندگان درگاہ مخدوم الہ دیا رسانم دریں وقت آمد ایفائے نذر کردم۔[1]	حضرت ایشاں قصبہ ڈاسنہ میں حضرت مخدوم الہ دیا کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا اس وقت فرمایا کہ حضرت مخدوم نے ہماری دعوت کی ہے اور فرمایا ہے کہ کھانا کھا کر جائیں۔آپ نے دعوت کا انتظار فرمایا یہاں تک کہ رات گزر جانے کی وجہ سے لوگوں کی آمد ورفت بھی ختم ہو گئی، احباب ملول ہوئے، اچانک ایک عورت میٹھے طعام کا تھال لئے نمودار ہوئی اس نے کہا میں نے نذر مانی تھی کہ میرا خاوند جس وقت گھر واپس آئے گا میں اسی وقت طعام پکا کر مخدوم الہ دیا کی درگاہ میں قیام پذیر فقراء میں تقسیم کروں گی، میری خواہش تھی کہ خدا کرے اس وقت رات گئے درگاہ میں کوئی موجود ہو تاکہ طعام تناول کرے اور میری نذر پوری ہو۔(ت)

(۲) اسی میں ہے:

حضرت ایشاں میفرمودند کہ فرہاد بیگ را مشکلے پیش افتاد نذر کردم کہ بارِ خدایا کہ اگر ایں مشکل بسر آید ایں قدر مبلغ بحضرت ایشاں ہدیہ دہم آں مشکل مندفع شد آں نذر از خاطر او برفت بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ہلال رسید بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادمان گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری اسپ عدم وفائے نذر است اگر اسپ خود را میخواہی نذرے راکہ در فلاں محل التزام نمودہ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ او شفا یافت۔[2]	حضرت ایشاں نے فرمایا کہ فرہاد بیگ کو ایک مشکل در پیش ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ اے باری تعالٰی اگر یہ مشکل سر ہو جائے تو میں مبلغ اتنے حضرت ایشاں کی خدمت میں ہدیہ دوں گا، وہ مشکل ختم ہو گئی اور اس کے ذہن سے وہ نذر نکل گئی، اس کے بعد اس کے چند گھوڑے بیمار ہو کر قریب المرگ ہوگئے، مجھے جب معلوم ہوا تو میں نے اس کو ایک خادم کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ اگر گھوڑوں کی خیر چاہتے ہو تو فوراً نذر پوری کرو جو تم نے فلاں جگہ فلاں وقت مانی تھی نذر پوری نہ کرنے کی وجہ سے گھوڑے بیمار ہوئے ہیں، تو وہ بہت نادم ہوا، اور نذر خدمت میں ارسال کردی تو گھوڑے فوراً تندرست ہوگئے۔(ت)

[1] انفاس العارفین (مترجم اردو) حضرت مخدوم الہ دیہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۱۲

[2] انفاس العارفین (مترجم اردو) منکر سے بزور نذر وصول کی المعارف گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۲۷ و ۱۲۸

(۳) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

حضرت امیر وذریۃ طاہرہ اور اتمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند وفاتحہ ودرود صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است فاتحہ ودرود ونذر وعرس و مجلس۔[1]	حضرت امیر (علی کرم اللہ وجہہ) اور ان کی اولاد پاک کو تمام امت پیروں اور مرشدوں کی طرح سمجھتی ہے اور تکوینی امور فاتحہ، درود، صدقات اور نذر ونیازان کے نام سے رائج ہیں اور معمول بنا ہوا ہے، چنانچہ تمام اولیاء کرام سے یہی معاملہ ہے کہ ان کے نام پر نذر و نیاز، فاتحہ، درود، عرس اور مجالس منعقد کی جاتی ہیں۔(ت)

فوائدِ عظیمہ جلیلہ

مسلمان دیکھیں دونوں شاہ صاحبوں کی ان تینوں عبارتوں سے کتنے جلیل و جمیل وہابیت کش فائدے حاصل ہوئے، وللہ الحمد:

(۱) اولیاء کا اپنے حاضرینِ مزارات پر مطلع ہونا (۲) ان سے کلام فرمانا کہ جب حضرت مخدوم الہ دیا قدس سرہ کے مزار شریف پر شاہ ولی اللہ صاحب کے والد عبدالرحیم صاحب حاضر ہوئے حضرت نے مزار شریف سے ان کی دعوت کی اور فرمایا کچھ کھا کر جانا (۳) اولیائے کرام کا بعد وفات پر غیبوں پر اطلاع پانا کہ حضرت مخدوم قدس سرہ کو معلوم ہوا کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کے آنے پر ہماری نذر مانی ہے "اور یہ آج اس کا شوہر آئیگا" اور یہ کہ عورت اسی وقت ہماری نذر کے چاول اور شیرینی حاضر کرے گی (۴) اولیاء کی نذر (۵) مصیبت کے وقت اس کے دفع کو اولیاء کی نذر ماننی (۶) ان کی نذر مان کر پوری نہ کرنے سے بلا آنا اگرچہ وہ پورا نہ کرنا بھول جانے سے ہو (۷) اس نذر کے پورا کرتے ہی فوراً بلا کا دفع ہونا کہ فرہاد بیگ نے کسی مشکل کے وقت شاہ ولی اللہ صاحب کے والد کی نذر مانی پھر یاد نہ رہی، گھوڑا مرنے کے قریب پہنچ گیا، شاہ صاحب کو معلوم ہوا کہ اس پر یہ مصیبت ہماری نذر پوری نہ کرنے سے ہے، اس سے فرما بھیجا کہ گھوڑا بچانا چاہتے ہو تو ہماری منت پوری کرو، اس نے وہ نذر پوری کی گھوڑا فوراً اچھا ہوگیا (۸) فاتحہ مروّجہ (۹) عرس اولیاء (۱۰) ان سب سے بڑھ کر یہ پانچ بھاری غضب کہ پیر پرستی (۱۱) مولیٰ علی وائمہ اطہار کی بندگی (۱۲) اس پرستاری و بندگی پر تمام امتِ مرحومہ کا اجماع (۱۳) فتح، شکست، تندرستی، دولتمندی، تنگدستی، اولاد ہونا نہ ہونا، مراد ملنا نہ ملنا، اور ان کے مثل احکام تکوینیہ کا مولیٰ علی و

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم درامامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

ائمہ اطہار واولیائے کرام سے وابستہ ہونا (۱۴) اس وابستہ جاننے پر امت مرحومہ کا اجماع ہونا۔ وہ سات بڑے شاہ صاحب کے کلام میں تھے یہ بھاری پتھر چھوٹے شاہ صاحب کے کلام میں ہیں۔ اب اسمٰعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان وایضاح الحق اور گنگوہی صاحب کی براہین قاطعہ وغیرہا خرافاتِ وہابیہ سے ان ۱۴ کو ملا کر دیکھئے دونوں شاہ صاحب معاذاللہ کتنے بڑے کٹے پکے مشرک، مشرک گر ٹھہرتے ہیں مگر ان کا مشرک ہونا آسان نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ (۱۵) بھاری فائدہ حاصل ہوگا کہ اسمٰعیل دہلوی وگنگوہی وتھانوی اور سارے کے سارے وہابی سب مشرک کافر ہیں کہ اسمٰعیل دہلوی ان دو مشرکوں کا غلام، ان کا شاگرد، ان کا مرید، ان کا مداح، ان کو امام وولی چنیں وچناں جاننے والا۔ اور گنگوہی وتھانوی اور سارے کے سارے وہابی ان دو تقویت الایمانی دھرم پر مشرکوں اور اس تیسرے قرآنی دھرم پر بددین گمراہ کو ایسا ہی جاننے والے اور جو ایسوں کو ویسا جانے وہ خود مشرک کافر بے دین والحمدللہ رب العالمین ہے۔ کسی وہابی گنگوہی تھانوی دہلوی امرتسری بنگالی بھوپالی وغیرہم کے پاس اس کا جواب یا آج ہی سے وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۙ﴿۲۴﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾[1] (انہیں روکو ان سے پوچھنا ہے تمہیں کیا ہوا اب ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ اب وہ گردن ڈالے ہیں۔ ت) کا ظہور بے حجاب كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾[2] (عذاب ایسا ہوتا ہے اور بیشک آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کاش وہ جانتے۔ ت) یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مجموعہ خطب کے اشعار موافق اہلسنت نہیں، اور برکات الامداد کی وہ عبارت متعلق بہ استمداد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۲۴تا۲۶

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

باب الکفارۃ

(کفارے کا بیان)

مسئلہ ۲۵۰: ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

چہ می فرمایند حامیانِ دین و مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید از شراب خوری توبہ کرد و مواجہہ چار کس کلام اللہ شریف را برداشتہ قسم خورد کہ شراب رانوش نکنم وبارد گر شخصاں دریافت کرد زید از توبہ واز قسم اقرار کرد بعدہ از زید فعل شنیع سرزد شد یعنی شراب بخورد وچساں زید ازیں گناہ بری خواہد شد چہ کفارہ باید داد؟	دین کے حامی اور شرع کے مفتی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے شراب نوشی سے توبہ کی اور چار حضرات کے سامنے اس نے قرآن پاک اٹھا کر قسم کھائی کہ میں شراب نوشی نہیں کروں گا۔ لوگوں نے اس سے استفسار کیا تو اس نے اپنی توبہ اور قسم کا اقرار کیا، اس کے بعد زید سے یہ برا فعل سرزد ہوا یعنی اس نے دوبارہ شراب نوشی کی، اب سوال ہے کہ زید اس گناہ سے کس طرح بری ہوسکتا ہے اور اس کو کیا کفارہ دینا چاہئے؟ (ت)

الجواب:

در شرع مطہر کفارہ مر گناہے را باشد کہ در شناعت از حد نگزرد وہرچہ قبحش از حد گزشت تطہیر بکفارہ را نپذیرد و بے توبہ صادقہ حکم بمحویتش	شرع مطہر میں کفارہ اس گناہ کا ہوتا ہے کہ وہ برائی میں حد سے بڑھ کر نہ ہو، اور جو شخص اپنے گناہ میں حد سے تجاوز کر جائے تو وہ کفارہ سے پاک نہیں ہوسکتا

صورت نگیرد آں چنانکہ اگر کسے زنِ خود را بمادر وخواہر خویش تشبیہ دہد اورا کفارہ است کہ بعد ادایش قربت زن برو مباح گردد فاما آنکہ مادر وخواہر خود را زنِ خود سازد ایں جرم را ہیچ کفارہ نیست جز آنکہ بتوبہ صادقہ گراید اینجا اگر مصحف کریم برداشتہ سوگند بنام او یا بنام حضرت عزت جل وعلٰی نیز بر زبان آورد پس دو چیز باشد یکے نیز سوگند چوں برو قائم نماند کفارہ اش یک غلام آزاد کردن یا دہ مسکین را دو وقت طعام خوراندن یا دہ مسکین را جامہ پوشاندن وہر کہ بر ہیچ ازینہا قادر نباشد سہ روزہ پے در پے دارد۔ دوم تاکیدش بہ برداشتن مصحف کریم، وایں امرے عظیم بود بعد او باز برآں عمل ناپاک اقدام نمودن منجر بتوہین مصحف شریف واستخفاف بحق عظیم اوست وایں سخت ترکارے است واورا اصلا کفارہ نیست جز آنکہ زود بتوبہ صادقہ گرید وازاں فعل شنیع بعزم صحیح باز آید ورنہ منتظر باید بود عذابِ الیم ونارِ جحیم **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اگر توبہ نکند نیز آنکہ شراب نگزارد اورا باید باہر جام ناپاک شراب جامے از ریم وزرد آب نیز خوردہ باشد تا خوگر شود زیراکہ شراب خور را ناگزیر است در جہنم از ریم فرج زناں زانیہ خوردن چوں آتش در زناں زانیہ درگیرد واز بدترین جاہائے آناناں

اور جب تک وہ صدق دل سے توبہ نہ کرے تو اس گناہ سے پاک نہیں ہوسکتا، جیسا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو ماں یا بہن سے تشبیہ دے تو اس کا کفارہ ہے اور کفارہ کے بعد بیوی اس کے لئے حلال ہوجاتی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی ماں یا بہن کو اپنی بیوی بنالے تو اس جرم کا کوئی کفارہ نہیں ہے بلکہ اس پر صدق دل سے توبہ لازم ہے اگر یہاں زید نے قرآن اٹھا کر قرآن کے نام سے قسم کھائی یا اللہ تعالٰی جل وعلا کے نام سے قسم کھائی اور زبان سے ادا بھی کی ہو تو اس پر دو چیزیں لازم ہیں، ایک یہ کہ وہ قسم پر قائم نہ رہا بلکہ قسم توڑدی ہے اس لئے اس پر کفارہ لازم ہے اور وہ ایک غلام آزاد کرنا یا دس مسکینوں کو لباس پہنانا ہے اور اگر کوئی ان مذکورہ امور پر قادر نہ ہو تو پھر تین روزے مسلسل رکھنے ہوں گے۔ دوسری چیز کہ اس نے قرآن مجید اٹھا کر قسم کھائی ہے اور بہت سخت معاملہ ہے کہ قرآن اٹھا کر اس نے اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پھر سے شراب نوشی کی ہے جس سے قرآن پاک کی توہین تک معاملہ پہنچا اور قرآن کے عظیم حق کی پامالی کی ہے تو اس سخت کار روائی پر کفارہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اس پر لازم ہے کہ فوراً توبہ کرے اور اس برے فعل کو آئندہ نہ کرنے کا پختہ قصد کرے ورنہ پھر اللہ تعالٰی کی طرف سے دردناک عذاب اور جہنم کی آگ کا انتظار کرے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ اور اگر زبان سے قسم ادا نہیں کی بلکہ اسی قرآن اٹھانے کو قسم قرار دیا تو اس قسم کا

واگر سوگند بر زباں نرانده است سائل ہمیں مصحف برداشتن راسوگند خوانده است حکمش ہمیں ست کہ کفارہ نیست وعذاب الیم راانتظار کرد ریم برآرد آدمی ہر قدر کہ شراب خوردہ باشد ہماں قدر ازاں ریم وزرد آب فروج زانیات بآں شراب خورخورانند زینہارازو مفرنیابد چونکہ دراحادیث کثیرہ ارشاد فرمودہ اند، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	وہی حکم ہے کہ اس پر کفارہ نہیں بلکہ عذاب الیم کا انتظار کرے، توبہ نہ کرنے پر اور شراب نہ چھوڑنے پر اس کو چاہئے کہ اسی ناپاک جام کو گندی پیپ سے بھر کر پئے تاکہ اس گندگی کا عادی ہوجائے، کیونکہ شراب نوشی کرنے والے کے لئے زانی عورتوں کی شرمگاہ سے نکلی ہوئی پیپ او غلیظ گندے پانی کو جہنم میں پینالازمی سزا ہوگی کہ جہنم کی آگ سے زانیہ عورتیں جل کر ان کے بدن کی بدترین جگہ شرمگاہ سے جو پیپ نکلے گی شراب نوشی کرنے والا اپنی شراب کی عادت کے مطابق اس پیپ کو پئے گا، اس سزا سے وہ بچ نہ سکے گا، جیساکہ کثیر احادیث میں بیان ہوا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: از فرخ آباد مسئولہ شمس الدین احمد شنبہ ۱۸/ شوال ۱۳۳۴ھ

جھوٹی قسم خدا کی کھانا کیا کفارہ دینا چاہئے، اگر ایک ہی وقت میں کئی مرتبہ جھوٹی قسم خدا کی کھائے تو ایک کفارہ دے یا ہر ایک قسم کا علیحدہ علیحدہ؟ **فقط۔**

الجواب:

جھوٹی قسم گزشتہ بات پر دانستہ، اس کا کوئی کفارہ نہیں، اس کی سزا یہ ہے کہ جہنم کے کھولتے دریا میں غوطے دیا جائے گا، اور آئندہ کسی بات پر قسم کھائی اور وہ نہ ہوسکی تو اس کا کفارہ ہے ایک قسم کھائی تو ایک اور دس تو دس۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الحُدُودوَالتّعزیر

(حدود اور تعزیر کا بیان)

مسئلہ ۲۵۲: ۱۸محرم ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا یہ بیان ہے کہ زید نے مجھ سے زنا بالجبر کیا، گواہ معاینہ کا کوئی نہیں، اور یہ بیان اس عورت کا ہے کہ جس مکان میں واقعہ مذکور گزرا ہے اس میں سوائے میرے اور زید کے اور کوئی موجود نہ تھا، زید کاانکار ہے کہ میں نے زنا نہیں کیاالبتہ تہدید کے لئے عورت مذکور کو سخت اور سست کہا تھا، اور وہ تہدید یہ تھی یعنی صبح کو جس وقت زید پانی بھرنے کو اپنے ٹھکانوں میں جانے لگاتو زید نے اس عورت کو خواب سے بیدار کیا کہ ہوشیار ہوجاایسانہ ہو کہ کوئی آوارہ آدمی کوئی چیز اٹھالے جائے، جب زید پانی بھر کر لوٹ آیا تو عورت مذکور کو سوتا پایاتواس نے ایک لات چارپائی اس عورت میں ماری کہ ابھی تک غافل سورہی ہے کوئی مال اٹھالے جاتا تو کیا ہوتا، اور زید نے سخت اور سست بھی کہا، اس پر اس نے شور مچایااور زید کو متہم بالزنا بالجبر کیا، آیااس بارے میں بلحاظِ واقعاتِ صدر قولِ عورت قابلِ اعتبار ہے یانہیں؟اور دو شخص جن میں ایک مسلمان اور دوسرا ہندو یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے یہ سنا کہ مکان میں سے آواز آتی ہے کہ یہ شخص میری آبرو اتارے لیتا ہے، بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اس عورت کا قول ہرگز قابل اعتبار نہیں، بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اسے جھوٹ و بہتان سمجھے اور مسلمان کے ساتھ نیک گمان کرے، جو لوگ اس بارے میں زنِ مذکورہ کو سچا جانیں گے وہ بھی سخت گناہگار اور اس مرد کے حق میں گرفتار ہوں گے، شریعت کا حکم یہ ہے یا تو وہ چار گواہ مسلمان ثقہ پرہیز گار قابلِ شہادت زنا سے ثابت کرادے کہ وہ اس وقت خاص میں اس مکان معین میں اس مرد کا اس عورت کے ساتھ زنا کرنا اور اپنا بچشمِ خود اس کے بدن کو اس کے بدن میں سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھنا بیان کریں جب تو عورت اس الزام سے بری ہوگی اور مرد پر زنا کی حد آئے گی، ورنہ عورت کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے، اور جو لوگ اس کا بیان سچا مان کر مرد پر یہ تہمت کریں گے وہ بھی اسی اسی کوڑے کھائیں گے۔ یہ سب حکم خود قرآن مجید میں مذکور۔ اس ملک میں کہ حد شرع جاری نہیں اتنا فرض ہے کہ مسلمان اس عورت کو جھوٹا کذّاب اور ناحق افتراء باندھنے والی سمجھیں، پس مسلمان اس سے توبہ کرائیں اور وہ مجمع میں اپنے آپ کو جھٹلائے، اگر نہ مانے تو اسے چھوڑ دیں کہ وہ سخت گناہ کی مرتکب ہوئی، اور ان دو گواہوں کی گواہی عورت کو کچھ بھی مفید نہیں کہ اول فقط ایک گواہ ہے، کافر کی گواہی کچھ مقبول نہیں دوسرے وہ اپنی آنکھوں کا دیکھا کچھ نہیں کہتے، تیسرے سننے میں بھی فقط اس عورت کی آواز بیان کرتے ہیں، یہ خود مدعیہ ہے، مدعی کا قول مسموع نہیں، چوتھے آبرو اتارنا کچھ خاص زنا کرنے ہی کو نہیں کہتے مارنے پیٹنے یا مار پیٹ کا قصد کرنے پر بھی ایسا کلمہ کہا جاتا ہے، غرض گواہی محض مہمل ہے اور عورت کا قول سراسر باطل، اور مرد الزام سے بالکل بری، اور عورت پر جھوٹی تہمت کا الزام قائم اور اس پر اس سخت گناہ سے توبہ فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۵۳: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی بے دیکھے کسی مسلمان پر تہمت لگائے کہ اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ زنا کیا اور اس شخص پر نہ کوئی ثبوت ہے نہ گواہی تو ایسی تہمت لگا کر بدنام کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سخت حرام قطعی گناہ کبیرہ ہے، ایسی تہمت رکھنے والا اللہ تعالٰی کے بڑے عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اللہ عزّوجل نے حکم فرمایا کہ ایسے شخصوں کو اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی نہ سنو اور وہ فاسق ہیں، یہاں کوڑے تو نہیں لگا سکتے لہٰذا اسی قدر کریں کہ جب تک وہ تہمت رکھنے والا مجمع میں توبہ نہ کرے اور

صاف صاف اس اپنی ناپاک گفتگو سے باز نہ آئے اس وقت تک مسلمان اس سے ملنا جلنا، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اس کی شادی بیاہت میں شریک ہونا، اپنی شادی بیاہت میں اسے شریک کرنا یک قلم چھوڑیں کہ وہ اس تہمت کے اٹھانے سے ظالم ہے، اور ظالم کے پاس بیٹھنے کو قرآن مجید میں منع فرمایا، اور ایسی تہمت کا ثبوت کسی گواہی سے ہر گز نہیں ہوسکتا جب تک چار مرد نمازی پرہیز گار ثقہ متقی جو نہ کوئی گناہ کبیرہ کرتے ہوں نہ کسی گناہ صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی بات خلافِ مروّت چھچھورے پن (جیسے سر بازار کھانا کھانا یا شارع عام پر سب کے سامنے پیشاب کرنا) کی کرتے ہوں ایسے اعلٰی درجہ کے متقی مہذب بالاتفاق ایک وقت ایک مکان میں اپنی آنکھ سے دیکھنا بیان کریں کہ ہم نے اس کا بدن اس کے بدن کے اندر خاص اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، اگر ان امور سے ایک بات بھی کم ہوگی مثلاً گواہ چار سے کم ہوں یا چوتھا شخص اس اعلٰی درجہ کا نہ ہو یا ہوں تو سب اعلٰی درجہ کے اور چار پانچ نہیں بلکہ دس بیس مگر ان میں مرد تین ہی ہوں باقی عورتیں یا کچھ گواہ آج کا واقعہ بیان کریں کچھ کل کا، یا کچھ کہیں ہم نے اس مکان میں دیکھا کچھ کہیں دوسرے میں، یا یہ سب باتیں جمع ہوں اور تین گواہ صاف صاف یہ بھی گواہی دے چکے ہوں کہ ہم نے اس کا ذکر اس کی فرج داخل میں اسی طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، مگر چوتھا اتنا کہے میں نے اس کا برہنہ ذکر اس کی برہنہ فرج کے منہ پر رکھا دیکھا مثلاً نصف حشفہ تک اندر کیا ہوا دیکھا، تو ان سب صورتوں میں یہ گواہیاں مردود اور وہ تہمت باطل اگرچہ اس قسم کی سو دو سو گواہیاں گزریں اصلاً ثبوت نہ ہوگا بلکہ تہمت کرنیوالے زنا کی گواہی دینے والے خود ہی سزا پائیں گے یہ سب احکام قرآن مجید و حدیث شریف و کتب فقہ میں صاف مذکور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴: از بڑودہ گجرات کلاں محلّہ بھوتنے کا جھاپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ بائی بنت غلام حسین حالہ ۱۶/ رجب ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک آدمی اور ایک عورت کے ہمراہ کسی کام ضروری کے لئے کہیں بھیجا، بعد واپس آنے کے نان و نفقہ موقوف کردیا کچہری گائی کواڑی میں مقدمہ ہے کچہری کہتی ہے کہ نان و نفقہ کیوں نہیں دیتا، خاوند کہتا ہے بغیر حکم میرے کیوں گئی، عورت نے گواہ شاہد قولی پیش کئے کہ اس نے عورت کو جانے کے لئے حکم دیا عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے خاوند نے بہتان لگایا میری آبرو لی، جو شخص اپنی عورت کی آبرو لے شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟ فریبی دغا باز و جعلساز کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہتان اٹھانا، ناجائز طور پر آبرو لینا، جعل دغا فریب یہ سب باتیں گناہ ہیں خواہ اپنی عورت کے ساتھ

ہوں خواہ کسی کے ساتھ، اور ان گناہوں کے لئے شرع نے کوئی حد مقرر نہ فرمائی تو ان میں سزائے تعزیر ہے جس کا اختیار حاکمِ شرع کو ہے، جو سزا مناسب دے، مگر مارے تو انتالیس کوڑوں سے زیادہ نہ مارے، اور امام ابویوسف کے نزدیک پچھتّر، اور اسی پر فتوی ہے۔ اشباہ میں ہے:

ضابطة التعزیر کل معصیة لیس فیھا حد مقدر ففیه التعزیر [1]۔	ضابطہ تعزیر یہ ہے کہ جس گناہ کے لئے کوئی حد مقرر نہ ہو اس پر تعزیر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

من اٰذی غیرہ بقول او فعل یعزر کذا فی التاتارخانیة [2]۔	جس نے کسی دوسرے کو اپنے عمل یا قول سے اذیت دی تو اس پر تعزیر ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

التعزیر لیس فیه تقدیر بل ھو مفوض الی رأی القاضی [3]۔	تعزیر میں سزا مقرر نہیں ہے بلکہ وہ قاضی کی رائے پر موقوف ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اکثرہ تسعة وثلثون سوطا لو بالضرب [4]۔	تعزیر زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے ہیں، یہ سزا مارنے کی ہے۔ (ت)

پھر یہ حکم بہتان زنا کے سوا اور بہتانوں میں ہے اور اگر مرد اپنی عورت کو صاف زنا کی تہمت لگائے خواہ بالقصد تہمت لگانا ہی منظور ہو یا جس طرح بیباک عوام میں کچھ لفظ دشنام کے رائج ہیں کہ غصہ میں زبان سے نکالتے ہیں اور ان کے معنی میں صراحۃً زنا کا۔۔۔۔۔۔ (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۶۴: از نیپال گنج بازار ڈاک خانہ روپی ڈیہہ ضلع بہرائچ مسئولہ مولوی حبیب اللہ محبوب علی شاہ دوشنبہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محصن مرد اور محصنہ عورت بعلت زنا مشتہر ہو کر دونوں نے بجلسہ عام اقرارِ زنا کیا گو موقعہ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۵

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحدود والتعزیر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۲۸۴

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

عینی شاہد نہیں ملے مگر تحقیقات سے رموز زنااور زانیہ کے پیام وسلام قول وقرار کے ثبوت بھی ملے۔
(۲)اب یہ عقود فسخ ہوئے یا قائم رہے؟
(۳)اور عورت زانیہ کے شوہر کواسے طلاق دینالازم ہے یانہیں؟
(۴)اگر لفظ طلقتک نہیں کہااور طلاقنامہ لکھ کر دے دیا جس کی نقل منسلکہ استفتاء ہذا ہے جس روز سے یہ تحریر دی ہے اس روز سے مواجہہ نہیں ہواایک روز قبل نمازِ جمعہ میں زانیہ کے شوہر نے طلاق بائنہ کااقرار کیالہذایہ طلاق بائنہ ہوئی یانہیں؟
(۵)اگر عورت مطلقہ نے خود طلاق مانگی تھی اور عدت بھی توڑدی ہے اس صورت میں اب زانیہ کے شوہر کومہر ومصارفِ عدت اداکرنا چاہئے یانہیں؟
(۶)اور ایسے زانی وزانیہ کی اگرچہ شرعی سزادینا یہاں پر اس وقت غیر ممکن ہے تو حاکمِ وقت مقامی سے حسبِ قانونِ حکومت سزائے زنادلانے کاعذردار ہونالازم ہے یانہیں؟
(۷)مرد محصن زانی کا بھی عقد فسخ ہوایانہیں؟
(۸)ایک گروہ کثیر نے مرد محصن زانی کے ساتھ میل جول وحقہ پانی ترک کردیا ہے لیکن چنداشخاص نے جن میں سے صرف دو شخص خواندہ عقائد وہابیہ دیوبندیہ اور ایک شخص خواندہ اہلسنت وجماعت جوکہ اشخاص عقائد وہابیہ مذکرہ کاصرف ہم مشرب ہے بقیہ اشخاص ناخواندہ ہیں انہوں نے زانی وزانیہ کو توبہ کراکے میل جول حقہ پانی دے کر ہم پیالہ وہم نوالہ ہوگئے ہیں بدیں باعث بڑے گروہ نے ان سب کا بھی میل جول حقہ پانی ترک کردیا ہے یہ ترک کرنا جائز ہے یانہیں، اور یہی چند اشخاص اس زنا کے محرک معلوم ہوتے ہیں۔
(۹) شوہر زانیہ کاپیش امام جامع مسجد ومدرس مدرسہ اسلامیہ ہے اس واسطے تنبیہًا ان زانی اور زانیہ کی موافق رسم ورواج حال کی کیاسزاہونی چاہئے ؟
(۱۰)اور زانی وزانیہ کے شریک داران مذکرہ بھی کسی قسم کی سزاکے مستوجب ہیں یانہیں؟**بینوا توجروا مع الکتاب۔**
نقل طلاق نامہ: منکوحہ جواد ولد حسین علی متوطن لکھنؤ ساکن نیپال گنج، جوکہ مسماۃ منیرا نومسلم میرے عقد ونکاح میں نوسال سے تھی اب مسماۃ مذکورہ کی بدچلنی ثابت ہونے سے اور زبانی خود سے تعلق بے جاکے اقرار سے میں طلاق اس کے طلب برضا ورغبت طلاق دیتا ہوں اور یہ چند کلمہ بطریق طلاق نامہ کے لکھ دئے کہ سند رہے اور وقت پر کام آئے۔العبد محمد جواد بقلم خود۔ گواہ شد نور محمد بقلم خود۔ مورخہ ۲۶ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۷ اگنے کنوار ۱۹۷۵ سمہ بمواجہہ فقیر بخش وبدلو ومنے اللہ وغیر ہم کے یہ تحریر لکھی گئی۔

الجواب:

(۱و۲) ایسی بازاری باتوں سے زنا کا ثبوت نہیں ہو سکتا جب تک کافی شہادت شرعیہ یا کافی اقرار زانی یا زانیہ نہ ہو، اور اگر زنا ثابت بھی ہوا تو اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا مگر ایسا زنا جس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے شوہر کے باپ یا بیٹے سے کہ اس صورت میں البتہ نکاح فاسد ہو جاتا ہے۔

(۳) زانیہ کو طلاق دینا شوہر پر لازم نہیں۔ در مختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[1]۔	فاجرہ عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے(ت)

(۴) طلاق جس طرح زبان سے ہوتی ہے اسی طرح قلم سے، جبکہ بلا مجبوری شرعی لکھا ہو، اشباہ میں ہے **الکتاب کالخطاب**[2] (تحریر بھی خطاب کی طرح ہوتی ہے۔ت) طلاقنامہ سے طلاق رجعی ثابت ہوتی ہے، لیکن شوہر نے اگر طلاق بائن کا اقرار کیا تو بائن ہو گئی۔

(۵) مہر بہر حال دینا ہو گا اور عورت پر فرض ہے کہ عدت اسی مکان میں پوری کرے۔

قال اللہ تعالٰی لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم بیویوں کو گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں الایہ کہ وہ کھلے بندوں فحش کاری کریں۔(ت)

اس حالت میں تا ختم عدت شوہر پر لازم ہو گا کہ اسے نفقہ دے۔

(۶) ہر گز نہیں، سزا وہی ہے جو مطابق شرع ہے اور اس کے خلاف کی خواستگاری ناجائز۔

قال اللہ تعالٰی وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ[4]۔ وقال اللہ تعالٰی وَ قَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر حکم نہ کریں تو وہ لوگ ظالم ہیں۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو حکم دیا گیا کہ اس سے انکار کریں۔ (ت)

(۷) زانی کے نکاح پر زنا سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا مگر یہ کہ اس سے مصاہرت ثابت ہو جیسے اپنی

---

[1] در مختار کتاب النکاح ۱/۱۹۰ و کتاب الحظر والاباحت ۲/۲۵۴ مجتبائی دہلی

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۵۹۶ و ۵۹۷

[3] القرآن الکریم ۶۵/۱

[4] القرآن الکریم ۵/۴۵

[5] القرآن الکریم ۴/۶۰

زوجہ کی ماں یا بیٹی سے۔

(۸) اگران لوگوں نے زانی وزانیہ کی توبہ کے بعدان سے میل جول کیا ہے توان پراس سے کچھ الزام نہیں اوراس بناپران کاحقہ پانی بند کرنا ناجائز ہے، اور اگر بغیر توبہ کئے میل جول کرلیا تو بیجا کیا اس حالت میں بطور تنبیہ انکا حقہ پانی بند کرنے میں حرج نہیں، توبہ کے لئے اولیاء کا مواجہہ ضرور نہیں، ہاں بنظر حق العبدان کی معافی کی ضرورت ہے مگر بغیر اس کے جتنی توبہ کی ہے وہ بھی نامعقول سمجھی جائے، یہ محض باطل ہے۔ دیوبندی عقیدے والے خود مرتد ہیں اور ان سے میل جول مطلق حرام۔ اس واقعہ پراس کو بنا کرنا اور یہ نہ ہوتا توان سے میل جول رکھنا جہل وضلالت ہے، یونہی وہ جو دیوبندیہ سے میل جول رکھتا ہوا گرچہ اپنے آپ کو سنی کہتا ہو سخت فاسق ہے اور مسلمانوں کواس سے قطع تعلق لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظالم لوگوں کی طرف میلان نہ کرو ورنہ تمہیں آگ چھوے گی۔ (ت)

(۹) یہاں ترک تعلق کے سوا کوئی سزا جاری نہیں ہوسکتی اور زنائے زن سے شوہر پر کچھ الزام نہیں جبکہ وہ اس پر راضی نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہ اٹھائے گی (ت)

(۱۰) اگر وہ زنا میں ساعی تھے یا بعد زنا بلا توبہ انکے حامی ہوئے تو بھی مستحق سزائے شرع ہیں ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۵: ۲۸ صفر ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معنی کہ مثلاً زید کہ باخالد دوستی دارد و بازنِ او مرتکب فعل زنا شد و خالد ازیں امر کہ مکروہ ترونا پسندیدہ تر نزد او بود روادار تفضیح در سوائے زید نشدہ وبدیں سبب کہ دوست او بود او رانزد قاضی برائے مواخذہ واجرائے حد شرع نہ برد بلکہ چشم پوشی کرد	علماء دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید خالد کا دوست تھا اور اس کی بیوی سے زید نے زنا کیا تو خالد اس بدترین فعل کے باوجود زید سے رواداری کرتے ہوئے اس کی ذلت ورسوائی کے درپے نہ ہوا اور دوستی کی وجہ سے قاضی کے ہاں مواخذہ اور شرعی حد کے لئے اس کو پیش نہ کیا بلکہ چشم پوشی

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴ و ۱۸/۳۵

بکراہت تمام، وبہمیں اکتفا کرد کہ الٰان اوراز دوستی خود خارج کرد و زن خود را طلاق داد یا درصورتیکہ ایں زن توبہ کرد اوراز زوجیت خود خارج نکرد پس این چشم پوشی خالد کہ نسبت زید واقع شد چہ گونہ است آیا داخل احسان ومروت است یانے؟ بینواتوجروا۔	سے کام لیااور انتہائی ناراضگی کے باوجود صرف اتنا کیا کہ اب زید سے دوستی ختم کردی اور اپنی بیوی کو طلاق دے دی، یا بیوی کی توبہ پر اس کی زوجیت سے خارج نہ کیا، زید کے بارے میں خالد کی یہ چشم پوشی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ کیااسے احسان ومروت قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ (ت)

الجواب

بہ نسبت زید احسان بودنش خود پیداست واگر باوصف غیرت محمودہ شرعیہ محض بہ نیت پردہ پوشی مسلمانان صبر وستر پیش گرفت خودرا داخل فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُہٗ عَلَى اللّٰهِ [1] ست۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	زید پر احسان ہونے میں کیا شک ہے اور اگر شرعی طور پر پسندیدہ غیرت رکھتے ہوئے مسلمان کی پردہ پوشی کی نیت سے صبر کرتے ہوئے درگزر کیا تو اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں داخل ہے "جس نے معاف کیا اور اصلاح کی کوشش کی تو اس کا اجر اللہ تعالٰی کے کرم پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از سیتا کلاں پرگنہ نواب گنج ضلع بریلی مرسلہ سید زائر حسین ٹھیکیدار ۲۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

السلامُ علیکم، کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت قبل شوہر کسی غیر مرد سے اپنے خاوند کے نزدیک مشکوک ہوئی اور مرد کہتا ہے کہ میں نے فعل حرام کیا اور عورت کہتی ہے کہ نہیں، لہٰذا دو شخص مسلمان ہیں، فاعل از روئے حلف کہتا ہے کہ میں فعل شنیعہ کا مرتکب ہوا اور مفعول کہتا ہے کہ نہیں بلکہ اس کا ایسا ارادہ تھا چونکہ مطلب برآری نہیں ہوئی بدیں وجہ ناحق الزام لگاتا ہے، اب ایسی صورت میں جب فاعل مفعول دونوں محلف بکلام الٰہی ہیں تو کس کا اعتبار کیا جائے، میرے نزدیک دونوں شخص مکر کے پھرتے ہیں اور دونوں حلف اٹھاتے ہیں ایسی صورت میں فاعل سچا یا مفعول سچا یا کیا؟

الجواب:

وعلیکم السلام، وہ مرد عورت دونوں اپنے اپنے حق میں سچے مانے جائیں گے اور دوسرے کے

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/۴۰

حق میں جھوٹے، عورت جو انکار کرتی ہے سچ کہتی ہے اسے جو فقط بربنائے قولِ مرد، زنا کی تہمت لگائے سخت گنہگار اور اسی کوڑوں کا سزاوار ہوگا۔ مرد جو اپنے زنا کا اقرار کرتا ہے اسے زانی مانا جائے گا، اسلامی سلطنت ہوتی تو سزا پاتا، اب اسی قدر ہوسکتا ہے کہ اسے برادری سے خارج کیا جائے، مسلمان اس سے میل جول چھوڑدیں جب تک علانیہ توبہ نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: ذوالفقار گنج شہر بریلی مسئولہ بابو مورخہ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ زید مقدمہ زنامیں بروقت اطلاع یابی مقدمہ اہل برادری نے چند پنچوں اہل برادری کو برائے تفتیش مقدمہ خاص موقع متنازعہ پر بھیجا موقع پر پہنچ کر تمام سکنائے اہل محلّہ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ امر صحیح ہے، بدیں وجہ ہمارے یہاں سے خورد ونوش نشست وبرخاست بند ہے لہذا بیان ملزمان وشہادت باظہار حلفی گواہان مندرجہ ذیل بخدمت شرع شریف پیش ہے کیا حکم ہے؟ اور ہم لوگوں کو کیا عمل کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

(۱) بیان زید کے لڑکے کی زوجہ کا میرے بارہ میں سب لوگ غلط بیان کرتے ہیں میں نے کسی سے کچھ نہ کہا۔

(۲) از طرف گواہان عزیز واقربا: واضح ہو کہ زید کے لڑکے کی زجہ باقرار زنا اس وجہ سے انحراف کرتی ہے کہ اہل برادری نے ملزمان کو تاکیداً منع کردیا تھا کہ ہر گز اس خسر سے کوئی تعلق نہ رکھنا باوجود منع کرنے کے ملزمہ بہمراہی اپنی خواشدامن وخسر کے عدم موجودگی اپنے شوہر کے چلی آئی، معلوم ہوتا ہے کہ بخوبی سکھلا پڑھادی گئی بدیں وجہ یہ انحراف ہے۔

(۳) شہادت باظہار حلفی حافظ عبدالرحمٰن صاحب: زید کی زوجہ کی زبانی معلوم ہوا کہ میرا شوہر زید لڑکے کی بیوی کی چھاتی پکڑتا تھا میں نے منع کیا چھاتی کیوں پکڑتا ہے تجھ کو شرم نہیں معلوم ہوتی؟ جواب دیا میرا مال ہے میں نے بافسوس کہا کہ میرا لڑکا اس بہو نے تو لیا مگر میرا شوہر بھی چھین لیا، یہ ایسی بہو تھی، جبکہ یہ واقعہ زید کے لڑکے کے سامنے بیان کیا تو اس نے خاموشی اختیار کی۔

(۴) باظہار حلفی منشی نبی بخش صاحب پابند صوم وصلوٰۃ: میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ زید کی زوجہ اپنے گھر میں زید سے بغصہ کہتی تھی کہ تم لڑکے کی زوجہ کی چھاتی کیوں پکڑتے ہو تم کو کیا حاصل ہے تم کو شرم نہیں آتی؟ زید نے جواب دیا ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔ بعدہ زید کی زوجہ میرے مکان پر میری زوجہ کے پاس آئی تو اس وقت اس سے دریافت کیا کہ روزانہ تمہارے گھر کیا جھگڑا فساد رہتا ہے؟ جواب دیا کہ اس میرے لڑکے کی بیوی نے لڑکے کو تو لیا مگر میرے خاوند کو بھی چھین لیا ضرور ایک دن خونریزی ہوگی۔

(۵) بیان محمد بخش صاحب: بموجب منشی نبی بخش صاحب کہ فی الواقع صحیح ہے بلکہ ایک دن ایسا اتفاق

ہوا کہ زید نے اپنی نواسی کو جو کہ زید کے پاس بیٹھی تھی اٹھادیا صرف موقع خالی ہونے کی وجہ سے لڑکی نے اپنی نانی سے شکایت کی کہ مجھ کو نانا نے اپنے پاس سے اٹھادیا، بعدہ زید کے لڑکے کی بیوی کی چھاتی وغیرہ پکڑی، زید کی زوجہ نے کہا کہ اب ہم کو بخوبی معلوم ہوگیا کہ لڑکے کی بی بی تمہاری بی بی ہے تب سے تو یہ دونے مٹھائی وغیرہ خوب اڑائی جاتی ہے کیوں ؟ بہو تو دونے مٹھائی وغیرہ اڑاتی ہے نا !

(۶) بیان شیخ جی صاحب تصدق حسین : میری زوجہ نے لعل محمد کے گھر میں کی چھت پر سے اپنے لڑکے کی زوجہ سے بچشمِ خود زنا کرتے دیکھا۔

(۷) بیان خیالی رام : میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو اپنی طرف بلاتا ہے اور زید کی زوجہ غصہ ہو کر کہتی ہے کہ میں تمہاری بی بی بنی ہوں وہ بھی تمہاری بی بی ؟ زید جواب میں کہتا ہے کہ ہاں ہمارا مال ہے ہم کو اختیار ہے۔

(۸) بیان حلفی گردھاری لال : میں نے بچشم دیکھا کہ زید اپنے لڑکے کی زوجہ کو زبردستی ہاتھ پکڑ کر اندر مکان کے لے گیا وہ ہر چند منع کرتی رہی کہ پچا کیا کرتے ہو، مگر ہر گزنہ مانا۔

(۹) بیان حلفی رحمت حسین پچا کریم بخش دختر کے دادا : بزبانی لڑکی ہم کو یہ معلوم ہوا کہ میری خوشدامن کی عدم موجودگی میں میرے خسر نے بوقت بارہ بجے دن کے جبکہ میں روٹی پکاتی تھی مجھ کو اپنے پاس بلا کر زبردستی کی اور گالی وغیرہ دی، قریب ایک گھنٹہ مجھ کو اپنے پاس کھڑا کیا اور میرے ہاتھ میں کاٹا، بعدہ مجھ سے بوس وکنار کیا، میں نے بحجاب صرف اتنا کہا مگر دیگر رشتہ داروں سے صاف صاف کماحقہ بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ سے زنا کیا۔ ہم کو کافی یقین ہوگیا کہ درحقیقت صحیح ہے بدیں وجہ ہم کو سخت رنج وملال ہوا رشتہ دار گواہ موجود ہیں۔

(۱۰) بیان حلفی مسماۃ غفورن : میرے گھر سب کے سامنے بیان کیا کہ میرے خسر نے مجھ کو دو گھنٹہ ڈانٹ ڈپٹ کی اور مجھ کو اپنے سامنے کھڑا کیا بعدہ میرے ساتھ زنا کیا۔

(۱۱) بیان حلفی گھسن بھوپا صاحب : جبکہ ہم نے دریافت کیا اور کہا کہ سچ کہو یہ کیا قصہ پھیلا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ واقعی میرے خسر نے میرے ساتھ زنا کیا۔

اب صورتِ مذکورہ بالا میں زنا ثابت ہوا یا نہیں ؟ اور یہ عورت زید کے لڑکے پر حلال رہی یا نہیں ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب :

ایسے بیہودہ بے معنی وبے اصل گواہوں سے زنا تو قیامت تک ثابت نہیں ہوسکتا جب تک

چار مرد عاقل بالغ مسلمان پرہیزگار دیندار جو کسی کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوں نہ کسی صغیرہ پر اصرار رکھتے ہوں نہ خفیف الحرکات ہوں حلف شرعی کے ساتھ شہادت دیں، انہوں نے ایک وقت معین میں زید کو ہندہ کے ساتھ زنا کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے یوں مشاہدہ کیا جیسے سرمہ دانی میں سلائی، اس وقت تک زنا شہادت سے ثابت نہیں ہوسکتا۔ ان شرطوں میں ایک بات بھی کم ہوگی تو خود گواہی دینے والے شرعاً اسی ۸۰ اسی ۸۰ کوڑوں کے مستحق ہوں گے مثلاً تین مسلمان پرہیزگار دیندار نے ویسی گواہی دی کہ سرمہ دانی میں سلائی کی طرح ہم نے اپنی آنکھ سے مشاہدہ کیا اور چوتھے نے یہ گواہی دی کہ میں نے دونوں کو سراپا برہنہ ایک پلنگ پر بیٹھے ہوئے اور باہم لپٹے ہوئے دیکھا زنا ثابت نہ ہوگا اور پہلے تین کو اسی اسی کوڑوں کا حکم ہوگا یا چاروں مرد مسلمان عاقل بالغ پرہیزگار دیندار نے گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے سرمہ دانی میں سلائی کی طرح دیکھا مگر دو نے کہا کل دیکھا، دو نے کہا آج، یا تین نے کہا صبح دیکھا اور ایک نے کہا تیسرے پہر۔ سب کی گواہیاں مردود، اور زنا ثابت نہیں۔ اور سب پر اسی اسی کوڑوں کا حکم ہوگا۔ ایسی سخت شہادت کا معاملہ وہ ان ناپاک و بیہودہ گواہوں سے ثابت ہوسکتا ہے جن میں خیالی رام و گردھاری لال تک موجود ہیں اور کچھ عورتیں ہیں اور عورتوں کی گواہیاں زنا کے بارے میں مطلق مردود ہیں اگرچہ تین مردوں کے ساتھ نو عورتیں گواہ ہوں، باقی دو ایک میں وہ سنی سنائی گواہی دو کوڑی کے مال میں بھی مقبول نہیں نہ کہ زنا میں، جتنے گواہان مذکور ہیں سب پر توبہ فرض ہے اور کوڑے تو اسلامی سلطنت میں ہوتے، غرض زنا تو بالائے طاق رہا، اب اتنی بات کہ زید کا اپنی بہو سے بارادہ فاسد مثلاً بوس و کنار کرنا جس سے وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے، ان گواہوں سے اصلاً اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں سب سنی سنائی کہتے ہیں کوئی زوجہ زید کی زبانی کوئی اس کی بہو کی زبانی، صرف ایک نبی بخش کی گواہی اتنی ہے کہ اس نے اپنے کان سے زید کو جواب دینے میں سنا کہ میرا مال ہے اور ممکن ہے کہ محمد بخش نے بھی ایسا ہی کہا کہ اس کی گواہی کو مثل نبی بخش کہا ہے، یہ دو شخص پرہیزگار قابل قبول شرع ہوں بھی تو سائل نے بیان کیا کہ ان دونوں سے پردہ ہے انہوں نے سنا تو باہر سے سنا، اور باہر سے سنی ہوئی گواہی مردود ہے لان النغمة تشبه النغمة [1] کما فی العٰلمگیریة وغیرہا (آواز، دوسری آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ ت) اتنی بات بھی اصلاً ثابت نہیں اور وہ عورت اپنے شوہر پر حلال ہے ہاں اگر شوہر خود تصدیق کرے کہ اس کے باپ نے اس کی عورت کے ساتھ بدنیتی سے کچھ افعال مثل بوس و کنار کئے تو البتہ عورت اس پر حرام مانی جائے گی کہ اس نے اس کو حرام ہونا تسلیم کیا اس پر لازم ہوگا کہ عورت کو فوراً چھوڑ دے اور پھر کبھی اس سے نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر شوہر تصدیق نہ کرے تو کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادت الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

مسئلہ ۲۶۸: محمد اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کافرہ عورت کے ساتھ اگر کوئی شخص زنا کرے مع اس کی رضا کے، اور خوف شر کا بھی نہ ہو، ایسی حالت میں کیا حکم ہے اور جو شخص اس امر کے جواز کا قائل ہو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زنا حرام ہے اور کافرہ ذمیہ کے ساتھ زنا کے جواز کا قائل ہو تو کفر ہے ورنہ باطل و مردود بہر حال ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: شہر بریلی محلّہ ذخیرہ مسئولہ حبیب اللہ صاحب حجام ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بی بی اپنے بہنوئی کے تنہا ہونے کی وجہ سے اپنی بہن کے فوت ہو جانے کے بعد اس کو روٹی وغیرہ تیار کرکے اس کو ہر طرح کا عیش آرام دیتی رہی، چند روز کے بعد بہنوئی کی دلی محبت پیدا ہو گئی۔ ایک روز زید نے اپنی بی بی کو بہنوئی سے ہم بستر دیکھ کر اپنے مکان پر آنے سے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا تب زید نے اپنے محلّہ والے اور برادری والوں کو جمع کرکے حلف اٹھوایا اور لعنتی طور پر سمجھایا، اس کے بہنوئی نے قسم کھائی کہ اگر میں نے آج تک اس کے ساتھ براکام کیا ہو تو اپنی ماں بہن اور لڑکی کے ساتھ براکام کیا ہو، چند روز کے بعد رات کے بارہ یا ایک بجے پر خود چشم دید خوب اچھی طور پر دیکھتا رہا مگر بسبب مجبوری کے اس سے کچھ نہ کہہ سکا، زید نے مجبور ہو کر دوبارہ محلّہ والوں کو اور برادری والوں کو جمع کرکے طلاق دے دی، اس کے دو تین روز کے بعد وہ اپنے بہنوئی کے یہاں چلی گئی، ابھی تک کسی کو دونوں کا نکاح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے برادروں نے اس کے کنبہ والے اور عورت کو اور اس کے بہنوئی کو برادری سے علیحدہ کر دیا، اگر اس کے کنبے والا یا اس کے برادری والا اس کے شریک ہوں تو شرع شریف ان کے بارے میں کیا کہتی ہے؟

الجواب:

عورت اور اس کے بہنوئی پر توبہ فرض ہے اور عدت کے اندر اس کا چلے جانا یہ دوسرا حرام تھا اس پر فرض ہے کہ عدت اپنے شوہر کے یہاں پوری کرے اگر نہ مانے تو برادری سے جو سزا اسے دی گئی ہے ضرور قائم رکھی جائے کہ اس ملک میں یہی باقی ہے نیز اس کا بہنوئی اگر توبہ نہ کرے تو اس پر بھی یہی حکم ہے بعض لوگ کہ اس سزا کو توڑیں وہ مصلحت شرعیہ کے مخالف ہوں گے اور ان کے فعل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک یہ سزا جو یہاں ہاتھ میں رہ گئی یہ بھی اٹھ جائے اور پنچایتی قوموں کے لوگ بھی اوروں کی طرح ہر گناہ میں آزاد ہو جائیں یہ خود جرم ہے اور مجرموں کی حمایت، لہٰذا اگر باز نہ آئیں تو یہ بھی برادری سے خارج

کرنے کے قابل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: شہر شاہجہان پور تارمین گلی بر مکان حضرت قاری صاحب مرحوم مولوی حکیم سید محمد آزاد یزدانی حسرت شاہجہان پوری ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محرماتِ اندی یعنی ماں بہن وغیرہ سے جو جان بوجھ کر نکاح اور صحبت کرے تو اس پر حدِ شرعی نہیں آتی۔ یہ مسئلہ ہدایہ جلد نمبر ۱ ص ۴۹۶، کنزاردو ص ۱۷۵، ہدایہ مترجم فارسی جلد ۲ ص ۳۴ میں ہے، آیا یہ مسئلہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

گناہ تین قسم ہیں:

۱ ایک ہلکے کہ حد کی حد تک نہ پہنچے، جیسے اجنبیہ سے بوس وکنار، ان پر حد مقرر نہیں ہوگی کہ ان کی مقدار سے زیادہ ہے، اور مولٰی عزوجل اس سے پاک ہے کہ کسی مجرم کو اس کی حدِ جرم سے زیادہ سزادے۔ ایسے گناہوں پر تعزیر رکھی جاتی ہے۔

۲ دوسرے وہ اخبث درجہ کے گناہ کہ حد کی حد سے گزرے ہوئے ہیں جیسے صورۃ مذکورہ سوال۔ ان پر بھی حد نہیں رکھی جاتی کہ حد اس گناہ سے پاک کردینے کی ہوتی ہے اور ایسا خبیث گناہ اس حد سے پاک نہیں ہوتا۔

۳ تیسرے متوسط درجہ، ان پر حدود ہیں۔ اس کی نظیر پیشاب اور شراب، پیشاب شراب سے خبیث تر ہے کہ کبھی شریعت میں اس کی ایک بوند حلال یا طاہر نہ ٹھہر سکی، بایں وجہ شراب پینے پر حد ہے اور پیشاب پینے پر حد نہیں، یونہی اجنبیہ سے زنا پر حد ہے اور محارم سے نکاح پر نہیں کہ وہ خبیث کام ہے جسے حد سنبھال نہیں سکتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبر ۲۰ رمضان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بیوہ زنِ پارسا مکان سے تفریحًا شب ماہ میں بین المغرب والعشاء دروازہ کے سامنے مشرق ومغرب پچاس قدم کے فاصلہ سے اپنی چھوٹی بہن کے ساتھ ٹہلتی تھی اور ہندہ کا چچازاد بھائی زید بھی ساتھ تھا ہندہ نے جبکہ آگے شارع عام کی طرف بڑھنے کا قصد کیا تو زید مانع ہوا اور کہا مردانہ مکان ہے یہ مقام شارع عام ہے بس آگے نہ جایئے اندر زنانے میں چلئے، یہ کہہ کر زید نے ہندہ کے پس پشت سے ہندہ کے بازو پکڑ کر دروازے کی طرف پھیر دیا، ہندہ نے زید کے کلام کی تردید کی اور چند قدم مردانے مکان کی طرف جاکر پھر از خود زنانے مکان میں چلی گئی، چند روز بعد جبکہ ہندہ سے کئی نامشروع حرکات سرزد ہوچکیں اور زید پھر مانع ہوا اسوقت ہندہ نے اس کا اظہار کیا کہ زید نے بھی فلاں روز میرے جسم کو بدنیتی سے

ہاتھ لگایا تھا یعنی مذکورہ بالا واقعہ کا اظہار کیا، زید نے جواب دیا کہ میری روک ٹوک یا جسم کو ہاتھ لگانا واللہ باللہ کسی بدنیتی سے نہ تھا اگر آپ کے نزدیک وہ بدنیتی تھی یا اب ہے تو میں ضرور مستحق ہوں آپ یا تو مجھے معاف فرمائیں یا از روئے کتاب و سنت سزا دیں مجھے ہرگز عذر نہیں کہ میرا امر آپ کے متعلق کتاب وسنت کے خلاف نہ تھا اور نہ ہے اور نہ ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اب ہندہ کو پورا گمانِ بد زید کی جانب ہے لہذا جواب عطا ہو کہ زید کا یہ فعل ونیت ظاہری اور ہندہ کی یہ حرکت وتردید کتاب وسنت میں کیسی ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورتِ مذکورہ میں ہندہ کا گنہگار و بیحیا ہونا ظاہر ہے، رہا زید بیان مذکور سے اس کا اصل مقصود ہندہ کو بری بات سے منع کرنا اور بیحیائی سے روکنا معلوم ہوتا ہے اس پر وہ مستحق اجر ہے نہ کہ سزاوارِ سزا و زجر۔ پھر اس کا پس پشت سے ہندہ کو بازو پکڑ کے شارع عام سے مکان کی طرف پھیر دینا اگر اس طرح ہو کہ اس کے ہاتھوں اور ہندہ کے جسم میں موٹا کپڑا حائل تھا کہ جسم ہندہ کی گرمی اس کے ہاتھوں کو پہنچنے سے مانع ہوا جب تو اس پر کچھ الزام نہیں اور اگر ایسا نہ تھا بلکہ ہندہ کے کسی حصہ جسم کو اس کا ہاتھ بلاحائل پہنچا یا حائل باریک تھا کہ گرمی محسوس ہونے سے مانع نہ ہوا تو بیشک زید پر الزام ہے اور اس پر توبہ فرض، اسے چاہئے تھا کہ زبانی ممانعت پر قناعت کرتا یا موٹا کپڑا حائل رکھ کر پھیرتا یا اگر وہ بغیر اس کے نہ مانتی پھر بھی وہ بدنیتی جس کا ہندہ اتہام رکھتی ہے ثابت نہیں، یہ بھی اس کے افعالِ شنیعہ سے ایک فعل ہے کہ مسلمان پر تہمت رکھتی ہے اس کے اقارب پر اس کا بندوبست لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۲: از مارہرہ مطہرہ باغ پختہ ضلع ایٹہ مسئولہ سید غلام شبر ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید زنِ شوہر دار سے کہ اس کی بھاوج ہے مزاح کرتا ہے اور فحش مزاح اور ہاتھا پائی کو بھی جائز رکھتا ہے بلاوسواس موقع بے موقع اس کے جسم کو ہاتھ لگانا مس کرنا روا جانتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا یہ فعل مزاحًا ہے کہ میں اس کے شوہر کے روبرو بھی ایسا ہی مذاق کرتا ہوں اور مذاق میں زید زنِ مذکور کی ٹانگیں پکڑ کر ایک پلنگ سے دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پلنگ پر گھسیٹتا ہے اور اقربائے فریقین بھی اس کو دیکھ کر کچھ بھی تعرض نہیں کرتے تو کیا شرعًا یہ حرکت اور اقربا کا سکوت جائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ حرکات حرام ہیں اور ایسا مزاح ابلیسی مزاح ہے اور اگر شوہر واقعی دیکھتا اور اس پر راضی ہوتا ہے یا بقدرِ قدرت منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اور دیوث پر جنت حرام ہے، نیز اقارب فریقین جو منع نہیں کرتے

شریک گناہ و مستحق عذاب ہیں،

قال اللہ تعالٰی کَانُوْا لَا یَتَنَاہَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْہُ ؕ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ ان بدکرداروں کو برائی سے منع نہ کرتے تھے البتہ جو وہ کرتے تھے بہت برا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۳: از موضع علی پور ضلع پڑا مسئولہ منصب علی صاحب ۱۲ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نابالغ یا بالغ نے بکری یا گائے یا بھینس کے ساتھ مجامعت کی اس شخص کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اور نیز اس جانور کا گوشت کھانا یا پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نابالغ کو تنبیہ کریں بالغ پر تعزیر ہے جس کا اختیار حاکم کو ہے، وہ جانور ذبح کرکے فنا کردیا جائے گوشت کھال جلائیں، پالا نہ جائے۔ درمختار میں ہے:

لایحد بوطی بھیمة بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھاحیة ومیتة مجتبی [2] ۔	حیوان سے بدفعلی پر حد نہیں ہے بلکہ اس پر تعزیر لگائی جائے اور جانور کو ذبح کرکے جلادیا جائے کیونکہ اس جانور مردہ یا زندہ سے انتفاع حاصل کرنا مکروہ ہے، مجتبٰی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذا اذاکانت ممالایؤکل فان کانت تؤکل جازاکلھا عندہ وقالالاتحرق ایضازیلعی ونھر [3] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ حکم اس جانور کے متعلق ہے جس کو کھایا نہیں جاتا، اور اگراس کو کھایا جاتا ہو تو کھانا جائز ہے، امام صاحب کے نزدیک اور صاحبین نے فرمایا اسکو جلا بھی دیا جائے زیلعی ونہر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین مسئلہ ہذامیں کہ ایسے شخص سے ملنااور

---

[1] القرآن الکریم ۵/۷۹

[2] درمختار باب الوطئ الذی یوجب والذی لایوجبه مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۰

[3] ردالمحتار باب الوطئ الذی یوجب والذی لایوجبه داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۱۵۵

راہ ورغبت کرنا کیسا ہے جو باوجود تنبیہ لوگوں کے اپنی بہن بھانجی زانیہ کو اپنے گھر سے نہیں نکالتا ہے اور نہ اس سے ملنا ترک کرتا ہے اور ایک بار حلف اٹھا چکا ہے کہ نہیں ملوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب

اس شخص پر اتنا واجب ہے کہ اس عورت کو سمجھائے فہمائش کرے، اگر کسی سختی جائز پر قدرت رکھتا ہو اسے بجالائے، جو بندوبست اس کے ہاتھ ہو اس میں کوتاہی نہ کرے، اگر یہ شخص سب باتیں کرتا ہے اور وہ باز نہیں آتی تو اس کا وبال اسی پر ہے اس پر کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک کے گناہ میں دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

قال تعالیٰ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]۔	اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کوئی جان دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ شخص اس کی اس حرکت پر ناراض ہے مگر فہمائش وغیرہ میں کمی کرتا ہے تو گنہگار ہوگا کہ نیک بات کا حکم دینا اور بری بات سے روکنا جہاں تک اپنی قدرت میں ہو مسلمان پر ضرور ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ ذٰلك اضعف الایمان[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے مٹائے اور اگر ہاتھ سے طاقت نہ ہو تو زبان سے اگر اس سے بھی طاقت نہ رکھے تو پھر دل سے برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔ (ت)

مسلمان اسے فہمائش کریں اور اگر یہ شخص ان حرکات پر راضی ہو تو **معاذ اللہ** دیوث ہے مسلمان اسے سمجھائیں، اگر باز نہ آئے تو اس سے میل جول چھوڑ دیں،

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾[3] **واللہ تعالیٰ اعلم۔**	(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) نصیحت یاد آنے کے بعد پھر ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔** (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/۱۶۴ و ۳۵/ ۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۲۷۵: از ڈیرہ غازی خاں بلاک ۱۲ مرسلہ مولوی احمد بخش صاحب ۲۱ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء والفضلاء ثقتی ورجائی ادام اللہ تعالٰی ظلہ علٰی رؤس المستفیضین، نیاز بے انداز وشوق زیارت کے بعد جن کا کوئی حداندازہ نہیں۔ گزارش اس پہاڑی علاقہ میں بعض واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ زانی ومزنیہ کو زنا کی حالت میں قتل کرڈالتے ہیں، اور بعض واقعات یہ ہیں کہ جب ان کے نزدیک عورت کا کسی بیگانہ کے ساتھ بیٹھتا ہوا یا آتا جاتا ہوا دیکھتے ہیں تو پہلے چند مرتبہ اسے منع کرتے ہیں اور اس کے باز نہ رہنے کے بعد اس عورت کو قتل کردیتے ہیں اور اگر کرسکتے ہیں تو اس شخص بیگانہ کو بھی نہیں چھوڑتے، بموجب شرع شریف ان دونوں صورتوں میں قاتل گنہگار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جناب مولٰنا المکرم ذی الفضل الاتم والمجد الکرم دامت مکارمہ، اس سلسلہ میں اضطراب کثیر ہے اور وہ جو فقیر کو کتب معتمدہ دلائل شرعیہ سے تحقیق ہوا یہ ہے کہ صورت ثانیہ میں ان مرد وزن کا قتل محض حرام ہے، فقط آنے جانے اٹھنے بیٹھنے کی سزا شریعت نے بھی قتل نہ رکھی، نہ اس قدر خلوت کو مستلزم، اور حق یہ کہ مجرد خلوت بلکہ دواعی پر بھی شرع مطہر نے قتل نہ رکھا، اور سیاست کا اختیار غیر سلطان کو نہیں بلکہ سلطان کو بھی علی الاطلاق نہیں **کل ذٰلك معلوم من الشرع بلاخفاء** (یہ سب کچھ شرع سے بلاخفاء معلوم ہے۔ت) لاجرم یہ ناحق قتل مسلم ہوا اور وہ سخت کبیرہ شدیدہ ہے اور قاتل پر قصاص عائد۔ صورتِ اولٰی میں بھی حکم مطلق نہیں بلکہ واجب کہ پہلے زجر وضرب وقہر کریں، اگر جدا ہوجائیں تو اب عامہ کو اس کا قتل حرام ہے، ہاں شہاداتِ اربع گزریں یا مروجہ شرعی چار مجلسوں میں چار اقرار ہوں، تو ان میں جو محصن ہو سلطان اسے رجم فرمائے گا، نہایہ امام سغناقی پھر عالمگیریہ میں ہے:

سئل الھندوانی رحمہ اللہ تعالٰی عن رجل وجد مع امرأتہ رجلا ایحل لہ قتلہ قال ان کان یعلم انہ ینزجر عن الزناء بالصیاح والضرب بمادون السلاح لایحل وان علم انہ لاینزجر الا بالقتل	امام ہندوانی سے سوال کیا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر کو بدفعلی کرتے ہوئے موقعہ پر پائے تو اس کو جائز ہوگا کہ اس غیر مرد کو موقعہ پر قتل کردے؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا اگر خاوند کو یقین ہو کہ یہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے سے باز آجائے تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر خاوند کو یقین ہو کہ ڈانٹ ڈپٹ سے باز نہ آئے گا بلکہ قتل

حل له القتل وان طاوعته المرأة حل له قتلها ایضا کذا فی النهایة۔[1]	ضروری ہے تو قتل کرنا حلال ہوگا اور اگر بیوی کی مرضی اس میں شامل ہے تو اس کو بھی قتل کرنا حلال ہوگا جیسا کہ نہایہ میں ہے۔(ت)

اور اگر نہ مانیں تو اس صورت میں اگرچہ زانی کو مطلقًا اور عورت کو بھی اگر مکرمہ نہ ہو صرف عین حالتِ اشتغال میں نہ بعد اس سے فراغ کے قتل ازالہ منکر ہے اور اس کے لئے سلطان ہونا شرط نہیں۔

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ[2] الحدیث۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جو تم میں سے کسی برائی کو دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے روکے۔الٰی آخر الحدیث۔(ت)

پھر ہندیہ میں ہے:

قالوا الکل مسلم اقامة التعزیر حال مباشرة المعصیة بعد المباشرة فلیس ذٰلك لغیر الحاکم قال فی القنیة رأی غیرہ علی فاحشة موجبة للتعزیر فعزرہ بغیر اذن المحتسب فللمحتسب ان یعزر المعزر ان عزرہ بعد الفراغ منها[3]	فقہاء نے فرمایا: گناہ میں مصروف کو روکنے کے لئے ہر مسلمان کو تعزیر کا حق ہے، لیکن گناہ سے فراغت کے بعد کسی پر تعزیر لگانا صرف حاکم کا حق ہے۔قنیہ میں فرمایا: کسی غیر کو ایسے گناہ میں مصروف پایا جس پر تعزیر واجب ہوسکتی ہے تو محتسب کی اجازت کے بغیر لگائی تو جائز ہے اور اس گناہ سے فراغت کے بعد تعزیر لگانے والے کو محتسب چاہے تو تعزیر لگا سکتا ہے۔(ت)

مگر یہ امر فیما بینہ وبین اللہ ہے حاکم نہ مانے گا اور جب تک بینہ عادلہ سے ثبوت نہ دے اسے قتل کریگا یا اگر مقتول معروف و مشہور بخباثت وشرور وعادت زنا وفجور ہے قاتل سے اس کا خوں بہالے گا۔در مختار میں ہے:

الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی ان یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لا یصدق انه زنی[4]۔	قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو ہر شخص کو اسے قتل کرنا حلال ہے، اور اس خوف سے کہ قتل کے بعد قاضی کے ہاں اس کا زنا ثابت نہ کرسکے گا قتل سے باز رہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱

[3] فتاوٰی ہندیہ فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۷

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ بعضهم ایضا الی جامع الفتاوٰی وحدود البزازیة وحاصله انه یحل دیانة لاقضاء فلا یصدقه القاضی الاببینة، ولاظاهر انه یأتی هنا التفصیل المذکور فی السرقة وهو مافی البزازیة وغیرها ان لم یکن لصاحب الداربینة فان لم یکن المقتول معروفا بالشروالسرقة قتل صاحب الدار قصاصًا وان کان متهما به فکذٰلك قیاسا وفی الاستحسان تجب الدیة فی ماله لورثة المقتول لان دلالة الحال اورثت شبهة فی القصاص لافی المال[1]۔	اس بات کو بعض نے جامع الفتاوی اور بزازیہ کے باب الحدود کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ بات دیانۃً جائز ہے قضاءً نہیں، لہٰذا قاضی زنا کو بغیر گواہی کے تسلیم نہ کرے گا، اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں وہ تفصیل مراد ہوگی جو سرقہ کے باب میں بیان ہوئی ہے اور وہ بزازیہ وغیرہ میں یوں ہے (گھر والے نے چور کو موقعہ پر قتل کردیا) تو گھر والے کے پاس چوری پر گواہ نہ ہوں اور وہ مقتول جرائم اور چوری میں مشہور بھی نہ ہو تو قاضی قاتل کو قصاص کے طور پر قتل کرے گا، اور مقتول چور اگر چوری میں مشہور ہے تو قیاس پھر بھی یہی حکم کرتا ہے جبکہ استحسان یہ ہے کہ اس صورت میں گھر والے قاتل کو قتل کی بجائے دیت لازم ہوگی جو مقتول کے ورثاء کو دینی ہوگی کیونکہ موقعہ نے قصاص کے متعلق شبہہ پیدا کیا جس کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا لیکن مالی سزا یعنی دیت میں شبہہ پیدا نہ کیا۔ (ت)

یہ ہے وہ جو فقیر کے نزدیک منقح ہوا۔

وها انا اذکر لکم فی الدرالمختار وماعارضه به فی رد المحتار وماتکلمت علیه فی جدالممتار لیتجلّی الامر جلاء النهار وما توفیقی الابالعزیز الغفار قال فی تنویر الابصار والدرالمختار (ویکون) التعزیر (بالقتل)	اور اب میں آپ کو درمختار اور اس پر ردالمحتار نے معارضہ پیش کیا اور پھر میں نے جدالممتار میں جو اس پر کلام پیش کیا ہے، پیش کرتا ہوں تاکہ روز روشن کی طرح معاملہ واضح ہو جائے جبکہ مجھے صرف اللہ تعالٰی سے توفیق حاصل ہوئی، تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا: (تعزیر کے طور پر قتل کی صورت یہ ہے) مثلاً

[1] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۰

كمن وجد رجلا مع امرأة لاتحل له، ولو اكرهها فلها قتله ودمه هدر وكذاالغلام وهبانية (ان كان يعلم انه لاينزجر بصياح وضرب بما دون السلاح والا) بان علم انه ينزجر بما ذكر (لا) يكون بالقتل (وان كانت المرأة مطاوعة قتلهما) كذاعزاه الزيلعي للهندواني ثم قال (و) في منية المفتي (لوكان مع امرأته و هو يزني بها او مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعا) اه واقره في الدرر قال في البحر ومفاده الفرق بين الاجنبية لايحل القتل الا بالشرط المذكور من عدم الانزجار المزبور وفي غيرها يحل (مطلقا) اه، ورده في النهر بما في البزازية وغيرها من التسوية بين الاجنبية وغيرها ويدل عليه تنكير الهندواني للمرأة ، نعم.	ایک شخص نے کسی مرد کو غیر محرم کے ساتھ پایا تو اگر عورت سے جبراً زنا کررہا ہو تو اس عورت نے زانی کو موقعہ پر قتل کردیا یا لڑکے سے جبراً بدفعلی کرتے ہوئے لڑکے نے اس کو قتل کردیا ہو تو یہ قتل مباح ہوا اور اس کا خون معاف ہے، وہبانیہ۔ بشرطیکہ قتل کرنے والے کو یقین ہو کہ یہ شور مچانے یا ہتھیار سے کم کی ضرب سے باز نہ آئے گا، (ورنہ) اگر معلوم ہو کہ مذکورہ کوشش سے باز آجائیگا تو پھر (روانہیں) یعنی باز کرنے کے لئے قتل مباح نہیں ہے اور اگر (مرد کے ساتھ عورت بھی مرضی سے مبتلائے زنا ہو تو موقعہ دیکھنے والا دونوں تو قتل کردے) اس کو زیلعی نے ہندوانی کی طرف ایسے ہی منسوب کیا ہے، پھر کہا (اور) منیۃ المفتی میں ہے (اگر اس کی بیوی کے ساتھ کوئی زنا میں مصروف ہے یا اس کی محرمہ عورت کے ساتھ مصروف زنا ہے اور دونوں کی مرضی شامل ہے تو (دونوں کو قتل کردے) اھ، اور اس بات کو درر میں ثابت رکھا ہے، اور بحر میں فرمایا کہ اس بحث کا مفاد یہ ہے کہ اجنبی عورت اور اپنی بیوی یا محرمہ عورت میں فرق ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ مصروف زنا پائے تو مذکورہ شرط کہ شور یا ہتھیار کے بغیر باز نہ کے بغیر قتل حلال نہ ہوگا، اور اجنبی عورت کے غیر یعنی بیوی یا محرمہ عورت کی صورت میں قتل حلال ہے (مطلّقا) اھ، اور اس کو نہر میں بزازیہ وغیرہ کے بیان پر کہ تمام عورتوں یعنی اجنبی اور غیر اجنبی کا معاملہ مساوی ہے، رد کیا ہے۔ اور اس پر ہندوانی کے بیان میں عورت کو نکرہ ذکر کرنا بھی دلالت کرتا ہے کہ کوئی عورت ہو،

مافی المنیة مطلق فیحمل علی المقید لیتفق کلامهم، ولذا جزم فی الوهبانیة بالشرط المذکور مطلقا وهو الحق بلاشرط احصان لانه لیس من الحد بل من الامر بالمعروف وفی المجتبی الاصل ان کل شخص رأی مسلما یزنی انه یحل له قتله وانما یمتنع خوفا من ان لایصدق انه زنی[1] **وکتبت علیه فی جدالممتار قوله** وفی غیرها یحل **اقول**: المقصود ازالة المنکر ومهما حصل بغیر القتل تعین ذٰلك الغیر ولیست السیاسة لغیر الامام والقتل فی الزوجة والمحرم دون الاجنبیة لایکون الاانتصارالنفسه وازالة المنکرلله عزوجل ولافرق فیه بین الاجنبیة وغیرها فالکل اماء الله تعالٰی علی السواء وفیه حدیث سعد بن عبادة رضی الله تعالٰی عنه ونهی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاه عن القتل فالحق عندی التسویة بین النساء والتقیید لعدم الانزجار بغیر القتل مطلقا	اگرچہ منیۃ المفتی میں اطلاق ہے، تو اس مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا تاکہ سب کا کلام متفق قرار پائے، اسی لئے وہبانیہ نے مذکورہ شرط کا مطلقاً جزم کیا ہے اور یہی حق ہے اس قتل میں کسی کا شادی شدہ ہونا شرط نہیں کیونکہ یہ موقعہ کا قتل حد نہیں بلکہ امر بالمعروف کی صورت ہے، اور مجتبی میں ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کو زنا میں مصروف پائے تو اس کو قتل کرنا حلال ہے لیکن بعد میں زنا ثابت نہ کرسکنے کے خوف سے قتل نہ کرے۔ میں نے تنویر اور در کی اس عبارت پر جدالممتار میں یہ لکھا ہے **قولہ** کہ غیر اجنبی عورت میں حلال ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) مقصود تو برائی کا ازالہ کرنا ہے تو جب تک قتل کے بغیر ازالہ ممکن ہو تو یہ غیر قتل کی صورت متعین قرار پائے گی، جبکہ سیاسۃً قتل کرنا امام وقت کے غیر کے لئے جائز نہیں ہے، اور بیوی اور محرمہ کے معاملہ میں قتل کرنا تو اپنے مفاد کے لئے ہے جبکہ برائی کا ازالہ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے اس معاملہ میں اپنی اور اجنبی عورت برابر ہیں، تمام عورتیں اللہ تعالٰی کی باندیاں ہونے میں برابر ہیں، اس حکم میں مساوات کے بارے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے کہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قتل سے منع فرمایا: تو میرے نزدیک اجنبی اور غیر اجنبی عورت کا معاملہ مساوی ہے لہٰذا قتل کے جواز کے لئے قتل کے بغیر باز نہ آنے والی شرط عام ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۲۶

کما مشی علیه الشارح المدقق متابعا للعلامة مدقق عمرو بن نجیم رحمهم الله تعالٰی۔ **قوله** ویدل علیه تنکیر الهندوانی للمرأة **اقول:** بل هو نص جوابه فانه انما سئل عمن وجد مع امرأته رجلا کما فی الهندیة عن النهایة فشمل الحکم المحارم بدلالة المساواة والاجنبیة بدلالة الاولویة فالتنکیر من الناقلین عنه ما معنی[1] اھ ما کتبت علیه۔

وقال فی ردالمحتار **قوله** (مع امرأته) ظاهره ان المراد الخلوة بها وان لم یر منه فعلا قبیحا کما یدل علیه ما یأتی عن منیة المفتی کما تعرفه فافهم (قوله فلها قتله) ای ان لم یمکنها التخلص منه بصیاح اوضرب والالم تکن مکرهة فالشرط الأتی معتبر هنا ایضا کما هو ظاهر ثم رأیته فی کراهة شرح الوهبانیة ونصه لواستکره رجل امرأة لها قتله وکذا

جیسا کہ اس کو شارح نے علامہ مدقق عمرو بن نجیم کی پیروی میں سب میں جاری مانا ہے رحمہم اللہ تعالٰی۔

قوله اس پر ہندوانی کا عورت کو نکرہ ذکر کرنا دلالت کرتا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ انہوں نے اپنے جواب میں اس کو نصًا ذکر کیا ہے کیونکہ ان سے سوال یہ ہوا تھا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو مصروف زنا پائے، جیسا کہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول ہے تو ان کے جواب کا حکم محرمہ عورت کو بیوی کی مساوات سے اور اجنبی عورت کو اولویت کی وجہ سے سب کو شامل ہوا تو ہندوانی کے جواب کو نقل کرنے والوں کی تنکیر کا کوئی معنی نہیں ہے۔ میرا حاشیہ ختم ہوا۔ (ت)

وقال فی ردالمحتار (اور ردالمحتار میں فرمایا) **قوله** "اپنی بیوی کے ساتھ کسی کو پایا" اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ خلوت میں ہو اگرچہ بد فعلی میں مصروف نہ دیکھے، جیسا کہ آئندہ منیۃ المفتی کی عبارت اس پر دلالت کر رہی ہے آپ کو معلوم ہو جائیگا تو غور کرو، قولہ فلھا قتلہ یعنی اگر عورت اس سے شور مچانے یا ہتھیار کے بغیر کسی ضرب سے چھٹکارا نہ پائے تو قتل کرے، ورنہ اگر چھٹکارا ممکن ہو تو پھر عورت مجبور نہ ہوگی (جبکہ قتل کا جواب صرف مجبور عورت کے لئے ہے) تو یہاں بھی آئندہ ذکر ہونیوالی شرط معتبر ہے، جیسا کہ ظاہر ہے پھر میں نے اسکو وہبانیہ کی شرح کی کراہت کے باب میں دیکھا، جس کی عبارت

[1] جد الممتار علی رد المحتار

الغلام فان قتله فدمه هدر اذا ۲ لم يستطع منعه الابالقتل اھ فافهم، **قوله**(ان كان يعلم) شرط للقتل الذى تضمنه قوله كمن وجد رجلا **قوله**(ومفاده الخ) توفيق بين العبارتين حيث اشترط فى الاولى العلم بانه لاينزجر بغير القتل ولم يشترط فى الثانية فوفق بحمل الاولى على الاجنبية والثانية على غيرها وهذا بناء على ان المراد بقوله فى الاول مع امرأة اى يزنى بها ۳ ومايأتى الكلام عليه، **قوله**(مطلقا) زادالمصنف على عبارة المنية متابعة لشيخه صاحب البحر **قوله** بمافى البزازية وغيرها) اى كالخانية ففيها لورأى رجلا يزنى بامرأته او امرأة اخر وهو محصن فصاح به فلم يهرب ولم يمتنع عن الزنا حل له قتله ولا قصاص عليه اھ **قوله**(فيحمل على المقيد) اى	یہ ہے: اگر کسی شخص نے عورت کو زنا پر مجبور کیا تو عورت کے لئے اس کو قتل کرنا جائز ہے، اور یوں ہی لڑکے کو بدفعلی پر مجبور کرنے پر لڑکے کا اس کو قتل کرنا جائز ہے اس صورت میں خون معاف ہوگا بشرطیکہ قتل کے بغیر روکنے کا کوئی چارہ نہ ہو اھ، تو غور کرو، قولہ (ان کان یعلم) یہ عبارت اس قتل کے لئے شرط کا بیان جو اس کے قول" جیسے کوئی کسی مرد کو پائے" کے ضمن میں مذکور ہے، **قولہ** (ومفادہ) یہ عبارت دونوں مذکور عبارتوں میں موافقت ہے جبکہ پہلی عبارت میں قتل کے بغیر باز نہ آنے کے یقین کی شرط ہے اور دوسری عبارت میں یہ شرط مذکور نہیں ہے تو انہوں نے پہلی عبارت کو اجنبی عورت کے واقعہ پر محمول کیا، تو یہ اس صورت میں ہے جب پہلی عبارت میں، عورت کے ساتھ ہونے کا مطلب زنا میں مصروف ہونا ہو، اور اس پر اعتراض آرہا ہے، **قولہ** (مطلقا) یہ منیۃ المفتی کی عبارت پر مصنف نے اپنے شیخ صاحب بحر کی اتباع میں زائد ذکر کیا، قولہ (بما فی البزازیۃ وغیرہا) یعنی جیسے خانیہ میں کہ اس میں ہے کہ کوئی کسی کو اپنی بیوی یا دوسری عورت سے زنا میں مصروف پائے اور وہ زانی شادی شدہ ہو تو اس نے اس پر شور مچایا اس کے باوجود وہ زنا کو چھوڑ کر نہ بھاگا تو دیکھنے والے کو جائز ہے کہ اسے قتل کردے اور اس پر قصاص نہ ہوگا، **قولہ**(فیحمل علی

یحمل قول المنیة قتلهما جمیعا علی ما اذاعلم عدم الانزجار بصیاح اوضرب قلت وقد ظهر لی فی التوفیق وجه اخر وهو ان الشرط المذکور انما هو فیما اذوجد رجلا مع امرأة لاتحل له قبل ان یزنی بها فهذا لا یحل قتله اذاعلم انه ینزجر بغیر القتل سواء کانت اجنبیة عن الواجد او زوجة له او محرما منه اما اذا وجده یزنی بها فله[4] قتله مطلقا ولذاقید فی المنیة بقوله وهو یزنی واطلق قوله قتلهما جمیعا وعلیه فقول الخانیة الذی قدمناه انفا فصاح به غیر قید، و[5] یدل علیه ایضا عبارة المجتبی الاتیة. ثم رأیت فی جنایات الحاوی الزاهدی[6] مایؤیده ایضًا حیث قال رجل رأی رجلا مع امرأته یزنی بها او[7] یقبلها اویضمها الٰی نفسه وهی مطاوعة فقتله او قتلهما لاضمان علیه ولا یحرم من میراثها ان اثبته بالبینة او بالاقرار، ولو	المقید (یعنی منیہ کے قول دونوں کو قتل کرنے کو اس پر محمول کیاجائے کہ جب معلوم ہو کہ شور یا کسی ضرب سے وہ باز نہ آئیگا (تو دونوں کو قتل کردے) مجھے یہاں دونوں عبارتوں میں موافقت کی ایک اور وجہ ظاہر ہوئی ہے، وہ یہ کہ مذکورہ شرط وہاں ہوگی جہاں وہ عورت کے ساتھ کسی کو پائے تو زنا میں مصروف ہونے سے قبل قتل حلال نہ ہوگا، پھر جب اسے یقین ہو کہ شور یا کسی اور ضرب سے باز آجائیگا تو قتل حلال نہ ہوگا، خواہ وہ عورت اجنبیہ ہو یا دیکھنے والے کی بیوی یا محرمہ ہو، لیکن جب وہ اس کو زنا میں مصروف پائے تو مطلقًا قتل جائز ہے اس لئے منیہ میں زنا میں مصروف ہونے کی قید کو ذکر کیا، اور دونوں کی قتل والی صورت میں اس قید کو ذکر نہیں کیا، اس پر لازم آتا ہے کہ خانیہ کی سابق مذکورہ عبارت تو اس نے اس پر شور مچایا، یہ قید نہ ہوگی، جبکہ اس پر مجتبی کی آنے والی عبارت بھی دلالت کررہی ہے، پھر میں نے حاوی زاہدی کے جنایات کے باب میں دیکھا کہ اس کی عبارت بھی اس کی تائید کررہی ہے، جہاں انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی سے زنا میں مصروف یا بوس وکنار یا معانقہ کی حالت میں دیکھا جبکہ بیوی کی مرضی بھی شامل تھی تو اس نے مرد یا دونوں کو قتل کردیا تو اس پر کوئی ضمان نہ ہوگا، اور بیوی کی میراث سے بھی محروم نہ ہوگا بشرطیکہ بعد میں وہ اس جرم کو گواہی یا اقرار سے ثابت کرسکے اور

رأی رجلا مع امرأته فی مفازة خالیة اوراٰه مع محارمه هکذا ولم یرمنه الزنا ودواعیه قال بعض المشائخ حل قتلهما وقال بعضهم لایحل حتی یری منه العمل ای الزنا ودواعیه ومثله فی خزانة الفتاوٰی اه وفی سرقة البزازیة لورأی فی منزله رجلا مع اهله او جاره یفجر وخاف ان اخذه ان یقهره فهو فی سعة من قتله ولو کانت مطاوعة له قتلهما[۸] فهذا صریح فی ان الفرق من حیث رؤیة الزنا وعدمها تأمل، **قوله** (مطلقا)ای بلافرق بین اجنبیة وغیرها **قوله** (وهو الحق)مفهومه ان مقابله باطل،ولم یظهر من کلامه مایقتضی بطلانه،بل مانقله بعده عن المجتبیٰ[۹] یفید صحته و[۱]قد علمت مماقررناه مایتفق به کلامهم واما کون ذٰلك من الامر بالمعروف لامن الحد" فلا یقتضی اشتراط العلم بعدم الانز جار تأمل، **قوله** (بلاشرط احصان)ردعلی مافی الخانیة من قوله وهو محصن کما قدمناه،وجزم به الطرطوسی قال فی النهر

اگر اس نے اپنی بیوی یا اپنی محرمہ عورت کے ساتھ بیابان خالی جگہ میں کسی کو دیکھا لیکن زنا یا دواعی میں مصروف نہ پایا تو بعض مشائخ نے فرمایا اسکو دونوں کا قتل کرنا حلال ہے،اور بعض نے فرمایا جب تک بدفعلی میں مصروف نہ پائے قتل کرنا حلال نہیں ہے،اور اسی طرح خزانۃ الفتاوی میں بھی مذکور ہے اھ،اور بزازیہ کے سرقہ کے باب میں ہے کہ،اگر وہ اپنے گھر میں اپنی بیوی سے کسی شخص یا پڑوسی کو بدفعلی کرتے ہوئے دیکھ لے اور پکڑنے پر خطرہ محسوس کرے کہ زانی غالب رہے گا تو اس صورت میں اس کو قتل کرنے کا جواز ہے اور بیوی کو بھی جرم میں راضی وشریک پایا تو دونوں کو قتل کرنے کا جواز ہے،تو اس سے صراحۃً معلوم ہوا کہ فرق بدفعلی میں مصروف پانے اور نہ پانے کا ہے،غور کرو۔ **قولہ** (مطلقا) یعنی اجنبیہ اور غیر اجنبیہ کے فرق کے بغیر۔ **قولہ** (ھو الحق) یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا مقابل باطل ہے اس کے کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کا مقابل باطل ہے بلکہ اس کے بعد اس نے مجتبی کا جو کلام نقل کیا ہے اس سے اس کی صحت معلوم ہورہی ہے،ہماری تقریر سے ان کے کلام کا متفق ہونا آپ کو معلوم ہوگیا،لیکن محض امر بالمعروف ہونا اور حد نہ ہونا،بازنہ آنے کے علم کی شرط کو نہیں چاہتا،غور کرو۔ **قولہ**(بلاشرط احصان) یہ خانیہ کے قول کہ "وہ شادی شدہ ہو "کارد ہے،جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔طرطوسی نے اسی پر جزم کیا ہے۔نہر میں فرمایا کہ اس کو

وردہ ابن وھبان بانه ليس من الحد بل من الامر بالمعروف والنهی عن المنکر و هو حسن فان هذا المنکر " حيث تعين القتل طريقا فی ازالته فلامعنی لاشتراط الاحصان فيه ولذااطلقه البزازی اھ **قلت** ويدل عليه ان الحد لايليه الاالامام[1]اھ. وکتبت عليه فی جدالممتار ' **قوله** کما يدل عليه مايأتی عن منية المفتی ای فانه لما اطلق فيها الحکم بالقتل عن قيد عدم الانزجار قيد معية المرأة بالزنا وھٰهنا الحکم مقيد بعدم الانزجار فتکون المعية مقيد ابعدم الزنا کيلا يتعارضا.

اقول: ولايخفی عليه مافی هذه الدلالة من البعد والنظر الی الخارج وابداء جمع بينه وبين کلام اخر ليس منه دلالة هذاالکلام فی شيئ لاسيما وذلك الجمع غير متبين ولامتعين لانتفاء التعارض بما افادالشارح من حمل المطلق

ابن وہبان نے رد کردیا ہے کہ یہ حد نہیں بلکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، یہ اچھی بات ہے کیونکہ یہ ایسی برائی ہے کہ اس کے ازالہ کے لئے قتل ایک طریقہ ہے لہٰذا اس قتل کے لئے شادی شدہ ہونے کی شرط بے معنی ہے اس لئے بزازی نے اس کو مطلق رکھا اھ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس پر دلالت یہ بھی ہے کہ حد کو صرف امام ہی نافذ کرسکتا ہے کسی دوسرے کو اس کی ولایت نہیں ہے۔ ردالمحتار کا کلام ختم ہوا۔ میں نے اس پر جدالممتار میں لکھا ہے قولہ کما یدل علیہ مایأتی عن منیۃ المفتی جس طرح کہ اس پر منیۃ المفتی کا آئندہ کلام دلالت کررہا ہے، کیونکہ جب انہوں نے قتل کے حکم کو باز نہ آنے کے علم کی شرط سے عام رکھا جبکہ عورت کے ساتھ ہونے کو زنا سے مقید کیا اور یہاں حکم کو باز نہ آنے کے علم سے مقید کیا تو عورت کے ساتھ معیت عدم زنا سے مقید ہوگی تاکہ دونوں باتیں متعارض نہ ہوں،

اقول: (میں کہتا ہوں) اس دلالت کا بعید ہونا آپ پر مخفی نہیں ہے، اور اس سے خارج امور اور اس کلام اور دوسرے کلام کے درمیان جمع کی صورت واضح ہوجانے کو پیشِ نظر رکھا جائے تو اس کلام کی دلالت اس معاملہ میں بالکل نہیں ہے خصوصًا جبکہ یہ جمع و موافقت غیر واضح اور غیر معین ہوجائے اس سبب سے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے اس تعارض کو ختم کرنے کے لئے مطلق

[1] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۹-۱۸۰

علی المقید ثم انما مبناہ علی ماسبق الی خاطرہ رحمہ اللہ من التوفیق الاتی لہ وسیأتیك الكلام علیہ ولیس الامر كماظن بل اصل المسئلة للامام الفقیہ الھند وانی سئل عن رجل وجد مع امرأتہ رجلا ایحل لہ قتلہ قال ان كان یعلم انہ ینزجر عن الزنا بالصیاح والضرب بما دون السلاح لایحل وان علم انہ لاینزجر الابالقتل حل لہ القتل وان طاوعتہ المرأۃ حل لہ قتلھا ایضا اھ ہندیۃ عن النھایۃ وعنہ اخذفی منیۃ المفتی فعبرعنہ بماتری وسنحقق انہ لایحل القتل فی الدواعی كاللمس والتقبیل والعناق فكیف بمجرد الخلوۃ ولااعلم لہ رحمہ اللہ تعالٰی سلفا فیہ وكیف یحل الاجتراء علی قتل مسلم باستظھار بعید تفردبہ عالم فی ھذاالزمان من دون سلف ولا برھان بل علی خلاف اصول الشرع المزدان وقضیۃ نصوص ائمۃ الشان حتی نفس

کو مقید پر محمول کرنے کی وجہ کو بطور افادہ بیان کردیا ہے پھر ان کے خیال میں اس تطبیق کا مبنٰی وہ توفیق و تطبیق ہے جو انہوں نے آئندہ ذکر فرمائی ہے، حالانکہ اس پر اعتراض آرہا ہے، لہٰذا معاملہ وہ نہیں ہے جو انہوں نے خیال فرمایا، بلکہ اصل مسئلہ امام ہندوانی کا پیش کردہ ہے، جب ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو بدفعلی کرتے پایا کہ کیا اسے اس مرد کو قتل کرنا حلال ہے؟ تو جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اگر خاوند کو یقین ہو کہ زانی شور مچانے یا پٹائی کرنے پر زنا سے باز آجائے گا تو قتل کرنا حلال نہ ہوگا اور اگر یقین ہو کہ قتل کے بغیر باز نہ آئے گا تو قتل کرنا حلال ہوگا، اور اگر بیوی اس مرد کے ساتھ راضی ہو تو اس کو بھی قتل کرنا حلال ہے اھ، یہ ہندیہ میں نہایہ سے منقول ہے، اور نہایہ سے ہی منیۃ المفتی میں نقل کیا لیکن جس طرح انہوں نے تعبیر کی وہ آپ کے سامنے ہے، اور ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ ایسی صورت میں محض زنا کی دواعی مثلاً چھونے، بوسہ لینے یا معانقہ کرنے کی وجہ سے قتل کرنا حلال نہیں ہے چہ جائیکہ محض خلوت نشینی کی وجہ سے قتل حلال ہو، اور مجھے ان سے پہلے اس بارے میں کسی کا قول معلوم نہیں ہوا، تو اس زمانے کے ایک عالم کے متفرد قول کی بناء پر کسی مسلمان کے قتل پر کیسے جرأت کی جاسکتی ہے جبکہ اس قول کی وجہ بھی بعید ہو اور پہلے بھی کسی نے یہ بات نہ کی ہو اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل ہو بلکہ اصول شرع اور عظیم الشان ائمہ کرام کی نصوص کے خلاف ہو حتی کہ خود

هذا الرفیع المکان کما ستعرف بعون المستعان، [۱]**قوله** اذالم یستطع منعه الابالقتل **اقول**: هذاایضا نص فی امتناع القتل اذاامکن المنع بغیره خلافا لما اثرتم وقولکم والالم تکن مکرهة لااثر له لان غایة المطاوعة ان تکون مرتکبة لعین المنکر وهذاالقتل من ازالة المنکر ومرتکب منکر لاینهی عن نهیه غیره منه لانه مامور بشیئین الامتناع والمنع، فان فوت احدهما لایسقط عنه الاٰخر و ارتکاب احدمعصیة لاتبیح له معصیة اخری بل هذا القتل فی حق المرأة نهی وانتهاء معافکانت اولی باباحه وظهران التصویر بالاکراه صدروفاقا، [۲]**قوله** ویاتی الکلام علیه **اقول**: ویاتی الکلام علیه [۳]**قوله** فله قتله مطلقا اقول وانما القصدازالة المنکر فاذا حصل بالادنی تعین کما افاده الامام	ان کے اپنے موقف کے خلاف ہو، جیسا کہ آپ کو عنقریب معلوم ہوجائے گا، **قوله اذالم یستطع منعه الابالقتل**، جب قتل کے بغیر منع کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ خود اس بات میں نص ہے کہ اگر کسی اور طریقہ سے روکنا ممکن ہو تو قتل ممنوع ہے، اور یہ کہنا کہ ورنہ مکرہہ (مجبور) نہ قرار پائی گئی، بے فائدہ ہوگا، کیونکہ نہ ہونے کا مطلب موافق رہنا اور موافقت اور رضامندی کا نتیجہ یہ ہے کہ اس گناہ میں خود شریک ہوگی، جبکہ عورت کا مرد کو یہ قتل کرنا گناہ اور برائی کا مرتکب اور اس میں مبتلا ہو اس کے منع کرنے سے دوسرا اس برائی سے نہیں رکتا، کیونکہ برائی سے روکنے کے لئے دو چیزوں کا مامور بنا ہوتا ہے ایک یہ کہ خود برائی سے باز رہے اور دوسرا یہ کہ اس برائی سے دوسرے کو منع کرے، اور ان دونوں چیزوں میں سے ایک کے فوت ہوجانے پر دوسرے کا ساقط ہونا لازم نہیں ہے اور ایک گناہ کے ارتکاب سے دوسرے گناہ کا ارتکاب مباح نہیں بنتا، بلکہ یہاں عورت کا اس مرد کو قتل کرنا گناہ سے روکنا اور خود کو باز رکھنا دونوں چیزیں ہیں، تو یہ قتل بدرجہ اولیٰ مباح ہوگا، تو ظاہر ہوا کہ جبر واکراہ کی صورت کا بیان محض اتفاق ہے، قوله یاتی الکلام علیه اس پر اعتراض ذکر ہوگا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) آپ کے اعتراض پر اعتراض ذکر ہوگا، **قوله فله قتله مطلقا** تو اس کو قتل کرنا

الفقیه ابوجعفر واعتمدہ المعتمدون وتقدم عن شرح الوهبانیة وسینقله المحشی عن ابن وهبان و سیمشی علیه بنفسه[5] **قوله** ویدل علیه عبارة المجتبٰی الاٰتیة، ای شرحا حیث اطلق فی الزنا ان له القتل ولم یقید بشیئ **اقول** وفیه ماذکر الشارح ان المطلق یحمل علی المقید وکیف یرد اطلاق المجتبٰی علی تقیید المعتمدات وحمل المطلق علی المقید جادة واضحة بخلاف الغاء القید، [6] **قوله** فی الحاوی الزاهدی مایؤیدہ ایضا **اقول**: بل یخالفه فانه جعل له القتل مطلقا فی الدواعی وانتم تخصصونه بالزنا، [7] **قوله** او یقبلها الخ **اقول**: لم یشرع الله تعالٰی فی الدواعی القتل ولیست السیاسة لغیر الامام بل لیست الدواعی الاالصغائر

مطلقًا جائز ہوگا، **اقول**: (میں کہتا ہوں) مقصد تو برائی کا ازالہ ہے، تو جب یہ ازالہ قتل کے بغیر کسی ادنٰی طریقہ پر ممکن ہو تو وہ ادنٰی طریقہ اس کے لئے متعین قرار پائے گا جیسا کہ امام فقیہ ابو جعفر نے یہ فائدہ بیان فرمایا اور اسی پر اعتماد کرنے والوں نے اعتماد کیا ہے، اور شرح وہبانیہ سے منقول ہوچکا ہے اور محشی بھی اس کو عنقریب ابن وہبان سے نقل کریں گے اور وہ خود اس کو اپنائیں گے، **قوله یدل علیه عبارة المجتبٰی** یعنی مجتبٰی کی آئندہ عبارت بطور شرح آئیگی جہاں وہ زنا کے متعلق قتل کو مطلق بیان کریں گے اور قتل کو کسی شرط سے مقید نہ کریں گے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں اعتراض ہے کہ شارح نے یوں بیان فرمایا کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، اور معتمد علیہ کتب کی بیان کردہ قید کے باوجود مجتبٰی کا اطلاق کیسے وارد ہوگیا حالانکہ واضح طریقہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے جبکہ قید کو لغو بنانا اس کے خلاف ہے، **قوله فی الحاوی الزاهدی مایؤیدہ ایضا** حاوی زاہدی کا بیان بھی اس کی تائید کرتا ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) بلکہ وہ تو اس کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے دواعی زنا میں بھی قتل کو مطلق جائز رکھا ہے جبکہ تم اس کو زنا سے ہی مخصوص کرتے ہو، **قوله او یقبلها** الخ یا وہ عورت کا بوسہ لے رہا ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی نے زنا کے دواعی میں قتل کو مشروع نہیں فرمایا، اور نہ ہی امام کے غیر کو سیاسی قتل روا رکھا ہے بلکہ دواعی تو صرف صغیرہ

ولیس القتل سیاسۃ للامام ایضا الافی جنایۃ عظمت وفحشت کمامر قبیل باب وطئ یوجب الحدان اللوطی والسارق والخناق اذا تکرر منھم ذٰلک حل قتلھم سیاسۃ اھ فلم یکتف فی تلک العظائم ایضا بمجرد صدورھا بل قید حل القتل بتکررھا وسیأتی ان الشارح اطلق اباحۃ القتل فی جمیع الکبائر فقیدہ المحشی بماکان منھا متعدی الضرر وھو الحق الواضح ان شاء اللہ تعالٰی ولم ینقل عن السلف قتل کل من اتی کبیرۃ فضلا عن الصغیرۃ ولو اسیع القتل فی الصغائر وجعل ذٰلک الی العامۃ لاتسع الخرق وفشا القتل فی المسلمین والعیاذ باللہ تعالٰی فای یوم لاتری جھلا من الناس علی شیئ من الصغائر فقتل کل من تراہ وھذا لیس من حکم اللہ فی شیئ فلاشك ان مافی الحاوی مردود واللہ الموفق کیف وھو من الزاھدی المعتزلی المعروف بجمع کل غث وسمین الغیر الموثوق بنقلہ ایضا الغیر المعتمد علیہ فی روایۃ ولادرایۃ کما صرح بہ ارباب الدرایۃ۔[۸] **قولہ** فھذا صریح	گناہوں میں سے ہے حالانکہ امام کو صرف کسی بڑی جنایت اور فحش گناہ میں سیاسۃً قتل کرنا جائز ہوتا ہے جیسا کہ ایسی وطی جس سے حد لازم ہوتی ہے، کے باب سے تھوڑا پہلے گزرا ہے کہ لوطی، چور اور پھندا ڈالنے والا، یہ لوگ جب بار بار کارروائیاں کریں تو ان کو سیاسۃً قتل کرنا حلال ہے اھ۔ تو ان عظیم کارروائیوں پر بھی محض ان کے صدور پر نہیں بلکہ ان کے تکرار پر قتل کو حلال کہا، اور عنقریب آئے گا کہ شارح نے تمام کبیرہ گناہوں کے متعلق سیاسۃً قتل کو مباح کہا تو خود محشی نے اس کو ایسے گناہ سے مقید کیا جس کا ضرر متعدی ہو۔ اور یہی واضح حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی، جبکہ اسلاف سے ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کے متعلق قتل منقول نہیں ہے چہ جائیکہ کسی صغیرہ گناہ پر قتل منقول ہو، اور اگر صغائر کے متعلق بھی قتل کو جائز قرار دے دیا جائے اور عوام کو یہ اختیار دیا جائے تو پھر امن تہ وبالا ہوجائے اور مسلمانوں میں قتلِ عام شروع ہوجائے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ بتایئے لوگوں کی جہالت سے صغائر سے کوئی دن خالی ہے تو کیا ہر ایک مرتکب صغیرہ قتل کیا جائے حالانکہ یہ کہیں بھی اللہ تعالٰی کا حکم نہیں ہے تو بیشک حاوی زاہدی کا بیان مردود ہے، اور اللہ تعالٰی ہی توفیق حق عطا فرماتا ہے، یہ کیسے صحیح ہو جبکہ یہ زاہدی معتزلی جو کہ ثقہ اور غیر ثقہ ہر قسم کی روایات کو نقل کرنے میں بھی مشہور ہے او رروایت اور درایت کے لحاظ سے غیر معتمد علیہ باتوں کو نقل کردیتا ہے جیسا کہ ارباب درایت نے اس کی تصریح فرمائی ہے، **قولہ فھذا صریح**

اقول: ای صراحة فیه بل تقییده بالخوف المذکور بما یؤید التقیید السابق فان مثل التمرد لاینزجر بالزجر [1] **قوله** یفید صحة **اقول:** قدمنا مافیه [2] **قوله** قررناه **اقول:** قد علمت مافیه [3] **قوله** فلایقتضی اشتراط العلم **اقول:** بلی یقتضیه لان مراد الشارع ازالة المنکرات المظلمة لااھلاك النفوس المسلمة فاذا حصلت بدونه وجب قصرالید عنه۔ [4] **قوله** حیث تعین القتل طریقا اقول ھذاایضا نص فی اشتراط القید المذکور وقد عادالمحشی رحمه الله تعالٰی بنفسه الی الصواب اذاقال علی قول الشرح وعلی ھذا القیاس المکابر بالظلم وقطاع الطریق وصاحب المکس وجمیع الظلمةبادنی شیئ له قیمة وجمیع الکبائر والاعونة	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں کون سی صراحت ہے بلکہ اس میں تو قید کی صراحت ہے کہ کسی طرح خوف دلانے سے باز نہ آئے، جیسا کہ سابقہ قید کا بیان اس کی تائید کررہا ہے کہ سرکش آدمی باز رکھنے کی کوشش سے باز نہیں آتا، **قوله** یفید صحة **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں اعتراض ہے جس کو ہم نے پہلے بیان کردیا ہے، **قوله** قد علمت مما قررناہ ہماری بیان کردہ تقریر سے آپ کو معلوم ہوگیا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں جو کمزوری ہے وہ آپ کو معلوم ہوچکی ہے **قوله** فلایقتضی اشتراط العلم تو وہ علم کی شرط کا مقتضی نہ ہوا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ یہ علم کی شرط کا تقاضا کرتی ہے، کیونکہ شارع کی مراد ظالمانہ کارروائیوں سے دفاع ہے نہ کہ مسلمانوں کی جانوں کو ہلاک کرنا، توجب قتل کے بغیر دفاع ممکن ہو تو قتل سے باز رہنا ضروری ہے، **قوله** حیث تعین القتل طریقا جہاں ازالہ برائی کا طریقہ قتل متعین ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بھی مذکور قید کی شرط ہونے میں نص ہے اور محشی خود بخود درستی کی طرف لوٹ آئے ہیں، جب انہوں نے شرح کی اس عبارت (اسی قیاس پر ہے جو اعلانیہ چیز کو چھین لے، ڈاکو، ظالمانہ ٹیکس وصول کرنیوالا اور ہر ظالم جو کمتر قیمت والی چیز کو ظلم سے چھین لے اور جو ظالم مرتکب کبیرہ کے ہوں اور انکے اہلکار اور چغلخور ایسے تمام لوگوں کا قتل مباح ہے اور انکا قاتل ثواب کا مستحق

والسعاۃ یباح قتل الکل ویثاب قاتلھم اھ نصه قوله والا عونة والسعاۃ عطف تفسیر او عطف خاص علی عام فیشمل کل من کان من اھل الفساد کالساحر وقاطع الطریق واللص واللوطی والخناق ونحوھم ممن عم ضررہ ولاینزجر بغیر القتل اھ فقد اذعن بالتقیید وھو الحق السدید ولیس الزنا بافحش من ھاتیك الافاعیل فما صرح به الائمة فعلیه الاعتماد والتعویل[1]۔ھذا ما کتبت علیه فانظرہ متأملا متدبرا والحمدﷲ اولًا واٰخرًا۔واﷲ تعالٰی اعلم۔	ہوگا،اھ۔)پر فرمایا کہ الاعونۃ،والسعاۃ،اہل کار اور عہدیدار،کا ذکر عطف تفسیری ہے یا عام پر خاص کا عطف ہے لہذا یہ قول تمام اہل فساد مثلًا جادوگر،ڈاکو،چور،لوطی اور گلاد باکر ہلاک کرنے والا وغیرہ سب کو شامل ہے جن کا ضرر معاشرہ میں عام ہو اور وہ قتل کے بغیر باز نہ آئیں اھ،تو اس بیان میں انہوں نے مذکور قید پر جزم کیا ہے اور یہی درست اور حق ہے جبکہ زنا ان مذکور امور سے زیادہ فاحش ضرر نہیں ہے، تو ائمہ کرام نے جو تصریح فرمائی ہے وہی قابلِ اعتماد و تسلیم ہے۔یہ میرا حاشیہ ہے اس کو غور اور تدبر سے ملاحظہ کرو،اللہ تعالٰی کے لئے ہی اول وآخر حمد ہے،واﷲ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۷۶: ۱۸محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص کسی عالم کی نسبت یا کسی دوسرے کی لفظ مردود کہے کہ وہ بیوقوف ہے کچھ نہیں جانتا اور الو ہے،تو اس شخص کی نسبت شرع شریف کیا حکم دے گی؟**بینوا توجروا**۔

الجواب:

بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا مسلمان کو ناحق ایذا دینا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا شرعًا حرام۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔رواہ الطبرانی فی[2]	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	عزوجل کو ایذا دی (اس کو طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

پھر علمائے دین متین کی شان تو نہایت ارفع و اعلٰی ہے ان کی جناب میں گستاخی کرنے والے کو حدیث میں منافق فرمایا۔

ثلثۃ لایستخف بحقھم الا منافق ذوالشیبۃ فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ وابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر منافق، ایک اسلام میں بڑھاپے والا دوسرا عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوامامہ سے اور ابوالشیخ نے توبیخ کے باب میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمایا ہے۔ ت)

ایسا شخص شرعًا لائق تعزیر ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۷۷: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مومن کہنا تخصیص رکھتا ہے قومِ نورباف سے یا عام امتِ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے؟ دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص براہِ طعنہ قوم مذکور کی نسبت مومن کہے تو اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

الحمدللہ ہر مسلمان مومن ہے اور بعض بلاد ہند کے عرف میں اس قوم کو مومن کہنا شاید اس بناء پر ہو کہ یہ لوگ اکثر سلیم القلب حلیم الطبع ہوتے ہیں جن سے اور مسلمانوں کو آزار کم پہنچتا ہے، اور حدیث میں فرمایا کہ **المؤمنون من امن جارہ بوائقہ**[2] مومن وہ ہے جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے امان میں ہوں۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ عن ابی امامہ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳۸/۸

[2] صحیح البخاری باب اثم من یأمن جارہ بوائقہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۸۹/۲

پھر یہ لفظ بطور طعن انہیں کہنا دوسری شناعت ہے ایک تو مسلمان کو اس کی نسبت یا پیشہ کے سبب حقیر جاننا دوسرے ایسے عظیم جلیل لفظ کو محل طعن میں استعمال کرنا، ایسے شخص کو چاہئے اللہ تعالٰی سے ڈرے اور اپنی زبان کی نگہداشت کرے۔

اللّٰھم اھدنی والمسلمین انك انت ارحم الراحمین۔ اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اے اللہ! مجھے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت عطا فرما بیشک تو رحم کرنے والوں سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از وڑ نگر دایہ مہ سانہ گجرات گاڑیکے دروازہ متصل مکان بنجارہ چاند مارسول مسئولہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب احمد آبادی ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی مسلمان کے مال کا نقصان کرنا اور اس کی ہتک حرمت میں کوشش کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

اگر بلاوجہ شرعی ہے حرام قطعی ہے اور وجہ شرعی سے ہے تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۹: از شہر صدر بازار بریلی مسئولہ پیش امام جامع مسجد ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص نماز پڑھنے سے انکار وحیلہ بہت سے کرتا تھا ہر چند اس کو برادرانہ طور بہت کچھ سمجھایا لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور لوگ اس کو پکڑنے کے واسطے گئے اس وقت وہ مسلمانوں کو لاٹھی لے کر مقابلہ کرنے کو آمادہ ہوا، لہٰذا دو مسلمانوں نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے، ایک شخص نے اس کو درے لگائے، لہٰذا وہ نماز پڑھتا ہے، پکڑنے کے وقت اس کے ہاتھ میں گھڑی بندی تھی وہ ٹوٹ گئی وہ مسلمانوں سے طلب کرتا ہے، اس کی گھڑی دی جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

تفہیم چاہئے، تنبیہ چاہئے، مار پیٹ کا وقت نہیں، اور اس کی گھڑی کی قیمت دی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۰: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ اشفاق حسین طالب علم ۳ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو وبکر ایک مقام پر بیٹھے تھے، اتفاقاً ایک لڑکی اس راہ سے گزری، زید نے عمرو سے کہا یہ لڑکی تمہاری بہن ہے، عمرو نے زید کو جواب دیا کہ ہاں یہ لڑکی بہن ہے لیکن اے زید! یہ لڑکی تیری

بہن ہے، اس پر زید نے عمرو سے کہا کہ میری بہن نہیں ہے بلکہ تیری بہن ہے، عمرو نے زید سے کہا کہ جب ہم تم سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں تو ہم تم سب بھائی بہن ہیں بکر نے عمرو سے کہا کہ اس طرح تو کتے سور بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں تو کتے اور سور بھی تمہارے بھائی بہن ہوئے، عمرو نے کہا کہ نہیں ان جانوروں کو اہل اسلام کے لوگ برا سمجھتے ہیں، اس پر بکر بہت غصہ ہوا اور کہنے لگا کہ نہیں سور اور کتے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، اور مکرر سہ کرر یہی الفاظ کہے یہاں تک کہ آپس میں جھگڑا ہونے لگا اور معاملہ طول ہوگیا۔ عرض یہ ہے کہ ان تینوں شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ واجبًا عرض کیا ہے۔

الجواب:

عمرو نے جو اس کے بہن ہونے سے انکار کیا اس پر کچھ الزام نہیں بلکہ وہ اگر غیر مسلمان تھی تو بہت اچھا کہ انکار کردیا زید نے کہ اسے عمرو کی بہن کہا اس پر الزام نہیں اگر وہ لڑکی مسلمان تھی کہ مسلمان سب آپس میں بھائی ہیں ہاں اگر وہ مسلمان نہ تھی تو برا کیا کہ اسے مسلمان کی بہن ٹھہرایا، اور فقط اولادِ آدم علیہ السلام ہونا کافی نہیں کہ کافروں کا نسب خود حضرت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقطع ہے،

قال اللہ تعالٰی اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ[1]، وقال تعالٰی اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا بیشک تمام مومن بھائی بہن ہیں، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے پیارے نوح (علیہ السلام) یہ آپ کی اہل میں نہیں وہ تو اپنے عمل والا نہیں ہے۔ (ت)

رہا بکر، اس نے سخت شدید شنیع بری بات کہی، اس کے قول سے نبی اللہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک عیب لگتا ہے اس پر توبہ فرض ہے بلکہ کلمہ پڑھے تجدید اسلام کرے۔ ہاں اگر وہ لڑکی کافرہ تھی اور اس نے کتے سور سے مراد کافر لئے یعنی ان کی اولاد میں تو کافر بھی ہیں جو کتوں سوروں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں وہ ہمارے بھائی کیسے ہوسکتے ہیں، تو اس پر الزام نہ رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۱: از دھاموں ڈاکخانہ دھاموں ضلع سیالکوٹ پنجاب روز دوشنبہ ۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر زید اپنی حقیقی بھائی بکر کو کسی سازش سے ایک مجلس میں باآواز کلمہ طیبہ پڑھ کر کہے کہ تم میرے بھائی نہیں ہو، ایسی صورت میں زید پر بموجبِ شرع شریف کچھ کفارہ لازم ہے اگر ہے تو کیا و کس

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/۱۰

[2] القرآن الکریم ۱۱/۴۶

قدر؟بینوا توجروا۔

الجواب:

اگراس کے بھائی نے اس کے ساتھ کوئی معاملہ خلاف اخوت کیا جو بھائی بھائی سے نہیں کرتا تواس پر اس کہنے میں الزام نہیں کہ اس نفی سے نفیِ حقیقت مراد نہیں ہوتی بلکہ نفی ثمرہ، اور ایسا نہیں بلکہ بلاوجہ شرعی یوں کہا تو تین کبیروں کا مرتکب ہوا، کذبِ صریح و قطع رحم وایذائے مسلم، اس پر توبہ فرض ہے اور بھائی سے معافی مانگنی لازم۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲تا۲۸۴: معرفت مصطفٰی رضاخان صاحب بروز پنجشنبہ ۲۹صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

(۱) بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ مثلاً کسی نے کہا کہ فلاں کے گھر چوری ہوئی انہوں نے کہا کہ اچھا ہوا چوری ہوئی، پھر بعض دفعہ توجو ظاہر کلام ہے ظاہر مراد ہوتا ہے اور بعض دفعہ یہ مراد ہوتا ہے کہ چونکہ مثلاً مال رہنا مضر تھا یا اس کا انہیں غرور تھا لہذا اچھا ہوا چوری ہوگئی کہ غرور جاتا رہا یا مضر دور ہوگیا دونوں تقدیروں پر یہ ممنوع چیز کو اچھا کہنا کیسا ہے؟

(۲) ایک شخص سے کوئی خلاف کلمہ نکلا بعد کواس نے صراحۃً انکار کیا اور اس کا قبح تسلیم کرلیا یا اس کو چھوڑ کر اس کے مخالف حق کلمہ کا اقرار کیا آیا یہ توبہ ہوگئی یا ضرور ہے کہ لفظ توبہ کہے۔

(۳) ہمارے اعزہ میں سے ایک عورت نے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر کہا نہ معلوم تمہیں فلاں کے مکان سے (نام لے کر) کیا عشق ہے، شوہر نے کہا خدا جانے، اس پر عورت نے کہا کچھ بھی خدا جانے نہیں ہے، اور اس کے بعد ایک اور جملہ کہا جو شاید یہ تھا کہ سب تمہارے حیلہ حوالے بیکار یہ ان بے پروائیاں ہیں، یہ جملہ کیسا؟اس کا کیا حکم ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ سرقہ اچھی بات ہے جس سے حرام قطعی کا استحقاق بلکہ استحسان ہو کر **معاذ اللہ** نوبت بہ کفر پہنچے بلکہ اس مسروق منہ کے نقصان مال کا استحسان سمجھا جاتا ہے اور یہی مقصود ہوتا ہے کہ کبھی براہ حسد ہوتا ہے اور حسد حرام ہے، اس صورت میں تو مطلقاً گناہ ہے، کبھی براہِ عداوت ہوتا ہے کہ دشمن کا نقصان دشمن کو پسند آتا ہے اس کا حکم اس عداوت کا تابع رہے گا اگر عداوت مذمومہ ہے یہ بھی قبیح ومذموم ہے اور اگر عداوت محمودہ ہے جیسے اعداء اللہ سے دشمنی تو اس میں حرج نہیں جیسے رَبَّنَا اطۡمِسۡ عَلٰۤی اَمۡوَالِہِمۡ وَ اشۡدُدۡ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ[1] (اے ہمارے رب! ان کے مال برباد کردے اور ان کے دل سخت کر دے۔ت) جب دعا سے اس کا نقصان چاہنا روا ہے تو بعد وقوع اس پر خوش ہونا

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/۸۸

کیا بیجا ہے، کبھی وہ صورت ہوتی ہے جو سوال میں مذکور ہے وہ اگر بہ نیت صحیحہ ہے تو غیر محظور کہ یہ اس کے نقصان پر خوش ہونا نہیں بلکہ نفع پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) لفظ توبہ نہ ضرور نہ کافی جو قول بیجا صادر ہوا تھا اس پر ندامت اور اس سے نفرت واظہار برات درکار ہے، السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ (پوشیدہ سے پوشیدہ اور علانیہ سے علانیہ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) قائلہ کا ہر گز یہ مقصود نہیں کہ باری عزوجل سے معاذاللہ نفی علم کرے نہ زنہار اسکے کلام سے سامع کا ذہن اسطرف جاسکتا ہے، بلکہ شوہر نے کہا تھا خدا جانے یعنی کوئی چیز مخفی ہے جو مجھے معلوم نہیں یا جسے میں بتانا نہیں چاہتا اس نے کہا کچھ بھی خدا جانے نہیں اسے اس ہولناک حکم سے کوئی تعلق نہیں نیز یہاں ایک اور دقیقہ ہے بفرض غلط نفی علم ہی مراد لیں تو معاذاللہ نفی مطلق کی ہر گز بو بھی نہیں بلکہ اس امر خاص سے یعنی اس کا کوئی سبب خفی اللہ نہیں جانتا اور علم الٰہی سے کسی شیئ کی نفی اس کے علم سے نفی ہے کہ واقع ہوتا تو ضرور علم میں ہوتا،

فکان من باب قولہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ [1]۔	تو یہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے باب سے ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی کے شریک بنائے فرمادیجئے ان کے نام بتایئے یا تم وہ خبر اس کو دیتے ہو جس کو اس نے روئے زمین پر نہ جانا۔ (ت)

ہاں ارسال لسان ہے جس سے احتیاط درکار، اور خود شوہر کے ساتھ بدزبانی بھی **تکفرن العشیر** [2] (عورتیں خاوند کی ناشکری کرتی ہیں۔ت) میں داخل کرنے کو بس ہے توبہ چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۸۵: قول انوار الحق تحصیل چونیاں ضلع لاہور بروز چہار شنبہ ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ (مکتوب)

(قول انوار الحق) میں عریضہ لکھ کر دوبارہ یا سیدنا و مولٰنا و مرشدنا عرض کرتا ہوں کہ آپ ہم لوگوں میں مثل رسول و نبی کے ہیں آپ خاکساروں کی عرض سن کر جواب روانہ فرمائیں۔

الجواب:

تنبیہ: مولانا! یہ لفظ بہت سخت ہے لاالٰہ الا اللہ یہ فقیر ذلیل سیاہ کار نابکار

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحیض ۱/ ۴۴ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی

کیا چیز ہے ہاں اکابر کے لئے یہ لفظ حدیث میں آیا ہے کہ **الشیخ فی قومہ کالنبی فی امتہ**[1] شیخ اپنی قوم میں مانند نبی کے ہیں اپنی امت میں مگر مثل اور مانند میں بہت فرق ہے مثل **معاذاللہ** مساوات کا ایہام کرتا ہے اور مانند صرف ایک مشابہت چاہتا ہے، اس لئے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ نے **ایمانی کایمان جبریل** (میرا ایمان جبرائیل کے ایمان کی مانند ہے۔ت) فرمایا نہ کہ مثل ایمان جبریل (مثل ایمان جبریل۔ت) فقط

مسئلہ ۲۸۶: مسئولہ سید حمید الرحمٰن صاحب صابری فاروقی گولہ گھاٹ محلّہ کچہری ہاٹ آسام ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مقدس اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے مرشد زادہ کو حقارت و بے ادبی سے کچھ باتیں کہیں وہ مرشد زادہ قوم کا سید حسینی ہے اور ہندوستان کے مدرسہ عربی کا تعلیم یافتہ مولوی ہے اور اہل طریقہ میں قادریہ عالیہ ہے، حقیقت میں اس مرشد زادہ کا کچھ بھی خطا و قصور نہیں تھا جبراً اس شخص نے بہت لوگوں کے سامنے اس مرشد زادے کو بے ادبی اور حقارت سے باتیں کیں۔ اب از روئے شرع دین متین اس شخص کو کیا حکم دیتے ہیں اب ایمان و نکاح میں کچھ خلل اس کا ہوگا یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

بلاوجہ کسی مسلمان کو سخت وسست کہنا حرام ہے نہ کہ سید نہ کہ عالم نہ کہ اپنا مرشد زادہ۔ صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔[2]	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

دوسری حدیث میں ہے:

ثلثۃ لایستخفف بحقھم الامنافق بین النفاق، ذو الشیبۃ فی الاسلام	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ کرے گا مگر کھلا منافق ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا دوسرا

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۲۶۳۲ و ۴۲۶۳۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۶۶۴

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

وذوالعلم وامام مقسط۔[1]	عالم تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔

صورت واقعہ اگر یونہی ہے جیسے سوال میں مذکور ہوئی تو وہ شخص ضرور مرتکب کبیرہ ہوا، مگر اسلام و نکاح میں خلل نہیں کہہ سکتے جب تک کوئی خاص قول وفعل ان میں مخل صادر نہ ہوا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۷: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضاخاں صاحب ۴رجب ۱۳۳۹ھ

زید ایک شخص ہے جس کا نکاح بکر کی لڑکی ساتھ ہوا ہے، اب چند بچے پیدا ہونے کے بعد زید نے اپنی بیوی کی ہمشیرہ کے ساتھ یعنی حقیقی سالی کے ساتھ بھی عقد کرلیا ہے اور دونوں سے مراسم بیوی کی ادا کرتا ہے اور دونوں کی اولاد بھی ہے، اور زید قوم قصاب سے ہے، آیا ایسی حالت میں اس کو زانی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا گوشت خریدنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کی موت میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ ضرور حرامکار ہے، اس سے گوشت خریدنا بلکہ سلام کلام کرنا ہی نہ چاہئے، موت اس کے عزیز وقریب کرلیں گے اوروں کو بلاضرورت شرکت کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ محمد تقی مقام بکسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی بخش صاحب ۲۹ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو اوقاتِ مختلفہ میں ابلیس مردود کافر متعدد بار کہا، زید معمر ہے بکر نوعمر، بکر یوم جمعہ کو خطبہ جمعہ پڑھ رہا تھا، اثناءِ خطبہ میں کسی آیہ کریمہ میں غلطی ہوئی زید نے چلا کر بتایا، بکر نے اپنی غلطی کی اصلاح کرلی مگر زید نے اسی ساعت میں چلاچلا کر چند بار اپنی قراءت کرتا ہی رہا، پھر بعد فراغ نماز زید نے سب لوگوں کو ٹھہرایا اور کہنے لگا یہ مردود ابلیس ہمیشہ غلط پڑھتا ہے اور مجھے ذبح کردیا ہے، بکر نے سوائے سکوت کوئی جواب نہیں دیا، اور اگر زید موجود ہے تو بکر نماز پڑھانے کے لئے زید کو کہلائے مگر زید نہ پڑھائے، پھر بکر نے دو جمعہ پڑھا کر جواب دیا کہ وہ شخص جمعہ پڑھائے جس سے کوئی غلطی نہ ہو۔ مقتدیوں نے کہا تم ضرور پڑھاؤ تو مخالفت کا باعث معلوم ہوتا ہے اور ثابت بھی ہوگیا، بہر حال دوسرے امام مقرر کئے گئے چند دنوں بعد امام صاحب نے انتقال فرمایا اس کے بعد زید خود ہی نماز پڑھانے لگا، اس حالت میں زید کی امامت صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور ان دونوں میں شرعًا کافر و ابلیس کون ہوگا؟

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳۸/۸، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۲/۱۶

الجواب

مسلمانوں کو بلاوجہ شرعی مردود ابلیس کہنا سخت حرام ہے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾ [1] ۔	وہ لوگ جو مومن مرد اور عورتوں کو بلاوجہ اذیت دیتے ہیں تو بیشک انہوں نے بہتان اور واضح گناہ کا ارتکاب کیا۔(ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ [2]۔	جس نے کسی مسلمانوں کو ناحق ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ کو ایذادی۔

اور مسلمانوں کو کافر کہنا تو ایسا سخت ہے کہ احادیث کثیرہ صحیحہ میں فرمایا **فقد باء بہ احدھما** [3] یہ بلا دونوں میں سے ایک پر ضرور پڑے گی جسے کافر کہا اگر وہ وقع میں کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا، ولہذا امام اعمش وائمہ بلخ وغیرہم کثیر فقہائے کرام کا فتوی یہی ہے کہ جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہوجاتا ہے **والصحیح فیہ تفصیل اوردنا ھافی فتاوٰنا** (اور صحیح یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے جس کو ہم نے اپنے فتاوی میں ذکر کیا ہے) عین حالت خطبہ میں تصحیح بکر کے بعد بھی جو زید بار بار اپنی قرات کرتا رہا یہ بھی حرام تھا،

قال اللہ تعالٰی وَ اِذَا قُرِیَٔ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَہٗ وَ اَنۡصِتُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾ [4] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(ت)

زید اگر بلاوجہ شرعی ان الفاظ کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور بکر سے معافی چاہے ورنہ وہ فاسق معلن ہے اسے امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۳۳

[2] المعجم الاوسط حدیث مکتبۃ المعارف الریاض ۳۷۳/۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تأویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۹۰۱/۲

[4] القرآن الکریم ۲۰۴/۷

مسئلہ ۲۸۹تا۲۹۰: از پوسٹ کانت فقیرہاٹ مدرسہ اسلامیہ کالاپل چاٹگام مرسلہ وحیداللہ صاحب ۲۶ربیع الاول ۱۳۳۶

ماقولکم رحمکم الله تعالٰی فی ھٰذہ المسألة ان رجلا اخاالجھل قال لمعلم العلوم العربیة اعنی المبادی والمقاصد ماانت الابشر مثلنا فقال له اذکان الامر کذٰلك فما اصنع فی المدرسة العالیة مثلا فاجاب له یا راعی البقر والخنزیر ترعیھما فیھا وایضا اعتقدان الله یغفر ویدخل الجنة من یشرك به لمن یشاء یغفر لمن یشاء فذکر العالم شیأ من اٰیة القراٰن والاحادیث الصحیحة فقال ھذالیس بشیئ ففی الصورة المسئولة ھل یجب التوبة وتجدید النکاح علیه ام لا۔

علمائے کرام (اللہ تعالٰی آپ پر رحم کرے) آپ کا کیا ارشاد ہے کہ اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل شخص، عربی علوم کی مبادی ومقاصد، کے استاذ کو کہتا ہے کہ تو ہمارے جیسا بشر ہے، تو عربی کے معلم نے جواب میں کہا اگر یہی معاملہ ہے تو پھر میں مدرسہ عالیہ میں کیا کررہا ہوں تو جاہل نے اسے جواب میں کہا، اے گائے اور خنزیر کے چرواہے! تو وہاں ان کو چراتا ہے اور نیز اس کا عقیدہ ہے اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے اور اس کو جنت میں داخل فرماتا ہے، تو اس پر اس عالم نے اس کو کچھ قرآنی آیات اور صحیح احادیث سنائیں، تو جاہل نے کہا یہ کوئی چیز نہیں ہے، تو کیا مسئولہ صورت میں توبہ اور تجدید نکاح ضروری ہے یا نہیں؟

(۲)من قال واعتقد تارك الصلوٰة کافر فالقائل ھل ھوخارج عن مذھب ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی ام لا۔ بینوا توجروا۔

(۲) جو شخص یہ عقیدہ رکھے اور بیان کرے کہ نماز کا تارک کافر ہے، تو یہ کہنے والا، کیا وہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب سے خارج ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

اما ما خاطب به العالم فھو من جھله وسوء ادبه یستحق به التعزیر الشدید الائق بحاله الزاجر له ولامثاله ففی الحدیث عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایستخف بحقھم الامنافق

اس نے عالم کو جن الفاظ سے خطاب کیا ہے وہ اس کی جہالت اور انتہائی بے ادبی ہے اس کی وجہ سے وہ اور ایسے دیگر لوگ اپنے جرم کے مناسب شدید تعزیر کے مستحق ہیں۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے تین حضرات کی توہین کھلے منافق

بین النفاق ذوالشیبۃ فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط[1]۔ اما قولہ ان اللہ یغفر لمن یشرك بہ لمن یشاء فمخالف للقراٰن العظیم قال اللہ عزوجل ان اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ[2] واما قولہ لاٰیات القراٰن العظیم والاحادیث ھذا لیس بشیئ فھذالیس بشیئ الاالکفر الجلی تجری بہ علیہ احکام المرتدین فعلیہ ان یسلم واذااسلم فلیجدد نکاحہ برضاالمرأۃ وان لم ترض فلھا الخیار تعتد وتنکح من تشاء، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کے بغیر دوسرا نہیں کر سکتا ایک عالم، دوسرا وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، اور تیسرا مسلمان عادل بادشاہ، تاہم اس کا یہ کہنا کہ، اللہ تعالٰی جس مشرک کو چاہے بخش دیتا ہے، تو یہ قرآن عظیم کے مخالف ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالٰی شریک بنانے والے کو نہیں بخشتا، اس کے علاوہ جس کو چاہے بخشتا ہے۔ اور اس کا قرآن وحدیث کے متعلق یہ کہنا کہ، یہ کوئی چیز نہیں ہے، یہ توخالص ایسا کفر ہے جس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں، لہٰذا اس پر تجدید اسلام ضروری ہے اور مسلمان ہو کر عورت کی رضامندی سے دوبارہ اس سے نکاح کرے، اگراس سے نکاح پر راضی نہ ہو تو بیوی کو اختیار ہے کہ وہ عدت پوری کرکے کسی اور سے اپنی مرضی کے مطابق نکاح کرے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔
(۲) الحکم بالکفر علی تارك الصلوٰۃ وارد فی صحاح الاحادیث وعلیہ جمھور الصحابۃ والتابعین ولیست المسألۃ فقھیۃ بل کلامیۃ وقد اختلف اھل السنۃ قدیما فمن قال باحد القولین لایخرج بہ عن الحنفیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(۲) نماز کے تارک پر احادیث صحیحہ میں کفر کا اطلاق آیا ہے، اور جمہور صحابہ وتابعین کا یہی مسلک ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہی نہیں بلکہ علم کلام سے متعلق ہے، اس میں اہلسنت کا قدیم سے اختلاف چلا آرہا ہے لہٰذا اگر کوئی دو قولوں میں سے ایک قول کو اختیار کرے تو وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲، المعجم الکبیر حدیث المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۱۱۶

مسئلہ ۲۹۱تا۲۹۲: از بنگلور بازار مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب مورخہ ۱۱جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص درود شریف پورا پڑھتا ہے **اللھم صل وسلم علی محمد وسیدنا وھادینا ومرشدنا ومخدومنا** (نام اپنے پیر کا لیتا ہے) حضور صلی تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک پر نہ سیدنا وھادینا ہے اور اپنے پیر کے نام پر القاب تعظیمی لگاتا ہے، پس ایسا درود پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی پیر اس کو روا رکھے تو کیسا ہے؟

(۲) بشیر ونذیر القاب مخصوصہ سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہیں یا اور کسی کو بھی کہہ سکتے ہیں؟ اگر کوئی شخص اپنے مریدوں سے کہلوائے اور اپنی نسبت روا رکھے تو اس پیر ومرشد کا شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) یہ بیجا ہے اور ایک نوع ظلم ہے اسے اس سے احتراز چاہئے، ادب تو یہ ہے کہ اکابر کے نام کے ساتھ ان کے اصاغر کا نام لیا جائے، اگر وہ اپنے اکابر ہوں تو ان کے نام کے ساتھ ان کے نام میں زیادہ الفاظ تعظیمی ضروری نہیں، نہ کہ **معاذ اللہ** عکس۔ عرب میں کنیت تعظیم ہے۔ امام ابویوسف امام محمد کے استاد مگر امام اعظم کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم، امام محمد نے جامع صغیر وغیرہ جتنی کتابیں بروایت امام ابی یوسف حضرت امام اعظم سے روایت کیں ان میں امام ابویوسف کو کنیت سے یاد نہ کیا بلکہ نام سے **محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم**، اس کا نکتہ علماء نے یہی لکھا ہے اس شخص پر اس سے احتراز لازم ہے اور پیر پر واجب ہے کہ اسے ہدایت کرے، اور اگر یہ مطلب ہو کہ پیر کی عظمت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زائد ہے تو یہ صریح کفر ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفاتِ کریمہ بایں معنی خصائصِ حضور ہیں کہ کوئی صفت میں حضور کا مماثل و شریک نہیں، امام ابومحمد بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

منزہ عن شریك فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم[1]

(آپ اپنے محاسن میں کسی شریک سے پاک ہیں، تو آپ کے حسن کا مادہ منقسم نہیں ہے)

---

[1] قصیدہ بردہ الفصل الثالث تاج کمپنی لاہور ص ۱۰

مگر حضور نے اپنی بعض صفات کریمہ کا اپنے مستفیضوں، اپنے خادموں اور اپنے غلاموں پر بھی پرتوڈال دیا جیسے علیم، حلیم، کریم کہ ان صفات کی تجلی جس میں متحقق ہواس پر ان کے اطلاق میں حرج نہیں بشیر ونذیر بھی انہیں صفات میں ہیں،

قال تعالٰی مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ [1] ،وقال تعالٰی وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿۲۴﴾ [2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشروا ولاتنفروا۔ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے۔ اور فرمایا: ہر امت میں ڈر سنانے والا گزرا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بشارت دو نفرت پیدا نہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۳: ازاجمیر شریف کارخانہ گریچ علاقہ نمبر ۳۰ لوہار خانہ مرسلہ جمال محمد ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

ہر کسی کو شیطان کہیں، یہ حلال یا حرام؟

الجواب:

گمراہ بددین کو شیطان کہا جاسکتا ہے اور اسے بھی جو لوگوں میں فتنہ پردازی کرے، ادھر کی ادھر لگا کر فساد ڈلوائے، جو کسی کو گناہ کی ترغیب دے کر لے جائے وہ اس کا شیطان ہے، اور مومن صالح کو شیطان کہنا شیطان کا کام ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد سیز دہم ختم ہوئی، اس کا آخری عنوان کتاب الحدود والتعزیر ہے، جبکہ آنے والی جلد چہار دہم کا پہلا عنوان کتاب السیر ہوگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۶۵ و ۱۸/۵۶ و ۶/۴۸

[2] القرآن الکریم ۳۵/۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶

مآخذومراجع

	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اُلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطا الدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابو علی حسن بن عبد اللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایۃ (بدایۃ المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایۃ شرح الھدایۃ	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بہجۃ الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	ببلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعہ	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبد الواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفۃ الفقہاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبد العزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشرعیۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الاثار	ابوجعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعدالدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظہری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰
ث			
۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابو محمد بن امیر المکی المصری		
ج			
۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدرالدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیۃ	ابی الحسن عبیداللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیۃ	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرۃ النیّرۃ	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابوعلی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیۃ علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیۃ ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیۃ علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیۃ علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

۱۳۰۔	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱۔	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲۔	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبدالغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳۔	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴۔	حصر المسائل فی الفروع	امام ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵۔	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶۔	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷۔	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸۔	حیٰوۃ الحیوان الکبرٰی للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود الفروینی	۶۸۲
۱۳۹۔	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰۔	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱۔	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۶۶۸
۱۴۲۔	حرز ثمین شرح حصن حصین	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳۔	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴۔	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵۔	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶۔	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷۔	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸۔	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹۔	الحاوی للفتاوٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰۔	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱۔	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲۔	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃالمفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃالدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃالفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃالوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
د			
۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر(درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدرالنثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
ذ			
۱۶۵۔	ذخیرۃالعقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃالفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
ر			
۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابو مروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

۱۷۲۔ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔ ردعلی الجھمیة	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔ رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔ رسالہ قشیریه	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔ رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔ رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔ رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔ رسالہ اتحاف الغرفه	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔ رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔ رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔ رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔ رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔ رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔ رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔ الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔ رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔ رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔ رسالہ غایة المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔ زادالفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔ زادالفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔ زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔ زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔ زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہرالربیٰ علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہرالروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخبار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحہ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی ردالمذہب الماثور	محمد بن عبدالحہ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸ـ	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹ـ	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰ـ	شرح الاربعین للنووی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱ـ	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲ـ	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳ـ	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴ـ	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبدالغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵ـ	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبدالحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶ـ	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷ـ	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸ـ	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹ـ	شرح الغریبین		
۲۳۰ـ	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱ـ	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲ـ	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبدالبر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳ـ	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴ـ	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵ـ	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶ـ	شرح مؤطا امام مالك	علامۃ محمد بن عبدالباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷ـ	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸ـ	شرح النقایۃ	مولانا عبدالعلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹ـ	شرح الوقایۃ	صدرالشریعۃ عبیداللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰ـ	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔ شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱۔ شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔ شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔ شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔ شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔ الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔ شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۷۔ شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستر اباذی	۶۸۶
۲۴۸۔ شرح طوالع الانوار	محمود بن عبد الرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔ شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔ شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔ شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔ شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔ شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔ شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔ شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔ شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔ شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔ شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔ شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔ شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔ شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔ شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔ شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبد اللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔ شرف المصطفیٰ	حافظ عبد الملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔ شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۶۔	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف بابن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷۔	شرح الملتقی للبھنسی	محمد بن محمد المعروف بابن البھنسی	۹۸۷
۲۶۸۔	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر بابن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰۔	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱۔	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳۔	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴۔	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵۔	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸۔	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹۔	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰۔	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف بیر کلی	۹۸۱
۲۸۱۔	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲۔	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳۔	العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴۔	عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵۔ عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶۔ عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷۔ عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸۔ عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹۔ عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰۔ عقد الفرید	ابوعبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱۔ عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲۔ عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴۔ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحی اللکھنوی	۱۳۰۴

غ

۲۹۵۔ غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶۔ غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷۔ غریب الحدیث	ابوالحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸۔ غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹۔ غنیۃ ذوالاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰۔ غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱۔ غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶

ف

۳۰۲۔ فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳۔ فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴۔ فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵۔ فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہیر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبدالرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبرٰی	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبدالعزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبدالعلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبداللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبداللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابوعبداللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابوالحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابو عبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابو عبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملک المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابو طالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحہ لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاس محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الھدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	1050
۳۶۲۔	کتاب الطھور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابومحمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنزالعمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکّی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنزالدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنٰی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمحشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابو بکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابو الحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیہ سید المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
	م		
۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہر زادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوٰۃ	علی بن سلطان مُلّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	۱۱۱۹
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	۲۰۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	۳۰۷
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	۲۳۸
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	۲۹۲
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	۲۹۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵۸
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	۷۷۰
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	۲۳۵
۴۳۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	۲۱۱
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵۰
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴۳۰
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	۷۴۹
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	۷۴۲
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶۹۱
۴۴۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶۱۰
۴۴۳۔	م ختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴۲۸
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	۹۳۱
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵۰۲
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷ـ	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری) ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی		۵۵۶
۴۴۸ـ	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۴۹ـ	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰ـ	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱ـ	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲ـ	منحة الخالق حاشیه بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳ـ	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴ـ	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵ـ	منہاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶ـ	مجمع البحرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷ـ	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸ـ	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹ـ	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰ـ	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبة السدوسی	۲۶۲
۴۶۱ـ	منیة المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲ـ	موطا امام مالک	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳ـ	موارد الظمآن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴ـ	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵ـ	مہذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶ـ	میزان الشریعة الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷ـ	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸ـ	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویہ	۴۱۰
۴۶۹ـ	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰ـ	مسند الامام اعظم	ابوحنیفه نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱ـ	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲۔	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳۔	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراہیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴۔	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵۔	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶۔	الملل والنحل	ابوالفتح محمد بن عبدالکریم الشہرستانی	۵۴۸
۴۷۷۔	موضوعات ابن جوزی	ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸۔	مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹۔	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰۔	مدارك التنزیل تفسیر النسفی	ابوالبرکات عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱۔	المواقف السطانیہ فی علم الکلام	عضد الدین عبدالرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲۔	مقدمہ جزریہ	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳۔	مقاصد حسنہ	شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴۔	المواہب اللدنیہ	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵۔	المنح الفکریہ شرح مقدمہ جزریہ	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶۔	المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷۔	ماثبت بالسنة	شیخ عبدالحق بن سیف الدین الدہلوی	۱۰۵۲
۴۸۸۔	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹۔	مسوی مصفی شرح موطا امام مالك	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۰۔	مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۴۹۱۔	مکتوبات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲۔	ملفوظات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳۔	معمولات	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴۔	مخزن ادویہ فی الطب	محمد حسین بن محمد الہادی بہادر خاں	
۴۹۵۔	مجموعہ فتاوٰی	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳
۴۹۶۔	معیار الحق	سید نذیر حسین الدہلوی	۱۳۴۳

۴۹۷۔	مظاہرِ حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلوٰۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر)	امام فخر الدین رازی	۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
ھ			
۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
ی			
۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ضمیمہ
مآخذومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ہدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۲/۶۹۱ ۱/۴۶۳
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابوعمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدارقطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلداللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشاد الساری الی مناسك الملا علی القاری	حسین بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیه	ابو الفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبد اللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابو المعالی عبد الملک ابن عبد اللہ الجوینی الشھیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسٰی الحازمی الشافعی	۵۸۴

ت

۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفة الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویة الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابو القاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرة الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادله لقواعد التوحید	ابو اسحٰق ابراہیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیه الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲

ث

۳۱۔	ثقفیات	ابو عبد اللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴

ج

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)	ابو عبد اللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبّی	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

ح

۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضا خاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰

خ

۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

د

۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان الوٴلوٴی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴

ذ

۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis Dawateislami

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابو الطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الھدی	عبد الغنی بن احمد بن شاہ عبد القدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابو علی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضالیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابو القاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصر الدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبد العلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح المأثورہ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبد الغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخیار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء مالزم لموتیٰ علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السریٰ التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللہو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۱۰۱ـ	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲ـ	المنتقٰی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیه	۷۲۸
۱۰۳ـ	منظومة النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴ـ	معراج الدرایة فی شرح ہدایة	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵ـ	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانه یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶ـ	مسند الشامیین		
۱۰۷ـ	مدارج النبوة	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸ـ	مجمع البرکات	شیخ عبد الحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹ـ	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰ـ	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف با بن منظور	۷۱۱
۱۱۱ـ	مائة مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲ـ	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳ـ	مالابد منه	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴ـ	مشکوٰة المصابیح	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵ـ	متشق یادر منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶ـ	موضح القرآن ترجمة القرآن	شاہ عبد القادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷ـ	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸ـ	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹ـ	المقاصد فی علم الکلام	علامه سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰ـ	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامه حامد آفندی	
۱۲۱ـ	مظاہر حق ترجمه مشکوٰة المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲ـ	منة الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳ـ	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبد الحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴ـ	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۴ـ نافع فی الفروع امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی ۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والمسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

فتاوی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۴

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
رموز 5
پیش لفظ 6
چودھویں جلد 7
مقدمہ 10
انگریزنوازی کاالزام 13
تشدّد کاالزام 15
فہرست مضامین 18
فہرست ضمنی مسائل 72
کتاب السّیر 102
رسالہ 106
اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام ۱۳۰۶ھ 106
(علم کے پہاڑوں کا اعلان کہ بیشک ہندوستان دارالاسلام ہے) 106
رسالہ 142
نابغ النور علی سوالات جبلفور ۱۳۳۹ھ 142
(جبلپور کے سوالات پر ظاہر ہونے والا نور) 142
رسالہ 174
دوام العیش من الائمۃ من قریش ۱۳۳۹ھ 174
(زندگی کا دوام اس امر میں کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے) 174
مقدمہ 185
رسالہ 250
رَدُّالرِّفضۃ ۱۳۲۰ھ 250
(تبرائی رافضیوں کا رَد) 250

رسالہ 332
المبین ختم النبیین ۱۳۲۶ھ 332
(حضور کے خاتم النبیین ہونے کے واضح دلائل) 332
المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ المُمتحنۃ ۱۳۳۹ھ 420
(سورۂ ممتحنہ کی آیت کریمہ کے بارے میں درمیانی راستہ) 420
مدارس کے اقسام اور ان میں امداد لینے کے احکام: 430
موالات کی بحث 437
آیۃ ممتحنہ کا روشن بیان 437
آیۃ ممتحنہ میں حنفِیہ کا مسلک: 438
مدارات کا بیان 469
سنانی جہاد کے احکام واقسام کا ذکر 541
انفس الفکر فی قربان البقر ۱۲۹۸ھ 546
(گائے کی قربانی کے بارے میں بہترین طریقہ) 546

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد چہاردہم (۱۴)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد چہار دہم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

مقدمہ ________ حضرت علامہ عبد الحکیم شرف قادری

تخریج و تصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۷۱۲

اشاعت ________ جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ھ / ستمبر ۱۹۹۸ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵
مقدمہ ____ ۹
کتاب السیر ____ ۱۰۱

فہرست رسائل

o اعلام الاعلام ____ ۱۰۵
o نابغ النور ____ ۱۴۱
o دوام العیش ____ ۱۷۳
o ردالرفضۃ ____ ۲۴۹
o المبین ختم النبیین ____ ۳۳۱
o المحجۃ المؤتمنۃ ____ ۴۱۹
o انفس الفکر ____ ۵۴۵

رموز

محقق: علامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدر المختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملاخسرو علامہ محمد بن فراموز

بحر: البحر الرائق، علامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہر الفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلی، ابن امیر الحاج

O

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُللہ ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی منصوبہ کی متعدد تصانیف شائع کر چکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایہ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تقریباً نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ چودھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطھارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان اور کتاب الحدود و التعزیر پر مشتمل تیرہ ۱۳ جلدیں شائع ہو چکی ہے جن کی تفصیل سنین، مشمولات اور مجموعہ صفحات کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
پہلی جلد	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
دوسری جلد	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
تیسری جلد	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
چوتھی جلد	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
پانچویں جلد	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
چھٹی جلد	کتاب الصلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
ساتویں جلد	کتاب الصلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
آٹھویں جلد	کتاب الصلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
نویں جلد	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
دسویں جلد	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
گیارھویں جلد	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
بارھویں جلد	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
تیرھویں جلد	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸

چودھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے آغاز سے صفحہ ۱۶۹ تک ۳۳۹ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی کی عبارات کا ترجمہ فاضل شہیر مصنف کتب کثیرہ حضرت مولانا مفتی محمد خاں قادری مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور نے کیا ہے، اس سے قبل چھٹی، ساتویں، آٹھویں اور دسویں جلد بھی علامہ موصوف کے ترجمے کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب السیر کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کی گئی ہے، انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سات رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام (۱۳۶۵ھ)

اس بات کا ثبوت کہ ہندوستان دار الاسلام ہے۔

(۲) نابغ النور علی سوالات جبلفور (۱۳۳۹ھ)

ترک موالات سے متعلق چند اہم سوالات کا جواب۔

(۳) دوام العیش فی الائمۃ من قریش (۱۳۳۹ھ)

خلافت شرعیہ کے لئے شرط قرشیت کا مدلل ثبوت

(۴) ردالرفضۃ (۱۳۲۰ھ)

تبرائی رافضیوں کا رد بلیغ

(۵) المبین ختم النبیین (۱۳۲۶ھ)

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم جمیع انبیاء ومرسلین ہونے کا روشن بیان

(۶) المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ)

تحریک خلافت اور غیر مسلموں سے ترک موالات پر بحث۔

(۷) انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ)

گاؤکشی کے معاملہ میں مفصل تحقیقات اور ہندوؤں کے شبہات کا ازالہ۔

مذکورہ بالاسات رسائل میں سے دو رسالے **نابغ النور** اور **المبین** پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں موجود تھے جبکہ آخر الذکر رسالہ **انفس الفکر** فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم **کتاب الاضحیہ** میں شامل تھا۔ مگر اس کے مباحث جلیلہ **کتاب السیر** سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں لہٰذا اس کو جلد ہذا میں شامل کردیا گیا۔ باقی چاروں رسائل اس سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت کے پیش نظر ان کو اس جلد کی زینت بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔ رسالہ **انفس الفکر** کے متصل بعد جلد ہشتم قدیم میں مذکور ہندوستان میں گاؤکشی کے بارے میں نو مسائل بھی اس جلد میں شامل کردئے گئے ہیں، اس طرح رسالہ **انفس الفکر** سمیت صفحہ ۴۴۳ تا ۴۵۹ تقریبا سولہ صفحات کو جلد ہشتم قدیم سے نکال کر جلد ہذا میں شامل کیا گیا۔ رسالہ **انفس الفکر** کے حوالے سے مصنف علیہ الرحمۃ کی خداداد فہمی بصیرت پر صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی کا تبصرہ اہم وضاحت کے عنوان سے رسالہ مذکورہ کے حاشیہ میں دے دیا گیا ہے۔

ہندوستان میں گاؤکشی کے بارے میں مسلم لیگ ضلع بریلی کی طرف سے بھیجے گئے استفتاء کا جناب نواب مرزا صاحب کی طرف سے تحریر کردہ جواب بھی پیش نظر جلد کے صفحہ ۵۵۸ پر ذکر کردیا گیا ہے جس کی

مصنف علیہ الرحمۃ نے تصدیق فرمائی تھی۔

مندرجہ ذیل تین رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل نہیں کئے جاسکے باوجودیکہ ان کا تعلق کتاب السیر سے ہے:

o المجل المسددان سباب المصطفی مرتد

o البارقة اللمعا علی ساعد من نطق بالکفر طوعا

o المقال الباھر منکر الفقه کافر

نوٹ: پیر طریقت، رہبر شریعت حضرت مولانا الحاج پیر سید محمد معروف حسین عارف نوشاہی قادری بانی ورلڈ اسلامک مشن وسرپرست اعلی مرکزی جمیعت تبلیغ اسلام (یو۔کے) اس عظیم الشان منصوبے کے آغاز سے لے کر اب تک ہر اعتبار سے مسلسل اور بھرپور تعاون فرمارہے ہیں جس سے دین اسلام اور مسلک حق اہل سنت وجماعت سے ان کی محبت نیز اعلٰیحضرت عظیم المرتبت امام احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت کا پتا چلتاہے، موصوف کی مساعی جمیلہ للیہت اور اراکین ادارہ کی حوصلہ افزائی کے پیش نظر بجاطور پر یہ کہا جاسکتاہے کہ اس ادارہ کو قبلہ پیر صاحب کی مکمل سرپرستی حاصل ہے جس پر تمام اراکین ادارہ صمیم قلب سے آپ کے شکر گزار ہیں۔

o

جمادی الاولی ۱۴۱۹ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ستمبر ۱۹۹۸ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم وعلی اٰلہ واصحابہ اجمعین

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالٰی کا علم وفضل، تبحر، وسعت نظری، فکر ونظر کی گہرائی، پچاس ۵۰ سے زیادہ علوم میں مہارت، یہ وہ امور ہیں جو کسی بھی باخبر شخصیت سے مخفی نہیں ہیں، رضا فاؤنڈیشن لاہور کی طرف سے ترتیب جدید کے ساتھ فتاوٰی رضویہ کی تیرہ جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں، ان میں پرانی پانچ جلدیں پیش کی جاسکی ہیں، امید ہے کہ پچیس تیس جلدوں میں پورا فتاوٰی مکمل ہوسکے گا، اس کا مطالعہ کرنے کے بعد کوئی صاحب علم امام احمد رضا کے تبحر علمی کا انکار نہیں کرسکتا۔

امام احمد رضا بریلوی کے علم وقلم نے نہ صرف مسلمانوں کے ایمان اور عقائد کی حفاظت کی انھیں زندگی میں پیش آنے والے عبادات ومعاملات کے احکام سے آگاہ کیا بلکہ انھیں باوقار زندہ رہنے کا اسلامی طریقہ بھی سکھایا، وہ سیاسی لیڈر نہ تھے لیکن وقت آنے پر انھوں نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جس کے نتیجے میں ملت اسلامیہ کا سفینہ ساحل مراد پر جالگا اور دنیا کے نقشے پر پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

پاکستان کے قابل صد فخر سپوت اور نامور مسلمان سائنس دان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خاں نے ایٹمی دھماکوں سے چند دن قبل ۲۴ مئی ۱۹۹۸ھ کو درج ذیل بیان جاری کیا:

"آج سے سوسال قبل جب انگریز ہندوؤں کے ساتھ ساز باز کرکے ہند کی معیشت پر قابض

ہوئے تو مسلمانوں کے تشخص اور تعلیمی نظام کو زبردست دھچکا لگا، استعماری طاقتوں کے مذموم عزائم کی بدولت مذہبی قدریں زوال پذیر ہونے لگی تھیں۔

اس پر آشوب دور میں اللہ رب العزت نے برصغیر کے مسلمانوں کو امام احمد رضا جیسی باصلاحیت اور مدبرانہ قیادت سے نوازا جس کی تصانیف، تالیفات اور تبلیغی کاوشوں نے شکست خوردہ قوم میں ایک فکری انقلاب بپا کردیا۔

امام صاحب کی شخصیت جذبہ عشق رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے لبریز تھی، آپ کی ساری زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی ذات نبی کریم سے وفاشعاری کا نشان مجسم تھی۔"[1]

بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے اور تیسرے عشرے میں کئی ایسی تحریکیں چلیں جن میں واضح طور پر محسوس ہوتا تھا کہ مسلمان اپنا تشخص کھو کر ہندومت میں مدغم ہوجائیں گے، انگریز تاجر بن کر ہندوستان آیا اور اپنی سازشوں سے یہاں کا حکمران بن بیٹھا، ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی حکومت برطانیہ نے بے شمار ہندوستانیوں کو اس وعدے پر فوج میں بھرتی کرکے جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا کہ فتح کے بعد ہندوستان آزاد کردیا جائے، مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی جوہر نے فوجی بھرتی کی بھرپور حمایت کی، دولاکھ کے قریب مسلمان اور ہندو فوج میں بھرتی ہوئے، عظیم اسلامی ملک ترکی کو شکست ہوئی فتح مکہ کے بعد انگریز اپنے وعدے سے منحرف ہوگیا، مسٹر گاندھی نے انھیں سزا دینے کے لئے "مسئلہ خلافت" کھڑا کردیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ترکی کا سلطان اسلامی خلیفہ ہے، اس کی خلافت کو ختم کرنا اسلام پر حملہ کرنے کے مترادف ہے۔ کتنی عجیب بات تھی کہ وہ گاندھی جو ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک انچ زمین دینے پر تیار نہ تھا وہ عالمی سطح پر مسلمانوں کی خلافت بحال کرنے کا نعرہ لگارہا تھا۔

پھر اس تحریک کو تحریک "ترک موالات" بنادیا گیا جس کا مطلب یہ تھا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریز کا ہر قسم کا بائیکاٹ کریں، ان کی ملازمت چھوڑیں، ان کی دی ہوئی جاگیریں واپس کردیں، مسلمانوں کے کالجوں کو ملنے والی گرانٹ واپس کردیں، غرض یہ کہ ان سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیں، افسوسناک صورت یہ تھی کہ گاندھی لیڈر تھا مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر دست بستہ اس کے پیچھے چل رہے تھے، ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتوے دئے جارہے تھے، مسجدوں کے

[1] ہینڈبل شائع کردہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ص ۳۔۲

منبروں پر گاندھی ایسے مشرک کو بٹھا کر اس کی تقریریں کرائی جارہی تھیں مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے پوری طرح راہ ہموار کی جاچکی تھی۔

دوسری طرف لیڈروں کی نگاہ سے یہ حقیقت یکسر پوشیدہ تھی کہ انگریز کے اس ملک سے چلے جانے کے بعد اقتدار لازمی طور پر ہندوؤں کو ملے گا، جو ہندوستان میں غالب اکثریت میں تھے، مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچتا؟ انھیں یہی فرق پڑتا کہ پہلے انگریز حکمران تھے جو اہل کتاب ہونے کا دعوی کرتے تھے بعد میں ہندوؤں کی حکومت ہوتی جو مشرک تھے اور کسی آسمانی کتاب کو نہ مانتے تھے ہندوؤں نے حکومت نہ ہونے کے باوجود شدھی اور سنگھٹن تحریکوں کے ذریعے مسلمانوں کو ہندو بنانے کے لئے ہر حربہ استعمال کر ڈالا تھا، جب انھیں حکومت مل جاتی تو وہ کیا کچھ نہ کرتے؟ اس دور میں اس حقیقت کا ادراک سب سے پہلے امام احمد رضا بریلوی نے کیا اور بستر علالت سے "**المحجة المؤتمنة**" کتاب لکھ کر ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں پر کاری ضرب لگائی اور قوم مسلم میں نئی روح پھونک دی یہ کتاب تحریک پاکستان کی خشت اول کی حیثیت رکھتی ہے، یہ کتاب فتاوی رضویہ کی چودھویں جلد میں شائع کردی گئی ہے، ارباب حکومت، ماہرین تعلیم اور تاریخ پاکستان کے محققین کو اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں:

"امام رضا گاندھی کے بچھائے ہوئے اس دام ہمرنگ زمین کو خوب دیکھ رہے تھے انھوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اس وقت آواز اٹھائی جب اقبال اور قائداعظم بھی اس کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے، دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا مقتداء ہیں اور یہ دونوں حضرات مقتدی، پاکستان کی تحریک کو کبھی فروغ نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے۔"[1]

امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ کا موقف یہ تھا کہ موالات دوستی کو کہتے ہیں، مسلمان کے دل میں کسی بھی کافر کی دوستی نہیں ہونی چاہئے خواہ انگریز ہو یا ہندو، تحریک ترک موالات کے حامی انگریز کی دوستی ہی نہیں اس کے ساتھ معاملات کرنے سے بھی منع کرتے تھے، دوسری طرف ہندو کی دوستی میں اس قدر آگے بڑھ گئے تھے کہ اتحاد کی کوشش کر رہے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اختلاف کی

---

[1] کوثر نیازی: امام احمد رضا خاں بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت معارف نعمانیہ لاہور ص ۱۵۔ ۱۴

ایک وجہ یہ تھی کہ ان تحریکوں میں گاندھی ایسا مشرک لیڈر تھا اور مسلمان لیڈر اس کے مقتدی تھے، اس میل جول اور اتحاد کا اثر ہندوؤں پر تو کچھ نہ ہوتا البتہ مسلمان اپنے دین سے ہاتھ دھو بیٹھتے، اس موقع پر امام احمد رضا بریلوی نے ڈنکے کی چوٹ پر اس اتحاد کی مخالفت کی، اور اتحاد کرنے والے علماء اور لیڈر کو فرقہ گاندھویہ کا لقب دے کر ان کی شدید مخالفت کی، چونکہ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء اہلسنت کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا اس لئے ان کے مخالفین ابوالکلام آزاد وغیرہ کی بڑی کوشش تھی کہ وہ بھی ہمارے ساتھ تحریکوں میں شریک ہو جائیں۔

ایک شوشہ یہ چھوڑا گیا کہ ترکی کی حکومت چونکہ خلافت شرعیہ ہے اس لئے جو اس کی حمایت نہیں کرتا وہ کافر ہے، امام احمد رضا بریلوی سے اس سلسلے میں استفتاء کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جہاں تک خیر خواہی کا تعلق ہے وہ تو دل سے ہر مسلمان کے لئے فرض ہے، اس میں قریشی ہونا شرط نہیں البتہ خلافت شرعیہ کے لئے دیگر شرائط کے علاوہ ایک شرط قریشی ہونا ہے، اس مسئلے پر آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے:

"دوام العیش فی الائمۃ من قریش۔"

یہ رسالہ آپ کی وفات کے بعد چھپا، اس کی اشاعت سے انگریز کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا تو آپ کی ظاہری زندگی میں شائع کیا جاتا۔

انگریز نوازی کا الزام

یہ وہ حالات تھے جن کی بناء پر مخالفین نے امام احمد رضا پر انگریز نوازی کا الزام لگایا، جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

نوائے وقت کے مشہور کالم نویس میاں عبدالرشید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

"ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا اس لئے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔ لیکن تاریخ نے ان ہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آرہا ہے۔"[1]

[1] میاں عبدالرشید: پاکستان کا پس منظر اور پیش نظر (ادارہ تحقیقات پاکستان لاہور) ص ۱۲۰

مشہور کالم نگار کوثر نیازی لکھتے ہیں:

"ایک ایسا مرد مومن جسے انگریزی سامراج سے اتنی نفرت ہو کہ وہ اس کی کچہری میں جانے کو حرام سمجھتا ہو، جو مقدمہ قائم ہو جانے کے باوجود اس کی عدالت میں نہ گیا ہو، جو خط لکھتا ہو تو کارڈ اور لفافے کی الٹی طرف پتہ لکھتا ہو تاکہ انگریز بادشاہ اور ملک کا سرنیچا نظر آئے، جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے پہلے یہ وصیت کی ہو کہ اس دالان سے ڈاک میں آئے ہوئے وہ تمام خطوط جن پر ملکہ اور بادشاہ کی تصویر ہے اور روپے پیسے جن پر یہ تصویریں ہیں سب باہر پھینک دئے جائیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آنے میں دشواری نہ ہو،

جس نے نعت گوئی میں بھی کسی کو نمونہ مانا اور اسے سلطان نعت گویاں قرار دیا تو حضرت مولانا کفایت علی کافی تھے جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتوی دیا۔ اس سلسلے میں باقاعدہ جدوجہد کی اور ۱۸۵۸ء میں مراد آباد کے چوک میں انھیں برسرعام پھانسی دے دی (مقصد یہ کہ امام احمد رضا (علیہ الرحمۃ) انگریز نواز ہوتے تو انگریز کے اتنے بڑے دشمن کو اپنا آئیڈیل نہ بناتے ۱۲ قادری)

اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریز کا حامی تھا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے سورج ظلمت، پھول بدبو، چاند گرمی، سمندر خشکی، بہار جھڑ، صبا صرصر، پانی حدت، ہوا حبس اور حکمت جہالت کا دوسرا نام ہے ع

پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی [1]"

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی حیات مبارکہ وہ شفاف آئینہ ہے جس پر انگریز نوازی کا کوئی داغ نہیں۔ انھوں نے ان کے صاحبزادوں اور تلامذہ وخلفاء نے کبھی انگریز سے تعلق نہ رکھا، ان میں سے کسی کو انگریز نے شمس العلماء وغیرہ کا خطاب نہ دیا۔ نہ ان میں سے کسی نے انگریز سے جائیداد حاصل کی، آج انڈیا آفس لائبریری کا ریکارڈ اوپن ہو چکا ہے جس کا تعلق پاک وہند کی تحریک آزادی سے ہے، کہیں سے تو انگریز دوستی کا ثبوت ملے۔

اس کے برعکس یہ حقیقت کوئی راز سربستہ نہیں رہی کہ تحریک ریشمی رومال کا راز کس نے طشت از بام

---

[1] کوثر نیازی: امام احمد رضا ہمہ جہت شخصیت ص ۱۶

کیا؟ اور کس کی اطلاع پر جنود ربانیہ کے زعماء مولوی محمود حسن وغیرہ کو گرفتار کرکے جزیرہ مالٹا میں قید کیا گیا؟ مولوی تاج محمود امروٹی کے صاحبزادے اور سندھ کے سیاسی لیڈر مولوی محمد شاہ امروٹی نے بستر مرگ پر پڑے ہوئے بیان دیا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ان تمام منصوبوں کی اطلاع اپنے بھائی مظہر علی کو پہنچائی جو سی آئی ڈی کے افسر اعلی تھے، انھوں نے انگریز حکومت کو اطلاع پہنچادی[1] اور مولوی شبیر احمد عثمانی نے صاف اعتراف کیا کہ بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ تھانوی صاحب کو انگریز حکومت کی طرف سے چھ سو روپے ماہانہ ملا کرتے تھے۔[2]

کیا یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا کے بھی انگریز حکومت کے ساتھ اس قسم کے تعلقات تھے یا انھوں نے حکومت وقت سے مفاد حاصل کیا؟ وہ تو انگریز دور حکومت میں مسلم اللہ کو جگاتے ہوئے فرمارہے ہیں؟

ع سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

تشدّد کا الزام

امام احمد رضا بریلوی اخلاص اور للّٰہیت کا پیکر تھے، انھوں نے قرآن وحدیث اسلام کے ارشادات کی روشنی میں بغیر کسی رورعایت کے فتوے صادر کئے، روافض اور قادیانیوں کے خلاف آپ کے فتووں کو دیوبندی مکتب فکر کے لوگ بھی اپنی تائید اور حمایت کے ساتھ شائع کرتے ہیں اور انھیں تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے دیوبند کے خلاف ان کے فتووں کو قابل التفات نہ گردانا جائے؟

دراصل بات یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم ضروریات دین میں سے ہے اور آپ کی گستاخی اور توہین کفر ہے، اس پر بریلوی دیوبندی دونوں متفق ہیں۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا گنگوہی۔۔۔۔فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو، مگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہوجاتا ہے۔"[3]

اختلاف اس وقت پیدا ہوا جب امام احمد رضا بریلوی نے علماء دیوبند کی بعض عبارات پر گرفت کی

---

[1] انجم لاشاری ماہنامہ شوٹائم، کراچی (شمارہ اپریل ۱۹۸۸ء) ص ۱۳۱

[2] مکالمۃ الصدرین (مطبوعہ دیوبند) ص ۱۰۔۹

[3] حسین احمد مدنی، مولوی: الشہاب الثاقب ص ۵۷

اور انھیں حرمین شریفین کے علماء کے سامنے پیش کرکے ان سے دریافت کیا کہ یہ عبارات رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہیں اور ان کا قائل کافر ہے یا نہیں؟ پینتیس ۳۵ علمائے حرمین شریفین نے فتوی دیا کہ یہ عبارات کفریہ ہیں اور ان کے قائل کافر ہیں، اب چاہئے تو یہ تھا کہ ان چند سطری عبارات کو حذف کردیا جاتا اور اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں توبہ کی جاتی۔ لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوا، اور وہ کتابیں ان عبارات سمیت آج تک چھپ رہی ہیں، متحدہ پاک وہند کے اڑھائی سو سے زائد علماء اور مشائخ نے اس فتوے کی تصدیق کی، دیکھئے الصوارم الہندیہ از مولانا حشمت علی خاں رضوی رحمہ اللہ تعالٰی،

یہ فتوی علمائے دیوبند سے ذاتی مخاصمت کی بناپر نہیں بلکہ ناموس مصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی حفاظت کی خاطر دیا تھا، مولوی مرتضی حسن دربھنگی ناظم تعلیمات شعبہ تبلیغ دارالعلوم دیوبند اس فتوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر (مولانا احمد) خاں صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے انھیں سمجھا تو خاں صاحب پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی، اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہوجاتے۔"[1]

مولانا کوثر نیازی اس اختلاف اور اس کے پس منظر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اصل جھگڑا یہاں سے چلا کہ ان (علماء دیوبند) کے بعض اکابر کی خلاف احتیاط تحریروں کو امام رضا نے قابل اعتراض گردانا اور چونکہ معاملہ عظمت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تھا، توہین رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بنیاد پر انھیں فتووں کا نشانہ بنایا دیکھا جائے تو یہی فتوے امام بریلوی اور ان کے مکتب فکر کے جداگانہ تشخص کا مدار ہیں، جس تشدد کی دہائی دی جاتی ہے وہی ان کی ذات کی پہچان اور پوری حیات کا عرفان ہے"۔[2]

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے یہ فتوے کسی ذاتی یا گروہی مخاصمت کی بناء پر نہیں بلکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت اور تقدس کے تحفظ کے لئے دئے جو ہر مسلمان کا فرض ہے، ان کے ایک مکتوب کا کچھ حصہ پیش کیا جاتا ہے جس کا ایک ایک لفظ ان کے درد دل کا آئینہ ہے، ڈیرہ غازی خاں کے مولانا غلام یسین رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

[1] مرتضی حسن دربھنگی، مولوی اشد العذاب ص ۱۴

[2] کوثر نیازی: امام احمد رضا ہمہ جہت شخصیت ص ۷

"مولانا! زمانہ غربت اسلام ہے "بدأ الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ فطوبٰی للغرباء" غربت کے لئے کسمپرسی لازم ہے، سنیوں میں عوام کی توجہ لہو ولعب وہزل کی طرف اور بدمذہب رافضی ہوں یا وہابی یا قادیانی یا آریہ یا نصاری، سب اپنے اپنے مذہب کی نصرت وحمایت و اشاعت میں کمربستہ ہیں۔ مال سے اعمال سے اقوال سے، سنیوں کو کون پوچھتا ہے؟ وقت ہی شیوع ضلالت کا ہے، ان کو اگر کوئی آدھی بات کہے جامہ سے باہر ہوں، ماں باپ کو گالی دے اس کے خون کے پیاسے ہوں، اس وقت تہذیب بالائے طاق رہتی ہے، ساری تہذیب اللہ عزوجل اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل برتی جاتی ہے کہ ان کو منہ بھر گالیاں دینے والے، لکھ لکھ کر چھاپنے والے جو چاہیں بکیں، ان بکنے والوں کا نام ذرا بے تعظیمی سے لیا اور نامہذب درشت گو کا خلعت عطا ہوا، یہ حالت ایمان ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایسوں کے نزدیک تو معاذ اللہ قرآن عظیم بھی نامہذب ہے "فلا تطع کل حلاف مھین ھماز مشاء بنمیم مناع للخیر معتد اثیم عتل بعد ذٰلك زنیم۔ یایھا النبی جاھد الکفار والمنفقین واغلظ علیھم۔ وقاتلوا الذین یلونکم من الکفار ولیجدوا فیکم غلظة۔ ودوا لوتدھن فیدھنون۔ ولاتاخذکم بھما رأفة فی دین اللہ۔ تقربوا الی اللہ ببغض اھل المعاصی والقوھم بوجوہ مقفھّرۃ۔

بات یہ ہے کہ اللہ ورسول کی عزت قلوب میں بہت کم ہوگئی ہے، ماں باپ کو برا کہنے سے دل کو درد پہنچتا ہے، تہذیب بالائے طاق رہتی ہے، نہ اس وقت اخوت واتحاد کا سبق یاد ہے، اللہ ورسول پر جو گالیاں برستی ہیں ان سے دل پر میل بھی نہیں آتا، وہاں نیچری تہذیب آڑے آتی ہے، اللہ اسلام دے اور مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے"۔

تفصیل کے لئے سعادت لوح وقلم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی کی تصنیف لطیف "گناہ بیگناہی" اور مولانا علامہ محمد منشا تابش قصوری کی پاک وہند میں مقبول کتاب "دعوت فکر" کا مطالعہ فرمائیں۔

O

۱۸ جمادی الاولٰی ۱۴۱۹ھ

۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء

محمد عبدالحکیم شرف قادری

فہرست مضامین

کتاب السیر	۱۰۱	کیا ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام۔	۱۰۵
ایک مخصوص ہجرت کا حکم	۱۰۱	اس زمانے کے یہود ونصارٰی کتابی ہیں یا نہیں۔	۱۰۵
آدمی پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے ان کی تضییع گناہ ہے۔	۱۰۱	روافض وغیرہ داخل مرتدین ہیں یا نہیں۔	۱۰۵
ہجرت شرعی کے احکام وشرائط	۱۰۲	جواب سوال اول۔	۱۰۵
دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف ہجرت فرض ہے۔	۱۰۲	ہمارے علماء ثلثہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے ہر گز دار الحرب نہیں۔	۱۰۵
جو فی الحقیقت مجبور ہے وہ معذور ہے۔	۱۰۲	امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک دار الاسلام کے دار الحرب ہو جانے کے لئے تین باتیں درکار ہیں۔	۱۰۵
جہاں اقامت فرائض سے آدمی مجبور ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے۔	۱۰۲	دار الاسلام کے دار الحرب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں احکام شرک اعلانیہ جاری ہوں اور اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہوں مگر یہ بات ہندوستان میں قطعاً موجود نہیں۔	۱۰۵
ہندوستان دار الاسلام ہے۔	۱۰۳	شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ کی کہ یہ شوکت وجبروت ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے۔	۱۰۶
○ **اعلام الاعلام بأن ہندوستان دار الاسلام** (اس بات کا ثبوت کہ ہندوستان دار الاسلام ہے)	۱۰۵		

دارالحرب صرف ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتاہے وہ یہ کہ وہاں اسلام کاحکم غالب ہوجائے۔	۱۰۶	بعض اجلہ مشاہیر معاصرین کی غلط فہمی پر مصنف علیہ الرحمۃ کی گرفت۔	۱۱۲
امام اعظم کے نزدیک دارالاسلام تین شرطوں کے پائے جانے سے دارالحرب بن جاتاہے جبکہ صاحبین کے نزدیک صرف ایک ہی شرط سے دارالحرب قرار پاجائے گا۔	۱۰۶	الاتصال بدارالحرب کا مطلب اوراس بات کا بیان کہ کیا یہ نفی حربیت کے لئے شرط ہے۔	۱۱۲
حکم جب کسی علت سے ثابت ہو توجب تک علت باقی رہے حکم باقی رہتاہے۔	۱۰۷	امام صاحب کے نزدیک کسی دارالاسلام کے دارالحرب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ چاروں طرفوں سے دارالاسلام میں گھراہوانہ ہو۔	۱۱۳
دارالاسلام میں جب تک کچھ بھی احکام اسلام باقی رہیں وہ دارالحرب نہ بنے گا اگرچہ وہاں اہل اسلام کاغلبہ ختم ہوجائے۔	۱۰۷	ان لوگوں پر تعجب ہے جو تحلیل ربٰو کے لئے ہندوستان کو دارالحرب ٹھہراتے ہیں اور قدرت واستطاعت کے باوجود ہجرت نہیں کرتے۔	۱۱۴
دارالحرب میں بعض اسلامی احکام نافذ ہوجائیں تو وہ دارالاسلام بن جاتاہے۔	۱۰۸	سود کی حرمت نصوص قاطعہ سے ثابت ہے۔	۱۱۴
ظاہر یہ ہے کہ جہاں احکام شرک اور احکام اسلام دونوں نافذ ہوں وہ دارالحرب نہیں ہوگا۔	۱۰۹	سود کھانے والے قیامت کو آسیب زدہ کی طرح اٹھیں گے یعنی مجنونانہ گرتے پڑتے بدحواس۔	۱۱۴
مذکورہ بالا دعوی کے ثبوت پر دو چیزیں دلیل ہیں۔	۱۰۹	سود خوروں کے پیٹ بڑے ہوجائیں گی اور ان میں سانپ بچھو بھر جائیں گے۔	۱۱۴
پہلی چیز۔	۱۰۹	سود کھانے والوں کا اللہ تعالٰی اور اس کے رسول سے اعلان جنگ۔	۱۱۴
دوسری چیز۔	۱۱۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود خور پر لعنت فرمائی۔	۱۱۴
الاسلام یعلو ولایعلی (اسلام غالب ہوتاہے مغلوب نہیں ہوتا)	۱۱۰	سود کے ستر درجے ہیں جن میں سے ادنٰی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔	۱۱۴
خلاف مراد شرع اہل ذمہ کے ذلت سے نکل کر ترقی پانے کے اسباب۔	۱۱۱	ایک درہم سود کا دانستہ کھانا ایساہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرنا۔	۱۱۵
بعض لوگوں کا وہم ہے کہ ہندوستان سے دارالحرب کی نفی صرف امام اعظم کامذہب ہے صاحبین کا نہیں۔	۱۱۲		

جواب سوال دوم۔	۱۱۵	صابی یعنی ستارہ پرستی عورتوں سے نکاح کیسا ہے۔	۱۱۹
نصارٰی باعتبار حقیقت لغویہ مشرکین ہیں اور یہی حال یہود کا ہے۔	۱۱۵	کیا صابی اہل کتاب ہے۔	۱۱۹
قیام مبداء مستلزم صدق مشتق ہوتا ہے۔	۱۱۵	احتیاط اسی میں ہے کہ نصارٰی کی نساء وذبائح سے احتراز کرے۔	۱۲۲
یہود ونصارٰی کے احکام اور دیگر مشرکین کے احکام میں کیا فرق ہے اور اس کی وجہ۔	۱۱۵	آج کل بعض یہود عزیر علیہ السلام کی ابنیت کے قائل ہیں ان کے زن وذبیحہ سے بچنا لازم جانیں۔	۱۲۲
اس زمانے کے یہود ونصارٰی کے بارے میں علماء کا اختلاف اور اس پر تفصیلی بحث۔	۱۱۵	اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول سے جبکہ ضرورت نہ ہو تو احتراز کرنا چاہئے۔	۱۲۲
کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۱۱۶	عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود اور دوسری جانب حرام قطعی ہو۔	۱۲۲
نکاح کتابیہ کے صحیح ہونے کی شرطیں۔	۱۱۶	جواب سوال سوم	۱۲۳
لفظ مشرک جب مطلق ذکر کیا جائے تو اصطلاح شرع میں اہل کتاب کو شامل نہ ہوگا۔	۱۱۷	جو بدعتی ضروریات دین میں سے کسی کا منکر ہو باجماع مسلمین یقینا قطعاً کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، نہ ہی اس کا نماز، روزہ، حج اور صدقہ خیرات قبول ہوگا۔	۱۲۳
اہل کتاب کے فعل پر لفظ یشرکون کا اطلاق کسی معنی میں ہے۔	۱۱۷	ہزار ضروریات دین میں سے ایک کا انکار ایسا ہی ہے جیسا نو سو ننانوے کا۔	۱۲۳
اصطلاح شرع میں لفظ مشرک کا علی الاطلاق استعمال کس شخص پر ہوتا ہے۔	۱۱۷	بات بات پر کفر وشرک کا اطلاق کرنا اور مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا غلط ہے۔	۱۲۳
بالجملہ محققین کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ یہود ونصارٰی مطلقاً اہل کتاب ہیں اور ان پر احکام مشرکین جاری نہیں۔	۱۱۷	اعمال تابع ایمان ہیں۔	۱۲۳
مسئلہ مذکورہ سے متعلق مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۱۱۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کثرت اعمال والی ایک قوم کے بارے میں فرمان کہ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔	۱۲۴

مجرد زبان سے کلمہ گوئی کافی نہیں۔	۱۲۴	دارالاسلام سے ہجرت عامہ حرام ہے۔	۱۳۱
ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکار ضروریات دین کے کہاں۔	۱۲۴	ہجرت خاص کی تین قسمیں اور ان کے احکام	۱۳۱
روافض کے عقائد باطلہ کا بیان۔	۱۲۴	سلطنت اسلام جماعت اسلام بلکہ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے۔	۱۳۳
نجدیوں وہابیوں کے عقائد باطلہ کا بیان۔	۱۲۵	مسلمان اپنے فرائض کا بقدر طاقت مکلّف ہے۔	۱۳۳
نیچریوں کے عقائد باطلہ کا بیان۔	۱۲۶	مشرکین سے وداد واتحاد اور ان کے مراسم کی ادائیگی اور ان کی حمایت وخیر خواہی گمراہی بلکہ کفر بھی ہوسکتی ہے۔	۱۳۳
جھوٹے صوفیوں کے نظریات باطلہ کا بیان۔	۱۲۶	مکروہ تحریمی سے کفر وارتداد تک ممنوعات کے درجے اور ان سے نفرت کے احکام	۱۳۴
مذکورہ بالا عقائد کے حامل فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں۔	۱۲۸	کفر اصلی سے ارتداد بدتر، کفر اصلی میں نصرانیت سے مجوسیت بدتر، اور اس سے بھی بدتر وہابیت اور اس سے بدتر دیوبندیت ہے۔	۱۳۴
مذکورہ بالا عقائد کے حامل فرقوں کے مرتد ہونے کا بیان۔	۱۲۸	افعال خواہ کتنے ہی قبیح ہوں کفر سے کم درجہ شنیع ہے۔	۱۳۴
کفار چند قسم پر ہیں۔	۱۲۸	کفر والحاد سے اتحاد وداد حرام ہے۔	۱۳۴
روافض کے چند عقائد جن کی وجہ سے ان کی تکفیر ضروری ہے یہ لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔	۱۲۸	اللہ ورسول کے دشمنوں سے دوستی حرام ہے۔	۱۳۵
مرتدہ عورت جب دارالحرب چلی جائے تو اس کے بعد اس کو لونڈی بنانا جائز ہے۔	۱۲۹	بت پرست، وہابیہ اور دیوبندیہ "من حاد اللہ ورسولہ" میں داخل ہیں۔	۱۳۵
زوجین یا ان میں سے ایک نے کفر کا اظہار کیا تو ان کا نکاح ختم ہوگیا۔	۱۲۹	جو "یوادون من حاد اللہ ورسولہ" ہیں وہ "یؤمنون باللہ و الیوم الاخر" نہیں۔	۱۳۵
مبتدعین منکرین ضروریات دین پر حکم مرتدین جاری ہونا ہی منقول ومقبول بلکہ مذاہب اربعہ کا مفتی بہ ہے۔	۱۳۰	کفار کو مراسم کفر کی اجازت دینا اور ان کے دین پر چھوڑنے میں فرق ہے۔	۱۳۶
ہجرت کی دو قسمیں اور ان کا بیان۔	۱۳۱	جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کے نہ رہنے کا مضمون حدیثوں سے ثابت ہے۔	۱۳۶
ہجرت عام سے مستثنٰی افراد کا بیان۔	۱۳۱	جزیرۃ العرب میں غیر مسلموں کا طویل قیام ممنوع ہے تجارت وغیرہ اغراض سے مختصر قیام جائز ہے۔	۱۳۷

"اخرجوا الیہود والنصارٰی" پر عمل دور فاروقی میں ہوا۔	۱۳۸	کافر اصلی غیر ذمی غیر مستامن سے عقود فاسدہ بھی جائز ہیں جن میں عذر نہ ہو۔	۱۳۹
قرامطہ، عبیدی اور نجدیہ کا جبری تسلط کسی خلیفہ یا سلطان کی اجازت سے نہ تھا۔	۱۳۸	○ **نابغ النور علی سوالات جبلفور** (ترک موالات سے متعلق چند اہم سوالات کا جواب) ناظم جماعت خدام اہلسنت جبلپور کے ارسال کردہ سات سوالوں کا جواب۔	۱۴۱
عدن اور جدہ میں نصارٰی کا قیام اواخر سلطنت ترک سے ہے۔	۱۳۸	سوال ۱: ایک ایسے سنی عالم دین پر لگائے جانیوالے فتوی کے بارے میں سوال جو سلطنت ترکی کو عظیم الشان سلطنت اسلامیہ سمجھتاہے مگر اغراض فاسدہ کے لئے بنائی جانیوالی خلافت کمیٹی کی مخالف کرتا ہے۔	۱۴۱
وہابی، سنیوں اور ترکوں کو غیر مسلم مانتے ہیں۔	۱۳۸	سوال ۲: کیا صرف یہود ونصارٰی سے موالات حرام ہے یاہر کافر مشرک و بے دین سے۔	۱۴۲
قرامطہ حجر اسود کھود کرلے گئے جو بیس برس بعد واپس ہوا۔	۱۳۸	سوال ۳: یہود ونصارٰی سے ترک موالات کو فرض بتانے والے اور دوسرے کفار و مشرکین سے موالات کرنیوالے کی نسبت شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔	۱۴۲
نجدیوں کی ضرب سے اس میں شق آگیا۔	۱۳۸	سوال ۴: جو عالم نہ صرف یہود ونصارٰی بلکہ ہر کافر ومشرک و بے دین سے ترک موالات کو فرض بتائے اس پر بہتان لگانے والوں اور اس کے خلاف غلط فتوی بازی کرنیوالوں کا کیا حکم ہے۔	۱۴۲
سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کا تحفظ مسلمانوں پر فرض ہے۔	۱۳۸	سوال ۵: جماعت اہلسنت میں تفرقہ ڈالنے والوں اور کفار ومشرکین کے اغوا سے مسلمان میں پھوٹ پیدا کرنے والوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے۔	۱۴۳
حمایت وحفاظت کے لئے فی زماننا تین ضروری امور۔	۱۳۹	سوال ۶: مشرکوں بت پرستوں کو خوش کرنے کے لئے گائے کی قربانی چھڑانے کی کوشش کرنے والوں اور مسلمانوں کو اس پر مجبور کرنے والوں کا کیا حکم ہے۔	۱۴۳
ہندوستان کے کافر ذمی نہیں ہیں۔	۱۳۹	سوال ۷: جو گائے کی قربانی کرنا چاہتاہو اس کا ان مشرک بت پرستوں کے بہکانے سے ان کے دام شیطنیت میں پھنس کر گائے کی قربانی چھوڑنا کیساہے اور چھوڑنے والے کا کیا حکم ہے۔	۱۴۳
جائز لین دین ہر اصلی کافر سے جائز ہے۔	۱۳۹		

جواب سوال اول۔	۱۴۳	حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرانا حنفی مذہب میں مطلقاً کفر ہے۔	۱۴۷
سلطنت اسلامیہ واماکن مقدسہ کی حمایت و حفاظت میں استطاعت کی شرط شرعاً ملحوظ ہے۔	۱۴۳	حرام قطعی، حرام بعینہٖ کو حلال ٹھہرانا باجماع حنفیہ کفر ہے۔	۱۴۷
طرق حمایت میں جائز اور مفید کی قید بھی ضروری ہے۔	۱۴۳	کفار کی تعظیم کرنا اور تعظیم کرنیوالے پر ظلم حرام ہے۔	۱۴۷
شرع الٰہی عزوجل منزہ اس سے کہ ناجائز وحرام یا ناممکن وغیر مقدور یا نامفید وعبث کا حکم دے۔	۱۴۴	مضمون بالا نصوص شرعیہ	۱۴۷
خلافت کے شرائط واحکام کے بارے میں جمہور کا مسلک صحیح ہے۔	۱۴۴	مشرکین سے ہاتھ ملانے، انھیں مرحبا کہنے کا حکم۔	۱۴۸
امامت کبرٰی کے لئے قرشیت شرط، اس پر صحابہ کا اجماع اور حدیث صحیح کی نص ہے۔	۱۴۴	آزاد صاحب کا ایک خطبہ جمعہ۔	۱۴۹
امامت کا تحقق بطور تغلب بھی ممکن ہے۔	۱۴۵	میاں عبدالماجد بدایونی نے ہزاروں کے مجمع میں گاندھی کو مذکر مبعوث من اللہ کہا۔	۱۴۹
بیعت کے ساتھ ساتھ تغلب بھی جمع ہوسکتا ہے۔	۱۴۵	عام حالات میں ترکی ٹوپی جلانا تضییع مال ہے مگر جس نے اس کو شعار اسلام سمجھ کر پہنا پھر جلایا تو یہ اسلام سے عدول ہوا۔	۱۵۰
ردالمحتار علی الدرالمختار تمام عالم میں مذہب حنفی کی اعلٰی درجہ معتمد کتب سے ہے۔	۱۴۵	افعال واقوال کفر وضلال پر کسی عالم کا انکار کرنا حق وثواب ہے۔	۱۵۰
محمد عابدین، سلطان محمود خاں مرحوم کے عہد میں انھیں کی طرف دمشق اور تمام دیار شام کے مفتی اعظم تھے۔	۱۴۵	گمراہوں سے آگاہ کرنا اور راہ حق کی طرف بلانا بجاآوری حکم خدا ورسول ہے۔	۱۵۰
مشرکوں سے اتحاد حرام اور اخلاص قلبی کفر ہے۔	۱۴۵	جملہ مدعیان اسلام وکلمہ اسلام وکلمہ گو میں خلافت کا منکر کوئی فرقہ نہیں۔	۱۵۰
جو اللہ، نبی اور قرآن پر ایمان رکھتے ہوں وہ کافروں سے اتحاد ووداد اور محبت وموالات نہیں ماتے۔	۱۴۵	خلافت کمیٹی نے جس اسلامی حکومت کو خلافت اسلامیہ قرار دیا وہ شرعی خلافت ہرگز نہیں	۱۵۰
کلام الٰہی میں اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ بحکم قرآن افتراء علی اللہ ہے۔	۱۴۶	کلمہ گو کو کافر کہنا دو حال سے خالی نہیں۔	۱۵۰
مشرکوں کی اطاعت اور امر دینی میں ان کی فرمانبرداری حرام ہے۔	۱۴۶	صرف گالی کے طور پر کسی کو کافر کہنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا۔	۱۵۱
اطاعت مشرکین کی حرمت پر نصوص قرآنیہ	۱۴۶	جس قول سے فقہاء صحابہ درکنار خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر لازم آئے وہ قول کفر ہے۔	۱۵۱

خادمان دین کو گمراہوں کے سب وشتم سے ملال نہ کرنا چاہئے۔	۱۵۱	ابوالکلام آزاد نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے صاحب شریعت نبی ہونے کاانکار کیا۔	۱۵۶
فرعون نے موسٰی کلیم اللہ علیہ السلام کی تکفیر کی تھی۔	۱۵۱	جو نبی صاحب شریعت ہوئے وہ گزشتہ پیغمبروں کے کلام کو مٹانے کے لئے نہیں پورا کرنے کے لئے آئے تھے۔	۱۵۶
مشرکین مکہ نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ابتداع کی تہمت رکھی تھی۔	۱۵۲	نسخ کے معنی حکم کی مدت پوری ہونے کے ہیں۔	۱۵۶
خلافت کمیٹی کے مفیتوں نے خود اپنے اوپر کفر کا فتوٰی دیا۔	۱۵۲	انجیل بعض احکام تورات کی ناسخ ہے۔	۱۵۷
عالم دین کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے والے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منافق فرمایا۔	۱۵۲	آزاد صاحب نے کلام الٰہی کی تکذیب کی۔	۱۵۷
جواب سوال نمبر ۲	۱۵۳	ابوالکلام آزاد کی دس تکذیبات قرآنیہ۔	۱۵۷
موالات ہر کافر سے حرام ہے، اس میں کسی کا استثناء نہیں۔	۱۵۳	ایک نبی کا انکار سارے انبیاء کا انکار ہے۔	۱۵۸
عدم موالات جمیع کفار کا حکم مفسر ہے جس کی تقیید تکذیب ہے۔	۱۵۳	قرآن مجید نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے کی تکذیب کی۔	۱۵۸
کافر بھائی بہنوں سے بھی موالات منع ہے۔ علت منع کفر و مخالفت وعداوت اللہ ورسول ہے۔	۱۵۴	عبدالماجد دریا بادی کے ہفوات	۱۵۹
ابوالکلام صاحب آزاد کا بعض اقسام کفار کو مستثنٰی قرار دینا اور عالمگیر محبت کو اسلام کا اصل الاصول بتانا حکم قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔	۱۵۴	ضعف اسلام پر اظہار افسوس۔	۱۵۹
موالات سب کافروں سے حرام اور علت حرمت کفر ہے۔ تو جس کافروں سے حرام اور علت حُرمت کفر ہے تو جس کا کفر جتنا شدید اس سے موالات کی حرمت کا حکم بھی اتنا ہی سخت ہے۔	۱۵۵	کعبہ معظّمہ کے ڈھانے سے بڑا گناہ اللہ ورسول کی تکذیب ہے۔	۱۶۰
درجات کفر کا بیان۔	۱۵۵	ہندوستان میں سیاسی جدوجہد کا مقصد اسلام کی سرخروئی نہیں۔	۱۶۰
جواب سوال نمبر ۳۔	۱۵۶	حُب للہ اور بغض للہ کی تفسیر	۱۶۰
جو لوگ قرآن کی تکذیب و تحریف کریں بحکم قرآن کافر و نامسلمان ہیں۔	۱۵۶	جواب سوال نمبر ۴۔	۱۶۱
		مشہور ومعروف ترک موالات اپنی اسی تفصیل کے ساتھ جو معہود ہے ناجائز ہے۔	۱۶۱

جواب سوال نمبر ۵	۱۶۱	اعلم علمائے بلد کا منصب۔	۱۶۹
جماعت اہلسنت ہی محاورہ قرآن وحدیث میں مومن ہے۔	۱۶۱	امامت اختیاری انتخاب پر موقوف نہیں، نہ اس کی بیعت ضروری۔	۱۶۹
جماعت اہلسنت میں تفرقہ ڈالنا حرام ہے۔	۱۶۲	امیر قہری کا بیان۔	۱۷۰
مسجد ضرار کے لئے قرآن نے جو احکام صادر فرمائے ان کی علتوں میں سے ایک اہل اسلام میں تفرقہ ڈالنا بھی ہے۔	۱۶۲	امیر قہری کا انتخاب مسلمانوں پر ہے اور اس کی بیعت سے انکار ضرور گناہ ہے۔	۱۷۰
مسجد کی ویرانی میں کوشش کرنے والے کے لئے قرآن میں وعید شدید۔	۱۶۳	خلیفۃ المسلمین بھی امیر قہری ہے۔	۱۷۰
دینی کاموں میں کافروں سے استعانت حرام ہے آیہ مبارکہ "لایتخذ المؤمنون الکافرون اولیاء" کی تفسیر۔	۱۶۳	امیر المؤمنین کے لئے سات شرطیں لازم ہیں۔	۱۷۰
کافروں کی زمین میں نماز پڑھنے کی شدید ممانعت۔	۱۶۴	صوبہ دار یا والی کا بیان اور اس کے شرائط۔	۱۷۰
جواب سوال نمبر ۶، ۷	۱۶۵	ہندوستان میں مسلمان امیر عام مقرر کرنے پر قادر نہیں۔	۱۷۰
شعائر اسلام	۱۶۵	○ **دوام العیش فی الائمة من قریش** (خلافت شرعیہ میں قرشیت کے شرط ہونے کا بیان)	۱۷۳
کسی کو خوش رکھنے کے لئے حکم شرعی سے باز رہنا گناہ ہے۔	۱۶۵	دین خیر خواہی کا نام ہے۔	۱۷۴
منافقین کے لئے دائمی عذاب ہے۔	۱۶۷	سلطنت عثمانیہ بلکہ ہر سلطنت اسلامیہ بلکہ ہر جماعت وفرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے اس میں قرشیت شرط نہیں۔	۱۷۴
امارت شرعیہ کے امیر کی بیعت کا حکم۔	۱۶۸	دل سے مسلمانوں کی خیر خواہی فرض عین جبکہ مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔	۱۷۴
امرائے شرع کے اقسام	۱۶۸	ہر فرض بقدر قدرت اور ہر حکم بشرط استطاعت ہوتا ہے۔	۱۷۴
اختیاری امیر شریعت فقہائے اسلام ہیں۔	۱۶۸	بادشاہ اسلام اگرچہ غیر قرشی بلکہ غلام حبشی ہو تب بھی اس کی اطاعت امور جائزہ میں ضروری اور اس کی اعانت بقدر استطاعت لازم ہے۔	۱۷۴
عدم سلطان وقاضی کی حالت میں قضاۃ کے بہت سے احکام انھیں کے ذریعہ پورے ہوں گے۔	۱۶۹	اہلسنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لئے قرشیت شرط ہے۔	۱۷۴

شرط قرشیت برائے خلافت شرعیہ کا ثبوت احادیث متواترہ سے ہے اور اس پر صحابہ کرام، تابعین اور اہلسنت کا اجماع ہے۔	۱۷۴	دلیل نمبر ۲	۱۷۶
خارجی اور کچھ معتزلی خلافت شرعیہ کے لئے شرط قرشیت کے مخالف ہیں بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امیر یا ملک وغیرہ کہہ سکتے ہیں شرعاً اس کو خلیفہ یا امیر المومنین نہیں کہہ سکتے۔	۱۷۵	مصر میں قائم شدہ خلافت جو اڑھائی سو برس تک رہی خود سلطان کی قائم کردہ تھی۔	۱۷۶
ہر بادشاہ قرشی کو بھی خلیفہ یا امیر المومنین نہیں کہہ سکتے جب تک شرائط خلافت نہ پائی جائیں۔	۱۷۵	مقتدر باللہ کو تیرہ برس کی عمر میں ۲۹۶ھ میں خلافت ملی۔	۱۷۶
شرائط خلافت سات ہیں۔	۱۷۵	سلاطین اسلام جانتے تھے کہ غیر قرشی ہونے کے سبب وہ خود خلیفہ نہیں بن سکتے لہٰذا انھوں نے حیلہ شرعیہ کے لئے عباسی قرشیوں کی خلافت قائم رکھی۔	۱۷۶
اجمالی کلام وواقعات عام وازالہ اوہام جہال خام۔	۱۷۵	دلیل نمبر ۳	۱۷۷
اس بات پر دلائل کہ اس خلافت میں قرشیت شرعی اصطلاح ہے جس پر جملہ صدیوں میں مسلمانوں کا اتفاق رہا۔	۱۷۵	مملکت ہند کے متشرع سلاطین نے بھی عباسی قرشی خلفاء سے اپنے نام پروانہ سلطنت طلب کیا۔	۱۷۷
دلیل نمبر ۱	۱۷۵	بادشاہ ہند غیاث الدین اعظم شاہ بن اسکندر شاہ نے خلیفہ مستعین باللہ سے اپنے لئے پروانہ تقرر سلطنت مانگا۔	۱۷۷
زمانہ صحابہ سے برابر علماء کرام خلفاء وملوک کو علیحدہ کرتے آئے ہیں حتی کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے۔	۱۷۵	خود مسٹر آزاد کی گواہی	۱۷۷
کفار تاتار کے دست ظلم سے محروم ۶۵۶ھ میں جامہ خلافت تاتار ہوگیا تو علماء نے فرمایا کہ ساڑھے تین برس تک خلافت منقطع رہی حالانکہ اس وقت بھی قاہر سلطنتیں موجود تھیں۔	۱۷۵	مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ کب شروع ہوا۔	۱۷۷
مصر کے سلطان بیبرس کا لقب ملک ظاہر تھا۔	۱۷۵	سلطان محمد بن تغلق شاہ اور سلطان فیروز شاہ کے خلافت سے بندگی وغلامی رہی۔	۱۷۷
خلیفہ مستعصم باللہ ۱۴ صفر بروز چہار شنبہ ۶۵۶ھ کو شہید ہوئے۔	۱۷۶	مسٹر آزاد کسی نشے کی ترنگ میں اپنے ہی اعتقاد کے خلاف اور متناقض بات کہہ گئے۔	۱۷۷
۱۳ رجب کو مستنصر باللہ خلیفہ مقرر ہوئے۔	۱۷۶	مصر میں خلافت کی بنیاد سلطان بیبرس نے رکھی۔	۱۷۸

دلیل نمبر ۴	۱۷۸	مصر میں برکات خلافت کا ظہور۔	۱۸۱
سلاطین اسلام نے خلافت کی سات میں سے چھ شرائط پائے جانے کے باوجود صرف ایک شرط یعنی قرشیت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کا محتاج و دست نگر جانا۔	۱۷۸	دلیل نمبر ۷	۱۸۲
دلیل نمبر ۵	۱۷۸	مسٹر آزاد کے لئے ایک مہمل وبے معنی ہذیان کارد۔	۱۸۲
مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کو جب پروانہ سلطنت جاری کیا تو اظہار انقیاد کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈال دیں جن کو پہن کر سلطان نے اپنے دارالسلطنت قاھرہ کا گشت کیا۔	۱۷۸	دلیل نمبر ۸	۱۸۲
قدرت دوسرے سے مکتسب ہوسکتی ہے مگر قرشیت ایسی چیز نہیں جو دوسرے سے مکتسب ہو۔	۱۷۸	اجمالی مفصل کی تفصیل مجمل جو ایک مقدمہ اور تین فصلوں پر منقسم ہے۔	۱۸۳
دلیل نمبر ۶	۱۷۹	مقدمہ	۱۸۴
متنصر باللہ کی بیعت سب سے پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبدالسلام نے کی پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔	۱۷۹	خلیفہ وسلطان کا فرق سات وجوہ سے۔	۱۸۴
ابوالعباس حاکم بامر اللہ کے بیٹے تیسرے خلیفہ مصری مستکفی باللہ کی خلافت کا امضاء اور اس کی صحت کا ثبوت امام اجل تقی الدین بن دقیق العید کے فتوے سے ہوا۔	۱۷۹	خلیفہ جہانبانی وحکمرانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب مطلق ہوتا ہے اور تمام امت پر ولایت عامہ والا ہوتا ہے۔	۱۸۴
ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کی صحت خلافت پر امام قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ نے شہادت دی۔	۱۷۹	سلطان وہ بادشاہ ہوتا ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو، چھوٹے چھوٹے والیان ملک اس کے زیر حکم ہوں۔	۱۸۴
کسی عبیدی کی خلافت صحیح نہ ہونے کی وجوہ۔	۱۸۰	سلطان دو ۲ قسم کے ہیں (۱) مولی (۲) متغلب۔	۱۸۴
خلیفہ مستکفی باللہ کا سن وصال۔	۱۸۰	خلیفہ سلطان کی اطاعت میں فرق۔	۱۸۴
جو کسی خلیفہ سے برائی کرے اس کے لئے دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔	۱۸۱	خلیفہ کے حکم سے مباح فرض اور اس کے منع کرنے سے مباح حرام ہوجاتا ہے۔	۱۸۵
		امام اعظم ابوحنیفہ کی نظر میں حکم خلیفہ کی اہمیت	۱۸۵

www.dawateislami.net

آیہ کریمہ میں اولی الامر سے مراد کون ہیں۔	۱۸۵	کتب عقائد سے شرط قرشیت کا ثبوت۔	۱۸۷
خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہوسکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔	۱۸۶	امام نجم الملۃ والدین عمر نسفی جن وانس کے مفتی اور صاحب ہدایہ کے استاذ ہیں۔	۱۸۷
کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔	۱۸۶	خلیفہ کے لئے شرط قرشیت پر دلیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ "الائمۃ من قریش۔"	۱۸۸
سلطان خلیفہ کو معزول نہیں کرسکتا جبکہ خلیفہ سلطان کو معزول کرسکتا ہے۔	۱۸۶	حدیث "الائمۃ من قریش" پر محدثانہ گفتگو اور اس کی تخریج۔	۱۸۸
سلطنت کے لیے قرشیت تو درکنار حریت بھی شرط نہیں۔	۱۸۶	امام ابوالفضل حافظ ابن حجر نے حدیث "الائمۃ من قریش" پر ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں اس کی روایات قریب چالیس صحابہ کرام سے جمع کیں۔	۱۹۰
خلافت کے لئے حریت باجماع جملہ اہل قبلہ شرط ہے۔	۱۸۶	جہاں عہد نہ ہو وہاں جمع پر لام استغراق کے لئے ہوتا ہے۔	۱۹۱
سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے۔	۱۸۷	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس حدیث مذکور کے مضمون پر عمل کیا اور اس پر اجماع کیا تو یہ دلیل قطعی ہوگئی۔	۱۹۱
کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا۔	۱۸۷	حدیث مذکور میں امامت نماز باجماعت مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے۔	۱۹۲
کسی کے نام کے ساتھ سلطان لگنا ہی اس کی کافی دلیل ہے کہ وہ خلیفہ نہیں۔	۱۸۷	خلیفہ مسلمین کے لئے قریشی ہونا شرط ہے ہاشمی ہونا شرط نہیں۔	۱۹۲
کسی عرف حادث سے مسئلہ خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔	۱۸۷	تمہید امام ابوالشکور سالمی کو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی خواجہ نظام الحق والدین نے درس میں پڑھا۔	۱۹۳
اجماع اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔	۱۸۷	کتب حدیث سے شرط قرشیت کا ثبوت۔	۱۹۳
فصل اول۔	۱۸۷	خلافت ہمیشہ قریش کے لئے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔	۱۹۳

جب تک دنیا میں ایک قرشی بھی باقی ہے غیر قرشی کی خلافت منعقد نہ ہوگی۔	۱۹۳	شرع عقائد میں مذکور ایک اشکال کا جواب اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۲۰۳
مسلمانوں نے ضرار بن عمرو کے اس قول کی طرف التفات نہیں کیا کہ غیر قرشی کی خلافت اولٰی ہے۔	۱۹۴	امامت خلافت سے عام ہے۔	۲۰۳
ھذا کی صفت ہمیشہ جنس ہوتی ہے۔	۱۹۵	دولت عباسیہ کے بعد چونکہ امت نصب امام پر قادر نہیں لہذا اس ترک واجب کے سبب سے گنہگار نہ ہوگی۔	۲۰۴
جنس خلافت قریش میں منحصر ہے۔	۱۹۵	خلیفہ کی ضرورت کیوں ہے۔	۲۰۴
حدیث مذکور اگرچہ لفظاً خبر ہے مگر معنیً امر ہے۔	۱۹۵	تنبیہ۔	۲۰۵
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر انکار کیوں کیا۔	۱۹۵	خلافت عباسیہ اور ظہور امام مہدی کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشین گوئی۔	۲۰۵
خلفاء عبیدی کی خلافت اس لئے باطل ہے کہ وہ قرشی نہ تھے۔	۱۹۷	امام مہدی علیہ السلام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔	۲۰۵
کتب فقہ حنفی سے شرط قرشیت کا ثبوت۔	۱۹۷	فصل دوم۔	۲۰۵
فرقہ ضراریہ اور کعبیہ گمراہ ہیں انھوں نے شرط قرشیت میں اہلسنت کا خلاف کیا۔	۱۹۸	خلیفہ صدارت مولوی فرنگی محلّی میں پندرہ سطری کارگزاری کی نازبرداری۔	۲۰۶
ازالہ وہم میں عبارات کتب عقائد وحدیث۔	۱۹۸	مولوی فرنگی محلّی صاحب کے پندرہ سطری خطبہ صدارت کا پینتیس وجوہ سے رد قاہر۔	۲۰۶
حدیث بخاری "اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی" سے پیدا شدہ وہم کا ازالہ۔	۱۹۸	خلافت کے لئے شرط قرشیت کو صرف شافعیہ کی طرف نسبت کرنا اور حنفیّہ میں سے فقط بعض کے فحوی کلام سے اس کے سمجھے جانے کا ادعا کرنا خلاف دیانت واغوائے عوام ہے۔	۲۰۶
حدیث کو اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے کہ اجماع کے خلاف واقع نہ ہو۔	۱۹۹	یہ کہنا کہ شرط قرشیت پر دعوی اجماع کی ابتداء قاضی عیاض سے معلوم ہوتی ہے مگر ثبوت اجماع مشکل ہے ثقات ائمہ کی تکذیب کا اشعار ہے۔	۲۰۶
نوع دگر از کتب عقائد۔	۲۰۳	جو نقل اجماع میں متہم ہیں وہ نقل اقوال خاصہ میں کیونکر معتمد ہوں گے۔	۲۰۶

غیر مقلدین کی تعظیم و تکریم اور جلسوں میں ان کی صدارت و تقدیم کی شامت۔	۲۰۶	سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں ابن خلدون کا لہجہ اور تیور خلاف ادب ہے۔	۲۱۱
شرط قرشیت کے مقابل اگر کسی صحابی سے کوئی اثر ہو تو اس میں اور اجماع میں تطبیق کیسے ہوگی۔	۲۰۷	صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد مقتداء ہیں۔	۲۱۲
قریش میں حصر خلافت کی احادیث بیشک متواتر ہیں۔	۲۰۷	حضرت سالم حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام نہیں بلکہ ان کی بی بی شیبہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ابوحذیفہ نے انھیں متبنٰی کیا تھا اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کردی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	۲۱۲
ائمہ نے "الائمة من قریش" سے استدلال فرمایا اور جمع محلّی باللام کے افادہ استغراق سے اتمام تقریب فرمادیا۔	۲۰۷	کلام ابن خلدون کے پیچ اور کروٹوں کا بدلنا۔	۲۱۳
صحابہ کرام کے مقابل اپنی چہ مگوئیاں نکالنا شان دین نہیں۔	۲۰۸	ابن خلدون شرط قرشیت کی نفی میں ضرار معتزل سے بھی بہت اونچا اڑا۔	۲۱۴
محققین اہلسنت اور امام ابوبکر باقلانی کی طرف قرشیت سے عدول کرنے کی نسبت کرنا دروغ ہے۔	۲۰۸	ابن خلدون نے قرشیت کے بجائے عصبیت کو شرط خلافت قرار دیا۔	۲۱۴
اکابر ائمہ اہلسنت، ائمہ کلام، اکابر حدیث اور اعاظم فقہ کے مقابلے میں متاخر مؤرخ ابن خلدون کا قول مان لینا درست نہیں۔	۲۰۸	عصبیت کی ممانعت سے متعلق احادیث۔	۲۱۵
تاریخ نویسی کے سوا کسی علم دینی میں ابن خلدون کا نام زبانوں پر نہیں آتا۔	۲۰۸	مبغوض شارع کو مقصود شارع بنانا شارع علیہ السلام پر افتراء و اجتراء ہے۔	۲۱۵
فرنگی محلّی تحریر میں ابن خلدون کی عبارت میں تحریف۔	۲۰۹	امام اجل امام سنت قاضی ابوبکر باقلانی کا مذہب۔	۲۱۵
ابن خلدون کے ہفوات اور نظریات فاسدہ۔	۲۰۹	امام باقلانی کے ارشاد نے مؤرخ کا سفید جھوٹ اور سیاہ افتراء ثابت کردیا۔	۲۱۷
ابن خلدون مبتدع، اجماع صحابہ کا خارق اور ضراریہ ومعتزلہ کا موافق ہے۔	۲۱۰	لفظ اختیاری سے جہال کو دھوکا دینا کید عظیم ہے اور اختیاری کا معنی و مطلب۔	۲۱۷
		ملک پر تسلط کی دو صورتیں ہیں۔	۲۱۸

جبراً وجوب اطاعت اور چیز ہے اور اس کا خلیفہ شرعی ہونا اور چیز ہے۔	۲۱۸	ترکی سلاطین اہلسنت تھے اس لئے انہوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعوٰی نہیں کیا۔	۲۲۵
اگر کوئی غلام اپنی شوکت سے زبردستی ملک دبا بیٹھے تو فتنہ بجھانے کے لئے اطاعت اس کی بھی واجب ہے۔	۲۱۸	فصل سوم۔	۲۲۶
الضرورات تبیح المحظورات۔	۲۱۹	رسالہ خلافت میں مسٹر ابوالکلام آزاد کی تلبیسات وہذیانات کی خدمت گزاری۔	۲۲۶
تنبیہ۔	۲۱۹	ابوالکلام آزاد کی تحریر کا پچیس وجوہ سے رد بلیغ۔	۲۲۶
شامی کی عبارت سے دھوکہ دہی کا سد باب۔	۲۱۹	مبحث اول: مسٹر کا قیاسی ڈھکوسلے سے دین کو رد کرنا۔	۲۲۶
عبارت شامی میں وارد لفظ امامت بمعنی سلطنت ہے خواہ صحیحہ ہو یا باطلہ نہ کہ بمعنی خلافت شرعیہ اگرچہ محل میں وہ بھی مراد ہوتی ہے جیسے حدیث "الائمۃ من قریش" میں۔	۲۲۰	مسٹر آزاد کا خارجیوں سے سیکھا ہوا اغراض اور اس کا جواب۔	۲۲۶
لفظ امیر خلیفہ کے ساتھ خاص نہیں والیئ شہر وسردار حجاج کو بھی کہتے ہیں مگر "الائمۃ من قریش" میں قطعاً ائمہ سے مراد خلفاء ہیں۔	۲۲۰	فضیلت نسب معتبر ہے۔	۲۲۶
تنبیہ: امامت متغلب صحت بالائے طاق حکم اتباع بھی نہیں لاتی جب تک اثارت فتنہ یا ضررو تازی نہ ہو۔	۲۲۱	نکاح میں شرعاً کفاءت کا اعتبار ہے۔	۲۲۷
حیف ان پر جو مسلمان کہلا کر امر و نہی میں مشرک کے پس رو بنتے اور اسے اپنا رہنما بناتے ہیں۔	۲۲۱	حدیث "قدموا قریشا ولا تقدموھا" چھ صحابہ کرام کی روایت سے ہے۔	۲۲۷
قیامت میں ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔	۲۲۱	یہ گمان بد کہ کسی وقت تمام جہان میں سب سادات عظام سب قریش کرام نالائق و نااھل ہوجائیں وسوسہ ابلیس ہے۔	۲۲۸
مولانا فرنگی محلّی کی عقائد نسفی کی عبارت سمجھنے میں غلطی۔	۲۲۲	قیامت تک کوئی نہ کوئی قریشی خلافت کا اہل ضرور رہے گا۔	۲۲۸
فرنگی محلّی صاحب کی شرح مواقف کی عبارت میں تحریف۔	۲۲۲	حدیث کی پیشگوئی مان کر اس کے خلاف کا ادعا جہل صریح بلکہ ضلال قبیح ہے۔	۲۲۹
دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے۔	۲۲۵	مبحث دوم؟ رد احادیث نبوی میں مسٹر آزاد کی بے سود کوشش۔	۲۳۰

خلافت قریش سے متعلق احادیث کو پیشگوئی اور خبر پر محمول کرنا مسٹر آزاد کی جہالت ہے۔	۲۳۰	وجہ سابع وثامن۔	۲۳۴
مسٹر آزاد اپنے نشے میں اپنے آپ کو تمام ائمہ مجتہدین سے اعلٰی سمجھتے ہیں۔	۲۳۰	مسٹر آزاد نے حدیث "الائمۃ من قریش" سے تشریع اڑانے اور نری خبر بنانے کے لئے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں۔	۲۳۴
حدیث صحیحین پر مسٹر آزاد کا اشد ظلم۔	۲۳۰	ائمہ کرام کی طرف سے تطبیق احادیث کو غلط رنگ دینے اور اس سے اپنی مقصد برآری کی مسٹر آزاد نے جو کوشش کی اس کا چار وجوہ سے رد۔	۲۳۵
حدیث کے بارے میں ابوالکلام آزاد کی کمال جسارت وبیباکی۔	۲۳۱	یہود کی خصلت ہے کہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔	۲۳۶
حدیث "لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی منھم اثنان" سے مسٹر آزاد کے غلط استدلال کا آٹھ وجوہ سے رد۔	۲۳۱	ابوالکلام آزاد کے اس ادعا کا چار وجوہ سے رد کہ حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں ہے۔	۲۳۶
وجہ اول۔	۲۳۱	اکراہ شرعی کے بغیر دوسرے کے کفر پر رضا شدید حرام ہے۔	۲۳۹
وجہ ثانی وثالث۔	۲۳۲	مسلمانوں کو کفر ارتداد سے بچانا فرض ہے۔	۲۴۰
کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث اور فقہ کا سمجھنا اور۔	۲۳۲	جو مسلمان کسی مسلمان کے مرتد ہونے کی حمایت کرے جہنمی ہے ایسا شخص فقہاء کے نزدیک کافر ہے۔	۲۴۰
وجہ رابع۔	۲۳۲	مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کی کوشش بقدر ضرورت ہر مسلمان پر فرض ہے معذوری کا حکم اور ہے۔	۲۴۰
وجہ خامس۔	۲۳۳	چار پیروں کے علاوہ علی العموم سادات گیلانیہ کو یہودی نصرانی خنزیر کہنے پر از سر نو توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح ضروری ہے۔	۲۴۱
سلطان اورنگ زیب محی الملۃ والدین محمد عالمگیر کافر کش اور دین پرور بادشاہ تھے۔	۲۳۳	سات برس سے کم کا ناسمجھ وال بچہ اسلام وکفر میں خیر الابوین کے تابع ہے۔	۲۴۲
اکبر بادشاہ اتحاد مشرکین کا دلدادہ تھا۔	۲۳۳	سات سال سے بڑے بچے کے کفر واسلام کا اعتبار ہے۔	۲۴۲
وجہ سادس۔	۲۳۳	حدیث "مامن مولود یولد علی الفطرۃ" کی تفسیر۔	۲۴۲

انگریزی پڑھنے کا حکم۔	۲۴۴	صحابیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر کافر ہے۔	۲۵۰
توہین علماء کفر ہے۔	۲۴۴	خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر کافر ہے۔	۲۵۰
لفظ "مولوی لوگ کیا جانیں" سے توہین نکلتی ہے۔	۲۴۴	جو رافضی حضرت علی کو خلفاء ثلثہ پر فضیلت دے وہ گمراہ ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۲۵۰
ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قذف کفر خالص ہے۔	۲۴۵	صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا منکر کافر ہے۔	۲۵۱
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا انکار بھی خالص کفر ہے۔	۲۴۵	جو اہل ھوی وبدعت حد کفر تک نہ پہنچا ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ ہوجائے گی مگر رافضی، قدری اور مشبہہ کے پیچھے بالکل نہیں ہوگی۔	۲۵۱
ان پچاس کتابوں کے نام جن میں رافضی تبرائی کی تکفیر منصوص ہے۔	۲۴۵	جو شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو برا کہے وہ کافر ہے۔	۲۵۱
خارجیوں کا وہی حکم ہے جو مرتدوں کا ہے نکاح باطل ہے اور عورت سے قربت زنا۔	۲۴۷	امامت صدیق کے منکر کا حکم۔	۲۵۲
شوہر مرتد ہوجائے تو عورت کو اس کے ساتھ دوبارہ نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۲۴۷	رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کو کافر کہنا واجب ہے	۲۵۲
○ **رسالہ ردالرفضۃ** (تبرائی رافضیوں کا رد بلیغ)	۲۴۹	صحابیت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر قول اصح پر کافر ہے۔	۲۵۳
ایک بی بی سیدہ سنی المذہب نے انتقال کیا اس کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ لینا چاہتے ہیں حالانکہ روافض کے ہاں عصوبت بالکل نہیں ہے، اس صورت میں وہ مستحق ارث ہے یا نہیں۔	۲۴۹	مبتدع سے کیا مراد ہے۔	۲۵۳
روافض کو سنیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں ملتا اور ان کی یہ محرومی دینی اختلاف کی وجہ سے ہے۔	۲۵۰	مبتدع کی اقتداء میں نماز کراہت کے ساتھ کب صحیح ہے۔	۲۵۳
موانع ارث چار ہیں۔	۲۵۰	کون سے مبتدع کے پیچھے نماز مطلقًا ناجائز ہے۔ جہمی، قدری اور غالی رافضی کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۲۵۳
رافضی تبرائی مطلقًا کافر ہے۔	۲۵۰	کن اہل اہوا کے پیچھے نماز جائز اور کن کے پیچھے ناجائز ہے۔	۲۵۴
اللہ تعالٰی کے لئے جسمیت کا قائل کافر ہے۔	۲۵۰		

غالی رافضی سے کیا مراد ہے۔	۲۵۴	بہت سے عقائد کفریہ کے علاوہ روافض زمانہ میں دو صریح کفر پائے جاتے ہیں۔	۲۵۹
موزہ پر جواز مسح کے منکر کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۲۵۴	کفر اول: قرآن مجید کو ناقص بتانا۔	۲۵۹
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت رکھنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۲۵۴	جو شخص قرآن مجید میں نقص یا زیادت یا تبدیل یا کسی طرح کے تصرف بشری کا دخل مانے کافر و مرتد ہے۔	۲۵۹
ضروریات دین میں سے کسی شیئ کا منکر کافر ہے۔ اس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا۔	۲۵۴	آیہ کریمہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کی تفسیر۔	۲۵۹
حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا کرنیوالا اور ان کو سب وشتم کرنے والا کافر ہے۔	۲۵۴	اس بات پر دلائل کہ قرآن مجید تغیر و تبدل، زیادت و نقص اور تحریف سے محفوظ ہے۔	۲۶۰
روافض متعدد انواع کفر کے جامع ہیں۔	۲۵۵	آیت کریمہ "لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولامن خلفہ تنزیل من حکیم حمید" کی تفسیر۔	۲۶۰
حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب وشتم کرنا ایسا ہے جیسا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سب وشتم کرنا۔	۲۵۶	وہ شخص کافر ہے جو قرآن مجید یا اس کے کسی حرف کا منکر ہو یا اس میں تغیر کرے یا اس میں کمی بیشی کا قائل ہو۔	۲۶۱
کن مرتدوں کی توبہ قبول نہیں۔	۲۵۷	کفر دوم۔	۲۶۲
کوئی کافر کسی مسلمان کا ترکہ نہیں پاسکتا۔	۲۵۷	غیر نبی کو نبی پر افضل کہنے والا باجماع مسلمین کافر ہے۔	۲۶۲
موانع ارث کا بیان۔	۲۵۷	روافض کا یہ قول کفر ہے کہ ائمہ نبیوں سے افضل ہیں۔	۲۶۲
مرتد اصلا صالح وراثت نہیں۔	۲۵۸	کرامیہ کا یہ قول کفر وضلالت ہے کہ ولی نبی سے افضل ہوسکتا ہے۔	۲۶۲
مرتد کسی کا وارث نہ بنے گا نہ مسلمان کا نہ کافر کا نہ ذمی کا اور نہ اپنے جیسے مرتد کا۔	۲۵۸	ولی کو ایک نبی سے افضل ماننا ایسے ہی ہے جیسے تمام انبیاء سے افضل ماننا۔	۲۶۳
روافض کے بارے میں قول احوط۔	۲۵۹	مجتہدان روافض کے کفر صریح پر مشتمل فتوے۔	۲۶۴
روافض زمانہ صرف تبرائی نہیں بلکہ ضروریات دین کے منکر ہیں۔	۲۵۹	روافض علی العموم اپنے مجتہدوں کے پیرو کار ہوتے ہیں۔	۲۶۵

کافر کو کافر نہ کہنے والا اور اس کے کفر وعذاب میں شک کرنے والا خود کافر ہے۔	۲۶۵	جو یہ کہے کہ ساری عبادتیں اللہ کے لئے ہیں اس نے ٹھیک کہا، جو اس کی تکذیب کرے اس کو تجدید اسلام لازم۔ اور جو یہ کہے کہ ساری عبادتیں ہمارے لئے ہیں اس کی مراد بھی صحیح ہے۔	۲۷۰
تنبیہ جلیل: ضروریات دین کے ثبوت پر اگر بالخصوص نص قطعی ہو تب بھی ان کا منکر کافر ہوگا۔	۲۶۶	زید کا دماغ خشک ہوگیا ہے۔ یہ کلمہ ایذاء مسلم ہے۔	۲۷۰
باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے۔	۲۶۶	الحمدللہ میں مسلمان اور سچا مومن ہوں کہنا صحیح ہے۔	۲۷۰
جمیع ماسوی اللہ کا حدوث ضروریات دین سے ہے۔	۲۶۶	میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں کہنے والے پر توبہ، تجدید اسلام ونکاح لازم ہے۔	۲۷۰
ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی۔	۲۶۷	ہر مسلمان کی عیب جوئی حرام ہے اور علماء کی اہانت کفر ہے۔	۲۷۱
قرآن مجید کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصؤن ومحفوظ ہونا ضروریات دین سے ہے۔	۲۶۷	فیصلہ شرعی کی تکذیب کفر ہے اور اس سے تجاوز معصیت ہے۔	۲۷۱
روافض کی طرف سے "انالہ لحافظون" کی غلط تاویل کارد۔	۲۶۷	گنہگاروں کے ساتھ بزرگان دین نے نرمی وسختی دونوں طرح کے معاملات رکھے ہیں اس لئے ایسوں کے ساتھ نرمی گناہ نہیں ہے۔	۲۷۲
نیچریوں اور قادیانیوں کی تاویلات باطلہ سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہوجائیں۔	۲۶۷	علماء کو گوبر میں مُنہ دینے والا کہنا کفر تو نہیں مگر سخت شنیع کلمہ ہے، ایسے شخص کی تکفیر قابل توبہ جرم ہے۔	۲۷۲
رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی۔	۲۶۸	آبائے کریمین کے کفر واسلام کی بحث۔	۲۷۳
روافض ملعون عقیدوں پر آگاہ ہونے کے باوجود ان کو مسلمان جاننے والا کافر ہے۔	۲۶۸	آیت "تقلبك فی الساجدین" کی تفسیر۔	۲۷۳
علماء کی بدگوئی کرنے والا بحکم حدیث منافق ہے۔ اور بحکم فقہاء کافر ہے۔	۲۶۸	ایمان ابوین کے موضوع پر اعلیحضرت کا ایک اور امام سیوطی کے چھ رسالے۔	۲۷۳
تحقیر کی نیت سے عالم کو عویلم وعلوی کو علیوی کہنا کفر ہے۔	۲۶۹	"متعزلہ منکر رؤیت باری ہیں تو انھیں رؤیت نہ ہوگی" یہ کلمہ صحیح ہے اس کے کہنے میں کچھ حرج نہیں۔	۲۷۴

جو نام دنیا میں کسی کا ہو چاہے کسی نے رکھا ہو، لوح محفوظ میں علم کی حیثیت سے وہی نام مرقوم ہے اور جس نام میں تغیر واقع ہو اور زمانہ کی قید کے ساتھ دونوں نام مرقوم ہیں۔	۲۷۵	قادیانی کی جھوٹی پیش گوئیاں۔	۲۷۹
جس نے اپنا نام بدلا اور علم کی طرح مشہور نہ ہوا اللہ کے یہاں بھی وہ علم قرار نہیں دیا گیا۔	۲۷۵	صریح کافروں سے فروعات میں بحث نہ کی جائے۔	۲۸۰
اللہ تعالٰی کے لئے "میاں" کا لفظ ممنوع ہے۔	۲۷۵	حدیث متواتر کی دو قسمیں۔	۲۸۰
یہ کہنا کہ اللہ تعالٰی حضور کی رضا چاہتا ہے صحیح ہے اور یہ مضمون قرآن سے ثابت ہے۔ اس کو جہلا کا قول بتانا قابل توبہ جرم ہے۔	۲۷۵	مطلقًا حدیث کا استہزاء کفر ہے۔	۲۸۰
اللہ تعالٰی روز محشر اولین وآخرین کو جمع کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمائے گا یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور اے محبوب! میں تمھاری رضا چاہتا ہوں۔	۲۷۶	شیعہ، غیر مقلد وغیرہ بدمذہبوں میں ضروریات دین کا منکر کافر ہے۔	۲۸۰
تحویل قبلہ اور روایت بخاری کا ذکر۔	۲۷۶	غیر مقلدین کے چند غلط عقائد ومسائل	۲۸۱
زنار باندھنے، ہیٹ، کوٹ، پتلون وغیرہ لباس نصارٰی پہننے کا حکم۔	۲۷۶	غیر مقلدین گمراہ اور بحکم فقہاء کافر ہیں۔	۲۸۲
جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا کافر ہوگیا۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ماننا کفر ہے۔	۲۸۲
حب فی اللہ اور بغض للہ مناط ایمان ہے۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی کے لئے جہت تسلیم کرنا گمراہی اور بہت سے ائمہ کے نزدیک کفر ہے۔	۲۸۳
مولا علی کو خدا کہنے والا کافر ہے، اس سے میل جول۔ سلام کلام، اس کی عیادت، مرنے پر غسل وکفن، نماز جنازہ پڑھنا، جنازہ اٹھانا اور مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے۔	۲۷۷	اللہ تعالٰی عرش پر ہے۔ آسمان میں ہے، اس سے کوئی جگہ خالی نہیں ہے اللہ اوپر تم نیچے، ان الفاظ کو ائمہ نے کلمات کفر میں شمار کیا ہے۔	۲۸۴
حسام الحرمین کے احکام حق وصحیح ہیں۔	۲۷۹	"اللہ نے نیت کی" بولنے کا حکم۔	۲۸۴
قادیانی کے رد کا طریقہ۔	۲۷۹	امام نووی پر تطفل۔	۲۸۵
قادیانی کی تصانیف میں کلمات کفریہ برساتی کیڑوں کی طرح بکھرے ہیں۔	۲۷۹	اللہ تعالٰی کو کسی شیئ سے تشبیہ دینا یا مکان وجہت کے ساتھ اس کو متصف کرنے کا حکم۔	۲۸۵
قادیانی کے بعض کلمات کفریہ کا تذکرہ۔	۲۷۹	فقہ حنفی کو مطلقًا باطل وناحق جاننا سخت خبیث وملعون ہے۔	۲۸۵

فقہ حنفی احکام قرآن عظیم اور احکام صحاح احادیث پر مشتمل ہے۔	۲۸۵	انکار اجماع مطلقاً کفر ہے۔	۲۸۹
"قیاس ابوحنیفہ حق نیست" کہنے کا حکم اور اس مسئلہ میں مصنف کا ایک رسالہ	۲۸۵	اہل حدیث دائرہ اسلام سے خارج ہیں تقلید کا مطلقاً انکار کفر ہے۔	۲۹۰
ائمہ اربعہ رضوان علیہم اجمعین کی جلالت شان پر امت اجابت کا اجماع منعقد ہوچکا ہے۔	۲۸۵	عوام الناس پر تقلید واجب ہے۔	۲۹۰
بدعتی جیسے وہابیہ اور رافضی امت اجابت سے نہیں ہیں اس لئے اجماع میں ان کا خلاف معتبر نہیں البتہ بدعتی اہل قبلہ سے ہیں۔	۲۸۵	گیارہ سو برس سے عام امت محمدیہ مقلد ہے۔	۲۹۱
امام اعظم کی عظمت کا انکار گمراہی ہے۔	۲۸۶	عام امت کو مشرک کہنا کفر فقہی ہے۔	۲۹۱
ائمہ مجتہدین کا مقام باقی اولیاء سے بلند۔	۲۸۶	اس مسئلہ پر فقہ کی ۱۶ کتابوں کا حوالہ۔	۲۹۱
حدیث مبارک "من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب"	۲۸۷	قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے۔	۲۹۲
ولی کی عداوت باعث ایذائے الٰہی ہے۔	۲۸۷	رافضی تبرائی پر بحکم فقہاء کفر لازم ہے۔	۲۹۳
مومن عاصی معذب ہے ملعون نہیں۔	۲۸۷	خلافت صدیق وعمر رضوان علیہم اجمعین کے منکر پر حکم کفر ہے۔	۲۹۴
مومن بالآخر رحمت ونعمت وجنت ابدی پاتا ہے مومن عاصی کی نار نار تطہیر ہے نہ کہ نار ابعاد ولعنت وتذلیل۔	۲۸۷	بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور کافر کے پیچھے باطل ہے۔	۲۹۴
جس شخص پر قرآن عظیم میں لعنت آئی اس پر لزوم کفر ہے۔	۲۸۸	رافضیوں کی تکفیر کے اسباب میں استحقاق بالدین، توہین علم وعلماء، سب شیخین وغیرہ امور ہیں۔	۲۹۴
حدیث مبارک "اھل البدع کلاب اھل النار" کی تفسیر۔	۲۸۸	تنقیص شان رسالت سے متعلق کسی انگریزی کتاب کے ایک اقتباس سے متعلق سوال اور اس کا حکم۔	۲۹۶
اجماع امت کی حجیت ضروریات دین سے ہے غیر مقلد اس کے منکر ہیں۔	۲۸۸	مسئلہ بالا سے متعلق دیگر علماء کے جواب۔	۲۹۷
سجدہ صنم، قتل نبی، نبی کا استخفاف اور اجماع امت کی مخالفت کفر ہے۔	۲۸۹	توہین رسول پر مشتمل پرچہ امتحان مرتب کرنے والا، اس پر نظر ثانی کرکے برقرار رکھنے والا، جس کی نگرانی میں ایسا پرچہ تیار ہوا، جس طالب علم نے اس عبارت کا ترجمہ کیا سب دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے۔	۲۹۸

مرتدین کے احکام۔	۲۹۸	ہر مرتد کی توبہ سچے دل سے ہو تو قبول ہے۔	۳۰۴
مرتد کی عورت عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔	۲۹۸	ساب نبی کی توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب۔	۳۰۴
شاتم رسول کی توبہ کے بعد بھی اس سے ترک معاملات جاری رہے تاآنکہ صدق توبہ کے آثار ظاہر ہوں۔	۲۹۸	استعانت لغیر اللہ کو حرام اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مردہ کہنے والے کے متعلق سوال۔	۳۰۵
شاتم رسول کے کفر میں شک کرنے والا خود کافر ہے۔	۲۹۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کوئی امتی معاف نہیں کرسکتا، امتی سے معافی مانگنے کے کوئی معنی نہیں۔	۳۰۵
حالت کفر کی صحبت سے جو بچہ پیدا ہوگا حرامی ہوگا۔	۲۹۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وفات یافتہ مان کر ان سے استعانت کا انکار وہابیہ کا خیال ہے جن کی امامت جائز نہیں۔	۳۰۶
اللہ ورسول کے حضور حالت نشہ میں کلمہ گستاخی بکنے والا معذور نہیں رکھا جائے گا۔	۲۹۹	کفارہ ایسے گناہ کا ہے جس کا معاوضہ ہو حد سے بڑھے ہوئے گناہ کا کفارہ نہیں۔	۳۰۷
توہین نبی کرکے مکرنے والے کو بھی سزا دی جائے گی۔	۳۰۰	مرتد ہونے کا کفارہ نہیں ارتداد کے لئے توبہ و تجدید اسلام ہے، ورنہ قتل اور ابدی جہنم۔	۳۰۷
قبول توبہ مرتد کی تفصیل۔	۳۰۰	اپنے خاندان کو سادات پر فضیلت دینے والے اولاد فاطمہ کو حضرت ہاجرہ کے سبب سے لونڈی بچہ کہنے، ان پر سب وشتم کرنے والے اور ایذا رسانی جائز کہنے والے کا حکم۔	۳۰۸
ردت سکران کا حکم۔	۳۰۱	ایک موضوع روایت اور اس کے بیان کرنے والے کا حکم۔	۳۰۸
مرتد کے احکام متعلقہ موت وحیات۔	۳۰۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کا حکم، توہین پر مطلع ہو کر جو اس کو کافر نہ جانے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۳۰۹
مرتد کی زوجہ کا حکم۔	۳۰۱	مردوں نے کلمہ کفر بکا تو عورتیں نکاح سے نکل گئیں، اور عورتیں مرتد ہوگئیں تو اپنے شوہروں کے نکاح سے خارج نہ ہوئیں البتہ شوہروں کو انھیں ہاتھ لگانا منع ہے۔	۳۱۰
مرتد کے اعمال حبط ہوتے ہیں۔	۳۰۲	مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر پلٹ آئے گا۔	۳۱۰
نبی کی تنقیص کرنے والے کی تکفیر پر اجماع امت ہے۔	۳۰۳	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کافر ہے، اس پر مطلع ہو کر جو اسے مسلمان سمجھے وہ کافر، ایسے لوگ عزیز ہوں یا غیر، سب کے نکاح ٹوٹ گئے۔	۳۱۰
نبی پر دشنام طرازی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں۔	۳۰۳		

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں بے ادبانہ الفاظ بولنے والے، حضرت زینب وحضرت زید رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی شان میں بے ادبی کرنے والے کی مجلس میں بیٹھنے کا حکم۔	۳۱۱	وقوع نسخ قطعی ہے۔ اس کا ثبوت ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔	۳۱۶
جو ایسے کافروں کے ساتھ اسی عالم استہزاء و توہین میں بخوشی بیٹھے انھیں کے جیسا ہوگیا۔	۳۱۱	کلمہ کفر صادر ہو تو تجدید نکاح ضروری ہے۔	۳۱۶
سنت پڑھنے والے کو مشرک کہنے والے، نماز میں التحیات ودرود کو بے سند بتانے والے، نماز جنازہ کو قرآن سے ثابت نہ ماننے والے کے بارے میں ایک سوال۔	۳۱۲	نکاح کے لئے گواہ اور رشتہ دار مثلاً بیٹا بیٹی ہوں وہ بھی کافی ہے۔	۳۱۶
مطلقاً حدیث شریف کا منکر کافر ہے۔ اس مضمون کی آیات۔	۱۳۲	قتل کے بعد تین روز تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کے بے گوروکفن پڑا رہنا رافضیوں کا افتراء ہے۔	۳۱۷
ان احکام مشہورہ متواترہ کا بیان جن کا صریح تذکرہ قرآن میں نہیں ہے۔	۳۱۳	یہ کہنا کہ شہادت کے بعد کتوں نے ٹانگ چبا ڈالی تھی دروغ بے فروغ ہے۔	۳۱۷
قرآن کا منزل من اللہ ہونا بھی حدیث ہی سے ثابت ہے۔	۳۱۳	آیات قرآنی کا انکار کفر ہے۔	۳۱۸
عبارت "حفظ الایمان" کی ایک غلط تاویل کارد۔	۳۱۴	نہ ماننے کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آیت سن کر اس کے خلاف عمل کرے۔ انکار نہ کرے تو یہ کفر نہیں۔	۳۱۸
اللہ تعالٰی پر لفظ سخی، داتا کا اطلاق شرعاً ممنوع ہے۔	۳۱۴	علی الاعلان گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۳۱۸
کلام صریح میں تاویل نامقبول ہے۔	۳۱۵	بتوں کا جلوس گھرلانے پر ان کا شکریہ ادا کرنا، قشقہ کھنچوانا، معبودان باطل کی جے بولنی، اور جنھوں نے ان کے جلوس کے ساتھ گشت کی قریب بہ کفر ہوئے۔	۳۱۸
کفر کرنے والا اعمال صالحہ کرنے کی وجہ سے کفر سے نہ بچے گا۔	۳۱۵	راضی بہ کفر ہونے کی ایک صورت اور اس کا شرعی حکم۔	۳۱۹

مرتد سے سلام کلام،اس کی شادی غمی میں شرکت،اس کی عیادت،اس کی نماز جنازہ اس کی قبر پر جانا حرام۔	۳۲۰	وسوسہ کا علاج۔	۳۲۶
مرزائی کے مذہب سے آگاہ ہو کر اس کو لڑکی دینا زنا پر پیش کرنا ہے اور فعل فسق ہے۔	۳۲۱	واعظ کا یہ کہنا کہ وعظ قرآن وحدیث سے دیا، پھر یہ کہنا کہ نہ معلوم جھوٹ ہے یا سچ، قرآن میں شک کرنا ہے۔	۳۲۷
مرزائی کے کفر پر مطلع ہو کر اسے مسلمان سمجھے تو خود کافر ہے۔	۳۲۱	جو واعظ تقریر میں بہشتی زیور منگانے کی تاکید کرے، دیوبندی معلوم ہوتا ہے۔	۳۲۷
مرزائی کا لڑکا سن شعور کو نہ پہنچا ہو تو ابوین کے تابع ہو کر وہ بھی کافر، سن شعور کو پہنچ کر ان کو کافر جانا، اسلام لایا تو مسلمان ہے۔	۳۲۱	بہشتی زیور کا مصنف کافر ہے، عام مسلمانوں کو اس کتاب کا دیکھنا حرام ہے۔	۳۲۷
مرزائی کی عورت مسلمان ہو تو نابالغ لڑکے اس کے تابع ہو کر مسلمان قرار دئے جائیں گے۔	۳۲۱	کفار کی تعریف، ان کے اقسام واحکام۔	۳۲۷
معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام اور عیسٰی علیہ السلام کے احیاء موتی کا انکار کفر ہے۔	۳۲۳	کافر دو قسم ہے۔ اصلی ومرتد۔	۳۲۷
ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں۔	۳۲۳	کافر اصلی دو قسم ہے، مجاہر ومنافق۔	۳۲۷
عالمگیری اور دیگر فتاوٰی کا انکار توہین علماء ہے قربانی کا انکار گمراہی ہے۔	۳۲۳	منافق تمام کافروں سے بدتر ہے۔	۳۲۷
مہمل الفاظ محتاج توجیہ نہیں۔	۳۲۴	کافر مجاہر چار قسم پر ہے۔	۳۲۸
کفار کی عبادت میں شرکت کفر ہے اور کفر کو ہلکا جاننا بھی کفر ہے۔	۳۲۴	آریوں کو موحد سمجھنا سخت باطل ہے۔	۳۲۸
ائمہ مجتہدین پر دست درازی گمراہی ہے۔	۳۲۴	مرتد کی دو قسمیں ہیں: مجاہر ومنافق۔	۳۲۸
کرامات اولیاء، قرآن سے ثابت ہے اس کا منکر گمراہ ہے۔	۳۲۴	مرتد منافق کی صحبت ہزار کافروں کی صحبت سے بدتر ہے۔	۳۲۸
غوث پاک کی شان میں زبان درازی رافضی تبرائی کرتے ہیں۔	۳۲۵	وہابیہ اور دیوبندیہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں۔	۳۲۸
برے خیالات دل میں آئیں یا بلا قصد زبان سے ادا ہو جائیں نہ گناہ ہے نہ اس سے اسلام میں فرق آئے۔	۳۲۶	○ **رسالہ المبین ختم النبیین** (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم جمیع انبیاء اور مرسلین ہونے کا روشن بیان)۔	۳۳۱
		آیت کریمہ ماکان محمد اباأحد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں "النبیین" پر الف لام کون سا ہے۔	۳۳۲

کیاآیہ کریمہ مثبت خاتمیت کاملہ ہے یا نہیں۔	۳۳۲	لفظ خاتم النبیین میں نفی استغراق کے لئے جو تاویل پیش کی جاتی اس پر رب العالمین سے معارضہ کہ یہ تاویل وہاں بھی چل سکتی ہے۔	۳۳۷
جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کل انبیاء کا خاتم نہ مانے اس کے پیچھے نماز اور اس کی تعظیم و توقیر کا کیا حکم ہے۔	۳۳۲	قادیانیہ، قاسمیہ، نذیریہ ضروریات دین کے منکر ہیں۔	۳۳۸
دلائل خارجیہ۔	۳۳۲	منکرین ختم نبوت کے کفر میں شک کرنے والا خود کافر ہے۔	۳۳۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین ہونا ضروریات دین میں سے ہے۔	۳۳۳	آیت خاتم النبیین کے استغراق سے انکار مطلقاً کفر ہے۔	۳۳۹
حدیث لانبی بعدی متواتر ہے۔	۳۳۳	ختم نبوت کی تفسیر ختم زمانی قطعی اجماعی ہے، ضروریات دین اپنے ثبوت میں سے کسی خاص نص کے محتاج نہیں ہوتے۔	۳۳۹
خاتم البنیین بمعنی آخر النبیین پر اجماع ہے۔ اس کا ثبوت نصوص علماء سے ہے۔	۳۳۳	یہ کہنے والا کہ حرمت خمر قرآن سے ثابت نہیں کافر ہے۔	۳۳۹
آیت خاتم النبیین کے معنی مشہور میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کفر ہے۔	۳۳۴	ختم نبوت زمان کا ثبوت آیہ کریمہ خاتم النبیین پر موقوف نہیں۔	۳۴۰
مضمون بالا پر امام غزالی، امام نابلسی، علامہ شہاب الدین فضل اللہ کے نصوص۔	۳۳۴	ختم زمانی کو ماننے والا منکرین ختم نبوت کی تکفیر کے باوجود آیت میں الف لام عہد کی تفسیر و تخصیص کا قائل بحکم فقہاء کافر ہوگا، آیت میں نفی استغراق کا قائل منکرین ختم نبوت کا معین ومددگار ہے۔	۳۴۱
عہد مصنف میں لفظ خاتم النبیین میں تاویل کرنے والے کچھ کذابوں کی تاویلات کا ذکر۔	۳۳۶	قرآن عظیم میں صرف ۲۶ پیغمبروں کے نام مذکور ہیں۔	۳۴۲
اس تاویل کا رد کہ آیت میں خاتم النبیین سے مراد شریعت جدیدہ کا ختم ہے۔	۳۳۶	شمویل، یوشع اور حضرت خضر علیہم السلام کا ذکر قرآن میں مبہم طریقہ پر ہوا۔	۳۴۲
رسالہ "جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ" میں اسی مضمون کا بیان ہے۔	۳۳۷	قرآن سے ایسی تیس آیتوں کا بیان جن میں رسولوں کا ذکر بطریق استغراق ہوا۔	۳۴۲

ایسے سات مقامات قرآنی کا ذکر جہاں انبیاء سابقین کو بوصف جنسیت ذکر کیا گیا۔	۳۴۵	الف لام عہد خارجی کے دلائل کا تین طرح سے رد۔	۳۵۳
ایسے چھ مقامات کا ذکر جہاں رسول کا ذکر مطلقاً بے قید شمول وخصوص کیا گیا۔	۳۴۶	ایک غلط حوالہ کی نشاندہی۔	۳۵۳
ایسے آٹھ مقامات کا ذکر جہاں رسولوں کی خاص جماعت کا ذکر ہے۔	۳۴۷	تلویح کی عبارت مذکورہ عہدیوں کو الٹی مضر۔	۳۵۴
وہ مقامات جہاں بطریق عہد حضوری ذکر ہوا۔	۳۴۸	عہد خارجی کے معنی درست نہ ہوں تو الف لام استغراق مراد لینا واجب ہے۔	۳۵۴
وہ مقامات جہاں بطریق عہد ذکری ذکر ہوا۔	۳۴۸	آیت مبارکہ میں الف لام عہد خارجی ہو تب بھی استغراق ہی ثابت ہوگا۔	۳۵۴
وہ مقامات جہاں بطریق عہد علمی ذکر ہوا۔	۳۴۸	لائے نفی جنس صیغہ عموم سے ہے۔	۳۵۵
آیت کریمہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں اگر الف لام عہد خارجی ہو تو عہد خارجی ذکری ہوگا۔	۳۴۸	جو کبیر پنپتی نماز روزہ کا انکار کرے۔ نماز پڑھنے والے، روزہ رکھنے والے پر طعن و تشنیع کرے کافر ہے۔	۳۵۶
آیت کریمہ میں انبیاء مذکور بوصف جنسیت مراد ہوں تو کلام الٰہی فضول ومہمل ہونا لازم آئے گا۔	۳۴۸	گوشت کھانے کو مطلقاً حرام کہنا کفر ہے۔	۳۵۶
آیت خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی مراد لینے کی صورت میں قرآن میں مذکور رسولوں کی متعدد اصناف ہونگی جو خود عہد خارجی کے خلاف ہے۔	۳۴۹	قربانی کو ظلم کہنے والا کافر ہے۔	۳۵۶
آیت مبارکہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لئے نہ ہو بلکہ عہد خارجی ذکری کے لئے ہو تو آیت مبارکہ متشابہات میں سے ہوگی۔	۳۴۹	کلمہ پڑھ کر مذکورہ بالا امور کے مرتکب ہوں تو مرتد ہیں۔	۳۵۶
آیت میں استغراق کے علاوہ جو معنی مراد لیا جائے آیت ختم نبوت پر دلیل نہ ہوگی۔	۳۵۰	(مرتد کفار کی بدترین شکل ہے) ان کے ساتھ مرتدین کے احکام کے موافق عمل درآمد ہو۔	۳۵۶
مبتدعین کے اضلال کی چند ترکیبوں کا ذکر۔	۳۵۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عبدیت کا منکر کافر ہے۔	۳۵۷
ان احادیث کا بیان جن میں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کی تصریح ہے۔	۳۵۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشریت کا مطلقاً انکار کفر ہے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں صورت ظاہری بشری ہے حقیقت ارفع واعلٰی ہے۔	۳۵۷

کتاب ذوالنورالحق المبین کا شرعی حکم۔	۳۵۸	کسی بھی حق کے لئے غیر اسلامی کچہری سے چارہ جوئی یا جو ابدہی بحکم من لم یحکم بما انزل اللہ نہیں ہے۔اور جائز ہے۔	۳۶۵
اشرفعلی تھانوی کو کافر کہنے والوں کو برادری سے خارج کرنا ظلم شدید ہے۔	۳۵۸	ناحق چارہ جوئی یاجوابدہی حرام وگناہ ہے۔	۳۶۵
اشرفعلی کے اقوال کفریہ پر مطلع ہوکر تکفیر کرنیوالے کو برادری سے خارج کرنے والا خود ہی خارج از ایمان ہے۔	۳۵۹	گناہ کو کفر قرار دینا خارجیوں کا مذہب ہے۔	۳۶۵
لفظ ضال اور بدعت کے معنی اور اس کی قسمیں۔	۳۶۰	نفس امارہ کی سرکشی سے کسی امر شرعی کی ناگواری اور ہے۔ دل سے اس کو برا جاننا اور ہے اور یہ البتہ کفر ہے، چاہے مقدمات میں ہو چاہے عبادات میں۔	۳۶۵
لفظ حرام کفر کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔	۳۶۰	آیہ کریمہ من لم یحکم کی نفیس تفسیر۔	۳۶۶
امثالیہ کے مختلف گروہوں کا ذکر۔	۳۶۱	جو شخص اپنے کفر کا اقرار کرے کافر ہے۔	۳۶۶
حسام الحرمین میں فرقہ امثالیہ کے اس گروہ کا ذکر ہے جو مضمون کے زمانہ کے بعد بھی کسی نبی کے امکان کے قائل ہیں۔	۳۶۱	اپنے مرشد کے لڑکے کو نبی زادہ لکھنے والے کا حکم۔	۳۶۷
شفاء کی غرض سے غیر خدا کی پوجا کرنے والا کافر ہے۔	۳۶۳	ایک غیر شرعی ہڑتال میں شریک ہونے والے مختلف گروہوں کے احکام۔	۳۶۷
جو اس کو جائز کہے، مولوی ہی کیوں نہ ہو کافر ہے۔	۳۶۳	مشرکوں کے دین کی تائید اور دین اسلام کی پروانہ کرنیوالے پر حکم کفر لازم ہے۔	۳۶۸
غیر خدا کو سجدہ تحیۃ کو جائز کرنے والا کافر نہیں، سجدہ تحیۃ بلاشبہہ حرام ہے۔	۳۶۴	نام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بت کہنے اور ان کے نام کو گرو ہ گوبند کے نام کے برابر کہنے والے کا حکم۔	۳۶۸
فرقہ اہل حدیث کو گمراہ اور اسماعیلی کہنا صحیح ہے۔	۳۶۴	غیر مقلدین کی دشمنی رسول کا بیان۔	۳۶۹
دیوبندیہ ان سے بھی گمراہ اور کافر ہے۔	۳۶۴	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ "یا" نہیں ملانا چاہئے بلکہ "یارسول اللہ" کہنا اور لکھنا چاہئے۔	۳۶۹
آج کوئی مجتہد مطلق موجود نہیں۔	۳۶۴	نام مبارک دیوار پر کندہ کرنے سے افضل آئینہ میں لکھ کر لٹکانا ہے۔	۳۶۹
تصریحات ائمہ کے خلاف دلیل مسئلہ نکالنا مجتہد مطلق کا کام ہے۔	۳۶۴	ایک عجیب وغریب قوم کے احکام۔	۳۶۹
آیہ کریمہ فلا وربك الایۃ سے تکفیر عامہ اہل اسلام پر ایک غلط استدلال کارد۔	۳۶۵	جس مال کے حرام ہونے کا غالب گمان ہو اس کو کار خیر میں صرف کرنا حرام اور شبہ کے مال سے احتراز افضل ہے۔	۳۷۰

رسالہ الامداد کی ایک عبارت کے متعلق سوال اور اس کا جواب۔	۳۷۱	دوسرے کی عورت بے نکاح تصرف میں لانا حرام اور دھوکا دہی کارِ مسلم نہیں۔	۳۷۴
ایک بے قید گمراہ کی گمراہیوں کے بارے میں سوال	۳۷۲	اپنی منکوحہ پر غیرت نہ کرنے والا دیوث، اور جو روسے ماں باپ کو گالیاں سن کر خاموش رہنے والا عاق، یہ دونوں کام فسق کے ہیں۔	۳۷۴
فقہ حنفیّہ کی تحقیر گمراہی ہے۔	۳۷۳	مغرب میں نماز قصر کرنا نئی شریعت گھڑنا ہے۔	۳۷۴
تفسیر بالرائے حرام ہے۔	۳۷۳	آیۃ الکرسی میں کوئی لفظ چھوڑنے سے ایک مذہب پر نماز باطل ہے۔ راجح یہ ہے کہ بے فساد معنٰی فاسد نہیں۔	۳۷۵
امام رازی اور امام غزالی رحمہما اللہ تعالٰی کو اپنے مقابلہ میں الفاظ سخیفہ سے یاد کرنا تکبر ہے۔	۳۷۳	جو کافروں میں ملنے سے راضی ہو کافر ہوگیا۔	۳۷۶
صحابہ کو جھوٹا سمجھنا گمراہی، اور عموماسب کو جھوٹا سمجھنا کفر ہے۔	۳۷۳	جس کے بارے میں معلوم ہو کہ تدبیر سے خواہش کفر اس کے دل سے نکل جائے گی اس کے لئے کوشش کی جائے۔	۳۷۶
لب بالا کے بال سکھوں کی طرح رکھنا خلاف سنت اور تشبہ بالکفار ہے۔	۳۷۳	دیوبندیوں کے کفر پر مطلع ہو کر ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے پر حکم کفر ہے۔ اور اجمالاً گناہ جان کر بھی پڑھنا سخت گناہ ہے۔	۳۷۶
سردی کے صرف خوف سے تیمّم کرنا حرام ہے اور ایسا کرنے والا فاسق ہے۔	۳۷۴	علم الٰہی اور علم رسالت میں مساوات کا عقیدہ گمراہی ہے مگر ذاتی اور عطائی کا فرق مانے تو کافر نہ ہوگا۔	۳۷۷
اسپرٹ حرام ونجس ہے اس کا استعمال اور مسجد کے لوٹوں کو اس سے آلودہ کرنا شریعت پر جرأت ہے۔	۳۷۴	علم باری سے ساری مخلوقات کے علم کو وہ نسبت بھی نہیں جو بوند کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے۔	۳۷۷
سود کو حلال جاننا کفر اور حرام جان کر کھانا اپنی ماں سے ۳۶ بار زنا کرنے کے برابر ہے۔	۳۷۴	ایصال ثواب جائز۔ اس کے لئے دن متعین کرنا جائز، لیکن اس کو واجب جاننا یا حضور کی سنت سمجھنا باطل ہے۔	۳۷۷
بغیر عذر سفر ومرض روزے کے بجائے فدیہ کافی جاننا نئی شریعت کا ایجاد ہے۔	۳۷۴	اپنی لڑکی کی حرام کمائی کھانے والا دیوث، سخت فاسق ہے، مسلمان اس سے میل جول ترک کردیں۔	۳۷۷

سود مطلقاً حرام ہے کم ہو یا زیادہ اس کی حلت پر اصرار کفر ہے ایسے شخص پر توبہ واجب۔ تجدید اسلام و تجدید نکاح ضروری نہ مانے تو مسلمان اس کا مقاطعہ کریں۔	۳۷۸	قادیانی پر علماء حرمین نے کفر کا فتوی دیا۔ جو شخص وہابیوں کے کفر میں شک کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔	۳۸۵
طریقہ مداریہ کا مرید اگر تمام عقائد ایمانیہ کا معتقد ہے تو بیشک مسلمان ہے۔	۳۷۸	ایک دنیا دار لیڈر کے بارے میں سوال دیوبندیوں کو مسلمان جاننا ان کے کفر میں شک کرنا کفر ہے۔	۳۸۵
کلمہ شریف کے دونوں اجزاء کا ماننا فرض ہے	۳۷۹	نیاز کا کھانا کھالینا دلیل اسلام نہیں۔	۳۸۵
کلمہ شریف کے نکات۔	۳۷۹	مسلمانوں کے ایک سیاسی فرقے کے بارے میں سوالات اور اس کے جواب۔	۳۸۶
جو شخص فرض واجب کی حقیقت جانے بغیر "محمد رسول اللہ" کو واجب کہے اس کا حکم تھوڑا ہلکا ہے۔ مگر جو سمجھ کر کہے وہ کافر ہے۔	۳۷۹	"لکم دینکم ولی دین" کا حکم منسوخ ہے۔	۳۸۸
ہم کو قرآن وحدیث کی ضرورت نہیں۔ نماز کی تحقیر کفر ہے۔	۳۷۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کافر سے موالات نہیں برتی۔	۳۸۸
چند کلمات کفریہ کا بیان۔	۳۸۰	مکہ میں بھی کافروں مداہنت تک جائز نہ تھی۔	۳۸۹
بلاوجہ بدگمانی حرام ہے۔	۳۸۰	نبی کی طرف اتیان کبیرہ کی یا تبلیغ رسالت میں مداہنت کی نسبت کرنا نبی کو گالی دینا ہے۔	۳۸۹
وہابیہ تقیہ کرتے ہیں ان کی تنقیح ضروری ہے۔	۳۸۰	اپنے ناجائز فعل کی سند میں کسی نبی سے استشہاد سخت محرومی ہے۔	۳۸۹
بلاوجہ ظاہر علماء سے بغض پر خوف کفر ہے۔	۳۸۱	مسجد حرام میں کفار کا داخلہ مطلقاً منع ہے۔	۳۹۰
عالم دین کی توہین منافق کا کام ہے۔	۳۸۱	کفار مسجد نبوی میں اپنی طرح عبادت کرتے تھے یہ محض جھوٹ ہے۔	۳۹۰
کسی وہابی کو وہابی جان کر کافر نہ مانے تو خود مسلمان نہیں۔	۳۸۳	عہد رسالت میں وفود کفار مسجد میں بطور استعلاء نہیں آتے تھے۔	۳۹۱
جس کے نزدیک کفر واسلام کا معاملہ صرف مولویوں کا جھگڑا ہو وہ بھی مسلمان نہیں۔	۳۸۳	مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا حرام ہے۔	۳۹۱
وہابیہ اور اہل حدیث کو قرآن وسنت کے ماننے والے کہنا بھی کفر ہے۔	۳۸۳	حنفیہ کی کتب معتمدہ میں مسجد میں داخلہ کفار کی ممانعت ظاہر ہے۔	۳۹۱
توبہ کے بعد گناہ باقی نہیں رہتا۔ توبہ کے بعد بلاوجہ الزام رکھنا حرام وگناہ ہے۔	۳۸۳		

امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے بھی ممانعت ظاہر ہے۔	۳۹۱	دیوبندیوں کی گمراہیاں۔	۳۹۷
اختلاف زمانہ سے احکام بدلتے ہیں۔	۳۹۱	اہل قرآن کے مزخرفات۔	۳۹۸
غیر مسلموں کی کثرت میں داخلہ کفار سبب پامالی اسلام ہے۔	۳۹۲	ملا قصوری اور حافظ شاعر پنجابی کا ذکر۔	۳۹۸
حضور کے زمانہ مبارک میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے آج کل ساتھ لانا سخت منع ہے۔	۳۹۲	جواب میں سائل کی تصویب کہ جو کچھ اقوال وافعال ملعونہ نقل کئے سب کا ضلال مبین اور اکثر کا کفر وارتداد ہونا ظاہر ہے۔	۴۰۰
قشقہ شعائر کفر میں سے ہے۔	۳۹۳	جو عام مسلمانوں پر ظلم کریں ان کا ٹھکانا جہنم، تو جو اولیاء پر ظلم کریں ان کا ٹھکانا دوزخ میں درک اسفل ہوگا۔	۴۰۱
زنار باندھنا کفر ہے۔	۳۹۳	ملعونہ کفریات کی ناقص تاویل انھیں کفر ہونے سے نہ بچائے گی۔	۴۰۱
مسلم وغیر مسلم میں کفر واسلام کا امتیاز ہے۔	۳۹۳	کافروں کی قسم کا بھروسہ نہیں۔	۴۰۱
وہابیہ کے اقوال وافعال شنیعہ کا بیان۔	۳۹۴	وہابیہ، نیچریہ، قادیانیہ، غیر مقلدین، دیوبندیہ، چکڑالویہ یہ سب فرقے کافر ہیں۔	۴۰۲
اسمٰعیل دہلوی کی حرکات۔	۳۹۵	اپنی گمراہی اور کفر میں یہ خوارج سے بڑھے ہوئے ہیں۔	۴۰۲
تقویۃ الایمان کتاب التوحید کی توضیح وتشریح ہے۔	۳۹۵	مذکورہ بالا گمراہوں کی اقتداء باطل ان کی کتابوں کا مطالعہ حرام، ان سے اسلامی ومعاشرتی معاملات حرام وغیرہ،	۴۰۲
اسماعیلیہ تمام مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں، انبیاء کی چوہڑے چمار سے تشبیہ دیتے ہیں۔ خدا کا کذب ممکن مانتے ہیں وغیرہ خیالات فاسدہ۔	۳۹۵	احکام مرتدین۔	۴۰۲
اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کو افغان مسلمانوں نے قتل کیا۔	۳۹۶	جو کسی قوم سے محبت کرے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا۔	۴۰۴
سید احمد علیگڑھی کے ہفوات	۳۹۶	جو کافروں سے محبت کرے انھیں کے ساتھ ہوگا۔	۴۰۴
غلام احمد قادیانی کے ہذیان۔	۳۹۶	اہل اھواء سے پرہیز کی نصیحت۔	۴۰۴
نواب صدیق حسن بھوپالی کی بکواسیں	۳۹۷	مشرک سے اتحاد ووداد حرام ہے۔ مشرک کو ضرورت دینی میں ہادی وپیشوا بنانا قرآن کی تکذیب ہے۔	۴۰۵

جو مشرک کو پیشوا بنائے قیامت کے دن اسی کے نام سے پکارا جائے۔	۴۰۶	جو کفر کی فتح اور اسلام کی شکست چاہے مسلمان نہیں۔	۴۱۳
کسی مشرک کے لئے کہنا کہ ہمارا شہر پاک کرنے کے لئے آئے ہیں قرآن کی تکذیب ہے۔	۴۰۶	شارب خمر کو اس کی مبارکباد دینا کفر ہے۔	۴۱۳
مشرک کو شرعاً کوئی عزت حاصل نہیں۔	۴۰۶	فریمیشن مرتد ہیں ان کے احکام مرتدین کے ہیں۔	۴۱۳
مشرک کی تعظیم گناہ کبیرہ اور سبب بیخ کنی اسلام ہے مشرک تو مشرک ہے فاسق کی جے بولنے سے اللہ تعالٰی غضبناک ہوتا ہے	۴۰۸	قیام خلافت کے شرعی طریقوں سے سوال اور حدیث شریف الائمۃ من القریش کی تحقیق سے استفسار۔	۴۱۴
مہاتما کے معنی روح اعظم اور یہ جبریل امین کا لقب ہے۔	۴۰۸	الائمۃ من القریش حدیث صحیح ومتواتر ہے اور اہل اسلام کا اس مضمون پر اجماع ہے۔	۴۱۵
جب تک عقل وشعور باقی ہے کسی بلند رتبہ آدمی سے بھی احکام شرعیہ موقوف نہیں۔	۴۰۹	ہر سلطنت اسلام بلکہ ہر فرد مسلمان کی خیر خواہی بقدر طاقت فرض ہے، اگر طاقت کے باوجود کاہلی کے سبب سے مدد نہ کرے مرتکب گناہ کبیرہ ہے، اور کفار کی خوشنودی کے لئے ہو تو مستحق لعنت ہے، اور دل سے ضرر اسلام کے لئے ہو تو کفر ہے۔	۴۱۵
حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ کا فرمان۔	۴۰۹	مسلمانان ہند پر عدم استطاعت کی وجہ سے جہاد فرض نہیں۔	۴۱۶
روافض زمانہ علی العموم مرتد ہیں، ان سے اہل اسلام جیسا کوئی معاملہ کرنا حلال نہیں۔	۴۱۰	ہندوستان دارالاسلام ہے یہاں سے ہجرت کا حکم نہیں۔	۴۱۶
حکم شریعت کا استخفاف کفر ہے اس پر توبہ تجدید اسلام ونکاح ضروری ہے۔	۴۱۱	اعانت مالی ممکن ہے لیکن ذریعہ وصول الی المستحقین پر وثوق ہو۔	۴۱۶
تمام گمراہ فرقے جو ضروریات دین کے منکر ہوں مرتد ہیں اور ان کے احکام مرتدین کے ہیں۔	۴۱۲	قانون جن امور کو روکتا ہے ان کے نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے۔	۴۱۷
یہ کہنا کہ جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی، اس کو کافر نہیں کہنا چاہئے، حدیث نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء ہے۔	۴۱۱	خلافت کی حمایت کے نام پر خلاف شرع امور کی اجازت نہیں۔	۴۱۷
کافر اصلی اور مرتد کا فرق۔	۴۱۲	جزیرۃ العرب میں کفار کی سکونت پچھلے سلاطین ترک کے زمانہ سے ہے۔	۴۱۸

شریف مکہ سے بھی اگر بے حرمتی حرم ثابت ہو تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔	۴۱۸	دشمن کے وطن میں امان لے کر تجارت کے لئے جانا جائز ہے۔	۴۲۱
○ **المحجة المؤتمنة فی اٰیة الممتحنة** (غیر مسلموں سے تعلقات رکھنے کی شرعی حدود و قیود کا مفصل بیان اور سورۃ الممتحنہ کی آیات کریمہ کی تفسیر)	۴۱۹	مسلمان امان لے کر دارالحرب بغرض تجارت جانا چاہے تو اس کو منع نہیں کیا جائے گا۔	۴۲۱
نقل خط مولوی حاکم علی صاحب حنفی نقشبندی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور۔	۴۱۹	مسلمان کو تجارت کے لئے کون کون سی چیزیں دارالحرب لے جانا جائز اور کون سی ناجائز ہیں۔	۴۲۲
جواب خط مولوی صاحب منجانب مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد مصطفٰی رضاخاں قادری (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ)	۴۲۰	مسلمان کسی مجوسی کے یہاں مزدوری کرے تو حرج نہیں۔	۴۲۲
موالات و مجرد معاملت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۴۲۰	مجوسی نوکر سے گوشت منگوا کر کھانے کی گنجائش ہے جبکہ وہ کہے کہ میں نے یہودی یا نصرانی سے خریدا۔	۴۲۲
دنیوی معاملت اگر مضر دین نہ ہو تو مرتدین کے سوا کسی سے ممنوع نہیں۔	۴۲۰	ذمیوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔	۴۲۳
معاملات میں ذمی مثل مسلم ہے۔	۴۲۰	دشمنوں کے بادشاہ نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو ہدیہ بھیجا تو اس کا حکم۔	۴۲۳
خرید وفروخت، اجارہ واستیجار، ہبہ واستیہاب بشرطہا غیر ذمی کافر سے بھی جائز ہے۔	۴۲۱	کون سی صلح جائز ہے اور کون سی ناجائز ہے۔	۴۲۴
مسلمان کافر کے ہاتھ ایسی چیز فروخت نہ کرے جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام ہو۔	۴۲۱	مسلمانوں کو اپنے سکول وکالج کے لئے غیر مسلم حکومت سے امداد لینا کب جائز اور کب ناجائز۔	۴۲۴
کافر کو بمصلحت شرعی ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو یا اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو درست ہے۔	۴۲۱	مولوی اشرف علی تھانوی صاحب سرو سرغنہ دیوبندیہ ہیں۔	۴۲۵
مرتد عورت دائم الحبس کی جائے گی اور اسلام لانے تک اس کے ساتھ کھانا وپینا اور نشست و برخاست ممنوع ہے مگر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔	۴۲۱	تھانوی صاحب کو سنی سمجھنے کی غلطی پر مولوی حاکم علی صاحب کی توبہ۔	۴۲۵
		مولوی حاکم علی صاحب کے سوال کے جواب کے بارے میں چودھری عزیز الرحمٰن کا اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ سے استفسار۔	۴۲۶

چند طرق باطلہ کا بیان جو معاندین نے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ روا رکھے۔اور مسلمانوں کو ان سے پرہیز کرنا فرض ہے۔	۴۲۹	احکام الٰہیہ میں لیڈروں کی طرح طرح کی کھینچ تان بلکہ کایا پلٹ۔	۴۳۴
پہلا طریقہ: سرے سے بات نہ سننا۔	۴۲۹	تعلیم کے لئے امداد لینا اور لیڈران کی دینی حالت کہ اسلام ان کو نہ جب مد نظر تھا نہ اب ہے۔	۴۳۵
دوسرا طریقہ: سن کر مکابرانہ تکذیب کا منہ کھول دینا۔	۴۲۹	جن مدارس کے نصاب میں امور خلاف اسلام اور توہین رسالت داخل ہوں ان میں تعلیم وتعلم حرام ہے۔	۴۳۵
تیسرا طریقہ: ہدایت کو معلل بالغرض بتانا۔	۴۲۹	موالات کی بحث۔	۴۳۶
چوتھا طریقہ: حق کا باطل سے معارضہ کرنا۔	۴۲۹	ترک معاملت کو ترک موالات بنا کر ترک موالات میں وارد شدہ آیات کریمہ سے استدلال اور ہندوؤں کا اس سے استثناء غلط ہے۔	۴۳۶
مدارس کے اقسام اور اخذ امداد کے احکام۔	۴۲۹	آیہ ممتحنہ کا روشن بیان۔	۴۳۶
ندوہ کو گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی۔	۴۳۰	آیہ کریمہ "لاینھٰکم اللہ" بنوخزاعہ کے بارے میں ہے۔	۴۳۶
جن مدارس کو گورنمنٹ کی امداد امور خلاف شرع سے مقید یا ان کی طرف منجر ہو وہ ناجائز ہے۔	۴۳۰	بنوخزاعہ سے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔	۴۳۶
لیڈر امداد چھڑاتے ہیں اور مخرب دین تعلیمیں نہیں چھوڑتے۔	۴۳۱	آیہ کریمہ ممتحنہ کی مراد کے بارے میں مفسرین کرام کے اقوال۔	۴۳۶
لیڈر نصارٰی کی ادھوری غلامی چھڑاتے ہیں اور مشرکین کی پوری غلامی بناتے ہیں۔	۴۳۲	سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سلطان المفسرین ہیں اور امام مجاہد ان کے تلمیذ اکبر ہیں۔	۴۳۶
موالات ہر کافر سے حرام ہے۔	۴۳۲	آیہ ممتحنہ میں ائمہ حنفیہ کا مسلک۔	۴۳۷
موالات صوریہ کے احکام۔	۴۳۲	کافر ذمی کے لئے وصیت جائز اور حربی کے لئے ناجائز ہے۔	۴۳۷
موالات صوریہ ضرورتا خصوصا بصورت اکراہ جائز ہے۔	۴۳۳	ذمی کو نفلی صدقات دے سکتے ہیں۔	۴۳۹
مجرد معاملت کا حکم۔	۴۳۳	زکوٰۃ ذمی کو نہیں دے سکتے۔	۴۳۹

کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا حلال نہیں اگرچہ وہ مستامن ہو۔	۴۳۹	نساء وصبیان اگرچہ حکم قتال سے مستثنٰی ہیں مگر حکمت غلظت سے مستثنٰی نہیں۔	۴۵۷
آیت میں نسخ کے اقوال۔	۴۴۱	اہل عہد وذمہ کی عورتیں بچے ان کے حکم میں رہیں گے اور غیر معاہد حربیوں کے زنان واطفال ان کے حکم میں۔	۴۵۷
امام عطاء بن ابی رباح کے فضائل	۴۴۱	یہاں کے کسی کافر فقیر کو بھیک دینا بھی جائز نہیں حربی سے نیک سلوک شرعا کوئی نیکی نہیں۔	۴۵۷
مشرکہ ماں سے حسن سلوک کا حکم۔	۴۴۲	حربی کفار کو صدقہ وخیرات دینا ان پر مہربانی اور ہمدردی کے مترادف ہے جو قرآن مجید کے خلاف ہے۔	۴۵۸
یہاں مسلمان کو جہاد کا حکم نہیں جو اس کی طرف بلاتے ہیں مسلمانوں کے بدخواہ ہیں۔	۴۴۶	مستامن کے لئے مسئلہ ہبہ ووصیت کی تحقیق۔	۴۵۸
خود قرآن عظیم سے اس آیت کی منسوخی کا ثبوت اگر ہر غیر محارب کو عام مانی جائے۔	۴۴۷	حربی مستامن کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۶۰
سب کافروں سے قتال وغلظت کا حکم ہے اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں۔ محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہوگئی۔	۴۴۸	وصیت بھی ہدیہ ہی ہے کہ تملیک عین مجانا ہے۔	۴۶۳
تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں اور محارب بالفعل کے معنی کی تحقیق۔	۴۵۳	قحط مکہ معظمہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پانچ سو اشرفیاں صفوان اور ابوسفیان کو دیں کہ فقراء مکہ میں تقسیم کریں۔	۴۶۴
ازالہ منکر تین قسم ہے۔	۴۵۴	واقعہ عین کے لئے عموم نہیں ہوتا۔	۴۶۴
قرآن عظیم سے مزعومات لیڈران کارد۔	۴۵۵	ابوسفیان وصفوان رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں مؤلفۃ القلوب سے تھے۔	۴۶۴
آیہ کریمہ "وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ" میں چار احتمال ہیں۔	۴۵۵	دارالحرب میں داخل ہونے والے لشکر اسلام کا سپہ سالار اگر دشمنوں کے بادشاہ کو ہدیہ بھیجے تو کوئی حرج نہیں۔	۴۶۴
مشرک مقاتل بالید ہو یا نہ ہو ہر ایک سے اظہار عداوت فرض اور وداد اتحاد حرام ہے۔	۴۵۶	یہ عبارات ائمہ لیڈروں پر سخت اشد ہیں۔	۴۶۴
اصل قول اکثر ہے کہ کریمہ ممتحنہ صرف معاہدین کے بارے میں ہے۔	۴۵۷	سلوک مالی کی اقسام۔	۴۶۵
تصریح دلالت پر فائق ہے۔	۴۵۷	موالات کی تقسیم اور اس کے احکام کا بیان۔	۴۶۵
اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔	۴۵۷	موالات دو۲ قسم ہے: اول حقیقیہ، دوم صوریہ۔	۴۶۵

میل طبعی کا حکم۔	۴۶۵	لیڈروں کو چوتھا جواب۔	۴۷۳
شیئ مستمر میں بقاء کے لئے حکم ابتداء ہے۔	۴۶۶	آیہ کریمہ "لاینھٰکم" میں کفار سے کچھ نیک برتاؤ اور مالی مواسات کی اجازت ہے نہ کہ ان کو اپنا انصار اور یار غار بنانے کی۔	۴۷۴
اعراض ہر آن متجدد ہیں۔	۴۶۶	لیڈروں سے ضروری سوال۔	۴۷۶
موالات صوریہ کے احکام۔	۴۶۶	ترک موالات میں لیڈروں کی افراط و تفریط۔	۴۷۷
موالات صوریہ کی اعلٰی قسم مداہنت اور ادنٰی قسم مدارات۔	۴۶۷	انگریز کو خوش کرنے کے بہتانی الزام کارد۔	۴۷۷
مدارات کا بیان۔	۴۶۷	ردندوہ میں پچاس رسالے شائع کئے گئے۔	۴۷۷
مدارات ومداہنت کے درمیان موالات صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں یعنی بر واقسام اور معاشرت۔	۴۶۸	اظہار مسائل سے خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا صرف اللہ تعالٰی کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا ہوتا ہے۔	۴۷۹
معاشرت کے نیچے سلام، کلام، مصافحہ، مجالست، مساکنت اور مؤاکلت وغیرہا افعال کثیرہ ہیں۔	۴۶۸	مشرکین سے معاہدہ کا بیان اور لیڈروں کا رد بلیغ۔	۴۷۹
بر وصلہ کی تین قسمیں۔	۴۶۸	لیڈران پر دوسرا رد۔	۴۷۹
میدان جنگ سے بھاگنا کب حرام اور کب پسندیدہ ہے۔	۴۶۸	لیڈروں کے نزدیک رسول اللہ بھی خلاف خدا حکم فرماسکتے ہیں۔	۴۸۰
حربی غیر معاہد سے موالات کی حالی صورت بھی حرام ہے۔	۴۶۹	قرآن حکیم کے صفحات مشرکوں سے اتحاد و وداد حرام کرنے سے گونج رہے ہیں۔	۴۸۰
آیہ ممتحنہ میں بر و معاملات سے کیا مراد ہے۔	۴۶۹	لیڈران پر تیسرا رد۔	۴۸۱
معنی اقساط کی تحقیق۔	۴۷۰	لیڈروں کے نزدیک دشمنان خدا سے اتحاد میں خدا کی محبت ہے۔	۴۸۱
آیہ ممتحنہ میں اقساط کے معنی میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے۔	۴۷۰	دشمن تین ہیں: ایک خود اپنا دشمن، دوسرا دوست کا دشمن، تیسرا دشمن کا دوست۔	۴۸۱
براور اقساط میں فرق۔	۴۷۱	لیڈران پر چوتھا رد۔	۴۸۲
لیڈروں کو تیسرا جواب۔	۴۷۲		

معاہدہ کارکن اور اس کی شرط۔	۴۸۲	کتابی صرف ارادہ موافقت مشرکین سے مشرک ہوسکے گا مگر مشرک نرے ارادے سے کتابی نہ ہوجائے گا۔	۴۸۹
لیڈران پر پانچواں رد۔	۴۸۲	اصل مقصود سلف گورنمنٹ ہے اماکن مقدسہ اور ترکوں کا نام ٹٹی ہے۔	۴۹۰
معاہدہ شرعیہ ایک قسم امان ہے۔	۴۸۲	مشرکوں سے استعانت کی بحث جلیل۔	۴۹۰
امان کی شرط۔	۴۸۲	حرمت استعانت مشرکین پر آیات قرآنیہ۔	۴۹۰
معاہدہ کا حکم۔	۴۸۲	پہلی آیت۔	۴۹۰
کس کو امان دینا صحیح اور کس کو غیر صحیح ہے۔	۴۸۲	لیڈروں نے اس آیت قرآنی کو کیسا کیسا رد کیا۔اور کس کس طرح جھٹلایا۔	۴۹۱
لیڈران پر چھٹا رد۔	۴۸۵	دوسری آیت۔	۴۹۱
معاہدہ شرعیہ میں شرط اعظم۔	۴۸۵	تفسیر آیت کریمہ۔	۴۹۱
صلح حدیبیہ منسوخ ہوچکی ہے۔	۴۸۶	تیسری آیت کریمہ۔	۴۹۲
لیڈران پر ساتواں رد۔	۴۸۶	اللہ تعالٰی کے لئے محبت اور اللہ تعالٰی کے لئے عداوت ایک عظیم باب اور ایمان کی جڑ ہے۔	۴۹۳
مشرکوں سے معاہدہ لیڈران کے اصل اغراض۔	۴۸۶	چوتھی آیت کریمہ۔	۴۹۴
مشرکوں کا برادر بننا حرام ہے۔	۴۸۶	تفسیر آیت کریمہ۔	۴۹۴
صرف مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں نہ کہ مومنین اور مشرکین۔	۴۸۶	تحریم استعانت مشرکین پر احادیث صحیحہ	۴۹۶
کافروں سے اتحاد کرنے والوں کا قرآنی حکم۔	۴۸۷	پہلی حدیث۔	۴۹۶
کافروں کا حلیف بننا حرام ہے۔	۴۸۷	دوسری حدیث	۴۹۷
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابن ابی منافق کے چھ سو حلیف یہودیوں کو واپس فرمادیا۔	۴۸۸	تیسری حدیث	۴۹۷
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کو مشرک کیوں کہا۔	۴۸۸	چوتھی حدیث۔	۴۹۸
الکفر ملۃ واحدۃ۔	۴۸۹	جواز استعانت میں پیش کی جانے والی بعض روایات کا حال۔	۵۰۰
مسلمان معاذاللہ اگر ارادہ کفر کرے تو کافر ہوجائے گا۔	۴۸۹	روایات جواز قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتی ہیں لہٰذا ان کے معارض نہیں۔	۵۰۱
کافر محض ارادہ اسلام سے مسلمان نہ ہوگا جب تک اسلام قبول نہ کرے۔	۴۸۹		

www.dawateislami.net

ممانعت استعانت کو منسوخ قرار دینے کے لئے جو دو واقعے پیش کئے جاتے ہیں ان کا جواب۔	۵۰۱	کافر کو کتا بنا کر استعانت جائز ہے جب وہ ہمارے ہاتھ میں کتے کی طرح مسخر ہو۔	۵۱۰
یہود سے استعانت کے پانچ جواب۔	۵۰۳	شکار میں کتے سے استعانت کب جائز ہے۔	۵۱۰
حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں۔	۵۰۳	کتا اگر شکار میں سے ماشہ بھی کھالے تو شکار حرام ہو جائے گا۔	۵۱۰
امام شافعی کے نزدیک حدیث منقطع مردود ہے۔	۵۰۳	ذلیل و قلیل کافروں سے استعانت جائز ہے نہ کہ انبوہ کثیر سے۔	۵۱۰
حسن بن عمارہ متروک ہے۔	۵۰۳	روز احد چھ سو یہودی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے واپس کردئے۔	۵۱۰
مرسل امام شافعی کے نزدیک مہمل ہے۔	۵۰۳	غزوہ خیبر میں دس یہودیوں کو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ہمراہی کا حکم فرمایا۔	۵۱۰
حیوۃ نے زہری سے کوئی حدیث نہیں سنی۔	۵۰۳	غزوہ احد میں مسلمانوں کی تعداد سات سو اور غزوہ خیبر میں ایک ہزار چار سو تھی۔	۵۱۰
زہری کے مرسل کو محدثین پا بر ہوا کہتے ہیں۔	۵۰۳	غزوہ حنین کے موقع پر لشکر اسلام بارہ ہزار تھا۔	۵۱۱
صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جوابات۔	۵۰۴	استخدام کی چار صورتیں اور ان کے احکام۔	۵۱۱
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی غزوہ حنین کے دن صفوان بن امیہ پر عطاء کریمانہ اور صفوان کا خراج تحسین۔	۵۰۴	کافر کو راز دار بنانا مطلقاً حرام ہے۔	۵۱۱
کیا غزوہ حنین وطائف میں صفوان ابن امیہ شریک جہاد تھا۔	۵۰۴	کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت ہے۔	۵۱۱
صرف ذمی سے استعانت جائز ہے حربی سے مطلقاً حرام ہے۔	۵۰۶	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بہترین حافظہ اور عمدہ خط والے نصرانی کو محرر بنانے کا مشورہ قبول نہ فرمایا۔	۵۱۲
ذمی کافر میں بھی صرف کتابی سے استعانت جائز ہے مشرک سے مطلقاً حرام ہے۔	۵۰۷	کافر کی تعظیم حرام ہے۔	۵۱۳
تحقیق مقام، استعانت کی اقسام اور ان کے احکام۔	۵۰۸	بے تعظیمی کے ساتھ بھی کافر سے استعانت صرف بوقت حاجت جائز ہے۔	۵۱۴
استعانت کی تین حالتیں ہیں: التجاء، اعتماد، استخدام۔	۵۰۸	کافر سے جواز استعانت کی صورت۔	۵۱۴
		مسلمانوں کا مشقت میں پڑنا کافروں کی دلی تمنا ہوتی ہے۔	۵۱۶

لیڈروں نے احکام شریعت کو کیسے بدلا۔	۵۱۶	لیڈران توڈھونڈ ڈھونڈ کر منسوخات پر عمل کرتے ہیں اور اس میں اپنا بچاؤ سمجھتے ہیں۔	۵۲۶
لیڈروں کی حکم شرع میں سات طرح سے تحریف۔	۵۱۶	لیڈران کی بہی خواہی اسلام۔	۵۲۶
خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف داخل کرنے کارد۔	۵۱۸	لیڈران کی اسلامی غیرت۔	۵۲۶
مشرکین تو محض نجس ہیں۔	۵۱۸	لیڈران محض اغواء کے لئے مسئلہ دخول مسجد کا نام لیتے ہیں انھوں نے جو کیا بالاجماع حرام قطعی ہے۔	۵۲۷
مشرک تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔	۵۱۸	تیرا کسی چیز سے محبت کرنا تجھے اندھا اور بہرا کردیتا ہے۔	۵۲۷
مشرکوں پر اعتماد حرام قطعی بلکہ تکذیب کلام الٰہی ہے۔	۵۱۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مشرکوں سے مصافحہ کیا جائے یا انھیں کنیت سے ذکر کیا جائے یا انھیں آتے وقت مرحبا کہا جائے۔	۵۲۷
دربارہ استعانت فتوی میں لیڈروں کی موت۔	۵۱۹	بدایونی لیڈر بننے والے اپنے حق میں احکام ائمہ کرام دیکھیں۔	۵۲۷
شیطان توانھیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔	۵۲۰	کافر کی تعظیم کفر ہے۔	۵۲۸
کفار کی قسمیں کچھ نہیں۔	۵۲۰	اگر مجوسی کو بطور تعظیم کہا "اے استاذ" توکافر ہوگیا۔	۵۲۸
لیڈر مفتیوں کے اپنے ہی شائع کردہ فتوے نے انھیں گھر تک پہنچادیا۔	۵۲۰	دربارہ مساجد لیڈران کا پیش کردہ شاہجہان پوری فتوی خود انھیں پر رد ہے۔	۵۲۹
مفتیوں کو ہدایت۔	۵۲۰	کافر کو بطور استعلاء مسجد میں جانا مطلقاً حرام ہے۔	۵۲۹
مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہو تو اسے جائز نہیں کہ سائل کو اس کے سوال کے موافق فتوی لکھ دے تاکہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔	۵۲۱	مفتی کو ہدایت۔	۵۲۹
اہل باطل کے ہاتھ میں فتوی آجانے کی خرابی۔	۵۲۱	شریعت کے ساتھ لیڈروں کی حالت۔	۵۳۰
مساجد میں مشرک کو لے جانے کارد۔	۵۲۱	ضروری عرض واجب اللحاظ	۵۳۰
مشرکین عرب کو ذمی بنانا روانہ تھا ان پر صرف دو حکم تھے اسلام لائیں ورنہ تلوار۔	۵۲۵	جو لوگ دلائل سے عاجز ہوں وہ اپنا عجز چھپانے کے لئے اظہار احکام رب الانام کا نام گالیاں رکھتے ہیں تاکہ جواب سے گریز کا حیلہ ہوسکے۔	۵۳۰
غیر ذمی کافر کو مسجد میں آنے کی اجازت منسوخ ہوچکی ہے۔	۵۲۶		

ترک معاملت پر ایک نظر۔	۵۳۱	ناحق قتل یا غارت مسلم حرام ہے۔	۵۳۸
لیڈروں کی طرف سے مسئلہ موالات میں ایک طرف اتنا افراط کہ نصارٰی سے نرمی معاملت بھی حرام قطعی۔اور دوسری طرف اس قدر تفریط کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی۔	۵۳۱	قتل ناحق اور غارت مسلم میں اعانت مطلقًا حرام۔	۵۳۸
مباح کو حرام جان کر چھوڑنے میں حرج نہیں۔	۵۳۱	شراب پینا سخت خبیث کام ہے۔	۵۳۸
تحریم مباح کا اعتقاد ضلالت ہے۔	۵۳۱	بلاوجہ شرعی شورشوں کے لئے سینہ سپر ہوجانا شرعًا واجب نہیں۔	۵۳۸
حرام قطعی کو فرض منانا ایمان وعمل دونوں کے لئے تباہ کن ہے۔	۵۳۱	جب فتنے اور بدمذہبیاں ظاہر ہوجائیں تو کشف کے لئے عالم پر اپنا علم ظاہر کرنا فرض ہوجاتا ہے۔	۵۳۹
اخبارات ومطابع کیوں نہیں بند کرتے۔	۵۳۲	حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالٰی تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں کا مالک ہونے سے بہتر ہے۔	۵۴۰
اوروں کے لئے شور وفغاں اور اپنے لئے نوشجاں۔	۵۳۳	جہاد کے احکام واقسام	۵۴۰
لیڈران اوروں کو ترک تعاون کی طرف بلاتے ہیں اور خود ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔	۵۳۳	جہاد اعظم وجوہ ازالہ منکر ہے۔	۵۴۰
لیڈروں پر لیڈروں سے مقاطعہ فرض ہے۔	۵۳۴	جہاد کی تین قسمیں ہیں: (۱) جنانی (۲) لسانی (۳) سنانی۔	۵۴۰
جو خود اپنے کہے پر عامل نہ ہو اس کی چیخ وپکار اوروں سے کیا عمل کرائے گی۔	۵۳۴	واقعہ کربلا سے لیڈروں کا استناد اغوائے مسلمین ہے۔	۵۴۰
ہندوؤں کی دیگ موافقت سے بانگی کا چاول۔	۵۳۵	کربلا کی لڑائی کا آغاز امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے نہ تھا۔	۵۴۱
ہندو الفت اور گاندھی رغبت کا راز۔	۵۳۵	بعض واقعات واحوال کربلا۔	۵۴۱
دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے۔	۵۳۶	حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل فرمایا اور یہی ان کی شان رفیع کے شایان تھی۔	۵۴۲
منکر پر ردوانکار کس حالت میں فرض ہے اور کہاں اس کا یہ حکم نہیں۔	۵۳۷	دیکھو امام نے کیا کیا اور تم کیا کررہے ہو اسلام وکفر کو کیوں ملاتے ہو۔	۵۴۳

امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے در کے کسی کتے نے بھی مشرکوں سے مدد نہ مانگی۔	۵۴۳	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے زمانہ میں رنگ بدلا توانھوں نے فرمایا: اگر حضور ہوتے عورتوں کو مسجد سے روک دیتے، پھر زمانہ مابعد میں اور حالت خراب ہوئی تو ائمہ نے جوان عورتوں کو روک دیا۔ جب اور زمانہ بدلا تو مطلقًا ممانعت ہوگئی۔	۵۵۰
امام پاک نے بہتر تن سے بیس ہزار فجار کا مقابلہ فرمایا۔	۵۴۳	در مختار اور فتح القدیر سے مسئلہ کا حکم۔	۵۵۰
امام کا توکل اللہ تعالٰی پر تھا جبکہ لیڈروں کا اعتماد اعداء اللہ پر ہے۔	۵۴۳	ان حدیثوں کا ذکر جن میں عورتوں کو حضور جماعت کی اجازت ہے۔	۵۵۱
لیڈروں کے دل ساختہ احکام پر نہ شرع شاہد ہے نہ عقل مساعد۔	۵۴۳	موجودہ احکام حدیث کے خلاف نہیں۔ بلکہ وہی کہ زمانہ بدلنے کے سبب حکم بدلا۔	۵۵۱
○ **انفس الفکر فی قربان البقر** (گاؤکشی کے معاملہ مفصل تحقیقات اور ہندوؤں کے شبہات کا ازالہ)	۵۴۵	ستر وحجاب کے کچھ مسائل۔	۵۵۱
مسئلہ عجیب کہ گائے کشی واجب یا مباح ہے، اور قربانی اونٹ کی یا گائے کی بہتر ہے جہاں فتنہ ہو کیا وہاں گاؤکشی سے بازرہا جائے؟	۵۴۵	واجب وحرام لعینہ ولغیرہ کا بیان مع امثلہ۔	۵۵۲
صدر الشریعت مصنف بہار شریعت مولٰنا امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ کی طرف سے اہم وضاحت۔ (حاشیہ)	۵۴۵	انگرکھے کا سیدھا پردہ مسلمانوں کا شعار اور الٹا پردہ کافروں کا۔ تو الٹے پردہ کا انگرکھا لینا حرام ہے۔	۵۵۲
شریعت کے ہر حکم میں دقائق اور مصالح ہیں۔	۵۵۰	گاؤکشی اپنے اصل اور ذات کے اعتبار سے واجب نہیں۔ نہ اباحت کے اعتقاد کے ساتھ اس کا تارک گنہگار، نہ ہماری شریعت میں کسی چیز کا بالتعین کھانا فرض۔	۵۵۳
مصالح عرف سے بدل جاتے ہیں تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔	۵۵۰	گائے کی قربانی کرنا واجب لعینہٖ اور ترک حرام لعینہٖ نہیں۔ لیکن واجب لغیرہٖ وحرام لغیرہ تو ہوسکتا ہے اس کے یک لخت ترک میں اسلام اور اہل اسلام کی توہین اور ذلت ہے۔ اور یہ شرعًا حرام ہے۔	۵۵۳
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمان برکت نشان میں عورتوں پر پردہ واجب نہ تھا عورتیں پنجوقتہ جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔	۵۵۰	سائل نے لفظ ترک لکھا ہے حالانکہ ترک اور کف میں فرق ہے۔	۵۵۳

ترک کے نقصانات کی تفصیل۔	۵۵۳	دوسری وجہ تعظیم: سواس پر بھی خود یہ حضرات پورے نہیں اترتے، مثالوں سے اس کی وضاحت۔	۵۵۶
گوشت طبعاً اہل اسلام کی غذا ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس کا احسان جتایا ہے۔	۵۵۳	بیل اور گائے میں وجہ فرق کیا ہے۔	۵۵۶
گوشت کی فضیلت کی احادیث۔	۵۵۴	جہاں قانوناً گاؤکشی بند ہے وہاں شریعت بھی مجبور نہیں کرتی کہ ضرور کرو اور ضرور موردِ آفات بنو۔	۵۵۷
بکری کا گوشت گراں ہے سب کو دواما میسر نہیں۔	۵۵۴	خلاصہ حکم۔	۵۵۸
فطرت کا قانون یہ ہے کہ عناصر نباتات کی غذا، نباتات حیوانات کی غذا اور حیوانات انسان کی غذا۔	۵۵۴	ہندوستان میں گاؤکشی کی رسم موقوف کرانے کی ہنود کی کوششوں کے بارے میں مسلم لیگ ضلع بریلی کی طرف سے بھیجے گئے استفتاء کا جناب نواب مرزا کی طرف سے جواب اور مصنف علیہ الرحمۃ کی اس پر تصدیق۔	۵۵۸
گوشت میں بدن انسان کے لئے غیر معمولی فوائد و مصالح ہیں۔	۵۵۴	تصدیق منجانب مفتی ہند حضرت مولٰنا محمد مصطفٰی رضاخان قادری۔	۵۵۹
سائل کا یہ کہنا کہ گاؤکشی پر کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا۔ غلط ہے۔	۵۵۵	کیا قرآن میں قربانی گاؤ منع ہے؟	۵۶۰
اونٹ اور گائے اور بکری میں گائے کی وجوہ ترجیح۔	۵۵۵	قرآن وحدیث سے قربانی گاؤ ثابت ہے۔	۵۶۰
ہمارے یہاں گائے کا ذبیحہ اصل مذہب میں داخل اور غیر مسلموں نے یہ پابندی بعد میں اپنے سر ڈال لی ہے۔	۵۵۶	آیت مبارکہ "والبدن جعلنھا" سے گائے کی قربانی پر استدلال، نیز تفسیر قادری کے ترجمہ سے اس موضوع پر استدلال۔	۵۶۰
گائے کو ہندو مذہبی پیشوا خود کھاتے تھے۔	۵۵۶	ائمہ ثلثہ حنفیّہ کے اقوال سے استدلال۔	۵۶۱
گاؤکشی کی حرمت کی دو وجہ قرار دی گئیں: (۱) ہتھیا، تو دوسرے جانوروں کی ہتھیا ان حضرات میں عام ہیں۔ اگر اس کی وجہ سے جان لینا حرام ہو تو سانپ کا مارنا بھی حرام ہوگا۔	۵۵۶	آیت مبارکہ "ولکل امۃ جعلنا منسکا" سے استدلال۔	۵۶۱
جینیوں کے طرز عمل سے استدلال کہ وہ مطلقاً ہتھیا کو شدید حرام سمجھتے ہیں، مگر انھیں کے دیگر ہم قوم ان کی اس ہتھیا کا خیال کئے بغیر ہتھیا کرتے ہیں پھر ہم پر پابندی کیوں؟	۵۵۶		

سورہ انعام کی آیت "ثمانیة ازواج الآیة" سے بقر کے انعام ہونے پر استدلال۔	۵۶۲	غیر مسلموں سے چندہ وصول کرنے کی غرض سے قربانی بند کرنا کیسا ہے۔	۵۶۶
آیت "واذقال موسٰی لقومه" سے استدلال۔	۵۶۲	دینی کام کے لئے غیر مسلموں سے چندہ لینا منع ہے۔	۵۶۶
تفسیر قادری سے حکم مذکورہ بالا کی علت۔	۵۶۳	کتابی کافر سے قربانی کا ذبح کرانا مکروہ ہے۔	۵۶۷
بحکم آیات قرآنی احادیث رسول بھی اسی طرح احکام کا اثبات کرتی ہیں جیسے آیات قرآنی۔	۵۶۳	ایسے کلمہ گویوں کا حکم جو غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے از خود قربانی گاؤ بند کرنے کا اعلان کریں۔	۵۶۸
ان آیتوں کا بیان جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بات وحی ہونے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم ہے۔	۵۶۳	آیات سورہ بقر، سورہ انعام۔ سورہ حج سے قربانی کا ثبوت۔	۵۶۸
صحاح ستہ اور نسائی سے ان حدیثوں کی تخریج جن میں قربانی بقر کا ذکر ہے۔	۵۶۴	جو جس سے دوستی کرے قیامت کے دن اسی کے ساتھ حشر ہو۔	۵۶۹
ویدوں سے قربانی گاؤ کی ممانعت ثابت نہیں، اگر شاستروں پر بنائے مسئلہ ہے تو ہماری فقہ میں بھی قربانی گاؤ کی تصریح ہے اس کو خلاف مذہب کہنا دھوکا ہے۔	۵۶۵	حدیث "انت مع من اجبت اور مااحب رجل" الحدیث سے مضمون بالا پر استدلال۔	۵۶۹
مورتی پوجن، گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، مہادیو پر پانی ٹپکانا، ہولی، دیوالی وغیرہا صدہا باتیں وید سے ثابت نہیں۔	۵۶۵	مطلقًا علماء دین یا کسی عالم دین کو عالم ہونے کے سبب برا کہنا کفر ہے۔	۵۷۰
اخبار پانیر کے حوالے سے وید قربانی گاؤ کا جواز۔	۵۶۵	شریعت مطہرہ کی ادنٰی توہین یقینا قطعاً کفر وارتداد ہے۔	۵۷۰
برہمن پران، ستیارتھ پرکاش، ترہنا، منوسمرتی، سے مسئلہ بالا کا ثبوت۔	۵۶۶	گائے کی قربانی شعار اسلام ہے، دشمنان دین سے اتحاد منانے کو شعار اسلام بند کرنا بدخواہی اسلام ہے۔	۵۷۱
فیصلہ ہائی کورٹ سے مسئلہ کا ثبوت۔	۵۶۶	چندہ جمع کرکے گائے کی قربانی چھڑانا اور بکری کی قربانی میں اس چندہ سے مدد دینا شیطان کا داو ہے، مسلمان آنکھیں کھلی رکھیں۔	۵۷۲
		کفار کبھی دین اسلام کے خیر خواہ نہیں ہوسکتے جس میں وہ ساعی ہوں اس میں مسلمانوں کے دین کا ضرر ہے۔	۵۷۲

کافروں کے زبانی اتحاد پر پھولنا قرآن عظیم کو بھولنا ہے۔	۵۷۲	ایک حدیث مبارک جو اپنی عزت خدا کے ہاں دیکھنا چاہے اندازہ لگائے کہ اس کے دل میں اللہ تعالٰی کی قدر کیسی ہے۔	۵۷۵
ہندو مسلم اتحاد کے نتیجے میں گائے کی قربانی کو چھوڑ دینا طرفہ تالی ہے۔	۵۷۲	آدمی اگر اللہ ورسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر رکھے تو اس کے عمل کے لئے کافی ہے۔	۵۷۵
مولوی عبدالباری صاحب کے والد مولانا عبدالوہاب اور دیگر علماء فرنگی کا فتوٰی ہے کہ بخاطر ہنود قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے۔ ناجائز ہے، اس کا جاری رکھنا واجب ہے، یہ فتوٰی مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب میں ہے۔	۵۷۲	آیت وتفسیر سے قربانی کا ثبوت، اور اللہ تعالٰی کے احکام کی بے قدری کرنے والوں کی عذاب سے تخویف۔	۵۷۵
ہنود کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے گاؤ کشی بند کرانے کے بارے میں بنائی جانے والے کمیٹی میں شرکت حرام اور اس کے محرکین شیطان کے فریب میں ہیں دانستہ یانادانستہ بدخواہی اسلام کررہے ہیں۔	۵۷۳	اسی مسئلہ سے متعلق مسلسل تین سوال وجواب۔	۵۷۶
گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ کی قربانی میں مسلمان منجانب شریعت مختار ہیں مگر مخالفان اسلام کی خاطر شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت مسلمانوں کو اختیار نہیں۔	۵۷۳	قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے بیل یا بھینس سے بدل کر قربانی کرنا منع ہے۔	۵۷۷
ہندوستان میں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے اور ہندو مسلم اتحاد کی ناپاک مصلحت کے لئے اس کا چھوڑنا حرام ہے۔	۵۷۳	اللہ تعالٰی کے واسطے نیت کرکے پھرنا معیوب ہے ہندوؤں سے اتحاد حرام اور اس کی وجہ سے قربانی گاؤ موقوف کرنا حرام، اور ایسا کرنیوالے کا حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا۔	۵۷۷
شعار اسلام کو بند کرنے کی کوشش کرنے والا اسلام کا بدخواہ ہے ایسا شخص عالم نہیں ظالم ہے جو اسلام پر ظلم کررہا ہے۔	۵۷۳	محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین دن کے ایک دن مقرر کرنا حرام ہے۔	۵۷۷
مسئلہ کا حکم اور اہل اسلام کے خلاف شرع افعال کی قدرے تشریح۔	۵۷۴	ہنود کی خوشنودی کے لئے اللہ ورسول کے حکم میں تنگی کرنا مسلمان کا کام نہیں۔	۵۷۷
گاؤ کشی بند کرنے سے مسلمان کو جو معاشی اور مذہبی زحمتیں ہوں ان کا ذکر اور حکم شرع۔	۵۷۴		

عورتوں کو بے پردہ مرید کرنے والا، داڑھی خشخشی رکھنے والا، عالموں کی غیبت کرنے والا پیر نہیں مسخرہ شیطان ہے۔	۵۷۸	جھوٹی گواہی سب کے لئے حرام اور غیر مسلموں کے امور شرکیہ کے لئے ہو تو قریب بہ کفر ہے۔	۵۸۳
پیر بے واسطہ اللہ تک پہنچادیتا ہے، اگر اس کا مطلب بے واسطہ رسول ہے تو کفر ہے۔	۵۷۸	جو شخص جس مذہب یا فرقہ کا ہونے کی خواہش ظاہر کرے وہ اسی کا ہوگیا۔	۵۸۳
جو یہ کہے کہ مسلمانوں کے کلمہ میں یہ طاقت ہے کہ اسے پڑھا کر سور کھانے والے کو مسلمان کرلیتے ہیں تو سور پر کلمہ پڑھ کر اسے کیوں نہیں کھالیتے۔ یا یہ کہے کہ ہم کو مسلمانوں سے کام نہیں ہندوؤں سے کام ہے۔ ایسا شخص کافر ہے۔	۵۷۸	ایک فتوٰی نما استفتاء۔	۵۸۳
آیت کریمہ "من یشفع شفاعة حسنة" کی توضیح۔	۵۷۸	گمراہوں سے اجتناب کی حدیث مسلم۔	۵۸۴
اعمال حسنہ کے قبولیت کی شرط ایمان ہے۔	۵۷۹	ابوداؤد کی روایت کہ وہ بیمار ہوں تو عیادت نہ کرو۔ مرجائیں تو جنازہ میں حاضر نہ ہو۔	۵۸۵
کافر کا کوئی عمل حسن مقبول نہیں۔	۵۷۹	ابن ماجہ کا اضافہ کہ ملاقات ہو تو سلام نہ کرو۔	۵۸۵
کسی مشرک کو سفارشی بنانا اور ہے اور اس کا تعظیم و تکریم امر آخر ہے۔	۵۷۹	عقیلی کی روایت کہ ان کی ہم نشینی نہ کرو۔ ان کے ساتھ کھان پان نہ کرو، ان سے شادی بیان نہ کرو۔	۵۸۵
چند افعال کفریہ کا بیان۔	۵۸۰	ابن حبان کا اضافہ کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔	۵۸۵
دین اسلام تمام جہان کے لئے ہدایت ہے۔	۵۸۰	دیلمی راوی کہ میں ان سے بری وہ مجھ سے دور، ان سے جہاد کرنا ترک اور دیلم سے جہاد کرنے کی طرح ہے۔	۵۸۵
اب کوئی جدید نبی نہیں آئے گا۔	۵۸۱	ابن عساکر کی روایت کہ صاحب بدعت سے ترش روئی کے ساتھ پیش آؤ کہ اللہ تعالٰی انھیں مبغوض رکھتا ہے، وہ صراط سے گزر نہ سکیں گے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹڈی اور مکھیوں کی طرح گریں گے۔	۵۸۶
شریعت کی قطعی حلال کی ہوئی چیز کو جو کوئی حرام بتائے یا حرام کو حلال قرار دے وہ خود کافر ہوجاتا ہے۔	۵۸۱	طبرانی کی حدیث کہ صاحب بدعت کی تعظیم کرنے والا اسلام کے ڈھانے پر مدد کرنے والا ہے۔	۵۸۶
حلت قربانی گاؤ اور حرمت شرکت اعیاد ہنود ضروریات دین میں سے ہے۔	۵۸۲	طبرانی اور ابونعیم کی اسی کی ہم معنی روایت۔	۵۸۶
کفار کے میلہ میں شرکت حرام ہے۔	۵۸۳		

مبتدع کا حکم بعض اہانت اور دھتکار و پھٹکار ہے (شرح مقاصد)	۵۸۶	مرتدین سے ہر قسم کا قطع تعلق فرض ہے۔	۵۹۳
صاحب بدعت کے بارے میں فضیل ابن عیاض کا قول۔	۵۸۷	ایک سیاسی جلسہ کی شرکت وغیرہ امور کے متعلق سوالات۔	۵۹۵
حسام الحرمین میں جن گروہوں پر کفر کا فتوی دیا گیا ان کا بیان۔	۵۸۷	بریلی جلسہ خلافت ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ہوا۔	۵۹۵
ظہور فتن کے وقت علماء پر حق کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔	۵۸۹	خلافتی بیان کہ اہل وطن سے دوستی قرآن سے ثابت ہے۔	۵۹۵
جو شخص مسجد میں آکر لوگوں کو ایذا دے اس کو مسجد سے نکال دیا جائے۔	۵۹۰	ایک سیاسی جلسہ کی شرکت کے بارے میں سوال۔	۵۹۵
یزید علیہ مایستحقہ باجماع اہلسنت فاسق و فاجر اور جری علی الکبائر تھا۔	۵۹۱	معاملہ سے قبل تک موالات کے دس ۱۰ درجے ہیں اور اس کی صوری و حقیقی دو قسموں میں سب کا حکم شرعی۔	۵۹۶
امام احمد بن حنبل اور ان کے اتباع یزید کی تکفیر کرتے ہیں۔	۵۹۱	اعلیحضرت کے چند احباب کی تاریخہائے وفات۔	۵۹۷
یزید کی حکومت میں حرمین طیبین کی بے حرمتی ہوئی اور حادثہ کربلا بپا ہوا۔	۵۹۲	اظہار کلمہ کفر کے بعد لاطائل تاویلوں کا رد۔	۵۹۸
ہمارے امام اعظم کے نزدیک یزید کا فسق و فجور علی التواتر ثابت ہے کفر کا ثبوت نہیں اس لئے سکوت کرتے ہیں۔	۵۹۲	دھوکا دہی کے لئے الفاظ کفر بکنا بھی کفر ہے۔	۵۹۹
شبہہ ہو تو گناہ کبیرہ کی نسبت کرنی بھی منع ہے۔	۵۹۲	صریح الفاظ کفر بکنے کے بعد یہ تاویل مردود کہ میں نے دل سے نہیں کہا تھا۔	۵۹۹
یزید کے فسق و فجور سے انکار اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر الزام ضروریات مذہب اہلسنت کے خلاف ہے۔	۵۹۲	یہ تاویل بھی نامقبول ہے کہ تکلم کے باوجود میں اس سے راضی نہ تھا۔ یا بطور ہزل واستہزاء کہے۔	۶۰۰
جس سے کوئی بڑی برائی صادر ہو اس سے چھوٹی کی شکایت بے سود۔	۵۹۳	ضرورۃً کفری الفاظ زبان سے ادا کرنے کی صرف ایک جائز صورت اکراہ شرعی ہے۔	۶۰۰
جب کوئی بات دلیل قطعی سے ثابت ہو تو قرائن کا اضافہ بے سود ہے۔	۵۹۳	کفر کے بعد تجدید اسلام و نکاح ضروری ورنہ زنائے خالص ہوگا۔	۶۰۰

دل میں لاکھ ایمان ہو زبان سے کلمہ کفر بکنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔	۶۰۰	ضرورت کے وقت صرف لاحول ولاقوۃ یا لاحول پر اقتصار قبیح ہے کفر نہیں۔	۶۰۶
حکم شرع الفاظ میں ادا کرنے سے بھی غلط نتائج مرتب ہوتے ہیں۔	۶۰۱	رائج کچہریوں کو عدالت کہنا جائز لیکن ان کے حکام کو عادل کہنا کلمہ کفر ہے۔	۶۰۶
جیسا جرم ہو توبہ ویسی ہی ضروری ہے السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ۔	۶۰۲	کلمات کفر لکھنے اور بولنے کا حکم ایک ہے ہاں لکھتے وقت اس کا اعتقاد نہ ہو تو کفر نہیں۔	۶۰۷
ایک کلمہ کفر کی غلط تاویل کا حکم۔	۶۰۲	"میں خدا اور رسول کو نہیں مانتا کہ کون ہیں"	۶۰۷
اللہ تعالٰی کو خبر نہیں۔ فرشتے روح نکالنے آگئے یہ کلمہ کفر ہے۔	۶۰۲	"مسجد کو نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے" یہ کلمہ تحقیرا کہا کہ تو کفر ہے اور اپنی جہالت کے اظہار کے لئے ہو تو کفر نہیں۔ طرزادا البتہ ٹھیک نہیں۔	۶۰۷
خدا کہے جب بھی نہیں سنوں گا۔ کلمہ کفر ہے	۶۰۳	مسلمانوں کو "بٹی چود" کہنا قابل تعزیر جرم ہے۔	۶۰۸
یزید کو پلید کہنا جائز ہے، رحمۃ اللہ علیہ کہنا منع ہے۔	۶۰۳	گول مول سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔	۶۰۸
بلاوجہ شرعی مسلمان کو یزید کہنا گناہ ہے۔	۶۰۴	مسلمان کی توبہ کا دوسرے مسلمان کو قبول کرنا واجب ہے۔	۶۰۸
شرع کیا چیز ہے۔ آجکل کوئی شرع پر عمل کرتا ہے کلمہ کفر ہے۔ ہاں بطور طعن کہا تو کفر نہیں مگر سخت گناہ ہے۔	۶۰۴	اللہ تعالٰی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔	۶۰۸
لفظ الٰھنا محمد کی صحیح تاویل ممکن ہے اس لئے یہ کلمہ کفر نہیں، ناجائز ہے۔	۶۰۴	معذرت خواہ کا عذر نہ قبول کرنا قیامت کے دن باعث محرومی حوض کوثر ہے۔	۶۰۹
کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا، تو اس کے بولنے والے پر حکم کفر نہ دیں گے۔	۶۰۴	بدگمانی گناہ ہے۔	۶۰۹
"عالم لوگوں نے دین خراب کردیا" کلمہ کفر ہے تجدید اسلام وتجدید نکاح ضروری ہے۔	۶۰۵	سرے سے توبہ کا انکار کفر ہے۔	۶۱۰
زجرًا یہ کلمہ بولنا کہ کیا نماز کو کھیل بنا رکھا ہے دوسرے نے زجرًا ہی کہا اور یہ کیا، یہ کلمہ کفر نہیں۔	۶۰۶	کسی گنہ گار مسلمان سے توبہ کے بعد میل جول رکھنے والوں کو خارج از اسلام سمجھنا کافرانہ خیال ہے، تجدید اسلام ونکاح ضروری ہے۔	۶۱۰

اپنے پیروں کو خدا اور رسول کہنا، علماء دین کی توہین، جب تک خدا ورسول کو نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے۔ مولا علی کو تمام انبیاء خصوصاً سید الانبیاء علیہم السلام پر فضیلت۔ یہ چاروں باتیں کفر ہیں۔	۶۱۰	غیر مقلدوں کے عقیدے ایسے ہیں کہ بحکم فقہاان پر حکم کفر عائد ہوتا ہے۔	۶۱۵
مرشد کو خدا کہنے والا کافر، مرشد پسند کرے تو وہ بھی کافر۔	۶۱۱	جو عالم غیر مقلد کی نماز جنازہ ان کے عقائد پر مطلع ہو کر پڑھے اس پر توبہ و تجدید نکاح لازم ہے۔	۶۱۷
مرشد حق کی قدمبوسی جائز۔ سجدہ ممنوع ہے۔	۶۱۱	لفظ کافر گالی کے طور پر بھی بولا جاتا ہے لیکن شرع میں یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جو ہر غیر مسلم پر بولا جاتا ہے۔	۶۱۷
عالم وہی ہے جو سنی صحیح العقیدہ ہو۔	۶۱۱	پھانسی ہونے سے ایک آن قبل بھی جو مسلمان ہوا وہ حقیقۃً مسلمان ہوگیا۔ اس کے ساتھ اسلامی معاملات کئے جائیں۔	۶۱۷
عالم دین کی توہین کفر ہے۔	۶۱۱	وحدۃ الوجود کی صحیح تعبیر۔	۶۱۷
گمراہوں کے عیوب بیان کرنا کہ لوگ اس سے بچیں، غیبت نہیں۔	۶۱۲	آیات متشابہات میں اہلسنت وجماعت کا پہلا مسلک تفویض ہے، مثلاً عرش پر اللہ تعالٰی کا استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے اللہ تعالٰی کا ہر شے کو محیط ہونا معلوم ہے، احاطہ ذاتی یا صفاتی سے بحث نہ کی جائے گی۔	۶۱۹
بے تحقیق کسی مسئلہ کا جواب دینا حرام۔ مکروہ تحریمی کو ہلکا جاننا گمراہی ہے۔	۶۱۲	تفویض امام اعظم اور دیگر ائمہ سلف کا مسلک تھا۔	۶۲۰
توبہ صادقہ کے بعد آدمی گناہ سے پاک ہوجاتا ہے دین اسلام کو نقلی کہنے والے کے بارے میں حکم میں تفصیل ہے۔	۶۱۳	اللہ تعالٰی جسم، جہت اور مکان سے پاک ہے۔	۶۲۰
اللہ تعالٰی کے لئے لفظ "صاحب" بولنا حدیث میں وارد ہے اور لفظ "میاں" کا اطلاق ممنوع ہے۔	۶۱۳	مسلک دوم تاویل ہے یعنی عقل وشرع کے موافق معنی بیان کئے جائیں۔	۶۲۰
رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم پر لفظ "صاحب" کا اطلاق قرآن عظیم میں ہے۔	۶۱۴	ان اللہ علی کل شیئ قدیر سے مراد احاطہ صفاتی ہوگا۔	۶۲۰
"محمد صاحب" کہنا غیر مسلموں کا شعار ہے اس سے بچنا چاہئے۔	۶۱۴	یہ کہنا کہ "کوئی گوشہ یا مکان ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہیں" یہ کلمہ کفر ہے۔	۶۲۰
درود شریف کے ایک صیغہ کے بارے میں سوال۔	۶۱۴		
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نور عرش اللہ کہنا جائز ہے۔	۶۱۵		

ہزاروں ائمہ احاطہ الٰہی کو احاطہ صفاتی مانتے ہیں۔	۶۲۰	حدیث الفقر فخری بے اصل ہے۔	۶۲۷
اللہ تعالٰی کی ذات ہر مکان میں موجود ماننے پر لازم آنے والے استحالوں کا بیان۔	۶۲۱	ابن حاتم طلیطلی کو اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا۔	۶۲۸
جو شخص مسلمان ہو کر فقہ کا مطلقًا انکار کرے مرتد ہے۔	۶۲۲	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زہد کو مجبوری کہنے کا حکم۔	۶۲۸
اللہ تعالٰی کو کسی سے مشورہ کی ضرورت نہیں، لیکن اس نے بندوں سے تعلیما مشورہ کیا۔ یہ کلمہ کفر نہیں بلکہ یہ حدیثوں سے مضمون ثابت ہے۔	۶۲۳	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اونٹ بان کہنے کا حکم۔	۶۲۹
نماز سے انکار مطلقًا کفر نہیں البتہ سخت گناہ ہے فرضیت سے انکار کفر ہے۔	۶۲۳	ابوالعلاء المعرّی کا ایک کفری شعر۔	۶۲۹
"میں کافر ہی سہی" یہ کلمہ محتمل تاویل ہے۔ اس کے بولنے والے پر تجدید اسلام اور نکاح کا حکم ہے۔	۶۲۴	حدیث مبارک اللّٰھم احیینی مسکینا کا صحیح مطلب۔	۶۳۱
بزرگان اسلام کے مناقب کو دنت کتھا (بے سند بات) کہنا گمراہی ہے۔	۶۲۵	آپ کی ذات مبارک پر یتیم اور اس قسم کے دیگر الفاظ کے اطلاق کے بارے میں فقہاء کے متضاد احکام میں نفیس تطبیق۔	۶۳۱
غیر مسلموں کے مذہبی جذبات اور ان کے معبودوں کو عزت دینا کفر ہے۔	۶۲۵	کلمات بے ادبی کا حکایۃً دہرانا بھی ممنوع و حرام ہے اور ہر مرتکبین کے درجہ بدرجہ احکام۔	۶۳۲
کافر کے کسی فعل کی تعریف کفر ہے۔	۶۲۵	سورۃ والضحٰی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روئے روشن اور زلف مشکیں کی قسم یاد کی گئی ہے۔	۶۳۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر کہنا جائز نہیں۔	۶۲۶	مرتکب توہین رسالت کے احکام۔	۶۳۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے چارہ کہنا حرام ہے۔	۶۲۶	"ہندو ہوتے تو بہتر کہ روزے تو نہ رکھنا پڑتے"	۶۳۵
امام مالک کا مسلک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لفظ یتیم کا اطلاق جائز نہیں۔	۶۲۷	"تیس روزے پوری قید ہیں، بھوک پیاس لے کر آتے ہیں" "رمضان بڑے ظالم ہیں" کہنے کا حکم۔	۶۳۵

مرتد کے احکام۔	۶۳۵	توحید، وحدت، اتحاد تینوں الفاظ کے معنی کا بیان۔	۶۴۱
اگر دو قرآن بھی درمیان میں ہوں جب بھی تیری جانب سے میرا بغض نہ جائے گا، یہ کلمہ کفر نہیں محتمل تاویل ہے۔	۶۳۶	توحید مدار ایمان ہے وحدۃ الوجود یعنی ایک وجود کا حقیقی ہونا قرآن وحدیث اور اقوال اکابر سے ثابت ہے۔	۶۴۱
بلاوجہ شرعی بغض اور اس کے موافق عمل فسق ہے۔	۶۳۷	اتحاد کہ سب میں خدا کا حصہ اور سب خدا، یہ کفر ہے۔	۶۴۱
"دینے والا اور بخشنے والا پیر" اپنے ظاہری معنی میں الفاظ کفر میں سے ہے۔	۶۳۷	مسئلہ وحدۃ میں تین فرقوں کا بیان اور ایک دلکش مثال سے حقیقت حال کی وضاحت۔	۶۴۲
"کیا خدا کو تمھارے دل کی خبر تھی" اس جملہ کی تاویل صحیح۔	۶۳۸	وجود حقیقی باری تعالٰی کا ہے بقیہ سب اسی کے عکوس وظلال ہیں کسی کو وجود حقیقی نہیں۔	۶۴۳
کسی کے سوال کے جواب میں "ہاں میں مسلمان نہیں" کہنے کا حکم، اور مجبور کرکے ایسا جملہ کہلوانے کا حکم۔	۶۳۸	اہل حقیقت نے وجود کی دو قسمیں کی ہیں: حقیقی وذاتی اور ظلی وعطائی۔	۶۴۴
غیر کو نبی پر مطلقًا فضیلت دینا کفر ہے،	۶۴۰	سماع جو منکرات شرعیہ سے خالی ہو مباح بلکہ مستحب ہے۔	۶۴۴
جزئی فضیلت دینا بھی بے ادبی ہے جو حرام بلکہ کفر تک پہنچتی ہے۔	۶۴۰	مزامیر حرام ہے۔	۶۴۴
امامین کریمین کے فضائل ومناقب بیان کرنا چاہئے مگر ایسے اور اس طرح نہیں کہ خستگی اور بیچارگی ظاہر ہو۔	۶۴۰	علم اور علماء کو ذکر کہنا کفر ہے۔	۶۴۴
حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کو ناقص کہنا بے ادبی ہے۔	۶۴۰	مطلقًا فقہ کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے۔	۶۴۵
شہید کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فضیلت دینا کفر ہے۔	۶۴۰	خدا کے بعد عالم کا درجہ، یہ کفر بھی ہوسکتا ہے اور کلمہ ایمان بھی۔	۶۴۵
اللہ تعالٰی کو ہر جگہ حاضر وناظر کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔	۶۴۰	حجام کے کام کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف غلط ہے۔	۶۴۶
وحدۃ الوجود کی تحقیق۔	۶۴۱	آدم علیہ السلام کو کپڑا بننا سکھایا۔ داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ بناتے، لیکن ان افعال کے انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت کرنے کی صورتیں اور ان کا حکم۔	۶۴۶

ایک صحیح روایت میں جھوٹ کا پیوند اور اس کا ازالہ۔	۶۴۶	اللہ جل جلالہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مدعی ہر مسلمان ہے۔	۶۵۱
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے تکفیر کا لفظ استعمال کرنا کفر ہے۔	۶۴۶	شریعت چولھے میں جائے، کلمہ کفر ہے۔	۶۵۱
جیسے مجمع میں کفر بکے ویسے ہی میں ازالہ ضروری ہے	۶۴۶	مرتد بیوی سے قبل اسلام جماع حرام ہے۔اولاد ہوئی تو ولد الحرام کہیں گے ولدالزنا نہیں۔	۶۵۲
ایک جھوٹی روایت۔	۶۴۶	کافر کو کافر کہنا چاہئے۔	۶۵۲
رضا بالکفر کفر ہے۔	۶۴۷	مدخولہ سے عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے۔دونوں پر جدائی فرض ہے۔	۶۵۳
حضور مر کر مٹی میں مل جائیں گے، یہ کلمہ کفر ہے۔	۶۴۷	جان بوجھ کر جو ایسا نکاح پڑھائے اور کہے کہ عدت کی ضرورت نہیں وہ کافر ہے۔	۶۵۳
حیات انبیاء کی مثبت حدیثیں۔	۶۴۸	جھنجلا کر بھی یہ لفظ کہنا سخت برا ہے کہ "ستر پر گئی بسم اللہ" توبہ واجب ہے۔	۶۵۳
قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جمع اور واحد دونوں ہی صیغے ذکر فرمائے۔	۶۴۸	توبہ کے بعد ایسے شخص کو کافر کہنے والوں پر کفر کا خوف ہے۔	۶۵۳
ادب کے خیال سے جمع کا صیغہ بھی بول سکتے ہیں لیکن افضل اور اولیٰ واحد کا صیغہ ہی ہے۔	۶۴۸	جو کسی توبہ کرنے والے کو طعنہ دیتا ہے مرنے سے قبل اسی گناہ میں خود مبتلا ہوتا ہے۔	۶۵۴
مسلمانوں کو کافر ٹھہرانا کفر ہے۔	۶۴۹	نماز کی تحقیر کرنا عذاب الٰہی کو ہلکا ٹھہرانا اور قادیانی کے مقاطعہ کو ناحق اور ظلم سمجھنا کفر ہے۔	۶۵۴
بہشتی زیور اور اس کے ماننے والوں پر شرعاً حکم کفر ہے۔	۶۴۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور مبارک کو غیر مخلوق کہنا قرآن کی تکذیب ہے۔	۶۵۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نور الٰہی کا جز کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔	۶۴۹	صدقے کا بکرا دفن کرنا، مرغا گاڑنا، پتلا بنوانا ٹونا ٹوٹکا ہے اور سخت حرام ہے۔	۶۵۵
لفظ نور کی تحقیق۔	۶۵۰	اس کے ساتھ کفری اعتقاد یا عمل ہو تو کفر بھی ہے۔	۶۵۵
اللہ ورسول کو غلیظ گالی دینے والے کو زبانی معافی مانگنے پر معاف کرنا جائز نہیں۔	۶۵۱	"ہم تو زید پر ایمان لائے" کہنے والے پر توبہ وتجدید ایمان ونکاح لازم ہے۔	۶۵۶

کافر کے پاس جو شراب کی آمدنی ہے اس کا وہ حکم نہیں جو مسلمان کی ایسی آمدنی کا ہے۔	۶۵۶	ماانتم الا بشر مثلنا کافر کہتے ہیں۔	۶۶۰
عقد ونقد دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوں تو مبیع حلال ہے۔	۶۵۶	جو مسلمان بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہے کافروں سے بھی گھٹیا بات کرتا ہے۔	۶۶۲
مولوی محمد علی ناظم ندوہ کے خیالات۔	۶۵۶	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لباس بشری کا مقصد خلق کا انس حاصل کرنا ہے۔	۶۶۲
مولٰنا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی طرف منسوب ایک غلط روایت۔	۶۵۶	آپ کی بشریت جبریل علیہ السلام کی ملکیت سے اعلٰی ہے۔	۶۶۲
مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوب کا ایک مضمون جس میں ہندوؤں کے مذہب کو آسمانی گمان کرنے کی کوشش کی ہے۔	۶۵۷	پیغمبروں کے خواص بشری اس لئے نہیں کہ وہ اس کے محتاج ہیں بلکہ تعلیم سنت وہدایت امت کے لئے ہیں۔	۶۶۲
مرزا صاحب کا مکتوب دلیل شرع نہیں۔	۶۵۷	مدخل کی ایک ایمان افروز عبارت۔	۶۶۳
سبع سنابل شریف میں ہندو پیشواؤں کو کافر لکھا ہے۔	۶۵۷	انما انا بشر مثلکم کہنے کے فوائد سہ گانہ: امت کو انس ہو، توضح کی تعلیم، غلو نصرانیت کا سد باب۔	۶۶۴
اولیاء کرام بیک وقت چند جگہ حاضر ہوسکتے ہیں۔	۶۵۷	کلمہ شہادت میں لفظ عبدہ ورسولہ کے فوائد۔	۶۶۵
رام وکرشن کے وجود پر تواتر ہنود کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔	۶۵۷	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دعوی مساوات صرف نالائق حرکت نہیں، کفر ہے۔	۶۶۵
تواتر ہنود سے رام کرشن کا رسول ہونا تو بڑی بات ہے شریف آدمی ہونا بھی ثابت نہیں۔	۶۵۸	انبیاء، سیدالانبیاء سے ہمسری کا دعوی نہیں کرتے تو اولیا کیا کریں گے جو دعوی کرے ولی نہیں شیطان ہے۔	۶۶۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشریت سے متعلق ایک سوال۔	۶۵۹	شطحیات صوفیہ کے مطالب۔	۶۶۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک صورت بشری، دوسری ملکی، تیسری حقی تھی،	۶۵۹	حضرت بایزید بسطامی کے قول سبحانی مااعظم شانی کی توضیح اور ایک دلگداز حکایت۔	۶۶۶
خصائص بشریت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا کافروں کا طریقہ ہے۔	۶۶۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مالک جنت ہیں	۶۶۷
		دلالی ایک ردی پیشہ ہے۔	۶۶۷

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دلال کے لفظ سے تعبیر کرنا آپ کی توہین ہے۔	۶۶۷	کفر فقہی کے منکروں کو بھی تجدید اسلام ونکاح ضروری ہے۔	۶۷۴
ذکر میلاد کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین سمجھنا شیطانی خیال ہے۔	۶۶۷	قطعی کافر کے احکام اس سے سخت ہیں۔	۶۷۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محفل میلاد شریف میں تشریف لاسکتے ہیں۔	۶۶۹	مجالس کفار میں شرکت حرام ہے۔	۶۷۵
قیام میلاد محفل میں تشریف کی وجہ سے نہیں ذکر ولادت کے احترام میں ہے۔	۶۶۹	قشقہ مہادیوں کی عبادت کا طریقہ اور کفر ہے۔	۶۷۶
"کافر افسر کے حکم کی تعمیل کرنے کی ہمارے مذہب میں تاکید ہے" اس فقرے کا حکم۔	۶۶۹	ایک سیکنڈ کے لئے بھی کفر پر رضا کفر ہے۔	۶۷۷
مسلمانوں کے مذہبی کام افسری کی دو۲ قسمیں: (۱) قہری اس میں معذوری ومجبوری ہے (۲) اختیاری، یہ ناجائز اور حرام ہے۔	۶۷۰	جیسا جرم ویسی توبہ ضروری ہے۔	۶۷۷
غیروں کو رازدار بنانے کی ممانعت۔	۶۷۰	مذکورہ بالا مسائل سے متعلق دوسرے سوال وجواب۔	۶۷۷
نااہل بلکہ نامناسب کو عامل بنانا اللہ ورسول کے ساتھ خیانت ہے۔	۶۷۱	جے بولنا شعار کفار اور فقہاء کے نزدیک کفر ہے۔	۶۷۹
دینی امور میں کافروں سے مدد چاہنی حرام ہے۔	۶۷۱	جبر ورضا کے حدود کا بیان۔	۶۸۰
دینی مدرسہ کا بدمذہب اور مشرکین کو افسر بنانا حرام ہے۔	۶۷۲	قشقہ کے متعلق ایک سوال۔	۶۸۰
معصیت کی بات کسی مسلمان اعلٰی افسر کی بھی ماننا حرام ہے۔	۶۷۲	ہولی، دیوالی، نوروز مہرگان غیر اسلامی تہواروں کی تاریخ اور ان کے منانے کا حکم۔	۶۸۰
دسہرے کی شرکت کو فقہاء نے کفر لکھا ہے	۶۷۲	"ہم خدا اور رسول کو نہیں جانتے" کہنے والے کا حکم۔	۶۸۱
بتوں پر پھول چڑھانا، ناقوس بجانا کفر ہے۔	۶۷۲	یزید پلید کے اُخروی احکام۔	۶۸۲
نیروز مہرگان کا ہدیہ حرام اور ان غیر اسلامی عیدوں کی تعظیم مقصود ہو تو کفر ہے۔	۶۷۳	اولیاء کے سبحانی ما اعظم شانی اور فرعون کے انا ربّ العالمین کہنے میں فرق ہے۔	۶۸۲
معبودان باطل کی جے بولنا کفر ہے۔ کافروں کی جے کو فقہاء نے کفر کہا ہے۔	۶۷۴	کسی خاص عالم کو کسی دنیاوی وجہ سے گالی دینا کفر نہیں۔	۶۸۲
		ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے طلاق نہیں واقع ہوتی۔	۶۸۲

وہابی ہونے کی علامتیں۔	۶۸۳	اللہ تعالٰی کے اسماء میں شہید وبصیر ہے اس کو حاضر وناظر نہ کہنا چاہئے۔	۶۸۸
نماز اوٹھک بیٹھک ہے، روزہ بھوکا مرنا ہے۔ جتنے نمازی حاجی ہیں سب بے ایمان ہیں، یہ کلمات کفریہ ہیں۔	۶۸۳	ایک رافضی تصنیف کے احکام	۶۸۹
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایلچی کہنا کفر ہے۔	۶۸۵	چند گمراہ کن بلکہ کافرانہ کتابوں کے بارے میں انتباہ۔	۶۹۰
انبیاء کرام اپنے مزارات مقدسہ میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزی دیئے جاتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، زمین وآسمان کی حکومت میں تصرف فرماتے ہیں۔	۶۸۵	"ہم کو شریعت منظور نہیں رواج منظور ہے" کلمہ کفر ہے۔	۶۹۱
جو شخص میلاد شریف پڑھوانے والے کو جہنمی کہے خود جہنمی ہے۔	۶۸۶	"من برسم کارکنم نہ بہ شرع" اور "شریعت منظور نہیں" کافرق۔	۶۹۱
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں صرف الوہیت کا نقصان تھا۔ بات حق ہے طرز ادا درست نہیں۔	۶۸۶	مولوی اشرفعلی سے مسئلہ اتیان ارواح پر ایک تحریری مناظرہ۔	۶۹۲
حضرت کا خیال نماز میں آئے تو نماز نہ ہوگی، گدھے خچر کا خیال آئے تو ہو جائے گی۔ یہ جملہ بولنا یا نبی وفرشتہ کی توہین کرنا، اللہ تعالٰی کو برا کہنا کفر ہے۔	۶۸۷	روحیں اپنے گھروں کو شب جمعہ، یوم عید، یوم عاشورہ، شب نصف شعبان آتی ہیں۔	۶۹۴
یہ کہنا غلط ہے کہ ستر دلیل کفر کی اور ایک اسلام کی تو آدمی مسلمان ہے۔	۶۸۷	کتب دینیہ کو ایسی ویسی کتاب کہنا ان کتابوں کی توہین ہے۔	۶۹۷
صحابہ کرام کے صبر وتحمل کی شرمناک کمزوری اور نامردی کہنا کفر ہے۔	۶۸۷	تمام انبیاء کرام پر عموما اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر خصوصا ایمان لانے کا قرآن میں حکم ہے۔	۶۹۸
ایسے شخص کی تائید وحمایت کرنے والا بھی اسلام سے نکل گیا۔	۶۸۸	اللہ پر ایمان لانے کا مطلب اس کے رسولوں پر ایمان لانا بھی ہے۔	۶۹۹
ایسے شخص کی تردید سے روکنے والوں کے حکم میں تفصیل ہے۔	۶۸۸	ان آیات کا بیان جن میں رسولوں پر ایمان لانے کی ترغیب ہے۔	۶۹۹
		اسلام لانے میں تمام ضروریات دین پر ایمان لانا داخل ہے۔	۷۰۰

یہود ونصارٰی جو توارت وانجیل قائم کریں باطل پر ہیں۔	۷۰۰	جس نے یہ کہا کہ "حضور کے زمانہ سے قربانی میں ہمارا حصہ چلاآیا ہے" حضور پر افتراء کیا۔ بے توبہ مرا تو جہنم کا سزاوار ہے۔	۷۰۸
توارت وانجیل کے قیام میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانا داخل ہے۔	۷۰۰	"چاہے ہماری قربانی مقبول نہ ہو ہم باپ دادا کی رسم نہ چھوڑیں گے" یہ کہنے والے پر توبہ تجدید اسلام وتجدید نکاح فرض ہے۔	۷۰۸
فلاح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے متبعین میں منحصر ہے۔	۷۰۰	کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔	۷۰۸
ہدایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانے پر موقوف ہے۔	۷۰۳	اوجھڑی کھانا مکروہ ہے دفن کردی جائے۔	۷۰۸
اللہ کے رسولوں پر ایمان لانے میں تفریق ڈالنے والا کہ بعض پر ایمان لائے بعض کا کفر کرے، پکا کافر ہے۔	۷۰۳	دل گردہ وغیرہ قربانی کرانے والے کو اختیار ہے چاہے خود کھائے چاہے تقسیم کرادے۔	۷۰۸
یہود ونصارٰی پر مسلمان ہونا ضروری ہے۔	۷۰۴	بت پوجا کی ترویج میں کوشش کرنا کفر ہے۔	۷۰۹
اسلام کے سوا ہر دین کا پیرو آخرت میں خسارہ میں ہوگا۔	۷۰۴	"داڑھی منڈوانا حرام ہے اور یہ کہنا کہ منڈوانا میری طبیعت کا اختیار ہے" گناہ پر اصرار ہے مگر کفر نہیں۔	۷۰۹
یہود ونصارٰی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔	۷۰۵	میری طبیعت کا اختیار اور میری طبیعت کو اختیار میں فرق ہے۔	۷۰۹
آخرت کی ساری بہاریں مسلمانوں کے لئے ہیں۔ کافر اس سے یکسر محروم ہے۔	۷۰۵	جو شخص یہ کہے کہ آج مماوس میں مندر جاتا ہوں سنکھ دھو کر رکھ لیا ہے، اسلامی پنچایت سے مجھے کیا غرض، وہ کافر ہوگیا۔	۷۱۰
قربانی والے اپنی قربانی کا جو حصہ جس کو چاہے دیں بالتخصیص کسی حصہ میں کسی کا حق شرعا وارد نہیں۔	۷۰۸	قربانی گاؤ سے متعلق ایک سوال وجواب۔	۷۱۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست ضمنی مسائل

تفسیر واصول تفسیر		نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وصال کے بعد نسخ قرآن جائز نہیں۔	۲۶۱
بت پرستی۔ وہابیہ اور دیوبندیہ "من حاداللہ ورسولہ" میں داخل ہیں۔	۱۳۵	آیت "تقلبك فی الساجدین" کی تفسیر۔	۲۷۳
جو "یوادون من حاداللہ ورسولہ" ہیں وہ "یؤمنون باللہ و الیوم الاخر" نہیں۔	۱۳۵	آیت خاتم النبیین کے معنی مشہور میں کسی قسم کی تاویل یا تخصیص کفر ہے۔	۳۳۴
کلام الٰہی میں اپنی طرف سے کسی قید کا اضافہ بحکم قرآن افتراء علی اللہ ہے۔	۱۴۶	اس تاویل کا رد کہ آیت میں "خاتم النبیین" سے مراد شریعت بعیدہ کا ختم ہے۔	۳۳۶
آیہ مبارکہ "لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء" کی تفسیر۔	۱۶۳	قرآن شریف میں صرف ۲۶ پیغمبروں کے نام مذکور ہیں۔	۳۴۱
آیت کریمہ میں "اولی الامر" سے مراد کون ہیں۔	۱۸۵	شمویل اور یوشع اور حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر قرآن میں مبہم طریقہ پر ہوا۔	۳۴۲
آیت کریمہ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" کی تفسیر۔	۲۵۹	قرآن سے ایسی تیس آیتوں کا بیان جن میں رسولوں کا ذکر بطریق استغراق ہوا۔	۳۴۲
آیت کریمہ "لایاتیہ الباطل من بین یدیہ ولامن خلفہ تنزیل من حکیم حمید" کی تفسیر۔	۲۶۰		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ایسے سات مقامات قرآنی کا ذکر جہاں انبیاء سابقین کو بوصف جنسیت ذکر کیا گیا۔	۳۴۵	آیہ مبارکہ "من لم یحکم" کی نفیس تفسیر۔	۳۶۶
ایسے چھ مقامات کا ذکر جہاں رسول کا ذکر مطلقاً بے قید شمول وخصوص کیا گیا۔	۳۴۶	"لکم دینکم ولی دین" کا حکم منسوخ ہے۔	۳۸۸
ایسے آٹھ مقامات کا ذکر جہاں رسولوں کی خاص جماعت کا ذکر ہے۔	۳۴۷	آیت ممتحنہ کی مراد کے بارے میں مفسرین کرام کے اقوال۔	۴۳۶
وہ مقامات جہاں بطریق عہد حضوری ذکر ہوا۔	۳۴۸	آیہ ممتحنہ کا روشن بیان۔	۴۳۶
وہ مقامات جہاں بطریق عہد ذکری ذکر ہوا۔	۳۴۸	آیہ کریمہ "لاینھٰکم اللہ" بنو خزاعہ کے بارے میں ہے۔	۴۳۶
وہ مقامات جہاں بطریق عہد علمی ذکر ہوا۔	۳۴۸	آیت میں نسخ کے اقوال۔	۴۴۱
آیت کریمہ "ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین" میں اگر الف لام عہد خارجی ہو تو عہد خارجی ذکری ہوگا۔	۳۴۸	خود قرآن عظیم سے اس آیت کی منسوخی کا ثبوت اگر ہر غیر محارب کو عام مانی جائے۔	۴۴۷
آیت کریمہ میں انبیاء مذکور بوصف جنسیت مراد ہوں تو کلام الٰہی فضول ومہمل ہونا لازم آئے گا۔	۳۴۸	سب کافروں سے قتال وغلظت کا حکم ہے اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں۔ محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہوگئی۔	۴۴۸
آیت خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی مراد لینے کی صورت میں قرآن میں مذکور رسولوں کی متعدد اصناف ہونگی جو خود عہد خارجی کے خلاف ہے۔	۳۴۹	آیہ کریمہ "وقاتلوا المشرکین کافۃ کما یقاتلونکم کافۃ" میں چار احتمال ہیں۔	۴۵۵
آیت مبارکہ خاتم النبیین میں الف لام استغراق کے لئے نہ ہو بلکہ عہد خارجی ذکری کے لئے ہو تو آیت مبارکہ متشابہات میں سے ہوگی۔	۳۴۹	اصح قول اکثر ہے کہ آیہ کریمہ ممتحنہ صرف معاہدین کے بارے میں ہے۔	۴۵۷
آیت میں استغراق کے علاوہ جو معنی مراد لیا جائے آیت ختم نبوت پر دلیل نہ ہوگی۔	۳۵۰	آیات ممتحنہ میں بر ومعاملات سے کیا مراد ہے۔	۴۶۹
آیت مبارکہ میں الف لام عہد خارجی ہو تب بھی استغراق ہی ثابت ہوگا۔	۳۵۴	معنی اقساط کی تحقیق۔	۴۷۰
آیہ کریمہ "فلا وربک" الایۃ سے تکفیر عامہ اہل اسلام پر ایک غلط استدلال کا رد۔	۳۶۵	آیت ممتحنہ میں اقساط کے معنی میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے۔	۴۷۰
		آیہ کریمہ "لاینھٰکم" میں کفار سے کچھ نیک برتاؤ اور مالی مواسات کی اجازت ہے نہ کہ ان کو اپنا انصار اور یار غار بنانے کی۔	۴۷۴

حرمت استعانت مشرکین پر آیات قرآنیہ۔	۴۹۰	سورہ والضحٰی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روئے روشن اور زلف مشکیں کی قسم یاد کی گئی ہے۔	۶۳۴
پہلی آیت کریمہ	۴۹۰	یہود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے۔	۷۰۵
دوسری آیت کریمہ	۴۹۱	**فوائد حدیثیہ**	
تفسیر آیت کریمہ	۴۹۱	حدیث "الائمة من قریش" پر محدثانہ گفتگو اور اس کی تخریج۔	۱۸۸
تیسری آیت کریمہ	۴۹۲	حدیث بخاری "اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی" سے پیدا شدہ وہم کا ازالہ۔	۱۹۸
تفسیر آیت کریمہ	۴۹۴	حدیث کو اس معنی پر حمل کرنا واجب ہے کہ اجماع کے خلاف نہ واقع ہو۔	۱۹۹
چوتھی آیت کریمہ	۴۹۴	ائمہ نے "الائمۃ من قریش" سے استدلال فرمایا اور جمع محلّی باللام کے افادہ استغراق سے اتمام تقریب فرمادیا۔	۲۰۷
تفسیر آیت کریمہ	۴۹۴	حدیث "قدموا قریشا والاتقدموھا" چھ صحابہ کرام کی روایت سے ہے۔	۲۲۷
آیت کریمہ "والبدن جعلنھا" سے گائے کی قربانی پر استدلال، نیز تفسیر قادری کے ترجمہ سے اس موضوع پر استدلال۔	۵۶۰	حدیث "مامن مولود یولد علی الفطرة" کی تفسیر۔	۲۴۲
آیہ مبارکہ "ولکل امة جعلنا منسکا" سے استدلال۔	۵۶۱	حدیث متواتر کی دو قسمیں۔	۲۸۰
سورہ انعام کی آیت "ثمانیة ازواج" سے بقر کے انعام ہونے پر استدلال۔	۵۶۲	حدیث مبارک "اھل البدع کلاب اھل النار" کی تفسیر۔	۲۸۸
"واذ قال موسی لقومه" الایہ سے استدلال۔	۵۶۲	ایک موضوع روایت اور اس کے بیان کرنے والے کا حکم۔	۳۰۸
آیہ سورہ بقر، سورہ انعام اور سورہ حج سے قربانی کا ثبوت۔	۵۶۸	حدیث "لانبی بعدی" متواتر ہے۔	۳۳۳
آیہ کریمہ "من یشفع شفاعة حسنة" کی توضیح۔	۵۷۸	ان احادیث کا بیان جن میں خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کی تصریح ہے۔	۳۵۱

"الائمة من قریش" حدیث صحیح متواتر ہے اور اہل اسلام کا اس مضمون پر اجماع ہے۔	۴۱۵	ایک جھوٹی روایت۔	۶۴۶
تحریم استعانت مشرکین پر احادیث صحیحہ۔	۴۹۶	ایک صحیح روایت میں جھوٹ کا پیوند اور اس کا ازالہ۔	۶۴۶
جواز استعانت میں پیش کی جانے والی بعض روایات کا حال۔	۵۰۰	**نماز**	
روایات جواز قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتی ہیں لہذا ان کے معارض نہیں۔	۵۰۱	کافروں کی زمین میں نماز پڑھنے کی شدید ممانعت۔	۱۶۴
ممانعت استعانت کو منسوخ قرار دینے کے لئے جو دو واقعے پیش کئے جاتے ہیں ان کا جواب۔	۵۰۱	مغرب میں نماز قصر کرنا نئی شریعت گھڑنا ہے۔	۳۷۴
امام شافعی کے نزدیک حدیث منقطع مردود ہے۔	۵۰۳	آیۃ الکرسی میں کوئی لفظ چھوڑنے سے ایک مذہب پر نماز باطل ہے، راجح یہ ہے کہ بے فساد معنی فاسد نہیں۔	۳۷۵
مرسل امام شافعی کے نزدیک مہمل ہے۔	۵۰۳	**امامت**	
زہری کے مرسل کو محدثین پابر ہوا کہتے ہیں۔	۵۰۳	جو اہل ھوی وبدعت حد کفر تک نہ پہنچا ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ ہو جائے گی مگر رافضی، قدری اور مشبہ کے پیچھے بالکل نہیں ہوگی۔	۲۵۱
ان احادیث کا ذکر جن میں عورتوں کو حضور پر جماعت کی اجازت ہے۔	۵۵۱	مبتدع کی اقتدا میں نماز کراہت کے ساتھ کب صحیح ہے۔	۲۵۳
صحاح ستہ اور نسائی سے ان احادیث کی تخریج جس میں قربانی بقر کا ذکر ہے۔	۵۶۴	کون سے مبتدع کے پیچھے نماز مطلقًا ناجائز ہے۔	۲۵۳
ایک حدیث مبارکہ کہ جو اپنی عزت خدا کے ہاں دیکھنا چاہے اندازہ لگائے کہ اس کے دل میں اللہ تعالٰی کی قدر کیسی ہے۔	۵۷۵	جہمی، قدری اور غالی رافضی کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۲۵۳
گمراہوں سے اجتناب کی حدیث مسلم۔	۵۸۴	کن اہل اہواء کے پیچھے نماز جائز اور کن کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۲۵۴
حدیث "الفقر فخری" بے اصل ہے۔	۶۲۷	موزہ پر جواز مسح کے منکر کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۲۵۴
حدیث مبارک "اللھم احیینی مسکینا" کا صحیح مطلب۔	۶۳۱		

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت رکھنے والے کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۲۵۴	غیر ذمی کافر کو مسجد میں آنے کی اجازت منسوخ ہوچکی ہے۔	۵۲۶
بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور کافر کے پیچھے باطل ہے۔	۲۹۴	کافر کو بطور استعلاء مسجد میں جانا مطلقًا حرام ہے۔	۵۲۹
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وفات یافتہ مان کر ان سے استعانت کا انکار وہابیہ کا خیال ہے جن کی امامت جائز نہیں۔	۳۰۶	جو شخص مسجد میں آکر لوگوں کو ایذا دے اس کو مسجد سے نکال دیا جائے۔	۵۹۰
علی الاعلان گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۳۱۸	**زکوۃ**	
جو شخص وہابیوں کے کفر میں شک کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔	۳۸۵	ذمی کو نفلی صدقات دے سکتے ہیں۔	۴۳۹
احکام مسجد		زکوۃ ذمی کو نہیں دے سکتے۔	۴۳۹
مسجد حرام میں کفار کا داخلہ مطلقًا منع ہے۔	۳۹۰	**نکاح**	
عہد رسالت میں وفود کفار مسجد میں بطور استعلاء نہیں آتے تھے۔	۳۹۱	کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۱۱۶
مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا حرام ہے	۳۹۱	نکاح کتابیہ کے صحیح ہونے کی شرطیں۔	۱۱۶
حنفیّہ کی کتب معتمدہ میں مسجد میں داخلہ کفار کی ممانعت ظاہر ہے۔	۳۹۱	صابی (ستارہ پرست) عورتوں سے نکاح کیسا ہے۔	۱۱۹
غیر مسلموں کی کثرت میں داخلہ کفار سبب پامالی اسلام ہے۔	۳۹۲	نکاح میں شرعًا کفاءت کا اعتبار ہے۔	۲۲۷
حضور کے زمانہ مبارک میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے آج کل ساتھ لانا سخت منع ہے۔	۳۹۲	مرتد کی عورت عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔	۲۹۸
مساجد میں مشرک کو لے جانے کا رد۔	۵۲۱	کلمہ کفر صادر ہو تو تجدید نکاح ضروری ہے اور نکاح کے لئے گواہ رشتہ دار مثلا بیٹا بیٹی ہوں وہ بھی کافی ہیں۔	۳۱۶
		مرزائی کے مذہب سے آگاہ ہو کر اس کو لڑکی دینا زنا پر پیش کرنا ہے اور فعل فسق ہے۔	۳۲۱

دوسرے کی عورت بے نکاح تصرف میں لانا حرام۔	۳۷۴	بالجملہ محققین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہود و نصاری مطلقاً اہل کتاب اور ان پر احکام مشرکین جاری ہیں۔	۱۱۷
مدخولہ سے عدت کے اندر نکاح حرام قطعی ہے، دونوں پر جدائی فرض ہے۔	۶۵۳	مکروہ تحریمی سے کفر وارتداد تک ممنوعات کے درجے اور ان سے نفرت کے احکام۔	۱۳۴
نفقہ		افعال خواہ کتنے ہی قبیح ہوں کفر سے کم درجہ شنیع ہیں۔	۱۳۴
آدمی پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے ان کی تضییع گناہ ہے۔	۱۰۱	ہر فرض بقدر قدرت اور ہر حکم بشرط استطاعت ہوتا ہے۔	۱۷۴
نسب		قدرت دوسرے سے مکتسب ہوسکتی ہے مگر قرشیت ایسی چیز نہیں جو دوسرے سے مکتسب ہو۔	۱۷۸
حالت کفر کی صحبت سے جو بچہ پیدا ہوگا حرامی ہوگا۔	۲۹۹	کسی عرف حادث سے مسئلہ خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔	۱۸۷
مرتد بیوی سے قبل اسلام جماع حرام ہے، اولاد ہوئی تو ولد الحرام کہیں گے ولد الزنا نہیں۔	۶۵۲	جہاں عہد نہ ہو وہاں جمع پر لام استغراق کے لئے ہوتا ہے۔	۱۹۱
فوائد اصولیہ		جو نقل اجماع میں متہم ہیں وہ نقل اقوال خاصہ میں کیونکر معتمد ہوں گے۔	۲۰۶
حکم جب کسی علت سے ثابت ہو تو جب تک علت باقی رہے حکم باقی رہتا ہے۔	۱۰۷	الضرورات تبیح المحظورات ۔	۲۱۹
قیام مبداء مستلزم صدق مشتق ہوتا ہے۔	۱۱۵	ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی۔	۲۶۷
لفظ مشرک جب مطلق نقل کیا جائے تو اصطلاح شرع میں اہل کتاب کو شامل نہ ہوگا۔	۱۱۷	بدعتی جیسے وہابیہ اور رافضی امت اجابت سے نہیں ہیں اس لئے اجماع میں ان کا خلاف معتبر نہیں، البتہ بدعتی اہل قبلہ سے ہیں۔	۲۸۵
اہل کتاب کے فعل پر لفظ "یشرکون" کا اطلاق کس معنی میں ہے۔	۱۱۷	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کوئی امتی معاف نہیں کرسکتا۔ امتی سے معافی مانگنے کے کوئی معنی نہیں۔	۳۰۵
اصطلاح شرع میں لفظ شرک کا علی الاطلاق استعمال کس شخص پر ہوتا ہے۔	۱۱۷		

کلام صریح میں تاویل نامقبول ہے۔	۳۱۵	ردالمحتار علی الدرالمختار تمام عالم میں مذہب حنفی کی اعلٰی درجہ معتمد کتب سے ہے۔	۱۴۵
ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی۔	۳۲۳	نفس امارہ کی سرکشی سے کسی امر شرعی کی ناگواری اور ہے دل سے اس کو برا جاننا اور ہے، اور یہ البتہ کفر ہے، چاہے مقدمات میں ہو چاہے عبادات میں۔	۳۶۵
لفظ حرام کفر کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔	۳۶۰	اختلاف زمانہ سے احکام بدلتے ہیں۔	۳۹۱
تصریحات ائمہ کے خلاف دلیل مسئلہ نکالنا مجتہد مطلق کا کام ہے۔	۳۶۴	ملعونہ کفریات کی ناقص تاویل انھیں کفر ہونے سے نہ بچائے گی۔	۴۰۱
جب تک عقل وشعور باقی ہے کسی بلند رتبہ آدمی سے بھی احکام شرعیہ موقوف نہیں۔	۴۰۹	مفتیوں کو ہدایت۔	۵۲۰
تصریح دلالت پر فائق ہے۔	۴۵۷	مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہو تو اسے جائز نہیں کہ سائل کو اس کے سوال کے موافق فتوٰی لکھ دے تاکہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔	۵۲۱
اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔	۴۵۷	اہل باطل کے ہاتھ میں فتوٰی آجانے کی خرابی۔	۵۲۱
واقعہ عین کے لئے عموم نہیں ہوتا۔	۴۶۴	شبہہ ہو تو گناہ کبیرہ کی نسبت کرنی بھی منع ہے۔	۵۹۲
جب کوئی بات دلیل قطعی سے ثابت ہو تو قرائن کا اضافہ بے سود ہے۔	۵۹۳	یزید کے فسق وفجور سے انکار اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر الزام ضروریات مذہب اہلسنت کے خلاف ہے۔	۵۹۲
مرزا صاحب کا مکتوب دلیل شرعی نہیں۔	۶۵۷	جس سے کوئی بڑی برائی صادر ہو اس سے چھوٹی شکایت بے سود۔	۵۹۳
رام و کرشن کے وجود پر تواتر ہنود کے علاوہ کوئی دلیل نہیں۔	۶۵۸	کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو اس کے بولنے والے پر حکم کفر نہ دیں گے۔	۶۰۴
تواتر ہنود سے رام و کرشن کا رسول ہونا تو بڑی بات ہے شریف آدمی ہونا بھی ثابت نہیں۔	۶۵۸	گول مول سوال کا جواب نہیں دیا جاتا۔	۶۰۸
افتاء ورسم المفتی		بے تحقیق کسی مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے۔	۶۱۲
بات بات پر کفر وشرک کا اطلاق کرنا اور مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا غلط ہے۔	۱۲۳		

اسماء الرجال		مشرکین مکہ نے حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ابتداع کی تہمت رکھی تھی۔	۱۵۲
محمد عابدین، سلطان محمود خاں مرحوم کے عہد میں انھیں کی طرف سے دمشق اور تمام دیار شام کے مفتی اعظم تھے۔	۱۴۵	قرآن مجید نے حضرت مسیح علیہ السلام کے صلیب پر چڑھائے جانے کی تکذیب کی۔	۱۵۸
حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں۔	۵۰۳	زمانہ صحابہ سے برابر علماء کرام خلفاء وملوک کو علیحدہ کرتے آئے ہیں حتی کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے۔	۱۷۵
حسن بن عمارہ متروک ہے۔	۵۰۳	کفار تاتار کے دست ظلم سے محروم ۶۵۶ھ میں جامہ خلافت تارتار ہوگیا تو علماء نے فرمایاکہ ساڑھے تین برس تک خلافت منقطع رہی حالانکہ اس وقت بھی قاہر سلطنتیں موجود تھیں۔	۱۷۵
لحیوۃ نے زہری سے کوئی حدیث نہیں سنی۔	۵۰۳	مصر کے سلطان بیبرس کالقب ملک ظاہر تھا۔	۱۷۵
یزید علیہ مایستحقہ باجماع اہلسنت فاسق وفاجر اور جری علی الکبائر تھا۔	۵۹۱	خلیفہ مستعصم باللہ ۱۴ صفر بروز چہار شنبہ ۶۵۶ھ کو شہید ہوئے۔	۱۷۶
تاریخ وتذکرہ		۱۳رجب کو مستنصر باللہ خلیفہ مقرر ہوئے۔	۱۷۶
اخرجوا الیہود والنصارٰی پر عمل دور فاروقی میں ہوا۔	۱۳۸	مصر میں قائم شدہ خلافت جواڑھائی سو برس تک رہی خود سلطان کی قائم کردہ تھی۔	۱۷۶
قرامطہ، عبیدیہ اور نجدیہ کا جبری تسلط کسی خلیفہ یا سلطان کی اجازت سے نہ تھا۔	۱۳۸	مقتدر باللہ کو تیرہ برس کی عمر میں ۲۹۶ھ میں خلافت ملی۔	۱۷۶
عدن اور جدہ میں نصارٰی کا قیام اواخر سلطنت ترک سے ہے۔	۱۳۸	مملکت ہند کے متشرع سلاطین نے بھی عباسی قرشی خلفاء سے اپنے نام پروانہ سلطنت طلب کیا۔	۱۷۷
قرامطہ حجر اسود کھود کرلے گئے جو بیس برس بعد واپس ہوا، نجدیوں کی ضرب سے اس میں شق آگیا۔	۱۳۸	بادشاہ ہند غیاث الدین احمد شاہ بن اسکندر شاہ نے خلیفہ مستعین باللہ سے اپنے لئے پروانہ تقرر سلطنت مانگا۔	۱۷۷
میاں عبدالماجد بدایونی نے ہزاروں کے مجمع میں گاندھی کو مذکر مبعوث من اللہ کہا۔	۱۳۹	مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ کب شروع ہوا۔	۱۷۷

سلطان محمد تغلق شاہ اور سلطان فیروز شاہ کے خلافت سے بندگی وغلامی رہی۔	۱۷۷	ترکی سلاطین اہلسنت تھے اس لئے انھوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعوٰی نہیں کیا۔	۲۲۵
مصر میں خلافت کی بنیاد سلطان بیبرس نے رکھی۔	۱۷۸	سلطان اورنگزیب محی الملۃ والدین محمد عالمگیر کافرکش اور دین پرور بادشاہ تھے۔	۲۳۳
سلاطین اسلام نے خلافت کی سات میں سے چھ شرائط پائے جانے کے باوجود صرف ایک شرط یعنی قرشیت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اپنے آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کا محتاج ودست نگر جانا۔	۱۷۸	اکبر بادشاہ اتحاد مشرکین کا دلدادہ تھا۔	۲۳۳
سلطان مستنصر باللہ نے سلطان بیبرس کو جب پروانہ سلطنت جاری کیا تو اظہار انقیاد کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈال دیں جن کو پہن کر سلطان نے اپنے دارالسلطنت قاھرہ کا گشت کیا۔	۱۷۸	قتل کے بعد تین روز تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نعش مبارک کا بے گوروکفن پڑا رہنا رافضیوں کا افتراء ہے۔	۳۱۷
مستنصر باللہ کی بیعت سب سے پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبدالسلام نے کی پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔	۱۷۹	یہ کہنا کہ شہادت کے بعد کتوں نے ٹانگ چبالی تھی، دروغ بے فروغ ہے۔	۳۱۷
ابوالعباس حاکم بامر اللہ کے بیٹے تیسرے خلیفہ مصری مستکفی باللہ کی خلافت کا امضاء اور اس کی صحت کا ثبوت امام اجل تقی الدین بن دقیق العید کے فتوے سے ہوا۔	۱۷۹	اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد رائے بریلوی کو افغان مسلمانوں نے قتل کیا۔	۳۹۶
ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کی صحت خلافت پر امام قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ نے شہادت دی۔	۱۷۹	جزیرۃ العرب میں کفار کی سکونت پچھلے سلاطین ترک زمانہ سے ہے۔	۴۱۸
خلیفہ مستکفی باللہ کا سن وصال۔	۱۸۰	تھانوی صاحب کو سنی سمجھنے کی غلطی پر مولوی حاکم علی صاحب کی توبہ۔	۴۲۵
امام ابوالفضل حافظ ابن حجر نے حدیث "الائمۃ من قریش" پر ایک رسالہ لکھا جس میں اس کی روایت قریب چالیس صحابہ کرام سے جمع کیں۔	۱۹۰	ندوہ کو گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی۔	۴۳۰
تمہید امام ابوالشکور سالمی کو سلطان الاولیاء محبوب الٰہی خواجہ نظام الحق والدین نے درس میں پڑھایا۔	۱۹۳	بنوخزاعہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔	۴۳۶
حضرت سالم حضرت ابوحذیفہ کے آزاد کردہ غلام نہیں بلکہ ان کی بی بی شبیہ کے آزاد کردہ غلام ہیں ابوحذیفہ نے انھیں متبنٰی کیا تھا اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کردی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	۲۱۲	قحط مکہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پانچ سو اشرفیاں صفوان اور ابوسفیان کو دیں کہ فقراء مکہ میں تقسیم کریں۔	۴۶۴

ابوسفیان وصفوان رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں مولفۃ القلوب سے تھے۔	۴۶۴	یزید کی حکومت میں حرمین طیبین کی بے حرمتی ہوئی اور حادثہ کربلا بپاہوا۔	۵۹۲
رندوہ میں پچاس رسالے شائع کئے گئے۔	۴۷۷	بریلی میں جلسہ خلافت ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ہوا۔	۵۹۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابن ابی منافق کے چھ سو حلیف یہودیوں کو واپس فرمادیا۔	۴۸۸	اعلیحضرت کے چند احباب کی تاریخہائے وفات۔	۵۹۷
کیاغزوہ حنین وطائف میں صفوان ابن امیہ شریک جہاد تھا۔	۵۰۴	تفویض امام اعظم اور دیگر ائمہ سلف کا مسلک تھا۔	۶۲۰
روز احد چھ سو یہودی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے واپس کردئے۔	۵۱۰	ہزاروں ائمہ خلف احاطہ الٰہی کو احاطہ صفاتی مانتے ہیں۔	۶۲۰
غزوہ خیبر میں دس یہودیوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمراہی کا حکم فرمایا۔	۵۱۰	ابن حاتم طلیطلی کو اس وجہ سے قتل کیا گیا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یتیم اور حیدر کا خسر کہا تھا۔	۶۲۸
غزوہ احد میں مسلمانوں کی تعداد سات سو اور غزوہ خیبر میں ایک ہزار چار سو تھی۔	۵۱۰	مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی طرف منسوب ایک غلط روایت۔	۶۵۶
غزوہ حنین کے موقع پر لشکر اسلام بارہ ہزار تھا۔	۵۱۱	مرزا مظہر جان جاناں کے مکتوب کا ایک مضمون جس میں ہندوؤں کے مذہب کو آسمانی گمان کرنے کی کوشش کی ہے۔	۶۵۷
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بہترین حافظہ اور عمدہ خط والے نصرانی کو محرر بنانے کا مشورہ قبول نہ فرمایا۔	۵۱۲	ہولی، دیوالی، نوروز مہرگان غیر اسلامی تہواروں کی تاریخ اور ان کے منانے کا حکم۔	۶۸۰
کربلا کی لڑائی کا آغاز امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے نہ تھا۔	۵۴۱	**فضائل ومناقب**	
بعض واقعات واحوال کربلا۔	۵۴۱	الاسلام یعلو ولایعلٰی (اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا)	۱۱۰
امام پاک نے بہتر تن سے بیس ہزار فجار کا مقابلہ فرمایا۔	۵۴۳		

دین خیر خواہی کا نام ہے۔	۱۷۴	فقہ حنفی احکام قرآن عظیم اور احکام صحاح حدیث پر مشتمل ہے۔	۲۸۵
مصر میں برکات خلافت کا ظہور۔	۱۸۱	ائمہ اربعہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی جلالت شان پر امت اجابت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔	۲۸۵
امام اعظم ابو حنیفہ کی نظر میں حکم خلیفہ کی اہمیت۔	۱۸۵	امام اعظم کی عظمت کا انکار گمراہی ہے۔	۲۸۶
سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے۔	۱۸۷	ائمہ مجتہدین کا مقام باقی اولیاء سے بلند ہے۔	۲۸۶
امام نجم الملۃ والدین عمر نسفی جن وانس کے مفتی اور صاحب ہدایہ کے استاد ہیں۔	۱۸۷	حدیث مبارکہ من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔	۲۸۷
امام مہدی علیہ السلام زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے۔	۲۰۵	ولی کی عداوت باعث عذاب الٰہی ہے۔	۲۸۷
صدیق اکبر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد مقتداء ہیں۔	۲۱۲	مومن بالآخر رحمت ونعمت وجنت ابدی پاتا ہے۔	۲۸۷
فضیلت نسب معتبر ہے۔	۲۲۶	سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سلطان المفسرین ہیں اور امام مجاہد ان کے تلمیذ اکبر ہیں۔	۴۳۶
اس بات پر دلائل کہ قرآن مجید تغیر وتبدل، زیادت ونقص اور تحریف سے محفوظ ہے۔	۲۶۰	امام عطاء بن ابی رباح کے فضائل	۴۴۱
یہ کہنا کہ اللہ تعالٰی حضور کی رضا چاہتا ہے، صحیح ہے، اور یہ مضمون قرآن سے ثابت ہے، اس کو جہلا کا قول بتانا قابل توبہ جرم ہے۔	۲۷۵	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی غزوہ حنین کے دن صفوان بن امیہ پر عطاء کریمانہ اور صفوان کا خراج تحسین۔	۵۰۴
اللہ تعالٰی روز محشر اولین وآخرین کو جمع کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمائے گا کویہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں۔	۲۷۶	حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل فرمایا اور یہی ان کی شان ارفع کے شایان تھی۔	۵۴۲
تحویل قبلہ اور روایت بخاری کا ذکر۔	۲۷۶	امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے در کے کسی کتے نے بھی مشرکوں سے مدد نہ مانگی۔	۵۴۳
		دین اسلام تمام جہان کے لئے ہدایت ہے۔	۵۸۰
		"حضور مر کر مٹی میں مل جائیں گے" یہ کلمہ کفر ہے۔	۶۴۷

حیات انبیاء کی مثبت حدیثیں۔	٦٤٨	قیام میلاد محفل میں تشریف کی وجہ سے نہیں ذکر ولادت کے احترام میں ہے۔	٦٦٩
اولیاء کرام بیک وقت چند جگہ حاضر ہوسکتے ہیں	٦٥٧	انبیاء کرام اپنے مزارات مقدسہ میں زندہ ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں۔ روزی دیئے جاتے ہیں۔ جہاں چاہیں تشریف لے جاتے، زمین آسمان کی حکومت میں تصرف فرماتے ہیں۔	٦٨٥
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشریت سے متعلق ایک سوال۔	٦٥٩	**بیوع**	
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک صورت بشری، دوسری ملکی، تیسری حقی تھی۔	٦٥٩	"ہم تو زید پر ایمان لائے" کہنے والے پر توبہ، تجدید ایمان ونکاح لازم ہے۔	٦٥٦
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لباس بشری کا مقصد خلق کا انس حاصل کرنا ہے۔	٦٦٢	کافر کے پاس جو شراب کی آمدنی ہے اس کا وہ حکم نہیں جو مسلمان کی ایسی آمدنی کا ہے۔	٦٥٦
آپ کی بشریت جبریل علیہ السلام کی ملکیت سے اعلٰی ہے۔	٦٦٢	عقد ونقد دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوں تو بیع حلال ہے۔	٦٥٦
پیغمبروں کے خواص بشری اس لئے نہیں کہ وہ اس کے محتاج ہیں بلکہ تعلیم سنت وہدایت امت کے لئے ہیں۔	٦٦٢	**اجارہ**	
مدخل کی ایک ایمان افروز عبارت۔	٦٦٣	مسلمان کسی مجوسی کے یہاں مزدوری کرے تو حرج نہیں۔	٤٢٢
"انما انا بشر مثلکم" کہنے کے فوائد سہ گانہ: امت کو انس ہو، تواضع کی تعلیم، غلو نصرانیت کا سد باب۔	٦٦٤	کافر کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت ہے۔	٥١١
انبیاء سید الانبیاء سے ہمسری کا دعوٰی نہیں کرتے تو ولی کیا کریں گے، جو دعوٰی کرے ولی نہیں شیطان ہے۔	٦٦٥	دلالی ایک ردی پیشہ ہے۔	٦٦٧
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مالک جنت ہیں۔	٦٦٧	**ہبہ**	
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محفل میلاد شریف میں تشریف لاسکتے ہیں۔	٦٦٩	کافر کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو درست ہے۔	٤٢١
		دشمنوں کے بادشاہ نے مسلمانوں کے سپہ سالار کو ہدیہ بھیجا تو اس کا حکم۔	٤٢٣

مستامن کے لئے مسئلہ ہبہ ووصیت کی تحقیق۔	۴۶۴	امامت کبرٰی کے لئے قرشیت شرط، اس پر صحابہ کا اجماع اور حدیث صحیح کی نص ہے۔	۱۴۴
دارالحرب میں داخل ہونے والے لشکر اسلام کا سپہ سالار اگر دشمنوں کے بادشاہ کو ہدیہ بھیجے تو کوئی حرج نہیں۔	۴۶۴	امامت کا تحقق بطور تغلب بھی ممکن ہے۔	۱۴۵
شہادت		بیعت کے ساتھ ساتھ تغلب بھی جمع ہوسکتا ہے۔	۱۴۵
جھوٹی گواہی سب کے لئے حرام اور غیر مسلموں کے امور شرکیہ کے لئے ہو تو قریب بہ کفر ہے۔	۵۸۳	جملہ مدعیان اسلام وکلمہ گو میں خلافت کا منکر کوئی فرقہ نہیں۔	۱۵۰
قضاء		خلافت کمیٹی نے جس اسلامی حکومت کو خلافت اسلامیہ قرار دیا وہ شرعی خلافت ہر گز نہیں۔	۱۵۰
ذمیوں کے درمیان فیصلے کرنے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔	۴۲۳	جو نبی صاحب شریعت ہوئے وہ گزشتہ پیغمبروں کے کلام کو مٹانے کے لئے نہیں پورا کرنے کے لئے آئے تھے۔	۱۵۶
عقائد وکلام		امرائے شرع کے اقسام	۱۶۸
نصارٰی باعتبار حقیقت لغویہ مشرکین ہیں اور یہی حال یہود کا ہے۔	۱۱۵	اختیاری امیر شریعت فقہائے اسلام ہیں۔	۱۶۸
کیا صابی اہل کتاب ہیں۔	۱۱۹	عدم سلطان و قاضی کی حالت میں قضاۃ کے بہت سے احکام انھیں کے ذریعہ پورے ہوں گے۔	۱۶۹
جو بدعتی ضروریات دین میں سے کسی کا منکر ہو باجماع مسلمین یقینا قطعاً کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، نہ ہی اس کا نماز، روزہ، حج اور صدقہ خیرات مقبول ہوگا۔	۱۲۳	اعلم علمائے بلد کا منصب۔	۱۶۹
ہزار ضروریات دین میں سے ایک کا انکار ایسا ہی ہے جیسا نو سو ننانوے ۹۹۹ کا۔	۱۲۳	امامت اختیاری انتخاب پر موقوف نہیں، نہ اس کی بیعت ضروری۔	۱۶۹
ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکار ضروریات دین کے کہاں	۱۲۴	امیر قہری کا بیان۔	۱۷۰
خلافت کے شرائط واحکام کے بارے میں جمہور کا مسلک صحیح ہے۔	۱۲۴	امیر قہری کا انتخاب مسلمانوں پر ہے اور اس کی بیعت سے انکار ضرور گناہ ہے۔	۱۷۰
		خلیفۃ المسلمین بھی امیر قہری ہے۔	۱۷۰

امیر المومنین کے لئے سات شرطیں لازم ہیں۔	۱۷۰	غیر نبی کو نبی پر افضل کہنے والا باجماع مسلمین کافر ہے۔	۲۶۲
صوبہ دار یا والی کا بیان اور اس کے شرائط۔	۱۷۰	کافر کو کافر نہ کہنے والا اور اس کے کفر وعذاب میں شک کرنے والا خود کافر ہے۔	۲۶۵
ہندوستان میں مسلمان امیر عام مقرر کرنے پر قادر نہیں۔	۱۷۰	**تنبیہ جلیل**: ضروریات دین کے ثبوت پر اگر بالخصوص نص قطعی نہ بھی ہو تب بھی ان کا منکر کافر ہوگا۔	۲۶۶
اجماع اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں۔	۱۷۸	باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے۔	۲۶۶
قیامت میں ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلایا جائے گا۔	۲۲۱	جمیع ماسوی اللہ کا حدوث ضروریات دین سے ہے۔	۲۶۶
حدیث کی پیشگوئی مان کر اس کے خلاف کا ادعا جہل صریح بلکہ ضلال قبیح ہے۔	۲۲۹	قرآن مجید کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصؤن ومحفوظ ہونا ضروریات دین سے ہے۔	۲۶۷
اللہ تعالٰی کے لئے جسمیت کا قائل کافر ہے۔	۲۵۰	"الحمدللہ میں مسلمان اور سچا مومن ہوں" کہنا صحیح ہے۔	۲۷۰
صحابیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر کافر ہے۔	۲۵۰	جو نام دنیا میں کسی کا ہو، چاہے کسی نے رکھا ہو لوح محفوظ میں علم کی حیثیت سے وہی نام مرقوم ہے، اور جس نام میں تغیر واقع ہو اور زمانہ کی قید کے ساتھ دونوں نام مرقوم ہیں۔	۲۷۵
جو رافضی حضرت علی کو خلفائے ثلثہ پر فضیلت دے وہ گمراہ ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۲۵۰	جس نے اپنا نام بدلا اور علم کی طرح مشہور نہ ہوا اللہ تعالٰی کے یہاں بھی وہ علم قرار نہیں دیا گیا۔	۲۷۵
صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا منکر کافر ہے۔	۲۵۱	اللہ تعالٰی کے لیے مکان ماننا کفر ہے۔	۲۸۲
مبتدع سے کیا مراد ہے۔	۲۵۳	مومن عاصی معذب ہے ملعون نہیں۔	۲۸۷
غالی رافضی سے کیا مراد ہے۔	۲۵۴	قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے۔	۲۹۲
ضروریات دین میں سے کسی شیئ کا منکر کافر، اس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہو۔	۲۵۴	قرآن کا منزل من اللہ ہونا بھی حدیث ہی سے ثابت ہے۔	۳۱۳
حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا کرنیوالا اور ان کو سب وشتم کرنے والا کافر ہے۔	۲۵۴	اللہ تعالٰی پر لفظ سخی داتا کا اطلاق شرعا منع ہے۔	۳۱۴
روافض متعدد انواع کفر کے جامع ہیں۔	۲۵۵		

بُرے خیالات دل میں آئیں یا بلاقصد زبان سے ادا ہو جائیں نہ گناہ نہ اس سے اسلام میں فرق آئے۔	۳۲۶	صرف مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں نہ کہ مومنین اور مشرکین۔	۴۸۶
کفار کی تعریف، ان کے اقسام واحکام	۳۲۶	مسلمان معاذاللہ اگر ارادہ کفر کرے تو کافر ہو جائے گا۔	۴۸۹
کافر دو قسم پر ہے: اصلی ومرتد۔	۳۲۷	کافر محض ارادہ اسلام سے مسلمان نہ ہوگا جب تک اسلام قبول نہ کرے۔	۴۸۹
کافر اصلی دو قسم ہے: مجاہر ومنافق۔	۳۲۷	کتابی صرف ارادہ موافقت مشرکین سے مشرک ہوسکے گا مگر مشرک نرے ارادے سے کتابی نہ ہو جائے گا۔	۴۸۹
منافق تمام کافروں سے بدتر ہیں۔	۳۲۷	مشرکوں سے استعانت کی بحث جلیل۔	۴۹۰
ریوں کو موحد سمجھنا باطل ہے۔	۳۲۸	اللہ تعالٰی کے لئے محبت اور اللہ تعالٰی کے لئے عداوت ایک عظیم باب اور ایمان کی جڑ ہے۔	۴۹۳
مرتد کی دو قسمیں ہیں، مجاہر ومنافق۔	۳۲۸	صرف ذمی سے استعانت جائز ہے، حربی سے مطلقاً حرام ہے۔	۵۰۶
خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین پر اجماع ہے، اس کا ثبوت نصوص علماء سے ہے۔	۳۳۳	تحریم مباح کا اعتقاد ضلالت ہے۔	۵۳۱
ختم نبوت کی تفسیر ختم زمانی قطعی اجماعی ہے۔	۳۳۹	حرام قطعی کو فرض ماننا ایمان وعمل دونوں کے لئے تباہ کن ہے۔	۵۳۱
بغیر عذر سفر ومرض روزے کے بجائے فدیہ کافی جاننا نئی شریعت کا ایجاد ہے۔	۳۷۴	جو جس سے دوستی کرے قیامت کے دن انہی کے ساتھ اس کا حشر ہو۔	۵۶۹
علم الٰہی اور علم رسالت میں مساوات کا عقیدہ گمراہی ہے مگر ذاتی اور عطائی کا فرق مانے تو کافر نہ ہوگا۔	۳۷۷	حدیث "انت مع احببت" اور "ماأحب رجل الحدیث" سے مضمون بالا پر استدلال۔	۵۶۹
علم باری سے ساری مخلوقات کے علم کو وہ نسبت بھی نہیں جو بوند کے کروڑویں حصہ کو سمندر سے۔	۳۷۷	مطلقاً علماء دین یا کسی عالم دین کو عالم ہونے کے سبب برا کہنا کفر ہے۔	۵۷۰
کافر اصلی اور مرتد کا فرق۔	۴۱۲	شریعت مطہرہ کی ادنٰی توہین یقیناً قطعاً کفر وارتداد ہے۔	۵۷۰
قیام خلافت کے شرعی طریقوں سے سوال اور حدیث شریف "الائمۃ من قریش" کی تحقیق سے استفسار۔	۴۱۴	اعمال حسنہ کے قبولیت کی شرط ایمان ہے۔	۵۷۹

کافر کا کوئی عمل حسن مقبول نہیں۔	۵۷۹	اللہ تعالٰی کے اسماء میں شہید وبصیر ہے اس کو حاضر وناظر نہ کہنا چاہئے۔	۶۸۸
اب کوئی جدید نبی نہیں آئے گا۔	۵۸۱	روحیں اپنے گھروں کو شب جمعہ، یوم عید، یوم عاشورہ، شب نصف شعبان آتی ہیں۔	۶۹۴
شریعت کی قطعی حلال کی ہوئی چیز کو جو کوئی حرام بتائے یا حرام کو حلال قرار دے وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔	۵۸۱	تمام انبیاء کرام پر عموما اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر خصوصا ایمان لانے کا قرآن میں حکم ہے۔	۶۹۸
حلت قربانی گاؤ اور حرمت شرکت اعیاد ہنود ضروریات دین میں سے ہے۔	۵۸۲	اللہ پر ایمان لانے کا مطلب اس کے رسولوں پر ایمان لانا بھی ہے۔	۶۹۹
اللہ تعالٰی بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔	۶۰۸	ان آیات کا بیان جن میں رسولوں پر ایمان لانے کی ترغیب ہے۔	۶۹۹
آیات متشابہات میں اہلسنت وجماعت کا پہلا مسلک تفویض ہے، مثلاً عرش پر اللہ تعالٰی کا استواء معلوم ہے کیفیت مجہول ہے۔	۶۱۹	اسلام لانے میں تمام ضروریات دین پر ایمان لانا داخل ہے۔	۷۰۰
اللہ تعالٰی کا ہر شیئ کو محیط ہونا معلوم ہے احاطہ ذاتی یا صفاتی سے بحث نہ کی جائے گی۔	۶۱۹	آخرت کی ساری بہاریں مسلمانوں کے لئے ہیں کافر اس سے یکسر محروم ہیں۔	۷۰۵
اللہ تعالٰی جسم، جہت اور مکان سے پاک ہے۔	۶۲۰	**ردبدمذہباں**	
مسلک دوم تاویل ہے یعنی عقل وشرع کے موافق معنی بیان کئے جائیں۔	۶۲۰	روافض کے عقائد باطلہ کا بیان۔	۱۲۴
"ان اللہ علی کل شیئ قدیر" سے مراد احاطہ صفاتی ہوگا۔	۶۲۰	نجدیوں وہابیوں کے عقائد باطلہ کا بیان۔	۱۲۵
یہ کہنا کہ "کوئی گوشہ یا مکان ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہیں" یہ کلمہ کفر ہے۔	۶۲۰	نیچریوں کے عقائد باطلہ کا بیان	۱۲۶
اللہ تعالٰی کی ذات ہر مکان میں موجود ماننے پر لازم آنے والے استحالوں کا بیان	۶۲۱	جھوٹے صوفیوں کے نظریات باطلہ کا بیان۔	۱۲۶
اتحاد کو سب میں خدا کا حصہ اور سب خدا، یہ کفر ہے۔	۶۴۱	روافض کے چند عقائد جن کی وجہ سے ان کی تکفیر ضروری ہے یہ لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں۔	۱۲۸
رضا بالکفر کفر ہے۔	۶۴۷	کفر اصلی سے ارتداد بدتر، کفر اصلی میں نصرانیت سے مجوسیت بدتر، اور اس سے بھی بدتر وہابیت، اور اس سے بدتر دیوبندیت ہے۔	۱۳۴

وہابی، سنیوں اور ترکوں کو غیر مسلم مانتے ہیں۔	۱۳۸	مسٹر آزاد اپنے نشے میں اپنے آپ کو تمام ائمہ مجتہدین سے اعلٰی سمجھتے ہیں۔	۲۳۰
آزاد صاحب کا ایک خطبہ جمعہ۔	۱۴۹	حدیث صحیح پر مسٹر آزاد کا اشد ظلم	۲۳۰
فرعون نے موسٰی کلیم اللہ علیہ السلام کی تکفیر کی تھی۔	۱۵۱	حدیث کے بارے میں ابوالکلام آزاد کی کمال جسارت وبیباکی۔	۲۳۱
ابوالکلام صاحب آزاد کا بعض اقسام کفار کو مستثنٰی قرار دینا اور عالمگیر محبت کو اسلام کا اصل الاصول بتانا حکم قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔	۱۵۴	حدیث "لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی منھم اثنان" سے مسٹر آزاد کے غلط استدلال کا آٹھ وجوہ سے رد۔	۲۳۱
ابوالکلام آزاد نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے صاحب شریعت نبی ہونے کا انکار کیا۔	۱۵۶	ائمہ کرام کی طرف سے تطبیق احادیث کو غلط رنگ دینے اور اس سے اپنی مقصد برآری کی مسٹر آزاد نے جو کوشش کی اس کا چار وجوہ سے رد۔	۲۳۵
عبدالماجد دریابادی کے ہفوات۔	۱۵۹	یہود کی خصلت ہے کہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔	۲۳۶
ہندوستان میں سیاسی جدوجہد کا مقصد اسلام کی سرخروئی نہیں۔	۱۶۰	ابو الکلام کے اس ادعا کا چار وجوہ سے رد کہ حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں۔	۲۳۶
مسٹر آزاد کے ایک مہمل وبے معنی ہذیان کا رد۔	۱۸۲	روافض کا یہ قول کفر ہے کہ ائمہ نبیوں سے افضل ہیں۔	۲۶۲
ابن خلدون کے ہفوات اور نظریات فاسدہ۔	۲۰۹	کرامیہ کا یہ قول کفر وضلالت ہے کہ ولی نبی سے افضل ہوسکتا ہے۔	۲۶۲
ابن خلدون مبتدع، اجماع صحابہ کرام کا خارق اور ضرار ومعتزلہ کا موافق ہے۔	۲۱۰	مجتہدان روافض کے کفر صریح پر مشتمل فتوے۔	۲۶۴
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں ابن خلدون کا لہجہ اور تیور خلاف ادب ہے۔	۲۱۱	روافض کی طرف سے "انا لہ لحافظون" کی غلط تاویل کا رد۔	۲۶۷
ابوالکلام آزاد کی تحریر کا پچیس وجوہ سے رد بلیغ۔	۲۲۶	نیچریوں اور قادیانیوں کی تاویلات باطلہ سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعاً درہم برہم ہوجائیں۔	۲۶۷
خلافت قریش سے متعلق احادیث کو پیشگوئی اور خبر پر محمول کرنا مسٹر آزاد کی جہالت ہے۔	۲۳۰		

حسام الحرمین کے احکام حق و صحیح ہیں۔	۲۷۹	گناہ کو کفر قرار دینا خارجیوں کا مذہب ہے۔	۳۶۵
قادیانی کے رد کا طریقہ۔	۲۷۹	غیر مقلدوں کی دشمنی رسول کا بیان۔	۳۶۹
قادیانی کی تصانیف میں کلمات کفریہ برساتی کیڑوں کی طرح بکھرے ہیں	۲۷۹	وہابیہ تقیہ کرتے ہیں ان کی تنقیح ضروری ہے۔	۳۸۰
قادیانی کے بعض کلمات کفریہ کا تذکرہ۔	۲۷۹	کفار مسجد نبوی میں اپنی طرح عبادت کرتے تھے یہ محض جھوٹ ہے۔	۳۹۰
قادیانی کی جھوٹی پیش گوئیاں۔	۲۷۹	تقویۃ الایمان کتاب التوحید کی توضیح و تشریح ہے۔	۳۹۵
عبارت "حفظ الایمان" کی ایک غلط تاویل کا رد۔	۳۱۴	سید احمد علیگڑھی کے ہفوات۔	۳۹۶
غوث پاک کی شان میں زبان درازی رافضی تبرائی کرتے ہیں۔	۳۲۵	غلام احمد قادیانی کے ہذیان۔	۳۹۶
جو واعظ تقریر میں "بہشتی زیور" منگانے کی تاکید کرے دیوبندی معلوم ہوتا ہے۔	۳۲۷	نواب صدیق حسن بھوپالی کی بکواسیں۔	۳۹۷
وہابیہ دیوبندیہ سب سے بدتر زہر قاتل ہے۔	۳۲۸	دیوبندیوں کی گمراہیاں۔	۳۹۷
عہد مصنف میں لفظ خاتم النبیین میں تاویل کرنے والے کچھ کذابوں کی تاویلات کا ذکر۔	۳۳۶	اہل قرآن کے مزخرفات۔	۳۹۸
مبتدعین کے اضلال کی چند ترکیبوں کا ذکر۔	۳۵۰	جو مشرک کو پیشوا بنائے قیامت کے دن اسی کے نام سے پکارا جائے۔	۴۰۶
الف لام عہد خارجی کے دلائل کا تین طرح سے رد۔	۳۵۳	کسی مشرک کے لئے کہنا کہ ہمارا شہر پاک کرنے کے لئے آئے ہیں قرآن کی تکذیب ہے۔	۴۰۶
ایک غلط حوالہ کی نشاندہی۔	۳۵۳	مشرک کو شرعاً کوئی عزت حاصل نہیں۔	۴۰۶
تلویح کی عبارت مذکورہ عہدیوں کو الٹی مضر۔	۳۵۴	مشرک کی تعظیم گناہ کبیرہ اور سبب بیخ کنی اسلام ہے۔	۴۰۷
امثالیہ کے مختلف گروہوں کا ذکر۔	۳۶۱	مشرک تو مشرک ہے، فاسق کی جے بولنے سے اللہ تعالٰی غضبناک ہوتا ہے۔	۴۰۸
حسام الحرمین میں فرقہ امثالیہ کے اس گروہ کا ذکر ہے جو حضور کے زمانہ کے بعد بھی کسی نبی کے امکان کے قائل ہیں۔	۳۶۱	یہ کہنا کہ "جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی اس کو کافر نہیں کہنا چاہئے" حدیث نہیں ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء ہے۔	۴۱۲
فرقہ اہلحدیث کو گمراہ اور اسماعیلی کہنا صحیح ہے۔	۳۶۴	قرآن عظیم سے مزعومات لیڈران کا رد۔	۴۵۵
		مشرکین سے معاہدہ کا بیان اور لیڈروں کا رد بلیغ۔	۴۷۹

خلافتی بیان کہ اہل وطن سے دوستی قرآن سے ثابت ہے۔	۵۹۵	نبی پر دشنام طرازی کرنے والے کی توبہ مقبول نہیں۔	۳۰۳
اظہار کلمہ کفر کے بعد لاطائل تاویلوں کا رد۔	۵۹۸	ہر مرتد کی توبہ سچے دل سے ہو تو قبول ہے، ساب نبی کی توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب۔	۳۰۴
صریح الفاظ کفر بکنے کے بعد یہ تاویل مردود کہ میں نے دل سے نہیں کہا تھا۔	۵۹۹	**ترغیب وترہیب**	
یہ تاویل نامقبول ہے کہ تکلم کے باوجود اس سے راضی نہ تھا۔ یا بطور ہزل واستہزاء کے کہے۔	۶۰۰	خادمان دین کو گمراہوں کے سب وشتم سے ملال نہ کرنا چاہئے۔	۱۵۱
مولوی محمد علی ناظم ندوہ کے خیالات۔	۶۵۶	جو کسی خلیفہ سے برائی کرے اس کے لئے دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔	۱۸۱
وہابی ہونے کی علامتیں۔	۶۸۳	مرتد منافق کی صحبت ہزار کافروں کی صحبت سے بدتر ہے۔	۳۲۸
رافضی اہلسنت کو خارجی کہتے ہیں۔	۷۱۰	اہل اہواء سے پرہیز کی نصیحت۔	۴۰۴
منطق		حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالٰی تیرے سبب سے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تیرے لئے سرخ اونٹوں کا مالک ہونے سے بہتر ہے۔	۵۴۰
امامت خلافت سے عام ہے۔	۲۰۳	شعار اسلام کو بند کرنے کی کوشش کرنے والا اسلام کا بدخواہ ہے، ایسا شخص عالم نہیں ظالم ہے جو اسلام پر ظلم کررہا ہے۔	۵۷۳
نحو		آدمی اگر اللہ تعالٰی ورسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر رکھے تو اس کو عمل کے لئے کافی ہے۔	۵۷۵
لائے نفی جنس صیغہ عموم سے ہے۔	۳۵۵	آیت وتفسیر سے قربانی کا ثبوت اور اللہ تعالٰی کے احکام کی بے قدری کرنے والوں کی عذاب سے تخویف۔	۵۷۵
توبہ واستغفار		ہندوؤں سے اتحاد حرام، اور اس وجہ سے قربانی گاؤ موقوف کرنا حرام اور ایسے کرنیوالے کا حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا۔	۵۷۷
قبول توبہ مرتد کی تفصیل	۳۰۰	معذرت خواہ کا عذر نہ قبول کرنا قیامت کے دن باعث محرومی حوض کوثر ہے۔	۶۰۹

توبہ صادقہ کے بعد آدمی گناہ سے پاک ہوجاتا ہے۔	۶۱۲	گمراہوں سے آگاہ کرنا اور راہ حق کی طرف بلانا بجاآوری حکم خدا اور رسول ہے۔	۱۵۰
حظر واباحت		کسی کو خوش رکھنے کے لئے حکم شرعی سے باز رہنا گناہ ہے۔	۱۶۵
احتیاط اسی میں ہے کہ نصارٰی کی نساء وذبائح سے احتراز کرے۔	۱۲۲	دل سے مسلمانوں کی خیر خواہی فرض عین جبکہ مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔	۱۷۴
آج کل بعض یہود عزیر علیہ السلام کی ابنیت کے قائل ہیں ان کے زن وذبیحہ سے بچنا لازم جانیں۔	۱۲۲	عصبیت کی ممانعت سے متعلق ایک سوال	۲۱۵
اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول سے جبکہ ضرورت نہ ہو تو احتراز کرنا چاہئے۔	۱۲۲	اکراہ شرعی کے بغیر دوسرے کے کفر پر رضا شدید حرام ہے۔	۲۳۹
عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود اور دوسری جانب حرام قطعی ہو۔	۱۲۲	مسلمانوں کو کفر وارتداد سے بچانا فرض ہے۔	۲۴۰
سلطنت اسلام، جماعت اسلام بلکہ ہر فرد اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے۔	۱۳۳	جو مسلمان کسی مسلمان کے مرتد ہونے کی حمایت کرے جہنمی ہے۔	۲۴۰
مسلمان اپنے فرائض کا بقدر طاقت مکلّف ہے۔	۱۳۳	ایسا شخص فقہاء کے نزدیک کافر ہے۔	۲۴۰
مشرکین سے موالات واتحاد اور ان کے مراسم کی ادائیگی اور ان کی حمایت وخیر خواہی گمراہی بلکہ کفر بھی ہوسکتی ہے۔	۱۳۳	مسلمانوں کو ارتداد سے بچانے کی کوشش بقدر ضرورت ہر مسلمان پر فرض ہے، معذوری کا حکم اور ہے۔	۲۴۰
جائز لین دین ہر اصلی کافر سے جائز ہے۔	۱۳۹	انگریزی پڑھنے کا حکم۔	۲۴۴
کافر اصلی غیر ذمی غیر مستامن سے عقود فاسدہ بھی جائز ہیں جن میں عذر نہ ہو۔	۱۳۹	گنہگاروں کے ساتھ بزرگان دین نے نرمی وسختی دونوں طرح کے معاملات روا رکھے ہیں اس لئے ایسوں کے ساتھ نرمی گناہ نہیں ہے۔	۲۷۲
افعال واقوال کفر وضلال پر کسی عالم کا انکار کرنا حق وثواب ہے۔	۱۵۰	علماء کو "گوبر میں منہ دینے والا" کہنا کفر تو نہیں مگر سخت شنیع کلمہ ہے ایسے شخص کی تکفیر قابل توبہ جرم ہے۔	۲۷۲
		اللہ تعالٰی کے لئے "میاں" کا لفظ ممنوع ہے۔	۲۷۵

کسی بھی حق کے لئے غیر اسلامی کچہری سے چارہ جوئی یا جوابدہی بحکم من لم یحکم بما انزل اللہ نہیں ہے اور جائز ہے۔	۳۶۵	توبہ کے بعد گناہ باقی نہیں رہتا۔ توبہ کے بعد بلاوجہ الزام رکھنا حرام وگناہ ہے۔	۳۸۳
ناحق چارہ جوئی جوابدہی حرام وگناہ ہے۔	۳۶۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کافر سے موالات نہیں برتی۔	۳۸۸
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ لفظ "یا" نہیں ملانا چاہئے بلکہ یارسول اللہ کہنا اور لکھنا چاہئے۔	۳۶۹	مشرک سے اتحاد وموالات حرام ہے۔	۴۰۵
نام پاک دیوار پر کندہ کرنے سے افضل آئینہ میں لکھ کر لٹکانا ہے۔	۳۶۹	مشرک کو ضرورت دینی میں ہادی وپیشوا بنانا قرآن کی تکذیب ہے۔	۴۰۵
جس مال کے حرام ہونے کا غالب گمان ہو اس کو کارخیر میں صرف کرنا حرام اور شبہہ کے مال سے احتراز افضل ہے۔	۳۷۰	مسلمانان ہند پر عدم استطاعت کی وجہ سے جہاد فرض نہیں۔	۴۱۶
تفسیر بالرائے حرام ہے۔	۳۷۳	قانون جن امور کو روکتا ہے ان کے نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے۔	۴۱۷
امام رازی اور امام غزالی رحمہما اللہ تعالٰی کو اپنے مقابلہ میں الفاظ سخیفہ سے یاد کرنا تکبر ہے۔	۳۷۳	خلافت کی حمایت کے نام پر خلاف شرع امور کی اجازت نہیں۔	۴۱۷
اپنی منکوحہ پر غیرت نہ کرنے والا دیوث اور جورو سے ماں باپ کو گالیاں سن کر خاموش رہنے والا عاق، یہ دونوں کام فسق کے ہیں۔	۳۷۴	خرید وفروخت اجارہ واستیجار، ہبہ واستیہاب بشروطہا غیر ذمی کافر سے بھی جائز ہیں۔	۴۲۱
ایصال ثواب جائز، اس کے لئے دن متعین کرنا جائز، لیکن اس کو واجب جاننا یا حضور کی سنت سمجھنا باطل ہے۔	۳۷۷	دشمن کے وطن میں امان لے کر تجارت کے لئے جانا جائز ہے۔	۴۲۱
اپنی لڑکی کی حرام کمائی کھانے والا دیوث سخت فاسق ہے مسلمان اس سے میل جول ترک کردیں۔	۳۷۷	مسلمانوں کو اپنے سکول وکالج کے لئے غیر مسلم حکومت سے مدد لینا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۴۲۴
بلاوجہ بدگمانی حرام ہے۔	۳۸۰	جن مدارس کو گورنمنٹ کی امداد امور خلاف شرع سے مقید یا ان کی طرف منجر ہوں وہ ناجائز ہے۔	۴۳۰
		موالات ہر کافر سے حرام ہے۔	۴۳۲
		موالات صوریہ ضرورۃً خصوصاً بصورت اکراہ جائز ہے۔	۴۳۲

جن مدارس کے نصاب میں امور خلاف اسلام اور توہین رسالت داخل ہوں ان میں تعلیم و تعلم حرام ہے۔	۴۳۵	بلاوجہ شرعی شورشوں کے لئے سینہ سپر ہوجانا شرعاً واجب نہیں۔	۵۳۸
کافر حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا حلال نہیں اگرچہ وہ مستامن ہو۔	۴۳۹	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمان برکت نشان میں عورتوں پر پردہ واجب نہ تھا عورتیں پنجوقتہ جماعت میں حاضر ہوتی تھیں۔	۵۵۰
مشرک کا برادر بننا حرام ہے۔	۴۸۶	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے زمانہ میں رنگ بدلا تو انھوں نے فرمایا: اگر حضور ہوتے عورتوں کو مسجد سے روک دیتے، پھر زمانہ مابعد میں اور حالت خراب ہوئی تو ائمہ نے جوان عورتوں کو روک دیا۔ جب اور زمانہ بدلا تو مطلقاً ممانعت ہوگئی۔	۵۵۰
کافروں کا حلیف بننا مطلقاً حرام ہے۔	۴۸۷	ستر وحجاب کے کچھ مسائل۔	۵۵۲
کافر کو رازدار بنانا مطلقاً حرام ہے۔	۵۱۱	انگرکھے کا سیدھا پردہ مسلمانوں کا شعار اور الٹا پردہ کافروں کا۔ تو الٹے پردہ کا انگرکھا لینا حرام ہے۔	۵۵۲
کافر کی تعظیم حرام ہے۔	۵۱۳	گاؤکشی اپنے اصل اور ذات کے اعتبار سے واجب نہیں۔ نہ اباحت کے اعتقاد کے ساتھ اس کا تارک گنہگار، نہ ہماری شریعت میں کسی چیز کا بالتعیین کھانا فرض۔	۵۵۳
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مشرکوں سے مصافحہ کیا جائے یا انھیں کنیت سے ذکر کیا جائے یا انھیں آتے وقت مرحبا کہا جائے۔	۵۲۷	گوشت طبعاً اہل اسلام کی غذا ہے۔ اللہ تعالٰی نے اس کا احسان جتایا ہے۔	۵۵۳
مباح کو حرام جان کر چھوڑنے میں حرج نہیں۔	۵۳۱	گوشت کی فضیلت کی احادیث۔	۵۵۴
منکر پر رد وانکار کس حالت میں فرض ہے اور کہاں اس کا یہ حکم نہیں۔	۵۳۷	بکری کا گوشت گراں ہے سب کو دواماً میسر نہیں۔	۵۵۴
ناحق قتل یا غارت مسلم حرام ہے۔	۵۳۸	ہاں قانوناً گاؤکشی بند ہے وہاں شریعت بھی مجبور نہیں کرتی کہ ضرور کرو اور مورد آفات ٹھہرو۔	۵۵۷
قتل ناحق اور غارت مسلم میں اعانت مطلقاً حرام۔	۵۳۸	دینی کام کے لئے غیر مسلموں سے چندہ لینا منع ہے۔	۵۶۶
شراب پینا سخت خبیث کام ہے۔	۵۳۸		

کتابی کافر سے قربانی کا ذبح کرانا مکروہ ہے۔	۵۶۷	گمراہوں کے عیوب بیان کرنا کہ لوگ اس سے بچیں غیبت نہیں۔	۶۱۲
ایسے کلمہ گویوں کا حکم جو غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے از خود قربانی گاؤ بند کرنے کا اعلان کریں۔	۵۶۸	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نور عرش اللہ کہنا جائز ہے۔	۶۱۵
گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ کی قربانی میں مسلمان منجانب شریعت مختار ہیں مگر مخالفان اسلام کی خاطر شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت مسلمانوں کو اختیار نہیں۔	۵۷۳	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر کہنا جائز نہیں۔	۶۲۶
ہندوستان میں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے اور ہندو مسلم اتحاد کی ناپاک مصلحت کے لئے اس کا چھوڑنا حرام ہے۔	۵۷۳	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بیچارہ کہنا حرام ہے۔	۶۲۶
مسئلہ کا حکم اور اہل اسلام کے خلاف شرع افعال کی قدر تشریح۔	۵۷۴	امام مالک کا مسلک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لفظ یتیم کا اطلاق جائز نہیں۔	۶۲۷
اللہ تعالٰی کے واسطے نیت کرکے پھرنا معیوب ہے۔	۵۷۷	بلاوجہ شرعی بغض اور اس کے موافق عمل فسق ہے۔	۶۳۷
محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین دن کے ایک دن مقرر کرنا حرام ہے۔	۵۷۷	امامین کریمین کے فضائل ومناقب بیان کرنا چاہئیں مگر ایسے اور اس طرح نہیں کہ خستگی اور بیچارگی ظاہر ہو۔	۶۴۰
کفار کے میلہ میں شرکت کرنا حرام ہے۔	۵۸۳	حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کو ناقص کہنا بے ادبی ہے۔	۶۴۰
ظہور فتن کے وقت علماء پر حق کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔	۵۸۹	سماع جو منکرات شرعیہ سے خالی ہو مباح بلکہ مستحب ہے۔	۶۴۴
یزید کو پلید کہنا جائز ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہنا منع ہے۔	۶۰۳	مزامیر حرام ہیں۔	۶۴۴
بلاوجہ شرعی مسلمان کو یزید کہنا گناہ ہے۔	۶۰۴	خدا کے بعد عالم کا درجہ، یہ کفر بھی ہوسکتا ہے اور کلمہ ایمان بھی۔	۶۴۵
مسلمان کی توبہ کا دوسرے مسلمانوں کو قبول کرنا واجب ہے۔	۶۰۸	حجام کے کام کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف غلط ہے۔	۶۴۶
بدگمانی گناہ ہے۔	۶۰۹	آدم علیہ السلام کو کپڑا بننا سکھایا، داؤد علیہ السلام لوہے سے زرہ بناتے، لیکن ان افعال کے انبیاء علیہم السلام کی طرف نسبت کرنے کی صورتیں اور ان کا حکم۔	۶۴۶
مرشد حق کی قدم بوسی جائز، سجدہ ممنوع ہے۔	۶۱۱		

قرآن پاک میں اللہ تعالٰی نے اپنے لئے جمع اور واحد دونوں ہی صیغے ذکر فرمایا۔	۶۴۸	**سیاست**	
ادب کے خیال سے جمع کا صیغہ بھی بول سکتے ہیں لیکن افضل اور اولٰی واحد کا صیغہ ہی ہے۔	۶۴۸	خلیفہ جہانبانی وحکمرانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب مطلق ہوتا ہے اور تمام امت پر ولایت عامہ والا ہوتا ہے۔	۱۸۴
صدقے کا بکرا دفن کرنا، مرغا گاڑنا، پتلا بنوانا ٹونا ٹوٹکا ہے اور سخت حرام ہے۔	۶۵۵	سلطان وہ بادشاہ ہوتا ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو چھوٹے چھوٹے والیان ملک اس کے زیر حکم ہوں۔	۱۸۴
مسلمانوں کے مذہبی کام میں افسری کی دو قسمیں ہیں: (۱) قہری، اس میں معذوری ومجبوری ہے۔ (۲) اختیاری، یہ ناجائز اور حرام ہے۔	۶۷۰	سلطان دو قسم کے ہیں: (۱) مولی (۲) متغلب۔	۱۸۴
غیروں کو رازدار بنانے کی ممانعت۔	۶۷۰	خلیفہ اور سلطان کی اطاعت میں فرق۔	۱۸۴
نااہل بلکہ نامناسب کو عامل بنانا اللہ ورسول کے ساتھ خیانت ہے۔	۶۷۱	خلیفہ کے حکم سے مباح فرض اور اس کے منع کرنے سے مباح حرام ہوجاتا ہے۔	۱۸۵
دینی امور میں کافروں سے مدد چاہنی حرام ہے۔	۶۷۱	خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہوسکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔	۱۸۶
دینی امور میں کافروں سے مدد چاہنی حرام ہے۔	۶۷۱	کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔	۱۸۶
دینی مدرسہ کا بدمذہب اور مشرکین کو افسر بنانا حرام ہے۔	۶۷۲	سلطان خلیفہ کو معزول نہیں کرسکتا جبکہ خلیفہ سلطان کو معزول کرسکتا ہے۔	۱۸۶
معصیت کی بات کسی مسلمان اعلٰی افسر کی بھی ماننا حرام ہے۔	۶۷۲	سلطنت کے لیے قرشیت تو درکنار حریت بھی شرط نہیں۔	۱۸۶
دسہرے کی شرکت کو فقہاء نے کفر لکھا ہے۔	۶۷۲	خلافت کے لئے حریت باجماع جملہ اہل قبلہ شرط ہے۔	۱۸۶
بتوں پر پھول چڑھانا، ناقوس بجانا کفر ہے۔	۶۷۲	ملک پر تسلط کی دو صورتیں ہیں۔	۲۱۸
نیروز مہرگان کو ہدیہ اور ان غیر اسلامی عیدوں کی تعظیم مقصود ہو تو کفر ہے۔	۶۷۳	جبرًا وجوب اطاعت اور چیز ہے اور اس کا خلیفہ شرعی ہونا اور چیز ہے۔	۲۱۸
مجالس کفار میں شرکت حرام ہے۔	۶۷۵	اگر کوئی غلام اپنی شوکت سے زبردستی ملک دبا بیٹھے تو فتنہ بجھانے کے لئے اطاعت اس کی بھی واجب ہے۔	۲۱۸

فرائض		موالات ومجرد معاملت میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۴۲۰
ایک بی بی سیدہ سنی المذہب نے انتقال کیا اس کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں۔ وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ لینا چاہتے ہیں حالانکہ روافض کے ہاں عصوبت بالکل نہیں، اس صورت میں وہ مستحق ارث ہیں یا نہیں۔	۲۴۹	مدارس کے اقسام اور اخذ امداد کے احکام۔	۴۲۹
روافض کو سنیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں ملتا اور ان کی یہ محرومی دینی اختلاف کی وجہ سے ہے۔	۲۵۰	آیہ ممتحنہ میں ائمہ حنفیہ کا مسلک۔	۴۳۷
موانع ارث چار ہیں۔	۲۵۰	تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں اور محارب بالفعل کے معنی کی تحقیق۔	۴۵۳
کوئی کافر کسی مسلمان کا ترکہ نہیں پاسکتا۔	۲۵۷	ازالہ منکر تین قسم ہے۔	۴۵۴
موانع ارث کا بیان۔	۲۵۷	سلوک مالی کی اقسام۔	۴۶۵
مرتد اصلا صالح وراثت نہیں۔	۲۵۸	موالات کی تقسیم اور اس کے احکام کا بیان۔	۴۶۵
مرتد کسی کا وارث نہ بنے گا نہ سلطان کا، نہ کافر کا، نہ ذمی کا اور نہ اپنے جیسے مرتد کا۔	۲۵۸	مدارات کا بیان۔	۴۶۸
فوائد فقہیہ		مدارات ومداہنت کے درمیان موالات صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں یعنی بر واقسام اور معاشرت۔	۴۶۸
ہمارے علماء ثلثہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب پر ہندوستان دار الاسلام ہے ہرگز دار الحرب نہیں۔	۱۰۵	سلام، کلام، مصافحہ، مجالست، مساکنت اور مواکلت وغیرہا افعال کثیرہ ہیں۔	۴۶۸
امام ابو حنیفہ کے نزدیک دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے کے لئے تین باتیں درکار ہیں۔	۱۰۵	بر وصلہ کی تین قسمیں۔	۴۶۸
یہود ونصارٰی کے احکام اور دیگر مشرکین کے احکام میں فرق ہے اور اس کی وجہ۔	۱۱۵	معاہدہ کارکن اور اس کی شرط۔	۴۸۲
کفار کو مراسم کفر کی اجازت دینا وران کے دین پر چھوڑنے میں فرق ہے۔	۱۳۶	جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) جنانی (۲) لسانی (۳) سنانی۔	۵۴۰
بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امیر یا ملک وغیرہ کہہ سکتے ہیں شرعا اس کو خلیفہ یا امیر المومنین نہیں کہہ سکتے۔	۱۷۵	شریعت کے ہر حکم میں دقائق اور مصالح ہیں۔	۵۵۰
عہد خارجی کے معنی درست نہ ہوں تو الف لام استغراق مراد لینا واجب ہے۔	۳۵۴	گائے کی قربانی کرنا واجب لعینہ ترک حرام لعینہ نہیں لیکن واجب لغیرہ وحرام لغیرہ تو ہوسکتا ہے اس کے یک لخت ترک میں اسلام اور اہل اسلام کی توہین اور ذلت ہے اور یہ شرعا حرام ہے۔	۵۵۳

سائل نے لفظ ترک لکھا ہے حالانکہ ترک اور کف میں فرق ہے۔	۵۵۳	مصالح عرف سے بدل جاتے ہیں تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔	۵۵۰
ترک کے نقصانات کی تفصیل۔	۵۵۳	موجودہ احکام حدیث کے خلاف نہیں بلکہ وہی کہ زمانہ بدلنے کے سبب حکم بدلا	۵۵۱
اونٹ اور گائے اور بکری میں گائے کی وجوہ ترجیح۔	۵۵۵	واجب حرام لعینہٖ ولغیرہٖ کا بیان مع امثلہ۔	۵۵۲
کسی مشرک کو سفارشی بنانا اور ہے اور اس کی تعظیم وتکریم امر آخر ہے۔	۵۷۹	تفسیر قادری سے حکم مذکورہ بالا کی علت۔	۵۶۳
معاملہ سے قبل تک موالات کے دس درجے ہیں اور اس کی صوری وحقیقی دو قسمیں ہیں، سب کا حکم شرعی۔	۵۹۶	بحکم آیات قرآنی حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بھی اسی طرح احکام کا اثبات کرتی ہے جیسے آیات قرآنی۔	۵۶۳
لفظ کافر گالی کے طور پر بھی بولا جاتا ہے لیکن شرع میں یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جو ہر غیر مسلم پر بولا جاتا ہے۔	۶۱۷	ان آیات کا بیان جن میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بات وحی ہونے اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم ہے۔	۵۶۳
جبر و رضا کے حدود کا بیان۔	۶۸۰	**حدود و تعزیر**	
ارتداد سے نکاح فسخ ہوتا ہے طلاق نہیں واقع ہوتی۔	۶۸۲	زید کا دماغ خشک ہوگیا ہے، یہ کلمہ ایذاء مسلم ہے۔	۲۷۰
میری طبیعت کا اختیار اور میری طبیعت کو اختیار میں فرق ہے۔	۷۰۹	شریف مکہ سے بھی اگر بے حرمتی حرم ثابت ہو تو وہ سزا کا مستحق ہوگا۔	۴۱۸
اصول فقہ		مرتدہ عورت دائم الحبس کی جائے گی اور اسلام لانے تک اس کے ساتھ کھانا وپینا اور نشست وبرخاست ممنوع ہے مگر اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔	۴۲۱
عدم موالاۃ جمیع کفار کا حکم مفسر ہے جس کی تقیید تکذیب ہے۔	۱۵۳	مسلمانوں کو "بیٹی چود" کہنا قابل تعزیر جرم ہے۔	۶۰۸
نسخ کے معنی حکم کی مدت پوری ہونے کے ہیں۔	۱۵۶	**مناظرہ**	
		صریح کافروں سے فروعات میں بحث نہ کی جائے۔	۲۸۰

لفظ کا ختم النبیین میں نفی استغراق کے لئے جو تاویل پیش کی جاتی ہے اس پر رب العالمین سے معارضہ کہ یہ تاویل وہاں بھی چل سکتی ہے۔	۳۳۷	عوام الناس پر تقلید واجب ہے۔	۲۹۰
گاؤکشی کی حرمت کی دو وجہ قرار دی گئیں	۵۵۶	**کفارہ**	
اگر ہتھیا کی وجہ سے جان لینا حرام ہو تو سانپ کا مارنا بھی حرام ہوگا۔	۵۵۶	کفارہ ایسے گناہ کا ہے جس کا معاوضہ ہو، حد سے بڑھے ہوئے گناہ کا کفارہ نہیں۔	۳۰۷
جینیوں کے طرز عمل سے استدلال کہ وہ مطلقًا ہتھیا کو شدید حرام سمجھتے ہیں، مگر انھیں کے دیگر ہم قوم ان کی اس ہتھیا کا خیال کئے بغیر ہتھیا کرتے ہیں پھر ہم پر پابندی کیوں؟	۵۵۶	**امر بالمعروف**	
دوسری وجہ تعظیم: سواس پر بھی خود یہ حضرات پورے نہیں اترتے، مثالوں سے اس کی وضاحت۔	۵۵۶	جس کے بارے میں معلوم ہو کہ تدبیر سے خواہش کفر اس کے دل سے نکل جائے گی اس کے لئے کوشش کی جائے۔	۳۷۶
بیل اور گائے میں وجہ فرق کیا ہے۔	۵۵۶	**قربانی**	
مورتی پوجن، گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، مہادیو پر پانی ٹپکانا، ہولی، دیوالی وغیرہا صدہا باتیں وید سے ثابت نہیں۔	۵۶۵	حربی مستامن کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۶۰
اخبار پانیر کے حوالے سے وید سے گاؤ قربانی کا جواز۔	۵۶۵	قربانی کے لئے خریدی ہوئی گائے کو ہندوؤں کی خوشنودی کے لئے بیل یا بھینس سے بدل کر قربانی کرنا منع ہے۔	۵۷۷
برہمنہ پران، ستیارتھ پرکاش، ترہنا، منوسمرتی سے مسئلہ بالا کا ثبوت۔	۵۶۶	قربانی کرنے والے اپنی قربانی کا جو حصہ جس کو چاہے دیں بالتخصیص کسی حصہ میں کسی کا حق شرعا وارد نہیں۔	۷۰۸
فیصلہ ہائی کورٹ سے مسئلہ کا ثبوت۔	۵۶۶	کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔	۷۰۸
مولوی اشرفعلی سے مسئلہ اتیان ارواح پر ایک تحریر مناظرہ۔	۶۹۲	دل گردہ وغیرہ قربانی کرانے والے کو اختیار ہے چاہے خود کھائے چاہے تقسیم کرادے۔	۷۰۸
تقلید		قربانی گاؤ سے متعلق ایک سوال وجواب۔	۷۱۰

صیدوذبائح		سود کے ستر درجے ہیں جن میں سے ادنٰی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔	۱۱۴
کافر کو کتا بنا کر استعانت جائز ہے جب وہ ہمارے ہاتھ میں کتے کی طرح مسخر ہو۔	۵۱۰	ایک درہم سود کا دانستہ کھانا ایسا ہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرے۔	۱۱۵
شکار میں کتے سے استعانت کب جائز ہے۔	۵۱۰	**وصیت**	
کتا اگر شکار میں سے ماشہ بھر بھی کھالے تو شکار حرام ہو جائے گا۔	۵۱۰	کافر ذمی کے لئے وصیت جائز اور حربی کے لئے ناجائز ہے۔	۴۳۷
اوجھڑی کھانا مکروہ ہے دفن کردی جائے۔	۷۰۸	وصیت بھی ہدیہ ہی ہے کہ تملیک عین مجانا ہے۔	۴۶۳
صلح		**فلسفہ**	
کون سی صلح جائز اور کون سی ناجائز ہے۔	۴۲۴	شیئ مستمر میں بقاء کے لئے حکم ابتداء ہے۔	۴۶۶
سود		اعراض ہر آن متجدد ہیں۔	۴۶۶
ان لوگوں پر تعجب ہے جو تحلیل ربٰو کے لئے ہندوستان کو دارالحرب ٹھہراتے ہیں اور قدرت واستطاعت کے باوجود ہجرت نہیں کرتے۔	۱۱۴	فطرت کا قانون یہ ہے کہ عناصر نباتات کی غذاء نباتات حیوانات کی غذا اور حیوانات انسان کی غذا۔	۵۵۴
سود کی حرمت نصوص قاطعہ سے ثابت ہے۔	۱۱۴	گوشت میں بدن انسانی کے لئے غیر معمولی فوائد و مصالح ہیں۔	۵۵۴
سود کھانے والے قیامت کو آسیب زدہ کی طرح اٹھیں گے یعنی مجنونانہ گرتے پڑتے بدحواس۔	۱۱۴	**یمین**	
سود خوروں کے پیٹ بڑے ہو جائیں گے اور ان میں سانپ بچھو بھر جائیں گے۔	۱۱۴	کفار کی قسمیں کچھ نہیں۔	۵۲۰
سود کھانے والوں کا اللہ تعالٰی اور اس کے رسول سے اعلان جنگ۔	۱۱۴	**تصوف وروحانیات**	
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود خور پر لعنت فرمائی۔	۱۱۴	وحدۃ الوجود کی صحیح تعبیر۔	۶۱۸
		اللہ تعالٰی کو ہر جگہ حاضر وناظر کہنے سے پرہیز کرنا چاہئے۔	۶۴۰

وحدۃ الوجود کی تحقیق۔	۶۴۱	شرح عقائد میں مذکور ایک اشکال کا جواب اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۲۰۳
توحید، وحدت، اتحاد، تینوں الفاظ کے معنی کا بیان۔	۶۴۱	شامی کی عبارت سے دھوکا دہی کا سد باب۔	۲۱۹
توحید مدار ایمان ہے، وحدۃ الوجود یعنی ایک وجود کا حقیقی ہونا قرآن وحدیث اور اقوال اکابر سے ثابت ہے۔	۶۴۱	لفظ امیر "خلیفہ کے ساتھ خاص نہیں والی شہر وسردار حجاج کو بھی کہتے ہیں مگر ائمہ من قریش میں قطعاً ائمۃ سے مراد خلفاء ہیں۔	۲۲۰
مسئلہ وحدت میں تین فرقوں کا بیان اور ایک دلکش مثال سے حقیقت حال کی وضاحت۔	۶۴۲	مولانا فرنگی محلّی کی عقائد نسفی کی عبارت سمجھنے میں غلطی۔	۲۲۲
وجود حقیقی باری تعالٰی کا ہے بقیہ سب اسی کے عکوس وظلال ہیں کسی کا وجود حقیقی نہیں۔	۶۴۳	فرنگی محلّی صاحب کی شرح مواقف کی عبارت میں تحریف۔	۲۲۲
اہل حقیقت نے وجود کی دو۲ قسمیں کی ہیں: حقیقی وذاتی اور ظلی وعطائی۔	۶۴۴	دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے۔	۲۲۵
شطحیات صوفیہ کے مطالب۔	۶۶۵	ایمان ابوین پر اعلیحضرت کا ایک، اور امام سیوطی کے چھ رسالے۔	۲۷۳
حضرت بایزید بسطامی کا قول سبحانی مااعظم شانی کی توضیح اور ایک دلگداز حکایت۔	۶۶۶	امام نووی پر تطفل۔	۲۸۵
تقابل ادیان		عالمگیری اور دیگر فتاوٰی کا انکار توہین علماء ہے۔	۳۲۳
ہمارے یہاں گائے کا ذبیحہ اصل مذہب میں داخل اور غیر مسلموں میں یہ پابندی بعد میں اپنے سر ڈال لی ہے۔	۵۵۶	مہمل الفاظ محتاج توجیہ نہیں۔	۳۲۴
ویدوں سے قربانی گاؤ کی ممانعت ثابت نہیں۔ اگر شاستروں پر بنائے مسئلہ ہے تو ہماری فقہ میں بھی قربانی گاؤ کی تصریح ہے۔ اس کو خلاف مذہب کہنا دھوکا ہے۔	۵۶۵	وسوسہ کا علاج	۳۲۶
متفرقات		کتاب ذوالنور الحق المبین کا شرعی حکم۔	۳۵۸
کسی عبیدی کی خلافت صحیح نہ ہونے کی وجوہ۔	۱۸۰	لفظ ضال اور بدعت کے معنی اور اس کی قسمیں۔	۳۶۰
خلیفہ وسلطان کا فرق سات وجوہ سے۔	۱۸۴		

آج کوئی مجتہد مطلق موجود نہیں۔	۳۶۴	دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے۔	۵۳۶
کلمہ شریف کے دونوں اجزاء کا ماننا فرض ہے۔	۳۷۹	لفظ نور کی تحقیق۔	۶۵۰
کلمہ شریف کے نکات۔	۳۷۹	اللہ ورسول کو غلیظ گالی دینے والے کو زبانی معافی مانگنے پر معاف کرنا جائز نہیں۔	۶۵۱
مہاتما کے معنی روح اعظم اور یہ جبریل امین کا لقب ہے۔	۴۰۸	کلمہ شہادت میں لفظ عبدہ ورسولہ کے فوائد۔	۶۶۵
دشمن تین ہیں: ایک خود اپنا دشمن، دوسرا دوست کا دشمن، تیسرا دشمن کا دوست۔	۴۸۱	اولیاء کے "سبحانی ما اعظم شامی" اور فرعون کے "انا رب العالمین" کہنے میں فرق ہے۔	۶۸۲
استعانت کی تین حالتیں ہیں: التجاء، اعتماد، استخدام	۵۰۸	ایک رافضی تصنیف کے احکام۔	۶۸۹
استخدام کی چار۴ صورتیں اور ان کے احکام۔	۵۱۱	چند گمراہ کن بلکہ کافرانہ کتابوں کے بارے میں انتباہ۔	۶۹۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

کتاب السّیر

مسئلہ ۱: از بریلی پرانا شہر محلّہ سیلانی مسئولہ مستقیم نداف یکم ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے ہیں، ایک مرضِ مرگی میں مبتلا ہے، دوسرا بیٹا جوان گھر سنبھالو، اگر وہ نہ ہوں تو زید اور اس کی اہلیہ دوسروں کے محتاج ہو جائیں کیونکہ ضعیفی کا عالم ہے۔ بڑا بیٹا بعزمِ ہجرت کابل وداع ہوتا ہے کل کی تاریخ میں، اور اس کی بیوی سال بھر کی بیاہی پورے دن امید کے ہیں، اور اس کو بھی چھوڑے جاتا ہے۔ جو حکم قرآن و حدیث شریف کا ہو اس میں ہرگز انکار نہیں۔

الجواب:

اس صورت میں کابل کی ہجرت اسے جائز نہیں، حدیث میں ہے:

کفی بالمرء اثما ان یضیع من یقوت۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ اسے ضائع کردے جس کی روزی اس کے ذمہ تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۵، ۱۹۴، ۱۶۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۱۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۳۸۲

مسئلہ ۲: از لاہور محلہ سادھواں مرسلہ میاں تاج الدین خیاط ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہجرت کے احکاموں اور شرائط کا استعمال کس صورت میں ہونا چاہئے؟

الجواب:

دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت فرض ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَاؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ "[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے، کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے، تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی۔(ت)

ہاں اگر حقیقۃً مجبور ہو تو معذور ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ "[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر وہ جو دبا لئے گئے مرد اور عورتیں اور بچے جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے اور نہ راستہ جانیں، تو قریب ہے اللہ ایسوں کو معاف فرمائے اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔(ت)

اور دارالاسلام سے ہجرت کا حکم نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح[3]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فتح (مکہ) کے بعد ہجرت نہیں۔(ت)

ہاں اگر کسی جگہ کسی عذر خاص کے سبب کوئی شخص اقامت فرائض سے مجبور ہو تو اسے اس جگہ کا بدلنا واجب اس مکان میں معذوری ہو تو مکان بدلے، محلّہ میں معذوری ہو تو دوسرے محلّہ میں چلا جائے، بستی میں معذوری ہو تو دوسرے بستی میں جائے۔ مدارک التنزیل میں ہے:

والاٰیۃ تدل علی ان من لم یتمکن	یہ آیت مبارکہ اس پر دال ہے کہ جب کوئی شخص کسی شہر

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۹۸،۹۹

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۰۵۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۱۰۹

من اقامۃ دینہ فی بلد کما یجب وعلم انہ یتمکن من اقامتہ فی غیرہ حقت علیہ المھاجرۃ وفی الحدیث "من فر بدینہ من ارض وان کان شبرا من الارض استوجبت لہ الجنۃ" وکان رفیق ابیہ ابراھیم ونبیہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	میں اقامتِ دین پر اس طرح قادر و متمکن نہیں جیسا کہ لازم ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ دوسرے شہر میں اقامت پر قادر ہوجائے گا تو اس پر وہاں ہجرت کرنا لازم ہوجائیگا، اور حدیث میں ہے کہ جو شخص دین کی خاطر ایک جگہ سے دوسرے جگہ بھاگا خواہ وہ ایک بالشت ہی کیوں نہ ہو اس کے لئے جنت لازم ہوجاتی ہے اور وہ اپنے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنگت پائے گا۔ (ت)

ہندوستان دارالحرب نہیں دارالاسلام ہے، کما حققناہ فی فتوٰنا اعلام الاعلام (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتوٰی اعلام الاعلام میں کی ہے۔ت) واللہ اعلم۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیت ۴/ ۹۷ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالاسلام ۱۳۰۶ھ
(علم کے پہاڑوں کا اعلان کہ بیشک ہندوستان دارالاسلام ہے)

مسئلہ ۳تا۵: از بدایوں محلّہ براہم پورہ مرسلہ مرزا علی بیگ صاحب ۱۲۹۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) ہندوستان دارالحرب ہے یادارالاسلام؟

(۲) اس زمانہ کے یہود ونصارٰی کتابی ہیں یا نہیں؟

(۳) روافض وغیرہم مبتدعین کہ کفارہ داخل مرتدین ہیں یا نہیں؟ جواب مفصل بدلائل عقلیہ ونقلیہ مدلل درکار ہے؟ **بینوا توجروا۔**

جواب سوالِ اول

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ علمائے ثلٰثہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلام کے احکام و شعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں اہل اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت و نماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔ فرائض، نکاح، رضاع، طلاق، عدۃ، رجعت، مہر، خلع، نفقات، حضانت، نسب، ہبہ،

وقف، وصیت، شفعہ وغیرہا، بہت معاملات مسلمین ہماری شریعت غرابیضاء کی بناپر فیصل ہوتے ہیں کہ ان امور میں حضرات علماء سے فتوٰی لینااور اسی پر عمل وحکم کرنا حکام انگریزی کو بھی ضرور ہوتا ہے اگرچہ ہنود و مجوس ونصارٰی ہوں اور بحمد اللہ یہ بھی شوکت وجبروت شریعت علیہ عالیہ اسلامیہ اعلی اللہ تعالٰی حکمہا السامیہ ہے کہ مخالفین کو بھی اپنی تسلیم اتباع پر مجبور فرماتی ہے والحمد للہ رب العالمین، فتاوٰی عالمگیریہ میں سراج وہاج سے نقل کیا:

اعلم ان دارالحرب تصیردار الاسلام بشرط واحد وھو اظھار حکم الاسلام فیھا[1]۔	جان لو کہ بیشک دارالحرب ایک ہی شرط سے دارالاسلام بن جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہاں اسلام کا حکم غالب ہو جائے (ت)

پھر سراج وہاج سے صاحب المذھب سیدنا و مولٰنا محمد بن الحسن قدس سرہ الاحسن کی زیادات سے کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے نقل کیا:

انما تصیر دار الاسلام دارالحرب عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی بشروط ثلاثۃ.احدھا اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتھار وان لایحکم فیھا بحکم الاسلام .ثم قال و صورۃ المسئلۃ ثلاثۃ اوجہ اما ان یغلب اھل الحرب علی دار من دورنا او ارتد اھل مصر غلبوا واجروااحکام الکفر او نقض اھل الذمۃ العھد و تغلبوا علی دارھم ففی کل من ھذہ الصور لاتصیر دار حرب الابثلاثۃ شروط،وقال ابویوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی بشرط واحد وھو اظھار احکام الکفر وھو القیاس الخ[2]	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دارالاسلام تین شرائط سے دارالحرب ہوتا ہے جن میں ایک یہ کہ وہاں کفار کے احکام اعلانیہ جاری کئے جائیں اور وہاں اسلام کا کوئی حکم نافذ نہ کیاجائے، پھر فرمایا اور مسئلہ کی صورت تین طرح ہے اہلِ حرب ہمارے علاقہ پر غلبہ پالیں یا ہمارے کسی علاقہ کے شہری مرتد ہو کر وہاں غلبہ پالیں اور کفر کے احکام جاری کردیں یا وہاں ذمی لوگ عہد کو توڑ کر غلبہ حاصل کرلیں، تو ان تمام صورتوں میں وہ علاقہ تین شرطوں سے دارالحرب بن جائے گا وہ یہ کہ احکام کفر اعلانیہ غالب کردئے جائیں۔یہی قیاس ہے الخ (ت)

درر غرر ملاخسرو میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الخامس فی استیلاء الکفار نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الخامس فی استیلاء الکفار نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۲

دار الحرب تصیر دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا کاقامۃ الجمعۃ والاعیاد وان بقی فیھا کافر اصلی ولم یتصل بدار الاسلام بان کان بینھا وبین دار الاسلام مصر اٰخر لاھل الحرب الخ[1] ھذا لفظ العلامۃ خسرو واثرہ شیخی زادہ فی مجمع الانھر، وتبعه المولی الغزی فی التنویر، واقرہ المدقق العلائی فی الدر، ثم الطحطاوی والشامی اقتدیا فی الحاشیتین۔	دار الحرب، اسلامی احکام جاری کرنے مثلاً جمعہ اور عیدین وہاں ادا کرنے پر دار الاسلام بن جاتا ہے اگرچہ وہاں کوئی اصلی کافر بھی موجود ہو اور اس کا دار الاسلام سے اتصال بھی نہ ہو یوں کہ اس کے اور دار الاسلام کے درمیان کوئی دوسرا حربی شہر فاصل ہو الخ، یہ علامہ خسرو کے الفاظ ہیں، اور مجمع الانہر میں شیخی زادہ نے اس کی پیروی کی ہے، اور مولٰی غزی نے تنویر میں اس کی اتباع کی، اور مدقق علائی نے در میں اس کو ثابت رکھا، پھر طحطاوی اور شامی نے اپنے اپنے حاشیہ میں اسکی اقتدا کی۔ (ت)

جامع الفصولین سے نقل کیا گیا:

له ان ھذہ البلدۃ صارت دار الاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا فما بقی شیئ من احکام دار الاسلام فیھا تبقی دار الاسلام علی ماعرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فما بقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائه، ھکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل انتھی،[2] وعن الفصول العمادیۃ ان دار الاسلام لا یصیر دار الحرب اذا بقی شیئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل الاسلام وعن منثور الامام ناصر الدین دار الاسلام انما	امام صاحب کے ہاں دار الحرب کا علاقہ اسلامی احکام وہاں جاری کرنے سے دار الاسلام بن جاتا ہے تو جب تک وہاں اسلامی احکام باقی رہیں گے وہ علاقہ دار الاسلام رہے گا، یہ اس لئے کہ حکم جب کسی علت پر مبنی ہو تو جب تک علت میں سے کچھ پایا جائے تو اس کی بقاء سے حکم بھی باقی رہتا ہے جیسا کہ معروف ہے۔ ابوبکر شیخ الاسلام نے اصل (مبسوط) کے سیر کے باب کی شرح میں یونہی ذکر فرمایا ہے، اھ، فصول عمادیہ سے منقول ہے کہ دار الاسلام جب تک وہاں احکام اسلام باقی رہیں گے تو وہ دار الحرب نہ بنے گا اگرچہ وہاں اہلِ اسلام کا غلبہ ختم ہو جائے، امام ناصر الدین کی منثور سے منقول ہے کہ دار الاسلام صرف اسلامی

[1] درر غرر کتاب الجہاد باب المستامن مطبع احمد کامل مصر ۱/ ۲۹۵

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ص ۱۲

صارت دارالاسلام باجراء الاحکام فمابقیت علقة من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام [1] وعن البرھان شرح مواھب الرحمٰن لایصیر دارالحرب مادام فیه شیئ منها بخلاف دارالاسلام لانارجحنا اعلام الاسلام واحکام اعلام کلمة الاسلام [2] وعن الدر المنتقٰی لصاحب الدر المختار دارالحرب تصیر دارالاسلام باجراء بعض احکام الاسلام [3]۔	احکام جاری کرنے سے بنتا ہے تو جب تک وہاں اسلام کے متعلقات باقی ہیں تو وہاں اسلام کے پہلو کو ترجیح ہوگی۔اور برہان شرح مواہب الرحمٰن سے منقول ہے کوئی علاقہ اس وقت تک دارالحرب نہ بنے گا جب تک وہاں کچھ اسلامی احکام باقی ہیں، کیونکہ اسلامی نشانات کو اور کلمہ اسلام کے نشانات کے احکام کو ہم ترجیح دیں گے، دارالاسلام کا حکم اسکے خلاف ہے۔صاحب درمختار کی المنتقٰی سے منقول ہے کہ دارالحرب میں بعض اسلامی احکام کے نفاذ سے دارالاسلام بن جاتا ہے۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لاخلاف ان دارالحرب تصیردارالاسلام باجراء بعض احکام الاسلام فیہا [4]۔	بلااختلاف دارالحرب وہاں بعض اسلامی احکام کے نفاذ سے وہ دارالاسلام بن جاتا ہے(ت)

اور اسی میں ہے:

وقال شیخ الاسلام والامام الاسبیجابی ای الدار محکومة بدارالاسلام ببقاء حکم واحد فیہا کمافی العمادی وغیرہ [5]۔	شیخ الاسلام اور امام اسبیجابی نے فرمایا: کسی بھی علاقہ میں کوئی ایک اسلامی حکم بھی باقی ہو تو اس علاقہ کو دارالاسلام کہا جائے گا، جیسا کہ عمادی وغیرہ میں ہے۔(ت)

پھر اپنے بلاد اور وہاں کے فتن و فساد کی نسبت فرماتے ہیں:

فالاحتیاط یجعل ھذہ البلاد دارالاسلام والمسلمین وان کانت للملاعین والید فی الظاھر	احتیاط یہی ہے کہ یہ علاقہ دارالاسلام والمسلمین قرار دیا جائے، اگرچہ وہاں ظاہری طور پر شیطانوں کا

[1] الفصول العمادیة

[2] البرھان شرح مواہب الرحمان

[3] الدرالمنتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب السیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۳۴

[4] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۶

[5] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۷

لهؤلاء الشیطین ربنا لاتجعلنا فتنة للقوم الظلمین ونجنا برحمتك من القوم الکٰفرین کمافی المستصفی وغیرہ[1]۔	قبضہ ہے، اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور اپنی رحمت سے ہمیں کافروں سے نجات عطا فرما، جیسا کہ مستصفٰی وغیرہ میں ہے۔(ت)

درر غرر و تنویر الابصار و درمختار و مجمع الانہر وغیرہا میں کہ شرطِ اول کو صرف بلفظ اجرائے احکام الشرک سے تعبیر کیا وہاں بھی یہ ہی مقصود کہ اس ملک میں کلیۃً احکام کفر ہی جاری ہوں نہ یہ کہ مجرد جریان بعض کفر کافی ہے اگرچہ ان کے ساتھ بعض احکام اسلام بھی اجراء پائیں۔

فی الحاشیة الطحطاویة علی الدرالمختار قوله باجراء احکام اهل الشرك ای علی الاشتهار وان لایحکم فیها بحکم اهل الاسلام، ہندیة وظاهره انه لو اجریت احکام المسلمین واحکام اهل الشرك لا تکون دارحرب انتھی[2]۔	درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے **قوله باجراء احکام اهل الشرک** (اس کا قول کہ اہل شرک کے احکام کے اجراء سے دارالحرب بن جاتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ وہاں اعلانیہ احکامِ شرک نافذ کئے جائیں اور اہل اسلام کا کوئی حکم بھی نافذ نہ ہو، ہندیہ میں یوں ہے کہ اس سے ظاہر ہے کہ اگر وہاں احکامِ شرک اور احکامِ اسلام دونوں نافذ ہوں تو دارالحرب نہ ہوگا اھ۔(ت)

اور اسی طرح حاشیہ شامیہ میں نقل کرکے مقرر رکھا،

اقول: وباللّٰه التوفیق والدلیل علی ذٰلك امران الاول قول محمد وهوالطراز المذهب انها تصیردارحرب عندالامام بشرائط ثلث احدها اجراء احکام الکفار علی سبیل الاشتهار وان لایحکم فیها بحکم الاسلام فانظر کیف زادالجملة الاخیرة ولم یقتصر علی الاولی فلولم یفسر کلامهم بماذکرنالکن کلام الامام	**اقول:** وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) اس پر دلیل دو ۲ چیزیں ہیں: ۱ اول یہ کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی جو مذہب کے ترجمان ہیں ان کا یہ قول کہ وہ علاقہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین شرطوں سے دارالحرب بنتا ہے ان میں سے ایک یہ کہ وہاں کفار کے احکام اعلانیہ جاری کئے جائیں اور کوئی اسلامی حکم نافذ نہ ہو، تو غور کرو کہ انہوں نے آخری جملہ کیسے زائد فرمایا اور صرف پہلے جملہ پر اکتفاء نہ فرمایا، اگر فقہاء کا کلام ہمارے ذکر کردہ بیان سے واضح نہ بھی کیا جائے تو صرف

[1] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۷

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الجہاد فصل فی استیمان الکافر دارالمعرفة بیروت ۲/ ۴۶۰

قاضیا علیھم وناھیك بہ قاضیا عدلا، فالثانی ان ھٰؤلاء العلماء ھم الذین قالوا فی دارالحرب انھا تصیر دارالاسلام باجراء احکام الاسلام فیھا فاما ان تقولوا ھٰھنا ایضا انھا تصیردار الاسلام باجراء بعض احکام الاسلام ولومع جریان بعض احکام الکفر فعلی ھذا ترفع المباینة بین الدارین اذکل دارتجری فیھا الحکمان مع استجماع بقیة شرائط الحربیة تکون دارحرب واسلام جمیعا لصدق الحدین معًا وکذا لواردت الخلوص والتمحض فی کل الموضعین یعنی ان دارالحرب مایجری فیھا احکام الشرك خالصة ودارالاسلام مایحکم فیھا باحکام الاسلام محضة فعلی ھذا تکون دارالتی وصفناھالك واسطة بین الدارین ولم یقل بہ احد، واماان ترید التمحض فی المقام الثانی دون الاول فھذا یخالف ماقصدہ الشارع من اعلاء الاسلام وبنی العلماء کثیرا من الاحکام علی ان الاسلام یعلوولایعلی، علی انہ یلزم ان تکون دورالاسلام

امام صاحب کا کلام ہی فیصلہ کن ہے تجھے یہی فیصلہ کن کلام کافی ہے۔ [۲]دوسری چیز یہ کہ یہی وہ علماء کرام ہیں جنہوں نے دارالحرب کے متعلق فرمایا کہ وہ دارالاسلام بن جاتا جب اس میں اسلامی احکام جاری کئے جائیں، تو اگر یہاں بھی وہ بعض اسلامی احکام مراد لیں (جس طرح کہ دارالحرب کے لئے کفار کے بعض احکام تم نے مراد لئے) توجب بعض اسلامی احکام کے ساتھ کچھ احکام کفار ہوں گے تو اس سے دارالحرب اور دارالاسلام کے درمیان فرق ختم ہوجائے گا، کیونکہ ان دونوں میں سے ہرایک میں دونوں قسم کے حکم پائے جائیں گے اگرچہ کفار کے احکام زائد ہوں تو لازم آئے گا کہ ہرایک دار الحرب اور دارالاسلام بھی ہو کیونکہ دونوں پر ہرایک کی تعریف صادق آئے گی، اگر تم یہاں یہ مراد لو کہ ہر دار میں اس کے تمام احکام وہاں نافذ ہوں اور ایک دوسرے کے احکام سے خالی ہوں یعنی دارالحرب وہ ہے جس میں تمام احکام خالص کفر کے ہوں اور دارالاسلام وہ ہے جس میں خالص اسلامی احکام ہوں، تو اس سے لازم آئے گا کہ جس دار کی بحث ہورہی ہے وہ دونوں داروں میں واسطہ کہلائے گا یعنی وہ نہ دارالاسلام ہو نہ دارالحرب ہو، حالانکہ ایسے دار کا کوئی بھی قائل نہیں، اگر تم یہ مراد لو کہ ثانی یعنی دارالاسلام میں تو خالص اسلامی ہوں اور دوسرے یعنی دارالحرب میں خالص ہونا ضروری نہیں تو اس سے شارع کا مقصد اعلاء کلمہ اسلام اور اس کی ترجیح فوت ہوجائیگی جو شارع کے مقصد کے خلاف ہے جبکہ علماء نے بہت سے احکام "الاسلام یعلوولایعلٰی" (اسلام

باسرھا دور حرب علی مذھب الصاحبین اذااجری فیھا شیئ من احکام الکفر او حکم فیھا بعض مالم ینزل اللہ سبحٰنہ وتعالٰی وھو معلوم مشاہد فی ھذہ الامصار بل من قبلھا بکثیر حیث فشاالتھاون فی الشرع الشریف وتقاعد الحکام عن اجراء احکامہ وترقی اھل الذمۃ علی خلاف مراد الشریعۃ عن ذل ذلیل الی عزجلیل اعطوامناصب رفیعۃ ومراتب شامخۃ منیعۃ حتی استعلواعلی المسلمین ورحم اللہ للقائل کمانقل المولی الشامی۔

حبابنانوب الزمان کثیرۃ
وامرّمنھارفعۃ السفھاء
فمتی یفیق الدھر من سکراتہ
وأری الیھود بذلۃ الفقھاء[1]

وکذلك ارتضی بعض الظلمۃ من حکام الجور بعض البدعات التی خرقھا ائمۃ الکفر فاجروھا فی بلادھم کتحلیف الشھود و الزام المصادرات والمکوس ووضع الوظائف الباطلۃ علی الاموال والنفوس الی غیر ذٰلك من الاحکام الباطلۃ ویسلم ھذاالامر الفظیع من اشنع الشنائع الھائلۃ فوجب القول بان المراد

غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا) کے قاعدہ پر مبنی قرار دئے ہیں، علاوہ ازیں یہ بھی لازم آئے گا کہ تمام دارالاسلام صاحبین کے مذہب پر دارالحرب قرار پائیں جبکہ ان میں کچھ احکامِ کفر پائے جاتے ہوں یااللہ تعالٰی کے نازل کردہ حکم کے خلاف وہاں حکم نافذ پائے جاتے ہوں جیسا کہ آج کے دور میں مشاہدہ ہے بلکہ قبل ازیں بھی ایسا رہاہے جب سے شریعت کے بارے میں سستی ظاہر ہوئی اور مسلمان حکام نے شرعی احکام کے نفاذ سے روگردانی کررکھی ہے، اور ذمی حضرات کو ترقی ملی ہے کہ خلافِ شرع ذلیل کی ذلت سے نکل کر بڑی عزت پارہے ہیں جن کو مسلمان حکمرانوں نے بلند منصب اور محفوظ مراتب عطا کررکھے ہیں یہاں تک کہ وہ مسلمانوں پر تعلی کرنے لگے ہیں، اللہ تعالٰی ایک قائل پر رحم فرمائے جس کا کلام مولانا شامی نے نقل کیا ہے۔ (شعر کا ترجمہ)

"دوستو! زمانہ کے مصائب کثیر ہیں، ان میں سے سخت ترین بیوقوف لوگوں کا اقتدار ہے، توکب زمانے کا نشہ ختم ہوگا جبکہ ملک یہودی بن کر فقہاء کی ذلت گاہ بن چکا ہے"۔ اور جیسا کہ بعض ظالم حکمرانوں نے کافر لیڈروں کی جاری کردہ کئی بدعات کو پسند کرتے ہوئے اپنے ملکوں میں جاری کردیا مثلاً گواہوں سے حلف لینا، اور ٹیکس، چونگیاں اور لوگوں کے اموال اور نفوس پر باطل قسم کے محصولات لاگو کردئے، یہ پریشان کن برے معاملات مسلمان ملکوں میں ماننے پڑیں گے لہٰذا ضروری ہے کہ پہلے مقام یعنی دارالحرب میں خالص مکمل احکام کفر ہوں اور دوسرے یعنی دارالاسلام میں ایسانہ ہو جبکہ یہی مدعٰی ہے، تواس سے

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۵

فی المقام الاول ھو الخلوص والتمحض دون الثانی وھو المقصود، وبھذا تبین ان الدارالتی تجری فیھا الحکمان شیئ من ھذا وشیئ من ھذا کدارنا ھٰذہ لا تکون دارحرب علی مذھب الصاحبین ایضا لعدم تمحض احکام الشرك فمن الظن ماعرض لبعض المعاصرین من بناء نفی الحربیۃ علی الھند علی مذھب الامام فقط فتوھم انہ لایستقیم علی مذھب الصاحبین واخطر الی تطویل الکلام بماکان فی غنی عنہ واشد سخافۃ واعظم شناعۃ مااعترٰی بعض اجلۃ المشاھیر من الذین ادرکناعصرھم اذحاولو انفی الحربیۃ عن بلادنا بناء علی عدم تحقق الشرط الثانی اعنی الاتصال بدارالحرب ایضًا فقالوا معنی الاتصال ان تکون محاطۃ بدارالحرب من کل جھۃ ولاتکون فی جانب بلدۃ اسلامیۃ وھو غیر واقع فی بلاد الھند اذجانبھا الغربی متصل بملك الافاغنۃ کفشاور وکابل وغیرھما من بلاد دارالاسلام۔	واضح ہوگیا کہ وہ دار جس میں دونوں قسم کے احکام کچھ کفر کے اور کچھ اسلام کے پائے جائیں جیسا کہ ہمارا یہ ملک ہے، صاحبین کے مذہب پر بھی دارالحرب نہ ہوگا کیونکہ یہاں خالص محض احکام کفر نہیں ہیں تو ہمارے بعض معاصرین کا یہ گمان کہ ہندوستان سے دارالحرب کی نفی کی بنیاد صرف امام صاحب کامذہب ہے، اس کا وہم ہے کہ صاحبین کے مذہب پر درست نہیں ہے اس نے طویل کلام کیا جبکہ اس کی ضرورت نہیں تھی، کمزور ترین اور سب سے خطرناک موقف وہ ہے جو ہمارے زمانہ کے مشہور اجلہ حضرات کو لاحق ہوا ہے کہ انہوں نے ہمارے اس ملک سے دارالحرب کی نفی کی بنیاد شرط ثانی یعنی کسی دارالحرب سے اتصال کے نہ پائے جانے کو قرار دیا ہے اور انھوں نے اتصال کا معنی لیا ہے کہ چاروں طرف سے دارالحرب میں گھرا ہوا ہو اور کسی طرف سے دارالاسلام سے نہ ملا ہوا ہو چونکہ اتصال کا معنٰی ہندوستان میں نہیں پایا جاتا لہٰذا یہ دارالحرب نہ ہوگا کیونکہ ہندوستان غربی جانب سے افغانوں کے ملک پشاور اور کابل وغیرہ دارالاسلام سے ملا ہوا ہے،
اقول: یالیتہ تفکر فی معنی الثغور اونظر الی فضائل المرابطین فتأمل فی معنی الرباط اوعلم ان مکۃ والشام والطائف وارض حنین وبنی المصطلق وغیرھا کانت دارحرب علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع اتصالھا بدارالاسلام قطعًا اوفھم	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) کاش وہ سرحدوں کے معنٰی پر غور کرلیتے، یا اسلامی سرحدوں کی نگرانی کی فضیلت کو دیکھتے ہوئے رباط کے معنی پر غور کرلیتے یا یہ معلوم کرلیتے کہ مکہ، شام، طائف، حنین، اور بنی مصطلق کے علاقے وغیرہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک زمانہ میں دارالحرب تھے حالانکہ ان سب کا دارالاسلام سے اتصال تھا، یا یہی سمجھ لیتے

ان الامام کلما فتح بلدۃ من بلاد الکفار واجری فیہا احکام الاسلام صارت دارالاسلام والتی تلیہا من البلاد تحت حکم الکفار دارحرب کما کانت اوتفطن ان لوصح ماقالہ لاستحال ان یکون شیئ من دیارالکفر دارحرب الاان یفصل بینہا وبین الحدود الاسلامیۃ البحاروالمفاوزولم یقل بہ احد، وذٰلک لانہ کلما حکمت علی بلدۃ بانہا دارحرب سألنا عما یحیطہا من البلاد فان کان فیہا من بلاد الاسلام کانت الاولی ایضا دارالاسلام لعدم الاتصال بالمعنی المذکور والانقلنا الکلام الی مایلاصقہا حتی ینتہی الی بلدۃ من بلاد الاسلام فتصیر کلہا دارالاسلام لتلازق بعضہا ببعض اولاتکون فی تلک الجہۃ بلدۃ اسلامیۃ الی منقطع الارض، وبالجملۃ ففساد ھذا القول اظہر من ان یخفی وانما منشؤہ القیاس الفاسد وذٰلک ان الشرط عندالامام فی صیرورۃ بلدۃ من دار الاسلام دارالحرب ان لاتکون محاطۃ بدارالاسلام من الجہات الاربع وذٰلک لان غلبۃ الکفار اذن علی شرف الزوال فلاتخرج بہ

کہ مسلمان امام جب کفار کے کسی علاقہ کو فتح کرکے وہاں اسلامی احکام جاری کردیتا تو وہ علاقہ دارالاسلام بن جاتا ہے جبکہ اس سے متصل باقی علاقے جو کفار کے قبضہ میں بدستور ابھی تک موجود ہیں وہ پہلے کی طرح دارالحرب ہیں، یا ان کو سمجھ آتی کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اگر صحیح ہو تو پھر دنیا بھر میں کوئی بھی دارکفر اس وقت تک دارالحرب نہ کہلائے جب تک ان میں اور دارالاسلام میں سمندروں اور بیابانوں کا فاصلہ نہ ہو، حالانکہ کوئی بھی دارالحرب کے اس معنٰی کا قائل نہیں ہے، یہ اس لئے کہ جب آپ کسی ملک کو دارالحرب کہیں گے تو ہم استفسار کریں گے کہ اس کے ارگرد کن ملکوں کا احاطہ ہے اگر کوئی بھی ان میں سے دارالاسلام ہو تو پہلا ملک (دارالحرب) بھی دارالاسلام قرار پائے کیونکہ وہ اتصال جو دارالحرب کا معیار ہے وہ نہ پایا گیا، ورنہ اگر ارد گرد اسلامی ملک نہ ہو تو پھر ہم اس سے ملنے والے دوسرے ملک کی بابت معلوم کریں گے حتی کہ ملتے ملاتے کوئی دارالاسلام پایا گیا تو یہ درمیان والے تمام ملک دارالاسلام ہوجائیں گے کیونکہ ان ملکوں کا آپس میں ایک دوسرے سے اتصال ہوگیا ہے، یا پھر یہ تسلیم کیا جائے کہ اس جہت میں کرہ ارض میں کوئی بھی دارالاسلام نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ دارالحرب کے اس میعاد والے قول کا فساد واضح ہے جس میں کچھ بھی خفاء نہیں ہے، اس کی بنیاد یہ فاسد قیاس ہے کہ امام صاحب کے نزدیک کسی دارالاسلام کے دارالحرب بننے کے لئے یہ شرط ہے کہ چاروں اطراف سے وہ ملک دارالاسلام میں گھرا ہوا نہ ہو کیونکہ اگر وہ

www.dawateislami.net

البلدۃ عن دارالاسلام فزعم ان شرط الحربیۃ ان تکون محاطۃ بدارالحرب من جمیع الجوانب وما افسدہ من قیاس کما لایخفٰی عما افادالناس۔	گھراہوا ہوتواس دارالحرب میں کفار کا غلبہ معرض سقوط میں رہے گا تو یوں وہ دارالاسلام سے خارج نہ رہے گا، لہٰذا انہوں نے خیال کرلیا کہ کسی ملک کے حربی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ چاروں طرف سے حربی ملکوں میں گھرا ہوا ہو، یہ قیاس نہایت ہی فاسد ہے جو عوام الناس کے لئے بھی مخفی نہیں۔ (ت)

الحاصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں عجب ان سے جو تحلیل ربٰو کے لئے (جس کی حرمت نصوص قاطعہ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد) اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں گویا یہ بلاد اسی دن کے لئے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اڑایئے اور بآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمایئے استغفراللہ، اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ[1] (میں اللہ تعالٰی سے مغفرت چاہتا ہوں، تو کیا بعض کتاب پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ ت) اللہ سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے سود کھانیوالے قیامت کو آسیب زدہ کی طرح اٹھیں گے[2] یعنی مجنونانہ گرتے پڑتے بدحواس۔ اور حضور پرنور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میں نے کچھ لوگ ملاحظہ فرمائے کہ پیٹ ان کے پھول کر مکانوں کے برابر ہوگئے ہیں اور مثل شیشہ کے ہیں کہ اندر کی چیز نظر آتی ہے سانپ بچھو ان میں بھرے ہیں، میں نے دریافت کیا یہ کون لوگ ہیں؟ جبریل نے عرض کیا: سود کھانے والے[3]۔ جب تحریم ربٰو کی آیت نازل ہوئی بعض مسلمانوں نے کہا: جو سود ہمارا نزولِ آیت سے پہلے کا رہ گیا ہے وہ لے لیں آئندہ باز رہیں گے۔ حکم آیا اگر نہیں مانتے تو اعلان کردو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔[4] سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود خور پر لعنت کی۔[5]

مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سود خور پر لعنت فرماتے سنا[6]، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کے ستر ٹکڑے ہیں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے[7]۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

[5] صحیح مسلم باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[6] مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۱/ ۱۵۸

[7] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵ و مشکوٰۃ المصابیح باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۴۶

دیکھو اول ان کے اقوال خبیثہ یاد فرماکر آخر ان کے شرک سے اپنی نزاہت و تبری بیان فرمائی تو معلوم ہوا کہ قائلین بنوت مشرکین ہیں مگر ظاہر الروایۃ میں ان پر علی الاطلاق حکم کتابیت دیا اور ان کے ذبائح ونساء کو حلال ٹھہرایا، درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیۃ وان کرہ تنزیھا مؤمنۃ بنبی مرسل مقرۃ بکتاب منزل وان اعتقدوا المسیح الٰھا وکذا حل ذبیحتھم علی المذھب بحر انتھی[1]۔	کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے بشرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگرچہ عمومی طور پر وہ نصاری عیسٰی علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں حلال ہے، بحر، اھ۔(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے:

وحاصلہ ان المذھب الاطلاق لما ذکرہ شمس الائمۃ فی المبسوط من ان ذبیحۃ النصرانی حلال مطلقًا، سواء قال بثالث ثلثۃ اولا، لاطلاق الکتاب ھنا وھو الدلیل ورجحہ فی فتح القدیر الخ[2]۔	حاصل یہ ہے کہ مذہب میں اطلاق ہے کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں یہ ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقًا حلال ہے وہ عیسٰی علیہ السلام کے متعلق ثالث ثلٰثہ کا قول کریں یا نہ کریں کیونکہ کتاب اللہ کا یہاں اطلاق ہے اور یہی دلیل ہے، اس کو فتح القدیر میں ترجیح دی ہے الخ(ت)

مستصفٰی میں عبارت مذکورہ کے بعد مبسوط سے ہے:

لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل و التزوج انتھی[3]۔	لیکن دلائل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب قول ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے انتہی۔(ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

مقتضی الدلائل الجواز کما ذکرہ التمر تاشی فی فتاواہ الخ[4]۔	دلائل کا مقتضٰی یہی ہے کہ جائز ہے جیسا کہ اسے تمرتاشی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے الخ(ت)

---

[1] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[2] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[3] فتح القدیر بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲

اور ایک حدیث میں آیا: سود کا ایک درم دانستہ کھانا ایسا ہے جیسا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کرنا[1]۔ **اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔**

جواب سوال دوم

نصارٰی باعتبار حقیقت لغویہ انجاکہ قیام مبدء مستلزم صدق مشتق ہے بلاشبہہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبنوت ہیں اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالٰی نے کتب آسمانی کا اجلال فرماکر یہود ونصارٰی کے احکام کو احکامِ مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء وذبائح کو حلال ومباح ٹھہرایا آیا نصارٰی زمانہ بھی کہ الوہیتِ عبداللہ مسیح بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ الوہیت بندہ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاً یہی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کی نساء سے تزوّج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔ کلماتِ علماءِ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اس بارے میں مختلف، بہت مشائخ نے قولِ اخیر کی طرف میل فرمایا، بعض علماء نے تصریح کی کہ اسی پر فتوی ہے، مستصفی میں ہے:

قالواھذا یعنی الحل اذالم یعتقدوا المسیح الٰھا اما اذا اعتقدوہ فلاوفی مبسوط شیخ الاسلام ویجب ان لایأکلوا ذبائح اھل الکتاب اذا اعتقدوان المسیح اللہ وان عزیر اللہ ولا یتزوّجو انساء ھم وقیل علیہ الفتوی[2]۔	علماء نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تب حلال ہوگا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام کو الٰہ نہ مانتے ہوں، لیکن اگر وہ ان کو الٰہ مانتے ہوں تو پھر حلال نہ ہوگا، اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس صورت میں نہ کھائیں جب وہ مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں اور اندریں صورت ان کی عورتوں سے نکاح بھی نہ کریں، اسی پر فتوی کہا گیا ہے۔ (ت)

ان علماء کا استدلال آیہ کریمہ "**وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ**" یہود نے کہا عزیر ابن اللہ اور نصارٰی نے کہا مسیح ابن اللہ۔ت) سے ہے کہ اس کے آخر میں ارشاد پایا **سبحٰنہ وتعالٰی** "**سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ**" [3] (وہ پاک ذات ہے اور جو انہوں نے اس کا شریک بنایا اللہ تعالٰی اس سے بلند وبالا ہے۔ت)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح مجتبائی دہلی ص ۲۴۶ و مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۵/ ۲۲۵ والترغیب والترہیب، مصر ۳/ ۷

[2] فتح القدیر بحوالہ المستصفی کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۱

ردالمحتار میں ہے:

فی المعراج ان اشتراط ماذکر فی النصارٰی مخالف لعامۃ الروایات[1]۔	معراج میں ہے کہ نصارٰی کے مذکورہ شرائط عام روایات کے مخالف ہیں۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق مولٰنا کمال الملۃ والدین محمد بن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں اس مذہب کی ترجیح اور دلیل مذکور مذہب اول کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

مطلق لفظ المشرك اذاذکر فی لسان الشارع لا ینصرف الی اھل الکتاب وان صح لغۃ فی طائفۃ بل طوائف واطلق لفظ الفعل اعنی یشرکون علی فعلھم کما ان من رأی بعلمه من المسلمین فلم یعمل الالاجل زید یصح فی حقه انه مشرك لغۃ ولایتبادر عند اطلاق الشارع لفظ المشرك ارادته لما عھد من ارادته به من عبد مع اللہ غیرہ ممن لایدعی اتباع نبی وکتاب ولذلك عطفھم علیه فی قوله تعالٰی لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین ونص علی حلھم بقوله تعالٰی والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم ای العفائف منھم[2] الٰی اٰخر ما اطال واطاب کما ھودابه رحمه اللہ تعالٰی۔	لفظ مشرک جب مطلق ذکر کیا جائے تو شرعی اصطلاح میں اہل کتاب کو شامل نہ ہوگا اگرچہ لغت کے لحاظ سے اہل کتاب کے کسی گروہ یا کئی گروہوں پر اس کا اطلاق صحیح ہے، اہل کتاب کے فعل پر صیغہ "یشرکون" کا اطلاق ایسے ہے جیسے کسی مسلمان ریاکار کے اس عمل پر جس کو مثلاً زید کی خوشنودی کے لئے کررہا ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ لغت کے لحاظ سے مشرک ہے، شرعی اصطلاح میں مطلقاً لفظ مشرک کا استعمال صرف اس شخص کے لئے متبادر ہوتا ہے، جو کسی نبی اور کتاب کی اتباع کے دعوی کے بغیر اللہ تعالٰی کی عبادت میں غیر کو شریک کرے اسی لئے اہل کتاب پر مشرکین کا عطف اللہ تعالٰی کے اس قول "لم یکن الذین کفروا من اھل الکتٰب والمشرکین منفکین" میں کیا گیا ہے اور اللہ تعالٰی کے اس قول "والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب" میں کتابیہ عورتوں کے حلال ہونے پر صراحتًا نص فرمائی گئی ہے یعنی اہل کتاب کی عفیف عورتیں حلال ہیں، ابن ہمام کے طویل اور طیب قول کے آخر تک، جیسا کہ ان کی عادت ہے، اللہ تعالٰی ان پر رحمت فرمائے۔ (ت)

بالجملہ محققین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ یہود و نصارٰی مطلقاً اہل کتاب ہیں اور ان پر احکام مشرکین جاری نہیں

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

[2] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

اقول: وکیف لاوقد علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی انھم یقولون بثالث ثلثۃ حتی نہاھم عن ذٰلك وقال "اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ"[1] وان ھم یقولون ان المسیح الٰہ حتی قال "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ"[2] بل بالوھیۃ امہ ایضاحتی یسألہ علیہ الصلٰوۃ والسلام یوم القیٰمۃ یعیسٰی "یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ"[3] وانھم مصرحون بالبنوۃ حتی نقل عنھم "وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ"[4] ومع ذٰلك فرق بینھم وبین المشرکین فقال "وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"[5]، وقال "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ"[6] وقال "لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ"[7] فارشد بالعطف الی التغایر فالمولی سبحٰنہ وتعالٰی

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ کیسے مراد نہ ہو جبکہ اللہ تعالٰی علیم ہے کہ نصارٰی ثالث ثلثہ کہتے ہیں حتی کہ ان کو اس سے منع بھی فرمایا اور فرمایا اس سے باز آؤ تمہارے لئے بہتر ہے اور وہ علیم ہے کہ نصارٰی کہتے ہیں مسیح الٰہ ہے، حتی کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ" بلکہ وہ ان کی والدہ کو بھی الٰہ کہتے ہیں، حتی کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی عیسٰی علیہ السلام سے سوال فرمائے گا "یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" اور وہ علیم ہے کہ یہ لوگ عیسٰی علیہ السلام کے بیٹا ہونے کی تصریح کرتے ہیں حتی کہ ان سے نقل فرمایا "وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ" اس کے باوجود اللہ تعالٰی نے اہلِ کتاب اور مشرکین میں فرق بیان فرمایا، اور ارشاد فرمایا: تمہارے لئے حلال ہیں پارساعورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی، اور فرمایا جن کو کتاب دی گئی (اہلِ کتاب) ان کا طعام تمہارے لئے حلال ہے جس کو یوں فرمایا "طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ" اور فرمایا "لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۙ" واضح دلیل آنے تک کافر لوگوں میں سے اہل کتاب اور مشرک

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۱
[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۷و۷۲
[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۶
[4] القرآن الکریم ۹/ ۳۰
[5] القرآن الکریم ۵/ ۵
[6] القرآن الکریم ۵/ ۵
[7] القرآن الکریم ۹۸/ ۱

اعلم بمذاهبهم واعلم بما یشرع من الاحکام فله الحکم وله الحجة السامیة لااله الاهو "سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ﴿۱۸﴾"[1] حتی ترقی بعض المشائخ فجوز نکاح الصائبات ایضًا ان کن یدن بکتاب منزل ویؤمن بنبی مرسل وان عبدن الکواکب وصرح انها لاتخرجهم عن الکتابیة وهو الذی یعطیه ظاهر کلام الامام المحقق برهان الملة والدین المرغینانی فی الهدایة حیث رتب عدم حل النکاح علی امرین عبادة الکواکب وعدم الکتاب وتبعه العلامة ابوعبدالله محمد بن عبدالله الغزی فی التنویر فقال لاعبادة کوکب لاکتاب لها[2] فاشار بمفهوم المخالف الی انها ان کان لها کتاب حل نکاحها مع عبادتها الکواکب۔ **فان قلت** الیس قد تکلم فیه المولی زین بن نجیم فی البحر فقال الصحیح انهم ان کانوا یعبدونها یعنی الکواکب	جدا نہ ہوں گے، تو اس آیۂ کریمہ میں دونوں میں عطف کے ذریعہ تغایر کی رہنمائی فرمائی، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کے مذاہب کو بہتر جانتا ہے اور احکام کی مشروعیت کو بہتر جانتا ہے، تو حکم اسی کا ہے اور بلند وبالا حجت اسی کی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور جس کو انہوں نے شریک بنایا اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبالا ہے اور بعض مشائخ نے اسی پر ترقی کرتے ہوئے صابی عورتوں سے نکاح کو بھی جائز قرار دیا بشرطیکہ وہ کسی دین کی آسمانی کتاب اور کسی نبی پر ایمان رکھتی ہوں اگرچہ وہ ستاروں کی پجاری ہوں اور انہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ ستاروں کی پوجا ان کو کتابیہ ہونے سے خارج نہیں کرتی، یہ وہ نظریہ ہے جو امام محقق برہان الملت والدین مرغینانی کی کتاب ہدایہ کے ظاہر کلام سے ملتا ہے، جہاں انہوں نے نکاح کے عدمِ جواز کو دو چیزوں پر مرتب کیا ایک ستاروں کی پوجا اور دوسری کتاب کا نہ ہونا، اور اس کی علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی نے تنویر میں اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ ستاروں کی پوجا نہ کرتی ہو اور اس کی کتاب بھی نہ ہو۔ تو اس عبارت کے مفہوم مخالف سے یہ اشارہ دیا کہ اگر اس کی کتاب ہو تو نکاح جائز ہے اگرچہ وہ ستاروں کی پوجا کرتی ہو۔ **اگر تیرا اعتراض ہو** کہ اس مسئلہ میں مولانا زین نجیم نے کیا گفتگو کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

حقیقة فلیسوا اھل الکتاب وان کانوایعظمونھا کتعظیم المسلمین للکعبة فھم اھل الکتاب کذافی المجتبٰی[1] انتھی فیستفاد منه ان الصحیح مباینة الکتابیة لعبادة غیرالله سبحانه وتعالٰی فلایجتمعان ابداوحِ یتجه ماماال الیه کثیر من المشائخ فی حق اولٰئك الیھود والنصارٰی انھم مشرکون حقاحتی قیل ان علیه الفتوی قلت وبالله التوفیق ھٰھنا فرق دقیق ھوان قضیة العقل ھی المباینة القطعیة بین الکتابیة وعبادة غیرالله سبحانه وتعالٰی فانھا ھی الشرك حقا والکتابی غیر مشرك عند الشرع فکل من رأیناہ یعبد غیرالحق جل وعلا حکمنا علیه انه مشرك قطعا وان کان یقر بکتب وانبیاء علیھم الصلٰوة والسلام ولکنا خالفناہ ھذہ القضیة فی الیھود والنصارٰی بحکم النص فانا وجدنا القراٰن العظیم یحکی عنھم مایحکی من العقائد الخبیثة ثم یحکم علیھم بان ھم اھل الکتاب ویمیزھم عن المشرکین فوجب التسلیم لورود النص بخلاف الصابئة اذ	کہ اگر یہ لوگ حقیقۃً ستاروں کی عبادت کرتے ہوں تو یہ اہل کتاب نہ ہوں گے اور اگر وہ صرف ستاروں کی تعظیم کرتے ہیں جیسا کہ مسلمان کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں تو پھر یہ اہل کتاب ہیں، مجتبٰی میں یونہی ہے اھ، تو اس بیان کا مفاد یہ ہے کہ کتابیہ اور غیر اللہ کی عبادت والی، ایک دوسرے سے الگ ہیں دونوں کا اجتماع نہیں ہوسکتا تو اب اس سے بہت سے مشائخ کا ان یہود ونصارٰی کے متعلق یہ نظریہ قابل توجہ قرار پایا کہ یہ لوگ حقیقی مشرک ہیں حتی کہ بعض نے اسی پر فتوٰی کا قول کیا ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی کی توفیق سے، کہ یہاں ایک باریک فرق ہے وہ یہ کہ عقل کا تقاضا یہی ہے کہ کتابیہ اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والی عورت ایک دوسرے سے قطعًا جدا ہیں، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت قطعًا شرک ہے جبکہ شرعًا کتابیہ غیر مشرک ہے لہٰذا جس کو بھی غیر اللہ کی عبادت کرنے والا پائیں گے اس کو قطعًا مشرک کہیں گے اگرچہ وہ کتب اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کا اقرار کرے لیکن ہم نے اس عقلی کلیہ کا خلاف یہود ونصارٰی میں نص کے حکم پر مانا ہے کہ ہم نے قرآن کو ان کے عقائد خبیثہ کی حکایت کرنے کے باوجود یہ حکم کرتے ہوئے پایا کہ یہ اہل کتاب ہیں، اور یہ کہ قرآن ان میں اور مشرکین میں امتیاز بھی کرتا ہے لہٰذا نص کے وارد ہونے پر اسکو تسلیم کرنا واجب ہے، بخلاف صابیہ عورت کے کہ اس کے

[1] بحرالرائق کتاب النکاح فصل فی المحرمات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۴

لم یرد فیھم مثل ذٰلك فلم یجز قیاسھم علٰی ھٰؤلاء ولاالخروج عن قضیة العقل فی بابھم، والحاصل ان کتابیة القائلین بالبنوة والوھیة الغیر من الیھود والنصارٰی واردة فیما احسب علی خلاف القیاس فیقصر علی المورد، وبھذا تبین ان ماقاله ذٰلك البعض من المشایخ ان عبادة الکواکب لاتخرج الصابئة عن الکتابیة قول مھجور وان کلام الھدایة والتنویر غیرمحمول علی ظاھرہ وان الحق مع العلامة صاحب البحر فی تصحیحه اشراکھم ان کانوا یعبدون الکواکب وانه لاتنافی بین تصحیحة ھذا وقوله سابقًا فی اولئك الیھود والنصارٰی ان المذھب الاطلاق وان قالوا بثالث ثلثة وبه ظھران انتصار العلامة عمر بن نجیم فی النھر والمولٰی محمد بن عابدین فی ردالمحتار لذلك البعض من المشایخ بان مامرمن حل النصرانیة وان اعتقدت المسیح الٰھا یؤید قول بعض المشایخ[1] انتھی مبنی علی الذھول عن ھذا الفرق فاغتنم تحریر ھذاالمقام فقد زلت فیه اقدام و الحمدللہ ولی الانعام۔	متعلق ایسی کوئی نص نہیں ہے اس لئے صابی لوگوں کو ان یہود ونصارٰی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کے بارے میں عقلی کلیہ کو ترک کیا جائے گا، خلاصہ یہ کہ یہود ونصارٰی کتابی لوگ جو بنوت کے قائل ہونے کے باوجود غیر اللہ کی الوہیت کے قائل ہیں کو اہل کتاب ماننا میرے خیال میں خلافِ قیاس ہے لہٰذا یہ حکم اپنے مورد میں ہی محفوظ رہے گا جس پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس سے ان بعض مشائخ کا یہ نظریہ کہ ستاروں کی پوجا صابیہ عورت کو کتابیہ سے جدا نہیں کرتی، واضح طور پر متروک قرار پاتا ہے اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ ہدایہ اور تنویر کا کلام ظاہری معنٰی پر محمول نہیں ہے، اور صاحب بحر کا کلام حق ہے کہ صابی لوگ اگر ستاروں کی پوجا کرتے ہیں تو وہ مشرک ہیں جس کی انہوں نے تصحیح کی ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ بحر کی اس تصحیح اور اسکے پہلے قول کہ یہود ونصارٰی کا اہل کتاب ہونا علی الاطلاق مذہب ہے اگرچہ وہ ثالث ثلٰثہ کے قائل ہیں میں منافات نہیں ہے اور اسی سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علامہ عمر ابن نجیم کا نہر میں اور علامہ محمد بن عابدین کا ردالمحتار میں مذکور بیان کہ نصرانی عورت اگرچہ مسیح علیہ السلام کو الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے تب بھی اس سے نکاح حلال ہے کو ان بعض مشائخ کی تائید ماننا الخ اس فرق سے ذہول پر مبنی ہے، اس تحریر کو غنیمت سمجھو، کیونکہ اس میں بہت سے قدم پھسلے ہیں، نعمتوں کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہی حمد ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۹۰

مگر تاہم جبکہ علماء کا اختلاف ہے اور اس قول پر فتوٰی بھی منقول ہو چکا تو احتیاط اسی میں ہے کہ نصارٰی کی نساء وذبائح سے احتراز کرے، اور آج کل بعض یہود بھی ایسے پائے جاتے ہوں جو عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کی ابنیت مانیں تو ان کے زن وذبیحہ سے بھی بچنا لازم جانیں کہ ایسی جگہ اختلاف ائمہ میں پڑنا محتاط آدمی کا کام نہیں، اگر فی الواقع یہ یہود و نصارٰی عنداللہ کتابی ہوئے تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کے تناول میں ہمارے لئے کوئی نفع نہیں، نہ شرعًا ہم پر لازم کیا گیا، نہ بحمد اللہ ہمیں اس کی ضرورت بلکہ برتقدیر کتابیت بھی علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بے ضرورت احتراز چاہئے،

فی الفتح القدیر یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل ولایأکل ذبیحتھم الاللضرورۃ الخ[1]	فتح القدیر میں ہے کتابیات سے نکاح جائز ہے، اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور نہ ہی ان کا ذبیحہ بغیر ضرورت کھایا جائے الخ (ت)

اور اگر انہیں علماء کا مذہب حق ہوا اور یہ لوگ بوجہ اعتقادوں کے عنداللہ مشرک ٹھہرے تو پھر زنائے محض ہوگا اور ذبیحہ حرام مطلق والعیاذ باللہ تعالٰی، تو عاقل کا کام نہیں کہ ایسا فعل اختیار کرے جس کی ایک جانب نامحمود ہو اور دوسری جانب حرام قطعی، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ ایسا ہی گمان کرتا تھا یہاں تک کہ بتوفیق الٰہی مجمع الانہر میں اسی مضمون کی تصریح دیکھی،

حیث قال فعلی ھذا یلزم علی الحکام فی دیارنا ان یمنعوھم من الذبح لان النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحھم اللہ تعالٰی وعدم الضرورۃ متحقق والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی عند عدم الضرورۃ[2] انتھی، واللہ تعالٰی سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ اس بناء پر ہمارے ملک کے حکام پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو نصارٰی کے ذبیحہ سے منع کریں کیونکہ ہمارے زمانہ کے نصارٰی عیسٰی علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی تصریح کرتے ہیں، جبکہ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے تو احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو حرمت والی جانب اپنانا بہتر ہے جبکہ ضرورت نہیں ہے اھ، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

جواب سوال سوم

فی الواقع جو بدعتی ضروریاتِ دین میں سے کسی شیئ کا منکر ہو باجماعِ مسلمین یقینا قطعًا کافر ہے اگرچہ کروڑ بار کلمہ پڑھے، پیشانی اس کی سجدے میں ایک ورق ہوجائے، بدن اس کا روزوں میں ایک خاکہ رہ جائے، عمر میں ہزار حج کرے، لاکھ پہاڑ سونے کے راہِ خدا پر دے، واللہ ہرگز ہرگز کچھ مقبول نہیں تک حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان تمام ضروری باتوں میں جو وہ اپنے رب کے پاس سے لائے تصدیق نہ کرے، ضروریات اسلام اگر مثلًا ہزار ہیں تو ان میں سے ایک کا بھی انکار ایسا ہے جیسا نوسو ننانوے ۹۹۹ کا، آج کل جس طرح بعض بددینوں نے یہ روش نکالی ہے کہ بات بات پر کفروشرک کا اطلاق کرتے ہیں اور مسلمان کو دائرہ اسلام سے خارج کہتے ہوئے مطلق نہیں ڈرتے حالانکہ مصطفٰی علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء ارشاد فرماتے ہیں: **فقد باء به احدھما**[1] (ان دونوں میں سے ایک نے یہ حکم اپنے اوپر لاگو کیا۔ت) یونہی بعض مداہنوں پر یہ بلاٹوٹی ہے کہ ایک دشمن خدا سے صریح کلمات توہین آقائے عالمیان حضور پرنور سید المرسلین الکرام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا اور ضروریاتِ دین کا انکار سنتے جائیں اور اسے سچا پکا مسلمان بلکہ ان میں کسی کو افضل العلماء کسی کو امام الاولیاء مانتے جائیں یہ نہیں جانتے یا جانتے ہیں اور نہیں مانتے کہ اگر انکارِ ضروریات بھی کفر نہیں، تو عزیزو! بت پرستی میں کیا زہر گھل گیا ہے، وہ بھی آخر اسی لئے کفر ٹھہری کہ اول ضروریاتِ دین یعنی توحیدِ الٰہی جل وعلا کے خلاف ہے، کہتے ہیں وہ کلمہ گو ہے نماز پڑھتا ہے روزے رکھتا ہے ایسے ایسے مجاہدے کرتا ہے ہم کیونکر اسے کافر کہیں ان لوگوں کے سامنے اگر کوئی کلمہ پڑھے افعالِ اسلام ادا کرے باایںہمہ دو[2] خدا مانے شاید جب بھی کافر نہ کہیں گے مگر اس قدر نہیں جانتے کہ اعمال تو تابع ایمان ہیں پہلے ایمان تو ثابت کرلو تو اعمال سے احتجاج کرو۔ ابلیس کے برابر تو یہ مجاہدے کاہے کو ہوئے پھر اس کے کیا کام آئے جو ان کے کام آئیں گے، آخر حضور اقدس اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قوم کی کثرت اعمال اس درجہ بیان فرمائی کہ:

تحقرون صلٰوتکم مع صلٰوتھم وصیامکم مع صیامھم[2] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ان کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھوگے، جیسا کہ یہ حضور علیہ والسلام نے فرمایا ہے (ت)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب من رایا بقرأۃ القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

پھر ان کے دین کا بیان فرمایا کہ:

یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ[1]۔	دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔(ت)

رہی کلمہ گوئی تو مجرد زبان سے کہنا ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین تو خوب زور و شور سے کلمہ پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے لئے "فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"[2] (جہنم کی نچلی تہہ میں۔ت) کا فرمان ہے **والعیاذ باللہ**۔

الحاصل ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور وہ بعد انکار ضروریات کہاں، مثلاً:

(۱) جو رافضی اس قرآن مجید کو جو بفضلِ الٰہی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہمارے دلوں میں محفوظ ہے، **عیاذًا باللہ** بیاضِ عثمانی بتائے اس کے ایک حرف یا ایک نقطہ کی نسبت صحابہ اہلسنت یا کسی شخص کے گھٹانے یا بڑھانے کا دعوی کرے۔

(۲) یا احتمالاً کہے شاید ایسا ہوا ہو۔

(۳) یا کہے مولیٰ علی یا باقی ائمہ یا کوئی غیر نبی انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں۔

(۴) یا مسئلہ خبیثہ ملعونہ بدل کا قائل ہو یعنی کہے باری تعالیٰ کبھی ایک حکم سے پشیمان ہو کر اسے بدل دیتا ہے۔

(۵) یا کہے ایک وقت تک مصلحت پر اطلاع نہ تھی جب اسے اطلاع ہوئی حکم بدل دیا" تعالی اللہ عما یقول الظّٰلمون علوا کبیرا"۔

(۶) یا دامن عفت مأمن طیب اعطر اطہر کنیز ان بارگاہ طہارت پناہ حضرت ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ علٰی زوجہا الکریم وابیہا وعلیہا وبارک وسلم کے بارے میں اس افک مبغوض مغضوب ملعون کے ساتھ اپنی ناپاک زبان آلودہ کرے۔

(۷) یا کہے احکامِ شریعت حضرات ائمہ طاہرین کو سپرد تھے جو چاہتے راہ نکالتے جو چاہتے بدل ڈالتے۔

(۸) یا کہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی وسلم کے بعد ائمہ طاہرین پر وحیِ شریعت آتی رہی۔

(۹) یا کہے ائمہ سے کوئی شخص حضور پر نور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہم پلہ تھا۔

(۱۰) یا کہے حضرات کریمین امامین شہیدین رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور پر نور علیہ الصلاۃ والسلام سے افضل ہیں کہ ان کی سی ماں حضور کی والدہ کب تھیں اور ان کے سے باپ حضور کے والد کہاں تھے اور ان کے سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب من رایا القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۵

نانا حضور کے نانا کب تھے۔

(۱۱) یا کہے حضرت جناب شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم نے نوح کی کشتی بچائی، ابراہیم پر آگ بجھائی، یوسف کو بادشاہی دی، سلیمان کو عالم پناہی دی علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

(۱۲) یا کہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی کسی وقت کسی جگہ حکمِ الٰہی کی تبلیغ میں **معاذاللہ** تقیہ فرمایا **الٰی غیر ذٰلک من الاقوال الخبیثۃ۔**

(۱) یا جو نجدی وہابی حضور پر نور سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے کوئی مثل آسمان میں یا زمین، طبقات بالا میں یا زیریں میں موجود مانے یا کہے کبھی ہوگا یا شاید ہو یا ہے تو نہیں مگر ہو جائے تو کچھ حرج بھی نہیں۔

(۲) یا حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ختمِ نبوت کا انکار کرے۔

(۳) یا کہے آج تک جو صحابہ تابعین **خاتم النبیین** کے معنے **آخر النبیین** سمجھتے رہے خطا پر تھے نہ پچھلا نبی ہونا حضور کے لئے کوئی کمال بلکہ اس کے معنے یہ ہیں جو میں سمجھا۔

(۴) یا کہے میں ذمہ کرتا ہوں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبوت پائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۵) یا دو ایک برے نام ذکر کرکے کہے نماز میں جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا فلاں فلاں کے تصور میں ڈوب جانے سے بدتر ہے **لعنۃ اللہ علی مقالتہ الخبیثۃ۔**

(۶) یا بوجہ تبلیغ رسالت حضور پر نور محبوب رب العلمین ملک الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس چپراسی سے تشبیہ دے جو فرمان شاہی رعایا کے پاس لایا۔

(۷) یا حضور اقدس مالک و معطی جنت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ اور حضرت مولانا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وحضرت سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے کریمہ طیبہ لکھ کر کہے (خاک بدہانِ گستاخاں) یہ سب جہنم کی راہیں ہیں۔

(۸) یا حضور فریادرس بیکساں حاجت روائے دوجہاں صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے استعانت کو برا کہہ کر یوں ملعون مثال دے کہ جو غلام ایک بادشاہ کا ہو رہا اسے دوسرے بادشاہ سے بھی کام نہیں رہتا پھر کیسے۔۔۔۔۔۔کا کیا ذکر ہے اور یہاں دونا پاک قوموں کے نام لکھے۔

(۹) یا ان کے مزار پر انوار کو فائدہ زیارت میں کسی پادری کافر کی گور سے برابر ٹھہرائے، اشدمقت اللہ علی قومہ۔

(۱۰) یا اس کی خباثت قلبی توہین شان رفیع المکان واجب الاعظام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام پر

باعث ہو کہ حضور کو اپنا بڑا بھائی بتائے،

(۱۱) یا کہے (انکے بد گو) مر کر مٹی میں مل گئے۔

(۱۲) یا ان کی تعریف ایسی ہی کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کم الٰی غیر ذٰلك من الخرافات الملعونۃ۔

(۱) یا کوئی نیچری نئی روشنی کا مدعی کہے باندی غلام بنانا ظلم صریح اور بہائم کا سا کام ہے جس شریعت میں کبھی یہ فعل جائز رہا ہو وہ شریعت منجانب اللہ نہیں۔

(۲) یا معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے انکار کرے، نیل کے شق ہونے کو جوار بھاٹا بتائے، عصا کے اژدہا بن کر حرکت کرنے کو سیماب وغیرہ کا شعبدہ ٹھہرائے۔

(۳) یا مسلمانوں کی جنت کو معاذاللہ رنڈیوں کا چکلہ کہے۔

(۴) یا نارِ جہنم کو الم نفسانی سے تاویل کرے،

(۵) یا وجود ملائکہ علیہم السلام کا منکر ہو،

(۶) یا کہے آسمان ہر بلندی کا نام ہے وہ جسم جسے مسلمان آسمان کہتے ہیں محض باطل ہے،

(۷) یا کہے شیطان (کہ اس کا معلم شفیق ہے) کوئی چیز نہیں فقط قوت بدی کا نام ہے اور قرآن عظیم میں جو قصے آدم وحوا وغیرہما کے موجود ہیں جن سے شیطان کا وجود جسمانی سمجھا جاتا ہے تمثیلی کہانیاں ہیں۔

(۸) یا کہے ہم بانی اسلام کو برا کہے بغیر نہیں رہ سکتے،

(۹) یا نصوص قرآنیہ کو عقل کا تابع بتائے کہ جو بات قرآن عظیم کی قانون نیچری کے مطابق ہو گی مانی جائے ورنہ کفر جلی کے روئے زشت پر پردہ ڈھکنے کو ناپاک تاویلیں کی جائیں گی،

(۱۰) یا کہے نماز میں استقبال قبلہ ضرور نہیں جدھر منہ کرو اسی طرف خدا ہے۔

(۱۱) یا کہے آجکل کے یہود ونصارٰی کافر نہیں کہ انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ نہ پایا نہ حضور کے معجزات دیکھے۔

(۱۲) یا ہاتھ سے کھانا کھانے وغیرہ سنن کے ذکر پر کہے تہذیب نصارٰی نے ایجاد کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض افعال نامہذب تھے۔ اور یہ دونوں کلمے بعض اشقیاء سے فقیر نے خود سنے، الٰی غیر ذٰلك من الاباطیل الشیطانیۃ۔

(۱) یا کوئی جھوٹا صوفی کہے جب بندہ عارف باللہ ہو جاتا ہے تکالیف شرعیہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں یہ باتیں تو خدا تک پہنچنے کی راہ ہیں جو مقصود تک واصل ہو گیا اسے راستہ سے کیا کام۔

(۲) یا کہے یہ رکوع وسجدہ تو مجوبوں کی نماز ہے محبوبوں کو اس نماز کی کیا ضرورت، ہماری نماز ترک وجود ہے۔
(۳) یا یہ نماز روزہ تو عالموں نے انتظام کے لئے بنالیا ہے،
(۴) یا جتنے عالم ہیں سب پنڈت ہیں عالم وہی ہے جو انبیاء بنی اسرائیل کی مثل معجزے دکھائے، یہ بات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حاصل ہوئی وہ بھی ایک مدت کے بعد مولٰی علی کے سکھانے سے کما سمعتہ من بعض المتھورین علی اللہ (جیسا کہ میں نے خود ایسے لوگوں سے سنا ہے جو اللہ تعالٰی پر جرات کرتے ہیں۔ت)
(۵) یا خدا تک پہنچنے کے لئے اسلام شرط نہیں، بیعت بک جانے کا نام ہے اگر کافر ہمارے ہاتھ پر بک جائے ہم اسے بھی خدا تک پہنچادیں گو وہ اپنے دین خبیث پر رہے۔
(۶) یا رنڈیوں کا ناچ علانیہ دیکھے جب اس پر اعتراض ہو تو کہے یہ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ کما بلغنی عن بعضھم واعترف بہ بعض خلص مریدیہ (جیسا کہ ان کے بعض سے مجھے اطلاع ملی اور اس کے مخلص مرید نے اس کا اعتراف کیا۔ت)
(۷) یا شبانہ روز طبلہ سارنگی میں مشغول رہے جب تحریم مزامیر کی احادیث سنائیں تو کہے یہ مذمتیں تو ان کثیف بے مزہ باجوں کے لئے وارد ہوئیں جو اس وقت عرب میں رائج تھے یہ لطیف نفیس لذیذ باجے جواب ایجاد ہوئے اس زمانے میں ہوتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام سوا ان کے سننے کے ہر گز کوئی کام نہ کرتے۔
(۸) یا کہے:ـ

محمد خدا ہے خدا ہے محمد — بمعنے خدا ہے سراہا گیا ہے
خدا باطن وظاہر ہے محمد — یہ دونوں ہیں ایک ان کو دومت سمجھنا

(۹) یا کہے:ـ

مسیحا سے تری آنکھوں کی سب بیمار اچھے ہیں — اشاروں میں جلادیتے ہیں مردہ یارسول اللہ

(۱۰) یا کہے:ـ

علی مشکلکشا شیر خدا تھا اور حیدر تھا — دو بالا مرتبہ تھا راکبِ دوشِ پیمبر تھا
بربِ کعبہ کب خیبر شکن فرزندِ آزر تھا — بتوں کے توڑنے میں اس سے ابراہیم ہمسر تھا
اگر ہوتا نہ زیر پا کتف شاہ رسولاں کا

(۱۱) یا کہے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ اللہ تعالٰی کے محبوب تھے اور انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام میں

کوئی خدا کا محبوب نہ تھا۔

(۱۲) یا اس کے جلسہ میں لاالٰہ الا اللہ فلاں رسول اللہ اسی مغرور کا نام لے کر کہا جائے اور وہ اس پر راضی ہو جائے۔

یہ سب فرقے بالقطع والیقین کافر مطلق ہیں، ھداھم اللہ تعالٰی الی الصراط المستقیم والالعنھم لعنۃ تبید صغارھم وکبارھم وتزیل عن الاسلام والمسلمین عارھم وعوارھم اٰمین (اللہ تعالٰی ان کو سیدھی راہ کی ہدایت دے ورنہ ان پر لعنت فرمائے ایسی لعنت جو ان کے بڑوں چھوٹوں کو ملیامیٹ کردے اور اسلام اور مسلمانوں سے ان کی عار اور اندھاپن ختم ہوجائے، آمین!۔ت) اور جو شخص ابتداء میں صحیح الاسلام تھا بعدہ ان خرافات کی طرف رجوع کی اس کے مرتد ہونے میں شبہہ نہیں، اس قدر پر تو اجماع قطعی قائم ہے، اب رہی تحقیق اس بات کی کہ ان میں جو شخص قدیم سے ایسے ہی عقائد پر ہو اور بچپن سے یہی کفریات سیکھے جیسے وہ مبتدعین جن کے باپ دادا سے یہی مذاہب مکفرہ چلے آتے ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہونا چاہئے کہ کفار چند قسم ہیں کچھ ایسے کہ باوجود کفر شرع مطہر نے ان کی عورتوں سے نکاح اور ذبائح کا تناول جائز فرمایا وہ کتابی ہیں اور بعض وہ جن کے نساء وذبائح حرام، مگر ان سے جزیہ لینا، مناسب ہو تو صلح کرنا غلبہ پائیں تو رفیق بنانا جائز ہے اور انہیں خواہی نخواہی اسلام پر جبر نہ کریں گے، وہ مشرکین ہیں، اور بعض ایسے جن کے ساتھ یہ سب باتیں ناجائز، وہ مرتدین ہیں، آیا ان ہمیشہ کے بعد عتی کفار مدعیان اسلام پر کس قسم کے حکم جاری ہوں، مطالعہ کتب فقہ سے اس بارہ میں چار قول مستفاد ہوتے ہیں جن کی تفصیل فقیر نے رسالہ مقالۃ المفسرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ میں بمالامزید علیہ کی، ان میں مذہب صحیح ومعتمد علیہ یہی ہے کہ یہ مبتدعین بحکم شرع مطلقاً مرتدین ہیں خواہ یہ بدعت ان کے باپ دادا سے چلی آتی ہو یا خود انہوں نے ابتداء سے اختیار کی ہو خواہ بعد ایک زمانہ کے ہو کسی طرح فرق نہیں، بس اتنا چاہئے کہ باوجود دعوی اسلام واقرار شہادتین بعض ضروریات دین سے انکار رکھتا ہو اس پر احکامِ مرتدین جاری کیے جائیں گے۔ عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبتناسخ الارواح وبانتقال روح الالٰہ الی الائمۃ وبقولھم فی خروج امام باطن وبتعطیلھم الامر والنھی الی ان یخرج الامام الباطن وبقولھم ان جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام غلط فی الوحی الی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دون علی بن ابی طالب	رافضیوں کی ان باتوں پر کہ "مردے دوبارہ دنیا میں آئیں گے، روح دوسرے جسموں میں آئیں گے، اللہ تعالٰی کی روح ائمہ اہلبیت میں منتقل ہوئی ہے، امام باطن خروج کریں گے، امام باطن کے خروج تک امر و نہی احکام معطل رہیں گے، جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت علی کے مقابلہ میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر وحی لانے میں غلطی ہوئی ہے" ان کی تکفیر ضروری ہے، یہ لوگ ملتِ اسلامیہ سے خارج

رضی اللہ تعالٰی عنه وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذافی الظھیریة[1]۔	ہیں، اور ان کے احکام مرتدین جیسے ہوں گے، ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔

خود علامہ شامی علیہ الرحمۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں مؤلفِ فتاوٰی علامہ حامد آفندی عمادی سے نقل کرتے ہیں انہوں نے شیخ الاسلام عبداللہ آفندی کے مجموعہ میں علامۃ الورٰی نوح آفندی علیہ الرحمۃ کا فتوٰی دیکھا جس میں ان سے تکفیر روافض کے بارے میں سوال ہوا تھا علامہ ان کے کلمات کفریہ لکھ کر فرماتے ہیں:

ثبت التواتر قطعًا عند الخواص والعوام المسلمین ان ھذہ القبائح مجتمعة فی ھٰؤلاء الضالین المضلین فمن اتصف بواحد من ھذہ الامور فھو کافر (الی ان قال) ولایجوز ترکھم علیه باعطاء الجزیة ولابامان مؤید نص علیه قاضی خاں فی فتاواہ ویجوز استرقاق نساء ھم لان استرقاق المرتدة بعد مالحقت بدار الحرب جائز الخ[2] ملتقطا۔	خواص و عوام مسلمانوں میں یہ بات تواتر سے چلی آرہی ہے کہ مذکور قباحتیں ان گمراہ لوگوں میں جمع ہیں جبکہ ان قباحتوں میں سے کسی ایک سے متصف ہونے والا کافر ہے، (آگے یہاں تک فرمایا) کہ جزیہ کے بدلے یا امان دے کر ان لوگوں کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی، اس پر قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں تصریح کی ہے اور ان کی عورتوں کو لونڈیاں بنانا جائز ہوگا کیونکہ مرتدہ عورت جب دارالحرب چلی جائے تو اس کے بعد اس کو لونڈی بنانا جائز ہے الخ اھ ملتقطا (ت)

فتاوٰی علامہ قاضی خاں میں شیخ امام ابوبکر محمد بن الفضل علیہ الرحمۃ سے دربارہ مبیض ومبیضہ کے اول زن و شوہر تھے پھر دونوں مسمان ہوئے عورت نے اور مسلمان سے نکاح کرلیا منقول:

ان کانا یظھران الکفرا واحدھما کانا بمنزلة المرتدین لم یصح نکاحھما ویصح نکاح المرأة مع الثانی[3] انتھی باختصار۔	مرد و عورت دونوں یا ان میں سے ایک جب کفر کا اظہار کرے تو ان کا حکم مرتدوں والا ہوگا، ان کا نکاح ختم ہوجائیگا اور وہ عورت دوسرے کے لئے حلال ہوگی، اھ، مختصرا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیة الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة باب الردة والتعزیر قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۴-۱۰۵

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب فی المحرمات نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۷

امام علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی سے نقل فرماتے ہیں:

انهم علی رای من کفرهم بالتاویل لاتحل مناکحتهم ولااکل ذبائحهم ولاالصلوٰة علی میتهم ویختلف فی موارثتهم علی الخلاف فی میراث المرتد[1]۔	جن لوگوں نے ان کی تکفیر کی ہے ان کی رائے میں ان سے نکاح کرنا، ان کا ذبیحہ کھانا، ان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے اور ان کی وراثت میں وہی اختلاف ہوگا جو مرتد کی وراثت میں ہے۔(ت)

ان عبارات سے ظاہر ہولیا کہ ان مبتدعین منکرین ضروریاتِ دین پر حکم مرتدین جاری ہونا ہی منقول و مقبول بلکہ مذاہب اربعہ کا مفتٰی بہ ہے۔ بالجملہ ان اعداء اللہ پر حکمِ ارتداد ہی جاری کیا جائے گا، نہ ان سے سلطنت اسلام میں معاہدہ دائمہ جائز نہ ہمیشہ کو امان دینا جائز، نہ جزیہ لینا جائز نہ کسی وقت کسی حالت میں ان سے ربط رکھنا جائز، نہ پاس بیٹھنا جائز نہ بٹھانا جائز، نہ ان کے کسی کام میں شریک ہونا جائز نہ اپنے کام میں شریک کرنا جائز، نہ مناکحت کرنا جائز نہ ذبیحہ کھانا جائز۔

قاتلهم الله انّی یؤفکون قال الله تعالٰی "وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی ان کو ہلاک کرے یہ کدھر جارہے ہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا جو تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا وہ انہی میں سے ہے۔(ت)
هدٰنا الله تعالٰی الی الصراط المستقیم ودین هذا النبی الکریم علیه افضل الصلوٰة والتسلیم وثبتنا بالقول الثابت فی الدنیا والاٰخرة انه ولی ذٰلك واهل التقوٰی واهل المغفرة لااله الاهو "سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾" والله تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت کرے اور اس آخری نبی علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے دین پر چلائے، اور دنیا وآخرت میں ایمان کامل پر چلائے اور دنیا وآخرت میں ایمان کامل پر ثابت قدم رکھے۔ اللہ تعالٰی اس کا مالک ہے اے تقوی والو اور مغفرت والو! اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک وبلند ہے کسی شریک سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

عبدہ المذنب احمد رضا

کتـــــــــــــــــــــــــــــبہ

عفی عنہ بمحمدن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] الشفاء للقاضی عیاض فصل فی تحقیق القول فی کفار المتأولین شرکۃ صحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

مسئلہ ۶: از بستی غفران باغ آہو در بہہ نئی آجری

بخدمت حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کیافرماتے ہیں علمائے دین موجودہ اسلامی حالت کا خیال کرتے ہوئے اور عام علماء کی تقریر متعلق ہجرت کرنے نہ کرنے کے سنتے ہوئے طبیعت پر تذبذب پیدا ہورہاہے کہ مجھ کو کیا کرنا چاہئے ہجرت کروں یا نہیں؟ اس کے متعلق حضور کا ذاتی خیال کیا ہے؟

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ہجرت دو قسم ہے: عامہ وخاصہ۔ عامہ یہ کہ تمام اہل وطن ترک وطن کرکے چلے جائیں۔ اور خاصہ یہ کہ خاص اشخاص، پہلے ہجرت دارالحرب سے ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کا بیان آیہ کریمہ "اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ"[1] الآیۃ (وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے الآیۃ۔ت) میں ہے، اس سے صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مرد جو نکل نہیں سکتے مستثنٰی ہیں، جس کا ذکر اس کے متصل دوسری آیہ کریمہ "اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ"[2] الآیۃ میں ہے، باقی سب پر فرض ہے جو باوصفِ قدرت دارالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے مستحقِ عذاب ہے، رہا دارالاسلام اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی وبے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی اور ہجرت خاصہ میں تین صورتیں ہیں، اگر کوئی شخص کسی وجہ خاص سے کسی مقام خاص میں اپنے فرائض دینیہ بجانہ لاسکے اور دوسری جگہ ممکن ہو تو اگر یہ خاص اسی مکان میں ہے اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے، اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو تو دوسرے محلّہ میں اٹھ جائے اور اس شہر میں مجبور ہو تو دوسرے شہر میں وعلٰی ہذا القیاس۔ کما بینہ فی مدارك التنزیل واستشھد بحدیث (جیسا کہ مدارک التنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر حدیث مبارکہ سے استشہاد کیا ہے۔ت) دوسرے وہ کہ یہاں اپنے فرائض مذہبی بجالانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں یا باپ یا بیوی یا بچے جن کا نفقہ اس پر فرض ہے وہ نہ جاسکیں گے یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے بے وسیلہ رہ جائیں گے تو اس کو دارالاسلام سے ہجرت کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من	کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۹۸

یقوت[1]۔	اسے ضائع کردے جس کا نفقہ اس کے ذمے تھا(ت)

یا وہ عالم جس سے بڑھ کر اس شہر میں عالم نہ ہو اسے بھی حرام ہے **وقد نص فی البزازیۃ والدر المختار انہ لایجوزلہ السفر الطویل منہا فضلا عن المہاجرۃ**[2] (بزازیہ اور در مختار میں تصریح ہے کہ ایسے آدمی کے لئے طویل سفر جائز نہیں چہ جائیکہ وہ وہاں سے ہجرت کرجائے۔ت) تیسرے وہ کہ نہ فرائض سے عاجز ہے نہ اس کی یہاں حاجت، اسے اختیار ہے رہے یا چلا جائے جو اس کی مصلحت سے ہو، یہ تفصیل دارالاسلام میں ہے، **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ آپ کو ہجرت جائز یا واجب یا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷ تا ۹: از بمبئی نمبر ۲ سنگل روڈ معرفت وائز برادر مسئولہ نذیر احمد خجندی ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) سلطنت اسلامیہ عثمانیہ تباہ وبرباد کی جارہی ہے، اس کے حصے بخرے کرلئے گئے، ایسی حالت میں ہم اہل سنت وجماعت کو اس سلطنت اسلامی سے ہمدردی اور اس کے دشمنوں سے نفرت کرنی چاہئے یا نہیں؟

(۲) اماکن مقدسہ بے حرمت کئے گئے، خصوصًا حرم شریف میں خون بہایا گیا، غلاف کعبۃ اللہ میں آگ لگی، ان بے حرمتی کرنے والوں اور ان افراد سے جو اس بے حرمتی کے باعث ہوئے ہم کو نفرت اور عداوت رکھنی چاہئے یا نہیں؟

(۳) خصوصًا جس قوم نے سلطنت اسلامیہ کو برباد اور اماکن مقدسہ کو بے حرمت کرنے کی کوشش کی ہو وہ دشمن اسلام اور مخالف اللہ تعالٰی ورسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمجھی جائے گی یا نہیں، اور بفحوائے آیہ کریمہ

"**لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ**"[3] **الخ** (تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی الخ۔ت) ہم اہل سنت وجماعت کو ان دشمنان اسلام سے دوستانہ تعلقات ترک کرنے چاہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل دارالفکر بیروت ۲/ ۱۶۰، ۱۹۵، ۱۹۴
المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۱۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

الجواب

ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصح لکل مسلم[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دین اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔(ت)

مگر ہر تکلیف بقدر استطاعت اور ہر فرض بقدرِ قدرت ہے نامقدور بات پر مسلمان کو ابھار نا جو نہ ہوسکے اور ضرر دے اور اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" [2]۔ وقال تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔(ت)

پھر خیر خواہی اسلام حدودِ اسلام میں رہ کر ہے، مشرکین سے اتحاد و موالات اور ان کو راضی کرنے کو شعار اسلام کی بندش مشرک لیڈر کو اپنے دین کا ہادی و رہبر بنانا، مشرک لکچرار کو مسلمانوں کا واعظ ٹھہرانا، اسے مسجد میں لے جا کر جماعت مسلمین سے اونچا کھڑا کرکے لکچر دلوانا، اپنے ماتھوں پر مشرکوں سے قشقے لگوانا، مشرکوں کے مجمع میں مشرک لیڈروں کی جے پکارنا، مشرک لیڈروں کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو مشرک کا ماتم گاہ ٹھہرانا، اس کے ماتم کے لئے مساجد میں سر برہنہ ہونا، اس کے لئے نماز دعائے مغفرت کا اشتہار دینا، قرآن مجید اور رامائن کو ایک ڈولے میں رکھ کر دونوں کی پوجا کراتے ہوئے مندر میں لے جانا، مشرکوں نے قربانی گاؤ پر مسلمانوں کو بے دریغ ذبح کیا آگ سے پھونکا ان میں جو بعض گرفتار ہوئے اور ان پر ثبوت کامل پہنچ گیا، ان کے لئے رحم کی درخواست کرنا، ان کی رہائی کی ریزولیشن پاس کرنا، صاف لکھ دینا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، صاف لکھ دینا کہ آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا، صاف لکھ دینا کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو کفر واسلام کا امتیاز اٹھادے گا، صاف لکھ دینا کہ ہم ایسا مذہب بنانا چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ (بتوں کی پرستشگاہوں) کو مقدس مقام ٹھہرائے گا۔ یہ امور خیر خواہی اسلام نہیں کند چھری سے اسلام کو ذبح کرنا ہے، یہ سب افعال واقوال ضلال بعید وکفر شدید ہیں اور ان کے فاعل وقائل وقابل اعدائے دین حمید و

[1] صحیح البخاری باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدین والنصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

دشمنانِ رب مجید ہیں،

"اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا" [1] ، "بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا" [2] "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ(۲۲۷)" [3]۔	جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا، اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

نفرت دینیہ، مکروہ تنزیہی واساءت، مکروہ تحریمی، وحرام صغیرہ وکبیرہ ومراتب بدعت وضلال وانواع کفر وارتداد سب سے حسبِ مرتبہ ہے جس کے درجات مستحب سے فرض اعظم بلکہ ضروریات دین تک ہوں گے لیکن جواخبث مراتب سے نفرت نہ کرے ادون سے ادعائے نفرت میں جھوٹا ہے، مکروہ تنزیہی سے اساءت بری ہے، اساءت سے مکروہِ تحریمی بدتر ہے، اس سے کبائر اپنے اپنے مرتبہ پر بدتر ہیں اور ان سے بدعت وضلال بدتر ہیں اور ان کے بھی مدارج مختلف ہیں اور ان سب سے کفر بدتر ہے اور اس میں بھی مراتب ہیں کفر اصلی سے ارتداد بدتر اور اس میں بھی ترتیب ہے، کفر اصلی کی ایک سخت قسم نصرانیت ہے اور اس سے بدتر مجوسیت، اس سے بدتر بت پرستی، اس سے بدتر وہابیت، ان سب سے بدتر اور خبیث تر دیوبندیت، افعال کیسے ہی شنیع ہوں کسی کفر کی شناعت کو نہیں پہنچ سکتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بدتر از بدتر سے بدتر، کافروں بت پرستوں سے اتحاد و وداد منایا جاتا ہے، کیسا وداد، کہاں کا اتحاد، بلکہ غلامی وانقیاد، اور ان سے بھی بدتر کفار وہابیہ کو اپنی مجلسوں کی صدائیں دی جاتی ہیں اور ان تمام بدتر از بدتر سے بدتر دیوبندیت کے سر مشیخیت ہند کی پگڑی باندھنے کی فکر کی جاتی ہے، جب مشرکین و مرتدین سے یہ کچھ اتحاد ہے تو کسی فعل ومعصیت سے نفرت کا ادعاء محض سفید جھوٹ ہے اگر تمہاری نفرت اللہ کے لئے ہوتی تو افعال سے ایک درجہ ہی بت پرستوں سے لاکھ درجہ ہوتی اگر بت پرستوں سے لاکھ درجہ ہوتی دیوبندیوں سے کروڑ درجہ ہوتی تو نفرت کے دعوے محض مکروفریب ہیں،

"یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ(۹)" [4]	فریب دیا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انہیں شعور نہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[4] القرآن الکریم ۲/ ۹

آیہ کریمہ:

"لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ"[1]۔	تم نہ پاؤگے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔(ت)

کی تلاوت اس جدید پارٹی کے لئے رب تالی القراٰن والقراٰن یلعنہ[2] (بہت سے قرآن پڑھنے والوں پر قرآن لعنت کرتا ہے۔ت) کی پوری مصداق ہے، کیا بت پرست ووہابیہ و دیوبندیہ "مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ" میں داخل نہیں، ضرور ہیں، کیا یہ پارٹی ان سے وداد واتحاد کرکے "یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ" میں داخل نہ ہوئے ضرور ہوئے، اور یہی آیہ کریمہ فرمارہی ہے کہ جو "یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ" ہیں وہ "یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ" نہیں، لاجرم:

"شَہِدُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ اَنَّہُمۡ کَانُوۡا کٰفِرِیۡنَ ﴿۱۳۰﴾"[3] "یُخۡرِبُوۡنَ بُیُوۡتَہُمۡ بِاَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَیۡدِی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ٭ فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ﴿۲﴾"[4]۔	خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے، اپنے گھر ویران کرتے ہیں اپنے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں، تو عبرت لو اے نگاہ والو۔(ت)
نسأل اللہ العافیۃ ونعوذ باللہ من حال اھل النار و لاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار وصلی اللہ وسلم وبارک علی السید الکریم المختار واٰلہ الاطھار وصحبہ الاخیار وامتہ الٰی یوم القرار، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کی دعا کرتے ہیں اور اہل نار کے اس حال سے اللہ تعالٰی کے دامن سے وابستہ ہوتے ہیں، اللہ واحد قہار کی قدرت کے بغیر نیکی کی طاقت اور برائی سے باز آنے کی قدرت نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالٰی کی رحمتیں، برکات ہمارے آقا پر ہوں اور آپ کی آل اطہار، صحابہ خیار اور امتِ نبی پر قیامت تک ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰ تا ۱۳: ازکانپور فیل خانہ کہنہ مسئولہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلہ کونین وکعبہ دارین محی الملّۃ والدّین دامت فیوضہم۔ بعد تسلیمات

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] المدخل لابن الحاج الجزء الاول ص ۸۵ الجزء الثانی ص ۳۰۴ دار الکتاب العربی بیروت

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۰ و ۷/ ۳۷

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

فدویانہ تمنائے حصولِ سعادت آستاں بوسی التماس ایں کہ بفضلہٖ تعالٰی فدوی بخیریت ہے، صحتوری مزاج اقدس مدام بدعائے سحری مطلوب۔

(۱) ذمی کفار کو ان کے مندر عبادت گاہ میں عبادت کرنے و نیز مراسم کفر کے کرنے کی سلطان اسلام اجازت دیتا ہے یا نہیں؟ درصورت اجازت دینے کے شبہہ ہوتا ہے کہ احکامِ کفر پر رضا کفر ہے جیسا کہ اتمامِ حجت تامہ میں ۴۳ سوال کے آخر میں ہے (تقسیم ملک کہ اتنا آپ کا اتنا ہندوؤں کا، ان دونوں صورتوں میں احکامِ کفر تمام یا بڑے حصہ میں آپ کی رضا سے جاری ہوں گے کہ آپ ہی اس اشتراک یا تقسیم پر راضی ہوئے، احکامِ کفر پر رضا کفر یا کم از کم بددینی ہے یا نہیں)

(۲) کیا یہ حدیث صحیح ہے: **اخرجوا الیہود والنصارٰی من جزیرۃ العرب۔**

یہود و نصاری کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ (ت)

اور کس زمانہ تک اس حدیث شریف پر عمل ہوتا رہا، اور کس بادشاہ کے وقت سے عدن وغیرہ میں نصارٰی کا قیام ہوا، حدیث شریف سے کیا مقصود ہے؟

(۳) کیا وہابیہ دیوبندیہ **خذلھم اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی انہیں رسوا فرمائے۔ ت) بیت المقدس و مساجد کو مقاماتِ مقدسہ نہیں سمجھتے اگرچہ ترکوں کو مسلمان و نیز اور اماکن مقدسہ کو مقاماتِ مقدسہ نہ سمجھیں لیکن شاید مساجد کی وجہ سے و نیز اس حدیث شریف کی وجہ سے چاہتے ہوں کہ عراق عرب غیر مسلم کی ہستیوں سے پاک ہوجائے اور نصارٰی پریشان ہو کر اسے چھوڑدیں۔

(۴) کیا ابن عبدالوہاب نجدی نے سنگِ اسود کو بھی نقصان پہنچایا تھا اور جگہ سے ہٹادیا تھا؟ **والسلام مع التکریم۔**

الجواب:

حبیبی و محبی و محبوبی احبکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(۱) سلطانِ اسلام ہرگز کفار کو مراسمِ کفر کی اجازت نہیں دے سکتا، کیا اجازت کفر دے کر خود کافر ہوگا بلکہ **نترکھم ومایدینون** (انہیں ہم ان کے دین پر چھوڑدیں گے۔ ت) یعنی جہاں جس بات کا ازالہ کا حکم نہیں وہاں تعرض نہ کرے گا نہ یہ کہ ان سے کہے گا کہ ہاں ایسا کرو۔ رسالہ علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار میں ہے:

لیس المراد انہ جائز، نامرھم بہ	جائز سے یہ مراد نہیں کہ ہم اس کا امر

بل بمعنی نترکھم ومایدینون فھو من جملۃ المعاصی التی یقرون علیھا کشرب الخمر ونحوہ، ولا نقول ان ذٰلك جائزلھم فلایحل للسلطان ولا للقاضی ان یقول لھم افعلوا ذٰلك ولاان یعینھم علیہ[1]۔	کرتے ہیں بلکہ معنٰی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دین پر چھوڑتے ہیں پس یہ ان کے ان معاصی سے ہے جن پر وہ قائم رہتے ہیں مثلاً شراب پیناوغیرہ، اور یہ نہیں کہتے کہ انکو جائز ہیں تو بادشاہ اور قاضی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ انہیں کہے تم یہ کام کرو اور نہ یہ کہ وہ ان کی مدد کریں۔(ت) بخلاف یہاں کے کہ ضرور جو کچھ ہوگا فریقین کی تراضی وقرار داد سے ہوگا۔

(۲) یہ حدیث ان لفظوں سے صحیح نہیں مگر اس مضمون میں کہ جزیرہ عرب میں کوئی نامسلم نہ رہے، متعدد صحیح حدیثیں وارد ہیں، مقصود حدیث وحکم شرعی یہ ہے کہ جزیرہ عرب میں کسی غیر مسلم کا توطن وطول اقامت جائز نہیں، تجارت وغیرہ امورِ مرخصہ کے لئے آئیں اور چلے جائیں، ظاہرًا سال بھر تک قیام کی اجازت کسی کو نہ دی جائیگی۔ تیسیر المقاصد علامہ شرنبلالی پھر درمختار میں ہے:

یمنعون من استیطان مکۃ والمدینۃ لانھما من ارض العرب قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجتمع فی ارض العرب دینان ولودخل لتجارۃ جازولا یطیل[2]۔	مکۃ المکرمہ اور مدینہ طیبہ کو انہیں وطن بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ دونوں شہر ارضِ عرب ہیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زمینِ عرب میں دو دین جمع نہیں ہوسکتے، اگر تجارت کے لئے داخل ہو تو جائز ہے لیکن طویل مدت نہ رہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانھما من ارض العرب افادان الحکم غیر مقصود علی مکۃ والمدینۃ بل جزیرۃ العرب کلھا کذٰلك کما عبربہ فی الفتح وغیرہ فیمنع من ان یطیل فیھا المکث حتی یتخذ فیھا مسکنا لان حالھم فی المقام فی ارض العرب مع التزام	قولہ "کیونکہ وہ ارض عرب میں سے ہیں" بتارہاہے کہ یہ حکم محض مکہ اور مدینہ تک ہی محدود نہیں بلکہ تمام جزیرہ عرب کا یہی حکم ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں بیان ہوا ہے لہٰذا ایسی طویل مدت تک وہاں ٹھہرنے سے منع کیا جائے گا کہ وہاں وہ رہائش وغیرہ بنائے کیونکہ زمین عرب میں ان کاالتزام جزیہ کے ساتھ

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۲

[2] درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

الجزیۃ کحالھم فی غیرھا بلاجزیۃ، وھنا بلك لا یمنعون من التجارۃ بل من اطالۃ المقام فکذلك فی ارض العرب، شرح السیر وظاھرہ ان حد الطول سنۃ تأمل[1]۔	ٹھہرنا ایسا ہی ہے جیسے وہ دیگر مقام پر بلاجزیہ ٹھہریں تو وہاں انہیں تجارت سے منع نہیں کیا جائے گا، ہاں طویل قیام سے روکا جائے گا، اسی طرح زمین عرب کا معاملہ ہے، شرح السیر۔ ظاہر یہی ہے کہ طوالت مدت کی حد ایک سال تک ہے، تامل۔(ت)

اس حکم احکم کی تکمیل خلافت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی بعد کے خلفا میں مستمر رہی قرامطہ ملاعنہ پھر عبیدی خبثاء پھر وہابیہ نجدیہ، ان کفار کا چندروزہ جبری تسلط نہ کسی خلیفہ یا سلطان کی اجازت سے تھا نہ کسی بین الاقوامی قانون مخترع کی قرارداد سے عدن میں نصارٰی کا قیام اور جدّہ میں ان کی سفارت کا مسکن سلطنت ترک کے اواخر سے ہے۔

(۳) وہابیہ مساجد کو مقدس سمجھا کریں مگر ساتھ ہی ترکوں کو بھی غیر مسلم ہستی مانتے ہیں جس طرح تمام اہلسنت کو جانتے ہیں، تو ان کے جیسے نصارٰی ویسے ہی ترک، بلکہ دل میں ترکوں کو بدتر سمجھتے ہیں کہ مشرک و مرتد جانتے ہیں۔

(۴) قرامطہ خبثا سنگ اسود کو لے گئے تھے، بیس برس کے بعد ان کے یہاں سے ملا، نجدیہ کا اسے جگہ سے ہٹانا منقول نہیں، ہاں سیف الجبار میں ان کے زدوضرب سے اس میں شق آجانا لکھا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴: از چکل ضلع بلڈانہ برار مسئولہ محمد شیر نوار خاں صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وہادیان مبین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ ان دنوں جب کہ دول یورپ نصارٰی نے سلطنت حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے بیشتر حصہ مملکت ودار الخلافہ پر تسلط اور جزیرۃ العرب واماکن مقدسہ پر بھی براہِ راست وبالواسطہ تسلط واقتدار جمالیا ہے کیا ان حالات میں مسلمانانِ ہند کے لئے ضروری ہے یا نہیں کہ ایسا کوئی طرزِ عمل متفق طور پر اختیار کریں جو غاصبان سلطنت اسلام واماکن مقدسہ کو عاجز کرنے والا اور نقصان پہنچانے والا اور جس کا اثر سلطنت اسلام واماکنِ مقدسہ کی حفاظت کے لئے مدافعانہ پہلو لئے ہوئے ہو، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس سوال کا جواب بھی بارہا چھپ چکا، بلاشبہہ سلطنت اسلام کی حمایت اور اماکن مقدسہ کا تحفظ مسلمانوں پر فرض ہے مگر ہر فرض بقدرِ قدرت ہے اور ہر حکم حسبِ استطاعت، ہندوؤں کی غلامی حرام ہے

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۷۵

اور ان سے اتحاد و وداد مخالفتِ قرآن ہے، جو شخص جو طریقہ برتنا چاہے اسے تین باتیں سوچ لینا ضرور ہے:
اول وہ طریقہ شرعاً جائز ہو، نہ محرمات و کفریات جیسے آجکل لوگوں نے اختیار کئے ہیں۔
دوم وہ طریقہ ممکن بھی ہو، اپنے آپ کو اس کے کرنے پر قدرت ہو کہ غیر مقدوریات کا اٹھانا شرعاً بھی ممانعت ہے عقلاً بھی حماقت۔
سوم وہ طریقہ مفید بھی ہو، وقت اٹھائے پریشانی اٹھائے بلا کے لئے سینہ سپر ہو، اور کرے وہ بات جو محض غیر مفید و بے اثر ہو، یہ بھی شرعاً عقلاً کسی طرح مقبول نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: از بنارس محلّہ ابنیا کی منڈی مسئولہ محمد عمر صاحب رضوی ۲۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین حنفی اس مسئلہ میں کہ ہندوستان کے کافر ذمی ہیں یا حربی، کافر ذمی اور حربی کی صحیح تعریف کیا ہے، ہندوستان کے کفار سے لین دین بیع و شراء جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہندوستان کے کافر ذمی نہیں، ذمی وہ کافر ہے کہ سلطنتِ اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہے اور جزیہ دینا قبول کرے، بیع و شراء لین دین کہ جائز ہو ہر کافر اصلی سے جائز ہے اگرچہ ذمی نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارۃ لم یمنع ذٰلك منه وكذٰلك اذا اراد حمل الامتعة الیھم فی البحر فی السفینة[1] ملخصًا۔	جب کوئی مسلمان تجارت کے لئے امان کے ذریعے دار الحرب میں داخل ہونا چاہے تو اسے روکا نہیں جائیگا اسی طرح اس صورت میں ہے جب وہ سمندر میں کشتی کے ذریعے ان کی طرف سامان لے جانے کا ارادہ رکھتا ہو، ملخصًا۔ (ت)

بلکہ کافر اصلی غیر ذمی و غیر مستامن سے اپنے نفع کے وہ عقود بھی جائز ہیں جو مسلم و ذمی مستامن سے ناجائز ہیں، جن میں غدر نہ ہو کہ غدر و بدعہدی مطلقاً سب سے حرام، ہے، مسلم ہو یا کافر ذمی ہو یا حربی مستامن ہو یا غیر مستامن اصلی ہو یا مرتد۔ ہدایہ و فتح القدیر وغیرہما میں ہے:

لان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا[2]۔	کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں، اسے مسلمان جس طریق سے بھی حاصل کرلے وہ مال مباح ہوگا مگر شرط یہ ہے کہ دھوکا نہ ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس فی المستامن نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳
[2] فتح القدیر باب استیلاء الکفار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۵۴، درمختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۱

کفار ہند کے ذمی و مستامن نہ ہونے کے سبب ان سے بیع و شراء ناجائز سمجھنا سخت جہالت ہے، یہ سبب تو اور موجبِ وسعت ہے نہ کہ وجہ ممانعت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
نابغ النور علی سوالات جبلفور ۱۳۳۹ھ
(جبلپور کے سوالات پر ظاہر ہونے والا نور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ونحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۶ تا ۲۲: از جبل پور کمانیہ بازار دکان سیٹھ عبدالغفور صاحب آئل مرچنٹ مرسلہ عبدالجبار صاحب ناظم جماعت خدام اہل سنت ۲۰ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

(۱) ایک سچا پکا سنی پابندِ مذہب وملت، تارک دنیا دینی عالم باعمل جو حکومتِ ترکی کو ایک عظیم الشان سلطنت اسلامیہ سمجھے اور اپنی متعدد تقریروں میں اس عظیم سلطنتِ اسلامیہ بلکہ ہر مصیبت زدہ مسلمان کی مدد واعانت وحمایت اور اماکن مقدسہ کی صیانت وحفاظت ہر مسلمان پر بقدر وسعت واستطاعت ہر جائز وممکن ومفید طریقہ کے ساتھ ضروری ولازم وفرض فرمائے اور لوگوں کے بار بار نہایت اصرار کے ساتھ اس امر کے استفسار پر کہ "آپ ترکوں کی خلافت کو خلافتِ راشدہ کاملہ اور سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین سمجھتے ہیں کہ نہیں" اس کے جواب میں فرمائے "سلطنت ترکی خلدھا اللہ تعالٰی وایدھا وحرسھا واخذل اعدائھا" (اللہ تعالٰی اس سلطنت کو ہمیشگی بخشے، اس کی مدد فرمائے، اس کی حفاظت فرمائے اور اس کے دشمنوں کو ذلیل فرمائے۔ت) کے متعلق

صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ میں بحمدہٖ تعالٰی سنی ہوں اور ہمیشہ ہر حال میں تحقیقات سلف اور مسلماتِ اہلسنت وتصریحاتِ محققین کا متبع اور امتِ مرحومہ کے اجماع واطباقِ متوارث کا پابند رہا ہوں اور یہی میرا مذہب وعروہ وثقٰی ہے، مسئلہ خلافتِ عظمٰی کے متعلق جو ایک ثابت ومحقق وقطعی طے شدہ مذہبی قدیم مسئلہ ہے، میں احتیاط کے خلاف اتباعِ سلف پر، ایک جدید اختراع خلف کو ترجیح دینے سے قاصر ہوں اور آج کل کے بے جا اور ناجائز ومزاحم دین وملت ومخالف کتاب وسنت شورشوں اور ایسی شورشی خلافت کمیٹیوں سے علیحدہ رہے، جن خلافت کمیٹیوں کا مقصد خاص ہندو، مسلم اتحاد ہے اور کفار ومشرکین کے ساتھ دلی محبت اور موالات قائم کرنا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کا مطیع ومنقاد وغلام بنانا، محرمات شرعیہ کو حلال اور حلال چیزوں کو حرام ٹھہرانا، خلافت کا نام کرکے، کام تمام منافی مقاصد خلافت وخلاف اسلام وموجب بربادی اسلام وتباہی اہل اسلام کرنا، نہایت مبالغہ کے ساتھ قولاً وفعلاً وتحریراً کفار ومشرکین کی تعظیم وتوقیر خود کرنا اور مسلمانوں سے کرانا، بجائے دعائے نصرت اسلام ومسلمین، مشرکوں کی طرح کافر ومشرک کی جے پکارنا کسی کافر ومرتد ووہابی کے مرنے یا جیل جانے پر اظہارِ غم اور ماتم کے لئے بازار بند کرانا ہڑتالیں کرنا، مسلمانوں کو دکانیں بند کرنے پر مجبور کرنا، جو ان کا کہنا نہ مانے اسے تکلیف دینے اور اس کی عزت وناموس کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دینا' اور بائیکاٹ کردینا، ترکی ٹوپیاں سروں سے اتار کر جلادینا، شعار مشرک گاندھی ٹوپی پہننے پر زور دینا وغیرہا من الشنائع، ایسی خلافت بلکہ ضلالت وہلاکت کمیٹیوں کے ان کے کفروں اور ضلالتوں کو اہلِ اسلام پر اپنے بیانات میں ظاہر کرے اور لوگوں کو راہِ راست کی طرف بلائے ایسے عالم دین پر نفس خلافت کے انکار کا بہتان وافترا باندھ کر اسے دائرہ اہل سنت سے خارج کرنا اور قطعاً قرآن کا منکر ٹھہرا کر اس کے کفر وارتداد پر فتوٰی شائع کرنا کیسا ہے اور اس کے مستفتی ومفتی ومصدقین اور اس فتوٰی کے ماننے والوں اور اس پر عمل کرکے ایسے عالم باعمل کی شان میں ناشائستہ کلمات استعمال کرنے والوں کی نسبت شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۲) کیا صرف **موالات من الیہود والنصارٰی** حرام ہے یا ہر کافر ومشرک ومبتدع ووہابی وبے دین سے۔

(۳) کیا صرف ترک **موالات من الیہود والنصارٰی** کو فرض بتانے والے اور دوسرے کفار ومشرکین ومرتدین ہنود ووہابیہ سے موالات کرنے والے، اسے فرض جاننے والے کیا محرف ومکذب قرآن عظیم نہیں، اگر ہیں تو ان کی نسبت شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۴) جو عالم باعمل کافر ومشرک نصارٰی یہودی، ہندو مجوسی بلکہ ہر گمراہ بے دین وبدمذہب مرتد، وہابی اور ہر دشمنِ دین اور ہر مخالف اسلام سے ترک موالات فرض اور اس کے ساتھ موالات حرام بتائے اور آج کل کے شورش پسندوں کا من گھڑت ترک موالات جو صرف نصارٰی سے کیا جارہا ہے وہ بھی ادھورا، اور کافروں، مشرکوں، مرتدوں، ہندوؤں، وہابیوں سے موالات فرض بتایا جاتا ہے، ایسے انوکھے اندھے ایجاد مشرک، ترک موالات کو

منافقِ اسلام و مخالف کتاب وسنت فرمائے، ایسے عالم باعمل کو گورنمنٹ کا تنخواہ یافتہ کہنا، اور ترک موالات من الیہود والنصارٰی کی تصدیق کرنا، اور ایسے مستفتی و مفتی ومصدقین اور اسے مان کر ایک عالم کی شان میں توہین آمیز الفاظ استعمال کرنے والے سب کے لئے شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۵) جماعتِ اہلسنت میں تفرقہ ڈالنا، کافروں، مشرکوں کے اغواء سے مسلمانوں میں پھوٹ پیدا کرنا، مسجد الٰہی عید گاہ سے مسلمانوں کو علیحدہ کرکے کافروں کی مدد سے خیمے قائم کرکے نمازِ عید ادا کرنا، مسلمانوں کو دھوکا دینے اور شیطانی چال اور مکر وفریب سے عید گاہ اہلسنت سے پھیر کر کافروں کی زمین گول بازار میں بھیجنے کے لئے کافروں کو راستوں پر مقرر کرنا اور مشرکوں کے کہنے سے عید گاہ چھوڑ کر جماعت اہل سنت سے منہ موڑ کر مسجد الٰہی کو ویران کرنے کے لئے کافروں کے زیر سایہ حفاظت و حمایت نماز ادا کرنا کیسا ہے اور ایسا کرنے والوں پر شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

(۶) مشرکوں بت پرستوں کو خوش اور راضی کرنے کے لئے گائے کی قربانی چھڑانے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کو گائے کی قربانی چھوڑنے پر زور دینا، انہیں مجبور کرنا کیسا ہے اور ایسا کرنے والوں کا کیا حکم ہے؟

(۷) جو گائے کی قربانی کرنا چاہتا ہے اس کا ان مشرک پرستوں کے بہکانے سے ان کے دام شیطنت میں پھنس کر گائے کی قربانی چھوڑنا کیسا ہے اور چھوڑنے والے کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**، بہت ہی کرم ہوگا، ہر سوال کے جواب کے ساتھ دلیل ہو اگرچہ مختصر۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ واٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ۔

(۱) صورت مستفسرہ میں عالم موصوف سراسر حق پر ہے اور اس کے مخالفین گمراہ وضال،

قال اللہ تعالٰی "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ (ت)

[1]بلاشبہہ حمایت سلطنت اسلامیہ وحفاظت اماکن مقدسہ میں، وسعت واستطاعت کی شرط قرآن عظیم سے ہے، [2]اور اس کے طرق میں جائز وممکن ومفید کی تحدید شرع قویم وعقل سلیم سے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط"[2]۔	اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

وقال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "۔[1]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ تعالٰی سے ڈر وجہاں تک ہوسکے۔(ت)

شرع الٰہی عزّوجل منزّہ ہے اس سے کہ ناجائز وحرام یا ناممکن وغیر مقدور یا نامفید عبث کا حکم دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا (ت)
وقال تعالٰی: "وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات سے۔(ت)
وقال تعالٰی "لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی طاقت بھر۔(ت)
وقال تعالٰی "وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۳۸﴾ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے نہ بنائے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔(ت)

۳ درباره خلافت جس عقیدہ اہل سنت کا عالم نے اشعار کیا خود خلافت کمیٹی کے مفتی اعظم مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہجہان پوری اور اس کے لیڈر معظم وناظم انجمن علماء، صدر شعبہ تبلیغ عبدالماجد بدایونی نے ایک مطبوعہ فتوٰی میں (کہ شخصین مذکورین جس کے مفتی ومستفتی ہیں) اس کا صاف اقرار واظہار کیا جو عبارات ائمہ وعلماء اس فتوٰی نے سنداً پیش کیں، وضوح حق کو ان میں سے یہ دو ہی بہت ہیں مقاصد وشرح مقاصد سے (کہ عقائد اہلسنت کی معتمد کتابیں ہیں) سند دکھائی کہ "**لنا قوله عليه السلام الائمة من قريش**[6]، **واجمعو عليه فصار دليلا قاطعا يفيد اليقين باشتراط القرشية**" یعنی ہم اہلسنت کی دلیل حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد جلیل ہے کہ تمام خلفاء قریش سے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس پر اجماع کیا تو دلیل قطعی ہوگئی جس سے یقین حاصل ہوا کہ خلافت کے لئے قرشی ہونا بیشک شرط ہے۔ علامہ سید محمد ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی ردالمحتار علی الدرالمختار سے سند پیش کی کہ فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۶۲

[5] القرآن الکریم ۴۴/ ۳۸

[6] شرح المقاصد المبحث الثانی التکلیف والحریة والذکورة دار المعارف النعمانیة لاہور ۲/ ۲۷۷

وقدیکون بالتغلب مع المبایعة وھو الواقع فی سلاطین الزمان نصرھم الرحمٰن[1]۔	یعنی تغلب کی امامت کبھی بیعت کے ساتھ بھی ہوتی ہے کہ ہے تو متغلب مگر لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، ہمارے زمانے کے سلاطین کا یہی واقعہ ہے، رحمٰن عزوجل ان کی مدد فرمائے (ہم کہتے ہیں آمین)

علامہ سید موصوف جن کی کتاب ممدوح آج تمام عالم میں مذہب حنفی کے اعلیٰ درجہ معتمد سے ہے۔ سلطان عبدالمجید مرحوم کے والد سلطان محمود خاں مرحوم کے زمانے میں انہیں کے قلمرو ملک شام میں انہیں کی طرف سے شہر دمشق وتمام دیار شامیہ کے مفتی اجل تھے (رحمۃ تعالٰی علیہ) مفتی ومستفتی مذکورین کی ان شہادتوں کے بعد زیادہ تفصیل کی حاجت نہیں،

قال اللہ تعالٰی "شَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے (ت)

خلافت کمیٹی کو اس بارے میں اگر پوچھنا ہو انہیں اپنے مفتی اعظم ولیڈر معظم سے پوچھے کمیٹی کہے: "لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ" (تم نے ہم پر کیوں گواہی دی۔ت) وہ کہیں: "اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡطَقَ كُلَّ شَىۡءٍ"[3] [4] (وہ کہیں گی ہمیں اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گویائی بخشی۔ت)

۴مشرکوں سے اتحاد وو داد قطعی حرام اور ان سے اخلاص دلی یقیناً کفر ہے۔

قال تعالٰی "تَرٰى كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ يَتَوَلَّوۡنَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَفِى الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَلَوۡ كَانُوۡا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِىِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾ "[5]	تم ان میں بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں، بیشک کیا ہی بری ہے وہ چیز جو خود انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجی کہ ان پر اللہ کا غضب ہوا اور انہیں ہمیشہ ہمیشہ عذاب ہوگا اور اگر انہیں اللہ اور نبی اور قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں سے اتحاد، وداد، محبت، موالات نہ مناتے مگر ہے یہ کہ ان میں بہت سے فرمان الٰہی سے نکلے ہوئے ہیں (ت)

[1] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۱۰
[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۰و۷/ ۳۷
[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۱
[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۱
[5] القرآن الکریم ۵/ ۸۱۔۸۰

یہ اور بیس ۲۰ سے زائد اور آیات کریمہ ہیں جن میں مطلقًا کفار سے اتحاد و وداد کو حرام و کفر فرمایا ہے، مسلمان کی شان نہیں کہ واحد قہار کے ارشادات سنے اور ان میں مشرکین یا خاص ہندوؤں کے استثناء کی پخچر گھڑ لے،

قال اللہ تعالٰی "آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝" [1]۔ وقال تعالٰی "اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" [2] وقال تعالٰی "یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ" (الٰی قولہ عزّوجل) "لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا اللہ نے اسکی تمھیں اجازت دی (کہ مثلًا میرے کلام میں مگر ہندو کا پیوند لگالو) یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا بے جانے بوجھے اللہ پر کسی بات کا چھٹار کھتے ہو (کہ مثلًا اس نے ہندوؤں کو جدا کرلیا ہے) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کے ارشادات کو ان کے ٹھکانے سے ہٹاتے ہیں (کہ مثلًا اگرچہ اللہ نے یہاں ہر جگہ عام لفظ فرمائے جو سب کفار کو شامل ہیں مگر ان سے ہندو مراد نہ رکھے ان سے اتحاد و وداد کو حرام وکفر نہ فرمایا) ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب

۵ مشرکوں کا غلام و منقاد بننا ان کا پس رو بننا، جو کہیں وہی کرنا خصوصًا جسے امر دینی سمجھا ہو اس میں ان کی اطاعت کرنا یہ سب حرام حرام ہے سخت مخالفتِ ذوالجلال والاکرام ہے، گمراہی وکفر اس کا انجام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝" [4] وقال تعالٰی "فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ ۝" [5] وقال تعالٰی "وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝" [6] وقال تعالٰی "وَ اِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ" [7]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطان کے پس رو نہ بنو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اللہ نے فرمایا: جھٹلانے والوں کی اطاعت نہ کر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے کسی مجرم یا کافر کی اطاعت نہ کرو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ جو زمین میں ہیں ان میں اکثر وہ ہیں کہ اگر تو نے ان کی اطاعت کی تو وہ تجھے اللہ کے راہ سے گمراہ کردیں گے۔

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹
[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۸
[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۱
[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸
[5] القرآن الکریم ۶۸/ ۸
[6] القرآن الکریم ۷۶/ ۲۴
[7] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۶

وقال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ "[1]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل (اسلام سے) پھیر دینگے تو پورے ٹوٹے میں پلٹوگے۔

۶حلال کو حرام، ۷حرام کو حلال ٹھہرانا ائمہ حنفیّہ کے مذہب راجح میں مطلقاً کفر ہے، جبکہ ان کی حلت وحرمت قطعی ہو جیسے جائز کسب وتجارت واجارت کی حلت مشرکین وودادوانقیاد واتحاد کی حرمت، ان حلالوں کو وہ لوگ حرام بلکہ کفر اور ان حراموں کو حلال بلکہ فرض کررہے ہیں اور اگر وہ حرام قطعی حرام لعینہٖ ہے، جیسے مذکورات جب تو اسے حلال ٹھہرانا باجماعِ ائمہ حنفیّہ کفر ہے، اللہ عزوجل کفار کا بیان فرماتا ہے:

"لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ "[2]۔	جسے اللہ ورسول نے حرام فرمایا کافر اسے حرام نہیں ٹھہراتے۔

متن عقائد میں مسئلہ مصرحہ ہے، نیز فتاوٰی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

من اعتقد الحرام حلالا او علی القلب یکفر هذا اذا كان حراما بعینه و الحرمة قامت بدلیل مقطوع به اما اذا كانت باخبار الاحاد لایکفر[3] (ملخصا)۔	جس نے کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام مان لیا تو وہ کافر ہوجائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ حرام لذاتہ ہو اور اس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اگر ثبوت خبر واحد سے ہو تو کافر نہیں ہوگا۔ (ملخصًا) (ت)

بزازیہ وشرح وہبانیہ ودرمختار میں ہے:

یکفر اذا تصدق بالحرام القطعی[4]۔	حرام قطعی کے تصدق سے کافر ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله ان شرط الکفر علی القول الاول شیئان قطعیة الدلیل وکونه حراما لعینه، وعلی الثانی یشترط الشرط الاول فقط، وعلمت ترجیحه، ومافی البزازیة مبنی علیه[5]۔	حاصل یہ ہے کہ قول اول پر کفر کے لئے دو شرائط ہوں گی اول دلیل کا قطعی ہونا، ثانی اس کا حرام لذاتہ ہونا، اور دوسرے قول پر پہلی شرط ہے اور آپ اس کی ترجیح سے آگاہ ہیں، اور بزازیہ کا مدار اسی پر ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی فی الفاظ الکفر الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۳

[4] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

[5] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷

حالات دائرہ میں دونوں شرطیں موجود ہیں تو یہ باجماعِ ائمہ حنفیہّ کفر ہیں۔^۸ کفار ومشرکین کی ایسی تعظیمیں کفر ہیں، ^۹ان کی جے پکارنا، ^۱۰ان کے مرنے یا جیل جانے پر ہڑتال اور اس پر وہ اصرار، اور جو مسلمان نہ مانے اس پر وہ ظلم وہ اضطراب، کمال تعظیم کفار اور باعث دخول نار وغضبِ جبار، وحسب تصریحاتِ ائمہ موجب کفر واکفار، فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفرلان تبجیل الکافر کفر۔[1]	اگر کسی نے ذمی کو احتراماً سلام کہہ دیا تو یہ کفر ہے کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہوتی ہے۔(ت)

فتاوٰی امام ظہیر الدین ومختصر علامہ زین مصری وشرح تنویر مدقق علائی میں ہے:

لوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر[2]۔	اگر کسی نے مجوسی کو تعظیماً "یااستاد" کہا تو اس سے وہ کافر ہوجائے گا۔(ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝" [3]۔	عزّت تو خاص اللہ ورسول ومسلمین ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقرصاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[4] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن بسر وابن عساکر وابن عدی عن ام المؤمنین الصدیقة وابو نعیم فی الحلیة والحسن بن سفیان فی مسندہ عن معاذ بن جبل والسجزی فی الابانة عن ابن عمر وکابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین والبیہقی	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی (اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن بسر، ابن عساکر اور ابن عدی نے ام المومنین سیدہ صدیقہ سے، ابونعیم نے حلیہ میں اور حسن بن سفیان نے مسند میں حضرت معاذ بن جبل سے، سجزی نے ابانۃ میں حضرت ابن عمر سے اور ابن عدی کی طرح ____ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[4] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۶۱

فی شعب الایمان عن ابراہیم بن میسرۃ مرسلا۔	اجمعین سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابراہیم بن میسرہ سے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ (ت)

بدمذہب کی توقیر پر یہ حکم ہے مشرک کی تعظیم پر کیا ہوگا، ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یصافح المشرکون اویکنو اویرحب بھم[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کسی مشرک سے ہاتھ ملائیں یا اسے کنیت سے ذکر کریں یا اس کے آتے وقت مرحبا کہیں۔

یہ باتیں کچھ ایسی تعظیم بھی نہیں ادنٰی درجہ تکریم میں ہیں کہ نام لے کر نہ پکارا فلاں کا باپ کہا یا آتے وقت جگہ دینے کو آیئے کہہ دیا، حدیث نے اس سے بھی منع فرمایا نہ کہ معاذ اللہ اس کی جے پکارنی اور وہ افعال شیطانی، اور یہ عذر یا رد کہ یہ اقوال عوام کے ہیں کسی ذمہ دار کے نہیں، محض کاذب وپادر ہوا ہے، تمہیں نے عوام کالہوام کو اس اتحاد مشرکین حرام ولعین پر ابھارا اور ان حرکات ملعونہ سے نہ روکا بلکہ اپنے مقاصد مفاسد کا مؤید سمجھا تمہارے دلوں میں ایمان یا ایمان کی قدر ہوتی تو اس اتحاد حرام وکفر کے لئے جیسی زمین سروں پر اٹھالی ہے، رات دن، مشرق مغرب ٹاپتے پھرتے ہو، ہزاروں دھواں دھار ریز ولیشن پاس کرتے ہو اس کے مخالف بلکہ اس میں ساتھ نہ دینے والوں پر فتوی کفر لگاتے ہو، صدہا اخبارات کے کالم ان کی بدگوئی سے گندے کرتے ہو، اس سے سوحصے زائد ان کفروں، ضلالوں کی آگ بجھانے میں دکھاتے کہ یہ تمہاری ہی لگائی تھی اور اپنی داڑھی بچانے کے لئے اس کا بجھانا تم پر فرض عین تھا، مگر سب دیکھ رہے ہیں کہ ہرگز ہرگز ان شیطنتوں کی روک تھام میں اس بولاہٹ والی جان توڑ کوشش کا دسواں، بیسواں، سوواں حصہ بھی نہ دکھایا پھر جھوٹے بہانے بنانے سے کیا حاصل، معہذا خود ذمہ داروں نے جو کچھ کیا وہ جاہلوں کی حرکات مذکورہ سے کہیں بدتر وخبیث تر ہے، اور کیوں نہ ہو کہ شملہ بمقدار علم، ابوالکلام آزاد صاحب نے کمپ ناگپور میں جمعہ پڑھایا اور خطبہ میں مدح خلفائے راشدین وحضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی جگہ گاندھی کی حمد کی اسے مقدس ذات ستودہ صفات کہا، میاں عبدالماجد بدایونی نے ہزاروں کے مجمع میں گاندھی کو مذکر مبعوث من اللہ کہا کہ اللہ نے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے، کہاں یہ کلمات ملعونہ اور کہاں بے تمیز احمق جاہلوں کا جے پکارنا،

"فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ"[2] "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ"[3] "كَلَّا بَلْ"	تم کہاں اوندھے جاتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں، کوئی

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۱۴۴۶ اسحاق بن ابراہیم دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۲۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

"کَلَّا بَلْ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ "[1]	نہیں، بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھادیا ہے ان کی کمائیوں نے۔(ت)

ترکی ٹوپیاں جلانا صرف تضییع مال ہوتا کہ حرام ہے اور گاندھی ٹوپی پہننا مشرک کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنا ہوتا کہ اس سے سخت تر، اشد حرام ہے، مگر وہ لوگ ترکی ٹوپیوں کو شعارِ اسلام جان کر پہنتے تھے اب انہیں جلادیا اور ان کے بدلے گاندھی ٹوپی لینا مشعر ہوا کہ انہوں نے نشانِ اسلام سے عدول اور کافر کا چیلا بننا قبول کیا: "بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾ "[2] (ظالموں کو کیا ہی برا بدلہ ملا۔ت) بالجملہ ایسے اقوال وافعال کفر وضلال پر عالم موصوف کا انکار عین حق وصواب وسبب ثواب ورضائے رب الارباب تھا اور جو ان کے شرعی احکام اہل اسلام پر ظاہر فرمانا اور ان کو "ذیاب فی ثیاب" کے شر سے بچا کر راہِ حق کی طرف بلانا، سنی عالم کا جلیل فرض مذہبی وکار منصبی وبجاآوری حکمِ خدا ونبی تھا اور ہے، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس کی طرف نفس خلافت کا انکار نسبت کرنا بہتان ہی نہیں چیزے دیگر است۔ اس کی تہہ میں اور اشد خباثت ہے، مسلمان تو مسلمان نفس خلافت کا منکر جملہ مدعیان کلمہ گو میں کون ہے جس سے سائل سوال کرتا اور مجیب جواب دیتا اہل سنت حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو خلیفہ جانتے ہیں، غیر مقلد ودیوبندی بھی اس میں نزاع نہیں کرتے، روافض حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خلیفہ جانتے ہیں، مرزائی اپنے مرزا تک اترتے ہیں، بلکہ خلافت سے مراد مسئلہ دائرہ ہے، اسی سے سوال اسی کا تذکرہ ہے تو اسے یوں مطلق لفظ نفس خلافت سے تعبیر تلبیس ابلیس ہے اور دل میں جو مراد ہے اس کا حال خود خلافت کمیٹی کے مفتی اعظم اور مستفتی اس کے لیڈر معظم کے فتوے سے ظاہر ہوگیا کہ عالم موصوف نے وہی فرمایا جو متواتر حدیثوں میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے، جس پر اجماع صحابہ امجاد ہے جو جمیع اہلسنت وجماعت کا اعتقاد ہے، اہلسنت سے خروج، قرآن کا انکار، کفر، ارتداد ان کے یہ چار احکام ملعونہ کاش اسی عالم دین پر محدود رہتے تو اس فتوی کے مفتی اور اس کے مصدقین بحکم ظواہر احادیث صحیحہ ونصوص کتب معتمدہ فقہیہ ایک ہی بلائے کفر سہتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما فان کان کما قال والا رجعت علیہ[3]	جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے، جسے کہا اگر وہ کافر تھا خیر ورنہ یہ

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم او کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، صحیح بخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

رواہ مسلم والترمذی ونحوہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تکفیر اسی قائل پر پلٹ آئے گی یہ کافر ہو جائے گا۔(اسے مسلم، ترمذی اور اسی کی مثل بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

درمختار میں ہے:

عزر الشاتم بیاکافر وھل یکفران اعتقد المسلم کافرا نعم والالابہ یفتی[1]۔	کسی مسلمان کو "اے کافر" کہنے والے شخص پر تعزیر نافذ کی جائے گی، کیا اگر کوئی شخص مسلمان کو کافر سمجھتا ہے تو کافر ہوگا؟ ہاں وہ کافر ہے، اور اگر کافر نہیں سمجھتا تو پھر کافر نہیں۔ اسی پر فتوی ہے۔(ت)

شرح وہانیہ، ذخیرہ، نہر الفائق ورد المحتار میں ہے:

لانہ لما اعتقد المسلم کافرا فقد اعتقد دین الاسلام کفرا۔[2]	کیونکہ جب مسلمان کو کافر مانا تو اس نے دین اسلام کو کفر جانا۔(ت)

اس کی تفصیل جلیل وتحقیق جمیل ہماری کتابوں الکوکبۃ الشھابیۃ اور النھی الاکید وغیرہما میں ہے مگر یہاں تو خود خلافت کمیٹی کے لیڈروں مفتیوں کے فتوے نے روشن کردیا کہ یہ تکفیر صرف اس سنی عالم کی نہیں بلکہ تمام ائمہ اہل سنت اور جملہ صحابہ کرام اور خود ارشاد اقدس حضور سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کی ہے، اب کون مسلمان ہے کہ اس تکفیری فتوے اور اس کی ناپاک تصدیق کو کلماتِ کفر نہ کہے گا۔ فقہاء کرام ائمہ وصحابہ درکنار خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام پاک پر کفر کا حکم لگانے والوں کو کافر نہ کہیں گے تو اور کسے کافر کہیں گے، اب ان سے پوچھئے کہ یہ کتنے کروڑ کفر اخبث واشد ہوئے خصوصًا وہ کفر اخیر سب سے خبیث تر سب سے لعین، "وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۷﴾"[3] (اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔ت) سنی عالم کو اس کی پروانہ کرنی چاہئے، ہر قوم کی ایک اصطلاح ہوتی ہے، ان لوگوں کی اصطلاح جدید میں ملت ملتِ گاندھی ہے اور سنت سنتِ گاندھی، اس کی روش سے جدا چلنے والوں کو اہل سنت وجماعت سے خارج اور اس کی ملتِ مخترعہ کے مخالفوں کو کافر مرتد کہتے ہیں، جس طرح فرعون ملعون نے معاذ اللہ حضرت کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی تکفیر کی تھی کہ "فَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَ اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾"[4] (تم نے کیا اپنا وہ کام جو تم نے کیا اور تم ناشکر

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

[2] ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۹

تھے۔ت)اور مشرکین مکہ ملاعنہ نے خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر معاذ اللہ ابتداع کی تہمت رکھی تھی "مَاسَمِعْنَابِهٰذَافِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝" [1] (یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے۔ت) بلکہ یہ حضرات تو فرعون ومشرکین سے بھی بڑھ کر کوئی نرالی انوکھی اصطلاح رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے دشمنوں خدا کے محبوبوں کو کہا یہ خود اپنوں کو بلکہ اپنی ہی زبانوں سے اپنی ہی جانوں کو کہتے ہیں، آخر نہ دیکھا کہ مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہجہان پوری وعبدالماجد صاحب بدایونی نے فتوٰی شاہجہان پور میں کس شدومد سے نفس خلافت کی جڑکاٹ دی اور فتوٰی جبلپور نے ان دونوں لیڈروں مفتیوں عالموں پر کافر مرتد کی چھانٹ دی بلکہ خود مولوی ریاست علی خاں وعبدالماجد نے اسی فتوٰی شاہجہانپور کے آخر میں اپنے ہی اوپر فاسق ومفسد کی بانٹ دی، پھر فتوی جبلفور میں علمائے دین کو کہنے کی کیا شکایت آخر نہ دیکھا کہ حق بہ حق دار رسید رجعت علیہ ان کا کفرانہیں پر پلٹا "وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝" [2] (اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے۔ت) مستفتی اگر واقع میں اس گروہ سے نہ ہوتا ایک بات صاف دل سے معلوم کرنا چاہتا اور جب یہ ناپاک کفر دیکھتا اسے ردی میں پھینک دیتا تو اس پر الزام نہ آتا مگر وہ تو اول سے اسی خباثت پر اعتقاد لاتے اور اغوائے عوام کو اس کی تائید ہی کے لئے فتوے گھڑواتے ولہذا اسی گروہ ناحق پژدہ کے پاس لے جاتے اور پھر اسے مانتے اس سے احتجاج کرکے اس کی نجاست پھیلاتے ہیں تو وہ اور اس کے ماننے والے سب کفر کے ماننے والے ہیں ان کا وبال ان پر سے کم نہ ہوگا لاینقص من اوزارھم شیئ [3] (ان کے بوجھ میں کمی نہ ہوگی۔ت) اگرچہ ان کے مفتی ومصدقین پر اپنے وبال کے علاوہ ان سب کا بھی پڑے گا،

علیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیامۃ [4]۔ "وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۫" [5]۔	اس کا بوجھ اس پر ہوگا اور جو قیامت تک اس پر عمل پیرا ہوگا اس کا بوجھ بھی اس پر آئے گا۔(ت) اور بیشک ضرور وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ (ت)

بربنائے مذکور عالم دین کی شان میں ناشائستہ الفاظ استعمال کرنے والوں کو یہی بس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسوں کو کھلا منافق بتایا، ارشاد فرماتے ہیں:

ثلاثۃ لایستخف بحقھم الا منافق بین	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق،

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷

[2] القرآن الکریم ۱۴/۲

[3] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ حسنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

[4] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۷

[5] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

النفاق، ذوالشیبة فی الاسلام، وذوالعلم وامام مقسط[1]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسنہ الترمذی لمتن غیرہ ورواہ ابو الشیخ فی کتاب التوبیخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ وعندہ زیادۃ لفظ بین النفاق۔	ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور عالم دین اور بادشاہ اسلام عادل (اسے طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جسے ترمذی نے دوسرے متن کے ساتھ حسن کہا، ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں اسے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اس میں "بین النفاق" کا اضافہ ہے۔ت)

مجمع الانہر میں ہے:

من قال لعالم عویلم علی وجہ الاستخفاف کفر[2]	جو کسی عالم دین کو تحقیر کے طور پر "مولویا" کہے کافر ہو جائے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی، یہ سوال اول کا جواب مجمل ہے اور یہیں سے تین سوال آئندہ کے جواب واضح ہوگئے وباللہ التوفیق۔

(۲) موالات ہر کافر سے مطلقًا حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا کہ رب عزوجل نے عام کفار کی نسبت یہ احکام فرمائے تو بزورِ زبان ان میں سے کسی کافر کا استثنا مانا اللہ عزوجل پر افترائے بعید اور قرآن کریم کی تحریف شدید ہے بلکہ عالم الغیب عزجلالہ نے یہ حکم یہود ونصارٰی سے خاص ماننے والوں کے منہ میں اپنے قہر عظیم کا پتھر دے دیا، ایک آیت میں صراحۃً کتابیوں کے ساتھ باقی کفار کو جدا ذکر فرمایا کہ کتابی سب کو تعمیم حکم مفسر منور ہو جائے جاہلان ضلیل کی تاویل ذلیل راہ نہ پائے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾"[3]۔	اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہراتے ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یہود ونصارٰی) اور باقی سب کافران میں کسی سے اتحاد وداد نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۸ المکتبۃ الفیصلیۃ ۸/ ۲۳۸، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۴۳۸۱۱ موسسة الرسالة بیروت ۱۶/ ۳۲
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵
[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۷

اب تو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود ونصارٰی کے لئے ہے، نیز آیہ کریمہ میں کھلا اشارہ فرماتا ہے کہ کسی قسم کے کافروں سے اتحاد منانے والا ایمان نہیں رکھتا اور اوپر آیت میں صریح تصریح گزر چکی کہ انہیں اللہ ورسول قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں سے اتحاد نہ کرتے، نیز صاف فرمایا:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ" [1]۔	نہ پاؤگے انہیں جو اللہ وقیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان سے دوستی کریں جنہوں نے اللہ ورسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں۔

سبحان اللہ مگر مشرکین یا وہابیہ نے اللہ ورسول کی مخالفت نہ کی، صرف یہود ونصارٰی نے کی ہے، قرآن کریم جابجا شاہد ہے کہ مطلقاً موالات حرام ہونے کی علت کفر ومخالفت وعداوتِ اللہ ورسول ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یہ معنی انہیں آیات سے کہ یہاں تلاوت ہوئیں، روشن اور نہایت صریح تر الفاظ سے اس کا علت ہونا اس آیہ کریمہ میں بیان فرمادیا کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳" [2]	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں سے بھی محبت نہ کرو اگر وہ ایمان پر کفر کو اختیار کریں اور تم میں جو ان سے محبت کرے گا وہی پکا ظالم ہے۔

اللہ اکبر یہ ہے وہ اسلام جس پر ان کے بڑے لیڈر ابوالکلام آزاد کا مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب میں یہ اہتمام کہ وہ بعض اقسام کفار سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ عالمگیر محبت اس کی دعوت حق کا اصل الاصول ہے انا للہ وانا الیہ راجعون، کیا اللہ عزوجل نے نہ فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ۝۱۱۶ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۱۷" [3]	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا میں تھوڑا سا برت لیں پھر ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

کیا نہ فرمایا:

"قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	اے محبوب تم فرمادو کہ بیشک وہ جو اللہ پر افترا

---
[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶و۱۱۷

لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ مَتَاعٌ فِی الدُّنۡیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ نُذِیۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِیۡدَ بِمَا کَانُوۡا یَکۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ "[1]	کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے دنیا کچھ برت لیں پھر انہیں ہماری طرف پلٹنا ہے پھر ہم ان کو وہ سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا۔

کیا نہ فرمایا:

"وَیۡلَکُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا فَیُسۡحِتَکُمۡ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدۡ خَابَ مَنِ افۡتَرٰی ﴿۶۱﴾ "[2]۔	تمہاری خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب میں بھون ڈالے گا اور بیشک نامراد رہا مفتری۔

کیا نہ فرمایا:

" اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "[3]۔	بیشک ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو کافر ہیں۔

یہ ہے کہ قرآن عظیم کا فتوی جس نے کفر کا حکم جمادیا،

"وَ خَسِرَ هُنَالِکَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾ "[4] "وَ قِیۡلَ بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۴۴﴾ "[5]	اور باطل والوں کا وہاں خسارہ ہے اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔ (ت)

حاش للہ کسی قسم کفار سے محبت کرنے کا اسلام نے حکم نہ دیا، باپ بیٹے کافر ہوں توان سے بھی محبت کو صریح حرام فرمادیا اور دلی محبت واخلاص و اتحاد کرنے کو توجابجا صاف صاف ارشاد واعلام فرمادیا کہ وہ انہیں کافروں میں سے ہیں، انہیں اللہ وقیامت پر ایمان نہیں، انہیں اللہ ورسول وقرآن پر ایمان نہیں، بالجملہ وہ کسی طرح مسلمان نہیں، ہاں کافروں میں فرق ہوگا تو یہ کہ جس کا کفر اشد اس سے معاملات کا حرام وکفر ہونا اشد وزائد کہ علتِ حرمت کفر ہے علت جتنی زیادہ حکم سخت تر۔ یہ ان کذابوں، مفتریوں پر اور الٹا پڑے گا کہ کفر میں یہود ونصارٰی سے مجوس بدتر ہیں، ہنود سے وہابیہ وسائر مرتدین عنود بدتر ہیں ولہٰذا ان کے احکام اسی ترتیب پر سخت تر ہیں،

کما لا یخفی علی من له اعلام باحکام الفقهین "وَ لٰکِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ "[6] "وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[7]	جیسا کہ یہ ہر اس شخص پر واضح ہے جو احکامِ فقہاء سے آگاہ ہے لیکن ظالم آیاتِ الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائینگے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۷۰

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۷۸

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۴

[6] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[7] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

(۳) ضرور وہ لوگ مکذب و محرف قرآن ہیں اور خود بحکم قرآن کافر و نا مسلمان، جس کا بیان بقدر وافی ہو چکا، تکذیب قرآن عظیم ان کی نئی نہیں ان کے اعظم لیڈران ابوالکلام آزاد نے "الہلال" میں سیدنا عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے نبی صاحبِ شریعت کا صاف انکار کیا اور منہ بھر کر قرآن عظیم کو جھٹلا دیا "الہلال" ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء میں کہا:

" مسیح ناصری کا تذکرہ بیکار ہے، وہ شریعت موسوی کا ایک مصلح تھا جو خود کوئی صاحبِ شریعت نہ تھا، اس کی مثال مجدد کی سی تھی ، وہ کوئی شریعت نہ لایا، اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا، اس نے خود تصریح کردی کہ میں تو توریت کو مٹانے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں"۔[1] (یوحنا ۱۳: ۵)

مسلمانو! **اول** تو روح اللہ کلمۃ اللہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کہنا کہ اس کا تذکرہ بیکار ہے۔

دوم بار بار مؤکد فقروں سے جمانا کہ وہ نبی صاحبِ شریعت نہ تھے۔

سوم نصارٰی کی انجیل محرف سے سند لانا، اور وہ بھی محض بربنائے جہالت وضلالت۔ کیا صاحب شریعت انبیاء اللہ کے اگلے کلاموں کو مٹانے آتے ہیں، حاشا بلکہ پورا ہی فرمانے کو، نسخ کے یہی معنی ہیں کہ اگلے حکم کی مدت پوری ہوگئی خیر یہاں کہنا یہ ہے کہ ان فقروں میں آزاد صاحب نے پیٹ بھر کر قرآن عظیم کی تکذیب کی، قرآن کریم قطعًا ارشاد فرماتا ہے کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحبِ شریعت تھے، اولًا اس نے پہلے توراہ مقدس کا ذکر فرمایا:

"وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ"[2]	ان کے پاس توراۃ ہے اس میں اللہ کے حکم ہیں۔

اور فرمایا:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ "[3]	جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی کافر ہیں۔

پھر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انجیل دینا بیان کرکے فرمایا:

"وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ "[4]	انجیل والے اللہ کے اتارے پر حکم کریں اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

[1] الہلال ابوالکلام آزاد ۲۴ ستمبر ۱۹۱۳ء

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[4] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

ثانیًا اور صاف فرمادیا کہ دونوں کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن مجید اترنے کا ذکر کرکے فرمایا:

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً"[1]	اے توراۃ وانجیل وقرآن والو! ہم نے تم میں ہر ایک کے لئے ایک شریعت وراہ رکھی اور اللہ چاہتا تو تم سب کو گروہِ واحد کردیتا۔

ثالثًا کج فہم بلیدوں یا ہٹ دھرم عنیدوں کی اس سے بھی تسکین نہ ہو تو قرآن عظیم جھوٹوں کو راہ نہیں دیتا، اس نے نہایت روشن لفظوں میں بعض احکام توراۃ مقدس کا احکامِ انجیل مبارک سے منسوخ ہونا بتادیا، اپنے نبی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

"وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ"[2]	میں تمہارے پاس آیا ہوں سچا بتاتا اپنے آگے اتری کتاب توراۃ کو اور اس سے کہ میں تمہارے واسطے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر توراۃ نے حرام فرمائی تھیں۔

اب بھی کسی مسلمان کو مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبِ شریعت ہونے میں شک ہوسکتا ہے یا منکر بجہنم اس میں شک کرنے والا مسلمان رہ سکتا ہے، انجیل میں کئی جگہ ان احکام کی تفصیل بھی ہے کہ پہلے تم سے یہ فرمایا گیا تھا اور اب میں یہ کہتا ہوں، آزاد صاحب خاص اپنا اطمینان چاہیں تو اپنی معتمدہ بائبل ہی کو دیکھ لیں آزاد صاحب تو ابوالکلام ہیں، مواقع سخن سے خوب آگاہ ہیں یہ تین آیات کریمہ تھیں "وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ، لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ، وَلِاُحِلَّ لَكُمْ" بلیغ الدہر نے جب ان کی تکذیب کی اور منہ پھاڑ کر کہہ دیا کہ مسیح صاحبِ شریعت نہ تھا تو اسے بھی تین فقروں سے مؤکد کیا: "اس کی مثال مجدد کی سی تھی، وہ کوئی شریعت نہ لایا، اس کے پاس کوئی قانون نہ تھا" تاکہ ہر آیت کے مقابلے کو ایک فقرہ تیار رہے، آیاتِ قرآن پر وار کرنے کو یہ ان کی ذوالفقار رہے۔ بالجملہ ایک تکذیب وہ تھی کہ اسلام نے کچھ کافروں سے محبت کا حکم دیا، دوسری تکذیب وہ کہ مسلمین وکافرین سب سے محبت اسلام کی اصل الاصول ہے، اور چار تکذیبیں ان چار فقروں سے، یہاں تک چھ تکذیبیں ہوئیں، ان چار پر کوئی گمان کرسکتا ہے کہ آزاد صاحب اب ترک موالات میں ہیں، نصارٰی سے بائیکاٹ اس زور سے کیا کہ ان کے نبی کو بھی بائیکاٹ کردیا، اگر مسلمان پر معترضانہ کہیں کہ یہ تو سب انبیاء اور خود حضور سید الانبیاء علیہم وعلیہ افضل الصلوٰۃ

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

والثناء کا بائیکاٹ ہوگیا کہ ایک نبی سے مقاطعہ تمام انبیاء سے مقاطعہ اور خود رب عزوجل سے مقاطعہ ہے، اب آپ کے ماننے کو اللہ کا کوئی نبی نہیں مل سکتا، پھر بھی وہ اس کی کیا پروا کرتے جب تک کمیٹی کے نبی بالقوۃ خواہ بالفعل گاندھی صاحب مذکر مبعوث من اللہ سلامت ہیں، یک در گیر محکم گیر، لیکن اسی الہلال کی جلد تین کی چار اور تکذیبیں اس بائیکاٹ کے بالکل خلاف ہیں، صفحہ ۳۳۸ پر مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت کہا: "یہودیوں نے ان کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھا تاکہ وہ صلیب عـــہ پر لٹائے جائیں اور جو لکھا ہے پورا ہو "[1] یہ قرآن عظیم کی ساتویں تکذیب کی، وہ فرماتا ہے: "وَمَاصَلَبُوۡہُ"[2] انہوں نے مسیح کو سولی نہ دی۔ نیز اسی صفحہ پر کہا: "مسیح نے اپنی عظیم قربانی کی۔"[3]

اور صفحہ ۳۳۹ پر دو لفظ اور لکھے: "مظلومانہ قربانی" اور "خون شہادت"۔[4]

یہ تینوں لفظ بھی قرآن عظیم کی تکذیب بتاتے ہیں، وہ فرماتا ہے: "وَمَاقَتَلُوۡہُ"[5] انہوں نے مسیح کو قتل نہ کیا۔ یہاں تک پوری دس "تکذیبیں ہوئی" "تِلۡكَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ"[6]۔ یہ پچھلی چار عین مذہب نصارٰی ہیں، کیا قرآن عظیم کو جھٹلانے کے لئے نصارٰی سے بائیکاٹ کے بدلے میل ہو جاتا ہے یعنی ملۃ واحدۃ، ہر شخص کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل کا ادنی جلوہ، پہلو میں دل اور دل میں اسلام کا کچھ بھی حصہ ہو علانیہ دیکھ رہا ہے کہ آزاد صاحب کے ان اقوال میں تین کفر ہیں:

(۱) کلام اللہ کی تکذیب،

(۲) رسول اللہ کی توہین،

(۳) شریعۃ اللہ کا انکار۔

اور پھر وہ قوم کے لیڈر رہیں، دین کے رفارمر ہیں، سب لیڈروں کے سر ہیں،

فسبحان مقلب القلوب والابصار۔" کذٰلِكَ	اے اللہ تعالٰی تو پاک ہے تو دلوں اور آنکھوں کو پھیرنے

عـــہ: صلیب پر لٹانا بھی عجیب شاید صلیب زمین پر بچھی ہوئی مسہری سمجھی ۱۲

[1] الہلال ابوالکلام آزاد ۳/ ۳۳۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۷

[3] الہلال آزاد ۳/ ۳۳۸

[4] الہلال ۳/ ۳۳۹

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

یَطْبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلْبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[1]	والا ہے۔ اللہ یوں ہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔(ت)

اذا کان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب قوم کا رہنما کوّا ہوگا تو ان کو ہلاکت ہی دکھائے گا۔ت)

کیا نہیں ڈرتے کہ ؎

ہر کہ آزاد از اسلام بود

در سقر بندیِ آلام بود

(جو اسلام سے آزاد ہوگا وہ مصیبتوں کی جہنم میں جکڑا جائیگا۔ت)

آج کل کفر وارتداد و زندقہ والحاد کا گرم بازار ہے ہر چہار طرف سے اللہ و رسول و قرآن پر گالیوں تکذیبوں کی بوچھاڑ ہے، کفر بکنے والوں سے گلہ نہیں، عجب عام مدعیان اسلام سے کہ ان کے نزدیک اللہ و رسول و قرآن سے زیادہ ہلکی عزت کسی کی نہیں، ان کے ماں باپ کو گالی دینا تو بڑی بات کوئی انہیں تُو تو کہہ دیکھے اور اللہ و رسول و قرآن پر گالیاں سنتے ہیں، چھپے شائع ہوتے دیکھتے ہیں اور تیوری پر بل نہیں آتا بلکہ گالیاں دینے والوں سے میل جول یارانے دوستانے بدستور رہتے ہیں، ان کے اعزاز واکرام القاب آداب ویسے ہی منظور رہتے ہیں، صاف دلکشادہ جبین گویا کسی نے کچھ کہا ہی نہیں، نہیں نہیں بلکہ الٹی ان کی حمایت، انہیں برا کہنے والے سے بغض وعداوت، ان کا حکم الٰہی ظاہر کرنے والا بے تہذیب بدلگام ہے، تنگ کن دائرہ اسلام ہے، عبدالماجد سے بدتر کافر آج کل شائد ہی کوئی ہو جس نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجہول النسب بچہ کہا اور قرآن کو اپنے دعوی توحید میں کاذب وناتمام ٹھہرایا اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی تعظیم کی آیتیں تصنیف کرلیں اور رنگ وروغن بڑھانے کو اپنے اہل بیت وازواج کی تعظیمیں بھی اضافہ کردیں وغیرہ وغیرہ ملعونات کثیرہ، جب ان باتوں پر اس کی تکفیر ہوئی، چار طرف سے کوا گہار دوڑ پڑی ناپاک اخباروں میں دفتر کے دفتر اس کی برات میں سیاہ ہونے لگے، ایک کافر ہوا تھا اس کے پیچھے ہزاروں کے اسلام تباہ ہونے لگے، مگر جواب ایک حرف کا نہیں بلکہ ڈھٹائی بے شرمی بے حیائی سے مکرنا، صاف دن میں ٹھیک دوپہر کو آفتاب کا انکار کرنا، وہ بیچارہ تو کوئی چیز نہ تھا **لافی العیر ولافی النفیر** (نہ اونٹوں میں نہ چڑیوں میں یعنی کسی گنتی میں نہ تھا۔ت) جب اس کی حمایت میں وہ کچھ جوش تو مسٹر ابوالکلام تولیڈر کبیر، ان کا کفر ضرور ٹھیٹ اسلام بنے گا ان کے مقابل اللہ و رسول و

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

قرآن کی کون سنے گا، کھلے گمراہان لیام کو جانے دو، بدایوں، شاہجہان پور، لکھنؤ وغیرہ میں بڑے بڑے سنیت کا دھرم بھرنے والے بستے ہیں، دیکھئے تکذیب کلام اللہ وتوہین رسول اللہ وانکار شریعۃ اللہ دیکھ کر ان میں کتنے اور کستے ہیں، مسٹر آزاد سے توبہ وقبول اسلام شائع کراتے ہیں اور نہ مانیں توان سے بائیکاٹ مقاطعہ مناتے ہیں، حاشانہ وہ توبہ واسلام شائع کریں نہ یہ ہرگز ان کی موالات، تعظیم سے پھریں، تکذیب کی توقرآن کی کی ان کی تونہ کی، گالی دی تورسول اللہ کو انہیں تونہ دی۔ اے تصور جویان خود گم، ابھی حب للہ وبغض للہ کے مزے سے واقف ہی نہیں تم۔

"قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْؕ "[1]۔	کہو کہ ہم مطیع ہوئے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔ (ت)

اور جن بندگانِ خدا کو ان کا حصہ ملا ہے ان پر چرچتے ہوان کے سایہ سے کہ ان کا سایہ نہیں سایہ مصطفیٰ ہے، مستنفرہ ہو کر بچتے ہو، یہاں سے ان کے بائیکاٹ اور ترک موالات کی حقیقت کھلتی ہے، مسلمان کا ایمان شاہد ہے کہ ترک بھائیوں کا سارا ملک چھین لیں یا کعبہ معظّمہ کو معاذاللہ ایک ایک اینٹ کردیں، ہرگزاللہ ورسول وقرآن کی تکذیب وتوہین کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اگران کا وہ جوش وہ نان کوآپریشن (NON CO-OPERATION) کا خروش اللہ کے لئے ہوتا تو وہاں ایک حصہ تھا ان سے ہزار حصے ہوتا، مگر یہاں ہزاروں حصہ بھی درکنار، وہی محبت وہی پیار، وہی تعظیم وہی تکریم، وہی وداد وہی اتحاد، وہی لیڈری وہی سروری، تو للہ انصاف کیا آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوا کہ ہرگزانہیں دین سے غرض نہیں، نہ دین کے لئے ان کی کوششیں ہوئیں بلکہ سب جوش وخروش بہرنا ؤنوش سوراج بس باقی ہوس، انا للہ وانا الیہ رجعون۔ مسلمان کہلانے والو! للہ اپنا ایمان سنبھالو، واحد قہار کے قہر سے ڈرو، حب للہ وبغض للہ کے سامان درست کرو، نیچری دیکھ کیسا ہی معظم یا پیارا ہو دور کرو، دور بھاگو، خدا کے دشمن کو دشمن مانو، اس سے تعلق کو آگ جانو، ورنہ عنقریب دیکھ لوگے کہ تمہارے قلوب مسخ ہوگئے، تمہارے ایمان نسخ ہوگئے،

"فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۝۴۴ "[2]"مَنْ	تو جلد وہ وقت آتا ہے کہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے یاد کرو اور میں اپنے کام اللہ کو سونپتا ہوں، بیشک

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿۳۶﴾ وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ "[1]	اللہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کی کوئی ہدایت کرنے والا نہیں، اور جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی بہکانے والا نہیں۔ (ت)

میں جانتا ہوں کہ حق کڑوا لگے گا مگر کوئی مسلمان تو ایسا نکلے گا کہ رب کے حضور گردن جھکا کر سچے دل سے دیکھے، حق و باطل کو میزانِ ایمان میں پرکھے، اور اگر سب پر وہی عناد و مکابرہ کا داغ، تو وماعلینا الا البلاغ، اللھم الیك المشتکی وانت المستعان، وعلیك البلاغ والیك المصیر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ہماری ذمہ داری بات پہنچانا تھا اے اللہ! تیری بارگاہ میں درخواست ہے اور تو ہی مدد فرمانے والا ہے، تیرا کام ہی بات کا موثر فرمانا ہے، اور لوٹنا تیری طرف ہے برائی سے پھرنے اور نیکی کو بجالانے کی قوت اللہ بلند و عظیم کے بغیر نہیں ہوسکتی۔ت)

(۴) عالم موصوف بیشک حق پر ہے اور ان لوگوں کی من گھڑت ترک موالات کہ نصاری سے مجرد معاملات جائزہ بھی حرام بلکہ کفر، اور ہنود سے وداد واتحاد، دلی محبت واخلاص جائز بلکہ فرض قطعی اللہ ورسول پر افترا ہے، اس کا کچھ بیان ہوچکا اور زیادہ تفصیل کے لئے فقیر کا رسالہ المحجۃ المؤتمنۃ ہے "وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۶﴾ "[2] (اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔ ت) عالم موصوف پر تنخواہ داری گورنمنٹ کا افتراء کیا جائے شکایت ہے جب ان کے بڑے بڑے لیڈر وہ کچھ جتنے بہتان اللہ ورسول وقرآن عظیم پر باندھ رہے ہیں ابھی قرآن کریم کی آیات سے روشن ہوچکا کہ یہ لوگ آپ ہی ترک موالات کے منکر اور تکذیب قرآن عظیم پر مصر ہیں، پھر وہ اپنا عیب عالم پر نہ لگائیں تو کیا کھا کر جئیں، باقی رہا کفر وارتداد کا فتوی اور اس کے مفتی ومصدقین ومستفتی اور اس کے ماننے والوں اور اس کے سبب عالمِ دین کی توہین کرنے والوں پر شرعی احکام، سب بعینھا وہی ہیں کہ جواب سوال اول میں گزرے اور یہ کہ عالم موصوف پر ان لوگوں کے حکم کفر وارتداد وہی اپنا عیب دوسرے کو لگانا اور فرعون ملعون کی سنت مذکورہ ہے کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ "[3] (ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات، ان کے اُن کے دل ایک سے ہیں۔ت)

(۵) جماعت اہل سنت میں (کہ محاورہ قرآن وحدیث میں وہی مومنین ہیں، کما بینہ الامام

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳۶ و ۳۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۸

صدر الشریعۃ فی التوضیح والملا علی القاری فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ (جیسا کہ اسے امام صدر الشریعہ نے توضیح میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰہ میں بیان کیا ہے۔ت) تفرقہ ڈالنا حرام ہے، رب عزوجل نے منافقین کی بنائی مسجد پر جو سخت غضب فرمایا، اور اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "لَا تَقُمۡ فِیۡهِ اَبَدًا ؕ"[1] کبھی اس میں کھڑے نہ ہونا، اور اس کے بنانے والوں کو فرمایا:

"اَسَّسَ بُنۡیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِیۡ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ"[2]	اس نے اس کی بنیاد رکھی گراؤ گڑھے کے کنارے پر تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھے پڑا۔

اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھیج کر اس کو ڈھوادیا جلوادیا۔ پھر حکم دیا کہ اس جگہ کو گھورا بنایا جائے جس میں نجاستیں اور کوڑا ڈالا جائے۔ رب عزوجل نے اس کی چار علتیں ارشاد فرمائیں، تیسری علت یہی "تَفۡرِیۡقًۢا بَیۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ"[3] (مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو۔ت) ہے کہ انہوں نے اس کے سبب جماعت میں تفرقہ ڈالنا چاہا تھا۔ معالم شریف میں ہے:

لانھم کانوا جمیعا یصلون فی مسجد قبا فبنوا مسجد الضرار لیصلی فیه بعضھم فیؤدی ذٰلك الی الاختلاف و افتراق الکلمۃ۔[4]	یعنی ساری جماعت مسجد قبا شریف میں ہوتی تھی، خبثاء نے وہ نقصان رسانی کی مسجد اس لئے بنائی کہ کچھ مسلمان اس میں پڑھیں، جس کا نتیجہ یہ ہو کہ پھوٹ پڑے اور تفرقہ ہوجائے۔

بلکہ ان خبیثوں نے جو عذر تفریق ظاہر کیا تھا یہ تفریق جبلپور اس سے ہزاروں درجے بدتر ہے۔ انہوں نے کہا تھا:

انا قد بنینا مسجدًا لذی العلۃ والحاجۃ واللیلۃ المطیرۃ واللیلۃ الشاتیۃ[5]۔	ہم نے مسجد بنائی ہے بیمار اور کامی اور بارش کی رات اور جاڑے کی شب کے لئے۔

اور ان کا عذر تفریق یہ ہوا کہ عالم دین معاذاللہ کافر و بدمذہب و ناقابلِ امامت ہے، جھوٹے وہ بھی تھے اور جھوٹے یہ بھی، مگر ع

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۶

[4] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن آیۃ والذی اتخذوا مسجدًا ضرارًا کے تحت مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۴۷

[5] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن آیۃ والذی اتخذوا مسجدًا ضرارًا کے تحت مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۴۷

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابکجا

(راستے کا تفاوت دیکھ کہاں تک ہے۔ت)

مسلمانوں کو مسجد الٰہی میں جانے سے منع کرنے اور اس کی ویرانی میں کوشاں ہونے کا حکم تو یہ ہے جو قرآن عظیم میں فرمایا:

"وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۱۴)" [1]۔	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ ان میں جائیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مگر یہاں ان کا عذر یہ ہوگا کہ ہمیں مسجد ویران کرنا اور اس میں نماز سے روکنا مقصود نہ تھا بلکہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی امام کے پیچھے مسلمانوں کی نماز خراب نہ ہو، یہ بھلائی چاہنے کا عذر بھی ان منافقوں مسجد ضرار بنانے والوں نے پیش کیا تھا اور خالی زبانی نہیں بلکہ قسم کے ساتھ مؤکد کرکے،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰىؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ضرور ضرور اللہ کی قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو تفریق جماعت سے بھلائی ہی چاہی۔

اس پر جواب فرمایا: "وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ(۱۰۷)" [3] (اللہ گواہی دیتا ہے کہ بیشک یہ جھوٹے ہیں) جبکہ وہ وجہ جو یہ ظاہر کرتے ہیں قطعًا کذب و باطل ہے، محض معاندانہ اس کا جھوٹا حیلہ گھڑ کر مسلمانوں کو مسجد سے روکنا اور جماعت میں پھوٹ ڈالنا چاہا تو وہ نہ ہوا مگر مسجد الٰہی کو یادِ الٰہی سے روکنا، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور انہیں مسجد سے روکنے میں کافروں سے مدد لینا اور انہیں اغوائے مسلمین کے لئے راستوں پر مقرر کرنا نظر بحقیقت تو ٹھیک مناسبت پر واقع ہوا، کافروں سے زیادہ اس کا اہل کون تھا، ایسے کام لینے والوں کے ایسے کام کو ایسے ہی کام کرنے والے مناسب تھے "اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِۚ" [4] (گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کے لئے۔ت) مگر ان کے زعم پر یہ کافروں سے استمداد اسی قسم میں واقع ہوا جو ان کے ادعا میں دینی کام تھا اور دینی کام میں کافروں سے استعانت حرام،

قال اللہ عزوجل "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ "[1]	کو مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

تفسیر ارشاد العقل و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں اسی آیۃ کریمہ کی تفسیر میں ہے: نھوا عن الاستعانة بھم فی الامور الدینیة[2]
اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا کہ کافروں سے کسی دینی کام میں مدد لیں، یونہی ایسی نماز قائم کرنے کے لئے جس کی بناپر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے اور سنی عالم کی اقتداء سے روک کر غالبًا کسی "منھم" کے پیچھے پڑھوانے پر ہو، زمین کفار ہی مناسب تھی کہ قضیہ زمین برسر زمین ورنہ فقہائے کرام نے تو کافر کی زمین میں نماز پڑھنے سے اتنا روکا ہے کہ مسلمان کی زمین میں بے اس کے اذن کے پڑھے اور کافر کی زمین سے بچے، اور اگر مسلمان کی زمین میں کھیتی ہے کہ اس میں نہیں پڑھ سکتا تو راستے میں پڑھے اور کافر کی زمین میں نہ پڑھے، اگرچہ راستے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر یہ کراہت کافر کی زمین میں پڑھنے کی کراہت سے ہلکی ہے۔ حاوی قدسی میں ہے:

ان اضطربین ارض مسلم و کافر یصلی فی ارض المسلم اذلم تکن مزروعة اولکافر یصلی فی الطریق[3]۔	اگر مسلمان اور کافر کی زمین کے درمیان اضطراب آگیا تو مسلمان کی زمین میں نماز ادا کی جائے گی بشرطیکہ وہ کاشت نہ ہو، اگر وہ کاشت ہے یا کافر ہی کی زمین ہے تو راستے میں نماز ادا کرلی جائے۔ (ت)

ہاں ظاہرًا یہاں اس کافر مالک زمین کا اذن ہوگا، اب ایمانی نگاہ سے یہ فرق دیکھنا چاہئے کہ کہاں تو کافر کی بے خبری میں اس کی زمین میں وہ نماز پڑھنی جس سے رضائے الٰہی مقصود ہو اور کہاں مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ڈالنے اور بندگانِ الٰہی کو مسجد الٰہی سے روکنے کے لئے کافر کی دلی خوشی کہ مسلمانوں میں پھوٹ پڑے پوری کرنے کو اس کی زمین میں نماز قائم کرنی کافر کی وہ کراہت بدتر تھی جو اس کی زمین میں نماز پڑھنے سے ہوتی یا کافر کی یہ خوشی بدرجہا بدتر ہے جو اس کی کراہت قلب پر غالب آگئی اور جس کے سبب خود اس نے اپنی زمین خوش خوش نماز کیلئے دی، اول کا مقصود رضائے الٰہی ہے اور کافر کو اس سے غیظ و نفرت، اور دوم کا مقصود مسلمانوں میں تفرقہ ہے کہ نامرضی خدا ہے اور کافر کو اس سے سرور فرحت، "فَاعْتَبِرُوْا يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۝"[4] (اے اہل ابصار! عبرت حاصل کرو۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) آیت لایتخذ المومنون الکٰفرین کے تحت دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳، الفتوحات الالٰھیہ آیت لایتخذ المومنون الکٰفرین کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[3] الحاوی القدسی

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

بلاشبہہ ایسا کرنے والے مسجد ضرار والے منافقوں کے وارث اور مسلمانوں کے بدخواہ اور ایذائے مسلمین کیلئے مشرکین کے آلے اور ان کے مسخرے یعنی انکے ہاتھوں میں ضرر اسلام کے لئے مسخر ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

(۶ و ۷) گائے کی قربانی بیشک شعارِ اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہم نے اونٹ اور گائے کی قربانی کو تمہارے لئے دین الٰہی کی نشانیوں سے کیا۔

خود مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی کو اس کا اقرار ہے۔ رسالہ قربانی صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں: "**وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ**" سے گائے کی قربانی ثابت ہوتی ہے [2]" خصوصًا اس معدنِ مشرکین ہندوستان میں کہ یہاں اسکے ابقا و اجرا بلاشبہہ اعظم مہمات اسلام سے ہے، مکتوبات جناب شیخ مجدد صاحب میں ہے:

ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است [3]۔	ہندوستان میں گائے کا ذبح کرنا اسلام کے سب سے بڑے شعائر میں سے ہے۔ (ت)

یہاں اس کا باقی رکھنا یقینا واجب شرعی ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ "انفس الفکر فی قربان البقر" میں ہے،

علمائے لکھنؤ نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ مولوی عبدالحہ صاحب کے فتاوٰی میں ہے:

"گائے ذبح کرنا طریقہ قدیمہ ہے زمانِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و جملہ سلف صالحین سے تمام بلاد وامصار میں، اور اس پر اجماع واتفاق ہے تمام اہل اسلام کا، ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود بنظرِ تعصب مذہبی منع کریں تو مسلمانوں کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے بلکہ ہر گاہ ہنود ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقاء واجرا میں سعی کریں، اور اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہ گار ہوں گے، ہنود منع کریں تو اسکے ابقا میں سعی واجب ولازم ہے [4] (ملخصًا)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

انہیں کے دوسرے فتوے میں ہے: "گائے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، ہنود بہ نظر اپنے مذہب کے روکے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۱

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب ہشادو یکم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۶

[4] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

تو مسلمانوں کو باز آنا نہیں درست ہے اور ہندو کی ممانعت کو جو مبنی ہے ان کے اعتقاد باطل پر تسلیم کرلینا نہیں جائز ہے، جو اس کی عظمت کا خیال کرے اس کے اسلام میں فتور ہے، پس ہنود کی ممانعت تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت و ترویج کا ہوگا اور یہ کسی طرح شرعًا جائز نہیں، مسلمانوں کو ضرور رہے کہ گاؤ کشی ترک نہ کریں[1]" (ملخصًا)

محمد عبدالحیٔ ابوالحسنات

مولوی عبدالباری صاحب کے والد ماجد مولانا عبدالوہاب صاحب کے فتوٰی میں ہے:

"ان بلاد میں مسلمانوں کو گاؤ کشی باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے[2]"

محمد عبدالوہاب

انھیں کے دوسرے فتوٰی میں ہے: "قربانی گائے کی شعارِ اسلام ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود موجب معصیت ہے بلکہ قائم رکھنے قربانی گائے میں مسلمانوں کو سعی لازم ہے[3]"

محمد عبدالوہاب

خود مولوی عبدالباری صاحب کے رسالہ قربانی میں ص ۲۰ میں ہے:

"رکاوٹ ڈالنے کی صورت میں گائے کی قربانی واجب ہوجاتی ہے"[4]

اسی کے صفحہ ۲۱ میں ہے: "جب سے ہندوؤں کو اس کا خیال ہوا کہ گائے کی قربانی روکی جائے اس وقت سے مسلمانوں کو بھی اپنا حق قائم رکھنے اور اپنے مذہبی حکم جاری رکھنے کا خیال پیدا ہوگیا، حکم شریعت بھی ایسا ہی ہے کہ جب قربانی روکی جائے تو لازم ہے کہ ہم اس کو کریں[5]"

صفحہ ۶ میں ہے: "میں جانتا ہوں روکنے سے اس کا انجام دینا ضروری ہوجاتا ہے[6]"

صفحہ ۳: "مذہبی شعار کو کسی دباؤ یا مروت سے نہیں چھوڑ سکتے۔"[7]

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحٔی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۶۔۲۸۵

[2] فتاوٰی محمد عبدالوہاب بحوالہ مجموعہ فتاوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

[3] فتاوٰی محمد عبدالوہاب بحوالہ مجموعہ فتاوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۶

[4] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۰

[5] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۲۱

[6] قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۶

[7] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۳

صفحہ ۱۶: "ہندوؤں کے روکنے یا ان کی محض خوشامد سے ترک قربانی گاؤ کو ممنوع سمجھتا ہوں[1]"

صفحہ ۱۹: شعارِ دین میں سے جس کو روکا جائے اس کے برقرار رکھنے کی پابندی مسلمانوں پر عائد ہوجاتی ہے"۔[2]

بقیہ اقوال کی تشریح رسالہ الطاریٔ الداریٔ میں ہے، تو جو لوگ خوشنودی مشرکین کے لئے اس شعارِ اسلام کو مٹانے چاہتے اور مسلمانوں کو اس کے چھوڑنے پر زور دیتے ہیں، سخت فاسق، مفسد، آمر بالحرام، بدخواہ اسلام، مسلمانوں کے رہزن ہیں، مشرکین کے گرگے، شیطان کے بھائی، ابلیس کے کارندے، حق کے دشمن ہیں، منافقوں کے وارث ہیں، جن کو حق سبحانہ فرماتا ہے:

"اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَ يَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ هِيَ حَسْبُهُمْۚ وَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌۙ۝۶۸"[3]	منافق مرد عورت آپس میں ایک ہیں برائی (مثلاً شعارِ اسلام بند کرنے) کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی (شعارِ اسلام جاری رکھنے) سے روکتے ہیں، اور (نیک کام خصوصاً شعائر اسلام سے) ہاتھ کھینچتے ہیں وہ اللہ کو بھول گئے تو اس نے انہیں چھوڑ دیا، بیشک منافق ہی پکے فاسق ہیں، اللہ نے منافق مردوں عورتوں اور ان کافروں سے (جن کی طرف یہ منافق جھکتے اور ان کی خوشنودی چاہتے ہیں) جہنم کی آگ کا وعدہ فرمایا ہے جس میں وہ سب ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے عذاب کو بہت ہے اور اللہ نے ان سب پر لعنت کی اور ان کے لئے دائم عذاب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

ان کے دام میں پھنس کر گائے کی قربانی چھوڑنے والا اللہ عزوجل کا مخالف اور ابلیس لعین کا فرمانبردار ہے، تارک واجب ومرتکب حرام، مستحقِ نار وغضب جبار ہے۔

والعیاذ باللہ العزیز الغفار وصلی اللہ تعالٰی	اللہ عزیز وغفار کی پناہ، اور اس کے حبیب مختار

[1] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۱۶

[2] رسالہ قربانی عبدالباری فرنگی محلّی ص ۱۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۷ و ۶۸

علی الحبیب المختار واٰلہ الاطہار وصحبہ الابرار و اولیائہ الاخیار وامتہ اجمعین الی یوم القرار و بارك وسلم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	پر صلوٰۃ وسلام، آپ کی آلِ اطہار، اصحاب ابرار، اولیا اخیار اور امت پر بھی قیامت تک، اور برکت وسلامتی ہو۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳: از وانا پور محلّہ شگونہ مسجد حنفیّہ مسئولہ محمد حنیف خاں ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

بگرامی خدمت فیض درجت امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ مولانا مولوی مفتی شاہ احمد رضاخاں صاحب مد ظلہم الاقدس، السلام علیکم! گزارش خدمت ہے کہ یہاں شہر پٹنہ ایک جگہ پر مجمع ہوا، جسمیں علمائے بہار بھی شریک تھے۔ اور عام لوگ بھی مولوی ابوالکلام حامی ترک موالات نے تحریک کی کہ بہار واڑیسہ کے لیے ایک امیر اسلام ہونا چاہئے اس پر لوگوں نے حضرت اقدس شاہ بدرالدین صاحب پھلواروی کو تجویز کرکے امیرِ اسلام بنایا، اب اعلان ہے کہ لوگ شہر کے امیرِ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کریں، لہٰذا حضور والا سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ امیرِ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور امیرِ اسلام کے لئے کیا کیا شرائط از روئے قرآن شریف وفقہ شریف ہونا چاہئے اور جو لوگ بیعت نہ کریں کیا وہ لوگ گنہگار ہیں جواب تفصیل سے مع دلائل کے عنایت ہو بینوا توجروا۔

الجواب: امیر شریعت دو قسم ہے: اختیاری وقہری۔ اختیاری وہ جو کسی پر اپنے احکام کی تنفیذ میں جبر کا اختیار نہیں رکھتا، احکامِ شریعت بتادینا اس کا کام ہے، ماننا نہ ماننا لوگوں کے اختیار، یہ امیرِ شریعت متدین فقہائے اہلِ سنت ہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"[1]، اولوالامر ھم العلماء علی اصح الاقوال کما قال تعالٰی "وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اے اہلِ ایمان! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور تم میں سے جو صاحبِ امر ہیں ان کی۔ اصح قول کے مطابق اولوالامر سے مراد علماء ہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اور کاش وہ اسے لوٹائیں رسول کی طرف اور اپنے ذی اختیار لوگوں کی طرف، تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیں گے وہ جس کو استنباط کرتے ہیں ان میں سے (ت)

عدم سلطان کی حالت میں مسلمانوں پر اپنے امور دینیہ میں متدین معتمد علمائے اہلسنت کی طرف رجوع کرنا اور بھی

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۳

لازم تر ہو جاتا ہے کہ بعض بعض خاص دینی کام جنہیں ولاۃ وقضاۃ اٹھائے ہوتے ہیں، ان میں تاحدِ ممکن انہیں کے حکم سے تکمیل کرنی ہوتی ہے، جیسے معاملہ عنین وتنفیذ انکحہ وخیارات بلوغ وغیرہا سوائے حدود وتعزیر وقصاص جس کا اختیار غیر سلطان کو نہیں،

فاذاعسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثر وافالمتبع اعلمھم فان استوااقرع بینھم[1]۔کما فی الحدیقۃ الندیۃ عن الفتاوی العتابیۃ۔	جب ایک پر اتفاق دشوار ہو تو ہر علاقہ کے لوگ اپنے عالم کی اتباع کرلیں، اگر علماء کثیر ہوں تو سب سے بڑے عالم کا اتباع کیا جائے، اگر علم میں برابر ہوں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی کرلی جائے، جیسا کہ حدیقہ ندیہ میں فتاوی عتابیہ سے ہے۔(ت)

یہ امیر شرعی کسی کے انتخاب پر نہیں بلکہ خود بانتخاب الٰہی منتخب ہے، دیانت وفقاہت میں اس کا تفرد وتفوق خود ہی اسے متعین کرتا ہے، یہاں تک کہ لوگ اگر اس کے غیر کو منتخب کریں گے خطا کریں گے اور اسی کا اتباع لازم ہوگا کہ وہی اہل ہے اور طبائع خود ہی دینی امور میں اسکی طرف رجوع پر مجبور ہوتی ہیں کہ دوسری جگہ ویسا حل شافی نہیں پاتیں یہاں تک کہ اس کے اکابر اعداء، کہ بوجہ دینی یا حسد شیاطینی اس کے سخت دشمن ہوتے ہیں، اور زبردستی اس پر اپنی تعلّی چاہتے ہیں، مسائل مشکلہ کے حل کرنے میں اسکے محتاج رہتے ہیں، اپنے گمنام جاہلوں کے ذریعہ سے اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں یوں اپنے لاحل مسئلوں کی گرہ کھلواتے ہیں،

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾"[2]	یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے عطا کرتا ہے جسے وہ چاہے اور اللہ فضل عظیم کا مالک ہے۔(ت)

اس امیر شریعت کے ہاتھ پر بیعت نہ کچھ ضرور نہ اس کے دستور، نہ اس کا ترک گناہ ومحذور، بلکہ اس کا معیار وہی ہے جو اوپر مذکور، اس کے فیصلے کو بہار واڑیسہ کے جملہ علماء پر نظر تفصیلی صحیح شرعی نے جو فیصلہ کیا ہو آپ ہی منظور،

"وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾"[3] "اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾"[4]	اور اللہ سینوں کے رازوں کو جانتا ہے اور سنو تمام امور اللہ کی بارگاہ میں لوٹتے ہیں۔(ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من انواع العلوم الثلاثۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۴

[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۵۳

دوسرا امیر قہری، اس کے ذمہ وہ کام ہیں جو بغیر تسلط وغلبہ وقہر کے انجام نہیں پاتے مثلاً قصاص وحدود وتعزیرات واخذ عشور واخذ خراج یہ ضرور نصب وانتخاب مسلمین پر ہے اور اسی کے ہاتھ پر بیعت کا دستور اور بلاوجہ شرعی اس سے انکار محظور، یہ اگر عام ممالک اسلامیہ پر مقرر کیا جائے تو خلیفہ وامیر المومنین ہے اور اس کے لئے سات شرطیں لازم کہ ایک بھی کم ہو تو خلیفہ نہیں متغلب ہے، ۱اسلام، ۲حریت، ۳ذکورت، ۴عقل، ۵بلوغ، ۶قدرت، ۷قرشیت۔

علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی تلمیذ امام ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں:

اماعندنا فالشروط انواع، بعضها لازم لاتنعقد بدونه، وهی الاسلام، والذکورة، والحریة، والعقل، و اصل الشجاعة، وان یکون قرشیا[1]۔	لیکن ہمارے نزدیک شروط مختلف طرح کی ہیں بعض ان میں سے لازم ہیں جن کے بغیر امارت کی انعقاد نہیں ہوسکتا اور وہ مسلمان ہونا، مذکر ہونا، آزاد ہونا عقل والا ہونا، دلیر ہونا اور قرشی ہونا ہے (ت)

اور اگر کسی قطر یا شہر یا موضع خاص پر تو وہاں کا صوبہ یا والی ہے، اس کے لئے بھی عقل وبلوغ وقدرت یقیناً شرط اور قرشیت کی کچھ حاجت نہیں اور تعمیم احکام کے لئے اسلام وحریت وذکورت بھی ضرور ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ عدم سلطان کے وقت مسلمانوں پر ایسا والی مسلم تلاش کرنا واجب ہے کما فی المبسوط وجامع الفصولین ومعراج الدرایة وغیرہا (جیسا کہ مبسوط، جامع الفصولین اور معراج الدرایہ وغیرہ میں ہے۔ت) مگر ہر واجب بقدر قدرت ہوتا ہے اور ہر فرض بشرط استطاعت۔

قال اللہ تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ (ت)

یہاں مسلمان ایسا والی مقرر کرنے پر ہرگز قادر نہیں اور اس پر واضح دلیل یہ ہے کہ سو برس سے آج تک ہندوستان میں ہزارہا مشائخ وعلماو صلحاو کبراء گزرے کبھی اس طرف متوجہ نہ ہوئے کیا وہ مسئلہ نہ جانتے تھے یا قصداً فاسق وتارک واجب رہے، حاشا ہرگز نہیں، بلکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ وجوب ہم پر نہیں۔ شرح مقاصد میں ہے:

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامة فی اکثر الاعصار علی	اگر یہ اعتراض اٹھایا جائے کہ اگر امام کا مقرر کرنا واجب ہے تو لازم آئے گا کہ امت نے اکثر زمانوں

---

[1] تعلیقات مسایرۃ علامہ قاسم بن قطلو بغا مع المسامرۃ شروط الامام المکتبۃ التجاریۃ مصر ص ۳۱۹ و ۳۲۰

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۸۶

ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بما يجب من الصفات سيما بعد انقضاء الدولة العباسية. قلنا انما يلزم الضلالة لوتركوه عن قدرة واختيار لا عجز و اضطرار[1]۔	میں واجب کا ترک کیا کیونکہ ایسا کوئی امام ہی نہیں ملا جو مذکورہ صفات کا حامل ہو خصوصًا حکومت عباسیہ کے گزرنے کے بعد، ہم جوابًا کہتے ہیں امت کا گنہگار ہونا تب لازم آئے گا اگر انہوں نے قدرت واختیار ہونے کے باوجود اسے ترک کیا ہو اور اگر عجز واضطرار کی وجہ سے ہو تو پھر گناہ نہ ہوگا۔ (ت)

(یہ جواب ناقص ہی دستیاب ہوا)

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الاول فی نصب الامام دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
دوام العیش من الائمۃ من قریش ۱۳۳۹ھ
(زندگی کا دوام اس امر میں کہ خلفاء قریش میں سے ہوں گے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سلطنت عثمانیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں فرضیتِ اعانت کے لئے بھی سلطان کا قرشی ہونا شرط ہے یا نہیں یا صرف خلافت شرعیہ کے لئے یا کسی کے لئے نہیں، مولوی فرنگی محلّی کے خطبہ صدارت میں اس کے متعلق چند سطور ہیں اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے رسالہ مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب میں صفحہ ۳۲ سے صفحہ ۷۰ تک حسبِ عادت اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے، ان دونوں کا محصل یہ ہے کہ خلافت شرعیہ میں بھی قرشیت شرط نہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس بارے میں مذہب اہلسنت کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

الحمد للہ الذی فرض اعانۃ سلاطین الاسلام علی المسلمین وفضل قریشا بخاتم النبیین وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم الی یوم الدین وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ کل اٰن وحین۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحۃ للہ ولکتابہ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم[1]۔رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابن عباس والطبرانی فی الاوسط عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بیشک دین یہ ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول سے سچا دل رکھے اور سلاطینِ اسلام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے (اسے احمد، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے تمیم داری سے اور ترمذی اور نسائی نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابن عباس سے اور طبرانی نے اوسط میں ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنھم سے روایت کیا ہے۔(ت)

سلطنت علیہ عثمانیہ ایدہا اللہ تعالٰی نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی، دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے، اور وقت حاجت دعا سے امداد واعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے اور ہر فرض بقدر قدرت ہر حکم بشرط استطاعت۔

قال تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ"[2]، وقال تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ اور اللہ نے فرمایا: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔(ت)

مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست وپا پر اعانتِ اعمال نہیں، ولہذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔ بادشاہ اسلام اگرچہ غیر قرشی ہو اگرچہ کوئی غلام حبشی ہو امور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقت حاجت اس کی اعانت بقدر استطاعت سب اہلِ کفایت پر لازم ہے، البتہ اہلسنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لئے ضرور قرشیت شرط ہے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں، اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہلسنت کا اجماع ہے، اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی کتب عقائد وکتب

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل حدیث تمیم الداری دار الفکر بیروت ۴/ ۱۰۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

حدیث و کتب فقہ اس سے مالامال ہیں، بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے، مگر شرعًا خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفًا اسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوااس کے جو ساتوں شروط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمان فرمائے اعظم ہو۔

اجمالی کلام وواقعات عام وازالہ اوہام جہال خام

اقول: وباللہ التوفیق اسم خلافت میں یہ شرعی اصطلاح ہے جملہ صدیوں میں اسی پر اتفاقِ مسلمین رہا۔

(۱) زمانہ صحابہ سے برابر علمائے کرام خلفاء ملوک کو علیحدہ کرتے آئے حتی کہ خود سلاطین اسی کے پابند رہے اور آج تک ہیں، بڑے بڑے جبار بادشاہ گزرے کبھی غیر قریش نے ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی اور اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا، نہ خلافت مصطفویہ شرعیہ کا دعوی کیا، جب تک خلافت عباسیہ قائم رہی خلیفہ ہی کی سرکار سے سلاطین کی تاجپوشی ہوتی، سلطان دستِ خلیفہ پر بیعت کرتا اور اس منصب شرعی کا مستحق اسی کو اگرچہ زور وطاقت وسطوت میں اس سے کہیں زائد ہوتا، جب کفار تاتار کے دستِ ظلم سے محرم ۶۵۶ھ میں جامہ خلافت تار تار ہوگیا علماء نے فرمایا ساڑھے تین برس تک خلافت منقطع رہی حالانکہ اس وقت بھی قاہر سلطنتیں موجود تھیں، مصر میں ملک ظاہر سلطان بیبرس کا دور دورہ تھا، امام جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں خاتم الخلفا مستعصم باللہ کی شہادت کے بعد ذکر فرماتے ہیں:

ثم دخلت سنة سبع وخمسين والدنيا بلا خليفة[1]۔	پھر ۶۵۷ھ آیا اور دنیا بے خلیفہ تھی۔

پھر فرمایا:

ثم دخلت سنة ثمان وخمسين والوقت ايضا بلا خليفة[2]۔	پھر ۶۵۸ھ آیا اور زمانہ اسی طرح بے خلیفہ تھا۔

پھر فرمایا:

وتسلطن بيبرس وازال المظالم وتلقب بالملك الظاهر ثم دخلت سنة	بیبرس سلطان ہوا اور اس نے ظلم دفع کئے اور اپنا لقب ملک ظاہر رکھا، پھر ۶۵۹ھ آیا اور وقت

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۰

[2] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ۳۳۱

تسع وخمسین والوقت ایضاً بلاخلیفة الی رجب فاقیمت بمصر الخلافة وبویع المستنصر وکان مدة انقطاع الخلافة ثلاث سنین ونصفا[1]۔(ملخصًا)	ماہ رجب تک یونہی بے خلیفہ تھا یہاں تک کہ مصر میں پھر خلافت قائم کی گئی مستنصر باللہ عباسی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی خلافت ساڑھے تین برس تک معدوم رہی۔(ملخصًا)۔

یونہی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرمایا:

لما اخذ التاتار بغداد وقتل الخلیفة اقامت الدنیا بلاخلیفة ثلث سنین ونصف سنة وذٰلك من یوم الاربعاو رابع عشر صفر سنة ست وخمسین وھو یوم قتل الخلیفة المستعصم رحمه الله تعالٰی الی اثناء سنة تسع وخمسمائة۔[2]	یعنی جبکہ تاتاریوں نے بغداد مقدس لے لیا اور خلیفہ شہید ہوئے دنیا ساڑھے تین برس بے خلیفہ رہی اور یہ ۱۴صفر روز چار شنبہ ۶۵۶ھ سے کہ روز شہادت خلیفہ مستعصم رحمہ اللہ تعالٰی تھا سے ۱۳رجب ۶۵۹ھ تک کازمانہ ہے۔

(۲) یہ خلافت کہ مصر میں قائم ہوئی اور ڈھائی سو برس سے زائد رہی خود سلطان کی قائم کی ہوئی تھی، سلطان بظاہر اس کا دست نگر ہوتا اور خلاف پر قادر تھا نظر بقوت بے تفویض خلیفہ بھی نظم ونسق ورتق، فتق وامر وحکم میں سلطان مستقل تھا، خلیفہ امیر المومنین کہلانے اور بیعت لینے اور خطبہ وسکہ کو زینت اور سلاطین کو تاج وخلعت دینے کے لئے ہوتا بلکہ اس کی بنا خود خلافت بغداد میں پڑچکی تھی، مقتدر باللہ کو ۲۹۶ھ میں تیرہ برس کی عمر میں خلافت ملی، طفلی واشتغال بازی واختیارات زنان واستخدام یہود ونصارٰی نے ضعف پہنچایا ملک مغرب نکل گیا، مصر نکل گیا، قرامطہ ملعونوں کا زور ہوا، پھر ۳۲۴ھ میں واسطہ کا صوبہ محمد بن رائق خلیفہ راضی باللہ پر فائق ہوا خلیفہ نام کے لئے تھا پھر یہ بدعت شنیعہ مدتوں مستمر رہی مگر تمام علماء و مسلمین اور خود وہ جبار سے جبار سلاطین بھی خلافت انہیں قرشی خلفاء کی مانتے اور انہیں سے پروانہ وخلعت سلطنت لیتے۔اگر غیر قرشی بھی خلیفہ ہوسکتا تو سلاطین خود خلفاء بنتے، کیا ضرورت تھی ان قرشیوں کو اپنا تغلب مٹانے کے لئے حیلہ شرعیہ کے واسطے خلیفہ بناتے اور اپنے زیر دستوں کے حضور سر بندگی جھکاتے اور ان کے ہاتھ سے تاج وخطاب پاتے، مگر نہیں وہ مسلمان تھے سنی تھے جانتے تھے کہ ہم قرشی نہیں ہماری خلافت نہیں ہوسکتی اور بے تولیت خلافت بطور خود سلطنت کرینگے تو داغ تغلب ہماری پیشانی سے نہ مٹے گا اسی لئے ان عباسی قرشیوں کی خلافت رکھی تھی۔

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعصم باللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳۱

[2] حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرة

(۳) پھر ادھر ہی کے سلاطین نہیں اس دور دراز مملکت ہند کے متشرع سلاطین نے بھی انہیں خلفاء سے اپنے نام پروانہ سلطنت کیا حالانکہ یہ کسی طرح تسلط کی راہ سے ان کے ماتحت نہ تھے، تاریخ الخلفاء میں ہے:

وفی سنة اربع عشرة ارسل غیاث الدین اعظم شاہ بن اسکندر شاہ ملك الھند یطلب التقلید من الخلیفة وارسل الیه مالا وللسلطان ھدیة[1]۔	سنہ آٹھ سوچودہ میں بادشاہ ہند اعظم شاہ غیاث الدین بن سکندر شاہ نے خلیفہ مستعین باللہ ابوالفضل سے اپنے لئے پروانہ تقررِ سلطنت مانگا اور خلیفہ کے لئے نذر اور سلطانِ مصر کو ہدیہ بھیجا۔

خود مسٹر کے اسی رسالہ خلافت ص۷۹ میں ہے: "جب تک بغداد کی خلافت رہی ہندوستان کے تمام حکمران اس کے فرماں بردار رہے جب ۶۶۰ھ عـہ میں مصر کی عباسی خلافت کا سلسلہ شروع ہوا تو اگرچہ عباسیہ کے کارواں رفتہ کا محض ایک نمود غبار تھا تاہم سلاطین ہند اس کی حلقہ بگوشی وغلامی کو اپنے لئے فخر سمجھتے رہے اور مرکزی خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوا دینے کے لئے مقامِ خلافت سے پروانہ نیابت حاصل کرتے رہیں"۔

پھر سلطان محمد بن تغلق شاہ و سلطان فیروز شاہ کی بندگی وغلامی جو اس خلافت سے رہی اور فیروز شاہ کے لئے دربار خلافت سے دوبار پروانہ تقرر سلطنت ونشان خلعت کا آنا لکھا اور یہ کہ سلطان نے اس کی کمال تعظیم کی اور یہ سمجھا کہ گویا یہ عزت آسمان سے اتری اور یہ سند بارگاہ رسالت سے ملی، پھر کہا (ص۸۰)

"غور کرو مقامِ خلافت کی عظمت کا ہمیشہ کیا حال رہا خلافت بغداد مٹنے کے بعد بھی خلافت کی صرف ایک اسمی نسبت بھی اس درجہ جبروت رکھتی تھی کہ ہندوستان جیسے بعید گوشہ میں ایک عظیم الشان فرمانروائے اقلیم مصر کے دربار خلافت سے اذن واجازت حاصل ہونے پر فخر کرتا ہے مٹنے پر بھی اس مقام کی عظمت تمام عالم اسلامی پر اس طرح چھائی رہتی ہے کہ وہاں کا فرمان آسمانی فرمان اور وہاں کا حکم بارگاہِ نبوت کا حکم سمجھا جاتا ہے"۔

خدا جانے مسٹر آزاد یہ کس جنگ یا کس نشے کی ترنگ میں لکھ گئے، ان کا اعتقاد تو یہ ہے ص۴۵ کہ:

عـہ: یہ غلط ہے بلکہ ۹/رجب ۶۵۹ھ۔ ۱۲منہ غفرلہ

---

[1] تاریخ الخلفاء احوال المستعین باللہ ابو الفضل مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۵۷

"انتخاب خلیفہ کا موقع نہ رہا ہو تو خلیفہ تسلیم کرلینے کے لئے بجز اسلام اور حکومت کے جماؤ اور جگہ پکڑ لینے کے اور کوئی شرط نہیں۔"

سبحان اللہ! یہ سلاطین ہند وسلاطینِ مصر اور خود سلطان بیبرس جس نے اس خلافت کی بنیاد رکھی مسلمان ہی تھے اور ان کی حکومتیں جمی ہوئی تھیں تو آپ کی کافی ساختہ دونوں شرط خلافت موجود تھیں پھر انہوں نے خود اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ جانا اور ان کی حکومت شرعی طور پر ماننے کے قابل کیوں نہ ہوئی حالانکہ آپ کے نزدیک شریعت کا حکم ہے کہ:

"اسی کو خلیفہ ماننا چاہئے خواہ تمام شرطیں اس میں پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔" (ص ۵۱)

"ہر مسلمان پر ازروئے شرع واجب ہے کہ اسی کو خلیفہ اسلام تسلیم کرے" (ص ۳۵)

خیر آپ کا تناقض آپ کو مبارک۔ سلاطین اسلام نے کیوں اپنی خلافت نہ مانی اور وہ کیا بات ان میں کم تھی جس کے لیے انھیں دوسرے کی خلافت جمانے اور اس کی اجازت کے صدقے اپنی حکومت کو شرعی منوانے کی ضرورت پڑی۔ ظاہر ہے کہ وہ نہ تھی مگر شرط قرشیت۔

(۴) مسٹر کو چھوڑیئے جنہوں نے دو ہی شرطیں رکھیں، ائمہ دین تو سات بتاتے ہیں دیکھئے شاید ان میں کوئی اور شرط مفقود ہونے کے سبب سلاطین نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ سمجھا، اوپر گزرا کہ وہ ۱اسلام و ۲حریت و ۳ذکورت و ۴عقل و ۵بلوغ و ۶قدرت و ۷قرشیت ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ان سلاطین میں چھ موجود تھیں پہلی پانچ بداہۃً اور قدرت یوں کہ حکومت کا جماؤ بے اس کے نہیں تو صرف ایک ہی قرشیت نہ تھی لاجرم اسی کے نہ ہونے تمام سلاطین نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ مانا اور قرشی خلافت کا محتاج دست نگر جانا۔

(۵) بلکہ بطور مسٹر امر واضح تر ہے ان نام کے خلفا میں اگر قرشیت موجود تھی قدرت مفقود تھی کہ وہ سلاطین کے ہاتھوں میں شطرنج کے بادشاہ تھے، جبار خونخوار متکبر متجبر سلاطین کے سر میں یوں بھی سودائے مساوات و بے نیازی نہ سمایا اور انہیں کو خلیفہ اور اپنے آپ کو ان کو محتاج ٹھہرایا حتی کہ جب سلطان بیبرس نے مستنصر کو خلیفہ کیا اور اس سے پروانہ سلطنت لیا خلیفہ نے اظہار انقیاد کے لئے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈالیں اور سلطان نے خدم حشم کے ساتھ یونہی قاہرہ اپنے دار السلطنت کا گشت کیا کہ گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں اور آگے آگے وزیر کے سر پر خلیفہ کا عطا کیا ہوا پروانہ سلطنت (حسن المحاضرہ) روشن ہوا کہ وہ شرط قرشیت کس درجہ اہم وضروری ترجانتے تھے انہوں نے خیال کیا کہ قدرت مکتسبہ بھی ہوتی ہے بلکہ اسے اکتساب سے مفر نہیں کہ ملکوں پر تنہا کا تسلط عادۃً نہیں ہوتا مگر افواج واطاعت جماعت سے جب اقتدار والوں نے انہیں سر پر رکھ لیا تو مقصود اقتدار حاصل ہوگیا جیسے خلیفہ میں خود عالم اصول وفروع ہونے کی شرط اتفاقی نہ رہی کہ دوسرے کے علم سے کام چل سکتا ہے لیکن قرشیت ایسی چیز نہیں کہ دوسرے سے مکتسب ہو لہذا اپنے اقتدار کا خیال نہ کیا اور

ان کی قرشیت کے آگے سر جھکا دیا۔

(۶) نہ صرف سلاطین بلکہ بکثرت ائمہ وعلماء نے اسی کو خلافت جانا خلافت بغداد پر پچھلی تین صدیاں جیسی گزریں انہیں جانے دو تو یہی خلافت مصر لو جسے تم کاروانِ رفتہ کی محض ایک نمود غبار کہتے ہو۔

(ا) جب بیبرس نے مستنصر کی خلافت قائم کرنی چاہی سب میں پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبدالسلام نے بیعت فرمائی پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔

(ب) پھر ابوالعباس حاکم بامر اللہ کے بیٹے تیسرے خلیفہ مصری مستکفی باللہ کی خلافت کا امضا اور اس کی صحت کا ثبوت امام اجل تقی الدین بن دقیق العید کے فتوے سے ہوا ان کے عہد نامہ خلافت میں تھا،

الحمدللہ الذی ادام الائمۃ من قریش وجعل الناس تبعالھم فی ھذاالامر فغیرھم بالخلافۃ العظمۃ لا یدعی ولایسمّی [1]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے خلیفہ ہمیشہ قریش میں سے کئے اور تمام لوگوں کو خلافت میں ان کو تابع کیا تو غیر قرشی کو نہ خلیفہ کہا جائے گا نہ وہ اس نام سے پکارا جائے۔

اس پر قاضی القضاۃ شمس الدین حنفی کے دستخط ہوئے۔

(ج) پھر مستکفی کے بیٹے ابوالعباس احمد حاکم بامر اللہ کی صحت خلافت پر امام قاضی القضاۃ عزالدین بن جماعہ نے شہادت دی اور ان کی مثال بیعت علامہ احمد شہاب ابن فضل اللہ نے لکھی اس میں ان کو خلیفہ جامع شرائط خلافت لکھا اور لکھا کہ: **وصل الحق الی مستحقہ** [2] حق بحقدار رسید، کل ذٰلك فی حسن المحاضرۃ (یہ سب کا سب حسن المحاضرۃ میں موجود ہے۔ت)

(د) امام اجل ابوزکریا نووی اسی خلافت مصریہ کے دور سے متعلق شرح صحیح مسلم میں فرمارہے ہیں:

قد ظھر ما قالہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن زمنہ الی الاٰن الخلافۃ فی قریش [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ظاہر ہوگیا کہ جب سے آج تک خلافت قریش ہی میں ہے۔

دیکھو اکابر ائمہ برابر انہیں خلفاء مانتے آئے۔

(ہ) امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں یہ تمام خلافتیں بغدادی پھر مصری

[1] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

[2] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

[3] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

ذکر کیں اور خطبہ میں فرمایا:

ترجمت فیه الخلفاء امراء المؤمنین القائمین بأمر الامة من عهد ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه والی عهدنا هذا [1]۔	میں نے اس کتاب میں ان کے احوال بیان کئے جو خلیفہ امیر المومنین کارامت پر قیام کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وقت سے ہمارے زمانے تک ہوئے۔

(و) پھر فرمایا میں نے اس میں کسی عبیدی کا ذکر نہ کیا کہ کئی وجہ سے ان کی خلافت صحیح نہیں، ایک تو وہ قرشی نہ تھے، دوسرے وہ بدمذہب بے دین کم از کم رافضی تھے **ومثل هؤلاء لاتنعقد لهم بیعة ولاتصح لهم امامة** [2] ایسوں کے لئے نہ بیعت ہوسکے نہ ان کی خلافت صحیح۔ تیسرے یہ کہ ان کی بیعت اس وقت ہوئی کہ خلافت عباسی قائم تھی اور ایک وقت میں وہ خلیفہ نہیں ہوسکتے، چوتھے یہ کہ حدیث فرماچکی کہ خلافت جب بنی عباس کو ملے گی پھر ظہور امام مہدی تک دوسرے کو نہ پہنچے گی، ان وجوہ سے میں نے عبیدیوں کو ذکر نہ کیا **وانما ذکرت الخلیفة المتفق علٰی صحة امامته** [3] میں نے وہی خلفاء ذکر کئے جن کی صحتِ خلافت پر اتفاق ہے دیکھو کیسے صریح نص ہیں کہ یہ کمزور خلافتیں بھی صحیح خلافت ہیں، آخر کس لئے، اس لیے کہ قرشی ہیں اور زبردست طاقتور سلاطین غیر قرشی۔

(ز) جب خلیفہ مستکفی باللہ نے شعبان ۷۴۰ھ یا ۷۴۱ھ میں وفات پائی اور اپنے بیٹے احمد حاکم بامر اللہ کو ولی عہد کیا سلطان ناصر الدین محمد بن قلادون ترکی نے کہ ۷۳۶ھ میں مستکفی باللہ سے رنجیدہ ہوگیا اور ۱۸ ذی الحجہ کو اسے مصر سے باہر شہر قوص میں مقیم کیا (اگرچہ ادارات پہلے سے بھی زائد کردئے اور خطبہ وسکہ خلیفہ ہی کا جاری رہا اس عہد کو نہ مانا اور جبراً خلیفہ مستکفی کے بھتیجے ابراہیم بن محمد حاکم بامر اللہ کے لیے بیعت لی (اگرچہ مرتے وقت خود اس پر نادم ہوا اور سرداروں کو وصیت کی کہ خلافت ولی عہد مستکفی احمد ہی کے لئے ہو جس پر ابن فضل اللہ نے وہ لکھا کہ حق بحقدار رسید) ابن قلادون کی اس حرکت پر امام جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ناصر بن قلادون پر اس کے سب سے زیادہ عزیز بیٹے امیر نوک کی موت کی مصیبت ڈالی، یہ اسے پہلی سزا دی، پھر مستکفی کے بعد سلطنت سے متمتع نہ ہوا ایک سال اور کچھ روزوں کے بعد اللہ عزوجل نے اسے ہلاک کیا بلکہ بعض نے مستکفی کی وفات ۷۴۱ھ میں لکھی ہے تو یوں تین ہی مہینے بعد مرا،

---

[1] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۶

[2] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷

[3] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۸

سنة الله فیمن مس احدا من الخلفاء بسوء فان الله تعالٰی یقصمه عاجلا وما ید خرله فی الاٰخرة من العذاب اشد۔[1]	سنت الٰہیہ ہے کہ جو کوئی کسی خلیفہ سے برائی کرے اللہ تعالٰی اسے ہلاک فرمادیتا ہے اور وہ جو آخرت میں اسے کے لئے رکھتا ہے سخت تر عذاب ہے۔

پھر اولاد ابن قلادون میں اس کی شامت کی سرایت بیان فرمائی کہ ان میں جو بادشاہ ہوا تخت سے اتارا گیا اور قید یا جلاوطن یا قتل کیا گی، خود اس کا صلبی بیٹا کہ اس کے بعد تخت پر بیٹھا دو ۲ مہینے سے کم میں اتار دیا گیا اور مصر سے قوص ہی کو بھیجا گیا جہاں سلطان نے خلیفہ کو بھیجا تھا اور وہیں قتل کیا گیا، ناصر نے چالیس ۴۰ برس سے زیادہ سلطنت کی اور اس کی نسل سے بارہ ۱۲ بادشاہ ہوئے جن کی مجموعی مدت اتنی نہ ہوئی۔

(ح) نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں فرماتے ہیں:

اعلم ان مصر من حین صارت دارالخلافة عظم امرها وکثرت شعائر الاسلام فیها وعلت فیها السنة وعفت عنها البدعة وصارت محل سکن العلماء ومحط الرجال الفضلاء وهذا سر من اسرار الله تعالٰی اودعه فی الخلافة النبویة کما دل ان الایمان والعلم یکونان مع الخلافة اینما کانت ولایظن ان ذٰلك بسبب الملوك فقد کانت ملوك بنی ایوب اجل قدرا واعظم قدرا من ملوك جاء ت بعدهم بکثیر ولم تکن مصر فی زمنهم کبغداد وفی اقطار الارض الاٰن من الملوك من هو اشد بأسا واکثر جندا من ملوك مصر کالعجم والعراق والروم والهند والمغرب ولیس الدین قائما بلادهم کقیامه بمصر ولا شعائر الاسلام	یعنی مصر جب سے دارالخلافہ ہوا اس کی شان بڑھ گئی، شعائرِ اسلام کی اس میں کثرت ہوئی، سنت غالب ہوئی بدعت مٹی، علماء کا جنگل فضلاء کا دنگل ہوگیا، اور یہ رازِ الٰہی ہے کہ اس نے خلافتِ نبوت میں رکھا ہے جس طرح حدیث میں آیا کہ خلافت جہاں ہوگی علم وایمان اس کے ساتھ ہوں گے، اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ مصر میں یہ دین کی ترقی سلاطین کے سبب ہوئی کہ سلاطین بنی ایوب سلاطینِ مابعد سے بہت زیادہ جلیل القدر تھے اور ان کے زمانے میں مصر بغداد کو نہ پہنچتا تھا اور اب اطراف زمین میں وہ سلاطین ہیں کہ سلاطین مصر سے ان کی آنچ سخت اور لشکر زائد جیسے ایران، عراق، روم، مغرب، ہندوستان۔ مگر دین وہاں ایسا قائم نہیں جیسا مصر میں ہے، نہ شعائر اسلام ایسے ظاہر نہ سنت وحدیث وعلم کا ایسا شیوع، یہ سب خلافت ہی کی برکت ہے، دیکھو کیسا جبار و بالا قتدار

[1] حسن المحاضرة فی اخبار مصر والقاہرة

ظاھرۃ فی اقطارھم کظھورھا فی مصر ولانشرت السنۃ والحدیث والعلم فیھا کما فی مصر [1]۔	سلاطین کو جن میں ترک بھی ہیں الگ کردیا اور خلافت نبوت ایسی کمزور خلافت مصر میں مانی۔

آخر یہ فرقِ قرشیت نہیں تو کیا ہے۔

(۷) اگر کہیے وہ خلافت سے نامزد ہوچکے تھے لہٰذا بعد کے سلاطین نے اگرچہ جامع شروط تھے اپنے آپ کو خلیفہ نہ جانا کہ خلافت جب ایک کے لئے ہولے دوسرا نہیں ہوسکتا،

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) **اولاً** ہو تو سلاطین یا بعد میں ہو، بیبرس کی سلطنت تو پہلے منعقد ہولی تھی، پھر دوسرے کو خلیفہ بنانے اور اس کے آگے ہاتھ پھیلانے اور یہ سلسلہ ماضیہ جلانے جمانے کے کیا معنی تھے، کاش سلطان اپنے آپ کو معزول کرلیتا اور مستنصر ہی کے ہاتھ میں باگ دیتا مگر نہیں وہ سلطنت پر قائم رہا، اور تمہارے زعم میں خود بیبرس کی خلافت صحیحہ اور ہر مسلمان پر شرعاً واجب التسلیم تھی، اب اس نے انتخاب کی طرف آکر اپنی صحیح شرعی خلافت تو باطل کردی اور ایک اسمی رسمی قائم کی، یہ کیسا جنون ہوا جسے تمام علمائے عصر نے بھی پسند کیا طرفہ تر یہ کہ یہ اپنی حکومت شرعی طور پر منوانے کے لئے کیا جس کا مسٹر کو بھی اعتراف ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کی خلافت کا ماننا آپ کے نزدیک شرعاً واجب تھا، اور اب نہ رہا کہ انتخاب نے شرائط عائد کیں وہ نہ اس میں ہیں نہ اس خلیفہ میں، تو اپنی خلافت کھوئی خلیفہ اسمی سے تولیت لی وہ گئی اور یہ نہ ہوئی دونوں دین سے گئے اسی لئے گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں پہنی تھیں۔ ع

بیکسیہائے تمنا کہ نہ دنیا ونہ دین

(بیکسی کی آرزو پر افسوس ہے کہ نہ دنیا ہاتھ آئی نہ دین حاصل ہوا۔ت)

غرض یہ ایجاد آزاد وہ مہمل وبیمعنی ہذیان ہے جو سلاطین وعلماء کی خواب میں بھی نہ تھا وہ یقیناً جانتے تھے کہ خلافت میں ہمارا کچھ حصہ نہیں اور داغِ تغلب ہم سے نہ مٹے گا جب تک کسی خلیفہ قرشی سے اذن نہ لیں لہٰذا یہ صورت خلافت قائم کی کہ **مالایدرك كله لایترك كله** (جسے نہ کلی طور پر حاصل کیا جاسکتا ہے نہ ہی اسے چھوڑا جاسکتا ہے۔ت)

(۸) ثانیاً دنیا میں اسلامی سلطنتیں مختلف ممالک میں پھیلی ہوئی تھیں اور ہر ایک اپنے ملک کا حاکم مستقل اور آپ کی دونوں شرط خلافت کا جامع تھا اور تبدل ایام وموت، تقرر سلاطین سے کبھی یہاں کی سلطنت پہلے ہوتی کبھی وہاں کی، ان میں کسی متاخر نے یہ نہ جانا کہ خلافت اس دوسرے سلطان کا حق ہے مجھے اس سے

[1] حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ

اذن وپروانہ لینا چاہئے لیکن سمجھا تو اس قریشی خلافت کا محتاج سمجھا تو ہرگز اس کی بناء پر تقدم وتاخر نہ تھی کہ بلکہ وہی ایک اکیلی شرط قرشیت کہ نامقتدری خلیفہ کی حالت میں بھی اپنا رنگ جماتی اور بڑے بڑے اقتدار وجبروت والوں کا سر اپنے سامنے جھکاتی تھی۔ الحمدللہ کیسے روشن بیانوں سے ثابت ہوا کہ یہ سارے جلوے شرط قرشیت کے تھے تمام سلاطین کا خود یہی عقیدہ تھا کہ ہم بوجہ عدم قرشیت لائق خلافت نہیں، قرشی کے سوا دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت وقرن کے علماء انہیں یہی بتاتے رہے۔ اور قطعًا یہی مذہب اہلسنت ہے اور اسی پر احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متواتر شہادت ہے "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ" (تو حق کے بعد کیا ہے صرف گمراہی ہے۔ ت)

رہا مسئلہ اعانت، کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطانِ اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں، صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لئے ادعائے خلافت ضرور ہوا یا سلطان مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلاقدرت بھی فرض ہے، یہ نصوص قطعیہ قرآن کے خلاف ہے، اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لئے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحات متظافرہ اور اجماعِ صحابہ واجماعِ امت واحادیثِ متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کرکے عقیدہ اجماعیہ اہلسنت کا خلاف کیا جائے، خارجیوں معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے، دوراز کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکا لیا جائے، **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔

اب ہم بتوفیقہ تعالیٰ اس اجمال مفصل کی تفصیل مجمل کے لئے کلام کو ایک مقدمہ اور تین فصل پر منقسم کرتے ہیں:

مقدمہ: خلیفہ وسلطان کے فرق اور یہ کہ کسی عرف حادث سے مسئلہ خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کوئی اثر نہیں پڑسکتا۔

فصل اول: احادیث متواترہ واجماع صحابہ وتابعین ومذہب اہلسنت **نصرھم اللہ تعالیٰ** سے شرطِ قرشیت کے روشن ثبوت۔

فصل دوم: خطبہ صدارت میں مولوی فرنگی صاحب کی پندرہ سطری کارگزاری کی نازبرداری۔

فصل سوم: رسالہ خلافت میں مسٹر ابوالکلام آزاد کے ہذیانات وتلبیسات کی خدمتگزاری۔

وباللہ التوفیق لارب سواہ، والصلوٰۃ والسلام علٰی مصطفاہ واٰلہ وصحبہ والاہ۔

مقدمہ

خلیفہ و سلطان کے فرق اور یہ کہ سلطان کہہ دیا جانا ہی خلیفہ نہ ہونے کی کافی دلیل ہے اور یہ کہ لفظ خلیفہ میں اگر کوئی عرف حادث ہو تو اس سے خلافت مصطلحہ شرعیہ پر کیا اثر۔

(ا) خلیفہ حکمرانی وجہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے، شرح عقائد نسفی میں ہے:

(خلافتھم)ای نیابتھم عن الرسول فی اقامۃ الدین بحیث یجب علی کافۃ الامم الاتباع[1]۔	ان کی خلافت، یعنی دین کی اقامت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت کا مقام یہ ہے کہ تمام امت پر اس کی اتباع واجب ہے(ت)

خودسر کفار کا اسے نہ ماننا شرعًا اس کے استحقاق ولایت عامہ میں مخل نہیں جس طرح ان کا خود نبی کو نہ ماننا یونہی روئے زمین کے مسلمانوں میں جو اسے نہ مانے گا اس کی خلافت میں خلاف نہ آئے گا یہ خود ہی باغی قرار پائے گا اور اصطلاح میں سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو چھوٹے چھوٹے والیانِ ملک اس کے زیرِ حکم ہوں،

کما ذکرہ الامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فی حسن المحاضرۃ عن ابن فضل اللہ فی المسالك عن علی بن سعید۔	جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے حسن المحاضرۃ میں ابن فضل اللہ سے انہوں نے مسالک میں علی بن سعید سے اسے ذکر کیا۔(ت)

یہ دو قسم ہے:

(ا) مُولّی جسے خلیفہ نے والی کیا ہو اس کی ولایت حسبِ عطائے خلیفہ ہو گی جس قدر پر والی کرے۔

(۲) دوسرا متغلب کہ بزورِ شمشیر ملک دبا بیٹھا اس کی ولایت اپنی قلمرو پر ہو گی وبس۔

(۲) کہ اول پر متفرع ہے خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے جس کا منشا خود اس کا منصب ہے کہنا نائبِ رسول رب ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور سلطان کی اطاعت صرف اپنی قلمرو پر، پھر اگر مولٰی ہے تو بواسطہ عطائے خلیفہ اس منصب ہی کی وجہ سے کہ اس کا امر امرِ خلیفہ ہے اور امرِ خلیفہ امر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور اگر متغلب ہے تو نہ اس کے منصب سے کہ وہ شرعی نہیں بلکہ

[1] شرح العقائد النسفیۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۰۸

دفعِ فتنہ اور اپنے تحفظ کے لئے خود مسٹر نے فتح الباری سے دربارہ سلطان متغلب نقل کیا (ص ۵۱)۔

طاعته خیرمن الخروج علیه لما فی ذٰلك من حقن الدماء وتسکین الدھماء [1]۔	اس کے خلاف کے مقابلہ میں اس کی طاعت بہتر ہے کیونکہ اس میں جانوں کا تحفظ اور شورش سے سکون ہے (ت)

(۳) کہ دوم پر متفرع ہے خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقۃً فرض ہو گیا جس مباح سے منع کیا حقیقۃً حرام ہو گیا یہاں تک تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ دیکھتا ہے، ایک زمانے میں خلیفہ منصور نے امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فتوی دینے سے منع کر دیا تھا، امام ہمام کی صاحبزادی نے گھر میں ایک مسئلہ پوچھا، امام نے فرمایا: میں جواب نہیں دے سکتا خلیفہ نے منع کیا ہے۔ یہاں سے ظاہر ہوا کہ خلیفہ کا حکم مباح درکنار فرض کفایہ پر غالب ہے جبکہ دوسرے اس کے ادا کرنے والے موجود ہوں کہ اب اس کا ترک معصیت نہیں تو حکمِ خلیفہ نافذ ہوگا اگرچہ خلیفہ ظالم بلکہ خود اس کا وہ حکم ظلم ہو کہ امام کو فتوی سے روکنا نہ ہوگا مگر ظلماً، اور سلطان متغلب جس کی ولایت خلیفہ سے مستفاد نہ ہو اس کے امر و نہی سے مباحات فی نفسہا واجب وحرام نہ ہو جائیں گے تنہائی میں اس طور پر کہ اسے اطلاع پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو مباح اپنی اباحت پر رہے گا۔ علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب نسیم الریاض وعنایۃ القاضی وغیرہما کتب نافعہ کے زمانے میں سلطان نے حقہ پینے سے لوگوں کو منع کیا تھا یہ پردہ ڈال کر پیتے۔ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالہ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں: "نہ خود حقہ پیتا ہوں نہ میرے گھر بھر میں کوئی پیتا ہے مگر مباح کو حرام نہیں کہہ سکتا"۔ [2] اور منع سلطانی کے جواب میں شرح ہدیہ ابن العماد میں فرماتے ہیں:

لیت شعری ای امر من امریه یتمسك به امرہ الناس بترکه اوامرہ باعطاء المکس علیه علی ان المراد من اولی الامر فی الاٰیة العلماء علی اصح الاقوال کما ذکرہ العینی فی اٰخر مسائل شتی من شرح الکنز وایضا	یعنی کاش میں جانوں کہ سلطان کا کون سا حکم لیا جائے یہ کہ لوگ حقہ نہ پئیں یا یہ کہ تمباکو پر ٹیکس دیں معہذا آیہ کریمہ میں اصح قول یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء ہیں جس طرح شرح کنز امام عینی میں ہے نیز کیا ظالم سلاطین کا حکم حکم شرعی ہو جائے گا حالانکہ

[1] مسئلہ خلافت بحث بعض کتب مشہورہ عقائد وفقہ داتا پبلشر لاہور ص ۱۰۶

[2] رسالہ الصلح بین الاخوان لعبد الغنی نابلسی

هل منع السلاطين الظلمة يثبت حكما شرعيا وقد قالوا من قال لسلطان زماننا عادل كفر۔[1]	ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ جو ہمارے زمانے کے سلطان کو عادل کہے کافر ہو جائیگا انتہی۔

یہ ارشاد امام علم الہدٰی ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اپنے زمانے کے سلاطین میں ہے جنہیں ہزار برس سے زائد ہوئے نہ کہ اب۔ نسأل الله العفو والعافية۔

(۴) کہ نیز دوم پر متفرع ہے ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔ خود مسٹر آزاد لکھتے ہیں (ص ۸۴): "اسلام نے مسلمانوں کی حکومت ایک ہی قرار دی تھی یعنی روئے زمین پر مسلمانوں کا صرف ایک ہی فرمانروا و خلیفہ ہو۔"

(۵) کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان اذن خلیفی کا محتاج ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی و مرضی شرع نہیں ہو سکتی، خود آزاد کے ص ۹۷ سے گزرا کہ:

"خلافت کی عظمت دینی نے مجبور کیا کہ اپنی حکومت کو شرعی طور پر منوا دینے کے لئے خلافت سے پروانہ نیابت حاصل کرتے رہیں۔"

(۶) خلیفہ بلاوجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کئے معزول نہیں ہو سکتا، خود جبار و سرکش قوّاد ترک کہ متوکل بن معتصم بن ہارون رشید کو قتل کرکے خلفاء پر حاوی ہو گئے تھے جب ان میں کسی کو زندہ رکھ کر معزول کرنا چاہتے خود اسے مجبور کرتے کہ خلافت سے استعفٰی دے تاکہ عزل صحیح ہو جائے۔ بخلاف سلطان کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا "میں نے تجھے معزول کیا" اس کے عزل کو بس ہے۔

(۷) سلطنت کے لئے قرشیت درکنار حریت بھی شرط نہیں، بہتیرے غلام بادشاہ ہوئے،

خود رسالہ آزاد صفحہ ۵۵ میں ہے: "غلاموں نے بادشاہت کی ہے اور تمام سادات و قریش نے ان کے آگے اطاعت کا سر جھکایا ہے"۔

اور خلافت کے لئے حریت باجماع اہل قبلہ شرط ہے كما في المواقف وشرحه وعامة الكتب (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح اور عامہ کتب میں ہے۔ت) یہاں سے خلیفہ و سلطان کے فرق ظاہر ہو گئے، نیز

[1] شرح ہدیۃ ابن العماد

کھل گیا کہ سلطان خلیفہ سے بہت نیچا درجہ ہے، ولہذا کبھی خلیفہ کے نام کے ساتھ لفظ سلطان نہیں کہا جاتا کہ اس کی کسرِ شان ہے آج تک کسی نے سلطان ابوبکر صدیق، سلطان عمر فاروق، سلطان عثمان غنی، سلطان علی المرتضٰی بلکہ سلطان عمر بن عبدالعزیز بلکہ سلطان ہارون رشید نہ سنا ہوگا، کسی خلیفہ اموی یا عباسی کے نام کے ساتھ اسے نہ پایئے گا، تو کھل گیا کہ جس کے نام کے ساتھ سلطان لگاتے ہیں اسے خلیفہ نہیں مانتے کہ خلیفہ اس سے بلند وبالا ہے، یہی وہ خلافت مصطلحہ شرعیہ ہے جس کی بحث ہے، اسی کے لئے قرشیت وغیرہا سات شرطیں لازمی ہیں عرف حادث میں اگر کسی سلطان کو بھی خلیفہ کہیں یا مدح میں ذکر کرجائیں وہ نہ حکمِ شرع کا نافی ہے نہ اصطلاح شرع کا منافی۔ جس طرح اجماعِ اہلسنت ہے کہ بشر میں انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سوا کوئی معصوم نہیں، جو دوسرے کو معصوم مانے اہلسنت سے خارج ہے، پھر عرف حادث میں بچوں کو بھی معصوم کہتے ہیں یہ خارج از بحث ہے جیسے لڑکوں کے معلم تک کو خلیفہ کہتے ہیں، یہ مبحث واجب الحفظ ہے کہ دھوکا نہ ہو **وباللہ التوفیق**۔

فصل اوّل

احادیث متواترہ سرکار رسالت واجماع صحابہ وتابعین وائمہ امت ومذہب مہذب اہلسنت وجماعت سے شرط قرشیت کے روشن ثبوت احادیث شریفہ کو میں جدا لاؤں ان کی تخریج وشان تواتر بتاؤں ان سے اتمام تقریب ووجہ احتجاج دکھاؤں اس سے یہی بہتر کہ کتبِ عقائد وکتبِ حدیث وکتبِ فقہ سے اقوال جلیلہ ائمہ کرام علمائے اعلام بتادیں گے کہ حدیثیں متواتر ہیں ان کی حجتیں قاہرہ ہیں ہر طبقہ وقرن کے اجماع متظافر ہیں مخالف سنی نہیں خارجی معتزلی گمراہ خاسر ہیں **وباللہ التوفیق**۔

کتب عقائد

۱ امام ہمام مفتی الجن والانس عارف باللہ نجم الملۃ والدین عمر نسفی استادِ امام برہان الملۃ والدین صاحبِ ہدایہ رحمہما اللہ تعالٰی کا متن عقائد مشہور بہ عقائد نسفی جو سلسلہ نظامیہ ودیگر سلاسل تعلیمیہ میں عقائد اہلسنت کی درسی کتاب ہے جسے درس میں اسی لئے رکھا ہے کہ طلبہ عقائدِ اہلسنت سے آگاہ ہوجائیں، اس کتاب جلیل میں ہے: **ویکون من قریش ولایجوز من غیرھم**[1] یعنی خلیفہ قریش سے ہو غیر قریشی جائز نہیں۔

---

[1] شرح العقائد النسفیۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۱

۲شرح علامہ تفتازانی میں ہے:

لم یخالف فیہ الاالخوارج وبعض المعتزلۃ[1]۔	قرشیت کی شرط میں کسی نے خلاف نہ کیا مگر خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے۔

۳اسی میں ہے:

یشترط ان یکون الامام قریشیا لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام الائمۃ من قریش وھذا وان کان خبراواحدا لکن لمارواہ ابوبکر محتجابہ علی الانصار ولم ینکرہ احد فصار مجمعاعلیہ[2]۔	یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو بدلیل قول نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش اور یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انصار پر حجت میں اسے پیش کیا اور صحابہ کرام میں کسی نے اس پر انکار نہ کیا تو اس پر اجماع ہوگیا۔

۴کتاب قواعد العقائد امام حجۃ الاسلام غزالی میں ہے:

شرط الامامۃ نسبۃ قریش لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش[3]۔	خلافت کی شرط نسب قریشی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خلفاء قریش سے ہیں۔

اس کی ۵شرح اتحاف میں ہے:

ان کثیرامن المعتزلہ نفی ھذاالاشتراط،ودلیل اھل السنۃ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش قال العراقی اخرجہ النسائی من حدیث انس والحاکم من حدیث علی وصححہ اھ قلت وکذا اخرجہ البخاری فی التاریخ وابویعلی والطیالسی و البزار عن انس واخرجہ احمد من حدیث ابی ھریرۃ وابی بکر الصدیق	یعنی بہت معتزلیوں نے شرطِ قرشیت کا انکار کیا اور اہلسنت کی دلیل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفا قریش سے ہوں، امام زین الدین عراقی نے فرمایا یہ حدیث نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حاکم نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اھ میں کہتا ہوں یونہی اسے امام بخاری نے کتاب التاریخ

[1] شرح العقائد النسفیۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۲

[2] شرح العقائد النسفیۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۱ و ۱۱۲

[3] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث الرکن الرابع مکتبۃ المشھد الحسینی قاہرہ مصر ۱/ ۱۱۵

والطبرانی من حدیث علی وعندہ عن انس بلفظ ان الملك فی قریش واخرج یعقوب بن سفیان وابو یعلی والطبرانی من طریق سکین من عبدالعزیز حدثنا سیار بن سلامۃ ابو المنھال قال دخلت مع ابی علی ابی برزۃ الاسلمی فسمعتہ یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الامراء من قریش الخ[1] (ملخصًا) ثم ذکر تخاریج حدیث لایزال ھذا الامر فی قریش[2] وشواھدہ وکلہ ماخوذ من الفتح۔	اور ابویعلی وابوداؤد طیالسی و بزار نے انس اور امام احمد نے ابوہریرہ وحضرت صدیق اکبر اور طبرانی نے مولٰی علی سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، نیز طبرانی کے یہاں بروایت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لفظوں سے ہے کہ سلطنت قریش میں ہے اور یعقوب بن سفیان وابویعلٰی وطبرانی نے سکین بن عبدالعزیز سے روایت کی کہ ہم سے سیار بن سلامہ ابو المنہال نے حدیث بیان کی کہ میں اپنے والد کے ساتھ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس گیا انہیں یہ حدیث روایت کرتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ خلفاء قریش سے ہیں الخ (ملخصًا) پھر انہوں نے حدیث، کہ یہ خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی، کی تخریجات اور شواہدات کو ذکر کیا اور یہ سب فتح الباری سے ماخوذ ہے۔ (ت)

۶ مسایرہ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین بن الہمام میں ہے:

شرط الامام نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلۃ[3]۔	خلیفہ کی شرط نسب قرشی ہے بہت معتزلیوں کا اس میں خلاف ہے۔ (ت)

۷ مسامرہ علامہ ابن ابی شریف شافعی تلمیذ امام ابن الہمام میں ہے:

لنا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش قدمنا تخریجہ وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الناس تبع لقریش اخرجہ الشیخان وفی البخاری من حدیث معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی	ہم اہلسنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفا قریش سے ہیں، ہم نے اس حدیث کی تخریج اوپر بیان کی نیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب آدمی قریش کے تابع ہیں، اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا، نیز بخاری میں

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد دار الفکر بیروت ۲/ ۲۳۱

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد دار الفکر بیروت ۲/ ۲۳۱

[3] مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریۃ کبرٰی مصر ص ۲۳۹

عنه ان هذا الامر فی قریش[1]۔	امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بیشک خلافت قریش میں ہے۔

اور تخریج حدیث چھ ورق اوپر بیان کی،

رواه النسائی من حدیث انس ورواه بمعناه الطبرانی فی الدعاء والبزار والبیهقی وافرده شیخنا الامام الحافظ ابوالفضل بن حجر بجزء جمع فیه طرقه نحو من اربعین صحابیا[2]۔	یہ حدیث نسائی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور یہی مضمون طبرانی نے کتاب الدعاء اور بزار و بیہقی نے روایت کیا اور ہمارے شیخ امام حافظ ابو الفضل ابن حجر عسقلانی نے خاص اس حدیث میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں اس کی روایات قریب چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جمع کیں۔

^٨^علامہ امام قاسم بن قطلوبغا حنفی تلمیذ ابن الہمام تعلیقات مسایرہ میں فرماتے ہیں:

اما عندنا فالشروط انواع بعضها لازم لاتنعقد بدونه، وهی الاسلام والذکورة والحریة والعقل و البلوغ واصل الشجاعة وان یکون قرشیا[3]۔	ہمارے نزدیک خلافت کی شرطیں کئی قسم ہیں بعض تو شروط لازم ہیں کہ ان کے بغیر خلافت صحیح ہی نہیں ہو سکتی وہ یہ ہیں اسلام اور مرد ہونا اور آزادی و عقل وبلوغ واصل شجاعت اور قرشی ہونا۔

^٩^پھر فرمایا:

اما نسب قریش فلقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش رواه البزار وهذا وان کان خبرواحد فقد اتفقت الصحابة علی قبوله الامام ابوالعباس الصابونی وغیره[4]۔	قریشی ہونا اس لئے شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریش سے ہوں۔ اسے بزار نے روایت کیا، اور یہ اگرچہ خبر احاد ہو مگر صحابہ کرام نے اس کے قبول پر اجماع فرمایا، یہ امام ابو العباس صابونی وغیرہ نے افادہ فرمایا۔

^١٠^طوالع الانوار علامہ بیضاوی میں ہے:

---

[1] مسامرۃ شرح مسایرہ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۲۰

[2] مسامرۃ شرح مسایرہ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۰۶

[3] تعلیقات مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۱۹ و ۳۲۰

[4] تعلیقات مسایرۃ مع المسامرۃ شروط الامام مکتبہ تجاریہ کبرٰی مصر ص ۳۲۰

التاسعة کونه قرشیا خلافا للخوارج وجمع من المعتزلة قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش واللام فی الجمع حیث لاعهد للعموم[1]۔	یعنی خلافت کی نویں شرط قریشی ہونا ہے اس میں خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ کو خلاف ہے کہ وہ خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری نہیں جانتے، ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہوں جہاں عہد نہ ہو جمع پر لام استغراق کے لئے ہوتا ہے یعنی تمام خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

۱۲مواقف میں ہے:

یکون قرشیا ومنعه الخوارج وبعض المعتزلة لنا قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش ثم ان الصحابة عملوا بمضمون هذا الحدیث واجمعوا علیه فصار قاطعا[2]۔	یعنی خلیفہ قریشی ہو خارجی اور بعض معتزلی اس شرط کے منکر ہیں ہماری دلیل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلیفہ قریشی ہو، پھر صحابہ کرام اس حدیث کے مضمون پر عامل ہوئے اور ان کا اس پر اجماع ہوا تو وہ دلیل قطعی ہو گئی۔

۱۳شرح علامہ سید شریف میں ہے:

صار دلیلا قطعا یفید الیقین باشتراط القرشیة[3]۔	یعنی دلیل قطعی ہو گئی جس سے قرشیت کا شرط ہونا یقینی ہو گیا۔

۱۴اسی میں ہے: اشترطه الاشاعرة[4] یعنی اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے۔ ۱۵مقاصد میں ہے:

یشترط فی الامام کونه قرشیا لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش[5]۔	امام میں شرط ہے کہ قرشی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریش سے ہوں۔

۱۶شرح مقاصد میں ہے:

---

[1] طوالع الانوار علامہ بیضاوی

[2] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[3] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[4] مواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامة منشورات الشریف رضی قم ایران ۸/ ۳۵۰

[5] مقاصد علی ہامش شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة المبحث الثانی دار المعارف النعمانیة لاہور ۲/ ۲۷۷

اتفقت الامۃ علی اشتراط کونہ قرشیا خلافنا للخوارج لنا السنۃ والاجماع اماالسنۃ فقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش واماالاجماع فھو انہ لما قال الانصار یوم السقیفۃ منا امیر و منکم امیرمنعھم ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ بعدم کونھم من قریش ولم ینکرہ علیہ احد من الصحابۃ فکان اجماعا[1]۔	یعنی تمام امت کا اجماع ہے کہ خلیفہ کا قریشی ہونا شرط ہے اس میں مخالف خارجی ہیں اور اکثر معتزلی، ہماری دلیل حدیث اور اجماع امت ہے، حدیث تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کا ارشاد ہے کہ خلفاء قریش سے ہیں، اور اجماع یوں کہ جب انصار رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روز سقیفہ بنی ساعدہ مہاجرین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہا ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے، انہیں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی نے دعاوی خلافت سے یوں باز رکھا کہ تم قریشی نہیں (اور خلیفہ کا قریشی ہونا لازم ہے) اس پر کسی صحابی نے انکار نہ کیا تو اجماع ہوگیا۔

۱۷شرح فقہ اکبر میں ہے:

یشترط ان یکون الامام قرشیا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش وھو حدیث مشھور ولیس المراد ادبہ الامامۃ فی الصلوٰۃ اتفاقا فتعینت الامامۃ الکبری خلافا للخوارج وبعض المعتزلۃ[2]۔	یعنی شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ائمہ قریش سے ہیں۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں امامت نماز باجماع مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے اس میں مخالف خارجی ہیں یا بعض معتزلی۔

۱۸طریقہ محمدیہ میں ہے:

المسلمون لابدلھم من امام قرشی ولایشترط ان یکون ھاشمیا[3]۔	یعنی مسلمانوں کے لئے ضرور ہے کہ کوئی قریشی خلیفہ ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

۱۹حدیقہ ندیہ میں ہے:

یکون من قریش ولایجوز من غیرھم[4]۔	خلیفہ قریشی ہو غیر قریشی کی خلافت درست نہیں۔

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامۃ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر نصب الامام واجب مصطفی البابی مصر ص ۱۴۷

[3] طریقہ محمدیۃ المسلمون لابدلھم من امام مکتبہ حنفیّہ کوئٹہ ۱/۱۷

[4] حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ المسلمون لابدلھم من امام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۹۵

۲۰تمہید امام ابوالشکور سالمی جسے سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین نے درس میں پڑھا اس میں ہے:

اجمعنا علی ان الامام من قریش ولایکون من غیرہ[1]۔	ہم اہلسنت کا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہو ان کے غیر سے نہیں۔

کتب حدیث

صحیح مسلم و صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایزال ھذاالامر فی قریش مابقی من الناس اثنان[2]۔	خلافت ہمیشہ قریش کے لئے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔

۲۱شرح صحیح مسلم للامام النووی و ۲۲شرح صحیح بخاری للامام القسطلانی و ۲۳مرقاۃ علی قاری میں ہے:

بین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ھذا الحکم مستمر الی اٰخر الدنیا مابقی من الناس اثنان[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ یہ حکم ختم دنیا تک ہے جب تک دو آدمی بھی رہیں۔

۲۴ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں ۲۵ابن المنیر سے اور ۲۶عمدۃ القاری امام بدر محمود عینی حنفی میں ہے:

قریش ھم اصحاب الخلافۃ وھی مستمرۃ لھم الی اٰخر الدنیا مابقی من الناس اثنان[4]۔	قریش ہی خلافت والے ہیں وہ ختمِ دنیا تک انہیں کے لئے ہے جب تک دو آدمی بھی باقی رہیں۔

امام قرطبی کی مفہم ۲۷شرح صحیح مسلم میں پھر ۲۸عمدۃ القاری و ۲۹فتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے:

ھذا الحدیث خبر عن المشروعیۃ ای لاتنعقد الامامۃ الکبری الالقرشی مھما وجد	اس حدیث میں حکم شرعی کا بیان ہے یہ فرمایا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک قرشی بھی باقی رہے اوروں کی

---

[1] التمہید فی بیان التوحید الباب الحادی عشر فی الخلافۃ دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۵۹

[2] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[3] شرح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹، ارشاد الساری باب الامراء من قریش دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۸

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب الامراء من قریش ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ ۱۶/ ۷۵

منهم احد[1]۔	خلافت صحیح نہیں۔

۳۰امام نووی شرح صحیح مسلم پھر ۳۱امام قسطلانی شرح بخاری اور ۳۲علامہ طیبی و ۳۳علامہ سید شریف و ۳۴علی قاری شروح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

هذه الاحادیث واشباهها دلیل ظاهر ان الخلافة مختصة لقریش لایجوز عقدها لاحد من غیرهم وعلی هذا انعقد الاجماع فی زمن الصحابة وکذلك بعدهم ومن خالف فیه من اهل البدع اواعرض بخلاف من غیرهم فهو محجوج باجماع الصحابة و التابعین فمن بعدهم بالاحادیث الصحیحة[2]۔	یہ حدیث اور ان کے مثل اور احادیث روشن دلیلیں ہیں کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں، اسی پر زمانہ صحابہ میں یوں ہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا تو جن بدمذہبوں نے اس میں خلاف کیا یا جس نے اور کسی کے خلاف کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ تابعین وعلمائے مابعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔

۳۵علامہ ابن المنیر پھر حافظ ۳۶عسقلانی شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

الصحابة اتفقوا علی افادة المفهوم للحصر خلافا لمن انکر ذلك والی هذا ذهب جمهور اهل العلم ان شرط الامام ان یکون قرشیا وقالت الخوارج وطائفة من المعتزلة یجوز ان یکون الامام غیرقرشی وبالغ ضرار بن عمرو فقال تولیة غیر القرشی اولی وقال ابو بکر الطیب لم یعرج المسلمون علی هذاالقول بعد ثبوت حدیث الائمة من قریش وعمل المسلمون به قرنابعد قرن وانعقد الاجماع علی اعتبار ذالك قبل ان یقع	یعنی صحابہ نے اتفاق فرمایا کہ حدیث الائمۃ من قریش خلافت کا قریش میں حصر فرماتی ہے بر خلاف اس کے جو اس کا منکر ہو، اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی ہونا شرط اور خارجیوں اور ایک گروہ معتزلہ نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے اور ضرار بن عمرو تو یہاں تک بڑھ گیا کہ کہا غیر قریشی کا خلیفہ کرنا بہتر ہے۔ امام ابوبکر ابن الطیب نے فرمایا مسلمانوں نے اس قول کی طرف التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث "الائمۃ من قریش" ثابت ہوچکی اور ہر قرن میں مسلمان اس پر عامل رہے اور اس اختلاف

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۵

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

الاختلاف[1]۔	اٹھنے سے پہلے اس کے ماننے پر اجماع عہ منعقد ہولیا۔

۳۸؎ امام احمد ناصر الدین اسکندرانی پھر امام شہاب الدین کنانی وجہ دلالت حدیث "لایزال ھذاالامر فی قریش" میں فرماتے ہیں:

المبتدأ بالحقیقۃ ھٰھنا ھو الامر الواقع صفۃ لھذا وھذا لا یوصف الا بالجنس فمقتضاہ حصر جنس الامر فی قریش کانہ قال لاامر الافی قریش والحدیث وانکان بلفظ الخبر فھو بمعنی الامر، بقیۃ طرق الحدیث تؤید ذٰلک[2]۔	یعنی حاصل حدیث یہ ہے کہ "ھذاالامر فی قریش" دائما یہ امر خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے"ھذا" مبتدا ہے اور "امر" اس کی صفت، اور "ھذا" کی صفت میں ہمیشہ جنس ہی آتی ہے، تو مطلب یہ کہ جنس خلافت قریش ہی کے لئے ہے (ان کے غیر کے لئے اس کا کوئی فرد نہیں) گویا الفاظ یوں ارشاد ہوئے کہ خلافت نہیں مگر قریش میں، حدیث اگرچہ صورۃً خبر ہے معنًی امر ہے، حدیث کی باقی روایتیں اس معنٰی کی مؤید ہیں۔

۴۰؎ امام ابن حجر اور ان سے پہلے امام ابن بطال شرح بخاری للمہلب سے ناقل:

یجوز ان یکون ملك یغلب علی الناس بغیر ان یکون خلیفۃ، وانما انکر معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ خشیۃ ان یظن احدان الخلافۃ تجوز فی غیرقریش، فلما خطب بذٰلك دل علی ان ذٰلك الحکم عندھم کذلك اذلم ینقل عن احد منھم انکر علیہ[3]۔	یعنی جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہا کہ عنقریب ایک بادشاہ قبیلہ قحطان سے ہو گا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور خطبہ پڑھا اس میں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت قریش میں ہے، یہ انکار اس بنا پر نہ تھا کہ کوئی غیر قرشی بادشاہ بھی نہیں ہوسکتا، یہ تو جائز ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں پر تغلب کرے اور خلیفہ نہ ہو بلکہ انکار کی وجہ یہ تھی کہ کوئی یہ

عہ: **تنبیہ ضروری**: یہ کلام جلیل یادرکھنے کا ہے کہ بعونہٖ تعالٰی اس سے اہلِ باطل کا منہ کالا ہوگا ۱۲ حشمت علی عفی عنہ۔

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۶

[2] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۶

[3] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۲

نہ سمجھ بیٹھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے لہٰذا حضرت امیر معاویہ نے خطبہ پڑھا کہ کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور اس پر کسی صحابی و تابعی نے انکار نہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

۴۳ مہلب پھر ابن ۴۴ بطال پھر ۴۵ عینی و ۴۶ عسقلانی و ۴۷ قسطلانی سب شروح بخاری میں فرماتے ہیں:

ان القحطانی اذا قام ولیس من بیت النبوۃ ولا من قریش الذین جعل اللہ فیھم الخلافۃ فھو من اکبر تغیر الزمان وتبدیل الاحکام [1]۔	جب قحطانی قائم ہوگا اور وہ نہ خاندان نبوت سے ہے نہ قریش سے جن میں اللہ عزوجل نے خلافت رکھی ہے تو یہ ایک بڑا تغیر زمانہ اور احکامِ شریعت کی تبدیل ہوگا۔

۴۸ امام اجل قاضی عیاض پھر ۴۹ امام ابو زکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

اشتراط کونہ قرشیا ھو مذھب العلماء کافۃ وقد احتج بہ ابوبکر وعمر علی الانصار یوم السقیفۃ فلم ینکرہ احد وقد عدھا العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیھا قول ولا فعل یخالف ماذکرنا وکذٰلک من بعدھم فی جمیع الاعصار ولا اعتداد بقول النظام ومن وافقہ من الخوارج واھل البدع انہ یجوز کونہ من غیر قریش لما ھو علیہ من مخالفۃ اجماع المسلمین [2]۔	خلیفہ میں قرشی ہونے کی شرط جمیع علماء کا مذہب ہے اور بیشک اسی سے صدیق اکبر فاروق اعظم نے روز سقیفہ انصار پر حجت قائم فرمائی اور صحابہ میں کسی نے اس کا انکار نہ کیا اور بیشک علماء نے اسے مسائل اجماع میں گنا اور سلف صالح میں کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا، یونہی تمام زمانوں میں علماء سے مابعد سے اور وہ جو نظام معتزلی اور خارجیوں اور بدمذہبوں نے کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے کچھ گنتی شمار میں نہیں کہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

۵۰ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

گفت آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمیشہ می باشد امر خلافت در قریش یعنی مے باید کہ در ایشاں باشد وجائز نیست شرعا عقد خلافت مر غیر ایشاں را وبریں منعقد شد اجماع در زمن صحابہ وبایں حجت	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی یعنی انہی میں ہونا چاہئے اور شرعًا ان کے غیر میں خلافت کا انعقاد جائز نہیں صحابہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہوچکا ہے اور اسی حدیث کو

[1] فتح الباری کتاب الفتن باب تغیر الزمان حتی یعبد الاوثان مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۱۹۱

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

کردند مہاجران بر انصار[1]۔	مہاجرین نے انصار پر بطورِ حجت پیش کیا۔(ت)

^۵۱ امام جلال الدین کی تاریخ الخلفاء عـــہ سے گزرا:

لم اورد احدا من الخلفاء العبیدیین لان امامتھم غیر صحیح لانھم غیر قریش[2]۔	میں نے اس کتاب میں خلفائے عبیدیہ سے کسی کا ذکر نہ کیا اس لئے کہ ان کی خلافت باطل ہے کہ وہ قرشی نہیں۔

کتب فقہ حنفی

^۵۲ فتاوٰی سراجیہ کتاب الاستحسان باب مسائل اعتقادیہ میں ہے:

یشترط ان یکون الخلیفۃ قرشیا ولایشترط ان یکون ھاشمیا[3]۔	خلیفہ میں شرط ہے کہ قرشی ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

^۵۳ اشباہ والنظائر فن ثالث بیان فرق پھر ^۵۴ ابوالسعود ازہری علی الکنز میں ہے:

یشترط فی الامام ان یکون قرشیا[4]۔	خلیفہ میں شرط ہے کہ قریشی ہو۔

^۵۵ غمز العیون میں ہے:

یشترط نسب قریش لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الائمۃ من قریش[5]۔	قرشی ہونا شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قریشی ہوں۔

^۵۶ درمختار میں ہے:

یشترط کونہ مسلما حرا ذکرا عاقلا بالغا	خلیفہ ہونے کے لئے شرط ہے کہ مسلمان آزاد،
عـــہ: اوردہ آخر کتب الحدیث تبعا ۱۲ منہ غفرلہ	اس کتب حدیث کے آخر میں تابع ہونے کی حیثیت سے ذکر کیا ہے(ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ باب مناقب قریش فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۶۱۹

[2] تاریخ الخلفاء خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۷

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاستحسان باب مسائل اعتقاد نولکشور لکھنؤ ص ۷۰

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵۳ و ۲۵۴

[5] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵۳ و ۲۵۴

قادراقرشیا[1]۔	مرد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہو۔

۵۷ طحطاوی علی الدر میں ہے:

اشترط کونه قرشیالقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الائمة من قریش وقد سلمت الانصار الخلافة لقریش بهذا الحدیث۔[2]	خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلفاء قرشی ہوں۔اسی حدیث سے انصار نے قریش کی خلافت تسلیم کر دی۔

۵۸ ردالمحتار میں اسی کے مثل لکھ کر فرمایا:

وبه یبطل قول الضراریة ان الامامة تصلح فی غیر قریش والکعبیة ان القرشی اولی بها[3]۔	یعنی اسی حدیث واتفاق صحابہ کرام سے ضراریہ کا قول باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ خلافت غیر قریش میں لائق ہے اور کعبیہ کا جو کہتے ہیں خلافت کے لئے قرشی ہونا صرف اولٰی ہے یعنی ان دونوں گمراہ فرقوں نے اہلسنت کا خلاف کیا،اول نے غیر قرشی کی خلافت کو اولٰی جانا دوم نے قرشی کی خلافت کو صرف اولٰی سمجھا لازم نہ جانا،اہلسنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا لازم ہے دوسرا خلیفہ شرعی نہیں ہوسکتا۔

تمہید امام ابوشکور سالمی میں امام الائمہ سراج الامہ ۵۹ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نص سے اس کی تصریح ہے کہ:

قال ابوحنیفة رحمة الله تعالٰی علیه یصح امامته اذاکان قرشیابراکان اوفاجرا[4]۔	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:خلافت صحیح ہے بشرطیکہ قرشی ہو نیک خواہ بد۔

ازالہ وہم میں عباراتِ کتب عقائد وحدیث

بالجملہ مسئلہ قطعًا یقینا اہلسنت کا اجماعی ہے ولہذا احدیث بخاری:

اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی[5]۔	سنواور مانوا گرچہ تم پر کوئی حبشی غلام عامل کیا جائے۔

---

[1] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار باب الامامۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۹

[3] ردالمحتار باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۶۸

[4] تمہید ابوشکور سالمی الباب الحادی عشر فی الخلافۃ والامامۃ دارالعلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۵۹

[5] صحیح بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷

اس کی شرح میں علما قاطبۃً ازالہ وہم کی طرف متوجہ ہوئے، ۶۰ شرح مقاصد میں ہے:

ذٰلك فی غیر الامام من الحکام [1]۔	یہ حدیث خلیفہ کے سوااور حکام ماتحت کے بارے میں ہے۔

۶۱ مواقف میں ہے:

ذلك الحدیث فی من امرہ الامام علی سریۃ وغیرہا [2]۔	یہ حدیث اس کے بارے میں ہے جسے کسی لشکر وغیرہ پر سردار کرے۔

۶۲ شرح مواقف میں ہے:

یجب حمله علی ھذادفعا للتعارض بینه وبین الاجماع، او نقول ھو مبالغة علی سبیل الفرض ویدل علیه انه لایجوز کون الامام عبدااجماعا [3]۔	حدیث کواس معنی پر حمل کرنا واجب ہے کہ اجماع کے مخالف نہ پڑے، یایوں کہیں کہ وہ بروجہ مبالغہ بطور فرض ارشاد ہوا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام کاغلام ہونا بالاجماع باطل ہے۔

۶۳ ابن الجوزی نے تحقیق پھر ۶۴ امام بدر محمود عینی نے عمدۃ القاری، پھر ۶۵ حافظ عسقلانی نے شرح بخاری کتاب الصلوٰۃ میں فرمایا:

ھذا فی الامراء والعمال لاالائمة والخلفاء فان الخلافة فی قریش لامدخل فیھالغیرھم [4]۔	یہ حدیث سرداروں اور عاملوں کے بارے میں ہے نہ کہ خلفا میں کہ خلافت توقریش میں ہے دوسروں کو اس میں دخل ہی نہیں۔

یہیں ۶۶ فتح الباری میں ہے:

امر بطاعة العبد الحبشی والامامة العظمی انماتکون بالاستحقاق فی قریش فیکون غیرھم متغلبا [5]۔	حبشی غلام کی اطاعت کا حکم فرمایا اور خلافت تو صرف قریش کا حق ہے تو غیر قریشی متغلب ہوگا یعنی زبردستی امیر بن بیٹھنے والا۔

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامۃ المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] مواقف شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۸/ ۳۵۰

[3] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الشریف الرضی، قم، ایران ۸/ ۳۵۰

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری باب امامۃ العبد والمولی قدیمی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۲۸

[5] فتح الباری شرح البخاری باب امامۃ العبد والمولی مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۹

۶۷ عمدۃ القاری و ۶۸ فتح الباری کتاب الاحکام میں اسی حدیث کے نیچے ہے:

ای جعل عاملا بان امر امارۃ عامۃ علی البلد مثلا او ولی فیھا ولایۃ خاصۃ کالامامۃ فی الصلٰوۃ اوجبایۃ الخراج او مباشرۃ الحرب فقد کان فی زمن الخلفاء الراشدین من تجمع لہ الامور الثلثۃ ومن یختص ببعضھا۔[1]	مراد یہ ہے کہ وہ عامل کیا جائے، یوں کہ خلیفہ غلام حبشی کو کسی شہر کا عام والی کردے یا کسی خاص منصب کی ولایت دے جیسے نماز کی امامت یا خراج کی تحصیل یا کسی لشکر کی سرداری، خلفائے راشدین کے زمانے میں یہ تینوں باتیں بعض میں جمع ہوجاتی تھیں اور کسی میں بعض۔

۶۹ امام ابوسلیمٰن خطابی پھر ۷۰ امام عینی و ۷۱ امام عسقلانی ۷۲ علی قاری نے فرمایا:

قدیضرب المثل بمالایقع فی الوجود وھذا من ذاک واطلق العبد الحبشی مبالغۃ فی الامر بالطاعۃ وان کان لایتصور شرعا ان یلی ذٰلک[2] اھ بلفظ المرقاۃ قال الخطابی قدیضرب المثل بمالایکادیصح فی الوجود[3]۔	یعنی کبھی ضرب مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جو واقع نہ ہوگی، یہ حدیث اسی قبیل سے ہے، حبشی کاذکر حکمِ اطاعت میں مبالغہ کے لئے فرمایا اگرچہ حبشی غلام کاولی بننا شرعًا متصور نہیں، مرقاۃ کے الفاظ یہ ہیں خطابی نے کہا کبھی مثل میں وہ بات کہی جاتی ہے جو واقع نہ ہوگی۔(ت)

۷۳ اشعۃ اللمعات میں ہے:

ذکر عبد برائے مبالغہ است بروتیرہ قول آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر کہ بناکند مسجدے اگرچہ مثل آشیانہ کنجشک ومر مسجد ہر گز مثل آشیانہ کنجشک نباشد لیکن مقصود مبالغہ است یامراد نائب خلیفہ است[4]۔	غلام کا ذکر بطور مبالغہ ہے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد کے طور پر، جو مسجد بنائے اگرچہ چڑیا کے گھونسلے کی مثل ہو، حلانکہ مسجد ہرگز چڑیا کے گھونسلے کی مثل نہیں ہوتی، لیکن مقصود مبالغہ ہے یا خلیفہ کا کوئی نائب مراد ہے(ت)

---

[1] فتح الباری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۹

[2] فتح الباری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۴۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۲۴۶

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۰۱

۷۴ عمدۃ القاری و ۷۵ کواکب الدراری و ۷۶ مجمع البحار میں ہے:

ھذافی الامراء والعمال دون الخلفاء لان الحبشی لایتولی الخلافۃ لان الائمۃ من قریش [1]۔	یہ حدیث سرداروں اور عاملوں میں ہے حبشی خلیفہ نہ ہوگا کہ خلفاء تو قریش سے ہیں

۷۷ مہلب پھر ۷۸ ابن بطال پھر ۷۹ ابن حجر نے فتح میں کہا:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسمعوا واطیعوا لایوجب ان یکون المستعمل للعبد الامام قرشی لما تقدم ان الامامۃ لاتکون الافی قریش [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ غلام کی اطاعت کرو اسی کو واجب کرتا ہے کہ غلام کو قریشی خلیفہ نے عامل بنایا ہو کہ خلافت تو نہیں مگر قریش میں۔

۸۰ فتح الباری و ۸۱ ارشاد الساری و ۸۲ مرقاۃ قاری میں ہے:

واللفظ لھا(وان استعمل علیکم عبد حبشی)ای وان استعملہ الامام الاعظم علی القوم لان العبد الحبشی ھوالامام الاعظم فان الائمۃ من قریش [3]۔	اگرچہ تم پر غلام حبشی عامل کیا جائے یعنی اگرچہ خلیفہ کسی غلام کو عامل بنائے نہ یہ کہ خود غلام حبشی خلیفہ ہو کہ خلفاء تو قریش سے ہیں۔

۸۳ مجمع البحار الانوار میں ہے:

شرط الامام الحریۃ والقرشیۃ ولیس فی الحدیث انہ یکون امامابل یفوض الیہ الامام امرامن الامور [4]۔	خلیفہ کے لئے شرط ہے کہ آزاد وقریشی ہو اور حدیث میں یہ نہیں کہ غلام خلیفہ ہو بلکہ یہ مراد کہ خلیفہ اسے کوئی کام سپرد کردے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بلکہ خود حدیث صحیح میں اس معنی کی تصریح صریح موجود جس کا بیان فصل سوم میں آئے گا ان شاء اللہ الغفور الودود۔

---

[1] عمدۃ القاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ ادارۃ المنیریۃ دمشق ۲۴/ ۲۲۴

[2] فتح الباری شرح البخاری باب السمع والطاعۃ مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۳۴۰

[3] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الامارۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۲۴۶

[4] مجمع بحار الانوار تحت لفظ جدع مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱/ ۳۳۰

بالجملہ دربارہ خلافت ہر طبقے اور ہر مذہب کے علمائے اہلسنت ایسا ہی فرماتے آئے یہاں تک کہ اب دورِ آخر میں مولوی عبدالباری صاحب کے جد اعلٰی حضرت ملک العلماء ۸۴ بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی فرنگی محلی رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح فقہ اکبر سید نا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں خلافتِ صدیقی پر اجماع قطعی کے منعقد ہونے میں فرمایا:

باقی ماند کہ سعد بن عبادہ از بیعت متخلف ماند میگویم کہ سعد بن عبادہ امارات خود می خواست وایں مخالف نص ست چہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ اند الائمۃ من قریش ائمہ از قریش اند پس مخالفت اودر اجماع قدح ندارد چہ مخالفت مر رائہائے صحابہ نبود بلکہ مخالفتِ اجماع واواعتبار ندارد[1]۔	باقی رہا یہ کہ سعد بن عبادہ نے بیعت نہ کی، تو ہم کہتے ہیں کہ سعد بن عبادہ اپنے لئے خلافت کے خواہشمند تھے ان کی یہ خواہش نص کے خلاف تھی کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے لہٰذا ان کی مخالفت اجماع پر اثر انداز نہیں ہے کیونکہ یہ محض صحابہ کرام کی رائے کی مخالفت نہ تھی بلکہ اجماع کی مخالفت تھی جس کا اعتبار نہیں ہے۔ (ت)

پھر ۸۵ خلافت فاروقی پر انعقاد اجماع میں فرمایا:

ہمہ صحابہ برآں عمل کردند و بیعت حضرت امیر المومنین عمر کردند و دریں ہم کسے مخالفت نکرد سوائے سعد بن عبادہ لیکن مخالفت او مخالفت نص بود چہ امارت خود میخواست چنانچہ دانستی[2]۔	تمام صحابہ نے اس حدیث پر عمل کیا اور امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیعت کی اس میں بھی سوائے سعد بن عبادہ کے کسی نے مخالفت نہ کی لیکن ان کی مخالفت نص کے خلاف تھی کیونکہ وہ اپنے لئے امارت کے خواہشمند تھے جیسا کہ آپ نے جان لیا۔ (ت)

اب سب سے اخیر دور میں حضرت مولانا فضل عـــہ رسول صاحب مرحوم اپنی کتاب عقائد المعتقد المنتقد میں فرماتے ہیں:

یشترط نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلۃ ولایشترط کونہ ھاشمیا خلافا للرافض[3]۔	خلیفہ کا قریشی النسب ہونا شرط ہے برخلاف بہت معتزلیوں کے، اور ہاشمی ہونا شرط نہیں برخلاف رافضیوں کے۔

عـــہ: بدایونی لیڈر عبدالماجد صاحب کے دادا ۱۲ حشمت علی لکھنو عفی عنہ

[1] شرح الفقہ الاکبر لعبد العلی فرنگی محلی

[2] شرح الفقہ الاکبر لعبد العلی فرنگی محلی

[3] المعتقد المنتقد الباب الرابع فی الامامۃ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۹۷

حضرت مولٰنا عــہ عبدالقادر صاحب بدایونی مرحوم اپنے رسالہ عقائد احسن الکلام میں فرماتے ہیں:

نعتقد انہ یجب علی المسلمین نصب امام من قریش۔[1]	ہم پر اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں پر قریشی خلیفہ قائم کرنا فرض ہے۔

نوع دگر از کتب عقائد

علامہ ^۸۸ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد میں فرماتے ہیں:

فان قیل فعلی ماذکر من ان مدۃ الخلافۃ ثلثون سنۃ یکون الزمان بعد الخلفاء الراشدین خالیا عن الامام فتعصی الامۃ کلھم، قلنا المراد بالخلافۃ الکاملۃ ولو سلم فلعل الخلافۃ تنقضی دون الامامۃ بناء علی ان الامامۃ اعم لکن ھذا الاصطلاح لم نجدہ من القوم واما بعد الخلفاء العباسیۃ فالامر مشکل (ملخصًا)[2]	یعنی اگر کہا جائے کہ جب خلافت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تیس ہی برس رہی تو خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد زمانہ امام سے خالی رہا اور معاذاللہ تمام امت گنہگار ٹھہری کہ نصب امام امت پر واجب تھا تو ہم جواب دیں گے کہ وہ جو تیس برس پر ختم ہوگئی خلافت راشدہ کاملہ تھی نہ کہ مطلق خلافت، اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو شاید خلافت ختم ہوگئی امامت بعد کو رہی اور واجب نصب امام ہی تھا تو امت گنہگار نہ ہوئی یہ اس پر مبنی ہوگا کہ امامت خلافت سے عام ہے مگر ہم نے قوم سے یہ اصطلاح نہ پائی، بہرحال جب سے خلفائے عباسیہ نہ رہے امر مشکل ہے کہ اس وقت سے نہ کوئی امام ہے نہ کوئی خلیفہ، تو اعتراض نہ اٹھا انتہی (ملخصًا)۔

اقول اولًا: صحیح جواب اول ہے اور اشکال کا جواب خود علامہ کے کلام سے آتا ہے اس وقت نظر اس پر نہ کہی تھی۔

ثانیًا امامت بیشک عام ہے جس کا بیان ہم کرینگے ان شاء اللہ۔ نیز ^۸۹ علامہ موصوف شرح مقاصد میں اسی اعتراض کو ذکر کرکے بہت صحیح وواضح جواب سے دفع فرماتے ہیں:

فان قیل لو وجب نصب الامام لزم	اگر کہا جائے کہ نصب امام واجب ہوتا تو اکثر

عــہ: مذکور متلذر بدایونی (ہداۃ اللہ تعالٰی) کے پردادا ۱۲ حشمت علی قادر رضوی لکھنوی غفرلہ

[1] احسن الکلام

[2] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ قندھار، افغانستان ص ۱۱۰ و ۱۱۱

اطباق الامة فی اکثر الاعصار علی ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بمایجب من الصفات سیما بعد انقضاء الدولة العباسیة قلنا انما یلزم الضلالة لوترکوہ عن قدرة واختیار لاعجز واضطرار[1]۔	زمانوں میں ترک واجب پر امت کا اتفاق لازم آتا ہے کہ امام کے لئے جو صفات لازم ہیں ایسا مدت سے نہیں خصوصًا جب سے دولتِ عباسیہ نہ رہی خلافت کا نام نشان تک نہ رہا اور ایسا ترک واجب گمراہی ہے اور گمراہی پر امت کا اتفاق محال، تو ہم جواب دیں گے کہ گمراہی توجب ہوتی کہ ان کے بعد امت نصب امام پر قادر ہوتی اور قصداً ترک کرتی، عجز و مجبوری کی حالت میں کیاالزام ہو۔

یہی مضمون مولوی ۹۰علی الخیالی میں ہے حدیث عجز واضطرار بیان کرکے کہا:

وبهذا الحدیث یندفع الاشکال بعد الخلفاء الراشدین والعباسیة ایضًا[2]۔	یعنی خلفائے عباسیہ کے بعد تمام عالم سے خلافت ضرور مفقود ہے مگر امت پر الزام نہیں آتا کہ عذر مجبوری موجود ہے۔

۹۱شرح عقائد امام نسفی پھر ۹۲تعلیقات المسایرة للعلامة قاسم الحنفی تلمیذ الامام ابن الهمام رحمهم اللہ تعالٰی میں ضرورت خلیفہ بتائی کہ دین ودنیاکے اِن ان کاموں کے انتظام کو اس کا ہونا ضرور ہے پھر فرمایا:

فان قیل فلیکتف بذی شوکة له الریاسة العامة اماما کان او غیر امام فان انتظام الامر یحصل بذٰلك کما فی عهد الاتراك قلنا نعم یحصل بعض النظام فی امرالدنیا ولکن یختل امرالدین وهو المقصود الاهم[3]۔	یعنی اگر کوئی کہے کہ انتظام ہی کی ضرورت ہے تو ایک عام ریاست والے پر کیوں نہ قناعت ہو جائے وہ خلیفہ ہو یانہ ہو کہ انتظام اس سے بھی حاصل ہو جائیگا جیسے سلطنت ترکی سے کہ خلافت نہیں اور انتظام کر رہی ہے پھر خلیفہ کی کیاضرورت، تو ہم جواب دینگے ہاں ایسی سلطنتوں سے دنیاوی کاموں کا کچھ انتظام چل جائے گا مگر دینی کاموں میں خلل آئے گا وہ بے خلیفہ نہ بنیں گے اور دین ہی مقصود اعظم ہے۔

لہٰذا ترکی سلطنت یااور بادشاہیاں کافی نہیں خلیفہ کی ضرورت ہے، کیاان سے بھی صاف نص کی

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامة المبحث الاول فی نصب الامام دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۷۵

[2] مولوی علی الخیالی مطبع ہندوپریس دہلی ص ۲۵۷

[3] شرح العقائد النسفیه دار الاشاعت قندھار افغانستان ص ۱۱۰

حاجت ہے وللہ الحجۃ البالغۃ۔

تنبیہ: اسی نوع سے ہے وہ حدیث کہ صدر کلام میں امام خاتم الحفّاظ سے گزری کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت جب بنی عباس کو پہنچے گی ظہور مہدی تک اور کو نہ ملے گی۔ ظاہر ہوا کہ ۱۳۳۱ھ سے آج تک اور آج سے ظہور حضرت امام مہدی تک کوئی غیر عباسی خلیفہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا جو دوسرے کو خلیفہ مانے حدیث کی تکذیب کرتا ہے یہ حدیث اپنے طرق عدیدہ سے حسن ہے اسے طبرانی نے معجم کبیر میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا، اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انہیں سے بسندِ دیگر اور دارقطنی نے افراد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعًا اور خطیب نے بسندِ خلفاء حضرت حبر الامۃ سے موقوفًا اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، حدیث طبرانی کے لفظ یہ ہیں:

لکنہا فی ولد عمی صنو ابی حتی یسلموھا الی الدجال۔[1]	ہاں خلافت میرے چچا میرے باپ کی جگہ عباس کی اولاد میں ہے یہاں تک کہ اسے سپرد دجال کرینگے۔

اور حدیث ابن مسعود میں ہے:

لاتذھب الایام واللیالی حتی یملك رجل من اھل بیتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی فیملؤھا قسطا وعدلا کما ملئت جورا وظلما[2]۔	شب وروز گزرنے کے بعد وہ خلافت کو میرے اہلبیت سے ایک مرد کے سپرد کریں گے جس کا نام میرا نام ہوگا اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کا نام، وہ زمین کو عدل وانصاف سے بھر دے گا جس طرح ظلم وستم سے بھر گئی تھی یعنی حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

امام خاتم الحفاظ نے اس حدیث سے استناد اور اس پر اعتماد کیا **کما تقدم** (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) یہ ہیں تقریبًا پچاس حدیثیں اور کتب عقائد وتفسیر وحدیث وفقہ کی بانوے عبارتیں۔ سنی بانصاف کو اسی قدر کافی ووافی ہیں۔

وللہ الحمد والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۱۶ مروی از ام سلمہ رضی اللہ عنہا مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۳/ ۴۲۰

[2] المستدرك للحاکم کتاب الفتن والملاحم دار الفکر بیروت ۴/ ۴۴۲

فصل دوم

خطبہ صدارت مولوی فرنگی محلّی میں ۱۵ سطری کارگزاری کی نازبرداری

(۱) مسلمانو! تم نے دیکھا خلافت کے لئے شرط قرشیت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی متواتر حدیثیں، صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، امت کا اجماع، جملہ اہلسنت کا عقیدہ، ائمہ واکابر حنفیّہ کی کتب عقائد میں تصریحیں، کتب حدیث میں تصریحیں، کتب فقہ میں تصریحیں ایسے عظیم الشان جلیل البرہان اجماعی قطعی یقینی مسئلے کو فرنگی محلّی کا خطبہ صدارت میں صرف شافعیہ کی طرف نسبت کرنااور حنفیّہ میں فقط بعض کے کلام سے وہ بھی تصریح نہیں، فحوٰی سے سمجھے جانے کا ادعا کرنا کس درجہ خلاف دیانت واغوائے عوام ہے۔

(۲) تمہید میں تواس پر خود حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص صریح مذکور، شاید امام اعظم کا نص بھی کسی مقلد حنفی کا فحوائے کلام ہوگا۔

(۳) اس پر نقول قاہرہ اجماع کو یوں گرانا کہ بعض بے اجماع نقل کیا، کیسی تلبیس ہے۔

(۴) یہ کہنا کہ ابتدااس کی قاضی عیاض سے معلوم ہوتی ہے مگر ثبوت اجماع مشکل ہے۔ ثقات ائمہ کی تکذیب کا اشعار ہے، امام اجل ثقہ عدل قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی سے پہلے ائمہ نے اس پر اجماع نقل کیا، بعد کے علماء نے نقل کیا سب نے مقبول ومقرر رکھا کسی نے اس میں خلاف اہلسنت کا پتانہ دیا، معاذاللہ یہ سب جھوٹے ہیں اور فرنگی محلّی سچے۔

(۵) جب نقول ائمہ مردود ونامعتبر ٹھہریں تو آپ ہی ہزاروں اجماعوں کا ثبوت مشکل بلکہ ناممکن ہوجائیگا کہ آخر قرآن وحدیث نے فرمایا نہیں کہ بعد عصر نبوت فلاں فلاں مسئلہ پر اجماع ہوگا ہم نے اہل اجماع کو دیکھا تک نہیں، نہ وہ سب مل کر اپنے اجماع کی دستاویزیں رجسٹری کراگئے اب نہ رہیں مگر نقولِ ائمہ وہ ان تازہ لیڈروں کو مقبول نہیں، پھر ثبوتِ اجماع کی صورت ہی کیا رہی۔

(۶) جب وہ نقلِ اجماع میں متہم تو نقل اقوال خاصہ میں کیوں معتمد ہوں گے، فقہ بھی گئی، یہ وہابیہ وغیر مقلدین کی تعظیم وتکریم وجلسوں میں ان کی صدارت وتقدیم کی شامت ہے کہ وہی غیر مقلد کا مسئلہ آگیا ع

قیاس فاسد واجماع بے اثر آمد

(قیاس فاسد ہے اور اجماع بے اثر ہے۔ت)

(۷) امام اجل قاضی عیاض نے ابتداءً دعوی اجماع نہ کیا بلکہ یہ فرمایا کہ علمائے کرام نے اسے مسائلِ اجماع میں گنا تو ان سے ابتداءً بتانا تکذیب وگستاخی کی انتہا دکھانا ہے۔

(۸) صدر اسلام میں ڈیڑھ سو برس تک تصانیف نہ ہوئیں، پھر اگلی صدیوں کی ہزاروں کتابیں مفقود ہوگئیں، اب صدہا مسائلِ اجماعیہ میں سب سے پہلے جس امام کے کلام میں نقل اجماع نظر آئے اسی کے سر رکھ دیا جائے کہ ابتداء ان سے معلوم ہوتی ہے کتنا آسان طریقہ رد اجماع کا ہے۔

(۹) ائمہ کرام اس پر صحابہ وتابعین وسلف صالحین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اب تک تمام اہلسنت کا اجماع بتاتے، اور اسی پر کتب عقائد میں اسے قطعیہ یقینیہ فرماتے ہیں اس کے مقابل اگر کسی صحابی سے کوئی اثر ملے تو اگر وہ انعقاد اجماع سے پہلے کی گفتگو ہے اس سے نقض اجماع جنون خالص ہے یوں ہی اگر تاریخ معلوم نہ ہو، اور اگر بعد کی ہے اور سند صحیح نہیں تو آپ ہی مردود اور صحیح وقابلِ تاویل ہے تو واجب التاویل ورنہ شاذ روایت اجماع کے مقابل قطعًا مضمحل نہ کہ الٹا اس سے اجماع باطل۔

(۱۰) قریش میں حصر خلافت کی احادیث بیشک متواتر ہیں بہت متکلمین کی نظر احادیث پر زیادہ وسیع نہ تھی کہ فن دوسرا ہے انہوں نے خبر آحاد سمجھا تو ساتھ ہی قبول صحابہ سے قطعی یقینی بتادیا مگر مسامرہ سے گزرا کہ حافظ الحدیث امام عسقلانی نے ایک حدیث "الائمۃ من قریش" کو چالیس کے قریب صحابہ کرام سے مروی دکھایا اور اس میں مستقل رسالہ تصنیف فرمایا جس کا نام امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں[1] "لذۃ العیش فی طرق حدیث الائمۃ من قریش" بتایا یہ عدد صحابہ کرام میں یقینًا تواتر کا ہے یہ ایک حدیث کا حال تھا اسی مدعا پر اور احادیث علاوہ۔

(۱۱) اس سے قطع نظر کیجئے تو اس قدر تو آج کل کی قاصر نگاہوں سے بھی نظر آرہا ہے کہ وہ بلاشبہہ مشہور اور بالفاظ عدیدہ وطرق کثیرہ بہت صحابہ کرام سے ماثور، اور برابر صدر اول سے امت مرحومہ میں احتجاج وعمل کیلئے مقبول ومنظور، پھر اس کے خاص الفاظ کے احاد سے ہونے کا ذکر جس کا جواب علمائے عقائد مواقف وشرح مقاصد وشرح مواقف وغیرہا میں دے چکے کیا انصاف ہے۔

(۱۲) ائمہ نے "الائمۃ من قریش" سے استدلال فرمایا اور جمع محلّی باللام کے افادہ استغراق سے اتمام تقریب فرمادیا اسے "الخلافۃ فی قریش" سے بدلنا اور "القضاء فی الانصار" سے نقض کرنا کیا مقتضائے دیانت ہے۔

(۱۳) حدیث صحیح "لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی من الناس

---

[1] مقاصد الحسنہ تحت حدیث عالم قریش الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۸۲

اثنان[1] (خلافت قریش کے لئے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی ہیں۔ت) سے استدلال ائمہ کا کیا رد ہوا، کیا کسی حدیث میں یہ بھی آیا کہ:

لایزال القضاء فی الانصار وھذا الاذان فی الحبشة مابقی من الناس اثنان۔	ہمیشہ عہدہ قضا انصار میں اور عہدہ اذان حبشیوں میں رہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔

جب ائمہ فرماچکے کہ صحابہ کرام نے حدیث سے حصر سمجھا اور اسی پر عمل فرمایا تو صحابہ کے مقابل اپنی چہ میگوئیاں نکالنا کیا شان دین ہے۔

(۱۵و۱۶) محققین اہلسنت عموماً اور امام ابوبکر باقلانی کی طرف خصوصاً اس نسبت کی جرأت کہ قرشیت کی شرط سے بالکل عدول کرتے ہیں کس قدر دروغ بیمزہ ہے اکابر ائمہ اعاظم علماء اجماع صحابہ اجماع تابعین اجماع امت نقل فرمارہے ہیں ناقلان خلاف، صرف خارجیوں معتزلیوں کا خلاف بتاتے ہیں، مخالفت میں ضرار و کعبی دو گمراہوں کے قول نقل کرتے ہیں معاذاللہ اگر تمام محققینِ اہل سنت درکنار صرف امام سنت باقلانی کا خلاف ہوتا تو خارجیوں معتزلیوں کو مخالف بتایا جاتا، دو گمراہوں کا نام ان کے نام نامی سے زیادہ پیارا اور قابلِ ذکر عظمت والا تھا کہ انہیں چھوڑ کر ان دو کا نام گنایا جاتا۔ شرح عقائد نسفی کے الفاظ تو آبِ زر سے لکھنے کے ہیں کہ "**لم یخالف الا الخوارج وبعض المعزلة**"[2] اس میں کسی نے خلاف نہ کیا سوا خارجیوں اور بعض معتزلیوں کے تمام نقول اجماع کا یہی مطلب ہے مگر اس میں محققین اہلسنت وامام باقلانی کی طرف اس نسبت باطلہ کی روشن تر تفضیح ہے **وللہ الحمد** اجلہ اکابر ائمہ اہلسنت ائمہ کلام واکابر حدیث واعاظم فقہ سب کے ارشادات پس پشت ڈالنا اور ایک متاخر مورخ ابن خلدون کے قول بے سند پر (جس کے مذہب کی بھی کوئی ٹھیک نہیں نہ تاریخ نویسی کے سوا کسی علم دینی میں اس کا نام زبانوں پر آتا ہے) سر منڈا بیٹھنا کیا شرط دین پرستی ہے اجلہ ائمہ جہابذہ ناقدین کو نہ معلوم ہوا کہ خود امام سنت باقلانی و محققین اہلسنت اس مسئلہ میں مخالف ہیں، برابر اجماع نقل فرماتے رہے مسئلہ پر جزم ویقین فرمایا کئے اہل خلاف کو خارجی معتزلی بدعتی کہتے رہے، مگر آٹھویں صدی کے اخیر میں اس مورخ کو حقیقت حال معلوم ہوئی کہ اس میں تو محققین اہلسنت و امام سنت مخالف ہیں۔

(۱۷) طرفہ یہ کہ ابن خلدون نے اتنا کہا تھا:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[2] شرح العقائد النسفیہ دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۲

اشتبہ ذٰلك علی کثیر من المحققین[1]۔	بہت سے محققوں کو اس میں شبہ لگا۔

فرنگی محلّی تحریر "شبہہ لگنا اڑا دیا" اور "کثیر" کا لفظ گھٹا دیا، اسے یوں بنایا کہ محققین عدول کرتے ہیں یعنی ان کا عدول ازراہِ اشتباہ نہیں بلکہ ازراہ تحقیق ہے اور وہ جو اس شرط پر قائم رہے یعنی تمام اہلسنت وہ تحقیق سے عاری ہیں۔

(۱۸) ان دونوں سے بڑھ کر چالاکی یہ کہ فرنگی محلّی تحریر نے محققین کے ساتھ لفظ "اہلسنت" بڑھالیا یہ لفظ ابن خلدون کی عبارت میں نہیں، وہ خدا جانے کن کو محققین کہہ رہا ہے، ائمہ فرما چکے کہ اس میں مخالف خارجی ہیں یا معتزلی، تو انہیں میں سے کسی فریق کو محققین کہا اور ظاہرًا معتزلہ کو کہا کہ درباره خلافت جو مضمون اس نے نقل کیا وہ ضرار بن عمرو معتزلی ہی کی مخالفت کا مؤید، نہیں نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زائد ہے **فاشتکی الی اللّٰہ تعالٰی**۔

(۱۹) ابن خلدون کی حالت عجیب ہے [۱] اس کے کلام سے کہیں اعتزال [عہ] کی بو آتی ہے، [۲] کہیں نیچریانہ اسباب پرستی کی جھلک پائی جاتی ہے، [۳] اولیائے کرام کا صاف دشمن ہے، [۴] ان کو رافضیوں کا مقلد بتاتا ہے، [۵] کہتا ہے ان کے دلوں میں رافضیوں کے اقوال رچ گئے اور ان کے مذاہب کو اپنا دین بنانے میں توغل کیا [۶] یہاں تک کہ طریقت کا سلسلہ علی تک پہنچایا اور کہا انہوں نے حسن بصری کو خرقہ پہنایا اور ان سے ان کے پیر جنید تک پہنچا اس تخصیص علی اور ان کی اور باتوں سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ رافضیوں میں داخل ہیں، و [۷] لہٰذا رافضیوں کی طرح ایک امام مہدی کے انتظار میں ہیں جن کے آنے کی کچھ صحت نہیں، [۸] اسی طرح اقطاب و ابدال کا ایک لخت منکر ہے [۹] اس میں بھی اولیاء کے مقلد روافض ہونے کا مشعر ہے کہ جس طرح رافضیوں نے ہر زمانے میں ایک امام باطن اور اس کے نیچے نقبا مانے ہیں، یونہی ان سے سیکھ کر صوفیہ نے ہر دور میں ایک قطب اور اس کے ماتحت ابدال گھڑے ہیں، حلانکہ احادیث مرفوعہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ جن کے بیان میں امام جلال الدین سیوطی کا ایک رسالہ ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ودیگر اجلہ اقطاب کرام

عہ: دور کیوں جایئے اپنے اخ معظم مولوی عبدالحہ صاحب کا فتاوٰی جلد اول طبع اول ص ۷۲ اور خود اپنا جمع کردہ فتاوٰی قیام ص ۳۰۶ ملاحظہ کیجئے۔ علامہ عبدالرحمان حضرمی معتزلی معروف بہ ابن خلدون ۱۲ عبید الرضا حشمت علی رضوی غفرلہ۔

---

[1] تاریخ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ہذا المنصب وشروط۔ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

قدست اسرارہم سب سے اقطاب وابدال کی حقیقت متواتر ہے یونہی کون سا صاحب سلسلہ ہے جس کا سلسلہ امیر المومنین علی تک نہیں پہنچتا تو وہ ان تمام حضرات اکابر کرام کو معاذاللہ دین میں مخترع اور رافضیوں کا متبع بلکہ سلک روافض میں منسلک ٹھہراتا ہے، "فتوحات اسلام کا راز، عربی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا وحشی ہونا بتایا ہے، اور" یہ کہ امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جہاد پر بھیجتے وقت انہیں وحشیت پر اور ابھار دیا کیونکہ وحشی ہی قوم کا ملک وسیع ہوتا ہے، "نیز کہتا ہے صحابہ وحشی ہونے کے سبب لکھنا ٹھیک نہ جانتے تھے، "اس لئے قرآن عظیم جا بجا غلط لکھا ہے، اور "اولیاء کو جادوگروں کے حکم میں رکھنے کے لئے کہا جو کسی کو اپنی کرامت سے قتل کردے وہ صاحب کرامت قتل کیا جائے گا جیسے ساحر کو اپنے سحر سے قتل کرے۔ اجلہ اکابر محبوبان خدا کو نام بنام حتی کہ شیخ الاسلام ہروی کو لکھتا ہے کہ یہ حلولی تھے اور یہ کفر انہوں نے روافض اسمعیلیہ سے سیکھا **الی غیر ذٰلك من هفواته الشنیعة** (اس کے علاوہ اس کے بہت سے برے ہفوات ہیں۔ت) اور پھر تستر کے لئے یا خود اپنے حال سے ناواقفی کے باعث جا بجا سنیت و اعتقاد اولیاء کا اظہار بھی کرتا ہے جس نے محققین یا شیخ الاسلام امام ہروی کی طرف کفر میں تقلید روافض نسبت کردی وہ اگر محققین و امام باقلانی کی طرف بدعت میں تقلید خوارج نسبت کردے کیا بعید ہے، ہاں عجب ان مدعیان سنت سے ہے کہ تمام اکابر ائمہ و علمائے اہلسنت کے ارشادات عالیہ پر پانی پھیرنے کے لئے ایک ایسے مورخ کا دامن تھامیں، کیا آیہ کریمہ "بِئۡسَ لِلظّٰلِمِيۡنَ بَدَلًا ۝۵۰"[1] (ظالموں کو کیا ہی برا بدلہ ملا۔ت) یہاں وارد نہ ہوگی **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

غالبًا اس نسبت مخترعہ سے بھی اسے صوفیہ کرام پر چوٹ کرنی منظور ہے وہ بھی شرط قرشیت کو اجماعی مانتے ہیں خود اسی شخص نے اسی مقدمہ تاریخ فصل فاطمی میں ان اکابر کرام سے نقل کیا:

قالوا لما کان امر الخلافة لقریش حکما شرعیا بالاجماع الذی لایوهنه انکار من لم یزاول علمه[2] **الخ۔**	یعنی صوفیہ کرام نے فرمایا خلافت خاص قریش کیلئے ہونا حکم شرعی ہے ایسے اجماع سے ثابت جو ناواقف ناشناس کے انکار سے سست نہیں ہوسکتا الخ

لہٰذا محققین و امام سنت کا خلاف بتایا کہ ان کی تکذیب ہو۔

(۲۰) نہیں نہیں بلکہ اس کا راز اور ہے خود اسی مبحث سے روشن کہ وہ آپ مبتدع اور خوارج کا

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی امر الفاطمی موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۳۲۴

متبع اور اجماعِ صحابہ کرام کا خارق، اور ضراریہ ومعتزلہ کا موافق ہے اس نے اوّلاً شرائط خلافت میں کہا:

اماالنسب القرشی فلاجماع الصحابة علی ذٰلک[1]۔	قرشیت کی شرط اس لئے ہے کہ صحابہ کرام نے اس پر اجماع فرمایا۔

پھر اس اجماع کی منشا ومستند حدیثیں ذکر کیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الائمة من قریش[2] خلفاء قریشی ہوں۔ اور فرمایا:

لایزال هذاالامر فی هذاالحی من قریش[3]۔	خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔

اور کہا اس پر دلائل بکثرت ہیں پھر آہستہ آہستہ رد احادیث واجماع کی طرف سرکا کہ:

لماضعف امر قریش وتلاشت عصبیتهم فاشتبه ذلك علی کثیر من المحققین حتی ذهبوا الی نفی اشتراط القرشیة[4]۔	جب قریش میں ضعف آیا اور ان کی حمیت جاتی رہی تو بہت محققوں کو یہاں شبہہ لگا یہاں تک کہ نفی شرط قرشیت کی طرف گئے۔

یہاں دونوں پہلو دیکھئے، اشتباہ کہا جس سے مفہوم ہو کہ ان کو غلطی پڑ جاتا ہے اور انہیں محققین کہا جس سے مترشح ہو کہ ان کے زعم کو تحقیق مانتا ہے پھر ان کے دو شبہے ذکر کئے ایک اسی حدیث در بارہ غلام حبشی سے جس کے جواب کلام ائمہ سے گزرے اور اس پر زیادہ کلام ان شاء اللہ تعالٰی آگے آتا ہے اس نے جواب خطائی اختیار کیا کہ یہ مبالغۃً بطور فرض ہے، دوسرا شبہہ اس روایت سے کہ امیر المومنین فاروق سے مروی ہوا:

لوکان سالم مولی ابی حذیفة حیالولیته[5]۔	اگر ابوحذیفہ کے غلام آزاد شدہ سالم زندہ ہوتے تو میں ضرور ان کو والی بناتا۔

یا فرمایا: لمادخلتنی فیه الظنة[6] ان پر مجھے کوئی بدگمانی نہ ہوتی۔ اس کا کھلا ہوا روشن جواب تھا کہ امیر المومنین نے فرمایا ہے "لولیته" میں انہیں والی کرتا، نہ کہ "استخلفته" میں انہیں خلیفہ کرتا، والی ایک صوبہ کا بھی ہوتا ہے ایک شہر کا بھی ہوتا ہے، جسے خلیفہ مقرر فرمائے تو اسے یہاں سے کیا علاقہ، اس روشن جواب کو چھوڑ کر اول تو یہ جواب دیا کہ مذهب الصحابی لیس بحجة[7] یعنی یہ اگر ہے تو عمر کا قول ہے اور عمر کا قول کچھ حجت نہیں۔ شان فاروقی میں یہ کلمہ جیسا ہے اہل ادب پر ظاہر ہے جن کی نسبت خاص حکم احکم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے:

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[3] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[4] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[5] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[6] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[7] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف الامۃ فی حکم ھذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِیْ ابی بکر و عمر[1]۔	ان دو کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

یہاں تک تو یہی تھا آگے دوسرے جواب کے تیور دیکھئے، کہتا ہے:

وایضا مولی القوم منھم وعصبیۃ الولاء حاصلۃ لسالم فی قریش وھی الفائدۃ فی اشتراط النسب و صراحۃ النسب غیر محتاج الیہ اذ الفائدۃ فی النسب انما ھی العصبیۃ وھی حاصلۃ من الولاء[2]۔	یعنی دوسرا جواب یہ کہ کسی قوم کا آزاد شدہ غلام انہیں میں سے ہے اور اس رشتہ ولاء کے باعث قریش سالم کی حمیت کرتے اور یہی قومی حمیت شرط نسب کا فائدہ ہے صاف نسب کی حاجت نہیں کہ وہ تو اسی حمیت کی غرض سے ہے اور حمیت اپنے آزاد کئے ہوئے غلام کی بھی کرتے ہیں۔

للہ انصاف! دکھانا تو یہ ہے کہ شرط قرشیت نہیں مانتے ان کے شبہہ کا جواب دے رہا ہے اور جواب وہ دیا جس نے شرطِ قرشیت کو اکھاڑ پھینکا نسب کی کوئی حاجت نہیں قومی حمیت سے کام ہے جس طرح بھی ہو پھر بھی قرشیت کا کچھ ڈورا لگا رکھا کہ قریشی نہ ہو تو اس کا آزاد کردہ غلام تو ہو اگرچہ اس میں بھی کلام ہے سالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابوحذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آزاد نہ فرمایا نہ وہ ان کے غلام تھے بلکہ ان کی بی بی شیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے غلام تھے انہیں آزاد کیا اور وہ انصار یہ ہیں نہ کہ قریشیہ۔ ہاں براہ موالات و دوستی مولٰی ابی حذیفہ کہلاتے ہیں، ابوحذیفہ نے ان کو متبنی کیا تھا اور اپنی بھتیجی فاطمہ سے ان کی شادی کردی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ فتح الباری میں ہے:

کان مولی لامرأۃ من الانصار فتبناہ ابوحذیفۃ لما تزوجھا فنسب الیہ[3]۔	یعنی سالم ایک انصار یہ بی بی کے غلام آزاد شدہ تھے جب ابوحذیفہ نے اس بی بی سے نکاح کیا ان کو متبنی بنایا، جب سے ابوحذیفہ کی طرف منسوب ہونے لگے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین

لہذا ارشاد الساری میں مولٰی ابی حذیفہ کی یوں شرح کی: (مولی) امرأۃ ابی حذیفۃ[4] (ابوحذیفہ کے مولٰی یعنی ان کی زوجہ کے مولٰی۔

---

[1] جامع ترمذی ابواب المناقب امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذا المنصب و شروط موسسۃ الاعلی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴

[3] فتح الباری شرح البخاری مناقب سالم مصطفی البابی مصر ۸/ ۱۰۲ و ۱۰۳

[4] ارشاد الساری شرح البخاری مناقب سالم مولی ابی حذیفہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۳۸

غرض یہاں تک بھی دونوں پلے بچائے مگر نفی کا پلہ غالب کر دیا کہ یہ حقیقت ہے اور یہاں قرشیت کا لگاؤ رہنا مجاز، اب اندیشہ کیا کہ لوگ خارجی معتزلی سمجھیں گے کہ صحابہ کا اجماع چھوڑ کر ان گمراہوں کی تقلید کی، اس کے علاج کو یہ مخالفت امام سنت کے سر رکھ دی اور کہا:

ومن القائلین بنفی اشتراط القرشیۃ القاضی ابوبکر الباقلانی لما ادرک عصبیۃ قریش من التلاشی فاسقط شرط القرشیۃ وان کان موافقا لرأی الخوارج وبقی الجمھور علی القول باشتراطھا ولو کان عاجزا عن القیام بامور المسلمین ورد علیھم سقوط شرط الکفایۃ لانہ اذا ذھبت الشوکۃ بذھاب العصبیۃ فقد ذھبت الکفایۃ واذا وقع الاخلال بشرط الکفایۃ واذا وقع الاخلال بشرط الکفایۃ تطرق ذٰلک ایضا الی العلم و الدین وسقط اعتبار شروط ھذا المنصب وھو خلاف الاجماع[1] (ملخصًا)	یعنی امام قاضی ابوبکر باقلانی نے قرشیت شرط نہ مانی کہ قریش کی حمیت فنا ہو گئی ولہذا اس کی شرط انہوں نے ساقط کر دی اگرچہ یہ خارجیوں کے مذہب کے موافق ہے اور جمہور اب بھی شرطِ قرشیت مانتے رہے اگرچہ خلیفہ مسلمانوں کا کام بنانے سے عاجز ہو اور ان پر یہ اعتراض ہے کہ لیاقت کار کی شرط جاتی رہی کہ جب حمیت جانے سے شوکت گئی کام کیا بنا سکے گا اور جب شرط کفایت چھوٹی یہی راہ شرط علم وشرط دین کی طرف چلے گی اور خلافت کی شرطیں ساقط الاعتبار ہو جائیں گی اور یہ خلافِ اجماع ہے (ملخصًا)

اس کلام کے پیچ دیکھئے کیا کیا کروٹیں بدلی ہیں، اول امام سنت پر وہ تہمت رکھی کہ قریش کی بے حمیتی دیکھ کر شرطِ قرشیت ساقط کر بیٹھے، یہ اپنا بچاؤ اور جانب نفی کی تائید تھی کہ ایک مجھی کو شرطِ قرشیت میں کلام نہیں، اہلسنت کے اتنے بڑے امام اسے استعفا دے چکے ہیں، پھر ساتھ ہی کہہ دیا کہ اس میں وہ خارجیوں کے مذہب پر چلے، یہ جانب اثبات کی رعایت سے کہی، پھر اسی پہلو کا لحاظ بڑھایا کہ جمہور اسی پر رہے، پھر پہلوئے نفی کو کروٹ لی کہ ان پر بے اعتباری شرائط کا الزام قائم ہوتا ہے، یہ جھوٹا الزام صراحۃً خود اس پر حق تھا کہ قرشیت شرط تھی اور اس نے ساقط کی تو یوں ہی علم ودین وکفایت بھی ساقط ہو سکیں گی اور راہ ہر شرط کی طرف چلے گی اور جاہل بے دین عاجز چمار کو خلیفہ کر دینا جائز ہو جائے گا اور یہ خلافِ اجماع ہے، اس کی پیش بندی کی کہ جمہور اہلسنت کے سر پر افترا جڑ دیا کہ وہ صرف قرشیت چاہتے ہیں اگرچہ کام سے بالکل عاجز ہو حالانکہ کتبِ عقائد وفقہ وحدیث شاہد ہیں کہ قرشیت وقدرت دونوں شرط ہیں اور ان کے ساتھ اسلام وحریت وذکورت وبلوغ بھی نہ یہ کہ صرف قریشی ہونا

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذا المنصب وشروط موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۴ و ۱۹۵

بس ہے، یہ چھپلیاں کھیل کر اخیر میں دل کی صاف کھول دی:

اذا بحثنا عن حکمة اشتراط القرشی و مقصد الشارع منه لم یقتصر علی التبرك بوصلة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کما ھو مشھور والمصلحة لم نجدھا الا اعتبار العصبیة و ذٰلك ان قریشا کان لھم العزة بالکثرة والعصبیة والشرف فاشترط نسبھم لیکون ابلغ فی انتظام الملة کما وقع فی ایام الفتوحات واستمر بعدھا فی الدولتین الی ان تلاشت عصبیة العرب، فاذا ثبت ان اشتراط القرشیة انما ھو للعصبیة والغلب والشارع لایخص الاحکام بجیل فطردنا العلة وھی العصبیة فاشترطنا فی القائم بامور المسلمین ان یکون من قوم اولی عصبیة قویة غالبة، ثم ان الوجود شاھد بذلك فانه لایقوم بامر امة او جیل الا من غلب علیھم وقل ان یکون الامر الشرعی مخالفا للامر الوجودی[1] (ملخصًا)	یعنی ہم جو نظر کریں کہ شرط قرشیت کی حکمت اور اس سے شارع کا مقصود کیا ہے تو وہ علاقہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تبرک پر موقوف نہیں جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہو رہا ہے کہ قربِ نبوی کے سبب قریش کو یہ فضل ملا ہے اس میں آن اور قومی حمیت کے اعتبار کے سوا کوئی مصلحت نہیں، یہ اس لئے کہ قریش اپنی کثرت اور آن اور شرافت کے سبب غالب تھے لہٰذا ان کا نسب شرط کیا گیا کہ دین کا انتظام خوب ہو جیسا کہ زمانہ فتوحات میں ہوا اور اس کے بعد بنی امیہ و بنی عباس کی دولتوں میں رہا یہاں تک کہ عرب نرے بے حمیت ہو گئے اور جبکہ ثابت ہو لیا کہ قرشیت کی شرط فقط ان کی حمیت و غلبہ کے سبب تھی اور شریعت احکام کو کسی قبیلہ کے ساتھ خاص نہیں کرتی تو ہم نے علت حمیت کو عام کر دیا کہ خلیفہ میں ضرور ہے کہ کسی قوی و غالب حمیت والی قوم میں کا ہو پھر واقعات بھی اسی پر گواہ ہیں کہ قبیلے یا گروہ کا سردار وہی ہوتا ہے جو ان پر غالب ہو اور کم ہوگا کہ شریعت نیچر کے خلاف حکم دے (ملخصًا)

ظاہر کر دیا کہ قرشیت شرط نہیں عصبیت شرط ہے قرشیت اس لئے شرط تھی کہ ان میں قومی حمیت جاہلیت تھی جب قریش بلکہ تمام اہل عرب بے حمیت ہو گئے تو اب ان کی خلافت کیسی بلکہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، بالجملہ نہ فقط شرط قرشیت کی نفی کی بلکہ نفی قرشیت بلکہ نفی عربیت شرط کر دی کہ اصل شرط خلافت قومی حمیت ٹھہرائی اور صاف کہہ دیا کہ نہ صرف قریش بلکہ تمام عرب بے حمیت ہو گئے تو خلافت کے لئے شرط ہوا کہ خلیفہ نہ قریشی ہو نہ عربی بلکہ یہ شرط ہے کہ کسی خوانخوار قوم کا ہو، تو یہ تو ضرار معتزلی سے بھی بہت اونچا اڑا اس نے تو یہی کہا تھا

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل فی اختلاف فی حکم ہذا المنصب و شروط موسسۃ الاعلٰی للمطبوعات بیروت ۱/ ۱۹۵ و ۱۹۶

کہ غیر قریشی اولٰی ہے اس نے یہ جمائی کہ قرشی بلکہ کسی عربی کی خلافت جائز ہی نہیں اور خود کہہ چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش ہی کے لئے ہوگی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں یہ ہے اس کا حدیث پر ایمان، اور یہ ہے اس کا اجماع صحابہ کرام پر ایقان۔ اور سرے سے یہ اشد سا اشد ظلم قابل تماشا کہ وہ عصبیت جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بشدت منع فرمایا جسے نہ قریش بلکہ تمام عرب کے دل سے دھویا اسی کو اصل مقصود شارح اور خاص شرطِ خلافت ٹھہراتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قاتل تحت رأیة عمیّة یغضب لعصبة او یدعو الی عصبة او ینصر عصبیة فقتل فقتلة جاہلیة[1]۔ وفی اخری فلیس من امتی[2]۔ رواہ مسلم عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے کہ عصبیت (یعنی قومی حمیت شیوہ جاہلیت) کے لئے غضب کرے یا عصبیت کی طرف بلائے یا عصبیت کی مدد کرے اور مارا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی جاہلیت وزمانہ کفروغفلت میں قتل کیا جائے اور دوسری روایت میں ہے وہ میری امت سے نہیں (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لیس منا من دعا الی عصبیة ولیس منا من قاتل عصبیة ولیس منا من مات علی عصبیة[3]۔ رواہ ابو داؤد عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمارے گروہ سے نہیں جو عصبیت (قومی حمیت) کی طرف بلائے، ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر لڑے، ہم سے نہیں جو عصبیت پر مرے، (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبغوض کو شارع کا مقصود بنانا کہ کیسا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترائے بیباک واجترائے ناپاک ہے والعیاذ باللہ تعالٰی عجب ایک مدعی سنیت ہے کہ صحابہ وائمہ وخود ارشاد حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب کو پیٹھ کر ایک گمراہ مخالف حدیث وخارقِ اجماع ومحدث فی الدین کا دامن تھامے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۲۱) تحریر فرنگی محلّی نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ صراحۃً اجماع صحابہ لکھ کر پھر امام باقلانی کو اس کا مخالف اور خارجی مذہب کا موافق لکھتا ہے اس نے کہا تو کہا، ایک مدعی سنیت کو تو امام سنت پر ایسے شنیع الزام رکھتے شرم چاہئے تھی۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۲۷/۲

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۲۸/۲

[3] سنن ابو داؤد کتاب الادب باب فی العصبیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۲/۲

(۲۲) عــہ عبارت نمبر ۳۶ آپ نے سنی معلوم ہے یہ امام ابوبکر ابن الطیب کون ہیں وہی امام اجل امام سنت قاضی ابوبکر باقلانی ہیں، شرح الشفاء لعلی قاری میں ہے:

(وھو مذھب القاض ابی بکر) ای ابن الطیب الباقلانی [1]۔	اور یہی قاضی ابوبکر یعنی ابن الطیب الباقلانی کا مذہب ہے۔ (ت)

نسیم الریاض میں ہے:

(وھو مذھب القاضی ابی بکر) الباقلانی [2]۔	اور قاضی ابوبکر الباقلانی کا یہی مذہب ہے (ت)

وفیات الاعیان میں ہے:

(القاضی ابوبکر محمد بن الطیب المعروف بالباقلانی المتکلم المشھور توفی سنۃ ثلث واربعمائۃ ببغداد [3]۔	القاضی ابوبکر محمد بن الطیب المعروف بہ باقلانی متکلم مشہور ہیں ۴۰۳ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (ت)

دیکھا کہ ان امام نے کیا ارشاد فرمایا: پھر سن لو، اور کان کھول کر سنو، امام ابن المنیر مالکی پھر فتح الباری میں امام ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہی کلام علامہ سید مرتضٰی زبیدی حنفی نے اتحاف السادۃ جلد دوم ص ۲۳۲ میں یوں نقل فرمایا:

قال الحافظ ابن حجر فی فتح الباری قال ابن المنیر قال القاضی ابوبکر الباقلانی لم یعرج المسلمون علی ھذا القول بعد ثبوت الحدیث الائمۃ من قریش وعمل المسلمون بہ قرنا	یعنی امام ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ امام ابن المنیر نے فرمایا کہ امام قاضی ابوبکر باقلانی نے فرمایا کہ معتزلی کے اس قول کی طرف مسلمانوں نے التفات نہ کیا بعد اس کے کہ حدیث کا ارشاد ثابت ہولیا کہ خلفاء قریش ہی سے ہوں۔

عــہ: یہاں تک کلام قاطع رگ اوہام تھا اب آگے وہ آتا ہے جسے دیکھ کر کذابوں مفتریوں کی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں ۱۲عبیدالرضا حشمت علی قادری غفرلہ۔

---

[1] شرح الشفاء لعلی لقاری علی ھامش نسیم الریاض فصل واما مایتعلق بالجوارح دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] شرح الشفاء لعلی لقاری علی ھامش نسیم الریاض فصل واما مایتعلق بالجوارح دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۷

[3] وفیات الاعیان ترجمہ ۶۰۸ محمد بن الطیب الباقلانی دار الثقافت بیروت ۴/ ۲۶۹، ۲۷۰

بعد قرن وانعقد الاجماع علی اعتبار ذلك قبل ان یقع الاختلاف[1]۔	اور اسی پر مسلمانوں کا ہر طبقہ میں عمل رہا اور ان اختلاف کرنے والوں کے وجود سے پہلے اس پر اجماع ہولیا۔

الحمد للہ یہ ارشاد ہے امام ابوبکر باقلانی کا جس نے اس مورخ کا سفید جھوٹ اور سیاہ افتراء ثابت کیا اور صحابہ وائمہ اہلسنت کو چھوڑ کر اس کا دامن تھامنے والوں کا منہ کالا کیا۔ وللہ الحمد۔

(۲۳) الحمدللہ یہاں سے فرنگی محلّی تحریر کی امام قاضی عیاض پر وہ طعنہ زنی بھی باطل ہوگئی کہ ذکر اجماع کی ابتدا ان سے ہوئی امام قاضی عیاض چھٹی صدی میں تھے اور امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی چوتھی صدی میں، وہ اجماع نقل فرمارہے ہیں وللہ الحمد۔

(۲۴) اس کے بعد تحریر فرنگی محلّی میں ہے: حنفیّہ کی کتب میں ایسی فضول بات نہیں جیسی شافعیہ کی کتب میں ہے کہ الائمۃ سے ہر قسم کا امام مراد ہے کہ امام شافعی کے امام فی المذہب ہونے کی تاکید ہو کیونکہ وہ قریشی تھے یہ شافعیہ نے کہیں نہ کہا کہ ہر قسم کا امام مراد ہے، نہ کوئی ادنٰی طالب علم کہہ سکتا ہے کہ نماز کی امامت بھی قرشی سے خاص علماء سے دوسرا امام نہیں ہوسکتا وہ اس سے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ دوسرا عالم غیر قریشی جب دین وعلم میں امام شافعی کے برابر ہو تو اس پر بوجہ قرشیت ان کو ترجیح ہے دیکھو فتح الباری کہ:

الاستدلال علی تقدیم الشافعی علی من ساواہ فی العلم والدین من غیر قریش لان الشافعی قرشی[2]۔	امام شافعی کے برابر علم اور دین والے غیر قرشی پر امام شافعی کے مقدم ہونے پر یہ استدلال ہے کیونکہ امام شافعی قرشی تھے (ت)

(۲۵) بالفرض ایسا ہوتا تو اس فضول بات کا یہاں ذکر اس سے بدتر فضول، جس سے مطلب ہو تو صرف اتنا کہ جاہل عوام سمجھیں کہ اصل مسئلہ خلافتِ قریش ہی بعض شافعیہ کی فضول ہے کتبِ حنفیّہ اس سے پاک ہیں۔

(۲۶) پھر کہا پھر بھی محققین شافعیہ اس کو شرط اختیاری کہنے پر مجبور ہوئے، یہ پھر بھی اسی قصہ تلبیس کی تائید ہے کہ نفس خلافت قریش کو شافعیہ کی فضول کہا کہ اسی کو اختیاری کہا ہے پھر اس میں شافعیہ کی تخصیص ایک تلبیس اور ان میں بھی محققین کی قید دوسرا کید، اور لفظ اختیاری سے جہال کو دھوکا دینا کید عظیم ہے، اختیاری کے معنے سمجھے جائیں گے

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین الاصل التاسع ان شرائط الامامۃ الخ دار الفکر بیروت ۲/۲۳۲

[2] فتح الباری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/۲۳۷

کہ اپنی خوشی پر ہے چاہے خلیفہ میں قرشیت کا اعتبار کریں یا نہیں، یہ شافعیہ خواہ ان کے محققین جس پر کہو افترائے کاذب ہے اور خود عقل وفہم سے بیگانہ و مجانب، شرط وہ جس کے فوت سے مشروط فوت ہو اور اختیاری وہ جس پر کچھ توقف نہ ہو، اصل بات جس کی صورت بگاڑ کریوں دھوکا دینا چاہا یہ ہے کہ ملک پر تسلط دو طرح ہوتا ہے ایک یہ کہ اہل حل وعقد کسی جامع شرائط کو امام پسند کرکے اس کے ہاتھ پر بیعت کریں جیسے صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ، تسلط بلامنازعت ہو جانا اس کی شرط نہیں، نہ منازع سے قتال وجدال اس کے منافی، جیسے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

دوم یہ کہ جس کی امامت اس طرح ہو چکی ہو وہ دوسرے کے لئے وصیت کرے جیسے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے۔ خلافتِ شرعیہ انہیں دو وجہ پر ہوتی ہے اور ہر ایک پسند واختیار سے ہے پہلی میں اختیار وانتخاب اہل حل وعقد ہے اور دوسری میں اختیار وارتضائے خلیفہ سابق۔ ان دونوں میں قرشیت وغیرہا شرائط یقیناً ہیں، نہ اہل حل وعقد کو جائز کہ کسی غیر قرشی کو خلیفہ کریں نہ خلیفہ کو حلال کہ غیر قرشی کو ولی عہد کرے، تو خلافت شرعیہ اختیاری ہے کہ اختیار و پسند سے ناشئی ہوتی ہے اور اس میں قرشیت وغیرہا شرائط ضرور یہ لازم وضروری ہیں نہ کہ اختیاری اگر ترک کی جائیں گی خلافت شرعیہ نہ ہو گی بلکہ دوم تغلب کے حکم میں رہے گی، وہ تسلط کی دوسری صورت ہے کہ کوئی شخص اپنی شوکت وسطوت سے ملک دبا بیٹھے بادشاہ بن جائے اگرچہ لوگ اس کے قہر وغلبہ کے سبب اس کے ہاتھ پر بیعت بھی کریں، یہ صورت بے اختیاری و مجبوری ہے اس میں مسلمان شرائط کا لحاظ کیا کرسکتے ہیں کہ نہ ان کے اختیار سے ہے نہ اسے معزول کرنا ان کے قابو میں، یہاں اقامت جمعہ واعیاد وتزویج صغار وولایت مال وتولیت قضاء وغیر ذلک امور مفوضہ خلیفہ میں اس کے ہاتھ کے سب کام نافذ ہوں گے، امر جائز شرعی میں اس کی اطاعت کرنی ہوگی اگرچہ قرشی نہ ہو بلکہ آزاد بھی نہ ہو حبشی غلام ہو کہ اثارت فتنہ جائز نہیں، یہ نہ صرف شافعیہ بلکہ سب اہل مذاہب مانتے ہیں اور اسے انتفائے شرط قرشیت سے علاقہ نہیں، جبراً وجوب اطاعت اور، اور اس کا خلیفہ شرعی ہو جانا اور، اطاعت ہوگی اور خلافت ہرگز نہ ہوگی، بلکہ متغلب ہوگا، ان کے بعض عوام پارٹی کے خود ساختہ امام نے یہی دھوکہ دیا ہے عبارتیں وہ نقل کرتا ہے جن میں متغلب کی اطاعت کا ذکر ہے اور ان میں اپنی طرف سے پچر لگالیتا ہے کہ اسی کو خلیفہ ماننا چاہئے، یہ محض باطل ہے اور اسی میں بحث ہے نہ کہ اطاعت میں، خود انہیں محققین شافعیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ متغلب ہوگا نہ کہ خلیفہ۔ فتح الباری سے گزرا کہ قریش کے سوا جو کوئی ہوگا متغلب ہوگا۔ اسی میں ہے:

هذا كله انما هو فيما يكون بطريق الاختيار واما لو تغلب عبد بطريق الشوكة	یعنی یہ سب اس حالت میں ہے کہ کسی کو بطور اختیار امامت دی جائے اور کوئی غلام اپنی شوکت سے

فان طاعته تجب اخماد اللفتنة مالم یأمر بمعصیة[1]	زبردستی ملک دبا بیٹھے تو فتنہ بجھانے کے لئے اطاعت اس کی بھی واجب ہوگی جب تک گناہ کا حکم نہ دے۔

دیکھو امامت کو اختیاری کہا کہ اختیار و پسند سے ہو، نہ کہ شرط قرشیت کو اختیاری کہ چاہے رکھو یا نہ رکھو غیر قرشی کو متغلب ہی کہا۔ شرح مقاصد میں ہے:

وبالجملة مبنی ماذکر فی باب الامامة علی الاختیار والاقتدار واما عند العجز والاضطرار واستیلاء الظلمة والاشرار فقد صارت الریاسة الدنیویه تغلبیة وبنیت علیها الاحکام الدینیة المنوطة بالامام ضرورة ولم یعبأ بعدم العلم والعدالة وسائر الشرائط و الضرورات تبیح المحظورات والی الله المشتکی فی النائبات[2]۔	یعنی وہ جو باب امامت میں مذکور ہوا اس کی بناء اختیار وقدرت پر ہے اور جب حالت مجبوری وناچاری ہو ظالم شریر لوگ تسلط پائیں تو اس وقت یہ دنیوی ریاست تغلب پر رہ جائے گی اور وہ دینی احکام کہ خلیفہ سے متعلق ہیں بمجبوری اس مبنی ریاست پر بنائے جائیں گے اور علم وعدالت وغیرہ شرائط نہ ہونے کا لحاظ نہ ہوگا، مجبوریاں ناجائز کو روا کرلیتی ہیں اور ان مصیبتوں میں اللہ ہی سے فریاد ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھو کہ وہ محققین کیا فرمارہے ہیں اور کیونکر اسے تغلب اور دنیوی ریاست بتارہے ہیں مگر دھوکا دینے والے فریب سے باز نہیں آتے۔

تنبیہ: یہاں کام جاہلوں سے پڑا ہے جنہیں علم کا ادعا ہے۔ کوئی جاہل اس عبارتِ شامی سے دھوکا نہ دے:

یصیر اماما بالمبایعة وباستخلاف امام قبله وبالتغلب والقهر[3]۔	بیعت اور پہلے امام کے خلیفہ بنادینے اور غلبہ اور جبر سے امام بن جاتا ہے (ت)

آگے مسایرہ سے ہے:

لو تعذر وجود العلم والعدالة فیمن تصدی للامامة وکان فی صرفه	امامت پر تسلط جمانے والے میں اگر علم اور عدالت کا وجود متعذر ہوجائے اور اس کو امامت سے ہٹانا ناقابل برداشت

[1] فتح الباری باب السمع والطاعة للامام الخ مصطفی البابی مصر ۲۴۰/۱۶

[2] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دار المعارف النعمانیه لاہور ۲۷۷۔۷۸/۲

[3] ردالمحتار باب البغاة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۱۰/۳

عنها اثارة فتنة لاتطاق حكمنا بانعقاد امامته كی لاتكون كمن يبنی قصرا ويهدم مصرا[1]۔	فتنہ کھڑا کرنا قرار پائے تو ہم اس کی امامت کے انعقاد کا حکم دیں کے تاکہ وہ صورت نہ بنے جو شخص ایک مکان بنائے اور پورے شہر مسمار کرے (ت)

کہ دیکھو جو زبردستی بادشاہ بن جائے اور اس کے جدا کرنے میں ناقابل برداشت فتنہ ہو، اسے امام مانا، اس کی امامت کو منعقد جانا، اور یہی خلافت شرعیہ ہے، حاشا یہ محض دھوکا ہے صاف تصریح کہ یہ تغلب ہے جو خلافت شرعیہ کی صریح ضد ہے نیز بلافصل اس عبارت کے بعد ہے:

واذا تغلب آخر علی المتغلب وقعد مكانه العزل الاول وصار الثانی اماما۔[2]	اس متغلب پر دوسرا تغلب کرکے اس کی جگہ بیٹھ جائے تو پہلا معزول اور اب یہ دوسرا متغلب امام بن جائے گا۔

یہیں اس کے ایک سطر بعد ہے:

لكن الثالث فی الامام المتغلب[3]۔	لیکن تیسرا غلبہ پانے والے امام میں۔ (ت)

نیز باآنکہ خود سلطنت ترک میں تھے صاف لکھ دیا کہ:

قد يكون بالتغلب وهو الواقع فی سلاطين الزمان نصرهم الرحمٰن[4]۔	کبھی تغلب سے امام ہو جاتا ہے جیسے موجودہ دور کے سلاطین حضرات، اللہ تعالٰی ان کی مدد فرمائے (ت)

دیکھو باآنکہ سلاطین ترک کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی تھی، عدم بعض شرائط مثل قرشیت وغیرہا کے باعث تصریح فرمادی کہ باوصف بیعت ہیں متغلبہ، رحمٰن عزوجل انہیں نصرت دے۔ میں کہتا ہوں آمین اللهم آمین۔ بلکہ یہاں لفظ امامت کا اطلاق عرف فقہا میں وسیع تر ہے (دیکھو بدائع امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ بیان موادعت و صلح) لاجرم یہاں امامت محض بمعنی سلطنت ہے خواہ صحیحہ جائزہ عادلہ ہو یا ظالمہ غاصبہ باطلہ نہ کہ بمعنے خلافت شرعیہ، اگرچہ اپنے محل میں وہ بھی مراد ہوتی ہے جیسے حدیث الائمۃ من قریش میں، اس کی نظیر لفظ امیر ہے کہ ہرگز خلیفہ کے ساتھ خاص نہیں، والیِ شہر و سردار حجاج کو

[1] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[2] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[3] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

[4] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۱۰

بھی کہتے ہیں مگر "الائمة من قریش" میں قطعًا خلفاء ہی مراد۔

تنبیہ: امامتِ متغلب صحتِ خلافت بالائے طاق۔ حکم اتباع بھی نہیں لاتی جہاں تک اثارتِ فتنہ یا ضرر تاذی نہ ہو جس کا بیان مقدمہ میں گزرا، حیف ان پر جو مسلمان کہلا کر امرِ دینی میں مشرک کے پس رو بنتے اور اسے اپنا رہنما بتاتے ہیں۔

"وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۶۰ "[1]۔	اور حکم یہ تھا کہ اصلًا نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکادے۔(ت)

کیا خوف نہیں کرتے کہ روز قیامت انہیں کے گروہ میں محشور ہوں جن کو قرآن عظیم نے فرمایا: **وقاتلوا ائمة الکفر** (کفر کے اماموں سے لڑو) اور فرمایا: "**وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِۚ**"[2] (ہم نے انہیں ایسے امام کیا کہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں) **وقال اللہ تعالٰی** "**یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْۚ**"[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) یعنی جس کو انہوں نے امر دین میں رہنما بنایا اور اس کے پس رو ہوئے اگرچہ مشرک ہو کہ آگے تفصیل میں دونوں ہی قسموں کا بیان فرمایا ہے "**فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ**"[4] (جن کا نامہ اعمال دہنے ہاتھ میں دیا گیا) اور "**مَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى**"[5] (یہاں راہ حق سے اندھے تھے) **نسأل اللہ العفو والعافیة**۔

(۲۷) پھر تحریر فرنگی محلی میں ہے: "اور حنفیّہ کی کتب سے تو استحبابی ہونا ارباب عقل پر پوشیدہ نہیں"۔ یہ حنفیّہ اور ان کی کتب پر سخت افترائے فظیع ہے، اس قدر عبارات کہ یہاں گزریں انہیں میں عقائد امام مفتی الجن والانس نجم الملة والدین عمر نسفی، اتحاف علامہ سید مرتضی زبیدی، مسایرہ محقق علی الاطلاق کمال الملة والدین، تعالیق علامہ قاسم بن قطوبغا، شرح مواقف علامہ سید شریف، منح الروض علی قاری، طریقہ محمدیہ امام برکوی، حدیقہ ندیہ سیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ قاری، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری امام عینی، شرح مشکوٰۃ سید جرجانی، اشعۃ اللمعات شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، فتاوٰی سراجیہ، علامہ سراج الدین، اشباہ والنظائر محقق زین بن نجیم، فتح اللہ المعین سید ازہری، غمزالعیون علامہ سید حموی، درمختار مدقق علائی حصکفی، حاشیہ علامہ سید احمد طحطاوی، ردالمحتار علامہ سید ابن عابدین شامی۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/۴

[2] القرآن الکریم ۴۱/۲۸

[3] القرآن الکریم ۷۱/۱۷

[4] القرآن الکریم ۷۱/۱۷

[5] القرآن الکریم ۷۲/۱۷

تمہید امام ابولشکور سالمی، مجمع البحار علامہ طاہر فتنی، شرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیرہم حنفیّہ کرام کی تیس عبارتوں سے زائد مذکور ہوئیں اور خود حضرت سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خاص نص شریف گزرا کیا اب بھی تحریر فرنگی کے کذب واغوائے عوام پر کچھ پردہ رہا۔

(۲۸) پھر کہا لفظ "ینبغی" عقائد نسفی کی دونوں احتمال رکھتی ہے، عقائد شریفہ کی عبارت یہ ہے:

ان یکون الامام ظاہر الامختفیا ولامنتظرا ویکون من قریش ولایجوز من غیرھم۔[1]	امام کاظاہر غیر مخفی اور غیر منتظر ہونا ضروری ہے اور قریش میں سے ہونا بھی ضروری ہے خلیفہ غیر قریشی سے جائز نہیں (ت)

قطع نظر اس سے کہ اگر لفظ "**ینبغی**" اصلا محتمل وجوب نہ ہوتا معنے استحباب میں مفسر ہوتا جب بھی یہاں حرج نہ تھا سائر ائمہ کی تصریحات قاہرہ اہلسنت کا عقیدہ اجماعیہ ظاہرہ قرینہ قاطعہ ہوتا کہ "یکون یکون" پر معطوف نہیں بلکہ "ینبغی" پر یہاں تو نفس عبارت میں امام صاف فرمارہے ہیں "لایجوز من غیرھم" غیر قریش سے خلیفہ ہونا جائز ہی نہیں، پھر دونوں احتمال بتانا کس درجہ آفتاب کو جھٹلانا ہے، افسوس کہ اتنے فاصلہ سے لفظ "ینبغی" دکھائی دیا اور بلافصل ملا ہوا "**لایجوز من غیرھم**" نظر نہ آیا۔

(۲۹) ایسا ہی ظلم ایک اور تحریر فرنگی محلّی نے عبارت شرح مواقف پر ڈھایا کہ اس میں لکھ دیا ہے: **للامة ان ینصبوا فاقدھا**[2] امت کو اختیار ہے کہ جس میں یہ شرطیں نہ ہوں اسے خلیفہ کردے، **اناللہ واناالیہ راجعون**۔ انہوں نے ابتداءً تین مختلف فیہ شرطیں بیان کیں، اصول وفروع میں مجتہد ہونا، امورِ جنگ میں ذی رائے ہونا، شجاع ہونا ان کی نسبت فرمایا کہ جن میں یہ شرطیں نہ ہوں امت انہیں بھی خلیفہ کرسکتی ہے، اس کے بعد شرط قرشیت لکھی اور اسے فرمایا یہ شرط یقینی قطعی ہے اور یہ اہلسنت کا مذہب ہے اس میں مخالف خارجی معتزلی ہیں، ان اختلافی شرائط پر جو اوپر کہا تھا اسے یہاں لگالینا کس درجہ صریح تحریف کلام واغوائے عوام ہے، اس کی نظیر یہی ہے کہ عالم فرمائے نماز کی شرطیں نجاست حقیقیہ سے جسم وثوب ومکان کی طہارت ہے، یہ شرطیں بعض اوقات ساقط بھی ہوجاتی ہیں اور اس کی شرط قطعی یقینی نجاست حکمیہ سے طہارت ہے کہ وضو وغسل یا تیمّم سے حاصل ہوتی ہے اس پر کوئی فرنگی محلّی صاحب فتوٰی دیں کہ بعض اوقات بے وضو اور بحال جنابت بھی

---

[1] عقائد نسفی مع شرح عقائد نسفی دار الاشاعت قندھار، افغانستان ص ۱۱۱

[2] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامامۃ المقصد الثانی فی شروط الامامۃ منشورات الشریف رضی ۸/۳۵۰

نماز صحیح ہوجاتی ہے کہ عالم نے فرمایا ہے کہ یہ شرطیں بعض وقت ساقط بھی ہوجاتی ہیں، عالم نے کن شرطوں کو فرمایا تھا اور انہوں نے کس میں لگایا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانو! دیکھا دین وسنت ومذہب وملت پر کیا کیا ظلم جوتے جاتے ہیں اور پھر پیروانِ شریعت کو آنکھیں دکھاتے ہیں، مگر ہے یہ کہ مجبور ہیں باطل کی تائید باطل ہی سے ہوتی ہے ورنہ "وَمَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَمَا یُعِیۡدُ ﴿۴۹﴾ "[1] اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کرآئے۔ت) محققین اہلسنت پر افترا، امام سنت علیہ الرحمۃ پر افترا، شافعیہ پر افترا، حنفیّہ پر افترا، واضحات سے عناد، تحریف سے استمداد، ائمہ کی تکذیب، اہلسنت کی تخریب، اجماع صحابہ سے برکنار، اجماع امت سے برسرپیکار، اور پھر یہ سب کس لئے محض بلاوجہ محض بیکار، جس کا بیان اوپر گزرا اور ابھی خود مخالف کے اقرار سے سنئے گا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(۳۰) یہ سب کچھ کہہ کر خاتمہ اس پر کیا کہ "باوجود بحث طلب ہونے کے میں نے کبھی اشتراطِ قرشیت سے انکار نہیں کیا" سبحان اللہ دروغ گوئی برروئے من، اس پر اجماع ثابت نہیں، حدیث سے دلیل نہیں، محققین اہلسنت کو نامقبول، امام سنت کو یکسر اس سے عدول، محققین شافعیہ کے نزدیک اختیاری، کتب حنفیّہ سے محض استحبابی۔ اور کیا انکارِ شرطیت کے سرپر سینگ ہوتے ہیں۔

(۳۱) الحمدللہ کہ آپ کو شرطِ قرشیت سے انکار نہیں تو ضرور آپ کے نزدیک غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور بداہۃً معلوم کہ ہمارے ترک بھائی قرشی نہیں تو آپ کے نزدیک سلطان ترکی ایدہ اللہ تعالٰی خلیفۃ المسلمین نہیں خلافت کمیٹی تو فنا کی گود میں لیٹی، مگر سوال یہ ہے کہ آپ کے نزدیک تو شرط خلافت پر نہ اجماع نہ نص نہ مذہب حنفیّہ نہ مقبول اہلسنت، پھر زبردستی اسے مان کر خلافت ترک فنا کرکے آپ ترک کے خیر خواہ ہوئے یا پکے بدخواہ۔ ان قومی لیڈروں کے حواس کدھر گئے ہیں کہ اتنے بڑے منکر خلافت کو حامی خلافت سمجھ رہے ہیں، اے جناب! آپ کے بڑے مسٹر آزاد تو دہلی میں ۱۶ جنوری ۱۹۲۰ء کو خلافت ڈپوٹیشن کے جلسہ میں خیر مقدم میں صاف عــہ۱ کہہ چکے ہیں کہ "اگرچہ نماز کا پابند ہو، روزے رکھتا ہو، لیکن اگر خلافت سے منکر ہو تو دائرہ اسلام سے خارج ہے، یہ وہ مسئلہ ہے کہ اس سے الگ ہوکر مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا"۔ دوسرے بدایونی عــہ۲ خطبہ صدارت خلافت کانفرنس

عــہ۱: اخبار مدینہ ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ ۲۵ جنوری ۱۹۲۰ء نمبر ۷ جلد ۹۔ عبدالرضا حشمت علی

عــہ۲: یعنی متلذر عبدالماجد کا خطبہ ۱۲ حشمت علی رضوی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/۴۹

منعقدہ ستمبر ۲۰ء میں ہے کہ "اگر عــہ کوئی مسلمان مسئلہ خلافت کی امداد سے گریز اور اس میں دلچسپی لینے سے احتراز کرے تو مجھے اسے کافر کہنے میں کسی قسم کا پس وپیش نہ ہوگا"۔ اب دیکھئے یہ آزاد والی تکفیر، یہ بدایونی جنگی تقریر آپ کو بھی اسلام سے آزاد و کفر کا پابند بناتی ہے یا آپ آزاد لاء کے مستثنیات عامہ میں ہیں، وہ قانون صرف کالے لوگوں کے لئے ہے۔

(۳۲) پھر کہا "بلکہ ہم نے تو کسی موقع پر بھی خصوصیت جزئیت رسول کو ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے" وجوبًا یا اولویۃً اول مذہب روافض سے بھی بڑھ کرے ہے وہ بھی صرف ہاشمیت شرط کرتے ہیں کہ خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت سے انکار کریں، آپ نے جزئیت شرط کرکے مولا علی کی خلافت رد کردی اور برتقدیر دوم اسے مبحث سے کیا علاقہ ہوا کیا قرشیت بھی صرف مرتبہ اولویت میں ہے تو یہ کعبی معتزلی کا مذہب ہوا اور اس کا رد ابھی آپ نے کہا تھا کہ میں کبھی اشتراط قرشیت سے انکار نہ کیا، یا قرشیت واجب ہے تو اپنی پارٹی سے اپنا حکم پوچھئے، وہ دیکھئے مسٹر آزاد بدایونی کفر کا فتوٰی لگا چکے، بہر حال اس بلکہ نے کیا فائدہ دیا۔

(۳۳) پھر کہا "یہاں خلافۃ فی القریش میں بحث نہیں یہاں خلیفہ مسلم پر بغاوت کا مسئلہ ہے" بے قرشیت خلیفہ کہا اور خلافۃ فی القریش کی بحث نہ آئی۔ کچھ بھی سمجھ کر فرمائی۔

(۳۴) بغاوت خلافت اگر خانگی اصطلاحیں ہیں تو ان سے کام نہیں، اور اگر معانی شرعیہ مراد ہیں تو کیا آپ اس ارشاد ائمہ کا مطلب بتاسکیں گے جو انہوں نے صدہا سال سے سلاطین کی نسبت لکھا، وہ جو فصول عمادی و در منتقی شرح ملتقی و تہذیب قلانسی و جامع الفصولین و طحطاوی علی الدر المختار وغیرہا میں ہے:

هذا کان فی زمانهم واما فی زماننا فالحکم للغلبة فلان الکل یطلبون الدنیا فلایدری العادل من الباغی[1]۔	یعنی یہ امتیاز کہ فلاں عادل ہے اور دوسرا باغی زمانہ سابق میں تھا ہمارے وقت میں غلبہ کا حکم ہے اس لئے کہ سب دنیا طلب ہیں تو عادل و باغی کا امتیاز نہیں۔

(۳۵) آغاز میں کہا "اہل سنت، مسلم متغلب فاقد الشروط کی اطاعت کو فرض اور امامت کو درست مانتے ہیں"۔ امامت سے اگر خلافت مراد ہو جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو قطعًا مردود جس کا روشن بیان گزرا اور اگر سلطنت مقصود ہو تو حق ہے مگر گزارش یہ ہے کہ جب مسئلہ یوں تھا اور بیشک تھا کہ متغلب کی بھی سلطنت صحیح اور اطاعت واجب، تو کیا ضرورت تھی کہ خواہی نخواہی مسئلہ خلافت چھیڑا جائے اجماعِ صحابہ وامت

عــہ: دیکھو اخبار ہمدم ۱۲ ستمبر ۱۹۲۰ء

[1] الدر المنتقی بحوالہ فصول العمادی علی ہامش مجمع الانہر باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۹۹

اکھیڑا جائے، مذہب اہلسنت وجماعت ادھیڑا جائے، سلطان اسلام بلکہ اعظم سلاطین موجودہ اسلام کی اعانت بقدر قدرت کیا واجب نہ تھی، ظاہرًا اس شق مسلمین ورد اجماع صحابہ وائمہ دین ومخالفتِ مذہب اہلسنت وجماعت وموافقتِ خوارج وغیرہم اہل ضلالت میں تین فائدے سوچے:

اولا درپردہ حمایت ترکوں سے مخالفت جس پر باعث وہابیہ و دیوبندیہ سے یارانہ موافقت، وہابی و دیوبندی ترکوں کو ابوجہل کے برابر مشرک جانتے ہیں جیسا کہ تمام اہلسنت کو یوں ہی مانتے ہیں لہٰذا دل میں ان کے پکے دشمن ہیں اور دوست کا دشمن اپنا دشمن، اس لئے ان کی حمایت اس آواز سے اٹھائی جس میں مخالفت پیدا ہو۔

ثانیًا اپنے محسود دین اہلسنت سے بخار نکالنا، معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے نہ خود نہ وہ، خالی چیخ پکار کا نام حمایت رکھنا ہے، اہل محفل ودین اول تو غوغائے بے ثمر کو خود ہی عبث جان کر صرف **توجہ الی اللہ** پر قانع رہیں گے اور اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہلسنت ہر شیئ سے زیادہ عزیز ہے مذہب ہی ان کے نزدیک چیز ہے لہٰذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہلسنت ہو کہ وہ شریک ہوتے ہوں تو نہ ہوں، اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں یہ تو **معاذ اللہ** نصاری سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عوام ان سے بھڑکیں اور دیوبندیت ووہابیت کے پنجے جمیں۔

ثالثًا ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اصل مقصود بغلامی ہنود وسوراج کی چکھی ہے۔ بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے بھاری بھرکم خلافت کا نام لو عوام بپھری چندہ خوب ملے اور گنگا وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔

اے پس رو مشرکان بزمزم نرسی
کیں رہ کہ تو میروی بہ گنگ وجمن ست

(اے مشرکوں کے پیروکار! تو زمزم تک نہیں پہنچ سکتا جس راہ پر تو چل رہا ہے یہ گنگا وجمنا کو جاتا ہے۔ت)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ

ترکی سلاطین اسلام پر رحمتیں ہوں وہ خود اہلسنت تھے اور ہیں مخالفت انہیں کیونکر گوارا ہوتی، انہوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعوی نہ فرمایا اپنے آپکو سلطان ہی کہا سلطان ہی کہلوایا اس لحاظ مذہب کی برکت نے انہیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دلکشی میں کم نہ آیا یعنی خادم الحرمین الشریفین، کیا ان القاب سے کام نہ چلتا جب تک مذہب واجماع اہلسنت پاؤں کے نیچے نہ کچلتا

نعوذ باللہ ممالا یرضاہ والصلٰوۃ والسلام علی مصطفاہ وٰالہ وصحبہ الاکارم الھداہ۔

فصل سوم

رسالہ خلافت میں مسٹر ابولکلام آزاد کی تلبیسات وہذیانات کی خدمتگاری

یہ ۳۵ رد قاہر خطبہ صدارت فرنگی محلّی کی ۱۵سطری تحریر پر قلم برداشتہ تھے،اب بعونہ تعالٰی چار حرف ان کے بڑے آزاد لیڈر صاحب کی تحریر پر بھی گزارش ہوں **وباللہ التوفیق**۔اور سلسلہ شمار وہی رہے کہ **بعضھم من بعض** یہاں کلام چند مبحث پر ہے۔

مبحث اول: مسٹر کا قیاسی ڈھکوسلے سے دین کو رد کرنا

(۳۶) مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ "اسلام تو قومی امتیاز کے اٹھانے کو آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کے لئے کیسے خاص کرسکتا ہے" یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبع زاد نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے،

" کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ "[1]۔	یونہی ان کے اگلوں نے انہیں کی سی کہی تھی ان کے دل ایک سے ہیں۔

خارجیوں نے بھی یہی اعتراض کیا تھا جس کا اہلسنت نے رد کیا، مقاصد میں ہے:

یشترط کونہ قرشیا خالفت الخوارج لانہ لاعبرۃ بالنسب فی مصالح الملك والدین وردبان لشرف الانساب اثرا فی جمیع الآراء وبذل الطاعۃ ولااشرف من قریش سیما وقد ظھر منھم خیر الانبیاء[2] (ملخصًا)	امام کا قریشی ہونا شرط ہے اور خارجیوں نے اس میں خلاف کیا اس دلیل سے کہ مصالح سلطنت ودین میں نسب کا کچھ اعتبار نہیں، اہلسنت نے اس کا رد کیا کہ ضرور شرفِ نسب کو اس میں اثر ہے کہ رعایا کی رائیں اس پر اتفاق کریں اور دل خوشی سے اس کے مطیع ہوں، اور قریش کے برابر کوئی شرف نہیں خصوصًا اس حالت میں کہ افضل الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں میں سے ظہور فرمایا۔(ملخصًا)

---

[1] القرآن الکریم ۱۱۸/۲

[2] مقاصد مع شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲۷۷/۲

شرح مقاصد میں ہے:

ولهذا شاع فی الاعصار ان یکون الملك فی قبیلة مخصوصة حتی یری الانتقال عنه من الخطوب العظیمة والاتفاقات العجیبة ولا الیق بذلك من قریش الذین هم اشرف الناس سیما وقد اقتصر علیهم ختم الرسالة وانتشرت منهم الشریعة الباقیة الٰی یوم القیٰمة[1]۔	اسی اعتبار نسب کے سبب تمام زمانوں میں شائع رہا کہ سلطنت ایک خاص قبیلے میں ہو یہاں تک کہ اس سے دوسرے قبیلے کی طرف انتقال سلطنت کو سخت کام اور عجیب اتفاق سمجھا جاتا ہے اور قریش سے زائد اس کا لائق کوئی نہیں کہ وہ تمام جہان سے زیادہ شریف ہیں خصوصا اب کہ انھیں پر رسالت ختم ہوئی اور انہیں سے وہ شریعت پھیلی کہ قیامت تک رہے گی۔

کتاب مبارک ارائۃ الادب لفاضل النسب مطالعہ ہو، کس قدر احادیث کثیرہ نے کہاں کہاں فضیلت نسب کا اعتبار فرمایا ہے، اور نکاح میں شرعا اعتبار کفاءت سے تو عالم بننے والے جہال بھی ناواقف نہ ہوں گے جس سے تمام کتب فقہ گونج رہی ہیں، اور اس میں خود احادیث وارد، آیات واحادیث اس سے منع فرماتی ہیں کہ کوئی علم وتقوی وفضائل دینیہ کو بھولے اور خالی نسب پر تفاخرا پھولے۔

(۳۷) مسٹر نے احادیث الائمة من قریش ولایزال هذاالامر فی قریش [2] (ائمہ قریش میں سے ہیں یہ خلافت قریش میں رہے گی۔ت) سے تو یوں جان بچائی کہ "یہ کوئی حکم نبوی نہیں کہ احکام میں فضیلتِ نسب کا اعتبار ٹھہرے بلکہ نری پیشگوئی ہے" جس کا رد بعونہ تعالٰی ابھی آتا ہے مگر اس حدیث جلیل کا کیا علاج کریں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا:

قدموا قریشا ولا تقدموها[3]۔	قریش کو مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو۔

یہ حدیث چھ صحابہ کرام کی روایت سے ہے۔ بزار نے امیر المومنین مولٰی علی اور ابن عدی نے ابوہریرہ اور ابونعیم دیلمی نے انس بن مالک اور بیہقی نے جبیر بن مطعم اور طبرانی نے عبداللہ بن حنطب نیز عبداللہ بن سائب رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کی نیز مرسل ابوبکر سلیمٰن بن ابی حثمہ ومرسل ابن شہاب زہری سے آئی یہ تو صریح امر ونہی ہے اسے تو مسٹر خبر نہیں بنا سکتے اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیسا صریح حکم

---

[1] شرح المقاصد الفصل الرابع المبحث الثانی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ ۲/ ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۱۱۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۳۷۸۹ و ۳۳۷۹۰ و ۳۳۷۹۱ بحوالہ بزار وابن عدی وطبرانی موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۲

فرمارہے ہیں کہ قریش کو مقدم کرنا قریش سے آگے قدم نہ دھرنا۔اب تو مسٹر ضرور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر طعن کریں گے کہ "اسلام کا داعی دنیا کو تو قومی و نسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا مساوات عامہ کی طرف بلاتا ہو لیکن (**نعوذ باللہ**) خود اتنا خود غرض ہو کہ (تقدیم و ترجیح) صرف اپنے ہی ملک، ملک نہیں اپنے ہی وطن، وطن نہیں خاص اپنے قبیلے، قبیلہ نہیں صرف اپنے ہی خاندان کے لئے مخصوص کردے، ساری دنیا سے کہے تمہارے بتائے ہوئے حق جھوٹے ہیں سچا حق صرف عمل واہلیت کا ہے لیکن خود اپنے لئے یہ کر جائے کہ عمل نہ اہلیت صرف قوم صرف نسل صرف خاندان"۔اپنی طعن بھری عبارت سے صرف لفظ خلافت کو لفظ تقدیم و ترجیح سے بدل لیجئے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اپنے طعن کی یہ شدید بوچھاڑ ملاحظہ کیجئے بلکہ اس تبدیلی کی بھی حاجت نہیں خلافت خود اعلٰی تقدیمات سے ہے۔

(۳۸) تخصیص قریش کو تخصیص ملک پھر اس سے بھی تنگ تر تخصیص وطن ٹھہرانا کیسی جہالت ہے نہ قریش کسی ملک و وطن کا نام نہ ان کے لئے لزوماً کوئی خاص مقام ع

شاخ گل ہر جا کہ روید ہم گل ست

(پھول کی شاخ جہاں بھی اُگے گی وہ پھول بن کر ہی اگے گی۔ت)

(۳۹) قریش کو قبیلہ سے بھی تنگ تر صرف خاندان ٹھہرانا دوسری جہالت ہے کیا رافضیوں کے مذہب کی طرف گئے کہ خلافت بنی ہاشم سے خاص ہے۔

(۴۰) نہ عمل نہ اہلیت صرف خاندان کا اتہام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ واہلسنت پر افترا ہے کس نے کہا ہے کہ خلافت کے لئے صرف قریشی ہونا درکار ہے اگرچہ نااہل محض ہو، قرشیت کے ساتھ اہلیت کی شرط بھی بالاجماع ہے، یہ گمان بدکہ کسی وقت تمام جہان میں سب سادات عظام، سب قریش کرام نالائق نااہل ہوجائیں وسوسہ ابلیس ہے ایسا کبھی نہ ہوگا کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سارے جگر پارے ناقابل نالائق رہ جائیں صرف ایرا غیرا اہلیت کا پھندا لٹکائیں۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو فرماچکے کہ دنیا میں جب تک دو آدمی بھی رہیں گے خلافت کا استحقاق صرف قریشی کو ہوگا تو قطعاً قیامت تک کوئی نہ کوئی قریشی اس کا اہل ضرور رہے گا ولہذا بعض فقہائے شافعیہ وغیر ہم نے جب یہ صورت باطلہ فرض کی محققین نے تصریح فرمادی کہ یہ صرف فرض ہے واقع کبھی نہ ہوگی۔شرح بخاری للحافظ میں ہے:

قالوا انما فرض الفقهاء ذلك علی عادتهم فی ذکر ما یمکن ان یقع عقلا وان کان لایقع	یعنی علماء نے فرمایا ان فقہاء نے یہ صورت اپنی اس عادت پر فرض کی کہ ایسی بات بھی ذکر کرتے ہیں جو صرف امکان عقلی رکھتی عادۃً یا شرعاً کبھی

عادۃً او شرعا[1]۔	واقع نہ ہو۔

خصوصًا حدیث کو پیشگوئی مان کر، تو اس کے خلاف کا ادعا جہل صریح بلکہ ضلال عـــہ قبیح ہے۔

عـــہ: قال الحافظ قلت والذی حمل قائل ھذا القول علی انه فھم منه (ای من قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لایزال ھذا الامر فی قریش) الخبر المحض وخبر الصادق لایتخلف، واما من حمله علی الامر فلایحتاج الی ھذا التاویل[2] اھ وکتبت علیه اقول بلٰی یحتاج الیه فانه لو صح شرعًا وعادۃً ان تکون القریش فی شیئ من الازمنة ساقطین عن اہلیة الخلافة کما زعمه بعض مبطلی زماننا وقد امر صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ان لاتجعل الخلافة ابدا الافی قریش فیکون ذلك فی ذلك الزمان امرا باستخلاف غیر الاھل وھو محال ثم لاادری ای تاویل فیه وای صرف عن الظاھر انما ھو استنباط امر یفیدہ منطوق الحدیث فافھم ۱۲منه۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: میں کہتا ہوں اس قول کے قائل کو جس چیز نے اس پر آمادہ کیا وہ یہ کہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "یہ خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی" کو خالص خبر سمجھا اور سچے نبی کی خبر خلاف واقع نہیں ہوتی لیکن جس نے اس حدیث کو امر (حکم) قرار دیا وہ اس تاویل کا محتاج نہیں ہے اھ، میں نے اس پر حاشیہ لکھا، اقول اس کی حاجت کیوں نہیں حاجت ہے کیونکہ اگر شرعًا اور عادۃً کسی وقت قریش کا خلافت کے لئے نااہل ہونا صحیح ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے بعض باطل لوگ خیال کرتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم ہے کہ "کبھی بھی خلافت غیر قریش کو نہ دی جائے" تو خلافت اس نااہلیت کے زمانہ میں نااہل کو خلیفہ بنانے کا حکم ہوگا جو کہ محال ہے، پھر معلوم نہیں یہ کیا تاویل اور کیا ظاہر سے پھر ناہوا، حالانکہ یہ تو صرف منطوقِ حدیث سے ایک مفاد کا استنباط ہے، فافھم ۱۲منہ (ت)

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۷

[2] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۷

(۴۱) مسٹر نے کہا" خیر یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی لیکن ہم باور کرلیتے اگر قرآن وسنت واقعی ٹھہرائی ہوتی ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب وسنت سے بطریق صحیح ثابت ہو نہ کہ عقلوں کا ادراک۔استعجاب کی بنیاد ہمارا قیاسی استبعاد نہیں یہی ہے کہ کسی نص سے ایسا ثابت نہیں"۔

الحمد ﷲ، یہاں تو کچھ اسلامی جامے میں ہیں گویا آزادی سے بالکل جدا ہیں، ہم نصوص متواترہ واجماع صحابہ واجماعِ امت سے ثابت کرچکے کہ خلافت قریش ہی سے خاص ہے اب تو وہ اپنا استبعاد کہ -" بھلا اسلام کہیں خصوصیت نسل مان سکتا ہے"جس کو خود کہہ رہے ہو یہ تمہارا نرا عقلی قیاسی ڈھکوسلا ہے واپس لیجئے اور اجماعِ امت وارشادات حضرت رسالت **علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ** پر ایمان لایئے۔

مبحث دوم: ردِّ احادیث نبوی میں مسٹر کی بے سود کوشش

(۴۲) بزور زبان بڑا زور اس پر دیا ہے ص۶۰ کہ "خلافت قریش کی نسبت جس قدر روایات ہیں سب پیشگوئی و خبر ہیں کہ قریشی خلیفہ ہوں گے نہ کہ حکم کہ قریشی ہی خلیفہ ہوں"۔شرح عقائد نسفی وقواعد العقائد امام حجۃ الاسلام واتحاف سید زبیدی ومسامرہ شرح مسایرہ وتعلیقات علامہ قاسم طوالع الانوار علامہ بیضاوی ومواقف علامہ قاضی عضد وشرح مواقف علامہ سید شریف ومقاصد وشرح مقاصد وشرح صحیح مسلم للامام النووی وارشاد الساری ومرقاۃ قاری وشرح صحیح مسلم للقرطبی وابن المنیر وعمدۃ القاری امام عینی وفتح الباری امام عسقلانی وشرح مشکوٰۃ علامہ طیبی وشرح مشکوٰۃ علامہ سید شریف وامام اجل ابوبکر باقلانی واشعۃ اللمعات شیخ محقق وغمز العیون سید حموی وحاشیۃ الدر للسید الطحطاوی وللسید ابن عابدین وکواکب کرمانی ومجمع البحار وشرح فقہ اکبر بحر العلوم وغیرہا کی عبارات کثیرہ کہ ابھی گزریں اس مجملہ کے رد کو بس ہیں مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نشے میں تمام ائمہ مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں انکے ارشادات کو ظنی اور اپنے توہمات کو وحی سے مکتسب قطعی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے تمام امت سے اپنی امامت مطلقہ منوانے کا دعوی ہے دیکھو رسالہ خلافت کا اخیر مضمون "اتبعون اھدکم سبیل الرشاد" میرے پیرو ہو جاؤ میں تمہیں راہ حق کی ہدایت کروں گا، جس کا بیان بعونہ تعالیٰ مبحث اخیر آتا ہے مگر الحمد ﷲ مسلمانوں میں اب بھی لاکھوں ہوں گے کہ ارشادات ائمہ کے مقابل ایسے نشے کی بالاخوانیوں امنگوں شطحیات کی بہکی ترنگوں کو بادِ شتر سے زیادہ نہیں جانتے۔

(۴۳تا۵۰) اشد ظلم حدیث صحیحین "**لایزال ھذا الامر فی قریش**" پر ہے اس میں لفظ وہ لئے جو صحیح بخاری میں واقع ہوئے **مابقی منھم اثنان**[1] اور کہہ دیا ص ۶۳ "اس سے ہمارے بیان کی مزید

[1] صحیح بخاری کتاب الاحکام ۲/ ۱۰۵۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ۲/ ۱۱۹

تصدیق ہوگئی حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی کا ہے اگر اس کا یہ مطلب قرار دیا جائے کہ جب تک دوانسان بھی قریش میں ہیں خلافت انہیں کے قبضہ میں رہے گی تو یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے، ہزاروں قرشی موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی پس ضرور ہے کہ مابقے منھم اثنان کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو بھی خلافت کے اہل ہوں گے تو کبھی خلافت سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا مگر جب دو بھی اہل نہ رہیں تو مشیت الٰہی قانون انتخاب اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادے گی اور قریش خلافت سے محروم ہوجائیں گے،

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ ایسا ہی ہوا جب دو قریش بھی دنیا میں حکمرانی کے اہل نہ رہے خلافت نے معاً صفحہ الٹ دیا اور ایک قلم غیر عربی وغیر قرشی خلافت کا دور شروع ہوگیا"۔

اور کمال جسارت وبیباکی یہ کہ نام صحیح مسلم کا بھی لیا اور کہا ص ۶۰: "عمدہ طریق وہ ہیں جو بخاری نے اختیار کئے ہیں لیکن کسی طریق سے بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں جس سے ثابت ہو کہ مقصود پیشینگوئی نہ تھا تشریع وامر تھا"۔

الحق شوخ چشمی ہو تو اتنی تو ہو۔

اولاً مسلم نے یہ حدیث خود انہیں استاذ بخاری احمد بن عبداللہ یونس سے جس نے بخاری سے سنی یوں روایت کی:

لایزال ھذا الامر فی قریش مابقی من الناس اثنان۔	ہمیشہ خلافت قریش ہی میں رہے گی جب تک دنیا میں دو آدمی بھی باقی رہیں۔

اسی طرح اسمٰعیلی مستخرج میں روایت کی "مابقی فی الناس اثنان" جب تک آدمیوں میں دو بھی رہیں۔ یہ روایتیں روایت بخاری کی مفسر ہیں کہ "منھم" سے مراد "من الناس" ہے، لاجرم مرقاۃ علی قاری میں اس کی یہی تفسیر کردی (منھم) ای من الناس (اثنان)[1] جب تک ان میں سے یعنی آدمیوں میں سے دو بھی رہیں ولہذا امام اجل ابوزکریا نووی نے اولاً مسلم کی روایتیں ذکر کیں پھر فرمایا:

وفی روایۃ البخاری مابقی منھم اثنان ھذہ الاحادیث واشباھھا دلیل ظاہران الخلافۃ مختصہ بقریش لا یجوز عقدھا لاحد من غیرھم۔[2]	بخاری کی روایت میں ہے کہ جب تک ان میں سے دو آدمی باقی رہیں یہ اور ان کی مثل حدیثیں صریح دلیل ہیں کہ خلافت خاص قریش کے لئے ہے کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ باب مناقب قریش مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۳۳۴

[2] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الامارۃ قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۱۹

حدیث کا یہی مفاد امام قسطلانی نے خود شرح روایت بخاری میں لکھا، امام عینی وامام ابن حجر نے شروح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں امام قرطبی کا قول نقل کیا اور مقرر رکھا کہ:

ای لا تنعقد الامامة الکبری الا لقرشی مهما وجد احد منهم[1] ۔	یعنی مراد حدیث یہ ہے کہ جب تک ایک قریشی بھی دنیا میں رہے دوسرے کے لئے امامتِ کبرٰی ہو ہی نہیں سکتی۔

دیکھو اس روایت بخاری سے بھی ائمہ نے وہی مطلب سمجھا جو روایت مسلم میں تھا۔

ثانیًا اگر تفسیر نہ مانو تعارض جانو تو متعدد کی روایت کیوں نہ ارجح ہو اور نہ سہی معارض تو ہو گی تو تمہاری سند کہ "منھم" ہے ثابت نہ رہے گی۔

ثالثًا کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چیز ہے اور حدیث وفقہ کا سمجھنا اور، وہ "**من**" کا ترجمہ "سے" اور "**الی**" کا ترجمہ "تک" سے نہیں آتا اگر ضمیر قریش کی طرف ہوتی تو "اثنان" کی جگہ "**احد**" فرمایا جاتا یعنی جب تک ایک قریشی بھی رہے جس طرح ابھی امام قرطبّی وامام عینی وامام عسقلانی کے لفظ سن چکے اس کی تاویل آپ حسبِ عادت کہ قرآن کریم میں اپنی طرف سے اضافے کرلیتے ہیں حدیث میں یہ پچر بڑھاتے کہ یعنی جب تک کہ ایک قریش خلافت کا اہل رہے دو کی اہلیت پر موقوف فرمانا کیا معنی، کیا خلیفہ ایک وقت میں دو بھی ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، ہاں آدمیوں کی طرف ضمیر ہو تو ضرور دو کی ضرورت تھی کہ خلافت حکومت ہے اور حکومت کو کم سے کم دو درکار، ایک حاکم ایک محکوم، اب تو آپ نے جانا کہ "منھم" کی ضمیر قریش کی طرف پھیرنا کیسی سخت جہالت تھا۔

رابعًا جانے دو آخر اس قدر کے تو منکر نہیں ہوسکتے کہ صحیح مسلم میں لفظ حدیث "**ما بقی من الناس اثنان**[2]" ہیں اب کہاں گئی وہ آپ کی بالاخوانی کہ کسی طریق سے بھی کوئی ایسا لفظ مروی نہیں، اب دیکھیں اسے کیسے پیشگوئی بناتے ہو، حدیث کا ارشاد تو یہ ہے کہ "جب تک دنیا میں دو آدمی بھی ہوں خلافت قریش کے لئے ہے" اسے خبر بمعنی مزعوم مسٹر وہی ٹھہرائے گا جو اللہ ورسول کو جھٹلائے گا، اور اگر اپنی پچر لیجئے تو معنے یہ ہوں گے کہ جب تک دنیا میں دو آدمی بھی حکمرانی کے اہل رہیں گے خلافت قریش ہی کے قبضے میں رہے گی اب کیوں نہیں اور بھی زیادہ اچھل کر کہتے کہ یہ واقعات کے بالکل خلاف ہے خلافت صدہا سال سے قریش کے قبضے سے نکل گئی اور ہرگز کوئی وقت ایسا نہ ہوا کہ دنیا میں دو بھی حکمرانی کے اہل نہ ہوں۔ کیا مسٹر اپنی تاریخ دانی تیز زبانی یہاں دکھا کر ثبوت دیں گے کہ اٹھارہ کم سات سو برس یا بلحاظ خلافت مصری گیارہ کم چار سو برس سے دنیا مس وہ شخص بھی قابل حکمرانی نہ رہے۔

---

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیم کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۱۹

خامسًا آپ کے نزدیک چار سو سولہ ۴۱۶ برس سے خلافت شرعیہ ترکوں میں ہے تو ضرور ہے کہ وہ سب حکمرانی کے اہل ہوں کہ نااہل خلیفہ نہیں ہوسکتا معہذا قریش سے نکالی توان کی نااہلی کے باعث، اور پھر دی جاتی نااہلوں کو، یہ کون سا قانون اصلح ہے، اور جب وہ اہل تھے اور ہیں تو واجب کہ چار سو سولہ ۴۱۶ برس سے روئے زمین پر کوئی دوسرا انسان قابلِ حکمرانی نہ ہو، ورنہ دنیا میں دو شخص اہلِ حکمرانی نکلتے اور خلافت قریش سے نہ جاتی، اب اس بدیہی البطلان بات کا ثبوت آپ کے ذمے ہے کہ سولہ اور چار سو برس سے تمام جہان میں سلطان ترکی کے سوا کوئی متنفس قابل حکمرانی پیدا نہ ہوا، کابل وبخارا وایران ومغرب وہندوستان وغیرہا تمام ملک خدامیں سب نرے نالائق گزرے پھر خدا جانے صدہا سال ان کی حکومتیں چلیں کیسے، سلطان کافر کش، دین پرور اورنگ زیب محی الملۃ والدین محمد عالمگیر بادشاہ غازی "**انار اللہ تعالٰی برہانہ**" اگر آپ کے نزدیک اس جرم پر کہ متشرع تھے اور کفار پر غلظت رکھتے نااہل تھے تو اکبر تو نالائق نہ تھا جو آپ ہی کا ہم مشرب اور اتحادِ مشرکین کا دلدادہ تھا غرض پیشگوئی بتاکر تکذیب حدیث کے سوا مسٹر کو کچھ مفر نہیں۔

سادسًا [عہ] آپ فرماتے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ دو قریش بھی حکمرانی کے اہل نہ رہے، کون سی تاریخ شاہد ہے کہ سات سو یا چار سو برس سے تمام روئے زمین پر کوئی دو قریشی دو ہاشمی دو سید ابن الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم حکمرانی کے لائق پیدا ہی نہ ہوئے، فضل الٰہی قومِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخاندان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآل محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صدہا سال سے اٹھالیا گیا اور این وآں کو بٹتا ہے اور بٹا کیا، کیا آپ کے نزدیک مدار لیاقتِ وقوع پر ہے، جس نے حکمرانی نہ پائی نااہل تھا؟ جس نے پائی اہل تھا؟ تو ضرور آپ پلید مرید خبیث عنید نجس یزید کو لائق بتائیں گے اور حضرت امام عرش مقام علی جدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **معاذ اللہ** نالائق ٹھہرائیں گے، اور جب یہ معیار نہیں بلکہ صفات ذاتیہ پر مدار ہے تو کیا آپ نے سات سو ۷۰۰ یا چار سو ۴۰۰ برس سے آج تک کے تمام قریشیوں کی جانچ کرلی ہے کہ نالائق تھے، چار سو برس چھوڑیئے کسی ایک برس کے سب قریشی جانے دیجئے صرف بنی ہاشم، سب بنی ہاشم بھی نہیں صرف سادات کرام کے فقط نام گنا دیجئے کہ جہان میں اس سال یہ یہ سید تھے، نام گنانا بھی نہ سہی فقط کسی سال کے تمام سادات کی مردم شماری بتا دیجئے، جب اس قدر پر قادر نہیں تو سات سو ۷۰۰ یا چار سو ۴۰۰ برس کے تمام عالم کے تمام قریشیوں کی جانچ آپ نے ضرور کرلی اور معلوم کرلیا کہ سب

عہ: یہ بھی جانے دو وہی **منھم** والی روایت اور قریش کی طرف ضمیر، اور وہی پچر لو زبان کے آگے بارہ ہل چلتے ہیں ادعا آسان ہے ثبوت دیتے دام کھلتے ہیں "**ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین**" اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو ۱۲ حشمت علی رضوی غفرلہ۔

نالائق تھے اور اب تک سب نالائق ہیں، افسوس آپ کا مبلغ علم یہی تاریخی کہانیاں تھا ان پر بھی ایسا جیتا افترا جوڑا تاریخیں ہزار بے تکی ہوں ایسا پورے نشے کا ہذیان بکتے انہیں بھی مار آئے گی۔

سابعًا فصل اول میں ائمہ کی تصریحیں گزریں کہ یہ حدیث خبر بمعنے امر ہے اسے آپ نہیں مانتے کہ پیروی ائمہ آپ کی شان انانیت کو زہر ہے نہ سہی خبر کیا پیشگوئی میں منحصر ہے جو محض خلافِ واقع ہو، اور اپنی طرف سے پچر لگانے کی ضرورت پڑے، کیوں نہ کہئے جس طرح امام قرطبیؒ اور امام عینی وامام عسقلانی سے گزرا کہ یہ خبر تشریعی ہے جو عین منصب شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور اصلاً محتاج تاویل نہیں یعنی خلافتِ شرعیہ ہمیشہ قریش میں رہیگی ان کے غیر کی حکومت کبھی خلافت شرعیہ نہ ہوگی، یہ خلافت کے لئے لزوم قرشیت سے خبر ہوئی نہ کہ بلافصل استمرارِ خلافت سے جسے خلافِ واقعات کہئے، مثلًا گلاب کا کھلنا ہمیشہ موسم بہار میں ہے اس کے یہ معنی کہ پھول جب کھلے گا بہار ہی میں کھلے گا نہ یہ کہ گلاب سدا گلاب ہے اور بہار بارہ مہینے۔

ثامنًا اقول بلافصل استمرار ہی لیجئے تو کیوں نہ ہو کہ **ھذا الامر** سے مراد استحقاقِ خلافت ہو اور وہ بلاشبہہ قریش میں مستمر اور انہیں میں منحصر ہے جس طرح امام عسقلانی سے گزرا کہ استحقاقِ خلافت قریش ہی کو ہے ان کا غیر نہ ہوگا مگر متغلب۔

(۵۱) مسٹر نے یونہیں دوسری حدیث "**الائمہ من قریش**" سے تشریع اڑانے اور نری خبر بنانے کے لئے کیا کیا ڈوبتے سوار پکڑے ہیں ص ۶۳: "صحیح بخاری کے ترجمہ باب سے صاف واضح ہے کہ امام بخاری کا بھی مذہب یہی ہے انہوں نے باب باندھا (**الامراء من قریش**) قریش میں امارت وامراء۔ اس مضمون کا باب نہ باندھا کہ امارت ہمیشہ قریش ہی میں ہونی چاہئے۔" **سبحان اللہ!** زہے مسٹری ولیڈری وایڈیٹری۔ امام بخاری کی عادت ہے کہ الفاظ حدیث سے ترجمہ باب کرتے ہیں نیز وہ الفاظ جو ان کی شرط پر نہ ہوں ترجمہ سے ان کا پتا دیتے ہیں حدیث انہیں لفظوں سے تھی انہیں سے باب باندھا، نیز یہ لفظ ان کی شرط پر تھے ترجمہ سے ان کا اشعار کیا، اس سے یہ سمجھ لینا کہ امام بخاری کا مذہب یہ ہے اور پھر اس پر یہ تحکم کہ "صاف واضح ہے" کس درجہ جہل فاضل ہے، فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

لفظ الترجمۃ لفظ حدیث اخرجہ یعقوب بن سفین وابو یعلی والطبرانی[1]۔	ترجمہ باب کی عبارت اس حدیث کے لفظ ہیں جو یعقوب بن سفین وابویعلی وطبرانی نے ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۰

پھر فرمایا:

لما لم یکن شیئ منھا علٰی شرط المصنف اقتصر علی الترجمۃ واوردالذی صح علی شرطہ۔[1]	یہ روایتیں شروط بخاری پر نہ تھیں لہذا ان الفاظ کو ترجمہ میں لانے پر اقتصار کیا اور ان کے مؤید وہ حدیثیں لائے جو ان کی شرط پر تھیں

(۵۲) ص ۶۱ "ایک اور حدیث ہے کہ ضرور ہے کہ بارہ خلیفہ ہوں سب قریش سے ہوں گے اس طرز بیان نے ظاہر کر دیا کہ اس بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے صرف آیندہ کی اطلاع مقصود ہے حکم و تشریع نہیں۔" بارہ خلافتوں کی پیشگوئی اگر خبر ہے تو دنیا بھر کی حدیثیں سب خبر ہیں اس زبردستی و دیدہ دلیری کی کوئی حد ہے یعنی شارع سے جب کسی امر کے بارے میں کچھ پیشگوئی فرمائے تو اس میں جتنی حدیثیں ہیں سب حکم شرعی سے خالی ہو جاتی ہیں اور سب کو بزور زبان اگرچہ اپنی طرف سے پچریں لگا کر خبر پر ڈھال دینا واجب ہو جاتا ہے ارشاد اقدس:

قدمواقریشاولاتقدموھا[2]۔	قریش کو مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو۔

یہ بھی امر و نہی نہیں خبر ہوگا کیونکہ ان کی "صرف دانی" میں "قدموا" صیغہ مضارع ہے اور "لاتقدموا" صیغہ ماضی، بات وہی کہ یتشبث بکل حشیش۔

(۵۳تا۵۴) ص ۶۲ "ائمہ حدیث نے حدیث قحطانی و حدیث قریش میں تطبیق دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا کہ امارت قریش والی روایت تشریع نہیں محض خبر ہے"

اولا یہ عیاری و چالاکی ملاحظہ ہو امارت قریش والی روایت میں کہا جس سے حدیث الامراء من قریش و حدیث الائمۃ من قریش و حدیث لایزال ھذاالامر فی قریش کی طرف ذہن جائے حالانکہ ائمہ حدیث نے ہرگز نہ کہا کہ ان سے تشریع ثابت نہیں نری خبر ہیں زیر نمبر ۴۲ کتب کثیرہ کے نام گنا چکا ہوں ان کی عبارتیں فصل اول میں دیکھئے اور اس کذب صریح سے توبہ کیجئے، ائمہ حدیث کی اگر مانتے ہو تو ان کی ان روشن تصریحوں سے کیوں منکر ہو۔

ثانیًا ائمہ نے حدیث قحطانی سے جس حدیث کی تطبیق دی وہ یہ ہے:

ان ھذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الا کبہ اللہ علی وجھہ مااقاموا	بیشک یہ امر قریش میں ہے جو ان سے عداوت کرے گا اللہ اسے اوندھے منہ گرائے گا جب تک قریش

[1] فتح الباری شرح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۱

[2] کنز العمال حدیث ۳۳۷۸۹، ۳۳۷۹۰، ۳۳۷۹۱ بحوالہ البزار و ابن عدی وطبرانی موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۲

الدین[1]۔	دین قائم رکھیں۔

اسے اگر خبر بتایا کہ یہ اقامت دین سے مقید ہے تو احادیث مطلقہ کا خبر ہو جانا کیوں لازم آیا وہ تشریع ہیں اور اپنے اطلاق پر یعنی شرعاً خلافت صرف قریش کے لئے ہے اور یہ خبر ہے اور مقید ہے یعنی وہ اپنے حق سے بہرہ مند رہیں گے جب تک دین قائم رکھیں، جب اسے چھوڑیں گے خلافت جاتی رہے گی۔

ثالثاً عجب ہے کہ ایک حدیث خاص میں دو چار شراح نے جو لکھا وہ تو ان کا دامن پکڑ کر سب احادیث کو بزور زبان عام کرلیا جائے اور خود ان باقی احادیث میں جو ان کی عام جماعتوں نے لکھا اور مذہب اہل سنت واجماع صحابہ بتایا وہ انہیں کے کلام سے رد کردیا جائے، اور کیا "**یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ**"[2] کے سر پر سینگ ہوتے ہیں، قرآن عظیم نے اسے خصلتِ یہود بتایا کہ بات کو اس کی جگہ سے پھیر دیتے ہیں۔

رابعاً جب جماعت ائمہ حدیث کی روشن و قاہر تصریحات حتی کہ اجماعِ صحابہ وعقیدہ اہل سنت مقبول نہ ہو تو ایک حدیث خاص میں ایک خاص وجہ سے ان کے دو چار کا کہنا کیوں حجت ہو، آپ تو مجتہدین سے بھی اونچے اڑتے ہیں، ان دو چار ٹھیٹ مقلدوں کا دامن نہ تھامئے، حدیث سے چلئے، حدیث میں "**ما اقاموا الدین**" بعد جملہ "**لا یعادیھم احد الا اکبہ اللہ**" ہے اسی سے کیوں نہ متعلق ہو اس سے توڑ کر دور کے جملہ "**ان ھذا الامر فی قریش**" سے کیوں جوڑ دیا جائے وہ اپنے اطلاق پر رہے اور یہ قید اسی جملہ میں ہو جس سے یہ متصل ہے تو معنی حدیث یہ ہیں کہ بیشک شرعی خلافت قریش میں منحصر ہے دوسرا شخص خلیفہ نہیں ہوسکتا اور قریش جب تک دین قائم رکھیں گے ان کا مخالف ذلیل ورسوا ہوگا اب اپنے اجتہاد کی خبریں کہئے۔

(۵۷ تا ۶۰) حدیث جلیل "**الائمة من قریش**" پر ایک ہاتھ **من حیث السند** بھی صاف کیا، ص ۶۴ "یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں، فتح الباری میں ہے:

الائمة من القریش ^{عـــہ} رجالہ رجال الصحیح ولکن فی سندہ انقطاع[3]۔	حدیث "الائمة من قریش" کے تمام راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے (ت)

عـــہ: نہ فتح الباری میں "**من القریش**" ہے نہ حدیث میں، پہلے بھی آپ نے اپنے کلام میں حدیث ان لفظوں سے لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کی تھی مگر امام ابن حجر پر تو اس افترا علی المصطفٰی کی تہمت نہ رکھئے ۱۲منہ غفرلہ۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۳

[3] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب الامر من قریش مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۳۱

اوّلاً فتح الباری میں یہ حدیث متعدد الفاظ و کثیر طرق سے حضرت ابوبرزہ اسلمی و حضرت امیر المومنین مولٰی علی و حضرت انس بن مالک و حضرت ابوہریرہ و حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بروایت یعقوب بن سفین وابویعلی وطبرانی وابوداؤد طیالسی وبزار وتاریخ امام بخاری و نسائی وامام احمد وحاکم ذکر کی، یہ لفظ کہ اس کی سند کے رجال ثقہ ہیں مگر اس میں انقطاع ہے صرف صدیق اکبر سے روایت احمد کی نسبت لکھے ہیں کہ مسند احمد میں صدیق سے اس کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے صاحبزادہ امام ثقہ تابعی جلیل حضرت حمید بن عبدالرحمٰن ہیں ان کے صدیق اکبر سے سماع نہیں۔ فتح الباری کی عبارت ملخصًا یہ ہے احادیث ابوبرزہ و مولٰی علی وبعض طرق حدیث انس ذکر کرکے کہا:

واخرجه النسائی والبخاری ایضاً فی التاریخ وابو یعلی من طریق بکیر الجزری عن انس وله طرق متعددة عن انس،واخرج احمد هذااللفظ من حدیث ابی هریرة ومن حدیث ابی بکر الصدیق، و رجاله رجال الصحیح لکن فی سنده انقطاع، واخرجه الطبرانی والحاکم من حدیث علی بهذا اللفظ الاخیر[1]۔	یعنی نیز یہ حدیث امام نسائی اور امام بخاری نے تاریخ میں اور ابویعلی نے بروایت بکیر جزری حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور امام احمد نے یہی لفظ الائمۃ من قریش حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حدیث سے روایت کئے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے اور اس کے رجال رجال صحیح ہیں مگر اس کی سند میں انقطاع ہے،اور یہ حدیث طبرانی وحاکم نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی انہیں لفظوں سے کہ "الائمة من قریش"۔

مسٹر نے اول آخر سب اڑا کر مطلقًا اس حدیث ہی پر حکم لگادیا کہ فتح الباری میں اس کی سند منقطع بتائی یہ کیسی خیانت ہے۔

ثانیًا فصل اول میں گزرا کہ انہیں صاحب فتح الباری امام ابن حجر نے اسی حدیث "الائمة من قریش" کے جمع طرق میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اسے چالیس کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت سے دکھایا حدیثِ متواتر کو کہنا کہ بطریق اتصال ثابت ہی نہیں کیسا ظلم شدید واغوائے جہال ہے اور پھر انہیں ابن حجر پر اس کے متن کے منقطع السند بتانے کی تہمت کیسی جرات پر وبال ہے۔

ثالثًا طرفہ یہ کہ خود ہی ص ۵۶ پر کہہ چکے تھے "احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب الامراء من قریش مصطفی البابی مصر ۲۳۱/۱۶

سب صحیح ہیں"۔اب یہاں یہ کہ "بطریق اتصال ثابت ہی نہیں" چار ہی ورق بعد "نسی ماقدمت یدہ" (اپنے ہاتھوں پیش کیا ہوا بھول گیا۔ت)

رابعًا وہیں اس کے متصل تھا" یہ بھی حق ہے کہ حضرت ابوبکر نے مجمع صحابہ میں اس کو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا" اب حق کی سند میں بھی کلام ہونے لگا، اگر یہ کلام اس کے حق ہونے میں خلل انداز ہے تو حق کرنا ناحق بنانے کی کوشش کرنے والا کون ہوتا ہے اور اگر اس سے اس کے حق ہونے پر کچھ حرف نہیں آتا تو رد واعتراض کے لئے کہنا" اس سے بھی شرعًا اختصاص قریش کے دعوی کی کوئی مدد نہیں مل سکتی اولًا یہ الفاظ اور حضرت ابوبکر والی روایت بطریق اتصال ثابت ہی نہیں"، کیسا اغرائے جہال ہے۔یہ ہے کہ مسٹر حدیث دانی اور ارشاد نبوت پر ظلم رانی، **ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**

مسئلہ ۲۵ تا ۲۹: از شہر بنارس محلّہ کچی باغ مرسلہ محمد امان اللہ مدرس مدرسہ مظہر العلوم ۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماقولکم ایھا العلماء الکرام دام فضلکم (اے علماء کرام اللہ تمہیں بزرگی عطافرمائے اس بارے میں تمہارا کیا قول ہے۔ت) ایک عورت بالغہ کافرہ دختر ہنود کا بیاہ اس کی قوم کے ایک مرد سے ہوا، پر قبل ملاقات ویکجا ہونے وبات چیت ہونے کے اس مرد سے، باپ عورت مذکورہ کا بعض خرابیوں کے خیال سے اس مرد ہنود سے دختر کو اپنی چھڑا لایا، اور اس مرد ہنود نے عورت مذکورہ کو چھوڑ کر دوسرا بیاہ اپنی قوم میں کرلیا، عورت مذکورہ بعد اس کے کئی سال ماں باپ کے یہاں رہ کر محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتی تھی، اسی حالت میں اسے توفیق قبول اسلام کی ملی، ماں باپ سے پوشیدہ اسلام لاکر ایک مسلمان سے اس نے بہ گواہی دو مرد مسلمان بالغ عاقل کے نکاح کرلیا، نکاح کے ایک سال کے بعد اس نکح سے اس عورت کو ایک دختر پیدا ہوئی، جس کی عمر اس وقت پانچ سال سے متجاوز ہے اور وہ دختر اپنی ماں کے ساتھ اس مکان میں رہا کرتی ہے جس مکان کو نلح کے باپ نے اس دختر اور اس کی ماں کے رہنے کو دیا ہے بسبب اسلام لانے اور مسلمان سے نکاح کرنے کے اس عورت کے ماں باپ بہنیں کافرہ کو رنج وعناد ہوا، بہت کچھ فکر اس کے پھیرنے کی اسلام سے اور مرد سے چھڑانے کی کرکے سب طرح عاجز ہو کر اب کہ اس دختر کا کان بطریقہ رواج مسلماناں چھدوایا گیا اور اس کی دینی تعلیم دینے کا ارادہ ماں باپ نے اس کے ظاہر کیا، عناد ماں باپ بہنیں کافرہ کا اس عورت نومسلمہ سے بڑھ گیا، کمال عناد سے اس دختر کے ہندو بنانے کی فکر میں ہو کر یہ افتراء شروع کیا ہے کہ دختر مذکورہ کو محض جھوٹ وغلط مرد ہندو کی طرف منسوب کرتے ہیں جس سے مادر دختر کو گاہے اتفاق ملاقات ویکجا ہونے وبات چیت

کرنیکا بھی موقع نہیں ہوااور بناء بر اس افترا کے اس دختر کے اس کے ماں باپ سے چھڑا کر اپنے یہاں لے جاکر ہندو بنا کر ہنود سے شادی بیاہ اس کا کرنا چاہتے ہیں، بعضے ہنود جو تعصب مذہبی رکھتے ہیں اور بعضے وہ مسلمانان جن کو ماں باپ بہنیں کافرہ مذکورہ سے غرض دنیاوی ونفسانی کا تعلق ہے اور بعضے وہ مسلمانان جو مرد ناکح اور عورت نومسلمہ مذکورہ سے کچھ رنجش دنیاوی وحسد وعناد رکھتے ہیں، معین ومددگاران کفار کے ہو رہے ہیں، اس وجہ سے شور پشتی ان سبھوں کی اس درجہ کو بڑھ گئی ہے کہ مرد ناکح وعورت نومسلمہ مذکورہ کو برسر کوچہ وبازار برملا گالیاں دے کر کہتے پھرتے ہیں کہ اس دختر کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے اور مسلمہ نہیں ہونے دیں گے بلکہ جس طرح ہوگا اپنے یہاں لاکر اسے ہنود بنا کر ہندو کے ساتھ شادی بیاہ کردیں گے اور طرح طرح کے افترا پردازی ومقدمہ بازی جھوٹ کی بندشیں ہو رہی ہیں اور بے عزّتی وذلت مرد ناکح وعورت نومسلمہ مذکورہ کی دھمکی دی جاتی ہے جس میں وہ دونوں ڈر کر بخیال بچنے کے ذلت دنیا سے، اس دختر کو ماں باپ بہنیں کافرہ کے حوالہ کردیں، ایسے حال میں حکمِ خدا ورسول کیا ہے؟

(۱) آیا مرد ناکح وعورت مسلمہ مذکورہ اپنے نطفہ وبطن کی دختر کو دھمکی وڈر سے ان شور پشتوں کے اور دنیاوی ذلت کے خوف سے حوالہ کفار دیں کہ وہ اسے لیجا کر کافرہ بنائیں؟

(۲) یا اپنی ذلت دنیاوی کا خیال چھوڑ کر جان توڑ کر کوشش اس دختر کی حفاظت کی کریں جس میں وہ دختر قبضہ ہنود میں جا کر ہندو نہ بننے پائے؟

(۳) اور مسلمانان کو اس شہر کے ہر طرح کی حمایت ومدد ایسی کرنی جس میں مسلمان کی لڑکی ہنود کے قبضہ میں جاکر کافرہ نہ بننے پائے، شرعاً بحکم خدا ورسول لازم وضرور ہے یا نہیں؟

(۴) اور جو مسلمان اس کے خلاف حمایت کفار کی کرے وہ خدا ورسول کے نزدیک کیسا ہے اور اس کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵) اور اگر مسلمانانِ شہر کی غفلت وناتوجہی ومدد نہ کرنے سے اور اس وجہ سے عورت نومسلمہ اور اس کے ناکح مرد کے مجبور وبے بس ہو جانے سے دختر مذکورہ قبضہ ہنود میں جاکر ہندو بنائی جائے تو اس کا الزام ومواخذہ خدا ورسول کے طرف سے مسلمانانِ شہر پر ہوگا یا نہیں؟

ہر شق سوال کا جواب اردو میں عام فہم، مفصل ومدلل بسندِ قرآن وحدیث وکتب دینیہ اور ایسے موقع پر سیرت صحابہ کرام وائمہ عظام کیا ہے بہ نقل اس کے درکار ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) حرام حرام حرام جب تک حالت اکراہ شرعی کی نہ ہو،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ (ت)

(۲) فرض فرض فرض ہے کہ ہر جائز کوشش کو حد امکان تک پہنچادیں اور کسی طرح اس میں سستی یا کم ہمتی کو کام نہ دیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

(۳) فرض فرض ہے کہ ہر مسلمان بقدرِ قدرت اس مسلمان لڑکی کو اس سخت تر آفت سے بچائے اور کوئی کوشش جس حد تک جائز اور ممکن ہے اسے اٹھا نہ رکھے۔

قال اللہ تعالٰی "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ (ت)

یہ فرض کفایہ ہے جتنے مسلمانوں کی کوشش سے کام چل جائے کافی ہے سب پر فرض اتر جائے گا، ورنہ سب گنہگار اور سخت وبال میں گرفتار رہیں گے، **والعیاذ باللہ۔**

(۴) اس کے لئے نار ہے نار ہے نار، اس پر غضب ہے غضب ہے غضب جبار،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔ (ت)

علماء نے دوسرے کے کفر پر راضی ہونے کو کفر لکھا ہے "**الرضا بالکفر کفر**" نہ کہ دوسرے کو کافر بنانے میں کوشش یہ بلاشبہہ بحکم فقہا کفر ہے بحکم فقہائے کرام ایسے شخص کی عورت اس کے نکاح سے نکل جائے گی اور وہ ان تمام امور کا سزاوار ہوگا جو ایک مرتد کے ساتھ کئے جانے کا حکم کہ اس کے پاس بیٹھنا، بات چیت، میل جول، شادی بیاہت، بیمار پرسی، جنازہ پر جانا، اسے غسل دینا، کفن دینا، نماز جنازہ پڑھنا، جنازہ بہ تکریم اٹھانا، مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا سب یک قلم ناجائز وگناہ ہے۔

(۵) اس کا جواب جواب سوم میں آگیا، اگر ایک مالدار ذی وجاہت مسلمان کی کوشش سے کام چل جائے تو ایک ہی کافی ہے اور سب مسلمانوں کی مجموعی قوت سے جائز کوشش اثر پذیر ہوگی تو سب پر فرض ہے کہ

[1] القرآن الکریم ۱۶/۱۰۶

[2] القرآن الکریم ۶۶/۶

[3] القرآن الکریم ۵/۲

[4] القرآن الکریم ۵/۲

مل کر ہر امکانی پسندیدہ جائز کوشش انتہا تک پہنچادیں، اگر پھر بھی کامیاب نہ ہوں تو معذور ہیں جس کے کسل و بے توجہی سے کام میں خلل پڑے گا وہ مستحقِ نار وغضب جبار ہے **والعیاذ باللہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: از پیلی بھیت محلہ منیر خاں مدرسۃ الحدیث مرسلہ مولانا سورتی ۴ ذی القعدہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شخص کے حق میں جس نے سید صحیح النسب بالخصوص اور تمام سادات گیلانیہ اولاد حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو علی العلوم سواچار پیروں کے بر سر بازار علی رؤس الاشہاد یہودی، نصرانی خنزیر، کتاوغیرہ وغیرہ بری گالیاں کہے ہوں اور اوصاف ذمیمہ مذکورہ ان حضرات کے حق میں اعتقاداً استعمال کئے ہوں اور کرتا رہے ازروئے شرع اس شخص اور اس کے مددگاروں کا خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ وغیرہ کیا حکم ہے؟ **بینوا بحوالۃ الکتاب توجروا یوم الحساب**، اس سوال کا جواب مجھے کسی کتاب میں نہ ملا اس وجہ سے حضور کو تکلیف دیتا ہوں۔

الجواب:

ایسے شخص کو از سرِ نو تجدید اسلام چاہئے اور اگر عورت رکھتا ہو تو اس سے بعد توبہ و تجدید اسلام پھر نکاح کرے کہ علمائے کرام نے ایسے شخص پر حکم کفر فرمایا ہے، مجمع الانہر میں ہے:

والاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر۔[1]	سادات اور علماء کی بے عزتی کرنا کفر ہے، جو شخص تحقیر کے ارادے سے عالم کو عویلم اور علوی کو علیوی کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ت)

رہے اس کے معاونین خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ اگر خود ان کلمات ملعونہ میں اس کے معاون ہیں یا ان کو جائز رکھتے ہیں یا ہلکا جانتے ہیں تو ان سب کا بھی یہی حکم ہے جو اس کا ہے، اور اگر ایسا نہیں جب بھی ایسے شخص کے ساتھ میل جول کے سبب عاصی و مخالف حکم شرع ہیں۔

قال اللہ عزوجل "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)"[2] **۔ قال اللہ عزوجل "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"**[3] **۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلاوے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی: واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

مسئلہ ۳۱: از کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ سید اکبر شاہ طالب علم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص مرزائی کے نابالغ لڑکے کا بخیال "**مامن مولود الایولد علی الفطرۃ**" (ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے۔ت) حنفی اگر امام کے پیچھے جنازہ کی نماز ادا کرے تو عندالشرع درست ہے یا نہیں؟ پڑھنے والا ثواب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ حنفیوں پر دیکھئے ایسی میت سے نماز جنازہ واجب ہوگی یا نہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر مرزائی کا بچہ سات برس یا زائد کی عمر کا تھا، اچھے کی تمیز رکھتا تھا اور اس حالت میں اس نے اپنے باپ کے خلاف پر دین اسلام اختیار کیا اور قادیانی کو کافر جانا اسی پر انتقال ہوا تو وہ ضرور مسلمان تھا، مسلمانوں پر اسے غسل وکفن دینا اس کے جنازہ کی نماز پڑھنا مقابر مسلمین میں دفن کرنا فرض ہے۔ اور ممکن ہو تو اس کے باپ وغیرہ کفار کو اسے ہاتھ نہ لگانے دیں جس طرح حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے یہودی کو اس کے بیٹے کے سرہانے سے اٹھا دینے کا حکم فرمایا جبکہ وہ نزع میں اسلام لاکر انتقال کرگیا، اور اگر اسی عمر وتمیز میں اپنے باپ کی طرح کفر بکتا تھا تو یقینا کافر تھا۔ اب وہ سب کام مسلمان پر حرام ہیں، نہ غسل دیں نہ کفن دیں نہ دفن میں شریک ہوں، اور ان سب سے بدتر اس کے جنازہ پر نماز ہے کہ خود کفر کا پہلو رکھتی ہے اور اگر اس سے کفر یا اسلام کچھ ظاہر نہ ہوا یا ناسمجھ بچہ تھا کہ اس تمیز کے قابل ہی نہ تھا تو اب یہ دیکھا جائے گا اور اس کی ماں بھی اس کے باپ کی طرح قادیانی یا اور کسی کفری عقیدہ والی ہے تو وہ بچہ بھی کافر سمجھا جائے گا، اور اس کے لئے وہ سب کام مسلمانوں پر حرام ہوں گے اور اگر ماں مسلمان ہے تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتی ہے اور قادیانی کو کافر جانتی ہے تو اس صورت میں وہ بچہ جس سے کفر خود ظاہر نہ ہوا اور نابالغی میں مرگیا اپنی ماں کا تابع قرار پاکر مسلمان سمجھا جائے گا اور وہ سب کام اہل اسلام پر واجب ہوں گے حدیث "مامن مولود "اس حالت میں نابالغ ہے کہ بچہ سمجھ وال ہو کر خود کفر نہ کرے نہ ناسمجھی کی حالت میں ماں باپ دونوں کافر ہوں ورنہ اگر خود کفر کیا تو اچھی فطرت سے بدلا اور اگر خود سمجھ وال ہو کر اسلام نہ لایا اگرچہ کفر بھی نہ کیا اور ماں باپ دونوں کافر ہیں تو "**ثم ابواہ یھودانہ**"[1] (پھر اس کے والدین اسے یہودی بنادیں۔ت) میں داخل ہے اور حکم کفر اسے شامل ہے۔ تنویر میں ہے:

اذا ارتد صبی عاقل صح کاسلامہ	جب عقلمند بچہ مرتد ہوجائے تو اس کا ارتداد اس کے

[1] صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۳۶/۲

والعاقل الممیز [1]۔	اسلام کی طرح صحیح ہوگا اور عاقل سے مراد امتیاز نہ کرنے والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وھوابن سبع فاکثر مجتبی وسراجیة [2]۔	وہ سات سال یا اس سے زائد عمر کا ہو۔ مجتبٰی سراجیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

زوجان ارتدا فولدت ولدا یجبر علی الاسلام لتبعیته لابویه [3]۔(ملخصاً)	خاوند وبیوی دونوں مرتد ہوگئے، عورت نے بچہ جنا تو اسے اسلام پر مجبور کیاجائے گا کیونکہ دین میں وہ اپنے والدین کے تابع ہے۔(ملخصاً)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فی الاسلام والردة وھما یجبران فکذا ھو [4]۔	یعنی اسلام اور مرتد ہونے میں اور ان دونوں کو بھی اسلام کے لئے مجبور کیاجائے گا پس اسی طرح اس بچے کو بھی۔(ت)

تنویر میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا [5]۔	بچہ اپنے والدین میں سے اس کے تابع ہوگا جو دین کے اعتبار سے بہتر ہوگا۔(ت)

شامی میں بعد ذکر حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ فرمایا:

انھم قالوا انه جعل اتفاقھما ناقلاله عن الفطرة [6]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء نے فرمایا ماں باپ کے کفر پر اتفاق نے بچے کو فطرت سے ہٹادیا۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۶۱/۱
[4] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۰۶/۳
[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۲۱۰/۱
[6] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۹۴/۲

مسئلہ ۳۲: از ملک بنگال موضع رام پور ڈاکخانہ کجرہ ضلع پیرہ حال مقام خواجہ قطب بریلی محمد الہ طالبعلم ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کو انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض انگریزی خواں کہتے ہیں کہ مولوی لوگ کیا جانتے ہیں۔ کیا اس لفظ سے علم کی حقارت نہیں ہوتی؟ اگر ایسا کہے تو کافر ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایسی انگریزی پڑھنا جس سے عقائد فاسد ہوں اور جس سے علمائے دین کی توہین دل میں آئے انگریزی ہو خواہ کچھ ہو ایسی چیز پڑھنا حرام ہے، اور یہ لفظ کہ "مولوی لوگ کیا جانتے ہیں" اس سے ضرور علماء کی تحقیر نکلتی ہے اور علمائے دین کی تحقیر کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ(۶۵) لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْؕ[1] ۔اخرج ابن جریر وابن ابی حاتم وابو الشیخ وابن مردویۃ عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وابن جریر عن زید بن اسلم وعن محمد بن کعب وغیرہما قال رجل فی غزوۃ تبوك فی مجلس یوما مارأینا مثل قرأتنا ھٰؤلاء ولا ارغب بطونا ولا اکذب السنۃ ولا اجبن عند اللقاء فقال رجل فی المجلس کذبت ولکنك منافق لاخبرن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فبلغ ذلك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونزل القرآن قال عبداللہ فانا رأیتہ متعلقا ناقتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہیں گے ہم تو دلچسپی اور کھیل کرتے ہیں آپ فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی اس کی نشانیوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو بہانے نہ بناؤ تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابن جریر نے حضرت زید بن اسلم اور محمد بن کعب وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حدیث کی تخریج کی کہ ایک شخص نے ایک دن ایک مجلس میں غزوہ تبوک کے موقعہ پر کہا کہ ہم نے اپنے ان قاریوں کی مانند اور نہ دیکھے نہ کھانے کے لالچی اور نہ زبان کے جھوٹے اور نہ دشمن کے مقابل میں بزدل۔ تو اس مجلس میں ایک شخص نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے تو منافق معلوم ہوتا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ضرور اس بات کی خبر دوں گا تو اس کی یہ بات حضور اکرم کو معلوم ہوئی اور قرآن نازل ہوا حضرت عبداللہ نے فرمایا تو میں نے اس شخص کو حضور اکرم کی اونٹنی کے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۹/۶۵

وسلم والحجارۃ تنکبه وھو یقول یارسول الله انما کنا نخوض ونلعب والنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول اباالله وایاته ورسوله کنتم تستھزء ون [1]۔ والله تعالٰی اعلم۔	تنگ کے ساتھ لٹکا ہوا دیکھا پتھر اسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا یارسول اللہ ! ہم تو دلچسپی اور کھیل کر رہے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو فرمارہے تھے کیااللہ تعالٰی، اس کی آیات اور اس کے رسول سے تم ٹھٹھا کرتے ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: از بریلی محلّہ چک شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی خاں ومبارک علی خاں ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید سنی المذہب نے بکر کو سنی باور کرکے اپنی لڑکی نابالغہ کا بکر کے نابالغ لڑکے کے ساتھ اس کو سنی باور کرکے ولایۃً نکاح کردیامگر بوجہ نابالغ ہونے کے رخصتی نہیں ہوئی، اور آمدورفت بھی دونوں کی نہیں ہوئی نہ یکجائی ہوئی، سات سال کے بعد دونوں کو بلوغ ہوا، زید کو یہ اطلاع ملی کہ بکر بھی پکا سنی نہیں اور اس کا بیٹا قطعی رافضی ہے جس کا ثبوت یہاں تک پہنچ گیاہے کہ اس کے معمولی عمل میں ظاہر ہوتا ہے نماز شیعہ کی پڑھتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قذف کرتا ہے اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صحابیت کا منکر ہے اور تبرا کہتاہے اور ایسے مجالس میں شرکت کرتا ہے جس میں سنی شریک نہیں ہوتے ہیں۔ زید نے اسی خبر کو سن کر رخصتی سے انکار شروع کیااس پر بکر نے رخصت کرانے کی ضرورت سے لڑکے کو اس بات پر آمادہ کیاکہ لڑکا اپنے کو سنی ظاہر کرے چنانچہ ازراہ تقیہ لڑکے نے اپنے کو سنی ظاہر کیا لیکن کوئی ثبوت لڑکے کے سنی ہونے کا زید کو نہیں ملا بلکہ حال میں ۱۱ محرم ۱۳۳۴ھ کو مقام مرزا گنج پر ایک شخص جماعت اہل سنت والجماعت کو مدح صحابہ پڑھنے سے بااعلان اسی لڑکے نے روکا اور اپنے ایک ملازم شیعہ مذہب سے پٹوایا اور اس کے باپ یعنی بکر نے حکام سے مدح صحابہ بااعلان کئے جانے کی شکایت کی اس وجہ سے حکام جمع ہوئے تو کیاارشاد فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ لڑکی جس کا نابالغیت میں نکاح کیاگیا وہ لڑکی کہ حالت موجودہ میں منظور نہیں ہے، اور زید کو بھی انکار ہے آیا نکاح باقی رہا یا فسخ ہوگیا۔ فقط

الجواب:

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا قذف کفر خالص ہے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

---

[1] تفسیر درمنثور بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم وابی شیخ وابن مردویہ تحت آیہ انما کنا نخوض مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/۲۵۴، جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیہ انما کنا نخوض ونلعب المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۰/۱۰۴و۱۰۵

صحابیت کا انکار کفر خالص ہے، اسی طرح تبرائیاں زمانہ میں اور بھی کفر وارتداد کی قطعی وجوہ ہیں جن کی تفصیل ردالرفضۃ میں ہے اور ان کا کافر مرتد ہونا عامہ کتب معتمدہ خلاصہ وفتح القدیر وظہیریہ وعالمگیری وردالمحتار و عقود الدریۃ و بحر الرائق و نہر الفائق وتبیین الحقائق وبدائع وبزازیہ وبرجندی وانقرویہ و واقعات المفتین و اشباہ ومجمع الانہر وطحطاوی علی الدر وغنیہ ونظم الفرائد وبرہان شرح مواہب الرحمن وتیسیر المقاصد وشرح وہبانیہ ومغنی المستفتی وتنویر الابصار ومنح الغفار واصول امام شمس الائمہ وکشف البزدوی وشفاء شریف و روضہ امام نووی واعلام ابن حجر وکتاب الانوار وشرح عقائد ومنح الروض وفواتح الرحموت وارشاد الساری وفتاوٰی علامہ مفتی ابوسعود وعلامہ نوح آفندی وشیخ الاسلام عبداللہ آفندی واحمد مصری علی مراقی الفلاح وشلبی علی الزیلعی وغیرہما سے ثابت وروشن ہے، خزانۃ الفقہ پھر فتاوی ہندیہ میں ہے:

لوقذف عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بالزنی کفر باللہ تعالٰی [1]۔	اگر کسی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہاپر تہمت زنا لگائی تواس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کفر کیا۔(ت)

شرح ملتقی الابحر میں ہے:

یکفر بقولہ لاادری ان النبی فی القبر مؤمن اوکافر وبقولہ ماکان علینا نعمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان البعثۃ من اعظم النعم وبقذفہ عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا وانکارہ صحبۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ [2]۔	اگر کسی نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ نبی قبر میں حالت ایمان میں ہے یا کفر میں، تو کافر ہوجائے گا، اسی طرح کافر ہوجائے گا اگر یہ کہتاہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کوئی نعمت نہیں کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ یا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت لگاتاہے یا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کاانکار کرتاہے۔(ت)

توپسر زید اگر مرتد نہ تھا اب مرتد ہوگیا، خزانۃ المفتین وظہیریہ وعلمگیریہ وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں منکران ضروریات دین رافضیوں کے بارہ میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۲

ھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامھا احکام المرتدین[1]۔	یہ لوگ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں اور ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔(ت)

اس کے مرتد ہوتے ہی نکاح فوراً فسخ و باطل ہوگیا، تنویر الابصار و شرح علائی میں ہے:

ارتداد احد الزوجین فسخ عاجل بلاقضاء[2]۔ (ملخصاً)	زوجین میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے بلاتاخیر نکاح فسخ ہوجاتا ہے (ت)

عورت کو حرام قطعی ہے کہ اسے شوہر سمجھے زید پر حرام قطعی ہے کہ دختر کو رخصت کرے اگر قربت واقع ہوگی زنائے خالص ہوگا اگر اولاد ہوگئی ولد الزنا ہوگی، درمختار میں ہے:

فی شرح الوھبانیة للشرنبلالی مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[3]۔	شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے کہ جو چیز بالاتفاق کفر ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہوجاتا ہے اور اس کی اولاد ولد الزنا قرار پاتی ہے۔(ت)

اگر بالفرض پسر بکر اب اپنے آپ کو سنی ظاہر کرے بلکہ حقیقۃً سچا پکا خالص مخلص و سنی ہوجائے تو نکاح کہ فسخ و باطل ہوگیا عود نہیں کرسکتا نہ عورت پر جبر ہوسکتا ہے کہ اس سے از سر نو نکاح کرے۔ جامع الفصولین میں ہے:

لوارتد ھو لاتجبر المرأة علی التزوج[4] واللہ تعالٰی اعلم	اگر خاوند مرتد ہوجائے تو عورت کو (دوبارہ) نکاح پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[4] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

رَدُّ الرِّفضۃ ۱۳۲۰ھ

(تبرائی رافضیوں کا رَد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۳۴: از سیتاپور مرسلہ جناب حکیم سید محمد مہدی صاحب ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بی بی سیّدہ سُنی المذہب نے انتقال کیا اس کے بعض بنی عم رافضی تبرائی ہیں، وہ عصبہ بن کر ورثہ سے ترکہ چاہتے ہیں حالانکہ روافض کے یہاں عصوبت اصلاً نہیں، اس صورت میں وہ مستحق ارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

الحمد للہ الذی ھدانا وکفانا، واوانا عن الرفض و الخروج، وکل بلاء نجانا، والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا و مولٰنا و ملجانا و ماوانا محمد واٰلہ و صحبہ الاولین ایمانا والاحسنین احسانا والامکنین ایقانا آمین!	سب حمدیں اس اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں ہدایت دی اور رفض اور خروج سے کفایت اور پناہ دی اور ہر بلاء سے نجات دی، اور صلٰوۃ و سلام ہو ہمارے آقا، مولٰی، ہمارے ملجا اور ماوٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل و صحابہ پر جو ایمان لانے میں پہلے اور نیکی میں احسن اور ایمان و یقین میں پختہ ہیں، آمین!

صورتِ مستفسرہ میں یہ رافضی اس مرحومہ سیدہ سنّیہ کے ترکہ سے کچھ نہیں پاسکتے اصلاً کسی قسم کا استحقاق نہیں رکھتے اگرچہ بنی عم نہیں خاص حقیقی بھائی بلکہ اس سے بھی قریب رشتے کے کہلاتے اگرچہ وُہ عصوبت کے منکر نہ بھی ہوتے کہ اُن کی محرومی دینی اختلاف کے باعث ہے۔ سراجیہ میں ہے:

موانع الارث اربعة (الٰی قوله) واختلاف الدينين۔[1]	وراثت کے موانع چار ہیں، دین کا اختلاف، تک بیان کیا۔ (ت)

تحقیق مقام و تفصیل مرام یہ ہے کہ رافضی تبرائی جو حضرات شیخین صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما خواہ اُن میں سے ایک کی شان پاک میں گستاخی کرے اگرچہ صرف اس قدر کہ انھیں امام و خلیفہ برحق نہ مانے۔ کتب معتمدہ فقہ حنفی کی تصریحات اور عامہ ائمہ ترجیح و فتوٰی کی تصحیحات پر مطلقاً کافر ہے۔ در مختار مطبوعہ مطبع ہاشمی صفحہ ۶۴ میں ہے:

ان انكر بعض ما علم من الدين ضرورة كفر بها كقوله ان الله تعالٰی جسم كالاجسام وانكاره صحبة الصديق۔[2]	اگر ضروریاتِ دین سے کسی چیز کا منکر ہو تو کافر ہے مثلاً یہ کہنا کہ اللہ تعالٰی اجسام کے مانند جسم ہے یا صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا منکر ہونا۔

طحطاوی حاشیہ در مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۴۴ میں ہے: وكذا خلافته[3] (اور ایسے ہی آپ کی خلافت کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ فتاوٰی خلاصہ قلمی کتاب الصلوۃ فصل ۱۵ اور خزانۃ المفتین قلمی کتاب الصلوۃ فصل فی من یصح الاقتداء بہ و من لایصح میں ہے:

الرافضی ان فضل علياً علٰی غيره فهو مبتدع ولو انكر خلافة الصديق رضی الله تعالٰی عنه فهو كافر۔[4]	رافضی اگر مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو سب صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل جانے تو بدعتی گمراہ ہے اور اگر خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر ہو تو کافر ہے۔

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۴۸ اور حاشیہ تبیین العلامہ احمد شلبی مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

---

[1] سراجی فی المیراث فصل فی الموانع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب الامامۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۴

[4] خزانۃ المفتین کتاب الصلوۃ فصل من یصح الاقتداء بہ ومن لا یصح قلمی ۱/ ۲۸

فی الرافض من فضل علیاً علی الثلاثۃ فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق اوعمر رضی اللہ عنہما فھو کافر۔[1]	رافضیوں میں جو شخص مولٰی علی کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل کہے گمراہ ہے اور اگر صدیق یافاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کاانکار کرے تو کافر ہے۔

وجیز امام کردری مطبوعہ مصر جلد ۳ص ۳۱۸ میں ہے:

من انکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فھو کافر فی الصحیح ومن انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالی عنہ فھو کافر فی الاصح۔[2]	خلافتِ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر کفر ہے، یہی صحیح ہے، اور خلافتِ عمر فاروق رضی اللہ رتعالٰی عنہ کامنکر بھی کافر ہے، یہی صحیح تر ہے،

تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق مطبوعہ مصر جلد اول ص ۱۳۴ میں ہے:

قال المرغینانی تجوز الصلوۃ خلف صاحب ھوی و بدعۃ ولاتجوز خلف الرافضی والجھمی والقدری والمشبہ ومن یقول بخلق القراٰن، حاصلہ ان کان ھوی لا یکفر بہ صاحبہ تجوز مع الکراھۃ والافلا۔[3]	امام مرغینانی نے فرمایا بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز ادا ہوجائیگی اور رافضی، جہمی، قدری، تشبیہی کے پیچھے ہوگی ہی نہیں، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اُس بدمذہبی کے باعث وُہ کافر نہ ہو تو نماز اُس کے پیچھے کراہت کے ساتھ ہوجائے گی ورنہ نہیں۔

فتاوٰی عالمگیریہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۴ میں اس عبارت کے بعد ہے:

ھکذافی التبیین والخلاصۃ وھو الصحیح ھکذافی البدائع۔	ایساہی تبیین الحقائق وخلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایساہی بدائع میں ہے۔

اُسی کی جلد ۳ صفحہ ۲۶۴ اور بزازیہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۹ اور الاشباہ قلمی فن ثانی کتاب السیر اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۷ اور فتاوٰی انقرویہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۵ اور واقعات المفتین مطبوعہ مصر ص ۱۳۱ سب میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے:

الرافضی ان کان یسب الشیخین و یلعنھما والعیاذ باللہ تعالٰی فھو کافر وان کان	رافضی تبرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو معاذ اللہ بُرا کہے کافر ہے، اور اگر مولا علی کرم اللہ

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ نوع فیما یتصل بہا مما یجب اکفارہ من اہل البدع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۱/ ۱۳۴

یفضل علیا کرم اللہ تعالٰی وجهه علیهما فهو مبتدع۔[1]	تعالٰی وجہہ کو صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی سے افضل بتائے تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔

اُسی کے صفحہ مذکورہ اور برجندی شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ جلد ۴ ص ۲۱ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالی عنه فهو کافر وعلی قول بعضهم هو مبتدع ولیس بکافر والصحیح انه کافر وکذٰلك من انکر خلافة عمر رضی اللہ تعالٰی عنه فی اصح الاقوال۔[2]	امامت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کا منکر کافر ہے، اور بعض نے کہا بد مذہب ہے کافر نہیں، اور صحیح یہ ہے کہ وُہ کافر ہے، اسی طرح خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی صحیح قول پر کافر ہے۔

وہیں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

ویجب اکفارهم باکفار عثمان وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللہ تعالٰی عنهم۔[3]	رافضیوں، ناصبیوں اور خارجیوں کا کافر کہنا واجب ہے اس سبب سے کہ وہ امیر المومنین عثمان و مولی علی و حضرت طلحہ و حضرت زبیر و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو کافر کہتے ہیں۔

بحر الرائق مطبوعہ مصر جلد ۵ ص ۱۳۱ میں ہے:

یکفر بانکارہ امامة ابی بکر رضی اللہ تعالی عنه علی الاصح کانکارہ خلافة عمر رضی اللہ تعالٰی عنه علی الاصح۔[4]	اصح یہ ہے کہ ابو بکر یا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی امامت و خلافت کا منکر کافر ہے۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۱۰۵ میں ہے:

الرافضی ان فضل علیا فهو مبتدع وان انکر خلافة الصدیق فهو کافر۔[5]	رافضی اگر صرف تفضیلیہ ہو تو بد مذہب ہے اور اگر خلافتِ صدیق کا منکر ہو تو کافر ہے۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة نوع فیما یتصل بها نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۹
[2] برجندی شرح نقایہ کتاب الشهادة فصل یقبل الشهادة من اہل الهواء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۲۱،۲۰
[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة نوع فیما یتصل بها مما یجب اکفارہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸
[4] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۱
[5] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الصلوٰة فصل الجماعة سنة موکدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۸

اُسی کے صفحہ ۱۳۶ میں ہے:

یکفر بانکارہ صاحبۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وبانکارہ امامتہ علی الاصح وبانکارہ صحبۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ علی الاصح۔[1]	جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا منکر ہو کافر ہے۔یُونہی جو اُن کے امامِ برحق ہونے کا انکار کرنے مذہب اصح میں کافر ہے،یونہی عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت کا انکار قول اصح پر کفر ہے۔

غنیہ شرح منیہ مطبوعہ قسطنطنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المر ادبا لمبتدع من یعتقدشیئا علی خلاف ما یعتقدہ اھل السنۃ والجماعۃ وانما یجوز الاقتداء بہ مع الکراھۃ اذالم یکن ما یعتقدہ یؤدی الی الکفر عند اھل السنۃ اما لوکان مؤدیا الی الکفر فلا یجوز اصلا کالغلاۃ من الروافض الذین ید عون الالوھیۃ لعلی رضی اللہ تعالٰی اوان النبوۃ کانت لہ فغلط جبریل و نحو ذٰلك مما ھو کفر و کذامن یقذف الصدیقۃ او ینکر صحبۃ الصدیق اوخلافتہ اویسب الشیخین۔[2]	بدمذہب سے وُہ مراد ہے جو کسی بات کا اہلسنت وجماعت کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو،اور اس کی اقتداء کراہت کے ساتھ اُس حال میں جائز ہے جب اُس کا عقیدہ اہلسنت کے نزدیک کفر تک نہ پہنچا تاہو،اگر کفر تک پہنچائے تو اصلًا جائز نہیں،جیسے غالی رافضی کہ مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خدا کہتے ہیں،یا یہ کہ نبوت ان کے لئے تھی جبریل نے غلطی کی۔اور اسی قسم کی اور باتیں کہ کفر ہیں،اور یونہی جو حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو معاذ اللہ اس تہمت ملعونہ کی طرف نسبت کرے یا صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحابیت یا خلافت کا انکار کرے یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے۔

کفایہ شرح ہدایہ مطبع بمبئی جلد اول اور مستخلص الحقائق شرح کنزالد قائق مطبع احمدی ص ۳۲ میں ہے:

ان کان ھواہ یکفر اھلہ کالجھمی و القدری الذی قال بخلق القراٰن والرافضی لغالی الذی ینکر خلافۃ ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ لاتجوز الصلوٰۃ خلفہ۔[3]	بدمذہبی اگر کافر کردے جیسے جہمی اور قدری کہ قرآن کو مخلوق کہے،اور رافضی غالی کہ خلافت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انکار کرے اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۲

[2] غنیہ المستملی فصل الاولی بالا مامۃ سہیل اکیڈیمی لاہور ص ۵۱۵

[3] مستخلص الحقائق باب فی بیان احکام الامامۃ مطبع کانشی رام بر ورکس لاہور ۱/ ۲۰۲،الکفایۃ مع فتح القدیر باب الامامۃ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۵

شرح کنز للملا مسکین مطبع مصر جلد اول ص ۲۰۸ علی ہامش فتح المعین میں ہے:

فی الخلاصة یصح الاقتداء باھل الاھواء الاالجھمیة والجبریة والقدریة والرافضی الغالی ومن یقول بخلق القراٰن والمشبه، وجملتاہ ان من کان من اھل قبلتنا ولم یغل فی ھواہ حتی لم یحکم بکونه کافرا تجوز الصلوة خلفه وتکرہ واراد بالرافضی الغالی الذی ینکر خلافة ابی بکر رضی الله تعالٰی عنه۔[1]	خلاصہ میں ہے بدمذہبوں کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے سوائے جہمیہ و جبریہ وقدریہ و رافضی غالی قائل خلق قرآن ومشبہ کے اور حاصل یہ کہ اہل قبلہ سے جو اپنی بدمذہبی میں غالی نہ ہو یہاں تک کہ اُسے کافر نہ کہا جائے اُس کے پیچھے نماز بکراہت جائز ہے۔اور رافضی غالی سے وہ مراد ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہو۔

طحطاوی علی مرقی الفلاح مطبع مصر ۱۹۸ میں ہے:

ان انکر خلافة الصدیق کفر و الحق فی الفتح عمر بالصدیق فی ھذا الحکم والحق فی البرھان عثمان بھما ایضا ولا تجوز الصلوة خلف منکر المسح علی الخفین او صحبة الصدیق ومن یسب الشیخین اویقذف الصدیقة ولا خلف من انکر بعض ماعلم من الدین ضرورة لکفرہ ولا یلتفت الی تاویله واجتھادہ[2]	یعنی خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی کا منکر کافر ہے اور فتح القدیر میں فرمایا کہ خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی کا منکر بھی کفر ہے،اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں فرمایا خلافت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی کافر ہے اور نماز اس کے پیچھے جائز نہیں جو مسحِ موزہ یا صحابیتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر ہو یا شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر تہمت رکھے،اور نہ اس کے پیچھے جو ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہو کہ وہ کافر ہے اور اُس کی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا نہ اس جانب کہ اس نے رائے کی غلطی سے ایسا کہا۔

نظم الفرائد منظومہ علامہ ابن وہبان مطبوعہ مصر ہامش مجیبہ ص ۴۰ اور نسخہ قدیمہ قلمیہ مع الشرح فصل من کتاب السیر میں ہے:ـ

ومن لعن الشیخین اوسب کافر　　　ومن قال فی الایدی الجوارح اکفر
وصحح تکفیر منکر خلافت ال　　　عتیق فی الفاروق ذٰلك الاظهر[3]

---

[1] شرح کنز للملا مسکین علی ہامش فتح المعین باب الامامة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۸

[2] طحطاوی علی مراقی الفلاح باب الامامة نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۶۵

[3] نظم الفرائد منظومہ علامہ ابن وہبان

جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تبرا بکے یا بُرا کہے کافر ہے، اور جو کہے ید اللہ سے ہاتھ مراد ہے وُہ اس سے بڑھ کر کافر ہے اور خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے انکار میں قول مصحح تکفیر ہے اور یہی در بارہ انکار خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی اظہر ہے۔ تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للعلامہ الشرنبلالی قلمی کتاب السیر میں ہے:

الرافضی اذاسب ابا بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ولعنہما یکون کافر اوان فضل علیہما علیا لا یکفر و ھو مبتدع۔[1]	رافضی اگر شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا اُن پر تبرا بکے کافر ہو جائے، اور اگر مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اُن سے افضل کہے کافر نہیں گمراہ بد مذہب ہے۔

اسی میں وہیں ہے۔

من انکر خلافۃ ابی بکر الصدیق فھو کافر فی الصحیح وکذامنکر خلافۃ ابی حفص عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ فی الاظھر۔[2]	خلافتِ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر مذہب صحیح پر کافر ہے، اور ایسا ہی قولِ اظہر میں خلافتِ فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منکر بھی۔

فتوی علامہ نوح آفندی، پھر مجموعہ شیخ الاسلام عبید اللہ آفندی، پھر مغنی المستفتی عن سوال المفتی، پھر عقود الدریۃ مطبع مصر جلد اول ص ۹۲، ۹۳ میں ہے:

الروافض کفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر منہا انہم یسبون الشیخین سود اللہ وجوھھم فی الدارین فمن اتصف بواحد من ھذہ الامور فھو کافر ملتقطا۔[3]	رافضی کافر ہیں طرح طرح کے کفروں کے مجمع میں ازانجملہ خلافت شیخین کا انکار کرتے ہیں ازانجملہ شیخین کو بُرا کہتے ہیں: اللہ تعالٰی دونوں جہان میں رافضیوں کا منہ کالا کرے، جو ان میں کسی بات سے متصف ہو کافر ہے۔ ملتقطا۔

اُنھیں میں ہے:

[1] تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی

[2] تیسیر المقاصد شرح وہبانیہ للشرنبلالی

[3] عقود الدریۃ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۴، ۱۰۳

اماسب الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنهما فانه کسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقال اصدر الشھید من سب الشیخین او لعنهما یکفر۔[1]	شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہنا ایسا ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنا، اور امام صدر شہید نے فرمایا: جو شیخین کو بُرا کہے یا تبرا بکے کافر ہے۔

عقود الدریہ میں بعد نقل فتوٰی مذکورہ ہے:

وقد اکثر مشائخ الاسلام من علماء الدولة العثمانیة لا زالت مؤیدۃ بالنصرۃ العلیة الافتاء فی شان الشیعة المذکورین وقد اشبع الکلام فی ذٰلك کثیر منهم و الّفوافیه الرسائل وممن افتی بنحوذٰلك فیهم المحقق المفسر ابوا السعود افندی العمادی و نقل عبارته العلامة الکواکبی الحلبی فی شرحه علی منظومته الفقهیة المسماۃ بالفرائد السنیة۔[2]	علمائے دولتِ عثمانیہ کہ ہمیشہ نصرت الٰہی سے موید رہے، اُن سے جو اکابر شیخ الاسلام ہوئے انھوں نے شیعہ کے باب میں کثرت سے فتوے دئے، بہت نے طویل بیان لکھے اور اس بارے میں رسالے تصنیف کئے، اور انھیں میں سے جنھوں نے روافض کے کفر و ارتداد کا فتوٰی دیا۔ محقق مفسر ابو سعود آفندی عمادی (سردار مفتیان دولت علیہ عثمانیہ) ہیں اور اُس کی عبارت علامہ کواکبی حلبی نے اپنے منظومہ فقہیہ مسمّٰی بہ فرائد سنیہ کی شرح میں نقل کی۔

اشباہ قلمی فن ثانی باب الرواۃ اور اتحاف ص ۱۸۷ اور انقروی جلد اول ص ۲۵ اور واقعات المفتین ص ۱۳ سب میں مناقب کردری سے ہے:

یکفر اذا انکر خلافتهما او یبغضهما لمحبة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لهما۔[3]	جو خلافت شیخین کا انکار کرے یا اُن سے بغض رکھے کافر ہے کہ وُہ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔

بلکہ بہت اکابر نے تصریح فرمائی کہ رافضی تبرائی ایسے کافر ہیں جن کی توبہ بھی قبول نہیں، تنویر الابصار متن درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۹ میں ہے:

---
[1] عقود الدریة باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۴
[2] عقود الدریة باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۵
[3] واقعات المفتین کتاب السیر دائرہ معارف اسلامیہ، بلوچستان ص ۱۳

کل مسلم ارتد فتو بتہ مقبولۃ الا الکافر بسب النبی او الشیخین او احدھما۔[1]	ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر وہ جو کسی نبی یا حضرات الشیخین یا ان میں ایک کی شان میں گستاخی سے کافر ہو۔

اشباہ والنظائر قلمی فن ثانی کتاب السیر اور فتاوٰی خیریہ مطبوعہ مصر جلد اول ص ۹۴،۹۵ اور اتحاف الابصار والبصائر مطبوعہ مصر ص ۱۸۶ میں ہے:

کافر تاب فتو بتہ مقبو لۃ فی الدنیا والاٰخرۃ الاجماعۃ الکافر بسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسائر الا نبیاء وبسب الشیخین او احدھما[2]	جو کافر توبہ کرے اس کی توبہ دُنیا وآخرت میں قبول ہے مگر کچھ کافر ایسے ہیں جن کی توبہ مقبول نہیں ایک وُہ جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا، دوسرا وہ کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں یا ایک کو بُرا کہنے کے باعث کافر ہوا۔

در مختار میں ہے:

فی البحر عن الجوھرۃ معزیا للشھید من سب الشیخین اوطعن فیھما کفر ولا تقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابو اللیث وھو المختار للفتوی انتھی وجزم بہ الاشباہ واقرہ المصنف۔[3]	یعنی بحر الرائق میں بحوالہ جوہرہ نیرہ شرح مختصر قدوری امام صدر شہید سے منقول ہے جو شخص حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بُرا کہے یا اُن پر طعن کرے وہ کافر ہے اس کی توبہ قبول نہیں، اور اسی پر امام دبوسی اور امام فقیہ ابواللیث سمر قندی نے فتوٰی دیا، اور یہی قول فتوٰی کے لئے مختار ہے، اسی پر اشباہ میں جزم کیا، اور علامہ شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے اسے برقرار رکھا۔

اور پر ظاہر کہ کوئی کافر کسی مسلمان کا ترکہ نہیں پاسکتا۔ در مختار صفحہ ۲۸۳ میں:

موانعہ الرق والقتل واختلاف الملتین اسلاما وکفرا ملتقطا۔[4]	یعنی میراث کے مانع ہیں غلام ہونا اور مورث کو قتل کرنا اور مورث ووارث میں اسلام وکفر کا اختلاف۔

تبیین الحقائق جلد ۶ ص ۲۴۰ عالمگیری جلد ۶ ص ۴۵۴ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶۔۵۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب السیر باب المرتدین دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۰۲

[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب المرتد ۲/ ۳۴۵

اختلاف الدین ایضا یمنع الارث والمرادبہ الاختلاف بین الاسلام والکفر۔[1]	مورث ووارث میں دینی اختلاف بھی مانع میراث ہے، اور اس سے مراد اسلام وکفر کا اختلاف ہے۔

بلکہ رافضی خواہ وہابی خواہ کوئی کلمہ گو جو باوصف ادعائے اسلام عقیدہ کفر رکھے وہ تو بتصریح ائمہ دین سب کافروں سے بدتر کافر یعنی مرتد کے حکم میں ہے۔ ہدایہ مطبع مصطفائی جلد اخیر صفحہ ۵۶۳ اور درمختار صفحہ ۶۶۸ اور عالمگیری جلد ۶ صفحہ ۱۴۲ میں ہے:

صاحب الھوی ان کان یکفر فھو بمنزلۃ المرتد۔[2]	بدمذہب اگر عقیدہ کفریہ رکھتا ہو تو مرتد کی جگہ ہے۔

غرر متن درر طبع مصر جلد ۲ ص ۴۴۶ میں ہے:

ذوھوی ان اکفر فکالمرتد۔[3]	بدمذہب اگر تکفیر کیا جائے تو مثل مرتد کے ہے۔

ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹ میں ہے:

ان حکم بکفرہ بما ارتکبہ من الھوی فکالمرتد۔[4]	اگر اسی بدمذہبی کے سبب اُس کے کفر کا حکم دیا جائے تو وُہ مرتد کی مثل ہے۔

نیز فتاوٰی ہندیہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ اور طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ مطبع مصر جلد اول صفحہ ۲۰۷، ۲۰۸ اور برجندی شرح نقایہ جلد ۴ صفحہ ۲۰ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا (الی قولہ) وھولاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[5]	یعنی رافضیوں کو اُن کے عقائد کفریہ کے باعث کافر کہنا واجب ہے، یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اُن کے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں، ایسا ہی فتاوٰی ظہیریہ میں ہے۔

اور مرتد اصلاً صالح وراثت نہیں، مسلمان تو مسلمان کسی کافر حتی کہ خود اپنے ہم مذہب مرتد کا

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثامن فی وصیۃ الذمی والحربی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۰

[3] غرر الاحکام مع الدرر الحکام، کتاب الوصایا فصل وصایا الذمی احمد کامل الکائنۃ العلیہ مصر ۲/ ۴۴۶

[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الوصایا بوصیۃ الذمی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۱۷

[5] فتاوٰی ہندیہ باب المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

ترکہ بھی ہر گز اسے نہیں پہنچ سکتا۔ عالمگیری جلد ۶ ص ۴۵۵ میں ہے:

المرتد لایرث من مسلم ولا من مرتد مثلہ کذا فی المحیط۔[1]	مرتد نہ کسی مسلمان اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا وارث ہو گا، ایسے ہی محیط میں ہے۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

المرتد لایرث من احد لامن المسلم ولا من الذمی ولا من مرتد مثلہ۔[2]	مرتد کسی کا بھی وارث نہ بنے گا نہ مسلمان نہ ذمی اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ (ت)

یہ حکم فقہی مطلق تبرائی رافضیوں کا ہے اگرچہ تبرا و انکار خلافت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے سوا ضروریات دین کا انکار نہ کرتے ہوں،

والاحوط فیہ قول المتکلمین انھم ضلال من کلاب النار لاکفار وبہ ناخذ۔	اس میں محتاط متکلمین کا قول ہے کہ وہ گمراہ اور جہنمی کُتے ہیں کافر نہیں، اور یہی ہمارا مسلک ہے (ت)

اور روافضِ زمانہ تو ہر گز صرف تبرائی نہیں بلکہ یہ تبرائی علی العموم منکران ضروریات دین اور باجماع مسلمین یقیناً قطعاً کفار مرتدین ہیں یہاں تک کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ جو انھیں کافر نہ جانے خود کافر ہے، بہت عقائد کفریہ کے علاوہ دو کفر صریح میں اُن کے عالم جاہل مرد عورت چھوٹے بڑے سب بالاتفاق گرفتار ہیں:

کفر اول: قرآن عظیم کو ناقص بتاتے ہیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ سُورتیں امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین یا دیگر صحابہ اہلسنت رضی اللہ تعالٰی عنہم نے گھٹادیں، کوئی کہتا ہے اُس میں سے کچھ لفظ بدل دئے، کوئی کہتا ہے یہ نقص و تبدیل اگرچہ یقیناً ثابت نہیں محتمل ضرور ہے اور جو شخص قرآن مجید مین زیادت یا نقص یا تبدیل کسی طرح کے تصرفِ بشری کا دخل مانے یا اُسے محتمل جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب کر رہا ہے۔ اللہ عزوجل سورہ حجر میں فرماتا ہے:

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹"۔[3]	بیشک ہم نے اتارا یہ قرآن اور بیشک بالیقین ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

بیضاوی شریف مطبع لکھنؤ صفحہ ۴۲۸ میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الفرائض الباب السادس فی میراث اہل الکفر الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی ۲/ ۲۵۰

[3] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

لحفظون ای من التحریف والزیاۃ والنقص۔[1]	تبدیل و تحریف اور کمی بیشی سے حفاظت کرنے والے ہیں۔ (ت)

جلالین شریف میں ہے:

لحفظون من التبدیل والتحریف والزیادۃ والنقص۔[2]	یعنی حق تعالٰی فرماتا ہے ہم خود اُس کے نگہبان ہیں اُس سے کہ کوئی اُسے بدل دے یا اُلٹ پلٹ کردے یا کچھ بڑھادے یا گھٹا دے۔

جمل مطبع مصر جلد ۳ ص ۵۶۱ میں ہے:

بخلاف سائر الکتب المنزلۃ فقد دخل فیھا التحریف والتبدیل بخلاف القران فانہ محفوظ عن ذلك لایقدر احد من جمیع الخلق الانس و الجن ان یزید فیہ او ینقص منہ حرفا واحدا او کلمۃ واحدۃ۔[3]	یعنی بخلاف اور کُتب آسمانی کے کہ اُن میں تحریف و تبدیل نے دخل پایا۔ اور قرآن اس سے محفوظ ہے، تمام مخلوق جن وانس کسی کی جان نہیں کہ اُس میں ایک لفظ یا ایک حرف بڑھادیں یا کم کردیں۔

اللہ تعالٰی سورۃ حٰم السجدہ میں فرماتا ہے:

"وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِیْزٌۙ﴿۴۱﴾ لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ﴿۴۲﴾"[4]	بیشک یہ قرآن شریف معزز کتاب ہے باطل کو اس کی طرف اصلاً راہ نہیں، نہ سامنے سے نہ پیچھے سے یہ اتارا ہُوا ہے حکمت والے سراہے ہُوئے کا۔

تفسیر معالم التنزیل شریف مطبوعہ بمبئی جلد ۴ ص ۳۵ میں ہے:

قال قتادۃ والسدی الباطل ھو الشیطان لا یستطیع ان یغیر او یزید فیہ او ینقص منہ قال الزجاج معناہ انہ محفوظ من	یعنی قتادہ و سُدی مفسرین نے کہا باطل کہ شیطان ہے قرآن میں کُچھ گھٹا بڑھا بدل نہیں سکتا۔ زجاج نے کہا باطل کہ زیادت و نقصان ہیں قرآن ان سے محفوظ

[1] انوار التنزیل المعروف بالبیضاوی تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰۰

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ اصح المطابع دہلی ص ۲۱۱

[3] الفتوحات الالٰھیہ تحت آیۃ انا نحن نزلنا الذکر الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۳۹

[4] القرآن الکریم ۴۱ / ۴۱ و ۴۲

ان ینقص منه فیأتیه الباطل من بین یدیه او یزاد فیه فیأتیه الباطل من خلفه وعلی هذا المعنی الباطل الزیادة والنقصان۔[1]	ہے، کچھ کم ہو جائے تو باطل سامنے سے آئے بڑھ جائے تو پس پشت سے۔اور یہ کتاب ہر طرح باطل سے محفوظ ہے۔

کشف الاسرار امام اجل شیخ عبدالعزیز بخاری شرح اصول امام ہمام فخر الاسلام بزدوی مطبوع قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۸۸ و ۸۹ میں ہے:

کان نسخ التلاوة والحکم جمیعا جائزا فی حیاة النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فاما بعد وفاته فلا یجوز قال بعض الرافضة والملحدة ممن یتستربا ظهار الاسلام وهو قاصد الی افساده، هذا جائز بعد وفاته ایضاو زعموا ان فی القراٰن کانت اٰیٰت فی امامة علی وفی فضائل اهل البیت فکتمها الصحابة فلم تبق باندراس زمانهم، والدلیل علی بطلان هذا القول قوله تعالٰی "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹"، کذا فی اصول الفقه لشمس الائمة ملتقطا۔[2]	قرآن عظیم سے کسی چیز کی تلاوت و حکم دونوں کا منسوخ ہونا زمانہ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جائز تھا، بعد وفات اقدس ممکن نہیں، بعض وہ لوگ کہ رافضی اور نرے زندیق ہیں بظاہر مسمانی کا نام لے کر اپنا پردہ ڈھانکتے ہیں اور حقیقۃً انھیں اسلام کو تباہ کرنا مقصود ہے، وُہ کہتے ہیں کہ یہ بعد وفات والا بھی ممکن ہے، وُہ بکتے ہیں کہ قرآن میں کچھ آیتیں امامتِ مولا علی اور فضائل اہلبیت میں تھیں کہ صحابہ نے چھپا ڈالیں جب وُہ زمانہ مٹ گیا باقی نہ رہیں اور اس قول کے بطلان پر دلیل خود قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ بیشک ہم نے اتارا یہ قرآن اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ایسا ہی امام شمس الائمہ کی کتاب اصول الفقہ میں ہے۔

امام قاضی عیاض شفا شریف مطبع صدیقی ص ۳۴۶ میں بہت سے یقینی اجماعی کفر بیان کرکے فرماتے ہیں:

وکذلك ومن انکر القراٰن او حرفا منه او غیر شیئا منه	یعنی اسی طرح وہ بھی قطعًا اجماعًا کافر ہے جو قرآن عظیم یا اس کے کسی حرف کا انکار کرے یا اُس میں سے

[1] معالم التنزیل علی هامش الخازن تحت آیة انه لکتاب عزیز لا یأتیه الخ (مصطفی البابی مصر ۶/ ۱۱۳

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تفصیل المنسوخ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۸۹۔۱۸۸

اوزادفیه۔[1]	کچھ بدلے یا قرآن میں اس موجودہ میں کچھ زیادہ بتائے۔

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مطبع لکھنؤ ص ۶۱۷ میں ہے:

اعلم انی رأیت فی مجمع البیان تفسیر الشیعة انه ذهب بعض اصحابهم الی ان القراٰن العیاذ باللّٰه کان زائداعلی هذا المکتوب المقروء قد ذهب بتقصیر من الصحابة الجامعین العیاذ باللّٰه لم یختر صاحب ذٰلك التفسیر هذا القول فمن قال بهذا القول فهو کافر لانکاره الضروری۔[2]	یعنی میں نے طبرسی رافضی کی تفسیر مجمع البیان میں دیکھا کہ بعض رافضیوں کے مذہب میں قرآن عظیم معاذاللہ اس قدر موجود سے زائد تھا جن صحابہ نے قرآن جمع کیا عیاذًا باللہ اُن کے قصور سے جاتا رہا اس مفسر نے یہ قول اختیار نہ کیا، جو اس کا قائل ہو کافر ہے کہ ضروریات دین کا منکر ہے۔

کفر دوم: ان کا ہر متنفس سیدنا امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم و دیگر ائمہ طاہرین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو حضرات عالیات انبیائے سابقین علیہم الصلوۃ والتحیات سے افضل بتاتا ہے اور جو کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔ شفاء شریف صفحہ ۳۶۵ میں انہی اجماعی کفروں کے بیان میں ہے:

وکذٰلك نقطع بتکفیر غلاة الرافضة فی قولهم ان الائمة افضل من الانبیاء۔[3]	اور اسی طرح ہم یقینی کافر جانتے ہیں اُن غالی رافضیوں کو جو ائمہ کو انبیاء سے افضل بتاتے ہیں۔

امام اجل نووی کتاب الروضہ پھر امام ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام مطبع مصر صفحہ ۴۴ میں کلامِ شفا نقل فرماتے اور مقرر رکھتے ہیں، ملا علی قاری شرح شفا مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲۶ میں فرماتے ہیں: **هذا کفر صریح**[4] (یہ کُھلا کفر ہے۔) منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر مطبع حنفی ص ۱۴۶ میں ہے:

ما نقل عن بعض الکرامیة من جواز کون الولی افضل من النبی کفر وضلالة والحاد	وہ جو بعض کرامیہ سے منقول ہوا کہ جائز ہے کہ ولی نبی سے مرتبے میں بڑھ جائے یہ کفر و ضلالت و بے دینی و

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماهو من مقالات المطبعة الشرکة الصحافیه ۲/ ۲۷۴

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی مسئله کل مجتهد فی المسئلة الاجتهاد الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۳۸۸

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماهو من المقالات ۲/ ۲۷۵

[4] شرح الشفاء ملا علی قاری فصل فی بیان ماهو من المقالات دار الفکر بیروت ۴/ ۵۱۹

وجهالة۔[1]	جہالت ہے۔

شرح مقاصد مطبوع قسطنطنیہ جلد ۲ ص ۳۰۵ اور طریقہ محمدیہ علامہ برکوی قلمی آخر فصل اول باب ثانی میں ہے:

واللفظ لها ان الاجماع منعقد علی ان الانبیاء افضل من الاولیاء۔[2]	بیشک مسلمانوں کا اجماع قائم ہے اس پر کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اولیائے عظام سے افضل ہیں۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر جلد اول ص ۲۱۵ میں ہے:

التفضیل علی نبی تفضیل علی کل نبی۔[3]	کسی غیر نبی کو ایک نبی سے افضل کہنا تمام انبیاء سے افضل بتانا ہے۔

شرح عقائد نسفی مطبع قدیم ص ۶۵ پھر طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ ص ۲۱۵ میں ہے:

واللفظ لهما (تفضیل الولی علی النبی) مرسلا کان اولا (کفر وضلال کیف وهو تحقیر النبی) بالنسبة الی الولی (وخرق الاجماع) حیث اجمع المسلمون علی فضیلة النبی علی الولی الخ باختصاره[4]	ولی کو کسی نبی سے خواہ وہ نبی مرسل ہو یا غیر مرسل افضل بتانا کفر وضلال ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس میں ولی کے مقابل نبی کی تحقیر اور اجماع کا رد ہے کہ ولی سے نبی کے افضل ہونے پر تمام اہل اسلام کا اجماع ہے الخ اختصارًا۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷۸ میں ہے:

النبی افضل من الولی وهو امر مقطوع به والقائل بخلافه کافر لانه معلوم من الشرع بالضرورة۔[5]	نبی ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر باب الولی لایبلغ درجۃ النبی مصطفی البابی مصر ص ۱۲۱

[2] طریقہ محمدیہ ان الولی لا یبلغ درجۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۸۴

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۵

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ والاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۶

[5] ارشاد الساری کتاب العلم باب مایستحب للعالم اذا سئل ای الناس اعلم دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۱۴

روافض کے مجتہدان حال نے اپنے فتووں میں ان صریح کفروں کا صاف اقرار کیا ہے۔

یہ فتوی رسالہ تکملہ رد روافض و رسالہ اظہار الحق مطبوعات مطبع صبح صادق سیتاپور ۱۲۹۳ھ و ۱۸۷۶ء میں مفصل مذکور ہیں جن میں اس مقام کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

فتوی(۱): چہ می فرمایند مجتہدین دریں مسئلہ کہ مرتبہ ولی مصطفٰی علی مرتضٰی علیہ السلام از سائر انبیائے سابقین علیہم السلام سوائے سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل ست یانہ؟ **بینوا توجروا**۔ **الجواب**: افضل ست **واللہ یعلم۔ العالم ۱۲۸۳** الراقم میر آغا عفی عنہ **فتوی(۲)**: چہ میفرمایند دریں مسئلہ کہ در کلام مجید جمع کردہ عثمان تحریف از تخریج آیات مدائح جناب امیر علیہ اسلام وغیرہ واقع شدہ یانہ؟ **جواب**: ایں امر بر سبیل جزم و قطع ثابت نیست لیکن متحمل ست۔ **واللہ یعلم**۔ (**ھو العالم ۱۲۸۳**) الراقم میر آغا عفی عنہ **فتوی(۳)**: مسئلہ دوم مرتبہ اہلبیت نبوی صلوات اللہ علیہم اجمعین سیما حضرت علی مرتضٰی از سائر انبیاء افضل ست یانہ؟ **جواب**: البتہ مراتب ائمہ ہدی از سائر انبیاء بلکہ رسولان اولوالعزم سوائے حضرت خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ زیادہ بود ورتبہ جناب امیر نیز۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)	**فتوی(۱)**: کیا فرماتے ہیں مجتہدین دین اس مسئلہ میں کہ ولی مصطفٰی علی مرتضٰی علیہ السلام ماسوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باقی تمام انبیائے سابقین سے افضل ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔ **الجواب**: افضل ہیں، اللہ جانتا ہے (ت) **ھو العالم ۱۲۸۳** الراقم میر آغا عفی عنہ **فتوی(۲)**: آپ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ عثمان کے جمع کردہ قرآن مجید میں امیر علیہ السلام کی مدح والی آیات میں تحریف کی گئی ہے یا نہیں؟ **جواب**: یہ چیز یقینی اور قطعی نہیں تاہم احتمال ہے، اللہ جانتا ہے۔ **ھو العالم ۱۲۸۳** الراقم میر آغا عفی عنہ **فتوی(۳)**: دوسرا مسئلہ کہ نبی کے اہل بیت صلوات اللہ علیہم اجمعین خصوصًا علی مرتضٰی تمام انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟ (سید علی محمد ۱۲۶۳) **جواب**: البتہ ائمہ ہدی کا مرتبہ تمام انبیاء بلکہ رسولوں سے ماسوائے خاتم المرسلین صلوات اللہ علیہ کے زیادہ تھا اور رتبہ جناب امیر کا بھی۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)

فتوٰی (۴): مسئلہ ہفتم در قرآن مجید جمع کردہ عثمان تحریف و نقصان واقع شدہ یانہ؟ **جواب**: تحریف جامع القرآن بلکہ محرق و محرف قرآن در نظم قرآن یعنی ترتیب آیات از کلام مفسرین فریقین و عنوان نظم قرآن مستغنی عن البیان و ہمچنیں نقصان بعضی آیات واردہ در فضیلت اہلبیت علیہم السلام مدلول قرائن بسیار و آثارات بیشمار۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)	**فتوٰی (۴)**: ساتواں مسئلہ، عثمان کے جمع کردہ قرآن مجید میں تحریف اور کمی واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ **جواب**: قرآن کے جامع بلکہ جلانے والے اور تحریف کرنے والے کی تحریف نظم قرآن یعنی ترتیب آیات میں فریقین کے مفسرین کے کلام اور نظم قرآن کے عنوان سے واضح ہے، اور یونہی اہلبیت علیہم السلام کی فضیلت میں وارد بعض آیات میں کمی بہت سے قرائن اور بے شمار آثار سے ثابت ہے۔ (سید علی محمد ۱۲۶۳)

روافض علی العموم اپنے مجتہدوں کے پیروکار ہوتے ہیں، اگر بفرض غلط کوئی جاہل رافضی ان کُھلے کفروں سے خالی الذہن بھی ہو تو فتوائے مجتہدان کے قبول سے اُسے چارہ نہیں اور بفرض باطل یہ بھی مان لیجئے کہ کوئی رافضی ایسا نکلے جو اپنے مجتہدین کے فتوٰی بھی نہ مانے تو الاقل اتنا یقینا ہوگا کہ ان کفروں کی وجہ سے اپنے مجتہدوں کو کافر نہ کہے گا، بلکہ اُنھیں اپنے دین کا عالم و پیشوا و مجتہد ہی جانے گا اور جو کسی کافر منکر ضروریات دین کو کافر نہ مانے خود کافر مرتد ہے۔ فاء شریف ص ۳۶۲ میں انھیں اجماعی کفر کے بیان میں ہے:

ولہذا نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملۃ المسلمین من الملل او وقف فیھم اوشك اوصحح مذھبھم وان اظھر مع ذلك الاسلام واعتقدہ واعتقد ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھارہ بما اظھر من خلاف ذلک۔[1]	ہم اسی واسطے کافر کہتے ہیں ہر اس شخص کو جو کافروں کو کافر نہ کہے یا ان کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے یا اُن کے مذہب کی تصحیح کرے اگرچہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان جتاتا اور اسلام کی حقانیت اور اس کے سوا ہر مذہب کے باطل ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو کہ وہ اُس کے خلاف اُس اظہار سے کہ کافر کو کافر نہ کہا خود کافر ہے۔

اُسی کے صفحہ ۳۲۱ اور فتاوٰی بزازیہ جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ اور درر وغرر مطبع مصر جلد اول صفحہ ۳۰۰ اور فتاوٰی خیریہ جلد اول صفحہ ۹۴، ۹۵ اور درمختار صفحہ ۳۱۹ اور مجمع الانہر جلد اول صفحہ ۶۱۸ میں ہے:

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ص ۲۷۱

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر۔[1]	جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بالیقین خود کافر ہے۔

علمائے کرام نے خود روافض کے بارے میں بالخصوص اس حکم کی تصریح فرمائی، علامہ نوح آفندی وشیخ الاسلام عبداللہ آفندی وعلامہ حامد عمادی آفندی مفتی دمشق الشام وعلامہ سید ابن عابدین شامی عقود جلد اول ص ۹۲ میں اس سوال کے جواب میں کہ رافضیوں کے باب میں کیا حکم فرماتے ہیں:

ھٰؤلاء الکفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر ومن توقف فی کفرھم فھو کافر مثلھم[2] اھ مختصرا۔	یہ کافر طرح طرح کے کفروں کے مجمع ہیں جو ان کے کفر میں توقف کرے خود انہیں کی طرح کافر ہے اھ مختصراً۔

علامۃ الوجود مفتی ابوالسعود اپنے فتاوٰی پھر علامہ کواکبی شرح فرائد سنیہ پھر علامہ محمد امین الدین شامی تنقیح الحامدیۃ ص ۹۳ میں فرماتے ہیں:

اجمع علماء الاعصار علی ان من شك فی کفرھم کان کافرا[3]۔	تمام زمانوں کے علماء کا اجماع ہے کہ جو ان رافضیوں کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہ جلیل: مسلمانو! اصل مدار ضروریات دین ہیں اور ضروریات اپنے ذاتی روشن بدیہی ثبوت کے سبب مطلقاً ہر ثبوت سے غنی ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر بالخصوص ان پر کوئی نص قطعی اصلاً نہ ہو جب بھی ان کا وہی حکم رہے گا کہ منکر یقیناً کافر مثلاً عالم بجمیع اجزائہ حادث ہونے کی تصریح کسی نص قطعی میں نہ ملے گی۔ غایت یہ کہ آسمان وزمین کا حدوث ارشاد ہوا ہے مگر باجماع مسلمین کسی غیر خدا کو قدیم ماننے والا قطعاً کافر ہے جس کی اسانید کثیرہ فقیر کے رسالہ "**مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ**" میں مذکور توجہ وہی ہے کہ حدوث جمیع ماسوی اللہ ضروریات دین سے ہے کہ اسے کسی ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔ اعلام امام ابن حجر ص ۱۷ میں ہے:

زاد النووی فی الروضۃ ان الصواب	علامہ نووی نے روضہ میں یہ زائد کہا کہ درست

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی حامدیہ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۲-۱۰۳

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی حامدیہ باب الردۃ والتعزیر ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۵

تقییدہ بما اذا جحد مجمعًا علیه یعلم من الاسلام ضرورۃ سواء کان فیه نص ام لا [1]۔	یہ ہے اسے اس چیز سے مقید کیا جائے جس کا ضروریات اسلام سے ہونا بالاجماع معلوم ہو اس میں کوئی نص ہو یا نہ ہو۔ (ت)

یہی سبب ہے کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں ہوتی اور شک نہیں کہ قرآن جو بحمد اللہ تعالٰی شرقًا غربًا قرنًا فقرنًا تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود محفوظ ہے باجماع مسلمین بلاکم وکاست وہی "تنزیل رب العالمین" ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہنچائی اور ان کے ہاتھوں میں ان کے ایمان انکے اعتقاد ان کے اعمال کے لئے چھوڑی، اسی کا ہر نقص وزیادت وتغییر وتحریف سے مصؤن ومحفوظ، اور اس کا وعدہ حقہ صادقہ "انا له لحافظون" میں مراد وملحوظ ہونا ہی یقینا ضروریات دین سے ہے نہ یہ کہ قرآن جو تمام جہان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں تیرہ سو ۱۳۰۰ برس سے آج تک ہے یہ تو نقص وتحریف سے محفوظ نہیں، ہاں ایک وہم تراشیدہ صورت ناکشیدہ دندان غول کی خواہر پوشیدہ غار سامرہ میں اصلی قرآن بغل کتمان میں دبائے بیٹھی ہے "انا له لحافظون" کا مطلب یہی ہے یعنی مسلمانوں سے عمل تو اسی محرف مبدل ناقص نامکمل پر کرائیں گے اور اس اصلی جعلی کو ع

برائے نہادن چہ سنگ وچہ زر

(رکھنے کے لئے پتھر اور سونا برابر ہیں۔ت)

کی کھوہ میں چھپائیں گے، گویا "حافظون" کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کو مسلمانوں سے محفوظ رکھیں گے، انھیں اس کی پرچھائے نہ دکھائیں گے، بعض ناپاکوں نے اس سے بڑھ کر تاویل نکالی ہے کہ قرآن اگرچہ کتنا ہی بدل جائے مگر علم الٰہی ولوح محفوظ میں تو بدستور باقی ہے، حالانکہ علم الٰہی میں کوئی شے نہیں بدل سکتی، پھر قرآن کی کیا خوبی نکلی۔ توریت وانجیل درکنار، مہمل سے مہمل ردی سے ردی کوئی تحریر جس میں مصنف کا ایک لفظ ٹھکانے سے نہ رہا بلکہ دنیا سے سراسر معدوم ہوگئی ہو علم الٰہی ولوح محفوظ میں یقینا بدستور باقی ہے، ایسی ناپاک تاویلات ضروریات دین کے مقابل نہ مسموع ہوں، نہ ان سے کفر وارتداد اصلا مدفوع ہوں ان کی حالت وہی ہے جو نیچریہ نے آسمان کو بلندی جبرئیل وملائکہ کو قوت خیر، ابلیس وشیاطین کو قوت بدی، حشر ونشر وجنت ونار کو محض روحانی نہ جسدی بنالیا۔ قادیانی مرتد نے خاتم النبیین کو افضل المرسلین، ایک دوسرے شقی نے نبی بالذات سے بدل دیا، ایسی تاویلیں سن لی جائیں تو اسلام وایمان قطعًا درہم برہم ہوجائیں، بت پرست لاالٰہ الا اللہ

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ استنبول ترکی ص ۳۵۳

کی تاویل کرلیں گے کہ یہ افضل واعلٰی میں حصر ہے یعنی خدا کے برابر دُوسرا خدا ہے وہ سب دوسروں سے بڑھ کر خدا ہے نہ یہ کہ دوسرا خدا ہی نہیں جیسے لافتی الاعلی لاسیف الاذوالفقار (علی کرم اللہ وجہہ کے بغیر کوئی بہادر جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔ت) وغیرہ محاوراتِ عرب سے روشن ہے یہ نکتہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ ایسے مرتدان لیام مدعیان اسلام کے مکروہ اوہام سے نجات وشفا ہے وباللہ التوفیق والحمد للہ رب العٰلیمن۔

بالجملہ ان رافضیوں تبرائیوں کے باب میں حکم یقینی قطعی اجماعی یہ ہے

کہ وہ علی العموم کفار مرتدین ہیں اُنکے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے ان کے ساتھ مناکت نہ صرف حرام بلکہ خالص زنا ہے، معاذاللہ مرد رافضی اور عورت مسلمان ہو تو یہ سخت قہر الٰہی ہے۔ اگر مرد سُنی اور عورت ان خبیثوں میں کی ہو جب بھی ہرگز نکاح نہ ہوگا محض زنا ہوگا، اولاد ولد الزنا ہوگی باپ کا ترکہ نہ پائے گی اگرچہ اولاد بھی سُنی ہی ہو کہ شرعاً ولد الزنا کا باپ کوئی نہیں، عورت نہ ترکہ کی مستحق ہوگی نہ مہر کی کہ زانیہ کے لئے مہر نہیں، رافضی اپنے کسی قریب حتی کہ باپ بیٹے ماں بیٹی کا بھی ترکہ نہیں پاسکتا۔ سُنی تو سنی کسی مسلمان بلکہ کسی کافر کے بھی یہاں تک کہ خود اپنے ہم مذہب رافضی کے ترکہ میں اس کا اصلا کچھ حصہ نہیں، ان کے مرد عورت عالم جاہل کسی سے میل جول، سلام کلام سب سخت کبیرہ اشد حرام، جوان کے ان ملعون عقیدوں پر آگاہ ہو کر پھر بھی انھیں مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے باجماع تمام ائمہ دین خود کافر بے دین ہے، اور اُس کے لئے بھی یہی سب احکام ہیں جو اُن کے لئے مذکور ہُوئے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس فتوی کو بگوش ہوش سنیں۔ اور اس پر عمل کرکے سچے پکے مسلمان سنی بنیں۔ وباللہ التوفیق واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

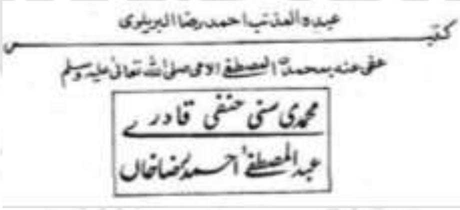

مسئلہ ۳۵: ازمانڈے سورتی مسجد ملک برہما مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب صدیقی ۶ رجب ۱۳۳۳ھ

ایک شخص ہمیشہ علماء کو بُرا کہتا رہتا ہے چنانچہ ایک روز اس کے سامنے ذکر ہُوا کہ فلاں عالم نئے تشریف لانے والے ہیں تو وُہ فورًا کہتا ہے کہ ہاں آتے ہوں گے کوئی بھاڑ کھاؤ ایسے بدگو علماء کے لئے شریعت غرہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسے شخص کی نسبت حدیث فرماتی ہے منافق ہے، فقہاء فرماتے ہیں کافر ہے۔ خطیب حضرت ابو ہریرہ اور ابوالشیخ ابن حبان کتاب التوبیخ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاثة لا یستخف بحقھم الامنا فق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔[1]	تین افراد کو منافق کے علاوہ کوئی حقیر نہیں سمجھے گا، وُہ بوڑھا جو حالتِ اسلام میں بوڑھا ہوا، عادل امیر اور خیر کی تعلیم دینے والا۔ (ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر و من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	سادات اور علماء کی تحقیر کفر ہے، جو عالم کو عویلم، علوی کو علیوی حقارت کی نیت سے کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۶: مسئولہ اکبر یار خاں صاحب ساکن شہر کہنہ محصل چندہ مدرسہ اہلسنت وجماعت ۹ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ سب عبادتیں محض اللہ رب العزت تبارک وتعالٰی ہی کے واسطے کرنا چاہئے اگرچہ اس کی ذات پاک بے نیاز ہے۔ کسی کی عبادت، ریاضت وغیرہ کی اس کو ضرورت نہیں ہے وہ اس سے پاک اور

[1] تاریخ بغداد ۸/ ۲۷ و ۱۴/ ۶۱ دار الکتاب العربی بیروت، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ عن جابر حدیث ۴۳۸۱۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

منزہ اور مبرا ہے، مگر بندہ ناچیز کو اپنے مولا کی تعمیل حکم کرنا چاہئے، بکر کہتا ہے کہ زید کا دماغ خشک ہوگیا اس لئے کہتا ہے، یہ سب غلط ہے بلکہ جو کچھ ہم کرتے ہیں وُہ سب اپنی ذات کے لئے کرتے ہیں اور کرنا چاہئے ایسی صورت میں زید و بکر کے قول کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

زید و بکر اپنی اپنی مراد پر دونوں سچے ہیں، بیشک نماز، روزہ، حج، زکوۃ سب اللہ عزوجل ہی کے لئے ہیں یعنی ان سے اسی کی عبادت و نجابت تعظیم مقصود ہے۔

" اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُکِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ "۔[1]	بیشک میری نماز اور قربانی اور جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں۔

اور بیشک تمام عبادات و اعمال حسن اپنے ہی لئے ہیں یعنی اپنے فائدے کو ہیں " مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِہٖ "[2] (جو نیک کام کرے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ دونوں قول قرآن عظیم میں موجود ہیں، ہاں بکر کا یہ کہنا کہ زید کا دماغ خشک ہوگیا ہے، مفت ایذائے مسلم ہے اس سے معافی چاہے اور اس کا کہنا کہ یہ سب غلط ہے بہت سخت کلمہ ہے اسے تجدید اسلام چاہئے کہ اس نے ایسے واضح دینی، قرآنی قول کی تغلیط کی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ایضاً زید اپنے آپ کو گنہگار، خطا وار جانتا ہے مگر بروقت گفتگو زید یہ کہتا ہے کہ میں مسلمان مومن سچا ہُوں، اور بکر بھی اپنے آپ کو گنہگار خیال کرتا ہے مگر بروقت بکر یہ کہتا ہے کہ میں ہرگز مسلمان نہیں ہوں، چنانچہ زید کو اپنی بابت سچا مومن کہنا اور بکر کو مسلمان ہونے سے انکار کرنا کیسا ہے، دونوں کی نسبت کیا حکم ہے؟

الجواب:

زید کے قول میں حرج نہیں، ہاں اسے حمدِ الٰہی بڑھا لینا چاہئے تھا، **الحمدللہ** میں مسلمان ہوں، بکر کا قول بہت قبیح ہے، ائمہ نے فرمایا ہے جو اپنے مسلمان ہونے سے انکار کرے وہ مسلمان نہیں اسے توبہ اور تجدید اسلام پھر تجدید نکاح چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از شہر کہنہ مسئولہ سید نور صاحب محرر دار الافتاء ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید بے علم ہے مگر ہر عالم درویش پر ازرُوے اہانت اعتراض کرتا ہے اور عیب جوئی میں ساعی رہتا ہے، پس اہانت علماء وغیرہ شرعاً کیسا فعل ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۳

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۶

(۲) کیا فیصلہ اور حکم شرعی سے متجاوز اور منکر ہونا کفر ہے یا گناہ کبیرہ؟ فقط

الجواب:

(۱) عیب جوئی ہر مسلمان کی حرام ہے نہ کہ علماء کی، **قال تعالٰی "لَاتَجَسَّسُوْا"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا عیب نہ ڈھونڈو (ت) اور علمائے دین کی اہانت کفر ہے **کما فی مجمع الانھر وغیرہ** (جیسا کہ مجمع الانہر وغیرہ میں ہے۔ت)

(۲) انکار بمعنی تکذیب کفر ہے اور تجاوز فسق و معصیت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹: از ضلع پٹرہ ڈاک خانہ پنچہ رامپور موضع سات بیلہ مسئولہ رجب علی ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ شنبہ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی مسئلہ (کہ چند مولویان معہود بمکان شخصے کہ از وکارے خلاف شرع سرزد شدہ بود یعنی بازنِ مغلظہ خود تامدت دو سہ ماہ باعیش ازواج اوقات بسر برد) بوجود علم بلا تعمیل و تنبیہ ختم خوانی کردہ طعام خوری نمودند، ازیں جہت شخصے معتبر عالم دوست حاجی الحرمین کہ از مریدان جناب شاہ عبداللطیف شہنودی است وجناب شاہ صاحب نیز برائے تنبیہ امور شرع اورا تاکید بسیار نمودہ و او برائے تعمیل ارشاد جناب شاہ صاحب اکثر مقدمات شرع شریف و معاملات دنیوی فیصلہ میکند و فی الحال درکار شرع بسیار مستحکم مستقیم ایشاں راگفتہ کہ مولویان ایں زماں درریدہ سرگیں دہان افگنند و میان حرام و حلال تمیز نکند پس دریں صورت شخص موصوف موافق شرع کافر شود یانہ یا بروے فقط حکم تجدید نکاح کردہ شود یانہ اگر شرعًا کافر نہ شود کسے او را کافر گوید بروئش چہ حکم	اس معاملہ میں آپ کا کیا قول ہے اللہ تعالٰی تم پر رحمت نازل فرمائے (کہ چند مقامی علماء نے ایک شخص کے مکان پر جس نے شریعت کی خلاف ورزی کر رکھی ہے یعنی اس نے اپنی مغلظہ عورت دو تین ماہ سے رکھی ہوئی ہے اور اس سے ازدواجی تعلقات قائم کئے ہوئے ہے، ان لوگوں کو اس بات کا علم بھی تھا انھوں نے تنبیہ کے بغیر وہاں ختم پڑھا اور اس کا کھانا بھی کھایا اور ایک شخص معتبر عالم دوست، حرمین کا حاجی اور شاہ عبداللطیف شہنودی کا مرید ہے جناب شاہ صاحب نے بھی اسے امور شرع کے بارے میں خوب تاکید فرمائی اور وہ بحکم شاہ صاحب اکثر مقدمات شرعیہ اور معاملات دنیوی کے فیصلے بھی کرتا ہے اس وقت وہ امورِ شرعیہ میں مستحکم اور مستقیم ہے اس نے انکے حق میں یہ کلمات کہے ہیں کہ اس زمانہ کے مولویوں نے گندگی میں منہ ڈالا ہُوا ہے اور حلال و حرام میں وُہ کوئی تمیز نہیں کرتے وُہ شخص شرعی حکم کے مطابق کافر ہوگا یا نہ؟ یا اس پر فقط تجدید نکاح کا حکم جاری ہوگا یا نہیں، اگر وُہ

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

بینوا بسند الکتاب تؤجروا عند اللہ یوم الحساب، فقط۔	شرعاً کافر نہیں تو جو اسے کافر کہے اس کا کیا حکم ہے؟ کتاب وسنت کے حوالے سے بیان کیجئے اور یوم قیامت اللہ تعالٰی سے اجر پائیے، فقط (ت)

الجواب:

کسے کہ بازن سہ طلاقہ خود بے تحلیل طرح معاشرت انداخت ونزد شوئی باخت بجائے خود بزہ کار است وباچنیں گناہگاراں معاملہ پیشوایان دین مختلف بودہ است ہم بہ نرمی کار کردہ اند وہم بہ درشتی چنانکہ در احیاء العلوم رنگ تفصیل دادہ اند مولویان کہ بخانہ او ختم خواندو چیزے خوردند گناہے نکردند کسے کہ آناں رابدانسان والفاظ بدیاد کرد چیزے شنیع آورد باز حکم خاص بر آناں نہ نمود بلکہ عام مولویان ایں زمان گفت شناعتش از حد گزشت تکفیر او نشاید اما تجدید اسلام ونکاح سزد کہ باید وآنکہ تکفیر او کردہ است نیز کار ازحد بردہ است واورانیز توبہ باید۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جس شخص نے اپنی عورت کو طلاقیں دے دیں اور اس کے بعد بغیر حلال ہونے کے اس کے ساتھ مباشرت کرنا زنا اور بدکرداری ہے، ایسے گنہگار لوگوں کے ساتھ علمائے دین کا معاملہ مختلف ہوتا ہے کبھی ان پر نرمی کرنا پڑتی ہے اور کبھی سختی، اس کی تفصیل احیاء العلوم میں دیکھئے، مولویوں نے جو اس کے گھر ختم پڑھا اور کوئی چیز کھائی تو اس سے وہ گناہگار نہیں ہوئے جو شخص انہیں بدالفاظ سے یاد کرتا ہے وہ برا کرتا ہے پھر ان پر حکم خاص نہیں رکھا بلکہ عام مولویوں کی بات کرتا ہے تو اگرچہ یہ بات نہایت بری ہے لیکن اس پر تکفیر کا حکم جاری نہیں ہوسکتا، رہا تجدید اسلام اور نکاح کا معاملہ تو یہ مناسب ہے اور جس نے اس کی تکفیر کی ہے وہ بھی حد سے بڑھ گیا اس کو بھی توبہ کرنی چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۴۰: از شہر سورت محلہ سید واڑہ مسئولہ سید صدرالدین زری والے صفر المظفر ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ

عالی خدمت عالی جناب مولانا مولوی حضرت احمد رضاخاں صاحب **دام ظلکم** بعد ادائے آداب تسلیمات کے گزارش ہے کہ در شہر سورت خیریت آنجناب کی شب وروز درگاہ رب العزت سے نیک مطلوب ہوں، دیگر گزارش یہ کہ قبل ازاس کے ایک گزارش نامہ در طلب ردوہابیہ ارسال خدمت کیا تھا، ہنوز انتظار دست یاب نسخہ مذکور ہوں، اس اثناء میں ایک اور سوال بے ثبات فرقہ مذکور سے ایجاد ہوا وہ یہ کہ رسالتمآب کے والد ماجد حالتِ کفر میں تھے اور اسی حالت میں رحلت بھی فرمایا اس کے رد میں اہل تسنّن نے یہ جواب دیا کہ

وہ کسی حالت سے بھی کافر نہیں ہوسکتے تھے تو یہ کفر کا اطلاق نامعقول ہے یہ جواب دیا مگر قیاسی دیا مگر قیاسی ویاسندی نہیں ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے جو اس بات کا پورا پورا جواب کریں اس لئے آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس کا رد و ثبوت ہوجائے تو عین سرفرازی ہے تمام کیفیت کماحقہ اس خط سے اور آگے کے خط سے گوش زد کیا ہوں، **فقط**۔

الجواب:

مذہب صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبداللہ اور حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اہل توحید واسلام ونجات تھے، بلکہ حضور کے آباء وامہات حضرت عبداللہ وآمنہ سے حضرت آدم وحوا تک مذہب ارجح میں سب اہل اسلام وتوحید ہیں۔

قال اللہ تعالٰی الَّذِیۡ یَرٰىكَ حِیۡنَ تَقُوۡمُ ﴿۲۱۸﴾ وَ تَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیۡنَ ﴿۲۱۹﴾ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو تمہیں دیکھتا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو (ت)

اس آیہ کریمہ کی تفسیر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور ایک نمازی سے دوسرے نمازی کی طرف منتقل ہوتا آیا [2]۔ اور حدیث میں ہے کہ رب عزوجل نے نور اقدس کی نسبت فرمایا کہ اسے اصلاب طیبہ وارحام طاہرہ میں رکھوں گا [3] اور رب عزوجل کبھی کسی کافر کو طیب وطاہر نہ فرمائے گا، "اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ" [4] (بیشک مشرکین نجس ہیں۔ ت) اس بارے میں ہمارا ایک خاص رسالہ ہے **شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام**۔ اور امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص اس باب میں چھ رسالے لکھے۔ **فشکر اللہ سعیہ واجزل ثوابہ** (اللہ تعالٰی ان کی کاوش قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۴۱ تا ۴۳: مسئولہ معرفت مصطفٰی میاں سلمہ بروز چہار شنبہ ۲۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک سنی کے سامنے ذکر آیا کہ شیعہ ومعتزلہ دار جنت میں رؤیت باری عزوجل کے منکر ہیں، ان صاحب نے کہا وہ سچ کہتے ہیں انہیں تو نہیں ہوگی، شاید مومنین کے لئے بھی ذکر میں تھا اگرچہ یہ ایک شبہہ سا یاد پڑتا ہے، یہ کہنا کیسا ہے؟

(۲) ارتضا حسین پیر میاں صاحب نے اپنا نام ابوالبرکات رکھا اور اس پر اب آزاد کا اور اضافہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱۹۔۲۱۸

[2] معالم التنزیل مع الخازن آیہ تقلبك فی الساجدین کے تحت مصطفی البابی مصر ۵/ ۹۹

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ مصر ۱/ ۶۳

[4] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

کیا، جس کی ایک واہی تباہی روایت چھپوا کر تقسیم کی، اس کی بابت اک صاحب نے کہا کہ یہ نام انہوں نے کہاں سے رکھا، کچھ اللہ میاں کے یہاں تو آپ کا یہ نام لکھا ہوا ہے نہیں جس پر کہا گیا کہ لوح محفوظ میں تو سب لکھا ہوا ہے یہ بھی لکھا ہوا ہے، اس پر ان صاحب نے کہا کہ میں نے اس بنا پر کہا تھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ نام ماں باپ رکھتے ہیں وہ نام اللہ میاں کے یہاں لکھا جاتا ہے، ظاہراً اس قائل کا مطلب یہ تھا کہ نام کرکے وہی نام لکھا جاتا ہے جو ماں باپ کا رکھا ہے اور جو خود گھڑلے وہ بطور ایک امر واقع کے لکھا ہوتا ہے کہ فلاں اپنا یہ نام رکھے گا نام کرکے نہیں کہ فلاں کا یہ نام ہے، الغرض اس کا وہ مقولہ کیسا ہے اور اس کی کیا اصل ہے کہ نام وہی ہوتا ہے جو ماں باپ کا رکھا ہے یا خود رکھا ہوا۔

(۳) ایک سنی صاحب کے سامنے میں نے کہا کہ حضور سرور عالم صلی تعالٰی علیہ وسلم کے بہت خصائص ہیں، وہ احکام شرعیہ جو عام نہیں ان سے حضور نے بعض صحابہ کو مستثنٰی کیا تھا ان پر ان صاحب نے کہا کہ جبھی تو بعض جہلا کہنے لگے تھے کہ اللہ عزوجل رضاجوئے محمدی ہے، اس پر میں نے کہا کہ بعض جہلا کی کیا تخصیص ہے، اللہ عزوجل تو رضاجوئے محمدی ہے انھوں نے بھی اس کا صاف اقرار کیا اور کہا کہ ایسے خصائص دیکھ کر شاید بعض ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن بھی یہ کہنے لگی تھیں، مگر اصل بات یہ ہے کہ حضور اللہ عزوجل کے فرمودہ سے باہر قدم ہی نہیں رکھتے تھے وہی فرماتے تھے جو اللہ عزوجل کا حکم تھا تو اصل میں حضور متبع حکمِ الٰہی اور رضاجوئے الٰہی بھی ہوئے، ان کی اس وقت کی طرز تقریر و حالت سے ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا تھا کہ جہلا تو یہ سمجھ کر اللہ عزوجل کو رضاجوئے محمدی کہنے لگے تھے کہ حضور ایک حکم دیتے ہیں اور پھر اللہ عزوجل بھی ویسی ہی وحی نازل فرمادیتا ہے یعنی اللہ عزوجل حضور کا اتباع فرماتا ہے حالانکہ اصل میں حکم الٰہی وہی ہوتا ہے اور اسکے اتباع سے حضور حکم دیتے ہیں، غرض اس کا یہ مقولہ کہ جبھی تو بعض جہلا بھی الخ کا کیا حکم ہے اس کلی مقولہ کا کیا جو اس کے بعد کہا گیا۔

الجواب:

(۱) مولاعزوجل فرماتا ہے: انا عند ظن عبدی بی[1] (میں اپنے بندے کے گمان کے پاس ہوں۔ت) روافض ومعتزلہ کہ رؤیت الٰہی سے مایوس ہیں مایوس ہی رہیں گے، وہابیہ شفاعت سے منکر ہیں محروم ہی رہیں گے تو ان کا انکار ان کے اعتبار سے صحیح ہوا ظاہراً قائل کی یہی مراد ہے کہ ان کی نفی ان کے حق میں سچی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں جو اس کے قول کی تصدیق بمعنی نفی مطلق کرے وہ ضرور گمراہ وخارج از اہلسنت ہے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلہ بن الاسقع دار الفکر بیروت ۴/ ۱۰۶

(۲) بلاشبہہ لوح محفوظ میں ہر صغیر وکبیر مستطر ہے جو اسم بحیثیت علم، دنیا میں کسی کے لئے ہے لوح محفوظ میں وہی بحیثیت علم مکتوب ہے خواہ ماں باپ کا رکھا ہے یا اپنا یا اور کا اور جس میں تغیر واقع ہوا مغیر اور مغیر الیہ دونوں اپنے اپنے زمانہ کی قید سے مکتوب ہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بہت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام تبدیل فرمائے کہ اگلے نام متروک ہوگئے اور وہ انہیں دوسرے ناموں سے مشہور ہیں تو عنداللہ بھی اب یہی ان کے نام ہیں اور انہیں ناموں سے روزِ قیامت پکارے جائیں گے، اور جو شخص اپنا نام بدل کر کچھ رکھے اور بحیثیت علم معروف نہ ہو تو اللہ عزوجل کے یہاں بھی وہ نام علم ہو کر لکھا نہ گیا، ہاں یہ واقعہ ضرور مکتوب ہے ظاہر ایہی مراد قائل ہے، قائل نے یہ نہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ نہیں لکھا ہے بلکہ یہ کہا کہ اس کا نام یہ نہیں لکھا ہے تو کتابت نہیں بلکہ سبب کتابت علمیت ہے، اور یہ صحیح ہے کہ جب کہ اس وضع کئے ہوئے نام نے حیثیت علمیت پیدا نہ کی، ہاں ایسی جگہ کلام بہت ہوشیاری سے چاہیئے جس میں کوئی پہلوئے ناقص نہ نکلے، سوال میں اسم جلالت کے لفظ "میاں" مکتوب ہے یہ ممنوع و معیوب ہے، زبان اردو میں "میاں" کے تین معنٰی ہیں جن میں دو اس پر محال ہیں اور شرع سے ورود نہیں لہٰذا اس کا اطلاق محمود نہیں۔

(۳) قائل کا کہنا کہ جب ہی تو بعض جہلاالخ بہت سخت قبیح و شنیع واقع ہوا اور جو معنی اس نے بعد کو قرار دیئے اس میں بھی وہ حقیقت کو نہ پہنچا بلاشبہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تابع مرضی الٰہی ہیں اور بلاشبہہ کوئی بات اس کے خلاف حکم نہیں فرماتے اور بلاشبہہ اللہ عزوجل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا چاہتا ہے۔

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝" [1]، "قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ" [2]۔	اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ ہم دیکھ رہے ہیں، بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی پس ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ (ت)

حکم الٰہی بیت المقدس کی طرف استقبال کا تھا حضور تابع فرمان تھے یہ حضور کی طرف سے رضا جوئی الٰہی تھی مگر قلب اقدس کعبہ کی طرف استقبال چاہتا تھا، مولٰی عزوجل نے مرضی مبارک کے لئے اپنا وہ حکم

---

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴

منسوخ فرمادیا اور حضور جو چاہتے تھے قیامت تک کے لئے وہ ہی قبلہ مقرر فرمادیا، یہ اللہ عزوجل کی طرف سے رضاجوئی محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے ان میں سے جس کا انکار ہو قرآن عظیم کا انکار ہے۔ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں:

ما اری ربك الّا یسارع فی ھواك[1]۔ رواہ البخاری۔	میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے، اسے بخاری نے روایت کیا۔

یہ ہے وہ کلمہ کہ بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا اور عرض کیا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا تو قائل کا کہنا کہ ایسے خصائص دیکھ کر شاید بعض ازواج مطہرات یہ کہنے لگی تھیں دراصل بات یہ ہے الخ یہ بتارہا ہے کہ ان بعض ازواج مطہرات نے خلافِ اصل بات کہی اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقرر رکھی، حدیث روز محشر میں ہے رب عزوجل اولین وآخرین کو جمع کرکے حضور اقدس صلی تعالٰی علیہ وسلم سے فرمائے گا:

کلھم یطلبون رضائی وانا اطلبك رضاك یا محمد[2]۔	یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور اے محبوب! میں تمہاری رضا چاہتا ہوں۔

؎ خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد

بالجملہ کلمہ بہت سخت وشنیع تھا اور بعد تاویل بھی شناعت سے بری نہ ہوا، توبہ لازم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۴تا۴۵: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودریپور راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم صاحب بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص انگریزی ٹوپی وکوٹ پتلون محض ان کی موافقت کی وجہ سے پہنے تو وہ کافر ہے یا نہیں، غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار باب مرتد میں لکھا ہے کہ جو شخص بلاضرورت سردی وگرمی کے مجوسی کی ٹوپی پہنے وہ کافر ہے، اسی طرح جو شخص زنار باندھے وہ بھی کافر ہے، مگر بضرورت اب اگر انگریزی ٹوپی وکوٹ پتلون بلاضرورت پہننے والا کافر نہیں ہے تو زنار باندھنے والے کو غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار باب المرتد میں کافر کیوں کہا؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر الاحزاب باب قولہ ترجی من تشاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۶

[2] التفسیر الکبیر تحت آیۃ "فلنولینك قبلۃ ترضٰھا" المطبعۃ المصریۃ مصر ۴/ ۱۰۶

(۲) جو شخص حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہے اور تعزیہ داری کو جائز کرے اور سجدہ تعظیمی کرائے اور محدثین صحاح ستہ پر الزام نکال ڈالنے صحیحہ کا لگائے اس شخص کی نسبت علماء کرام کیا فرماتے ہیں؟

الجواب:

(۱) بلاضرورت زنار باندھنا یا ہیٹ یعنی انگریزی ٹوپی رکھنا بلاشبہہ کفر ہے، حدیقہ ندیہ میں فرمایا: **لبس زی الافرنج علی الصحیح۔**[1] (ملخصًا) فرنگیوں کا ہیٹ پہننا صحیح قول کے مطابق کفر ہے (ت) رہے کوٹ پتلون وہ اگر موافقت نصارٰی اور ان کی وضع کے استحسان کے لئے ہے تو اسے بھی فقہاء کرام نے مطلقًا کفر فرمایا۔ غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر۔[2]	جس نے کافروں کے کسی فعل کو اچھا سمجھا باتفاقِ مشائخ کافر ہوگیا۔

اور اگر ایسا نہیں تو فسق ضرور ہے جبکہ بلاضرورت شرعیہ ہو، اور اسے اختیار نہیں کرتا مگر وہ جس کے دل میں کجی ہے جب حب فی اللہ اور بغض للہ کہ مناط ایمان ہیں قلب میں مستحکم ہوجاتے ہیں تو اولیاء اللہ کی ہر ادا اچھی معلوم ہوتی ہے اور اعداء اللہ کی ہر بات بری، نسأل اللہ الھدایۃ (ہم اللہ تعالٰی سے ہدایت مانگتے ہیں۔ ت)

(۲) کسی بات کی طرف نظر کرنے کی حاجت نہیں بعد اس کے کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہے یقینا کافر مرتد ہے،

من شك فی عذابہ و کفرہ فقد کفر[3]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ (ت)

جو اس کے قول پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، مسلمانوں کو اس کے پاس بیٹھنا، اس سے میل جول سلام کلام سب قطعًا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثامن من الانواع الستین مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۵

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

وقال تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1] ۔ وقال تعالٰی "وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" [2] ۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے(ت)

ان آیاتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ، ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی، جو تم میں ان سے دوستی رکھے گا وہ انہیں میں سے ہے، اگر وہ علانیہ تائب ہو اور از سرِ نو مسلمان ہو فبہا ورنہ اگر وہ بیمار پڑے اس کی عیادت حرام، اگر مرجائے اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس کے جنازہ کی نماز سخت حرام، جنازہ کے ساتھ جانا حرام، مقابرِ مسلمین میں اسے دفن کرنا حرام، اسے ایصالِ ثواب حرام بلکہ کفر، کوئی تنگ گڑھا کھود کر اس میں ڈال دیں اور بغیر کسی فاصلے کے اوپر سے اینٹ پتھر خاک بلاجو کچھ ہو پاٹ دیں،

"وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾" [3] ۔ نسأل اللہ الثبات علی الایمان والختم بالحسنی ولاحول قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور بے انصافوں کی سزا ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے ایمان پر ثابت قدمی اور خاتمہ بالخیر کی دعا کرتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۴۶: مسئولہ حافظ محمد علاء الدین صاحب پیش امام جامع مسجد مقام بلرام پور ڈاکخانہ رانگہ ڈیہہ ضلع مان بھوم یکم صفر ۱۳۳۵ھ

ایک شخص اپنا شجرہ مجھ سے پڑھانے لگا اس میں پہلے مولانا وارث حسن کا نام تھا، اس کے بعد رشید احمد گنگوہی کا نام تھا، رشید احمد گنگوہی کا نام پڑھتے ہی میں نے اس شجرہ کو نہیں پڑھا کیونکہ "حسام الحرمین" نے ان کے حال سے اچھی طرح خبردار کردیا ہے، مہربانی فرماکر ایک فہرست مطبع اہلسنت وجماعت کی مخصوص اپنے تصنیفات کی مرحمت فرمائی جائے اور ذیل کے استفسار پر کرم فرماکر جواب سے مشرف فرمایئے، مولانا وارث حسن کا کیا مذہب ہے؟

الجواب:

جب آپ "حسام الحرمین" میں علمائے حرمین شریفین کے متفق علیہ فتوے دیکھ چکے تو اس کے بعد

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

اس سوال کی ضرورت نہ رہی وارث حسن کے مذہب پر فقیر کو اطلاع نہیں، نہ کبھی ملاقات، مگر اس قدر ضرور ہے کہ وہ جس کا مرید ہے تو اسے ولی جانے گا، کم از کم صحیح العقیدہ صالح نہ سہی مسلمان تو جانے گا، اور حکمِ شرع وہ ہے جو "حسام الحرمین" میں مذکور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۷ تا ۴۸: مرسلہ عبدالواحد خاں صاحب مسلم بمبئی اسلام پورہ معرفت عبداللطیف ہیڈ ماسٹر میونسپل اردو اسکول ۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

(۱) قادیانیوں سے کس طرح کس پیرایہ میں بحث کیا جائے، یعنی ان کی تردید کے بھاری ذرائع کیا ہیں؟

(۲) یا حدیثوں کے انکار سے انسان کافر ہوسکتا ہے؟ اگر ہاں تو کن حدیثوں کے انکار سے؟

الجواب:

(۱) سب سے بھاری ذریعہ اس کے رد کا اول اول کلماتِ کفر پر گرفت ہے جو اس کی تصانیف میں برساتی حشرات کی طرح ابلے کھلے پھر رہے ہیں، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی توہینیں، عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں، ان کی ماں طیبہ طاہرہ پر لعن طعن، اور یہ کہنا کہ یہودیوں کے جو اعتراض عیسٰی اور ان کی ماں پر ہیں ان کا جواب نہیں اور یہ کہ نبوتِ عیسٰی پر کوئی دلیل قائم نہیں بلکہ عدمِ نبوت پر دلیل قائم ہے یہ ماننا کہ قرآن نے ان کو انبیاء میں گنا ہے اور پھر صاف کہہ دینا کہ وہ نبی نہیں ہوسکتے، معجزات عیسٰی الصلوٰۃ والسلام سے صراحۃً انکار، اور یہ کہنا کہ وہ مسمریزم سے یہ کچھ کیا کرتے تھے، اور یہ کہ میں ان باتوں کو مکروہ نہ جانتا تو آج عیسٰی سے کم نہ ہوتا، تو وہ روشن معجزے جن کو قرآن مجید آیات بینات فرمارہا ہے یہ ان کو مسمریزم و مکروہ مانتا ہے، اپنے آپ کو اگلے انبیاء سے افضل بتانا اور یہ کہنا کہ ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے، اور یہ کہنا کہ اگلے چار سو انبیاء کی پیشگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے، اور یہ کہنا کہ عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چار دادیاں نانیاں **معاذ اللہ** زانیہ تھیں اور یہ کہ اسی خون سے عیسٰی کی پیدائش ہے۔ اپنے آپ کو نبی کہنا، اپنی طرف وحی الٰہی کا ادعا کرنا، اپنی بنائی ہوئی کتاب کو کلامِ الٰہی کہنا، اور یہ کہ آیہ کریمہ "مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" [1] (ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ت) سے میں مراد ہوں، اور یہ کہ مجھ پر اترا ہے **انا انزلناہ بالقادیان و بالحق نزل** (ہم نے اپنے قادیان میں اور حق کے ساتھ نازل کیا۔ت) اور دوسرا بھاری ذریعہ اس خبیث کی پیشگوئیوں کا جھوٹا پڑنا جن میں بہت چمکتے روشن حرفوں سے لکھنے کے قابل دو واقعے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

۱ ایک اس کے بیٹے کا جس کی نسبت کہا تھا کہ انبیاء کا چاند پیدا ہوگا اور بادشاہ اس کے کپڑوں سے برکت لیں گے، مگر شانِ الٰہی کہ چوں دم برداشتم مادہ برآمد (جب میں نے دم اٹھا کر دیکھا تو مادہ پایا۔ ت) بیٹی پیدا ہوئی، اس کے اوپر کہا کہ وحی کے سمجھنے میں غلطی ہوئی اب کی جو ہوگا وہ انبیاء کا چاند ہوگا۔ بیٹی، بیٹے ہمیشہ پیدا ہوتے ہیں اب کے ہوا بیٹا مگر چند روز جی کر مرگیا، بادشاہ کیا کسی محتاج نے بھی اس کے کپڑوں سے برکت نہ لی۔

۲ دوسری بہت بڑی بھاری پیشگوئی آسمانی جورو کی اپنی چچازاد بہن احمدی کو لکھ کر بھیجا کہ اپنی بیٹی محمدی میرے نکاح میں دے دے، اس نے صاف انکار کردیا، اس پر پہلے طمع دلائی پھر دھمکیاں دیں پھر کہا کہ وحی آگئی کہ "**زوجنا کھا**" ہم نے تیرا نکاح اس سے کردیا، اور یہ کہ اس کا نکاح اگر تو دوسری جگہ کرے گی تو ڈھائی یا تین برس کے اندر اس کا شوہر مرجائے گا۔ مگر اس خدا کی بندی نے ایک نہیں سنی، سلطان محمد خاں سے نکاح کردیا، وہ آسمانی نکاح دھرا ہی رہا، نہ وہ شوہر مرا، کتنے بچے اس سے ہوچکے اور یہ چل دیئے۔ غرض اس کے کفر و کذب حد شمار سے باہر ہیں کہاں تک گنے جائیں اور اس کے ہواخواہ ان باتوں کو ٹالتے ہیں، اور بحث کریں گے تو کاہے میں کہ عیسی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتقال فرمایا مع جسم کے اٹھائے گئے یا صرف روح، مہدی و عیسٰی ایک ہیں یا متعدد۔ یہ ان کی عیاری ہوتی ہے، ان کفروں کے سامنے ان مباحث کا کیا ذکر، فرض کیجئے کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ نہیں، فرض کیجئے کہ وہ مع جسم نہیں اٹھائے گئے، فرض کیجئے کہ مہدی و عیسٰی ایک ہیں، پھر اس سے وہ تیرے کفر کیونکر مٹ گئے۔ کلام تو اس میں ہے کہ تو کہتا ہے میں نبی ہوں ہم کہتے ہیں تو کافر، اس کا فیصلہ ہونا چاہئے، انبیاء کی توہینیں، انبیاء کی تکذیبیں، معجزات سے استہزاء، نبوت کا ادعاء، اور پھر دوسرے درجہ میں انبیاء کے چاند والا بیٹا، آسمانی جورو، یہ تیری تکفیر تکذیب کو کافی ہیں۔

(۲) حدیث متواتر کے انکار پر تکفیر کی جاتی ہے خواہ متواتر باللفظ ہو یا متواتر المعنٰی، اور حدیث ٹھہرا کر جو کوئی استخفاف کرے تو یہ مطلقًا کفر ہے اگرچہ حدیث احاد بلکہ ضعیف بلکہ فی الواقع اس سے بھی نازل ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: مرسلہ عبدالجبار خاں صاحب دھام پور ضلع بجنور ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا شیعوں کے سب فرقے اور غیر مقلدین سب کے سب کافر ہیں؟

الجواب:

ان میں ضروریاتِ دین سے کسی شے کا جو منکر ہے یقینًا کافر ہے اور جو قطعیات کے منکر ہیں ان پر

بحکم فقہاء لزوم کفر ہے اور اگر کوئی غیر مقلد ایسا پایا جائے کہ صرف انہیں فرعی اعمال میں مخالف ہو اور تمام عقائد قطعیہ اہلسنت کا موافق، یا وہ شیعی تفضیلی ہے تو ایسوں پر حکم تکفیر نا ممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰ تا ۵۱: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولانا مولوی عبدالمجید صاحب پانی پتی ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

ہمارے سنی حنفی علماء **کثرہم اللہ تعالٰی وابقاہم الٰی یوم الجزاء** اس میں کیا فرماتے ہیں:

(۱) فرقہ غیر مقلدین [۱] اللہ تعالٰی کے لئے مکان کا قائل اور نیز [۲] اس کے لئے جہت کا قائل ہے جیسا کہ نواب صدیق حسن خاں کے رسالہ "**الاحتواء علٰی مسئلة الاستواء**" اور نیز ان کے دیگر رسائل سے ظاہر ہے، اور [۳] احناف کی فقہ کو باطل اور ناحق جانتا ہے، اور [۴] بدیں وجہ اس کی سخت توہین کرتا ہے چنانچہ ایک کلانوری غیر مقلد نے اپنے رسالہ "**الجرح علی اصول الفقه**" میں فقہ احناف کے حق میں لکھا ہے (بلکہ بدبودار سنڈاس ہے کہ جب اس کے پاس جاؤ تو بدبو ہی آتی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور مولوی ابوالقاسم بنارسی کے رسالہ "**الجرح علی الامام**" کی ایک عبارت سے فقہ احناف کا موجب دخول دوزخ ہونا ثابت ہے، اور [۵] نیز امام صاحب رضی اللہ تعالٰی کی توہین بیحد کرتا ہے، چنانچہ مولوی ابوالقاسم بنارسی نے اپنے رسالہ مذکورہ میں منجملہ حضرت امام صاحب کی شان میں بے انتہا بے ادبیاں کیں، آپ کی ولادت شریفہ کے سنہ کا مادہ لفظ "سگ" اور آپ کی وفات شریف کے سنہ کا مادہ لفظ "بوکم جہاں پاک" لکھا ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور [۶] اجماع کا منکر ہے کہ نواب صدیق حسن خاں کے رسالہ "**عرف الجادی**" اور نیز ان کے دیگر رسائل سے ظاہر ہے اور یہ سب باتیں احناف کی فقہ کی مستند کتابوں مثل فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی عالمگیری اور نور الانوار وغیرہا کے بموجب کفر ہیں، پس فرقہ غیر مقلدین بوجوہ مذکورہ بحکم فقہ احناف کافر ہے یا نہیں، اور [۷] نیز فرقہ غیر مقلدین مفارق الجماعۃ ہے جیسا کہ ظاہر ہے پس بحکم حدیث شریف:

من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه[1]۔	جو جماعت سے بالشت بھر دور ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پھندہ اتار دیا (ت)

کے خارج از اسلام ہوا یا نہیں؟ اور [۸] نیز فرقہ غیر مقلدین تقلید کو شرک اور مستلزم انتفاء ایمان اور مقلدین کو جن میں بے شمار علماء اور اولیاء بھی داخل ہیں، مشرک اور بے ایمان کہتا و جانتا ہے جیسا کہ مولوی سعید بنارسی کے رسالہ "**ہدایة المرتاب**" ص ۱۸ اور ان کے بیٹے ابوالقاسم بنارسی کے رسالہ "**العرجون القدیم**" ص ۲۰ اور نیز دیگر غیر مقلدین کے رسائل سے ظاہر ہے، پس بموجب حدیث:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۸۵

لایرمی رجل رجلا بالفسوق ولایرمیه بالکفر الاارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذٰلک[1]۔	کسی آدمی کا دوسرے کو فاسق وکافر کہنا اسی پر لوٹ آتا ہے اگر دوسرے میں کفر وفسق نہ ہو۔(ت) کہ یہ خود مشرک اور بے ایمان ہوئے یا نہیں۔

(۲) اور نیز اس میں کہ رافضی تبرائی کافر مرتد ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اوّل: بلاشبہہ طائفہ نائفہ غیر مقلدین گمراہ بددین اور بحکم فقہ کفار و مرتدین، جن پر بوجوہ کثیرہ لزوم کفر بین مبین، ہمارے رسالہ "الکوکبة الشهابیة علی کفریات ابی الوهابیة وسل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة والنهی الاکید عن الصلٰوة وراء عدی التقلید" وغیرہا میں اس کا بیان شافی ووافی۔ یہاں انہیں بعض وجوہ سے کلام کریں جن کی طرف سائل فاضل نے اشارہ کیا، **وباللہ التوفیق۔**

(۱) اللہ عزوجل کے لئے مکان ماننا کفر ہے، بحر الرائق جلد پنجم ص ۱۲۹ میں ہے:

یکفر بقوله یجوز ان یفعل اللہ فعلا لاحکمة فیه وباثبات المکان للہ تعالٰی[2]۔	اگر کوئی کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی سے ایسے فعل کا صدور ممکن ہے جس میں حکمت نہ ہو تو وہ کافر ہے یا وہ اللہ تعالٰی کے مکان کا اثبات تسلیم کرتا ہے(ت)

فتاوٰی قاضی خاں فخر المطابع جلد چہارم ص ۴۳۰:

یکون کفر الان اللہ تعالٰی منزہ عن المکان[3]۔	کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالٰی مکان سے پاک ہے(ت)

فتاوٰی خلاصہ قلمی کتاب الفاظ الکفر فصل ۲، جنس ۲:

یکفر لانه اثبت المکان للہ تعالٰی[4]۔	وہ کافر ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کیلئے مکان ثابت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۸۱

[2] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب السیر باب یکون کفرًا ومالا یکون کفرا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۸۴

[4] خلاصة الفتاوٰی فصل الثانی فی الفاظ الکفر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۴

فتاوٰی عالمگیری مطبع مصر جلد دوم ص ۱۲۹:

یکفر باثبات المکان للہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ثابت کرنا کفر ہے(ت)

جامع الفصولین جلد دوم ص ۲۹۸ فتاوٰی ذخیرہ سے:

قال اللہ فی السماء عالم لو ارادبہ المکان کفر[2]۔	کسی نے کہا اللہ تعالٰی آسمان میں عالم ہے اگر اس سے مراد مکان لیا ہے تو کفر ہے(ت)

(۲) مولٰی عزوجل کے لئے جہت ماننا بھی صریح ضلالت وبد دینی ہے اور بہت ائمہ نے تکفیر فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحفہ اثناء عشریہ طبع کلکتہ ۲۵۵ بیان عقائد اہلسنت وجماعت میں ہے:

عقیدہ سیز دہم آنکہ حق تعالٰی را مکان نیست واورا جہتے از فوق متصور وہمیں ست مذہب اہل سنت وجماعت[3]۔	تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالٰی کیلئے مکان نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی جہت نہ فوق اور نہ تحت، اور یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے(ت)

امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام طبع مصر ص ۱۵ بعد نقل کلام امام حجۃ الاسلام غزالی:

ھکذا کما تری ظاھر تکفیر القائلین بالجھۃ[4]۔	جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں جو لوگ جہت کے قائل ہیں ان کا کافر ہونا واضح ہے(ت)

اسی میں ان کلمات میں جو ہمارے ائمہ کے نزدیک بالاتفاق کفر ہیں ص ۳۲ پر ہے:

او قال اللہ تعالٰی فی السماء عالم او علی العرش وعنی بہ المکان او لیس لہ نیۃ او قال ینظر الینا ویبصرنا من العرش، او قال ھو فی السماء او علی الارض، او قال لا یخلو منہ مکان او قال اللہ تعالٰی فوق وانت تحتہ اھ(ونازعہ	یا کہتا ہے کہ وہ آسمان میں عالم ہے یا عرش پر، اور اس سے مراد مکان لیتا ہے یا اسکی کوئی نیت نہیں یا کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی ہم کو عرش سے دیکھتا ہے، یا کہتا ہے وہ آسمان میں ہے یا زمین پر، یا کہتا ہے اس سے کوئی مکان خالی نہیں، یا کہتا ہے اللہ تعالٰی اوپر ہے اور تو نیچے اھ ابن حجر نے

[1] فتاوٰی ہندیہ موجبات الکفر انواع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۹

[2] جامع الفصولین فصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۸

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب پنجم در الہیات سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۱

[4] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مقدمہ کتاب مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۵۱

ابن حجرفی قولہ لیس لہ نیۃ فقال فی الکفر نظر فضلا عن کونہ متفقا علیہ لان النیۃ القصد،وقد ذکر النووی عفااللہ تعالٰی عنہ فی شرح المھذب انہ یقال قصداللہ کذا بمعنی اراد فمن قال لیس لہ نیۃ ای قصد فان ارادانہ لیس قصد کقصدنا فواضح،وکذا ان اطلق اوارادانہ لاارادۃ لہ اصلا فان اراد المعنی الذی تقولہ المعتزلۃ فلاکفر ایضا،اوارادسلبھامطلقالابالمعنی الذی یقولونہ فھو کفر[1] اھ اقول:رحم اللہ الشیخ لیس لہ نیۃ لیس من الفاظ الکفر بل ھو عطف علی قولہ عنی بہ المکان ای یکفران اراد المکان،اواطلق ولم ینوشیئا قال فی البحر الرائق ان قال اللہ فی السماء فان قصد حکایۃ ماجاء فی ظاھر الاخبار لایکفروان اراد المکان کفر وان لم یکن لہ نیۃ کفر عند الاکثر وھوالاصح وعلیہ الفتوی[2] اھ۔	"لیس لہ نیۃ" کی صورت میں اختلاف کیا اور کہا کہ اس صورت میں کفر میں اختلاف ہے چہ جائیکہ کفر بالاتفاق ہو کیونکہ نیت قصد کا نام ہے۔امام نووی نے شرح المہذب میں کہا کہ جو کہا جاتا ہے قصد اللہ کذا یعنی اللہ تعالٰی نے ارادہ فرمایا کے معنٰی میں ہوتا ہے اور جس نے کہا "اللہ کے لئے نیت نہیں" یعنی قصد نہیں،اگراس کی مراد یہ ہے کہ اسی طرح اگر یہ کلمہ مطلقاً ذکر کیا یا یہ مراد لیا کہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی ارادہ نہیں،اب اگر وہ معنٰی مراد لیا جو معتزلہ کہتے ہیں تو وہ بھی کفر نہیں یا مراد یہ ہے کہ مطلقاًارادہ کی نفی ہے نہ کہ وہ معنٰی جو معتزلہ کا قول،تو پھر کفر ہے اھ اقول اللہ تعالٰی شیخ پر رحم فرمائے "اس کی نیت نہیں" یہ الفاظ کفر میں سے نہیں بلکہ اس کا عطف "اس نے مکان مراد لیا" پر ہے یعنی وہ کافر ہوجائے گا جب اس نے مکان مراد لیا یا اس نے کلمہ بولا اور اس سے کوئی ارادہ نہ کیا،بحرالرائق میں ہے کہ اگر کسی نے کہا "اللہ آسمان میں ہے" اگر تو اس نے وہ مراد لیا جو ظاہراًاخبار میں ہے تو پھر کافر نہیں،اور اگراس نے مکان مراد لیا تو کفر ہوگا اور اگر اس نے کوئی ارادہ نہ کیا تو اکثر کے نزدیک وہ کافر ہے اور یہی اصح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

نیز اسی کے فصل کفر متفق علیہ میں ہے ص ۳۹:

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۶۷

[2] بحرالرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰

اوشبهه تعالٰی بشیئ اووصفه بالمکان او الجهات[1]۔	یا اس نے اللہ تعالٰی کو کسی شیئ کے ساتھ مشابہت دی یا مکان یا جہت کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا۔ (ت)

(۳) فقہ حنفی کو مطلقًا باطل و ناحق جاننا تو سخت خبیث وملعون ہے کہ وہ احکام قرآن عظیم واحکام صحاح احادیث پر مشتمل سب سے سہل تر احکام قیاس ہیں، اس کی نسبت فتاوٰی تاتارخانیہ پھر فتاوٰی عالمگیریہ جلد دوم صفحہ ۲۷۱ میں ہے:

رجل قال قیاس ابی حنیفة حق نیست یکفر[2]۔	جس نے یہ کہا کہ "قیاس ابوحنیفہ درست نہیں" اس نے کفر کیا (ت)

ہم نے خاص اس قول کی شرح بعونہ تعالٰی ایک نفیس رسالہ لکھا اور اس میں اسے مشرح ومفصل ومبرہن ومدلل کیا وللہ الحمد۔

(۴) یہیں سے توہین فقہ مبارک کا حکم ظاہر کہ صرف باطل کہنے سے وہ ملعون الفاظ بدرجہا بدتر، زید وعمرو مختلف ہوں کہ بکر اس وقت قائم ہے یا قاعد، دونوں میں ایک ضرور باطل ہے مگر ان میں کوئی موجب دخول دوزخ نہیں،

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[3] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ ت) منح الروض ص ۲۱۲: کفر باستخفاف الفقه[4] (فقہ کی کتاب کی تحقیر سے کافر ہوگا۔ ت)

(۴) بعد وضوح صواب وکشف حجاب بحمد الوہاب امامت وولایت وجلالت شان ورفعت مکان حضرات عالیہ ائمہ اربعہ علیہم الرضوان پر امت اجابت کا اجماع منعقد ہولیا خبثائے مبتدعین مثل وہابیہ ورافضیہ وغیر مقلدین امت اجابت سے نہیں کافروں کی طرح امتِ دعوت سے ہیں، ولہٰذا اجماع میں ان کا اختلاف معتبر نہیں، اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ مبحث اجماع باب الاہلیة میں ہے:

صاحب الهوی المشهور لیس من الامة علی الاطلاق[5]۔	دین میں جو گمراہی والا مشہور ہو وہ علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبة الحقیقیه استنبول ترکی ص ۳۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۱

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[4] منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۴

[5] اصول بزدوی باب الاہلیة قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۴۳

توضیح طبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۵۰۶ میں ہے:

صاحب البدعة یدعو الناس الیھا لیس ھو من الامة علی الاطلاق[1]۔	اہلسنت کے مخالف عقیدے والا جو لوگوں کو اپنے عقیدے کی دعوت دے وہ علی الاطلاق امتی نہیں ہے (ت)

تلویح علامہ تفتازانی ص ۵۰۶ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد پنجم ۶۵۴ میں ہے:

لان المبتدع وان کان من اھل القبلة فھو من امة الدعوة دون المتابعة کالکفار[2]۔	کیونکہ اعتقاد میں بدعتی اگرچہ اہل قبلہ سے ہے لیکن امت اجابت میں نہیں بلکہ وہ مثل کفار امت دعوت میں سے ہے۔(ت)

اور اجماع امت بلاشبہ حجت ہے تو حضرات ائمہ اربعہ خصوصًا امام الائمہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے امامِ امت واجلہ اولیائے حضرت عزت سے ہونے کا اب انکار نہ کریگا مگر گمراہ بددین یا ملحد بے دین مرتد بالیقین اور بحکم فقہ اس پر لزومِ کفر، ظاہر و مبین۔ مجمع الانہر طبع مصر جلد اول ص ۶۳۳ و منح الروض ۲۱۲ میں ہے:

من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر[3]۔	جو شخص تحقیر کے ارادے سے عالم کو عویلم اور علوی کو علیوی کہے وہ کافر ہوجاتا ہے۔(ت)

جب ایک عالم کو بنظر تحقیر مولویا کہنے کو کفر فرماتے ہیں تو عالم العلماء امام الائمہ کی نسبت ایسے ہفوات ملعونہ کس درجہ خبیث تر ہیں، اکابر اولیائے فرماتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مقام باقی اولیاء کرام کے مقام سے بالیقین بلند و بالا ہے۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی جلد اول ص ۱۷۲:

سمعت سیدی علیا المرصفی رحمہ اللہ تعالٰی یقول اعتقادنا ان اکابر الصحابة والتابعین والائمة المجتھدین کان مقامھم اکبر من مقام باقی الاولیاء بیقین[4]۔	میں نے سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ تعالٰی سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ بیقین ہمارا اعتقاد ہے کہ اکابر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کا مقام باقی اولیاء کرام سے بڑا تھا۔(ت)

[1] توضیح علی التنقیح معہ التلویح باب الاہلیۃ المطبعۃ الخیریہ مصر ۲/ ۲۳۷

[2] توضیح علی التنقیح معہ التلویح باب الاہلیۃ المطبعۃ الخیریہ مصر ۲/ ۲۳۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵، منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۴

[4] میزان الشریعۃ الکبرٰی باب صفۃ الصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۷

تو بالیقین امام الائمہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنہم اعاظم سردارانِ اولیاء اللہ عزوجل سے ہیں، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من عادٰی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب[1]۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ عزوجل۔	جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے میں نے اعلان فرمادیا اس سے لڑائی کا۔ (اسے بخاری نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ نے اللہ عزوجل سے روایت کیا۔ت)

ڈاکوؤں کی بابت فرمایا:

" اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ " الایۃ[2]	یہ جو اللہ ورسول سے لڑتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں یا سولی دئے جائیں، الی آخر الایۃ۔

سود کے بارے میں فرمایا:

" فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[3]۔	اگر سود نہ چھوڑو تو اعلان کرو اللہ ورسول سے لڑائی کا۔

لیکن یہاں فرمایا جو میرے کسی ولی سے عداوت رکھے خود میں نے اس سے لڑائی کا اعلان فرمادیا، خود ابتداء فرمانا دلیل واضح ہے کہ عداوت باعثِ ایذائے رب عزوجل ہے۔ اور رب عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۵۷﴾ "[4]۔	بیشک وہ جو اللہ ورسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے لعنت فرمائی دنیا اور آخرت میں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ظاہر ہے کہ مسلمان اگرچہ عاصی اگرچہ معاذاللہ معذب ہو آخرت میں اپنے رب کا ملعون نہیں ورنہ بالآخر رحمت ونعمت وجنت ابدی نہ پاتا اس کی نار نارِ تطہیر ہے، نہ نارِ لعنت وابعاد تذلیل وتحقیر، تو جسے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ٢/ ٩٦٣

[2] القرآن الکریم ۵/ ٣٣

[3] القرآن الکریم ٢/ ٢٧٩

[4] القرآن الکریم ٣٣/ ۵٧

اللہ عزوجل دنیا وآخرت میں ملعون کرے وہ نہ ہوگا مگر کافر۔ اور یہ وہاں ہے کہ بعد وضوح حق براہ عناد ہو جس طرح اب وہابیہ ماردین اعدائے دین کا حال ہے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞" [1] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) ان کے وصف کو ایک حدیث بس ہے کہ دار قطنی وابوحاتم خزاعی نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اھل البدع کلاب اھل النار [2]۔	گمراہ لوگ دوزخیوں کے کتے ہیں۔

کتا اور وہ بھی بدترین خلائق دوزخیوں کا جن کے متعلق فرمایا، "اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۞" [3] وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں، کتے سے بدتر، سور سے بدتر، سور کے لئے اگر کوئی کتا فرض کیا جائے تو ایسے لوگ سور سے بدتروں کے کتے ہیں، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۞" [4]۔ (۶) بلاشبہہ طائفہ غیر مقلدین اجماع امت کو اصلاحجت نہیں مانتے بلکہ محض مہمل و نامعتبر جانتے ہیں، صدیق حسن بھوپالی کا مصرع ہے:

قیاس فاسد واجماع بے اثر آمد

(قیاس فاسد ہے اور اجماع کوئی اثر نہیں رکھتا۔ت)

اور ائمہ کرام وعلمائے اعلام حجیت اجماع کو ضروریاتِ دین سے بتاتے اور مخالف اجماع قطعی کو کفر ٹھہراتے ہیں، مواقف عضد الدین وشرح مواقف علامہ سید شریف مطبوعہ استنبول جلد اول ص ۱۵۹:

کون الاجماع حجة قطعیة معلوم بالضرورة من الدین [5]۔	اجماع کا قطعی حجت ہونا ضروریات دین سے ہے۔(ت)

مسلم الثبوت وفواتح الرحموت جلد دوم ص ۴۹۴:

الاجماع حجة قطعا ویفید العلم الجازم عند جمیع اھل القبلة، ولایعتد بشر ذمة	اجماع قطعی حجت ہے اور یہ تمام اہل قبلہ کے ہاں یقینی علم کا فائدہ دیتا ہے اور خارجی اور رافضی احمقوں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۱۲۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۲۳

[3] القرآن الکریم ۹۹/ ۶

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] شرح المواقف باب المقصد السادس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۲۵۵

من الحمقاء الخوارج والروافض لانهم حادثون بعد الاتفاق یتشککون فی ضروریات الدین[1]۔	کے گروہ کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ نئے فرقے ہیں جو ضروریات دین میں تشکیک پیدا کرتے (ت)

اصول امام اجل فخر الاسلام بزدوی باب حکم الاجماع:

فصار الاجماع کاٰیة من الکتاب اوحدیث متواتر فی وجوب العمل والعلم به فیکفر جاحده فی الاصل[2]۔	تو اجماع کتاب اللہ یا حدیث متواتر کی طرح وجوب علم و عمل ثابت کرتا ہے لہٰذا قاعدہ کی رو سے اس کا منکر کافر قرار دیا جائے گا۔(ت)

کشف الاسرار امام عبدالعزیز بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد چہارم ص ۲۶۱:

یحکم بکفر من انکر اصل الاجماع بان قال لیس الاجماع بحجة[3]۔	جو اجماع کے اصول میں ہونے سے انکار کرے اور کہے کہ اجماع حجت نہیں ہے اس کی تکفیر کی جائے گی (ت)

مسایرہ امام محقق ابن الہمام مطبوعہ مصر خاتمہ ص ۹:

وبالجملة فقد ضم الی التصدیق بالقلب فی تحقق الایمان امور الاخلال بالایمان اتفاقا کترك السجود للصنم وقتل نبی والاستخفاف به ومخالف ما اجمع علیه وانکاره بعد العلم به[4] (ملتقطا)	حاصل یہ کہ ایمان کے لئے تصدیق بالقلب کے ساتھ کچھ امور ایسے ہیں جو بالاتفاق ایمان میں خلل انداز ہوتے ہیں جن کا ترک ضروری ہے، مثلاً بت کو سجدہ، نبی کا قتل اور اس کی توہین اور اجماع کی مخالفت اور اجماع کے علم پر اس کا انکار۔ (ملتقطا)

الفصول البدائع فی اصول الشرائع علامہ شمس فناوی مطبوعہ استنبول جلد دوم ص ۲۷۴:

یکفر جاحد حجیة الاجماع مطلقا وهو المذهب عند مشائخنا[5]۔	اجماع کی حجیت کا مطلقاً انکار کرنے والا کافر قرار پائیگا ہمارے مشائخ کا یہی مذہب ہے (ت)

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی باب الاجماع حجة قطعًا منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۳

[2] اصول البزدوی باب حکم الاجماع قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۴۵

[3] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب حکم الاجماع الخ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۶۱

[4] المسایرہ معه المسامرہ الخاتمة فی بحث الایمان المکتبة التجاریة الکبری مصر ۷ ۳۳

[5] فصول البدائع فی اصول الشرائع

تلویح جلد دوم ص ۵۱۵:

الاجماع علی مراتب فالاولی بمنزلة الآیة والخبر المتواتر یکفر جاحدہ[1]۔	اجماع کے مراتب ہیں، پہلا مرتبہ بمنزلہ آیت کریمہ اور خبر متواتر ہے جس کا منکر کافر ہوگا (ت)

کشف الاسرار شرح المنار للامام النسفی مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۱۱۱:

یکفر جاحدہ کما یکفر جاحد ماثبت بالکتاب او المتواتر[2]۔	اجماع کا منکر کافر ہے جس طرح کتاب اللہ یا خبر متواتر سے ثابت شدہ کا منکر کافر ہے (ت)

مرآۃ الاصول علامہ مولٰی خسرو مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۷۱:

یکفر منکر حجیة الاجماع مطلقا ھو المختار عند مشائخنا۔[3]	مطلقًا اجماع کی حجیت کا منکر کافر ہے ہمارے مشائخ کے ہاں یہی مختار ہے (ت)

(۷) جماعت اسلام سے ان کی مفارقت اسی معنٰی پر ہے جو نزد فقہائے کرام ان کو خارج از اسلام کرتی ہے **کمایظھر بمامرو یأتی بالتفاصیل المودعة فی رسائلنا المذکورة** (جیسا کہ گزشتہ اور آنیوالے بیان اور ان تفاصیل سے ظاہر ہو جائیگا جو ہمارے رسائل میں شامل ہیں۔ت) تو بلاشبہہ بحکم فقہ یہ طائفہ حدیث مذکور کے حکم ظاہر میں داخل اور اسلام سے خارج۔

(۸) یونہی تقلید کو مطلقًا شرک ونافی ایمان کہنا، قرآن وحدیث واجماع امت سب کا انکار اور کفر ہے، کشف اصول بزدوی جلد ۳ ص ۳۸۸ میں ہے:

رجوع العامی الی قول المفتی وجب بالنص والاجماع[4] (ملخصًا)	عوام کا مفتی کے قول کی طرف رجوع کرنا نص اور اجماع کی بناء پر لازم ہے (ت)

فصول البدائع جلد دوم ص ۴۳۳:

للعامی تقلید المجتھد فی فروع الشریعة خلافا لمعتزلة بغداد. لنا ان علماء	عوام کے لئے فروع شریعت میں تقلید مجتہد لازم ہے، اس میں معتزلہ بغداد کا اختلاف ہے، ہماری دلیل

[1] تلویح علی التوضیح الامر الرابع فی حکم الاجماع المطبعة الخیریہ مصر ۲/ ۳۴۷

[2] کشف الاسرار شرح منار الانوار فی اصول الفقه

[3] مرآۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول فی علم الاصول مولی خسرو

[4] کشف الاسرار عن اصول البزدوی قبیل باب حکم العلة دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

الامصار لاینکرون علی العوام الاقتصار علی اقاویلھم فحصل الاجماع قبل حدوث المخالف[1]۔	یہ ہے کہ تمام علاقوں کے علماء نے عوام کو اپنے اقوال پر عمل سے نہیں روکا تو مخالف قول سے پہلے پہلے اس پر اجماع ہوچکا ہے(ت)

فواتح الرحموت جلد اول ص ۷:

المقلد یعلم وجوب العمل بقول المجتھد ضرورۃ من الدین او بالتقلید المحض[2] اھ **اقول:** الاول فیمن کان مخالطا للمسلمین والثانی فیمن لم یخالطھم بعد۔	مقلد مجتہد کے قول پر عمل کا وجوب ضروریاتِ دین یا تقلید محض کے طور پر جانتا ہے اھ **اقول:** پہلی صورت وہاں ہے جہاں مسلمانوں کے ساتھ اختلاط ہو دوسری صورت وہاں جہاں ابھی مسلمانوں کے ساتھ اختلاط نہ ہوا ہو۔(ت)

(۹) بلاشبہہ گیارہ سوبرس سے عامہ امتِ محمدیہ علٰی صاحبہا وعلیہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ مقلدین ہیں مقلدوں کو مشرک کہنا عامہ امت مرحومہ کی تکفیر ہے اور بلاریب بحکم ظواہر احادیث وفتوٰی ائمہ فقہ کفر ہے۔ عالمگیری جلد دوم ص ۲۷۸، برجندی شرح نقایہ جلد چہارم ص ۶۸، حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد اول ص ۱۴۰ وص ۱۵۶، جامع الفصولین جلد دوم ص ۳۱۱، بزازیہ جلد سوم ص ۳۳۱، ردالمحتار جلد سوم ص ۲۸۳، درمختار ص ۳۹۳، جامع الرموز مطبوعہ کلکتہ جلد چہارم ص ۶۵۱، مجمع الانہر مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۵۶۶، خزانۃ المفتین قلمی، کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر، نیز ان کتب میں ذخیرۃ الفتاوٰی وفصول عمادی واحکام علی الدرر وقاضیخان ونہر الفائق وشرح وہبانیہ وغیرہا سے:

المختار للفتوی فی جنس ھٰذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقالات ان اراد الشتم ولایعتقدہ کافرا لایکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبہ بھذا بناء علی اعتقادہ انہ کافر یکفر[3]۔	ایسے مسائل میں فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ اگر ایسے کلمات سے مراد سبّ وشتم ہو اور کفر کا اعتقاد نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر مقلد کو کافر سمجھتا ہے اور اسے اپنے اس اعتقاد کے مطابق مخاطب کرتا ہے تو اب کافر ہوجائے گا۔(ت)

---

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی المقدمہ فی اصول الفقہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸

(۱۰) نمبر ۶ میں ان کا منکر قیاس ہونا گزرا اور یہ **اظہر من الشمس** ہے، والہٰذا فقہ کے منکر ہیں، علمائے کرام فرماتے ہیں قیاس وفقہ کی حجیت بھی ضروریات دین سے ہے تو اس کا انکار ضرور کفر ہونا لازم، کشف البزدوی جلد ۳ ص ۲۸۰:

قد ثبت بالتواتران الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم عملوا بالقياس وشاع وذاع ذلك فيما بينهم من غير ردوانكار[1]۔	یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قیاس پر عمل پیرا تھے اور عمل ان کے درمیان بغیر کسی ردوانکار جاری ومشہور تھا۔(ت)

ایضاص ۲۸۱:

انهم كانوا مجمعين على ذٰلك فيما لانص فيه وكفى باجماعهم حجة[2]۔	جس حکم کے بارے میں نص نہ ہوتی صحابہ کا اس پر اجماع ہوجاتا اور ان کا اجماع ہی کافی ہے(ت)

ایضاص ۲۸۱ امام حجۃ الاسلام غزالی سے:

قد ثبت بالقواطع من جميع الصحابة الاجتهاد والقول بالرائ والسكوت عن القائلين به وثبت ذلك بالتواتر فی وقائع مشهورة ولم ينكرها احد من الامة فاورث ذٰلك علما ضروريا فكيف يترك المعلوم ضرورة[3]۔	دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے کہ تمام صحابہ اجتہاد اور رائے پر عمل کرتے اور دیگر صحابہ خاموش رہتے اور یہ بات بڑے بڑے مشہور مواقع کے بارے میں تواتر کے ساتھ منقول ہے اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو اس سے علم ضروری کا ثبوت ہوجائیگا جو ضروری طور پر معلوم ہوا سے کیسے ترک کیا جاسکتا۔(ت)

فواتح الرحموت ص ۷:

الفقة عبارة عن العلم بوجوب العمل وهو قطعی لاريب فيه ثابت بالاجماع القاطع بل ضروری فی الدين[4]۔	فقہ علم بوجوب عمل کا نام ہے اور یہ ایسی قطعی چیز ہے جس میں کوئی شک نہیں یہ اجماع قطعی سے ثابت بلکہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔(ت)

---

[1] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۰

[2] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۱

[3] کشف الاسرار عن اصول بزدوی باب القیاس دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۸۱

[4] فتواتح الرحموت بذیل المستصفٰی باب المقدمہ فی اصول الفقہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۲

فواتح الرحموت میں ہے:

عن ابیه ملك العلماء عن المدقق صاحب المسلم القیاس علی تقدیر کونه فعلا من الفقه اما ان کان عبارة عن المساواة المعتبرة شرعا فحجیته ضروریة دینیة کما سیصرح فی السنة ان حجیتها ضروریة دینیه[1]۔	اپنے والد گرامی ملک العلماء سے انہوں نے مدقق صاحب المسلم سے نقل کیا کہ قیاس اس تقدیر پر کہ وہ فقہی فعل ہے تو یا وہ شرعًا مساوات معتبرہ سے عبارت ہوگا تو اس کا حجت ہونا ضرورت دینی ہے جیسا کہ سنت کے بارے میں عنقریب تصریح آرہی ہے کہ اس کا حجت ہونا ضروریات دین میں سے ہے (ت)

بالجملہ حکم فقہ بلکہ بحکم حدیث بھی طائفہ غیر مقلدین پر بوجوہِ کثیرہ حکمِ کفر ہے، جسے زیادہ تفصیل پر اطلاع منظور ہو ہمارے رسائل مذکورہ کی طرف رجوع کرے واللہ الھادی۔

جواب سوال دوم: بلاشبہہ رافضی تبرائی بحکم فقہائے کرام مطلقًا کافر مرتد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل کو ہمارا رسالہ "ردالرفضة" بحمد اللہ کافی ووافی، یہاں دو چار سندوں پر اقتصار، درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۹:

کل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الاالکافر بسب نبی اوالشیخین اواحدهما[2]۔	ہر وہ مسلمان جو مرتد ہوگیا اس کی توبہ قبول ہے مگر وہ کافر جس نے کسی نبی یا ابوبکر وعمر یا ان میں سے کسی ایک کو گالی دی (ت)

درمختار میں ہے:

من سب الشیخین اوطعن فیهما کفر ولاتقبل توبته[3]۔	جس نے حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ عنہما) کو گالی دی یا ان پر طعن تو وہ کافر ہے اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ مطبع مصر جلد اول ص ۱۳۵:

فی الروافض من فضل علیا علی الثلثة	رافضیوں میں سے جس نے حضرت علی کو باقی تین

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی قانون ثالث منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۱۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶۔۵۷

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

رضی اللہ تعالٰی عنہم فمبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق او عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما فھو کافر [1]۔	صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دی وہ بدعتی ہے اور اگر کسی نے خلافت صدیقی اور خلافت فاروقی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا انکار کیا تو وہ کافر ہے (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبوعہ مصر جلد اول ص ۸۴:

تجوز الصلٰوۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولا تجوز خلف الرافضی وحاصلہ ان کان ھوی لایکفر بہ صاحبہ تجوز الصلٰوۃ خلفہ مع الکراھۃ والا فلا ھکذا فی التبیین والخلاصۃ وھو الصحیح ھکذا فی البدائع [2]۔	صاحب ہوٰی و بدعت کی اقتداء میں نماز جائز مگر رافضی کے پیچھے جائز نہیں، حاصل یہ ہے کہ اگر وہ ایسی بدعت ہے جس سے صاحب بدعت کافر نہیں ہوتا تو اس کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز جائز ہوگی اور اگر وہ بدعت کفر ہے تو نماز جائز ہی نہ ہوگی، تبیین اور خلاصہ میں اسی طرح ہے اور یہی صحیح ہے، بدائع میں بھی اسی طرح ہے (ت)

فتاوٰی خلاصہ مطبوعہ لاہور جلد اول ص ۱۰۷:

فی الروافض ان فضل علیاً علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر [3]۔	رافضیوں میں سے اگر کوئی حضرت علی کو دوسرے پر فضیلت دیتا ہے تو وہ بدعتی ہے اور اگر وہ خلافت صدیقی کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ مطبوعہ جلد اول ص ۹۲ در بارہ روافض:

اعلم اسعدک تعالٰی ان ھٰؤلاء الکفرۃ جمعوا بین اصناف الکفر ومن توقف فی کفرھم والحادھم فھو کافر مثلھم [4]۔	اے مخاطب (اللہ تعالٰی تجھے نیک بخت بنائے) یہ کافر ہیں کہ انہوں نے اپنے اندر کفر کی مختلف صورتیں جمع کر رکھی ہیں جس نے ان کے کفر والحاد میں توقف کیا وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے۔ (ت)

ایضاً صفحہ نمبر ۹۲:

اما الکفر فمن وجوہ منھا انھم یستخفون	کئی وجوہ سے کفر ہے ایک یہ کہ یہ لوگ دین کی تحقیر

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماماً لغیرہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۸۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی فصل فی الامامۃ والاقتدار مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوٰی حامدیۃ باب حکم الروافض او سب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

بالدین ومنہا انھم یھینون العلم والعلماء [1]۔	کرتے ہیں دوسرا یہ کہ یہ علم اور علماء کی توہین وتذلیل کاارتکاب کرتے ہیں (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

ومنہا انھم یسبون الشیخین سود اللّٰہ وجوھھم فی الدارین [2]۔	ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حضرت ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو گالیاں دیتے ہیں اللہ تعالٰی دنیا وآخرت میں انہیں ذلیل فرمائے (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

فمن اتصف بواحدۃ من ھذہ الامور فھو کافر [3]۔	ان مذکورہ چیزوں میں سے جس میں ایک پائی جائے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

اماسب الشخین رضی اللہ تعالٰی عنہما فانہ کسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال الصدر الشھید من سب الشیخین اولعنھمایکفر ولاتقبل توبتہ واسلامہ [4]۔	شیخین کو گالیاں دینا ایسے ہی ہے جیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینا ہے۔ صدر الشہید نے فرمایا: جس نے حضرات شیخین کو گالی دی یاان پر لعنت کی وہ کافر ہوجائے گااور اس کی توبہ اور اسلام قبول نہیں کیاجائے گا (ت)

ایضًا صفحہ ۹۳:

اجمع علماء الاعصار علی ان من شك فی کفرھم کان کافرا اھ [5]۔	تمام ادوار کے علماء کا اتفاق ہے کہ جوان کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہوجائے گا اھ (ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

[2] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

[3] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

[4] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

[5] العقود الدریہ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ باب حکم الروافض وسب الشیخین حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴-۱۰۳

مسئلہ ۵۲: ازجونپور ملاٹولہ مرسلہ مولوی عبداول صاحب ۶ رمضان مبارک ۱۳۳۵ھ

یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہو تو اور دلائل سے مبرہن ومزین فرماکر مہرو دستخط سے ممتاز فرمایا جائے۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ممتحن نے زیر نگرانی دو شخص مسلمان کے پرچہ زبان دانی انگریزی سے عربی میں ترجمہ کرنے کے لئے مرتب کیا جس میں سب سے بڑے سوال میں نصف نمبر رکھے تھے، حضرت رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی اور توہین کے فقرات استعمال کئے تاکہ مسلمان طالب علم لامحالہ مجبور ہو کر اپنے قلم سے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معصوم ومقدس شان میں بدگوئی لکھیں جو برائے فتوٰی ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

"ابن عبداللہ نے اس قبیلہ میں تربیت پائی تھی جو عرب کی اصلی زبان بولنے کے لحاظ سے شریف ترین تھا اور اس کی فصاحت کی سنجیدگی باموقع سکوت پر عمل کرنے سے تصحیح اور ترقی ہوتی رہی باوجود اس فصاحت کے **محمد** ایک ناخواندہ وحشی تھا بچپن میں اسے نوشت وخواند کی تعلیم نہیں دی گئی تھی عام جہالت نے اسے شرم اور ملامت سے مبرا کردیا تھا مگر اس کی زندگی ایک ہستی کے تنگ دائرہ میں محدود تھی اور وہ اس آئینہ سے (جس کے ذریعہ سے ہمارے دلوں پر عقلمندوں اور نامور بہادروں کے خیالات کا عکس پڑتا ہے) محروم رہا تاہم اس کی نظروں کے سامنے ان کتابوں کے اوراق کھلے ہوئے تھے جس میں قدرت اور انسان کا مشاہدہ کرتا کچھ تمدنی اور فلسفی توہمات جو اسے عرب کے مسافر پر محمول کئے جاتے ہیں پیدا ہوگئے تھے"۔

جس شخص نے پرچہ مرتب کیا اور جن لوگوں ن اس کی نظر ثانی کی وہ لوگ بوجہ استعمال الفاظ ناشائستہ جو بلاضرورت شان حضرت جناب رسالتمآب میں کئے گئے وہ بوجہ اس گستاخی کے دائرہ اسلام سے خارج ہوگئے یا نہیں اور ان کی کیا سزا ہے اور ان کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے فقط راقم مسلمانان جون پور

خلاصہ جوابات جون پور

الجواب:

شخص مذکور فی السوال شرعاً ملعون وکافر ومرتد ہے،

فی الاشباہ والنظائر کل کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والاٰخرۃ الاجماعۃ الکافر بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او بسب الشیخین	اشباہ ونظائر میں ہے کہ ہر کافر توبہ کرے تو اس کی توبہ دنیا وآخرت میں مقبول ہے، مگر کافروں کی وہ جماعت جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ

اواحدھما[1]۔	تعالٰی عنہما یا ان میں سے ایک کو گالی دی ہو۔(ت)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی شان میں گستاخی کرنے والا مرتد ہے اور اگر وہ توبہ کرے تو اس کی توبہ بھی قبول نہیں، شفاء ص ۳۹۳ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا برا کہنے والا کافر ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے[2]۔ منجملہ علماء کے امام مالک ارو امام لیث بن سعد مصری اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد بن حنبل و امام ابویوسف و امام محمد وزفر وسفیان ثوری واہل کوفہ و امام اوزاعی اور علمائے اسلام کہ ومدینہ وبغداد و مصر ہیں اور اس میں سے کسی نے بھی شاتم الرسول کے مباح الدم ہونے میں خلاف نہیں کیا، واللہ اعلم

کتبہ الفقیر الی اللہ عزّوجل عبدالاوّل الحنفی الجونپوری ۱۳ شعبان ۱۳۳۵ھ (عبدالاول بن علی جونپوری ۱۳۰۲)

ساب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافر ہے، بغیر تجدید ایمان کے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، صحیح یہ ہے کہ تجدید ایمان کے بعد سزائے قتل نہ ہوگی جیسا کہ تنقیح حامدیہ میں ہے، ہاں اگر وہ مرتد توبہ نصوح کرے اور پھر اس سے ایمان لائے اور اپنا اسلام اور حال ٹھیک رکھے تو اس کی توبہ قبول ہونے پر بھی صاف نہ چھوڑا جائے گا بلکہ تعزیر و حبس کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ تنقیح میں ہے:

ویکتفی بالتعزیر والحبس تأدیبا[3]۔	ادب کے پیش نظر صرف تعزیر اور قید کی سزا پر اکتفاء کیا جائیگا۔(ت)

رقمہ راجی رحمۃ رب العباد محمد حماد نجل الشیخ دین سے خارج و مرتد ہو جاتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز مجدد خلیفہ راشد کا یہی مذہب ہے کہ ساب رسول کو سزائے قتل دی جائے مگر جب کہ تجدید ایمان و حسن اسلام لائے۔

حررہ عبدالباطن بن مولانا الشیخ عبدالاول الجونفوری

الجواب:

"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾"[4]	اے مرے رب تیری پناہ شیطان کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۸۹

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الرابع الباب الاول شرکۃ صحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۰۸

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوٰی حامدیہ احکام المرتدین حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۱۰۷

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷

"وَالَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۱﴾ "[1] "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾ "[2] "اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾ "[3]	اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ (ت)

ان نام کے مسلمان کہلانے والوں میں جس شخص نے وہ ملعون پرچہ مرتب کیا وہ کافر مرتد ہے، جس جس نے اس پر نظر ثانی کرکے برقرار رکھا وہ کافر مرتد، جس جس کی نگرانی میں تیار ہوا وہ کافر مرتد، طلبہ میں جو کلمہ گو تھے اور انہوں نے بجوشی اس ملعون عبارت کا ترجمہ کیا اپنے نبی کی توہین پر راضی ہوئے یا اسے ہلکا جانا یا اسے اپنے نمبر گھٹنے یا پاس نہ ہونے سے آسان سمجھا وہ سب بھی کافر مرتد، بالغ ہوں خواہ نابالغ، ان چاروں فریق میں ہر شخص سے مسلمانوں کو سلام کلام حرام، میل جول حرام نشست وبرخاست حرام، بیمار پڑے تو اس کی عیادت کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، اس پر نماز پڑھنا حرام اس کی جنازہ اٹھانا حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، مسلمانوں کی طرح اس کی قبر بنانا حرام، اسے مٹی دینا حرام، اس پر فاتحہ حرام، اسے کوئی ثواب پہنچانا حرام، بلکہ خود کفر قاطع اسلام، جب ان میں کوئی مرجائے اس کے اعزہ اقربا مسلمین اگر حکم شرع نہ مانیں تو اس کی لاش دفع عفونت کے لئے مردار کتے کی طرح بھنگی چماروں سے ٹھیلے میں اٹھوا کر کسی تنگ گڑھے میں ڈلوا کر اوپر سے آگ پتھر جو چاہیں پھینک پھینک کر پاٹ دیں کہ اسکی بدبو سے ایذا نہ ہو، یہ احکام ان سب کے لئے عام ہیں اور جو ان میں نکاح کئے ہوئے ہوں ان سب کی جوروئیں ان کے نکاحوں سے نکل گئیں اب اگر قربت ہوگی حرام حرام حرام وزنائے خالص ہوگی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوگی ولد الزنا ہوگی، عورتوں کو شرعًا اختیار ہے کہ عدت گزر جانے پر جس سے چاہیں نکاح کرلیں ان میں سے جسے ہدایت ہو اور توبہ کرے اور اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا پھر مسلمان ہو اس وقت یہ احکام جو اس کی موت سے متعلق تھے منتہی ہوں گے، اور وہ ممانعت جو اس سے میل جول کی تھی جب بھی باقی رہے گی یہاں تک کہ اس کے حال سے صدق ندامت وخلوص توبہ وصحت اسلام ظاہر وروشن ہو مگر عورتیں اس سے بھی نکاح میں واپس نہیں

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

آسکتیں انہیں اب بھی اختیار ہوگا کہ چاہیں دوسرے سے نکاح کرلیں یا کسی سے نہ کریں ان پر کوئی جبر نہیں پہنچتا ہاں ان کی مرضی ہو تو بعد اسلام ان سے بھی نکاح کرسکیں گی۔ شفاء شریف صفحہ ۳۲۱:

اجمع العلماء ان شاتم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنتقص لہ کافر والوعید جار علیہ بعذاب اللہ تعالٰی لہ وحکمہ عند الامۃ القتل ومن شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	یعنی اجماع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور اس پر عذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور امت کے نزدیک وہ واجب القتل ہے اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہوگیا۔

نسیم الریاض جلد چہارم ص۳۸۱ میں امام ابن حجر مکی سے ہے:

ماصرح بہ من کفر الساب والشاك فی کفرہ ھو ماعلیہ ائمتنا وغیرہم[2]۔	یعنی جو یہ ارشاد فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر اور جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر، یہی مذہب ہمارے ائمہ وغیر ہم کا ہے۔

وجیز امام کردری جلد ۳ ص ۳۲۱:

لو ارتد والعیاذ باللہ تعالٰی تحرم امرأتہ ویجدد النکاح بعد اسلامہ، والمولود بینہما قبل تجدید النکاح بالوطی بعد التکلم بکلمۃ الکفر ولدزنا ثم ان اتی بکلمۃ الشھادۃ علی العادۃ لایجدیہ مالم یرجع عما قالہ لان باتیانہما علی العادۃ لایرتفع الکفر الا اذاسب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اواحدا من الانبیاء علیہم الصلٰوۃ و	یعنی جو شخص معاذاللہ مرتد ہوجائے اس کی عورت حرام ہوجاتی ہے، پھر اسلام لائے تو اس سے جدید نکاح کیا جائے اس سے پہلے اس کلمہ کفر کے بعد کی صحبت سے جو بچہ ہوگا حرامی ہوگا اور یہ شخص اگر عادت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھتا رہے گا کچھ فائدہ نہ دے گا جب تک اپنے اس کفر سے توبہ نہ کرے کہ عادت کے طور پر مرتد کے کلمہ پڑھنے سے اس کا کفر نہیں جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے دنیا میں بعد توبہ بھی اسے قتل کی سزا دی جائے گی یہاں تک کہ اگر نشہ کی

[1] کتاب الشفاء القسم الرابع فی وجوہ الاحکام فی من تنقص الباب الاول مکتبہ شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۰۸

[2] نسیم الریاض شرح شفاقاضی عیاض القسم الرابع فی وجوہ الاحکام فی من تنقص الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳۸

والسلام فلاتوبة له واذاشتمه علیه الصلٰوۃ والسلام سکران لایعفی واجمع العلماء ان شاتمه کافر ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1] اھ ملتقطا کاکثر الاواتی للاختصار۔	بیہوشی میں کلمہ گستاخی بکاجب بھی معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا کافر ہے اور کافر بھی ایسا کہ جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (ت)

فتح القدیر امام محقق علی الاطلاق جلد چہارم ص ۴۰۷:

کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقلبه کان مرتد افالساب بطریق اولٰی (ملخصًا) وان سب سکران لایعفی عنه[2]۔	یعنی جس کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کینہ ہو وہ مرتد ہے تو گستاخی کرنے والا بدرجہ اولٰی کافر ہے اور اگر نشہ بلااکراہ پیا اور اس حالت میں کلمہ گستاخی بکاجب بھی معاف نہ کیا جائے گا۔

بحرالرائق جلد پنجم ص ۱۳۵ میں بعینہٖ کلمہ مذکور ذکر کرکے ص ۱۳۶ پر فرمایا:

سب واحد من الانبیاء کذٰلك فلایفید الانکار مع البینة لانا نجعل انکار الردة توبة ان کانت مقبولة[3]۔	یعنی کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے یہی حکم ہے کہ اسے معافی نہ دیں گے اور بعد ثبوت اس کا انکار فائدہ نہ دے گا کہ مرتد کا ارتداد سے مکرنا تو دفع سزا کے لئے وہاں توبہ قرار پاتا ہے جہاں توبہ سنی جائے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی شان میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں اس سے یہاں اصلًا معافی نہ دینگے۔

درر الحکام علامہ مولٰی خسرو جلد اول ص ۲۹۹:

اذاسبه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم او واحدا من الانبیاء صلوات اللہ تعالٰی علیهم اجمعین مسلم فلا توبة له اصلا واجمع	یعنی اگر کوئی شخص مسلمان کہلا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اسے ہرگز معافی نہ دیں گے اور تمام علمائے امت

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی النوع الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۲۲-۳۲۱

[2] فتح القدیر باب احکام المرتدین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۳۲

[3] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۳۶

العلماء ان شاتمه کافر ومن شك فی عذابه وکفره کفر [1]۔	مرحومہ کا اجماع ہے اس پر کہ وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

غنیۃ ذوالاحکام ص ۳۰۱:

محل قبول توبة المرتد مالم تکن ردته بسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فان کان به لاتقبل توبته سواء جاء تائبا من نفسه او شهد علیه بذلك بخلاف غیره من المکفرات [2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی اور کفروں کی طرح نہیں ہر طرح کے مرتد کو بعد توبہ معافی دینے کا حکم ہے مگر اس کافر مرتد کے لئے اس کی اجازت نہیں۔

اشباہ والنظائر قلمی، باب الردۃ:

لاتصح ردة السکران الاالردة بسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه لایعفی عنه کذافی البزازیة وحکم الردة بینونة امرأته مطلقا [3] (ای سواء رجع او لم یرجع اھ غمز العیون [4]) واذا مات علی ردته لم یدفن فی مقابر المسلمین ولااهل ملة وانما یلقی فی حفرة کالکلب، والمرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی، و اذا شهد واعلی مسلم بالردة وهو منکر لایتعرض له لالتکذیب	یعنی نشہ کی بیہوشی میں اگر کسی سے کفر کی کوئی بات نکل جائے اسے بوجہ بیہوشی کافر نہ کہیں گے نہ سزائے کفر دیں گے مگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی وہ کفر ہے کہ نشہ کی بیہوشی سے بھی صادر ہوا تو اسے معافی نہ دینگے کذافی البزازیہ اور معاذاللہ ارتداد کا حکم یہ ہے کہ اس کی عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے اگر یہ بعد کو پھر اسلام لائے جب بھی عورت نکاح میں واپس نہ جائے گی اور جب وہ اسی ارتداد پر مرجائے والعیاذ باللہ تعالٰی تو اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنے کی اجازت نہیں نہ کسی ملت والے مثلاً یہودی یا نصرانی کے گورستان میں دفن کیا جائے

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام فصل فی الجزیہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت ۱/ ۳۰۰۔۲۹۹

[2] غنیہ ذوی الاحکام فی درر الاحکام باب المرتد احمد کامل الکائنہ فی دار السعادت بیروت ۱/ ۳۰۱

[3] الاشباہ والنظائر باب الردۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸۹تا۲۹۱

[4] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۰

الشهود العدول بل لان انکاره توبة ورجوع فتثبت الاحکام التی للمرتد لوتاب من حبط الاعمال وبینونة الزوجة وقوله لایتعرض له انما هوفی مرتد تقبل توبته فی الدنیالاالردة بسب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1] اھ الاولٰی تنکیرالنبی کما عبربه فیما سبق اھ [2] ملخصًا غمزالعیون۔	وہ تو کتے کی طرح کسی گڑھے میں پھینک دیا جائے مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے اور اگر کسی مسلمان پر گواہان عادل شہادت دیں کہ یہ فلاں قول یا فعل کے سبب مرتد ہوگیا اور وہ اس سے انکار کرتا ہو تو اس سے تعرض نہ کریں گے نہ اس لئے کہ گواہانِ عادل کو جھوٹا ٹھہرایا بلکہ اس لئے کہ اس کا مکرنا اس کفر سے توبہ ورجوع سمجھیں گے والہٰذا گواہان عادل کی گواہی اور اس کے انکار سے یہ نتیجہ پیدا ہوگا کہ وہ شخص مرتد ہوگیا تھا، اور اب توبہ کرلی تو مرتد تائب کے احکام اس پر جاری کرینگے کہ اس کے تمام اعمال حبط ہوگئے اور جورو نکاح سے باہر، اور یہ قول کہ اس سے تعرض نہ کیا جائے اس مرتد سے متعلق ہے جس کی توبہ دنیا میں قبول ہے، نہ وہ مرتد جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرے کہ یہ وہ کفر ہے جس کی سزا یہ ہے کہ دنیا میں بعد توبہ بھی معافی نہیں، یونہی کسی نبی کی شان میں گستاخی علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولٰی یہ تھا کہ لفظ نبی کو نکرہ ذکر کرتے جیساکہ گزشتہ عبارت میں تعبیر کیا ہے اھ ملخصًا غمز العیون۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار جلد اول ص ۹۵:

من سب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه مرتد وحکمه حکم المرتدین ویفعل به مایفعل بالمرتدین ولاتوبة له اصلا واجمع العلماء انه کافر ومن شك فی کفره کفر [3] اھ ملتقطا۔	جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان کریم میں گستاخی کرے وہ مرتد ہے اس کا وہی حکم ہے جو مرتدوں کا ہے اس سے وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مرتدوں سے کرنے کا حکم ہے اور اسے دنیا میں کسی طرح معافی نہ دیں گے اور باجماع تمام علمائے امت وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد اول ص ۶۱۸:

اذاسبه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اوواحدا من الانبیاء مسلم ولو سکران فلاتوبة	یعنی جو مسلمان کہلا کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی شان میں گستاخی کرے اگرچہ نشہ

[1] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۱و۲۹۳

[2] غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر مع الاشباہ باب المرتد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۳

[3] فتاوی خیریه باب المرتدین دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۰۳

لہ تنجیہ کالزندیق ومن شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[1]۔	کی حالت میں تو اس کی توبہ پر بھی دنیا میں اسے معافی نہ دیں گے جیسے دہریئے بے دین کی توبہ نہ سنی جائیگی، اور جو شخص اس گستاخی کرنے والے کے کفر میں شک لائے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔

ذخیرۃ العقبٰی علامہ اخی یوسف ص ۲۴۰:

قد اجمعت الامۃ علی ان الاستخفاف بنبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبای نبی کان علیھم الصلٰوۃ و السلام کفر سواء فعلہ علی ذٰلك مستحلا امر فعلہ معتقد الحرمۃ ولیس بین العلماء خلاف فی ذٰلك ومن شك فی کفرہ وعذابہ کفر[2]۔	یعنی بیشک تمام امت مرحومہ کا اجماع ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی نبی کی تنقیص شان کرنے والا کافر ہے، خواہ اسے حلال جان کر اس کا مرتکب ہوا ہو یا حرام جان کر، بہر حال جمیع علماء کے نزدیک کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

ایضًا صفحہ ۲۴۲:

لایغسل ولایصلی علیہ ولایکفن اما اذا تاب وتبرأ عن الارتداد ودخل فی دین الاسلام ثم مات غسل وکفن وصلی علیہ ودفن فی مقابر المسلمین[3]۔	یعنی وہ گستاخی کرنے والا جب مر جائے تو نہ اسے غسل دیں نہ کفن دیں نہ اس پر نماز پڑھیں، ہاں اگر توبہ کرے اور اپنے اس کفر سے برات کرے اور دین اسلام میں داخل ہو اس کے بعد مر جائے تو غسل، کفن، نماز، مقابر مسلمین میں دفن سب کچھ ہوگا۔

تنویر الابصار شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی:

کل مسلم ارتد فتوبتہ مقبولۃ الاالکافر بسب نبی الخ[4]۔	یعنی ہر مرتد کی توبہ قبول ہے مگر کسی نبی کی شان میں گستاخی کرنے والا ایسا کافر ہے کہ دنیا میں سزا سے بچانے کے لئے اس کی توبہ بھی قبول نہیں۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الجزیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۰

[2] ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی کتاب الجھاد باب الجزیہ مطبع نولکشور کانپور ۲/ ۳۱۹

[3] ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی کتاب الجھاد باب الجزیہ مطبع نولکشور کانپور ۳/ ۳۲۱

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

درمختار:

الکافر بسب نبی الانبیاء لاتقبل توبتہ مطلقا ومن شك فی عذابہ وکفرہ کفر [1]۔	یعنی کسی نبی کی توہین کرنا ایسا کفر ہے جس پر کسی طرح معافی نہ دیں گے اور جو اس کے کافر و مستحق عذاب ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔

کتاب الخراج سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ص ۱۹۷:

قال ابویوسف وایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او کذبہ او عابہ تنقصہ فقد کفر باللہ تعالٰی وبانت زوجتہ [2]۔	یعنی جو شخص کلمہ گو ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہے یا تکذیب کرے یا کوئی عیب لگائے یا شان گھٹائے وہ بلاشبہہ کافر ہوگیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی۔

بالجملہ اشخاص مذکورین کے کفر وارتداد میں اصلاً شک نہیں، دربارہ اسلام ورفع دیگر احکام ان کی توبہ اگر سچے دل سے ہو ضرور مقبول ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ سلطان اسلام انہیں بعد توبہ واسلام صرف تعزیر دے یا اب بھی سزائے موت دے وہ جو بزازیہ اور اس کے بعد کی بہت کتب معتمدہ میں ہے کہ اس کی توبہ مقبول نہیں اس کے یہی معنی ہیں اور اس کی بحث یہاں بیکار ہے، کہاں سلطان اسلام اور کہاں سزائے موت کے احکام، صدہا خبیث، اخبث، ملعون، انجس ہیں کہ کلمہ گو بلکہ اعلٰی درجہ کے مسلمان مفتی واعظ مدرس شیخ بن کر اللہ ورسول کے جناب میں منہ بھر کر ملعونات بکتے، لکھتے، چھاپتے ہیں اور ان سے کوئی تو کہنے والا نہیں اور اگر انہیں تو کہئے تو نہ صرف ان کے بلکہ بڑے بڑے مہذب بننے والے مسلمانوں کے نزدیک یہ بے تہذیبی وتشدد ہو،

فانظر الی آثار مقت اللہ الغیور کیف انقلبت وانعکست الامور ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم، "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	تو دیکھو اللہ غیور کے عذاب کے آثار کی طرف دل کیسے بدل جاتے ہیں اور امور کیسے الٹ ہو جاتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المرتدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] کتاب الخراج فصل فی الحکم فی المرتد عن الاسلام مطبع بولاق مصر ۹۸۔۱۹۷

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۷

مسئلہ ۵۳: از کوہ کسولی مرسلہ منشی نور محمد صاحب عرائض نویس کچہری ۱۹ رمضان شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اہل اسلام ایک مکان میں ختم شریف پڑھ رہے تھے ختم مذکور میں یہ بیت بھی پڑھی گئی:

عفو کن خطا یا حیات النبی
مری کر شفع یا حیات النبی

ایک شخص شریک مجمع مذکور منصب امامت رکھتا تھا، بضرورت ادائیگی نماز مغرب وہاں سے چلاگیااور بعد نماز مغرب چند اہل اسلام کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیاکہ امداد سوائے ذات باری تعالٰی کے کسی سے نہیں مانگنا چاہئے، جیساکہ لوگ کہا کرتے ہیں:

امداد کن امداد کن از بند غم آزاد کن
در دین ودنیا شاد کن یا شیخ عبدالقادرا

ایسا کہنا شرعًا جائز نہیں، دوسرے وقت میں شعر مندرجہ بالا پر بحث چھڑی تو پیش امام موصوف نے یہ بھی بیان کیاکہ رسول اللہ سے بھی کوئی استعانت نہیں مانگنا چاہئے کیونکہ وفات پاگئے ہیں اور مردہ ہیں۔ یہ سن کر ایک شخص نے امام موصوف کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی اور اپنے علیحدہ مکان میں مسجد قرار دے کر بشمولیت چند مردمان اہل اسلام جمعہ ودیگر نمازیں پڑھنی شروع کردیں، پیش امام مذکور نے اپنی بے ادبی وگستاخی معلوم کرکے معترض ودیگر مردمان کے سامنے توبہ کرلی اور معافی کا بھی خواستگار ہوامگر معترض نے اسے معاف نہیں کیااور بدستور اپنے اصرار پر قائم ہے، پیش امام مذکور نے یہ کہاکہ اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعالم حیات ہمارے سامنے بھی موجود ہوں تو اپنے اختیار سے بھی کوئی کام نہیں کرسکتے حالانکہ بظاہر وفات پاگئے ہیں، میرا اس پر ایما ہے اور لفظ "مردہ" جو میری زبان سے نکلا اس کے لئے توبہ کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں، اب دریافت طلب یہ امور ہیں کہ پیش امام مذکور کی امامت جائز ہے یانہیں اور شخص معترض کی نماز مسجد سے علیحدہ اس کے اپنے گھر میں اداہوجاتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرکے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سوال پہلے بھی آیا اور دارالافتاء سے جواب دیاگیا، جواب اب بھی وہی ہے اگرچہ سوال میں بہت الفاظ شیطانی کم ہیں، آخر یہ توخود پیش امام نے اقرار کیاکہ اس نے شان اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بے ادبی وگستاخی کی، یہی کفر ہے اور اس کے معافی معترض سے چاہنا عجیب ہے، گستاخی کرے محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں یہ معاف کردے، گویا یہ کہے کہ اگرچہ تونے میرے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہا مگر میں اس کی پروانہیں کرتا، میں نے کہا بے کہا کردیا، معترض ایسا کہتا تو اسے خود اپنے ایمان کے لالے پڑتے۔ زید کا حق عمرو، عمرو کا حق زید معاف نہیں کرسکتا، وہ بے ادب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق میں گرفتار ہوا اسے زید و عمرو کیونکر معاف کردیں، درمختار میں ہے:

الکافر بسب نبی من الانبیاء لاتقبل توبته مطلقا ولوسب اللہ تعالٰی قبلت لانه حق اللہ تعالٰی والاول حق عبدلایزول بالتوبة ومن شك فی عذابه وکفره کفر[1]۔	جو کسی نبی کو گالی دینے کی وجہ سے کافر ہوا اس کی توبہ کسی حال میں قبول نہیں، اور اگر اللہ تعالٰی کو گالی دی تو توبہ مقبول ہے کیونکہ یہ اللہ تعالٰی کا حق ہے، اور پہلا بندے کا حق ہے جو توبہ سے زائل نہیں ہوتا اور جس نے بھی اس کے عذاب و کفر میں شک کیا وہ کافر ہوجائے گا۔

انکارِ استمداد و استعانت اور وہ بھی خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، اور وہ بھی اس ملعون خیال پر کہ مردہ ہیں، ان پر تو شخص مذکور اب بھی قائم ہے ایک لفظ "مردہ" کو اس کے معنی سے تبدیل کرتا ہے، یہ تمام عقائد و خیالات وہابیہ کے ہیں اور وہابیہ کی امامت ہرگز نہیں، اور ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے، فتح القدیر میں ہے:

روی محمد عن ابی حنیفة وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنهم ان الصّلٰوة خلف اهل الاهواء لاتجوز[2] اھ وقد حققنا بمالامزید علیه فی النهی الاکید۔	امام محمد نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل کیا کہ اہل بدعت کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی، اس کی بے مثل تفصیل ہم نے اپنے رسالہ "النھی الاکید" میں کی ہے۔

جس مسلمان نے وہ کلمات سن کر اس کے پیچھے نماز سے احتراز کے لئے اپنے مکان کو مسجد کرکے اس میں جمعہ و جماعت شروع کردی اس کے لئے اللہ عزوجل کے یہاں اجر عظیم ہے ان شاء اللہ الکریم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] فتح القدیر باب الامامة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

مسئلہ ۵۴: از موضع گلمان پور ڈاکخانہ رام کولا ضلع سارن مرسلہ محمد اسحٰق صاحب ۳۰ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک استفتاء جو حضور میں پیش ہے دیوبند گیا تھا فقط قرآن شریف کا حوالہ ہے وہ ہم لوگ دیہاتی نہیں سمجھ سکتے کہ جب آدمی مرتد ہوجائے تو اس کا کفارہ کیا ہے، لہٰذا التماس حضور میں ہے کہ جواب سے پورے طور سے خلاصہ مطلع فرمائیں کہ کفارہ کیا ہے کس قدر ہونا چاہئے؟

الجواب:

کفارہ ان گناہوں میں رکھا گیا ہے جن کا معاوضہ اس سے ہوجائے اور جو گناہ حد سے گزرے ہوئے ہیں ان کے لئے کفارہ نہیں ہوتا مثلاً صحیح مقیم بلاعذر شرعی ماہ مبارک کا ادا روزہ جس کی نیت رات سے کی ہو دوا یا غذا یا جماع سے قصداً بلااکراہ توڑ دے تو اس کا کفارہ ہے اور سرے سے رکھے ہی نہیں کہ یہ جرم اعظم ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں، مگر توبہ اور اس روزے کی قضا، یونہی اگر معاذاللہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان براہ خطا مارا جائے مثلاً شکار پر فائر کرے اور اس کے لگ جائے تو اس کا کفارہ ہے لیکن اگر **عیاذاً باللہ** قصداً قتل کرے کہ یہ جرم اعظم ہے اس کا کوئی کفارہ نہیں مگر توبہ وقصاص، **معاذاللہ** مرتد ہونا سب سے بدتر جرم ہے اس کا کیا کفارہ ہوسکتا مگر توبہ واسلام، اور اگر توبہ نہ کرے اور اسلام نہ لائے تو دنیا میں سلطان اسلام کے یہاں اس کی سزا قتل ہے اور آخرت میں ابدالآباد کے لئے جہنم، **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

آپ نے علمائے کرام حرمین شریفین کا مبارک فتوٰی حسام الحرمین شاید نہ دیکھا اب دیکھئے اور ضرور دیکھئے مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے ملتا ہے اس میں علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ دیوبندی عقیدے والے خود کافر مرتد ہیں پھر ان کو عالم جاننا اور ان سے فتوٰی پوچھنا کیونکر حلال ہوسکتا ہے احتیاط فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از پل قاضی مرسلہ منشی محمد عنایت رسول صاحب ۹ شوال المکرم ۱۳۳۵ھ

ایسے گروہ کے باب میں جو بظاہر مسلمان ہوکے اپنے خاندان کو خاندان رسالت پر فضیلت دینے حسب ونسب میں ہر طرح اپنے آپ کو نجیب گردانے اور کہے کہ دیکھو رسول اللہ کس نسل سے ہیں، حضرت ہاجرہ کون تھیں، حضرت سارہ کی کنیز تھیں کہ نہیں، اور تائید میں قول نصرانی مؤرخ کا پیش کرے اور بعض کو اولاد فاطمہ سے لونڈی بچا کہے اور ساداتِ زمانہ کو قابل تعظیم وتکریم نہ جانے، بلکہ ان کی توہین وتہجین وتذلیل اور ان پر سب وشتم اور ایذارسانی کو جائز ومباح سمجھے اور عامل ایسے شنائع اعمال کا ہو، مسلمانوں کے ایسے گروہ کے ساتھ کھانا پینا، مناکحت وموالات، انکی مجالس ومحافل میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسا شخص گمراہ، بددین، مسخرہ شیاطین ہے بلکہ اس پر حکم کفر کا لزوم ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے میل جول، مناکحت در کنار انکے پاس بیٹھنا منع ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدابہ الاستخفاف کفر[2]۔	یعنی سادات وعلماء کی توہین کفر ہے اور جو بنظر توہین کسی عالم کو مولویا یا سید کو میر وا کہے وہ کافر ہوجائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۶: مرسلہ جناب قاضی ارشاد احمد صاحب از بیسل پور ضلع پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ایک واعظ نے یہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ تم وحی کہاں سے اور کس طرح لاتے ہو؟ آپ نے جواب عرض کیا کہ ایک پردہ سے آواز سے آتی ہے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کبھی تم نے پردہ اٹھا کر دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری یہ مجال نہیں کہ پردہ کو اٹھاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اب کی مرتبہ پردہ اٹھا کر دیکھنا۔ حضرت جبرئیل نے ایسا ہی کیا، کیا دیکھتے ہیں کہ پردہ کے اندر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور عمامہ سر پر باندھے ہیں اور سامنے شیشہ رکھا ہے اور فرمارہے ہیں کہ میرے بندے کو یہ ہدایت کرنا، یہ روایت کہاں تک صحیح ہے، اگر غلط ہے تو اس کا بیان کرنے والا کس حکم کے تحت میں داخل ہے؟

الجواب:

یہ روایت محض جھوٹ اور کذب وافتراء ہے اور اس کا بیان کرنے والا ابلیس کا مسخرہ اور اگر اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہے تو صریح کافر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۷ تا ۶۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ ملا محمد رمضان پیش امام مسند نیا پورہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

(۱) اول عبدالقادر جس نے یہ کلمات کہے ہیں وہ کافر ہے یا نہیں؟ اگر اس کے کفر میں شک کرے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) قاضی صاحب شہر یا دیگر مسلمان جو عبدالقادر کے معاون اور مددگار ہیں اور اس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں اور دینی اور دنیوی مراسم میں تعلق رکھتے ہیں ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۳) عبدالقادر کے گروہ میں سے جن لوگوں کا ہمارے گروہ سے زن وشو کا تعلق ہے یعنی زوجہ اس گروہ کی ہے اور زوج اس گروہ کا ہے، اسی طرح زوج اس گروہ کا ہے اور زوجہ اس گروہ کی ہے اور وہ لوگ یعنی ہر دو فریق اپنے اپنے عقیدہ پر قائم ہیں تو ایسی صورت میں ان کا نکاح شرعًا قائم رہتا ہے یا نہیں؟

(۴) قاضی صاحب شہر سے یہ کہا گیا کہ تم عبدالقادر جس نے توہین کی ہے اس کو کیا سمجھتے ہو، قاضی شہر یہ کہتے ہیں کہ آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توہین کرنے والے کو کافر سمجھتا ہوں مگر عبدالقادر کے پیچھے نماز ضرور پڑھوں گا، اس سے یہ مطلب کہ عبدالقادر سے اسلامی مراسم منقطع نہ کروں گا، حالانکہ قاضی صاحب کے روبرو عبدالقادر نے یہ الفاظ وعظ میں کہے اور ان کے سامنے چار مسلمانوں نے گواہی دی کہ ہمارے روبرو عبدالقادر نے یہ الفاظ وعظ میں کہے اور پھر حسب خواہش قاضی صاحب علماء کے فتوے بھی پیش کردئے، ایسی حالت میں قاضی شہر کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے نکاح پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ایک شخص نے علی الاعلان توبہ کی اس پر کفر کا فتوی منگوانا اور اس مسلمان کو کافر کہنا ایسے شخص کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

(او۲) صورتِ مستفسرہ میں بلاشبہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی اور بلاشبہہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرے کافر ہے، اور بلاشبہہ جو اس امر پر مطلع ہوکر اسے قابل امامت جانے اس کے پیچھے نماز پڑھے بلکہ وہ بھی جو اسے مسلمان جانے بلکہ وہ بھی جو اس کے کفر میں شک کرے سب کافر ومرتد ہیں۔ شفاء شریف امام قاضی عیاض ووجیز امام شمس الائمہ کردری وذخیرۃ العقبٰی ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا میں ہے: **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[1]۔ (جو اس کے کفر وعذاب میں شک کرے گا وہ کافر ہوجائے گا۔ ت)

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

(۳) جو مرد اس عقیدہ پر ہوں یا اس پر مطلع ہو کر اس عقیدہ والے کو کافر نہ جانتے ہوں ان سب کے نکاح ٹوٹ گئے، عورتیں ان سے اپنے مہر کافی الحال مطالبہ کر سکتی ہیں اور بعد عدت جس سے چاہیں اپنا نکاح کر سکتی ہیں اور عورتوں میں جو کوئی اس حقیقتِ حال سے آگاہ ہو اور جان بوجھ کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافرہ ہو گئی، مگر حسبِ روایت مفتی بہا اپنے شوہر مسلمان کے نکاح سے نہ نکلے گی نہ اسے اختیار ہوگا کہ دوسرے سے نکاح کرے، ہاں ان کے شوہروں کو جائز نہ ہوگا کہ انہیں ہاتھ لگائیں جب تک وہ تائب ہو کر پھر اسلام نہ لائیں۔

(۴) قاضی مذکور کے سامنے شہادتیں پیش ہونے کا کیا ذکر جبکہ سوال میں مذکور کہ سورہ **والضحٰی** شریف دکھا کر وہ الفاظ قاضی کے سامنے کہے اس صورت میں قاضی خود اس شخص کے ان احکام میں شریک ہے، اس کے پیچھے نماز محض باطل اور اس سے میل جول حرام اور اس سے نکاح پڑھوانا جائز نہیں۔

(۵) جو شخص توبہ کر چکا ہو اس پر کفر کا فتوٰی منگانا سخت عذاب کا استحقاق ہے اور مسلمان کو بلاوجہ کافر کہنے پر حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا کہ وہ کہنا اس کہنے والے ہی پر پلٹ آئے گا یعنی جب کہ بروجہ اعتقاد ہو اور بروجہ سب ودشنام تواشد کبیرہ، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ اور زیادہ تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔

مسئلہ ۶۲: ازریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ ملا محمد رمضان پیش امام مسجد نیاپورہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ عبدالقادر نے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور اس پر علماء کا فتوٰی کفر کا آچکا ہے اور وہ توبہ سے انکار کرتا ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں، اور اس کے بھائی بھتیجے اس کو مسلمان سمجھتے ہیں اور اس کے معاون ہیں ان کا نکاح بھی عندالشرع ٹوٹ گیا یا نہیں، اور اگر ٹوٹ گیا ہے تو ان کی مطلقہ بیویوں کا نکاح دوسرے مسلمانوں سے جائز ہے یا نہیں اور وہ مطلقہ بیویاں مہر کی لین دار ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب بحوالہ کتبِ معتبرہ عطا فرمایا جائے، **عنداللہ** ماجور ہوں گے۔

الجواب:

جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرے یقیناً کافر ہے اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی اور جو اس کی توہین پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے وہ بھی کافر ہے ایسے جتنے لوگ ہوں خواہ توہین کرنے والوں کے عزیز قریب ہوں یا غیر ان سب کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں اور فی الحال وہ اپنے

مہر کا مطالبہ کر سکتی ہیں، ان عورتوں کو اختیار ہے کہ عدت کے بعد جس مسلمان سے چاہیں نکاح کرلیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۳: از ہوڈل ضلع گوڑگانوہ مرسلہ عبداللہ شاہ

معظم ومکرم قدوۃ الفضلاء فضلانا مولانا اولانا ______ جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب

دام فیوضہ بعد سلام مسنون، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی بنام زید اور چند مسلمان امی اس کے ہمراہ ایک پادری مذہب عیسوی کے مکان پر نشست برخاست ایک وقت معین پر پادری صاحب کے مکان پر ہوا کرتی ہے، بروقت نشست پادری صاحب کے یہاں کے خورد ونوش میں شریک ہوتے ہیں یعنی پان وچائے وغیرہ خاص پادری صاحب کے مکان کا بنا ہوا کھاتے پیتے ہیں اور گفتگو وغیرہ میں یہاں تک نوبت ہوتی ہے کہ جناب سرور کائنات محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں لفظ بے ادبانہ وہ پادری کہتا ہے، یہاں تک کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی شان میں افک وبہتان تک نوبت پہنچتی ہے اور حضرت زینب وزید کی شان میں لفظ گستاخانہ کرتا ہے، اب دوسرے مسلمان اس مولوی سے کہتے ہیں کہ پادری کے یہاں کا اکل وشرب اچھا نہیں، تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ کچھ حرج نہیں اور ہمارے ایمان میں کوئی فرق اور خلل نہیں آتا ہے، اگر فرق آتا ہو ہم کو قرآن وحدیث سے ثبوت دو، جناب مفتی صاحب یہ امر طلب ہے آیا اس مولوی کے ایمان میں خلل وفرق آیا یانہ، اور اس مولوی کے پیچھے اقتدا جائز ہے یانہ اور کوئی گناہ ہے یانہ اور گناہ کیسا ہے، صغیرہ یا کبیرہ؟ بینوا توجروا؟

الجواب:

اس نام کے مولوی کے ایمان میں اگر فرق نہ ہوتا تو وہ ایسے جلسوں میں شریک نہ ہوسکتا جن میں اللہ ورسول کے ساتھ استہزا وطعن کئے جاتے ہیں وہ ثبوت مانگتا ہے اسے اگر ایمان احکام کی خبر ہوتی تو جانتا کہ قرآن عظیم اس صورت میں اس کے مثل نصارٰی ہونے کا فتوٰی دے رہا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا	خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہے، وہ جو کافروں کے دوست بناتے ہیں مسلمانوں کے سوا کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں، عزت تو ساری اللہ کے لئے اور بیشک وہ تم پر کتاب میں حکم اتار چکا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو ان کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور

فِیۡ حَدِیۡثٍ غَیۡرِہٖۤ ۫ ۖ اِنَّکُمۡ اِذًا مِّثۡلُہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ الۡکٰفِرِیۡنَ فِیۡ جَہَنَّمَ جَمِیۡعَا ۙ ﴿۱۴۰﴾ "[1]	بات میں نہ پڑیں اگر تم ان کے پاس بیٹھے تو تم بھی انہیں کی مثل ہو بیشک اللہ کافروں اور منافقوں سب کا جہنم میں ایک ساتھ اکٹھا کرے گا۔

اس شخص کے پیچھے نماز ہر گز جائز نہیں اور وہ سخت اشد کبیرہ کا مرتکب ہے بلکہ اس کا ایمان ہی ٹھیک نہیں، جیسا کہ قرآن عظیم صاف ارشاد فرماچکا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از ککرالہ پرگنہ اوسیت ضلع بدایوں مرسلہ محمد یسین خاں خطیب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی بنگالی نے کہا کہ جو کوئی نماز سنت پڑھے وہ مشرک ہے، اور التحیات اور درود شریف نماز میں پڑھنے کی کہیں سند نہیں، اور اگر سند ہو تو قرآن شریف سے ثابت کرو اور نماز جنازہ کی بھی نہیں پڑھنی چاہئے اس کی بھی قرآن شریف سے سند نہیں اور حدیث کا کچھ اعتبار نہیں از راہ عنایت جواب سے زود تر سرفراز فرمائیے۔

الجواب:

جو شخص حدیث کا منکر ہے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منکر ہے اور جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منکر ہے وہ قرآن مجید کا منکر ہے اور جو قرآن مجید کا منکر ہے اللہ واحد قہار کا منکر ہے اور جو اللہ کا منکر ہے صریح مرتد کافر ہے اور جو مرتد کافر ہے اسے اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡہُ ٭ وَ مَا نَہٰىکُمۡ عَنۡہُ فَانۡتَہُوۡا ۚ "[2]	رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اور فرماتا ہے:

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾ [3]	اے نبی! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تجھے ہر اختلافی بات میں حاکم نہ بنائیں پھر اپنے دلوں میں تیرے فیصلہ سے کچھ تنگی نہ پائیں اور اچھی طرح دل سے مان لیں۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۸تا۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

نماز سنت وجنازہ اور التحیات و درود سب کا حکم کلام اللہ شریف میں صراحۃً موجود مگر:

"مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾ "[1]۔	جسے اللہ نے نور نہ دیا اس کے لئے کہیں نور نہیں۔

پہلے یہ منکر بتائے کہ پانچ نمازوں کا ثبوت کلام اللہ شریف میں کہاں ہے، اور صبح کی دو رکعتیں، مغرب کی تین رکعتیں، باقی کی چار چار، ان کا ذکر کلام اللہ شریف میں کہاں ہے، اور نمازوں کی ترتیب کہ پہلے قیام اور اس میں قرأت پھر رکوع پھر سجود پھر قعود قرآن مجید میں کہاں ہے، وقتوں کی ابتداء وانتہا کہ فجر کا وقت طلوع صبح سے شروع ہو کر طلوع شمس پر ختم ہوتا ہے، اور ظہر کا زوال شمس سے سایہ اصلی کے سوا ایک مثل یا دو مثل سایہ ہونے تک اس کا ذکر قرآن مجید میں کہاں ہے، وضو کی ناقض یہ یہ چیزیں ہیں اور غسل کی یہ یہ، اور نماز ان چیزوں سے فاسد ہوتی ہے ان کی تفصیل قرآن مجید میں کہاں ہے۔ جب وہ ان سوالوں سے عاجز ہوگا اور اپنے کفر وجہل کا اقرار کرکے تائب ہوگا اس وقت ہم اسے بتادیں گے جن چیزوں کا وہ منکر ہے وہ سب قرآن مجید سے ثابت ہے اور ساتھ یہ بتائے کہ اس نے اس قرآن موجود کو بے کم وبیش قرآن منزل من اللہ کیونکر مانا، کیا اللہ خود اسکے ہاتھ میں دے گیا، اور جب یہ نہیں تو دلیل دے اور سمجھ رکھے کہ اس دلیل سے جو کچھ ثابت ہوگا سب ماننا پڑے گا ورنہ قرآن بھی ہاتھ سے کھوئے گا، کھویا تو ہے ہی جھوٹے زبانی اقرار سے بھی ہاتھ دھوئے گا " اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۶﴾ "[2] (بیشک اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا۔ ت) یہ مسائل جن کا ثبوت ہم نے قرآن عظیم سے دینا اس کے ذمہ لازم کیا ہے اس طرح لکھے جس طرح ہم مسلمانوں میں ہے، اسکے نزدیک اگر اور طور پر ہوں تو جس طرح اس کے اعتقاد میں ہیں نماز میں کیا کیا فرائض ہیں، ان کی ترتیب اور پڑھنے کی ترکیب کیا ہے، وضو وغسل کی ناقض کیا کیا ہیں، ہر وقت کی نماز میں کے رکعتیں ہیں، کس کس چیز سے فاسد ہوتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: شبہہ پیش کردہ بعض اہل علم ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۵ھ

بلاشبہہ اشرف علی تھانوی اپنی عبارت حفظ الایمان میں حق کا معاند ہے، مگر تکفیر میں یہ شبہہ ہے کہ وہ علوم غیبیہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار نہیں کرتا بلکہ اطلاق لفظ عالم الغیب کا تیسری شق جو مصحح ثبوت علوم کثیرہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اس نے دھوکا دینے کے لئے قصداً

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۶

چھپالی اور زید پر. براہ فریب و مغالطہ ایک الزامی ایراد قائم کیا اس سے وہ حق کا معاند ضرور ہے مگر کافر نہ ہوا ہم اسے دیکھتے ہیں کہ وہ خشوع و خضوع سے نماز پڑھتا ہے وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرتا۔

الجواب:

اشرف علی تھانوی سے زیادہ اپنی مراد کون بتاسکتا ہے اس نے جو عرق ریزی و حرکت مذبوجی "بسط البنان" میں کی اس پر شدید قاہر الٰہی رد "وقعات السنان" وغیرہ میں ملاحظہ ہوں، مگر ایک ذی علم کے لئے کشف شبہہ کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ یہ سوال حاضر کیا جاتا ہے جس میں سراسر عبارت حفظ الایمان کا پورا چربہ ہے اس کا جواب دیتے بلکہ **ان شاء اللہ تعالٰی** ملاحظہ کرتے ہی کھل جائے گا اور شبہہ کا وسوسہ دھواں ہو کر اڑ جائے گا **وباللہ التوفیق**۔

سوال یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید نے حمدِ الٰہی میں کہا اے سخی داتا الہ العٰلمین اس پر حمید و ولید دو شخصوں نے اعتراض کیا۔ حمید، یہ ناجائز ہے اسمائے الٰہی توقیفی ہیں اللہ عزوجل کو جواد کہا جائے گا سخی کہنا جائز نہیں، حواشی حاشیہ خیالی علی شرح العقائد النسفی میں اس کی تصریح ہے۔ ولید: اللہ عزوجل کی ذات مقدسہ پر سخاوت کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سخاوت سے مراد بعض عطا ہے، یعنی کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی شخص کو کچھ نہ کچھ دے دینا اگرچہ ایک نوالہ یا ایک کوڑی یا کل عطا کہ کسی سائل کا کوئی سوال کبھی نہ پھیرا جائے ہمیشہ جو کچھ مانگے اسے دیا جائے اگر بعض مراد ہے تو اس میں اللہ تعالٰی کی کیا تخصیص ہے ایسی سخاوت تو زید عمرو ہر ذلیل ورذیل ہر بھنگی چمار کو بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص سے کسی نہ کسی چیز کا دینا واقع ہوتا ہے تو چاہیئے کہ سب کو سخی داتا کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کرے کہ ہاں میں سب کو سخی داتا کہوں گا تو پھر سخاوت کو منجملہ کمالاتِ الٰہیہ شمار کیوں کیا جاتا ہے، جس امر میں مومن بلکہ شریف شخص کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات الوہیت سے کب ہو سکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جائے تو خدا و غیر خدا میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام عطایا مراد ہیں اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے انتہی۔ ولید کے اس کلام پر حمید اکابر علمائے کرام نے کفر صریح ہونے کا حکم کیا، سعید کو اس میں یہ شبہات ہیں ہم دیکھتے ہیں، ولید خشوع خضوع سے نماز پڑھتا ہے وہ اللہ تعالٰی کی توہین کرتا، اس کا مقصود اطلاق لفظ سخی پر انکار ہے نہ کہ عطائے الٰہی کا ابطال تیسری شق جو مصحح ثبوت عطائے الٰہیہ ہے، اس نے دھوکا دینے کے لئے قصداً چھپالی اور زید پر. براہ فریب مغالطہ ایک الزامی ایراد قائم کیا اس سے وہ حق کا معاند ضرور ہے مگر کافر نہ ہوا، اب علمائے کرام سے استفسار ہے کہ:

(۱) آیا کلام ولید میں اس تاویل کی گنجائش ہے؟

(۲) محض لفظ سخی کے اطلاق پر انکار وہ تھا جو حمید نے کیا یا یہ جو ولید نے کہا؟

(۳) منشائے اطلاق یعنی عطا کو دو شقوں میں منحصر کر دینا ایک وہ کہ خدا میں بھی نہیں دوسرے وہ کہ بھنگی چمار میں ہے اور اس بنا پر اسے کمالاتِ الٰہیہ سے نہ جاننا اور خدا اور اس کے غیر ہر بھنگی چمار میں فرق پوچھنا محض اطلاق لفظ سخی کا انکار ہوگا یا اللہ عزوجل کی صفت کمالیہ عطا کا صریح ابطال ہوگا؟

(۴) اس تقریر سے عطا کو کمالاتِ الٰہیہ سے نہ جاننا اور خدا اور بھنگی چمار میں فرق پوچھنا اور اللہ تعالٰی کی خصوصیت نہ جاننا ہر بھنگی چمار کے لئے بھی حاصل ماننا یہ توہین شان عزت ہے یا نہیں؟

(۵) اس کلام کے سننے سے کسی طرح کسی کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے کہ یہ ابطال عطائے الٰہی نہیں نہ اس کے کمال پر حملہ نہ اس قسم عطا میں جو اسے حاصل ہے، اس کی خصوصیت کا انکار نہ ہر بھنگی چمار کی اس میں شرکت کا اظہار بلکہ باوصف صحت معنی وحصول مبنی صرف بالخصوص لفظ سخی پر انکار ہے۔

(۶) جو معنی کسی طرح کلام سے مفہوم نہ ہوسکیں کیا ان کی طرف پھیرنا کفر کا نافی ہوسکتا ہے، شفائے امام قاضی عیاض وغیرہ کتب معتمدہ ائمہ میں تصریح ہے کہ **التاویل فی لفظ صراح لایقبل**[1] (صریح الفاظ میں تاویل مقبول نہیں ہوتی۔ت) ایسی تاویل مسموع ہو تو کوئی کلام کفر نہ ٹھہرسکے، "**اردت برسول اللہ العقرب**" (میں نے رسول اللہ سے مراد بچھو لیا ہے۔ت) کی تاویل اس تاویل سے قریب تر ہے یا نہیں کہ بلاشبہہ عقرب بھی خدا ہی کا بھیجا ہوا ہے۔

(۷) صحیح بخاری شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ **ذٰلك اخبات النفاق**[2] (یہ نفاق کا خضوع ہے۔ت) اس خشوع وخضوع کا جواب کافی ہے یا یہ کہ کوئی کیسا ہی کفر کرے جب بعض اعمال صالحہ کرتا ہو کافر نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**۔

مسئلہ ۶۶: از یازید پور ضلع پٹنہ مرسلہ عبدالصمد صاحب ۲۱ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ امکان نسخ نہیں بلکہ وقوع نسخ کا ماننا فرض ہے یا واجب یا مستحب جس کو دوسرے لفظوں میں یوں صاف کرسکتے ہیں کہ وقوع نسخ پر دلیل قطعی یعنی آیت قرآنی یا حدیث متواتر ہے یا دلیل ظنی ہے اس کا منکر کافر ہوگا یا فاسق؟ **بینوا توجروا**

---

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع فی تصرف وجوہ الاحکام مطبع شرکت صحافیہ ۲/ ۲۰۹

[2] مجمع الزوائد باب الاعمال بالخواتیم دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۱۴

الجواب:

وقوع نسخ بلاشبہہ قطعیات سے ثابت بلکہ باعتبار شرائع سابقہ ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷: از بجوواڑہ مرسلہ حاجی عبداللطیف ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور مرد میں سے کسی سے بے علمی کی وجہ سے ایسا کلمہ منہ سے نکل جائے کہ کفر میں شمار ہو تو طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں، اور اگر ایسا ہوجائے تو کیا کرنا چاہئے کیونکہ ظاہر نکاح دوسری بار پڑھانے سے شرم کرتا ہو تو بغیر گواہ کے ایسا نکاح پھر درست ہوسکتا ہے یا نہیں کہ صرف مرد عورت دونوں ہی نکاح قائم کرلیں کہ کوئی صورت آسان ہو تو بتلائیں کیونکہ اکثر لوگ بے علمی کی وجہ سے کوئی کلام کہہ دیتے ہیں اور وہ کفر ہوتا ہے اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب:

معاذاللہ جس سے کلمہ کفر صادر ہوا سے بعد توبہ تجدید نکاح کا حکم ضرور ہے نکاح بغیر دو گواہوں کے نہیں ہوسکتا، دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ آزاد اور مسلمان، عورت کے نکاح میں ان کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے وہ ایجاب وقبول کو ایک سلسلے میں سنیں اور سمجھیں کہ یہ نکاح ہو رہا ہے بغیر اس کے نکاح نہیں ہوسکتا، ہاں یہ کچھ ضرور نہیں کہ وہ غیر ہی لوگ ہوں، زن وشوہر کے جوان بیٹا، بیٹی، بہن، بھائی، نوکر چاکر ان میں سے اگر دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں کافی ہے، اور تجدید نکاح کوئی شرم کی بات نہیں، یہ وسوسہ شیطانی ہے، شرم کی بات یہ ہے کہ نکاح میں خلل پڑجائے اور بغیر تجدید کے زن وشوہر کا علاقہ باقی رکھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۸: از انجمن اسلامیہ بھرت پور مرسلہ حافظ عبدالوہاب خاں ٹونکی ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

یہاں ایک مولوی صاحب نے اثنائے وعظ میں فرمایا کہ حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کی لاش مبارک شہادت کے بعد کئی روز تک نہایت ناگفتہ بہ حالت میں رہی اور آپ کی ایک ٹانگ (**نعوذباللہ**) کتوں نے چباڈالی، مولوی صاحب اور ان کے مقلدین اس واقعہ کو تاریخی واقعہ بتاتے ہیں، یہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو اس واقعہ کے متعلق صحت کرسکے، اسلئے عرض ہے کہ بواپسی اس واقعہ کے اصلی حالت سے اطلاع دیں، اگر صحیح ہے تو کسی معتبر کتاب سے پتہ چل سکتا ہے؟ اگر غلط ہے تو کس فرقہ کا عقیدہ ہے؟

الجواب:

امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب **الاصابہ فی تمییز الصحابہ** میں فرماتے ہیں:

قال الزبیر بن بکار بویع یوم الاثنین للیلۃ بقیت من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث وعشرین وقتل یوم الجمعۃ لثمان عشرۃ خلت من ذی الحجۃ بعد العصر ودفن لیلۃ السبت بین المغرب والعشاء [1]۔	(حضرت زبیر بن بکار کا بیان ہے۔ت) یعنی امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بیعت یوم الاثنین ذی الحجہ کی آخری شب ۲۳ ہجری کو کی گئی ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ روز جمعہ بعد عصر شہید ہوئے اور اسی شام کو مغرب کے بعد عشاء سے پہلے دفن ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثناعشریہ میں امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہم پر رافضیوں کے دسویں طعن میں ان ملاعین سے نقل کیاکہ:

"بعداز قتل اوراسہ روز اوفتادہ گزاشتند وبدفن او نپر داختند [2]"۔	قتل کے بعد انہیں تین دن تک ایسے ہی پھینک دیا گیا اور دفن نہ ہونے دیا گیا۔(ت)

وہ کتوں کا لفظ اس طعن میں بھی نہیں، پھر جواب میں بہت روایات ذکر کرکے فرمایا:

ازیں روایات مشہورہ متعددہ ثابت شد کہ تاسہ روز اوفتادہ ماندن لاش عثمان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) محض افتراء ودروغ ست ودر جمیع تواریخ تکذیب آں موجودست زیراکہ باجماع مؤرخین شہادتِ عثمان (رضی اللہ تعالٰی عنہ) بعد از عصر روز جمعہ ہیژدہم ذی الحجہ واقعہ شدہ است ودفن او در بقیع شب شنبہ وقوع یافت بلاشبہ انتہی [3]۔ ورأیتنی کتبت فی بعض تعلیقاتی الحدیثیۃ وھذا ایضا تجاوز نعم لاتقبل المناکیر المنکرات فی مقابلۃ المشھورات المقبولات	ان تمام مشہور روایات سے ثابت ہورہا ہے کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی لاش کا تین دن تک پڑے رہنے کا واقعہ محض افتراء اور جھوٹ ہے اور تمام کتب تاریخ میں اس کی تکذیب موجود ہے کیونکہ تمام مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کی شہادت ۱۸ ذوالحجہ بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر ہوئی اور بلاشبہہ ہفتہ کی رات بقیع شریف میں تدفین ہوئی انتہی۔(ت) مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بھی اپنے بعض حواشی میں یہی بات لکھی ہے اور یہ بھی تجاوز ہے ہاں مشہور ومقبول روایات کے مقابلے میں مناکیرو

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ باب عثمان رضی اللہ عنہ دار صادر بیروت ۲/ ۴۶۳

[2] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ طعن دہم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۲۶

[3] تحفہ اثنا عشریہ مطاعن عثمان رضی اللہ عنہ طعن دہم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۲۹

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	منکرات مقبول نہیں ہوتیں۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۶۹: از شہر مالیگاؤں محلّہ قلعہ قریب مسجد کلاں مرسلہ محمد صادق صاحب ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی شخص آیاتِ قرآنی کو نہ مانے تو وہ شخص گناہگار ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو کس درجہ کا؟ اور نماز اس کے پیچھے کیسی ہوتی ہے؟

الجواب:

آیت کو نہ ماننا یعنی انکار کرنا کفر ہے اس کے پیچھے نماز کیسی، مگر عوام نہ ماننا اسے بھی کہتے ہیں کہ گناہ خلاف آیت قرآنی واقع ہوا ور اسے آیت سنائی گئی اور وہ اپنے گناہ سے باز نہ آیا یہ باز نہ آنا اگر محض شامتِ نفس سے ہو، آیت پر ایمان رکھتا ہے، نہ اس سے انکار کرتا ہے نہ اس کا مقابلہ کرتا ہے تو گناہ ہے کفر نہیں، پھر اگر وہ گناہ خود کبیرہ ہو یا بوجہ عادت کبیرہ ہوجائے اور یہ شخص اعلان کے ساتھ اس کا مرتکب ہو تو فاسق معلن ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی یعنی پڑھنی گناہ اور پڑھی ہو تو پھیرنی واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۰: از چندوسی حسینی بازار مرسلہ غلام حسین صاحب ۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ العلی العظیم والصلوۃ علی النبی الکریم واٰلہ وصحبہ المکرمین اٰمین!

(کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چندوسی میں مسلمانوں نے ہنود، مشرکین سے اتفاق کرنے میں یہ آثار ظاہر کئے کہ سوائے نوبت نقارے نوازی اور ناچ رنگ نامشروع کے ایسا مبالغہ اور عروج ان کی رسوم جلادینے میں کہ بعض فریق تلک، قشقہ، سندے، برہمنوں کے ہاتھ سے اپنی پیشانی پر کھنچوا کر خوش اور مسرور ہوا اور بعض فریق برہمنوں کے ساتھ جے رامچندر جی اور جے سیتاجی کی بول اٹھا اور بعض فریق نے ہمراہ ہنود تخت رواں نستہ عورتوں کے گشت کی اور وہ تخت رواں خلاف سالہائے گزشتہ پیوستہ کے بیخوف وخطر گلی کوچہ پھرا کر مسلمانوں کے جائے جلوس پر ہنود لائے، مسلمانوں نے سوائے تواضع پان، پھول اور ہار، الائچی وغیرہ ان کے آنے کا شکریہ بفخریہ ادا کرکے شیرینی کی تھالی پیش کی اس عمل سے کس فریق کی عورت نکاح سے باہر ہوئی اور کون مبتلائے کفر ہوا اور کون مرتکب گناہ کبیرہ ہوا اور ہر فریق کی توبہ کی صورت کیا ہے؟

الجواب:

وہ جنہوں نے برہمن سے قشقہ کھنچوایا وہ جنہوں نے ہنود کے ساتھ وہ جے بولی کافر ہوگئے، ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں اور وہ کہ گشت میں شریک ہوئے اگر کافر نہ ہوئے تو قریب بکفر ہیں،

حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔	من سود مع قوم فھو منھم [1] وفی لفظ من کثر سواد قوم [2]۔

اور وہ جنہوں نے بت کے لانے پر شکریہ ادا کیا اور خوش ہوئے ان پر بھی بحکم فقہاء کفر لازم ہے غمز العیون میں ہے:

جس نے کافر کے عمل کو اچھا جانا وہ باتفاق مشائخ کافر ہو جاتا ہے (ت)	اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر [3]۔

ان پر لازم ہے کہ توبہ کریں اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از موضع بیری پور ڈاکخانہ قصبہ علی گڑھ ضلع بریلی مرسلہ خان محمد خاں ۱۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید آداب واحکام وارکان شریعت کا محض منکر ہے یعنی اہل ہنود کی پرستش گاہوں پر پوجا کرتا ہے، سراسر جو کام شرک وکفر کے ہنود کرتے ہیں ان کو زید بھی کرتا ہے اور بجائے محفل میلاد شریف کے مثل ہنود کے کتھا کی یعنی برہمن کو بلا کر پوریاں وغیرہ پکوا کر اور ہنود کو کھلا کر جن مسلمانوں سے رسم تھا ان کو کھلادیں اور ہنود کے ہوم رول میں چندہ دیا اور مسجد کے دینے سے انکار، صوم وصلوٰۃ کا منحرف بایں امور کہ زید میں موجود ہیں، عمر اپنی بیٹی زید کے بیٹے کو دینا چاہتا ہے ہر چند اس سے منع کیا گیا مگر قصداً رسم گیا حتی کہ تاریخ شادی کی ٹھہر گئی، عمر کی زوجہ نے جواب دیا اور سخت کلامی کی کہ زید اگر بھنگی ہے تو ہم بھی بھنگی ہیں، عمر سے کہا گیا کہ تم کو اگر زید سے ملنا ہے تو اس کو توبہ استغفار کرادیا جائے، مگر عمر نہ مانا اور شرک وکفر کی حالت میں دیدہ دانستہ قرابت کی، آیا ہم جمیع مسلمان زید وعمر کے ساتھ کیسا معاملہ رکھیں، جو حکم شرع شریف کا ہو، نافذ ہو ایسا شخص بموجب شرع شریف کے مستوجب سزا ہے یا نہیں، **بینوا توجروا۔**

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

[2] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ بحوالہ مسند ابی یعلی المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۴/ ۳۴۶، کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۹۵

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید کافر مرتد ہے، اس سے سلام، کلام مسلمانوں کو حرام اس کی شادی غمی میں شرکت حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (ت)

عمر اس کے سب افعال پر آگاہ ہے اس نے توبہ بھی لینا نہ چاہی اور ایسی قرابت اس کے ساتھ کی مبتلائے گناہ عظیم و مستحقِ عذاب الیم ہوا۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ "[3]، وقال اللہ تعالٰی "وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[4]، وقال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ "[5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ (ت)

زید و عمر اگر توبہ نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہیں یک لخت چھوڑ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۲ تا ۷۳: از بدایوں مرسلہ نقو و نثار احمد سوداگران چرم ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے باجود اس علم کے کہ مرزائی دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور ان کے کافر ملحد ہونے کا فتوٰی تمام علمائے اسلام دے چکے ہیں، پھر بھی اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرزائی کے لڑکے کے ساتھ کردیا اب زید کو گمراہ اور بدعقیدہ سمجھا جائے یا نہیں اور زید کے ساتھ کھانا پینا اور اسکی شادی غمی میں شریک ہونا اپنے یہاں اس کو شریک کرنا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[4] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

جائز ہے یا نہیں اور جو لوگ ایسا کریں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) مرزائیوں کے لڑکوں کو جو ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے اور اپنے ماں باپوں کے رنگ میں رنگے ہیں اور ہر امر میں انہیں کے ماتحت ہیں کیا سمجھنا چاہئے مرزائی یا غیر مرزائی؟

الجواب:

(۱) اگر وہ لڑکا اپنے باپ کے مذہب پر تھا اور اسے یہ معلوم تھا کہ اس کا یہ مذہب ہے اور دانستہ لڑکی اس کے نکاح میں دی تو یہ لڑکی کو زنا کے لئے پیش کرنا اور پرلے سرے کی دیوثی ہے، ایسا شخص فاسق ہے اور اس کے پاس بیٹھنا تک منع ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

ورنہ اس کے سخت بے احتیاط اور دین میں بے پرواہونے میں کوئی شبہہ نہیں، اور اگر ثابت ہو کہ وہ واقعی مرزائیوں کو مسلمان جانتا ہے اس بناپر تقریب کی تو خود کافر مرتد ہے، علمائے کرام حرمین شریفین نے قادیانی کی نسبت بالاتفاق فرمایا کہ:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[2]۔	جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔

اس صورت میں فرض قطعی ہے کہ تمام مسلمان موت حیات کے سب علاقے اس سے قطع کردیں، بیمار پڑے پوچھنے کو جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے مسلمان کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اسکی قبر پر جانا حرام،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا (ت)

(۲) وہ سب مرزائی ہیں مگر وہ کہ عقل و تمیز کی عمر کو پہنچا اور اچھے برے کو سمجھا اور مرزائیوں کو کافر جانا اور ٹھیک اسلام لایا وہ مسلمان ہے، یہ اس حالت میں ہے کہ ماں مرزائی ہو، اور اگر ماں مسلمان ہو اگرچہ اپنی

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] حسام الحرمین باب المعتمد والمستند مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

[3] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

شامت نفس یا اپنے اولیاء کی حماقت یا ضلالت سے مرزائی کے ساتھ نکاح کرکے زنا میں مبتلا ہے، اب جو بچے ہوں گے جب تک ناسمجھ رہیں گے اور سمجھ کی عمر پر آکر خود مرزائیت اختیار نہ کریں گے اس وقت تک وہ اپنی ماں کے اتباع سے مسلمان ہی سمجھے جائیں گے،

فان الولد یتبع خیر الابوین دینا فکیف من لیس له الاالام فان ولد الزنا لااب له۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بچہ والدین میں سے اس کے تابع ہوتا ہے جس کا دین بہتر ہو تو اس وقت کیا حال ہوگا جب اس کی صرف ماں ہی ہو کیونکہ ولد زنا کا باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۴تا۸۱: از مقام رانچی محلّہ اوپر بازار مرسلہ عبدالرب صاحب ۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جو کہے: (۱) معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غلط ہیں، معجزہ حضرت سیدنا عیسٰی (علیہ السلام) مردہ کو زندہ کرنا غلط ہے، مطلب اس کا احوالِ قوم کو زندہ کرنا ہے ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے شرعًا؟

(۲) کتاب فتاوٰی عالمگیری و قاضی خاں بے اعتبار ہیں، توہین علماء دین قول بکر سے متصور ہے یا نہیں؟ شرعًا کیا حکم ہے؟

(۳) قربانی کرنے کی ضرورت نہیں اللہ تعالٰی گوشت و خون کا محتاج نہیں، نہ اس تک پہنچتا ہے، بلکہ تمہارا تقوٰی پہنچتا ہے، قربانی کے جانور کی قیمت مدرسہ میں دینا افضل ہے، غور فرمایا جائے کہ بکر نے ترک وجوب پر حملہ کیا یا نہیں شرعًا کیا حکم ہے؟

(۴) حضرت منصور کا دار پر کھنچا جانا امور سلطنت و متہم ہونے کی وجہ سے نہ تھا نہ اور کسی وجہ سے، شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) بکر عبادت گاہ کفار میں نہ بہ نیت تفریح طبع و دیکھنے کے جاتا ہے بلکہ شرکت عبادت گاہ کفار کو فرض و سنت و مستحب ٹھہراتا ہے، شرعًا کیا حکم ہے؟

(۶) بکر پردہ حنفیت میں کاربند وہابیت ہے، وہابیوں کی حمایت اور اہلسنت و تمامی مفسرین و فقہاء کی توہین کرتا ہے، میلاد و قیام کے متعلق الفاظ ناشائستہ و بدعت سیئہ کہتا ہے، بکر کی اقتداء جائز ہے یا نہیں؟ اور بکر درحقیقت مقلد ہے یا غیر مقلد؟

(۷) بکر محض بپاس کلام و اثبات مدعا اپنے بزور زبان عبارات فقہیہ کو تحریف کیا ہے، بکر دست انداز اقوال ائمہ مجتہدین پر ہے یا نہیں؟ شرعًا کیا حکم ہے؟

(۸) بکر جناب کنز الفقراء تاج الاولیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) پر طعن و تکذیب کراماتِ اولیاء کرتا ہے و نیز دیگر اشخاص بھی بمقابلہ بکر کے حضرت کی شان میں طعن کرتے ہیں اور بکر

خاموش رہتا ہے شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جو شخص معجزاتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط بتائے کافر مرتد ہے، مستحقِ لعنت ابد ہے۔ حضور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزہ احیائے موتی کا غلط کہنے والا بھی یقینا کافر مرتد ہے اور وہ تاویل کہ احوال قوم زندہ کرنا مراد ہے، اسے کفر وارتداد سے نہ بچائے گی کہ ضروریات دین میں تاویل مسموع نہیں۔ عقائد امام مفتی الثقلین مفتی الجن والانس عمر نسفی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

النصوص تحمل علی ظواھرھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد[1]۔	نصوص کو اپنے ظاہر ہی پر محمول کیا جائے گا اور اس سے ایسے معانی کی طرف عدول جن کا دعوی اہل باطن نے کیا سراسر الحاد ہے (ت)

شرح میں ہے:

الحاد ای میل وعدول عن الاسلام واتصال و التصاق بالکفر لکونه تکذیبا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیما علم مجیئه به بالضرورۃ[2]۔	الحاد یعنی اسلام سے عدول اعراض ہے اور یہ کفر کے ساتھ اتصال ہے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان معاملات میں تکذیب ہے جن کا لانا آپ سے بالضرورۃ ثابت ہے (ت)

شفاء قاضی عیاض میں ہے:

التاویل فی الضروری لایسمع[3]۔	ضروریاتِ دین میں تاویل مسموع نہیں۔ (ت)

(۲) سبحان اللہ! جب وہ معجزات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط کہتا ہے تو اس سے اس کی کیا شکایت کہ فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری کو نہیں مانتا جو اللہ اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرچکا اس سے توہین علم وعلماء کا گلہ فضول ہے، **ماعلی مثله بعد الخطاء** (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ ت)

(۳) قربانی کا انکار ضلالت ہے، یہ ہندو تو سارے کے سارے گائے کی قربانی سے کتنا چڑتے ہیں، غایت یہ کہ یہ ایک بات میں ہندوؤں سے بڑھ گیا کہ مطلقًا قربانی کے وجوب کا منکر ہوا اور ایک بات میں ہندو اس سے

---

[1] عقائد نسفی مع الشرح مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۹

[2] شرح عقائد نسفی مطبوعہ دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۹

[3] کتاب الشفاء للقاضی عیاض القسم الرابع فی تصرف وجوہ الاحکام الخ مکتبہ شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۱۰

بڑھ کر ہیں کہ وہ چڑتے ہیں یہ فقط منکر۔

(۴) ایک بے معنی بات ہے صرف اتنے لفظ محتاج توجیہ نہیں۔

(۵) شرکت عبادت گاہ کفار صریح کفر ہے کیونکہ ہدایت یارد کو جانا شرکت نہیں ہوسکتا، کتب دینیہ میں تصریح ہے کہ معابد کفار میں جانا مکروہ ہے کہ وہ ماوائے شیاطین ہیں کمافی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) نہ کہ شرکت کہ صریح کفر ہے اور کفر کو ہلکا جاننا بھی کفر ہے نہ کہ معاذاللہ مستحب بلکہ سنت بلکہ فرض ٹھہرانا،

اباللہ واٰیتہ ورسلہ کنتم تستھزؤن، لاتعتذروا قد کفرتم بعدایمانکم[1]۔	کیااللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہوکر۔(ت)

(۶) عجب ہے کہ سائل اس سے وہ کلمات نقل کرکے پھر اس کا مقلد ہونا پوچھتا ہے وہ مقلد ضرور ہے مگر ابلیس کا،

قال اللہ تعالٰی "اِسْتَحْوَذَعَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَاللّٰهِ ؕ اُولٰٓىٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان پر شیطان غالب آگیا تو انہیں اللہ کی یاد بھلادی، وہ شیطان کے گروہ ہیں، سنتا ہے بیشک شیطان ہی کا گروہ ہار میں ہے۔(ت)

(۷) معلوم نہیں سائل نے اس کا پہلا عقیدہ معجزہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو غلط بتانا غلط لکھ دیا یا صحیح، اگر غلط لکھا تو کیوں، اور صحیح لکھا تو اس کے بعد ان باتوں کی کیا گنجائش رہی، ائمہ مجتہدین پر دست اندازی کرنیوالا گمراہ سہی کافر تو نہیں، تکذیب معجزات کرنے والا تو کافر ہے۔ گنہگا پرشاد یا مسیح چرن سے اس کی کیا شکایت کہ تو ہمارے ائمہ پر کیوں اعتراض کرتا ہے۔

(۸) کراماتِ اولیاء کا انکار گمراہی ہے،

قال اللہ تعالٰی "كُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَكَرِیَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا، بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بیشک اللہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

بِغَیۡرِ حِسَابٍ "[1] وقال اللہ تعالٰی "قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ "[2]۔	جسے چاہے بے گنتی دے (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے۔ (ت)

اور حضور ولی الاولیاء، غوث الاقطاب ملاذ الابدال والافراد رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم کی شانِ اقدس میں زبان درازی نہ کرے گا مگر رافضی تبرائی۔

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ "[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۲ تا ۸۴: از مراد آباد محلّہ قائم کی بیریاں مرسلہ محمد مختار ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ۔

(۱) ایک شخص کے دل میں زبان میں برے خیال نکلتے ہیں وہ نماز پڑھنے سے عاجز آگیا ہے چنانچہ لاحول، سورہ ناس، درود شریف، قرآن شریف پڑھتا ہے تو بھی اس کے دل میں برے خیالات آتے ہیں اور ایک بات زبان سے برابر دل سے برابر نکلا کرتی ہے مثلاً سراج الحق بیٹا کس کا، اپنے ماں باپ کا، اور فحش خیالات بیٹے بیٹیوں، ماں باپ کے بارے میں ہر وقت برے خیالات بہت۔

(۲) برے خیالات یہ بہت دھوکے انجانی بیوقوفی زبان سے، دل جان سے ہیں، **نعوذ باللہ** خدا کا شریک نکلا، پھر یہ نکلا خدا وحدہ لاشریک ہے، رسول برحق ہیں یہ خیال بہت جلد دھوکے سے نکلا، ایک ماہ میں تین بار، ایک دفعہ ایک یوم میں دوسرا آٹھ یوم میں تیسرا سولہ یوم میں نکلا پھر یہ خیالات نہیں نکلتے، پھر دل زبان سے یہ نکلا کہ خدا وحدہ لاشریک ہے جبکہ ہزار ہا باتوں کے بعد جب کہ زبان نہیں رکتی تھی، وہ روکتا تھا مگر وہ نہیں رکتی تھی، دل میں دنیا کے خیالات بہت برے تھے وہ یہ ہیں خدا نے کسی کو بیٹا بیٹی مال اسباب دیا ہے سب یہیں رہے گا بس خدا کی بات اچھی ہے دل میں یہی بیٹوں بیٹیوں کے خیالات، وہ بخشا جائے گا یا نہیں؟ مسلمان رہا یا نہیں؟ گنہگار ہوا یا نہیں۔

(۳) وہ ہمیشہ لوگوں کو نیک تعظیم دیتا ہے، خدا نے جو بتایا ہے نماز روزہ اور بہت باتوں کی، وہ قرآن اور خدا رسول کی محبت کرتا ہے جو خدا اور رسول کو برا اور قرآن کو برا کہتا ہے اس کو جان سے مارنے کو تیار ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

وہ خدا اور سول کو جان سے زیادہ زیادہ سمجھتا ہے، خدا سے کئی مرتبہ دعامانگی مگر خدا کا حکم نہیں ہوا ان سے پہلے وہ عاجز آگیا ان باتوں سے، اور نماز میں بھی برے برے خیالات آتے ہیں، وہ اپنے اسلام کا پکا ہے، وہ خدا اور سول سے بہت خوش ہے، کئی آدمی نے خدا اور سول کو برا کہا اس نے ان کو مارا مگر جنہوں نے برا کہا وہ کافر تھا، یہ سب بیٹے بیٹیاں کس کی ہیں، کیا آدم علیہ السلام کی یا اپنے ماں باپوں کی؟

الجواب:

برے خیالات اگر آئیں اور انہیں جمایا نہ جائے، نہ بالقصد انہیں زبان سے ادا کیا جائے، تو اس سے اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا اور جہاں تک مجبوری ہے گناہ بھی نہیں، اور وہ سراج الحق والا فقرہ بار بار کہنا گناہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا، خلل دماغ کا ایک شعبہ ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** برے وسوسے جب دل میں آئیں فوراً اللہ عزوجل کی طرف رجوع کرے اور کہے:

امنا باللہ ورسولہ "هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۳ "[1]	میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا " وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن اور وہی سب کچھ جانتا ہے " (ت)

اور لاحول شریف پڑھے اور خشکی دماغ کا طبّی معالجہ بھی چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵ تا ۸۶: از دادھن پور گجرات قریب احمد آباد قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک مولوی صاحب بعد ختم ہونے وعظ کے فرمانے لگے کہ ہم نے جو وعظ آپ صاحبوں کو سنایا ہے وہ کلام اللہ اور حدیث سے سنایا ہے، نہیں معلوم کہ یہ جھوٹ ہے یا سچ، اس بات کا علم خدا کو ہے، یہ الفاظ مولوی صاحب نے کیوں فرمائے، ایسا کہنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) مذکور مولوی صاحب ہر وعظ میں بہشتی زیور کے لئے خاص حکم دیتے ہیں، وہ کتاب مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی تصانیف سے ہے، بہت سے ذی علم لوگوں کو شک ہے اور بہشتی زیور پڑھنے کو منع کرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے، اس کتاب میں کون سے مسائل غلط ہیں اور ان کون سے صحیح؟ ان کا خلاصہ اور آپ اس کتاب کے لئے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

الجواب:

(۱) یہ کہہ کر کہ میں نے تمہیں یہ وعظ قرآن وحدیث سے سنایا ہے یہ کہنا کہ معلوم نہیں جھوٹ ہے یا سچ قرآن عظیم کے صدق میں شک کرنا ہے اور تاویل بعید کی یہاں کچھ حاجت نہیں، اول تو الفاظ اس کے مساعد نہیں پھر سوال دوم میں بیان مسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واعظ ہر وعظ میں مسلمانوں کو بہشتی زیور منگانے کی ترغیب دیتا ہے ایسا ہے تو عقیدہ کا دیوبندی معلوم ہوتا ہے اور دیوبندیوں کے نزدیک قرآن مجید کے صدق میں ضرور شک ہے وہ اللہ عزوجل کو وجوبًا سچا نہیں جانتے بلکہ صاف تصریح کرتے ہیں کہ **معاذاللہ** وہ امکانًا جھوٹا ہے پھر وعظ کو قرآن وحدیث سے بتا کر اس کے صدق وکذب میں شک کرنا ضرور کلمہ کفر ہے، مسلمانوں کو ایسے شخص کا وعظ سننا اور اسے وعظ کی مسند پر بٹھانا حرام ہے۔

(۲) بہشتی زیور ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو صریح گالی دی اور جس کی نسبت تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق حسام الحرمین میں فرمایا ہے کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر[1]۔	جو اس کو باتوں پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جاننا درکنار اس کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ بھی کافر۔

بہشتی زیور کا دیکھنا عوام مسلمان بھائیوں کو حرام ہے اس میں بہت سے مسائل گمراہی کے اور بہت سے مسائل غلط و باطل ہیں اور یہی کیا تھوڑا ہے کہ وہ ایسے کی تصنیف ہے جس کو مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے علمائے کرام باتفاق فرمارہے ہیں کہ اس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ زیادہ اطمینان درکار ہو تو کتاب **حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین** مطبع اہل سنت وجماعت بریلی سے طلب کیجئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب فاروقی ۲۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کفار کے قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تعریف کیا ہے اور صحبت کون سے کفار کی سب سے زیادہ مضر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل ہر قسم کفر وکفار سے بچائے، کافر دو قسم ہے: اصلی ومرتد۔ اصلی وہ کہ شروع سے کافر اور کلمہ اسلام کا منکر ہے، یہ دو قسم ہے: مجاہر ومنافق، مجاہر وہ کہ علی الاعلان کلمہ کا منکر ہو اور منافق وہ کہ بظاہر کلمہ پڑھتا اور دل میں منکر ہو، یہ قسم حکم آخرت میں سب اقسام سے بدتر ہے۔

---

[1] حسام الحرمین باب المعتمد والمستند مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

"اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ" [1]۔	بیشک منافقین سب سے نیچے طبقہ دوزخ میں ہیں۔

کافر مجاہر چار قسم ہے:

اول دہریہ کہ خدا ہی کا منکر ہے۔

دوم مشرک کہ اللہ عزوجل کے سوا اور کو بھی معبود یا واجب الوجود جانتا ہے، جیسے ہندو بت پرست کہ بتوں کو واجب الوجود تو نہیں مگر معبود مانتے ہیں اور آریہ کہ روح ومادہ کو معبود تو نہیں، مگر قدیم وغیر مخلوق جانتے ہیں دونوں مشرک ہیں اور آریوں کو موحد سمجھنا سخت باطل ہے۔

سوم مجوسی آتش پرست۔

چہارم کتابی یہود ونصارٰی کہ دہریہ نہ ہوں،

ان میں اول تین قسم کا ذبیحہ مردار اور ان کی عورتوں سے نکاح باطل ہے اور قسم چہارم کی عورت سے نکاح ہو جائے گا اگرچہ ممنوع وگناہ ہے۔

کافر مرتد وہ کہ کلمہ گو ہو کر کفر کرے اس کی بھی دو قسم ہیں: مجاہر ومنافق۔

مرتد مجاہر وہ کہ پہلے مسلمان تھا پھر علانیہ اسلام سے پھر گیا کلمہ اسلام کا منکر ہوگیا چاہے دہریہ ہو جائے یا مشرک یا مجوسی یا کتابی کچھ بھی ہو۔

مرتد منافق وہ کہ کلمہ اسلام اب بھی پڑھتا ہے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا ہے پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی کی توہین کرتا یا ضروریات دین میں سے کسی شئے کا منکر ہے، جیسے آجکل کے وہابی، رافضی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی، جھوٹے صوفی کہ شریعت پر ہنستے ہیں، حکم دنیا میں سب سے بدتر مرتد ہیں اس سے جزیہ نہیں لیا جاسکتا، اس کا نکاح کسی مسلم کافر مرتد اس کے ہم مذہب یا مخالف مذہب، غرض انسان حیوان کسی سے نہیں ہوسکتا، جس سے ہوگا محض زنا ہوگا، مرتد مرد ہو خواہ عورت، مرتدوں میں سے سب سے بدتر مرتد منافق ہے، یہی وہ ہے کہ اس کی صحبت ہزار کافر کی صحبت سے زیادہ مضر ہے کہ یہ مسلمان بن کر کفر سکھاتا ہے، خصوصًا وہابیہ خصوصًا دیوبندیہ کہ اپنے آپ کو خاص اہلسنت کہتے، حنفی بنتے، چشتی نقشبندی بنتے، نماز روزہ ہمارا سا کرتے، ہماری کتابیں پڑھتے پڑھاتے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۵

اور اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں، یہ سب سے بدتر زہر قاتل ہیں، ہوشیار خبردار! مسلمانو! اپنا دین بچائے ہوئے رہو "فَاللّٰہُ خَیۡرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ ہُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ ﴿۶۴﴾"[1] (تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
المبین ختم النبیین ۱۳۲۶ھ
(حضور کے خاتم النبیین ہونے کے واضح دلائل)

مسئلہ ۸۸ تا ۹۴: از بہار شریف محلّہ قلعہ مدرسہ فیض رسول مرسلہ مولوی ابوطاہر نبی بخش صاحب ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ــــــــ حامدا و مصلیا و مسلما

امابعد بست و پنجم ماہ ربیع الاول ۱۳۲۶ھ شب سہ شنبہ کو مولوی سجاد حسین و مولوی مبارک حسین صاحب مدرسین مدرسہ اسلامیہ بہار کے وطلبا تعلیم دادہ وعظ میں فرماتے تھے کہ خاتم النبیین میں "النبیین" پر الف لام عہد خارجی کا ہے، جب دوسرے روز مسجد چوک میں مولوی ابراہیم صاحب نے (جو بالفعل مدرسہ فیض رسول میں پڑھتے ہیں) اثنائے وعظ میں آیہ کریمہ:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ"[1]۔	محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ (ت)

تلاوت کرکے بیان کیا کہ النبیین میں جو لفظ النبیین مضاف الیہ واقع ہوا ہے اس لفظ پر الف لام

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

استغراق کا ہے بایں معنی کہ سوائے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی نبی نہ آپ کے زمانہ میں ہو اور نہ بعد آپ کے قیامت تک کوئی نبی ہو نبوت آپ پر ختم ہوگئی آپ کل نبیوں کے خاتم ہیں، بعد وعظ مولوی ابراہیم صاحب کے راحت حسین طالب علم مدرسہ اسلامیہ بہار کے مجاور درگاہ نے باعانت بعض معاون روپوش بڑے دعوے کے ساتھ مولوی ابراہیم صاحب کی تقریر مذکور کی تردید کی اور صاف لفظوں میں کہا کہ لفظ "النبیین" پر الف لام استغراق کا نہیں ہے بلکہ عہد خارجی کا ہے، چونکہ یہ مسئلہ عقائد ہے لہٰذا اس کے متعلق چند مسائل نمبروار لکھ کر اہل حق سے گزارش ہے کہ بنظرِ احقاق ہر مسئلہ کا جواب باصواب بحوالہ کتب تحریر فرمادیں تاکہ اہل اسلام گمراہی وبدعقیدگی سے بچیں:

(۱) راحت حسین مذکور کا کہنا کہ "النبیین" پر الف لام عہد خارجی کا ہے استغراق کا نہیں۔ یہ قول صحیح اور موافق مذہب منصور اہل سنت وجماعت کے ہے یا موافق فرقہ ضالہ زیدیہ کے؟

(۲) نفی استغراق سے آیہ کریمہ کا کیا مفہوم ہوگا؟

(۳) بر تقدیر صحت نفی استغراق اس آیہ سے اہل سنت کا عقیدہ کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل انبیاء کے خاتم ہیں، ثابت ہوتا ہے کہ نہیں اور اہل سنت اس آیہ کو مثبت خاتمیت کاملہ سمجھتے ہیں یا نہیں؟

(۴) اگر آیت مثبت کلیت نہیں ہوگی تو پھر کس آیت سے کلیت ثابت ہوگی اور جب دوسری آیت مثبت کلیت نہیں تو اہل سنت کے اس عقیدے کا ثبوت دلیل قطعی سے ہرگز نہ ہوگا۔

(۵) جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل انبیاء کے خاتم نہیں ہیں، اس کے پیچھے اہلسنت کو نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) اس باطل عقیدے کے لوگوں کی تعظیم وتوقیر کرنی اور ان کو سلام کرنا جائز ہوگا یا ممنوع؟

(۷) کیا سنی حنفی کو جائز ہے کہ جو شخص حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کل انبیاء کا خاتم نہ سمجھے اس سے دینی علوم پڑھیں یا اپنی اولاد کو علم دین پڑھنے کے واسطے ان کے پاس بھیجیں، فقط المستفتی محمد عبداللہ۔

دلائل خارجیہ [عـــہ]

دلیل اول: توضیح ص ۱۰۰ میں ہے:

الاصل ای الراجح ھو العھد الخارجی	اصل یعنی راجح عہد خارجی ہی کا ہے اس لئے عہد خارجی

عـــہ: چونکہ خاتم النبیین میں الف لام عہد خارجی کے قائل ہیں لہٰذا خارجیہ لکھے گئے ہیں ۱۲

لانہ حقیقۃ التعیین وکمال التمییز[1]۔	حقیقت تعیین اور کمال تمیز ہے۔

پس جب عہد خارجی سے معنی درست ہو تو استغراق وغیرہ معتبر نہ ہوگا۔

دلیل دوم: نورالانوار صفحہ ۸۱ میں ہے:

یسقط اعتبار الجمعیۃ اذا دخلت علی الجمع[2]۔	جب لام تعریف جمع پر داخل ہو تو اعتبار جمعیت ساقط ہو جاتا ہے۔

پس نبیین کہ صیغہ جمع ہے، جب اس پر الف لام تعریف داخل ہوا تو نبیین سے معنی جمعیت ساقط ہوگیا اور جب معنی جمعیت ساقط ہوگیا تو الف لام استغراق کا ماننا صحیح نہیں ہوسکتا۔

دلیل سوم: یہ امر مسلم ہے کہ مضاف مضاف الیہ کا غیر ہوتا ہے جب فرد واحد اس کل کے طرف مضاف ہو جس میں وہ داخل ہے تو وہ کل من حیث ہو کل ہونے کے کل، باقی نہ رہے گا بلکہ کلیت اس کی ٹوٹ جائے گی، اور جب کلیت اس کی باقی نہ رہی تو بعضیت ثابت ہوگئی اور یہی معنی ہے عہد کا، اور اگر اس فرد مضاف کہ ہم اس کل کے شمول میں رکھیں تو تقدم الشیئ علی نفسہ لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ وجود مضاف الیہ مقدم ہوتا ہے وجود مضاف پر، پس ان دلائل سے ثابت ہوا کہ النبیین میں الف لام عہد خارجی کا ماننا چاہئے۔

الجواب:

حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء و مرسلین بلاتاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنٰی شک و شبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے، آیہ کریمہ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[3] (لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں۔ت) وحدیث متواتر لانبی بعدی[4] (میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت) سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً وخلفاً یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیاء میں آخر نبی ہوئے حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔ فتاوٰی یتیمیۃ الدہر و اشباہ والنظائر و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ

[1] التوضیح والتلویح قولہ ومنہا الجمع المعرف باللام نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۳۶

[2] نورالانوار بحث التعریف باللام والاضافۃ مکتبہ علمی دہلی ص۸۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

اذالم یعرف الرجل ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰخر الانبیاء فلیس بمسلم لانہ من الضروریات [1]۔	جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انبیاء میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور کا آخر الانبیاء ہونا ضروریات دین سے ہے (ت)

شفاء شریف امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے:

کذٰلک (یکفر) من ادعی نبوۃ احد مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوبعدہ (الی قولہ) فھؤلا کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخبرانہ خاتم النبیین ولانبی بعدہ واخبر عن اللہ تعالٰی انہ خاتم النبیین وانہ ارسل کافۃ للناس واجمعت الامۃ علی حمل ان ھذا الکلام علی ظاھرہ وان مفھومہ المراد بہ دون تاویل ولاتخصیص فلا شك فی کفر ھؤلاء الطوائف کلھا قطعا اجماعا وسمعا [2]۔	یعنی جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (اس قول تک) یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور اللہ تعالٰی کی جانب سے یہ خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت وبحکم قرآن وحدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامۃ فھمت ھذا اللفظ انہ افھم عدم نبی بعدہ ابدا وعدم رسول بعدہ ابدا وانہ لیس فیہ تاویل ولاتخصیص ومن اولہ بتخصیص فکلامہ من انواع الھذیان لایمنع الحکم بتکفیرہ لانہ مکذب لھذا النص الذی اجمعت الامۃ علی انہ غیر مؤول	یعنی تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں النبیین کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے بلکہ

[1] الاشباہ والنظائر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۶، فتاوٰی ہندیہ باب احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۳

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاؤلین شرکت صحافیہ فی البلد العثمانیہ ترکی ۲/ ۱۷۰،۱۷۱

ولامخصوص[1]۔	اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

تجویز نبی مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او بعدہ یستلزم تکذیب القراٰن اذ قد نص علٰی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین وفی السنۃ انا العاقب لانبی بعدی واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علی ظاہرہ وھذہ احدی المسائل المشہورۃ التی کفرنا بہا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالٰی[2]۔	ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن عظیم تصریح فرماچکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں اور حدیث میں فرمایا: میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے یعنی عموم واستغراق بلا تاویل و تخصیص اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالٰی ان پر لعنت کرے۔

امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی کتاب المعتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں:

بحمدہ اللہ تعالٰی ایں مسئلہ درمیان اسلامیان روشن تراز اں ست کہ آں را بکشف وبیان حاجت افتد، خدائے تعالٰی خبر دار کہ بعد ازوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی دیگر نباشد ومنکر ایں مسئلہ کسے تواند بود کہ اصلاً در نبوت او صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معتقد نباشد کہ اگر برسالت او معترف بودے وے را در ہرچہ ازاں خبر دار صادق دانستے وبہماں حجتہا کہ از طریق تواتر رسالت او پیش ما درست شدہ ایں نیز درست شد کہ وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باز پسیں پیغمبران ست در	بحمد اللہ تعالٰی یہ مسئلہ اہلِ اسلام کے ہاں اتنا واضح اور آشکار ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اللہ تعالٰی نے خود اطلاع فرمادی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، اگر کوئی شخص اس کا منکر ہے تو وہ تو اصلاً آپ کی نبوت کا معتقد نہیں کیونکہ اگر آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا تو جو کچھ آپ نے بتایا ہے اس کو حق جانتا جس طرح آپ کی رسالت و نبوت تواتر سے ثابت ہے اسی طرح یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ حضور تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اب

[1] الاقتصاد فی الاعتقاد امام غزالی المکتبۃ الادبیہ مصر ص ۱۱۴

[2] المعتقد المنتقد بحوالہ المطالب الوفیہ شرح الفرائد السنیہ تجویز نبی بعدہ کفر مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۱۱۵

زمان اوو تا قیامت بعد از وے ہیچ نبی نباشد وہر کہ دریں بہ شک ست دراں نیز بہ شک ست ونہ آں کس کہ گوید کہ بعد اووے نبی دیگر بود یاہست یاخواہد بود وآں کس نیز کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافرست اینست شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔[1]	تاقیامت آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جس کو اس بارے میں شک ہے اسے پہلی بات کے بارے میں شک ہوگا صرف وہی شخص کافر نہیں جو یہ کہے کہ آپ کے بعد نبی تھا یا ہے یا ہوگا بلکہ وہ بھی کافر ہے جو آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن تصور کرے، خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان درست ہونے کی شرط ہی یہ ہے (ت)

بالجملہ آیہ کریمہ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ "[2] مثل حدیث متواتر لانبی بعدی[3] قطعاً عام اور اس میں مراد استغراق تام اور اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نہ ہونے پر اجماعِ امت خیر الانام علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام، یہ ضروریات دین سے ہے اور ضروریاتِ دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلا مسموع نہیں، جیسے آج کل دجال قادیانی بک رہا ہے کہ "خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعت جدیدہ مراد ہے اگر حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعت مطہرہ کا مروج و تابع ہو کر آئے کچھ حرج نہیں" اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اور دجال نے کہا تھا کہ "تقدم عــہ۱ تاخر زمانی میں کچھ فضیلت نہیں خاتم بمعنی آخر لینا خیال جہال ہے بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے"۔ اور اسی مضمون ملعون کو دجال اول نے یوں عــہ۲ ادا کیا کہ "خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے"، ایک اور مرتد نے لکھا "خاتم النبیین عــہ۳ ہونا حضرت رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہ نسبت اس سلسلہ محدودہ کے ہے نہ بہ نسبت جمیع سلاسل عوالم کے، پس اور مخلوقات کا اور زمینوں میں نبی ہونا ہرگز منافی خاتم النبیین کے نہیں جموع محلے باللام امثال اس مقام پر مخصوص ہوتی ہیں" چند اور خبیثوں نے

عــہ۱: تحذیر الناس نانوتی ۱۲

عــہ۳: مناظرہ احمدیہ ۱۲

عــہ۲: مواہب الرحمٰن قادیانی ۱۲

[1] المعتمد فی المعتقد

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن نبی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

لکھا کہ "الف لام عـــہ۱ خاتم النبیین میں جائز ہے کہ عہد کے لئے ہو اور بر تقدیر تسلیم استغراق جائز ہے کہ استغراق عرفی کے لئے ہو اور بر تقدیر حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو اور بھی عام کے قطعی ہونے میں بڑا اختلاف ہے کہ اکثر علماء ظنی ہونے کے قائل ہیں" ان شیاطین سے بڑھ کر 'اور بعض ابلیسیوں نے لکھا کہ "اہل اسلام عـــہ۲ کے بعض فرقے ختم نبوت کے ہی قائل نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے"

الی غیرذٰلك من الکفریات الملعونة والارتدادات المشحونة بنجاسات ابلیس وقاذورات التدلیس لعن اللہ قائلہا وقاتل اللہ قابلیہا۔	دیگر کفریات ملعونہ اور ارتدادات جو ابلیس کی نجاستوں اور جھوٹ کی پلیدوں کو متضمن ہے اللہ تعالٰی کی اس کے قائل پر لعنت ہو اور اسے قبول کرنیوالے کو اللہ تعالٰی برباد فرمائے۔(ت)

یہ سب تاویل رکیک ہیں یا عموم واستغراق "النبیین" میں تشویش وتشکیک سب کفر صریح وارتداد قبیح، اللہ ورسول نے مطلقاً نفی نبوت تازہ فرمائی، شریعت جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی اور صراحةً خاتم بمعنی آخر بتایا، متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے اب تک تمام امت مرحومہ نے اسی معنی ظاہر ومتبادر وعموم استغراق حقیقی تام پر اجماع کیا اور اسی بناپر سلفاً وخلفاً ائمہ مذاہب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر کہا، کتبِ احادیث و تفسیر عقائد و فقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنی کتاب "جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ ۱۳۱۷ھ" میں اس مطلب ایمانی پر صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم وجوامع سے ایک سو بیس حدیثیں اور تکفیر منکر کہ ارشادات ائمہ وعلمائے قدیم وحدیث وکتب عقائد واصول فقہ وحدیث سے تیس نصوص ذکر کئے وللہ الحمد۔ تو یہاں عموم واستغراق کے انکار خواہ کسی تاویل و تبدیل کا اظہار نہیں کرسکتا مگر کھلا کافر، خدا کا دشمن قرآن کا منکر، مردود وملعون، خائب وخاسر، والعیاذ باللہ العزیز القادر، ایسی تشکیکیں تو وہ اشقیاء، رب العلمین میں بھی کرسکتے ہیں کہ جائز ہے لام عہد کے لئے ہو یا استغراق عرفی کے لئے یا عام مخصوص منہ البعض یا عالمین سے مراد عالمین زمانہ کقولہ تعالٰی "وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۴۷﴾" [1] (جیسے کہ باری تعالٰی کا فرمان ہے: اور میں نے تم کو جہاں والوں پر فضیلت دی۔ت) اور سب کچھ سہی پھر عام قطعی تو نہیں خدا کا پروردگار جمیع عالم ہونا یقینی

عـــہ۱: ناصر المومنین سہسوانی ۱۲

عـــہ۲: تحریر اسمی زندیق پشاوری ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۷

کہاں مگر الحمد للہ مسلمان نہ ان ملعون ناپاک وساوس کو رب العالمین میں سنیں نہ ان خبیث گندے وساوس کو خاتم النبیین میں،

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ" [1]۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا" [2]۔	ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے(ت)

یہ طائفہ خائفہ خارجیہ جن سے سوال ہے اگر معلوم ہو کہ حضور پر نور خاتم الانبیاء و مرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین کے خاتم ہونے کو صرف بعض انبیاء سے مخصوص کرتا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روز بعثت سے جب یا اب کبھی کسی زمانے میں کوئی نبوت، اگرچہ ایک ہی، اگرچہ غیر تشریعی، اگرچہ کسی اور طبقہ زمین، یا کنج آسمان میں اگرچہ کسی اور نوع انسانی میں واقع مانتا، یا باوصف اعتقاد عدم وقوع محض بطور احتمال شرعی وامکان وقوعی جائز جانتا یہ بھی سہی مگر جائز ومحتمل ماننے والوں کو مسلمان کہتا یا طوائف ملعونہ مذکورہ، خواہ ان کے کبراء یا نظراء کی تکفیر سے باز رہتا ہے، توان سب صورتوں میں یہ طائفہ خائفہ خود بھی قطعاً یقیناً اجماعاً ضرورۃً مثل طوائف مذکورہ قادیانیہ وقاسمیہ وامیریہ ونذیریہ وامثالہم لعنهم الله تعالٰی کافر ومرتد ملعون ابد ہے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ" [3] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) کہ ضروریات دین کا جس طرح انکار کفر ہے یونہی ان میں شک وشبہہ اور احتمال خلاف، ماننا بھی کفر ہے یونہی ان کے منکر یا ان میں شاک کو مسلمان کہنا اسے کافر نہ جاننا بھی کفر ہے۔ بحر الکلام امام نسفی وغیرہ میں ہے:

من قال بعد نبینا یکفر لانه انکر النص وکذلك لو شك فیه [4]۔	جو شخص یہ کہے کہ ہمارے نبی کے بعد نبی آسکتا ہے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قطعی کا انکار کیا، اسی طرح وہ شخص جس نے اس کے بارے میں شک کیا۔(ت)

درمختار وبزازیہ ومجمع الانہر وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[4] بحر الکلام

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

ان لعنتی اقوال، نجس ترازابوال، کے رد میں اواخر صدی گزشتہ میں بکثرت رسائل ومسائل علمائے عرب وعجم طبع ہو چکے اور وہ ناپاک فتنے غار مذلت میں گر کر قعرِ جہنم کو پہنچے والحمدللہ رب العالمین۔ اس طائفہ جدیدہ کو اگر طوائف طریدہ کی حمایت سوجھے گی تو اللہ واحد قہار کا لشکر جرار، اسے بھی اس کی سزائے کردار پہنچانے کو موجود ہے

قال تعالٰی "اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۱۹﴾" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا، پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے، مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں، اس دن کو جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ (ت)

اور اگر اس طائفہ جدیدہ کی نسبت وہ تجویز واحتمال نبوت یا عدم تکفیر منکران ختم نبوت، معلوم نہ بھی ہو، نہ اس کا خلاف ثابت ہو تو اس کا آیہ کریمہ میں افادہ استغراق سے انکار اور ارادہ بعض پر اصرار کیا اسے حکم کفر سے بچالے گا کہ وہ صراحۃً آیہ کریمہ اس تفسیر قطعی یقینی اجماعی ایمانی کا منکر ومبطل ہے جو خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اور جس پر تمام امت مرحومہ نے اجماع کیا اور بنقل متواتر ضروریاتِ دین سے ہو کر ہم تک آئی، مثلاً کوئی شخص کہے کہ شراب کی حرمت قرآن عظیم سے ثابت نہیں ائمہ دین فرماتے ہیں وہ کافر ہوگیا اگرچہ اس کے کلام میں حرمت خمر کا انکار نہ تھا، نہ تحریم خمر کا ثبوت صرف قرآن عظیم پر موقوف کہ اس کی تحریم میں احادیث متواتر بھی موجود، اور کچھ نہ ہو تو خود اس کی حرمت ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین خصوص نصوص کے محتاج نہیں رہتے۔ امام اجل ابوزکریا نووی کتاب الروضہ پھر امام ابن حجر مکی اعلام بقواطع الاسلام میں فرماتے ہیں:

اذا جحد مجمعا علیه یعلم من دین الاسلام ضرورة سواء كان فیه نص اولا فان جحده یكون كفرا اھ ملتقطا [3]۔	جب کسی نے ایسی بات کا انکار کیا جس کا ضروریات دین اسلام میں سے ہونا متفق علیہ معلوم ہے خواہ اس میں نص ہو یا نہ ہو تو اس کا انکار کفر ہے اھ ملتقطا (ت)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۶تا۱۹

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۵۲

بعینہٖ یہی حالت یہاں بھی ہے کہ اگرچہ بعثت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیشہ کے لئے دروازہ نبوت بند ہو جانا اور اس وقت سے ہمیشہ تک، کبھی کسی وقت کسی جگہ کسی صنف میں کسی طرح کی نبوت نہ ہوسکنا کچھ اس آیہ کریمہ ہی پر موقوف نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں قاہر و باہر، متوار و متظافر، متکاثر و متواتر حدیثیں موجود اور کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ خود ضروریات دین سے ہے مگر آیت کے معنی متواتر، مجمع علیہ، قطعی ضروری کا انکار، اس پر کفر ثابت کرے گا اگرچہ اس کے کلام میں صراحۃً نفسِ مسئلہ کا انکار نہیں، منح الروض الازہر شرح فقہ اکبر سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

لوقال حرمة الخمر لاتثبت باٰلقراٰن کفر ای لانه عارض نص القراٰن وانکر تفسیر اهل الفرقان [1]۔	اگر کسی نے کہا شراب کی حرمت قرآن سے ثابت نہیں تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے نص قرآنی کے ساتھ معارضہ کیا اور اہل فرقان کی تفسیر کا انکار کیا (ت)

فتاوٰی تتمہ میں ہے:

من انکر حرمة الخمر فی القراٰن کفر [2]۔	جس نے قرآن کے حوالے سے حرمت شراب کا انکار کیا وہ کافر ہوگیا (ت)

اعلام امام مکی میں ہمارے علماء سے کلمات کفر بالاتفاق میں نقل کیا:

اوقال لم تثبت حرمة الخمر فی القراٰن [3]۔	یا اس نے کہا قرآن میں حرمت شراب کا ثبوت نہیں ہے۔ (ت)

پھر خود فرمایا:

کفرزاعم انه لانص فی القراٰن علی تحریم الخمر ظاهر .لانه مستلزم لتکذیب القراٰن الناص فی غیرما اٰیة علی تحریم الخمر فان قلت غایة مافیه انه کذب وهو لایقتضی الکفر قلت ممنوع لانه کذب	جس نے کہا تحریم شراب پر قرآن میں کوئی نص نہیں اس کا کافر ہونا نہایت ہی واضح ہے کیونکہ اس کا یہ قول قرآن کی تکذیب کررہا ہے قرآن نے متعدد جگہ پر شراب کے حرام ہونے پر تصریح کی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ یہ صرف اتنا تقاضا کرتا ہے کہ یہ جھوٹ ہو کفر کا

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ملا علی قاری فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۰

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فتاوی تتمہ فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۰

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۳۷۱

یستلزم انکار النص المجمع علیه المعلوم من الدین بالضرورة[1]۔	تقاضا نہیں کرتا میں کہوں گا یہ بات درست نہیں کیونکہ اس کا یہ قول اس نص قرآنی کے انکار کو مستلزم ہے جس سے ایسا حکم ثابت ہورہا ہے جو متفق طور پر ضروریات دین میں سے ہے۔(ت)

تو اگرچہ یہ طائفہ آیہ کریمہ میں استغراق کے انکار سے ختم تمام نبوت پر دلائل قطعیہ سے مسلمانوں کا ہاتھ خالی نہیں کرسکتا، مگر اپنا ہاتھ ایمان سے خالی کرگیا، ہاں اگر اراب طائفہ صراحۃً ایمان لائیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد، کبھی کسی جگہ کسی طرح کی کوئی نبوت کسی کو نہیں مل سکتی، حضور کے خاتم النبیین وآخر الانبیاء والمرسلین ہونے میں اصلًا کوئی تخصیص تاویل تقیید تحویل نہیں اور ان تمام مطالب کو نصوص قطعیہ واجماع یقینی وضروریات دین سے ثابت یقینا مانیں ان تمام طوائف ملعونہ مذکورہ ان کے اکابر کو صاف صاف کافر مرتد کہیں، صرف بزعم خود اپنی نحوی ومنطقی جہالتوں، بطالتوں، کج فہمیوں کے باعث آیہ کریمہ میں لام عہد لیں اور استغراق نامستقیم سمجھیں تو اگرچہ بوجہ انکار تفسیر متواتر اجماعی قطعی اسلوب فقہی اس پر اب بھی لزوم کفر ماننے مگر ازانجا کہ اس نے اعتقاد صحیح کی تصریح اور کبرائے منکرین کی تکفیر صریح کردی اس کی تکفیر سے زبان روکنا ہی مسلک تحقیق واحتیاط ہوگا،

امام مکی بعد عبارت مذکورہ فرماتے ہیں:

ومن ثم یتجه انه لوقال الخمر حرام ولیس فی القراٰن نص علی تحریمه لم یکفر لانه الاٰن محض کذب وھو لا کفر به اھ[2]۔	اسی وجہ سے یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ اگر کوئی کہتا ہے شراب تو حرام ہے لیکن قرآن میں اس کی تحریم پر نص نہیں تو وہ کافر نہ ہوگا اس لیے کہ اب وہ محض جھوٹ بول رہا ہے اور اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔اھ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس تقدیر اخیر پر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ ۱طائفہ خائفہ یار ومعین، مرتدین وکافرین و ۲بازیچہ کنندہ کلام رب العالمین، و ۳مکذب تفسیر حضور سید المرسلین و ۴مخالف اجماع جمیع مسلمین و ۵سخت بدعقل وگمراہ وبددین ہے۔

اول تو ظاہر ہی ہے کہ نفی استغراق وتجویز عہد میں یہ ان کفار کا ہم زبان ہوا بلکہ ان خبیثوں نے تو بطور احتمال ہی کہا تھا "جائز ہے کہ عہد کے لئے ہو" اور اس نے بزعم خود عہد کے لئے ہونا واجب مانا اور استغراق کو باطل ومردود جانا۔

---

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۲

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۲

دوم اس لئے کہ قرآن عظیم میں حضرات انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کا ذکر پاک بہت وجوہ مختلفہ سے وارد: (۱) فرداً فرداً خواہ بتصریح اسماء یہ صرف چھبیس ۲۶ کے لئے ہے: ۱آدم، ۲ادریس، ۳نوح، ۴ہود، ۵صالح، ۶ابراہیم، ۷اسحٰق، ۸اسمٰعیل، ۹لوط، ۱۰یعقوب، ۱۱یوسف، ۱۲ایوب، ۱۳شعیب، ۱۴موسٰی، ۱۵ہارون، ۱۶الیاس، ۱۷الیسع، ۱۸ذوالکفل، ۱۹داؤد، ۲۰سلیمان، ۲۱عزیر، ۲۲یونس، ۲۳زکریا، ۲۴یحیٰی، ۲۵عیسٰی، ۲۶محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم یا بر سبیل ابہام مثل "قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ"[1] (اشمویل) (ان کو ان کے نبی (شمویل) نے کہا "وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ"[2] (یوشع) فوجدا عبدا من عبادنا خضر علیهم الصلوٰة والسلام اور جس وقت انہوں نے نوجوان (یوشع) سے کہا "تو پایا حضرت موسٰی اور یوشع نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ حضرت خضر علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ت) (۲) یا بر سبیل عموم واستغراق اور یہی اوفر واکثر ہے، مثل قولہ تعالٰی:

"قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا" (الٰی قولہ تعالٰی) "وَمَاۤ اُوْتِیَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ"[3]، وقال تعالٰی "وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَۚ"[4]، وقال تعالٰی "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍۘ"[5]، وقال تعالٰی "كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ"[6]، وقال تعالٰی "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ"	یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا (الٰی قولہ تعالٰی) اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہاں اصل نیکی یہ ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸
[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۰تا۶۵
[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶
[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۷
[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳
[6] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

"اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ" [1]، وقال تعالٰی "وَمَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ" [2]، وقال تعالٰی "فَاُولٰٓىِٕكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ" [3]، وقال تعالٰی "وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىِٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ" [4]، وقال تعالٰی "فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ" [5] وقال تعالٰی "لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ" [6] وقال تعالٰی "یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَا ذَاۤ اُجِبْتُمْ" [7] وقال تعالٰی "وَ مَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ ۚ" [8] وقال تعالٰی "فَلَنَسْــٴَـلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْــٴَـلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَۙ" [9]، وقال تعالٰی

ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ ملا موسی اور عیسٰی اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیقین۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے اور بیشک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے۔ اور اللہ تعالٰی

I.T. Majlis of DawateIslami

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۲

[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۸

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۲

[7] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

[8] القرآن الکریم ۶/ ۴۸

[9] القرآن الکریم ۷/ ۷

عن المؤمنین، "لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ"[1]، وقال تعالٰی عن الکافرین "قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ"[2]، وقال تعالٰی "ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"[3]، وقال تعالٰی "وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾"[4]، وقال تعالٰی "اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ"[5]، وقال تعالٰی "اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾"[6]، وقال تعالٰی "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ"[7] وقال تعالٰی "هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۲﴾"[8] وقال تعالٰی "وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾"[9]، وقال تعالٰی وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾[10]، وقال تعالٰی "وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ"[11]،	نے مومنین سے فرمایا: بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے۔اور اللہ نے کفار سے فرمایا: بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ ہے وہ جس کا رحمٰن نے وعدہ دیا تھا۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک ہمارا کلام گزرچکا ہے ہمارے بھیجے ہوئے بندوں کے لئے اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور سلام ہے پیغمبروں پر۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور لائے جائیں گے انبیاء اور یہ نبی اور اس کے امت کے ان پر گواہ ہونگے۔

[1] القرآن الکریم ۷/ ۴۳
[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۳
[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۱۰۳
[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۶
[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۸
[6] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰
[7] القرآن الکریم ۳۳/ ۸
[8] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۲
[9] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۷۱
[10] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۸۱
[11] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۹

وقال تعالٰی "اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا"[1]، وقال تعالٰی "وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ"[2]، وقال تعالٰی "اُعِدَّتۡ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ؕ"[3]، وقال تعالٰی "لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَیِّنٰتِ"[4]، وقال تعالٰی "کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ ؕ"[5]، وقال تعالٰی "وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتۡ ﴿۱۱﴾ؕ لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ﴿۱۲﴾"[6]۔ الی غیر ذلك من آیات کثیرۃ۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ضرور ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے اور ایمان والوں کی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی ہیں کامل سچے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیار ہوئی ہے ان کے لئے جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو دلیلوں کے ساتھ بھیجا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ لکھ چکا کہ ضرور غالب آؤں گا اور میرے رسول۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جب رسولوں کا وقت آئے کس دن کے لئے ٹھہرائے گئے تھے۔ اسی طرح دیگر کثیر آیات ہیں۔ (ت)

(۳) یا ملحوظ بوصف قبلیت یعنی انبیائے سابقین علی نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام مثل قولہ تعالٰی:

"وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی ؕ"[7]، وقال تعالٰی "وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَکَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّاۤ اِنَّہُمۡ لَیَاۡکُلُوۡنَ الطَّعَامَ"[8]، وقال تعالٰی "سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَکَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ"[9]، وقال تعالٰی و	اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر تقدیر ہے وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۹

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۵

[5] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۱

[6] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۲-۱۱

[7] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۹

[8] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۰

[9] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۹-۳۸

" لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ "[1]، وقال تعالٰی " مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ "[2]، وقال تعالٰی " كَذٰلِكَ یُوْحِیْۤ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۳ "[3]، وقال تعالٰی " وَ سْــٴَـلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ "[4]۔ وغیر ذٰلک۔	بیشک وحی کی گئی تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم سے نہ فرمایا جائیگا مگر وہی جو تم سے اگلے رسولوں کو فرمایا گیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: یونہی وحی فرماتا ہے تمہاری طرف اور تم سے اگلوں کی طرف اللہ عزت وحکمت والا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان سے پوچھو جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے۔ وغیر ذلک۔

(۴) یا بر سبیل معنی جنسی شامل فرد وجمع بے لحاظ خاص خصوص وشمول مثل قولہ تعالٰی:

" مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ "[5] وقولہ تعالٰی " اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ یَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۲۱ "[6]، وقولہ تعالٰی " وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا ؕ "[7]، وقولہ تعالٰی " وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۝۱۳۶ "[8]، وقولہ تعالٰی ان الذین " اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ "[9] (الٰی قولہ تعالٰی) اُولٰٓىٕكَ	جو کوئی شخص دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے اور انصاف کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نہ تمھیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہرالو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو نہ مانے اللہ اور اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں (الٰی قولہ تعالٰی) یہی ہیں

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۵
[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۳
[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۳
[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۴۵
[5] القرآن الکریم ۲/ ۹۸
[6] القرآن الکریم ۳/ ۲۱
[7] القرآن الکریم ۳/ ۸۰
[8] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۶
[9] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰

ھُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا[1]۔ وغیرہا	ٹھیک ٹھیک کافر وغیرہا۔

(۵) یا خاص خاص جماعت خواہ اس کا خصوص کسی وصف یا اضافت یا اور وجوہ بیان سے نفس کلام میں مذکور اور اس سے مستفاد ہو،

مثل قولہ تعالٰی: "وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ"[2]، وقال تعالٰی فی بنی اسرائیل: "وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ"[3]، وقال تعالٰی فی التوراۃ: "یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا"[4]، وقال تعالٰی ماذکر نوحا ثم رسولا اٰخر: "ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا"[5]، ثم قال: ثم ارسلنا موسی، وقال تعالٰی: "اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ"[6]، فالمراد من بین ھود و موسٰی علیہم الصلٰوۃ والسلام، وقال تعالٰی فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ"[7]، وقال تعالٰی بعد ذکر نوح و ابراھیم: "ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ	اور بیشک ہم نے موسٰی کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا: اور بیشک ان کے پاس ہمارے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے۔ اور اللہ تعالٰی نے توراۃ میں فرمایا: اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے فرمانبردار نبی۔ اور اللہ تعالٰی نے نوح علیہ السلام پھر ایک اور رسول کے ذکر کے بعد فرمایا پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا۔ پھر فرمایا: ہم نے موسٰی کو بھیجا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اے محبوب ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ا ن سے ہود اور موسٰی کے درمیان والے نبی علیہم الصلوۃ والسلام مراد ہیں اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد و ثمود پر آئی تھی۔ جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے۔ اور اللہ تعالٰی نے نوح اور ابراہیم کے ذکر کے بعد فرمایا: پھر ہم نے ان کے پیچھے اسی راہ پر اپنے اور رسول

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۱
[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۳
[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴
[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۴
[5] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۵
[6] القرآن الکریم ۴/ ۱۶۳
[7] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۳و۱۴

بِرُسُلِنَا"[1]	بھیجے۔(ت)

یا بوجہ عہد حضوری مثل قولہ تعالٰی:

"قَالَ یٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۰﴾ "[2]۔	بولا اے میری قوم بھیجے ہوؤں کی پیروی کرو(ت)

یا ذکری مثل قولہ تعالٰی:

فی قوم نوح وھود وصالح ولوط وشعیب بعد ماذکرھم علیھم الصلٰوۃ والسلام، "تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآىٕهَا ۚ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ"[3]۔	نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قوم کا ذکر کرنے کے بعد: یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے(ت)

یا علمی مثل قولہ تعالٰی:

"وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْیَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ "[4]، وقال تعالٰی سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ"[5]، وغیر ذٰلک۔	اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا، وغیر ذلک(ت)

اب اولاً اگر آیہ کریمہ "وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ "[6] (اور ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پیچھے۔ت) میں لام عہد خارجی کے لئے ہو جیسا کہ یہ طائفہ خارجیہ گمان کرتا ہے اور وہ یہاں نہیں مگر ذکری، اور ذکر کو دیکھ کر کہ اتنے وجوہ مختلفہ پر ہے اور ان میں صرف ایک وجہ وہ ہے جو بداہۃً کلام کریمہ میں مراد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، یعنی وجہ سوم کہ جب انبیاء موصوف بوصف قبلیت ومفید بقید سبقت لے گئے یعنی وہ انبیاء جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے ہیں تو اب حضور کو ان کا خاتم ان کا آخر ان سے زمانے میں متاخر کہنا محض لغو وفضول کلام مہمل ومعطل ومغسول ہوگا جس حاصل حمل اولی بدیہی مثل زید زید سے زائد نہ ہوگا کہ جب ان کو حضور سے اگلا کہہ دیا حضور کا ان سے پچھلا ہونا آپ ہی معلوم ہوا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۷
[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۲۰
[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۰۱
[4] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۳
[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۱
[6] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

اسے بالخصوص مقصود بالا فادہ رکھنا قرآن عظیم تو قرآن عظیم اصلاً کسی عاقل انسان کے کلام کے لائق نہیں، نہ کہ وہ بھی مقام مدح میں کہے

چشمانِ تو زیر ابروانند

دندانِ تو جملہ در دہانند

(تمہاری آنکھیں زیر ابرو ہیں اور دانت منہ کے اندر ہیں)

سے بھی بدتر حالت میں ہے کہ شعر نے کسی افادہ کی عبث تکرار نہ کی اور بات جو کہی وہ بھی واقعی تعریف کی تھی، "اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۝۴" [1] (اچھی صورت۔ت) سے بعض اوضاع کا بیان ہے اسے مقام مدح میں یوں مہمل جانا گیا ہے کہ ایک عام مشترک بات کا ذکر کیا ہے بخلاف اس معنی کے کہ اس میں صراحۃً عبث موجود اور معنی مدح بھی مفقود، اور پھر عموم واشتراک بھی نقد وقت کہ ہر شے اپنے اگلے سے پچھلی ہوتی ہے غرض یہ وجہ تو یوں مندفع ہو جائے گی کہ اصلا محلِ افادہ وصالح ارادہ نہیں، اور اس طائفہ خارجیہ کے طور پر وجہ دوم کو بھی نا محتمل مان لیجئے پھر بھی اول وچہارم وپنجم سب محتمل رہیں گی اور پنجم میں خود وجوہ کثیر ہیں، کہیں "من بعد موسٰی"، کہیں "من بعد نوح"، کہیں انبیائے اسرائیل، کہیں "من بعد ھود وموسٰی"، کہیں صرف انبیائے عاد ثمود، کہیں انبیائے قوم نوح وعاد وثمود، کہیں "من بعد ابراھیم قوم لوط و مدین" وغیر ذلک، بہر حال ذکر وجوہ کثیرہ مختلفہ پر آیا ہے اور یہاں کوئی قرینہ وبینہ نہیں کہ ان میں ایک وجہ کی تعیین کرے تو معلوم نہیں ہو سکتا کہ کون سے مذکور کی طرف اشارہ ہوا، پھر عہد کہاں رہا، سرے سے عہد کا مبنٰی ہی کہ تعین ہے منہدم ہو گیا کہ اختلاف وتنوع مطلقاً منافی تعین، نہ کہ اتنا کثیر، پھر عہدیت کیونکر ممکن۔

ثانیاً جب کہ اتنی وجوہ کثیرہ محتمل اور قرآن عظیم نے کوئی وجہ بیان نہ فرمائی، حدیث کا بیان صحیح تو وہی عموم واستغراق ہے کہ لانبی بعدی [2] (میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت) کما سیأتی۔ اس تقدیر پر جب اشارہ ذکر استغراق کی طرف ٹھہرا عہد و استغراق کا حاصل ایک ہو گیا اور وہی احاطہ تامہ کہ معتقد اور وہی منقطع ہو کر تشابہات سے ہو گئی، اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین کہنا محض اقرار لفظ بے فہم معنی رہ گیا جس کی مراد کچھ معلوم نہیں، کوئی کافر خود زمانہ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۹۵/ ۴

[2] صحیح البخاری باب ماذکر عن بنی اسرائیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۱

علیہ وسلم میں کتنے ہی انبیاء مانے، حضور کے بعد ہر قرن وطبقہ و شہر وقریہ میں ہزار ہزار اشخاص کو نبی جانے خود اپنے آپ کو رسول اللہ کہے، اپنے استاذوں کو مرسلین اولوالعزم بتائے، آیہ کریمہ اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی کہ آیت کے معنی ہی معلوم نہیں جس سے حجت قائم ہوسکے، کیا کوئی مسلمان ایسا خیال کرے گا، **حاشا وکلا**۔

ثالثاً میں تکثر وتزاحم معانی پر کیوں بنا کروں، سوائے استغراق کوئی معنی لے لیجئے سب پر یہی آش در کاسہ رہے گی کہ پچھلی جھوٹی کاذبہ ملعونہ نبوتوں کا درآیت بند نہ کر سکے گی، معنی اول یعنی افراد مخصوصہ معینہ مراد لئے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہیں معدود انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے خاتم ٹھہرے جن کا نام یا ذکر معین علی وجہ الابہام قرآن مجید میں آگیا ہے جن کا شمار تیس چالیس نبی تک بھی نہ پہنچے گا، یونہی بر تقدیر معنی پنجم یعنی جماعات خاصہ خاص اپنی جماعت کے خاتم ٹھہریں گے، باقی جماعات صادقہ سابقہ کے لئے بھی خاتمیت ثابت نہ ہوگی، چہ جائے جماعات کاذبہ آئندہ اور معنی سوم میں صاف تخصیص انبیائے سابقین کے بھی ہو جائے گی کہ جو نبی پہلے گزر چکے ان کے خاتم ہیں تو پچھلوں کی کیا بندش ہوئی بلکہ پیچھے اور آئے تو وہ ان کے بھی خاتم ہوں گے، رہے معنی چہارم جنسی اس میں جمیع مراد لینا اس طائفہ کو منظور نہیں ورنہ وہی **ختم الشیئ لنفسہ** لازم آئے، لاجرم مطلقاً کسی ایک فرد کے اختتام سے بھی خاتمیت صادق مانے گا کہ صدق علی الجنس کے لئے ایک فرد پر صدق کا ہے تو یہ سب معانی سے اخس وارذل ہوا اور حاصل وہی ٹھہرا کہ آیت بہر نہج فقط ایک دو یا چند یا کل گزشتہ پیغمبروں کی نسبت صرف اتنا تاریخی واقعہ بتاتی ہے کہ ان کا زمانہ ان کے زمانے سے پہلے تھا، اس سے زیادہ آئندہ نبوتوں کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتی، نہ ان سے اصلاً بحث کرتی ہے، طوائف ملعونہ مہدویہ وقادیانیہ وامیریہ ونذیریہ ونانوتویہ **وامثالھم لعنھم اللہ تعالٰی** کا یہی تو مقصود تھا، وہ اس طائفہ خارجیہ نے جی کھول کر اُمنابہ کرلیا "**وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴿۲۲۷﴾**"[1] (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) اصل بات یہ ہے کہ معانی قطعیہ جو تمام مسلمین میں ضروریات دین سے ہوں جب ان پر نصوص قطعیہ پیش نہ کئے جائیں تو مسلمانوں کو احمق بنالینا اور معتقدات اسلام کو مخیلات عــہ عوام ٹھہرا دینا ایسے خبثا کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے اور نصوص میں احادیث پر نہ عام لوگوں کی نظر نہ ان کے جمع طرق وادراک تواتر پر دسترس، وہاں ایک ہش میں کام نکل جاتا ہے کہ یہ باب عقائد ہے، اس

عــہ: دیکھو تحذیر الناس۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

میں بخاری ومسلم عہ۱ کی بھی صحیح احادیثیں مردود ہیں، ہاں ایسی جگہ ان ہیے کے اندھوں کی کچھ کور دبتی ہے تو قرآن عظیم سے بغرض تلبیس عوام، برائے عہ۲ نام اسلام کا ادعا ہو کر، قرآن پر صراحۃً انکار کا ٹوٹو خر درگل ہے، لہٰذا وہاں تحریف معنوی کے چال چلتے اور کلام اللہ کو الٹتے بدلتے ہیں کہ جب آیت سے مسلمانوں کو ہاتھ خالی کرلیں پھر گونہ وحی شیطانی کا رستہ کھل جائے گا "وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸" [1] (اور اللہ کو اپنا نور پورا کرنا ہے اگرچہ برا مانیں کافر۔ت)

سوم یعنی اس طائفہ کا مکذب تفسیر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونا وہ ہر ادنی خادم حدیث پر روشن یہاں اجمالی دو حرف ذکر کریں، صحیح مسلم شریف ومسند امام احمد وسنن ابوداؤد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ وغیرہا میں ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انہ نبی وانا خاتم النبیین لانبی بعدی [2]۔	بیشک میری امت دعوت میں یا میری امت کے زمانے میں تیس کذاب ہوں گے کہ ہر ایک اپنے آپ کو نبی کہے گا اور میں خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکون فی امتی کذابون ودجالون سبعۃ وعشرون منھم اربعۃ نسوۃ وانی خاتم النبیین لانبی بعدی [3]۔	میری امت دعوت میں ستائیس دجال کذاب ہونگے ان میں چار عورتیں ہوں گی حالانکہ بیشک میں خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن ترمذی وتفسیر ابن ابی حاتم وتفسیر ابن مردودیہ میں جابر رضی اللہ عنہ

عہ۱: دیکھو براہین قاطعہ گنگوہی۔		عہ۲: دیکھو تحذیر الناس

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۸

[2] جامع ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتٰی یخرج کذابون امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۵

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۰۲۶ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۳/ ۱۷۰

سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی ومثل الانبیاء کمثل رجل ابتنی دارا فاکملھا واحسنھا الاموضع لبنۃ فکان من دخلھا فنظر الیھا قال مااحسنھا الاموضع اللبنۃ فانا موضع اللبنۃ فختم بی الانبیاء[1]۔	میری اور نبیوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک مکان پورا کامل اور خوبصورت بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی تو جو اس گھر میں جاکر دیکھتا کہتا یہ مکان کس قدر خوب ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ کہ وہ خالی ہے تو اس اینٹ کی جگہ میں ہوا مجھ سے انبیاء ختم کردئے گئے۔

صحیح مسلم ومسند احمد ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دارا فاتمھا الالبنۃ واحدۃ فجئت انا فاتممت تلك اللبنۃ[2]۔	میری اور سابقہ انبیاء کی مثل اس شخص کی مانند ہے جس نے سارا مکان پورا بنایا سوا ایک اینٹ کے، تو میں تشریف فرما ہوا اور وہ اینٹ میں نے پوری کی۔

مسند احمد وصحیح ترمذی میں بافادہ تصحیح ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی فی النبیین کمثل رجل بنی دارا فاحسنھا و اکملھا واجملھا وترك فیھا موضع لبنۃ لم یضعھا فجعل الناس یطوفون بالبنیان ویعجبون منہ و یقولون لو تم موضع ھذہ اللبنۃ فانافی النبیین موضع تلك اللبنۃ[3]۔	پیغمبروں میں میری مثال ایسی ہے کہ کسی نے ایک مکان خوبصورت وکامل وخوشنما بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ چھوڑدی وہ نہ رکھی لوگ اس عمارت کے گرد پھرتے اور اس کی خوبی و خوشنمائی سے تعجب کرتے اور تمنا کرتے کسی طرح اس اینٹ کی جگہ پوری ہوجاتی تو انبیاء میں اس اینٹ کی جگہ میں ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کون النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۸، صحیح البخاری کتاب المناقب باب خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۱

[2] مسند امام احمد حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۹

[3] جامع ترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن النسائی و تفسیر ابن مردویہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی مثل بیان کرکے ارشاد فرمایا:

فانااللبنۃ وانا خاتم النبیین[1]۔	تو میں وہ اینٹ ہوں اور خاتم النبیین ہوں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین وبارک وسلم۔

چہارم کا بیان اوپر گزرا، پنجم سے طائفہ کی گمراہی بھی واضح ہوچکی کہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رد کرنے والا اجماعی قطعی امت مرحومہ کا خلاف کرنے والا سوا گمراہ بددین ہونے کے کون ہوگا۔

"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۱۱۵﴾ "[2]۔	ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ (ت)

رہی بدعقلی وہ اس کے ان شبہات واہیات، خرافات، مزخرفات کی ایک ایک ادا سے ٹپک رہی ہے جو اس نے اثبات ادعائے باطل "عہد خارجی" کے لئے پیش کئے اہلِ علم کے سامنے ایسے مہملات کیا قابل التفات، مگر حفظ عوام وازالہ اوہام کے لئے چند حروف مجمل کا ذکر مناسب واللہ الھادی وولی الایادی (اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا اور طاقتوں کا مالک ہے۔ت) شبہہ اولٰی میں اس طائفہ نے عبارت توضیح کی طرف محض غلط نسبت کی حالانکہ توضیح میں اس عبارت کا نشان نہیں بلکہ وہ اسکے حاشیہ تلویح کی ہے،

اقول اولاً: اگر یہ مدعیان عقل اسی اپنی ہی نقل کی ہوئی عبارت کو سمجھتے اور قرآن عظیم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وجوہ ذکر کو دیکھتے تو یقین کرتے کہ آیہ کریمہ "وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[3] (اور لیکن آپ اللہ کے رسول اور انبیاء میں سے آخری ہیں۔ت) میں لام عہد خارجی کے لئے ہونا محال ہے کہ بوجہ تنوع وجوہ ذکر وعدم اولیت وترجیح جس کا بیان مشرحًا گزرا، کمال تمیز جداسرے سے کسی وجہ معین کا امتیاز ہی نہ رہا تو یہی عبارت شاہد ہے کہ یہاں "عہد خارجی" ناممکن، کاش مکر کے لئے بھی کچھ عقل ہوتی اصلی تو اس کی جگہ توضیح ہی کی گول عبارت العہد ھوالاصل ثم الاستغراق ثم تعریف الطبیعۃ[4] (عہد اصلی ہے پھر استغراق اور پھر جنس۔ت) کی نقل ہوتی کہ خود نفس عبارت تو ان کی جہالت و

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کون النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبۃ الرحیمیہ دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۴۵

سفاہت پر شہادت نہ دیتی اگرچہ اس سے دو ہی سطر پہلے اسی توضیح میں متن تنقیح کی عبارت **ولابعض الافراد لعدم الاولیة**[1] (اور نہ بعض افراد کیونکہ اولی نہیں۔ت) اس کی صفراشکنی کو بس ہوتی مگر یہ کیونکر کھلتا کہ طائفہ حائفہ کو دوست و دشمن میں تمیز نہیں صریح مضر کو نافع سمجھتا ہے لہٰذا نام تو لیا توضیح کا اور برائے بدقسمتی عبارت نقل کردی تلویح کی، جس میں صاف صریح ان عقلاء کی تسفیہ اور ان کے وہم کاسد کی تقبیح تھی، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

ثانیًا توضیح کا مطلب سمجھنا تو بڑی بات، خود اپنی ہی لکھا نہ سمجھا کہ جب عہد خارجی سے معنی درست ہو تو استغراق وغیرہ معتبر نہ ہوگا۔ ہم اوپر واضح کرآئے کہ عہد خارجی مزعوم طائفہ خارجیہ سے معنی درست نہیں ہوسکتے، آیہ کریمہ قطعًا آئندہ نبوتوں کا دروازہ بند فرماتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی معنی اس کے بیان فرمائے، تمام امت نے سلفًا وخلفًا اس کے یہی معنی سمجھے اور اس عہد خارجی پر آیت کو اس سے کچھ مس نہیں رہتا تو واجب ہے کہ استغراق مراد ہو، اسی تلویح میں اسی عبارت منقولہ طائفہ کے متصل ہے،

ثم الاستغراق الی ان قال فالاستغراق هو المفهوم من الاطلاق حیث لاعهد فی الخارج خصوصا فی الجمع الی قوله هذا ما علیه المحققون[2]۔	پھر استغراق (تا) اطلاق سے استغراق مفہوم ہوتا ہے جہاں عہد خارجی نہ ہو خصوصا جمع میں (تا) محققین کی یہی رائے ہے (ت)

ثالثًا بہت اچھا اگر فرض کریں کہ لام عہد خارجی کے لئے ہے تو اس سے بھی قطعًا یقینا استغراق ہی ثابت ہوگا کہ وجوہ خمسہ سے اول وسوم وپنجم کا بطلان تو دلائل قاہرہ سے اوپر ثابت ہولیا اور واضح ہوچکا کہ خود جن سے کلام الٰہی کا اولًا واصالۃً خطاب تھا یعنی حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انہوں نے ہرگز اس آیت سے صرف بعض افراد معینہ یا کسی جماعت خاصہ کو نہ سمجھا بلکہ نہ رہیں، مگر وجہ دوم و چہارم یعنی وہ جو قرآن عظیم میں بروجہ اکثر وافرذکرانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بروجہ عموم واستغراق تام ہے اسی وجہ معہود کی طرف لام **النبیین** مشیر ہے تو اس عہد کا حاصل **بحمد اللہ تعالٰی** وہی استغراق کامل جو مسلمانوں کا عقیدہ ایمانیہ ہے یا ذکر جنسی کی طرف اشارہ ہے اور ختم کا حاصل نفی معیت وبعدیت ہے، جیسے اولویت بمعنی نفی معیت وقبلیت تعریفات علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف میں ہے:

[1] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبة الرحیمیه دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۴۷

[2] توضیح علی التنقیح الفاظ العام الجمع معرف باللام المکتبة الرحیمیه دیوبند سہارنپور بھارت ۱/ ۱۵۰

الاول فرد لایکون غیرہ من جنسه سابق علیه ولا مقارناله[1]۔	اول فرد ہے کیونکہ اس کا کوئی ہم جنس اس سے پہلے نہیں اور نہ اس کے ساتھ متصل ہے (ت)

حدیث شریف میں ہے:

انت الاول فلیس قبلك شیئ وانت الاٰخر فلیس بعدك شیئ[2]، رواہ مسلم فی صحیحه والترمذی و احمد وابن ابی شیبة وغیرہم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و للبیہقی فی الاسماء والصفات عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنها عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان یدعو بھؤلاء الکلمات اللھم انت الاول فلاشیئ قبلك وانت الاٰخر فلاشیئ بعدک[3]۔	تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شیئ نہیں، اور تو آخر میں ہے تیرے بعد کوئی شیئ نہیں، اسے مسلم نے اپنی صحیح میں، ترمذی، امام احمد اور ابن ابی شیبہ وغیرہم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ امام بیہقی نے الاسماء و الصفات میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کلمات کے ساتھ دعا فرمایا کرتے، اے اللہ! تو اول ہے تجھ سے پہلے کوئی شیئ نہیں اور تو آخر ہے تیرے بعد کوئی شیئ نہیں (ت)

توخاتم النبیین کا حاصل ہمارے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اور بعد جنس نبی کی نفی ہوئی اور جنس کی نفی عرفاً ولغۃً وشرعاً افراد ہی سے ہوتی ہے ولہذا لائے نفی جنس صیغ عموم سے ہے جیسے لارجل فی الدار ولہذا لاالٰہ الااللہ ہر غیر خدا سے نفی الوہیت کرتا ہے، یوں بھی استغراق ہی ثابت ہوا، وللہ الحمد۔ (نامکمل دستیاب ہوا)

---

[1] التعریفات باب الالف انتشارات ناصر خسرو ایران ص ۱۷

[2] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب الدعاء عند النوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۸، مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الدعاء حدیث ۹۳۶۲ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۲۵۱

[3] الاسماء والصفات للبیہقی مع فرقان القرآن باب ذکر اسماء التی تتبع اثبات الباری الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۱۰

مسئلہ ۹۵: از ریاست نانپارہ بازار چوک بساط خانہ دکان حاجی الٰہی بخش بہرائچی مرسلہ حافظ عبدالرزاق امام مسجد ۳ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع بارہ بنکی میں چندروز سے ایک گروہ پیدا ہوا ہے جس کا نام کبیر پنتھی ہے، یہ لوگ اللہ تعالٰی کو صاحب اور دعوت کو ہندوؤں کی طرح بھنڈارہ کہتے ہیں، نماز روزہ سے بالکل منکر ہیں اور روزہ داروں اور نمازیوں کو برا کہتے اور ان پر طعن تشنیع کرتے ہیں، گوشت کھانا بالکل حرام جانتے اور قربانی ہر جانور کی بہت سخت ظلم کہتے ہیں، موضع صورت گنج تحصیل فتح پور ضلع بارہ بنکی نواب گنج میں فقیرے تیلی کبیر پنتھی نے برادری کی دعوت کی اور اپنی حیثیت کے موافق کھانا پکوایا، گوشت کی جگہ کٹہل پکوایا گیا، برادری والوں نے کہا ہم گوشت کھائیں گے، تو اس نے کہا ہمارے گروجی گوشت نہیں کھاتے تھے، چاہے جان جاتی رہے گردن کٹ جائے، مگر ہم گوشت نہ دیں گے، لوگوں نے کہا کہ چاہے سیر آدھ سیر ہی گوشت ہو مگر ہم بلا گوشت کھانا نہ کھائیں گے۔ فقیرے نے کہا کہ ہم آپ لوگوں سے خدا کے واسطے ایک چیز مانگتے ہیں ہم کو اللہ معاف کردو، برادری والوں نے کہا کہ اگر تم ہم سے گوشت اللہ معاف کراتے ہو تو تمام کھانا ہم اللہ معاف کئے دیتے ہیں اور آدھے آدمی اٹھ کر پانچو تیلی کے مکان پر چلے آئے اور آدھے اسی کے مکان پر رہ گئے، لیکن کھانا کسی نے نہیں کھایا پانچو تیلی گوشت کھاتا ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، اب دونوں قسم کے تیلیوں نے پانچو کا حقہ پانی بند کردیا ہے کہ اسی کی وجہ سے ہماری برادری میں پھوٹ پڑی، اس حالت میں عام مسلمانوں کو کبیر پنتھیوں سے میل جول، شادی بیاہ، برادری سے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور شرعاً یہ لوگ کیسے ہیں جن لوگوں نے پانچو کا حقہ پانی اسی وجہ سے بند کیا ہے؟ ان سے دوسروں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

نماز سے منکر کافر ہے، روزہ سے منکر کافر ہے، جو نماز پڑھنے کو برا کہے، نمازی پر نماز پڑھنے کی وجہ سے طعن و تشنیع کرے کافر ہے، روزہ رکھنے جو برا کہے روزہ دار پر روزہ کی وجہ سے طعن کرے وہ کافر ہے گوشت کھانے کو مطلقاً حرام کہنا کفر ہے قربانی کو ظلم کہنے والا کافر ہے، ان اعتقادوں والے مطلقاً کفار ہیں۔ پھر اگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو مسلمان کہتے یا کلمہ پڑھتے ہوں تو مرتد ہیں کہ دنیا میں سب سے بدتر کافر ہیں، ان سے میل جول حرام، ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کو پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے کی نماز حرام، پانچو تیلی پر کوئی الزام نہیں، جنہوں نے اس بنا پر اس کا حقہ پانی بند کیا ظالم ہیں، ان پر لازم ہے کہ اپنے ظلم سے توبہ کریں، پانچو سے اپنا قصور معاف کرائیں، اگر یہ لوگ باز نہ آئیں تو مسلمان ان کو چھوڑدیں کہ ظالموں کا ساتھ دینے والا بھی ظالم ہے، یہ سب مضامین قرآن عظیم کی آیتوں اور حدیثوں سے ثابت ہیں جو بارہا ہمارے

فتاوٰی میں مذکور ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۶: از بیکانیر مارواڑ محلہ مہاوتان مرسلہ قاضی قمر الدین صاحب　　۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ رسول خدا خدا کے بندے نہیں ہیں اور آپ بشر بھی نہیں ہیں، اس پر ان سے پوچھا گیا کہ پھر کیا ہیں؟ تو جواب دیا کہ میں اس معاملہ میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اور یہ بھی ان سے پوچھا گیا کہ رات دن نماز میں قعدہ میں تم عبدہ ورسولہ پڑھتے ہو، یہ کیا ہے کیا اس کا ترجمہ ہوا؟ تو کہا اس کا ترجمہ بندہ اور رسول کا ہوا لیکن میں کچھ نہیں کہتا، حضور پر نور ایسے شخص کی بابت کیا حکم ہے؟ اور کیا یہ شخص اسلام سے خارج ہوگیا ان کلمات کے باعث یا نہیں؟ کیا کفر عائد اس پر ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جو یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی اللہ کے بندے نہیں وہ قطعًا کافر ہے،

اشھد ان محمد عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم .قال اللہ تعالٰی "وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ"[1]، وقال تعالٰی "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝"[2]، وقال تعالٰی "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ"[3]، وقال تعالٰی "وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا"[4]، وقال تعالٰی "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ"[5]، وقال تعالٰی "فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝"[6]	میں گواہی دیتا ہوں بلاشبہہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اس کی بندگی کرنے کھڑا ہوا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (ان خاص) بندے پر اتارا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳

[5] القرآن الکریم ۱۸/ ۱

[6] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۰

اور جو یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت ظاہری بشری ہے حقیقت باطنی بشریت سے ارفع واعلٰی ہے یا یہ کہ حضور اوروں کی مثل بشر نہیں وہ سچ کہتا ہے اور جو مطلقًا حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے،

قال تعالٰی "سُبۡحَانَ رَبِّیۡ هَلۡ كُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا ﴿۹۳﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم فرماؤ پاکی ہے میرے رب کو میں کون ہوں مگر آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷: از خان پور سید واڑہ احمد آباد مرسلہ منشی ایچ ڈی۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ "ذوالنور الحق المبین" چھاپی ہے شیخ البواہر نے وہ سنیوں کے لئے کیسی ہے؟ مہربانی کرکے اس کا جلدی جواب دیجئے۔

الجواب:

وہ کتاب مذہب اہلسنت کے خلاف ہے بلکہ اس میں خود اسلام کی بھی مخالفت ہے، اس کا دیکھنا، پڑھنا، سننا حرام ہے،

الالعالم یرید ان یرد علیه او یکشف مافیه من کفر وضلال۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہاں جو عالم اس کا مطالعہ کرے اس کی تردید کے لئے یا اس میں جو کفر بیان ہو اس کے انکشاف کے لئے تو اس کے لئے پڑھنا دیکھنا حرام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۸: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ عنایت حسین صاحب ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی برادری کے آدمیوں کے سامنے اشرف علی تھانوی کو کافر کہا اور یہ بھی کہا کہ جو شخص اس کو کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے، لہٰذا اس باعث سے اشرف علی کو کافر کہا کہ اس پر کفر کا فتوٰی دیا گیا ہے، اس شخص کو بوجہ کافر کہنے کے برادری سے علیحدہ کردیا جس آدمی نے اشرف علی کو کافر کہا اس کے بارے میں آپ کیافرماتے ہیں؟

الجواب:

تمام علمائے حرمین شریفین نے اشرف علی تھانوی پر بھی فتوٰی دیا ہے "حسام الحرمین شریف" بارہ برس سے چھپ کر شائع ہے، اس شخص نے سچ کہا اور اس پر اسے برادری سے خارج کرنا ظلم شدید ہوا ان

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۹۳

لوگوں پر توبہ فرض ہے اور جو شخص تھانوی کے اقوال کفر سے آگاہ ہو کر ایسا کرے وہ خود ایمان سے خارج اور اس کی عورت اس کے نکاح باہر ہو گئی۔ درمختار، مجمع الانہر، بزازیہ وشفاء شریف میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۹: ازکانپور محل فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی محمد آصف صاحب ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

بفضلہٖ تعالٰی کمترین بخیریت ہے، حضوری ملازمان سامی کی مدام بارگاہ احدیت سے مطلوب، دو عریضے ملفوف فدوی نے روانہ خدمت فیضدرجت کئے، ہنوز جواب سے محروم ہے۔ الٰہی مانعش بخیر باد۔

حضور کے فتاوی جلد اول ص ۱۹۱ میں خواتمی وہابی کے متعلق حاشیہ میں یہ عبارت ہے: "یہ شقی گروہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نبوت ختم ہونے کا صاف منکر ہے خاتم النبیین کے یہ معنی لینا تحریف کرنا اور بمعنی آخر النبیین لینے کو خیال جہال بتانا کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چھ یا سات مثل وجود مانتا ہے"۔ اور کتاب حسام الحرمین میں بھی فرقہ امثالیہ کو مرتدین میں شمار کیا گیا ہے لیکن فتاوٰی بے نظیر در معنی مثل آنحضرت بشیر ونذیر جو کہ عرصہ ہوا مطبع اسدی میں حسب ایمائے محمد یعقوب صاحب منصرم مطبع نظامی طبع ہوا تھا اور بہت سے علمائے کرام کے فتوے اس میں درج کئے ہیں، حسب ذیل عبارت ہے: "ھو العزیز قطع نظر اس کے کہ علمائے حدیث نے "ان اللہ خلق سبع ارضین" میں ہر طرح کلام کیا بعد ثبوت رفع وتسلیم صحت متن واسناد مفید اعتقاد نہیں، بلکہ جس حالت میں مضمون اس کا دلالت آیات واحادیث صحیحہ وعقیدہ اہل حق کے خلاف ہے تو قطعًا متروک الظاہر واجب التاویل ہے، پس جو شخص اس حدیث سے وجود تحقق ومثال سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر استدلال کرے سخت جاہل اور معتقد فضیلت مثل آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمعنی مشارکت فی الماہیت والصفات الکمالیہ مبتدع اور مخالف عقیدہ اہل سنت ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ اس عبارت کے حضور جناب والد ماجد صاحب قبلہ قدس سرہ کی نقل مہر طبع ہوئی ہے اور پھر حضور کی حسب ذیل عبارت۔ بنقل مہر طبع کی گئی،

والقائل بتحقق المثل اوالامثال بالمعنی المذکور فی السوال مبتدع ضال واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔	جو شخص سوال میں مذکور معنی کے مطابق مثل یا امثال کے تحقق کا قائل ہے وہ بدعتی اور گمراہ ہے، اور اللہ ہی حقیقت حال سے آگاہ ہے (ت)

کون فرقہ امثالیہ مرتد ہے اور کون مبتدع؟ آیا ان فرقوں کے عقائد میں اختلاف ہے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مبتدع ضال ایک لفظ عام ہے، کافر کو بھی شامل، کہ بدعت دو قسم ہے:

(۱) مکفرہ (۲) غیر مکفرہ

وقال تعالٰی "وَ اَمَّاۤ اِنۡ كَانَ مِنَ الۡمُكَذِّبِيۡنَ الضَّآلِّيۡنَ ۙ﴿۹۲﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اگر جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہوں۔ (ت)

امام ابن حجر مکی نے بظاہر اس سے بھی ہلکے لفظ حرام کو کفر کہنے کے منافی نہ مانا۔

اعلام بقواطع الاسلام میں فرمایا: عبارۃ الرافعی فی العزیز نقلا عن التتمۃ انہ اذا قال لمسلم یا کافر بلا تاویل اھ[2] وتبعہ النووی فی الروضۃ فان قلت قد خالف ذٰلک النووی نفسہ فی الاذکار فقال یحرم تحریما غلیظا قلت لامخالفۃ فان اطلاق التحریم فی لفظ لایقتضی انہ لایکون کفرا فی بعض حالاتہ علی ان الکفر محرم تحریما غلیظا فتکون عبارۃ الاذکار شاملۃ للکفر ایضا[3]۔	عزیز میں تتمہ سے منقول رافعی کی عبارت یہ ہے اگر کسی نے مسلمان کو بغیر کسی تاویل کے کافر کہا وہ کافر ہوجائے گا اھ اور نووی نے روضہ میں اسی کی اتباع کی ہے، اگر کوئی اعتراض کرے خود نووی نے اذکار میں اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سخت حرام ہے میں کہتا ہوں یہ مخالفت نہیں کیونکہ لفظ تحریم کا اطلاق اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ بعض حالات میں وہ کفر نہ ہو، علاوہ ازیں کفر سخت حرام ہے لہذا اذکار کی عبارت بھی کفر کو شامل ہوجائے گی۔ (ت)

اسی میں چند ورق کے بعد ہے:

الحرمۃ لاتنافی الکفر[4]، کمامر۔	حرام ہونا کفر کے منافی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ گزر چکا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۶/ ۹۲

[2] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۳۴۰

[3] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۴۱۔۳۴۰

[4] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبۃ الحقیقیہ ترکی ص ۳۵۰

ماہیت وصفات کمالیہ میں مشارکت اس میں نص نہیں کہ جمیع صفات کمال میں شرکت ہونہ یہ ان سب گمراہوں کا مذہب تھا ان میں بعض صرف تشبیہ یعنی کنبیکم ختم نبوت لیتے اور تصریح کرتے کہ وہ انبیاء اپنے اپنے طبقے کے خاتم اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الخواتم، صرف اتنے پر حکم کفر مشکل تھا، لہٰذا ایک ایسا لفظ لکھا گیا کہ دوسری صورت کو بھی شامل ہے، اعلام میں بعد عبارت سابقہ فرمایا:

التحریم الغلیظ قصدالشمول للحالة التی یکون فیھا کفر اوغیرھا[1]۔	غلیظ تحریم کے لفظ سے اس حالت کو شامل کرنا مقصود ہے جس میں کفر وغیرہ ہو۔(ت)

حسام الحرمین میں خاص فرقہ مرتدین کا ذکر ہے، ولہٰذا خاتم الخواتم ماننے والوں میں صرف اس کا قول لیا جس نے اس میں کفر خالص بڑھادیا کہ:

لوفرض فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم بل لو حدث بعدہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم نبی جدید لم یخل ذٰلك بخاتمیته وانما یتخیل العوام انه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم خاتم النبیین بمعنی اٰخر النبیین مع انه لافضل فیه اصلا عنداھل الفھم[2]۔	اگر بالفرض آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا آپ کے زمانہ کے بعد کوئی نیا نبی آجائے تو آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، یہ محض عوام کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین بمعنی آخر نبی ہیں حالانکہ اہل فہم کے ہاں اس میں ہرگز کوئی فضیلت نہیں۔(ت)

اس طرح کا خاتم الخواتم ماننے والا مطلقاً کافر مرتد ہے، اس سے ۵۸ ورق پہلے جہاں المعتمد المستند میں خاص مرتدین کا ذکر تھا، عبارت یہ ہے:

خرج دجالون یدعون وجودستة نظراء للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم شارکین له فی اشھر خصائصه الکمالیة اعنی ختم النبوۃ فی طبقات الارض الست السفلی، فمنھم من یقول کل منھم خاتم ارضه ونبینا	ان دجالوں کو خارج کیا ہے جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے چھ نظیروں کا دعوٰی کرتے ہیں اور تشبیہ میں آپ کے مشہور خصائص کمالیہ میں بھی ان کو شریک کرتے ہیں یعنی نچلی چھ زمینوں میں بھی ختم نبوت کا قول کرتے ـــــ ان میں سے بعض کا یہ قول ہے کہ ہر زمین کا کوئی خاتم ہے اور ہمارے

[1] اعلام بقواطع الاسلام مقدمہ مکتبة الحقیقیه ترکی ص ۳۴۱

[2] حسام الحرمین فصل نھم الوہابیہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۹، المستند المعتمد تعلیقات المنتقد المعتقد منھم الوہابیة الامثالیة الخ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۲۴۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم ھذہ الارض، ومنھم من یقول انھم خواتم اراضیھم ونبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم الخواتم والاکفر الاوقح منھم یصرح بانھم مماثلون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشرکاء لہ فی جمیع صفاتہ الکمالیۃ ویردہ اخرون ابقاء علی انفسھم من المسلمین [1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس زمین کے خاتم ہیں بعض کا قول یہ ہے کہ وہ اپنی اپنی زمینوں کے خواتم ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم الخواتم ہیں ان میں سے بدتر کفر والے وہ ہیں جنہوں نے یہ تصریح کی ہے کہ وہ تمام خاتم۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تمام صفات کمالیہ میں شریک اور ہم مثل ہیں اور جبکہ دوسروں نے اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل رکھنے کے لئے ان کارد کیا ہے۔ (ت)

ان سب اقوال کے لحاظ سے وہاں عام مبتدع ضال سے تعبیر کیا کہ بدعت مکفرہ کو بھی شامل ہے، **والسلام مع الکرام۔**

مسئلہ ۱۰۰: از منڈی رام نگر ضلع نینی تال مرسلہ جناب بشیر احمد صاحب رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

ایک شخص نے ایک مرتبہ اپنی حالت بیماری میں اپنے اچھا ہونے کی غرض سے ایک روز کچھ ہنود کو اپنے مکان پر بلا کر ڈبرو بجوایا اور موافق رسم ہنود کے ہندوؤں کے دیوتا کی پوجا یعنی بکری اور مرغا ہندوؤں سے مروایا یعنی مردار کرایا اور ڈبرو پر ناچا، اس ناجائز حرام کام کرنے پر یہاں کے مسلمان لوگوں نے اس شخص کو برادری سے نکال باہر کردیا اور حقہ بند کردیا، کچھ دنوں بعد اس بت پرست شخص نے مسلمانوں سے کہا میری جان جارہی تھی اس وجہ سے میں نے یہ کام کرائے آئندہ مجھ سے ایسا قصور نہ ہوگا تب یہاں کے مسلمانوں نے اس کی معافی مانگنے اور آئندہ کو توبہ کرنے سے اس کا ایک سوروپیہ جرمانہ لے کر اور توبہ کرواکر حقہ کھول دیا بعد کچھ دنوں کے پھر اس شخص نے پوشیدہ طور رات کو ایک ہندو کے یہاں اپنی بیوی اور لڑکی کو بھیج کر ڈبرو بجوایا اور ان کی لڑکی ناچی یعنی لڑکی کے بدن پر ڈبرو بجانے سے دیوتا مسان آیا اور اسی نے یعنی دیوتا نے بکری اور مرغا مانگا تو ڈبرو بجانے والے نے مرغا اور بکرا کو مردار کرکے پوجا کری دوبارہ اس حرکت کی کسی کو خبر نہ ہوئی اب سہ بارہ اس شخص نے ایک ہندو کو اپنے مکان پر بلاکے ایک مرغا اس کو یعنی اس ہندو کو دیا اس نے موافق اپنے رسوم کے مرغے کو اپنے قبرستان میں لے جاکر رات کو مردار کرکے قبر میں دبادیا اور ایک قبرستان میں جاکر پتھروں کو پوجا اس کام کے کرنے پر یہاں مسلمانوں نے پھر اس کا حقہ بند کردیا اور کہا کہ تونے مکرر سہ کرر اسی کام کو

[1] المستند المعتقد تعلیقات المنتقد المعتقد مسئلۃ النبوۃ لیست کسبیۃ مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۱۵

کراور کرتا ہے تو کافر ہے، اس کے جواب میں بت پرست مسلمان کہتا ہے ضرورت شدید میں یہ کام جائز ہے یعنی مولوی لوگوں سے معلوم کرلیا ہے لہٰذا عرض کہ اس مسئلہ کو خلاصہ تحریر کیجئے کہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یہاں یہ کام جائز ہے یا انہوں نے یہ کام کرے اگر یہ کام جائز ہے، نہیں تو اس کام کے کرنے والے کو مسئلہ سے کیا سزا ہونا چاہئے؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ کافر ہے، اور وہ مولویوں پر افترا کرتا ہے، کوئی مولوی ایسا نہیں کہہ سکتا اور اگر کسی نام کے مولوی نے مرض سے شفا کے واسطے غیر خدا کی پوجا جائز کردی ہو تو وہ بھی کافر ہے اور یہ شخص جب کہ تین بار ایسا کرچکا اب مسلمان اسے ہرگز نہ ملائیں اگرچہ توبہ ظاہر کرے کہ وہ جھوٹا ہے اور فریب دیتا ہے، اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا"[1] "لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝۹۰"[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے۔ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی اور وہی ہیں بہکے ہوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از کٹک محلّہ بخشی بازار مرسلہ ولی محمد صاحب ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں، مولوی اجابت اللہ بنگالی چاٹگامی نے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اللہ کے سوا اپنے پیر کو سجدہ کرنے کو جائز سمجھتا ہے اور دلائل میں کئی اوراق سیاہ فرمائے اور علمائے اہلحدیث کو نسبت دی ہے فرقہ اسمٰعیلیہ سے، اور ان کو گمراہ کہا ہے، اور علمائے دیوبند کو اسی فرقہ سے شمار کیا ہے اور اپنے گمان میں اس سجدہ کو قرآن شریف سے مدلل کیا ہے اور جس حدیث سے سجدہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اس کو بے اصل سمجھتا اور کہتا ہے کہ احادیث احاد قرآن کو منسوخ نہیں کرسکتیں اور حدیث ابوداؤد کو جس میں سجدہ کی ممانعت ہے اس کو بھی اسی قسم سے سمجھتا ہے، اور سجدہ کی دو قسمیں ٹھہراتا ہے: تحیت اور تعبدی۔ تحیت کو جائز سمجھتا ہے اور تعبدی کو منع کرتا ہے، مولانا اسحاق صاحب کلکتہ مدرسہ عالیہ میں مدرس ہیں جو شروع میں مدرسہ کانپور میں بھی تعلیم دیتے تھے، انہوں نے سجدہ کی ممانعت کے بارے میں کچھ لکھا تھا، ان کو یہ شخص گمراہ اور گمراہ کنندہ کہتا ہے اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۰

دہلوی کے فتوے سے سجدہ کو جائز ثابت کرتا ہے اور درمختار کو بے اصل ثابت کرتا ہے کیونکہ چھٹے طبقہ کی کتاب ہے۔امام فخر الدین رازی کے حوالہ سے اس رسالہ کو لکھا ہے اور کہتا ہے کہ تفسیر کبیر کی پہلی جلد میں ہے سجدہ کرنا اللہ کے سوا دوسرے کو جائز ہے،اب سوال یہ ہے کہ ایسا شخص جو خدا کے سوا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز سمجھے تو ایسا شخص کافر ہے یا مسلمان؟

الجواب:

غیر خدا کو سجدہ تحیت کا جائز کرنے والا ہر گز کافر نہیں اور اب جو اہل حدیث کہلاتے ہیں ضرور اسمٰعیلی و گمراہ ہیں اور دیوبندیہ ان سے گمراہ تر صریح مرتدین ہیں،علمائے حرمین شریفین نے ان کی نسبت تصریح فرمائی کہ:

من شك فی کفرہ فقد کفر [1]۔	جس نے اس کے کفر میں شک کیا اس نے کفر کیا۔(ت)

جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انہیں کافر نہ جانے بلکہ ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر ہے۔دربارہ سجدہ حق و تحقیق یہ ہے کہ غیر خدا کو سجدہ عبادت کفر اور سجدہ تحیت حرام،کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے اور آج کوئی مجتہد نہیں کہ متفق علیہ ارشادات ائمہ کے خلاف دلیل سے مسئلہ نکالنا چاہے افراط و تفریط دونوں مذموم ہیں **واللہ الھادی،واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ حشمت علی صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فرقہ دیوبندیہ کا مرتکب کفر ہونا تسلیم کرتا ہے،لیکن کہتا ہے کہ اپنی زبان سے ان کو کافر نہ کہوں گا،دریافت کرنے پر کہا کہ فی الواقع دیوبندیوں نے کفر بکا ہے،لیکن دیکھا جائے تو خود ہم پر کفر عائد ہوتا ہے کیونکہ کفر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کفر قولی **(۲)** کفر فعلی

کفر قولی یہ کہ کسی نے ایسی بات کہی جس میں ضروریات دین کا انکار ہو،جیسے دیوبندیوں نے توہین خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی کی۔

اور کفر فعلی یہ کہ جو انکار ضروریات دین پر امارت ہو جیسے زنار باندھنا،بت کو سجدہ کرنا وغیرہ،اب دیکھئے اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] حسام الحرمین منحر الوہابیہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۲۱

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵ "[1]	تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔(ت)

قسم کھا کر فرمایا جاتا ہے کہ ہر گز مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے اختلافات کو موافق احادیث وآیات نہ طے کریں پھر کوئی رنجش یا کراہت بھی دل میں نہ رہے۔اب بتائیے ہم لوگ اپنے مقدمات کا بجائے آیات واحادیث کے انگریزی قوانین سے طے کراتے ہیں تو ہم تو دیوبندیوں سے بدتر ہیں گویا نص قرآنی ہماری تکفیر فرمارہی ہے جب ہمارا خود یہ حال ہے تو دوسروں کو کیونکر کافر کہیں، ہم تو خود ہی کفر میں مبتلا ہیں انتہی کلامہ۔اب استفتاء یہ ہے کہ زید کا کیا حکم ہے؟اور آیہ کریمہ کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

الجواب:

جو مدعی حق پر ہیں وہ تحکیم نہیں کرتے بلکہ اپنا حق کہ بے زور حکومت نہیں مل سکتا نکلوانا چاہتے ہیں اور مدعا علیہ کہ حق پر ہے وہ مجبور ہی ہے جو ابدہی نہ کرے تو یک طرفہ ڈگری ہوجائے ان دونوں فریق پر اگر آیہ کریمہ وارد ہو تو ہندوستان ہی نہیں بلکہ تمام دنیا میں آج سے نہیں صدہا سال سے مدعی مدعا علیہ وکیل گواہ سب کافر ہوں کہ عام سلطنتوں نے شرع مطہر سے جدا اپنے بہت سے قانون نکال لئے ہیں اور جو مدعی جھوٹا ہے وہ ناحق دوسروں کا مال مثلاً چھیننا چاہتا ہے جس پر اپنی چرب زبانی یا مقدمہ سازی یا جھوٹے گواہوں کے ذریعہ حکومت سے مدد لیتا ہے یونہی جھوٹا مدعا علیہ مثلاً دوسرے کا دیا ہوا مال دینا نہیں چاہتا اور وہی مدد ان ذرائع کاذبہ سے لیتا ہے یہ باتیں گناہ ہیں مگر گناہ کو کفر کہنا خارجیوں کا مذہب ہے،آیت اس کے بارے میں ہے جو حکم شریعت کو باطل جانے اور غیر شرعی حکم کو حق یا شرعی حکم جب اس کے خلاف ہو تو نہ نفس امارہ کی ناگواری بلکہ واقعی دل سے اس حکم کو برا جانے، یہ لوگ کافر ہیں، یہ نہ فقط مقدمات بلکہ عبادات میں بھی جاری ہے، رمضان خصوصاً گرمیوں کے روزے نماز خصوصاً جاڑوں میں صبح وعشا کی نفس امارہ پر شاق ہوتی ہے اس سے کافر نہیں ہوتا جبکہ دل سے احکام کو حق ونافع جانتا ہے، ہاں اگر دل سے نماز کو بیگار اور روزے کو مفت کا فاقہ جانے تو ضرور کافر ہے اگلی آیہ کریمہ اس معنی کو خوب واضح فرماتی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

قال اللہ تعالٰی "وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر ہم انہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنے آپ کو قتل کردو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے نہ کرتے مگر ان میں تھوڑے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ نہ کرنا ان احکام کے نفس پر شاق ہونے ہی کے سبب ہے تو ثابت ہوا کہ حکم کا نفس پر شاق ہونا یہاں تک کہ اس کے سبب بجا آوری حکم سے باز رہنا کفر نہیں معاذ اللہ یہ ٹھہرے گا کہ صحابہ کرام بھی گنتی ہی کے مسلمان تھے کہ فرماتا ہے: "مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ"[2] (اسے نہ کرتے مگر ان میں تھوڑے۔ت) حالانکہ رب عزوجل جا بجا ان کے سچے پکے مومن ہونے کی شہادت دیتا ہے یہاں تک کہ فرماتا ہے:

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ﴿۷﴾ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۸﴾"[3]۔	اے محبوب کے صحابیو! اللہ نے تمہیں ایمان پیارا کردیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دی اور کفر و بے حکمی و نافرمانی تمہیں ناگوارا کردی، یہی لوگ راہ پر ہیں اللہ کا فضل اور اس کی نعمت اور اللہ جانتا ہے حکمت والا ہے۔

یہ دل کی محبت ہے کہ مدار ایمان و کمال ایمان ہے اور وہ نفس کی ناگواری جس پر زیادت ثواب کی بناء ہے۔ حدیث میں فرمایا:

افضل العبادات احمزها[4]۔	سب میں زیادہ ثواب اس عبادت کا ہے جو نفس پر زیادہ شاق ہو۔

بہر حال یہ شخص جو اپنے کفر کا مقر ہے قطعًا کافر ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولو قال ما علمت انه کفر لایعذر منه[5]. واللہ تعالٰی	اگر کسی مسلمان نے کہا میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہنا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۷۔۸

[4] الاسرار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه حدیث ۲۰۸ دار الکتاب العلمیه بیروت ص ۶۱، کشف الخفاء للعجلونی ۱/ ۱۷۵

[5] فتاوٰی ہندیه باب موجبات الکفر انواع نورانی کتب خانه پشاور ۲/ ۲۷۹

اعلم۔	اگر کسی مسلمان نے کہا میں ملحد ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا، اور کہا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ کہنا کفر تھا اس کا عذر قابل قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از ڈاکخانہ انگس جوٹ مل گورہٹی ضلع ہگلی اسکول انگس مسئولہ محمد سلیم خاں ماسٹر اسکول ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے پیر کے لڑکے کو نبی زادہ لکھا کرتا ہے، اس کا اور جو لوگ اسے اچھا سمجھ کر خوش ہوتے ہیں ان کا شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس کا مرشد سید ہے بایں معنی اسے نبی زادہ لکھتا ہے تو بجا ہے، اور اگر وہ سید نہیں بلکہ مرشد کو نبی ٹھہرا کر اس کے لڑکے کو نبی زادہ لکھتا ہے تو وہ بھی کافر اور جتنے اس پر خوش ہوتے ہیں وہ بھی، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از پورولیا ضلع مان بھوم مسئولہ خلیفہ محمد جان ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱۶ اپریل، ۱۳ اپریل ۱۹۲۱ء میں جن مسلمانوں نے ہڑتال کی ہے اور جلسے میں شریک ہوئے ہیں ان کی بیبیاں حرام ہوئیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس نے لوگوں کے مجبور کئے سے ہڑتال کی اس پر وہ الزام نہیں اگرچہ بلا مجبوری شرعی مجبور بن جانے کا الزام ہو، اور جس نے ایک طوفان بے تمیزی کی موافقت چاہی اس سے زائد کچھ نیت نہ تھی اس پر گناہ ہوا مگر وہ الزام اس پر نہیں اور جس نے کافروں کا سوگ منانے اور حکم مشرک کی تعظیم بجالانے کے لئے ہڑتال کی اس پر تجدید اسلام پھر تجدید نکاح کا حکم ہے،

لان تبجیل الکافر کفر[1]، کمافی الظھیریۃ والاشباہ و الدر وغیرہ من الاسفار الغر، وھو تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے، جیسا کہ ظہیریہ، اشباہ، در وغیرہ معروف کتب میں ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از متوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڈھ محلّہ اللہ داد پورہ مسئولہ حکیم صابر حسین صاحب ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جو شخص ہنود کے خوش کرنے کے واسطے اپنے مذہب اسلام کی

---

[1] در مختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

پروانہ کرے اور ان کے مذہب کے تائید کرے تو یہ شخص کس چیز کا مرتکب ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص خوشنودی ہنود کے لئے دین اسلام کی پروانہ کرے اور مذہب ہنود کی تائید کرے اگر یہ بات واقعی یونہی ہے تو اس پر حکم کفر لازم ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۶: از چک ۲۲۴ متصل لائل خانقاہ چشت دربار صابری مسئولہ مولوی نظام الدین صاحب ۱۷ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے جواب میں کہ ایک نئی مسجد کے محراب کے دائیں طرف کاتب نے لکھا یااللہ اور دوسری طرف یامحمد نقش کردیا تو ایک غیر مقلد نے آکر کہا کہ یہ بت کیوں لکھا ہے اس کو مٹادو، معمار سے وہ مٹوادیا، اس کی اس حرکت سے مسلمان بہت رنجیدہ ہوئے اور پھر حضور کا نام مبارک لکھوادیا، اس پر وہ غیر مقلد کہنے لگا اگر گورو گوبند سنگھ کا نام لکھ دو یا کوئی بت کھڑا کردو تو بہتر ہے، کیا اس شخص نے حضور کی بے ادبی کی ہے یا نہ؟ اور اس دریدہ دہنی سے یہ مسلمان رہ سکتا ہے یا نہ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

لاالٰہ الا اللہ لا الٰہ الا اللہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم. الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین الالعنۃ اللہ علی الظٰلمین۔	اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، حضرت محمد اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، اللہ تعالٰی کی طرف سے ان پر صلوٰۃ وسلام، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت، سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ (ت)

شخص مذکور کافر کافر مرتد مرتد ہے **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷

کرے خود کافر ہے، مسلمانوں کو اس سے میل جول حرام ہے، اس سے سلام وکلام حرام اس کے پاس بیٹھنا حرا، اسے اپنے پاس بیٹھنے دیان حرام، بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مر جائے تو اسے مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دینا حرام، اس کے جنازہ پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر جانا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [1]، وقال تعالٰی "وَ لَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [2]، وقال تعالٰی "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِهٖ" [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (ت)

مسلمان دیکھیں وہابیہ کو یہ دشمنی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، اور پھر سادہ لوح ان کو مسلمانوں کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**، ایک یہ بات یاد رہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک لے کر ندانہ چاہئے بلکہ اس کی جگہ یارسول اللہ ہو اور دیوار پر کندہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ آئینہ مں لکھ کر نصب کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: از دیوگڈھ میواڑہ مرسلہ قاضی عبدالعزیز صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گروہ نہ ہندو نہ مسلم دائم شارب الخمر، مشرک، سارق علانیہ، ملکوں میں سیاحی کرکے نہ معلوم کس طرح سے فریب کرکے یا سرقہ کرکے ہزاروں روپوں کا سونا چاندی وزیورات وغیرہ لے آتے ہیں اور گیتاو بھاگوت پر عمل کرنے والے اور ہولی و دیوالی وگنگو وغیرہ کی پرستش کرنے والے، جب نام لینا رام چندر بھگوت ہی کو پکارنا اور قسم بھی ان کی کھانا اسماء ولباس بھی اہل ہنود کا ساکلمہ جن کو یاد نہیں اسلام سے بالکل ناآشنا محض نکاح ونماز جنازہ کے پابند ہیں بعض اوقات سیاحی میں مردوں کو بھی آگ میں جلاتے ہیں اگر ان سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

کہا جاتا ہے کہ طریقہ اسلام پر ہو جاؤ اور شرک وشراب سے اجتناب کرو، تو کہتے ہیں کہ یہ ہم سے چھوٹ نہیں سکتے ہیں، ہمارے آباء واجداد سے یہ طریقہ جاری ہے اور کلمہ پڑھنے سے پورا انکار ہے نہ کماحقہ اقرار برسوں سے ان کی راہ ہدایت کی کوشش کی جارہی ہے لیکن یہ قوم اپنی حرکاتِ ناشائستہ سے باز نہیں آتی، ایسی حالت میں ان مشرکوں، شراب خوروں، وزدوں کی نماز جنازہ ونکاح وغیرہ جائز ہے یا کیونکر؟ اسی طرح جو تھوڑے عرصہ میں کہیں سے سونا لے آتے ہیں اس کے روپے کو مسجد کی تعمیر ومیلاد ومصرف کار خیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کو یہ مال کیسا ہے؟ تو نکاح پڑھانے والا اور اس مال کا لینے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بالتفصیل ارقام فرمائیں، رب العزت آقائے نامدار کو فی الدارین جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب:

یہ لوگ اگر باوصف ان حرکات کے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو مرتد ہیں ورنہ کافر مشرک، بہر حال سے شادی بیاہ حرام وزنا اور ان کے جنازہ کی نماز حرام قطعی، اور ان سے کوئی برتاؤ مسلمانوں کا سار کھنا حرام، رہا نکاح پڑھانا اگر پہلی صورت کے ہیں جب تو ان کا نکاح کسی سے ممکن ہی نہیں، نہ مسلمان سے نہ کافر سے، نہ اس کے ہم مذہب مرتد سے، نہ اس کے مرد کا نہ عورت کا۔ اور اگر دوسری صورت کے ہیں تو مسلمان عورت کا ان سے یا مسلمان مرد کا ایسی عورت سے نکاح باطل وحرام ہے ان صورتوں میں نکاح پڑھانے والا زنا کا دلال ہے اور اگر وہ مرتد نہیں اصلی کافر ہیں تو ان کے عورت ومرد کا نکاح اگرچہ کسی کافر یا کافرہ سے ہوسکے مگر مسلمان کو اس کا پڑھانا نہ چاہئے وہ سونا کو جلد لے آتے ہیں اگر معلوم یا گمان غالب ہو کہ چرا کر یا ٹھک کرلاتے ہیں تو اس کا لینا بھی حرام اور اسے مسجد یا میلاد مبارک یا کسی کار خیر میں صرف کرنا بھی حرام، اگر اس کا گمان غالب نہیں شک ہے تو بچنا بہتر اور لیں اور لگائیں تو گناہ نہیں،

قال محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما لعينه[1]، ذخيرہ، ہندیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام محمد فرماتے ہیں ہم اس پر عمل پیرا ہیں، جب تک کسی شیئ کو ہم حرام لعینہ نہ جان لیں، ذخیرہ، ہندیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۱۰۸: از میرٹھ دفتر رسالہ خیال بازار بزازہ مرسلہ حافظ سید ناظر حسین چشتی صابری عابدی وسید عزیز احمد چشتی صابری عابدی وشرف الدین احمد صوفی وارثی قادری رزاقی ۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اشرف علی صاحب تھانوی کے ایک معتقد نے اپنے خواب و بیداری کاحال جو ذیل میں درج ہے لکھ کر تھانوی کے پاس بھیجا جس کا جواب انہوں نے رسالہ **الامداد** ماہ صفر ۱۳۳۶ھ میں حسب ذیل الفاظ میں دیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ جواب ان کا بموجب شرع شریف کہاں تک درست اور صحیح ہے؟ نیز حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسلک کے مطابق تھانوی صاحب کی نسبت حکم شرع شریف کا کیا صادر ہوا ہے؟

خلاصہ خواب: بجائے کلمہ طیبہ کے دوسرے جز کے یوں پڑھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام نامی کی جگہ تھانوی کا نام لیتا ہوں ہر چند قصد کرتا ہوں لیکن یہی زبان سے نکلتا ہے بعد بیداری اس غلطی کی تلافی میں درود شریف پڑھنا چاہا تو اس میں بھی بے اختیار تھانوی کا نام زبان پر آجاتا ہے۔[1]

جوابِ خواب: اس واقعہ میں تسلی ہے کہ جس کی طرف رجوع کرتے ہو وہ **متبع سنت** ہے[2]۔

الجواب:

سیدی امام بوصیری قدس سرہ صاحب بردہ شریف امام القری میں فرماتے ہیں: **ما علیّ مثلہ بعد الخطاء**[3] (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت) دیوبندیوں کے کفر کا پانی ان کے سر سے گزر گیا ہے جس کا حال کتاب مستطاب "حسام الحرمین شریف" سے ظاہر ہے یہ لوگ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شدید گالیاں دے چکے اور ان پر اب تک قائم ہیں، ان علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان سب کی تکفیر کی اور صاف فرمایا:

من شك فی كفرہ وعذابه فقد كفر[4]۔	جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ خود کافر، پھر ایسوں کی کسی بات کی شکایت کیا، ان کے بڑے قاسم نانوتوی نے تحذیر الناس میں صاف لکھ دیا کہ "اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا"[5]۔

---

[1] رسالہ الامداد مطبوعہ تھانہ بھون ص ۳۵

[2] رسالہ الامداد مطبوعہ تھانہ بھون ص ۳۵

[3] القصیدۃ الھمزیۃ فی المدح النبویۃ مع حاشیۃ الفتوحات الاحمدیۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۳۹

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

[5] تحذیر الناس کتب خانہ امدادیہ دیوبند ص ۲۴

یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاتمیت سے صاف انکار ہے اور آیہ کریمہ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"[1] (اور لیکن آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔ت) کی صریح تکذیب ہے پھر یہ لوگ اگر صاف صاف ادعائے نبوت ورسالت کریں تو ان سے کیا بعید ہے، مسلمان ہوتا تو ایسی بات سن کر لرز جاتا اور اس کفر بکنے والے سے کہتا کہ خبیث منہ بند کر کفر نہ بک، نہ کہ اسے اور تسلی دی اور اس کی رجسٹری کردی،

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جانا چاہتے ہیں کہ ظالم کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۹ تا ۱۲۰: مسئولہ محمد خلیل الدین صاحب صدیقی بریلوی از کان پور امین گنج نمبر ۴۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ ایک مقلد شخص ایک آزاد شخص کی کہ جس کی تعریفات ذیل میں لکھی جاتی ہیں نماز میں اقتدا نہیں کرتا کیا بوجہ ترک اقتدا ایسے آزاد شخص کی یہ شخص مقلد قابل ملامت ہے۔

(۱) شخص آزاد اپنے آپ کو صدر العلماء اور شیخ الشیوخ مشہور کرتا ہے، فلسفہ قدیم وجدید سائنس وکمسٹری، سنسکرت وانگریزی کا ماہر واستاذ وپیر روشن ضمیر اور مناظر وداعی اسلام ہونے کا دعوٰی کرتا ہے اور شیخ الاسلام ہند ہونے کا متمنی وامیدوار ہے، لیکن فقہ حنفیّہ کی تحقیر عملاً کرتا ہے، اور آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کے معانی وتفسیر اپنی رائے سے بیان کرتا ہے، امام غزالی اور امام رازی کو اپنے مقابلہ میں احمق وسفیہ کہتا ہے اور شبلی نیچری کی طرح صحابہ ومحدثین ومفسرین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو جھوٹا سمجھتا ہے۔

(۲) اپنے لب بالا کے بال سکھوں کی طرح بڑھائے رکھتا ہے۔

(۳) موسم سرما میں بعد جماع کے غسل جنابت اور وضو کے بجائے تیمّم کرکے بارہا امامت کی۔

(۴) مسجد میں بیٹھ کر مسجد کے ظروف گلی میں اسپرٹ آمیز دوا پی، اسپرٹ کو حرام وناپاک نہیں سمجھتا ہے۔

(۵) سود پر روپیہ دیتا ہے اور سود لینا جائز سمجھتا ہے۔

(۶) رمضان میں بلاعذر علالت ومسافرت روزوں کے بجائے فدیہ دے دینا کافی سمجھتا ہے، **یطیقونہ**

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

میں سلب ماخذ یا حذفِ لا کو نہیں مانتا۔

(۷) ایک محصنہ عورت سے ربط وضبط پیدا کرکے اس کے شوہر کو دھوکا دے کر طلاق دلوا کر اپنے تصرف میں لایا۔

(۸) اس کے دور کے رشتہ دار اس کی جوروؤں کے ساتھ اس کے پیچھے اور اس کے سامنے بے تکلف مخالطت رکھتے ہیں اور وہ منع نہیں کرتا، اس کی جورو اس کے ماں باپ کو مغلظات فحش گالیاں دیتی ہے اور وہ خاموش سنتا رہتا ہے۔

(۹) ایک مرتبہ نماز مغرب میں دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، آگاہ کرنے پر کہا کہ بحالتِ مسافرت قصداً قصر کیا تھا۔

(۱۰) ایک مرتبہ نماز عشاء میں ایک رکعت میں آیۃ الکرسی پڑھی لیکن چند الفاظ چھوڑ گیا متنبہ کرنے پر کہا تین آیت کی مقدار پڑھنے کے بعد غلطی ہوجانے سے نماز کا اعادہ ضروری نہیں۔

(۱۱) ہزارہا مسلمانوں کے ایک جلسہ میں ایک آیت کی تفسیر میں رجال کے معنی میں عورتوں کو بھی شامل کرکے بیان کیا کہ حضرت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ کسی مرد کے باپ تھے اور نہ کسی عورت کے باپ تھے۔

(۱۲) اپنے پیر کو کہتا ہے کہ وہ بمنزلہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے ہے اور اپنے آپ کو بمنزلہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا پیر جب کسی کو مرید کرتا ہے، اس سے مراد ہے کہ میری بیعت لیتا ہے اور جو دوسرے مشائخ مرید کرتے ہیں وہ بھی میری بیعت میں داخل ہوتے ہیں اس طرح کنایۃً دعوی نبوت ورسالت بھی کرتا ہے۔

الجواب

(۱) فقہ حنفی کی تحقیر ضلالت ہے۔ تفسیر بالرائے حرام امام غزالی اور امام رازی کو اپنے مقابلہ میں ایسے الفاظ سخیفہ سے یاد کرنا سخت تکبر ہے اور متکبروں کا ٹھکانا جہنم ہے،

"اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾"[1]۔	کیا مغرور کا ٹھکانا جہنم میں نہیں (ت)

صحابہ کرام کو جھوٹا سمجھنے والا گمراہ بددین ہے۔ اور اگر سب صحابہ کو عموماً ایسا سمجھے تو کافر بالیقین ہے۔

(۲) لب بالا کے بال حد سے متجاوز رکھنا سنت کی مخالفت اور کافروں سے تشبّہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

(۳) پانی اگر ضرر نہ کرتا ہو تو صرف خوف سردی سے تیمّم کرنا حرام ہے اور نماز باطل اور اس کے پیچھے سب کی نماز باطل ایسا کرنے والا اشد فاسق۔

(۴) اسپرٹ حرام ہی نہیں بلکہ نجس بھی ہے، اپنے ہی منہ میں پینا، توحرام ونجس چیز کھانے پینے کا آج کل ہر شخص کو اختیار ہے، مگر مسجد کے برتن نجس کئے کہ مسلمانوں کے جامہ وبدن ناپاک اور وضو ونماز باطل ہوں، یہ صاف دلیل ہے کہ یہ شخص شریعت پر سخت جری وبیباک ہے۔

(۵) سود لینے کو حلال جاننا کفر صریح ہے اور حرام جان کر ایک درم سود کھانا اپنی ماں سے ۳۶ بار زنا کے برابر ہے،

من اکل درھم ربًا وھو یعلم فکانما زنی بامه ستا و ثلثین مرۃ[1]۔	جس نے عمداً ایک درہم سود کھایا اس نے اپنی ماں سے چھتیس ۳۶ دفعہ زنا کیا۔(ت)

(۶) بے عذر مرض وسفر روزے رمضان کے نہ رکھنا اور فدیہ کافی جاننا قرآن عظیم کی تحریف اور نئی شریعت کا ایجاد اور جہنم کبرٰی کا استحقاق ہے۔

"نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۟" [2]۔	ہم اسے اس کے حال پر چھوڑدیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔(ت)

(۷) سائل نے تصرف میں لانا مطلق لکھا اگر بلا نکاح یا عدت کے اندر نکاح کے ساتھ ہے تو زنا ہے، ورنہ دھوکا دینے پر سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من غشنا فلیس منا[3]۔	جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔(ت)

(۸) اپنی منکوحہ پر غیرت نہ کرنے والا دیوث ہے اور ماں باپ کو فحش گالیاں جورو سے سن کر خاموش رہنے والا عاق ہے اور دیوث وعاق دونوں کو فرمایا کہ وہ جنت میں نہ جائیں گے۔

(۹) مغرب میں قصر کرنا نئی شریعت کا نکالنا اور اللہ تعالٰی پر افتراء ہے،

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں انکا بھلا

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من غشنا فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

"لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾"[1]	نہ ہوگا۔(ت)

(۱۰) آیۃ الکرسی میں چند الفاظ کا بیچ میں سے چھوڑ جانا اگرچہ ایک مذہب پر مطلقاً مفسد نماز ہے جبکہ صرف آیۃ الکرسی ہی پڑھی ہو اور جب کوئی لفظ چھوٹ گیا آیت پوری نہ ہوئی، مذہب راجح میں بے فساد معنی فسادِ نماز نہیں، اور واجب بھی ادا ہو جائے گا جبکہ باقی تین آیت کی قدر ہو، مگر یہ مسئلہ کہ تین آیت کی قدر پڑھنے کے بعد کوئی غلطی مفسدِ نماز نہیں ہوتی محض باطل۔

(۱۱) یہ صراحۃ آیہ کریمہ "يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ"[2] (اے نبی! اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں سے فرمادو۔ت) کی تکذیب ہے اور آیت کی تکذیب کفر۔

(۱۲) اس قول میں کمال تکبر ہے اور وہ آیہ کریمہ "لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾"[3] (بیشک اپنے جی میں بہت ہی اونچی کھینچی اور بڑی سرکشی پر آئے۔ت) میں داخل ہوتا ہے اور یہ کہ جو بیعت لیتا ہے میری ہی لئے لیتا ہے درپردہ رسالت ونبوت یا کم از کم غوثیت عظمٰی کا ادعا ہے، بالجملہ افعال واقوال مذکورہ فسق وضلال وکفر میں دائر ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے، جو مسلمان اس کی اقتداء سے بچتا ہے وہ بہت اچھا کرتا ہے اس پر ملامت حق پر ملامت ہے، جو اس کے پیچھے نماز پڑھے وہی مستحق ملامت، بلکہ سزاوار عذاب شدید ہے، **والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۱: از شہر پونہ گھوڑپوڑی بازار متصل مسجد مکان نمبر ۲۷ بھولی بخش بالور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہے، وہ پیشتر قوم چمار تھی، بعد میں مسلمان ہو کر ایک مرد مسلمان سے اس نے نکاح کرلیا، اس سے پہلے اسی قوم میں شادی ہوچکی تھی، کیونکہ اس کے ایک لڑکا ہے، اب وہ عورت اپنی قوم میں جانا چاہتی ہے اور اس کے خاندان کے لوگ اور اس کا بیٹا اس کو ورغلا رہے ہیں کہ تو اپنی قوم میں آجا تجھ کو اچھی طرح رکھیں گے، اور وہ عورت میرے یہاں کھانا پکانے پر ملازم ہے اور وہ عورت بھی جانا چاہتی ہے، تو اب ہم کو شرع شریف کیا حکم دیتی ہے کہ ہم کس طریقہ سے اس کو رکھیں اور اس کے اسلام میں تو کوئی ضعف نہیں ہے اور ہم کو اسے

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۱

کیسی امداد دینی چاہئے اور وہ میرے قبضہ میں بھی ہے اور اس کو ہم نے سمجھا سمجھا کر رکھا ہے ورنہ وہ اب تک اپنی قوم میں شریک ہو جاتی، فقط۔

الجواب:

جب وہ کافروں میں جاملنا اور کافر ہونا چاہتی ہے تو وہ کافر ہو گئی جبراً روک رکھنے سے مسلمان نہیں ہو سکتی، ہاں اگر یہ سمجھا جائے کہ اس روکنے سے وہ خواہش کفر اس کے دل سے نکل جائے گی اور پھر صدق دل سے مسلمان ہو جائے گی تو روکا جائے ورنہ دور کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: از درو ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ آدمی حضور کے عقائد کو بہت اچھا اور بہتر جانتے ہیں اور دیوبندی مولویوں کے عقاید کو بہت برا جانتے ہیں اور بڑے پکے سنت جماعت ہیں لیکن بہ سبب بے علمی اور نادانی کے ان کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں، حضور کی تحریروں سے اتنا شوق نہیں جو حق اور ناحق معلوم کریں، آیا ان کے پیچھے بھی نماز پڑھی جائے یا نہیں؟ اور اس مرض میں بہت مخلوق مبتلا ہے۔

الجواب:

جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے (ت)

جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک ہی کرے وہ بھی کافر اور جن کو اس کی خبر نہیں اجمالاً اتنا معلوم ہے کہ یہ برے لوگ بدعقیدہ بدمذہب ہیں وہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے سخت اشد گنہگار ہوتے ہیں اور ان کی وہ نمازیں سب باطل وبیکار، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: از بخشی بازار کٹک مرسلہ محمد عبدالرزاق ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا عقیدہ ہے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب احکام الجزیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۷۷، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

علیہ وسلم کا علم برابر ہے اور دوسرا شخص یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مغیبات عطیہ تھے، خدا کے علم کے مقابلے میں حضرت کا علم کروڑہا سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ سے بھی کم ہے، اور شخص اول شخص دوم کو کافر ومشرک و وہابی جانتا ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل ہم لوگوں نے یہ سنا ہے کہ مولوی احمد رضاخاں صاحب کے برابر کوئی عالم نہیں ہے، اور مجدد مائۃ حاضرہ آپ ہی ہیں، اور شخص اول ایصال ثواب کو جو عوام الناس دن مقرر کرتے ہیں واجبات میں سے جانتا ہے، اور جو ایصال ثواب کو بلا تعین کرتا ہے اس کو خاطی کہتا ہے اور اہلسنت سے خارج، اور ایصال ثواب کے واسطے دن مقرر کرنے کو سنت سمجھتا ہے اور کہتا ہے مجدد مائۃ حاضرہ کا بھی یہی عقیدہ ہے، اس میں حق کیا ہے؟ اور ان دونوں میں کون کافر ہے کون مسلمان؟

الجواب:

علم الٰہی سے مساوات کا دعوی بیشک باطل ومردود ہے مگر تکفیر اس پر بھی نہیں ہوسکتی جب کہ بعطائے الٰہی مانے، اور بلاشبہہ حق یہی ہے کہ تمام انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین واولین آخرین کے مجموعہ علوم مل کر علم باری سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو ایک بوند کے کروڑویں حصہ کو کروڑوں سمندروں سے ہے، اور ایصال ثواب کے لئے تعین تاریخ بلاشبہہ جائز ہے اور سنت مسلمین، یعنی ان کا طریقہ مسلوکہ ہے مگر اسے واجب جاننا باطل محض ہے یونہی سرکار رسالت کی سنت سمجھنا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از گرھنگ لج ڈاکخانہ ضلع کولھاپور جامع مسجد مرسلہ آدم شاہ پیش امام ۴ رمضان ۱۳۳۸ھ

ایک خاندانی شخص آئین دین وقوانین شریعت کو قصداً وعمداً نہیں مانتا اور اپنے ہی قول وفعل پر ہٹ دھرمی کرتا ہو یعنی قطعی جان بوجھ کر اپنی لڑکی کے حرام کی کمائی کھاتا ہو اور وضع حمل حرام ہونے تک اپنے گھر میں رکھ کر ہر قسم کا برتاؤ کرتا اور کسی کی نصیحت بھی نہ مانتا ہو ایسے موذی شخص کے بارے میں علمائے دین کس قسم کے برتاؤ کا حکم دیتے ہیں؟

الجواب:

ایسا شخص خبیث ومردود دیوث ہے بحکم حدیث اس پر جنت حرام ہے اور بحکم قرآن عظیم اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسلمان اسے یک لخت چھوڑ دیں اور اس سے سلام کلام، میل جول، سب ترک کردیں جب تک صدق دل سے توبہ نہ کرلے، اس سے زیادہ یہاں کیا سزا ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۵: از سرائے چھبیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ صاحب امام مسجد جامع ۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید کہتا ہے کہ سود کے معنی اور ہیں اور بیاج کے معنی اور ہم بہت نہیں لیتے ہیں اور کھلم کھلا سود کھاتا ہے اور اوروں کو کہتا ہے کہ تم سود کے معنے نہیں جانتے، اور جائز کہتا ہے، اس کے اصرار پر شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

سود مطلقاً حرام ہے بہت ہو یا تھوڑا، **قال اللہ تعالٰی "وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا"** [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حرام کیا سود۔ت) زید کا اسے حلال کہنا اس کی حلت پر اصرار کرنا موجب کفر ہے، اس پر توبہ فرض ہے، از سرِ نو مسلمان ہو پھر اگر عورت راضی ہو تو اس سے نکاح جدید کرے، اور اگر نہ مانے تو مسلمان اسے قطعاً چھوڑ دیں اس کے پاس بیٹھنا اٹھنا حرام ہے،

قال تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸" [2] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۶: از موضع پرتاب پور پرگنہ وضلع بریلی مرسلہ محبوب عالم صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرید خاندان عالیہ مداریہ میں ہے اور نماز و روزہ کا پابند ہے اور بصدق دل کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد** رسول اللہ پڑھتا ہے، خدا کو حق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برحق اور عقیدہ اہل سنت و جماعت کا پابند ہے لہٰذا خدمت بابرکت میں مستدعی ہے کہ **عند الشرع** ایسا شخص مسلمان اور صاحب ایمان ہے یا نہیں؟

الجواب:

جب وہ اللہ و رسول کو برحق جانتا ہے اور تمام عقائد ایمانیہ کا سچے دل سے معتقد ہے اور کوئی قول یا فعل تکذیب یا توہین کا اس سے صادر نہیں ہوتا، جاہل مداریوں وغیرہم کی طرح شریعت کو لغو نہیں سمجھتا تو بیشک وہ مسلمان ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۱۲۷ تا ۱۲۹: مسئولہ آدم ابراہیم صاحب از کچھ انجار ضلع کچھ بھوج بھوم پیر

(۱) ایک شخص کہتا ہے کہ لاالٰہ الااللہ فرض ہے محمد رسول اللہ واجب ہے کیونکہ قرآنی آیت سے تو پورا کلمہ ایک جگہ ثابت نہیں، ہاں احادیث سے ضرور ثابت ہے، غلط ہے یا صحیح؟

(۲) ایک شخص کہتا ہے کہ ہم کو قرآن وحدیث سے ضرور نہیں، تم آپ ہی اس کے ورق لوٹا کرو، نماز تم ہی پڑھو، سر پیٹے اور چوتڑ اوپر کون کرے، ایسے لوگوں کا کیا کہنا چاہئے اور بیعت ان سے کرنا کس طرح ہے؟ زعم یہ ہے کہ قرآن مولویوں نے بنایا ہے مولویوں کے قرآن کو نہ ماننا چاہئے۔

(۳) ایک شخص بروئے حلف یہ کہے کہ میں مسلمان ہوں وہابی نہیں، اللہ کو ایک جانتا ہوں رسول اللہ کو نبی برحق اور اولیائے عظام کو برابر جانتا ہوں، کرامت کا قائل ہوں، حنفی مذہب کا پابند ہوں، جولوگ پھر بھی اعتبار نہ کریں تو کیا کیا جائے، قرآن اور اللہ پر یقین نہ کرنے والوں کو کیا کہا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ شخص جھوٹ کہتا ہے، شریعت مطہرہ پر افترا کرتا ہے لاالٰہ الا اللہ، محمد رسول اللہ دونوں کا ماننا فرض سے اعظم فرض اور یکساں فرض ہے، دونوں قرآن مجید میں ہیں، یکجا نہ ہونے سے ایک کی فرضیت کیوں جاتی رہی، بلکہ ان کی فرضیت تو قرآن مجید ماننے سے بھی مقدم ہے، قرآن مجید کا ماننا ان کے ماننے پر موقوف ہے بلکہ ان میں بھی پہلا جملہ بغیر دوسرے جملہ کے بیکار ہے اور دوسرے جملہ کے ماننے میں پہلے کا ماننا خود آگیا صرف لاالٰہ الااللہ سے مسلمان نہیں ہوسکتا اور صرف محمد رسول اللہ سچے دل سے ماننا اسلام کے لئے کافی ہے، جو اسے مانے محال ہے کہ لاالٰہ الااللہ نہ مانے۔ درمختار میں ہے:

یلقن بذکر الشہادتین لان الاول لاتقبل بدون الثانیة[1]۔	(میت کو) دونوں شہادتوں کی تلقین کی جائے کیونکہ پہلی شہادت (توحید) دوسری شہادت (رسالت) کے بغیر مقبول ہی نہیں۔ (ت)

یہ کہنے والا اگر فرق فرض وواجب سے غافل ہے یونہی سنی سنائی اتنا جانتا ہے کہ فرض کا مرتبہ زیادہ ہے جب تو اسی قدر حکم ہے کہ کذاب ہے بیباک ہے شریعت پر مفتری ہے، مستحق عذاب نار ہے اس پر توبہ فرض ہے، اور اگر فرق جان کر کہتا ہے کہ محمد رسول اللہ (حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۹

اللہ کے رسول ہیں۔ت) کاماننا یقینی لازم نہیں صرف ظنی ہے، تو قطعاً کافر مرتد ہے۔

(۲) اس میں تین الفاظ ملعونہ اور تینوں کفر خالص ہے کافر مرتد کے ہاتھ پر بیعت کیا معنی! جو ان اقوال پر مطلع ہو کر اسے مسلمان جانے یا اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ بزازیہ و مجمع الانہر و در مختار و غیرہا میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]۔	جس نے ان کے کفر و عذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے(ت)

(۳) اگر اس میں کوئی بات وہابیت کی نہ دیکھی، نہ کوئی قوی وجہ شبہہ کی ہے تو بلاشبہہ شبہہ نہ کیا جائے بدگمانی حرام ہے، اور اگر اس میں وہابیت پائی تو ثابت شدہ بات اس کی قسموں سے دفع نہ ہو جائے گی، وہابی اکثر ایسی قسمیں کھایا کرتے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا۔ اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر بعد میں کافر ہوگئے۔(ت)

نہ ان کی قسموں کا اعتبار۔

قال اللہ تعالٰی تعالٰی "اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ان کی قسمیں کچھ نہیں۔

اور اگر کسی وجہ سے شبہہ ہے تو صرف ان قسموں پر قناعت نہ کریں بلکہ اس سے دریافت کریں کہ تو اسمٰعیل دہلوی و نذیر حسین دہلوی و رشید احمد گنگوہی و قاسم نانوتوی و اشرف علی تھانوی اور ان کی کتابوں تقویۃ الایمان و معیار الحق و براہین قاطعہ و تحذیر الناس و حفظ الایمان و بہشتی زیور و غیرہا کو کیسا جانتا ہے، اگر صاف کہے کہ یہ لوگ بے دین گمراہ ہیں اور یہ کتابیں کفر و ضلالت سے بھری ہوئی ہیں، تو ظاہر یہ ہے کہ وہابی نہیں ورنہ ضرور وہابی ہے، جھوٹوں کی قسم پر اعتبار نہ کرنا قرآن اور اللہ پر اعتبار نہ کرنا نہیں،

"اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ"	جب منافق تمہارے حضور حاضر ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بیشک یقیناً اللہ کے

[1] در مختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۲

اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾ "[1]	رسول ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو، اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں، اور انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال ٹھہرالیا تو اللہ کی راہ سے روکا، بیشک وہ ہی برے کام کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین ان لوگوں کے بارے میں جو نہ تو علمائے کرام کے فتاوٰی پر عمل کریں اور نہ مانیں بلکہ علمائے کرام ورثۃ الانبیاء کو محض اس بغض پر کہ ان کے کاموں کو کیوں ناجائز بتلاتے ہیں، برا کہیں۔

الجواب:

یہ جو طلب کیا جاتا ہے وہ بھی تو فتوٰی ہی ہوگا جو فتوٰی نہیں مانتے ان پر اس کا کیا اثر ہوگا، عالم دین سے بلاوجہ ظاہر بغض رکھنے پر خوف کفر ہے نہ کہ جب کہ وہ بغض ان کا فتوٰی شرعی ہو۔ منح الروض وغیرہ میں ہے:

من ابغض عالما بغیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر[2]۔	جس نے سبب ظاہری کے بغیر کسی عالم سے بغض رکھا اس پر کفر کا خوف ہے (ت)

عالم دین کی توہین کھلے منافق کا کام ہے اور فقہ میں ان پر حکم کفر۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذو العلم وذوالشیبۃ فی الاسلام وامام مقسط[3]۔	تین آدمیوں کی بے ادبی وتوہین کرنے والا اعلانیہ منافق ہے: صاحب علم، مسلمان بوڑھا اور عادل حاکم۔ (ت)

مجمع الانہر میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۱-۲

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸، کنز العمال حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر۔[1]	سادات اور علمائے کی توہین کفر ہے، جس نے بے ادبی وگستاخی کی نیت سے کسی عالم کو عویلم (ادنی عالم) یا کسی علوی کو علیوی کہا اس نے کفر کیا (ت)

مگر وہاں کیا جائے شکایت جہاں قرآن وحدیث کی عمر بت پرستی پر نثار کی جاتی ہو۔

سبحٰن مقلب القلوب والابصار، "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پاک ہے وہ ذات جو دل ونگاہ کو بدل دیتی ہے اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنی ہدایت عطا کرنے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ فرما اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بلا شبہہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱تا۱۳۳: مسئولہ میر فدا علی صاحب از شہر کہنہ انسپکٹر چونگی ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید عالم فرقہ وہابیہ کے شاگرد کے پیچھے روزانہ نماز پڑھتا ہے اور عالم مذکور کے کہنے کو مانتا ہے خواہ وہ کہنا اس کا کسی طور پر بظاہر نیک کام کے واسطے ہو اور خود بھی مشورہ کے لئے اس کے پاس جاتا ہے نیز عالم اہل سنت کی خدمت حاضر ہوتا ہے خواہ یہ حاضری کسی نیک کام کے لئے ہو اور اپنے آپ کو سنی بھی کہتا ہے، ایسی حالت میں بموجب شریعت اسے اہل سنت وجماعت کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) عمرو عالم فرقہ وہابیہ کے شاگرد کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اور اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور اعتراض ہونے پر یہ جواب دیتا ہے کہ یہ علماء کے جھگڑے ہیں یہ ان کو برا کہیں وہ ان کو برا کہیں ہماری نماز سب کے پیچھے ہوجائے گی، علماء کی باتیں علماء جانیں، ایسی صورت میں عمرو سنی کہا جاسکتا ہے۔

(۳) یا نہیں، اور ایسا جواب دینا اس کا ٹھیک ہے یا نہیں؟

بکر اپنے آپ کو سنی کہتا ہے اور فرقہ وہابیہ اور غیر مقلدوں کے معاملہ میں کہتا ہے کہ یہ سب قرآن وحدیث کے ماننے والے ہیں، جھگڑے کی باتیں نہیں نکالنا چاہئے، سب حق پر ہیں، ایسی

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

کیفیت میں بکر کو سنی کہا جاسکتا ہے یا نہیں؟بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) اگر وہابی کا شاگرد وہابی ہے اور یہ اسے وہابی جانتا ہے پھر اسے قابل امامت مانتا ہے خلاصہ یہ کہ کسی وہابی کو وہابی جان کر کافر نہیں جانتا وہ سنی کیا مسلمان بھی نہیں ہوسکتا۔

(۲) ایسی صورت میں عمرو سنی کیا مسلمان بھی نہیں کہ اس کے نزدیک اسلام وکفر یکساں ہیں اور کفر کا رد جھگڑا ہے۔

(۳) ایسی صورت میں بکر کافر و مرتد محض ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۴: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ ولایت حسین وعبدالرحمٰن ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ میں ایمان سے کہتا ہوں اور قسم کھاتا ہوں کہ میں نہ تو پہلے قادیانی تھا اور نہ اب ہوں، قادیانی پر لعنت کرتا ہوں، میں اہل سنت وجماعت ہوں اگر کوئی شخص مجھ پر بعد توبہ کرنے کے الزام دے تو وہ مواخذہ دار ہوگا یا نہیں؟ یا اگر میرا میل کسی وقت ان لوگوں سے کوئی ثابت کرے تو میں سب لوگوں کا مواخذہ دار ہوں گا، قادیانی کو کافر جانتا ہوں۔العبد ولایت حسین

گواہان: عبدالرحمٰن بقلم خود، مسیح اللہ بقلم خود، قادر حسین بقلم خود،امانت حسین بقلم خود، مولوی محمد رضاخاں بقلم خود، صادق حسین بقلم خود، محمد محسن بقلم خود، لیاقت حسین بقلم خود، فقیر محمد حشمت علی خان رضوی، فقیر ایوب علی رضوی بقلم خود، قناعت علی قادری رضوی بقلم خود۔

الجواب:

اللہ تعالٰی توبہ قبول فرماتا ہے اور بعد توبہ کے گناہ باقی نہیں رہتا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ[1]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے کہ گویا گناہ کیا ہی نہیں۔

قادیانیوں کے ساتھ میل جول سے انہوں نے پہلے بھی ایک مجمع میں توبہ کی تھی اور آج پھر ایک مجمع میں توبہ کی تھی پھر ایک مجمع کے ساتھ آئے جن کے دستخط اوپر ہیں اور دوبارہ توبہ کی، توبہ کے بعد ان پر بلاوجہ جو کوئی الزام رکھے گا وہ سخت گنہگار ہوگا اور توبہ کے بعد اگر پھر یہ میل جول کریں گے تو ان پر گناہ عظیم کا بار ہوگا مگر بلاوجہ توبہ کے

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

بعد الزام رکھنا سخت جرم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از نوشہرہ تحصیل جام پور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

ایک مرزائی قادیانی کا سوال ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر صدی کے بعد مجدد ضرور آئے گا۔

مرزا صاحب مجدد وقت ہے۔ عالی جاہ! اس قوم نے لوگوں کو بہت خراب کیا ہے، ثبوت کے لئے کوئی رسالہ وغیرہ ارسال فرمائیں تاکہ گمراہی سے بچیں۔

الجواب:

مجدد کا کم از کم مسلمان ہونا تو ضرور ہے اور قادیانی کافر مرتد تھا ایسا کہ تمام علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جو اس کے کافر اور عذاب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر۔

لیڈر بننے والوں کی ایک ناپاک پارٹی قائم ہوئی ہے جو گاندھی مشرک کو رہبر، دین کا امام و پیشوا مانتے ہیں، نہ گاندھی امام ہوسکتا ہے نہ قادیانی مجدد، السوء والعقاب وقہر الدیان وحسام الحرمین مطبع اہلسنت بریلی سے منگائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: از شہر محلّہ شاہ آباد مسئولہ شیخ الطاف احمد صاحب رضوی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے مولانا صاحب مسجد جانی سے کہا کہ اگر رافضی تکبیر تمہاری جماعت میں آکر کہے تو تکبیر شمار کی جائے گی یا نہیں؟ کہا: رافضی کی تکبیر شمار نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ مسلمان نہیں ہیں: میں نے کہا: اگر وہابی تکبیر کہے تو وہ تکبیر شمار ہوگی یا نہیں؟ کہا: تو کیا یہ مسلمان نہیں سمجھے جاتے ہیں کیا حرج ہے، میں نے کہا: یہ مسلمان نہیں سمجھے جاتے۔ جواب ملا: کیا خوب۔ علاوہ اس کے امام مسجد مذکورہ کی نشست بھی رہتی ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی تو اچھا کیا یا برا؟ نماز نہ پڑھنے والا توبہ کرے اور معافی چاہے یا امام؟ **بیّنوا توجروا۔**

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

الجواب:

صورت مذکورہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے والے نے بہت اچھا کیا؟ اس پر کچھ الزام نہیں، اس امام پر لازم ہے کہ توبہ کرے اور سنی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: از شہر محلّہ کانکرٹولہ مسئولہ سید فرحت علی صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ زید مسلمانوں کے ایک گروہ کا سردار بننا چاہتا ہے، لیکن علمائے وہابیہ کو اچھا کہتا اور کہتا ہے کہ وہ علمائے دین ہیں، ان کے وعظ سنتا ہے، ان سے فتوے لیتا ہے، ان پر عمل کرتا ہے، نماز فجر کی اندھیرے سے پڑھتا ہے، اکثر نماز میں سنتیں ترک کرتا ہے، میلاد شریف میں قیام کے بعد آتا ہے یا پہلے سے کھڑا ہو جاتا ہے، اور کبھی آتا بھی نہیں، اور کہتا ہے کہ میلاد شریف اتنی دیر نہ پڑھنی چاہئے کہ نماز صبح کی قضا ہو جائے کیونکہ میلاد سے نماز مقدم ہے۔ زید سے مسلمانوں کو بدگمانی ہوئی تو زید نے کہا کہ میں اللہ کو جانوں، اس کے رسول کو پہچانوں صحابہ کو سمجھوں، آل پر فدا ہوں۔ تو مسلمانوں نے کہا کہ اچھا تم گیارھویں شریف کرو یا میلاد شریف کرو۔ کہا میرے پاس پیسہ نہیں تم کرو میں بھی سر پر رکھ کر کھالوں گا۔ ایسی صورت میں مسلمان زید کو اپنا سردار مانیں اور اس کی باتوں پر عمل کریں اور اس سے میل جول رکھیں یا نہیں؟ اور جو مسلمان سردار مانیں یا اس سے ملیں اس کی باتوں پر عمل کریں ان پر کیا حکم ہے؟ اور زید ہمارے اہلسنت کے گروہ میں کس حکم سے داخل ہو سکتا ہے پھر اس حکم پر بھی اسکو سردار مانا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو شخص دیوبندیوں کو مسلمان ہی جانے یا ان کے کفر میں شک کرے بفتوائے علمائے حرمین شریفین ایسا شخص خود کافر ہے کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1]۔	جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے (ت)

پھر وہ سردار مسلمانان کیسے ہو سکتا ہے، گیارھویں شریف کی نیاز کھالینا دلیل اسلام نہیں بڑے بڑے کٹر وہابی جو اسے حرام وشرک کہتے ہیں کھانے کو آپ سب سے پہلے دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں، ایسا شخص جب تک وہابیہ اور خصوصًا ان دیوبندیوں کو جنہیں علمائے حرمین شریفین نے کافر لکھا نام بنام بالاعلان کافر نہ کہے اس کی توبہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

مسئلہ ۱۴۸تا۱۵۳: از شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۹محرم ۱۳۳۹ھ

جس طرح کہ ایران میں باب اور بہاؤ کو پیشرو بناکر بابی و بہائی جدید فرقے بنائے گئے اور ہندوستان میں گرونانک، کبیر، سید احمد جونپور، سید احمد رائے بریلوی، سید احمد کولی، آغا خاں اور مرزائی قادیانی کو پیشوا، مہدی، لیڈر، نبی اور خدا بناکر جدید فرقے بنائے گئے۔ اسی طرح اس وقت محض برائے نام مسلمان لیڈروں اور مولویوں نے ایک ہندو لیڈر مسٹر گاندھی کو اپنا پیشوا بناکر ایک جدید فرقہ بنایا ہے اور ان کی نسبت اب تک بذریعہ اخبارات، رسالہ جات، اشتہارات، مشاہدات اور مسموعات امور ذیل معلوم ہوتے ہیں:

(۱) ایک مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک سفر میں ایک کافر کو اپنا رہنما بنایا تھا اسی طرح ہم نے مسٹر گاندھی کو اپنا ہادی بنایا ہے، اور صاف لکھ دیا کہ ہمارا حال اس شعر کا مصداق ہے۔

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت
رفتی ونثار بت پرستی کردے

(وہ عمر جو آیات واحادیث میں گزری ہے وہ ختم ہوگئی اور وہ بت پرستی کی نذر کردی)

(۲) کہتے ہیں کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرب کے کافر قبائل سے موالات کی تھی ہم کفارِ ہند سے موالات کرتے ہیں۔

(۳) مسجد میں ہندوؤں سے منبر پر لکچر دلوائے گئے اور کہا گیا کہ مسجد نبوی میں وفودِ کفار قیام کرتے تھے اور اپنے طریقے پر عبادت بھی کرتے تھے، اور کفار کا داخلہ مخصوص بمسجد الحرام ایک خاص وقت کے واسطے منع تھا۔

(۴) بعض لیڈروں نے جن کو مولانا کا بھی خطاب دے دیا گیا ہے مندروں میں جاکر اپنے ماتھوں پر ہندوؤں سے ٹیکے لگوائے۔ کہتے ہیں کہ قشقہ شعار کفر اور منافی اسلام نہیں ہے۔

(۵) پارٹی مذکور کے اس مولانا نے ہمدم میں چھاپ دیا ہے کہ ہماری جماعت ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہے جو ہندو مسلم امتیاز اٹھادے گا اور سنگم و پریاگ کو مقدس مقام بنائے گا پارٹی مذکور نے اسے مقبول رکھا اور کسی نے چون وچرا نہ کیا۔

(۶) پارٹی مذکور کے اس مولانا نے شائع کیا ہے کہ اگر آج تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کروگے۔

(۷) ایک ہندو کی ٹکٹی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر اس کی جے پکارتے ہوئے سروپا برہنہ مرگھٹ تک لے گئے ایک بت اٹھایا گیا اس کے ساتھ سرپا برہنہ جے پکارتے سڑکوں پر گشت کیا گیا۔

(۸) اس کے ماتم کے لئے سروپا برہنہ مساجد میں جمع ہوئے اور اسکے لئے دعائے مغفرت اور نماز کے اشتہار دئے اور اس پر کاربند ہوئے، اسکے ماتم میں مسجدیں بے چراغ رکھی گئیں۔

(۹) ہولی کے سوانگ میں ہندوؤں نے بزرگان اسلام کی تحقیر وتوہین کی، مسلمانوں نے ہندو مسلم اتحاد کو مدنظر رکھ کر کچھ تعرض نہ کیا اور چشم پوشی کی۔

(۱۰) مسٹر گاندھی کے فرمان کے بموجب روزے رکھے گئے اس کے حکم پر نفل نمازیں پڑھی گئیں اور کاروبار بند کرکے معطل رہے۔

(۱۱) ایک ہندو لیڈر کے حکم سے ایک ڈولا سجایا گیا اور اس میں قرآن مجید، بائیبل اور رامائن رکھ کر ان کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے۔

(۱۲) مسٹر گاندھی اور اس کے قوم کو خوش اور راضی کرنے کی غرض سے ایک جائز مشروع فعل قربانی گاؤ کو ممنوع اور ترک کرکے درپردہ ایک شعار اسلام سے مسلمانوں کو باز رکھا گیا اور ایک امر حلال کو حرام قرار دیا گیا، ایک بکری کی قربانی ایک خاندان (اگرچہ ساٹھ ستر آدمیوں کا ہو) کی طرف سے جائز سمجھی گئی اور حضرت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے قربانی کرنا غیر ضروری بتایا گیا۔

(۱۳) خلافت کی مصنوعی حمایت کے حیلہ سے ہزارہا مسلمانوں کو ہجرت افغانستان اور جہاد کی ترغیب دے کر خانماں برباد ویران وپریشان بنایا گیا۔

(۱۴) کٹارپور کے ہندوؤں نے قربانی گاؤ کے پیچھے مسلمانوں پر شدید ظلم توڑے، انہیں بے دریغ ذبح کیا، انہیں آگ سے جلایا، اس پر ان میں سے بعض گرفتار ہوئے جن پر ثبوت کامل ہوگیا اس خیر خواہ اسلام پارٹی نے ان کی معافی کے ریزولیوشن پاس اور گورنمنٹ کو ان کی رہائی کے لئے تار دئے اور مظالم ہولاگڈھ سے چشم پوشی وبے اعتنائی کی گئی۔

(۱۵) خلافت کی مصنوعی حمایت کے حیلہ سے مسلمانوں کا لاکھوں روپیہ اقطاع ہندوستان اور یورپ کی سیر وسیاحت اور تفریح وتفنن میں صرف کیا جاتا ہے۔

(۱۶) خلافت کے مصنوعی حمایت کے حیلہ سے عیسائیوں سے ترک موالات اور عدم تعاون، عمل کے غیر ممکن العمل منصوبوں اور تجاویز پر عملدرآمد کرایا جاتا ہے اور مشرکین ہند کے ساتھ مواخات وموالات قائم کرکے بعض شعار کفر اختیار اور بعض شعار اسلام ترک کرائے جارہے ہیں، باوجود ان سب امور کے

وہ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور جو ان کی پیروی نہ کرے اس کو کافر کہتے ہیں، لہٰذا علمائے اہلسنت وجماعت اس فرقہ گاندھویہ اور اس کے پیشروان وپیروان کی نسبت جو عبداللہ کے بجائے عبدالگاندھی بن گئے ہیں اور دوسروں کو عبدالگاندھی بنارہے ہیں صاف صاف احکام شرعی دربارہ معاشرت ومناکحت مصاہرت ونماز ظاہر واضح فرماکر عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

(۱) قرآن وحدیث کی عمر کو معاذاللہ بت پرستی پر نثار کرنا قرآن وحدیث کی شدید توہین اور بت پرستی ملعونہ کی عظیم تعظیم ہے، یہ اگر کفر نہ ہو تو دنیا میں کوئی چیز کفر نہیں، کہاں زمین غیر معروف کا راستہ بتانے کے لئے کسی مشرک کو ساتھ لینا اور کہاں **معاذاللہ** اپنے دین کا اسے ہادی ورہبر بنانا، اس کی نظیر بھی ہوسکتی ہے کہ کسی کا شیخ وامام وہادی دین، یکہ میں سوار ہو یکہ بان کافر ہو، اس امام کے بعض مرید بننے والے مشرک کو نماز میں اپنا امام کریں اور اسی شیخ مقتدا کے فعل سے سند لائیں کہ دیکھو یکہ بان کافران کے آگے بیٹھا تھا ہم نے اس کافر کو نماز میں اپنے آگے کرلیا تو کیا حرج ہوا، پھر یہ بھی اس وقت کا واقعہ ہے کہ ہنوز حکم جہاد نازل نہ ہوا، "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝" [1] (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔ت) پر عمل تھا۔ پھر بتدریج کفار پر تغلیظ بڑھتی گئی اور اخیر حکم ابدی ناطق وہ نازل ہوا کہ:

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝" [2]	اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر، اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔(ت)

پہلے واقعات سے سند لانا اگر جاہل سے ہو تو جہل شدید ہے اور ذی علم سے تو مکر خبیث وضلال بعید۔

(۲) یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترائے محض ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کافر سے موالات نہیں فرمائی اور کیونکر فرماسکتے حالانکہ ان کا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ" [3]۔	تم میں جو ان سے موالات کرے وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے رب کا ابتدائی حکم یہ تھا:

"فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۹۴﴾" [1]	اعلان کے ساتھ فرمادو جو تمہیں حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔

اور انتہائی حکم یہ ہوا۔

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ جَاهِدِ الۡكُفَّارَ وَالۡمُنٰفِقِيۡنَ وَاغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ" [2]	اے نبی! تمام کافروں اور منافقوں سے جہاد فرما اور ان پر سختی ودرشتی کر۔

معاذ اللہ موالات کا وقت کون سا تھا، سورہ نٓ شریف مکیہ ہے اس میں فرماتا ہے: "وَدُّوۡا لَوۡ تُدۡهِنُ فَيُدۡهِنُوۡنَ ﴿۹﴾" [3] کافر اس تمنا میں ہیں کہ کہیں تم کچھ نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑیں۔ اس وقت میں مداہنت تو روا رکھی نہ گئی نہ کہ معاذ اللہ موالات۔ ائمہ دین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت مداہنت کرنے والے کی تکفیر فرمائی ہے چہ جائے مفتری موالات، شفاء شریف امام قاضی عیاض میں ہے:

الوجه الثانی ان یکون القائل غیر قاصد للسب ولکنه تکلم بکلمة الکفر من اضافة مالایجوز علیه مثل ان ینسب الیه اتیان کبیرة اومداهنة فی تبلیغ الرسالة اوفی حکم بین الناس فحکم هذا الوجه حکم الاول [4]۔ (ملخصًا)	دوسری وجہ یہ ہے کہ کہنے والے کا مقصد سب نہ ہو لیکن اس نے ایسا کلمہ کفر بولا اور ایسی شیئ کی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کی جو آپ کی شان کے مناسب نہ تھی مثلاً کبیرہ کے ارتکاب یا احکام رسالت کے پہنچانے میں یا لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمانے میں مداہنت کی نسبت کی تو اس کا حکم بھی پہلے کے حکم کی طرح ہی ہے۔(ت)

سخت محرومی وبیباکی ہے، یہ کہ آدمی کے کسی عیب پر نکتہ چینی ہو اور وہ اپنے اوپر سے دفع الزام کے لئے کسی نبی سے استشہاد کرے کہ ان سے بھی ایسا واقع ہوا اگرچہ ظاہراً وہ فعل وقوع میں آیا ہو اور اس نے اپنی نابینائی سے فرق نہ دیکھا اور ملائکہ کو چمار پر قیاس کیا۔ شفاء شریف امام قاضی عیاض میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۹

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم الکلام مطبع شرکت صحافیه فی بلد العثمانیه ترکی ۲/ ۲۳۔ ۲۲۲

هذه كلها وان لم تتضمن سبا ولا قصد قائلها ازراء فما وقر النبوة ولاعظم الرسالة ولاعزر حرمة الاصطفاء صلى الله تعالٰى عليه وسلم حتى شبه من شبه فى معرة قصد الانتفاء منها بمن عظم الله خطره ونهى عن جهر القول له ورفع الصوت عنده فحق هذا ان درى عنه القتل السجن وقوة تعزيره[1]۔ (ملخصًا)	یہ تمام کلام اگرچہ سب وشتم کو متضمن نہیں اور نہ ہی قائل نے اس سے کسی عیب کا قصد کیا ہے بہر حال اس نے نہ تو منصب نبوت ورسالت کا خیال رکھا ہے نہ ہی حرمت کا اقرار کیا ہے حتی کہ روانی کلام میں شاعر نے اپنے ممدوح کو عیب سے پاک ہونے کا قصد کرتے ہوئے اس ذات سے تشبیہ دی جس کی قدر ومنزلت کو اللہ تعالٰی نے عظیم فرمایا، اور اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ رب العالمین نے ان کی بارگاہ میں بلند آواز سے بولنے کی ممانعت فرمائی، اس سوءِ ادبی کی سزا اگرچہ قتل نہیں ہے تاہم قید بامشقت کی سزا دینا ضروری ہے (ملخصًا) (ت)

سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذاللہ انہونی جوڑنا اور اس نے اپنی ناپاکی کا جواز چاہیں، کتنی سخت خباثت اور کس قدر شدید موجب لعنت ہے، کیا کسی عالم دین کا وہ ناسعید بیٹا سخت ناخلف نہ قرار پائے گا جس کے بھنگ پینے پر اس کے باپ کے شاگرد اعتراض کریں اور وہ اپنے اوپر سے دفع اعتراض کے لئے محض جھوٹ بہتان اپنے باپ پر رکھ دے کہ کیا تمہارے استاد چرس نہ پیتے تھے، پھر کہاں باپ اور کہاں سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم!

(۳) یہ کہنا کہ مسجد الحرام شریف سے کفار کا منع ایک خاص وقت کے واسطے تھا اگر یہ مراد کہ اب نہ رہا تو اللہ عزوجل پر صریح افتراء ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ (ت)

یونہی یہ کہنا کہ وفود کفار مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اپنے طریقے پر عبادت کرتے تھے محض جھوٹ ہے، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسے جائز رکھنے کا اشعار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم الکلام مطبع شرکت صحافیہ فی بلاد العثمانیہ ترکی ۲ /۲۳۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

علیہ وسلم پر افترائے فجار، حاشا کہ اللہ کا رسول گو بار بار فرمائے کہ کسی مسجد، نہ کہ خاص مسجد مدینہ کریمہ میں نہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے بتوں یا مسیح کی عبادت کی جائے، جانتے ہو کہ اس سے ان کا مقصود کیا ہے، یہ کہ مسلمان تو اسی قدر پر ناراض ہوئے ہیں کہ مشرک کو مسجد میں مسلمانوں سے اونچا کھڑا کرکے ان کو واعظ بنایا وہ تو اس تہیّہ میں ہیں کہ ہندوؤں کو حق دیں کہ مسجد میں بت نصب کرکے ان کی ڈنڈوت کریں، گھنٹے بجائیں، سنکھ پھونکیں کیونکہ ان مفتریوں کے نزدیک خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد میں خود حضور کے سامنے کفار اپنے طریقہ کی عبادت کرتے تھے۔

" وَیۡلَکُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا فَیُسۡحِتَکُمۡ بِعَذَابٍ ۚ "[1]۔	تمہیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک کردے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مسجد کریمہ کے سوا کوئی نشست گاہ نہ تھی جو حاضر ہوتا یہیں حاضر ہوتا کسی کافر کی حاضری معاذاللہ بطور استیلا واستعلاء نہ تھی بلکہ ذلیل وخوار ہو کر یا اسلام لانے کے لئے یا تبلیغ اسلام سننے کے واسطے، کہاں یہ اور کہاں وہ جو بدخواہان اسلام نے کیا کہ مشرک کو بروجہ تعظیم مسجد میں لے گئے اسے مسلمانوں سے اونچا کھڑا کیا اسے مسلمانوں کو واعظ وہادی بنایا اس میں مسجد کی توہین ہوئی اور توہین مسجد حرام، مسلمانوں کی تذلیل ہوئی اور تذلیل مسلمین حرام، مشرک کی تعظیم ہوئی اور تعظیم مشرک حرام، بدخواہی مسلمین ہوئی بلکہ بدخواہی اسلام، پھر اسے اس پر قیاس کرنا کیسی سخت ضلالت وگمراہی ہے طرفہ یہ کہ زبانی کہتے جاتے ہیں کہ مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا ضرور حرام ہے، اور نہیں دیکھتے کہ یہ آنا بطور استعلاہی تھا،

" فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾ "[2]۔	تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں(ت)

اسی نابینائی کی بناء پر یہ مسلمان کو دھوکا دینے والے یہاں، حنفیّہ وشافعیہ کا اختلافی مسئلہ کہ مسجد میں دخول کافر حرام ہے یا نہیں محض دھوکا دینے کو پیش کرتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔

اولاً خود کتب معتمدہ حنفیّہ سے ممانعت پیدا ہے،

ثانیاً خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد سے ہویدا ہے۔

ثالثاً علماء وصلحاء کا ادب کیا رہا ہے اختلاف احوال زمانہ وعادات قوم ہمیشہ مائل تعظیم وتوہین میں

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

دخل رکھتا ہے۔

رابعًا غیر اسلامی سلطنت اور نامسلموں کی کثرت میں اجازت کی اشاعت اور مساجد کو پامالی کفار کے لئے وقف کرنا کس قدر بہی خواہی اسلام ہے۔

خامسًا وہ نجس قوم کہ بنص قرآن اس پر حکم نجاست ہے اور وہ مسلمانوں کو ملیچھ کہے، بھنگی کے مثل سمجھے سودا بیچے تو دور سے ہاتھ میں رکھ دے، اس کے نجس بدن، ناپاک پانوؤں کے لئے تم اپنی مساجد کو وقف کرو یہ کس قدر مصلحتِ اسلام کے گہرے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے، ان سب سے قطع نظر ان حرکاتِ شنیعہ کا اس سے کیا علاج ہوسکتا ہے۔

او گماں بردہ کہ من کردم چو او
فرق را کہ بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے اس کی مثل کیا حالانکہ وہ لڑائی کی جستجو کرنے والا اس فرق کو کیسے محسوس کرسکتا ہے)

صحیح بخاری شریف میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے:

قَالَ کَانَتِ الْکِلَابُ تُقْبِلُ وَتُدْبِرُ فِی الْمَسْجِدِ فِیْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ تعالٰی علیه وَسَلَّمَ [1]۔	فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد شریف میں کتے آتے جاتے تھے (ت)

زمانہ رسالت میں مسجد شریف میں کتے آتے جاتے تھے اب تم خود کتے اپنی مسجدوں اور مسجد الحرام شریف یا مسجد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں لے جاؤ اور جمعہ کے دن امام کے دہنے بائیں منبر پر دو کتے بٹھاؤ تمہارے استدلال کی نظیر تو یہیں تک ہوگئی، کہہ دینا کیا زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں نہ آتے جاتے تھے، ہم لے گئے اور منبر پر انہیں بٹھایا تو کیا ہوا، اور وہ جو آنے جانے اور یوں لے جانے اور منبر پر بٹھانے کا فرق ہے اس سے آنکھ بند کرلینا جیسے یہاں بند کرلی، کون سی آنکھ، دل کی کہ "وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾" [2] (دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ت) بلکہ خدا تمہیں عقل وانصاف دے تو یہ بھی تمہارے فعل کی نظیر نہیں، تم خطیب کے آس پاس منبر پر کتے بٹھاؤ اس سے وہ کتے خطیب نہ ہوجائیں گے، اور تم نے مشرکین کو

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوضوء باب اذا شرب الکلب فی الاناء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

خطیب مسلمین بنایا لہٰذا اگر قدرے اپنے فعل سے تقریب چاہو تو ان کتوں کو سدھاؤ کہ جب امام پہلا خطبہ پڑھ کر بیٹھے وہ نہایت بلند آواز سے بھونکنا اور رونا شروع کردیں کہ باہر تک کے سب لوگوں کو خبر ہوجائے کہ جلسہ ودعا کا وقت ہے، یونہی نماز کے وقت آٹھ آٹھ دس دس صفوں کے فاصلے سے چار چار کتے صف میں کھڑے کرو کہ تکبیر انتقال کے وقت چیخیں اور مکبّروں سے زیادہ تبلیغ کاکام دیں اور یہی حدیث بخاری حجت میں پیش کردینا کہ دیکھو زمانہ اقدس میں کتے مسجد میں آتے جاتے تھے بلکہ ان کے آنے سے کوئی فائدہ نہ تھا اور ہم کتے اس نفع دینی کے لئے لے گئے، توبدرجہ اولٰی یہ جائز ہوا، وہاں تک تو قیاس تھا یہ دلالۃ النص ہوئی اور اس میں جو تمہارے استدلال کی خباثت ہے نہ دیکھنا، کیونکہ ٹھہر گئی ہے کہ

"وَلٰكِنۡ تَعۡمَى الۡقُلُوۡبُ الَّتِىۡ فِى الصُّدُوۡرِ ۝۴۶"[1]۔

(۴) قشقہ ضرور شعار کفر منافی اسلام ہے جیسے زنار بلکہ اس سے زائد کہ وہ جسم سے جدا ایک ڈورا ہے جو اکثر کپڑوں کے نیچے چھپا رہتا ہے اور یہ خاص بدن پر اور بدن میں بھی کہاں چہرے پر، اور چہرے میں کس جگہ، ماتھے پر، جو ہر وقت چمکے اور دور سے کھلے حرفوں میں منہ پر لکھا دکھائے کہ ھذا من الکافرین (یہ کفار میں سے ہے۔ت) خلاصہ وظہیریہ ومحیط ومنح الروض الازہر وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

واللفظ لھذا فی الخلاصة من تزنر بزنار الیھود و النصاری وان لم یدخل کنیستھم کفر، ومن شد علی وسطه حبلا وقال ھذا زنار کفر، وفی الظھیریة وحرم الزوج، وفی المحیط لان ھذا تصریح بما ھو کفر، وفی الظھیریة من وضع قلنسوة المجوس علی راسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر[2]۔(ملخصًا)	خلاصہ کی عبارت یہ ہے جس نے یہود ونصارٰی کا زنار پہنا اگرچہ وہ ان کے کنیسہ میں نہیں گیا وہ کافر ہے، جس نے اپنی کمر میں رسی باندھی اور رکھا یہ زنار ہے اس نے کفر کیا۔ ظہیریہ میں ہے اس پر بیوی حرام ہوگئی۔ محیط میں ہے کیونکہ یہ صراحۃً کفر ہے۔ ظہیریہ میں ہے جس نے مجوس کی ٹوپی سر پر رکھی اسے بتایا گیا تو کہنے لگا بس دل صحیح ہونا چاہئے، وہ کافر ہے۔(ت)

(۵) مسلم وہندو میں امتیاز اسلام وکفر کا امتیاز ہے اور وہ موقوف نہیں ہوسکتا جب تک مسلم مسلم اور کافر کافر ہیں اور یہ اس کلام کی مراد نہیں ہوسکتی کہ سب ہندوؤں کو مسلمان کرلیں گے کہ اس کے لئے کسی نئے

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

مذہب کی کیا حاجت، توضرور یہ مراد ہے کہ ایک ایسا مذہب ایجاد کریں گے جو نہ ہندو کو ہندو رکھے نہ مسلمان کو مسلمان، اور وہ نہ ہوگا مگر کفر کہ اسلام کے سوا جو کچھ ہے سب کفر ہے، یونہی پریاگ وسنگم کی تقدیس یوں مراد نہیں ہوسکتی جیسے سلاطین اسلام شکر اللہ تعالٰی عنہم نے معابد کفار پر قبضہ فرماکر ان کو مساجد بنایا کہ اس کے لئے بھی نیا مذہب بنانا نہ ہوا، لاجرم یہ مراد ہے کہ وہ رہیں معابد کفار اور پھر مقدس مانے جائیں، اور یہ بھی کفر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(نوٹ: ۶ سے ۶۱ تک کے جواب دستیاب نہ ہوئے)

مسئلہ ۱۵۴تا ۱۶۲: از لاہور مسجد بیگم شاہی مسئولہ صوفی احمد دین صاحب ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی۔ اما بعد یا علماء الملۃ وامناء الامۃ افیضوا علینا من علومکم دام فیوضکم۔	تمام تعریف اللہ کے لئے اور وہی کافی ہے، سلام اس کے منتخب بندوں پر ہو، اے علماءِ ملت اور امین امت! ہمیں اپنے علوم کا فیض عطا کیجئے اللہ تعالٰی تمہارے فیض کو جاری وساری رکھے(ت)

(۱) اس ظالم گروہ کا کیا حکم ہے جن کے امام اول نے سلطان وقت سے باغی ہوکر مکہ معظمہ زاد اللہ تعالٰی شرفاً پر تغلب کیا، وہاں کے علماء کو تہ تیغ بے دریغ کیا، مزارات اولیاء پر پاخانہ بنائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ مبارک کو صنم اکبر سے تعبیر کیا، ائمہ مجتہدین اور فقہاء ومقلدین کو **انھم ضلوا واضلوا** (وہ گمراہ ہیں اور انہیں نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ت) کا مصداق بنایا، اپنی خواہشات کو حق وباطل کا معیار قرار دیا، مختلف عبارات وپیرایہ سے حضور پر نور عفو غفور شفیع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیصِ شان کرتا تھا اور اسی بد عقیدہ پر اپنی ذریات واذناب کو لگا تھا، اپنے متبعین کے سواسب کو مشرک جانتا تھا، درود شریف پڑھنے سے بہت ایذا پاتا تھا، حتی کہ ایک نابینا کو منارہ پر بعد اذان صلوٰۃ وسلام پر شہید کردیا اور بولا:

ان الربابۃ فی بیت الخاطئۃ یعنی الزانیۃ اقل اثما ممن ینادی بالصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] الخ۔	زانیہ کے گھر رباب بجانا اس سے کم گناہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے الخ (ت)

اس کے متبعین طرح طرح سے حضور علیہ السلام کی تحقیر وتوہین کرتے اور وہ سن کر خوش ہوتا یہاں تک

ان بعض اتباعہ کان یقول عصای ھذہ	اس کے بعض ماننے والے کہتے ہیں یہ میری لاٹھی

[1] الدرر السنیۃ فی رد الوہابیہ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۴۱

خیرمن محمد(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)لانھا ینتفع بھا فی قتل الحیۃ ونحوھا ومحمد(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)قد مات ولم یبق فیہ نفع اصلًا وانما ھو طارش وقد مضی[1] الخ کتاب الدرر السنیۃ فی رد الوھابیہ ص ۴۲،۴۱۔	محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیونکہ یہ سانپ وغیرہ مارنے کا کام دیتی ہے،اور محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فوت ہوگئے اب ان سے بالکل کوئی نفع نہیں اٹھایا جاسکتا وہ بہرے تھے جو گزر گئے الخ (ت)

بظاہر حنبلی بنتا تھا مگر دراصل حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل بے تعلق تھا،دعوی نبوت کا متمنی تھا مگر قبل از صریح اظہار طعمہ اجل ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچا اور آیۃ:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤْذُوۡنَ اللہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ"[2] الآیۃ	بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں۔الآیۃ (ت)

کا پورا پورا مصداق بنا۔

(۲) ان کے امام ثانی نے پہلے امام کی ہندی شرح المسمی بہ تقویۃ الایمان لکھی،اپنے فرقہ کا نام موحد رکھا،اور اپنے امام کے قدم بقدم ہو کر سب امت کو کافر و مشرک بنایا،حضور علیہ الصلوۃ والسلام ودیگر انبیاء علیہم السلام بلکہ خود خدائے تعالٰی جل وعلاشانہ کی توہین کی،دشنام دہی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا،انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو چوہڑے چمار اور عاجز و ناکارہ لوگوں سے تمثیل دی[3] (تقویۃ الایمان ص ۲۹،۱۹،۱۰) اللہ تعالٰی کی ذات والا صفات میں عیب وآلائش کا آجانا جائز رکھا،وقوع کذب سے صرف بغرض ترفع وبخوفِ اطلاع بچنا مانا (یکروزی ص ۱۴۴ و ۱۴۵)،نماز میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا خیال آنا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر بتایا[4] (صراط مستقیم ص ۹۵) دعوی نبوت کے لئے بنیادیں کھودیں پڑیاں جمائیں اور یوں تمہیدیں باندھیں بعض لوگوں کو احکام شرعیہ جزئیہ وکلیہ بلاواسطہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنے نور قلب سے

---

[1] الدرر السنیۃ فی رد الوہابیہ مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۴۲

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] تقویۃ الایمان مطبع علیمی بیرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰،۲۹،۱۹

[4] صراطِ مستقیم فارسی ہدایت ثانیہ درذکر محلات عبادات مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۸۶

بھی پہنچتے ہیں وہ انبیاء اور ہم استاد بھی[1] ملخصًا (صراط مستقیم ص ۳۹) بالآخر جاہ طلبی وملک گیری کے نشہ میں سکھوں سے مڈھ بھیڑ اور عار فرار من الزحف کے بعد افغانوں کی موذی کش تلوار سے راہ فنا دیکھی علیہ ماعلیہ۔

(۳) جب ہندی وہابیہ کے امام واس کے پیر کی موت ان کی سب یاوہ گوئیوں او پیشینگوئیوں کی مبطل ہوئی تو اس کے اذناب وذریات سے ایک شخص قومی ترقی قومی اصلاح کا بہروپ بدل کر نکلا، جملہ کتب تفسیر وفقہ وحدیث سے انکار کیا، تمام ضروریات دین سے منہ موڑا اور بکا کہ، نہ حشر ہے نہ نشر، نہ دوزخ نہ بہشت، نہ فرشتہ ہے نہ جبریل نہ صراط، فرشتہ قوت کا نام ہے، دوزخ وبہشت وحشر، نشر روحانی ہیں، نہ جسمانی کرامات ومعجزات سب ہیچ ہیں، ہر کوئی کوشش کرنے سے نبی ہوسکتا ہے، خدا بھی نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس کے نزدیک غایت درجہ کی غمی کا نام دوزخ تھا۔ سو وہ اپنی اسی مسلمہ دوزخ کے راستہ سے اسفل السافلین میں پہنچا اور وہ اس طرح ہوا کہ اس کے خازن وامین نے بہت سا روپیہ اندوختہ اس کا غبن کیا، معلوم ہونے پر نہایت غمگین ہوا، کھانا پینا ترک کیا، آخر اسی صدمہ سے ہلاک ہوا۔

(۴) اسی کے دُم چھلّوں میں سے مسیح قادیانی دجال پیدا ہوا، دعوی نبوت کیا، سورہ صف میں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشارت اسم احمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے ہے اس کو اپنے اوپر چسپاں کیا، اسی طرح درکاتِ جہنم طے کرتا ہوا درک اسفل میں پہنچ کر یوں کفری بول بولا ؎

آنچہ دادست ہر نبی راجام | داد آں جام را مرا وبتمام
پر شد از نور من زمان وزمیں | سر ہنوزت بہ آسماں از کیں
باخدا جنگہا کنی ہیہات | ایں چہ جور وجفا کنی ہیہات

(ہر نبی کو جو جام عطا کیا گیا وہ تمام مجھے عطا کئے گئے، میرے نور سے زمین وزماں پر ہوگئے اور ابھی میرا آسمان پر ہے، تو خدا کے ساتھ جنگ کررہا ہے افسوس! یہ تو کیا ظلم وزیادتی کررہا ہے۔ ت) (نزول مسیح) لڑکا پیدا ہونے پر کہنے لگا **کان اللہ نزل من السماء** (گویا اللہ آسمان سے اتر آیا۔ ت) پھر کہا مجھے الہام ہوا ہے خدا کی طرف سے **انت منی بمنزلۃ اولادی انت منی وانا منک** (تو میری

[1] صراط مستقیم فارسی ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی مکتبہ سلفیہ لاہور ص ۳۶۔ ۳۵)

اولاد کی مانند ہے، تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ت) (واقع البلد ص ۶ و ۷) الغرض افتراء وتکذیب کلام الٰہی وتوہین انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصًا حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو گندی سڑی گالی دینے میں کوئی کسر نہ اٹھار کھی (ضمیمہ انجام آتھم) انجام کار اپنے مسلمہ عذاب اعنی مرض ہیضہ سے وعدہ الٰہی:

"فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَوْصِیَةً وَّلَاۤ اِلٰۤى اَهْلِهِمْ یَرْجِعُوْنَ۠ ﴿۵۰﴾ " [1]۔	تو نہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر پلٹ کر جائیں۔(ت)

کا مورد بنااور اپنے منکر ومخالف علماء کے روبرو وہ فرعون بے عون جہنم رسید ہوا، مسلمان کے سامنے "وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ " [2] (اور فرعون والوں کو ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔ت) کا سماں بندھ گیاچاروں طرف سے مسلمانوں بلکہ ہندوؤں نے اس کی نعش خبیث پر نفرین کے نعرے بلند کئے ہر طرف سے بول وبراز کی بوچھاڑ ہوئی اور "اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ " [3] (ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی) کا نقشہ آنکھوں میں جم گیا، "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۲﴾ " [4] (تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ت)

(۵) امام ثانی کے اذناب سے ایک بھوپالی پیدا ہوا، ترویج وہابیت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا طرح طرح کے لالچ دے کر مفت کتابیں بانٹ کر خدائے تعالٰی کے لئے جہت ومکان وجسم وغیرہ مانا (رسالہ الاحتواء) فقہاء ومقلدین کو دشنام دینے میں اپنے بڑوں سے سبقت لے گیا اس کا قول بدتر از بول "یہ ہے سرچشمہ سارے جھوٹوں خبیثوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبیوں اور دغابازیوں کی علم فقہ ورائے ہے اور مہاجال ان سب خرابیوں کا فقہاء اور مقلدین کی بول چال ہے" (ترجمان وہابیہ ص ۳۶، ۳۵) وانجام کار معزول ومسلوب الخطاء ہو کر عدم کی راہ لی اور "خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَؕ " [5] (دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا۔ت) کا مصداق بنا، صحابہ کرام کو عمومًا اور سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خصوصًا مخترع بدعت سیئہ ٹھہرایا (انتقاد الرجیم)

(۶) وہابیہ وغیر مقلدین کی ضلالت وبدعت جب پورے طور ظاہر ہوچکی اور ہر دیار وامصار سے ان کے رد میں کتابیں لکھی گئیں تو ذریاتِ امام ثانی نے ایک اور مکر کھیلا، اپنا حنفی ومقلد ہونا ظاہر کیا عقیدہ تقویۃ الایمان پر

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۱

[4] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[5] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

قائم رکھا اور ہر طرح سے ان کفریات کی حمایت کرتے رہے، اور عملیات میں حنفی ہونا ظاہر کیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح ان کا امام اول حنبلی المذہب بنتا تھا، بظاہر غیر مقلدین کے رد میں کتابیں بھی لکھیں، مگر ساتھ ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ ان مسائل میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے وقت سے اختلاف چلا آتا ہے، لہٰذا غیر مقلدوں و وہابیوں پر طعن و تشنیع ناجائز (سبیل الرشاد وغیرہ)، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے شیطان کا علم زیادہ مانا (براہین قاطعہ) علم غیب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر صبی و مجنون سے تمثیل دی (رسالہ حفظ الایمان و علم غیب وغیرہ) اور بکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیوار کے پیچھے کا حال معلوم نہیں، معاذاللہ اپنے خاتمہ کا حال معلوم نہیں۔ ان کے رد میں بھی بکثرت کتابیں شائع ہوئیں خصوصًا قامع بدعت حامی سنت صاحب حجت قاہرہ مجدد مائۃ حاضرہ، حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی مداللہ تعالٰی ظلہم العالی نے ان کی وہ سرکوبی کی کہ باید شاید۔

(۷) بھوپالی کے دم چھلوں میں سے ایک ہندو بچہ پیدا ہوا آپ اگرچہ ناخواندہ تھا مگر بعض خواندہ وہابیہ سے چند ایک کتابیں مثل ظفر المبین طعن امام ہمام (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور قیاسات امام پر لکھیں چاروں اماموں کے مقلدین اور چاروں طریقوں کے متبعین کو **معاذ اللہ** مشرک و کافر بنایا (ظفر المبین ص ۱۸۹ و ۲۳۰ و ۳۳۲ وغیرہ) انجام کار مرض ابلاؤس میں ایسا گرفتار ہوا کہ متواتر پانچ سات دن اس کے منہ سے پاخانہ نکلتا رہا، مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے مشرکوں (حنفیوں) کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے، بالآخر کتے کی موت مرا اور لاہوری دروازہ بدرو کے کنارہ دفن ہوا، بدرو کا گندہ پانی اس کی قبر میں سرایت کرتا رہا، حتی کہ اس کی قبر بھی نیست و نابود ہو کر بدرو میں مل گئی، "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝" [1] (تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ ت)

(۸) اس بھوپالی کے دم چھلوں میں سے ایک اور شخص نکلا، چلنے پھرنے سے معذور، اور لکھنے پڑھنے سے عاری، اس نے اہل قرآن ہونے کا دعوی کیا، کل کتب فقہ، تفسیر و حدیث سے انکار کیا اور کہا یہ سب مخالفِ قرآن ہیں اور (معاذاللہ) منافقوں کی بنائی ہوئی ہیں، "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" [2] (اور حکم مانو رسول کا۔ ت) میں رسول سے مراد قرآن مجید ہے، اور "مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ" [3] (اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں۔ ت) میں بھی رسول سے مراد قرآن مجید ہے، اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی مراد لئے جائیں تو یہ حکم مالِ غنیمت میں تھا نہ کہ عام حکم، نماز میں بھی نئی اختراع کی، المسمی بہ صلوٰۃ القرآن بآیات الفرقان، اور ایک تفسیر

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

چند ایک سیپارہ کی کسی سے لکھوائی جس کا نام "**تفسیر القرآن بآیات الرحمٰن**" رکھا اور کہتا تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محض ایلچی تھے ایلچی کو نام وپیام کیا تشریح ومطلب آرائی میں کوئی حق نہیں (**معاذاللہ منہا**) آخر ذلیل ورسوا ہو کر لاہور سے نکالا گیا، چند ایک ملاحدہ نیاچرہ اور اجہل ترین وہابیہ سے اس کے پیرو گئے، ملتان میں جا کر اپنی بدمذہبی کی اشاعت میں مصروف ہوا، انجام کار بدکاری کرتا ہوا پکڑا گیا خوب زد وکوب ہوئی اور اسی صدمہ سے ہلاک ہوا اور سجین میں پہنچا۔
(۹) بھوپالی کے متبعین سے ایک شخص ملا قصوری اور ایک حافظ شاعر پنجابی پیدا ہوئے، اول الذکر نے ابن تیمیہ مجسمیہ کے رسالہ "**علی العرش استوی**" کی اشاعت کی، صوفیائے کرام کے رد میں بڑے اہتمام سے کتاب "**حقیقۃ البیعۃ والالہام**" لکھی اور یوں کفری بولی بولے: بیعت مروجہ یعنی پیرو مریدی سے دین اسلام میں اس قدر فتور اور فسادات پڑے ہیں کہ جن کا شمار امکان سے باہر ہے، **شرک فی الالوہیت وشرک فی الربوبیۃ وشرک فی الدعاء** جس قدر اقسام شرک کے ہیں سب اس سے پیدا ہوئے (ص ۲۸) سب افعال آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محمود نہیں اور آپ کے لیے عصمت مطلقہ ثابت نہیں۔ (ص ۴۴ و ۴۵) آخر الذکر نے تقویۃ الایمان کو پنجابی میں نظم کیا اور اس کا نام "**حصن الایمان وزینت الاسلام**" رکھا اور بھوپالی کے رسالہ "**طریقہ محمدیہ**" کو پنجابی نظم کا جامہ پہنایا اور اس کا نام "**انواع محمدی**" رکھا، پنجاب میں ہر کس وناکس جولاہا موچی دھنا وغیرہ جسے دو حرف پنجابی کے آتے تھے یہ کتابیں پڑھ کر اہل سنت وجماعت کو مخالف قرآن وحدیث بدعتی ومشرک کہنے لگے اور تلبیس کی کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماگئے ہیں:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی واترکوا قولی بخبر المصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)	حدیث صحیح میرا مذہب ہے اور میرے قول کو مصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی حدیث کے مقابل چھوڑ دو۔ (ت)

پس دراصل ہم اہلحدیث ہی سچے اور پکے حنفی ہیں نہ کہ فقہاء ومقلدین، اس خلف ناہنجار بدتر از مار نے اپنے پدر بزرگوار کی کتاب فقہ کا رد کیا اور کہا کہ اس وقت علم کم تھا اب دریا علم کا اچھلا اور ہر طرف سے کتب احادیث کی اشاعت ہوئی الغرض بخوف طوالت وملالت اس قدر پر کفالت نہ ان قبائح کا استیعاب ممکن اور نہ ہی ان کے فرقوں کا حصر معلوم، آخر وہ بھی تو انہیں میں سے ہونگے جو دجال کے ساتھ جا ملیں گے، اب آپ کے جناب سے استفتاء یہ ہے کہ آیا یہ فرق وہابیہ مثل دیگر فرق ضال روافض وخوارج وغیرہ کے ہیں یا نہیں اور نصوص سے:

"اُولٰٓئِكَ هُمۡ شَرُّ الۡبَرِيَّةِ ؕ" [1] "اُولٰٓئِكَ	وہی تمام مخلوق میں بدتر ہیں، وہ

[1] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

کَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ " [1] فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الۡكَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَيۡهِ يَلۡهَثۡ اَوۡ تَتۡرُكۡهُ يَلۡهَثۡ " [2]۔	چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے (ت)

اور احادیث مثل:

اھل البدع شر الخلق والخلیقة واھل البدع کلاب اھل النار [3]۔	اہل بدعت تمام مخلوق سے بدتر ہوتے ہیں واہل بدعت اہل دوزخ کے کتے ہیں (ت)

کے مصداق ہیں یا نہیں؟ ان کے پیچھے اقتداء ان کی کتب کا مطالعہ اور ان سے میل جول کا کیا حکم ہے جو ان سے محبت رکھے اور ان کو عالم اور پیروان سنت سے سمجھے اس کے واسطے کیا ارشاد ہے تکذیب نصوص، ایذائے جمیع امت، تکفیر و تفسیق اہل سنت و جماعت، دعوی ہمہ دانی و انانیت، مادہ خروج و بغاوت، تحقیر و توہین شان نبوت ان سب فرق میں کم و بیش موجود۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

" رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيۡنِ ۙ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ اَنۡ يَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾ " [4]۔	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں (ت)

یہ سوال کیا محتاج جواب ہے خود ہی اپنا جواب باصواب ہے، سائل فاضل سلمہ نے جو اقوال ملعونہ ان خبثا سے نقل کئے ہیں ان سب کا ضلال مبین اور اکثر کا کفر و ارتداد مہین ہونا خود ضروری فی الدین و بدیہی عندالمسلمین،

" وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَىَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ " [5] " اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾ " [6] " وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت) ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۶

[3] الکنز العمال حدیث ۹۵۔ ۱۰۹۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۸

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[6] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

"کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ ؕ"[1]، "یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوۡا ؕ وَ لَقَدۡ قَالُوۡا کَلِمَۃَ الۡکُفۡرِ وَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِہِمۡ"[2]، "لَّعَنَہُمُ اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَقَلِیۡلًا مَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾"[3]، "وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰہِ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۶۱﴾"[4] "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾"[5]	اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد، اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ت)

ان آیاتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو عام مسلمانوں پر ظلم کریں ان کے لئے بری بازگشت ہے، ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان پر اللہ کی لعنت ہے، نہ کہ وہ جو اولیاء پر ظلم کریں نہ کہ انبیاء پر نہ کہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل وعلوشان اقدس پر، ان پر کیسی اشد لعنت الٰہی ہوگی اور ان کا ٹھکانا دوزخ کا اخبث طبقہ، اور اگر تم ان سے پوچھو کہ یہ کیسے کفریات ملعونہ تم نے بکے تو حیلے گھڑیں گے بے سروپا جھوٹی تاویلیں کریں گے اور کچھ نہ بنے تو یوں کہیں گے کہ ہماری مراد توہین نہ تھی ہم نے تو یوں ہی ہنسی کھیل میں کہہ دیا تھا، واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے: اے محبوب! ان سے فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے اپنے ایمان کے بعد۔ جب کوئی حیلہ نہ چلے گا تو کذاب خبیثوں کا پچھلا داؤ چلیں گے کہ خدا کی قسم ہم نے تو یہ باتیں نہ کہیں نہ ہماری کتابوں میں ہیں، ہم پر افترا ہے ناواقف کے سامنے یہی جل کھیلتے ہیں، اللہ واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے: بیشک ضرور وہ کفر کا بول بولے اور اسلام کے بعد کافر ہوگئے یعنی ان کی قسموں کا اعتبار نہ کرو "اِنَّہُمۡ لَاۤ اَیۡمَانَ لَہُمۡ"[6] ان پیشوایان کفر کی قسمیں کچھ نہیں "اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَہُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ ﴿۱۶﴾"[7] وہ اپنی قسموں کو ڈھال بنا کر اللہ کی راہ سے روکتے ہیں لاجرم ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵-۶۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۸

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[5] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[6] القرآن الکریم ۹/ ۱۲

[7] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۶

عذاب ہے۔ان کے کفر کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی تو بہت کم ایمان لاتے ہیں وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بیشک جو اللہ ورسول کو ایذا دیتے ہیں اللہ نے دنیا وآخرت میں ان پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے تیار کر رکھا ذلت دینے والا عذاب۔طوائف مذکورین وہابیہ ونیچریہ وقادیانیہ وغیرہ مقلدین ودیوبندیہ وچکڑالویہ **خذلھم اللہ تعالیٰ اجمعین** ان آیات کریمہ کے مصداق بالیقین اور قطعاً یقیناً کفار مرتدین ہیں،ان میں ایک آدھ اگرچہ کافر فقہی تھا اور صدہا کفر اس پر لازم تھے جیسے نمبر ۲ والا دہلوی مگر اب اتباع واذناب میں اصلاً کوئی ایسا نہیں جو قطعاً یقیناً اجماعاً کافر کلامی نہ ہو ایسا کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔اور احادیث کہ سوال میں ذکر کیں بلاشبہہ ان کے اگلے پچھلے تابع متبوع سب ان کے مصداق ہیں،یقیناً وہ سب بدعتی اور استحقاق نار جہنمی اور جہنم کے کتے ہیں مگر انہیں خوارج وروافض کے مثل کہنا روافض وخوارج پر ظلم اور ان وہابیہ کی کسر شان خباثت ہے۔رافضیوں خارجیوں کی قصدی گستاخیاں صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مقصور ہیں ان کی گستاخیوں کی اصل مطمع نظر حضرات انبیائے کرام اور خود حضور پر نور شافع یوم النشور ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(راستے کا تفاوت دیکھ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

ان تمام مقاصد اور ان سے بہت زائد کی تفصیل فقیر کے رسائل "**سل السیوف وکوکبۃ شھابیۃ وسبحان السبوح و فتاوی الحرمین وحسام الحرمین وتمھید ایمان وانباء المصطفٰی وخالص الاعتقاد وقصیدۃ الاستمداد** اور اس کی شرح کشف ضلال دیوبندیہ "وغیرہا کثیرہ تبیرہ، حافلہ کافلہ،شافعہ وافیہ، قالعہ قامعہ، میں ہے **وللہ الحمد**،ان کے پیچھے اقتداء باطل محض ہے **کما حققناہ فی النھی الاکید** (جیسا کہ ہم نے "النھی الاکید" میں اس پر تفصیلا گفتگو کی ہے۔ت)ان سب کی کتب کا مطالعہ حرام ہے مگر عالم کو بغرض رد۔ان سے میل جول قطعی حرام،ان سے سلام وکلام حرام،انہیں پاس بٹھانا حرام،ان کے پاس بیٹھنا حرام، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت حرام، مر جائیں تو مسلمانوں کا سا انہیں غسل وکفن دینا حرام، ان کا جنازہ اٹھانا حرام،ان پر نماز پڑھنا حرام،انہیں مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام،ان کی قبر پر جانا حرام،انہیں ایصال ثواب کرنا حرام، مثل نماز جنازہ کفر۔**قال اللہ تعالیٰ** :

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ان ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَرۡکَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۙ "[2]۔	اور نہ میل کرو ظالموں کی طرف کہ تمہیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔	ان سے دور بھاگو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

دوسری حدیث میں ہے:

لا تجالسوھم ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم و اذا مرضوا لاتعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[4]	نہ ان کے پاس بیٹھو، نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ، نہ ان کے ساتھ پیو، بیمار پڑیں تو ان کی عیادت نہ کرو، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جاؤ، نہ ان پر نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمۡ عَلٰی قَبۡرِہٖ ؕ "[5]۔	ان میں کبھی کسی کے جنازہ کی نماز نہ پڑھنا نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا۔

جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان سے محبت رکھے وہ انہیں کی طرح کافر ہے، قال تعالٰی:

"وَ مَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ "[6]۔	تم میں سے جو ان سے دوستی رکھے وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] صحیح مسلم باب نہی عن الروایہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] کنز العمال باب فضائل صحابہ حدیث ۳۲۴۶۸، ۳۲۵۴۲، ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲، ۵۲۹، ۵۴۰

[5] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

اور اس کا حشر انہیں کافروں کے ساتھ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتھم[1]۔	جو کسی قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالٰی اسی قوم کے ساتھ اس کا حشر کرے گا۔

اور فرماتے ہیں: **من ھوی الکفرۃ فھو مع الکفرۃ**[2] جو کافروں سے محبت رکھے گا وہ انہیں کے ساتھ ہوگا اور جوان کو عالم دین یا پیر وسنت سمجھے قطعًا کافر و مرتد ہے۔ شفائے امام قاضی عیاض و ذخیرۃ العقبٰی بحر الرائق و مجمع الانہر و فتاوٰی بزازیہ و در مختار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے: **من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر**[3] (جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ جب ان کو مسلمان سمجھنا درکنار ان کے کفر میں شک کرنا موجب کفر ہے **تو معاذ اللہ** انہیں عالم دین یا پیر وسنت سمجھنا کس قدر اخبث کفر ہوگا "وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾"[4] (اور ظالموں کی یہی جزا ہے۔ت) اللہ عزوجل سب خبثا کے شر سے پناہ دے اور مسلمان بھائیوں کی آنکھیں کھولے اور دوست دشمن پہچاننے کی تمیز دے، ارے کس کے دوست دشمن، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دوست و دشمن، افسوس افسوس ہزار افسوس کہ آدمی اپنے دوست دشمن کو پہچانے، اپنے دشمن کے سایہ سے بھاگے، اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اترے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمنوں، ان کے بدگویوں، انہیں گالیاں لکھ کر شائع کرنے والوں اور ان خبیثوں کے ہم مذہبوں ہم پیالوں سے میل جول رکھے، کیا قیامت نہ آئے گی، کیا حشر نہ ہوگا، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو منہ دکھانا نہیں، کیا ان کے آگے شفاعت کے لئے ہاتھ پھیلانا نہیں! مسلمانو! اللہ سے ڈرو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حیا کرو۔ اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۳تا۱۶۹: از شہر محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ حاجی محمد خلیل الدین احمد صاحب یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مشرکین سے اتحاد و وداد حلال ہے یا نہیں؟

(۲) مشرک کو اپنی حاجت دینیہ میں اپنا لیڈر یعنی ہادی و امام و رہبر بنانا کیسا ہے؟

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۱۹

[2] مجمع الزوائد باب تحشر کل نفس علی ھواہا دار الکتاب بیروت ۱/ ۱۱۳

[3] در مختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

(۳) مشرک کی نسبت یہ کہنا کہ وہ ہمارے شہر کی خاک کو پاک کرنے کے لئے تشریف لائے ہیں، کیا حکم رکھتا ہے؟

(۴) مشرک کے لے بڑا مرتبہ اور عزت ماننا مطابق اسلام ہے یا نہیں؟

(۵) اور اس کے استقبال کو شاندار بنانے کے لئے مسلمانوں کا جانا اور مشرک کی تعظیم،

(۶) اور اس کی جے بولنا،

(۷) اور اس کو مہاتما کہنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) مشرکین سے اتحاد در کنار وداد حرام قطعی ہے۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"لَاتَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ وَلَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ وَاَیَّدَہُمۡ بِرُوۡحٍ مِّنۡہُ ؕ"[1]۔	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جنہیں اللہ اور قیامت پر ایمان ہے کہ اللہ ورسول کے مخالف سے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں ایمان اللہ نے لکھ دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

اور فرماتا ہے جل وعلا:

"وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ ؕ"[2]۔	تم میں جو ان سے دوستی کرے گا وہ بیشک انہیں میں سے ہے۔

یہ ہیں قرآن عظیم کی شہادتیں کہ ان سے وداد واتحاد کفر ہے اور یہ کہ اس کے مرتکب نہ ہوں گے مگر کافر۔ مسلمانو! قرآن کریم سے بڑھ کر کس کا فتوٰی ہے، "وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیۡثًا ﴿۸۷﴾"[3] اللہ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہے۔

(۲) مشرک کو حاجت دینیہ میں ہادی بنانا امام ٹھہرانا قرآن عظیم کی صریح تکذیب ہے، قرآن عظیم میں

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

ہزارہا آیتیں گونج رہی ہیں کہ وہ گمراہ ہیں، ہدایت سے بالکل بیگانہ ہیں، یہاں تک کہ فرمایا:

"اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾ "[1]۔	وہ چوپایوں کی طرح نرے بے عقل ہی ہیں بلکہ ان سے بھی سخت تر گمراہ۔

توجو انہیں ہادی وامام بنائے گا قطعًا قرآن عظیم کو جھٹلائے گا اور قطعًا راہ ہلاک پائے گا۔

اذاکان الغراب دلیل قوم

سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کسی قوم کا رہنما کوا ہو تو وہ ان کو ہلاکت کی راہ چلائے گا۔ت)

اور روز قیامت ایسا گروہ اس مشرک ہی کے نام سے پکارا جائے گا قال اللہ تعالٰی: "یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ "[2] جس دن ہر گروہ کو ہم اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے۔

(۳) لاالٰہ الا اللہ عجب ان سے کہ مدعی اسلام ہوں اور اسلام کے پورے مدعی بن بیٹھیں، کیا قرآن عظیم کے رد ہی پر کمر باندھی ہے، واحد قہار فرماتا ہے: "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ "[3] مشرک تو نہیں مگر نرے گندے، بلکہ عین نجاست عجب کہ نجاست اور مطہر، ہاں جب ہندو دھرم ہی اختیار کیا تو عجب نہیں کہ گوبر اور پوتر، لا واللہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر گوبر کی نجاست میں ائمہ کو اختلاف ہے اور مشرک کی نجاست پر قرآن کریم کا نص صاف ہے اور آمد سے زمین ناپاک کرنے میں نجاست باطن نجاست ظاہر سے کروڑ درجہ بدتر ہے، نجاست ظاہر ایک دھار پانی سے پاک ہو جاتی ہے اور نجاست باطن کروڑ سمندروں سے نہیں دھل سکتی جب تک صدق دل سے ایمان نہ لائے، ع

ہر چہ شوئی پلید تر باشد

(جتنا دھوئے گا اتنا ہی زیادہ پلید ہوگا۔ت)

(۴) کیا قسم کھائی کہ قرآن عظیم کا کوئی جملہ سلامت نہ رکھیں، مشرک کے لئے ہرگز کوئی عزت نہیں اور بڑا در کنار ادنٰی سے ادنٰی، چھوٹے سے چھوٹا کوئی رتبہ نہیں، واحد قہار جل وعلا فرماتا ہے:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ	عزت تو صرف اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

"الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ "[1]	کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

عزیز مقتدر جل وعلا فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ "[2]	بیشک اللہ ورسول کے جتنے مخالف ہیں سب ہر ذلیل سے بدتر ذلیلوں میں ہیں۔

عزیز منتقم، عزجلالہ فرماتا ہے: "هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿۶﴾ "[3] وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں۔ مخلوق میں کتا بھی ہے سور بھی ہے۔ قرآن عظیم شہادت دیتا ہے کہ مشرکین ان سے بھی بدتر ہیں، پھر رتبہ وعزت کے کیا معنی!

(۵) اس کی تعظیم سخت سے سخت کبیرہ اور قرآن عظیم کی مخالفت شدیدہ ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[4]۔	جو کسی بدعتی بدمذہب کی تعظیم کرے اس نے اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی۔

مبتدع کی تعظیم پر حکم یہ ہے مشرک کی تعظیم کس درجہ بیخ کنی اسلام ہوگی "وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾ "[5] (مگر منافقوں کو خبر نہیں۔ت) استقبال کو شاندار بنانے کے لئے جانا تو عین تعظیم ہے جو صریح مخالفت قرآن عظیم ہے، اس جلوس نامانوس میں ویسے بھی شرکت حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من سود مع قوم فھو منھم**[6] جو کسی قوم کے جتھے میں شامل ہوا وہ انہیں میں سے ہے۔ دوسری حدیث میں ہے: **من کثر سواد قوم فھو منھم**[7] جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[4] کنز العمال حدیث ۱۱۰۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۹، المعجم الاوسط حدیث ۶۷۶۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶

[5] القرآن الکریم ۶۳/ ۲۰

[6] کنز العمال حدیث ۲۴۶۸۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۱۰

[7] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ بحوالہ مسند ابو یعلی المکتبۃ الاسلامیۃ الریاض ۴/ ۳۴۶، کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۹/ ۲۲

تیسری حدیث میں ہے:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله [1]۔	جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ساتھ رہے وہ بیشک اسی کے مثل ہے۔

(۶) مشرک کی جے نہ بولے گا مگر مشرک۔ حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش [2]۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی کانپ جاتا ہے۔

جب فاسق کی مدح پر یہ حکم ہے تو مشرک کہاں، اس کی مدح کس درجہ باعث غضب شدید رب عزوجل ہوگی!

(۷) مہاتما کے معنی ہیں "روح اعظم" جو خاص لقب سیدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے، مشرک کو اس سے تعبیر کرنا صریح مخالفتِ خدا اور سول ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتقولو اللمنافق یا سید فانه ان یکن سید کم فقد اسخطتم ربکم عزوجل [3]۔	منافق کو "اے سردار" نہ کہو بیشک اگر وہ تمہارا سردار ہے، تو تم نے اپنے رب عزوجل کا غضب لیا۔

اب ادھر تو منافق ومشرک کا فرق دیکھو اور ادھر سردار وروح اعظم کا موازنہ کرو، انہیں نسبتوں سے اس پر اللہ عزوجل کا غضب اشد ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آنکھیں کھولے مسلمان کرے، مسلمان رکھے، مسلمان مارے، مسلمان اٹھائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد آخر کتاب الجهاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

[2] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۳۰، اتحاف السادة باب الآفة الثامنه عشر المدح دار الفکر بیروت ۷/ ۵۱۷

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب یقول المملوك الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۴، مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت بریدة الاسلمی دار الفکر بیروت ۵/ ۳۴۶_۳۴۷

مسئلہ ۱۷۰: از موضع خورد مئوڈا کخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افواہا سنا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہوئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں کہ ریاضت کرتے ایسے واصل بخدا ہو جاتے ہیں کہ نماز روزہ ترک کردیتے ہیں (جبکہ **اظھر من الشمس** ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کوئی مقرب تر نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز روزہ بدرجہ اتم ادا فرماتے تھے) اور لوگ ان کی ولایت کے قائل ہوتے ہیں، چنانچہ تاریخ فرشتہ (اردو) جلد دوم میں لکھا ہے کہ "شیخ احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حالت جذب میں نماز نہیں پڑھتے تھے"۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے تارک نماز روزہ کے نسبت قرآن مجید وحدیث شریف میں کیا حکم ہے؟ آیا تارک نماز وروزہ ولی اللہ کہے جانے کے لائق ہو سکتا ہے اور ہے یا نہیں اور کوئی درجہ شریعت، طریقت، معرفت میں ایسا ہے کہ جہاں پہنچ کر روزہ نماز کا تارک گنہگار نہ ہو؟

الجواب:

کوئی شخص ایسے مقام تک نہیں پہنچ سکتا جس سے نماز وروزہ وغیرہ احکام شرعیہ ساقط ہو جائیں جب تک عقل باقی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾"[1]	مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت کر۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی: کچھ لوگ پیدا ہوئے کہ نماز وغیرہ عبادات چھوڑ دی ہے اور کہتے ہیں کہ شریعت تو راستہ ہے ہم پہنچ گئے ہمیں راہ کی حاجت نہیں فرمایا: "**صدقوا القد وصلوا ولکن الی این الی النار**" وہ سچ کہتے ہیں ضرور پہنچ گئے مگر کہاں تک، جہنم تک۔ پھر فرمایا: اگر مجھے صدہا برس کی عمر دی جائے تو فرض تو فرض جو نفل مقرر کرلئے ہیں ہرگز نہ چھوڑوں۔اس مسئلہ کا کامل بیان ہمارے رسالہ "**مقال عرفاء**" میں ہے، حالت جذب میں مثل جنون عقل سلامت نہیں رہتی، اس وقت وہ مکلّف نہیں، جو باوصف بقائے عقل واستطاعت قصداً نماز یا روزہ ترک کرے ہرگز ولی اللہ نہیں ولی الشیطان ہے قرآن وحدیث میں اسے مشرک وکافر تک فرمایا۔

قال اللہ تعالٰی "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۱﴾"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۔

[1] القرآن لاکریم ۱۵/ ۹۹

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۱

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر جھارا[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے قصداً نماز چھوڑی وہ علانیہ کافر ہوگیا (ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شہر محلّہ کوہاڑا پیر مسئولہ یوسف علی بیگ ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل سنت وجماعت کو رافضیوں سے ملنا جلنا اور کھانا پینا اور رافضیوں سے سود سلف خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص سنی ہو کر ایسا کرتا ہے اس کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟ آیا وہ شخص دائرہ اہل سنت وجماعت سے خارج ہے یا نہیں؟ اور شخص مذکورہ بالا سے تمام مسلمانوں کو اپنے دینی ودنیوی تعلقات منقطع کرنا چاہئیں یا نہیں؟

الجواب:

روافض زمانہ علی العموم مرتد ہیں کما بیناہ فی ردالرفضۃ (جیسا کہ ہم نے اسے ردالرفضہ میں بیان کیا ہے) ان سے کوئی معاملہ اہلِ اسلام کا سا کرنا حلال نہیں، ان سے میل جول نشست وبرخاست سلام کلام سب حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیأتی قوم لھم نبز یقال لھم الرافضۃ یطعنون السلف ولایشھدون جمعۃ ولا جماعۃ فلاتجالسوھم ولا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تناکحوھم و اذا مرضوا فلا تعودوھم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[3]۔	عنقریب کچھ لوگ آنے والے ہیں ان کا ایک بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا سلف صالحین پر طعن کرینگے اور جمعہ وجماعات میں حاضر نہ ہوں گے، ان کے پاس نہ بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ کھانا کھانا، نہ ان کے ساتھ پانی پینا، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا، بیمار پڑیں تو انہیں پوچھنے نہ جانا، مرجائیں تو ان کے جنازے پر نہ جانا، ان پر نماز پڑھنا، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا۔

[1] مجمع الزوائد باب فی تارک الصلوٰۃ دارالکتاب بیروت ۱/ ۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] کنز العمال حدیث ۳۱۶۳۷، ۳۲۵۴۲، ۳۲۵۲۹، ۳۲۴۶۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۳۲۴، ۵۲۹، ۵۴۰، ۵۴۲۔ ۲۵

جو سنی ہو کر ان کے ساتھ میل جول رکھے اگر خود رافضی نہیں تو کم از اشد فاسق ہے، مسلمانوں کو ان سے بھی میل جول ترک کرنے کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲: از شہر بازار صندل خاں مسئولہ نیاز علی خاں ۶ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شرع سے فتوٰی ہوا ہے کہ مشرک کی تعظیم کے جلوس اور اس کے لکچر کے جلسے میں جس میں سے واعظ مسلمین بنایا گیا ہو شرکت حرام ہے اس پر ایک شخص نے کہا کہ یہ بالکل ٹھیک نہیں اور فضول گھڑنت اور زبردستی کا لٹھ چلانا ہے ایسے شخص سے بیاہ شادی کرنا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا شخص مسجد میں اذان کہے تو جائز ہے یا نہیں؟ سلام وکلام، میل جول رکھنا اور مسلمان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ کھانا پینا اس کے یہاں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو تو مہر کردی جائے اور ناجائز ہو تو مہر کردی جائے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس شخص نے حکم شریعت کی توہین کی اور شریعت کی توہین کفر ہے، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی اس پر فرض ہے کہ از سر نو مسلمان ہو کر توبہ کرے کلمہ اسلام پڑھے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، اور اگر توبہ نہ کرے تو اس سے میل جول حرام ہے اور بیاہ شادی محض زنا، اور اس کی اذان ناجائز، نہ اس سے سلام وکلام جائز، نہ اسے مسلمان کہنا جائز۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال آنہا کہ علم آموزند داستانہا است کہ می آموزند او قال باداست آنچہ مے گوید او قال تزویر است او قال من علم حیلہ را منکرم ہذا کلمہ کفر کذا فی المحیط [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک آدمی کہتا ہے جو علم انہوں نے سکھایا ہے وہ تمام کہانیاں ہیں یا کہتا ہے جو اسے بیان کیا ہے وہ تمام فریب ہے یا کہتا ہے میں علم حیلہ کا منکر ہوں، تو یہ کلمہ کفر ہے، جیساکہ محیط میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: از دہلی بازار چتلی قبر چھتا موم گران مسئولہ محمد سلیمان خاں سادیکار ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) قادیانی غیر مقلد، اہل قرآن، رافضی وغیرہ وغیرہ علاوہ سنیوں کے جتنے فرقے ہیں ان کے ساتھ

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۰

کھانا پینا، سلام علیک کرنا، نوکری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض علماء فرماتے ہیں کہ رسول خدا کی حدیث ہے کہ جس میں سو میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی ہو تو اس کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔

(۲) ہندو انگریز و غیرہم کی ہم نوکری کرتے ہیں اور ملتے ہیں ان میں اور قادیانی و دیگر فرقوں میں کیا فرق ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) یہ فرقے اور اسی طرح دیوبندی و نیچری غرض جو بھی ضروریات دین سے کسی شے کا منکر ہو سب مرتد کافر ہیں، ان کے ساتھ کھانا پینا، سلام علیک کرنا، ان کی موت وحیات میں کسی طرح کا کوئی اسلامی برتاؤ کرنا سب حرام، نہ ان کی نوکری کرنے کی اجازت، نہ انہیں نوکر رکھنے کی اجازت کہ ان سے دور بھاگنے اور انہیں اپنے سے دور کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1]	ان سے بچو، انہیں دور رکھو تاکہ وہ تمہیں نہ گمراہ کریں نہ فتنہ میں ڈال سکیں۔ (ت)

وہ حدیث جو سوال میں لکھی محض جھوٹ اور نری بناوٹ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افترا ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور قرآن حکیم کا حکم یہ ہے کہ ہزار باتیں اسلام کی کرتا ہو اور ایک کلمہ کفر کہے وہ کافر ہو جائے گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا کَلِمَۃَ الْکُفْرِ وَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ"۔[2]	اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہ کہی اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کا لفظ کہا اور اسکے سبب مسلمان ہونے کے بعد کافر ہوگئے۔

دین وعقل دونوں کا مقتضٰی تو یہ ہے کہ ننانوے قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب کی ڈال دو سب پیشاب ہو جائے گا، مگر ان خبیثوں کا مذہب یہ ہے کہ ننانوے تولے پیشاب میں تولہ بھر ڈال دو سب گلاب ہو جائے گا، پاک ہے، حلال ہے چڑھا جاؤ۔

(۲) ہندو اور نصارٰی کافران اصلی ہیں اور یہ فرقے کافران مرتد اور شریعت مطہرہ میں مرتد کا حکم اصلی سے سخت تر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب نھی عن الروایۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

مسئلہ ۱۷۵: از بنارس محلّہ نواب گنج مسئولہ شیخ فریدن سوداگر ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقابلہ کفار میں جب کفار میں جب لشکر اسلام کو شکست ہو تو زید کفار کو ان کی فتح پر مبارکباد دے اور مسرت وخوشی کااظہار کرے عندالشرع اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ بات واقعی ہے کہ وہ **معاذاللہ** کفر کی فتح اور اسلام کی شکست چاہتا تھاتواس کے کفر میں شک نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۫ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ" [1]۔	تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں۔(ت)

ورنہ مرتکب اشد کبیرہ ہونے میں شک نہیں اور تجدید اسلام لازم،اس کے بعد تجدید نکاح کاحکم۔عالمگیریہ میں ہے:

لوفاسق شرب الخمر فجاء اقاربہ ونثروا الدراھم علیہ کفروا ولولم ینثروا لکن قالوامبارکباد کفروا ایضا [2]**۔واللہ تعالٰی اعلم۔**	اگر کسی فاسق نے شراب پی اس کے رشتہ دار آئے اور انہوں نے اس پر روپے وارے تو وہ کافر ہوجائیں گے اور اگر پیسے نہ وارے مگر مبارکباد دی تب بھی کافر ہوجائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۱۷۶: از جی آئی پی ریلوے اسٹیشن بھساول مسئولہ عبدالباسط ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے مگر پابند روزہ حج زکوٰۃ نہیں،اسکے علاوہ فریمشن بھی ہے،اور انگریزوں کے ہمراہ فریمشن کے مکان میں ہفتہ عشرہ جاکر وہاں جو کچھ ہوتا ہے اس میں شامل رہتا ہے،ایسے شخص کو مسلمان اپنے گھر کھانے کی دعوت کریں یانہ کریں اور اس کی دعوت قبول کریں یانہیں؟ مسلمانوں کے قبرستان میں اسے مرنے کے بعد دفن کریں یانہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

نہ اسکی دعوت کرنا جائز نہ اس کی دعوت کھانا جائز،نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں،نہ اس کے ساتھ کوئی معاملہ موت وحیات اسلام کریں کہ فریمشن اسلام سے مرتد ہوجاتا ہے،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

مسئلہ ۱۷۷ تا ۱۸۱: ازرائے پور گول بازار ممالک متوسط مسئولہ مرزا محمد اسمٰعیل صاحب بیگ ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سرآمد علمائے متکلمین سرخیل کملائے دین جنید عصر شبلی دہر، حامی شریعت ماحی بدعت، مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ حضرت مولانا صاحب قبلہ **مدظلکم اللہ تعالٰی علی الفارقین المعتقدین**، پس از سلام سنت اسلام آنکہ عرصہ دراز سے کوئی عریضہ ارسال خدمت اقدس نہیں کیا مگر اکثر اوقات حضور کی صحتوری اور مزاج کی کیفیت کا جبل پور ودیگر مقامات کے کاٹھیاواری احباب سے جویاں رہا، موجودہ شورش نان کوآپریشن وہندو و مسلم اتحاد پر مقررین کی تقریریں سنیں اور حضور کے سکوت پر ہمیشہ یہی خیال کرتا رہا کہ دیوبندی اور دیگر فرق ضالہ کی شرکت کی وجہ سے حضور اس روش سے کنارہ کش ہیں اور **بحمداللہ** کہ میرا یہ خیال صحیح ہوا۔ چند رسالے جبل پور سے آئے اور تحقیقات قادریہ آیہ "**اِنَّمَا یَنۡہٰکُمُ اللہُ**"[1] جو تحقیق حضور نے فرمائی وہ حاکم علی صاحب بی اے دلائل پوروالے ماسٹر صاحب کو ترک موالات کے متعلق جو مفصل ومدلل فتوٰی ارسال فرمایا من وعن میری نظر سے گزرا میں ایک جاہل شخص ہوں لیکن اب تک **الحمدللہ** عقیدہ اہل سنت وجماعت پر قائم ہوں اور رہوں گا **ان شاء اللہ تعالٰی**، ان تمام رسائل اور اشتہارات کے دیکھنے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ حضور کی تحقیق اور حضور کی وسعت نظر کا مخالفین کو بھی ضرور اعتراف ہوگا، گو بظاہر وہ حضور کا خلاف کرتے ہیں، لیکن اب تک ایک خلش میرے دل میں اور باقی رہی جس کی وجہ سے یہ عریضہ بصورت استفتا بغرض طلب ہدایت ارسال خدمت رہے:

(۱) ان تمام رسائل اور اشتہارات سے یہ تو ثابت ہوچکا کہ موالات ہر کافر ومشرک سے قطعًا حرام ہے خواہ وہ ہند، چین، جاپان، غرض کہ دنیا کہ کسی حصہ کا کیوں نہ ہو لیکن اعزاز واقتدار خلافت قائم رکھنے کے لئے مسلمانانِ ہند کو خصوصًا اور مسلمانانِ دنیا کو عمومًا کون سا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے جو حدود شرعیہ کے اندر ہو اور اس سے تجاوز نہ کرتا ہو۔

(۲) خلافت یا سلطنت اسلام کی بقا اور تحفظ کا کیا ذریعہ ہے؟

(۳) **الائمۃ من القریش**[2] (امام، قریش میں سے ہوں گے۔ت) کی حدیث پر حضور اپنی تحقیق سے مطلع فرمائیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۲۹

(۴) اخبار واشتہار وچشم دید واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ شریف مکہ نے حرمین شریفین **زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً** کی بے حرمتی کی یا کرائی، جزیرۃ العرب میں کفار ومشرکین کا داخلہ قبول کرلیا اس صورت میں شریف مکہ کے ساتھ کیا سلوک مسلمانوں کو کرنا چاہئے اور شریعت مطہرہ کا ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۵) مقامات مقدسہ کفار کے قبضہ میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہیں ان کفار کے اخراج کے لئے کیا طریقہ عمل ہونا چاہئے؟

ان چند امور پر حضور کی اجمالی یا تفصیلی تحقیق مجھے مطلوب ہے اور دیگر علماء سے مجھے کوئی اتنا زیادہ سروکار نہیں جتنا حضور سے، میں نے جب سے ہوش سنبھالا حضور ہی کو اپنا راہبر راہ حق سمجھتا رہا، نہ صرف یہی بلکہ میرے والد بزرگوار جناب مرزا فطرت بیگ صاحب مرحوم انسپکٹر پولیس حضور ہی کی ہدایت پر ندوہ کی ممبری سے علیحدہ ہوئے جو اس خط سے واضح ہے جو مکتوبات علماء وکلام اہل صفا میں بنام حافظ یقین الدین صاحب مرحوم شائع کردیا گیا ہے، اس لئے مجھے فخر ہے کہ میں اس سے ہدایت یافتہ ہوں جو میرے والد مرحوم کے راہبر ہیں، انجمن رضائے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قیام سے بیحد خوشی حاصل ہوئی اس شہر میں اس کی اشاعت کروں گا ان شاء اللہ تعالٰی، لیکن ایک دیوبندی محمد یسین کی وجہ سے اس میں کچھ رکاوٹ ہوگی، یہ وہی شخص ہے جس کے مدرسہ کے مقابل یہاں کے اہل سنت نے ایک مدرسہ قائم کرکے حضور کے توسط سے مولوی سید مصباح القیوم صاحب زیدی الواسطی کو بلایا ہے، مولوی صاحب نہایت نیک آدمی ہیں اور ان کی تحقیق مندرجہ بالا امور میں محدود ہے، اس لئے عرض ہے کہ ان پانچ سوالات کے جوابات حضور کے پاس سے آنے پر ان شاء اللہ میں حتی الامکان کوشش کروں گا کہ انجمن مذکور کی ترویج یہاں بھی ہو، پس عرض ہے کہ جواب باصواب سے جلد تر سرفراز فرمائیں: **بینوا توجروا** فقط حد ادب!

الجواب:

مکرمی کرم فرما **اکرمکم اللہ تعالٰی، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الائمۃ من القریش**[1] (امام، قریش میں سے ہوں گے۔ ت) حدیث صحیح متواتر ہے اور اس کے مضمون پر صحابہ کرام وتابعین عظام وائمہ اعلام تمام اہلسنت کا اجماع ہے کہ کتب عقائد وحدیث وفقہ اس مسئلہ کی روشن تصریحات سے مالامال ہیں، ہر سلطنت اسلام نہ سلطنت ہر جماعت اسلام نہ جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الدین النصح لکل مسلم**[2] (دین ہر مسلمان کے لئے

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۹

[2] صحیح البخاری باب الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

سراپا خیر خواہی ہے۔ت) ہر فرض بقدر قدرت ہے اور ہر حکم مشروط بہ استطاعت،

قال اللہ تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ط "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا(ت)

جو شخص حفاظت اسلام و سلطنت اسلام و اماکن مقدسہ کی استطاعت رکھتا ہے اور کاہلی سے نہ کرے مرتکب کبیرہ ہے یا کفار کی خوشامد و خوشنودی کے لئے تو مستوجب لعنت ہے یا دل سے ضرر اسلام پسند کرنے کے سبب تو کافر ہے اور جو استطاعت نہیں رکھتا معذور ہے، شریعت اس کام کا حکم فرماتی ہے جو شرعًا جائز اور عادۃً ممکن اور عقلًا مفید ہو، حرام یا ناممکن یا عبث، افعال حکم شرع نہیں ہوسکتے لہذا:

(۱) مسلمانانِ ہندو کو جہاد کا ہرگز حکم نہیں، **المحجة المؤتمنه** میں اسے واضح کردیا ہے حتی کہ خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص ۲۷ میں ہے:

"میں کشت وخون کو خصوصًا مجتمع حملہ کی صورت جیسا کہ لشکر کرتا ہے غیر مفید سمجھتا ہوں کیونکہ اس کے اسباب مجتمع نہیں غیر قادرین پر فرض نہیں بدسگالی کی غرض سے کرسکتے ہیں اس کا ضرر ہوگا۔"

(۲) ہندوستان دارالاسلام ہے، اس میں فقیر کا رسالہ اعلام الاعلام مدتوں سے شائع ہے اور خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص ۱۷ میں ہے:

"ہم لوگوں کا مسلک یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے"۔

اور شک نہیں کہ دارالاسلام سے ہجرت عامہ کا حکم ہرگز شرع مطہر نہیں فرماتی، نہ عادۃً وہ ممکن نہ کچھ مفید کہ سب مسلمان اپنی جائدادیں یونہی نصارٰی کے لئے چھوڑ جائیں یا کوڑیوں کے مول ہندوؤں کو دے جائیں اور خود کروڑوں ننگے بھوکے اور ملک کے مسلمانوں پر ڈھٹی دیں ان کی عافیت بھی تنگ کریں یا بھوکے مرجائیں اور اپنی مساجد و مزارات اولیاء پامالِ کفار و مشرکین کے لئے چھوڑ جائیں اور یہ سب کچھ اوڑ بھی لیا جائے تو اس سے سلطنت اسلام کو کیا فائدہ، اور اماکن مقدسہ کا کیا نفع اور ہجرت بعض کا بے سود ہونا بھی عقلًا تو معلوم تھا ہی، اب تجربۃً مشہور بھی ہولیا سوا ان غریب مسلمانوں کی بے سروسامانی و آوارگی و پریشانی و حسرت و پشیمانی کے اور بھی کوئی فائدہ مترتب ہوا۔

(۳) مالی امداد البتہ ایک چیز ہے اگرچہ مولوی عبدالباری اس کے بھی منکر ہیں۔ رسالہ ہجرت ص ۵

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

پر ہے: "ہم اس وقت اعانت بمال کو مسلمانان ہند پر فرض نہیں سمجھتے بوجہ عدم استطاعت"۔ یہ عذر کیسا بھی ہو مگر ذرائع وصول مہیا ہونا اور وصول پر وثوق کے ساتھ اطمینان ملنا بہت ضرور ہے نہ ایسا کہ لاکھوں کے چندے ہوئے اور باوصف کثرت تقاضا ___ اب تک حساب بھی نہیں دیتے۔

(۴) معاملت حرام کا ترک ہمیشہ سے واجب تھا اور نہ کیا اب جائز کا ترک بھی فرض کر رہے ہیں، یہ شرع پر زیادت ہے پھر بھی جائز کا ترک ہر وقت جائز ہے جب کہ کسی محظور کی طرف منجر نہ ہو اس کا ناممکن یا نامفید ہونا المحجۃ المؤتمنہ ص ۸۷ سے ۹۲ تک ملاحظہ ہو، باتیں وہ بتائی جاتی ہیں جن پر تمام ملک ہر گز کاربند نہ ہوگا، نہ صرف تمام مسلمان اور بفرض غلط سب مسلمان مان بھی لیں تو بجائے نفع مضر، پھر باطل و نامتوقع پر عام عمل اگر متخیل بھی ہو تو مدید و طویل مدتیں درکار، اور حاجت اس وقت فوری تاتریاق از عراق کی مثل ہے۔

(۵) فتنہ وفساد پھیلانے کی نامفیدی ظاہر، اب تک سواء بعرض ذلتوں کے کیا حاصل ہوا اور یہ کھلا پہلو اس کے شرعًا بھی ناجائز ہونے کا ہے، حدیث میں ہے:

"مسلمان کو روا نہیں کہ اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرے"۔

خود مولوی عبدالباری کے رسالہ ہجرت ص ۷ میں ہے:

"اس میں شک نہیں کہ اہلاک نفس بلاضرورت جائز نہیں، قانون جن امور کو روکتا ہے ان کو نہ کرنے میں ہم کو عذر ہے"۔

(۶) رہی خالی چیخ پکار، آفتاب سے زیادہ آشکار کہ محض بے سود وبیکار، ملک چیخنے پکارنے سے واپس نہیں ہوتا وہ بھی اتنا وسیع، وہ بھی ہلال کا، وہ بھی صلیب سے، ورنہ اگلے علماء ومشائخ نے ہندوستان ہی چلا چلا کر پھیر لیا ہوتا، یا مولوی عبدالباری کے بزرگوں نے چیخ پکار کر یہی ذراسی لکھنؤ کی پڑیا، کیا ان کو درد اسلام نہ تھا، تھا مگر عقل بھی تھی کہ مہمل شور وغل سے کیا حاصل ہوگا، خود آزاد کے الہلال جلد ۱۲ص ۱۶ میں ہے: "زبان سے نالہ وفریاد کرنے کی صورتیں اسی وقت تک کے لئے ہیں جب تک ان سے کشود کار ممکن ہو"۔

(۷) خیر یہاں تک تو تھا جو کچھ تھا، قیامت کا بند تو ہے کہ خلافت کی حمایت واماکن مقدسہ کا نام لے کر

مسلمان کہلانے والے مشرکوں میں فنا ہوگئے، مشرک کو پیشوا بنالیا آپ پس رو بنے، جو وہ کہے وہی مانیں، قرآن وحدیث کی تمام عمر اس پر نثار کردی، ترک موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے وداد محبت واتحاد بلکہ غلامی وانقیاد، ان کی خوشی کے لئے شعار اسلام کا انسداد، ان شناعات کے حلال کرنے کو آیات میں تحریف شریعت میں الحاد، نئی نئی شریعت کا دل سے ایجاد، جس کا بیان آپ کو المحجۃ المؤتمنہ میں ملے گا، یہ توصراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ صریح مغالطہ واغوا ہے، ندوہ میں بدمذہبوں ہی کی شرکت کا رونا تھا بظاہر کلمہ گو تو تھے انہوں نے سرے سے کلمہ ہی کو اٹھاکر بالائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں، بلکہ پس پشت پھینک دیا، مشرکوں کو روح اعظم بنایا، موسٰی بنایا نبی بالقوہ بنایا، مذکر **مبعوث من اللہ** بنایا، اس کی مدح خطبہ جمعہ میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الٰہی کا مصرعہ:

خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

(تیری تعریف سے خاموش رہنا تیری تعریف کی انتہا ہے۔ت)

گایا اور کیا کیا کفر وکفریات وضلالات اختیار کئے جن کا نمونہ آپ کو **المحجۃ المؤتمنۃ** کے ص ۴۴ و ۴۵ پر ملے گا جزیرۃ العرب میں کفار کی سکونت پچھلے سلاطین کے زمانے سے ہے، عدن میں انگریزی فوج وغیرہ میں نصرانی سفارتوں کے قیام مدتوں سے ہیں، حرمین محترمین کی بے ادبی شریف سے ہونے کا مجھے علم نہیں، اخباروں اشتہاروں کو میں خود اپنے معاملہ میں روزانہ دیکھ رہا ہوں کہ میری نسبت محض جھوٹ محض بہتان شائع کرتے اور قصداً لعنتِ الٰہی اپنے اوپر لے رہے ہیں اور ان کی تائید میں کذابین کی عینی شہادتیں ہوتی ہیں حالانکہ اللہ ورسول جانتے ہیں اور وہ خود دل میں جان رہے ہیں کہ محض جھوٹ بکتے اور افترا بکتے ہیں "وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۝" [1] (اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ت) اگر بے ادبی حقیقۃً ثابت ہو تو جس حیثیت کی جس کی نسبت ثبوت پائے وہ اس قدر کے حکم شرعی کا مستحق ہوگا کسے باشد۔ فقط ۲۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

المحجة المؤتمنة فی اٰیة الممتحنة ۱۳۳۹ھ

(سورۂ ممتحنہ کی آیت کریمہ کے بارے میں درمیانی راستہ)

مسئلہ ۱۸۲: از مرسلہ مولوی حاکم علی صاحب بی اے حنفی نقشبندی مجددی پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج لاہور ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ
اللہ تعالٰی نے ہمیں کافروں اور یہود و نصارٰی کے تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردستی تولٰی کے معنی "معاملت" اور ترک موالات کو "ترک معاملت" (نان کوآپریشن) قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالٰی کے کلام پاک کے ساتھ کی جارہی ہے، مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر اطلاق یہ کردیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوٰی دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہوگیا۔ علامہ مذکور کا یہ فتوٰی غلط ہے یونیورسٹی

نقل خط مولوی صاحب: آقائے نامدار مؤید ملت طاہرہ مولٰنا و بالفضل اولٰینا جناب شاہ احمد رضاخاں صاحب دام ظلہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پشت ہذا (باقی برصفحہ آئندہ)

کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جس کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے۔جو کہ معاملت کے معنی ہیں، مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہورہا ہے مولوی محمود حسن صاحب مولوی عبدالحہ صاحب تو دیوبندی خیالات کے ہیں زبردستی فتوے اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں لہٰذا میں فتوے دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوے کی تصحیح، ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں قاری صاحب بریلوی علاقہ روہیل کھنڈ اور مولوی اشرف علی تھانوی ممالک مغربی وشمالی

الجواب:

موالات ومجرد معاملت میں زمین وآسمان کا فرق ہے دنیوی معاملت میں جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں۔ ذمی تو معاملات میں مثل مسلم ہے:

لھم مالنا وعلیھم ماعلینا۔	ان کے لئے ہے جو ہمارے لئے اور جو ان پر ہے ہم پر۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) پر کافتوی مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کرکے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرماکر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں، انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس بروز اتوار بتاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوتا ہے اس میں پیش کرنا ہے کہ دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کاموں میں روڑہ اٹکانے کی ٹھان لی ہے ﷲ عالم حنفیّہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہوں۔ نیاز مند دعاگوے حاکم علی بی اے موتی بازار لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء

جواب خط مولوی صاحب: مکرم کرم فرما جناب مولوی حاکم علی صاحب بی اے سلمہم بعد اہدائے ہدیہ مسنونہ ملتمس کل گیارہ بجے آپ کا فتوی آیا اس وقت سے شب کے بارہ بجے تک اہم ضروریات کے سبب ایک حرف لکھنے کی فرصت نہ ہوئی، آج صبح بعد وظائف یہ جواب املا فرمایا امید کہ مجموعہ فتاوٰی کی نقل کے بعد آج ہی کی ڈاک سے مرسل ہو، اور مولیٰ تعالیٰ قادر ہے کہ کل ہی آپ کو پہنچ جائے، مامول کہ وقت پر موصول ہونے سے مطلع فرمائیں والسلام فقیر مصطفٰی رضا قادری نوری عفی عنہ ۱۵ صفر المظفر ۱۳۳۹ھ۔

(یعنی دنیاوی منافع میں ہماری طرح ان کو بھی حصہ دیا جائے گا اور دنیوی مواخذہ ان پر بھی وہی ہوگا جو ایک مسلمان پر کیا جائے گا) اور غیر ذمی سے بھی خرید وفروخت، اجارہ واستیجار، ہبہ واستیہاب بشروطہا جائز اور خریدنا مطلقاً ہر مال کا کہ مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو اسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہو، اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اس کا استعلاء نہ ہو، ایسے ہی امور میں اجرت پر اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا **بمصلحت شرعی** اسے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو، اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو حتی کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہٖ حلال ہے، وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگر وہ صلح کہ حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال، یونہی ایک حد تک معاہدہ و مواعدت کرنا بھی، اور جو جائز عہد کرلیا اس کی وفا فرض ہے، اور غدر حرام **الی غیر ذلك من الاحکام**۔ درمختار میں ہے:

والمرتدۃ تحبس ابدا ولا تجالس ولاتؤاکل حتی تسلم ولاتقتل اھ [1] **قلت** وھوالعلۃ فانھا تبقی ولا تفنی وقد شملت المرتد فی اعصارنا وامصارنا لامتناع القتل۔	مرتد عورت دائم الحبس کی جائے گی اور نہ اس کے پاس کوئی بیٹھے نہ اس کے ساتھ کوئی کھائے یہاں تک کہ وہ اسلام لائے اور قتل نہ کی جائے گی، میں کہتا ہوں یہی ان احکام کا سبب ہے کہ وہ باقی چھوڑ دی جاتی ہے اور فنا نہیں کی جاتی اور اب اس ملک میں یہ سب مرتد کو بھی شامل ہوگیا کہ قتل نہیں کیا جا سکتا۔

محیط میں ہے:

اذا خرج للتجارۃ الی ارض العدو بامان فان کان امرالایخاف علیه منه وکانوا قوما یوفون بالعھد یعرفون بذلك وله فی ذلك منفعة فلاباس [2]۔	جب دشمن کے شہر کو امان لے کر تجارت کے لئے جائے اگر معاملہ ایسا ہو کہ اس پر اس سے اندیشہ نہیں اور وہ کافر عہد پورا کرنے میں مشہور ہوں اور اسے وہاں جانے میں نفع ہو تو حرج نہیں۔

ہندیہ میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب	جب مسلمان دار الحرب میں امان لے کر جانا چاہے

[1] الدرالمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵

بامان للتجارۃ لم یمنع ذٰلك منه و کذٰلك اذا اراد حمل الامتعة الیهم فی البحر فی السفینة[1]۔	تو اس سے منع نہ کیا جائے گا اور یونہی جب کچھ اسباب دریائی سفر میں ان کی طرف کشتی میں لے جائے۔

اسی میں ہے:

قال محمد لاباس بان یحمل المسلم الی اهل الحرب ماشاء الاالکراع والسلاح فان کان خمرا من ابریسم اوثیابا رقاقا من القز فلاباس بادخالها الیهم ولا بأس بادخال الصفر والشبه الیهم لان هذ الا یستعمل للسلاح[2] (ملخصا)	امام محمد نے فرمایا مسلمان جو مال تجارت چاہے حربیوں کی طرف لے جاسکتا ہے مگر گھوڑے اور ہتھیار، تو اگر ریشمی دوپٹے یا دیبا کے باریک کپڑے ہوں تو انھیں ان کی طرف لے جانے میں حرج نہیں اور پیتل اور جست ان کی طرف لے جانے میں مضائقہ نہیں کہ ان سے ہتھیار نہیں بنتے۔ (ملخصا)

اسی میں ہے:

لایمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر[3]۔	خچر اور گدھے اور بیل اور اونٹ دارالحرب میں لے جانا مضائقہ نہیں رکھتا۔

فتاوٰی امام طاہر بخاری میں ہے:

مسلم اجر نفسه من مجوسی لاباس به[4]۔	مسلمان کسی مجوسی کے یہاں مزدوری کرے تو حرج نہیں۔

ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیراله مجوسیا او خادما فاشتری لحما فقال اشتریته من یهودی اونصرانی اومسلم	جس نے اپنا نوکر یا غلام مجوسی بازار کو بھیجا اس نے گوشت خریدا اور کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے اسے اس کے کھانے کی

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس فی المستامن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل العاشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۵۹

وسعہ اکلہ[1]۔	گنجائش ہے (کہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے)

درمختار میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمۃ ذکرہ الزیلعی فی التحکیم[2]۔	بادشاہ اسلام اگر کسی کافر کو قاضی بنائے کہ ذمی کافروں کے مقدمے فیصل کرے تو جائز ہے اسے زیلعی نے باب تحکیم میں ذکر کیا۔

محیط میں ہے:

قال محمد مایبعثہ ملك العدومن الھدیۃ الی امیر جیش المسلمین اوالی الامام الاکبر وھومع الجیش فانہ لاباس بقبولھا ویصیر فیئا للمسلمین وکذلك اذا اھدی ملکھم الی قائدمن قواد المسلمین لہ منعۃ ولوکان اھدی الی واحد من کبار المسلمین لیس لہ منعۃ یختص ھو بھا[3]۔	امام محمد نے فرمایا دشمنوں کا بادشاہ جو ہدیہ مسلمانوں کے سپہ سالار یا خلیفہ حاضر لشکر کو بھیجے اس کے قبول میں حرج نہیں تو وہ سب مسلمانوں کے لئے مشترک ہوجائے گا یونہی جب ان کا بادشاہ مسلمان کے کسی فوجی سردار کو ہدیہ بھیجے جس کے پاس فوج ہو اگر کسی اسلامی سردار کو کو بھیجا جس کے پاس اس وقت فوج نہیں تو ہدیہ خاص اسی سردار کی ملک ہوگا۔

اسی میں ہے:

لوان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیۃ فلاباس بہ وکذلك لو ان امیر الثغور اھدی الی ملك العدوھدیۃ و اھدی ملك العدو الیہ ھدیۃ[4]۔	اگر مسلمانوں کا کوئی لشکر دارالحرب میں داخل ہو اور سردار لشکر کچھ ہدیہ دشمنوں کے بادشاہ کو بھیجے اس میں حرج نہیں اور یونہی اگر سرحدوں کا سردار دشمنوں کے بادشاہ کو کوئی ہدیہ بھیجے اور دشمنوں کا بادشاہ اسے ہدیہ بھیجے۔

---

[1] الھدایۃ کتاب الکراہیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] الدرالمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ المحیط الباب السادس الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ المحیط الباب السادس الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

وقال اللہ تعالٰی "وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ "[1] (وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا) وقال اللہ تعالٰی "وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا "[2]۔ وقال اللہ تعالٰی "اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝۴ "[3] وقال تعالٰی "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۴ "[4] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلح جائز بین المسلم الا صلحا احل حراما او حرم حلالا[5]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتغدروا[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال ہیں تمھارے لئے پارسا عورتیں ایمان والیوں میں سے اور ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی جب تم ان کے مہر دو (اور اس مسئلہ کی پوری تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے) اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف میل کرو۔ سب کافروں کو قتل کرو مگر وہ مشرک جن سے تمھارا معاہدہ ہولیا، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی تقصیر نہ کی اور تم پر کسی کو مدد نہ دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک پورا کرو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے عہد پورا کرو بیشک عہد پوچھا جائے گا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے مسلمانوں میں صلح جائز ہے مگر وہ صلح جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہ کرے، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدعہدی نہ کرو۔

وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا مگر یہ عدم جواز اس شرط یا لازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم مطلق معاملت جس کے لیے شرع میں اصلا اصل نہیں اور خود ان مانعین کا طرز عمل ان کے کذب دعوی پر شاہد، ریل تار ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں ہے، فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵

[2] القرآن الکریم ۸/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۴

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

[5] سنن ابی داوٗد کتاب القضاء باب فی الصلح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰

[6] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل تار ڈاک ہمارے ہی ملک میں ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے وہ بھی یہیں کا ہے۔ تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج، مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف شریعت بلکہ نفس اسلام کو پلٹ دیا مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد فرض کیا، خوشنودی ہنود کے لئے شعار اسلام بند اور شعار کفر کا ماتھوں پر علم بلند، مشرکین کی جے پکارنا ان کی حمد کے نعرے مارنا، انھیں اپنی اس حاجت دینی میں میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدار ایمان ٹھہراتے ہیں یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں، اپنا امام وہادی بنانا مساجد میں مشرک کو لے جاکر مسلمانوں سے اونچا کرکے واعظ مسلمین ٹھہرانا، مشرک کی ٹکٹکی کندھوں پر اٹھاکر مرگھٹ میں لے جانا، مساجد کو اس کے ماتم گاہ بنانا، اس کے لئے دعا مغفرت ونماز جنازہ کے اشتہار لگانا وغیرہ وغیرہ ناگفتہ بہ افعال موجب کفر ومورث ضلال، یہاں تک کہ صاف لکھ دیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلو تو اپنے خدا کو راضی کرلوگے، صاف لکھ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھادے گا اور سنگم وپریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا صاف لکھ دیا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، یہ ہے موالات، یہ ہے حرام، یہ ہیں کفریات، یہ ہیں ضلال تام، فسبحٰن مقلب القلوب والابصار ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب عــہ امام اہلسنت عین حق ہے کلام الامام امام الکلام دیوبندیوں سے منع استصواب حق وصواب، تھانوی صاحب کا استثناء عجب العجائب یہ سرو سرغنہ دیوبند ہیں، افعی راکشتن وبچہ اش رانگاہ داشتن (سانپ کو مارنا اور اس کے بچے کی حفاظت کرنا۔ت) کاحال معلوم نہ کہ بچگان کشتن وافعی گزاشتن (بچوں کو مارنا اور سانپ کو چھوڑ دینا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ فقیر مصطفٰی رضا قادری مہتمم دارالافتائے اہلسنت وجماعت بریلی۔ ۱۴ صفر ۱۳۳۹ھ

عــہ: بحمداللہ تعالٰی مولوی صاحب کی دین پرستی کہ انھوں نے اس نصیحت کو قبول کیا اور فتوائے اصل جمعیت علمائے ہند ص ۴ و ۵ پر یہ مضمون چھاپ دیا، الحمد والمنۃ کہ یکم نومبر ۱۹۲۰ء عالیجناب موید ملت طاہرہ اعلٰیحضرت مولانا شاہ احمد رضاخاں صاحب قادری بریلوی کا فتوٰی موصول ہوا اس سے مجھے ٹھیک پتا لگا کہ مولوی اشرفعلی صاحب تو سرو سرغنہ دیوبند ہیں یا اللہ! میری توبہ، مجھ سے یہ غلطی میرے ایک دوست نے کرادی استغفر اللہ تعالٰی ربی من کل ذنب ۱۲۔

استثناء عجب العجاب یہ سر و سر غنۂ دیوبند ہیں۔افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن (سانپ کع مارنا اور اس کے بچے کی حفاظت کرنا۔ت) کا حال معلوم نہ کہ بچگان کشتن وافعی گزاشتن (بچوں کو مارنا اور سانپ کو چھوڑ دینا۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔** فقیر مصطفٰی رضا قادری مہتمم دارالافتائے اہلسنت و جماعت بریلی۔ ۱۴صفر ۱۳۳۹ھ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۸۳: از لاہور بری بساط لکڑہارا اکبری منڈی مسئولہ چودھری عزیزالرحمٰن صاحب بی اے سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائلپور ۱۲ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

جناب حضرت قبلہ وکعبہ مجدد دوراں حضرت احمد رضا خاں صاحب **سلمہ اللہ تعالیٰ ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ**۔بعد حمد وصلوٰۃ واضح رائے عالی ہو کہ حضور کا فتوی جو مسٹر حاکم علی بی اے پروفیسر ریاضی اسلامیہ کالج لاہور کے خط کے جواب میں حضور نے ارسال فرمایا پڑھ کر خاکسار کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ خاکسار آں حضور کو جیسا کہ لاکھوں کروڑوں پنجاب وہندوستان کے سنت وجماعت مجدد وقت مانتے ہیں اس زمانے کا مجدد مانتا ہے اور جب سے ہوش سنبھالا اسی عقیدے پر بفضل خدا رہا جس پر آپ اور دیگر بزرگان قوم وعلمائے کرام ہیں یا ہوتے آئے ہیں لیکن اس فتوے کو دیکھ کر میرے دل میں بڑا اضطراب پیدا ہوا ہے اور میں نے یہ جرأت کی ہے کہ جناب سے مفصل طور پر دریافت کرلوں کہ ایسے زمانے میں جبکہ مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اندرونی وبیرونی دشمن اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کفار کی مدد سے باغیوں (شریف مکہ) نے چھین لئے ہیں اور کفار جزیرۃ العرب (جدہ وعدن وغیرہ) میں اپنا قدم جمائے بیٹھے ہیں اور خلافت ریزہ ریزہ کی گئی ہے اور ایک بڑی سلطنت کا وزیر اعظم اپنی تقریر میں صاف کھلے لفظوں میں برملا کہتا ہے کہ یہ لڑائی جو عراق عرب میں مسلمانوں سے ہوئی مذہبی لڑائی تھی اور اب ہم نے بیت المقدس ان کی گندگی سے پاک

کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ، غرض کہ ایسے وقت جبکہ اعداء اللہ اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، عراق، فلسطین اور شام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا، پھر کفار کی حریفانہ حوصلہ مندیوں کی جولانگاہ بن گئے ہیں خلیفۃ المسلمین دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست و پا ہو چکے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے اپنے گھروں (تھریس سمرنا وغیرہ) اور زرخیز علاقوں سے زبردستی نکالے جارہے ہیں، اور مسجدوں پر زبردستی قبضہ کرلیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے علماء قرآنی احکام ڈرتے ڈرتے بتاتے ہیں، جہاد کا تو نام ہی منہ پر آنا بس قیامت ہے، کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہوجائیں اور مسلمان تباہ ہوجائیں، مسٹر حاکم علی نے ایک پالیسی سے انگریز پرنسپل اور دوسرے انگریز افسروں اور غدار مسلمانوں کو خوش کرنے کے واسطے حضور سے ایک عجیب طرز میں فتوی پوچھا اور حضور نے اس کے مضمون کے مطابق صحیح صحیح فیصلہ جواب میں بھیج دیا، یہ بالکل درست ہے کہ موالات و مجرد معاملت میں زمین و آسمان کا فرق ہے لیکن دین کا نقصان کرکے دنیوی معاملت کہاں جائز ہے حضور نے بہت سی شرائط سے مشروط کرکے گول مول جواب عنایت فرمایا ہے لیکن اس وقت ضرورت ہے ایسے فتوے کی جو صاف صاف لفظوں میں حالات حاضرہ پر نظر کرکے بغیر کسی شرط کے لکھا جائے تاکہ ہر عالم وجاہل جو آپ کا پیرو ہے فوراً پڑھ کر جان لے کہ اس کے واسطے اب ایسا کرنا ضروری ہے، حالات حاضرہ حضور پر بخوبی روشن ہیں اور کچھ تھوڑے سے میں نے اوپر بیان کئے ہیں، کیا مسلمانوں کا بھرتی ہو کر فوج میں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے اور غلام بنانے کے لئے جانا اور دوسرے کلرکوں کا ان کی امداد کے لئے عراق وشام وغیرہ میں ملازمت ہو کر جانا جائز ہے، اگر جانا جائز نہیں تو پھر آپ جیسے بزرگ کیوں چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ کیوں نہیں ایسے فتوے شائع کرتے اور اظہار حق میں دنیوی طاقت سے کیوں ڈرتے ہیں، موجودہ وقت کھینچ تان کر کفار سے تعلق رکھنے اور ان کی اعانت کرنے کا جواز ثابت کرنے کا نہیں ہے بلکہ سینہ سپر ہو کر بے خوف وخطر لوگوں کو صراط مستقیم بتانے کا ہے، حضور نے جو لکھا ہے کہ الحاق اور اخذ امداد جائز ہے، اگر کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ ہو، عالیجاہ! گورنمنٹ جو امداد سکولوں اور کالجوں کو دیتی ہے وہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ کر دی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ حضور کو سب حال روشن ہوگا لیکن اگر اس بارے میں ناواقفیت ہو تو میں عرض کرتا ہوں کہ اول تو امداد میں اس قسم کی شرط ضرور ہوتی ہے کہ کالج کا پرنسپل اور ایک دو پروفیسر انگریز ہوں، دوسرے مقررہ کورس پڑھائے جائیں جن میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ خلاف اسلام باتیں ہوتی ہیں بلکہ بعض میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ الفاظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں تیسرے دینی تعلیم

لازمی نہیں کوئی پڑھے یا نہ پڑھے لیکن جہاں دینی تعلیم پڑھائی جائے خاص وقت سے زیادہ نہ دیا جائے کیونکہ یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے چار گھنٹے وقت ضرور خرچ ہوا گر چار گھنٹے سے کم ہوگا تو امداد نہیں ملے گی، پھر جو استاد دینیات پڑھائے گا اس کو امداد نہیں دی جائے گی پھر فلاں فلاں مضمون ضرور طالب علم کو لینے چاہئیں ورنہ امتحان میں شامل نہیں ہوسکتا، پھر ڈرل وغیرہ اور کھیلوں کی طرف جن میں ہر ایک طالب علم کو حصہ لینا ضروری ہوتا ہے آج کل جو ڈرل سکھائی جارہی ہے اس میں عجیب مخرب اخلاق باتیں کی جارہی ہیں امداد لینے اور الحاق یونیورسٹی سے رکھنے کے لئے ضروری ہے وہی ڈرل تمام اسکولوں میں کرائی جائے، کھیلوں میں آپ دیکھتے ہیں کہ عجب بے پردہ لباس پہنا جاتا ہے۔ فٹ بال اور ہاکی میں جو نیکر پہنے جاتے ہیں وہ ٹخنوں سے اوپر تک ننگا رکھتے ہیں، غرضیکہ کیا عرض کروں اسی الحاق وامداد کی خاطر معلّمین ومتعلّمین کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ قرآن شریف ودینیات کا جو گھنٹہ رکھا ہوا ہے اس میں بھی انگریزی ہی کا سبق یاد کرادوں کیونکہ انسپکٹر نے انگریزی تو سننی ہے قرآن مجید تو نہیں سننا، جماعتوں میں جو ترقی دی جاتی ہے اس میں بھی اسی بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ انگریزی لڑکا جانتا ہے یا نہیں قرآن شریف خواہ ناظرہ بھی نہ پڑھ سکتا ہو نماز کا ایک حرف نہ جانتا ہو لیکن دسویں اور ایف اے اور بی اے پاس کرتا چلا جائے گا۔ یہ میں اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کا ذکر کررہا ہوں دوسرے سکولوں اور کالجوں سے ہمیں کوئی تعلق نہیں یہ سب کس واسطے ہورہا ہے، اسی واسطے کہ ہم یونیورسٹی سے الحاق رکھنا چاہتے ہیں اور سرکاری امداد لینا چاہتے ہیں، اگر یہ خیال نہ ہو تو بالکل حالت بدل جائے کہ طالب علم پکے مسلمان بن جائیں ان میں حمیت وغیرت مذہبی پیدا ہوجائے ان کے اخلاق درست ہوجائیں نیچریت اور دہریت کا اثر ان کے دلوں سے دور ہوجائے، انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوجائیں اور لباس اور فیشن وغیرہ ہر بات میں تقلید نصارٰی کررہے ہیں اس سے چھوٹ جائیں غرض کہ ہزاروں طرح کی برکات حاصل کریں، میرا کچھ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، حضور پر سب حال روشن ہے میں حضور سے یہ فتوٰی مانگتا ہوں، برائے مہربانی جواب باصواب سے خاکسار کو مشکور وممنون فرماکر عنداللہ ماجور ہوں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ حالات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے گورنمنٹ سے ترک موالات (عدم تعاون) کرنا اسلامی حکم ہے یا نہیں اور گورنمنٹ سے اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کو امداد لینی اور یونیورسٹی سے الحاق کرنا اندریں حالات چاہئے یا نہیں؟ جواب باصواب سے عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔ **فقط والسلام**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مکرم کرم فرما سلمہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رب عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝" [1]	خوشخبری دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنتے پھر سب میں بہتر کی پیروی کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالٰی نے ہدایت فرمائی اور یہی عقل والے ہیں

من وتو کی کیا حقیقت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ معاندین کے چند طریقے رہے ہیں:

اول سرے سے بات نہ سننا کہ:

"لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝" [2]۔	یہ قرآن سنو ہی نہیں اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید تم غالب آؤ۔

دوم سن کر مکابرانہ تکذیب کا منہ کھول دینا کہ: "اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝" [3] تم تو نہیں مگر جھوٹے۔

سوم ہدایت کو معطل بالغرض بتانا کہ: "اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝" [4] اس میں تو ضرور کچھ مطلب ہے۔

چہارم حق کا باطل سے معارضہ کرنا:

"وَ یُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَ اتَّخَذُوْۤا اٰیٰتِیْ وَ مَاۤ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝" [5]	کافر باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں کہ اس سے حق کو زائل کردیں اور انھوں نے میری آیتوں اور ڈراوؤں کو ہنسی بنالیا ہے۔

مسلمان پر فرض ہے کہ ان سب طُرق سے پرہیز کرے اور اس پر عامل ہو جو راستہ پہلی آیت بشارت میں اس کے رب نے بتایا ہر تعصب وطرفداری سے خالی الذہن ہو کر کان لگا کر بات سنے اگر انصافا حق پائے اتباع کرے بارگاہ عزت سے ہدایت ودانشمندی کا خطاب ملے ورنہ پھینک دینا توہر وقت اختیار میں ہے واللہ الہادی وولی الایادی۔

مدارس کے اقسام اور ان میں امداد لینے کے احکام:

(ا) ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ کی بنارس کچی باغ سے یہ سوال آیا: "مدرسہ اسلامیہ عربیہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۶

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۳۸/ ۶

[5] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۶

جس میں پچیس سال سے گورنمنٹ سے امداد ماہوار ایک سو روپیہ مقرر ہے جس میں کتب فقہ واحادیث وقرآن کی تعلیم ہوتی ہے، ممبران خلافت کمیٹی نے تجویز کیا کہ امداد نہ لینا چاہئے، پس استفسار ہے کہ یہ امداد لینا جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ ہذا میں سوا تعلیم دینیات کے ایک حرف کسی غیر ملت وغیر زبان کی تعلیم نہیں ہوتی **فقط**"

اس کا جواب مطلق جواز ہوتا مگر پھر بھی احتیاطًا شکل شرط میں دیا گیا کہ "جبکہ وہ مدرسہ صرف دینیات کا ہے اور امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ اس میں داخل نہ کی گئی تو اس کے لینے میں شرعًا کوئی حرج نہیں تعلیم دینیات کو جو مدد پہنچتی تھی اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔"

۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ کو کراچی سبز بازار سے یہ سوال آیا: "ایک ایسے صوبے میں جس کی قریبا پچاس فیصدی آبادی اسلامی کاشتکاروں پر مشتمل ہے جس کے سالانہ محاصل کا ایک حصہ تعلیمی امداد کے ذیل وحصول کرکے حصہ رسدی مدارس مروجہ امدادیہ کو تقسیم کیا جاتا ہے اس سے استفادہ جائز ہے یا ناجائز؟ خصوصا ایسے مدارس کے لئے جو کامل اسلامی اہتمام کے ماتحت جاری ہیں جن کی دینی تعلیم پر ارباب حکومت کسی نہج معترض نہیں ہوتے اور جن کی نصاب تعلیم کا سرکاری حصہ مروجہ تعلیم بھی خفیف سے خفیف شائبہ موانع شرعیہ سے جزًا وکلًا پاک ہے فقط۔"

اس کا جواب دیا گیا: "جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت، نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے، ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی لینا جائز تھا نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**"

ندوہ کو بھی گورنمنٹ سے امداد ملتی تھی اور جہاں تک میرا خیال ہے اس پر ایسے قیود نہ تھے جو آپ نے ذکر کئے اور ضرور کچھ مدارس وہ بھی ہیں جن پر امداد امور خلاف شرع سے مقید یا ان کی طرف منجر ہو وہ بلاشبہہ ناجائز اگرچہ صرف اسی قدر کھیل میں بے ستری یا خلاف حیاء ومخرب اخلاق باتوں کی شرط ہو خصوصا وہ صورت جو آپ نے بیان کی کہ نصاب میں وہ کتابیں مقرر ہوں جن میں خلاف اسلام باتیں ہیں حتی کہ **معاذاللہ** توہین رسالت اس میں حرمت درکنار کفر نقد وقت ہے **والعیاذباللہ تعالٰی** مولوی حاکم علی صاحب کی تحریر میں کوئی تفصیل نہ تھی لہذا یہ جواب دینا ضرور ہوا: "وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا" یہ جواب دونوں صورتوں کو حاوی اور ناقابل تبدیل ہے حالات حاضرہ سے اس کی کسی شق میں تغیر نہ ہوا نہ یہاں کوئی جواب مطلق بلاشرط ہوسکتا ہے۔

لیڈر امداد چھڑاتے ہیں اور مخرب دین تعلیموں پر اب تک قائم ہیں:

(۲) انگریزوں کی تقلید و فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر یہ صرف ترک امداد والحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے اس آگ کے بجھانے سے ملیں گے جو سید احمد خان نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں انگریزی اور وہ بے سود و تضیع اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے این وآں و مہملات پر مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور و معہود ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم و تکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں دہریت و نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں؟ ہر گز نہیں صرف امداد والحاق ترک کراتے ہیں جو ظاہری تعلق ہیں اور تعلیمات کے گہرے تعلقات نہ چھڑاتے ہیں نہ چھوٹیں گے کیا انھیں میں وہ لوگ جن سے پوچھا جاتا کہ صاحبزادوں کو قرآن نہ پڑھایا تو جواب دیتے کیا ان سے سوم کے چنے پڑھوانے ہیں، کیا اب ان کے خیالات بدل گئے، کیا اب انھوں نے انگریزی کے سوا اور رزاق سمجھ لیا، کیا اب یہ جواب نہ دیں گے کہ پرانے علوم سیکھ کر کیا کھائیں گے، کیا اب انھیں شبلی کے شعر بھول گئے ؎

سیارے ہیں اب نئی چمک کے	وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے
اب صورت ملک و دین نئی ہے	افلاک نئے زمیں نئی ہے
سب بھول گئے ہیں ما سبق کو	گردوں نے الٹ دیا ورق کو
قائم جو وہ انجمن نہیں ہے	اس نقد کا اب چلن نہیں ہے
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم	یعنی کہ علوم نو کی تعلیم
تدبیر شفا جو ہے تو یہ ہے	اس دکھ کی دوا جو ہے تو یہ ہے
تقویم کہن سے ہاتھ اٹھائیں	تہذیب کے دائرے میں آئیں
سیکھیں وہ مطالب نو آئیں	یورپ میں جو ہو رہے ہیں تلقیں
وہ گنج گراں دانش فن	وہ فلسفہ جدید بیکن
کپلر کی وہ نکتہ آفرینی	نیوٹن کے مسائل یقینی

اور بفرض غلط ایسا ہو بھی تو اکثر لیڈر کہ انھیں تعلیمات فارغہ کے بل پر لیڈر بنے ہیں کس مصرف کے رہیں گے جب وہ مردود یہ خود مطرود، کیا اس وقت یہ شعر حالی ان کا ترجمان حال نہ ہوگا ؎

قلی یا نفر ہو تو کچھ کام آئے
مگر ان کو کس مد میں کوئی کھپائے [1]

لیڈر نصارٰی کی ادھوری غلامی چھوڑتے اور مشرکین کی پوری غلامی مناتے ہیں:

(۳) نصارٰی کی یہ غلامی کہ یہ پیر نیچر نے تھامی لیڈر جس کے اب زبانی شاکی ہیں اور دل سے پرانے حامی، اس کے نتائج تشبہ وضع و تحقیر شرع وشیوع دہریت وفروغ نیچریت مطابقے نہ تھے بلکہ التزامی اب اگر بعد خرابی بصر وآنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مبارک ہو اور خدا سچ کرے اور راست لائے مگر للہ انصاف، وہ غلامی ادھوری تھی سید احمد خاں نے کسی پادری یا نصرانی کو امور دین میں صراحۃً اپنا امام وپیشوا نہ لکھا تھا آیات احادیث کی تمام عمر کو چرچ یا صلیب پر نثار کرنا نہ کہا تھا کسی پادری کو مساجد میں مسلمانوں کا واعظ وہادی نہ بنایا تھا نصرانیت کی رضا کو خدا کی رضا یا کسی پادری کو نبی بالقوہ نہ بنایا تھا اور اب مشرکین کی پوری غلامی ہو رہی ہے ان کے ساتھ یہ سب کچھ اور ان سے بہت زائد کیا جارہا ہے یہ کون سا دین ہے نصارٰی کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب، فرمن المطر ووقف تحت المیزاب ع

چلتے پرنالے کے نیچے ٹھہرے مینہ سے بھاگ کر

موالات ہر کافر سے حرام ہے:

(۴) موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذمی مطیع اسلام ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو، قال تعالٰی:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ" [2]	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ دوستی کریں اللہ ورسول کے مخالفوں سے اگرچہ وہ ان کے باپ بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

موالات صوریہ کے احکام:

حتی کہ صوریہ کو بھی شرع مطہر نے حقیقیہ کے حکم میں رکھا۔ قال تعالٰی:

[1] مسدس حالی مطبوعہ نولکشور لاہور ص ۶۴

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ"[1]	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو اور وہ اس حق سے کفر کررہے ہیں جو تمھارے پاس آیا۔

یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی کہ نزول کریمہ دربارہ سیدنا خاطب بن ابی بلتعہ احد اصحاب البدر رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم ہے کما فی الصحیح[2] البخاری ومسلم (جیسا کہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے۔ت) تفسیر علامہ ابوالسعود میں ہے:

فیہ زجر شدید للمؤمنین عن اظہار صورۃ الموالاۃ لهم وان لم تکن موالاۃ فی الحقیقۃ[3]۔	اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑک ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو۔

مگر صوریہ ضروریہ خصوصا باکراہ، قال تعالٰی:

"اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً"[4]۔	مگر یہ کہ تمھیں ان سے واقعی پورا ڈر ہو۔

وقال تعالٰی:

"اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[5]۔	مگر وہ جو پورا مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔

مجرد معاملت کا حکم: اور معاملت مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اس میں نہ کوئی اعانت کفر یا معصیت ہو نہ اضرار اسلام وشریعت ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے چہ جائیکہ کافر، قال تعالٰی:

"وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ"[6]	گناہ وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

[1] القرآن الکریم ۱/۶۰

[2] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب لاتتخذوا عدوی وعدوکم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۲۶

[3] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) سورۃ ۱۵/۶۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸

[4] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[6] القرآن الکریم ۵/ ۲

غیر قوموں کے ساتھ جواز معاملت کی مجمل تفصیل اس عـــہ فتوے میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں ہر معاملت کے ساتھ وہ قید لگا دی ہے جس کے بعد نقصان دین کا احتمال نہیں، ان احکام شرعیہ کو بھی حالات دائرہ نے کچھ نہ بدلا، نہ یہ شریعت بدلنے والی ہے۔

" لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ(۴۲) "[1]	باطل نہیں آسکتا نہ اس کے آگے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے حکمت والے سراہے گئے کا۔

احکام الٰہیہ میں لیڈروں کی طرح طرح کھینچ تان بلکہ کایا پلٹ:

(۵) للہ انصاف، اس میں کون سی کھینچ تان ہے، جتنی بات کہی گئی صاف صریح احکام شرعیہ وجزئیات منصوصہ ہیں کھینچ تان کر احکام شرعیہ میں تغیر کا وقت خادم شرع کے لئے نہ اب ہے نہ کبھی تھا نہ کبھی ہو، ہاں خادمان گاندھی کے لئے نہ صرف کھینچ تان بلکہ کلام الٰہی واحکام الٰہی کو یکسر کایا پلٹ کرکے فرضیت موالات کفار نباہنے کا وقت ہے، مسجد میں کسی دبے ہوئے ذمی کے ذلت خواری کے ساتھ آنے کے جواز کا اختلافی مسئلہ نکالیں اور مشرک کو بروجہ استعلاء مسجد میں لے جانا اور مسلمانوں کا واعظ وہادی بنانا، مسند سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جمانا اس پر ڈھالیں دبے ہوئے ملتجی بے قابو مشرک سے کوئی بالائی خدمت یا زرہ خود بکتر عاریۃً لینے کے جواز کا مسئلہ دکھائیں اور اس سے خود سر خود غرض، زبردست، خونخوار مشرکوں کے دامن پکڑنا، ان کے سایہ میں پناہ لینا، ان صریح بدخواہوں کی رائے پر اپنے آپ کو سپرد کردینا منائیں کفار معاہدین یا بعض کے نزدیک قتال سے بالذات

عـــہ: خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاثار میں فرماتے ہیں: **اخبرنا ابوحنیفہ عن حماد عن ابراہیم انہ قال فی التاجر یختلف الی ارض الحرب انہ لاباس بذلك مالم یحمل الیھم سلاحا، اوکراعا، وسلبا، قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ**[2] یعنی ہمیں امام اعظم نے امام حماد بن ابی سلیمن انھوں نے امام ابراہیم نخعی سے خبر دی کہ تجارت کے لئے دار الحرب میں تاجر کی آمد ورفت جائز ہے جب تک ان کی طرف ہتھیار یا گھوڑے یا قیدی نہ لے جائیں، امام محمد نے فرمایا اسی کو ہم لیتے ہیں اور یہی قول امام اعظم کا ہے، نیز مؤطا شریعت کی عبارت آتی ہے کہ مشرک مقاتل کو ہدیہ بھیجنے میں حرج نہیں جب تک ہتھیار یا زرہ کا بھیجنا نہ ہو۔ اور یہی قول امام اعظم اور ہمارے عام فقہاء کا ہے[3] **انتہی ۱۲ منہ**

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

[2] کتاب الآثار امام محمد باب حمل التجارۃ الی ارض الحرب حدیث ۱۵۱ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۶۷

[3] مؤطا امام محمد باب مایکرہ من لبس الحریر والدیباج آفتاب عالم پریس لاہور ص ۲۷۱

عاجزین کے ساتھ کچھ مالی سلوک کی رخصت والی آیت سنائیں اور اسے خونخوار مشرکین سخت اعدائے اسلام و مسلمین کے ساتھ اتحاد وداد بلکہ غلامی وانقیاد کی نہ صرف رخصت بلکہ اعظم فرضیت کی دلیل بنائیں، ان سب کا بیان بعونہ تعالٰی ابھی آتا ہے آپ انصاف کرلیں گے کس نے کھینچ تان کی، حاشا نہ صرف کھینچ تان بلکہ کمال جسارت سے احکام الٰہیہ کا یا پلٹ کرکے قرآن وحدیث کی عمر بت پرستی پر قربان کی۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[1]	اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

تعلیم کے لئے امداد لینا اور لیڈروں کی دینی حالت کہ اسلام ان کو نہ جب مد نظر نہ تھا نہ اب ہے:

(٦) اور تعلیم دین کے لئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو مخالف شرع سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے جس کی تحریم پر شرع مطہر سے اصلا کوئی دلیل نہیں۔ دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو۔ کیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے سلاطین کفار کے ہدایا قبول نہ فرمائے، جو وجوہ شناعت آپ نے ان مدارس میں لکھیں کہ امور مخالف اسلام حتی کہ توہین حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم داخل نصاب ہے بیشک جو اس قسم کے اسکول یا کالج ہوں ان میں نہ فقط اخذ امداد بلکہ تعلیم وتعلم سب حرام قطعی بلکہ مستلزم کفر ہے، آپ فرماتے ہیں یہ میں اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کا ذکر کررہا ہوں پھر غیر اسلامیہ کا کیا پوچھنا، مگر افسوس اور سخت افسوس یہ کہ آج آپ کو جتنے لیڈر دکھائی دیں گے وہ ان کے بازو اور ان کے ہم زبان عام طور پر انہیں اسکولوں کالجوں کے کاسہ لیس ملیں گے، انھیں سے بڑی بڑی ڈگریاں ایم اے، بی اے کی پائے ہوئے ہوں گے، کیا اس وقت تک ان میں یہ خباثتیں نہ تھیں، ضرور تھیں مگر ان صاحبوں کو مقبول اور منظور تھیں، اور اب بھی جو آنکھ کھلی تو صرف ایک گوشہ انگریزوں کی طرف کی اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجرد معاملت بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ پٹ ہوگئی کہ ان سے وداد واتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی وانقیاد وفرض انھیں راضی کرلیا تو خدا کو راضی کرلیا تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ جب مد نظر تھا ورنہ ایسی دین تعلیموں سے بھاگتے، نہ اب مد نظر ہے ورنہ مشرکوں کے اتحاد وانقیاد کے فتنے نہ جاگتے　ع

نہ آغاز بہتر نہ انجام اچھا

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

موالات کی بحث

(۷) ترک معاملت کو ترک موالات بنا کر قرآن عظیم کی آیتیں کہ ترک موالات میں ہیں سوجھیں، مگر فتوائے مسٹر گاندھی سے ان سب میں استثنائے مشرکین کی پچر لگالی کہ آیتیں اگرچہ عام ہیں مگر ہندوؤں کے بارے میں نہیں، ہندو تو ہادیان اسلام ہیں، آیتیں صرف نصاری کے بارے میں ہیں اور نہ کل نصاری فقط انگریز، اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے حالت حاضرہ سے ہوئے، ایسی ترمیم شریعت و تغییر احکام و تبدیل اسلام کا نام خیر خواہی اسلام رکھا ہے، ترک موالات قرآن عظیم نے ایک دو، دس بیس جگہ تاکید شدید پر اکتفاء نہ فرمائی بلکہ بکثرت جابجا کان کھول کھول کر تعلیم حق سنائی اور اس پر تنبیہ فرمادی کہ:

"قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾"[1]	ہم نے تمھارے لیے آیتیں صاف کھول دی ہیں اگر تمھیں عقل ہو۔

مگر توبہ، کہاں عقل اور کہاں کان، یہ سب تو وداد ہنود پر قربان، لاجرم ان سب سے ہندوؤں کا استثناء کرنے کے لیے بڑے بڑے آزاد لیڈروں نے قرآن عظیم میں تحریفیں کیں، آیات میں پیوند جوڑے، پیش خویش واحد قہار کو اصلاحیں دیں ان کی تفصیل گزارش ہو تو دفتر طویل نگارش ہو۔

آیۃ ممتحنہ کا روشن بیان

ایک آیہ کریمہ کے بیان پر اقتصار کروں کہ وہی ان سب چھوٹے بڑے لیڈروں کی نقل مجلس ہے یعنی کریمہ ممتحنہ "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الآیۃ "اس میں اکثر اہل تاویل جن میں سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں: اس سے مراد بنو خزاعہ ہیں جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مدت تک معاہدہ تھا۔ رب عزوجل نے فرمایا ان کی مدت عہد تک ان سے بعض نیک سلوک کی تمھیں ممانعت نہیں۔ امام مجاہد تلمیذ اکبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ ان کی تفسیر بھی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس ہی سمجھی جاتی ہے، فرماتے ہیں: اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ سے ابھی ہجرت نہ کی تھی، رب عزوجل فرماتا ہے ان کے ساتھ نیک سلوک منع نہیں۔ بعض مفسرین نے کہا: مراد کافروں کی عورتیں اور بچے ہیں جن میں لڑنے کی قابلیت ہی نہیں۔ قول اکثر کی حجت حدیث بخاری و مسلم و احمد وغیرہ ہے کہ سیدتنا اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس ان کی والدہ قتیلہ بحالت کفر آئی اور کچھ ہدایا لائی، انھوں نے نہ اس کے ہدیے قبول کئے نہ آنے دیا کہ تم

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

کافرہ ہو جب تک سرکار سے اذن نہ ملے تم میرے پاس نہیں آسکتیں۔ حضور میں عرض کی، اس پر آیہ کریمہ اتری کہ ان سے ممانعت نہیں، یہ واقعہ زمانہ صلح ومعاہدہ کا ہے خصوصًا یہ توماں کا معاملہ تھا ماں باپ کے لیے مطلقًا ارشاد ہے "وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا"[1] "دنیوی معاملوں میں ان کے ساتھ اچھی طرح رہ۔ ظاہر ہے کہ قول امام مجاہد پر تو آیہ کریمہ کو کفار سے تعلق ہی نہیں خاص مسلمانوں کے بارے میں ہے اور نہ اب وہ کسی طرح قابل نسخ، اور قول سوم یعنی ارادہ نساء وصبیان پر بھی اگر منسوخ نہ ہو ان دوستان ہنود کو نافع نہیں کہ یہ جن سے وداد واتحاد منا رہے ہیں وہ عورتیں اور بچے نہیں، قول اول پر بھی کہ آیت اہل عہد وذمہ کے لیے ہے، اور یہی قول اکثر جمہور ہے آیہ کریمہ میں نسخ ماننے کی کوئی حاجت نہیں، لاجرم اکثر اہل تاویل اسے محکم مانتے ہیں،

آیۃ ممتحنہ میں حنفیہ کا مسلک:

اور اسی پر ہمارے ائمہ حنفیہ نے اعتماد فرمایا کہ آیہ "لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ" در بارہ اہل ذمہ اور آیہ "يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ" حربیوں کے بارے میں ہے۔ اسی بنا پر ہدایہ ودرر وغیرہما کتب معتمدہ میں فرمایا: کافر ذمی کے لیے وصیت جائز ہے اور حربی کے لیے باطل وحرام، آیہ "لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ" نے ذمی کے ساتھ احسان جائز فرمایا اور آیہ "اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ" نے حربی کے ساتھ احسان حرام۔ عبارت ہدایہ یہ ہے:

یجوز ان یوصی المسلم للکافر والکافر للمسلم فالاول لقوله "لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" الاية، والثانی لانهم بعقد الذمة ساووا المسلمین فی المعاملات ولهذا جاز التبرع من الجانبین فی حالة الحیاة فکذا بعد الممات وفی الجامع الصغیر الوصیة لاهل الحرب باطلة لقوله تعالی "اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" الاية۔[2]	جائز ہے کہ مسلمان (ذمی) کافر کے لیے وصیت کرے اور کافر مسلمان کے لیے، اول تو اس دلیل سے کہ اللہ تعالٰی تمھیں ان سے منع کرتا جو تم سے دین میں لڑیں آخر آیت تک، اور دوم اس لیے کہ وہ ذمی ہونے کے سبب معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہوگئے اسی لیے زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ مالی نیک سلوک کرسکتا ہے تو یوں ہی بعد موت بھی، اور جامع صغیر میں ہے حربیوں کے لیے وصیت باطل ہے اس لیے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں آخر آیت تک،

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۵

[2] الہدایہ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۳

کافر عــه سے خاص ذمی مراد ہے بدلیل قوله انهم بعقد الذمة ولہٰذا امام اکمل نے عنایہ میں اس کی شرح یوں فرمائی:

وصية المسلم للكافر الذمی وعکسها جائزة [1]۔	مسلمان کا کافر ذمی کے لئے وصیت کرنا اور اس کا عکس جائز ہے۔

امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا:

اراد بالكافر الذمی لان الحربی لاتجوز له الوصية علی مانبین۔ [2]	عبارات ہدایہ میں کافر سے ذمی مراد ہے اس لئے کہ حربی کے لئے وصیت جائز نہیں جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

ایسا ہی جوہرہ نیرہ میں و مستصفی میں ہے کفایہ میں فرمایا:

ارادبه الذمی بدليل التعليل ورواية الجامع الصغير ان الوصية لاهل الحرب باطلة [3]۔	صاحب ہدایہ نے کافر سے ذمی مراد لیا ایک تو ان کی دلیل اس پر گواہ ہے کہ فرمایا وہ ذمی ہونے کے سبب معاملات میں مسلمانوں کے برابر ہوگئے دوسرے جامع صغیر کی روایت کہ حربیوں کے لئے وصیت باطل ہے۔

اسی کو وافی و کنز و تنویر وغیرہا متون میں یوں تعبیر فرمایا:

يجوز ان يوصی المسلم للذمی وبالعكس [4]۔	جائز ہے کہ مسلمان ذمی کے لئے وصیت کرے اور اس کا عکس بھی ۱۲

تفسیر احمدی میں ہے:

والحاصل ان الاية الاولى ان كانت	حاصل یہ ہے کہ پہلی آیت جس میں نیک سلوک کی

عــه: یہاں سے بعض مفتیان اجہل کی جہالت شدیدہ ظاہر ہوئی جنھوں نے عبارت ہدایہ کو مشرکین ہند پر جمایا طرفہ یہ کہ اپنی ہی نقل کردہ عبارت نہ سوجھی لانهم بعقد الذمة سوجھی، کیوں نہیں قصد عوام کو دھوکے دینے کی ٹھہرائی ۱۲۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۴۵۵

[2] الجوہرۃ النیرۃ (مفہوما) کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۴۹۱

[3] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۶۵۵

[4] کنز الدقائق کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۱۴

فی الذمی والثانیة فی الحربی کما ھوا لظاھر وعلیه الاکثرون کان دالاعلی جواز الاحسان الی الذمی دون الحربی، ولھذ اتمسك صاحب الھدایة فی باب الوصیة ان الوصیة للذمی جائزة دون الحربی لانه نوع احسان و لھذا المعنی قال فی باب الزکوٰة ان الصدقة النافلة یجوز اعطاء ھاللذمی دون الحربی [1]۔	حاصل یہ ہے کہ پہلی آیت جس میں نیک سلوک کی رخصت ہے اگر در بارہ ذمی ہو اور دوسری جس میں مقاتلین سے ممانعت ہے در بارہ حربی جیساکہ یہی ظاہر ہے اور یہی مذہب اکثر ائمہ ہے تو آیتیں دلیل ہوں گی کہ ذمی کے ساتھ نیک سلوک جائز ہے۔اور حربی کے ساتھ حرام، ولہذا صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ میں انھیں آیتوں کی سند سے فرمایا کہ وہ ایک طرح کا احسان ہے اور اسی کے سبب باب الزکوۃ میں فرمایا کہ نفلی صدقہ ذمی کو دینا حلال اور حربی کو دینا حرام ۱۲

نہایہ امام سغناقی وغایۃ البیان امام اتقانی وبحر الرائق وغنیہ علامہ شرنبلالی میں ہے:

واللفظ للبحر صح دفع غیر الزکوٰة الی الذمی لقوله تعالٰی "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" الاٰیة وقید بالذمی لان جمیع الصدقات فرضا کانت اوواجبة اوتطوعا لاتجوز للحربی اتفاقا کما فی غایة البیان لقوله تعالٰی یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ واطلقه فشمل المستامن وقد صرح به فی النھایة [2]۔	زکوۃ کے سوا اور صدقات ذمی کو دے سکتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: تمھیں اللہ ان سے منع نہیں فرماتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں، ذمی کی قید اس لئے لگائی کہ حربی کے لئے جملہ صدقات حرام ہیں، فرض ہوں یا واجب یا نفل۔ جیساکہ غایۃ البیان میں ہے۔اس لئے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑیں، حربی کو مطلق رکھا تو مستامن کو بھی شامل ہوا جو سلطان اسلام سے پناہ لے کر دارالاسلام میں آیا اسے بھی کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔اور نہایہ میں اس کی صاف تصریح ہے۔

[1] التفسیرات الاحمدیة سورۃ الممتحنه المطبع الکریمی بمبئی ص ۷۰۰۔۶۹۹

[2] البحرالرائق باب المصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۲

تبیین الحقائق امام زیلعی پھر فتح اللہ المعین سید ازہری میں ہے:

لایجوز دفع الزکوٰۃ الی ذمی وقال زفر یجوز لقولہ تعالٰی "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ" صرف الصدقات کلھا الیھم بخلاف الحربی المستامن حیث لایجوز دفع الصدقۃ الیہ لقولہ تعالٰی "اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ" واجمعوا علی ان فقراء اھل الحرب خرجوا من عموم الفقراء [1] (ملخصاً)	ذمی کو زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں۔ اور امام زفر نے فرمایا تمام قسم کے صدقات دے سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمہیں ان سے نہیں روکتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں. بخلاف حربی اگرچہ مستامن ہو کہ اسے کسی قسم کا صدقہ دینا حلال نہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے روکتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں، اور ائمہ امت کا اجماع ہے کہ قرآن عظیم میں جو صدقات فقراء کے لئے بتائے حربی فقیر ان سے خارج ہیں۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

انما جازت الوصیۃ للذمی ولم تجز للحربی لقولہ تعالٰی "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ"، ثم قال "اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ" [2]۔ الایۃ	خاص ذمی کے لئے وصیت جائز اور حربی کے لئے حرام اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تعالٰی تمھیں ان سے نیک سلوک کو منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑیں، اور تمھیں گھروں سے نہ نکالا پھر فرمایا اللہ تمھیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں۔

کافی میں ہے:

یجوز ان یدفع غیر الزکوٰۃ الی ذمی وقال ابو یوسف و الشامی لایجوز کالزکوٰۃ ولنا قولہ تعالٰی لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ	زکوٰۃ کے سوا اور صدقات ذمی کو دے سکتے ہیں اور امام ابو یوسف وامام شافعی نے فرمایا اور صدقات بھی ذمی کو نہیں دے سکتا جیسے زکوٰۃ ہماری دلیل

[1] تبیین الحقائق باب المصرف المبطعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۳۰۰

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۱

"لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ وَلَمۡ يُخۡرِجُوۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِكُمۡ اَنۡ تَبَرُّوۡهُمۡ "[1]	اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اللہ تمھیں بھلائی میں ان سے منع نہیں فرماتا جو دین میں تم سے نہ لڑیں۔

فتح القدیر میں ہے:

الفقراء فی الکتاب عام خص منه الحربی بالاجماع مستندین الی قوله تعالٰی "اِنَّمَا يَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيۡنَ قٰتَلُوۡكُمۡ فِي الدِّيۡنِ "[2]۔	قرآن عظیم میں فقراء کا لفظ عام ہے باجماع امت حربی اس سے خارج ہیں اجماع کی سند اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑیں۔

عنایہ ومعراج الدرایہ ومحیط برہانی وجودی زادہ وشرنبلالی بدائع وسیر کبیر امام محمد کی عبارتیں عنقریب آتی ہیں، یہ ہے مسلک ائمہ حنفیہ جسے حنفی بننے والے لیڈریوں مسخ ونسخ کی دیوار سے مارتے ہیں اور اس سے حربی مشرکوں کے ساتھ نرا احسان مالی نہیں بلکہ وداد اتحاد بگھارتے ہیں۔

آیت میں نسخ کے اقوال

"يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝" [3]	دیدہ دانستہ بات سمجھ کر اس کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔

آیہ کریمہ میں ایک قول یہ ہے کہ مطلق کفار مراد ہیں جو مسلمانوں سے نہ لڑے ان کے نزدیک وہ ضرور آیات قتال وغلظت سے منسوخ ہے اجلہ ائمہ تابعین مثلاً امام عطا بن ابی رباح استاذ امام اعظم ابوحنیفہ جن کی نسبت امام اعظم فرماتے ہیں: "ما رأیت افضل من عطا" میں نے عطا سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔ وعبدالرحمٰن بن زید بن اسلم مولٰی امیر المومنین عمر فاروق اعظم وقتادہ وتلمیذ خاص حضرت انس خادم خاص حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس کے منسوخ ہونے کی تصریح فرمائی، تفسیر کبیر میں ہے:

اختلفوا فی المراد من "الَّذِيۡنَ لَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ" فالاکثر علی انھم اھل العھد	اس میں اختلاف ہوا کہ "وہ جو تم سے دین میں نہ لڑیں" ان سے کون لوگ مراد ہیں، اکثر اہل تاویل اس پر ہیں

[1] کافی شرح وافی

[2] فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقہ الخ مکتبہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

الذین عاھدوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی ترک القتال والمظاھرۃ فی العداوۃ، وھم خزاعۃ کانوا عاھدوا الرسول علی ان لایقاتلوہ ولایخرجوہ، فامر الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بالبر والوفاء الی مدۃ اجلھم، وھذ اقول ابن عباس ومقاتل ابن حیان ومقاتل ابن سلیمن ومحمد ابن سائب الکلبی، وقال مجاھد الذین اٰمنوا بمکۃ ولم یھاجروا وقیل ھم النساء والصبیان، وعن عبداللہ بن الزبیر انھا نزلت فی اسماء بنت ابی بکر قدمت امھا قتیلۃ علیھا وھی مشرکۃ بھدایا فلم تقبلھا ولم تاذن لھا بالدخول فامرھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان تدخلھا وتقبل منھا وتکرمھا وتحسن الیھا، وقیل الاٰیۃ فی المشرکین وقال قتادۃ نسختھا اٰیۃ القتال[1]۔	کہ ان سے اہل عہد مراد ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ حضور سے لڑیں گے نہ دشمن کی مدد کریں گے، اور وہ بنی خزاعہ ہیں انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عہد کیا تھا کہ نہ لڑیں گے نہ مسلمانوں کو مکہ معظّمہ سے نکالیں گے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ ان کے ساتھ نیک سلوک فرمائیں اور ان کا عہد مدت موعود تک پورا کریں، حضرت عبداللہ بن عباس ومقاتل بن حیان ومقاتل بن سلیمن ومحمد بن سائب کلبی کا یہی قول ہے اور امام مجاہد نے فرمایا: وہ مسلمانان مکہ مراد ہیں جنھوں نے ابھی ہجرت نہ کی تھی۔ اور بعض نے کہا عورتیں اور بچے مراد ہیں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں اتری ان کی ماں قتیلہ بحالت کفر ان کے پاس کچھ ہدیے لے کر آئیں انھوں نے نہ ہدیے کو قبول کئے نہ انھیں آنے کی اجازت دی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ اسے آنے دیں اور اس کے ہدیے قبول کریں اور اس کی خاطر اور اس کے ساتھ نیک سلوک کریں، اور بعض نے کہا آیت دربارہ مشرکین ہے، قتادہ نے کہا وہ آیت جہاد منسوخ ہوگئی۔

صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) زیر آیۃ لاینھٰکم اللہ الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۴۔ ۳۰۳

قدمت علی امی وھی مشرکة فی عھد قریش اذ عاھدھم فاستفیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قلت قدمت علی امی وھی راغبة افاصل امی قال نعم صلی امك [1]۔	میری ماں کہ مشرکہ تھی اس زمانہ میں کہ کافروں سے معاہدہ تھا میرے پاس آئی میں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فتوٰی پوچھا کہ میری ماں طمع لے کر میری پاس آئی ہیں کیا میں اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کروں؟ فرمایا: ہاں اپنی ماں سے نیک سلوک کر۔

جمل میں قرطبّی سے ہے:

ھی مخصوصة بالذین اٰمنوا ولم یھاجروا وقیل یعنی به النساء الصبیان لانھم من لایقاتل فاذن اللہ فی برھم حکاہ بعض المفسرین وقال اکثر اھل التاویل ھی محکمة واحتجوا بان اسماء بنت ابی بکر سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھل تصل امھا حین قدمت علیھا مشرکة قال نعم، اخرجه البخاری ومسلم [2]۔	یہ آیت خاص ہے ان کے بارے میں جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی، اور بعض نے کہا اس سے عورتیں اور بچے مراد ہیں اس لئے کہ وہ لڑنے کے قابل نہیں، تو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ مالی نیک سلوک کی اجازت دی، اسے بعض مفسرین نے نقل کیا۔ اور اکثر اہل تاویل نے کہا آیت محکم ہے، اور اس سے سند لائے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال کیا کیا اپنی ماں سے کچھ نیک سلوک کرے جب وہ ان کے پاس بحالت شرک آئی تھیں؟ فرمایا: ہاں، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔

تفسیر درمنثور میں ہے:

اخرج حمید وابن المنذر عن مجاھد فی قوله "لَا یَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ" الاٰیة قال ان تستغفروا وتبروھم وتقسطوا الیھم ھم	عبد بن حمید اور ابن المنذر نے امام مجاہد سے تفسیر کریمہ "لَا یَنۡهٰىكُمُ الخ" میں روایت کیا، فرمایا معنی آیت یہ ہیں کہ اللہ تمہیں منع نہیں فرماتا کہ تم ان کی مغفرت کی دعا کرو اور ان سے نیک سلوک وانصاف کا

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴

[2] الفتوحات الالھیه (الشھیر بالجمل) زیر آیہ لاینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

الذین اٰمنوا بمکۃ ولم یھاجروا اھ[1]۔	برتاؤ برتو اس سے مراد کون لوگ ہیں وہ جو مکہ میں ایمان لائے تھے اور ہجرت نہ کی۔

تفسیر جامع البیان میں بہ سند صحیح ہے:

حدثنی یونس قال اخبرنا ابن وھب قال قال ابن زید وسألتہ عن قول اللہ عزوجل "لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ" الاٰیۃ فقال ھذا قد نسخ نسخہ القتال[2]۔	مجھ سے یونس نے حدیث بیان کی کہ مجھ کو ابن وھب نے خبر دی کہا جب میں نے امام ابن زید سے کریمہ "لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ" کے بارے میں پوچھا، فرمایا یہ منسوخ ہے حکم جہاد نے اسے نسخ فرمادیا۔

تفسیر در منثور میں ہے:

اخرج ابوداؤد فی تاریخہ وابن المنذر عن قتادۃ "لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ" الایۃ نسختھا "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ"[3]۔	ابوداؤد نے اپنی تاریخ اور ابن المنذر نے تفسیر میں قتادہ سے روایت کیا کریمہ "لَا یَنْہٰکُمُ اللّٰہُ" کو اس آیت نے منسوخ فرمایا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اسی میں ہے:

ابن ابی حاتم وابو الشیخ عن مقاتل فی قولہ تعالٰی "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً" قال نسخت ھذہ الاٰیۃ کل اٰیۃ فیھا رخصۃ[4]۔	ابن ابی حاتم وابوالشیخ نے اپنی تفسیروں میں مقاتل سے روایت کیا کہ اللہ عزوجل کے اس ارشاد نے کہ سب مشرکوں سے قتال کرو اس سے پہلے جتنی آیتوں میں کچھ رخصتیں تھیں سب منسوخ فرمادیں۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں زیر کریمہ "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ" ہے:

قال عطاء نسخت عـــہ ھذہ الاٰیۃ کل	امام عطا رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کافروں کے

عـــہ: یہاں سے اس جاہل مفتی کی جہالت ظاہر ہوگئی جس نے آیہ کریمہ "لَا یَنْہٰکُمُ" کو کہا کہ "وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ" سے اس کو کسی نے منسوخ نہیں بتایا۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ

---

[1] الدرالمنثور (تفسیر) زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۰۵

[2] جامع البیان لابن جریر الطبری زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ مطبعۃ میمنہ مصر ۲۸/ ۴۱

[3] الدارلمنثور زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۰۵

[4] الدرالمنثور زیر آیہ وقاتلو االمشرکین کافۃ الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۳۶

شیئ من العفو والصفح [1]۔	ساتھ معافی ودرگزر کی جتنی اجازتیں تھیں سب اس آیہ کریمہ نے منسوخ فرمادیں۔

تفسیر عنایہ القاضی میں زیر کریمہ "لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ" ہے:

ھذہ الاٰیۃ منسوخۃ بقولہ تعالٰی "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ" الاٰیۃ [2]۔	یہ آیت اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے منسوخ ہے کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ تلوار کے گھاٹ اتارو۔

تفسیر خطیب شربینی میں پھر فتوحات الالٰہیہ میں ہے:

کان ھذا الحکم وھو جواز موالاۃ الکفار الذین لم یقاتلوا فی اول الاسلام عنہ الموادعۃ وترك الامر بالقتال ثم نسخ بقولہ تعالٰی "فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ" [3]۔	یہ حکم کہ "جو کفار مسلمانوں سے نہ لڑیں ان کے ساتھ کچھ نیک سلوک کیا جائے" ابتداء میں تھا کہ لڑائی موقوف تھی اور جہاد کا حکم نہ تھا، پھر یہ حکم اسی آیہ کریمہ سے منسوخ ہوگیا کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ گردن مارو۔

جلالین شریف میں ہے:

ھذا مقابل الامر بالجھاد [4]۔	یہ اجازت اس وقت تک تھی کہ جہاد کا حکم نہیں ہوا تھا۔

اسی کے خطبہ میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیر القراٰن الکریم الذی الفہ الامام جلال الدین المحلی علی نمطہ من ذکر مایفھم بہ کلام اللہ تعالٰی والاعتماد علی ارجح الاقوال [5] (ملخصا)	یہ امام جلال الدین محلّی کی تفسیر کا تکملہ اسی انداز پر ہے کہ اتنی بات بیان کی جائے جس سے کلام اللہ سمجھ میں آجائے اور جو قول سب سے راجح ہے اس پر اعتماد کیا جائے۔ (ملخصا)

جمل میں ہے:

[1] ارشاد العقل السلیم آیۃ یاایھاالنبی جاھد الکفار دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۸۴

[2] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین دار صادر بیروت ۸/ ۱۸۸

[3] الفتوحات الالٰھیہ (الشھیر بالجمل) آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

[4] تفسیر جلالین آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۵۵

[5] تفسیر جلالین خطبہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی نصف اول ص ۲

ای الاقتصار علی ارجح الاقوال [1]۔	یعنی صرف وہ قول بیان کریں گے جو سب سے راجح ہے۔

زرقانی علی المواہب میں ہے:

الجلال قد التزام الاقتصار علی الاصح [2]۔	امام جلال نے التزام فرمایا ہے کہ صرف وہ قول لکھیں گے جو سب سے زیادہ صحیح ہے۔

یہاں مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں جو اس کی طرف بلاتے ہیں مسلمانوں کے بدخواہ ہیں:

تنبیہ ضروری: یہ آیہ کریمہ کہ یہاں علماء وائمہ نے بیان ناسخ کے لئے تلاوت کی کہ مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔اور اس مضمون کی اور آیات نیز وہ عبارات ہدایہ وغیرہا قریب آنے والیاں کہ جہاد میں پہل واجب ہے ان کا تعلق سلاطین اسلام وعساکر اسلام اصحاب خزائن واسلحہ واستطاعت سے ہے نہ کہ ان کے غیر سے، قال اللہ تعالٰی:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا [3]۔	اللہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت بھر۔

وقال تعالٰی:

"لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا" [4]۔	اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنے کی جس قدر کی استطاعت اسے دی ہے۔

وقال تعالٰی:

"لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" [5]۔	اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

مجتبٰی وجامع الرموز وردالمحتار میں ہے:

یجب علی الامام ان یبعث	سلطان اعظم اسلام پر فرض ہے کہ ہر سال

[1] الفتوحات الالهیه (الشهیر بالجمل) خطبه کتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیه المقصد الثانی الفصل الاول دار المعرفة بیروت ۳/ ۱۷۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۷

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

سریۃ الی دارالحرب کل سنۃ مرۃ اومرتین وعلی الرعیۃ الا اذا اخذ الخراج فان لم یبعث کان کل الاثم علیہ وھذا اذا غلب علی ظنہ انہ یکافیھم والا فلایباح قتالھم [1]۔	ایک یادو بار دارالحرب پر لشکر بھیجے اور رعیت پر اس کی مدد فرض ہے اگران سے خراج نہ لیا ہو تو سلطان اگر لشکر نہ بھیجے تو سارا گناہ اسی کے سر ہے، یہ سب اس صورت میں ہے کہ اسے غالب گمان ہو کہ طاقت میں کافروں سے کم نہ رہے گا ورنہ اسے ان سے لڑائی کی پہل ناجائز ہے۔

خصوصا ہندوستان میں جہاں اگر دس مسلمان ایک مشرک کو قتل کریں تو **معاذاللہ** دسوں کو پھانسی ہو ایسی جگہ مسلمانوں پر جہاد فرض بتانے ولا شریعت پر مفتری اور مسلمانوں کا بدخواہ ہے، ہمارا مقصود اس قدر تھا کہ کریمہ ممتحنہ اگر جملہ مشرکین غیر محاربین کو عام ہے تو ضرور منسوخ ہے وہ **بحمدہ تعالٰی** بروجہ احسن ثابت ہوگیا۔

خود قرآن عظیم سے اس آیت کی منسوخی کا ثبوت اگر ہر غیر محارب بالفعل کو عام مانی جائے۔

وانا اقول:وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اگر وہ اکابر تابعین اس کے نسخ کی تصریح اور یہ امام جلیل اس کی ترجیح و تصحیح نہ فرماتے تو قرآن عظیم خود شاہد تھا کہ آیہ "**لَا یَنْھٰکُمُ**" اگر جملہ مشرکین غیر محاربین بالفعل کو عام ہے تو قطعاً منسوخ ہے، ممتحنہ کا نزول سورہ براءت سے یقینا پہلے ہے تصریح ائمہ نہ ہوتی تو خود اس کی آیہ کریمہ بتارہی ہیں کہ نزول تک مکہ معظّمہ قبض کفار میں تھا اور سورہ توبہ شریف کے ارشادات جگمگا رہے ہیں کہ اس کا نزول بعد فتح بلدالحرام و تسلط تام دین اسلام ہے وللہ الحمد، سورہ براءت میں ارشاد فرمایا:

"**یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ**﴿۷۳﴾" [2]۔	اے نبی! کافروں اور منافقوں پر جہاد فرمائیے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آیئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری پھرنے کی جگہ ہے۔

پھر اسی سورۃ میں ارشاد فرمایا:

"**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ**	اے ایمان والو! اپنے پاس کے کافروں سے لڑو

[1] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً "[1]	اور تم پر فرض ہے کہ وہ تم میں درشتی پائیں

یہ حکم بھی جمیع کفار کو عام ہے حکمت یہی ہے کہ پہلے پاس والوں کو زیر کیا جائے جب وہاں اسلام کا تسلط ہوجائے تو اب جو اس سے نزدیک ہیں وہ پاس والے ہوئے وہ زیر ہوجائیں تو اب جو ان سے قریب ہیں یونہی یہ سلسلہ شرقاً غرباً منتہائے زمین تک پہنچے اور بحمداللہ ایسا ہی ہوا اور بعونہٖ تعالیٰ ایسا ہی بروجہ اتم وکمال زمانہ امام موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہونے والا ہے

سب کافروں سے قتال وغلظت کا حکم ہے اگرچہ محارب بالفعل نہ ہوں محارب بالفعل کی تخصیص منسوخ ہوگئی:

"حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ "[2]۔	یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوجائے۔

یہاں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ کفار پر درشتی کرو۔ مومنین کو حکم ہوا کافروں پر سختی کرو۔ اس میں نہ کوئی تقسیم ہے نہ تردید، نہ تخصیص نہ تقلید، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نیک سلوک اور سختی ودرشتی باہم متنافی ہیں، پہلے نیک سلوک کی اجازت تھی اب درشتی وسختی کا حکم ہوا تو وہ اجازت ضرور منسوخ ہوگئی، اجماع امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں مدافعانہ وجارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے اجازت کا مدافعانہ میں حصر پہلے تھا پھر قطعاً منسوخ ہوگیا، مبسوط شمس الائمہ سرخسی وکفایہ وعنایہ وتبیین وبحرالرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للبابرتی قوله تعالٰی فان قاتلوكم فاقتلوهم منسوخ وبيانه ان رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم كان فى الابتداء مأمورا بالصفح والاعراض عن المشركين بقوله "فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ ﴿۸۵﴾" ،"وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾ "الاٰیة ثم امر بالدعاء الى الدين بالموعظة والمجادلة	یہ ارشاد کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو ان کو قتل کرو منسوخ ہے، بیان اس کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ابتداء میں یہ حکم تھا کہ مشرکوں سے درگزر اور روگردانی فرمائیں ارشاد تھا اچھی طرح درگزر کرو اور مشرکوں سے منہ پھیرلو۔ پھر حضور کو حکم ہوا کہ سمجھانے اور خوبی کے ساتھ دلیل قائم فرمانے سے دین کی طرف بلاؤ کہ ارشاد تھا اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت کے ساتھ بلاؤ۔ پھر

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۹

بالاحسن بقولہ تعالٰی "اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ" الاٰیۃ. ثم اذن بالقتال اذا کانت البدائۃ منھم بقولہ تعالٰی "اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ یُقٰتَلُوۡنَ" الاٰیۃ وبقولہ "فَاِنۡ قٰتَلُوۡکُمۡ فَاقۡتُلُوۡھُمۡ" ثم امر بالقتال ابتداء فی بعض الازمان بقولہ تعالٰی "فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡھُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِکِیۡنَ" الاٰیۃ ثم امر بالبدائۃ بالقتال مطلقا فی الازمان کلھا وفی الاماکن باسرھا فقال تعالٰی "وَقٰتِلُوۡھُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ" الاٰیۃ، "قَاتِلُوا الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللہِ وَلَا بِالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ" الاٰیۃ[1]۔	اجازت فرمائی گئی کہ ان کی طرف سے قتال کی ابتدا ہو تو لڑو، ارشاد تھا کہ جن سے قتال کیا جائے انھیں پروانگی ہے، اور ارشاد تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو۔ پھر بعض اوقات ابتدا قتال کا حکم ہوا ارشاد فرمایا جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو مشرکوں کو قتل کرو پھر مطلقًا ابتداء بالقتال کا حکم ہوا سب زمانوں اور سب مکانوں میں ارشاد ہوا ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے، اور فرمایا ان سے لڑو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں لاتے۔

کنز میں ہے:

الجھاد فرض کفایۃ ابتداء[2]۔	جہاد کی پہل کرنا فرض کفایہ ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

مفید لافتراضہ وان لم یبدؤنا للعمومات واما قولہ تعالٰی فان قاتلوکم فاقتلوھم فمنسوخ[3]۔	یہ عبارت فائدہ دیتی ہے کہ جہاد فرض ہے اگرچہ کافر پہل نہ کریں کہ آیتیں عام ہیں اور وہ جو فرمایا تھا کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو انھیں قتل کرو وہ منسوخ ہے

ہدایہ میں ہے:

قتال الکفار واجب وان لم یبدؤا للعمومات[4]۔	کافروں سے لڑنا واجب ہے اگرچہ وہ پہل نہ کریں کہ احکام عام ہیں۔

[1] کفایۃ وعنایہ مع فتح القدیر کتاب السیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۹۳

[2] کنز الدقائق کتاب السیر والجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸۳

[3] بحر الرائق کتاب السیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۱

[4] الھدایہ کتاب السیر المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۲۳۹

www.dawateislami.net

فتح القدیر میں ہے:

صریح قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الصحیحین وغیرھما امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوالااله الا الله الحدیث یوجب ان نبدأھم بادنی تأمل [1] اھ اقول وکذا قوله تعالٰی قاتلوھم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کله لله [2] الآیة ثم فی العنایة رأیت کماتقدم عــه۔	صحیحین وغیرہما میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صاف ارشاد مجھے حکم ہوا کہ لوگوں سے قتال فرماؤں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں پوری حدیث ادنٰی غور سے واجب فرماتا ہے کہ ہم ان سے قتال کی پہل کریں، فتح القدیر کی عبارت تمام ہوئی اور میں کہتا ہوں یونہی رب العزت کا ارشاد کہ ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کے لئے ہوجائے، پھر میں نے عنایہ میں اسی دلیل کو دیکھا جیسا کہ گزرچکا۔

نیز اسی میں زیر حدیث رأی صلی الله تعالٰی علیه وسلم امرأة مقتوله فقال هاه ماکانت هذه تقاتل [3] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک عورت دیکھی تو فرمایا ارے یہ تو لڑنے کے قابل نہ تھی) ہے:

الحدیث صحیح علی شرط الشیخین فقد علل صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالمقاتلة فثبت انه معلول بالحرابة فلزم قتل ماکان مظنة له بخلاف مالیس ایاه [4]۔	یہ حدیث بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ قتل کی علت قتال ہے تو ثابت ہوا کہ قتل وہی کیا جائے جو لڑنے کے قابل شخص ہے تو جسے لڑنے کے قابل سمجھا جائے شریعت میں اس کا قتل لازم ہوا، بخلاف اس کے جو اس کے لائق ہی نہ ہو۔

عــه: مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے: لاتخرج بنیتهم من ان تکون صالحة للمحاربة وان کانوا لایشتغلون بالمحاربة کالمشتغلین بالتجارة والحراثة منهم بخلاف النساء والصبیان [5] کافر اگرچہ بالفعل نہ لڑیں ان کے بدن کی بناوٹ توڑنے کے قابل ہے جیسے ان کے سوداگر اور کسان، بخلاف زنان واطفال ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] فتح القدیر کتاب السیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۹

[3]

[4] فتح القدیر باب کیفیة القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۳

[5] المبسوط للسرخسی باب آخر فی القیٰمة دار المعرفة بیروت الجزء العاشر ص ۱۳۷

ہر ادنیٰ خادم فقہ جانتاہے کہ حربی مقابل ذمی ہے نہ کہ خاص محارب بالفعل۔ ہدایہ وغیرہا کی عبارات ابھی گزریں تو آیت قطعاً تمام حربیوں کو شامل خواہ بالفعل مصدر قتال ہوئے ہوں یا نہیں البتہ معاہدین کا استثناء ضروریات دین سے ہے جس پر نصوص قاطعہ ناطق، اور وہ اذہان مسلمین میں ایسا مرتکز کہ اصلا محتاج ذکر نہیں، یونہی حکم جہاد و قتال کے اعتبار سے اصحاب قول سوم کو بھی یہاں گنجائش اجماع واتفاق ہے کہ معاہدین وذراری محل جہاد ہی نہیں تو کلمہ جاھدوا قاتلوا سے ان کی طرف ذہن نہیں جائے گا۔ فتح القدیر میں ہے:

وما الظن الا ان حرمة قتل النساء والصبیان اجماع [1]۔	گمان اس کے سوا کسی کی طرف نہیں جاتا کہ عورتوں اور بچوں کا قتل حرام ہونے پر اجماع ہے۔

غرض معاہد وذمی ونساء وصبیان کو نص قتال ابتداء ہی شامل نہ ہوا کہ تخصیص کی حاجت ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

نفس النص ابتداء لم یتعلق به لانه مقید بمن بحیث یحارب کقوله تعالٰی "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً" الاٰیة فلم تدخل المرأة [2]۔	سرے سے خود نص اسے متعلق نہ ہوا کہ وہ خاص ایسے کے بارے میں ہے جو لڑنے کے قابل ہو جیسے ارشاد الٰہی: سب مشرکوں سے لڑو تو یہ عورت کو شامل نہیں ہے۔

باقی تحقیق عنقریب آتی ہے ان شاء اللہ تعالٰی، بالجملہ آیہ کریمہ میں دو قول ہیں:

ایک قول اکثر اہل تاویل کہ سب کفار غیر محاربین بالفعل مراد نہیں بلکہ خاص اہل عہد وپیمان یا اطفال وزنان یا غیر مہاجر مسلمان، اس تقدیر پر آیہ کریمہ مشرکین ہند کو جن سے اتحاد وداد منایا جارہا ہے کسی طرح شامل ہی نہیں ہوسکتی کہ وہ نہ اہل ذمہ ہیں نہ عورتیں، بچے نہ مسلمان۔

دوسرا قول بعض کہ سب مشرکین غیر محاربین بالفعل مراد تھے۔

لیڈروں کو پہلا جواب:

اس طور پر وہ اولا یقینا منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا ضلالت وگمراہی، کیا کوئی روا رکھے کہ شراب پیے اور کافروں کو بیٹیاں دے اور اپنی سگی بہن سے نکاح کرے ع

کہ بعہد قدیم نابود ست

(کہ یہ بے حیائی تو زمانہ (قدیم) جہالت میں روا نہیں رکھی گئی۔ت)

---

[1] فتح القدیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۲

[2] البحر الرائق کتاب السیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۰

لیڈر بننے والوں کا یہ ظلم عظیم ہے کہ ہندوؤں کو شامل کرنا لیا قول ثانی سے، اور اس کا غیر منسوخ عــہ۱ ہونا لیا قول اول سے جمع بین المنافیین کرکے بیچارے جاہلوں کو دھوکا دیتے ہیں۔

لیڈروں کو دوسرا جواب:

ثانیًا: اگر بفرض باطل ان کی یہ شتر گربگی مان بھی لی جائے تو عام عــہ۲ مشرکین ہند کو "لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" کا مصداق ماننا ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ لینا ہے، کیا وہ ہم سے دین پر نہ لڑیں، کیا قربانی گاؤ پر ان کے سخت ظالمانہ فساد پرانے پڑ گئے، کیا کٹار پور وآرہ اور کہاں کہاں کے ناپاک وہولناک مظالم جو ابھی تازے ہیں دلوں سے محو ہوگئے، بے گناہ مسلمان نہایت سختی سے ذبح کئے گئے، مٹی کا تیل ڈال کر جلائے گئے، ناپاکوں نے پاک مسجدیں ڈھائیں قرآن کریم کے پاک اوراق پھاڑے جلائے، اور ایسی ہی وہ باتیں جن کا نام لئے کلیجہ منہ کو آئے، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۱۸" "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۱۸" "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۱۸"[1] سن لو اللہ کی لعنت ظالموں پر، اب کوئی درد رسیدہ مسلمان ان لیڈروں سے یہ کہہ سکتا ہے یا نہیں کہ اے اسٹیجوں پر مسلمان بننے والو، ہمدردی اسلام کا تانا تننے والو! کچھ حیا کا نام باقی ہے تو ہندوؤں کی گنگا میں ڈوب مرو، اسلام و مسلمین ومساجد وقرآن پر یہ ظلم توڑنے والے کیا یہی تمہارے بھائی، تمہارے چہیتے تمہارے پیارے۔

عــہ۱: یہاں سے اس فتوائے جاہلانہ کا حال کھل گیا جس میں عبارت مذکورہ جمل "**قال اکثر اھل التاویل ھی محکمة**"[2] الخ اور عبارت روح البیان فی **الفتح الرحمن نسختھا فاقتلوا المشرکین والاکثر علی انھا غیر منسوخة**[3] سے استناد کرکے آیہ کریمہ کا قول اکثر میں غیر منسوخ ہونا بتا کر اسے ہندوؤں پر جما دیا اب یہ کون سمجھے کہ قول اکثر پر کسی طرح ہندو اس میں داخل نہیں اور قول دیگر پر بفرض غلط اگر داخل ہوسکتے ہیں تو یقینا منسوخ ہے حشمت علی عفی عنہ

عــہ۲: اس تقریر کو خوب محفوظ رکھنا چاہئے کہ اس سے ان مفتیان اجہل کی جہالت وبیباکی بلکہ عیاری وچالاکی خوب روشن ہوتی ہے جنھوں نے کہا کہ "ہندوستان کے عام ہندو اہل اسلام سے مقاتلہ فی الدین نہیں کرتے اور عامہ نصاری **مقاتلہ فی الدین** کے مرتکب ومعاون ہیں۔ طرفہ تر یہ کہ جانب نصارٰی میں معاون کا لفظ بڑھالیا کہ عامہ نصارٰی پر جما سکیں اور جانب ہنود میں اسے اڑا دیا کہ عام ہنود اس میں نہ آسکیں۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] الفتوحات الالھیة الشھیر بالجمل آیة لاینھٰکم اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۲۸

[3] روح البیان آیة لاینھٰکم اللہ الخ المکتبة الاسلامیہ لصاحبھا الریاض، الجزء الثامن والعشرون ص ۴۸۱

تمھارے سردار، تمھارے پیشوا، تمھارے مددگار، تمھارے غمگسار مشرکین ہند نہیں جن کے ہاتھ آج تم بکے جاتے ہو، جن کی غلامی کے گیت گاتے ہو، اُف اُف تُف تُف تُف۔

"اِنَّ اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ۙ۝۱۴۰ "[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

اور بے ایمان اور پکا بے ایمان ہوگا وہ جو واحد قہار کو یکسر پیٹھ دے کر کہے یہ ملعون مظالم تو بعض بعض شہر کے بعض کفار نے کیے، اس سے سب تو "قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" نہیں ہوگئے، بدعقلو بدمنشو! کوئی قوم ساری کی ساری نہیں لڑتی۔

تمام مشرکین ہند محارب بالفعل ہیں اور محارب بالفعل کے معنی کی تحقیق:

کفار زمانہ رسالت جن کی نسبت حکم ہوا: "وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ"[2] انھیں جہاں پاؤ قتل کرو۔ اور حکم ہوا: "وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ"[3] سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔ کیا ان کا ہر ہر فرد میدان جنگ میں آیا تھا، لڑائی دیکھی جاتی ہے اگر جو لڑے ان کی خاص کوئی ذاتی غرض ہے جس میں ساری قوم شریک نہیں تو وہ لڑائی خاص انھیں کی طرف منسوب ہوگی جو اس کے مرتکب ہوئے مثلاً کسی گاؤں کے دھرے مینڈھے پر بعض لوگوں سے جنگ ہو تو وہ انھیں کی ہے نہ تمام قوم کی، اور اگر لڑائی مذہبی ہے تو ان سب اہل مذہب کی ہے کہ باقی دامے درمے قلمے قدمے معین ہوں گے اور کچھ نہ ہو تو راضی ہوں گے اور اپنے مذہب کی فتح ہو تو خوش ہوں گے اور دوسرے کی ہو تو رنجیدہ ہوں گے۔ قال تعالٰی:

"اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ٘ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ"[4]	اگر تمھیں بھلائی پہنچے تو انھیں بری لگے اور تمھیں برائی پہنچے تو اس پر شاد ہوں۔

تو وہ سب محاربین بالفعل ہیں خواہ ہاتھ سے یا زبان سے یا دل سے، یہ قربانی گاؤ کا مسئلہ ایسا ہی ہے کون سا ہندو ہے جس کے دل میں اس کا نام سن کر آگ نہیں لگتی کون سی ہندو زبان ہے جو گئو رکھشا کی مالا

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۹ / ۳۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۲۰

نہیں چلتی۔ کون سا شہر ہے جہاں اس کی سبھا یا اس کے ارکان یا اس میں چندہ دینے والے نہیں، کیا یہ مقدس بیگناہوں کے خون، یہ پاک مساجد کی شہادتیں، یہ قرآن عظیم کی اہانتیں انھیں ناپاک رکھشاؤں انھیں مجموعی سفاک سبھاؤں کے نتائج نہیں، نہ سہی ع

ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

اب جس شہر جس قصبہ جس گاؤں میں چاہو آزمادیکھو، اپنی مذہبی قربانی کے لئے گائے پچھاڑو۔ اس وقت یہی تمھاری بائیں پسلی کے نکلے، یہی تمھارے سگے بھائی، یہی تمھارے منہ بولے بزرگ یہی تمھارے آقا یہی تمھارے پیشوا تمھاری ہڈی پسلی توڑنے کو تیار ہوتے ہیں یا نہیں۔ ان متفرقات کا جمع کرنا بھی جہنم میں ڈالئے وہ آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا کہ مسلمان اگر قربانی گاؤنہ چھوڑیں گے تو ہم تلوار کے زور سے چھڑادیں گے، اب بھی کوئی شک رہا کہ تمام مشرکین ہند دین میں ہم سے محارب ہیں پھر انھیں "لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" میں داخل کرنا کیا نری بے حیائی ہے یا صریح بے ایمانی بھی، محاربہ مذہبی ہر قوم کا اس بات پر ہوتا ہے جسے وہ اپنے دین کی رو سے زشت ومنکر جانے، اسی کے ازالہ کے لئے لڑائی ہوتی ہے، اور ازالہ منکر تین قسم ہے کہ موقع ہو تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے ورنہ دل سے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رأی منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ[1]۔	تم میں جو کوئی کچھ خلاف شرع بات دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے رد کرے، پھر اگر نہ ہوسکے تو زبان سے، اور یہ بھی نہ ہوسکے تو دل سے۔

یہ تینوں صورتیں ازالہ وتغییر کی ہیں اور سب اہل محاربہ سے محاربہ ہی ہیں بالفعل ہتھیار اٹھانا شرط نہیں جس کا ثبوت اوپر گزرا، اور اگر یہی ٹھہرے کہ اگرچہ لڑائی سرتاج قوم اور تمام افراد کی رضا سے ہو مگر "قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" میں صرف وہی داخل ہوں گے جنھوں نے میدان میں ہتھیار اٹھائے تو ذرا انگریزوں کے ساتھ اپنے بائیکاٹ کا مزاج پوچھ لیجئے، کیا ہر انگریز ترکوں کے ساتھ میدان جنگ میں گیا تھا ہر گز نہیں، لاکھوں یا شاید کروڑوں ہوں جنھوں نے اس میدان کی صورت تک نہ دیکھی خصوصا ہندوستان میں سول کے انگریز، تو یہ سب "لَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" ہوئے، اور تمھارا یہ ترک تعاون کا عام مسئلہ تمھارے ہی منہ سخت جھوٹا

[1] مسند احمد بن حنبل روایت ابو سعید الخدری دار الفکر بیروت ۳/ ۱۰، صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱

اور شریعت پر افتراء ٹھہرا کہ مقاطعہ کرو توانھیں معدود سے کرو جو میدان میں ترکوں سے لڑے، غرض ؂

نے فروعت محکم آمد نے اصول

شرم بادت از خدا واز رسول

(نہ تیرے فروع قائم رہیں نہ اصول توخدا اور سول سے شرم کھا۔ت)

قرآن عظیم سے مزعومات لیڈران کارد

تنبیہ جلیل: اقول: کریمہ "وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً"[1] (اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت لڑتے ہیں۔ت) کہ ابھی ہم نے تلاوت کی قطعاً اپنی ہر وجہ ہر پہلو پر لیڈران عنود پس روان ہنود پر رد شدید ہے،

ان کا مزعوم دو ۲ فقرے ہیں:

اول یہ کہ ہنود میں مقاتل فی الدین صرف وہی ہے جنھوں نے وہ مظالم کئے تو مقاتل نہیں مگر مقاتل بالفعل جس نے ہتھیار اٹھایا اور قتل کو آیا تاکہ عامہ ہنود کو "قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ" سے بچالیں

دوم یہ کہ جو مقاتل بالفعل نہیں اس سے اظہار عداوت فرض نہیں تاکہ بزور زبان ان سے وداد واتحاد کی راہ نکالیں۔

اب آیہ کریمہ میں چار ۴ احتمال ہیں:

اول: دونوں "**كافة**" مسلمانوں سے حال ہوں یعنی سب مسلمانوں مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔

دوم: دونوں "**كافة**" مشرکین سے حال ہوں یعنی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں۔

سوم: پہلا "**كافة**" مشرکین سے حال ہو اور دوسرا منومنین سے یعنی تم بھی سب مشرکین سے لڑو جس طرح وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ یہ قول عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منقول ہے۔

چہارم: اس کا عکس یعنی سب مسلمان مشرکوں سے لڑیں جس طرح وہ سب مشرک مسلمانوں سے لڑتے ہیں، کبیر میں اسی کو ترجیح دی اور لباب میں اسی پر اقتصار کیا، اور امام نسفی نے چاروں احتمالوں کا اشعار کیا، مفاتیح الغیب میں ہے:

فی قولہ تعالٰی کافۃ قولان، الاول	ارشاد الٰہی کافۃ میں دو قول ہیں، اول مراد یہ ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

ان یکون المراد قاتلوھم باجمعکم مجتمعین علی قتالھم، کما انھم یقاتلونکم علی ھذہ الصفة. یرید تعاونوا وتناصروا علی ذٰلك ولاتتخاذلوا ولاتتقاطعوا وکونوا عباداللہ مجتمعین متوافقین فی مقاتلہ الا عداء. والثانی قال ابن عباس قاتلوھم بکلیتھم ولا تحابوا بعضھم بترك القتال کما انھم یستحلون قتال جمیعکم. والقول الاول اقرب حتی یصح قیاس احد الجانبین علی الاخر [1]۔	کہ تم سب ان کے قتال پر اتفاق کرکے ان سے لڑو جس طرح وہ تم سے یونہی لڑتے ہیں، فرماتا ہے قتال مشرکین میں سب آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور ایک دوسرے کو بے یار نہ چھوڑو نہ باہم علاقہ قطع کرو اور سب اللہ کے بندے ہو جاؤ، دشمنوں کے قتال پر یک دل ویک رائے ہو کر دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا کہ سب مشرکوں سے لڑو اور ان میں کسی سے ترک قتال میں محابہ نہ کرو جس طرح وہ تم سب سے قتال روا رکھتے ہیں اور پہلا قول زیادہ قریب ہے تاکہ ایک فریق کا دوسرے پر قیاس صحیح ہو۔

خازن میں ہے:

یعنی قاتلوا المشرکین باجمعکم مجتمعین علی قتالھم کما انھم یقاتلونکم علی ھذہ الصفة [2]۔	یعنی سب مل کر قتال مشرکین پر متفق الرائے ہو کر ان سے لڑو جس طرح وہ تم سے یونہی لڑتے ہیں۔

مدارک میں ہے:

کافة حال من الفاعل اوالمفعول [3]۔	کافۃ فاعل سے حال ہے یا مفعول سے۔

اس احتمال چہارم پر آیہ کریمہ کے دونوں جملے لیڈروں کے پہلے فقرے کا رد ہیں ظاہر ہے کہ سب مشرک میدان میں نہ آئے سب نے ہتھیار نہ اُٹھائے بلکہ کچھ ساعی تھے کچھ معاون کچھ راضی، اور آیت میں فرمایا کہ وہ سب تم سے لڑتے ہیں تو معلوم ہوا کہ جمیع اقسام مقاتل فی الدین ہیں یونہی قطعاً تمام ہنود کہ منشا مظالم گئو رکھشا ہے اور اس میں سب شریک، پھر مسلمانوں کو فرمایا تم سب لڑو اگر قتال قتال بالید سے خاص ہو تو جہاد مطلقاً فرض عین ہو جائے اور یہ بالاجماع باطل ہے نیز اس تقدیر پر یہ حکم صحابہ کرام سے آج تک کبھی بجانہ لایا گیا کون سے دن دنیا کے سب مسلمان ہتھیار لے کر میدان میں آئے تو معاذاللہ صحابہ کرام وجمیع امت کا اجماع ضلالت ومعصیت پر

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیہ قاتلوا المشرکین الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۴

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ قاتلوا المشرکین الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۹۰

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیہ قاتلوا المشرکین الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵

ہو اور یہ اول سے بڑھ کر باطل وکفر بائل (سخت) ہے لاجرم قتال معاونت ورضا سب کو عام ہے اب بیشک اس کا حکم شامل جملہ حکم اسلام ہے، اسی طرح احتمال اول پر آیہ کریمہ کے دونوں جملے فقرہ اولیٰ کے رد ہیں، پہلے کا ابھی بیان ہوا اور دوسرا یوں کہ جب مشرکین سب مسلمانوں سے مقاتل ہیں تو سب مسلمان مشرکوں کے مقاتل کہ مفاعلہ جانبین سے ہے اور وہ نہیں مگر اسی طرح پر کہ فاعل ومعاون وراضی سب مقاتل ہوں بعینہٖ اسی تقریر سے احتمال دوم وسوم بھی جیسا کہ فہیم پر مخفی نہیں۔ بالجملہ ہر پہلو پر آیہ کریمہ کا ہر جملہ ان کے فقرہ اولیٰ کا رد ہے اور احتمال دوم وسوم پر کریمہ کا پہلا جملہ لیڈروں کے فقرہ دوم کا بھی رد ہے کہ عام فرمایا گیا سب مشرکوں سے قتال کرو، اور قتل وقتال سے بڑھ کر اور اظہار عداوت کیا ہے تو ثابت ہوا کہ مشرک مقاتل بالید ہو یا نہ ہر ایک سے اظہار عداوت فرض اور وداد واتحاد حرام،

"قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾"[1] "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾"[2]	کہو حق آیا باطل کا دم ٹوٹا، بیشک باطل تو دم توڑنے ہی کو تھا بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینکتے ہیں کہ وہ باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے جبھی وہ فنا ہو جاتا ہے اور تمھارے لئے خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔

اصح قول اکثر ہے کہ کریمہ ممتحنہ صرف معاہدین کے بارے میں ہے:

تنبیہ دوم: اقول یہاں سے روشن ہوا کہ آیہ ممتحنہ میں قول اکثر ہی راجح واصح ہے "لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ" وہی ہو سکتے ہیں جو اہل عہد وذمہ ہیں کہ ان کے عہد نے صراحۃً انھیں مقاتلین سے جدا کر لیا، "**والصریح یفوق الدلالۃ**" تصریح دلالت پر مرجح ہے۔ باقی تمام حربی کفار مقاتل فی الدین ہیں اگرچہ ہتھیار نہ اُٹھائے ہوئے ہوں۔ قول آخر کے اصح ہونے کی وجہ یہی ہوئی کہ لفظ عام ہے اور جب ثابت ہوا کہ وہ اہل عہد وذمہ ہی پر صادق ہے تو حربیوں کی تعمیم ناموجہ ہے یونہی نساء وصبیان سے تخصیص کی وجہ نہیں، اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ خصوص سبب کا، ورنہ صرف صلہ مادر وپدر یا غایت درجہ صلہ رحم کی اجازت نکلے نہ جملہ نساء وصبیان کو تعمیم مقبول کہ اگرچہ وہ حکم قتال سے مستثنیٰ ہیں مگر حکم غلظت سے مستثنیٰ نہیں، اہل عہد وذمی کی عورتیں بچے ان کے حکم میں رہیں گے اور غیر معاہد حربیوں کے زنان واطفال ان کے حکم میں، **قال تعالٰی**

"مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ"[3] مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۵

یہاں کے کسی کافر فقیر کو بھیک دینا بھی جائز نہیں:

صحاح ستہ میں صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان وصبیان کفار کے بارے میں فرمایا: **ھم منھم**[1] وہ انھیں میں سے ہیں، ولہذا ہمارے ائمہ کرام نے حربی کو صدقہ نافلہ دینے کی ممانعت سے ان کی عورتوں بچوں کسی کو مستثنٰی نہ فرمایا حکم عام دیا، جامع الصغیر امام محمد وبدایہ ودرر وعنایہ وکفایہ وجوہرہ ومستصفٰی پر نہایہ وغایۃ البیان وفتح القدیر وبحر الرائق وکافی وتبیین وتفسیر احمدی وفتح اللہ المعین وغنیہ ذوی الاحکام کتب معتمدہ کی عبارتیں اوپر گزریں، معراج الدرایہ میں ہے:

صلتہ لایکون برا شرعا ولذا لم یجز التطوع الیہ[2]۔	حربی سے نیک سلوک شرعا کوئی نیکی نہیں اس لئے اسے نفل خیرات دینا بھی حرام ہے۔

عنایہ امام اکمل میں ہے:

التصدق علیھم مرحمۃ لھم ومواساۃ وھی منافیۃ لمقتضی الاٰیۃ[3]۔	انھیں خیرات دینا ان پر ایک طرح کی مہربانی اور ان کی غمخواری ہے اور یہ حکم قرآن مجید کے خلاف ہے۔

امام برہان الدین صاحب ذخیرہ نے محیط پھر علامہ جوی زادہ پھر علامہ شرنبلالی نے غنیہ میں فرمایا:

لایجوز للمسلم بر الحربی[4]۔	حربی کے ساتھ نیک سلوک مسلمان کو حرام ہے۔

بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ائمہ کی نظر ایسی ہی غائر ودقیقہ رس ہے جب کبھی تنقیح تام کی جاتی ہے جو انھوں نے تحقیق فرمایا وہی گل کھلتا ہے **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق**۔

مستامن کے لئے مسئلہ ہبہ ووصیت کی تحقیق:

تنبیہ سوم: مستامن کے بارے میں عبارات مختلف آئیں کثیر

---

[1] صحیح مسلم باب جواز قتل النساء والصبیان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۴

[2] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[3] العنایہ شرح الہدایہ مع فتح القدیر باب من یجوز دفع الصدقہ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۷

[4] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر الحکام کتاب الوصایا مطبعۃ احمدی کامل الکائنۃ دار السعادت مصر ۲/ ۴۲۹

روایات مذکورہ میں مطلقاً حربی سے نیک سلوک کی ممانعت ہے جس میں مستامن بھی داخل، اور نہایہ و تبیین وبحر الرائق وابوالسعود کی عبارات میں اس سے ممانعت کی صاف تصریح گزری لیکن بعض روایات سے اس کے لئے رخصت ثابت، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاباس بان یصل الرجل المسلم المشرك قریبا کان او بعیدا محاربا کان اوذمیا و اراد بالحارب المستامن واما اذا کان غیر المستامن فلاینبغی للمسلم ان یصله بشیئ کذا فی المحیط[1]۔	کوئی حرج نہیں کہ مسلمان مشرک سے کوئی مالی سلوک کرے خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی، حربی ہو یا غیر مستامن ہو تو مسلمان کو سزاوار نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی نیک سلوک کرے، ایسا ہی محیط میں ہے۔

امام ملک العلماء نے بدائع میں مستامن کے لئے وصیت کا جواز مبسوط سے نقل کیا پھر فرمایا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عدم جواز مروی ہوا اور یہی روایت ہمارے ائمہ کے قول سے موافق تر ہے کہ وہ مستامن کے لئے صدقات حرام فرماتے ہیں، یونہی وصیت بھی، پھر فرمایا بعض نے کہا اس کے لئے جواز وعدم جواز صدقات میں ہمارے اصحاب سے دو۲ روایتیں ہیں تو وصیت بھی انھیں دونوں روایتوں پر ہوگی، عبارت یہ ہے شرائط وصیت باعتبار موصی لہ میں فرمایا:

ومنها ان لایکون حربیا غیر مستامن فان کان لا تصح الوصیة له من مسلم او ذمی وان کان مستامنا ذکر فی الاصل انه یجوز لانه فی عهدنا فاشبه الذمی، وروی عن ابی حنیفه رضی الله تعالٰی عنه انه لایجوز و هذه الروایة بقول اصحابنا رحمهم الله تعالٰی اشبه فانهم قالوا لایجوز صرف الکفارة والنذر وصدقة الفطر والاضحیة الی المستامن ویجوز صرفها	ایک شرط جواز وصیت کی یہ ہے کہ حربی غیر مستامن نہ ہو ایسا ہو تو اس کے لئے وصیت باطل ہے مسلمان کرے خواہ ذمی، اور اگر حربی مستامن ہو تو امام محمد نے مبسوط میں ذکر فرمایا کہ جائز ہے اس لئے کہ وہ بھی ہمارے معاہدہ میں ہے تو ذمی سا ہوا اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حربی مستامن کے لئے بھی وصیت جائز نہیں اور یہی روایت ہمارے ائمہ کے قول سے زیادہ موافق ہے اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حربی مستامن کو بھی نذر و کفارہ و صدقہ فطر و قربانی کا گوشت دینا جائز نہیں۔ اور ذمی

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر فی اہل الذمہ الخ مکتبہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۷

الی الذمی لانا ما نھینا عن براھل الذمۃ لقولہ تعالٰی "لَا یَنۡهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیۡنَ لَمۡ یُقَاتِلُوۡكُمۡ فِی الدِّیۡنِ" وقیل ان فی التبرع علیہ فی حال الحیاۃ بالصدقۃ و الھبۃ روایتین عن اصحابنا فالوصیۃ لہ علی تلک الروایتین ایضًا (ملخصا)[1]	کو جائز ہے اس لئے کہ ذمیوں کے ساتھ احسان کی ہمیں ممانعت نہ فرمائی گئی، اللہ تعالٰی فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑیں، اور کہا گیا کہ زندگی میں حربی مستامن کو کچھ ہبہ یا خیرات دینے میں ہمارے ائمہ سے دو روایتیں ہیں تو اس کے لئے وصیت بھی انہیں دو روایتوں پر رہے گی۔ (ملخصا)

اس پر تمام کلام و نقض و ابرام ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ جدالممتار میں مذکور جس سے اطالت کی یہاں حاجت نہیں سیر کبیر سے حربی کے لئے اشعار جواز نقل کیا گیا مگر اس میں حربی فی دارہ کے لئے تصریح ہے محیط پھر قاضی زادہ نے اس کی عبارت یہ نقل کی:

لواوصی مسلم لحربی والحربی فی دارالحرب لاتجوز فان خرج الحربی الموصی لہ الی دارالاسلام بامان وارادا خذ وصیتہ لم یکن لہ من ذٰلک شیئ وان اجازت الورثۃ لان الوصیۃ وقعت بصفۃ البطلان فلا تعمل اجازۃ الورثۃ فیھا[2]۔	اگر مسلمان نے کسی حربی کے لئے وصیت کی اور حربی دارالحرب میں تھا جائز نہیں پھر اگر جس حربی کے لئے وصیت تھی امان لے کر دارالاسلام میں آئے اور اپنی وصیت لینا چاہے اسے اس میں سے کچھ نہ ملے گا اگرچہ وارث اجازت بھی دے دیں کہ وصیت سرے سے باطل واقع ہوئی تو وارثوں کی اجازت اس میں کیا کام دے گی،

اقول: ہاں فی دارہ کی قید اور سیاق کلام سے مستامن کے لئے جواز نکلتا ہے "**کما لا یخفی وبہ اندفع ایراد المحیط ثم نتائج الافکار علیھم**" (جیسا کہ مخفی نہیں اس سے محیط پھر نتائج الافکار کا ان پر اعتراض ختم ہوگیا۔ت) تو یہ اسی توفیق کی طرف مشیر جو علامہ مولی خسرو نے درر میں کی اور تنویر نے اسے متن میں لیا کہ مستامن کے لئے صحیح اور غیر مستامن کے لئے ناجائز، در میں اسے بحث درر ٹھہرایا حالانکہ منصوص ہے، وہی ہدایہ جس سے گزرا کہ حربی کے لئے وصیت باطل

[1] بدائع الصنائع کتاب الوصایا فصل واما شرائط الرکن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۴۱

[2] نتائج الافکار قاضی زادہ (شرح ہدایہ تکملہ فتح القدیر باب فی صفۃ الوصیۃ الخ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۵۵

اسی میں ہے کہ مستامن کے لئے صحیح باب وصیۃ الذمی میں فرمایا:

اذا دخل الحربی دارنا بامان فاوصی لہ مسلم بوصیۃ جاز لانہ مادام فی دار الاسلام فھو فی المعاملات بمنزلۃ الذمی[1] (ملخصاً)	جب حربی امان لے کر دارالاسلام میں آئے اور اس وقت مسلمان اس کے لئے کچھ وصیت کرے تو جائز ہے اس لئے کہ وہ جب تک دارالاسلام میں ہے معاملات میں بمنزلہ ذمی ہے۔

اقول: اور یہی مفاد کریمتین ممتحنہ ہے کہ معاہد کے لئے رخصت اور غیر معاہد سے ممانعت اور مستامن بھی مثل ذمی معاہد ہے اگرچہ اس کا عہد موقت ہے کما تقدم عن البدائع والھدایۃ (جیسا کہ بدائع اور ہدایہ سے گزرا۔ت) اور وصیت عـــہ۱ و صدقہ میں فرق کی کچھ وجہ نہیں کہ دونوں بر وصلہ ہیں خصوصا کریمہ "لَا یَنْھٰکُمُ اللہُ" کا نزول ہی در بارہ مستامن ہوا تو ایسی تخصیص کہ اصل سبب کی نفی کردے کیونکر روا ہو جس طرح شرح سیر کبیر کا اطلاق کہ ہر گونہ حربی کے لئے جواز کا موہم ہے کیونکر مقبول ہوسکتا ہے کہ کریمہ "اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللہُ" کا صاف منافی ہے اور عـــہ۲ یہ کہنا کہ اس میں موالات سے ممانعت ہے نہ کہ صلہ سے۔

اقول: یہ محض بے معنی ہے موالات ہر کافر سے حرام ہے اگرچہ ذمی ہو اگر صلہ ہر حربی کے لئے بھی جائز ہو تو فریقین میں فرق کیا رہا حالانکہ صریح نزول کریمتین اثبات فرق کے لئے ہے، تو قطعاً عـــہ۳ کریمہ ثانیہ میں صلہ ہی کو موالات فرمایا اور اسی سے منع کیا، لاجرم اس کی صحیح تاویل وہی ہے جو ابھی محیط وہندیہ سے گزری کہ حربی سے مستامن یعنی معاہد مراد ہے، لاجرم اسی ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ذکر الامام رکن الاسلام علی السغدی اذا کان حربیا فی دار الحرب وکان الحال حال صلح ومسالمۃ فلا باس بان یصلہ[2]۔	امام رکن الاسلام علی سغدی نے فرمایا: جب حربی دارالحرب میں ہو اور وہ وقت صلح معاہدہ التوائے جنگ کا وقت ہو تو اس سے مالی سلوک میں حرج نہیں۔

عـــہ۱: تعریض بما فی ردالمحتار ۱۲ منہ غفرلہ

عـــہ۲: تعریض بما فی بعض التفاسیر ۱۲ منہ غفرلہ

عـــہ۳: تفاسیر معالم وخازن وکبیر وتفسیر ابن عباس کے نصوص ابھی آتے ہیں۔

[1] الھدایۃ باب وصیۃ الذمی مطبع یوسفی لکھنو ۴/ ۶۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع عشر فی اہل الذمہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۷

اس تحقیق سے بہت عبارات میں توفیق ہو گئی جن میں حربی کے لئے مطلقاً ممانعت ہے جیسے ارشاد جامع صغیر و کتب کثیر ان میں حربی غیر معاہد مراد ہے، لاجرم کافی پھر درر پھر نتائج الافکار نے کلام جامع صغیر یوں نقل کیا:

الوصیة للحربی وھو فی دار الحرب باطلة لانھا بر وصلة وقدنھینا عن بر من یقاتلنا لقولہ تعالٰی انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین[1]۔	حربی کہ دار الحرب میں ہو اس کے لئے وصیت باطل ہے اس لئے کہ وہ احسان ونیک سلوک ہے اور حربی کے ساتھ نیک سلوک سے ہمیں منع فرمایا گیا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے لڑے۔

جامع صغیر شریف کے متعدد نسخے حاضر، اس کی عبارت صرف اس قدر ہے:

الوصیة لاھل الحرب باطلة[2]۔	حربیوں کے لئے وصیت باطل ہے۔

اور یہی اس سے بدایہ متن ہدایہ میں منقول، نہ اس میں تعلیل ہے، نہ لفظ "ھو فی دارھم" ضرور، یہ بعض شروح جامع کی عبارت ہے جسے کافی نے حسب عادت علماء جامع کی طرف نسبت فرمایا تو شارح نے اطلاق جامع کو غیر مستامن پر حمل کیا اور جن میں مطلق جواز ہے جیسے عبارت شرح سیر کبیر جس کو محیط نے اسی عــہ عادت کی بناء پر سیر کبیر کی طرف نسبت کیا ان میں مستامن ومعاہد مقصود جس طرح خود محیط نے تصریح کی کہ: اراد بالمحارب

عــہ: فلا علیك مماوقع فی زکٰوة[3] ش من عزوہ لمحمد فی السیر الکبیر فقد ابان الصواب فی الوصایا ناقلا عن العلامة جوی زادہ ان مراد ھم مایدل علی الجواز ماذکر فی شرح السیر الکبیر[4] للامام السرخسی منہ غفرلہ۔	شامی کی کتاب الزکوٰۃ میں سیر کبیر کے حوالہ سے جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کی طرف منسوب ہے وہ تجھے اشتباہ نہ دے اس لئے کہ شامی کے وصایا میں علامہ جوی زادہ سے درست وصحیح عبارت منقول ہے کہ جواز پر دلالت کرنے سے ان کی وہ دلیل مراد ہے جو امام سرخسی کی شرح سیر کبیر میں مذکور ہے۔ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوصایا مطبعہ احمد کامل الکائنۃ دار سعادت مصر ۲/ ۴۲۹، نتائج الافکار تکملہ فی القدیر باب صفة الوصیة مایجوز من ذٰلك مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۵۵

[2] الجامع الصغیر باب الوصیة بثلث المال مطبع یوسفی لکھنو ص ۱۷۰

[3] ردالمحتار مطبوعہ کوئٹہ ۲/ ۷۳

[4] ردالمحتار مطبوعہ کوئٹہ ۵/ ۴۶۳

المستامن [1] حربی سے مستامن مراد لیا، اسی طرح عبارت موطائے امام محمد:

لاباس بالهدية الى المشرك المحارب مالم يهدالیه سلاح اودرع وهو قول ابی حنیفة والعامة من فقهائنا [2]۔	حربی مشرک کو ہدیہ دینے میں حرج نہیں جب تک ہتھیار یا زرہ کا بھیجنا نہ ہو اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور ہمارے عام فقہاء کا ہے۔

وصیت بھی ہدیہ ہی ہے کہ تملیک عین مجانا ہے، اور امام محمد جامع صغیر میں صاف فرما چکے کہ ان کے لئے وصیت باطل تو ہدیہ کیسے جائز ہو سکتا ہے مگر اسی فرق سے کہ معاہد کے لئے جائز اور غیر معاہد کے لئے ناجائز، جس طرح خود امام نے سیر کبیر میں اشعار فرمایا اور کتاب الاصل میں ارشاد امام نے تو بالکل کشف حجاب فرمادیا کہ فرمایا حربی کے لئے باطل، پھر فرمایا: مستامن کے لئے جائز، ردالمحتار میں ہے:

نص محمد فی الاصل علی عدم جواز الوصیة للحربی صریحا [3]۔	امام محمد نے اصل میں روشن تصریح فرمائی کہ حربی کے لئے وصیت جائز نہیں۔

بدائع امام ملک العلماء سے گزرا:

وان کان مستامناذکر فی الاصل انه یجوز [4]۔	امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ کافر اگر مستامن ہو تو اس کے لئے وصیت جائز ہے۔

خانیہ امام فقیہ النفس میں ہے:

اوصی مسلم لحربی مستامن بثلث ماله ذکر فی الاصل انه تجوز وقیل هذا قول محمد وعن ابی حنیفة فی روایة لاتجوز وان لم یکن الحربی مستامنا لاتجوز فی قولهم [5]۔	کسی مسلمان نے حربی مستامن کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی، مبسوط میں فرمایا: یہ جائز ہے، بعض نے کہا: یہ قول امام محمد کا ہے، اور امام اعظم سے ایک روایت میں ہے کہ جائز نہیں اور اگر حربی مستامن نہ ہو تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

---

[1] المحیط البرہانی

[2] مؤطا امام محمد باب مایکرہ من لبس الحریر والدیباج آفتاب عالم پریس لاہور ص ۳۷۱

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ۵/ ۴۶۳

[4] بدائع الصنائع کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۴۱

[5] فتاوٰی قاضی خان فعل فیمن تجوز وصیة وفیمن لاتجوز وصیة الخ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۸۳۷

رہا شرح سرخسی میں یہ استدلال کہ قحط مکہ معظّمہ میں حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پانسو اشرفیاں ابوسفیان وصفوان بن امیہ کو عطا فرمائیں کہ فقرائے مکہ پر تقسیم کریں، **اقول:** واقعہ عین کے لئے عموم نہیں ہوتا۔ **ممکن** کہ وہ زمانہ صلح ومعاہدہ ہو معہذا ابوسفیان وصفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں مؤلفۃ القلوب سے تھے، **ممکن** کہ اس مد سے عطا فرمائی ہوں پھر بھی وہ عبارات باقی رہیں جن میں مستامن کے لئے بھی عدم جواز کا صریح ارشاد ہے یونہی وہ کہ حربی غیر معاہد کے لئے بھی جواز ان کا مفاد ہے، ہندیہ میں محیط سے ہے:

لو ان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیۃ فلاباس بہ[1]۔	اگر مسلمانوں کا کوئی لشکر دارالحرب میں داخل ہو اور سپہ سالار دشمنوں کے بادشاہ کو کچھ ہدیہ بھیجے کچھ مضائقہ نہیں۔

ائمہ لیڈروں پر سخت اشد عذاب:

ظاہر ہے کہ فَے وہی مال ہے کہ کافر سے بے لڑے قہراً لیا جائے اور لڑ کرلیں تو غنیمت، اور ایام معاہدہ کے ہدایا قہر نہیں، شرح سیر کبیر میں ہے:

لووادع الامام قوما من اھل الحرب سنۃ علی مال دفعوہ الیہ جاز لو خیرا للمسلمین ثم ھذا المال لیس بفیئ ولاغنیمۃ حتی لا یخمس، ولکنہ کالخراج یوضع فی بیت المال لان الغنیمۃ اسم لمال یصاف بایجاف الخیل والرکاب والفیئ اسم لما یرجع من اموالھم الی ایدینا بطریق القھر وھذا یرجع الینا بطریق المراضاۃ[2]۔	اگر سلطان اسلام نے حربیوں کے کسی گروہ سے سال بھر کے لئے صلح کرلی اور اس پر کچھ مال ان سے لے لیا تو اگر یہ مسلمانوں کے حق میں بہتر ہو تو جائز ہے پھر یہ مال نہ فَے ہے نہ غنیمت، یہاں تک کہ اس سے خمس نہ لیا جائے گا، ہاں وہ خراج کی طرح ہے خزانہ مسلمین میں داخل کیا جائے گا، اس لئے کہ غنیمت اس مال کا نام ہے جو گھوڑے اونٹ دوڑا کر یعنی لڑ کر ملے اور فے اس مال کا نام ہے جو ہمیں ان سے بطور غلبہ ہاتھ آئے اور یہ تو ہم کو بطور رضامندی حاصل ہوا۔

خیالات لیڈران کا قلع قمع اس توفیق انیق ہی سے ہوگیا، یہ دونوں قسمیں ان پر اشد ہیں ان کے دونوں مزعوم کا سخت ترد ہیں، قسم اول نے حربی معاہد کے ساتھ بھی ذرا سا سلوک مالی حرام فرمایا ان کے فقیر گداگر کو بھیک

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الفصل الثالث مکتبہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶
[2] شرح السیر الکبیر

دینے تک منع بتایا اور لیڈروں نے غیر معاہد مشرکوں سے وداد واتحاد منایا بلکہ ان کی غلامی وانقیاد کا کلنک لگایا۔
قسم دوم نے خود محارب ونامعاہد حربیوں کو ہدیہ دینا لینا جائز ٹھہرایا، لیڈروں کے مطلقاً ترک تعاون کی فرضیت کا درباجلایا۔ خیر انھیں اسی طرح ہر طرف کی ضرب وجرح ورد وطرح میں چھوڑئیے، جانب توفیق باگ موڑیئے،

سلوک مالی کی اقسام

فاقول: سلوک مالی تین طرح ہیں:

مرحمت، مکرمت، مکیدت

اول یہ کہ محض اسے نفع دینا خیر پہنچانا مقصود ہو یہ مستامن معاہد کے لئے بھی حرام ہے، امان ومعاہد وکفِ ضرر کے لئے ہے نہ کہ اعداء اللہ کو بالقصد ایصال خیر کے واسطے۔
دوم یہ کہ اپنی ذاتی مصلحت مثل مکافات احسان ولحاظ رحم کے لئے کچھ مالی سلوک، یہ معاہد سے جائز نامعاہد سے ممنوع۔
سوم یہ کہ مصلحت اسلام ومسلمین کے لئے محاربانہ چال ہو، یہ حربی محارب کے واسطے بھی جائز کہ حقیقت بروصلہ سے اسے علاقہ نہیں۔

موالات کی تقسیم اور اس کے احکام:

تحقیق مقام یہ ہے کہ موالات دو قسم ہیں:
اول حقیقیہ: جس کا ادنٰی [1] رکون یعنی میلان قلب ہے، پھر [2] وداد پھر [3] اتحاد پھر اپنی خواہش سے بے خوف و [4] طمع انقیاد پھر [5] تبتل یہ بجمیع وجوہ ہر کافر سے مطلقاً ہر حال میں حرام ہے۔

میل طبعی کا حکم

قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1]۔	ظالموں کی طرف میل [عہ] نہ کرو کہ تمھیں آگ چھوئے۔

مگر میل طبعی جیسے ماں باپ اولاد یا زن حسینہ کی طرف کہ جس طرح بے اختیار ہو زیر حکم نہیں پھر بھی

عہ: جب مجرد میلان قلب کو حرام وموجب عذاب نار فرمایا تو وداد واتحاد وانقیاد وتبتل کس قدر سخت کبیرہ موجب عذاب اشد ہوں گے لیڈر وداد واتحاد وانقیاد سب خود قبول کررہے ہیں، **والعیاذ باللہ تعالٰی** ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

اس تصور سے کہ یہ اللہ ورسول کے دشمن ہیں ان سے دوستی حرام ہے، بقدر قدرت اس کا دبانا یہاں تک کہ بن پڑے تو فنا کردینالازم ہے کہ شے مستمر میں بقاء کے لئے حکم ابتدا ہے کہ اعراض ہر آن متجدد ہیں آنا بے اختیار تھا اور جانا یعنی ازالہ قدرت میں ہے تو رکھنا اختیار موالات ہوا اور یہ حرام قطعی ہے ولہذا جس غیر اختیاری کے مبادی اس نے باختیار پیدا کئے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو زوال عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا، **قال تعالٰی**:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(۲۳)" [1]۔	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہی پکا ظالم ہوگا۔

تفسیر کبیر ونیشاپوری وخازن وجمل وغیرہا میں ہے:

انه تعالٰی امر المومنین بالتبری عن المشرکین و بالغ فی ایجابه. قالوا کیف تمکن هذه المقاطعة التامة بین الرجل وبین ابیه وامه واخیه. فذکر الله تعالٰی ان الانقطاع من الاٰباء والاولاد والاخوان واجب بسبب الکفر [2]۔	جب اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو مشرکوں سے بیزاری کا حکم دیا اور بتاکید شدید واجب فرمایا تو بعض مسلمانوں نے کہا آدمی کا اس کے باپ اور ماں اور بھائی سے یہ پورا انقطاع کیونکر ممکن ہے، اس پر رب عزوجل نے فرمایا کہ باپ اور اولاد اور بھائیوں سے ان کے کفر کے سبب پورا انقطاع ہی لازم ہے۔

موالات صوریہ کے احکام:

دوم صوریہ: کہ دل اس کی طرف اصلا مائل نہ ہو مگر برتاؤ وہ کرے جو بظاہر محبت ومیلان کا پتا دیتا ہو، یہ بحالت ضرورت وبمجبوری صرف بقدر ضرورت ومجبوری مطلقاً جائز ہے۔ **قال تعالٰی**:

"اِلَّاۤ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةًؕ" [3]۔	مگر یہ کہ تمھیں ان سے پورا واقعی خوف ہو۔

بقدر ضرورت یہ کہ مثلاً صرف عدم اظہار عداوت میں کام نکلتا ہو تو اسی قدر پر اکتفا کرے اور اظہار محبت کی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) آیہ قل ان کان آباء کم الخ کے تحت المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

ضرورت ہو تو حتی الامکان پہلودار بات کہے صریح کی اجازت نہیں اور بے اس کے نجات نہ ملے اور قلب ایمان پر مطمئن ہو تو اس کی بھی رخصت اور اب بھی ترک عزیمت، ابناء جریر و منذر و ابی حاتم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

نھی اللہ المومنین ان یلاطفوا الکفار و یتخذوھم ولیجۃ من دون المؤمنین الاان یکون الکفار علیھم ظاھرین اولیاء فیظھرون لھم اللطف ویخالفونھم فی الدین وذٰلک قولہ تعالٰی الا ان تتقوا منھم تقٰۃ [1]۔	اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ کافروں سے نرمی کریں اور مسلمانوں کے سوا ان میں سے کسی کو راز دار بنائیں مگر یہ کہ کافران پر غالب ووالیان ملک ہوں تو اس وقت ان سے نرمی کا اظہار کریں اور دین میں مخالفت رکھیں اور یہ ہے مولٰی تعالٰی کا ارشاد مگر یہ کہ تم کو ان سے واقعی پورا خوف ہو۔

مدارک میں ہے۔

ای الا ان یکون للکافر علیک سلطان فتخافہ علی نفسک ومالک فحینئذ یجوز لک اظھار الموالاۃ و ابطان المعاداۃ [2]۔	یعنی مگر یہ کہ کافر کی تجھ پر سلطنت ہو تو تجھے اس سے اپنے جان ومال کا خوف ہو اس وقت تجھے جائز ہے کہ اس سے دوستی ظاہر کرے اور دشمنی چھپائے۔

کبیر میں ہے:

وذٰلک بان لایظھر العداوۃ باللسان، بل یجوز ایضا ان یظھر الکلام الموھم للمحبۃ والموالاۃ، ولکن بشرط ان یضمر خلافہ وان یعرض فی کل مایقول [3]۔	یہ یوں ہے کہ زبان سے دشمنی ظاہر نہ کرے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایسا کلام کہے جو محبت و دوستی کا وہم دلائے مگر شرط یہ ہے کہ دل میں اس کے خلاف ہو اور جو کچھ کہے پہلو دار بات کہے۔

صوریہ کی اعلٰی قسم ۶ مداہنت ہے اس کی رخصت صرف بحالت مجبوری واکراہ ہی ہے اور ادنٰی قسم ۷ مدارات یہ مصلحتاً بھی جائز،

قال اللہ تعالٰی:

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) القول فی تاویل قولہ لایتخذ المومنون الکفرین الخ المطبعۃ المیمنہ مصر ۳/ ۱۴۰

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیہ ۳/ ۲۸ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۵۳

[3] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) آیہ ۳/ ۲۸ المطبعۃ البہیۃ مصر ۸/ ۱۴

"وَ اِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ "[1] ۔	اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو تاکہ کلام الٰہی سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔

ظاہر ہے کہ اس وقت غلظت وخشونت منافی مقصود ہوگی۔

مدارات کا بیان

مدارات صرف اس ترک غلظت کا نام ہے اظہار الفت ورغبت پھر کسی قسم اعلٰی میں جائے گا اور اسی کا حکم پائے گا، مدارات ومداہنت کے بیچ میں موالات صوریہ کی دو قسمیں اور ہیں: بر واقساط اور معاشرت، یہ نو صورتیں موالات کی ہوئیں اور دس کی مکمل مجرد معاملت ہے، نہ کہ میلان پر مبنی نہ اس سے منبی، یہ سوائے مرتد ہونے کافر سے جائز ہے جب تک کسی محظور شرعی کی طرف منجر نہ ہو معاشرت کے نیچے افعال کثیرہ ہیں، سلام وکلام، مصافحہ، مجالست، مساکنت، مواکلت وتقریبوں میں شرکت، عیادت، تعزیت، اعانت، استعانت، مشورت وغیرہا ان سب کے صور وشقوق کی تفصیل اور ہر صورت پر بیان حکم ودلیل ایک مستقل رسالہ چاہے گا، یہاں بر وصلہ سے بحث ہے جس کی ہم نے تین قسمیں بیان کیں، قسم اول کہ بے اپنی کسی غرض صحیح کے بالقصد ایصال نفع وخیر منظور ہو یہ بے رغبت ومیلان قلب متصور نہیں، تو موالات حقیقیہ ہے اور مطلقاً قطعاً حرام قطعی، باقی دو قسمیں کہ اپنی غرض ذاتی یا مصلحت دینی مقصود ہو تو موالات صوریہ کی ایک ہلکی قسمیں ہیں اگرچہ مجرد ترک غلظت پر ان میں شے زائد ہے، ان دو میں فرق یہ ہے کہ قسم دوم بھی اگرچہ حقیقت موالات سے بر کراں ہے اور صورۃً بھی کوئی قوی دلیل نہیں مگر معنی کچھ اس کی نفی وضد بھی نہیں، اور سوم حقیقۃً معادات وقصد اضرار ہے، لہٰذا حربی محارب سے بھی جائز ہوئی کہ اب وہ ظاہری صورت خدعہ اور چال رہ گئی والحرب خدعة[2] (لڑائی فریب ہے۔ت) کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنا کیسا اشد حرام وکبیرہ ہے لیکن اگر مثلاً اس لئے ہو کہ وہ تعاقب کرتے چلے آئیں گے اور آگے اسلامی کمین ہے جب اس سے گزریں ان کے پیچھے سے کمین کا لشکر نکلے اور آگے سے یہ لوٹ پڑیں اور کافر گھر جائیں تو ایسا فرار بہت پسندیدہ ہے کہ یہ صورۃً فرار معنیً کرّار ہیں، قال تعالٰی:

"وَ مَنۡ يُّوَلِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوۡ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدۡ بَآءَ "[3]	جہاد کے دن جو کوئی کافروں کو پیٹھ دکھائے گا سوا اس کے جو لڑائی کے لئے کنارہ کرنے یا اپنے جتھے میں جگہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶

[2] صحیح البخاری باب الحرب خدعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۵

[3]

"بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۶ "[1]	لینے کو جائے وہ بیشک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ کیا ہی بری پھرنے کی جگہ ہے۔

حربی غیر معاہد سے موالات کی حالی صورت بھی حرام ہے:

اور دوم ان سے جائز نہیں کہ حقیقت معادات سے خالی اور صورت موالات حالی یہ صرف معاہدین کے لئے ہے "تنزیلا للناس منازلھم "ہر شخص کو اس کے مرتبے پر رکھنے کے لئے۔اور غیر معاہد کے لئے یہ بھی موالات ممنوعہ ہی ہے اوپر گزرا کہ مولیٰ عزوجل نے ان سے صوریہ کو بھی مثل حقیقیہ منع فرمایا اور اس کا نام بھی مودت ہی رکھا کہ "تلقون الیھم بالمودۃ تسرون الیھم بالمودۃ[2] (تم انھیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے تم انھیں محبت کا خفیہ پیغام پہنچاتے ہو۔ت) یہ ہے حقیقت انیق متکفل توفیق و تطبیق والحمدللہ علی حسن التوفیق۔

آیات ممتحنہ میں بر و معاملات سے کیا مراد:

اس تحقیق سے روشن ہوا کہ کریمہ "لَایَنْهٰىكُمُ" میں بر سے صرف اوسط مراد ہے کہ اعلیٰ معاہد سے بھی حرام اور ادنیٰ غیر معاہد سے بھی جائز،اور آیت فرق کے لئے اتری ہے نیز ظاہر ہوا کہ کریمہ "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ" میں "تولوھم "سے یہی بر وصلہ مراد ہے تاکہ مقابلہ فرق ظاہر ہو لاجرم تفسیر معالم و تفسیر کبیر میں ہے:

ثم ذکر الذین ینھاھم عن صلتھم فقال "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" الاٰیۃ[3]۔	پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا جن سے نیک سلوک کی ممانعت ہے کہ فرمایا اللہ تمھیں ان سے منع کرتا ہے جو تم سے دین میں لڑیں۔

تنویر المقباس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے:

(اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ) عن صلۃ الذین (ان تولوھم) ان تصلوھم[4] (ملخصاً)	اللہ تمھیں ان سے منع فرماتا ہے یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے سے کہ ان سے موالات یعنی نیک سلوک کرو۔

[1] القرآن الکریم ۸/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) زیر آیۃ انما ینھکم اللہ عن الذین الخ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۳۰۴

[4] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس القرآن الکریم انما ینھکم اللہ عن الذین الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۵۱

معنی اقساط کی تحقیق:

تنبیہ چہارم: معنی اقساط میں مفسرین تین وجہ پر مختلف ہوئے:

اول کشاف ومدارک وبیضاوی وابوالسعود وجلالین میں اسے بمعنی عدل ہی لیا اولین میں اور واضح کردیا کہ ولاتظلموھم امام ابوبکر ابن العربی نے اس پر ایراد کیا کہ عدل ومنع ظلم کا حکم معاہد سے خاص نہیں حربی محارب کو بھی قطعاً عام ہے اور وہ صرف رخصت نہیں بلکہ قطعاً واجب۔ قال تعالٰی:

"وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ "[1]	کسی قوم کی عداوت تمھیں عدل نہ کرنے پر باعث نہ ہو عدل کرو وہ پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے

یہ تقریر ایراد ہے اور اسے قرطبی خطیب شربینی پھر جمل نے مقرر رکھا۔

دوم عدل سے صرف وفائے عہد مراد ہے اسے کبیر میں مقاتل سے نقل کیا اور یہی تنویر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

(ان تقسطوا علیھم) تعدلوا بینھم بوفاء العھد (ان اللہ یحب المقسطین) العادلین بوفاء العھد[2]۔	ان کے ساتھ اقساط کی اجازت فرماتا ہے یعنی جو معاہدہ ان کے ساتھ ہوا اسے پورا کرو یہ عدل ہے بیشک اللہ تعالٰی اقساط والوں کو دوست رکھتا ہے جو وفائے عہد سے عدل کرتے ہیں۔

اگر کہئے معاہد سے وفائے عہد بھی واجب ہے نہ صرف رخصت **اقول** وفا واجب ہے اتمام مدت واجب نہیں، مصلحت ہو تو نبذ جائز، قال تعالٰی: "فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ "[3] (ان کی طرف یکساں حالت پر نبذ کردو عہ۔ اب ایراد بھی نہ رہا اور بر وقسط دو جدا چیزیں ہوگئیں، اور " اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۸ " یہاں بھی بلا تکلف ہے۔

عہ: جن کفار سے ایک مدت تک معاہدہ ہو اور مصلحت اسلام اس کا ترک چاہے، فرض ہے کہ ان کو اطلاع کردی جائے ہوشیار ہوجاؤ اب ہم تم سے معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے اس کا نام نبذ ہے اس میں فرض ہے کہ اگر اس وقت وہ امن کی جگہ نہ ہوں تو اتنی مہلت دی جائے کہ وہ اپنی امان کی جگہ پہنچ جائیں، اور اگر (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸

[2] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۵۱

[3] القرآن الکریم ۸/ ۵۸

اور اسے ماثور ہونے کا بھی شرف حاصل اگرچہ سند ضعیف ہے تو یہی اسلم واقوی ہے۔

سوم عدل سے مراد صرف عدل بالبر ہے، ابن جریر و معالم وخازن میں ہے: **تعدلوا فیھم بالاحسان والبر**[1] (ان سے انصاف کا برتاؤ کرو بھلائی اور نیکی کے ساتھ۔ت) ابن العربی وقرطبی وشربینی ونیشاپوری وجمل نے اس کی یوں توجیہ کی اقساط قسط بمعنی حصہ سے یعنی اپنے مال سے کچھ دینا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ممکن ہے کہ عدل سے **عدل فی البر** مراد ہو نہ کہ **بالبر** اسماء بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی ماں عہد معاہدہ میں آتی ہے یہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس سے صلہ کا مسئلہ پوچھتی ہیں اس پر یہ آیہ کریمہ اترتی ہے وہ اگر کچھ ہدیہ نہ لاتی یہ اپنی طرف سے صلہ کرتیں یا جتنا وہ لاتی اس سے زائد یہ دیتیں تو کل یا قدر زائد۔ ان کی طرف سے احسان ہوتا یہ بر ہے، اتنا ہی دیتیں تو دینے میں عدل یعنی مساوات ہوتی، یہ اقساط ہے، آیہ کریمہ نے معاہد سے دونوں صورتوں کی اجازت فرمائی اب یہ آیت زیادت ومساوات دونوں کی اجازت اور ان میں تقدیم ذکر زیادت میں آیت تحیت کی نظیر ہوگی "وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ ﴿۸۵﴾ "[2] جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے زیادہ الفاظ جواب میں کہو یا اتنے ہی، **واللہ تعالٰی اعلم بمرادہ**، یہ ہے **بتوفیق اللہ تعالٰی**، تفسیر کریمہ ممتحنہ میں تمام کلام کہ ان اوراق کے غیر میں نہ ملے گا **والحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا والہ وذویہ امین والحمد للہ رب العالمین**۔ بالجملہ عطر ارشادات ائمہ ونتیجہ تنقیحات ممہ یہ ہوا کہ کریمہ ممتحنہ میں اگر قتال سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) باطمینان معاہدہ وہ اپنے قلعے خراب کرچکے ہوں تو فرض ہے کہ اتنی مدت دی جائے جس میں وہ اپنے قلعے درست کرلیں یہاں سے یکساں حالت کے معنی کھل گئے یعنی یہ نہ ہو کہ اپنا سامان ٹھیک کرکے ان کی غفلت میں نبذ کردو اور انھیں درستی سامان کی مہلت نہ دو، یہ ہے اسلام کا انصاف **والحمد للہ ۱۲ منہ غفرلہ**۔

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) زیر آیہ لاینھٰکم اللہ عن الذین الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۲۸/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

قتال بالفعل مراد ہو تو یقیناً آیات کثیرہ سے منسوخ جس کے نسخ پر تصریحات جلیلہ مذکورہ کے علاوہ مبسوط وعنایہ وکفایہ وتبیین وبحر الرائق وردالمحتار کے نصوص کا اور اضافہ ہوا یہ جواب اول تھا اور اگر مطلق قتال مقصود کہ ہر حربی غیر معاہد میں موجود، تو ضرور آیت محکم اور مشرکین ہند کو اس میں داخل نہ کرنا شدید ظلم وستم یہ جواب دوم ہوا، اور یہی مذہب جمہور ومشرب منصور ومسلک ائمہ حنفیّہ صدور ہے مسلم حنفی بننے والی ہندو پرستی نے نہ حنفیت قائم رکھی نہ حنیفیت، نہ مذہب ہی برقرار رکھا نہ شریعت، "ذٰلِکَ ھُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۱﴾" ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰه العلی العظیم، دو جواب تو ہوئے۔

لیڈروں کو تیسرا جواب

ثالثاً: وائے غربت اسلام وانصاف، کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے بالفعل محاربین سے بھی تمھیں عداوت کا اقرار رہا تھی کے دانت ہیں، کھانے کے اور دکھانے کے اور، کیا تمھیں نہیں ہو کہ جب وہ محاربین قاتلین ظالمین کافرین گرفتار ہوئے ان پر ثبوت اشد جرائم کے انبار ہوئے تمھاری چھاتی دھڑکی، تمھاری مامتا کی پھڑکی، گھبرائے، تلملائے، سٹپٹائے، جیسے اکلوتے کی پھانسی سن کر ماں کو درد آئے، فوراً گرما گرم دھواں دھار ریزولیوشن عہ پاس کیا ہے کہ ہے ہے یہ ہمارے پیارے ہیں۔ یہ ہماری آنکھ کے تارے ہیں، انھوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جلایا پھونکا، مسجدیں ڈھائیں، قرآن پھاڑے، یہ ہماری ان کی خانگی شکررنجی تھی، ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں، یہ ہمارے سگے ہیں کوئی سوتیاڈاہ نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی ملائی، برتن ایک دوسرے سے کھڑک ہی جاتا ہے ان کے درد سے ہمیں غش پر غش آتا ہے۔ ان کا بال بیکا ہوا اور ہمارا کلیجہ پھٹا، للہ ان کو معافی دی جائے، فوراً ان سے درگزر کی جائے، یہ ہے آیہ ممتحنہ پر تمھارا عمل، یہ ہے "الَّذِیۡنَ قٰتَلُوۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ" سے تمھاری جنگ وجدل۔ یہ ہے واحد قہار کو تمھارا پیٹھ دینا، یہ ہے کلام جبار سے تمھارا مچیٹا لینا ان تمھارے سگوں نے قرآن مجید پھاڑے، تم نے اس کے احکام پاؤں تلے مل ڈالے، انھوں نے مسجدیں ڈھائیں، تم نے رب المسجد کے ارشاد دولتیوں سے کچل ڈالے، قرآن چھوڑا مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منہ موڑا اور ان کے دشمنوں ان کے اعداء سے رشتہ جوڑا، یہ تمھیں اسلام کا بدلا ملا۔

عہ: بعض مفتیان بے انصاف اسے دیکھیں جنھوں نے لکھا تھا "اگر کوئی ہندو اس کے خلاف ہو تو اس صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ محارب سے بر وقسط ناجائز۔ ع

یہی اقرار یہی قول، یہی وعدہ تھا۔ الخ حشمت علی عفی عنہ

اف "بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝" [1]	اف ہے تم پر ظالموں نے کیا ہی برا عوض پایا۔

آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ تمھیں آیہ ممتحنہ پڑھنے کا کیا منہ ہے تمھارا پڑھنا یقینا مصداق "رب تالی القرآن و القرآن یلعنہ" [2] (بہتیرے وہ ہیں کہ وہ تو قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن انھیں لعنت فرمارہا ہے) ہے کیا اسی آیت کا تتمہ نہیں:

"وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝" [3]	تم میں جوان سے دوستی رکھے تو وہی پکے ظالم ہیں

جو ان سے موالات کرے وہی ظالم ہے تم نے خاص محاربین بالفعل مقاتلین فی الدین سے موالات کی تو تم بحکم قرآن ظالمین ہوئے یا نہیں، اور یہی قرآن فرماتا ہے:

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝" [4]	سن لو ظالموں پر اللہ کی لعنت۔

تو بحکم قرآن ایسے لوگ لعین ہوئے یا نہیں اب دو فتوے اب کرو آیہ ممتحنہ کا دعوی:

"وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝" [5] "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝" [6]	اور اللہ تعالٰی ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا کچھ لوگ کہتے ہیں ہم اللہ اور قیامت پر ایمان لائے اور انھیں ایمان نہیں، اللہ تعالٰی اور مسلمانوں سے فریب کرتے ہیں اور حقیقت میں وہ اپنی ہی جانوں کو فریب میں ڈالتے ہیں اور انھیں خبر نہیں، ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ان کے جھوٹ کا بدلا۔

لیڈروں کو چوتھا جواب:

رابعًا: ان صاحبوں سے یہ بھی پوچھ دیکھئے کہ سب جانے دو کریمہ "لَا يَنْهٰكُمُ" ہر مشرک غیر محارب کو عام ہو کر محکم ہی سہی اور مشرکین ہند میں کوئی بھی محارب بالفعل نہ سہی، اب دیکھو تمھارے ہاتھ میں قرآن سے کیا ہے، خالی ہوا۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵۰

[2] المدخل لابن الحاج الکلام علی جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۸۵ و ۲/ ۳۰۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۹

[6] القرآن الکریم ۲/ ۸تا۱۰

"وَ اَفۡـِٕدَتُهُمۡ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾"[1] اور ان کے دل اڑے ہوئے ہیں۔

کریمہ "لَا یَنۡهٰکُمُ" نے کچھ نیک برتاؤ مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی یا یہ [۱] فرمایا کہ انھیں اپنا انصار بناؤ، [۲] ان کے گہرے یار غار ہو جاؤ، [۳] ان کے طاغوت کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ، [۴] ان کی جے پکارو، [۵] ان کی حمد کے نعرے مارو، [۶] انھیں مساجد مسلمین میں بادب و تعظیم پہنچا کر [۷] مسند مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لے کا جا کر [۸] مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واعظ وہادی مسلمان بناؤ [۹] ان کا مردار جیفہ اٹھاؤ، [۱۰] کندھے پر ٹکٹکی زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ، [۱۱] مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ [۱۲] ان کے لئے دعائے مغفرت و [۱۳] نماز جنازہ کے اعلان کرو، [۱۴] ان کی موت پر بازار بند کرو سوگ مناؤ، [۱۵] ان سے اپنے ماتھے پر قشقے لگواؤ، [۱۶] ان کی خوشی کو شعار اسلام بند کراؤ، [۱۷] گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ، [۱۸] کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ، [۱۹] اسے مثل سور کے گناؤ، [۲۰] خدا کی قسم کی جگہ رام دہائی گاؤ، [۲۱] واحد قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ، [۲۲] اسے **معاذاللہ** رام [عہ] یعنی ہر چیز میں رما ہوا ہر شے میں حلول کئے ہوا ٹھہراؤ۔

عــہ: یہاں سے صریح گمراہی ظاہر ہوئی ان جاہل مفتیوں کی جنھوں نے کہا کہ "اس میں کیا حرج ہے رام خدا ہی کو تو کہتے ہیں" اور جب تنبیہ کی گئی کہ رام لچھن و سیتارام میں کون سے لکھا کہ "بظاہر رام ہنود کے یہاں خدا کو کہتے ہیں اور خدا کی دہائی دینا جائز ہے" اتحاد منانے کا اثر ہے کہ وہ جو شدید گالی رب العزت کو دینے میں مقبول و شیر مادر ہے، خدا کو تو رام بنالیا کیا اپنے آپ کو بھی مولوی کی جگہ پنڈت اور عبد مضاف باحد اسماء الٰہیہ کے بدلے رامداس اور اپنی مسجد کو شوالہ اور اپنے مدرسہ کو پاٹ شالا کہنا روا رکھیں گے، کیا ان لفظوں کی جگہ مولوی عبد۔۔۔ صاحب نے اپنے مدرسہ کی مسجد میں وعظ فرمایا یوں کہنے کی اجازت دیں گے کہ پنڈت رام داس جی نے اپنے پاٹ شالا کے شوالے میں کتھا بکھائی یا کم از کم اتنا کہ اپنے لئے مولوی صاحب السلام علیکم کے بدلے پنڈت جی نمنتکار کہنا روا رکھیں گے، اور یہی نہیں اپنے جنازوں کے ساتھ کلمہ طیبہ کی جگہ رام رام ست پکاریں گے کہ آخر ہنود کے نزدیک رام خدا ہی تو ہے اور خدا ضرور حق ہے، نہ اجازت دیں گے تو کیوں اللہ کو رام کہنا جائز، اور تمھارے لئے ویسے ہی ترجمے کرنا حرام معلوم ہوا، اللہ عزوجل کی عظمت سے اپنی عظمت دل میں زائد اور بہت زائد ہے، یہ ترجمہ کا سلسلہ تو بہت اونچا چلتا ہے مگر بے ادبوں کی اسی قدر سزا ہے ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۳

۲۳قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں لے جاؤ ۲۴دونوں کی پوجا کراؤ ۲۵ان کے سرغنہ کو کہو خدا نے ان کو تمھارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے، یوں معنی نبوت جماؤ، اللہ عزوجل عہ نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یہی فرمایا "اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ﴿۲۱﴾" [1] تم تو نہیں مگر مذکر۔ اور خدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا، ہاں لفظ بچایا ۲۶اسے یوں دکھایا نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے ۲۷اور امام و پیشوا و بجائے مہدی موعود تو صاف کہہ دیا بلکہ ۲۸اس کی حمد میں یہاں تک کہ اونچے اڑے کہ "خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست" ۲۹صاف کہہ دیا کہ "آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو خوش کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لیا، صاف کہہ دیا کہ "ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا، ۳۰صاف کہہ دیا کہ "ایسا مذہب چاہتے ہیں جو سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا" ۳۱صاف کہہ دیا کہ "ہم نے قرآن مجید و حدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی" کیا کریمہ "لَا يَنْهٰىكُمُ" میں ان ملعونات و کفریات کی اجازت دی تھی۔

"وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ" [2] "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ	تمھاری خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمھیں عذاب میں بھون دے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یہ ہیں وہ لوگ کہ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے

عہ: یہاں سے صاف ظاہر ہوئی ان جاہل مفتیوں کی جنھوں نے لکھا "مذکر یاد دلانے کے معنی میں بولا جاتا ہے پس اگر کسی کو مذکر یعنی کوئی بات یاد دلانے کہا جائے تو جائز ہے" مسلمانو! للہ انصاف کہاں تو کوئی بات یاد دلانے والا اور کہاں یہ کہ "خدا نے ان کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے گاندھی کو پیشوا نہیں بلکہ قدرت نے تم کو سبق پڑھانے والا مدبر بنا کر بھیجا، یہ گلفشانی جدید لیڈر بننے والے جناب عبدالماجد بدایونی کی ہے جو جلسہ جمعیت علمائے ہند دہلی میں ہوئی اور اخبار فتح دہلی ۲۴ نومبر میں چھپی انھیں کی حمایت میں مفتی مذکور کا وہ فتوٰی ہے مگر معلوم نہیں ان مفتی صاحب فقیہ کی کتاب علم یا ان کے طور پر پنڈت رام داس جی شاستری کی ودیا پشتک میں مولوی عبدالماجد کو پانڈے شری داس کہنے کا بھی جواز ہے یا ان کے کھیلنے کے لئے صرف بارگاہ قہار بے نیاز ہے ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

"الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلٰی رَبِّہِمۡ ۚ اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿ۙ۱۸﴾ الَّذِیۡنَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ وَ ہُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ کٰفِرُوۡنَ ﴿۱۹﴾ "۔[1]	یہ ہیں وہ جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا سن لو ظالموں پر اللہ کی لعنت وہ جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔

دیکھی تم نے آئینہ ممتحنہ میں اپنی صورت:

"وَ ذٰلِکَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾ "[2] " کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَۃِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ "[3]	یہ سزا ہے ظالموں کی، عذاب ایسا ہوتا ہے اور بیشک آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے کیا اچھا ہوتا اگر وہ جانتے۔

لیڈروں سے ضروری سوال:

سوال ضروری لیڈران اور پارٹی کو اب تو کھلا کہ انھوں نے یقیناً دشمنان خدا اور رسول سے وداد واتحاد منایا اور ان کا کوئی عذر بارد انھیں کام نہ آیا اب قرآن کریم سے اپنا حکم بتائیں، اوپر آیہ کریمہ تلاوت ہوئی:

" لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ "[4]	تم نہ پاؤگے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ مخالفان خدا ورسول سے وداد کریں۔

دوسری آیات میں فرمایا:

" تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَا اتَّخَذُوۡہُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾ "[5]	تم ان میں بہت کو دیکھوگے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں بیشک کیا ہی بری چیز ہے جو خود انھوں نے اپنے لئے تیار کی، یہ کہ ان پر اللہ کا غضب اترا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر انھیں اللہ ونبی وقرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں کو دوست نہ بناتے مگر ہے کہ ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸و۱۹

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[5] القرآن الکریم ۵/ ۸۰،۸۱

ترک موالات میں لیڈروں کی افراط و تفریط:

فرمایئے اللہ واحد قہار سچا کہ ہندوؤں سے وداد واتحاد منانے والے ہر گز مسلمان نہیں انھیں اللہ و نبی وقرآن پر ایمان نہیں، یا معاذاللہ یہ سچے کہ ہم توٹکسالی مسلمان ہیں ہم تو قوم کے لیڈران وریفارمران ہیں، مسلمان تو یہی کہے گا کہ اللہ سچا" ومن اصدق من اللہ حدیثا"، غرض ترک موالات میں افراط کی تو وہ کہ مجرد معاملت حرام قطعی اور تفریط کی تو یہ کہ ہندوؤں سے وداد واتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی وانقیاد فرض بلکہ مدار ایمان۔

فسبحٰن مقلب القلوب والابصار۔	پاکی ہے اسے جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتا ہے۔

اول میں تحریم حلال کی، دوم میں تحلیل حرام بلکہ افتراض حرام اور ان دونوں کے حکم ظاہر وطشت از بام۔

انگریزوں کو خوش کرنے کے لئے بہتانی الزام کا رد:

للہ انصاف! کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کے خوش کرنے کو معاذاللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا یا ان کے اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ واحکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا، مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہئے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتوی اہلسنت نے دیئے کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کئے یہ توان کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کے ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اُپجی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر، رونے بیٹھے ہیں۔ کیا اس کا رد علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کو خوش کرنے کو تھا، کیا بکثرت رسائل ومسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے، حتی کہ اس کے بچے ندوے کے رد میں پچاس ۵۰ سے زائد رسائل شائع کئے جن میں جابجا اس نیم نصرانیت کا بھی رد بلیغ ہے، یہ کس کے خوش کرنے کو تھا، کیا صمصام حسن میں نہ تھا۔

نیچریاں راست خدادر کمند	نیچر وقانون ورا پائے بند
سر نتواند کہ زنیچر کشد	خط بخدائیش سنیچر کشد
کیست سنیچر سی والیس آئی ست	گول بکول آمدہ نیچر پست
چوں شدہ استارہ ہندآن دغل	نحس وبلند آمدہ ہمچوں زحل
عرش وفلک جن وملک حشر تن	ناروجنان جملہ غلط کردو ظن
کیست نبی پر دل پرجوش گو	وحی چہ باشد سخن جوش او
برزدہ برہم ہمہ از اصل وفرع	دین نوآورد ونوآورد شرع
ریش حرام ست ودم فرق فرض	حج سوئے انگلنڈ بود قطع ارض
گفت بیا قوم شنو قوم من	ہیں سوئے اعزاز بدو قومِ من

ذلت تان دین مسلمانی ست　　　　وائے برانکس کہ نہ نصرانی ست

(ترجمہ: خدا نیچریوں کی قید میں ہے، نیچر (طبیعت) اور قانون اس کو پابند کرنیوالے ہیں، وہ نیچر سے سر نہیں پھر سکتا۔ سنیچر اس کو خدائی پر لکیر کھینچ دیتا ہے، سنیچر کون؟ سی، ایس آئی ہے، ایک بیوقوف نیچر پرست (سرسید) کول میں آیا ہے، جب سے وہ کھوٹا شخص ستارہ ہند ہوا (اسے تمغہ ملا ہے) زحل کی طرح منحوس اور بلند ہوگیا ہے، اس نے عرش آسمان، فرشتے، حشر جسمانی، جنت دوزخ سب کو غلط اور ظنی قرار دیا ہے، (اس کے نزدیک) نبی کون ہے؟ بہادر اور شعلہ بیان خطیب ہے تمام اصول اور فروع کو اس نے درہم برہم کردیا ہے، دین نیا لایا ہے اور شریعت نئی لایا ہے، داڑھی حرام ہے اور (ٹیڑھی) مانگ کی دم فرض ہے، حج انگلینڈ کی طرف سفر کا نام ہے، اس نے کہا اے میری قوم! آ اور سن، اے میری قوم! عزت کی طرف دوڑ، دین اسلام تمھاری ذلت ہے، افسوس اس شخص پر جو نصرانی (عیسائی) نہیں ہے) یہ کس کی خوشی کو تھا، کیا مشرقستان اقدس میں نہ تھا۔

ندویا کیں جلوہ در اسپیچ ولکچر می کنند　　　　چوں بہ سنت می رسند آں کار دیگر می کنند

گہ روافض رابر سر برتاج لطف اللہ نہند　　　　گہ پوادر رابہ تخت عالماں برمی کنند

بخت ورخت تخت دیں بیں جلوہ باصدرش براں　　　　پاڈری وسکاٹ بامسٹری براڈری کنند

مفت مفتی یافت ایں عزت کہ اور اہمنشیں　　　　باماماں جج وجنٹ وکلکٹر می کنند

ساز وناز عالماں بیں نظم بزم دیں بدیں　　　　میز واسٹیج وٹکٹ ہال وکلب گھر می کنند

زیں سگالشا چہ نالشا کہ خود ایں سرکشا　　　　داور دادار را برٹش گورنرے کنند

(ترجمہ: ندوہ والے جو تقریر اور لیکچر میں جلوہ دکھاتے ہیں جب سنت تک پہنچے ہیں تو دوسرا کام کرتے ہیں، (یعنی سنت کی مخالفت)۔ یہ کبھی رافضیوں کے سر پر اللہ تعالٰی کے لطف وکرم کا تاج رکھتے ہیں کبھی پادریوں کو علماء کے سٹیج پر بٹھاتے ہیں۔ دین کے اسٹیج کی قسمت اور سازوسامان دیکھئے کہ سوداڑھی منڈوں کے ساتھ پادری وسکاٹ اور مسٹر کو (اپنا) بھائی بناتے ہیں، مفتی کو مفت میں یہ عزت مل گئی کہ اسے اماموں، ججوں، جنٹوں، اور کلیکٹروں کا ہم نشین بنادیتے ہیں، علماء کے نازوانداز دیکھئے، مجلس دینی کا نظام دیکھئے، میز اسٹیج، ٹکٹ ہال اور کلب گھر بناتے ہیں، ان خوشامدوں پر کیا رونا کہ یہ سرکش لوگ برٹش گورنر کو حاکم اور منصف مقرر کرتے ہیں) یہ کس کی خوشی کو تھا، مولوی عبدالباری صاحب خدام کعبہ کی بانگی کے لئے مسجد کانپور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب وحائض وکافر ومشرک کی پامال کرا آئے اور بکمال جرات اسے مسئلہ شرعیہ ٹھہرایا اس کے رد میں ابانۃ المتواری لکھا جس میں ان سے کہا گیا۔

دانم نہ رسی بکعبہ اے پشت براہ　　　　کیں رہ کہ تو میروی بانگلستانست

(کعبہ کی طرف پشت کرکے چلنے والے! میں جانتا ہوں تو کعبہ نہیں پہنچ سکے گا کہ جس راہ پر تو چل رہا ہے وہ انگلستان کا راستہ ہے۔ ت)

نیز ان کے شبہات واہیہ کے قلع قمع کو قامع الواہیات شائع ہوا، یہ کس کی خوشی کو تھا، بات یہ ہے ع

المرء یقیس علی نفسہ

ع آدمی اپنے ہی احوال پہ کرتا ہے قیاس

لیڈروں اور ان کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید وغلامی، خوشنودی نصارٰی کو کی اب کہ ان سے بگڑی اس سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی ہنود کو ان کی غلامی لی، سمجھتے ہیں کہ معاذاللہ خادمان شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے حالانکہ اللہ ورسول جانتے ہیں کہ اظہار مسائل سے خادمان شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا اور وللہ الحمد سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار درہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو، نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رضائے خدا اور سول نہ تنبیہ وآگاہی مسلمین کے لئے بتایا بلکہ اس سے خوشنودی نصارٰی اس کا مقصد ومدعا ہو اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار درہزار لعنتیں ان پر جنھوں نے خوشنودی مشرکین کے لئے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے اللہ عزوجل کے کلام اور احکام تحریف وتغییر سے کایاپلٹ کر ڈالے شعار اسلام بند کئے شعار کفر پسند کئے، مشرکوں کو امام وہادی بنایا، ان سے وداد واتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین، ان کی یہ آمین ان شاء اللہ تعالٰی خالی نہ جائے گی اگرچہ دل میں بہت کی دعا نہ ہو "الافی ضلل"۔

مشرکین سے معاہدہ کا بیان اور لیڈروں کا ردّ بلیغ

(۸) لیڈر کہ احکام اسلام کو یکسر بدلنے اور بیچارے عوام کو جھوٹے من گھڑت احکام سنا کر چھلنے پر تلے ہیں محض فریب دہی کے لئے اس طرف چلے ہیں کہ ہندوؤں سے اور ہم سے اب جبکہ عہد موافقت ہوگیا تو ہم کو اس کا پورا کرنا لازمی ہے یہ شریعت پر محض افتراء ہے، **اول** کون سی شریعت میں ہے کہ مشرکوں سے عہد موافقت، کافروں سے معاہدہ شرعیہ ایک مدت تک بمصلحت شرعی التوائے قتال کا عہد ہے، نہ کہ موافقت کا جواب نصوص قطعیہ حرام ہے۔

لیڈران پر دوسرا ردّ:

دوم صرف موافقت ہی نہیں بلکہ لیڈران فرماتے ہیں اگر شرعی عـــہ مصلحت ہو تو اتحاد پیدا کرنا بھی ممنوع نہیں۔

عـــہ: عبارت گزشتہ اور یہ سب عبارات کہ اس بحث میں آتی ہیں جن پر خط ہے خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب جلسہ انجمن علمائے صوبہ متحدہ ۱۲ رجب ۳۸ھ بمقام کانپور کی ہیں ۱۲ حشمت علی عفی عنہ

مشرکوں سے اتحاد:

اللہ اکبر مشرک اور اتحاد جب تک یہ مشرک یا وہ مسلم نہ ہو جائیں دو ضدوں کا اتحاد کیونکر ممکن، ظاہر ہے کہ وہ مسلمان نہ ہوئے نہ یہ ان کو مسلمان مان کر ان سے متحد ہوئے تو ضرور صورت عکس ہے کہ انھیں نے شرک قبول کیا، لیڈر صاحبو! ممنوع ہے یا نہیں تمھاری خانگی پنچایتی بات نہیں "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"[1] حکم نہیں مگر اللہ کے لئے، خود لیڈران فرماتے ہیں خدا کے سوا کسی کو حاکم بنانا روا نہیں "لاحکم الااللہ"، اور اس میں یہاں تک بڑھے کہ اگر رسول کی اطاعت لازم ہے تو اس صورت میں جبکہ مخالفت احکام الٰہیہ نہ ہو ورنہ "انما الطاعۃ فی المعروف" مشہور ہے۔

لیڈران کے نزدیک رسول اللہ بھی خلاف خدا حکم فرماسکتے ہیں:

اللہ اکبر واحد قہار تو یہ فرمائے کہ "مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[2] جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور لیڈران فرمائیں رسول کی اطاعت اسی وقت تک ہے جب تک وہ احکام الٰہی کی مخالفت نہ کرے۔ جب رسول خلاف خدا حکم دے تو اس کی اطاعت نہیں، خیر، جب آپ کے یہاں رسول کا یہ مرتبہ ہے تو کیا قوم پر آپ کی اطاعت ہر طرح لازم ہے اگرچہ خلاف خدا و قرآن حکم دیجئے، ابھی تو آپ نے کہا کہ حکم نہیں مگر خدا کے لئے اب اگر خدائی دعوی تمھیں نہیں تو دکھاؤ خدا نے کہاں فرمایا ہے کہ مشرکوں سے اتحاد پیدا کرنا بمصلحت ممنوع نہیں۔

"هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾"[3]	لاؤ اپنی برہان اگر تم سچے ہو۔

قرآن عظیم کے صفحات مشرکین سے اتحاد و وداد حرام کرنے سے گونج رہے ہیں لیڈرو! "ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ"[4] مصلحت شرعی تم زیادہ جانو یا اللہ جو فرماتا ہے۔

"لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۙ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ"[5]	کسی غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷ و ۱۲/ ۴۰ و ۱۲/ ۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۰

[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

اللہ اکبر ایسا کھلا افتراء اور واحد قہار پر، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾" [1]	اپنی زبانوں کی جھوٹی بناوٹ سے نہ کہو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں فلاح نہ پائیں گے تھوڑے دنوں دنیا میں برت لیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

لیڈران پر تیسرا ردّ:

لیڈران فرماتے ہیں ھم نے خدا کی محبت کو اس اتحاد میں بھی ملحوظ رکھا ہے۔

لیڈران کے نزدیک دشمنان خدا سے اتحاد میں خدا کی محبت ہے:

اللہ اکبر اللہ کے دشمنوں سے اتحاد اور اس میں محبت خدا کا ادعا واقعی ان کے نزدیک اللہ کی محبت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے مل کر ایک ہوجائیں، امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

الاعداء ثلثة عدوك وعدو صديقك وصديق عدوك [2]۔	دشمن تین ہیں: ایک خود تیرا دشمن، دوسرا تیرے دوست کا دشمن، تیسرا تیرے دشمن کا دوست،

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۹۸﴾" [3] بیشک اللہ کافروں کا دشمن ہے تم کہ اس کے دشمنوں سے متحد ہوئے کیونکر اللہ کے دشمن نہ ہوئے۔

تود عدوی ثم تزعم اننی

صدیقك لیس النوك عنك بعارب

(تو میرے دشمن سے محبت رکھتا ہے پھر یہ جھک مارتا ہے کہ میں تیرا دوست ہوں حماقت تجھ سے دور نہیں)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶، ۱۱۷

[2] نہج البلاغۃ مع شرح ابن ابی الحدید الجزء التاسع عشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۹۸

لیڈران پر چوتھارد:

چہارم کافروں مشرکوں سے معاہدہ شرعیہ صرف اس وقت رواہے جب معاذاللہ مسلمانوں کو اس کی احتیاج وضرورت ہو، امام ملک العلماء بدائع میں فرماتے ہیں:

الموادعة رکنها فهو لفظ الموادعة او المسالمة او المصالحة والمعاهدة او ما یؤدی معنی هذه العبارات وشرطها الضرورة فلاتجوز عند عدم الضرورة[1] (ملخصا)	معاہدہ صلح کا رکن یہ الفاظ ہیں موادعت، مسالمت، مصالحت، معاہدہ اور جو لفظ ان معنی کو ادا کرے اور معاہدہ کی شرط ضرورت ہے بے ضرورت حرام ہے۔

لیکن لیڈران اپنا بھاری جرم خود قبول نہیں کرتے ہیں کہ ہم کو احتیاج نے اتحاد برداران ہند کی جانب مائل نہیں کیا تمھارا معاہدہ اگر بفرض غلط معاہدہ شرعیہ کی شکل میں ہوتا جب بھی بے ضرورت ان کی طرف مائل ہونا حرام تھا ہر حال اس نے تمھیں واحد قہار کا نافرمان اور صریح بدخواہ مسلمانان ودین مسلمانان کردیا۔

لیڈران پر پانچواں رد:

پنجم کفار سے معاہدہ شرعیہ ایک قسم امان ہے اور شرط امان یہ ہے کہ کفار کو امان دہندہ سے خوف قتل وقتال ہو اور یہ ان پر قاہر ہو اگرچہ اپنی جماعت کے لحاظ سے اگرچہ نسبۃً پلہ انھیں کا بھاری ہو جنگ دوسر دار وحرب میں چرب کو بھی خوف ہوتا ہے جس سے انھیں اپنے قتل کا خوف نہ ہو اس کا امان دینا باطل اور معاہدہ کرنا مردود، بدائع ملک العلماء میں ہے:

اماحکم الموادعة فما هو حکم الامان المعروف لانها عقد امان ایضا[2]۔	معاہدہ کا حکم وہی ہے جو امان کا مشہور حکم ہے اس لئے کہ معاہدہ بھی ایک عقد امان ہے۔

ہدایہ میں ہے:

انه من اهل القتال فیخافونه اذهو من اهل المنعة فیتحقق الامان منه لملاقاته محله[3]۔	اس لئے کہ وہ اماں دہندہ اہل قتال سے ہے تو کافر اس سے ڈریں گے اس لئے کہ وہ حمایتی گروہ رکھتا ہے تو اس کا اماں دینا ٹھیک ہوگا اپنے محل پر واقع ہوا۔

[1] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب واماحکم الموادعة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۸

[2] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب واماحکم الموادعة الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۹

[3] الهدایه باب الموادعة من یجوز امانه المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۵۴۴

اسی میں ہے:

لایجوز امان اسیر ولاتاجر یدخل علیھم لانھما لایخافونھا والامان یختص بمحل الخوف [1] (ملخصا)	قیدی یا تاجر کہ دارالحرب میں تجارت کو گیا ہو ان کی امان صحیح نہیں اس لئے کہ کافران سے نہ ڈریں گے اور امان وہیں ہوسکتی ہے جہاں خوف ہو۔(ملخصا)

اسی میں ہے:

ومن اسلم فی دارالحرب ولم یھاجر الینا لایصح امانہ لمابینا [2]۔	جو دارالحرب میں مسلمان ہوا اور دارالاسلام میں ہجرت کرکے نہ آئے اس کا امان دینا بھی صحیح نہیں اسی دلیل سے کہ ہم بیان کرچکے۔

فتح القدیر میں ہے:

لمابینامن ان الامان یختص بمحل الخوف ولا خوف منہ حال کونہ مقیمافی دارہم لامنعۃ لہ ولاقوۃ دفاع [3]۔	ہماری بیان کی ہوئی دلیل یہ ہے کہ امان دینا اس کا صحیح ہے جس سے خوف ہو اوراس سے خوف نہیں کہ یہ انھیں کے ملک میں رہتا ہے،اس کے پاس نہ اپنی حمایت کرنے والا کوئی گروہ ہے نہ مدافعت کفار کی قوت۔

عنایہ امام اکمل میں ہے:

شرط جواز الامان ھوالایمان وعلتہ ھوالخوف لان الخوف انمایحصل ممن لہ قوۃ وامتناع [4]۔	امان جائز ہونے کی شرط ایمان ہے اور اس کی علت خوف اس لئے کہ خوف اسی سے ہوتا ہے جو زور رکھتا ہو اور اپنے آپ کو بچاسکتا ہو۔

کلام امام نسفی میں ہے:

صح امانہ لانہ من اھل القتال	اس کی امان صحیح ہے اس لئے کہ وہ قتال کے

[1] الہدایۃ باب الموادعۃ من یجوز امانہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۴۵

[2] الہدایۃ باب الموادعۃ من یجوز امانہ المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۵۴۵

[3] فتح القدیر باب الموادعۃ من یجوز امانہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۱۳

[4] عنایۃ مع فتح القدیر باب الموادعۃ من یجوز امانہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۱۳

ومنعة الاسلام فیخافونه فینفذ منه الامان الذی هوازالة الخوف[1]۔	لائق ہے اور اپنی حمایت کے لئے اسلامی گروہ رکھتا ہے توکافر اس سے ڈریں گے توامان کہ خوف زائل کرنے کانام ہے اس سے نفاذ پائے گی۔

اسی میں ہے:

لایجوز امان اسیر وتاجر دخل علیهم ومسلم اسلم فی دار الحرب ولم یهاجر لان الامان یکون علی خوف ولاخوف لهم منه[2]۔	قیدی یا تاجر کہ دارالحرب میں داخل ہوا یا حربی کہ وہاں اسلام لایا اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی ان کا امان دینا صحیح نہیں کہ امان ڈر میں ہوتی ہے اور کافران سے نہ ڈریں گے۔

تبیین امام زیلعی میں ہے:

لودخل مسلم فی عسکر اهل الحرب فی دار الاسلام و امنهم لایصح امانه الا اذا امنهم من یقاومهم بخلاف ما اذا امن عشرین اونحوهم فی دار الاسلام حیث لایجوز امانه لان الواحد وان کان مقهور اباعتبار نفسه حیث لایقاومهم لکنه قاهر ممتنع بقوة المسلمین فکان قاهرا لهم حکما[3]۔(ملخصا)	حربیوں کا لشکر دارالاسلام میں آیا ہوا ہے اور کوئی مسلمان ان کے لشکر میں جاکر امان دے آئے یہ امان صحیح نہیں ہاں جب اتنے مسلمان انھیں امان دیں جو اس لشکر کی مقاومت کرسکتے ہوں بخلاف اس کے مثلاً بیس پچیس حربی دارالاسلام میں آئے اور ایک مسلمان نے ان میں جاکر انھیں امان دے دی، یہ امان صحیح ہوگئی کہ ایک اگرچہ بیس سے مغلوب ہے ان کی مقاومت نہیں کرسکتا مگر وہ مسلمانوں کے زور سے ان پر غالب ہے توحکماً غلبہ اسی کا ہوگا۔ (ملخصاً)

اسی میں ہے:

الامان ازالة الخوف ومن لم	امان خوف زائل کرنے کانام ہے اور وہ جو قتال

[1] کافی شرح وافی للنسفی
[2] کافی شرح وافی للنسفی
[3] تبیین الحقائق کتاب السیر المطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر ۳/ ۲۴۷

یباشر القتال لایخافونہ فکیف یصح امانہ[1]۔	نہ کرے کافر اس نہ ڈریں گے تو اس کی امان کیسے صحیح ہو۔

ایمان سے کہنا کیا تم ہنود پر قاہر تھے کیا ان کے قتل پر قادر تھے کیا ان کو تم سے خوف قتل تھا جسے تمھاری امان نے زائل کیا، اور جب یہ کچھ نہ تھا اور بیشک نہ تھا تمھارا معاہدہ اگر بفرض باطل، معاہدہ شرعیہ کی شکل میں ہوتا جب بھی قطعاً باطل ومردود تھا، اور مردود کو پورا کرنا لازمی بتانا اس سے بڑھ کر مردود۔

لیڈران پر چھٹا رد:

ششم کفار سے معاہدہ شرعیہ میں شرط اعظم یہ ہے کہ جتنی مدت تک ہو اس میں تہیہ قتال رکھیں اور اس کی آمادگی ودرستی سامان سے غفلت نہ کریں کہ التواء ومعاہدہ سے اصل مقصود یہی ہے ورنہ تارک فرض اہم ہوں گے اور مستحق نار جہنم، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

المعاھدۃ شرطھا الضرورۃ وھی ضرورۃ استعداد القتال لان الموادعۃ ترك القتال المفروض فلایجوز الافی حال یقع وسیلۃ الی القتال[2]۔	معاہدہ جائز ہونے کی شرط ضرورت ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ اس مدت میں سامان قتال درست کریں اس لئے کہ جہاد فرض ہے اور معاہدہ اس فرض کا ترک ہے تو اس حال میں حلال ہوسکتا ہے کہ یہ جہاد کے لئے وسیلہ پڑے۔

ایمان سے کہنا کیا تم ہندوؤں سے آمادگی قتال میں ہو اور اسی لئے ایک مدت تک ان سے معاہدہ کیا ہے کہ اس فرصت میں ان کے قتل کا سامان مہیا کرلو کیوں مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہو، بلکہ عالم الغیب والقلب کے ساتھ فریب کی راہ لیتے ہو۔

"وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ ۝۹ "[3]	اور فریب نہیں دیتے مگر اپنی جانوں کو اور انھیں شعور نہیں۔

طرح طرح ثابت ہوا کہ تمھارا یہ معاہدہ اگر بفرض غلط معاہدہ شرعیہ کی شکل میں بھی ہوتا جب بھی

[1] تبیین الحقائق کتاب السیر قبیل باب الغنائم المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۳/ ۲۴۸

[2] بدائع الصنائع کتاب السیر مطلب وامانوع الثانی وھوالامان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۹

حرام ومردود وخلاف شرع ہوا، اب کیوں نہ یاد کریں لیڈران اپنا ہی قول کہ "خدا کے یہاں معاہدہ کا حیلہ بھی کارگر ہوتا ہے" یا دیکھئے کیا جواب ملتا ہے کوئی اگر معاہدہ کا دعوٰی بھی کرے تو خلاف شرع معاہدہ کیونکر مسلم ہوگا کیونکہ صلح حدیبیہ منسوخ ہوچکی ہے اور **الا ما احل بہ حراما اوحرم بہ حلالا**[1] (مگر وہ معاہدہ جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنائے۔ت) کا استثناء حکم مستقل ہے"

لیڈران پر ساتوں رد:

ہفتم لیڈران کی بڑی کوشش اس میں ہے کہ مشرکین ہند کے شدید مظالم چھپائیں اور ان کو جیسے بنے "لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ" میں داخل ٹھہرائیں تاکہ انھیں زیر حکم "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ" لائیں یہ صاف کہہ رہا ہے کہ معاہدہ کا عذر محض جھوٹا ہے معاہدہ تو حسب ضرورت شرعیہ مقاتلین سے خاص وقت قتال بھی جائز ہے پھر اگر معاہدہ ہوتا تو اس کھینچ تان کی کیا ضرورت پڑتی معلوم ہوا کہ جھوٹ کہتے ہیں اور قصداً بکتے ہیں اور دل میں خوب سمجھ رہے ہیں کہ نرا جھوٹ بکتے ہیں "وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۵﴾"[2] (اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ت)

مشرکوں سے معاہدہ لیڈران کے اصل اغراض

(۹) لیڈران حاشا تمھارا معاہدہ ہنود سے نہ التوائے قتال کے لئے ہوا نہ اس کا کچھ ذکر تھا نہ تم ان پر قاہر تھے نہ انھیں تم سے اپنے قتل کا خوف تھا بلکہ دونوں تیسرے کے ہاتھ میں مقہور ہو، نہ ہرگز اس مدت معاہدہ میں تم قتل ہنود کا سامان کررہے ہو نہ ہرگز تمھاری نیت نہ ہرگز تم ایسا کرسکتے ہو غرض معاہدہ شرعیہ سے ایسا ہی دور ہو جیسے مشرکین توحید سے یا تم شرع مجید سے بلکہ ناپاک معاہدہ چار باتوں کے لئے ہوا:

مشرکوں کا برادر بننا حرام ہے:

یکم: مشرکین سے عقد مواخات بھائی چارہ کہ برادران وطن ہندو بھائی، اللہ عزوجل فرمائے "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"[3] مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ تم کہو "**نحن والمشرکون اخوۃ**" ہم اور مشرکین آپس میں بھائی ہیں، جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاحکام باب الصلح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۰

"لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ"[1]	کیا تم نے نہ دیکھا کہ منافقوں کو کہ اپنے بھائی کافروں سے کہتے ہیں۔

وہاں "من اھل الکتاب" تھا یہاں اس سے بڑھ کر "من الشرکین" ہوا۔

کافروں سے اتحاد کرنے والے بحکم قرآن کافر ہیں:

دوم: ان سے اتحاد، حالانکہ قرآن عظیم بیس سے زیادہ آیات میں اسے مردود وملعون فرماچکا اور جابجا صاف ارشاد فرمادیا کہ ایسا کرنے والے انھیں میں سے ہیں، "وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط"[2] ایسا کرنے والے مسلمان نہیں "لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ"[3] ایسا کرنے والوں کو اللہ ورسول وقرآن پر ایمان نہیں "وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ"[4]۔

کافروں کا حلیف بننا حرام ہے:

سوم: مشرکین کے حلیف بننا انھیں اپنا حلیف بنانا، حالانکہ حلیف بنانا منسوخ ہوچکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تحدثوا فی الاسلام حلفا[5]، رواہ الامام احمد فی المسند ومحمد بن عیسٰی فی الجامع عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	اب اسلام میں کوئی حلف پیدا نہ کرو۔ یہ حدیث امام احمد نے مسند اور امام محمد بن عیسٰی نے جامع میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کی۔

یہ منسوخات ہی کے عمل پر ہیں کل کو شراب بھی حلال کرلیں گے اور خدا جانے کہاں کہاں تک بڑھیں گے، رب عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[4] القرآن الکریم ۵/ ۸۱

[5] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی الحلف امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۹۲، مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ بن عمرو بن عاص دارالفکر بیروت ۲/ ۲۰۷۔ ۲۱۳

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ الْكُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝" [1]	اے ایمان والو! وہ جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل ٹھہراتے ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور باقی سب کافران میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ اور اللہ تعالٰی سے ڈرو اگر تم مسلمان ہو۔

تفسیر ابن جریر میں اس آیہ کریمہ کے تحت میں ہے:

یقول لاتتخذوهم ایها المؤمنون انصارا اواخوانا اوحلفاء فانهم لایألونکم خبالا وان اظهروالکم مودة وصداقة [2]۔	رب عزوجل فرماتا ہے اے مسلمانو! کافروں کو مددگار یا بھائی اور حلیف نہ بناؤ وہ تمھاری ضرر رسانی میں کمی نہ کریں گے اگرچہ تم سے دوستی ویارانہ ظاہر کریں۔

فقہ وحدیث کے حاوی امام اجل ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے مشکل الآثار میں یہ تحقیق فرماکر کہ مشرکوں سے استعانت حرام کتابی سے ہوسکتی ہے اس پر حدیث سوم کہ فائدہ ثانیہ میں آتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابن اُبی منافق کے چھ سو حلیف یہودیوں کو واپس کردیا اور انھیں مشرکین فرمایا اعتراضا وارد کی کہ دیکھو حضو نے یہود کو بھی مشرکین سے گنا اور ان سے استعانت کو بھی مشرکین سے استعانت قرار دیا اس کے جواب میں فرمایا اس کی وجہ ان کا اس مشرک منافق سے حلف ہے کہ حلف کرنے والے جس سے حلف کرتے ہیں اس کی موافقت قبول کرتے ہیں تو مشرک کے حلیف ہوکر وہ کتابی نہ رہے مرتد ہوگئے اور اسی طرح مشرک، عبارت یہ ہے:

جوابنا ان وجه قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لهؤلاء الیهود علی مابینهم وبین ابن ابی المنافق من الحلف والمحالفة هی الموافقة من الحالفین للمحالفین فکانوا بذٰلك خارجین من اهل الکتاب مرتدین عما کانوا علیه وصاروا مشرکین کمشرکی العرب [3] (ملخصا)

امام ابوالولید باجی نے مختصر پھر علامہ یوسف دمشقی نے معتصر میں اسے مقرر رکھا،

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۷

[2] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت آیة ۵/ ۵۷ المطبعة المیمنة مصر ۶/ ۱۶۶

[3] مشکل الآثار للحطاوی کتاب الجهاد باب بیان مشکل ماروی عن رسول الله الخ دارصادر بیروت ۳/ ۲۴۱

ان بنی قینقاع بمحالفتهم عبدالله صاروا کالمرتدین فخرجوا به عن حکم اهل الکتاب فصاروا کالمشرکین فکان لهم حکمهم فلذلك منعوا وسموا مشرکین [1] (ملخصاً)	بنی قینقاع کے یہودی ابن اُبی کے حلیف بن کر مرتدوں کے مثل ہوگئے تو کتابیوں کے حکم میں نہ رہے اور مشرکوں کی طرح ہوگئے تو ان کا وہی حکم ہوا جو مشرکوں کا، اسی واسطے حدیث نے انھیں منع فرمایا اور ان کا نام مشرک رکھا۔ (ملخصا)

سبحان الله! یہودی مشرک کے حلیف بن کر کتابی نہ رہے مرتد ومشرک ہوگئے حالانکہ "**الکفر ملة واحدة**" مگر کلمہ گو لیڈر مشرکین ہند کے حلیف پس رو غلام بن کر نہ مرتد ہوئے نہ مشرک، ہٹے کٹے مسلمان ہی بنے رہے ۔

مشرک ہے عہد باندھ کے مشرک ہوئے یہود
یہ مشرکوں کے عبد مسلمان ہی رہے

اقول: حلف جب دو[۲] مساوی گروہوں میں ہو فریقین یکساں ہیں اور جب مغلوب وضعیف گروہ دوسرے کی پناہ لے کر اس کا حلیف بنے تو پوری موافقت کا بار اسی پر ہے اس کی طرف سے صرف قبول پناہ وہی ہے، ابن ابی خبیث نے بڑی سطوت پیدا کرلی تھی یہاں تک کہ اس کے لئے تاج تیار کیا جاتا تھا قریب تھا کہ اسے بادشاہ بنایا جائے تو یہود بنی قینقاع کا حلف اس کی شوکت سے مستفید ہی ہونے کو تھا، ولہٰذا امام نے فرمایا: **ھی الموافقة من الحالفین للمحالفین** [2] (حلف کرنے والے جس سے حلف کرتے ہیں اس کی موافقت قبول کرتے ہیں۔ت) نہ اختصار کی طرح **الموافقة بین المتحالفین** [3] (حلف کرنے والوں کے درمیان موافقت۔ت) پھر درباره ادیان حکم یہ ہے کہ نازل سے مجرد ارادہ موافقت نازل کردیتا ہے اور ضد کے لئے صرف ارادہ کافی نہیں، مسلمان اگر **معاذالله** ارادہ کفر کرے گا تو کافر ہوجائے گا۔ لیکن کافر محض ارادہ اسلام سے مسلمان نہ ہوگا جب تک اسلام قبول نہ کرے، یوں ہی کتابی صرف ارادہ موافقت مشرکین سے مشرک ہوسکے گا مشرک نرے ارادے سے کتابی نہ ہوجائے گا لہٰذا وہ یہودی مشرک ہوگئے، ابن ابی خبیث کتابی نہ ہوا، یونہی حلیفان مشرکین ہند پر

---

[1] المعتصر من المختصر کتاب الجهاد باب فی الاستعانة بالمشرك دائرة المعارف العثمانیه حیدرآباد دکن ۱/ ۲۳۰

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۱

[3] المعتصر من المختصر کتاب الجهاد باب فی الاستعانة بالمشرك دائرة المعارف العثمانیه حیدرآباد دکن ۱/ ۲۳۰

امام کا یہ حکم نافذ ہوگا۔ مشرکین ہند مسلمان ہو جائیں گے۔

اصل مقصود سلف گورنمنٹ ہے اماکن مقدسہ اور ترکوں کا نام ٹٹی ہے:

چہارم: اصل مقصود سلف گورنمنٹ ہے جس کی صاف تصریح بڑے بڑے عـــہ۱ لیڈران نے کردی اس میں اپنی کمزوری بلکہ عجز دیکھ کر مشرکوں کا دامن پکڑا اپنا یار وانصار بنایا اوروں کو چھوڑئے مولویوں میں گنے جانے والے لیڈر فرماتے ہیں "ہم عـــہ۲ تو ہندوستان کی آزادی کو ایک فرض اسلامی سمجھتے ہیں اس کے لئے ضرورت ہے کہ عام اتحاد ہو اور پوری کوشش سے مقصد حاصل کیا جائے حالانکہ مشرکوں سے ایسی استعانت نص قرآنی کے خلاف اور قطعاً حرام بلکہ صراحۃً قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ ہم اس بحث کو بعونہ چند فوائد میں روشن کریں:

مشرکوں سے استعانت کی بحث جلیل ہے:

فائدہ اولٰی آیات کریمہ: قرآن کریم نے منع موالات کفار کو بکثرت آیات میں ارشاد فرمایا وہ سب ان کو مددگار بنانے سے ممانعت ہیں یہ اعلٰی درجہ موالات میں ہے، ولہذا اکابر مفسرین نے جابجا ولی کو ناصر اور ولایت کو نصرت ومعونت ومظاہرت سے تفسیر کیا، مگر ہم یہاں صرف ان بعض آیات پر اقتصار کریں جو اپنے سوق نظم یا شان نزول سے اس مقصود کو بالخصوص افادہ فرما رہی ہیں:

استعانت بمشرکین کے حرام ہونے پر آیات قرآنیہ:

آیت نمبر ۱:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾" [1]	اے ایمان والو! اپنے غیروں کو راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہوئی ہے اور بڑی ہے بیشک ہم نے تمھارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمھیں عقل ہو۔

عـــہ۱: مثل شوکت علی ومحمد علی وابوالکلام آزاد ۱۲ حشمت علی غفرلہ

عـــہ۲: وہی خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب ۱۲ حشمت علی غفرلہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

لیڈران نے اس آیہ کریمہ کو کیسا کیسا رد کیا کس کس طرح جھٹلایا:

یہ آیہ کریمہ اپنے ایک ایک جملے سے اس طوفان بدتمیزی کو جو آج مشرکین ہند سے لیڈران برت رہے ہیں رد فرماتی ہے:

ا۔ حالت کمزوری وعجز میں مدد کے لئے جس کسی کی طرف التجا لائی جائے ضرور ہے کہ اسے اپنا رازدار بنایا جائے اور رب عزوجل فرماتا ہے: کسی کافر کو رازدار نہ بناؤ، یہ واحد قہار کی نافرمانی ہوئی،

ب۔ ظاہر ہے کہ اسے اپنا خیر خواہ سمجھا گیا کہ بدخواہ کے دامن میں کوئی نہ چھپے گا اور رب عزوجل فرماتا ہے: وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے، یہ اللہ تعالٰی کی تکذیب ہوئی۔

ج۔ مصیبت میں التجا واستمداد اسی سے ہوگی جسے جانا جائے کہ ہمیں مشقت سے بچائے گا، اور رب عزوجل فرماتا ہے: ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا، یہ دوسری تکذیب ہوئی۔

د۔ چھپا دشمن جس سے اثر عداوت کبھی ظاہر نہ ہوا آدمی اس کے دھوکے میں آسکتا ہے اور جس کے منہ سے بغض کھل چکا اس سے قطعی احتراز کرے گا، رب عزوجل نے فرمادیا تھا کہ دشمنی ان کے منہ سے ظاہر ہو چکی پھر بھی ان کی محبت نے وہ اندھا بہرا کردیا کہ نہ اللہ تعالٰی کی سنی نہ ان کے منہ سے چھلکی یاد رہی۔

ہ۔ اگر ایک خفیف حد کی مخالفت ورنجش ظاہر ہوتی اور اطمینان ہوتا کہ دل میں اس سے زائد نہیں تو کچھ گنجائش ہوسکتی کہ یہ ہمارا اس حد کا بدخواہ نہیں جو ایسی بھاری مصیبت میں ساتھ نہ دے اس خیال ارذل کو رب عزوجل نے ان تینوں جملوں سے رد فرما دیا کہ وہ کوئی ہلکے مخالف نہیں تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے، یہ گمان نہ کرنا کہ وہ کسی سخت سے سخت مصیبت میں تم پر کچھ ترس کریں گے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو کوئی خفیف رنجش ان کے منہ سے ظاہر نہ ہوئی بلکہ بغض اور پوری دشمنی بَیر عداوت، اور اس پر چوتھا جملہ یہ ارشاد فرمادیا کہ اس پر بس نہ جانو کہ ان کے دلوں کی دبی اور سخت تر ہے مگر انھوں نے اس واحد قہار کریم مہربان پروردگار کی ایک نہ مانی اور جملے جملے کی تکذیب ہی ٹھانی ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔

آیت نمبر ۲:

"بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝۱۳۸ [1] الَّذِيْنَ	اے محبوب! خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۸

یٰۤاَیُّهَا ... یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَؕ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًاؕ ﴿۱۳۹﴾"[1]	درد ناک عذاب ہے، وہ جو مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار بناتے ہیں، کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں عزت تو ساری اللہ کے قبضے میں ہے۔

ظاہر ہے کہ کمزوری میں کسی کی مدد چاہنے کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے بل بازو سے ہمیں قوت ملے گی ہماری کمزوری وذلت، غلبہ وعزت سے بدلے گی، اللہ عزوجل فرماتا ہے: یہ ان کی بد عقلی ہے کافروں کی مدد سے غلبہ وعزت کی تمنا ہوس باطل ہے۔ اور فرماتا ہے کہ ایسا کرنے والے منافق ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ تفسیر ارشاد العقل السلیم میں اسی آیہ کریمہ کے تحت ہے:

بیان لخیبة رجائهم ایطلبون بموالاة الکفر القوة و الغلبة(فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا)تعلیل لبطلان رأیهم فان انحصار جمیع افراد العزة فی جنابه عزوعلا بحیث لاینالها الا اولیاءه قال "وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ" یقضی ببطلان التعزز بغیره واستحالة الانتفاع به (مختصرا)[2]	اس آیت میں ان کی نامرادی کا بیان ہے جو کافروں سے استعانت کرتے ہیں، فرماتا ہے کیا کافروں کی دوستی سے غلبہ وقوت چاہتے ہیں عزت تو ساری اللہ کے لئے ہے اس میں ان کی رائے فاسد ہونے پر دلیل فرمائی کہ جب تمام عزتیں حضرت عزت کے لئے خاص ہیں کہ اس کے دوستوں کے سوا کسی کو نہیں مل سکتیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے عزت صرف اللہ تعالٰی ورسول اور مسلمانوں کے لئے ہے تو اس سے واجب ہوا کہ غیروں سے عزت چاہنا باطل اور ان سے نفع پہنچنا محال (مختصرا)

آیت نمبر ۳:

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ"[3]	مسلمان، مسلمانوں کے سوا کافروں کو مددگار نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اسے اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔

تفسیر لباب التاویل میں ہے: ان عبادة بن الصامت کان له حلفاء من الیهود فقال یوم الاحزاب یارسول اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیة ۴/ ۱۳۹، ۱۳۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۴

[3] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

معی خمسمائة من الیهود وقد رأیت ان استظهر بهم علی العدو فنزلت هذه الاٰیة وقوله (لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ) الاٰیة یعنی انصارا واعوانا (مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ) یعنی من غیر المؤمنین والمعنی لایجعل المؤمن ولایته لمن ہو غیر مؤمن نهی الله المؤمنین ان یوالوا الکفار اویلا طفوهم لقرابة بینهم اومحبة اومعاشرة والمحبة فی الله والبغض فی الله باب عظیم واصل من اصول الایمان [1]۔

یعنی عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کچھ یہودی حلیف تھے غزوہ احزاب میں انھوں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے ساتھ پانسو یہودی ہیں میری رائے ہوتی ہے کہ دشمن پر ان سے مدد لوں، اس پر یہ آیہ کریمہ اتری کہ مسلمان غیر مسلم کو مددگار نہ بنائیں کہ یہ مسلمانوں کو حلال نہیں اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ رشتے، خواہ یارانے، خواہ نرے میل کے باعث کافروں سے دوستانہ برتیں یا ان سے لطف ونرمی کے ساتھ پیش آئیں اور اللہ تعالٰی کے لئے محبت اور اللہ تعالٰی کے لئے عداوت ایک عظیم باب اور ایمان کی جڑ ہے۔

مدارک شریف پارہ ۶ میں ہے:

ای لاتتخذوهم اولیاء تنصرونهم وتستنصرونهم وتوأخونهم وتعاشرونهم معاشرة المؤمنین [2]۔

یعنی رب عزوجل فرماتا ہے کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کے معاون ہو، اور ان سے اپنے لئے مدد چاہو انھیں بھائی بناؤ، دنیوی برتاؤ ان کے ساتھ مسلمانوں کا سار کھو، اس سب سے منع فرماتا ہے۔

تفسیر کبیر پارہ ۶ میں ہے:

المراد ان الله تعالٰی امر المسلم ان لایتخذ الحبیب والناصر الامن المسلمین [3]۔

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا دوست مددگار بنائیں۔ اسی میں ہے:

---

[1] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیه ۳/ ۲۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳۶

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیة لاتتخذوا الیهود الخ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۲۸۷

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة انما ولیکم الله ورسوله الخ المطبعة البهیة المصریة مصر ۱۲/ ۳۰

یعنی لا تتخذوھم اولیاء ای لا تعتمدوا علی الاستنصار بھم ولا تتوددوا الیھم [1]۔

یعنی مراد آیت یہ ہے کہ کافروں کی مدد و یاری پر اعتماد نہ کرو۔

تفسیر ابی السعود و تفسیر فتوحات الٰہیہ میں زیر آیہ مذکورہ ہے: نھوا عن موالاتھم لقرابۃ او صداقۃ جاھلیۃ ونحوھما من اسباب المصادقۃ والمعاشرۃ وعن الاستعانۃ بھم فی الغزو وسائر الامور الدینیۃ [2]۔

یعنی مسلمان منع کئے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری ہی ہو یا اسلام سے پہلے کا یارانہ یا کسی سبب یاری خواہ میل جول کے سبب اور منع کئے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

آیت نمبر ۴:

"فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۸۹﴾" [3]	اگر کافر ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو اور ان میں کسی کو دوست نہ بناؤ نہ مددگار۔

اس آیہ کریمہ میں ولی کے ساتھ لفظ نصیر خود ہی صاف ارشاد ہے کہ انھیں دوست ٹھہرانا بھی حرام اور مددگار بنانا بھی حرام ہے۔ تفسیر مدارک التنزیل میں ہے:

(فَاِنۡ تَوَلَّوۡا) عن الایمان (فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا) وان بذلوا لکم الولایۃ والنصرۃ فلا تقبلوا منھم (اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ) ویتصلون بھم والاستثناء من قولہ فخذوھم واقتلوھم دون الموالاۃ [4]۔	اگر وہ ایمان لانے سے منہ پھیریں تو انھیں پکڑو اور جہاں پاؤ مارو اور ان میں کسی کو نہ دوست بناؤ نہ مددگار۔ اور اگر وہ بلا معاوضہ بھی تمھاری دوستداری ومددگاری بگھاریں جب بھی قبول نہ کرو مگر جو اہل معاہدہ سے ملے یہ پکڑنے اور قتل کرنے سے استثناء ہے نہ دوستی سے کہ وہ تو ہر کافر سے مطلقًا حرام ہے۔

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) زیر آیہ لا تتخذوا الیھود الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۲/ ۱۶

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) زیر آیہ لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) زیر آیۃ ۴/ ۸۹ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۲۴۲

تفسیر بیضاوی میں ہے:

ای جانبوھم راساولاتقبلوامنھم ولایۃ ولانصرۃ [1]۔	یعنی ان سے بالکل دور رہو اور ان کی دوستی ومدد کچھ نہ قبول کرو۔

تفسیر ابی السعود میں ہے:

ای جانبوھم مجانبۃ کلیۃ ولاتقبلوا منھم ولایۃ ولانصرۃ ابدا [2]۔	یعنی کافروں سے بالکل کنارہ کش رہو اور کبھی ان کی دوستی ومدد قبول نہ کرو۔

تفسیر فتوحات الٰہیہ میں ہے:

ھذا مستثنی من الاخذ والقتل اما الموالاۃ فحرام مطلقالاتجوز بحال [3]۔	یہ استثناء گرفتاری وقتل سے ہے، رہی کافر سے موالات وہ تو مطلقاً حرام ہے کسی حال میں جائز نہیں۔

تفسیر خازن میں ہے:

ھذا الاستثناء یرجع الی القتل لا الی الموالات لان موالاۃ الکفار والمنافقین لاتجوز بحال [4]۔	یہ استثناء قتل کی طرف پھرتا ہے نہ کہ موالات کی جانب، اس لئے کہ کافروں اور منافقوں سے موالات تو کسی حال میں حلال نہیں۔

تفسیر کرخی میں ہے:

استثناء من مفعول فاقتلوھم لامن قولہ ولاتتخذوا منھم ولیاولانصیرا وان کان اقرب مذکور لان اتخاذ الولی منھم حرام بلااستثناء بخلاف قتلھم [5]۔	معاہدوں سے ملنے والوں کا استثناء ان سے ہے جن کی بابت حکم فرمایا تھا کہ انھیں قتل کرو، اس ارشاد سے استثناء نہیں کہ ان میں نہ کسی کو دوست بناؤ نہ مددگار اگرچہ ذکر میں یہی قریب تر ہے اس واسطے کہ کافروں سے کسی کو دوست بنانا بلا استثناء حرام ہے بخلاف ان کے قتل کے کہ

[1] انوار التنزیل مع القرآن الکریم (بیضاوی) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۹۳

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) زیر آیہ ۴/ ۸۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱۳

[3] الفتوحات الھیہ (الشھیر بالجمل) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۰۹

[4] لباب التاویل (تفسیر الخازن) زیر آیہ ۴/ ۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷۱

[5] تفسیر کرخی

اس سے معاہدین مستثنٰی ہیں۔ تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

قال الطیبی لامن الضمیر فی ولاتتخذوا وان کان اقرب لان اتخاذ الولی منھم حرام مطلقا[1]۔	طیبی نے کہا دوست یا مددگار بنانے کی ممانعت سے استثناء نہیں اگرچہ وہ قریب تر ہے اس لئے کہ کافروں میں سے کسی کو دوست بنانا مطلقاً حرام ہے اگرچہ معاہد ہو۔

اقول: اس پر خود سیاق کریمہ دال کہ قتل وقتال ہی کے منع ورخصت کا ذکر ہے یونہی عموم حکم نفس استثناء کا مفاد کہ مجاہرین متصلین بالمعاہدین ومعاہدین غیر جانبدار طرفین مستثنٰی فرمائے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

استعانت بمشرکین کی تحریم پر صحیح حدیثیں:

فائدۂ ثانیہ: صحاح احادیث ناطق۔

حدیث ۱: صحیح مسلم وسنن اربعہ ومشکل الآثار امام طحاوی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدر کو تشریف لے چلے سنگستان وبرہ میں (کہ مدینہ طیبہ سے چار میل ہے) ایک شخص جس کی جرات وبہادری مشہور تھی حاضر ہوا، اصحاب کرام اسے دیکھ کر خوش ہوئے، اس نے عرض کی: میں اس لئے حاضر ہوا کہ حضور کے ہمراہ رکاب رہوں اور قریش سے جو مال ہاتھ لگے اس میں سے میں بھی پاؤں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **اتؤمن باللہ ورسولہ** کیا تم اللہ ورسول پر ایمان رکھتا ہے؟ کہا: نہ۔ فرمایا: "**فارجع فلن نستعین بمشرک**" تو پلٹ جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ چاہیں گے۔ پھر حضور تشریف لے چلے جب ذوالحلیفہ پہنچے (کہ مدینہ سے چھ میل ہے) وہ پھر حاضر ہوا، صحابہ خوش ہوئے کہ واپس آیا وہی پہلی بات عرض کی اور حضور نے وہی جواب ارشاد فرمایا کہ کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ کہا: نہ فرمایا: "**فارجع فلن نستعین بمشرک**" واپس جا ہم ہرگز کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے، پھر حضور تشریف لے چلے جب وادی میں پہنچے وہ پھر آیا اور صحابہ خوش ہوئے اس نے وہی عرض کی۔ حضور نے فرمایا: کیا تو اللہ ورسول پر ایمان لاتا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا: **فنعم**

---

[1] عنایۃ القاضی علی تفسیر البیضاوی زیر آیۃ ۴/ ۸۹ دار صادر بیروت ۳/ ۱۶۵

اذن[1] ہاں اب چلو۔

حدیث ۲: امام احمد و امام اسحٰق بن راہویہ مسانید اور امام بخاری تاریخ اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف میں اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں خبیب بن اساف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک غزوہ عـــہ۱ کو تشریف لئے جاتے تھے میں اور میری قوم سے ایک شخص حاضر ہوئے میں نے عرض کی: یارسول اللہ عـــہ۲! ہمیں شرم آتی ہے کہ ہماری قوم کسی معرکہ میں جائے اور ہم نہ جائیں (یہ قوم خزرج سے تھے کہ انصار سے ایک بڑا گروہ ہے) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم دونوں مسلمان ہوئے کہا: نہ۔ فرمایا: **فانا لا نستعین بالمشرکین علی المشرکین** تو ہم مشرکوں سے مشرکوں پر مدد نہیں چاہتے۔ اس پر ہم دونوں اسلام لائے اور ہمراہ رکاب اقدس شریک جہاد ہوئے[2]۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ یونہی تنقیح میں اس کے رجال کی توثیق کی۔

حدیث ۳: امام واقدی مغازی اور امام اسحٰق بن راہویہ مسند اور امام طحاوی مشکل الآثار اور طبرانی معجم کبیر و معجم اوسط میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز احد تشریف لے چلے جب ثنیۃ الوداع سے آگے بڑھے ایک بھاری لشکر ملاحظہ فرمایا ارشاد ہوا: یہ کون ہیں؟ عرض کی گئی: یہودی بنی قینقاع قوم عبداللہ بن سلام خلفائے عبداللہ بن اُبی (یہ لفظ طحاوی ہیں اور لفظ ابن راہویہ یوں ہی عرض کی گئی یہ عبداللہ بن اُبی ہے اپنے حلیفوں کے ساتھ کہ قوم عبداللہ بن سلام کے یہود ہیں، اور لفظ واقدی میں ہے یہ ابن اُبی کے حلیف یہودی ہیں اور لفظ طبرانی میں ہے یہ عبداللہ بن اُبی ہے چھ سو یہودیوں کے ساتھ کہ اس کے

عـــہ۱: یہ غزوہ غزوہ بدر ہے **کما فی اسد الغابہ** ۱۲ منہ غفرلہ

عـــہ۲: اقول: یہ لفظ مستدرک میں ہے اور مشکل الآثار و مسند احمد میں نہیں قبل اسلام اس کا کہنا باعتبار عرف مسلمین ہوگا یا یوں کہ اس وقت بھی ایقان تھا اگرچہ اذعان بعد کو ہوا ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب کراہیۃ الاستعانۃ فی الغزو الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۸، مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۷

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۹

حلیف ہیں فرمایا: کیا اسلام لئے آئے؟ عرض کی: نہ۔ وہ اپنے دین پر ہیں۔ فرمایا:

قل لهم فليرجعوا فانا لانستعين بالمشركين على المشركين [1]۔	ان سے کہہ دو لوٹ جائیں ہم مشرکوں پر مشرکوں سے مدد نہیں لیتے۔

اقول: یہ حدیث بھی حسن صحیح ہے مسند امام اسحٰق میں اس کی سند یوں ہے:

اخبرنا الفضل بن موسٰی عن محمد بن عمرو بن علقمة عن سعد بن المنذر عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ [2]۔	ہمیں خبر دی فضل بن موسی نے محمد بن عمرو بن علقمہ سے انھوں نے سعد بن منذر سے انھوں نے ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

فضل بن موسٰی و محمد بن عمرو بن علقمہ دونوں رجال جمیع صحاح ستہ سے ہیں ثقہ ثبت وصدوق اور یہ سعد بن منذر بن ابی حمید الساعدی ہیں کمافی مشکل الآثار، ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا، تقریب میں کہا مقبول ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے:

روی عن جدہ وحمزۃ بن ابی اسید وعنہ محمد بن عمرو بن علقمة وعبدالرحمٰن بن سلیمن بن الغسیل ذکرہ ابن حبان فی الثقات [3]۔	انھوں نے اپنے دادا حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حمزہ بن اسید سے علم حاصل کیا اور ان سے محمد بن عمرو بن عقلمہ اور عبدالرحمٰن بن سلیمن ابن حضرت غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کیا۔

لاجرم زرقانی علی المواہب میں ہے:

قد روی الطبرانی فی الکبیر والاوسط برجال ثقات عن ابی حمید الساعدی الحدیث (عہ [4]۔	یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر و معجم اوسط میں بہ سند صحیح ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

حدیث ۴: عبد بن حمید وابویعلی وابناء جریر ومنذر وابی حاتم اور بیہقی شعب الایمان میں

عــــہ: یہ طبرانی نے معجم کبیر و معجم اوسط میں بہ سند صحیح ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

---

[1] مشکل الآثار للحطاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۱

[2] نصب الرایہ بحوالہ اسحاق بن راہویہ فی مسندہ کتاب السیر کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۳

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ ۸۹۹ سعد بن منذر دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۳/ ۴۸۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الاول غزوہ احد دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **لاتستضیئوا بنار المشرکین**[1] مشرکوں کی آگ سے روشنی نہ لو۔ امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کے معنی پوچھے گئے، فرمایا: **لاتستشیروا المشرکین فی شیئ من امورکم قال الحسن وتصدیق ذٰلك فی کتاب اللہ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا"**[2] ارشاد حدیث کے یہ معنٰی ہیں کہ مشرکوں سے اپنے کسی معاملہ میں مشورہ نہ لو، پھر فرمایا اس کی تصدیق خود کلام اللہ میں موجود ہے کہ فرمایا اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے۔

اقول: یہ حدیث بھی اصول حنفیّہ کرام پر حسن ہے، طبری کے یہاں اس کی سند یہ ہے:

حدثنا ابو کریب ویعقوب بن ابراہیم قالا حدثنا ھشیم اخبرنا العوام بن حوشب عن الازہر بن راشد عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ[3]۔	ابو کریب اور یعقوب بن ابراہیم نے ہمیں حدیث بیان کی اور کہا ہمیں ہشیم نے انھوں نے کہا ہمیں عوام بن حوشب نے ازہر بن راشد سے انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ (ت)

ابو کریب سے عوام بن حوشب تک سب اجلہ مشاہیر ثقہ عدول، رجال جملہ صحاح ستہ سے ہیں اور ازہر بن راشد رجال سنن نسائی وتابعین سے ہیں ان پر کسی عـــہ امام معتمد سے کوئی جرح ثابت نہیں اور

عـــہ: اماتضعیف ابن معین فلازہر بن راشد الکاہلی لافی ہذا البصری الراوی عن انس وقد فرق بینهما ابن معین فضعف الکاہلی لاہذا کما بینہ الحافظ المزی فی تہذیبه والحافظ	لیکن ابن معین نے ضعیف کہا ہے تو ازہر بن راشد کاہلی کو کہا ہے اس بصری راشد کو جو انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہے کی بابت نہیں کہا، ابن معین نے دونوں میں فرق کرتے ہوئے کاہلی کو ضعیف کہا ہے اس کو نہیں جیسا کہ حافظ مزی نے اپنی تہذیب (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰

[2] شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۰

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) زیر آیہ لاتتخذوا بطانۃ الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۴/ ۳۸

یہ کہ ان سے راوی صرف عوام بن حوشب ہیں جس کی بناء پر تقریب میں حسب اصطلاح محدثین نے مجہول کہا ہمارے نزدیک اصلاجرح نہیں خصوصاتابعین میں، مسلم الثبوت میں ہے:

لاجرح بأن له راویا واحدا وھو مجھول العین [1]۔ (ملتقطا)	یہ کوئی جرح کی بات نہیں کہ اس سے ایک ہی شخص نے روایت کی یااسے مجہول العین کہتے ہیں۔

فواتح الرحموت میں ہے:

وقیل لایقبل عندالمحدثین وھو تحکم [2]۔	اور بعض نے کہاایسا روای محدثین کے نزدیک مقبول نہیں اور یہ نری زبردستی ہے۔

فصول البدائع میں ہے:

العدالة فیما بین رواة الحدیث ھی الاصل ببرکتہ وھو الغالب بینھم فی الواقع کما نشاھدہ فلذا قبلنا مجھول القرون الثلثة فی الروایة [3]۔	راویان حدیث میں حدیث کی برکت سے عدالت ہی اصل ہے اور مشاہدہ شاہد کہ واقع میں ثقہ ہونا ہی ان میں غالب ہے اس لئے قرون ثلثہ کے مجہول کی روایت ہمارے ائمہ قبول کرتے ہیں۔

بعض روایات کہ استعانت میں پیش کی جاتی ہیں ان کا حال:

فائدہ ثالثہ: بعض روایات کہ ان احادیث صحیحہ بلکہ آیات صریحہ کے مقابل پیش کی جاتی ہیں ان میں کوئی صحیح ومفید مدعائے مخالف نہیں۔ محقق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) العسقلانی فی تقریبه واما قول الازدی منکر الحدیث فالازدی نفسه مجروح ضعیف بشدید التعنت فی الرجال معروف ثم قوله منکر الحدیث جرح مبھم غیر مفسر کمانصوا علیه ۱۲ منه غفرله۔	میں اور حافظ عسقلانی نے اپنی تقریب میں بیان کیا ہے لیکن ازدی کا اس کو منکر الحدیث کہنا معتبر نہیں اس لئے کہ ازدی خود مجروح، ضعیف اور رجال حدیث پر طعن کرنیوالا مشہور ہے پھر منکر الحدیث کہنا یہ غیر واضح مبہم جرح ہے جیسا کہ علماء نقد نے تصریح کی ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] مسلم الثبوت مسئلة معرف العدالة الشھرة مطبع انصاری دہلی ص ۱۹۲

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئله مجھول الحال منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۴۹

[3] فصول البدائع

علی الاطلاق نے فتح القدیر میں انھیں ذکر کرکے فرمایا:

ولاشك ان هذه لاتقاوم احادیث المنع فی القوة فکیف تعارضها [1]۔	کوئی شک نہیں کہ یہ روایتیں قوت میں احادیث منع کو نہیں پہنچتیں توکیونکر انکے معارض ہوسکتی ہیں۔

خود ابوبکر حازمی شافعی نے کتاب الاعتبار میں حدیث صحیح مسلم دربارہ ممانعت روایت کرکے کہا:

ومایعارضه لایوازیه فی الصحة والثبوت فتعذر ادعاء النسخ [2]	اور اس کا خلاف جن روایتوں میں آیا ہے وہ صحت وثبوت میں ان کے برابر نہیں تو ممانعت استعانت کو منسوخ ماننے کا ادعانا ممکن ہے۔

یہ اجمالی جواب بس ہے، اور مجمل کی تفصیل یہ کہ یہاں دو واقعے پیش کئے جاتے ہیں جن سے احادیث منع کو منسوخ بتاتے ہیں کہ وہ واقعہ بدر و اُحد ہیں اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر میں کہ ان کے کئی برس بعد ہے بعض یہود بنی قینقاع سے یہود خیبر پر استعانت فرمائی پھر سنہ ۸ ہجری غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ سے اور وہ اس وقت مشرک تھے تو اگر ان پہلے واقعات میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشرک یا مشرکوں کو رد فرمانا اس بناء پر تھا کہ حضور کو رد قبول کا اختیار تھا جب تو حدیثوں میں کوئی مخالفت ہی نہیں اور اگر اس وجہ سے تھا کہ مشرک سے استعانت ناجائز تھی تو ظاہر ہے کہ بعد کی حدیث نے ان کو منسوخ کردیا یہ تمام وکمال کلام امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان سے فتح اور فتح سے ردالمحتار میں نقل کیا اور ناواقفوں نے نہ سمجھا یہ بعینہٖ کتاب الاعتبار حازمی شافعی میں امام شافعی سے مروی ہے:

حیث قال قرأت علی روح بن بدر اخبرك احمد بن محمد بن احمد فی کتابه عن ابی سعید الصیر فی اخبرنا ابوالعباس انا الربیع انا الشافعی قال	میں نے روح بن بدر پر پڑھا کہ آپ کو احمد بن محمد بن احمد نے اپنی کتاب میں ابو سعید صیرفی سے خبر دی کہ انھوں نے کہا ہمیں ابوالعباس نے خبر دی کہ ہمیں ربیع نے خبر دی کہ ہمیں امام شافعی نے خبر دی

[1] فتح القدیر کتاب السیر فصل فی کیفیة القسمة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۴۳

[2] نصب الرایة بحوالہ الحازمی فی کتاب الناسخ والمنسوخ فصل فی کیفیة القسمة کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

الذی روی مالك کمارو ی رد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشرکا ومشرکین فی غزوۃ بدر وابی ان یستعین الابمسلم ثم استعان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد بدر فی غزوۃ خیبر بیہود من بنی قینقاع کانوا اشداء واستعان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی غزوۃ حنین سنۃ ثمان بصفوان بن امیۃ وھو مشرك فالرد الاول ان کان بان لہ الخیار بان یستعین بمشرك وان یردہ "کما لہ رد المسلم" من معنی مخافۃ اولشدۃ بہ فلیس واحد من الحدیثین مخالفا للاخر وان کان ردہ لانہ لم یر ان یستعین بمشرك فقد نسخہ مابعدہ من استعانتہ بالمشرکین اذا خرجوا طوعا ویرضخ لھم ولا یسھم لھم ولا یثبت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ اسھم لھم انتھی[1]۔	کہ وہ جو امام مالک نے روایت فرمایا وہ ویسا ہی ہے جیسا انھوں نے روایت فرمایا، غزوہ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مشرک اور دو مشرکوں کو واپس فرمادیا اور غیر مسلم سے استعانت کرنا قبول نہ فرمایا، پھر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے بعد غزوہ خیبر میں بنی قینقاع کے کچھ یہودیوں سے کام لیا کہ زورآور تھے اور سنہ ۸ ہجری غزوہ حنین میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے جس وقت میں کہ وہ مشرک تھے کچھ امداد لی تو پہلا رد فرمادینا اگر اس بناپر تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ کسی مشرک سے کام لیں یا اسے واپس فرمادیں جیسا کہ انھیں مسلمان کے واپس فرمادینے کا اختیار ہے اس پر کسی خوف یا مشقت کے باعث، جب تو حدیثوں میں باہم کچھ اختلافات ہی نہیں اور اگر وہ واپس فرمادینا اس بناء پر تھا کہ حضور نے مشرک سے مدد لینا ناجائز جانا تو بعد کے واقعہ نے کہ مشرکوں سے کام لیا اسے منسوخ کردیا اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مشرکوں سے لڑنے میں مشرکوں سے مدد لے جبکہ وہ اپنی خوشی سے لڑنے کو چلیں اور غنیمت میں سے انھیں کچھ تھوڑا سا دیا جائے پورا حصہ نہ دیا جائے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ حضور نے انھیں پورا حصہ دیا ہو انتھی (یہ تمام کلام امام شافعی کا ہے)۔

اس کے بعد جو فقرہ فتح میں ہے وہ بھی زیر قال الشافعی داخل، اور انھیں کا قول ہے جسے بیہقی شافعی نے ان سے روایت کیا۔
نصب الرایہ میں ہے:

[1] نصب الرایۃ بحوالہ الحازمی فی کتاب الناسخ والمنسوخ فصل فی کیفیۃ القسمۃ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

قال الشافعی ولعله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انما رد المشرك الذی ردہ فی غزوۃ بدر رجاء اسلامه وقال و ذٰلك واسع للامام ان یرد المشرك اویاذن له انتھی وکلام الشافعی کله نقله البیھقی عنه[1]۔	امام شافعی نے فرمایا کہ وہ مشرک جسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں واپس فرمایا تھا شاید یہ اس امید کی بناپر ہو کہ وہ اسلام لے آئے گا اور امام شافعی نے کہا سلطان اسلام کو گنجائش ہے چاہے مشرک کو واپس کردے یا اجازت دے انتہی اور امام شافعی کا یہ سارا کلام بیہقی نے ان سے روایت کیا۔

یہود سے استعانت کے پانچ جواب:

واقعہ یہود بنی قینقاع کا جواب تو واضح ہے جو محقق علی الاطلاق اور خود حازمی شافعی نے ذکر کیا کہ وہ روایت کیا اس قابل ہے کہ احادیث صحیحہ کے سامنے پیش کی جائے اس کا مخرج **الحسن بن عمارۃ عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس** ہے قطع نظر انقطاع سے کہ حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں جن میں یہ نہیں، اور امام شافعی کے نزدیک منقطع مردود ہے، حسن بن عمارہ متروک ہے **کما فی التقریب**، اور مرسل زہری مروی جامع الترمذی و مراسیل ابی داؤد ایک تو مرسل کہ امام شافعی کے یہاں مہمل **اقول:** اور سند مراسیل میں ایک انقطاع حیوۃ بن شریح وزہری کے درمیان ہے، تہذیب التہذیب میں امام احمد سے ہے:

لم یسمع حیوۃ من الزہری[2]۔	حیوۃ نے زہری سے کوئی حدیث نہ سنی۔

دوسرے مرسل بھی زہری کا جسے محدثین پابر ہوا کہتے ہیں تیسرے ضعیف بھی **کمافی الفتح** (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) یونہی بیہقی نے کہا:

اسنادہ ضعیف و منقطع[3]۔	اس کی سند ضعیف اور بیچ میں کٹی ہوئی ہے۔

نصب الرایہ میں ہے: **انھا ضعیفة**[4] یہ سب روایتیں ضعیف ہیں۔ **اقول** اور کچھ نہ ہو اس میں یہ تو ہے کہ:

---

[1] نصب الرایۃ کتاب التفسیر فصل فی کیفیۃ القسمۃ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۴

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ ۱۳۵ حیوۃ بن شریح دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن بھارت ۳/ ۷۰

[3] نصب الرایۃ بحوالہ البیہقی کتاب السیر فصل فی کیفیۃ القسمۃ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۳/ ۴۲۲

[4] نصب الرایۃ بحوالہ البیہقی کتاب السیر فصل فی کیفیۃ القسمۃ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۳/ ۴۲۳

اسھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقوم من الیھود قاتلوا معہ[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو جنھوں نے ہمراہ رکاب اقدس قتال کیا تھا حصہ عطافرمایا۔

اس سے استعانت کہاں ثابت، ممکن کہ انھوں نے بطور خود قتال کیا ہو، اور پانچواں جواب امام طحاوی سے آتا ہے کہ سرے سے قاطع استناد ہے۔

صفوان بن امیہ سے استعانت کے روشن جواب:

رہا قصہ صفوان رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کا قبل از اسلام غزوہ حنین شریف میں ہمراہ رکاب اقدس ہونا ضرور ثابت ہے مگر ہر گز نہ ان سے قتال منقول نہ یہی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے قتال کو فرمایا ہو صرف اس قدر ہے کہ سو زرہ خود بکتر اور ایک روایت میں چار سو ان سے عاریۃً لئے اور وہ بطمع پرورش سرکار عالم مدار کہ مؤلفۃ القلوب سے تھے ہمراہ لشکر ظفر پیکر ہولئے ان کی مراد بھی پوری ہوئی اور اسلام بھی پختہ راسخ ہوگیا سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غنائم سے اتنا عطافرمایا اتنا عطافرمایا کہ یہ بے اختیار کہہ اٹھے:

واللہ ماطابت بھذا الا نفس نبی[2]۔	خدا کی قسم اتنی عطائیں خوش دلی سے دینا نبی کے سوا کسی کاکام نہیں۔

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

امام ابن سعد طبقات پھر حافظ الشان عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ میں انہی صفوان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

لم یبلغنا انہ غزا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[3]۔	ہمیں روایت نہ پہنچی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسل کی ہمراہی میں جہاد کیا ہو۔

امام طحاوی مشکل الآثار میں فرماتے ہیں:

صفوان کان معہ لاباستعانتہ ایاہ منہ فی	یعنی صفوان خود ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] نصب الرایۃ کتاب السیر فصل فی کیفیۃ القسمۃ کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۳/ ۴۲۲

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ باب ص ف ترجمہ ۴۰۷۳ دار صادر بیروت ۲/ ۱۸۷

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ باب ص ف ترجمہ ۴۰۷۳ دار صادر بیروت ۲/ ۱۸۸

ذٰلك ففی هذا مایدل علی انه انما امتنع من الاستعانة به وبامثاله ولم یمنعهم من القتال معه باختیارهم لذلك [1]۔	علیہ وسلم کے ساتھ ہولئے تھے حضور نے ان سے استعانت نہ فرمائی، اس میں دلیل ہے اس پر کہ حضور مشرکوں سے استعانت سے باز رہتے تھے اور وہ اپنے اختیار سے ہمراہی میں لڑیں تواس میں منع نہ فرماتے تھے۔

اسی میں ہے:

حدثنا ابوامیة قال حدثناء بشربن عمرالزہرانی قال قلت لما لك الیس ابن شهاب کان یحدث ان صفوان بن امیة سارمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فشهد حنینا والطائف وهو کافر قال بلی ولکن هو سارمع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولم یأمره رسول الله صلی لله تعالٰی علیه وسلم بذٰلك [2]۔	ہم سے ابوامیہ نے حدیث بیان کی کہ ہم سے بشر بن عمر زاہرانی نے حدیث بیان کی کہ میں نے امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزارش کی کیازہری یہ حدیث بیان نہ کرتے تھے کہ صفوان بن امیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس چل کر حنین وطائف کے غزووں میں بحالت کفر حاضر ہوئے، فرمایا ہاں مگر وہ خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمرکاب ہولئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نہ فرمایا تھا۔

علامہ جلال الدین ابوالمحاسن یوسف حنفی معتصر میں فرماتے ہیں:

لامخالفة بین حدیث صفوان و بین قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانستعین بمشرك لان صفوان قتاله کان باختیاره دون ان یستعین به النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان الاستعانة بالمشرك غیر جائزة	یعنی حدیث صفوان اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے کچھ مخالفت نہیں کہ صفوان کا قتال کو جانا اپنے اختیار سے تھا، نہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے استعانت فرمائی ہے مشرک سے استعانت حرام ہے لیکن وہ خود لڑیں تو لڑنے دینا

[1] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۹

[2] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماروی فی الاستعانۃ من الکفار دارصادر بیروت ۳/ ۲۳۷

لکن تخلیتهم للقتال جائزة لقوله تعالٰی لاتتخذوا بطانة من دونکم والاستعانة اتخاذ بطانة وقتالهم دون استعانة بخلاف ذٰلك [1] ۔(مختصرا)	جائز ہے اس لئے کہ رب عزوجل نے فرمایا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ مشرک سے استعانت کرنا اسے رازدار بنانا ہے اور بلا استعانت خود اس کے لڑنے میں یہ بات نہیں۔(مختصرا)

استعانت جائز ہے تو صرف ذمی سے ہے حربی سے مطلقًا حرام

فائدہ رابعہ: **اقول** یہ مسئلہ کہ ذمی اگر مسلمانوں کے ہمراہ قتال کرے یا راستہ بتائے تو سلطان اسے غنیمت سے کچھ عطا فرمائے جو مسلمانوں کے حصہ سے کم ہو اور راہ بتانے میں بقدر اجرت تمام متون مثل ہدایہ ووقایہ وتحفۃ الفقہاء وکنز ووافی ومختار واصلاح وغرر وملتقی وتنویر اور ان کے سوا جن جن کتب میں اس کا ذکر ہے جیسے خزانۃ المفتین واشباہ والنظائر وغیرہا سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے حتی کہ علامہ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی نے رحمۃ الامہ اور امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان الشریعہ میں اسے ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسی قید کے ساتھ ذکر کیا، رحمۃ الامہ کی عبارت یہ ہے:

اتفقوا علی ان من حضر الغنیمة من مملوك اوامرأة اوصبی اوذمی فلهم الرضخ [2] ۔	علماء کا اتفاق ہے کہ غلام یا عورت یا لڑکا یا ذمی جو غنیمت میں حاضر ہو تو انھیں کچھ دیا جائے گا پورا حصہ نہیں۔

بعض شراح نے اسی سے مسئلہ استعانت استنباط کیا، فتوائے شائع کردہ لیڈری نے درمختار کی یہ عبارت تو نقل کی:

مفادہ جواز الاستعانة بالکافر عند الحاجة [3] ۔	اس سے سمجھا گیا کہ حاجت کے وقت کافر سے مدد لینی جائز ہے۔

اور متن کی عبارت چھوڑ دی جو ضمیر مفادہ کا مرجع بتاتی کہ یہ کاہے کا مفاد ہے وہ عبارت یہ ہے:

لالعبد وصبی وامرأة وذمی ورضخ لهم	غلام اور لڑکے اور عورت اور ذمی کے لئے غنیمت

[1] المعتصر من المختصر "فی الاستعانۃ بالمشرک" دائرۃ المعارف العثمانیۃ حیدرآباد دکن ۱/ ۲۲۹

[2] رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ کتاب السیر فصل اختلف الائمۃ ھل یملك الکفار الخ مطابع قطر الوطنیۃ قطر ص ۳۸۷

[3] الدر المختار فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

اذا باشروا القتال اوکانت المرأۃ تقوم بمصالح المرضی اودل الذمی علی الطریق[1]۔	کا حصہ نہیں ہاں کچھ دیا جائے گا اگر لڑیں یا عورت مریضوں کی تیمار داری کرے یا ذمی راستہ بتائے۔

اس کے متصل بلافصل در مختار کی وہ عبارت ہے تو کافر سے مطلقاً وہی مراد جو متن میں مذکور ہے یعنی ذمی کہ حربی ہرگز اس کے معنی میں نہیں جس کے سبب بدلیل الویت یا مساوات تعیم کرلی جائے اس کی نظیر ابھی عبارت قدوری وہدایہ سے گزری جن میں لفظ کافر تھا اور تمام اکابر نے تصریح فرمادی کہ کافر سے مراد ذمی ہے۔

ذمی میں بھی خاص کتابی سے استعانت جائز ہے مشرک سے مطلقاً حرام ہے:

فائدہ خامسہ: امام اجل زینت حنفیت سیدنا احمد طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں اور تخصیص فرمائی اور اسی کو حضرت سیدنا امام اعظم وجملہ ائمہ حنفیّہ کا مذہب بتایا کہ مسئلہ استعانت کا کتابی سے خاص ہے، جہاد میں وقت حاجت دبے ہوئے یہودی یا نصرانی سے مدد لے سکتے ہیں مشرک سے اصلا جائز نہیں مشکل الآثار میں استعانت بمشرک سے ممانعت کی حدیثیں روایت فرمائیں پھر استعانت بہ یہود کی حدیث اعتراضاً وارد کی پھر اس سے جواب میں فرمایا:

لیس فی ذٰلك مایخالف شیئا مما رویناہ فی ھذا الباب لان الیھود لیسوا من المشرکین الذین قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الاثار الاول انہ لانستعین بھم اولئك عبدۃ الاوثان وھؤلاء اھل الکتب والغلبۃ لنا لانا الاعلون علیھم وھم اتباع لنا وھکذا حکمھم الاٰن عند کثیر من اھل العلم منھم ابوحنیفۃ واصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم یقولون لاباس	وہ حدیثیں کہ اس باب میں ہم نے ذکر کیں یہ روایت ان سے کچھ مخالفت نہیں رکھتی اس لئے کہ یہود مشرک نہیں ہیں جن کے بارے میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگلی حدیثوں میں فرمایا کہ ہم ان سے استعانت نہیں کرتے وہ بت پرست ہیں اور یہ کتابی ہیں اور یہ غلبہ ان پر ہمیں کو ہے کہ ہمیں ان پر بالادست ہیں اور وہ ہمارے تابع ہیں اور اب بھی اکثر علماء کے نزدیک ان کا یہی حکم ہے از انجملہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم

[1] الدر المختار فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

بالاستعانة باھل الکتاب فی قتال من سواھم اذا کان حکمنا ھوالغالب ویکرھون ذٰلك اذاکان احکامنا بخلاف ذٰلك ونعوذ باﷲ من تلك الحال [1] ۔	وہ فرماتے ہیں کہ غیر کتابی کے مقابلہ میں کتابیوں سے مدد لینے میں حرج نہیں جبکہ ہمارا ہی حکم غالب ہواور کتابیوں سے بھی مدد لینے کو ناجائز رکھتے ہیں جبکہ حالت اس کے خلاف ہو یعنی وہ ہمارے تابع و پیرو نہ ہوں اور اس حالت سے اللہ کی پناہ۔

معتصر علامہ یوسف حنفی میں ہے:

الممتنع الاستعانة بالمشرك والیھود لیسوا من المشرکین ھکذا حکمھم عند ابی حنیفة واصحابه اذا کان حکمنا ھوالغالب بخلاف ما اذا لم یکن غالبا نعوذ باﷲ [2] (ملتقطا)	مشرک سے استعانت ناجائز ہے اور یہود مشرک نہیں امام اعظم اور ان کے تلامذہ کے نزدیک یہی حکم ہے جبکہ ہمارا ہی حکم غالب ہو بخلاف اس کے کہ معاذاللہ ہمارا حکم ان پر غالب نہ ہو۔ (ملتقطا)

تحقیق مقام استعانت کے اقسام اور ان کے احکام

فائدہ سادسہ: اقول: تحقیق مقام بتوفیق منعام یہ ہے کہ یہاں استعانت کی تین حالتیں ہیں:

التجا، اعتماد، استخدام

التجا: یہ کہ قلیل گروہ اپنے کو ضعیف وکمزور یا عاجز پاکر کثیر وقوی وطاقتور جتھے کی پناہ لے اپنا کام بنانے کے لئے اس کا دامن پکڑے یہ بداہۃً اپنے آپ کو ان کے ہاتھ میں دینا ہوگا اور انھیں خواہی نخواہی ان کے اشارے پر چلنا ان کی پس روی کرنی پڑے گی۔

اعتماد عــــہ: یہ کہ گروہ مساوی سے یارانہ گانٹھیں انھیں اپنا یاورو یار ومعین ومددگار بنائیں ان کی مدد وموافقت سے اپنے لئے غلبہ وعزت وکامیابی چاہیں یہ اگرچہ اپنے آپ کو ان کے رحم پر چھوڑ دینا نہیں مگر ان کی ہمدردی وخیر خواہی پر اعتماد یقینا ہے کوئی عاقل خون کے پیاسے دشمن بدخواہ کو معین وناصر نہ بنائے گا، یہاں مساوات کے یہی معنی نہیں کہ ہر طرح قوت میں ہمارا ہم سنگ ہو بلکہ خودسر گروہ کہ ہمارے

عــــہ: اعتماد ہر استعانت میں ہے اور یہاں یہ مراد کہ صرف اعتماد ہے استیلاء نہ ان کا نہ اپنا ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] مشکل الآثار للطحاوی باب بیان مشکل ماوری فی الاستعانة من الکفار دار صادر بیروت ۳/ ۲۴۰

[2] المعتصر من المختصر فی الاستعانة بالمشرك دائرۃ المعارف العثمانیة حیدرآباد دکن ۱/ ۲۲۹

ہاتھ میں مجبور نہیں اور ہمارے ساتھ اظہار بدخواہی کرسکتا ہے اسی شق میں ہے کہ باوصف خودسری اسے ناصر بنانا بے اعتماد نہ ہوگا۔ یہ دونوں صورتیں کفار کے ساتھ یقیناً قطعاً نصوص قطعیہ قرآنیہ سے حرام قطعی ہیں جن کی تحریم کو پہلی اور دوسری دو ہی آیتیں کافی ووافی ہیں ہرگز کوئی مسلمان انھیں حلال نہیں کہہ سکتا۔

استخدام: یہ کہ کافر ہم سے دبا ہوا اس کی چٹیا ہمارے ہاتھ میں ہو کسی طرح ہمارے خلاف پر قادر نہ ہو، وہ اگرچہ اپنے کفر کے باعث یقیناً ہمارا بدخواہ ہوگا مگر بے دست وپا ہے ہم سے خوف وطمع رکھتا ہے خوف شدید کے باعث اظہار بدخواہی نہ کرسکے گا بلکہ طمع کے سبب مسلمان کے بارے میں نیک رائے ہوگا۔

الحمدﷲ! یہ تقریر غفرلہ القدیر نے تفقہًا لکھی تھی پھر امام شمس الائمہ سرخسی کی شرح سیر صغیر امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ دیکھی عظیم وجلیل تائید ملی، فائدہ خامسہ میں امام طحاوی وعلامہ یوسف حنفی کی عبارتیں سن چکے کہ جواز اس وقت ہے جب ہمارا ہی حکم غالب ہو اور امام ابوجعفر کا ارشاد کہ ہمیں بلند وبالا ہوں اور وہ ہمارے تابع، بعینہٖ یہی شرط سیر صغر میں کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے امام محمد نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ فرمایا:

سالته عن المسلمین یستعینون باھل الشرك علی اھل الحرب، قال لاباس بذلك اذاکان حکم الاسلام ھوالظاھر الغالب [1]۔	میں نے عرض کی کہ مسلمان اگر حربیوں پر مشرکوں سے مدد لیں تو کیسا ہے فرمایا مضائقہ نہیں بشرطیکہ اسلام ہی کا حکم روشن وزبردست ہو۔

مشرکوں سے ذمی مراد ہیں کہ اس سے دو ورق پہلے فرمایا:

لاباس بان یستعین اھل العدل بقوم من اھل البغی واھل الذمۃ علی الخوارج اذاکان حکم اھل العدل ظاھرا [2]۔	اہل عدل کا باغیوں اور ذمیوں سے خوارج کے خلاف مدد لینے میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ اہل عدل کا حکم غالب ہو۔ (ت)

یہاں تو استخدام بتایا تھا مگر اس کی تعلیل وہ فرمائی جس نے استخدام کی پوری تصویر بھی کھینچ دی اور اس کی نوعیت بھی بتادی کہ کس طرح کا استخدام ہو۔

---

[1] المبسوط للسرخسی باب آخر فی الغنیمۃ دار المعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] المبسوط للسرخسی باب الخوارج دار المعرفۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۴

کافر کو کتّا بنا کر استعانت جائز ہے جب وہ ہمارے ہاتھ میں کتے کی طرح مسخر ہو:

ارشاد ہوا: لان قتالھم بھذہ الصفة لاعزاز الدین والاستعانة علیھم باھل الشرك کالاستعانة بالکلاب[1]۔

دوورق پہلے فرمایا: والاستعانة باھل الذمة کالاستعانة بالکلاب[2]۔

(یعنی اس لیے کہ جب وہ اس حالت پر ہوں تو ان کا لڑنا ہمارے ہی دین کے اعزاز کو ہوگا اور حربیوں پر ان ذمی مشرکوں سے استعانت ایسی ہوگی جیسے شکار میں کتوں سے مدد لیتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ ہمارے ہاتھ میں کتوں کی طرح مسخر ہوں کہ ان کا فعل ہمارے ہی لئے ہو ہمارے ہی دین کے اعزاز کے واسطے ہو)

کتے سے شکار میں استعانت کب جائز ہوتی ہے جبکہ وہ وقت شکار سارا کام ہمارے ہی لئے کرے اس میں سے اپنے واسطے کچھ نہ کرے اگر شکار مارا اور ماشہ بھر اس کا گوشت کھالیا شکار حرام ہے، تو استخدام بتایا اور وہ بھی سب سے ذلیل تر یعنی جیسے کتے سے خدمت لیتے ہیں اور شرط فرمادی کہ وہ خودسری سے یکسر نکل کر محض ہمارے لئے آلہ بن گئے ہوں یہ نہ ہوگا مگر اسی صورت میں کہ ہم نے منقح کی وللہ الحمد۔

ذلیل و قلیل کافروں سے استعانت کی اجازت ہوگی نہ کہ انبوہ کثیر سے:

اقول: اور اس کے لئے ضرور ہے کہ وہ معدودے چند ذلیل قلیل ہوں کہ بڑا گروہ ہوا تو ممکن کہ میدان میں پہنچ کر کافروں کا لشکر دیکھ کر شرارت پر آئے اور پھن دکھائے ممکن کہ یہی حکمت ہو کہ روز احد چھ سو یہود کو واپس فرمادیا کہ یہ بڑا جتھا ہوا خصوصا اس حالت میں کہ مسلمان صرف سات سو ۷۰۰ اور مغلطائی کی روایت میں چھ ہی سو تھے اور غزوہ خیبر میں حسب عـــہ روایت واقدی صرف دس یہود کو ہمراہی کا حکم فرمایا کہ مسلمان ایک ہزار چار سو ۱۴۰۰ تھے

عـــہ: اخرج الواقدی فی مغازیہ عن | واقدی نے اپنے مغازی میں (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] المبسوط للسرخسی باب آخر فی الغنیمة دار المعرفة بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] المبسوط للسرخسی کتاب السیر ۱۰/ ۲۳ باب الخوارج دار المعرفة بیروت ۱۰/ ۱۳۴

اور غزوہ حنین میں تو صفوان جیسے ستر ۷۰ اسی ۸۰ بھی مان لیجئے تو کچھ نہ تھے کہ الٰہی لشکر بارہ ہزار تھا جس کی کثرت کا ذکر خود قرآن عظیم میں ہے اسی طرف اشارہ ہے کہ ہمارے علماء ان مسائل میں ذمی و کافر بصیغہ مفرد لکھتے ہیں نہ بصیغہ جمع۔

استخدام کی چار صورتیں اور ان کے احکام کافر کو راز دار بنانا مطلقاً حرام ہے:

اب چار ۴ صورتیں ہیں:

اول اس سے ایسی استعانت جس میں وہ ہمارا راز دار و دخیل کار بنے یہ مطلقاً حرام ہے جس کے لئے پہلی آیہ کریمہ بس ہے، نیز فرماتا ہے جل وعلا:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۠ "[1]	کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یونہی چھوڑ دئے جاؤگے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم میں سے جہاد کریں اور اللہ ورسول و مسلمین کے سوا کسی کو اپنا راز دار و دخیل کار بنائیں اور اللہ تعالٰی تمھارے کاموں سے خبر دار ہے۔

کافروں کو محرری پر نوکر رکھنے کی ممانعت:

ولہذا حدیث چہارم میں ان سے مشورہ لینا ناجائز فرمایا، تفسیر کبیر میں کریمہ اولٰی کے تحت میں ہے:

ان المسلمین کانوا یشاورونھم فی امورھم ویؤانسونھم لماکان بینھم من الرضاع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حرام بن سعد بن محیصہ قال خرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعشرۃ من یھود المدینۃ غزابھم الی خیبر[2] ۱۲منہ غفرلہ	حرام بن سعد بن محیصہ سے راوی کہ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام مدینہ کے دس یہود کو غزوہ خیبر میں ہمراہ لے گئے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] کتاب المغازی للواقدی غزوہ خیبر منشورات موسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت ۲/ ۶۸۴

والحلف ظناً منهم انهم وان خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم الله تعالٰی بهذه الاٰیة عنه۔ فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المومنین فیکون ذٰلك نهیاً عن جمیع الکفار وقال تعالٰی "یاًیها الذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء" ومما یؤکد ذٰلك ماروی انه قیل لعمر رضی الله تعالٰی عنه ھٰهنا رجل من اهل الحیرة نصرانی لایعرف اقوی حفظاً واحسن خطاً منه فان رأیت ان تتخذه کاتباً فامتنع عمر من ذٰلك وقال اذن اتخذت بطانة من غیر المومنین [1]۔

یعنی کچھ مسلمان بعض یہود سے اپنے معاملات میں مشورہ کرتے اور باہم دل بہلاتے کہ کسی سے دودھ کی شرکت تھی کوئی کسی کا حلیف تھا یہ گمان کرتے تھے کہ وہ اگرچہ دین میں ہمارے خلاف ہیں دنیوی باتوں میں توہماری خیر خواہی کریں گے اس آیہ کریمہ میں رب العزت جل وعلانے انھیں منع فرمایااور حکم دیاکہ کسی غیر مسلم کو اپناراز دار نہ بناؤ، تو یہ نہ صرف یہود بلکہ جملہ کفار سے ممانعت ہوئی اور اللہ تعالٰی عزوجل نے فرمایا: "اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو یار نہ بناؤ" اوراس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوئی کہ ان سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا ساحافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنائیں امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایااور ارشاد کیاکہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا ٹھہروں گا۔ تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روی ان اباموسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه قال قلت لعمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه ان لی کاتباً نصرانیاً فقال مالك وله قاتلك الله الا اتخذت حنیفاً یعنی مسلماً اماسمعت قول الله عزوجل "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤی اَوْلِیَآءَ" قلت له دینه ولی کتابته فقال لا اکرمهم	یعنی ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی کہ میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمھیں اس سے کیا علاقہ خدا تمھیں سمجھائے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو! یہود ونصارٰی کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، فرمایا میں

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) آیہ لاتتخذوا بطانة الخ کے تحت المطبعة البهیة المصریة مصر ۸/ ۱۰و۲۰۹

اذا اھانھم اللہ، ولااعزھم اذا اذلھم اللہ ولاادنیھم اذا ابعد ھم اللہ، قلت انہ لایتم امر البصرۃ الا بہ فقال مات النصرانی والسلام یعنی ھب انہ مات فما تصنع بعدہ فما تعملہ بعد موتہ فاعلمہ الاٰن واستغن عنہ بغیرہ من المسلمین[1]۔	کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انھیں اللہ نے خوار کیا نہ انھیں عزت دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں ذلیل کیا نہ ان کو قُرب دوں گا جبکہ اللہ نے انھیں دور کیا، میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی والسلام یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا تو اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پروا ہوجاؤ۔

کافر کی تعظیم حرام ہے:

دوم اسے بعض مسلمانوں پر کوئی عہدہ و منصب دینا جس میں مسلم پر اس کا استعلاء ہو مثلاً مسلمان فوج کے کسی دستے کا افسر بنانا یہ بھی حرام ہے، ابھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد سن چکے کہ اللہ نے انھیں خوار کیا میں گرامی نہ کروں گا اللہ نے انھیں ذلت دی میں عزت نہ دوں گا، کتب حدیث میں یوں ہے کہ جب ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے محرری پر مقرر کیا امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں فرمان میں لکھا:

لیس لنا ان نأتمنھم وقد خونھم اللہ ولا ان نرفعھم وقد وضعھم اللہ ولا ان نعزوھم وقد امرنا بان یعلم الجزیۃ عن ید وھم صاغرون[2]۔	ہمیں روا نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالانکہ اللہ تعالٰی انھیں خائن بتاتا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالانکہ اللہ سبحٰنہ نے انھیں پستی دی، یا انھیں عزت دیں حالانکہ ہمیں حکم ہے کہ کافر ذلت وخواری کے ساتھ اپنے ہاتھ سے جزیہ پیش کریں۔

درمختار میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین وتمامہ فی الفتح وفی الحاوی ینبغی ان یلازم الصغار بینہ وبین المسلم، فی کل شیئ وعلیہ فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر، ویحرم تعظیمہ[3]۔

---

[1] لباب التاویل (تفسیر الکبیر) زیر آیہ لاتتخذوا الیھود والنصارٰی اولیاء مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲

[2]

[3] الدرالمختار فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

یعنی ذمی کافر کو محرر بنانا یااور کوئی عمل ایسا سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں، اس کا پوار بیان فتح القدیر میں ہے، حاوی میں ہے وہ مسلمان کے ساتھ ہر معاملہ میں دبا ہوا ذلیل رہے توجب تک اس کے پاس کوئی مسلمان کھڑا ہوا اُسے بیٹھنے نہ دیں گے، یہ بحرالرائق میں ہے، اوراس کی تعظیم حرام ہے۔ ہدایہ میں ہے:

قالوا الاحق ان لایترکوا ان یرکبوا الا لضرورۃ واذا رکبوا للضرورۃ فلینزلوا فی مجامع المسلمین [1]۔	علماء نے فرمایا: سزاوارتریہ ہے کہ انھیں سوار ہونے ہی نہ دیں مگر (مرض وغیرہ کی) ناچاری سے پھر جب مجبوری کو سوار ہو تو ضرور ہے کہ مسلمانوں کے مجمع میں اترلیں۔

بے تعظیمی کے ساتھ بھی کافر سے استعانت صرف وقت حاجت جائز ہے:

سوم بے حاجت اس سے استعانت کرنا یہ بھی ناجائز ہے، خود فتوائے شائع کردہ لیڈران میں درمختار سے ہے:

مفادہ جواز الاستعانۃ بالکافر عند الحاجۃ [2]۔	اس عبارت سے سمجھاگیا کہ حاجت کے وقت کافر (ذمی) سے استعانت جائز ہے۔

اسی میں ردالمحتار سے ہے:

امابدونہا فلا لانہ لایؤمن غدرہ [3]۔	حاجت نہ ہو تو جائز نہیں کہ کچھ اطمینان نہیں کہ وہ بدعہدی نہ کرے گا۔

کافر سے صرف اس صورت کی استعانت جائز ہے:

چہارم اب ایک صورت یہ رہی کہ [۱] دبے ہوئے مقہور کافر سے [۲] بشرط حاجت ایسی استعانت جس میں نہ [۳] اسے رازدار و دخیل کاربنانا ہو نہ [۴] کسی مسلمان پر اس کا استعلاء ہو یہ ہے وہ جس کی ہمارے علماء اور امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم نے رخصت

---

[1] الهدایة باب الجزیة المکتبة العربیه کراچی ۲/ ۵۷۸

[2] الدرالمختار فصل فی کیفیة القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۳

[3] ردالمحتار فصل فی کیفیة القسمة مکتبہ ماجدہ کوئٹہ ۳/ ۲۵۷

دی پچھلی دو قیدیں تو منتظر ثبوت بلکہ محتاج بیان بھی نہیں دین متین سے ضرورۃً معلوم ہیں جن کا کچھ بیان ابھی گزرا تو ان کی نظیر نماز کے لئے شرط وضو ہے کسی نماز کا مسئلہ بتائے تو یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ بشرطیکہ باوضو پڑھی جائے، رہیں پہلی دو، وہ ہمارے ائمہ کی طرح امام شافعی نے بھی بتائیں امام اجل ابو زکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فارجع فلن استعین بمشرک،وقد جاء فی الحدیث الاخران النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعان بصفوان بن امیة قبل اسلامه فاخذ طائفة من العلماء بالحدیث الاول علی اطلاقه.وقال الشافعی واخرون ان کان الکافر حسن الرأی فی المسلمین ودعت الحاجة الی الاستعانة به استعین به والا فیکره حمل الحدیثین علی هذین الحالین[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ واپس جا ہم ہر گز کسی مشرک سے استعانت نہ کریں گے،اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ سے اس حال میں امداد لی کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے تو ایک جماعت علماء نے پہلی حدیث کا مطلق حکم اختیار کیا اور شافعی اور کچھ اوروں نے کہا کافر اگر مسلمانوں کے حق میں نیک رائے رکھتا ہو اور اس سے استعانت کی حاجت پڑے تو استعانت کی جائے ورنہ منع ہے،امام شافعی نے ان دونوں حدیثوں کو ان دونوں حالوں پر محمول کیا۔

شرط حاجت تو صاف ذکر فرمائی اور شرط اول کا یوں اشعار کیا کہ کسی کافر کی رائے مسلمانوں کے بارے میں اچھی ہو تو اس سے اس استعانت جائز ہے،اسی شرط کو حازمی نے یوں ذکر کیا:

والثانی ان یکونوا ممن یوثق بهم فلا تخشٰی نائرتهم فمتی فقد هٰذان الشرطان لم یجز للامام ان یستعین بهم[2]۔	یعنی حاجت کے ساتھ دوسری شرط یہ ہے کہ ان کافروں پر وثوق ہو کہ ان کی شرارت کا اندیشہ نہ رہے ان دونوں شرطوں میں سے کوئی کم ہو گی تو سلطان اسلام کو کافروں سے استعانت جائز نہ ہو گی۔

اقول: اللہ عزوجل فرماتا ہے: اور اللہ سب سے زیادہ سچا ہے " لَا یَاْلُوْنَکُمْ

[1] شرح صحیح مسلم مع مسلم کتاب الجهاد والسیر کراهیة الاستعانة فی الغزو بکافر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۸

[2] الناسخ والمنسوخ للحازمی

خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ" [1] کافر تمھاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے تمھارا مشقت میں پڑنا ان کی دلی تمنا ہے۔ تو محال ہے کہ خود سر کافر مسلمانوں کے لئے کوئی اچھی رائے رکھیں ان کی خیر خواہی پر وثوق ہوسکے ان کا خود سر کافر ہونا ہی ان پر بے اطمینانی کا پورا موجب ہے، محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب الموادعۃ میں فرماتے ہیں:

لعل خوف الخیانۃ لازم لعلم بکفرھم وکونھم حربا علینا [2]۔	امید ہے کہ خوف خیانت آپ ہی لازم ہے کہ ان کا کافر اور ہم سے مقاتل ہونا معلوم ہے۔

تو مسلمانوں کے خیر خواہ و قابل وثوق نہیں ہوسکتے مگر معدود چند ذلیل قلیل مجبور مقہور کافر جن کو سرکشی کی مجال نہیں ولہذا تمام علماء نے مسئلہ رضخ کو ذمی کے ساتھ مقید فرمایا اور اسے مفرد ذکر کیا۔

ثم اقول: ان کا شروط وقیود سے مشروط استعانت سے نہ ان کو راز دار و دخیل کار بنانا ہے کہ آیت اولٰی کے خلاف ہو، نہ ان سے عزت چاہنا کہ آیت دوم کے مخالف ہوں، ذلیل قلیل سے کون عزت چاہے گا، نہ اسے کوئی ولی ونصیر بنانا کہے گا کہ باقی آیات کے خلاف ہو۔ یہ استعانت اگر ایسی نہیں جیسے **کتبت بالقلم** (میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔ ت) میں سے تو ایسی ضرور ہے جیسے لوگ چماروں کو پکڑا کر بیگار لیتے ہیں بلکہ جب انھیں کچھ مال دیا جاتا ہے تو ایسی جیسے چمار کو پیسہ دے کر جوتا گنٹھوالینا، کیا اسے کوئی کہے گا کہ چمار کو ولی وناصر بنایا۔ لاجرم کلمات علماء مخالف آیات نہ ہوئے عـــہ **وللہ الحمد، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔**

لیڈروں نے احکام شریعت کو کیسے بدلا:

فائدہ سابعہ: یہ تھا حکم شرعی جس کی تحقیق وتنقیح **بحمدہ تعالٰی** اس وجہ جلیل پر ہوئی کہ ان سطور کے غیر میں نہ ملے گی، اب لیڈران اپنی تحریفیں دیکھیں احکام دین کو کتنا کتنا بدلا، شرعی مسئلہ کیسا کیسا مسلا،

اولاً ذکر تھا ذمی کا، لے دوڑے حربی۔

ثانیاً بروایت امام طحطاوی حضرت امام اعظم وامام ابویوسف امام محمد جملہ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک جواز کتابی سے خاص تھا یہ لے دوڑے مشرک۔

عـــہ: دربارہ استعانت احکام شریعت تو یہ تھے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] فتح القدیر باب الموادعۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۶

ثالثا: جواز باجماع قائلین حاجت سے مقید تھااور یہ خود اپنا جرم قبولے کہ ہم عہ۱ کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔

رابعا: انھیں راز دار ودخیل کار بنانا حرام قطعی تھا یہ اس سے بھی بدر جہا بڑھ کر قطعی تھا یہ اس سے بھی بدر جہا بڑھ کر ان کے ہاتھ بک گئے انھیں اپنا امام وپیشوا بنالیا ان عہ۲ کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتے ہیں "وہی مانتا ہوں میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے:" ؎

عمرے کہ بآیات واحادیث گزشت

رفتی و نثار بت پرستی کردی

(وہ عمر کہ آیات واحادیث کے ساتھ گزری ختم ہوگئی، اور بت پرستی کی نذر کردی۔ت)

" كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ "[1]	اللہ یونہی چھاپ لگادیتا ہے ہر مغرور ستمگر کے دل پر۔

خامسا: ان کی تعظیم انھیں مسلمانوں پر استعلاء دینا حرام قطعی تھا، انھوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم واعلاء میں نہ چھوڑا مسلمان کہلانے والوں نے ان کی جیئیں پکاریں، بیل بن کر گوپتروں کی گاڑیاں کھینچیں، ان کی مدح میں غلو واغراق کئے حتی کہ گاندھی کو کہہ بھاگے ع

"خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے ست" عہ۳

(تیری تعریف سے خاموش رہنا تیری تعریف کی انتہا ہے۔ت)

"نبوت عہ۴ ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے" "ایک متلذر عہ۵ ہزاروں کے مجمع میں اسٹیج پر چہکتا ہے کہ "اگر اللہ تعالٰی نے ان کو (گاندھی کی طرف اشارہ کرکے کہا) تمھارے لئے مزکر بنا کر بھیجا ہے"

عہ۱: خطبہ صدارت مولوی عبدالباری ص ۵۔ حشمت علی غفرلہ

عہ۲: خط مولوی عبدالباری صاحب جس کا فوٹو حسن نظامی نے چھاپا۔ ۱۲ حمشت علی عفی عنہ

عہ۳: انجمن اسلامیہ کی طرف سے گاندھی کا سپاسنامہ شعر ۱۸۔ حشمت علی

عہ۴: تقریر ظفر الملک در رفاہ عام لکھنؤ "اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے" اخبار اتفاق دہلی ۷ ۱۲ اکتوبر ودبدبہ سکندریہ یکم نومبر وپیسہ اخبار ۱۸ نومبر ۱۲ حشمت علی

عہ۵: تقریر عبدالماجد بدایونی جلسہ جمعیۃ العلماء ہند دہلی فتح اخبار دہلی جلد ۲ نمبر ۲۴۲۔ ۱۲ حشمت علی عفی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف داخل کرنے کارد:

دوسرا عـــہ۱ جمعہ کا خطبہ اردو میں پڑھتا ہے، نہیں نہیں خطبہ کی جگہ لکچر دیتا ہے اور اس میں خلفائے راشدین وحسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بدلے گاندھی کی مدح مقدس ذات ستودہ عـــہ۲ صفات وغیرہا لفاظیوں کے ساتھ گاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے: "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"[1] مشرک تو نہیں مگر ناپاک۔ یہ کہیں مقدس ذات۔ اللہ فرمائے: "اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِؕ۝۶"[2] وہ تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ یہ کہیں ستودہ صفات۔ غرض خطبہ جمعہ کیا تھا قرآن عظیم کا رد تھا۔ آج خطبہ جمعہ میں یہ ہوا کل نماز میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ" کی جگہ "اھدنا الصراط الگاندھی" پڑھیں گے اور کیوں نہ پڑھیں جسے جانیں کہ اس مقدس ذات ستودہ صفات کو اللہ تعالیٰ نے مذکر بناکر مبعوث فرمایا ہے اس کی راہ آپ ہی طلب کیا چاہیں اور بالفرض یہ تبدیل نہ کریں، تو "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ" میں تو گاندھی کو ضرور داخل مان چکے۔ اللہ جسے مقدس ذات ستودہ صفات کرے اور خلق کے لئے مذکر بناکر بھیجے اس پر انعام الٰہی تام وکامل ہے، "الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ"[3] (وہ جن پر اللہ نے احسان کیا) کا بیان قرآن کریم نے "مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَۚ"[4] (وہ کون ہیں نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ) فرمایا ہے۔ یہ سب مقدس ذات ستودہ صفات ہیں لاکھوں شہداء وصالحین کو اللہ تعالیٰ نے مذکر بناکر مبعوث نہ فرمایا تو گاندھی جی اول نمبر کے "**انعمت علیھم**" ہوئے مگر قرآن تو کفار پر اپنا غضب اور لعنت بتاتا اور انھیں ہر مخلوق سے بدتر ہر ذلیل سے ذلیل تر فرماتا ہے اگر اس کا نام انعام ہے تو ضرور کفار سے بڑھ کر کوئی "**انعمت علیھم**" ہیں۔

"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ٘ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ۝۳۰"[5] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ ت) مشرک کو مسجد جامع میں مسلمانوں کا واعظ بنایا جاتا ہے ہزارہا مسلمانوں سے اونچا کھڑا کرکے مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جمایا جاتا ہے کیا مسئلہ استعانت

عـــہ۱: اخبار مشرق گورکھپور ۱۳ جنوری ۲۱ء وعینی شہادت مولوی احمد مختار صاحب صدیقی میرٹھی رکن خلافت کمیٹی ۱۲ حشمت علی۔

عـــہ۲: یہ مولوی صاحب شاہد عینی کا بیان ہے اور اخبار مشرق میں مقدس ذات پاکیزہ خیالات ہے۔ ۱۲ حشمت علی۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[5] القرآن الکریم ۹/ ۳۰ و ۶۳/ ۴

کا یہ مطلب تھا کیا درمختار میں اس کا جواز لکھا تھا، اجازت تھی تو استخدام کی، وہ بھی ایسا جیسے کتے سے جو پورا مسخر ہولیا ہو۔ تم نے الٹی خدمت گاری بلکہ غلامی کی "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷" [1] (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

سادسا: مشرکوں پر اعتماد حرام قطعی بلکہ تکذیب کلام الٰہی تھا جس کا بیان زیر آیت اولٰی گزرا انھوں نے اعتماد درکنار قطعاً التجا کی، التجاء واعتماد کے جو معنی گزرے ان کے آئینہ میں ان کی صورتیں منقوش دیکھ لیجئے ۲۳ کروڑ ہندوؤں کو اپنا یار و یاور بنانا کیا دلی خیر خواہی پر پورے اعتماد کے بغیر ممکن ہے بداہت عقل کو مکرائے تو لیڈران کے گیت سن لیجئے جو مشرکین کو اپنا دلی خیر خواہ سمجھنے کے گائے ہیں "ان عـــہ۱ کی ہمدردی ہماری مصیبت کے وقت ظاہر ہوئی جس وقت کلمہ گو بھی معاونت حق سے گریزاں تھے ان کا دست اتحاد ہماری طرف بڑھا جب یار اغیار ہو گئے ہیں برادران وطن کو ان کی ہمدردی کی اجرت دے کر ان کے مرتبہ کو گھٹانا نہیں چاہتا وہ بہادر قوم ہماری مصیبت کے وقت خلوص کے ساتھ ہمدردی کرکے ہم ان کو اپنا دلی دوست بنانا چاہتی ہے نہ ہماری لفظی شکر گزاری کی محتاج ہے ہمارے دل میں ان کے اخلاص عـــہ۲ نے گھر کر لیا ہے۔" دیکھئے کیسی دل کھول کر قرآن کی تکذیبیں کیں، اب اتنا مسلمان دیکھ لیں گے کہ یہ سچے یا اللہ واحد قہار سچا کہ "لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ" [2] وہ تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے قل صدق اللہ "وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۲۷۰" [3]۔

دربارہ استعانت فتوٰی میں لیڈران کی موت عـــہ۳

سابعا: سب جانے دو اتنا تو مفتی لیڈران کو بھی مسلم کہ اگر ان کی طرف حاجت پڑے اور ان سے غدر کا امن ہو تو استعانت درست یعنی حاجت نہ ہو تو حرام اور ان کے غدر سے

عـــہ۱: خطبہ صدارت مولوی عبدالباری صاحب ۵و۶۔ ۱۲ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ۔

عـــہ۲: رسالہ قربانی گاؤ مولوی عبدالباری ۱۲ حشمت علی عفی عنہ۔

عـــہ۳: دربارہ استعانت جو فتوٰی شاہجہانپور لیڈران نے شائع کیا اس میں خود ان کی موت ہے مگر لیڈران کو نہیں سوجھتی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۰

امن نہ ہو تو حرام حاجت کا انکار خود لیڈران کو ہے اور ان کے غدر سے امن پر کیا دلیل قائم کرلی۔ کیا نرا وعدہ، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا" [1]	شیطان تو انھیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

یا انھوں نے تمھارے خیر خواہ بنے رہنے کی قسمیں کھائی ہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ "اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ" [2] ان کی قسمیں کچھ نہیں، یا تمھیں وحی آئی کہ یہ جانی دشمن یہ دینی اعداء یہ خونخوار بدخواہ یہ کبھی دغا نہ کریں گے، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ" [3]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی ہوئی حالانکہ اسے کچھ بھی وحی نہ ہوئی۔

ان کے غدر سے امن کی تو ایک وہی صورت تھی کہ وہ ایسے ذلیل و قلیل ہمارے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہوں کہ سرتابی کی قدرت ہی نہ رکھیں، کیا یہ ۲۳ کروڑ ہندو تمھارے ہاتھ میں ایسے ہی ہیں۔ جھوٹ جھوٹ اور پورے ۲۳ کروڑ جھوٹ، دیکھو تمھارے ہی شائع کردہ فتوے نے تمھیں گھر تک پہنچادیا اور اس استعانت میں تم پر فرد قرارداد جرم لگا کر مرتکب حرام ٹھہرا دیا احمق اسے شائع کروانے اور اپنی سند ٹھہراتے ہیں، اور نہیں جانتے کہ وہ انھیں پر رد ہے۔ ہمارے دوست مفتی صاحب نے مروان کے خفیہ خط کی طرح ملتمس کا سا صحیفہ ان کے ہاتھ میں دے دیا جس میں ان کی موت ہے اور یہ خوشی خوشی لئے پھرتے ہیں، نہیں نہیں نرے نا مشخص نہیں سمجھتے ہیں مگر مقصود ہی دین کو بدلنا احکام کو کچلنا عوام کو چھلنا ہے، جاہل بیچارے اتنا دیکھ لیں گے کہ دیکھو "ج ائی ز" لکھا ہے اب اتنی سمجھ کسے کہ جسے جائز لکھا ہے لیڈران کی استعانت کو اس سے مس نہیں اور ان کی جو استعانت ہے فتوے میں ہرگز اسے جائز نہ لکھا بلکہ صاف عدم جواز کا اشعار کیا۔

مفتیوں کو ہدایت:

ہاں جب مفتی کو واقعہ معلوم، تو فتوٰی اگرچہ بجائے خود صحت سے موسوم ایسا غلط انگیز لکھنا مذموم جسے اہل باطل اپنے باطل پر ڈھالیں اور اس سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۹۳

اپنی تقویت کی راہ نکالیں یہ سمجھ لینا کہ فتوے کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ ان کے غدر سے امن کی صورت یہاں متصور نہیں عوام جاہلوں کو میسر نہیں، عقود الدریہ میں ہے:

اذا علم المفتی حقیقۃ الامر ینبغی لہ ان لایکتب للسائل لئلا یکون معینا لہ علی الباطل [1]۔	مفتی کو جب اصل واقعہ معلوم ہو تو اسے سزاوار نہیں کہ سائل کو اس کے حوالے کے موافق فتوٰی لکھ دے تاکہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔

اسی میں اپنے شیخ المشائخ شیخ عبدالقادر صفوری سے ہے:

ان بعض المبطلین اذا صار بیدہ فتوی صال بہا علی خصمہ وقال المفتی افتی لی علیک بکذا، والجاھل اوضعیف الحال لایمکنہ منازعۃ فی کون نصہ مطابقا اولا [2]۔	بعض اہل باطل کے ہاتھ میں جب فتوٰی آجاتا ہے اپنے فریق پر اس سے حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے مفتی نے میرے لئے تجھ پر فتوٰی دیا اور بے علم یا کمزور اس سے یہ بحث نہیں کرسکتا کہ اس کی عبارت صورت واقعہ سے مطابق بھی ہے یا نہیں۔

مولٰی تعالٰی ہمیں اور ہمارے احباب کو باطل واعانت باطل واختلاط اہل باطل سے بچائے اور حق پر استقامت تامہ عطا فرمائے والحمدﷲ رب العالمین۔

مساجد میں مشرک کے لے جانے کا رد:

(۱۰) لیڈران نے شریعت مطہرہ پر ایسے ہی شدید ظلم مسئلہ دخول کافر بمسجد میں کئے ہیں،

اولا: یہ مسئلہ تمام متون مثل تحفۃ الفقہاء وہدایہ ووقایہ وکنز ووافی ومختار واصلاح وغرر وملتقی وتنویر اور ان کے سوا محیط سرخسی واشباہ والنظائر ووجیز کردری وخزانۃ المفتین وفتاوٰی ہندیہ سب میں ذمی کے ساتھ مقید ہے فتوٰی شائع کردہ لیڈران نے بھی یہاں عبارت درمختار میں گنجائش نہ پائی یونہی نقل کرنی پڑی کہ **جاز دخول الذمی مسجدا** [3] ذمی کا مسجد میں جانا جائز ہے۔ سب سے اجل واعظم خود محرر مذہب امام محمد کا جامع صغیر میں ارشاد ہے: **محمد عن یعقوب عن ابی حنیفۃ لاباس بان یدخل اہل الذمۃ المسجد الحرام** [4]" یعنی امام محمد امام ابویوسف سے راوی

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ قبیل کتاب الطہارۃ حاجی عبدالغفار پسران قندھار افغانستان ۱/ ۳

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ قبیل کتاب الطہارۃ حاجی عبدالغفار پسران قندھار افغانستان ۱/ ۳

[3] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶

[4] جامع الصغیر مسائل من کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۵۳

کہ امام اعظم نے فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم ذمیوں کا مسجد حرام میں جانا مضائقہ نہیں "ذمی مراد ہو اور کافر سے تعبیر کریں کیا بعید ہے ذمی بھی کافر ہی ہے اطلاق کی سندیں اوپر گزریں کہ "اراد بالکافر الذمی" کافر سے ذمی مراد ہے۔یونہی مستامن مراد ہو اور حربی سے تعبیر کریں کیا عجب ہے مستامن بھی حربی ہے اطلاق کی سند محیط وعالمگیریہ سے گزری کہ "اراد بالمحارب المستامن" حربی سے مستامن مراد ہے۔مگر ذمی بولیں اور اس سے حربی بھی مراد ہو یہ کس طرح منقول کہ اب تخصیص ذمی محض بے معنی وموجوب غلط فہمی ہوگی کہ حربی ہرگز معنی ذمی میں نہیں،لاجرم علامہ سید احمد طحطاوی وعلامہ سید محمد محشیان درمختار کو اس میں تردد ہوا کہ مستامن کے لئے بھی جواز ہے یا نہیں پھر اس استدلال علماء بالحدیث سے سند لاکر بھی جزم نہ کیا اور کتب سے تحقیق کرنے کا حکم دیا دونوں کتابوں کی عبارت یہ ہے:

انظر ھل المستامن ورسول اھل الحرب مثلہ و مقتضی استدلالھم علی الجواز بانزال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفد ثقیف فی المسجد جوازہ ویحرر [1]۔	غور طلب ہے کہ مستامن اور حربیوں کا ایلچی بھی کہ وہ بھی مستامن ہوتا ہے اس حکم میں ذمیوں کے مثل ہے یا نہیں۔ علماء کہ جواز پر اس سے دلیل لائے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفد ثقیف کو مسجد شریف میں اتارا یہ مستامن کے لئے جواز چاہتا ہے بات ہنوز تحقیق طلب ہے۔

اقول: مستامن کے لئے خود قرآن عظیم سے اشارہ نکال سکتے ہیں کہ:

"وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ" [2]۔	اے محبوب! اگر کوئی مشرک تم سے پناہ چاہے تو اسے پناہ دو کہ اللہ کا کلام سنے پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچادو۔

حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے کوئی مجلس نہ تھی سوا مسجد کریم کے ولہذا وفود یہیں حاضر ہوتے اور اس میں متون کا خلاف نہیں، ہدایہ سے گزرا کہ مستامن جب تک دارالاسلام میں ہے بمنزلہ ذمی ہے ذمہ مؤیدہ وموقتہ دونوں طرح ہوتے ہیں، کافی امام نسفی فصل امان میں ہے:

المراد بالذمۃ العھد مؤقتا کان او مؤبدا وذلك الامان وعقد الذمۃ [3]۔	ذمہ سے عہد مراد ہے ایک میعاد معین تک ہو یا ہمیشہ کے لئے، یہ امان وعقد ذمہ ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مکتبہ ماجد کوئٹہ ۵/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶

[3] کافی للنسفی

یہی کہہ سکتے ہیں کہ ذمی وحربی برابر ہیں یعنی مستامن کہ اس کے لئے بھی ایک وقت تک ذمہ ہے بالجملہ جواز خاص ذمی کے لئے تھااور یہ حربی لے دوڑے۔

ثانیا یہاں بھی امام بدرالدین محمود عینی وغیرہ اکابر کی روایت یہ ہے کہ ہمارے امام مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ذمیوں میں جواز صرف کتابی کے لئے ہے یہ مشرک حربی لے دوڑے۔ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قال ابو حنیفۃ یجوز الکتابی دون غیرہ واحتج بما رواہ احمد فی مسندہ بسند [عـہ]	امام ابوحنیفہ نے فرمایا مسجد میں کتابی (ذمی) کا آنا جائز ہے اور کفار کا نہیں اور امام اس پر اس

عـــہ: قول الامام العینی بسند جید **اقول**: ای علی اصولنا و مالنا ان نترك اصولنا الی اصول المحدثین فضلاعن قول عالم متاخر شافعی فلا علیك مما فی التقریب وذلك ان مخرجه اشعث بن سوار عن الحسن عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنه واشعث من شیوخ شعبة و الثوری ویزید بن ھارون وغیرھم من الاجلاء وانتفاء شعبة فی من یأخذ منه معلوم قال الذھبی وحدث من اشعث لجلالته من شیوخ ابواسحٰق السبیعی [1] اھ وقد قال سفین اشعث اثبت من مجالد وقال ابن مھدی ھوارفع من مجالد ومجالد من رجال صحیح مسلم وقال ابن معین اشعث احب الی من

امام عینی کا قول جید سند سے **اقول**: (میں کہتاہوں) کہ یہ سند ہمارے قاعدہ پر جید ہے اور ہم محدثین کے اصول کی خاطر اپنے اصول نہ چھوڑیں گے چہ جائیکہ ایک متاخر شافعی عالم کے قول کی خاطر چھوڑیں تو تقریب میں مذکور بیان تمھارے خلاف نہیں ہے یہ اس لئے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بواسطہ حسن اس حدیث کی تخریج کرنے والے اشعث بن سوار ہیں جبکہ اشعث، شعبہ، ثوری، یزید بن ہارون وغیرہم کے اکابر شیوخ میں سے ہیں اور شعبہ کا انتخاب ان میں جن سے اس نے روایت کی ہے وہ معروف ہے ذہبی نے کہا اشعث کی جلالت شان کی وجہ سے اس کے شیوخ میں سے ابواسحٰق سبیعی نے اس سے حدیث روایت کی ہے اھ۔ اور سفیان نے کہا کہ اشعث مجالد کی نسبت زیادہ قوی ہے، اور ابن مہدی نے کہا وہ مجالد سے بلند ترین ہے جبکہ مجالد صحیح مسلم کے راویوں میں شمار ہیں اور (باقی برصفحہ آئندہ)

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ ۹۹۶ اشعث بن سوار دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۶۴

جید عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایدخل مسجدنا ھذا بعد عامنا ھذا	حدیث سے سند لائے جو امام احمد نے اپنی مسند میں کھری اسناد کے ساتھ جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اسمٰعیل بن مسلم، وقال الامام احمد و العجلی ھو امثل فی الحدیث من محمد بن سالم وروی ابن الدورقی عن ابن معین انہ ثقۃ وقال عثمٰن بن ابی شیبۃ صدوق وذکرہ ابن شاھین فی الثقات وقال ابن عدی لم اجد لہ فیما یرویہ متنا منکرا وقال البزار لا نعلم احدا ترک حدیثہ الامن ھو قلیل المعرفۃ واختلاف قول ابن معین فی رجل یکون انہ دون الثقۃ وفوق الضعیف و ھذا ھو شرط الحسن قال الذھبی فی محمد بن حفصۃ فیہ شیئ ولھذا وثقہ ابن معین مرۃ وقال مرۃ صالح ومرۃ لیس بالقوی ومرۃ ضعیف [1] اھ ومحمد ھذا من رجال الصحیحین و بالجملۃ وقد وثق اشعث ولم یرم بقادح قط بل لیس فیہ جرح مفسر اصلا فحدیثہ حسن ولاشك لاجرم ان حکم العینی علی اسنادہ انہ جید حق واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ

ابن معین نے کہا میرے نزدیک اشعث زیادہ محبوب ہیں اسمٰعیل بن مسلم سے، اور امام محمد اور عجلی نے کہا وہ محمد بن سالم سے حدیث میں زیادہ مقبول ہے، اور ابن دورقی نے ابن معین سے روایت کی کہ اشعث ثقہ ہے اور عثمان نے کہا وہ نہایت صادق ہے ابن شاہین نے اس کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا اور ابن عدی نے کہا میں نے اس کے روایت کردہ متن کو منکر نہیں پایا اور بزار نے کہا کہ اس کی مروی حدیث کو ترک کرنیوالا صرف وہی ہے جو خود معرفت میں کمزور ہے اور ابن معین کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو ثقہ نہ ہو اور ضعف سے بالاتر ہو اور یہی حدیث حسن کی شرط ہے، ذہبی نے محمد بن حفصہ کے متعلق کہا کہ اس میں کچھ ضعف ہے اس لئے ابن معین نے کبھی اس کی توثیق کی اور کبھی صالح کہا اور کبھی "لیس قوی" کہا اور کبھی ضعیف کہا اھ اور یہ محمد نامی صحیحین کے رجال میں رہے، خلاصہ یہ ہے کہ اشعث کی توثیق کی گئی اور کسی اعتراض کا نشانہ ہرگز نہیں بنایا گیا بلکہ کوئی مفسر جرح اس پر قطعاً نہ ہوئی لہٰذا اس کی حدیث حسن ہے تو بیشک لازم طور پر عینی کا اس کی سند کو جید کہنا حق ہے واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

---

[1] میزان الاعتدال للذہبی ترجمہ ۷۴۲۹ محمد ابن ابی حفصہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۵۲۵

مشرك الااهل العهد وخدمهم [1]۔	فرمایا اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک نہ آنے پائے سوائے ذمیوں اور ان کے غلاموں کے۔

غمزالعیون والبصائر میں ہے:

لایمنع من دخول المسجد الذمی الکتابی بخلاف غیرہ واحتج الامام رحمہ الله تعالٰی بمارواہ احمد عن جابر رضی الله تعالٰی عنہ [2]۔	ذمی کتابی کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے گا بخلاف اور کافر کے اور اس پر امام اعظم اس حدیث سے سند لائے جو امام احمد نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔

غایۃ البیان علامہ اتقائی کتاب القضاء میں ہے:

قال شمس الائمة السرخسی فی شرح ادب القاضی و قد ذکر فی السیر الکبیر ان الشرك یمنع من دخول المسجد عملا بقولہ تعالٰی انما المشرکون نجس [3]۔	امام شمس الائمہ سرخسی نے شرح ادب القاضی میں فرمایا کہ امام محمد نے سیر کبیر میں فرمایا کہ مشرکوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے گا اس ارشاد الٰہی پر عمل کے لئے کہ مشرک نرے ناپاک ہیں۔

اگر کہئے حدیث میں تو مطلق ذمی کا استثناء فرمایا کتابی کی تخصیص کہاں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) مشرکین عرب کو ذمی بنانا روانہ تھا ان پر صرف دو حکم تھے اسلام لائیں ورنہ تلوار تو وہاں ذمی نہ تھے مگر کتابی، تو استثناء منقطع ہے بلکہ ہم نے مسند میں دیکھا اور اخر مسند جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حدیث اس طرح ہے کہ مذکور ہوئی اور اس سے ۲۷ ورق پہلے یوں ہے:

لایدخل مسجد نا ھذامشرك بعد عامنا ھذا غیر اھل الکتاب وخدمھم [4]۔	اس سال کے بعد ہماری اس مسجد میں کوئی مشرک نہ آنے پائے سوائے کتابی اور ان کے غلام کے۔

تو یہاں خود کتابی کی تصریح ہے۔

---

[1] عمدۃ القاری باب الاغتسال اذا أسلم ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۴/ ۲۳۷

[2] غمز العیون والبصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الذمی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۶ و ۱۷۷، ۵۷۷ و ۵۷۸

[3] غایۃ البیان کتاب القضاء

[4] مسند امام احمد بن حنبل مروی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۳۹

ثالثاً اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) للہ الحمد اس حدیث حسن نے صاف ارشاد فرمایا کہ اس سے پہلے جو کسی مشرک یا کافر غیر ذمی کے لئے اجازت تھی منسوخ ہوگئی کہ فرمایا "**بعد عامنا ھذا**" (اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد میں نہ آنے پائے سوا ذمیوں کے) مخالفین جتنی روایات پیش کریں ان کے ذمہ لازم ہے کہ اس واقعہ کے اس ارشاد کے بعد ہونے کا ثبوت دیں ورنہ سب جوابوں سے قطع نظر ایک سیدھا سا یہی جواب بس ہے کہ وہ منسوخ ہوچکا اور وہ ہرگز اس کا ثبوت نہیں دے سکتے" خصوصا **بعد عامنا ھذا** کا لفظ ارشاد فرمارہاہے کہ یہ ارشاد بعد نزول سورہ برات ہے غالبا اس کا یہ لفظ اس پاک ارشادا لٰہی "**اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا**"[1] (مشرک نرے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آنے پائیں۔ت) سے ماخوذ ہے تو پہلے کے وقائع پیش کرنا محض نادانی لیکن لیڈران تو ڈھونڈھ کر منسوخات ہی پر عمل کررہے ہیں کہ اس میں اپنا بچاؤ دیکھتے ہیں "**وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ**"[2] (اور باطل والوں کا وہاں خسارہ۔ت)

لیڈران کی بہی خواہی اسلام:

رابعا: یہ نہ سہی اختلاف احوال زمانہ وعادات قوم کو ہمیشہ مسائل تعظیم وتوہین میں دخل تام ہے پھر غیر اسلامی سلطنت اور کافروں کی کثرت میں اس کی اجازت اور اس کی اشاعت اور مساجد کو پامالی کفار کے لئے وقف کرنا کس قدر بہی خواہی اسلام ہے

ع اے راہ روپشت بمنزل ہشدار

(اے منزل کی طرف پشت کرکے چلنے والے! ہوش کر۔ت)

لیڈران کی اسلامی غیرت:

خامسا: واقعی بندگی بیچارگی جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری، وہ تمھیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمھارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہوجائے سودا بیچیں تو دوسرے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو دور سے، یا پنکھا وغیرہ پیش کرکے اس پر رکھوالیں حالانکہ بحکم قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ جو تمھارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا محبت مشرکین نے اندھا بہرا کردیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۷۸

لیڈران محض اغوا کے لئے مسئلہ دخول مساجد کا نام لیتے ہیں انہوں نے جو کیا بالاجماع حرام قطعی ہے:

سادسا: ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جس پر **حبك الشیئ یعمی ویصم** [1] (تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرہ کردیتا ہے) کا رنگ پھر گیا سب جانے دو خدا کو بھی منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے جواز تھا تو یوں کوئی کافر دبا لچا، ذلیل وخوار مثلا اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں نجس پرستوں کو مسلمانوں کو واعظ بناکر مسجد میں لے جاؤ اسے مسند مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بٹھاؤ مسلمانوں کو نیچا کھڑا کرکے اس کا واعظ بناؤ، کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے **حاشا ثم حاشا اللہ انصاف!** کیا یہ اللہ ورسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افتراء گھڑنا احکام الٰہی دانستہ بدلنا سؤر کو بکری بتاکر نگلنا نہ ہوگا۔ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یصافح المشرکون اویکنوا اویرجب بھم [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ مشرکوں سے مصافحہ کیا جائے یا انہیں کنیت سے یاد کریں یا آتے وقت مرحبا کہیں۔

یہ ادنٰی درجہ تکریم کا ہے کہ نام لے کر نہ پکارا، فلاں کا باپ کہا یا آتے وقت جگہ دینے کو آئیے کہا اللہ اکبر حدیث اس سے بھی منع فرماتی ہے اور ائمہ دین ذمی کافر کی نسبت وہ احکام تحقیر وتذلیل فرماچکے جن کا نمونہ ابھی گزرا کہ اسے محرر بنانا حرام کوئی کام ایسا سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو حرام اس کی تعظیم حرام، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے کی اجازت نہیں، بیماری وغیرہ ناچاری کے باعث سواری پر ہو تو جہاں مسلمانوں کا مجمع آئے فورا اتر پڑے۔

بدایونی لیڈر بننے والے اپنے حق میں احکام ائمہ کرام دیکھیں:

حتی کہ فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودرمختار وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۵/ ۱۹۴

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۴۴۶ اسحٰق بن ابراہیم الحنظلی دارالفکر بیروت ۹/ ۲۳۶

لو سلم علی الذمی تبجیلا یکفرلان تبجیل الکافر کفر [1]۔	اگر ذمی کو تعظیما سلام کرے کافر ہوجائے گا کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔

فتاوٰی امام ظہیر الدین و اشباہ در مختار وغیرہا میں ہے:

لوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر [2]۔	اگر مجوسی کو بطور تعظیم "اے استاد" کہا کافر ہوگیا۔

اور یہاں حربی مشرک کی یہ کچھ تعظیم یہ کچھ مسلمانوں پر اس کی رفعت وتقدیم ہورہی ہے اور پھر کفر بالائے طاق ان کے جواز کو بھی ٹھیس نہیں لگتی، اس حرام قطعی کو حلال کی کھال پہنا کر فتوے اور رسالے لکھے جارہے ہیں، مجوسی کو تعظیماً زبان سے استاد کہہ دینے والا کافر ہو لیکن مشرک بت پرست کو اسٹیج پر کھڑے ہو کر کہنے والا "کہ خدانے ان عـــہ کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے "گاندھی کو پیشوا نہیں بلکہ قدرت نے تم کو سبق پڑھانے والا مذکر بنا کر بھیجا ہے ٹھیٹ مسلمان بنارہے ہیں سبق پڑھانے والا اور سبق بھی کسی دنیوی حرفت کا نہیں بلکہ صاف کہا کہ تمھارا فرض دینی یاد دلانے کو تو استاذ نے علم دین بتایا اور علم دین بھی کسی مستحب وغیرہ کا نہیں بلکہ خاص فرض دینی کا معلم استاذ بنایا اور کسی کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل۔ پہلو میں دل اور دل میں اسلام کی قدر ہو تو وہ ان لفظوں کو دیکھے کہ "خدانے ان کو مذکر بنا کر تمھارے پاس بھیجا ہے "خدا لگتی کہنا یہ رسالت سے کے سیڑھی نیچے رہا ان لیڈر بننے والوں کا اسلام کیا ہے؟ ع

چوں وضوے محکم بی بی تمیز

(یہی جیسے بی بی تمیز کا محکم وضو ہو۔ت)

کہ کس طرح ٹوٹا کیا اس میں دراڑ تک نہ پڑتی "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ﴿۲۲۷﴾" [3] (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

عـــہ: دیکھو اخبار فتح دہلی جلد ۲ نمبر ۲۴۲ جلسہ جمعیۃ العلماء ہند میں مولانا عبدالماجد بدایونی کی تقریر ص ۴ کالم اول ۱۲ حشمت علی

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

در بارہ مساجد لیڈران کا پیش کردہ شاہجہانپوری فتوٰی خود انہیں پر رد ہے:

سابعا: ائمہ دین نے صاف تصریحیں فرمائیں کہ کافر کا بطور استعلاء مسجد میں جانا مطلقاً حرام ہے، ہدایہ میں ہے:

الاٰیة محمولة علی الحضور استیلاء واستعلاء [1]۔	آیت اس پر محمول کی گئی ہے کہ وہ غلبہ وبلندی کے طورپر نہ آئیں۔

کافی امام نسفی میں ہے:

الاٰیة محمولة علی منعهم ان یدخلوها مستولین وعلی اهل اسلام مستعلین [2]۔	آیت کے یہ معنی قرار دیئے گئے ہیں کہ ان کے ایسے آنے سے منع کیا جاتا ہے کہ بطور غلبہ آئیں اور مسلمانوں پر بلند ہوں۔

مگر ہدایہ وکافی کا ان لوگوں کے سامنے ذکر کیا جو قرآن عظیم کے نصوص قاہرہ نہیں سنتے، ہاں یہ کہئے کہ اگر حق مانیں تو لیڈران کی خوبی قسمت ورنہ سخت نصیبوں کی شامت کہ خود لیڈری شائع کردہ فتوے نے بحوالہ ردالمحتار یہی عبارت ہدایہ نقل کردی کہ قرآن عظیم نے مشرک کا بطور استعلاء مسجد میں آنا حرام فرمایا ہے، ہمارے دوست مفتی صاحب نے یہ دوسرا متلمس کا صحیفہ مروانی خط کی طرح ان کے ہاتھ میں دے دیا، مروانی خط ان کے ہاتھ تھا اور متلمس کا صحیفہ بند، ان کے ہاتھ میں کھلا ہوا فتوی دے دیا اور ان کو اپنی موت نہ سوجھی اسے شائع کراتے عوام کو بہلاتے بھلاتے ہیں۔

مفتی کو ہدایت:

ہاں اتنی شکایت دوستانہ مفتی صاحب سے بھی ہے کہ ذمی کا حکم حربیوں یا کتابی یا مشرکوں پر ڈھالنا درکنار صورت استعلاء اگر معلوم تھی کہ طشت از بام ہے تو اسے جانتے ہوئے باطل پرستوں کے ہاتھ میں فتوی دینا نہ چاہئے تھا جس سے وہ عوام کو بہکائیں اور اپنے حرام قطعی بلکہ اس سے بھی اشد کو حلال کر دکھلائیں، پھر عجب یہ کہ بیان حکم میں عدم استعلاء کی قید رہ جانے نے مطلقاً جواز کی سنائی اگرچہ عبارت کتاب سے اطلاق پر آئی کتاب کی عربی عبارت عوام کیا سمجھیں انھیں گمراہ کرلینے کی لیڈروں نے راہ پائی نسأل اللہ العفو والعافیة ولا حول ولا قوة الا باللہ۔

[1] الهدایہ کتاب الکراھیة مسائل متفرقة مطبع یوسفی لکھنؤ الجزء الرابع ۲/ ۴۷۲

[2] کافی امام النسفی

شریعت کے ساتھ لیڈروں کی حالت:

مسلمانو! تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیسا کیسا شریعت کو بدلتے مسلتے، پاؤں کے نیچے کچلتے، اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں، موالات مشرکین ایک، معاہدہ مشرکین دو، استعانت بمشرکین تین، مسجد میں اعلائے مشرکین چار، ان سب میں بلا مبالغہ یقینا قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے، دین الٰہی کو پائمال کیا ہے، اور پھر لیڈر ہیں، ریفامر ہیں، مسلمانوں کے بڑے راہبر ہیں، جو ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے مسلمان ہی نہیں، جب تک اسلام کو کند چھری سے ذبح نہ کرے ایمان ہی نہیں۔

"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾"[1]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔

آہ آہ آہ انا للہ وانا الیہ راجعون ٥ ع

اندکے پیش تو گفتم دل ترسیدم کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

(آپ کے سامنے تھوڑا سا غم دل پیش کیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ آپ کا دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔ت)

ضروری عرض واجب اللحاظ

میں جانتا ہوں کہ میرا کلام انھیں برا لگے گا اور حسب معمول تحقیق حق واظہار احکام رب الانام کا نام گالیاں رکھا جائیگا ہمیشہ عاجزوں نے اپنا عجز یونہی چھپایا ہے احکام حق کو سختی بتا کر گالیاں ٹھہرا کر جواب سے گریز کا حیلہ بنایا ہے لہٰذا دست بستہ معروض کہ تھوڑی دیر نیچری تہذیب سے تنزل فرما کر وہ آیتیں کہ شروع فتوٰی میں تلاوت ہوئیں ان پر ایمان لا کر ان مباحث علمیہ واحکام الٰہیہ کو بغور سن لیجئے اگر بفرض باطل ہماری غلط فہمی ہے حق وانصاف سے بتا دیجئے ہمیں بحمد اللہ ہر گز وہ نہ پائے گا جو سمجھ لینے کے بعد باطل پر اصرار حق سے انکار نار پر عار اختیار کر رہے ہیں، اور اگر سمجھ جاؤ سمجھ کیا جاؤ گے تمھارے سمجھ وال سمجھ رہے ہیں کہ دیدہ ودانستہ حق سے الجھ رہے ہیں یہ حرام کو حلال، حلال کو حرام کا جامع پہنایا، اسلام کو کفر، کفر کو اسلام بنا کر دکھایا ہے تو ماننے نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے اور جزاء وحساب وکشف حجاب روز شمار۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷و۹۸

"یَوۡمَ تُبۡلَی السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَہٗ مِنۡ قُوَّۃٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ﴿ؕ۱۰﴾ "[1]	جس دن سب چھپی باتیں جانچ میں آئیں گی تو آدمی کو نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔

ترک معاملت پر ایک نظر:

(۱۱) حضرات لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے، اس میں دونوں کی رنگت رچائی، افراط وہ کہ نصارٰی سے نری معاملت بھی حرام قطعی، اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی، پھر بھی ان کے اس افراط و تفریط میں اتنا فرق ہے کہ دوم نے بذاتہ دین کو برباد کردیا، اور اول پر عمل میں فی نفسہٖ ضرر اسلام نہ تھا، مباح کو کوئی حرام جان کر چھوڑے تو اس چھوڑنے میں حرج نہیں کہ مباح ہی تھا نہ کہ واجب، ضلالت ہے اس اعتقاد تحریم میں، لیکن حرام قطعی فرض منانا ایمان و عمل دونوں کا تباہ کن ہوا اور اپنے ہر پہلو سے اسلام کا برباد کرنے والا، لہٰذا اول سے بحث ضرور نہ تھی حکم بتادیا معاندوں کا عناد ان کے ساتھ ہے لیکن عملی حیثیت سے بھی اس خصوص میں مسلمانوں کو بہت ضرر پہنچتے دکھائی دیتے ہیں سخت مشکلات کا سامنا ہے جن کا حل ان بزعم خود گہری نگاہ والے انجام شناس لیاڈر الناس نے کچھ سوچ رکھا ہوگا، نظر بعادات و حالات کسی طرح عقل باور نہیں کرتی کہ ان کی چیخ پکار سے تمام ہندو سندھ و بنگال و برہما و افریقہ و جاوہ حتی کہ عدن تک کے مسلمان سب نوکریاں، ملازمتیں، زمینداریاں، تجارتیں یکلخت چھوڑدیں، یہ شورشیں تو دو دن سے ہیں صدہا[عہ] حرام نوکریاں پہلے ہی سے کر رہے ہیں وہ تو چھوڑیں نہیں مباح نوکریاں اور

عـــہ: مثلاً حضر کی نوکری اعلاء کلمۃ اللہ کے سوا کسی مسلمان بادشاہ کی بھی جائز نہیں، یونہی خلاف ما انزل اللہ حکم کرنے کی، یونہی جس میں سود کا لینا دینا یا حساب کرنا ہو یا دستاویز سود کا کاتب یا شاہد بننا پڑے، بالجملہ حرام کام یا خود اعانت حرام کی ملازمت کی کہ اسلامی سلطنت و ریاست کی بھی حرام ہے اور بلاملازمت ایسے کاموں کا انجام دینا اور زیادہ شرع پر اُجرت، یہی حال کالجوں کی ملازمت اور ان کے تعلیم و تعلم کا ہے، جہاں تعلیم مخالف شرع و اسلام ہوا گرچہ اسلامی کہلائے تعلم حرام، اور اس کی کسی طرح امداد حرام مگر جو دین رکھنے والا تعلیم دینیات پر یوں رہے کہ طلبہ کے عقائد کی حفاظت کرے ضلالتوں کا بطلان انھیں بتایا کرے وہ بازار میں ذکرالٰہی کرنے والے سے بھی زائد ہوگا جسے حدیث نے فرمایا مردوں میں زندوں کی طرح ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۸۶/ ۹و۱۰

حلال تجارتیں، زمینداریاں کس طرح چھوڑ دیں گے، ان جلسوں ہنگاموں، تبلیغوں کہراموں سے اگر سو دو سو نے نوکریاں یا دس بیس نے تجارتیں یا دو ایک نے زمینداریاں چھوڑ بھی دیں تو اس سے تُرکوں عہ۱ کا کیا فائدہ یا انگریزوں کا کیا نقصان، غریب نادار مسلمان کی کمائی کا ہزار ہا روپیہ ان تبلیغوں میں برباد جارہا ہے اور جائے گا اور محض بیکار و نامراد جارہا ہے اور جائے گا، ہاں لیڈروں مبلغوں کی سیر و سیاحت کے سفر خرچ اور جلسہ و اقامت کے پلاؤ قورمے سیدھے ہوگئے اور ہوں گے، اگر یہ فائدہ ہے تو ضرور نقد وقت ہے اور سیر یورپ کے حساب کا راز تو روزِ حساب ہی کھلے گا،

"یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآىٕرُۙ(۹) فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍؕ(۱۰)"[1] (جس دن سب چھپی باتیں جانچ میں آئیں گی تو آدمی کو نہ کچھ زور ہوگا نہ کوئی مددگار۔ت) کیا لیڈر صاحبان فہرست دکھائیں گے کہ ان برسوں کی مدت اور لاکھوں روپے کی اضاعت میں اتنا فائدہ مرتب ہوا، اتنوں نے نوکریاں چھوڑیں اتنوں نے تجارتیں اتنوں نے زمینداریاں۔

اخبارات و مطابع کیوں نہیں بند کرتے:

طرفہ یہ کہ ان کے خون گرم حامی ہمدم و محرم عہ۲ اخبارات اس ترک تعاون پر بڑے بڑے

عہ۱: **تنبیہ، تنبیہ، تنبیہ**: مسلمانو! ترکوں کی حمایت اماکن مقدسہ کی حفاظت سلطنت اسلامی کی اعانت یہ سب دکھانے کے دانت تھے کہ کسی طرح مسلمانوں میں اشتعال ہو لاکھوں روپے کا چندہ ہاتھ آئے ورنہ بڑے ساعی لیڈروں علی برادروں سے صاف منقول ہوا کہ "مسئلہ خلافت اب طے کر رکھو، ہندوستان کی آزادی کی فکر کرو ہم ہندو قوم پرست ہیں ہمارا فرض ہے کہ اگر ترکی بھی ہندوستان پر چڑھائی کرے تو ہم ان کے خلاف تلوار اُٹھائیں ہمارا نصب العین سلطنت کی خود اختیاری حاصل کرنا ہے ترک موالات اس کا ذریعہ ہے" ابوالکلام آزاد سے منقول ہوا: "لڑائی ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لئے ہے اگر خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم ہماری جدوجہد جاری رہے گی اس وقت تک کہ ہم گنگا وجمنا کی مقدس زمین کو آزاد نہ کرالیں" مسلمانو! اب بھی تمہاری آنکھیں نہ کھلیں اور خلافت و اماکن مقدسہ کے حیلہ پر فریب کھاتے رہو تو خدا حافظ، حشمت علی عفی عنہ

عہ۲: خصوصاً روزنامہ ہمدم لکھنؤ جس کے ہر پرچہ کی پیشانی پر یہ ساقط الوزن رباعی لکھی ہوتی ہے،

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] القرآن الکریم ۸۶/ ۱۰۔۹

زور لگارہے ہیں خود اپنے اخبارات ومطابع کیوں نہیں بند کرتے، ان صیغوں کو تو انگریزوں سے جو گہرے تعلقات ہیں دوسرے صیغوں کو کم ہوں گے کیا اوروں کے لئے شور وفغاں اور اپنے لئے نوشجاں،

لیڈران اوروں کو ترک تعاون کی طرف بلاتے ہیں اور خود ان کا عمل اس کے خلاف ہے:

اور ایک اخباری ومطابعی کیا کریں گے بڑے بڑے لیڈر بننے والے اسی مرض میں گرفتار ہیں دیگراں رانصیحت خودرافضیحت ع

حیرتے دارم زدانشمند مجلس بازپرس توبہ فرمایا چرا خود توبہ کمترے کنند

(مجھے حیرت ہے، مجلس کے دانشمند سے پھر پوچھو توبہ کا مشورہ دینے والے خود بہت کم توبہ کرتے ہیں۔ت)

ہجرت کا غل مچایا اور اپنے آپ ایک نہ سرکا جو اُبھارنے میں آگئے ان مصیبت زدوں پر جو گزری سو گزری یہ سب اپنے جورو بچوں میں چین سے رہے، ہرا لگانہ پھٹکری، اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں۔ نہ ان کا کوئی انگریزی یا ریاست میں ملازم ہے پھر انھیں کیوں نہیں چھوڑتے، کیا واحد قہار نے نہ فرمایا:

"لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ "[1]	کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے، کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اتباع ہوا کی اجازت دی جو اللہ کی راہ سے گمراہ کرنے والی ہے، قال تعالٰی: "وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ "[2] اپنی خواہش کا پابند نہ ہو کہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کردے گی، خیر گمراہی تو ان صاحبوں کے یہاں بہت آسان بلکہ محبوب ترچیز ہے، مگر پچھلے مصرع پر اپنے لیڈروں اور کمیٹی کا فتوی لیں جس میں کہا کہ انگریزوں کے وفادار، ان کے حکم کے نیچے چلنے والے رہو اور اتنی تاکید ہے کہ ہر پیشانی پر اسی کی تجدید ہے اس سے مقاطعہ کیوں نہ فرض ہوا، اسے پارٹی بلکہ اسلام سے کیوں نہ خارج کیا، ہاں شاید ساقط الوزن کرنے میں اس نے اپنے لئے کچھ رات لگا رکھی ہو یعنی انگریزوں کے دکھانے کو اس طرح ہو اور لیڈروں کے سنانے کو یہ کہ آپ دیکھتے نہیں اس میں وزن ہی کہاں ہے یوں ہے: ع

لائل سبجکٹ تم نہ برٹش کے رہو حشمت علی عفی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۶۱/ ۲، ۳

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۶

کیا خدا کا سخت دشمن بننا آسان سمجھا ہے کیا تمھارے یہاں سے نہ چھپا[عہ] کہ "اگر کسی مسلمان رئیس نے دباؤ یا خوشامد سے کوئی ایسی کارروائی کی جس سے ثابت ہو کہ وہ دشمنان اسلام کا ساتھ دیتے ہیں تو فوراً ان کا شمار مرتدین میں ہوگا اور مرتد کی سزا اسلام کے آئین میں کیا ہے ہر شخص کو معلوم ہے" کیا کوئی ریاست آپ کے نزدیک اسی سے بری ہے کیا اس میں سب سے پیش قدم سلطنت علیہ دکن نہیں، کیا اس کے احکام اور چھپے ہوئے فرمان ملاحظہ نہ ہوئے، کیا آپ کے لیڈروں میں اسی کے وظیفہ خوار نہیں، کیا مد خیرات سے گیارہ گیارہ روپے یومیہ پانے والوں نے اپنا یومیہ بند کرالیا، کیا جسے اوروں کے لئے حرام بتاتے ہو آپ خوشی سے کھاتے ہو۔

لیڈروں پر لیڈروں سے مقاطعہ فرض ہے:

بلا پس ہو ان کے منہ لگا حرام ان سے نہ چھوٹا، اور لیڈروں کا منہ کس نے بند کیا ان پر ان لیڈروں سے مقاطعہ واجب تھا یا قرآن مجید بدل کر جو احکام دل سے گھڑے ہیں وہ کس طرح لیڈروں کے لگ بھگ نہیں اوروں کے سر پڑے ہیں یہ قانون کے مستثنیات عامہ ہیں، اور جب لیڈر خود ہی اپنے کہے پر عامل نہیں تو ان کی چیخ وپکار اوروں سے کیا عمل کرائے گی۔ ع

اوخویشتن گم ست کرا رہبری کند

(وہ تو خود گم ہے کس کی کیا رہبری کرے۔ت)

مانا کہ تم میں وہ بھی ہوں جو ان تینوں علتوں سے بری ہیں، نہ زمینداری نہ تجارت نہ اجازت کہ مالگزاری یا ابواب یا ٹیکس یا چنگی دینی پڑے اور انگریزوں سے تعلق تعاون پیدا ہو کر حرمت قطعیہ کا حکم جڑے، فرض کردم کہ خود اس سے پاک ہیں نرے مفلس محتاج بے نواز ہیں پھر یہاں تو عام ذرائع رزق یہی ہیں، کیمیا تو نہ بناتے ہوں گے، اوروں کے سر کھاتے ہوں گے، ان کا مال انھیں وجوہ سے ہوگا جو تمھارے نزدیک علی الاطلاق حرام ہے، تو حرام ہی کھایا یا حرام ہی کمایا۔ ہر طرح گرفتار حرام ہی رہے، نجات کی صورت بتائے پھر ترک معاملت کی فرضیت گائے، اور یہ روپیہ کہ ان جلسوں میں صرف

عہ: دیکھو تقریر صدارت شیخ مشیر حسن قدوائی بیرسٹر ایٹ لاء تعلقدار گدیا مطبوعہ لکھنؤ ص ۴۹ یہ بھی مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی کے ان مسائل میں امام ومتبوع ہیں، دیکھو خطبہ صدارت مولوی عبدالباری مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۰ "میں ان مسائل میں کبھی مشیر حسن صاحب کے خلاف مشورہ نہیں کرتا" آپ بیرسٹر بھی ہیں اور تعلقدار بھی، بھلا انگریزوں سے آپ کو کیا تعلق لہذا صرف اسلامی ریاستوں کو مرتد فرمایا۔ حشمت علی لکھنوی عفی عنہ

کررہے ہو یہ بھی تو اس حرام کا ہے، سچ کہنا کیا دل میں سمجھ لئے ہو اگرچہ زبان سے نہ کہو کہ ع

مال حرام بود بجائے حرام رفت

اور ریل تار، ڈاک کیا انگریزوں سے معاملت نہیں اس میں تو سب چھوٹے بڑے مبتلا ہو اگر کہو انھیں سہولت کے لئے رکھ چھوڑا ہے تو اعلان کردو کہ ہمارے یہاں سہولت کے لئے حرام روا ہے، اگر کہو کہ زمینداری و تجارت چھوڑیں تو کھائیں کیا، تو ملازم اگر ملازمتیں چھوڑیں تو کھائیں کیا، جو جواب تمھارا ہے وہ سب کا ہے، غرض یہ نہ چلی نہ چل سکتی ہے، نہ تم نے خود اس پر عمل کیا، نہ کرسکتے ہو، اس کی پوری تصویر یہی ہے کہ ع

وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے

پھر بے معنی چیخ وپکار سے کیا حاصل سوا اس کے کہ ع

مغز ماخورد و حلق خود بدرید (مغز ہمارا کھایا اور حلق اپنا پھاڑ لیا۔ت)

ہندوؤں کی دیگ موافقت سے بانگی کا چاول:

اور بفرض غلط وبفرض باطل اگر سب مسلمان زمینداریاں تجارتیں نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑدیں تو کیا تمھارے جگری خیر خواہ جملہ ہنود بھی ایسا ہی کریں گے اور تمھاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے، حاشا ہرگز نہیں، زنہار نہیں، اور جو دعوی کرے اس سے بڑھ کر کاذب نہیں مکار نہیں، اتحاد و وداد کے جھوٹے بھروں پر بھولے ہو منافقانہ میل پر پھولے ہو سچے ہو تو موازنہ نہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو ادھر پچاس ہندوؤں نے نوکری تجارت زمینداری چھوڑدی ہو کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے، اگر نہیں دکھا سکتے تو کھل گیا کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

لاجرم نتیجہ کیا ہوگا یہ کہ تمام اموال کل دولتیں دنیاوی جمیع اعزاز جملہ وجاہتیں صرف ہندوؤں کے ہاتھ میں رہ جائیں اور مسلمان دانے دانے کو محتاج بھیک مانگیں اور نہ پائیں، ہندو کہ اب انھیں پکائے ڈالتے ہیں جب بے خوف وخطر کچا ہی چبائیں، یہ ہے لیڈر صاحبوں کی خیر خواہی یہ ہے حمایت اسلام میں جانکاہی، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

ہندو کیوں ملے ہیں، اس کا راز:

میں نے اپنی ایک تقریر میں اس ہندو الفت وگاندھی رغبت کا راز بیان کیا تھا جسے بعض احباب نے تحریر میں لیا، اس کا اعادہ موجب افادہ۔ مسلمانوں کا رب جل وعلا فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ" تَعْقِلُوْنَ۝۱۱۸ [1]	اے ایمان والو! کسی کافر کو اپنا ہم راز نہ بناؤوہ تمھارے نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے،ان کی دلی تمنا ہے تمھارا مشقت میں پڑنا،دشمنی ان کے مونہوں سے کھل چکی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے بہت بڑی ہے بیشک ہم نے تمھیں صاف صاف نشانیاں بتادیں اگر عقل رکھتے ہو۔

قرآن عظیم گواہ ہے اور اس سے بہتر کون گواہ "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۝۱۲۲ " [2] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ت) کہ مشرکین ہرگز ہماری خیر خواہی نہ کریں گے، خیر خواہی درکنار کبھی بدخواہی میں گئی نہ کریں گے، پھر انھیں یار وانصار بنانا ان سے وداد واتحاد منانا ان کے میل سے نفع کی امید رکھنا صراحةً قرآن عظیم کی تکذیب ہے یانہیں ہے،اور ضرور ہے، "وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ۝۸۵ " [3] (مگر تمھیں نگاہ نہیں۔ت) آؤاب ہم تمھیں قرآن عظیم کی تصدیق دکھائیں اور ان کی طرف سے اس میل اور مَیل کا راز بتائیں، دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے:

اول: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہوسکے تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز کر رہے۔

مخالف نے یہ تینوں درجے ان پر طے کردئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں

اولا: جہاد کے اشارے ہوئے اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا، **ثانیا:** جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرادیا کہ کسی طرح یہ دفع ہو ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول ہمیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہرحال ہمارے ہاتھ آئیں ان کی مساجد ومزارات اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں، **ثالثا:** جب یہ بھی نہ نبھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کرکے ترک معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑدو کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مالگزاری ٹیکس کچھ نہ دو خطابات واپس کردو امر اخیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہری نام کام دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۸۵

کہ ہر صیغہ وہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں، جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے حقوق اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہی رہ جائیں گے تو اس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے، مالگزاری وغیرہ نہ دینے پر کیا انگریز چپ بیٹھے رہیں گے؟ ہر گز نہیں، قرقیاں ہوں گی تعلیقے ہوں گے، جائدادیں نیلام ہوں گی اور ہندو خریدیں گے، نتیجہ یہ کہ مسلمان صرف قلی بن کر رہ جائیں، یہ تیسرا درجہ ہے، دیکھا تم نے قرآن عظیم کا ارشاد کہ "وہ تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے" ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو والعیاذ باللہ تعالٰی۔

منکر پر ردو انکار کس حالت میں فرض ہے اور کہاں اس کا حکم نہیں:

(۱۲) منکر کا ازالہ ضرور فرض ہے اپنے مراتب ثلاثہ پر جن میں تیسرا مرتبہ کہ تغییر بالقلب ہے یعنی دل سے اسے برا جاننا مطلقًا ہر حال میں فرض عین ہے، اور پہلے دونوں بشرط قدرت علی الترتیب فرض کفایہ مگر دوسرا یعنی تغییر باللسان اس حالت میں ہر گز فرض نہیں کہ مرتکب اس کی شناعت سے خود آگاہ ہو جان بوجھ کر اس کا مرتکب ہو اور امید واثق نہ ہو کہ منع کئے سے باز رہے گا ایسی حالت میں اس زبان یا قلم سے کہ وہ بھی ایک زبان ہے ردو انکار اصلا واجب نہیں رہتا خصوصا جبکہ مظنہ فتنہ وشورش ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یجب الامر بالمعروف اذا علم انھم یستمعون۔[1]	امر بالمعروف اسی وقت واجب ہے جب یہ جانے کہ وہ کان لگا کر سنیں گے۔

نصاب الاحتساب میں ہے:

المقصود منه الائتمار فاذا فات ذٰلك لایجب۔[2]	امر بالمعروف سے مقصود تو یہ ہے کہ لوگ مانیں جب اس کی امید نہ ہو تو وہ واجب نہیں۔

بستان امام فقیہ ابواللیث ومحیط وہندیہ وغیرہا میں ہے:

ان کان یعلم باکبر رأیه انه لو امر بالمعروف یقبلون ذٰلك منه و	اگر اپنے غالب گمان سے جانتا ہو کہ امر بالمعروف کرے گا تو یہ لوگ مان لیں گے اور بُری بات سے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی الغناء واللھو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۳

[2] نصاب الاحتساب

یمتنعون عن المنکر فالامر واجب لایسعه ترکه ولو علم باکبر رأیه انه لو امرهم بذٰلك قذفوه وشتموه فترکه افضل ولو علم انهم لایقبلون منه ولایخاف منه ضربا ولاشتما فهو بالخیار والامر افضل[1]۔ (ملخصا)	باز آئیں گے تو امر بالمعروف واجب ہے اسے چھوڑنے کی گنجائش نہیں اور اگر اپنے غالب گمان سے جانتا ہو کہ امر بالمعروف کرے گا تو یہ لوگ پتھر پھینکیں گے گالی دیں گے تو اس وقت امر بالمعروف نہ کرنا ہی افضل ہے اور اگر جانیں مانیں گے تو نہیں مگر ان سے گالی کا بھی اندیشہ نہیں تو اختیار ہے چاہے امر بالمعروف کرے یا نہ کرے اور کرنا بہتر ہے۔

وجیز امام کردری وعالمگیریہ میں ہے:

اللحن حرام بلاخلاف فاذاقرأ بالالحان و سمعه انسان ان علم انه ان لقنه الصواب لایدخل الوحشة یلقنه وان دخله الوحشة فهو فی سعة ان لا یلقنه۔ فان کل امر بمعروف یتضمن منکرا یسقط وجوبه[2]۔	قرآن عظیم کا غلط پڑھنا بالاتفاق حرام ہے تو اگر کوئی شخص غلط پڑھ رہا ہو اور دوسرا سنے اگر یہ سننے والا جانے کہ اسے صحیح بتاؤں گا تو اسے وحشت پیدا نہ ہوگی تو بتائے، اور اگر بتانے سے اسے وحشت پیدا ہو تو اسے گنجائش ہے کہ نہ بتائے کہ جو امر بالمعروف کسی منکر کو متضمن ہو اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

مثلاً کوئی مسلمان نہیں جانتا کہ ناحق قتل یا غارت مسلم حرام وموجب عذاب نار ہے، کون نہیں جانتا کہ اس میں کسی طرح کی اعانت مطلقاً حرام ومستوجب غضب جبار ہے، کون نہیں جانتا کہ زنا حرام ہے، کون نہیں جانتا کہ شراب پینا سخت خبیث کام ہے اور ہزاروں لاکھوں اس کے مرتکب ہیں، پھر کبھی نہ سنا ہوگا کہ علماء یا ان کی تحریریں ہر چکلے ہر بھٹی کا گشت کریں اصلاہر گز تمام جہان میں کوئی عالم بلکہ کوئی عاقل اس کا قائل نہیں، اور خود ان لیڈروں میں جو جامہ مولویت میں ہیں وہ بھی اس کے عامل نہیں، آخر یہ اس لئے کہ وہ لوگ دانستہ مرتکب ہیں، اور مظنون نہیں کہ منع سے مانیں بلکہ شورش وشر کا احتمال بیشتر کا ایسی جگہ جب تغییر بالید مقدور نہیں تغییر باللسان کچھ ضرور نہیں، غیر ضروری اور اس پر طرہ یہ کہ نامفید ایسا شور مچانا اور بلاوجہ شرعی شورشوں کے لئے مفید سپر ہو جانا کون سی شریعت نے واجب مانا، ایسے ہی مواقع کے لئے ارشاد الٰہی ہے:

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السابع فی الغناء واللہو الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۳۔۳۵۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع فی الصلوٰۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ "[1]	اسے ایمان والو! تم اپنے آپ کو سنبھالے رہو دوسروں کا گمراہ ہونا تمھیں نقصان نہ دے گا جب تم راہ پر ہو۔

ہاں اگر کسی منکر شرعی پر گمراہان گمراہ گر فرقہ بندی کریں اور اسے بزور زبان وزور وبہتان معروف شرعی کا جامہ پہنائیں اور اس کے لئے آیات واحادیث واقوال ائمہ کی تحریف وتصحیف منائیں احکام الٰہیہ کو کایا پلٹ کرکے حرام کو حلال حلال کو حرام دکھائیں، جیسا اب گاندھی مت اور گاندھوی امت مسائل موالات مشرکین، ومعاہدہ مشرکین واستعانت مشرکین، ودخول مشرکین فی المساجد وغیرہا میں کر رہی ہے، تو اس وقت ان منکرات کبرٰی وواہیات عظمٰی کا ازالہ فرض اعظم ہوگا، خطیب بغدادی جامع میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ظهرت الفتن اوقال البدع فلیظهر العالم علمه ومن لم یفعل ذلك فعلیه لعنة الله والملئكة والناس اجمعین۔ لایقبل الله منه صرفا ولاعدلا[2]۔	جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں تو فرض ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے اور جو ایسا نہ کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت، اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔

یہ سعی ان معاندوں کے لئے نہیں جو دانستہ تغییر کلام اللہ وتبدیل احکام اللہ کر رہے ہیں بلکہ ان شبہات کے کشف کو ہے جن سے وہ احکام الٰہیہ کو بدلتے اور عوام مسلمین کو چھلتے ہیں اس امید پر کہ مولٰی عزوجل چاہے تو جو ان کے دھوکے میں آگئے حق کی طرف واپس آئیں اور جن پر ہنوز ان کا فریب نہ چلا بعونہ تعالٰی حفظ وپناہ پائیں "اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۱۹﴾ "[3]۔
" اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌۚ ﴿۲۰﴾ "[4] (بیشک یہ اللہ کو آسان ہے، بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ت) حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

والله لان یهدی الله بك رجلا	خدا کی قسم بیشک یہ بات کہ اللہ تیرے سبب سے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵
[2] الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع حدیث ۱۳۶۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۸
[3] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۹
[4] القرآن الکریم ۲۹/ ۲۰

واحد اخیرلك من ان یکون لك حمر النعم [1]۔رواہ البخاری ومسلم عن سھل بن سعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ جعل اللہ لنا السھل والسعدی فی القبل والبعد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا وٰالہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم۔	ایک شخص کو ہدایت فرمادے تیرے لئے سرخ اونٹوں کا مالک ہونے سے بہتر ہے، یہ حدیث بخاری ومسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی (اللہ تعالٰی انھیں ہمارے اگلے پچھلوں کے لئے سہل اور مبارک بنائے وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ وبارك وسلم۔ت)

سنانی جہاد کے احکام واقسام کاذکر

تنبیہ: جہاد کہ اعظم وجوہ ازالہ منکر ہے اسی کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جنانی (۲) لسانی (۳)

جہاد جنانی: یعنی کفر وبدعت وفسق کو دل سے براجاننا جو ہر کافر مبتدع وفاسق سے ہے اور ہر مسلمان کہ اسلام پر قائم ہو یہ کرتا ہے مگر جنھوں نے اسلام کو سلام اور اپنے آپ کو مشرکین وکفار کا غلام کیا ان کی راہ جدا ہے ان کا دین غیر دین خدا ہے۔

لسانی: کہ زبان وقلم سے رد، وہ ابھی سن چکے کہ ایسوں ہی پر سب سے اہم وآکد، یہ **بحمد اللہ تعالٰی** خادمان شرع ہمیشہ سے کررہے ہیں اور اللہ ورسول کی مدد شامل ہو تو دم آخر تک کریں گے، [1]وہابیہ، [2]نیاچرہ، [3]دیوبندیہ، [4]قادیانیہ، [5]روافض، [6]غیر مقلدین، [7]ندویہ، [8]آریہ [9]نصارٰی وغیرہم سے کیا اور اب ان گاندھویہ سے بھی وہی برسرپیکار ہیں حق کی طرف بلاتے اور باطل کو باطل کر دکھاتے اور مسلمانوں کو گمراہ گروں کے شر سے بچاتے ہیں **وللہ الحمد** آگے ہدایت رب عزوجل کے ہاتھ ہے۔

رہا **جہاد سنانی:** ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ یہ نصوص قرآن عظیم ہم مسلمانان ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمان کا بدخواہ مبین۔

یہاں کے مسلمانوں کو جہاد کا حکم نہیں اور واقعہ کربلا سے لیڈران کا استناد اغوائے مسلمین:

بہکانے والے یہاں واقعہ کربلا پیش کرتے ہیں یہ ان کا محض اغوا ہے۔ **اولاً** اس لڑائی میں ہرگز حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۳۔ ۴۲۲، صحیح مسلم باب من فضائل علی ابن ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۹

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے پہل نہ تھی امام نے خبیث کوفیوں کے وعدہ پر قصد فرمایا تھا جب ان غداروں نے بد عہدی کی قصد رجوع فرمایا اور جب سے شروع جنگ تک اسے بار بار احباب واعداء سب پر اظہار فرمایا۔

(ا) جب حر بن یزید ریاحی تمیمی رحمہ اللہ تعالٰی اول بارہزار سواروں کے ساتھ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مزاحم ہوئے امام نے خطبہ فرمایا: "اے لوگو! میں تمھارا بلایا آیا ہوں، تمھارے ایلچی اور خطوط آئے کہ تشریف لائیے ہم بے امام ہیں، میں آیا اب تم اگر عہد پر قائم ہو تو میں تمھارے شہر میں جلوہ فرماہوں" **وان لم تفعلوا وکنتم بمقدمی کارھین انصرفت عنکم الی المکان الذی اقبلت منه الیکم**[1] "اور اگر تم عہد پر نہ رہو یا میرا تشریف لانا تمھیں ناپسند ہو تو میں جہاں سے آیا وہیں واپس جاؤں" وہ خاموش رہے۔

(ب) پھر بعد نماز عصر خطبہ فرمایا اور اس کے اخر میں بھی وہی ارشاد کیا کہ "**ان انتم کرھتمونا انصرفت عنکم**[2] اگر تم ہمیں ناپسند رکھتے ہو میں واپس جاؤں، حر نے کہا ہمیں تو یہ حکم ہے کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفے نہ پہنچادیں۔

(ج) امام نے اس پر بھی ہمراہیوں کو معاودت کا حکم دیا وہ بقصد واپسی سوار ہوئے حر نے واپس نہ ہونے دیا۔

(د) جب نیٖنوی پہنچے حر کے نام ابن زیاد خبیث کا خط آیا کہ حسین کو پٹیر میدان میں اتارو جہاں پانی نہ ہو اور یہ میرا ایلچی تمھارے ساتھ رہے گا کہ تم میرا حکم بجالاتے ہو یا نہیں۔ حر نے حضرت امام کو ناپاک خط کا مضمون سنایا اور ایسی ہی جگہ اترنے پر مجبور کیا، فدائیان امام سے زہیر بن القین رحمہ اللہ تعالٰی نے عرض کی: اے ابن رسول اللہ! آگے جو لشکر آنے والے ہیں وہ ان سے بہت زائد ہیں ہمیں اذن دیجئے کہ ان سے لڑیں، فرمایا: "**ماکنت لابدأھم بالقتال**[3]" میں ان سے قتال کی پہل کرنے کو نہیں۔

(ہ) جب خبیث ابن طیب یعنی ابن سعد اپنا لشکر لے پہنچا حضرت امام سے دریافت کیا کیسے آئے؟ فرمایا: تمھارے شہر والوں نے بلایا تھا "**فاما اذکرھونی فانی انصرف عنھم**[4]" اب کہ میں انھیں ناگوار ہوں واپس جاتا ہوں، ابن سعد نے یہ ارشاد ابن زیاد کو لکھا، اس خبیث نے نہ مانا، **قاتله الله**۔

(و) شب کو ابن سعد سے خلوت میں گفتگو ہوئی اس میں بھی حضرت امام نے فرمایا: "**دعونی**

---

[1] تاریخ الطبری ثم دخلت سنة احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۲۸

[2] تاریخ الطبری ثم دخلت سنة احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۲۸

[3] تاریخ الطبری ثم دخلت سنة احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۳۲

[4] تاریخ الطبری ثم دخلت سنة احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۳۴

ارجع الی المکان الذی اقبلت منہ [1] " مجھے چھوڑو کہ میں مدینہ طیبہ واپس جاؤں، ابن سعد نے ابن زیاد کو لکھا اس بار وہ راضی ہوا تھا کہ شمر مردود خبیث نے باز رکھا۔

(ز) عین معرکہ میں قتال سے پہلے فرمایا:

ایھاالناس اذکرھتمونی فدعونی انصرف الی مأمنی من الارض [2]۔	اے لوگو! جبکہ تم مجھے پسند نہیں کرتے تو چھوڑو کہ اپنی امن کی جگہ چلا جاؤں۔

اشقیاء نے نہ مانا، غرض جب سے برابر قصد عود رہا مگر ممکن نہ ہوا کہ منظور رب یونہی تھا، جنت آراستہ ہو چکی تھی اپنے دولھا کا انتظار کر رہی تھی، وصال محبوب حقیقی کی گھڑی آگئی تھی تو ہر گز لڑائی میں امام کی طرف سے پہل نہ تھی ان خبیثوں ہی نے مجبور کیا، اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس پلید کی وہ ملعون بیعت قبول کی جاتی کہ یزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن وسنت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا قال تعالٰی: "اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ" [3]۔ مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو۔ یا جان دے دی جاتی اور وہ ناپاک بیعت نہ کی جاتی، یہ عزیمت تھی اور اس پر ثواب عظیم، اور یہی ان کی شان رفیع کے شایان تھی، اسی کو اختیار فرمایا، اسے یہاں سے کیا علاقہ!

ثانیا بالفرض اس بے سروسامانی میں امام کی طرف سے پہل بھی سہی تو یہاں ایک فرق عظیم ہے جس سے یہ جاہل غافل، فاسقوں پر ازالہ منکر میں حملہ جائز اگرچہ یہ تنہا ہو اور وہ ہزاروں اور سلطان اسلام جس پر اقامت جہاد فرض ہے اسے بھی کافروں سے پہل حرام جبکہ ان عــــہ کے مقابلہ کے قابل نہ ہو، مجتبٰی وشرح نقایہ وردالمحتار کی عبارت گزشتہ:

ھذا اذا غلب علی ظنہ انہ یکافیھم والا فلا یباح قتالھم۔	یہ اس وقت ہے جب گمان غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں۔ (ت)

کے بعد ہے۔ بخلاف الامر بالمعروف [4] (امر بالمعروف کا حکم اس کے خلاف ہے۔ ت) شرح سیر میں اس کی وجہ بیان فرمائی:

ان المسلمین یعتقدون مایأمر بہ فلا بد	امر بالمعروف میں مسلمانوں کو جو حکم دے گا وہ دل سے

عــــہ: اور شرط قدرت تو دفاع بلکہ کسی فرض اسلامی سے کبھی منفک نہیں بنصوص قطعیہ واجماع امت مرحومہ۔

---

[1] الکامل فی التاریخ ذکر مقتل حسین دار صادر بیروت ۴/ ۵۴ و ۵۵

[2] تاریخ الطبری ثم دخلت سنۃ احدی وستین دار القلم بیروت الجزء السادس ۶/ ۲۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[4] جامع الرموز کتاب الجہاد گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۵

ان یکون فعلہ مؤثرا فی باطنھم بخلاف الکفار[1]۔	اسے حق جانتے ہیں توضرور اپنے دل میں اس کے فعل سے متاثر ہوں گے بخلاف کفار،

دیکھو امام نے کیا کیا اور تم کیا کررہے رہو، کیوں اسلام و کفر ملاتے ہو:

ثالثًا: حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک لیتے ہوئے شرم چاہئے تھی، کیا امام تو امام ان کے غلام ان کے در کے کسی کتے نے **معاذ اللہ** مشرکوں سے مدد مانگی، کیا کسی مشرک کا دامن تھاما، کیا کسی مشرک کے پس روبنے، کیا مشرکوں کی جے پکاری، کیا مشرکوں سے اتحاد گانٹھا، کیا مشرکوں کے حلیف بنے، کیا ان کی خوشامد کے شعار اسلام بند کرنے میں کوشاں ہوئے، کیا قرآن عظیم وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی وغیرہ وغیرہ شنائع کثیرہ بہتر تن سے بیس ہزار فجار کا مقابلہ فرمایا۔ امام کا نام لیتے ہو تو کیا تم میں بہتر مسلمان بھی نہیں جب تیئس کروڑ مشرکین تمھارے ساتھ ہوں گے اس وقت تم میں بہتر مسلمانوں کا عدد پورا ہوگا، قرآن کو پیٹھ دینے والو! کیوں امام کا نام لیتے ہو، اسلام سے الٹے چلنے والو! کیوں مسلمانوں کو دھوکے دیتے ہو، دہلی میں فتوی چھاپ دیا کہ اس وقت جہاد واجب ہے بے سروسامانی کے جواب کو امام کی نظیر پیش ہوگئی اور حالت یہ کہ ذراسی دھوپ سے بچنے کو گوپتروں کی چھاؤں ڈھونڈھ رہے ہیں، کیا تم اپنے ہی فتوے سے نہ صرف تارک فرض و مرتکب حرام بلکہ راضی بہ غلبہ کفر وذلت اسلام نہ ہوئے، امام کا توکل اللہ پر تھا اور تمھارا اعتماد اعداء اللہ پر، یقین جانو کہ اللہ سچا، اللہ کا کلام سچا "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا" "مشرکین تمھاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے وہ جھوٹا فتوی اور یہ پوچ بھروسا اور خادمان شرع پر الٹا غصہ کہ کیوں خاموش رہے کیوں سینہ سپر نہ ہوئے، یہ ہے تمھاری خیر خواہی اسلام یہ ہیں تمھارے دل ساختہ احکام، جن پر نہ شرع شاہد نہ عقل مساعد، مسلمان ہونے کا دعوی ہے تو اسلام کے دائرے میں آؤ، تبدیل احکام الرحمٰن و اختراع احکام الشیطان سے ہاتھ اٹھاؤ، مشرکین سے اتحاد توڑو، دیوبندیہ وغیرہم مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پاک اپنے سایہ میں لے، دنیا نہ ملے نہ ملے دین تو ان کے صدقے میں ملے۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ	اے ایمان والو! اسلام میں پورے داخل ہوجاؤ شیطان کے پس رونہ ہو بیشک وہ تمھارا کھلا دشمن ہے

[1] شرح السیر الکبیر

مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ "[1]	پھر اگر روشن دلیلیں آنے پر تمہارا قدم لغزش کرے تو جان لو اللہ غالب حکمت والا ہے کاہے کے انتظار میں ہیں سوا اس کے کہ گھٹاٹوپ بادلوں میں اللہ کا عذاب اور فرشتے آئیں اور کام تمام ہو اور اللہ ہی کی طرف سب کام پھرتے ہیں۔

ربنا علیك توکلنا والیك انبنا والیك المصیر ٥ ربنا لاتجعلنا فتنة للذین کفروا و اغفرلنا ربنا انك انت العزیز الحکیم ٥ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین ٥ امین یاارحم الراحمین ٥ وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا وملجانا ومأونا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین دائما ابدا الاٰبدین، عدد کل ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین والحمد للہ رب العلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸تا۲۱۰

انفس الفکر فی قربان البقر ۱۲۹۸ھ

(گائے کی قربانی کے بارے میں بہترین طریقہ)

مسئلہ ۱۸۴: عجیبہ [عہ] از مراد آباد شوال ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ گاؤ کشی کوئی ایسا امر ہے جس کے نہ کرنے سے کوئی شخص دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، یا اگر کوئی معتقد اباحت ذبح ہو مگر کوئی گائے اس نے ذبح نہ کی ہو یا گائے کا گوشت نہ کھایا ہو، ہر چند کہ اکل اس کا جائز جانتا ہے، تو اس کے اسلام میں کچھ فرق نہ آئے گا اور وہ کامل مسلمان رہے گا، گاؤ کشی کوئی واجب فعل ہے کہ جس کا تارک گنہ گار ہوتا ہے، یا اگر

عہ: **اہم وضاحت:** (ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء کا نمونہ و مصداق) ۱۲۹۸ ہجری کا ربع اخیر ہے شوال مکرم کا ماہ منیر ہے، اس لیے خاتمۃ المحققین امام المدققین والد ماجد حضرت مصنف علام مدظلہ وقدس سرہ الشریف کے وصال کو دس مہینے ہوئے ہیں بضرورت انتظام معاش جانب جائداد چند روز ابتدا میں توجہ کرنی ہوئی ہے اس لئے حضرت مصنف مدظلہ اپنے دیہات میں تشریف رکھتے ہیں کہ وہیں یہ سوال پہنچا اس وقت کھیتوں کا معاینہ تھا آدمی نے وہیں یہ سوال پیش کیا، بنگاہ اولین

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کوئی شخص گاؤ کشی نہ کرے صرف اباحت ذبح کادل سے معتقد ہو تو وہ گنہ گار نہ ہوگا۔ جہاں بلاوجہ اس فعل کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس کے اندرونی مقصد کو پہچان لیا کہ اگرچہ یہاں بعض مسلمانون نے بھیجا مگر اصل سائل ہنود ہیں اور فورا معلوم کیا کہ وہ اس سے کیا چاہتے ہیں، اور اہل اسلام کو کیسے نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتے ہیں، عصر کا وقت تھا، فرمایا: صبح جواب دیا جائے گا، دیہات میں کتابیں نہ تھیں، دوسرے دن وہ جواب تحریر فرمادیا، جو ناظرین نے ملاحظہ فرمایا، جس نے بحمداللہ تعالٰی فریب دینے والوں کے مکر کو خاک میں ملایا، والاحضرت حامی سنت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور علمائے رامپور نے اس پر تصدیقیں لکھیں، اور حضرت مولٰنا موصوف مرحوم نے مقاصد کو پہچان کر تصدیق میں تحریر فرمایا کہ "**الناقد بصیر**" یہ پرکھنے والا آنکھیں رکھتا ہے یعنی اس کا دیدہ بصیرت نورالٰہی سے منور ہے کہ مکاروں کے خفی مکر کی تہہ تک پہنچ گیا اور اس کا قلع قمع کیا،

"**ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾**"[1] (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اللہ بڑے فضل والا ہے۔ت)

جب جناب مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا فتوی ۱۳۰۵ھ میں چھپا اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ سوال اسی ماہ وسال میں ان کے پاس بھی گیا تھا، یہاں مراد آباد سے آیا، وہاں مرزاپور سے گیا تھا، اور عجب نہیں کہ مختلف مقامات سے اور علماء کے پاس بھی بھیجا ہوا، اوروں کا جواب تو کیا معلوم مگر جناب لکھنوی صاحب کا جواب چھپا جس سے ظاہر ہوا کہ عیاروں کا دھوکا ان پر چل گیا انھوں نے غور نہ فرمایا کہ سوال کے تیور کیا ہیں اس کا سائل کون ہونا چاہئے، اس سے اس کی غرض کیا ہے، سیدھا سادہ پاؤں تلے کا جواب لکھ دیا کہ:

"گاؤ کشی واجب نہیں، تارک گنہ گار نہ ہوگا، بقصد اثارت فتنہ گاؤ کشی نہ چاہئے بلکہ جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو احتراز اولٰی ہے قربانی اونٹ کی بہتر ہے[2]۔ محمد عبدالحیٔ"

وہیں کے اور دو[۲] صاحبوں نے مہر کی، اس پر مسلمانوں کی ضرورت ہوئی کہ اہل افتا کو ہوشیار کریں انھیں دنیا کی حالت ملک کی رنگت دکھائیں خود اپنے جواب کو صحیح معنی کی طرف پھیرنے کی راہ بتائیں، لہٰذا اس پر دو سوال ہوئے:

سوال اول: "حضرت علماء سے جن کی مواہیر اس پرچہ پر ثبت ہیں استفسار ہے کہ جواب میں آپ کی مراد اس جملہ سے آیا یہ ہے کہ ابتدائے فتنہ اہل اسلام کی طرف سے نہ ہو یعنی (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۲ و ۲۸۳

ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہو اور مفضی بہ ضرر اہل اسلام ہو، اور کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو اور عملداری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جہاں عملداری ہنود کی ہو وہاں بقصد فتنہ انگیزی گاؤکشی نہ کریں یا یہ کہ بلاد ہندوغیرہ میں جہاں ہمیشہ سے اہل اسلام گائے ذبح کرتے آئے اور کبھی ان کو مقصود فتنہ انگیزی نہ ہوئی بلکہ اجرائے حکم شریعت اب اگر مسلمان ان بلاد میں گائے ذبح کرے اور ہندو بنظر تعصب منع کریں تو مسلمان اس سے باز رہے" [1]

طبیعت میں حق کی طرف رجوع کا مادہ تھا اس سوال سے تنبہ ہوا اور حضرات علماء نے یہ **جواب** تحریر فرمایا: "گائے ذبح کرنا اگرچہ مباح ہے واجب نہیں، مگر ایسا مباح نہیں کہ کسی زمانہ یا بلاد خاص میں اس کا رواج ہو بلکہ یہ طریقہ قدیمہ ہے زمان آنحضرت صلعم عـــہ و صحابہ وتابعین وجملہ سلف صالحین سے تمام بلاد وامصار میں اور اسکی اباحت پر اجماع ہے تمام اہل اسلام کا، ایسے امر شرعی ماثور قدیم سے اگر ہنود روکیں تو مسلمان کو اس سے باز رہنا نہیں درست ہے بلکہ ہر گاہ ہنود کا ایک امر شرعی قدیم کے ابطال میں کوشش کریں، اہل اسلام پر واجب ہے کہ اس کے ابقاء واجراء میں سعی کریں، اگر ہنود کے کہنے سے اس فعل کو چھوڑیں گے تو گنہگار ہوں گے، اور مقصود اس جملہ میں جو جواب سابق میں ہے یہ ہے کہ بقصد برانگیختہ کرنے فتنہ وفساد کے گاؤکشی نہ چاہئے مثلاً جہاں عملداری ہنود کی ہو وہاں مسلمان بقصد ابتدائے مردم آزادی خواہ مخواہ ذبح کریں یا عیدالاضحیٰ میں کسی ہندو کے مکان کے قریب جاکے بایں خیال ذبح کریں کہ فتنہ قائم ہو ایسی صورتوں کا ارتکاب نہ چاہئے بلکہ ایسی حالت میں ترک، اولیٰ ہے اور بلاد ہندوستان وغیرہ میں ترک اولیٰ نہیں بلکہ اس کے ابقا میں سعی واجب ہے ہے [2]"

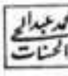

سوال تو پہلے بھی ہندوستان ہی سے آیا تھا مگر اس وقت غور نہ فرمایا گیا۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

عـــہ: استغفراللہ بلکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲ کاتب۔

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۳۔۲۸۲)
[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

اسلام بھی نہ ہو تو وہاں بدیں وجہ اس فعل سے کوئی باز رہے تو جائز ہے یا یہ کہ بلاسبب ایسی حالت میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "فی الواقع ان بلاد میں مسلمانوں کو گاؤ کشی باقی رکھنے میں کوشش لازم ہے اور مراد اس فقرہ سے یہ ہے کہ جہاں عملداری خاص ہنود کی ہے اور گاؤ کشی وہاں زینہار نہیں ہوتی اس جگہ باعلان گاؤ کشی کرنا بنظر فتنہ اولیٰ نہیں[1]"

محمد عبدالوہاب

"فی الواقع مقصود جملہ سابق سے یہ ہے کہ بارادہ برانگیختہ کرنے فساد کے عملداری خاص ہنود میں جہاں گائے ذبح نہ ہوتی ہو گاؤ کشی باعلان نہ چاہئے یا ہندو کے ہمسایہ میں علانیہ ذبح کرنا بارادہ فساد نہ چاہئے جن بلاد و مواضعات ہند میں رواج گاؤ کشی چلا آیا ہے اب کوئی ہندو بپاس تعصب مانع ہے تو مسلمانوں کو بپاس حمیت اسلامی ابقائے گاؤ کشی میں کوشش بلیغ لازم ہے زینہار ترک نہ کریں گاؤ کشی شعار مسلمانی ہے احتمال فساد ہو تو بذریعہ حکام رفع کرنا اس کا بابقائے رواج قدیم واجب ہے بخوف فساد ہنود ذبح گائے سے زینہار باز نہ رہیں، ذبح گاؤ شعائر اسلام سے ہے اہمال اس کا بلاوجہ وجیہ جائز نہیں[2]"

ابوالحیا محمد عبدالحلیم

"ہاں ابتداءً اثارت فتنہ نہ چاہئے اور یہی معنی ہیں فقرہ جواب سابق کے پس جن بلاد میں ذبح گاؤ مروج ہے منع کرنا ہنود کا ان کی جانب سے اثارت فتنہ وفساد ہوگا اس کو رفع کرنا مسلمان کو ضرور ہے[3]"

ابوالحسنات محمد عبدالحلیم ۱۰۹۳

سوال دوم: از بھاگل پور شوال ۱۲۹۸ھ

"اگر مسلمان گائے کی قربانی یا واسطے کھانے گائے ذبح کرنا چاہے اور ہنود بوجہ تعصب یا بنظر توہین اسلام روکیں تو مسلمانوں کو گائے کی قربانی یا گائے کے ذبح سے رکنا چاہئے یا کیا کرے، اگر از جانب ہنود فساد کا احتمال ہے مگر اس کا دفع بذریعہ حکام ممکن تو صرف بلحاظ فتنہ مذکور باز آنا چاہئے یا کیا کرے، یہ امر ظاہر ہے کہ اونٹ ان ملکوں میں کم ہیں (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۳

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۴

[3] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۵۔۲۸۴

میں بقصد اثارت فتنہ وفساد ارتکاب اس کا واجب ہے، اور قربانی اونٹ کی بہتر ہے یا

اگر دستیاب بھی ہوئے تو بہت قیمت سے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سات بھیڑ کی قیمت ایک گائے سے زیادہ ہوتی ہے اور اگر ہنود کہیں تم گائے مت کرو اونٹ بھیڑ قربانی کرو، تو اس کو مان لینا واجب ہے یا نہیں؟[1] **بینوا توجروا**

جواب: گائے ذبح کرنے کا جواز قرآن وحدیث سے ثابت ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ نے زمانہ آنحضرت صلعم عــہ۱ میں اور بعد آنحضرت صلعم عــہ۲ کے اس کو ذبح کیا ہے اس کے گوشت حلال اور ذبح جائز ہونے پر اتفاق ہے تمام مسلمانوں کا خواہ بروز عید ہو یا اور روز تو مسلمان کو باز آنا نہیں درست ہے، اور ہندو کی ممانعت تسلیم کرلینا نہیں جائز ہے، تسلیم کرنا موجب ان کے اعتقاد باطل کی تقویت وترویج کا ہوگا یہ کسی طرح شرع میں جائز نہیں۔ اونٹ اگرچہ گائے سے اولٰی ہے مگر کوئی شخص اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا علی الخصوص جب ہنود بغرض تعصب کہیں کہ خواہ مخواہ اونٹ یا بکری کرو، مسلمانوں کو ضرور ہے کہ قول ہنود تسلیم نہ کریں اور گاؤکشی کو کہ اسلام کا طریقہ قدیمہ ہے ترک نہ کریں بوجہ احتمال فساد ہنود گائے ذبح کرنے سے رکنا نہ چاہئے[2]"

"قربانی گائے کی شعار اسلام ہے اس کا موقوف کرنا بسبب ممانعت ہنود معصیت ہے"

یہ مجموعہ فتاوٰی جلد دوم طبع اول ص ۱۴۸ تا ص ۱۵۵ کا اقتباس ہے، الحمدللہ کہ آخر میں وہی سمجھنا پڑا جو حضرت مصنف مدظلہ نے بنگاہ اولین خیال فرمالیا، ذٰلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔ ان فتاوی کی نقل سے یہ بھی مقصود ہے کہ حضرت مصنف مدظلہ کے حکم وجوب کی بعض تائیدات واضح ہوں تاکہ بعض عوام کو زیادت اطمینان ملے وباللہ التوفیق۔

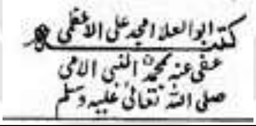

عــہ۱: اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عــہ۲: اقول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۲۸۵

[2] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۸۶۔ ۲۸۵

گائے کی؟ بینوا توجروا

الجواب:

واللہ سبحنہ موفق الصدق والصواب، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللھم صل وسلم وبارك علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، اللھم بك نستعین،

اصل مسئلہ کے جواب سے پہلے دو ۲ امر ذہن نشین کرنا لازم:

اول: یہ کہ ہماری شریعت مطہر اعلیٰ درجہ حکمت ومتانت ومراعات دقائق مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف ومصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اعصار وامصار میں ان کے تبدل سے متبدل ہو جاتا ہے، اور وہ سب احکام شرع ہی قرار پاتے ہیں، مثلاً زمان برکت نشان حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں بوجہ کثرت خیر ونایابی فتنہ وشدت تقوٰی وقوت خوف خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب، اور زنان مسلمین برائے نماز پنجگانہ مساجد میں جماعتوں کے لئے حاضر ہوتیں، بعد حضور کے جب زمانے کا رنگ قدرے متغیر ہوا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا:

لوان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رأی من النساء مارأینا لمنعھن من المسجد کما منعت بنواسرائیل نسائھا [1] رواہ احمد وبخاری ومسلم۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو انھیں مساجد جانے سے ممانعت کرتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کردیا تھا (اسے امام احمد وامام بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ ت)

جب زمانہ رسالت سے اور بُعد ہوا ائمہ دین نے جوان عورتوں کو ممانعت فرمادی، جب اور فساد پھیلا، علماء نے جوان وغیر جوان کسی کے لئے اجازت نہ رکھی، درمختار میں ہے:

یکرہ حضور من الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقا لوعجوزالیلا علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان [2]۔	رات کو عورتوں کا خواہ بوڑھی ہوں جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے اور اگر جمعہ، عید اور وعظ کی مجلس ہو تو مفتی بہ مذہب میں مطلقاً مکروہ ہے زمانہ کے فساد کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دارالفکر بیروت ۶/ ۹۱، صحیح بخاری باب خروج النساء الی المساجد باللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

[2] درمختار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

فتح القدیر میں فرمایا:

عمم المتاخرون المنع العجائز والشواب فی الصلوات کلھا لغلبۃ الفساد فی سائر الاوقات [1]۔	غلبہ فساد کی وجہ سے تمام اوقات کی نمازوں میں عموماً بوڑھی اور جوان عورتوں کا نکلنا متاخرین علماء نے منع فرمایا ہے۔ (ت)

حالانکہ صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا استأذنت احدکم امرأتہ الی المسجد فلا یمنعھا [2] رواہ احمد والشیخان والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما	جب تم میں کسی کی عورت مسجد جانے کی اجازت مانگے تو اسے منع نہ کرے (اسے احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں فرمایا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ [3] رواہ احمد ومسلم عن ابن عمر واحمد وابوداؤد عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ	اللہ کی کنیزوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔ (اسے امام احمد اور مسلم نے ابن عمر سے اور احمد و ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

پھر ان ائمہ علماء کے یہ احکام ہرگز حکم اقدس کے خلاف نہ ٹھہرے بلکہ عین مطابق مقصود شرع قرار پائے، اس طرح رفتہ رفتہ حاملان شریعت و حکمائے امت نے حکم حجاب دیا اور چہرہ چھپانا کہ صدر اول میں واجب نہ تھا واجب کردیا۔ نہایہ میں ہے:

سدل الشیئ علی وجھھا واجب علیھا [4]۔	چہرے پر پردہ لٹکانا عورت پر واجب ہے۔ (ت)

[1] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۱۷

[2] صحیح بخاری باب استیذان المرأۃ زوجھا بالخروج الی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

[3] صحیح مسلم باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، سنن ابی داؤد باب خروج النساء الی المساجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۴

[4] المسلک المتقسط علی لباب المناسک بحوالہ النہایہ مع ارشاد الساری مع فصل فی احرام المرأۃ دار الکتاب العربی بیروت ص ۶۸

شرح لباب میں ہے:

دلت المسئلة علی ان المرأة منهیة عن اظهار وجهها للاجانب بلاضرورة[1]۔	یہ مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عورت کو بلاضرورت اجنبی لوگوں پر اپنا چہرہ کھولنا منع ہے۔(ت)

تنویر میں ہے:

تمنع من کشف الوجه بین رجال لخوف الفتنة[2]۔	فتنہ کے خوف سے مردوں میں عورت کو چہرہ کھولنے سے روکا جائے۔(ت)

اسی قسم کے صدہا احکام ہماری شریعت میں ہیں "ومن القواعد المقررۃ فی شریعتنا المطهرۃ ان الحکم یدور مع علته" (ہماری شریعت مطہرہ کے مسلمہ قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ت)

دوم واجبات ومحرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں:

ایک لعینہٖ یعنی جس کی نفس ذات میں مقتضی ایجاب و تحریم موجود ہے، جیسے عبادت خدا کی فرضیت اور بت پرستی کی حرمت۔

دوسرے لغیرہٖ یعنی وہ کہ امور خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب و تحریم کا اقتضا کرتا ہے اگرچہ نفس ذات میں کوئی معنی اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلم صرف ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تعالٰی کی کتاب اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام زبان عربی میں ہے اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہا مسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کردیتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے، اسی قبیل سے ہے شعار کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں۔ بلکہ ہمارے شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعار مسلمین قرار پایا اور الٹا پردہ کفار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلاشبہ حرام، اسی طرح بوجہ عرف وقرارداد امصار وبلاد جس مباح کا فعل عزت وشوکت اسلام پر دلالت کرے اور اسے چھوڑ دینے میں اسلام کی توہین اور کفر کا غلبہ سمجھا جائے، قواعد شرعیہ بالیقین اس سے بازرہنے کی تحریم کرتے ہیں، اور مبنٰی اس کا وہی نظر مصالح واعتبار عرف ومراعات اقتضائے امور خارجہ ہے، جسے ہم دونوں مقدمہ سابقہ میں بیان کر آئے۔

---

[1] المسلک المتقسط علی لباب المناسک بحوالہ النہایۃ مع ارشاد الساری فصل فی احرام المرأۃ دار الکتب العربی بیروت ص ۶۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

جب یہ امور منقح ہولئے تو اب اصل مسئلہ کا جواب لیجئے۔

گاؤ کشی اگرچہ بالتخصیص اپنے نفس ذات کے لحاظ سے واجب نہیں نہ اس کا تارک باوجود اعتقاد اباحت بنظر نفس ذات فعل گنہ گار نہ ہماری شریعت میں کسی خاص شیئ کا کھانا بالتعیین فرض، مگر ان وجوہ سے صرف اس قدر ثابت ہوا کہ گاؤ کشی جاری رکھنا واجب لعینہ، اور اس کا ترک حرام لعینہ نہیں، یعنی ان کے نفس ذات میں کوئی امر ان کے واجب یا حرام کرنے کا مقتضی نہیں، لیکن ہمارے احکام مذہبی صرف اسی قسم کے واجبات و محرمات میں منحصر نہیں، بلکہ جیسا ان واجبات کا کرنا اور ان محرمات سے بچنا ضروری و حتمی ہے یوہیں واجبات محرمات لغیرہا میں بھی امتثال اجتناب اشد ضروری ہے، جس سے ہم مسلمانوں کو کسی طرح مفر نہیں، اور ان سے بالجبر باز رکھنے میں بیشک ہماری مذہبی توہین ہے جسے حکام وقت بھی روا نہیں رکھ سکتے۔

ہم مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں اگرچہ کسی شہر میں گاؤ کشی بند کردی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو کہ ہماری شرع ہرگز اس سے باز رہنے کا ہمیں حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلت اسلام متصور نہ ہوگی۔ کیا اس میں خواری و مغلوبی مسلمین نہ سمجھی جائے گی، کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلٰی درجہ کی خوشی ظاہر کرکے ہمارے مذہب واہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا، کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لئے ایسی دنائت وذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دینی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرع جائز فرماتی ہے؟ حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہماری شرع ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں، اور دوسری طرف لفظ کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔ سائل لفظ ترک لکھتاہے، یہ صرف مغالطہ اور دھوکا ہے، اس نے "ترك" اور "کف" میں فرق نہ کیا، کسی فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور اس سے بالقصد باز رہنا اور بات، ہم پوچھتے ہیں کہ اس رسم سے جس میں صدہا منافع ہیں، یک قلم امتناع آخر کسی وجہ پر مبنی ہوگا، اور وجہ سوا اس کے کچھ نہیں کہ ہنود کی ہٹ پوری کرنا، اور مسلمانوں نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانوں کے اسباب معیشت میں کمی و تنگی کردینا، ہم اہل اسلام کی ابتدائے عہد سے بڑی غذا جس کی طرف ہماری طبیعتیں اصل خلقت میں راغب اور اس میں ہمارے لئے ہزاروں منافع اور اس سے ہمارے خالق تبارک وتعالٰی نے قرآن عزیز میں جابجا ہم پر منت رکھی، گوشت ہے۔

قال ربنا تبارك وتعالٰی "وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ	ہمارے رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا: اس نے تمھارے لئے بنائے اونٹ سے دو (نر ومادہ)

اَمِ الۡاُنۡثَیَیۡنِ اَمَّا اشۡتَمَلَتۡ عَلَیۡہِ اَرۡحَامُ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ؕ "[1] وقال تعالٰی "اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ ﴿۷۱﴾ وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَ لَہُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾ "[2]	اور گائے میں سے دو (ان کافروں سے) فرمادو اللہ تعالٰی نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہیں۔

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا انھیں نہیں سوجھتا کہ ہم نے اپنی قدرتی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے پیدا فرمائے تو وہ ان کے مالک ہیں اور ہم نے ان چوپاؤں کو ان کا مسخر کردیا تو ان میں کسی پر سوار ہوتے ہیں اور کسی کا گوشت کھاتے ہیں، اور ان کے لئے ان میں منافع ہیں اور پینے کی چیز تو کیا شکر نہ کریں گے الی غیر ذلك من الاٰیات۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں گوشت کو دنیا وآخرت کے سب کھانوں کا سردار اور سب سے افضل وبہتر فرمایا۔[3]

والحدیث مخرج بطریق عدیدۃ من عدۃ من الصحابۃ الکرام رضوان تعالٰی علیہم اجمعین۔	یہ حدیث متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے متعدد طرق سے تخریج شدہ ہے۔ (ت)

اور بیشک بکری کا گوشت دوامًا ہمارے ہر امیر وفقیر کو دستیاب نہیں ہوسکتا، خصوصًا مسلمانان ہندوستان کہ ان میں ثروت بہت کم اور افلاس غالب ہے، غریبوں کی گزر بے گوشت گاؤ کے نہیں، اور کتب حکمت بھی شاہد کہ اصل غذا انسان کی گوشت ہے، عناصر غذائے نباتات، نباتات غذائے حیوانات، حیوانات غذائے انسان، اور بیشک اس کے کھانوں میں جو منفعتیں اور ہمارے جسم کی اصلاحیں اور ہمارے قوی کی افزائش ہیں اس کے غیر سے حاصل نہیں، اور مرغوبی کی یہ کیفیت کہ ہر شخص اپنے وجدان سے جان سکتا ہے کہ کیسا ہی لذیذ کھانا ہو، چند روز متواتر کھانے سے طبیعت اس سے سیر ہوجاتی ہے اور

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۷۱ تا ۷۳

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اللحم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۵

زیادہ دن گزریں تو نفرت کرنے لگتی ہے۔ بخلاف نان گندم و گوشت کہ عمر بھر کھائے تو اس سے تنفر نہیں ہوتا۔ معہذا گائے کی کھال وغیرہ سے جو ہزار ہا قسم کے منافع ملتے اور ان منفعتوں میں ہنود بھی ہمارے شریک ہوتے ہیں، اور چند اقوام کی تجارتیں اور ان کے رزق کے ظاہری سامان گاؤ کشی کا نتیجہ ہیں۔

تو سائل کا یہ قول کہ "کوئی فائدہ اس فعل پر مرتب نہ ہو" محض تصویر غلط ہے اور گائے کی قربانی خاص ہمارے شعائر دین سے ہے، ہمارا مالک و مولیٰ تبارک وتعالیٰ صریح ارشاد فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ" [1]	اور اونٹ اور گائے کو کیا ہم نے تمھارے لئے خدا کے شعاروں میں سے۔

اور یقیناً معلوم کہ ہمارے ملک میں اونٹ ہماری غذا وادائے واجب قربانی کے لئے کفایت نہیں کرسکتے۔ اول تو سخت گراں، دوسرے بہ نسبت گاؤ نہایت قلیل الوجود، اور اگر گاؤ کشی موقوف کرکے اونٹ پر کفایت کی جائے تو چند روز میں اونٹ کی قیمت دہ چند ہوجائے گی، اور یہ نفع عام جو ہمارے غرباء کو پہنچتا ہے ہر گز اس سے متوقع نہیں، اور عجب نہیں کہ رفتہ رفتہ بوجہ قلّت اونٹ حکم عنقا کا پیدا کرے، تو رفع حاجت دائمہ اس سے متوقع نہیں، اور بکری کا گوشت کھانے کے لئے بھی تھوڑے لوگوں کو ملتا ہے، اور قربانی کے واسطے بھی ہر شخص ایک بکری جداگانہ کرے کہ سال بھر سے کم کی نہ ہو، اور اس کے اعضاء بھی عیب و نقصان سے پاک ہوں۔ بخلاف اس غریب پرور جانور یعنی گائے کے کہ ہمارے مسئلہ شرعیہ سے اس میں سات شخص شریک ہوسکتے ہیں، اور بیشک سات بکریاں ایک گائے سے ہمیشہ گراں رہتی ہیں۔ معہذا ہمارے مذہب میں اس کا جواز اور ہنود کے یہاں ممانعت ایک پلہ میں نہیں، ہماری اصل شریعت میں اس کا جواز موجود، قرآن مجید میں ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً" [2]۔ وشرائع من قبلنا اذا قصها اللہ تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا [3] (ملتقطا) کما نص علیہ فی کتب الاصول۔	بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ (ت) ہم سے پہلی شریعتوں کو جب اللہ تعالٰی بیان فرماکر منع نہ فرمائے تو وہ ہماری شریعت ہوجاتی ہے (ملتقطا) جیسا کہ کتب اصول میں منصوص ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

[3] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۲

اور ہنود کے اصل مذہب میں کہیں اس کی ممانعت نہیں، متاخرین نے خواہ مخواہ اس کی تحریم اپنے سر باندھ لی، بلکہ کتب ہنود گواہی دیتی ہیں کہ پیشوایان ہنود بھی گائے کا مزہ چکھنے سے محروم نہ گئے جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو "**سوط اللہ الجبار**" وغیرہ کتب میں رد ہنود کا مطالعہ کرے۔

علاوہ بریں ہم دریافت کرتے ہیں اس کی تحریم ہنود کے یہاں دو ہی وجہ سے معقول:

ایک یہ کہ جانور کی ناحق ایذا اور ہتھیا ہے، ہم کہتے ہیں اکثر اقوام ہنود بکری، مرغی، مچھلی کھاتے ہیں؟ کیا وہ جانور نہیں، کیا ان کی جان جان نہیں، کیا ان کی ایذا حرام نہیں، کیا ان کا قتل ہتھیا نہیں، اور خود کتب ہنود سے جو رام و لچھمن و کرشن کا شکاری ہونا ثابت، اس ہتھیا کا کیا علاج، اور ایسا ہی ناراضی ہنود کا خیال کیجئے، تو اگر وہ ہتھیا کے حکم کو عام کردیں تو کیا شرع مطہر ہمیں ہر جانور کے ذبح و قتل سے باز رکھے گی، اور سانپ کہ انسان کی جان کا دشمن اور ہندوؤں کا دیوتا ہے ہرگز نہ مارا جائے گا، اور مسلمانوں کے اسباب ومعیشت مفقود اور انسانوں کے ابواب عافیت مسدود کردئے جائیں گے، حاشا وکلا ہماری شرع ہرگز ایسا حکم نہیں فرماتی، نہ حکام وقت ان خرافات کو روا رکھیں کیا مزے کی بات ہے، ہندوؤں میں بعض قومیں ایسی ہیں کہ مطلقاً ہر جانور کا قتل حرام اور ہتھیا جانتی ہیں، بلکہ بعض کو تو اس قدر غلو وتشدد ہے کہ ہر وقت منہ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں کہ مکھی یا بھنگا حلق میں جاکر مر نہ جائے، اور باقی طوائف ہنود ان لوگوں کا خیال اور ان کے مذہب کا لحاظ نہیں کرتے، مزے سے بکری، مرغی، مچھلی وغیرہ وغیرہ نوش جان کرتے اور مسلمانوں کی دیکھا دیکھی دیگچیوں کے بگھار کا لطف اڑاتے ہیں، جب ان کے آپس میں یہ کیفیت ہے تو ہم پر کیوں ہنود کا لحاظ اور ان کے مذہب کا ایسا خیال واجب کرکے گاؤ کشی بند کرنے کا فتوٰی دیا جاسکتا ہے **ان ھذا الا ظلم صریح اوجھل قبیح** (یہ نہیں مگر نرا صریح ظلم یا قبیح جہالت۔ت) دوسری وجہ کہ گائے ان کے یہاں معظم ہے اور اپنے معظم کا ہلاک نہیں چاہتے۔ ہم کہتے ہیں کہ:

اولا: گئو ماتا کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان سعادت مندوں کی تعظیم کا حال کھل جاتا ہے اپنے ہاتھوں چماروں کے حوالے کرتے ہیں کہ چیریں پھاڑیں، اور چرسا اپنے لئے ٹھہرا لیتے ہیں کہ کھال کی جوتیاں بنا کر پہنیں جو جوتوں سے بچی وہ ڈھول کر کھنچی کہ شادی بیاہ میں کام آئے، رات بھر تپا نچے کھائے

ثانیا: بغرض غلط اگر تعظیم ہے بھی تو صرف گائے پر مقتصر ہے، ہم بچشم خود دیکھتے ہیں کہ ہنود آپ بیل کی ہر تعظیم نہیں کرتے بلکہ اس پر سخت تشدد کرتے ہیں ہل میں جوتیں، گاڑی میں چلائیں، سواریاں لیں، بوجھ لدوائیں، وجہ بے وجہ سخت ماریں کہ جابجا ان کے جسم زخمی ہوجاتے ہیں، ہم نے خود دیکھا ہے کہ بعض ہنود نے باربرداری کی گاڑیوں میں اس قدر بوجھ بھرا کہ بیلوں کا جگر پھٹ گیا، اور خون ڈال کر مر گئے، تو معلوم ہوا کہ بیل ان کے

یہاں معظم نہیں، اگر یہ ممانعت بربنائے تعظیم ہے تو چاہیئے کہ بخوشی بیلوں کے ذبح کی اجازت دیں، ورنہ ان کا صریح مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔

باقی رہا سائل کا یہ کہنا کہ "اس فعل کے ارتکاب سے ثوران فتنہ وفساد ہو" ہم کہتے ہیں جن مواضع میں مثل بازار وشارع عام وغیرہا گاؤ کشی کی قانوناً ممانعت عـــہ ہے وہاں جو مسلمان گائے ذبح کرے گا البتہ اثارت فتنہ وفساد اس کی طرف منسوب ہوسکتی ہے اور قانوناً مجرم قرار پائے گا، اور اس امر کو ہماری شریعت مطہرہ بھی روا نہیں رکھتی کہ ایسی وجہ سے مسلمانوں پر مواخذہ ہے یا انھیں سزا ہونا بیشک توہین اسلام ہے جن کا مرتکب یہ شخص ہوا، نظیر اس کی سب وشتم آلہہ باطلہ مشرکین ہے کہ شرع نے اس سے ممانعت فرمائی، اگرچہ اکثر جگہ فی نفسہ حرج متحقق نہ تھا۔

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ"[1]۔	اور انھیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی اور جہالت سے۔(ت)

اور جہاں قانوناً ممانعت نہیں وہاں اگر ثوران فتنہ وفساد ہوگا تو لاجرم ہنود کی جانب سے ہوگا، اور جرم انھیں کا ہے کہ جہاں ذبح کرنے کی اجازت ہے وہاں بھی ذبح نہیں کرنے دیتے۔ کیا ان کے جرم کے سبب ہم اپنی رسوم مذہبی ترک کرسکتے ہیں، یہ حکم بعینہٖ ایسا ہوا کہ کوئی شخص اعتبار سے کہے تمھارا مال جمع کرنا باعث ثوران فتنہ وفساد وایذائے خلق اللہ ہے، کہ نہ تم مال جمع کرو نہ چور چرانے آئیں نہ وہ قید وبند کی سخت سخت سزائیں پائیں، اس احمق کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ چوری چور کا جرم ہے، اس کے سبب ہمیں جمع مال سے کیوں ممانعت ہونے لگی، اور اگر ایسا ہی خیال ہنود کے فتنہ وفساد کا شرع ہم پر واجب کرے گی تو ہر جگہ ہنود کو قطعاً اس رسم کے اٹھا دینے کی سہل تدبیر ہاتھ آئے گی، جہاں چاہیں گے فتنہ وفساد برپا کریں گے اور بزعم جہال شرع ہم پر ترک واجب کردے گی، اور اس کے سوا ہماری جس رسم مذہبی کو چاہیں گے اپنے فتنہ وفساد کی پناہ پر بند کرادیں گے، اور یہی واقعہ ان کے لئے نظیر ہوجائے گا، ایسی صورت میں تم پر اپنی رسم کا ترک شرعاً واجب ہوتا ہے۔

عـــہ: فی الحال یہی صورت حال ہے کہ مختلف حکومتوں نے اپنے اپنے صوبے میں ذبیحہ گاؤ کا مطلقاً خلاف قانون قرار دیا ہے لہٰذا باز رہا جائے۔ ۱۲ عبدالمنان

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۸

بالجملہ خلاصہ جواب یہ ہے کہ بازار وشارع عام میں جہاں قانونا ممانعت ہے، براہ جہالت ذبح گاؤ کا مرتکب ہونا بیشک اسلام کی توہین وذلت کے لئے پیش کرنا ہے، کہ شرعا حرام اور اس کے سوا جہاں ممانعت نہیں وہاں سے بھی باز رہنا اور ہنود کی بیجاہٹ بجارکھنے کے لئے یک قلم اس رسم کو اٹھادینا ہرگز جائز نہیں بلکہ انھیں مضرات ومذلات کا باعث ہے جن کا ذکر ہم اول کر آئے جنھیں شرع مطہر پر ہرگز گوارا نہیں فرماتی نہ کوئی ذی انصاف حاکم پسند کرسکے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از مسلم لیگ ضلع بریلی مرسلہ سید عبدالودود جائنٹ سیکرٹری لیگ مذکور جمادی الاولٰی ۱۳۲۹ھ

نحمدہ ونصلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ آج کل ہنود کی طرف سے نہایت سخت کوشش اس امر کی ہورہی ہے کہ ہندوستان سے گاؤکشی کی رسم موقوف کرادی جائے اور اس غرض سے انھوں نے ایک بہت بڑی عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے تیار کی ہے جس پر کروڑوں باشندگان ہندوستان کے دستخط کرائے جارہے ہیں، بعض ناعاقبت اندیش مسلمان بھی اس عرض داشت پر ہندوؤں کے کہنے سننے سے دستخط کررہے ہیں، ایسے مسلمانوں کی بابت شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور اس مذہبی رسم جو شعائر اسلام میں سے ہے کے بند کرانے میں مدد دینے والے گنہ گار اور عنداللہ مواخذہ دار ہیں یا نہیں؟ **بینوا الجواب بالتفصیل واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل۔**

الجواب:

گائے کی قربانی شعائر اسلام سے ہے۔

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"[1]	اور اونٹ گائے بیل ہم نے ان کو کیا تمھارے لیے اللہ کی نشانیوں سے۔

مسلمانوں کو ہندوؤں کے ساتھ اس معاملہ کے انسداد میں شرکت ناجائز وحرام ہے**واللہ تعالٰی اعلم۔**

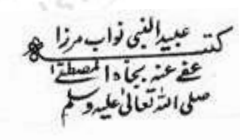

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

فی الواقع گاؤکشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے، اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

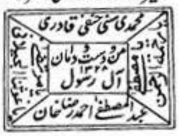

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً"[1] شرائع من قبلنا اذا قصہا اللہ تعالٰی علینا من دون انکار شرائع لنا[2] (ملتقطا) کما نص فی کتب الاصول۔	بیشک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔ (ت) ہم سے پہلی شریعتوں کو جب اللہ تعالٰی بیان فرماکر منع نہ فرمائے تو وہ ہماری شریعت ہوجاتی ہے۔ (ملتقطا) جیسا کہ کتب اصول میں منصوص ہیں۔ (ت)

زراعت کے بہانے سے ہنود ہماری مذہبی رسم میں نہ صرف دست اندازی بلکہ اس کا پورا انسداد چاہتے ہیں، اور طرفہ یہ کہ اس پر مذہبی آزادی سے استناد کرتے ہیں، کیا مذہبی آزادی کے یہ معنی ہیں کہ ایک فریق کے خیالات کو کامیاب کرنے کے لئے دوسرے فریق کی دینی مذہبی رسوم بند کردی جائیں، ہندوستان میں روزانہ ہزاروں گائے ذبح ہوتی ہیں آج تک زراعت کو کون سا نقصان پہنچا جو آئندہ پہنچنے کی امید ہو، قدرت کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کی مانگ زیادہ ہوتی ہے اسے زیادہ پیدا فرماتی ہے، گاؤکشی بند ہونے سے زراعت کو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا سوا اس کے کہ کھیت میں پڑ کر تیار کھیت کو کھا جانے والے اب دس ہیں تو جب سو ہونگے، ہاں گوشت کو نقصان عظیم پہنچے گا، مسلمان اور عیسائی بلکہ ہنود کی بعض اقوام بھی طبعی طور پر غذائے گوشت کے عادی ہیں، اسے بند کرکے صرف دال ساگ پر انھیں قانع کرنا ضرور ان کی عافیت میں خلل انداز ہوگا اور ہرگز ان کی صحت جسمانی ٹھیک نہیں رہ سکتی اور اس کے سوا عام حاجتوں کو سخت نقصان پہنچے گا، مثلاً "جوتا" ہے، کیا ہنود اس کے محتاج نہیں، کم لوگ ہیں کہ نری استر کا پہنتے ہوں، اور جب ادھوڑی استر کا بند ہوجائیگا تو غرباء تو پہن ہی نہ سکیں گے اور امراء کے لئے چہار چند قیمت ہوجائے گی، اور اس کے علاوہ ہزاروں کام جن پر چمڑے کے کارخانوں کی بنا ہے، اور لاکھوں روپے کی تجارت ہے اور ہزاروں

[1] القرآن الکریم ۲ / ۶۷

[2] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۳۲

آدمیوں کا رزق، اور گورنمنٹی خزانے کے لئے لاکھوں کا محصول، یہ سب امور یکسر بند ہو جائیں گے، اور ملک کی رفاہ و آسائش میں عام انقلاب واقع ہوگا، جس کا ضرر نہ صرف مسلمانوں کو ہوگا بلکہ تمام اقوام کو پہنچے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتبہ ابوالعلا امجد علی الاعظمی
عفی عنہ بمحمد النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ذلک کذلک
مصطفٰی رضاخان قادری ۱۳۳۸
آل الرحمٰن محمد عرف
نے
ابوالبرکات محی الدین جیلانی

مسئلہ ۱۸۶: از مجلس دادخواہی مسلمانان بریلی ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

دعوی قربانی کے جواب میں ہنود نے اپنا یہ بیان پیش کیا ہے کہ قرآن شریف میں اس فعل کی اجازت نہیں، بنیاد مذہب مدعی کی اوپر قرآن شریف کے ہے، کتاب مذکور میں قربانی گاؤ کی ہدایت نہیں کرتا ہے، مدعی خلاف اس کے بحیلہ مذہب بغرض دل دکھانے مذہب ہنود کے جس کی دھرم شاستر میں سخت ممانعت ہے یہ فعل خلاف استحقاق کرنا چاہتا ہے فقط، چونکہ یہ بیان ان کا متعلق قرآن شریف و مسائل مذہب کے ہے، لہٰذا علماء کی خدمت میں استفتاء ہے کہ آیا یہ بیان ہنود صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

بیان ہنود سراسر غلط ہے۔ مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید اور ہمارے سچے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سے قربانی گاؤ کی اجازت بخوبی ثابت ہے:

(۱) اللہ تعالٰی قرآن مجید کے سترھویں پارہ، بائیسویں سورہ حج کے پانچویں رکوع میں فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾"[1]۔	اور قربانی کے ڈیل دار جانوروں کو کیا ہم نے تمہارے لئے اللہ کی نشانیاں تمہارے لئے، ان میں بھلائی ہے، تو اللہ کا نام لو ان پر کھڑے ہوئے، پھر جب ان کی کروٹیں گر جائیں تو خود کھاؤ، اور صبر سے بیٹھنے والے اور مانگنے والے کو کھلاؤ، یوہیں ہم نے ان جانوروں کو تمہارے بس میں کردیا ہے کہ تم احسان مانو،

قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہیں، تفسیر قادری جو ہنود کے ایک معزز رئیس منشی نولکشور سی آئی ای نے اپنی فرمائش سے منجانب مطبع تصنیف کرائی اور داخل رجسٹری کرا کر اپنے مطبع میں چھ بار

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

چھاپی، بیچی، اس کی جلد دوم طبع ششم سطر اخیر ص ۷۹ وسطر اول ص ۸۰ میں آیت کے ان لفظوں کا ترجمہ یوں لکھا: "**وَالْبُدْنَ** اور اونٹ اور گائے جو قربانی کے واسطے ہانکنے لیے جاتے ہیں "**جعلنھا لکم**" کردیا ہم نے انھیں، یعنی ان کے ذبح کو تمھارے واسطے **مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ** دین الٰہی کے نشانیوں میں سے"[1] اور بیشک ہم حنفی مذہب والوں کے تینوں امام یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اور ان کے سب پیرووں کا یہی مذہب ہے بُدنہ یعنی قربانی کے ڈیل دار جانور میں اونٹ اور گائے دونوں داخل ہیں۔ انھیں اماموں کا مذہب ہندوستان کے تمام شہروں میں رائج ہے، اور یہاں انھیں کے مذہب پر فتوٰی وعمل ہوتا ہے، ہدایہ، درمختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا مشہور کتابیں اسی مذہب کی ہیں، درمختار میں ہے:

بدنۃ ھی الابل والبقر سمیت بہ لضخامتھا[2]۔	بدنہ اونٹ اور گائے ہے، ان کے ڈیل دار ہونے کے سبب ان کا یہ نام ہوا۔

ہدایہ میں ہے:

البدنۃ ھی الابل والبقر، قال الشافعی من الابل لنا ان البدنۃ تنبئ عن البدانۃ وھی الضخامۃ وقد اشترکا فی ھذا المعنی ولھذا یجزئ کل واحد منھما عن سبعۃ اھ ملخصاً۔[3]	اونٹ اور گائے دونوں بدنہ ہیں۔ شافعی نے کہا اونٹ، ہماری دلیل یہ ہے کہ بدنہ ڈیل دار ہونے سے خبر دیتا ہے، اور اس بات میں اونٹ اور گائے برابر ہیں، اس لئے وہ دونوں سات آدمیوں کی طرف سے کفایت کرتے ہیں۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **البُدن من الابل والبقر**[4] بُدنہ اونٹ اور گائے دونوں سے ہے، اور یہ مضمون حدیث سے بھی ثابت ہے کہ عنقریب مذکور ہوگی۔

(۲) اللہ تعالٰی اسی رکوع کے شروع میں فرماتا ہے:

"وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ	اور ہر گروہ کے لئے ہم نے مقرر کردی قربانی کہ اللہ کا

---

[1] تفسیر قادری آیۃ والبدن جعلنھا لکم کے تحت نولکشور لکھنؤ ۲/ ۷۹، ۸۰

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

[3] الہدایۃ فصل مایتعلق بالوقوف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۲۳۶-۲۳۷

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس عشر فی الہدی نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۱

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ "[1]	نام لیں چوپایوں کے ذبح پر جو اللہ نے انھیں دئے۔

یہاں فرمایا کہ چوپایوں کو اللہ تعالٰی نے قربانی کے لئے بنایا ہے اور آٹھویں پارہ چھٹی سورہ انعام کے سترھویں رکوع میں چوپایوں کی تفصیل یہ بیان فرمائی:

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ " (الی قولہ تعالٰی) " وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ "[2]۔	چوپائے آٹھ نر و مادہ میں بھیڑ سے دو، اور بکری سے دو، اونٹ سے دو، اور گائے سے دو، تو کہہ کیا اللہ نے دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ جسے اپنے پیٹ میں رکھا دونوں مادہ نے۔

ان آیتوں سے صاف معلوم ہوا کہ اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری سب کی قربانی اللہ تعالٰی نے بتائی ہے، اس لئے تفسیر مذکور فرمائشی منشی نولکشور کی جلد دوم ص ۸۷ سطر ۱۱ و ۱۲ میں چوپایوں پر اللہ کا نام لینے کی تفسیر میں لکھا: "بے زبان چوپایوں سے یعنی اونٹ گائے بکرا، اس سے قربانی مراد ہے کہ خدا کے نام پر ذبح کریں[3]"

اور پچھلی آیت سے یہ بھی کھل گیا کہ گائے بیل، بچھیا، بچھڑا اس کا کھانا حلال ہے جس کی حلت خود قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہے:

(۳) اللہ تعالٰی پہلے پارے دوسری آیت سورت سورہ بقرہ کے آٹھویں رکوع میں فرماتا ہے:

" وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ "[4]	اور جب کہا موسٰی نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تمھیں حکم فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔

اور ساتویں پارے چھٹی سورت سورہ انعام کے دسویں رکوع میں موسٰی وہارون وغیرہما انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ذکر کرکے مسلمانوں کو حکم دیتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶/ ۴۴۔۱۴۳

[3] تفسیر قادری آیۃ ۲۲ / ۲۸ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۸۷

[4] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

"اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ"[1]	یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ٹھیک راستے چلایا تو تو انھیں کی راہ چل۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگلے انبیاء کی شریعت میں جو کچھ تھا وہی ہمارے لئے بھی ہے جب تک ہماری شریعت منسوخ نہ فرمادے، تو گائے کی قربانی کرنے کی ہمیں اجازت یوں بھی ثابت ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی کے حکم سے گائے کا ذبح کیا جانا آج کا نہیں بلکہ اگلی شریعتوں سے چلا آتا ہے۔ تفسیر مذکور فرمائشی نولکشور جلد اول کے ص ۱۷ سطر اخیر وص ۱۸ سطر اول میں اسی حکم الٰہی ذبح گاؤ کی حکمت یوں لکھی: "اس کے ذبح کرنے میں نکتہ یہ تھا کہ گئوسالہ پرستوں کی سرزنش ہو، انھیں دکھا دیا کہ جسے تم نے پوجا وہ ذبح کرنے کے قابل ہے، عبادت اور مدح کے لائق نہیں[2]"

(۴) ان سب کے علاوہ اگر فرض کیجئے کہ قرآن مجید میں گائے اور قربانی کا نام تک نہ آیا ہوتا جب بھی گائے کی قربانی قرآن مجید سے بخوبی ثابت تھی، قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھیں احکام پر نہیں رکھی جس کا خاص خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[3]	جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو۔

اور فرماتا ہے:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ"[4]۔	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرماتا ہے:

"وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ ۳ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۴"[5]	یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹

[2] تفسیر قادری آیہ ۲/ ۶۷ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷ و ۱۸

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[5] القرآن الکریم ۵۳/ ۳ و ۴

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود گائے کی قربانی کی، اور مسلمانوں کو ایک ایک گائے کی قربانی میں سات سات آدمیوں کے شریک ہونے کا حکم فرمایا، مذہب اسلام میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کی چھ کتابیں زیادہ مشہور ہیں جنھیں صحاح ستہ کہتے ہیں، ان سب کتابوں میں یہ مضمون صراحۃً موجود ہے، صحیح بخاری شریف میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

ضحّٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن نسائہ بالبقر[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے گائے کی قربانی کی۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ:

امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبقر کل سبعۃ منافی بدنۃ[2]۔	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنہ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔

صحیح مسلم شریف میں انھیں سے روایت ہے:

اشترکنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ فی بدنۃ فقال رجل لجابر أیشترك فی البقر مایشترك فی الجزور، فقال ماھی الا من البدن[3]۔	حج وعمرہ میں ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کے ایک ایک ڈیل دار جانور میں سات سات آدمی شریک ہوئے، کسی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا کیا گائے کی قربانی میں بھی اتنے ہی شریک ہوسکتے ہیں جتنے اونٹ میں، فرمایا: گائے بھی تو بدنہ ہی میں داخل ہے،

ترمذی ونسائی وابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	ہم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر

[1] صحیح البخاری باب من ذبح ضحیۃ غیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۴

[2] صحیح مسلم باب جواز الاشتراك فی الھدٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[3] صحیح مسلم باب جواز الاشتراك فی الھدٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

وسلم فی سفر فحضر الاضحٰی اشترکناہ فی البقرۃ عن سبعۃ[1]۔	میں تھے کہ بقر عید آئی تو ہم نے سات آدمیوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔

سبحان اللہ! جو کام خود ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا اور ہمیں اس کا حکم دیا، اسے مذہب اسلام کے خلاف جاننا، یا مذہب اسلام میں اس کی اجازت وہدایت نہ ماننا کیسی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔

(۵) اس بیان میں ایک بڑی ناانصافی یہ ہے کہ ہماری تو صرف کتاب آسمانی سے ثبوت چاہا۔ جو ہم روشن طور پر ادا کرچکے اور اپنے لئے شاستر کا دامن پکڑا وید کا نام کیوں نہ لیا جسے اپنے نزدیک کتاب آسمانی بتاتے ہیں، اگر سچے ہیں تو اب اپنے وید سے قربانی گاؤ کی ممانعت ثابت کریں، اور شاستر پر بنائے مذہب رکھتے ہیں، تو ہماری بھی کتب فقہ کو بنائے مذہب جانیں، ہدایہ، در مختار، قاضی خاں، عالمگیری وغیرہا ہزار دس ہزار کتابیں جو چاہیں دیکھ لیں جس میں قربانی کا باب مذکور ہے۔ ان سب میں قربانی گاؤ نہایت صریح طور پر مسطور ہے، تو اسے خلاف مذہب بتانا صریح دھوکا دینا ہے۔

(۶) یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس بیان ہنود نے خوب ثابت کردیا کہ مورتی پوجن اور بتوں کے آگے گھنٹا بجانا، سنکھ پھونکنا، مہادیو پر پانی ٹپکانا، ہولی دیوالی وغیرہ وغیرہ صدہا باتیں کہ ہنود نے اپنی مذہبی ٹھہرا رکھی ہیں جن کا ذکر ان کے وید میں نہیں سب ان کے خلاف مذہب ہیں کہ جس کتاب پر بنیاد مذہب ہنود ہے ان کا پتا نہیں دیتی پچھلے ہنود نے محض براہ حیلہ انھیں مذہبی بنا رکھا ہے۔

(۷) سب سے زائد یہ ہے کہ وید جس پر مذہب ہنود کی بنا ہے خود صاف صاف قربانی گاؤ کی اجازت دے رہا ہے، اخبار پانیر ص ۷ کالم ۴ مطبوعہ ۱۰ اپریل ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون چھپا ہے کہ: "ہندوستان قدیم میں گائے کی قربانی"

اسی میں وید سے نقل کیا:

"اے اگنی! یہ پاک نذر صدق دل سے راگ کی صورت میں تیرے حضور پیش کرتے ہیں، اور تمنا ہے کہ یہ سانڈ اور گمنیاں تجھے پسند آویں۔"

رگ وید ۶: ۱۶۔۷۴ میں تہ دل سے سوما کا عرق پینے والی اگنی خالق کی، جسے گھوڑے اور سانڈ اور بیل اور گمنیاں اور منت کے مینڈھے چڑھائے جاتے ہیں ستائش کروں گا۔ رگ ۱۰: ۹۱۔ ۱۴۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی کتب خانہ رشیدیہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۱

اسی اخبار میں ہر ہمنہ پران، اور ستیار تھ پرکاش اور ترہنا جلد ۳ باب ۸، اور منو کی سامر تھی ۵: ۴۱ وغیرہا کتب میں مذہب ہنود سے ہندوؤں کا گائیں ذبح کرنا بخوبی ثابت کیا ہے، اسی طرح یہ امر مہابھارت وغیرہ سے بھی ثابت، فیصلہ ہائی کورٹ مقدمہ قربانی نمبری ۶۸۷ میں تاریخ ہنود زمانہ پیشیں سے حکام ہائی کورٹ نے ثابت کیا ہے کہ اگلے ہندو اپنی دینی رسوم میں گئوعید یعنی گائے کی قربانی کیا کرتے تھے، او رمتقدمیں حکمائے ہنود نے اس کی تاکید کی تھی، تو ثابت ہوا کہ ہنود اپنے وید اور مذہبی کتابوں اور اگلے پیشواؤں سب کے خلاف بحیلہ مذہب صرف بغرض دل دکھانے مسلمانوں کے جن کے مذہب میں قربانی گاؤ کی صاف صریح اجازت ہے، امر مذہبی میں مزاحمت بیجا خلاف استحقاق کرنا چاہتے ہیں جس کا عقلاً عرفاً قانوناً کسی طرح انھیں اختیار نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۸۷: از بنارس چوک جدید مسئولہ حاجی محمد امیر وعبدالکریم صاحبان گلٹ فروش ۲۹ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

ہمارے سنی حنفی علماء رحمہم اللہ تعالٰی اس میں کیا فرماتے ہیں کہ ہم مسلمانان ہند کو باوجود کفار کے گاؤ کی قربانی کے مٹانے پر کمر بستہ رہنے کے صرف ہندوؤں سے سلطانی چندہ وصول کرنے کی غرض و مصلحت سے گائے کی قربانی کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینا، اور بغرض مذکور اس کے ترک کردینے کو تحریراً و تقریراً عام جلسوں میں یہ بیان کرنا اور شائع کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گائے کی قربانی ہندوستان میں اعظم شعائر اسلام سے ہے:

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور قربانی کے ڈیل دار جانور اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں سے کئے۔ (ت)

اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ یہاں اس کی قربانی واجب ہے اور بلحاظ ہنود اس کا ترک ناجائز، کسی دینی کام کے لئے کفار سے چندہ لینا اول تو خود ہی ممنوع اور سخت معیوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انا لانستعین بمشرك** [2] ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے، ولہذا علماء تصریح

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[2] سنن ابوداؤد باب فی المشرك یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ باب الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

فرماتے ہیں کہ کسی کتابی کافر سے قربانی کا ذبح کرانا مکروہ ہے اگرچہ کتابی کا ذبیحہ جائز ہے، تنویر الابصار میں ہے: کرہ ذبح الکتابی [1] (کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لانھا قربۃ ولاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین [2]۔	کیونکہ یہ عبادت ہے اور دینی امور میں کافر سے مدد لینا مناسب نہیں۔(ت)

امام نسفی کافی میں فرماتے ہیں:

امر المسلم کتابیا بان یذبح اضحیۃ جاز، لانہ من اھل الذبائح والقربۃ عـــہ ابانابتہ ونیتہ ویکرہ لان ھذا من عمل القرب وفعلہ لیس بقربۃ [3]۔	مسلمانوں نے کسی کتابی کافر کو قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کا حکم دیا تو جائز ہے کیونکہ کتابی لوگ ذبح کے اہل ہیں۔(ت)

تو مشرک سے مسلمان مجاہدوں کے لئے چندہ لے کر اس کی نگاہ میں اسلام کو **معاذاللہ** محتاج وذلیل ٹھہرانے کے لئے اس کے مذہب باطل کو اپنے دین پر فتح دینا اور اسلام کا ایک بڑا شعار بند کردینا اسی کا کام ہوسکتا ہے جو سخت احمق اور اسلام کا نادان دوست یا صریح منافق اور اسلام کا چالاک دشمن ہو، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۸: مسئولہ حافظ خورشید علی صاحب از مدرسہ خیر المعاد رہتک ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی نبیہ الکریم۔

اللھم "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸" [4]۔	اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بیشک تو ہے بڑا دینے والا۔(ت)

عـــہ: کافی سے مقابلہ نہ ہوسکا اس لئے یہاں کا کچھ لفظ رہ گیا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

[3] کافی امام نسفی

[4] القرآن الکریم ۳/ ۸

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے مسلمانوں کی ایذا دہی اور تکلیف رسانی کے لئے ہندوؤں اور آریوں سے عقد محبت اور بھائی بندی مضبوط کیا، اور کافروں کے دباؤ سے محض ان کی خوشنودی اور اپنی غرض حاصل کرنے کے لئے علی الاعلان پنچایت میں کہہ دیا کہ ہم گائے کی قربانی ہر گز نہیں کریں گے کیونکہ گائے کی قربانی کہیں نہیں آئی ہے۔ اب استفسار یہ ہے کہ گروہ مذکور اس عقد سے موافق آیہ ربانی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۳"[1]	اے ایمان والو اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ سمجھو اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔ (ت)

اور حدیث رسول: **من تشبہ بقوم فھو منھم**[2] (جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔ ت) خواہ تشبہ اعتقادیات میں ہو یا عملیات میں، یا دونوں میں کافر ہوا یا نہیں؟ علاوہ ازیں مسلمانوں کی ضد میں اپنے کئے پر جم جانے اور بر تقدیر گناہ کبیرہ ہونے کے اس پر اصرار کرنے سے کافر ہوا یا نہیں؟ اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، اور علماء کی شان میں کلمات بد کہنے، اور شریعت محمدیہ کی توہین سے یہ لوگ کافر ہوئے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ لوگ سخت اشد اخبث اشنع کبیرہ کے مرتکب ہیں گائے کی قربانی بلاشبہ قرآن عظیم سے ثابت ہے، جواز کے لئے تو آیات کثیرہ ہیں۔ مثلاً:

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةًؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد مبارک ہے: بیشک اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے کہ گائے ذبح کرو۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] سنن ابوداؤد باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت ۲/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اور فرماتا ہے:

"وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ ؕ"[1]	اونٹ میں سے دو، اور گائے میں سے دو تم فرماؤ کیا اللہ نے اونٹ اور بیل حرام کئے ہیں، یا اونٹنی اور گائے یا بوتا اور بچھڑا۔

یعنی ان میں سے کچھ حرام نہ فرمایا، سب تمھارے لئے حلال ہیں، اور خاص عبادت قربانی کے لئے فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ"[2]	قربانی کے اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں سے بنائے۔

خصوصا ہندوستان میں کہ یہاں تو بالخصوص گائے کی قربانی واجبات شرعیہ سے ہے جیسے ہم نے اپنے رسالہ "**انفس الفکر فی قربان البقر**" میں بدلائل واضحہ ثابت کیا ہے، خوشی ہنود کے لئے اس سے باز رہنے والا بلاشبہ بدخواہ اسلام و مسلمین ہے، دشمنان دین سے دوستی کرنے والا دشمن دین ہوتا ہے، اور روز قیامت ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جاتا ہے،

قال تعالٰی "وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو تم میں سے ان سے دوستی رکھے وہ انھیں میں سے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **المرء مع من احب**[4] آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھے۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **انت مع من احببت**[5] تو اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ دوستی رکھے۔ اور ایک حدیث میں ہے قسم کھا کر ارشاد فرمایا:

ما احب رجل قوما الاحشرہ اللہ فی زمرتھم[6] **او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔**	جو کسی قوم کے ساتھ دوستی رکھے گا ضرور اللہ تعالٰی انھیں کے ساتھ اس کا حشر کریگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[4] صحیح البخاری باب علامۃ الحب فی اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱

[5] صحیح البخاری باب مناقب عمر بن الخطاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۱

[6] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

گناہ کبیرہ پر اصرار اگرچہ کفر نہیں، مگر دشمنان دین کی دوستی اگر آج کفر نہ ہو تو معاذاللہ مرتے وقت کافر اٹھاتی ہے کہ انھیں کے ساتھ حشر ہو، اور مطلقًا علمائے دین یا کسی عالم دین کی ان کے عالم ہونے کے سبب برا کہنا، یا شریعت مطہر کی ادنٰی توہین کرنا، یہ تو یقینا قطعًا کفر وارتداد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹ تا ۱۹۴: ازرائے بریلی مقام مدرسہ رحمانیہ عربیہ مسئولہ مسلمانان رائے بریلی ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لیڈران قوم جو علم شریعت سے ناواقف اوراحکام شریعت سے بے بہرہ ہیں، انھوں نے ۷ جنوری ۱۳۱۰ھ کو بمقام ٹاؤن ہال ایک میٹنگ منعقد کرکے اہالیان شہر کو جمع کیا اور قوم ہنود کی ہمدردی کو اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ نہایت پر زور تقریر وتائید میں دکھلاتے ہوئے باوجود مقامی عالم دین کے اختلاف ومتفق الرائے نہ ہونے کے اس امر پر بے حد مصر ہوئے کہ قوم ہنود کی ہمدردی کے صلہ میں گائے کی قربانی جو ان کے سخت دل آزاری کا سبب، اور باہمی اتفاق اور اتحاد کے لئے سدباب اور رخنہ انداز ہے قطعاً چھوڑدینا چاہئے کیونکہ اس وقت ان کی محبت اور ہمدردی بالخصوص معاملت ترکی وخلافت عثمانیہ کے بارے میں بیحد ضروری ہے ان کی معیت معاملات مذکورہ میں قطعاً مفید، اور ان کی علیحدگی قطعاً مضر ہوگی، اور یہ بھی بیان کیا کہ شریعت نے ہم کو اختیار دیا ہے کہ گائے بکری، بھیڑ وغیرہ جس کی چاہیں قربانی کریں بلکہ مینڈھا کی قربانی افضل ہے، لہٰذا افضل کے ہوتے ہوئے گائے کی قربانی جس میں دل آزاری قوم ہنود کی ہے ہرگز نہ کرنا چاہئے، چنانچہ افسر علمائے ہند جناب مولانا عبدالباری صاحب نیز دیگر علمائے پنجاب نے ایسا ہی فتوٰی دے دیا ہے اور یہ بھی ظاہر کیا کہ وہ غرباء جو مثلاً دس روپے کی گائے لے کر سات آدمیوں کی طرف سے قربانی کرلیا کرتے تھے اب ان کے لئے یہ انتظام کیا جائے گا کہ ان سے دس روپیہ لے کر سات بکرایا بھیڑ ہم لوگ بہم پہنچادیا کریں گے اور زائد روپیہ ہم لوگ اپنے پاس سے لگادیا کریں گے، یا بھیڑ اور بکری بہ نرخ بازار مثلاً چار پانچ روپیہ راس ہم لوگ خرید کر فراہم رکھیں گے اور غرباء کو مثلاً ایک روپیہ راس دیا کرینگے، جس کے لئے کچھ چندہ بھی کیا گیا ہے، مگر اس کے لئے نہ کوئی جائداد وقف کرتے ہیں اور نہ ہمیشہ کے لئے کوئی رجسٹری کی صورت ہے، چونکہ اس امر پر پورا اعتماد ہے کہ یہ لوگ اس بار عظیم کو ہمیشہ نہ نباہ سکیں گے، لہٰذا ضرور اور اغلب ہے کہ اس میں قوم ہنود سے خفیہ یا صراحۃً ضرور امداد لیں گے۔

لیڈران قوم کا خیال ہے کہ جس قدر قربانیاں سالہائے گزشتہ میں گائے کی لوگوں نے کی ہیں انھیں کو امداد دی جائے گی، اور جو لوگ جدید قربانی کرنا چاہیں گے ان کو امداد نہ دی جائے گی، نیز جو لوگ

پیغمبر علیہ السلام یا اپنے دیگر بزرگوں کی طرف سے قربانیاں کیا کرتے تھے چونکہ یہ بلاضروت ہے اس لئے ان کو امداد نہ دی جائے، اور یہ بھی خیال ہے کہ قربانی ہی پر کیا منحصر ہے، بلکہ جملہ شادی وغمی وغیرہ وغیرہ میں گائے ذبح نہ کی جائے، بجائے اس کے بکری وغیرہ کا گوشت استعمال کیا جائے، اور رائے بریلی میں اس امر کا تجربہ بھی ہوچکا ہے کہ جن مقامات میں گائے کی قربانیاں ہوا کرتی ہیں اس جگہ ایک سال قربانی نہ ہونے سے پھر آئندہ سال اس جگہ قربانی میں سخت رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، اور نہیں ہوسکتی، چنانچہ اس کی نظیر موجود ہے، اس موقع پر کسی قانون دان لیڈر کو حِس تک نہیں ہوتی کہ اس کو بمقتضائے قانون جاری کرادیوے، بلکہ فتنہ وفساد کے الفاظ سے مرعوب کرکے غرباء کو خاموش کردیا جاتا ہے۔ لہٰذا امور ذیل دریافت طلب ہیں:

(۱) قوم ہنود کی ہمدردی گزشتہ وآئندہ کے صلہ میں اور باہمی اتحاد قائم رکھنے کی غرض سے گائے کی قربانی ترک کردینا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) اور ان لوگوں کے وعدہ موہومہ مذکورہ پر بھروسہ کرنا چاہئے یانہیں؟ اور ان کے فراہم کردہ چندہ سے امداد لے کر اپنی طرف سے وجوبا خواہ استحبابا قربانی کرنا درست ہوگا یانہیں؟

(۳) ان لوگوں کے فراہم کردہ چندہ سے جس میں شبہ قوی ہے کہ رقوم ہنود بھی شامل ہوں گی قربانی کرنا جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۴) فی الواقع اگر مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ کا اس کے متعلق فتوٰی ہوچکا ہے اس پر عمل کرنا چاہئے یانہیں؟

(۵) اور ایسے محرکین کی کمیٹی میں شرکت کرنا چاہئے یانہیں؟ اور اس کے محرک اور مرتکب عنداللہ ماجور رہوں گے یا گنہ گار؟

(۶) گائے بھیڑ بکری اونٹ وغیرہ میں منجانب شریعت مختار ہونا، اس کے کیا معنی ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) گائے کی قربانی شعار اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: قربانی کے اونٹ اور گائے ہم نے تمھارے لئے اللہ کی نشانیوں میں سے بنائے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

دشمنان دین سے اتحاد منانے کو شعار اسلام بند کرنا بدخواہی اسلام ہے۔

(۲) ان صاحبوں کا وعدہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ القائے شیطان ہے۔

وقال اللہ تعالٰی "وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطان تو وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔

ان سے چندہ سے مدد لے کر گائے کی قربانی چھوڑنا، شیطان کا داؤں چلالینا ہے، دو چار کو شیطان نے دھوکا دے لیا، اور مسلمان تو اپنی انکھیں کھلی رکھیں

(۳) اس کا جواب جواب دوم میں آگیا۔ اور اس سے اور بھی کھل گیا کہ یہ شیطان کا فریب ہے ہرگز کفار تمھارے دین کی خیر خواہی نہ کریں گے، قال اللہ تعالٰی "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ "[2] (وہ تمھاری برائی میں کمی نہیں کرتے۔ت) ضرور ہے کہ جس میں وہ ساعی ہیں اس میں تمھارے دین کا ضرر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کی آرزو ہے کہ ایذا تمھیں پہنچے۔ (ت)

ان کے زبانی اتحاد پر پھولنا قرآن عظیم کو بھولنا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیران کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں بڑا ہے۔ (ت)

اس اتحاد کی یک طرفہ تالی تو دیکھو، تم اپنا شعار دین بند کرو جسے تم ان سے بالکل مخفی کرتے ہو، اور وہ اتنا بھی نہ کریں کہ اتنے گھنٹے سنکھ ان مندروں سے بند کردیں، جہاں سے تمھیں یا کم از کم کسی مسجد کو وہ مکروہ ودلخراش آوازیں جائیں وہ اعلان نہ چھوڑیں اور تم مخفی سے بھی باز آؤ، یہ انھیں لیڈروں سے اسلام دوستی ہے۔

(۴) مولوی عبدالباری صاحب کے والد مرحوم مولانا عبدالوہاب صاحب، اور ان کے استاذ مولوی عبدالحہ صاحب اور دیگر علمائے فرنگی محل کا فتوٰی خود مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحہ صاحب میں چھپ چکا ہے کہ بخاطر ہنود قربانی گاؤ بند کرنا معصیت ہے، ناجائز ہے، اس کا جاری رکھنا واجب ہے، "**انفس الفکر**" بھیجتا ہوں اس پر عمل چاہیے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

(۵) محرکین کا حال قرآن عظیم کی آیتوں سے اوپر ظاہر ہوچکا کہ شیطان کے فریب میں ہیں، نادانستہ خواہ ان کے بعض دانستہ بدخواہی اسلام کررہے ہیں، اس کمیٹی میں شرکت حرام ہے کہ قرآن عظیم کو پیٹھ دینے کا مجمع ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ [1]۔ **وقال تعالٰی فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ** " [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی انھیں جیسے ہو۔(ت)

(۶) اس کی تفصیل "**انفس الفکر**" سے معلوم ہوگی، قربانی کا تمھیں اختیار ہے، مگر مخالفان اسلام کی خاطر سے شعائر اسلام بند کرنے کا کسی وقت تم کو اختیار نہیں۔

"**وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝۴**" [3]۔	اور اللہ جسے حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۹۵و۱۹۶: از فتحپور محلّہ ایرانیاں مرسلہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۱۱ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مولانا المعظم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آج کل اخباروں میں علماء نے شائع فرمایا ہے کہ مصلحتاً ضرورت ہے کہ ہندوؤں سے اتفاق کیا جائے اور بجائے گائے کی قربانی کے بکری بھیڑ کی قربانی کی جائے، تو جناب والا اس کی نسبت کیا فرماتے ہیں کہ جو قربانی گائے کی کرتا ہے اس کو آجکل اس مصلحت سے گائے کی قربانی نہ کرنا کیسا ہے؟

(۲) اصل میں بکری بھیڑ کی قربانی افضل ہے یا گائے کی۔ فقط

الجواب:

یہاں گائے کی قربانی قائم رکھنا واجب ہے اور اس ناپاک مصلحت کے لئے اس کام کا چھوڑنا حرام، گائے کی قربانی اسلام کا شعار ہے، اور شعار اسلام بند کرنے کی وہی کوشش کرے گا جو اسلام کا بدخواہ ہے، ایسا شخص عالم نہیں ہوسکتا بلکہ ظالم ہے، اور کس پر ظلم ہوتا ہے، اسلام پر اور ہنود سے جیسا اتحاد منایا جارہا ہے حرام ہے حرام قطعی حرام ہے، نصوص قرآن عظیم سے حرام ہے اور اس کے جو نتائج ہورہے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

کہ مسلمانوں نے قشقے لگوائے۔ رام لچھمن پر پھول چڑھائے، مشرک کی ٹکٹکی اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بولتے ہوئے مرگھٹ میں لے گئے۔ قرآن عظیم ایک ڈولے میں رامائن کی پوجا کراتے مندر میں لے گئے، ان کے بڑے لیڈر نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، یہ فضائح کھلے ہوئے کفر نہیں رہے؟ مشرک سے اتحاد ہو کر یہ نتیجہ آپ ہی ضرور تھا، قرآن کریم میں صاف ارشاد فرمایا کہ تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا، وہ سب انھیں میں سے ہے، آیہ کریمہ کارڈ پر نہیں لکھی جاسکتی، ترجمہ اس کا یہی ہے، پھر کیونکر ممکن تھا کہ مشرکوں سے اتحاد کرنے والے مشرک نہ ہوجاتے یہ یہاں ہے، اور اگر سچے دل سے تائب ہو کر باز نہ آئے تو صحیح حدیثوں کا ارشاد ہے کہ ان کا حشر بھی بت پرستوں کے ساتھ ہوگا، مولٰی عزوجل اپنے غضب سے پناہ دے، ہدایت فرما کر دل نہ الٹے۔ راہ دکھا کر آنکھیں نہ پلٹیں اِحْفَظْنَا یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ وَالْاَبْصَارِ (اے دلوں اور آنکھوں کو بدلنے والے! ہماری حفاظت فرما۔ ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۷: از لکھنؤ کنٹونمنٹ روڈ کوٹھی ۳۳ مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب ۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

عالیجناب معلی القاب مولانا صاحب قبلہ ادام اللہ برکاتہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج کل اہل ہنود جگہ جگہ میونسپلٹی کے ذریعہ سے انسداد گاؤ کشی کی کوشش کررہے ہیں، چنانچہ فیض آباد، ہاتھرس اور شہر لکھنؤ میں ہندو ممبران میونسپلٹی نے اپنی زیادتی تعداد کی وجہ سے تمامی مسلمانوں ممبروں کے خلاف انسداد گاؤ کشی کا قانون پاس کردیا ہے، اگر خدانخواستہ گاؤ کشی قانونا ممنوع قرار دی گئی تو عام مسلمانوں کو صرف اسی قدر نہیں کہ روز مرہ کی زندگی میں ان کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ تقریبا تمام غیر مستطیع مسلمان جو تعداد میں نوے فیصدی سے بھی زائد ہیں ان سب کو عید الضحٰی میں قربانی کرنا بھی نصیب نہ ہوگا اس لیے کہ غریب مسلمان کسی طرح اس کی مقدرت نہیں رکھتے کہ وہ فردًا فردًا پندرہ بیس روپے کا بکرا ہر سال خرید سکیں، لہٰذا دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں عام مسلمانوں کو خاموشی اختیار کرنی چاہیے یا انسداد گاؤ کشی کے خلاف ان کو بھی امکانی جد وجہد کرنی چاہیے، اور مذہبًا ان پر کیا واجب ہے؟

یہ ایک استفتاء ہے جس کا جواب براہ کرم وبرائے خدا ورسول اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جلد تر عطا فرمائیں تاکہ مسلمانوں کے عام جلسہ میں جو کہ صرف پانچ چھ یوم میں ہونے والا ہے آنجناب کا شرعی حکم پھر سب کو پڑھ کر سنادیا جائے۔

الجواب:

مولٰنا المکرم وذوالمجد والکرم اکرمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ مسئلہ بھی کچھ قابل سوال ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان یحب ان یعلم منزلته عندالله فلینظر کیف منزلة الله عنده۔فان الله ینزل العبد منه حیث انزله من نفسه [1]۔رواه الحاکم فی المستدرك و الدارقطنی فی الافراد عن انس وابونعیم فی الحلیة عن ابی ہریرۃ وعن سمرۃ بن جندب رضی الله تعالٰی عنهم۔	جو یہ جاننا پسند کرے کہ اللہ کے نزدیک اس کا مرتبہ کتنا ہے وہ یہ دیکھے کہ اس کے دل میں اللہ کی قدر کیسی ہے کہ بندے کے دل میں جتنی عظمت اللہ کی ہوتی ہے اللہ اسی کے لائق اپنے یہاں اسے مرتبہ دیتا ہے (اسے حاکم نے مستدرک میں اور دارقطنی نے افراد میں انس وابونعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ اور سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

آدمی اگر اللہ ورسول کے معاملہ کو اپنے ذاتی معاملہ کے برابر ہی رکھے، تو دین میں اس کی سرگرمی کے لئے بس ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ انسان ذراسی نالی یا پرنالے کی ملک بلکہ مجرد حق کے لئے کس قدر جان توڑ عرق ریزیاں کرتا ہے اس کا مقدمہ منتہاتک پہنچاتا ہے، کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا، پیسہ کے مال پر ہزاروں اٹھادیتا ہے، دنیوی فریق کے مقابل کسی طرح اپنی دبتی گوارا نہیں کرتا، گائے کشی مسلمان کا دینی حق ہے، اور حق بھی کیسا، خاص شعار اسلام، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ" [2]۔	اونٹ اور گائے کی قربانی کو ہم نے تمہارے لئے دین الٰہی کے شعاروں سے کیا۔

امام محمد جامع صغیر میں فرماتے ہیں: وَالْبُدْنَ مِنَ الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ [3] (اونٹ اور گائے بُدنہ ہیں۔ت) اور اگر شعار اسلام کو اور بھی خاص اعدائے اسلام کے مقابلہ میں اپنی ایک نالی کے برابر بھی نہ سمجھو، تو جان لو کہ اللہ واحد قہار ہے یہاں تمہاری قدر کتنی ہے اگر وہ ضرورت وضرر جو سوال میں مذکور ہوئے نہ بھی ہوتے بقدر قدرت کوشش لازم تھی۔

حدیث میں ہے: **لیس منا من اعطی**

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب الدعا دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۵-۴۹۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

[3] الجامع الصغیر باب تقلید البُدن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۳۱

الدنیۃ فی دیننا[1] ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے دین کے معاملہ میں دبتی رکھنے دے کہ ان ضرورتوں اور ضرروں کے ہوتے ہوئے بیشک جو اس میں بے پروائی وچشم پوشی برتے گا اور حسب طاقت دین کی مدد نہ کرے گا اور شعار اسلام کو نقصان پہنچنے دے گا، روز قیامت سخت باز پرس میں پکڑا جائے گا اور اس کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالٰی قیامت میں اس کی شدید حاجت کے بوقت اسے بے یارومددگار چھوڑے، جیسا اس نے دین کی مدد سے منہ موڑا، قال اللہ تعالٰی "وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾"[2] اس سے قیامت میں فرمایا جائے گا جیسا تو نے دین کو بھلادیا تھا تو ایسا ہی آج تو بھلادیا جائے گا کہ کوئی تیری خبر نہ لے گا، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از پرولیا ضلع مان بھوم مسئولہ خلیفہ محمد جان شب ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ترک گاؤ کشی یا ترک قربانی گاؤ مصلحت وقت سمجھ کر چھوڑ دیا جائے اس پر مذہبی نقصان ہے یا نہیں؟

الجواب:

گاؤ کشی مباح قطعی ہے، مشرکین کی خاطر اسے بند کرنا مشرک کا بول بالا کرنا ہے، اور قربانی گاؤ شعار اسلام ہے، مشرکین کی خاطر اس کا بند کرنا حرام ہے، وھو تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: از شہر بریلی صدر بازار مکان ۷۸۹ مرسلہ حافظ بنے خاں صاحب مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

قربانی گاؤ کے متعلق ہمارے علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ہندوستان میں قربانی گاؤ کا جاری رکھنا واجب ہے اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے،

"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾"[3]۔	اللہ ورسول زیادہ اس سے مستحق ہیں کہ انھیں راضی کرو اگر تم مسلمان ہو۔

[1] صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد ۱/ ۳۸۰، مسند احمد بن حنبل فلم نعطی الدنیہ فی دیننا ۴/ ۳۳۰

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۶

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

والتفصیل فی رسالتنا "انفس الفکر فی قربان البقر" (تفصیل ہمارے رسالے "انفس الفکر فی قربان البقر" میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰ و ۲۰۱: از آنولہ ضلع بریلی مرسلہ چودھری رحیم بخش صاحب مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید گائے قربانی کے واسطے خرید کی، چونکہ قربانی گائے کی اہل ہنود کے واسطے باعث دل آزاری ہوگی اس لئے زید خوشنودی اہل ہنود کے واسطے گائے خرید کردہ سے بیل یا بھینس وغیرہ بدل کر قربانی کرنا چاہتا ہے تو عندالشرع یہ بدلنا درست ہے یا نہیں؟ اور گائے کی قربانی بوجہ اتحاد کے موقوف کردینا درست ہے یا نہیں؟

(۲) محض خوشنودی اہل ہنود کے لئے قربانی بجائے تین روز کے ایک ہی دن مقرر کریں، درست ہے یا نہیں؟ اور ایک دن مقرر کرلینے والوں کو عندالشرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) وہ گائے کہ بہ نیت قربانی خریدی، اس کا دوسری گائے سے بدلنا بھی منع ہے کہ اللہ کے واسطے اس کی نیت کرکے پھرنا معیوب ہے، اور ہندوؤں سے اتحاد حرام، اور اس کی وجہ سے گائے کی قربانی موقوف کرنا حرام، اور حرام موجب غضب جبار وعذاب نار، ایسا کرنے والوں کو حشر ہندوؤں کے ساتھ ہوگا، حدیث میں ارشاد ہوا کہ "میں قسم کھا کر فرماسکتا ہوں کہ جو جس سے اتحاد رکھے گا اس کا حشر اسی کے ساتھ ہوگا"[1] **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بھی حرام ہے، ہنود کی خوشنودی کے لئے اللہ ورسول کے حکم میں تنگی کرنا مسلمانوں کا کام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۱۹

مسئلہ ۲۰۲: مسئولہ حافظ سلیم اللہ بہاری پور بریلی ۱۸جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بغیر پردہ عورتوں کو مرید کرتا ہے اور ان بے پردہ کو اپنے پاس بٹھلاتا ہے، بات بھی کرتا ہے بجائے داڑھی منڈانے کے خشخشی کرنے کا حکم دیتا ہے، عالموں کی غیبت کرتا ہے، اذان اور صلوٰۃ اور تکبیر اپنے کانوں سے سنے مگر نماز کے لئے مسجد میں نہیں آتا ہے اور کہتا یہ ہے کہ پیر رسول تک نہیں بلکہ خدا تک براہ راست پہنچادے گا، ایسے پیر کے واسطے ہماری شریعت کیا حکم دیتی ہے، ایسے پیر کا مرید ہونا کیسا ہے اور جو اس کے پیروکار ہیں ان کے واسطے اور ایسے پیر کے واسطے ہماری شریعت اہل سنت والجماعت کیا حکم دیتی ہے؟ کوئی بات خلاف نہیں ہے۔

الجواب:

اگر یہ باتیں واقعی ہیں تو ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں، ایسا شخص اور اس کے پیرو سب گمراہ ہیں، اور یہ کہنا کہ پیر رسول تک نہیں بلکہ براہ راست اللہ تک پہنچادیتا ہے اس کے ظاہر معنی یہ ہیں کہ بے واسطہ رسول، اگر یہی مراد ہے تو صریح کفر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: از بلنڈا ضلع پیلی بھیت مسئولہ محمد حسین صاحب ۴ربیع الاخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تین شخصوں کو جو بستی کے تھے مسلمان کیا، اس پر اس بستی کے ایک مسلمان نے کہا کہ مسلمانوں کے کلمہ میں یہ طاقت ہے کہ سور کھانے والوں کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرلیتے ہیں تو ایسی حالت میں سور پر کلمہ پڑھ کر کیوں نہیں کھالیتے، ایسی حالت میں شرع اس پر کیا حکم لگاتی ہے، وہ شخص نماز نہیں پڑھتا روزہ نہیں رکھتا ہے نام کا مسلمان کہلاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم کو مسلمانوں سے واسطہ نہیں ہے ہم کو ہندوؤں سے کام ہے اور واسطہ ہے ہمارا روزگار ایسا ہے اور اس پر منع کیا گیا تو فوجداری پر آمادہ ہوگیا۔

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو وہ شخص کافر ہوگیا۔ اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں کو اس سے میل جول سلام کلام حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: از شہر کہنہ محلّہ روہیلی ٹولہ مسئولہ محمد خلیل الدین صاحب ۷صفر ۱۳۳۹ھ

مسئلہ مسئولہ سید عرفان علی صاحب رکن انجمن خادم الساجدین رہڑی ٹولہ بریلی ۲صفر ۱۳۳۹ھ میں جو در بارہ مطلب ومعنی آیہ شریفہ "**مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً**"[1] (الی مقیتا) ہے اس بات پر منطقی دلائل

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۵

قائم کرکے ایک بحث طویل کی جاسکتی ہے کہ فلاں مسلم یا نامسلم فلاں سلطنت مظلومہ اور فلاں ملک کے مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور حفاظت کی کوشش بلیغ کررہا ہے اس کے جلسہ وجلوس اور وعظ وبیان کی شرکت اور اس کی تعظیم ومدح اور اس کی اقتداء وپیروی سب جائز بلکہ ضروری ہے اور جو اس بات سے احتراز کرے یا اس پر اعتراض کرے تو وہ آیہ شریفہ کے خلاف کام کرتا ہے اور گنہ گار ہے جو دوسروں کو امور متذکرہ بالا سے منع کرتا ہے یا روکتا ہے وہ آیہ شریفہ کے حصہ آخر یعنی شفاعت سیئہ کا مرتکب ہوا، امید کہ اس کی نسبت تصریح ووضاحت فرما کر ماجور ومشکور ہوں۔

الجواب:

آیہ کریمہ کی نسبت ایسا وسوسہ محض القائے شیطان رجیم ہے، قرآن عظیم میں اعمال حسنہ وسیئہ کی ایک عام میزان ومعیار مقرر فرمائی ہے کہ تمام فروع میں ملحوظ ومرعی ہے اللہ جل وعلا ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾"[1] جو آخرت چاہے اور اس کے قابل کوشش کرے اور شرط یہ ہے کہ ہو مسلمان تو ان لوگوں کی کوشش مشکور ہوگی۔ اور کافروں کی نسبت فرماتا ہے: "وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾"[2] یعنی کافر کچھ بھی عمل کرے ہم نے اس کو تباہ وبرباد کردیا ہے، کافر سے اصلاً کوئی حسنہ قبول نہیں بلکہ اس سے کوئی حسنہ متصور ومعقول نہیں، امور ثواب کے عمومات میں ہمیشہ صرف اہل اسلام مراد ہیں، رب عزوجل فرماتا ہے:

"مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۱﴾"[3]	کون ایسا ہے جو اللہ کے لئے قرض حسن دے اللہ اسے دونا دون عطا فرمائے اور اس کے لئے عزت والا ثواب ہے۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کافر اگر کسی کو دو ایک روپے بے سود قرض دے دے وہ اس آیت میں داخل ہے اور اس کے لئے عزت کا ثواب ہے، صورت دائرہ نہ صورت شفاعت ہے نہ شفاعت حسنہ بلکہ بداہۃً سخت شناعت سیئہ ہے، مسلمان کہلانے والوں نے مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد واختیار کیا، شعائر اسلام کی بندش میں کوشاں ہیں، اور شعار کفر قبول کرنے پر

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۱

نازاں، مشرکوں کی تعظیم کہ سخت مخالفت قرآن عظیم ہے اعلان کے ساتھ ہو رہی ہے ان کی جے پکاری جاتی ہے، انھیں اپنی مزعوم حاجت دینیہ میں پیشوا اور رہنما بنایا جاتا ہے آیات واحادیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کی جاتی ہے، مشرکوں کو مساجد میں لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنایا جاتا ہے مشرک کی ٹکٹکی کندھوں پر اٹھا کر مرگھٹ تک لے گئے اس کے لئے دعائے مغفرت ونماز جنازہ کے اشتہار دئے جو صریح کفر ہے، صاف کہہ دیا کہ آج تم نے اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا اور یہ کہ خدا کی رسی مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین نہ ملے دنیا تو ضرور ملے گی، علانیہ چھاپ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز موقوف کردے گا اور سنگم و پریاگ کو مقدس علامت بنائے گا، یہاں اس قول کے معنی کھلے جو خدا کی رسی کی نسبت کہا تھا، حبل اللہ قرآن عظیم ہے محال ہے کہ اسے مضبوط تھامنے سے دین نہ ملے، مگر یہ دین جو معابد کفار کو مقدس بنائے اور مسلم وکافر کا امتیاز اٹھائے البتہ قرآن عظیم سے نہیں مل سکتا، قرآن عظیم تو اس کا بیخ کن ہے۔

"اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ "[1] "وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ "[2]۔	بیشک اللہ کے نزدیک سچا دین صرف اسلام ہے۔ اور جو اسلام کے سوا کوئی بھی دوسرا دین چاہے وہ ہر گز قبول نہ ہوگا اور وہ شخص آخرت میں زیاں کار رہے گا۔

لہٰذا تصریح کردی کہ قرآن عظیم کو مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین نہ ملے اور کہاں تک ان کے افعال واقوال ذکر کئے جائیں جن کے دل اللہ نے الٹ دئے اور آنکھیں پلٹ دیں **فسبحن مقلب القلوب والابصار** (پاک ومنزہ ہے وہ ذات جو دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیتی ہے۔ت) باقی امور تحریم تعظیم مشرکین وغیرہ بارہا بیان ہوچکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵: از لاہور بازار کٹرہ کالج شرونوالہ مسئولہ خادم اسلام ملا محمد بخش حنفی چشتی سابق منیجر اخبار ہنر ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امر مشروع اور مباح شرعی کو کوئی شخص حرام شرعی اور ممنوع مذہبی بنانے کی طاقت رکھتا ہے یا نہیں؟ غیر مشروع پر کوئی شخص مشروع اور

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

حلال شرعی بناسکتاہے یانہیں؟ جیسے کہ گائے کی قربانی مشروع اور مباح شرعی ہے کیا اس کو کوئی لیڈر قوم ممنوع شرعی کراسکتاہے، ہنود کی مجالس اعیاد میں شرکت جو ممنوع اور حرام شرعی ہے کیا لیڈروں کی رائے سے وہ شرکت جائز اور حلال ہوسکتی ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

یہ دین پاک اللہ واحد قہار نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تمام جہان کے لئے قیامت تک کے واسطے اتارا ہے۔

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ۝۱" [1] "قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا" [2]	بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندہ پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو، تم فرماؤاے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔(ت)

اور ان سے نبوت کا دروازہ بند فرمادیا، محال ہے کہ ابدالآباد تک اب کوئی جدید نبی ہو۔

"وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠۝۴۰" [3]	ہاں اللہ کے رسول ہیں، اور سب نبیوں میں پچھلے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔(ت)

محال ہے کہ ان کی کتاب کا ایک حرف یا ان کی شریعت کا کوئی حکم کبھی بدل سکے

"لَّا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ حَكِیْمٍ حَمِیْدٍ۝۴۲" [4]	باطل کو اس کی طرف راہ نہیں، نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، اتارا ہوا ہے حکمت والے سب خوبیوں سراہے کا۔

ان کی شریعت کے کسی حلال کو جو حرام بتائے یا کسی حرام کو حلال بتائے وہ حلال حرام یا حرام حلال تو نہ ہوجائے گا بلکہ یہی کہنے والا الٹا کافر ہوجائے گا۔

"وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	اور نہ کہو اسے جو تمھاری باتیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا

---

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۸

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[1] "مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ "[2] "قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ "[3] "وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾ "[4]	بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی برا بچھونا، کیا اللہ نے اس کی تمھیں اجازت دی ہے یا اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو، تمھیں خرابی ہو اللہ پر جھوٹ نہ باندھو وہ تمھیں عذاب سے ہلاک کردے اور بیشک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا۔ (ت)

قربانی گاؤ کی حلت اور مجالس اعیاد ہنود میں شرکت کی حرمت دونوں ضروریات دین میں سے ہیں جو اسے حرام یا حلال کہے وہ اللہ ورسول پر افتراء کرتا ہے اور بحکم قرآن اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور حکم کفر اس پر لازم والزم۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ "[5] نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (ت) اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس طرح چھٹکارا پائیں گے، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اللہ تعالٰی بلند و عظیم کی طاقت وتوفیق کے بغیر انسان نہ برائی سے پھر سکتا ہے اور نہ نیکی بجالا سکتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مسئولہ عبداللہ رضوی عرف چھنگے ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ حافظ گنج میں ہندوؤں کی جل بہارا ٹھتی تھی مگر اب کی مرتبہ مسجد کے قریب کے راستہ سے گزرنا چاہا تھا تمام اہلسنت وجماعت نے کہا کہ ہماری مسجد کے سامنے سے نہیں نکلتی ہے، عمرو نے جو دیوبند کو اپنا پیشوا مانتا ہے ہندوؤں کے ہمراہ ہو کر تھانہ میں کہہ دیا کہ مسجد کے سامنے سے نکلتی ہے اس حالت میں عمرو برادری کے قابل ہے مسلمان

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۷

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مانا جائے یا نہیں، اور بی بی عمرو کی ہندو کے ہمراہ میلہ رام لیلا کو جائے شریعت سے اس کا نکاح جائز رہا یا نہیں؟

الجواب:

میلاء، میں جانا تو حرام ہی ہے اگرچہ اس سے نکاح نہ کیا جائے اور کفار کے لئے جھوٹی گواہی دینی اور وہ بھی ایسی ناپاک بات میں، اور اس کے سبب مسجد کی توہین کرانی قریب بہ کفر ہے اگرچہ اس پر کفر مطلق کا حکم نہ بھی ہو، مگر جب وہ دیوبندیوں کا معتقد ہے تو اسی قدر اس کے کفر کے لئے کافی ہے، فتوٰی علمائے حرمین شریفین میں دیوبندیوں کی نسبت ہے:

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر [1]۔	جو ان کے کافر ہونے اور ان کے عذاب کے بارے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

بہر حال عمرو کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے، اور اس سے میل جول حرام ہے، اور اسے برادری سے خارج کرنا فرض، مگر جب اسلام لائے اور اپنے کفر اور ان کبائر سے توبہ کرے، اور دیوبندیہ و دیگر وہابیہ و جملہ کفار کو کافر مانے اس وقت برادری میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی صاحب طالب علم ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید معاذاللہ یہ کہے کہ میں عیسائی یا وہابی یا کافر ہو جاؤں گا، نام ایک فرقہ کا لیا آیا وہ انھیں میں سے ہوگا یا نہیں؟ یا یہ کہے کہ جی چاہتا ہے کہ غیر مقلد ہو جاؤں یا یہ کہے کہ غیر مقلد ہونے کا جی چاہتا ہے، یہ قول کیسا ہے، اگرچہ کسی کو چھیڑنے یا مذاق کی غرض سے کہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

جس نے جس فرقہ کا نام لیا اس فرقہ کا ہو گیا مذاق سے کہے یا کسی دوسری وجہ سے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸ تا ۲۱۲: از قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندوپٹی مسئولہ ضیاء الدین صاحب ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام ادام فیضھم المولی العلام ان مسائل میں، **بینوا توجروا**

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

(۱) ایک صاحب مسمّٰی مولوی اشرف علی ساکن قصبہ تلہر ضلع شاہجہانپور دوسرے صاحب حکیم عبداللہ مقیم تلہر ہیں، حکیم صاحب کا بیان ہے کہ "یزید فاسق فاجر نہ تھا اس کو برانہ کہا جائے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اس کے یہاں جانا نہ چاہئے تھا، کیوں گئے، اور یہ ملکی جنگ تھی" دوسرے یہ کہ نماز فجر کے بعد مسلمانوں نے ان سے مصافحہ کرنا چاہا انھوں نے مصافحہ نہ کیا اور بدعت بتادیا، کیا حکیم صاحب کا یہ بیان سراسر غلط نہیں۔ کیا انھوں نے حضرت سید الشہدا رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان ارفع واعلٰی میں گستاخی نہ کی؟ داد کذب بیانی نہ دی؟ کیا مصافحہ سے دست کشی وانکار اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ اس کی مراد بدعت سے بدعت سیئہ ہے اور ان کا یہ فعل وہابیانہ ہے؟[1]

(۲) اول الذکر مولوی صاحب ایک زمانہ تک مدرسہ مولوی یسین واقع بریلی محلّہ سرائے خام کے مدرس رہ چکے ہیں، کیا ان کی وہابیت کو اسی قدر کافی نہیں کہ ایک بدمذہب کے مدرسہ میں ملازم رہ کر اس مدرسہ کے دستور العمل درس تعلیم کی پابندی کرکے درس دیا چہ جائیکہ علم غیب حبیب خدا سید ہر دوسرا علیہ افضل التحیۃ والثناء میں وہابیہ کا خیال مغویانہ قیل وقال، جو کوئی شخص صحیح العقیدہ علم حضور سراپانور کو روز اول سے قیامت تک کے تمام اشیاء ذرہ ذرہ کو کلیۃً وجزیۃً محیط جانے اور ان کے واسطے **ماکان ومایکون** کا علم مانے اور قائل علم غیوب خمسہ ہو وہ شخص ان مولوی صاحب کے نزدیک مضل وضال قابل عقاب ونکال، اکابر علمائے اہلسنت کثرہم اللہ تعالٰی کی شان میں جن کی مدح وستائش میں مفتیان علام وعلمائے ذوی الاحترام حرمین طیبین وروم وشام وغیرہم مبالغہ فرمائیں اور ان کو پیشوا وسردار علمائے اہلسنت بتائیں، یہ صاحب بیہودہ الفاظ وناشائستہ کلمات زبان پر لائیں، ان صاحب کے تمام اوصاف میں باستثنائے مدرسی مدرسہ مذکورہ حکیم صاحب مذکور بھی شریک وہمخیال یہ دونوں صاحب مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند ومولوی رشید احمد گنگوہی ومولوی اشرف علی تھانوی کو اپنا پیشوا جانتے اور سرتاج اہلسنت مانتے ہیں، کیا دونوں صاحب کم سے کم بدعتی وبدمذہب نہیں؟ کیا ان کے ساتھ ان احادیث واقوال کے مطابق عمل نہ کیا جائے جو فتاوٰی الحرمین طبع بمبئی میں مذکور ہیں:

فی صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔	صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان سے الگ رہو انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمھیں بہکا نہ دیں وہ تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

و[۲] لابی داؤد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان مرضوا فلا تعودوھم وان ماتوا فلاتشھدوھم[1]۔	ابوداؤد کی حدیث میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مرجائیں تو جنازے پر حاضر نہ ہو۔
[۳] زاد ابن ماجۃ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان لقیتموھم فلا تسلموا علیھم[2]۔	ابن ماجہ نے بروایت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس قدر اور بڑھایا: جب انھیں ملو تو سلام نہ کرو۔ کھانا نہ کھاؤ، شادی بیاہ نہ کرو۔
و[۴] عند العقیلی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولاتناکحوھم[3]۔ [۵] زاد ابن حبان عنہ لاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم[4]۔	عقیلی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان کے پاس نہ بیٹھو، ساتھ پانی نہ پیو، ساتھ ابن حبان نے انھیں کی روایت سے زائد کیا ان کے جنازے کی نماز نہ پڑھو، ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔
[۶] الدیلمی عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی برئ منھم وھم براء منی جھادھم کجھاد الترکیۃ والدیلم[5]۔	دیلمی نے معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں ان سے بیزار ہوں وہ مجھ سے بے علاقہ ہیں ان پر جہاد ایسا ہے جیسا کہ کافران ترک ودیلم پر۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنہ باب فی القدر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۸

[2] سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

[3] الضعفاء الکبیر ترجمہ احمد بن عمران دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

[4] کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰، میزان الاعتدال ترجمہ ۱۲۰۳ بشیر بن عبید اللہ القیصر دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۲۰

[5] فردوس الاخبار حدیث ۳۲۵۴ معاذ بن جبل دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۴۴۹

و⁷ لابن عساکر عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا رأیتم صاحب بدعة فاکهروافی وجهه فان الله یبغض کل مبتدع ولایجوز احد منهم علی الصراط لکن یتها فتون فی النار مثل الجراد والذباب[1]۔	ابن عساکر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کسی بدمذہب کو دیکھو تو اس کے برُو اس سے ترش روئی کرو اس لئے کہ اللہ تعالٰی ہر بدمذہب کو دشمن رکھتا ہے ان میں کوئی پل صراط پر گزر نہ پائے گا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر آگ میں گر پڑیں گے جیسے ٹیری اور مکھیاں گرتی ہیں۔
و⁸ للطبرانی وغیره عن عبدالله بن بشیر رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام[2]۔	(طبرانی وغیرہ عبداللہ بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت) جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے اسلام کے ڈھانے میں مدد دی۔
و⁹ له فی الکبیر ولابی نعیم فی الحلیة عن معاذ رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من مشی الی صاحب بدعة لیوقره فقد اعان علی هدم الاسلام[3] وغیره من الاحادیث.	نیز طبرانی معجم کبیر اور ابونعیم نے حلیہ میں معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی بدمذہب کی طرف اس کی توقیر کرنے کو چلے اس نے اسلام کے ڈھانے میں اعانت کی، اور اس کے سوا اور حدیثیں ہیں،
قال العلماء فی کتب العقائد کشرح المقاصد وغیره ان حکم المبتدع البغض والاهانة والرد والطرد[4]۔	علماء کتب عقائد مثل شرح مقاصد وغیرہ میں فرماتے ہیں کہ بدمذہب کا حکم اس سے بغض رکھنا اسے ذلت دینا اس کا رد کرنا اسے دور ہانکنا ہے۔

[1] تذکرۃ الموضوعات للفتنی باب افتراق الامۃ علی ثلاث وسبعین فرقۃ کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۱۵

[2] المعجم الاوسط مروی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حدیث ۶۷۲۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۱۷ حضرت خالد بن معدان دارالکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

[3] المعجم الکبیر از معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۸۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۹۶، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۶-۳۳۵ دارالعربی بیروت ۶/ ۹۷

[4] شرح المقاصد الفصل الرابع فی الامامۃ دارالمعارف النعمانیۃ لاہور ۲/ ۲۷۰

وفی "غنیۃ الطالبین قال فضیل بن عیاض من احب صاحب بدعۃ احبط اللہ عملہ واخرج نور الایمان من قلبہ واذا علم اللہ عزوجل من رجل انہ مبغض صاحب بدعہ رجوت اللہ تعالٰی ان یغفر ذنوبہ وان قل عملہ واذا رأیت مبتدعا فی طریق فخذ طریقا اٰخر اھ[1]۔	غنیۃ الطالبین میں ہے فضیل بن عیاض نے فرمایا جو کسی بدمذہب سے محبت رکھے اس کے عمل حبط ہو جائیں گے اور ایمان کا نور اسکے دل سے نکل جائے گا اور جب اللہ تعالٰی اپنے کسی بندے کو جانے کہ وہ بدمذہب سے بغض رکھتا ہے تو مجھے امید ہے کہ مولٰی سبحنہ وتعالٰی اس کے گناہ بخش دے اگرچہ اس کے عمل تھوڑے ہوں اور جب کسی بدمذہب کو راہ میں آتا دیکھو تو تم دوسری راہ لو، انتھی بقدر الضرورۃ۔

(۳) جب شرع مطہر نے ایسے لوگوں سے اس درجہ نفرت دلائی اور اس قدر برائی بیان فرمائی تو کیا مسلمانوں کا فرض مذہبی نہیں کہ ان کو مسجد میں آنے سے روکیں، ان سے ہر قسم کا قطع تعلق کرلیں، علی الخصوص وہ شخص جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کا کام ہو اور مسلمان اس کو مانتے ہوں اور عزت ووقار کی نظر سے دیکھتے ہوں خواہ بباعث علم یا بجہت پیری مریدی یا بخیال تونگری وغیرہ اس پر سخت ضروری کہ ان کو خود دخول مسجد سے حتی الوسع روکے اور ان کے ساتھ میل جول سے مسلمانوں کو باز رکھے، جو شخص ان مولوی صاحب وحکیم صاحب کے خیالات باطلہ وحالات فاسدہ پر مطلع ہو کر ان دونوں کو امام بنائے اور ان کے پیچھے نماز پڑھے اور کہے یہ مولویوں کے جھگڑے ہیں ہمیں ان سے کیا سروکار آخر یہ دونوں عالم تو ہیں، کیا وہ شخص زیاں کار اور انھیں مفسدین فی الدین سے نہیں اور وہ نماز اس کی باطل ومردود نہیں؟ حالانکہ جن تین علمائے مذکورین کو یہ دونوں صاحب پیشوا جانتے ہیں ان کے بارے میں مفتیان وعلمائے مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ نے یہ حکم دیا جیسا کہ فتاوٰی حسام الحرمین میں مذکور ہے:

ان ھٰؤلاء الفرق الواقعین فی السؤال غلام احمد القادیانی ورشید احمد و من تبعہ کخلیل الانبھتی واشرف علی وغیرھم لاشبھۃ فی کفرھم بلامجال بل لاشبھۃ فی من شك بل فی	بیشک یہ طائفے جن کا تذکرہ سوال میں واقع ہے غلام احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں اور نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ

[1] غنیۃ الطالبین فصل فی اعتقاد اہل السنۃ ان امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۰

من توقف فی کفرھم بحال من الاحوال[1]۔	کسی طرح کسی حال میں انھیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہہ نہیں۔

اسی میں ہے:

اظہر فضائحھم القبیحۃ فی المعتمد المستند فلم یبق من نتائجھم الفاسدۃ بکل واضحۃ دامغۃ جلیلۃ لاسیما المتصدی لحل رایۃ ھذہ الفرقۃ المارقۃ التی تدعی بالوہابیۃ ومنھم مدعی النبوۃ غلام احمد قادیانی والمارق الاخر المنقص لشان الالوھیۃ والرسالۃ قاسم النانوتوی ورشید احمد الکنکوھی وخلیل احمد الانبھتی واشرف علی التانوی، ومن حذا حذوھم[2]۔ انتھی بقدر الضرورۃ۔	مصنف نے اپنی کتاب معتمد المستند میں اس گروہ کی بری رسوائیاں ظاہر کیں پس ان کے فاسد عقیدوں سے ایک بھی بغیر پوچ لچر کئے نہ چھوڑا تو اے مخاطب تجھ پر لازم ہے کہ اسی روشن رسالہ کا دامن پکڑے جسے مصنف نے بزدوی لکھ دیا تو ان گروہوں کے رد میں ہر ظاہر وروشن وسرکوب دلیل پائے گا خصوصا جو اس گروہ خارجی از دین کے باندھے ہوئے نشان کھول دینے کا قصد کرے، وہ گروہ خارج از دین کون ہے جسے وہابیہ کہا جاتا ہے اور ان میں مدعی نبوت غلام احمد قادیانی ہے اور دین سے دوسرا نکلنے والا شان الوہیت ورسالت گھٹانے والا قاسم نانوتوی اور رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھی اور اشرف علی تھانوی اور جو ان کی چال چلا، انتہی بقدر الضرورۃ۔

اسی میں ہے: وبالجملۃ ھؤلاء الطوائف کلھم کفار مرتدون خارجون عن الاسلام باجماع المسلمین وقد قال فی البزازیۃ والدرر والغرر والفتاوٰی الخیریۃ ومجمع الانھر والدر المختار وغیرھا من معتمدات الاسفار فی مثل ھؤلاء الکفار من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر اھ وقال فی الشفاء الشریف ونکفر من لم یکفر من دان بغیر ملۃ الاسلام من الملل اووقف فیھم شك اھ وقال فی بحر الرائق وغیرہ من حسن کلام اھل الاھواء او قال معنوی اوکلام لہ معنی صحیح ان کان ذٰلك کفرا من القائل کفر المحسن اھ وقال؛ الامام ابن حجر

[1] حسام الحرمین تقریظ اسمٰعیل بن خلیل مکتبہ نبویہ لاہور ص ۴۹

[2] حسام الحرمین تقریظ مفتی تاج الدین الیاس مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۰۷

فی الاعلام فی فصل الکفر المتفق علیه بین ائمتنا الاعلام من تلفظ الکفر یکفر وکل من استحسنه اورضی به یکفر اھ[1]۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ طائفے سب کے سب (اسماعیلیہ، نذیریہ، امیریہ، قاسمیہ، مرزائیہ، رشیدیہ، اشرفیہ) مرتد ہیں، باجماع امت اسلام سے خارج ہیں اور بیشک بزازیہ اور درر غرر اور فتاوٰی خیریہ اور مجمع الانہر اور درمختار وغیرہا معتمد کتابوں میں ایسے کافروں کے حق میں فرمایا کہ جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے خود کافر ہے، اور شفا شریف میں فرمایا ہم اسے کافر کہتے ہیں جو ایسے کو کافر نہ کہے جس نے ملت اسلام کے سوا کسی ملت کا اعتقاد کیا یا ان کے بارے میں توقف کرے یا شک لائے، اور بحرالرائق وغیرہ میں فرمایا جو بد دینوں کی بات کی تحسین کرے یا کہے کچھ معنی رکھتی ہے یا اس کلام کے کوئی صحیح معنی ہیں اگر اس کہنے والے کی وہ بات کفر تھی تو یہ جو اس کی تحسین کرتا ہے یہ بھی کافر ہو جائے گا، اور امام ابن حجر نے کتاب الاعلام کی اس فصل میں جس میں وہ باتیں گنائی ہیں جن کے کفر ہونے پر ہمارے ائمہ اعلام کا اتفاق ہے فرمایا جو کفر کی بات کہے وہ کافر ہے اور جو اس بات کو اچھا بتائے یا اس پر راضی ہو وہ بھی کافر ہے **انتھی**۔

تو موافق ارشاد علمائے مکہ مکرمہ ومدینہ ومطابق حکم معتمد المستند نذیر حسین دہلوی وامیر احمد سہسوانی و قاسم نانوتوی ومرزا غلام احمد قادیانی ورشید احمد گنگوہی واشرف علی تھانوی اور ان سب کے مقلدین ومتبعین وپیروان ومدح خوان باتفاق علمائے اعلام کافر ہوئے اور جو ان کو کافر نہ جانے ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی بلا شبہ کافر ہے چہ جائیکہ پیشوا اور سردار جانیں **والعیاذ باللّٰه الکریم۔ وھو** "یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴿۱۴۲﴾"[2] (وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔ت) ہم کو چونکہ اختصار منظور تھا لہٰذا ان گمراہوں گمراہ گروں کافروں کے وہ اقوال ملعونہ ومردودہ جن پر حکم فسق وکفر لگایا گیا بالکل نقل نہیں کئے، اور ان اقوال پر علمائے حرمین نے جس قدر احکام لگائے ہیں ان میں صرف دس پانچ تحریر ہوئے، جو صاحب ان فرق باطلہ کے اقوال عقوبت مال اور ان احکام علمائے اہل کمال پر اطلاع چاہیں وہ فتاوٰی الحرمین وحسام الحرمین مطالعہ فرمائیں۔

(۴) ایسے نازک وقت میں کہ ہر چہار طرف سے دین حق پر حملے ہو رہے ہیں اور بیخ کنان سخت یکبارگی

---

[1] حسام الحرمین کتاب المعتمد المستند مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۲ و ۲۱۳ و ۱۰/ ۲۵

ٹوٹ پڑے ہیں کیا علمائے اہلسنت پر واجب نہیں کہ اپنے علم کو ظاہر کریں اور میدان میں آکر تحریرا و تقریرا احیاء سنت اماتت بدعت ونصرت ملت فرمائیں اگر ایسانہ کریں سکوت وخاموشی سے کام لیں تو کیا اس حدیث شریف کے مورد نہ ہوں گے جو فتاوٰی الحرمین میں مذکور ہے۔

قال الامام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقة ان الحامل الداعی لی علی التالیف فی ذٰلك وان کنت قاصرا عن حقائق ماھنالك مااخرجه الخطیب البغدادی فی الجامع وغیرہ انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال اذا ظھرت الفتن او قال البدع وسب اصحابی فلیظھر العالم علمه فمن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة اللہ والملٰئکة والناس اجمعین لایقبل اللہ منه صرفا ولاعدلا [1] اھ۔	امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں واضح ہو کہ اس تالیف پر میرے لئے باعث وسبب اگرچہ میرا ہاتھ یہاں کے حقائق سے کوتاہ ہے وہ حدیث ہوئی جو خطیب بغدادی نے جامع میں اور ان کے سوااور محدثین نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب فتنے یا فرمایا بدمذہبیاں ظاہر ہوں اور میرے صحابہ کو برا کہا جائے تو واجب ہے کہ عالم اپنا علم ظاہر کرے جو ایسانہ کرے گا اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اللہ تعالٰی نہ اس کا فرض قبول فرمائے نہ نفل۔

(۵) جو شخص مسجد میں آکر اپنی زبان سے لوگوں کو ایذادیتا ہو اس شخص کو مسجد سے نکالنے کا حکم ہے، اس کے نکالنے کے بارے میں درمختار کا یہ قول نص صریح ہے یا نہیں؟

واکل نحو ثوم ویمنع منه وکذا کل موذو لو بلسانه [2]۔	یعنی مسجد میں داخل ہونے سے بدبودار چیزوں مثل کچا لہسن کھانے والے کو منع کیا جائے اور اسی طرح ہر ایذا دینے والا اگرچہ زبان سے دیتا ہو دخول مسجد سے روکا جائے۔

ردالمحتار میں تحت قول **واکل نحو ثوم** فرمایا:

ای کبصل ونحوہ مماله رائحة کریھة للحدیث الصحیح فی النھی عن قربان اکل الثوم والبصل المسجد، قال	یعنی جیسے پیاز وغیرہ ان چیزوں سے جن میں بدبو ہو یہ حکم موافق حدیث صحیح ہے جو کچا لہسن اور پیاز کھانے والے کی ممانعت دخول مسجد میں ہے،

[1] فتاوٰی الحرمین جواب سوال تاسع مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۷

[2] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ ویکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵

الامام العینی فی شرحه علی صحیح البخاری قلت علة النهی اذی الملئکة واذی المسلمین[1]۔	امام عینی نے اپنی شرح میں جو صحیح بخاری پر لکھی ہے فرمایا کہ میں کہتا ہوں دخول مسجد سے ممانعت کا سبب ایذائے ملائکہ وایذائے مسلمانان ہے۔

والحمدلله رب العلمین وافضل الصلوات واکمل التسلیمات علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی صحبه واله ومن تبعهم اجمعین۔

الجواب:

الحمدلله وحده والصلٰوة والسلام علی من لانبی بعده واله وصحبه المکرمین عنده وسائر المسلمین المتبعین سعده۔	سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے جو اکیلا ہے، صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس کے بعد نبی نہیں اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ہاں عزت والے ہیں اور باقی تمام مسلمانوں پر جو اس کی سعادت کے پیروکار ہیں۔ (ت)

فاضل سائل بلکہ مجیب سلمہ القریب المجیب کا یہ سوال خود ہی جواب حق وصواب ہے "فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ"[2] (حق کے بعد گمراہی ہوتی ہے۔ت) ہمیں زید وعمرو کی شخصیت سے کام نہیں احکام شرعیہ عام ہوتے ہیں جس سے یہ امر صادر ہو اس کا یہ حکم ہے کسے باشد خاک بود یا خسے باشد (خواہ کوئی ہو مٹی ہو یا تنکا۔ت) اسی عموم کے طور پر ہم کلام کریں گے اگر فلاں وفلاں اس کے مصداق تو ضرور وہی ان احکام کے استحقاق ہیں ورنہ جس پر صادق و مستحق ولائق۔

"وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ"[3] و "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ"[4]۔	اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے اور اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز ہے۔

(۱) یزید پلید علیه مایستحقه من العزیز المجید قطعاً یقینا باجماع اہلسنت فاسق وفاجر وجری علی الکبائر تھا اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر ولعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اتباع وموافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیص نام اس پر لعن کرتے ہیں اور اس آیہ کریمہ سے اس پر سند لاتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار باب مایفسد الصلٰوۃ ویکرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

"فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْۤا اَرْحَامَكُمْ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰۤى اَبْصَارَهُمْ ۝" [1] ۔	کیا قریب ہے کہ اگر والی ملک ہو تو زمین میں فساد کرو اور اپنے نسبی رشتہ کاٹ دو، یہ ہیں وہ لوگ جن پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی تو انھیں بہرا کردیا اور ان کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شک نہیں کہ یزید نے والی ملک ہو کر زمین میں فساد پھیلایا، حرمین طیبین وخود کعبہ معظّمہ وروضہ طیبہ کی سخت بے حرمتیاں کیں، مسجد کریم میں گھوڑے باندھے، ان کی لید اور پیشاب منبر اطہر پر پڑے، تین دن مسجد نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بے اذان ونماز رہی، مکہ ومدینہ وحجاز میں ہزاروں صحابہ تابعین بے گناہ شہید کئے، کعبہ معظّمہ پر پتھر پھینکے، غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ مدینہ طیبہ کی پاکدامن پارسائیں تین شبانہ روز اپنے خبیث لشکر پر حلال کردیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جگر پارے کو تین دن بے آب ودانہ رکھ کر مع ہمراہیوں کے تیغ ظلم سے پیاسا ذبح کیا، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گود کے پالے ہوئے تن نازنین پر بعد شہادت گھوڑے دوڑائے گئے کہ تمام استخوان مبارک چور ہوگئے، سرانور کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بوسہ گاہ تھا کاٹ کر نیزہ پر چڑھایا اور منزلوں پھرایا۔ حرم محترم مخدرات مشکوئے رسالت قید کئے گئے اور بے حرمتی کے ساتھ اس خبیث کے دربار میں لائے گئے، اس سے بڑھ کر قطع رحم اور زمین میں فساد کیا ہوگا، ملعون ہے وہ جو ان ملعون حرکات کو فسق وفجور نہ جانے، قرآن عظیم میں صراحۃً اس پر "لَعَنَهُمُ اللّٰهُ" [2] (ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) فرمایا۔ لہٰذا امام احمد اور ان کے موافقین ان پر لعنت فرماتے ہیں اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لعن وتکفیر سے احتیاطًا سکوت فرمایا کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں، اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں لقولہ تعالٰی، "فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ" [3] (توعنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے مگر جو تائب ہوگئے۔ت) اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے، مگر اس کے فسق وفجور سے انکار کرنا اور امام مظلوم پر الزام رکھنا ضروریات مذہب اہل سنت کے خلاف ہے اور ضلالت وبدمذہبی صاف ہے، بلکہ انصافا یہ اس قلب سے متصور نہیں جس میں محبت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شمّہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۷/ ۲۲۔۲۳

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۹

"وَسَيَعۡلَمُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1] (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) شک نہیں کہ اس کا قائل ناصبی مردود اور اہل سنت کا عدو وعنود ہے، ایسے گمراہ بددین سے مسئلہ مصافحہ کی شکایت بے سود ہے، اس کی غایت اسی قدر کہ اس نے قول صحیح کا خلاف کیا اور بلاوجہ شرعی دست کشی کرکے ایک مسلمان کا دل دکھایا مگر وہ توان کلمات ملعونہ سے حضرت بتول زہرا و علی مرتضٰی اور خود حضور سیدالانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کا دل دکھا چکا ہے، اللہ واحد قہار کو ایذا دے چکا ہے،

"وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ رَسُوۡلَ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ "[2] "اِنَّ الَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۵۷﴾ "[3]	اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے، بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۲) سوال نے یہاں بھی قطعیات کے ساتھ قرائن کو ضم کیا قطعی کے ہوتے قرینی باطنی کی کیا بحث کسی مدرسہ محلّہ سرائے خام کی نوکری یا علم ماکان ومایکون یا غیوب خمسہ میں کلام یا علماء اہل سنت کو سب و دشنام تفاصیل رکھتے ہیں جن کی اصلا حاجت نہیں جب علمائے حرمین طیبین زادھما اللہ شرفا وتکریما نانوتوی وگنگوہی وتھانوی کی نسبت نام بنام تصریح فرما چکے ہیں کہ یہ سب کفار مرتدین ہیں اور یہ کہ "من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر "[4] جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر، نہ کہ ان کو پیشوا و سرتاج اہلسنت جاننا، بلاشبہہ جو ایسا جانے ہرگز ہرگز صرف بدعتی وبدمذہب نہیں قطعاً کافر ومرتد ہے اور ان تمام احادیث کا کہ سوال میں فتاوی الحرمین سے منقول ہوئیں مورد ہے، بلاشبہہ اس سے دور بھاگنا، اور اسے اپنے سے دور کرنا، اس سے بغض، اس کی اہانت، اس کا رد فرض ہے، اور توقیر حرام وہدم اسلام اسے سلام کرنا اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کے ساتھ کھانا پینا حرام، اس کے ساتھ شادی بیاہت حرام اور قربت زنائے خالص، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے میں شرکت حرام، اسے مسلمانوں کا سا غسل وکفن دینا حرام، اس پر نماز جنازہ پڑھنا حرام بلکہ کفر، اس کا جنازہ اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

کندھوں پر اٹھانا، اس کے جنازے کی مشایعت حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، اس کی قبر پر کھڑا ہونا حرام، اس کے لئے دعائے مغفرت یا ایصال ثواب حرام بلکہ کفر، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

(۳) جواب سابق میں واضح ہوچکا کہ ان سے ہر قسم کا قطع تعلق فرض ہے، اور جب وہ تمام علمائے حرمین شریفین کے متفق علیہ فتوے سے کافر و مرتد ہیں تو مسجد میں ان کا کیا حق، حدیث ابن حبان مذکور فتاوٰی الحرمین میں ہے: **لاتصلوا معھم**[1] ان کے ساتھ نماز نہ پڑھو۔ ان کے پیچھے تو نماز باطل محض ہی ہے صف میں ان کا کھڑا ہونا بھی جائز نہیں کہ ان کی نماز نماز ہی نہیں، تو عین نماز میں بالکل خارج از نماز ہیں تو ان کے کھڑے ہونے سے صف قطع کہ غیر نمازی حائل اور صف قطع کرنا حرام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من قطع صفا قطعہ اللہ**[2] جو صف قطع کرے اللہ اسے کاٹ دے، تو جو مسلمانوں میں سربرآوردہ ہو جو ان کے منع پر بلافتنہ وفساد قدرت رکھتا ہو اس پر فرض ہے کہ انھیں مسجد میں آنے سے روکے اور مسلمانوں کی نماز کو خراب ہونے سے بچائے، مسلمانوں کو نرمی و تفہیم اور جو نہ مانے اسے ہر جائز سختی و تشدد کے ساتھ ان کے میل جول سے باز رکھے کہ یہ نہی عن المنکر ہے اور نہی عن المنکر تاقدر قدرت فرض قطعی ہے اور جو نہ کرے وہ اسی مجرم کا اس کے عذاب میں ساتھی، اصحاب سبت پر جب عذاب الٰہی نازل ہوا کہ "فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝۶۵"[3] ہم نے ان سے فرمایا ہوجاؤ بندر دھتکارے ہوئے۔ جو انھیں منع نہ کرتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ بندر کردئے گئے منع کرنے والوں نے نجات پائی جو ان کے خیالات و حالات پر مطلع ہو کر انھیں عالم جانے یا قابل امامت مانے ان کے پیچھے نماز پڑھے وہ بھی انھیں کی طرح کافر و مرتد ہے کہ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[4] جو ان کے کفر و عذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔ ت) اس کے لئے حسام الحرمین کی وہ عبارتیں کہ سوال سوم میں مذکور ہوئیں کافی ہیں یونہی جو ان احکام ضروریات اسلام کو کہے کہ یہ مولوی کے جھگڑے ہیں وہ بھی کافر ہے، محیط و عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال آنہا کہ علم آموزند داستانہا است کہ می آموزند او قال بادست آنچہ می گویند	کوئی آدمی کہتا ہے یہ علم سیکھنے والے کہانیاں سیکھ رہے ہیں یا کہتا ہے جو کہتے ہیں یہ تمام جھوٹ ہے

[1] فتاوٰی الحرمین جواب سوال عاشر مکتبہ حامدیہ لاہور ص ۱۹

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۶۵

[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

او قال تزویر ست او قال من علم حیلہ را منکرم ھذا کلہ کفر[1]۔	یا کہتا ہے میں علم حیلہ کا منکر ہوں، یہ تمام کفر ہے۔ (ت)

(۴و۵) بلا شبہہ علمائے اہلسنت پر اعانت سنت واہانت بدعت تحریرًا و تقریرًا بقدر قدرت فرض اہم واعظم ہے اور ہر موذی کو مسجد سے نکالنا بشرط استطاعت واجب بلکہ اگرچہ صرف زبان سے ایذا دیتا ہو خصوصا وہ جس کی ایذا مسلمانوں میں بدمذہبی پھیلانا اور اضلال واغوا ہو ان کی سند میں وہی احادیث وروایات کہ سائل فاضل نے ذکر کیں کافی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳، ۲۱۷: ازا سٹیشن بھوجی پورہ آر۔کے۔آر مسئولہ محمد صدیق دکاندار سگریٹ وبساط خانہ ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امامت کرتا ہے اور پڑھا لکھا بھی ہے، لڑکوں کو پڑھاتا بھی ہے کچھ مسئلہ مسائل بھی جانتا ہے اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہتا ہے۔ بریلی میں جو جلسہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو خلافت اسلامیہ کے نام سے ہوا جس میں شوکت ومحمد علی ومولانا ابولکلام آزاد ومسٹر گاندھی وغیرہ نے تقریریں کیں اس جلسہ میں وہ شریک ہوا، اس جلسہ کی وہ بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ:

(۱) اس جلسہ میں بہت اچھا بیان ہوا اس جلسہ میں علماء تھے اس میں مکہ شریف مدینہ شریف اور عرب شریف سے ترکوں کی خلافت چلے جانے اور چھن جانے کے حالات بیان ہوئے اور یہ بھی بیان ہوا کہ ہندوؤں کی دوستی کرنا قرآن پاک سے ثابت ہے اور ان کے بیانات کا جلسہ کے لوگوں پر بہت اثر ہوا اکثر روتے تھے ساری خلقت ہزاروں آدمیوں کا جماؤ تھا، ہندو بھی شریک تھے اور مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے، سب ایکہ کے ساتھ کارروائی ہو رہی تھی، اور یہ بھی کہتا تھا کہ

(۲) انگریزوں سے دوستی اور ان کی نوکری اور ان کے اسکولوں میں پڑھنے کی اور اسلامی مدرسے کھولنے کی منادی ہو گئی، یہ بھی کہتا ہے کہ

(۳) بریلی کے اعلیٰحضرت نے فتوی دیا ہے کہ ترکوں کی خلافت صحیح نہیں ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اعلیٰحضرت نے فتوی دیا ہے کہ

(۴) جو کوئی جلوس وجلسہ خلافت میں جائے گا اس کی بیوی نکاح سے باہر ہو جائے گی وہ کافر ہو جائے گا، جب دیوبند کی بابت سوال کیا گیا تو کہتا ہے کہ

(۵) میں نہ اس کا مرید ہوں اور نہ برا کہتا ہوں دیوبند کے مدرسہ کی تعریف کرتا ہے، بہشتی زیور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۰

وغیرہ کتابیں اس کے پاس موجود ہیں تو اب علماء سے سوال یہ ہے کہ شخص جو کہ خلافت ترکی صحیح مانتا ہے اور شریف صاحب کو بوجہ ترکوں سے جدا ہونے کے برا سمجھتا ہے اور جس کی باتیں اور خیالات اوپر بیان ہوئے کیسا ہے، اس جملہ مذکورہ بالا میں شریک ہونا کیسا ہے اور اس شخص کے کون کون سے خیالات وعقیدے برے ہیں، خدا و خدا کے رسول کے نزدیک ایسے خیالات رکھنے والے کا کیا حکم ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں تاکہ جو خیالات اس کے برے ہوں ان سے اہل سنت وجماعت بچنے کی کوشش کریں، جواب مہری و دستخطی ہونا چاہئے۔

الجواب:

جو شخص پڑھا لکھا ہو کر مدرسہ دیوبند کی تعریف کرے اور دیوبندیوں کی نسبت کہے کہ میں ان کو برا نہیں کہتا۔ اس قدر اس کے مسلمان نہ ہونے کو بس ہے، علمائے کرام حرمین طیبین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے، کہ یہ لوگ کفار مرتدین ہیں، اور فرمایا: **من شك فی عذابه و کفره فقد کفر**[1] جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، "ہندوؤں کی دوستی کرنا قرآن سے ثابت ہے" حالانکہ قرآن عظیم جابجا اس کے خلاف پر ناطق ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور اسے امامت سے علیحدہ کرنا فرض ہے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

جواب مسئلہ: مسئولہ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف علی صاحب بہاری پروفیسر دینیات علی گڑھ کالج ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۱) معاملہ **(۲)** مدارات **(۳)** بر و اقساط **(۴)** معاشرت **(۵)** مداہنت **(۶)** رکون **(۷)** وداد **(۸)** اتحاد **(۹)** انقیاد **(۱۰)** تبتل

ان مدارج عشرہ میں ہر دوسرا پہلے سے زائد ہیں اور ہر پہلے میں دوسرے کی شرط کا انتفاء ملحوظ ہے، پہلا بشرط لاشیئ کے مرتبہ اور دوسرا بشرط شیئ کے مرتبہ میں۔

موالات کی دو۲ قسمیں ہیں: حقیقی وصوری۔ حقیقی کی پانچ قسمیں رکون سے آخر تک یہ مطلقاً ہمشہ حرام ہیں ہر کافر سے، اور ہمیشہ حرام رہیں گی، اور صوری کی چار قسمیں مدارات سے مداہنت تک۔

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

تعظیم مشرک کے جلوس میں شریک ہونا ضرور حرام ہے،اس کی یہاں سے ممانعت پیش کی گئی اور یہ افتراء ہے کہ مطلقاً شریک ہونے والے کا نکاح باطل بتایا گیا مگر اس افتراء کا عجب کیا ہے جبکہ وہ خود اس مفتری جلسہ کو پسند کرتا ہے اور اس کے افتراء کا خود ناقل ہے کہ ان میں بر واقساط معاہدین سے جائز حربی غیر معاہد سے حرام، یا بعض کے نزدیک ایک وقت میں حربی غیر محاربین سے حلال رکھا گیا تھا پھر حرام فرمادیا اور اب ابداً حرام ہے،اور چوتھی قسم مداہنت کسی وقت بھی حلال نہ تھی،غایۃ ضعف اضمحلال کے وقت ارشاد ہوا تھا: "وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۞ "[1] (وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑجائیں۔ت) مگر حالت اکراہ میں اس کی رخصت ہوگی" اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[2] (سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ت) اور معاشرت بضرورت و بمجبوری جائز ورنہ حرام،اور جواز مدارات کے لئے ضرورت مجبوری درکار نہیں مصلحت ہی کافی ہے، یہ اقسام موالات میں ان سب سے خارج معاملہ ہے کہ ہر کافر سے ہر وقت جائز ہے مگر مرتدین سے،**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۱۸: وہ اب یہ بیان کرتے ہیں کہ میں کوٹہ میں مولانا کا فتوٰی دیکھ آیا اس کی رو سے مجھ پر ان اقوال کی وجہ سے **معاذاللہ** کفر عائد نہیں ہوتا وہ کہتے ہیں میں نے یہ اقوال صرف آریہ کا بھید لینے کو کہے تھے **الحرب خدعۃ**[3] (جنگ دھوکا ہے۔ت) اور یہ ایک ایسے مضمون کے ساتھ ملحق تھے جس میں آریوں اور ان کے مذہب پر حملہ تھا جس کی وجہ سے معلوم ہوسکتا تھا کہ یہ میں نے رضامندی سے نہیں کہے ان وجہوں کی بنا پر آیا ان سے کفر ثابت ہوگا یا نہیں؟ اور بہر تقدیر نکاح کے بارہ میں کیا حکم ہے اگر تجدید نہ کی جائے تو بھی نکاح سابق کسی صورت میں بحال ہے یا نہیں؟ میں امید کرتا ہوں کہ ان مسائل کے جواب اور اس فتوٰی کی نقل سے جو کوٹہ روانہ کیا جناب مجھ کو مطلع کریں گے، زیادہ آداب، محمد میاں قادری برکاتی عفی عنہ از لکھنؤ

(**نوٹ**: سوال کا ابتدائی حصہ دستیاب نہ ہوا)

الجواب:

حضرت گرامی دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، فقیر ادھر مبتلائے حوادث رہا، شب بستم ذی الحجہ لیلۃ الثلثاء بعد مغرب میرے حقیقی بھانجے مولوی حافظ واجد علی خاں مرحوم نے دو مہینے کی علالت میں انتقال کیا، ان کے تیسرے دن بست ودوم ذی الحجہ **یوم الخمیس** وقت ظہر میرے حقیقی بھتیجے نوجوان صالح مولوی فاروق رضاخاں مرحوم نے سترہ برس کی عمر میں بعارضہ وبائی صرف دوروز علیل رہ کر مفارقت

---

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[3] صحیح بخاری باب الحرب خدعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۵

کی اب شب بست و پنجم محرم الحرام لیلۃ الثلثاء بعد مغرب میرے احب احباب واعزاصحاب جوان صالح صاحب ورع، متقی، محب سنت واہل سنت عدو بدعت واہل بدعت سنی مستقل قائم مصداق "لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ" [1] (وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ت) دلاور حسین مرحوم مغفور ساکن جواہر پورے بعمرے ۳ سال بعارضہ وبائی صرف دس پہر علیل رہ کر داغ فراق دیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون للہ مااخذ ومااعطی وکل شیئ عندہ باجل مسمی اللھم اغفرلنا ولھم وارحمنا وارحمھم ولاتحرمنا اجورھم ولاتفتنا بعدھم و ارحم المسلمین والمسلمات جمیعا یاارحم الراحمین، اٰمین بجاہ من ارسلتہ رحمۃ وبعثتہ نعمۃ صل وسلم وبارك علیك مع الاھل والصحب والامۃ عدد کل خلق وکلمۃ اٰمین، والحمدللہ رب العالمین۔	ہم اللہ کے ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں (تین دفعہ) اللہ تعالٰی جو چاہے لے لے اور جو چاہے عطا فرمائے ہر شے کا اس کے ہاں وقت مقرر ہے، اے اللہ! ہمیں معاف فرمادے اور ان مرحومین کو، ہم پر رحم فرما اور ان پر بھی، ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ فرما، ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال اے ارحم الراحمین! تمام مسلمان عورتوں اور مردوں پر رحم فرما اور اسے قبول فرما بوسیلہ اس ذات کے جسے تو نے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور ان کی بعثت کو عظیم نعمت بنایا، آپ کی ذات پر صلوٰۃ وسلام اور برکات کا نزول فرما، آپ کے اہل، صحابہ اور امت پر تمام مخلوق کی اور کلمہ آمین کی مقدار تمام حمد اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

فتوٰی کہ فقیر نے کوٹہ بھیجا تھا اس کی نقل حاضر ہے اس کے کون سے حرف میں ان کے لئے حکم کفر سے نجات ہے اس میں دو شقیں کیں: اول یہ کہ کلمات دل سے کہے اس پر یہ لکھا کہ "جب تو اس کا کفر صریح ظاہر واضح ہے جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہیں ہوسکتا" اس کا مفہوم مخالف صرف اس قدر کہ اگر دل سے نہ کہے تو کفر ایسا واضح نہیں جس میں کسی جاہل کو بھی تامل نہ ہوسکے نہ یہ کہ دل سے نہ کہے تو کفر ہی نہیں کفر ضرور ہے اگرچہ اس درجہ شدت ظہور پر نہیں کہ کوئی جاہل بھی تامل نہ کرسکے بلکہ اس سے ظاہر یہ ہے کہ دل سے نہ کہے جب بھی اس کے کفر میں کوئی جاہل تامل کرسکے کسی اہل علم کو تامل نہیں ہوسکتا اور جاہلوں میں سب کو نہیں کسی کو، اور وہ بھی یقینا نہیں امکانًا یعنی دل سے نہ کہے کی حالت میں احتمال ہے کہ شاید کوئی جاہل

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

اس کے کفر میں تامل کرے اور دل سے کہے تو اتنا احتمال بھی نہیں۔

دوسری شق یہ کہ آریہ کو دھوکا دینے کے لئے استعمال کئے، دل سے ان کلمات ملعونہ کو پسند نہیں کرتا یہی وہ عذر ہے جو وہ اب بیان کرتے ہیں، ان کے بیان سے پہلے ہی فتوے میں اس کا رد موجود ہے کہ "دھوکے کا عذر محض جھوٹ اور باطل ہے" جب اس کے ساتھ وہ جملے ملحق تھے جن کے جواب سے آریہ عاجز ہیں تو وہ ایسے پاگل نہیں کہ اپنی موت انھیں نہ سوجھے اور کرے حملے کرنے والے کو سمجھ لیں کہ واقعی یہ دل سے وید کا عاشق اور ویدک دھرم کے لئے بے چین اور آریہ ہونے کو عزت وفخر وسرفرازی جاننے والا ہے آخر نہ دیکھا کہ انھوں نے ایک نہ سنی اور عاشق بے چین کو عزت وفخر وسرفرازی سے محروم رکھا اگر وہ ذرا بھی دھوکا کھاتے تو ایسے شخص کو جو عوام میں عالم مشہور اور دھڑلے کا واعظ اور اتنے اونچے عالی اعلٰی خاندان سے اور سو روپے ماہوار کی جائداد بھی دکھائے، شہد پر مکھیوں کی طرح گرتے لپٹتے پیان پوجتے، ڈنڈوت کرتے، کندھوں پر چڑھا کر سر بازار باجا بجاتے گروکل لے جاتے اور اسی مضمون کا لکچر دلواتے مگر انھوں نے منہ بھی نہ لگایا ایمان بھی گیا اور دھوکا بھی نہ ہوا حقیقۃً ابلیس لعین نے اسے دھوکا دے کر ایمان لے لیا کافر تو اس کے دھوکے میں نہ آئے مگر یہ اس کافر ملعون ابد کے دھوکے میں آگیا، اور بفرض غلط اگر اس میں آریہ کو دھوکا ہوتا بھی تو دھوکا دینا کیا ایسا ضرور ہے جس کے سبب کھلے کفر بکے:

"وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ"[1]	اور فرمادو کہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ (ت)

کیا بلاضرورت باختیار خود کفر بکنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا جب کہ دل سے نہ ہو، اس دل سے نہ ہونے کا عذر منافقین پیش کر چکے اور اس پر واحد قہار سے فتوائے کفر پا چکے،

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۞ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ"[2]	اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے، تم فرماؤ کیا اللہ تعالٰی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو۔ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے مسلمان ہو کر۔

یہیں سے رضامندی نہ ہونے کا بھی جواب واضح ہوگیا کہ ہزل استہزاء میں بھی رضا بالحکم نہیں

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

ہوتی ورنہ جد ہو نہ ہزل۔ ردالمحتار میں ہازل کی نسبت ہے:-

انہ تکلم بالسبب قصدا فیلزمہ حکمہ وان لم یرض بہ[1]۔	اس نے قصداً سبب کا تکلم کیا لہٰذا اس پر حکم لازم ہوگا اگرچہ وہ اس سے راضی نہ تھا۔(ت)

اور بفرض غلط اگر دھوکا دینا ضرور بھی ہو تو ہر ضرورت کفر سے نہیں بچاتی، یوں تو جو ننگے بھوکے پیٹ کی خاطر عیسائی ہوجاتے ہیں انھیں بھی کہئے کافر نہ ہوئے کہ بضرورت کفر اختیار کیا، یہاں وہ ضرورت معتبر ہے کہ حد اکراہ شرعی تک پہنچی اور یہ بداہۃً ظاہر کہ دھوکا دینا ضروری بھی سہی تاہم تو حد اکراہ تک کسی طرح نہیں پہنچ سکتا، کیا قائل اگر یہ دھوکا نہ دیتا تو کوئی اسے قتل کردیتا یا ہاتھ پاؤں کاٹ دیتا یا آنکھیں پھوڑ دیتا، کچھ بھی نہ ہوتا اس کے ایک رونگٹے کو بھی ضرر نہ پہنچتا تو یقیناً اس نے بلا اکراہ وہ کلمات کفر بکے اور واحد قہار عزجلالہ نے کلمہ کفر بکنے میں کافر ہونے سے صرف مبتلائے اکراہ کا استثناء فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے:

"اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[2]	سوا اس کے جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔(ت)

یہاں اکراہ درکنار ایک رونگٹے کو بھی کچھ نقصان نہ پہنچتا تھا ایک دھیلا بھی گرہ سے نہ جاتا تھا اور بکے وہ کلمات کہ مجرد علامت کفر نہیں، بلکہ حقیقۃً خود کفر خالص ہیں تو قطعاً دل کھول کر کفر بکنا ہوا اور یقیناً بنص قطعی قرآن کفر ہے ولہٰذا جو بلا اکراہ کلمہ کفر بکے بلا فرق نیت مطلقاً قطعاً یقیناً اجماعاً کافر ہے عورت اس کی نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے جب تک از سر نو اسلام نہ لائے اور اپنے کلمات ملعونہ سے براءت و توبہ صادقہ نہ کرے ہرگز اس سے نکاح نہیں ہوسکتا اور اگر اسلام لے آئے توبہ کرے اور پھر نکاح سابق کی بنا پر عورت کو زوجہ بنائے تو قطعاً زنائے خالص ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل کفر بلسانہ طائعا وقلبہ مطمئن بالایمان یکون کافرا ولایکون عنداللہ تعالٰی مومنا[3]۔	ایک شخص نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں مومن نہیں ہے۔(ت)

حاوی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ باب المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۸۳

من کفر باللسان وقلبه مطمئن بالایمان فهو کافر وبلیس بمومن عندالله تعالٰی[1]۔	جس نے زبان سے کفر کیا حالانکہ دل ایمان پر تھا تو وہ کافر ہے اور وہ اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ (ت)

جواہر الاخلاطی اور مجمع الانہر میں ہے:

من کفر بلسانه طائعا وقلبه مطمئن بالایمان کان کافرا عندنا وعندالله تعالٰی[2]۔	جس نے زبان سے حالت خوشی میں کفر کا اظہار کیا حالانکہ اس کا دل ایمان پر تھا تو وہ کافر اور اللہ تعالٰی کے ہاں بھی مومن نہیں۔ (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

اللسان ترجمان الجنان فیکون دلیل التصدیق وجودا وعدما فاذا بدله بغیره فی وقت یکون متمکنا من اظهاره کان کافر اواما اذا زال تمکنه من الاظهار بالاکراه لم یصر کافرا[3]۔	زبان دل کی ترجمان ہے تو یہ دل کی تصدیق یا عدم تصدیق پر دلیل ہوگی تو جب وہ اظہار ایمان پر قدرت کے باوجود عدم تصدیق کا اظہار کرتا ہے تو وہ کافر ہوگیا البتہ جب کسی جبر کی وجہ سے قدرت اظہار پر نہ ہو تو اب کافر نہ ہوگا۔ (ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

حکمه ای التکلم بکلمة الکفر ان کان طوعا ای لم یکرهه احد من غیر سبق لسان الیه، احباط العمل و انفساخ النکاح[4]۔	اگر کلمہ کفر کا تکلم خوشی سے ہے یعنی کسی چیز کا اکراہ وجبر نہیں جبکہ سبقت لسانی نہ ہو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ عمل ضائع اور نکاح ختم ہوجائے گا۔ (ت)

یہ شرح ہے میرے ان الفاظ کی، کہئے اس میں کون سی ان کے لئے مفر ہے، ہاں اللہ مجھے معاف کرے اتنا قصور ضرور ہوا کہ لہجہ نرم تھا جس کے سبب گنجائش کا وہم گزرا وہ بے عقل یہاں سے سبق لیں جو سختی سختی پکارتے ہیں زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ذرا نرم لفظوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، ایک بات اور بھی قابل گزارش ہے کہ حدیث

---

[1] حاوی

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۸۸

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر باب الایمان ہو الاقرار والتصدیق مصطفی البابی مصر ص۸۶

[4] الحدیقۃ الندیۃ باب کلمۃ الکفر مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور ۲/ ۹۸۔۱۹۷

میں ارشاد فرمایا:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسرو العلانیۃ بالعلانیۃ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ [1]۔	اگر کوئی برائی کر بیٹھو تو اس سے توبہ کرو، مخفی گناہ پر مخفی اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ کرو (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اسے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

بسند حسن علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ کا حکم ہے اور انھوں نے اس کا یہاں تک اعلان کیا کہ اخبار میں شائع کرایا، اللہ تعالٰی ہدایت دے۔ والسلام

مسئلہ ۲۱۹: مرسلہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب از مارہرہ شریف بروز یک شنبہ ۵ جمادی الاولی ۱۳۳۳ھ

مولانا المعظم والمکرم دام مجدھم، پس از آداب سلام نیاز معروض ایک عورت کے منہ سے یہ کلام نکلا "اللہ میاں کو خبر نہیں فرشتے آئے روح نکالنے کو" وہ کہتی ہے میں نے اس سے مراد یہ لیا تھا کہ اللہ میاں نے حکم اور کی قبض روح کا دیا تھا یہ اور کی روح قبض کرنے کو غلطی سے آگئے، یہ مراد نہیں لیا تھا کہ **معاذ اللہ** اللہ میاں جاہل ہیں، اس کی نسبت شرعی حکم کیا ہے؟ آیا یہ کلمہ اس مراد پر کیسا ہے؟ بہر حال جو حکم ہو اس سے فوراً مطلع فرمایا جاؤں، جلد ضرورت ہے اس وجہ سے جوابی کارڈ روانہ ہے۔ والسلام

الجواب:

حضرت گرامی دامت برکاتہم بعد ادائے تسلیم معروض یہ لفظ بہر حال کلمہ کفر ہے بلکہ صریح کفر ہے، اس کے صاف معنی نفی علم ہیں اور اس کا کفر خالص ہونا ظاہر، اور تاویل کہ اس نے بیان کی وہ ان لفظوں سے علاقہ نہیں رکھتی وہ بھی یونہی بنے گی کہ جس کی روح قبض کرنے آئے اس کا حکم تو تھا یہ اپنی غلطی سے دوسرے کے پاس گئے جس کی اسے خبر نہیں، تو اب دوہرا کفر ہوگیا۔ ایک نفی علم مولٰی عزوجل دوسرا ملائک کی طرف براہ غلط خلاف حکم کرنے کی نسبت، اور اگر بالفرض اس سے قطع نظر بھی ہو تو اس دوم کا تو وہ خود اپنی تاویل میں اقرار کرتی ہے یہ کیا کفر نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَیَفۡعَلُوۡنَ مَا یُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور وہ وہی کرتے ہیں جو انہیں

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ مکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۰/ ۱۵۹، کنز العمال حدیث ۱۰۱۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۵۰

قال تعالٰی "لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ" [1]۔	حکم ہو، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا، بات میں اسے سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے حکم پر کاربند ہوتے ہیں۔ (ت)

فرض ہے کہ تائب ہو کر اسلام لائے، اگر شوہر رکھتی ہے تجدید نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰: ۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلے کے بارے میں، زاہد کی لڑکی نے زاہد کے پاس چند روپیہ امانۃً رکھا، چند روز کے بعد وقت ضرورت طلب کیا، زاہد نے انکار کیا تم کو روپیہ نہیں دوں گا، بے چاری مجبور ہو کر مولوی صاحب کے پاس سفارش کو گئی، مولوی صاحب سے سفارش کیا، مولوی صاحب نے آکر زاہد کو فرمایا لڑکی کا روپیہ ادا کردو، زاہد نے کہا آپ کی بات نہیں سنوں گا خدا کہے جب بھی نہیں سنوں گا، اس شخص پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زاہد نئے سرے سے اسلام لائے توبہ کرے، کلمہ طیبہ پڑھے، بعد تجدید اسلام تجدید نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۱: از بنارس چھاؤنی محلّہ ڈیٹھوری محل تھانہ سکرور مولوی عبدالوہاب بروز چہار شنبہ ۲۱ صفر ۱۳۳۴ھ

یہ کہ یزید کی نسبت لفظ یزید پلید کا لکھنا یا کہنا از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ یزید کی نسبت رحمۃ اللہ علیہ کہنا درست ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

یزید بیشک پلید تھا، اسے پلید کہنا اور لکھنا جائز ہے، اور اسے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نہ کہے گا مگر ناصبی کہ اہل بیت رسالت کا دشمن ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**

مسئلہ ۲۲۲: از برٹش گائنا ڈمراراپتر س ہال ونچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اور جس نے کہا کہ تم لوگ سب یزید ہو اور وہ لوگ مسلمان ہیں تو اس کلمہ پر کیا

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۷

حکم ہے؟ فقط

الجواب:

اگر بلاوجہ شرعی کہا سخت گنہ گار ہوا،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اٰذی مسلماً فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳: مسئولہ نبن خان ملازم اعلٰیحضرت قبلہ ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص امور شرعی کی بابت یہ الفاظ کہے کہ شرع کیا چیز ہے۔ آج کل شرع پر کون عمل کرتا ہے، یہ شرع بھی ایک بحث نکال رکھی ہے وہ شخص عندالشرع کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر اس نے واقعی طور پر یہ الفاظ کہے تو کافر ہوگیا اور اگر لوگوں پر طعن کے طور پر کہا یعنی آج کل لوگوں نے شرع کو ایسا سمجھ رکھا ہے تو سخت گنہ گار ہوا کہ عام کہا اور لفظ بھی معنی کفر کو موہم ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴: از کراچی بندر گاڑی کھاتہ آرام باغ حجرہ اسلامیہ مولوی احمد صدیق نقشبندی ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

زید نے ایک کتاب تصنیف کی ہے جس کے شروع میں عربی عبارت میں اس طرح لکھا ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الٰھنا محمد وھو معبود جل شانہ وعز برھانہ ورسولنا محمد و ھو محمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ان الفاظ کی کوئی تاویل ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ایسے لکھنے والے پر شرعا کیا حکم ہے اور اس سے میل جول رکھنا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا اور ایسے اعتقاد والے سے نکاح وغیرہ پڑھوانا شرعا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔ جواب مع عبارات تحریر فرمائیں۔

الجواب:

ہمارے ائمہ نے حکم دیا ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا تو

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

واجب ہے کہ احتمال اسلام پر کلام محمول کیا جائے جب تک اس کا خلاف ثابت نہ ہو، پہلے جملہ میں محمد بفتح میم کیوں پڑھا جائے مُحَمِّد بکسر میم کہا جائے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محمد ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار بار بکثرت حمد وثنا کئے گئے، اور ان کا رب عزوجل ان کا محمد ہے بار بار بکثرت ان کی مدح وتعریف فرمانے والا، اب یہ معنی صحیح ہوگئے اور لفظ بالکل کفر سے نکل گیا اور اگر بفتح میم ہی پڑھیں اور معنی لغوی مراد ہیں یعنی ہمارا رب بکثرت حمد کیا گیا ہے جب بھی عنداللہ کفر نہ ہوگا مگر اب صرف نیت کا فرق ہوگا بہر حال ناجائز ہونے میں شبہہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔	محض معنی محال کا وہم بھی منع کے لئے کافی ہوتا ہے۔ (ت)

مصنف کو توبہ چاہئے اور اسے متنبہ کیا جائے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں مگر یہ کہ کوئی حالت خاصہ داعی ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۵: مسئولہ معین الدین احمد میمن سنگھی بنگال پوسٹ نیکلا ساکن جیگاتلہ ۷ ۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص نے غضبناک ہو کر علماء کی توہین اور حقارت کرے اور کہے کہ عالم لوگوں نے دیس خراب کردیا ہے حالانکہ اس جلسہ وگفتگو میں بہت سارے عوام الناس اور ایک مولوی صاحب بھی موجود تھے تو مولوی صاحب نے شخص مذکور سے دریافت کیا کہ تم نے خرابی کی نسبت تمام علماء کی طرف کی ہے یہ تم ایمان کے ساتھ کہتے ہو تو شخص مذکور نے جواب دیا کہ عالم لوگوں نے دیس خراب کردیا، پھر مولوی صاحب نے دریافت کیا کہ یہ بات تم ایمان کے ساتھ کہتے ہو تو اس شخص مسطور نے جواب دیا کہ میں ایمان کے ساتھ کہتا ہوں اور یہی شخص کہتا ہے کہ اس عالم نے مسئلہ ہذا کو جاری کیا، اس لئے کچھ نہیں کہا یہ عالم میری خواہر کا خاوند ہے اگر دوسرا کوئی عالم مسئلہ جاری کرتا تو سلامت جانے نہ دیتا اور کوئی ایسا ہی لفظ تشنیع کا کہے تو ایسی باتوں سے نکاح جاتا رہتا ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ کے تحریر فرما دیں عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب:

علمائے دین کی توہین کفر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

من قال لعالم عویلم علی وجه	جس نے بے ادبی کرتے ہوئے عالم کو عویلم کہا

[1] ردالمحتار کتاب الحظر فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

الاستخفاف فقد کفر [1]۔	اس نے کفر کیا۔(ت)

اس شخص پر تجدید اسلام لازم ہے اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶ تا ۲۲۹: از لکھنؤ احاطہ فقیر محمد خاں متصل دکان ظہور بخش ہیزم فروش مسئولہ حضرت محمد میاں صاحب ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک مسلم جو نماز خلاف معمول بہت جلدی سے پڑھ لیتا تھا اس کو زجراً ایک اور مسلم نے کہا کیا تو نے نماز کو کھیل سمجھ رکھا ہے، اس پر ایک دوسرے نے کہا اور کیا بظاہر اس نے بھی زجرا کہا اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) بعض لوگ **لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** پورا نہیں پڑھتے بلکہ عندالحاجت جب پڑھتے ہیں صرف لاحول یا **لاحول ولاقوۃ الاباللہ** پر بے وجہ اقتصار کرتے ہیں اگرچہ سخت قبیح و شنیع ہے مگر اس میں کفر تو کسی طرح کا بھی نہیں یا کیا اس پورے جملہ کا علم صرف جزو مدخول نفی مقرر کرنا کہنا کیسا ہے؟

(۳) نصارٰی وغیرہ کی کچہریوں اور ان حکام آج کل کے زمانہ والوں کو عدالت یا عادل کہنا اگرچہ سخت ہے اور فقہاء نے حکم کفر تک فرمایا اس سے احتراز ضرور ہے مگر بات دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ حکم کفر مسئلہ مفتٰی بہا ہے کہ ایسا استعمال کرنے والے کافر ہو جائیں اور اگر ہے تو کیا قطعی کفر ان پر عائد ہے اور قطعی بھی ایسا کہ جو دوسرا کافر نہ سمجھے اس کے بھی ایمان میں خلل آئے۔

(۴) کاتب جو اُجرت پر کتابت کرے اور اس کتابت میں امر مخالف دین ہو اور اُجرت پر چھاپنے شائع کرنے والے اسے شائع کریں یا کوئی شخص بے اُجرت محض مروت سے ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ یا کوئی شخص صفائی خط کے لئے کوئی قطعہ وغیرہ لکھے اور اس میں ایسے کلمات بھی نقل کر جائے یا ان سب صورتوں میں زبان سے پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) "اور کیا" کہنے والے پر الزام نہیں جب کہ اسے بھی اس سارق نماز پر زجر مقصود ہو۔

(۲) عندالحاجۃ صرف لاحول ولاقوۃ یا لاحول پر اقتصار قبیح ہے کفر سے کوئی علاقہ نہیں کہ

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر الفصل الرابع فی الاستخفاف بالعلم دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

اپنے حول وقوت کی نفی کے لئے ہے علی ہذا صرف لاحول کہنا حرج نہیں رکھتا۔

(۳) عدالت بطور علم رائج ہے معنی وضعی مقصود نہیں ہوتے لہٰذا تکفیر ناممکن، البتہ عادل کہنا ضرور کلمہ کفر ہے مگر یہ محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے لہٰذا تجدید اسلام ونکاح کافی، ہاں خلاف ماانزل کو اعتقاداً عدل جانے تو قطعاً وہی کفر ہے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] (جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ت)

(۴) **القلم احد اللسانین** (قلم بھی ایک زبان ہے۔ت) جو زبان سے کہے پر احکام ہیں، وہی قلم پر، اور ایسی اجرت حرام، اس کی اشاعت حرام، اور ایسی مروت فی النار، اعتقاداً نہ ہو تو کفر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: مسئولہ مرزا محمد عثمان بیگ از موضع شہباز پور ڈاکخانہ محمود پور ضلع بریلی ۴ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص نے اپنی زبان سے قصدا کہا کہ میں خدا ورسول کو نہیں جانتا ہوں کہ کون ہیں اور نہ مسجد کو جانتا ہوں کہ کیا چیز ہے، اور وہ شخص عمر کا بھی بالغ ہے، پس اس شخص کو کیا کہنا چاہئے؟ اور اس کا نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے پوری بات نہ لکھی کہ کیا گفتگو تھی جس پر اس نے یہ کہا، اگر یہ کلمات بطور تحقیر کہے ہیں تو یقیناً کافر ومرتد ہے، عورت اس نکاح سے نکل گئی اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام، اور اگر اپنی حالت پر افسوس اور اپنے جہل کے بیان کے لئے کہا کہ میں ایسا جاہل کہ نہ خدا کی پہچان نہ رسول کی معرفت نہ مسجد ہی کی کوئی قدرشناسی مجھے ہوتی ہے تو اس پر الزام نہیں سوا اس کے کہ طرز ادا اچھی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۱: رحمت علی خادم درگاہ شاہ دانہ بتوسط مولوی نظام الدین یکے از طلباء مدرسہ اہلسنت بریلی محلّہ سوداگران ۸ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہت سے اشخاص نعت شریف پڑھتے ہوئے شاہ دانہ علیہ الرحمۃ کے مزار کی طرف آتے تھے اور ان کے ہمراہ چادر تھی کہ چند اشخاص نے کہا کہ

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

بیٹی چودوں نے چوپٹی سی مقرر کرلی ہے جو لئے پھرتے ہیں پس جن اشخاص نے یہ کلمہ کہا ہے ان پر شرع شریف میں کیا حکم ہے اوران کو توبہ کرنا کس طرح پر چاہئے؟ **فقط**

الجواب:

جس جس نے یہ ناپاک کلمہ کہا سب سخت گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوئے ان سب پر فرض ہے کہ علانیہ توبہ کریں جس طرح علانیہ یہ کہا ہے اور مسلمانوں سے معافی مانگیں ورنہ حق العبد میں گرفتار رہیں گے، شریعت مطہرہ میں سلطنت اسلام کے یہاں ایسے کہنے والوں پر اسی اسی کوڑوں کی سزا کا حکم ہے، پھر ہمیشہ کو ان کی گواہی مردود، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از نظام علی خاں ولد امام علی خاں پرگنہ سیوان ضلع بدایون بھوانی پور خیرو، ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

اس معمہ میں مسلمان ایک دوسرے کو کافر کہے تو شریعت اس کو کیا کہتی ہے؟

الجواب:

سوال صاف کرنا چاہئے معمہ میں کہنے کا کیا معنی، بات پوری لکھی جائے تو جواب دیا جائے، کیا کہا اور کسے کہا اور کس بنا پر کہا۔ **فقط**

مسئلہ ۲۳۳: مرسلہ میر سید امجد علی سنی حنفی ساکن علاقہ گورکھالی وارد حال ضلع بہرائچ محلہ بڑی ہاٹ مکان مولوی ابو محمد صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک مسلمان سنی حنفی مسمّٰی گلزار خاں نے ایک عورت قوم مہتر سے تعلق ناجائز پیدا کرلیا عرصہ تک اس عورت کے مکان پر رہ کر اکل وشرب اس کے ساتھ کرتا رہا، کچھ عرصہ بعد بوجہ تائید غیبی یا شرم دنیاوی عورت سے اس نے قطع تعلق کرکے پانے افعال سابقہ سے ایک مجمع عام میں تائب ہوگیا، تائب ہونے کے بعد مسلمانان قُرب وجوار نے مسمّٰی گلزار کے ساتھ برابر بلا اکراہ مواکلت ومشاربت جاری کردی، متعدد لوگ ایسے ہیں جو گلزار اور اس کے ساتھ شریک مسلمانوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں اور جہلا کو اپنا ہم خیال کرتے اور بیان کرتے کہ گلزار خاں کسی طرح مسلمان نہیں رہ سکتا اور توبہ کوئی چیز نہیں۔

الجواب:

یہ متعدد لوگ محض خطا وظلم پر ہیں، مسلمان بھائی کی توبہ قبول کرنی واجب ہے، اللہ عزوجل خود اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے، قرآن عظیم میں ہے:

"هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور گناہوں

وَیَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ"[1]	سے در گزر فرماتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ"[2]	کیا انھیں خبر نہیں کہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتاہ اخوہ متنصلا فلیقبل ذٰلك منه محقا کان او مبطلا فان لم یفعل لم یرد علی الحوض[3]۔ رواہ الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جس کے پاس اس کا مسلمان بھائی معذرت کرتا ہوا آئے اس پر لازم ہے کہ اس کا عذر قبول کرے چاہے وہ حق پر ہو یا ناحق پر اگر عذر قبول نہ کرے گا تو روز قیامت حوض کوثر پر میرے حضور حاضر ہونا نصیب نہ ہوگا۔ (اسے حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ان لوگوں کا کہنا کہ توبہ کوئی چیز نہیں اگر اس سے خاص گلزار کی یہ توبہ مقصود ہے یعنی اس نے دل سے توبہ نہیں کی تو مسلمان پر بدگمانی ہے اور وہ سخت حرام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[4]۔	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[5]۔ رواہ الائمة مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	گمان سے دور رہو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اسے امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۴

[3] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلة دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۴

[4] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[5] صحیح البخاری کتاب الادب باب قوله تعالٰی یاایها الذین آمنوا اجتنبوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

اور اگر یہ مراد ہو کہ سرے سے توبہ کوئی چیز نہیں تو معاذاللہ صریح کفر ہے نیز گلزار اور اس کے شریک مسلمانوں کو اسلام سے خارج سمجھنا کافرانہ خیال ہے اور یہ کہنا کہ گلزار خاں کسی طرح مسلمان نہیں ہو سکتا اللہ عزوجل وشرع مطہر پر افتراء ہے ان لوگوں پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور گلزار اور اس کے ساتھی مسلمانوں سے معافی چاہیں پھر ان کو چاہئے کہ تجدید اسلام کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۳۸: محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دھاموں کی، محمد اقبال مدرس مدرسہ ترہاڑہ ونور محمد امام مسجد دروبکی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس طائفہ کے حق میں جن کے اعتقادات، اقوال، افعال حسب ذیل ہوں:

(۱) مصلی کو نماز اور صائم کو روزہ رکھنے سے منع کریں بلکہ رمضان المبارک میں علانیہ بھنگ وچرس کا استعمال کریں اور بطور مسخری قبل از وقت افطار نداکریں کہ صائمین افطار کریں۔

(۲) مشرکین کی طرح مرد عورتوں کی سی صورت اور وضع بنائیں

(۳) اٹھتے بیٹھتے اپنے مرشدوں کو باسماء امام مہدی، رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اللہ تعالٰی موسوم کریں۔

(۴) علمائے دین کی توہین بایں کلمات کریں کہ ہم ان کی مقعد مارتے ہیں، نیز حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو تمام اصحاب بلکہ خود پیغمبر خاتم نبوت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر فضیلت دیں

(۵) جو پیغمبر واولیاء وصال کرچکے ہوں ان کی روحانی زندگی سے انکار کریں اور یہ اعتقاد رکھیں کہ جب تک خدا اور رسول کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں گے ان کی ہستی کے ہر گز قائل نہ ہوں گے، ایسوں سے اہل اسلام کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

جتنی باتیں سوال میں ان لوگوں کی ذکر کیں وہ ان کے فسق وفجور وشیطنت واستحقاق جہنم کے لئے تو بہت کافی ہیں مگر ان میں چار باتیں صریح کفر وارتداد ہیں، اول اپنے پیروں کو خدا اور رسول کہنا، دوسرے شریعت مطہرہ کی نسبت وہ ملعون کلمہ، تیسرے وہ یہودیوں کی بات "لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً"[1] اللہ ورسول کو جب تک آنکھ سے نہ دیکھ لیں ایمان نہ لائیں گے۔

چوتھے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو انبیائے کرام خصوصا سید الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والسلام سے افضل ماننا مولا علی کو کسی ایک نبی سے افضل بتانا ہی کفر ہے نہ کہ سب انبیاء نہ کہ سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، شک نہیں کہ یہ لوگ کفار ومرتدین ہیں، مسلمانوں کو ان سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

میل جول حرام، سلام وکلام حرام، ان کی موت میں شرکت حرام، بیمار پڑیں ان کی عیادت حرام، مرجائیں تو انھیں غسل دینا حرام، کفن دینا حرام، ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا حرام، مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، جب تک توبہ کرکے مسلمان نہ ہوں گے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹و ۲۴۱: محمد عبدالحمید ساکن رولوشدہ مدی پارہ ضلع پٹرہ ڈاکخانہ سیف اللہ کنڈی ۱۹ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) بعضے ذاکرین اپنے مرشد کو خدا کہتے ہیں بایں نیت کہ مرشد اگر رہنمائی نہ کرے تو معرفت الٰہی کیسے حاصل ہوگی اور اکثر مرشد کے قدم پر سجدہ کرتے ہیں یہ فعل ان کے روا ہیں یا نہیں؟

(۲) بعضے نادان علماء کو حقارت کے ساتھ گالی دیا کرتے ہیں اور شریعت مطہرہ کی بھی اہانت کرتے ہیں تو اس پر شرعا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہہ کر گالی دیوے تو کیا حکم ہے؟

(۳) ایک شخص جو کسی قدر علم رکھتا ہے مسجد کے بارے میں لوگوں کو کہتا ہے کہ تم لوگ مسئلہ کو لے کر یہاں کا جھگڑا فساد کرتے ہو مسجد ہی تو تمھارے لئے فساد گاہ ہے وہاں جاکر جو کرنا ہے کرو، اور وہ توبہ کے بارے میں کہتا ہے کہ فقط توبہ ہی سے گناہ معاف ہوجاتا ہے، یہ ہر گز نہیں ہوتا، اور وہ شخص مسئلہ کا جواب بلا تحقیق دیا کرتا ہے اور مکروہ کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ تو مکروہ ہی ہے حرام تو نہیں مکروہ سے کیا ہوگا اور کوئی چیز مکروہ تحریمی ہو تو کہتا ہے کہ لاؤ مکروہ تحریمی کھالوں گا، ایسے شخص پر شرعا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان کرو اجر پایئے۔ت)

الجواب:

(۱) مرشد کو خدا کہنے والا کافر ہے اور اگر مرشد اسے پسند کرے تو وہ بھی کافر، مرشد برحق کی قدمبوسی سنت ہے اور سجدہ ممنوع۔

(۲) شریعت کی توہین کرنے والا کافر ہے۔

قال اللہ تعالٰی، "قُلْ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ كُنْتُمْ تَسْتَہْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو کہہ دے کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے مت بناؤ، تحقیق تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوگئے۔ (ت)

یونہی عالم دین سنی صحیح العقیدہ داعی الی اللہ کی توہین کفر ہے، مجمع الانہر میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵-۶۶

الاستخفاف بالعلماء والاشراف کفر [1]۔	علماء اور سادات کی توہین کفر ہے۔

اسی میں ہے: من قال للعالم عویلم فقد کفر [2] جو کسی عالم کو حقارت سے "مولویا" کہے وہ کافر ہے۔

مگر یہ اوپر بتادیا گیا اور واجب اللحاظ ہے کہ عالم دین وہی ہے جو سنی صحیح العقیدہ ہو، بدمذہبوں کے علماء علمائے دین نہیں۔ یوں تو ہندوؤں میں پنڈت اور نصارٰی میں پادری ہوتے ہیں اور ابلیس کتنا بڑا عالم تھا جسے معلم الملکوت کہا جاتا ہے قال اللہ تعالٰی "اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی عِلۡمٍ" [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا۔ ت) ایسوں کی توہین کفر نہیں بلکہ تاحدِ مقدور فرض ہے، حدیث شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس [4]۔	کیا تم فاجر کے ذکر سے گھبراتے ہو جب لوگ اسے جانتے ہوں فاجر کے فجور کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے محفوظ رہیں۔ (ت)

(۳) بے تحقیق مسئلہ کا جواب دینا حرام ہے، اور مکروہ تحریمی مرتبہ واجب میں ہے اس کا ہلکا جاننا گمراہی وضلالت ہے، اور مسائل شرعیہ ومسجد کی توہین مذکور کفر ہے، اور یہ بھی اس کا شریعت پر افتراء ہے کہ توبہ سے گناہ معاف نہیں ہوتے، حدیث میں فرمایا:

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ [5]۔	گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے گویا گناہ کیا ہی نہ تھا۔

حق سبحنہ فرماتا ہے:

"ہُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ" [6]۔ واللہ اعلم۔	اللہ ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور گناہوں سے در گزر کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الفاظ الکفر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[3] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳

[4] سنن الکبرٰی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰، تاریخ بغداد ترجمہ ۴۵ ۷ ۳، ۷۵۱ ۳ دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۶۲ و ۲۶۸

[5] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

[6] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۴

مسئلہ ۲۴۲: از پوپاری جنتازن مارقوار محمد حبیب اللہ ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ

دین محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دین نقلی ہے یا اصلی؟ اور اصلی ہے تو نقلی کہنے والے کو کیا سمجھنا چاہئے؟

الجواب:

" اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ " [1] (بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ت) اللہ کے یہاں یہی دین دین ہے اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔

"وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾ " [2]	اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ ہر گز اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔ (ت)

تو یہی دین اصلی ہے اور یہ نقلی بھی ہے بایں معنی کہ اس کے احکام شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہیں، فلاسفہ وغیرہم کی طرح عقلی ڈھکوسلے نہیں، اس معنی پر اگر نقلی کہا تو صحیح کہا، اور اگر نقلی بمقابلہ اصلی کہا یعنی معاذاللہ واقعی دین نہیں بلکہ کسی کی نقل اتاری گئی تو ایسا کہنے والا کافر، یہ بات اس وقت کے باہم محاورات سے واضح ہوگی، اور اگر واضح نہ ہو تو معنی صحیح بنتے ہوئے خواہی نخواہی معنی باطل پر حمل نہ کریں گے اور تکفیر جائز نہ ہوگی، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳تا۲۴۴: مسئولہ محمد احمد طالب علم مدرسہ اہل سنت یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) رب العزت جل جلالہ وتعالیٰ شانہ کی نسبت میاں اور صاحب کہنا یعنی اللہ میاں اور اللہ صاحب جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہو جب تو لعدم المانع دلیل کی ضرورت نہیں، اور اگر ناجائز ہو تو دلیل درکار ہے، اس صورت میں جو اسے پسند کرے بلکہ فخر کرے کہ یہ الفاظ میرے مختصات میں سے ہیں، اس شخص کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے؟

(۲) سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں صاحب یعنی محمد صاحب کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

حضرت رب العزت عزجلالہ پر لفظ صاحب کا اطلاق جائز، بلکہ حدیث میں وارد ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی المال والاھل [1]۔	اے اللہ! تو ہی سفر میں صاحب ہے، مال اور اہل کا تو ہی محافظ ہے۔(ت)

اور میاں کا اطلاق نہ کیا جائے کہ وہ تین معنی رکھتا ہے ان میں دو رب العزت کے لئے محال ہیں، میاں آقا اور شوہر اور مرد عورت میں، زنا کا دلال لہٰذا اطلاق ممنوع اور اس پر افتخار جہل۔

(۲) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اطلاق صاحب خود قرآن عظیم میں وارد:

"وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾" [2]	اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے، تمھارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے۔(ت)

مگر نام اقدس کے ساتھ اس طور پر لفظ صاحب کا ملانا آریوں اور پادریوں کا شعار ہے وہ اسے معروف تعظیم میں لاتے ہیں جو زید وعمر کے لئے رائج ہے کہ شیخ صاحب، مرزا صاحب، پادری صاحب، پنڈت صاحب، لہٰذا اس سے احتراز چاہئے، ہاں یوں کہا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے صاحب ہیں آقا ہیں مالک ہیں مولٰی ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: مستفسرہ حافظ بنو علی ضلع بھنڈارہ محلّہ کمہ تالاب ملک متوسط ناگپور ۴ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص درود شریف اس طور پر پڑھے صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد والہ واصحابہ اجمعین، ایک صاحب اس میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نور عرشہ پڑھنا حرام ہے۔ فقط۔

الجواب:

جو اسے ناجائز بتاتا ہے شریعت پر افتراء کرتا ہے:

"حَلٰلٌ وَّهٰذَا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾" [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔(ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب مایقول الرجل اذا سافر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۹-۵۰، سنن الکبرٰی کتاب الحج باب مایقول الرجل اذا رکب دار صادر بیروت ۵/ ۲۵۲

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۱-۲

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

بلاشبہہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور عرش اللہ ہیں عرش انھیں کے نور سے بنااور انھیں کے نور سے منور ہے[1]۔

کما فی حدیث رواہ عبدالرزاق فی مصنفہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ حدیث میں ہے اسے امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۶: مسئولہ حبیب اللہ بنگالی ۱۵ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بہاء اللہ ایک فرقہ نکلا کہ مجموعہ قرآن مجید کو منسوخ کہتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جیسے توریت اور انجیل اور زبور منسوخ ہوگئی ویسا ہی قرآن شریف بھی منسوخ ہے، اگر منسوخ نہ ہوتا اس کا حکم بموافق قرآن شریف کے جاری کیوں نہیں کیا جاتا ہے، جیسا کہ زنا کرتا ہے اور چوری کرتا ہے اور شراب پیتا ہے حد کیوں نہیں لگایا جاتا ہے، بہاء اللہ کے فرقہ سے ایک آدمی کا مظہر اللہ کرکے لقب ہے وہ کہتا ہے خداوند کریم نے لوح محفوظ سے میرے اوپر کتاب الاقدس نزول فرمایا ہے اس وقت اس کا حکم جاری ہے اور احادیث کو خبری کاغذ بتاتا ہے اور نہیں مانتا ہے، اور ائمہ اربعہ کو جھوٹ کہتا ہے یہ فرقہ مومن ہے یا نہیں؟ اور:

"یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۝"[2]	کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمھاری گنتی میں۔ (ت)

آیہ بالا کی شان نزول کیا ہے اور ناسخ ہے یا منسوخ؟ فقط۔

الجواب:

جس فرقہ کے یہ اقوال ہوں وہ کافر مرتد ملعون ہے ایسا کہ جو اسے مسلمان جانے بلکہ جو اس کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے مرتد ہے، بزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[3]۔	جو ان کے عذاب وکفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ عبدالرزاق المقصد الاول اول المخلوقات المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۷۳۔۷۱

[2] القرآن الکریم ۳۲/ ۵

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

آیہ کریمہ حمد الہٰی میں ہے: شان نزول وہاں ذکر ہوتا ہے جو کسی حادثہ خاصہ میں اترے خبر منسوخ نہیں ہو سکتی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷ تا ۲۴۸: محمد ظہیر الدین صاحب ثمن برج وزیر آباد پنجاب ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عالم غیر مقلد عقائد وعملیات، جو کہ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت کر جائے، اور اس کی نماز جنازہ ایک غیر مقلد پڑھائے، اور اس غیر مقلد کے پیچھے ایک عالم حنفی المذہب نے غیر مقلد متوفی کے عمل کو اچھا اور غیر مقلد کے اقتداء کو جائز سمجھ کر نماز جنازہ پڑھی _____ حالانکہ وہ عالم حنفی المذہب قبل ازیں لوگوں کو عقائد غیر ملقدین سے منع کرتا رہا ہو پس اس حالت میں جب کہ عالم حنفی المذہب نے غیر مقلد کی نماز جنازہ غیر مقلد امام کے پیچھے جائز تصور کرکے ادا کی ہو تو اس پر ازروئے شرع محمدی کیا تعزیر ہوتی ہے اور کیا بلاتوبہ واستغفار ایسے عالم حنفی کی اقتداء جائز ہے؟ عالم غیر مقلدین متوفی وامام غیر مقلد ائمہ اربعہ مجتہدین کے مسائل استنباط واجتہادیہ کو خلاف حدیث سمجھتا اور اکثر ان کے برعکس فتوے دیتا اور عمل کرتا ہو مثلاً:

(۱) نماز تراویح بیس رکعات سے کم ہرگز کسی امام کے نزدیک نہیں وہ آٹھ رکعت کا حکم دیتا اور عمل کرتا۔

(۲) مسئلہ طلاق ثلاثہ جو کہ فی کلمۃ واحدۃ اور جلسہ واحدۃ کے کہی گئی ہو اس طلاق ثلاثہ کو حکم رجعی طلاق کا دے کر بدون نکاح شوہر ثانی اس کے ساتھ نکاح کرادیتا ہو اور طلاق بالخلع کی عدت ایک حیض آنے کے بعد نکاح کرادیتا ہو اور تقلید شخصی سے بالکل انکار کرتا ہو، علاوہ ازیں آمین بالجہر کہنا امام کے پیچھے الحمد کا پڑھنا ہاتھ سینہ پر باندھنا سورہ فاتحہ میں ض کی جگہ ظ پڑھنا وغیرہ وغیرہ جائز سمجھتا ہو۔

الجواب:

سائل نے جو فہرست گنائی وہ غیر مقلد کے بعض فرعی مسائل باطلہ واعمال فاسدہ کی ہے ان کے عقائد اور ہیں جن میں بکثرت کفریات ہیں ان میں سے بعض کی تفصیل رسالہ **الکوکبۃ الشہابیۃ** میں ہے، جس میں ستر وجہ سے ان پر اور ان کے پیشوا پر بحکم فقہاء کرام لزوم کفر ثابت کیا ہے کسی جاہل صحبت نایافتہ کی نسبت احتمال ہوسکتا ہے کہ وہ ان کے عقائد ملعونہ سے آگاہ نہیں ظاہری صورت مسلمان دیکھ کر اقتدا کرلی اور نماز جنازہ پڑھ لی مگر جسے عالم ہونے کا دعوی ہو اور ان کے عقائد پر مطلع ہو لوگوں کو ان سے منع کرتا ہو اور خود انھیں اچھا جان کر ان کے جنازہ کی نماز پڑھے اور ان کی اقتدا کرے تو ضرور اس کے عقیدے میں فساد اور اس کے ایمان میں خلل آیا اور وہ بھی متہم شمار کیا جائے گا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی

فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ [1]۔	رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہے۔(ت)

اب اس شخص کے پیچھے نماز ہر گز جائز نہیں اور اس پر توبہ و تجدید اسلام لازم ہے اور اگر عورت رکھتا ہے تو بعد توبہ و تجدید اسلام تجدید نکاح کرے۔

"وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾" [2]۔ "وَمَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۶﴾" [3]۔ "وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۷﴾" [4]۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور جو ناشکری کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا، اور جو منکر ہو تو اللہ تعالٰی تمام جہانوں سے مستغنی ہے، ہم اللہ تعالٰی سے عفو اور عافیت مانگتے ہیں کہ بلند و عظیم اللہ تعالٰی کی قوت اور توفیق کے بغیر نہ بُرائی سے بچا جا سکتا ہے اور نہ ہی نیکی کو بجالایا جا سکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۹و۲۵۰: از ملک کاٹھیا وار مقام اڑتیاں آمین احمد ۱۹ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

(۱) ہندو یا نصارٰی اس کو کافر بولنا کیسا ہے؟

(۲) ایک ہندو کو پھانسی کا حکم ہوا وہ اسی وقت مسلمان ہونا چاہتا ہے یہ مسلمان ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) گالی کے طور پر کافر کہنا اور بات ہے اور شرع کی اصطلاح یہ ہے کہ جو مسلمان نہیں اسے کافر کہا جاتا ہے بایں معنی جو کوئی اسلام میں نہ ہو شرع کے نزدیک کافر ہے۔

(۲) پھانسی ہو جانے سے ایک آن پہلے جو اسلام لائے مسلمان ہو جائے گا اور اس کی تجہیز و تکفین اور اس کے جنازہ کی نماز مسلمانوں پر فرض ہو گی۔

مسئلہ ۲۵۱: امام بخش زیدی از جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان ۳ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

وحدۃ الوجود حق ہے یا نہ؟

الجواب:

توحید ایمان ہے لاالٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ت) اور وحدت حق

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۶۰/ ۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۹۷

"كُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ" [1] (اس کی ذات کے سوا ہر کوئی ہلاک ہونے والا ہے۔ت) سواد بن قارب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشهد ان الله لارب غیره،
وانك مامون علی کل غائب [2]

(میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک اللہ تعالٰی کے سوا کوئی رب نہیں اور بیشک (یارسول اللہ!) آپ ہر غیب پر امین ہیں۔ت)

اور اتحاد باطل اور اس کا ماننا الحاد:

"اِنۡ كُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ﴿۹۳﴾" [3]	آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔

وجود واحد ہے اور موجود واحد، باقی سب ظل وعکوس،

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۳﴾ [4] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ سید اولاد علی صاحب مراد آبادی ۷ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾" [5] (بیشک وہ سب کچھ جانتا ہے۔ت) اور "فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ" [6] (تم جدھر منہ کرو اُدھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمھاری طرف متوجہ)

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة قصه اسلام سواد بن قارب دار الفکر بیروت ۳/ ۶۰۹، عمدة القاری شرح صحیح بخاری باب اسلام عمر رضی اللہ تعالٰی عنه ادارة الطباعة المنیریه بیروت ۱۷/ ۸، مختصر سیرة الرسول از عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی المکتبة السلفیه لاہور ص ۶۹

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۹۳

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

[5] القرآن الکریم ۴۲/ ۱۲

[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

اور "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾ "[1] (اور ہم دل کی رگ سے بھی اس سے زیادہ نزدیک ہیں۔ت) سے احاطہ اور قرب ذاتی مراد ہے یا صفاتی زید کہتا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم اور قدرت ہر شے کو محیط ہے نہ ذات، عمرو کہتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہر شے کو محیط اور شہ رگ سے زیادہ قریب ہے کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہ ہو اور خدا ہر جگہ حاضر وناضر ہے اور اگر ان آیات سے احاطہ اور قرب صفاتی مراد لیا جائے گا تو گویا صفات خدا ذات باری سے بڑھ گئیں اور ذات باری محدود اور صفات سے چھوٹی ہوگی، اور جو شخص ان آیات سے احاطہ اور قرب صفاتی مراد لے وہ مشرک ہے اگر دنیا بھر کے عالم ایسا کہیں تو بھی ایک کی نہ مانوں گا اور سب کو مشرک کہوں گا اور اپنی دلیل میں شاہ امداد اللہ صاحب اور مولانا روم صاحب اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال پیش کرتا ہے، ان دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ اور اگر زید حق پر ہے تو عمرو کے واسطے شریعت مطہرہ میں کیا حکم ہے وہ اپنے اس قول سے کسی گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں؟ **بینوا مع الدلائل من الکتاب توجروا من اللہ الوھاب** (کتب سے دلائل کے ساتھ بیان کیجئے اور اللہ وہاب سے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ "[2]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔(ت)

آیات متشابہات میں اہل سنت حفظھم اللہ تعالیٰ کے دو۲ مسلک ہیں:

اوّل: تفویض کہ ہم ان کے معنی کچھ نہیں جانتے اللہ ورسول جانتے ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو معنی مراد الٰہی ہیں ہم اس پر ایمان لائے،

"اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾ "[3]۔	ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۸۔۹۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

یہی مسلک سلف ہے اور یہی صحیح و معتمد، اس تقدیر پر تو نہ احاطہ ذاتی کہا جائے نہ صفاتی کہا جائے، معنی سے کچھ بحث ہی نہ کی جائے، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ۝" [1] (رحمان نے عرش پر استواء فرمایا۔ ت) کے معنی دریافت کئے گئے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجهول والایمان به واجب والسوال عنه بدعة [2]۔	استواء معلوم ہے اور کیف مجہول ور اس پر ایمان فرض اور اس کی تفتیش بدعت۔

یہی جواب سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دیا، یہی مسلک ہمارے امام اعظم اور سائر ائمہ سلف کا ہے، ہاں ہم ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالٰی جسم وجہت ومکان سے پاک ومنزہ ہے، کسی مکان میں نہیں ہوسکتا، کسی جگہ نہیں ہوسکتا، کسی طرف نہیں ہوسکتا، اور طرف سب اس کے بنائے ہوئے ہیں، اور حادث ہیں، اور قدیم ازلی، ازل میں کسی جگہ کسی طرف نہ تھا کہ جگہ اور طرف تھے ہی نہیں تو اب کسی جگہ اور طرف میں نہیں، جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے، جگہ اور طرف کو بنا کر بدل نہ گیا، جگہ اور طرف بدلیں گے اور وہ بدلنے سے پاک ہے۔

دوم: تاویل کہ ایسی آیات کو حسب محاورہ معنی جائز پر حمل کریں جس سے نہ چین لینے والی طبیعتوں کو تسکین ہو اور ایمان سلامت رہے یہ مسلک خلف کا ہے اور اس طور پر احاطہ صفاتی مراد لیں گے، علم وقدرت الٰہی ہر شے کو محیط ہونے کے بھی یہ معنی نہیں کہ اس کے علم وقدرت ہر جگہ متمکن ہیں کہ جگہ یا طرف میں ہونا جسم وجسمانیت کی شان ہے اور وہ اور اس کے صفات ان سے متعالی بلکہ احاطہ علم کے معنی یہ ہیں کہ ہر شے واجب یا ممکن یا ممتنع معدوم یا موجود حادث یا قدیم اسے معلوم ہے، احاطہ قدرت کے معنی یہ ہیں کہ ہر ممکن پر اسے قدرت ہے، اس سے صفات کا ذات سے بڑھ جانا نہ کہے گا مگر مجنون، عمرو کا وہ کہنا کہ کوئی مکان کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں ذات خدا موجود نہ ہو کلمہ کفر ہے کہ اس کی ذات کے لئے جگہ ثابت کرنا ہے، فتاوٰی تاتارخانیہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وفتاوٰی عالمگیری وجامع الفصولین وغیرہ میں اس پر حکم کفر فرمایا اور احاطہ صفاتی ماننے والے کو اس کا مشرک کہنا ہزاروں ائمہ خلف پر حکم شرک

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵

[2] لباب التاویل (تفسیر الخازن) ۷/ ۵۴ ثم استوٰی علی العرش کے تحت مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۸، درمنثور بحوالہ مردویہ عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا ۷/ ۵۴ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ المعظمی قم ایران ۳/ ۹۱، مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) ۲۰/ ۵ سورہ طٰہٰ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۸

لگانا ہے اور اس کا کہنا کہ "اگر تمام دنیا کے عالم ایسا کہیں تو میں سب کو مشرک کہوں گا" صریح کفر پر آمادگی ہے کہ تمام جہاں کے عالموں کو مشرک نہ کہے گا مگر کافر اور کفر پر آمادگی کفر ہے، عمرو پر توبہ فرض ہے اپنے عقیدہ باطلہ سے تائب ہو اور کلمہ اسلام پڑھے اور عورت رکھتا ہو تو بعد اسلام اس سے پھر نکاح کرے اگر وہ راضی ہو ہم چند سہل سہل باتیں لکھتے ہیں اگر اللہ تعالٰی کو اسے ہدایت کرنا ہے تو انھیں سے وہ سمجھ لے گا کہ اس نے کیسی ناپاک بات کہی اور اپنے معبود کو کیسے کیسے گھناؤنے داغ لگائے اور نظر انصاف سے نہ دیکھے اور تعصب وعناد برتے تو اللہ راہ نہیں دیتا ہے ظالموں کو، ذرا آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر رب عزوجل کی عظمت پر ایمان لاکر غور کرے کہ اس نے کیسی ذلیل چیز کا نام خدا رکھا ہے الحمد للہ معیت وقرب واحاطہ الٰہیہ پر مسلمان کا ایمان ہے مگر نہ ان معنی پر جو ان الفاظ سے لغوی وعرفی طور پر سمجھ آتے ہیں بلکہ ان پر جو مراد الٰہی ہیں اور ہمارے عقول سے وراء ہیں معاذاللہ اگر یہی ظاہری معنی لئے جائیں جس پر یہ کہا جائے کہ وہ بذاتہ ہر مکان ہر گوشہ میں موجود ہے تو اس سے زائد ذلیل تر کوئی عیب لگانا نہ ہوگا۔

(۱) جب کہ اس کے نزدیک اس کا وہی معبود بالذات ہر مکان ہر گوشہ میں موجود اور ہر شے کو بالذات محیط ہے تو پاخانہ میں بھی ہوگا، اس کی نجاست کو لپٹا ہوا بھی ہوگا، اس نجاست کے ساتھ اس کے بدترین مقام سے نکلا بھی۔

(۲) جو شے دوسری شے کو بالذات محیط ہو وہ یوہیں ہوگا کہ محیط کے اندر جوف ہو جو اس دوسری چیز کو گھیرے ہوئے ہے جیسے آسمان زمین کو محیط ہے تو اس کا معبود جوف دار کھگل ہوا اور اللہ واحد قہار صمد ہے جوف سے پاک ہے۔

(۳) سب اشیاء کو محیط ہونا بایں معنی ہے کہ اس کا معبود وہی تمام عالم کے باہر باہر ہے اور عالم اس کے اندر ہے جیسے فلک الافلاک کے اندر باقی کرّے جب تو شہ رگ سے زیادہ قریب کیسے ہوا بلکہ لاکھوں منزل دور ہوا اور اگر یوں ہے کہ ہر ذرہ ذرہ کو بذاتہ بلاواسطہ محیط ہے تو بلاشبہ وہ شے کہ مشرق کے کسی ذرہ کو محیط ہو قطعاً اس کی غیر ہوگی جو مغرب کے ذرہ کو محیط ہے تو ذروں کی گنتی پر خدا یا خدا کے ٹکڑے ہوئے اور وہ احد صمد اس سے متعالی ہے۔

(۴) جب کہ وہ ہر شے کو بالذات محیط ہے تو زمین کو بھی محیط ہوگا اور یہ جو تم چلتے ہو اور جوتیاں پہن کر پاؤں رکھتے ہو وہ تمھارے معبود پر ہوئیں تم جو پاخانہ پیشاب پھرتے ہو وہ تمھارے معبود پر گرا کیسا گھناؤنا معبود اور کیسے ناپاک عابد،

"ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾"[1] (کتنا کمزور چاہنے والا اور

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۳

جو چاہا گیا۔ت)

(۵) مثلاً کسی زید نے کسی عمرو کو جوتا مارا تو عمرو کو بھی اس کا معبود محیط ہے، اس جوتے پڑتے وقت وہیں قائم رہے گا یا ہٹ جائے گا اگر ہٹ گیا تو ہر شے کو محیط نہ رہا اگر قائم رہا تو اسی پر پڑا،

(۶) جس وقت زید نے جوتا اٹھایا اور ابھی عمرو کے بدن تک نہ پہنچا تو جوتے اور عمرو کے بدن میں جو فاصلہ ہے وہ بھی ایک شے اور وہ ایک جگہ ہے، وہ وہی معبود بذات خود یہاں بھی موجود ہوگا یہاں سے وہاں تک جگہ اس سے بھری ہوئی ہے اب جوتا آگے بڑھا کہ بدن عمرو سے قریب ہو اس بڑھنے میں وہ وہی معبود کہ یہاں سے وہاں تک بھرا ہوا تھا، پانی یا ہوا کی طرح چرے گا کہ جوتا اس میں ہوتا ہوا گزر جائے گا جب تو طرفہ معبود جسے جوتے نے پھاڑ دیا اور اگر نہ چرے گا بلکہ سمٹے گا جیسے پھولی ہوئی روٹی سمٹتی ہے تو معبود کیا ہوا ربڑ ہوا، اور اگر نہ چرے گا نہ سمٹے گا تو ضرور ہے کہ جوتا دیکھ کر جگہ چھوڑ دے گا ہر جگہ موجود کہاں رہا؟

(۷) جب کہ ہر وہ شے کہ بذاتہ محیط ہے تو محیط جیسا شے کے اوپر ہوتا ہے ویسا ہی اس کے نیچے پاؤں کے تلے وہ جوتوں کے نیچے وہ پھر ایسے ذلیل کو رب اعلی کیسے کہا جاسکتا ہے!

تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ العلی الاعلی علی الکریم المولی والہ وصحبہ وبارك وسلم ابدا امین، و استغفر اللہ العظیم والحمد للہ رب العالمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	جو کچھ ظالموں نے کہا اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند و بزرگ ہے نیکی بجالانا اور برائی سے پھرنا اللہ بلند و بزرگ کی توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتا اور بلند و اعلٰی اللہ تعالٰی کی خصوصی رحمتیں ہوں کریم مولٰی پر اور اس کی آل اور اصحاب پر بھی، ہم اللہ تعالٰی سے معافی کے طلب گار ہیں، تمام حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اللہ سبحانہ وتعالٰی ہی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۳: مرسلہ مجیب الدین ساکن امسجپور پوسٹ ٹوپیری بازی ضلع ڈھاکہ ۶ صفر ۱۳۳۵ھ

جو مذہب اور فقہ کا نہیں ماننے والا کتابی ہے یا خارجی؟

الجواب:

جو مسلمان کہلا کر فقہ کو اصلا نہ مانے نہ کتابی ہے نہ خارجی بلکہ مرتد ہے اسلام سے خارج اور اگر کوئی تاویل کرتا ہے تو کم از کم بددین گمراہ۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: توکیوں نہ ہو کہ ان کے

مِّنۡهُمۡ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوۡا فِى الدِّيۡنِ "[1] وفی الحدیث عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من یرد اللہ به خیرا یفقهه فی الدین [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔(ت)اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،اللہ تعالٰی جس سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۴: مرسلہ محمد الیاس صاحب واعظ خراسانی شہر جوناگڑھ ملک کاٹھیاوار ۱۶صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس شخص کے بارہ میں جس کا عقیدہ یہ ہو کہ اللہ تبارک وتعالٰی نے فرشتوں سے مشورہ کیا اگرچہ اس کی ضرورت نہیں مگر تعلیماً کہ ہم تم بھی مشورہ سے کام لیں،کیا ایسے شخص سے بامید نجات ابدی بیعت ہونا مفید ہے یا جو مرید ہوچکے ہیں کچھ فائدہ نہ اُٹھائیں گے۔بینوا توجروا(بیان کرواجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اتنی بات ایسی نہیں جس کے سبب اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہوجائے خصوصاً کہ اس نے تصریح کردی کہ اسے حاجت مشورہ کی نہیں بندوں کے ارشاد کے لئے ایسا کیا تو جو اس سے وہم جاتا وہ بھی اس نے دفع کردیا،خود حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:**استشارنی ربی فی امتی ثلثا** [3] مجھ سے میرے رب نے میری امت کے بارہ میں تین بار مشورہ چاہا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سخاوت خاں نابینا مسجد ندی قصبہ مہد پور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

کوئی شخص سنت وجماعت میں سے نماز سے انکار کرے اور اس سے کہا جائے کہ نماز سے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب العلم قبل القول والعمل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶،صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳،المعجم الکبیر حدیث ۹۱۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/ ۳۸۹

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۳،الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان امۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۰۶

انکار کرنا کفر ہے اس کے جواب میں وہ کہے کہ میں کافر ہی سہی، ایسے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟ **فقط**

الجواب:

نماز سے انکار یہ بھی ہے کہ وہ کہے میں نہیں پڑھتا یا نہیں پڑھوں گا، اس قدر سے کافر نہ ہوگا جب تک نماز کی فرضیت سے انکار یا اس کا استخفاف نہ کرے، اگر شخص مذکور کا انکار اس حد کا نہ تھا تو جس نے اس کے انکار پر حکم کفر لگایا خاطی ہوا، اور اسی کی زیادتی اس شخص کو ایسے کلمہ مردودہ کی طرف لے گئی، بہر حال اپنے آپ کو یہ کہنا کہ کافر ہی سہی اس کا ظاہر **معاذاللہ** قبول کفر ہے، اور قبول کفر یقینا کفر ہے، مگر اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ نزدیک کافر ہی سہی لہذا حکم تکفیر نہ کیا جائے گا البتہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۶ و ۲۵۷: مرسلہ حاجی قاسم میاں صاحب از گونڈل علاقہ کاٹھیاوار ۱۷ جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں ائمہ دین وعلمائے معتمدین اہل سنت **ایدھم اللہ تعالٰی ونصرھم اللہ**، کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس (جس کا جلسہ بمقام جوناگڈھ کاٹھیاوار بتاریخ ۲ و ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ہوا) کے ان اراکین کے حق میں ہادی بن کر اپنی تقریروں میں ذیل کے اقوال بیان کئے اور ان اراکین کا حکم بھی بیان فرمائیں جنھوں نے ان کے اقوال گجراتی زبان میں بعینہٖ نقل کئے اور چھاپ کر مسلمانوں میں تقسیم کئے اور کرتے ہیں؟

(۱) گجراتی زبان میں دینی کتابوں کا انتظام کیا جائے، مسلمان بچوں کے لئے خاص گجراتی مدارس قائم کئے جائیں جن میں "مسلمان دھرم کی دنت کتھاؤں کا ذکر ہو" اور جن میں مسلمان بیر تروں کی تعریفیں کی ہوں، ایسی کتابیں رائج کی جائیں (نیز) "مسلمان لوگ جس دھرم کی دنت کتھا" اور جن حضرات کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہوں ان کا حقارت سے جس مروجہ کتب میں ذکر کیا گیا ہو اول درجہ کتب کو دیگر اقوام سے ملے ہوئے مدارس سے باطل کرنا (روداد تقریر صدر صفحہ ۲۹۰)

(۲) ہم ہمارے ملکی برادروں کے جذبات کو ان کے "دیوتا کی باتوں کو" ان کے پیشواؤں کو عزت دیتے ہیں اور وہ بھی ایسی ہی عزت ہماری طرف رکھیں ایسی بھی امید رکھتے ہیں (روداد تقریر صدر ص ۳۳) مگر گزارش آنکہ لفظ "دنت کتھا" کے معنی گجراتی زبان میں زبان کی بات وہ بات جس کی کوئی سند نہ ہوتی ہو، ہوتے ہیں۔

الجواب:

ایسے اقوال کے قائم ہادی نہیں ہو سکتے بلکہ مضل ہیں یعنی گمراہ کرنے والے اور گمراہی پھیلانے والے

اور مسلمانوں کو گمراہی کی طرف بلانے والے، اور جو ایسے اقوال کو شائع کرتے ہیں وہ مسلمانوں میں اشاعت فاحشہ کے محب اور ان قائلوں کی طرح غضب جبار و عذاب قہار کے مستوجب ہیں۔ بزرگان اسلام کے مناقب کو دنت کتھا یعنی بے اصل افسانہ کہنا ہی گمراہی کے لئے کافی تھا مگر کفار کے مذہبی جذبات اور ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں کو عزت دینا صریح کلمہ کفر ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا عزت تو خاص اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

ان کے دیوتاؤں اور پیشواؤں اور مذہبی جذبات کا اعزاز درکنار جو ان کے کسی فعل کی تحسین ہی کرے باتفاق ائمہ کافر ہے، غمزالعیون والبصائر میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر[2]۔	جس نے کسی کافر کے عمل کو اچھا گمان کیا وہ باتفاق مشائخ کافر ہے۔(ت)

ان لوگوں پر فرض ہے کہ ایسی باتوں سے توبہ کریں، تجدید اسلام کریں، تجدید نکاح کریں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸: از اکبر آباد چھوٹی گلی حکیموں کی معرفت ڈاکٹر محمد نفیس صاحب مرسلہ مولانا مولوی دیدار علی صاحب الوری ۴ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اثنائے وعظ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت ان کلمات کا اطلاق کیا نعوذ باللہ آپ یتیم، غریب، بیچارے تھے اور جب چند اشخاص نے جاکر سمجھایا کہ غالباً آپ نے یہ الفاظ نہیں کہے ہوں گے، مناسب ہے کہ آپ اظہار انکار فرمادیں تو کہنے لگا کہ میں نے تو یہی کہا ہے، اللہ جل شانہ تو قرآن عظیم میں "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا"[3] فرمارہا ہے، بعدہ جب ایک نووارد مولوی صاحب نے ان سے دریافت کیا تو ان الفاظ کے کہنے سے انکار کیا اور کہا کہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ آپ سوچ بچار کر بات فرمایا کرتے تھے اس کو لوگوں نے غریب

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر باب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[3] القرآن الکرایم ۹۳/ ۷

بیچارہ کرکے کہہ دیا مولوی صاحب نے فرمایا غالبا ایسا ہی ہوگا مگر آپ یہ تو لکھ دیں کہ یہ الفاظ موجب توہین شان رسالت اور موجب کفر ہیں اور اسی طرح "وَوَجَدَكَ ضَآلًّا"[1] ایسے موقع پر کہتا ہے کہ بیشک تو اس لکھنے سے منکر ہوگیا اور لیت ولعل میں ٹال دیا۔ آیا بلا توبہ اس کا وعظ سننا ملنا جلنا سلام علیک کرنا، اس کے معاونین سے نکاح پڑھوانا اور اس کے معاونین کے پیچھے نماز عید پڑھنا اور ان سے ملنا جلنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا جزاکم اللہ** (بیان کرو اجر پاؤ اللہ تعالٰی تمھیں جزا عطا فرمائے۔ ت)

الجواب:

حضور اقدس **قاسم النعم، مالك الارض ورقاب الامم، معطی منعم، قثم، قیم، ولی، والی، علی، عالی، کاشف الکرب، رافع الرتب، معین کافی، حفیظ وافی، شفیع شافی، عفو عافی، غفور جمیل، عزیز جلیل، وہاب کریم، غنی عظیم، خلیفہ مطلق حضرت رب، مالك الناس ودیان العرب، ولی الفضل جلی الافضال، رفیع المثل، ممتنع الامثال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہ وصحبہ وشرف اعظم** کے شان ارفع واعلٰی میں الفاظ مذکورہ کا اطلاق ناجائز وحرام ہے، خزانۃ الاکمل مقدسی وردالمحتار و آخر شتّٰی میں ہے:

یجب ذکرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باسماء معظمۃ فلا یجوز ان یقال انہ فقیر غریب مسکین[2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تذکرہ باعظمت اسماء کے ساتھ کرنا لازم وفرض ہے، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر، غریب اور مسکین کہنا جائز نہیں۔ (ت)

زرقانی علی المواہب میں ہے:

قال تعالٰی ووجدك عائلا فاغنی نص علی انہ اغناہ بعد ذلك فزالہ عنہ ذلك الوصف فلا یجوز وصفہ بہ بعد[3]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک "اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محتاج پایا تو غنی کردیا" واضح طور پر شاہد ہے کہ اللہ تعالٰی نے آپ کو غنی کردیا ہے جس سے محتاجی والا وصف زائل ہوچکا ہے، لہٰذا اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ وصف بیان کرنا

---

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۷

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب

ہر گز جائز نہیں۔ (ت) اسی میں ہے:

الیتیم من الیتم موت الاب قبل بلوغ الولد اومن الانفراد کدرۃ یتیمۃ کما قیل فی قولہ تعالٰی الم یجدك یتیما ای واحد ا فی قریش عدیم النظیر انتھی ومذہب مالك لایجوز علیہ ھذا الاسم [1]۔	لفظ یتیم، یتم سے ہے یعنی بچہ کے بالغ ہونے سے پہلے باپ کا فوت ہونا، یا اس کا معنی منفرد اور یکتا ہونا ہے جیسے کہا جاتا ہے دریتیم (یکتا موتی) جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد گرامی "کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا" کے تحت مفسرین نے کہا ہے یعنی قریش میں آپ کی مثال نہیں ملتی یکتا ہیں انتہی، امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کافتوٰی ومذہب یہ ہے کہ اس نام (یتیم) کا اطلاق آپ پر جائز نہیں۔ (ت)

نسیم الریاض جلد رابع ص ۴۵۰ میں ہے:

الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لایوصفون بالفقر ولایجوز ان یقال لنبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیر وقولھم عنہ الفقر فخری لااصل لہ کما تقدم [2]۔	تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو فقر کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا، ہمارے نبی وآقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر کہنا جائز نہیں، باقی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں جو منقول ہے "الفقر فخری" (فقر میرا فخر ہے) اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ گزرا۔ (ت)

اسی کے صفحہ ۳۷۸ میں ہے:

قال الزرکشی کالسبکی لایجوز ان یقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیر اومسکین وھو اغنی الناس باللہ تعالٰی لاسیما بعد قولہ تعالٰی "وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی" وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللھم احینی مسکینا ارادبہ المسکنۃ	امام زرکشی نے امام سبکی کی طرح فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر یا مسکین کہنا ہر گز جائز نہیں، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے تمام لوگوں سے بڑھ کر غنی بنایا ہے خصوصا اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے بعد تو اس کی گنجائش ہی نہیں" پایا اس نے آپ کو محتاج تو غنی کر دیا" باقی آپ صلی اللہ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب

[2] نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض الوجہ الخامس ان لایقصد دار الفکر بیروت ۴/ ۴۰۵

القلبیة بالخشوع والفقر فخری باطل لااصل لہ کما قال الحافظ ابن حجر العسقلانی [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم کی دعا "اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ" سے قلبی خشوع ومسکنت مراد ہے۔اور یہ قول "فقر میرا فخر ہے" باطل ہے اس کی کوئی اصل نہیں جیساکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا۔(ت)

شفاء شریف امام اجل قاضی عیاض صدر باب اول قسم رابع میں ہے:

افتی فقهاء الاندلس بقتل ابن حاتم المتفقة الطیطلی وصلبه بما شهد علیه من استخفافه بحق النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و تسمیته ایاه اثناء مناظرته بالیتیم وختن حیدر وزعمه ان زهده علیه الصلٰوة والسلام لم یکن قصدا ولو قدر علی الطیبات اکلها الی اشباه لهذا [2]۔	فقہاء اندلس نے ابن حاتم المتفقۃ الطلیطلی کے قتل اور پھانسی لٹکانے کا فتوٰی دیا اس کے خلاف یہ شہادت ملی کہ اس نے دوران مناظرہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقام کی بے ادبی کرتے ہوئے آپ کو یتیم اور حیدر کا سسر کہا،اور اس کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زھد اختیاری نہ تھا اگر آپ طیبات پر قادر ہوتے تو ضرور انھیں استعمال میں لاتے۔اس کی مثل گستاخی کے دیگر اقوال۔(ت)

شرح علی قاری میں ہے:

یکفی امر واحد منها فی تکفیره وقتله [3]۔	اس کی تکفیر اور قتل کے لئے ان مذکورہ اشیاء میں ایک ہی کافی ہے۔(ت)

نیز شفا شریف میں ہے:

افتی ابو الحسن القابسی فیمن قال فی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الجمال یتیم ابی طالب بالقتل	امام ابوالحسن قابسی نے اس کے قتل کا فتوٰی دیا جو آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ابوطالب کا یتیم اونٹوں والا کہے کیونکہ یہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء باب فی بیان ماھو الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۳۶

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاول فی بیان ماھو الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۱۰

[3] شرح الشفاء ملاعلی قاری الباب الاول فی بیان ماھو الخ الحاج محرم آفندی ۲/ ۳۹۸

لظهور استهانته ف بذٰلك [1]۔	کے حق میں توہین ہے۔ (ت)

شرح علی قاری میں ہے:

لعل الجمع بين الوصفين مطابق للواقع فی السوال والافکل واحد منهمایکفی فی تکفیر صاحب المقال [2]۔	دو چیزوں (اونٹوں والا، ابوطالب کا یتیم) کو شاید سوال میں جمع ذکر کرنے کی وجہ سے اکٹھا کر دیا گیا ہے ورنہ ان دونوں میں سے ایک کا بھی قائل کافر ہے۔ (ت)

نیز شفا شریف میں بیعت معری:۔

کنت موسی وافته بنت شعیب غیر ان لیس فیکما من فقیر [3]

(آپ موسٰی کی طرح ہیں جن کے پاس حضرت شعیب کی صاحبزادی آئی تھیں مگر بات صرف اتنی ہے کہ تم دونوں کوئی فقیر نہیں۔ت) پر ارشاد فرمایا:

اخر البیت شدید وداخل فی باب الازراء، والتحقیر بالنبی علیه الصلٰوة والسلام وتفضیل حال غیرہ علیه [4]۔	دوسرے شعر کا مصرعہ ثانی نہایت نامناسب اور گستاخی کے باب میں داخل ہے کیونکہ اس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں تحقیر وتوہین ہے اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دوسرے کو فضیلت دی گئی ہے۔ (ت)

شرح علی قاری میں ہے:

ای عجز شدید فی القبح عند تدبرہ لان مضمونه التعییر لموسٰی علیه الصلٰوة والسلام بفقرہ [5]۔	یعنی اس شعر کے آخری مصرعہ میں اگر تدبر کیا جائے تو اس میں قباحت شدید ہے کیونکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو فقیر کہہ کر عار دلائی گئی ہے جو کہ قباحت کا باعث ہے۔ (ت)

نیز شفا شریف میں اور اشعار بیباکان بدزبان جو اس سے ہلکے ہیں ذکر کرکے فرمایا:

هذه کلها وان لم تتضمن سبا ولا اضافة	یہ تمام اشعار اگرچہ گستاخی اور فرشتوں اور

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاول فی بیان ماہو فی قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۰۹

[2] شرح الشفاء ملاعلی قاری الباب الاول فی بیان ماہو فی قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع الحاج محرم آفندی ۲/ ۳۹۶

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس الخ مطبع شرکت صحافیۃ ترکی ۲/ ۲۲۹

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس الخ مطبع شرکت صحافیۃ ترکی ۲/ ۲۲۹

[5] شرح الشفاء ملاعلی قاری الحاج محرم آفندی ۲/ ۴۴۲

ف: خط کشیدہ عبارت کتاب الشفاء مطبوعہ شرکت صحافیہ میں نہیں ہے۔ نذیر احمد

الی الملئکه والانبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام نقصاً ولست اعنی عجزی بیتی المعری ولاقصد قائلھا ازراء وغضاً فما وقر النبوۃ ولاعظم الرسالة ولاعزر حرمة المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے نقص پر مشتمل نہیں نہ ہی معری کے پورے کلام کو درست سمجھتاہوں اور نہ ہی ان کے قائل نے بے ادبی اور طعن کا قصد کیا، تاہم ان اشعار میں نبوت کا وقار اور رسالت کی عظمت اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعزاز نہیں ہے۔(ت)

شرح علی قاری میں ہے:

(لست اعنی) بھذہ النفی (عجزی بیتی المعری) فانه کفر واضح والحاد لائح[2]۔	میں نہیں ہوں (اس نقص اور گستاخی کی) نفی میں معری کے شعروں کو درست قرار دینے والا کیونکہ یہ واضح کفر اور کھلا الحاد ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی شرح ہمزیہ مبارکہ میں زیر قول ماتن امام محمد بوصیری قدس سرہ

وسع العالمین علماً وحلماً فھو بحر لم تعیه الاعیاء

مستقل دنیاك ان ینسب الامساك منھا الیه والاعطاء[3]

(آپ علم وحلم میں تمام جہانوں سے برتر ہیں، وہ ایسا سمندر ہے جسے کوئی عیب لگانے والا عیب نہیں لگاسکتا، آپ دنیا کو حقیر وذلیل جانتے ہیں، برابر ہے آپ کو غیر مستحق سے دنیا کو روکنا اور مستحق کو عطا کرنا۔ت)

فرماتے ہیں:

فی السیف المسلول للتقی السبکی عن الشفاء واقرہ ان فقھاء الاندلس	امام تقی سبکی نے "السیف المسلول" میں "الشفاء" سے نقل کرکے اسے ثابت رکھا ہے کہ فقہاء اندلس

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل الوجہ الخامس الخ مطبع شرکت صحافیہ ترکی ۲/ ۲۳۰

[2] شرح الشفاء ملا علی قاری فصل الوجہ الخامس الخ الحاج محرم آفندی ۲/ ۴۴۵

[3] متن الھمزیہ شرح الفتوحات الاحمدیۃ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۴۶

افتوا باراقة دم من وصفه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالفقر فی اثناء مناظرته بالیتیم ثم زعم ان زهده لم یکن قصدا او لو قدر علی الطیبات اکلها وذکر البدر الزرکشی من بعض الفقهاء المتاخرین انه کان یقول لم یکن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقیر من المال ولاحاله حال الفقر بل کان اغنی الناس بالله تعالٰی قد کفی امر دنیاه فی نفسه وعیاله وکان یقول فی قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اللهم احینی مسکینا ان المراد استکانة القلب لاالسکنة هی ان لایجد مایقع لوقعاس کفایته وکان یشدد التکبر علی من یعتقد خلاف ذٰلك اھ واما خبر الفقر فخری وبه افتخر فموضوع وقد صح انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم استعاذ من فتنة الفقر کما استعاذ من فتنة الغنی[1]۔	نے اس شخص کے قتل کا فتوی جاری فرمایا جس نے دوران مناظرہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فقیر و یتیم کہا اور یہ عقیدہ رکھا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زہد اختیاری نہ تھا اگر آپ اشیاء طیبہ پر قادر ہوتے تو انھیں استعمال میں لاتے، امام بدر زرکشی نے بعض متاخرین فقہاء سے نقل کیا کہ فرمایا کرتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات گرامی مال کے اعتبار سے فقیر نہیں اور نہ آپ کا حال، حال فقر ہے بلکہ اللہ تعالٰی نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام لوگوں سے غنی بنایا ہے آپ اپنی ذات اور عیال میں دنیا کے کسی معاملہ میں ہرگز محتاج نہیں اور یہ بھی فرماتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جو ارشاد گرامی ہے "اے اللہ! مجھے حالت مسکینی میں زندہ رکھ" سے دل کی عاجزی مراد ہے نہ کہ وہ غریبی و محتاجی جو فقر کا مترادف ہے یعنی وہ محتاج جو قوت لایموت نہ رکھتا ہو، اور جو اس کے خلاف ذہن و عقیدہ رکھتا ہو اس پر سخت ناراض ہوتے۔ رہا معاملہ حدیث "فقر میرا فخر ہے اور اس پر میں فخر کرتا ہوں" کا، تو یہ موضوع اور من گھڑت روایت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ فقر کے فتنہ سے پناہ مانگا کرتے جیسے کہ مالداری کے فتنہ سے پناہ مانگتے۔ (ت)

ان الفاظ کے ناجائز اور حرام ہونے پر یہ عبارات متظافرہ ہیں اور فتوائے فقہائے اندلس وامام ابوالحسن قابسی و تقریرات امام قاضی عیاض وامام تقی الملۃ والدین سبکی و توضیحات علی قاری میں ان پر حکم کفر ہے۔

اقول: وبالله التوفیق، توفیق جامع و تحقیق لامع یہ ہے کہ ان اوصاف کا اطلاق بروجہ تقریر واثبات خواہ حکم قصدی میں ہو یا وصف عنوانی میں اگر قول قائل کے سیاق یا سباق یا سوق یا مساق سے

---

[1] شرح الهمزیه للامام ابن حجر مکی دستیاب نہیں یہ عبارت مختصرا الفتوحات الاحمدیه ص ۷۴ مطبوعه المکتبة التجاریة مصر پر ملاحظہ ہو۔

طرز تنقیص ظاہر وثابت ہو یقینا کفر ہے، اور اگر ایسا نہیں اور قائل جاہل ہے اور اس سے صدور نادر ہو اور وہ اس پر غیر مصر توہدایت وتنبیہ وزجر وتہدید کریں اور حاکم شرع اس کے مناسب حال تعزیر دے کہ وہ ضرور سزاوار سزا ہے۔اور اگر قائل مدعی علم ہے یا ایسے کلمات کا عادی یا بعد تنبیہ بھی ان پر مصر تو مریض القلب بددین گمراہ ومستحق عذاب شدید ہے، سلطان اسلام اسے قتل کرے گا اور زمین کو اس کی ہستی ناپاک سے پاک اور عام مسلمانوں کو اس کی صحبت ومجالست سے احتراز لازم اور اسے واعظ یا امام نماز بنانا اس کا وعظ سننا اس کے پیچھے نماز ممنوع وحرام۔

وھذا ماقال الامام ابن حجر المکی ونقلہ فی النسیم مقراعلیہ عند ذکر فتیا الامام ابی الحسن القابسی المذکورۃ الظاھر ان مذھبنا لایابی ذلك لمافی عبارتہ من الدلالۃ علی الازراء فان ذکر یتیم ابی طالب فقد لم یکن صریحا فی ذٰلك فیما یظھر نعم ان کان السیاق یدل علی الازراء کان کمالو جمع بین اللفظین[1]۔اھ	یہ وہ ہے جو امام ابن حجر مکی نے فرمایا: صاحب نسیم الریاض نے اسے امام ابوالحسن القابسی کے فتوے مذکورہ کے ساتھ نقل کرکے اسے مؤید وثابت رکھا ظاہر یہی ہے کہ ہمارا مذہب اس کا انکار نہیں کرتا کیونکہ فقط یتیم ابوطالب کہنے میں ظاہرًا وصراحةً توہین نہیں ہے ہاں جب کلام کا پس منظر توہین پر دال ہوگا تو یہ توہین بنے گا جیسا کہ اس صورت میں بنتا ہے جب دونوں (یتیم ابوطالب، اونٹ والا) کو جمع کردیا گیا ہو اھ (ت)

کلمات بے ادبی کا معاذاللہ خود کہنا در کنار دوسرے کا کہا ہوا بے غرض رد وانکار لوٹانے پر شفاء شریف میں فرمایا:

اماالاباحۃ لحکایۃ قولہ لغیرھذین المقصدین فلااری لھامدخلافی ھذا الباب فلیس التفکہ بعرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاحد بمباح وذکرھا علی وجہ الحکایات واحادیث الناس والخوض فی قیل و	مباح ہونے کا ایک پہلو یوں بھی ہوسکتا ہے کہ قائل اپنے مقولہ کو ان دونوں مقاصد کے علاوہ کسی اور انداز کے ساتھ بیان کرے میرے خیال کے مطابق اس طرح اس کا تعلق ان امور میں باقی نہ رہے گا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت سے کسی کو کھیلنا مباح نہیں ہے ایسے کلمہ کا بطور حکایت یا لوگوں کی بات یا بطور بحث قیل وقال

[1] نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض الباب الاول دارالفکر بیروت ۴/ ۳۴۲

قال ومالایعنی فکل ھذا ممنوع وبعضہ اشد فی المنع والعقوبۃ فماکان من الحاکی لہ علی غیر قصد اومعرفۃ بمقدار ماحکاہ اولم تکن عادتہ اولم تکن الکلام من البشاعۃ حیث ھو ولم یظھر علی حاکیہ استحسانہ واستصوابہ زجر عن ذٰلک ونھی عن العودۃ الیہ وان قوم ببعض الادب فھو مستوجب لہ وان کان لفظہ من البشاعۃ حیث ھو کان الادب اشد وان اتُّھِمَ ھذا الحاکی فیما حکاہ انہ اختلفہ ونسبہ الی غیرہ اوکانت تلک عادۃ لہ اوظھر استحسانہ لذٰلک فحکم ھذا حکم الساب نفسہ یؤاخذ بقولہ ولاتنفعہ نسبتہ الی غیرہ فیبادر بقتلہ ویجعل الی الھاویۃ امہ [1] (ملخصًا)	اور بے مقصد ذکر کرنا ممنوع ہے بعض طرز بیان ممانعت اور عقوبت میں زیادہ شدید ہے توحکایت کرنیوالے نے بے قصد اور بے علمی میں حکایت کی یا اس کی ایسی عادت نہیں یا وہ بات کھلی بے ادبی نہیں بایں طور کہ وہ اس کو پسند اور درست نہیں مانتا، تو اس کو زجر کیا جائے گا، اور آئندہ ایسا کرنے سے منع کیا جائے گا اور اگر بطور ادب اس کو کچھ سزا دی جائے تو وہ اس کا مستحق ہے اور اگر وہ الفاظ کھلی بے ادبی ہو تو سزا سخت ہوگی، اور اگر حکایت کرنے والا اس سے متہم ہو کر حکایت بیان کرتے ہوئے بناوٹ سے کام لیتاہے اور غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے حکایت بیان کرے یا اس کی عادت ایسی ہے یا وہ بات اس کے ہاں پسندیدہ ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو سبّ کرنے کا حکم ہے، یہ اسی کی بات متصور ہوگی اور غیر کی طرف منسوب کرنا اس کو مواخذہ سے نہ بچاسکے گا لہٰذا فورًا قتل کیا جائے اور واصل جہنم کیا جائے (ملخصا) (ت)

ظاہر ہے کہ زید بے قید جس کے حال سے سوال ہے اگر قسم اول میں ہے تو ضرور اس پر حکم کفر ہے، سائل نے اس کا پورا کلام نقل نہ کیا جس کے سیاق وسباق سے حال کھلتاہے اور اگر اس قسم سے بچ بھی جائے تو قسم سوم سے ہونا یقینی کہ وہ مدعی علم بنتا وعظ کہتاہے پھر مسلمانوں کے ہدایت کرنے پر بھی باز نہ آیا مصر رہا، یہ سب اس کے تین الفاظ سابقہ پر ہے، رہا لفظ "بیچارہ" وہ ان سب سے سخت تر، بیچارہ وہ کہ کس بلا میں گرفتار اور بیکس، بے بس، بے یار ہو جو اس سے خلاص کا کوئی حیلہ نہ پائے۔

[1] کتاب الشفاء فصل الوجہ السادس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ترکی ۲/ ۳۶۔ ۲۳۵

یہ ضرور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے رب عزوجل پر افتراء اور قرآن عظیم کی تکذیب اور کفار ملاعنہ کی تصدیق ہے جنھوں نے بکا تھا۔ان محمدا ودعه ربه[1] محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو ان کے رب نے چھوڑ دیا، جس پر سورہ والضحٰی شریف نازل ہوئی۔

"وَالضُّحٰی ۙ﴿۱﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ؕ﴿۳﴾ وَلَلۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لَّکَ مِنَ الۡاُوۡلٰی ﴿۴﴾"[2]	اے پیارے تمھارے روئے درخشاں کی قسم تمھاری زلف مشکیں کی قسم، نہ تمھیں تمھارے رب نے چھوڑا نہ بیزار ہوا، جو آن آگے آتی ہے تمھارے لئے گزشتہ آن سے بہتر ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

کیا معاذاللہ ان کو اس ناپاک لفظ سے تعبیر کیا جائے گا جن کا رب فرماتا ہے:

"اِلَّا تَنۡصُرُوۡہُ فَقَدۡ نَصَرَہُ اللّٰہُ"[3]	اگر تم کوئی ان کی مدد نہ کرو تو اللہ واحد قہار ان کا مددگار۔

کیا معاذاللہ ان کو کہا جائے گا جن کے لئے ان کا مولٰی عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃُ بَعۡدَ ذٰلِکَ ظَہِیۡرٌ ﴿۴﴾"[4]۔	بیشک اللہ تعالٰی ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتوں کی فوجیں ان کی مدد کو حاضر ہیں۔

کیا معاذاللہ ان کو کہا جائے گا جو اس ظاہری تنہائی اور ایک جہاں برسر عداوت و پرخاش ہونے کی حالت میں اپنے یار غار سے فرماتے تھے: "لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ"[5] غم نہ کرو بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو یہ ملعون کلمہ ان پہلو سے بھی ملعون وخبیث تر ہے، زید بے قید خود بھی جانتا تھا کہ یہ سب سے بدتر ہے، ولہذا ایک بار کہ بناوٹ پر آیا اسی کو سوچ بچار بنایا اور اس سے بھی ہزار درجہ ملعون تر اس کا وہ ناپاک نجس گندا خبیث قول ہے کہ میں نے تو یہی کہا ہے، اللہ تعالٰی یوں فرمارہا ہے، اس سے کُھل گیا کہ وہ ضرور بددین گمراہ فاسد العقیدہ مختل الایمان بلکہ ظاہرًا بالقصد مرتکب توہین حضور سید الانس والجان ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس کا وعظ سننا حرام اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس سے

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ والضحٰی امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۱تا ۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۶۶/ ۴

[5] القرآن الکریم ۹/ ۴۰

ملنا جلنا حرام، اسے سلام علیک کہنا حرام، اپنی تقریب میں اسے بلانا حرام، اپنا کوئی دینی کام اگرچہ صرف نکاح خوانی ہو اسے سپرد کرنا حرام،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

اس حالت میں شر وضلالت پر جو اس کے معاون ہیں سب اسی کی مثل ہیں اور ان سب کے یہی احکام۔

قال اللہ تعالٰی "وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انھیں میں سے ہے۔ (ت)

طھر اللہ الارض من خبثھم وخبث امثالھم (اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کے خبث سے زمین کو پاک کردے۔ ت) ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹ تا ۲۶۰: از کاکوروی درگاہ تکیہ شریف کاظمیہ مرسلہ سید سبط احمد صاحب خادم درگاہ ۲۳ رمضان ۱۳۳۵ھ

(۱) اگر کوئی مسلمان قبل شروع رمضان المبارک یہ لفظ استعمال کرے کہ ہندو ہوتے تو بہتر یہ تیس روزے تو نہ رکھنا پڑتے۔

(۲) دوسرا شخص ایسے لفظ بصراحت یہ بیان کرے کہ اللہ پاک نے تیس روزے بنائے ہیں پوری قید ہے۔ بھوک پیاس لے کر آتے ہیں، بڑا ظلم ہے، رمضان کے روزے بڑے ظالم ہیں، لیکن جو ظلم کرتا ہے تھوڑے دن رہتا ہے۔

الجواب:

یہ دونوں شخص یقیناً کافر و مرتد ہیں اگر عورت رکھتے ہوں تو ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، عورتوں کو اختیار ہے بعد عدت جس سے چاہیں نکاح کرلیں، یہ کافر اگر توبہ نہ کریں از سر نو اسلام نہ لائیں، تو مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام، سلام کلام حرام، بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے جانا حرام، مرجائیں تو ان کے جنازے میں شرکت حرام، انھیں غسل دینا حرام، ان پر جنازہ پڑھنا حرام، ان کا جنازہ کندھے پر رکھنا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

حرام، جنازے کے ساتھ جانا حرام، مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام، ان کے اقارب اگر حکم شریعت مانیں تو ان کی موت پر ان کی لاشیں دفع عفونت کے لئے بھنگی چماروں سے ٹھیلے پر ڈلوا کر مسلمانوں اور کافروں سب کی مقابر سے جدا کسی گڑھے میں کتے کی طرح پھینکوا کر اوپر سے پاٹ دیں، "وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ۝۲۹" [1] (اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۱: ازملوک پور مرسلہ مولوی شفاعت اللہ صاحب طالب علم مدرسہ اہل سنت ۹ شوال ۱۳۳۵ھ

زید ایک مسجد کا امام ہے اور بکر بوجہ باہم شکر رنجی زید کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا تھا، بنائے شکررنجی اول یہ ہے کہ زید داڑھی کترواتا ہے، دوم کہ زید بکر سے منافقانہ رسم رکھتا تھا کیونکہ ایک مرتبہ چند اہل محلّہ وغیرہم نے زید اور بکر کے درمیان اس شکر رنجی کو دفع کرکے صلح کرادی تھی، اور قرآن پاک درمیان میں دیا تھا، مگر قرآن پاک دینے پر بھی زید کا بغض نہ گیا، اور وہ وقتاً فوقتاً اپنے منافقانہ برتاؤ سے اپنا بغض ظاہر کرتا رہا، مگر اس مصالحت کے بعد زید نے چند دنوں کے لئے داڑھی چھوڑ دی جس پر بکر زید کے پیچھے نماز پڑھنے لگا، چند روز کے بعد زید نے بکر پر ایک الزام لگایا جس کو اہل محلّہ نے بعد تحقیق جھوٹا پایا، اس پر بکر نے زید سے دریافت کیا کہ میرے اور تمھارے درمیان کلام پاک دیا گیا تھا پھر تم نے مجھ سے کیوں بغض رکھا اور کیوں میرے اوپر تہمت لگائی، اس پر زید نے صریحاً جواب دیا کہ ایک قرآن شریف کیا اگر دو قرآن شریف درمیان ہو جائیں گے تب بھی تیری جانب سے میرا بغض نہ جائے گا، ایسی صورت میں زید کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

محبت وبغض قلبی حالت اختیار بشر میں نہیں۔

لقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم هذا قسمى فيما املك فلا تؤاخذنى فيما لا املك [2]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے، یہ اس میں میرا حصہ ہے جس کا میں مالک ہوں پس اس میں مواخذہ نہ فرما جس کا میں مالک نہیں ہوں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

[2] اتحاف السادۃ المتقین واما اصحاب علیه السلام فابو بکر رضی اللہ عنه دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۹

زید کے اس قول کو اس پر محمول کرنا چاہئے کہ جب بھی میرا بغض نہ جائے گا کہا ہے نہ کہ جب بھی تیرا بغض نہ چھوڑوں گا، ہاں اگر بغض بلاوجہ شرعی ہے اور اس پر کارروائی کرتا ہے جیسے جھوٹی تہمتیں لگانا اور اس امر میں مشہور ہے تو فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: عبدالغنی رنگ ساز بریلی محلّہ عقب کوتوالی ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر کے ساتھ مرید کو کیسا عقیدہ رکھنا چاہئے، آیا یہ کہنا چاہئے کہ میرا بخشنے والا وہی ہے، یا یہ کہ اس کے وسیلہ سے بخشا جاوے گا جیسا کہ ایک شخص (زید) ہے وہ یہ کہتا ہے کہ بخشنے والا اور دینے والا پیر ہی ہے، اور عمرو یہ کہتا ہے کہ پیر بخشنے والا نہیں بلکہ ان کے وسیلہ سے ان کے مرید بخشے جائیں گے، اور بغیر وسیلہ پیر کے دربار خدا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک رسائی نہیں، اور اس امر میں زید ہمیشہ عمرو سے اختلاف رکھتا ہے اب فیصلہ فرمادیں کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر؟ اور جو حق پر نہیں ہے اس کو توبہ کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**
(بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عمرو حق پر ہے اور زید کے وہ الفاظ کہ بخشنے والا اور دینے والا پیر ہی ہے اپنے ظاہر پر بہت شنیع ہیں اور اگر اس کا ظاہر ہی اعتقاد قائل ہو تو صریح کفر بہر حال زید کو توبہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: کھیم پور ضلع کھیری محلّہ نئی بستی مرسلہ محمد غفران الحق صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا بسبیل تذکرہ، کیا اس کو خبر تھی تمھارے دل کی، یعنی کیا خدا جانتا تھا تمھارے دل کی بات کو۔ تو اس کے کہنے سے اس نے خدا کی صفت علم سے انکار کیا یا نہیں؟ اور اس کلمہ کے کہنے پر وہ عورت خارج از ایمان ہوئی یا نہیں؟ اور ایمان سے خارج ہونے کی وجہ سے اس مرد کے نکاح میں رہی یا منکر بصفت علم باری تعالٰی ہونے کی وجہ سے ایمان جاتا رہا، اور ایمان جانے کی وجہ سے اپنے خاوند کے جو کہ مسلمان ہے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں؟ اب وہ عورت توبہ کرکے بغیر عدت کے ایام گزارے اور بغیر دوسرے مرد سے نکاح کئے اپنے خاوند سے نکاح کرسکتی ہے؟ اور پہلا مہر خاوند کو دینا ہوگا یا ساقط ہوگیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل نے ان زن وشو کا اول سے مکالمہ نہ لکھا جس سے اس قول زن کے معنی متعین ہوتے اس میں وہ پہلو بھی نکلتا ہے جس سے سلب علم نہ ہو مثلاً مرد نے دعوٰی کیا کہ فلاں وقت میرے دل میں یہ بات تھی عورت نے اس پر مرد سے یہ کہا کہ اللہ تعالٰی کو اپنے دل میں اس وقت یہ بات ہونے کا گواہ کرے لہٰذا یہ الفاظ کہے یعنی کیا تمھارے دل میں یہ ارادہ ہونا علم الٰہی میں تھا، اس صورت میں لزوم محظور نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ"[1]۔	اور وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں، تم فرماؤ ان کا نام تو لو یا اسے وہ بتاتے ہو جو اس کے علم میں ساری زمین میں نہیں۔ (ت)

نیز ممکن ہے کہ استفہام تقریری ہو یعنی اس سے اقرار لینا چاہا کہ اللہ تعالٰی **علیم بذات الصدور** ہے، جب وہ اقرار کرتا تو آگے اس پر تفریع کرتی مثلاً یہ کہ جب وہ دلوں کی خبر رکھتا ہے کیوں فاسد ارادہ دل میں لاتے ہو تو ایسے مجمل سوال پر کوئی حکم نہیں دے سکتا، ہاں اگر ثابت و متحقق ہو کہ عورت نے وہ الفاظ **معاذاللہ** نفی علم کے لئے کہے تو بے شک کلمہ کفر تھے، اس روایت کی بناء پر جس پر اب فتوٰی ہے نکاح سے نہ نکلی، اگر وہ توبہ اور تجدید اسلام کرے تو نظر بظاہر الروایۃ دو گواہوں کے سامنے تجدید نکاح کرلیں اس سے زیادہ کی حاجت نہیں اور پہلا مہر کسی حال میں ساقط نہ ہوا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۴: مرسلہ سید ایوب علی ساکن بریلی محلّہ کسگران ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بلانکاحی عورت اپنے گھر میں رکھتا ہے چند مسلمان نے زید سے ہر چند کہا کہ تو اپنا نکاح کرلے، زید نے جھوٹ کہا کہ میرا نکاح ہو چکا ہے میں اب نہیں کروں گا، اور کسی کو اس کے نکاح کی خبر نہیں ہے، مسلمانوں نے کہا کہ تو مسلمان نہیں ہے جو شرعی حکم نہیں مانتا ہے زید نے جواب دیا کہ ہاں میں مسلمان نہیں ہوں لہٰذا سب مسلمانوں نے زید کو اپنی محفل سے اٹھا دیا بعد چندے زید کہتا ہے کہ آپ میرا نکاح کردو، لہٰذا سوال ہے کہ ازروئے شرع شریف زید کے واسطے کیا حکم ہے؟ **والسلام**

الجواب:

وہ سب لوگ گنہگار ہوئے جنھوں نے اسے کہا کہ تو مسلمان نہیں اور جب وہ ایک عورت کو بی بی کی

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۳۳

طرح گھر میں رکھتا اور کہتا تھا کہ میرا نکاح ہوچکا ہے تو اسے جھٹلانے کی کوئی وجہ نہ تھی، نہ ان لوگوں کو نکاح نہ معلوم ہونے سے نکاح نہ ہونا لازم تھا ان لوگوں نے اپنی نادانی سے برخلاف شرع اسے اتنا تنگ کیا کہ آخر شیطان نے اس سے کہلوادیا کہ ہاں وہ شخص مسلمان نہیں ہے، اس کہنے سے اس کا ایمان جاتا رہا اور نکاح اگر کیا بھی تھا باطل ہوگیا اب وہ پھر مسلمان ہوکر اس کے بعد عورت کی رضامندی سے اس سے نکاح کرے اور یہ سب لوگ بھی توبہ کریں جنھوں نے ناحق تنگ کرکے یہاں تک نوبت پہنچائی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵ و ۲۶۶: از شہر محلّہ ذخیرہ مسجد نیاریان مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب طالبعلم درجہ اول مدرسہ اہل سنت وجماعت ۱۱ محرم ۱۳۳۶ھ

(۱) عرض این ست کہ شخصے وعظ گفت، گفت کہ شہید رابر نبی پنج فضیلت زیادہ دارد حدیث بیان کردہ راست ست یانہ؟ برامام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ بسیار تجاوز بیان کرد کہ درمصنف ابی الشکور تکذیب وے کردی یعنی سربر چوگان وبرلاش مبارک اسپ راندن ومستورات رابے پردہ بردن وغیرہ راست ست یانہ؟ وگفتہ ابوالشکور درمصنف خود کہ یزید دوازدہ سردار خود راکشت کہ من شما امر نکردم بودم بقتل وے۔	(۱) عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے وعظ میں کہا شہید کو نبی پر پانچ درجے زیادہ فضیلت ہے، یہ بات درست ہے یانہیں؟ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق زیادتی کرتے ہوئے کہا کہ ابوالشکور کے مصنف میں ان کی تکذیب کی گئی ہے یعنی ان کے سر اور لاشے پر گھوڑے دوڑائے گئے، خواتین کو بے پردہ کیا گیا یہ سب درست ہے یاغلط؟ ابوالشکور نے اپنے مصنف میں یہ بھی بیان کیا کہ یزید نے اپنے بارہ سردار یہ کہتے ہوئے قتل کروادئے کہ میں نے تمھیں قتل حسین کا حکم نہیں دیا تھا۔
(۲) دیگر گفت کہ شہادت ناقصہ امام حسن رادادہ شد وشہادت کاملہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ دادہ شد ورسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید نشدہ وگفت دربیان ایں حدیث کہ برحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید فضیلت دارد معاذاللہ بواسطہ جناب راست ست یانہ؟	(۲) دوسرے یہ کہا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہادت ناقص اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہادت کاملہ دی گئی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شہید نہیں اور اس نے اس حدیث کے بیان میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شہید کو فضیلت ہے **(معاذاللہ)** امام حسین کے واسطہ سے آپ بتائیں یہ درست ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) غیر نبی را بر نبی تفضیل کفراست اگر فضل جزئی مراد دارد نیز بے ادب وبدزبان وبدخواہ مسلمانان وبرہم زن دین وایمان ست وتجاوز از حد ظلم ست وبغض او کفر وسائرش حرام، **قال تعالٰی** "**وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ**"[1] وہمچوں مظالم ملعونہ غیر ثابتہ وثابتہ از پہلوئے اہانت اہل بیت کرام راتہی نیست، فضائل ومناقب آنہا نشر باید نہ آنچنانکہ در شمار زبونان وخستگان وبیچارگاں باشمد۔ کردم از عقل سوالے کہ بگو ایمان چیست عقل در گوش دلم گفت کہ ایمان ادب است وما را بایزید وافعال واقوال ظالمانہ ومنافقانہ آں پلید کارے نیست، **اعاذنا اللہ تعالٰی منہ وامثالہ۔** **(۲)** سخن اول بے ادبی وسخن آخر کفر، **واللہ تعالٰی اعلم۔**	**(۱)** غیر نبی کو نبی پر فضیلت دینا کفر ہے اگر جزئی فضیلت مراد ہو تو یہ بے ادبی، بدزبانی اور مسلمانوں کی بدخواہی اور دین وایمان کو جلانا ہے اور حد سے تجاوز کرنا ظلم ہے ان کا بغض وغیرہ کفر وحرام ہے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھا بیشک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اسی طرح غیر ثابت مظالم ملعونہ اور ثابتہ مذکورہ اہلبیت کرام کی اہانت سے خالی نہیں، اہلبیت کے فضائل ومناقب کا بیان ہونا چاہئے نہ یہ کہ ان کو بیچارگاں اور بے سہارا اور خستہ حال ثابت کیا جائے، میں نے عقل سے پوچھا بتاؤ ایمان کیا ہے تو عقل نے میرے دل کے کان میں کہا ایمان سراپا ادب ہے اور ہمیں یزید پلید اور اس کے ظالمانہ افعال واقوال سے کوئی سروکار نہیں اللہ تعالٰی ہمیں اس سے اور اس کی امثال سے پناہ عطا فرمائے۔ **(۲)** پہلی بات بے ادبی اور دوسری کفر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۲۶۷: خدا ہر جگہ حاضر کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ بہت برے معنی کا احتمال رکھتا ہے اس سے احتراز

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۱

لازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۸: از ریاست بہاولپور مقام فرید آباد ڈاک خانہ غوث پور مرسلہ مولوی نور احمد صاحب فریدی ۱۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ھوالحق بشرط ملاحظہ عالیہ جناب حضرت مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی مد ظلہم العالی مجدد مائۃ حاضرہ، یاحضرت اقدس دام فیوضاتکم العالیہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، صد آداب نیاز مندانہ بجالاکر عارض ہوں کہ اس جگہ دربارہ مسئلہ وحدۃ الوجود سماع علماء میں سخت اختلاف ہے، زید کہتا ہے مسئلہ وحدۃ الوجوہ حق ہے اور صحیح ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیائے عظام علیہم الرضوان کا مشرب ہے اور سماع لاھلہ شرعًا درست ہے، ہر دو مسائل کا ثبوت کتب اسلامیہ سے موجود ہے، بکر اس کے برخلاف ہے اور فتوٰی دیتا ہے کہ مشرب وحدۃ الوجود والے تمام کافر ہیں اور سماع بلا تخصیص مطلق حرام ہے اور اس کا مرتکب **معاذاللہ** ملعون وکافر ہے، اور ہر دو مسائل کا ثبوت کسی کتاب اسلامی میں نہیں، فلہذا بکمال ادب معروض کہ بحوالہ کتب معتبرہ فتوائے خود سے امت محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بواپسی جواب سرفرازی بخشیں کہ ان میں سے کون حق پر ہے اور کون کاذب تاکہ تشویش اور خطرہ ایمانی بین المسلمین نہ آئے، **والاجر علی اللہ** (اجر اللہ کے پاس ہے۔ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہاں تین چیزیں ہیں، توحید، وحدت، اتحاد۔ توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر ہے، اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم واحادیث وارشادات اکابر دین سے ثابت، اور اس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع خبیث کلمہ کفر ہے، رہا اتحاد وہ بیشک زندقہ والحاد اور اس کا قائل ضرور کافر، اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا وہ بھی خدا سب خداع

گر فرق مراتب نکنی زندیق ست

(اگر تو فرق مراتب نہ کرے تو زندیق ہے۔ت)

حاش للہ الہ الٰہ ہے اور عبد عبد، ہرگز نہ عبد الہ ہوسکتا ہے نہ الہ عبد، اور وحدت وجود یہ کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال وعکوس ہیں، قرآن کریم میں ہے:

"کُلُّ شَیۡءٍ هَالِکٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ؕ"[1]	ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، حضور اکرم فرماتے ہیں:

الصدق کلمۃ الشاعر کلمۃ لبید الاکل شیئ ماخلا اللہ باطل[1]۔	سب میں سچی زیادہ بات جو کسی شاعر نے کہی لبید کی بات ہے کہ سن لو اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔

کتب کثیرہ مفصلہ، اصابہ نیز مسند میں ہے سواد بن قارب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشھد ان اللہ لارب غیرہ وانك مامون علی کل غائب[2]

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی رب نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمیع غیوب پر امین ہیں)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا۔

اقول: یہاں فرقے تین ہیں:

اول: خشک اہل ظاہر کہ حق و حقیقت سے بے نصیب محض ہیں یہ وجود کو اللہ و مخلوق میں مشترک سمجھے ہیں۔

دوم: اہل حق و حقیقت کہ بمعنی مذکور قائل وحدت وجود ہیں۔

سوم: اہل زندقہ وضلالت کہ الٰہ و مخلوق میں فرق کے منکر اور ہر شخص و شے کی الوہیت کے مقر ہیں ان کے خیال واقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے، ایک بادشاہ اعلٰی جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں، آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شیئ کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے، بعض میں صورت صاف نظر آتی ہے بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی کسی میں الٹی، ایک میں بڑی ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے، ان کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ "وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ"[3] (اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ت)

[1] الجامع الصحیح للبخاری کتاب الادب باب مایجوز من الشعر والرجز قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ قصہ اسلام سواد بن قارب دار الفکر بیروت ۳/ ۶۰۹

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۰

اب اس آئینہ خانے کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

اول: ناسمجھ بچے، انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتا ہے جیسے وہ، ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں تو عین یہ بھی اور وہ بھی، مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم، اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہی بادشاہ ہے، یہ سب اسی کے عکس ہیں اگر اس سے حجاب ہوجائے تو یہ سب صفحہ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہوکیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پر تو کی نمود ہے،

دوم: اہل نظر و عقل کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بیشک وجود ایک بادشاہ کے لئے ہے موجود ایک ہی ہے یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلا وجود نہیں رکھتے اس تجلی سے قطع نظر کرکے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے حاشا عدم محض کے سوا کچھ نہیں، اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، اور وہ سلطنت کا مالک یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیاۃ، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام، سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیونکر ہوسکتے ہیں، لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود، یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃالوجود۔

سوم: عقل کے اندھے سمجھ کے اوندھے ان ناسمجھ بچوں سے بھی گزر گئے، انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا کہ اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے سروں پر بھی، انھوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا، کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص نقصان قوابل کے باعث ان میں تھی خود بادشاہ کو ان کا مورد کردیا، جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند وبالا ہے۔ت)

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک وہاں جسے آئینہ کہئے وہ خود بھی ایک ظل پھر آئینے میں انسان کی صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان

کے صفات مثل کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات سے اصلا نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزجلالہ کے تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتوڈالا یہ وجود اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت حق ہوئی وہ سمجھ لئے کہ۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوآں
ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک چراغ ہے اس کی روشنی سے ہر جا بارونق ہے۔ت)

انھوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی، ذاتی، کہ متجلی کے لئے خاص ہے، اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لئے ہے اور حاشایہ تقسیم اشتراک معنی بلکہ محض موافقت فی اللفظ، یہ ہے وہ حق حقیقت وعین معرفت **وللہ الحمد**۔

الحمدللہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولاان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلی اللہ تعالٰی علیھم وعلی سیدھم ومولاھم وبارك وسلم۔	سب حمد اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں اس کے لئے ہدایت دی جبکہ ہم خود راستہ پانے والے نہ تھے اگر اللہ تعالٰی ہماری رہنمائی نہ فرماتا یقینا ہمارے رب کے تمام رسول حق لائے اللہ تعالٰی ان سب پر اور ان سب کے آقا ومولا پر رحمتیں اور برکتیں اور سلامتی نازل فرمائے۔ (ت)

سماع مجرد کہ جملہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو بلاشبہ اہل کو مباح بلکہ مستحب ہے اس پر انکار ستر صدیقوں پر انکار ہے اور **معاذاللہ** صدیقین کی تکفیر کرنے والا کفر اخبث کا سزاوار ہے، اس کی تفصیل فتاوٰی فقیر خصوصا رسالہ "**اجل التحبیر**" میں ہے، ہاں مزامیر شرعًا ناجائز ہیں، حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام ست[1] (مزامیر حرام ہیں۔ت) اور اہل اللہ کسی معصیت الٰہی کے اہل نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۶۹: از کھنڈل ضلع اکیاب ملک برہما مرسلہ محمد بدیع الرحمٰن ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

اندریں کہ شخصے عالمے را در اثنائے سخن بدیں گونہ دشنام داد کہ چہ ذکر علم تحصیل نمودی وچہ ذکر عالم ہستی پس سب علم وعالم معا وانصاف آں	ایک شخص نے دوران گفتگو عالم دین کو اس طرح گالی دی ہے تونے ذکر علم حاصل کیا ہے، تو ذکر عالم ہے، اس نے علم اور عالم کو ذکر اور آلہ تناسل سے

[1] فوائد الفواد نظام الدین

باذکر وآلہ تناسل توہین علوم دین وہتک عالم متین ست یانہ، برشق اول برشاتم موصوف چساں حکم حسب شرع محمدی عائد شود بینوا بالدلیل۔	متصف کیا، یہ علم دین وعالم متین کی توہین ہے یانہیں؟ اگر ہے تو شاتم پر شرح محمدی کا کیا حکم جاری ہتاہے، دلیل کے ساتھ بیان فرمائیں (ت)

الجواب:

فقہائے کرام توہین عالم راکفر داشتہ اند، در مجمع الانہر ست: من قال للعالم عویلم علی وجہ الاستخفاف کفر[1]۔ آنجا اگر تاویل را راہی بود توہین علم دین خود کفر خالص است واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء کرام نے عالم کی توہین کو کفر قرار دیا ہے، مجمع الانہر میں ہے، اگر کسی نے توہین کی نیت سے عالم کو عویلم (گھٹیا عالم) کہا تو یہ کفر ہے، اگر یہاں تاویل کریں تو علم دین کی توہین خالصتاً کفر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۰ تا ۲۷۲: از کشمیر خاص محلّہ رنگریزاں بخانہ منشی چراغ ابراہیم براستہ جہلم مرسلہ محمد یوسف صاحب ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۳ھ

(۱) کوئی شخص فقہ کا انکار کرے کہ میرا فقہ پر ایمان نہیں ہے تو کیا وہ مسلمان ہے یا کافر؟

(۲) اگر وعظ میں کوئی کہے کہ بعد خدا کے درجہ عالم کا ہے فقط، تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی یوں کہے، کہ آدم علیہ السلام نے کپڑا بُنا ہے اور داوٗد علیہ السلام نے آہن گروں کا کام کیا ہے اور فلاں پیغمبر نے حجام کا کام کیا، تو اس میں کیا بے عزتی نبیوں کی ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) فقہ کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىِٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔ (ت)

اور قرآن مجید کا انکار کفر ہے۔

(۲) اگر اس نے عالم سے مراد یہی عرفی علماء لئے جنھیں مولوی کہتے ہیں تو یہ کلمہ کفر ہوگا کہ اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر علماء کی تفضیل لازم آتی ہے، اور اگر مطلق عالم مراد لیا کہ انبیاء

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۲

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تمام عالم سے اعلیٰ واعلم تو وہی ہیں، تو ضرور حق ہے اور جب بات محتمل ہے تو قائل پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے قرائن کلام سے متعین نہ ہوتا ہو۔

(۳) حجام کا کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت کرنا تو اس شخص کا افتراء ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کپڑا بننا سکھایا گیا، داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے لوہا نرم کیا گیا وہ اس سے زرہیں بناتے، یہ بیان اگر اس نے محل توہین میں کیا تو کافر مرتد ہے اور اگر کسی محل صحیح میں نیت صحیح سے کیا تو حرج نہیں، اور اگر نہ کوئی نیت فاسدہ تھی نہ صحیحہ ویسے ہی بے معنی حکایات کے طور پر بیان کیا تو بے ادب ہے اور قابل تعزیر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۳ و ۲۷۴: از شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ مرسلہ حاجی سعد الدین صاحب ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

تفضل حسین نے ایک جلسہ عام میں منبر پر بیٹھ کر یہ کہا کہ آج میں ایک ایسی بات بیان کرتا ہوں جو آج تک حاضرین جلسہ نے نہ سنی ہو کیونکہ کسی عالم اور کسی فقیر نے آج تک بیان نہیں کیا وہ بات یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے دولت خانے پر تشریف لائے آپ کی سوئی گر گئی تھی وہاں اندھیرا تھا اس کو وہ تلاش کر رہی تھیں تاریکی کی وجہ سے نہ ملتی تھی حضور نے تبسم فرمایا دندان اقدس کی روشنی سے وہ سوئی مل گئی، حضور نے خیال فرمایا کہ میرے دانت ایسے روشن ہیں کہ آج تک کسی کے ایسے نہ ہوئے اس تکبر کی وجہ سے حضور کا دندان اقدس جنگ اُحد میں، شہید ہوگیا۔

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے اس وجہ سے پاؤں شریف پر ورم آگیا، کسی صاحب نے یہ عرض کیا کہ حضور پتھر آگ میں گرم کرکے سینکیں، حضور نے جس وقت پتھر آگ میں ڈالا اس نے اللہ تعالٰی سے فریاد کی حکم ہوا کہ ہم اس کا بدلہ تجھ کو دیں گے ان الفاظ سے توہین ہوئی یا نہیں۔ اور ہوتی ہے تو کس حد تک، یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں یا غلط؟ اس کے بیان کرنے والے کے لئے کیا حکم ہے اور سامعین پر اس کا گناہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو وہ کس طرح اس گناہ سے بری ہوں؟

الجواب:

پہلی روایت کہ تبسم فرمانے سے سوئی مل گئی، یہاں تک ٹھیک ہے، اس کے بعد جو اس بیان کرنے والے نے بڑھایا ہے وہ صریح کذب وافتراء ہے، اور اس کے ساتھ جو اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت **معاذاللہ** تکبر کا لفظ کہا وہ صریح کفر ہے وہ ایمان سے نکل گیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، جیسے مجمع میں اس نے وہ ناپاک ملعون لفظ کہا اسے حکم ہے کہ ویسے ہی

مجمع میں توبہ کریں اور اسلام لائے اگر نئے سرے سے مسلمان نہ ہو تو مسلمانوں کو اس سے سلام و کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کی شادی غمی میں شریک ہونا حرام بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو اس کے جنازے پر جانا حرام، اسے غسل وکفن دینا حرام، اس کے جنازہ کی نماز حرام، اسے مسلمانوں کے مقابر میں دفن کرنا حرام، مرنے کے بعد اسے کچھ ثواب پہنچانا حرام، بلکہ اس کے کفر پر مطلع ہو کر جو کوئی اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا کوئی معاملہ کرے گا اور اسے مسلمان جانے گا بلکہ اس کے کفر میں شک کرے گا وہ خود کافر ہو جائے گا، شفائے امام قاضی عیاض و بزازیہ وذخیرۃ العقبٰی و مجمع الانہر و درمختار میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر [1]۔	جس نے اس کے عذاب وکفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

(۲) اور وہ جو دوسری روایت پتھر کی اس نے بیان کی وہ بھی محض جھوٹ اور اس کا افتراء ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو وہ روایت اس پر جہنم کے پتھر برسائے گی وہ لوگ جو ایسے کو بیان کرنے کے لئے بٹھاتے ہیں اور اس کا بیان سنتے ہیں سب سخت گنہ گار ہیں اور اگر اس پہلی روایت کو سن کر پسند کیا تو وہ پسند کرنے والے سب اس کی مثل کافر ہوگئے اور ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں، ان پر توبہ فرض ہے، اور ہدایت اللہ کے ہاتھ، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از کٹک بخشی بازار مرسلہ داور علی خان سہاوری ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک اشتہار بجنسہٖ روانہ خدمت کرتا ہوں اس میں نمبر ۶ میں جو لکھا ہے اس سے مسلمانان کٹک بہت الجھن میں پڑگئے ہیں کیونکہ جس کتاب کے حوالے سے لکھا ہے وہ غیر مقلدین کی کتاب کا حوالہ ہے اس واسطے مکلّف ہوں کہ اس کا جواب دیجئے تاکہ مسلمانان کٹک کی بے چینی دور ہو۔

الجواب:

ظاہرًا مسلمانوں کی پریشانی کا باعث یہ ہے کہ اس قول کو صاحب اشتہار کی طرف سے سمجھے حالانکہ اس میں وہابیہ کا قول نقل کیا ہے، یہ قول وہابیہ کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی کا ہے کہ اس نے تقویۃ الایمان میں لکھا اور شیطنت پر سخت شیطنت یہ کی کہ اس کلمہ کفر کو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کیا کہ حضور فرماتے ہیں "میں بھی تمہارے طرح ایک دن مرکر مٹی میں ملنے والا ہوں" [2] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کا کلمہ اور پھر اسے خود حضور کی طرف منسوب کرنا دوہرا استحقاق عذاب نار ہے۔

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۲

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق [1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے حرام کردیا ہے انبیاء کا بدن کھانا زمین پر، اللہ کے نبی زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں۔

دوسری صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون [2]۔	انبیاء اپنے مزارات طیبہ میں زندہ ہیں نمازیں پڑھتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶ و ۲۷۷: از رادھن پور گجرات قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک مولوی صاحب وعظ میں اس طرح کہتے تھے: "اللہ تعالٰی اپنے بندوں کو اپنے کلام پاک میں یوں ارشاد فرماتے ہیں" اور کبھی اس طرح کہتے تھے: "ارشاد فرماتا ہے" کہیں تو اللہ فرماتے ہیں اور کہیں اللہ فرماتا ہے، ایسے کلام کے کہنے سے انسان پر کفر شرک تو لازم نہیں آتا یا آتا ہے، گناہ گار ہوتا ہے یا نہیں، اور کتابوں کے مصنف نے "اللہ فرماتے ہیں" کیوں نہیں لکھا؟ اور "فرماتا ہے" لکھا، کیا وجہ؟

(۲) ابھی چند روز کی بات ہے کہ ایک شہر سے فتوے آئے ہیں اس میں کئی مہریں ہیں اس میں لکھا ہے کہ "بہشتی زیور" سے انکار کرنے والا کافر ہے، اس کی عورت بھی نکاح سے خارج ہوگئی، اقرار وانکار کرنے والے مسلمان ہی ہیں، مسلمانوں کو کافر کہنا جائز ہے۔؟ جنھوں نے مسلمانوں کو کافر کہا اسے کیا چاہئے؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کو ضمائر مفرد سے یاد کرنا مناسب ہے کہ وہ واحد احد فرد وتر ہے اور تعظیماً ضمائر جمع میں بھی حرج نہیں، اس کی نظیر قرآن عظیم میں ضمائر متکلم ہیں تو صدہا جگہ ہے: (مثلا)

"اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ	بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود

[1] سنن ابن ماجہ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[2] مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیہم السلام دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۱، المطالب العالیہ حدیث ۳۴۵۲ توزیع عباس احمد البازمکۃ المکرمہ ۳/ ۲۶۹

لَحٰفِظُوۡنَ"۔	اس کے نگہبان ہیں۔(ت)

اور ضمائر خطاب میں صرف ایک جگہ ہے وہ بھی کلام کافر سے کہ عرض کرے گا: رب ارجعون لعلی اعمل صٰلحا (اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ت) اس میں علماء نے تاویل فرمادی کہ یہ "ارجع" کی جمع باعتبار تکرار ہے یعنی "ارجع ارجع ارجع" ہاں ضمائر غیبت میں بے ذکر مرجع صیغ جمع فارسی، اور اردو میں بکثرت بلا نکیر رائج ہیں۔ ؎

آسماں بار امانت نتوانست کشید قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

(آسمان امانت کا بوجھ نہ اٹھاسکا، قرعہ فال مجھ دیوانے کے نام نکلا۔ت)

ع سعدیا روز اول جنگ بہ ترکاں دادند

(اے سعدی! روز اول سے جنگ ترکوں کو دے دی گئی ہے۔ت)

؎ ز رویت ماہ تابان آفریدند ز قدت سر بستان آفریدند

(تیرے چہرہ اقدس سے روشن چاند پیدا ہوتے ہیں تیرے قدانور سے باغ کے سرو اگتے ہیں۔ت)

ایسی جگہ لوگ کارکنان قضاء وقدر کو مرجع بتاتے ہیں، بہرحال یونہی کہنا مناسب ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے، مگر اس میں کفر وشرک کا حکم کسی طرح نہیں ہوسکتا، نہ گناہ ہی کہا جائے گا بلکہ خلاف اولٰی۔

(۲) مسلمان کو کافر ٹھہرانا کفر ہے مگر اس کی کیا شکایت کہ بہشتی زیور کا مصنف اور اس کے ماننے والے وہی ہیں جن کو علمائے حرمین شریفین فرماچکے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸: از کھنوڑہ ضلع ہوشیار پور مرسلہ امجد علی خاں صاحب معرفت مولوی شفیع احمد صاحب بیلپوری متعلّم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی شخص آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو بدلیل حدیث انا من نور اللہ[1] (میں اللہ کے نور سے ہوں۔ت) نور الٰہی کا جزو مانے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ لفظ معنی فاسد کا موہم، اور موہم سے بچنا واجب، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] تذکرۃ الموضوعات باب فضل الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۸۶

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔	محض محال معنی کا وہم بھی ممانعت کے لئے کافی ہوتا ہے۔(ت)

نور کا اطلاق نفس ذات پر بھی ہے،

"اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ" [2]۔	اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔(ت)

بلکہ حقیقۃً نور وہی ہے،

فان النور ھو الظاھر بنفسہ والمظھر لغیرہ کما قال الامام حجۃ الاسلام الغزالی۔	کیونکہ نور بنفسہٖ ظاہر اور غیر کو ظاہر کرنے والا ہے جیسا کہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے کہا۔(ت)

اور حقیقت لغویہ وعرفیہ میں روشنی کو کہتے ہیں وہ ایک عرض اور مخلوق ہے **قالہ الامام النووی فی شرح صحیح مسلم** (یہ بات امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں کہی ہے۔ت) معنی اول پر جزئیت محال اور اس کا ماننا کفر، اور معنی دوم پر جزئیت واقع، اور اس کا ماننا صحیح، لہٰذا ایسے لفظ کے یوں اطلاق سے احتراز چاہئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از کوہ الموڑہ بانس گلی مرسلہ کریم بخش عرف بھوا　　۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

ہولی کے موقع پر سر بازار مخصوص مسلمانوں کی دکانوں کے روبرو ٹھہر ٹھہر کے ہنود نے ایسے شرمناک الفاظ میں حملہ کیا، ایک گیت گایا جس میں مذمت کلام پاک اور توہین خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھی، وہ الفاظ یہ ہیں، گیت، مسلمانوں کی لڑکیاں پڑھنے بیٹھیں قرآن، اللہ مارے۔۔۔۔۔ [عہ۱] رسول مارے۔۔۔۔۔ [عہ۲] ان الفاظ کو مسلمانان الموڑہ سن کر بذریعہ کچہری چارہ جوئی نہ کریں ہنود کے معافی چاہنے پر معافی دینے کو آمادہ ہوجائیں تو شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا مسلمان مواخذہ دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:

"اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾" [3] (سنو، ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ت) وہ بے عزت لوگ شاید

عہ۱: و عہ۲: یہاں فحش الفاظ تھے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

مسلمان ہی نہ ہوں گے، جنھوں نے اللہ واحد قہار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں ایسے ناپاک ملعون الفاظ سنے اور کچھ پروانہ کی، ملعون گانے والے کافروں اور خبیث سننے والوں کی ضرور ملی بھگت ہوگی، وہ خوب جانتے ہوں گے کہ یہ باطن میں کافر اور ان کے دینی بھائی اورانھیں کی طرح ہولی کی آگ میں دینی حمیت اور انسانی غیرت دونوں پھونکے بیٹھے ہیں، جب توان کے سامنے بے دغدغہ اللہ ورسول کو برسر بازار گالیاں دیں اور ان کے ساتھ بے غیرتوں کی بیٹیوں کو کیا کیا بکھانیں، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ "[1] (سنو، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) یہ بے عزت اگر واقع میں مسلمان نہیں ہیں توانھیں جہنم میں جانے دیں، وہاں اور جو مسلمان ہیں ان پر لازم ہے کہ جائز چارہ جوئی انتہا کو پہنچائیں، ورنہ اعداء اللہ کو اور شہ ہوگی اور اللہ ورسول کو اورزیادہ گالیاں دی جائیں گی اور اس کا وبال ان سب خاموش رہنے والوں پر پڑے گا، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ "[2] اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقط چند بے غیرتوں کے نہیں ان کے معافی دینے سے معافی ہوجائے، اس میں ہر مسلمان مدعی ہے، امام قاضی عیاض شفا شریف میں امام اجل،

(نوٹ: جواب نامکمل دستیاب ہوا)

مسئلہ ۲۸۰تا۲۸۵: از خیر آباد محلہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب　　۲۴رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن وشوہر، ہندہ جاہل بیوقوف اور بدمزاج ہے، زید اپنی معمولی ضرورت بھرپڑھالکھا ہے اور اپنے مذہب کا پابند ہے۔ ہندہ کی بیوقوفی سے زید کچھ ناخوش ہوااس پر ہندہ تند مزاج ہوگئی، حالت تکرار میں غصہ سے زید نے ہندہ سے یہ کہاکہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی کچھ سودمند نہ ہوااور پھر فضیحت اپنی اور تمھاری لوگوں میں کی، اس کی بھی تم نے پرواہ نہ کی، اب درجہ اذیت کا باقی ہے جو میں تم کو دے سکتا ہوں اور یہ شریعت کی تعلیم ہے گو اذیت دینے کو طبیعت نہیں چاہتی اور اس کے بعد اگر راہ پر نہ آؤگی پھر مجبورًا مجھ کو اخیر درجہ کا جو حکم ہے اس کی تعمیل کرنا ہوگی، اگر تم کو میرے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے تو تم آزادی حاصل کرسکتی ہو اور میں تم کو آزاد کرسکتا ہوں اس کے بعد جو میرا جی چاہے گا میں کروں گا، اور جو تمھارا جی چاہے تم کرنا، اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ شریعت کا یہ صاف حکم ہے کہ جب کسی طرح نباہ کی شکل نہ ہو تو آزادی ہونا چاہئے، اس پر ہندہ نے غصہ میں یہ کہاکہ "چولھے میں جائے ایسی شریعت" یا" مری پڑے ایسی شریعت پر"

(۱) اس فقرہ کے جاری کرنے سے عورت کس جرم یاگناہ کی مرتکب ہوئی اور اس کا دفعیہ کیا ہے؟

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

(۲) ایسے الفاظ کہنے سے عورت پر ارتداد کا حکم تو نہیں ہوتا ہے؟

(۳) اگر ارتداد کا حکم عائد ہوتا ہے تو نکاح ہندہ اور زید میں کوئی نقصان ہے یا نہیں؟

(۴) اگر اس فعل سے نکاح میں کچھ نقصان ہوا اور شوہر نے جماع کیا تو یہ فعل کیا ہوا؟

(۵) اگر ایسی صورت میں جماع کیا اور حمل قرار پاگیا تو اولاد کیا کہلاوے گی؟ حلالی یا حرامی؟

(۶) اور اگر کوئی حکم الفاظ بالا کی وجہ سے عورت کے خلاف ہے اور اس کا نکاح میں کچھ نقصان نہیں تو اس کا دفعیہ کیا ہے؟

الجواب:

ہندہ مرتدہ کافرہ ہوگئی، شوہر پر حرام ہوگئی، جب تک توبہ کرکے اسلام نہ لائے اس سے جماع حرام ہے، اس جماع سے جو اولاد ہوگی ولد الحرام ہوگی اگرچہ ولد الزنا نہ کہیں، ہندہ پر فرض ہے کہ اس ملعون ناپاک لفظ سے توبہ کرے اور از سر نو مسلمان ہو، اس کے بعد زید دو گواہوں کے سامنے اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۶: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مسئولہ محمد یامین صاحب ۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کافر کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ نہیں کہنا چاہئے اس لئے کہ شاید مرتے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لائے، زید اگر باز نہ آئے تو اس سے سلام علیک جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

کافر کو ضرور کافر کہا جائے گا، زید کا خیال غلط ہے جہالت پر مبنی ہے اسے سمجھایا جائے اگر نہ مانے تو قابل ترک ہے پھر اس سے سلام علیک نہ کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از موضع موہن پور ڈاکخانہ دیورنیاں ضلع بریلی مرسلہ نور محمد نور باف ۱۳ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت منکوحہ کو اسی روز اس کے خاوند نے طلاق دی اور اسی روز قاضی صاحب نے اس کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ پڑھادیا قاضی مذکور سے کہا گیا کہ یہ نکاح ناجائز ہے کیونکہ اس میں عدت کی ضرورت ہے، انھوں نے کہا کچھ ضرورت نہیں ہے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کتنے نکاح ایسے پڑھائے ہوں گے، انھوں نے کہا کہ سیکڑوں نکاح ہم نے ایسے ہی پڑھائے ہیں، حالانکہ وہ عورت بالغ تھی اور اپنے شوہر کے یہاں آتی جاتی اور رہتی تھی اس حالت میں وہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟ اور نکاح پڑھانے والے پر شریعت کا حکم کیا ہے؟ اس شخص کا نکاح پڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان قاضی صاحب کا بھی نکاح رہا یا نہیں؟

الجواب:

وہ نکاح حرام قطعی ہوا، اور اس میں قربت زنائے خالص ہے ان مرد و عورت پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جدا ہو جائیں، اور عورت پر فرض ہے کہ عدت پوری کرے اس کے بعد نکاح کر سکتی ہے، قاضی جو مدت سے نکاح خوانی کر رہا ہے نرا وحشی جنگلی نہیں ہو سکتا، جو مسئلہ عدت سے آگاہ نہ ہو اس حالت میں اس کا کہنا کہ "عدت کی کچھ ضرورت نہیں۔" کفر ہے اس کی عورت نکاح سے نکل گئی اور وہ ایمان سے خارج ہو گیا، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور مسلمان ہو، اس کے بعد اس کی عورت راضی ہو تو اس سے دوبارہ نکاح کرے، ایسے شخص سے نکاح ہر گز نہ پڑھوایا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از شہر بریلی کہنہ محلّہ گھیر جعفر صاحب مسئولہ امتیاز رسول صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مرتبہ کسی جگہ بسم اللہ شریف میں گیا اور وہاں سے جب واپس آیا تو اس کو اپنے دوست عمرو کے گھر جانے کا اتفاق ہوا، عمرو نے دریافت کیا کہ کہاں گئے تھے؟ زید نے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو بسم اللہ شریف میں جانے کا اتفاق ہوا، دوسرے دن زید شہر کو کپڑا وغیرہ خریدنے گیا لوٹتے ہوئے جب عمرو کے مکان پر سے گزرا تو عمرو نے بطور مذاق کے دریافت کیا کہ بسم اللہ میں گئے تھے؟ چونکہ زید تھکا ہوا تھا گرمی زیادہ پڑرہی تھی کچھ ہوش و حواس بجا نہ تھے غلطی سے بے ساختہ اس کی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا کہ **نعوذ باللہ** "ستر پر گئی **بسم اللہ**، تمھیں ہر وقت مذاق ہی رہتا ہے" **بعدہ** زید اتنا کہہ کر بہت شرمندہ ہوا اور اس نے توبہ کرلی، مگر پھر بھی وہ لوگ اس کو کافر کہنے لگے انھوں نے تمام لوگوں کو مجبور کرکے کہلوایا کہ یہ کافر ہے، حالانکہ اس نے صدق دل سے توبہ کرلی، اب اگر اور کوئی طریقہ توبہ کرنے کا ہے وہ تحریر کردیجئے اور ان لوگوں کی بابت تحریر کیجئے کہ وہ کس حالت میں ہیں جو کہ ایک مسلمان کو توبہ کرنے کے بعد بھی کافر کہیں، زید کی مراد لفظ **بسم اللہ** سے نہ تھی بلکہ اس رسم سے جس میں لوگ بطور شادی وغیرہ کے جمع ہو جاتے ہیں۔

الجواب:

اس میں زید نے برا کیا بہت برا کیا اس پر توبہ فرض تھی، وہ اس نے کرلی، اس کے بعد لوگ اسے کافر کہتے ہیں سخت سخت اشد اشد گنہگار و مستحق عذاب نار ہوتے ہیں، ڈریں ڈریں کہ کہیں خود کفر میں نہ پڑیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ [1]۔	یعنی جو کسی مسلمان بھائی کو توبہ کے بعد اس گناہ کا طعنہ دے

[1] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۷۳

رواہ الترمذی عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ وحسنہ ای ذنب قد تاب منہ[1] کما فی روایۃ ذکرھا فی الشرعۃ قال فی الحدیقۃ الندیۃ۔	وہ نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ کا مرتکب نہ ہو (اسے ترمذی نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اسے حسن کہا ــــــ یہاں وہ گناہ مراد ہے جس سے توبہ کرلی گئی ہو، جیساکہ شرعۃ میں مذکورہ روایت میں ہے اسے حدیقۃ الندیۃ میں بیان فرمایا گیاہے۔ت)
والعیاذ باللہ تعالٰی ھذا فی الذنب فکیف بالاکفار و مالہ من قرار، واللہ تعالٰی اعلم۔	العیاذ باللہ تعالٰی یہ محض گناہ کے بارے میں ہے جس نے کسی کو بغیر ثبوت کے تکفیر کردی اس کا کیا بنے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۹: مسئولہ مولوی حشمت اللہ صاحب سنی حنفی قادری رضوی لکھنوی ۲۴ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین **کثرھم اللہ تعالٰی ونصرھم وایدھم** اس مسئلہ میں کہ سنیوں کے محلّہ میں ایک قادیانی آکر بسا، زید سنی نے مردوں عورتوں کو اس کے گھر میں جانے، اس سے خلا ملا، میل جول حصہ بخرہ رکھنے سے منع کیا، ہندہ جس کے بیٹے وغیرہم سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہیں اس نے کہا کہ بڑے نمازیئے پڑھ کے ملا ہوگئے ہم عذاب ہی بھگت لیں گے، اس بیچارے قادیانی کو دق کررکھا ہے تواب ہندہ کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماکر اجر پایئے۔ت)

الجواب:

ہندہ نماز کی تحقیر کرنے، عذاب الٰہی کو ہلکا ٹھہرانے اور قادیانی کو اس فعل مسلمانان سے مظلوم جاننے اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم وناحق سمجھنے کے سبب اسلام سے خارج ہوگئی اپنے شوہر پر حرام ہوگئی جب تک نئے سرے سے مسلمان ہوکر اپنے ان کلمات سے توبہ نہ کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ تاج الدین امام مسجد ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بدمذہب کہتاہے کہ نور حضرت کا غیر مخلوق ہے۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور یقینا مخلوق الٰہی ہے، مصنف عبدالرزاق میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ ۶۰انواع میں سے نوع ۱۲ الطعن والتعییر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۴۰

یاجابر ان الله خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ [1] (الحدیث)	اے جابر! بیشک الله تعالٰی نے تمام جہانوں سے پہلے تیرے نبی کانور اپنے نور سے پیدافرمایا۔

جو حضور کے نور کو غیر مخلوق کہے منکر قرآن عظیم ہے،

قال الله تعالٰی "خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ" [2] ۔والله تعالٰی اعلم۔	الله تعالٰی کافرمان مبارک ہے: وہ ہر شیئ کا خالق ہے تو اسی کی عبادت کرو، والله تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۱: از گونا سنٹرل انڈیا ریاست گوالیار مرسلہ محمد صدیق سیکرٹری انجمن اسلامیہ ۱۷صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ٹوٹکے کراتاہے بکرا بطور صدقہ مریض کے سرہانے بندھاتاہے اور مریض کو سوار کراتاہے (اگروہ کمسن ہو) پھر اس بکرے کو دفن کراتاہے اور وہ اس کو ضروری خیال کرتاہے اور اس پر عامل ہواور پتلا بنواوے اور مرغا گڑواوے اور سیندور وغیرہ لگواوے جو طریقہ سحر سے ہے، آیازید مبتلائے شرک ہے یانہیں؟ اور اس پر توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے یانہیں؟ اور ایسے شخص کو اہل اسلام کو امام اپنا بنانا چاہئے یانہیں؟ اور اگر مسلمانوں سے کہا جاوے کہ ایسے شخص پر زجر کرنا چاہئے اس کو کم از کم امامت سے معزول کردو اس پر چند ان پڑھ مسلمان یہ کہیں کہ ہم تو زید پر ایمان لائے ہیں؟ تو یہ کیساہے؟ اگر زید کے مراسم نیلام کنندہ شراب سے ہوں جو پارسی ہے اور آمدنی شراب سے وہ روپے دیتاہو اور زید اسے بلاکراہت نہایت خوشی سے خرچ میں لاتاہو اور اس نیلام کار شراب کے یہاں سے کھانا آتاہو جو آمدنی شراب سے ہے اور زید بخوشی اسے کھاتاہو تو زید کو امامت سے معزول کردینا، مسلمانوں کے لئے امر مستحسن ہے یانہیں؟ اور جو ان پڑھ لوگ اس کے امام رہنے پر اصرار کریں ان کی بابت کیاحکم ہے؟

الجواب:

بکرا دفن کرنا اور مرغا گاڑنا اور اسے صدقہ سمجھنا اور خصوصاً ضروری جاننا اور پتلا بنوانا یہ سب افعال شیاطین وساحران ملعونین ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی قول یافعل یااعتقاد کفری ہو تو ضرور کفر ہے ورنہ

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ عبدالرزاق اول المخلوقات المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۳

کبیرہ اور سخت کبیرہ اور فاعل فاسق اور عذاب نار کا مستحق اور امامت کا محض نالائق، اسے معزول کرنا واجب اور اس کے پیچھے نماز ممنوع وگناہ اور اس کا پھیرنا لازم، اور جو اس کی حمایت کرتے ہیں مورد عذاب و مستحق عقاب ہوتے ہیں، خصوصا وہ کہنے والے کہ ہم تو زید پر ایمان لائے ہیں انھیں تجدید اسلام و نکاح چاہئے اور زید کو بھی جبکہ قولاً یا فعلاً کوئی کفر صریح اس سے ثابت نہ ہو ورنہ خود ہی اس کا نکاح باطل اور اسلام زائل، **والعیاذ باللہ**، کافر سے دوستانہ رکھنا مسلمانوں کو شایاں نہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم انھیں خبریں پہنچاتے ہو دوستی سے حالانکہ وہ منکر ہیں اس حق کے جو تمھارے پاس آیا ہے۔(ت)

شراب کی آمدنی کہ کافر کے پاس ہے اس کا وہ حکم نہیں جو مسلم کے پاس ہونے کا ہے، کافر کہ بخوشی اپنے مال سے مسلمان کو دیتا ہے مسلمان کو اس کے لینے میں حرج نہیں اور آمدنی سے خریدے ہوئے کھانے میں تو اور توسیع ہے کہ مسلمان کے یہاں بھی جب تک عقد و نقد دونوں حرام زر پر جمع نہ ہوں اس کی خباثت شیئ مشتری کی طرف سرایت نہیں کرتی **کما ھو مذہب الامام الکرخی المفتی بہ** (جیسا کہ امام کرخی کا مذہب اور مفتی بہ قول ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم مرسلہ مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

قبلہ کونین وکعبہ دارین دامت فیوضہم بعد تسلیمات فدویانہ التماس ایں کہ کتاب ارشاد رحمانی تصنیف مولوی محمد علی سابق ناظم ندوہ جن کے بابت ان کے ایک پیر بھائی نے مجھ سے کہا کہ وہ اب سابق افعال و کوشش متعلق ندوہ سے تائب ہوگئے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ حالات مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں لکھا کہ بخاری شریف کے سبق میں حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذکر پر احمد میاں نے کہا کہ کرشن کے سولہ ہزار گوپیاں تھیں، اسی پر مولانا مرحوم نے فرمایا کہ یہ لوگ مسلمان تھے اور مصنف نے ان کے بعد لکھا ہے کہ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ کسی مردے کے کفر پر تاوقتیکہ ثبوت شرعی نہ ہو حکم نہ لگانا چاہئے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ[2] (ہر قوم کے لئے ہادی ہے۔ت) اس تقدیر پر ہوسکتا ہے کہ

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۷

رام چندر اور کرشن ولی یا نبی ہوں لہذا فدوی مکلّف خدمت فیض درجت ہے کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں صاحب رحمۃاللہ تعالٰی علیہ نے کسی مکتوب وغیرہ میں یہ لکھا ہے اور حضور نے ملاحظہ فرمایا ہے، قول مذکور رام چندر و کرشن مرزا صاحب نے کسی شخص کے خواب کی تعبیر میں فرمایا ہے، یہ بھی اس کتاب میں مرقوم ہے **فقط**۔

الجواب:

مولوی محمد علی صاحب نہ خیالات سابقہ سے تائب ہوئے نہ اس حکایت کی کچھ اصل جو مولانا فضل الرحمٰن کی طرف منسوب ہوئی، نہ یہ بات جناب مرزا صاحب نے کسی خواب کی تعبیر میں کہی بلکہ کسی خط کے جواب میں ایک مکتوب لکھا ہے، اس میں ہندوؤں کے دین کو محض بربنائے ظن و تخمین دین سماوی گمان کرنے کی ضرور کوشش فرمائی ہے بلکہ معارف و مکاشفات وعلوم عقلی و نقلی میں ان کا ید طولٰی مانا ہے، بلکہ ان کی بت پرستی کو شرک سے منزہ اور صوفیہ کرام کے تصور برزخ کے مثل مانا ہے اور بحکم "لِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ"[1] (ہر امت کے لئے رسول ہے۔ت) ہندوستان میں بھی بعثت انبیاء ہونا اور ان کے بزرگوں کا مرتبہ کمال و تکمیل رکھنا لکھا ہے، مگر رام یا کرشن کا نام نہیں بایں ہمہ فرمایا ہے:

درشان آنہا سکوت اولٰی ست نہ مارا جزم بکفر وہلاک اتباع آنہا لازم ست ونہ یقین بہ نجات آنہا برماواجب ومادہ حسن ظن متحقق ست[2]۔	ان کے بارے میں سکوت اولٰی ہے ہم پر ان کے کفر اور ان کے اتباع کا ہلاک ہونا ماننا لازم نہیں اور نہ ان کی نجات پر یقین لازم ہے البتہ حسن ظن متحقق ہے۔(ت)

یہ اس تمام مکتوب کا خلاصہ ہے، ان فقرات کا حال قبل اظہار خود آشکار، اگر یہ مکتوب مرزا صاحب کا ہے اور اگر ان کا بے دلیل فرمانا سند میں پیش کیا جاسکتا ہے تو ان سے بدرجہا اقدم واعلم حضرت زبدۃ العارفین سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی سبع سنابل شریف میں کہ بارگاہ رسالت میں پیش اور سرکار کو مقبول ہوچکی، ص ۱۷۰ میں فرماتے ہیں:

مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری را درماہ ربیع الاول بجہت عرس رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام	مخدوم شیخ ابوالفتح جون پوری کو ماہ ربیع الاول میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۴۷

[2] مکتوبات مرزا مظہر از کلمات طیبات مکتوب ۱۴ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷

از دہ جا استدعا آمد کہ بعد از نماز پیشیں حاضر شوند ہر دہ استدعا قبول کردند حاضراں پر سیدند اے مخدوم ہر دہ استدعا قبول فرمودید ہر جا بعد از نماز پیشیں حاضر باید شد چگونہ میسر خواہد آمد، فرمود کشن کہ کافر بود چند صد جا حاضر می شد اگر ابوالفتح دہ جا حاضر شود چہ عجب[1]۔	میلاد مبارک میں دس مقامات سے دعوت شرکت دی گئی کہ نماز ظہر کے بعد تشریف لائیں، آپ نے تمام کی استدعا قبول کرلی، حاضرین نے آپ سے پوچھا اے مخدوم ما! آپ نے ہر جگہ نماز ظہر کے بعد دعوت قبول فرمالی ہے تو ہر جگہ بعد از نماز ظہر جانا کیسے ہوگا؟ فرمایا: کشن جو کافر تھا وہ کئی سو جگہ حاضر ہوسکتا ہے اگر ابوالفتح دس جگہ حاضر ہوگا تو کیا عجب! (ت)

بات یہ ہے کہ نبوت ورسالت میں اوہام وتخمین کو دخل حاصل نہیں "اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ"[2] (اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھنا ہے۔ت) اللہ ورسول نے جن کو تفصیلا نبی بتایا ہم ان پر تفصیلا ایمان لائے، اور باقی تمام انبیاء اللہ پر اجمالا "لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ"[3] (ہر امت کے لئے رسول ہے۔ت) اسے مستلزم نہیں کہ ہر رسول کو ہم جانیں یا نہ جانیں تو خواہی نخواہی اندھے کی لاٹھی سے ٹٹولیں کہ شاید یہ ہو شاید یہ ہو، کاہے کے لئے ٹٹولنا اور کاہے کے لئے شاید، **امنا باللہ ورسلہ** (ہم اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ت) ہزاروں امتوں کا ہمیں نام ومقام تک معلوم نہیں "وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿۳۸﴾"[4] (اور ان کے بیچ میں بہت سی سنگتیں ہیں۔ت) قرآن عظیم یا حدیث کریم میں رام وکرشن کا ذکر تک نہیں۔ ان کے نفس وجود پر سوائے تواتر ہنود ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں کہ یہ واقع میں کچھ اشخاص تھے بھی یا محض انیاب اغوال ورجال بوستان خیال کی طرح اوہام تراشیدہ ہیں، تواتر ہنود اگر حجت نہیں تو ان کا وجود ہی ناثابت اور اگر حجت ہے تو اسی تواتر سے ان کا فسق وفجور ولہو ولعب ثابت، پھر کیا معنی کہ وجود کے لئے تواتر ہنود مقبول اور احوال کے لئے مردود مانا جائے اور انھیں کامل ومکمل بلکہ ظنا معاذاللہ انبیاء ورسل جانا مانا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳ و ۲۹۴: از رائے پور ممالک متوسط گول بازار مرسلہ مرزا محمد اسمٰعیل بیگ ۲۹ صفر ۱۳۳۸ھ

مندرجہ ذیل مکالمہ اس غرض سے علمائے دین کی خدمت اقدس میں ارسال ہے کہ از راہ کرم

---

[1] سبع سنابل حکایت مخدوم شیخ ابوالفتح جونپوری مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۴

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۴۷

[4] القرآن الکریم ۲۵/ ۳۸

جلد تر اس کا جواب دیں کہ قول اصح کس کا ہے، اور اس کے دلائل کیا ہیں؟ اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اہل سنت وجماعت کا مقتدی بنائے رکھے آمین ثم آمین، **بینوا توجروا۔**

(۱) زید کا قول یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے مثل ایک بشر تھے کیونکہ قرآن عظیم میں ارشاد ہے کہ "**قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ**"[1] (تم فرماؤ کہ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں۔ت) اور خصائص بشریت بھی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، کیا کھانا پینا جماع کرنا بیٹا ہونا باپ ہونا کفو ہونا سونا وغیرہ امور خواص بشریت سے نہیں ہیں جو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بلاشبہ موجود تھے، ہاں اگر کوئی بشریت کی بناء پر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مساوات کا دعوٰی کرنے لگے تو یہ نالائق حرکت ہے لیکن اس کا کون قائل ہوسکتا ہے سوائے صوفیائے مغلوبین کے کہ وہ بعض مقام پر پہنچ کر غلبہ سُکر کی وجہ سے اپنی رفعت کا دم بھرنے لگتے ہیں جیسا کہ عارف بسطامی سے منقول ہے کہ:

لوائی ارفع من لواءِ محمد[2] (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)	میرا جھنڈا حضرت محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہوگا۔(ت)

(۲) عمرو کہتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشریت ہمارے مثل نہ تھی بلکہ اقوال بزرگان وپیشوایان امت سے ثابت ہے کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راسہ صورت است: یکے بشری، **قولہ تعالٰی "اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"**[3] (فرمان خداوندی ہے: میں تم جیسا بشر ہوں۔ت) دوم ملکی، چنانچہ فرمودہ است:

انی لست کاحد کم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی[4]۔	میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔(ت)

سوم حقی، **کما قال** (جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت):

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[4] مسند امام احمد حنبل از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۵۳۔۲۴۴

لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُ فِیْہِ مَلَکٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِیٌّ مُّرْسَلٌ[1]	میرے واسطے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے کہ نہیں گنجائش رکھتا ہے اس وقت میرے ساتھ کوئی مقرب فرشتہ نہ کوئی نبی بھیجا ہوا۔ (ت)

اور کھانا پینا سونا جاگنا جو خصائص بشریت حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اس بناء پر اپنے مثل سمجھنا جیسا کہ کفار اور مشرکین کہا کرتے تھے۔

"مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ"[2]	اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ (ت)

سراسر بے ادبی وگستاخی ہے، جیسا مولانا روم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: ؎

گفت اینک ما بشر ایشاں بشر ... ما و ایشاں بستہ خوابیم و خور

ایں نداشتند ایشاں از عمی ... ہست فرقے درمیاں بے انتہا[3]

(انھوں نے کہا ہم بھی بشر یہ بھی بشر ہم سوتے ہیں کھاتے ہیں یہ بھی سوتے ہیں کھاتے ہیں یہ اندھا ہونے کی بناپر نہیں جانتے کہ ان کے اور حضور کے درمیان بے انتہا فرق ہے۔ ت)

یہ تو کفار و مشرکین کا قول تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس "اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ"[4] (میں تمھاری مثل بشر ہوں۔ ت) کے کہنے پر مامور تھے جس کی دلالت لفظ قُل کرتا ہے ورنہ جب **ایکم مثلی**[5] (تم میں سے کون ہے میری مثل۔ ت) ارشاد ہوا ہے اسے زید کس معنٰی پر تاویل کرے گا، لہذا اپنے مثل بشر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سمجھنا سوء ادب ہے اور اس سے احتراز لازم، کیونکہ: ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ... گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر[6]

(پاک لوگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو اگرچہ لکھنے میں شیر اور شیر (دودھ) ایک جیسے ہوں۔ ت)

---

[1] الاسرار المرفوعۃ فی الاخبار الموضوعۃ حدیث ۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷

[3] مثنوی مولوی معنوی حکایت مرد بقال و روغن ریختن طوطی دفتر اول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

[5] صحیح البخاری باب کم التعزیر والادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۱۲

[6] مثنوی مولوی معنوی حکایت مرد بقال و روغن ریختن طوطی دفتر اول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۱

حق تو یہ ہے، مثلے ہست کہ (مثل ہے کہ۔ت)

الجنس الی الجنس یمیل * بہر دل من بردن صورت انساں داری

(ہر جنس اپنی جنس کی طرف میلان کرتی ہے، میرا دل لے جانے کے لئے تو نے انسان کی صورت اختیار کی ہے۔ت)

رہا یہ قصہ کہ صوفیائے کرام مثلا حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو یہ فرمایا کہ:

لوائی ارفع من لواء محمد [1] (**رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم**)	میرا جھنڈا حضور اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے جھنڈے سے بلند ہوگا۔(ت)

اسے اس کا یعنی زید کا نالائق حرکت کہنا صوفیاء صافی اور عارف بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان میں سخت گستاخی اور سفلہ پن ہے۔نہ اس سے مساوات کی بو آتی ہے،اور نہ فضیلت ہی استغفر اللہ پائی جاتی ہے بلکہ ان ظاہر بینوں کے لئے جو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بشر سمجھے ہوئے ہیں ایک تازیانہ ہے،ان کا یہ کلام ع

گفتہ او گفتہ اللہ بود

(ان کا کہنا اللہ تعالٰی کا کہنا ہے۔ت)

کے مصداق ہے ورنہ: ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

(خاک کی عالم پاک کے ساتھ کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ت)

پس حضور انور اور دیگر بزرگوں علیہم التحیۃ والثناء کے کسی قول وفعل پر انھیں اپنے مثل بشر سمجھنا ضلالت وبددینی ہے کیونکہ:

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد گر حفظ مراتب نہ کنی زندیق ست

(ہر مرتبہ وجود کے اعتبار سے الگ حکم رکھتا ہے اگر مراتب کے فرق کو سامنے نہیں رکھو گے تو گمراہ وزندیق ہو جاؤ گے۔ت)

اسی بناء پر شیخ محقق فرماتے ہیں:

بالجملہ تکلم کردن درحال شریف سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات بقیاس بلکہ	سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے حال مبارک میں عقل کے ساتھ بلکہ اپنی دریافت کی بنیاد

[1] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

بدریافت معرفت خود از دائرہ جنس ادب بیرون ست وحکم تکلم در تشابہات دارد[1]۔انتہی کلام عمرو۔	پر گفتگو کرنا جنس ادب سے باہر ہے اور متشابہات میں گفتگو کے حکم میں ہے عمرو کا کلام ختم ہوا۔(ت)

مستفتی عرض کرتا ہے کہ جلد سے جلد اس کا جواب عنایت فرمایا جائے،اگر بواپسی ڈاک ہو تو عین احسان و کرم ہے،اللہ تعالٰی حضور کو جزائے خیر دے۔فقط

الجواب:

مستفتی کو تعجیل اور فقیر بتیس روز سے علیل،اور مسئلہ ظاہر وبین غیر محتاج دلیل،لہذا صرف ان اجمالی کلمات پر اقتصار ہوتا ہے،عمرو کا قول مسلمانوں کا قول ہے اور زید نے وہی کہا جو کافر کہا کرتے تھے:

"قَالُوْا مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ"[2]	کافر بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی۔

بلکہ زید مدعی اسلام کا قول ان کافروں کے قول سے بعید تر ہے وہ جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا سا بشر مانتے تھے اس لئے ان کی رسالت سے منکر تھے کہ:

"مَاۤ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَاۤ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ﴿۱۵﴾ "[3]	تم تو نہیں مگر ہماری مثل بشر،اور رحمان نے کچھ نہیں اتارا تم نرا جھوٹ کہتے ہو۔(ت)

واقعی جب ان خبثاء کے نزدیک وحی نبوت باطل تھی تو انھیں اپنی اسی بشریت کے سوا کیا نظر آتا لیکن ان سے زیادہ دل کے اندھے وہ کہ وحی و نبوت کا اقرار کریں اور پھر انھیں اپنا ہی سا بشر جانیں،زید کو "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ"[4] سوجھا اور "یوحٰی الی" نہ سوجھا جو غیر متناہی فرق ظاہر کرتا ہے،زید نے اتنا ہی ٹکڑا لیا جو کافر لیتے تھے،انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بشریت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت سے اعلٰی ہے وہ ظاہری صورت میں ظاہر بینوں کی آنکھوں میں بشریت رکھتے ہیں جس سے مقصود خلق کا ان سے انس حاصل کرنا اور ان سے فیض پانا،ولہذا ارشاد فرماتا ہے:

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۱۰

"وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹"[1]	اور اگر ہم فرشتے کو رسول کرکے بھیجتے تو ضرور اسے مرد ہی کی شکل میں بھیجتے اور ضرور انھیں اسی شبہہ میں رکھتے جس دھوکے میں اب ہیں۔

ظاہر ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ظاہری صورت دیکھ کر انھیں اوروں کی مثل سمجھنا ان کی بشریت کو اپنا سا جاننا ظاہر بینوں کور باطنوں کا دھوکا ہے یہ شیطان کے دھوکے میں پڑے ہیں۔

ہمسری با اولیاء بر داشتہ　　　انبیاء راہچوں خود پنداشتند

(اولیاء کی برابری اختیار کرنا اپنے آپ کو انبیاء جیسا تصور کرنا ہے۔ت)

ان کا کھانا پینا سونا یہ افعال بشری اس لئے نہیں کہ وہ ان کے محتاج ہیں حاشا،

لست کاحدکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی[2]	میں تمھاری طرح نہیں ہوں میں اپنے رب کے ہاں رات بسر کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔ (ت)

ان کے یہ افعال بھی اقامت سنت و تعلیم امت کے لئے تھے کہ ہر بات میں طریقہ محمودہ لوگوں کو عملی طور سے دکھائیں جیسے ان کا سہو ونسیان حدیث میں ہے: انی لاانسی ولکن انسی لیستن بی[3] میں بھولتا نہیں بھلایا جاتا ہوں تاکہ حالت سہو میں امت کو طریقہ سنت معلوم ہو۔ امام اجل محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایأتی الاحول البشریۃ لاجل نفسہ المکرمۃ بل ذلك منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی طریق التانیس البشریۃ لاجل الاقتداء بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاتری الی قول عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ انی لاتزوج النساء و مالی علیھن حاجۃ وقدقال	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احوال بشری کھانا پینا سونا جماع اپنے نفس کریم کے لئے نہ فرماتے تھے بلکہ بشر کو انس دلانے کے لئے کہ ان افعال میں حضور کی اقتدا کریں، کیا نہیں دیکھتا کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور مجھے ان کی کچھ حاجت نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۴۴

[3] مؤطا امام مالك باب العمل فی سھو میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۸۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ فانظر الی حکمۃ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حبب ولم یقل احببت وقال من دنیاکم فاضافھا الیھم دونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فدل علی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان حبہ خاصا بمولاہ عزوجل یدل علیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجعلت قرۃ عینی فی الصلٰوۃ فکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشری الظاہر ملکی الباطن فکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایأتی الی شیئ من احوال البشریۃ الاتانیسا لامتہ تشریعا لھا لاانہ محتاج الی شیئ من ذلک کما تقدم وللجھل بھذہ الاوصاف الجلیلۃ والخصال الحمیدۃ قال الجاہل المسکین "مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ"[1]۔	تمھاری دنیا میں سے خوشبو، عورتوں کی محبت اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، یہ نہ فرمایا کہ میں نے انھیں دوست رکھا، اور فرمایا: تمھاری دنیا میں سے تو اسے اوروں کی طرف اضافت فرمایا نہ کہ اپنے نفس کریم کی طرف، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت اپنے مولٰی عزوجل کے ساتھ خاص ہے جس پر یہ ارشاد کریم دلالت کرتا ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ظاہر صورت بشری اور باطن ملکی ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ افعال بشری محض اپنی امت کو انس دلانے اور ان کے لئے شریعت قائم فرمانے کے واسطے کرتے تھے نہ یہ کہ حضور کو ان میں سے کسی شے کی کچھ حاجت ہو، جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا انھیں اوصاف جلیلہ وفضائل حمیدہ سے جہل کے باعث بیچارے جاہل یعنی کافر نے کہا اس رسول کو کیا ہوا کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

عمرو نے سچ کہا کہ یہ قول حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہ فرمایا بلکہ اس کے فرمانے پر مامور ہوئے جس کی حکمت تعلیم تواضع وتانیس امت وسد غلو نصرانیت ہے، اول دوم ظاہر، اور سوم یہ کہ مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ان کی امت نے ان فضائل پر خدا اور خدا کا بیٹا کہا پھر فضائل محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ کی عظمت شان کا اندازہ کون کرسکتا ہے، یہاں اس غلو کے سد باب کے لئے تعلیم فرمائی گئی کہ کہو میں تم جیسا بشر ہوں خدا یا خدا کا بیٹا نہیں۔

[1] المدخل فصل فی آدابہ فی الاجتماع باہلہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۹۳

ہاں "یوحی الی" رسول ہوں، دفع افراط نصرانیت کے لئے پہلا کلمہ تھا اور دفع تفریط ابلیسیت کے لئے دوسرا کلمہ اسی کی نظیر ہے جو دوسری جگہ ارشاد ہوا:

"قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ "[1]۔	تم فرماد و پاکی ہے میرے رب کو میں خدا نہیں میں تو انسان رسول ہوں۔

انھیں دونوں کے دفع کو کلمہ شہادت میں دونوں لفظ کریم جمع فرمائے گئے:-

اشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ۔	میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔(ت)

بندے ہیں خدا نہیں، رسول ہیں خدا سے جدا نہیں، شیطنت اس کی کہ دوسرا کلمہ امتیاز اعلی چھوڑ کر پہلے کلمہ تواضع پر اقتصار کرے، اسی ضلالت کا اثر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دعوی مساوات کو صرف نالائق حرکت کہا، نالائق حرکت تو یہ بھی ہے کہ کوئی بلاوجہ زید کو طپانچہ مار دے یعنی اس زید کو جس نے کفر وضلال نہ بکے ہوں، پھر کہاں یہ اور کہاں وہ دعوی مساوات کہ کفر خالص ہے، اور اس کا اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ارفعیت کا ادعا نسبت کرنا محض افتراء اور کج فہمی ہے حاشا کوئی ولی کیسے ہی مرتبہ عظیمہ پر ہو سرکار کے دائرہ غلامی سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا، اکابر انبیاء تو دعوی مساوات کر نہیں کرسکتے، شیخ الانبیاء خلیل کبریا علیہ الصلوٰۃ والثناء نے شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ فضائل سن کر تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے فرمایا: **بھذا فضلکم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[2] ان وجوہ سے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سب سے افضل ہوئے۔ ولی کس منہ سے دعوی ارفعیت کرے گا، اور جو کرے گا حاشا ولی نہ ہوگا شیطان ہوگا، حضرت سیدنا بایزید بسطامی اور ان کے امثال ونظائر رضی اللہ تعالٰی عنہم وقت ورود تجلی خاص شجرہ موسی ہوتے ہیں سیدنا موسٰی کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو درخت میں سے سنائی دیا: "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ "[3] اے موسٰی! بیشک میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا، کیا یہ ہر پیڑ نے کہا تھا حاشا اللہ بلکہ واحد قہار نے جس نے

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۹۳

[2] حدیث قدسی

[3] القرآن الکریم ۲۷/ ۳۰

درخت پر تجلی فرمائی اور وہ بات درخت سے سننے میں آئی کیا رب العزت ایک درخت پر تجلی فرما سکتا ہے اور اپنے محبوب بایزید پر نہیں؟ نہیں نہیں وہ ضرور تجلی ربانی تھی کلام بایزید کی زبان سے سنا جاتا تھا، جیسے درخت سے سنا گیا اور متکلم اللہ عزوجل تھا اسی نے وہاں فرمایا: "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ "[1] (اے موسٰی! میں اللہ ہوں رب سارے جہاں کا۔ت) اسی نے یہاں بھی فرمایا: **سبحانی مااعظم شانی**[2] (میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے۔ت) اور ثابت ہو تو یہ بھی کہ **لوائی ارفع من لواء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[3] (میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جھنڈے سے بلند ہے۔ت) بیشک لواء الٰہی لواء محمدی سے ارفع واعلٰی ہے، حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں اس مقام کی خوب تفصیل فرمائی ہے اور تسلط جن سے اس کی توضیح کی ہے کہ انسان پر ایک جن مسلط ہو کر اس کی زبان سے کلام کرے اور رب عزوجل اس پر قادر نہیں کہ اپنے بندے پر تجلی فرما کر کلام فرمائے جو اس کی زبان سے سننے میں آئے بلاشبہہ اللہ قادر ہے او رمعترض کا اعتراض باطل، اس کا فیصلہ خود حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہو چکا ظاہر بینوں بے خبروں نے ان سے شکایت کی کہ آپ سبحانی مااعظم شانی کہا کرتے ہیں، فرمایا: حاشا میں نہیں کہتا کہا آپ ضرور کہتے ہیں ہم سب سنتے ہیں فرمایا: جو ایسا کہے واجب القتل ہے میں بخوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں جب مجھے ایسا کہتے سنو بے دریغ خنجر مار دو، وہ سب خنجر لے کر منتظر وقت رہے یہاں تک کہ حضرت پر تجلی وارد ہوئی اور وہی سننے میں آیا سبحانی مااعظم شانی مجھے سب عیبوں سے پاکی ہے میری شان کیا ہی بڑی ہے، وہ لوگ چار طرف سے خنجر لے کر دوڑے اور حضرت پر وار کئے جس نے جس جگہ خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا اور حضرت پر خط بھی نہ آیا، جب افاقہ ہوا دیکھا لوگ زخمی پڑے ہیں، فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا بجا، **واللہ اعلم**

مسئلہ ۲۹۵ تا ۲۹۷: از شہر بھڑوچ لال بازار چناروا ڑ مرسلہ مولوی عباس میاں ولد مولوی علی میاں صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک مولوی احمد سعید نام کا دہلی مدرسہ امینیہ کا جو دیوبند کی شاخ سے ہے ابھی دس روز

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۳۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۱۱۲

[3] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی مطبع اسلامیہ اسٹیم پریس لاہور ص ۸۹، ۱۱۲

ہوئے محرم شریف کے، بھڑوچ وعظ کو آئے تھے، انھوں نے یہ کہا وعظ میں، کہ جنت کی خرید وفروخت میں ایک دلال کی ضرورت ہے جیسے یہاں کوئی چیز خرید وفروخت کرنے میں دلال کی معرفت خرید وفروخت کرتے ہیں تو وہاں کے لئے بھی دلال پیغمبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، مجھے اس کے سوا دوسرا لفظ زیادہ اچھا اس موقع پر نہیں معلوم ہوتا، دلال یہی لفظ عمدہ ہے، اب دلال کسے کہتے ہیں، اس سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت وتعریف ہوئی یا توہین، اس کے سوا اور کوئی لفظ زیادہ تعریف کے لائق ہے یا نہیں۔ ایسے لفظ کہنے سے ایمان کا کچھ نقصان ہے یا نہیں؟

(۲) مولود شریف حضرت کی پڑھنے میں بڑی ہتک ہوتی ہے، ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت کی ارواح کا آنا اور تعظیم کو اٹھنا یہ بھی بُرا ہے، تو یہ مولود کا پڑھنا اب برا ہے یا اچھا ہے؟

(۳) احمد سعید مدرسہ امینیہ دہلی امام سنہری مسجد کے، ان کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کا ہے یا نہیں؟ اوپر کے سوالوں سے کیسا معلوم ہوتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب کی عطا سے مالک جنت ہیں، معطی جنت ہیں، جسے چاہے عطا فرمائیں، امام حجۃ الاسلام غزالی پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ پھر علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی مبلکہ الارض کلھا وانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یقطع ارض الجنۃ ماشاء منھا لمن شاء فارض الدنیا اولٰی [1]۔	اللہ تعالٰی نے دینا اور آخرت کی تمام زمینوں کا حضور کو مالک کردیا ہے، حضور جنت کی زمین میں سے جتنی چاہیں جسے چاہیں جاگیر بخشیں تو دنیا کی زمین کا کیا ذکر۔

دلالی ایک ذلیل پیشہ ہے ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، فتح القدیر میں دلال کو خاکروب وحجام کے ساتھ شمار کیا ہے عبارت یہ ہے:

اما شھادۃ اہل الصناعات الدنئیۃ کالکساح والزبال والحائك والحجام والاصح انھا تقبل لانھا قد تولاھا قوم	گھٹیا کاروبار کرنے والوں کی شہادت مثلا جاروب کش، ماشکی، جولاہا، حجام کی، تواصح یہی ہے کہ قبول کی جائے گی کیونکہ یہ کام بہت سے

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۲۶، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۲۴۲

صالحون فمالم یعلم القادح لایبنی علی الصناعة ومثله النخاسون والدلالون [1]۔	صالح اور بزرگ لوگ بھی اپناتے رہے تو جب تک واضح طور پر مانع طعن وجرح نہ ہو محض کسی کاروبار کو عدم صحت شہادت کی بنیاد نہیں بنایا جاسکتا اور اسکی مثل حکم ہے جانور ہانکنے والوں اور دلالوں کا (ت)

بلکہ درمختار میں ہے:

فی شرح الوھبانیة لاتقبل شھادة بائع الاکفان والحنوط وکذاالدلال واعتمدہ قدری افندی فی واقعاتہ وذکرہ المصنف فی اجارة معینة معزیا للبزازیة وملخصه انھا لاتقبل شھادہ الدلالین والصکاکین والوکلاء المفتعلة علی ابوابھم ونحوہ فی فتاوٰی مؤیدزادہ [2]۔	شرح الوہبانیہ میں ہے کفن وحنوط بیچنے والے کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، اسی طرح دلال کی گواہی کا بھی حکم ہے، قدری آفندی نے اپنی واقعات میں اس پر اعتماد کیا، مصنف نے بزازیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اجارہ معینہ میں اسے ذکر کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دلالوں، اشٹام فروشوں اور ان وکلاء جولوگوں کے دروازوں پر چکر لگاتے ہیں وغیرہ کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، فتاوٰی مؤید زادہ میں ایسے لوگوں کا یہی حکم بیان ہوا ہے۔ (ت)

دلال کا کام یہ ہے کہ مشتری سے بڑھوائے یا بائع سے گھٹوائے جوڑ توڑ لگا کر جھوٹ سچ ملا کر نرم گرم کرا کر سودا کرادے اور اپنے ٹکے سیدھے کرے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس ذلیل لفظ سے تعبیر کرنا صریح توہین ہے، اور حضور اقدس کی توہین کفر، اس سے بہتر لفظ خیال کیونکر آتا جب دل میں عظمت ہی نہیں۔

(۲) مجلس میلاد مبارک ذکر شریف سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور حضور کا ذکر اللہ عزوجل کا ذکر، اور ذکر الٰہی سے بلاوجہ شرعی منع کرنا شیطان کا کام ہے اور ذکر شریف سے **معاذاللہ** حضور کا ہتک حرمت ہونا قائل کا محض کذب وافتراء ہے، ہاں بعض روایات موضوعہ واشعار نامشروعہ سے ایسا ہو تو اس سے مجلس شریف بری نہ ہوجائے گی، جیسے بہت لوگ نماز میں تعدیل ارکان نہیں کرتے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] فتح القدیر باب من تقبل شھادة الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۸۶

[2] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

مگر اس سے خود نمازی بُری نہ ہوجائے گی، تشریف آوری حضور کے اختیار ہے اور قیام تعظیمی ذکر قدوم شریف کے لئے ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾"[1]	اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ (ت)

(۳) اوپر کے جوابوں سے اس کا حکم ظاہر ہوگیا فقط، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۸: از مولمیں ملک برہما مرسلہ ابراہیم ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان شخص جو ایک اسلامیہ مدرسہ میں جس میں قرآن شریف اور اردو اور ضروری دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے، مدرس اعلٰی ہے اس نے اپنے ماتحت مدرسین وطلبہ وغیرہ کی اطلاع کی غرض سے اس عبارت کے جواب میں جو دوسرے مدرس نے اپنے درجہ کی بورڈ پر لکھی تھی کہ: "ہر کہ پند و نصیحت گوئی نخست برآں کار کن" (جو تو کسی کو نصیحت کرے اس پر پہلے خود عمل کرے۔ت) یہ عبارت لکھائی اس بورڈ پر کہ "کافر افسر کے حکم کی تعمیل کرنے کی ہمارے مذہب میں تاکید ہے" دوسرے روز ایک شخص نے مدرس اعلٰی سے دریافت کیا کہ یہ (عبارت بالا) کس نے لکھی ہے اور یہ کس کا مذہب ہے جواب دیا میں نے لکھائی گو میرے قلم کی نہیں ہے آپ لکھ کر علماء سے دریافت کرلیں اور متولی صاحب وغیرہ سے کہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ عبارت صحیح ہے قطع نظر اندیشہ وخوف، شریعت میں کافر افسر کی حکم برداری کی تاکید آئی ہے، اگر شریعت مطہرہ سے ایسا حکم نہیں ہے تو جو شخص اس مذکورہ عبارت کو مذہبی حکم تاکیدی کہتا ہو اور سوال کرنے پر جواب دے کہ دریافت کرو متولی صاحب وغیرہ سے کہو اس کے لئے کیا حکم ہے، اور تاوقتیکہ وہ اپنے اس عقیدہ فاسدہ سے باز نہ آئے اور توبہ نہ کرے اس پر سبقت سلام اور اس سے اختلاط بہتر ہے یا اجتناب؟ مکرر التماس یہ ہے کہ استفتاء مدرس اعلٰی کو دکھایا گیا تو فرمایا کہ اس کے ساتھ یہ اور بڑھا دو کہ اگر کافر افسر کا حکم خلاف شرع محمدی نہ ہو، لہٰذا اب اس صورت میں یہ سوال ہے کہ اس عبارت کے زائد کرنے سے بھی کچھ حکم بدل جاوے گا یا نہیں؟ ان دونوں صورتوں میں ہر صورت کا کیا جواب ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! ہمیں حق وصواب کی رہنمائی عطا فرما۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

مسلمانوں کے دینی مذہبی کام میں کسی کا افسر بننا دو ۲ طرح ہیں:

اول: قہری کہ کوئی شخص مذہبی دست اندازی کرکے بالجبر افسر بن بیٹھے، جیسے فساق وظلماء امراء امامت نماز کیا کرتے تھے۔

دوم: ارادی کہ مسلمانوں کی جماعت خود اسے اپنے مذہبی کام میں پیشوا بنائے۔

اول: نہ زیر بحث ہے نہ یہاں اس کلام ومکالمہ کا مفاد نہ محل اضطرار پر احکام اختیار،

لاجرم **دوم** مراد اور وہی مفہوم ومستفاد یعنی باختیار خود کسی ہندو یا رافضی یا وہابی یا قادیانی کو مدرسہ دینیہ اسلامیہ پر افسر مقرر کیا گیا ہو اس کی نسبت مدرس کہتا ہے کہ اس کا حکم ماننے کی ہمارے مذہب میں تاکید ہے، ہمارے مذہب سے اس نے اپنا کوئی خاص اختراعی مذہب دین اسلام سے جدا مراد لیا ہو تو:

"وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝۱۱۵ " [1]	اور جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔ (ت)

کا مصداق ہے اور اگر دین اسلام مراد لیا تو شریعت مطہرہ پر محض افتراء کیا اور:

" اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ۝۱۱۶ ؕ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ ۖ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝۱۱۷ " [2]	بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلانہ ہوگا تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب۔ (ت)

کا استحقاق ہے، شریعت مطہرہ نے اسلامی کام پر باختیار خود ایسوں کو افسر مقرر کرنا ہی کب جائز رکھا ہے نہ کہ ان کے احکام کی تصویب اور ان کے ماننے کی تاکید، ان ھو الاضلال بعید (یہ واضح گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝۱۱۸ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَآءِ	اے ایمان والو! غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھارے نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے وہ جی سے چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو، بیر ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبا ہے اور بھی بڑا ہے ہم نے تمھارے سامنے نشانیاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶و۱۱۷

تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ "[1]	کھول دیں اگر تم میں عقل ہے ارے یہ جو تم ہو تم تو ان سے محبت کرتے ہو وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لائے ہو تم سے ملیں تو کہیں ہم مسلمان ہیں اور اکیلے ہوں تو تم پر جلن سے اپنی انگلیاں چبائیں، اے محبوب! تم ان سے فرمادو کہ اپنی جلن میں مرجاؤ، بیشک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من استعمل رجلا من عصابة وفیھم من ھو ارضی للّٰه منه فقد خان اللّٰه ورسوله والمؤمنین[2]۔ رواہ الحاکم صححه والطبرانی والعقیلی وابن عدی والخطیب عن عبداللّٰه بن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔	جس نے کسی جماعت پر ایک شخص کو مقرر کیا اور ان میں وہ موجود ہے جو اللہ کو اس سے زیادہ پسند ہے تو ضرور اس نے اللہ ورسول اور سب مسلمانوں سے خیانت کی، (اسے حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرکے صحیح کہا، طبرانی، عقیلی، ابن عدی اور خطیب نے بھی اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

غایۃ البیان، علامہ اتقانی و جامع الرموز و ردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین[3]۔	دینی کاموں میں کافر سے مدد نہ لینی چاہئے۔

یہ اس پر فرمایا کہ مسلمان اپنی قربانی کا جانور کسی یہودی سے ذبح کرائے نہ کہ دین و تعلیم دین کی افسری بالاختیار اسے دی جائے، اللہ تعالٰی فرماچکا کہ تمھاری خیر خواہی درکنار کبھی اپنی چلتی نقصان رسانی میں کمی نہ کریں گے، حال کے بکثرت واقعات شاہد ہیں ہم وطن ہنود آج کل کتنا اتحاد و اتفاق بگھار رہے ہیں اور مسلمانوں کی خاص رسم مذہبی قربانی گاؤ پر کیا ہی فتنے اٹھاتے فساد مچاتے ہیں قابو چلے پر کیا کچھ مسلمان لوٹے گئے، ذبح کئے گئے، جلائے گئے، اور وہابیہ وغیرہم مذکورین تو ہنود و یہود سے بھی بدرجہا بدتر ہیں کہ مسلمان بن کر اسلام کے گلے پر خنجر ہیں، کما بیناہ فی غیر ما رسالة (جیسا کہ متعدد رسائل میں ہم نے اسے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹۔۱۱۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۴/ ۹۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

بیان کیا۔ت) اگر وہاں دینی مدرسہ کا کسی ہندو یا رافضی وہابی وغیرہ کو افسر بنا رکھا ہے، اس کی خوشامد میں مدرس نے یہ فقرہ لکھا جب تو اس کا حال یہ تھا اور اگر کوئی افسر ایسا نہیں محض بلاوجہ مسلمانوں کے مذہبی مدرسہ پر غیر کی افسری فرض کرکے یہ حکم لکھا اور اعلان کے لئے بورڈ پر لگایا تو اس کے اور بھی مرض قلبی پر دال ہے اور بعد کو یہ تقیید کہ اس کا حکم خلاف شرع نہ ہو، کیا مفید یہ شرط کیا مسلمان میں نہیں، کیسا ہی جلیل القدر مسلمان افسر ہو اگرچہ خود اپنا باپ یا استاد یا پیر اس کا حکم وہی مانا جائے گا جو خلاف شرع نہ ہو لاطاعة لاحد فی معصیة الله تعالٰی [1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت وفرمانبرداری نہیں کی جائے گی۔ت) یہ بیانات کہ ہم نے اوپر لکھے ان سے اور مدرس کے اندرونی بیرونی حالات سے اس کی مذہبی کیفیت کا اندازہ کیا جائے اگر واقع میں ہنود یا وہابیہ وغیرہم کی طرف دینی امور میں اس کا میلان ہے تو اس سے اجتناب لازم اور اختلاط ممنوع، اور اگر ایسا نہیں بلکہ ایک بے معنی حماقت تھی کہ نادراً اس سے صادر ہوئی تو تفہیم کردی جائے اگر اصرار نہ کرے اس سے ابتدا بسلام میں حرج نہیں جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹: از الہ آباد دائرہ اجملیہ مسئولہ مولوی سید نذیر احمد صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس صورت میں کہ عام اہل اسلام کو بغرض استقامت امور دنیاوی، اتحاد کسی مشرک قوم سے اس طور پر کرنا کہ دسہرہ میں عام اہل اسلام شریک ہوکر ناقوس بجائیں، پھول رام لچھمن پر چڑھائیں، جے کی آواز بلند کریں یا قربانی میں گائے کی قربانی بند کردیں جائز ہے یا ناجائز؟ مرتکب ان امور کا کس وزر کا مستوجب ہے؟ مع حوالہ عبارات جواب درکار ہے۔

الجواب:

مسلمان کو دسہرے کی شرکت حرام ہے، بلکہ فقہاء نے اسے کفر کہا اور اس میں بہ نیت موافقت ہنود ناقوس بجانا بیشک کفر ہے اور معبودان کفار پر پھول چڑھانا کہ ان کا طریقہ عبادت ہے اشد واخبث کفر، اشباہ والنظائر وغیرہا معتمدات اسفار میں ہے:

عبادة الصنم کفرولااعتبار بما فی قلبه وکذا لوصور عیسٰی علیه الصلوٰة لیسجدله، وکذا اتخاذ الصنم لذٰلك وکذٰلوتزنر بزنار الیهود	بت کی عبادت کفر ہے، دل میں جو کچھ ہے اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح اس کا حکم ہے اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصویر بناکر اسے سجدہ کیا، اسی طرح سجدہ کے لئے بت بنانے کا حکم ہے، اسی طرح اگر کسی نے

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دار الفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

والنصارٰی دخل کنیستھم اولم یدخل[1]۔	یہود و نصارٰی کا زنار باندھا خواہ ان کے گرجا میں داخل ہوا یا نہ ہوا۔ (ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الاعطاء باسم النیروز والمھرجان(بان یقال ھدیۃ ھذا الیوم ش)لایجوز ای الھدایا باسم ھٰذین الیومین حرام وان قصد تعظیمہ کمایعظمہ المشرکون یکفر[2]۔	نیروز اور مہرجان کے نام پر عطیہ (بایں طور کہ کہا جائے یہ اس دن کا ہدیہ ہے ش) جائز نہیں یعنی ان دونوں ایام کے ناموں پر ہدایا دینا لینا حرام اور اگر مشرکین کی طرح ان کی تعظیم بھی کرے گا تو کفر ہوگا۔ (ت)

بحر الرائق و عالمگیری و مجمع الانہر و جامع الفصولین میں ہے:

یکفر بخروجہ الی نیروز المجوس والموافقۃ معھم فیما یفعلون فی ذٰلک الیوم وبشرائہ یوم النیروز شیئا لم یکن یشتریہ قبل ذٰلک تعظیما للنیروز لا للاکل والشرب وباھدائہ ذٰلک الیوم للمشرکین ولو بیضۃ تعظیمالذلک الیوم[3]۔	مجوسیوں کے ساتھ نیروز میں اس طرح نکلنا کہ اس دن وہ جو کریں گے یہ ان کی موافقت کرے تو یہ کفر ہے، اسی طرح نیروز کے دن کی تعظیم کرتے ہوئے یا مشرکین کو ہدیہ دینے کے لئے کوئی چیز خریدی نہ کہ کھانے پینے کے لئے جبکہ وہ چیز اس سے پہلے نہیں خریدی تھی اگرچہ وہ انڈہ ہی کیوں نہ ہو تو کفر ہوگا۔ (ت)

جامع الفصولین و منح الروض الازہر میں ہے:

قال ابوبکر بن طرخان من خرج الی السدۃ(قال القاری ای مجمع اھل الکفر)کفر اذفیہ اعلان الکفر وکانہ اعان علیہ وعلی قیاس السدۃ الخروج الی النیروز والموافقۃ معھم فیمایفعلونہ	شیخ ابوبکر بن طرخاں کہتے ہیں جو سدہ کی طرف نکلا (ملا علی قاری نے اس کا معنی اہل کفر کا اجتماع کیا ہے) تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس میں کفر کا اعلان ہے گویا اس نے کفر پر مدد کی اس پر قیاس ہے، نیروز میں نکلنا اور اس دن ان کے

[1] اشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰، ردالمحتار باب مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۱

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب ان الالفاظ الکفر انواعٌ مطبع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۸

فی ذٰلك الیوم کفر [1]۔	موافق عمل کرنا کہ یہ بھی کفر ہے۔(ت)

جے بولنا طریقہ کفار ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبه بقوم فھو منھم [2]۔	جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کرلی وہ انہی میں سے ہے۔(ت)

پھر اگر معبودان کفار کی جے ہے تو کفر ہے اور اگر کافروں کی ہے تو فقہائے کرام اسے بھی کفر فرماتے ہیں، فتاوٰئے ظہیریہ واشباہ والنظائر وتنویر الابصار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر ولوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر [3]۔	اگر کسی نے تعظیم کرتے ہوئے ذمی کو سلام دیا تو کافر ہوجائے گا کیونکہ کافر کی تعظیم کفر ہے، اگر کسی نے مجوسی کو بطور تعظیم "اے استاذ" کہا تو کفر ہے۔(ت)

بخاطر ہنود گائے کی قربانی بند کرنا حرام ہے، **والتفصیل فی انفس الفکر فی قربان البقر** (اس کی تفصیل ہماری کتاب "**انفس الفکر فی قربان البقر**" میں ملاحظہ کیجئے۔ت) مرتکب کا حکم انھیں احکام سے ظاہر جو مرتکب حرام ہے مستحق عذاب جہنم ہے ار جو مرتکب کفر فقہی ہے جیسے دسہرے کی شرکت یا کافروں کی جے بولنا اس پر تجدید اسلام لازم ہے اور اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے اور جو قطعاً کافر ہوگیا، جیسے دسہرے میں بطور مذکور ہنود کے ساتھ ناقوس بجانے یا معبودان کفار پر پھول چڑھانے والا کافر مرتد ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی اگر تائب ہو اور اسلام لائے جب بھی عورت کو اختیار ہے بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، اور بے توبہ مرجائے تو اسے مسلمانوں کی طرح غسل وکفن دینا حرام اس کے جنازے کی شرکت حرام اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام اس پر نماز پڑھنا حرام **الی غیر ذٰلك من الاحکام** (اس کے علاوہ دیگر احکام بھی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰ تا ۳۰۲: از میرٹھ لال کرتی بازار مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ بتقریب اتفاق ہندو مسلمانان میرٹھ میں

---

[1] جامع الفصولین فصل فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳، منح الروض الازہر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

ایک جلوس مہاتما گاندھی جی کا نکالا گیا جس میں ہندو مسلمانان سب شریک تھے، علاوہ دیگر واقعات کے ایک واقعہ مسلمانان میرٹھ کا یہ ہوا کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے عین جلوس میں قشقہ چندن وغیرہ مسلمانوں کے ماتھے پر لگایا ہے، چندن لگوانے اور لگوانے والے مسلمانوں سے معلوم ہوا ہے کہ اس چندن لگانے میں ہندوؤں کی طرف سے کوئی جبر نہ تھا چنانچہ جن مسلمانوں نے انکار کیا انھوں نے انکار کرنے والے مسلمانوں کے ماتھے پر نہیں لگایا، اب اس جلوس میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی تین قسمیں تھیں جو بترتیب ذیل درج سوال ہیں، امید کہ ہر ایک کا حکم شرع شریف علمائے کرام "لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ"[1] وہ کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہیں رکھتے۔ت) کی شان پیش نظر فرماتے ہوئے تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں:

(۱) جو مسلمان اس جلسہ میں شریک ہوئے اور چندن لگوانے سے انکار کیا ان کی شرکت اس جلوس میں ازروئے شریعت کیسی تھی۔

(۲) جن مسلمانوں نے چندن لگوانے سے ہندوؤں کو روکا نہیں بلکہ لگوایا پھر بعد کو اسی وقت یا تھوڑی دیر بعد اس جلسہ میں اپنے ہاتھوں اور رومالوں سے صاف کرلیا ان کا کیا حکم ہے؟

(۳) جن مسلمانوں نے چندن لگوایا اور چندن لگائے ہوئے جلسہ میں شریک رہے بلکہ چندن لگائے ہوئے اپنے گھروں پر واپس آئے یا شام تک لگائے رہے، ان کی بابت حکم شرع شریف کیا ہے؟

الجواب:

حرام حرام سخت حرام تھی بلکہ فقہائے کرام کے طور پر حکم سخت تر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله[2]، رواه ابو داؤد بسند حسن وعلقه الترمذی عن سمرة بن جندب رضی الله تعالٰی عنه۔	جس نے کسی مشرک کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی کے ساتھ ٹھہرا وہ اسی کے مثل ہوگا، اسے ابوداؤد نے حضرت جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن سے اور ترمذی نے تعلیقًا بیان کیا۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجهاد باب فی الاقامة بارض الشرك آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

من سود مع قوم فھو منھم [1]۔ رواہ الخطیب عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے کسی قوم کی کثرت بڑھائی وہ انہی میں سے ہوگا، اسے خطیب نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم [2]۔ رواہ ابویعلی فی مسندہ وعلی بن معبد فی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ عن عبداللہ بن مسعود وابن المبارك فی الزھد عن ابی ذر من قولہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جس نے کسی قوم کا جتھا بڑھایا پس وہ انہی میں سے ہوگا اسے ابویعلٰی نے مسند میں اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ و المعصیۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا اور ابن مبارک نے زہد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد کے طور پر نقل کیا۔ (ت)

مجمع الانہر، شرح ملتقی الابحر و فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر و تنویر الابصار و در مختار وغیرہا میں ہے:

یکفر بتبجیل الکافر حتی لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر وبقولہ للمجوسی یااستاذ تبجیلا [3]۔	کافر کی تعظیم کفر ہے حتی کہ اگر کسی نے ذمی کو تعظیما سلام کہا تو یہ کفر ہے، کسی نے مجوسی کو بطور تعظیما "یا استاد" کہا تو یہ بھی کفر ہے۔ (ت)

(۲) قشقہ کہ ماتھے پر لگایا جاتا ہے صرف شعار کفار نہیں بلکہ خاص شعار کفر بلکہ اس سے بھی اخبث خاص طریقہ عبادت مہادیو وغیرہ اصنام سے ہے اور اس کے لگانے پر راضی ہونا کفر پر رضا ہے اور اپنے لئے ثبوت کفر پر رضا بالاجماع کفر ہے، منح الروض الازہر میں ہے:

من رضی بکفر نفسہ فقد کفر ای اجماعا وبکفر غیرہ اختلف المشائخ [4]۔	جو اپنی ذات کے کفر پر خوش ہو اور وہ بالاتفاق کافر ہے او رجو کسی کے کفر پر خوش ہوا اس کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ (ت)

---

[1] تاریخ بغداد حدیث نمبر ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب الشاہد العبدی دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

[2] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ بحوالہ مسند ابی یعلی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ الخ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۴۶

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۷۹۔۱۸۰

اور کفر پر رضا جیسی سو برس کے لئے ویسے ہی ایک لمحہ کے لئے، پونچھ ڈالنے سے کفر جو واقع ہو لیا مٹ نہ جائیگا جب تک از سر نو اسلام نہ لائے، جیسے جو مہادیو کے آگے دن بھر سجدہ میں پڑ رہے وہ بھی کافر اور جو سجدہ کرکے سر اٹھائے وہ بھی کافر، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

(۳) وہ کافر تھے یہ اکفر ہوئے، دونوں فریق اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے، ان پر ویسے ہی مجمع کثیر میں علی الاعلان توبہ کرنا از سر نو مسلمان ہونا فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسرو العلانیۃ بالعلانیۃ [1] رواہ الامام احمد فی الزھد و الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی برائی کا ارتکاب کرے تو توبہ بھی اسی طرح کی جائے مثلاً خفیہ گناہ پر خفیہ توبہ اور اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ ضروری ہے، اسے امام احمد نے زہد میں اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۳ تا ۳۰۵: از چھاؤنی میرٹھ صدر بازار مدرسہ امداد الاسلام معرفت مولوی عبدالمومن صاحب مدرس مسئولہ حافظ شیر محمد خاں امام مسجد وطالب علم مدرسہ ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) اگر قوم ہنود کا کوئی جلسہ ہو اور اس میں بہت سے مسلمان برضا ورغبت شامل ہوں اور ہندو مثل اپنے مسلمانوں کی پیشانیوں پر بھی چندن لگائیں اور مسلمان بخوشی لگوائیں اور تا اختتام جلسہ اس کو اپنی پیشانیوں پر باقی رکھیں تو مسلمانوں کا اپنی پیشانیوں پر قشقہ یعنی چندن لگوانا ان کے اسلام یا نکاح کے متعلق کیا حکم رکھتا ہے؟

(۲) اسی جلسہ کے ہندو لیڈر کی مسلمانوں کو جے پکارنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

(۳) اور اگر بعض مسلمانوں کے بلا ان کے رضا ورغبت کے چندن لگا دیا گیا ہو اور انھوں نے اس کو فوراً پونچھ دیا ہو تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) بخوشی لگانے دینا اور خود لگانا ایک ہی حکم ہے، شراب یا پیشاب خود پیئے یا دوسرا پلائے اور یہ منہ

[1] کنز العمال بحوالہ احمد بن حنبل فی الزھد حدیث ۱۰۱۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰۹

کھول دے دونوں ایک ہی ہیں قشقہ زنار کی طرح شعار کفر بلکہ اس سے بدتر شعار بت پرستی ہے۔ زنار بعض ملکوں کے یہود ونصارٰی میں بھی ہے اور قشقہ خاص علامت وشعار مذہب مشرکین وعبدۃ الاصنام، وہ لوگ اسلام سے خارج ہوگئے، اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے، اشباہ والنظائر میں ہے:

عبادۃ الصنم والاعتبار بما فی قلبه وکذا لوتزنر بزنار الیهود والنصارٰی دخل کنیستهم اولم یدخل [1]۔	بت کی عبادت کفر ہے جو دل میں تھا اس کا اعتبار نہیں، اسی طرح حکم ہے اگر یہود ونصارٰی کا زنار باندھا خواہ ان کے گرجا میں داخل ہو یا نہ ہو (ت)

خلاصہ وظہیریہ ومحیط ومنح الروض الازہر وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے:

واللفظ لهذا فی الخلاصة من تزنر بزنار الیهود والنصارٰی وان لم یدخل کنیستهم کفر ومن شد علی وسطه حبلا وقال هذا زنار کفر وفی الظهیریة وحرم الزوج وفی المحیط لان هذا تصریح بما هو کفر وفی الظهیریة من وضع قلنسوۃ المجوس علی رأسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر [2]۔	خلاصہ میں الفاظ یہ ہیں اگر کسی نے یہود ونصارٰی کی طرح زنار باندھا تو کفر ہے اگرچہ ان کے گرجا میں داخل نہ ہو اور جس نے کمر میں رسی باندھی اور کہا یہ زنار ہے وہ کافر ہوجائے گا، ظہیریہ میں ہے اس پر بیوی حرام ہوجائے گی، محیط میں ہے کیونکہ یہ صراحۃ کفر ہے، ظہیریہ میں ہے: جس نے مجوسی کی ٹوپی پہنی اس پر اعتراض کیا گیا تو کہا دل درست ہونا چاہئے، تو یہ کفر ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام طاہر بخاری وبحر الرائق وتنویر الابصار ودرمختار وعالمگیری وغیرہا میں ہے:

واللفظ للاول من اهدی بیضة الی المجوس یوم النوروز کفر [3]۔	یہ پہلی کتاب کے الفاظ ہیں جس نے نوروز کے دن کسی مجوسی کو انڈہ بھی تحفہ میں دیا تو یہ کفر ہے۔ (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

ای لانه اعانه علی کفرہ واغوائه اوتشبه بهم فی اهدائه [4]۔	کیونکہ یہ کفر واغوا پر مدد ہے یا ان کے ساتھ ہدایا میں مشابہت ہے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی الجنس السادس فی تشبیہ الکفار مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ پاکستان ۴/ ۳۸۷

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶

شفا شریف واعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

کذا (ای یکفر) من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انہ لایصدر الامن کافر وان کان صاحبہ مصرحا بالاسلام مع فعلہ کالمشی الی الکنائس مع اھلھا بزیھم من الزنانیر وغیرھا[1]۔	اسی طرح وہ بھی کافر ہے جس نے ایسا عمل کیا جس کے بارے میں تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ یہ صرف کافروں سے صادر ہوسکتا ہے اگرچہ وہ شخص اس فعل کے ساتھ اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتا پھرے مثلاً اہل زنانیر کے ساتھ زنار پہن کران کے گرجوں میں جانا (ت)

(۲) حرام حرام سخت حرام، جے بولنا ہنود کا شعار ہے اور ہندو لیڈر کی جے پکارنا بحکم فقہائے کرام خود کفر ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذلك العرش[2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابویعلی فی مسندہ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس بن مالك وابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے (اسے امام ابن ابی الدنیا نے "ذم الغیبۃ" میں ابویعلی نے اپنی مسند میں، بیہقی نے شعب الایمان میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

فاسق کا یہ حال ہے نہ کہ مشرک، فتاوٰی امام ظہیر الدین واشباہ علامہ محقق بحر ومتن شیخ الاسلام غزی تمرتاشی وشرح مدقق علائی دمشقی ومجمع الانہر علامہ شیخی زادہ رومی وغیرہا میں ہے:

تبجیل الکافر کفر فلو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولوقال للمجوسی یااستاذی تبجیلا کفر[3]۔	کافر کی تعظیم وتوقیر کفر ہے، اگر کسی نے ذمی کو بطور توقیر سلام کیا تو یہ کفر ہے، اگر کسی نے مجوسی کو تعظیماً "یا استاد" کہا تو یہ بھی کفر ہے۔ (ت)

(۳) قشقہ کا کفران پر عائد نہیں مگر ایسی جگہ کیوں گئے کہ یہ نوبت پہنچی ایسے جلسے کی شرکت ہی حرام تھی۔

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل فی آخر الخطاء مکتبہ الحقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۸

[2] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[3] الاشباہ والنظائر باب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸

ہاں ایک دقیقہ اور ہے اور بلا رضا ورغبت ہونا اور، اور اس فعل شنیع کی انتہا درجے تک کراہت وناگواری اور، اگر اس کی رغبت نہ تھی اور جس نے لگایا اس کے ساتھ اس نے وہی برتاؤ کیا جو بلاوجہ منہ پر جوتا مارنے والے کے ساتھ کرتا، جب تو جانے کہ واقعی اس نے اس کفر کو مکروہ وناگوار رکھا اور اگر ہنس کر چُپ رہا اور پونچھ ڈالا یا بقدر ضرورت اس پر نہ بگڑا تو جانئے کہ کراہت بھی نہیں گو رغبت نہ ہو۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۶: از میرٹھ صدر بازار مچھلی محلّہ پیتم درزی کی مسجد مرسلہ حکیم عبدالرحمٰن صاحب ۲۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر میرٹھ کے اندر مہاتما گاندھی تشریف لائے۔ مجمع کثیر تھا، اہل ہنود کے بچوں نے کھیل تماشے کے طور پر اکثر مسلمانوں کے چندن لگایا اس کی بابت قاری محمد صالح پیش امام جامع مسجد صدر نے فتوٰی دیا کہ جن مسلمانوں کے چندن لگایا ہے وہ اپنی عورتوں کے پاس نہ جائیں جب تک تجدید ایمان اور دوبارہ نکاح نہ کرلیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمانو! اللہ واحد قہار سے ڈرو، اسلام کو کھیل تماشہ نہ بناؤ، ہنود کے بچے ان کے بالجبر لگالیتے، یہ ضرور ان کی خوشی سے ہوا یا کم از کم اسے قبول کیا، بہرحال تجدید ایمان فرض ہے اور بعد تجدید ایمان بے تجدید نکاح عورتوں کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۷: از موضع رجہت ضلع گیا مرسلہ سید محمد حبیب صاحب ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

ہولی دیوالی ہندوؤں کا پرب ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو یہ کس بنا پر جاری ہوا ہے؟ اس کی ابتداء کیسے ہوئی؟ مسلمان اگر اس کو کریں تو کیا ان پر کفر عائد ہوگا؟

الجواب:

ہولی دیوالی ہندوؤں کے شیطانی تہوار ہیں، جب ایران خلافت فاروقی میں فتح ہوا بھاگے ہوئے آتش پرست کچھ ہندوستان میں آئے ان کے یہاں دو [۲] عیدیں تھیں، [۱] نوروز کہ تحویل حمل ہے اور [۲] مہرگان کہ تحویل میزان، وہ عیدیں اور ان میں آگ کی پرستش ہندوؤں نے ان سے سیکھیں اور یہ چاند سورج دونوں کو پوجتے ہیں لہذا ان کے وقتوں میں یہ ترمیم کہ میکھ سنکھ رانت کی پورنماشی میں ہولی اور تلا سنکھ رانت کی اماوس میں دیوالی یہ سب رسوم کفار ہیں، مسلمانوں کو ان میں شرکت حرام اور اگر پسند کریں تو صریح کفر، غمز العیون میں ہے:

اتفق مشایخنا ان من رأی امر الکفار	ہمارے مشائخ کا اتفاق ہے کہ اگر کسی نے کفار

حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوسی او ترك المضاجعۃ عندھم حال الحیض حسن فھو کافر [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	کے کسی معاملہ کو اچھا کہا تو وہ کافر ہوجائے گا حتی کہ انھوں نے اس شخص کو کافر قرار دیا جو یہ کہے کہ کھانے کے وقت مجوسی کے ہاں گفتگوں نہ کرنا بہت اچھا عمل ہے یا ان کے ہاں حالت حیض ہمبستری نہ کرنا اچھا عمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۸: از موضع امریا ضلع بریلی ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین حنفی رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ ایک بارات موضع پچومی سے موضع امریا میں آئی، بعد نکاح لڑکی کے باپ اور لڑکے کے چچا مسمّٰی حسین بخش سے کسی بات پر نزاع لفظی واقع ہوئی جس کی وجہ سے تمام برادری کے خلاف حسین بخش اور ان کے برادروں نے کھانا نہیں کھایا، دوسرے روز رخصت کے وقت رحیم بخش لڑکی کے باپ نے سامان جہیز وغیرہ دے کر کہا کہ یہ موجود ہے اس کو لے جاؤ اور لڑکی اس وقت رخصت کروں گا جس وقت حسین بخش وپوے کھانا کھائیں گے، جب سب برادری نے حسین بخش وپوے کو مجبور کیا تو ہر دو شخص کھانا کھانے پر رضامند ہوگئے، پھر برادری والوں نے ان دونوں شخصوں سے کہا جب تم کھانے کھانے پر رضامند ہو تو تم کو لازم ہے کہ باہم مل کر ایک دوسرے کا قصور معاف کردو اس رائے کو سن کر رحیم بخش لڑکی کے باپ نے سب برادری کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں اپنے قصور پر نادم ہوں اور خدا ورسول کے واسطے ان سے معافی چاہتا ہوں یہ بات سن کر حیدر بخش نہایت غیظ وغضب میں یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ ہم خدا اور سول کو نہیں جانتے ہیں اور نہ ہم ملیں، ایسے الفاظ کہنے والے کی نسبت شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر واقع میں اس نے یہ لفظ کہے ہیں کہ وہ خدا ور سول کو نہیں جانتا تو کہنے والا اسلام سے گیا اور اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر فرض ہے کہ جب تک وہ توبہ کرکے از سرنو مسلمان نہ ہو اس کی موت وحیات کسی بات میں شریک نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۹ تا ۳۱۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ان مسائل میں کہ:

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ غمز العیون کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

(۱) از روئے فرمان اللہ ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یزید بخشا جائے گا یا نہیں؟

(۲) حضرت منصور شمس تبریز و سرمد نے ایسا لفظ کہا جس سے خدائی ثابت ہوتی ہے تو دار پر آئے اور کھال کھینچی گئی لیکن وہ ولی اللہ گنے جاتے ہیں، اور فرعون، ہامان، شداد اور نمرود نے دعوی خدائی کیا تو کافر فی النار ہوئے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

(۱) یزید پلید کے بارے میں ائمہ اہلسنت کے تین قول ہیں، [۱] امام احمد وغیرہ اکابر اسے کافر جانتے ہیں تو ہر گز بخشش نہ ہوگی، اور [۲] امام غزالی وغیرہ مسلمان، تو اس پر کتنا ہی عذاب ہو بالآخر بخشش ضرور ہوگی، اور [۳] ہمارے امام سکوت فرماتے ہیں کہ نہ ہم مسلمان کہیں گے نہ کافر۔ لہٰذا ہم بھی سکوت کریں گے۔

(۲) ان کافروں نے خود کہا ملعون ہوئے اور انھوں نے خود نہ کہا اس نے کہا جسے کہنا شایان ہے آواز ان میں سے مسموع ہوئی جیسے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے درخت سے سنا: "اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۳۰" [1] میں ہی ہوں اللہ سارے جہاں کا، کیا درخت نے کہا تھا، حاشا بلکہ اللہ نے، یونہی یہ حضرات اس وقت شجرہ موسٰی ہوتے ہیں،

مسئلہ ۳۱۱: از ملک برہما مسجد اکھیم پوسٹ، مرسلہ مولوی عبدالعزیز خاں قادری ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

ایک عالم کو ایک شخص نے گالی دی اس کی بیوی کو طلاق ثلاثہ ہوں گے یا بعد توبہ رجعت کر سکتا ہے؟

الجواب:

کسی خاص عالم کو کسی دنیوی وجہ سے گالی دینے سے عورت نکاح سے نہیں نکلتی۔ ہاں مطلقاً علماء کو یا خاص کسی عالم کو بوجہ علم دین برا کہنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے، عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے مگر یہ فسخ نکاح ہوتا اسے طلاق نہیں، نہ ایک نہ تین، اسلام لانے کے بعد اگر عورت راضی ہو تو اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۲: از بمبئی نشان پاڑہ کواس روڈ طاہر ٹوپن بلڈنگ تیسرا مالا پوسٹ نمبر ۹ مرسلہ سید اسد اللہ حسین ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جو خود کو عالم ظاہر کرتا ہے اپنے وعظ میں بیان کرتا ہے کہ زین المجالس جس میں کرامات قطب الاقطاب غوث الاعظم حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرقوم ہیں سراسر غلط اور اس کا مؤلف مردود ہے، کتاب مذکور کا پڑھنا سننا حرام ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

جناب غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال مثل "قدمی ھٰذہ" الخ وغیرہ کے غلط ہیں یارسول اللہ اور یا غوث کہنا حرام ہے، قصائد خوانی میلاد شریف ناجائز ہے، اولیاء اللہ وغیرہم پر فاتحہ خوانی مثل گیارھویں شریف وغیرہ کے ناجائز ہے، ان اقوال کی تائید وتصدیق قرآن شریف کی قسم سے کرتا ہے، بس اس صورت میں شخص مذکور کس فرقہ کا آدمی ہے اس کا عقیدہ مطابق اہل سنت وجماعت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہم سنیوں کو اس کی مجلس وعظ میں شریک ہونا کیسا اور اس کے اقوال پر یقین لاکر جو منکر کرامات اولیاء ہوجائے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

ایسے اقوال کا قائل نہیں ہوتا مگر وہابی مسلمانوں کو اس کے وعظ میں جانا جائز نہیں، صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1]	ان سے بچو اور انھیں دور رکھو، وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور نہ فتنہ میں ڈالیں۔ (ت)

کرامات اولیاء کا منکر گمراہ ہے، اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کرامات اولیاء حق ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۳: از منڈوہ ضلع فتح پور ہسوہ ڈاکخانہ خاص مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بلاعذر شرعی علی الاعلان روزہ رمضان المبارک کے ترک کرے اور اگر کسی نے نماز پڑھنے کے لئے کہا کہ اٹھو نماز پڑھو، تو جواب دیا کہ کون اٹھک بیٹھک کرے، اجی جتنے نمازی حاجی وحافظ ہیں سب بے ایمان ہیں، یا کسی نے روزہ رکھنے کو کہا تو جواب دیا کہ کون بھوکا مرے جس کے گھر میں کھانا نہ ہو وہ روزہ رکھے، ہم سے تو بھوکا نہیں مرا جاتا، تمھیں روزہ رکھ کے بہشت میں چلے جانا اور ماہ رمضان المبارک میں سرراہ دروازہ پر بیٹھ کر آب نوشی وحقہ نوشی خود کرتا اور کراتا ہے اگر کوئی منع کرتا ہے کہ روزہ داروں کے سامنے مت کھاؤ پیو، تو جواب دیتا ہے کہ خدا سے چوری نہیں ہے تو بندے سے کون سی چوری ہے، سو یہ سب باتیں زید کی کیسی ہیں؟ زید ان باتوں سے مسلمان ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ کیسے ہیں جو زید کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں اور ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور زید کی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں۔ اس بیہودہ بکنے اور تمسخر کرنے سے زید کا نکاح اس کی عورت سے باطل

[1] صحیح مسلم النھی عن الروایۃ والضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ہوا یا قائم رہا؟ اگر باطل ہوا تو اولاد اس کی کیسی ہے؟ زید اور اس کے ساتھی کبھی کبھی جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں ان کی نماز جمعہ وعیدین ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر حکم کفر ہے اور وہ لوگ جو اس کی ان باتوں سے خوش ہوتے ہیں ان پر بھی یہی حکم ہے، ان کے جمعہ وعیدین باطل ہیں، ان کی عورتیں ان کے نکاح سے نکل گئیں، مسلمانوں کو ان سے میل جول حرام ہے، نہ ان کے پاس بیٹھنا جائز۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۴تا۳۱۷: از کوہ کسولی ضلع انبالہ کوٹھی بارک ماسٹر صاحب مرسلہ جان محمد خانساماں ۳ جمادی الاولٰی ۷ ۱۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ان مسائل میں: قصبہ کسولی کے اندر ایک مسجد ہے اس میں مسلمانان کی طرف سے ایک پیش امام مقرر ہیں انھوں نے اپنے وعظ کے اندر بیان کیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ایلچی تھے، اور حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس نام سے یاد کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔

(۱) کیا نعوذ باللہ ایلچی کے نام سے حضور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یاد کرنے سے منقصت پائی جاتی ہے تو ایسے قائل کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باحیات تو ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے اور نہ روضہ پاک سے باہر تشریف لاسکتے ہیں قیامت تک۔

(۲) کیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز نہیں پڑھتے اور کیا روضہ پاک سے باہر تشریف نہیں لاسکتے؟ اور ایک مقام پر میلاد سرورکائنات علیہ التسلیم والتحیہ تھا وہاں ولادت کا ذکر میلاد خواں نے نہیں کیا، جلدی سے سلام پڑھ دیا اور پیش امام صاحب وعظ فرمانے بیٹھ گئے، اثنائے وعظ میں بیان کیا کہ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اور میلاد شریف پڑھواتا ہے وہ جہنمی ہے۔

(۳) کیا تارک الصلوٰۃ کافر ہے؟

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

(۴) کیا میلاد شریف پڑھوانے والا جہنمی ہے؟

الجواب:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول اعظم ونائب اکبر خلیفہ اعظم ہیں، ایلچی وہ ہوتا ہے جس کو پیام یا خط پہنچانے کے سوا کوئی سرداری اور حکومت نہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اکرم میں اس لفظ کا استعمال کرنا بیشک تنقیص وتوہین ہے اور اس کا وہی حکم ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاء کرام حیات حقیقی دنیاوی روحانی جسمانی سے زندہ ہیں، اپنے مزارات طیبہ میں نمازیں پڑھتے ہیں، روزی دئے جاتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، زمین وآسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون [1]۔	حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنے مزارات میں زندہ ہیں اور نماز ادا فرماتے ہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ [2]	بیشک اللہ تعالٰی نے حضرات انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ کا زمین پر کھانا حرام فرمادیا ہے اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دئے جاتے ہیں۔ (ت)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم و یتصرفوا فی ملکوت السمٰوٰت والارض [3]۔	حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے مزارات سے باہر جانے اور آسمانوں اور زمین میں تصرف کی اجازت ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] شرح الصدور باب احوال الموتٰی فی قبورھم خلافت اکیڈمی مینگورہ سوات ص ۷۸، مجمع الزوائد باب ذکر الانبیاء علیہم السلام دارالکتب العربی بیروت ۸/ ۲۱۱

[2] سنن ابن ماجہ آخر کتاب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[3] الحاوی للفتاوٰی رسالہ تنویر الحلك دارالفکر بیروت ۲/ ۲۶۳

(۳) نماز نہ پڑھنا سخت کبیرہ ہے مگر اس کے جہنمی ہونے پر یقین نہیں ہوسکتا کہ کفر کے سوا سب گناہ زیر مشیت الٰہی ہیں۔

(۴) اور میلاد مبارک پڑھوانے پر اگر جہنمی کہے تو خود مستحق جہنم ہے۔

مسئلہ ۳۱۸ تا ۳۱۹: از سنبھل محلہ چمن سرائے متصل مزار جناب میرن شاہ صاحب مرسلہ احمد خاں ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) جو شخص یہ کہے کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات میں نقصان تھا تو اتنا تھا کہ حضور خدا نہ تھے ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

(۲) جو مسلمان یہ کہے کہ حضرت کا خیال نماز میں آجائے تو نماز نہ ہوگی اور گدھے خچر کا خیال آئے تو نماز ہوجائے گی، ایسا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں؟ اور یہ کہنا حقارت نبی ہے یا نہیں؟ اور حقارت نبی کفر ہے یا نہیں؟

خدا تعالٰی کو برا کہنے والا مسلمان ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ حضور اقدس نے (ستر دلیل کفر ہوں اور ایک مسلمان ہونے کی) تو اس کو مسلمان فرمایا ہے اور آج کل ہزاروں مسلمانوں کو زبردستی کھینچ کر کافر بنایا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

(۱) اس نے اچھے لفظوں میں ادا نہ کیا مگر جو بات کہی حق ہے بیشک سوا الوہیت و مستلزمات الوہیت کے سب فضائل و کمالات حضور کے لئے ثابت ہیں، امام محمد بوصیری بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

دع ما ادعتہ النصارٰی فی نبیھم واحکم بما شئت مدحا فیہ واحتکم [1]

جو کچھ نصارٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کے بارے میں کہا تم وہ نہ کہو، اس کے علاوہ ہر مرتبہ و مقام آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے بیان کرسکتے ہو۔ت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

مخواں اور خدا از بہر حفظ شرع و پاس دیں دگر ہر وصف کش می خواہی اندر مدحش املا کن [2]

(شریعت ودین کا پاس کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خدا نہ کہو اس کے علاوہ ہر وصف کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح کر اور لکھ سکتے ہو۔ت)

---

[1] قصیدہ بردہ شریف الفصل الثالث تاج کمپنی لاہور ص ۱۰

[2] دیوان عبدالحق المحدث الدہلوی

(۲) یہ ملعون بات ضرو کلمہ توہین ہے اور اس کے خبیث قائل پر بلا شبہ کفر لازم، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا کسی نبی یا فرشتہ کی توہین یا حضرت عزت جل جلالہ کو معاذاللہ بُرا کہنا بلاشبہ کفر ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا کہیں نہیں فرمایا، یہ حضور پر محض افتراء ہے، نہ ہرگز علماء محتاطین کسی مسلمان کو کھینچ کر کافر بنائیں، یہ ان پر افتراء ہے، اور اس کی تفصیل رسالہ **تمہید الایمان** میں ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: از بہرائچ محلّہ قاضی پورہ مسجد کالے خان مرسلہ نواب علی صاحب موذن مسجد ۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ ایک مدعی صوفیت نے ایک بزرگ کے عرس کی تقریب میں ہر طبقہ کے لوگوں کو بلایا یہاں تک کہ ہنود بھی بلائے گئے، اور باوجود اطلاع عقائد باطلہ ایک لکچرار کو جلسہ میں تقریر کے واسطے کھڑا کیا اس شخص نے اس بڑے مجمع کے سامنے توحید پرستی کے پردہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے مقربوں کی شان اقدس میں گستاخیاں کیں اور ان مقدس اور قدسی صفات حضرات کے صبر وتحمل کو نہایت شرمناک کمزوری اور نامردی سے تعبیر کیا، مثلاً یہ کہ سرور عالم وعالمیاں کو جب جنگ احد میں مجروح کیا گیا تو وہ کچھ بھی نہ کرسکے، حضرت علی شیر خدا ابن ملجم سے اپنی جان کی حفاظت نہ کرسکے وغیرہ وغیرہ، اور ایک حکیم حافظ عربی داں شخص ان بیانات کی تصدیق وتائید کی، جن لوگوں نے اس گستاخانہ مقرر کو بدعقیدہ کہا تھا ان کو تہدید کی اور اس مدعی تصوف کی شان میں چند اشعار پڑھے گئے، جب ایک شخص نے چاہا کہ ان گستاخیوں اور بدزبانیوں کا جواب دے اور ان معزز اور مقتدر حضرات کے مناقب بیان کرے تو اس مصدق ومؤید وبانی جلسہ میں سرگوشی ہوئی اور منتظموں نے حصہ تقسیم کیا کہ لوگوں کے مجمع کو درہم برہم کردیا اور خود اس بیان زہر آلود پر نہ تقریر کرنے والے کو روکا نہ کسی طرح اظہار ناخوشی کیا بلکہ ان لوگوں کو جو تردید پر آمادہ تھے ہر امکانی طریقہ سے باز رکھنا چاہا تو اس بانی محفل ومؤید ومقرر سے عام مسلمانوں کو کس قسم کا برتاؤ کرنا چاہئے اور ان کی دین داری کے متعلق کیا خیال رکھنا چاہئے؟

الجواب:

سوال میں جو وہ لفظ ہیں یعنی شرمناک کمزوری اور نامردی اگر بعینہٖ یہ الفاظ اس مقرر نے کہے یا اور الفاظ ملعونہ جو ان کے ہم معنی ہوں تو اس کے کافر مرتد ہونے میں کوئی شبہ نہیں ایسے کہ **من شك فی کفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے، اور اس تقدیر پر جتنے اس کے

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

مؤید تھے سب مرتد ہیں اور جنھوں نے اس کی حمایت وطرفداری کے لئے اس کے رد سے روکا وہ سب بھی اسلام سے نکل گئے، اس تقدیر پر مسلمانوں کو ان کے ساتھ وہی برتاؤ لازم ہے جو مرتدین کے ساتھ ان سے میل جول حرام، سلام کلام حرام، موت وحیات میں کوئی معاملہ اسلامی ان سے برتنا حرام، اور گر رد سے روکنا اور مجمع منتشر کردینا اس کی طرفداری اور حمایت کے لئے نہ ہو، نہ اس کے کلام ملعون کو کفر نہ جاننے کے باعث تو دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ یہ انسداد نیچریانہ تہذیب خبیثہ کے باعث ہے تو مداہنت وشیطنت ہے اور اس کے مرتکب عذاب شدید کے مستوجب، اور اگر یہ بھی نہیں بلکہ رد میں اندیشہ فتنہ تھا رد کرنے والے کو اس سے بچانے کے لئے یہ بندش کی تو بحال صحت اندیشہ اور غلبہ مفسدہ ان روکنے والوں پر الزام نہیں۔

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی[1]۔	اعمال کامدار نیات پر ہے اور ہر آدمی کا حکم اس کی نیت کے مطابق ہے۔ (ت)

اور اگر وہ الفاظ ملعونہ کلام مقرر میں نہ بعینہا تھے نہ ایسے الفاظ جو ان معنی کو مودی ہوں، بلکہ سائل نے اس کا مقصود ایسا سمجھ کر اسے ان الفاظ سے تعبیر کیا تو اگر دلائل وقرائن وسیاق وسباق سے ثابت ہو کہ اس کا یہی مقصود تھا تو اس پر وہی حکم کفر وارتداد ہے اور طرفداروں کے لئے بھی وہی احکام عود کرینگے جبکہ انھوں نے بھی یہی مقصود سمجھا یا، یہ مقصود ایسا واضح تھا جس کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ نہ تھا، اور اگر دلائل وقرائن سے بھی مقصود ثابت نہ ہو تاہم اس میں شک نہیں کہ طرز ادب کے خلاف ہے، اس طور پر بیان دو ہی قوموں کا شیوہ ہے یا تو ملحدان بے دین یا وہابیان خوگر توہین، اور دونوں مردود وگمراہ ہیں باقی سیاق وسباق کلام وغیرہ متعلقات کی سائل نے تفصیل نہ کی کہ کوئی شق متعین کی جاتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۱: از کوچین ضلع ملیبار محلّہ مٹانچیری مکان سیٹھ سلیمان قاسم میمن مرسلہ حاجی طاہر محمد مولانا ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کو حاضر وناظر سمجھنا کیسا ہے اور وہ کون ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل شہید وبصیر ہے اسے حاضر وناظر نہ کہنا چاہئے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس پر تکفیر کا خیال فرمایا اور اکابر کو اس کی نفی کی حاجت ہوئی، مجموعہ علامہ ابن وہبان میں ہے:

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

ویاحاضر ویاناظر لیس بکفر [1]۔	یاحاضر یاناظر کہنا کفر نہیں۔(ت)

جو ایسا کہتا ہے خطا کرتا ہے بچنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲: ۲۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نام کے مسلمان نے ایک کتاب ضوء نورالحق المبین عربی زبان میں لکھی اور چھپواکراپنے ہم خیالوں میں بہ تعداد پانچ ہزار تقسیم کی اور اس کو مجالس عام میں برسرمبنر پڑھنے کاحکم دیااور اس میں صفحہ ۳۴ پر یہ لکھاہے:

فالمسلمون الذین یشھدون بکلمۃ الاخلاص وھم کافۃ اھل الجماعۃ والسنۃ وکلمۃ الاخلاص ھی التی قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ من قالھا مخلصا دخل الجنۃ وھی لاتقبل منھم وتردعلیھم لانھم لم یقروا الا بالرسول وحدہ وانکروا مرتبۃ الوصی۔	مسلمان وہ ہیں جو کلمہ اخلاص کی گواہی دیں اور وہ تمام اہل جماعت وسنت ہیں اور کلمہ اخلاص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے جس نے اخلاص کے ساتھ پڑھ لیا وہ جنتی ہے اور یہ کلمہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان پر رد کردیا جائے گا کیونکہ انھوں نے صرف رسول کا اقرار کیا، مرتبہ وصی کاانکار کردیا۔(ت)

اور صفحہ ۳۵ پر ہے:

وان امام زمانکم محل من الدین محل الرسول۔	تمھارے زمانے کے امام کامقام دین میں وہی ہے جو رسول کا مقام ہے۔(ت)

اور صفحہ ۴۳ پر ہے:

وان وصیہ علیّ امیر المومنین نظیرہ (ای نظیر الرسول) فی تمامہ وکمالہ۔	حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) امیر المومنین ہونے میں ان کی نظیر ہیں یعنی تمام وکمال میں رسول اللہ کی نظیر ہیں۔(ت)

اور صفہ ۴۶ پر ہے:

وکان من کان فی ایامہ (ایام الرسول) لااستطاعۃ لھم فی قبول کل الحکمۃ	گویاجوان کے ایام میں تھا (یعنی حضور کے ایام میں) کہ بیک وقت تمام حکمت کا

[1] مجموعہ ابن وہبان

دفعۃ واحدۃ۔	قبول کرنا طاقت میں نہ تھا۔(ت)

اور صفحہ ۱۶۳ پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ تعالٰی کی نسبت لکھا ہے جنھوں نے بارہ لاکھ شیعوں کو سنی بنالیا تھا:

فمن وسواس خناس وسوس فی صدور الناس، فضل و اضل کثیرا من الناس یعنی جعفر النھر والی قرین ابلیس الواقع بہ عن رحمۃ اللہ تعالٰی الابلاس۔	وہ خناس کے وساوس میں سے ہے اس نے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے خود بھی گمراہ اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کیا یعنی جعفر النہروالی، وہ ابلیس کا سینگ ہے اس کی وجہ سے رحمت الٰہی سے مایوسی ہوئی۔(ت)

پھر انھیں حضرت جعفر کی نسبت صفحہ ۱۶۴ پر ذٰلك الشیطن (وہ شیطان ہے۔ت) کا لفظ ہے، پس کیا حکم ہے شریعت کا ایسی کتاب کی نسبت جس میں اس قسم کے مذکورہ مضامین ہوں اور کیا فتوی ہے ایسی کتاب لکھنے اور چھپوا کر تقسیم کرنے اور منبروں پر حکما پڑھوانے کی نسبت؟ اور کیا ارشاد ہے سنی مسلمانوں کو کہ وہ اس کتاب کی ضبطی اور مصنف کتاب کی تنبیہ کے لئے حاکم ملک سے چارہ جوئی قانونی کریں یا نہ کریں؟

الجواب:

یہ بات کیا سوال طلب ہے، رویش ببیں حالش مپرس (اس کا چہرہ ہی دیکھ حال مت پوچھ۔ت) ظاہر ہے کہ ایسی ناپاک کتاب کسی رافضی غالی نجس القلب خبیث اللسان کی ہے، اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ، اس کا لکھنا پڑھنا پڑھوانا سب اشد قطعی حرام، اس میں تمام اہلسنت بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین و کلمات کفریہ ہیں اس بارے میں قانونی چارہ جوئی اگر مفید ہو ممنوع نہیں مگر زمانہ وہ ہے کہ اس سے لاکھ لاکھ درجے بدتر کتابیں شائع ہو رہی ہیں جن میں وہ قطعی کفر ہیں کہ:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

جیسے حفظ الایمان و براہین قاطعہ اور سب سے خبیث تر "فلسفہ اجتماع" جس میں سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجہول النسب بچہ لکھا ہے رسولوں کو ماننا محض لغو بتایا ہے، رسول کی تعظیم باطل کہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو لکھا کہ انھوں نے اپنے مقلدوں کی آزادی پامال کردی اپنے اوپر اعتراض سے ان کی دہن دوزی کی، اپنی سطوت برقرار رکھنے کے لئے اپنی اور اپنے اہل بیت کی تعظیم کی آیتیں قرآن میں بڑھادیں، قرآن اپنے دعوی توحید میں سچا نہیں، نبی کی تعظیم بت پرستی ہے وغیرہ وغیرہ اشد ملعون کفر، پھر وہ قوم کے لیڈر بنتے ہیں اس کے مصنف کے اسلام پر شہادت دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ ہم نے ہر طرح تحقیق کرلیا اس میں کوئی بات کفر کی نہیں، اور بعض دوسرے دفتر اس کی اشاعت کر رہے ہیں **فالی اللہ المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس وربنا الرحمن المستعان علی ماتصفون ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۲: از خیر پور ٹالی اسٹیشن ٹامی والے ریاست بہاولپور برخانقاہ مبارک مرسلہ عبدالرحیم نائب معلم مدرسہ عربیہ خیر پور شرقیہ ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور خالد دونوں بھائی حقیقی ہیں، مسمّی زید بقضائے الٰہی فوت ہوگیا ہے اور اس کا برادر خالد موجود ہے اور زید مرحوم کی دو بیویاں اور دو بیٹیاں موجود ہیں، زید مرحوم کے داماد نے مسمّی خالد کو کہا بموجب شریعت مبارکہ حصہ تقسیم ہونا چاہئے کیونکہ ہم تم اہل اسلام پابند شریعت کے ہیں شرع محمدی پر فیصلہ ہونا چاہئے خالد جو متروکہ زید پر قابض وجابر ہے صاف کہہ دیا کہ ہم کو شریعت نامنظور ہے بلکہ رواج منظور، اب فرمائیے کہ عندالشریعت خالد کا کیا حکم ہے نکاح رہا یا فسخ ہوگیا؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو خالد پر حکم کفر ہے اور یہ کہ اس کا نکاح فسخ ہوگیا اس پر توبہ فرض ہے، نئے سرے سے اسلام لائے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو اس سے دوبارہ نکاح کرے، عالمگیری میں ہے:

اذا قال الرجل لغیرہ حکم الشرع ہذہ الحادثۃ کذا فقال ذٰلک الغیر من برسم کارمی کنم نہ بشرع یکفر عند بعض المشائخ[1] اھ	جب کسی نے دوسرے سے کہا اس معاملہ میں شریعت کا حکم یہ ہے وہ دوسرا جواباً کہتا ہے میں تو رسم کے مطابق کروں گا نہ کہ شرع کے مطابق، تو بعض مشائخ

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

اقول: وصورۃ النازلۃ اشد من ھذا بکثیر فان ھذا اخبار عن عملہ والرجل ربما یعمل بالمعصیۃ وھو لا یرضاھا فیکون عاصیا لا کافر العدم الاستحسان و الاستحلال بخلاف ماثمہ فانہ صریح فی عدم قبول الشرع وترجیح الرسم علیہ فکان کالمسألۃ قبلھا ترجیح قال لخصمہ اذھب معی الی الشرع قال بیادہ ببار تا بردم بے جبر نروم یکفر لانہ عاند الشرع اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کے نزدیک یہ کافر ہوجائے گا اھ۔ **میں کہتا ہوں** صورت نازلہ مذکورہ صورت سے بہت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس عمل کی اطلاع ہے اور آدمی بہت دفعہ معصیت کا عمل کرتا ہے مگر اسے گناہ تصور کرتا ہے اور دلی طور پر اس پر خوش نہیں ہوتا تو اب عاصی ٹھہرا نہ کہ کافر، کیونکہ اس نے اسے حلال تصور نہیں کیا بخلاف سوالیہ صورت کے یہاں قبول شرع کا انکار ہے اور رسم کو اس پر ترجیح دے رہا ہے یہ اس سے قبل والے مسئلہ جیسا ہے کسی نے مخالف سے کہا میرے ساتھ شریعت کی طرف چل، تو وہ کہنے لگا پیغام شریعت لادے تاکہ میں چلوں، بغیر جبر کے میں نہیں جاؤں گا، تو وہ کافر ہوجائے گا کیونکہ اس نے شریعت سے عناد کو روا رکھا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴: از قصبہ کسیر کلاں ڈاک خانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ عبدالشکور صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

طریقت شعار حقیقت آثار جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام ظلکم و فضلکم، بعد ابلاغ سلام مسنون الاسلام کے گزارش ہے کیا فرماتے ہیں علمائے دین سوالات ذیل میں کہ بہشتی زیور کے چھٹے حصے میں لکھا ہے کہ "مُردوں کی روحیں اوقات متبرکہ شب جمعہ وغیرہ میں اپنے گھروں کو نہیں آتیں اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا دیکھو جبھی ایسا عقیدہ مت رکھنا" باوجود احادیث صحیحہ اور اکثر روایات کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت سے ارواح کا آنا ثابت، اس باب میں ہر چند مولوی اشرف علی تھانوی سے ان سب کتابوں کے اسمائے طیبہ وحوالہ جات جن سے ارواح کا آنا ثابت، لکھ کر دریافت کیا کہ کیا یہ سب کتابیں ایسی ویسی ہیں، اگر ایسی ویسی نہیں تو قرآن کو ایسی ویسی کہنے والے کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ اس پر مولوی صاحب نے جو جوابات جملہ خطوں کے بغیر دستخط اپنے تحریر فرمائے ہیں وہ قابل ملاحظہ حضور ہیں لہذا ہر ایک خط کی نقل مع جواب اس کے تحریر کی جاتی ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۱

(عزیزی منظور مد عمرہ کا پہلا خط بنام مولوی اشرف علی تھانوی) جناب مولوی صاحب بعد السلام علیکم عرض ہے کہ جناب کی بعض تصنیفات مثل بہشتی زیور وغیرہ میں جملہ رسوم مروجہ اہل اسلام مثلاً قیام میلاد شریف و اعراس بزرگان دین وتعین گیارھویں شریف وطریق نیاز ایصال ثواب میت اور دعا کے لئے بروقت فاتحہ ہاتھ اٹھانا اور میت کا تیجا، دسواں، بیسواں، چہلم، سہ ماہی، ششماہی، برسی، سات جمعراتیں کرنا، اور بزرگوں سے استمداد چاہنا اور ان کے مزاروں پر چادریں چڑھانا اور عورتوں کو قبور اولیائے کرام پر بفرض زیارت کے جانا وغیرہ وغیرہ ناجائز وبدعت لکھا ہے، اور ان ایام میں ہماری طرف ایک رسالہ موسومہ "مفید آخرت" حصہ اول ودوم چھپ کر شائع ہوئے ہیں بغرض ملاحظہ جناب ہمراہ تحریر ہذا ارسال ہیں ان دونوں حصوں میں امور متذکرہ بالا کو بدلائل احادیث واقوال مشائخ کرام علمائے عظام وروایات فقہ جائز ومستحسن ثابت کیا گیا ہے اور نیز جناب نے "بہشتی زیور" کے حصہ چھ کے اس بیان میں جس میں ان رسموں کا بیان ہے جو کسی کے مرنے میں برتی جاتی ہیں، لکھا ہے: "بعض یہ سمجھتے ہیں کہ ان تاریخوں اور جمعرات کے دن اور شب برات وغیرہ کے دنوں میں مردوں کی روحیں گھروں میں آتی ہیں اس بات کی شرع شریف میں کچھ اصل نہیں اور ان کے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ جو کچھ ثواب مُردوں کو پہنچایا جاتا ہے اس کو خود اس کے ٹھکانے پر پہنچ جاتا ہے پھر اس کو کون ضرور ہے کہ مارا مارا پھرے، پھر یہ بھی ہے کہ اگر مُردہ نیک اور بہشتی ہے تو ایسی بہار کی جگہ چھوڑ کر کیوں آنے لگا اور اگر بد اور دوزخی تو اس کو فرشتے کیوں چھوڑیں گے کہ عتاب سے چھوٹ کر سیر کرتا پھرے، غرض یہ بات بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے، اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا عقیدہ مت رکھنا جس کتاب کو عالم سند نہ رکھیں وہ بھروسہ کی نہیں ہے۔"

برخلاف اس کے جناب مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب رام پوری نے اپنی کتاب "عمدۃ الفاتحہ" میں ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا احادیث وکتب فقہ اقوال مشائخ کرام وعلمائے عظام سے ثابت کیا ہے، مشت نمونہ وہ روایات بھی یہاں لکھی جاتی ہیں، سنئے، اشعۃ اللمعات میں مولانا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ لکھتے ہیں:

دربعضے روایات آمدہ است کہ ارواح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظرمی کند کہ تصدق می کنند ازوے یانہ [1]۔	بعض روایات میں منقول ہے کہ جمعہ کی رات میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہیں کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہیں۔ (ت)

[1] اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۷-۷۱۶

دقائق الاخبار مصنفہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے: "حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ جس دن ہوتا ہے دن عید کا، یا دن جمعہ کا، یا روز عاشورہ کا، یا شب نصف شعبان، آتی ہیں روحیں مُردوں کی، اور کھڑی ہوتی ہیں اوپر اپنے گھروں کے، پس کہتی ہیں آیا ہے کوئی کہ یاد کرتا ہے مجھ کو، آیا ہے کوئی کہ رحم کرے اوپر ہمارے، آیا ہے کوئی کہ یاد کرے غربت ہماری کو، اے وہ لوگو! کہ رہتے ہو تم بیچ گھروں ہمارے کے، اے لوگو! اچھے ہوئے تم ساتھ اس کے اور بدبخت ہم ساتھ اس کے ہوئے، اور اے لوگو! کھڑے ہو تم بیچ کشادہ محلوں ہمارے کے، اور ہم درمیان قبروں تنگ کے، اور آیا ہے اے لوگو! ذلیل کیا تم نے یتیموں ہمارے کو، اے لوگو! نکاح کیا تم نے ساتھ عورتوں ہماری کے، آیا ہے کہ یاد کرے کوئی بیچ غربت اور فقر ہمارے کے، اعمال نامے تمھارے کشادہ ہیں اور اعمال نامے ہمارے لپٹے گئے"[1]

اور قریب قریب روایت اسی مضمون کی کتاب درر الحسان میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نقل فرماتے ہیں:

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما اذا کان یوم العید ویوم العشر ویوم الجمعة الاولی من شهر رجب ولیلة النصف من شعبان ولیلة الجمعة یخرج الاموات من قبورهم ویقفون علی ابواب بیوتهم ویقولون ترحموا علینا فی اللیلة بصدقة ولو بلقمة من خبز فانا محتاجون الیها فان لم یجدواشیئا یرجعون بالحسرة[2]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب عید کا دن، دسواں دن، ماہ رجب کا پہلا جمعہ، شب براءت (شعبان کی نصف) اور جمعہ کی رات آتی ہے تو اموات اپنی قبور سے نکل کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہماری طرف سے اس رات صدقہ کرو اگرچہ روٹی کا ایک لقمہ ہی دو کیونکہ ہم اس کے ضرورت مند ہیں اگر وہ کچھ صدقہ نہ کریں تو بڑے افسوس سے لوٹتے ہیں (ت)

دستور القضاۃ مصنفہ صدر الدین رشید تبریزی میں فتاوٰی نسفیہ سے منقول ہے:

ان ارواح المؤمنین یاتون فی کل لیلة الجمعة ویوم الجمعة فیقومون بفناء بیوتهم	اہل ایمان کی ارواح ہر جمعہ کی رات اور دن کو اپنے گھروں کے صحن میں آکر غمناک آواز دیتی ہیں: اے

[1] دقائق الاخبار

[2] درر الحسان فی البعث ونعیم الجنان للسیوطی

ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین یااهلی ویا اولادی یا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقة واذکرونا ولاتنسونا وارحمونا فی غربتنا قد کان هذا المال الذی فی ایدیکم فی ایدینا فیرجعون منهم باکیا حزینا ثم ینادی کل واحد منهم بصوت حزین اللهم قنطهم من الرحمة کما قنطونا من الدعاء والصدقة[1]۔	میرے گھروالو، اے میری اولاد، اے میرے رشتہ دارو، ہم پر صدقہ کرکے مہربانی کرو، ہمیں یاد رکھو، ہمیں بھول نہ جاؤ، ہماری غربت پر رحم کرو، یہ مال جو تمھارے ہاتھوں میں ہے یہ کبھی ہمارے پاس بھی تھا پھر وہ غمگین روتے ہوئے واپس جاتے ہیں، پھر ان میں سے ہر کوئی غمگین آواز سے کہتا ہے اے اللہ! ان کو رحمت سے اسی طرح دور فرما جس طرح انھوں نے ہمیں دعا وصدقہ سے مایوس کیا ہے۔(ت)

اشباہ والنظائر احکام جمعہ میں مسطور ہے: وفیه یجتمع الارواح[2] یعنی جمعہ کے دن روحیں اکٹھی ہوتی ہیں، روضۃ الریاحین میں ہے:

مذهب اهل السنة ان ارواح الموتٰی فی بعض الاوقات من علیین وسجین یاتون الی اجسادهم فی قبورهم عند مایرید الله تعالٰی خصوصا فی لیلة الجمعة ویومها ویجلسون ویتحدثون[3]۔	اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ اموات کی ارواح جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے علیین اور سجین سے اپنے اجسام کی طرف آتی ہیں خصوصا جمعہ کی رات، دن میں آپس میں بیٹھ کر گفتگو کرتی ہیں (ت)

بخوف تطویل اس قدر ہی روایات پر بس، ورنہ اور بھی کتب معتبرہ خزانۃ الروایات اور عوارف المعارف اور تذکرۃ الموتٰی مصنفہ قاضی ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا ثابت ہے، چنانچہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فتاوٰی عزیزی ترجمہ سرور عزیزی میں فرماتے ہیں: "مُردے اوقات متبرکہ میں مثلاشب جمعہ اور شب قدر میں اپنے ان عزیزوں کے پاس گزرتے

---

[1] دستور القضاۃ صدر الدین رشید تبریزی

[2] الاشباہ والنظائر باب احکام الجمعه ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۹

[3] روضۃ الریاحین

ہیں کہ وہ عزیزان اموات کو یاد کرتے ہیں قدر ضرورت"[1]

جناب آپ کی عبارت بالا دیکھنے اور ان سب روایات کے غور کرنے سے عوام الناس نہایت مبتلائے اوہام اور مشکوک ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آپ کے اقوال قابل تسلیم یا یہ جملہ روایات منقولہ اور کتب حوالہ جات روایات منقولہ کو کیا تصور کیا جائے، آیا یہ سب کتابیں ایسی ویسی ہیں جن کی عالم سند نہیں رکھتے، تحقیق کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں، یا یہ کہ وہی درست ہے جو جناب کی کتاب زشتی زیور وغیرہ میں لکھا ہے عنداللہ بواپسی ڈاک جواب باصواب بنظر انصاف مستفید فرمائے تاکہ خاطر جمع ہوں اللہ آپ کو اس کی جزائے خیر دے گا، جواب کے واسطے ٹکٹ مرسل ہے، ۵ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

(پہلے خط کا جواب از طرف تھانوی):

السلام علیکم اگر تقلید پر اکتفا ہے تو جو شخص آپ کے نزدیک قابل اعتماد ہو اس کا اتباع کیجئے اور اگر تحقیق کا شوق ہے تو یہ خط لے کر تشریف لے آیئے بشرطیکہ کچھ علوم دینیہ سے مناسبت بھی ہو،

(دوسرا خط بنام تھانوی):

جناب تھانوی صاحب! اسلام علیکم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنا اپنے گھروں کو ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ مثل شب جمعہ وغیرہ میں اپنے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ اشعۃ اللمعات میں ہے:

دربعضے روایات آوردہ است کہ ارواح میت می آید خانہ خود راشب جمعہ پس نظرمی کند کہ تصدق مے کنند ازوے یانہ[2]۔	بعض روایات میں منقول ہیں کہ جمعہ کی رات میت کی روح اپنے گھر آتی ہے، اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے صدقہ کیا گیا ہے یا نہ۔ (ت)

اور نیز اکثر کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت فقہ وحدیث وتفاسیر مثلاً دقائق الاخبار، درر الحسان، دستور القضاۃ، فتاوٰی نسفیہ، اشباہ والنظائر، روضۃ الریاحین، خزانۃ الروایات، عوارف المعارف، تذکرۃ الموتٰی، فتاوٰی عزیزی و تفسیر عزیزی میں ارواح کا آنا مسطور، لیکن جناب کی زشتی زیور کے حصہ چھ میں "ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں میں نہ آنا" اس شدومد کے ساتھ مذکور کہ "اگر

---

[1] سرور عزیزی ترجمہ فتاوٰی عزیزی

[2] اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱۷

ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا اعتقاد مت رکھنا" تو سوال یہ ہے کہ یہ لکھنا جناب کا کس صورت پر محمول کیا جاوے، آیا سب کتابیں مذکور الصدر جن سے ارواح کا آنا ثابت ہے، ایسی ویسی کتب میں اور گر نہیں تو ان کتابوں کو ایسی ویسی سمجھنے والے کے حق میں شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ عنداللہ غور فرما کر جواب حق سے مع مہر اور دستخط کے دریغ نہ کریئے گا۔ ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

(دوسرے خط کا جواب از طرف تھانوی):

وعلیکم السلام، چونکہ انداز عبارت سے مقصود اعتراض معلوم ہوتا ہے اور جس پر اعتراض کرنا مقصود ہو اس سے استفسار کرنا نامناسب ہے اس لئے جواب نہیں دیا گیا کیونکہ مقصود استفتاء سے دوسرا ہوتا ہے یعنی طلب حکم العمل، اور ان دونوں غرضوں سے منافات معلوم۔

(تیسرا خط بنام تھانوی)

جناب، السلام علیکم، افسوس مسئلہ حل طلب جناب کو دوبارہ لکھا لیکن جواب جواب باوجودیکہ فقیر کو نہ اعتراض مرغوب، نہ کوئی مناظرہ محبوب، بلکہ اظہار حق مطلوب، کتب معتبرہ اہل سنت وجماعت جن کے اسمائے طیبہ پچھلے خطوں میں بالتصریح مذکور، جب یہ ایسی ویسی نہیں تو ان کو ایسی ویسی سمجھنے والے کی نسبت جو حکم شرع ہو اس کے لکھنے میں آپ کو کیا تامل ہے، ہاں البتہ آپ کے اس لفظ ایسی ویسی کے لکھنے میں شامل ضرور ہوتی ہیں، شاید جس کی وجہ سے اظہار حق میں کچھ دریغ ہے، اگر بہ تقاضائے بشریت جناب سے کوئی سہو وخطا اس کلمہ ایسی ویسی کے لکھنے میں مضمر ہے تو آگاہیت پر ان کلمات کی واپسی میں کیا عذر ہے اور اگر خاص کوئی تاویل ہے تو اس سے عنداللہ مع دستخط ومہر کے بواپسی ڈاک صاف طور سے عوام کو مطلع فرمادیجئے گا بلحاظ اس کے تاکہ ظن قائم کریں اگر آپ نے صاف صاف جواب جواب بھی نہ دیا تو پھر مجبوراً یہی متصور ہوگا کہ آپ کو کتب معلومہ سے انحراف ہے، اس پر پھر جو حکم شرعی ہوگا علمائے اہل سنت وجماعت سے استفتا لے کر بذریعہ اشتہار مشتہر کردیا جائے گا، ۹ فروری ۱۹۱۹ء

(تیسرے خط کا جواب از طرف تھانوی):

السلام علیکم، مجھ کو جو کچھ عرض کرنا تھا کرچکا، فقط۔

جناب من! تینوں خط مع جواب ان کے پیش خدمت بعد ملاحظہ مخفی نہ رہے گا مولوی صاحب نے اصل جواب کے دینے میں کس قدر ایچ پیچ لگائے ہیں، اور جو مقصود سوال تھا ان کے جوابات میں وہ قطعی مفقود، اب سوال یہ ہے کہ اس عبارت زشتی زیور سے کہ جس میں جو لکھا ہے "ارواح موتٰی کا اوقات متبرکہ میں اپنے گھروں کو آنا اگر کسی ایسی ویسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھو تب بھی ایسا اعتقاد مت رکھنا"

اس سے اور نیز خطوط مذکورہ کے جوابات سے یہ امر ثابت ہے یا نہیں کہ مولوی صاحب کو جملہ احادیث و روایات، کتب معتبرہ اہل سنت و جماعت جن میں ارواح کا آنا ثابت ایسی ویسی اور جو شخص ان سب احادیث روایات کو ایسی ویسی کہے اس کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

تھانوی نے حفظ الایمان میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہین کی اور شدید گالیاں دیں جس پر علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق اس پر حکم کفر دیا اور صاف فرمادیا کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]۔	جو اس کے اقوال پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے۔

اس کے بعد اس کی ایسی ویسی باتوں پر کیا التفات اور کتب دینیہ کی توہین کی کیا شکایت، **ماعلی مثله بعد الخطاء** (خطا کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۵: از او، آر، ریلوے ٹیلیگراف ٹریننگ اسکول مرسلہ سید اعجاز احمد صاحب اسٹیشن ماسٹر ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

میرے تاجدار آقا، حضور کے سایہ رحمت میں حق سبحانہ وتعالٰی اس کمینہ کو امان عطا فرمائے، ایک صاحب کہتے ہیں کہ ماحصل یہ کہ اعمال صالحہ کرنے سے کبھی نہ کبھی جنت میں جائے گا اگرچہ کسی نبی یا خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے، اس پر یہ آیت پیش کرتا ہے پارہ "لایحب اللہ" سورہ مائدہ ع ۱۰:

"اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۶۹﴾" [2]	اس میں کچھ شک نہیں جو کوئی مسلمان ہیں اور جو یہودی ہیں اور صابی اور نصارٰی ان میں سے جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاوے اور نیک عمل بھی کرے تو قیامت کے دن ایسے لوگوں پر نہ کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر رہیں گے۔

گویا کہ نصارٰی یہودی وغیرہ اگر اللہ وروز آخرت پر ایمان لاویں اور نیک عمل کریں اگرچہ حضور صلی اللہ

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۵/ ۶۹

تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لاویں تب بھی جنت کے مستحق ہیں، میں نے اس شخص کو اٰمنوا باللّٰہ ورسولہ (اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ت) اور نیز بعد کی آیت پڑھ کر سمجھایا کہ اول ایمان عقیدہ ہے بعد کو اعمال صالحہ، اگر عقائد ٹھیک نہیں، اللہ تعالٰی کے محبوبوں کی عظمت دل میں نہیں لاکھ اعمال صالحہ کرے جنت کا مستحق نہیں، اس کے جواب میں وہ آیت پیش کرتا ہے حضور سے گزارش ہے کہ فوراً اس کا رد اور اس آیت کے واضح معنی نیز بغیر مسلمان ہوئے لاکھ اعمال صالحہ کرے کسی طرح جنت کا مستحق نہیں اگرچہ کسی نبی پر ایمان نہ لائے اس کو اعمال صالحہ اس کے کام آویں گے یعنی وہ جنت کا مستحق ہے، ورنہ کلام سے ثبوت مانگتا ہے،

الجواب:

اللہ عزوجل اپنے غضب سے بچائے اور شیطان لعین کے دھوکوں سے پناہ دے، قرآن عظیم اول تا آخر انبیاء پر عموماً اور حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثناء پر خصوصاً ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے، ان کی تکذیب کرنے والوں پر لعنت وعذاب اتار رہا ہے، اور یہ کہ دین صرف دین اسلام ہے اور یہ کہ کافر کا کوئی عمل صالح نہیں سب باطل وناکام ہے جسے دن کو آفتاب نظر نہ آئے وہ اپنی آنکھوں کو روئے، ہم صدہا آیات کریمہ سے بعض کی تلاوت سے شرف لیں گے نہ اس لئے کہ جو دیدہ ودانستہ اندھا بنا ہو اس کی آنکھیں کھلیں اس کی تو قیامت کے دن بھی پٹ ہی ہوں گی۔

"وَ نَحۡشُرُہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ عُمۡیًا وَّ بُکۡمًا وَّ صُمًّا ؕ"[1]	اور ہم انھیں قیامت کے دین ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور بہرے۔(ت)

بلکہ اس لئے کہ کوئی جاہل ساجاہل مسلمان کسی ملعون کے دھوکے میں نہ آجائے۔

آیت ۱: سب سے پہلے جو اس کج فہم نے اپنے ثبوت میں پیش کی یہی اس زعم پر لعنت برسا رہی ہے، اس میں اللہ پر ایمان لانا توشرط نجات فرمایا ہے، اس قدر تو وہ شخص بھی جانتا ہے مگر اللہ پر ایمان ہوتا تو اللہ پر ایمان کے معنی جانتا، اللہ پر ایمان یہ نہیں کہ لفظ اللہ مان لیا بلکہ ایمان تصدیق کا نام ہے، جو اللہ عزوجل کے ہر ہر کلام کی تصدیق قطعی سچے دل سے کرتا ہو وہ اللہ عزوجل پر ایمان رکھتا ہے اور جو اس کے کسی کلام میں شبہہ بھی لائے اسے ہرگز اللہ پر ایمان نہیں کہ اس کی سب باتوں کی تصدیق نہیں کرتا، اب کلام اللہ کو دیکھئے روشن تصریحوں سے انبیائے کرام وحضور سید الانام

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۹۷

علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ورسالت کا بیان ہے، ازاں جملہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"[1] محمد اللہ کے رسول ہیں،"یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳﴾"[2] اے سردار مجھے حکمت والے قرآن کی قسم بیشک تم رسولوں سے ہو، "وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ"[3] اللہ خوب جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو۔ یونہیں نوح وابراہیم وموسٰی وعیسٰی وہارون ویعقوب وادریس والیاس ولوط ویونس واسمٰعیل واسحٰق وداؤد وسلیمان وزکریا ویحیٰی وہود وشعیب وصالح وغیرہم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کی نسبت، توجو ان میں کسی کی نبوت میں شک کرے اللہ تعالٰی کی تصدیق نہیں کرتا تو ہرگز ہرگز اللہ ہی پر ایمان نہیں رکھتا کسی طرح اس آیت کے حکم میں نہیں آسکتا، اصل یہ ہے کہ ایمان باللہ میں جملہ ضروریات دین پر ایمان داخل ہے کہ ان میں سے کسی بات کی تکذیب رب کی تکذیب ہے اور رب کی تکذیب رب کے ساتھ کفر ہے، پھر رب پر ایمان کہا، یوم آخر بھی انہیں میں داخل ہے جسے مہتم بالشان ہونے کے سبب جدا ذکر فرمایا، جس طرح آیہ کریمہ:

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾"[4]	اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمھاری طرف اترا اور جو تم سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں (ت)

میں اسے تین بار ذکر فرمایا کہ وہ جو قرآن عظیم پر ایمان لاتے ہیں اور اس سے پہلے کتابوں پر بھی اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، آخرت پر ایمان قرآن عظیم پر ایمان میں آگیا، پھر اگلی کتابوں پر ایمان میں آیا کہ سب میں اس کا ذکر ہے، تیسری بار اسے پھر جدا ذکر فرمایا یونہیں یہاں ولہٰذا جابجا صرف ایمان باللہ وعمل صالح پر ایسے وعدے فرمائے یوم آخرت کا ذکر نہ فرمایا مثلا سورہ طلاق میں:

"وَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَیَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ﴿۱۱﴾"[5]	جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک کام کرے اللہ انھیں جنتوں میں لے جائے گا جس کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ ان میں رہیں، بیشک اللہ نے ان کے لئے اچھا رزق لکھا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۔۲۔۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۴

[5] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۱

اسی طرح سوہ تغابن میں بالجملہ ایمان باللہ میں سب ضروریات کتابوں، رسولوں، فرشتوں، قیامت وغیرہا پر ایمان لانا داخل ہے، توآیت کریمہ کاحاصل یہ ہے کہ یہود نصرانی، صابی کوئی بھی ہو جو تمام ضروریات دین پر اسلام لائے، (قرآن عظیم کو کلام اللہ، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سچارسول اللہ اور **خاتم النبیین** مانے کہ سب ضروریات دین اس میں آگئے، جب تک وہ کوئی قول یافعل منافی تصدیق نہ کرے) اور نیک کام کرے (یعنی شریعت مطہرہ محمدیہ کے مطابق کیونکہ ان کو خاتم النبیین مان چکا تو جو کام ان کی شریعت کے خلاف ہے منسوخ یامردود ہے) اس پر کچھ خوف وغم نہیں، خلاصہ یہ کہ نعمت کچھ انھیں اشخاص مسلمین کے لئے خاص نہیں بلکہ کوئی بھی ہو کسی بھی مذہب وملت کا ہو جو اسلامی عقیدے مانے اور شریعت محمدی پر چلے اس پر کچھ خوف وغم نہیں توآیہ کریمہ اس آیت کی نظیر ہے کہ:

"فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ"[1]	اے مسلمانو! اگر یہود ونصارٰی بھی ان تمام باتوں پر ایمان لے آئیں جن پر تمھارا ایمان ہے تو وہ بھی راہ پاجائیں،

یہ مطلب اس آیت کا ہے، منکر سوچے کہ اب اس کا باطل شبہ کدھر گیا، مسلمان دیکھیں کہ جوآیت اس کار دہے اسی کو اپنی سند بنایا، یہ اگر تعصب نہیں تو ابلیس لعین کا کیسا سخت دھوکا ہے، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔

آیت ۲: ایک سخت چالاکی بلکہ کلام اللہ میں تحریف کے قبیل سے ہے اس آیت کو دکھانا اور اس سے متصل اوپر کی آیت کا چھپانا جو مطلب صاف فرمارہی ہے وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸"[2]	اے محبوب! ان یہود ونصارٰی سے فرمادو کہ اے کتاب والو! تم نرے باطل پر ہو جب تک توریت وانجیل اور جوکچھ تمھارے رب سے تمھاری طرف اترا تھااسے قائم نہ کرو، اور اے محبوب! بیشک ان میں بہتوں کو اس قرآن سے سرکشی اور کفر بڑھے گا توتم ان کافروں کا غم نہ کھاؤ،

قرآن عظیم فرماتا ہے کہ یہود ونصارٰی جب تک توریت وانجیل کو قائم نہ کریں نرے باطل پر ہیں اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۶۸

قرآن سے سرکشی کرکے کافر جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانے اس کا قرآن عظیم سے سرکشی کرنا تو ظاہر وواضح، اور اس نے توریت وانجیل بھی قائم نہ کی کہ ان میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بشارتیں تھیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘" [1]	میں اپنی رحمت ان کے لئے لکھوں گا، جو پیروی کریں گے رسول نبی امی کی جسے اپنے پاس لکھا ہوا پائیں گے توریت وانجیل کی۔

اور فرماتا ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" [2]	محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں نرم دل (الی قولہ تعالٰی) ان کا یہ وصف توریت میں ہے اور ان کی ثناء ہے انجیل میں۔ (ت)

اور عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر فرماتا ہے:

"مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ" [3]	میں بشارت دیتا آیا ہوں ان رسول کی جن کا نام پاک احمد ہے۔

تو جس نے احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانا اس نے توریت وانجیل قائم نہ کی بلکہ پھینک دی، اور قرآن عظیم سے سرکش ہوا، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ وہ کافر ہے پھر ایمان میں کیونکر شامل ہوسکتا ہے، انصاف والے کے لئے خود وہی آیت کہ منکر نے پڑھی اور برابر کی آیت کہ اس نے چھوڑ دی، کفایت کرتی ہیں صدہا میں سے تبرکا دو چار اور سن لیجئے۔

آیت ٣: آیہ کریمہ "اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ" [4] میں حضور کے اوصاف کریمہ ذکر کرکے فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ٧/ ١٥٧

[2] القرآن الکریم ٤٨/ ٢٩

[3] القرآن الکریم ٦١/ ٦

[4] القرآن الکریم ٧/ ١٥٧

"فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَنَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾ "[1]	توجو اس نبی اُمی پر ایمان لائے اور اس کی تعظیم ومدد کی اور اس نور کے پیرو ہوئے جو اس کے ساتھ اتارا گیا وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

ثابت ہوا کہ جب تک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور ان کی تعظیم نہ کرے ہر گز فلاح نہ پائے گا اگرچہ اپنے زعم میں کیسے ہی نیک عمل رکھتا ہو۔

آیت ۴: اس کے متصل فرماتا ہے:

"قُلۡ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ جَمِیۡعَا ۣالَّذِیۡ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۪ فَاٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَرَسُوۡلِہِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الَّذِیۡ یُؤۡمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوۡہُ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۸﴾ "[2]	اے محبوب! تم فرمادو کہ اے لوگو! میں تمام آدمیوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں وہ کہ زمین وآسمان میں اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں وہی جلائے اور مارے، تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر کہ اللہ اور اس کے کلاموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو کہ تمھیں ہدایت ہو،

معلوم ہوا کہ ہدایت تو نبی امی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماننے پر موقوف ہے جو ان کو نہ مانے اسے ہدایت نہیں، اور جب ہدایت نہیں ایمان کہاں، تو " مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ "[3] (جو کوئی سچے دل سے اللہ اور قیامت پر ایمان لائے۔ت) میں کیونکر آسکتا ہے۔ **آیت ۵:**

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَکۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّیُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّتَّخِذُوۡا بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ حَقًّا ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ	بیشک جو انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کا اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈال دیں، اور کہتے ہیں کہ ہم کسی پر ایمان لائیں گے اور کسی کے منکر ہوں گے، اور چاہتے ہیں کہ سب پر ایمان اور سب سے کفر کے بیچ میں کوئی راستہ نکالیں وہی پورے پکے کافر ہیں، اور ہم نے کافروں

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۶۹

وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓىٕكَ سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۠ (۱۵۲) "[1]	کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں کسی کے انکار اور باقی پر ایمان سے ان میں جدائی نہ ڈالی عنقریب اللہ ان کو ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیہ کریمہ نے صاف فرمادیا کہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان میں جدائی ڈالنے والا پکا کافر ہے، اور یہ کہ جو ان سب کو مانے اور ایک ہی کا منکر ہو وہ اللہ اور سب رسولوں کا منکر اور ویسا ہی پکا کھلا کافر ہے، یہ نہیں کہ جو سب کو مانیں وہ مسلمان اور جو سب سے منکر وہ کافر، اور یہ جو بعض کو مانتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں کچھ اور ہوں، نہیں نہیں یہ بھی کل کے منکر کی طرح پورے کافر ہیں بیچ میں کوئی راہ نکل ہی نہیں سکتی۔

آیت ۶:

" اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَ مَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۱۹) فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّیّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۠ (۲۰) "[2] **آیت ۷:** " وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۸۵) "[3]	بیشک اللہ کے نزدیک دین یہی اسلام ہے یہود و نصارٰی نے دانستہ براہ سرکشی اس کا خلاف کیا اور جو اللہ کی آیتوں سے کافر ہوا بے غم نہ ہو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرمادو کہ میں اور میرے پیرو تو سب اللہ کے لئے اسلام لائے اور یہود و نصارٰی و مشرکین سب سے کہو کیا تم مسلمان ہوتے ہو، اگر اسلام لائیں تو راہ پاجائیں اور منہ پھیر دیں تو تم پر صرف پہنچادینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے وہ ہر گز قبول نہ فرمایا جائے گا، اور اسے آخرت میں خسارہ رہے گا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰تا۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۲۰۔۱۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

آیت ۸:

"اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ(۱۴۶)"[1]	یہود ونصارٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے تھے جیسا اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں ایک گروہ دانستہ حق کو چھپاتا ہے۔

اور ساتویں پارہ میں اس کے بعد یوں فرمایا:

"اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ(۱۲)"[2]	وہ جنھوں نے اپنی جان خسارہ میں ڈالی وہ ان پہچانے ہوئے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔

اور پہلے پارے میں صاف ترارشاد ہوا:

"وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْاۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ(۸۹)"[3]	اس سے پہلے اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے جب وہ جانا پہچانا تشریف لایا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت کافروں پر۔

آیت ۹:

"وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا(۲۳)"[4]	اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرماکر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا"[5]	ان سے فرمایا جائے گا کہ تم اپنے حصہ کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کرچکے (ت)

اور فرماتا ہے:

"مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ٭ؕ"[6]	جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۶
[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲
[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۹
[4] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳
[5] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۰
[6] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

اور فرماتا ہے:

"لَا یَقۡدِرُوۡنَ عَلٰی شَیۡءٍ مِّمَّا کَسَبُوۡا ؕ وَاللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۶۴﴾" [1]	اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۰﴾" [2]	بیشک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِہٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ ؕ قُلۡ ہِیَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا خَالِصَۃً یَّوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ" [3]	تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق، تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور قیامت میں تو خاص انہیں کی ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ اَعۡمَالُہُمۡ کَرَمَادِ ۣاشۡتَدَّتۡ بِہِ الرِّیۡحُ فِیۡ یَوۡمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقۡدِرُوۡنَ مِمَّا کَسَبُوۡا عَلٰی شَیۡءٍ ؕ ذٰلِکَ ہُوَ الضَّلٰلُ الۡبَعِیۡدُ ﴿۱۸﴾" [4]	اپنے رب سے منکروں کا حال ایسا ہے کہ ان کے کام ہیں جیسے راکھ کہ اس پر ہوا کا سخت جھونکا آیا آندھی کے دن میں ساری کمائی سے کچھ ہاتھ نہ لگا، یہی ہے دور کی گمراہی۔ (ت)

ان ساتوں آیتوں کا حاصل ارشاد یہ ہے کہ کافر اگر کوئی بظاہر نیک کام مثل تصدق وغیرہ کرے بھی تو اس کا بدلہ اسے دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے، آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں وہاں انھیں کچھ ہاتھ نہ آئے گا، جنت کا کھانا پینا کافروں کے لئے حرام ہے، پاکیزہ رزق اور زینت کے سامان آخرت میں خاص مسلمانوں کے لئے ہیں، کافروں کے اعمال کو اللہ تعالٰی برباد کرکے ایسا کر دیتا ہے کہ جیسے روزن میں سے دھوپ آئے تو اس کے اندر ریزے سے اڑتے ہیں اور ہاتھ میں لو تو کچھ نہیں، کافروں کے اعمال کی یہ مثال ہے کہ شدید آندھی کے دن میں کہیں کچھ راکھ پڑی جسے آندھی کے جھونکے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۸

اڑالے گئے کہ اب وہ ذرے بھی نہیں دکھائی دیتے کچھ ہاتھ آنا تو بڑی بات ہے،

نسأل اللہ العفو والعافیۃ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝" [1]۔ وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ وسید رسلہ واٰلہ صحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا ہی سوال کرتے ہیں، اے ہمارے پروردگار! نہ ٹیڑھا فرما ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت سے نوازا اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما بلاشبہ تو ہی عطا فرمانے والا ہے، اللہ تعالٰی کی رحمتوں کا نزول ہو تمام مخلوق سے افضل تمام رسولوں کے سربراہ اور ان کے آل واصحاب سبھی پر، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۶ تا ۳۳۱: ۷ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) اکثر دیہات میں جو قربانیاں ہوتی ہیں تو ان قربانیوں کے سر بہشتی کو دیتے ہیں، اور کسی گاؤں میں یہ رسم ہے کہ حجام کو دیتے ہیں، ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ علمائے دین نے کہیں حکم اس بات کا نہیں دیا اور نہ علماء کی زبان سے سنا گیا کہ قربانی کا سر بہشتی کو یا حجام کو دیا جائے، تو وہ لوگ قربانی کنندہ کہنے لگے کہ اگر یہ حق بہشتی کا نہ ہوتا تو ہمارے باپ دادا کیوں دیتے، کیا ان کے زمانے میں عالم نہ تھے، ہم باپ دادا کی رسم نہ چھوڑیں گے چاہے ہمارے قربانی مقبول ہو یا نہ ہو، اس کو خدا ہی جانتا ہے۔

(۲) یہ کہ بہشتی کہتا ہے کہ یہ حق ہمارا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے سے چلا آتا ہے اور عالم خود اب تک دیتے چلے آرہے ہیں، اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ دیتے تو علماء کیوں قربانی کے سر پائے دیتے، بلکہ کہتا ہے کہ جو ہمارے حق کو میٹے وہ عالم نہیں ہے، **معاذاللہ** اب علمائے دین فرماویں کہ یہ حق بہشتی وغیرہ کا ہے یا نہیں۔ یا علمائے دین اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہتان باندھا گیا ہے؟

(۳) یہ کہ جو لوگ قربانی کرتے ہیں یا کر چکے ہیں اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ چاہے ہماری قربانی مقبول ہو یا نہ ہو ہم اپنے باپ دادا کا رسم نہیں چھوڑیں گے چاہے عالم کچھ بھی کہیں، تو ان کا یہ کہنا کیسا ہے؟ اور

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸

ان لوگوں کی قربانیاں کیسی ہیں؟
(۴) یہ کہ قربانی کا گوشت لامذہب یعنی بھنگی وغیرہ کو دینا جائز ہے یا نہیں؟
(۵) قربانی کی الانت قربانی کے گوشت میں شامل کی جاوے یا کیا؟
(۶) قربانی کا دل گردہ کلیجہ اہل قربانی کو پکوا کر اس پر فاتحہ دے کر کھاجاتے ہیں یہ درست ہے نہیں؟ یا ان دل گردہ کلیجی کو بھی گوشت قربانی میں شامل کیا جاوے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) قربانی کرنے والے کو اختیار ہے کہ سر یا جو چیز بہشتی، حجام یا جس کسی مسلمان کو چاہے دے کسی کے لئے کسی چیز کی ممانعت نہیں، ہاں بالتخصیص کسی کا کسی چیز میں کوئی حق شرع شریف میں وارد نہیں ہوا،
(۲) اس بہشتی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا، اس پر توبہ فرض ہے، ورنہ سخت جہنم کا سزاوار ہے، علمائے کرام جائز کام سے منع نہیں فرماتے جب کہ بہشتی کو بھی سر دینا جائز تھا علماء نے سکوت فرمایا، اس سے یہ ثابت نہیں کہ شرع شریف میں ان کا کوئی حق مخصوص ہے،
(۳) یہ اقوال ان کے مذموم وسخت ہیں، ان کی قربانیاں قابل قبول نہیں، انھوں نے قبول الٰہی کو ہلکا جانا اور عالموں کے ارشاد سے بے پروائی کی، از سر نو کلمہ پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں،
(۴) بھنگی وغیرہ کسی کافر کو قربانی یا اور کوئی صدقہ دینا جائز نہیں ہر گز نہ دے۔
(۵) اوجھڑی آنتیں جن کا کھانا مکروہ ہے چاہے یہ چیز اپنے لئے نکال لے یا ان کو بھی تقسیم میں داخل کرلے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۲: از قصبہ کودر کوٹ ضلع اٹاوہ مسئولہ محی الدین احمد صاحب ۲۴ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقام پر مسجد کے قریب اہل ہنود نے ایک نئی مورت قائم کی، مسلمانوں نے ان کے خلاف مورت اٹھوانے کا دعوی دائر کیا، اس پر ایک مسلمان نے اہل ہنود سے ساز باز کرکے جھوٹی شہادت دی کہ یہ مورت قدیم ہے، اس بناء پر مسلمانوں نے شخص مذکور الصدر سے تعلقات منقطع کرلئے، معلوم کرنا اس امر کا ہے کہ از روئے شریعت اس شخص سے خطا کس حد تک پہنچی ہے اور اس جھوٹی شہادت سے اس کی زوجہ تو نکاح سے باہر نہیں ہوئی؟ اب اگر اس شخص کو اسلام وبرادری میں شامل کیا جائے تو اس کے واسطے کیا طریقہ اسلامی عمل میں لایا جاوے اور جب تک حسبِ

احکام شرعی اس کو شامل کیا جائے اس دوران میں اور کوئی دوسرا مسلمان اس سے تعلقات پیدا کرے تو اس کے واسطے کیا حکم شرعی ہے

الجواب:

جبکہ اس نے ترویج پرستش بت میں سعی کی اس پر لزوم کفر ہوا، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اس پر فرض ہے کہ علانیہ مسلمانوں کے سامنے توبہ کرے اور نئے سرے سے کلمہ پڑھے، مسلمان ہو اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کی ضرورت ہے، توبہ و تجدید اسلام سے پہلے جو لوگ اس حال سے واقف ہو کر اس سے میل جول رکھیں مستحق سزا و عذاب ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب شریف ہیں اور ان کے برتاؤ برخلاف حکم خدا اور سول کے برتاؤ میں آتا ہے کہ داڑھی منڈواتے ہیں، اور لوگ اگر ان سے کچھ کہتے ہیں کہ آپ کو داڑھی منڈوانا غیر مناسب ہے، تو لوگوں کو جواب فرماتے ہیں کہ میری طبیعت کا اختیار ہے اور میری طبیعت کا حکم ہے، ایسا شخص حلال کو حرام جانے اور حرام کو حلال جانے ان صاحب کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب باصواب مع حدیث وفقہ کے مرقوم فرمادیں اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرماوے گا۔

الجواب:

داڑھی منڈوانا حرام ہے اور اس پر یہ جواب کہ میری طبیعت کا اختیار ہے گناہ پر اصرار اور سخت سزا کا سزاوار ہے، مگر اسے حرام کو حلال جاننا نہیں سمجھا جاتا ہے اس کہنے میں کہ میری طبیعت کا اختیار ہے اور میری طبیعت کو اختیار ہے بہت فرق ہے، دوم بھی تحلیل حرام میں صریح نہیں نہ کہ اول، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از فتح گنج غربی مرسلہ حبیب شاہ دہنے شاہ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ گنج غربی میں آج واقع بروز سہ شنبہ کو ایک پنچایت اسلامی قائم کی گئی اور اس میں یہ بات پیش کی گئی کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس سے علیک سلیک اور میل اسلامی طریقہ پر ترک کردیا جائے اور حقہ پانی اسلامی طریقہ پر بند کردیا جائے، جب یہ مجمع ہوا اور مسلمان سب جمع ہوگئے تو پیش امام کہ جو نماز جمعہ وعیدین وپنجوقتہ کا ہے اس کو بلایا گیا تو اس کا اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اس سے کچھ تعلق نہیں آج تو میں مماوس کو جو ہندوؤں کا تہوار ہے

وہاں پر مندر میں جاتا ہوں اور سنکھ دھو کر رکھ لیا ہے اسلامی پنچایت سے کیا مطلب، تو جو شخص ایسے الفاظ کہے اور اس گروہ اسلام میں کہ جہاں پر سوائے نماز کی پابندی کے اور کوئی انتظام کی ضرورت نہ تھی اس کے پیچھے نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور شرع شریف کا ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟ جمعہ عنقریب ہے جمعہ سے پیشتر یا جمعہ تک جواب مل جانا چاہئے۔

الجواب:

اس شخص کے پیچھے نماز باطل محض ہے اس پر کفر لازم ہے، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی جب تک نئے سرے سے مسلمان نہ ہو، اس سے سلام کلام بھی حرام ہے، اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیا معنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۵ تا ۳۳۹: از شہر لکھنؤ محلّہ گڈھیا کمال جمال مسئولہ عابد حسین عباسی ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہنود کی خوشی کرنے کی خاطر اور اتفاق پیدا کرنے کی خاطر سے گائے کی قربانی یا روزمرہ کے لئے گائے کا ذبیحہ بند کرنا کیسا ہے، ہندوستان کی حالت ملاحظہ فرماتے ہوئے حکم شریعت سے مطلع فرمائے۔

(۲) قوم ہنود کی ہمدردی گزشتہ و آئندہ کے صلہ میں اور باہمی اتحاد رکھنے کی غرض سے گائے کی قربانی ترک کردینا شرعاً جائز ہے یا نہ؟

(۳) فی الواقع اگر مولوی عبدالباری صاحب وغیرہ اس کے متعلق فتوٰی دے چکے ہیں اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) اور ایسے محرکین کی کمیٹی میں شرکت کرنا چاہئے یا نہ؟ اور اس کے محرک اور مرتکب عنداللہ ماجور و گنہگار ہوں گے یا نہ؟

(۵) گائے، بھیڑ، بکری یا اونٹ وغیرہ میں منجانب شریعت مختار ہونا اس کے کیا معنی ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندوستان میں گائے کی قربانی جاری رکھنا واجب ہے اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام، مولوی عبدالباری کے باپ مولانا عبدالوہاب مرحوم اور استاد مولوی عبدالحہ صاحب لکھنوی کے فتوے اس بارے میں ہوچکے ہیں اور ہمارے رسالہ **انفس الفکر** میں کافی ووافی بیان ہے، اور ہنود سے اتحاد حرام منجر بکفر ہے جس کے نتائج طشت از بام ہیں، اس اتحاد کے منانے والے خود

اپنے اقرار سے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردیتے ہیں، "**خسر الدنیا والدین ذٰلک ھو الخسران المبین والعیاذ باللہ رب العالمین**" (وہ دنیا ودین دونوں میں خسارے میں ہے اور یہی واضح گھاٹا ہے اور پناہ اللہ رب العالمین کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ

جلد چہاردہم ۱۴ختم ہوئی، عنوان **کتاب السیر** جاری ہے

پندرھویں جلد بھی ان شاء اللہ سیر پر مشتمل ہوگی۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۵

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

پیش لفظ 4

پندرھویں جلد 5

اجمالی فہرست 8

فہرست مضامین 10

فہرست ضمنی مسائل 54

کتابُ السِّیرَ 74

(حصّہ دوم) 74

رسالہ 78

الجبل الثانوی علٰی کلیة التھانوی ۱۳۳۷ھ 78

(تھانوی کے کُردے پر دوسرا پہاڑ) 78

ابحاث اخیرہ ۱۳۲۸ھ 88

تذکارات 90

ایک تاریخی خط 98

(بافاضہ حضرۃ علامہ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی مدظلہ العالی) 98

رسالہ 104

الدلائل القاھرة علی الکفرة النیاشرة ۱۳۳۵ھ (نیچری کافروں کے خلاف دلائل قاہرہ) 104

رسالہ 142

تدبیر فلاح ونجات واصلاح ۱۳۳۱ھ 142

(نجات، اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہترین تدبیریں) 142

رسالہ 168

الکوکبة الشھابیة فی کفریات ابی الوھابیة ۱۳۱۲ھ 168

(امام الوہابیہ کے کفریات کے بارے میں چمکدار ستارہ) 168

رسالہ 240

سل السیوف الهندیة علٰی کفریات بابا النجدیة ۱۳۱۲ھ 240

(نجدی پیشواؤں کے کفریات پر لٹکتی ہوئی ہندی تلواریں) 240

رسالہ سُبحٰن السبوح عن کذب عیب مقبوح ۱۳۰۷ھ (کذب جیسے بدترین عیب سے اللہ تعالٰی کی ذات پاک ومنزہ ہے) 312

رسالہ 452

دامان باغ سبحٰن السبوح 452

(سبحٰن السبوح کے باغ کا دامن ۱۳۰۷ھ) 452

رسالہ 466

القمع المبین لاٰمال المکذبین ۱۳۲۹ھ 466

(مسایرہ وشرح مواقف وسیالکوٹی کی عبارات میں مکذّبوں کی سر شکنی) 466

رسالہ 530

باب العقائد والکلام ۱۳۳۵ھ 530

(عقائد وکلام کا باب) 530

رسالہ 556

حجب العوار عن مخدوم بہار ۱۳۳۹ھ 556

(مخدوم بہار سے عیب کو روکنا) 556

رسالہ السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ (جھوٹے مسیح پر وبال اور عذاب) 572

رسالہ 596

قهر الدّیان علٰی مرتدٍّ بقادیان ۱۳۲۳ھ (قادیانی مرتد پر قہر خداوندی) 596

رسالہ 612

الجُراز الدّیانی علی المرتدّ القادیانی ۱۳۴۰ھ 612

(قادیانی مرتد پر خدائی خنجر) 612

رسالہ جزاء اللّٰہ عدوّہ بابائہ ختم النبوّة ۱۳۱۶ھ (دشمنِ خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر خدائی جزاء) 630

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عرَبی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوِی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد پانز دہم (۱۵)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ________ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ________ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور (۸)، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد پانزدہم
تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
مقدمہ ____________ حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری
تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ____________ ۷۴۴
اشاعت ____________ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ / اپریل ۱۹۹۹ء
مطبع ____________
ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ____________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدُ للہ ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ **"العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ"** کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ، بعنایت رسول الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تقریبا نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ پندرھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکٰوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر اور کتاب السیر کے بعض حصے پر مشتمل چودہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

پندرھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ۱۶۹ سے ۳۱۴ تک ۸۱ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اسی جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ فاضل شہیر مصنف کتب کثیرہ حضرت علامہ مفتی محمد خاں قادری مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور نے کیا ہے۔ اس سے قبل چھٹی، ساتویں، آٹھویں، دسویں اور چودھویں جلد بھی علامہ موصوف کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب السیر کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ و کلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل پندرہ رسائل بھی اس جلد کی

زینت ہیں:

(۱) الجبل الثانوی علی کلیة التھانوی (۱۳۳۷ھ)

کلمہ طیبہ اور درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم گرامی کی جگہ اشر فعلی کہنے والے کا حکم شرعی۔

(۲) سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)

اس بات کا بیان کہ کذب باری تعالیٰ محال ہے اور اللہ تعالیٰ کو محال پر قادر ماننا اس کو عیب لگانا ہے بلکہ اس کی الوہیت کا انکار ہے۔

(۳) دامان باغ سبحن السبوح (۱۳۰۷ھ)

نظریہ امکان کذب کا رد بلیغ

(۴) القمع المبین لآمال المکذبین (۱۳۲۹ھ)

مسائرہ، شرح مواقف اور حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی عبارت سے قائلین امکان کذب کے استدلال کا رد۔

(۵) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب (۱۳۲۰ھ)

مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات کفریہ کا رد۔

(۶) حجب العوار عن مخدوم بہار (۱۳۳۹ھ)

غیر مقلدوں کی طرف سے مخدوم بہار شرف الدین احمد یحیٰی منیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک غلط بات منسوب کرنے کا رد اور آپ کی ایک عبارت سے دفع شبہات۔

(۷) ابحاث اخیرہ (۱۳۲۸ھ)

علماء دیوبند اور مولوی اشر فعلی تھانوی پر اتمام حجت

(۸) الدلائل القاہرہ علی الکفر النیاشرہ (۱۳۳۵ھ)

نیچری کافروں کے خلاف زبردست دلائل

(۹) قہر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ)

قادیانی مرتد پر قہر خداوندی

(۱۰) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ)

قادیانی مرتد پر اللہ تعالیٰ کی شمشیر برآں

(۱۱) جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۶ھ)

ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے دشمن خدا پر جزائے خداوندی۔

(۱۲) الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ)

امام الوہابیہ کے کفریات کے بارے میں چمکدار ستارہ

(۱۳) سل السیوف الھندیۃ علی کفریات باباء النجدیہ (۱۳۱۲ھ)

نجدی پیشواؤں کے کفریات پر لٹکتی ہوئی تلوار

(۱۴) تدبیر فلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ)

ترکی مسلمانوں کی حالت زار کا بیان اور مسلمانوں کی اصلاح کامیابی اور نجات کی عمدہ تدبیریں۔

(۱۵) باب العقائد والکلام (۱۳۳۵ھ)

اس بات کا بیان کہ کوئی کافر اللہ تعالٰی کو نہیں پہچانتا۔

پندرہ رسائل مذکورہ میں سے مقدم الذکر چھ رسائل تو پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم کتاب السیر میں موجود تھے اگرچہ ان میں سے رسالہ "حجب العوار" کو سابق کی جگہ سے تبدیل کردیا گیا ہے تاکہ رد مرزایات اور رد منکرین ختم نبوت سے متعلق رسائل یکجا ہوجائیں جبکہ آخر الذکر رسالہ یعنی "تدبر فلاح ونجات واصلاح" فتاوٰی رضویہ قدیم جلد دوازدہم میں شامل تھا، مگر اس کے مباحث جلیلہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے ہیں لہٰذا اس کو جلد ہذا میں شامل کردیا گیا، اور رسالہ باب العقائد والکلام فتاوٰی رضویہ قدیم جلد اول کتاب الطھارۃ باب التیمم میں تھا وہاں سے خارج کیا گھا تھا اور وعدہ تھا کہ کسی مناسب مقام پر شامل کیا جائے گا، چناچہ مضمون کے پیش نظر اسے بھی جلد ہذا میں شامل کردیا ہے، باقی سات رسائل اسی سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے، موضوع کی مناسبت کے پیش نظر ان کو بھی اس جلد کی زینت بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جلد ہذا میں مسئلہ نمبر ۷۵ دراصل فتاوٰی رضویہ قدیم جلد نہم مطبوعہ کراچی کے صفحہ ۸۹ تا ۹۷ مسائل کلامیہ سے منتقل کیا گیا ہے کیونکہ اس کا مضمون کتاب السیر سے مطابقت رکھتا ہے، یاد رہے کہ کتاب السیر کے بعد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں "کتاب المفقود" تھی جس کو کتاب الطلاق کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اب اگلی جلد یعنی جلد ۱۶ "کتاب المفقود" کی بجائے "کتاب الشرکۃ" سے شروع ہوگی۔ مندرجہ ذیل رسائل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے اس جلد میں شامل ہونے سے رہ گئے۔

(۱) المجل المسدد ان سب المصطفٰی مرتد۔ (۲) البارقۃ اللمعا علی ساعد من نطق بالکفر طوعا۔

(۳) المقال الباھر منکر الفقہ کافر۔

ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ اپریل ۱۹۹۹ء

○ حافظ محمد عبدالستار سعیدی — جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
کتاب السیر (حصہ دوم) ۷۳

فہرست رسائل

○ الجبل الثانوی ۷۷
○ ابحاث اخیرہ ۸۷
○ الدلائل القاھرہ ۱۰۳
○ تدبیر فلاح ۱۴۱
○ الکوکب الشہابیہ ۱۶۷
○ سل السیوف ۲۳۹
○ سبحان السبوح ۳۱۱
○ دامان باغ ۴۵۱
○ القمع المبین ۴۶۵
○ باب العقائد والکلام ۵۲۹
○ حجب العوار ۵۵۵
○ السوء والعقاب ۵۷۱
○ قہر الدیان ۵۹۵
○ الجراز الدیانی ۶۱۱
○ جزاء اللہ عدوہ ۶۲۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست مضامین

کتاب السیر (حصّہ دوم)	۷۳	اولیاء سے طلبِ دُعا مستحب ہے۔	۷۴
تعزیے ناجائز ہیں لیکن ان کو بُت کہنا زیادتی ہے۔	۷۳	مراسم اہلسنت سے انکار کرنا وہابیہ کا شعار ہے۔	۷۴
"تعزیے کو بُت کہنے والا خود کافر ہے اگرچہ عالم ہو" یہ فقرہ نہایت بدتر اور شدید تر ہے، قائل پر تجدید اسلام و نکاح ضروری ہے۔	۷۳	کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلافِ شرع ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض ہے، اور جہاں مخالفت نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی ضروری نہیں۔	۷۵
تفضیلیہ گمراہ ہیں۔	۷۳	"شرع محمدی کا فیصلہ قبول نہیں، رواج و قانون منظور ہے" یہ فقرہ کفر ہے۔	۷۵
علماء کی توہین کفر ہے۔	۷۳	○ رسالہ **الجبل الثانوی علی کلیۃ التھانوی**	۷۷
رافضی اہلسنت کو خارجی کہتے ہیں۔	۷۳	(کلمہ طیبہ اور درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم اگرامی کی جگہ اشرف علی کہنے والے کا حکم شرعی)	۷۷
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ پاک نے جمیع ماکان و مایکون کا تفصیلی عطا فرمایا۔	۷۴	کلمہ کفر بولنے میں علماء نے زبان کی لغزش کا عذر قبول نہیں کیا۔	۸۰
اسری مخلوقات کے علم کو علمِ الٰہی سے وُہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کے کروڑویں حصّہ کو سمندر سے ہے۔	۷۴	آدمی کے اعضاء ارادہ قلبی کے تابع ہیں۔	۸۱
معراج جسمانی حق و صحیح ہے۔	۷۴	دن بھر اشرف علی رسول اللہ پڑھنے والا کافر ہے۔	۸۲
نذر و نیاز کرنا جائز ہے۔	۷۴	کفر کو اچھا سمجھنا کفر ہے، مولوی اشرف علی کا عُجب نفس۔	۸۳

مولوی اشرفعلی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو جانوروں، پاگلوں، بچوں کے علم سے تشبیہ دی جس پر علمائے حرمین شریفین نے انھیں کافر کہا۔	۸۴	جعلی اور وہابیوں کی طرف سے من گھڑت کتابوں کا جدول جو انھوں نے اعلیٰحضرت اور ان کے والد ماجد اور جد امجد قدست اسرار ہم اور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کیں۔	۹۰
○ رسالہ **ابحاث اخیرہ** (اس مبارک رسالہ نے ان وہابیوں، دیو بندیوں کی مناظرہ کی رَٹ اور تعلیوں کو خاک میں ملا دیا جو دعوتِ مناظرہ دے بیٹھے تھے اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے یہ مضمون حقائق مشحون بصیغہ رجسٹری ارسال فرمادیا جس کا تاریخی نام "ابحاثِ اخیرہ ہے"۔اس کے پہنچتے ہی تھانوی، اجودھیاباشی اور چاند پوری وغیرہ کو سانپ سُونگ گیا، آج تک اس کی تابشوں سے دیابنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیبسر ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں)	۸۷	جدول میں مذکور کتابوں اور انکے جعلی مطابع کا جہاں بھر میں کہیں وجود نہیں۔	۹۱
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مصنف علیہ الرحمۃ کی ڈیوٹی۔	۸۷	تھانوی صاحب سے مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے دس ۱۰ استفسارات۔	۹۳
امر دین کے علاوہ مصنف علیہ الرحمہ پر جتنے ذاتی حملے ہوتے رہے انھوں نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی۔	۸۸	کاش یہ بات اُسی وقت طے ہو جاتی۔	۹۷
مولوی ثناء اللہ امر تسری ممکن و موجود میں فرق نہ جان سکے۔ مقدوراتِ الٰھیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا اور علم الٰہی کے نامحدود ہونے میں اپنے آپ کو متامل بتایا۔	۸۸	اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے مولوی اشرفعلی تھانوی کو ۱۳۲۹ھ میں تحریر کردہ تاریخ خط جس میں آپ نے اتمام حجت کرتے ہوئے گستاخانہ عقائد وعبادات پر مناظرہ کی آخری دعوت دی۔	۹۷
مصنف علیہ الرحمۃ کا فرمان کہ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزتِ سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی۔	۸۸	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ اقدس تعظیم سے لینا فرض ہے۔	۹۹
مصنف علیہ الرحمہ کا اس پر اظہار مسرت کہ گستاخانِ رسول جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے اور بُرا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بدگوئی اور منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔	۸۸	ترک تعظیم کے طور پر خالی رسول رسول کہنا کفر ہے اور بلا ضرورت ہو تو برکات سے محرومی۔	۹۹
تذکارات۔	۸۹	جو جلوس کسی غیر مسلم کے استقبال کے لئے ترتیب دیا جائے چند یا زیادہ مسلمانوں کی شرکت اس کو جائز نہ کردے گی۔ کفر کی محفلوں میں جو برضاورغبت شریک ہو کافر ہو گیا اور باکراہ شرعی ہو تو معذور ہے۔	۱۰۰
		تعظیمِ مشرک کا جلوس حرام، اور فعلِ حرام کا تماشہ دیکھنا بھی حرام۔	۱۰۰

حرام کام میں چندہ دینا بھی حرام ہے۔	۱۰۱	سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بدمذہب کے سلام کا جواب نہ دیا۔	۱۰۶
مشرک کو واعظِ مسلمین بنانا حرام ہے۔	۱۰۱	سعید ابن جبیر نے بدمذہب کی بات سننے سے انکار کردیا۔	۱۰۶
مسلم وکافر کا فرق اٹھانے والا مولوی یا مولانا نہیں ہوسکتا۔	۱۰۱	امام محمد ابن سیرین نے بدمذہبوں سے قرآن و حدیث سُننا گوارا نہ کیا۔	۱۰۶
فاسق کو سیّد کہنے سے اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے۔	۱۰۱	تصدیقاتِ علمائے کرام ومفتیانِ عظام۔	۱۰۹
٥رسالہ **الدلائل القاھرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ** (کاٹھیاوار میں "کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشن کانفرنس" کے نام سے بننے والی مجلس کے بارے میں سوال کہ اس مجلس کا ممبر بلا رعیت سنّی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی، مرزائی، نیچری، چکڑالوی اور قادیانی وغیرہ ہوسکتا ہے اور بانیانِ مجلس کا کہنا ہے کہ یہ دینی کانفرنس نہیں بلکہ دنیاوی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے سنیوں کو ایسی کانفرنس کا قائم کرنا اور جان ومال سے اس کی مدد کرنا، اس کے جلسہ میں شریک ہونا، بدترین مرتدوں کو مسلمان سمجھنا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان سے ترقی کی امید رکھنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے)	۱۰۳	تصدیقات علمائے کلکتہ۔	۱۰۹
مجلس مذکور جیسی مجلس مقرر کرنا گمراہی، اس میں شرکت حرام،، اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے۔	۱۰۴	تصدیقات علماء جبل پور۔	۱۱۳
ازروئے قرآن مجید مسلمانوں کو کسی کافر، مبتدع اور فاسق کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔	۱۰۴	تصدیقات علماء بہار۔	۱۱۵
مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں۔	۱۰۵	تصدیقات علماء کانپور۔	۱۱۷
جو مسلمان کی صورت میں ظاہر ہو کر اللہ ورسول کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے وُہ یقیناً ڈاکو ہے۔	۱۰۵	تصدیقات علماء سندھ حیدرآباد۔	۱۱۸
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسلمانوں کی جان سے بڑھ کر ان کے خیر خواہ اور ماں سے زیادہ ان پر مہربان ہیں۔	۱۰۵	تصدیقات علماء محمود آباد ضلع سیتاپور۔	۱۱۸
بدمذہبوں نے دینیوں سے بائیکاٹ کا حکم۔	۱۰۵	تصدیق حامیِ سنت ماحیِ بدعت جناب مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب احمد آبادی زیدت مکارمھم۔	۱۱۹
جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بے دینی ظاہر ہونے پر مہمان کے آگے سے کھانا اٹھوا کر اس کو نکال دیا۔	۱۰۶	تصدیق ناصرِ قامعِ بدعت مولانا مولوی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب زید مجدھم۔	۱۱۹

حرام کام میں چندہ دینا بھی حرام ہے۔	۱۰۱	سید نا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بد مذہب کے سلام کا جواب نہ دیا۔	۱۰۶
مشرک کو واعظِ مسلمین بنانا حرام ہے۔	۱۰۱	سعید ابن جبیر نے بدمذہب کی بات سننے سے انکار کر دیا۔	۱۰۶
مسلم وکافر کا فرق اٹھانے والا مولوی یا مولانا نہیں ہو سکتا۔	۱۰۱	امام محمد ابن سیرین نے بد مذہبوں سے قرآن و حدیث سُننا گوارا نہ کیا۔	۱۰۶
فاسق کو سیّد کہنے سے اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے۔	۱۰۱	تصدیقاتِ علمائے کرام ومفتیانِ عظام۔	۱۰۹
٥رسالہ **الدلائل القاهرة علی الكفرة النیاشرة** (کاٹھیاوار میں "کاٹھیاوار مسلم ایجو کیشن کانفرنس" کے نام سے بننے والی مجلس کے بارے میں سوال کہ اس مجلس کا ممبر بلا رعیت سنّی ہر کلمہ گورافضی، وہابی، مرزائی، نیچری، چکڑالوی اور قادیانی وغیرہ ہو سکتا ہے اور بانیانِ مجلس کا کہنا ہے کہ یہ دینی کانفرنس نہیں بلکہ دنیاوی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے سنیوں کو ایسی کانفرنس کا قائم کرنا اور جان ومال سے اس کی مدد کرنا، اس کے جلسہ میں شریک ہونا، بدترین مرتدوں کو مسلمان سمجھنا، ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان سے ترقی کی امید رکھنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے)	۱۰۳	تصدیقات علمائے کلکتہ۔	۱۰۹
مجلس مذکور جیسی مجلس مقرر کرنا گمراہی، اس میں شرکت حرام، اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے۔	۱۰۴	تصدیقات علماء جبل پور۔	۱۱۳
از روئے قرآن مجید مسلمانوں کو کسی کافر، مبتدع اور فاسق کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔	۱۰۴	تصدیقات علماء بہار۔	۱۱۵
مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھائی چاہنے والا نہیں۔	۱۰۵	تصدیقات علماء کانپور۔	۱۱۷
جو مسلمان کی صورت میں ظاہر ہو کر اللہ ورسول کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے وُہ یقیناً ڈاکو ہے۔	۱۰۵	تصدیقات علماء سندھ حیدر آباد۔	۱۱۸
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسلمانوں کی جان سے بڑھ کر ان کے خیر خواہ اور ماں سے زیادہ ان پر مہربان ہیں۔	۱۰۵	تصدیقات علماء محمود آباد ضلع سیتاپور۔	۱۱۸
بدمذہبوں نے دینوں سے بائیکاٹ کا حکم۔	۱۰۵	تصدیق حامیِ سنت ماحیِ بدعت جناب مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب احمد آبادی زیدت مکارمھم۔	۱۱۹
جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بے دینی ظاہر ہونے پر مہمان کے آگے سے کھانا اٹھو کر اس کو نکال دیا۔	۱۰۶	تصدیق ناصرِ قامعِ بدعت مولانا مولوی ابو المساکین محمد ضیاء الدین صاحب زید مجدہم۔	۱۱۹

تصدیق عالم جلیل فاضل نبیل جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب الوری مفتیِ آگرہ۔	۱۲۰	مسلمانوں کو اپنی حالت سنبھالنے کے لئے چار مشورے۔	۱۴۴
تصدیقات علماء کاٹھیاوار۔	۱۲۴	مسلمانوں کے عمل کی حالتِ زار۔	۱۴۵
تصدیق جناب مولوی غلام محی الدین عرف فقیر صاحب ساکن راندیر ضلع سُورت۔	۱۲۸	مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت ہے۔	۱۴۶
تصدیق جناب مولانا مولوی غلام رسول صاحب ملتانی۔	۱۳۰	"نماز پڑھنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں" کلمہ کُفر ہے۔	۱۴۹
تقریظ علماء مراد آباد۔	۱۳۰	جو یہ کہے ایسی باتوں سے کفر عائد نہیں ہوتا اس پر بھی توبہ تجدید ایمان و نکاح ضروری ہے۔	۱۴۹
تصدیقات علماء پیلی بھیت۔	۱۳۱	جھوٹی گوہی سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے اور قابل امامت نہیں رہتا۔	۱۴۹
تصدیقات علماء شاہجہانپور۔	۱۳۲	جھوٹی گواہی پر حدیث شریف کی وعید شدید۔	۱۴۹
تصدیقات علماء رامپور۔	۱۳۵	"جھوٹ بولا تو کیا بُرا کیا" کلمہ کفر ہے۔	۱۵۰
تصدیق جناب مولانا مولوی محمد علیم صاحب میر ٹھی زید مجدہ۔	۱۳۷	نماز ار حکم خدا رسول کی اہمیت کی ایک توضیح پر تشبیہ اور توہین کے شُبہہ کے ازالہ۔	۱۵۰
تصدیقات علماء پنجاب۔	۱۳۹	تشبیہ اور تمثیل کا فرق۔	۱۵۲
○ رسالہ **تدبیر فلاح و نجات و اصلاح**	۱۴۱	چپراسی کو مؤذن سے کوئی نسبت نہیں۔	۱۵۳
مسلمانوں کو فلاح و نجات اور تعمیر و ترقی کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے اور ترکوں کی امداد کا کیا طریقہ ہو۔	۱۴۱	اگر کوئی مؤذن کو چپراسی کہے تو یہ سوچ کر کہ احیاناً رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اذان دی ہے، لہٰذا آپ چپراسی ہُوئے، اس میں آپ کی توہین ہے۔	۱۵۳
اللہ تعالٰی کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب تک وُہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔	۱۴۲	اولیاء سے استمداد جائز ہے۔	۱۵۴
مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔	۱۴۲	مزامیر سُننا حرام ہے۔	۱۵۴
اللہ واحد قہار اس دین کا حافظ و ناصر ہے۔	۱۴۲	سجدہ تعظیمی حرام ہے۔	۱۵۴
آیت قرآنی میں "حتی یاتی امر اللہ" سے کیا مراد ہے۔	۱۴۲	سجدہ تعظیمی ادا کرنے والا اگر عورت کو تین طلاق دے تو بغیر حلالہ دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔	۱۵۴
غیب کا علم اللہ تعالٰی کو ہے پھر اس کی عطاء سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو۔	۱۴۳	مسلمان عورت کا نکاح کافر سے کسی طرح جائز نہیں	۱۵۴
اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔	۱۴۳		

کلمہ سے بہتر ہے کہ مرتد کے جنازہ کے ساتھ ڈھولکی بجاتے جائیں، یہ کلمہ بہت شنیع ہے مگر کفر نہیں۔	۱۵۴	بعض ان افعال کا بیان جو فقہاء کے نزدیک کُفر ہیں۔	۱۶۰
رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیاء احتلام سے پاک ہیں، یہ کہنا کہ انھیں احتلام ہوا کلمہ شنیعہ ہے۔	۱۵۵	ایک حدیث شریف کے الفاظ کی تحقیق اور طرق روایت کی تفصیل۔	۱۶۰
یا جوج ماجوج کے احتلام سیدنا آدم علیہ السلام سے بننے کی روایت صحیح نہیں۔	۱۵۶	کیا قرآن کی سب باتیں صحیح ہیں؟ یہ کلمہ ضرور کفر ہے۔	۱۶۲
ثعلبی حاطب اللیل ہیں۔	۱۵۶	توہین عالم دین بوجہ علم دین کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے۔	۱۶۳
حضرت کعب احبار صاحب اسرائیلیات ہیں۔	۱۵۶	ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والوں پر توجہ تجدید نکاح ضروری۔	۱۶۳
امام نووی اور ابن حجر نے احتلام جائز رکھا، مگر ائمہ اعلام نے عموماً اس کو قولِ منکر قرار دیا۔	۱۵۶	برادرانِ یوسف علیہ السلام کے بارے میں نبی ہونے نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔ اسلئے ان کی بے ادبی یا حرام ہے یا کفر۔	۱۶۴
موجودہ ساری دنیا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔	۱۵۶	تقویۃ الایمان کفر و بے دینی کے کلمات پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے۔	۱۶۵
حدیث یاجوج ماجوج کی تاویلات۔	۱۵۷	○ رسالہ **الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ**	۱۶۷
یاجوج ماجوج کے اولادِ آدم ہونے کی بحث۔	۱۵۸	ہمارے فقہاء کرام اور پیشوا اینِ مزہب کے نزدیک ان وہابیہ غیر مقلدین پر حکم کفر ہے یا نہیں جو تقلیدِ ائمہ کو شرک اور مسلمانوں مقلدین کو مشرک کہتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم وغیرہ کو اپنا امام و پیشوا بتاتے ہیں اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے اور اس کے مطاق اعتقاد رکھتے ہیں۔	۱۶۷
خاص حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے احتلام کا ثبوت افتراء ہے۔	۱۵۸	انتہائی فصیح وبلیغ اور اقتباسات آیاتِ قرآنیہ پر مشتمل خطبہ۔	۱۶۸
امام الحرمین اور امام محمد جوینی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کو کفر قرار دیا ہے۔	۱۵۸	وہ آیاتِ قرآنیہ اور اُن کا اردو ترجمہ جن پر خطبہ مشتمل ہے۔ (حاشیہ)	۱۶۸
جن لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احتلام ہونے کی بات کی اور اس پر اصرار کیا تجدید ایمان و نکاح کریں۔	۱۵۹	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاہد ہیں اور شاہد کو مشاہدہ درکار۔	۱۶۸

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام دنیا کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھتے ہیں۔	۱۶۸	صحیح بخاری سے وہابیوں کو قرن الشیطان ہونا ثابت ہے۔	۱۷۴
اُمت کے تمام افعال واقوال واعمال حضور کے سامنے ہیں۔	۱۶۸	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دنیا و مافیہا سے بڑھ کر محبوب مانے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔	۱۷۴
دین وایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نام ہے۔	۱۶۸	ترجمہ خطبہ۔	۱۷۵
روضہ انور کے پاس اُونچی آواز سے بولنے والے کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ڈانٹ۔	۱۶۹	وہابیہ مذکورین اور ان کے پیشواء مسطور پر بوجوہ کثیر کفر لازم آتا ہے۔	۱۷۶
آٹھ آیات کریمہ جن میں اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے ملایا۔	۱۶۹	جماہیر فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق وہابیہ پر حکم کفر ثابت ہوتا ہے۔	۱۷۶
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے۔	۱۷۱	امام الوہابیہ کا خود اپنے اقرار سے کافر ہونا۔	۱۷۶
اگر کسی روایت میں مثلاً یا محمد آیا ہوا ہو تو وہاں یا رسول کہے۔	۱۷۱	سب وہابیہ کا اپنے امام کی تصریح سے کافر ہونا۔	۱۷۷
آیت کریمہ "اباللہ واٰیتہ ورسولہ کنتم تستھزءون" سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔	۱۷۲	علماء کرام اور فقہائے عظام کی صریح تصریح سے وہابیہ اور ان کے امام پر لزومِ کفر کی وجوہ۔	۱۷۷
کلمہ پڑھنے کے باوجود رسول کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔	۱۷۲	کفریہ نمبر ۱۔	۱۷۷
یہ کہنا جاہلانہ بات ہے کہ کُفر کا تعلق صرف دل سے ہے زبان سے نہیں۔	۱۷۲	اپنے کفر کا اقرار کفر ہے۔	۱۷۷
کھلے ہُوئے لفظوں میں عذرِ تاویل مسموع نہیں۔	۱۷۲	کفریہ نمبر ۲۔	۱۷۸
بغیر اکراہ شرعی زبان سے گستاخی کرنے والا کافر ہوگا اگرچہ دل میں اس گستاخی کا معتقد نہ ہو۔	۱۷۲	تمام امت کو کافر ماننا کفر ہے۔	۱۷۸
بے اعتقاد کچھ کہنا ہزل وسخریہ ہے۔	۱۷۲	کفریہ نمبر ۳۔	۱۷۸
ایک اہم تنبیہ۔	۱۷۲	علم الٰہی کو لازم وضروری نہ جاننا اور اس کے جہل کو ممکن ماننا کفر ہے۔	۱۷۸
نفاق دو ۲ قسم ہے: عقدی اور عملی۔	۱۷۳	کفریہ نمبر ۴: علم الٰہی کو قدیم نہ ماننا کُفر ہے۔	۱۷۹
آیت کریمہ "قد بدت البغضاء من افواھھم الخ" دو ۲ فائدے حاصل ہوتے ہیں۔	۱۷۳		

کفریہ تمبر ۵: امام الوہابیہ کے نزدیک اللہ تعالٰی کو زمان و مکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف ماننا بدعت و ضلالت ہے۔	۱۷۹	کفریہ نمبر ۱۰: جو چیز اختیاری ہو وہ ضرور حادث ہوگی۔	۱۸۳
اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مکان اور فوق و تحت متصور نہیں۔	۱۷۹	کفریہ نمبر ۱۱ تا ۱۹: امام الوہابیہ کے نزدیک اللہ تعالٰی کے لئے سونا، اونگھنا، بھکنا اور بھولنا وغیرہ سب کچھ روا ہے۔	۱۸۳
کفریہ نمبر ۶: امام الوہابیہ کا کفری کلام کہ اللہ تعالٰی کا کلام واقع میں جھوٹا ہوسکتا ہے۔	۱۸۰	کفریہ نمبر ۲۰ تا ۲۱: جو اللہ تعالٰی کی توحید والوہیت کا تو قائل ہو مگر اس کے لئے جورو یا بچہ ٹھہرائے باجماع مسلمین کافر ہے۔	۱۸۴
اہل حق کے نزدیک تمام صفات کمالیہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا شریک و ہمسر محال ہے۔	۱۸۰	کفریہ نمبر ۲۲:	۱۸۶
حضرات انبیاء علیہم افضل الصلوۃ والثناء اور اللہ تعالٰی کا کذب ممکن ماننے والا بالاتفاق اور بالاجماع کافر ہے۔	۱۸۱	کفریہ نمبر ۲۳: امام الوہبیہ کا انبیاء و ملائکہ جنت و نار اور دیگر ایمانیات کو ماننے سے انکار۔	۱۸۷
کفریہ نمبر ۷: امام الوہابیہ کا کفری قول کہ ھم اللہ تعالٰی کے لیے کذب کو محال نہیں مانتے۔	۱۸۱	اردو زبان میں ایمان کا ترجمہ "ماننا" اور کفر کا ترجمہ "نہ ماننا" ہوتا ہے۔	۱۸۷
وہابیہ کے نزدیک جو کچھ آدمی اپنے لئے کرسکتا ہے وہ سب کچھ اللہ تعالٰی کی ذات پر بھی روا ہے۔	۱۸۲	کفریہ نمبر ۲۴: امام الوہبیہ کا کفری کلام کہ بعض لوگوں کو احکام شرعیہ جزئیہ و کُلیہ بے وساطت انبیاء اپنے نورِ قلب سے بھی پہنچتے ہیں وہ علم میں انبیاء کے برابر ہوتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے اور انھیں باطنی، وہ انبیاء کی طرح معصوم ہوتے ہیں اور اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے۔	۱۸۹
کفریہ نمبر ۸: امام الوہابیہ کا اقرار کہ اللہ تعالٰی کا جُھوٹ بولنا ممتنع بالغیر بلکہ محال عادی بھی نہیں۔	۱۸۲	انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو وحی الٰہی باطنی طور پر بھی آتی ہے جس کو نفث فی الروع کہتے ہیں۔	۱۹۲
گونگے کا بولنا نہ محال بالذات، نہ ممتنع بالغیر، نہ محال عقلی، نہ محال شرعی بلکہ صرف محال عادی ہے۔	۱۸۲	اگر کوئی اپنے پر وحی کے نزول کا دعوی کرے تو کافر ہے اگرچہ نبوت کا دعوی نہ کرے۔	۱۹۲
کفریہ نمبر ۹: امام الوہابیہ نے صراحتًا مان لیا کہ اللہ تعالٰی میں عیب وآلائش کا آنا جائز ہے۔ مگر مصلحتًا ترفع کے لئے اس سے بچتا ہے۔	۱۸۲		

احکام شرعیہ کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔	۱۹۳	جولوگ اللہ ورسول کو ایذا دیں اُن پر دنیا وآخرت میں اللہ جبار و قہار کی لعنت، ان کے لئے سختی کا عذاب اور شدت کی عقوبت ہے۔	۲۰۱
یہ بات جھوٹ ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تُو خانہ کعبہ میں داخل ہوجا اور وہاں بچہ جَن۔	۱۹۳	جو کلمات غلیظہ امام الوہابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں بطور تشبیہ کہے کیا وہابیہ ایسے کلمات اپنے باپ دادا کے بارے میں برداشت کریں گے۔	۲۰۲
اپنے پیر جی کا عیب چُھپانے کے لئے امام الوہابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وعلیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ تشبیہ دی۔	۱۹۵	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے گستاخ وہابیوں کے دلوں میں عظمت وعزتِ رسول نہیں ہے۔	۲۰۳
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُمّی ہونا حضور کے لئے معجزہ ہے۔	۱۹۵	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت تو رفیع الدرجات ذوالعرش جل وعلا کی بنائی ہوئی ہے، کسی کافر یا کافر منش کے مٹائے سے نہ مٹے گی۔	۲۰۵
کفریہ نمبر ۲۵: امام الوہابیہ کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کُھلا افتراء۔	۱۹۶	شریعت رب العرش الکریم میں نماز حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خیالِ باعظمت وجلال کے بغیر ناقص ہے۔	۲۰۵
زیادت جلیلہ۔ (حاشیہ)	۱۹۷	حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کا قول کہ تصور صورتِ شیخ سے غافل نہ ہو۔	۲۰۵
حجاج بن یوسف کی تکفیر کی ایک وجہ۔	۱۹۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا خیال مسلمان کو جب بھی آئے گا عظمت وجلال کے ساتھ ہی آئے گا۔	۲۰۶
کفریہ نمبر ۲۶: امام الوہابیہ کے نزدیک انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام ناکرے لوگ ہیں۔	۱۹۹	حضور کی عظمت کا تصور ان کے پاک مبارک تصور کو لازم بین بالمعنی الاخص ہے۔	۲۰۶
کفریہ نمبر ۲۷: وہابیہ کو انبیائے کرام سے کچھ کام نہیں اور انھیں پکارنا شرک ہے۔	۲۰۰	خاص نماز میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر و تکریم کا حکم صریح ہے۔	۲۰۶
کفریہ نمبر ۲۸و۲۹: امام الوہابیہ کا قولِ خبیث کہ نماز میں اپنی توجہ کو رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے۔	۲۰۰	التحیات میں نمازی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو اپنے دل میں حاضر جان کر سلام عرض کرے۔	۲۰۶
اسمٰعیل دہلوی نے جو کلمات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں کہے اس کی نظیر کُھلے کافروں کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔	۲۰۱		

نماز میں حضور کی بارگاہِ اقدس میں سلام کرنے کے حکم کی حکمت۔	۲۰۶	کفریہ نمبر ۳۰: اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک قرآن سمجھنے کے لئے علم ہر گز درکار نہیں۔	۲۱۱
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کبھی اللہ تعالٰی کے دربار سے جُدا نہیں ہوتے۔	۲۰۶	کفریہ نمبر ۳۱ و ۳۲: مُلا دہلوی کے نزدیک تمام دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہا۔	۲۱۲
نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی شہادت۔	۲۰۷	امام الوہابیہ کے قول کے مطابق انبیاء وملائکہ سے لے کر اللہ و رسول تک اور اس کے پیشواؤں سے لے کر خود اس ظلوم و جہول تک کوئی بھی حکم شرک سے نہیں بچا۔	۲۱۳
ہر نماز کے آخر میں درود شریف پڑھنا سنت بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے۔	۲۰۸	کفریہ نمبر ۳۳:	۲۱۳
درود شریف میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خیالِ باعظمت و جلال سے انفکاک ممکن نہیں۔	۲۰۸	کفریہ نمبر ۳۴ تا ۳۸:	۲۱۳
ہر رکعت میں الحمد شریف پڑھنا ہمارے نزدیک امام و منفرد پر واجب ہے۔	۲۰۸	شرک کسی شریعت میں حلال نہیں ہو سکتا۔	۲۱۴
غیر مقلدوں کے نزدیک تمام نمازیوں پر سورہ فاتحہ ہر رکعت میں فرض ہے۔	۲۰۸	کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی شرک کا حکم دے اگرچہ اسے پھر کبھی منسوخ بھی فرمادے۔	۲۱۴
سورۃ فاتحہ میں "الصراط المستقیم" سے مراد کیا ہے۔	۲۰۹	کفریہ نمبر ۳۹ و ۴۰۔	۲۱۴
دو ایک کے سوا کسی سُورت کا نماز میں پڑھنا وہابیہ کے وبائی شرک سے نہ بچے گا۔	۲۰۹	مکہ مکرمہ کو ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اور مدینہ منورہ کو محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرم بنایا۔	۲۱۵
ملا دہلوی کے نزدیک شریعتِ محمدیہ شرکیات کو واجب و سنّت و جائز کرنے والی ہوئی۔	۲۰۹	سرکا دو علام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مکہ و مدینہ کے گردو نواح کے جنگل کا ادب کیا جائے مگر اسمٰعیل کہتا ہے یہ شرک ہے۔	۲۱۵
قرآن کی سُورتیں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نعت، ذکر، یاد اور تعظیم و تکریم سے گونج رہی ہیں۔	۲۱۰	کفریہ ۴۱ تا ۴۶۔	۲۱۵
عبادتِ تلاوت بے تصور عظمت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متصور نہیں۔	۲۱۰	اولیا کرام دنیا میں تصرف کرتے ہیں اور بعد وفات بھی۔	۲۱۶
دہلوی مُلا کے یہاں کفریات کے سات کلیے۔	۲۱۰	کماوسعتِ علم اولیاء	۲۱۶
		اہل حاجات و مشکلات اولیاء اللہ سے حل طلب کرتے ہیں۔	۲۱۶

کفریہ نمبر ۴۷تا۴۹۔	۲۱۶	کفریہ نمبر ۶۹۔	۲۲۹
حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور اہلبیت کرام سے تکوینی امور وابستہ ہیں۔	۲۱۶	کلمہ کفر بولنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں کو کافر کہا جائے گا۔	۲۲۹
کفریہ نمبر ۵۰تا۵۲	۲۱۷	کفریہ کلام بولنے والا واعظ اور اس کو قبول کرنے والی قوم کافر ہیں۔	۲۲۹
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور ان کی بار ۱۲ اساتذہ حدیث "نادِ علی" کی سندیں لیتے، اجازتیں دیتے اور وظیفہ کرتے تھے۔	۲۱۷	بدمذہبوں کے کفری کلام کی تحسین کرنے والا کافر ہے۔	۲۲۹
نادعلی اور اس کا ترجمہ	۲۱۷	کفریہ نمبر ۷۰: وہابیہ کی قدیمی عادت دائمی خصلت یہ ہے کہ جس مسلمان کو کسی امام کا مقلد پائیں مشرک بتائیں۔	۲۳۰
کفریہ نمبر ۵۳تا۵۵۔	۲۱۸	وہابیہ فرقہ ظاہر یہ ہے جن کو ظاہر احادیث پر عمل کا بڑا دعوی ہے۔	۲۳۰
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا مکتوب نمبر ۳۰ اور اس کا ترجمہ۔	۲۱۸	جو کسی کو کافر یا خدا کا دشمن کہے اور وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو یہ کہنا خود قائل پر پلٹ آتا ہے۔	۲۳۰
تصور شیخ کی دولت سعادتمندوں کو ملتی ہے۔	۲۱۸	مذہب مختار ومفتی بہ پر بھی وہابیہ پر صراحتاً کفر لازم۔	۲۳۱
تمام احوال میں شیخ کو اپنا متوسط بنانا اور نماز وغیرہ ہر حال میں اس کی طرف متوجہ رہنا۔	۲۱۸	مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی وجہ سے باتفاق مذاہب فقہاء کرام طائفہ وہابیہ کو لزومِ کفر سے مفر نہیں۔	۲۳۲
کفریہ نمبر ۵۶	۲۱۹	تذییل جلیل	۲۳۳
قعدہ نماز میں شہادت کی انگلی اٹھانے کا جواز	۲۲۰	ملحد تمام فرق کفر کو شامل ہے۔	۲۳۳
کفریہ ۵۷تا۶۱	۲۲۴	حاکم مکہ کے حکم سے علماء حرمین شریفین اور وہابی مولویوں کے درمیان مناظرہ کی کیفیت۔	۲۳۳
کفریہ ۶۲تا۶۸	۲۲۶	سب وہابیہ کا کفریہ عامہ قدیمہ	۲۳۴
خود امام الوہابیہ کی طرف سے کشفِ اولیاء کا اقرار۔	۲۲۶	وہابیہ فرقے کے معلم اول اور معلم ثانی نیز اس فرقے کی وجہ تسمیہ کا بیان۔	۲۳۴
امام الوہابیہ نے جتنی وسعتِ علمی پیر کے لئے ثابت کی حضور کے لئے اتنی وسعت ماننے کو شرک ٹھہرایا۔	۲۲۸	وہابیہ کے بارے میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا تبصرہ۔	۲۳۴
وہابیہ نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہ کی جیسی چاہئے تھی۔	۲۲۸		

وہابیہ خود کو حنبلی بتاتے ہیں مگر درحقیقت ان کامذہب یہ ہے کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے مذہب و اعتقاد کے مخالف ہیں وُہ سب مشرک ہیں۔	۲۳۵	تقلید ائمہ کو شرک اور مقلدین کو مشرک کہنے والے وہابیہ غیر مقلدین پر حکم کفر لازم ہے یا نہیں۔	۲۳۹
وہابیوں نے اہلسنت اور ان کے علماء کا شہید کرنا حلال ٹھہرایا۔	۲۳۵	تحریر رسالہ سے مقصود دو امر ہیں۔	۲۴۰
وہابی خارجی ہیں اور خارجیوں کی تکفیر اس بناء پر لازم ہے کہ وُہ تمام اُمت مسلمہ کا کافر کہتے ہیں۔	۲۳۵	امر اول و عامہ مسلمین پر اظہار مبین کہ مذہب وہابیہ ضلالتوں پر مشتمل اور انکا امام الطائفہ کیسی شناعتوں کا موجد و قائل ہے۔	۲۴۰
حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جنگ کرنے والے کا حکم۔	۲۳۵	امر ثانی: کبرائے وہابیہ پر عرض ھُدی و خوفِ خدا کہ دیکھو کیسے کو امام بناتے ہو۔	۲۴۰
تنبیہ نبیہ۔	۲۳۶	بلاشُبہہ گروہ مذکور (وہابیہ غیر مقلدین) اور اس کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیر قطعًا کفر لازم ہے۔	۲۴۰
لزوم کفر اور الزام کفر میں فرق ہے۔	۲۳۶	وہابیہ کے عقیدوں مکیدوں اور مذہبی رسالوں میں بکثرت کلمات کفریہ ہیں۔	۲۴۰
اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات ہے،اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔	۲۳۶	وہ پچاس کتابیں جن سے مصنف علیہ الرحمۃ نے وہابیہ کے اقوال کا کلماتِ کفر ہونا ثابت کیا۔	۲۴۱
مصنف علیہ الرحمۃ کی احتیاط کی مسئلہ امکانِ کذب میں وہابیہ پر اٹھتر وجہ سے لزومِ کُفر کا ثبوت دینے کے باوجود کفر سے کفِ لسان کیا۔	۲۳۶	وہابیہ اور ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی کے ساتھ سات کفریات۔	۲۴۱
امام الوہابیہ کا حال یزید پلید جیسا ہے۔	۲۳۶	کفریہ اوّل	۲۴۱
محتاط علماء نے یزید پلید علیہ ما علیہ کی تکفیر سے سکوت پسند فرمایا۔	۲۳۶	"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے"	۲۴۱
یزید سے فسق و فجور متواتر ہے مگر کفر متواتر نہیں۔	۲۳۶	عبارت مذکورہ میں اللہ تعالٰی کی طرف جہل کو منسوب کیا گیا،اس کے علم کو ازلی نہ ماننا اور اُس کی صفت کو اختیاری جاننا یہ تینوں باتیں کفر ہیں۔	۲۴۱
امام الوہابیہ سے کلماتِ کفر اعلٰی درجہ تواتر پر ہیں۔	۲۳۶	کفریہ دوم	۲۴۲
○رسالہ **سل السیوف الھندیة علٰی کفریات بابا النجدیة**	۲۳۹	اسماعیل دہلوی کے نزدیک اللہ تعالٰی کے بات واقع میں جھُوٹی ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔	۲۴۳

کفریہ سوم	۲۴۳	کفریہ ششم	۲۴۹
اسماعیل دہلوی کا اپنے پیر کو نبی بنانا۔	۲۴۴	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ادنی گستاخی کفر ہے۔	۲۴۹
اللہ تعالٰی سے ہمکلامی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ملائکہ کے ساتھ مختص ہے۔	۲۴۴	امام الوہابیہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کھلی دشنام دے کر مسلمانوں کے دلوں کو زخم پہنچایا۔	۲۴۹
کفریہ چہارم	۲۴۵	اللہ ورسول کو ایذا دینے والوں پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالٰی کی لعنت اور عذاب مہین ہے۔	۲۴۹
ماننا ایمان کا ترجمہ ہے اور نہ ماننا کُفر کا۔	۲۴۵	اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال نماز میں عظمت کے ساتھ آنے سے نوبت شرک تک پہنچے تو نماز میں التحیات اور قرآن کی متعدد سُورتیں اور آیتیں پڑھنے سے شرک کی راہ ہموار ہوگی۔	۲۵۰
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ کفر کا حکم خود کفر ہے۔	۲۴۵	جو شخص تمام اُمت کو گمراہ ٹھہرانے والی بات کہے وہ کافر ہے۔	۲۵۰
اللہ ورسول پر انبیاء کے ساتھ کفر کے حکم کا افتراء کفر ہے۔	۲۴۵	کفریہ ہفتم	۲۵۲
صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔	۲۴۶	اسماعیل دہلوی نے کھلم کھلا اپنے اور اپنے تمام پیروؤں کے کفر وشرک کا اقرار کیا۔	۲۵۲
کفریہ پنجم	۲۴۷	جو اپنے کفر کا اقرار کرے وہ کافر ہے۔	۲۵۳
وہابیہ کے نزدیک بعض اولیاء کو احکامِ شریعت وحی باطن سے پہنچتے ہیں اور وُہ احکام شریعت میں ایک وجہ سے خود محقق اور پیروی انبیاء سے مستغنی ہوتے ہیں، وہ مثل انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔	۲۴۸	تمام امت کو کافر قرار دینا کفر ہے۔	۲۵۳
غیر نبی کو نبی بنانا کفرِ صریح ہے۔	۲۴۸	گروہ ناحق (وہابیہ) پر ہزاروں وجہ سے کفر لازم اور جماہیر فقہاء کرام کی تصریحات ان کی صریح کفر پر حاکم ہیں۔	۲۵۳
شرعی احکام کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔	۲۴۸	تنبیہ نبیہ	۲۵۶
یہ جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی یہ سب جھوٹ ہے۔	۲۴۸	لزوم اور التزام میں فرق ہے۔	۲۵۶
کوئی اسلامی یا غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں۔	۲۴۸	اقوال کا کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔	۲۵۶
رافضیوں کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔	۲۴۹		

محتاطین نے یزید علیہ ما علیہ کی تکفیر سے سکوت اختیار کیا۔	۲۵۶	نذر شرعی کے عبادت ہونے میں اختلاف ہے۔	۲۶۳
یزید خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔	۲۵۶	اسلام کی شکست پر خوش ہونا اور اہل اسلام کے قاتلوں کو سراہنا کفر ہے۔	۲۶۴
عالم کو جھوٹا اور لعنتی کہنے والا گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔	۲۵۸	خلافت کمیٹی والوں نے خلافت کی حمایت کے جو طریقے ایجاد کئے ہیں سب غلط اور مخالف قرآن ہیں ان سے جُدائی فرض ہے۔	۲۶۴
"انبیا کو بھی غم اور مرض لاحق ہوتا ہے" اس میں نہ انبیا پر الزام ہے نہ یہ کفر ہے۔	۲۵۸	اللہ ورسول کے دشمنوں سے دوستی کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔	۲۶۴
فاتحہ کو بدعت کہنا، زیارتِ مزار کو قبر پرستی، غوث پاک کی نیاز کو نام کی پُوجا اور تعظیم آثارِ متبرکہ کو اطاعت رسول نہ ماننا وہابیت ہے۔	۲۵۹	کعبہ معظّمہ کا استہزاء کُفر ہے۔ اور ایسے الفاظ بولے جن سے استہزاء مترشح ہو تو توبہ فرض ہے۔	۲۶۵
غوث پاک کی روح کو ذلیل کیا" کہنا آپ کی روح کی توہین ہے۔	۲۶۰	بادشاہ اسلام کے احکام اس کی قلم رو تک ہوتے ہیں۔	۲۶۵
ملک الموت کے بارے میں بندر بن کر کاٹنے کا لفظ کفر ہے۔ منافق کو سردار کہنا حرام اور کافر کی تعظیم کفر ہے۔	۲۶۰	بادشاہ اسلام کی اعانت اس ملک والوں پر ہے وہ عاجز ہوں تو اس کے بعد والے ایسے ہی اخیر تک۔	۲۶۵
فاسق کو سردار بنانا حرام ہے۔	۲۶۰	بحالت موجودہ ہندوستانیوں کو جہاد کرنے کی اجازت نہیں۔	۲۶۵
امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک قول۔	۲۶۱	عناداً لفظ اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا گمراہی ور سُستی اور کوتاہ قلمی سے ہو تو محرومی ہے۔	۲۶۵
جان بُوجھ کر جس نے ظالم کی اعانت کی اس نے اسلام کی رسی گردن سے نکالی۔	۲۶۲	ڈاڑھی منڈانے کو سنت کہنا کفر ہے۔	۲۶۶
مرتد سے میل جول حرام ہے۔	۲۶۲	ڈاڑھی کے وجوب کے انکار کے طور پر یہ کہنا کہ یہ سنت ہے گمراہی ہے کفر نہیں ہے۔	۲۶۶
جس اخبار میں گمرہی کی باتیں ہوں اس کو پسندیدگی سے خریدنا حرام ہے۔	۲۶۲	نمازپڑھنے والے کو مادر۔۔۔ کہنا کفر ہے۔	۲۶۶
تعزیہ بنانا حرام مگر مسلمانوں پر اس کی پرستش کا الزام غلط ہے۔	۲۶۳	فعل گناہ پر کسی کے کفر کا فتوی دینا جائز نہیں۔	۲۶۷
منت عرفی ہو یا اختراعی شرعی نہیں۔	۲۶۳	مشرک کو مہاتما کہنا کفر ہے، اور اس کے جلوس میں شرکت حرام۔	۲۶۷

مسلمان کی حے بولنا بھی منع ہے۔	۲۶۷	فرعون کو مومن کہنا اور اس کے ایمان کو مومنوں کے ایمان سے زیادہ بتانا کفر ہے۔	۲۷۲
قرآن شریف کی ایک آیت کے مفہوم سے سوال اور اس میں تھوڑا تغیر ہوجانے کا حکم۔	۲۶۷	ترک موالات کو پانچ بنائے اسلام سے بڑھ کر بتانا بھی کفر ہے۔	۲۷۳
حضور کے وصال کے بعد بعض نام کے صحابہ مرتد ہوگئے تھے۔	۲۶۸	موالات تمام کفار سے قطعًا حرام ہے۔	۲۷۳
قرآن عظیم کا خطاب صحابہ کرام سے ہے، بعد کے مسلمان تبعًا اس خطاب میں داخل ہیں۔	۲۶۸	نصارٰی سے ترک معاملات ممنوع نہیں۔	۲۷۳
قرآن عظیم میں کفر کو خطاب کم عام طور پر زجر و توبیخ ہے۔	۲۶۹	معروف ترک موالات کا شرعی حکم۔	۲۷۳
مصحف شریف کا اعاظم صحابہ سے افضل ہونا قطعی نہیں۔	۲۷۰	ماکلان ومایکون کی تشریح۔	۲۷۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اکرم الاکرمین نہیں کہنا چاہئے۔	۲۷۰	حلول واتحاد سے تعلق ایک سوال۔	۲۷۴
کلام الٰہی پر کسی کا احسان نہیں، جو یہ کہے اس کے لئے توبہ تجدید اسلام و نکاح ضروری ہے۔	۲۷۰	(۱) زید عمر بکر سب کو خدا کہنا (۲) خدا کو مفعول اور مخلوق کہنا (۳) بندہ کو خدا کہو (۴) خدا کو خدا نہ کہو یہ سب کفر ہے۔	۲۷۸
مؤول کلمہ بولنے سے بھی احتیاط لازم ہے۔	۲۷۰	(۱) خدا کو بھول جا کہنا (۲) اپنے اللہ کہنا (۳) رسول کہنا (۴) قرآن کہنا (۵) شریعت کا انکار (۶) اناالحق کہنے پر اصرار (۷) بندہ بننے کی ممانعت (۸) بروجہ انکار نماز روزہ حج کی ممانعت (۹) خدا کی نفی (۱۰) شریعت کو فرضی اور ساختہ کہنا (۱۱) منومن کو اچھا نہ کہنا (۱۲) کافر کو بُرا نہ کہنا۔ یہ سب کفر صریح ہے۔	۲۷۸
کافر کی تعظیم کفر ہے۔	۲۷۱	(۱) عذاب و ثواب کا انکار (۲) بھلے کو بُرا اور بُرے کو بھلا کہنا (۳) صریح عقائد کفریہ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرنا (۴) کفر کو وصول الی اللہ بتانا، یہ سب کفر ہے۔	۲۷۸
مضامین باطلہ پر نبیت تحسین اللہ اکبر کا نعرہ لگانا بھی حرام ہے۔	۲۷۱	احکام مرتدین کی تفصیل۔	۲۷۸
مشرکین کو مسجد میں تعظیم اور اہتمام کے طور پر لے جانا حرام ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔	۲۷۱	تذکرہ غوثیہ نامی کتاب گمراہی اور کفر کی باتوں پر مشتمل ہے۔	۲۷۹
گم شدہ چیز کا مسجد میں تلاش کرنا منع ہے۔	۲۷۲	کسی اُمتی کو آں سرور عالم کہنا، علیہ الصلوۃ، مسجود مخلوق کہنا، خیر الورٰی کہنا، انتخاب اولین، شافع ہر دوسرا کہنا، سید کونین کہنا حرام ہے۔	۲۸۰

خلق عالم راسبب، قاب قوسین، مازاغ البصر جائے تو رشک مدینہ، یہ کلمات موہم کفر ہیں۔	۲۸۰	سورۃ الرحمٰن کے لئے حدیث میں لفظ عروس (دلھن) آیا ہے۔	۲۸۷
ذات تواحد، سالار رسل، مسند نشین، لم یزل کہنا کفر ہے۔	۲۸۰	دولھا دلھن کا استعمال بیوی کے مفہوم میں خاص محاورہ ہے۔	۲۸۷
غیر خدا کو قیوم جہاں کہنے پر علماء نے تکفیر کی ہے۔	۲۸۰	حدیث شریف میں یوم جمعہ کو دلھن سے تشبیہ دی گئی۔	۲۸۸
اتحاد وحلول سے متعلق ایک اور سوال۔	۲۸۰	کعبہ مکرمہ کے لئے رخصت کی جانے والی دلھن سے تشبیہ۔	۲۸۸
توحید ایمان ہے۔ وحدۃ الوجود حق ہے، اتحاد الحاد ہے اور شیخ اکبر کی طرف اس کی نسبت کذب ہے۔	۲۸۲	مولٰی علی کی تشبیہ نئی دلھن سے جسے دولھا کی طرف رخصت کیا جائے۔	۲۸۸
وہابیہ کے ایک افتراء کا ذکر۔	۲۸۳	روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار شام کے وقت روضہ اطہر کے گرد حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔	۲۹۰
ذاتِ الٰہی کے لئے لفظ دولھا دلھن کا استعمال شرعًا منع ہے۔	۲۸۴	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جُھرمٹ میں نئی دلھن کی طرح رب کے حضور حاضر ہوں گے۔	۲۹۰
اسماعیل دہلوی کے نزدیک خدا جھوٹ بول سکتا ہے۔ صرف مصلحۃً جُھوٹ نہیں بولتا۔	۲۸۴	اسمٰعیل دہلوی نے قرآن عظیم اور حدیث شریف کی صریح تکذیب کی۔	۲۹۰
قصیدہ معراجیہ کے ان اشعار کی تشریح جس میں دولھا یا دلھن کا لفظ آیا ہے۔	۲۸۴	صرف لا الٰہ کہہ کر پورا کلمہ مراد لینے والے تکفیر کرنے والے کی تجہیل۔	۲۹۲
جنت کی مستی کو دلھن کی وجہ سے تشبیہ دینا حدیث شریف میں وارد ہے۔	۲۸۴	کلمہ توحید لا الٰہ میں دو ٹکڑے (کفر واسلام) نہیں۔ عزم کفر فی الحال کفر ہے۔	۲۹۳
کعبہ کو دلھن کہنا جائز ہے، مقام آراستہ کو دلھن کہنا حدیث سے ثابت ہے۔	۲۸۴	ٹوٹا نکاح خود بخود نہیں جڑتا دوبارہ عقد ضروری ہے۔	۲۹۳
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عروس مملکۃ اللہ کہنے کا اقوال علماء سے ثبوت۔	۲۸۵	لا اللہ کے معنی غیر خدا کی الوہیت کی نفی ہے مطلقًا اُلوہیت کی نفی نہیں ہے۔	۲۹۳
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام ملک وملکوت پر اللہ تعالٰی کے نائب مطلق ہیں۔	۲۸۷		

رضی نحوی کی تصریح کی کلمہ طیبہ میں نفی عام نہیں ہے۔	۲۹۳	یہ کہنا کہ "اللہ تعالٰی نے نبی سے کہا تو اور نہیں میں اور نہیں "اللہ تعالٰی پر افتراء ہے اور بظاہر کفر ہے۔	۳۰۰
کلمہ طیبہ میں نفی عام مراد لینے سے صاف تناقض لازم	۲۹۳	یہ کہنا کہ کہیں لیلٰی بنا اور کہیں مجنون بنا بظاہر کفر ہے۔	۳۰۰
آئے گا کہ سالبہ کلیہ اور موجبہ جزئیہ باہم نقیض ہیں۔	۲۹۳	عوام سے مراد وہ ہوتے ہیں جو حقائق تک نہ پہنچے ہوں چاہے عالم کہلاتے ہوں۔	۳۰۰
کلمہ طیبہ میں دو ۲ حکم نہیں حکم صرف ایک ہے۔	۲۹۵	جاہل مدعی حقائق شیطان کا مسخرہ ہے۔	۳۰۰
لا و الا تعبیر ہے معبر مفرد کلی بمرتبہ لابشرط شیئ فارغ کردہ از مستثنٰی بمرتبہ بشرط لاشیئ ہے۔	۲۹۵	اتحاد وحلول کا عقیدہ کفر ہے۔	۳۰۰
مطلق بول کر مقید مراد لینے پر قرینہ کی ضرورت پڑتی ہے۔	۲۹۵	ہم کو محکمات کے اتباع کا حکم ہے متشابہات کی پیروی جائز نہیں۔	۳۰۰
قرینہ حالیہ بھی صحیح ودرست ہے۔	۲۹۵	احادیث کریمہ میں جو آیا ہے کہ جاء اللہ من طور سینا، یہ متشابہ ہے۔	۳۰۰
تنگی کلام کی وجہ سے اختصار درست ہے، جیسے قلیا اور لن تنالوا۔	۲۹۵	کرنا بنانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔	۳۰۰
انبت الربیع البقل مسلمان قائل سے مجازی معنی میں متعین ہے۔	۲۹۵	محمد نے خدائی کی، کی ایک بعید تاویل مگر اس کے بولنے کی سخت ممانعت۔	۳۰۱
ایک کا اثبات توحید ہے اور نفی عام تعطیل ہے۔	۲۹۵	ایک باطل اور کفری روایت کا رد۔	۳۰۱
جس نے لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہا اور صرف لا الٰہ کہہ سکا کفر نہ ہوا۔	۲۹۵	چند غلط اشعار کے احکام۔	۳۰۲
کلمہ توحید میں لا کا مد طویل مفرط نہ ہونا چاہئے۔	۲۹۶	ایک کفری شعر کا حکم۔	۳۰۳
حب الوطن من الایمان حدیث نہیں ہے۔	۲۹۶	نعت کے غلط شعر کا حکم۔	۳۰۳
قرآن عظیم میں وطن کی محبت کو چھوڑ کر اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرنے کی تعریف اور وطن کی محبت دل میں لئے رہنے اور ہجرت نہ کرنے کی مذمت۔	۲۹۶	ایک پہیلی کی توضیح اور اطلاق کا حکم۔	۳۰۴
ایک مصرعہ کے صحیح اور غلط معنی کی توضیح۔	۲۹۸	نعت کا ایک شعر۔	۳۰۴
یہ کہنا کہ "اللہ تعالٰی میم کی چادر منہ پر ڈال کر احمد بن کر آیا" کفر ہے۔	۲۹۹	انسان کا گوشت انسان پر حرام ہے عشق پر نہیں۔	۳۰۵
ایسے قول جن کا ظاہر گمراہی اور باطن صحیح ہو ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔	۲۹۹		

اللہ تعالٰی موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا۔	۳۰۵	ذوق نعت کے ایک شعر کی تشریح۔	۳۰۸
نعت کے دو شعروں کا مطلب۔	۳۰۵	اللہ تعالٰی کے افعال علت وغرض سے خالی ہیں۔ پر مصالح سے مملو ہیں۔	۳۰۹
جاہل کا احکام شرع بالخصوص کفر و اسلام میں جرأت سخت حرام ہے۔	۳۰۵	○ رسالہ **سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح**۔	۳۱۱
ہندی میں لفظ ہر معبود برحق کو بولتے ہیں، ازیں قبیل الفاظ بول کر رب جل وعلا سے کنایہ صوفیاء میں معروف ہے اور یہ کفر نہیں ہے۔	۳۰۶	سوال	۳۱۱
مجنون بنی عامر اولیاء اللہ سے تھا، لیلٰی کے جنون سے اس نے اپنے کو چھپا رکھا تھا۔	۳۰۶	خطبہ جواب	۳۱۲
حضرت شبلی سے کسی نے پوچھا سلمٰی کی خبر دینے والا کوئی ہے انھوں نے فرمایا، دارین میں اس کی خبر دینے والا کوئی نہیں ہے۔	۳۰۶	پوری کتاب کا اجمالی خاکہ	۳۱۳
ہر اور ایشور ہندی میں معبود برحق کے اسماء میں سے ہیں اور انکے معنی میں کوئی قباحت نہیں۔	۳۰۷	مقدمہ اس امر کے بیان میں کہ اللہ تعالٰی کو محال پر قادر ماننا اس پر عیب لگانا ہے بلکہ اس کی الوہیت کا انکار ہے۔	۳۱۴
رام کے معنی رمنے اور حلول کرنے کے آتے ہیں اور یہ غلط ہے۔	۳۰۷	صفاتِ الٰہی کے مختلف احاطوں کا بیان۔	۳۱۴
سیام کنھیا کا لقب ہے اس کا اسم نہیں، خدا کو سیام ہری کہنا گناہ اور خطا ہے۔	۳۰۷	اللہ خالق کل شیئ میں شے سے مراد حوادث ہیں۔	۳۱۴
تجلی ذات کا رنگ سیاہ ہے۔	۳۰۷	انہ بکل شیئ بصیر مطلقاً موجودات کو شامل ہے۔	۳۱۴
یک کفری مضمون کا شعر۔	۳۰۷	معدومات اس صفت سے خارج ہیں۔	۳۱۵
ایک موافق شرع شعر۔	۳۰۷	سمع وبصر کے شاملات میں اختلاف علماء کا بیان۔ (حاشیہ)	۳۱۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روپ بدلنے والا، کھیل کھیلنے والا اور بہروپیا کہنا ان کی توہین اور کفر ہے۔	۳۰۸	مسئلہ بالا میں مصنف کی تحقیق (حاشیہ)	۳۱۶
جو خدا میں ملا وُہ خدا ہوگیا کہنا کفر ہے۔	۳۰۸	شرح فقہ اکبر، شرح سنوسی، حدیقہ ندیہ سے معدومات کے غیر مبصر ہونے پر نص۔	۳۱۷
اللہ اللہ گفتہ اللہ می شود کا صحیح مطلب۔	۳۰۸	"وھو علی کل شیئ قدیر" یہ ممکنات موجودہ معدومہ سب کو شامل، وجب اور محال اس سے خارج ہیں۔	۳۲۰
		وھو بکل شیئ علیم (یہ کلیہ واجب، ممکن، قدیم، حادث، موجود، معدوم، مفروض، موسوم، ہر شیئ اور ہر مفہوم کو قطعاً محیط ہے۔	۳۲۰

جو شیئ کسی صفت کے احاطہ سے خارج ہے اس میں قصور اس شیئ کا ہے۔ معاذاللہ صفتِ باری کا کوئی نقصان نہیں۔	۳۲۲	امام رازی کے دو مزید نصوص۔	۳۲۷
محال شیئ ہے ہی نہیں کہ کہا جائے کہ ایک شے عموم قدرت الٰہیہ سے رہ گئی۔	۳۲۲	امام تفتازانی کی تصریح کہ کذب باری ممتنع ہے۔	۳۲۷
صفاتِ الٰہیہ صفت کمال میں معاذاللہ صفات عیب و نقصان نہیں۔	۳۲۲	قاضی بیضاوی کی تشریح کہ کذب نقص اور یہ اللہ تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۷
وہابیہ کے اس دروغ کا رد کہ اللہ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو عاجز ٹھہرے گا۔	۳۲۲	امام نسفی کی نص کہ کذب باری تعالٰی محال ہے۔	۳۲۸
پہلی تنزیہہ: اقوال علماء میں جن سے کذب باری محال ہونے پر اجماع ثابت ہے۔	۳۲۳	تفسیر ابوسعود کی نص کہ کذب اللہ تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۸
استحالہ کذب باری کے اجماع پر شرح مقاصد کی چار نصوص۔	۳۲۳	تفسیر رُوح البیان کی نص کہ کذب نقص اور نقص باری تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۹
شرح عقائد نسفی اور طوائع الانوار کی نص۔	۳۲۴	کذب باری تعالٰی پر محال ہے۔ (شرح سنوسیہ)	۳۲۹
معتزلہ اور متکلمین کا اجماع کہ کذب الٰہی محال ہے۔	۳۲۵	سیف الدین ابہر کی تصریح کہ کذب باری تعالٰی محال ہے۔ (شرح مواقف)	۳۲۹
کذب الٰہی کا استحالہ صرف قبح عقلی کی وجہ سے نہیں یہ وجہ بھی ہے کہ کذب عیب ہے۔	۳۲۵	شرح عقائد جلالی کی تصریح کہ کذب نقص ہے اور نقص باری تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۹
مسائرہ کی نص کہ کذب وجہل جیسے عیب اللہ پر محال ہیں۔	۳۲۵	کنزالفوائد میں ہے کہ باری تعالٰی کذب سے شرعًا اور عقلًا پاک ہے۔	۳۳۰
مسائرہ کی نص کہ کذب عیب ہے۔	۳۲۵	کذب باری محال ہے۔ (شرح فقہ اکبر للعلی القاری)	۳۳۰
باتفاقِ اشاعرہ وغیر اشاعرہ نقص باری تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۶	مسلم الثبوت میں ہے کذب الوہیت کی ضد اور جو ضدِ الوہیت ہے باری تعالٰی کے لئے عیب اور عیب اس کی شان میں حال عقلی، خدائی اور دروغ گوئی ایک جگہ جمع نہ ہو گی (مولانا نظام سہالوی)	۳۳۰
اللہ تعالٰی اپنے وعدے اور وعید دونوں میں کذب سے پاک ہے۔ (تفسیر کبیر)	۳۲۶	اللہ تعالٰی کے لئے کذب محال ہے (بحر العلوم فرنگی محلّی)	۳۳۱
کذب باری کے استحالہ پر آیت مبارکہ وتمت کلمۃ ربك صدقا وعدلا (سے امام رازی کا استدلال۔	۳۲۶		

کذب نقصان ہے، صفاتِ الٰہی میں اس کو راہ نہیں (شاہ عبد العزیز دہلوی)	۳۳۱	تکوین وغیر صفات الٰہیہ ازلی ہیں۔	۳۴۰
تنزیہہ دوم: دلائل قاہر وحجج باہرہ میں۔	۳۳۲	استحالہ کذب باری پر پانچویں دلیل۔	۳۴۱
کذب باری محال ہونے کی پہلی دلیل۔	۳۳۲	اللہ تعالٰی کی صفت کذب ہو تو وُہ بھی قدیم ہو گی اور قدیم معدوم نہیں تو لازم کہ صدقِ الٰہی محال ہو۔	۳۴۱
اللہ تعالٰے کا عیوب سے پاک ہونا امر عقلی ہے۔	۳۳۳	استحالہ کذب باری کی چھٹی دلیل۔	۳۴۲
مذکورہ بالا اصل پر فلاسفہ کی چند غلط تفریعات۔	۳۳۳	انفصال حقیقی کا ارتفاع، ارتفاع نقیضین کی طرح ہے۔	۳۴۳
اللہ تعالٰی کا کذب سے پاک ہونا ضروریاتِ دینیہ سے ہے۔	۳۳۴	کذب وصدق حقیقۃً وصفِ معنی ہے عبارت کی صفت نہیں۔	۳۴۴
کذب باری محال ہونے پر دوسری دلیل۔	۳۳۵	کلام اللہ کا صدور اللہ تعالٰی سے علٰی وجہ الاختیار نہیں ہے۔	۳۴۵
ہر ممکن مقدور ہے۔	۳۳۵	کذب باری کے استحالہ کی ساتویں دلیل۔	۳۴۵
ارادہ الٰہیہ امر غیب ہے۔	۳۳۵	اگر کذب باری ممکن ہو تو ضروری بھی ہوگا۔	۳۴۵
کذب الٰہی اگر زیر قدرت ہو تو یہ کہنا غلط ہوگا کہ وہ بولے گا نہیں۔	۳۳۵	کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو کلام نفسی میں بھی ممکن نہ ہوگا۔	۳۴۵
ممکن کا اثبات ونفی بغیر دلیل سمعی جائز نہیں۔	۳۳۶	باری تعالٰی کے لئے کوئی حالتِ منتظرہ نہیں، تو اگر کذب ممکن ہو تو بالفعل ہوگا۔	۳۴۶
اصول عقائد کی دو قسمیں ہیں عقلی اور شرعی۔	۳۳۶	کذب باری کے استحالہ کی آٹھویں دلیل۔	۳۴۷
کذب الٰہی محال عقلی وشرعی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کا کلام زید وعمر کے کلام کی طرح ہو جائے گا۔	۳۳۸	صدق صفت الٰہی قائم بذاتہ تعالٰی ہے اور صفات مقتضائے ذات اور مقتضائے ذات میں تغیر محال۔	۳۴۷
استحالہ کذب باری کی تیسری دلیل۔	۳۳۸	کذب باری محال ہونے کی نویں دلیل۔	۳۴۷
اللہ تعالٰی کے کلام میں کذب آئے تو بعض اوقات بندے خدا سے اکمل ہو جائیں۔	۳۳۸	کذب الٰہی ممکن ہو تو صفت ہو کر ہی ممکن ہوگیا۔	۳۴۷
کذب باری محال ہونے کی چوتھی دلیل۔	۳۳۹	صفاتِ الٰہی واجب ماننے پر دلیل نہم کے ضمن میں مزید چودہ ۱۴ دلیلیں۔	۳۴۸
اللہ تعالٰی کا صدق ازلی اور ازلی ممتنع الزوال، تو کذب محال کہ اس سے ازلی کا زوال لازم آتا ہے۔	۳۳۹		

مزید چودہ۱۴ دلیلیں	۳۴۸	اِنَّ اثبات نہ لِمّہ ثبوت۔	۳۵۹
چوبیسویں دلیل۔	۳۴۹	تنزیہ سوم قائلین امکانِ کذب کے ہذیانات کارد کلمات نصیحت آمیز وخیر خواہی۔	۳۵۹
کذب الٰہی عیب نہ ہو تو کمال بھی نہیں اور باری تعالٰی کے لئے ایسی چیز کا ثبوت جو کمال نہ ہو محال ہے۔	۳۴۹	ہذیانِ اول امام وہابیہ	۳۶۲
پچیسویں دلیل۔	۳۵۰	امکانِ کذب پر اسمٰعیل دہلوی کا استدلال۔	۳۶۲
اگر باری تعالٰی مطلقاً جُھوٹ پر قادر ہو تو لازم آئے گا کہ قرآن مخلوق ہو۔	۳۵۰	اگر خدا جُھوٹ بولنے پا قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔	۳۶۳
چھبیسویں دلیل۔	۳۵۰	جواب یہ ہے کہ آدمی کی اپنی قدرت ہے ہی نہیں، وُہ جو کچھ کرتا ہے اللہ تعالٰی کی قدرت سے کرتا ہے۔	۳۶۳
ستائیسویں دلیل۔	۳۵۰	اسمٰعیل دہلوی اپنی اس گمرہی میں ابن حزم ظاہری کا مقلد ہے۔	۳۶۵
رسولِ خدا کا چہرہ دیکھ کر ایمان لانے والون نے کہا یہ جُھوٹے کا چہرہ نہیں تو باری تعالٰی کے وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت بہتان عظیم ہے۔	۳۵۱	اسمٰعیل کے اس قول سنیع پر اللہ تعالٰی کے لئے بے شمار مفاسد لازم آئیں گے حتی کہ اپنی خدائی باطل اور مخلوق کو خدا بناسکے گا بلکہ اپنے کو معدوم کرسکے گا الٰی غیر ذٰلك من القبائح۔	۳۶۵
اٹھائیسویں دلیل اور ومن اصدق من اللہ قیلا کی نفیس تقریر۔	۳۵۱	اسمٰعیل دہلوی کا دوسرا ہذیان اور اس کے بے شمار رَد۔	۳۶۹
اسم تفضیل اگرچہ نفی مزیت کے لئے ہوتی ہے لیکن حقیقۃً نفی برتر وہمسر دونوں کے لئے ہوتی ہے۔	۳۵۱	عدم کذب کمالِ الٰہی ہے، اور کمال جب ہوگا کہ جُھوٹ بول سکے اور نہ بولے الخ۔	۳۶۹
صدق قول کلی مشکک نہیں، ہاں دو بات میں تشکیک ہے وقعت و قبول اور احتمال کذب۔	۳۵۲	اسمٰعیل کی بے لگامیوں پر پینتیس۳۵ تازیانے۔	۳۷۰
انتیسویں دلیل آیہ مبارکہ ای شیئ اکبر شھادۃ سے استشہاد۔	۳۵۵	ملائے دہلوی کہ تقریر کا خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی مصلحۃً جُھوٹ نہیں بولتا، مصلحت نہ ہو تو ہر عیب کرسکتا ہے۔	۳۷۰
تیسویں دلیل آیہ مبارکہ تمت کلمۃ ربك صدقا وعدلا۔	۳۵۵	ملا کی یہ دلیل عقائد تنزیہی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔	۳۷۰
صدق میں قائل کے اعتبار سے تشکیک اور اس کے درجات ہفتگان کا بیان۔	۳۵۶	صفات باری کی معرفت افعال باری سے ہوتی ہے۔	۳۷۱
استحالہ شرعی وعقلی کا فرق۔	۳۵۹		

افعال باری سے صرف انھیں صفات کمال پر استدلال ممکن جن کو خلق وتکوین سے علاقہ ہے بقیہ صفات ثبوتیہ اور سلبیہ پر استدلال نہیں۔	۳۷۱	اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک اللہ تعالٰی کو عیب سے پاک اور منزہ ماننا، اور اس کو بے اختیار جاننا دونوں ہی ایک قسم کی گمراہی ہے (معاذاللہ)	۳۷۶
تمام صفاتِ الٰہی کا ثبوت دلیل سمعیہ سے نہیں۔	۳۷۱	دہلوی صدق کو اللہ تعالٰی کی صفتِ کمال بھی مانتا ہے اور اس کو اللہ کی قدرت و اختیار میں بھی مانتا ہے جبکہ تمام کتب کلامیہ میں تشریح ہے کہ تمام صفات کمالیہ بے توسط قدرتُ اختیار ہیں۔	۳۷۷
ان صفات کی وضاحت جو دلائل سمعیہ سے ثابت نہیں۔	۳۷۱	صفاتِ کمالیہ کا اختیاری نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔	۳۷۷
اللہ تعالٰی کے عیب سے پاک ہونے پر اہل اسلام کا اجماع ہے۔ اگر عیب سے ملوث مان لیا جائے تو یہ اجماع مقدوح ہوگا۔	۳۷۲	تنبیہ نبیہ۔	۳۷۸
وہابیہ اللہ تعالٰی کو حق سبحانہ بھی کہتے ہیں اور اس میں دُنیا بھر کے عیب بھی مانتے ہیں۔	۳۷۳	دہلوی علم الٰہی کو بھی اختیاری مانتا ہے۔	۳۷۸
الوہیت اور عیوب میں تناقض ہے۔	۳۷۳	امام اعظم کا ارشاد کہ صفاتہ تعالٰی فی الازل غیر محدثۃ۔ صدق کو اختیاری ماننے کا وبال یہ ہے کہ قرآن کو مخلوق ماننا پڑے گا۔	۳۷۹
اللہ تعالٰی کے لئے ظلم ممکن ماننے کا مطلب ہے اس کی خدائی کا زوال۔	۳۷۴	قرآن عظیم کے غیر مخلوق ہونے پر ائمہ اسلام کے ۳۲ ارشادات۔	۳۸۰
یہ بات کوئی سمجھدار کافر بھی نہیں کہہ سکتا ہے کہ خداعیت تو کر سکتا ہے لیکن ترفعًا اور مصلحتًا اس سے بچتا ہے۔	۳۷۴	۹ صحابہ کا قول کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔	۳۸۰
وہابیہ کا یہ خیال کہ اگر خدا جھُوٹ نہ بولے تو عاجز ہوگا احمقانہ ہے کیونکہ جب بقول تمھارے سارے عیب اس میں ہو سکتے ہیں تو معاذاللہ ایک یہ عجز بھی سہی۔	۳۷۴	امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا قتل کیا جائے۔	۳۸۱
مُلائے دہلوی اللہ تعالٰی کو بالفعل نقائص سے ملوث مانتا ہے۔	۳۷۵	"قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے" علی ابن مدینی و امام مالک، یحیٰی ابن ابی طالب، امام احمد بن حنبل۔	۳۸۲
تنبیہ نبیہ۔	۳۷۶	"جو قرآن کو مخلوق کہے زندیق ہے" عبداللہ ابن ادریس	۳۸۲
اسماعیل دہلوی نے لکھا کہ "اللہ تعالٰی کو زمان و مکان سے پاک ماننا بدعتِ حقیقی ہے۔"	۳۷۶	"قرآن کو مخلوق کہنے والا کافر ہے"۔ وکیع ابن الجراح یحیٰی ابن معین، ابن ابی مریم، شبابہ ابن سواد و عبدالعزیز ابن امان۔	۳۸۲

"جو قرآن کو مخلوق کے زندیق ہے"یزید ابن ہارون،امام اعظم، قاضی ابو یوسف۔	۳۸۲	عیوب و نقائص کا سلب اس وقت مدح میں داخل ہے کہ کسی صفت کمال کے ثبوت پر مبنی ہو۔	۳۹۳
امام وہابیہ کے قول پر اگر کذب کی نفی پر قدرت ضروری ہو گی، تو اللہ نے اپنے ذات سے ظلم کی نفی کی تو ظلم پر قدرت ضروری ہو گی، اور ظلم کہتے ہیں مِلک غیر میں بیجا تصرف کو، تو کچھ اشیاء کو ملک الٰہی خارج ماننا پڑے گا۔	۳۸۵	صفت کمال حقیقۃً صدق ہے عدمِ کذب نہیں۔	۳۹۳
اہلسنت و جماعت کا اجماع قطعی کہ اللہ تعالٰی ظلم پر قادر نہیں۔ شرح فقہ اکبر، تفسیر بیضاوی، روح البیان وغیرہ کے نصوص۔	۳۸۶	گونگے اور پتھر کی اس لئے عدمِ کذب سے تعریف نہیں کرتے کہ وُہ صدق کی بھی صلاحیت نہیں رکھتا۔	۳۹۴
اللہ تعالٰی اپنی ذات سے اولاد کی نفی کرتا ہے،	۳۸۸	قضیہ منفصلہ کے مقدم اور تالی میں جو دوصفت مدح و ذم محمول ہوں، تو موضوع ہونے کی صلاحیت انھیں افراد میں ہو گی جن سے ایک وصف کی نفی دوسرے کے صدق کی مقتضی ہو، اور جو فرد اس کی صلاحیت نہ رکھے وُہ موضوع میں مندرج ہی نہیں۔	۳۹۴
ملائے دہلوی کی دلیل پر لازم کہ اولاد ممکن ہو۔	۳۸۸	تکمیل جلیل۔	۳۹۴
اللہ تعالٰی نے اپنی ذات سے نسیان کی نفی فرمائی،	۳۸۸	کافر کے لئے کہئے کہ جبری قدری رافضی نہیں تو مدح نہیں اور سُنّی مسلمان کو ایسا کہئے تو تعریف ہے۔	۳۹۴
ملائے دہلوی کی تقریر پر لازم کہ اللہ تعالٰی سے بُھول چُوک بھی ممکن ہو۔	۳۸۸	جو شخص کذب کے تکلم کا عزم کر چکا تکلم نہ کرے تب بھی کلام نفسی میں کاذب ہو چکا۔	۳۹۴
اللہ تعالٰی نے اپنی ذات سے بہکنے کی نفی کی، ملائے دہلوی کی تقریر لازم کہ بہکنا ممکن ہو۔	۳۸۹	بیسواں تازیانہ۔	۳۹۵
ملائے دہلوی اپنی اس گمرہی میں معتزلہ کے مقلد ہیں۔	۳۹۰	انسان مرتبہ عقل بالملکہ میں قضیہ کی ترکیب پر قادر ہے۔	۳۹۵
تفسیر امام رازی سے معتزلہ کے قول کی تضعیف۔	۳۹۰	مرتبہ عقل ہولانی میں تعقل قضایا غیر معقول۔	۳۹۵
صفات کے درجاتِ مختلفہ۔	۳۹۱	خبر میں صدق و کذب کا اعتبار حکایت سے ہوتا ہے،	۳۹۵
صفات تنزلی اسی کے حق میں مدح ہوں گی جو مدائح اولی نہیں رکھتا۔	۳۹۱	پاگل کا قول خبر نہیں۔	۳۹۶
صفات سلبیہ تنزیہہ کا بیان اور نفس مسئلہ سے تطبیق۔	۳۹۱	تنبیہ دائر وسائر بہ تسفیہ جملہ نظائر۔	۳۹۶
واجب اور ممکن میں صفات کمال کے تقاریر کی ایک نفیس تقریر۔	۳۹۲	معذوروں کو کذب پر قدرت نہ ہونا کمال کی بناء پر نہیں۔ عیب و نقصان کی بناء پر ہے۔	۳۹۶
کسی چیز کا سلب بنفسہ کمال نہیں۔	۳۹۳		

ملائے دہلوی باری تعالٰی کے کذب پر قادر نہ ہونے کو پتھروں پر قیاس کرتے ہیں۔	۳۹۶	کذب کا منافی ہونا وہابیہ کے نزدیک ممتنع بالغیر نہیں۔	۳۹۹
وہابی اپنا نہیں کہتے۔	۳۹۶	تیسواں تازیانہ۔	۳۹۹
پتھر کا کذب پر قادر نہ ہونا عجز و نقص کی وجہ سے ہے اور باری تعالٰی کا ہنز و کمال کی وجہ سے تو ایک کا دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔	۳۹۶	اگر کذب تحت قدرت الٰہی ہو تو صدق بھی مقدور ہوگا۔	۳۹۹
اٹھائیسواں تازیانہ۔	۳۹۶	ہر مقدور ممکن ہوتا ہے اور ممکن ازل میں معدوم تھا۔	۴۰۰
وہابی روافض سے زیادہ تقیہ کرتے ہیں۔	۳۹۶	صدق و کذب میں انفصال حقیقی ہے، لہٰذا ملائے دہلوی کے قول پر لازم کہ ازل میں اللہ تعالٰی کروڑوں برس جھوٹا رہ چکا ہے۔	۴۰۰
دعوٰی کے خلاف نظیر۔	۳۹۶	اکتیسواں تازیانہ۔	۴۰۰
جس کا منہ بند کرلیں اس کا کذب ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے۔	۳۹۸	اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل ممکن ہو تو کلامِ الٰہی کا کذب لازم آئے گا۔	۴۰۰
اخرس و جماد کا امتناع کذب بھی محال بالذات نہیں۔	۳۹۸	ملائے دہلوی کے نزدیک خدائی بات واقع میں جھوٹی ہونے میں حرج نہیں۔ حرج اس میں ہے کہ بندوں کو اس کا پتا چل جائے۔	۴۰۱
احادیث سے پتھروں کا کلام ثابت ہے، اور قُربِ قیامت میں پتھروں درختوں سے کلام واقع ہونے کی خبر ثابت ہے۔	۳۹۸	افعالِ الٰہی معلل نہیں ہیں۔	۴۰۱
میدان قیامت میں کھال کا کلام قرآن سے ثابت ہے	۳۹۸	بتیسواں تازیانہ۔	۴۰۱
ممتنع بالغیر کا وقوع ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم ہے	۳۹۸	ملائے دہلوی نے مسئلہ شفاعت میں بھی اللہ کے لئے بندوں سے ڈرنا تسلیم کیا ہے۔	۴۰۱
اسمٰعیل دہلوی کے قول پر لازم کہ اللہ تعالٰی کا کذب ممتنع بالغیر بھی نہیں۔	۳۹۸	تینتیسواں تازیانہ۔	۴۰۲
لازم قول قول نہیں ہوتا۔	۳۹۸	ملائے دہلوی قرآن کے سلب کو ممکن مانتا ہے حالانکہ کلامِ الٰہی مقتضائے ذات ہے۔	۴۰۲
نجدیہ کفر و شرک کے فتوی پر بے حد جری ہیں۔	۳۹۸	چونتیسواں تازیانہ اور ایک غلط تاویل کا رد۔	۴۰۲
کلمہ پڑھنے والے کو حتی الامکان کفر سے بچاتے ہیں۔	۳۹۹	ہر ممکن اور مقدور کی ذات سلب ممکن ہے۔	۴۰۲
انتیسواں تازیانہ: ملائے دہلوی کا تناقض۔	۳۹۹	اعدام قرآن کی صورت میں بھی تکذیب لازم نہیں کذب ضرور لازم ہے۔	۴۰۲

پینتیسواں تازیانہ۔	۴۰۲	آیات وعید بقرینہ کرم مخصوص ہیں، دونوں تخصیصوں کا فرق۔	۴۰۷
بندوں کے کلام میں بھی عموماً ظہور کذب بعد اعلام ہوتا ہے۔	۴۰۳	علامہ خیالی کی تائید۔	۴۰۷
ایک لطیفہ علمیہ۔	۴۰۳	آیات وعید کی طرح آیاتِ عفو بھی مستقل اور ایک علٰحدہ حکم ہے، ایک دوسرے کی تکذیب نہیں۔	۴۰۸
تنزیہہ چہارم علاج جہالات جدیدہ میں۔	۴۰۴	ابو عمر بن العلاء اور عمر بن عبید کا مناظرہ اور اس سے اس امر پر استدلال کہ مدعیان خلف وعید امکان کذب کے قائل نہیں۔	۴۱۰
خلف وعید امکان کذب کی فرع نہیں، جو خلف وعید کے قائل وہ امکانِ کذب سے تبری فرماتے ہیں۔	۴۰۴	امام امیر ابن الحاج کے نزدیک خلفِ وعید کا جواز صرف مسلمانوں کے حق میں ہے۔	۴۱۱
محققین خلف وعید کے بھی قائل نہیں۔	۴۰۴	خلفِ وعید کا یہ معنٰی نہیں کہ اللہ نے جس کو عذاب کی خبر دینی چاہی اس کا عذاب واقع نہ ہو۔	۴۱۱
کذب باری کے محال ہونے پر اجماع قطعی ہے۔	۴۰۴	مجوزین خلف وعید کے نزدیک عفو مغفرت اور خلف وعید میں نسبت تساوی ہے۔	۴۱۲
خلف وعید کے اختلاف کے قائلوں نے نص کیا ہے کہ کذبِ الٰہی کے استحالہ پر اجماع ہے۔	۴۰۴	تبدیل قول وتکذیب خبر وعفو میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۴۱۳
جواز خلف وعید کے قائلوں کی نص کہ کذبِ الٰہی بالاجماع محال ہے۔	۴۰۵	خلف کا اگر یہ معنی ہو کہ متکلم ایک بات کہہ کر پلٹ جائے تو بلاشبہہ یہ اقسام کذب سے ہے۔	۴۱۳
قائلینِ خلفِ وعید کے وجوہِ استدلال۔	۴۰۵	مقسم کا وجود قسم کے وجود کے بغیر محال ہے۔	۴۱۳
وعید میں انشائے تخویف ہے اخبار نہیں ہے۔	۴۰۶	صاحب براہین نے خلفِ وعید کے معنی جو امکانِ کذب مراد لئے سارے علمائے اسلام اس کا رد کرتے ہیں۔	۴۱۳
خلافِ وعید عیب نہیں شمار ہوتا فضل قرار دیا جاتا ہے۔	۴۰۶	علماء جواز خلفِ وعید کے معنی تخصیصِ نصوص اور تقیید وعید بیان فرماتے ہیں۔	۴۱۴
جب مجوزین خلفِ وعید کو خبر مانتے ہی نہیں تو کذب کے قول کی نسبت ان کی طرف کرنا بے شرعی ہے۔	۴۰۶	جواز خلف وعید کا قول جواز شرعی اور امکان وقوعی میں ہے اس مضمون پر چار دلیلیں۔	۴۱۴
آیات وعید آیاتِ عفو سے مخصوص ہیں۔	۴۰۷	علامہ علائی کے اشتباہ پر تنبیہ۔ (حاشیہ)	۴۱۵
تخصیص کی صورت میں امکانِ کذب کا سوال ہی نہیں ہے۔	۴۰۷	تمام علماء اہلسنت اور معتزلہ کا ایک فرقہ، بے توبہ مرنے والے اہل کبائر کی مغفرت کے جواز عقلی پر متفق ہیں، اختلاف جوازِ شرعی میں ہے، اہلسنت قاطبۃ شرعاً جائز بتاتے ہیں، یہ فرقہ وعیدیہ ناجائز بتاتا ہے۔	۴۱۶
وعید میں جو لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عموم پر دلالت کرتا ہے اس کی تخصیص جائز ہے۔	۴۰۷		

محققین جواز خلف شرعی نہیں مانتے۔	۴۱۷	امام رازی کی تصریح کہ اللہ تعالٰی کی خبر میں جوازِ کذب کا قول قریب بکفر ہے۔	۴۲۲
امام واحدی نے آیۃ کریمہ انك لا تخلف المیعاد سے کو خارج قرار دیا۔	۴۱۷	خلفِ وعید میں محل نزاع کی تحقیق۔	۴۲۴
قائلین جواز کے نزدیک خلف وعید صفر بحق مسلمین جائز ہے۔	۴۱۸	آیات وید میں بنظرِ ظاہر عموم، عدمِ وقوع خلفِ وعید صوری ہے۔	۴۲۴
خلف وعید کا جواز عقلی متفق علیہ ہیر اہلسنت ہے۔	۴۱۹	قاضی یاضی کی ایک عبارت کی نفیس توضیح۔	۴۲۴
قائلین خلف وعید جواز شرعی کے قائل۔	۴۱۹	خلفِ وعید صوری پر امام حلبی کی نص۔	۴۲۵
خلف وعید اگر کذب کی قسم ہو تو لازم آئے گا کہ کذب الٰہی شرعًا جائز ہو۔	۴۱۹	حلبی کی عبارت سے منشاء نزاع کی تعیین۔	۴۲۵
حضرات انبیاء پر امور تبلیغی پر کذب جائز ماننے والا قطعًا کافر ہے۔	۴۲۰	عام طور سے ائمہ اہلسنت میں مسائل اصولی میں بھی اختلاف نزاع لفظی کی حد تک رہتا ہے۔	۴۲۶
علماء خلفِ وعید کو جائز بلکہ واقع مانتے ہیں، اگر یہ کذب ہو تو لازم آئے گا کہ کذب الٰہی واقع ہے، اس مدعا پر چار دلیلیں۔	۴۲۰	مسائل اختلافیہ میں علمائے اہل سنت میں فریقیین کا الزام اپنے معنی مراد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔	۴۲۶
متساویین میں ایک کا صدق دوسرے کے صدق کو مستلزم ہے۔	۴۲۰	دوسرے کا ذہن اس سے خالی ہوتا ہے۔	۴۲۶
عفو وخلف میں تساوی نہ ہو تو عام خاص مطلقًا ضرور ہوگا۔	۴۲۱	الزام ہمیشہ ایسے امر سے دیا جاتا ہے جو متفق علیہ بین الفریقین ہو۔	۴۲۶
مختصر العقائد کی تصریح کہ اللہ تعالٰی وعید ترک فرمائے گا۔	۴۲۱	مسئلہ ایمان میں ائمہ کے اختلاف کا بیان اور محلِ نزاع کی تعیین سے تمثیل۔	۴۲۶
علامہ ابن امیر الحاج کہ خلف وعید عفو کا دوسرا نام ہے۔	۴۲۱	امام رازی کی تصریح کہ ایمان کی زیادتی اور کمی کا مسئلہ خلف وعید کی نزاع کو بھی نزاع صوری پر محمول کیا جاسکتا ہے۔	۴۲۶
خلف وعید کے معنی عدمِ ایقاعِ وعید ہے۔	۴۲۲	تسجیل جلیل وتکمیلِ جمیل۔	۴۲۸
تبدیلی قول اور تکذیب خبر نہیں۔	۴۲۲	اس امر کا بیان کہ خلف وید کا مسئلہ اسمٰعیل دہلوی کی جس بات کی تائید میں لایا گیا وہ اب بھی نہ بنی۔	۴۲۹

مسئلہ امکانِ کذب کا ایک بائیس رَد۔	۴۲۹	"صدق الٰہی اختیاری ہے" اس قول پر لازم ہونیوالے سات کفروں کا بیان۔	۴۳۴
خاتمہ تحقیق حکم قائل ہیں۔	۴۲۹	"علمِ الٰہی اختیاری ہے" اس قول پر لازم آنیوالے پانچ کفر۔	۴۳۴
امکانِ کذب کے قائل پر بے شمار وجہ سے لزومِ کفر۔	۴۲۹	"کذب الٰہی ممکن ہے" اس قول پر لازم انیوالے چار کفر۔	۴۳۴
قائلینِ امکانِ کذب کو نصیحت۔	۴۳۰	"اللہ تعالٰی بندوں سے چھپا کر آیت قرآنی جھوٹی کردے تو حرج نہیں" اس قول پر لازم آنے والے دو ۲ کفر۔	۴۳۴
جمیع ماجاء به النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔	۴۳۱	اسمٰعیل دہلوی کے نزدیک کفر امور عامہ میں سے ہے۔	۴۳۴
کفر لزومی اور التزامی کا فرق۔	۴۳۱	دیوبندیوں کا یہ قول کہ "خدا نہ جھوٹ بولا نہ بولے" جھوٹ ہے کیونکہ وہ اسمٰعیل دہلوی کی اتباع میں کذب کو ممکن بلکہ جائز و قوعی مانتے ہیں۔	۴۳۶
نیچریوں کا ملک جن و شیاطین وغیرہ کا ان معانی پر انکار کرنا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے کفر التزامی ہے۔	۴۳۱	بہشتیوں کو جہنم میں بھیجنا علماء ماتریدیہ کے نزدیک عقلاً محال مستلزم نقص علی اللہ ہے۔	۴۳۶
روافض کا انکار شیخین اور تفضیل جمیع صحابہ وغیرہ کفر لزومی ہے۔	۴۳۱	امام نسفی عفو کافر بھی عقلاً ناممکن مانتے ہیں۔	۴۳۷
کفر لزومی کے قائل کو ایک گروہِ علماء کافر کہتا ہے، مگر تحقیق یہ ہے کہ یہ گمرہی ہے کفر نہیں ہے۔	۴۳۲	جو شخص انبیاء علیہم السلام کا جہنم میں جانا، اور کافروں مشرکوں کا جنت میں آنا محال شرعی نہ مانے اس کے ایمان میں خلل ہے۔	۴۳۷
جو کچھ انسان کرسکے خدا اپنی ذات کے لئے کرسکتا ہے۔	۴۳۳	دیوبندیوں کے قول سے کذب باری ممتنع بالذات ہونے پر استدلال۔	۴۳۹
اس اصل پر انیس ۱۹ کفر لازم ہیں۔	۴۳۳	اللہ تعالٰی سب جنتیوں کو دوزخ میں اور تمام جہنمیوں کو جنت میں بھیجنے پر قادر ہو تو کذب باری لازم آئے گا۔	۴۳۹
"خدا کے لئے عیوب و نقائص محال نہیں" اس قول پر اکتیس ۳۱ کفر کا لزوم۔	۴۳۳	اللہ تعالٰی کا جاہل ہونا بھی لازم آئے گا۔ (حاشیہ)	۴۳۹
"جن باتوں کی نفی سے خدا کی مدح کی گئی ہے وہ سب خدا کے لئے ممکن ہیں" اس قول پر لازم آنیوالے بے شمار کفروں میں سے پانچ کا بیان۔	۴۳۴	ہر ممتنع بالغیر ممتنع بالذات کو مستلزم لیکن خود ممکن بالذات ہی رہے گا اور محال بالذات کے امکان کو بھی مستلزم نہ ہوگا۔	۴۳۹

شرح عقائد نسفی سے مذکورہ بالا دعوی پر استدلال۔ استحالہ لازم بالذات سے استحالہ لزوم بالذات کاحکم کرنیوالوں اور امکان ملزوم سے امکان لازم مستحیل بالذات کا حکم کرنے والوں کی تردید۔	۴۴۰	کذب عیب ہے اور اللہ تعالٰی کا عیب سے ملوث ہونا محال بالذات ہے۔	۴۵۲
اسمٰعیل دہلوی کو اقرار ہے کہ ملزوم ممکن ہو تب بھی لازم محال ہو سکتا ہے۔	۴۴۲	شرح مقاصد سے اس امر کا ثبوت کہ جہل و کذب باری ممکن نہیں۔	۴۵۳
رشید احمد گنگوہی پر لزومِ کفر کی تین وجہیں۔	۴۴۲	کذب و صدق میں منافات حقیقی ہے جس کا کذب ممکن ہو گا صدق ضروری نہ رہے گا۔	۴۵۳
عقیدہ کفریہ کی تصویب کفر ہے۔	۴۴۲	شرح مقاصد سے امکانِ کذب کے مفاسد کی تفصیل	۴۵۳
رشید احمد گنگوہی کے قول پر لازم کہ کچھ علمائے متقدمین وقوعِ کذب بالفعل کے قائل ہوں۔	۴۴۳	یہ کہنا کہ اللہ کذب پر قادر نہ ہو تو بندے کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی، اسمٰعیل دہلوی کی اپج ہے۔	۴۵۴
یہود و نصارٰی کی تکفیر نہ کرنے والا کافر ہے۔	۴۴۳	مُلائے دہلوی کی دلیل پر معارضے	۴۵۴
قائلین امکان کذب کا حکم شرعی۔	۴۴۵	وہابیوں کے طریقہ پر لازم کہ خدا کے ماں باپ ہوں	۴۵۴
کافر عادت کے طور پر کلمہ شہادت پڑھے، توبہ کے لئے یہ کافی نہیں۔	۴۴۵	ملائے دہلوی نے خدا کے کذب کو ممتنع بالغیر کہا ہے مگر اس کی دلیل پر لازم کہ کذب واقع ہو۔	۴۵۵
جیسا جرم ویسی ہی توبہ، نہاں کی نہاں اور عیاں کی عیاں۔	۴۴۶	وہابیہ کی غلطی یہ ہے کہ افعال انسانی کو خدا کی قدرت سے باہر تصور کرتے ہیں۔	۴۵۵
فاسق کی امام مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۶	دلیل مُلائے دہلوی کا ایک اور رَد۔	۴۵۶
کلماتِ ارشاد و ہدایت	۴۴۷	ایک اور رَد۔	۴۵۶
تاریخ تصنیف رسالہ	۴۴۹	دیو بندی اور وہابی خود اللہ تبارک و تعالٰی کو مقدورات عبد پر قادر نہیں مانتے اور یہ جبائیہ کا مسلک ہے۔	۴۵۷
تصدیق جناب مولانا غلام دستگیر قصوری علیہ الرحمۃ	۴۵۰	قدرت علی المثل کی ایک مثال۔	۴۵۷
٥ رسالہ **دامان باغ سبحان السبوح**	۴۵۱	کلمۃ حق ارید بہ الباطل۔	۴۵۸
امکان کذب کے قائل پر ہزاروں وجہ سے لزومِ کفر	۴۵۱	مقدور العبد مقدور اللہ کی تشریح	۴۵۸
سبحان السبوح کے مضامین کا اجماع تعارف	۴۵۲	خدا نے جس کو حق جانا وہ واقعۃً حق بجانب ہے ورنہ خدا پر جہل مرکب جائز ہو۔	۴۵۹
		جہل مرکب علی اللہ کے قبائح۔	۴۵۹

ابن حزم ظاہری قائل ہے کہ خدا کا بیٹا ہو سکتا ہے۔	۴۵۹	خیر القرون میں عقائد زبانی سُن کر بے چون وچرا تسلیم کرلئے جاتے تھے اور سینوں میں محفوظ کرلئے جاتے۔	۴۷۰
مقدور العبد مقدور اللہ کی تقریر وہابیہ پر معارضہ۔	۴۶۱	مذاہب کی کثرت اور گمراہیوں کے شیوع نے موجودہ علم کلام کی بناڈالی۔	۴۷۰
خصم الزامی دلیل قائم کرے تو فریق کو اپنے مسلمہ مقدمہ سے انکار کا یارا نہیں۔	۴۶۲	عقائد حقّہ کے اثبات میں جو دلیلیں دی جاتی ہیں لم و لا نسلم کا اثر ان دلیلوں پر ہوتا ہے، اصل عقیدہ پر نہیں۔	۴۷۰
○ رسالہ **القمع المبین لاٰمال المکذّبین**	۴۶۵	متاخرین شراح و محققین جو کچھ بحث و تمحیص کرتے ہیں ان میں کچھ بے وجہ نکتہ چینیاں بھی ہوتی ہیں۔	۴۷۱
مسائرہ اور شرح مواقف کی عبادت سے مخالفوں کے استدلال کا جواب۔	۴۶۵	علماء کی تصریح کہ اعتماد قواعد اہل حق پر ہے، بحث ار نکتہ چینیوں کی کوئی سند نہیں۔	۴۷۱
اللہ پاک جب کسی قوم سے دین لیتا ہے تو عقل سلیم چھین لیتا ہے چاہے دیگر دنیاوی علوم میں کتنی ہی عقل و دانش ہو۔	۴۶۷	علمِ کلام کی ان بیجا بحثوں کے نتیجہ میں ہی ائمہ نے کلامِ متاخرین کو سخت ذلیل اور بے قدر سمجھا۔	۴۷۲
اغراض فاسدہ کے لئے کُتب بینی کی ایک مثال۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کا اس کی باتوں پر مواخذہ ہو سکتا ہے۔	۴۶۸	امکان کذب کے قائلین نے قرآن عظیم کی نصوص صریحہ متون و عقائد کو چھوڑ کر تراشیدہ بحثوں کا دامن پکڑا ہے۔	۴۷۳
اعتقاد وہی رکھنا چاہئے جو جمہور اہل حق کا عقیدہ ہو شواذ کا بھروسا نہیں۔	۴۶۸	پہلی نظیر اور ملا عبدالحکیم کے اس خیال کا رد کہ اللہ تعالٰی کو امور غیر متناہیہ حاصل نہیں۔	۴۷۳
اللہ کے کلام کی طرف کذب کرنے میں وہابیہ تمام گمراہوں سے آگے ہیں۔	۴۶۸	ملا عبدالحکیم نے عقیدہ یہی بتایا ہے کہ معمولات الٰہیہ فی انفسہا غیر متناہی لشمولہا الموجودات والمعدومات۔ مواقف، شرح مواقف، مقاصد اور شرح مقاصد ور دولت مکیہ وغیرہ سے اس عقیدہ کی تائیدات۔	۴۷۵
ملا سیالکوٹی کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مطلقاً جھوٹ چاہے کسی کا ہو ممکن بالذات بلکہ واقع ہے۔	۴۶۸	دوسری نظیر۔	۴۷۸
مطلقاً اجماع محال بالذات نہیں اور اجتماع نقیضین محال بالذات ہے۔	۴۶۸	مسائرہ کی یہ بحث کہ اللہ تعالٰی کے خلق سے عزم و ارادہ کی تخصیص کی جائے۔	۴۷۹
ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کی ایک خطاء۔	۴۶۹	مسائرہ کی اس بحث کی تردید۔	۴۸۰
شرح ماقف کی عبارت سے استدلال پر ایک استحالہ۔	۴۷۰	خلق الٰہی سے عزم وارادہ کی تخصیص معتزلہ کے مذہب العباد خالقۃ لافعالہا کی طرح ہے۔	۴۸۱

معتزلہ مجوسیوں سے بھی آگے بڑھ گئے۔	۴۸۱	معتزلہ بندوں کو افعال کا خالق قرار دیتے ہیں لیکن ان کے متقدمین لفظ خالق کے اطلاق سے احتراز کرتے ہیں۔	۴۹۰
قولِ ابن ہمام کی تضعیف پانچ طرح سے۔	۴۸۳	قدرت حادثہ کی تاثیرہ وعدم تاثیرہ میں مسامرہ کی بحث اور اس پر مصنف کا مناقشہ (حاشیہ)	۴۹۰
اول، وُہ آیتیں جو اللہ تعالٰی کے خلق کے عموم پر دلالت کرتی ہیں باجماعِ ائمہ اپنے عموم پر باقی ہیں، ان میں کوئی تخصیص نہیں۔	۴۸۳	اس مسئلہ میں مُلا عبد العلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کی لغزش۔	۴۹۳
دوم، ان آیات کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔	۴۸۴	اہل حق اہل السنۃ ہیں، ان کے نزدیک بندوں کے لئے قدرت کا سبہ ہے قدرتِ خالقہ نہیں ہے۔	۴۹۴
امام ابو بکر باقلانی، صاحب مسلم و فواتح اور امام صدر الشریعۃ علامہ شمس انفتاری ار علامہ قاسم کہتے ہیں کہ انسان کی قدرت کو خلق اور وجود میں تاثیر نہیں، حال میں ہے جو دوجود پر زائد ہے۔	۴۸۵	ابن ہمام کے دو شاگردوں نے اشارہ کیا کہ ہمارے شیخ مسئلہ تحقیق میں جمہور کے خلاف گئے۔	۴۹۵
تخصیص عزم کی بات صرف محقق ابن ہمام کے کلام میں پائی جاتی ہے۔	۴۸۵	صاحبِ مسامرہ کے ایک خلاف واقعہ فیصلہ کی تصحیح۔	۴۹۵
حنفیوں کا مذہب محقق کی بحث کے خلاف ہے۔	۴۸۵	قاضی باقلانی کے قول کی تائید۔	۴۹۶
امام محمد سنوسی کی تصریح کہ اللہ تعالٰی خالق کل شیئ پر سلف صالحین کا اجماع ہے، اور یہی کتاب وسنت سے ثابت ہے۔	۴۸۶	ملا علی قاری کی تقریر کی تصحیح۔	۴۹۶
اجماع کے خلاف بعد میں تین قول منقول ہیں: (۱) قاضی باقلانی کا، کہ بندوں کو حال میں تاثیر ہے۔ (۲) استاز اسفرائنی کا، کہ بندوں کو اعتبار میں تاثیر ہے۔ (۳) امام الحرمین کا مشیّتِ الٰہی کے موافق افعال میں۔	۴۸۷	مسائرہ اور قاضی کی مرادوں میں فرق کی ایک اور تائید۔	۴۹۷
اقوال مذکورہ بالا کی نسبت ان تینوں اماموں کی طرف صحیح نہیں کسی جدل میں الزام خصم کے طور پر کہا ہوگا۔	۴۸۷	ابن ہمام کی اپنے قول سے رجوع کے لئے مصنف کی امید۔	۴۹۸
مصنف کی تطبیق انیق۔	۴۸۷	پھر رجوع کی تحریری دستیابی۔	۴۹۹
شرح مقاصد کی عبارت میں لفظ والارادۃ بفعل الغیر میں ارادہ کے معنٰی کی توضیح۔ (حاشیہ)	۴۸۸	امام باقلانی پر شیخ قزوینی کا اعتراض، اس کا ایک عاۃ الور ودجواب، پھر مصنف کی تحقیق۔	۴۹۹
مسائرہ کی عبارت پر مصنف کا مناقشہ۔	۴۸۸		

امام باقلانی کی طرف سے دفاع۔	۵۰۰	علم تقدیر کے احکام۔	۵۱۰
مسئلہ خلق افعال میں ساداتِ حنفیّہ کی بحث کا خلاصہ۔	۵۰۱	خلاصہ کلام کہ مسائل میں بحث عقیدہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ عقیدہ وہ ہوتا ہے جو مجمع علیہ ہو۔	۵۱۲
اس باب میں مصنف کا موقف۔	۵۰۱	مسئلہ امکان کذب کے بارے میں مولوی محمود حسن دیوبندی کے رسالہ "جهد المقل" میں بطور حوالہ نقل کی گئی شرح مقاصد، شرح مواقف، شرح مطالع اور مسائرہ وغیرہ کتب کی عبارات کا جواب۔	۵۱۳
تیسرا رَد خلق کے لئے ارادہ ضروری ہے، اگر ارادہ بندوں کے خلق کے لئے ضروری ہو تو ارادہ کے لئے ارادہ لازم ہوگا، اور یہ ظاہراً اور بداہۃً غلط۔	۵۰۳	عقیدہ وُہ ہوتا ہے جو علمائے کرام متون یا تراجم ابواب وفصول یا فہرست وفذلکہ عقائد میں لکھتے ہیں وہی اہلسنت کا معتقد ہوتا ہے وُہی خود ان علماء کا دین معتمد ہوتا ہے۔	۵۱۴
چوتھا رد، ارادہ کلیہ ہمارے خلق سے نہیں اور ارادہ جزئیہ تعلق اور امر اضافی ہے جو موجود فی الاعیان نہیں، لہٰذا یہ خلق نہ ہوگا۔	۵۰۴	بوقتِ ذکر دلائل و ابحاث و مناظرہ جو کچھ علماء ضمناً لکھ جاتے ہیں اس پر نہ اعتماد ہے نہ خود ان علماء کا اعتقاد ہے۔	۵۱۴
ارادہ بندہ کی مخلوق ہو تو تسلسل لازم آئیگا۔	۵۰۵	سب سے اعلیٰ و اجلی مسئلہ توحید کے دلائل پر علم کلام میں متعدد نقض وارد کئے گئے۔	۵۱۴
دو مزید دلیلیں۔ (حاشیہ)	۵۰۵	ائمہ دین اور کبرائے ناصحین علم کلام میں اشتغال سے ممانعت فرماتے ہیں۔	۵۱۵
وجوب بالاختیار کے منافی نہیں اور اختیار بالوجوب منافیِ اختیار ہے۔	۵۰۶	علم کلام کے بارے میں امام ابویوسف کی رائے۔	۵۱۵
قائلین تاثیر فی الحال پر پڑنے والے اعتراضات کا بیان۔	۵۰۶	فقہائے کرام نے فرمایا جو وصیت علماء کے لئے کی جائے متکلمین اس سے کُچھ حصہ نہ پائیں گے۔	۵۱۵
تسلسل اعتباریات میں مبدا میں محال ہے۔	۵۰۷	علامہ خیالی کا علم الٰہی کے بارے میں ناپاک خیال۔	۵۱۵
مسئلہ اختیار میں ترجیح بلا مرجح کی بحث۔	۵۰۷	سید مبارک شاہ کی یہ بات درست نہیں کہ واجب صرف اپنے وجود میں محتاج غیر نہیں ہوتا، اپنے تعین و تشخص میں غیر کا محتاج ہو تو حرج نہیں۔	۵۱۵
بندے کے جبر سے بچنے کے لئے تخصیص وغیرہ کا قول کرنے والوں کا رد۔	۵۰۷	ابحاث و مشاجرات میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ قابلِ اعتماد واعتقاد نہیں ہوتا۔	۵۱۵
جبر و تفویض کے بیچ میں مذہب حق ہے۔	۵۰۹	مباحث کلام و مناظر کا کچھ اعتبار نہیں۔	۵۱۶

عقیدہ وُہ ہے جو محل بیانِ عقائد میں لکھا جاتا ہے جس پر صراحۃً اجماعِ ملت بتایا جائے یا اسے تصریحًا عقیدہ اہلسنت کہا جائے یا اس کے خلاف کو مذہب گمراہوں بتایا جائے۔	۵۱۶	اہلسنت والجماعت فرقہ ناجیہ ہے۔	۵۱۸
مختلف کتبِ اہل سنت میں بیان کردہ عقائدِ اہلسنت۔	۵۱۶	ایک گمراہ فرقہ مزداریہ کے باطل عقیدے یعنی اللہ تعالٰی کے جُھوٹ اور ظلم پر قادر ہونے کا رد۔	۵۱۸
عالم حادث ہے۔	۵۱۷	اللہ تعالٰی پر نقص، جہل اور کذب کی علامات بھی محال ہیں۔	۵۱۸
صانع عالم قدیم ہے۔	۵۱۷	اس مسئلہ میں اشاعرہ اور ان کے غیر میں کوئی اختلاف نہیں کہ اللہ تعالٰی ہر وصف نقص سے پاک ہے۔	۵۱۸
صانع عالم ایسی صفاتِ قدیمہ سے متصف ہے جو نہ اس کا عین ہیں نہ غیر۔	۵۱۷	گنگوہی صاحب کے نزدیک امکانِ کذب تو کیا اللہ تعالٰی کے لئے وقوعِ کذب ثابت ہے۔	۵۱۹
صانع عالم واحد ہے اس کا کوئی مثل، مقابل اور شریک نہیں۔	۵۱۷	مصنف جہد المقل اللہ عزوجل کا نہ صرف کاذب ہونا ممکن جانتا ہے بلکہ اسے بالامکان ظالم، چور اور شرابی بھی جانتا ہے۔	۵۱۹
صانع عالم کی کوئی انتہاء، صورت اور حد نہیں۔	۵۱۷	علم شیطان کو علم نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمِ غیب کو پاگل، چوپایہ، اور ہر جانور کا سا کہنا کفر وارتداد ہے۔	۵۲۰
صانع کسی شیئ میں حلول نہیں کرتا، نہ ہی اس کے ساتھ کوئی حادث قائم ہوتا ہے۔	۵۱۷	ابن عبدالوہاب کے کفر عام آشکار ہیں، اکابرِ عرب وعجم نے اسکی تکفیر میں کتابیں لکھیں۔	۵۲۰
صانع پر حرکت، انتقال، جہالت، جُھوٹ اور نقص صحیح نہیں۔	۵۱۷	شیخ نجدی نے روضہ انور کو صنم اکبر کہا، چھ سو برس تک کے ائمہ اکابر کافر کہا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسماء مقدسہ کو جہنم کی راہیں قرار دیا۔	۵۲۰
آخرت میں صانع عالم کو دیکھا جاسکے گا۔	۵۱۷	گنگوہی صاحب کہتے ہیں محمد بن عبدالوہاب کے عقائد عُمدہ تھے وہ اور اُن کے مقتدی اچھے ہیں۔	۵۲۰
کذب باری تعالٰی کے محال ہونے پر تین دلائل۔	۵۱۷	وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین تمام عقائد کفر وضلال میں متحد ہیں۔	۵۲۱
حدوث عالم، وجود باری تعالٰی، اسکے سو کسی خالق کے نہ ہونے اور اس کے قدیم ہونے پر اہلسنت کا اجماع ہے۔		ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے بویا۔	۵۲۱

گنگوہی صاحب کا ایمان تقویۃ الایمان پر قرآن سے زیادہ ہے۔	۵۲۱	تقریر شبہہ۔	۵۳۰
گنگوہی صاحب کے نزدیک تقویۃ الایمان کا رکھنا، پڑھنا اور اس پر عمل کرنا عین اسلام ہے۔	۵۲۱	تقریر جواب بعون الوہاب۔	۵۳۱
عین کی نفی ضد کا ثبوت ہے۔	۵۲۲	ایجاب وسلب متناقض ہیں جمع نہیں ہوسکتے۔	۵۳۱
وصف کریم رحمۃ للعلمین مسلمانوں کے نزدیک حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔	۵۲۲	وجود شیئ اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض و منافیات کا نافی ہوتا ہے۔	۵۳۱
امتی کا مثلِ نبی ہونا بداہۃً محال ہے۔	۵۲۲	لازم شیئ کے منافی کی موجودگی میں لازم موجود نہیں ہوسکتا۔	۵۳۱
مجلس میلاد مبارک کی نسبت مبشرات۔	۵۲۲	شیئ کا لازم موجود نہ ہو تو شیئ موجود نہیں ہوسکتی۔	۵۳۱
سالگرہ دو۲ طرح ہوتی ہے ایک گنگوہی صاحب کے نزدیک ناجائز اور دوسری جائز۔	۵۲۴	سلب شیئ کے تین طریقے ہیں۔	۵۳۱
فیض شیطانی محبوبوں کے بغض سے حاصل ہوتا ہے۔	۵۲۵	اللہ عزوجل جمیع صفات کمال لازم ذات اور جمیع عیوب و نقائص اس پر محال بالذات کہ اسکے کمال ذاتی کے منافی ہیں۔	۵۳۱
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انقطاع سلسلہ بغضِ مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوتا ہے۔	۵۲۵	دہریے تو اللہ تعالٰی کے نفس وجود کے ہی منکر ہیں جبکہ باقی کفار کسی کمال لازم ذات کے منکر یا کسی عیبِ منافی ذات کے مثبت ہیں۔	۵۳۱
مومن کبھی اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی نہیں کرتا، اگرچہ وہ اس کے قریبی رشتہ دار ہوں۔	۵۲۵	اس شبہہ کا ازالہ کہ اللہ تعالٰی نے اپنے ارشاد "بل اکثرھم لا یعلمون" میں اکثر کفار سے نفیِ علم فرمائی سب سے نہیں۔	۵۳۲
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں وہابیہ کے ظاہر و باطن میں منافقوں کی طرح تفاوت ہیں۔	۵۲۶	کفار کا اقرار باللہ ان کے جہل باللہ کے منافی نہیں۔	۵۳۲
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوّا کھانے والے کو فاسق قرار دیا ہے۔	۵۲۶	مفہوم لقب سے استدلال صحیح نہیں۔	۵۳۲
کوّے کے حلال ہونے کے بارے میں گنگوہی کے قیاس و استدلال کا رد۔	۵۲۷	سلب جزئی سلب کلی کو لازم ہے نہ کہ اس کے منافی ہے۔	۵۳۲
○ رسالہ **باب العقائد والکلام**	۵۲۹	متعدد آیتِ کریمہ میں اکثر سے کُل مراد ہے۔	۵۳۲
کوئی کافر اللہ تعالٰی کو نہیں جانتا اس پر ناواقفوں کو ایک شبہہ گزرتا ہے اس کا جواب۔	۵۳۰	فلاسفہ کے جھوٹے خدا۔	۵۳۴

آریہ کے جھوٹے خدا۔	۵۳۵	مخدوم بہاری کے ترجمہ عمدۃ الکلام کی ایک الحاقی عبارت کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق نسبتِ کفر وفسق جائز نہیں۔	۵۵۶
مجوس کے جھوٹے خدا۔	۵۳۷	کتاب کا چھپنا اس کے تواتر کی دلیل نہیں۔	۵۵۶
یہود کے جھوٹے خدا۔	۵۳۷	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "ایسی کتاب جس میں ثقہ علماء کے بیان کے خلاف ہو پانی سے دھوڈالنی چاہئے۔"	۵۵۷
نصارٰی کے جھوٹے خدا۔	۵۳۸	جس کی سند متصل نہ ہو اس کا بیان کرنا حرام ہے۔	۵۵۷
نیچریوں کے جھوٹے خدا۔	۵۳۹	کسی کتاب کی صحت جانچنے کا ایک طریقہ۔	۵۵۷
رافضیوں کے جھوٹے خدا۔	۵۴۳	لکھنے کے بعد اصل سے مطابقت ضروری ہے۔	۵۵۷
وہابیوں کے جھوٹے خدا۔	۵۴۵	متاخرین کے نزدیک کسی کتاب کا علماء میں ایسا مشہور و متداول ہونا جس سے عدمِ تحریف کا اطمینان ہو۔	۵۵۹
دیوبندیوں کے جھوٹے خدا۔	۵۴۷	سند متصل کے حکم میں ہے۔	۵۵۹
غیر مقلدں کے جھوٹے خدا۔	۵۴۹	کتب ستّہ مشہورہ معتبر و مستند ہیں۔	۵۵۹
تنبیہ۔	۵۵۲	مخدوم صاحب کی طرف جو عبارت منسوب ہے نہ متواتر ہے نہ اس کی سند متصل ہے۔	۵۵۹
کفر کیا ہے۔	۵۵۲	غیر خدا کو "قیوم" کہنا کفر ہے، شرح فقہ اکبر میں الحاق۔	۵۶۰
جہل باللہ میں نرے دہریوں کے بعد سب سے بھاری حصہ وہابیوں، اسمٰعیلیوں خصوصًا دیوبندی کا ہے۔	۵۵۳	اسمٰعیل دہلوی کا چمار والا قول مخالف موافق سب کے نزدیک اسی کا قول ہے۔	۵۶۰
تنبیہ۔	۵۵۳	مخدوم صاحب کی عبارت میں خلق کا لفظ جس موقع پر استعمال ہوا ہے ایسے موقع پر خلق سے مراد وہ ہوتے ہیں جو عظمت دینی نہ رکھتے ہوں۔	۵۶۱
○رسالہ جحب العوار عن مخدوم البھار	۵۵۵	عظمت دینی رکھنے والوں کے مراتب۔	۵۶۱
مخدوم بہار کی ایک عبارت سے دفعِ وسواس۔	۵۵۵	بُوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ کی تعظیم ہے۔	۵۶۱
کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام منسوب ہو جائے یہ اس بات کا قطعی ثبوت نہیں کہ یہ انھیں کے ہیں۔	۵۵۵	قرآن عظیم میں رسول کے مبعوث کرنے کا مقصد رسول اللہ کی تعظیم بھی قرار دی گئی ہے۔	۵۶۲
شیخ اکبر کے کلام میں تو صریح کفر لاحق کردئے گئے۔	۵۵۶	عظمت دینی نہ رکھنے والوں کے درجات کا فرق۔	۵۶۳

دنیاجو اللہ کے لئے نہ ہو ملعون ہے۔	۵۶۳	امت میں محدث ہونے کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان میں ہے۔ (حاشیہ)	۵۷۶
اللہ ورسول کے مخالف ذلیل تر ہیں۔	۵۶۴	تیسرا کفر کہ اللہ نے قادیان میں اپنا نبی بھیجا۔	۵۷۶
محلِ تحقیر میں غیر اللہ اور خلق سے مراد وہ جنھیں خدا سے علاقہ نہ ہو۔	۵۶۴	چوتھا کفر کہ میرا نام نبی بھی ہے۔	۵۷۷
غیر اللہ کے لئے تواضع حرام۔	۵۶۴	مرزا قادیانی پر فردِ جرم	۵۷۷
ماں، باپ، استاذ کی تواضع کا شریعت نے حکم دیا ہے۔	۵۶۴	(۱) تحریف کلام اللہ	۵۷۷
غیر اللہ کی تواضع حرام ہونے کا مقصد دنیا کے لئے غیر خدا کے سامنے اپنے کو ذلیل کرنا ہے۔	۵۶۵	(۲) عیسٰی علیہ السلام پر افتراء	۵۷۷
مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا اللہ کے لئے ذبح کرنا ہے۔	۵۶۵	(۳) اللہ تعالٰی پر افتراء	۵۷۷
مخدوم بہاری کی عبارت جس میں خلق کو مینگنی سے تشبیہ دی اس میں خلق سے مراد انبیاء لینے والا ملعون ہے۔	۵۶۶	(۴) اپنی گھڑی ہوئی کتاب کو کلام اللہ ٹھہرانا۔	۵۷۷
اسماعیل دہلوی نے شرک کی چار قسمیں گھڑی اور اس میں اولیاء، انبیاء، اور بُھوت پریت سب کو یکساں رکھا۔	۵۶۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کی بعثت محال ہے۔	۵۷۸
مخدوم بہار کی طرف جو کلام منسوب ہے اس میں دنیا کی چیزوں کو جنھیں خدا سے علاقہ نہیں مینگنی سے حقیر کہا اور اسمٰعیل دہلوی نے تمام اولیاء انبیا کو۔	۵۶۷	آپ کے بعد جدید نبی کا امکان ماننے والا قطعًا اجماعًا کافر ہے۔	۵۷۸
اسمٰعیل دہلوی کے نجس اقوال ایسے ہی ہیں کہ انھیں بنانے کے لئے انبیاء اور اولیاء کے لئے ایسی گندی مثالیں دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔	۵۶۸	صریح الفاظ میں تاویل قبول نہیں کی جاتی۔	۵۷۸
○ رسالہ **السوء والعقاب علی المسیح الکذاب**۔	۵۷۱	جس نے بچھو کو رسول کہا اور تاویل کی کہ یہ بھی فرستادہ ہے تو وہ بھی کافر ہے۔	۵۷۸
مرزائی کے متعلق سوال۔	۵۷۱	شفاء، شرح شفاء، للقاری وخفاجی کے حوالے۔	۵۷۸
خلاصہ جوابات امر تسر	۵۷۱	محلِ مدح میں عالم باتیں نہیں ذکر کی جاتیں۔	۵۸۰
مرزا قادیانی مثل مسیح ہے، مگر مسیح کلمہ کا نہیں مسیح دجال کا۔	۵۷۲	مرزا اپنے رسول ہونے کی جو تاویل کرتا ہے وہ معنی ٹیری مینڈک سب میں پائے جاتے ہیں۔	۵۸۰
مرزا کا کفرِ اول کہ "میں احمد ہوں"	۵۷۵	آیات واحادیث میں ادنی مخلوقات کے لئے بھی خبر دینے کا ذکر ہے۔	۵۸۱
دوسرا کفر کہ "میں ایک معنی کو نبی ہوں"	۵۷۵		

کیا مرزا کی رسالت کے مدعی اسی معنی میں مرزا کو رسول مانتے ہیں۔	۵۸۲	دسواں کفر "چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط ہوئی"	۵۸۸
معنی کے اقسام چہارگانہ۔	۵۸۲	یہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب ہے۔	۵۸۸
باب رسالت میں عرف عام اور عرف شرعی ایک معنی پر متفق ہیں، لغوی معنی مراد ہو نہیں سکتا اور اصطلاحی مراد لینے کی قباحتیں۔	۵۸۲	ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔	۵۸۹
مرزا کے کفر چہارم میں امتی اور نبی کا مقابلہ معنی شرعی کی تعیین کرتا ہے۔	۵۸۳	مرزا قطعًا یقینًا کافر ہے۔	۵۹۰
کفر اول میں اپنی نبوت کے لئے قرآن شریف کی آیت پڑھی جس میں یقینًا نبوت کے شرعی معنی مراد ہیں۔	۵۸۳	اہل ندوہ اگر مجرد کلمہ گوئی کو مدارِ اسلام ٹھہرائیں اور مرزا کی تکفیر نہ کریں وُہ بھی کافر ہیں۔	۵۹۰
مرزا کا پانچواں کفر حضرت مسیح علیہ السلام پر دعوی برتری۔	۵۸۴	کافر کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہے۔	۵۹۰
چھٹا کفر بھی یہی ہے۔	۵۸۴	شوہر کے کُفر کرتے ہی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے بے توبہ و نکاح جدید قربت زنائے خالص ہے۔	۵۹۱
ساتواں کفر مطلقًا بعض نبیوں سے اپنے کو افضل کہنا۔	۵۸۴	مرتد کی عورت کا مہر معجّل واجب الادا ہے اور مرجائے یا دارالحرب سے ملحق ہوجائے تو مہر موجل بھی واجب الادا ہو گیا۔	۵۹۱
انبیا کا علی الاطلاق افضل ہونا اجماعی مسئلہ ہے	۵۸۴	بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے، مرزائی کے چھوٹے بچے ضرور اس کے قبضہ سے باہر نکال لینے چاہئیں۔	۵۹۲
مرزا کا آٹھواں کفر عیسٰی علیہ السلام کے معجزات کو مسمریزم کہنا۔	۵۸۵	٥رسالہ **قهر الدیان علی مرتد بقادیان**	۵۹۵
اللہ پاک نے عیسٰی علیہ السلام کے معجزات پر ان کی مدح فرمائی۔	۵۸۵	رسالہ ماہواری رد قادیانی کے اجرا کی وجہ۔	۵۹۶
معجزاتِ عیسی علیہ السلام کو مسمریزم کہہ کر مکروہ جاننا ایک مزید کفر ہے۔	۵۸۶	قادیانیوں نے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھپوایا جس میں علمائے حق کو گالیاں دینے کے بعد مناظرہ کا چیلنج کیا گیا جس کے جواب میں رسالہ "ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری" کا اجرا ہوا جو دو عددوں پر مشتمل ہے۔	۵۹۶
اس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تحقیر بھی کی جو مستقل کفر ہے۔	۵۸۷	ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری۔	۵۹۸
		عدد اول: ان گالیوں کا جواب متین جو اللہ تعالٰی کے محبوبوں اور علمائے اہلسنت کو دی گئیں۔	۵۹۹

قادیانی نے سب سے زیادہ اپنی گالیوں کا تختہ مشق سیدنا عیسٰی علیہ السلام کو بنایا۔	۵۹۹	حیات وفات سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا مسئلہ فرعی اور مختلف فیہ ہے۔	۶۱۲
حضرت مسیح علیہ السلام کو قادیانی نے گالیاں کیوں دیں۔	۶۰۰	نزولِ عیسٰی علیہ السلام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔	۶۱۳
عیسٰی علیہ السلام اور ان کی ماں علیہا السلام کو قادیانی ملعون کی گالیاں۔	۶۰۰	وفات سے نزول کا ممتنع ہونا لازم نہیں آتا۔	۶۱۳
قادیانی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تکفیر کردی۔	۶۰۳	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت محض ایک آن کو تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہوتی ہے۔	۶۱۳
معجزات مسیح علیہ السلام کی تحقیر اور انکار۔	۶۰۴	انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔	۶۱۳
قادیانی کذاب کا کہنا کہ مسیح علیہ السلام خود اپنے معجزے کے منکر تھے، رسول اللہ پر افتراء اور قرآن عظیم کی تکذیب ہے۔	۶۰۴	بعض افراد کا موت کے بعد دنیا میں پھر آنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔	۶۱۳
مرتد قادیانی جیسے مکذب قرآن اور دشمنِ انبیاء کو امامِ وقت، مہدی اور مسیح ماننے والے نیز اس کی تکفیر نہ کرنے والے اندھے ہیں۔	۶۰۸	حضرت عزیر علیہ السلام کو بعد موت اللہ تعالٰی نے زندہ فرمایا۔	۶۱۳
تنبیہ: بعض مرزائیوں کے ایک جھوٹے عذر کا ازالہ۔	۶۰۸	چاروں طائر ان خلیل علیہ السلام مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہُوئے۔	۶۱۳
○ رسالہ **الجُراز الدیانی علی المرتد القادیانی**۔	۶۱۱	دربار مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیانی اُس قادرِ مطلق عزّجلالہ کو صراحتًا عاجز مانتا ہے۔	۶۱۳
قرآن مجید کی دو۲ آیات کریمہ کی تفسیر اور بظاہر ان سے پیدا ہونے والے شبہات واوہام سے متعلق استفسار۔	۶۱۱	مشرک اور قادیانی کے نظریہ کا قرآن مجید سے رَد۔	۶۱۳
بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریات دین کا اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں جس میں کچھ گنجائش دست وپا زدن ہو۔	۶۱۲	استیفائے اجل سے پہلے اگر کسی وجہ سے اماتت ہو تو مانع اعادت نہیں بلکہ استیفائے اجل کے لئے ضروری اور زاروں کے لئے ثابت ہے	۶۱۴
قادیانی صدہا وجہ سے منکر ضروریاتِ دین تھا۔	۶۱۲	حیات ووفات مسیح علیہ السلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے مگر آکر زمانے میں ان کے تشریف لانے اور دجال لعین کو قتل فرمانے میں کسی کو کلام نہیں یہ بلاشبہ اہلسنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔	۶۱۴

مسلمانوں کی راہ سے جُدا چلنے والے کی شامت۔	۶۱۴	حضرت عیسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے اپنے غیبوں پر مسلط کیا۔	۶۱۶
مسیح سے مثل مسیح مراد لینا تحریفِ نصوص ہے۔	۶۱۵	اللہ تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو مادر زاد اندھے اور ابرص کو شفا دینے، مُردے جِلانے اور مٹی کی مورت میں پھُونک مار کر جان ڈال دینے کی قدرت عطا فرمائی۔	۶۱۷
بے دینی کی بڑی ڈھال یہی ہے کہ نصوص کے معانی بدل دیں۔	۶۱۵	قادیانی سخت جُھوٹا، ملوم اور برکاتِ الٰہیہ سے پُورا محروم ہے۔	۶۱۷
تاویل مذکور کا گھڑنا نصوص شریعت کا استہزاء اور احکام وارشادات کو درہم برہم کر دینا ہے۔	۶۱۵	قادیانی مرتد نے معجزاتِ عیسٰی علیہ السلام کو مسمریزم کے شعبدے کیوں قرار دیا۔	۶۱۸
قادیانی مرتد نبیوں کی علانیہ تکذیب کرنے والا، رسولوں کو گالیاں دینے والا اور قرآن کو رَد کرنے والا ہے۔	۶۱۵	قادیانی مرتد خذلہ اللہ کے چند کفریات اور حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں سترّ بکواسات۔	۶۱۸
مرتد قادیان کا تو مسلمان ہونا بھی محال ہے نہ کہ رسول اللہ کی مثال۔	۶۱۸	قادیانیوں کا مسئلہ وفات وحیاتِ مسیح چھیڑنا ابلہی مکر اور اپنے صریح کفروں کی بحث سے جان چھڑنا ہے۔	۵۲۰
قادیانیوں کی چالاکی۔	۶۱۵	استفتاء میں مذکور شبہات کا جواب۔	۶۲۰
حضرت مسیح رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور اوصاف جو قرآن نے بیان کئے۔	۶۱۵	پہلا شُبہہ۔	۶۲۰
حضرت عیسٰی علیہ السلام بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا ہُوئے۔	۶۱۵	آیت کریمہ "انکم وما تعبدون من دون اللہ الخ" کی تفسیر۔	۶۲۰
حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا، اور انھوں نے گہوارے میں لوگوں کو ہدایت فرمائی۔	۶۱۶	"یدعون من دون اللہ" یقینا مشرکین ہیں۔	۶۲۱
حضرت عیسٰی علیہ السلام کو شکمِ مادر میں کتاب عطا ہُوئی، نبوت دی گئی اور وہ جہاں بھی تشریف لے جائیں برکتیں ان کے قدم کے ساتھ رکھی گئیں۔	۶۱۶	قرآن کریم نے اہل کتاب کو مشرکین سے جُدا کیا۔	۶۲۱
قادیانی کی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں دریدہ دہنی۔	۶۱۶	اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح صحیح ہے۔	۶۲۱
		مشرکہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح باطل ہے۔	۶۲۱

اہل کتاب کاذبیحہ حلال ہے۔	۶۲۱	شبہہ دوم	۶۲۵
مشرک کاذبیحہ مردار ہے۔	۶۲۱	حدیث بخاری"لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتخذ اقبور انبیائھم مساجد" کی شرح۔	۶۲۵
کفار تمام مخلوق سے بدتر ہے۔	۶۲۱	واقعہ یہ ہے کہ یہود اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد کرتے اور نصارٰی اپنے صالحین کی قبروں کو۔	۶۲۶
مسلمانوں کے سخت ترین دشمن یہودی اور مشرک ہیں۔	۶۲۱	قادیانی کی چالاکی۔	۶۲۶
یدعون من دون اللہ میں انبیاء کرام خصوصًا مسیح علیہم الصلٰوۃ والتسلیم داخل نہیں۔	۶۲۲	نبوت اور جُھوٹ کا اجتماع محال ہے۔	۶۲۶
آیۃ کریمہ "اموات غیر احیاء" (کی تفسیر کہ یہ بُتوں ہی پر صادق آتی ہے۔	۶۲۳	قادیانی کذاب نے تمام انبیاء کو جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش اس لئے کی تاکہ اس جُھوٹے کی نبوت بن پڑے۔	۶۲۶
یہ محال ہے کہ شہداء کو تو مردہ کہنا اور سمجھنا حرام ہو مگر انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کو مردہ کہا اور سمجھا جائے۔	۶۲۳	قادیانی مرتد کے اکٹھے چار سوبلکہ کروڑوں کُفر۔	۶۲۶
انبیاء علیہم اصلوات والتسلیمات "احیاء غیرا موات" ہیں نہ کہ "اموات غیر احیاء"۔	۶۲۴	ہر نبی کی تکذیب کُفر ہے۔	۶۲۶
جس وعدہ الٰہیہ کی تصدیق کے لئے انبیاء کرام کو عروض موت ایک آن کے لئے لازم ہے قطعًا شہداء کو بھی لازم ہے۔	۶۲۴	ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء کی تکذیب ہے۔	۶۲۶
آیۃ کریمہ وھم قدخُلقوا بصیغہ ماضی کے بجائے وھم یُخلقو بصیغہ مضارع لانے کی حکمت۔	۶۲۴	یہ کہنا صریح سفید جھوٹ ہے کہ نصارٰی نے عیسٰی علیہ السلام کی قبر کو مسجد کرلیا۔	۶۲۷
ایجاب جزئی نقیض سلب کُلی ہے۔	۶۲۴	نصارٰی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی قبر ہی نہیں مانتے اسے مسجد کرلینا دوسرا درجہ ہے۔	۶۲۷
اَمْوَات قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ مطلقہ عامہ ہے۔	۶۲۴	مرزائیوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر معاذاللہ دروغ گوئی کا الزام لگانے کے لئے حدیث کے غلط معنی گھڑے۔	۶۲۷
ایک وقت ایسا آئے گا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام وفات پائیں گے۔	۶۲۴	٥رسالہ **جزاء اللہ عدوّہ بابائہ ختم البنوۃ**۔	۶۲۹
روزِ قیامت ملائکہ کو بھی موت ہے۔	۶۲۴	حضرت علی، فاطمہ اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو انبیاء کہنے والے شخص کے بار میں استفتار۔	۶۲۹

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً محال و باطل جاننا فرض اجل وجُزءِ ایقان ہے۔	٦٣٠	خاتم الانبیاء بشہادت جبرئیل علیہ السلام۔	٦٣٦
قرآن کی نص قطعی کا منکر اور اس میں شبہہ کرنے والا ملعون مخلد فی النیران ہے اور اس کے کفر میں توقف میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔	٦٣٠	آخر النبیین	٦٣٧
اسلام سے علیحدگی اختیار کرنے والے کی تکفیر پر اجماع ہے۔	٦٣١	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اُمت کو آخر میں لانے کی حکمت۔	٦٣٧
قول بالمتنافیین کسی عاقل سے منقول نہیں۔ رسول کی تکذیب کفرِ ظاہر ہے۔	٦٣٢	رحمۃ للعالمین۔	٦٣٧
اہلبیت کرام خواہ کسی امتی کو نبی ماننے والا خود اپنے اقرار سے بھی کافر ہے۔	٦٣٢	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فیصلہ کہ محمد رسول اللہ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔	٦٣٨
قرآن وحدیث دونوں ایمان مومن ہیں۔	٦٣٢	توراۃ میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام حبیب الرحمٰن ہے۔	٦٣٨
احادیث کا تکرار دلوں میں ایمان کی جڑ جماتا ہے۔	٦٣٢	ذکر خدا بلا ذکر مصطفٰی نہیں۔	٦٣٨
ذکرِ محبوب راحتِ قلوب ہے۔	٦٣٣	سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلق میں اول الانبیاء اور بعثت میں آخر الانبیاء ہیں۔	٦٣٨
بریت آدم علیہ السلام اور ختم نبوت۔	٦٣٣	ارشادات انبیاء وملائکہ اور اقوال علماء کتبِ سابقہ۔	٦٣٩
حضرت موسٰی علیہ السلام اور ختم نبوت۔	٦٣٣	حدیث شفاعت۔	٦٣٩
حضرت آدم علیہ السلام اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	٦٣٤	انبیاء کا التجاء شفاعت۔	٦٣٩
خاتم النبیین۔	٦٣٤	حضرت آدم علیہ السلام اور اذانِ اوّل۔	٦٣٩
محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دروازہ جنت۔	٦٥٣	انشراح صدر۔	٦٤٠
خاتم الانبیاء کی بشارت۔	٦٣٥	بشارتِ میلاد الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	٦٤١
یعقوب علیہ السلام اور خاتم الانبیاء۔	٦٣٥	راہب کا استفسار۔	٦٤١
اشعیاء اور احمد مجتبٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام۔	٦٣٥	قبل از ولادت شہادتِ ایمان۔	٦٤٢
کتب سماوی اور اسمِ محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)	٦٣٦	سیدنا سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔	٦٤٢

حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے لئے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دعائے رحمت اور جنتی ہونے کی خبر۔	۶۴۳	مفیض توبہ	۶۵۵
انکار ختم نبوت کی وجوہات۔	۶۴۳	تمام چھوٹی بڑی نعمتیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بٹتی ہیں۔	۶۵۵
مقوقس شاہِ مصر کی تصدیق ولادت۔	۶۴۴	قولِ اُم المومنین صدیقہ کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں۔	۶۵۵
میلاد النبی پر خاص تارے کا طلوع۔	۶۴۴	چالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے عرض کی کہ ہم اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتے ہیں۔	۶۵۶
یہودی علماء کے ہاں ذکر وولادت رسول علیہ الصلوۃ والسلام۔	۶۴۵	توبہ کا معنٰی۔	۶۵۶
احبار کی زبان پر نعتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۴۵	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالٰی کی اطاعت کی۔	۶۵۶
یوشع کی زبان پر نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۴۶	جس نے اللہ تعالٰی کی اطاعت نہ کی اس نے رسول کی اطاعت نہیں کی۔	۶۵۶
تنزییل	۶۴۶	عکس نقیض فقیہ کو لازم ہوتا ہے۔	۶۵۶
ارشادات حضور ختم انبیاء علیہم الصلوات	۶۴۷	سب سے زیادہ راضی کرنے کے مستحق اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۶۵۶
اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۴۷	توبہ کرنیوالے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۵۶
انا محمد واحمد	۶۴۷	مالک لوائے حمد۔	۶۵۷
خصائصِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	۶۴۸	دس اسماء مبارکہ۔	۶۵۸
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت تمام اُمتوں سے شمار میں روزِ قیامت زائد ہو گی کہ اہل جنت کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفوں میں سے اسّی ۸۰ آپ کی امت کی اور چالیس ۴۰ صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔	۶۴۹	تنبیہ۔	۶۵۹
بابِ توبہ کا بند ہونا۔	۶۵۳	الحاشر والعاقب۔	۶۵۹
فاتح باب توبہ۔	۶۵۳	رسول جہاد۔	۶۵۹
کعب کا خون۔	۶۵۳	نوعِ آخر۔	۶۶۰
نبیِ توبہ۔	۶۵۴	ھو الاول والآخر والظاہر والباطن۔	۶۶۰
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہے۔	۶۵۴		

آخر زمان اور اولین یومِ قیامت۔	۶۶۱	نوح اخر: نبوت منقطع ہو گی۔	۶۶۹
فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گستاخ رسول کو طمانچہ مارا۔	۶۶۱	ولا نبی بعدی۔	۶۶۹
حضورِ انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی اور آپ کی اُمت سے پہلے کوئی امت جنت میں نہیں جاسکتی۔	۶۶۱	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر نبی ہوتے۔	۶۷۱
دریائے رحمت۔	۶۶۱	تزییل: حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال بچپن میں ہوا۔	۶۷۱
آخرین بعثت۔	۶۶۱	فائدہ۔	۶۷۱
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب نبیوں سے پہلے پیدا ہوئے اور سب کے بعد بھیجے گئے۔	۶۶۲	اگر ابرہیم ابنِ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم زندہ رہتے تو نبی ہوتے (اس حدیث پر بحث)	۶۷۲
تزییل	۶۶۲	قضیہ شرطیہ کو وقوع لازم نہیں۔	۶۷۲
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طریق ندا وخطاب بعد از وصالِ مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء۔	۶۶۲	نوح آخر: جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد کسی کے لئے نبوت مانے دجال کذاب ہے۔	۶۷۴
حضرت جبرئیل علیہ السلام کا بارگاہِ رسالتمآب میں سلام۔	۶۶۳	کذابوں اور دجالوں کی تعداد۔	۶۷۴
اللہ تعالٰی نے آفرینشِ آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس قبل حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا نام مبارک اپنے نام کے ساتھ ملا کر ساقِ عرش پر لکھا اور جبرئیل علیہ السلام کو درود بھیجنے کا حکم دیا۔	۶۶۳	جھوٹے مدعیان نبوت۔	۶۷۴
نوح آخر خصوص نصوص ختم نبوت	۶۶۴	تزییل۔	۶۷۵
قائد المرسلین وخاتم النبیین	۶۶۵	نوی آخر، خاص امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ نبوت ختم ہوئی نبوت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔	۶۷۵
لوح محفوظ پر شہادت ختمِ بنوت۔	۶۶۵	مسیلمہ خبیث کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنھوں نے زمانۂ کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا 'وہ فرمایا کرتے "قتلت خیر الناس وشر الناس" میں نے بہتر شخص کو شہید کیا پھر سب سے بدتر کو مارا۔	۶۷۵
عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ۔	۶۶۶	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عیادت۔	۶۷۷
سوسمار کی گواہی۔	۶۶۶	تنبیہ: مرتبہ صدیقت کی وضاحت۔	۶۷۸
تزییل۔	۶۶۹	ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔	۶۷۸

ایک حدیث سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی افضلیت پر وہم اور اس کا ازالہ۔	۶۷۹	ارشاداتِ انبیاء وعلماء کُتبِ سابقہ۔	۶۸۹
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صدیق اکبر ہیں، اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ صدیق اصغر۔	۶۸۰	ذریب بن برثملا کی شہادت۔	۶۹۱
تذییل: بعض احادیث علویہ مبطلہ دعوی علویہ۔	۶۸۱	شام کے نصرانی ختم نبوت کی شہادت دیتے ہیں۔	۶۹۳
حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رائے۔	۶۸۲	بادشاہِ روم کے دربار میں ذکر مصطفٰی۔	۶۹۳
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان کہ جو مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر فضیلت دے گا میں اُسے مفتری کی حد اسّی کوڑے لگاؤں گا۔	۶۸۲	تصرف اولیاء اور مظلومیت حسین۔	۶۹۵
حضرات شیخین اولین جنتی ہیں۔	۶۸۴	ہرقل کے پاس انبیاء کی تصاویر۔	۶۹۵
خیر الناس بعد رسول اللہ۔	۶۸۴	مقوقس کے دربار میں فرمانِ نبوی۔	۶۹۸
افضل الناس بعد رسول اللہ۔	۶۸۵	عبداللہ بن سلام کا واقعہ ایمان۔	۶۹۹
مولد ازکی فی الاسلام۔	۶۸۵	ہجرتِ حضرت عباس۔	۷۰۰
حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فرمان کہ میں تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیکیوں میں اسے ایک نیکی ہُوں۔	۶۸۶	سورۃ اذا جاء نصر اللہ کا نزول اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مرضِ وصال میں وصیت۔	۷۰۱
سیدنا صدیق کی سبقت کی چہار وجوہات۔	۶۸۶	مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری کا منظر۔	۷۰۱
حضرت صدیق کا تقدم	۶۸۶	نبی نجار کی لڑکیوں کی نغمہ سرائی۔	۷۰۲
حضرت علی کی مدح افراط و تفریط کا شکار	۶۸۶	حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور پچاس افراد ایمان لائے۔	۷۰۲
افضل الایمان۔	۶۸۷	چارپائے کلام کرتے ہیں۔	۷۰۳
شیخین کی افضلیت۔	۶۸۸	میرے بعد کوئی نبی نہیں۔	۷۰۶
رافضی اور خارجی نظریات۔	۶۸۸	تیس کذاب۔	۷۰۶
رافضی کی سزا۔	۶۸۹	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے بمنزلہ ہارون ہیں۔	۷۰۷
نصوصِ ختمِ نبوت۔	۶۸۹	فرمانِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ میں آخری نبی اور میر ی اُمت آخری اُمت۔	۷۰۹

تسہیل جمیل۔	۷۱۰	غنیہ الطالبین۔	۷۲۴
گیارہ تابعی۔	۷۱۱	تحفہ شرح منہاج۔	۷۲۵
اکاون صحابہ۔	۷۱۱	شرح فرائد۔	۷۲۶
نو صحابی۔	۷۱۱	مواہب شریف۔	۷۲۶
ختمِ نبوت پر دیوبندی عقیدہ۔	۷۱۲	امام نسفی۔	۷۲۷
قاسم نانوتوی کا عقیدہ۔	۷۱۳	تمہید ابو شکور سالمی۔	۷۲۷
صحابہ کرام اور ختمِ نبوت۔	۷۱۴	مولانا عبد العلی۔	۷۲۸
دیوبندی اور شیعہ عقائد میں مماثلت۔	۷۱۷	امام احمد قسطلانی۔	۷۲۸
منکران ختمِ نبوت پر علمائے اسلام کی گرفت۔	۷۱۷	سید کفریہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا۔	۷۳۰
علامہ تورپشتی۔	۷۱۷	منافق کو سید نہ کہو۔	۷۳۰
امام ابن حجر مکّی۔	۷۱۸	اہلبیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں۔	۷۳۱
فتاوی ہندیہ۔	۷۱۹	اہلبیت عذاب سے بری ہیں۔	۷۳۲
اعلام بقواطع الاسلام۔	۷۱۹	حضرت فاطمہ کی وجہ تسمیہ۔	۷۳۲
طائفہ قاسمیہ۔	۷۲۰	اہلبیت آگ میں نہیں جاسکتے۔	۷۳۲
فتاوٰی تاتارخانیہ۔	۷۲۱	شیخ اکبر اور اہلبیت۔	۷۳۶
شفا قاضی عیاض۔	۷۲۱	بد عقیدہ سید۔	۷۳۷
منکران ختمِ نبوت کے فرقے۔	۷۲۲	رافضی سید۔	۷۳۷
مجمع الانہر۔	۷۲۳	دلیل اول۔	۷۳۸
علامہ یوسف اُردبیلی۔	۷۲۳	دلیل دوم۔	۷۳۸
امام غزالی۔	۷۲۴	تقریظ جناب مولانا شیخ احمد مکی مدرس مکہ معظّمہ دام مجدہ۔	۷۳۹

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		وھو علی کل شیئ قدیر یہ ممکنات موجودہ معدومہ سب کو شامل واجب اور محال اس سے خارج ہیں۔	۳۲۰
آیت قرآنی میں "حتی یاتی امر اللہ" سے کیا مراد ہے۔	۱۴۲	انہ بکل شیئ علیم یہ کلیہ واجب، ممکن، قدیم، حادث، موجود، معدوم، مفروض، موہوم، ہر شیئ ور ہر مفہوم کو قطعا محیط ہے۔	۳۲۰
آیت کریمہ "اباللہ وآ یاتہ ورسولہ کنتم تستھزء ون" سے تین فائدے حاصل ہوتے ہیں۔	۱۷۲	کذب باری کے استحالہ پر آیۃ مبارک "وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا" سے امام رازی کا استدلال۔	۳۲۶
آیہ کریمہ "قد بدت البغضاء من فواھھم" سے دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔	۱۷۳	"من اصدق من اللہ قیلا" کی نفیس تقریر۔	۳۵۱
سورہ فاتحہ میں "الصراط المستقم" سے مراد کیا ہے۔	۲۰۹	امام واحدی نے آیۃ کریمہ "انك لا تخلف المیعاد" سے وعید کو خارج قرار دیا۔	۴۱۷
قرآن شریف کی ایک آیت کے مفہوم سے سوال او اس میں تھوڑا تغیر ہو جانے کا حکم۔	۲۶۷	اس شُبہہ کا ازالہ کہ اللہ تعالٰی نے اپنے ارشاد "بل اکثر ھم لا یعلمون" میں اکثر کفار سے نفی علم فرمائی سب سے نہیں۔	۵۳۲
اللہ خالق کل شیئ میں شے سے مراد حوادث ہیں۔	۳۱۴	متعدد آیاتِ کریمہ جن میں اکثر سے کُل مراد ہے۔	۵۳۲
انہ بکل شی بصیر مطلقًا موجودات کو شامل ہے۔	۳۱۴	آیت کریمہ "انکم وما تعبدون من دون اللہ الخ" کی تفسیر۔	۶۲۰
معدومات اس صفت سے خارج ہیں۔	۳۱۵		

"یدعون من دون اللہ" یقیناً مشرکین ہیں۔	۶۲۱	اگر ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زندہ رہتے تو نبی ہوتے (اس حدیث پر بحث)	۶۷۲
قرآن کریم نے اہل کتاب کو مشرکین سے جُدا کیا۔	۶۲۱	ایک حدیث سے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی افضیلت پر وہم اور اس کا ازالہ۔	۶۷۹
"یدعون من دون اللہ" میں انبیاء کرام خصوصاً مسیح علیہم الصلٰوۃ والتسلیم داخل نہیں۔	۶۲۲	**سیرۃ النبی**	
آیۃ کریمہ "اموات غیر احیاء" کی تفسیر کہ یہ بُتوں ہی پر صادق آتی ہے۔	۶۲۳	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسلمانوں کی جان سے بڑھ کر ان کے خیر خواہ اور ماں سے زیادہ ان پر مہربان ہیں۔	۶۰۷
آیہ کریمہ "وھم قد خُلقوا" بصیغہ ماضی کے بجائے "وھم یُخلقون" بصیغہ مضارع لانے کی حکمت۔	۶۲۴	سورۃ اذاجاء نصر اللہ کا نزول اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مرضِ وصال میں وصیت۔	۷۰۱
فوائد حدیثیہ		مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری کا منظر۔	۷۰۱
امام نووی اور ابن حجر نے احتلام جائز رکھا مگر ائمہ اعلام نے عموماً اس کو قولِ منکر قرار دیا۔	۱۵۶	**احکامِ مسجد**	
حدیث یاجوج ماجوج کی تاویلات۔	۱۵۷	مشرکین کو مسجد میں تعظیم اور اہتمام کے طور پر لے جانا حرام ہے، اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔	۲۷۱
یاجوج ماجوج کے اولادِ آدم ہونے کی بحث۔	۱۵۸	گمشدہ چیز کا مسجد میں تلاش کرنا منع ہے۔	۲۷۲
ایک حدیث شریف کے الفاظ کی تحقیق اور طرقِ روایت کی تفصیل۔	۱۶۰	**نماز**	
جنت کی مستی کو دُلھن کی وجہ سے تشبیہ دینا حدیث شریف میں وارد ہے۔	۲۸۴	شریعت رب العرش الکریم میں نماز حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے خیالِ باعظمت وجلال کے بغیر ناقص ہے۔	۲۰۵
حب الوطن من الایمان حدیث نہیں ہے۔	۲۹۶	التحیات میں نمازی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو اپنے دل میں حاضر جان کر سلام کرے۔	۲۰۶
احادیث کریمہ میں جو آیا ہے کہ "جاء اللہ من طور سینا" یہ متشابہ ہے۔	۳۳۰	نماز میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں سلام کرنے کے حکم کی حکمت۔	۲۰۶
حدیث بخاری "لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد" کی شرح۔	۶۲۵	ہر نماز کے آخر میں درود شریف پڑھنا سنت ہے بلکہ بعض ائمہ کے نزدیک فرض ہے۔	۲۰۸
حدیث شفاعت۔	۶۳۹	ہر رکعت میں الحمد پڑھنا ہمارے نزدیک امام ومنفرد پر واجب ہے۔	۲۰۸

غیر مقلدوں کے نزدیک تمام نمازیوں پر سورہ فاتحہ ہر رکعت میں فرض ہے۔	۲۰۸	**حضانت**	
قعدہ نماز میں شہادت کی انگلی اٹھانے کا جواز۔	۲۲۰	بچہ خیر الابوین کے تابع ہوتا ہے، مرزائی کے چھوٹے بچے ضرور اس کے قبضہ سے باہر نکال لینے چاہیئں۔	۵۹۲
امامت		**فوائد اصولیہ**	
جھُوٹی گواہی سے آدمی فاسق ہو جاتا ہے، اور قابل امام نہیں رہتا۔	۱۴۹	کھلے ہُوئے لفظوں میں عذرِ تاویل مسموع نہیں۔	۱۷۲
فاسق کی امام مکروہِ تحریمی ہے۔	۴۴۶	بے اعتقاد کچھ کہنا ہزل و سخریہ ہے۔	۱۷۲
نکاح		اپنے کفر کا اقرار کُفر ہے۔	۱۷۷
مسلمان عورت کا نکاح کافر سے کسی طرح جائز نہیں۔	۱۵۴	لزومِ کفر اور التزامِ کفر میں فرق ہے۔	۲۳۶
ٹوٹا نکاح خود بخود نہیں جڑتا دوبارہ عقد ضروری ہے۔	۲۹۳	اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔	۲۳۶
شوہر کے کُفر کرتے ہی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے بے توبہ و نکاح جدید قربت زنائے خالص ہے۔	۵۹۱	صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔	۲۴۶
اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح صحیح ہے۔	۶۲۱	قرآن عظیم کا خطاب صحابہ کرام سے ہے، بعد کے مسلمان تبعًا اس خطاب میں داخل ہیں۔	۲۶۸
مشرکہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح باطل ہے۔	۶۲۱	مطلق بول کر مقید مراد لینے پر قرینہ کی ضرورت پڑتی ہے۔	۲۹۵
مہر		قرینہ حالیہ بھی صحیح و درست ہے۔	۲۹۵
مرتد کی عورت کا مہر معجّل واجب الادا ہے اور مر جائے یا دارا الحرب سے ملحق ہو جائے تو مہر موجل بھی واجب الادا ہو گیا۔	۵۹۱	انبت الربیع البقل مسلمان قائل سے مجازی معنی میں متعین ہے۔	۲۹۵
طلاق		ایک کا اثبات توحید اور نفی عام تعطیل ہے۔	۲۹۵
سجدہ تعظیمی ادا کرنے والا عورت کو تین طلاق دے تو بغیر حلالہ دوبارہ نکاح نہیں کر سکتا۔	۱۵۴		

ممکن کا اثبات و نفی بغیر دلیل سمعی جائز نہیں۔	۳۳۶	آیاتِ وعید لقرینہ کرم مخصوص ہیں، دونوں تخصصوں کا فرق۔	۴۰۷
اصول عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ عقلی اور شرعی۔	۳۳۶	مقسم کا وجود قسم کے وجود کے بغیر محال ہے۔	۴۱۳
اسم تفضیل اگرچہ نفی مزیت کے لئے ہوتی ہیں۔	۳۵۱	جواز خلف وعید کا قول جواز شرعی اور امکان وقوعی میں ہے اس مضمون پر چار دلیلیں۔	۴۱۴
کسی چیز کا سلب بنفسہ کمال نہیں۔	۳۹۳	خلف وعید کے معنی عدم ایقاعِ وعید ہے۔	۴۲۲
عیوب و نقائص کا سلب اس وقت مدح میں داخل ہے کہ کسی صفت کمال کے ثبوت پر مبنی ہو۔	۳۹۳	تبدیلی قول اور تکذیب خبر نہیں۔	۴۲۲
صفت کمال حقیقۃً صدق ہے عدم کذب نہیں۔	۳۹۳	خلفِ وعید میں محلِ نزاع کی تحقیق۔	۴۲۴
معذوروں کو کذب پر قدرت نہ ہونا کمال کی بناء پر نہیں، عیب و نقصان کی بناپر ہے۔	۳۹۶	عام طور سے ائمہ اہلسنت میں مسائل اصولی ہیں بھی اختلاف نزاع لفظی کی حد تک رہتا ہے۔	۴۲۶
پتھر کا کذب پر قادر نہ ہونا عجز و نقص کی وجہ سے ہے اور باری تعالٰی کا ہنر و کمال کی وجہ سے، تو ایک کا دوسرے پر قیاس مع الفارق ہے۔	۳۹۶	مسائل اختلافیہ میں علمائے اہل سنت میں فریقین کا الزام اپنے معنٰی مراد کے لحاظ سے ہوتا ہے۔	۴۲۶
جس کا منہ بند کرلیں اس کا کذب ممتنع بالذات نہیں ممتنع بالغیر ہے۔	۳۹۸	الزام ہمیشہ ایسے امر سے دیا جاتا ہے جو متفق علیہ بین الفریقین ہو۔	۴۲۶
ممتنع بالغیر کا وقوع ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم ہے۔	۳۹۸	کفر لزومی اور التزامی کا فرق۔	۴۳۱
لازم قول قول نہیں ہوتا۔	۳۹۸	رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ ہر شخص کا اس کی باتوں پر مواخذہ ہوسکتا ہے۔	۴۶۸
ہر ممکن اور مقدور کی ذات کا سلب ممکن ہے۔	۴۰۲	عقائد حقہ کے اثبات میں جو دلیلیں دی جاتی ہیں لم ولا نسلم (کا اثر ان دلیلوں پر ہوتا ہے اصل عقیدہ پر نہیں۔	۴۷۰
خلف وعید امکان کذب کی فرع نہیں۔	۴۰۴	علماء کی تصریح کہ اعتماد قواعدِ اہل حق پر ہے، بحث اور نکتہ چینیوں کی کوئی سند نہیں۔	۴۷۱
محققین خلف وعید کے بھی قائل نہیں۔	۴۰۴	وجوب بالا ختیار اختیار کے منافی نہیں اور اختیار بالوجوب منافی اختیار ہے۔	۵۰۶
وعید میں انشائے تخویف ہے اخبار نہیں ہے۔	۴۰۶	عین کی نفی ضد کا ثبوت ہے۔	۵۲۲
وعید میں جو لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عموم پر دلالت کرتا ہے اس کی تخصیص جائز ہے۔	۴۰۷	وجود شیئ اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائص و منافیات کا نافی ہوتا ہے۔	۵۳۱
		لازم شیئ کے منافی کی موجودگی میں لازم موجود نہیں ہوسکتا۔	۵۳۱

شیئ کالازم موجود نہ ہو تو شے موجود نہیں ہو سکتی۔	۵۳۱	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کوا کھانے والے کو فاسق قرار دیا ہے۔	۵۲۶
سلب شیئ کے تین طریقے ہیں۔	۵۳۱	کوے کے حلال ہونے کے مارے میں گنگوہی کے قیاس و استدلال کارَد۔	۵۲۷
مفہوم لقب سے استدلال صحیح نہیں۔	۵۳۲	**رسم المفتی**	
جس کی سند متصل نہ ہو اس کا بیان کرنا حرام ہے۔	۵۵۷	محتاطین نے یزید علیہ ماعلیہ کی تکفیر سے سکوت اختیار کیا۔	۲۸۶
سند متصل کے حکم میں ہے۔	۵۵۹	فعل گناہ پر کسی کے کفر کا فتوی دینا جائز نہیں۔	۲۶۷
کتب ستہ مشہورہ معتبر و مستند ہیں۔	۵۵۹	امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا قتل کیا جائے۔	۳۰۱
صریح الفاظ میں تاویل قبول نہیں کی جاتی۔	۵۷۸	حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان کہ جو مجھے ابوبکر و وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر فضیلت دے گا میں اُسے مفتری کی حد اسی کوڑے لگاؤں گا۔	۶۸۲
محلِ مدح میں عام باتیں نہیں ذکر کی جاتیں۔	۵۷۰	**مناظرہ**	
فوائد فقہیہ		وہابیہ کا یہ خیال کہ اگر خدا جھوٹ نہ بولے تو عاجز ہوگا احمقانہ ہے کیونکہ جب بقول تمہارے سب عیب اس میں ہو سکتے ہیں تو معاذاللہ ایک یہ عجز بھی سہی۔	۳۷۴
بعض ان افعال کا بیان جو فقہاء کے نزدیک کفر ہیں۔	۱۰۷	امام وہابیہ کے قول پر اگر کذب کی نفی پر قدرت ضروری ہوگی تو اللہ نے اپنی ذات سے ظلم کی نفی کی تو ظلم قدرت ضروری ہوگی، اور ظلم کہتے ہیں ملک غیر میں بیجا تصرف کو، تو کچھ اشیاء کو ملک الٰہی سے خارج ماننا پڑے گا۔	۳۸۵
منت عرفی ہو یا اختراعی شرعی نہیں۔	۲۶۳	صدق و کذب میں انفصال حقیقی ہے، لہٰذا املائے دہلوی کے قول پر لازم کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کروڑوں برس جھوٹا رہ چکا ہے۔	۴۰۰
نذر شرعی کے عبادت ہونے میں اختلاف ہے۔	۲۶۳	اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہو تو کلامِ الٰہی کا کذب لازم آئے گا۔	۴۰۰
حنفیوں کا مذہب محقق کی بحث کے خلاف ہے۔	۴۸۵	ابو عمر بن العلاء اور عمر بن عبید کا مناظرہ اور اس سے اس امر پر استدلال کہ مدعیان خلف وعید امکانِ کذب کے قائل نہیں۔	۴۱۰

ملائے دہلوی کی دلیل پر معارضے۔	۴۵۴	توحید ایمان ہے، وحدۃ الوجود حق ہے، اتحاد الحاد ہے اور شیخ اکبر کی طرف اس کی نسبت کذب ہے۔	۲۸۲
مقدور العبد مقدور اللہ کی تقریر وہابیہ پر معارضہ۔	۴۶۱	فیض شیطانی محبوبوں کی بغض سے حاصل ہوتا ہے۔	۵۲۵
خصم الزامی دلیل قائم کرے تو فریق کو اپنے مسلمہ مقدمہ سے انکار کا یارا نہیں۔	۴۶۲	نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انقطاعِ سلسلہ بغض مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوتا ہے۔	۵۲۵
بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریاتِ دین کا اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں جس میں کچھ گنجائش دست و پا زدن ہو۔	۶۱۲	**اسماءُ الرجال**	
ذبائح		ثعلبی حاطب اللیل ہیں۔	۱۵۶
اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے۔	۶۲۱	حضرت کعب احبار صاحب اسرائیلیات ہیں۔	۱۵۶
مشرک کا ذبیحہ مردار ہے۔	۶۲۱	جرح و تعدیل	
تصوف		یاجوج ماجوج کے احتلام سید آدم علیہ السلام سے بننے کی روایت صحیح نہیں۔	۱۵۶
حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمۃ کا قول کہ تصور صورتِ شیخ سے غافل نہ ہو۔	۲۰۵	**تاریخ وتذکرہ**	
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا مکتوب نمبر ۳۰ اور اس کا ترجمہ۔	۲۱۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے مصنف علیہ الرحمۃ کی ڈیوٹی۔	۸۷
تصورِ شیخ کی دولت سعادتمندوں کو ملتی ہے۔	۲۱۸	امر دین کے علاوہ مصنف علیہ الرحمہ پر جتنے ذاتی حملے ہوتے رہے انھوں نے کبھی اس کی پروانہیں کی۔	۸۸
تمام احوال میں شیخ کو اپنا متوسط کو ملتی ہے۔	۲۱۸	مصنف علیہ الرحمۃ کا فرمان کہ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزت سرکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی۔	۸۸
نماز وغیرہ ہر حال میں اسکی طرف متوجہ رہنا۔	۲۱۸	مصنف علیہ الرحمۃ کا س پر اظہار مسرت کہ گستاخانِ رسول جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے اور بُرا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بدگوئی اور منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں۔	۸۸

جعلی اور وہابیوں کی طرف سے من گھڑت کتابوں کا جدول جو انھوں نے اعلحضرت اور ان کے والد ماجد قدست اسرارہم اور سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کیں۔	۹۰	مجنوں نبی عامر اولیاء اللہ سے تھا، لیلٰی جنون سے اس نے اپنے آپ کو چھپا رکھا تھا۔	۳۰۶
جدول میں مذکور کتابوں اور ان کے جعلی مطابع کا جہان بھر میں کہیں وجود نہیں۔	۹۱	حجرت شبی سے کسی نے پُوچھا سلمٰی کی خبر دینے والا کوئی ہے، انھوں نے فرمایا دارین میں اس کی خبر دینے والا کوئی نہیں ہے۔	۳۰۶
اعلحضرت علیہ الرحمۃ کی طرف سے مولوی اشرفعلی تھانوی کو ۱۳۲۹ھ میں تحریر کردہ تاریخ خط جس میں آپ نے اتمام حجت کرتے ہوئے گستاخانہ عقائد وعبادات پر مناظرہ کی آخری دعوت دی۔	۹۷	ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے بویا۔	۵۲۱
موجودہ ساری دنیا حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہے۔	۱۵۶	قادیانیوں نے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھپوایا جس میں علمائے حق کو گالیاں دینے کے بعد مناظرہ کا چیلنج کیا گیا جس کے جواب میں رسالہ "ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری" کا اجرا ہوا جو دو عددوں پر مشتمل ہے۔	۵۹۲
روضہ انور کے پاس اونچی آواز سے بولنے والے کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ڈانٹ۔	۱۶۹	حضرت عزیر علیہ السلام کو بعد موت اللہ تعالٰی نے زندہ فرمایا۔	۶۱۳
یہ بات جھوٹ ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تُو خانہ کعبہ میں داخل ہو جا اور وہاں بچہ جَن۔	۱۹۳	چاروں طائر انِ خلیل علیہ السلام مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے۔	۶۱۳
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اور اُن کے بارہ اساتذہ حدیث "ناد علی" کی سندیں لیتے، اجازتیں دیتے اور وظیفہ کرتے تھے۔	۲۱۷	مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت۔	۶۴۴
حاکم مکہ کے حکم سے علماء حرمین شریفین اور وہابی مولویوں کے درمیان مناظرہ کی کیفیت۔	۲۳۳	فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گستاخ رسول کو طمانچہ مارا۔	۶۶۱
حضور کے وصال کے بعد بعض نام کے صحابہ مرتد ہوگئے تھے۔	۲۶۸	حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال بچپن میں ہوا۔	۶۷۱
مذاہب کی کثرت اور گمراہیوں کے شیوع نے موجودہ علم کلام کی بِنا ڈالی۔	۴۷۰	مسیلمہ خبیث کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنھوں نے زمانہ کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا، وہ فرمایا کرتے "قتلت خیر الناس و شر الناس" میں نے بہتر شخص کو شہید کیا پھر سب سے بدتر کو مارا۔	۶۷۵

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت۔	۶۷۷	آٹھ آیاتِ کریمہ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے ملایا۔	۱۶۹
بادشاہ روم کے دربار میں ذکر مصطفی۔	۶۸۳	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُمّی ہونا حضور کے لئے معجزہ ہے۔	۱۹۵
ہرقل کے پاس انبیا کی تصاویر۔	۶۹۵	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت تو رفیع الدرجات ذوالعرش جل وعلا کی بنائی ہوئی ہے، کسی کافر یا کافر منش کے مٹائے سے نہ مٹے گی۔	۲۰۵
مقوقس کے دربار میں فرمانِ نبوی۔	۶۹۸	خالص نماز میں حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر و تکریم کا حکم صریح ہے۔	۲۰۶
عبداللہ بن سلام کا واقعہ ایمان۔	۶۹۹	حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کبھی اللہ تعالیٰ کے دربار سے جُدا نہیں ہوتے۔	۲۰۶
ہجرت حضرت عباس۔	۷۰۰	درود شریف میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خیال با عظمت وجلال سے انفکاک ممکن نہیں۔	۲۰۸
حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ فرمائی اور پچاس افراد ایمان لائے۔	۷۰۲	قرآن کی سُورتیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت، ذکر، یاد اور تعظیم وتکریم سے گونج رہی ہیں۔	۲۱۰
فضائل ومناقب		عبادتِ تلاوت بے تصور عظمت سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقصور نہیں۔	۲۱۰
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے جمیع ماکان ومایکون کا تفصیلی علم عطا فرمایا۔	۷۴	مکہ مرمہ کو ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام ن اور مدینہ منورہ کو محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم بنایا۔	۲۱۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیاء احتلام سے پاک ہیں، یہ کہنا کہ انھیں احتلام ہوا کلمہ شنیعہ ہے۔	۱۵۵	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مکہ ومدینہ کے گرد نواح کے جنگل کا ادب کیا جائے۔	۲۱۵
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شاہد ہیں اور شاہد کو مشاہد درکار۔	۱۶۸	حضرت مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم اور اہلبیت کرام سے تکوینی امور وابستہ ہیں۔	۲۱۶
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام دنیا کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھتے ہیں۔	۱۶۸	حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جبت کرنے والے کا حکم۔	۲۳۵
دین وایمان محمد رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا نام ہے۔	۱۶۸		

رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عروسِ مملکۃ اللہ کہنے کا اقوالِ علماء سے ثبوت۔	۲۸۵	انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات "احیاء غیر اموات" ہیں نہ کہ "اموات غیر احیاء"۔	۶۲۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام ملک وملکوت پر اللہ تعالٰی کے نائب مطلق ہیں۔	۲۸۷	قرآن وحدیث دونوں ایمانِ مومن ہیں۔	۶۳۲
سورۃ الرحمٰن کے لئے حدیث میں لفظ عروس (دُلھن) آیا ہے۔	۲۸۷	احادیث کا تکرار دلوں میں ایمان کی جڑ جماتا ہے۔	۶۳۲
روزانہ ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار شام کے وقت روضہ اطہر کے گرد حاضر ہو کر صلوۃ وسلام عرض کرتے ہیں۔	۲۹۰	ذکر محبوب راحت قلوب ہے۔	۶۳۳
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ستر ہزار فرشتوں کے جھرمٹ میں نئی دلھن کی طرح رب کے حضور حاضر ہوں گے۔	۲۹۰	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دروازہ جنت۔	۶۳۴
رسولِ خدا کا چہرہ دیکھ کر ایمان لانے والوں نے کہا جھوٹے کا چہرہ نہیں تو باری تعالٰی کے وجہ کریم پر امکانِ کذب کی تہمت بہتانِ عظیم ہے۔	۳۵۱	خاتم الانبیاء کی بشارت۔	۶۳۵
وصف کریم رحمۃ للعٰلمین مسلمانوں کے نزدیک حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔	۲۲۵	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فیصلہ کہ محمد رسول اللہ تمام نبیوں سے افضل ہیں۔	۶۳۸
رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔	۵۲۲	توراۃ میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام حبیب الرحمٰن ہے۔	۶۳۸
مجلس میلاد مبارک کی نسبت مبشرات۔	۵۲۲	سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلق میں اول الانبیاء اور بعثت میں آخر الانبیاء ہیں۔	۶۳۸
عظمت دینی رکھنے والوں کے مراتب۔	۵۶۱	بشارتِ میلاد الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۴۱
بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ کی تعظیم ہے۔	۵۶۱	سیدنا سعید بن زید عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔	۶۴۲
قرآن عظیم میں رسول کے مبعوث کرنے کا مقصد رسول اللہ کی تعظیم بھی قرار دی ئی ہے۔	۵۶۲	حضرت زید بن عمرو بن نفیل کے لئے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُعائے رحمت اور جنتی ہونے کی خبر۔	۶۴۳
انبیاء کا علی الاطلاق افضل ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔	۵۸۴	میلادالنبی پر خاص تارے کا طلوع۔	۶۴۴
اللہ پاک نے عیسٰی علیہ السلام کے معجزات پر ان کی مدح فرمائی۔	۵۸۵	اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۶۴۷
انبیاء کرام اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔	۶۱۳	خصائص مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	۶۴۸
حضرت مسیح رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے مشہور اوصاف جو قرآن نے بیان کیے۔	۶۱۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت تمام امتوں سے شمار میں روزِ قیامت زائد ہوگی کہ اہل جنت کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفوں میں سے اسی ۸۰ آپ کی اُمت کی اور چالیس ۴۰ صفیں باقی تمام امتوں کی ہوں گی۔	۶۴۹

تمام چھوٹی بڑی نعمتیں سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بٹتی ہیں۔	۶۵۵	**عقائد و کلام**	
ھوالاول والاٰخر والظاھر والباطن۔	۶۶۰	علماء کی توہین کفر ہے۔	۷۳
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی اور آپ کی اُمت سے پہلے کوئی امت جنت میں نہیں جاسکتی۔	۶۶۱	ساری مخلوقات کے علم کو علمِ الٰہی سے وُہ نسبت بھی نہیں جو قطرے کے کروڑویں حصّہ کو سمندر سے ہے۔	۷۴
اللہ تعالٰی نے آفرینشِ آدم علیہ السلام سے دو ہزار بر قبل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا نام مبارک اپنے نام کے ساتھ ملا کر عرش پر لکھا اور جبرئیل علیہ السلام کو درود بھیجنے کا حکم دیا۔	۶۶۳	معراج جسمانی حق و صحیح ہے۔	۷۴
اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر نبی ہوتے۔	۶۷۱	"شرع محمدی کا فیصلہ قبول نہیں، رواج و قانون منظور ہے" یہ فقرہ کفر ہے۔	۷۵
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صدیق اکبر ہیں، اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ صدیق اصغر۔	۶۸۰	کلمہ کفر بولنے میں علماء نے زبان کی لغزش کا عذر قبول نہیں کیا۔	۸۰
حضرات شیخین اولین جنتی ہیں۔	۶۸۴	کفر کو اچھا سمجھنا کفر ہے۔	۸۳
سیدنا صدیق کی سبقت کی چہار وجوہات۔	۶۸۶	رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام اقدس تعظیم سے لینا فرض ہے۔	۹۹
حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے بمنزلہ ہارون ہیں۔	۷۰۷	ترک تعظیم کے طور پر خالی رسول رسول کہنا کفر ہے اور بلا ضرورت ہو تو برکات سے محرومی۔	۹۹
فرمانِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ میں آخری نبی اور میری اُمت آخری اُمت۔	۷۰۹	کفر کی محفلوں میں جو برضا و رغبت شریک ہو کافر ہوگیا اور باکراہ شرعی ہو تو معذور ہے۔	۱۰۰
اہلبیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں۔	۷۳۱	مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ و رسول سے زیادہ کوئی ہماری بھائی چاہنے والا نہیں۔	۱۰۵
شہادت		اللہ واحد قہار اس دین کا حافظ و ناصر ہے۔	۱۴۴
جھوٹی گواہی پر حدیث شریف کی وعید شدید۔	۱۴۹	غیب کا علم اللہ تعالٰی کو ہے پھر اس کی عطاء سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو۔	۱۴۳
		اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کے جان و مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں۔	۱۴۳

"نماز پڑھنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں" کلمہ کفر ہے۔	۱۴۹	اہلسنت وجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مکان اور فوق وتحت متصور نہیں۔	۱۷۹
"جھوٹ بولا تو کیا بُرا کیا" کلمہ کفر ہے۔	۱۵۰	اہل حق کے نزدیک تمام صفات کمالیہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا شریک وہمسر محال ہے۔	۱۸۰
اولیاء سے استمداد جائز ہے۔	۱۵۴	علیہ الصلوۃ والسلام کا شریک وہمسر محال ہے۔	۱۸۰
امام الحرمین اور امام محمد جوینی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کو کفر قرار دیا ہے۔	۱۵۸	حضرات انبیاء علیہم افضل الصلوۃ والثناء اور اللہ تعالٰی کا کذب ممکن ماننے والا بالاتفاق اور بالاجماع کافر ہے۔	۱۸۱
جن لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احتلام ہونے کی بات کی اور اس پر اصرار کیا تجدید ایمان ونکاح کریں۔	۱۵۹	گونگے کا بولنا نہ محال بالذات، نہ ممتنع بالغیر، نہ محال عقلی، نہ محال شرعی بلکہ صرف محال عادی ہے۔	۱۸۲
توہین عالم دین بوجہ علم دین کفر ہے ورنہ گناہ کبیرہ ہے۔	۱۶۳	انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو وحی الٰہی باطنی طور پر آتی ہے۔ جس کو نفث فی الروع کہتے ہیں۔	۱۹۲
ڈاڑھی کا مذاق اڑانے والوں پر توبہ تجدید نکاح ضروری۔	۱۶۳	اگر کوئی اپنے پر وحی کے نزول کا دعوی کرے تو کافر ہے اگرچہ نبوت کا دعوی نہ کرے۔	۱۹۲
برادرانِ یوسف علیہ السلام کے بارے میں نبی ہونے نہ ہونے کے دونوں قول ہیں۔ اسلئے ان کی بے ادبی یا حرام ہے یا کفر۔	۱۶۴	احکامِ شرعیہ کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔	۱۹۳
امت کے تمام افعال واقوال واعمال حضور کے سامنے ہیں۔	۱۶۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا خیال مسلمان کو جب بھی آئے گا عظمت وجلال کے ساتھ ہی آئیگا۔	۲۰۶
کلمہ پڑھنے کے باوجود رسول کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔	۱۷۲	اولیاء کرام دنیا میں تصرف کرتے ہیں اور بعد وفات بھی۔	۲۱۶
بغیر اکراہِ شرعی زبان سے گستاخی کرنے والا کافر ہوگا اگرچہ دل میں اس گستاخی کا معتقد نہ ہو۔	۱۷۲	کمال وسعتِ علم اولیاء۔	۲۱۶
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دینا ومافیہا سے بڑھ کر محبوب مانے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔	۱۷۴	کلمہ کفر بولنے والا اس پر راضی ہونے والا دونوں کو کافر کہا جائے گا۔	۲۲۹
تمام اُمت کو کافر ماننا کفر ہے۔	۱۸۷	ملحد تمام فرقِ کفر کو شامل ہے۔	۲۳۳
علمِ الٰہی کو لازم وضروری نہ جاننا اور اس کے جہل کو ممکن ماننا کُفر ہے۔	۱۷۸		

وہابی خارجی ہیں اور خارجیوں کی تکفیر اس بناء پر لازم ہے کہ وُہ تمام اُمت مسلمہ کا کافر کہتے ہیں۔	۲۳۵	اتحاد و حلول کا عقیدہ کفر ہے۔	۳۳۰
اللہ تعالٰی سے ہمکلامی انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام اور ملائکہ کے ساتھ مختص ہے۔	۲۴۴	اللہ تعالٰی کے افعال علت و غرض سے خالی ہیں پر مصالح سے مملو ہیں۔	۳۰۹
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ساتھ کفر کا حکم خود کفر ہے۔	۲۴۵	سمع و بصر کے شامالات میں اختلاف علماء کا بیان۔ (حاشیہ)	۳۱۵
غیر نبی کو نبی بنانا کفرِ صریح ہے۔	۲۴۸	جو شیئ کسی صفت کے احاطہ سے خارج ہے اس میں قصور اس شیئ کا ہے۔ معاذاللہ صفتِ باری کا کوئی نقصان ہیں۔	۳۲۲
حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ادنی گُستاخی کُفر ہے۔	۲۴۹	محال شیئ ہے ہی نہیں کہ کہا جائے کہ ایک شے عموم قدرت الٰہیہ سے رہ گئی۔	۳۲۲
جو اپنے کفر کا اقرار کرے وُہ کافر ہے۔	۲۵۱	صفاتِ الٰہیہ صفتِ کمال ہیں معاذ اللہ صفات عیب و نقصان نہیں۔	۳۲۲
تمام اُمت کو کافر قرار دینا کفر ہے۔	۲۵۳	معتزلہ اور متکلمین کا اجماع کہ کذب الٰہی محال ہے۔	۳۲۵
ڈاڑھی منڈانے کو سنت کہنا کفر ہے۔	۲۶۶	باتفاقِ اشاعرہ وغیر اشاعرہ نقص باری تعالٰی پر محال ہے۔	۳۲۶
ڈاڑھی کے وجوب کے انکار کے طور پر یہ کہنا کہ "یہ سنت ہے" گمراہی ہے کفر نہیں ہے۔	۲۶۶	اللہ تعالٰی اپنے وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے پاک ہے۔ (تفسیر کبیر)	۳۲۶
مصحف شریف کا اعاظم صحابہ سے افضل ہونا قطعی نہیں۔	۲۷۰	اللہ تعالٰی کا عیوب سے پاک ہونا امر عقلی ہے۔	۳۳۳
فرعون کو مومن کہنا اور اس کے ایمان کو مومنوں کے ایمان سے زیادہ بتانا کفر ہے۔	۲۷۲	مذکورہ بالا اصل پر فلاسفہ کی چند غلط تفریعات۔	۳۳۳
ماکان ومایکون کی تشریح۔	۲۷۴	اللہ تعالٰی کا کذب سے پاک ہونا ضروریات دینیہ سے ہے۔	۳۳۴
حلول و اتحاد سے متعلق ایک سوال۔	۲۸۰،۲۷۶	ہر ممکن مقدور ہے۔	۳۳۵
زم کفر فی الحال کفر ہے۔	۲۹۳	ارادہ الٰہیہ امر غیب ہے۔	۳۳۵
لا الٰہ کے معنی غیر خدا کی الوہیت کی نفی ہے مطلقًا الُوہیت کی نفی نہیں ہے۔	۲۹۳	تکوین وغیرہ صفاتِ الٰہیہ ازلی ہیں۔	۳۳۵
جس نے لا الٰہ الا اللہ کہنا چاہا اور صرف لا الٰہ کہہ سکا کافر نہ ہُوا۔	۲۹۵	کلام اللہ کا صدور اللہ تعالٰی سے علی وجہ الاختیار نہیں ہے۔	۳۶۵

باری تعالٰی کے لئے کوئی حالتِ منتظرہ نہیں، تو اگر کذب ممکن ہو تو بالفعل ہوگا۔	۳۴۶	کلام الٰہی مقتضائے ذات ہے۔	۴۰۲
صدق صفت الٰہی قائم بذاتہ تعالٰی ہے اور صفات مقتضائے ذات اور مقتضائے ذات میں تغیر محال۔	۳۴۷	حضرات انبیاء پر امور تبلیغی پر کذب جائز ماننے والا قطعًا کافر ہے۔	۴۲۰
کذب الٰہی عیب نہ ہو تو کمال بھی نہیں اور باری تعالٰی کے لئے ایسی چیز کا ثبوت جو کمال نہ ہو محال ہے۔	۳۴۹	مسئلہ ایمان میں ائمہ کے اختلاف کا بیان اور محلِ نزاع کی تعیین سے تمثیل۔	۴۲۶
صفات باری کی معرفت افعالِ باری سے ہوتی ہے۔	۳۷۱	جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔	۴۳۱
افعال باری سے صرف انھیں صفات کمال پر استدلال ممکن جن کو خلق و تکوین سے علاقہ ہے باقی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ پر استدلال نہیں۔	۳۷۱	بہشتیوں کو جہنم میں بھیجنا علماء ماتریدیہ کے نزدیک عقلًا محال مستلزم نقص علی اللہ ہے۔	۴۳۶
تمام صفات ثبوتیہ اور سلبیہ پر استدلال نہیں۔	۳۷۱	عقیدہ کفریہ کی تصویب کُفر ہے۔	۴۴۲
تمام صفات الٰہیہ کا ثبوت دلیل سمعیہ سے نہیں۔	۳۷۱	مقدور العبد مقدور اللہ کی تشریح۔	۴۵۸
اللہ تعالٰی کے عیب سے پاک ہونے پر اہل اسلام کا اجماع ہے، اگر عیب سے ملوث مان لیا جائے تو وہ اجماع مقدوح ہوگا۔	۳۷۲	جہل مرکب علی اللہ کے قبائح۔	۴۵۹
صفاتِ کمالیہ کا اختیاری نہ ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔	۳۷۷	اعتقاد وہی رکھنا چاہئے جو جمہور اہل حق کا عقیدہ ہو۔	۴۶۸
قرآن عظیم کے غیر مخلوق ہونے پر ائمہ اسلام کے ۳۲ ارشادات۔	۳۸۰	اہل حق اہل السنۃ ہیں، ان کے نزدیک بندوں کے لئے قدرت کا سبہ ہے قدرتِ خالقہ نہیں ہے۔	۴۹۴
اہلسنت وجماعت کا اجماع قطعی کہ اللہ تعالٰی ظلم پر قادر نہیں۔	۳۸۶	جبر و تفویض کے بیچ میں مذہب حق ہے۔	۵۰۹
صفات کے درجاتِ مختلفہ۔	۳۹۱	علم تقدیر کے احکام۔	۵۱۰
جو شخص کذب کے تکلم کا عزم کر چکا نہ کرے تب بھی کلام نفسی میں کاذب ہو چکا ہے۔	۳۹۴	علم شیطان کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے زائد ماننا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علمِ غیب کو پاگل، چوپایہ اور ہر جانور سا کہنا کفر وارتداد ہے۔	۵۲۰
احرس وجماد کا امتناعِ کذب بھی محال بالذات نہیں۔	۳۹۸	امتی کا مثل نبی ہونا بداہۃً محال ہے۔	۵۲۲
افعالِ الٰہی معلل نہیں ہیں۔	۴۰۱	کفار کا اقرار باللہ ان کے جہل باللہ کے منافی نہیں۔	۵۳۲

مختلف بدمذہبوں کے خدا کے بارے میں عقائد۔	۵۳۴	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا محال و باطل جاننا فرض اجل وجزءِ ایقان ہے۔	۶۳۰
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کسی جدید نبی کی بعثت محال ہے۔	۵۷۸	قرآن کی نصِ قطعی کا منکر اور اس میں شبہہ کرنیوالا طعون مخلد فی النیران ہے اور اس کے کفر میں توقف میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔	۶۳۰
ایک رسول کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔	۵۸۹	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح اقدس ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہے۔	۶۵۴
حیات وفات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا مسئلہ فرعی اور مختلف فیہ ہے۔	۶۱۲	ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے۔	۶۷۸
نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔	۶۱۳	**ردبدمذہبان**	
وفات سے نزول کا ممتنع ہونا لازم نہیں آتا۔	۶۱۳	تفضیلیہ گمراہ ہیں۔	۷۳
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت محض ایک آن کو تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہوتی ہے۔	۶۱۳	رافضی اہلسنت کو خارجی کہتے ہیں۔	۷۳
بعض افراد کا موت کے بعد دنیا میں پھر آنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔	۶۱۳	مراسم اہلسنت سے انکار کرنا وہابیہ کا شعار ہے۔	۷۴
کفار تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔	۶۲۱	مولوی اشرفعلی کا عُجبِ نفس۔	۸۳
مسلمانوں کے سخت ترین دشمن یہودی اور مشرک ہیں۔	۶۲۲	مولوی اشرفعلی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم کو جانوروں، پاگلوں، بچوں کے علم سے تشبیہ دی جس پر علمائے حرمین شریفین نے انھیں کافر کہا۔	۸۴
ایک وقت آئے گا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پائیں گے۔	۶۲۴	مولوی ثناء اللہ امرتسری ممکن وموجود میں فرق نہ جان سکے، مقدوراتِ الٰہیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا اور علم الٰہی کے ام محدود ہونے میں اپنے آپ کو متوسل بتایا۔	۸۸
روزِ قیامت ملائکہ کو بھی موت ہے۔	۶۲۴	جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بے دینی ظاہر ہونے پر مہمان کے آگے سے کھانا اٹھو کر اس کو نکال دیا۔	۱۰۶
نبوت اور جُھوٹ کا اجتماع محال ہے۔	۶۲۶	سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بدمذہب کے سلام کو جواب نہ دیا۔	۱۰۶
ہر نبی کی تکذیب کُفر ہے۔	۶۲۶	سعید ابن جبیر نے بدمذہب کی بات سننے سے انکار کر دیا۔	۱۰۶

امام محمد ابن سیرین نے بد مذہبوں سے قرآن و حدیث سُننا گوارا نہ کیا۔	۱۰۶	وہابیہ کے بارے میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا تبصرہ۔	۲۳۴
تقویۃ الایمان کفر و بے دینی کے کلمات پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا حرام ہے۔	۱۶۵	امام الوہابیہ کا حال یزید پلید جیسا ہے۔	۲۳۶
صحیح بخاری سے وہابیوں کو قرن الشیطان ہونا ثابت ہے۔	۱۷۴	بلا شُبہہ گروہِ مذکور (وہابیہ غیر مقلدین) اور اس کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیرہ قطعًا کفر لازم ہے۔	۲۴۰
جماہیر فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق وہابیہ پر حکمِ کفر ثابت ہوتا ہے۔	۱۷۶	رافضیوں کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔	۲۴۹
امام الوہابیہ کو خود اپنے اقرار سے کافر ہونا۔	۱۷۷	وہابیہ کے اس دروغ کا رد کہ اللہ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو عاجز ٹھہرے گا۔	۳۲۲
سب وہابیاں کا اپنے امام کی تصریح سے کافر ہونا۔	۱۷۷	امکانِ کذب پر اسمٰعیل دہلوی کا استدلال۔	۳۶۲
علمائے کرام وفقہائے عظام کی صریح تصریح سے وہابیاں اور ان کے امام پر لزومِ کفر کی وجوہ۔	۱۷۷	اسمٰعیل کے بے لگامیوں پر پینتیس [۳۵] تازیانے۔	۳۷۰
اپنے پیرجی کا عیب چُھپانے کے لئے امام الوہابیہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ گستاخانہ تشبیہ دی۔	۱۹۵	وہابیہ اللہ تعالٰی کو حق سبحانہ بھی کہتے ہیں اور اس میں دُنیا بھر کے عیب بھی مانتے ہیں۔	۳۷۳
اسمٰعیل دہلوی نے جو کلمات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں کہے اس کی نظیر کُھلے کافروں کی کتابوں میں بھی نہیں ملتی۔	۲۰۱	وہابی اپنا کہا نہیں سمجھتے۔	۳۹۲
دو ایک کے سوا کسی سُورت کا نماز میں پڑھنا وہابیہ کے وبائی شرک سے نہ بچے گا۔	۲۰۹	وہابی روافض سے زیادہ تقیہ کرتے ہیں۔	۳۹۲
دہلوی مُلا کے یہاں کفریات کے سات کلیے۔	۲۱۰	صاحب "براہین" نے خلفِ وعید کے معنی جو امکانِ کذب مراد لئے سارے علمائے اسلام اس کیا رد کرتے ہیں۔	۴۱۳
خواہ امام الوہابیہ کی طرف سے کشفِ اولیاء کا اقرار۔	۲۲۶	رشید احمد گنگوہی پر لزوم کفر کی تین وجہیں۔	۴۴۲
وہابیہ فرقہ ظاہر یہ ہے جن کو ظاہر احادیث پر عمل کا بڑا دعوی ہے۔	۲۳۰	اللہ کے کلام کی طرف کذب کرنے میں وہابیہ تمام گمراہوں سے آگے ہیں۔	۴۶۸
سب وہابیہ کا کفریہ علامہ قدیمہ۔	۲۳۴	ابن عبد الوہاب کے کفر عام آشکار ہیں، اکابر عرب و عجم نے اسکی تکفیر میں کتابیں لکھیں۔	۵۲۰
وہابیہ فرقے کے معلم اول اور معلم ثانی نیز اس فرقے کی وجہ تسمیہ کا بیان۔	۲۳۴		

جہل باللہ میں نرے دہریوں کے بعد سب سے بھاری حصہ وہابیوں، اسمٰعیلیوں خصوصًا دیوبندی کا ہے۔	۵۵۳	کذب وصدق حقیقۃً وصفِ معنی ہے عبارت کی صفت نہیں۔	۳۴۴
کفریاتِ مرزا۔	۵۷۵	صدق قول کلی مشکک نہیں، ہاں دو بات میں تشکیک ہے وقعت وقبول اور احتمال کذب۔	۳۵۲
مرتد قادیانی جیسے مکذب قرآن اور دشمن انبیاء کو امامِ وقت، مہدی اور مسیح ماننے والے نیز اس کی تکفیر نہ کرنیوالے اندھے ہیں۔	۶۰۸	صدق میں قائل کے اعتبار سے تشکک اور اس کے درجات ہفتگانہ کا بیان۔	۳۵۶
قادیانی صدہا وجہ سے منکرِ ضروریات دین تھا۔	۶۱۲	اِن اثبات نہ لِمِ ثبوت۔	۳۵۹
مشرک اور قادیانی کے نظریہ کا قرآن مجید سے رَد۔	۶۱۳	الوہیت اور عیوب میں تناقض ہے۔	۳۷۳
قادیانی مرتد کے اکھٹے چار سو بلکہ کروڑوں کفر۔	۶۸۸	قضیہ منفصلہ کے مقدم اور تالی میں جو دوصفت مدح و ذم محمول ہوں، تو موضوع ہونے کی صلاحیت انھیں افراد میں ہو گی جن سے ایک وصف کی نفی دوسرے کے صدق کی مقتضی ہو، اور جو فرد اس کی صلاحیت نہ رکھے وُہ موضوع میں مندرج ہی نہیں۔	۳۹۴
رافضی اور خارجی نظریات۔	۶۸۸	انسان مرتبہ عقل بالملکہ میں قضیہ کی ترکیب پر قادر ہے،	۳۹۵
دیوبندی اور شیعہ عقائد میں مماثلت۔	۷۱۷	مرتبہ عقل ہیولانی میں تعقل قضایا غیر معقول۔	۳۹۵
منطق		خبر میں صدق وکذب کا اعتبار حکایت سے ہوتا ہے، پاگل کا قول خبر نہیں۔	۳۹۶
حضور کی عظمت کو تصور ان کے پاک مبارک تصور کو لازم بین بالمعنی الاخص ہے۔	۲۰۶	مجوزین خلف وعید کے نزدیک عفو مغفرت اور خلف وعید میں نسبت تساوی ہے۔	۴۱۲
کلمہ طیبہ میں نفی عام مراد لینے سے صاف تناقض لازم آئے گا کہ سالبہ کلیہ اور موجبہ جزئیہ باہم نقیض ہیں۔	۲۹۳	تبدیل قول وتکذیب خبر وعفو میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۴۱۳
کلمہ طیبہ میں دو۲ حکم نہیں حکم صرف ایک ہے۔	۲۹۵	متساویین میں ایک کا صدق دوسرے کے صدق کو مستلزم ہے۔	۴۲۰
لاوالا تعبیر ہے معبر مفرد کلی بمرتبہ لابشرط شیئ فارغ کردہ از مستثنٰی بمرتبہ بشرط لاشیئ ہے۔	۲۹۵	عفو وخلف میں تساوی نہ ہو تو عام خاص مطلقًا ضرور ہوگا۔	۴۲۱
انفصال حقیقی کا ارتفاع، ارتفاع نقیضین کی طرح ہے۔	۳۴۳	ہر ممتنع بالغیر ممتنع بالذات کو مستلزم لیکن خود ممکن بالذات ہی رہے گا اور محال بالذات کے امکان کو بھی مستلزم نہ ہوگا۔	۴۳۹

کذب و صدق میں منافات حقیقی ہے جس کا کذب ممکن ہو گا صدق ضروری نہ رہے گا۔	۴۵۳	ہندی میں لفظ "ہر" معبودِ برحق کو بولتے ہیں۔	۳۰۶
ایجاب وسلب متناقض ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔	۵۳۱	"ہر" اور "ایشور" ہندی میں معبود برحق کے اسماء میں سے ہیں اور ان کے معنی میں کوئی قباحت نہیں	۳۰۷
سلب جزئی سلب کلی کو لازم ہے نہ کہ اس کے منافی ہے۔	۵۳۲	رام کے معنے رمنے اور حلول کرنے کے آتے ہیں، اور یہ غلط ہے۔	۳۰۷
ایجاب جُزئی نقیض سلب کُلی ہے۔	۶۲۴	سیام کنھیا کا لقب ہے اس کا اسم نہیں۔	۳۰۷
"اَمْوَات" قضیہ دائمہ مطلقہ نہیں بلکہ مطلقہ عامہ ہے۔	۶۲۴	**ترغیب وترہیب**	
عکس نقیض فقہیہ کو لازم ہوتا ہے۔	۶۵۶	قرآن عظیم میں وطن کی محبت کو چھوڑ کر اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرنے کی تعریف اور وطن کی محبت دل میں لئے رہنے اور ہجرت نہ کرنے کی مذمت۔	۲۹۶
قضیہ شرطیہ کو وقوع لازم نہیں۔	۶۷۶	کلمات نصیحت آمیز وخیر خواہی۔	۳۵۹
فلسفہ		دنیا جو اللہ کے لئے نہ ہو ملعون ہے۔	۵۶۳
تسلسل اعتباریات میں مبدا میں محال ہے۔	۵۰۷	اللہ ورسول کے مخالف ذلیل تر ہیں۔	۵۶۴
نحو		مہمان کے لئے جانور ذبح کرنا اللہ کے لئے ذبح کرنا ہے۔	۵۶۵
رضی نحوی کی تصریح کہ کلمہ طیبہ میں نفی عام نہیں ہے۔	۲۹۳	مسلمانوں کی راہ سے جُدا چلنے والے کی شامت۔	۶۱۴
بلاغت		**حظر واباحت**	
تشبیہ اور تمثیل کا فرق۔	۱۵۲	تعزیے ناجائز ہیں لیکن ان کو بُت کہنا زیادتی ہے۔	۷۳
معنی کے اقسام چہارگانہ۔	۵۸۲	نذرو نیاز کرنا جائز ہے۔	۷۴
لُغت		اولیاء سے طلبِ دعا مستحب ہے۔	۷۴
اردو زبان میں "ایمان" کا ترجمہ "ماننا" اور کفر کا ترجمہ "نہ ماننا" ہوتا ہے۔	۱۸۷	کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلافِ شرع ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض ہے، اور جہاں مخامت نہ ہو اس بچنا کبھی بھی ضروری نہیں۔	۷۵
کرنا بتانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔	۳۰۰		

تعظیم مشرک مشرک کا جلوس حرام، اور فعلِ حرام کا تماشہ دیکھنا بھی حرام۔	۱۰۰	جان بوجھ کر جس نے ظالم کی اعانت کی اس نے اسلام کی رسی گردن سے نکالی۔	۲۶۲
حرام کام میں چندہ دینا بھی حرام ہے۔	۱۰۱	مرتد سے میل جول حرام ہے۔	۲۶۲
مشرک کو واعظِ مسلمین بنانا حرام ہے۔	۱۰۱	جس اخبار میں گمراہی کی باتیں ہوں اس کو پسندیدگی سے خریدنا حرام ہے۔	۲۶۲
مسلم وکافر کا فرق اٹھانے والا مولوی یا مولانا نہیں ہوسکتا۔	۱۰۱	تعزیہ بنانا حرام ہے مگر مسلمانوں پر اس کی پرستش کا الزام غلط ہے۔	۲۶۳
فاسق کو سیّد کہنے سے اللہ تعالٰی ناراض ہوتا ہے۔	۱۰۱	اللہ ورسول کے دشمنوں سے دوستی کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔	۲۶۴
ازروئے قرآن مجید مسلمانوں کو کسی کافر، مبتدع اور فاسق کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔	۱۰۴	عناد الفظ اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا گمراہی اور سُستی اور کوتاہ قلمی سے ہو تو محرومی ہے۔	۲۶۵
بدمذہبوں بے دینوں سے بائیکاٹ کا حکم۔	۱۰۵	مشرک کو مہاتما کہنا کفر ہے، اور اس کے جلوس میں شرکت حرام۔	۲۶۷
مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔	۱۴۲	مسلمان کی جَے بولنا بھی منع ہے۔	۲۶۷
مزامیر سُننا حرام ہے۔	۱۵۴	مضامین باطلہ پر بنیت تحسین اللہ اکبر کا نعرہ لگانا بھی حرام ہے۔	۲۷۱
سجدہ تعظیمی حرام ہے۔	۱۵۴	موالات تمام کفار سے قطعًا حرام ہے۔	۲۷۳
کلمہ سے بہتر ہے کہ مرتد کے جنازہ کے ساتھ ڈھولکی بجاتے جائیں، یہ کلمہ بہت شنیع ہے مگر کفر نہیں۔	۱۵۴	ذات الٰہی کے لئے لفظ "دولھا، سکھن" کا استعما شرعًا منع ہے۔	۲۸۴
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے۔	۱۷۱	کعبہ کو دلھن کہنا جائز ہے، مقام آراستہ کو دلھن کہنا حدیث سے ثابت ہے۔	۲۸۴
اگر کسی روایت میں مثلًا "یا محمد" آیا ہوا ہو تو وہاں یارسول کہے۔	۱۷۱	تنگی کلام کی وجہ سے اختصار درست ہے جیسے قلیا اور لن تنالو۔	۲۹۵
جو کسی کو کافر یا خدا کا دشمن کہے اور وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو یہ کہنا خود قائل پر پلٹ آتا ہے۔	۲۳۰	کلمہ توحید میں لا کا مد طویل مفرط نہ ہونا چاہئے۔	۲۹۶
عالم کو جُھوٹا اور لعنتی کہنے والا گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔	۲۵۸	یہ کہنا کہ "اللہ تعالٰی میم کی چادر منہ پر ڈال کر احمد بن کر آیا" کفر ہے۔	۲۹۹
فاسق کو سردار بنانا حرام ہے۔	۲۶۰		

ایسے اقوال جن کا ظاہر گمرہی اور باطن صحیح ہو ان سے بھی بچنا ضروری ہے۔	۲۹۹	خلافت کمیٹی والوں نے خلافت کی حمایت کے جو طریقے ایجاد کئے ہیں سب غلط اور مخالفت قرآن ہیں ان سے جُدائی فرض ہے۔	۲۶۴
یہ کہنا کہ "اللہ تعالٰی نے نبی سے کہا تو اور نہیں میں اور نہیں "اللہ تعالٰی پر افتراء ہے اور بظاہر کفر ہے۔	۳۰۰	بادشاہ اسلام کے احکام اس کی قلمرو تک ہوتے ہیں۔	۲۶۵
یہ کہنا کہ "کہیں لیلٰی بنا اور کہیں مجنوں بنا" بظاہر کفر ہے۔	۳۰۰	بادشاہ اسلام کی اعانت اس ملک والوں پر ہے وہ عاجز ہوں تو اس کے بعد والے ایسے ہی اخیر تک۔	۲۶۵
ہم کو محکمات کے اتباع کا حکم ہے متشابہات کی پیروی جائز نہیں۔	۳۰۰	**متفرقات**	
محمد نے خدائی کی، کی ایک بعید تاویل مگر اس کے بولنے کی سخت ممانعت۔	۳۰۱	آدمی کے اعضاء ارادہ قلبی کے تابع ہیں۔	۸۱
اللہ تعالٰی موٹے عالم کو پسند نہیں کرتا۔	۳۰۵	نفاق دو۲ قسم ہے: عقدی اور عملی۔	۱۷۳
جاہل کو احکام شرع بالخصوص کفر و اسلام میں جرات سخت حرام ہے۔	۳۰۵	ناد علی اور اس کا ترجمہ۔	۲۱۸
خدا کو "شیام ہری" کہنا گناہ اور خطا ہے۔	۳۰۷	تذکرہ غوثیہ نامی کتاب گمراہی اور کفر کی باتوں پر مشتمل ہے۔	۲۷۹
غیر اللہ کے لئے تواضع حرام۔	۵۶۴	ایک مصرعہ کے صحیح اور غلط معنی کی توضیح۔	۲۹۸
ماں، باپ، استاذ کی تواضع کا شریعت نے حکم دیا ہے۔	۵۶۴	عوام سے مراد وہ ہوتے ہیں جو حقائق تک نہ پہنچے ہوں چاہے عالم کہلاتے ہوں۔	۳۰۰
منافق کو سید نہ کہو۔	۷۳۰	جاہل مدعی حقائق شیطان کا مسخرہ ہے۔	۳۰۰
سیاست		ایک باطل اور کفری روایت کا رَد۔	۳۰۱
مسلمانوں کو اپنی حالت سنبھالنے کے لئے چار مشورے۔	۱۴۴	چند غلط اشعار کے احکام۔	۳۰۲
مسلمانوں کے عمل کی حالت زار۔	۱۴۵	ایک کفری شعر کا حکم۔	۳۰۳
مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت ہے۔	۱۴۶	ایک پہیلی کی توضیح اور اطلاق کا حکم۔	۳۰۴

انسان کا گوشت انسان پر حرام ہے عشق پر نہیں۔	۳۰۵	صاحب مسامرہ کے ایک خلافِ واقع فیصلہ کی تصحیح۔	۴۹۵
اللہ اللہ گفتہ اللہ می شود کا صحیح مطلب۔	۳۰۸	مسائرہ اور قاضی کی مرادوں میں فرق کی ایک اور تائید۔	۴۹۷
ذوق نعت کے ایک شعر کی تشریح۔	۳۰۸	امام باقلانی پر شیخ قزوینی کا اعتراض، اس کا ایک عاتہ الورود جواب، پھر مصنف کی تحقیق۔	۴۹۹
استحالہ شرعی و عقلی کا فرق۔	۳۵۹	کسی کتاب کی صحت جانچنے کی ایک طریقہ۔	۵۵۷
قاضی عیاض کی ایک عبارت کی نفیس توضیح۔	۴۲۴	عظمتِ دینی نہ رکھنے والوں کے درجات کا فرق۔	۵۶۳
قول ابن ہمام کی تضعیف پانچ طرح سے۔	۴۸۳	قول بالمتنافیین کسی عاقل سے منقول نہیں۔	۶۳۲
مسائرہ کی عبارت پر مصنف کا مناقشہ۔	۴۸۸	مرتبہ صدیقیت کی وضاحت۔	۶۷۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کتاب السِّیَر

(حصّہ دوم)

مسئلہ ۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ ایک ہندی مہاجر مدنی کی اہلیہ افغانی النسل مدنی بی بی صاحبہ ہندوستان تشریف لائی ہیں، وہ تعزیوں وغیرہ کے حالات سن کر فرماتی ہیں کہ ہندیوں نے یہ اسلامی بت بنائے ہیں، اس کو سن کر خالد نے نہایت غضبناک ہو کر کہا تعزیوں کو بت کہنے والا خود کافر ہے اگرچہ عالم ہو۔

الجواب:

تعزیے ناجائز ضرور ہیں مگر ان کو بت کہنا زیادت وغلو ہے، مسلمان ان کی پرستش نہیں کرتے، اور جس نے وہ کلمہ کہا کہ "بت کہنے والا خود کافر ہے اگرچہ عالم ہو" اس نے اس سے بھی ہزار درجے بدتر کہی سخت سزا کا مستحق ہے بلکہ توہین علماء کے سبب اس پر تجدید اسلام ونکاح لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از شہر مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اسلام اس مسئلہ میں کہ عمرو نے کہا تفضیلیہ کے پیچھے ہم نماز نہیں پڑھیں گے، بکر یہ سن طیش میں آگیا اور کہا ہم تو تفضیلیہ ہیں ہم کو دوسروں (غیر تفضیلیہ) سے کیا مطلب اگر وہ دو خدا کہیں تو ہم نہیں مانتے اگر وہ گوہ کھائیں تو ہم نہیں کھا سکتے، اسطرح عالم اہل سنت وجماعت پر کنایۃ تبرا کہا اور یہ بھی کہا کہ ہم خارجی کو نماز نہیں پڑھانے دیں گے، (مسجد کا امام ایک سید اہلسنت وجماعت ہے) اس طرح اہلسنت وجماعت کو خارجی کہا۔

الجواب:

تفضیلیہ گمراہ ہیں اور علماء کی توہین راہ جہنم ہے اور اہلسنت کو خارجی کہنا رافضیوں کا شعار ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳تا۷: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مسئولہ عنایت اللہ خاں یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱جو شخص کہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم غیب نہ تھا اور ۲معراج جسمانی نہ ہوئی اور ۳جملہ شہداء واولیاء اللہ وبزرگان دین کی نیاز ونذر کرنا حرام

اور [۴] ان سے بذریعہ دعاامداد طلب کرنا شرک ہے، پس وہ (۵) شخص ونیز اس کے پیرو قابل امام ہیں یا نہیں؟ اور وہ کس فرقہ سے ہیں؟ اور مسئلہ مندرجہ بالا کون سی بات جائز وناجائز ہے؟ اور حضرت کو علم غیب تھا یانہ؟ اور معراج جسمانی ہوئی یانہ؟

الجواب:

[۱] اللہ عزوجل نے روز اول سے روز اخر تک جوکچھ ہوا اور جوکچھ ہے اور جوکچھ ہونے ولا ہے ایک ایک ذرہ کا تفصیل علم اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عطافرمایا، ہزار تاریکیوں میں جو ذرہ یا ریگ کا دانہ پڑا ہے حضور کا علم اس کو محیط ہے، اور فقط علم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا بھر اور جوکچھ اس میں تا قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں جیسا اپنی اس ہتھیلی کو۔ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ذرہ ان کی نگاہ سے مخفی نہیں بلکہ یہ جوکچھ مذکور ہے ان کے علم کے سمندروں میں سے ایک چھوٹی سی نہر ہے، اپنی تمام امت کو اس سے زیادہ پہچانتے ہیں جیسا آدمی اپنے پاس بیٹھنے والوں کو، اور فقط پہچانتے ہی نہیں بلکہ ان کے ایک ایک عمل ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ دلوں میں جو خطرہ گزرتا ہے اس سے آگاہ ہیں، اور پھر ان کے علم کے وہ تمام سمندر اور جمیع علوم اولین وآخرین مل کر ہم علم الٰہی سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو ایک ذرا سے قطرہ کو کروڑ سمندروں سے، "وَمَاقَدَرُوااللهَ حَقَّ قَدۡرِهٖٓ"[1] ظالموں نے اللہ ہی کی قدر نہ پہچانی کہ جوکچھ ہو گزرا اور قیامت تک ہونے ہونے والا ہے اس کا علم اس کی عطا سے اس کے محبوب کے لئے مانا اور کہہ دیا کہ یہ تو خدا سے برابری ہوگئی مشرک ہوگیا۔ بے ادبو! کیا خدا کا علم اتنا ہی ذرا سا ہے کہ دو حدوں میں محدود ہے، یہ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے صدقہ میں اپنے غلاموں کو عطافرماتے ہیں، یہ سب آیات کریمہ واحادیث صحیحہ واقوال ائمہ وعلماء واولیاء سے ثابت جن کی تفصیل ہماری کتابوں "**الدولہ المکیہ وانباء المصطفی وخالص الاعتقاد**" وغیرہ میں ہے، [۲] معراج شریف یقینا قطعاً اسی جسم مبارک کے ساتھ ہوا نہ کہ فقط روحانی جو ان کے عطا سے ان کے غلاموں کو بھی ہوتا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِهٖ**"[2] پاکی ہے اسے جو رات میں لے گیا اپنے بندہ کو، یہ نہ فرمایا کہ لے گیا اپنے بندہ کی روح کو۔ [۳] نیاز نذر کرنا جائز ہے، [۴] اور اولیاء سے طلب دعا مستحب ہے۔ اور [۵] یہاں ان مسائل میں کلام کرنے والے نہیں مگر وہابی، اور وہابی مرتد ہیں اور مرتد کے پیچھے نماز باطل

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

محض جیسے گنگا پر شاد کے پیچھے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸: از ایم، اے، او، کالج علی گڈھ نمبر ے مار لیس کورٹ مسئولہ مقصود علی صاحب ۲۰ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۱۱ اکتوبر کو مولانا شوکت علی و محمد علی صاحب علی گڑھ تشریف لائے اور انھوں نے ہم طالب علموں کو یہ سمجھایا کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی دشمن ہے اور چاہتی ہے کہ جزیرۃ العرب و مقامات مقدسہ پر اگر اپنی حکومت نہیں تو کم سے کم اثر رکھیں، تو اس حالت میں ہم لوگوں کو کیا کرنا چاہئے، انھوں نے یہ بتایا کہ خلافت کمیٹی نے یہ طریقہ بتایا ہے کہ اس وقت گورنمنٹ سے ہم مسلمانان قطع تعلق کرلیں اور کالج کے طاطب علموں کو یہ بتایا کہ چونکہ کالج میں گورنمنٹ روپیہ دیتی ہے اور اس سے کالج کا تعلق ہے تو ہم طالب علم کالج چھوڑ دیں، تو کیا یہ اس قت ہم لوگوں کا مذہبی فرض ہے کیا اس کی عدول حکمی سے کفر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کالج اور اس کی تعلیم میں جس قدر بات خلاف شریعت ہے اس سے بچنا ہمیشہ فرض تھا اور ہے جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو اس سے بچنا کبھی بھی فرض نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹: از خیر وپور ٹامے والی ریاست بہاولپوری مسئولہ مولوی عبدالرحیم خانقاہی ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بیانی ہے کہ مجھے فیصلہ شرح محمدی کا منظور و قبول نہیں ہے بلکہ رواج و قانون منظور ہے، یہ سخن بالادر یغ عوام الناس میں کہہ دیا ہے عند الشریعۃ اس کے ساتھ یعنی زید کے ساتھ شریعت مبارک کا کیا ارشاد ہے؟ صاف خوشخط استفتاء پر جواب فرماویں، اُجرت جواب پر دی جائے گی۔

الجواب:

یہاں فتوی پر کوئی اجرت نہیں لی جاتی نہ پہلے نہ بعد، نہ اپنے لئے نہ اسے روا رکھا جاتا ہے، بیان مذکورہ سوال اگر واقعی ہے تو زید پر تجدید اسلام واجب ہے توبہ کرے، اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
الجبل الثانوی علٰی کلیۃ التھانوی ۱۳۳۷ھ
(تھانوی کے گُردے پر دوسرا پہاڑ)

مسئلہ ۱۰:

ماقولکم دام طولکم فی رجل یسمی اشرف علی کتب	تمھاری (اللہ تعالٰی تمھیں طویل عمر عطا فرمائے) اشرف علی نامی شخص کے بارے میں کیا رائے ہے

الیه بعض مجبیه انه رأی فی المنام انه یقرأ الکلمة الطیبة لکن یذکر فیها اسمکم)ای اسم اشرف علی)مکان محمد(صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم)ثم تذکرانه اخطأ فاعاد فلم یخرج من لسانه الا "اشرف علی"رسول اللہ مکان محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم)هو دار ان هذا غیر صحیح لکن لاینطلق اللسان الابهذا من غیر اختیار قال فلما تکرر هذا رأیتکم تجاهی فخررت علی الارض وصحت صیاحا شدید اوخلت ان لم یبق فی باطنی قوة ثم استیقظت بیدان الغیبة عن الحس واثر عدم الطاقت کما هو،لکن لم یکن فی المنام ولافی الیقظة الاتصورکم تأملت فی الیقظة ماوقع من الغلط فی الکلمة الطیبة فاردت ان ادفع هذا الخیال عن القلب فجلست ثم اضطجعت علی الجنب الاخر لتدارك الغلط الواقع فی الکملة الشریفة اردت الصلوٰة علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلا اقول الا اللهم صلی علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی،مع انی الاٰن یقظان غیر وسنان ولکن خارج عن الاختیار لیس لی علی اللسان اقتدار حتی بقیت هکذا طول النهار وبکیت من الغد بالاکثار وسوی هذه وجوه کثیرة

جس کی طرف اس کے کسی چاہنے والے نے لکھا کہ اس نے خواب میں کلمہ طیبہ پڑھا لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم گرامی محمد کی جگہ تیرا نام (اشرف علی) پڑھا تو زبان اس کے بعد خیال آیا یہ تو غلط ہے دوبارہ کلمہ پڑھا تو زبان سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی جگہ "اشرف علی رسول اللہ" نکلتا ہے میں نے غور کیا یہ تو صحیح نہیں لیکن زبان سے بے اختیار یہی نکلتا ہے جب بار بار ایسا ہوا تو میں نے تمہیں سامنے دیکھا میں زمین پر گر پڑا اور سخت چیخ وپکار کی، اور مجھے خیال آتا ہے کہ میرے اندر باطنی قوت ختم ہو گئی ہے پھر میں جاگا مگر حس کا غائب ہونا اور ناطاقتی پہلے کی طرح ہی تھی مگر نیند اور بیداری میں صرف تمہارا ہی تصور تھا، بیداری کی حالت میں میں نے غور کیا کہ کلمہ طیبہ غلطی ہو گئی تو میں نے اس خیال کو دل سے نکالنے کی کوشش کی میں بیٹھ گیا پھر میں دوسری کروٹ لیٹ گیا، کلمہ طیبہ میں واقع غلطی کے تدارک کے لئے میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود شریف پڑھتا ہوں لیکن پھر بھی یہ کہتا ہوں ____"اللھم صلی علی سیدنا ونبینا ومولانا اشرف علی" حالانکہ میں اب بیداری میں تھا نہ کہ حالت غفلت میں ونیند میں، لیکن یہ معاملہ بے اختیاری میں تھا، زبان پر میرا کنٹرول ختم ہو چکا تھا حتی کہ یہی عمل سارا دن رہا، دوسرے روز بہت رویا ہوں۔ ان وجوہ کے علاوہ دیگر کئی وجوہ نے بھی مجھے آپ

اوجیت لی محبتکم (اھ ماکتب الرجل)فکتبت الیه اشر علی ان فی ھذہ الواقعة تسلیةً لکم ان الذی ترجعون الیه ھو متبع السنة اھ.وقد طبع ھذا کله واشاعه اشرف علی نفسه فی جریدۃ شھریة تسمی الامداد مبتھجابه علی رؤس الاشھاد بل داعیا مریدیه الی مثله من الغالات فی تعظیمه وایثار فضله فان ھذا ھو مقصد الجریدۃ یحسبوھا فی ارشادھم رشدیة فما حکم الشریعة الغراء فیھما واشرف علی ھذا ھوالذی کتب فی رسیلة له لاتزید علی ثلاث وریقات فی ابطال نسبة علم الغیب الی محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه ان ارید به کل العلوم بحیث لایشذ منھا شیئ فبطلانه ظاھر عقلا ونقلا وان ارید البعض فای خصوصیة فیه له فان مثل ھذا حاصل لزید وعمر وبل لکل صبی و مجنون بل لکل بھیمة وحیوان وقد حکم علیه بقوله ھذا اکابر علماء الحرمین المکرمین انه کفر وارتد ومن شك فی کفرہ فقد کفر [1] کما ھو مفصل فی حسام الحرمین افیدونا اجزل الله تعالٰی ثوابکم اٰمین!

کی محبت عطا کی ہے کہاں تک عرض کرو،اس شخص کا مکتوب ختم ہوا،اشر فعلی نے اسکے جواب میں لکھا اس واقعہ میں تمھارے لئے اس بات کی تسلی ہے کہ جس کی طرف تم رجوع کررہے ہو وہ سنت کا متبع ہے اھ اور یہ تمام واقعہ اشرف علی نے خود اپنے ماہنامہ رسالہ الامداد میں اعلانیہ شائع کیا خوشیاں مناتے ہوئے بلکہ مریدین کو اپنی تعلیم اور بزرگی کی ترجیح میں غلو کی طرف بلاتے ہوئے،اس لئے کہ رسالہ کا مقصود ہی یہ ہے کہ مریدین سے انہی کی ہدایت میں راہ راست پر جائیں تو شریعت مبارکہ کا ان دونوں اشخاص کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور یہ وہی اشرف علی ہے جس نے اپنے ایک رسالہ (جو تین چھوٹے چھوٹے اوراق پر مشتمل ہے) میں نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف علم غیب کی نسبت کو باطل قرار دیتے ہوئے کہا ہے اگر اس علم غیب سے مراد اس طرح کے تمام علوم ہیں کہ اس سے کوئی شیئ خارج نہیں تو اس کا باطل ہونا عقلاً ونقلاً باطل ہے۔اور اگر مراد بعض علوم غیبیہ ہیں تو اس میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کیا خصوصیت ہے کیونکہ یہ تو زید،عمرو بلکہ ہر بچے،پاگل بلکہ ہر چوپائے اور حیوان کو حاصل ہے۔اس کی اس عبارت پر علماء حرمین شریفین نے یہ حکم جاری کیا کہ یہ شخص کافر مرتد ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔جیسا کہ حسام الحرمین میں تفصیلاً موجود ہے ہمیں اس کے جواب میں سے مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ کو اجر جزیل عطا فرمائیں،آمین!

[1] حسام الحرمین المقدمه مکتبه نبویه گنج بخش روڈ لاہور ص ۱۳

الجواب:

اللھم لك الحمد صلی علی نبیك نبی الحمد واٰله وصحبه العمد، رب انی اعوذبك من همزات الشیطین واعو ذبك رب ان یحضرون، ائمة الدین لم یقبلوا زلل اللسان فی الکفر والالاجتراء کل خبیث القلب ان یجاهر بسب الله وسب رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویقول زلت لسانی قال الامام القاضی عیاض فی الشفاء الشریف "لایعذر احد فی الکفر بدعوی زلل اللسان"[1] اھ،وفیه ایضاً"عن ابی محمد بن ابی زید لایعذر احدبد عوی زلل اللسان فی مثل ھذا"[2] اھ"وفیه ایضاً"افتی ابوالحسن القابسی فیمن شتم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی سکرہ یقتل لانه یظن به انه یعتقد ھذا ویفعله فی صحوہ"[3] اھ ثم الزلل ان کان انمایکون بحرف اوحرفین	اے اللہ! حمد تیرے لئے ہے۔اپنے نبی محمد پر،ان کی آل واصحاب جودین کی ستون ہیں پر رحمتوں کا نزول فرما،اے میرے رب! میں شیطان کے حملوں سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں تیری پناہ لیتاہوں اس سے کہ مجھ پر وہ حملہ آور ہو۔ائمہ دین کسی کفو میں زبان کا پھسل جانا قبول نہیں کرتے،ورنہ یہ ہوتا کہ جو خبیث القلب ہو وہ اعلانیہ اللہ تعالٰی اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سب وشتم کرکے کہہ دے میری زبان پھسل گئی،امام قاضی عیاض شفاء شریف میں فرماتے ہیں کسی آدمی کے کفر کے ارتکاب پر اس کا یہ عذر مقبول نہ ہوگاکہ میری زبان پھسل گئی اھ،اس میں یہ بھی ہے امام ابو محمد بن ابی زید نے فرمایا ایسی صورت میں کسی کا یہ عذر قبول نہیں کہ زبان قابوں میں نہ رہی اھ،اس میں یہ بھی ہے امام ابوالحسن القابسی نے اس شخص کے قتل کا فتوی جاری فرمایا جس نے نشہ کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوسب وشتم کیا،کیونکہ اس سے متعلق خیال یہی ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتاہے اور وہ حالت ہوش میں بھی ایسا کہا کرتا ہے اھ،پھر زبان کا پھسلنا ہو توایک یادو حرفوں میں ہو،یہ

[1] شفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعة الشرکة الصحافیه ترکی ۲/ ۲۲۳

[2] شفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعة الشرکة الصحافیه ترکی ۲/ ۲۲۳

[3] شفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم لکلام المطبعة الشرکة الصحافیه ترکی ۲/ ۲۲۳

لا ان تزل اللسان طول النهار وهذا غير مقبول ومعقول، قال فی جامع الفصولين الفصل لثامن والثلثين "ابتلی بمصيبات متنوعة فقال اخذت مالی وولدی واخذت كذا وكذا فماذا تفعل ايضا وماذا بقی لم تفعله وما اشبهه من الالفاظ كفر كذا حكی عن عبدالكريم فقيل له ارأيت لوان المريض قاله وجری علی لسانه بلا قصد شدة مرضه، قال الحرف الواحد يجری ونحوه قد يجری علی اللسان بلاقصد اشاره الی انه يحكم بكفره ولايصدق "[1] اھ فاذا لم يصدق فی نصف سطر كيف يصدق فيما كر رہ مناما ويقظة طول النهار بل هو قطعا مسرف كذاب الم تران الله تعالٰی جعل الجسد تحت ارادة القلب قال نبينا الحق المبين صلی الله تعالٰی عليه وسلم "الا ان فی الجسد مضغة اذاصلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله الا وهی	تونہیں ہوگا کہ سارا دن زبان کنٹرول میں نہ رہے، ایسا ہونا غیر مقبول وغیر معقول ہے، جامع الفصولین کی اڑتیسیویں فصل میں ہے ایک شخص مختلف مصائب میں مبتلا ہوا اور وہ کہتا ہے (اے اللہ!) تونے میرا مال، میری اولاد اور یہ یہ چھین لیا اس کے بعد اور کیا کرے گا، اور باقی رہ ہی کیا گیا جو تو نے نہیں کیا، اور اس کی مثال دیگر الفاظ کہے تو یہ کفر ہے۔ اسی طرح شیخ عبدالکریم سے منقول ہے کہ ان سے سوال ہوا کہ ایک مریض کی زبان سے شدت مرض کی وجہ سے بلاقصد ایسا کوئی کلمہ جاری ہوجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا ایسا اگر کوئی حرف بھی جاری ہوجائے خواہ بلاقصد ہو تو اس پر کفر کا حکم ہی جاری کیا جائے گا اور زبان بہکنے کا عذر سچا نہ سمجھا جائے گا اھ جب نصف سطر میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی تو وہاں کیسے تصدیق جائز ہوگی جب جواب میں اور سارا دن بیداری میں ایسا بکتا رہا بلکہ یہ شخص تو یقینا ظالم، زیاتی کرنے والا اور کذاب وجھوٹا ہے، کیا تمھارے علم میں نہیں اللہ تعالٰی نے جسم کو ارادہ بدل کے تابع بنا رکھا ہے حق واضح فرمانے والے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: سنو جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ درست رہے تو تمام جسم درست رہتا ہے اگر وہ بگڑ جائے تو تمام

[1] جامع الفصولين فصل ۳۸ فی مسائل كلمات الكفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۰

القلب "[1] فما فسد قوله ولسانه والا وقد فسد قبله قلبه وجنانه وهذا يدعى ان لسانه فى فيه حيوان مستقل بارادته غيرتابع للقلب كفرس جموح شديدة الجموح تحت راكب ضعيف قوى الضعف يريد اليمين والفرس لاتنعطف الاالشمال حتى كلما اراد ردها لليمين لم تاخذ الاذات الشمال حتى تنازع القلب واللسان طول النهار فلم يك الغلبة الاللسان هذا غير معقول ولا مسموع فلا شك انه محكوم عليه بالكفر حكماغير مدفوع وهل سمعتم باحد يدعى الاسلام ويقول طول النهار فلان رسول الله مكان محمد رسول الله اويقول لابيه ياكلب ابن الكلب ياخنزيرا بن الخنزير ويكرره من الصباح الى المساء ثم يقول انما كنت اقول يا ابت يا سيدى فينازعنى اللسان ويذهب من الاب السيد الى الكلب والخنزير حاش لله ماكان هذا ولايكون ولن يقبله احد الامجنون هذا حكم ذلك القائل	جسم بگڑ جاتا ہے سن لو وہ دل ہے۔زبان کا قول اس وقت ہی فاسد ہوگا جب اس سے پہلے دل فاسد ہوگا،مذکور شخص کا دعوی یہ ہے کہ اس کے منہ میں زبان ایسا حیوان ہے جو اپنے ارادہ میں مستقل ہے دل کے تابع نہیں جیسے کوئی سخت سرکش گھوڑا نہایت ہی کمزور سوار کے تحت ہو وہ اس گھوڑے کو دائیں طرف لے جانا چاہے مگر وہ بے پروا ہو کر بائیں طرف چل پڑے جب بھی اسے وہ دائیں جانب لانے کی کوشش کرے وہ بائیں ہی کو جائے۔حتی کہ سارا دن دل اور زبان میں جھگڑا رہا اور زبان کو غلبہ حاصل ہوگیا یہ بات و دعوی نہایت غیر معقول ہے اور ہر گز قابل سماعت و توجہ نہیں،اس پر بلاشبہ کفر کا ایسا حکم ہی صادر ہوگا جو ٹل نہیں سکتا کیا تم نے کبھی یہ سنا کوئی شخص اسلام کا دعوی کرتا ہے اور سارا دن محمد رسول اللہ کی بجائے فلاں رسول اللہ کہتا رہے یا اپنے والد کو اے کتے،کتے کے بیٹے یا خنزیر بن خنزیر کہتا رہے اور صبح تا شام اسکی زبان پر یہی جاری رہے پھر کہے میں تو یہ کہنا چاہتا تھا اے میرے اباجان،اے میرے سرادر،مجھ سے میری زبان جھگڑ پڑی اور اس نے اب اور سردار کی جگہ کلب اور خنزیر کہہ دیا،اللہ کی قسم یہ بات ہی غلط ہے،ایسی بات کو دیوانے کے علاوہ کوئی قبول نہیں کرے گا۔یہ تو اس قائل کا

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرائہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

اما ما کتب الیه اشرفعلی فی الجواب. فاستحسان منه لذلك الکفر واستحسان الکفر کفر بلا ارتیاب وما هوا الالما رأی فیه من تعظیم نفسه ووصفه بانه رسول الله ذی القوة والصلوة علیه استقلالا بدل النبی صلی الله تعالٰی علیه وآله وسلم ومدحه بالنبوة فابتهج واجاز کل ذلك وجعله تسلیة لذلك الهالك ارأیت لوسبه وامه اواباه احد طول النها ثم قال انما کنت ارید مدحك فلم یطع اللسان فی الخطاب وبقیت تسبك واباك وامك من الصباح حتی توارت بالحجاب هل کان اشرف علی اوحد من اراذل الناس ولوخصافا او زبالا. اوارذل منهم یقبل هذه المعاذیر. ویقول له ان فی هذه تسلیة لکم ان الذی تحبونه وتسبونه انه لمن ضئضئ الخنازیر کلابل یحرق غیظا ویموت غنظا اویفعل به ماقدر علیه حتی القتل ان وجد سبیلا الیه فالتسلیة ھٰهنا لیس الا الاستخفافه بمحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم و بمرتبة النبوة والرسالة	حکم ہے۔ رہا معاملہ اشرفعلی کا جو اس نے جواب میں لکھا تو اس میں اس کے کفر کی تعریف کی ہے اور بلاشبہہ کفر کو اچھا کہنا اور سمجھنا بھی کفر ہوتا ہے کیونکہ مجیب نے اس میں اپنی ذات کی تعظیم و وصف کو سمجھا ہے کہ وہ اللہ کا رسول صاحب قوت ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بجائے ان پر درود وسلام اور نبوت کے ساتھ مدح کی گئی ہے وہ اس پر خوش ہوا ہے اور ہر یاک کو اس نے اس کی اجازت دی ہے اور اس تباہ وبرباد ہونے والے کے لئے اسے تسلی قرار دیا، تم ہی بتاؤ اگر اس تھانوی کو یا اس کی ماں کو یا اس کے والد کو سارا دن گالی دیتا اور پھر کہتا میں تو تمھاری مدح وتعریف کرنا چاہ رہا تھا لیکن زبان نہ مانی وہ صبح سے تجھے، تیرے والد اور تیری ماں کو گالی دیتی رہی تھی حتی کہ شام ہوگئی، کیا اشرف علی یا کوئی سب سے کمینہ اگرچہ وہ موچی، ماشکی یا کوئی اور گھٹیا آدمی ہو ان عذروں کو قبول کرلے گا اور اسے کہے گا تمھارے لئے اس میں تسلی ہے کہ جس سے محبت کرتے ہو اور تم اسے گالی دیتے ہو وہ اصل خنزیر ہے وہ ہرگز نہیں قبول کرے گا بلکہ وہ غیظ میں جل جائے گا غیرت سے مرجائے گا وہ کچھ کر گزرے گا جو اس کے بس میں ہو حتی کہ اگر اسے طاقت ہو تو وہ اسے قتل کردے گا تو یہاں تسلی دینا فقط رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین اور مرتبہ نبوت ورسالت

وختم النبوة الاعظم واستحسان نسبتها الى نفسه الامارة بالسوء كثيرا "لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۝۲۱" [1] فلا ريب ان اشرف علی ومريده المذكور كلاهما كافر بالرب الغيور غرتهما الامانی وغرهما بالله الغرور، بل اشرف علی اشد كفرا واعظم وزرا فان المريد زعم ان ما يقول غلط صريح وباطل قبيح، وهذا لم يقبح القول ولا وبخ قائله بل استحسنه وجعله تسلية له ولكن لاغرو فان من سب رسول الله محمدا صلی الله تعالٰی عليه وسلم بتلك السبة الفاحشة الماثورة فی السوال عنه المحكوم عليه لاجلها بالكفر والارتداد من اسيادنا علماء الحرمين الكريمين فبأی كفر يتعجب منه واذا كان عنده مثل علم محمد صلی الله تعالٰی عليه وسلم بالغيب حاصل لكل صبی ومجنون وبهيمة، ولاشك انه اعلم عنه من هؤلاء الاخساء الذميمة فكان بزعمه اعلم واكرام من محمد

اور خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بے ادبی اور تحقیر پر ہے اور اپنے نفس امارہ جو بکثرت اسے برائی کا حکم دیتا ہے کی طرف نبوت ورسالت کی نسبت کرنے کو پسند کیا ـــــ بیشک ان لوگوں نے تکبّر کیا اور اللہ کے بہت بڑے باغی قرار پائے، بلاشبہہ اشرف علی اور اس کا مذکور مرید دونوں رب غیور کے ساتھ کفر کرنیوالے ہیں انھیں ان کی خواہاشات نے فریب دیا اور شیطان ان کی خواہشات نے فریب دیا اور شیطان دھوکہ باز نے انھیں اللہ سے دھوکے میں ڈالا، بلکہ اشر فعلی کفر اور جھوٹ کے اعتبار سے اشد واعظم ہے کیونکہ مرید نے خیال کیا جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ واضح طور پر غلط اور نہایت ہی قبیح وبدتر ہے لیکن یہ اشر فعلی نہ تو اس قول کو برا کہہ رہا ہے اور نہ اس کے قائل کو جھڑک رہا ہے بلکہ اسے اچھا جان رہا ہے اور اس کو اس کے لئے تسلی قرار دے رہا ہے مگر اس پر کچھ تعجب نہیں جس نے واضح طور پر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ وہ سب وشتم کیا ہے جس کا تذکرہ سوال میں ہے جس پر علماء حرمین کریمین نے اسے کافر اور مرتد قرار دیا تو اس سے کس کفر کا تعجب کیا جائے جبکہ اس کے نزدیک تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرح علمِ غیب ہر بچے، مجنون اور چارپائے کو حاصل ہے حالانکہ بلاشبہ اس کا اپنا علم ان برے خسیسوں سے زیادہ ہوا، تو گویا اس کا گمان یہ ہے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] القرآن الکریم ۲۵/۲۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فحق لہ ان یدعی النبوۃ والرسالۃ لنفسہ لالمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذلك یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار ولکن واللہ ان رب محمد لبالمر صادر لمن شاقہ عذاب النار واللہ اعلم بمایوعون o وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سے اعلم واکرم ہے لہذا اس نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بجائے اپنے لئے نبوت ورسالت کا دعوی حق جانا، اللہ تعالٰی ایسے متکبر سرکش لوگوں کے دلوں پر مہر لگادیتا ہے، اللہ کی قسم رب محمد بھی ان کی گھات میں ہے اور جس نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مخالفت کی اس کے لئے دوزخ کا عذاب ہے، اللہ تعالٰی جانتا ہے جو یہ ذہن میں رکھتے ہیں، عنقریب جان لیں گے ظالم یہ کہاں پہنچ جانے والے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ابحاث اخیرہ ۱۳۲۸ھ

(یہ مبارک رسالہ وہ ہے کہ جس نے وہابیوں، دیوبندیوں کی مناظرہ کی رٹ اور تعلیوں کو خاک ملا دیا ہے، خورجہ کے دیوبندیوں نے دعوت مناظرہ دی تھی، بیچارے اپنی طواغید کی چالبازیوں سے ناواقف تھے دعوت مناظرہ دے بیٹھے، اعلیحضرت قبلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ مضمون حقائق مشحون وصیغہ رجسٹری ارسال فرمادیا جس کا تاریخی نام "**ابحاث اخیرہ**" ہے، اس کے پہنچتے ہی تھانوی واجودھیا باشی وچاند پوری وغیرہ کو سانپ سونگھ گیا اور آج تک اس کی تابشون سے دیا بنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیرہ ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جناب مولوی اشرف علی صاحب تھانوی!

الحمدللہ! اس فقیر بارگاہ غالب قدیر عزجلالہ، کے دل میں کسی شخص سے نہ ذاتی مخالفت نہ دنیوی خصومت، مجھے میرے سرکار ابد قرار حضور پرنور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محض اپنے کرم سے اس خدمت پر مامور فرمایا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ایسوں کے حال سے خبردار رکھوں جو مسلمان کہلا کر اللہ واحد قہار جل جلالہ اور محمد رسول اللہ ماذون مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس پر حملہ کریں تاکہ میرے عوام بھائی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑیں ان "ذیاب فی ثیاب"

کے جبوں، عماموں، مولویت، مشیخیت کے مقدس ناموں قال اللہ وقال الرسول کے روغنی کلاموں سے دھوکے میں آکر شکار گرگاں خونخوار ہو کر معاذاللہ سقر میں نہ گریں، یہ مبارک کام بحمد المنعام اس عاجز کی طاقت سے بدرجہا خوب تر وفنروں تر ہوا،اور ہوتا ہے،اور جب تک وہ چاہے گا ہوگا۔ ذلك من فضل اللہ علینا وعلی الناس، والحمدللہ رب العالمین (ہم پر اور لوگوں پر یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ت) اس سے زیادہ نہ کچھ مقصود نہ کسی کی سب وشتم وبہتان وافتراء کی پروا، میرے سرکار نے مجھے پہلے ہی سنادیا تھا:

"وَ لَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَمِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا اَذًی کَثِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۱۸۶﴾ "[1]۔	بے شک ضرور تم مخالفوں کی طرف سے بہت کچھ برا سنوگے اور اگر صبر و تقوٰی کرو تو وہ بڑی ہمت کا کام ہے۔

الحمدللہ! یہ زبانی ادعا نہیں۔ میری تمام کاروائیاں اس پر شاہد عدل ہیں، موافق اور مخالف سب دیکھ رہے ہیں کہ امر دین کے علاوہ جتنے ذاتی حملے مجھ پر ہوئے کسی کی اصلاً پروانہ کی،اصحاب فقیر نے آپ کی طرف سے ہر قابل جواب اشتہار کے لاجواب جواب دئے جو بحمدہٖ تعالٰی لاجواب رہے مگر جناب کے مہذب عالم مقدس متکلم مولوی مرتضی حسن صاحب دیوبندی چاند پوری کے کمال شستہ وشائستہ دشنام نامے (بریلی چپ شاہ گرفتار) کی نسبت قطعی ممانعت کردی، جس کا آج تک ادھر والوں کو افتخار ہے کہ ہمارا گالی نامہ لاجواب رہا، گرامی منش مولانا ثناء اللہ امرتسری ممکن و موجود میں فرق نہ جان سکے، مقدورات الٰہیہ کو موجودات میں منحصر ٹھہرایا، علم الٰہی کے نامحدود ہونے میں اپنے آپ کو متامل بتایا اور جاتے ہی رمضان جیسے مبارک مہینہ میں برعکس چھاپ دیا، میں ہرا آیا،ادھر اس پر بھی التفات نہ ہوا، عاقلاں نیکوں میدانند پر اکتفا کیا، یہاں تک وقائع مکہ معظمہ میں کیسے کیسے معکوس اور مصنوع اکاذیب فاجرہ اخباروں میں کس آب وتاب سے چھپاکئے، ہر چند احباب کا اصرار ہوا، فقیر اتنا ہی شائع کرتا ہے کہ "یہ جھوٹ ہے" اتنا بھی نہ کیا، پھر جب چند ہی روز میں حضرات کے جھوٹ کھل گئے اور واحد قہار کے زبردست ہاتھوں نے ان کے منہ میں پتھر دے دئے، اسی پر بھی میں نے اتنا نہ کہا کہ "کیسا آپ صاحبوں کا جھوٹ کھلا" ایسے وقائع بکثرت ہیں، اور اب جو صاحب چاہیں امتحان لیں، ان شاء اللہ العزیز ذاتی حملوں پر کبھی التفات نہ ہوگا۔ سرکار سے مجھے یہ خدمت سپرد ہے کہ عزت سراکار کی حمایت کروں نہ کہ اپنی۔

میں تو خوش ہوں کہ جتنی دیر مجھے گالیاں دیتے، افتراء کرتے، برا کہتے ہیں اتنی دیر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بدگوئی، منقصت جوئی سے غافل رہتے ہیں، میں چھاپ چکا، اور پھر لکھتا ہوں میری آنکھ کی ٹھنڈک

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۶

اس میں ہے کہ میری اور میرے آباء کرام کی آبروئیں عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سپر رہیں، اللھم اٰمین!

تذکارات

(۱) آپ جانتے ہیں اور زمانہ پر روشن ہے کہ بفضلہٖ سالہا سال سے کس قدر رسائل کثیرہ عزیزہ آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی صاحب وغیرہ کے رد میں ادھر سے شائع ہوئے اور **بحمدہٖ تعالٰی** ہمیشہ لاجواب رہے۔

(۲) وہ اور آپ صراحۃً مناظرہ سے استعفاء دے چکے

(۳) سوالات گئے جواب نہ ملے، رسائل بھیجے داخل دفتر ہوئے، رجسٹریاں پہنچیں منکر ہو کر واپس فرمادیں،

(۴) اخیر تدبیر کو دیوبند جلسہ میں ان رئیسوں کے ذریعہ سے جن کا جناب پر بار ہے تحریک کی، اس پر بھی آپ ساکت ہی رہے۔

(۵) رئیسوں کا دباؤ تھا، ناچار دفعہ وقتی کو وہی چاندپوری صاحب آپ کے وکیل بنے، فقیر نے اپنے خط وقلم سے جناب کو رجسٹری شدہ کارڈ بھیجا۔ پھر کیا آپ مناظرہ معلومہ پر آمادہ ہوئے، کیا آپ نے چاند پوری صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیا؟ سات [۷] مہینے سے زائد گزر گئے آپ نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ واقعی آمادہ ہوئے ہوتے۔ واقعی آپ نے وکیل کیا ہوتا تو "ہاں" لکھ دینا دشوار نہ ہوتا۔ مردانہ وار اقرار سے فرار نہ ہوتا۔ یہ ہے وہ فرضی، لایعنی، غیر واقع، بے بھبتی معاہدہ جس سے عدول کا ادھر الزام لگایا جاتاہے۔ سبحان اللہ! اپنے وکیل بالادعا کی وکالت آپ نہ مانیں اور عدول جانب خصم سے جانیں۔ ہاں جناب تو نہ بولے، سولہ [۱۶] دن بعد انھیں آپ کے موکل صاحب نے لب کھولے کہ ہم جو رؤسا کے سامنے اپنے منہ آپ ہی دعوی وکالت کرچکے ہیں۔ اب جناب تھانوی صاحب سے دریافت کرنا ذلت اور رسوائی، گردن کا طوق، ناپاک چالیں، بے شرمی کے حیلے ہیں (ملاحظہ ہو ان کا شریفانہ مہذب خط مورخہ ۳۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۷ھ) جو ان کی اعلٰی تہذیبوں سے نمونہ خروارے ہے۔ یہ خطاب محض اس جرم پر ہیں کہ تھانوی صاحب سے ہماری وکالت کا کیوں استفسار کیا، ان کے قبول وعدوں پر کیوں موقوف رکھا، ہماراز بانی اعا کیوں نہ مان لیا، جناب تھانوی صاحب لاکھ نہ مانیں ہم جو ان کے وکیل بن بیٹھے ہیں، اب نہ ماننا بے شرمی کا حیلہ ہے، ناپاک چال ہے، ذلت ہے، رسوائی ہے، طوق وبال ہے، جناب تھانوی صاحب! آپ اپنے موکل یعنی خود ساختہ وکیل صاحب کی بابت خود ہی فیصلہ فرماسکتے ہیں، آج تک ایسی وکالت کسی

غیر مجنون کے نزدیک قابل قبول ہوئی یا کوئی عاقل ایسے حضرات سے خطار وار کھے گا۔

(٦) جلسہ دیوبند کے بعد جناب مولوی گنگوہی صاحب کے ایک شاگرد رشید مولوی علی رضا مودی نے آپ حضرات سے مناظرہ کرلینے کی تحریک کی، انھیں فورًا الکھا گیا، یہاں تو برسوں سے یہی درخواست ہے، جناب گنگوہی صاحب اپنی راہ گئے، جناب تھانوی صاحب بھی انھیں کی راہ پر مہر برلب ہیں۔ آپ ہی ہمت کیجئے اور تھانوی صاحب سے جواب لادیجئے، اس کے پہنچنے پر ان صاحب نے بھی ہمت ہار دی۔

(۷) از ناب جناب کے افتراء اعظم پر مسلمانوں نے پانچ سو روپے نقد کا اشتہار دیا اور آپ کو رجسٹری بھیجا، آپ نے نہ جواب دے سکے نہ ثبوت،

(۸) دوسرے اشد افتراء نامہ پر تین ہزار روپے کا اشتہار آپ کو دیا اور رجسٹری بھیجا، اگر تمام جماعت سے کچھ بن پڑتی تو اپنے مدرسہ دیوبند کے لئے اتنی بڑی رقم نہ چھوڑی جاتی مگر نہ جواب ہی ممکن ہوا نہ ثبوت ناچار چارہ کار وہی سکوت۔

(۹) یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے، کہاں سے لائیے، کس گھر سے دیجئے، مگر جناب والا! ایسی صورتوں میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے، معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پر انھیں لجاتے شرماتے، اگر جناب کی طرف سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انھیں شہ دی یہاں تک کہ انھوں نے "سیف النقی" جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بن نہ پڑی یعنی میرے رسائل قاہرہ کے قرض اتارنے کا یہ ذریعہ شنیعہ ایجاد کیا کہ میرے والد ماجد وجد امجد وپیر ومرشد قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُمْ وخود حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسمائے طیبہ سے کتابیں گھڑلیں، ان کے نام نہاد مطبع تراش لئے، فرضی صفحوں کے نشان سے عبارتیں تصنیف کرلیں جس کی مختصر جدول یہ ہے:

نام کتاب	اسمائے طیبہ مفتری علیہم	مطبع تراشیدہ	صفحہ تراشیدہ	خلاصہ عبارت تراشیدہ	صفحہ افتراء
ہدایۃ البریہ	والد ماجد قدس سرہ	لاہور	۱۳	مسئلہ علم غیب	۱۱
"		"	۴۱	مسئلہ تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۰
تحفۃ المقلدین	حضرت خاتم المحققین	صبح صادق سیتاپور	۱۵	تعریف جناب گنگوہی صاحب	۳
ہدایۃ الاسلام	حضرت قدوۃ السالکین جد امجد قدس سرہ	"	۳۰	مسئلہ علم غیب خاص بحمایت تھانوی صاحب	۱۱
تحفۃ المقلدین	جد امجد قدس سرہ	لکھنؤ	۱۲	تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۰
خزینۃ الاولیاء	اعلیحضرت سیدنا حمزہ قدس سرہ	کانپور	۱۵	مسئلہ علم غیب بحمایت تھانوی صاحب	۱۱
ملفوظات	" " "	مصطفائی	۱۷	تبدیل گورستان بحمایت گنگوہی صاحب	۲۱
مراۃ الحقیقۃ	حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ عنہ	مصر	۱۸	مسئلہ علم غیب	۱۴

اور بے دھڑک لکھ دیا کہ تم یہ کہتے ہو اور تمھارے اکابر اپنی ان کتابوں میں ان مطابع کی مطبوعات میں ان صفحوں پر یہ فرماتے ہیں، حالانکہ ان کتابوں کا جہاں میں وجود، نہ ان مطابع کا کسی مطبع میں چھپی، نہ ان حضرات نے تصنیف فرمائی، نہ حوالہ دہندہ کے فرض وتراش کے باہر آئیں، جرات پر جرات یہ کہ صفحہ ۲۰ پر جو فرضی مطبع لاہور کی خیالی ہدایۃ البریہ سے ایک فتوی گھڑا اس کے آخر میں حضرت خاتم المحققین قدس سرہ، کی مہر بھی دل سے تراش لی جس میں ۱۳۰۱ھ لکھے حالانکہ حضرت والا کا وصال شریف ۱۲۹۷ھ میں ہوچکا، حضرات کی حیا! یہ سخت گندہ افترائی رسالہ جناب کے مدرسہ دیوبند سے شائع ہوا، صاحب مطبع کا بیان ہے کہ آپ کے ایک متکلم مصنف مولوی صغیر حسین صاحب دیوبندی نے چھپوایا، آپ کے وکیل مولوی مرتضی حسن دیوبندی نے اپنے ایک خط میں اسے افتخارًا پیش کیا کہ تحریر میں بھی اب آپ کی حقیقت دیکھنی ہے سیف النقی طبع ہوچکا ہے ملاحظہ سے گزرا ہوگا (ملاحظہ ہو خط ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۲۸ھ) جب حیاء ودین وغیرت و دیانت و عقل وانسانیت کی نوبت یہاں تک مشاہدہ ہوئی ہر ذی فہم نے جان لیا کہ بحث کا خاتمہ ہوگیا، حضرات سے مخاطبہ کسی عاقل کا کام نہ رہا، الحمدللہ کتب ورسائل فقیر تو چھتیس سال سے لاجواب ہیں، اصحاب واحباب فقیر کے رسائل بھی بعونہٖ عزجلالہ، لاجواب ہی ہے۔ ادھر کے تازہ رسائل [1]ظفر الدین الطیب و [2]کین کش پنجہ پیچ و [3]بارش سنگی و [4]پیکان جانگداز و [5]العذاب البئس اور [6]ضروری نوٹس و [7]نیاز مانہ و [8]کشف راز و [9]اشتہار چہارم و پنجم و ہفتم و ہشتم ہی ملاحظہ فرمائے، کس سے جواب ہوسکا؟ ان کے اعتراضوں مواخذون اور مطالبوں کا کس نے قرض ادا کیا؟ بات بدل کر ادھر اُدھر کی مہمل لچر اگر ایک آدھ پرچے میں کسی صاحب نے کچھ فرمائی اس کا جواب فورًا شائع ہوا کہ پھر ادھر مہر سکوت لگ گئی والحمد للہ رب العلمین، مگر آپ کی یہ تدبیر حضرات کو ایسی سوجھی جس کا جواب ایک میں اور میرے اصحاب کیا تمام جہاں میں کسی عاقل سے نہ ہوسکے، غریب مسلمان اتنی حیاء وغیرت ایسی بے تکان جرات اتنی بیباک طبیعت کہاں سے لائیں کہ کتابوں کی کتابیں دل سے گھڑلیں، ان کے مطبع تراش لئے، ان کی عبارتیں ڈھال لیں اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سربازار چھاپ دیں کہ فلاں چھاپے کی فلاں کتاب فلاں صفحہ پر جناب مولوی گنگوہی صاحب

نے لکھا ہے کہ تھانوی صاحب کافر ہیں، فلاں مطبع کے فلاں رسالے فلاں سطر میں جناب مولوی تھانوی صاحب نے فرمایا ہے کہ گنگوہی صاحب مرتد ہیں، جو اتنا ہولے وہ حضرات سے مخاطبہ کا نام لے کر اور واقعی سوا اس طریقے کے اور کرہی کیا سکتے تھے کہ حضرات چھتیس سال کے کتب ورسائل کے بار سے سبکدوش ہوتے۔

وقت ضرورت گر نماز گریز دست بگیر وسر شمشیر تیز

(مصیبت کے وقت جب انسان کو بھاگنے کی بھی طاقت نہیں رہتی تو وہ لڑائی کے لئے کمربستہ ہوجاتا ہے۔ت)

(۱۰) الحمدللہ! حق تمام جہان پر واضح ہولیا اور ہر عاقل اگرچہ مخالف ہو خوب سمجھ گیا کہ کس نے مناظرہ سے برسوں فرار کیا۔ کس نے ہر بار مقابلہ جواب سے انکار کیا، کون اتنا عاجز آیا کہ حیاوانسانیت کا یکسر پردہ اٹھایا، اور مرتا کیا نہ کرتا کہ اس طرف چال برا باآیا جو آج تک کسی منکر اسلام کو بھی اسلام کے مقابل نہ سوجھی، مسلیمہ ملعون نے جواب قرآن عظیم کے نام سے وہ کچھ ناپاک خباثتیں ہزل فحش لغو جہالتیں بکیں مگر یہ اسے بھی نہ بن پڑی تھی کہ کچھ آیتیں سورتیں گھڑ کر قرآن عظیم ہی کی طرف منسوب کردیتا کہ مسلمانو! تم تویوں کہتے ہو اور تمھارے قرآن میں یہ لکھا ہے، یہ خاتمہ کا بند اس اخیر دور میں "مدرسہ عالیہ دیوبند" اور اس کے ہوا خواہوں ہی کا حصہ تھا۔ بایں ہمہ آپ کے بعض بیچارے نافہم عوام یہ امید کئے جاتے ہیں کہ آپ مناظرہ فرمائیں گے، اسی کے متعلق اب تازہ شگوفہ نے خورجہ سے خروج کیا ہے جو آپ کے کسی خلیفہ کلن صاحب کا کھلایا ہوا ہے۔ اگرچہ یہاں صدہا بار کا تجربہ ہے کہ آپ نہ بولے نہ بولیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں لکھ کر چھاپنی تھیں وہ چھاپ چکے اور بار بار چھاپی جارہی ہے۔ اس پر مسلمانان عرب وعجم مطالبہ کریں، آپ کو کیا عرض پڑی ہے کہ جواب دیں، کتنی بار خود آپ سے مطالبے ہوئے جواب غائب، جلسہ دیوبند میں خط بھیجا جواب غائب، تصدیق وکالت کے لئے رجسٹری گئی، جواب غائب، آپ کے یہاں کے شاگرد مودی ہمکے ان کو متوسط کیا، جواب غائب، جناب شیخ بشیر الدین وغیرہ رؤسائے میرٹھ کو متوسط کیا، جواب غائب، جب آپ کے آقایان نعمت کی وساطت پر بھی آپ نے جواب نہ دیا تو اب خورجہ والے آپ کو بلوائیں۔ یہ امید موہوم، بہت اچھا ہزار بار گنا بھول گئے ایک بار پھر سہی، آپ کے معتقدین خورجہ نے آپ حضرات کے اقوال سے ناتجربہ کاری یا اپنی سادگی سے لکھ دیا کہ جو صورت یہ فقیر بارگاہ مصطفوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پسند کرے منظور ہے۔ بہت خوب ادھر سے کتنی بار اصول اور اہم شرائط مناظرہ کی تصریح ہوچکی اور تعین مباحث کی گنتی ہی نہیں، فقیر نے جو خط جلسہ دیوبند میں بھیجا اس میں بھی ان کی یاددہانی تھی، ظفر الدین الطیب وضروری نوٹس ملاحظہ ہوں اور ان کے سوالوں کا جواب صاف صاف

خاص اپنے قلم ومہر ودستخط سے عطاہو۔ تمام اشتہاروں، تمام مطالبوں میں اگرچہ آپ کو کافی ووافی مہلتیں دیں اور ہمیشہ بیکار گئیں کہ آپ تواپنے ارادوں جیتے جی تک مہلت لئے ہوئے ہیں۔ پھر بھی ربط ضبط کے لئے تعین مدت لازم ہے۔ یہ سوالات کچھ غور طلب نہیں۔ تھوڑی عقل والا بھی ان فوراً ہاں یا نہ کہہ سکتاہے، مگر بہ لحاظ استعداد جناب شرعی مہلت کہ ابلاغ اعذار کے لئے معین ہے پیشکش اور وصول خط سے تین دین کے اندر ہر سوال کا معقول جواب صاف صریح مہری عنایت ہو، یہ آخری بار ہے اس دفعہ بھی پہلو تہی فرمائی تو جن کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم اقدس میں ملا یا انہی میں آپ کو ملا دینے کی ہمارے لئے اجازت ہو۔

استفسارات

(۱) توہین اور تکذیب خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے الزامات قطعیہ جو مدتوں سے آپ اور آپ کے اکابر جناب مولوی گنگوہی ونانوتوی صاحبان پر ہیں۔ کیا آپ ان میں اس فقیر سے مناظرہ پر آمادہ ہیں یا ہونا چاہتے ہیں؟

(۲) کیا آپ بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلاجبر واکراہ اقرار فرماتے ہیں کہ حسام الحرمین و تمہید ایمان وبطش غیب وغیرہ کے سوالات واعتراضات کا جواب بالمواجہ مہری ودستخطی دیتے ہیں گئے یونہی ان جوابات پر جو سوالات وردپیدا ہوں ان کا یہاں تک کہ مناظرہ انجام کو پہنچے اور بفضلہٖ تعالٰی حق ظاہر ہوں۔

(۳) کیا آپ اسی پر اکتفا فرمائیں گے یا حسب ترتیب مذکور ظفرالدین الطیب اس کے بعد سبحان السبوح و کوکبہ شہابیہ وسل السیوف وغیرہا میرے رسائل کے مطالبات سے اپنے اکابر گنگوہی صاحب واسمٰعیل دہلوی صاحب کو سبکدوش کریں گے۔

(۴) اگر آپ اپنے ہی اقوال کے ذمہ دار ہوں اور اپنے اکابر جناب گنگوہی ونانوتوی دہلوی صاحبان پر سے دفع کفر وضلال کی ہمت نہ فرمائیں، تو اتنا ارشاد ہو کہ یہاں دو فریق ہیں: اول مسلمانان اہلسنت عرب وعجم، دوم صاحبان مذکور گنگوہی ونانوتہ ودہلی مع الاتباع والاذناب ومن بلی۔ جناب اگر فریق اول سے ہیں تو الحمد للہ ذلك ما کنا نبغ (الحمد للہ ہی ہم چاہتے ہیں۔ ت) تحریر فرمادیجئے کہ جنابان گنگوہی ونانوتوی ودہلوی سے بری ہوں وہ اپنے اقوال وکفر ضلال وتوہین وتکذیب رب ذوالجلال ومحبوب ذی الجمال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باعث ویسے ہی ہیں جیسا ان کو علماء حرمین شریفین

لکھتے آئے اور جیسا ان کی نسبت حسام الحرمین وفتاوٰی الحرمین وغیرہما میں لکھا ہے، اس وقت بلا شبہ ان کے اقوال کا مطالبہ آپ ہی سے نہیں ہو سکتا بلکہ آپ خود بھی ان کے اتباع واذناب سے مطالبہ و مواخذہ میں شریک ہوں گے، اور اگر جناب فریق دوم سے ہیں تو ان کے اقوال خود آپ کے اقوال ہیں پھر جواب مطالبات سے پہلوں تہی کیا معنی؟ اور ظاہر اس کا مظنہ نہیں کہ جناب فریقین سے جدا ہو کر کسی تیسرے طائفہ مثلاً رافضی، خارجی، قادیانی، نیچری وغیرہ میں اپنے آپ کو گنیں اور بالفرض ایسا ہو تو اس کی تصریح فرمادیجئے، یوں بھی اس مطالبہ سے آپ کو برات ہے۔

(۵) واقعی آپ نے اپنے یہاں کے متکلم اکبر چاندپوری صاحب کو جلسہ دیوبند میں مناظرہ مذکورہ کے لئے اپنا وکیل مطلق و مختار عام کیا تھا یا انھوں نے محض جھوٹ مشہور کردیا؟ برتقدیر اول کیا سبب کو اسی کی تصدیق کے لئے جو کارڈ رجسٹر شدہ گیا آج جناب کو آٹھواں مہینہ ہے کہ جواب نہ دیا۔

(۶) وہ آپ نے وکیل کیا یا چاندپوری خود بن بیٹھے؟ بہر حال آپ سے اس کی تصدیق چاہنا ویسا ہی جرم اور انھیں مہذب خطابوں کا مستحق ہے جو چاندپوری صاحب نے تحریر فرمائے یا ان کا وہ زعم محض ہذیان ومکابرہ و بے عقلی و جنون وزبان درازی ودریدہ دہنی ہے۔ برتقدیر اول شرع، عقل، عرف کس کا قانون ہے کہ زید جو محض اپنی زبان سے وکیل عمرو ہونے کا مدعی ہوا، اسی قدر سے اس کی وکالت ثابت ہو جائے اور تصرفات وہ جو عمرو کے مال واہل میں کرے نافذ وتام قرار پائیں اگرچہ عمرو ہرگز اس کی توکیل کا اقرار نہ دے۔ برتقدیر ثانی کیا ایسا شخص کسی عاقل کے نزدیک قابل خطاب علوم خصوصاً مسائل اصول دینیہ ہو سکتا ہے یا مردود ومطرود نالائق مخاطبہ ہے؟

(۷) سیف النقی کی نسبت بھی ارشاد ہو، آخر میں آپ بھی اللہ واحد قہار کا نام تو لیتے ہیں اسی واحد قہار جبار کی شہادت سے بتائے کہ یہ حرکات جو آپ کے یہاں کے علماء مناظرین کررہے ہیں صاف وصریح ان کے عجز کامل اور نہایت گندی حملہ بزدل کی دلیل روشن ہیں یا نہیں؟

(۸) جو حضرات ایسی حرکات اور اتنی بے تکلف اختیار کریں، جو ان کو چھپوائیں، بیچیں، بانٹیں، شائع اور آشکارا کریں، جو اُن کو پیش کریں، حوالہ دیں، ان پر افتخار کریں، جو امور مذکورہ کو روا رکھیں، ترک انسداد وانکار کریں، کسی عاقل کے نزدیک لائق خطاب ٹھہر سکتے ہیں؟ یا صاف ظاہر ہوگیا کہ مناظرہ آخر ہوگیا، مناظرہ مناظرہ کا جھوٹا نام لینے والے بے روح پھڑکتے بے جان سسکتے ہیں، "قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی ﴿۱۴﴾ "[1] (اس میں نہ وہ مرے نہ زندہ رہے۔ت)

(۹) اس واحد قہار جلیل وجبار کی شہادت سے یہ بھی بتادیجئے کہ وہ رسالہ ملعونہ جو خاص جناب کے

---

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱۳

مدرسہ دیوبند سے اشاعت ہورہا ہے اور جس کے آخر میں آپ کے دیوبند مولوی کا اعلان لکھا ہے کہ بندہ کی معرفت رسالہ "سیف النقی علیٰ راس الشقی" بھی مل سکتا ہے قیمت ۲؍ آنہ۔اور مولٰنا محمد اشرف علی صاحب وغیرہ بزرگان دین کی جملہ تصانیف بھی مل سکتی ہیں۔راقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہانپور۔

اس اشاعت کی آپ کو اطلاع توظاہر مگراس میں اس میں آپ کا شوریٰ نہیں۔آپ کی شرکت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ کی رضا ورغبت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ کو سکوت اور سکوت کا محصل اجازت ہے یا نہیں؟ نہیں توآپ نے کیا انسداد کیا؟اور اس میں اپنی پوری قدرت صرف کی یا بے پرواہی برتی؟برتقدیر اول اثر کیوں نہیں ہوتا؟برتقدیر ثانی یہ بھی نیم اجازت ہے یا نہیں؟

(۱۰) اسی عزیز، مقتدر، منتقم، متکبر عزجلالہ کی شہادت سے یہ بھی حسبۃً اللہ فرمادیجئے کہ حالات ومقالات جو ظفرالدین الجید تا اشتہار ہشتم ازنامہ حاضرہ مسمّٰی بہ ابحاث اخیرہ میں مذکور ہوئی سب حق وصواب ہیں یاان میں سے کون ساخلاف واقع ہے؟اور جب سب حق ہیں تومناظرہ کاطالب کون رہااور برابر فرار برفرار، گریز بر گریز پر کس نے قرار کیا؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

"رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ "[1]	اے میرے رب! حق فیصلہ فرمادے۔اور ہمارے رب رحمان ہی کی مدد درکار ہے ان باتوں پر جو تم بناتے ہو(ت)

جناب مولوی تھانوی صاحب! یہ دس سوال ہیں صرف واقعات یاآپ کے ارادہ وہمت سے استفسار یاصاف واضحات جن کاجواب ہر ذی عقل پر اشکار، بایں ہمہ جواب میں جناب کو تین دن کی مہلت دی گئی اگر جناب کے نزدیک یہ بھی کم ہے تو بے تکلف فرمادیجئے آپ جس قدر چاہیں فقیر توسیع کرنے کو حاضر ہے مگر جواب خود دیجئے،اب وکالت کا زمانہ گیا، وکلاء کا حال کھل گیا۔مدتوں جناب کو اختیار توکیل دیا کہ آپ گھبراتے ہیں تو جسے چاہیں اپنے مہر ودستخط سے اپنا وکیل بنائے، بار بار سائل واشتہارات میں اس کی تکرار کی مگرآپ نے خاموشی ہی اختیار کی،اور بالآخر چاندپوری صاحب محض بروز زبان خود بخود آپ کے وکیل بنے جس کاانجام وہ ہوا،کیاآپ عالم نہیں۔کیاآپ وضوح حق نہیں چاہتے؟کیاآپ ان کلمات کے قائل نہیں؟کیاآپ پر خود اپنا تبریہ لازم نہیں؟آپ دوسروں کا سہارا چھوڑئے اور اللہ کو مان کر تحقیق حق سے منہ نہ موڑئے، حیرانی وپریشانی میں عوام متقدین کادم نہ توڑئے،ہاں ہاں آپ سے مطالبہ ہے۔آپ پر مواخذہ ہے۔اورآپ جواب

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۱۲

دیجئے، اپنے قلم وخط سے دیجئے، اپنے مہرو دستخط سے دیجئے، ورنہ صاف انکار کر دیجئے کہ عوام کی چپقلش تو جائے، حق اہل فہم پر ظاہر ہو چکا ہے۔آپ کے ان معتقدین پر بھی وضوح پائے پھر ان میں سے جسے توفیق ہو ضلالت چھوڑ کر ہدی پر آئے۔واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا وناصرنا وماوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العالمین O

O

دستخط

فقیر احمد رضا خاں قادری عفی عنہ

آج بستم ذی القعدہ ۱۳۲۸ھ روز چہار شنبہ کو فقیر نے خود لکھا

اور میری مہر و دستخط سے امضا ہوا۔

کاش یہ بات اسی وقت طے ہو جاتی!

ایک تاریخی خط

(بافاضہ حضرۃ علامہ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی مدظلہ العالی)

علمائے دیوبند کی وہ دین سوز عبارتیں جن پر سارا عرب وعجم چیخ اٹھا تھا، دنیا کے بڑے بڑے علماء کرام ومفتیان عظام ومشائخ ذوی الاحترام وعوام لرز گئے تھے۔ ہر دردمند مخلص تڑپ رہا تھا کہ کسی صورت یہ فتنہ ختم ہو اور ملت اسلامیہ سکون واطمینان کا سانس لے۔

دین اور ملت اسلامیہ میں فتنہ اور افتراق کی یہ ہولناک آگ ایسی نہ تھی جس پر مجدد اعظم امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ، خاموش تماشائی رہتے، اسلام کا انتہائی درد، مسلمانوں کی دنیا وآخرت کی تباہی کا خوف اور آپ کے منصب کی ذمہ داری نے آپ کو مضطرب اور بے چین کر دیا، علماء دیوبند کو دعوت پر دعوت دی، بہت سے مطبوعہ وغیر مطبوعہ خطوط لکھے، رجسٹریاں بھیجیں کہ اے اللہ کے بندو! تمھاری ان عبارتوں سے اسلام کی بنیادوں پر ضربیں لگی ہیں، مسلمان سخت مشکلات میں پھنس گیا ہے، دنیا کے ساتھ اس کی آخرت بھی برباد ہو رہی ہے۔ آؤ، ہم تم بیٹھ کر اس معاملہ کو صاف کر لیں اور اس راہ کو اختیار کریں جو اسلام کا عین منشاء اور مسلمانوں کے لئے صراط مستقیم ہو، مگر افسوس کہ اکابر دیوبند نے یا تو اس سے اجتناب کیا یا اگر وعدے بھی کئے تو ایفا نہ کر سکے، خجالت اور شرمندگی دامنگیر رہی۔

علماء دیوبند کی اس روش کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس وقت کے اندیشوں کے مطابق یہ فتنہ آج اپنے عروج پر پہنچ گیا جس سے نہ صرف مسلمانوں کی دنیا کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے بلکہ ایک بہت بڑی جماعت اور اس کی مختلف شاخوں کی آخرت بھی برباد ہو رہی ہے۔

ہم ذیل میں مجدد اعظم امام بریلوی قدس سرہ، کے ایک تاریخی خط کی نقل پیش کر رہے جو آپ نے آج سے تقریبًا ستاسٹھ ۶۷ [1] سال قبل ۱۳۲۹ھ میں مولوی اشرف علی تھانوی کو لکھا تھا اور جو رسالہ "دافع الفساد عن مراد آباد" میں چھپ چکا تھا۔

معاوضہ عالیہ امام بریلوی قدس سرہ،

نقل

بنام

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم ○

السلام علی من اتبع الھدٰی، فقیر بارگاہ عزیز قدیر عزجلالہ، تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے اب حسب معاہدہ قرار داد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ سوالات و مواخذ حسام الحرمین کی جواب دہی کو آمادہ ہوں، میں اور آپ جو کچھ کہیں لکھ کر کہیں اور سنادیں اور وہی دستخطی پرچہ اسی وقت فریقین مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کے بدلنے کی گنجائش نہ رہے۔ معاہدہ میں ۲۷ صفر ۱۳۱۹ھ) مناظرہ کے لئے مقرر ہوئی ہے، آج پندرہ کو اس کی خبر مجھ کو ملی، گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے، اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالٰی دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے، لہٰذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کرکے یہی ۲۷ صفر روز جان افروز دوشنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے آپ فورًا قبول کی تحریر اپنی مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۷ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں۔ اور آپ بالذات اس امر اہم و اعظم دین کو طے کرلیں اپنے دل کی آپ جیسی بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا، عاقل بالغ مستطیع غیر مخدرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ مع ہذا یہ معاملہ کفر و اسلام کا ہے، کفر و اسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے اور وکیل کا سہارا ڈھونڈ لے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے اس کا تمام ساختہ وپرداختہ، قبول، سکوت، نکول، عدول سب آپ کا ہے، اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقتدر عزوجلالہ، آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساقط یا فار ہوا تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور اعلانیہ کفر کی توبہ اعلانیہ لازم، میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی کے سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے پھر آپ خود ہی دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان اقدس میں

---

[1] موجودہ ۱۴۱۹ھ کے مطابق اب سے تقریبًا نوے ۹۰ سال قبل

گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجلت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں۔ ہر بار ایک ہی طرح کے جواب ہوتے ہیں، آخر تابکے، یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمدللہ میں فرض ہدایت ادا کرچکا، آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوادینا میرا کام نہیں اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، والحمدللہ رب العلمین۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۵ صفر المظفر روز چہار شنبہ ۱۳۲۹ھ

(مآل یہی ہوا کہ اکابر دیوبند گھبراتے رہے، خجالت وشرمندگی نبھاتے رہے،

رجوع واتحاد سے گریز کیا اور ایک بہت بڑا فتنہ باقی رہ گیا۔)

مسئلہ ۱۱: از لائن مین بکسرا اسٹیشن ڈاکخانہ گجادھر گنج مسئولہ حاجی عبداللہ خاں صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر ہو تو صرف یہ کہنا کہ رسول نے ایسا کیا رسول نے ایسا کہا، کیا مناسب ہے؟

الجواب:

نام اقدس تعظیم کے ساتھ لینا فرض ہے، خالی رسول رسول کہنا اگر بقصد ترک تعظیم ہے تو کفر ہے ورنہ بلاضرورت ہو تو برکات سے محرومی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: از شہر محلہ ملوکپور مسئولہ محمود الرحمٰن صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

فتوٰی حضور والا کا دربارہ شرکت جلوس مسٹر شوکت علی وغیرہم فدویان نے مطالعہ کیا اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کی مگر بعض آدمی جواب کے الفاظ پر یوں شبہ پیش کرتے ہیں ایسے جلوس میں شرکت مولانا شوکت علی ومحمد علی صاحبان دو مسلمان ہیں اور مقاصد حال بھی مسلمانوں ہی کے ہیں پس تعظیم ہندو کے جلوس کی کیونکر ہوئی نیز لفظ **فھو منھم** (پس وہ انہی میں سے ہے۔ ت) بتلاتا ہے کہ شریک ہونے والے کافر ہوجائیں گے، کیا یہ الفاظ حقیقت پر محمول ہیں؟ مہربانی فرماکر ان دونوں شبہوں کا اور جواب عنایت فرمادیجئے تاکہ حیلہ گروں کو حیلہ کا موقع نہ رہے۔

الجواب:

اس میں جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں گاندھی کے تابع ہو کر آرہے ہیں، اشتہار کی سرخی میں صرف اس کی آمد ہے اور اس کی خدمات اور قربانیوں کا ذکر کرکے اس کے استقبال کو شاندار بنانے کا شدومد ہے، باقی مسلم یا نامسلم اس کے ساتھی یا تابع رکھے گئے ہیں اور پیغام بھی اسی کا سنانا لکھا ہے، پھر یہ جلوس دوسرے کا کیونکر ہوسکتا ہے، حدیث کے ارشاد پر نکتہ چینی مسلمان کا کام نہیں، فعل کفر میں جو دل سے شریک ہو وہ ظاہرًا باطنًا کافر ہے، اور جو اکراہ واضطرار و مجبوری محض سے بظاہر شریک ہوا سے معافی ہے۔ مگر اکراہ صحیح شرعی درکار ہے، کسی کی خاطر وغیرہ سے مجبور ہونا شرعی مجبوری نہیں اور بلا اکراہ شرعی شرکت کفر پر بھی شریعت مطہرہ لزوم کفر و تجدید اسلام و تجدید نکاح کا حکم دے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳: از شہر محلّہ لوکپور چھوٹا دروازہ مسئولہ سید رونق علی صاحب ۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خلافت اسلامیہ عرب کی کمیٹی کا جلسہ بریلی میں ہوگا، مولانا محمد علی و شوکت علی اور مہاتما گاندھی وغیرہ آئیں گے، بازار سجایا گیا ہے، ان سب کا جلوس دھوم دھام سے نکلے گا اور جلسہ میں مسلمان، ہندو، نیچری، وہابی، شیعہ سب شریک ہوں گے۔ ایسی حالت میں مسلمان اہلسنت وجماعت اس جلسہ میں شرکت کریں یا جلوس دیکھیں یا نہیں؟ اور اس جلسہ میں شرکت جائز ہے یا گناہ؟ کیسا گناہ؟ خدا کے واسطے حکم شریعت اس جلسہ میں چندہ دینے اور بیان سننے وغیرہ کا صاف صاف قرآن وحدیث سے بیان فرمایا جائے۔

الجواب:

تعظیم مشرک کے جلوس میں شرکت حرام ہے، اور حرام فعل کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:
التفرج علی المحرم حرام [1] (حرام پر خوشی بھی حرام ہے۔ت) ایسے جلسوں میں شرکت گناہ کبیرہ ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾" [2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: پس نصیحت و یاد دہانی کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت)

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من سود مع قوم فھو منھم** [3] (جس نے جس

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار مقدمۃ الکتاب دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] تاریخ بغداد حدیث ۵۱۶۷ عبداللہ بن عتاب دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۱

قوم کی کثرت بنائی وہ انہی میں سے ہے۔ت) حرام کاری میں چندہ دینا بھی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی: وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے: گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

اور نامسلم کو واعظ مسلمین بنا کر اس کا بیان سننا اشد سے اشد کبیرہ و بدخواہی اسلام ہے،

قال اللہ تعالٰی "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْۤا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْۤا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا۝۶۰ "[2]۔	اللہ تعالٰی کا مقدس فرمان ہے: پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلًا نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انھیں دور بہکادے۔ (ت)

سائل نے مہاتما لکھا یہ حرام ہے۔ مہاتما بمعنی روح اعظم ہے کہ خالص لقب افضل الملائکہ ہے علیہ و علیہم الصلٰوۃ والسلام، یونہی جو لوگ ایسا مذہب نکالنا چاہیں کہ مسلم وکافر کا فرق اٹھادے، سنگم و پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرادے جو لوگ کہیں کہ آج تم نے اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلیا، جو لوگ کہیں کہ خدا کی رسی مضبوط تھامنے سے اگرچہ دین ہاتھ سے جاتا رہے مگر دنیا تو ضرور ملے گی ایسوں کو مولانا کہنا حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

لاتقولوا للمنافق یاسیدنا فانہ ان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	منافق کو یاسندنا (اے ہمارے سردار) نہ کہو کیونکہ اگر وہ تمھارا سردار ہے تو تم نے اپنے رب کو یقینا اپنے سے ناراض کرلیا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث بریدہ الاسلمی دارالفکر بیروت ۵/ ۳۴۶-۴۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الدلائل القاھرۃ علی الکفرۃ النیاشرۃ ۱۳۳۵ھ
(نیچری کافروں کے خلاف دلائل قاہرہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین پرور وفقہائے نامور (کثرھم اللہ تعالٰی ونصرہم) اس سوال میں کہ اس ملک کاٹھیاوار میں ایک مجلس بنام "کاٹھیاوار مسلم ایجو کیشنل کانفرنس" اعنی کاٹھیاوار کے مسلمانوں کی تعلیمی مجلس قائم ہوئی ہے جن کے محرک ومختار متبعین ومتعلقین علیگڑھ کالج ہیں، ۱۲ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو ان کا پہلا جلسہ، جونا گڈھ (کاٹھیاوار) مقام پر ہوا جن کا صدر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پروفیسر علیگڑھ کالج وسکرٹری منشی غلام محمد بیریسٹر ایٹ لاء کاٹھیاواری ایجنٹ علیگڑھ کالج ومؤید آل انڈیا محمڈن ایجو کیشنل کانفرنس اور واعظ مولوی سلیمان پھلواروی جان جانان ندوہ مخذولہ قرار پائے، اس کانفرنس کا مقصد بھی آل انڈیا محمڈن ایجو کیشنل کانفرنس کا ہے جن میں بلارعایت سنی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی، نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم رکن (ممبر) ہوسکتے ہیں۔ ایسی مجلس (کانفرنس) کو بعض مسلمان اپنی دینی ودینوی ترقی کا سبب جان کر جان ومال سے امداد کرتے ہیں، اور دینی مفسدہ ومضرت سے آگاہ نہیں۔ اور بلا تفریق ورعایت اہل سنت تمام بے دینوں مرتدوں، مدعیان اسلام کو مسلمان سمجھ کر رکن (ممبر) بنائیں، بلکہ ان کے صدر اور سیکرٹری اور واعظ بنائے میں بھی خوف خدانہ لائیں، اور کوئی نصیحت کرے کہ ایسی پچرنگی مسلم کانفرنس خلاف شرع شریف ہے تو یہ بہانا بتائیں

کہ یہ دینی کانفرنس کہاں ہے یہ تو دینوی ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے جو ہمارا ملک تعلیم میں سب سے پیچھے ہے، آیا سنیوں کو ایسی کانفرنس کا قائم کرنا اور جان ومال سے اس کی مدد کرنا، اس کے جلسہ میں شریک ہونا بددین مرتدوں کو مسلمان سمجھنا اور ان سے میل جول پیدا کرنا اور ان سے ترقی کی امید رکھنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ یہ ہمارے ائمہ دین (رحمہم اللہ تعالیٰ) وضاحت سے بیان کرکے ان سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے اور بیدینوں کے ہتھکنڈوں سے بچا کر نعمائے دارین حاصل کریں، جواب آنے پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس استفتاء کو چھپوا کر اس ملک کاٹھیاوار و گجرات وبرما وغیرہا جگہ پر بغرض اشاعت مسلمانوں میں عام طور سے تقسیم کیا جائے گا۔ **فقط**

تاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۵ ہجریہ مقدسہ پنجشنبہ۔ راقم آثم خادم قاسم میاں عفی عنہ از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار

الجواب:

(۱) ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی ہے اور اس میں شرکت حرام، اور بدمذہبوں سے میل جول آگ ہے اور اس بڑی آگ کی طرف کھینچ کرلے جانے والا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [1]	اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

دخل فیه الکافر والمبتدع والفاسق والقعود مع کلھم ممتنع [2]۔	اس آیت کے حکم میں ہر کافر ومبتدع اور فاسق داخل ہیں اور ان میں سے کسی کے پاس بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ" [3]۔	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] التفسیرات الاحمدیه تحت آیة ۶/ ۶۸ مطبع کریمی بمبئی، انڈیا ص ۳۸۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

ولایفتنونکم [1] ۔	کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

مسلمان کا ایمان ہے کہ اللہ ورسول سے زیادہ کوئی ہماری بھلائی چاہنے والا نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس بات کی طرف بلائیں یقینا ہمارے دونوں جہان کا اس میں بھلا ہے، اور جس بات سے منع فرمائیں بلاشبہ سراسر ضرر وبلا ہے۔ مسلمان صورت میں ظاہر ہو کر جوان کے حکم کے خلاف کی طرف بلائے یقین ضرور چکنی چکنی باتیں کرے گا اور جب یہ دھوکے میں آیا اور ساتھ ہولیا تو گردن مارے گا مال لوٹے گا شامت اس بکری کی کہ اپنے راعی کا ارشاد نہ سنے اور بھیڑیا جو کسی بھیڑ کی اون پہن کر آیا اس کے ساتھ ہولے، ارے! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمھیں منع فرماتے ہیں وہ تمھاری جان سے بڑھ کر تمھارے خیر خواہ ہیں "حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ" [2] تمھارا مشقت میں پڑنا ان کے قلب اقدس پر گراں ہے "عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ" [3] واللہ وہ تم پر اس سے زیادہ مہربان ہیں جیسے نہایت چہیتی ماں اکلوتے بیٹے پر "بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾" [4]۔ ارے! ان کی سنو، ان کا دامن تھام لو، ان کے قدموں سے لپٹ جاؤ، وہ فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [5] ۔	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

ابن حبان وطبرانی وعقیلی کی حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا تؤاکلوھم ولا تشاربوھم ولا تجالسوھم ولا تناکحوھم واذا مرضوا فلاتعودوھم واذاما توافلا تشھدوھم	ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ ان کے ساتھ پانی نہ پیو، ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے رشتہ نہ کرو۔ وہ بیمار پڑیں تو پوچھنے نہ جاؤ، مر جائیں تو جنازہ پر نہ جاؤ،

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۸

[4] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۸

[5] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ولاتصلوا علیهم ولاتصلوا معهم [1]۔	نہ ان کی نماز پڑھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو۔

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نماز مغرب کے بعد کسی مسافر کو بھوکا پایا اپنے ساتھ کاشانہ خلافت میں لے آئے اس کے لئے کھانا منگایا، جب وہ کھانے بیٹھا کوئی بات بدمذہبی کی اس سے ظاہر ہوئی فوراً حکم ہوا کہ کھانا اٹھالیا جائے اور اسے نکال دیا جائے، سامنے سے کھانا اٹھوالیا اور اسے نکلوادیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کسی نے آکر عرض کی: فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے، فرمایا: **لاتقرأہ منی السلام فانی سمعت انہ احدث** میری طرف سے اسے سلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے کہ میں نے کچھ بدمذہبی نکالی۔ سیدنا سعید بن جبیر شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کو راستہ میں ایک بدمذہب ملا، کہا کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، فرمایا سننا نہیں چاہتا۔ عرض کی ایک کلمہ اپنا انگوٹھا چھنگلیا کے سرے پر رکھ کر فرمایا **ولانصف کلمۃ** آدھا لفظ بھی نہیں۔ لوگوں نے عرض کی اس کا کیا سبب ہے، فرمایا ازیشان منہم ہے، امام محمد بن سیرین شاگرد انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کے پاس دو بدمذہب آئے عرض کی کچھ آیات کلام اللہ آپ کو سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، عرض کی کچھ احادیث نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنائیں، فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، انھوں نے اصرار کیا، فرمایا تم دونوں اٹھ جاؤ یا میں اٹھا جاتا ہوں، آخر وہ خائب وخاسر چلے گئے، لوگوں نے عرض کی اے امام! آپ کا کیا حرج تھا اگر وہ کچھ آیتیں یا حدیثیں سناتے، فرمایا میں نے خوف کیا کہ وہ آیات واحادیث کے ساتھ اپنی کچھ تاویل لگائیں اور وہ میرے دل میں رہ جائے تو ہلاک ہو جاؤں۔ ائمہ کو یہ خوف تھا اور اب عوام کو یہ جرأت ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ اور ایسی جگہ مال دنیاوی پسند کرے گا جو دین نہیں رکھتا اس جو عقل سے بہرہ نہیں۔ یکے نقصان مایہ دگر شماتت ہمسایہ (ایک تو مال نقصان اور دوسرے ہمسایہ کی خوشی۔ت) ہمسایہ کون؟ وہ بئس القرین شیطان لعین کیسا خوش ہوگا کہ ایک ہی کرشمے میں دونوں جہان کا نقصان پہنچایا، مال بھی گیا اور آخرت میں عذاب کا بھی مستحق ہوا،

"خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾" [2]	دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا، یہی ہے صریح نقصان (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸، ۳۲۵۲۸، ۳۲۵۲۹، ۳۲۵۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹ و ۵۴۰ و ۵۴۲، الضعفاء الکبیر حدیث ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶، العلل المتناہیۃ حدیث ۲۶۰ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

دیکھو امان کی راہ وہی ہے جو تمھیں تمھارے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بتائی:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [1]۔	ان سے دور رہو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

دیکھو نجات کی راہ وہی ہے جو تمھارے رب عزوجل نے بتائی:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [2]۔	یاد آئے پر پاس نہ بیٹھو ظالموں کے۔(ت)

بھولے سے ان میں سے کسی کے پاس بیٹھ گئے ہو تو یاد آنے پر فورًا کھڑے ہوجاؤ، ان مضامین کی تفصیل میں تمام اکابر علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی مسمّی بہ فتاوٰی الحرمین برجف ندوۃ المین اور عامہ علمائے ہند کا فتوٰی مسمّی بہ فتاوٰی السنۃ لالجام اھل الفتنۃ اور فتاوی القدوۃ اور النذیر الاحمد اور النذیر المبین وغیرہا پچاس سے زائد کتابیں چھپ کر شائع ہوچکیں، اور ہدایت اللہ عزوجل کے ہاتھ،

"وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ﴿۴﴾" [3]۔ "حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾" [4]۔	اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے، اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز(ت)

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

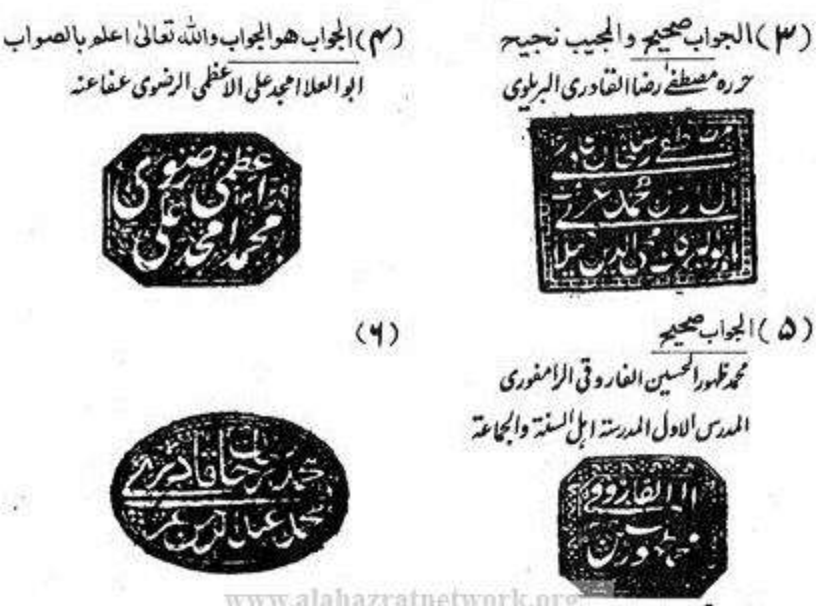

www.alahazratnetwork.org

(۷) الجواب صحیح فقیر حمد اللہ کمال الدین القادری الپشاوری عفی عنہ	(۸) الجواب صحیح محمد نعیم الدین عفاعنہ المعاصی
(۹) الجواب صحیح ابو نصر محمد یعقوب عفی عنہ حنفی قادری بلاسپوری	(۱۰) الجواب صحیح محمد عبد الرشید مظفر پوری
(۱۱) الجواب صحیح فقیر عزیز الحسن القادری الرضوی عفااللہ عن ذنبہ الخفی والجلی	(۱۲) الجواب صحیح رحم الٰہی مدرس مدرسہ اہلسنت
(۱۳) الجواب صحیح احمد حسین رامپوری عفی عنہ	(۱۴) الجواب صحیح والمخالف قبیح محمد اکرام الدین بخاری واعظ الاسلام خطیب وامام مسجد وزیر خاں مرحوم لاہور
(۱۵) الجواب صحیح واللہ تعالٰی اعلم عبد السلام غفرلہ قادری اعظم گڑھی	(۱۶) الجواب صحیح محمد رحیم بخش مظفر پوری
(۱۷) الجواب صحیح فقیر محمد حامد علی عفی عنہ فاروقی الآبادی	(۱۸) الجواب صحیح سردار علی خاں بریلی

(۱۹)اصاب من اجاب محمد حسنین رضاالبریلوی مدرسہ پنجم مدرسہ اہل سنت وجماعت بریلوی.	**(۲۰)اصاب من اجاب** فقیر ابوالظفر محمد ایوب غفرلہ اللہ الذنوب دربنگوی
(۲۱)اصاب من اجاب وھو مرشدی الفاضل البریلوی محمد خلیل الرحمٰن بہاری صدیقی رضوی مدرس منظر الاسلام	**(۲۲)الجواب قد کتب الحق وھکذا مذھب اھلسنتۃ والجماعۃ وانا اسلمہ ایضاً ومن خالف ھذا فھو من الوھابیۃ** سید عبداللہ الرضوی البہاری ثم البریلوی
(۲۳)الجواب صحیح عمر النعیمی المرادآبادی	

تصدیقات علمائے کلکتہ

(۲۴) الحمد للہ موفق اھل السنۃ للاھتداء بھدی الائمۃ المجتھدین مصابیح الظلم وھداۃ الامۃ والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین، سیدنا محمد بن عبداللہ قامع الکفرۃ والمبتدعین، وعلٰی اٰلہ الطیبین الطاھرین، واصحابہ البرزۃ الکرام المتقین، امابعد فقد اطلعت علی ماتضمنہ ھذا الجواب المستطاب من الادلۃ الواضحۃ والبراھین الساطعۃ التی لاعذر لاحد بجھلھا کیف لا والکتاب و السنتۃ یحرمان صریحاً وتلویحاً الاشتراک مع اھل البدع فی امر مادینیا کان اودنیویا ونقل ماوردفی ھذا المعنی یطول شرحہ والموفق یکفیہ	سب خوبیاں اللہ تعالٰی کو جس نے اہلسنت کو توفیق بخشی کہ ائمہ مجتہدین کی پیروی کریں کہ وہ تاریکیوں کے چراغ اور امت کے راہنما ہیں اور درود وسلام سب نبیوں کے ختم کرنیوالے ہمارے سردار محمد بن عبداللہ پر کہ کافروں اور بد مذہبوں کی بیخ کنی کرنے والے ہیں اوران کی آل طیب وطاہر اور ان کے اصحاب نیک و بزرگ وپرہیزگاروں پر، بعد حمد و نعت میں مطلع ہوا ان دلائل ظاہرہ اور براہین روشن پر جن پر یہ جواب مشتمل ہے کہ وہ ایسے نہیں کہ کوئی ان کے نہ جاننے میں معذور رہ سکے کیوں نہ ہو قرآن وحدیث صراحۃ واشارۃ بد مذہب کی شراکت کو حرام بتاتے ہیں کسی معاملہ میں ہو دینی ہو خواہ دینوی اور جو اس بارہ میں وارد ہو اس نقل کرنا طویل شرح چاہتاہے اور جسے توفیق ملی اسے وہ کافی ہے

مانقله مولانه الامام الهمام فی الجواب ولامخذول لایکفیه نقل الف کتاب منزلة من رب الارباب، قال الجلال فی تفسیر الایة التی نقلها مولانا حفظه الله وهی(لاترکنوا)تمیلوا(الی الذین ظلموا)بموادة اومداهنة اورضاباعمالهم(فتمسکم) تصیبکم (النار ومالکم من دون الله)ای غیره(من) زائدة (اولیاء)یحفظونکم منه(ثم لاتنصرون)تمنعون من عذابه[1] انتهی قال العلامة الصاوی فی حاشیة علی الجلالین(قوله الی الذین ظلموا)ای بالکفر اوالمعاصی (قوله بموادة)مصدر وادد کقاتل ای محبة(قوله او مداهنة)ای مصانعة فالمداهنة بذل الذين لاصلاح الدنیا(قول او رضا باعمالهم)ای تزیینا لهم ولاعذر والاحتجاج بضرورة الدنیا فان الله هو الرزاق ذو القوة المتین(قوله فتمسکم النار)ای لان المرء یحشر مع من احب(قول یحفظونکم منه)ای من عذاب النار[2] انتهت عبارته رضی الله عنه. **اقول:** قدتبین جلیا ان الاٰیة الشریفة صریحا فی النهی عن محبة المبتدعین ومعاونتهم وتکثیر سوادهم و مشارکتهم فی امور الدین والدنیا

جسے ہمارے مولٰی امام عالی ہمت نے نقل کیا اور جسے خدا نے بے مدد چھوڑا اس کے لئے خدا کی اتاری ہوئی ہزار کتاب کا نقل کردینا بھی کافی نہیں، جس آیت کو مولانا نے نقل فرمایا اس کی تفسیر میں امام جلال الدین فرماتے ہیں ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ ان سے دوستی یا چکنی چپڑیں بات کرو یا ان کے اعمال پر راضی ہو کہ تمھیں آگ پہنچے گی اور خدا کے سوا تمھارا کوئی مددگار نہیں کہ اس سے تمھیں بچائے پھر تمھاری مدد نہ ہوگی کہ اس کے عذاب سے روک دئے جاؤ انتہٰی، علامہ صاوی جلالین کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ ظالم سے مراد عام ہے کافر ہوں یا فاسق، مداہنت کے معنی کارستانی اور دین دے کر دینا سنوارنی ان کے اعمال پر راضی ہونا یعنی ان کے زینت بڑھانا اور ضرورت دنیا کے ساتھ حجت لانا یہ عذر مسموع نہیں کہ اللہ ہی روزی دینے والا مضبوط وقت والا ہے، تمھیں آگ چھوئے گی، اس لئے کہ آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے محبت رکھے، **میں کہتا ہوں** کہ بدمذہبوں کی محبت اور ان کی اعانت اور ان کی جماعت بڑھانے اور ان کی دینی ودنیوی شرکت سے ممانعت میں یہ آیت شریفہ صریح ہے خواہ ان کی بدمذہبی کفر کی حد کو پہنچی ہو یا معصیت کو، علاوہ اس کے ان میں وہ ہیں جن کی بدمذہبی کفر تک پہنچی ہوئی ہے جیسے نیچری وغیرہم اور وہ ہیں جن کی

[1] تفسیر جلالین تحت آیة ۱۱/ ۱۱۳ مطبع مجتبائی دہلی نصف اول ص ۱۷۸

[2] حاشیه الصاوی علی الجلالین تحت آیة ۱۱/ ۱۱۳ المشهد الحسینی قم ایران ۲/ ۲۳۰

معاً سواء کانت بدعهم بدع کفر اوعصیان علی ان فیهم من بدعته مکفرة کالنیشریة ونحوهم ومن بدعته مفسقة کالوهابیه فیما یتعلق بغیر اصول الدین فالمسئول عنهم جامعون لبدع الکفر والفسق وعلٰی کل هم من الذین ظلموا انفسهم وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من مشی مع ظالم فقد اجرم[1] رواه الدیلمی وقال علیه الصلوه والسلام من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام[2] رواه الطبرانی وبالجملة فالاٰیات و الاحادیث و اقوال ائمة الدین وفقهاء المذهب الاربعة فی هذا لمعنی یعسر حصرها، وفیما اجاب به مولانا المجیب کفایة لمن القی السمع وهو شهید والله وحده المستعان به علی المبتدعة اولیاء الشیطان۔

قال بفمه ونقله بقلمه عبده المذنب احمد موسی مصری المنونی امام وخطیب المسجد الجامع بکلکته۔

بدمذہبی میں فسق ہے جیسے وہ وہابیہ جن کی وہابیہ عــہ کا تعلق اصول دین کے ساتھ نہ ہو۔ تو جن کے بارے میں سوال ہے وہ جامع بدعت کفر وفسق ہیں اور ہر تقدیر پر وہ ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور بے شک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو ظالم کے ساتھ چلا اس نے جرم کیا اس حدیث کو دیلمی نے روایت کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو ظالم کے ساتھ چلا کہ اس کی اعانت کرے اور جانتا ہو کہ وہ ظالم ہے تو وہ السلام سے نکل گیا اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا، حاصل کلام آیات واحادیث اور ائمہ دین اور چاروں مذہبوں کے فقہاء کے اقوال اس بارے میں اتنے ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے اور مولانا مجیب کے جواب میں کفایت ہے اس کے لئے جو کان لگائے اور دل سے حاضر ہو اور ایک اللہ سے مدد چاہی جاتی ہے بدمذہبوں پر کہ شیطان کے دوست ہیں، اسے اپنے منہ سے کہا اور اپنے قلم سے لکھا اس کے بندہ گنہگار احمد موسٰی مصری منونی نے کہ مسجد جامع کلکتہ کا امام وخطیب ہے۔

عــہ: رہے وہابیہ زمانہ کہ ضروریات دین کے منکر اور اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب توہین کرنے والے ہیں وہ قطعاً کافر ہیں جن کے بارے میں علماء حرمین شریفین نے بالاتفاق فرمایا:

من شك فی کفره وعذابه فقد کفر[3]۔ ۱۲ مصحح۔

جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک بھی کیا وہ کافر ہے ۱۲ مصحح (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن معاذ حدیث ۱۴۹۵۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۸۵/۶

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

(۲۵)الجواب صحیح

محمد لعل خاں عفی عنہ نائب صدر انجمن اصلاح عقائد ومدرسہ عثمانیہ اہلسنت وجماعت نمبر ۲۲ زکریا اسٹیٹ کلکتہ

محمد لعل خاں منشی

(۲۶)الجواب موافق بالصواب

ابوابراہیم محمد اسمٰعیل بہاری مدرس اول مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت سیالدہ کلکتہ

مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت

(۲۷)اقول وباللہ التوفیق ماتقرر ھکذا المجالس بین یدی سیدالانبیاء والمرسلین واصحابہ واولیائہ الکاملین والعلماء المحققین والمدققین فی حین من الان والاوان الحسرۃ فیہ ان الرجال فھموا ان فیہ اتساع الاسلام والامر لیس ھکذا وکلہ من فتور عقلھم و نقص ایمانھم واللہ الموفق بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

حررہ سید علی حسن بہاری غفرلہ الباری

میں کہتا ہوں اور خداہی سے توفیق ہے کہ ایسی مجلس کا تقرر نہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا نہ صحابہ واولیاء علماء محققین ومدققین کے زمانوں میں، افسوس کی بات یہ ہے کہ لوگوں سمجھ رکھا ہے کہ اسلام کی اس میں اشاعت ہے حالانکہ یہ بات نہیں، یہ سب ان کی عقلوں کا فتور اور ایمان کا نقصان ہے اور اللہ صواب کی توفیق دینے والا ہے اور اسی کی طرف مرجع وبازگشت ہے۔

حررہ سید علی حسن بہاری غفرلہ الباری

(۲۸) الفتاوی التی صدرت من العلماء الکرام لاریب فیہ الشرکۃ فی ھذا المجلس بون من طرق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان لیس فیہ رائحۃ الاسلام ولوکان فی بادی النظر فارجون من اللہ تعالٰی ان یبعدنا من الشین الفطن ویحفظنا من البلاء والمحن ویثبتنا ویمیتنا علی ملۃ رسولہ الکریم واٰلہ واصحابہ العظیم۔ فقط

کتبــــــــــــــــــــــــــــہ

الراجی الطریان فیضان الباری

حکیم سید محمد راحت حسین بہاری عفی عنہ مہتمم مدرسہ فیض عام اہلسنت وجماعت سیالدہ کلکتہ

جو فتوے علمائے کرام کی جانب سے صادر ہوئے ان میں کچھ شبہ نہیں۔ اس مجلس میں شرکت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ سے دوری ہے کہ اس میں السلام کی بوتک نہیں اگرچہ بظاہر ہو، میں اللہ تعالٰی سے امید کرتا ہوں کہ ہم کو برائیوں اور فتنوں سے دور رکھے اور بلا اور محنتوں سے محفوظ رکھے اور اپنے رسول کریم اور ان کی آل واصحاب بزرگ کی ملت پر ہمیں ثابت رکھے اور اسی پر ہمیں موت دے۔

(۲۹) بسم اللہ الرحمن الرحیم *حامدا ومصلیا* "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ "[1] (اے محبوب! تم فرمادو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔ت) خلاصہ کلام اگر محبوب بننا ہو تو اتباع شریعت سے کام لو اور ایسے خلاف مجالس سے پرہیز کرو کہ جس میں شرکت بھی منع ہے تو کجا امداد مالی اللہ الہادی، ان لوگوں کی باتوں اور لسانی سے دام فریب میں مت آؤ جیسا کہ فتوے میں تحریر ہے وہی درست ہے مولٰی تعالٰی عمل کی توفیق دے، اس فتوے پر کچھ اور حوالہ دینا اپنی کم لیاقتی کا ثبوت ہے۔ذلك كذلك انی مصدق لذلك

حررہ مور ضعیف فخر الحسن قادری غفرلہ مدرس عربی مدرسہ عثمانیہ کلکتہ

(۳۰) التائید والشرکتہ فی مثل هذه المجالس بل المیلان الیها مالیا کان اوبدنیا بدلیل الکتاب والسنة وفقه امام الائمة ممتنع ۱۲۔ الراقم فقیر ابو نعیم محمد ابراہیم عفی عنه سلهٹی مدرس اول مدرسه عثمانیه کلکته۔ (۳۱) قد اصاب ما اجاب مولٰنا العلام مجدد مائة الحاضرة مصباح الدین احمد عفاعنہ۔ مٹیابرج کلکتہ۔	ایسی مجلسوں کی تائید وشرکت بلکہ میلان خواہ مالی ہو یا بدنی بدلیل قرآن وحدیث وفقہ امام اعظم حرام ہے ۱۲ الراقم فقیر ابو نعیم محمد ابراہیم عفی عنہ سلہٹی مدرس اول مدرسہ عثمانیہ کلکتہ (۳۲) الجواب صحیح والمجیب میب محمد فضل الرحمٰن غفرلہ المنان، مٹیابرج کلکتہ (۳۳) البتہ بد عقیدے کے لوگوں سے پرہیز واجب ہے۔ محمد اسمٰعیل عفنی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ

تصدیقات علمائے جبل پور

(۳۴) بسمہٖ سبحٰنہ وتعالٰی عزوجل، اعلیحضرت امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ بحر العلوم علامہ محقق بریلوی سلمہ اللہ القوی کا یہ مبارک فتوٰی جو گونڈل کاٹھیاوار سے ہمارے پاس بغرض تصدیق بھیجا گیا ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے مسئلہ مستفسرہ میں یہ مقدس فتوٰی اعلٰی نصوص شریعت وفصوص حقیقت کا جامع سراپا حجت قاہرہ، اس کا ہر جملہ ہر فقرہ روشن دلیل وبرہان، حق وصداقت کا مہر درخشان، ہم ایسوں کی طرف مراجعات اور ہمارے مزید افادات سے مستغنی ہے، اور اس کے قبول وتسلیم میں وہی شخص تامل کرسکے گا

[1] القرآن الکریم ۳/ ۳۲

جو دین وایمان سے بے سروکار، حق وہدایت و سبیل مومنین سے بیزار، ندوہ مخذولہ کا فضلہ خوار، وہابیت و نیچریت سے ہمکنار، اشرار اہل بدع سے ہو، میرے نزدیک اس نورانی فتوے سے ہم ایسوں سے اضافہ چاہنا، یا بضمن تصدیق، تحریر کلمات توثیق وتائید کا خواستگار ہونا نصف النہار کے چمکتے ہوئے آفتاب کے آگے چراغ رکھوانا ہے، ہم اس وقت اپنے بعض محبان حضرات اہل سنت کی مخلصانہ استدعا پر مجبور ہو کر تعمیلا للحکم، اس محترم فتوے کی تصدیق میں صرف اس قدر عرض کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

ان هذا الجواب هو الصراط المستقيم وسبيل الشرع القويم والحمد لله الرب الرحيم وعلى حبيبه ونبيه الكريم واله وصحبه افضل الصلوة والتسليم والله سبحنه وتعالٰى اعلم وعلمه عزمجده اتم واحكم۔ كتبـــــــــه الفقير عبد الباقی محمـــــــــد برهان الحق الرضوی الجبلفوری غفرله	کہ یہ جواب ہی سیدھا راستہ اور شریعت کا مضبوط راستہ ہے۔(ت) 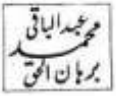
(۳۵) ان هذا لهو الحق المبين، ومن اعتصم به فقد هدى الى الصراط المستقيم المستبين، قلما يوصل اليه، فضلا عن المزيد عليه، فنسئل الله تعالٰى ان يثبتنا على الكتاب والسنة وان يميتنا على الايمان ويدخلنا به الجنة، اٰمين، والحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالٰى على حبيبه سيد المرسلين محمد واله واصحابه اجمعين۔ كتبه الراجی عفو ربه عبد السلام السنی الحنفی القادری الرضوی الجبلفوری غفرله 	بیشک یہی حق مبین ہے اور جس نے اس کے ساتھ تمسک کیا اسے سیدھے راستہ ظاہر کی طرف ہدایت ہوئی اس تک پہنچنا ہی کم ہے اس پر زیادتی تو کجا، اللہ تعالٰی سے ہم سوال کرتے ہیں کہ کتاب وسنت پر ہمیں ثابت قدم رکھے، اور ایمان پر موت دے اور جنت میں داخل کرے آمین، سب خوبیاں خدا کے لئے جو پروردگار عالم ہے اور اللہ تعالٰی درود بھیجے اپنے حبیب رسولوں کے سردار محمد اور ان کی آل واصحاب سب پر۔

تصدیقات علمائے بہار

(۳۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اللہ رب محمد صلی علیہ وسلما، فقیر بارگاہ رضوی عبید المصطفٰی محمد ظفرالدین بہاری میجروی غفرلہ وحقق املہ مدرس اول مدرسہ عالیہ سہسرام ناصر الحکام اس مبارک سراپا ہدایت فتوے کی تائید وتصدیق کرتے ہوئے (نہ معاذاللہ اس خیال سے کہ اپنی تصدیق سے اس فتوے کو زینت دوں بلکہ حسب ارشاد احبا اس نیت سے کہ اپنی تصدیق کی اس فتوے سے عزت افزائی کروں) عرض گزار ہے کہ بلاشبہ اس قسم کی انجمنیں جس طرح دینی مضرتوں کی جالب گناہ کی موجب ہیں، یونہی دینوی حیثیت سے بھی اصلاً مفید نہیں سوا اس کے کہ غریب مسلمانوں کا بہت سے روپیہ صرف ہونے پر تین دن کی دل لگی رہے نئی نئی صورتیں دیکھنے میں آئیں، کچھ لکچر اور تقریر کا لطف رہے اللہ اللہ خیر صلا، بہت بڑا کارنمایہ اس قسم کی انجمنوں کا ریزولیوشن (RESOLUTION) پاس کرنا ہے، جب روداد دیکھئے یہی لکھا ہے یہ پاس ہوا وہ پاس ہوا مگر ان عقلمندوں کو اس کی خبر نہیں کہ اس زمانہ میں آدمی پاس ہو کر تو کچھ کر نہیں سکتا ریزولیوشن پاس ہو کر کیا کرلے گا۔ کہنے سے کام نہیں چلتا کرنے کی ضرورت ہے، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الطیور تصحیح ولاتفعل، والبازی یفعل ولایصیح[1]	چڑیاں چیں چیں کرتی ہیں اور کچھ کرتی نہیں، اور باز کرتا ہے چیں چیں نہیں کرتا ہے۔

اگر واقعی قومی ترقی مقصود ہے تو یہ تقریرات اور ریزولیوشن ہرگز کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس وقت زیادہ نہیں تو مسلمان صرف انھیں چار باتوں پر کاربند ہوجائیں جو رسالہ مبارکہ "تدبیر صلاح ونجات وفلاح" میں مذکور ہیں پھر دیکھئے قوم کی کیسی ترقی ہوتی ہے اور ان کا آفتاب کس طرح بالائے افق ترقی بکمال اوج تاباں ہوتا ہے، اور اگر غور کیا جائے تو ان تمام ریزولیوشنوں میں بیکار امور اور رونا دھونا فلاں کے مرنے پر رنج، فلاں کی موت پر سوگ، اور فلاں کے انتقال پر ملال، اور فلاں کے عطیہ پر واہ واہ، اور فلاں کو فلاں خطاب ملنے پر اظہار مسرت سے قطع نظر کرکے سب کا لب لباب شاہراہ پر چلنے والوں کے لئے دن میں چراغ جلانا اور روز روشن میں روشنی کرنے کی ہدایت کرنا ہوتا ہے یعنی قوم ترقی میں سب سے پیچھے ہے اس لئے آگے بڑھو یعنی انگریزی پڑھو حالانکہ زمانہ کی گردش سے انگریزی کی طرف لوگوں کا میلان طبعی وعملی اس حدتک پہنچا ہوا ہے کہ اگر ان کو دھکے دے کر بھی باہر ت کیا جائے تو ہرگ ٹلنے والے نہیں، پڑھنے والوں کے لئے باوجودیکہ عربی مذہبی تعلیم

1

میں ہر طرح کی آسانیاں اور کار آمد نتائج ہیں مگر پھر بھی سیکڑے میں پندرہ کو اس کی طرف توجہ نہیں اور باوجود سیکڑوں موانعات ہزارہا وقت وزحمت کے انگریزی پر لوگ گرے پڑے ہیں، پھر ایسی حالت میں خاص اس غرض کے لئے انجمن قائم کرنا دینوی حیثیت سے بھی تحصیل حاصل اور تضییع اموال ومحاصل کے سوا اصلاً مفید نہیں۔

اللھم وفقنا لما تحب وترضی وصلی اللہ تعالٰی علی المصطفی المرتضی وعلی الہ وصحبہ رضی اللہ تعالٰی عنھم باحمد رضا۔	یااللہ احمد رضا کے طفیل ہمیں اپنی پسندیدہ رضا والی چیز کی توفیق عطافرما، اور درود ہو مصطفٰی مرتضی اور آپ کی آل و اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سب پر (ت)

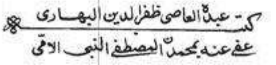

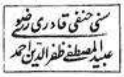

(۳۷) لاریب فیہ فلیتنافس المتنافسون وانا عبدہ محمد ابوالحسن السھسرامی مدرس دوم مدرسہ عالیہ المرقوم ۷ فروری ۱۹۱۷ء	اس میں شک نہیں کہ رغبت کرنیوالوں کو اس کی رغبت کرنا چاہئے، عبدہ محمد ابوالحسن سہسرامی

(۳۸) ابوصالح ظہیر الدین احمد فریدی، مورخہ ۷ فروری ۱۹۱۷ء روز چہار شنبہ (انچارج مدرس دوم مدرسہ عالیہ) (۴۰) قد اصاب من اجاب کمترین فہیم الدین عفی عنہ مدرس پنجم عربی (۴۲) الجواب صحیح سید عبدالرشید مدرس مدرسہ شمس الہدی بانکی پور (۴۳) قد اصاب فی مااجاب مولی العلماء امام الفقھاء مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی متع اللہ المسلمین بطول بقائہ فی ھذہ المسئلۃ بان التائید والشرکۃ و	(۳۹) المجیب مصیب فرخندہ علی عفی عنہ مدرس چہارم مدرسہ سہسرام (۴۱) لقد اجاب المجیب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب محمد یحیٰی مدرس مدرسہ عالیہ سہسرام، المرقوم، فروری ۱۹۱۷ء 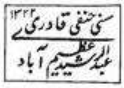 عالموں کے پیشوا فقہاء کے امام اس صدی کے مجدد فاضل بریلوی نے اللہ تعالٰی ان کو بقائے دراز سے مسلمانوں کو بہرہ یاب کرے اس مسئلہ میں جو جواب دیا ٹھیک دیا کہ اس جیسی بری مجلس کی تائید اور شرکت اور اس میں

الحضور فی مثل هذا المجلس القبیحة حرام و المعاونة اثم والمقاربة فیها سم قاتل للایمان فلیتنا فس المتنافسون وفقنا الله تعالٰی ایانا وجمیع المومنین للمفارقه والاجتناب عن مثل هذا المجلس والتائید والشرکة فیه۔ حررۃ فقیر الی سید المرسلین ذی المنن المدعوبه سید محمد غیاث الدین حسن الحنفی السنی الرجهتی البهاری عفی عنه الباری	حاضری حرام ہے اور اس کی اعانت گناہ اور اس میں قریب ہونا ایمان کے لئے زہر قاتل، رغبت کرنے والوں کو چاہئے کہ اس کی رغبت کریں، اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو توفیق دے کہ اس سے جدا رہیں اور ایسی مجلس سے اور اس کی تائید وشرکت سے بچیں۔

(۴۴) اصاب من اجاب فقیر محمد رحیم بخش حنفی قادری رضوی مدرس اول مدرسہ فیض الغرباء آگرہ

تصدیقات علمائے کان پور

(۴۵) الجواب صحیح وصواب والمجیب نجیح ومثاب نمقه الفقیر الی الله تعالٰی عبیدالله عفا عنه ماجناه المدرس بالمدرسة فیض احمدی فی الکانفور۔

(۴۶) اصاب من اجاب والله سبحنه اعلم بالصواب حقیق بان یکتب بالذهب علی القرطاس۔ نمقه محمد عبدالرزاق عفی عنه المدرس مدرسه امداد العلوم فی الکانفور 	جواب دینے والے نے درست فرمایا واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، یہ جواب اس قابل ہے کہ اس کو کاغذ پر سونے سے لکھا جائے (ت)

(۴۷) الجواب صحیح والمجیب نجیح، حرره الفقیر الی الله المنان المدعو محمد سلیمان الحنفی السنی النقشبندی المجددی الافاقی فضل رحمانی المدرس بالمدرسة درالعلوم فی الکانفور غفرله والمشائخه الغفور بحرمة صاحب التاج والمعراج واللواء العقود فی المقام المحمود علیه وآله واصحابه الصلوۃ والسلام من ملك المعبود۔

تصدیقات علمائے سندھ حیدر آباد

(۴۹) فاضل مجیب نے جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح اور حق ہے واقعی اس قسم کی مجالس اور جو لوگ اہل بدعت وہوا سے ہیں ان سے دور رہنا ضرور چاہئے اس واسطے کہ ان کی ملاقات اور ان کی مجالس میں جانا علامت ضعف ایمان اور آئندہ کو منجر طرف الحاد کے ہے۔ **نعوذ باللہ من ذلک، اللھم احفظنا منھم بجاہ نبیك المصطفی ورسولك المرتضی، اٰمین یارب العالمین۔**

تصدیقات علمائے محمود آباد ضلع سیتاپور

(۵۰) **بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، امابعد** بیشک ایسی مجلس مقرر کرنا جہنم خریدنا اور سخت حرام وناروا ہے۔ مسلمان کی ترقی ہرگز اس میں نہیں، ایک صحیح واقعہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور چٹائی پر آرام فرماتے ہیں کہ اس کے نشان بدن اقدس پر ظاہر ہورہے ہیں امیر المومنین کو بے اختیار رونا آگیا عرض کی: یارسول اللہ! قیصر وکسرٰی کافران مجوس ونصارٰی اس ناز ونعمت میں اور حضور اللہ کے رسول اس تکلیف ومحنت میں، فرمایا: اے عمر! کیا تو راضی نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لے آخرت، خود امیر المومنین فاروق اعظم باوصف فتوحات عظیم کے جب بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں کہ وہاں کے پادریوں نے آپ کو دیکھنے کے لئے بلایا تھا، حالت یہ ہے کہ پیش دشمنان اونٹ پر اور غلام سوار، اور جناب کے دست اقدس میں اونٹ کا مہار، بدن مبارک پر چمڑے کا کرتا جس میں متعدد سترہ پیوند، اگر ایسی مجلس کے لوگ جو درج سوال ہیں اور جان ومال سے انجمن ظلم میں شرکت کو تیار ہیں حضرات صحابہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھتے کس کس طرح ہنستے اور احمق سمجھتے بلکہ دل میں تو اب بھی کہتے ہوں گے کہ وہ ریگستانی جفاکش ناز ونعمت کے مزے کیا جانیں، یہ لطف عجیب اور نظم وترتیب وآراستگی وتہذیب کچھ دانایان یورپ ہی کو نصیب، ان خیالات فاسدہ کے دل میں نہ آنے کے لئے تو ہمارے سلطان ہفت کشور شافع روز محشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے، **لاتجالسوھم**[1] **الخ** ان کے پاس نہ بیٹھو، ان سے دور بھاگو، انھیں اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمھیں

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ و ۳۲۵۲۸ و ۳۲۵۲۹ و ۳۲۵۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹، ۵۴۰، ۵۴۲

فتنہ میں نہ ڈال دیں[1]۔ معاذاللہ کہیں حضور کے خیال مقدس میں یہ بات نہ آئی تھی کہ ہمارے میل جول سے بدمذہب ہدایت پائیں گے راہ راست پر آئیں گے نہیں۔ یہ منع فرمانا حضور کا ازراہ شفقت تھا، جس طرح شفیق باپ ازراہ مہربانی اپنی پیاری اولاد کو آوارہ مزاجوں اور بد معاشوں کی صحبت و میل جول سے روکے، یہ چند حروف فقیر نے محض زبدہ ارباب سنت وعمدہ اصحاب جماعت اخی فی الدین قاسم میاں صاحب کے فرمانے سے لکھے ورنہ امام اہلسنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ **حماہ اللہ تعالٰی عن الشر والاعداء** (اللہ تعالٰی ہر شر اور دشمنوں پر ان کی مدد فرمائے، ت) کے نورانی کلمات عوام تو عوام خواص کے لئے کافی ہیں، مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے اور فقیر ضعیف کو بھی دعائے خیر سے یاد کرنا چاہئے،

ختم اللہ لنا ولکم بالخیر والحسنی ووفقنا لما یحب ویرضی وحشرنا فی ظلال حمایات الاولیاء امقربین وتحت لواء سید المرسلین وصلی اللہ تعالٰی وسلامہ علی خاتم النبیین محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین برحمتك یا ارحم الراحمین۔	اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ خیر اور بھلائی میں فرمائے اور ہمیں اپنی پسند و رضا کی توفیق دے اور حشر کے روز اولیاء مقربین کی حمایت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے کا سایہ عطافرمائے، (ت)

محمد اسمٰعیل سنی حنفی قادری محمود آبادی الحال پیش امام رسالہ نمبر ۴ دہلی

(۵۱) ذلك کذلك رجب علی مدرس مدرسہ اسلامیہ محمود آباد

(۵۲) ذلك کذلك

خادم طلبہ محمد عبداللطیف مدرس مدرسہ اسلامیہ محمود آباد و پیش امام جامع مسجد محمود آباد۔

تصدیق حامیٔ سنت ماحیٔ بدعت جناب مولانا مولوی عبدالرحیم صاحب احمد آبادی زیدت مکارمھم

(۵۳) الجواب صحیح

کتبہ عبدالرحیم بن پیر بخش السنی الحنفی القادری النقشبندی الاحمد آبادی المدرس الاول فی المدرسۃ القادریۃ

تصدیق ناصر سنت قامع بدعت مولانا مولوی ابوالمساکین محمد ضیاء الدین صاحب زید مجدہم

(۵۴) بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمد للہ العزیز الکریم والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ الرؤف الرحیم۔

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

فتوائے مبارکہ فرستادہ ناصر ملت حقہ، ناشر سنت سنیہ، قاطع اعناق بدعات شنیعہ، قامع بیخ محدثات قبیحہ، سر شکن فرق باطلہ من الندوۃ والوہابیۃ والنیاچرہ، ماحی وطغیان، حامی ودین وایمان جناب قاضی قاسم میاں امام جامع شہر گونڈل متعلق کاٹھیاوار صانہ المولی الستار عن شرور الاشرار (خدائے ستار انھیں اخترار کے شر سے محفوظ فرمائے۔ت) فقیر کی نظر سے گزرا خلعت صدق وثواب سے اراستہ زیور شدہ ہدایت سے پیراستہ پایا۔

جو کچھ لکھا ہے اس میں سراسر صواب ہے — اثبات مدعا پہ حدیث وکتاب ہے

ہر لفظ اس کا گوہر کان رشاد ہے — ہر سطر اس کی راہ حصول مراد ہے

کیونکر نہ ہو، یہ تحریر فرمایا ہوا اس بے نظیر کا ہے جس کی مثیل آج دنیا میں ملنا مشکل، جو فاضلوں کا فعل، جس کا فتوٰی تمام روئے زمین پر جاری، جس کے فیوض وبرکات ہر گوشہ عالم میں ساری، جو استاذوں کا استاذ مسلم، ہر عالم سے اعلم، مفتیوں کا سرتاج اکرم، سنیوں کا امام معظم، گلزار سنت کو شاداب فرمانے والا، داغ بد مذہبی وبدعت کا مٹانے والا، درخت کفر وشرک کا قاطع، شریعت وطریقت کا جامع جس کا تمام ہندوستان مدح خوان، جس کی توصیف میں علمائے حرمین شریفین رطب للسان، گمراہوں ا راہنما، ہمارا آقا، ہمارا مولٰی ہمارا سردار، متقی، پرہیزگار، حکیم اُمت، اعلحضرت مولوی مفتی احمد رضا خان صاحب ادام فیضہ اللہ الواہب، یہ مسئلہ کیا ہے بہت بڑی کسوٹی حق وباطل کے پرکھنے، سنی وبدعتی کے جانچنے کی ہے، جو صاحب اس کو پڑھ کر یا سن کر بخندہ پیشانی تصدیق فرمائیں حق جانیں، حق مانیں ان کا ضرور اہل سنت میں شمار، ورنہ اہل بدعت وکلاب اہل النار میں معدود ہوں گے۔ ہمارے سنی بھائیوں پر لازم ہے کہ ایسی مجلس ایسی صحبت سے بچیں، ایسے لوگوں سے خلط ملط ہرگز پیدا نہ کریں، یہ بڑے شاطر وعیار ہوتے ہیں، وہ سبز باغ دکھاتے ہیں کہ خواہ نخواہ آدمی ان کا کلمہ پڑھنے لگتا ہے، جب اس کا دل اپنی طرف لبھایا اور اپنا مطیع ومسخر بنالیا پھر اس کا ایمان، دھن، دولت سب کچھ چھین لیا، دونوں جہان کے ٹوٹے میں ڈال دیا، وباللہ التوفیق وھویھدی من یشاء الی صراط مستقیم والصلٰوۃ والسلام علی حبیبہ الکریم وعلی الہ وصحبہ اجمعین آمین!

حررہ محمد ضیاء الدین المکنی بابی المساکین عفی عنہ

تصدیق عالم جلیل فاضل نبیل جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب الوریٰ مفتی آگرہ

(۵۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم، بلاشبہہ اس نازک وقت میں بہت سے علماء درویش طلب دنیائے دنی میں اتباع سنت ترک کرکے اتنے دیندار بن گئے کہ کوٹ پتلون والوں میں ان کی سی کہہ کران سے دنیا

حاصل کرتے ہیں اہل سنت میں لباس سنت پہن کر بزرگان دین مثل حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ مولٰنا فضل الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں، ان میں مل کر ان کو گمراہ کرتے ہیں جن کا سبق ہمہ تن دنیا ہی دنیا ہے گو اہل دین اور بانی شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشابہ مسلمانوں کی صورت بھی نہ رہے سارے طریق سنت چھوٹ جائیں فقط برائے نام مسلمان رہ جائیں مگر تحصیل دنیا میں غیر قوموں سے پیچھے نہ رہیں، ایسی اغراض سے جو انجمنیں قائم کی گئی ہیں ایسی انجمنوں کے جو ممبر و سرگروہ ہیں ضرور ان سے مسلمانوں کو بچنا فرض ہے، ان کی میٹھی باتوں پر کبھی مسلمانوں کو فریفتہ نہ ہونا چاہئے، خواہ وہ قرآن پڑھیں خواہ خوش لحنی سے مثنوی شریف، ان کی مجالس سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے، مسلمانو! ان کے شہد میں زہر ملا ہوا ہے، مسلمانو! کبھی تم کو بذریعہ شہد ہلاک نہ کردیں، ان احادیث صحیحہ سے ان کی حالتوں کو مطابق کرکے دیکھ لو، اگر ان علامتوں مذکورہ احادیث سے ان میں کچھ بھی شائبہ پاؤ ان سے کوسوں جدا رہو، منتخب کنز العمال میں ہے:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم قال یأتی علی الناس زمان وجوههم وجوه الادمیین وقلوبهم قلوب الشیاطین سفاکین للدماء لایرعون عن قبیح ان تابعتهم اربوك وان ائتمنتهم خانوك صبیهم عارم وشابهم شاطر وشیخهم لایامرو بالمعروف ولای نهی عن المنکر، السنة فیهم بدعة والبدعة فیهم سنة، وذوالامرء منهم غاو فعندذلك یسلط اللّٰہ علیهم شرارهم فیدعو خیار هم فلایستجاب لهم، رواه الخطیب [1]۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، فرماتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ ایسا زمانہ آئے گا کہ منہ تو اس وقت کے آدمیوں کے سے منہ ہونگے اور ہوں گے دل ان کے شیطانوں کے سے خونریز، لوگ نہ بچیں گے اور نہ بچائیں گے بری بات سے، اگر پیروی کرے تو ان کی، تباہ کردیں وہ تجھ کو، اور اگر امانت رکھے تو ان کے پاس خیانت کریں، بچے ان کے شوخ ہوں اور جوان ان کے چلاک اور بیباک، بڈھے ان کے نہ بھلی بات کا حکم کریں نہ بری بات سے منع کریں، سنت ان میں بدعت ہو اور بدعت ان میں سنت۔ اور جو ان میں سے صاحب حکم ہوں خواہ وہ عالم ہوں یا حاکم گمراہ ہوں، پس ایسے وقت میں غلبہ دے گا ان پر اللہ شریروں کو اور مقرر کرے گا ان پر شریر حاکموں کو، پس نیک لوگ جو ان میں ہوں پکاریں گے مگر کوئی ان کی نہ سنے گا۔

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الخطیب عن ابن عباس کتاب الفتن الباب الثانی دار الفکر بیروت ۵/ ۴۰۶

عن [2] عابس الغفاری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بادر وابالاعمال ستا امارۃ السفھا وکثرۃ الشرط وبیع الحکم واستخفافابالدم وقطیعۃ الرحم ونشواء یتخذون القرآن مزامیر یقدمون احدھم یغنیھم وان کان اقلھم فقھا [1] رواہ الطبرانی فی الکبیر۔	عابس رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ چھ باتوں کے ظہور سے پہلے عمل کرلو یعنی پھر نیک عمل کرنا دشوار ہوجائے گا، حکومت اور امارت بے عقلوں کی ہو، زیادتی چپراسیوں کی ہو، اور حکم حاکم بکے یعنی جس نے رشوت دے دی اپنے موافق حکم حاکم سے حاصل کرلیا، اور بیع الحکم بالکسر اگر پڑھا جائے یہ معنی ہوں گے کہ حکمت کی بات کو اہل حکمت بیچیں اور دین دنیا کے عوض بکے، خون کرنے کو ہلکی بات سمجھیں، خویش اور اقرباء سے قطع اور جدائی ہو، ایسی پیدائش پیدا ہو کہ قرآن کو بانسری کی آواز سمجھ کر، ایسے شخص کو اپنا پیشوا بنائیں کہ وہ گانے کے طور سے ان کو سنائے، خواہ سمجھ قرآن کی یعنی اسے نماز و روزہ حج زکوۃ بیع وشراء حلال وحرام میراث وغیرہ مسائل کے بیان کرنے پر ان سب میں سے بہت ہی کم سمجھ رکھتا ہو، اس سے سنیں گے اور جاننے والے عالم سے پرہیز کریں گے۔
عن [3] عمر وعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتانی جبرئل انفا فقال انا للہ و انا الیہ رٰجعون قلت اجل انا للہ و انا الیہ رٰجعون فمم ذلك جبرئیل فقال ان امتك مفتتنۃ بعدك بقلیل من الدھو غیر کثیر قلت فتنۃ کفر اوفتنۃ ضلالۃ قال کل ذلك سیکون قلت ومن این ذاك وانا تارك فیھم کتاب اللہ قال بکتاب اللہ یضلون واول ذٰلك من قبل قرائھم و	حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی میرے پاس جبریل علیہ السلام نے آکر کہا انا للہ وانا الیہ رٰجعون یعنی تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں یہ ایک کلمہ ہے جس کو تکلیف اور مصیبت کے وقت کہنا موجب دفع بلا اور ترقی حسنات ہے لہذا میں نے بھی کہا ہاں انا للہ وانا الیہ رٰجعون مگر اس وقت اس کے کہنے کی کیا وجہ ہے اے جبریل۔ کہا آپ کی امت آپ کے تھوڑے ہی زمانہ بعد فتنہ میں مبتلا ہوگی، میں نے کہا فتنہ کفر کا یا گمراہی کا، کہا سبھی کچھ ہوگا یعنی بعض مرتد بھی ہوجائیں گے اور بعض گمراہ بھی، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ طب عن عابس الغفاری کتاب الفتن الباب الثانی دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۴ و ۳۹۵

امرائھم یمنع الامراء الناس حقوقھم فلا یطعونہا فیقتتلوا ویتبع القراء اھواء الامراء فیمدون فی الغی ثم لایقصرون، قلت یا جبرئیل فبم سلم منھم قال بالکف والصبر ان اعطم الذی لھم اخذوہ وان منعوا ترکوہ[1] رواہ الحاکم۔	فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یہ دونوں فتنے کیونکر ہونگے میں تو ان میں اللہ کے کلام کو چھوڑ جاؤں گا، کہا کلام اللہ ہی سے گمراہ ہوں گے یعنی اس کے معنی من گھڑے جوڑ کر جماعت اہل اسلام میں توڑ پھوڑ کرینگے اور اول یہ فتنہ قاریوں سے یعنی قرآن کے جاننے والوں دنیادار مولویوں سے اور امیروں سے شروع ہوگا، امیر لوگوں کے حق نہ دیں گے اور بند کرینگے، مولوی بھی انھیں کی سی کہیں گے، حلال حرام کے بیان میں کرنے میں ان سے ڈرینگے اور ان کے پیچھے لگیں گے، پس گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے پھر کمی نہیں کریں گے، میں نے کہاں اے جبریلی! اس وقت ان سے بچاؤں کی کیا صورت ہے۔ کہا صبر، جو کچھ وہ دیں لے لیں اور نہ دیں تو چپ چاپ صبر کر بیٹھیں۔

اور اس سے زیادہ تصریح اس مضمون کی مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث میں ہے:

عن ؎ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اناسامن امتی سیفقھون فی الدین ویقرءون القراٰن ویقولون نأتی الامراء فنصیب من دینا ھم ونعتزلھم بدیننا ولایکون ذلك کما لا یجتنی من القتاد الاالشوك کذلك لا یجتنی من قربھم الایعنی الخطایا[2] ۔رواہ ابن ماجہ۔ عن؎ علی کرم اللہ وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی علی الناس زمان ھمتھم بطونھم وشرفھم متاعھم	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیشک بہت لوگ امت میری سے سمجھ حاصل کریں گے دین اور پڑھیں گے قرآن کو، اور مولوی بن کر کہیں گے کہ امیروں کے پاس آکر ان کی دنیا سے کچھ لیں اور اپنے دین کو ان سے بچالیں اور یہ ہو نہیں سکتا جس طرح کانٹے دار درخت سے نہیں چنے جاتے مگر کانٹے، ان کے قرب سے بھی نہیں حاصل ہو سکتا مگر یعنی خطائیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا آپ نے، ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگوں کی تمام ہمت اپنے پیٹ بھرنے کی ہوگی جس کے

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الحکیم عن عمرو کتاب الفتن الباب الثانی دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۹

[2] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ ابن ماجہ عن ابن عباس کتاب العلم الباب الثانی دار الفکر بیروت ۴/ ۴۱

قبلتهم نسائهم ودينهم دراهمهم ودينار هم اولئك شرر الخلق لاخلاق لهم عندالله[1]۔ راوه الديلمی	پاس مال ومتاع دنیا زیادہ وہی سب میں بزرگ ہے، جورویں ان کا قبلہ اور درہم ودینار ان کا دین، یہ لوگ بری مخلوقات کے ہیں، ان کے واسطے اللہ تعالٰی کے پاس آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور اگر اس سے زیادہ تصریح منظور ہو، میرا رسالہ مختصر المیزان جس میں تقریباً چالیس حدیثیں مضمون کی ہیں کہ حضور نے فرمایا بڑی جماعت کی پیروی کرنا اور جو بڑی جماعت سے جدا ہو جہنم میں پڑے گا۔ اور چالیس کے قریب اس مضمون کی حدیثیں ہیں کہ میری سنت اور میرے اصحاب کی سنت پر عمل کرنے والا ناجی فرقہ وہی ہوگا جو سواد اعظم مومنین کا پیرو ہوگا، او جو بڑی جماعت سے جدا ہوا، جہنمی ہوگا، اور چند حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ ہر اخیر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے کہ نماز تمھاری نماز سے اچھی پڑھیں گے اور قرآن بہت پڑھیں گے مگر دین سے بالکل خارج ہوں گے۔ پھر حدیثیں بدمذہب مولویوں کی علامات میں نقل کی گئی ہیں جن کو اگر ملاحظہ فرمائیں اور لوگوں کو دکھلائیں ان شاء اللہ تعالٰی مفید ہوگا۔

حررہ العبد الراجی رحمۃ ربہ ابو محمد دیدار علی الرضوی الحنفی المفتی فی جامع الاکبر آباد۔

تصدیقات علمائے کاٹھیاوار

(۵۶) الجواب صحیح والمجیب مصیب لله دره حیث اجاب مااجاب ماجاب الامن کتاب اللہ تعالٰی عزوجل وحدیث المجیب صلی اللہ علیہ وسلم وله بذلك عند الله الجلیل الاجر الکثیر والثواب الجزیل، حررہ محمد اسمعیل عفی عنہ القریشی سنی حنفی ثم الفشاوری حالانزیل الجام جودهفور ملك کاتھیاوار۔	جواب صحیح، مجیب حق گو، اللہ تعالٰی بھلا کرے جس نے یہ جواب دیا یہ جواب قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، اللہ تعالٰی کے ہاں اس کے لئے اجر کثیر اور ثواب بھاری ہے، اسے سنی حنفی محمد اسمٰعیل عفی عنہ نے لکھا

(۵۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وحدہ والصلٰوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہ الکرام واصحابہ العظام، امابعد بے شبہہ ایسی مجلس مقرر کرنا اور اس میں دامے درمے قدمے معاونت کرنا اپنے ہاتھوں دروازہ دوزخ کھولنا اور عذاب خدا کو اپنی طرف بلانا ہے، پیارے سنی بھائیو!

[1] منتخب کنز العمال علی ہامش مسند احمد بن حنبل بحوالہ الدیلمی کتاب الفتن الباب الثانی دار الکفر بیروت ۵/ ۴۰۷

اگر انکھوں میں نور ایمان ہے تو یہ محترم فتوٰی دیکھو مقدس ومقبول فتوٰی علامہ دوران امام اہل ایمان جناب مولانا مفتی حاجی قاری حضرت شاہ احمد رضاخاں صاحب قبلہ بریلوی ادام اللہ تعالٰی فیوضاتہ ومتع المسلمین بطول حیاتہ کا تحریر شدہ ہے، یہ وہ رکن اعظم ہے اسلام ہے کہ ہمیشہ نصرت واحیائے دین متین میں فرید اوامانت وازالہ بدعت وضلالت کفر وشرک میں وحید ہے، آپ کے علم وفضل کی نہریں علاوہ ہندوستان کے اور ممالک میں بھی جاری ہیں، آپ کے فیوض جلیلہ کا آفتاب تمام عالم میں چمکتا ہے، کشتی دین واسلام کے آپ ناخداہیں، اہل سنت وجماعت کے پشت وپناہ میں، آپ نے اپنی عمر شریف کا اتنا حصہ حمایت مذہبی میں صرف کیا، خدمت دینی کے سواء ایک ساعت بھی کسی اور کام کی طرف توجہ نہیں فرماتے، اسلام ومسلمین کو فائدہ کثیرہ پہنچاتے ہیں، ہر مہینے دور دور سے سیکڑوں استفتاء آتے اور جواب باصواب سے مزین کرکے روانہ فرماتے ہیں، نامور علمائے مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ آپ کے فتاوے سے موافقت کرتے اور آپ کی جلالت وتبحر علمی کو مانتے ہیں، علامہ وحید فاضل فرید آپ کی جناب میں تحریر فرماتے ہیں اور موجودہ صدی کا مجدد مانتے ہیں، القاب جلیلہ سے ملقب کرتے، طرح طرح دعائیں دیتے، اور آپ کے مدائح سے جلیل القدر فضلائے عرب رطب اللسان رہتے ہیں، مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان مدرس حرم مکہ مکرمہ بعد بیان مدائح کثیرہ فرماتے ہیں:

الذی شهد له علماء البلد الحرام، بانه السید الفرد الامام، سیدی وملاذی الشیخ احمد رضاخاں البریلوی[1]۔	جس کے لئے علمائے مکہ مکرمہ گواہی دے رہے ہیں کہ وہ سردار ہے بے نظیر ہے امام ہے میرے سردار اور میرے جائے پناہ حضرت احمد رضاخاں بریلوی (ت)

مولانا سید اسمٰعیل بن خلیل آفندی حافظ کتب حرم مکہ معظّمہ بعد بہت سے مدائح وذکر اسم گرامی اعلحضرت عظیم البرکت فرماتے ہیں:

وقد شهد له عالم مکة بذلك ولولم یکن بالمحل الارجع لما وقع منهم وذلك بل اقول لوقیل فی حقه انه مجدد هذا القرن لکان حقا وصدقا[2]۔	علمائے مکہ اس کے لئے ان فضائل کی گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے مکہ ان کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے بلکہ میں کہتاہوں کہ اگر ان کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق وصحیح ہو۔ (ت)

[1] حسام الحرمین تصدیقات علماء مکہ مکرمہ مکتبہ نبویہ لاہور ص ۸۳

[2] حسام الحرمین تصدیقات علماء مکہ مکرمہ مکتبہ نبویہ۔ لاہور ص ۵۱

اسی طرح علمائے مدینہ منورہ بھی آپ کے مداح ہیں اور کئی جلیل القدر فاضلوں نے اہل حرمین سے کتنے ہی علوم میں آپ سے سندیں لیں اور کئی حضرات نے بیعت بھی فرمائی "**ذلك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم**"۔ یہ مسئلہ کیا ہے، بڑا امتحان خدا ہے جو سنی ہوگا وہ اس فتوے پر عامل رہ کر قہر مولی سے بچے گا۔ اور اگر نفس امارہ کی شامت یا انجان پنے سے کانفرنس میں شامل ہوا ہو اور فتوے دیکھنے کے بعد کانفرنس کی شرکت سے تائب ہوا تو **ماشاء اللہ** جیسا کہ اپنے ہاتھوں سے دروازہ دوزخ کھولا تھا، لاجرم امید قوی ہے کہ اس کی توبہ کو مولیٰ تعالیٰ جل جلالہ مفتاح درجنت بنادے کہ یہ حدیث شریف میں وارد ہے:

التائب من الذنب کمن لا ذنب له [1]۔	گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔ (ت)

بلکہ بمصداق اس آیت شریفہ کے:

"اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝" [2]۔	مگر جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھا کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

خداوندا! تو توفیق رفیق گردان غربائے امت خصوصًا اہل سنت کے تئیں اس طوفان بے پایا سے بچا بجاہ **سید الشافعین آمین یارب العالمین!**

آج میری زہے قسمت کہ یہ مقدس فتوی شہر گونڈل کاٹھیاوار سے برادر دینی ومحب یقینی، اخی فی اللہ حامی سنت، ماحی فتن، نیچری فگن، ندوی شکن، دافع شکن، دافع الفتن مولانا محمد قاسم صاحب دام بالعزوالرفعۃ والجاہ ومن کل سوء وشر حماہ ووقاہ نے بغرض تصدیق وتصویب اس ناسزا سگ بارگاہ احمد رضا کے پاس بھیجا اور اپنے نامہ نامی وصحیفہ سامی میں تحریر فرمایا کہ ماقل ودل، اور اپنے مہر ودستخط کرکے سیدھا کلکتہ نزد محب سنت عدو بدعت، سرتاج اہل سنت، حامی دین متین، قاطع جیوش المبتدعین، جناب معلی القاب، حضرت منشی حاجی حکیم محمد لعل خاں صاحب کے رجسٹر کرکے بھیج دینا کہ وہاں طبع ہوجائے۔ واللہ فقیر اس پر انوار خورشید سے مقبول وچمکدار فتوے کی تحسین وتصویب کے کب لائق وحقدار، مگر مکرمی قاضی صاحب والا مناقب اعلیٰ مناصب داسم بالمواہب کی تعمیل کے لئے اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۵ /۷۰

ماجاب المجیب المصیب العالم العلامۃ الدراکۃ الفہامۃ ذوالتحقیق الباہرۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ مولانا احمد رضا خان فھو حق وصواب وذلك حکم السنۃ والکتاب جزاہ اللہ تعالٰی عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء، ونفعنا وجمیع اھل السنۃ بعلومہ الٰی یوم الجزاء، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	باصواب جواب دینے والے عالم نہایت فہم ودرک والے علامہ وسیع تحقیق والے، موجودہ صدی کے مجدد مولانا احمد رضاخاں نے جو جواب دیا وہ حق وصواب ہے، کتاب وسنت کا یہی حکم ہے، اللہ تعالٰی ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطافرمائے اور تمام ہم اہلسنت کو ان کے علم سے قیامت تک بہرور فرمائے، واللہ تعالٰی اعلم اس کا علم اتم واحکم ہے۔(ت)

عبدہ المذنب محمود جان سنی حنفی قادری البرکاتی الرضوی

البیشاوری ثم الجام جودھپوری کاٹھیاواری عفی عنہ کتبہ

بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۵۸)ماکتب العلماء المحققون والفضلاء المدققون فی ھذا الاستفتاء قد اجابوا بالحجج القویۃ وبالدلائل الصحیحۃ من عبارات الکتاب والسنۃ فاثابھم اللہ تعالٰی ثواب کثیرًا واجرًا وفیرًا فی یوم القیمۃ وقلع اللہ تعالٰی اساس المبتدعین ومحافل المنکرین المطر ودین وسود اللہ وجوھھم فی الدنیا والدین بحرمۃ سیدنا ومولانا سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالحق احق عندالحق۔	علمائے محققین اور فضلائے مدققین نے اس فتوے میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ قوی حجتین اور صحیح دلائل عبارات قرآن وحدیث سے جواب دیا اللہ تعالٰی بروز قیامت ثواب کثیر اور اجر وافر عطافرمائے اور بدمذہبوں اور منکرین مردودوں کی محفل کی بنیاد قطع کرے اور ان کے منہ دنیا ودین میں سیاہ کرے بحرمت ہمارے سردار مولٰی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے، تو حق خدا کے نزدیک زیادہ سزاوار ہے۔

حررہ الاثیم عبدالکریم ابن المولوی حامد صاحب مرحوم المغفور متوطن فی بلد دھوراجی

(۵۹)الحمد اللہ علٰی کل حال والشکر للہ علی کل نوالہ والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا ومولانا وسندنا محمد وعلٰی الہ واصحابہ اجمعین اٰمین وبہ نستعین، امابعد **اقول:** کیاخوب جواب ان سوالوں کا عالم محقق وفاضل مدقق اعلحضرت مولانا حاجی الحرمین الشریفین احمد رضاخاں صاحب البریلوی نے

دئے ہیں جن کی تحریریں دیکھنے سے معلوم ہوا جو کچھ حق جواب کا تھا وہ لکھے۔اللہ پاک ایسے علمائے دین کو قائم وترقی درجات میں رکھے، آمین ثم آمین! چونکہ بمصداق **لولا العلماء لهلك الجهلاء** (اگر علماء نہ ہوتے تو جاہل ہلاک ہوجاتے۔ت) سچ تو یہ ہے کہ آج کل بدمذہب والوں کا اظہار ہورہا ہے، یہ چوہے ہیں دین السلام کی کترنی کررہے ہیں، ایسے چوہوں کے سرکوب بلکہ نابود کرنے والے علمائے دین اہل سنت وجماعت جیسے یہ ہمارے اعلحضرت وغیرہم کہ ان کانفرنس کے توڑنے والے ہیں نے بدلائل قرآن شریف وباحادیث صحیح وباقول فقہائے فصیح کے چندیا اڑادی، ہاں ذرا غور کرکے دیکھو صاف کلام پاک صاحب لولاک شافع محشر کا ہمیں راہ راست بتلارہا ہے، حدیث **افضل الاعمال الحب فی اللہ والبغض فی اللہ**[1] (بہترین عمل محبت اور بغض اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہونا ہے۔ت) اللہ پاک جمیع مسلمانوں کو نیک ہدایت بخشے اور راہ راست جماعت پر مستقیم رکھے، آمین ثم آمین!

کتبہ خادم العلماء والفقراء احقر العباد عبدالحکیم خلف مولوی عبدالکریم ساکن دھوراجی بآباء واجداد۔

(۶۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ علی ماھدی والصلوۃ علی رسولہ المصطفی والہ المجتبٰی وعلمائہ الذین احکموا بنیان الحق والتقی، وقلعوا اساس البدع والھوی، امابعد اس عاجز واحقر خادم العلماء نے تحقیق انیق مشفقان محبیان کی از ابتداء تاانتہاء دیکھی، خداوند کریم ان سب کو اجر عظیم نصیب کرے اور جناب قاضی وحاجی قاسم میاں کو جو خیر خواہ اور سچے عاشق اسلام اور اہل السلام ہیں جنھوں نے بڑی جانفشانی کی ہے اور ان کے ہواخواہوں کو بھی ثواب جمیل عطا کرے۔ **المجیب مصیب ولہ فی الاخرۃ نصیب**

حررہ احقر العباد محمد طاہر ولد مولوی ایوب عفی عنہا کاٹھیاوار دھوراجی

تصدیق جناب مولانا مولوی غلام محی الدین عرف فقیر صاحب ساکن راندیر ضلع سورت

(۶۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ وکفی والصلٰوۃ علی سیدنا محمد المصطفی وعلی الہ واھل بیتہ واصحابہ الذین اجتبٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، امابعد حمد وصلٰوۃ کے واضح ولائح کہ فقیر نے یہ تحقیق انیق محبیان ومصحان شفیق کی ابتداء سے انتہاء تک دیکھی سو حق حقیق ہے اللہ جل شانہ وعم نوالہ ان سب کو اور خاص کرکے جناب برادر بلکہ از جان بہتر دین کے عاشق، اہل اسلام کے خیر خواہ، محب صادق جناب قاضی وحاجی قاسم میاں اور ان کے معاونوں سب کو جزائے خیر عطا فرمائے حالاً ومالاً بیشک اس زمانہ

---

[1] سنن ابو داؤد کتاب السنۃ باب مجانبۃ اہل الاھواء وبغضھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۶

پر فتن میں اظہار کرنا اور حق کو حق کر دکھانا اور اپنے دینی برادروں کو بچانا، یہ ہر مسلمان باایمان کا فرض ہے اور یہ قرآنی حکم محکم ہے جو اس کو نہ مانے اور اصرار کرے وہ قابل جہنم ہے، دیکھو سورہ نساء پارہ پنجم:

"وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۝۱۱۵" [1]۔	اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ ہے پلٹنے کی۔(ت)

پس یہ ندوہ اور کانفرنس اور ایسی ویسی خلاف شرع مجلسیں سم قاتل ہے، اس میں شریک ہونا مدد دینا گناہ کبیرہ ہے، خدا سب مسلمانوں کو بچائے اور توفیق نیک رفیق عطا فرمائے، آمین!

الراقم الحروف خادم خلق اللہ فقیر صاحب سید غلام محی الدین بن مولانہ مولوی سید رحمت اللہ عفی عنہما بدست خود۔

(۶۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد اللہ العلیم العلام وعلی نبیہ والہ وصحبہ الصلوۃ والسلام، اما بعد

میں ناچیز اس لائق نہیں ہوں کہ ایسے علماء کے فتوؤں پر تصحیح لکھوں اور میری تحریر سے فتوٰی کچھ زیادہ معتبر ہو مگر دو باتوں نے مجھے لکھنے پر ابھارا اور جرات دلوائی ایک تو برادر ایمانی کے اصرار نے اور دوسرے اس امید نے کہ علمائے راسخین کی متابعت اور مشابہت سے مجھ گناہ گار کا حشر بھی ان کے ساتھ ہو جائے اور۔

ان کے پیچھے پیچھے جنت الماوٰی کروں

لہٰذا لکھواتا ہوں کہ:

ما افتی العلماء والعظام والفقھاء الکرام فھو حق وصحیح وانا اضعف عبد اللہ الجلیل المحمود ابن الحافظ الاسمٰعیل المغفور المرحوم تابع لاقوالھم و فتوٰھم فی ھذا المرام و الصلوۃ علی نبیہ والہ وصحبہ والسلام وکان ذلک فی ۲۵ من شھر ذی القعدۃ الحرام من السنۃ الھجریۃ۔	علماء وفقہاء کرام نے جو فتوٰی دیا وہ صریح حق ہے اور میں اللہ تعالٰی جلیل کا نہایت ضعیف بندہ محمود بن حافظ اسمٰعیل مرحوم، صلٰوۃ وسلام ہو اللہ تعالٰی کے نبی، ان کی آل واصحاب پر، ۲۵ ذی قعدہ سن ہجری میں تحریر کیا گا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

تقریظ جناب مولانا مولوی غلام رسول صاحب ملتانی

(۶۳)قد اصاب ما جا مولانا العلام وحید العصر فرید الدھر امام الفقھاء راس الانقیاء مجدد المائة الحاضرة الفاضل البریلوی متع اللہ المسلمین والمومنین بطول بقائہ فی ھذہ المسئلة بان التائید والشرکة فی مثل ھذا المجالس الشیعة ممنوع کما قال اللہ تعالٰی "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ"[1]۔وفقنا اللہ تعالٰی ایانا ولسائر المسلمین و المومنین للمفارقة والشرکة من ھذہ المجالس و الیہ التوفیق وھو احسن رفیق۔	درست ہے جو اس مسئلہ میں جواب دیا مولٰنا علام یکتائے زمانہ، تنہائے روزگار، فقہاء کے امام پر ہیزگاروں کے سردار، اس صدی کے مجدد فاضل بریلوی نے اللہ تعالٰی مسلمین ومومنین کو ان کی درازی عمر سے متمتع کرے کہ اس جیسی بری مجلس کی تائید و شرکت ممنوع ہے چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ مسلمان مسلمان کے سواکافروں کو درست نہ بنائی اور جو ایسا کرے وہ رحمت خدا سے کسی شیئ میں نہیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں اور تمام مسلمین و مومنین کو توفیق دے کہ ان مجلسوں کی شرکت سے جدا رہیں اور اسی کی طرف توفیق ہے اور وہ اچھا ساتھی۔

حررہ العبد الجانی ابوالقبول غلام رسول الملتانی عفی عنہ

تقریظ علمائے مراد آباد

(۶۴)الحمد للہ علی الخبیر سقطت والی العلیم ظفرت بیشک بلاارتیاب جواب صحیح و صواب،ایسے مجالس کا انعقاد بلانزاع حرام،جو دنیا کو دین پر ترجیح دیتے ہیں یہ ایسوں ہی کا کام،اس میں بذل جاہ ومال تو کجا نفس شرکت ہی ناروا،توہب تنجیر، تشیع کی معجون مرکب کہیں اپنے زہریلے اثر سے تجھے ہلاک نہ کردے،اپنے ایمان کی خبر لے،فرق مبتدعہ وہابیہ، نیاچرہ، مرزائیہ وغیرہ ضالہ کے ساتھ مجالست و موانست ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ جسے وہ ترقی سمجھے وہ عین تنزل ہے، دار فانی کے عیش وتفاخر کو پیش نظر رکھ کر نعیم آخرت کو بھلادیں، بیشک مسلمانوں کے لئے دنیاوآخرت میں وہی اصلح وانفع ہے جو ان کے لئے ان کے رب تبارک وتعالٰی اور حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیساکہ مجیب معظم و مفخم ومصیب مدظلہم الاقدس نے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

مبرہن فرمایا، مفتی صاحب موصوف کا علم و فضل ظاہر واشکار، جس سے ہدایت کے چشمے اکناف عالم میں نمودار، اصل تو یہ ہے کہ حضرت والا کی ذات بابرکت ہر گز کسی واصف کے وصف اور مادح کے مدح کی محتاج نہیں جبکہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک شہر مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے علمائے عظام وفضلائے کرام نے ایسا گہرا احترام فرمایا کہ جس کا بیان حیطہ تحریر سے باہر، میں یہ بھی کیوں کہوں یہ اکرام علمائے بلدامین نے فرمایا، نہیں نہیں بلکہ یقینا یہ مجد وشرف اسی آقائے نامدار سرکار ابد قرار فداہ روحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقار سے ہے جن کے صدقہ میں ہر ذی عزت ذی عزت بنا، جس کو جوملا ان سے ملا، وہ وہی آفتاب رسالت ہیں جنھوں نے بعضے مقربان درگاہ علیہ متع اللہ المسلمین بقائہم کو عالم رؤیا میں اپنے نور بار جلو کی جھلک دکھا کر زبان فیض ترجمان سے ارشاد فرمایا کہ "احمدی رضا کی خدمتیں قبول ہیں"۔ والحمد للہ علی ذلک، ارباب سنت پر لازم کہ حضرت ممدوح کے فتوے کے موافق عمل فرمائیں اور بدعقیدہ بدمذہبوں کی صحبت سے اجتناب رکھیں، اللہ تبارک وتعالٰی ہم سب کو ہدایت پر قائم رکھے آمین ثم آمین! واخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام الاتمان الاکملان علی سید المرسلین شفیع المذنبین راحۃ العاشقین والہ وصحبہ الطیبین الطاھرین کلھم اجمعین الٰی یوم الدین۔

حررہ العبد المذنب ابو المکارم محمد عماد الدین عفی عنہ

(۶۵) الجواب صحیح والمجیب المعظم المکرم مصیب ومثاب فقیر ابوالبرکات عبید المصطفٰی سید احمد غفر اللہ الصمد

(۶۶) الجواب صحیح حقیر سید اولاد علی عفی عنہ

تصدیقات علمائے پیلی بھیت

(۶۷) جو کچھ حضرت شیخ الاسلام والمسلمین عون الاحناف والدین، امام علمائے اہل سنت، عالم کتاب وملت، عارف باللہ، نائب رسول اللہ، مجدد مائۃ حاضرہ، صاحب حجۃ قاہرہ، مؤید ملت طاہرہ، سیدنا ومولانا الحاج اعلٰحضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت برکاتہم ومتع اللہ المسلمین بطول بقائہ نے دربارہ مسئلہ ہذا تحریر فرمایا ہے وہ سب حق وصواب ہے اور احق بالاتباع ہے، مسلمانوں کو اس پر عمل لازمی ضروری ہے۔ اور خلاف اس کا ضلالت وموجب ہلاکت، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وھو الھادی بحرمۃ النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقیر قادری حکیم عبدالاحد الشہیر بسلطان الواعظمین خادم ومدرس مدرسۃ الحدیث

پیلی بھیت ابن علامہ اوحد ارشد فقیہ امجد حضرت مولانا وصی احمد صاحب قبلہ محدث سورتی قدس سرہ العلی۔

(۶۸) حضرت عظیم البرکت عالم اہل سنت قامع بدعت و محی سنت مولانا و بالفضل المولوی احمد رضاخاں صاحب متع اللہ المسلمین ببقائہ کاجواب صحیح ہے۔

حررہ العبد الحقیر ابوسراج عبدالحق رضوی عفی عنہ

(۶۹) الجواب صحیح والمجیب الفاضل نجیح۔

فقیر قادری حبیب الرحمٰن مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔

تصدیقات علمائے شاہجہان پور

(۷۰) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الاعلی والصلوۃ والسلام علی رسول المجتبٰی وعلی الہ واصحابہ الذین ھم اسانید الھدی۔ امابعد یہ فتوے عالم اکمل، فاضل اجل، حامی دین غراحضرت مولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کا دیکھنے میں آیا، نہایت صحیح اور درست پایا، بلاشبہہ یہ مجلس منحوس، مکر اور فریب سے دین اور دینا دونوں برباد کرنے والی، اگر مسلمان ان کی صحت اور معاونت اور شرکت سے باز نہ آئیں گے تو بالیقین اپنے دین و دنیا دونوں خراب کریں گے، چنانچہ فرمایا حق سبحانہ وتعالٰی نے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ"[1]۔ قالا فی تفسیر روح البیان تحت ھذہ الایۃ الکریمۃ والمراد بمن حاد اللہ ورسول المنافقون والیھود والفساق والظلمۃ والمبتدعۃ والمراد بنفی الوجدان نفی الموادۃ علی معنی انہ لاینبغی ان یتحق ذلک، وحقہ ان یمتنع ولایوجد بحال[2] انتھی، وایضا فیہ	تم ایسی قوم نہ پاؤ گے جو اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالفوں سے محبت کریں، روح البیان میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا: اللہ ورسول کے مخالف، منافق، یہود، فساق، ظالم، بدعتی لوگ ہیں، اور "نہ پائیں" سے مراد محبت و تعلق کی نفی ہے یعنی ایسا نہیں ہونا چاہئے اوراس سے بچنا لازم ہے، بہر حال اس سے باز رہے، ختم ہوا، اوراس میں ہے

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] روح البیان (التفسیر) تحت آیۃ ۵۸/ ۲۲ المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

عن سھل بن عبداللہ التستری قدس سرہ من صحح ایمانہ واخلص توحیدہ فانہ لایانس الی مبتدع والایجالسہ ولایواکلہ ولایشاربہ ولایصاحبہ ویظھر من نفسہ العداوہ والبغضاء[1] انتھی۔	سہل بن عبداللہ تستری قدس سرہ، سے منقول ہے کہ صحیح الایمان والاخلاص توحید والا شخص نہ بدعتی لوگوں کی رغبت رکھے، نہ ان کے پاس بیٹھے، نہ ان کے ساتھ کھائے، نہ ان کی صحبت میں جائے اور ان سے عداوت وبغض کا مظاہرہ کرے، انتہی (ت)

اور یہ ان کا کہنا کہ یہ دینی کانفرنس کہاں ہے یہ تو دنیوی کے لئے قائم کی ہے بالکل فریب اور دھوکا دہی اور رہزنی ہے، کیونکہ اگر عزت اور ترقی دنیا کی پیدا کرنے کے واسطے ہے تب بھی ان سے اختلاط عـــہ، اور مداہنت ممنوع ہے، چنانچہ تفسیر روح البیان میں ہے:

ومن داھن مبتدعا سلبہ اللہ حلاوۃ السنن ومن تحبب الی مبتدع لطب عزفی الدنیا اوعرض منھا اذلہ اللہ بتلك العزۃ وافقراللہ بذلك الغنی[2] انتھی، و ایضاقال سبحنہ تعالٰی وتقدس "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[3] ۔قال فی جواہر التنزیل تحت ھذہ الایۃ الکریمۃ وھی نار جھنم والرکون ھو المیل	جو بدعتی کے معاملہ میں کمزوری دکھائے اللہ تعالٰی اس سے سنت کی حلاوت کو سلب فرماتاہے اور جو شخص بدعتی کی دعوت کو دنیاوی عزت یاسامان کی خاطر قبول کرتاہے تواللہ تعالٰی اس کو اس غناء کے باوجود ذلیل وفقیر کردیتاہے، اللہ تعالٰی نے یہ بھی فرمایا ہے ظالموں کی طرف میلان نہ کروکہ آگ تمھیں چھوئے، جواہر التنزیل میں اس آیہ کریمہ کے تحت فرمایا یہ جہنم کی آگ ہے اور "رکون" تھوڑی میل ہے تو جو ان کے ساتھ مکمل میلان رکھے اوران کے

عـــہ: یعنی فرقہ باطلہ سے ۱۲۔

[1] روح البیان للحقی (التفسیر) تحت آیۃ ۲۲/۵۸ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

[2] روح البیان للحق (التفسیر) تحت آیۃ ۲۲/ ۵۸ المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا الحاج الریاض ۹/ ۴۱۲

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

الیسیر فما ظنك بمن یمیل الیهم كل المیل و یتهالك علی مصاحبتهم و یتعب قلبه وقالبه فی ادخال السرور علیهم ویستنهض الرجل والخیل فی جلب المنافع الیهم و یبتهج بالتزی بزیهم والمشاركة فی غیهم ویمد عینیه الی ماتمتعوا به من زهرة الدنیا الفانیة و یغبطهم بما اوتوا من القطوف الدانیة غافلا عن حقیقة ذلك ذاهلا عن منتهی ماهنالك و ینبغی ان یعد مثل ذلك من الذین ظلموا [1] انتهی۔	ساتھی ہونے پر والہانہ انداز اپنائے اور ان میں شامل ہونے پر روحانی وجسمانی خوشی ظاہر کرے اور منافع حاصل کرنے کے لئے اس ٹولے کی طرف دوڑے اور ان کی شکل وصورت پر فخر کرے، ان کی گمراہی میں شرکت کرے، اور د دنیاوی امیرانہ سہولیات پر امید لگائے اور ان کے موج میلے پر رشک کرتے ہوئے اس کی حقیقت نہ سمجھے اور نتائج سے بے فکر ہوجائے تو ایسے لوگوں کو ظالموں میں شمار کرنا مناسب ہے۔ (ت)

اس شاہجہان پور میں عرصہ چودہ پندرہ سال کا ہوا ہوگا کہ اس ندویہ نے مجلس قائم کی تھی مکر وفریب دے کر ساٹھ ہزار روپیہ نقد اور زیورات اور جائیداد دیہات وغیرہ حاصل کیا کہ اتنا کسی شہر سے حاصل کرنے کا سنا نہیں گیا۔ اور سب خورد برد کر ڈالا یہاں تک کہ طلاب جو مدرسہ ندویہ میں پڑھنے جاتے تھے تو ان سے خوراک کی تنخواہ لے لیتے تب داخل کرتے، اسی وجہ سے مولوی مسیح الزمان خاں صاحب اور اعزاز حسین صاحب وغیرہ ان سے علیحدہ ہوگئے اور فقیر سے اور اہل ندویہ سے کئی گھنٹے مباحثہ رہا انھوں نے تسلیم کیا اور وعدہ کیا کہ ہم غیر مقلدوں اور وہابیوں اور رافضیوں اور نیچریوں کو اپنا شریک نہ کرینگے، اور پھر بھی انھوں نے شرکت ان فرقہ باطلہ کی قائم رکھی، اس سے بڑھ کر کیا فریب ہوگا، اب ان شہروں میں ان کا داؤں چلتا نہیں انجان شہروں میں جاکر فریب دہی دنیا اور دین کی اختیار کی، ان شاء اللہ تعالٰی سچے مسلمان تو بعد علم کے ان کے فریب میں ہرگز نہ آئیں گے۔

حررہ الخاطی محمد ریاست علی شاہجہان پوری عفی عنہ۔

(۷۱) اصاب من اجاب۔ العبد نور احمد عفی عنہ

[1] جواھر التنزیل

(۷۲) الجواب صحیح۔ محمد فراست اللہ عفی عنہ

(۷۳) الجواب صحیح۔ ظہور احمد شاہجہان پوری عفی عنہ

تصدیقات علمائے رامپور

(۷۴) الجواب صحیح۔

محمد نور الحسین الرامفوری المدرس الاول للمدرسۃ العثمانیہ الواقعۃ بلدۃ کلکتہ ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ الہجریۃ المقدسۃ

(۷۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد اللہ علی الھدایۃ والرشاد ونعوذ باللہ من البغی والعناد، والصلٰوۃ والسلام علی نبییہ المصطفی والہ وصحبہ الذین اجتباہم واصطفی، اما بعد فقیر حضرت مجدد دین وملت، قامع شرکت وبدعت، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، امام اہلسنت حضرت فاضل بریلوی ادام اللہ وابقاہ کے حرف حرف سے متفق ہے، نیچری ایجوکیشنل کانفرنسیں یا ان کے فضلے ندوۃ مخذولہ کی شرکت بدنی ہو یا مالی قطعی حرام، اور اس کو حلال اور دینی خدمت سمجھنے والا کافر و بے دین ہے، ملعون نیچریوں نے خوشنودی نصارٰی کے لئے حب جاہ میں گرفتار ہو کر انگریزی تعلیم کا جال پھیلایا رکھا ہے جس سے اس گروہ نابکار بندہ کفار کی غرض فاسد یہ ہے کہ جوہر ایمان مسلمان نادان بچوں کے سینے سے مٹ جائے مگر ان اشرار ناہنجار کو اس رہزنی کے صلے میں کوئی منصب یا جہنمی خطاب مل جائے، ہنوز ایک ماہ نہیں گزرا کہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس مدارس میں منعقد ہوئی جس کے صدر آنریبل خان بہادر عزیز الدین احمد سی، آئی، اے، کلکٹر آف ویلور نے خطبہ صدارت فرماتے ہوئے کہا کہ مسلمان بچوں کو ابتداء میں قرآن خوانی سے جو نقصانات پیدا ہو جاتے ہیں آگے چل کر وہ انگریزی تعلیم میں حارج ہوتے ہیں، اگے چل کر فرماتے ہیں کہ جو مادر وطن کے فرزند، ایم۔اے، یا بی۔اے کی ڈگریاں حاصل کرنے کے لئے کوشش کر رہے ہوں تو ان کو ایام رمضان میں روزہ بالکل نہ رکھنا چاہئے کیونکہ بوجہ صوم طالبعلموں کے قوائے عقلی و حسی کمزور پڑ جاتے ہیں، **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ (ملاحظہ ہو مزید کیفیت کے لئے اخبار وکیل)

جن خبیث کانفرنس و نیچری جلسوں میں ان کے معین و مددگار بیٹھ کر خلاف نصوص قرآنی واحادیث محبوب ربانی ریزولیوشن پاس کرتے ہوں ان کانفرنسوں کی شرکت مسلمانوں کو قطعی حرام ہے ایسی کفریہ کانفرنسوں میں اس گروہ شقاوت پژدہ کی شرکت کرنا یا مالی مدد کرنا اسلامی بنیاد کو ڈھانا اور آتش کفر کا بھڑکانا ہے جس کا انجام جہنم ہے،

(۱) رب العزت ارشاد فرماتا ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ	اے ایمان والو! اپنے باپ اور اپنے بھائیوں کو

"وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳ "[1]	دوست نہ سمجھوں اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا تو وہی ظالم ہیں۔(ت)
(۲) "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ "[2]۔	اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کردے گا گندے کو ستھرے سے (ت)

حدیث صحیح میں ارشاد ہوتا ہے:

اباهريرة يقول: قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يكون فى اخر الزمان دجالون كذابون ياتونكم من الاحاديث بما لم تسمعوا انتم و اٰباؤكم اياكم واياهم لايضلونكم ولايفتنونكم[3]۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں (ایک گروہ) فریب دینے والوں اور جھوٹ بولنے والوں کا ہوگا وہ تمھارے سامنے ایسی باتیں لائیں گے جن کو نہ تم نے کبھی سنا ہوگا نہ تمھارے باپ دادا نے، تو ایسے لوگوں سے بچو اور انھیں اپنے قریب نہ آنے دو تاکہ وہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔(ت)
(۲) من اعرض عن صاحب بدعة بغضا له فى الله ملا الله قبله امنا وايمانا[4]۔	جس نے بغض کی بنا پر بدمذہب سے اعراض کیا تو اللہ تعالٰی اس کا دل امن وایمان سے بھردے گا۔(ت)
(۳) من مشى الى صاحب بدعة ليوقرهم فقد اعان على هدم الاسلام[5]۔	جو کسی بدعتی کی تعظیم کے لئے گیا اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد کی۔(ت)

غرض آیات واحادیث اس بارے میں مالا مال ہیں، خداوند کریم برادران اہل سنت کو ان خبیث جلسوں کی شرکت سے محفوظ رکھے اور گروہ نیاچرہ سے ہم مسلمانان اہل سنت کو بچائے، آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیم۔ فیقر محمد شفاعت الرسول سنی حنفی قادری رضوی برکاتی کان اللہ رامپوری

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[3] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] تاریخ بغداد ترجمہ ۵۳۷۸ عبدالرحمن بن نافع دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۶۴

[5] کنزالعمال حدیث ۱۱۰۲۳ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۲۲

ابن شیر بشیہ سنت عمدۃ المتکلمین سیف المسلول حضرت ابوالوقت مولٰنا شاہ محمد ہدایت الرسول مرحوم مغفور رامپوری

(۷۶) تصدیق جناب مولانا مولوی محمد علیم صاحب میرٹھی زید مجدہ

مبسملًا وحامدًا محمدًا (جلا وعلا) ومصلیًا ومسلمًا محمدًا (سلم اللہ علیہ وصلی) امابعد کاٹھیاوار مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کاٹھیاوار کی ایک تعلیمی انجمن ہے، مسلمانوں میں علوم کی روشنی پھیلانا اور ان کو جہالت کے قعر مذلت سے نکالنا ایک ایسا ضروری واہم امر ہے جس کے متعلق قرآن عظیم میں یوں وارد ہوتا ہے۔

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ"[1]۔	اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری سے منع کریں۔(ت)

نیز ارشاد ہوتا ہے:

"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ"[2]۔	اللہ تمھارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا(ت)

طلب علم کے متعلق فرمان حضور عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوتا ہے کہ:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ[3]۔	علم طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے(ت)

نیز: اطلبوا العلم ولو بالصین[4] (علم حاصل کرو چاہئے چین جانا پڑے۔ت) لیکن سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد کون سا علم ہے کیونکہ مدینۃ العلم حضرت سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ:

العلوم خمسۃ الفقۃ للادیان والطب للابدان و الھندسۃ للبنیان والنحو للسان والنجوم للزمان[5] کذافی مدینۃ	علوم پانچ ہیں: فقہ، دین کے لئے، طب، بدن کے لئے۔ ہندسہ عمارت کے لئے، نحو زبان کے لئے، نجوم زمانہ کے لئے۔ جیسا کہ مدینۃ العلوم

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۰۴

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

[3] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی مسئلہ الواجب علی الکفایۃ واجب علی الکل منشورات الرضی قم ایران ۱/ ۶۳

[4] کنز العمال حدیث ۲۸۶۹۸، ۲۸۶۹۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[5] مدینۃ العلوم

العلوم، وقال الامام الشافعی رحمه اللّٰه تعالٰی علیه العلم علمان علم الطب للابدان وعلم الفقة للادیان[1]۔	میں مذکور ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: علم دو ہیں؛ علم طب، بدن کے لئے، اور علم فقہ، دین کے لئے (ت)

سوال مذکورۃ الصدر کا جواب آیات کلام عظیم واحادیث نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کے مضامین کو ترتیب دینے سے بادنٰی توجہ معلوم ہوجاتاہے کہ یہاں اس علم سے مراد دین ہی ہے، چنانچہ اسی پر مفسرین ومحدثین کا اجماع، اور اگر جیساکہ بعض مأولین معانی آیات واحادیث کہتے ہیں کہ علوم ابدان بھی اسی میں داخل ہیں تو بھی یہ امر یقینی ہے کہ علوم دینی کو بہر نوع علوم ابدان پر اولیت ان مأولین کے نزدیک بھی مسلم ہوگی، اس لئے معاملات تعلیم وتعلم علوم پر غور کرنے والوں کے لئے منکم ہونا ہی نہیں بلکہ بفحوائے:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[2]	تواے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہیں (ت)

اہل ذکر ہونا اور شان رفع کا مورد بننے کے لئے "الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"[3] (جو ایمان لائے۔ت) کا ہونا نیز طلب علم کی فرضیت کا حکم پانے والوں کے لئے مسلم ومسلمہ کا ہونا لابد ہے، پس جہاں مسائل تعلم وتعلیم پر غور کرنے کے لئے امت مرحومہ کے وہ افراد جمع ہوں جو يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ"[4] اور "اَهْلَ الذِّكْرِ"[5] کے مصداق کہلائے جاسکیں اور تعلیمی مشورے میں ""يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ"[6] کی آیت کو ملحوظ رکھ کر تحفظ ایمان واسلام واشاعت علوم دین کے فرض اہم واولین کو محسوس کرتے ہوئے ضمناً ضرورت زمانہ کے لئے تجارت وزراعت، صنعت وحرفت نیز ایسی السنہ وکتب کے تعلم وتعلیم کے متعلق بھی مشورہ کریں جن کے حصول سے دین میں نقصان آنے کا احتمال اضعف بھی نہ ہو تو ان کی انجمن محمود اور اس انجمن کی شرکت مسعود کہی جائے گی، البتہ اگر ارکان انجمن معراعن الدین والایمان ہوں، اور مبحث مشورہ تعلیم وتعلم علوم محزب دین وایمان تو وہ انجمن یقینا مردود اس کی شرکت سے اہل ایمان کے لئے بہر نوع گریز واجب، جیساکہ اکابر علماء کے فتاوے سے بوضاحت ثابت ہوچکا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اکمل واتم۔

فقیر محمد علیم رضا القادری غفرلہ

1

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۰۴

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

[6] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۸

(۷۷) تصدیقات علمائے پنجاب

عنایت فرمائے من جناب قاسم میاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ یہاں پر استفسارات کے اجوبہ علمائے کرام مقیمان زیارت شریف لکھتے ہیں۔ آپ کا دعاگو عرصہ ممتدہ سے بوجہ کم فرصتی علیحدہ ہے۔ آپ کے استفسار کے متعلق جوابا گزارش ہے کہ اہل السنۃ کو اہل ہواوبدعت کے لئے اشاعتِ امور ہوائیہ وبدعیہ میں امداد دینی نہ چاہئے، میں چونکہ مفتی نہیں ہوں لہذا مہر بھی نہیں رکھتا۔

العبد الملتجی والمشتکی الی اللہ المدعو بمہر علیشاہ بقلم خود از گولڑہ

(۷۸) الجواب صحیح والمجیب مصیب۔

حررہ الراجی الٰی لطف ربہ القوی عبدالنبی الامی السید حیدر شاہ القادری الحنفی المتوطن کچھ بھوج المعروف بہ پیر پھڑ والہ النزیل فی الکلکتہ المرقوم ۲۷ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

(۷۹) فرمان ہادی السبیل سید الانبیاء والملائکۃ والرسل رسول الکل عزیز از جان ودل حبیب لبیب پیارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد ما ھو المکتوب فی اللوح والقلم فی کل یوم ولیلۃ ولمحۃ وساعۃ ونفس الف الف مائتہ الف مرۃ الی یوم العلم، جز اہل السنت والجماعت کلھم فی النار ہو، پس ایسے مجمع میں شریک ہونا حرام ہے، ہاں ہاں جسے جہنمی رقعہ خرید کرنا ہو اسے جائز ہے کہ اپنا حال رائیگاں کرکے دنیا میں ناموری پائے اور گروہ ماانا علیہ واصحابی وسواد اعظم سے خارج ہو کر گروہ اہل البدعۃ والنار میں اپنا نام لکھوائے۔

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ"[1] الایۃ۔ "وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى"[2]۔	جو کچھ تمھیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو الآیۃ۔ اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے۔ (ت)

کتبہ خاکپائے سیدنا رسول الرب الغفور احقر عبدالشکور گیسو دراز ابن المرحوم المغفوری مولوی دادامیاں محمدی سنی حنفی چشتی صابری اویسی دھوراجوی عفا اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۹ /۷

[2] القرآن الکریم ۱۷ /۷۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
تدبیر فلاح ونجات واصلاح ۱۳۳۱ھ
(نجات، اصلاح معاشرہ اور کامیابی کی بہترین تدبیریں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۵: از کلکتہ کولوٹولہ اسٹریٹ نمبر ۶۵ مسئولہ جناب حاجی منشی لعل خاں صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

قبلہ وکعبہ حضرت مرشدی ومولائی دام ظلکم العالی، تمنائے قدمبوسی کے بعد مؤدبانہ گزارش، المؤید کے پرچے برائے ملاحظہ مرسل ہیں۔ ارشاد ہو کہ آج کل مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے اور امداد ترک کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:

بملاحظہ مکرمی حامی سنت ماحی بدعت برادر طریقت حاجی لعل خاں صاحب دام مجدہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، المؤید کے چھ پرچے آئے انھیں بالاستیعاب دیکھا گمان یہ تھا کہ شاید کوئی خبر خوشی کی ہو مگر اس کے برعکس اس میں رنج وملال کی خبریں تھیں، بے گناہ مسلمانوں پر جو مظالم گزر رہے ہیں اور سلطنت ان کی حمایت نہیں کرسکتی صدمہ کے لئے کیا کم تھے کہ اس سے بھی بڑھ کر ترکوں کی اس تازہ تبدیل روشن کا ذکر تھا جس نے میرے خیال کی تصدیق کردی۔

"اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ" [1]۔	بیشک اللہ تعالٰی کسی قوم کو گردش میں نہیں ڈالتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدل ڈالیں۔

اللہ اکرم الاکرمین اپنے حبیب کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل سے ہماری اور ہمارے اسلامی بھائیوں کی آنکھیں کھولے، اصلاح قلوب واحوال فرمائے، خطاؤں سے در گزر کرے، غیب سے اپنی مدد اتارے، اسلام و مسلمین کو غلبہ قاہرہ دے، آمین اله الحق آمین، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ مگر بے دل نہ چاہئے،

"لَا تَایْــٴَـسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْــٴَـسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾" [2]	اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، بیشک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ۔ (ت)

اللہ واحد قہار غالب علی کل اس دین کا حافظ وناصر ہے،

"وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾" [3] "وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳۹﴾" [4]	اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، تمھیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو۔ (ت)

حضور سید ناسید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یاتی امر الله وهم علی ذلك غالبًا [5]۔	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا ان کی مخالفت اور رسوائی کرنے والا ان کو ضرر نہ پہنچاسکے گا کہ وہ گروہ اس کا حکم آنے تک اس پر غالب رہے گا۔ (ت)

یہاں امر اللہ وہ وعدہ صادقہ ہے جس میں سلطان شہید ہوں گے اور روئے زمین پر اسلامی

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۷

[3] القرآن الکریم ۳۰/ ۴۷

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۹

[5] صحیح البخاری کتاب المناقب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۴، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تزال امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳، سنن ابوداؤد کتاب الفتن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۸

سلطنت کا نام نہ رہے گا۔ تمام دنیا میں نصارٰی کی سلطنت ہوگی، اگر معاذاللہ وہ وقت آگیا ہے جب تو کوئی چارہ کار نہیں۔ شدنی ہو کر رہے گی، مگر وہ چند ہی روز کے واسطے ہے، اس کے متصل ہی حضرت امام کا ظہور ہوگا۔ پھر سیدنا روح اللہ عیسٰی مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام نزول اجلال فرمائیں گے اور کفر تمام دینا سے کافور ہوگا۔ تمام روئے زمین پر ملت ایک ملت اسلامی ہوگی، اور مذہب ایک مذہب اہلسنت، غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، مگر فقیر جہاں تک نظر کرتا ہے ابھی ان شاء اللہ وہ وقت نہیں آیا اگر ایسا ہے تو ضرور نصرت الٰہیہ نزول فرمائے گی اور کفار ملاعنہ اپنے کیفر کردار کو پہنچیں گے، بہر حال بندگی بیچارگی دعا کے سوا کیا چارہ ہے، وہی جو ہمارا رب ہے ہماری حالت زار پر رحم فرمائے گا اور اپنی نصرت اتارے یعنی جھٹکے جو پہنچ گئے ہیں انھیں پر "زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۝۱۱ "[1] (خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے۔ت) کو ختم فرمادے اور "اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝۲۱۴ "[2] (سن لو بیشک اللہ کی مدد قریب ہے۔ت) کی بشارت سنادے، **حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔**

آپ پوچھتے ہیں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے، اس کا جواب میں کیا دے سکتا ہوں، اللہ عزوجل نے تو مسلمانوں کے جان ومال جنت کے عوض خریدے ہیں،

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ "[3]	بیشک اللہ نے مسلمانوں کے جان ومال خرید لئے ہیں اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے۔(ت)

مگر ہم ہیں کہ مبیع دینے سے انکار اور ثمن کے خواستگار ہندی مسلمانوں میں یہ طاقت کہاں کہ وطن ومال واہل وعیال چھوڑ کر ہزاروں کوس دور جائیں اور میدان جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر مال تو دے سکتے ہیں، اس کی حالت بھی سب آنکھوں دیکھ رہے ہیں وہاں مسلمانوں پر یہ کچھ گزر رہی ہے یہاں وہی جلسے وہی وہی رنگ، وہی تھیٹر وہی امنگ، وہی تماشے وہ بازیاں، وہی غفلتیں وہی فضول خرچیاں، ایک بات کی بھی کمی نہیں، ابھی ایک شخص نے ایک دنیاوی خوشی کے نام سے پچاس ہزار دئے ایک عورت نے ایک چین وچنان جرگہ کو پچاس ہزار دئے، ایک رئیس نے ایک کالج کو ڈیڑھ لاکھ دئے، اور یونیورسٹی کے لئے تو تیس لاکھ سے زائد جمع ہوگیا، ایک رات میں ہمارے اس مفلس شہر سے اس کے لئے چھبیس ہزار کا چندہ ہوا، بمبئی میں ایک کم درجے

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۱

کے شخص نے صرف ایک کوٹھری چھبیس ہزار روپے کو خریدی فقط اس لئے کہ اس کے وسیع مکان سکونت سے ملحق تھی، جسے میں بھی دیکھ آیا ہوں، اور مظلوم اسلام کی مدد کے لئے جو کچھ جوش دکھائے جارہے ہیں آسمان سے بھی اونچے ہیں، اور جو اصلی کارروائی ہورہی ہے زمین کی تہہ میں ہے پھر کس بات کی امید کی جائے۔بڑی ہمدردی یہ نکالی ہے کہ یورپ کے مال کا بائیکاٹ ہو، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ہر گز مسلمانوں کے حق میں کچھ نافع پاتا ہوں، اول تو یہ بھی کہنے کے الفاظ ہیں نہ اس پر اتفاق کریں گے نہ ہر گز اس کو نباہیں گے، اس عہد کے پہلے توڑنے والے جنٹل مین حضرات ہی ہوں گے جن کی گزر بغیر یورپین اشیاء کے نہیں۔تو سارا یورپ ہے پہلے صرف اٹلی کا بائیکاٹ ہوا تھا، اس پر کتنوں نے عمل کیا اور کتنے دن نباہا، پھر اس سے یورپ کو ضرر بھی کتنا، اور ہو بھی تو کیا فائدہ کہ وہ ہو سو ترکیوں سے اس سے دہ گنا ضرر پہنچا سکتے ہیں، لہٰذا ضرر رسانی کا ارادہ صرف وہی مثل ہے کہ کمزور اور پٹنے کی نشانی، بہتر ہے کہ مسلمان اپنی سلامت روی پر قائم رہیں، کسی شریر قوم کی چال نہ سیکھیں، اپنے اوپر مفت کی بدگمانی کا موقع نہ دیں، ہاں اپنی حالت سنبھالنا چاہتے ہیں تو ان لڑائیوں ہی پر کیا موقوف تھا، ویسے ہی چاہئے تھا کہ :

اولاً: باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقامات اپنے آپ فیصل کرتے، یہ کروڑوں روپے جو اسٹامپ ووکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر تباہ ہوگئے اور ہوئے جاتے ہیں محفوظ رہتے۔

ثانیاً: اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع ہی میں رہتا، اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گھڑنت کرکے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر کہ آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔

ثالثاً: بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان اپنے بھائی مسلمانوں کیلئے بنک کھولتے، سود شرع نے قطعی حرام فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع لینے کے حلال فرمائے ہیں جن کا بیان کتب فقہ میں مفصل ہے اور اس کا ایک نہایت آسان طریقہ "کتاب کفل افتیہ الفاhم" میں چھپ چکا ہے، ان جائز طریقوں پر بھی نفع لینے کہ انھیں بھی فائدہ پہنچتا اور ان کے بھائیوں کی بھی حاجت برآتی اور آئے دن جو مسلمانوں کی جائدادیں بنیوں کی نذر کو ہوئی چلی جاتی ہے ان سے بھی محفوظ رہتے، اگر بنیوں کی جائداد ہی لی جاتی مسلمان ہی کے پاس رہتی یہ تو نہ ہوتا کہ مسلمان ننگے اور بنئے تنگے۔

رابعاً: سب سے زیادہ اہم، سب کی جان، سب کی اصل اعظم وہ دین متین تھا جس کی رسی مضبوط تھامنے نے اگلوں کو ان مدارج عالیہ پر پہنچایا، چار دانگ عالم میں انکی ہیبت کا سکہ بٹھایا، نان شبینہ کے محتاجوں کو

بلند تاجوں کا مالک بنایا۔اور اسی کے چھوڑنے نے پچھلوں کو یوں چاہ ذلت میں گرایا **فانا للہ وانا الیہ راجعون، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

دین متین علم دین کے دامن سے وابستہ ہے، علم دین سیکھنا پھر اسی پر عمل کرنا اپنی دونوں جہاں کی زندگی چاہتے وہ انھیں بتادیتا، اندھو! جسے ترقی سمجھ رہے ہو سخت تنزل ہے، جسے عزت جانتے ہو اشد ذلت ہے،

مسلمان اگر یہ چار باتیں اختیار کریں توان **شاء اللہ العزیز** آج کی حالت سنبھل جاتی ہے، آپ کے سوال کا جواب تو یہ ہے، مگر یہ تو فرمائے کہ سوال وجواب سے حاصل کیا جب کوئی اس پر عمل کرنے والا نہ ہو، عمل کی حالت ملاحظہ ہو:

اول: پر یہ عمل ہے کہ گھر کے فیصلہ میں اپنے دعوے سے کچھ بھی کمی ہو تو منظور نہیں۔اور کچہری جاکر اگرچہ گھر کی بھی جائے ٹھنڈے دل سے پسند گرہ گرہ بھر زمین پر طرفین سے دو دو ہزار بگڑ جاتے ہیں کیا آپ ان حالتوں کو بدل سکتے ہیں، "**فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ**﴿۹۱﴾ "[1] (تو کیا تم باز آئے۔ت)

دوم: کی یہ کیفیت کہ اول تو خاندانی لوگ حرفت وتجارت کو عیب سمجھتے ہیں اور ذلت کی نوکریاں کرنے، ٹھوکریں کھانے، حرام کام کرنے، حرام مال کھانے کو فخر وعزت، اور جو تجارت کریں بھی تو خریدار کو اتنا حس نہیں کہ اپنی ہی قوم سے خریدیں اگرچہ پیسہ زائد سہی کہ نفع ہے تو اپنی بھائی کا ہے، اہل یورپ کو دیکھا ہے کہ دیسی مال اگرچہ ولایتی کی مثل اور اس سے ارزاں بھی ہو ہر گز لیں گے اور ولایتی گراں خرید لیں گے۔ادھر بیچنے والوں کی یہ حالت کہ ہندو آنہ روپیہ نفع لے، مسلمان صاحب چونی سے کم پر راضی نہیں اور پھر لطف یہ کہ مال بھی اس سے ہبلکہ بلکہ خراب، ہندو تجارت کے اصول جانتا ہے کہ جتنا تھوڑا نفع رکھے اتنا ہی زیادہ ملتا ہے اور مسلمان صاحب چاہتے ہیں کہ سارا نفع ایک ہی خریدار سے وصول کرلیں۔ناچار خریدنے والے مجبور ہو کر ہندو سے خریدتے ہیں۔کیا تم یہ عادتیں چھوڑ سکتے ہو "**فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ**﴿۹۱﴾ "[2] (تو کیا تم باز آئے۔ت)

سوم: کی یہ حالت کہ اکثر امراء کو اپنے ناجائز عیش سے کام ہے، ناچ رنگ وغیرہ بے حیائی یا بیہودگی کے کاموں میں ہزاروں لاکھوں اڑادیں وہ ناموری ہے ریاست ہے، اور مرتے بھائی کی جان بچانے کو ایک خفیف رقم دینا ناگوار، جنھوں نے بنیوں سے سیکھ کر لین دین شروع کیا وہ جائز نفع کی طرف توجہ کیوں کریں، دین سے کیا کام، اللہ ورسول کے احکام سے کیا غرض، ختنہ نے انھیں مسلمان کیا اور گائے کے گوشت نے مسلمانی قائم رکھی اس سے زائد کیا ضرورت ہے، نہ انھیں مرنا ہے، نہ اللہ وحدہ قہار کے حضور جانا، نہ اعمال کا

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

حساب دینا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پھر سود بھی لیں تو بنیا اگر بارہ آنے مانگے یہ ڈیڑھ دو سے کم پر راضی نہ ہوں، ناچار حاجتمند بنیوں کے ہتھے چڑھتے ہیں اور جائدادیں ان کی نذر کر بیٹھتے ہیں۔

چہارم: کاحال ناگفتہ بہ ہے کہ انٹر پاس کو رزاق مطلق سمجھا ہے وہاں نوکری میں عمر کی شرط، پاس کی شرط، پھر پڑھائی وہ مفید کہ عمر بھر کام نہ آئے، نہ اس کی نوکری میں اس کی حاجت پڑے، اپنی ابتدائی عمر کہ وہی تعلیم کا زمانہ ہے یوں گنوائی، اب پاس ہونے میں جھگڑا ہے، تین تین بار فیل ہوتے ہیں اور پھر لپٹے چلے جاتے ہیں، اور قسمت کی خوبی کہ مسلمان ہی اکثر فیل کئے جاتے ہیں، پھر تقدیر سے پاس بھی مل گیا تو اب نوکری کا پتا نہیں اور ملی بھی تو صریح ذلت کی، اور رفتہ رفتہ دنیوی عزت کی بھی پائی تو وہ کہ عندالشرع ہزار ذلت، کہئے پھر علم دین سکھنے اور دین حاصل کرنے اور نیک وبد میں تمیز کرنے کا کون سا وقت آئے گا۔ لاجرم نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دین کو مضحکہ سمجھتے ہیں، اپنے باپ دادا کو جنگلی، وحشی، بے تمیز، گنوار، نالائق، بیہودہ، احمق، بے خرد جاننے لگتے ہیں، بفرض غلط اگر یہ ترقی بھی ہوئی تو نہ ہونے سے کروڑ درجے بدتر ہوئی، کیا تم علم دین کی برکتیں ترک کرو گے، "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾"[1] (تو کیا تم باز آئے۔ت)

یہ وجوہ ہیں یہ اسباب ہیں، مرض کا علاج چاہنا اور سبب کا قائم رکھنا حماقت نہیں تو کیا ہے، اس نے تمھیں ذلیل کر دیا اس نے غیر قوموں کو تم پر ہنسوایا، اس نے اس نے جو کچھ کیا وہ اس نے، اور آنکھوں کے اندھے اب تک اس اوندھی ترقی کا رونا روئے جاتے ہیں، "ہائے قوم وائے قوم یعنی ہم تو اسلام کی رسی گردن سے نکال کر آزاد ہوگئے، تم کیوں قلی بنے ہو" حالانکہ حقیقۃ یہ آزادی ہی سخت ذلت کی قید ہے جس کی زندہ مثال یہ ترکوں کا تازہ واقعہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اہل الرائے ان وجوہ پر نظر فرمائیں، اگر میرا خیال صحیح ہو تو ہر شہر وقصبہ میں جلسے کریں اور مسلمانوں کو ان چار باتوں پر قائم کر دیں پھر آپ کی حالت خوبی کی طرف نہ بدلے تو شکایت کیجئے، یہ خیال نہ کیجئے کہ ایک ہمارے کئے کیا ہوتا ہے ہر ایک نے یونہی سمجھا تو کوئی کچھ نہ کرے گا، بلکہ ہر شخص یہی تصور کرے کہ مجھی کو کرنا ہے، یوں ان شاء اللہ تعالٰی سب کر لیں گے، چند جگہ جاری تو کیجئے پھر خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے، خدا نے چاہا تو عام بھی ہو جائے گا، اس وقت آپ کو اس کی برکات نظر آئیں گی، وہی آیہ کریمہ کہ ابتداء سخن میں تلاوت ہوئی "اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ"[2] الآیۃ جس طرح برے رویہ کی طرف اپنی حالت بدلنے پر تازیانے ہے یوں ہی نیک روش کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۱

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

تبدیلی پر بشارت ہے کہ اپنے کرتب چھوڑوگے تو ہم تمھاری اس ردی حالت کو بدل دیں گے، ذلت کے بدلے عزت دینگے، اے رب ہمارے! ہماری انکھیں کھول اور اپنے پسندیدہ راستہ پر چلا صدقہ رسولوں کے سورج مدینہ کے چاند کا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وکرم آمین!

خیر یہ مرتبہ تو عمر کا ہے، مسلمانوں چار باتوں میں سے ایک کو بھی اختیار کرتے نہیں معلوم ہوتے، مگر ضروریات امداد ترک کی نسبت کہئے مرثیے ہزاروں پڑھے گئے مگر سوابعض غرباء کے امراء ورؤسا بلکہ دنیا بھر کے والیان ملک نے بھی کوئی قابل قادر حصہ لیا وہ جو فوجی مدد دے سکتے تھے وہ جو لاکھ پونڈ بھیج سکتے تھے وہ ہیں اور بے پروائی، گویا انھوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔ انھیں جانے دیجئے، وہ جانیں اور ان کی مصلحت، آپ بیتی کہئے، کتنا چندہ ہوا ہے جس پر ہمدردی اسلام کا دعوی ہے، مصارف جنگ کچھ ایسے ہلکے ہیں، جتنا چندہ جاچکا ہے ایک دن کی لڑائی میں اس سے زیادہ اڑجاتا ہے، اب بھی اگر تمام ہندوستان کے جملہ مسلمان امیر فقیر غریب رئیس اپنے سچے ایمان سے ہر شخص اپنے ایک مہینہ کی آمدنی دے دے تو گیارہ مہینہ کی آمدنی میں بارہ مہینہ گزر کرلینا کچھ دشوار نہ ہو۔ اور اللہ عزوجل چاہے تو لاکھوں پونڈ جمع ہوجائیں، یونیورسٹی کے لئے جو غریبوں کے پیٹ کاٹ کر تیس لاکھ سے زیادہ جوڑلیا اور اس پر سود مل رہا ہے کہ اس کی مقدار بھی چالیس ہزار سے زائد سے زائد ہوچکی ہے، اور وہ بنی بھی نہیں یہ روپے تو گھر سے دینا نہیں اس کو اللہ وحدہ قہار کی راہ بھیج دیجئے، اسلام باقی ہے تو یونیورسٹی نہ بننا ضرر نہ دے گا۔ اور اسلام نہ رہا تو یونیورسٹی کیا بخشوالے گا، بلکہ ہم کہہ دیتے ہیں کہ وہ اس وقت ہر گز ہر گز بن بھی نہ سکے گی اس وقت جوگت ہوگی اس کا بیان پیش از وقت ہے اور بالفرض تنگ دل اور بخیل ہاتھ پرایا مال بھی یوں دینے کو نہ ہو تو یہ تمام وکمال روپے سلطنت اسلام کو بقائے اسلام کے لئے بطور قرض حسن ہی دیجئے، اور زیادہ کیا کہوں، **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

کتب عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مہر دارالافتاء مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

تصحیح کردہ اعجاز الرضوی | ازکاظمی مقیم دربار داتا صاحب

صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم۔ | **الجواب صحیح**

محمد رضا خان قادری عفی عنہ | فقیر حسین احمد العاشقی النھواری عفی عنہ المولی القوی

اصاب المجیب جزاہ اللہ جزاء ویثیب (مجیب نے جواب درست دیا ہے اللہ تعالٰی مجیب کو جزا وثواب عطا فرمائے۔ت)
فقیر مصطفٰی رضا القادری النوری غفرلہ ولوالدیہ
صح الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (جواب صحیح ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جاننے والا ہے۔ت)
فقیر امجد علی الاعظمی الرضوی عفی عنہ
وانا علی ذلك من الشاھدین (اور میں اس حوالے کے صحیح ہونے پر گواہ ہوں۔ت)
فقیر نواب مرزا رضوی بریلوی عفی عنہ المولی القوی

مسئلہ ۱۶: مسئولہ اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سامنے سے گزرا دوسرے سے کہا صلٰوۃ ہو گئی اور جماعت تیار ہے، اس نے کہا نماز پڑھنے والے پر لعنت بھیجتا ہوں، جب یہ ذکر ایک تیسرے شخص کے سامنے ہوا اور لوگوں نے کہا یہ کلمہ کفر ہے، تو اس نے کہا ایسی باتوں سے کفر نہیں عائد ہوا کرتا حالانکہ یہ شخص عاقل بالغ ہے اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کہنے سے وہ شخص کافر ہو گیا، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اور یہ تیسرا بھی نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھے اور اپنی عورت سے اس کے بعد نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ سید عزیز احمد صاحب ۷ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان درحقیقت دو سو روپیہ کو بیع کیا مگر بیعنامہ ڈھائی سو روپیہ کا لکھا اور رجسٹری کے وقت حاکم کے سامنے دو سو روپیہ وصول پائے، باقی پچاس روپیہ اس سے قبل وصول پانے کا جھوٹا اقبال کیا اور اس بارے میں عمرو کی شہادت پیش کی، عمرو نے باوجود اس کے کہ اس کو اس امر کا اچھی طرح علم تھا کہ مکان حقیقت میں دو سو روپیہ کو بیع کیا گیا ہے اور کوئی رقم پچاس روپے کی اس سے قبل زید کو وصول نہیں ہوئی ہے اس امر کی شہادت دی کہ مکان واقعی ڈھائی سو روپے کو بیع کیا گیا ہے اور پچاس روپے زید کو اس سے قبل وصول ہوچکے ہیں، جب لوگوں نے عمرو سے کہا کہ تم نے جھوٹی شہادت دی، عمرو نے اس کا جواب دیا کہ کچہری میں کون سا سچ کہا کرتا ہے جتنے جاتے ہیں سب جھوٹ ہی کہا کرتے ہیں اگر میں نے جھوٹ کہا تو کیا برا کیا، اب سوال یہ ہے کہ عمرو اکثر اوقات نماز میں امامت بھی کرتا ہے تو ایسی حالت میں عمرو کی امامت نماز میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس کی امامت ناجائز ہے، ایک تو اس نے جھوٹی گواہی دی اور حدیث میں فرمایا:

"سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی، سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی، سن لو سن لو جھوٹی گواہی بتوں کے پوجنے کے برابر رکھی گئی[1]۔" دوسری حدیث میں فرمایا:

لن تزول قدما شاھد الزور حتی یوجب اللہ لہ النار[2]۔	جھوٹی گواہی دینے والا وہاں سے قدم ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لئے نار جہنم واجب فرماتا ہے۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب القضاء باب فی شہادت الزور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۰، سنن ابن ماجہ ابواب الشہادات باب شہادت الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الشہادات باب شہادۃ الزور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

یہاں تک تو گناہ کبیرہ ہی تھا جو آدمی کی ہلاکت و بربادی کو بس ہے آگے اس کا کہنا کہ "میں نے جھوٹ بولا تو کیا برا کیا" صریح کلمہ کفر ہے، اس پر لازم ہے کہ تجدید اسلام کرے اور اگر عورت رکھتا ہے تو از سر نو اسلام لانے کے بعد اس سے تجدید نکاح ضرور ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از موضع شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب مسئولہ مولوی غلام ربانی صاحب ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

ایک عالم سنی حنفی المذہب نے اپنے وعظ میں کہا کہ اللہ عزوجل نے ایک سو چار ۱۰۴ کتاب نازل فرمائی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ سب میں پروردگار نے فرمایا: "**اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ**"[1] الخ (اور اطاعت کرو اللہ تعالٰی کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ت) اے مسلمانو! آپ لوگوں کو سمجھانے کے لئے ایک مثال دیتا ہوں اس کے بعد آپ لوگ خیال کریں کہ قوت ایمانی میں کہاں تک ضعف ہوگیا ہے، دیکھو کسی حاکم کا چپراسی ثمن لے کر آتا ہے تو اس کا کس قدر خوف ہوتا ہے حالانکہ حاکم ایک بندہ مثل ماو شما، ثمن پیسہ آدھے پیسہ کا کاغذ جس میں معمولی مضمون ہوتا ہے، چپراسی پانچ چھ روپے کا ملازم ہوتا ہے، مگر یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے خوف کے مارے لوگ روپوش ہوجاتے ہیں، لاچاری سے لینا ہی پڑتا ہے بعدہ وکیل کی تلاش اور روپے کا صرف کرنا وکذا وکذا، اور اللہ تعالٰی احکم الحاکمین کہ دم بھر میں تہہ و بالا کرسکتا ہے اس کا حکمنامہ یعنی قرآن پاک و مقدس کہ جس کے ایک ایک حرف پر دس بیس تیس نیکی کا وعدہ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے کہ جن کی خاطر زمین و آسمان پیدا ہوا، اب بتاؤ کہ اس احکم الحاکمین اور اس قرآن مجید اور اس کے رسول کا فرمان ہم سب مسلمان لوگ کہاں تک بجالاتے ہیں ہمیشہ وعظ سنتے ہیں عمل نہیں کرتے الخ، اس پر دوسرے ایک عالم نے کہا کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو چپراسی کہنا دین کا، یا اس سے مثال دینا، یا اس سے تشبیہ، تینوں صورتوں میں کفر ہے، اور کہنے والا سابی ہے اس کی توبہ قبول نہ ہوگی اب عرض ہے کہ یہ تشبیہ ہے یا تمثیل، اور مثال کا فرق پورے طور سے بیان فرمائیے یہ سوال اگرچہ کوتاہ ہے مگر بڑا اہم اور ضروری ہے جس کے سبب سے ایک بڑا فتنہ و فساد برپا ہورہا ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

حاش للہ اس میں نہ تشبیہ ہے نہ تمثیل، نہ اصلا **معاذ اللہ** توہین کی بو، یہ تو لوگوں کی زجر و توبیخ ہے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کہ ایک ذلیل حاکم کا ذلیل فرمان ذلیل چپراسی لائے اس پر تو تمھاری یہ حالت ہوتی ہے اور ملک الملوک واحد قہار جل وعلا کا عزیز وعظیم وجلیل وکریم فرمان اعزالمسلمین اکرم المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لے کر تشریف لائے اس کی پروانہیں کرتے، اس سے اپنی قوت ایمانی کے حال کا اندازہ کرسکتے ہو، اس کی نظیر حضور بشیر ونذیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

والذی نفسی بیدہ لویعلم احدھم انہ یجد عرقا سمینا اومرماتین حسنتین لشھد العشاء [1]۔	قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ان میں کسی کو یہ معلوم ہوتا کہ کوئی فربہ ہڈی جس پر گوشت کا خفیف حصہ لپٹا رہ گیا ہو یا بکری کے اچھے دو کھُر ملیں گے (جن کے شگاف میں گوشت کا لگاؤ ہوتا ہے) تو ضرور نماز عشاء میں حاضر ہوتا۔

اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسند صحیح انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لوان رجلا دعا الناس الی عرق اومرماتین لاجابوہ وھم یدعون الی ھذہ الصلوۃ فی جماعۃ فلا یاتونھا [2]۔	اگر کوئی شخص لوگوں کو پتلا گوشت لپٹی ہوئی ہڈی یا دو کھروں کی دعوت دے تو ضرور جائیں گے اور اس نماز کی جماعت کو بلائے جاتے ہیں تو نہیں آتے۔

کیا معاذاللہ یہ ثواب ورضائے الٰہی کو دو کوڑی کی ہڈی یا دو کھروں سے تشبیہ ہے، حاشا بلکہ ان کے حال کی تقبیح اور ان پر زجر وتوبیخ ہے کہ ایسی حقیر چیز کے لئے تو دوڑتے ہیں اور ایسی عظیم شئے کی پروانہیں کرتے، امام بدرالدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

المعنی لوعلم انہ لوحضر صلوۃ العشاء لوجد نفعا دنیویا وان کان خسیسا حقیرا لحضرھا لقصور ھمتہ و لا یحضرھا لما لھا من الاجوراو المثوبات (ای العقبی ونعیمھا[3])	مفہوم یہ ہے کہ اگر انھیں یہ علم ہو کہ نماز پر آنے سے دنیوی نفع ہو اگرچہ وہ حقیر وخسیس ہو وہ تب بھی آئیں کیونکہ ان کی منزل دنیا ہے اور اس کے لئے نہ حاضر ہوں گے جس میں ان کے لئے عقبٰی اور اس کے انعامات ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب اخراج الخصوم واہل الریب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث انس بن مالک ۲۷۸۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۳۶۶

[3] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الاحکام باب اخراج الخصوم الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۴/ ۲۸۳

اور اگریوں ہوتا کہ خدا ناترسو! اللہ ورسول سے اتنا ڈرو جتنا دنیوی حاکم اوراس کے سمن اور چپراسی سے ڈرتے ہو جب بھی اسے تمثیل و تشبیہ وتوہین سے علاقہ نہیں تواب اس کی نظیر یہ حدیث ہوتی کہ ابن عدی نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

استحیی اللہ استحیائك من رجلین من صالحی عشیرتك[1]۔	اللہ تعالٰی سے ایسی شرم کر جیسی اپنے کنبے کے دو نیک مردوں سے کرتا ہے۔

یہاں معاذاللہ، اللہ تعالٰی کو کنبے کے دو مردوں سے تشبیہ نہیں، نہ یہ کہ اللہ تعالٰی سے اتنی ہی حیا چاہئے جتنی دو مردوں سے بلکہ اس مقدار حیا کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ سے کرے تو معاصی سے روکنے کو کافی ہو، یوہیں نہ یہاں معاذاللہ دنیوی حاکم اور سمن اور چپراسی سے تشبیہ ہے نہ یہ کہ اللہ ورسول وقرآن سے اتنا ہی ڈرو جتنا ان سے بلکہ اس مقدار خوف کی طرف ہدایت ہے کہ اللہ ورسول وقرآن سے ہو تو اتقاواجتناب معاصی کے لئے بس ہو، ہمارے ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ساب مرتد ہے اوراس کے سب احکام مثل مرتد، مرتد اگر توبہ کرے تقبل ولا یقتل (قبول کریں گے اور قتل نہ کریں گے) کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) تشبیہ میں اگر وجہ شبہ امور متعددہ سے منتزع ہو تمثیل ہے جیسے کریمہ "کَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ"[2] (گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اٹھائے۔ت) ورنہ نہیں، اور کبھی تشبیہ مرکب کو تمثیل کہتے ہیں جس کے معنی میں مفرد کی مفرد سے تشبیہ ملحوظ نہیں بلکہ ہیأت مجموعی سے کریمہ "وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۟"[3] (اور وہی انھیں لئے جارہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ۔ت) میں تشبیہ ہے۔ اور کریمہ "مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ"[4] الایۃ (ان کی کہاوت اس کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی، الایۃ۔ ت) میں تمثیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹: ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

وقایہ اہل السنہ میں موذن کو مثل چپراسی دربار حاکم کے کہا ہے، اور ترمذی میں ہے کہ

---

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جعفر بن زبیر الشامی دمشق دارالفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۵

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی مباشرت اذان فرمائی ہے، غرض کہ حضور بھی علمی تقریر سے ثابت فرمائیں کہ تمثیلاً اس لفظ سے کوئی خرابی نہیں ہوتی۔

الجواب:

وقایہ اہل السنہ میں حاضری پکارنے کا ذکر ہے جو مسجد میں مؤذن کا کام ہے اور شاہی دربار میں چوبدار اور کچہریوں میں چپراسی کا، اس سے مؤذن چپراسی یا چوبدار کے مثل نہیں ہوسکتا، جس عالی شان کا دربار ویسا ہی اس کا خادم، نہ دربار عزت سے کسی دربار کو نسبت ہوسکتی ہے نہ مؤذن سے چوبدار و چپراسی کو، وقایہ میں مؤذن کو چپراسی نہ کہا اور کہا بھی جائے تو اسے یہاں سے علاقہ نہیں، اس خیال کو فوراً فوراً سر سے نکال دیجئے تعظیم شان اقدس کے تصور میں ڈوب جائیے آیہ مبارکہ

"تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾ "[1] (تم اسے سہل سمجھتے تھے، اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے۔ت) چپراسی تو اسی حاضری پکارنے پر نوکر ہوتا ہے یونہی موذن اس پر مقرر ہوتا ہے اتفاقاً اگر کسی گواہ یا فریق کو ایک بار حاکم خود آواز دے لے چپراسی نہ ہوجائے گا اور اسے چپراسی کہنا ضرور اس کی توہین ہوگا ___ "وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ "[2] (اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: از ڈاک خانہ جہت لور تحصیل مکودر ضلع جالندھر مسئولہ مولوی چراغ علی شاہ صاحب قادری ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بلا اعتقاد فاعلیۃ بالذات حضرات صوفیہ کرام ومشائخ عظام سے استمداد طلب کرتا ہے مثلاً یا شیخ عبدالقادر شیئا للہ اور یا علی مدد یا اغثنی یا رسول اللہ اور سماع بالمزامیر سنتا ہے اور پیر کو تعظیماً سجدہ کرتا ہے، ایسے شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں، ایک مولوی وہابی نجدی نے اس کا نکاح بغیر حلالہ درست کرکے نکاح کردیا، کہتا ہے کہ وہ شخص کافر اور مرتد ہوگیا ہے تین طلاقیں اس پر نہیں پڑتیں، اب آیا اس کا نکاح بغیر حلالہ درست ہے یا نہیں اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی امامت وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۳۳ و ۳۵/ ۵

الجواب:

انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے استمداد جائز ہے اور مزامیر سننا گناہ، اور سجدہ تعظیمی حرام مگر کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہ ہو، عالمگیری میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجہ التحیۃ لایکفر ولکن یأثم لارتکابہ الکبیرۃ، وان سجد بنیۃ العبادۃ فقد کفر کذافی جواھر الاخلاطی[1]۔ملخصاً۔	جس نے کسی حاکم کو بطور تعظیم سجدہ کیا وہ کافر نہ ہوگا ہاں گنہگار ہے کیونکہ اس نے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اگر اس نے سجدہ بطور عبادت کیا تو کافر ہوگا۔ جیساکہ جواہر الاخلاطی میں ہے ملخصاً (ت)

تین طلاقیں بیشک ہوگئیں اور بغیر حلالہ نکاح ہرگز نہیں کرسکتا اگر کرے گا زنا ہوگا، وہابی کا فتوی جنون ہے، اگر وہ شخص کافر نہیں تو تین طلاقوں میں کیا شک اور بے حلالہ نکاح کیونکر حلال۔ اور اگر کافر ہے تو مسلمان عورت کا اس سے نکاح کیونکر جائز، نہ بے حلالہ ہوسکے گا نہ بعد حلالہ، مگر ہے یہ کہ وہ کافر نہیں۔ وہابیہ خود کفار ہیں، جیساکہ حسام الحرمین فتاوائے علمائے کرام حرمین شریفین سے ظاہر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ سید مشتاق علی صاحب ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک پرہیزگار متقی اہلسنت سے کہ اس کی وہابی سے مذہبا کچھ حجت ہوئی وہابی نے کچھ اعتراض کیا اہل سنت نے جواب دیا کہ تمھارا جنازہ کے ساتھ کلمہ پڑھتے جانا بہتر نہیں ہے اس سے تو ڈھولکی اگر ہو تو بہتر ہے؟ اس می اہل سنت مرتکب گناہ تو نہیں؟

الجواب:

بہت برا کیا، بہت بیجا کہا، توبہ لازم ہے، وہابی کا کلمہ پڑھنا اگرچہ بیکار ہے جب تک اسلام نہ لائے مگر ڈھولکی کلمہ سے بہتر نہیں ہوسکتی پھر بھی یہ تاویل ہے کہ ڈھولکی بجانے والا فاسق ہے اور وہابی مرتد، اور مرتد مورد لعنت، جنازہ کے ساتھ فاسق کے ہونے سے مرتد کا ہونا لاکھ بدتر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۸۔۶۹

مسئلہ ۲۲: از پوربندر کھاری مسجد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں ابن محمد اکبر خاں معرفت مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ زید کہتا ہے کہ حضرت سیدنا محمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو احتلام ہوا ہے اور عمرو کہتا ہے کہ یہ کلمہ کہنا بہت ہی بڑی بے ادبی ہے اور نہیں ہوا ہے تو اس بات کو چھوڑ دے، لیکن زید ہر وعظ میں اور ہر جلسہ میں بیٹھ کر اس بات کو دہراتا ہے اور اس میں فتنہ وفساد بڑھتا چلا جاتا ہے، اس درمیان ایک دین دار سخی بہت ہی بھولا اور بہت عالم دوست لیکن بالکل ہی بے علم وبے عقل بلا خلل ایک نامی واعظ بکر کو اور جگہ سے بلالاتا ہے وہ آکر زید سے مل جاتا ہے اور رات کو وعظ میں سارے عوام کے آگے حضرت کے احتلام ہوا ہے ہاں ہوا ہے احتلام ہی ہوا ہے حضرت کو احتلام ہوا ہے، اور زید کی تائید کرتا ہے اور صحیح مسلم شریف اور شرح نووی کو دکھلاتا ہے۔ اور زید حق گو اور عمرو کو ناحق جتلاتا ہے لہٰذا اس مسئلہ کا جواب للہ حق عزوجل وعلا وحق الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم حق حق لکھ جتاویں اور فریقین کے فساد کو مٹاویں اور عنداللہ اجر عظیم پاویں۔

الجواب:

فی الواقع حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام احتلام سے پاک ومنزہ ہیں۔

قال اللہ تعالٰی: "اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌؕ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا۝۶۵ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو۔ (ت)

طبرانی معجم کبیر میں بطریق عکرمہ اور دینوری مجالس میں بطریق مجاہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ فرمایا:

مااحتلم نبی قط وانما الاحتلام من الشیطان[2]۔	کبھی کسی نبی کو احتلام نہ ہوا، احتلام تو نہیں مگر شیطان کی طرف سے۔

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۵

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۵۶۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۲۵

کعب احبار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے جو مروی ہوا کہ یاجوج وماجوج نطفہ احتلام سیدنا آدم علیہ السلام سے بنے ہیں، اول کعب ہی سے اس کا ثبوت صحت کو نہ پہنچا اس کا ناقل ثعلبی حاطب لیل ہے کما فی عمدۃ القاری، نووی نے حسب عادت ان کا اتباع کیا۔ پھر کعب صاحب اسرائیلیات ہیں ان کی روایت کہ مقررات دین کے خلاف ہو مقبول نہیں۔ ہاں امام نووی وحافظ عسقلانی نے شروح صحیح مسلم و صحیح بخاری میں اس کی یہ تاویل نقل کی کہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر فیضان زیادت فضلہ بسبب ابتلائے ادعیہ منع نہیں اور اسے مقرر رکھا **اقول:** مگر لفظ شنیع ومکروہ ہے اور حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حصر کے خلاف کہ احتلام نہیں مگر شیطان کی طرف سے، ولہذا عامہ علمائے کرام نے اسے مقبول نہ رکھا، فتح الباری بدء الخلق میں ہے:

ھو قول منکر جدا لا اصل لہ الا من بعض اھل الکتاب [1]۔	وہ سخت واجب الانکار بات ہے اس کی اصل نہیں مگر بعض اہل کتاب سے۔

امام علامہ بدر الدین محمود عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

حکاہ الثعلبی عن کعب الاحبار وحکاہ النووی ایضا فی شرح مسلم وغیرہ ولکن العلماء ضعفوہ وقال ابن کثیر وھو جدیر بذلك اذلا دلیل علیہ بل ھو مخالف لما ذکر وامن ان جمیع الناس الیوم من ذریۃ نوح علیہ الصلوۃ والسلام بنص القراٰن (قلت) جاء فی الحدیث ایضا امتناع الاحتلام علی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام [2]۔ قال اللہ تعالٰی "وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ	یعنی اسے ثعلبی نے کعب احبار سے حکایت کیا نیز نووی نے شرح مسلم وغیرہ میں، مگر علماء نے اسے ضعیف بتایا، اور امام ابن کثیر نے کہا وہ تضعیف ہی کے لائق ہے کہ بے دلیل محض ہے بلکہ اس ارشاد علماء کے مخالف ہے کہ آج بنص قطعی قرآن مجید تمام آدمی ذریت نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ہیں، امام عینی نے فرمایا میں کہتا ہوں نیز حدیث وارد ہے کہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر احتلام محال ہے۔ اللہ تعالٰی کا مبارک فرمان ہے: ہم نے نوح ہی

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری باب بدء الخلق مصطفی البابی مصر ۷/ ۱۹۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب بدء الخلق ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۱۵/ ۲۳۲

ہُمُ الْبٰقِیْنَ "[1]	کی اولاد باقی رکھی۔

فتح الباری کتاب الفتن میں ہے:

الاول المعتمد والا فاین کانوا حین الطوفان [2]۔**اقول** وقد اجبنا عن ھذا بجوابین فی کتابنا الفیوضات الملکیۃ احدھما مایدرینا لعل اللہ خمرھا مددا متطاولۃ حتی خلقھم منھا بعد الطوفان [3]۔	یاجوج وماجوج کا ذریت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی سے ہونا معتمد ہے ورنہ طوفان کے وقت وہ کہاں رہے۔ ہم نے اپنی کتاب "**الفیوضات الملکیۃ**" میں اس کے دو جواب دئے ایک یہ ہے ہمیں کیا علم شاید اللہ تعالٰی نے اس نطفہ کو طویل مدت تک محفوظ رکھا ہو اور پھر اس سے ان کی تخلیق طوفان کے بعد فرمائی ہو (ت)

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری دونوں محل میں ہے:

وھذا لفظہ فی بدء الخلق قال ابن کثیر وھذا القول غریب جدا ثم لادلیل علیہ لامن عقل ولامن نقل، ولایجوز الاعتماد ھٰھنا علی مایحکیہ بعض اھل الکتاب لماعندھم من الاحادیث المفتعلۃ [4]۔ اما ما عزاہ الامام النووی فی فتاواہ لجماھیر العلماء انھم من ماء آدم لا من حواء، **فاقول** لا یثبت الاحتلام، **فاولا** قد تحصل النطفۃ بنحو التبطین	کتاب بدء الخلق میں ہے ان کے الفاظ یہ ہیں امام عماد نے فرمایا یہ قول سخت غریب ہے، پھر اس پر نہ عقل سے دلیل نہ نقل سے، اور یہاں بعض اہل کتاب کی حکایت پر اعتماد حلال نہیں کہ ان کے پاس بہتیری باتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ امام نووی نے فتاوٰی میں جماہیر علماء کی طرف منسوب کیا کہ یہ نطفہ حضرت آدم کا تھا نہ کہ حضرت حواء کا، تو **میں کہتا ہوں** اس سے احتلام کہاں ثابت ہوتا ہے **اولاً** کبھی کبھی نطفہ حالت حیض میں شرمگاہ سے باہر

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۷۷
[2] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الفتن باب یاجوج وماجوج مصطفی البابی مصر ۱۶/ ۲۲۱
[3] الفیوضات الملکیۃ حاشیہ الدولۃ المکیۃ مطبع اہل السنۃ والجماعۃ بریلی ص ۷۸
[4] ارشاد الساری شرح صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب قصہ یاجوج وماجوج دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۳۳۶

فی المحیض وثانیا ماکل نطفۃ تقبلھا الرحم وثالثا ماکل النطفۃ تقبلھا الرحم بل اذا قبلت ربما قبلت جزء منھا ورمت بالباقی وقد ثبت الجواب عن حدیث الطوفان وقد یکون جوابا ایضا عن الذی ذکر ابن کثیر فان الکلام فی الموجودین اذذٰلک لان البقاء فرع الوجود علی ان الکلام فی ولدآدم قطعا، وھم لیسوا من ولدہ علی الاطلاق وان کانوا من ولدہ لانھم من مائہ وذٰلک لان الولد ما عن صاحبتہ قال تعالٰی "اَنّٰى یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ" [1]۔	پیٹ وغیرہ پر استعمال سے حاصل ہوتا ہے **ثانیا** ہر نطفہ کو رحم قبول نہیں کرتا **ثالثا** رحم ہر نطفہ کے تمام کو قبول نہیں کرتا بلکہ جزء کو قبول کرکے بقیہ کو پھینک دیتا ہے، اور یہ تین جواب حدیث طوفان سے ہیں اور یہ اس کا جواب بھی ہے جو حافظ ابن کثیر نے نقل کیا کیونکہ کلام ان میں ہے جو وہاں موجود تھے کیونکہ بقا وجود کی فرع ہے، علاوہ ازیں گفتگو ان میں ہے جو یقینی طور پر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہوں، اور یہ کامل طور پر ان کی اولاد نہیں اگرچہ ایک لحاظ سے اولاد ہیں کیونکہ ان کے نطفہ سے ہیں اور وہ اس لئے کہ ولد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے، اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہاں ہے اس کے لئے اولاد حالانکہ اس کے لئے بیوی ہی نہیں۔ (ت)

بالجملہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر احتلام منع ہے اور خود حضور اقدس انور اطیب اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت اور اس کی تکرار اور اس پر اصرار کہ ہاں ہواہاں ہوا، یقینا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراء ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء جہنم کا سیدھا راستہ، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی متواتر حدیث میں ہے:

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار [2]۔	جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

اہل سنت کسی کبیرہ کا ارتکاب کو کفر نہیں کہتے جب تک استحلال وغیرہ مکفرات کے ساتھ نہ ہو، مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کو امام ابو محمد جوینی والد امام الحرمین نے کفر بتایا ـــــ

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۰۱

[2] صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

خصائص کبرٰی میں ہے:

قال النووی وغیرہ الکذب علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الکبائر ولایکفر فاعلہ علی الصحیح وقول الجمھور وقال الجوینی ھو کفر [1]۔	امام نووی وغیرہ نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت جھوٹ بولنا کبیرہ گناہ ہے البتہ کفر نہیں صحیح اور جمہور کے قول پر، اور امام جوینی نے کہا کہ یہ کفر ہے۔(ت)

اور درمختار وغیرہ میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ (ای تجدید الاسلام اھ شامی) وتجدید النکاح [2]۔	جہاں باتفاق کفر ہو وہاں عمل ونکاح باطل اور اولاد اولاد زنا قرار پائے گی، اور جس میں اختلاف ہو وہاں توبہ استغفار کا حکم کیا جائے گا (یعنی تجدید اسلام کرنا ہوگی اھ شامی) اور تجدید نکاح بھی۔(ت)

زید وبکر پر فرض ہے کہ توبہ کریں مناسب ہے کہ تجدید اسلام کریں پھر اپنی عورتوں سے نکاح تازہ کریں خصوصا اس کلمہ خبیث میں کہ معاذاللہ پہلوئے توہین وتنقیص شان رکھتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از کانپور فیل خانہ قدیم مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل مسئولہ مولانا سید محمد آصف صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلہ کونین وکعبہ دارین محی الملۃ والدین دامت فیوضھم، بعد تسلیمات فدویانہ تمنائے حصول سعادت آستانہ بوسی، التماس اینکہ بفضلہ تعالٰی فدوی بخیریت ہے ملازمان سامی کی صحتواری مدام بارگاہ احدیت سے مطلوب، حضور نے جو کارڈ تحریر فرمایا تھا وہ بصد ادب ملازمان حضور کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے اس صحیفہ میں تحریر ہے (کیا یہ مسلمان ہیں یا وہ ان میں کون مسلمان ہے) والسلام مع الکرام۔

---

[1] خصائص الکبرٰی باب اختصاصہ بان الکذب علیہ لیس کالکذب علی غیرہ دار الکتب الحدیثیہ مصر ۳/ ۳۲۶

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹، ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۹

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ،

والا حضرت مولانا المکرم ذوالمجد والکرم مولانا مولوی سید محمد آصف صاحب دامت فضائلھم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کارڈ میں بعض اعمال گاندھویہ کہ فقہًا کفر ہیں جیسے قشقہ لگانا، کافر کی جے پکارنا، کافر کی تعظیم گنا کر ان کے فاعلوں کو کہا ہے کہ یہ مسلمان یا وہ، ان میں کون مسلمان ہے، بلاشبہ جس طرح کفر فقہی میں مبتلا ہوئے اور استحلال کریں تو کفر کلامی میں بعینہٖ یہی حالت فقہًا وکلامًا ان افعال واقوال کے مرتکبین کی ہے۔ والسلام۔

مسئلہ ۲۴:　　از شہر　　۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر حدیث کی تکرار کر رہے تھے، تکرار کرتے ہوئے اس حدیث تک پہنچے جس میں یہ حکم دیا جو شخص لڑکے لڑکی بالغ کی شادی نہیں کرتا ہے اور لڑکے لڑکی سے کوئی فعل قبیح واقع ہو تو دونوں کے والدین ماخوذ گرفتار عذاب الیم ہوں گے لڑکے لڑکی نہیں، اتفاقًا اس حدیث کے بین السطور میں "زجر" کا لفظ لکھا ہوا تھا جس کے معنی جھڑکنے کے ہیں، زید نے بکر سے کہا کہ والدین ماخوذ نہیں ہو سکتے خود لڑکی لڑکا ہوں گے، دیکھو بین السطور میں زجر کا لفظ لکھا ہوا ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ لڑکی لڑکا ماخوذ ہوگا والدین نہیں۔ بکر نے کہا کہ بین السطور حاشیہ ہے اس حدیث میں اور حدیث کا حاشیہ سب صحیح نہیں ہوتا ہے، زید نے بکر سے بطور سوال کے پوچھا کہ کیا قرآن کی سب باتیں صحیح ہیں، زید کہنا چاہتا تھا کہ کیا تفسیر کی سب باتیں صحیح ہیں، مگر سہوًا یہ الفاظ اثنائے تقریر میں نکل پڑے حالانکہ یہ نہ مقصود ہے زید کا، نہ زید اس بات کا مقر ہے کہ **معاذ اللہ** قرآن مجید فرقان حمید کی سب باتیں صحیح نہیں، ایک قابل مفتی صاحب نے زید پر فتوی دیا کہ زید کافر ہوگیا اور اس کو کافر سمجھ کر توبہ کرائی اور کلمہ شریف پڑھوایا، دونوں کے لئے شرع مطہر سے کیا حکم نافذ کیا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اول: تو ذکر حدیث میں غلطیاں ہیں، یہ حدیث دو طور پر آئی ایک کلام الٰہی اور دوسری کلام نبوی سے، کلام الٰہی میں تو والدین کا ذکر نہیں بلکہ صرف باپ کا، اور ولدین کا ذکر نہیں بلکہ صرف دختر کا، اور بلوغ کا ذکر نہیں بلکہ بارہ برس کی عمر کا۔ اور لڑکی پر گناہ نہ ہونے کا ذکر نہیں بلکہ باپ پر ہونے کا، اور کلام نبوی میں نہ ماں کا ذکر ہے نہ اولاد پر گناہ ہونے کا، حدیث اول کے الفاظ یہ ہیں جسے بیہقی نے شعب الایمان میں امیر المومنین عمر وانس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم نے فرمایا:

مکتوب فی التوراۃ من بلغت لہ ابنۃ اثنتی عشرۃ سنۃ فلم یزوجھا فاصابت اثما فاثم ذلک علیہ[1]۔	توریت میں مرقوم ہے کہ جس کی لڑکی بارہ برس کی عمر کو پہنچ جائے اور وہ اس کا نکاح نہ کرے اور لڑکی سے کچھ گناہ صادر ہو تو اس کا گناہ باپ پر ہے۔ حدیث کی سند صحیح ہے۔

اور حدیث دوم کے الفاظ یہ ہیں جسے انھیں بیہقی نے شعب الایمان میں ابو سعید وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من ولد لہ ولد فلیحسن اسمہ وادبہ فاذا بلغ فلیزوجہ فان بلغ ولم یزوجہ فاصاب اثما فانما اثمہ علی ابیہ[2]۔	جس کے کوئی بچہ پیدا ہو وہ اس کا نام اچھا رکھے اور اسے اچھا ادب دے، پھر جب وہ بالغ ہو اس کا نکاح کردے، اور اگر وہ بالغ ہو اور یہ اس کا نکاح نہ کرے اور اس سے کوئی گناہ صادر ہو تو بات یونہی ہے کہ اس کا گناہ اس کے باپ پر ہے۔

اور باپ پر گناہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اولاد پر نہ ہو جب کہ وہ مکلّف ہو، خود حدیثوں میں موجود ہے، فاصابت اثما اور فاصاب اثما، اس کی نظیر دوسری حدیث صحیح ہے:

من سن فی الاسلام سنۃ سیئۃ فعلیہ وزرھا ووزر من عمل بھا الی یوم القیمۃ ولا ینقص ذلک من اوزارھم شیئا[3]۔	جو اسلام میں کوئی بری راہ نکالے اس پر اس کا وبال ہے اور قیامت تک جو اس راہ پر چلیں گے سب کا وبال ہے بغیر اس کے کہ ان کے وبالوں میں سے کچھ کم کرے۔

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] شعب الایمان حدیث ۸۶۶۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶ /۴۰۲، کنز العمال ترجمہ ۴۵۴۱۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶ /۵۷-۴۵۶

[2] شعب الایمان حدیث ۸۶۶۶ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۶ /۴۰۱

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۲۷، صحیح مسلم کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۴۱، مسند امام احمد حدیث جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۴ /۳۵۷ تا ۳۶۱

زید کی زبان سے جولفظ نکلا بلا شبہ کلمہ کفر ہے اور اس پر تجدید اسلام لازم، اور مفتی کا حکم صحیح ہے المفتی انما یفتی بالظاهر والله یعلم السرائر (فتوٰی دینے والا ظاہر کا پابند ہوتا ہے دلوں کے رازوں سے تو اللہ تعالٰی ہی آگاہ ہے۔ت) واقع میں اگر اس کی زبان بہکی تو عند اللہ کفر نہ ہوا، مگر مفتی بلا دلیل اس دعوی کو قبول نہ کرے گا۔ شفا شریف میں ہے:

لا یعذر بدعوی زلل اللسان [1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	زبان کے بہکنے کا دعوی عذر نہیں قرار دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵تا۲۶: از ریاست فرید کوٹ مسئولہ علیم الدین فراش کوٹھی بلبیسر گنج ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) حنفی نماز مدلل ص۷ اور حواشی اور فتاوی بدیع الدین میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی عالم باعمل سے بدزبانی اور فحش کلامی کرے تو کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت نزدیک امام محمد کے مطلقہ بطلاق بائن ہو جاتی ہے، تو ایسے شخص کو پھر اپنی عورت سے کس طرح نکاح کرنا چاہئے؟

(۲) حدیث میں ہے کہ "بڑھاؤ داڑھی کو اور کترواؤ مونچھوں کو" روایت کیا اس کو بخاری نے، حضور نے صیغہ امر سے دونوں حکم فرمائے اور امر حقیقۃً وجوب کے لئے ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ دونوں حکم واجب ہیں، اور واجب کا ترک کرنا حرام، پس داڑھی کٹانا اور مونچھیں بڑھانا دونوں حرام فعل ہیں، اس سے زیادہ دوسری حدیث میں ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے: "جو شخص لبیں نہ لے وہ ہم سے نہیں" روایت کیا اس کو احمد و ترمذی ونسائی نے۔ جب اس کا گناہ ہونا ثابت ہو گیا تو جو لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں اور اس کو پسند کرتے ہیں اور داڑھی بڑھانے کو عیب مانتے ہیں بلکہ داڑھی والوں پر ہنستے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں، ان سب مجموع امور سے ایمان کا سالم رہنا دشوار ہے، ان لوگوں کو واجب ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور ایمان ونکاح کی تجدید کریں اور اپنی صورت موافق حکم اللہ و رسول بنائیں، ایک کتاب میں یہ مضمون دیکھا گیا کہ یہ واقعی درست ہے کہ ایسے شخص کو دوبارہ تجدید نکاح کا حکم دیا جائے۔ **بینوا توجروا**

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل قال القاضی تقدم الکلام المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ترکی ۲/ ۲۲۳

الجواب:

(۱) عالم کی توہین اگر بوجہ علم دین ہے بلا شبہ کفر ہے **کما فی مجمع الانھر** (جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے۔ت) وگرنہ اگر بے سبب ظاہر کے ہے تو اس پر خوف کفر ہے **کما فی الخلاصۃ ومنح الروض** (جیسا کہ خلاصہ اور منح الروض میں ہے۔ت) ورنہ اشد کبیرہ ہونے میں شک نہیں۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذوالشیبۃ فی الاسلام وذوالعلم والامام المقسط [1]۔رواہ ابو الشیخ فی کتاب التوبیخ عن جابر بن عبد اللہ والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	تین آدمیوں کی توہین منافق ہی کرے گا: مسلمان بوڑھا، صاحب علم اور عادل حاکم۔اسے امام ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں جابر بن عبداللہ سے اور امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

جس سے صدور کفر ہو وہ توبہ کرے از سر نو اسلام لائے، اس کے بعد اگر عورت راضی ہو اس سے نکاح جدید بمہر جدید کرے۔

(۲) بلا شبہ داڑھی ایک قبضہ تک رکھنا ہے اور منڈوانا حرام، اور لبیں اتنی ترشوانا کہ لب بالا سے آگے نہ بڑھیں یہ بھی خصال فطرت وسنن موکدہ سے ہے۔اور داڑھی پر ہنسنا ضرور کفر ہے کہ توہین سنت متوارثہ جمیع انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام ہے **وتفصیل المسئلۃ فی کتابنا لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحٰی** (اور اس مسئلہ کی تفصیل ہماری کتاب **لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحی** میں ہے۔ت) بلا شبہ استہزا کرنیوالے پر تجدید اسلام لازم ہے اور اس کے بعد اگر عورت کو رکھنا چاہے تو تجدید نکاح ضرور۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷: از فیروزپور محلّہ پیراں والا مسئولہ عنایت اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی نبیوں میں شمار ہیں یا نہیں، بصورت اول قسم کی توہین کی یا کلمہ بے ادبانہ ان کے حق میں کہنا ناجائز اور بصورت ثانیہ جب ان کی خطا معاف کی جاچکی ہے تو ان کی نسبت کلمات بے ادبانہ اور ناشائستہ زبان پر لانا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

الجواب:

ان کی نسبت کلمات ناشائستہ لانا بہر حال حرام ہے،ایک قول ان کی نبوت کا ہے **کما فی شرح الھمزیۃ للامام ابن حجر المکی رحمہ اللہ تعالٰی** (جیساکہ امام ابن حجر مکی کی شرح ہمزیہ میں ہے۔ت) اور ظاہر قرآن عظیم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

قال تعالٰی "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر،اور جو عطا کئے گئے موسٰی و عیسٰی اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔(ت)

اسباط یہی ابنائے یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام ہیں۔اس تقدیر پر تو ان کی توہین کفر ہوگی ورنہ اس قدر میں شک نہیں کہ وہ اولیائے کرام سے ہیں اور جو کچھ ان سے واقع ہوا اپنے باپ نبی اللہ کے ساتھ محبت شدیدہ کی غیرت سے تھا پھر وہ بھی رب العزت نے معاف کردیا۔اور یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود عفو فرمایا:

" قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ "[2]۔	کہا آج تم پر کچھ ملامت نہیں اللہ تمھیں معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔(ت)

اور یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا:

"سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ "[3]	جلد میں تمھاری بخشش اپنے رب سے چاہوں گا بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

بہر حال ان کی توہین سخت حرام ہے اور باعث غضب ذوالجلال والاکرام ہے،رب عزوجل نے کوئی کلمہ ان کی مذمت کا نہ فرمایا دوسرے کو کیا حق ہے،مناسب ہے کہ توہین کرنے والا تجدید اسلام و تجدید نکاح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۹۲

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۹۸

کرے کہ جب ان کی نبوت میں اختلاف ہے اس کے کفر میں اختلاف ہوگا اور کفر اختلافی کا یہی حکم ہے، **کما فی الدر المختار و رد المحتار وغیرھما** (جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸: از بغداد شریف ۶ آمر ڈکاٹینک کور نمبر ۱۹۳۰ مسئولہ علی رضا خاں فٹر مستری ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ "**تقویۃ الایمان**" کا پڑھنا بعض لوگ برا بتاتے ہیں اور بعض اچھا کہتے ہیں، برا بتانے والے حضور کا حوالہ دیتے ہیں، ہم مشکوک ہیں جواب سے مطلع فرمائیے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ ناپاک کتاب سخت ضلالت و بے دینی اور کلمات کفر پر مشتمل ہے اس کا پڑھنا زنا اور شراب خوری سے بدتر حرام ہے کہ ان سے ایمان نہیں جاتا۔ اور یہ ایمان زائل کرنے والی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، وہ جو اس کا پڑھنا اچھا بتاتے ہیں گمراہ بددین بلکہ کفار مرتدین ہیں۔ اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو فقیر کی کتاب **سل السیوف الھندیۃ** اور **الکوکبۃ الشھابیۃ** اور **الاستمداد علی اجیال الارتداد** اور **کشف ضلال دیوبند** وغیرہا انصاف و ایمان کی نگاہ سے دیکھی جائیں مسلمان کا ایمان خود گواہی دے گا کہ وہ مردود کتاب تقویۃ الایمان نہیں تفویت الایمان ہے یعنی ایمان فوت کرنے والی، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ ۱۳۱۲ھ
(امام الوہابیہ کے کفریات کے بارے میں چمکدار ستارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۲۹: از بدایوں مرسلہ مولٰنا مولوی محمد فضل المجید صاحب قادری فاروقی سلمہم اللہ تعالٰی ۲۲جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

بخدمت بابرکت مولٰنا مرجع الفتاوٰی والمفتین ملاذ العلماء المحققین جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب **اللھم ادم افاضاتھم وافاداتھم** (یااللہ! ان کے فیوض وافادات کو دائمی بنا۔ت) **السلام علیکم!**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیہ غیر مقلدین جو تقلید اربعہ کو شرک کہتے ہیں، جس مسلمان کو مقلد دیکھیں اسے مشرک بتاتے ہیں، دہلی والے اسمعیل مصنف تقویۃ الایمان وصراط مستقیم وایضاح الحق ویک روزی وتنویر العینین کو اپنا امام وپیشوا بتاتے، اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے اور اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں، ہمارے فقہائے کرام وپیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا پر حکم کفر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ الذی ارسل عـــہ۱ رسولہ شاھدا ومبشرا ونذیرا لتومنوا عـــہ۲ باللہ

عـــہ۱: یہ خطبہ قرآنی آیتوں اور ایمانی ہدایتوں پر مشتمل ہے، تعمیم فائدہ کے لئے ان آیات اور زبان اردو میں ان ہدایات کی طرف اشارہ مناسب،

آیت۱: "اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۴۵﴾" [1] | بیشک ہم نے تمھیں بھیجا گواہ اور خوشی اور ڈر سناتا۔

کہ جو تمھاری تعظیم کرے اسے فضل عظیم کی بشارت دو اور جو معاذاللہ بے تعظیمی سے پیش آئے اسے عذاب الیم کا ڈر سناؤ، اور جب وہ شاہد و گواہ ہوئے اور شاہد کو مشاہدہ درکار، تو بہت مناسب ہوا کہ امت کے تمام افعال واقوال واعمال واحوال ان کے سامنے ہوں، طبرانی کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ماھو کائن فیہا الی یوم القیمۃ کانما انظر الی کفی ھٰذہٖ [2]۔ | بیشک اللہ تعالٰی نے میرے سامنے دنیا اٹھالی تو میں دیکھ رہا ہوں اسے اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ مدظلہ۔

عـــہ۲: آیت ۲:

"لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ" عـــہ [3]۔ | (یہ رسول کا بھیجنا کس لئے ہے خود فرماتا ہے اس لئے کہ) تم اللہ ورسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

معلوم ہوا کہ دین وایمان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نام جو ان کی تعظیم میں کلام کرے اصل رسالت کو باطل وبیکار کیا چاہتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲۔

عـــہ: قرئ تعززوہ بزائین معجمین ۱۲منہ۔(م) | آیہ کی تعززوہ دو زاء کے ساتھ بھی قرأت ہے ۱۲منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵و۴۸/ ۸

[2] کنز العمال بحوالہ عن ابن عمر حدیث ۳۱۹۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲۰

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

ورسوله و تعزروه وتوقروه بجنانکم ولسانکم *فجعل تعظیمه وتوقیره وتعزیره هو الرکن الرکین لدینکم الحق وایمانکم *وحرم عـــہ۱ علیکم ان ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اوتجهر واله بالقول کجهر بعضکم لبعض فتحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون بخسرانکم *وجعل عـــہ۲ طاعته طاعته وبیعته عـــہ۳ بیعته فان بایعتم نبیکم فانما فوق ایدیکم یدرحمانکم *وقرن عـــہ۴ اسمه الکریم باسمه العظیم فی الاغناء عـــہ۵۔

عـــہ۱: آیت: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ "[1]

اے ایمان والو! نہ بلند کرو اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اور اس کے حضور چلّا کر نہ بولو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمھارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔

امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روضہ انور کے پاس کسی کو اونچی آواز سے بولتے دیکھا، فرمایا کیا اپنی آواز نبی کی آواز پر بلند کرتا ہے، اور یہی آیت تلاوت کی ۱۲۔

عـــہ۲: آیت ۴: "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ"[2]۔

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی ۱۲۔

عـــہ ۳: آیت ۵: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ"[3]۔

بیشک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کررہے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھوں پر ۱۲۔

عـــہ۴: اللہ عزوجل نے بے شمار امور میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک اپنے نام اقدس سے ملایا کہیں اصل شان اپنی تھی اس میں حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بھی شامل فرمایا، کہیں اصل معاملہ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تھا ان کے ساتھ اپنے ذکر والاسے اعزاز بڑھایا، آئندہ کی آٹھ آیتیں اسی کے بیان میں ہیں ۱۲منہ مدظلہ۔

عـــہ۵: آیت ۶: "اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[4]۔

انھیں دولتمند کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے ۱۲

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[4] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

والایتاء عـــہ۱ ورجاء العطاء والتقدیم عـــہ۲ والقضاء عـــہ۳ والمحادۃ عـــہ۴ والارضاء عـــہ۵

عـــہ۱: آیت ۷:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ"[1]۔

اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو انھیں دیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے، اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول ۱۲۔

عـــہ۲: آیت ۸:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"[2]۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھو ۱۲۔

عـــہ۳: آیت ۹:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿۳۶﴾"[3]

نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ عورت کو جب اللہ و رسول کوئی بات ان کے معاملہ میں ٹھہرادیں تو انھیں اپنے کام کا کچھ اختیار باقی رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ و رسول کا وہ صریح گمراہ ہوا بہک کر ۱۲۔

عـــہ۴: آیت ۱۰:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ"[4]۔

تو نہ پائے گا انھیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں اللہ و رسول کے مخالف سے چاہے وہ اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی ہوں ۱۳۔

عـــہ ۵: آیت ۱۱: "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾"[5]

اللہ و رسول زیادہ مستحق ہیں اس کے کہ یہ لوگ انھیں راضی کریں اگر ایمان رکھتے ہیں کیا انھیں خبر نہیں کہ جو مقابلہ کرے اللہ و رسول سے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں ہمیشہ رہے گا اور وہی بڑی رسوائی ہے ۱۲۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۲ و ۶۳

والنصح عہ۱ والایذآء عہ۲ فی قرانکم *ورفع شانہ مکانہ فمیز امرہ عن امور من عداہ فما کان لیوزن بمیزانکم *اتجعلون الحصی عہ۳ کالدر او الدم کالمسك ام تجعلون العصف کریحانکم *فقد ھدا کم ربکم ان لَا تَجْعَلُوْا عہ۴ "دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًاؕ"[1] من اب اومولی اوسلطانکم *وقال الذین ارسلوا السنتھم فی شانہ العظیم

عہ۱: آیت ۱۲: "اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖؕ"[2] — جب خلوص رکھیں اللہ ورسول کے ساتھ۔

عہ۲: آیت ۱۳: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا(۵۷)"[3] — بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ ورسول کو اللہ نے ان پر لعنت کی دنیاوآخرت میں، اور ان کے لئے تیار کررکھی ذلت کی مار۔

یہ معاملہ خاص حبیب کا ہے، اللہ کو کون ایذا دے سکتا ہے، مگر وہاں تو جو معاملہ رسول کے ساتھ برتا جائے اپنے ہی ساتھ قرار پایا ہے۔

عہ۳: یعنی جب تم خود کنکر کو موتی، خون کو مشک، بھس کو پھول کی طرح سمجھتے تو رسول کے معاملہ کا اوروں پر کیا قیاس کرتے ہو، یہاں تو کوئی نسبت ہی نہیں ہوسکتی جب ان کے ابن مکرم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدا[4]۔ — مجھے کسی پر قیاس نہ کرو نہ کسی کو مجھ سے نسبت دو۔

توخود حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کیا ہے واللہ اکبر ۱۲۔

عہ۴: یہ آیت ۱۴ ہے کہ رسول کا پکارنا اپنے میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، اب ایک دوسرے میں باپ اور مولا اور بادشاہ سب آگئے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں نام پاک لے کر ندا کرنا حرام ہے، اگر روایت میں مثلاً یا محمد آیا ہو تو اس کی جگہ بھی یا رسول اللہ کہے، اس مسئلہ کا بیان عظیم الشان فقیر کے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں دیکھئے ۱۲منہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[4] زبدۃ الآثار تلخیص بھجۃ الاسرار (اردو) مکتبہ نبویہ لاہور ص ۷۷

اَبِاللّٰهِ عـــہ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ "[1] "لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ "[2] *

عـــہ: یہ **آیت ۱۵** ہے غزوہ تبوک کو جاتے وقت منافقوں نے تخلیہ میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف شان کچھ کہا، جب سوال ہوا تو عذر کرنے لگے اور بولے ہم تو یونہی آپس میں ہنستے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ"[3] **الآیۃ** اے نبی! ان سے فرمادے کیااللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے معاملہ میں ٹھٹھا کرتے تھے بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ایمان لاکر۔

اقول: اس آیت کے تین فائدے حاصل ہوئے:

اول: یہ کہ جو رسول کی شان میں گستاخی کرے وہ کافر ہوجاتا ہے اگرچہ کیسا ہی کلمہ پڑھتا اور ایمان کا دعوی رکھتا ہو، کلمہ گوئی اسے ہرگز کفر سے نہ بچائے گی۔

دوم: یہ جو بعض جاہل کہنے لگتے ہیں کہ کفر کا تو دل سے تعلق ہے نہ کہ زبان سے، جب وہ کلمہ پڑھتا ہے اور اس کے دل میں کفر ہونا معلوم نہیں تو ہم کسی بات کے سبب اسے کیونکر کافر کہیں، محض خبط اور نری جھوٹی بات ہے، جس طرح کفر دل سے متعلق ہے یونہی ایمان بھی، زبان سے کلمہ پڑھنے پر مسلمان کیسے کہا یونہی زبان سے گستاخی کرنے پر کافر کہا جائے گا، اور جب بغیر اکراہ شرعی کے ہے تو اللہ کے نزدیک بھی کافر ہوجائے گا اگرچہ دل میں اس گستاخی کا معتقد نہ ہو کہ بے اعتقاد کہنا ہزل وسخریہ ہے، اور اسی پر رب العزت فرماچکا کہ تم کافر ہوگئے اپنے ایمان کے بعد، اس کی تحقیق ہمارے رسالہ **البارقۃ اللمعاعلی سامد نطق بالکفر طوعا** (۱۳۰۴ھ) میں ہے۔

سوم کھلے ہوئے لفظوں میں عذر تاویل مسموع نہیں، آیت فرماچکی کہ حیلہ نہ گھڑو تم کافر ہوگئے۔

تنبیہ: یہاں اللہ عزوجل نے انھیں کلمات گستاخی کو وجہ کفر بتایا اور ان کے مقابل کلمہ گوئی وعذر جوئی کو مردود ٹھہرایا یہاں ان کے کفر سابق مخفی کی بحث نہیں کہ "قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ" فرمایا ہے تم مسلمان ہو کر کافر ہوگئے۔ نہ کہ "**قد کنتم کافرین**" تم پہلے سے کافر تھے، یہ فائدے خوب یاد رکھنے کے ہیں **وباللہ التوفیق** ۱۲منہ مدظلہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۵

فیاایھا المنافقون عــہ۱ المردة الفاسقون الزاعم کبیرکم ان مدح عــہ۲ الرسول کمدح بعضکم بعضا بل اقل منہ فی حسبانکم قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ عــہ۳ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ واللہ مخرج اضغانکم *

عــہ۱: نفاق دو قسم ہے: عقدی و عملی، نفاق عملی کے بیان میں فقیر نے ایک رسالہ حافلہ مسمّٰی بہ ابناء الحذاق بمسالک النفاق (۱۳۰۹ھ) لکھا اور آیات واحادیث کثیرہ وغزیرہ سے اس کے وجوہ وصور کو ظاہر کیا جو اس رسالہ کے غیر میں مجموعانہ ملیں گی وہاں سے ان حضرات کے نفاق کا ثبوت لیجئے ۱۲ منہ

عــہ۲: اللہ تو فرمائے رسول کے حضور چلّا کر نہ بولو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو۔ اللہ فرمائے رسول کا پکارنا ایک دوسرے کا سا پکارنا نہ ٹھہرالو، تقویۃ الایمان والا کہے رسول کی ایسی ہی تعریف کرو جیسی باھم ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں بھی کمی کرو، انا للہ وانا الیہ راجعون ۝

عــہ۳: قال اللہ تعالٰی:

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾[1] هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾"[2]

ظاہر ہو چکی ہے دشمنی ان کی باتوں سے اور وہ جو ان کے دلوں میں دبی ہے اس سے بھی زیادہ ہے ہم نے صاف بیان فرمادیں تمھارے لئے نشانیاں اگر تمھیں سمجھ ہو، دیکھو یہ جو تم ہو تم تو انھیں چاہتے ہو اور وہ تمھیں نہیں چاہتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر غصب میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں تو فرمادے مر جاؤ گھٹ گھٹ کر خدا خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔

اقول: اس آیت سے بھی دو۲ فائدے ملے:

ایک: یہ کہ دل کے بخار کے ساتھ زبانی اقرار کلمہ گوئی کی پکار کوئی چیز نہیں۔

دوسرے: یہ کہ دل کا بخار زبانی باتوں سے ظاہر ہو جاتا ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹

استحوذ ؏۱ علیکم الشیطن فانساکم ذکر اللہ وتعظیم الرسول وقد نطق القراٰن بخذلانکم * زادفاء کم الشیطن نقطا من شینه وتاء کم التدویر دائرۃ نونه فاراکم تقویۃ الایمان فی تفویت ایمانکم * "مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ "[1] وما اللہ بغافل عن کفرانکم * فلاورب محمد لاتؤمنون ؏۲ حتی یکون احب الیکم من والدکم وولدکم والناس اجمعین والروح بین جسمانکم * صلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علیه واله الکرام وصحبه العظام وخادمی سنۃ القیام بردزیغکم و طغیانکم * ورزقناحبه الصادق فی غایۃ الاعظام وادامۃ ذکرہ الی یوم القیام، وان کان فیه رغم انوفکم واسخان اعیانکم * اٰمین یا ارحم الراحمین * والحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنامحمد والہٖ واصحابه اجمعین۔

؏۱: قال اللہ تعالٰی: "اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾"[2]	غالب آگیا ان پر شیطان سو بھلادی ان کو خدا کی یاد وہ شیطان کے گروہ ہیں، سن لو شیطان ہی کے گروہ نقصان میں ہیں۔ علمائے مدینہ طیبہ نے وہابیہ کے حق میں یہی آیت لکھی اور خود حدیث صحیح بخاری سے ان کا قرن شیطان ہونا ثابت ہے ۱۲منہ

؏۲: صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد و سنن نسائی وابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔[3]	تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اور سارے جہان سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اللھم بحبہ لك وحبك اجعل حب احب الینا من حب الظمآن للماء البارد ومن حبنا انفسنا یا ارحم الراحمین۔ اٰمین ۱۲منه

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹

ترجمہ خطبہ

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے اپنا رسول بھیجا گواہ اور خوشی اور ڈر سناتا ہوا، تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ تعالٰی پر اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور تم اس کی تعظیم اور توقیر اپنے دل اور زبان سے بجالاؤ، تو اللہ تعالٰی نے ان کی تعظیم و توقیر اور اعزاز کو تمھارے ایمان اور دین حق کا مضبوط رکن بنایا۔ اور تم پر حرام کیا ہے کہ تم اپنی آوازوں کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر بلند کرو یا تم ان کے حضور اس طرح چلا کر بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو، کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمھیں اپنے خسارے کی خبر نہ ہو، اور اللہ تعالٰی نے ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور ان کی بیعت کو اپنی بیعت بنایا تو اگر تم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیعت کرو تو تمھارے ہاتھ پر رحمان کا ہاتھ ہے اور اللہ تعالٰی نے اپنے اسم کریم کے ساتھ ان کا اسم پاک ملایا غنی کرنے، عطا کرنے، عطا کی امید کرنے، آگے ہونے، فیصلہ کرنے، مخالف ہونے، راضی ہونے اور خلوص وایذا میں تمھارے قرآن پاک میں، اور اللہ تعالٰی نے ان کی شان بلند فرمائی اور ان کی عظمت مکانی فرمائی، تو یوں اللہ تعالٰی نے ان کے معاملہ کو ان کے ماسوا سے ممتاز فرمایا۔ تو ان کی شان تمھارے ترازو سے ماوراء ہے، کیا تم کنکر کو موتی یا خون کو مشک یا بھس کو پھول قرار دوگے، تو بیشک تمھارے رب نے تمھیں راہنمائی دی ہے کہ تم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو خواہ تمھارا باپ ہو یا آقا ہو یا بادشاہ ہو، اور اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کے بارے میں جو زبان درازی ان کی شان میں کرتے ہیں فرمایا کیا تم اللہ تعالٰی اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے معاملہ میں ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ہو اپنے ایمان کے بعد، اے سرکش منافقو، فاسقو، تمھارے بڑے نے خیال ظاہر کیا کہ رسول اللہ کی مدح تمھاری آپس میں ایک دوسرے کی مدح کے مساوی بلکہ اس سے بھی کم ہے یہ تو تمھارے خیال میں ہے جبکہ بغض تمھارے منہ سے ظاہر ہوگیا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے وہ اس سے بھی خطرناک ہے اور اللہ تعالٰی تمھارے حسد کو ظاہر فرمانے والا ہے، تم پر شیطان غالب آگیا ہے اس نے تم کو اللہ تعالٰی کی یاد اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم بھلادی ہے اور بلاشک قرآن نے تمھاری رسوائی بیان فرمادی پس شیطان نے تمھاری فاء پر اپنے شین کے نقطوں میں ایک نقطہ بڑھادیا اور تمھاری تاء کا دائرہ اپنے نون کے دائرہ سے بڑھادیا تو شیطان نے تمھیں ایمان کے ضائع کرنے میں، ایمان کی تقویت دکھائی، مومنوں کو اللہ تعالٰی اس حال پر نہ چھوڑے گا جس پر تم اب ہو جب تک خبیث کو طیب سے جدا نہ کردے اور اللہ تعالٰی تمھارے کفر سے غافل نہیں، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رب کی قسم تم مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ تمھارے والد۔ اولاد، تمام لوگوں اور تمھارے روحوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔ صلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علیہ

وعلٰی آلہ الکرام وصحابتہ العظام اور ساتھ ہی تمھاری سرکشی اور غلط روی کے رد کرنے کی سنت پر قائم خدام پر سلام و برکات ہوں، اور اللہ تعالٰی ہمیں انتہائی تعظیم کے ساتھ آپ کی سچی محبت اور قیامت تک آپ کا دائمی ذکر عطا فرمائے اگرچہ اس میں تمھاری ناکیں آلود اور تمھاری آنکھیں بیمار ہوں، آمین یا ارحم الراحمین والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ (ترجمہ خطبہ ختم ہوا، یہاں سے جواب شروع ہے)

بلا شبہہ وہابیہ مذکورین اور ان کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیر قطعاً یقیناً کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام اصحاب فتاوٰی اکابر واعلام رحمھم اللہ الملک المنعام ان پر حکم کفر ثابت وقائم اور بظاہر ان کا کلمہ پڑھنا اس حکم کا نافی اور ان کو نافع نہیں ہوسکتا آدمی فقط زبان سے کلمہ پڑھے یا اپنے آپ کو مسلمان کہنے سے مسلمان نہیں ہوتا جبکہ اس کا قول یا فعل اس کے دعوے کا مکذب ہوگیا، اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مسلمان کہے کلمہ پڑھے بلکہ نماز وروزہ حج زکوۃ بھی ادا کرے بایںہمہ خدا اور رسول کی باتیں جھٹلائے یا خدا اور رسول وقرآن کی جناب میں گستاخیاں کرے یا زنار باندھے، بت کے لئے سجدے میں گرے تو وہ مسلمان قرار پاسکتا یا عادت کے طور پر وہ کلمہ پڑھنا اس کے کام آسکتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ ہم ابھی حاشیہ خطبہ میں یہ مضمون آیات قرآنیہ سے ثابت کرچکے۔ درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۸:

لواتی بھما علی وجہ العادۃ لم ینفعہ مالم یتبرأ[1]۔	اگر عادت کے طور پر کلمہ پڑھا تو نفع نہ دے گا جب تک اپنی اس کفری بات سے توبہ نہ کرے۔

امام الوہابیہ کا خود اپنے اقرار سے کافر ہونا نیز سب وہابیہ کا اپنے امام کی تصریح سے کافر ٹھہرنا

ان کے مذہبی عقیدوں اور ان کے پیشوائے مذہب کی کتابوں میں بکثرت کلمات کفریہ ہیں جن کی تفصیل کو دفتر درکار، اور ان کے پیشوا نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں (جسے یہ لوگ معاذاللہ کتاب آسمانی کی مثل جانتے اور اپنے مذہب کی مقدس کتاب مانتے ہیں) اپنے اور اپنے سب پیرووں کے کھلم کھلا کافر ہونے کا صاف اقرار کیا ہے، میں پہلے ان کا وہ اقراری کفر نقل کروں پھر بطور نمونہ صرف ستر کفریات ان کے اور لکھوں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا ہے کہ زمانہ فنا نہ ہوگا جب تک لات وعزٰی کی پھر پرستش نہ ہو اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وہ اٹھالیا جائے گا جب زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور ہو جائے گی[2]۔

تقویۃ الایمان مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ ص ۴۴ پر یہ حدیث بحوالہ مشکوۃ نقل کی اور خود اس کا

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] مشکوۃ المصابیح باب لاتقوم الساعۃ الا علی شرار الناس مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۸۱

ترجمہ کیا کہ:

''پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ اچھی، سو جان نکال لے گی جن کے دل میں ہوگا ایک رائی کے دانہ بھر ایمان، سو رہ جائیں گے وہی لوگ جن میں کچھ بھلائی نہیں۔ سو پھر جائیں گے اپنے باپ دادوں کے دین پر۔''[1]

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃً ارشاد فرمایا تھا کہ ''وہ ہوا خروج دجال لعین و نزول عیسٰی مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعد آئے گی[2]۔

تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ الفاظ بھی خود ہی نقل کئے اور اس کا ترجمہ کیا ص ۴۵: ''نکلے گا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسٰی بیٹے مریم کو، سو وہ ڈھونڈے گا اس کو، پھر تباہ کردے گا اس کو، پھر بھیجے گا اللہ ایک باؤ ٹھنڈی شام کی طرف سے، سو نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی کہ اس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہو مگر مار ڈالے گی اس کو۔''[3]

باینہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا: ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔''[4]

اب نہ خروج دجال کی حاجت رہی نہ نزول عیسٰی کی ضرورت بلکہ ان کے نصیبوں کے لئے وہ ہوا بھی چل گئی، تمام مسلمانوں کے کافر مشرک بنانے کے لئے ختم دنیا کی حدیث صاف صاف اپنے زمانہ موجودہ پر جمادی، اور کچھ پروانہ کی کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی اور وہ ہوا چل چکی اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان تھا مر گیا اب تمام دنیا میں نرے کافر ہی کافر رہ گئے ہیں تو یہ شخص خود اور اس کے سارے پیر و کیا دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستے ہیں، یہ خود اپنے اقرار سے ٹھیٹ کافر پکے بت پرست ہیں، یہ خود ان کا اقراری کفر تھا، اب گنئے کہ علمائے کرام فقہائے عظام کی صریح تصریحوں سے ان پر کتنی وجہ سے کفر لازم:

کفریہ ۱: یہی اقرار کفر کہ جو اپنے کفر کا اقرار کرے وہ سچ کافر ہے، نوازل فقیہ ابواللیث، پھر خلاصہ، پھر تکملہ لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ۵۷: رجل قال انا ملحد یکفر[5] جو اپنے الحاد کا اقرار کرے وہ کافر ہے۔

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب لاتقوم الساعۃ الاعلی شرار الناس مطبع مجتبائی دہلی نصف ثانی ص ۴۸۱

[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۱

[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ثانی جنس خامس مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

اشباہ فن ثانی کتاب السیر باب الردۃ:

قیل لھا انت کافرۃ فقالت انا کافرۃ کفرت [1]۔	کسی نے کہا تو کافرہ ہے، کہا میں کافرہ ہوں، وہ کافرہ ہو گئی۔

فتاوٰی عالمگیری مطبع مصر ۱۳۱۰ھ جلد ۲ ص ۲۷۹:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولو قال ماعلمت انہ کفر لایعذر بھذا [2]۔	ایک مسلمان اپنے ملحد ہونے کا اقرار کرے کافر ہو جائے گا اور اگر کہے کہ میں نہ جانتا تھا کہ اس میں مجھ پر کفر عائد ہوگا تو یہ عذر نہ سنا جائے۔

کفریہ ۲: اسی قول میں تمام امت کو کافر مانا، یہ خود کفر ہے، شفاء شریف امام قاضی عیاض ص ۳۶۲ و ص ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ [3]۔	جو کوئی ایسی بات کہے جس سے تمام امت کو گمراہ ٹھہرانے کی طرف راہ نکلے وہ یقینا کافر ہے۔

کفریہ ۳: تقویۃ الایمان ص ۲۰: "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجئے، یہ اللہ صاحب کی ہی شان ہے۔" [4]۔ یہاں اللہ سبحنہ کے علم کو لازم وضروری نہ جانا اور **معاذاللہ** اس کا جہل ممکن مانا کہ غیب کا دریافت کرنا اسی کے اختیار میں ہے چاہے دریافت کرلے چاہے جاہل رہے۔ یہ صریح کلمہ کفر ہے، عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۸:

یکفر اذا وصف اللہ تعالٰی بما لایلیق بہ اونسبہ الی الجھل اوالعجز اوالنقص [5] اھ	جو شخص اللہ تعالٰی کی ایسی شان بیان کرے جو اس کے لائق نہیں یا اسے جہل یا عجز یا کسی ناقص بات کی طرف نسبت کرے وہ کافر ہے۔

بحرالرائق مطبع مصر ج ۵ ص ۱۲۹، بزازیہ مطبع مصر ج ۳ ص ۳۲۳، جامع الفصولین

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۹

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۱

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی ردالاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴

[5] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸

مطبع مصرج ۲ص ۲۹۸:

لو وصف اللہ تعالٰی بما لا یلیق بہ کفر[1]۔	اگر اللہ تعالٰی کی شان میں ایسی بات کہی جو اس کے لائق نہیں کافر ہوگیا۔

کفریہ ۴: "جب چاہے دریافت کرنے" کا صاف یہ مطلب کہ ابھی تک دریافت ہوا نہیں ہاں اختیار[عہ] ہے کہ جب چاہے دریافت کرلے تو علم الٰہی قدیم نہ ہوا اور یہ کھلا کفر ہے۔ عالمگیری ج ۲ص ۲۶۲:

لو قال علم خدائے قدیم نیست یکفر کذا فی التتارخانیۃ[2] اھ ملخصا۔	جو علم خدا کو قدیم نہ مانے وہ کافر ہے ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے اھ ملخصا۔

کفریہ ۵: ایضاح الحق مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۷ھ ص ۳۵ و ۳۶:

تنزیہ او تعالٰی از زمان ومکان وجہت واثبات رؤیت بلاجہت ومحاذات (الی قولہ) ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ مے شمارد[3] اھ ملخصا۔	اللہ تعالٰی کو زمان ومکان اور جہت سے پاک قرار دینا اور اس کا دیدار بلاجہت وکیف ثابت کرنا (آگے یوں کہا) یہ تمام امور از قبیل بدعت حقیقیہ ہیں اگر کوئی شخص ان مذکورہ اعتقادات کو دینی اعتقاد شمار کرے اھ ملخصا (ت)

اس میں صاف تصریح کی ہے کہ اللہ تعالٰی کو زمان ومکان وجہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف ماننا بدعت وضلالت ہے اس میں اس نے تمام ائمہ کرام وپیشوایان مذہب اسلام کو بدعتی وگمراہ بتایا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۳ھ ص ۲۵۵ میں فرماتے ہیں:

عقیدہ سیزدہم آنکہ حق تعالٰی رامکان نیست واُورا جہتے از فوق وتحت متصور نیست وہمینست مذہب اہل سنت وجماعت[4]۔	تیرھواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے لئے مکان اور فوق وتحت کی جہت متصور نہیں ہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے (ت)

عہ: اس کے متعلق شرح عقائد وفقہ اکبر وشرح فقہ اکبر کی عبارات کفریہ ۱۰ کے رد میں دیکھئے ۱۲ منہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۲/ ۲۹۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۲

[3] ایضاح الحق (مترجم اردو) فائدہ اول پہلا مسئلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۷۷ و ۷۸

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب پنجم در الٰہیات سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۱

بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۹، عالمگیری ج ۲ ص ۲۵۹:

یکفر باثبات المکان للہ تعالٰی [1]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مکان ثابت کرنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

فتاوٰی قاضی خاں فخر المطابع ج ۴ ص ۴۳:

رجل قال خدائے بر آسمان میداند کہ من چیزے ندارم یکون کفرا لان اللہ تعالٰی منزہ عن المکان [2]۔	کسی نے کہا کہ خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں۔کافر ہوگیا۔اس لئے کہ اللہ تعالٰی مکان سے پاک ہے۔

خلاصہ کتاب الفاظ الکفر فصل ۲ جنس ۲:

لو قال نردبان بنہ وبرآسمان برآئے وباخدائے جنگ کن یکفر لانہ اثبت المکان للہ تعالٰی [3]۔	اگر کوئی یوں کہے کہ سیڑھی لگاؤ اور آسمان پر جاکر خدا سے جنگ کرو، توکافر ہوجائے گااس لئے کہ اس نے اللہ تعالٰی کے لئے مکان مانا۔(ت)

کفریہ ۲: رسالہ یکروزی فاروقی ص ۱۵۵:

بعد اخبار ممکن ست کہ ایشان رافراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منجر بتکذیب نصی از نصوص نگرددو سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن ست [4]۔	خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی اسے بھلادے پس حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ہم مثل ثابت کرنا ہرگز نصوص میں سے کسی نص کی تکذیب نہیں اور قرآن پاک کے نازل کرنے کے بعد اس کا سلب ہوجانا ممکن ہے۔(ت)

اہل حق نے کہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل یعنی تمام صفات کمالیہ میں حضور کا شریک وہمسر محال ہے،اور بعض علماء اس پر دلیل لائے تھے کہ اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ

[1] بحر الرائق باب احکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰، فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب السیر باب مایکون کفرا من المسلم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۸۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ۲ جنس ۲ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۴

[4] رسالہ یکروزی (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرمایا اگر حضور کا مثل بمعنی مذکور رر ممکن ہو تو معاذاللہ کذب الٰہی لازم آئے، اس کے جواب میں شخص مذکور نے وہ کفری بول بولا کہ اگراللہ تعالٰی قرآن مجید دلوں سے بھلا کر ایسا کرے تو کس نص کی تکذیب ہوگی، یہاں صاف اقرار کردیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹی ہوجانے میں تو حرج نہیں حرج اس میں ہے کہ بندے اس کے جھوٹ پر مطلع ہوں اگر انھیں بھلا کر اپنی بات جھوٹی کردے تو تکذیب کہاں سے آئیگی کہ اب کسی کو وہ نص یاد ہی نہیں جو جھوٹ ہوجانا بتائے غرض سارا ڈر بندوں کا ہے جب ان کی مت ماردی پھر پروا کیا **تعالی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا**۔ظالموں کی باتوں سے اللہ تعالٰی بہت بلند ہے۔ت) شفاء شریف ص ۳۶۱:

من دان بالوحدانیۃ وصحۃ النبوۃ و نبوۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوا بہ ادعی فی ذٰلک المصلحۃ بزعمہ اولم یدعہا فھوکافر باجماع[1]۔	جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت نبوت کی حقانیت ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو باایںہمہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔

حضرات انبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کا کذب جائز ماننے والا بالاتفاق کافر ہوا اللہ عزوجل کا کذب جائز ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر مرتد نہ ہوگا، اس مسئلے میں شخص مذکور اور اس کا کاسہ لیسوں کے اقوال سخت ہولناک وبیباک وناپاک ہیں جن کی تفصیل وتشریح اور ان کے رد بلیغ کی تنقیح ہماری کتاب **سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح** (۱۳۰۷ھ) سے روشن۔

کفریہ ۷: یکروزی ص ۱۴۵:

لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ مقدمہ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں برملٰئک وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والالازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد[2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے مذکور کذب کو ہم محال نہیں مانتے کیونکہ واقع کے خلاف کوئی قضیہ وخبر بنانا اور اس کو فرشتوں اور انبیاء پر القاء کرنا اللہ تعالٰی کی قدرت سے خارج نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ انسانی قدرت اللہ تعالٰی کی قدرت سے زاید ہو جائے۔(ت)

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۹

[2] رسالہ یکروزی (فارسی) فارقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو کچھ آدمی اپنے لئے کر سکتا ہے وہ سب خدائے پاک کی ذات پر بھی روا ہے جس میں کھانا پینا، سونا، پاخانا پھرنا، پیشاب کرنا، چلنا، ڈوبنا، مرنا، سب کچھ داخل۔ لہٰذا اس قول خبیث کے کفریات حد شمار سے خارج۔

کفریہ ۸: یکروزی ص ۱۴۵:

عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحنہ میشمارند واواجل شانہ بآں مدح می کنند بر خلاف اخرس و جماد وصفت کمال ہمیں ست کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب دارد وبنا بر رعایت مصلحت ومقتضائے حکمت بتنزہ از شوب کذب تکلم بکلام کاذب ننماید ہما شخص ممدوح می گردد بخلاف کسے کہ لسان او ماؤف شدہ یا ہر گاہ ارادہ تکلم بکلام کاذب نماید آواز بند گردد یا کسے دہن اورابند نماید ایں اشخاص نزد عقلا قابل مدح نیستند، بالجملہ عدم تکلم کلام کاذب ترفعا عن عیب الکذب وتنزہا عن التلوث بہ از صفات مدح ست[1] اھ ملخصا۔	عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے لئے کمالات میں سے شمار کرتے ہیں اور عدم کذب کو گونگے اور جماد کے مقابلہ میں اللہ تعالٰی کی مدح بتاتے ہیں، اور جبکہ صفت کمال یہ ہے کہ کسی شخص کو جھوٹ بولنے پر قدرت ہو تو وہ مصلحت اور حکمت کی بناپر جھوٹی بات کہنے سے گریز کرے تو ایسا شخص مدح کا مستحق ہوتا ہے، اس کے بر خلاف کوئی ایسا شخص کہ اس کی زبان ناکارہ ہو یا جب وہ جھوٹی بات کہنے کا ارادہ کرے تو اس کی آواز بند ہوجائے یا دوسرا کوئی اس وقت تک اس کا منہ بند کردے تو ایسے لوگ عقلاء کے ہاں مدح کے قابل نہیں ہوتے غرضیکہ جھوٹ کے عیب سے بچنا اور اپنے آپ کو جھوٹ میں ملوث نہ کرنا مدح کی صفات میں سے ہے اھ ملخصا (ت)

اس میں صاف اقرار ہے کہ اللہ عزوجل کا جھوٹ بولنا ممتنع بالغیر بلکہ محال عادی بھی نہیں کہ گونگے کا بولنا ہر گز نہ محال بالذات نہ ممتنع بالغیر، نہ ممتنع عقلی، نہ محال شرعی، صرف محال عادی ہے، اور وہ تصریح کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی کا جھوٹ بولنا ایسا بھی نہیں جیسے گونگے کا بولنا کہ اللہ تعالٰی کی تو اس سے مدح کرتے ہیں اور گونگے کی نہیں، تو ضرور ہوا کہ کذب الٰہی محال عادی بھی نہ ہو یہ صریح کفر ہے اور اس میں ایمان ودین وشرائع سب کا ابطال کہ جب خدا پر جھوٹ ہر طرح روا ہے تو اس کی کسی بات پر اطمینان کیا ہے۔

کفریہ ۹: اسی قول میں صراحۃً مان لیا کہ اللہ تعالٰی میں عیب والائش کا آنا جائز ہے مگر مصلحۃً ترفع کے لئے

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) فارقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸۔۱۷

اس سے بچتا ہے یہ صراحۃً اللہ عزوجل کو قابل ہر گونہ نقص وعیب وآلودگی ماننا ہے کہ یہ بھی مثل کفریہ ہفتم ہزاروں کفریات کا خمیرہ ہے۔ عالمگیری قول مذکورہ درکفریہ ۳، اعلام بقواطع الاسلام مطبع مصر ۱۲۹۲ھ ص ۱۵:

من نفی او اثبت ماھو صریح فی النقص کفر[1]۔	جو اللہ تعالٰی کی شان میں کوئی ایسی بات نہ یا ہاں کہے جس میں کھلی منقصت ہو کافر ہو جائے۔

کفریہ ۱۰: اس قول میں صدق الٰہی بلکہ اس کی سب صفات کمال کو اختیاری مانا کہ مصلحت عیب وآلائش سے بچنے کو اختیار کیا ہے جس طرح کفریہ ۳ میں صفت علم غیب کو صراحۃً اختیاری کہا تھا اور جو چیز اختیاری ہو ضرور حادث ونو پیدا ہوگی، شرح عقائد النسفی طبع قدیم ص ۲۲:

الصادر عن الشیئ بالقصد والاختیار یکون حادثا بالضرورۃ[2]۔	جو کسی سے اس کے قصد واختیار سے صادر ہو وہ بالبداہت حادث ہوگا۔ اور صفات الٰہی کو حادث ٹھہرانا کلمہ کفر ہے۔

فقہ اکبر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ وشرح فقہ اکبر ملا علی قاری طبع حنفی ۱۲۶۹ھ ص ۲۹:

صفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوقہ فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ اووقف فیہا اوشك فیہا فھو کافر باللہ تعالٰی[3]	اللہ تعالٰی کی سب صفتیں ازلی ہیں، نہ وہ نو پیدا ہیں نہ مخلوق، تو جو انھیں مخلوق یا حادث بتائے یا اس میں توقف یا شک کرے وہ کافر ہے۔

کفر ۱۱ تا ۱۹: اسی قول میں صاف بتایا کہ جن چیزوں کی نفی سے اللہ تعالٰی کی مدح کی جاتی ہے وہ سب باتیں اللہ عزوجل کے لئے ہو سکتی ہیں ورنہ تعریف نہ ہوتی، تو اللہ تعالٰی کے لئے [1]"سونا، [2]اونگھنا، [3]بہکنا، [4]بھولنا، [5]جورو، [6]بیٹا، [7]بندوں سے ڈرنا، [8]کسی کو اپنی بادشاہی کا شریک کرلینا، [9]ذلت وخواری کے باعث دوسرے کو اپنا بازو بنانا وغیرہ سب کچھ روا ٹھہرا کہ ان سب باتوں کی نفی سے اللہ تعالٰی کی مدح کی جاتی ہے **آیت** " لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ "[4] نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ **آیت** " لَا یَضِلُّ رَبِّیْ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸، اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۵۱

[2] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۲۳

[3] الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر الباری جل شانہ موصوف فی الازل الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

وَلَا یَنۡسَی ﴿۵۲﴾" [1] نہ میرا رب بہکے نہ بھولے۔ **آیت** "مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ﴿۳﴾" [2] اللہ نے کسی کو اپنی جورو بنایا نہ بیٹا۔ **آیت** "وَلَا یَخَافُ عُقۡبٰهَا ﴿۱۵﴾" [3] اللہ کو ثمود کے پیچھے کا خوف نہیں۔ **آیت** "وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ شَرِیۡكٌ فِی الۡمُلۡكِ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ" [4] نہ کوئی بادشاہی میں اس کا ساجھی نہ کوئی دباؤ کے سبب اس کا حمایتی۔ یہ سب صریح کفر ہیں۔

کفریہ ۲۰ و ۲۱: صراط مستقیم مطبع ضیائی ۱۲۸۵ھ ص ۱۷۵:

نسبت پیر خود تا اینکہ روزے حضرت جل وعلادست راست ایشاں رابدست قدرت خاص خود گرفتہ و چیزے راز امور قدسیہ کہ بس رفیع بدیع بود پیش روے حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام وچیزہائے دیگر خواہم داد [5]۔	اپنے پیر کی نسبت یہاں تک کہ ایک روز ان کا دایاں ہاتھ اللہ نے اپنے خاص دست قدرت میں پکڑا اور امور قدسیہ کی بلند و بالا چیز کو ان کے سامنے پیش کرکے فرمایا کہ تجھے میں نے یہ چیز دے دی اور مزید چیزیں دوں گا۔ (ت)

ص ۱۳: مکالمہ ومسامرہ بدست مے آید [6] (مکالمہ اور گفتگو حاصل ہوگی۔ ت)

ص ۱۵۴: گاہے کلام حقیقی ہم مے شود [7] عــــہ (اور کبھی کلام حقیقی بھی ہوتی ہے۔ ت) شفاء شریف ص ۳۶۰:

من اعترف بالٰهیة اللہ تعالٰی ووحدانیتہ ولکنہ ادعی لہ ولد اوصاحبتہ فذلك کفر باجماع المسلمین وکذلك من ادعی مجالسة	جو اللہ تعالٰی کی الوہیت وتوحید کا تو قائل ہو مگر اس کے لئے جورو یا بچہ ٹھہرائے وہ باجماع مسلمین کافر ہے اسی طرح جو اللہ تعالٰی کے ساتھ ہمنشینی

عــــہ: یہ صراحۃً اپنے پیر وغیرہ کو نبی بتانا ہے ۱۲ سل السیوف۔

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۳

[3] القرآن الکریم ۹۱/ ۱۵

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۱

[5] صراط مستقیم باب چہارم خاتمہ دربیان پارہ از واردات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۴

[6] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب عشقی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۲

[7] صراط مستقیم باب سوم فصل چہارم تکملہ دربیان سلوک المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۳

اللہ تعالٰی والعروج الیہ ومکالمتہ[1] اھ ملخصاً۔	اس تک صعود اس سے باتیں کرنے کا مدعی ہو۔

ص ۳۶۲:

وکذلك من ادعی منھم انہ یوحی الیہ وان لم یدع النبوۃ اوانہ یصعد الی السماء ویدخل الجنۃ ویاکل من ثمارھا ویعانق الحور العین فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	اسی طرح جھوٹا متصوف دعوی کرے کہ اللہ تعالٰی اسے وحی کرتا ہے اگرچہ نبوت کا مدعی نہ ہو، یا یہ کہ وہ آسمان تک چڑھتا ہے جنت میں جاتا اس کے پھل کھاتا حوروں کو گلے لگاتا ہے یہ سب کافر ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے۔

حوروں سے اس معانقہ کے دعوے پر تو یہ حکم ہے خود رب العزت سے ہاتھ ملا کر مصافحہ پر کیا حکم ہوگا۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۹۹:

درحین بعثت بلکہ درحین مناجات ومکالمہ کہ اعلائے مراتب قرب بشری باجناب خداوندی ست[3]۔	نبی کی بعثت کے وقت بلکہ مکالمہ اور مناجات کے وقت جو کہ اللہ تعالٰی کے ہاں بشری قرب کا اعلٰی مرتبہ ہے۔(ت)

اس ترقی سے صاف ظاہر کہ مکالمہ کا مرتبہ نفس نبوت سے خاص تر ہے تو دنیا میں کسی کے لئے اللہ عزوجل سے کلام حقیقی کا دعوی صراحۃً اس کی نبوت کا دعوی ہے، تفسیر عزیزی سورہ بقرہ مطبع کلکتہ ۱۲۴۹ھ ص ۴۲۳ زیر قولہ تعالٰی "وَقَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ":

منشائے ایں گفتگوے ایشاں جہل ست زیرا کہ نمی فہمند کہ رتبہ ہمکلامی باخدائے عزوجل بس بلند ست ہنوز بہ پایہ اولین آں کہ ایمان ست نرسیدہ اند وآں رتبہ مختص ست بملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وغیرہ ایشاں راہرگز میسر نمی شود پس فرمائش ہمکلامی باخدا گویا فرمائش آنست کہ تاہمہ راپیغمبراں	ان کی اس گفتگو کا منشاء جہالت ہے کیونکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ ہم کلامی کا رتبہ بہت بلند ہے یہ لوگ ابھی ایمان کی ابتداء کو نہیں پہنچے حالانکہ وہ رتبہ ہمکلامی فرشتوں اور انبیاء کو ہی حاصل ہے کسی دوسرے کو ہرگز میسر نہیں ہے، تو اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کی فرمائش کرنا گویا یہ فرمائش ہے کہ وہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکہ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکہ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۰۔۲۷۱

[3] تحفہ اثنائے عشریہ باب ششم در بحث نبوت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۴

یافرشتہا سازد[1]۔	سب کو پیغمبر یا فرشتے بنادے(ت)

شرح عقائد جلالی مطبع مصر ص ۱۰۶ اس مسئلہ کی دلیل میں کہ جو شخص دنیا میں اللہ عزوجل سے کلام حقیقی کا مدعی ہو کافر ہے۔ فرمایا:

المکالمۃ شفاھا منصب النبوۃ بل اعلی مراتبھا وفیہ مخالفۃ لما ھو من ضروریات الدین وھوانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین علیہ افضل صلٰوۃ المصلین[2]۔	اللہ عزوجل سے کلام حقیقی منصب نبوت بلکہ اس کے مراتب میں اعلٰی مرتبہ ہے تو اس کے دعوے کرنے میں بعض ضروریات دین یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے۔

کفریہ ۲۲: صراط مستقیم ص ۱۲:

از جملہ آں شدت تعلق قلب ست بمرشد خود استقلالاً یعنی نہ باآں ملاحظہ کہ ایں شخص کہ ناوداں فیض حضرت حق وواسطہ ہدایت اوست بلکہ بحثیت یہ کہ متعلق عشق ہماں می گردد چنانکہ یکے از اکابراہیں طریق فرمود کہ اگرحق جل وعلا درغیرکسوت مرشد من تجلی فرماید ہرآئینہ مرابا اوالتفات درکارنیست[3]۔	ان میں سے ایک یہ کہ اپنے مرشد سے شدید قلبی مستقل تعلق یعنی یہ لحاظ نہ ہو کہ یہ مرشد اللہ تعالٰی کے فیض کا ذریعہ اور اس کی ہدایت کے لئے واسطہ ہے بلکہ اس حیثیت سے کہ عشق کا تعلق کے لئے واسطہ ہو چنانچہ اس طریقت کے ایک بڑے نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالٰی مجھ پر میرے مرشد کے لباس وشکل کے بغیر تجلی فرمائے تو مجھے اس کی طرف التفات درکار نہیں ہے۔(ت)

شخص مذکورہ کے پیرووں سے استفسار ہے کہ اپنے اصول پر اس کلمہ کا حکم بتائیں یا خود اسی سے پوچھیں کہ وہ ہمیشہ ایک جگہ ایک بات کہنے دوسری جگہ آپ ہی اس کو کفر وضلالت بنادینے کا عادی ہے، تقویۃ الایمان ص ۱۵۶: "اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تو اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بیحواس ہوگئے پھر کیا کہئے

[1] فتح العزیزی (تفسیر عزیزی) سورہ بقرہ تحت آیۃ ۲/ ۱۱۸ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۷

[2] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث توبہ سے قبل مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۶

[3] صراط مستقیم ہدایت ثالثہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ص ۱۱

ان لوگوں کو کہ اس مالک الملک سے ایک بھائی بندی کا رشتہ یا دوستی آشنائی کا ساعلاقہ سمجھ کر کیا بڑھ بڑھ کر باتیں مارتے ہیں کوئی کہتاہے کہ اگر میرا رب میرے پیر کے سوا کسی اور صورت میں ظاہر ہوں تو ہر گز اس کو نہ دیکھوں، اللہ پناہ میں رکھے ایسی ایسی باتوں سے ع

بے ادب محروم گشت از فضل رب [1] " ملخصًا

میں کہتاہوں ہاتھ میں ہاتھ ملا کر باتیں ہونا تو بھائی بندی یا آشنائی کا ساعلاقہ نہیں ع

بے ادب محروم ماند از فضل رب

کفریہ ۲۳: تقویۃ الایمان ص ۱۴:

" جتنے پیغمبر آئے سو وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اس کے سوا کسی کو نہ مانے " [2]

ص ۱۶ و ۱۷: " اللہ صاحب نے فرمایا کسی کو میرے سوا نہ مانیو " [3]

ص ۱۸: " اللہ کے سوا کسی کو نہ مان۔ " [4]

ص ۷: " اوروں کو ماننا محض خبط ہے۔ " [5]

یہاں انبیاء وملائکہ وقیامت وجنت ونار وغیرہا تمام ایمانیات کے ماننے سے صاف انکار کیا اور اس کا افتراء اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر رکھ دیا، یہ کفریہ بھی صدہا کفریات کا مجموعہ ہے، مسلمانوں کے مذہب میں جس طرح اللہ عزوجل کا ماننا ضرور ہے یونہی ان سب کا ماننا جزء ایمان ہے ان میں جسے نہ مانے گا کافر ہے۔ ہر اردو زبان والا جانتاہے کہ ماننا تسلیم وقبول واعتقاد کو کہتے ہیں ولہذا اہل زبان ایمان کا ترجمہ " ماننا " اور کفر کا ترجمہ " نہ ماننا " کرتے ہیں۔

آیت (بقرۃ): " ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾ " [6]۔	موضح قرآن ترجمہ شاہ عبدالقادر: تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وے نہ مانیں گے۔ [7]

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراك فی العادات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۲

[5] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

[6] القرآن الکریم ۲ /۶

[7] موضح القرآن ترجمہ شاہ عبدالقادر تاج کمپنی کراچی ص ۴

آیت (یٰسٓ) "لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ" [1]	موضح القرآن: ثابت ہوچکی بات ان بہتوں پر سو وے نہ مانیں گے۔ [6]
آیت (نساء) "یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ" [2]	موضح القرآن: سو مانتے ہیں جو اترا تجھ پر۔ [7]
آیت (اعراف) "وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ" [3]	موضح القرآن: اور پچھاڑی کاٹی ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتیں اور نہ تھے ماننے والے۔ [8]
آیت (انعام) "وَ اِذَا جَآءَكَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ"۔ [4]	موضح القرآن: اور جب آویں تیرے پاس ہماری آیتیں ماننے والے تو کہہ سلام ہے تم پر۔ [9]
آیت (بقرہ) "اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ" [5]۔	موضح القرآن: مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو۔ [10]

دیکھو اللہ تعالٰی تو یہ فرماتا ہے کہ ایمان والوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں سب کو مانا، یہ شخص کہتا ہے اللہ نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانو۔

آیت (اعراف) "قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ" [11]	موضح القرآن: کہنے لگے بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے۔ [12]

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۷

[2] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۵۳۰

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۶۲

[4] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۲۶

[5] القرآن الکریم ۷/ ۷۲

[6] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۳

[7] القرآن الکریم ۶/ ۵۴

[8] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[9] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

[10] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۶۱

[11] القرآن الکریم ۷/ ۷۶

[12] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۴

تو اقوال مذکور کے صاف یہ معنی عـــہ ہوئے کہ اللہ تعالٰی کے سوا انبیاء ملائکہ کسی پر ایمان نہ لائے سب کے ساتھ کفر کرے اس سے بڑھ کر کفر کیا ہوگا۔

لطف یہ ہے کہ اسی تقویۃ الایمان کے دوسرے حصے تذکیر الاخوان مترجمہ سلطان خاں مطبع فاروقی ص ۷۳ میں ہے: "اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے جوان کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔"[1]

سبحٰن اللہ! دوسرے حصے والا کہتا ہے جو صحابہ کو نہ مانے وہ بدعتی ہے جہنمی، پہلے والا کہتا ہے صحابہ تو صحابہ جو انبیاء کو مانے وہ مشرک دوزخی، کفی اللہ المومنین القتال (مومنوں کو اللہ کافی ہے لڑائی میں۔ت)

کفریہ ۲۴: صراط مستقیم ص ۳۸:

صدیق من وجہ مقلد انبیاء می باشد و من وجہ محقق در شرائع پس اگر صدیق زکی القلب ست رضا و کراہیت حضرت حق در افعال و	صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ احکام شریعت میں محقق ہوتا ہے۔اگر صدیق زکی القلب ہو تو اللہ تعالٰی کی رضا اور عدم رضا کو افعال و

عـــہ: اگر اس کے کلام کے کچھ نئے معنی اپنے جی سے گھڑیئے بھی تو **اولا** تو صریح لفظ میں تاویل کیا معنی، شفا شریف صفحہ ۳۲۲:

والتاویل فی لفظ صراح لایقبل[2]۔ صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔

ثانیا: وہ آپ سب تاویلوں کا دروازہ بند کرچکا تو اس کے کلام میں بناوٹ نہ رہی گھڑت ہے جو اسے خود قبول نہیں، تقویۃ الایمان ص ۵۸: "یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لیجئے معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ کہ باپ اور بادشاہ۔"[3]

یہ نفیس فائدہ ہر جگہ ملحوظ خاطر رہے کہ اکثر حرکات مذبوحی کا جواب شافی ہے ۱۲ سل السیوف

[1] تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر الصحابہ علیمی کتب خانہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰۵

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع الباب الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانی ۲/ ۱۰-۲۰۹

[3] تقویۃ الایمان الفصل الخامس علیمی کتب خانہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۹

اقوال مخصوصہ وصحت وبطلان در عقائد خاصہ و محمودیت ومذمومیت در اخلاق وملکان شخصیہ بنور جبلی خود دریافت می نماید[1]۔	اقوال مخصوصہ میں اور صحت وبطلان کو عقائد خاصہ، پسندیدہ ونا پسندیدہ کو اخلاق وعادات شخصیہ میں اپنے فطری نور سے جان لیتا ہے۔(ت)

ص ۳۹:

پس احکام ایں امور مذکورہ اورابدو وجہ معلوم میشود یکے بشہادت قلب خود خصوصا ودیگر بسبب اندراج او در کلیات شرع عموما وعلم کہ بوجہ اول حاصل شدہ تحقیقی ست وثانی تقلیدی واگرزکی العقل ست نور جبلی او بسوئے کلیات اورا راہنمونی می فرماید پس علوم کلیہ شرعیہ اورا بدوواسطہ می رسد بوساطت نور جبلی و بوساطت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام در کلیات شریعت وحکم احکام ملت اوراشاگرد انبیاہم میتواں گفت وہم استاذ انبیاہم ونیز طریق اخذ آنہم شعبہ ایست از شعب وحی کہ انرا در عرف شرح بنفث فی الروع تعبیر میفرمایند وبعضے اہل کمال آں را بوحی باطنی مے نامند[2]۔	پس مذکور احکام اس کو دو طرح معلوم ہوتے ہیں،ایک خصوصی طور پر اپنے قلب کی گواہی سے اور دوسرا عموما شرعی کلیات میں داخل ہونے کی وجہ سے،اور پہلے طریقہ سے حاصل شدہ علم تحقیقی ہے اور دوسرا تقلیدی ہے،اور اگر ذکی العقل ہو تو اس کا فطری نور کلیات کی طرف اس کی رہنمائی کرتا ہے،پس امور کلیہ شرعیہ اس کو دو طرح سے پہنچتے ہیں،ایک فطری نور کے ذریعہ سے،دوسرا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ سے،پس شرعی کلیات کااور حکم واحکام ملت میں اس کو انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں،اور ان کا ہم استاذ بھی کہہ سکتے ہیں،نیز ان کے اخذ کا طریقہ وحی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جس کو عرف شرع میں نفث فی الروع سے تعبیر کرتے ہیں،اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کا نام دیتے ہیں۔(ت)

ص ۴۰:

ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر می کنند وعلم ایشاں راکہ بعینہٖ علم انبیاست لیکن بوحی ظاہری متلقی نشدہ بہ حکمت مے نامند[3]۔	اس معنی کو امامت اور وصایت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے علم کو جو کہ بعینہٖ انبیاء کو علم ہے لیکن ظاہری وحی سے حاصل نہیں ہوتا،اسکو حکمت کا نام دیتے ہیں۔(ت)

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۳ و ۳۴

[2] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۴

[3] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

ص ۴۱:

لابد اورا بمحافظتے مثل محافظت انبیاکہ مسمّٰی بہ عصمت ست فائز مے کنند[1]	ضروری ہے کہ اس کو محفوظ قرار دیاجائے جس طرح انبیاء کا محفوظ ہونا جس کو عصمت کہتے ہیں۔(ت)

ص ۴۲:

ندانی کہ اثبات وحی باطن وحکمت ووجاہت وعصمت مرغیر انبیاء رامخالف سنت واز جنس اختراع بدعت ست وندانی کہ ارباب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند[2] اھ ملخصاً۔	یہ نہ سمجھناکہ باطنی وحی، حکمت، وجاہت اور عصمت کو غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا خلاف سنت اور از قبیل اختراع بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھناکہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہوچکے ہیں اھ ملخصاً (ت)

اس قول ناپاک میں اس قائل بیباک نے بے پردہ وحجاب صاف صاف تصریحیں کیں کہ ۱بعض لوگوں کو احکام شرعیہ جزئیہ وکلیہ بے وساطت انبیاء اپنے نور قلب سے بھی پہنچتے ہیں، ۲خاص احکام شرعیہ عـــہ۱ میں انھیں وحی آتی ہے ایک طرح وہ انبیا کے مقلد ہیں اور ایک طرح ۳تقلید انبیاء سے آزاداحکام شرعیہ میں خود محقق، ۴وہ انبیاء کے شاگرد بھی ہیں اور ہم استاد بھی، ۵تحقیقی علم وہی ہے جو انھیں بے توسط انبیاء خود اپنی قلبی وحی سے حاصل ہوتاہے،انبیاء کے ذریعے سے جو ملتاہے وہ تقلیدی بات ہے، ۶وہ علم میں انبیاء کے برابر وہمسر ہوتے ہیں فرق اتناہے کہ انبیاء کو ظاہری وحی آتی ہے انھیں باطنی، ۷وہ انبیاء کے مانند معصوم ہوتے ہیں اسی مرتبہ کا نام حکمت ہے یہ کھلم کھلا غیر نبی کو نبی عـــہ۲ بناناہے۔جب ایک معصوم کو اعمال وعقائد وغیرہا امور شرعیہ میں احکام الٰہیہ

عـــہ۱: **اقول** اوراحکام شریعت میں بھی کلیہ کی تصریح کردی ہے کہ کوئی ناواقف یہ دھوکا نہ کھائے کہ یہ لوگ مجتہدین امت سے ہیں۔اگر بے وساطت انبیا حکم پہنچنا ہی اخراج مجتہدین کو بس تھا، مگر زیادت فرق وکمال صراحت کے لئے احکام کلیہ کا اونچا طرہ چمکتا پھندنا لٹکادیاکہ احکام کلیہ شرعیہ تونبی ارشاد فرماتاہے کہ مجتہدین کی اتنی شان کہ ان سے احکام جزئیہ استنباط کرتاہے، یہاں ایسا نہیں بلکہ انھیں خود احکام کلیہ شریعت بے وساطت نبی بذریعہ وحی پہنچتے ہیں، مسلمانو! خداکے واسطے اور نبی کسے کہتے ہیں ۱۲ سل السیوف۔

عـــہ۲: اور نبی بھی کیسا صاحب شریعت ۱۲ سل السیوف۔

---

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

[2] صراط مستقیم ہدایت رابعہ دربیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۶

بے توسط انبیا خود بذریعہ وحی آئے پھر نبوت اور کس شے کا نام ہے فقط وحی باطنی ہونا کچھ منافی نبوت نہیں، بہت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کو وحی الٰہی باطنی طور پر آتی، کہا جاتا ہے کہ سیدنا داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کی وحی اس طرح کی تھی **کما نقلہ الامام البدر محمود فی عمدۃ القاری** (جیساکہ امام بدر محمود نے عمدۃ القاری میں اسے نقل کیا۔ت) خود حضور اقدس سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بہت احکام اسی وحی باطنی سے آئے، جسے نفث فی الروع کہتے ہیں، علماء نے جو انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر وحی آنے کی سات صورتیں لکھیں ان میں یہ بھی ذکر فرمائی **کما فی العمدۃ والارشاد وغیرہما**، تو حقیقت نبوت مع لازم عصمت پوری پوری صادق آکر صرف وحی باطنی کی بناپر نفی نبوت ممکن نہیں۔ مشکوٰۃ شریف مطبع انصاری ۱۳۰۲ھ ص ۴۴۴:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (فذکر الحدیث الی ان قال) وان روح القدس نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقہا[1] ۔ **الحدیث رواہ البغوی فی شرح السنۃ**[2] **قلت وبنحوہ رواہ الحاکم عنہ البزار فی مسندہ عن حذیفۃ والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی غیر انہ لم یذکر جبرئیل کالبیہقی فی شعب الایمان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔**	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک روح القدس نے میرے باطن میں وحی کی کہ کوئی جاندار نہ مرے گا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرے۔ الحدیث۔ (اس کو بغوی نے شرح السنۃ میں روایت کیا **قلت** (میں کہتا ہوں اور ایسی روایت امام حاکم نے ان سے کی اور بزار نے اپنی مسند میں حضرت حذیفہ سے اور طبرانی نے کبیر میں حسن بن علی سے لیکن انھوں نے جبریل کا ذکر نہ کیا جس طرح بیہقی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

شفاء شریف سے زیر کفر ۱۲ گزرا کہ صرف وحی کا مدعی کافر ہے، اگرچہ نبوت دعوی نہ کرے[3] تفسیر عزیزی عـــہ

عـــہ: زیادت جلیلہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ ص ۲۱۱ میں فرماتے ہیں:

ھذا القول کفر لامحالۃ بالاجماع من	یہ قول یقینا باجماع امت بہت وجہ سے کفر ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب التوکل والصبر الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۵۲

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب التوکل والصبر الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۵۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۰

ص ۴۴۲:

معرفت احکام شرعیہ بدون توسیط نبی ممکن نیست [1]۔	شرعی احکام کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔ (ت)

تحفہ اثنا عشریہ ص ۱۴۰:

آنچہ گفتہ است کہ فاطمہ بنت اسد را وحی آمد کہ در خانہ کعبہ برود و وضع حمل نماید دروغیست پر بمیزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہ بنت اسد نہ شدہ حجاج چہ قسم ایں را مسلم مے داشت [2]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر، یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے، حجاج اس کو کس طرح تسلیم کرسکتا ہے۔ (ت)

غرض اس ناپاک کلمے کے کلمہ کفر ہونے میں اصلاشک نہیں اور اس میں اور جو خباثتیں ہیں مثلاً غیر نبی کو تقلید انبیاء سے من وجہ آزاد اور احکام شرعیہ میں خود محقق اور علوم انبیاء کا ہمسر وہم استاد اور بتقلید روافض مثل انبیاء معصوم ماننا ان کی شناعتیں ہر سچے مسلمان پر ظاہر ہیں۔ یہاں صرف ایک عبارت شاہ ولی اللہ پر اختصار کروں الدر الثمین شاہ صاحب مطبوع مطبع احمدی ص ۴ و ۵:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وجوہ منہا دعوی تلقی الاحکام الشرعیۃ من اللہ تعالٰی بلا واسطۃ نبی وذلک دعوی نبوۃ [3] اھ مختصرًا۔	از انجملہ یہ کہ اس میں اللہ تعالٰی سے بیوساطت نبی احکام شرعیہ لینے کا ادعا ہے اور یہ نبوت کا دعوی ہے اھ مختصرًا (ت)

امام الوہابیہ کے کفر اجماعی کا یہ خاص جزئیہ ہے والعیاذ باللہ رب العالمین ۱۲ منہ مدظلہ

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) بیان افراط فرقہ امامیہ پ الٓمٓ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۴۹

[2] الحدیقۃ الندیہ

[3] تحفہ اثنا عشریہ کید ہشتادو ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

سألت صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم سوالا روحانیا عن الشیعة فاومی الی ان مذهبهم باطل وبطلان مذهبهم یعرف من لفظ الامام ولما افقت عرفت ان الامام عندهم هو المعصوم المفترض طاعة الموحی الیه وحیا باطنیا وهذا هو معنی النبی فمذهبهم یستلزم انکار ختم النبوة قبحهم اللّٰہ تعالٰی [1]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے رافضیوں کے بارے میں روحانی سوال کیا حضور نے ارشاد فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور اس کا بطلان لفظ امام سے ظاہر ہے جب مجھے ہوش آیا میں نے پہچانا کہ ان کے نزدیک امام وہ ہے جو معصوم ہو اور اس کی اطاعت فرض اور اس کی طرف وحی باطنی آتی ہو، اور یہی معنی نبی کے ہیں تو ان کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے، اللہ ان کا بُرا کرے۔ (ت)

دیکھو یہ وہی امامت وہی عصمت اور وہی وحی باطنی ہے جسے شاہ صاحب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم بتاتے ہیں، کیوں صاحب ان رافضیوں کو تو کہا گیا کہ اللہ ان کا بُرا کرے کیا اسے نہ کہا جائے گا کہ انکی طرح اس کا بھی بُرا کرے اور اسے ان کے ساتھ ایک زنجیر میں باندھے، آمین! غالبا اصل مقصود اپنے پیر رائے بریلی سید احمد کو کہ نواب امیر خاں کے یہاں سواروں میں نوکر اور بیچارے نرے جاہل سادہ لوح تھے نبی بنایا تھا اس کی یہ تمہیدیں اٹھائی گئی تھیں کہ بعض اولیاء اس طرح کے بھی ہوتے ہیں ادھر یہ وحی عصمت وغیرہ سب کچھ بگھار نبوت کا پورا خاکہ اتارا اخیر میں یہ بھی جمادی کہ اس مرتبہ کے لوگوں کو دنیا سے معدوم نہ جانیو قیامت تک ہوتے رہیں گے، پھر یہاں تو یہ بتادیا کہ اس مرتبہ کو حکمت کہتے ہیں ادھر ختم نبوت کتاب میں اپنے پیر کا خدا سے مکالمہ ومصافحہ اور بے تکلفی کی گفتگوئیں لکھ کر بچھلا نتیجہ دکھادیا کہ:

امثال ایں وقائع واشباہ ایں معاملات صدہا پیش آمد تا اینکہ کمالات طریق نبوت بذروہ علیاے خود رسید والہام وکشف بعلوم حکمت آنجامید انست [2]۔	ان واقعات جیسے اور ان معاملات کے مشابہ سینکڑوں پیش آئے تاکہ نبوت کے راستے کے کمالات اپنے اعلٰی مقام تک پہنچ جائے اور علم حکمت کا الہام وکشف انجام پذیر ہو۔ (ت)

بس کھل گیا کہ اس زمانے کے وہ وحی والے معصوم انبیا کے ہم استاد تقلید انبیا سے آزاد بیواسطہ انبیا احکام شریعت خدا سے پانے والے یہ پیر جی ہیں میں تو اس عیاری کا قائل ہوں کہ ابتداءً یوں نہ کہہ دیا

[1] الدر الثمین شاہ ولی اللہ

[2] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ ازواردت ومعاملات المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۵

پیر جی معصوم ہیں پیر جی پر وحی اترتی ہے بلکہ یوں پانی پاندھا کہ صدر کتاب میں بے غرضانہ بعض اولیاء کے لئے ان منصوبوں کا ثبوت مانا اور بنام حکمت مسمّٰی کیا پھر جمادیا کہ خبر دار یہ نہ جاننا کہ اس زمانے میں ایسے کہیں نہیں بلکہ ہمیشہ رہیں گے پھر آخر کتاب میں پیر جی کے لئے درجہ حکمت ثابت کردیا یعنی بس سمجھ جاؤ یہ وہی منصب ہے جس کا ہم نام وحال سب کچھ اوپر بتا آئے ہیں غرض نیوتوں ساری جم گئی مگر تین کھٹکے رہ گئے تھے ایک سب سے بڑا یہ کہ آیہ کریمہ **خاتم النبیین** کا کیا جواب ہوگا۔ اس کی فکر کو وہ مسئلہ گھڑا کہ اللہ تعالٰی کا جھوٹ بولنا کچھ دشوار نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کلام الٰہی کا واجب الصدق ہونا قلوب عوام سے نکل جائے اس کی بات جھوٹی ہونی جائز وروا سمجھنے لگیں گے تو پھر آیت سے اعتراض کا محل نہ رہے گا۔ دوسرا خدشہ پیر جی الف کے نام بے نہیں جانتے، اس پر کوئی طعن کر بیٹھا کہ نبی اور بے علم، یہ کیسا خبط بے ربط۔ تواس کا یہ سامان کرلیا کہ پیر جی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کمال مشابہت پر پیدا ہوئے ہیں اس لئے نرے امی رہے ص ۴:

از بسکہ نفس عالی حضرت ایشاں بر کمال مشابہت جناب رسالت مآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات در بدء فطرت مخلوق شدہ بناء علیہ لوح فطرت ایشاں از نقوش علوم رسمیہ وراہ دانشمندان کلام وتحریر وتقریر مصفی ماندہ بود[1]۔	چنانچہ ان حضرات کی عالی ذات کو جناب رسالتمآب علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کے ساتھ ابتداء فطرت میں کامل مشابہت دے کر پیدا کیا گیا اسی بناپر ان حضرات کی لوح فطرت رسمی علوم اور علماء کی راہ کلام وتحریر وتقریر سے مصفی رہی تھی۔ (ت)

افسوس پیر جی کا عیب چھپانے کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسی تشبیہ شفاء شریف میں ایسی تشبیہ دینے والے کی نسبت فرمایا ص ۳۳۶:

ماوقر النبوۃ ولا عظم الرسالۃ ولاعزر حرمۃ المصطفی (الی قولہ) فحق ھذا ان درئ عنہ القتل الادب والسجن[2] الخ۔	اس نے نہ نبوت کی توقیر کی نہ رسالت کی تعظیم نہ حرمت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت کی اگر اس سے قتل دفع کریں تو اس کی سزا تعزیر وقید ہے الخ (ت)

ص ۳۳۷:

کون النبی اُمّیًا آیۃ لہ وکون ھذا امیا نقیصۃ فیہ وجہالۃ[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امی ہونا حضور کے لئے معجزہ ہے اور اس شخص کا امی ہونا اس میں عیب جہالت (ت)

---

[1] صراط مستقیم خطبہ کتاب المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲ /۲۳۰

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل الوجہ الخامس المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۳۳

تیسرا بڑا اندیشہ یہ تھا کہ جاہل لوگ یہ سب کچھ گوارا کرکے براہ جہالت کوئی معجزہ مانگ بیٹھے یا کسی ذی علم ہی نے بقصد تفضیح وتعجیز فرمائش کردی تو کیسی بنے گی اس کی یوں بھاری پیش بندی کرلی گئی۔ تقویۃ الایمان حصہ دوم ترجمہ سلطان خان ص ۱۶ و ۱۷: "جس شخص سے کوئی معجزہ نہ ہو اس کو پیغمبر نہ سمجھنا یہ عادتیں یہود اور نصارٰی اور مجوس اور منافقوں اور مکہ والے اگلے مشرکوں کی ہیں پیغمبر خدا ایسی ہی باتوں کو مٹانے کے واسطے آئے پھر جو شخص ایسی عادتیں اختیار کرے اور مسلمانوں میں جاری کرے وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے مغضوب ہے راندا گیا خدا کے غضب میں گرفتار اور خدا کے دشمنوں میں شمار[1] اھ ملخصا۔"

ظاہر ہے کہ عوام بیچارے اتنے بھاری بھاری ڈراوے موٹے موٹے لغت سن کر کانپ جائیں گے پھر کوئی معجزہ، طلبی کا نام بھی زبان پر نہ لائے گا پیش خویش ان سب کارستانیوں سے کام پورا کرلیا تھا، پیر جی کی مہر کا کندہ اسمہ احمد قرار پایا تھا، خطبوں میں پیر جی کے نام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا شروع ہوگیا تھا مگر قہر الٰہی سے مجبور ہیں غیبی کوڑے نے سب بنے کھیل بگاڑ دئے پٹھانوں کے خنجر موذی کش نے چنے سور ما پچھاڑ دئے،

ع جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی
وحی عصمت کی کرامات نہ ہونے پائی

"فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾ "[2] (تو ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی۔ اور سب خوبیوں سراہا اللہ رب سارے جہاں کا۔ت)

کفریہ ۲۵: تقویۃ الایمان ص ۶۰، حدیث تو یہ لکھی:

أرأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له (بتاؤ اگر میری قبر پر گزر ہو تو تم اس کو سجدہ کروگے۔ت) خود ہی اس کا ترجمہ یوں کیا کہ: "بھلا خیال تو کر جو تو گزرے میری قبر پر کیا سجدہ کرے تو اس کو۔"

آگے جو گستاخی کی رگ اچھلے جھٹ آفت کی، (ف) لکھ کر فائدہ یہ جڑ دیا:

"یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں"[3]

اس کے حامی اور اس کے پیرو ایمان سے بتائیں یہ حدیث کے کس لفظ کا مطلب ہے، کہاں تو وہ

---

[1] تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۴۵

[3] تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

لفظ حدیث کہ اگر تو میری قبر سے گزرے، کہاں یہ فائدہ خبیث کہ مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں۔ کیوں یہ کیسا کھلا افترا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار [1]۔	جو دانستہ مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔

وہابی صاحبو! ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد پر اپنے پیشوا کا ٹھکانا بتاؤ، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء [2]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام کیا ہے کہ پیغمبروں کے بدن کھائے۔

فائدہ: یہ حدیث [۱] ابوداؤد و [۲] نسائی و [۳] ابن ماجہ و [۴] امام احمد و [۵] ابن خزیمہ و [۶] ابن حبان و [۷] دارقطنی و [۸] حاکم وابونعیم [۹] وغیرہم ائمہ حدیث نے حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی امام الائمہ [۱] ابن خزیمہ و [۲] ابن حبان و [۳] دارقطنی نے اس کی تصحیح اور امام عبدالغنی وامام عبدالعظیم منذری نے تحسین کی حاکم نے کہا بر شرط بخاری صحیح ہے، ابن دحیہ نے کہا صحیح ہے محفوظ ہے ثقات عدول کے سلسلے سے آئی ہے

وہابی صاحبو! تمھارے پیشوا نے یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں کیسی [عـــہ] صریح گستاخی کی۔

عـــہ: **زیادت جلیلہ**: سبحان اللہ! رب العالمین جل مجدہ ان کے غلاموں یعنی شہدائے کرام کی نسبت ارشاد فرمائے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝۱۵۴" [3]۔	جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں خبر نہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱، صحیح مسلم تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ ۱/ ۷

[2] سنن ابو داؤد باب تفریع ابواب الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰، سنن النسائی کتاب الجمعۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۰۴، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی فضل الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۴

زرقانی شرح مواہب مطبع مصر جلد اص ۱۰۶:

فی الکامل للمبرد مما کفر به الفقهاء الحجاج انه رأى الناس يطوفون حول حجرته صلى الله تعالٰى عليه وسلم فقال انما يطوفون باعواد ورمة قال الدميری كفروه بهذا لانه تكذيب لقوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم	ابو العباس مبرد نے الکامل میں لکھا کہ ان باتوں میں جن کے سبب علماء کرام نے حجاج ظالم کو کافر کہا ایک یہ ہے کہ اس نے لوگوں کو روضہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھا بولا کچھ لکڑیوں اور گلے ہوئے جسم کا طواف کر رہے ہیں۔ علامہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور فرماتے:

"لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاؕ بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیْنَ"[1]۔ | خبردار شہیدوں کو مردہ نہ جانیو بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں روزی دئے جاتے ہیں شاد شاد۔

اور ایک سفیہ مغرور محبوبان خدا سے نفور خود حضور پر نور اکرم المحبوبین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی نسبت وہ ناپاک لفظ کہے اور وہ بھی یوں کہ معاذ اللہ حضور ہی کی حدیث کا یہ مطلب ٹھہرائے یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، قیامت میں ان شاء اللہ تعالٰی مر کر مٹی میں ملنے کا مزہ الگ کھلے گا اور یہ جدا پوچھا جائے گا کہ حدیث کے کون سے لفظ میں اس ناپاک معنی کی بو تھی جو تو نے "یعنی" کہہ کر محبوب اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کر دیا حضور پر افتراء خدا پر افتراء ہے اور خدا پر افتراء جہنم کی راہ کا بر اسرا۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَؕ﴿۱۱۶﴾"[2] "مَتَاعٌ قَلِیْلٌ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۱۱۷﴾"[3] | بیشک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا تھوڑا برتنا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(النهی الاکید عن الصلٰوة من وراء عدی التقلید من تصانیف المصنف العلامة قدس سره)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۷

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء[1]۔ رواہ ابوداؤد۔	کمال الدین دمیری نے فرمایا علماء نے اس قول پر اس وجہ سے تکفیر کی کہ اس میں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب ہے کہ بیشک اللہ عزوجل نے زمین پر انبیاء کا جسم کھانا حرام کیا ہے۔ (اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ ت)

فائدہ: یہ روضہ اقدس کا طواف کرنے والے تابعین یا اقل درجہ تبع تابعین تو ضرور تھے۔

کفریہ ۲۶: تقویۃ الایمان کی ابتداء میں شرک کی کچھ قسمیں اور ان کا اجمالی بیان گھڑا کہ یہ باتیں فلاں قسم سے شرک ہیں اس بیان کے بعد اسی اجمال کی تفصیل کی پانچ فصلیں مقرر کیں ان فصلوں میں جو کچھ ہے وہ اسی اجمالی بیان کی شرح ہے ص ۱۰ پر اسی بیان اجمالی میں لکھا:

"حاجتیں برلانی اللہ ہی کی شان ہے کسی انبیاء واولیاء کی یہ شان نہیں جو کسی کو مصیبت کے وقت پکارے وہ مشرک ہوجاتا ہے[2]۔"

اسی میں لکھا ص ۱۲: "جو کوئی انبیاء واولیاء کی اس قسم کی تعظیم کرے مشکل کے وقت ان کو پکارے ان باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے ان چاروں طرح کے شرک کا صریح قرآن وحدیث میں ذکر ہے اس لئے اس باب میں پانچ فصلیں کیں[3] اھ ملخصًا۔

غرض یہ اجمالی بیان ایک دعوی ہے اور آگے ساری کتاب اس دعوے کا بیان وثبوت، اب یہ دعوی تو یاد رکھئے کہ "جو کوئی انبیاء اولیاء کو پکارے وہ مشرک ہے" آگے ثبوت کی فصلوں میں اس کا بیان سنئے صفحہ ۲۹:

"اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتے محض بے انصافی ہے کہ ایسے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو ثابت کیجئے۔"[4]

یہ حضرات اولیاء وانبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کو "ناکارے لوگ" کہا، کیا یہ ان کی جناب میں کھلی گستاخی نہیں، کیا انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی شان میں گستاخی کفر خالص نہیں جس کی تفصیل شفاء شریف اور اسی کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول قصۃ الفیل دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۹۰

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۹

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰

شرح وغیرہا کتب ائمہ میں ہے۔

کفریہ ۲۷: تقویۃ الایمان پہلی فصل میں اس دعوے کا کہ "انبیاء واولیا کو پکارنا شرک ہے" ثبوت سنئے ص ۱۹:

"ہمارا جب خالق اللہ ہے اور اس نے ہم کو پیدا کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا تو وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے، دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوہڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے۔"[1]

مسلمانو! ایمان سے کہنا حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نسبت ایسے ناپاک ملعون الفاظ کسی ایسے کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو، شاید اسی شخص نے اور طائفے کی نسبت سچ ہی کہا تھا کہ پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا کہ ان میں کوئی ایسا بھی نہ رہا جس کے دل میں دانہ خردل کے برابر ایمان ہو، اور حضرات انبیاء سے اسے کچھ کام نہ ہونا بہت ٹھیک ہے کہ جب اس کے میلے گندے مذہب میں ان کا ماننا ہی روا نہیں بلکہ کفر ہے تو دین تو یوں گیا، اور دنیا جو ایسوں کی غایت مرام و مبلغ علم ہے اس میں کسی نبی کی سرکار سے ٹکا مہینہ جمعہ کی روٹی ملنے کی بھی امید نہیں تو زال دنیا کے ایسے کمانے والے پوتوں کو انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے کام ہونے کا کیا باعث۔

کفریہ ۲۸و۲۹: یہ کفریہ اٹھائیس سب سے بدتر خبیث، صراط مستقیم ص ۹۵:

بمقتضائے ظلمت بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامع زوجہ خود بہتر ست وصرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالتمآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤ خر خود ست خیال آں با تعظیم واجلال بسوید اے دل انسان مے چسپد بخیال گاؤ و خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی میبود ونہ تعظیم بلکہ مہان و محقر میبود واین تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز	ظلمات بعضہا فوق بعض کی بناپر زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کا خیال بہتر ہے اور اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے کئی گنا بدتر ہے کیونکہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے۔ بخلاف گدھے اور گائے کے خیال میں نہ تو اس قدر چسپیدگی ہوتی ہے اور

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳

ملحوظ ومقصود می شود بشرک میکشد[1]۔	نہ ہی تعظیم بلکہ ان کا خیال بے تعظیم اور حقیر ہوتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم واجلال نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔

مسلمانو، مسلمانو! خدارا ان ناپاک ملعون شیطانی کلموں کو غور کرو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نماز میں خیال لے جانا ظلمت بالائے ظلمت ہے کسی فاحشہ رنڈی کے تصور اور اس کے ساتھ زنا کا خیال کرنے سے بھی برا ہے، اپنے بیل یا گدھے کے تصور میں ہمہ تن ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے، ہاں واقعی رنڈی نے تو دل نہ دکھایا گدھے نے تو کوئی اندرونی صدمہ نہ پہنچایا، نیچا تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دکھایا کہ قرآن عظیم میں وخاتم النبیین پڑھ کر تازی نبوتوں کا دربار جلایا ان کا خیال آنا کیوں نہ قہر ہو ان کی طرف سے دل میں کیوں نہ زہر ہو۔

مسلمانو! للہ انصاف، کیا ایسا کلمہ کسی اسلامی زبان وقلم سے نکلنے کا ہے! حاش للہ! پادریوں پنڈتوں وغیرہم کھلے کافروں مشرکوں کی کتابیں دیکھو جو انھوں نے بزعم خود اسلام جیسے روشن چاند پر خاک ڈالنے کو لکھی ہیں۔ شاید ان میں بھی اس کی نظیر نہ پاؤ گے کہ ایسے کھلے ناپاک لفظ تمھارے پیارے نبی سچے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت لکھے ہوں کہ انھیں مواخذہ دنیا کا اندیشہ ہے مگر اس مدعی اسلام بلکہ مدعی امامت کا کلیجہ چیر کر دیکھئے کہ اس نے کس جگرے سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت بے دھڑک یہ صریح عـــہ سب ودشنام کے لفظ لکھ دئے اور روز آخر اللہ عزیز غالب قہار کے غضب عظیم وعذاب الیم کا اصلا اندیشہ نہ کیا۔

مسلمانو! کیا ان گالیوں کی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع نہ ہوئی یا مطلع ہو کر ان سے انھیں ایذا نہ پہنچی، ہاں ہاں، واللہ واللہ انھیں اطلاع ہوئی، واللہ واللہ انھیں ایذا پہنچی، واللہ واللہ جو انھیں ایذا دے اس پر دنیا وآخرت میں اللہ جبار وقہار کی لعنت، اس کے لئے سختی کا عذاب شدت کی عقوبت۔ **آیت:**

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ	بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت فرمائی دنیا وآخرت

عـــہ: اور ان کی شان میں ادنٰی گستاخی کفر جس کی مبارک مقدس منور تفصیل شفا شریف اور اس کی شرح میں ہے ۱۲ سل السیوف۔

[1] صراط مستقیم ہدایت ثانیہ در ذکر مخلات عبادات الخ افادہ نمبر ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۸۶

عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾ "[1]	میں اور ان کے لئے بنار کھا ہے ذلت والا عذاب۔
آیت: " وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ "[2]۔	جو ایذادیتے ہیں اللہ کے رسول کو ان کے لئے دکھ کی مار ہے۔

مسلمانو! پھر ان مقتدیوں کا ایمان دیکھئے، ایمان کی آنکھ پر ٹھیکری رکھ کر اسلام کے کان میں انگلیاں دے کر یہ کچھ دیکھتے یہ کچھ سنتے ہیں اور پھر وہ ویسا ہی امام کا امام، یہ اس کے چیلے بیدام کے غلام، **سبحان اللہ!** یہ حرکات اور اسلام کا نام، **مسلمان وہ ہیں** جنھیں قرآن عظیم فرماتا ہے،

آیت: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ[3]۔	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو مانتے ہیں اللہ اور پچھلے دن کو کہ محبت رکھیں اس سے جس نے ضد باندھی اللہ اور اس کے رسول سے اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں یہ لوگ ہیں کہ نقش کردیا اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور مدد فرمائی ان کی اپنی طرف کی روح سے۔

وہابی صاحبو! مسلمان بنا چاہتے ہو تو حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت سویدائے دل کے اندر جماؤ جو ان کی جناب عالم مآب میں گستاخی کرے اگر تمھارا باپ بھی ہو الگ ہوجاؤ جگر کا ٹکڑا ہو دشمن بناؤ، بہزار زبان وصد ہزار دل اس سے تبری کرو تحاشی کرو اس کے سایہ سے نفرت کرو اس کے نام محبت پر لعنت کرو، ورنہ اگر دوسرا تمھیں اللہ ورسول سے زیادہ عزیز ہے تو اسلام کا نام لیے جاؤ حقیقت اور چیز ہے، وائے بے انصافی اگر کوئی تمھارے باپ کو گالی دے تو اس کے خون کے پیاسے رہو صورت دیکھنے کے روادار نہ ہو۔ بس پاؤ تو کچا نگل جاؤ۔ وہاں نہ تاویلیں نکالو نہ سیدھی بات ہیر پھیر میں ڈالو، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت وہ کچھ سنو اور آنکھ میلی نہ کرو۔ بلکہ اس کی امامت و پیشوائی کا دم بھرو، ولی جانو، جو اسے برا کہے الٹی اس سے دشمنی ٹھانو، بدلگام کی بات میں سو سو طرح کے پیچ نکالو، رنگ رنگ کی تاویلیں ڈھالو، جیسے بنے کی بگڑی سنبھالو، اسی کی حمایت میں عظمت مصطفٰی

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پس پشت ڈالو، یہ کیا ایمان ہے، کیسا اسلام ہے، کیا اسلام اسی کا نام ہے ؎

اے راہ روپشت بمنزل ہشدار

(اے منزل کی طرف پشت کرکے چلنے والے! ہوش کر۔ت)

مزہ یہ ہے کہ وہ خود تمھاری ساری بناوٹوں کا در با جلا گیا۔ تقویۃ الایمان:

"یہ بات محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی لیجئے معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں۔ کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا، اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ باپ اور بادشاہ۔"

اور انصاف کیجئے تو اس کھلی گستاخی میں کوئی تاویل کی جگہ نہیں میں جانتا ہوں تم یوں نہیں سمجھوگے ذرا اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو اور آنکھیں بند کرکے بہ نگاہ انصاف غور کرو، اگر کوئی وہابی اپنے باپ کی نسبت کہے کہ تیرے کان گدھے کے سے ہیں تیری ناک بجو کی سی ہے، تو کیا اس نے اپنے باپ کو گالی نہ دی، یا کوئی سعادت مند نجدی اٹھ کر اپنے بدلگام مصنوعی امام کی نسبت کہے کہ ان کی آواز لطیف کتے کے بھونکنے سے مشابہ تھی، ان کا دہن شریف سور کی تھوتھنی سے ملتا تھا، تو تم اسے کیسا سمجھوگے۔ کیا اپنے طائفے میں رکھوگے یا بسبب گستاخی پیشواذات سے باہر کردوگے۔ اب تمھیں ظاہر ہوگا کہ اس خبیث بددین نے جو ہمارے عزت والے رسول دوجہان بادشاہ عرش عالم پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ لعنتی کلمات [ع] لکھے۔ انھوں نے ہمارے اسلامی دلوں پر تیر و خنجر سے زیادہ کام کیا، پھر ہم اسے

ع: یہاں اس کے پیروؤں کی غایت معذرت و سخن سازی جو کچھ ہے یہ ہے کہ کلام اس نے بقصد توہین نہ لکھا سوق سخن تاکید اخلاص کے لئے ہے مگر یہ بناوٹ اسی قبیل سے ہے کہ ؎

لن یصلح العطاء ما افسدہ الدھر

(زمانے کے فساد کو یہ عطیہ ہر گز درست نہیں کرسکتا۔ت)

قصد قلب کلمات لسان سے ظاہر نہ ہوگا تو کیا وحی اترے گی کہ فلاں کے دل کا یہ ارادہ تھا اور صریح لفظ شنیع و قبیح میں سوق کلام خاص بغرض توہین ہونا کس نے لازم کیا، کیا اللہ ورسول کو برا کہنا اس وقت کلمہ کفر ہے جب بالخصوص اسی امر میں گفتگو ہو ورنہ باتوں باتوں میں جتنا چاہے برا کہہ جائے کفر و کلمہ کفر نہیں علت وہی ہے کہ ان حضرات کے دلوں میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت عظمت نہیں ان کی بدگوئی کو ہلکا جانتے ہیں اس میں طرح طرح کی شاخیں نکالتے ہیں جیسے بنے اپنے امام کے کفریات سنبھالتے ہیں، شفاء شریف ص ۳۳۰ (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے سچے پکے اسلامی گروہ میں کیونکر داخل کر سکتے ہیں، ذرا یہ فرق بھی دیکھتے جاؤ کہ ہم نے جو نظیریں دیں ان میں صرف تشبیہ پر قناعت کی، تم جانو جب نری تشبیہ ایسی ہو تو بدر جہا بدتر بتانے میں مسلمانوں کا کیا حال ہوا ہوگا الا لعنة اللہ علی اعداء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علٰی رسولہ واٰلہ وبارك وسلم۔

مسلمانو! اور ذرا اس ناپاک وجہ کو تو خیال کرو (خاکش بدہن) یہ "بدر جہا بدتر ہونا" اس لئے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا تو عظمت کے ساتھ آئیگا اور گدھے کا حقارت سے تو نماز عــــہ میں

یعنی اس کا حال تو اوپر معلوم ہو چکا جو بالقصد تنقیص شان اقدس کرے، دوسری صورت اسی کی طرح روشن وظاہر یہ ہے کہ قائل نہ تنقیص وتحقیر کا قصد کرے نہ اس کا معتقد ہو مگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاملہ میں کلمہ کفر بول اٹھے جو حضور کے حق میں تنقیص شان ہو مثلاً کوئی بے ادبی کا لفظ یا بری بات اور ایک طرح کی تنقیص بولے اگرچہ اس کے اس کے حال سے ظاہر ہو کہ اس نے مذمت وتوہین کا ارادہ نہ کیا بلکہ جہالت یا جھنجھلاہٹ یا نشہ میں بک دیا یا بات کہنے میں زبان روکنے کی کمی یا بیباکی سے صادر ہوا، اس صورت کا حکم بعینہٖ وہی پہلی صورت کا حکم ہے فوراً قتل کیا جائے بلا توقف ۱۲ منہ۔	(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) تقدم الکلام فی قتل القاصد لسبہ الوجہ الثانی لاحق بہ فی الجلاء ان یکون القائل غیر قاصد للسب والازراء لامعتقد لہ ولکن تکلم فی جھتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکلمة الکفر مماھو فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم نقیصة مثل ان یاتی بسفہ من القول اوقبیح من الکلام و نوع من السب فی جھتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان ظھر بدلیل حال انہ لم یقصد سبہ اما لجھالة اوضجر او سکر اوقلة ضبط لسانہ، او تھور فی کلامہ فحکم ھذا حکم الوجہ الاول قتل من دون تلعثم[1] اھ مختصرا۔

عــــہ: مکتوبات شیخ مجدد صاحب مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ مکتوب ۳ صفحہ ۴۶ خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ نوشتہ بودند[2] الخ (پوری عبارت زیر کفر ۵۳ ص ۲۱۸ میں آتی ہے)

سبحان اللہ! کہاں تو اس شخص کا وہ کفری بول کہ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا اور خاکش بدہن شرک نے منہ پھیلایا یا فقط نماز برباد کہ ایمان ہی ابتر تف بروئے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل قال القاضی تقدم الکلام المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۲۲

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ بخواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور آنا اس شرک پسند کے نزدیک شرک تک پہنچائے گا۔

اقول: الحمد للہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت تو رفیع الدرجات ذوالعرش جل وعلا کی بنائی ہوئی ہے۔ کسی کافر یا کافر منش کے مٹائے نہ مٹے گی، چودھویں رات کے چاند کا چمکتا نور کہیں کتوں کے بھونکنے سے کم ہوا ہے ؎

مہ فشاند نور وسگ عو عو کند　　　ہر کسے بر خلقت خود مے تند

(چاند نور پھیلا رہا ہے اور کتا عو عو کرتا ہے، ہر ایک اپنی اپنی فطرت ظاہر کرتا ہے۔ت)

اس شخص کے نزدیک نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آنا موجب شرک کہ جب وہ آئے گا عظمت کے ساتھ آئے گا، مگر واللہ العظیم کہ شریعت رب العرش الکریم نے نماز بے ان کے خیال باعظمت وجلال کے ناقص ہے، اس سے کہو کہ اپنے شریکوں کو جمع کرے اور قہر والے عرش کے مالک سے لڑائی لے کہ تو نے کیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کافروشی وکفر منشی ان کے (بدگویوں) کی طرف خیال لے جانا اپنے بیل اور گدھے کے نہ صرف تصور بلکہ ہمہ تن اس میں ڈوب جانے سے بدر جہا بدتر، اور کہاں شیخ طریقت وآقائے نعمت وخداوند دولت خاندان دہلی شیخ مجدد کا یہ واشگاف قول کہ تصور صورت شیخ سے غافل نہ ہو۔ نمازوں، عبادتوں، سب وقتوں حالتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہو اگرچہ عین نماز میں اسی صورت کو سجدہ محسوس ہو وہ قبلہ عبادت ہے، نہ مسجود لہ جو اس قبلہ سے پھرا وہ بیدولت تباہ ہوا اس کا کام برباد ہوگیا، تصور شیخ کی ایسی دولت سعادت مندوں کو ملتی ہے طالبان خدا کو اس کی بہت تمنا رہتی ہے، غرض وہ بول یہ قول باہم لڑے ہیں کفر وشرک کے عقاب پر تولے کھڑے ہیں، دیکھئے وہابی صاحب کدھر ڈھالتے ہیں ادھر جھکاتے یا ادھر ڈالتے ہیں ؎

یا دامن یار رفت از دست　　　یا ایں دل زار رفت از دست

(یار دامن ہاتھ سے جائے گا یا یہ آزردہ دل ہاتھ سے جائیگا۔ت)

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾[1] ۔۱۲ سل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے، کیا اچھا تھا کہ وہ جانتے۔۱۲ سل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة

---

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

ایسی شریعت بھیجی جس نے نماز کی ہر دو رکعت پر التحیات واجب کی اور اس میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ پڑھنا عرض کرنا لازم کیا۔

مسلمانو! کیا ان کے پڑھنے کا حکم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف خیال کرنے کا حکم نہ ہوا، بیشک ہوا، اور واقعی ان کا خیال مسلمان کے دل میں جب آئے گا عظمت وجلال ہی کے ساتھ آئے گا کہ اس کا تصور ان کے پاک مبارک تصور کو لازم بین بالمعنی الاخص ہے اور عرض سلام تو خاص بغرض ذکر واکرام ہی ہے تو یہاں نہ صرف ان کے خیال بلکہ خاص نماز میں ان کے ذکر وتکریم کا حکم صریح ولکن المنفقین لایعلمون (لیکن منافقین نہیں جانتے۔ت) احیاء العلوم مطبع لکھنؤج ۱ص ۹۹:

احضر فی قلبك النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل سلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ[1]۔	التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت پاک کا تصور باندھ اور عرض کر السلام علیک ایھا النبی ورحمہ اللہ وبرکاتہ۔

میزان امام شعرانی مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۳۹و۱۴۰:

سمعت سیدی علیاً الخواص رحمہ اللہ تعالٰی یقول انما امر الشارع المصلی بالصلٰوۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشھد لینبہ الغافلین فی جلوسھم بین یدی اللہ عزوجل علی شھود نبیھم فی تلك الحضرۃ فانہ لایفارق حضرۃ اللہ تعالٰی ابدا فیخاطبونہ بالسلام مشافیۃ[2]۔	میں نے اپنے سردار علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ شارع نے نمازی کو تشہد میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام عرض کرنے کا اس لئے حکم دیا جو لوگ اللہ عزوجل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انھیں آگاہ فرمادے کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھیں اس لئے کہ حضور کبھی اللہ تعالٰی کے دربار سے جدا نہیں ہوتے پس بالمشافہہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام عرض کریں۔

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الصلٰوۃ بیان تفصیل ماینبغی ان یحضر القلب الخ مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۲۹

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی باب صفۃ الصلٰوۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۷

حجۃاللہ البالغہ شاہ ولی اللہ صاحب صدیقی ص ۲۱۰:

ثم اختار بعدہ السلام علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تنویہا بذکرہ واثباتا للاقرار برسالتہ واداء لبعض حقوقہ [1]۔	پھر اس کے بعد التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام اختیار کیا ان کا ذکر پاک بلند کرنے کو اور ان کی رسالت کا اقرار ثابت اور ان کے حقوق سے ایک ذرہ ادا کرنے کے لئے۔

اولیائے عظام وعلمائے کرام نے اس عرض سے سلام کی جو حکمت ارشاد فرمائی ہے میں اسے مواہب لدنیہ وغیرہا ائمہ کتب سے نقل کروں اس سے بہتر کہ ان غیر مقلدوں کے امام آخر الزمان نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی کتاب سے سناؤں کہ یہ ان پر اشد وسخت تر ہے۔ مسک الختام نواب بھوپال مقام ص ۲۴۴:

نیز آں حضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابدان ست درجمیع احوال واوقات خصوصا درحالت عبادات ونورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر وقوی ترست وبعضے از عرفاء قدس سرہم گفتہ اند ایں کہ خطاب بجہت سریاں حقیقت محمدیہ است علیہ الصلٰوۃ والسلام در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت در ذوات مصلیاں موجود حاضر ست پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود تا بانوار قرب واسرار معرفت منور وفائز گردد آرے۔ درراہ عشق مرحلہ قرب وبعد نیست می بینمت عیاں دعا می فرسمت [2]	تمام احوال واوقات خصوصا عبادات کی حالتوں میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام مومنین کا نصب العین اور عابدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں، عبادات کے مواقع میں نورانیت اور انکشاف زیادہ قوی ہوتا ہے، بعض عارفین قدس اسرارہم نے فرمایا کہ نماز میں (السلام علیک کا) خطاب حقیقت محمدیہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ہوتا ہے جو موجودات کے تمام ذرات اور ممکنات کے تمام افراد میں سرایت کئے ہوئے ہے لہٰذا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہوتے ہیں اس لیے نمازی کو اس حقیقت سے آگاہ رہنا چاہیے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اس موجودگی سے غافل نہ ہو تاکہ قرب کے انوار اور معرفت کے اسرار سے منور اور فائز ہوجائے، ہاں (شعر) عشق کی راہ میں قرب وبعد کا مرحلہ نہیں ہے۔ میں آپ کو واضح طور پر دیکھ رہا ہوں اور دعا پیش کرتا ہوں۔ (ت)

[1] حجۃ البالغہ الامور التی لابد منہا فی الصلٰوۃ المکتبۃ السلفیۃ لاہور ۲/ ۶

[2] مسك الختام شرح ببلوغ المرام کتاب الصلٰوۃ باب، صفۃ الصلٰوۃ مطبع نظامی کانپور ۱/ ۲۴۴

اس عبارت میں نواب بہادر فرمائشی شرکوں کے انبار لگاگئے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر عبادت میں مسلمانوں کے پیش نظر ہیں اَیک شرک، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر نمازی کی ذات بلکہ ہر ہر ذرہ ممکنات میں موجود وحاضر ہیں ۲دو شرک، نمازی نماز میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشاہدے سے ہر گز غافل نہ ہوتا ہے کہ قرب الٰہی پائے، ۳تین شرک، مگر یہ کہے کہ اگلی پچھلی سلطنتوں میں بڑے لوگوں کو تین خون معاف ہوتے تھے گورنمنٹ وہابیت سے نواب بہادر کو تین شرک معاف ہیں ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اسی طرح وعلی عباداللہ الصلحین کیا شرک سے بچے رہے گا کہ امثال آں از معظمین سب کو شامل۔

مسلمانو! کیا ہر نماز کے ختم پر درود شریف پڑھنا سنت نہیں، اور حضرت امام شافعی وامام احمد عــــہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک تو فرض ہے۔ پھر درود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد وتکریم نہیں تو کیا ہے۔ درود کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خیال باعظمت وجلال سے انفکاک کیونکر ممکن! مسلمانو! ہر رکعت میں الحمد شریف پڑھنا ہمارے نزدیک امام ومنفرد پر واجب اور ان غیر مقلدوں وہابیوں کے یہاں سب پر فرض ہے ان سے کہو اس میں "صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ"[1] نکال ڈالیں یعنی راہ ان کی جن پر تو نے انعام کیا۔ جانتے ہو وہ کون ہیں؟ ہاں قرآن سے پوچھو وہ کون ہیں:

"فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللہُ عَلَیۡہِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیۡقِیۡنَ وَ الشُّہَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیۡنَ ۚ"[2]	جن پر خدا نے انعام کیا وہ انبیاء اور صدیق اور شہداء اور نیک لوگ ہیں

جب "صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ"[3] پڑھ کر ان کی راہ مانی جائے گی ضرور عظمت کے ساتھ ان کا خیال آئے گا اور وہ اس کے نزدیک شرک ہے تو الحمد میں سے اس شرک کے دور کرنے کی کوشش کریں صرف "غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪" [4] رکھیں کہ انبیاء وصدیقین کی جگہ نماز میں یہود نصارٰی کی یادگاری رہے، بلکہ "اِہۡدِ نَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ"[5] بھی رکھنے کے قابل نہیں کہ حدیث میں اس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما مراد لئے گئے ہیں، فتح الخبیر شاہ ولی اللہ دہلوی مصر ۹۵ھ ص ۳:

عــــہ: فی اشہر الروایتین اھ میزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ ۱۲ منہ۔ (م)	دونوں روایتوں میں سے مشہور روایت میں میزان الشعرانی ورحمۃ الامۃ ۱۲ منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱/ ۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[3] القرآن الکریم ۱/ ۶

[4] القرآن الکریم ۱/ ۷

[5] القرآن الکریم ۱/ ۵

الصراط المستقیم کتاب اللہ وقیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصاحباہ[1]۔	صراط مستقیم سے مراد قرآن ہے اور بعض نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما مراد ہیں (ت)

مسلمانو! میں فقط الحمد کو کہتا ہوں۔ نہیں نہیں شاید دو ایک کے سوا قرآن عظیم کی کسی سورت کا نماز میں تلاوت کرنا اس وہابی شرک سے نہ بچے گا۔ جن سورتوں میں حضور پر نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا دیگر انبیائے کرام یا ملائکہ عظام یا صحابہ کبار یا مہاجرین وانصار یا متقین ومحسنین وعباداللہ الصالحین کی صریح تعریفیں ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا ہے، یونہی وہ بھی جن میں حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کے قصص مذکور ہیں کہ ان کا تصور جب آئے گا عظمت ہی سے آئے گا جس کا اس شخص کو خود اقرار ہے ان کے سوا گنتی ہی کی سورتیں حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر صریح سے خالی ہوں گی اور کچھ نہ ہو تو کم سے کم حضور سے خطاب ہوں گے جب چاروں قل، "تبت" میں کھلا ہوا حضور قدس صلی کا ذکر لگا ہوا ہے کہ اس کی تلاوت میں ضرور خیال جائے گا کہ یہ بھاری انتقام اللہ عزوجل کس کی طرف سے لے رہا ہے، یہ سخت غضب الٰہی کس کی جناب میں گستاخی کرنے پر اتر رہا ہے "لایلف" شریف میں اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا صراحۃً ذکر نہیں تو کعبہ معظّمہ کا ذکر ہے اور وہ بھی کمال تعظیم کے ساتھ کہ اپنی ربوبیت کو اس کی طرف اضافت فرمایا اس کا تصور کب بے عظمت آئے گا بنظر ظاہر صرف سورہ تکاثر اس عالمگیر وبا سے بچے گی باقی تمام وکمال ہر سورۃ کی تلاوت شرک عـــہ میں ڈالے گی پھر تکاثر بھی

عـــہ: اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلٰوۃ والتحیۃ عیاذًا باللہ ان شرکیات کی واجب وسنت وجائز کرنیوالی ہوئی، صحابہ سے آج تک تمام مسلمان کہ ان امور پر اجماع کیے ہوئے ہیں سب شرک میں گرفتار ٹھہرے اس سے بڑھ کر اور کیا کلمہ ہوگا، شفاء شریف ص ۳۶۲ و ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل بہ الی تضلیل الامۃ[2]۔ ۱۲ سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ للمصنف العلامۃ مدظلہ	جو شخص ایسی بات کہے جس سے تمام امت کے گمراہ ٹھہرنے کی راہ نکلتی ہو ہم بالیقین اسے کافر کہتے ہیں ۱۲ سل السیوف الہندیۃ علی کفریات بابا النجدیۃ للمصنف العلامۃ مدظلہ۔

---

[1] فتح الخبیر مع الفوز الکبیر الباب الخامس تکملہ الفوز الکبیر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۸۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۷۱

بچی تو صرف شرک سے معصیت یا کراہت سے اسے بھی نجات نہیں کہ مقابر وجحیم واموال ونعیم کا خیال اس میں بھی رکھا ہوا ہے یہ عظمت کے ساتھ نہ آکر خیال انبیاء واولیاء کے شرک میں نہ ملا تو خیال گاؤخر کی قباحت میں تو شریک ہوگا۔تف ہزار تف ایسے ناپاک اختراع پر۔

مسلمانو! میں صرف نماز ہی میں گفتگو کرتا ہوں، نہیں نہیں۔اس کے نزدیک بیرونی نماز بھی قرآن عظیم کی تلاوت شرک ہے کیافقط نماز ہی عبادت ہے نفس تلاوت نہیں کیااس عبادت میں شرک رواہے، حاشا کسی عبادت میں روانہیں۔اور قرآن کی سورتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت، ان کی ذکر، ان کی یاد، ان کی تعظیم، ان کی تکریم سے گونج رہی ہیں توعبادت تلاوت بے تصور عظمت سیدنا عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیونکر متصور، تواس چوپائی شرک سے کدھر مفر، غرض اس دشنام صریح سے قطع نظریہ وجہ قبیح خود اقبح القبائح و مجموعہ صدہا کفریات وفضائح ہے۔

مسلمانو! تم نے دیکھا کیسی خبیث وناپاک وجہ کے حیلے سے اس شخص نے تمھارے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالی دی اور ہنوز دعوی اسلام باقی ہے۔سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعوی!

"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾"[1]	اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں (ت)

تنبیہ: میں نے اس کفریہ ملعونہ کی تفضیح و تقبیح میں ذرااپنے قلم کو وسعت دی کہ یہ مقام اس شخص کی اشد شقاوت کا تھااور میں نے نہ دیکھاکہ ہمارے علماء نے یہاں کلام کو کامل رنگ تفصیل دیا ہو، اب اس قول خبیث اخبث الاقوال بلکہ ارجس الابوال کے بعد مجھے اس کے کفریات جزئیہ زیادہ گنانے کی حاجت نہیں کہ طول وجہ ملال ہے مگر اجمالاً اتنااور سن لیجئے کہ اس کے حصہ میں جزئیات کثیرہ کے علاوہ بعد دابواب جہنم سات کلیات کفریا تکے ہیں:

دہلوی ملاکے یہاں کفریات کے سات کلیے

(۱) جابجاقرآن عظیم ایک بات فرمائے اور یہ صاف اسے غلط وباطل کہہ جائے۔شفاء شریف میں ص ۳۷۳، معین الحکام امام علاء الدین علی طرابلسی حنفی مطبع مصر ص ۲۲۹:

من استخف بالقراٰن او بشیئ منه او حجده او کذب بشیئ منه او اثبت مانفاه اونفی	جو شخص قرآن مجید یااس کے کسی حرف کی گستاخی یااس کا انکار یااس کی کسی بات کی تکذیب یاجس

[1] القرآن الکریم ۹۸/۲۳

مااثبته علی علم منه بذلك اوشك فی شیئ من ذٰلك فهو کافر عنداهل العلم بالاجماع[1]۔(ملخصا)	بات کی قرآن نے نفی فرمائی اس کا اثبات یاجس کا اثبات فرمایااس کی نفی کرے دانستہ یا اس میں کسی طرح کا شک لائے وہ باجماع تمام علماء کے کافر ہے۔(ملخصا)

(۲)اس کے طور پر قرآن عظیم میں جابجا شرک موجود۔

(۳)اس کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ سے شرک صادر ہوئے۔

(۴)یونہی حضرات ملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام سے۔

(۵)یہی خیال خبیث حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت۔

(۶)جن باتوں کو یہ صاف صاف شرک بتاتا ہے وہ اس کے اکابر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اور ان کے والد ماجد شاہ ولی اللہ اور ان کے والد شاہ عبدالرحیم اور ان سب کے پیر سلسلہ جناب شیخ مجدد صاحب کی تصنیفات تحریرات میں اہلی گہلی پھر رہی ہیں تواس کے نزدیک معاذاللہ وہ سب مشرک تھے پھر یہ انھیں امام وپیشواوولی خدا کہتا ہے اور بڑی لمبی چوڑی تعریفوں سے یاد کرتا ہے اور جو مشرکوں کو ایسا جانے خود کافر ہے تو یہ اس کا نیم اقراری کفریہ ہوا۔

(۷)کھلے شرکوں کے بھاری تودے خود اس کے کلام میں برساتی حشرات الارض کی طرح پھیلے ہیں ایک بات اس کتاب میں کفر دوسری میں ایمان، یہاں شرک وہاں عرفان، تو یہ پورا اقرار کفریہ ہے، میں ان سب کی پوری تفصیل کروں تو بلا مبالغہ ایک مجلد ضخیم لکھوں دوسرے سے پانچویں تک چار کلیے کے لئے بکثرت جزئیات فقیر نے اپنے رسالہ اکمال الطامة علی شرك سوی بالامور العامة(۱۳۱۱ھ)میں جمع کئے ثلثہ باقیہ کے جزئیات پر ہمارے بہت رسائل میں کلام ملے گا اور خود اسی رسالہ کی تقریرات سابقہ سے بعض کا پتا چلے گا یہاں بطور نمونہ ساتوں کلیے کی صرف ایک مثال لکھوں۔

کفریہ ۳۰: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾"[2]۔	ہم یہ کہاوتیں بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے اور ان کی سمجھ نہیں مگر عالموں کو۔

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل واعلم ان من استخف بالقرآن الخ المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیه ۲/ ۲۸۷و ۲۸۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

یہ شخص غیر مقلدی اور دین الٰہی میں ہر گونہ آزادی کا پھاٹک کھولنے کے لئے کہتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے قرآن سمجھنے کو علم ہر گز درکار نہیں۔

تقویۃ الایمان ص ۳: "عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کو بڑا علم چاہئے سو یہ بات بہت غلط ہے[1] اھ ملخصا۔

لطف یہ کہ اپنے اس گھڑے مطلب پر دلیل لایا آیہ کریمہ:

"هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ "[2]۔ سے، اور خود ہی اس کا ترجمہ کیا کہ: "وہ اللہ ایسا ہے کہ جس نے کھڑا کیا نادانوں میں ایک رسول ان میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور عقل کی باتیں۔"[3] کیوں حضرت! جب قرآن کے سمجھنے کو علم درکار نہیں ہر جاہل نادان سمجھ سکتا ہے تو نبی کے سکھانے کی کیا حاجت تھی، سبحان اللہ! ردوا سد وا تو خود سمجھ لیں اور صحابہ کرام سکھانے کے محتاج۔

کفریہ ۳۱ و ۳۲: تقویۃ الایمان ص ۱۰: "روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست اور بیمار کر دینا اقبال واد بار دینا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی یہ شان نہیں جو کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور مصیبت کے وقت اس کو پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ تعالٰی نے ان کو قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے[4] اھ ملخصًا۔

کاش یہ ظالم صرف اس قدر کہتا کہ جو کسی کو قادر بالذات ومتصرف بالاستقلال سمجھے مشرک ہے تو بیشک حق تھا مگر یوں مطلب کیا نکلتا کہ یہ معنی تو کسی کی نسبت کسی مسلمان کے خیال میں ہر گز نہیں تو تمام مسلمانوں کو

---

[1] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲

[2] القرآن الکریم ۶۲ /۲

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

کیونکر مشرک بنایا جاتا اور وہ کیونکر صادق آتا کہ ص ۵:

"شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب[1]۔"

صفحہ ۴۵: "سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا[2]" کہ تمام دنیا میں کوئی مسلمان نہ رہا لہٰذا یہ عام جبروتی حکم لگایا کہ "پھر خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہے[3]۔"

اب غور کیجئے کہ اس ناپاک وملعون قول پر انبیاء وملائکہ سے لے کر اللہ ورسول تک اور اس کے پیشواؤں سے لے کر خود اس ظلوم وجہول تک کوئی بھی حکم شرک سے نہ بچا۔

آیت: "اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[4]۔ آیت: "وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ"[5]۔	انھیں دولتمند کردیا اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے۔ اے عیسٰی تو تندرست کرتا ہے مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے۔

یہ معاذاللہ قرآن عظیم کے شرک ہیں اور "میرے حکم سے" کالفظ بڑھادینا شرک سے نجات نہ دے گا کہ تندرست کردینے کی قدرت اللہ ہی کے حکم سے سمجھے جب بھی تو اس شرک پسند کے نزدیک شرک ہے۔ **کفریہ ۳۳:**

آیت: "اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ"[6]۔	(عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا) میں مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کرتا ہوں اور میں مُردے جِلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

یہ معاذاللہ عیسی مسیح کلمۃ اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کا شرک ہوا۔ **کفریہ ۳۴ تا ۳۸:**

"وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ"[7]۔	اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا آدم کو سجدہ کرو سب سجدے میں گرے سوا ابلیس کے۔

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۰

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷

[4] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[5] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[6] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[7] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

آیت: "وَ رَفَعَ اَبَوَیۡہِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَ خَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا"[1]۔	یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ سب یوسف کے لئے سجدے میں گرے۔

یہ (خاک بدہن گستاخان) ۳۴ اللہ تعالٰی اور ۳۵ ملائکہ و ۳۶ آدم و ۳۷ یعقوب و ۳۸ یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کا شرک ہوا، اللہ نے حکم دیا ملٰئکہ نے سجدہ کیا آدم راضی ہوئے یعقوب ساجد، یوسف رضامند۔

تقویۃ الایمان ص ۱۱: "جو کوئی کسی پیغمبر کو سجدہ کرے اس پر شرک ثابت ہے، خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح کا شرک ہے[2] اھ ملخصا"۔

صفحہ ۸:

"شرک جیسے سجدہ کرنا گو کہ پھر اس کو اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور بندہ اور اس بات میں انبیاء اور شیطان اور بھوت میں کچھ فرق نہیں[3] اھ ملخصا۔"

یوں تو اس گمراہ کا استاد شفیق شیطان لعین ہی اچھا رہا کہ خود کو بہتر فرمایا وہ شرک کے پاس نہ گیا اور یہاں فسخ کا جھگڑا پیش کرنا جہالت، شرک کسی شریعت میں حلال نہیں ہوسکتا، کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی شرک کا حکم دے اگرچہ اسے پھر کبھی منسوخ بھی فرمادے۔

کفریہ ۳۹ و ۴۰: حدیث: حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ[4]۔	ابن جمیل فقیر تھا اسے اللہ اور اس کے رسول نے غنی کردیا۔

یہ حدیث صحیح بخاری مطبع احمدی قدیم ج ۱ ص ۱۹۸ میں ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔

حدیث: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب جل وعلا سے عرض کرتے ہیں:

اللھم انی احرم مابین جبلیھا مثل ماحرم بہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام	الٰہی! میں دونوں کوہ مدینہ کے درمیان کو حرم بناتا ہوں مثل اس کے جیسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

[2] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۸

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

[4] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللہ تعالٰی وفی الرقاب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

مکة [1]۔	نے مکہ کو حرم بنایا۔

صحیح بخاری ج ا ص ۲۵۱، صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۱: **واللفظ له عن انس رضی الله تعالٰی عنه** (حدیث کے یہ لفظ صحیح مسلم کے ہیں۔ت)

حدیث: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابراهيم حرم مكة وانی حرمت المدينة مابين لابتيها لايقطع عظاهها ولايصاد صيدها [2]۔	بیشک ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو حرم کیا، نہ کاٹی جائیں اس کی ببولیں اور نہ پکڑا جائے اس کا شکار۔

صحیح مسلم ج ا ص ۴۴۰ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اس مطلب کی حدیثیں صحاح وسنن ومسانید وغیرہا میں بکثرت ہیں جن میں حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف وصریح حکم فرمایا کہ مدینہ طیبہ اور اس کے گرد وپیش کے جنگل کا وہی ادب کیا جائے جو مکہ معظمہ اور اس کے جنگل کا ہے۔ یہی مذہب ائمہ مالکیہ وشافعیہ وحنبلیہ اور بکثرت ائمہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا ہے، ائمہ حنفیہ اگرچہ اس باب میں اور احادیث پر عمل فرماتے ہیں جو شرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہ میں مع نظر مذکور مگر ترجیح یا تطبیق یا نسخ دوسری چیز ہے، کلام اس میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو صراحۃً مدینہ طیبہ کے جنگل کا ادب ارشاد فرمایا، اب اس شخص کی سنئے تقویۃ الایمان ص ۱۱: "گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لئے بتائے ہیں پھر جو کوئی کسی پیغمبر یا بھوت کے مکانوں کے گرد پیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں کہ ان کی اس تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک [3] اھ ملخصاً۔

جان برادر! تونے دیکھا کہ اس شخص کی ساری کوشش اسی میں تھی کہ اللہ اور رسول کو بھی مشرک کہنے سے نہ چھوڑے، تف ہزار تف بروئے بے دیناں۔

کفریہ ۱۴۱ تا ۴۶: تفسیر عزیزی پارہ عم شاہ عبدالعزیز صاحب مطبوعہ بمبئی ص ۱۴۰:

---

[1] صحیح مسلم باب فضائل مدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۱

[2] صحیح مسلم باب فضائل مدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۰

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۸

"بعضے از اولیاء اللہ راکہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود کرد انیدہ اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ اند واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ باین سمت نمیگردد،اویسیاں تحصیل کمالات باطنی از انہامی نمایند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود از انہامی طلبند ومے یابند زبان حال آنہا درآن قوت ہم مترنم بایں مقال است۔ من آیم بجان گر تو آئی بہ تن[1]"	بعض اولیاء کرام جنھوں نے اپنے آپ کو بنی نوع انسان کی رہنمائی اور تکمیل کے لئے متصرف کر رکھا ہے وہ (وفات کے بعد کی) حالت میں بھی دنیا میں تصرف کرتے ہیں اور کمال وسعت ادراک کی بناء پر ان کا استغراق اس طرف توجہ سے مانع نہیں بنتا اور اویسی خاندان باطنی کمالات کی تحصیل انہی اولیاء سے کرتے ہیں اور اہل حاجات ومشکلات انہی سے اپنی حاجات کا حل طلب کرتے ہیں اور مراد پاتے ہیں اور یہ اولیاء کرام زبان حال سے اس وقت یہ فرماتے ہیں: اگر تو جسمانی طور پر آیا ہے تو میں جان سے حاضر ہوں۔ (ت)

یہ عبارت سراپا بشارت اس شخص کے مذہب ہمہ تن شرارت پر معاذاللہ سرتاپا شرک جلی سے ملوث ہے،اولیائے کرام دنیا میں تصرف، بعد انتقال بھی ان کا تعلق باقی رہنا،ان کے علوم کی وسعت کہ ادھر بھی مستغرق ہیں ادھر بھی خبر رکھیں،اولیاء کا بعد وصال بھی فیض دینا،مریدوں کو مناصب عالیہ تک پہنچانا،حاجتمندوں کا اپنی حاجتیں ان کی پاک روحوں سے طلب کرنا ان کا حل مشکل فرمانا،نواب بہادر کی عبارت میں تو تین ہی شرک تھے حضرت شاہ صاحب کے کلام میں المضاعف ہیں،ہاں ہونا ہی چاہیے کہ وہ نواب تھے یہ شاہ ہیں کلام الملک ملک الکلام۔

کفریہ ۴۷ تا ۴۹: تحفہ اثناء عشریہ حضرت ممدوح ص ۳۹۶ و ۳۹۷:

حضرت امیر و ذریہ طاہرہ او را تمام امت بر مثال مریدان ومرشدان می پرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند وفاتحہ ودرود وصدقات و نذربنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است[2]۔	تمام امت مریدوں کی طرح حضرت امیر (علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کی اولاد پاک کو مرشد تسلیم کرتی ہے اور تکوینی امور کو ان سے وابستہ مانتی ہے،اور فاتحہ،درود اور صدقات ونذر ونیاز ان کے نام رائج اور معمول ہے جس طرح کہ تمام اولیاء اللہ کے ساتھ یہ معاملہ رائج ہے۔(ت)

---

[1] فتح العزیز (تفسیری عزیزی) پ عم س انشقاق مطبع مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۳/ ۲۰۶

[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

وہابی صاحبو! یہ بھی اکٹھے تین ۳ شرک ہیں، ہر ایک ڈھائی من پختہ کا، شاہ صاحب کو دیکھئے کتنے بڑے شرک پسند، مشرک دوست، علی پرست، پیر پرست، اولیاء پرست ہیں کہ کاروبار عالم کو دامن ہمت حضرت مولی مشکل کشا واہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے وابستہ مانتے اور پیروں کی طرح ان سب کی پرستش اور ان کے اور تمام اولیاء کے نام کی نذر منت جائز مانتے، اور نہ آپ ہی تنہا بلکہ تمام امت مرحومہ کو **استغفر اللہ** انھیں بلاؤں میں سانتے ہیں، اب تو عجب نہیں کہ روافض کی طرح امت مرحومہ کو **معاذاللہ** امت ملعونہ لقب دیجئے،

تقویۃ الایمان ص ۸: "پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کے برابر نہیں جانتے تھے بلکہ اسی کا مخلوق اور اس کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر ونیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل وسفارشی سمجھنا یہی ان کا کفر وشرک تھا سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ ومخلوق سمجھے سو ابو جہل اور وہ شرک میں برابر ہے [1]۔"

پانچویں فصل شرک فی العادۃ کی برائی کے بیان میں لکھا ص ۶۱:

"پیر پرست انے تئیں کہلوانا محض بے جا ہے اور نہایت بے ادبی [2]۔"

کفریہ ۵۰ تا ۵۲: شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے ظاہر کہ وہ خود اور ان کے بارہ اساتذہ حدیث وپیران سلسلہ

ناد علیا مظہر العجائب*تجدہ عونا لك فی النوائب *کل ھم وغم سینجلی*بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی [3]*	پکار علی کو جن کی ذات پاک سے وہ خوارق وفیوض ظاہر ہوتے ہیں جنھیں دیکھ کر عقلیں اچنبھے میں ہیں جب تو انھیں ندا کرے گا تو انھیں مصائب وآفات میں اپنا مددگار پائیگا ہر پریشانی ورنج اب دور ہوتا ہے آپ کی ولایت سے یاعلی یا علی یاعلی (ت)

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی ردالاشراك فی العادات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۳

[3] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

کی سندیں لیتے، اجازتیں دیتے، وظیفہ کرتے۔

الحمدللہ۔ ان شاہ صاحب اور ان کی پیروں استاذوں نے تو شرک کا پانی سر سے تیر کردیا یہاں بھی مثل سابق تین [۳] پہاڑ شرک کے ہیں: [۱] مصیبت میں مولا علی کے پکارنے کا حکم ایک شرک، [۲] انھیں مصیبتوں میں مددگار ماننا دو شرک، [۳] یاعلی یاعلی یاعلی کی لے باندھنا تین شرک۔ جسے ان نفیس وجانفزا کلام کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسائل **انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار** (۱۳۰۵ھ) **وحیات الموات فی بیان سماع الاموات** (۱۳۰۵ھ) **و انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ** (۱۳۰۴ھ) **والا من والعلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء** (۱۳۱۱ھ) وغیرہا مطالعہ کرے۔

کفریہ ۵۳ تا ۵۵: تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت وخداوند دولت ومرجع ومنتہی ومفرغ وملجاوسید ومولیٰ جناب شیخ مجدد صاحب کے مکتوبات مطبوعہ لکھنؤ جلد دوم مکتوب سیم ۳۰ ص ۴۶:

خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ رانوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوات آنرا مسجود خودمی داندومی بیند واگر فرضا نفی کند منتفی نمیگردد محبت اطوار این دولت متمنائے طلاب ست از ہزاراں یکے رامگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبۃ ست یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتداجمیع کمالات اور اجذب نماید رابطہ را چرانفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجودلہ چرامحاریب ومساجد رانفی نہ کنند ظہورایں قسم دولت سعاد تمنداں رامیسر است تادر جمیع احوال صاحب رابطہ رامتوسط خود دانند ودرجمیع اوقات متوجہ او باشند نہ دررنگ جماعہ بیدولت کہ خود رامستغنی دانند وقبلہ توجہ رااز شیخ خود منحرف سازند ومعاملہ خود رابرہم زنند[1]۔	خواجہ محمد اشرف ورزش نے رابطہ (تصور شیخ) کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا اس حد تک غلبہ ہے کہ نمازوں میں اپنا مسجود جانتے اور دیکھتے ہیں اگر اس رابطہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو بھی ختم نہیں ہوتا (تو اس پر آپ نے فرمایا) اس دولت کے حصول کی خواہش ہزاروں طالبوں کی تمنا ہے مگر کسی ایک کو عطاہوتی ہے، اس کیفیت والا شیخ سے مکمل مناسبت کے لئے مستعد ہوتا ہے وہ امید کرتا ہے کہ اپنے مقتداء شیخ کی صحبت کی کمی اس کے تمام کمالات کو جذب کردے گی، لوگ رابطہ (تصور شیخ) کی نفی کیوں کرتے ہیں حالانکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجودلہ نہیں ہے یہ لوگ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ وہ مسجودالیہ ہیں) اس قسم کی دولت کا ظہور سعادت مندوں کو نصیب ہوتا ہے حتی کہ تمام احوال میں وہ صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس بے دولت جماعت کی طرح نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی جانتے ہیں، اور اپنی توجہ کا قبلہ شیخ سے پھیر کر خودسر ہوجاتے ہیں۔ (ت)

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ بخواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

یہاں بھی تین ڈبل شرک ہیں، ہر ایک اگلے باٹوں سے ہزار من کا، مرید نے لکھا کہ تصور شیخ اس قدر غالب ہے کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود جانتا ہے صورت شیخ ہی کو سجدہ نظر آتا ہے، جناب شیخ مجدد نے فرمایا کہ یہ دولت سعاد تمندوں کو ملتی ہے طالبان حق کو اس دولت کی تمنا ہوتی ہے، ایک شرک، اور کتنا بھاری شرک، تمام احوال میں شیخ کو اپنا متوسط جانو عــہ دو شرک، نماز وغیرہ ہر حال وہر وقت میں پیر کی طرف متوجہ ہو تین شرک، اب یاد کر اپنا وہ کفری بول کہ نماز میں پیر وغیرہ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف خیال لے جانا چنیں وچنان ہے اور منجر بشرک، ناظرین! آپ نے جانا کہ وہ بے سعادت کون ہے جسے جناب مجدد صاحب بے دولت وتباہ کار بتارہے ہیں، ہاں وہ یہی بے دولت ہے، صراط مستقیم میں کہتا ہے ص ۱۳۰: از جملہ اشغال مبتدعہ شغل برزخ ست[1]۔

بدعت والے اشغال میں سے برزخ کا شغل بھی ہے (ت)

اسی میں ہے ص ۱۱: "صاحب صورت پرستی ست[2]" (یہ صاف صورت پرستی ہے۔ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے خاص اس مسئلہ میں ایک نفیس رسالہ مسمّٰی **الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ** (۱۳۰۹ھ) لکھا، اس میں جناب شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب وشاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم کے بہت کلمات اور ائمہ کرام وعلمائے عظام کے تیس ۳۰ ارشادات سے اس شغل کا جواز ثابت کیا، اس بیدولت کے نزدیک وہ سب **معاذاللہ** بدعتی تصویر پرست ہیں جب تو جناب شیخ مجدد نے تباہ کار ومنحرف بتایا۔

کفریہ ۵۶: مکتوبات جناب موصوف ج ۱ مکتوب ۳۱۲ ص ۴۴۸:

مخدوما احادیث نبوی علی مصدرہا الصلوٰۃ والسلام	میرے مخدوم، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی احادیث

عــہ: تقویۃ الایمان ص ۷: جو بات سچی ہے کہ اللہ بندہ کی طرف سب سے زیادہ نزدیک ہے سو اس کو چھوڑ کر جھوٹی بات بنائی کہ اوروں کو حمایتی ٹھہرایا اور یہ جو اللہ کی نعمت تھی کہ وہ محض اپنے فضل سے بغیر واسطے کے کسی کے سب مرادیں پوری کرتا ہے سب بلائیں ٹال دیتا ہے سو اس کا حق نہ پہچانا اور اس کا شکرادانہ کیا یہ بات اوروں سے چاہنے لگے پھر اس الٹی راہ میں اللہ کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں سو اللہ ہرگز ان کو راہ نہیں دے گا ۱۲ منہ[3]

---

[1] صراط مستقیم باب سوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۸

[2] صراط مستقیم باب سوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۹

[3] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

در باب جواز اشارت بسابه بسیار وارد شده اند وبعضے از روایات فقهیه حنفیّه دریں باب آمده[1]۔	شہادت کی انگلی سے اشارہ کی بابت بہت وادر ہیں اور فقہ حنفی کی بعض روایات بھی اس سلسلہ میں آئی ہیں۔(ت)

صفحہ ۴۴۹:

وغیر ظاہر مذہب ست وآنچہ امام محمد شیبانی گفتہ کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یشیرو یصنع کما یصنع النبی علیه وعلی اله الصلوة والسلام ثم قال هذا قولی و قول ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنهما از روایات نوادر ست نه روایات اصول وفی المحیط اختلف المشائخ فیه منهم من قال لایشیر ومنهم من قال یشیر وقد قیل سنة وقیل مستحب و الصحیح حرام ،ہر گاہ درروایات معتبر حرمت اشارت واقع شدہ باشد بر کراہت اشارت فتوی دادہ باشند مامقلدان رانمیر سد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرات در اشارت نمائیم مرتکب ایں امراز حنفیّہ یا علمائے مجتہدین راعلم احادیث معروفہ جواز اشارت اثبات نمی نماید یاانگارد کہ اینها بمقتضائے ارائے خود برخلاف احادیث حکم کردہ اند ہر دوشق فاسد ست تجویز نکند آنرا مگر سفیہ یا معاند،ظاہر اصول اصحاب ما عدم اشارت ست سنت علمائے ماتقدم شدہ[2]۔	اور وہ ظاہر مذہب پر نہیں ہیں اور امام محمد شیبانی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ کیا کرتے تھے،اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی بھی اسی طرح کرتے جس طرح حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کیا کرتے تھے،اور پھر انھوں نے فرمایا یہی میرا اور امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا قول ہے،یہ نقل نادر روایات میں سے ہے کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے،بعض نے فرمایا اشارہ نہ کرے،اور بعض نے فرمایا اشارہ کرے اور اس کو سنت بھی کہا ہے بعض نے مستحب کہا ہے،اور صحیح یہ ہے کہ حرام ہے،ہر گاہ کہ معتبر روایات میں اشارہ کی حرمت واقع ہوئی ہے اور اشارہ کی کراہت پر فتوی دیا گیا ہے ہم مقلدین حضرات کو یہ حق نہیں کہ احادیث کے مقتضی پر عمل کریں اور اشارہ کرنے کی جرات کریں،اس چیز کے مرتکب کو چاہئے کہ احناف یا مجتہدین کو معروف احادیث سے اشارہ کے جواز کا اثبات کرے یا پھر واضح کرے کہ وہ اپنی رائے سے احادیث کے خلاف حکم کررہے ہیں جبکہ دونوں شقیں فاسد ہیں ان کو بیوقوف یا معاند کے بغیر کوئی بھی جائز نہیں کریگا،ہمارے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴۸
[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴۹

	اصحاب کا ظاہر اصول اشارہ کرنا ہے پس عدم اشارہ ہی ہمارے متقدمین علماء کی سنت ہے۔ (ت)

صفحہ ۴۵۰:

احادیث راایں اکابر بیشتر از ما،می شناختند البتہ وجہ موجہ داشتہ باشند درترک عمل بمقتضائے ایں احادیث علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام [1]۔	احادیث کو ہماری نسبت یہ اکابر زیادہ بہتر سمجھتے ہیں،یقینا وہ ان احادیث کے مقتضا کے ترک پر کوئی موثر وجہ پیش نظر رکھتے ہیں۔(ت)

ص ۴۵۱:

اگر گویند کہ علمائے حنفیہ برجواز اشارت نیز فتوی دادہ اند گویم ترجیح عدم جواز راست [2]اھ ملحضا۔	اگریوں کہیں کہ علمائے احناف اشارہ کے جواز کا فتوی دیتے ہیں توہم جواب میں کہیں گے کہ ترجیح عدم جواز کو ہے اھ ملحضا(ت)

اب ذراحضرات غیر مقلدین کانوں سے ٹینٹ،آنکھوں سے جالے ہٹاکر یہ دھوم دھامی عبارت سنیں اوراسکے تیور دیکھیں جناب شیخ سلسلہ کو صاف اقرار ہے کہ دربارہ اشارہ میں احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکثرت آئی ہیں اور وہ حدیثیں معروف مشہور ہیں مگر ہمارے یہاں اصول مذہب میں اشارہ کاذکر نہیں اور ہمارے علماء کی سنت عدم اشارہ ہے ہماری فقہ میں مکروہ ٹھہرا ہے لہذا ہمیں احادیث کے مطابق عمل کرنا جائز نہیں۔معاذاللہ اس بھاری شرک تقلید کو کچھ کہئے کہ مذہب کے مقابل احادیث صحیحہ مشہورہ کو نہیں مانتے اورسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جواب میں اپنے مولویوں کی سنت پیش کرتے ہیں اورجو حنفی مذہب حنفی کے خلاف کسی حدیث پر عمل کرے اسے بے عقل ہٹ دھرم بتاتے ہیں،مزہ یہ کہ یہ مسئلہ خود مذہب حنفی میں متفق علیہا نہیں،آپ ہی اقرار فرماتے ہیں کہ مشائخ کو اختلاف ہے جواز واستحباب وسنیت اشارہ کے بھی قائل ہوئے یہاں تک کہ ائمہ کا فتوی بھی حدیثوں کے موافق موجود حتی کہ خود امام مذہب امام محمد نے تصریح فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ فرمایا کرتے اور ہم وہی کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے تھے،اور فرماتے ہیں یہی مذہب میرا اور امام ابو حنیفہ کا ہے مگر ازانجا کہ یہ روایت نوادر کی ہے اس پر بھی نظر نہ ہوگی،نہ اختلاف مشائخ وفتوی پر لحاظ ہوگا۔صرف اس لئے کہ ظاہر روایۃ میں ذکر نہ آیا حرمت مرجح اوراس کے خلاف صحیح ومشہور حدیثوں پر ہمیں عمل نہیں پہنچتا،ایمان سے کہنا ایمان ترک تقلید کا

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۵۰

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۱۲ بمیر محمد نعمان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۵۱

کہیں تسمہ بھی لگا رہا، اب شخص مذکور کے جبروتی احکام سنئے کہ خاص اپنے پیر سلسلہ حضرت شیخ مجدد کو بمقابلہ مذہب احادیث چھوڑنے اور سنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل سنت علماء کی سند پکڑنے پر کیا کیا جلی کٹی بے نقط سناتا ہے۔ تقویۃ الایمان ص ۴۲: "جو کوئی کسی امام یا مجتہد کی بات کو رسول کے فرمانے سے مقدم سمجھے حدیث کے مقابل قول کی سند پکڑے، سوایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے[1]۔"

ص ۲و۳: "اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کوئی پہلوں کی رسموں کو کوئی مولویوں کی باتوں کو جو انھوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکالیں سند پکڑتے ہیں[2]۔"

صفحہ ۴: "رسولوں کو رسول سمجھنا اس طرح ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے[3]۔"

صفحہ ۶: "اسی طرح کی خرافاتیں بکتے ہیں، سبب یہ کہ خدا اور رسول کے کلام کو چھوڑ کر غلط سلط رسموں کی سند پکڑی، پیغمبر خدا کے سامنے بھی کافر لوگ ایسی ہی باتیں کرتے تھے[4]۔" تنویر العینین:

لیت شعری کیف یجوز التزام تقلید شخص معین مع تمکن الرجوع الی الروایات المنقولۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصریحۃ الدالۃ علی خلاف قول امام المقلد فان لم یترک قول امامہ ففیہ شائبۃ من الشرک[5]۔	میں کیسے جانوں کہ ایک شخص کی تقلید کو لئے رہنا کیونکر حلال ہوگا جبکہ اپنے امام کے خلاف مذہب پر صریح حدیثیں پاسکے اس پر بھی امام کا قول نہ چھوڑے تو اس میں شرک کا میل ہے۔

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸و۲۹

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲

[3] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴

[5] تنویر العینین

تنویر العینین:

اتباع شخص معین بحیث یتمسك بقوله وان ثبت علی خلافه دلائل من السنة والکتاب و یاول الی قوله شوب من النصرانية وحظ من الشرك والعجب من القوم لایخافون من مثل ھذا الاتباع یخیفون تارکه فما احق ھذه الاٰیة فی جوابھم وکیف اخاف مااشرکتم ولایخافون انکم اشرکتم باللہ[1]۔	ایک امام کی پیروی کہ اس کی بات کی سند پکڑے اگرچہ اس کے خلاف حدیث وکتاب سے دلیلیں ثابت ہوں اور انھیں اس قول کی طرف پھیرے یہ نصرانی ہونے کا میل ہے اور شرک میں کاحصہ اور تعجب یہ کہ لوگ آپ تواس تقلید سے ڈرتے نہیں بلکہ اس کے چھوڑنے والے کو ڈارتے ہیں تو کتنی ٹھیک ہے یہ آیت ان کے جواب میں کہ میں کیونکر ڈروں اس سے جسے تم نے اللہ کا شریک بنایا حالانکہ تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اوروں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

افسوس حضرت شیخ مجدد صاحب کو کیا خبر تھی کہ ہمارے سلسلہ میں ایسے فرزند دلبند سعادت مند پیدا ہونے والے ہیں جو ہماری معرفت وولایت بالائے طاق سرے سے اصل ایمان میں خلل بتائیں گے معاذاللہ کافر مشرک نصرانی بتائیں گے شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب کیا جانتے تھے کہ ہماری نسل میں وہ ہونہار سپوت اٹھنے کو ہیں جو ہماری پیر پدری استادی در کنار عیاذاباللہ کفروشرک سے قبر پاٹیں گے ہمیں سے پیدا ہوکر ہماری ہی مسلمانی کی جڑ کاٹیں گے از ماست کہ برماست (ہم سے ہی ہمارے خلاف ہے۔ت) اللہ تعالٰی گندہ کرنے والی مچھلی سے بچائے ع

بد نام کنندہ نکو نامے چند

(بہت سے نیک ناموں کو تونے بدنام کیا۔ت)

زنان باردر گرمار زانید بہ از طفلے کہ ناہنجار زانید

(حاملہ عورتیں اگر سانپ جنیں تو ناہنجار بچہ جننے سے وہ بہتر ہے۔ت)

غرض کہاں تک گنئے انبیاء ومرسلین وملائکہ وصحابہ وائمہ وسائر مسلمین وتمام جہان وخود رب العالمین تک جو شرک کے چھینٹے پہنچے تھے خاندان دہلی کا ایک ایک بزرگ، عالم، صوفی پیشوا بوڑھا سب اسی ہولی کی پچکاریوں میں رنگا ہوا ہے، حضرات وہابیہ سے استفسار کہ اپنے امام کا ساتھ دے کر شاہ عبدالعزیز صاحب شاہ ولی اللہ صاحب

[1] تنویر العینین

جناب شیخ مجدد صاحب سب کو کھلم کھلا مشرک مان لوگے۔ یا کچھ ایمان دھرم کا خیال کرکے اس مصنوعی امام کو گمراہ بددین ومکفر مسلمین ومورد لزوم ہزاراں کفر جانوگے، میں عبث تشقیق کرتا ہوں بلکہ شق ثانی ہر طرح لازم، اگر اسی کو اختیار کیجئے اور خدا ایسا ہی کرے، جب تو ظاہر ورنہ شق اول پر جب وہ حضرات **معاذاللہ** مشرک ٹھہرے اور یہ ان کا مداح، ان کا معتقد ان کا مرید، ان کا مقلد، انھیں امام سمجھے، پیشوا مانے، ولی کہے، مقبول خدا جانے، تو آپ لزوم کفر سے کب محفوظ رہ سکتا ہے کہ جو شخص مشرکین کو ایسا سمجھے خود کافر ہے، اس شخص پر کفر ہر طرح لازم رہا کہ کردکہ نیافت یہ اس کی جزا ہے کہ مسلمانوں کو محض بے وجہ ناروا بات بات پر مشرک کہا تھا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چنداں اماں نداد کہ شب راسحر کند

(شمع کے پروانے کا ناحق خون تونے دیکھا، کچھ امن نہ دیا کہ شب کو سحر بنادیتا۔ت)

کفریہ ۵۷تا۶۱: صراط مستقیم ص ۳۶[1]:

ائمہ ایں طریق واکابر ایں فریق در زمرہ ملئکہ مدبرات الامر کہ در تدبیر امور از جانب ملاء اعلیٰ ملہم شدہ دراجرائے آں می کوشند معدود ند پس احوال ایں کرام بر احوال ملائکہ عظام قیاس باید کرد[1]۔	اس طریقہ کے ائمہ وراس گروہ کے اکابر حضرات کا شمار مدبرات الامر فرشتوں کے گروہ میں ہوتا ہے یہ فرشتے ملاء اعلیٰ کی طرف سے تدابیر امور کے لئے الہام پاتے ہیں اور پھر ان کے اجراء میں کوشاں ہوتے ہیں، پس ان بزرگوں کے احوال کو معظم فرشتوں کے احول پر قیاس کرنا چاہئے (ت)

ص[2] ۶۶:

قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضی تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشاں ست در سلطنت سلاطین وامارت امراہم ہمت ایشاں راد خلے ہست کہ بر سیاحین عالم ملکوت مخفی نیست[2]۔	قطبیت وغوثیت وابدالیت وغیرہا یہ تمام مراتب حضرت علی مرتضی کے زمانہ باکرامت سے دنیا کے اختتام تک بواسطہ علی مرتضی حاصل ہوتے ہیں اور ان حضرات کو بادشاہوں کی سلطنت اور امراء کی امارت میں اہم دخل ہوتا ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔(ت)

[1] صراط مستقیم باب اول ہدایت رابعہ افادہ ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۲

[2] صراط مستقیم باب دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۱ المکتبہ السلفیہ لاہور ص ۵۸

صفحہ[3] ۱۱۲:

ارباب ایں مناصب رفیعہ ماذون مطلق در تصرف عالم مثال وشہادت مے باشند وایں کبار اولی الایدی والابصار رامے رسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خود نیست نمایند مثلاایشاں رامی رسد کہ بگویند کہ از عرش تافرش سلطنت ماست[1]۔	ان بلند منصب والے حضرات عالم والے حضرات علم امثال وشہادت میں تصرف کرنے میں مجاز مطلق ہوتے ہیں،ان طاقتوں اور بصیرت والے اکابرین کو اختیار ہے کہ تمام امور کلیہ اپنی طرف منسوب کرلیں،مثلا ان کو اختیار ہے کہ وہ عرش تافرش اپنی سلطنت ہونے کادعوی کریں۔(ت)

صفحہ[4] ۵۴:

دریں مقام بعضے خلیفۃ اللہ مے باشند خلیفۃ اللہ اں کسے ست کہ برائے انصرام جمیع مہام اورامقرر کردہ مانند نائب سازند[2]۔	اسی مقام پر بعض حضرات خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں خلیفۃ اللہ وہ شخص ہوتاہے جو تمام مہمات کے انتظام پر مقرر ہوتاہے اور نائب کی طرح ہوتاہے۔(ت)

صفحہ[5] ۳۴:

او رادر کیف ولایت خود گرفتہ وزیر سایہ کفالت تربیت خود آوردہ جارحہ تدبیر تکوینی تشریعی خودمے سازد[3]۔	اس کواپنی ولایت کے پہلو میں لے کراس کی تربیت کی کفالت خود کرتے ہیں اور تکوینی وتشریعی امور میں خود تصرف والا بناتے ہیں۔(ت)

ان پانچ شرکیات میں صاف صاف تصریحیں ہیں کہ ملائکہ واولیاء کاروبار عالم کے مدبر ہیں،اولیاء عالم کے کام جاری کرتے ہیں،اولیاء کو تمام عالم میں تصرف کااختیار کلی دیا جاتاہے،تمام کام ان کے ہاتھ سے انصرام پاتے ہیں،بادشاہوں کے بادشاہ بننے،امیروں کے امیری پانے میں مولاعلی کی ہمت کو دخل ہے،

اب تقویۃ الایمان کی سنئے،اس کی ایک عبارت شروع کفریہ ۲۲ میں سن چکے بعض اور لیجئے ص ۷:

"اللہ صاحب نے کسی کوعالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی[4]۔"

---

[1] صراط مستقیم باب دوم فصل چهارم افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۰۱

[2] صراط مستقیم باب سوم تکملہ دربیان سلوك المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۳

[3] صراط مستقیم باب اول ہدایت رابعہ افادہ ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۲۹

[4] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

صفحہ ۴۲: "جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں[1]۔"

صفحہ ۲۹: "کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں[2]۔"

صفحہ ۲۸: "جو کوئی کسی مخلوق کو عالم میں تصرف ثابت کرے اور اپنا وکیل ہی سمجھ کر اس کو مانے سو اس پر شرک ثابت ہوتا ہے گو کہ اللہ کے برابر نہ سمجھے اور اس کے مقابلہ کی طاقت اس کو نہ ثابت کرے[3]۔"

کفریہ ۶۲ تا ۶۸: صراط مستقیم ص ۶ ۱۲۱:

دریں حالت اطلاع بر امکنہ افلاک وسیر بعضے مقامات زمین کہ دور و دراز از جائے وے بود بطور کشف حاصل مے آید وآں کشفش مطابق واقع می باشد[4]۔	اس حالت میں وہ آسمانوں کے مقامات اور اپنے سے دور دراز تک زمین کے بعض مقامات کی سیر بطور کشف کرتے ہیں، اور ان کا کشف واقع کے مطابق ہوتا ہے۔(ت)

صفحہ ۷ ۱۲۴:

برائے انکشاف حالات سمٰوٰت وملاقات ارواح و ملائکہ وسیر جنت ونار واطلاع بر حقائق آن مقام ودریافت امکنہ آنجا و انکشاف امرے از لوح محفوظ ذکر یاحی یاقیوم ست (الی قولہ) و در سیر مختار ست بالائے عرش نماید یا زیر آں و در مواضع آسماں نماید یا بقاع زمین[5] الخ"	آسمانوں کے حالات پر آگاہی اور فرشتوں اور روحوں کی ملاقات، جنت ودوزخ کی سیر اور ان مقامات کے حقائق پر اطلاع اور وہاں کے مقامات کی دریافت اور لوح محفوظ کے امور پر آگاہی کے لئے یا حی یا قیوم کا ذکر ہے۔(آگے یہاں تک) اور اس سیر میں وہ مختار ہے کہ عرش سے بالا یا زیر عرش یا آسمانوں میں کسی مقام پر یا زمین کے کسی خطے کو ملاحظہ کرے۔(ت)

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰

[3] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

[4] صراط مستقیم باب سوم فصل اول افادہ ۶ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۰۔۱۰۹

[5] صراط مستقیم فصل دوم افادہ ۱۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۳

صفحہ [8] ۱۲۵:

برائے کشف قبور سبوح قدوس رب الملئکة والروح مقررست[1]۔	کشف قبر کے لئے "سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح" مقرر ہے۔(ت)

صفحہ [9] ۱۲۸:

برائے کشف ارواح وملائکہ ومقامات آنہا وسیر امکنہ زمین وآسمان وجنت ونار واطلاع بر لوح محفوظ شغل دورہ کند و باستعانت ہماں شغل بہر مقامیکہ از زمین وآسمان وبہشت ودوزخ خواہد متوجہ شدہ سیرآن مقام واحوال آنجا دریافت کند وبااہل آں مقام ملاقات سازد[2]۔	ارواح، ملائکہ اور ان کے مقامات اور زمین وآسمان، جنت، دوزخ اور لوح محفوظ پر دورہ کا شغل کرے اور اس شغل کی مدد سے زمین وآسمان، بہشت و دوزخ جس مقام کی طرف چاہے متوجہ ہوتا ہے اور اس مقام کی سیر سے وہاں کے احوال دریافت کرتا ہے اور وہاں کے رہنے والوں سے ملاقات کرتا ہے۔(ت)

صفحہ [10] ۱۲۹:

برائے کشف وقائع آئندہ اکابرایں طریقہ طرق متعدد نوشتہ اند[3]۔	مستقبل کے واقعات کے کشف کے لئے اس طریقہ کے اکابر نے متعدد طرق لکھے ہیں۔(ت)

صفحہ [11] ۱۵۸:

آں عزیز باوجود وجاہت عنداللہ کامل النفس قوی التاثیر صاحب کشف صحیح باشد[4]۔	وہ اللہ تعالٰی کے ہاں باوجاہت ہوتے ہوئے کامل النفس، قوی التاثیر اور صحیح کشف والا ہوتا ہے۔(ت)

صفحہ [12] ۱۷۶، اپنے پیر کو لکھا:

کشف بعلوم حکمت آنجامیدانست[5]۔	علوم حکمت کے ذریعہ کشف ہوتا ہے۔(ت)

ان سات شرکیات میں صاف صاف کشف کی صحت کا اقرار ہے وہ بھی ایسا کہ اولیاء کو زمین کے دور ودراز

---

[1] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۳

[2] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۱ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۷

[3] صراط مستقیم باب سوم فصل دوم ہدایت ثانیہ افادہ ۲ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۱۷

[4] صراط مستقیم باب چہارم دربیان طریق سلوک راہ نبوت المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۷

[5] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ از واردات ومعاملات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۵

مقامات ظاہر ہوتے ہیں بلکہ زمین کیا آسمانوں کے مکانات اور ملائکہ وارواح اور ان کے مقامات اور جنت و دوزخ اور قبروں کے اندر کا حال اور آنے والے واقعات کھل جاتے ہیں یہاں تک کہ عرش فرش سب میں ان کی رسائی ہوتی ہے حتی کہ لوح محفوظ پر اطلاع پاتے ہیں وہ اپنے اختیار سے زمین وآسمان میں جہاں کا حال چاہیں دریافت کرلیں، اور ان سب باتوں کے حاصل کرنے کے طریقے خود ہی اس شخص نے بتائے کہ یوں کرو تو یہ رتبے مل جائیں گے یہ کشف یہ اختیار ہاتھ آئیں گے، اب تقویۃ الایمان کی پوچھئے ص ۲۷:

"جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں خواہ قبر میں خواہ آخرت میں سو ان کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو نہ اپنا حال نہ دوسرے کا[1]۔"

صفحہ ۲۵: "ان باتوں میں سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بیخبر ہیں اور نادان[2]۔"

صفحہ ۵۷ و ۵۸: "جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی کو نہ ملادے مثلاً کوئی شخص فلانے درخت میں کتنے پتے ہیں یا آسمان میں کتنے تارے ہیں تو اس کے جواب میں یہ نہ کہے کہ اللہ ورسول جانے کیونکر غیب کی

بات اللہ ہی جانتا رسول کو کیا خبر[3]"۔

سبحان اللہ! وہاں تو پیر جی کے ایک ایک مرید کو زمین وآسمان، جنت و دوزخ حتی کہ قبر کے حالات آئندہ کے واقعات لوح محفوظ و عرش اعظم غرض تن تلوک روشن تھے، عرش و فرش میں ہر جگہ کے حالات کا جان لینا اپنے اختیار میں تھا، خود ان پیر جی کو وہ طریقے معلوم تھے کہ یوں کرو تو یہ سب باتیں روشن ہو جائیں گی مگر **معاذاللہ** محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی انجانی یہاں تک ہے کہ آسمان کے تارے تو درکنار، کیا دخل کہ ایک پیڑ کے پتے جان لیں، اگر انھیں کوئی کہے کہ وہ کسی درخت کے پتوں کی گنتی جانتے ہیں تو اس نے انھیں اللہ کی شان میں ملادیا، وہاں تو بندگی کو وسعت تھی یہاں آکر خدائی اتنی تنگ ہوئی کہ ایک پیڑ کے پتے جاننے پر رہ گئی، حق فرمایا اللہ عزوجل نے: "مَاقَدَرُوااللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ"[4] اللہ ہی کی قدر نہ کی جیسی چاہئے تھی،

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۸

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۷

[3] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

[4] القرآن الکریم ۶/ ۹۱ و ۳۹/ ۶۷

تقویۃ الایمان صفحہ ۵۲: "شرک سب عبادت کا نور کھو دیتا ہے کشف کا دعوٰی کرنے والے اس میں داخل ہیں[1]۔"
یعنی جیسے یہ شخص اور اس کے پیر کہ وہ اپنے اور یہ ان کے لئے کشف کا دعوٰی کرکے شرک میں ڈوبے۔

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ "[2]۔	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔ (ت)

کفریہ ۶۹: یہ نمونہ کفریات امام الطائفہ تھا، اتباع واذناب کہ اس کے عقائد کو صحیح وحق جانتے اور اسے امام وپیشوا مانتے ہیں لزوم کفر سے کیونکر محفوظ رہ سکتے ہیں، شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۰۱ مجمع الفتاوٰی سے:

من تکلم بکلمۃ الکفر وضحك به غیرہ کفر او لو وقبل القوم ذلك کفروا[3] الخ۔	جو کلمہ کفر کہے اور دوسرا اس پر ہنسے (یعنی راضی ہو اور انکار نہ کرے) دونوں کافر ہوجائیں اور اگر کوئی واعظ کلمہ کفر بولے اور لوگ اسے قبول کریں تو سب کافر ہوں۔

اعلام میں ہمارے علمائے اعلام سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول، ص ۳۱:

من تلفظ بلفظ الکفر یکفر (الی قوله) وکذا کل من ضحك علیه او استحسنه او رضی به یکفر[4]۔	جو کفر کا لفظ بولے کافر ہو اسی طرح جو اس پر ہنسے یا اسے اچھا سمجھے یا اس پر راضی ہو کافر ہوجائے۔

بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴:

من حسن کلام اهل الاهواء او قال معنوی او کلام له معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن[5]۔	جو بدمذہبوں کے کلام کو اچھا جانے یا کہے بامعنی ہے یا یہ کلام کوئی معنی صحیح رکھتا ہے اگر وہ اس قائل سے کلمہ کفر تھا تو یہ اچھا بتانے والا کافر ہوگیا۔

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۶
[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳
[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطلب فی ایراد الفاظ المکفرۃ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۵
[4] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۶
[5] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۵

کفریہ ۷۰: ان صاحبوں کی قدیمی عادت دائمی خصلت کہ جس مسلمان کو کسی امام کا مقلد پائیں بے دھڑک اسے مشرک بتائیں بحکم ظواہر احادیث کثیرہ وصحیحہ وروایات فقیہہ مصححہ رجیحہ ان پر حکم کفر عائد ہونے کو بس ہے، طرفہ یہ کہ اس کوفرقہ ظاہر احادیث پر عمل بڑا دعوی ہے، صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۰۱، صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۷ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد:

ایما امری قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما ان کان کما قال والا رجعت الیہ[1]۔	یعنی کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان دونوں میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے اگر جسے کہا وہ سچ کافر تھا جب تو خیر، ورنہ یہ لفظ اسی کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔

صحیح بخاری ص ۸۹۳، صحیح مسلم ص ۵۷ ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تحدیث حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث:

لیس من دعارجلا بالکفر اوقال عدواللہ ولیس کذلك الاحار علیہ[2]۔	جو کسی کو کفر پر پکارے یا خدا کا دشمن کہے اور وہ حقیقت میں ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبوعہ مصر ۱۲۷۶ھ ج ۲ ص ۱۵۶: **کذالك یا مشرك ونحوہ**[3] اسی طرح کسی کو مشرک یا اس کی مثل کوئی لفظ کہنا کہ وہ مشرک نہ تھا تو کہنے والا خود مشرک ہوگیا۔ میں کہتا ہوں یہ معنی خود انھیں حدیثوں سے ثابت کہ ہر مشرک دشمن خدا ہے، تقویۃ الایمان ص ۴۴: "مشرک ہیں اللہ سے پھرے ہوئے رسول کے دشمن"[4] تو مشرک کہنا خدا کا دشمن کہنا ہوا اور اس کا پلٹنا خود حدیث میں فرمایا بلکہ اسی حدیث میں فرمایا کہ فاسق کہنا بھی پلٹتا ہے تو مشرک تو کہیں بدتر ہے۔ شرح الدور الغرر للعلامۃ اسمٰعیل النابلسی پھر حدیقہ ندیہ ج ۲ ص ۱۴۰ و ۱۵۶:

لوقال للمسلم کافر کان الفقیہ ابوبکر الاعمش یقول کفر وقال غیرہ من مشائخ بلخ لایکفر	جو کسی مسلمان کو کافر کہے امام ابوبکر اعمش فرماتے تھے کافر ہوگیا، اور دیگر مشائخ بلخ فرماتے کافر نہ ہوا،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ النوع العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶

[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۹

واتفقت ھذا المسئلة ببخارا فاجاب بعض ائمة بخارا انه یکفر فرجع الجواب الی بلخ انه یکفر فمن افتی بخلاف قول الفقیه ابی بکر رجع الی قوله[1] اھ ملخصاً۔	پھر یہ مسئلہ بخارا میں واقع ہوا بعض ائمہ بخارا شریف نے حکم کفر دیا یہ جواب پلٹ کر بلخ میں آیا تو جو پہلے امام ابوبکر کے خلاف فتوے دیتے تھے انھوں نے بھی اسی طرف رجوع فرمائی۔

شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۲۰:

رجع الکل الی فتوٰی ابی بکر البلخی وقالوا کفر الشاتم[2]۔	سب ائمہ اسی فتوے ابوبکر کی طرف پلٹ آئے اور فرمایا مسلمان کو ایسی گالی دینے والا خود کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۸ ذخیرہ سے، برجندی شرح نقایہ مطبع لکھنؤ ج ۴ ص ۶۸ فصولی عمادی سے، حدیقہ ندیہ ص ۱۴۰ و ۱۵۶ احکام حاشیہ درر سے، خزانۃ المفتین ج ۱ کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر، جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۱ قاضی خاں سے، بزازیہ ج ۳ ص ۳۳۱، ردالمحتار مطبع استنبول ج ۳ ص ۲۸۳ نہر الفائق وغیرہ سے:

المختار للفتوی فی جنس ھذہ المسائل ان القائل بمثل ھذہ المقلات ان کان اراد الشتم ولایعتقدہ کافرا لایکفر وان کان یعتقدہ کافرا فخاطبه بھذا بناء علی اعتقادہ انه کافر یکفر[3]۔	اسی قسم کے مسائل میں فتوے کے لئے مختار یہ ہے کہ مسلمان کو اس طرح کا کوئی لفظ کہنے والا اگر صرف دشنام ہی کا ارادہ کرے اور دل میں کافر نہ جانے تو کافر نہ ہوگا اور اگر اپنے مذہب کی رو سے اسے کافر سمجھتا ہے اس بناء پر یوں کہا تو کافر ہوجائے گا۔

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲، الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیه النوع العاشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایه مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[3] حدیقه ندیه شرح طریقه محمدیه النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۱۲، فتاوٰی ہندیه الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸، شرح النقایة للبرجندی کتاب الحدود نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۸، ردالمحتار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۸۳

در مختار ص ۲۹۳ شرح وہبانیہ سے:

یکفر ان اعتقد المسلم کافرا بہ یفتی [1]۔	مسلمان کو کافر سمجھے تو خود کافر ہے اسی پر فتوٰی ہے۔

جامع الرموز عـــہ۱ مطبع کلکتہ ۱۲۷۴ھ ج ۴ ص ۶۵۱:

المختار انہ الو اعتقد المخاطب کافرا کفر [2]۔	مختار یہ ہے کہ اسے اپنے مذہب میں کافر جان کر کافر کہا تو کافر ہو گیا۔

مجمع الانہر مطبع استنبول ج ۱ ص ۵۶۶:

لو اعتقد المخاطب کافرا کفر [3]۔	اپنے عقیدے میں ایسا سمجھ کر کہے تو کافر ہے۔

اس مذہب مختار وماخوذ للفتوی ومفتی بہ پر بھی اس طائفہ تالفہ پر صراحۃً کفر لازم کہ وہ قطعاً یقیناً اپنے اعتقاد سے مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ان کی کتب عـــہ۲ مذہب میں صاف مصرح ہے تو باتفاق مذاہب مذکورہ فقہائے کرام انھیں لزوم کفر سے مفر نہیں۔ عـــہ۳

عـــہ۱: فصول عمادی سے ۱۲ سل السیوف

عـــہ۲: مثل تقویۃ الایمان وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وغیرہا جابجا مصرح ۱۲ سل السیوف

عـــہ۳: باقی تفصیل وتحقیق ہمارے رسائل النہی الاکید، الکوکبۃ الشہابیۃ حصہ اول مجلد ششم العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں ہے، لاجرم علمائے مکہ معظمہ کے سردار بقیۃ السلف عمدۃ الابرار خاتم المحققین شیخ الاسلام والمسلمین زبدۃ کبراء البلد الامین شیخنا وبرکتنا وقدوتنا علامہ سید شریف احمد زینی دحلان مکی رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنابہ وقدسنا بسرہ الملکی نے کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ کہ خاص اسی طائفے کے رد میں تالیف فرمائی اور مطبع بہیہ مصر میں طبع ہوئی ان گمراہوں کی نسبت تصریحاً ارشاد فرمایا صفحہ ۲۶: ھٰؤلاء الملحدۃ المکفرۃ للمسلمین [4] یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کہنے والے۔

(باقی بر صفحہ آیندہ)

---

[1] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

[2] جامع الرموز کتاب الحدود فصل القذف مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۳۵

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الحدود فصل فی التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۱۰

[4] الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دار الشفقۃ ترکی ص ۳۸

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؏﴿۳۳﴾ "[1]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا کہ وہ جانتے۔ (ت)

تذییل جلیل: یہ بطور نمونہ طائفہ حائفہ اور اس کے کفری اقوال اور ان پر کتب ائمہ دین سے احکام کفر و اشد الضلال تھے جن کا شمار بظاہر ستر کفریات تک پہنچا اور حقیقۃ تو بے شمار ہیں کہ ساتھ سے گیارہ تک پانچ کفریات کے کلمات میں ہر کلمہ صدہزار کفریہ کا خمیرہ ہے۔ یونہی کفریہ ۲۳ و ۲۹ بھی مجمع کفریات کثیرہ، یہ ستر کیا ان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ظاہر ہے کہ ملحد ایک فرقہ کفار ہے بلکہ جمیع فرق کفر کو شامل، ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۴۵۷ رسالہ علامہ ابن کمال پاشا ہے: **الملحد اوسع فرق الکفر حدا**[2] ملحد تمام فرق کفار سے وسعت معنی میں زیادہ ہے۔ نیز علامہ سید شریف ممدوح نے فرمایا ص ۳۰:

امر الشریف مسعود ان یناظر علماء الحرمین العلماء الذین بعثوھم فناظروھم فوجدوھم ضحکۃ وسخرۃ کحمر مستفرۃ فرت من قسورۃ ونظروا الی عقائدھم فاذا ھی مشتملۃ علی کثیر من الکفریات[3]۔	مکہ معظّمہ کے حاکم حضرت مسعود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے علمائے حرمین شریفین کو حکم دیا کہ وہابیوں کے مولویوں سے جو ان کے امام شیخ نجدی نے بھیجے ہیں مناظرہ کریں، علماء کرام نے ان ملوں سے مناظرہ فرمایا تو انھیں پایا کہ نرے مسخرے ہنسنے کے قابل ہیں جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگ ہوں اور ان کے عقائد کو غور فرمایا تو ان میں بہت باتیں وہ پائیں جن کا قائل کافر ہے۔

اسی رسالہ مبارکہ میں ص ۳۳ سے ۳۵ تک حدیثیں نقل فرمائی جن میں اس فرقہ وہابیہ کے خروج کی خبر آئی ہے ان میں بھی جابجا ان کے کافر اور دین اسلام سے یکسر خارج ہونے کی تصریح ہے اسی میں ان کے معلم اول شیخ نجدی کی نسبت فرمایا ص ۲۷: " فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ ؕ "[4] مدہوش ہوگیا کافر ۱۲ سل السیوف تصنیف العلامۃ مدظلہ العالی۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[2] ردالمختار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۶

[3] الدر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دار الشفقۃ ترکی ص ۴۳ و ۴۴

[4] الدر السنۃ فی الرد علی الوہابیۃ مکتبۃ دار الشفقۃ ترکی ص ۴۰

میں سے جس ایک کو چاہئے ستر ۷۰ کر دکھائے تواب کفریات کو خواہ ستر کہے خواہ ستر ہزار کفریات ٹھہرائے او کیوں نہ ہوں کہ وہاں عمر بھریہی کمایا تھا پڑھالکھاسب اسی میں گنوایا تھامشقیں چڑھی تھیں مہارتیں بڑھی تھیں ایک ایک قول میں ہزار ہزار کفر بے بول جانا وہاں کیا بات تھی، یہاں قصد استیعاب آب دریا پیمودن ودانہائے ریگ شمرون کے تمیل سے ہے لہٰذا اس طرف سے عطف عنان کیجئے اور ان کے اقوال خاصہ پر خاک ذلت ڈال کر بہت مشائخ کرام کے نزدیک اس سارے فرقہ متفرقہ اور اس کے تمام طوائف سابقہ ولاحقہ اکاایک کفریہ عامہ قدیمہ سن لیجئے کہ انھیں کافر کہنا فقہاً واجب ہے، واضح ہو کہ وہابیہ منسوب بہ عبدالوہاب نجدی ہیں، ابن عبدالوہاب ان کا معلم اول تھا، اس نے کتاب التوحید لکھی جس میں اپنے فرقہ خبیثہ کے سوا تمام اہل اسلام کو کھلم کھلا مشرک بنایا اور حرمین طیبین زادہما اللہ شرفا وتکریما پر چڑھائی کرکے کوئی دقیقہ گستاخی وبے ادبی وشرارت وظلم وقتل وغارت کا اٹھانہ رکھا۔ تقویۃ الایمان اسی کتاب التوحید کا ترجمہ ہے۔ اس کا حال کتاب مستطاب سیف الجبار کے مطالعہ سے کھلتاہے، یہ فرقہ حادثہ گروہ خوارج کی ایک شاخ ہے جنھوں نے سب میں پہلے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر خروج کیا اور اسد اللہ القہار کافر شکار سے دار البوار کا رستہ لیا جن کی نسبت حدیث میں آیا کہ وہ قیامت تک منقطع نہ ہوں گے۔ جب ان کا ایک گروہ ہلاک ہوگا دوسرا سر اٹھائے گا یہاں تک کہ ان کا پچھلا طائفہ دجال لعین کے ساتھ نکلے گا بموجب اس وعدہ صادقہ کے یہ قوم مغضوب ہمیشہ فتنے اٹھایا کی تیرہ صدی کے شروع میں اس نے دیار نجد سے خروج کیا اور بنام نجدیہ مشہور ہوئی جن کا پیشوا نجدی تھا اسی کا مذہب میاں اسمٰعیل دہلوی نے قبول کیا اور اس کی کتاب کا ترجمہ بنام تویۃ الایمان کہ حقیقۃ تفویت الایمان ہے ان دیار میں پھیلایا اور بلحاظ معلم اول وہابیہ وبنظر معلم ثانی اسمعیلیہ لقب پایا اس طائفہ کا ہمیشہ سے یہی مذہب رہاہے کہ دنیا میں وہی موحد ومسلم ہیں باقی سب **معاذاللہ** کافر۔ ردالمحتار جلد ۳ ص ۴۷۸:

ویکفرون اصحاب نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علمت ان ھذا غیر شرط فی مسمی الخوارج بل ھو بیان لمن خرجوا علی سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ والا فیکفی فیھم اعتقادھم کفر من خرجوا علیہ کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد وتغلبوا علی الحرمین وکانوا	اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ کافر کہنا کچھ خارجیوں کے لئے ضروری نہیں بلکہ خاص یہ ان خارجیوں کا بیان حال ہے جنھوں نے ہمارے آقا مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم پر خروج کیا تھا خارجی ہونے کو اتنا کافی ہے کہ جن پر خروج کریں انھیں اپنے عقیدے میں کافر جانیں جیسا ہمارے زمانے میں عبدلوہاب کے پیروؤں سے واقع ہوا جنھوں نے نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر ظلماً قبضہ کیا اپنے آپ کو

يتحلون مذهب الحنابلة لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون وان من خالف اعتقادهم مشركون واستباحوا بذلك قتل اهل السنة وقتل علمائهم حتی کثر الله تعالٰی شوكتهم وخرب بلادهم و ظفر بهم عساكر المسلمين عام ثلث وثلثين ومائتين والف [1]۔	حنبلی بتاتے تھے مگر ان کا مذہب یہ کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو ان کے خلاف مذہب میں مشرک ہیں اسی بناء پر انھوں نے اہل سنت و علماء اہل سنت کا شہید کرنا حلال ٹھہرالیا یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے ان کی شوکت توڑی ان کے شہر ویران کیے مسلمان کے لشکر کو ان پر فتح دی ۱۲۳۳ھ بارہ سو تینتیس ہجری میں،

یہاں سے تو ان کی اصل نسل مذہب مشرب معلوم ہولئے، اب علمائے کرام سے ان کا حکم سنئے۔ بزازیہ جلد ۳ ص ۳۱۸:

يجب اكفار الخوارج فی الكفار هم جميع الامة سواهم [2]۔	خارجیوں کو کافر کہنا واجب ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے سوا تمام امت کو کافر کہتے ہیں۔

ظاہر ہوا کہ یہ خصلت خبیثہ ان میں آج کی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ان کے اگلے پچھلے سب اسی مرضی میں گرفتار تھے جس پر مشائخ مذہب رحمہم اللہ تعالٰی نے انھیں کافر جانا، اور ان کی تکفیر کو فرض واجب مانا۔ لطف یہ کہ جناب شاہ عبدالعزیز صاحب بھی انھیں مشائخ کرام کی موافق فرماتے بلکہ تکفیر خوارج کو مجمع علیہ بتاتے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ ص ۷۳۲:

محارب حضرت مرتضی اگر از راہ عداوت و بغض ست نزد اہل سنت کافر ست بالاجماع وہمیں ست مذہب ایشاں در حق خوارج [3]۔	حضرت علی مرتضی سے جنگ کرنیوالا اگر ان سے عداوت و بغض کی وجہ سے کرتا ہے تو اہل سنت کے نزدیک بالاجماع وہ کافر ہے۔ اور خوارج کے متعلق ان کا یہی مذہب ہے (ت)

بالجملہ عــه ماہ نیم ماہ و مہر نیمروز کی طرح ظاہر وزاہر کی اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسمعیلیہ اور اس کے امام نافرجام

عــه: اس میں شک نہیں کہ اس گروہ ناحق پژدہ پر ہزاروں وجہ سے کفر لازم اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حاکم، نسأل الله تعالٰی العفو والعافية فی الدنیا والاخرة (ہم اللہ سے دنیا وآخرت میں عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] ردالمحتار باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع فی المرتد نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۱۸

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب دوازدہم در تولا وتبرا سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۹۴

پر جزما قطعاً یقینا اجماعا بوجوہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتوٰی اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد کافر باجماع ائمہ ان سب پر اپنے کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ و رجوع اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھنا فرض وواجب اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ مختار ومرضی ومناسب **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تنبیہ نبیہ: یہ حکم فقہیہ متعلق بکلمات سفی تھامگراللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں بیحد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں نہ پاتے ہیں اس طائفہ تالفہ کا کے پیر وپیر سے ناحق ناروا بات بات پر سچے مسلمان خاص سنیوں کی نسبت حکم کو کفر وشرک سنتے، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں، باایہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑائی نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے، فقیر غفرلہ تعالٰی نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ **سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح** ۱۳۰۷ھ میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا کفر سے کف لسان ہی کیا، بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصا ان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اور انکے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلمات کفر اعلٰی درجے تواتر پر ہیں پھر اگرچہ براہ احتیاط سے زبان روکے ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، **والعیاذ باللہ القیوم الدائم**، امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں:

انہ یصیر مرتدا علی جماعتہ وکفی بھذا خسارا وتفریطا[1]۔	ایک جماعت کے قول پر وہ کافر ہے اسی کے خسارے وذلت کو یہی کافی ہے۔ (ت)

اللہ عزوجل پناہ دے اور دین حق پر دینا سے اٹھائے آمین، **والحمد للہ رب العالمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** ۱۲ سل السیوف تصنیف العلامۃ المصنف مدظلہ العالی۔

---

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۲

الحمدللہ کہ یہ اجمالی اجلالی جواب باصواب غرہ جمادی الآخرہ روز مبارک جمعہ فاخرہ ۱۳۱۲ ہجریہ طاہرہ کو بدر سمائے ختام اور بلحاظ تاریخ الکوکبۃ الشھابیہ فی کفریات ابی الوھابیۃ [۱۳۱۲ھ] نام ہو۔

نسأل اللہ تعالٰی ان یدینا علی الایمان والسنۃ ویختم لنا علی دینہ الحق بعظیم المنۃ ویدخلنا بجاہ حبیبہ الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم فرادیس الجنۃ، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد سید الانس والجنۃ وعلی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ اجمعین و الحمدللہ رب العالمین۔	ہم اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ایمان وسنت پر دوام بخشے اور اپنے دین حق پر ہمارا خاتمہ فرمائے اپنے بڑے احسان سے اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنے حبیب کریم کے وسیلہ سے ہمیں جنت الفردوس عطا فرمائے، وصلی اللہ تعالٰی علیہ ومولانہ محمد سید الانس والجنتہ وعلی الہ وصحبہ واہلہ وحزبہ اجمعین والحمد اللہ رب العالمین۔ (ت)

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

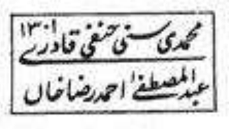

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
سل السیوف الهندیة علٰی کفریات بابا النجدیة ۱۳۱۲ھ
(نجدی پیشواؤں کے کفریات پر لٹکتی ہوئی ہندی تلواریں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۰: از بدایوں مرسلہ مولٰینا مولوی محمد فضل المجید صاحب قادری ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

بخدمت بابرکت مولٰینا مرجع الفتاوی والمفتین ملاذ العلماء المحققین جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب!

اللهم ادم افاضاتهم وافاداتهم، السلام علیکم!

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیہ غیر مقلدین جو تقلید ائمہ اربعہ کو شرک کہتے ہیں، اور جس مسلمان کو مقلد دیکھیں مشرک بتاتے ہیں، دہلی والے اسمٰعیل مصنف تقویۃ الایمان وصراط مستقیم وایضاح الحق ویکروزی وتنویر العینین کو اپنا امام وپیشوا بتاتے ہیں اور اس کے اقوال کو حق وہدایت جانتے ہیں اور اس کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں ہمارے فقہاء کرم پیشوایان مذہب کے نزدیک ان پر اور ان کے پیشوا پر حکم کفر لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر حاصل کرو۔ت)

الجواب:

الحمد للہ علی دین الاسلام والسلام علی نبی السلام سلام المسلمین بعون السلام وعلی

الہٖ وصحبہ فی دار السلام، ایھا المسلمون! پیش از جواب اتنا عرض کروں کہ اس تحریر سے مقصود دو امر محمود:

اولا: عامہ مسلمین وبرداران دین پر اظہار مبین کہ مذہب وہابیہ ایسی ضلالتوں پر مشتمل، اور ان کا امام وطائفہ ایسی شناعتوں کو موجد و قائل،

ثانیًا: کبرائے وہابیہ پر عرض ہدٰی وخوف خدا کہ دیکھوں کیسے کو امام بناتے ہو، اندھیری رات میں کس مضل مبین کے پیچھے جاتے ہو، تھوڑی دیر کا اندھیرا ہے، دم کے دم میں سویرا ہے۔

بروز حشر شود ہمچو صبح معلومت — کہ با کہ باختہ عشق در شب دیجور

(صبح کی حشر میں تجھے معلوم ہوجائے گا کہ اندھیری رات میں کس سے لڑاتے رہے۔ت)

غصے سے کام نہیں چلتا، بگڑنے سے مذہب نہیں سنبھلتا "اِنَّمَآ اَعِظُکُمۡ بِوَاحِدَةٍ"[1] (میں صرف ایک نصیحت کرتا ہوں۔ت) ایک ذرا تعصب ونفسانیت وحمایت امام وحمیت جاہلیت سے جدا ہو کر للہ فی اللہ اس تحریر پر نظر کیجئے سب کتابوں کے نشان صفحات بتادئے ہیں جس میں شبہہ ہو تطبیق کرلیجئے، پھر اگر نگاہ انصاف میں تمھارے مذہب وامام مذہب پر یہ الزامات قائم ہوں تو خدا سے ڈرو، کفریات وضلالت پھر اصرار نہ کرو، بد دین کی پیروی کا دم نہ بھرو۔ اور اگر طاقت جواب ہے تو کیوں پیچ وتاب ہے، ہمیں گو وہمیں میدان، اظہار حق سے کیوں خائف وترساں آدمی بن کر اور کی سنی اپنی کہی، ایک مکابرہ عناد کی نہیں سہی، یہ ایک نمونہ ہے اس سے فارغ ہو تو اور سننا ہے اس سے بھی سلامت نکلے تو اور آگے چلئے یہاں تک کہ حق ایک طرف کھل جائے جید وردی میزان عمل میں تل جائے، اے رب میرے! ہدایت فرما انك انت السمیع القریب وما توفیق الا باللہ الیہ توکلت والیہ انیب (تو قریب وسمیع ہے، مجھے صرف اللہ سے توفیق حاصل ہے اور اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ت) بلاشبہہ گروہ مذکور اور اس کے پیشوائے مسطور پر بوجوہ کثیرہ قطعاً یقینا کفر لازم اور حسب تصریحات جماہیر فقہائے کرام اصحاب فتاوٰی اکابر واعلام ان پر حکم کفر ثابت وقائم، ان کے عقیدوں مکیدوں مذہبی رسالوں میں بکثرت کلمات کفریہ ہیں جن کی تفصیل کو ذخیرہ درکار، خود ان کے پیشوا نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں (جسے یہ لوگ معاذاللہ کتاب آسمانی کی مثل جانتے اور اپنے مذہب کی مقدس معصوم کتاب مانتے ہیں) اپنے اور اپنے سب پیرووں کے صریح کافر بت پرست ہونے کا صاف اقرار کیا، ہم نے اس سوال کے رد پر خاص اس باب میں ایک مفصل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی الکوکبۃ الشھابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ لکھا اور اس میں بطور نمونہ ان کے ستر کفریات کا شمار کیا کہ بحوالہ کتاب وصفحہ ان کے پیشوا کی کتابوں سے اقوال نقل کئے، پھر ائمہ کرام وعلمائے عظام کی تصانیف سے اسی طرح بہ نشان صفحات ان باتوں پر حکم کفر مع ترجمہ لکھے، بحمداللہ تعالٰی اس رسالہ نے اپنے ناظر کو اس امر کی تحقیق میں کوئی دقت باقی نہ رکھی، صرف اتنا کام رہا کہ جو اپنی آنکھوں دیکھا چاہے اس کی کتابوں سے صفحہ کے

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

نشانوں سے وہ عبارتیں نکالے پھر ایسے ہی نشان سے کتب ائمہ وعلماء میں ان کی نسبت حکم کفر دیکھے دکھالے، وہ کتابیں جن سے ہم نے ان کے اقوال کا کلمات کفر ہونا ثابت کیا یہ ہیں:

(۱) قرآن عظیم (۲) صحیح بخاری شریف (۳) صحیح مسلم شریف (۴) فقہ اکبر تصنیف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (۵) درمختار (۶) عالمگیری (۷) فتاوٰی قاضیخاں (۸) بحر الرائق (۹) نہر الفائق (۱۰) اشباہ والنظائر (۱۱) جامع الرموز (۱۲) برجندی شرح نقایہ (۱۳) مجمع الانہر (۱۴) شرح وہبانیہ (۱۵) ردالمحتار (۱۶) شرح الدرر والغرر للعلامۃ اسمٰعیل النابلسی (۱۷) حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ للعلامہ عبدالغنی النابلسی (۱۸) نوازل امام فقیہ ابواللیث (۱۹) فتاوٰی ذخیرہ امام برہان محمود (۲۰) فتاوٰی خلاصہ (۲۱) فتاوٰی بزازیہ (۲۲) فتاوٰی تاتار خانیہ (۲۳) مجمع الفتاوٰی (۲۴) معین الحکام علامہ طرابلسی (۲۵) فصول عمادی (۲۶) خزانۃ المفتین (۲۷) جامع الفصولین (۲۸) جواہر الاخلاطی (۲۹) تکملہ لسان الحکام (۳۰) الاعلام بقواطع الاسلام للامام ابن حجر المکی الشافعی (۳۱) شفاء شریف للامام القاضی عیاض المالکی (۳۲) شرح الشفا للملا علی قاری (۳۳) نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی (۳۴) شرح المواہب للعلامہ الزرقانی المالکی (۳۵) شرح فقہ اکبر للعلامۃ القاری (۳۶) شرح العقائد العضدیہ للمحقق الدوانی الشافعی (۳۸) الدرر السنیہ للعلامۃ السید الشریف مولانا احمد زینی دحلان المکی الشافعی (۳۸) الدرالثمین للشاہ ولی اللہ دہلوی (۳۹) تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی (۴۰) تفسیر عزیزی شاہ صاحب موصوف (۴۱) موضح القرآن شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی برادر شاہ صاحب ممدوح (۴۲) یہاں تک کہ خود تقویۃ الامان اور (۴۳) اس کا دوسرا حصہ تذکیر الاخوان وغیرہا، اور (۴۴) نیز اس میں مدد لی گئی احیاء العلوم امام حجۃ الاسلام غزالی وشرح (۴۵) عقائد النسفی علامہ سعد تفتازانی و (۴۶) میزان الشریعۃ الکبرٰی امام عبدالوہاب شعرانی ومکتوبات (۴۷) جناب شیخ مجدد الف ثانی و (۴۸) حجۃ اللہ البالغہ و (۴۹) انتباہ فی سلاسل اولیاء ہر دو تصنیف شاہ ولی اللہ صاحب، یہاں تک کہ (۵۰) مسک الختام شرح بلوغ المرام تصنیف نواب صدیق حسن بھوپالی ظاہری آنجہانی وغیرہا سے، یہاں صرف سات (کفریہ) قول پر اکتفا کروں:

کفریہ اول: تقویۃ الایمان مطبع فاروقی دہلی ص ۲۰:

"غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے[1]۔"

اس کا صاف یہ مطلب کہ اللہ تعالٰی کو اختیار ہے جب چاہے غیب کی بات دریافت کرلے تو صراحۃً لازم کہ اسے بالفعل علم غیب حاصل نہیں۔ ہاں حاصل کرلینے کا اختیار رکھتا ہے، یہاں صراحۃً اللہ تعالٰی کی طرف

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی ردالشراک فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

جہل نسبت کیا اور اس کے علم قدیم کو ازلی نہ مانااور اس کی صفت کو اختیاری جانا، یہ تینوں باتیں صریح کفر ہیں، عالمگیری مطبع مصر جلد ۲ ص ۲۹۸، بحر الرائق مطبع مصرج ۵ ص ۱۲۹، بزازیہ طبع مصرج ۳ ص ۳۲۳ جامع الفصولین مطبوعہ مصر ج ۲ ص ۲۹۸:

یکفر اذاوصف اللہ تعالٰی بمالایلیق بہ او نسبہ الی الجھل اوالعجز اوالنقص [1]۔	جو اللہ تعالٰی کی شان میں ایسی بات کہے جواس کے لائق نہیں یااسے جہل یاعجز یا کسی ناقص بات کی طرف نسبت کرے وہ کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۱۶۲:

لوقال علم خدائے قدیم نیست یکفر [2]۔	جو علم خدا کو قدیم نہ مانے وہ کافر ہے۔

شرح عقائد نسفی طبع قدیم ص ۲۱:

الصادر عن الشیئ بالقصد والاختیار یکون حادثا بالضرورۃ [3]۔	جو کسی سے اس کے قصد واختیار سے صادر ہو وہ ضرور حادث ونوپیدا ہوگا۔

فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وشرح فقہ اکبر مطبع حنفی ۱۲۹۶ھ ص ۲۹:

صفاتہ فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوقۃ فمن قال انھا محدثۃ او وقف فیھا اوشك فیھا فھو کافر باللہ تعالٰی [4]۔	اللہ تعالٰی کی سب صفتیں ازلی ہے نہ وہ نوپیدا ہیں نہ مخلوق، توجو انھیں مخلوق یاحادث بتائے یااس میں توقف یاشک کرے وہ کافر ہے۔

کفریہ دوم: بعض علماء دلیل لائے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل تمام صفات کمالیہ میں شریک وہمسر اگر ممکن ہو تو معاذاللہ آیہ کریمہ وخاتم النبیین کی تکذیب لازم آئے، اس کے جواب میں شخص مذکور کا کلام سنئے، یکروزی مطبع فاروقی ص ۱۴۴:

بعد اخبار است کہ ایشان رافاموش گردانیدہ شود، پس قول بامکان وجود مثل اصلا منجر	خبر دینے کے بعد ممکن ہے کہ اللہ تعالٰی ان کی خبروں کو بھول جائے پس حضور علیہ السلام کی مثل کاوجود ممکن ہو ناہر کسی نص

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۲

[3] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۲۳

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الباری جل شانہ موصوف فی الازل بصفات الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

تکذیب نصی از نصوص نگردد و سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن است [1]۔	کی تکذیب کاسبب نہیں ہوسکتا جبکہ نزول قرآن کے بعد قرآن کاسلب ہوجانا ممکن ہے۔(ت)

یہاں صاف بے پردہ اقرار کردیا کہ اللہ عزوجل کی بات واقع میں جھوٹی ہوجائے تو کچھ حرج نہیں حرج اس میں ہے کہ بندے اس کے جھوٹ پر مطلع ہوں اگر انھیں بھلا کر اپنی بات جھوٹی کردے تو تکذیب کہاں سے آئے گی اب کسی کو وہ نص یاد ہی نہیں کہ جھوٹ پر اطلاع پائے۔ شفا شریف مطبع صدیقی ص ۳۶۱:

من دان بالوحدانية وصحة النبوة ونبوة نبينا صلى الله تعالٰى عليه وعلى اله وسلم ولكن جوز على الانبياء الكذب فيما اتوا به ادعى فى ذلك المصلحة بزعمه اولم يدعها فهو كافر باجماع [2]۔	جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت، نبوت کی حقانیت، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو اینمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کیسی مصلحت کا ادعاء کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔(ت)

حضرات انبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء کا کذب جائز جاننے والا بالاتفاق کافر ہوا اللہ عزوجل کا کذب جائز ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر و مرتد نہ ہوگا!

کفریہ سوم: صراط مستقیم مطبع ضیائی ۱۲۸۵ھ ص ۱۷۵ اپنے پیر کی نسبت لکھا:

روزے حضرت جل وعلا دست راست ایشاں رابدست قدرت خاص خود گرفتہ وچیزے را از امور قدسیہ کہ بس رفیع وبدیع بود پیش روئے حضرت ایشاں کردہ فرمودہ کہ ترا ایں چنیں دادہ ام وچیزہائے دیگر خواہم داد [3]۔	ایک روزہ اللہ تعالٰی نے اس حضرت کا دایاں ہاتھ اپنے دست قدرت میں پکڑا اور امور قدسیہ کی ایک بلند وبالا عجیب چیز کو پیش کرکے فرمایا تجھے یہ دیا اور اس کے علاوہ اور چیزیں بھی دیں گے۔(ت)

ص ۱۳: مکالمہ ومسامرہ بدست می آید [4] (ہم کلامی اور باتیں حاصل ہوئیں۔ت)

---

[1] رسالہ ایک روزہ (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۲۶۹

[3] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۶۴

[4] صراط مستقیم ہدایت اربعہ دربیان ثمرات حب المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۲

ص ۱۵۴: گاہے کلام حقیقی ہم می شود[1] (کبھی حقیقی گفتگو بھی حاصل ہوتی ہے۔ت) یہ صراحۃً اپنے پیر وغیرہ کو نبی بنانا ہے۔ تفسیر عزیزی سورہ بقرہ شاہ عبدالعزی صاحب مطبع کلکتہ ۱۲۴۹ھ ص ۴۲۳:

ہمکلامی باخدائے عزوجل مختص است بملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وغیر ایشاں راہر گز میسر نمی شود، پس فرمائش ہمکلامی باخدا گویا فرمائش آن ست کہ ماہمہ راپیغمبراں یا فرشتہا سازد[2]۔	اللہ تعالٰی سے ہم کلامی صرف انبیاء اور فرشتوں کے لئے خاص ہے، علیہم الصلٰوۃ والسلام ان کے علاوہ کسی دوسرے کو ہرگز میسر نہیں ہوتی۔ پس اللہ تعالٰی سے ہم کلامی کی فرمائش کرنا گویا کہ اپنے کو پیغمبروں اور فرشتوں میں شمار کرنا ہے۔(ت)

شرح عقائد جلالی طبع مصر ص ۱۰۶، اس مسئلہ کی دلیل میں کہ دنیا میں اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کا مدعی کافر ہے فرمایا:

المکالمۃ شفاھا منصب النبوۃ بل اعلی مراتبھا وفیہ مخالفۃ لماھو من ضروریات الدین وھو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وسلم خاتم النبیین علیہ افضل صلٰوۃ المصلین[3]۔	اللہ عزوجل سے کلام حقیقی منصب نبوت بلکہ اس کے مراتب میں اعلٰی مرتبہ ہے تو اس کے دعوے میں بعض ضروریات دین یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا انکار ہے۔

اسی طرح شفاء شریف میں مدعی مکالمہ کو بالاجماع کافر بتایا ص ۳۶۰، اسی میں ہے ص ۳۶۲:

وکذالك من ادعی منھم انہ یوحی الیہ وان لم یدعی النبوۃ وانہ یصعد الی السماء ویدخل الجنۃ ویاکل من ثمارھا ویعانق الحور العین فھؤلاء کلھم کفار مکذبون للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]۔	اسی طرح جو جھوٹا متصوف دعوٰی کرے کہ اللہ تعالٰی اسے وحی کرتا ہے اگرچہ مدعی نبوت نہ ہو یا کہ وہ آسمان تک چڑھتا جنت میں جاتا اس کے پھل کھاتا حوروں کو گلے لگاتا ہے، یہ سب کافر ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے۔

[1] صراط مستقیم باب سوم تکملہ دربیان سلوك ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۱۴۳

[2] فتح العزیزی (تفسیر عزیزی) آیہ ۲/ ۱۱۸ کے تحت مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲۷

[3] الدوانی علی العقائد العضدیہ بحث توبہ سے قبل مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۶

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۲۷۰-۲۷۱

حوروں سے اس معانقہ کے دعوی پر تو یہ حکم ہے رب العزۃ سے ہاتھ ملاکر مصافحہ پر کیا حکم ہوگا!

کفریہ چہارم: تقویۃ الایمان ص ۱۴:

"جتنے پیغمبر آئے وہ اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے[1]۔"

ص ۱۶ و ۱۷: "اللہ صاحب نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانیو[2]۔"

ص ۱۸: "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان[3]۔"

ص ۷: "اوروں کو ماننا محض خبط ہے[4]۔"

مسلمانوں کے مذہب میں جس طرح اللہ تعالٰی عزوجل کا ماننا رکن ایمان ہے یونہی اس کے انبیاء وملائکہ، کتابوں، جنت، نار وغیرہا ایمانیات کا ماننا ان میں سے ہے جسے نہ مانے گا کافر ہوگا۔ ماننا ترجمہ ایمان کا ہے اور نہ ماننا کفر کا تو یہ صراحۃ انبیاء وغیرہم کے ساتھ کفر کا حکم ہوا کہ خود کفر ہے اور اللہ تعالٰی ورسول پر اس کے حکم کا افتراء دوسرا کفر۔ **آیت** بقرۃ:

"ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ"[5]	موضح قرآن: تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وے نہ مانیں گے۔[6]

آیت اعراف:

"قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِیْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ۝"[7]	موضح قرآن: کہنے لگے بڑائی والے جو تم نے یقین کیا سو ہم نہیں مانتے۔[8]

آیت آخر بقرۃ:

۱"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىٕكَتِهٖ	موضح قرآن: مانا رسول نے جو کچھ اترا اس کو اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے سب نے مانا اللہ کو

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۰

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاولی فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵

[5] القرآن الکریم ۲/ ۶

[6] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۴

[7] القرآن الکریم ۷/ ۷۶

[8] موضح القرآن ترجمہ وتفسیری شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۱۹۴

وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ "[1]	اور اس کے فرشتوں کو اور کتابوں کو اور رسولوں کو۔[2]

دیکھو اللہ عزوجل تو فرماتا ہے کہ ایمان والوں نے اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں، نبیوں سب کو مانا، یہ کہتا ہے "اللہ نے فرمایا میرے سوا کسی کو نہ مانیو" اگر اس کے کلام کے کچھ نئے معنی اپنی جی سے گھڑے ہے بھی تو **اول:** تو صریح لفظ میں تاویل کیا معنی!
شفاء شریف ص ۳۲۳:

ادعاء التاویل فی لفظ صراح لایقبل[3]۔	صریح لفظ میں تاویل کا دعوی مقبول نہیں۔

ثانیا: وہ آپ سب تاویلوں کا دروازہ بند کرچکا تو اس کے کلام میں بناوٹ نری گھڑت جو اسے خود قبول نہیں۔ تقویۃ الایمان ص ۵۵:

"یہ محض بے جا ہے کہ ظاہر میں لفظ بے ادبی کا بولئے اور اس سے کچھ اور معنی مراد لیجئے، معما اور پہیلی بولنے کی اور جگہ ہیں، کوئی شخص اپنے باپ یا بادشاہ سے جگت نہیں بولتا اس کے واسطے دوست آشنا ہیں نہ باپ اور بادشاہ[4]" یہ نفیس فائدہ ہے ہر جگہ ملحوظ خاطر رہے کہ اکثر حرکات مذبوحہ کا جواب شافی رہے۔

تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان مترجمہ سلطان خاں مطبع فاروقی ص ۷۳:

"اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے جو ان کو نہ مانے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے[5]۔"

سبحن اللہ! دوسرے حصے والا کہتا ہے جو صحابہ کو نہ مانے وہ بدعتی جہنمی، پہلے والا کہتا ہے صحابہ تو صحابہ جو انبیاء کو مانے وہ بھی کافر دوزخی "کَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ "[6] (اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

[2] موضح القرآن ترجمہ و تفسیر شاہ عبدالقادر تاج کمپنی لاہور ص ۶۱

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی الباب الاولی فی بیان ماھو حقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۲۱۰

[4] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۹

[5] تذکیر الاخوان حصہ دوم تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۰۵

[6] القرآن الکریم ۳۳/ ۲۵

کفریہ پنجم: صراط مستقیم بعض اولیاء کی نسبت لکھا، ص ۳۷:

صدیق من وجہ مقلد انبیاء می باشد و من وجہ محقق در شرائع [1]۔	صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ احکام شریعت میں محقق ہوتا ہے۔ (ت)

ص ۳۹:

علوم کلیہ شرعیہ اور ابد و واسطہ می رسد بوساطت نور جبلی وبوساطت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پس در کلیات شریعت وحکم واحکام ملت او راشاگرد انبیاء ہم می تواں گفتم استاذ انبیاء ہم ونیز طریق اخذ آنھم شعبہ ایست از شعب وحی کہ آں را در عرف شرح بہ نفث فی الروع تعبیر می فرمایند وبعضے اہل کمال آن را بوحی باطنی می نامند [2]۔	امور کلیہ شرعیہ اس کو دو طرح سے پہنچتے ہیں، ایک فطری نور کے ذریعہ سے، دوسرا انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے واسطہ سے، پس شرعیہ کلیات اور حکم واحکام ملت میں اس کو انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں اور انبیاء کا استاذ بھی کہہ سکتے نیز ان کے اخذ کا طریقہ وحی کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جس کو عرف شرع میں نفث فی الروع سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی کا نام دیتے ہیں۔ (ت)

ص ۴۰:

ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر میکنند [3]۔	اس معنی کو امامت اور وصی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (ت)

ص ۴۱:

لابد او رابحافظتے مثل محافظت انبیاء کہ مسمّٰی بہ عصمت ست فائز مے کنند [4]۔	ضروری ہے کہ اس کو محفوظ قرار دیا جائے جس طرح انبیاء کا محفوظ ہونا جس کو عصمت کہتے ہیں۔ (ت)

ص ۴۲:

ندانی کہ اثبات وحی باطنی وعصمت مرغیر انبیاء را مخالفت سنت واز جنس اختراع بدعت	یہ نہ سمجھنا کہ باطنی وحی اور عصمت کو غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا خلاف سنت اور

[1] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۳

[2] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۴

[3] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

[4] صراط مستقیم فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

است وندانی کہ ارباب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند[1]۔	از قبیل اختراع بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہوچکے ہیں۔(ت)

یہاں صاف تصریحیں ہیں کہ ان کے بعض خیال اولیاء کو احکام شریعت بے وساطت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام وحی باطنی سے پہنچتے ہیں وہ احکام شریعت میں ایک وجہ سے خود محقق اور پیروی انبیاء سے مستغنی ہوتے ہیں وہ مثل انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔
اقول: اور احکام شریعت میں بھی کلیہ کی تصریح کردی کہ کوئی ناواقف دھوکا نہ کھائے کہ یہ لوگ مجتہدین امت سے ہیں اگرچہ بے وساطت انبیاء حکم پہنچنا ہی اخراج مجتہد کو بس تھامگر زیادت فرق وکمال صراحت کے لئے احکام کلیہ کا اونچا طرہ چمکتا پھند نا لٹکا دیا کہ احکام کلیہ شرعیہ تو نبی ارشاد فرماتا ہے مجتہد کی اتنی شان کہ ان سے احکام جزئیہ استنباط کرتا ہے، یہاں ایسا نہیں بلکہ انھیں خود احکام کلیہ شریعت بے وساطت نبی بذریعہ وحی پہنچتے ہیں مسلمانو! خدا کے واسطے اور نبی کسے کہتے ہیں یہ صراحۃً غیر نبی کو نبی بنایا کہ صریح کفر ہے اور نبی بھی کیسا صاحب شریعت۔ تفسیر عزیزی شاہ عبدالعزیز صاحب سورہ بقرہ ص ۴۴۳:

معرفت احکام شرعیہ بدون توسیط نبی ممکن نیست[2]۔	شرعی احکام کی معرفت انبیاء کی وساطت کے بغیر ممکن نہیں۔(ت)

تحفہ اثنا عشریہ شاہ صاحب موصوف مطبع کلکتہ ۱۲۴۳ھ ص ۱۴۰:

انچہ گفتہ است کہ فاطمہ بنت اسد راوحی آمد کہ درخانہ کعبہ برود ووضع حمل نماید در وغیست پر بیمزہ زیرا کہ کسے از فرق اسلامیہ وغیر اسلامیہ قائل بہ نبوت فاطمہ بنت اسد نشدہ[3]۔	جو کہا جاتا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو وحی آئی کہ تو خانہ کعبہ میں جا اور وہاں بچے کی پیدائش کر یہ سب جھوٹ اور بے پر بات ہے کیونکہ کوئی بھی اسلامی اور غیر اسلامی فرقہ فاطمہ بنت اسد کی نبوت کا قائل نہیں ہے۔(ت)

الدرالثمین شاہ ولی اللہ صاحب مطبع احمدی ص ۵:

الامام عندھم ھو المعصوم المفترض	رافضیوں کے نزدیک امام وہ ہے کہ معصوم اور اس کی

[1] صراط مستقیم ہدایت رابعہ در بیان ثمرات حب ایمانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۶
[2] فتح العزیز(تفسیر عزیزی) بیان افراط فرقہ امامیہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۴۹
[3] تحفہ اثناء عشریہ کید ہشتادو ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۷۹

طاعته الموحی الیه وحیا باطنیا وھذا ھو معنی النبی فمذھبھم یستلزم انکار ختم نبوۃ قبحھم الله تعالٰی [1]۔	اطاعت فرض اور اس کی طرف وحی باطنی آتی ہو اور یہی معنی نبی کے ہیں تو ان کے مذہب سے ختم نبوت کا انکار لازم آتا ہے اللہ ان کا بُرا کرے

دیکھو یہ وہی امامت وہی عصمت، وہی وحی باطنی ہے جسے شاہ ولی اللہ صاحب ختم نبوت کے انکار کو مستلزم بتاتے ہیں، شفاء شریف کا قول گزرا کہ صرف وحی کا دعوی کفر ہے اگرچہ نبوت کا مدعی نہ ہو۔

کفریہ ششم: صراط مستقیم ص ۹۵:

صرف ہمت بسوئے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق دو صورت گاؤ خرخود است کہ خیال آن با تعظیم واجلال بسویدائے دل انسان می چپد وایں تعظیم واجلال غیر کہ در نماز ملحوظ ومقصود می شود بشرک می کشد [2]۔	اپنی ہمت کو شیخ اور ان جیسے معظم لوگوں خواہ جناب رسالتمآب ہوں کی طرف مبذول کرنا اپنے گائے اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے بھی کئی گنا بدتر ہے کیونکہ ان کا خیال تعظیم اور اجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے اور یہ غیر کی تعظیم واجلال نماز میں ملحوظ ومقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لیتی ہے۔(ت)

یہ صراحۃً حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فحش گالی دینا ہے اور ان کی شان میں ادنٰی گستاخی کفر، جس کی مبارک مقدس منور تفصیل شفا شریف اور اس کی شرح میں ہے۔ للہ انصاف! بدرجہاں بدتر گناہ در کنار اگر تمہارا بیٹا یا نوکر یا غلام تمہاری کسی شے کو گدھے یا کتے سے صرف تشبیہ ہی دے کہ تمہاری فلاں بات گدھے کی سی ہے فلاں چیز کتے سے ملتی ہے تو کیا اس نے تمھیں گالی نہ دی؟ کیا تمہارے ساتھ شدید گستاخی نہ کی؟ ذرا اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو تو جانو کہ اس ملعون قول نے مسلمانوں کے سچے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کھلی دشنام دے کر ان کے دلوں پر کیسا زخم عظیم پہنچایا "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [3] (اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ	بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر

[1] الدر الثمین شاہ ولی اللہ

[2] صراط مستقیم باب دوم فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۸۶

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

"فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا" [1]	اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں، اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (ت)

اور یہ وجہ خبیث خود بھی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آئے گا تو عظمت کے ساتھ اور ان کی نوبت شرک تک پہنچے گی اس قائل کو لزوم کفر تک پہنچانے کے لئے بوجہ کافی کہ اس بناء پر التحیات میں السلام علیك ایها النبی ورحمة الله وبرکاته، اور اشهدان محمدًا عبده ورسوله، پچھلے قعدہ میں اللهم صلی علی محمد وال محمد، ہر رکعت میں صراط الذین انعمت علیهم یوں ہی نمازوں میں وہ سورۃ وآیت جس میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی یا ملک یا کسی نیک بندے یا کعبہ وغیرہ معظمات دینیہ کا ذکر یا خطاب رہے، خلاصہ ی کہ الهکم التکاثر کے سوا الحمد وغیرہ کسی سورت کا پڑھنا سب معاذاللہ شرک کی راہ ہوا اور شریعت محمدیہ علی صاحبها افضل الصلوٰۃ والتحیة عیاذًا باللہ ان شرکیات کی واجب وسنت وجائز کرنے والی ہوئی، صحابہ سے آج تک تمام مسلمان کہ ان امور پر اجماع کئے ہوئے ہیں سب شرک میں گرفتار ٹھہرے، اس سے بڑھ کر اور کیا کلمہ کفر ہوگا۔ شفاء شریف ص ۳۶۲ و ۳۶۳:

نقطع بتکفیر کل قائل قال قولا یتوصل به الی تضلیل الامة [2]۔	جو شخص ایسی بات کہے جس سے تمام امت کے گمراہ ٹھہرنے کی راہ نکلتی ہو ہم بالیقین اسے کافر کہتے ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع صدیقی ص ۲۱۰:

ثم اختار بعده السلام علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه واله وسلم تنویها بذکره و اثباتا للاقرار برسالته واداءً لبعض حقوقه [3]۔	پھر اس کے بعد التحیات میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام اختیار کیا ان کا ذکر پاک بلند اور ان کی وساطت کا اقرار ثابت اور ان کے حقوق کا ایک پارہ ادا کرنے کے لئے۔

مکتوبات جناب شیخ مجدد صاحب مطبو لکھنوج ۲ مکتوب ۳۰ ص ۴۶:

خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ نوشتہ بودند کہ سجدے استیلا یافتہ است کہ در صلوٰۃ آنرا	خواجہ محمد اشرف ورزش نے رابطہ (تصویر شیخ) کی نسبت لکھا ہے کہ اس کا اس حد تک غلبہ ہے کہ نمازوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماهو من المقالات المطبعة الشرکه الصحافیه ۲/ ۲۷۱

[3] حجة الله البالغه الامور التی لابد منها فی الصلوٰة المکتبه السلفیه لاهور ۲/ ۶

مسجود خود میداند وبیند واگر فرضا نفی کند منتفی نمیگردد محبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب ست از ہزاران یکے رامگر بد ہند صاحب ایں معاملہ مستعد تام المناسبۃ ست یحتمل کہ باندک صحبت شیخ متقدا جمیع کمالات او راجذب نماید رابطہ راچرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرامحاریب و مساجد رانفی نہ کنند وظہور ایں قسم دولت سعاد تمندان رامیسر است تادر جمیع احوال صاحب رابطہ رامتوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشند نہ درنگ جماعہ بیدولت کہ خود رامستغنی دانند وقبلہ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند ومعاملہ خود رابرہم زنند[1]۔	میں اپنا مسجود جانتے اور دیکھتے ہیں اور اگر اس رابطہ کو ختم کرنے کی کوشش کریں تو بھی ختم نہیں ہوتا (تواس پر آپ نے فرمایا) اس دولت کے حصول کی خواہش ہزاروں طالبوں کی تمنا ہے مگر کسی ایک کو عطا ہوتی ہے، اس کیفیت والا شیخ سے مکمل مناسبت کے لئے مستعد ہوتا ہے وہ امید کرتا ہے کہ اپنے مقتدا شیخ کی صحبت کی کمی اسکے تمام کمالات کو جذب کردے گی لوگ رابطہ (تصور شیخ) کی نفی کیوں کرتے حالانکہ وہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں ہے یہ لوگ محرابوں اور مسجودوں کی نفی کیوں نہیں کرتے (حالانکہ وہ مسجود الیہ ہیں) اس قسم کی دولت کا ظہور سعاتمندوں کو نصیب ہوتا ہے حتی کہ تمام احوال میں وہ صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں اس بے دولت جماعت کی طرح نہیں ہوتے جو اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی جانتے ہیں اور اپنی توجہ کا قبلہ شیخ سے پھیر کر خود سر ہوجاتے ہیں۔ (ت)

سبحان اللہ! کہاں تو اس شخص کا وہ کفری بول کہ نماز میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال آیا اور خاکش بدہن شرک نے منہ پھیلایا، نہ فقط نماز برباد کہ ایمان ہی ابتر، تف بر روئے کافروش وکفران کے (بدگویوں کی) طرف خیال لے جانا اپنے بیل اور گدھے کے نہ صرف تصور بلکہ ہمہ تن اس میں ڈوب جانے سے بدرجہانج بدتر اور کہاں شیخ طریقت وآقائے نعمت وخداوند دولت خاندان دہلی حضرت شیخ مجدد کا یہ واشگاف قول کہ تصور صورت شیخ سے غافل نہ ہو نمازوں عبادتوں سب وقتوں حالتوں میں اسی کی طرف متوجہ رہو اگرچہ عین نماز میں اسی صورت کو سجدہ محسوس ہو کہ وہ قبلہ عبادت ہے، نہ مسجود لہ، جو اس قبلہ سے پھرا وہ بے دولت تباہ ہوا اس کا کام برباد ہوگیا تصویر شیخ کی ایسی دولت سعادت مندوں کو ملتی ہے طالبان خدا اس کو اس کی بہت تمنا رہتی ہے غرض وہ بول یہ قول باہم لڑے ہیں کفر وشرک کے عقاب پر تولے کھڑے ہیں، دیکھئے وہابی صاحب کدھر ڈھالتے ہیں ادھر جھکاتے ہیں یا ادھر ڈالتے ہیں۔

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰ خواجہ محمد اشرف وحاجی محمد نولشکور لکھنؤ ۲/ ۴۶

یا دامن یار رفت از دست یا ایں دل زار رفت از دست
(یار کا دامن ہاتھ سے گیا یا یہ آزردہ دل سے ہاتھ گیا۔ت)

"كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۟" [1]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے(ت)

کفریہ ہفتم: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ختم دنیا کا حال ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا وفات پائے گا زمین میں نرے کافر رہ جائیں گے پھر بتوں کی پوجا بدستور جاری ہوجائے گی، تقویۃ الایمان ص ۴۴ پر حدیث بحوالہ مشکوٰۃ نقل کی اور خود اس کا ترجمہ کیا:
"پھر بھیجے گا اللہ ایک باد اچھی سو جان نکالے گی جس کے دل میں ہوگا رائی کے دانے بھر ایمان سو رہ جائیں گے وہی لوگ جن میں کچھ بھلائی نہیں سو پھر جاویں گے اپنے دادوں کے دین پر [2]"۔
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی صراحۃ ارشاد فرمادیا تھا کہ وہ ہوا خروج دجال لعین ونزول حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آئے گی، تقویۃ الایمان میں حدیث کے یہ لفظ بھی نقل کئے اور ان کا ترجمہ لکھا ص ۴۵: "نکلے کا دجال سو بھیجے گا اللہ عیسٰی بیٹے مریم کو، سو وہ ڈھونڈھے گا اس کو، پھر بھیجے گا اللہ ایک باد ٹھنڈی شام کی طرف سے، سو نہ باقی رہے گا زمین پر کوئی کہ اس دل میں ذرہ بھر ایمان ہو مگر کہ مار ڈالے گی اس کو [3]۔"
بااینہمہ حدیث مذکور لکھ کر اسی صفحہ پر صاف لکھ دیا: "سو پیغمبر خدا کے فرمان کے موافق ہوا [4]۔"
اب نہ خروج دجال کا انتظار نہ نزول مسیح درکار، ان کے نصیبوں وہ ہوا ابھی چلی گئی تمام مسلمانوں کے کافر بت پرست بنانے کو ختم دنیا کی حدیث صاف صاف اپنے زمانہ موجودہ پر جمادی، یہ کھلم کھلا اپنے اور اپنے تمام پیروؤں کے کفر شرک کا اقرار ہوا کہ جب یہ وہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث نے خبر دی تو دنیا کے پردے پر کوئی مسلمان نہیں سب

---
[1] القرآن الکریم ۶۸ /۳۳
[2] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۱
[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۱
[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراك فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۰

کافر بت پرست ہیں جن میں یہ خود اور اس کے پیرو بھی داخل، اور جو کفر کا اقرار کرے آپ کافر ہے۔

خلاصہ و تکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم الحلبی مطبوعہ مصر ۱۲۹۹ھ ص ۵۷:

فی النوازل رجل قال انا ملحد یکفر[1]۔	نوازل میں ہے جو اپنے کفر کا اقرار کرے کافر ہے۔

عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۹:

مسلم قال انا ملحد یکفر ولو قال ما علمت انہ کفر لایعذر بھذا[2]۔	جو مسلمان اپنے ملحد ہونے کا اقرار کرے کافر ہو جائے گا اور اگر کہے میں نہ جانتا تھا کہ اس میں مجھ پر کفر عائد ہوگا تو یہ عذر نہ سنا جائے گا۔

پھر اس میں تمام امت کو کافر بنایا، یہ دوسرا کفر ہے، شفاء شریف کی عبارت ابھی سن چکے، غرض اس کی کتابوں میں ایسے کفریات بکثرت ہیں جن پر بلا مبالغہ صدہا نہیں ہزارہاں وجہ سے کفر لازم، جسے یقین نہ آئے ہمارا رسالہ **الکوکبہ الشہابیہ** یا دیگر تحریرات **رائقۃ البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ** وغیرہا مطالعہ کرے۔ یہ طائفہ وہابیہ کہ اس کے پیرو، اس کے ہم مذہب اس کے کلمات کی تصحیح و تحسین کرتے اسے امام و پیشوا مقتدا مانتے ہیں، وہ سب کفریات ان پر بھی عائد، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے کرام سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول، مطبع مصر ص ۳۱:

من تلفظ بلفظ کفر یکفر وکذا کل من ضحك علیہ اواستحسنہ اورضی بہ یکفر[3]۔	جو کفر کا لفظ بولے کافر ہوا اسی طرح جو اس پر ہنسے یا اچھا سمجھے یا راضی ہو کافر ہو جائے۔

بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴:

من حسن کلام اھل الاھواء وقال معنوی او کلام لہ معنی صحیح ان کان ذلك کفرا من القائل کفر المحسن[4]۔	جو بدمذہبوں کے کلام کو اچھا جانے یا کہے بامعنی ہے یا یہ کلام کوئی معنی صحیح رکھتا ہے اگر وہ اس قائل سے کلمہ کفر تھا تو یہ اچھا بتانے والا کافر ہو گیا۔

پھر ان کی عبادت دائمی کہ جس مسلمان کو مقلد پائے شرک بتائیں بحکم احادیث صحیحہ وروایات مصححہ فقہیہ ان پر لزوم کفر کے لئے بس ہے، صحیح بخاری مطبع احمدی قدیم ج ۲ ص ۹۰۱، صحیح مسلم افضل المطابع ج ۱ ص ۵۷:

ایما رجل اوقال الاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما	حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ثانی جنس خامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۹

[3] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل الجناۃ مکتبہ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۶۶

[4] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۴

(زاد مسلم) ان کان کما قال والا رجعت علیه[1]۔	وسلم نے فرمایا جو شخص کسی کلمہ گو کو کافر کہے ان میں ایک پر یہ بلاضرور پڑے اگر جسے کہا سچ کافر تھا، تو خیر ورنہ یہ لفظ کہنے والا پر پلٹ آئے گا۔

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مطبع مصر ۱۲۷۶ھ ج ۲ ص ۱۵۶:

کذلك یا مشرك ونحوه[2]۔	اسی طرح کسی کو مشرک یا اس کے مثل کوئی لفظ کہنا کہ جسے کہا وہ مشرک نہ تھا تو کہنے والا خود مشرک ہوگیا۔

ہم نے الکوکبة الشھابیه اور نیز النھی الاکید عن الصلوٰة وراء عدی التقلید میں ثابت کیا کہ یہ معنی خود احادیث سے ثابت اور تقویۃ الایمان اس دعوی کی مؤید، ^۱عالمگیری ج ۲ ص ۲۷۸: ^۲ذخیرہ سے ^۳برجندی شرح نقایہ مع لکھنوج ۲ ص ۶۸، ^۴جامع الرموز مطبع کلکتہ ۱۲۷۴ھ ج ۲ ص ۶۵۱ دونوں ^۵فصول عمادی سے، ^۶حدیقہ ندیہ ص ۱۴۰ و ۱۵۶ ^۷احکام حاشیہ درر و غرر سے، ^۸جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۱ ^۹قاضی خاں سے، ^۱۰ردالمحتار مطبع استنبول ج ۳ ص ۲۸۳ ^۱۱نہر الفائق سے ^۱۲در مختار ص ۲۹۳، ^۱۳شرح وہبانیہ سے ^۱۴خزانۃ المفتین قلمی ج ۱ کتاب السیر آخر فصل الفاظ الکفر ^۱۵بزازیہ ج ۳ ص ۳۳۱:

المختار للفتوی فی جنس هذه المسائل ان القائل بمثل هذه المقالات ان کان ارادالشتم و لایعتقده کافر ا لایکفر وان کان یعتقده کافرا فخاطبه بهذا بناء علی اعتقاده انه کافر یکفر[3]۔	اسی قسم کے مسائل میں فتوے کے لئے مختار یہ ہے کہ مسلمان کو اس طرح کا کوئی لفظ کہنے والا اگر صرف دشنام دہی کا ارادہ کرے اور دل میں کافر نہ جانے تو کافر نہ ہوگا اور اگر اپنے مذہب کی روسے اسے کافر سمجھتا ہے اس بنا پر یوں کہا تو کافر ہو جائے گا۔

در مختار: به یفتی[4] اسی تفصیل پر فتوی ہے۔ پر ظاہر کہ یہ لوگ اپنے مذہب واعتقاد کی روسے مسلمانوں کو

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] الحدیقه الندیه شرح الطریقة المحمدیه النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶

[3] فتاوٰی ہندیه الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۸، الحدیقه الندیه النوع الرابع من الانواع الستین السب الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۶، شرح النقایه للبرجندی کتاب الحدود نولکشور لکھنو ۴/ ۶۸، ردالمحتار باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

[4] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

مشرک کہتے ہیں ان کا یہ عقیدہ ان کی کتب مثل تقویۃ الایمان وتنویر العینین وتصانیف بھوپالی وغیرہا میں جابجا مصرح تو حسب تصریحات مذکورہ فقہائے کرام ان پر لزوم کفر میں اصلا کلام نہیں، باقی تفصیل ہمارے رسائل **النہی الاکید والکوکبۃ الشہابیہ** وحصہ اول مجلد ششم **العطایا النبویہ فی الفتاوٰی الرضویہ** میں ہے، لاجرم علمائے مکہ معظمہ کے سردار بقیۃ السلف عمدۃ الابرار خاتمۃ المحققین شیخ الاسلام والمسلمین زبدۃ الکبراء البلد الامین شیخنا وبرکتنا وسیدنا وقدوتنا علامہ سید شریف احمد زینی دحلان مکی رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنابہ وقدسنا بسرہ المکی نے کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں کہ خاص اسی طائفہ کے رد میں تالیف فرمائی اور مطبع بہیہ مصر میں طبع ہوئی، ان گمراہوں کی نسبت تصریحا ارشاد فرمایا ص ۲۶:

ھٰؤلاء الملحدۃ المکفرۃ للمسلمین [1]۔	یہ ملحد کافر بے دین لوگ مسلمانوں کو کافر کہنے والے۔

ظاہر ہے کہ ملحد ایک فرقہ کفار ہے بلکہ جمیع فرق کفر کو شامل، ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵۷ رسالہ علامہ ابن کمال پاشا سے:

الملحد اوسع فرق الکفر جدا [2]۔	ملحد تمام فرق کفار سے وسعت معنی میں زیادہ ہے۔

نیز علامہ سید شریف ممدوح نے فرمایا ص ۳۰:

امر الشریف مسعود ان یناظر علماء الحرمین العلماء الذین بعثوھم فناظروھم فوجدوھم ضحکۃ ومسخرۃ کحمر مستنفرۃ فرت من قسورۃ ونظروا الی عقائدھم فاذا ھی مشتملۃ علی کثیر من المکفرات [3]۔	مکہ معظّمہ کے حاکم حضرت مسعود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے علماء حرمین شریفین کو حکم دیا کہ وہابیوں کے مولویوں سے جو ان کے امام شیخ نجدی نے بھیجے ہیں مناظرہ کریں، علمائے کرام نے ان ملوں سے مناظرہ فرمایا تو انھیں پایا کہ نرے مسخرے ہنسنے کے قابل ہیں جیسے بھڑکے ہوئے گدھے کہ شیر سے بھاگے ہوں، اور ان کے عقائد کو غور فرمایا تو ان میں بہت باتیں وہ پائیں جن کا قائل کافر ہے۔

اسی رسالہ مبارکہ میں ص ۳۲ سے ۳۵ تک بہت حدیثیں نقل فرمائیں جن میں اسی فرقہ وہابیہ کے خروج کی خبر آئی ہے ان میں بھی جابجا ان کے کافر اور دین اسلام سے یکسر خارج ہونے کی تصریح ہے اس میں ان کے

---

[1] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ مکتبۃ دار الشفقت ترکی ص ۳۸

[2] ردالمحتار باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۹۶

[3] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ مکتبۃ دار لشفقت ترکی ص ۴۳ و ۴۴

معلم اول شیخ نجدی کی نسبت فرمایا ص ۲۷: "فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ"[1] مدہوش ہوگیا کافر۔
بالجملہ اس میں شک نہیں کہ اس گروہ ناحق پژدہ ہزاروں وجہ سے کفر لازم، اور جماہیر فقہائے کرام کی تصریحیں ان کے صریح کفر پر حکم۔

نسأل الله تعالٰی العفو والعافیه فی الدین والدنیا والاخرة۔	ہم اللہ تعالٰی سے دین اور آخرت میں عفو و عافیت کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

تنبیہ نبیہ: یہ حکم فقہی متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالٰی کے بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظّمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں پاتے اس طائفہ کے پیر وپیرو سے ناحق ناروا بات پر سچے دل سے مسلمانوں خالص سنیوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں باایںہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ، نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ **سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح** ۱۳۰۷ھ میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا، حکم کفر سے کف لسان ہی لیا۔
بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کے محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اور ان کے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں اور ان حضرات سے یہ سب کلمات کفر اعلٰی درجہ تواتر پر ہیں، پھر اگرچہ ہم براہ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں ان کے رخسار وبوار یہ کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے السلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، **والعیاذ باللہ القیوم الدائم**، امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں:

انه یصیر مرتدا قول جماعة وکفی بهذا خسارا و تفریطا[2]۔	وہ ایک جماعت کے قول پر مرتد ہوجائیگا اور یہ اس کے خسارہ اور سرکشی کو کافی ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۸
[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۲

اللہ عزوجل پناہ دے اور دین حق پر دنیا سے اٹھائے، آمین! والحمد اللہ رب العالمین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

الحمد للہ جواب مفصل سے یہ چند سطور کا التقاط مع بعض نفائس زیادات کہ غرہ جمادی الآخرہ روز جمعہ مبارکہ ١٣١٢ھ کو آغاز و انجام ہوا، بجائے خود بھی اس باب میں کافی ووافی کلام ہوا، لہٰذا بلحاظ تاریخ سل السیوف الھندیۃ علی الکفریات بابا النجدیۃ عـــہ نام ہوا،

صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولٰینا محمد والہ وصحبہ اجمعین والحمد اللہ رب العالمین۔

کتبـــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا بریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبد المصطفٰی

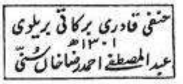

مسئلہ ٣١: از جی آئی پی ریلوے اسٹیشن بھوساول مسئولہ عبدالباسط ١٣ رمضان ١٣٣٩ھ

مسلمانوں نے اتفاق کیا کہ جو مسلمان نماز نہ پڑھے گا وہ برادری سے خارج سمجھا جائے گا اس پر چند افراد جو نماز و روزہ وحج وزکوۃ کے پابند نہ ہوں عالم کے سمجھانے پر بھی نہ مانیں اور کہیں کہ پہلے شرابیوں اور زانیوں کو برادری سے خارج کرنا یہ ضرور اور فرض ہے سو اس کے نصیحت کرنے والے عالم کو کہیں کہ تم جھوٹے ہو اور تم پر خدا کی لعنت ہے حالانکہ وہ عالم ان کا امام ہے تو ایسے بے نمازیوں کو ابھارنے اور جرات دینے والے اور باوجود تاکید عالم کو جھوٹا اور لعنتی بنانے والے مسلمان (بے نمازیوں) کو شرع شریف کے موافق کیا تنبیہ ہونی چاہئے؟ ایسا کہنے والے ایمان سے خارج ہو چکے اور انھیں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کرانا ضرور ہے یا نہیں؟ اگر ایسے اشخاص اپنی بات رکھنے کے لئے نادانی سے یا مغروری سے استفتاء

عـــہ: قال الصاحب جمال الدین بن مطروح: ان کان بابا کم بذا راضیاء　　فرب غش قداتی من تصیح وقال غیرہ: ورام بابا ھم ماموراً فاخلفت ظنہ المقادر نقلھما فی حرف الباء من فوات الوفیات ١٢ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (م)	الصاحب (جمال الدین بن مطروحی نے کہا: اگر تمھارا بابا اس پر راضی ہے تو بسا اوقات کھوٹا بھی کھری آواز دیتا ہے۔ اور کسی دوسرے نے کہا: تمھارے بابا نے کسی مامور کا قصد کیا تو پیمانوں نے اس کا اندازہ غلط کیا۔ دونوں شعر فوات الوفیات کے حرف باء میں اس نے نقل کئے ١٢ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

نہ پڑھیں نہ تجدید نکاح شرم سے کریں اور مرجائیں تو مسلمان ایسوں کی میت میں جائیں اور قبرستان میں دفن کریں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ لوگ سخت اشد کبیرہ کے مرتکب ہوئے، مورد غضب جبار ہیں، مستحق نار ہیں، مستحق لعنت پروردگار ہیں، مگراتنی بات پر صاف حکم کفر ان پر نہیں ہوسکتا، اگر مرجائیں تو ان کے ساتھ اسلامی برتاؤ فرض ہوگا ہاں اگر کوئی خاص مکالمہ ایسا تھا جس پر یہ جواب دینا موجب کفر ہو تو اس کا ذکر سائل نے نہ کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲: از درنگر دایا مسانہ گجرات گاڑیکے دروازہ بنجارہ چاندا رسول کے پاس والا مکان مسئولہ عبدالرحیم احمد آبادی ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر الزام لگانا اور ان کو اپنے جیسا جاننا کفر ہے یا نہیں؟ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جو وقت زید و عمر میں جھگڑا ہوا، عمرو نے زید کے پاس ایک رقعہ بھیجا جس کی نقل یہ ہے، قولک مجھ کو اس کا مطلق رنج نہیں، اقوال یہ بات تو سراسر غلط ہے کیونکہ سب وشتم اور برا کہنے سے مانند مقناطیس کے جس طرح لوہے میں اثر پیدا کرتا ہے اسی طرح دل پر اثر ہوجاتا ہے، خواص ہوں یا عوام، نبی ہو یا ولی سب کے دل پر غم تو ضرور سرایت کرتا ہے، دیکھئے ہمارے پیشوا فخر عالم محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کو کفار قریش کی ایذادہی وطعن زنی کی وجہ سے دل پر غم وحزن کا صدمہ از حد پہنچا تھا ہر وقت غم کی تسلی کے لیئے اللہ جل شانہ نے وقتاً فوقتاً جبریل علیہ السلام کی معرفت نازل فرمایا، جیسے قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾" [1]۔	اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان کا غم نہ کھاؤ اور ان کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو۔ (ت)

اب فرمایئے یہ الفاظ کفریہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ ت)

الجواب:

سوال کی تفصیل سائل نے تحریر کی اس کے دیکھنے سے یہ الزام ثابت نہیں ہوتے کہ اس نے **معاذ اللہ** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر الزام رکھنا چاہا، یا **عیاذا باللہ** حضور کو اپنے جیسا جانا، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۷

مسئلہ ۳۳: از مدراس بتوسط جناب سید شاہ مخدوم محی الدین صاحب قاری نائب متولی مسجد والاجاہی ترملکھیڑی مسئولہ جناب شاہ محمد حسین صاحب قادری نائب قاضی اہلسنت مدراس ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

حضرت مولانا المحترم دام فیضکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، مزاج گرامی، ایک استفتاء بغرض جواب مرسل خدمت گرامی ہے، امید کہ جلد جواب باصواب مرحمت فرمائیں گے کیونکہ مدراس میں ایک شخص جو اپنے آپ کو قومی لیڈر کہلواتا ہے اور اپنے اخبار میں ہمیشہ بزرگان دین کی توہین کرتا ہے جس کے سبب قوم میں تفرقہ پڑ رہا ہے اس کی تنبیہ اور خلق اللہ کی ہدایت کے لئے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے امید کہ جواب سے سرفراز فرما کر عنداللہ ماجور رہوں گے

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین کہ ایک مدراسی پرچہ نویس فاتحہ دلانے والوں پر شرانگیزی کرتا ہے جس کے خیالات یہ ہیں: "فاتحہ بدعت اور زیارت تربتہائے مطہرہ قبر پرستیاں اور اس کی تحریر سے حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فاتحہ دلانے والوں اور متبرک طعام کھانے والوں کو نام کی پوجا قبر کی پرستش کرنے والوں، خلافت کا خون پینے والے اور حضرت غوث الاعظم کی پاک ہڈیوں کو چبانے والے سنایا جارہا ہے، ۱۱ ربیع الآخر کے اخبار میں لکھا ہے: "آج اس کے مریدوں اور متعقدوں کو یہ حال ہے کہ نام کی پوجا اور قبر کی پرستش کر رہے ہیں مگر خلافت کا خون پی رہے ہیں، حضرت غوث اعظم کی پاک ہڈیوں کو چبا رہے ہیں، الخ" ۲ ربیع الاول کے پرچہ میں لکھا کہ: ان بدمعاشوں کو اس پر رونا نہیں آتا کہ حضرت شاہ بغداد کی روح کو کافروں نے ذلیل کیا ہے" اور ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کے پرچے میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے: " جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے کہ اجل کا فرشتہ بندر بن کر شاہ یونان کو کاٹا۔" ۱۵ ماہ محرم ۱۳۳۷ھ کے پرچے میں لکھا ہے: "اذان میں **محمد** رسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سن کر انگوٹھے چوم لینا یا موئے مبارک کی زیارت کرلینا یا آثار خانہ کے روبرو سے گزرتے ہوئے گردن جھکا دینا یا جمعہ یا جمعرات کو فاتحہ کرلینا یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت نہیں۔" ایسے شخص کے لئے شرع شریف میں کیا حکم کرتی ہے، ایسے شخص کو مولانا، فخر قوم، فخر مسلمانان، لیڈر قوم کا لقب دینا دائرہ اسلام میں کوئی خدمت عطا کرنا اس کی تائید واعانت کرنا اس سے راہ ورسم رکھنا اس کا وعظ کرانا اس کا اخبار خریدنا کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فاتحہ کو بدعت کہنا، زیارات مزاراتِ طاہرہ کو قبر پرستی بنانا، نیاز حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم

رضی اللہ تعالٰی عنہ کو نام کی پوجا کہنا، تعظیم آثار شریفہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضور کی اطاعت نہ ماننا، یہ سب شعار وہابیت ہیں اور وہابیہ گمراہ بددین بلکہ کفار ومرتدین ہیں، **کما حققناہ فی غیر ما کتاب** (جیسا کہ ہماری متعدد کتب میں اس کی تفصیل ہے۔ت) روح اقدس حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت وہ ناپاک کلمہ تذلیل لکھنا کذب وقبیح و توہین صریحہ ہے ان کے غلامان غلام کی روح کو تمام جہان کے کفار ومشرکین ووہابیہ ومرتدین مل کر ذلیل نہیں کرسکتے۔

"وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ ۸" [1]۔	عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں (ت)

حضرت ملک الموت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بندر کاٹنے کا لفظ ملک مقرب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ک توہین ہے کفر مبین ہے، ایسے شخص کو مولانا وفخر مسلمانان اور ہادی ورہبر قوم ماننا اگر اس کے اقوال پر اطلاع کے بعد ہے خود کافر وموجب غضب رب ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتقولوا للمنافق سیدنا فانہ ان یکن سیدکم فقد اسخطتم ربکم [2]۔	منافق کو "اے ہمارے سردار" نہ کہو کہ اگر وہ تمہارا سردار ہوا تو تم نے اپنے رب کا غضب اپنے سر لیا۔

فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ودرمختار وغیرہا میں ہے: **تبجیل الکافر کفر** [3] (کافر کی توقیر کفر ہے۔ت) انھیں میں ہے: **لو قال لمجوسی یا استاذ تبجیلا کفر** [4] (اگر مجوسی کو "اے استاد" توقیرا کہا تو کفر ہے۔ت) اس کا واعظم کرانا حرام ہے، تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم	کیونکہ اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث بریدہ الاسلمی رضی اللہ عنہ دار الکفر بیروت ۵/ ۴۷-۳۴۶، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب لایقول المملوک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۴

[3] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] الاشباہ والنظائر کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

اھانۃ شرعا[1]۔	مسلمانوں پر شرعا اس کی توہین لازم ہے۔(ت)

اسلام کی کوئی خدمت اسے سپرد کرنا جس میں وہ مسلمانوں کا راز دار یا بعض مسلمانون کا سردار بنے سخت حرام ہے

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! غیر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔

ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب ایک کافر کو اپنا محرر بنانا چاہا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں فرمان بھیجا:

لا اکرمھم اذا اھانھم اللہ و لا اعزھم اذا اذلھم اللہ ولا ادینھم اذا ابعدھم اللہ[3] وفی اخرٰی لیس لنا ان ناتمنھم وقد خونھم اللہ ولا ان نرفعھم وقد وضعھم اللہ[4]۔	میں کافر کو گرامی نہ کروں گا جب کہ انھیں اللہ نے خوار کیا، نہ انھیں عزت دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ انھیں اللہ نے دور کیا، دوسری روایت میں ہے ہمیں روا نہیں کہ کافروں کو امین بنائیں حالانکہ اللہ تعالٰی انھیں خائن بتاتا ہے یا ہم انھیں رفعت دیں حالانکہ اللہ سبحانہ وتعالٰی نے انھیں پستی دی۔

درمختار میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین[5]۔	اسے کتابت اور ایسے کام سے روک دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے ہاں معظم ٹھہرے۔(ت)

اس کی تائید واعانت حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور حد سے بڑھنے پر مدد نہ دو۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲

[4] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۲

[5] درمختار باب فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

[6] القرآن الکریم ۵/ ۲

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خلع من عنقة ربقة الاسلام[1]۔	جو دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے چلے بیشک اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔

اس سے راہ ورسم میل جول رکھنا حرام ہے،

قال اللہ وتعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاهم لایضلونکم ولایفتنونکم[3]۔	ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔

اس کا اخبار بطور پسند خریدنا ہرگز جائز نہیں جب کہ وہ ایسی ناپاک ومخالف دین باتوں پر مشتمل ہوتا ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ٭ۖ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ ﴿۶﴾ "[4]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی کا فرمان مبارک ہے کچھ لوگ لغو باتیں خریدتے ہیں کہ ان کے سبب براہ جہالت خدا کی راہ سے بہکادیں اور اسے ہنسی بنالیں ان کے لئے ہے ذلت دینے والا عذاب۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷، شعب الایمان حدیث ۷۶۷۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۲۲
کنز العمال حدیث ۱۹۵۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۸۵، الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۵۴۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] صحیح مسلم باب نہی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[4] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

مسئلہ ۳۴: از پڑاوہ علاقہ ریاست ٹونک محلّہ سلطان پورہ مسئولہ ابراہیم ۲۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے ہاتھوں سے تعزیہ بناتا ہے اور پرستش جیسے افعال اس سے سرزد ہوتے ہیں یعنی منت وغیرہ ماننا، اس شخص میں اور بت پرست میں کیا فرق ہے؟ اس کی زوجہ اس کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

تعزیہ بنانا ناجائز ہے مگر ہرگز کوئی مسلمان اس کی پرستش نہیں کرتا نہ اسے معبود جانتا ہے، یہ مسلمان پر شدید بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام، اور وہ منتیں کہ مانی جاتی ہیں عرفی یا اختراعی ہیں شرعی نہیں، بلکہ خود نذر شرعی کے عبادت ہونے میں کلام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں نذر ماننے سے منع فرمایا اور عبادت سے منع نہیں کیا جاتا۔ صحیحین میں ابوہریرہ وعبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتنذروا فان النذر لایغنی من القدر شیئا وانما یستخرج بہ من البخیل[1]۔	نذر نہ مانو تقدیر کے آگے نذر کچھ کام نہیں دیتی اس سے تو فقط اتنا ہوتا ہے کہ بخیل سے مال نکال لیا جاتا ہے۔

اولیاء کے لئے نذر عرفی ف صدہا سال سے مومنین وصالحین میں معمولی ہے جس کا بیان ہماری کتاب "**السنیۃ الانیقہ فی فتاوی افریقہ**" میں ہے غرض اس کی زوجہ کا اس کے نکاح میں نہ رہنا محض بلاوجہ خیال باطل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵: از غازی پور یوپی مسئولہ قاضی محمود احمد صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کی امامت کے بارے میں جو خلافت اسلامیہ کی تباہی اور مقامات مقدسہ پر قبضہ ہونے اعدائے دین اسلام کی مسرت میں شرکت کرتا ہو اور مصیبت زدہ مسلمان کوئی ایسی تدبیر کرتے ہوں جس سے خلافت اسلامیہ کا وقار قائم ہوجائے اور جزیرۃ العرب پر اسلامی حکومت قائم ہوجائے تو مسلمانوں کے خلافت قاتلان اسلام کی نہ صرف امداد کرتا ہو بلکہ ان کی

[1] صحیح مسلم کتاب النذر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۴

ف: نذر عرفی اور نذر فقہی کی وضاحت فتاوٰی رضویہ جلد ۱۳ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کے ص ۵۹۷ پر مسئلہ ۲۴۹ کے تحت فتاوٰی افریقہ سے نقل کردی گئی ہے اسے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے ۱۲

تحسین وتبریک اور ایسی مجالس میں شرکت کرتا ہوں جو خلافت کی تباہی وبربادی کے واسطے کی جاتی ہوں، اس سے تمام اہل اسلام کے قلوب متنفر ہوں کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ باتیں واقعی ہیں کہ وہ معاذاللہ شکست اسلام پر مسرت کرتا ہے اور قاتلان مسلمین کی تحسین، تو اس کی قابلیت امامت درکنار اس کے اسلام ہی میں کلام ہے، باقی وہ ناجائز طریقے جو مدعیان حمایت نے نکال رکھے ہیں اور جس میں مشرکین سے محبت وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی وانقیاد برت رہے ہیں، وہ سب مخالف قرآن عظیم ہیں، مسلمانوں کو ان سے جدائی فرض ہے،

قال اللہ تعالٰی "لَاتَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نہ پاؤ گے انھیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ وقیامت پر کہ اللہ ورسول کے مخالفوں سے دوستی کریں اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہوں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَوْ کَانُوْا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالنَّبِیِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَا اتَّخَذُوْھُمْ اَوْلِیَآءَ"[2]۔	اور اگر انھیں اللہ اور نبی اور قرآن پر ایمان ہوتا تو کافروں کو اپنا دوست یا مددگار نہ بناتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶ و ۳۷: از سہسرام محلہ پرتالہ ضلع آرہ مسئولہ قدرت اللہ صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اثنائے تقریر میں کہا کہ غلاف کعبہ جلادیا گیا، دوسرے نے کہا کیا ہوا دوسرا غلاف آجائے گا۔ اس پر کہا گیا کہاں سے آئے گا، قسطنطنیہ سے تو نہیں آسکتا۔ تو اس نے جواب دیا کیا کعبہ کو جاڑا لگتا ہے، ایسا کہنے والے کے لئے عندالشرع کیا حکم ہے؟

(۲) خلیفۃ المسلمین کے لئے احکام کو ماننا یا ان کی مدد کرنا ان کے وقار کو قائم رکھنا اندر حدود والوں پر فرض ہے یا ہندوستانیوں پر بھی؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۱

الجواب:

(۱) اس کے کلام سے استہزا مترشح ہوتا ہے اس پر توبہ فرض ہے، اور اگر معاذاللہ فی الواقع کعبہ معظّمہ سے استہزا مقصود ہو تو کفر ہے۔

(۲) احکام سلطانی اس کے قلمرو تک ہیں اور اعانت وحمایت ابتداءً اس ملک والوں پر ہے اور وہ عاجز ہوں یا نہ کریں تو قریب والوں پر یونہی منتہائے دنیا تک، مگر ہر فرض بقدر استطاعت ہے اور ہر مطالبہ بقدر قدرت، بحالت موجودہ ہندوستانیوں کو جہاد قائم کرنے کی اجازت شرع میں نہیں۔ **کما ھو مبین فی المحجه المؤتمنة** (جیسا کہ **المحجة المؤتمنة** میں اس کا تفصیلی بیان ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: از سرکار اجمیر مقدس لنگر گلی مسئولہ حکیم غلام علی صاحب ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازے پر اور خلافت کے بورڈ پر اور خلافت کی ٹوپی پر اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے کیا اجمیر کے ساتھ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھا خلاف عقیدہ اہلسنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سید ناخواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جلوہ افروزی حیات ظاہری ومزار پر انوار کو (جن کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدو اللہ ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

من عادٰی لی ولیًا فقد اٰذنته بالحرب[1]۔	جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی اس کے خلاف میرا اعلان جنگ ہے۔(ت)

اور اگر یہ ناپاک التزام بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتا اور فضل عظیم وخیر جسیم سے محروم ہے **کما افادہ الامام المحقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ فی الترضی** (جیسا کہ امام محقق محی الدین ابوزکریا قدس سرہ نے ترضی میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور اس کا مبنٰی وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے، اس کے بعد ایسی باتوں کو کیا شکایت ع

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳و ۹۶۴

ما علی مثلہ بعد الخطاء

(خطاء کے بعد اس کی مثل مجھ پر نہیں۔ت)

اپنے نام سے لفظ غلام اس بناپر ہے کہ حضور خواجہ خواجگان رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنہم کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے، تو بدستور گمراہ اور بحکم حدیث مذکورہ عدو اللہ ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم، قال اللہ "اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ" [1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: کیا نہیں جہنم میں ٹھکانا متکبرین کا۔ت) اور اگر بربنائے وہابیت ہے کہ غلام اولیائے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین وغلام معین الدین کو شرک جانتا ہے تو وہابیہ خود زندیق، بے دین، کفار ومرتدین ہیں "وَلِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ" [2] (اور کفار کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از رانی کھیت محکمہ ملٹری وائس مسئولہ ثناء اللہ سب اوورسیئر ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے کہا کہ تمہارا رکوع، سجود بالشرع نہیں ہے، اس پر اس نے فوراً یہ کہا یہ آج سے القط ہے، جو آج سے نماز پڑھے وہ مادر......... ہے اور اس سے کہا کہ تم نے داڑھی منڈوائی تو کہا کہ سنت ہے، ایسے شخص پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس کا دوسرا لفظ کہ داڑھی منڈوانے کے جواب میں کہا سنت ہے، اگر داڑھی منڈوانے کو سنت کہا تو ضرور کلما کفر ہے، اور اگر یہ مطلب تھا کہ داڑھی رکھنا صرف سنت ہے، فرض واجب نہیں کہ اس کے ترک سے میں نے گناہ کیا تو اگرچہ اس کا یہ جواب شیطانی ہے مگر کفر سے بچ جائے گا، لیکن وہ گالی جو اس نے نماز پڑھنے والے کو دی ضرور کلمہ کفر ہے اس پر فرض ہے کہ نئے سرے سے مسلمان ہو پھر عورت کو رکھنا چاہے تو اس سے دوبارہ نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: از قصبہ رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم محمد احسن صاحب ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں پر کسی فعل ناجائز کے سبب کفر کا فتوٰی دینا جائز ہے یا نہیں ہے؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۵

الجواب:

فعل ناجائز کہ صرف گناہ ہو محض اس کی وجہ سے کفر کا فتوٰی دینا سید وغیر سید کسی پر بھی جائز نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱ تا ۴۲: از جمشید پور ڈاک خانہ خاص ضلع سنگھ بھوم آفس کار کمپے مسئولہ حمید اللہ ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

(۱) مسلمان یا ہندو کسی مسلمان کا نام لے کر کہیں کہ فلاں شخص کی جے۔ جیسے شوکت علی محمد علی کی جے، یہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) شوکت علی وغیرہ کے مجلسوں میں جانا درست ہے یا نہیں؟ اور لفظ مہاتما کہنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جے جو کافر بولتے ہیں جیسے گاندھی وغیرہ کی یا عام ہنود کی، یہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے، درمختار وغیرہ میں ہے: **تبجیل الکافر کفر**[1] (کافر کی تعظیم کفر ہے۔ت) یونہی جو نام کا مسلمان حد کفر تک پہنچ گیا ہو اس کی جے کا بھی یہی حکم ہے، اور مسلمان کی جے بولنا بھی منع ہے کہ کفار سے مشابہت ہے۔

(۲) مشرک کو مہاتما کہنا حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے اور ان کے جلسوں میں جانا ناجائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از محلّہ سوداگران مسئولہ حضرت ننھے میاں صاحب مد ظلہم ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام نے یہ رکوع "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ"[2] (اے اہل ایمان! ہو جاؤ اللہ تعالٰی کے مددگار۔ت) پڑھا پھر **من بنی اسرائیل** کی جگہ **منکم** کہہ گیا۔ زید نے بعد سلام کہا کہ قرآن عظیم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرماتا ہے: اللہ کے مددگار ہو جاؤ، پھر بنی اسرائیل کی حالت دکھائی جاتی ہے کہ ایک گروہ ان میں سے ہمارا فرمانبردار ہوا اور ایک فرقہ نے کفر کیا منکم کی ضمیر گویا انصار اللہ ک طرف تم نے راجع کی تو **معاذ اللہ** صحابہ کے دو گروہ ہو گئے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۱/ ۱۴

اس پر امام نے جواب دیا کہ قرآن عظیم عامہ مسلمین سے بھی خطاب فرماتا ہے کفار سے بھی خطاب فرماتا ہے اگر ایسا نہیں یعنی مخاطبہ اس کا صرف صحابہ کرام ہی سے ہو تو اوامر و نواہی سب اٹھ جائیں گے اور کوئی کافر کافر نہ رہے گا۔ اور یہ کہہ دے گا کہ ہم کو کوئی حکم نہیں پہنچا، اس پر زید نے کہا کیا ہم کمینے اس قابل نہیں کہ قابل نہیں کہ قرآن عظیم ہم سے مخاطبہ فرمائے، صحابہ سے اس نے خطاب فرمایا ان کے صدقہ میں ہم کو ملا، عالمگیر دنیا کا بادشاہ ایک چمار سے بات کرنے میں اپنی تذلیل سمجھے گا۔ ہماری نسبت قرآن عظیم سے وہ نہیں جو چمار کو علمگیر سے ہے، کافروں سے مخاطبہ نہیں بلکہ ان کو جھڑکیاں دینا ہے "وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۹﴾"[1] (اور جدا ہو جاؤ آج کے دن اے مجرمو۔ت) یہ جھڑکی ہے یا مخاطبہ، شہنشاہ مجرم بدمعاش بدکار کو حکم سزا سنایا کرتا ہے اس کو کلام نہیں کہتے، صحابہ کرام کے پاک ذکر میں طغیان کلام میں یہ بھی زید کے منہ سے نکل گیا کہ اگر وہ ایسی جان نثاری اور ایسی کوششیں نہ فرماتے تو مورخین تاریخ میں لکھ دیتے کہ ایک صاحب پیدا ہوئے اور انھوں نے یہ دعوی کیا، ان پر کتاب اتاری گئی اس کے سوا اور کچھ پتا نہ چلتا۔ یہ انھیں کی جانبازیوں کا نتیجہ ہے جو ہم مسلمان ہیں، ان کا احسان اسلام پر قرآن پر اور سب پر، اگر معاذاللہ احسان سے قائل کی نیت اس وقت غصہ یا حماقت کے سبب منت نہادن ہو تو اس کی نسبت کیا حکم ہوگا حالانکہ زید کے اندر کے دل کا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن عظیم پر کسی کا احسان نہیں حتی کہ جس اکرم الاکرمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اس نے نزول اجلال فرمایا ان کا بھی کوئی احسان اس پر نہیں بلکہ اسی کے احسانات بے نہایت ہیں، وہ اپنے عقیدے میں روح ایمان کے طریقہ پر رکھتا ہے کہ اس کی ایک آیت کریمہ خود حضور پر نور سید المرسلین نبی الانبیاء اور جمیع مخلوقات الٰہی سے افضل تر ہے کہ وہ باری عزوجلالہ کی صفت کریمہ ہے اور یہ مخلوق وہ قدیم ہے اور یہ حادث اور وہ نماز ہوئی یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نماز تو یقینا ہو گئی، ضمیر منکم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پھرنی کچھ ضرور نہیں، التفات بھی ہوسکتا ہے، اور پھرے بھی تو حرج نہیں، بعض کہ اس وقت **الذین امنوا** اور بظاہر صحابہ میں داخل تھے **معاذاللہ** بعد کو مرتد ہوگئے جن سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قتال فرمایا جس کا ذکر آیہ کریمہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ	اے ایمان والو! تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۹

وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ "[1]	وہ اللہ کے پیارے اور اللہ ان کا پیارا، مسلمانوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی ملامت کرنے والے کی ملامت اندیشہ نہ کریں گے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے، اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

یہاں بھی یایھا الذین اٰمنوا سے خطاب فرمایا اور انھیں میں سے بعض معاذاللہ مرتد ہوئے، او وہ اللہ کے پیارے صدیق اکبر اور ان کے پیرو ہوئے، زید کا کہنا کہ خطاب الٰہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے اور ہم بالطبع داخل ہیں بہت صحیح ہے، اور واقعی قرآن کریم کفار سے زجر کے سوا خطاب کم فرماتا ہے، غالبا اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ ان سے یوں فرمادو، "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱﴾ "[2]، "قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ "[3]، "قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا "[4]، "قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا "[5] وغیر ذالک۔ پھر بھی بعض جگہ سوائے زجر بھی قرآن عظیم نے بنفس نفیس ان سے خطاب فرمایا ہے۔

قال تعالٰی "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ "[6]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے وہ لوگوں جو موسی وعیسٰی پر ایمان کا نام لیتے ہو، یعنی یہود ونصاری اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تمھیں اپنی رحمت کا دوہرا حصہ دے گا اور تمھارے لئے نور کردے گا جس سے صراط پر چلو اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

معالم شریف میں ہے:

یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ. الخطاب لاھل الکتابین من الیھود والنصاری یقول یایھا الذین اٰمنوا بموسی وعیسی	اے اہل ایمان! اللہ کا تقوی اختیار کرو، یہ یہود ونصارٰی اہل کتاب کو خطاب ہے فرمایا اے وہ لوگو! جو موسٰی وعیسی پر ایمان لائے

[1] القرآن الکریم ۵ /۵۴

[2] القرآن الکریم ۱۰۹ /۱

[3] القرآن الکریم ۳ /۹۸

[4] القرآن الکریم ۶۲ /۶

[5] القرآن الکریم ۳ /۱۲

[6] القرآن الکریم ۵۷ /۲۸

اتقوا اللہ فی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	تمھیں حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں ڈرنا چاہئے۔(ت)

زید نے جو کچھ مدح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں کہا سب حق ہے اور سچی محبت صحابہ سے ناشی ہے اور وہ لفظ احسان کہ اس کی زبان سے نکلا اس کی توجیہ نہایت صاف وآسان ہے، قرآن مصحف کریم کو بھی کہتے ہیں، اس قرآن مجید کا ہدیہ کیا ہے، فلاں نے قرآن عظیم کو ہبہ کیا، یا فلاں مسجد پر وقف کیا، یا قرآن کریم کی جلد بندھواؤ، یا چولی چڑھاؤ، یا غلاف سی دو، ان تمام محاورات میں قرآن سے مصحف ہی مراد ہے، اور بلاشبہ یہ محاورہ عام شائع متعارف ہے اور مصحف یعنی یہ اوراق اور ان پر یہ نقوش ساتی روشنائی ضرور حادث وجنس مخلوق ہے، اور اجلہ کا اس سے افضل ہونا ممکن نہ ہو یہ کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں بلکہ جب جنگ صفین میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کے حضور قرآن عظیم بلند کیا گیا فرمایا: **ھذا مصحف صامت وانا مصحف ناطق**[2]۔ یہ خاموش قرآن ہے اور میں قرآن ناطق ہوں۔ اگر قرآن سے زید کی یہی مراد تھی تو اس پر کچھ الزام نہیں اور اس کا وہ بیان کہ میں قرآن کو ایسا جانتا ہوں، استدراک ودفع وہم ہوگا، یعنی قرآن حقیقی کی نسبت تو میرا یہ اعتقاد ہے جو حرف بحرف ہے، مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اکرم الاولین کہنے کی اجازت نہیں، یہ نام پاک عرف میں رب العزت کے لئے ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکرم الاولین والآخرین ہیں، غرض زید کی نسبت حکم فتوٰی تو یہ لکھا کہ اس کا کلام معنی صحیح رکھتا ہے، اور وہ کسی سخت الزام کا مورد نہیں ______ لیکن وہ اپنی نیت کو خوب جانتا ہے اور اس کا رب اس سے اعلم، اگر یہ کلمہ اس نے قرآن حقیقی قدیم ہی کی نسبت کہا ہو تو اس صورت میں ضرور حکم سخت ہوا، اس تقدیر پر تجدید اسلام لازم ہوگی پھر اس کے بعد تجدید نکاح وبیعت وحج کے احکام، قرآن عظیم غنی عن العلمین ہے، وہ اس سے پاک ومنزہ ہے کہ تمام عالم میں اس کا اس پر کچھ احسان ہو، اگر سارا جہان کفر کرتا اس کی عظمت میں ذرہ بھر فرق نہ آتا اور اگر سارا جہاں ایمان لے آئے اس کی عظمت میں ذرہ بھر اضافہ نہ ہو کہ اس کی عظمت نامحدود ہے اور نامحدود پر اضافہ محال، بالجملہ یہ معاملہ زید اور اس کے رب میں ہے شرعا اس پر کوئی الزام نہیں کہ صاف تاویل موجود ہے، ہاں حفظ زبان کی احتیاط لازم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیۃ یایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ الخ مصطفی البابی الحلبی المصر ۷/ ۴۰

[2]

مسئلہ ۴۴: از میرٹھ کوٹھی سید محمد حسین صاحب بیرسٹر مسئولہ محمد مجتبٰی خاں ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبلیغ خلافت کی غرض سے جامع مسجد میں ایک جلسہ ہوا جس میں ہنود بھی شریک ہوئے، دوران تقاریر میں مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے اور ہنود نے بندے ماترم، مہاتماگاندھی کی جے، تلک مہاراج کی جے کے نعرے لگائے، کیا ہنود کو مساجد میں اس قسم کے نعرے لگانا جائز ہے؟ اور اگر بعض مسلمانوں نے خود اپنی زبان سے اسی مقام پر دوران تقاریر میں اہل ہنود کے ساتھ یا خود پیش قدمی کرتے ہوئے اس قسم کی جے کی آوازیں بلند کی ہوں توان کا کیاحکم ہے؟ **بینوا بالدلیل توجروا من الرب الجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرورب جلیل سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

مشرکین کی جے پکارنا ان کی تعظیم ہے اور کافروں کی تعظیم کفر ہے، فتاوٰی ظہیریہ واشباہ ودر مختار میں ہے، **تبجیل الکافر کفر**[1] (کافر کی تعظیم کفرہے۔ت) ایسے کلمہ گویوں پر لازم ہے کہ نئے سرے سے اسلام لائیں، پھر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں توان سے از سر نو نکاح کریں، بلکہ ایسے جلسوں میں جو مضامین باطلہ ومخالف شرع ہوتے ہیں پر بہ نیت تحسین **اللہ اکبر** کہنا بھی حرام قطعی ہے کہ ذکر الٰہی کی توہین ہے۔ مشرکوں کو مسجد میں اس طرح لے جانا اور ان کا اپنے کلمات کفر بالاعلان کہنا اور مسلمان کہلانے والوں کااسی پر راضی ہونا باجماع امت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما بینت المساجد لما بنیت له[2] (وفی اخری) **لذکر الله والصلوٰة وقراءة القراٰن**[3]۔	مسجدیں توصرف اس لئے بنیں جس لئے بنیں، دوسری روایت میں ہے وہ تواللہ تعالٰی کی یاد اور نماز اور تلاوت قرآن کے لئے بنیں۔

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۸۸، درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم باب وجوہ غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸، کنزالعمال حدیث ۲۰۷۹۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۶۱

یہاں تک کہ صحیح حدیثوں میں فرمایا: جو مسجد میں اپنی گمی چیز کو پوچھے اس سے کہو لا ردالله علیك ضالتك وان المساجد لم تبن لهذا [1] اللہ تیری گمی چیز کو تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہ بنیں، نہ کہ کافروں کے لے جانے اور مشرکوں کی جے پکروانے کے لئے، مگر کیا کیجئے کہ ان لوگوں کے دل مسخ ہوگئے، انھوں نے مشرک کے غلام ہو کر اللہ ورسول کے سب احکام منسوخ کردیئے، احمق بے عقل وجاہلوں کی کیا گنتی ساری کمیٹی میں سب سے بڑے عالم کہلانے والے مولوی عبدالباری فرنگی محلّی ہیں جنھوں نے جلسہ مدراس میں اپنے منہ سے اپنے آپ کو نہ صرف عالم بلکہ بہت بڑا مجدد کہا وہ اقرار لکھ رہے ہیں کہ وہ بالکل پس روگاندھی کے ہیں اس کو اپنا رہنما بنالیا ہے جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؁" [2] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) اس کا نام دین ہے اس کا نام اسلام ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے: اگر تم نے کافروں کا کہا مانا تو ضرور تم بھی مشرک ہو۔

"وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾" [3] "وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [4] واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از ماناڈے، برمارود نمبر ۲۹ زرباری مرسلہ حاجی حسین احمد صاحب ماسورتی سوداگر آہن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے وعظ میں کہا کہ فرعون نے ایک نماز میں خداوند کریم سے پانی کی دعا مانگی اور کہا میں تجھ کو وحده لاشريك له جانتا ہوں میری دعا قبول فرما، پس اس کی دعا قبول ہوئی آج کل کے مسلمانوں کا ایمان اگر فرعون جتنا بھی ہوتا سب جنت میں چلے جاتے، دوسری بات یہ کہی کہ ترک موالات پانچ بنائے اسلام سے بڑھ کر ہے، پس ایسے واعظ کے لئے کیا حکم ہے ایسے ملعونہ کلمات سے کافر ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو فاسق ہوا یا نہیں؟ اس کی امامت کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس کی دونوں باتیں کفر ہیں، فرعون بالاجماع وبنص قطعی قرآن کافر تھا،

قال اللہ تعالٰی "كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ"	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کافروں سے پہلے رسولوں کو جھٹلایا نوح کی قوم اور رس والوں اور ثمود نے اور فرعون اور قوم لوط نے اور ایکہ والوں اور تبع

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع النھی عن البیع فی المسجد امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ "[1]	کی قوم نے ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو تکذیب رسل پر ہم نے جو وعید فرمائی تھی ان سب پر ثابت ہو گئی۔

مسلمانوں کے ایمان کو اس کافر اکفر کے ایمان سے کم کہنا صریح کفر ہے، یہ کفر کو ایمان پر تفضیل دینا ہے، کافر میں ایمان کہاں اور وہ بھی مسلمانوں کے ایمان سے افضل، جس کا نام ان لوگوں نے ترک موالات رکھا ہے، اول تو وہ ہرگز ترک موالات نہیں، مشرکوں سے صراحۃً موالات کر رہے ہیں بلکہ ان کے غلام بن رہے ہیں، ان میں جذب ہو چکے، ان میں فنا ہو رہے ہیں، مشرک کے پس رو ہوئے، اسے اپنا رہنما بنالیا، جو وہ کہتا ہے وہی مانتے ہیں، ان کے سب سے بڑے عالم مولوی عبدالباری فرنگی محلّی نے صاف صاف ان باتوں کا اقرار کیا اور صراحۃً لکھ دیا کہ میں نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کردی، قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائیں مجوس ہوں خواہ یہود ونصارٰی ہوں، خواہ ہنود، اور سب سے بدتر مرتدان ہنود، اور یہ مدعیان ترک موالات مشرکین مرتدین سے یہ کچھ موالات برت رہے ہیں۔ پھر ترک موالات کا دعوٰی، اس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی مشرک مہادیو کو پوجتا جائے اور کہے دیکھو شرک بہت بری چیز ہے سوا خدا کے کسی کو نہ پوجنا وغیر خدا کو سجدہ نہ کرنا. نصارٰی سے ترک معاملت جائز دنیویہ جس کا نام انھوں نے ترک موالات رکھا ہے وہ اسے فرض بلکہ مدار ایمان بتاتے ہرگز شریعت نے اسے واجب نہ کیا، یہ ان کا شریعت پر افتراء اور ان کا بلکہ ان کے رہنما گاندھی کا اختراع ہے، ان سب امور کی تفصیل ہماری کتاب **المحجۃ المؤتمنہ** میں ہے۔ اور بفرض غلط اگر یہ واجب بھی ہوتی تو اسے اسلام کی پانچوں بناؤں سے بڑھ کر کہنا صریح کفر تھا، اللہ عزوجل کو ایک اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کا رسول برحق ماننے کے برابر بھی کوئی فرض نہیں ہوسکتا، سب فرض اس کے نیچے ہیں اور اس کے سبب مقبول، یہ نہ ہو تو سب مردود،

قال اللہ تعالٰی "وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۰ /۱۲تا۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵ /۲۳

وقال تعالٰی " وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۸۵ " [1] ۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جائیگا اور وہ اخرت میں زیاں کاروں سے ہے۔(ت)

بالجملہ واعظ مذکور کے کفر میں کوئی شک نہیں اور اس کے پیچھے نماز ایسی ہے جیسی گاندھی کے پیچھے، اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، اسے واعظ بنایا اس کا وعظ سننا درکنار مسلمانون کو اس سے میل جول اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا، اس سے سلام کلام، اس کی موت وحیات میں کوئی معاملہ اہل اسلام سب یکسر حرام جب تک وہ اپنے کلمات ملعونہ سے توبہ کرکے اسلام نہ لائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: مسئولہ حکیم عبدالرحمٰن محلّہ جمال پورہ مقال سون پت ضلع رہتک ۱۱ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

منبع الفضل وبرکات الزمان مولانا احمد رضاخان ادامہ اللہ تعالٰی بالفیض والاحسان، السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی، امابعد واضح رائے عالی ہو کہ بسط البنان کے رد میں آنجناب کے دو رسالہ "ادخال السنان" اور "واقع اللسان" دیکھے جن کے مطالعہ سے تمام شکوک رفع ہوگئے اور اپ کی اقصی مراتب کی تحقیق سے دل خوش ہوا، اما ایک یہ شبہ باقی رہ گیا ہے امید ک اس معما کو عما فہم عبارت میں کارڈ ملصقہ پر حل فرماکر تشفی فرمائیں گے، شبہ یہ ہے کہ چونکہ "ادخال السنان" کے تمام دلائل سے تو حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات کا عالم الغیب ہونا بماکان وبمایکون کا پیش از وفات ہی باحسن طریقہ ثابت ہوگیا، لیکن مشکوٰۃ شریف کے باب الشفاعت میں صحیحین کی حدیث میں یلھمنی محامد احمدہ بھا لاتحضرنی الاٰن [2] (مجھے ایسے محامد کا الہام ہوگا جن کا اس وقت مجھے علم نہیں۔ ت) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامدہ وثنا مستثنٰی ہیں یعنی یہ محامد حضرت کو قیامت کے اس وقت خاص سے پیشتر نہیں عطا کئے گئے کیونکہ ترمذی شریف میں اسی باب میں لم یفتحہ علی احد قبلی [3] (مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں کی گئیں۔ت) فرمایا ہے۔ اور شیخ دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی شرح اشعۃ اللمعات میں اسی طرح کی ہے:

ہم دران وقت نورے خاص از مقام قرب و معرفت در دل من افتد کہ علم آن محامد	مقام قرب و معرفت سے اس وقت میرے دل میں ایک نور خاص پیدا ہوا گا جوان

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

[2] مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۸۸

[3] جامع الترمذی باب ماجاء من الشفاعۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۶۶

اثران باشد [1]۔	محامد کا اثر ہوگا۔ (ت)

اوراس حدیث سے تیسری حدیث کے اس جملہ لم یفتحہ علی احد من قبلی کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکشادہ الہام نکردہ بر ہیچ یکے پیش از من بلکہ بر من نیز پیش ازیں وقت چنانچہ از حدیث سابق لائح می شود [2]۔	مجھ سے پہلے ان کا کسی پر الہام نہ ہوگا بلکہ میں بھی اس سے پہلے ان کو نہ جانوں گا جیسا کہ سابقہ حدیث سے واضح ہے۔ (ت)

اور شیخ اکبر محی الدین ابن عربی فتوحات مکیہ میں گویا اسی حدیث کو بیان فرماتے ہیں:

فیاتی ویسجدویحمدالله بمحامد یلهمه الله تعالٰی ایاہ فی ذلك الوقت لم یکن یعلم قبل ذلك الوقت [3]۔	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لاکر سجدہ ریزی کرینگے اور اللہ تعالٰی کی ایسی محامد کریں گے جن سے اللہ تعالٰی آپ کو اس وقت نوازے گا اس سے پہلے وہ آپ کے علم میں نہ ہوں گی۔ (ت)

پس ان عبارات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ محامد اسی وقت تعلیم ہوں گے، اور یہ محامد بھی من جملہ مایکون سے ہے، تو گویا ابھی تک اس کا علم حضور کو نہیں۔ اور گویا بعض اشیاء کا علم نہ ہوا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوا، تو تمام اشیاء کا علم نہ ہوا اور اس میں احتمال ذہول بھی نہیں رہتا کیونکہ خود اس سے انکار فرماتے ہیں کہ ہم کو اس کا علم عطا نہیں ہوا۔ امید کہ مفصل جواب عطا فرمائیں گے، اطمینان کے لئے دریافت ہے، اور مرقاۃ میں اس کی کیا شرح کی گئی ہے؟

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کارڈ کے مطالعہ سے محظوظ ہوا، مولٰی تعالٰی آپ کو برکات دے، ایسی حق پسندی وحق جوئی نہایت قابل مسرت ہے۔ ماکان ومایکون جس کے ذرہ ذرہ کا احاطہ کلیہ قرآن عظیم واحادیث صحیحہ وارشادات ائمہ سے آفتاب روشن کی طرح ثابت ہے، اس کے معنی ماکان من اول یوم ویکون الی اخر الایام یعنی روز اول آفرینش سے روز قیامت تک جو کچھ ہوا اور ہونے والا ہے ایک ایک ذرے کا علم تفصیلی حضور کو عطا ہوا، شرق وغرب

[1] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ (فارسی) باب الحوض والشفاعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۸۸

[2] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ (فارسی) باب الحوض والشفاعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۳۸۹

[3] فتوحات مکیہ الباب الخامس والعشرون وثلثمائۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۸۷ و ۴۰۳ و ۳/ ۹۲ و ۹۳

میں سمٰوٰت وارض میں عرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہیں۔ ذات وصفات حضرت عزت احاطہ وتناہی سے بری ہیں، ممکن نہیں کہ جمیع مخلوقات کا علم مل کر اس کی ذات علیہ یا کسی صفت کریمہ کو محیط ہوسکے کبھی کوئی اسے پورا جان سکے گا۔ مومنین واولیاء وانبیاء اور خود حضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوات واکمل التسلیمات ابدالآباد تک اس کی معرفت میں ترقی فرمائیں گے، ہر روز اس کے وہ محارم معلوم ہوں گے جو کل تک نہ معلوم تھے اور یہ سلسلہ ابد تک رہے گا کبھی ختم نہ ہوگا۔ روزانہ بے شمار علوم متعلق ذات وصفات ان پر منکشف ہوں گے اور ہمیشہ ذات وصفات میں نامتناہی غیر معلوم رہے گا کہ وہ محیط کل ہے کسی کے احاطہ میں نہیں آسکتا۔ وہ حدیث متعلق بہ محامد علوم ذات وصفات میں ہے اور بیشک حق ہے اور دعوی اہل حق کو کچھ مضر نہیں۔ **وله الحمد وهو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۷: مسئولہ قاضی قاسم میاں از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار بروز چہار شنبہ ۴ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومشائخ عظام اس معاملہ میں کہ زید کہتا ہے کہ سوائے خدا کے کچھ نہیں یعنی یہ بھی خدا وہ بھی خدا، زید بھی خدا، بکر بھی خدا، علی ہذا القیاس، یعنی خالق ومخلوق نہیں، فعل فاعل مفعول خدا میں صورت بے صورت ہے، بے صورت صورت ہے، نہ یہ ہے نہ وہ ہے، نہ زید ہے نہ عمرو ہے نہ بکر ہے، خدا ہی خدا ہے، جن کی تائید میں یہ چند اشعار جو اپنے بنائے ہوئے ہیں وہ پیش کرتا ہے، اور چند اشعار دیوان جام جم مصنفہ طالب حسین صاحب فرخ آبادی کے جو فرخ آباد کے مطبع مورس کمپنی بزریہ میں چھپی ہے پیش کرکے اپنا مسلک بتلاتے ہیں جو بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ اشعار بھی زید خود کے ہیں جن کا تخلص اطہر ہے:

بندے کو تو خدا کہوں اور اس کو کیا کہوں ۔۔۔ بند کو بندہ اور نہ خدا کو خدا کہوں

اطہر ہی خدا ہے غرض دو میں ایک سے ۔۔۔ زیور کو زر کہوں نہیں اور کیا کہوں

اگر سب بھول بیٹھا تو خدا بھی بھول جا اطہر کہ ہے یہ سب بڑا دھوکا خدا خود ہے خدا خود ہے

میں ہی مرسل میں ہی مرسل میں ہی اخبار اور قرآن ۔۔۔ محمد اور میں ہی اللہ آہاہاہا ، آہاہاہا

نہ مفتی ہے نہ خنجر ہے نہ حد ہے نہ شریعت ہے ۔۔۔ خدا ہے تو اگر سچا انا الحق کہہ انا الحق کہہ

خدا ہو کر نہ بندہ بن زباں کھول دے پیارے ۔۔۔ ہے یہ آزادی کا رستہ انا الحق کہہ انا الحق کہہ

نہ رکھ روزہ نہ کر سجدہ نہ جا کعبہ میں توجہ کو ۔۔۔ نہ ہے روزہ نہ ہے سجدہ انا الحق کہہ انا الحق کہہ

خدا تھا کب محمد تھے شریعت تو ہے مفروضہ ۔۔۔ نہیں ہے ما سوا حق کا انا الحق کہہ انا الحق کہہ

معبود تو خدا کو کہے حور پر مرے ۔۔۔ شہوت پرست گر نہ کہو اس کو کیا کہوں

اللہ کے سوا نہیں پھر بولتا ہے کون
اطہر تجھے خدا نہ کہوں اور کیا کہوں

اطہر تو برائے نام ہوں میں حیرت نہیں ہے اللہ ہوں میں
عارف ہے اگر تو شک مت لاؤ اور نہیں میں اور نہیں

آپ ہی عرش اور آپ ہی کرسی، آپ ہی دوزخ اور جنت
آپ مکیں ہے آپ مکان ہے کیا کیا شور مچایا ہے

کافر کو تو برا کہوں مومن کو کیا کہوں!
اچھا کہوں نہ اس کو نہ اس کو برا کہوں

مصنفہ طالب حسین فرخ آبادی:

بنا ایک وحدت کی تصویر میں ہوں
مرید آپ ہی، آپ ہی پیر میں ہوں

نہ دیکھا ہو جس نے اسے مجھ کو دیکھے
نہاں و عیاں اس کی تصویر میں ہوں

عذاب کس کا ثواب کیسا گناہ کہتے ہیں کس یارو
وہی ہے فاعل جو خیر و شر کا خطا ہے عطا خطا ہے

عجب معمہ ہے یہ عزیزو خلا ملا ہے ملا خلا ہے
برا بھلا اب کہوں میں کس کو بھلا برا ہے برا بھلا ہے

(۱) مذکورہ بالا عقیدہ کو حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سینہ کا علم بتاتا ہے جو آج تک سینہ بہ سینہ مشائخ طریقت میں چلا آتا ہے اور اسی کا نام وصول الی اللہ ہے،

(۲) اور یہی زید ظاہر میں نماز کے لئے اٹھتا ہے تو اپنے مریدوں کے سامنے یہ بھی کہتا ہے کہ ذرا خدا کو دھوکا دے لوں، اسی طرح قولی اور فعلی کاروائی کرکے شریعت مطہرہ سے وہ وہ نفرتیں دلاتا ہے کہ مسلمان کے کلیجے پاش پاش ہوجاتے ہیں۔

(۳) اور یہی زید وعظ میں بھی پکار پکار کر کہتا ہے کہ شریعت تمھارے ماں باپ نے بھی سکھائی، شریعت تو تمھارے استادوں نے بھی سکھائی، شریعت تو تمھارے مولویوں نے بھی سکھائی مگر خدا کے ملنے کا تو رستہ کچھ اور ہے اور یہ تو منتر کچھ اور ہے اور اسی قسم کے دھوکے دے کر مسلمانوں کو اپنی مریدی کی طرف راغب کرتا ہے اور مرید کرکے مذکور عقیدہ اور یہی اللہ کی تعظیم کرتا ہے یعنی خالق مخلوق نہیں۔ اب التماس یہ ہے کہ اس زید کا عقیدہ کیسا ہے، مسلمان اس کے ساتھ کیا برتاؤ کریں، شرع شریف میں اس کے لئے تعزیزی بھی ہے یا نہیں، مسلمانوں کو اس کی مریدی سے خارج ہو کر بعد توبہ جدید نکاح کا ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر جدید نکاح کی ضرورت ہے تو پہلا مہر کافی ہے یا نہیں، اگر اس جدید نکاح میں عورت قبول نہ کرے تو کیا صورت ہے؟ کتاب تذکرہ غوثیہ مسلمانوں کے پڑھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اوپر کے سوالوں کے جوابات مفصل طور سے ارقام فرما کر عنداللہ ماجور ہوں و عندالناس مشکور ہوجیئے گا۔ **فقط**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید یقینا کافر مرتد ہے، اس کے کلام سرتاپا کفر سے بھرے ہوئے ہیں، مثلا (۱) زید و عمر و بکر سب کو خدا کہنا (۲) خدا کو مخلوق اور مفعول کہنا (۳) بندہ کو خدا کہوں (۴) خدا کو خدا نہ کہوں دوسرا عــہ شعر لکھنے میں سائل سے کچھ رہ گیا ہے (۵) تیسرے شعر میں خدا کے بھول جانے کی فرمائش اور کہہ یہ بھی بڑا دھوکا ہے (۶) چوتھے شعر میں اپنے آپ کو اللہ کہنا (۷) رسول کہنا (۸) قرآن کہنا (۹) پانچویں شعر میں شریعت کا انکار (۱۰) انا الحق کہنے پر اصرار (۱۱) چھٹے شعر میں بھی یہی (۱۲) بندہ بننے کی ممانعت (۱۳) ساتویں میں وہی (۱۴) بروجہ انکار نماز روزے، حج کی ممانعت (۱۵) آٹھویں شعر میں خدا کی نفی (۱۶) شریعت کو فرضی وساختہ بتانا کہ سیاق وسباق سے یہی مراد متعین ہے۔(۱۷) وہ ان الحق (۱۸) دسویں شعر میں خدا بننا (۱۹) گیارھویں میں بھی یہی (۲۰) تیرھویں میں مومن کو اچھا نہ کہنا کافر کو برا نہ کہنا، یہ بیس کفر تو زید کے کلمات مذکور میں کھلے کھلے ہیں۔ (۲۱) سولھویں شعر میں عذاب وثواب کا انکار (۲۲) سترھویں شعر میں بھلے کو برا، برے کو بھلا کہنا (۲۳) ان صریح عقائد کفر ملعون کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا (۲۴) کفر کو وصول الی اللہ بتانا (۲۵) نماز کے لئے اس کا کہنا کہ خدا کو دھوکا دے لوں اس کے کلمات سابقہ کے لحاظ سے لائق تاویل نہ رہا، معنی استہزاء میں متعین ہوگیا اور وہ کفر ہے (۲۶) شریعت سے نفرت دلانا (۲۷) شریعت کو راہ خدا نہ ماننا

بالجملہ زید ان کافروں میں ہے جن کو فرمایا گیا ہے **من شك فی عذابه وکفرہ فقد کفر**[1] جو اس کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔ سلطنت اسلام ہوتی تو اس کی تعزیر یہ تھی کہ بادشاہ اسلام اسے قتل کرتا، اس کا اختیار غیر سلطان کو یہاں نہیں۔ مسلمانوں کو اس سے میل جول حرا، اس سے سلام کلام حرام، اس کے پاس بیٹھنا حرام، اس کا وعظ سننا حرام، وہ بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جانا حرام، مرجائے تو غسل دینا حرام، کفن دینا حرا،م، جنازہ اٹھانا حرا، جنازہ کے ساتھ چلنا حرام، اس پر نماز حرام، اسے مسلمانوں کے گورستان میں دفن کرنا حرام، اسے مسلمانوں کی طرح دفن کرنا حرام، اس کے لئے دعائے بخشش کرنا حرام، اسے کچھ ثواب پہنچانا حرام، اسکی قبر پر جانا حرام، جو ان باتوں میں سے کوئی بات اسے مسلمان جان کر کرے گا یا اس کی موت کے بعد اس کے لئے دعائے بخشش کرے گا یا اسے

عــہ: ظاہرًا یوں ہے ع اطہر ہے یا خدا ہے الخ۔

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

ثوب پہنچائے گا اگرچہ اسے کافر جان کر وہ خود کافر ہوجائے گا جو لوگ اس کے مرید اس کے ہوچکے ہیں ان پر فرض ہے کہ اس سے جدا ہوں دور بھاگیں کہ وہ بیعت اس کے ہاتھ پر نہیں ابلیس کے ہاتھ پر ہوئی، پھر ان مریدوں میں جو اس کے ان کفروں سے آگاہ تھے اور اس کے بعد مرید ہوئے یا بعد مریدی کے آگاہ ہوئے اور اس کی بیعت سے الگ نہ ہوئے وہ سب بھی اسلام سے خارج ہیں، ان پر بھی فرض کہ نئے سرے سے مسلمان ہوں، توبہ کریں، توبہ واسلام کے بعد ان کی عورتوں اگر ان سے دوبارہ نکاح پر راضی نہ ہوں تو ان پر جبر نہیں۔ عورتیں جس سے چاہیں اگر عدت گزر چکی ہے تو ابھی ورنہ بعد عدت اپنا نکاح کرلیں اور اگر انھیں سے دوبارہ نکاح کریں، تو مہر جدید لازم آئیگا اور پہلا مہر بھی اگر باقی ہے دینا ہوگا۔ کتاب تذکرہ غوثیہ جس میں غوث علی شاہ پانی پتی کا تذکرہ ہے ضلالتوں، گمراہیوں بلکہ صریح کفر کی باتوں پر مشتمل ہے مثلا غوث علی شاہ جگن ناتھ کی چوکی پر اشنان کرتے ملے کسی نے پہچانا تو بولے کہ اس شخص کے دو باپ تھے، ایک مسلمان اس کی طرف سے حج کرآیا ہے، دوسرا باپ ایک پنڈت تھا اس کی طرف سے جگن ناتھ تیرتھ کرنے آیا ہے ایسی ناپاکی بے دینی کی کتاب کا دیکھنا حرام ہے جس مسلمان کے پاس ہو جلا کر خاک کردے، **واللہ الھادی الی صراط مستقیم** (اللہ تعالٰی ہی صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: مسئولہ عبدالرحمٰن طالب علم مدرسہ چھیپوں احمد آباد گجرات ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص کی موجودگی میں ایک مرید نے اپنے پیر کی شان میں یہ قصیدہ پڑھا اور پیر نے اس قصیدہ کو سن کر پڑھنے والے کو کہا کہ تو میرا حبیب ہے اور اس کے بعد یہ قصیدے منبر پر پڑھے جاتے ہیں اور اس کے جواز کا حکم پیر نے دیا آیا شرعا یہ قصیدہ جائز ہیں یا نہیں؟ قصیدہ مذکور یہ ہے:

مرحبا یا مرحبا یاشاہ لواری مرحبا	نور الہدٰی خیر الورٰی یاشاہ لواری مرحبا
یا امام العالمین و انتجاب اولین	ختم ولایت مقتدا یا شاہ لواری مرحبا
پیشوائے اولیا تو برگزیدہ ذوالجلال	شافع ہر دوسرا یا شاہ لواری مرحبا
کن عطا فضل وکرم امروز فردائے کریم	صامع بجز تو نیست کس یاشاہ لواری مرحبا
یابشیر ویانذیر وائے شہ اولو العزم	ملجائے والا صفیا یا شاہ لواری مرحبا
منعم و مسجود قیوم و جہان بحر کرم	طالب ومطلوب ومصدر یاشاہ لواری مرحبا
ذات تو احد ولے میم موجودات او	خلق عالم را سبب یا شاہ لواری مرحبا

قاب قوسین توئی گفت مازاغ البصیر	جائے تورشک مدینہ یاشاہ لواری مرحبا
سید کونین سالار رسل گنج نہاں	یامحمد ن الزمان یاشاہ لواری مرحبا
ہست مدعا مظہر ذات تو مسند نشیں	لایموت ولم یزل یاشاہ لواری مرحبا
مشکل کشا احمد زماں القاہ اللہ بہرما	آوارہ پرور حافظا یاشاہ لواری مرحبا

الجواب:

یہ خالص کفر ہے اور اس کا قائل اس کا اجازت دہندہ، اس کا پسند کنندہ سب مرتد ہیں، کسی امتی کو آں [۱]سرور عالم کہنا، [۲]علیہ الصلوٰۃ کہنا، [۳]مسجود و مخلوق کہنا، [۴]خیر الورٰی کہنا، [۵]انتخاب اولین کہنا، [۶]شافع ہر دوسرا کہنا، [۷]سید کونین کہنا تو حرام وجزاف تھا ہی یوہیں [۸]خلق عالم راسبب اور [۹]قاب قوسین اور [۱۰]مازاغ البصر اور "جائے تورشک مدینہ کہنا، ان میں بہت کلمات موہم کفر یا منجر بکفر ہیں، [۱۲]مگر ذات تواحد اور [۱۳]سالار رسل اور [۱۴]مسند نشین لم یزل کہنا قطعاً یقینا کفر ہے۔ یوہیں فقہائے کرام نے [۱۵]قیوم جہاں غیر خدا کو کہنے پر تکفیر فرمائی۔ مجمع الانہر میں ہے:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصۃ بالخالق (جل وعلا) نحو القدوس والقیوم والرحمن وغیرہا یکفر [1] اھ. واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی اللہ تعالٰی کی صفات مختصہ میں سے کسی صفت کا اطلاق مخلوق پر کرے، مثلاً اسے قدوس کے یاقیوم یارحمٰن کہے توکافر ہوجائے گا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۹: از کلکتہ محلّہ دہی ہٹہ ۸۱ مولوی ولی اللہ خاں صاحب ۵ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ بروز چہار شنبہ

حضرات علمائے کرام کچھ عرصہ سے ایک ضخیم کتاب گلزار وحدت مصنفہ پیرجی نجم الدین متوطن جھنجون ضلع جے پور طبع ہوئی جس میں جابجا ملحدانہ مولات مندرج ہیں مشتے نمونہ اخروار عرض ہے:

وہی وہی کوئی اور نہ دوجا	اس بن کوئی اور نہ سوجا
ہر رنگ سے بے رنگی آیا	ہر ہر بھیس سے آپ دکھایا
آپ ہی دیکھتے آپ ہی دکھاوے	پھر وہ آپ کو آپ سراوے
کہیں محمد ہو کر آیا	ہادی مہدی نام دھرایا
کہیں عارف ہو اگیانی	اپنی اپنے قدر پہچانی

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ انواع داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

کہیں عاشق ہوئے پھرے دیوانا | کہیں معشوق محبوب یگانہ
کہیں عابد ہو کرے عبادت | کہیں زاہد ہو کرے ریاضت
کہیں مؤذن بانگ سناوے | آپ ہی آپ کو سیس نواوے
کہیں برہمن سنکھ بجایا | آپ ہی اپنا مرجس گایا
کہیں رند ہوا شرابی | راگ رنگ جنگ ربابی
کون ہے آدم کون ہے ابلیس | کون سلیمان اور بلقیس
یہ سب انچھر وہ ہے معنا | پہن لیا ہے ایسا بانا
یہ سب روپ اسی نے دھارے | ایک ایک سے بھی نیارے

ص ۳:

ایک نے اتنے نام دھرائے | ایک ایک سے بھی نیارے
اول ہو کر آخر ہوا | ظاہر ہو کر باطن بیا
کہیں واجب معبود کہلایا | کہیں ممکن بندہ بن آیا
جیسے جل کر برف بنائی | جل بن اس میں اور نہ کائی
جوں حباب دریا سے اٹھے | آخر اس کا اس میں میٹے
بیرنگی بہ رنگ لے آیا | ہر ہر نتھہ میں آپ پوجایا
مکھ پر چادر میم کی رکھ کر آپ غفور | احمد اپنا نام دھر جگ میں کیا ظہور
نجما دیکھ اس یار کی رمزوں کی دستور | ہر رنگ میں بیرنگ رہا دور کا دور

ص ۴۷: پھر جس شخص نے خلق اور خالق کو دو سمجھے اور ایک نہ جانا وہ مشرک ہے کہ مبتلا ہوا بیچ شرک خفی کے، اور جس شخص نے کہا ذات کو ساتھ فردیت کے یعنی خلق اور خالق کو ایک سمجھا وہ موحد ہے۔

ص ۵۹: اے عزیز چھٹا مرتبہ انسان کامل کا ہے وہ مشرک ہے مرتبوں ذاتی اور خلق میں یعنی اگر اس تعین بشریت کے خیال سے اس کو دیکھے تو آدمی اور اگر اس کی کمالیت فقر کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ہے بموجب اس قول کے، قول صوفیہ: **اذا اتم الفقر فھو اللہ** (جب فقر مکمل ہوا تو اللہ ہوا۔ ت)

ص ۱۱۹ ص ۱۲۰: نقل ہے کہ جب حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے درس توحید شروع کیا اور مسئلہ وحدۃ الوجود کو ظاہر فرمانے لگے۔ چنانچہ یہ رباعی ان کی تصنیف ہے:

لا آدم فی الکون ولا ابلیس　　لا ملك سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارۃ وانت المعنی　　یا من ھو للقلوب مقناطیس

یعنی آدم ہے نہ شیطان ہے جہان میں نہ ملک سلیمان علیہ السلام کا نہ بلقیس کا، پھر یہ سب عبارت ہیں اور واس عبارت کے معنی ہے اسے وہ کوئی جو واسطے دلوں کے لوہ چکا ہے۔

ف: یعنی جس طرح پتھر لوہ چگی کا ہوہ کو اٹھالیتا ہے، اسی طرح دلوں مخلوق کو اپنے تابع کر رکھتے ہیں، غرضکہ شیخ مذکور نعرہ ہمہ اوست کا مارنے لگے، علماؤں نے اس میں صلاح اور مشورہ کیئے، کرے اور بتلائے کہ یہ فقیر تو شریعت میں رخنہ ڈالنے لگا۔ اول تو اس کو قائل کرو، اگر نہ مانے گا تو اس کو ماریں گے، غرضکہ سب کی صلاح سے ایک شخص نے ان علماؤں سے آکر شیخ کے پاس عرض کیا کہ حضرت آپ کی دعوت ہے آپ ہی نے قبول کری، اس شخص نے کئی قسم کے کھانے پکائے اور ایک خوان میں جدا جدا برتنوں میں دھر لایا اور ایک رکابی میں پلیتی بھی بھر کر اس خوان میں لایا۔ آپ نے وے تمام کھانے جو نفیس تھے کھائے اور پاخانہ نہ کھایا، جب اس شخص نے کہا کہ حضرت اس کو بھی کھالوی بھی کوئی غیر نہیں ہے۔ وہ ہی ہے، شیخ نے فرمایا بہت اچھا ان کے مکان کے صحن میں ایک حوض پانی کا تھا آپ نے پانی میں غوطہ مار کر خوک کی صورت ہو کر نکلے اور اس پاخانہ کو کھالیا، اور پھر حوض میں غوطہ مارا اور آدمی کی شکل ہو کر نکل آئے اور فرمایا اے عزیز وہ طعام بھی میں نے کھایا اور یہ پاخانہ بھی میں نے کھایا مگر طعام واسطے صورت انسان کے تھی اور پاخانہ واسطے شکل خوک کے بنا کر آیا وہ میں ہی تھا کہ آدمی تھا اور خوک ہو گیا، حضرات اسی طرح تمام کتاب جو ۴۲۵ صفحوں پر لکھی گئی ہے مضامین الحادیہ سے مملو ہے، بارہا پیر جی مذکور کے متبعین سے جو ایک جماعت جہلا کی ہیے، کہا گیا کہ یہ کتاب سراسر عقائد کو خراب کرنے والی اور ناقابل عمل ہے مگر جواب یہی ملتا ہے کہ علمائے عظام حنفی المذہب سے اس کے متعلق استفسار کیا جائے جو ارشاد ہوگا اس کے مطابق عمل کیا جاوے گا۔ اس لئے یہ چند حوالہ جات معروضہ بالا مقالات مختلفہ سے نقل کرکے استدعا ہے کہ عندالشرع اس شخص کا معہ اس کے مریدین اور متبعین کے جو حکم ہو بوضاحت تحریر فرما کر مزین بمہر فرمائیں تاکہ جماعت جہلاء جو ان کے دام تزویر میں ہے رہائی پا کر راہ یاب ہوں۔ **واللہ تعالٰی ھو الموافق۔**

الجواب:

یہ کلمات الحاد ہیں اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت جو وہ ملعون حکایت نقل کی ہے محض کذب وافتراء وساختہ ابلیس لیعین ہے، توحید ایمان ہے، اور وحدۃ

وجود حق اور زعم اتحاد الحاد، صوفیہ کرام تو صاحب تحقیق ہیں اور ان کے ایسے مقلدین ملحد وزندیق ہیں، اس کتاب کا جس کے پاس ہو اس پر جلادینا فرض ہے اور سامنے دیکھنا حرام اور اس پر اعتقاد رکھنا کفر یہیں سے اس شخص کے مریدین اور متبعین کا حال ظاہر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از گڑھی اختیار خاں تحصیل خان پور ریاست بہاولپور مرسلہ محمد یار صاحب واعظ ۹ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

قبلہ معتقدین دام ظلہ، از خاکسار محمد یار مشتاق دیدار بعد نیاز حسب اینکہ شب معراج آپ کا قصیدہ معراجیہ پڑھا گیا جس پر وہابیوں نے دولھا اور دولھن کے متعلق شور اُٹھایا کہ اللہ جل جلالہ و حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں ان الفاظ کا استعمال کرنا موجب کفر ہے، شب برات یہاں یہاں گڑھی اختیار خاں میں ان الفاظوں کے متعلق وہابیوں کی طرف سے میرے ساتھ ایک طویل بحث ہونے والی ہے، اے مجدد بمن بے سروسامان مددے، قبلہ دیں مددے کعبہ ایماں مددے، ضرور مہربانی فرماکر دلائل قاطع سے اس تشبیہ کا ثبوت مدلل کرکے اسی ہفتہ میں بھیج کر مسلمانانِ اہلسنت وجماعت کو عزت بخشیں، حضور پر فرض سمجھی جارہی ہے، یہ فی سبیل اللہ بصدقہ روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کام کو سب کاموں پر مقدم فرماکر وہ تحریر فرمادیں کہ موجب اطمینان اہل اسلام ہو۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے وہابیہ کی قسمت میں کفر لکھا ہے، انھیں ہر جگہ کفر ہی کفر سوجھتا ہے، قصیدہ مذکورہ میں دو جگہ دولھن کا لفظ ہے اور چار جگہ دولھا کا، وہ اشعار یہ ہیں: ؎

(۱) نئی دولھن کی پھبن میں کعبہ نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے آل تل میں رنگ لاکھوں بناؤ کے تھے

(۲) نظر میں دولھا کے پیارے جلوے حیا سے محراب سر جھکائے
سیاہ پردے کے منہ پر آنچل تجلی ذات بحت کے تھے

(۳) دولھن کی خوشبو سے مست کپڑے نسیم گستاخ آنچلوں سے
غلاف مشکیں جو اڑ رہا تھا غزال نافے بسا رہے تھے

(۴) خدا ہی دے صبر جان پر غم دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم
جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی جناں کا دولھا بنا رہے تھے

(۵) بجا جو تلووں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ وروغن

جنھوں نے دولھا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

(٦) جھلک سی اک قدسیوں پہ آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی

سواری دولھا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے [1] (ملتقطا)

ان میں کون سی جگہ معاذاللہ اللہ عزوجل کو دولھا یا دولھن کہا گیا ہے **ولکن الوھابیۃ قوم یفترون** (لیکن قوم وہابیہ جھوٹ بولتی ہے۔ت) وہابیہ کی بنائے مذہب کذب وافترا پر ہے۔اور کیونکر نہ ہو کہ ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی نے اپنے معبود کے لئے جھوٹا ہونا روا رکھا ہے، ہاں مشیخیت نبی رکھے نہ ہو کہ ان سے بنچتا ہے، اب اگر یہ بھی جھوٹ سے بچیں تو عابد ومعبود برابر ہوجائیں گے، اسی لئے ان کے دین میں نماز سے بھی بڑھ کر فرض ہوا کہ جھوٹ بکا کریں کہ کسی طرح اپنے ساختہ معبود سے تو کم رہیں "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾" [2]، "لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ﴿۱۳﴾" [3] (کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا، بیشک کیا ہی بُرا مولٰی اور بیشک کیا ہی بُرا رفیق۔ت)

شعر اول میں تو دولھن کسی کو نہ کہا اپنے معنی حقیقی پر ہے، زینت کعبہ کو نئی دولھن کی زیبائش سے تشبیہ دی ہے جس طرح ان حدیثوں میں جنت کی جنبش سرور کو دولھن کی نازش سے، خطیب نے تاریخ بغداد میں عقبہ بن عامر جہنی اور طبرانی نے معجم اوسط میں عقبہ اور انس دونوں اور ازدی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے دریافت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب جنت کو دونوں شہزادوں امام حسن اور امام حسین علی جدہما الکریم وعلیہما الصلوٰۃ والتسلیم کا اس میں تشریف رکھنا معلوم ہوا **ماست الجنۃ میسا کما تمیس العروش فی خدرھا** [4] جنت خوشی سے جھومنے لگی جیسے نئی دولھن فرحت سے جھومے۔

شعر سوم میں کعبہ کو دولھن کہا اور مکان آراستہ کو دولھن کہنا محاورہ صحیحہ شائعہ ہے امام احمد

---

[1] حدائق بخشش قصیدہ معراجیہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۱۰۵ تا ۱۰۷

[2] القرآن الکریم ۲۲ /۷۳

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۳

[4] المعجم الاوسط حدیث ۱۷۱۶ المکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۵۹، اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ مناقب اہلبیت بحوالہ الخطیب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸۸

مسند میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عسقلان احدی العروسین یبعث منہا یوم القیٰمۃ سبعون الفا لاحساب علیہم[1]۔	عسقلان دو دولہنوں میں کی ایک ہے روز قیامت اس میں سے ستر ہزار ایسے اٹھیں گے جن پر حساب نہیں۔

مسند الفردوس میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

طوبٰی لمن اسکنہ اللہ تعالٰی احدی العروسین عسقلان اوغزۃ[2]۔	شادمانی ہے اسے جسے اللہ تعالٰی دو دلہنوں میں سے ایک بسائے عسقلان یا غزہ۔

باقی چار اشعار ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دولھا کہا ہے اور وہ بیشک تمام سلطنت الٰہی کے دولھا ہیں، امام قسطلان مواہب لدینہ شریف میں نقل فرماتے ہیں:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی صورۃ ذاتہ المبارکۃ فی الملکوت فاذا ھو عروس المملکۃ[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب معراج عالم ملکوت میں اپنی ذات مبارکہ کی تصویر ملاحظہ فرمائی تو دیکھا کہ حضور تمام اہلسنت الٰہی کے دولھا ہیں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

دلائل الخیرات شریف میں ہے:

اللھم صلی علی محمد وعلٰی اٰلہ بحر انوارك ومعدن اسرارك ولسان حجتك وعروس مملکتك[4]۔	الٰہی دورد بھیج محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل پر جو تیرے انوار کے دریا اور تیرے اسرار کے معدن اور تیری حجت کی زبان اور تیری سلطنت کے دولھا ہیں۔

علامہ محمد فاسی اس کی شرح مطالع المسرات میں فرماتے ہیں:

---

[1] مسند امام احمد از حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۲۵

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۹۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۵۰، کنز العمال حدیث ۳۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۸۹

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۷

[4] دلائل الخیرات منزل دوم جامع مسجد ظفریہ مریدکے شیخوپورہ ص ۱۰۵

مملکتك ھوق موضع الملك شبه بمجتمع العرس ومافیه من الاحتقال والتناھی فی الصنیع والتانق فی محسناته وترتیب اموره وکونه جدیدا ظریفا واھله فی فرح وسرور نعمة وحبور فرحین بعروسھم راضین به محبین مکرمین له،موتمرین لامرہ متنعمین له بانواع المشتھیات بدلیل اثبات اللازم الذی ھوا العروس،والمعھود تشبیه مجتمع العرس بالمملکة وعکس التشبیه ھنا لاقتضاء المقام ذلك لیفید ان سر المملکة ونکتتھا ومعناھا الذی لاجله کانت ھو المصطفی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کما ان سر مجتمع العرس ونکتته ومعناہ الذی لاجله کان ھو العروس والمصطفی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم ھوالانسان الکبیر الذی ھو الخلیفة علی الاطلاق فی الملك والملکوت قد خلعت علیه اسرار الاسماء والصفات ومکن من التصرف فی البسائط والمرکبات والعروس یحاکی شانه شان الملك والسلطان فی نفوذ الامر وخدمة الجمیع له وتفرعنھم لشانه ووجدانه مایجب ویشتھی مع الرای واصحابه فی مؤنته وتحت اطعامه فتم التشبیه وتمکنت الاستعارۃ[1]۔

اس عبارت سراپا بشارت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد بن سلیمان جزولی قدس سرہ الشریف نے اس درود مبارک میں سلطنت کو برات کے مجمع سے تشبیہ دی کہ اس میں کیسا اجتماع ہوتا ہے اور اس کی آرائش انتہاء کو پہنچائی جاتی ہیں،سب کام قرینے سے ہوتے ہیں۔ہر چیز نئی اور خوش آئند لوگ اپنے دولھا پر شاداں وفرحاں اسے چاہنے والے اس کی تعظیم واطاعت میں مصروف اس کے ساتھ قسم قسم کی من مانتی نعمتیں پاتے ہیں۔اور عادت یوں ہے کہ برات کے مجمع کو سلطنت اور دولھا کو بادشاہ سے تشبیہ دیتے ہیں یا اس کا عکس کیا کہ سمجھا جائے کہ جس طرح برات کے مجمع کا مغز وسبب دولھا ہوتا ہے یونہیں تمام مملکت الٰہی کے وجود کا سبب اور اس کے اصل راز ومغز ومعنٰی صرف مصطفٰی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں ع

دولھا کے دم کے ساتھ یہ ساری برات ہے

[1] مطالع المسرات باب ابتداء اللّٰہ تعالٰی مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور ص ۲۲۳

اس لئے کہ حضور تمام ملک وملکوت پر اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں جن کو رب عزوجل نے اپنے اسماء وصفات کے اسرار کا خلعت پہنایا اور ہر مفرد ومرکب میں تصرف کا اختیار دیا ہے، دولھا بادشاہ کی شان دکھاتا ہے، اس کا حکم برات میں نافذ ہوتا ہے، سب اس کی خدمت کرتے ہیں اور اپنے کام چھوڑ کر اس کے کام میں لگے ہوتے جس بات کو اس کا جی چاہے موجود کی جاتی ہے، چین میں ہوتا ہے، سب براتی اس کی خدمت میں اور اس کے طفیل میں کھانا پاتے ہیں، یونہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بادشاہ حقیقی عزوجل کی شان دکھاتے ہیں، تمام جہاں میں ان کا حکم نافذ ہے، سب ان کی خدمت گار وزیر فرمان ہیں، جو وہ چاہتے ہیں اللہ عزوجل موجود کردیتا ہے **مااری ربك الا یسارع فی ھواك**[1]۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے، تمام جہاں حضور کے صدقہ میں حضور کا دیا کھاتا ہے کہ "**انما انا قاسم واللہ المعطی**"[2] صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہر نعمت کے دینے الا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں ہوں۔ یوں تشبیہ کامل ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰہی کے دولھا ٹھہرے، **والحمد اللہ رب العالمین**۔

ان تقریرات سے واضح ہوا کہ ان معانی پر دولھن، دولھا، زوج، زوجہ کی طرح باہم مفہوم متضائف نہیں۔ عسقلان وعزہ کو حدیث نے دولھنیں فرمایا، دولھا کون ہے؟ بیہقی شعب الایمان میں امیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل شیٔ عروس وعروس القراٰن الرحمٰن[3]۔	ہر شے کی جنس میں ایک دولھن ہوتی ہے اور قرآن عظیم میں سورۃ الرحمٰن دولھن ہے۔

یہاں کسے دولھا ٹھہرائے گا؟ تو قصیدہ سے وہ مہمل ملعون خیال پیدا کرنا کسی ایسے ہی کا کام ہوگا مگر حدیثیں تو اس سے بڑھ کر اوہام باطلہ والوں پر قہر ڈھائیں گی، حاکم صحیح مستدرک اور امام الائمہ ابن خزیمہ اپنی صحیح اور بیہقی سنن میں حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ ترجی من تشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۶

[2] صحیح بخاری کتاب الاعتصام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

[3] شعب الایمان حدیث ۲۴۹۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹۰

ان اللہ تعالٰی یبعث الایام القیمة علی ھیأتھا ویبعث یوم الجمعة زھراء منیرة اھلھا یحفون بھا کالعروس تھدی الی کریمھا[1]۔	بیشک اللہ عزوجل قیامت کے دن سب دنوں کو ان کی شکل پر اٹھائے گا، اور جمعہ کو چمکتا روشن دیتا، جمعہ پڑھنے والے اس کے گرد جھرمٹ کئے ہوئے جیسے نئی دولھن کو اس کے گرامی شوہر کے یہاں رخصت کرکے لے جاتے ہیں۔(ت)

امام اجل ابوطالب مکی قوت القلوب اور حجۃ الاسلام محمد غزالی احیاء میں فرماتے ہیں:

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان الکعبة تحشر کالعروس المزفوفة (قال الشارح الی بعلھا) وکل من حجھا یتعلق باستارھا یسعون حولھا حتی تدخل الجنة فید خلون معھا[2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کعبہ روز قیامت یوں اٹھایا جائے گا جیسے شب زفاف دولھن کو دولھا کی طرف لے جاتے ہیں، تمام اہل سنت جنھوں نے حج مقبول کیا اسکے پردوں سے لپٹے ہوئے اس کے گرد دوڑتے ہونگے یہاں تک کہ کعبہ اور اس کے ساتھ یہ سب داخل جنت ہوں گے۔

نہایہ امام ابن الاثیر میں ہے:

منه الحدیث "یزف علی بینی وبین ابراھیم علیه الصلوة والسلام الی الجنة" ان کسرت الزاء فمعناه یسرع من زف فی مشیه وازف اذا اسرع وان فتحت فھو من زفقت العروس ازفھا اذا احدیتھا الی زوجھا[3]۔	یعنی اسی باب سے ہے یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی مرتضی میرے اور ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیچ میں جنت کی طرف خوش خوش تیز چلیں گے، یا میرے اور ان کے بیچ میں جنت کی طرف یوں لیے جائیں گے جیسے نئی دولھن کو دولھا کے یہاں لے جاتے ہیں،

امام اجل ابن المبارک وابن ابی الدنیا وابوالشیخ اور ابن النجار کتاب الدرر الثمینہ فی تاریخ المدینۃ

[1] المستدرک للحاکم کتاب الجمعہ باب سید الایام یوم الجمعہ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۷۷

[2] احیاء العلوم کتاب اسرار الحج باب فضیلۃ البیت مطبعۃ المشہور الحئی القاہرہ مصر ۱/ ۲۴۱، اتحاف السادۃ التقین کتاب اسرار الحج باب فضیلۃ البیت دار لفکر بیروت ۴/ ۲۷۴، قوت القلوب کتاب الحج ذکر فضائل البیت الحرم دار صادر بیروت ۲/ ۱۲۱

[3] النہایہ لابن الاثیر باب الزء مع الفاء المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۳۰۵

میں کعب احبار سے راوی کہ انھوں نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے سامنے بیان کیا اور کتاب التذکرہ میں امام ابو عبداللہ محمد قرطبیّ کے الفاظ یہ ہیں کہ:

روی ابن المبارك ن عائشة رضی الله تعالٰی عنها انها قالت ذکر وارسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وکعب الاحبار حاضر فقال کعب الاحبار[1]۔	یعنی امام ابن المبارک نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک تھا اور اس وقت کعب احبار حاضر تھے تو کعب احبار نے کہا

ہر صبح ستر ہزار فرشتے اتر کر مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف عـــہ۱ کرتے اور اس کے گرد حاضر رہ کر صلٰوۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں۔ جب شام ہوتی ہے وہ چلے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور اتر کر یونہیں طواف کرتے اور صلٰوۃ وسلام عرض کرتے رہتے ہیں، یونہیں ستر ہزار رات میں حاضر رہتے ہیں اور ستر ہزار دن میں۔

حتی اذا انشقت عنه الارض خرج فی سبعین الفأمن الملئکة یزفون عـــہ۲ صلی الله تعالٰی	جب حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزار مبارک سے روز قیامت اٹھیں گے ستر ہزار ملائکہ کے ساتھ باہر

عـــہ۱: فی المواهب الشریفة من فجر یطلع الانزل سبعون الفامن الملئکة حتی یحفون[2] الحدیث فقال العلامة الزرقانی ای یطوفون[3] الخ۔ عـــہ۲: هذا مافی المشکوة ومجمع بحار الانوار او المدارج الشریفة ولفظ التذکرة والمواهب یوقرونه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[4] من التوقیر بمعنی التعظیم والکل صحیح، والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه	مواہب شریف میں ہے ہر صبح ستر ہزار فرشتے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں۔ علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ یفون کا معنی یطوفون (طواف کرتے ہیں) ہے الخ (ت) یہ مشکوٰۃ، مجمع بحاالانوار اور مدارج شریف کے الفاظ ہیں۔ تذکرہ اور مواہب میں ہے اس کا معنی یوقرون ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں۔ اور تمام معانی صحیح ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ الدرر الثمینہ المقصد العاشر الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۴۹، التذکرۃ فی احوال الموتی باب فی بعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قبرہ دار لحدیث مصر ص ۱۶۳ المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲۵

[2] المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۲۵

[3] شرح الزقانی علی المواہب الدینیۃ القصد العاشر دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۴۹

[4] التذکرۃ فی احوال الموتی والآخرۃ باب فی بعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قبرہ دار الحدیث مصر ص ۱۶۳

علیہ وسلم [1]۔	تشریف لائیں گے جو حضور کو بارگاہ عزت میں یوں لے چلیں گے جیسے نئی دولھن کو کمال اعزاز واکرام وفرحت وسرور وراحت وآرام وتزک احتشام کے ساتھ دولھا کی طرف لے جاتے ہیں۔

مجمع بحار الانوار میں بعلامت ط علامہ طیبّی شارح مشکوٰۃ سے بعد ذکر حدیث علی مثل عبارت مذکورہ نہایہ ہے:

ومنہ فی الوجھین فی سبعین الفا عـــہ من الملئکۃ یزفونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	ستر ہزار فرشتے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر آپ کا طواف کرتے ہیں (ت)

شیخ محقق محدث دہلوی قدس سرہ مدارج میں اسی حدیث کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

چوں مبعوث می گردد وآنحضرت از قبر شریف بیروں می آید میان ایں فرشتگان زفاف می کنند اورا و زفاف دراصل بمعنی بروں عروس بخانہ زوج ومراد ایں جالازم معنی ست کہ بردن محبوت ست پیش محب یعنی بردن آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدرگاہ عزت [3]۔	جب آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مزار اقدس سے باہر تشریف لائیں گے تو فرشتوں نے دولھا کی طرح آپ کو گھیرا ہوگا۔ زفاف کا معنی دولہن کا خانہ زوج سے باہر آنا ہوتا ہے، یہاں لازم معنی مراد ہے کہ محبوب کو محب کے پاس لے جانا یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب اکرم کی بارگاہ اقدس میں لے جانا (ت)

اب وہابیہ بولیں کس کس کو کافر کہیں گے مگر ان کو اس پر تنبیہ بیکار، انکے مذہب کی بناء ہی اس پر ہے کہ اللہ ورسول تک کو مشرک بتاتے ہیں۔ پھر اور کس کی کیا گنتی، ان کے امام نے تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا: ''جو کہے اللہ ورسول نے دولتمند کر دیا، وہ مشرک ہے [4]،'' حالانکہ بعینہٖ یہی کلمہ خود اللہ عزوجل

عـــہ: سقط الفاظ الفامن نسختہ الطبع فلیستبنہ ۱۲ منہ	باخبر رہیں کہ مطبوعہ نسخہ میں ''الفًا'' کا لفظ ساقط ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] التذکرۃ فی احوال الموتی باب فی البعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیث مصر ص ۱۶۳، مشکوٰۃ المصابیح باب الکرامات فصل الثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۴۶

[2] مجمع بحار انوار تحت لفظ زفف مطبع نولکشور لکھنو ۲/ ۶۳

[3] مدارج النبوت باب پنجم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴۰

[4] تقویۃ الایمان

وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قرآن عظیم وحدیث صحیح میں فرمایا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور انھیں کیا برا لگا یہی نا کہ اللہ ورسول نے انھیں دولتمند کر دیا اپنے فضل سے۔

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ماینقم ابن جمیل الا انہ ان کان فقیرا فاغناہ اللہ ورسولہ[2]۔	ابن جمیل کو کیا برا لگا آخر یہی کہ وہ محتارج تھا اللہ ورسول نے اس کو دولتمند کر دیا۔

مسلمان دیکھیں کہ وہ بات جو اللہ جل جلالہ نے فرمائی اللہ کے رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی، وہابیہ کا امام منہ پھیر کر کہہ رہا ہے کہ جو ایسا کہے مشرک ہے، پھر بھلا جس مذہب میں اللہ ورسول تک معاذاللہ مشرک ٹھہریں اس سے مسلمانوں کو کافر کہنے کی کیا شکایت!

ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷"[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی عظیم کی توفیق وتوانائی کے بغیر نہ برائی سے پھرنے کی قوت اور نہ نیکی بجالانے کی طاقت، اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۱: از بمبئی چھاچھ محلّہ نمبر ۳ مرسلہ محمد ایوب ابن حاجی صدیق میمن صاحب ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

یہاں کے باشندے حضرت مولانا ممدوح کے بہت ہی معتقد ہیں اور ان کے فرمان کو بہت عزت اور قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے زور قلم کا ہر شخص لوہا مانے ہوئے ہے، مولانا کی تحریر ہی پر گویا سارا دارومدار ہے، مولانا صاحب میں خدا کی عنایت سے علاوہ عالم ہونے کے یہ بھی بڑا کمال ہے کہ آپ فن شعر اور نکات شاعری سے بخوبی واقف ہیں اور ماہر ہیں یہ بات دوسرے عالم میں نہیں پائی جاتی آپ ہی سے فیصلہ اس کا بھی اچھی طرح ہوسکتا ہے ثم التسلیم بالتکریم۔

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۷۴

[2] صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ باب فی قول اللہ تعالٰی وفی الرقاب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

خیر طلب ہیچدان حیدر علی خاں عفی عنہ حیدر فرخ آبادی
جواب فورا مع فتوی ودستخطی ومہری حضرت مولانا مرشد آنا چاہئے۔
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خالد سنی المذہب نے مندرجہ ذیل شعر کلمات شہادت کا ابتدائی ٹکڑا نظم کیا ہے جس سے پورا کلمہ شہادت مراد ہے، لیکن زید جو مذہبا شیعہ ہے اس سے پورا
کلمہ شہادت مراد نہیں لیتا ہے بلکہ صرف اشہد ان لا الہ کے معنی سے خالد کو ملحد قرار دیتا ہے۔

اشھد ان لاالٰہ نقش ہے اس لوح پر
نیر توحید کب عاشق کی پیشانی نہ تھی

مندرجہ بالا شعر کی نسبت زید نے مندرجہ ذیل الفاظ لکھے ہیں: شعر کا پہلا مصرعہ الحادی کا سائن بورڈ ہے کیونکہ اشھد ان لاالٰہ کے تو یہ معنی ہوئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا، پھر جس پیشانی پر یہ کفر کا کلمہ لکھا ہو اسے ہم الحاد کا سائن بورڈ نہ کہیں تو کیا کہیں۔اسی طرح زید نے بکر سنی المذہب کے اس نعتیہ کی نسبت۔

پھر روضہ حضرت کی زیارت کو چل اخلاص
پھر چھوڑ دے تو بہر خدا حب وطن کو

مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے ہیں: اخلاص صاحب! کبھی کبھی تو ہش کی باتیں کیا کیجئے۔آپ نے **حب الوطن من الایمان**[1] (وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ت) والی حدیث پڑھی نہیں تو کیا سنی بھی نہیں۔
فلہذا زید کا خالد کو ملحد اور بکر کو بے ایمان قرار دینا جائز اور مندرجہ بالا الفاظ زبان سے کہنا جائز ہے یا قلم سے
لکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو علمائے کرام وفضلائے عظام زید اور زید کے ان مؤیدین کی نسبت جو باوجود سنی ہونے کے زید کی تائید وتصدیق کر رہے ہیں از روئے شرع شریف کیا فتوی صادر فرماتے ہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:
حاشا شعر مذکور سے خالد سنی المذہب پر کسی طرح حکم کفر والحاد ممکن نہیں۔مگر اس کے نزدیک جو اس کلمہ طیبہ کو کہ مدار ایمان ہے **معاذاللہ** وہ ٹکڑے کفر واسلام پر منقسم کرے اور اس کا پہلا آدھا کفر خالص جانے اور یہ کس درجہ ناپاک وشنیع ہے۔
اولا: یوں ہو تو ہر مسلمان جتنی بار **لا الہ اللہ** کہے ہر بار اس کا کافر ہونا اور بعد کفر اسلام لانا ٹھہرے کہ جب تک پہلا جز کہا تھا اس معترض کے طور پر تو مطلقا ہر الہ کی نفی تھی اور یہ بیشک کفر ہے، جب **الا اللہ** کہا تو اب اللہ عزوجل کی الوہیت مان کر مسلمان ہوا۔

---

[1] الدر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرہ حدیث ۱۴۹ حرج الحاء المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

ثانیا: بلکہ اب بھی مسلمان ہونا بجیر کہ اس وقت الا اللہ کہہ لیا تو کیا ہوا، اس کا پھر ارادہ ہے کہ یہی کلمہ سرے سے پڑھے اور پہلے جز سے خدا کی نفی مطلق کرکے کافر ہو تو کفر سے رجوع کب ہوئی جب کہ پھر عزم کفر موجود ہے اور عزم کفر فی الحال کفر ہے۔

ثالثًا: قرآن عظیم میں کس قدر کثرت سے **لا الٰہ الا اللہ** و **لا الٰہ الا ھو** وارد ہے، اگر پہلے جز میں نفی عام الوہیت ہر الہ ہے جیسے کہ معترض کا خیال تبع ہے تو معاذاللہ قرآن کریم نے صدہا بار الوہیت رب العزت کی نفی فرمائی اور ہر بار نفی کرکے اثبات فرما کر تناقضوں کی ٹھہرائی، **تعالی اللہ عن ذٰلك علوا کبیرا**[1] (اللہ تعالٰی اس سے بلند ہے۔ت)

رابعًا: معترض کے طور پر معاذاللہ سب کلمہ گو جن میں بزعم معترج خود معترض بھی داخل فاسد النکاح ہوں اور ان کی اولاد اولاد الزنا کہ جب پہلا جزء کہا کافر ہوگئے، نکاح ٹوٹ گئے اور الا اللہ کہنے سے اگرچہ اسلام عو بھی کرائے ٹوٹا نکاح تو نہیں جڑتا تب تک از سر نو نہ وہ اور وہ نہ ہوا تو سب بے نکاحی رہیں اور اولاد والدالحرام۔

خامسًا: معترض کے نزدیک نزع روح کے وقت کلمہ طیبہ کی تلقین سخت حرام و بدخواہی اہل اسلام ہوا پنے آپ تو کافر ہو ہو کر الا اللہ سے مسلمان ہولئے اس پر کیا بھروسہ ہے کہ پہلے ہی جز پر روح پرواز کرجائے یا زبان بند ہوجائے تو معاذاللہ کافر مرے۔

سادسًا: اس کے یہ معنی سمجھنا اسلام پر کیسا سخت الزام پر عبارت صحیح بتانے سے معاذاللہ عجز کا اتہام ہے کہ ایمان کا آغاز کفر سے رکھا لا الٰہ اللہ کی جگہ کلمہ طیبہ یوں کیوں نہ بتایا **ان اللہ ھو الا لہ وحدہ لاشریك لہ لیس غیرہ من الہ** یہ خالص اسلام ہوتا اور معترض کا کفر والحاد راہ نہ پاتا۔

بالجملہ اس کے یہ معنی سمجھنا کہ نہیں ہے کوئی خدا، عاقل سے معقول نہیں بلکہ بلاشبہ اس کے معنی نفی الوہیت غیر خدا ہیں یقینا قطعاً مسلمان جس وقت اس سے تلفظ کرتا ہے یہی مراد لیتا ہے تو بحمد اللہ تعالٰی اس کے دونوں جز عین ایمان ہیں، پہلا جز الوہیت غیر خدا کی نفی اور دوسرا جز الوہیت الٰہ حق کا اثبات اور دونوں ایمان ہیں۔ رضی نے کہ نحو و عربیت کا بڑا محقق اور مذہب کا شیعی تھا، اس کی تحقیق کی اور بتادیا کہ یہاں ہر گز نفی عام نہیں۔ ورنہ تناقص لازم آئے بلکہ ماوراء مستثنٰی کی نفی ہوتی ہے، شرح کافیہ میں

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی الوجود مفهوم واحد الخ دار المعارف النعمانیه لاہور ۱/ ۷۴

اس کی عبارت بالتلخیص یہ ہے:

ان قلنا انه داخل فی القوم والاء لاخراج زید منهم بعد الدخول کان المعنی جاء زید مع القوم ولم یجیئ زید وهذا تناقض ظاهر ,ینبغی ان یجنب کلام العقلاء عن مثله ,وقد ورد فی الکتاب العزیز من الاستثناء شیئ کثیر کقوله تعالٰی فلبث فیهم تلک الخمسین عاما فیکون المعنی لبث الخمسین فی جملة الالف ولم یلبث تلک الخمسین تعالی الله عن مثله علوا کبیرا (الٰی ان قال) فزبدة الکلام ان دخول المستثنی منه ثم اخراجه بالا واخواتها انما کان قبل اسناد الفعل اوشبهه الیه فلایلزم التناقض فی نحوجاء فی القوم الازیدا لانه بمنزلة قولك القوم المخرج منهم زید جاؤنی وذلك لان المنسوب الیه وان تأخر لفظا لابدله من التقدم وجودا علی النسبة التی یدل علیها الفعل اذ المنسوب الیه والمنسوب سابقان علی النسبة بینهما ضرورة ففی الاستثناء لما کان المنسوب الیه هو المستثنٰی منه مع الاوالمستثنٰی فلا بدمن من وجود هذه الثلثة قبل النسبة فلا بد ذلك اذن من حصول الدخول والاخراج قبل النسبة فلا تناقض[1] اھ

(اگر ہم یہ کہیں کہ جاءنی القوم الازیدا میں زید قوم میں شامل ہے اور الا اس کو قوم میں شامل ہونے کے بعد نکالنے کے لئے ہے تو معنٰی یہ ہوگا، کہ زید قوم کے ساتھ آیا اور نہ آیا۔ یہ واضح تناقص ہے لہٰذا ایسا متناقص کلام عقلاء سے متصور نہیں ہوسکتا حالانکہ قرآن پاک میں یہ استثناء کثیر موجود ہے جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ نوح علیہ السلام اپنی قوم میں ہزار برس بغیر پچاس کے ٹھہرے، تو معنٰی یہ ہوئے کہ آپ پچاس سمیت مجموعہ ہزار ٹھہرے، اس واضح تناقص سے اللہ تعالٰی پاک ہے، آگے انھوں نے یہ تک کہا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مستثنٰی منہ میں دخول اور الاّ اور دیگر حروف کے ساتھ پھر اس کو خارج کرنا فعل یا شبہ فعل کے اسناد سے قبل ہوتا ہے تو اب جاءنی القوم لا زیدا جیسی مثالوں میں تناقص لازم آئے گا، کیونکہ اب معنی یوں ہوا" قوم جس سے زید

[1] شرح الکافیہ للرضی بحث المستثنٰی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲۵۔۲۲۶

خارج ہے میرے پاس آئی، اس لئے کہ منسوب الیہ اگرچہ لفظی طور پر فعل سے موخر ہے لیکن وجودی طور پر فعل سے مقدم ہے کیونکہ منسوب اور منسوب الیہ اس نسبت سے مقدم ہوتے ہیں جو دونوں میں پائی جاتی ہے اور یہ نسبت وہ ہے جس پر فعل دال ہے تو استثناء میں جب منسوب الیہ یعنی مستثنیٰ منہ اور الاّ اور مستثنیٰ تین چیزیں ہیں تو لازمی طور پر یہ تین فعل والی نسبت سے پہلے ہوں گے لہٰذا اب دخول وخروج نسبت سے قبل ہوا تو تناقص نہ رہا۔ت)

اقول: حاصل یہ ہے کہ لفظ مافی النفس سے تعبیر ہوتے ہیں یہاں اگر یوں ہو کہ متکلم نے **اولاً** نفی عام بلا داستثناء کی اور جزء اول سے تعبیر کیا پھر اس عام میں سے مستثنیٰ کو جدا کیا اور اس پر جزء استثنا سے دلالت کی تو صریح تناقص ہے کہ یہ دو حکم متنافی ہوئے لا سالبہ کلیہ تھا اور یہ موجبہ جزئیہ اور وہ دونوں نقیض ہیں، ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہاں صرف حکم واحد ہے متکلم نے ایک مفرد کلی کو کہ مرتبہ لابشرط شے میں تھا مستثنیٰ سے فارغ کرکے مرتبہ بشرط لاشی میں لیا اور اس مقید پر حکم واحد کیا بے ادخال لا والا سے معبر کیا لاحکم ہے اور الاّ قید مسند الیہ کہ اس کے مرتبہ بشرط لا پر دال تو یہ لا ہرگز نفی جمیع کے لئے نہیں بلکہ نفی ماورائے مستثنیٰ کے لئے تو **مافی الذهن** یقیناً حق ہے، ہاں تقیید پر دلالت درکار، وہ اگر نفس کلام میں نہ ہوتی تو کلام کی ترکیب مشہور ومعروف کا مسلمان میں دائر وسائر، اور قائل کا مسلمان ہونا خود ہی دلالت کرتا کہ یہ تنگی شعر کے سبب بعض کلام پر اختصار ہے اور مراد یقیناً مجموع جیسے ہے بے تنگی کلام **قلیا** اور **لن تنا** کہتے ہیں اور مراد سورہ کافرون و پارہ چہارم، مسلمان اگر **ابنت الربیع البقل** (موسم بہار نے سبزہ اگایا۔ت) کہے تو اس کا سلام ہی تجوز پر قرینہ ہے، اس سے یہ گمان کہ اس نے خود فصل بہار کو سبزی کا خالق مانا ہے، ہرگز مسلم عاقل کو نہیں ہوسکتا **کما نصوا علیه وصرح به فی الفتاوی الخیریه وغیرها** (جیسا کہ اس پر علماء نے تصریح موجود ہے اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ میں یہ تصریح موجود ہے۔ت) نہ کہ یہاں نفسی کلام میں معنٰی صحیح کی صاف تصریح موجود ہے کہ مصرع دوم میں صاف توحید بتائی اور یہ ہی اول سے مراد ٹھہرائی، اگر **معاذاللہ** نفی مطلق ہوتی توحید کب رہتی تعطیل ہوتی، توحید تو ایک کا اثبات ہے نہ کہ **معاذاللہ** عام نفی تام، تو ثابت ہوا کہ اس پر حکم الحاد اگر از قبیل **کل اناء یترشح بما فیه** (ہر برتن وہی کچھ باہر پھینکتا ہے جو اس میں ہو۔ت) نہ ہو تو جنون خالص ہے۔ لاجرم جامع الفصولین فصل ۳۸ میں ہے:

من قال لااله واراد ان یقول الا اللّٰه	جس نے لا الٰہ کہا الا اللہ ارادہ کے باوجود نہ کہہ

ولم یقل لایکفر لانه عقد علی ایمان[1]۔	سکا تو وہ کافر نہیں کیونکہ اس نے ایمان کے ارادے سے یہ کہا (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں ہے: آثر اعنه الی (عه) لایکفر[2] (اسی کے عدم کفر کو ترجیح حاصل ہے۔ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ و شرح ملتقی الابحر میں ہے، ہاں شاعر نے اسی قتصار میں تقصیر ضرور کی علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اس لاکامد طویل نہ کرے کہ صورت نفی سے جلد جانب تصریح اثبات منتقل ہو جائے اس نے اتنی دیر کی کہ صورت نفی مصرع اول میں رکھی اور تصریح اثبات چھ لفظوں کے فاصلہ سے مصرع دوم میں اسے یوں کہنا تھا اشھدان الاالٰہ غیرہ ہے اس پر نقش۔

اسی طرح بکرسنی کے شعر مذکور پر اعتراض جہل فاضح یا عناد واضح ہے حب الوطن من الایمان[3] (وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے۔ت) نہ حدیث سے ثابت نہ ہر گز اس کے یہ معنی، اس کا یہ معنی امام بدرالدین زرکشی نے اپنے جز اور امام شمس الدین سخاوی نے مقاصد حسنہ اور امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی نے الدرالمنتشرہ میں بالاتفاق اس روایت کو فرمایا: لم اقف علیه[4] (میں اس سے آگاہ نہیں ہو سکا۔ت) امام سخاوی نے اس کی اصل ایک اعرابی بدوی اور حکیمان ہند کے کلام میں بتائی کما یظھر بالرجوع الیه (جیسا کہ اس کی طرف رجوع سے ظاہر ہے۔ت) اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اپنے بندوں کی کمال مدح فرمائی جو اللہ ورسول جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت میں اپنا وطن چھوڑیں، یار و دیار سے منہ موڑیں، اور ان کی سخت مذمت فرمائی جو حب وطن لئے بیٹھے رہے اور اللہ ورسول کی طرف مہاجر نہ ہوئے۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ قَالُوۡا فِیۡمَ كُنۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ قَالُوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک ملائکہ جن کی جان نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے فرشتے کہتے ہیں تم کاہے میں تھے، کہتے ہیں ہم اس بستی میں

عه: وھکذا فی الاصل لعله "انه"۔

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۸۹

[3] الدار المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ حرف الحاء حدیث ۱۸۹ المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

[4] المقاصد الحسنہ للسخاوی حدیث ۳۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۰۹، الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ حروف الحاء حدیث ۱۸۹ المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۰۰

تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۧ﴿۱۰۰﴾ "[1]	کمزور دبائے ہوئے تھے، فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین (مدینہ طیبہ) گنجائش والی نہ تھی کہ تم وطن چھوڑ کر اس میں جارہتے ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا ہی بُری پلٹنے کی جگہ مگر کمزور اور عورتیں بچے جنھیں کچھ بنائے نہ بنی نہ راہ ملی قریب ہے کہ اللہ تعالٰی ان کو معاف فرمائے، اللہ تعالٰی معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے اور جو اللہ تعالٰی کی راہ میں وطن چھوڑ کر اللہ ورسول کی طرف ہجرت کرتا ہوا اپنے گھر سے نکلے پھر اسے موت آجائے اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر ثابت ہولیا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

جو مدینہ طیبہ کی حاضری پر حب وطن کو ترجیح دیں وہ ظالموں کی طرح ہیں اور جو حب وطن کو خاک بوسی آستان عرش نشان پر تصدق کریں وہ ان مقبولوں میں ہیں:

"قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِیْلًا ۧ﴿۸۴﴾ "[2]	تم فرماؤ سب اپنے کینڈے (طریقے) پر کام کرتے ہیں تو تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ راہ پر ہے۔ (ت)

وہ وطن جس کی محبت ایمان سے ہے وطن اصلی ہے جہاں سے آدمی آیا اور جہاں جانا ہے۔

کن فی الدنیا کانك غریب اوعابر سبیل[3] ۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل[4] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دنیا میں اس طرح رہو جیسے اجنبی ہو یا مسافر، اور ہمارے لئے اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہی سب کا کارساز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۹۷تا۱۰۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۴

[3] کنز العمال حدیث ۶۱۲۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۱۹۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

I.T. Majlis of Dawateislami

مسئلہ ۵۲تا۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ معشوق علی صاحب ۷ جمادی الاولیٰ ۷ ۱۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر میلاد خواں مجلس میلاد شریف میں مفصلہ تحت مضامین کی نظم یا نثر پڑھتے ہیں:

(۱) میم کی چادر مکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا،

(۲) شب وصل خدانے نبی سے کہاتواور نہیں میں اور نہیں
ہے میم کاپردہ کیاپردہ تواور نہیں میں اور نہیں

(۳) کہیں لیلیٰ بنا، کہیں مجنون، کہیں شریں بنا، کہیں فرہاد
ہے میم کاپردہ کیاپردہ تواور نہیں میں اور نہیں

(۴) کہتاہے یہ تجھ سے خدادل میں نہ رکھ اپنے خودی تیرے نگین طبع پر میری حقیقت ہے کھدی
جب عین وحدت کی صفت خاص اپنی میں نے تجھ کودی من توشدم تومن شدی من تن شدم توجاں شدی
تاکس نگوید بعدازیں من دیگرم تودیگری

(۵) ترسیٹھ برس خدامکہ اور مدینہ کی گلیوں میں پھرا کسی نے نہ پہچانا۔

(۶) محمد نے خدائی کی خدانے مصطفائی کی۔
کوئی سمجھے توکیا سمجھے، کوئی جانے توکیا جانے

(۷)ایک روز جبریل علیہ االسلام حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتحیات کی خدمت میں حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایاکہ اے اخی! تم کواپنے مقام سے یہاں تک آنے میں کتناوقفہ ہوتاہے؟ عرض کیا: حضور دستار مبارک کا پیچ تمام نہیں فرمانے پائیں گے کہ غلام اپنے مقام سے

یہاں حاضر ہو جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں سے تم کو حکم ملتا ہے وہاں پردہ پڑا ہے جاؤ اس کو اٹھا کر دیکھو، ادھر آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستار مبارک زیب سر فرمانا شروع کی، جبریل علیہ السلام نے مقام مذکور پر پردہ اٹھا کر دیکھا تو حضور پٹکا زیب سر فرما رہے ہیں، پھر زمین پر آکر اسی طرح پٹکا زیب سر فرماتے ہوئے دیکھا۔ اسی استعجاب میں چند مرتبہ آئے گئے، حیران ہو کر عرض کیا کہ حضور! پھر مجھے کیوں دوڑایا جاتا ہے جب یہاں بھی آپ ہے وہاں بھی آپ، اور مثل ان کے، لہٰذا ایسے مضامین کا پڑھنا اور سننا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟ کسی سے اس بارے میں جھگڑا قصہ نہیں ہے۔ اپنا عقیدہ صاف کرنے کی غرض سے یہ تکلیف دی جاتی ہے۔

الجواب:

(۱) اگر آیا کی ضمیر حضرت عزت عزجلالہ، کی طرف ہے تو بیشک عوام کا ایسا بکنا صریح کلمہ کفر ہے اور اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے تو بیشک احد واحد ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، دونوں حضور کے اسمائے طیبہ سے ہیں اور معنی یہ کہ حضور مظہر شان احدیت ہیں تجلی احدیت حضور کی عبدیت میں جلوہ گر ہے، اگر میم کہ طوق ف وکمر پرستش ہے ساتر نہ ہو تو عالم میں کوئی دیکھنے کی تاب نہ لائے پھر بھی ایسے لفظ سے بچنے ہی کا حکم ہے کہ عوام کا ذہن ایسی دقیق توجیہ کی طرف نہ جائے گا اور ان کے فساد عقیدہ یا اس بات کا موہم ہوگا کہ وہ قائل کو گمراہ جانیں۔ حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منه[1] فان الخیر لایعتذر منه۔	ہر اس شیئ سے بچو جس پر معذرت کرنی پڑے، اور خیر میں معذرت نہیں کرنا پڑتی۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے: ایاك ومایسوء الاذن[2] (ہر اس شے سے بچو جسے کان بُرا جانیں۔ ت) تیسری حدیث میں ہے: حدثوا الناس بمایعرفون[3] (لوگوں سے وہی بیان کرو جوان کے لئے معروف ہے۔ ت) چوتھی حدیث میں ہے:

ماانت بمحدث قوما حدیثا لا تبلغه عقولهم الاکان لبعضهم فتنة[4]۔	جب کوئی کسی قوم کو ایسی بات بیان کرے گا جہاں تک ان کی عقل کی رسائی نہیں تو وہ ان میں فتنہ کا سبب بنے گا (ت)

[1] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابو العادیة دار الفکر بیروت ۴/ ۷۶

[3] کنز العمال حدیث ۲۹۳۱۸ موسسة الرسالة بیروت ۱۰/ ۲۴۷

[4] صحیح مسلم باب النھی عن الروایة عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹

ف: اصل میں اسی طرح ہے مگر اعلٰحضرت کا خط نہیں اس لئے ناقل سے غالبًا سہو ہوا۔

(۲) یہ اللہ عزوجل پر افتراء ہے اور اس کا ظاہر کفر،

وقد قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ"[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے: جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔(ت)

(۳) بظاہر کفر ہے ف اور اس کا مقلد زندیق۔ عوام کو ایسا تفوہ کفر کا کھلا راستہ ہے، عوام سے مراد وہ ہیں کہ مقام حقائق تک نہ پہنچے اگرچہ علماء کہلاتے ہوں اور ان سے بدتر وہ مسخرگان شیطان کہ جاہل ہیں اور اور علم حقائق کے مدعی۔

(۴) فارسی شعر حضرت امیر خسرو قدس سرہ العزیز کا عاشقانہ غزل ہے اسے یوں نعت شریف میں لے جانا اور کلام الٰہی ٹھہرانا اور اللہ ورسول میں یوں اتحاد ماننا بلکہ حضور کو جان اور اللہ کو تن جاننا یہ صریح کفر وارتداد ہے۔

(۵) اس کا ظاہر بھی کلمہ کفر ہے،

ووقوع مثلہ فی کلام اللہ وکلام رسولہ کمایذکر عن التوراۃ جاء اللہ من طور سیناء واشرق من ساعیر واستعلن من فاران وحدیث یا موسٰی کنت مریضا فلم تعدنی کنت جائعا فلم تطعمنی[2] وامثال ذٰلک لایکون سندا للجواز فلیس للعبد ان یتعدی طورہ وعلیہ اتباع المحکمات دون ماتشابہ منہ۔	اس کا وقوع کلام الٰہی اور کلام رسول اہیں اور کلام رسول اہیں جیسا کہ تورات سے ہے کہ اللہ تعالٰی طور سیناء سے آیا اور ساعیر اور فاران ان سے وہ چمکا، اور حدیث میں ہے: اے موسٰی! میں مریض تھا تم نے میری عیادت نہ کی، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ اور اس کے دیگر امثال یہ جواز کی سند ودلیل نہیں بن سکتے، بندے کو اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے بندے پر محکمات کی اتباع لازم اور متشابہات سے بچنا لازم ہے۔(ت)

(۶) پچھلا مصرع تو صحیح ہے اور پہلے کا نصف اخیر بھی صحیح ہے کہ کرنا بنانے پیدا کرنے کو کہتے ہیں: ؎

گفتم ایں جام جہاں بیں بتو کے داد حکیم   گفت آں روز کہ ایں گنبد مینامی کرد

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2]

ف: اندازہ سے بنایا اصل میں بیاض ہے۔

(میں نے اسے کہا کہ یہ جہاں نما جام تجھے حکیم نے کب دیا؟ اس نے کہا کہ جس دن اس نے یہ گنبد (آسمان بنایا۔ت) یعنی اللہ عزوجل نے حضور کی مصطفائی پیدا کی حضور کو یہ مرتبہ بخشا، البتہ نصف اول بہت سخت ہے اس میں تاویل بعید یہ ہے کہ خدائی مخلوق کو کہتے ہیں ع

ساری خدائی اک طرف فضل الٰہی اک طرف

اور خدائی کی پیدائش بطفیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا **لولاك لما خلقت الدنیا**[1] (اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں دنیا پیدا نہ فرماتا۔ت) حضور تخم وجود واصل موجود ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو نسبت مجاز ہے جیسے **انبت الربیع البقل** بہار نے سبزہ اگایا۔**وقال اللہ تعالٰی "مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ"**[2] (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: زمین کی اگائی ہوئی چیزیں۔ت) اگانے والا زمین کو فرمایا، مگر حق یہ ہے کہ ایسی تاویل نہ لفظ کو کلمہ کفریہ ہونے سے بچائے نہ قائل کو اشد حرام ہے کے ارتکاب سے، بہار و زمین غیر ذوی العقول پر قیاس نہ ہوگا۔ اور ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[3]۔	منع کے لئے محض محال معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔(ت)

(۷) یہ روایت محض کذب و باطل و مردود و موضوع وافتراء واختراع ہے **قاتل اللہ واضعھا** (اللہ تعالٰی ایسی روایت گھڑنے والے کو برباد کرے۔ت) اور اس کا ظاہر سخت کفر ملعون ہے۔ ایسے تمام مضامین کا پڑھنا سننا سب حرام ہے، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از رام پور مرسلہ معشوق علی صاحب ۷ جمادی الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر میلاد خواں میلاد شریف میں اس نظم کو پڑھتے ہیں:

(۱) اٹھا کر میم کا پردہ سب الا اللہ کہتے ہیں   احد میں میم کو ضم کرکے صلی اللہ کہتے ہیں
(۲) ظہور ہو کر کے دنیا میں یہ فرمانا کہ بندہ ہوں   تو سب ناسُوت میں حضرت رسول اللہ کہتے ہیں
(۳) ہوئے ممکن سے جب واجب نبی ملکوت میں پہنچے   وہاں سب دیکھ احمد کو ظہور اللہ کہتے ہیں

[1] الفوائد المجموعۃ باب فضائل النبی حدیث ۱۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۲۶، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ حدیث ۷۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۹۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

(۴) جو پہنچا مرتبہ جبروت میں مسجود عالی کا	تو اس جسم مطہر کو وہ نور اللہ کہتے ہیں
(۵) الست مرتبہ لاہوت سمجھو ذات کا احمد	سب اس رتبہ میں آنحضرت کو عین کہتے ہیں
(۶) خدا فرمائے گا محشر میں بخشالو تم اب احمد	گنہ گاران امت کو شفیع اللہ کہتے ہیں
(۷) نزول از تا عروج حضرت کا لکھا ہے حقیقت سے	خدا پہچان سب سے حسن اللہ کہتے ہیں

الجواب:

ان اشعار کا پڑھنا حرام حرام سخت حرام ہے، ان میں بعض کلمہ کفریہ ہیں اگرچہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں اور بعض موہم کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع[1]۔	منع کے لئے محض محال کا معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔(ت)

ہاں بعض جیسے شعر چہارم و ششم ایہام کفر سے خالی ہیں پھر بھی ششم میں مصرعہ دوم "گنہ گاران امت الخ" کو حضرت عزت کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں، اور چہارم میں مسجود کا لفظ مناسب نہیں۔ ہاں شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

ہزاران ہزار عاشق برآستانہ او (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سجدات می کنند وایں مرتبہ ہیچکس رانداده اند۔ مگر بطفیل ایں محبوب (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) برخے ازاولیائے امت راشمہ محبوبیت آں نصیب شدہ مسجود خلائق و محبوب دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم و سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہما[2] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔	لاکھوں عشاق ان (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے مبارک آستاں پر سجدہ کرتے ہیں اور یہ مرتبہ جس کی بھی عطا کیا گیا ہیے وہ اس محبوب (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طفیل ہے۔ اولیائے امت میں سے جس کو اس محبوبیت سے حصہ ملا ہے وہ مخلوق کے مسجود و محبوب ہوئے مثلاً حضرت غوث الاعظم، سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۰: از ناگور مارواڑ دکان سید محمد صدیق لعل محمد سوداگران مرسلہ حضرات مذکورین ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

---

[1] ردالمحتار کتاب الحضر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پ عم س الم نشرح مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ۳۲۲

ہمارے سرور عالم کا رتبہ کوئی کیا جانے
خدا سے ملنا چاہے تو محمد کو خدا جانے

یہ شعر عام طور پر حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محفل میلاد میں پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شعر کا ظاہر صریح کفر ہے اور اس کا پڑھنا حرام ہے اور جو اس کے ظاہر مضمون کا معتقد ہو یقیناً کافر ہے۔ہاں اگر بقرینہ مصرعہ اولٰی یہ تاویل کرے کہ خدا سے ملنا چاہے تو یوں سمجھے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرتبہ کو اللہ ہی جانتا ہے تو یہ معنی صحیح ہے، مگر ایسا موہم لفظ بولنا جائز نہیں۔ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	منع کے لئے محض محال معنی کا ایہام ہی کافی ہوتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۱: از جودھپور مارواڑ مرسلہ قاضی محمد عبدالرحمٰن صاحب متخلص بہ طالب مدرس درجہ اول سردار اسکول ۱۸ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۷ھ

حضرتم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، بتاریخ ۱۶ مارچ سنہ رواں بروز یک شنبہ جودھپور میں مشاعرہ تھا، مصرع طرح ھو ہذا: "شب عاشق سحر نہ ہو جائے" نمبر ۲ پر ایک غزل نعتیہ پڑھی گئی جس کا مطلع یہ ہے:ـ

نعت خیر البشر یہ نہ ہو جائے
دل حقیقت نگر نہ ہو جائے

کیا حضور! یہ مطلع نعت میں ٹھیک ہے؟اس کا قائل کہتا ہے کہ آپ کے دیوان میں بھی اس قسم کا کوئی شعر ہے گروہ شعر دیوان میں دکھاتا نہیں۔اور خاکسار کے پاس دیوان ہے نہیں۔لہٰذا متکلف ہوں کہ اس میں جو کچھ امر حق ہو جواب سے سرفراز فرمادیں۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، یہ مطلع سخت باطل وناجائز ہے کہ اس میں نعت اقدس سے ممانعت ہے اور نعت اقدس اعظم فرائض ایمان سے ہے،اس سے ممانعت کس حد تک پہنچتی ہے،اگر

[1] ردالمحتار کتاب الحضر ولاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

تاویل کی جگہ نہ ہوتی تو حکم بہت سخت تھا فقیر کے دیوان میں اصلا کوئی شعر اس مضمون کا نہیں۔ **ولہ الحمد وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۲: از شہر دہلی پہاڑ گنج مسجد غریب شاہ مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۹ شعبان ۱۳۳۷ھ

حضور! مندرجہ ذیل اشعار کے متعلق یہاں کے مولویوں نے کہا ہے کہ اس کا جواب کوئی اہل اللہ دے گا، لہٰذا اس کا جواب حضور ہی دیں گے۔ **اشعار:**

(۱) چہ خوش گفت بہلول فرخندہ فال کہ من از خدا پیش بودم دو سال

(۲) من آں وقت کہ دم خدارا سجود کہ ذات و صفات خدا ہم نہ بود

الجواب:

دوسرا شعر ایسا مشکل نہیں، نبود سے نہ نفی مطلق مقصود نہ مفہوم بلکہ نفی مقید بوقت سجدہ یعنی جس وقت میں نے سجدہ کیا اس وقت میں ذات صفات نہیں۔ اور یہ حق ہے کہ ذات وصفات الٰہی وقت وزمانہ سے متعالی ہیں۔ وہ کسی وقت میں نہیں وقت سے پاک ہیں۔ جیسے کسی مکان میں نہیں مکان سے پاک ہیں، زمان ومکان سب حادث ہیں اور ذات وصفات الٰہی قدیم، جب زمان ومکان نہ تھے ذات وصفات ان سے جدا تھیں، ایسے ہی اب بھی ہیں اور ہمیشہ رہیں گی، پہلے شعر میں از خدا لفظ پیش سے متعلق نہیں بلکہ بودم سے اور پیش کا متعلق ازیں محذوف ہے۔ جیسے عربی "كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝۲۶"[1] یعنی قبل ہذا اردو میں پہلے کہہ چکا یعنی اس سے پہلے، یوہیں پیش بودم یعنی پیش ازیں۔ اس کا اشارہ حالت موجود کی طرف ہے یعنی عالم اجساد میں ہونا، اور سائل سے مراد زمانہ ممتمد کہ یہاں ہزار سال ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ میں اس عالم اجساد میں آنے سے دو ہزار برس پہلے خدا کی طرف سے وجود رکھتا تھا، موجود تھا، اور یہ حق ہے، حدیث میں ہے:

ان اللہ تعالٰی خلق الارواح قبل الاجسام بالفی عام[2]۔	اللہ تعالٰی نے روحیں جسموں سے دو ہزار برس پہلے بنائیں۔

بایں ہمہ دونوں شعر موہم معنی کفر ہیں اور ان کا اطلاق سخت اشد حرام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳ تا ۶۵: از شہر بریلی محلہ سہسوائی ٹولہ متصل مسجد چپ شاہ مسئولہ لیاقت حسین طالبعلم ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرع درباب اس شعر کے نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **وھو ھذا:**

---

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۲۶

[2] الفوائد المجوعہ مناقب الخلفاء الاربعۃ الخ حدیث ۹۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۲، الموضوعات لابن جوزی حدیث ۵۷ دارالکفر بیروت ۱/ ۴۰۱

ے کردن مہمانی عشق محمد

جگر کے کوفتے دل کے پسندے

(جگر کے کوفتے اور دل کے کباب بنا کر عشق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مہمانی کرنا۔ت)

(۱) آیا قابلیت نعت اور مولود خوانی کی رکھتا ہے یا نہیں؟

(۲) انسان کا گوشت حلال یا حرام؟

(۳) کس مقدس شخص کی مہمانی میں یا اس کے عشق کی مہمانی میں انسان کا گوشت پیش کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

انسان کا گوشت انسان پر حرام ہے عشق پر حرام نہیں وہ ایک آگ ہے کہ ماسوائے محبوب کو جلا دیتی ہے، گوشت گھلانا اس کا پہلا فعل ہے، ولہذا حدیث میں فرمایا:

ان اللہ یبغض الحبر السمین [1]۔	اللہ دشمن رکھتا ہے موٹے عالم کو۔

شعر میں "مہمانی عشق" ہی کہا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۶۶: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ قاسم حسین رضوی مصطفائی ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مندرجہ ذیل اشعار آیا کفر میں داخل ہیں اور ان کا لکھنے والا کافر ہے یا نہیں؟ دلاور حسین میلاد خواں نے میرے سامنے بیان کیا کہ ایک عالم مجدد نے ایسے شاعر کو کافر فرمایا ہے اور تحریری فتوٰی میرے پاس موجود ہے اگر اس نے جھوٹ بولا اور ایک مسلمان پر کفر ثابت کرنے کے لئے ایک بزرگ پر اتہام رکھ کر ایسے غلط لفظ کہے تو کیا وہ کافر ہونے سے بری ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اشعار یہ ہیں:

۱ جوش کرم پر بحر ہے دیکھو یہ الٹی لہر ہے ہم بھولے بیٹھے ہیں انھیں ان کو ہماری یاد ہے

۲ ہے ہم سے غلاموں کا کعبہ تو درآقا اللہ مبارک کرے سجدے کا ادا کرنا

الجواب:

حاشا ان میں کوئی بات کفر تو کفر گمراہی کی بھی نہیں، ممکن کہ اور اشعار کی نسبت فتوٰی ہوا ہو اور دلاور حسین نے بے علمی کے سبب ان کے مضمون کو ویسا ہی گمان کرکے یہ کہہ دیا ہو، بہر حال جاہل کو احکام

[1] اتحاف السادۃ المتقین باب بیان فضیلۃ الجوع دار الکفر بیروت ۷/ ۳۸۸

شرح خصوصًا کفر واسلام میں جرأت سخت حرام ہے کوئی ہو کسے باشد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷: از مراد آباد محلّہ شیدی سرائے مرسلہ صابر حسین صاحب ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ شعر ہے:

سکھی پاپ کی گٹھری تو سیس دھری کہیں روس نہ جاویں سام ہری

کتے جاکے بروں کہاں ڈوب مروں سیاں سے حیا شرماوت ہے

اس میں سام ہری جو خدا کا نام رکھا ہے سو یہ عمرو کے نزدیک کفر ہے، آیا یہ قول عمرو کا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

جاہل احمق نادان شاعر نے جو ہندی زبان کی نظم کہی اس میں معبود برحق عزوجلالہ کی طرف انھیں لفظوں سے کنایا کیا جو ہندی میں مستعمل ہے ایسے کلام اس قبیل سے ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی فرماتے ہیں:

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں　　　　گفتہ آید در حدیث دیگراں [1]

(وہ خوش بخت ہے جو دلبروں کے راز دوسروں کی زبان سے کہتا ہے۔ ت)

اولیاء اشعار میں لیلٰی و سلمٰی باندھتے ہیں اور مطلب سعدی دیگر ست، نہ کہ **معاذاللہ** رب عزوجل کو ان ناموں سے تعبیر کیا بلکہ وہی گفتہ آید در حدیث دیگراں، سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

ان مجنون بنی عامر کان من احباء اللہ تعالٰی ستر شأنہ بجنون بلیلٰی [2]۔ نقلہ الزرقانی فی شرح المواھب الشریفۃ من روضۃ العاشق لابن القیم واستغربہ۔	حضرت مجنون بنی عامر اولیاء سے تھے عشق لیلٰی کو پردہ کر رکھا تھا (امام زرقانی نے شرح مواہب الشریفہ میں روضۃ العاشق لابن قیم سے اسے نقل کرکے غریب کہا۔ ت)

سیدی ابوبکر شبلی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کو یہ شعر پڑھتے سنا:

اسأل عن سلمی فھل من مخبر　　　　یکون لہ علم بھا این تنزل

میں سلمٰی کو پوچھتا ہوں ہے کوئی بتانے والا کہ وہ کہاں اترے گی، فرمایا **واللہ مافی الدارین**

[1] مثنوی مولوی معنوی دفتر اول بردن بادشاہ طبیب غیب را بر سر بیمار نورانی کتب خانہ پشاور ص ۸

2

عنہا مخبر[1]۔ خدا کی قسم دونوں جہان میں کوئی اس کی خبر دینے والا نہیں۔ سیدی ابو سعید خراز رضی اللہ تعالٰی عنہ سوتے سوتے گھبرا کر روتے ہوئے اٹھے اور فرمایا کہ ابھی مجھ سے رب عزوجل نے خواب میں فرمایا: ابو سعید تو لیلٰی و سلمٰی کے اشعار سنتا اور ان کے مضامین کو مجھ پر محمول کرتا ہے، اگر میں نہ جانتا کہ تو مجھ کو دوست رکھتا ہے تو وہ عذاب کرتا کہ نہ کیا ہوتا[2]۔

ھر زبان ہندی میں جو معبود برحق کے اسماسے ہے، جیسے ایشور، اور بظاہر اس میں کوئی معنی محال نہیں جیسے رام میں ہیں کہ ہر چیز پر رما ہونے اور سرایت و حلول پر دلیل ہے اور سیام کنھیا کا نام نہیں اس کا وصف اس سے کرتے ہیں کہ وہ سیہ فام تھا اور سیام سیاہ کرکہتے ہیں۔ اور صوفیہ کرام فرماتے ہیں: تجلی ذات بحت کا رنگ خالص سیاہ ہوتا ہے، شاعر نے بڑی خطا کی بہت برا کیا اس پر توبہ لازم ہے، مگر حکم کفر غلو وغلط ہے،

لایخرج العبد من الایمان الاجحود ما ادخلہ فیہ سواء صرح بہ اوجحد وجحد الجحود وھذا اخبث واعند العنود۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بندہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا مگر جب کہ وہ ایسی چیز کا انکار کرے جس کے ذریعہ سے وہ ایمان میں داخل ہوا تھا خواہ وہ تصریح کرے یا انکار، اور انکار کا انکار یہ زیادہ خبیث اور سبب عناد ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۸ تا ۶۹: از موضع خورد مئو ڈاک خانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مسئولہ سید صفدر علی صاحب ۲ صفر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس شعر کا شاعر اور قائل شرعاً کیسا ہے **وھو ھذا**:۔

نہ مر بھوکا نہ رکھ روزہ نہ جا مسجد نہ کر سجدہ
وضو کا توڑ کر کوزہ شراب شوق پیتا جا

(۲) بے نمازی کو نہ جانو دیندار پیر ہو یا ہو مرید بابکار

الجواب:

(۱) یہ شعر کفر ہے۔ **(۲)** یہ شعر ٹھیک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

1

2

مسئلہ ۷۰: انتظام علی خاں صاحب چھتہ شیخ بنگلور زیر جامع مسجد دہلی ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

شعر اندرون غزل نعتیہ مصنفہ اکبر خاں مرئی:

عجب کھیل کھیلے عجب روپ بدلے زمانہ بہروپیا بن کے آیا

اس قسم کے شعر حضور کی شان کے خلاف ہیں کہ نہیں؟ اور ایسے شعر محافل میلاد شریف حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھنا چاہئے کہ نہیں "اللہ اللہ گفتہ اللہ می شوی" اس سے مراد لی ہے کہ نمک میں ملی شے نمک ہو گئی، جو خدا میں ملا وہ خدا ہو گیا۔ یہ شعر قابل اعتراض ہے کہ نہیں؟ اور مصرعہ بالا "اللہ اللہ گفتہ اللہ می شوی" سے مراد اور مطلب کیا حاصل ہونا چاہئے؟

الجواب:

بہروپئے والا شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہینوں پر مشتمل ہے، کھیل کھیلنا روپ بدلنا کہنا ہی توہین تھا، مصرع دوم نے کفر پر رجسٹری کر دی **والعیاذ باللہ تعالٰی**، یہ کہنا کہ جو خدا میں ملا وہ خدا ہو گیا کفر ہے، اس مصرع سے احتراز لازم ہے، مراد یہ ہے کہ فنافی اللہ می شوی"۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۱: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ خانقاہ برکاتیہ مسئولہ والاحضرت عظیم البرکت مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب قادری دامت برکاتہم ۳۰ رجب ۱۳۳۹ھ

حضرت مولانا المعظم والمکرم والمحترم دامت برکاتہم العالیہ، پس از تسلیم مع التعظیم والتکریم معروض خدمت، جناب مولوی حسن رضا خاں صاحب مرحوم کے نگارستانِ لطافت میں ان کی ایک غزل میں ان کا ایک شعر یہ ہے:

شب اسرٰی کے دولھا پر نچھاور ہونے والی تھی

نہیں تو کیا غرض تھی اتنی جانوں کے بنانے سے

یہ شعر ان کے دیوان "ذوق نعت" میں بھی موجود ہے جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اتنی جانوں کے بنانے سے غرض یہ تھی کہ شب اسرٰی کے دولھا پر ان کی نچھاور کی جائے حالانکہ افعال مولٰی عزوجل معلل بالاغراض نہیں ہوا کرتے اس کا حل مجھے مطلوب ہے۔

الجواب:

والاحضرت عظیم البرکت دامت برکاتہم العالیہ، تسلیم مع التعظیم، یہاں طرز ادا دو ہیں: **اول:** ہم نے یہ کام زید کے لئے کیا ورنہ ہمیں کیا غرض تھی، **دوم** اور کیا غرض تھی، اول میں اپنی غرض کی نفی مطلق ہے

اور ثانی میں اس غرض کا اثبات اور غرض دیگر کی نفی۔ شعر میں طرز اول ہے نہ کہ دوم، تواس میں مطلقاً نفی غرض ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ فعل اختیاری کے لئے مصلحت یا غرض ضرور ہے ورنہ عبث ہوگا، اور مولٰی تعالٰی عبث سے پاک ہے، اس کے افعال مصالح سے مملو ہیں اور اغراض سے منزہ، وہ مصالح بھی راجع بعباد ہیں۔ مولٰی تعالٰی مصلحت ومفسدت سے پاک، مداح مرحوم مصلحت کااس میں حصر کرتا ہے،

لحدیث خلقت الخلق لاعرفھم کرامتك و منزلتك عندی ولولاك ماخلقت الدنیا [1]۔ رواہ ابن عساکر عن سلمان فارسی۔	اس حدیث کی وجہ سے کہ میں نے مخلوق اس لئے پیدا فرمائی تاکہ میرے ہاں جو آپ کا مقام وشرف ہے اسے وہ جان لے، اور اگر آپ نہ ہوتے تومیں دنیا پیدانہ فرماتا۔ اسے ابن عساکر نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

توعرض کرتاہے کہ مصلحت یہ تھی ورنہ کیاکوئی غرض تھی کہ اگر غرض ومصلحت دونوں نہ ہوں توعبث لازم آئے، اور وہ محال ہے۔ لیکن مولٰی تعالٰی غرض سے پاک ہے، لاجرم یہی مصلحت تھی، وھو تعالٰی اعلم۔

---

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ذکر ماخص بہ وشرف بہ من بین الانبیاء دارالفکر بیروت ۲/ ۱۳۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
سُبحٰن السبوح عن کذب عیب مقبوح ۱۳۰۷ھ
(کذب جیسے بدترین عیب سے اللہ تعالٰی کی ذات پاک ومنزہ ہے)

مسئلہ ۷۲: از ابو محمد صادق علی مداح عفی عنہ گڑھ مکٹیسری از میرٹھ بالائے کوٹ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین در بارہ مسئلہ امکان کذب باری تعالٰی جس کا اعلان تحریری و تقریری علمائے گنگوہ ودیوبند اور ان کے اتباع آج کل بڑے زور وشور سے کر رہے ہیں، تحریرًا کتاب "براہین قاطعہ" میں کہ مولوی خلیل انبیٹھی کے نام سے شائع کی گئی، جس کی لوح پر لکھا ہے: "بامر حضرت چنین وچنان مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی" اور خاتمہ پر ان کی تقریظ بایں الفاظ ہے: "احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب براہین قاطعہ کو اول سے آخر تک بغور دیکھا، الحق کہ یہ جواب کافی اور حجت وافی ہے اور مصنف کی وسعت نور علم اور فسحت ذکاء وفہم پر دلیل واضح۔ حق تعالٰی اس تالیف نفیس میں کرامت قبولیت عطا فرمائے اور مقبول مقبولین ومعمول عاملین فرمائے [1]" (ملخصًا) جس سے ثابت کہ گویا کتاب ہی تالیف ان کی ہے، صفحہ ۳ پر یوں مکتوب ہے: "امکان کذب کا مسئلہ اب جدید کسی نے نہیں نکالا بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف وعید آیا جائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے: ھل یجوز الخلف فی الوعید فظاھر

---

[1] براہین قاطعہ خاتمہ کتب مطبع لے بلاسا واقع ڈھور ص ۲۷۰

مافی المواقف والمقاصد ان الاشاعرۃ قائلون بجوازہ (کیا خلف وعید جائز ہے، مواقف اور مقاصد سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اشاعرہ اس کے جواز کے قائل ہیں۔ت) پس اس پر طعن کرنا پہلے مشائخ پر طعن کرنا ہے اور اس پر تعجب کرنا محض لاعلمی اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے [1]۔"انتھی ملخصا۔ تقریرا مولوی ناظر حسین دیوبندی مدرس اول مدرسہ عربی میرٹھ نے مسجد کوٹ پر بلند آواز سے چند مسلمان میں کہا کہ ہمارا تو اعتقاد یہ ہے کہ خدا نے کبھی جھوٹ بولا نہ بولے مگر بول سکتا ہے، بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے تو کسی کا اجارہ نہیں، اور یہی امکان کذب ہے، انتھی۔

پس ایسا اعتقاد کیسا ہے اور اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں جس کا عقیدہ ایسا ہے سچی بات بتاؤ اچھا اجر پاؤ۔

الجواب:

سبحٰن ربك رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین، و الحمد ﷲ رب العالمین، والحمد ﷲ المتعال شانه عن الکذب والجهل والسفه والهزل و العجز والبخل، وکل مالیس من صفات الکمال المنزہ عظیم قدرته بکمال قدوسیته وجمال سبوحیته عن وصمه خروج ممکن او ولوج محال، قوله الحق ووعدہ الصدق، ومن اصدق من الله قیلا، وکلامه الفصل وماھو بالهزل فسبحٰن الله بکرۃ واصیلا، لذاته القدم ولنعته القدم، فلاحادث	آپ کا رب رب العزت ہر اس عیب سے پاک ہے جو یہ مخالفین بیان کرتے ہیں، تمام رسولوں پر سلام ہو، تمام حمد اللہ کے لئے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، تمام حمد اللہ کے لئے جس کی شان اقدس ہر قسم کے کذب، جہل، بے عقلی، غیر سنجیدگی، بخل اور ہر اس وصف سے پاک ہے جو اس کے کمال منزہ کے خلاف ہے کمال قدوسیت اور جمال سبوحیت کی وجہ سے اس کی قدرت خروج ممکن اور دخول محال کے عیب سے پاک ومبرا ہے، اس کا فرمان حق اور اس کا وعدہ سچا اور قول کے اعتبار سے اس سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے اس کا مقدس کلام حق و باطل میں فیصلہ کن ہے اور وہ ومذاق، ٹھٹھا نہیں ہے پس اللہ تعالٰی کی تسبیح ہے صبح وشام، اس کی ذات بھی قدیم اور صفات

[1] براہین قاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۳۵۲

یقوم ولاقائم یحول،وکلامه ازلی وصدقه ازلی،فلا الکذب یحدث ولاالصدق یزول،والصلاة والسلام علی الصادق المصدوق سید المخلوق النبی الرسول الاٰتی بالحق من عند الحق لدین الحق علی وجه الحق والحق یقول فهو الحق وکتابه الحق بالحق انزل وبالحق نزل وعلی الحق النزول،واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریك له حقا حقا،واشهد ان محمد عبده ورسوله بالحق ارسله صدقاً صدقاً، صلوات الله وسلامه علیه وعلی اله وصحبه وکل من ینتمی الیه،وعلینا معهم وبهم ولهم یاارحم الراحمین،اٰمین اٰمین،اله الحق اٰمین،قال المصدق لربه بتوفیقه العظیم المسبح لمولاہ عن کل وصف ذمیم،عبدالمصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی،صدق الله تعالٰی قوله فی الدنیا والاخرة ومصدق فیه ظنه بالعفو والمغفرة،اٰمین،اللھم ھدایة الحق والصواب۔	بھی قدیم تو حادث قائم نہیں رہتا اور قائم متغیر نہیں ہوتا اور اس کا کلام ازلی ہے اور اس کا صدق ازلی ہے تو اسکے کلام میں کذب کا حدوث نہیں اور اس کے صدق کو زوال نہیں۔صلوٰۃ وسلام ہو اس ذات اقدس پر جو صادق ومصدوق، تمام مخلوق کے سردار نبی رسول،حق کی طرف بلانیوالے،بطریق حق،دین حق کے لئے حق لانے والے،حق کا فرمان ہے کہ وہ حق ہیں۔ان کی کتاب حق جو حق کے ساتھ نازل کیا اور نازل ہوئی اور اس کا نزول حق پر ہوا،میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریك ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ سراپا حق ہے،میں شہادت دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور رسول ہیں اور ان کو حق وصدق دے کر بھیجا،ان پر اللہ تعالٰی کی طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو اور ان کی آل واصحاب اور ان کی طرف ہر منسوب پر،ساتھ ہم پر بھی ان کی وجہ سے ان کی خاطر ہو یا ارحم الرحمین آمین آمین الہ الحق آمین،اپنے رب کی تصدیق کرنے والے اس کی عظیم توفیق سے،ہر برے وصف سے اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرنے والا غلام مصطفی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کے قول کو دنیا وآخرت میں سچا فرمائے اور اس کا اپنے بارے میں اللہ تعالٰی سے عفو ومغفرت کے حسن ظن کو سچا فرمائے آمین، اے اللہ! تو ہی حق وصواب کی رہنمائی فرمانے والا ہے۔ (ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ بحول وقوت رب الارباب،اس مختصر جواب موضح صواب ومزیح ارتیاب میں اپنے مولٰی جل وعلا کی تسبیح وتقدیس اور اس جناب رفیع وجلال منیع پر جرأت وجسارت والوں کی تقبیح وتفلیس کے لئے کلام کو چار تنزیہوں پر منقسم اور ایک خاتمہ پر مختتم اور بنظر ہدایت عوام وازاحت اوہام،

ایک ضروری مقدمہ ان پر مقدم کرتا ہے۔

تنزیہ اول: میں ائمہ دین و علمائے معتمدین کے ارشادات متین جن سے **بحمد اللہ** شمس وامس کی طرح روشن ومبین کہ کذا لٰہی بالاجماع محال اور اسے قدیم سے ائمہ سنت میں مختلف فیہ ماننا عناوہ مکابرہ یا جاہلانہ خیال۔

تنزیہ دوم: میں بفضل ربانی دعوی اہل حق پر دلائل نورانی جن سے واضح ہو کر کذب الٰہی قطعاً مستحیل اور ادعائے امکان باطل وبے دلیل۔

تنزیہ سوم: میں امام وہابیہ ومعلم ثانی طائفہ نجدیہ مصنف رسالہ یکروزی کی خدمت گزاری اور ان حضرات کے اوہام باطلہ وہذیانات عاطلہ کی ناز برداری کہ یہی صاحب ان حضرات نو کے امام کہن اور ان کے مرجع وملجاوماخذ ومنتہی، انھیں کے سخن۔

تنزیہ چہارم میں جہالات جدیدہ کا علاج کافی اور اس امر حق کا ثبوت وافی کہ مسئلہ قدیمہ خلف وعید، اس مزلۃً حادثہ سے منزلوں بعید۔

خاتمہ میں جواب مسائل وحکم قائل، **والحمد اللہ مجیب السائل۔**

مقدمہ، اقول: وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق، مسلمان کا ایمان ہے کہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی کے سب صفات، صفات کمال وبروجہ کمال ہیں، جس طرح کسی صفتِ کمال کا سلب اس سے ممکن نہیں یوہیں **معاذاللہ** کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا اور صفت کا بروجہ کمال ہونا یہ معنی کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کی قابلیت رکھتی ہیں ان کا کوئی ذرہ اس کے احاطہ دائرہ سے خارج نہ ہونہ یہ کہ موجود ومعدوم وباطل وموہوم میں کوئی شیئ ومفہوم بے اس کے تعلق کے نہ رہے اگرچہ وہ اصلا صلاحیت تعلق نہ رکھتی ہو اور اس صفت کے دائرہ سے محض اجنبی ہو۔ اب احاطہ دوائر کا تفرقہ دیکھئے:

(۱) خلاق کبیر جل وعلا فرماتا ہے: " خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ " [1] وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے تو اسے پوجو۔ یہاں صرف حودث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفات باری تعالٰی عزمجدہ مخلوقیت سے پاک،

(۲) سمیع وبصیر جل مجدہ فرماتا ہے: " اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾ " [2] وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے، یہ

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۲

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۹

تمام موجودات عـــہ قدیمہ وحادث سب کو شامل مگر معدومات خارج یعنی مطلقاً یا جس چیز نے ازل سے ابد تک

عـــہ: **فائدہ**: اعلم انہ ربما یلمح کلام القاری فی منح الروض الی تخصیص بصارہ تعالٰی بالاشکال والالوان وسمعہ بالاصوات والکلام، وقد صرح العلامۃ اللاقانی فی شرح جوھرۃ التوحید بعمومھما کل موجود، وتبعہ سیدی عبدالغنی فی الحدیقۃ وھذا کلام اللاقانی قال لیس سمعہ تعالٰی خاصًا بالاصوات بل یعم سائرا لموجودات ذوات کانت اوصفات فسیمع ذاتہ العلیۃ وجمیع صفاتہ الازلیۃ کما یسمع ذواتنا وما قام بنامن صفاتنا کعلومنا والواننا وھکذا بصرہ سبحانہ وتعالٰی لایختص بالالوان ولا بالاشکال والاکوان فحکمہ حکم السمع سواء بسواء فمتعلقھما واحد [1] انتھی۔ اما ماقال اللاقانی قبل ذٰلک حیث عرف السمع بانہ صفۃ ازلیہ قائمۃ بذاتہ تعالٰی تتعلق بالمسموعات اوبالموجودات [2] الخ

فائدہ: واضح ہو کہ "منح الروض" میں ملا علی قاری کے کلام سے اللہ تعالٰی کی بصارت کا اشکال والوان اور اس کی سمع کا اصوات وکلام کے ساتھ اختصاص کا اشارۃ معلوم ہوتا ہے حالانکہ علامہ علامہ لاقانی نے "جوہرۃ التوحید" کی شرح میں اللہ تعالٰی کی مذکورہ دونوں صفات کو تمام موجودات میں عام ہونے کی تصریح کی ہے اور علامہ عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ میں ان کی اتباع کی ہے۔اور علامہ لاقانی کا کلام یہ ہے، انھوں نے فرمایا اللہ تعالٰی کی سمع صرف اصوات کے ساتھ مختص نہیں کی بلکہ تمام موجودات کو عام ہے خواہ ذوات ہوں یا صفات، تو باری تعالٰی کو اپنی ذات وصفات کا سامع ہے جس طرح وہ ہماری ذوات اور ہماری صفات مثلا ہمارے علوم اور الوان کا سامع ہے یونہی سبحانہ وتعالٰی کی بصر کا معاملہ ہے کہ وہ بھی اکوان والوان واشکال کے ساتھ مختص نہیں اس کا معاملہ بھی سمع جیسا ہے اور دونوں صفات برابر ہیں تو دونوں کے متصلقات بھی ایک جیسے ہیں انتہی، (اور اس پر علامہ نابلسی کا کلام یہ ہے) لیکن علامہ لاقانی نے جو اس سے قبل فرمایا جہاں سمع کی تعریف یوں کی ہے کہ اللہ تعالٰی کی ازلی صفت ہے جو اس کی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ اللاقانی ھی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

[2] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ اللاقانی ھی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

کسوت وجود نہ پہنی نہ ابد تک پہنے کہ ابصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے جو اصلا ہے ہی نہیں، وہ نظر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والبصر بانه صفتة ازليه تتعلق بالمبصرات او بالموجودات الخ[1] **فاقول**: لايجب ان يكون اشارة الى الخلاف بل اتى اولا بالمبصرات معتمدا على بداهة تصوره ثم اردت بالموجودات فرارا عن صورة الدور، و ليس فى التعبيرين تناف الخاصلا، فان المبصر ما يتعلق به الابصار وليس فيه دلالة على خصوصية شيئ دون شيئ فاذاكان الابصار يتعلق بكل شيئ كان المبصر والموجود متساديين، نعم لماكان ابصارنا الدينوى العادى مختصا باللون ونحوه ربما يسبق الذهن الى هذا لخصوص فازال الوهم بقوله او بالموجودات آتيا بكلمة اولتخييرفى التعبير۔ وهذه نكتة اخرى للارداف وانما لم يكتف به لان ذكر المبصرات ادخل فى التميز۔

ثم اقول، تحقيق التقدم ان الابصار لاشك انه ليس كالارادة

ذات سے قائم ہے اور تمام مسموعات یا موجودات سے متعلق ہے الخ، اور اللہ تعالٰی کی بصر کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ اس کی ازل صفت ہے جو تمام مبصرات یا موجودات سے متعلق ہے الخ، **اقول**: اس سے متعلق میں کہتا ہوں "او" یعنی یا، سے تعبیر میں ضروری نہیں کہ یہ اختلاف کا اشارہ ہو بلکہ مبصرات کو پہلے ذکر کرکے اس کے تصور کی بداہت کو ظاہر کیا پھر موجوادت کو ساتھ ذکر کیا تاکہ دور لازم نہ آئے جبکہ مبصرات وموجودات دونوں تعبیرات میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ مبصر وہ چیز ہے جس سے ابصار کا تعلق ہوسکے جبکہ کسی شیئ سے خصوصیت پر کوئی دلالت نہیں ہے، تو جب ابصار کا تعلق ہر چیز سے ہے تو مبصر اور موجود دونوں مساوی ہوئے، ہاں ہماری دنیاوی عادی بصار چونکہ الوان وغیرہ سے مختص ہیں اس لئے ہوسکتا ہے کہ ذہن اس خصوصیت کو اپنائے اس لئے انھوں نے مذکورہ وہم کے ازلہ کے لئے "او بالموجودات" کلمہ "او" کو تعبیر میں اختیار دینے کے لئے لائے۔ تو مبصرات کے بعد موجودات کو ذکر کرنے کا دوسرا نکتہ ہوا، اور صرف موجودات پر اکتفاء اس لئے نہ کیا کیونکہ مبصرات کو امتیاز میں زیادہ دخل نہیں۔ پھر **میں کہتا ہوں** مقام کی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ اللاقانی ھی ای الصفات یعنی صفات المعانی الحیاۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

کیا آئے گا تو نقصان جانب قابل ہے نہ کہ جانب فاعل، شرح فقہ اکبر میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

موالقدرة والتکوین التی لایجب فعلیة جمیع التعلقات الممکنة لھا بل ھو امن صفات التی یجب ان تتعلق بالفعل بکل مایصلح لتعلقھا کالعلم فعدم ابصار بعض مایصح ان یبصرہ نقص فیجب تنزیھه تعالٰی عنه کعدم العلم ببعض مایصح ان یعلم، وھذا ممالایجوز ان یتناطع فیه عنزان انما الشان فی تعبیر مایصح تعلق الابصار به فان ثبت القصر علی الاشکال والوان والاکوان فذاک،وان ثبت عموم الصحة بکل موجود وجب القول بتحقق عموم الابصار ازلًا وابدًا لجمیع الکائنات القدیمة والحادثة الموجودة فی ازمنتھا المحققة اوالمقدرة لما عرف من انه لا یجوز ھٰھنا شیئ منتظر لکن الاول باطل للاجماع علی رؤیة المومنین ربھم تبارك وتعالٰی فی الدار الاٰخرة فکان اجماع علی ان صحة الابصار لاتختص بماذکر وقد صرح اصحابنا فی ھذا المبحث ان مصحح

تحقیق یہ ہے کہ ابصار بیشک، ارادہ قدرت اور تکوین صفات جیسی نہیں۔ جن کا تمام ممکنہ تعلقات سے بالفعل متعلق ہونا واجب نہیں بلکہ ابصار ان صفات میں سے جن کا ممکن التعلق سے بالفعل متعلق ہونا واجب ہے جیسا کہ علم کا معاملہ ہے تو بعض وہ چیزیں جن کا ابصار ممکن اور صحیح ہو سکتا ہے ان کا عدم ابصار نقص ہوگا لہٰذا اللہ تعالٰی کا اس نقص سے پاک ہونا ضروری ہے جیسے س علم سے متعلق بعض اشیاء کا علم نہ ہونا نقص ہے جس سے وہ پاک ومنزہ ہے یہ وہ معاملہ ہے جس میں دو آراء نہیں ہو سکتیں، اب صرف یہ بحث ہے کہ ابصار کا تعلق کن چیزوں سے ہو سکتا ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ابصار صرف اشکال والوان واکوان سے ہی متعلق ہو سکتی ہے تو یہی ہوگا اور اگر ثابت ہو جائے کہ اس کا تعلق تمام موجودات سے صحیح ہو سکتا ہے تو پھر ازلًا وابدًا تمام کائنات وحادثہ خواہ وہ اپنے زمانوں میں محقق ہوں یا مقدر ہوں سب سے ابصار کا تعلق ماننا اور بیان کرنا واجب ہوگا جیسا کہ واضح ہے کہ اب کوئی چیز انتظار کے مرحلہ میں نہ ہوگی، لیکن پہلی شق باطل ہے کیونکہ آخرت میں مومنین کے لئے اللہ تعالٰی کی رؤیت پر اجماع ہے (حالانکہ اللہ تعالٰی اشکال والوان سے پاک ہے) تو ثابت ہوا کہ ابصار کا تعلق اشکال والوان سے مختص نہیں ہے جبکہ ہمارے اصحاب نے اس کے بحث میں تصریح (باقی بر صفحہ آئندہ)

قد افتی ائمة سمرقند وبخارا علی انه(یعنی المعدوم) غیر مرئی،وقدذکر الامام الزاهد الصفار فی اٰخر کتاب التلخیص ان المعدوم مستحیل الرؤیة، و کذا المفسرون ذکروا ان المعدوم لایصلح ان یکون مرئ الله تعالٰی،وکذا قول اسلف من الاشعریة و الماتریدیة ان الوجود علة جواز الرؤیة مع الاتفاق، علی ان المعدوم الذی یستحیل وجوده لایتعلق به برؤیته[1] سبحنه اھ۔	ائمہ سمرقند وبخارا نے یہ فتوٰی دیا کہ (معدوم) دکھائی نہیں دیتا،امام زاہد صفار نے کتاب التلخیص کے آخر میں لکھا معدوم کی رؤیت محال ہوتی ہے،اسی طرح مفسرین نے کہا معدوم اللہ تعالٰی کے دکھائی دینے کے قابل ہی نہیں۔اسلاف اشعریہ اور ماتیریدیہ کا بھی قول یہی ہے کہ جواز رؤیت کی علت وجود ہے اوراس پر اتفاق ہے کہ ایسا معدوم جس کا وجود محال ہے اس کے ساتھ رؤیت باری کا تعلق نہیں ہوسکتااھ (ت)

شرح السنوسی للجزائریہ میں ہے:

انهما(یعنی سمعه تعالٰی وبصره)لایتعلقان	ان دونوں (اللہ تعالٰی کے سمع وبصر) کا تعلق

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الرؤیةهو الوجودوقداجمعواکمافی المواقف انه تعالٰی یرٰی نفسه فتبین ان الحق هوا التعمیم وان قوله تعالٰی "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾"[2] جار علی صرافة عمومه من دون تطرق تخصیص الیه اصلا هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق ومن اتقن هذا تیسرله اجراء فی السمع بدلیل کلام الله سبحانه وتعالٰی فافهم والله سبحنهٗ وتعالٰی فافهم والله سبحنه وتعالٰی اعلم ۱۲ منه رضی الله عنه۔	کردی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کی رؤیت کامدار صرف وجود ہے جبکہ ان کا اجماع ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی ذات کو دیکھتا ہے جیساکہ مواقف میں ہے،توابصار میں تعمیم ہی حق ہے،اور اللہ تعالٰی کے ارشاد "اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ﴿۱۹﴾" کا اجراء اپنے خالص عموم پر ہوگاجس میں کسی قسم کی تخصیص کاشائبہ نہ ہوگا۔یوں تحقیق ہونی چاہئے جبکہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے جو بھی اس تحقیق پر یقین رکھے گااس کے لئے صفت سمع میں بھی عموم کااجراء آسان ہوگا جس کی دلیل اللہ تعالٰی کاارشاد ہے پس سمجھو واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر باب یری الله تعالٰی فی الآخرۃ بلاکیف مصطفی البابی مصر ص ۸۴

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۹

الابالموجود والعلم یتعلق بالموجود والمعدوم والمطلق والمقید[1] اھـ	موجود سے ہوتا ہے اور علم کا تعلق موجود ومعدوم اور مطلق ومقید سے ہوتا ہے اھ (ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

المعدومات التی عـــہ مااردھا اللہ تعالٰی ولاتعلقت القدرۃ بایجادھا فی ازمنتھا المقدرۃ لھا، ولا کشف عنھا العلم موجودۃ فی تلک الازمنۃ فلا یتعلق بھا السمع و البصر، وکذلک المستحیلات بخلاف العلم فانہ یتعلق بالموجودات والمعدوم[2]۔	وہ معدومات جن کا اللہ تعالٰی نے اردہ نہیں فرمایا اور از منہ مقررہ میں ان کی ایجاد کے لئے قدرت متعلق نہیں ہوتی اور نہ مقدرہ زمانہ میں موجود ہوکر تحت علم آتی ہیں تو ایسی معدومات سے اللہ تعالٰی کی سمع وبصر متعلق نہیں ہوتی اور محالات کا معاملہ بھی ایسا ہے۔ بخلاف علم کہ اس کا تعلق موجود اور معدوم دونوں سے ہے۔ (ت)

عـــہ: **اقول:** قولہ ماارادولا تعلقت ولا کشف عبارات شتّٰی عن معبر واحد وھو دوام العدم المناقض للوجود بالفعل فان کل ما ارادہ اللہ تعالٰی فقد تعلقت القدرۃ بایجادہ بالفعل وبالعکس، وما کان کذلک فقد کشف العلم عنہ موجودا بالاطلاق العام وبالعکس وذلک لان العلم موجودا تابع اللوجود ولاوجود للمخلوق الابتعلق القدرۃ ولا تعلق للقدرۃ الا بترجیح الارادۃ، کما تقرر کل ذلک فی مقرہ، واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲منہ

اقول: حدیقہ کا قول "ارادہ نہ فرمایا" قدرت کا تعلق نہ ہو، علم کا کشف نہ ہو، یہ مختلف عبارات ہیں جن کی مراد ایک ہے اور وہ یہ کہ دائمی جو عدم بالفعل وجود کے مناقض ہے کیونکہ اللہ تعالٰی جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اس کے ایجاد سے بالفعل قدرت کا تعلق بھی ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہوتا ہے جو چیز اس شان میں ہوگی اسی کے بالفعل موجود ہونے کا مطلقًا علم بالکشف ہوتا ہے اور عکس بھی، کیونکہ کسی موجود کا علم اس چیز کے وجود سے ہوتا ہے جبکہ مخلوق کا وجود قدرت کے تعلق کے بغیر نہیں ہوسکتا اور قدرت کا تعلق ارادہ سے ترجیح پائے بغیر نہیں ہوسکتا جیسا کہ یہ تمام امور اپنے مقام میں ثابت شدہ ہیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ (ت)

---

[1] الحدیقہ الندیہ بحوالہ شرح السنوسی للجزائریۃ ھی الصفات یعنی صفت المعانی الحیاۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

[2] الحدیقہ الندیہ بحوالہ شرح السنوسی للجزائریۃ ھی الصفات یعنی صفت المعانی الحیاۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۵

(۳) قوی قدیر تبار وتعالٰی فرماتا ہے: "وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۱۲۰ "[1] وہ ہر چیز پر قدرت والا ہے، یہ موجود ومعدوم سب کو شامل، بشرط وحدوث وامکان کہ واجب ومحال اصلالائق مقدوریت نہیں، مواقف میں ہے: **القدیم لایستند الی القادر**[2] (قدیم کو قادر کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ت) شرح مقاصد میں ہے: **لاشیئ من الممتنع بمقدور**[3] (کوئی ممتنع مقدور نہیں ہوتا۔ت) امام یافعی فرماتے ہیں:

جمیع المسحیلات العقلیۃ لایتعلق للقدرۃ بہا[4]۔	تمام محلات عقلیہ کے ساتھ قدرت کا تعلق نہیں ہوتا۔(ت)

کنزالفوائد میں ہے:

خرج الواجب والمستحیل فلایتعلقان ای القدرۃ والارادۃ بہما[5]۔	واجب اور محال خارج ہوں گے ان کے ساتھ قدرت اور ارادہ کا تعلق نہیں ہوسکتا۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

أقصاها ان یمتنع بنفس مفہومہ کجمیع الضدین وقلب الحقائق واعدام القدیم. وھذا لایدخل تحت القدرۃ القدیمۃ[6]۔	آخری مرتبہ وہ ہے جو نفس مفہوم کے اعتبار سے ممنوع ہو مثلا ضدین کا جمع ہونا، حقائق میں قلب، قدیم کا معدوم ہونا یہ قدرت قدیمہ کے تحت داخل ہی نہیں۔(ت)

(۴) علیم خبیر عزشانہ، فرماتا ہے: "وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۹ "[7] وہ ہر چیز کو جانتا ہے، یہ کلیہ واجب وممکن وقدیم وحادث وموجود ومعدوم ومفروض وموہوم غرض ہر شی ومفہوم کو قطعاً محیط جس کے دائرے سے اصلاً کچھ خارج نہیں۔ یہ ان عمومات سے ہے جو عموم قضیہ **مامن عام الاوقد خص منہ البعض**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۲۰ و ۱۱/ ۴

[2] مواقف مع شرح المواقف المقصد الخامس منشورات الرضی قم ایران ۳/ ۱۷۸

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی القدرۃ الحادثۃ علی الفعل دارالمعارف نعمانیہ لاہور ۱/ ۲۴۰

[4]

[5] کنزالفوائد

[6] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افعال العباد بعلمہ تعالٰی الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۶

[7] القرآن الکریم ۲/ ۲۹،۶/ ۱۰۱

(ہر عام سے کچھ افراد مخصوص ہوتے ہیں۔ت) سے مخصوص ہیں، شرح مواقف میں فرمایا:

علمه تعالٰی یعم المفهوما کلها الممکنة والواجبة والممتنعة فهو اعم من القدرة لانها تختص بالممکنات دون الواجبات والممتنعات[1]۔	اللہ تعالٰی کا علم تمام مفہومات کو شامل ہے خواہ وہ ممکن ہیں یا واجب یا ممتنع، اور وہ قدرت سے عام ہے کیونکہ قدرت کا تعلق فقط ممکنات سے ہے واجبات اور ممتنعات کے ساتھ وہ متعلق نہیں ہوتی۔(ت)

اب دیکھئے لفظ چاروں ایک جگہ ہے یعنی کل شیئ، مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو احاطہ عــه فرمایا جو اس کے قابل اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات وصفات خالق کا دائرہ خلق میں نہ آنا معاذاللہ عموم خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرہ ابصار سے مہجور رہتا عیاذًا باللہ، احاطہ بصر الٰہی میں باعث فتور نہ ہوا، فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصر خارج رہ جاتا۔اسی طرح صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی

عــه: ای شملت مافی دائرتها وان لم یشمله اللفظ کمافی العلم ولم تشمل مالیس فیها وان شمله اللفظ کمافی الخلق وذلك ان الشیئ عندنا یخص بالموجود قال تعالٰی "اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًا ﴿۶۷﴾"[2] ویعم الواجب، قال تعالٰی "اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟"[3]، فافهم ۱۲ منه رضی الله عنه۔	یعنی اپنے دائرہ کی ہر شی کو شامل ہے اگرچہ اس کو لفظ شامل نہ ہو جیسے علم میں، اور جو دائرہ میں نہ ہو اس کو شامل نہیں اگرچہ لفظ اس کو شامل ہو جیسے خلق میں، یہ اس لئے کہ ہمارے نزدیک صرف موجود ہی شی کہلاتی ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا کیا انسان کو یاد نہیں کہ ہم نے اسے پیدا کیا جبکہ اس سے قبل کوئی شیئ نہ تھا۔ اور شے واجب کو بھی شامل ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا۔فرمادیجئے کون سی شیئ شہادت میں بڑی ہے؟ فرمادو اللہ، اسے سمجھو ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ(ت)

[1] شرح المواقف المرصد الرابع المقصد الثالث منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۷۰

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۷

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۹

حدِ ذات عــہ۱ میں ہونے کے قابل ہے۔اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطہ قدرت سے جدانہ رہے،نہ یہ کہ واجبات ومحالات عقلیہ کو بھی شامل ہو جو اصلا تعلق قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے،سبحان اللہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہوسکے،اور مقدور وہ کہ قادر چاہے تو موجود ہو جائے، پھر دونوں کیونکہ جمع ہوسکتے ہیں،اور اس کے سبب یہ سمجھنا کہ کوئی شے دائرہ قدرت سے خارج رہ گئی محض جہالت کہ محالات مصداق وذات سے بہرہ ہی نہیں رکھتے، حتی کہ فرض وتجویز عقلی عــہ۲ میں بھی تو اصلا یہاں کوئی شے تھی ہی نہیں جسے قدرت شامل نہ ہوئی یا

"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾"[1] کے عموم سے رہ گئی۔ یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ مغویان تازہ جو اسی مسئلہ کذب ودیگر نقائص وغیرہا کی بحث میں بے علموں کو بہکاتے ہیں کہ مثلا کذب یا فلاں عیب یا فلاں بات پر اللہ عزوجل کو قادر نہ ماننا تو **معاذاللہ** عاجز ٹھہرا اور "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾"[2] کا انکار ہوا۔یہ ان ہوشیاروں کی محض عیاری وتزیر اور بیچارے عوام کو بھڑکانے کی تدبیر ہے،**ایھا المسلمون!** قدرت الٰہی صفت کمال ہو کر ثابت ہوئی ہے نہ معاذاللہ صفت نقص وعیب،اور اگر محالات پر قدرت مانئے تو بھی انقلاب ہوا جاتا ہے،وجہ سنئے،جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال محال سب ایک سے معنذا تمھارے جاہلانہ خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہئے اتنا ہی عجز وقصور سمجھئے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں،اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالٰی اپنی قدرت کھودینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنالینے پر قادر ہو،اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی،یونہیں منجملہ محالات عدم باری عزوجل ہے تو اس پر قدرت لازم،اب باری جل وعلا **عیاذاً باللہ** واجب الوجود نہ ٹھہرا،تعمیم قدرت کی بدولت الوہیت ہی پر ایمان گیا **تعالٰی اللہ عما یقول الظٰلمون علوا کبیرا** (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے۔ت)

پس **بحمداللہ** ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا قطع نظر اس سے کہ خود قول بالمحال ہے،جناب

عــہ۱:یشیر الی ان مصحح المقدوریۃ نفس الامکان الذاتی ۱۲منہ

اشارہ کیا کہ مقدوریت کی صحت کا مدار نفس امکان ذاتی پر ہے ۱۲ منہ (ت)

عــہ۲:اوردہ تفسیر اللمراد بالفرض ۱۲منہ

فرض سے مراد کی تفسیر کے لئے ذکر کیا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

باری عزاسمہ کو سخت عیب لگانا اور تعمیم قدرت کے پردے میں اصل قدرت بلکہ نفس الوہیت سے منکر ہو جانا ہے، للہ انصاف! حضرات کے یہ تو حالات اور اہل سنت پر معاذاللہ عجز باری عزوجل ماننے کے الزامات، ہمارے دینی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں کہ حضرات کے مغالطہ و تلبیس سے امان میں رہیں، **واللہ الموفق**۔

تنزیہ اول ارشادات علماء میں: اقول: وباللہ التوفیق میں یہاں ازالہ اوہام حضرات مخالفین کو اکثر عبارات ایسی نقل کروں گا کہ امتناع کذب الٰہی پر تمام اشعریہ و ماتریدیہ کا اجماع ثابت کریں جس کے باعث اس وہم عاطل کا علاج قاتل ہو کہ معاذاللہ یہ مسئلہ قدیم سے مختلف فیہا ہے حاش للہ! بلکہ بطلان امکان پر اجماع اہل حق ہے جس میں اہل سنت کے ساتھ معتزلہ وغیرہ فرق باطلہ بھی متفق، ناظر ماہر دیکھے گا کہ میرا یہ مدعا ان عبارتوں سے کن کن طور پر رنگ ثبوت پائے گا:

اول: ظاہر و جلی یعنی وہ نصوص جن میں امتناع کذب پر صراحۃً اجماع منصوص۔

دوم: اکثر عبارتیں علمائے اشعریہ کی ہوں گی تاکہ معلوم ہو کہ مسئلہ خلافی نہیں۔

سوم: وہ عبارات جن میں بنائے کلام حسن و قبح عقلی کے انکار پر ہو کہ یہ اصول اشاعرہ سے ہے، تو لاجرم مسئلہ اشاعرہ وماتریدیہ کا اجماعی ہوا اگرچہ عندالتحقیق صرف حسن و قبح بمعنی استحقاق مدح وثواب وذم وعقاب کی شرعیت و عقلیت میں تجاذب آراء ہے، نہ بمعنی صفت کمال وصفت نقصان کہ بایں معنی باجماع عقلا عقلی ہیں،

کما نصوا علیه جمیعا ونبه علیه ھٰھنا المولی سعد الدین التفتازانی فی شرح المقاصد والمولی المحقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الھمام وغیرھما من الجھابذۃ الکرام۔	جیسا کہ اس پر تمام نے تصریح کی ہے اور اس پر علامہ سعد الدین تفتازانی نے شرح المقاصد میں اور محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن ہمام اور دیگر کبار ماہرین علماء نے تنبیہ کی ہے۔(ت)

اب بتوفیق اللہ تعالٰی نصوص ائمہ وکلمات علماء نقل کرتا ہوں:

نص ۱: شرح مقاصد کے مبحث کلام میں ہے:

الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال[1] اھ ملخصًا۔	جھوٹ باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال اھ ملخصًا۔

نص ۲: اسی کی بحث وحسن وقبح میں ہے:

[1] شرح المقاصد المبحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲ /۱۰۴

قد بینا فی بحث الکلام امتناع الکذب علی الشارع تعالٰی[1]۔	ہم بحث کلام میں ثابت کر آئے کہ اللہ عزوجل پر کذب محال ہے۔

نص ۳: اسی بحث تکلیف بالمحال میں ہے:

محال ھو جھلہ کذبہ تعالٰی عن ذلك[2]۔	اللہ تبارک وتعالٰی کا جہل یا کذب دونوں محال ہیں، برتری ہے اسے ان سے۔

نص ۴: اسی میں ہے:

الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی فیہ مفاسد لاتحصٰی ومطاعن فی الاسلام لاتخفی منھا مقال الفلاسفۃ فی المعاد ومجال الملاحدۃ فی العناد وھٰھنا بطلان ماعلیہ الاجماع من القطع بخلود الکفار فی النار، فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی بہ فجواز الخلف وعدم وقوع مضمون ھٰذا الخبر محتمل، ولما کان ھذا باطلاقطعا علم ان القول بجواز الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعًا[3] اھ ملتقطًا۔	یعنی خبر الٰہی میں کذب پر بے شمار خرابیاں اور اسلام میں آشکارا طعن لازم آئیں گے فلاسفہ حشر میں گفتگو لائیں گے، ملحدین اپنے مکابروں کی جگہ پائیں گے کفار کا ہمیشہ آگ میں رہنا کہ بالاجماع یقینی ہے اس پر یقین اٹھ جائیں گے کہ اگرچہ خدا نے صریح خبریں دیں مگر ممکن ہے کہ واقع نہ ہوں۔ اور جب یہ امور یقینا باطل ہیں تو ثابت ہوا کہ خبر الٰہی میں کذب کو ممکن کہنا باطل ہے اھ ملتقطا۔

نص ۵: شرح عقائد نسفی میں ہے:

کذب کلام اللہ تعالٰی محال[4] اھ ملخصا۔	کلام الٰہی کا کذب محال ہے اھ ملخصا

نص ۶: طوالع الانوار کی فرع متعلق بمبحث کلام میں ہے:

الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال[5] اھ۔	جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] شرح المقاصد قال وتمسکوا بوجوہ الاول ان حسن الاحسان وقبح العدوان دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۵۲

[2] شرح المقاصد المبحث الخامس التکلیف مالایطاق دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۵۵

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر اتفقت الامۃ علی العفو عن الصفاء دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۸

[4] شرح العقائد النسفیہ دارالاشاعت العربیہ قندھار، افغانستان ص ۱۷

[5] طوالع الانوار للبیضاوی

نص ۷: مواقف کی بحث کلام میں ہے:

انہ تعالٰی یمتنع علیہ الکذب اتفاقا اما عند المعتزلہ فلان الکذب قبیح وھو سبحانہ لایفعل القبیح واما عندنا فلانہ نقص والنقص علی اللہ محال اجماعا۔[1] (ملخصاً)	یعنی اہلسنت ومعتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے، معتزلہ تو اس لئے محال کہتے ہیں کہ کذب برا ہے اور اللہ تعالٰی برا فعل نہیں کرتا اور ہم اہلسنت کے نزدیک اس میں دلیل سے ناممکن ہے کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔

نص ۸: مواقف وشرح مواقف کی بحث حسن وقبح میں ہے:

مدرك امتناع الکذب منہ تعالٰی عندنا لیس ھو قبحہ العقلی حتی یلزم من انتفاء قبحہ ان لایعلم امتناعہ منہ اذلہ مدرك اٰخر وقد تقدم اھ[2] ملخصاً۔	یعنی ہم اشاعرہ کے نزدیک کذب الٰہی محال ہونے کی دلیل قبح عقلی نہیں ہے کہ اس کے عدم سے لازم آئے کہ کذب الٰہی محال نہ جانا جائے بلکہ اس کے لئے دوسری دلیل ہے کہ اوپر گزری، یعنی وہ کہ جھوٹ عیب ہے اور اللہ تعالٰی میں عیب محال۔

نص ۹: انھیں کی بحث معجزات میں ہے:

قدم فی مسئلۃ الکلام من موقف الالٰھیات امتناع الکذب علیہ سبحانہ وتعالٰی[3]۔	یعنی ہم موقف الٰہیات سے مسئلہ کلام میں بیان کر آئے کہ اللہ تعالٰی کا کذب زنہار ممکن نہیں۔

نص ۱۰: امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد مسایرہ میں فرماتے ہیں:

یستحیل علیہ تعالٰی سمات النقص کالجھل والکذب[4]۔	جتنی نشانیاں عیب کی ہیں، جیسے جہل وکذب سب اللہ تعالٰی پر محال ہیں۔

نص ۱۱: علامہ کمال الدین محمد بن محمد ابن ابی شریف قدس سرہ، اس کی شرح مسامرہ میں فرماتے ہیں:

لاخلاف بین الاشعریۃ وغیرہم فی ان کل	یعنی اشاعرہ وغیرہ اشاعرہ کسی کو اس میں خلاف نہیں

---

[1] مواقف مع شرح المواقف المقصد السابع بحث انہ تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸ /۱۰۰، ۱۰۱

[2] مواقف مع شرح المواقف المرصد السادس المقصد الخامس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸ /۱۹۳

[3] مواقف مع شرح المواقف الموقف السادس فی السمعیات منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸ /۲۴۰

[4] المسایرۃ متن المسامرۃ ختم المصنف کتابہ بیان عقیدہ اہلسنت اجمالا المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۳۹۳

ماکان وصف نقص فالباری تعالٰی منزہ عنہ وھو محال علیہ تعالٰی والکذب وصف نقص اھ ملخصا[1]۔	کہ جو کچھ صفت عیب ہے باری تعالٰی اس سے پاک ہے اور وہ اللہ تعالٰی پرت ممکن نہیں اور کذب صفت عیب ہے۔ (ملخصا)

نص ۱۲: امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

قول تعالٰی فلن یخلف اللہ عھدہ یدل علی انہ سبحانہ وتعالٰی منزہ عن الکذب وعدہ و عیدہ۔ قال اصحابنا لان الکذب وصفۃ نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال، وقالت المعتزلۃ لان الکذب قبیح لانہ کذب فیستحیل ان یفعلہ فدل علی ان الکذب منہ محال[2] اھ ملخصًا۔	اللہ عزوجل کا فرمانا کہ اللہ ہرگز اپنا عہد جھوٹا نہ کریگا دلالت کرتا ہے کہ مولٰی تعالٰی سبحانہ اپنے ہر وعدہ و وعید میں جھوٹ سے منزہ ہے، ہمارے اصحاب اہل سنت وجماعت اس دلیل سے کذب الٰہی کو ناممکن جانتے ہیں کہ وہ صفت نقص ہے اور اللہ عزوجل پر نقص محال، اور معتزلہ اس دلیل سے ممتنع مانتے ہیں کہ کذب قبیح لذاتہ ہے تو باری تعالٰی عزوجل سے صادر ہونا محال، غرض ثابت ہوا کہ کذب الٰہی اصلا امکان نہیں رکھتا۔ اھ (ملخصا)

نص ۱۳: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ "[3]	پوری ہے بات تیرے رب کی سچ اور انصاف میں کوئی بدلنے والا نہیں، اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سنتا جانتا ہے۔

امام ممدوح اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں:

اعلم ان ھذہ الاٰیۃ تدل علی ان کلمۃ اللہ موصوفۃ بصفات کثیرۃ (الٰی ان قال) الصفۃ الثانیۃ من صفات کلمۃ اللہ کونھا صدقا والدلیل علی ان الکذب نقص والنقص علی اللہ تعالٰی محال[4]۔	یہ آیت ارشاد فرمائی ہے کہ کذب اللہ تعالٰی کی بات بہت صفتوں سے موصوف ہے، ازانجملہ اس کا سچا ہونا ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] المسامرۃ شرح المسایرۃ اتفقوا علی ان ذلك غیر واقع المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی ص ۳۹۳

[2] مفاتیح الغیب تحت آیت فلن یخلف اللہ عھدہ المکتبۃ البھیہ مصر ۳/ ۱۵۹

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۵

[4] مفاتیح الغیب تحت آیۃ وقت کلمت ربك صدق وعدلًا المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۶۱۔۱۶۰

نص ۱۴: یہیں فرماتے ہیں:

صحة الدلائل السمعية موقوفة علی ان الکذب علی اللہ تعالٰی محال[1]۔	دلائل قرآن وحدیث کا صحیح ہونا اس پر موقوف ہے کہ کذب الٰہی محال مانا جائے۔

نص ۱۵: زیر قولہ تعالٰی:

"مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی کی شان نہیں کہ وہ بیٹا بنائے وہ پاک ہے (ت)

بعض تمسکات معتزلہ کے رد میں فرماتے ہیں:

اجاب اصحابنا عنه بان الکذب محال علی اللہ تعالٰی[3]۔	اہلسنت نے جواب دیا کہ کذب الٰہی محال ہے۔

نص ۱۶: علامہ سعد تفتازانی شرح مقاصد میں انھیں امام ہمام سے ناقل:

صدق کلام تعالٰی لما کان عندنا ازلیا امتنع کذبہ لان ماثبت قدمه امتنع عدمه[4]۔	کلام خدا کا صدق جب کہ ہم اہلسنت کے نزدیک ازلی ہے تو اس کا کذب محال ہوا کہ جس چیز کا قدم ثابت ہے اس کا عدم محال ہے۔

تنبیہ: انھیں امام علام کا ارشاد کہ "کذب الٰہی کا جواز ماننا قریب بکفر ہے، ان شاء اللہ تعالٰی تنزیہ چہارم میں آئے گا۔

نص ۱۷: تفسیر بیضاوی شریف میں ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾" انکار ان یکون احد اکثر صدقا منه فانه لایتطرق الکذب الی خبره بوجه لان نقص وھو علی اللہ تعالٰی محال[5]۔	اللہ تعالٰی اس آیت میں انکار فرماتا ہے اس لئے کہ کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا ہو کہ اس کی خبر تک تو کسی کذب کو کسی طرح راہ ہی نہیں کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ وتمت کلمت ربك الخ المطبعۃ البھیۃ العربیہ مصر ۱۳/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۵

[3] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیت ماکان اللہ ان یتخذ من ولد سبحنه المطبعۃ البھیۃ المصر ۲۱/ ۲۱۷

[4] شرح المقاصد المبحث الثانی العشر اتفقت الامۃ علی العفو الخ دار المعارف نعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۷

[5] انوار التنزیل واسرار التاویل (بیضاوی مع القرآن الکریم) تحت آیۃ ومن اصدق الخ مصطفی البابی مصر ص ۹۲

نص ۱۸: تفسیر مدارک شریف میں ہے:

"وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا" تمییز وھو استفھام بمعنی النفی ای لااحد اصدق منہ فی اخبارہ ووعدہ ووعیدہ لاستحالۃ الکذب علیہ تعالٰی لقبحہ عـــہ لکونہ اخبارا عن الشیئ بخلاف ماھو علیہ[1]۔	آیت میں استفہام انکاری ہے یعنی خبر وعدہ وعید کسی بات میں کوئی شخص اللہ سے زیادہ سچا نہیں کہ اس کا کذب تو محال بالذات ہے کہ خود اپنے معنی ہی کے رو سے قبیح ہے کہ خلاف واقع خبر دینے کا نام ہے۔

نص ۱۹: تفسیر علامۃ الوجود سیدی ابی السعود عمادی میں ہے:

"وَ مَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا" انکار لان یکون احد اصدق منہ تعالٰی فی وعدہ وسائر اخبارہ وبیان لاستحالتہ کیف لاوالکذب محال علیہ سبحٰنہ دون غیرہ[2]۔	آیت میں انکار ہے اس کا کہ کوئی شخص اللہ تعالٰی سے زیادہ سچا ہو وعدہ میں یا کسی اور خبر میں، اور بیان ہے اس زیادت کے محال ہونے کا، اور کیوں نہ محال ہو کہ اللہ تعالٰی کا کذب تو ممکن ہی نہیں بخلاف اوروں کے۔

عـــہ: **اقول:** استدل قدس سرہ بالقبح اما فی نظر الظاھر فلانہ رحمہ اللہ تعالٰی من ائمتنا الماتریدیۃ ولذا عدلت عنہ الاشاعرۃ کصاحب المواقف وصاحب المفاتیح کما سمعت نصھما واما عندالتحقیق فلان عقلیۃ القبح بھذا المعنٰی من المجمع علیہ بین العقلاء وھٰؤلاء شاعرۃ رحمھم اللہ تعالٰی انفسھم ناصون بذلك فلا علیك من ذھول من ذھل کما اومانا الیہ فی صدر البحث واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	**اقول:** علامہ قدس سرہ نے قبح سے استدلال کیا ظاہر نظر میں تو اس لئے کہ آپ رحمہ اللہ تعالٰی ہمارے ائمہ ماتریدیہ میں سے ہے اسی لئے اشاعرہ نے قبح سے استدلال نہ کیا جیساکہ آپ نے صاحب مواقف اور صاحب مفاتیح کی نصوص سنیں، اور عندالتحقیق اس لئے کہ اس معنی میں قبح عقلی ہونا عقلاء اور اشاعرہ میں متفق چیز ہے جس کو خود اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی نے بیان فرمایا جیساکہ ہم نے بحث کی ابتداء میں اشارہ کیا ہے کسی کے ذہول سے تجھ پر کوئی اعتراض نہیں، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (ت)

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیہ ومن اصدق من اللہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۴۱

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آیہ ومن اصدق من اللہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۱۲۔۲۱۱

نص ۲۰: تفسیر روح البیان میں ہے:

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا" انکار لان یکون احد اکثر صدقا منه فان الکذب نقص وھو علی الله محال دون غیرہ[1] اھ ملخصا۔	آیت اس امر کا انکار فرماتی ہے کہ کوئی شخص صدق میں اللہ تعالٰی سے زائد ہو کر کذب عیب ہے اور وہ خدا پر محال ہے، نہ اس کے غیر پر، اھ ملخصا۔

نص ۲۱: شرح السنوسیہ میں ہے:

الکذب علی الله تعالٰی محال لانه دناءۃ[2]۔	اللہ تعالٰی پر کذب محال ہے کہ وہ کمینہ پن ہے۔

نص ۲۲: فاضل سیف الدین ابہری کی شرح موقف میں ہے:

ممتنع علیه الکذب اتفاقا لانه نقص والنقص علی الله تعالٰی محال اجماعا[3]۔	کذب الٰہی بالاتفاق محال ہے کہ وہ عیب ہے اور ہر عیب اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔

نص ۲۳: شرح عقائد جلالی میں ہے:

الکذب نقص والنقص علیه محال فلایکون من الممکنات ولاتشمله القدرۃ کسائر وجوہ النقص علیه تعالٰی کالجھل والعجز[4]۔	جھوٹ عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال، تو کذب الٰہی ممکنات سے نہیں، نہ اللہ تعالٰی کی قدرت اسے شامل جیسے تمام اسباب عیب مثل جہل و عجز الٰہی، کہ سب محال ہیں اور صلاحیت قدرت سے خارج۔

نص ۲۴: اسی میں ہے:

لایصح علی تعالٰی الحرکۃ والانتقال ولا الجھل ولا الکذب لانھما النقص والنقص علی الله تعالٰی محال[5]۔	اللہ تعالٰی پر حرکت و انتقال و جہل و کذب کچھ ممکن نہیں کہ یہ سب عیب ہیں اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

---

[1] تفسیر روح البیان تحت ومن اصدق من الله حدیثا المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۲/ ۲۵۵

[2] شرح السنوسیہ

[3] شرح المواقف سیف الدین ابہری (تلمیذ مصنف)

[4] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث "علی" مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۳

[5] الدوانی علی العقائد العضدیۃ بحث "لیس" مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۶ و ۶۷

نص۲۵: کنزالفوائد میں ہے:

قدس تعالٰی شانہ من الکذب شرعا وعقلا اذاھو قبیح یدرك العقل قبحہ من غیر توقف علی شرح فیکون محالا فی حقلہ تعالٰی عقلا وشرعا کما حققہ ابن الھمام وغیرہ[1]۔	اللہ عزوجل بحکم شرح وبحکم عقل ہر طرح کذب سے پاک مانا گیا، اس لئے کہ کذب قبیح عقلی ہے کہ عقل خود بھی اس کے قبح کو مانتی ہے بغیر اس کے کہ اس کا پہچاننا شرح پر موقوف ہیو تو جھوٹ بولنا اللہ تعالٰی کے حق میں عقلا وشرعا ہر طرح محال ہے جیسے کہ امام ابن الہمام وغیرہ نے اس کی تحقیق افادہ فرمائی۔

نص۲۶: مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الکذب علیہ تعالٰی محال[2]۔	اللہ تعالٰی پر کذب محال ہے۔

نص۲۷: مسلم الثبوت میں ہے:

المعتزلہ قالوا لولاکون الحکم عقلیا لم یمتنع الکذب منہ تعالٰی عقلا، والجواب انہ نقص فیجب تنزیھہ تعالٰی عنہ کیف وقدمر انہ عقلی باتفاق العقلاء لان ماینافی الوجوب الذاتی من جملۃ النقص فی حق الباری تعالٰی ومن الاستحالات العقلیۃ علیہ سبحنہ[3] اھ ملخصا مع الشرح۔	خاص یہ کہ معتزلہ نے اہلسنت سے کہا اگر حکم عقلی نہ ہو تو اللہ تعالٰی کا کذب محال نہ رہے حالانکہ اسے ہم تم بالاتفاق محال عقلی مانتے ہیں اہلسنت نے جواب دیا کہ کذب اس لئے محال عقلی ہوا کہ وہ عیب ہے تو واجب ہوا کہ اللہ تعالٰی کو اس سے منزہ مانیں اس کے عقلی ہونے پر تمام عقلاء کا اجماع ہے وجہ یہ ہے کہ کذب الوہیت کی ضد ہے اور جو کچھ الوہیت کی ضد ہے وہ سب اللہ تعالٰی کے حق میں عیب ہے اور اس کی شان میں محال عقلی ہے اھ ملخصا مع الشرح۔

نص۲۸: مولانا نظام الدین سہالی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

الکذب نقص لان ماینا فی الوجوب الذاتی من الاستحالات العقلیۃ بذالك اثبت الحکماء الذین ھم غیر متشرعین بشریعۃ	جھوٹ بولنا عیب ہے کہ جو کچھ خدا ہونے کے منافی ہے وہ سب محال عقلی ہے، اس پر دلیل سے وہ حکماء اسے محال جانتے ہیں جو کسی شریعت پر ایمان

[1] کنزالفوائد

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الصفات الفعلیہ مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی المقالۃ الثانیہ الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۶، مسلم الثبوت الطبع الانصاری دہلی ص ۱۰

الاستحالۃ المذکورۃ فان الوجوب والکذب لا یجتمعان کما بین فی الکلام [1] اھ ملخصًا۔	نہیں رکھتے کہ خدائی و دروغ گوئی جمع نہ ہوگی جیسا کہ علم کلام میں ثابت ہوچکا ہے اھ ملخصا۔

نص ۲۹: مولانا بحر العلوم عبدالعلی ملک العلماء فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالٰی صادق قطعا لا استحالۃ الکذب ھناك [2]۔ (ملخصا)	اللہ تعالٰی یقینا سچا ہے کہ وہاں کذب کا امکان ہی نہیں۔

نص ۳۰: افسوس کہ امام الوہابیہ کے نسبا چچا اور علما باپ اور طریقۃً دادا یعنی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی نے بھی اس پسر نامور کی رعایت نہ فرمائی کہ تفسیر عزیزی میں زیر قولہ تعالٰی "**فَلَنۡ یُّخۡلِفَ اللّٰہُ عَہۡدَہٗۤ**" [3] (اللہ تعالٰی ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہیں فرماتا۔ت) یوں تصریح کی ٹھہرائی:

خبر او تعالٰی کلام ازلی اوست وکذب در کلام نقصانے ست عظیم کہ ہرگز بصفات اوراہ نمی یابد در حق او تعالٰی کہ مبرا از جمیع عیوب ونقائص ست خلاف خبر مطلقا نقصان ست [4] اھ ملخصا۔	اللہ تعالٰی کی خبر ازلی ہے، کلام میں جھوٹ کا ہونا عظیم نقص ہے لہٰذا وہ اللہ تعالٰی کی صفات میں ہرگز راہ نہیں پاسکتا اللہ تعالٰی کہ تمام نقائص وعیوب سے پاک ہے اس کی حق میں خبر کے خلاف ہونا سراپا نقص ہے اھ ملخصا (ت)

مدعیان جدید سے پوچھا جائے جناب باری میں کہاں تک نقصان مانتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم اللہ تعالٰی سچا ادب نصیب فرمائے۔ آمین!

یہاں نصوص ائمہ وتصریحات علماء میں نہایت کثرت اور جس قدر فقیر نے ذکر کئے، عاقل منصف کے لئے ان میں کفایت بلکہ ایسے مسائل میں ہنگام تنبہ یا ادنٰی تنبیہ پر سلامت عقلی ونور ایمان دو شاہد عدل کی گواہی معتبر،

واذ وعیت ما القی علیك الیراع وتبین الاجماع وبان ان لیس لاحد نزاع فلا علیك من اضطراب مضطرب الحمد للہ المنزہ عن الکذب۔	مذکورہ قیمتی گفتگو اگر قارئین نے محفوظ کرلی ہے تو واضح ہوگیا کہ یہ بات اجماعی ہے اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں لہٰذا اضطراب ختم ہوجانا چاہئے، تمام تعریف اللہ تعالٰی کی جو کذب سے مبرا ہے۔ (ت)

---

[1] شرح مسلم الثبوت نظام الدین سہالی

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفی الباب الثانی فی الحکم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۶۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

[4] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ فلن یخلف اللہ عہدہ پ آلم در الکتب لال کنواں دہلی ص ۳۰۷

تنزیہ دوم دلائل قاہرہ وحجج باہرہ میں: فقیر غفراللہ تعالٰی بتوفیق مولٰی سبحانہ وتعالٰی ان مختصر سطور میں بلحاظ ایجاز کذب باری عزاسمہ کے محال صریح اور توہم امکان کے باطل قبیح ہونے پر صرف تیس دلیلیں ذکر کرتا ہے جن سے خمسہ اولٰی کلمات طیبات ائمہ کرام وعلمائے عظام علیہم رحمۃ الملک المنعام میں ارشاد وانعام ہوئیں، اور باقی پچیس ہادی اجل وعزوجل کے فیض ازل سے عبد اذل کے قلب پر القاء کی گئیں **والحمد للہ رب العلمین۔**

دلیل اول: کہ نصوص سابقہ میں مکرر گزری جس پر [1]طوالع و شرح [2]مقاصد و [3]مسایرہ و [4]مسامرہ و [5]مفاتیح الغیب و [6]مدارک و [7]بیضاوی وارشاد [8]العقل و [9]روح البیان و [10]شرح سنوسیہ و [11]شرح ابہری و [12]شرح عقائد جلالی و [13]کنز الفوائد و [14]مسلم الثبوت و [15]شرح نظامی و [16]فواتح الرحموت وغیرہا کتب کلام وتفسیر واصول میں تاویل فرمائی کہ کذب عیب ہے اور ہر عیب باری عزوجل کے حق میں محال، اور فی الواقع یہ کلیہ اصول اسلام وقواعد علم کلام سے ایک اصل عظیم وقاعدہ جلیلہ ہے جس پر تمام عقائد تنزیہ بلکہ مسائل صفات ثبوتیہ بھی متفرع **کما لایخفی علی من طالع کلمات القوم** (جیسا کہ ہر اس شخص پر مخفی نہیں جو قوم کے کلمات سے آگاہ ہے۔ ت) شرح عقائد نسفی میں ہے:

الحی القادر العلیم السمیع البصیر الشائی المرید، لان اضدادھا نقائص یجب تنزیہ اللہ تعالٰی عنھا [1]۔ (ملخصاً)	زندہ، قادر، جاننے والا، سمیع، بصیر، مشیت والا، ارادے والا ہے کیونکہ ان کے اضداد نقائص ہیں جن سے اللہ تعالٰی کا بری ہونا لازم ہے۔ (ت)

شرح سنوسیہ میں ہے:

اما برھان وجوب السمع والبصر والکلام للہ تعالٰی فالکتاب والسنۃ والاجماع وایضا لو لم یتصف بھا لزم ان یتصف باضدادھا وھی نقائص والنقص علیہ تعالٰی محال [2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے سمع، بصر اور کلام کا ہونا لازم ہے اس پر دلیل کتاب، سنت اور اجماع ہے، اور یہ بھی اگر وہ ان سے متصف نہ ہو تو ان کی ضد سے متصف ہوگا اور وہ نقائص ہیں اور نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال ہے۔ (ت)

شرح مواقف میں ہے:

---

[1] شرح عقائد نسفی صفات باری تعالٰی دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۳۰

[2] شرح السنوسیہ

لاطریق لنا الی معرفة عـــہ۱ الصفات سوی الاستدلال بالافعال والتنزیه عن النقائص [1]۔	ہمارے لئے معرفت صفات پر افعال اور نقائص سے تنزیہ کے ساتھ استدلال کے سوا کوئی چارہ نہیں۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) بداہت عقل شاہد ہے کہ اللہ عز مجدہ جمیع عیوب ونقائص سے منزہ، اور اس کا ادراک عـــہ۲ شرع پر موقوف نہیں ولہذا بہت عقلائے غیر اہل ملت بھی تنزیہ باری جل مجدہ ہمارے موافق ہوئے۔

وان یثبتوا بجهلهم مایستلزم النقص غیر دارکین انه کذلك بل زاعمین عـــہ۳ انه هوالکمال والاعبرة بسخافات الحمقاء الذین لاعقل لهم ولادین اعاذنا الله تعالٰی من شرهم اجمعین۔	اگرانھوں نے اپنی جہالت کے سبب ایسی باتیں ثابت کیں جو نقص کو مستلزم تھیں، ہاں ان کا ارادہ نقص ثابت کرنے کا نہ تھا ان کے گمان میں یہ کمال تھا لیکن ایسے بیوقوفوں کی لایعنی باتوں کا کیا اعتبار جن کے پاس عقل نہ دین، اللہ تعالٰی ان کے شر سے محفوظ رکھے۔(ت)

یہاں تک کہ فلاسفہ نے بھی بزعم خود اس اصل اصیل پر مسائل متفرع کئے۔

منها مافی المواقف وشرحها قال جمهور الفلاسفة لایعلم الجزئیات المتغیرة والافاذا علم مثلا	ان میں سے ایک وہ ہے جو مواقف اور اس کی شرح میں ہے جمہور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی تبدیل

عـــہ۱: ای عقلا ازفیه الکلام بدلیل الحصر فافادان التنزه عن النقائص واجب لذات الواجب عقلا فالاتصاف بشیئ منها محال عقلا ۱۲ منه	یعنی عقلی طور پر کیونکہ کلام اسی میں ہے اس کی دلیل حصر ہے اس سے واجب تعالٰی کی ذات کا نقائص سے وجوبًا پاک ہونے کا عقلا فائدہ حاصل ہوا، تو نقائص سے متصف ہونا عقلا محال ہوگا ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: وقدصرح به فی الکنز وشرح المواقف اما الکنز فقدسمعت نصه واما السید فلماعرفت اٰنفا ۱۲ منه	اس پر کنز الفوائد اور شرح مواقف میں تصریح کی ہے کنز کی نص آپ نے سن لی اور سید کی بات ابھی آپ نے معلوم کرلی ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: کماقالوا فی صدور العالم بالایجاب کماسیأتی ۱۲ منه	جیسا کہ فلاسفہ نے عالم کے صدور کو واجب کہا ہے جیسے عنقریب آئے گا ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح المواقف المقصد الثامن فی صفات اختلف فیها منشورات الشریف الرضی قم ایران ۴/ ۱۰۵

ان زیدا فی الدار الاٰن ثم خرج زید عنها فاما ان یزول ذلك ویعلم انه لیس فی الدار اویبقی ذلك العلم بحاله والاول یوجب التغیر فی ذاته من صفة الی اُخری والثانی یوجب الجهل وکلاهما نقص یجب تنزیهه تعالٰی عنه[1] اھ ومنها مافیه ایضا اما الفلاسفة فانکروا القدرة بالمعنی المذکور لاعتقادهم انه نقصان واثبتواله الایجاب زعما منهم انه الکمال التام[2]۔	ان میں سے ایک وہ ہے جو مواقف اور اس کی شرح میں ہے جمہور فلاسفہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی تبدیل ہونے والی جزئیات کا علم نہیں رکھتا ورنہ اگر وہ جانتا ہو مثلاً زید اس وقت دار میں ہے پھر وہ وہاں سے نکل گیا تو یا تو سابقہ علم زائل ہوجائے گا اور جان لے گا کہ وہ دار میں نہیں یا پہلا علم ہی بحال رہے گا پہلی صورت میں اس کی ذات اقدس میں ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف تغیر اور دوسری صورت میں جہل لازم آئے گا اور یہ دونوں باتیں نقص ہیں جن سے اللہ تعالٰی کا منزہ ہونا ضروری ہے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فلاسفہ نے معنی مذکورہ کے ساتھ قدرت کا انکار کیا ہے کیونکہ ان کے اعتقاد میں یہ نقص ہے اور انھوں نے اس کی ذات اقدس کے لئے یہ زعم کرتے ہوئے ایجاب کا ثبوت کیا ہے کہ یہ کمال تام ہے۔(ت)

پھر شرع مطہر کی طرف رجوع کیجئے تو مسئلہ اعلٰی ضروریات دین سے ہے جس طرح قرآن وحدیث نے باری جل مجدہ کی توحید ثابت فرمائی یونہی ہر عیب ومنقصت سے اس کی تنزیہ وتقدیس اور خود کلمہ طیبہ **سبحانہ الله** واسمائے حسنٰی سبوح وقدوس کے معنی ہی یہ ہیں وللہذا تسبیحات حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں وارد **سبحان الذی لاینبغی التسبیح الالہ** (پاک ہے وہ ذات کہ پاکیزگی فقط اسی کے لئے ہے۔ت) جس کے باعث **توقروہ** پر وقف اور **تسبحوہ** کو اس سے فصل کیا گیا، پر مرتبہ اجمال میں اس پر اجماع اہل اسلام منعقد، کوئی **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کہنے والا اپنے رب عزوجل پر عیوب ونقائص روا نہ رکھے گا۔

فالاجماع فی الدرجه الثالثة من الادلة لا انه العمدة فی اثبات المسئلة کما وقع عن بعض الاجلة فاعرف۔	دلائل شرعیہ میں اجماع کا تیسرا درجہ ہے یہ نہیں کہ اجماع اثبات مسئلہ کے لئے بہتر صورت ہے جیسا کہ بعض بزرگوں سے ہے اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے۔(ت)

[1] شرح المواقف المقصد الثالث فی علمه تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸ /۷۴

[2] شرح المواقف المقصد الثانی فی قدرته تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸ /۴۹

دلیل دوم: العظمۃ للّٰہ اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو اسلام پر وہ طعن لازم آئیں کہ اٹھائے نہ اٹھیں، کافروں ملحدوں کو اعتراض ومقال وعناد وجدال کی وہ مجالیس ملیں کہ مٹائے نہ مٹیں۔ دلائل قرآن عظیم ووحی حکیم یک دست ہاتھ سے جائیں حشر ونشر وحساب وکتاب وجنت ونار وثواب وعذاب کسی پر یقین کی کوئی راہ نہ پائیں کہ آخر ان امور پر ایمان صرف اخبار الٰہی سے ہے جب معاذ اللہ کذب الٰہی ممکن ہو تو عقل کو ہر خبر الٰہی میں احتمال رہے گا، شاید ہو نہی فرمادی ہو، شاید ٹھیک نہ پڑے **سبحٰنہ وتعالٰی عمایصفون، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (پاک اور بلند ہے اللہ تعالٰی کی ذات جس کی عبارت سے جو وہ بیان کرتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ ت) یہ دلیل شرح مقاصد میں افادہ فرمائی جس کی عبارت نص چہارم میں گزری، اور امام رازی نے بھی تفسیر کبیر میں زیر قولہ تعالٰی وتمت کلمت ربک صدقا وعدلا (پوری ہے بات تیرے رب کی سچ وانصاف میں۔ ت) اس کی طرف اشعار کیا کذب الٰہی کے محال ہونے پر دلیل عقلی قائم کرکے فرماتے ہیں:

ولایجوز اثبات ان الکذب علی اللہ محال بالدلائل السمعیۃ لان صحۃ الدلائل السمعیۃ موقوفۃ علی ان الکذب علی اللہ محال فلو اثبتنا امتناع الکذب علی اللہ تعالٰی بالدلائل السمعیۃ لزم الدور وھو باطل۔[1]	اللہ تعالٰی سے کذب کے محال ہونے کو دلائل سمعیہ سے ثابت کرنا جائز ہی نہیں کیونکہ خود ان دلائل سمعیہ کی صحت اس پر موقوف ہے کہ کذب اللہ تعالٰی سے محال ہے اگر ہم اللہ تعالٰی کسے امتناعِ کذب کو دلائل سمعیہ سے ثابت کریں گے تو دور لازم آجائے گا جو باطل ہے۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق۔ تنویر دلیل یہ ہے کہ عقل جس امر کو ممکن جانے گی اور ممکن وہی جسے وجود وعدم وجود دونوں سے یکساں نسبت ہو تو چاہئے وہ امر کیسا ہی مستعبد ہو مگر عقل از پیش خویش اس کے ازلاً ابداً عدم وقوع پر جزم نہیں کرسکتی کہ ہر ممکن مقدور اور ہر مقدور صالح تعلق ارادہ اور ارادہ الٰہیہ امر غیب ہے جس تک عقل کی اصلا رسائی نہیں پھر وہ بطور خود کیونکر کہہ سکتی ہے کہ اگرچہ کذب الٰہی زیر قدرت ہے مگر مجھے اس کے ارادہ پر خبر ہے کہ ازل سے ابد تک بولا نہ بولے، ارادہ پر حکم وہیں کرسکتے ہیں جہاں خود صاحب ارادہ جل مجدہ خبر دے کہ فلاں امر ہم کبھی صادر نہ فرمائیں گے، **کقولہ تعالٰی**:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی کسی نفس کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ (ت)

[1] مفاتیح الغیب تحت آیۃ وتمت کلمت ربك المطبعۃ البھیہ مصر ۱۳/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

وقولہ تعالٰی:

"یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫" [1]۔	اللہ تعالٰی تمھارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتا ہے تم پر تنگی کا ارادہ نہیں فرماتا۔ (ت)

امام فخر الدین رازی تفسیر سورہ بقر میں زیر آیۃ کریمہ "اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾" (یا تم اللہ تعالٰی کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں۔ ت) فرماتے ہیں:

الاٰیۃ تدل علی فوائد (الی ان قال) ثانیھا ان کل ماجاز وجودہ وعدمہ عقلا لم یجز المصیر الی الاثبات اوالنفی لابدلیل سمعی [2]۔	یہ آیت مبارک ان فوائد پر دال ہے (آگے چل کر کہا) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جس شیئ کا وجود وعدم عقلا جائز ہو اس کے اثبات ونفی کے لئے سمعی کی طرف رجوع ضروری ہے۔ (ت)

اور تفسیر سورہ انعام میں زیر قول تعالٰی: قل اللہ شھید بینی وبینکم ۟ (فرمادیجئے اللہ تعالٰی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے۔ت) فرماتے ہیں:

المطالب علی اقسام ثلثۃ منھا مایمتنع اثباتہ بالدلائل السمعیۃ، فان کل مایتوقف صحۃ السمع علی صحت امتنع اثباتہ بالسمع والالزم الدور، ومنھا مایمتنع اثباتہ بالعقل وھو کل شیئ یصح وجودہ ویصح عدمہ عقلا فلا امتناع فی احد الطرفین اصلا فالقطع علی احد الطرفین بعینہ لایمکن الا بالدلیل السمعی [3] الخ۔	مطالب کی تین اقسام ہیں: ایک جن کا اثبات دلائل سمعیہ سے ممتنع ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کا اثبات صحت سمع پر موقوف ہے اس کا اثبات سمع سے نہیں ہوسکتا ورنہ دور لازم آئے گا، دوسرا جن کا اثبات عقل سے ممتنع ہے اور وہ ہر شی ہے جس کا وجود وعدم عقلا صحیح ہو وہ دونوں میں سے کوئی ممتنع نہ ہو تو اب ایک جانب میں یقین دلیل سمعی کے بغیر ممکن نہیں الخ (ت)

امام الحرمین قدس سرہ کتاب الارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:

اعلموا وفقکم اللہ تعالٰی ان اصول العقائد	جان لو (اللہ تعالٰی تمھیں توفیق دے) اصول عقائد

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[2] مفاتیح الغیب تحت آیۃ ام تقولون علی اللہ مالاتعلمون المطبعۃ البھیہ مصر ۳/ ۱۶۰

[3] مفاتیح الغیب قل ای شی اکبر شھادۃ الخ المطبعۃ البھیہ مصر ۱۲/ ۱۷۶

تنقسم الی مایدریك عقلا ولایسوغ تقدیر ادراکه سمعا. الی مایدریك سمعا ولایتقدر ادارکه عقلا و الی مایجوز ادراکه سمعا وعقلا فاما مالایدرك الاعقلا فکل قاعدة فی الدین یتقدم علی العلم بکلام الله تعالٰی ووجوب اتصافه بکونه صدقا اذا السمعیات تستندالی کلام الله تعالٰی وماسبق ثبوته فی المرتبة علی ثبوت الکلام وجوبا فیستحیل ان یکون مدرکه السمع واماما لایدرك الاسمعا فهو القضاء بوقوع مایجوز فی العقل فلایتقدر الحکم بثبوت الجائز ثبوته فیما یتقدر الحکم بثبوت الجائز ثبوته فیما غاب عنا الابسمع[1] الخ۔	کی تقسیم یوں ہے کچھ چیزیں وہ ہیں جن کاادراک عقل ہے ان کاادراک سمعی جائز ہی نہیں، کچھ ایسی چیزیں ہیں جن کاادراک سمعی ہے ان کا ادارک عقلی نہیں ہوسکتا، کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا ادراک عقلا اور سمعا دونوں طرح جائز ہوتاہے، وہ چیزیں جن کا ادراک فقط عقلا ہے تو دین کا ہر وہ قاعدہ جو اللہ تعالٰی کے کلام اور صدق سے اس کے وجوبی اتصاف سے پہلے ہے کیونکہ دلائل سمعیہ کا اعتماد اثبات کلام الٰہی سے ہوتا ہے تو جس کے مرتبہ کا ثبوت کلام کے ثبوت سے پہلے ہونالازم ہے تواب محال ہے کہ اس کا سبب ادراک سمع ہو اور جن چیزوں کا ادراک فقط سمع سے ہے تو وہ عقلی طورپر جائز الوجود چیز کے وقوع کافیصلہ ہے تو سمع کے بغیر کسی جائز الوجود چیز جو ہم سے غائب ہے کے ثبوت کاحکم جائز الوجود چیز سے نہیں ہوسکتا الخ (ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

القضایا منها ماهی ممکنات لاطریق الی الجزم باحدجانبها فکان من فضل الله ورحمته ارسال الرسل لبیان ذٰلک[2] اھملخصا۔	کچھ چیزیں ان میں سے ممکن ہیں ان کی کسی ایک جانب کا جزم نہیں ہوسکتا تو اس کے بیان کے لئے رسولوں کا بھیجنا اللہ تعالٰی کا فضل ورحمت ہے اھ ملخصا (ت)

میں کہتاہوں اب آدمیوں ہی میں دیکھ لیجئے کہ جوکام زید کی قدرت میں ہے دوسرا ہرگز اس پر جزم نہیں کرسکتا کہ وہ کبھی اسے نہ کرے گا پھر یہاں بعد اخبار زید بھی جزم وتیقن کی راہ نہیں۔ مثلازید کہے بلکہ قسم بھی کھائے کہ میں اس سال ہر گز سفر نہ کروں گا تاہم دوسرا اگرچہ صدق زید کا کیساہی معتقد ہو قسم نہیں کھاسکتا کہ زید اس سال یقینا سفر نہ کرے گا اور کھائے تو سخت جری وبیباک اور نگاہ عقلاء میں ہلکا ٹھہرے گا تو وجہ کیا، وہی کہ غیب کا حال

[1] الارشاد فی الکلام

[2] شرح العقائد النسفیہ بیان ارسال رسل دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۹۸

معلوم نہیں اور زید کی بات سچی ہی ہونی کیا ضرور ممکن کہ فرق پڑجائے جب یہ مقدمہ ذہن نشین ہولیا اور اب تم نے کذب الٰہی کہ زیر قدرت مانا تو عقلاہر خبر میں احتمال کذب ہواہی رہا یہ کہ خبر الٰہی یقین دلائے کہ اللہ عزوجل اگرچہ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، مگر نہ کبھی بولا، نہ بولے ہیہات اس یقین کی طرف بھی کوئی راہ نہیں کہ آخر یہ کلام الٰہی سے خود ایک کلام ہوگی تو عقلا ممکن کہ یہی بروجہ کذب صادر ہوئی ہو پھر وہ کون سا ذریعہ وثوق رہا جس کے سبب عقل یقین کرسکے یہ ممکن جو قدرت الٰہی میں تھا واقع نہ ہوا خلاصہ یہ کہ جب کذب عقلا ممکن تو استحالہ عقلی تو تم خود نہیں مانتے، رہا استحالہ شرعی وہ دلیل شرع سے مستفاد ہوتا ہے اور دلائل شرع سب کلام الٰہی کی طرف **منتھی۔ کما مر من ارشاد امام الحرمین** (جیسا کہ امام الحرمین کے ارشاد سے گزرا۔ت) تو جس کلام الٰہی سے کذب الٰہی کا استحالہ ثابت کیجئے پہلے خود اسی کلام الٰہی کا وجوب صدق شرعا ثابت کیجئے، لاجرم دور یا تسلسل سے چارہ نہیں، اب عقلی وشرعی دونوں استحالے اٹھ گئے اور اللہ تعالٰی کی بات **معاذاللہ** زید وعمرو کی سی بات ہو کر رہ گئی **تعالی اللہ عما یقولون علوا کبیرا** (یہ جو کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے نہایت ہی بلند ہے۔ت) پھر حشر ونشر وجنت و نار وغیرہا تمام سمعیات پر ایمان لانے کا کیا ذریعہ ہے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العظیم۔ ھذا ماعندی فی تقریر دلیل ھٰؤلاء الاعلام وفی المقام ابحاث طوال تعرف بالغوص فی الجج الکلام** (میرے نزدیک ان علماء اعلام کی دلیل کی وضاحت وتفصیل یہی ہے اس مقام پر بڑے تفصیل مباحث ہیں جو کلام کے سمندر میں غوطہ زن ہونے سے معلوم ہوتے ہیں۔ت)

دلیل سوم: مواقف وشرح مواقف میں ہے:

اما امتناع الکذب علیہ تعالٰی عندنا فثلثۃ اوجہ (الٰی ان قال) وایضا فیلزم علی تقدیر ان یقع الکذب فی کلامہ سبحانہ ان نکون نحن اکمل منہ فی بعض الاوقات اعنی وقت صدقنا فی کلامنا[1]۔	یعنی کذب الٰہی کا محال ہونا ہم اہلسنت کے نزدیک تین دلیل سے ہے ایک یہ کہ اس کے کلام میں کذب آئے تو بعض وقت ہم اس سے اکمل ہوجائیں یعنی جس وقت ہم اپنے کلام میں سچے ہوں۔

اقول: تقریر دلیل یہ ہے کہ ہر محکی عنہ میں امکان کہ انسان اسے بروجہ صحیح حکایت کرے اور شک نہیں کہ جس حکایت میں جو سچا ہو وہ اس میں جھوٹے پر خاص اس وجہ کی رو سے فضل رکھتا ہے اگرچہ اور کروڑوں وجہ سے مفضول ہو، اب اگر کذب الٰہی ممکن ہو تو **معاذاللہ** جس وقت وہ جھوٹ بولے اور انسان اسی بات کو

[1] شرح المواقف المقصد السابع فی انہ تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۱

مطابق واقع ادا کرے تو لازم کہ آدمی اس وجہ سے افضل ہو جائے اور باری عزوجل پر کسی جہت سے کسی مخلوق کو کسی طرح کا فضل جزئی بھی اگرچہ نہایت ضعیف و مضمحل ہو ملنا محال، تو ثابت ہوا کہ مکان کذب باطل خیال ہے **فافھم والعزۃ للہ ذی الجلال** (پس غور کیجئے اور عزت اللہ ذوالجلال کے لئے ہے۔ت)

ثم اقول: اس دلیل کی ایک مختصر تقریر یوں ممکن ہے کہ اگر کذب خالق ممکن ہو تو کتنی بڑی شناعت ہے کہ خلق سچی اور خالق جھوٹا، **العیاذ باللہ رب العالمین**، لیکن صدق خلق محال نہیں تو کذب خالق ممکن نہیں۔

دلیل چہارم: جس کی طرف امام فخر الدین رازی نے نص ۱۶ میں اشارہ فرمایا کہ جب اہلسنت کے نزدیک اللہ عزوجل کا صدق ازلی تو کذب محال کہ ہر ازلی ممتنع الزوال، **اقول: وباللہ التوفیق** تصویر دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل پر اسم صادق کا طلاق قطع نظر اس سے کہ قرآن[عہ] وحدیث واجماع سے ثابت، مخالفان عنید یعنی طائفہ جدید کو بھی مقبول کہ وہ بھی اللہ عزوجل کو صادق بالفعل تو مانتے ہیں اگرچہ صادق بالضرورۃ ہونے سے انکار کرتے ہیں کہ

عہ: اما القرآن فقولہ تعالٰی ذٰلک جزینٰھم ببغیھم وانا "ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝" [1] وقول تعالٰی "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝" [2] فان المعنی ان اللہ تعالٰی اصدق قائل وحمل الاصدق حمل الصادق مع زیادۃ واما الحدیث فقد عد الصادق من الاسماء الحسنٰی فی حدیث ابن ماجۃ [3] وحدیث الحاکم فی المستدرك وابی الشیخ و ابن مردویۃ فی تفسیریھما وابی نعیم فی کتاب الاسماء الحسنٰی کلھم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واما الاجماع فظاھر لاینکر ۱۲منہ۔

قرآن میں اللہ تعالٰی کا فرمان ہے یہ ہم نے ان کی بغاوت کی سزا دی اور ہم یقیناً سچے ہیں، دوسرے مقام پر فرمایا: اللہ تعالٰی سے بڑھ کر کون زیادہ سچا ہے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی سب سے بڑھ کر صادق ہے، اور اصدق کا حمل صادق مع زیادۃ کا حمل ہے رہی حدیث تو حدیث میں اسماء حسنٰی میں صادق کو شمار وشامل کیا گیا ہے، اور یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے اور اسے ابن ماجہ، حاکم نے مستدرک میں، ابوالشیخ اور ابن مردویہ نے اپنی تفاسیر اور امام ابو نعیم نے "کتاب الاسماء الحسنی" میں ذکر کیا، رہا اجماع تو واضح ہے، اس کا انکار کیا ہی نہیں جاسکتا ۱۲منہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[2] القرآن اکریم ۴/ ۱۲۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الدعاء باب اسماء اللہ عزوجل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۳

جب کذب ممکن جانا اور امکان نہیں مگر جانب مخالف سے سلب ضرورت تو لاجرم باری تعالٰی کے صادق ہونے کو ضروری نہ مانا مگر جاہل کہ صادق بالفعل ماننا ہی ان کے مذہب نامہذب کا استیصال کر گیا کہ جب وہ صادق ہے اور صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم، تو واجب کہ صدق اس کی ذات پاک سے قائم اور ذات الٰہی سے قیام حوادث محال، تو ثابت کہ صدق الٰہی ازلی ہے بعینہٖ اسی طریقہ سے ہمارے ائمہ کرام نے تکوین وغیرہ کا صفات ازلیہ سے ہونا ثابت فرمایا۔ شرح عقائد نسفی میں ہے:

(التکوین صفۃ) ﷲ تعالٰی لاطباق العقل و النقل علی انہ تعالٰی خالق للعالم مکون لہ وامتناع اطلاق الاسم المشتق علی الشیئ من غیر ان یکون ماخذ الاشاق وصفالہ قائمہ بہ (ازلیۃ) بوجوہ الاول انہ یمتنع قیام الحوادث بذاتہ تعالٰی لمامر[1] اھ ملخصا۔	(تکوین صفت ہے) اللہ تعالٰی کی، کیونکہ عقل و نقل اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالٰی جہاں کا خالق اور بنانے والا ہے اور کسی شے، پر اسم مشتق کا اطلاق اس وقت تک ممتنع ہوتا ہے جب تک مادہ اشتقاق اس کا وصف اور اس کے ساتھ قائم نہ ہو (ازلی ہے) اس پر متعدد دلائل ہیں، اول یہ کہ اللہ تعالٰی کی ذات اقدس کے ساتھ حوادث کا قیام ممتنع ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اھ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

ﷲ تعالٰی متکلم بکلام ھو صفۃلہ ضرورۃ امتناع اثبات المشتق لشیئ من غیر قیام ماخذ الاشتقاق بہ[2]۔	اللہ تعالٰی متکلم بکلام ہے اور یہ اس کی صفت ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ کسی شیئ کے لئے مشتق کا اثبات اس کے ساتھ ماخذ اشتقاق کے قیام کے بغیر ممتنع ہوتا ہے۔ (ت)

منح الروض میں مسامرہ سے ہے:

الایمان من صفات ﷲ تعالٰی من اسمائہ الحسنی "المؤمن" کما نطقق بہ الکتاب العزیز. وایمانہ ھو تصدیقہ	ایمان، اللہ تعالٰی کی صفات میں سے ہے کیونکہ اس کے اسماء حسنی میں "المؤمن" بھی ہے جیسا کہ قرآن عزیز اس پر ناطق ہے اور اس کا ایمان ازل

---

[1] شرح العقائد النسفیہ بیان صفات باری تعالٰی دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۵۰

[2] شرح العقائد النسفیہ بیان صفات باری تعالٰی دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۴۴

فی الازل بکلامه القدیم ولایقال ان تصدیقه محدث ولامخلوق تعالٰی اللہ ان یقوم به الحادث[1] اھ ملخصاً۔	میں کلام قدیم کی تصدیق ہے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی تصدیق محدث و مخلوق ہے کیونکہ وہ اس سے بلند ہے کہ اس کے ساتھ کوئی حادث قائم ہو اھ ملخصا (ت)

اور جب صدق الٰہی ازلی ہوا تو امکان کذب کا محل نہ رہا کہ اس کا وقوع بے انعدام صدق ممکن نہیں **تحقیقا لمعنی التضاد** (کیونکہ ان میں تضاد پایا جاتا ہے، ت) اور انعدام صدق محال ہے کہ علم کلام میں مبین ہوچکا کہ قدیم اصلا قابل عدم نہیں **فتبصر۔**

دلیل پنجم: اگر باری عزوجل کذب سے متصف ہوسکے تو اس کا کذب اگر ہوگا تو قدیم ہی ہوگا کہ اس کی کوئی صفت حادثہ نہیں، اور جو قدیم ہے معدوم نہیں ہوسکتا، تو لازم کہ صدق الٰہی محال ہوجائے حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل، تو کذب سے اتصاف ناممکن، یہ دلیل تفسیر کبیر و مواقف و شرح مقاصد میں افادہ فرمائی، امام کی عبارت یہ ہے زیر **قولہ تعالٰی** "وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾"[2] (اللہ تعالٰی سے بڑھ کر کون سے سچی بات فرمانے والا۔ ت) امتناع کذب الٰہی پر اہل سنت کی دلیل بیان کرتے ہیں:

اما اصحابنا فدلیلهم انه لوکان کاذبا لکان کذبه قدیما، ولو کان کذبه قدیما لامتنع زوال کذبه لامتناع العدم علی التقدیم، ولوامتنع زوال کذبه قدیما لامتنع کونه صادقا، لان وجود احد الضدین یمنع وجود الضد الاٰخر فلو کان کاذبا لامتنع ان یصدق لکنه غیر ممتنع، لانا نعلم بالضرورۃ ان کل من علم شیئا فان لایمتنع علی ان یحکم علیه بحکم مطابق للمحکوم علیهم والعلم بهذه الصحة ضروری، فاذاکان امکان الصدق قائما کان امتناع الکذب	ہمارے علماء کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ کاذب ہے تو اس کا کذب قدیم ہوگا اور اس کا کذب قدیم ہے تو اس کے کذب کا زوال ممتنع ہوگا کیونکہ قدیم پر عدم، ممتنع ہوتا ہے، اور اگر سا کے کذب کا زوال قدیما ممتنع ہے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوگا کیونکہ ضدین میں سے ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے لئے امتناع کا سبب ہوتا ہے، تو اگر وہ کاذب ہے تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوگا لیکن یہ تو ممتنع نہیں کیونکہ ہم بداہۃ جانتے ہیں کہ جو شخص کسی شی کے بارے میں علم رکھتا ہو اس کے لئے اس شے پر محکوم علیہ کے مطابق حکم لگانے

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ الکبر باب الایمان مخلوق اولا مصطفی البابی مصر ص ۱۴۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

حاصلا لامحالة[1]۔	میں کوئی امتناع نہیں اور اس ضابطہ کی صحبت کا علم و یقین ضروری ہے جب امکان صدق قائم ہے تو کذب کا حصول ہر صورت میں ممتنع ہوگا۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق تحریر دلیل یہ ہے کہ تم نے باری عزوجل کا تکلم بکلام کذب تو ممکن مانا اس کا کاذب ومتصف بالکذب ہونا بھی ممکن مانتے ہو یا نہیں؟ اگر کہئے نہ تو قول بالمتنا قضین اور بداہت عقل سے خروج ہے کہ کاذب ومتصب بالکذب نہیں مگر وہی جو تکلم بکلام عـــــہ کذب کرے اسے ممکن کہہ کر اسے محال ماننا نرا جنون ہے۔ اور اگر کہئے ہاں، تو اب ہم پوچھتے ہیں یہ انصاف صرف لم یزل میں ممکن یا ازل میں بھی شق اول باطل کہ امکان قیام حوادث کو مستلزم اور شق ثانی پر جب ازلیت کذب ممکن ہوئی تو اس کا ممتنع الزوال ہونا ممکن ہوا کہ ہر ازلی واجب الابدیۃ اور کذب کا امتناع زوال استحالہ صدق کو مستلزم کہ کذب وصدق کا اجتماع محال، جب اس کا زوال محال ہوگا اس کا ثبوت ممتنع ہوگا، اور امکان وجود ملزوم امکان وجود لازم کو مستلزم، **تحقیقا لمعنی اللزوم حیث کان ذاتیا لا لعارض کما ھٰھنا** (معنی لزوم کے ثبوت کی وجہ سے ذاتی ہے نہ کہ کسی عارض کی وجہ سے، جیسا کہ یہاں ہے۔ت) تو لازم آیا کہ صدق الٰہی کا محال ہونا ممکن ہو اور استحالہ اسی شے کا ممکن ہوگا جو فی الواقع محال ہو بھی کہ ممکن کا محال ہو جاہر گز ممکن نہیں ورنہ انقلاب لازم آئے اور وہ قطعاً باطل۔ تو ثابت ہوا کہ اگر باری تعالٰی کا امکان کذب مانا تو اس کا صدق محال ہوگا لیکن وہ بالبداہۃ محال نہیں تو امکان کذب یقیناً باطل، اور استحالہ کذب قطعاً حاصل۔

و الحمد للہ اصدق قائل الدلائل الفائضۃ علی قلب الفقیر بعون القدیر عز جدہ وجل مجدہ۔	تمام تعریف اللہ تعالٰی کی ان سچے دلائل پر جو قدیر عزجدہ وجل مجد کی مدد سے فقیر کے دل پر وارد ہوئے۔ (ت)

دلیل ششم: اقول: وبحول اللہ اصول (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے بیان کرتا ہوں (کلام الٰہی

عـــــہ: ای انشاء لاحکایۃ اذلاکلام فیہا کما لایخفی ففی القرٰان العظیم جمل عن الکفار من اراجیفھم الباطلۃ ۱۲ منہ	یعنی بطور انشاء نہ کہ بطور حکایت کیونکہ اس میں کلام ہی نہیں جیسا کہ واضح ہے تو قرآن میں ایسے جملے موجود ہے جن میں کفار کی باطل اداکا تذکرہ ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیۃ و من اصدق من اللہ حدیثًا المطبعۃ البہیۃ مصر ۱۰/ ۲۱۷، ۲۱۸

ازل میں بایجاب کلی حق تھا، معاذاللہ اس کا بعض باطل یا نہ حق نہ باطل شق ثانی تو کفر صریح عـــہ۱ اور ثالث میں مطابقت ولا مطابقت دونوں کا ارتفاع اور وہ قطعاً محال، اولا عـــہ۲ بالبداہۃ۔

فان ارتفاع محمول الانفصال الحقیقی عن الموضوع کارتفاع النقیضین۔	کیونکہ انفصال حقیقی کے دونوں محمول کا موضوع سے ارتفاع نقیضین کے ارتفاع کی طرح ہوتا ہے۔(ت)

ثانیا: باجماع عقلاً،

حتی الجاحظ المعتزلی وانما نزاعہ عـــہ۳ فی مجرد السمیۃ۔	حتی کہ جاحظ معتزلی بھی قائل ہے نزاع محض نام میں ہے۔(ت)

عـــہ۱: ای فلا یرضی بہ المخالف ایضا فلاینافی عقلیۃ البرھان وانما اکتفی بہ قصرا للمسافۃ والافلہ طریق قدعرفت وھو وجوب الکذب وامتناع الصدق الباطل ببداھۃ العقل ۱۲ منہ	یعنی اس پر مخالف بھی راضی نہ ہوگا اور یہ عقلی برہان کے منافی نہیں اختصاراً اس پر اکتفاء کر لیا گیا ورنہ اس کے لئے وہ طریق جو جان چکا کہ وہ کذب کا وجوب اور صدق کا امتناع ہے جو بداہۃ عقل سے باطل ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۲: فیہ المقنع وحدیث الاجماع والنص تبرعی ۱۲ منہ۔	یہی کافی ہے اجماع اور نص کی بات بطور تبرع و نفل ہے ۱۲ منہ (ت)
عـــہ۳: الخبر عند الجمھور اما صادق او کاذب لانہ امامطابق للواقع الذی ھو المخبر عنہ وھو الصادق، اولا مطابق وھو الکاذب وھذہ المنفصلۃ حقیقیۃ دائرۃ بین النفی والاثبات ونزاع من نازع لیس الافی اطلاق لفظ الصدق والکذب لغۃ ھل ھما لھذین المعنیین لافی صدق ھذہ المنفصلۃ [1] اھ مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت لمولانا بحر العلوم قدس سرہ ۱۲ منہ۔	جمہور کے نزدیک خبر صادق ہے یا کاذب، کیونکہ اگر وہ واقع کے مطابق نہیں تو کاذب، اور یہ مفصلہ حقیقیہ ہے جو نفی واثبات کے درمیان دائر ہے اور جس نے بھی اس میں نزاع کیا ہے وہ صرف لغۃ لفظ صدق و کذب کے اطلاق میں کیا ہے کہ کیا وہ ان دونوں معنی کے لئے ہیں منفصلہ حقیقہ جس کے دونوں محمول مرتفع ہوں، کے صدق میں نہیں، اھ، مسلم الثبوت مع شرح فواتح الرحموت لمولانا بحر العلوم قدس سرہ، ۱۲ منہ (ت)

[1] فواتح الرحموت شرح المسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی السنہ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۷

ثالثاً: خود قرآن عظیم نفی واسطہ پر ناطق،

قال مولانا ذوالجلال فماذا بعد الحق الا الضلل [1]۔	ہمارے مالک صاحب جلال کا فرمان ہے پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔ (ت)

تو لاجرم شق اول متعین اور شاید مخالف بھی اس سے انکار نہ رکھتا ہو اب ہم پوچھتے ہیں کذب ممکن علی فرض الوقوع صرف کسی کلام نقل کو عارض ہوگا یا نفیس کو بھی، اول محض بے معنی کہ صدق و کذب حقیقۃً موصوف معنی ہے نہ صفت عبارت، ولہٰذا شرح مقاصد میں فرمایا:

طریق اطراد ھذا الوجہ فی کلام المتنظم من الحروف المسموعہ انہ عبارۃ عن کلامہ الازلی ومرجع الصدق والکذب الی المعنی [2]۔	یہ تو ایسی کلام میں جاری ہو رہا ہے جو صرف مسموعہ سے بنی ہے اور یہ کلام ازلی سے عبارت ہے اور صدق و کذب کا مرجع معنی ہے۔ (ت)

بر تقدیر ثانی یہ کلام نفسی وہی کلام قدیم ہے یا علی تقدیر التجزی اس کا بعض ہوگا جو ازل میں ایجاباً کلیاً صادق تھا یا اس کا غیر شق ثانی پر قیام حوادث لازم اور اول میں انقلاب صدق بکذب کہ کلام بشر میں بھی محال، سچی بات کبھی جھوٹی عـــہ

عـــہ: یہاں بعض اذہان میں یہ شبہہ گزرتا ہے کہ زید آج قائم ہے تو قضیہ زید قائم حق ہے، کل قائم نہ رہا تو زید لیس بقائم حق ہوگیا اور اس کی حقیقت اس کے کذب کو مستلزم، **اقول:** ان صاحبوں نے فعلیہ ودائمہ میں فرق نہ کیا یا نہ جانا کہ دو مطلقہ عامہ میں تناقص نہیں، مسلم الثبوت میں ہے:

الخبر الصادق صادق دائما والکاذب کاذب دائما [3]۔	خبر صادق ہمیشہ صادق اور خبر کاذب ہمیشہ کاذب ہوتی ہے۔ (ت)

مولانا قدس سرہ فواتح میں فرماتے ہیں:

ولایکن ان یدخلا فی شیئ من الاخبار، وفرق بین تحقق مصداق الخبر وصدقہ فان الاول قد یختلف بحسب الاوقات واما	دونوں کا کسی خبر میں جمع ہونا ممکن نہیں، اور خبر کے مصداق کے تحقق اور اس کے صدق میں فرق ہے کیونکہ پہلا اوقات کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲

[2] شرح المقاصد المبحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۰۴

[3] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنۃ مطبع انصاری دہلی ص۱۷۶

نہیں ہو سکتی، نہ جھوٹی کبھی سچی، ورنہ مطابقت ولا مطابقت میں تصادم لازم آئے اور نقیضین باہم نقیضین نہ رہیں، بالجملہ کلام صادق کے لئے ثبوت صدق ضروری، تو سلب ضرورت ضرورۃً مسلوب، وھو المطلوب۔

وانت تعلم ان صدور الکلام القدیم منه سبحانه و تعالٰی لیس علی وجه الاختیار فان القدیم لا یستند الی المختار من حیث ھو مختار و القراٰن کلام الله غیر مخلوق ولافی اقتدار فلایستزلك الشیطان ان الاستحالة انما جاءت من ان المولی سبحانه وتعالٰی لم یصدر فی الازل الاکلاما صادقًا وھو لایقدر ان ان یخلق لنفسه صفة حادثة فبقی الامکان فی بدو الامر علی ماکان۔	اور تم جانتے ہو اللہ تعالٰی سبحانہ سے کلام قدیم کا صدور اختیاری نہیں کیونکہ قدیم کسی مختار من حیث مختار کی منسوب نہیں ہو سکتا، قرآن اللہ تعالٰی کا کلام ہے جو مخلوق نہیں اور تحت قدرت نہیں ــــــ تمہیں شیطان اس بات سے نہ پھسلادے کہ استحالہ یہاں سے لازم آیا کہ اللہ تعالٰی سے ازل میں کلام صادق ہی صادر ہوا، اور وہ اس بات پر قادر نہیں کہ اپنی ذات کے لئے صفت حادثہ پیدا کرے تو ابتدائی امر میں امکان باقی رہا جیسا کہ تھا۔ (ت)

دلیل ہفتم: وھو اختصر واظھر اقول وبالله التوفیق (جو نہایت مختصر اور بہت ہی واضح ہے، میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ ضرورت کو مستلزم کہ اگر کلام نفسی ازلی ابدی واجب للذات مستحیل التجدد و کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن نہیں ورنہ وجود دال بلامدلول عـــہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صدق خبر فدائم فان صدق المطلقة دائم فالصادق دائما فلایدخله الکذب اصلا ولا اجتمعا والکذب کاذب دائما فایدخله الصدق[1] اھملخصا ۱۲منه سلمه الله تعالٰی۔	رہا صدق خبر تو وہ دائمی ہے کیونکہ مطلقہ کا صدق دائمی ہوتا ہے لہٰذا صادق ہمیشہ صادق ہی ہوگا اور اس میں کبھی بھی کذب داخل نہیں ہو سکتا ورنہ دونوں کا اجتماع ہو جائے گا اور کاذب ہمیشہ کاذب ہی رہے گا اس میں صدق داخل نہیں ہو سکتا اھ ملخصا ۱۲منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)
عـــہ: المدلول ھو المعنی فلانقض بالمعدوم ۱۲منه	عـــہ: مدلول وہ معنی ہی ہے لہٰذا معدوم کے ساتھ کوئی اعتراض نہیں ہوگا ۱۲منہ (ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی الاصل الثانی السنة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۲

یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے اور یوں دونوں بالبداہۃ محال، او جب کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں ممکن نہیں، ورنہ باری عزوجل کا عجز عن التعبیر لازم آئے تو لاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا ہے اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے اور وہاں فعل ودوام ووجوب متلازم و بوجہ آخر اوضح واز ہر۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تمہارے دعوی کا حاصل یہ کہ **بعض ماھو کلام اللّٰہ تعالٰی فھو ممکن الکذب بالضرورۃ** (اللہ تعالٰی کے کلام کا بعض ضرور ممکن الکذب ہے۔ت) اور شک نہیں کہ **کل ماھو ممکن الکذ کاذب بالضرورۃ** (اور جو ممکن الکذب ہو وہ ضرور کاذب ہوتا ہے۔ت) کہ کلام واحد میں امکان کذب بے فعلیت کذب متصور نہیں اور فعلیت کذب امتناع صدق اور امتناع صدق ضرورت کذب ہے، نتیجہ نکلا **بعض ماھوا کلام اللّٰہ تعالٰی کاذب بالضرورۃ** (اللہ تعالٰی کے کلام کا بعض ضرور کاذب ہے۔ت) اب اس میں وصف عنوانی کا صدق خواہ بالفعل **لو کماھو المشھور** (جیسا کہ یہ مشہور ہے۔ت) خواہ بالامکان **لو کما ھو عند الفارابی** (جیسا کہ فارابی کے ہاں ہے۔ت) ہر طرح باری عزوجل کا **معاذاللہ** کاذب بالفعل ہونا لازم۔ بر تقدیر اول تو لزوم بدیہی، اور بر تقدیر ثانی اس قضیہ یعنی **بعض ما ھو کلام اللّٰہ بالامکان العام کاذب بالضرورۃ** (جو اللہ تعالٰی کا کلام بامکان العام ہے وہ ضرور کاذب ہے۔ت) کو کبرٰی کیجئے اور قضیہ **کل ماھو کلام اللّٰہ بالامکان العام فھو کلام اللّٰہ بالفعل** (ہر کلام جو کلام اللہ بامکان والعام ہے وہ بالفعل کلام اللہ ہے۔ت) کو صغرٰی ثبوت صغرٰی یہ کہ باری تعالٰی کے لئے کوئی حالت منتظرہ نہیں۔ شکل ثالث کی ضرب خامس پھر وہی نتیجہ دے گی کہ **بعض ماھو کلام اللّٰہ بالفعل کاذب بالضرورۃ** (بعض کلام اللہ بالفعل ضرور کاذب ہے۔ت) **والعیاذ باللّٰہ تعالٰی**، بلکہ حقیقۃً یہ وجہ دلیل عــــہ مستقل ہونے کے قابل، کما لایخفی علی المتأمل۔

عــــہ: حاصل الوجہ الاول ان علی قول الامکان لابد من فعلیۃ فی الکلام النفسی و الا لامتنع فی اللفظی لانہ لا یکون الا تعبیرا عن نفسی ولا امکان ھھنا لنفسی اٰخر غیر ھٰذا الموجود المفروض ان لا کذب فیہ

پہلی وجہ کا حاصل یہ ہے کہ قول امکان پر کلام نفسی میں فعلیت ضروری ہے ورنہ کلام لفظی میں امتناع ہوگا، جب لفظی میں امتناع ہوگا تو نفسی میں امتناع ضرور ہوگا کیونکہ لفظی صرف نفسی کی تعبیر ہے جبکہ اس موجود نفسی جس میں کذب نہ ہونا مفروض ہے کے علاوہ کسی اور نفسی کا امکان نہیں اور صادق کی کاذب

(باقی اگلے صفحہ پر)

واللہ الموفق لابطال الباطل (جیسا کہ کسی صاحب فکر پر مخفی نہیں، اور اللہ تعالٰی ہی ابطال باطل کی توفیق دینے والا ہے۔ ت)

دلیل ہشتم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت) صدق الٰہی صفت قائمہ بذات کریم ہے ورنہ مخلوق ہوگا کہ ذات وصفات کے سوا سب مخلوق اور ہر مخلوق عدم سے مسبوق تو لازم کہ غیر متناہی دور ازل میں اللہ تعالٰی سچا نہ ہو، **تعالٰی عن ذلک علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ ت) اور جب صدق صفت قائمہ بالذات ہے اور صفات مقتضائے ذات اور مقتضائے ذات میں تغیر محال کہ تغیر مقتضی تغیر مقتضی کو مقتضی اور تغیر ذات عموما محال خصوصا جناب عزت میں جہاں تغیر صفت بھی مستحیل تو لاجرم کذب منافی ذات ہوا اور منافی ذات کا وقوع نافی ذات اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ متصور۔

دلیل نہم: اقول: وباللہ التوفیق ہم زیر دلیل چہارم وہشتم بدلائل ثابت کر آئے کہ صدق صفت قائمہ بالذات ہے تو کذب بھی اگر ممکن ہو صفت ہی ہو کر ممکن ہوگا۔ **فانہما ضدان والتضاد مایکون**

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والتعبیر عن الصادق بالکاذب محال واذا متنع فی اللفظی فی النفسی والالزم العجز عن التعبیر فلو لم یوجد فی النفسی بالفعل لامتنع اصلا لکنہ ممکن عندك فیجب ان یوجد فیدوم فیجب وحاصل الثانی ان لو امکن فی کلام لہ لوجد ذٰلك الکلام لعدم الانتظار فیکون بعض ماھو کلامہ بالفعل ممکن الکذب ولایمکن کذب کلام الا اذا کان کاذبًا والکاذب کاذب بالضرورۃ وظاہر ان بین الوجھین بونًا بینًا فھما دلیلان مستقلان حقیقۃ والحمد للہ وبہ التوفیق ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

کے ساتھ تعبیر محال ہے اور جب لفظی میں امتناع ہے تو نفسی میں بھی ہوگا ورنہ تعبیر سے عجز لازم آئے گا، اور اگر وہ نفسی میں عملا موجود نہیں تو وہ اصلا موجود نہ ہوگا لیکن وہ تمھارے نزدیک ممکن ہے تو اس کا موجود ہونا ضروری ہوگا پس وہ دائمی اور واجب ہوگا اور ثانی وجہ کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ کلام میں ممکن ہوا تو عدم انتظار کی وجہ سے وہ کلام موجود ہوگا تو بعض کلام عملاً ممکن الکذب ہوگا اور کذب کلام اس وقت ممکن ہوگا جو وہ کاذب ہو، اور کاذب بالضرورۃ کاذب ہی ہوگا، تو بعض کلام عملا بالضرورۃ کاذب ہوگا تو دو دلیلوں کے درمیان واضح بعد ہے لہذا یہ دونوں حقیقۃ مستقل دلیلیں ہیں، تمام تعریف اللہ تعالٰی کے لئے اور توفیق اس سے ہے ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)

بحسب الورود علی محل واحد (یہ دونوں ضدیں ہیں اور تضاد جو ایک محل پر ورود کی صورت میں ہوتا ہے۔ت) اب **مخالف متعسف وفور استحالات دیکھئے: اولا** لازم کہ کذب الٰہی موجود بالفعل ہو کہ صفات باری میں کوئی صفت منتظرہ غیر واقعہ ماننا باطل ورنہ تاثر عہ۱ بالغیر یا تخلف عہ۲ مقتضی یا تاخر عہ۳ اقتضا یا حدوث عہ۴ مقتضی لازم آئے، تعالی اللہ عنہ علوا کبیرا (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت)

ثانیا واجب کہ کذب واجب ہو کہ صفات الٰہیہ سب واجب للذات ہیں۔

ثالثا صدق عہ الٰہی محال ٹھہرے کہ وجوب کذب امتناع صدق ہے۔

رابعا کذب صفت کمال ہو کہ صفات باری سب صفات کمال۔

عہ۱: ان کان الاتصاف لامن الذات **اقول**: ولو لتعلق الارادۃ فان التعلق حادث والحادث غیر فافھم فانہ علم فی نصف سطر ۱۲ منہ۔

اگر اتصاف ذات کے اعتبار سے نہ ہو، **اقول** اگرچہ تعلق ارادہ کے اعتبار سے ہو کیونکہ تعلق حادث ہے اور حادث غیر ہے، اسے اچھی طرح جان لو کیونکہ اس نصف سطر میں سارا علم ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: ان اقتضی الذات ازلا ولم یتحقق ۱۲ منہ مدظلہ وزید فیضہ القوی۔

اگر ذات ازلا تقاضا کرے اور وہ متحقق نہ ہو ۱۲ منہ مدظلہ وزید فیضہ القوی (ت)

عہ۳: ان اقتضی فیما لایزال لافی الازل ۱۲ منہ

اگر وہ تقاضا کرے مگر ازل میں نہ ہو ۱۲ منہ (ت)

عہ۴: ان فرعن الکل والترم تصاحب المقتضی والمقتضی ۱۲ منہ

اگر سب سے فرار کرے اور متقضی اور متقضی کے ساتھ رہنے کا التزام کرے ۱۲ منہ (ت)

عہ: فرق بین بناء الکلام علی قدم الصفۃ وان ما ثبت قدمہ استحال عدمہ وھی مقدمۃ عویصۃ الاثبات وبین بناء علی وجوبھا وامتناع ضدھا للذات وھو من اجلی الواضحات والحمد للہ رب البرایات ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔

کلام کی بناء پر صفت کے قدیم ہونے پر اور واجب ہونے پر اس میں فرق ہے، اول کا مقدمہ کہ جس کا قدم ثابت ہوا اس کے عدم محال ہے، اس کا اثبات پیچیدہ ہے، دوسرے کا مقدمہ کہ جو واجب ہو اس کی ضد ذات کے لئے ممتنع ہوتی ہے، یہ بہت واضح ہے، تمام تعریفیں کائنات کے رب کے لئے ہیں ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)

خامسًا صدق صفت نقصان ہو کہ وہ عدم کذب کو مستلزم، اور اب عدم کذب عدم کمال، اور عدم کمال عین نقصان۔

سادسًا۔ سابعًا، ثامنًا: صدق عہ۵ کل و کذب عہ۶ جزئی، جب دونوں صفت عہ۷ اور دونوں ممکن عہ۸ تو دونوں واجب عہ۹ تو دونوں محال عہ۱۰ تو اجتماع عہ۱۱ نقیضین وارتفاع نقیضین واجتماع وارتفاع، سب حاصل، تاسع عشر، حادی عشر، بعینہٖ اسی طریقہ سے دونوں کمال، تو دونوں نقصان، تو دونوں مجمع کمال و نقصان، ثانی عشر، ثالث عشر، رابع عشر، جب دونوں صفت تو دونوں مقتضی، تو دونوں منافی، تو دونوں جامع اقتضاء و تنافی، خامس عشر جب دونوں مقتضی تو وجود ذات مستلزم اجتماع نقیضین، اور جس کا وجود مستلزم محال ہو تو خود محال، تو بر تقدیر امکان کذب وجود باری معاذ اللہ محال ٹھہرتا ہے، مدعی معاند دیکھے کہ اس کی سلگائی آگ نے بھڑک کر کہاں تک پھونکا، یہ سردست پندرہ۱۵ استحالے ہیں اور ہر استحالہ بجائے خود ایک دلیل مستقل، تو اب تک آٹھ۸ اور پندرہ۱۵ تیئس۲۳ دلیلیں ہوئیں،

دلیل بست وچہارم: اقول: وباللہ التوفیق، بالفرض اگر کذب کو عیب ومنقصت نہ مانئے تو اتنا بالضرورۃ ضرور کہ کوئی کمال نہیں ورنہ مولٰی تعالٰی کے لئے واجب الثبوت ہوتا اور عقل سلیم شاہد کہ باری عزوجلہ کے لئے ایسی شی کا ثبوت بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ ہو، علامہ سعد الدین

عہ۵: یعنی ہر خبر میں صادق ہونا کہ بالفعل موجود ۱۲ منہ

عہ۶: یعنی بعض اخبار میں صادق نہ ہونا کہ مخالف ممکن مانتا ہے ۱۲ منہ

عہ۷: الاولی لما فی الدلیل الرابع والثامن والثانی لما مر اٰنفا ۱۲ منہ۔ عہ۸: ای بالامکان العام اما الاول فللوجود اما الثانی فبالفرض ۱۲ منہ۔ عہ۹: وان کل صفۃ تجب للذات ۱۲ منہ۔ عہ۱۰: فان وجوب کل یستلزم استحالۃ الاخر کما مر مرار ۱۲ منہ۔ عہ۱۱: فان الصدق الکلی یستلزم عدم الکذب والکذب الجزئی عدم الصدق الکلی ۱۲ منہ

اول جیسا کہ چوتھی، آٹھویں اور دوسری میں ابھی گزرا ۱۲ منہ (ت)

یعنی امکان عام کے ساتھ پہلا وجود کی وجہ سے اور دوسرا بالفرض ۱۲ منہ (ت)

کیونکہ ہر صفت ذات کے لئے لازم ہے ۱۲ منہ (ت)

کیونکہ ہر ایک کا وجوب دوسرے کے محال ہونے سے مستلزم ہے جیسا کہ کئی دفعہ گزرا ۱۲ منہ (ت)

کیونکہ صدق کلی عدم کذب کو اور کذب جزئی عدم صدق کلی کو مستلزم ہے ۱۲ منہ (ت)

تفتازانی مبحث رابع فصل تنزیہات شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ان لم یکن من صفات الکمال امتنع اتصاف الواجب بہ للاتفاق علی ان کل مایتصف ھو بہ یلزم ان یکون صفۃ کمال[1]۔	اگر وہ صفات کمالیہ میں سے نہیں تو اس کے ساتھ واجب کا اتصاف ممتنع ہے کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ واجب جس کے ساتھ متصف ہوگا اس کا صفت کمال ہونا ضروری ہے۔(ت)

علامہ ابن ابی شریف مسایرہ میں فرماتے ہیں:

یستحیل علیہ تعالٰی کل صفۃ لا کمال فیھا ولانقص لان کلا من صفات الالہ صفۃ کمال[2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے ہر وہ صفت محال ہے جس میں نہ کمال ہو اور نہ نقص ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کی ہر صفت صفت کمال ہے۔(ت)

دلیل بست وپنجم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) بداہت عقل شاہد عدل کہ جو مطلق کذب پر قادر ہوگا کذب مطلق پر بھی قدرت رکھے گا کہ بعض کلام میں کذب پر قادر اور بعض میں اس سے عاجز ہونے کے کوئی معنی نہیں، اور قرآن کلام اللہ قطعاً حق جس کے بعض قضایا مثل **قولہ تعالٰی لاالہ الا اللہ وقولہ تعالٰی محمد رسول اللہ** وغیرھما کے صدق پر عقل صرف بے توقف شرع وتوقیف سمع خود حکم کرتی ہے تو واجب کہ قرآن عظیم مقتضائے ذات نہ ہو، اور نہ کذب مطلق مقدور نہ رہے گا کہ کلام ہر گز کاذب نہیں ہوسکتا اور جو کچھ ذات نہ مقتضائے ذات وہ قطعاً حادث و مخلوق تو کذب الٰہی کا ممکن ماننا قرآن عظیم کلام اللہ کے حادث ومخلوق ماننے کو مستلزم اب بعد تنبیہ بھی اصرار کرو تو اب معتزلی کرامی گمراہ ہونے سے کیوں انکار کرو۔

دلیل بست وششم: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) جب بر تقدیر امکان کذب، بوجہ بطلان ترجیح بلامرجح ونیز بحکم بداہت غیر مکذوبہ، ہر فرد کذب قدرت الٰہی میں ہوا تو ہر فرد صدق مقدور ہوگا ورنہ صدق البعض واجب یا محال ہوگا۔ تو کذب فی البعض محال یا واجب حالانکہ ہر فرد کذب مقدور مانا تھا، **"ھذا خلف"** پس صدق وکذب کا ہر ہر فرد و مقدور ہوا اور ہر مقدور حادث تو کلام الٰہی سے مطابقت ولامطابقت دونوں مرتفع، اویہ بداہۃ محال۔

دلیل بست وہفتم: اقول: وباللہ التوفیق کتب حدیث وسیر مطالعہ کیجئے بہت خوش نصیب ذی عقل

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع فی امتناعی اتصافہ بالحادث دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۷۱

[2] المسامرۃ شرح المسایرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدۃ اہل سنت اجمالا المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی المصر ص ۳۹۳

لبیب صرف جمال جہاں آرائے حضور پر نور سید عالم سرور اکرم مولائے اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیکھ کر ایمان لائے، کہ **لیس ھذا وجہ الکذابین** یہ منہ جھوٹ بولنے والے کا نہیں۔اے شخص! یہ اس کے حبیب کا پیارا منہ تھا جس پر خوبی وبہار دوعالم نثار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،اور ۳ پاکی وقدوسی ہے اس کے وجہ کریم کے لئے،واللہ! اگر آج حجاب اٹھاویں تو ابھی کھلتا ہے کہ اس وجہ کریم پر امکان کذب کی تہمت کس قدر جھوٹی تھی،مخالف اسے دلیل خطابی کہے مگر میں اسے حجت ایقانی لقب دیتا اور مسلمانوں کی ہدایت ایمانی سے انصاف لیتا اور اپنے رب کے پاس اس دن کے لئے ودیعت رکھتا ہوں۔

"یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ"[1]، "یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾"[2]۔"اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿۸۹﴾"[3]۔	وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا،جس دن نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے،مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔(ت)

بااین ہمہ اگر مجال باز نہ آئے تو دلیل ہفتم میں وجہ دوم کہ بجائے خود دلیل مستقل تھی،اس کے عوض معدود جانے بہر حال تیس کا عدد کامل مانے۔

دلیل بست وہشتم:قال عزوجل:"وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾"[4] (اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے)**اقول: وباللہ التوفیق** آیہ کریمہ نص جلی کہ کذب الٰہی محال عقلی ہے،وجہ دلالت سنئے خادم تفسیر وحدیث وواقف کلمات فقہاء پر روشن کہ امثال عبارات اگرچہ بظاہر نفی مزیت غیر کرتی ہیں مگر حقیقۃً تفصیل مطلق ونفی برتر وہمسر کے لئے مسوق ہوتی ہیں۔سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب سے افضل ہیں

"وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ٚ"[5] یعنی صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے،"وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ"[6] **ای ھو احسن قولا من کل من عداہ** (اوراس سے زیادہ کس کی بات اچھی جو اللہ کی طرف بلائے،یعنی وہ دوسرے تمام سے قول میں خوبصورت ہے۔ت)علامۃ الوجود سیدی ابوالسعود علیہ الرحمۃ الودود تفسیر ارشاد میں زیر قولہ تعالٰی عزوجل"وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۹

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۸

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۸

[6] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۳

عَلَى اللهِ كَذِبًا" [1] (اللہ تعالٰی پر جھوٹ افترا بولنے والے سے کون بڑا ظالم ہے۔ت) فرماتے ہیں:

هو انكار واستبعاد لان يكون احد اظلم ممن فعل ذٰلك او مساويا له وان كان سبك التركيب غير معترض لانكار المساواة و نفيها يشهد به العرف الفاشي والاستعمال المطرد. فانه اذا قيل من اكرم من فلان اولا افضل من فلان فالمراد به حتما انه اكرم من كل كريم وافضل من كل فاضل. الايرى الى قوله عزوجل "لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾" بعد قوله تعالٰى "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللهِ كَذِبًا" الخ والسر في ذٰلك ان النسبة بين الشيئين انما تتصور غالبا لاسيما في باب المغالابة بالتفاوت زيادة ونقصانا فاذا لم يكن احدهما ازيد يتحقق النقصان لامحالة [2]۔	یہ انکار واستبعاد ہے کہ اس سے بڑھ کر یا اس کے مساوی کوئی ظالم نہیں ہو سکتا اگرچہ بظاہر ترکیب انکار و نفی مساوات پر ضرب نہیں لیکن اس پر مشہور عرف اور مسلمہ استعمال شاہد ہے مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے فلاں فلاں زیادہ بزرگ ہے یا فلاں سے کوئی افضل نہیں، تو اس سے یقینا مراد یہ ہے کہ ہر کریم سے اکرم اور ہر فاضل سے افضل ہے کیا رائے ہے اللہ تعالٰی کے اس فرمان مبارک میں "وہ یقیناً آخرت میں خسارے میں ہیں" جس کے بعد فرمایا ومن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا، اور اس میں راز یہ ہے کہ نسبت غالبا دو چیزوں کے درمیان خصوصا غلبہ میں تفاوت کے باب میں زیادتی اور نقصان میں متصور ہوتی ہے جب ان میں سے کوئی ایک زیادہ نہ ہو تو بہر حال نقصان کا ہی تحقق ہوگا۔ (ت)

تو لاجرم معنی آیت یہ ہیں کہ مولٰی عزوجل کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا اور پر ظاہر کہ صدق عــــہ کلام فی نفسہ اصلا قابل تشکیک نہیں کہ باعتبار ذوات قضایا خواہ اختلاف قدم وحدوث کلام یا بقا وفنائے سخن یا کمال ونقصان متکلم خواہ کسی وجہ سے اس میں تفاوت مان سکیں، سچی سچی باتیں مطابقت واقع میں سب یکساں اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے

عــــہ: الصدق تارة ينسب الى القول واخرى الى القائل والكلام ههنا في المعنى الاول فلا يذهبن هذا عنك ۱۲ منه۔	صدق کبھی قول کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی قائل کی طرف، واضح رہے یہاں گفتگو معنی اول میں ہے یہ بات ذہن نشین رہے ۱۲ منہ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۱

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۶/ ۲۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۱۹

سچ ہی نہ رہا، اصدق وصادق کہاں سے صادق آئے گا، یہ معنی اگرچہ فی نفسہٖ بدیہی ہیں مگر کلام واحد میں لحاظ کرنے سے ان اغبیاء پر بھی انکشاف تام پائیں گے جنھیں بدیہیات میں بھی حاجت شانہ جنبانی تنبیہ ہوتی ہے، قرآن عظیم نے فرمایا محمد رسول اللہ کہ ہم کہتے ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کیا وہ جملہ محمد رسول اللہ کہ قرآن میں آیا زیادہ مطابق واقع ہے اور ہم نے جو محمد رسول اللہ کہا کم مطابق ہے، حاشا کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا یا متعدد باتوں میں دیکھئے تو یوں نظر کیجئے، فرقان عزیز نے فرمایا: "وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا" [1] (اور اسے اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ت) ہم کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ الملك الحق المبين (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہی مالک حق واضح ہے۔ت) کیا وہ ارشاد کہ بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے، زیادہ سچا ہے، اور اس قول کے صدق میں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں معاذاللہ کچھ کمی ہے تو ثابت ہوا کہ اصدقیت بمعنی اشد مطابقۃ للواقع غیر معقول ہے، ہاں نظر سامع میں ایک تفاوت متصور اور اس تشکیک اصدق وصادق میں وہی مقصود معتبر جسے دو عبارتوں سے تعبیر کرسکتے ہیں، ایک یہ کہ وقعت وقبول میں زائد ہے مثلاً رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول اگر وہی بعینہٖ رسول سے ثابت ہوجائے قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون وطمانیت ہی اور پیدا کرے گا کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عشر نہ تھا اگرچہ بات حرف بحرف ایک ہے۔ دوسرے احتمال کذب سے ابعد ہونا مثلاً مستور کی بات سے عادل کی بات صادق تر ہے یعنی بہ نسبت اس کے احتمال کذب سے زیادہ دور ہے اور حقیقۃً تعبیر اول اسی تعبیر دوم کی طرف راجح کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمال کذب سے دوری ہوگی اسی درجہ وقعت ومقبولیت پوری ہوگی جب یہ امر ممہد ہوگیا تو آیہ کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ اللہ عزوجل کی بات ہر بات سے زیادہ احتمال کذب سے پاک ومنزہ ہے، کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہوسکتی اور شاید حضرات مخالفین بھی اس سے انکار کرتے کچھ خوف خدا دل میں لائیں، اب جو ہم خبر اہل تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہۃ بروجہ عادت دائمہ بدیہہ غیر متخلفہ علم قطعی یقینی جازم ثابت غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے جس میں عقل کسی طرح تجویز خلاف روا نہیں رکھتی اگرچہ بنظر نفس ذات خبر ومخبر امکان ذاتی باقی ہے کہ ان کا جمع علی الکذب قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں، تلویح میں ہے:

المتواتر یوجب علم الیقینی بمعنی ان العقل	متواتر سے علم یقین حاصل ہونے کا معنی یہ ہے کہ عقل یہ حکم

[1] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۵

یحکم حکما قطعیا بانھم لم یتواطؤا علی الکذب وان ما اتفقوا علیہ حق ثابت فی نفس الامر غیر محتمل للنقیض لابمعنی سلب الامکان العقلی عن تواطئھم علی الکذب[1] اھ ملخصًا۔	لگاتی ہے کہ ایسے لوگوں کا اتفاق کذب پر یقینًا نہیں ہوسکتا، جس پر ان کا اتفاق ہوا ہے وہ حق اور نفس الامر میں ثابت ہے اس میں نقیض کا احتمال نہیں ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ ان کے جھوٹ پر جمع ہونے کا امکان عقلی کا سلب ہوگیا ہے۔(ت)

مگر ایسا امکان منافی قطع بالمعنی الاخص بھی نہیں ہوتا کما حققہ فی المواقف وشرحھا واشار الیہ فی شرح المقاصد و شرح العقائد وغیرھما (جیسا کہ مواقف اور اس کی شرح میں ہے اور اس کی طرف شرح مقاصد اور شرح عقائد وغیرہ میں اشارہ ہے۔ت) اسے پیش نظر رکھ کر کلام باری تعالٰی کی طرف چلئے، امکان کذب ماننے کے بعد مباحث مذکورہ دلیل دوم وفرق امور عادیہ وارادہ غیبیہ سے قطع نظر بھی ہو تو غایت درجہ اس قدر کے کلام ربانی وخبر اہل تواتر کانٹے کی تول ہم پلہ ہوں گے، جیسا کہ احتمال کذب یعنی نافی قطع ومنافی جزم اس کلام پاک میں نہیں اس سے خبر تواتر کا بھی دامن پاک اور بنظر امکان ذاتی جو احتمال عقلی خبر تواتر میں ناشی وہ بعینہٖ کلام الٰہی میں بھی باقی، پھر کلام الٰہی کا سب کلاموں سے اصدق ہونا، اور کسی کی بات اس سے صدقاً بھی ہمسری نہ کرسکنا کہ مفاد آیہ کریمہ تھا معاذاللہ کب درست آیا بخلاف عقیدہ مجیدہ اہلسنت وقایۃ اللہ لھم دامت (ان کو اللہ تعالٰی کی حفاظت دائمی ہو۔ت) یعنی امتناع عقلی کذب الٰہی کہ اس تقریر پر کلام مولٰی جل وعلا میں کسی طرح احتمال کذب کا امکان نہیں بخلاف خبر تواتر کہ احتمال امکانی رکھتی ہے اور یہ بات قطعاً صرف اسی کے کلام پاک سے خاص، محال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیر خدا پر کذب محال عقلی ہوجائے عصمت اگر بمعنی امتناع صدور وعدم قدرت ہی لیجئے تاہم امتناع ذاتی نہیں کہ سلب عصمت خود زیر قدرت، اب بحمد اللہ شمس تابندہ کی طرح روشن درخشندہ صادق آیا کہ "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾"[2] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ت) اور العزۃ اللہ کیوں نہ صادق آئے کہ آخر "مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾"[3] (اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔ت) یہ دیکھو یہ منشاء تھا علماء کے اس ارشاد کا کہ زیر آیت کریمہ استدلال میں فرمایا کہ کوئی اس سے کیونکر اصدق ہوسکے کہ اس پر تو کذب محال اوروں پر ممکن والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] التلویح والتوضیح متن التنقیح الرکن الثانی فی السنۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۷

دلیل بست ونہم: قال المولٰی سبحانه وتعالٰی: "قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ "[1] (اے نبی! تو کافروں سے پوچھ کون ہے جس کی گواہی سب سے بڑی ہے۔ تو خود ہی فرما کہ اللہ)

اقول: اللہ کے لئے حمد ومنت کہ یہ آیہ کریمہ آیہ سابقہ سے بھی جلی واظہر، اور افادہ مراد میں اجلٰی وازہر، وہاں ظاہر نظر نفی اصدقیت غیر تھا اور اثبات اصدقیت کلام اللہ بحوالہ عرف یہاں صراحۃً ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل کی گواہیوں سے اکبر واعظم واعلٰی ہے، اب اگر **معاذاللہ** امکان کذب کو دخل دیجئے تو ہرگز شہادت الٰہی کو شہادت اہل تواتر پر تفوق نہیں کہ جو یقین اس سے ملے گا اس سے بھی مہیا اور جو احتمال اس میں باق اس میں بھی پیدا تو قرآن پر ایمان لانے والے کو یہی چارہ کہ مذہب مہذب اہل سنت کی طرف رجوع کرے اور جناب عزت کے امکان کذب سے براءت پر ایمان لائے، باقی تقریر دلیل مثل سابق ہے، **فافهم واعلم الله اعلم۔**

دلیل سیم: قال ربنا عز من قائل:

"وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾ "[2]	اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق وانصاف میں کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا جاننے والا۔

علماء فرماتے ہیں یعنی باری عزوجل کا کلام انتہا درجہ صدق وعدل پر ہے، جس کا مثل ان امور میں متصور نہیں، بیضاوی میں ہے:

بلغت الغاية اخباره واحكامه ومواعيده صدقا فی الاخبار والمواعيد وعدلا فی الانقضية والاحكام[3]۔	اللہ تعالٰی کی اخبار، احکام اور مواعید انتہائی کامل ہیں، اخبار مواعید صدق کے اعتبار سے اور قضایا واحکام عدل کے اعتبار سے۔ (ت)

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

المعنی انها بلغت الغاية القاصية صدقا فی الاخبار والمواعيد وعدلا فی الاقضية	مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے کلمات اخبار ومواعید میں صدق کے اعتبار سے اور قضایا واحکام میں

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۵

[3] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) مع القرآن الکریم تحت ۶/۱۱۵ النصف الاول مصطفی البابی مصر ص ۱۴۳

والاحکام لا احد یبدل شیئا من ذٰلك بما ھو اصدق واعدل ولا بما ھو مثلہ [1]۔	عدل کے اعتبار سے انتہائی درجہ پر ہیں اس سے بڑھ کر کوئی اصدق واعدل نہیں جو ان میں سے کسی حکم کو بدل ڈالے بلکہ ان کے مماثل بھی کوئی نہیں۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) صدق قائل کے لئے سات درجات ہیں:

درجہ اول: روایات وشہادات میں قطعاً کذب سے محترز ہو اور مخالف میں بھی زنہار ایسا جھوٹ روانہ رکھے جس میں کسی کا اضرار ہو اگرچہ اسی قدر کہ غلط بات کا بار کرانا مگر مزاحا یا عبثا ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے نہ سننے والا یقین لاسکے مثلاً آج زید نے منوں کھایا، آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے، ایسا[عـــہ] شخص کاذب نہ گنا جائے گا یا آثم ومردود الروایۃ نہ ہوگا تاہم بات خلاف واقع ہے اور محض فضول وغیر نافع، اگرچہ نفس کلام میں حکایت واقع، مراد نہ ہونے پر دلیل قاطع، ولہذا حدیث میں ارشاد فرمایا:

قال بعض اصحابہ فانك تداعبنا یارسول اللہ	آپ کے بعض صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ

عـــہ: قال الامام حجۃ الاسلام محمد بن الغزالی قدس سرہ العالی فی منکرات الضیافۃ من کتاب الامر بالمعروف من احیاء العلوم کل کذب لایخفی انہ کذب ولایقصد بہ التلبیس فلیس من جملۃ المنکرات کقول الانسان مثلا طلبتك الیوم مائۃ مرۃ، واعدت علیك الکلام الف مرۃ، ومایجری مجراہ ممایعلم انہ لیس یقصد بہ التحقیق فذلك لایقدح فی العدالۃ ولاترد الشہادۃ بہ [2]۔ ۱۲منہ	حجۃ الاسلام امام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم کی کتاب الامر بالمعروف میں منکرات ضیافت پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہر وہ کذب جس کا کذب ہونا مخفی نہ ہو اور اس سے کوئی فریب ودھوکا متصور نہ ہو تو وہ منکرات میں سے نہیں ہوگا مثلا انسان کہتا ہے میں نے آج تجھے سو دفعہ تلاش کیا، میں نے آج تجھے ہزار دفعہ کہا ہے یا ان کے قائم مقام الفاظ جن سے معلوم ہو کہ مقصود تحقیق نہیں تو یہ چیز عدالت پر قادح نہ ہوگی اور نہ ہی اس سے ایسے شخص کی شہادت مردود ہوگی ۱۲منہ (ت)

[1] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت ۶/ ۱۱۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۷

[2] احیاء العلوم کتاب الامر بالمعروف الباب الثالث مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۲/ ۳۴۱

فقال انی لا اقول الا حقا [1]۔ اخرجه احمد والترمذی باسناد حسن عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا: میں صرف حق ہی کہتاہوں، امام احمد اور ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرۃ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

درجہ ۲: ان لغو وعبث جھوٹوں سے بھی بچے مگر نثر یا نظم میں خیالات شاعرانہ ظاہر کرتا وہی جس طرح قصائد کی تشبیبیں ع

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول

(سعاد کی جدائی پر آج میرا دل مضطرب ہے۔ت)

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سعاد نامی تھی نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ اس پر مفتون، نہ وہ ان سے جدا ہوئی نہ یہ اس کے فراق میں مجروح، محض خیالات شاعرانہ ہیں، مگر نہ فضول بحث کہ تشخید خاطر وتشویق سامع وترقیق قلب وتزئین سخن کا فائدہ رکھتے ہیں تاہم ازانجا کہ حکایت بے محکی عنہ ہے: ارشاد فرمایا گیا: "وَمَاعَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَمَایَنۡۢبَغِیۡ لَهٗ" [2] نہ ہم نے اسے شعر سکھایا نہ وہ اس کی شان کے لائق۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

درجہ ۳: ان سے بھی تحریر مگر مواعظ وامثال میں ان امور کا استعمال کرتاہوں جن کے لئے حقیقت واقعہ نہیں جیسے کلیلہ دمنہ کی حکایتیں، منطق الطیر کی روایتیں، اگرچہ کلام قائل بظاہر حکات واقع ہے مگر تغلیظ سامع نہیں کہ سب جانتے ہیں وعظ ونصیحت کے لئے یہ تمثیل باتیں بیان کردی گئی ہیں جن سے دینی منفعت مقصود، پھر بھی انعدام مصداق موجود، ولہٰذا قرآن عظیم کو "اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۲۵﴾" [3] (پہلوں کے قصے۔ت) کہنا کفر ہوا جیسے آج کل کے بعض کفار لئام، مدعیان اسلام، نئی روشنی کے پرانے غلام دعوی کرتے ہیں کہ کلام عزیز میں آدم وحوا کے قصے شیطان وملک کے افسانے سب تمثیل کہانیاں ہیں جن کی حقیقت مقصود نہیں،

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلہ باب ماجاء فی المزاح امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۰، مسند امام احمد از مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۳۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۶۹

[3] القرآن الکریم ۶/ ۲۵

تعالٰی اللّٰہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا (ظالم جو کچھ کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی ذات گرامی اس سے کہیں بلند ہے۔ت)

درجہ ۴: ہر قسم حکایت بے محکی عنہ کے تعمد سے اجتناب کلی کرے اگرچہ برائے سہو وخطا حکایت خلاف واقع کا وقوع ہوتا ہو یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

درجہ ۵: اللہ عزوجل سہوا وخطا بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے کہ:

ان اللّٰہ تعالٰی یکرہ فوق سمائہ ان یخطأ ابوبکر الصدیق فی الارض [1]۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر والحارث فی مسندہ وابن شاہین فی السنۃ عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ تعالٰی آسمان کے اوپر اس بات کو نا پسند فرماتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ زمین پر غلطی کریں، اسے طبرانی نے معجم الکبیر میں، شیخ حارث نے مسند میں اور ابن شاہین نے السنۃ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ت)

درجہ ۶: معصوم من اللّٰہ ومؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوع بھی نہ رہے مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو یہ رتبہ حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلٰوۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

درجہ ۷: کذب کا مکان ذاتی بھی نہ ہو بلکہ اس کی عظمت جلیلہ وجالت عظیمہ بالذات کذب وغلط کی نافی ہو اور اس کی ساحت عزت کے گرد اس گردلوث کا گزر محال عقلی بہ نہایت درجات صدق ہے جس سے مافوق متصور نہیں اب آیہ کریمہ ارشاد فرمارہی ہے کہ تیرے رب کا صدق وعدل اعلٰی درجہ منتہی پر ہے تو واجب کہ جس طرح اس صدور ظلم وخلاف عدل باجماع اہلسنت محال عقلی ہے یونہی صدور کذب وخلاف صدق بھی عقلا ممتنع ہو، ورنہ صدق الٰہی غایت ونہایت تک نہ پہنچا ہوگا کہ اس کے مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہوگا یہ خود بھی محال اور قرآن عظیم کے خلاف، **فثبت المقصود والحمد اللّٰہ العلی الودود** (مقصود ثابت ہوگیا اور حمد اللہ بلند اور محبت فرمانے والے کے لئے ہے۔ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن معاذ بن جبل حدیث ۳۲۶۳۱ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۵۵۸، المعجم الکبیر بحوالہ الحارث حدیث ۱۲۴ المکتبۃ الفیصلیہ البیروت ۲۰/ ۶۸

تنبیہ: اقول: فرق ہے دلیل سمعی کے مناط استحالہ ومظہر استحالہ ہونے میں اول کے یہ معنی کہ استحالہ صدق آیت پر موقوف ہے یعنی ورود دلیل نے محال کردیا اگر سمع میں نہ آتا عقلاً ممکن تھا یہ استحالہ شرعی ہوگا، اور ثانی کا یہ حاصل کہ صدق آیت ماننا استحالہ پر موقوف یعنی اگر محال عقلی نہ مانئے تو مفاد آیت صادق نہیں آتا یہ استحالہ عقلی ہوگا، فقیر نے ان تینوں دلیل آخیرین میں یہی طریقہ برتا ہے، غایت یہ کہ کلام مقدمات مسلمہ پر مبنی ہوگا اس قدر دلیل کو عقلیت سے خارج نہیں کرتا **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) خلاصہ یہ کہ آیات ان اثبات ہیں نہ لم ثبوت، **والحمد ﷲ مالك الملکوت** (تمام حمد ملکوت کے مالک کی ہے۔ت) یہ بحمد اللہ تیس ۳۰ دلیلیں ہیں کہ عجالۃ حاضر کی گئیں، اور اگر غور استقصا کی فرصت ہوتی تو باری عزوجل سے امید زیادت تھی پھر بھی ع

در نہ خانہ اگر کسی ست یک حرف بس ست

(اگر خانہ میں کچھ ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے۔ت)

واللہ الھادی الی الحق المبین والحمد ﷲ رب العالمین۔	اللہ تعالٰی ہی واضح حق کی طرف رہنمائی فرمانے والا ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔(ت)

تنزیہ سوم [عہ] ردہذیانات امام وہابیہ میں

یامعشر المسلمین! ان ہمارے عنایت فرما مخالفین **ھداھم اللہ تعالٰی الی الحق المبین** (اللہ تعالٰی حق مبین کی طرف ان کی رہنمائی فرمائے۔ت) کا معاملہ سخت نازک مجملہ براہ سادگی ایک شخص کو امام بنالیا

[عہ]: **تنبیہ ضروری:** قطع نظر اس سے کہ ان کے امام کا رداُن کے ردکا امام ہے، بنظر نفس واقعہ فتنہ براہین بھی جس کے باعث یہ استفتاء میرٹھ سے آیا اور حضرت مولانا دام ظلہ العالی نے یہ جواب ہادی صواب رقم فرمایا اس تنزیہ کا لکھنا نہایت ضروری تھا کہ اس براہین قاطعہ **مالارادبہ ان یوصل** (جس کی مطلوب تک رسائی نہیں۔ت) کا یہ قول اسی امام الوہابیہ کی حمایت میں ہے انوار ساطعہ نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا تھا کہ کوئی جناب باری عزاسمہ کو امکانِ کذب کا دھبا لگاتا ہے[1] "اور براہین قاطعہ نے اسی کے درد حمایت وحمیت جاہلیت میں لکھا" مکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا[2] **الی آخر الجھالۃ الفاحشہ**"، تو اولاً بپاس امامت، ثانیاً بشرم حمایت ہر طرح ملا گنگوہی صاحب پر (بشرطیکہ یہ رسالہ قدسیہ دیکھ کر ہدایت نہ پائیں اور بعلت (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] البراہین القاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساڈھور ص ۲

[2] الانوار الساطعہ مع البراہین القاطعۃ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے بلاساڈھور ص ۲، ۳

اور پیش خویش آسمان بریں پر اٹھا کر رکھ دیا، اب اسکے خلاف کسی کی بات قبول ہونی تو بڑی بات، کان تک آئی اور طبیعت نے آگ لی، آہٹ ہوئی اور غصہ نے باگ لی، سننے سے پہلے ٹھہرا یا کہ ہر گز نہ سنیں گے، بگڑنے کی قسم بنائے نہ بنائیں گے، ان ہٹوں کا پاس ہدایت سے یاس دلا رہا ہے، مگر پھر بھی اظہار حق کے بغیر چارہ کیا ہے۔

من آنچہ شرط بلاغ ست با تو می گویم　　　　تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

(بات کا پہنچانا ضروری ہے میں نے وہ کر دیا اب تو میری بات سے نصیحت حاصل کرلے یا غصہ کرلے۔ت)

کاش خدا اتنی توفیق دے کہ اک ذرا دیر کے لئے تعصب و نفسانیت کو پان رخصت ملے قائل امام طریق ہے، معترض خصم فریق، ان حیثیتوں کے لحاظ سے نظر پچ کر چلے، پھر گوش ہوش کو اجازت شنیدن ہو، پھر میزان خرد کو حکم سنجیدن، اب اگر قول خصم قابل قبول ہو تو اتباع حق سے کیوں ناحق عدول ہو، ورنہ پھر وہی تو وہی تمھارے امام جو بادہ آج بکام ہے کل بھی در جام، اس چند ساعت میں نہ کچھ بنے بگڑے نہ رنگ امامت جما ہوا اکھڑے، ہاں اے وہ سوراخو جو سر کے دونوں جانب گوہر سماعت کے کان بنے ہو، جن پر ہوا کی موجیں نیسانِ سخن سے بارور ہو کر مہین مہین پھوہار سے آوازوں کا جھالا برساتی اور ان قدرتی سیپوں میں ان ننھی ننھی بوندیوں سے سننے کے موتی بناتی ہیں، کیا کوئی تم میں "اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ" [1] (کان لگائے اور متوجہ ہو۔ت) کے قابل نہیں۔ ہاں اے گوشت کے وہ صنوبری ٹکڑوں جو سینوں کے بائیں پہلوؤں میں ملک بدن کے تخت نشین ہو جن کی سرکار میں آنکھوں کے عرض بیگی کانوں کے جاسوس بیرونی اخبار کے پرچے سناتے اور خرد کے وزیر فہم کے مشیر اپنی روشن تدبیر سے نظم و نسق کے بیڑے اٹھاتے ہیں، کیا تم میں کوئی "يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ" [2] (کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) نجدیت نجدت و تہمت مکابرہ پر آئیں) اس تنزیہ کا جواب دینا بھی (اگر نفخ صور سے پہلے دے سکیں) نہایت ضروری و لازم ہے یہ تو کوئی مقتضائے غیرت نہیں کہ گھر بیٹھے حمایت امام کا بیڑا اٹھائے اور جب شیر شرزہ کا نعرہ جانگداز سنئے امام کو چھوڑ کر حمایت سے منہ موڑئے اور "اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ" [3] (میں تجھ سے بری ہوں مجھے ڈر ہے۔ت) کی ٹھہرائیے، والسلام ۱۲ منہ۔

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۶

کا قائل نہیں؟ جان برادر! یقین جان تعصب باطل واصرار عاطل کا وبال شدید ہے، آج نہ کھلا تو کل کیا بعید ہے، شب درمیان فردا "لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ"[1] (اگر ہم سنتے یا سمجھتے۔ت) کا، "هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ"[2] (یہ بڑی سختی کا دن ہے۔ت) الا "اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ"[3] (بیشک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے، کیا صبح قریب نہیں۔ت) اس دن "رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا"[4] (اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں۔ت) کا جواب "كَلَّا"[5] (ہرگز نہیں۔ت) ہوگا اور طعن بے امان "اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ"[6] (کیا تمھارے پاس کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا تھا۔ت) کے جگر دوز تیر میں بلا کا پلا، ابھی سویرا ہے ہوش سنبھالو، آنکھیں مل ڈالو، راستہ سوجھنے کی راہ نکالو، چل تو دیئے، یہ بھی دیکھتے ہو کہ اس جھگی اندھیری میں کس کے پیچھے ہو، جس نے نہ صرف ایک مسئلہ کذب باری بلکہ خوارج، روافض، معتزلہ، مریسیہ، ظاہریہ، کرامیہ وغیرہم طوائف ضالہ کی بدعات شنیعہ اوران کے علاوہ صدہا ضلالات قبیحہ قطعیہ کی خندقیں جھنکائیں، اور تمھیں ان قہروں ٹھوکروں ستم لغزشوں کی خبر تک نہ ہوئی، چشم فہم میں وہ بلا کی نیندیں جھک آئیں اور پھر گمان یہ کہ اس بیسٹر راہ کا ہدایت مآل ہیہات ہیہات کہاں ہدایت اور کہاں یہ چال،

؎ اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب کوّا کسی قوم کا رہبر ہو تو وہ انھیں ہلاکت کی راہ پر ہی لے جائیگا۔ت)

للہ اپنی حالت پر رحم کرو قبل اس کے کہ پھر معذرت "رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا"[7] (اے ہمارے رب! انھوں نے ہم کو بہکایا تھا۔ت) کام نہ آئے اور "لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ"[8] (میرے پاس نہ جھگڑو۔ت) کی غضب جھنجھلاہٹ "اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا"[9] (جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے۔ت) کا رنگ دکھائے "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ"[10] (اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔ت) فقیر اس تمہید حمید وتہدید رشید کو اپنا شفیع بنا کر مجال مقال میں قدم دھرتا اور دوڑتے دوڑتے نازک طبعوں گراں سمعوں، چیں بجبینوں، ناتواں بینوں سے کچھ

---

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۷۷

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۸۱

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۹و۱۰۰

[5] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۰۰

[6] القرآن الکریم ۶۷/ ۸

[7] القرآن الکریم ۷/ ۳۸

[8] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۸

[9] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۶

[10] القرآن الکریم ۷/ ۸۹

عرض کرتا ہے ؎

کہنے کو ان سے کہتا ہوں احوال دل مگر
ڈر ہے کہ شان ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

یا ایھاالقوم! ان حضرت امام اول وہابیت ہندیہ معلم ثانی طوائف نجدیہ کو اپنی اپچ کا مزہ مقدم تھا بیباک روی میں اپلے کا عالم تھا، زبان کے آگے بارہ ہل چلتے، جب ابلتے پھر کیا کسی کے سنبھالے سنبھلتے، جدھر جانکلے مسجد ہو یا دیر لگی رکھنے سے پورا بیر ؎

گہ بت شکنی گاہ بمسجد زنی آتش ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ ‌ از مذہب تو کافر مسلمان گلہ دارد

(کبھی تو بت توڑتا ہے اور کبھی مسجد جلاتا ہے، تیرے مذہب سے کافر و مسلمان دونوں کو گلہ ہے۔ت)

اسی لئے حضرت کی ایک کتاب میں جو کفر ہے دوسری میں ایمان، آج جو ولی ہے کل پکا شیطان، ایک انکھ سے راضی دوسری سے خفا، ایک پر میں زہر دوسرے میں شفاء، دور کیوں جائے ایک ہاتھ پر صراط ایک پر تقویت رکھ لیجئے، ایک دوسری کارد کردے تو سہی اب ایک بڑی مصلحت سے جس کے لئے حضرت نے اپنی تصانیف میں بڑے بڑے پانی باندھے، اور پیش خویش آہستہ آہستہ سب سامان کرلئے، جسے فقیر نے اپنے مجموعہ مبارکہ "البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ" مجلد سوم [عہ۱] فتاوٰی فقیر مسمی بہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ میں مفصل وملله بیان کیا۔ یہ سُوجھی کہ وہ مطلب نہ نکلے گا جب تک اللہ تعالٰی کا وجوب صدق باطل نہ ہو لہٰذا رسالہ "یکروزی" میں امکان کذب کے قائل ہوئے اور اس بیہودہ دعوے کے ثبوت کو بہزار جان کنی دو [۲] ہذیان بین البطلان ظاہر کئے:

ہذیان اول امام وہابیہ: اگر کذب [عہ۲] الٰہی محال ہو اور محال پر قدرت نہیں تو اللہ تعالٰی جھوٹ

عہ۱: اب الحمدلله وہ بارھواں ہے ۱۲

عہ۲: علمائے دین جوارشاد فرمایا کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ عزوجل پر محال، حضرت اس کے رد میں یوں اپنا خبث نفس ظاہر کرتے ہیں:

قولہ وھو محال لانہ نقص والنقص علیہ تعالٰی محال،

اقول: اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الٰہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد

قولہ یہ محال ہے کیونکہ نقص ہے اور اللہ تعالٰی پر نقص محال ہے۔

اقول: اگر محال سے مراد محقق لذاتہ ہے جو قدرت الٰہیہ کے تحت داخل نہیں تو ہم نہیں مانتے کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور ہوگا کیونکہ (باقی برصفحہ آئندہ)

بولنے پر قادر نہ ہوگا حالانکہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ سے بڑھ گئی، یہ محال ہے، تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو۔

ایھا المسلمون! حماکم اللہ شر المجون (اے اہل اسلام! اللہ تعالٰی اس خطرناک شر سے محفوظ فرمائے۔ت) للہ! بنظر انصاف اس اغوائے عوام وطغوائے تمام کو غور کرو کہ اس بس کی گانٹھ میں کیا کیا زہر کی پڑیا بندھی ہیں۔

اولا: دھوکا دیا کہ آدمی تو جھوٹ بولتے ہیں خدا نہ بول سکے تو قدرت انسانی اس کی قدرت سے زائد ہو حالانکہ اہل سنت کے ایمان میں انسان اور اس کے تمام اعمال واقوال واوصاف واحوال سب جناب باری عزوجل کے مخلوق ہیں، قال المولی سبحانہ وتعالٰی:

"وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۶﴾ "[1]۔	تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

انسان کو فقط کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے، اس کے سارے افعال مولٰی عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادہ وتکوین کے پلک مار سکے، انسان کا صدق وکذب کفر ایمان طاعت عصیان جو کچھ ہے سب اسی قدیر مقتدر جل وعلا نے پیدا کیا، اور اسی کی عمیم قدرت عظیم ارادت سے واقع ہوجاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر ملائکہ وانبیاء خارج از قدرت الٰہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقائے آں بر مخاطبین در قدرت اکثر افراد انسانی ست، کذب مذکور آرے منافی حکم اوست پس ممتنع بالغیر ست، ولہذا عدم کذب را از کمالات حضرت حق سبحانہ بیشمارند الخ[2]

یہ قضیہ غیر مطابق للواقع ہے اور اس کا القاء ملائکہ اور انبیاء پر قدرت الٰہیہ سے خارج نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی سے زائد ہوجائے کیونکہ قضیہ غیر مطابق للواقع، اور اس کا القاء مخاطبین پر اکثر افراد انسانی کی قوت میں ہے، ہاں کذب مذکور اس کی حکمت کے منافی ہے لہذا یہ ممتنع بالغیر ہے اور اسی لئے عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں الخ۔ (ت)

بقیہ عبارت سراپا شرارت زیر ہذیان دوم آئے گی ۱۲ **عفا اللہ تعالٰی عنہ۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳۷ /۹۶

[2] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ" [1]	تم نہ چاہوں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو پروردگار ہے سارے جہاں کا۔

ع اس کا چاہا ہوا ہمارا نہ ہوا

ماشئت کان وماتشاء یکون لامایشاء الدھر والافلاک

(جو تُو نے چاہا ہوگیا، جو آپ چاہیں گے وہ ہوجائے گا، نہیں ہوگا جو دہر اور افلاک چاہیں گے۔ت)

پھر کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ آدمی کا فعل قدرت الٰہی سے جدا ہے یہ خاص اشقیائے معتزلہ کا مذہب نامہذب ہے قرآن عظیم کا مردود و مکذب۔

ثانیاً اقول: اس ذی ہوش سے پوچھو انسان کو اپنا بڑا جھوٹ بولنے پر قدرت ہے **یا معاذ اللہ** اللہ عزوجل سے بلوانے پر، پھر قدرت عـــہ بڑھنا تو جب ہو تا کہ اللہ تعالٰی آدمی سے جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا اپنے کذب پر قادر نہ ہو تو انسان کو اس عزیل جلیل کے کذب پر کب قدرت تھی کہ قدرت الٰہی سے اس کی قدرت زائد ہوگئی ولکن

"وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ" [2] (لیکن "جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں"۔ت)

عـــہ: **فائدہ عائدہ ضروری الملاحظہ: ایہا المسلمون** پر ظاہر کہ قدرت بڑھنے کے یہ معنی کہ ایک شے پر اسے قدرت ہے اسے نہیں، نہ یہ کہ اسے جس شے پر قدرت ہے وہ تو اس کی قدرت میں بھی داخل، مگر ایک اور چیز اس کی قدرت سے خارج جوہر گز اس کی قدرت میں بھی داخل نہ تھی اسے قدرت بڑھنا کوئی مجنون ہی سمجھے گا، یہاں بھی دو چیزیں ہیں: **ایک** کذب انسان، وہ قدرت انسانی میں مجازاً ہے اور قدرت ربانی میں حقیقۃً۔ **دوم** کذب ربانی، اس پر قدرت انسانی نہ قدرت ربانی، تو انسان کی قدرت کس بات میں، معاذاللہ مولٰی سبحانہ وتعالٰی کی قدرت سے بڑھ گئی، ہوا یہ کہ ملاجی نے بغایت سفاہت وغباوت کہ تمغائے عامہ اہل بدعت ہے، یوں خیال کیا کہ انسان کو اپنے کذب پر قدرت ہے، اور بعینہٖ یہی لفظ جناب عزت میں بول کر دیکھا کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہئے ورنہ جو چیز مقدور انسان بھی ہو مقدور رحمٰن نہ ہوئی، ختم الٰہی کا ثمرہ کہ دونوں جگہ اپنے اپنے کا لفظ دیکھ لیا اور فرق معنی اصلا نہ جانا، ایک جگہ اپنے سے مراد ذات انسان ہے، دوسری جگہ ذات رحمٰن جل وعلا، پھر جو شے قدرت انسانی میں تھی قدرت ربانی سے کب خارج ہوئی، "كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ" [3] ۱۲منہ

---

[1] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

ثالثًا: حضرت کو اسی "یکروزی" میں یہ تسلیم روزی کہ کذب عیب ومنقصت ہے اور بیشک باری عزوجل میں عیب ونقصان آنا محال عقلی، اور ہم اسی رسالہ کے مقدمے میں روشن کرچکے محال پر قدرت ماننا الله عزوجل کو سخت عیب لگانا بلکہ اس کی خدائی سے منکر ہوجانا ہے، حضرات مبتدعین کے معلم شفیق ابلیس خبیث علیہ اللعن نے یہ عجز وقدرت کا نیا شگوفہ ان دہلوی بہادر سے پہلے ان کے مقتدا ابن حزم فاسد العزم فاقد الجزم ظاہر المذہب ردی المشرب کو بھی سکھایا تھا کہ اپنے رب کا ادب واجلال یکسر پس پشت ڈال کتاب الملل والنحل میں بک گیا کہ **انہ تعالٰی قادر ان یتخذ ولدا اذلو لك یقدر لکان عاجزا**[1] یعنی الله تعالٰی اپنے لئے بیٹا بنانے پر قادر ہے کہ قدرت نہ مانو تو عاجز ہوگا۔

تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا "لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْـًٔا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَ تَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾"[2]	ظالم جو کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے، بیشک تم حد کی بھاری بات لائے، قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گرجائیں ڈھے کر اس پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لئے اولاد بتائی اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے۔(ت)

سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی مطالب الوفیہ میں ابن حزم کا یہ قول نقل کرکے فرماتے ہیں:

فانظر اختلال ھٰذا المبتدع کیف غفل عما یلزم علی ھذہ المقالۃ الشنیعۃ من اللوازم التی لاتدخل تحت وھم وکیف فاتاہ ان العجز انما یکون لوکان القصور جاء من ناحیۃ القدرۃ عما اذاکان لعدم قبول المستحیل تعلق القدرۃ فلایتوھم عاقل ان ھذا عجز[3]۔	یعنی اس بدعتی کی بدحواسی دیکھنا کیونکر غافل ہوا کہ اس قول شنیع پر کیا کیا قباحتیں لازم آتی ہیں جو کسی وہم میں نہ سمائیں اور کیونکر اس کے فہم سے گیا کہ عجز تو جب ہو کہ قصور قدرت کی طرف سے آئے اور جب وجہ یہ ہے کہ محال خود ہی تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس سے کسی عاقل کو عجز کا وہم نہ گزرے گا۔

---

[1] الملل والنحل لابن حزم

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۸۹تا۹۲

[3] المطالب الوفیہ لعبدالغنی النابلسی

اسی میں فرمایا:

وبالجملة فذلك التقدير الفاسد يؤدی الی تخليط عظيم لا يبقی معه شیئ من الايمان ولامن المعقولات اصلا [1]۔	یعنی یہ تقدیر فاسد (کہ باری عزوجل محالات پر قادر ہے) وہ سخت درہمی وبرہمی کا باعث ہوگی جس کے ساتھ نہ ایمان کا نام ہے نہ اصلا احکام عقل کا نشان۔

اسی میں فرمایا:

وقع ھٰهنا لابن حزم هذيان بين البطلان ليس له قدوة ورئيس الاشيخ الضلالة ابليس [2]۔	یعنی سومسئلہ قدرت میں ابن حزم سے وہ بہکی بہکی بات کھلی باطل واقع ہوئی جس میں اس کا کوئی پیشوا نہ رئیس مگر سردار گمراہی ابلیس۔

کنزالفوائد میں فرمایا:

القدرة والارادة صفتان مؤثرتان و المستحيل لا يمكن ان يتأثربهما اذ يلزم ح ان يجوز تعلقها باعدام نفسها واعدام الذات العالية واثبات الالوهية لما لايقبلها من الحوادث و سلبها عن مستحقها جل وعلا فای قصور وفساد ونقص اعظم من هذا وهذا التقدير يودی الی تخليط عظيم وتخريب جسيم لايبقی معه عقل ولانقل ولاايمان ولا كفر ولعماءة بعض الاشياء من المبتدعة من هذا صرح بنقيضه فانظر عماهذا المبتدع كيف عمی يلزم علی هذا القول	یعنی قدرت اور ارادہ دونوں صفتیں مؤثر ہیں، اور محال کا ان سے متاثر ہونا ممکن نہیں ورنہ لازم آئے کہ قدرت وارادہ اپنے نفس کے عدم اور خود اللہ تعالٰی کے عدم اور مخلوق کو خدا کردینے اور خالق سے خدائی چھین لینے ان سب باتوں سے متعلق ہوسکے اس سے بڑھ کر کون سا قصور وفساد ونقصان ہوگا اس تقدیر پر وہ سخت درہمی اور عظیم خرابی لازم آئے گی، جس کے ساتھ نہ عقل رہے نہ نقل نہ ایمان نہ کفر، اور بعض اشقیائے بدمذہب کو جو یہ امر نہ سوجھا تو صاف لکھ گیا کہ ایسی بات پر خدا قادر ہے اب اس بدعتی کا اندھا پن دیکھو کیونکر اسے نہ سوجھیں وہ شناعتیں جو اس برے قول پر لازم آئیں گی جن کی طرف

[1] المطالب الوفية لعبد الغنی النابلسی

[2] المطالب الوفية لعبد الغنی النابلسی

الشنیع من اللوازم التی لایتطرق الیھا الوھم[1]۔	وہم کو بھی راستہ نہیں۔

مسلمان انصاف کرے کہ یہ تشنیعیں جو علماء نے اس بدمذہب ابن حزم پر کیں اس بدمشرب عدیم الحزم سے کتنی بچ رہیں،

"کَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ"[2] "وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىٕنِیْنَ ﴿۵۲﴾"[3]۔	ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات، ان کے ان کے دل ایک سے ہیں، اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔ (ت)

رابعاً اقول: العزۃ للہ، اگر دہلوی ملاکی یہ دلیل سچی ہو تو دو خدا، دس خدا، ہزار خدا، بیشمار خدا ممکن ہو جائیں، وجہ سنئے جب یہ اقرار پایا کہ آدمی جو کچھ کر سکے خدا بھی اپنی ذات کے لئے کر سکتا ہے، اور معلوم کہ نکاح کرنا، عورت سے ہم بستر ہونا، اس کے رحم میں نطفہ پہنچانا قدرت انسانی میں ہے تو واجب کہ ملاجی کا موہوم خدا بھی یہ باتیں کر سکے ورنہ آدمی کی قدرت تو اس سے بھی بڑھ جائے گی، اور جب اتنا ہو چکا تو وہ آفتیں جن کے سبب اہل اسلام اتخاذ ولد کو محال جانتے تھے، امام وہابیہ نے قطعاً جائز مان لیں۔ آگے نطفہ ٹھہرنے ور بچہ ہونے میں کیا زہر گھل گیا ہے، وہ کون سی ذلت وخواری باقی رہی ہے جن کے باعث انھیں مانتے جھجکنا ہوگا بلکہ یہاں آکر خدا کا عاجز رہ جانا تو سخت تعجب ہے کہ یہ تو خاص اپنے ہاتھ کے کام ہیں جب دنیا بھر میں بزعم ملاجی سب کے لئے اس کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں تو کیا اپنی زوجہ کے بارے میں تھک جائیگا آخر بچہ نہ ہونا یوں ہوتا ہے کہ نطفہ استقرار نہ کرے اور خدا استقرار پر قادر ہے، یا یوں کہ منی ناقابل عقد وانعقاد یا مزاج رحم مس کوئی فساد یا خلل آسیب مانع اولاد تو جب خدائی ہے کیا ان موانع کا ازالہ کر سکے گا، بہر حال جب امور سابقہ ممکن ٹھہرے تو بچہ ہونا قطعاً ممکن اور خدا کا بچہ خدا ہی ہوگا، **قال اللہ تعالٰی:**

قُلْ اِنْ عـــه كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ	تو فرماؤ اگر رحمان کے لئے کوئی بچہ ہے تو میں سب سے پہلے

عـــه: حمله السدی علی الظاھر وعلیه ھول فی تکملة المفاتیں والبیضاوی والمدارك وارشاد العقل وغیرھا ولاشك انه صحیح صاف لاغبار علیه فای حاجة الی ارتکاب تاویلات بعیدۃ ۱۲ منه	سدی نے اسے ظاہر پر محمول کیا اور اسی پر اعتماد ہے تکملۃ المفاتیں، بیضاوی، مدارک اور ارشاد العقل وغیرہا میں، اور بیشک یہ صحیح صاف ہے اس پر کچھ غبار نہیں تو پھر تاویلات بعیدہ کے ارتکاب کی کیا حاجت ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] کنز الفوائد

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۲

الْعٰبِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ " [1]	پوجنے والا ہوں۔

تو قطعاً دو خدا کا امکان ہوا اگرچہ منافی گیر ہو کر امتناع بالغیر ٹھہرے اور جب ایک ممکن ہو تو کروڑوں ممکن کہ قدرت خدا کو انتہا نہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

خامسا ملائے دہلی کا خدائے موہوم کہاں کہاں آدمی کی حرص کرے گا، آدمی کھانا کھاتا ہے، پانی پیتا ہے، پاخانہ پھرتا ہے، پیشاب کرتا ہے، آدمی قادر ہے کہ جس چیز کو دیکھنا نہ چاہے انکھیں بند کرلے، سننا نہ چاہے کانوں میں انگلیاں دے لے، آدمی قادر ہے کہ آپ کو دریا میں ڈوبو دے آگ سے جلالے، خاک پر لیٹے کانٹوں پر لوٹے، رافضی ہوجائے، وہابی بن جائے، مگر ملائے ملوم کا مولائے موہوم یہ سب باتیں اپنے لے کر سکتا ہوگا، ورنہ عاجز ٹھہرے گا اور کمال قدرت میں آدمی سے گھٹ رہے گا،

اقول غرض خدائی سے ہر طرح ہاتھ دھو بیٹھنا ہے نہ کرسکا تو حضرت کے زعم میں عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں کرسکا تو ناقص ہوا ناقص خدا نہیں۔ محتاج ہوا محتاج خدا نہیں۔ ملوث ہوا ملوث خدا نہیں۔ تو شمس ومس کی طرح اظہر واز ہر کہ دہلوی بہادر کا یہ قول ابتر حقیقۃً انکار خدا کی طرف منجر،

"مَاقَدَرُوااللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ ؕ" [2]. والعیاذ باللہ من اضلا الشیطن۔	انھوں نے اللہ تعالٰی کی صحیح قدر نہیں کی، اور شیطان کی گمراہی سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

مگر "سبحان ربنا" ہمارا سچا خدا سب عیبوں سے پاک اور قدرت علی المحال کی تہمت سراپا ضلال سے کمال منزہ عالم اور عالم کے اعیان اعراض، ذوات، صفات، اعمال، اقوال، خیر شر صدق کذب حسن قبیح سب اسی کی قدرت کاملہ وارادہ الیہ سے ہوتے ہیں نہ کوئی ممکن اس کی قدرت سے باہر نہ کسی کی قدرت اس کی قدرت کے ہمسر نہ اپنے لئے کسی عیب پر قادر ہونا اس کی شان قدوسی کے لائق و درخور،

تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا o وسبحن اللہ بکرۃ واصیلا، والحمد للہ حمد کثیرا۔	اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں، صبح وشام اللہ تعالٰی کی تقدیس و پاکیزگی ہے اور تمام اور کثیر حمد اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ (ت)

ثم اقول: ذہن فقیر میں ان پانچ کے علاوہ ہذیان مذکور پر اور ابحاث دقیقہ کلامیہ ہیں جن کے ذکر کے لئے مخاطب قابل فہم دقائق درکار نہ وہ حضرات جن میں اجلہ واکابر کا مبلغ علم سیدھی سیدھی

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۴

نفس عبارت مشکوٰۃ وغیرہ سن سنا کر اجازت وسند کی داد وستد تابہ اذلہ واصاغر چہ رسد، **امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولهم واللہ الهادی وولی الایادی** (ہمیں یہی حکم ہے کہ ہم لوگوں کی عقل کے مطابق کلام کریں، اللہ تعالٰی ہی ہادی اور مدد کا مالک ہے۔ت)

ہذیان دوم مولائے نجدیہ:

عدم کذب رااز کمالات حضرت حق سبحانہ می شمارند واورا جل شانہ بآں مدح می کنند بخلاف اخرس و جماد کہ ایشاں راکسے بعدم کذب مدح نمی کند وپرظاہر ست کہ صفت کمال ہمین ست کہ شخصے قدرت بر تکلم بکلام کاذب میدارد وبنا بررعایت مصلحت ومقتضی حکمت بتنزہ از شوت کذب تکلم بکلام کاذب نمی نماید ہماں شخص ممدوح می گردد وبسلب عیب کذب و اتصاف بکمال صدق بخلاف کسے کہ لسان اوماؤف شدہ باشد و تکلم بکلام کاذب نمی تواند کرد یاقوت متفکرہ اوفاسد شدہ باشد کہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع نمی تواند کرد یاشخصے کہ ہرگاہ کلام صادق مے گوید کلام مذکور ازوصادر می گردد وہرگاہ کہ ارادہ تکلم بکلام کاذب می نماید آواز او بند مے گردد یازبان او ماؤف می شود یاکسے دیگر دہن اور رابند می نماید یا حلقوم اور اخفہ می کنند یاکسے کہ چند قضایا صادقہ رایاد گرفتہ است واصلہ پر ترکیب قضایائے دیگر قدرت نمی دارد و بناء علیہ کلام کاذب ازوصادر نمے گردد ایں اشخاص مذکورین نزد عقلا قابل مدح می نشیند بالجملہ عدم تکلم کلام کاذب ترفعا عن عیب الکذب وتنزہا عن التلوث بہ از صفات مدح ست وبنا عجز از تکلم بکلام کاذب ہیچ گونہ از صفات مدائح نیست یامدح آں بسیار	عدم کذب کو اللہ تعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں اور اس جل شانہ کی اس کے ساتھ مدح کرتے ہیں بخلاف گونگے اور جماد کے، ان کی کوئی عدم کذب سے مدح نہیں کرتا اور یہ بات نہایت ظاہر ہے کہ کمال یہی ہے کہ ایک شخص جھوٹے کلام پر قادر تو ہو لیکن بنابر مصلحت اور بتقاضائے حکمت تقدس جھوٹے کلام کا ارتکاب اور اظہار نہ کرے ایسا شخص ہی سلب عیب کذب سے ممدوح اور کمال صدق سے متصف ہوگا بخلاف اس کے جس کی زبان ہی ماؤف ہو اور جھوٹا کلام کر ہی نہیں سکتا یا اس کی سوچ وفکر کی قوت فاسد ہو کر قضیہ غیر مطابق للواقع کا انعقاد نہیں کرسکتا یا ایسا شخص ہے جو کسی جگہ سچا کلام کرتا ہے، اس سے وہ صادر ہوتی ہے اور جس جگہ جھوٹا کلام کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی آواز بند ہوجاتی ہے یا اس کی زباں ماؤف ہوجاتی ہے، یا کوئی اس کا منہ بند کردیتا ہے یا اس کا کوئی گلا دبا دیتا ہے یا کسی نے چند سچے جملے رٹ لئے ہیں اور وہ دیگر جملوں پر کوئی قدرت ہی نہیں رکھتا اور اس بناء پر اس سے جھوٹ صادر ہی نہیں ہوتا، یہ مذکور لوگ عقلاء کے نزدیک قابل مدح نہیں ہیں بالجملہ عیب کذب سے بچنے اور اس میں ملوث ہونے سے محفوظ رہنے کے لئے جھوٹی کلام کا عدم تکلم صفات مدح میں سے ہے اور

ادون ست ازمدح اول [1] انتھی بلفظ الرکیک المختل۔	عاجز ہونے کی وجہ سے کلام کاذب سے بچنا کوئی صفات مدح میں سے نہیں یا اس کی مدح ہو بھی تو پہلے سے کم ہوگی (رکیک خلل پذیر عبارت ختم ہوئی) (ت)۔

اس تلمیع باطل وطویل لاطائل کا یہ حاصل بے حاصل کہ عدم کذب اللہ تعالٰی کے کمالات وصفات مدائح سے ہے اور صفت کمال وقابل مدح یہی ہے کہ متکلم باوجود قدرت بلحاظ مصلحت عیب وآلائش سے بچنے کو کذب سے باز رہے، نہ کہ کذب پر قدرت ہی نہ رکھے، گونگے یا پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ جھوٹ نہیں بولتا تولازم کذب الٰہی مقدور وممکن ہو۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) اس ہذیان شدید الطغیان کے شنائع ومفاسد حد شمار سے زائد مگر ان توسنیوں بدلگامیوں پر جو تازیانے بنگاہ اولین ذہن فقیر میں حاضر ہوئے پیش کرتاہوں **وباللہ العصمۃ فی کل حرف وکلمۃ** (ہر حرف اور کلمہ میں اللہ کی عصمت ہے۔ت)

تازیانہ ۱: اقول: العزۃ للہ والعظمۃ للہ واللہ الذی الا الہ الاھو (عزت اللہ تعالٰی کے لئے اور عظمت اللہ تعالٰی کے لئے ہے، اللہ کی ذات وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ت) "کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝" [2] (کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔ت) للہ! یہ ظلم شدید وضلال بعید تماشا کردنی کہ جابجا خود اپنی زبان سے کذب کو عیب ولوث کہا جاتاہے پھر اسے باری عزوجل کے لئے ممکن بتاتا اور اللہ کے جھوٹ نہ بولنے کی وجہ یہ ٹھہراتا ہے کہ حکیم ہے اور مصلحت کی رعایت کرتاہے لہٰذا **ترفعا عن عیب الکذب وتنزھا عن التلوث بہ** یعنی اس لحاظ سے کہ کہیں عیب دلوث سے آلودہ نہ ہوجاؤں کذب سے بچتاہے، دیکھو صاف صریح مان لیا کہ باری عزوجل کا عیب دار وملوث ہونا ممکن، وہ چاہے تو ابھی عیبی وملوث بن جائے، مگر یہ امر حکمت ومصلحت کے خلاف ہے اس لئے قصداً پرہیز کرتاہے **تعالٰی اللہ عما یقولون علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے کہیں بلند ہے جو یہ کہتے ہیں۔ت) اور خود سرے سے اصل مبنائے خود سری دیکھئے، ملائے مقبوح کا یہ املائے مقدوح اس کلام آئمہ کے رد میں ہے کہ کذب نقص ہے اور نقص باری تعالٰی پر محال، اس کے جواب میں فرماتے ہیں، محال بالذات ہونا ہمیں تسلیم نہیں بلکہ ان دلیلوں (یعنی دونوں ہذیانوں) سے ممکن ہے تو کیسی صاف روشن تصریح ہے کہ نہ صرف کذب بلکہ ہر عیب وآلائش کا خدا میں آنا ممکن، واہ بہادر! کیا نیم گردش چشم میں تمام عقائد تنزیہ وتقدیس کی جڑ کاٹ گیا، عاجز، جاہل،

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷، ۱۸

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

احمق، جاہل، اندھا، بہرا، ہکلا، گونگا سب کچھ ہونا ممکن ٹھہرا، کھانا، پینا، پاخانہ پھرنا، پیشاب کرنا، بیمار پڑنا، بچہ جننا، اونگھنا، سونا بلکہ مرجانا، مرکے پھر پیدا ہونا سب جائز ہوگیا، غرض اصول اسلام کے ہزاروں عقیدے جن پر مسلمانوں کے ہاتھ میں یہی دلیل تھی کہ مولٰی عزوجل پر نقص وعیب محال بالذات ہیں، دفعۃً سب باطل وبے دلیل ہو کر رہ گئے، فقیر تنزیہ دوم میں زیر دلیل اول ذکر کر آیا کہ یہ مسئلہ کیسی عظمت والا اصل دینی تھا جس پر ہزار ہا مسئلہ ذات وصفات بار عزوجل متفرع ومبنی، اس ایک کے انکار کرتے ہی وہ سب اڑ گئے، وہیں شرح مواقف سے گزرا کہ ہمارے لئے معرفت صفات باری کی طرف کوئی راستہ نہیں مگر افعال الٰہی سے استدلال یا یہ کہ اس پر عیوب ونقائص محال، اب یہ دوسرا راستہ تو تم نے خود ہی بند کردیا، رہا پہلا یعنی افعال سے دلیل لانا کہ اس نے ایسی عظیم چیزیں پیدا کردیں اور ان میں یہ حکمتیں ودیعت رکھیں، تو لاجرم ان کا خالق بالبداہۃ علیم وقدیر وحکیم ومرید ہے،

اقول اولا: یہ استدلال صرف انھیں صفات کمال میں جاری جن سے خلق وتکوین کو علاقہ داری باقی ہزار ہا مسائل صفات ثبوتیہ وسلبیہ پر دلیل کہاں سے آئے گی، مثلا مصنوعات کا ایسا بدیع ورفیع ہونا ہرگز دلالت نہیں کرتا کہ ان کا صانع صفت کلام یا صفت صدق سے بھی متصف، یا نوم واکل وشرب سے بھی منزہ ہے،

ثانیا: جن صفات پر دلالت افعال وہاں بھی صرف ان کے حصول پر دال، نہ یہ کہ ان کا حدوث ممنوع یا زوال محال، مثلا اس نظم حکیم وعظیم بنانے کے لئے بیشک علم وقدرت وارادہ وحکومت درکار مگر اس سے صرف بناتے وقت ان کا ہونا ثابت ہمیشہ سے ہونے اور ہمیشہ رہنے سے دلیل ساکت، اگر دلائل سمعیہ کی طرف چلیے۔

اقول اولا: بعض صفات سمع پر متقدم تو ان کا سمع سے اثبات دور کو مستلزم۔

ثانیا: سمع بھی صرف گنتی کے سلوب وایجابات میں وارد ان کے سوا ہزاروں مسائل کس گھر سے آئیں گے مثلا نصوص شرعیہ میں کہیں تصریح نہیں کہ باری عزوجل اعراض وامراض وبول وبراز سے پاک ہے، اس کا ثبوت کیا ہوگا۔

ثالثا: نصوص بھی فقط وقوع وعدم پر دلیل دیں گے، وجوب استحالہ وازلیت وابدیت کا پتا کہاں چلے گا مثلا "بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾"[1] "عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾"[2] (سب کچھ جانتا ہے، ہر شی پر قادر ہے۔ت) سے بیشک ثابت کہ اس کے لئے علم وقدرت ثابت یہ کب نکلا کہ ازل سے ہیں اور ابد تک رہیں گے، اور ان کا زوال اس سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

محال، یونہی "وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ"[1]۔ (اور وہ کھلاتا ہے اور کھانے سے پاک ہے۔ت) اور لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ "[2] (اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند۔ت) کا اتنا حاصل کہ کھاتا پیتا سوتا اونگھتا نہیں، نہ یہ کہ یہ باتیں اس پر ممتنع، ہاں ہاں ان سب امور پر دلالت قطعی کرنے والا ان تمام دعوائے ازلیت وابدیت ووجوب وامتناع پر بوجہ کامل ٹھیک اترنے والا ہزاروں ہزار مسائل صفات ثبوتیہ وسلبیہ کے اثبات کا یکبارگی سچا ذمہ لینے والا، مخالف ذی ہوش غیر مجنون ومدہوش کے منہ میں دفعۃً بھاری پتھر دے دینے والا نہ تھا مگر وہی دینی یقینی عقلی بدیہی اجماعی ایمانی مسئلہ کہ باری تعالٰی پر عیب ومنقصت محال بالذات۔جب یہی ہاتھ سے گیا سب کچھ جاتا رہا، اب نہ دین ہے نہ نقل نہ ایمان نہ عقل،

" اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ "[3] " كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ "[4]	ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔اللہ یوں ہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔(ت)

ہاں وہابیہ نجدیہ کو دعوت عام ہے اپنے مولائے مسلم وامام مقدم کا یہ ہذیان امکان ثابت مان کر ذرا بتائیں تو کہ ان کا معبود بول وبراز سے بھی پاک ہے یا نہیں۔حاش للہ! امتناع تو امتناع عدم وقوع کے بھی لالے پڑیں گے، آخر قرآن وحدیث میں تو کہیں اس کا ذکر نہیں، نہ افعال الٰہی اس نفی پر دلیل، اگر اجماع مسلمین کی طرف رجوع لائیں اور بیشک اجماع ہے مگر جان برادر! یہ بیشک ہم نے یونہی کہا کہ یہ عیب ہیں اور عیب سے تنزیہ ہر مسلمان کا ایمان تو قطعاً کوئی مسلم ان امور کو روانہ رکھے گا، جب عیب سے تلوث ممکن ٹھہرا تو اب ثبوت اجماع کا کیا ذریعہ رہا، کیا نقل وروایت سے ثابت کروگے، حاشا نقل اجماع درکنار سلفا وخلفا کتابوں میں اس مسئلے کا ذکر ہی نہیں، اگر کہئے بول وبراز کا وقوع ایسے آلات جسمانیہ پر موقوف جن سے جناب باری منزہ، **تو اولا:** ان آلات کے بطور آلات نہ اجزائے ذات ہونے کے استحالہ پر سوا اس وجوب تنزہ کے کیا دلیل جسے تمھارا امام ومولٰی روبیٹھا۔

ثانیا: توقف ممنوع آخر بے آلات زبان ومردمک وپردہ گوش کلام بصر وسمع ثابت، یونہی بے آلات

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

بول وبراز سے کون مانع، اسی طرح لاکھوں کفریات لازم آئیں گے کہ تمھارے امام کا وہ بہتان امکان تسلیم ہو کر قیامت تک ان سے مفرنہ ملے گی۔

کذلک، "لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ" [1]	اسی طرح کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا اگرچہ برا مانیں مجرم(ت)

مسلمانوں نے دیکھا کہ اس طائفہ تالفہ کے سردار وامام مدعی اسلام نے کیا بس بویا اور کیا کچھ کھویا اور لاکھوں عقائد اسلام کو کیسے ڈبویا، ہزاروں کفر شنیع وضلال کا دروازہ کیسا کھولا کہ اس کا مذہب مان کر کبھی بند نہ ہوگا۔ پھر دعوی یہ ہے کہ دنیا بھر میں ہمیں موحد ہیں باقی سب مشرک، سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعوی، اور ناقص وعیبی وملوث خدا کے پوجنے والے! کس منہ سے اپنے تراشیدہ موہوم کو حضرت سبحانہ کہتا ہے، سبحان اللہ وہی تو سبحانہ کے قابل جس میں دنیا بھر کے عیبوں آلائشوں کا امکان حاصل، العزۃ للہ میں اپنے رب ملک سبوح قدوس عزیز مجید عظیم جلیل کی طرف بہزار جان وصد ہزار جان براءت کرتا ہوں تیرے اس عیبی آلائش تراشیدہ معبود اور اس کے سب پوجنے والوں سے، مسلمانو! تمھارے رب کی عزت وجلال کی قسم کہ تمھارا سچا معبود جل وعلا، وہ پاک ومنزہ وسبوح وقدوس ہے جس کے لئے تمام صفات کمالیہ ازلاً ابداً واجب للذات اور اصلا کسی عیب دلوث سے ملوث ہونا جزماً قطعاً محال بالذات اس کی پاک قدرت اس ناپاک شناعت سے بری ومنزہ کہ معاذاللہ اپنے عیبی وناقص بنانے پر حاصل ہو، "فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِیْرُ" [2] (کیا ہی اچھا مولا اور کیا ہی اچھا مددگار۔ت) یہ ملائے ملوم کا مولائے موہوم تھا جو اپنے لئے عیوب وفواحش پر قدرت تو رکھتا ہے مگر لوگوں کے شرم ولحاظ یا ہمارے سچے خدا کے قہر وغضب سے ڈر کر باز رہتا ہے۔

"ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الْمَطْلُوْبُ" [3] "لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ" [4]۔	کتنا کمزور چاہنے والا اور جس کو چاہا، بیشک کیا ہی برا مولٰی اور بیشک کیا ہی برا رفیق۔(ت)

اوسفید ملوم کذب ظلوم الوہیت ومنقصت باہم اعلٰی درجہ تنافی پر ہیں، الٰہ وہی ہے جس کے لئے جمیع صفات

[1] القرآن الکریم ۸/۸

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۳

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۳

کمال واجب لذاتہ تو کسی عیب سے اتصاف ممکن ماننا زوال الوہیت کو ممکن جاننا ہے پھر خدا کب رہا،

"وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾" [1] (بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ت) عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تفسیر کبیر سے منقول ہوگا کہ باری تعالٰی کے لئے امکان ظلم ماننے کا یہی مطلب کہ اس کی خدائی ممکن الزوال ہے میں گمان نہیں کرتا کہ اس بیباک کی طرح (مسلمانوں کی تو خدا امان کرے) کسی سمجھ وال کافر نے بھی بے دھڑک تصریح کردی ہو کہ عیب دلوث خدا میں تو آسکتے ہیں مگر بطور ترفع یعنی مشیخت بنی رکھنے کے لئے ان سے دور رہتا ہے ___ صدق اللہ (اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا۔ت):

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾" [2] "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾" [3] والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی۔	اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی، بیشک آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔ (ت)

ثم اقول: طرفہ تماشا ہے کہ خدا کی شان معلم طائفہ کا تو وہ ایمان کہ خدا کے لئے ہر عیب کا امکان اور ارباب طائفہ یوں بے وقت کی چھیڑ کرنا حق ہلکان "کہ تمام امت عــہ کے خلاف حق تعالٰی کے عجز پر عقیدہ ٹھہرانا تو مؤلف کے پیشوایان دین کا ہے مؤلف اس پر اظہار افسوس نہیں کرتا [4]"۔ حضرت! ذرا گھر کی خبر لیجئے وہاں مولائے طائفہ عجز و جہل و ظلم و بخل وسفہ وہزل وغیرہا دنیا بھر کے عیب نقائص کے امکان کا ٹھیکا لے چکے ہیں پھر بفرض غلط

عــــہ: یہ عبارت براہین کے اسی صفحہ ۳ کی ہے جس کا خلاصہ صدر استفتاء میں گزرا یہاں ملاگنگوہی صاحب جناب مؤلف یعنی مکرمنا مولوی عبدالسمیع صاحب مؤلف انوار ساطعہ پر یوں منہ آتے ہیں کہ تم لوگ اللہ کا عجز مانتے ہو جو محال پر اسے قادر نہیں جانتے ہو اور ہم تو اس کے لئے جھوٹ وغیرہ سب کچھ جائز رکھتے ہیں تو عجز تو نہ ہوا اگرچہ خدائی گئی، ہزار تف اس بھونڈی سمجھ پر، رہا اس مغالطہ عجز کا دنداں شکن حل، وہ اس رسالہ مبارکہ میں جابجا گزرا، سبحان اللہ! محال پر قدرت نہ ہونے کو عجز جاننا الٰہی کیسے نا مشخص کی تشخیص ہے، واللہ الھادی ۱۲ عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[4] البراہین القاطعہ مسئلہ خلف وعید قدماء میں مختلف فیہ ہے مطبع لے ساڈھور ص ۳

اگر کسی نے ایک جگہ عجز مان لیا تو تمھارے امام کے ایمان[عـــہ۱] پر کیا بے جا کیا، ایک امر کہ خدا کے لئے اس سے کروڑ درجہ بدتر ممکن تھا، اس نے خرمن سے ایک خوشہ تسلیم کرلیا پھر کیا قہر کیا مگر تمھارا امام جو خدا کے ناقص عیبی ملوث آلائشی ہوسکنے پر ایمان لایا نہ یہ قابل افسوس نہ خلاف امت ہے، یہ تمھارے پیشوایان دین کی مت ہے، **معاذاللہ** اس امام کی بدولت طائفہ بیچارے کی کیا بری گت ہے،

ثم اقول: اس سے بڑھ کر مظلمہ حائفہ تناقض صریح امام الطائفہ اسی منہ سے خدا کے لئے عیب و تلوث ممکن مانتا ہے، اسی منہ سے کہتا ہے جھوٹ نہ بول سکے تو قدرت جو گھٹ جائے گی، جی گھٹ جائے گی تو کیا آفت آئے گی، آخر جہاں ہزار عیب ممکن تھے اینہم برعلم بس[عـــہ۲] ہے یہ کہ رب کریم رؤف ورحیم عزہ مجدہ اپنے اضلال سے پناہ میں رکھے اٰمین اٰمین بجاہ سید الھادین محمد الصادق الحق المبین، صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی الہ وصحبہ اجمعین۔

تازیانہ ۲: اقول: وباللہ التوفیق، ایھا المسلمون! حاشا یہ نہ جاننا کہ باری عزوجل کا عیوب و نقائص سے ملوث ہونا اس شخص کے نزدیک صرف ممکن ہی نہیں ہے، نہیں نہیں بلکہ یقینا اسے بالفعل ناقص جانتا اور کمال حقیقی سے دور مانتا ہے، اے مسلمان! کمال حقیقی یہ ہے کہ اس صاحب کمال کی نفس ذات مقتضی جملہ کمالات و منافی تولثات ہو اور قطعاً جو ایسا ہوگا اسی پر ہر عیب و نقصان محال ذاتی ہوگا کہ ذات سے مقتضائے ذات کا ارتفاع یکاذات یا منافی ذات کا اجتماع دونوں قطعاً بدیہی الامتناع، اور بیشک ہم اہلسنت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں، اور بیشک وہ سچے کمال والا ایسا ہی ہے، اس شخص نے کہ اس عزیز جلیل پر عیب و نقصان کا امکان مانا تو قطعاً کمالات کو اس کا مقتضائے ذات نہ جانا تو یہ کمال حقیقی سے بالفعل خالی اور حقیقۃً ناقص وفاقد مرتبہ عالی ہوا، آج وجہ معلوم ہوئی کہ یہ طائفہ تالفہ اپنے آپ کو موحد اور اہلسنت کو مشرک کیوں کہتا ہے، اس کے زعم میں اللہ عزوجل کے لئے اثبات کمالات واجبہ للذات شرک ہے کہ لفظ وجوب جو مشترک ہوجائے گا اگرچہ وجوب بالذات و وجوب للذات کا فرق اس طفل مکتب پر بھی مخفی نہیں جو اربعہ وزجیت کی حالت جانتا ہے، ولہٰذا اس فرقہ ضالہ نے باتباع کرامیہ کمالات الٰہیہ کو مقتضائے

عـــہ۱: وانتظر ماسنلقی علیك ان السفیه قائل بالامکان الوقوعی بالوقوع لابمجرد الامکان الذاتی ۱۲ منه سلمه اللہ تعالٰی

ہماری آئندہ گفتگو کا انتظار کرو یہ بیوقوف امکان وقوعی بلکہ وقوع کا قائل ہے نہ کہ محض امکان ذاتی کا، ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

عـــہ۲: ولاتنس ما اشرناك الیه ۱۲ منه۔

جس کی طرف ہم نے تمھیں متوجہ کیا ہے اسے مت بھولنا ۱۲ منہ (ت)

ذات نہ ٹھہرایا تو جیسے معتزلہ نے تعدد قدماء سے بچنے کو نفی صفات کی اور اپنا نام اصحاب التوحید رکھا، یونہی اس طائفہ جدید نے اشتراک لفظ وجوب سے بھاگنے کو نفی اقتضائے ذات کی اور اپنا نام موحد تراشا، **وفی ذلك اقول:** ؎

خَسِرَ الَّذِیْنَ بِالْاِعْتِزَا لِ وَبِالتَّوَهُّبِ جَاءُوا

ذَا اَھْلُ تَوْحِیْدٍ وَذَا كَ مُوَحِّدٌ غَوَاء

نعم القلوب تشابهت فتناسب الاسماء [1]

(خسارے میں مبتلا ہیں جو معتزلی اور وہابی بنے، معتزلی اہل توحید اور وہابی موحد گمراہ، ان کے دل ایک جیسے ہیں اور ناموں میں بھی مناسب ہے۔ت)

تنبیہ نبیہ: جہول سفیہ کو جب کہ اس کے استاذ قدیم ابلیس رجیم علیہ اللعن نے یہ نقصان و تلوث باری عزوجل کا مہلکہ سکھایا، تو دوسری کتاب افصاح الباطل مسمّٰی بہ ایضاح الحق میں ترقیق ضلال وشدت نکال کا رستہ دکھایا، یعنی اس میں نہایت دریدہ دہنی مسائل و تقدیس باری تعالٰی عزوجل کو جن پر تمام اہلسنت کا اجماع قطعی ہے صاف بدعت حقیقیہ بتایا، جری بیباک کی وہ عبارتِ ناپاک یہ ہے:

تنزیہ او تعالٰی از زمان و مکان و جہت و اثبات رؤیت بلاجہت و محاذات و قول بصدور عالم بر سبیل ایجاب و اثبات قدم عالم وامثال آں ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است اگر صاحب آں اعتقادات مذکورہ را از جنس عقائد دینیہ می شمارد [2] اھ ملخصا۔	زمان، مکان، جہت اور رؤیت بلاجہت و محاذات سے اللہ تعالٰی کو پاک کہنا اور جہاں کا صدور بطور ایجاب و عالم کا قدم ثابت کرنا اور ایسے دیگر امور یہ تمام حقیقی بدعات ہیں جبکہ مذکور اعتقاد والے لوگ ان مذکورہ امور کو دینی عقائد میں شمار کرتے ہیں اھ ملخصا (ت)

دیکھو کیسا بے دھڑک لکھ دیا کہ اللہ عزوجل کی یہ تنزیہیں کہ اسے زمانہ و مکان و جہت سے پاک جاننا اور اس کا دیدار بلاکیف حق ماننا سب بدعت حقیقیہ ہیں، سچ ہے جب اللہ تعالٰی کے لئے ہر عیب و آلائش کو ممکن ماننا سنت ملعونہ امام نجدیہ ہے تو اس عزیز مجید جل مجدہ کی تنزیہ و تقدیس آپ ہی بدعت حقیقیہ شریعت

[1] الدیوان العربی بساتین الغفران رضا دار الاشاعت لاہور ص ۱۴۷

[2] ایضاح الحق الصریح (مترجم اردو) فائدہ اول ان امور کا بیان جو بدعت حقیقیہ میں داخل ہیں قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۷۸، ۷۷

وہابیہ ہو گی، وہی حساب ہے ع

کہ تو ہم در میان ما تلخی

(کہ تو بھی مصیبت میں مبتلا ہے۔ت)

مشرکین بھی تو دین اسلام کو بدعت بتاتے تھے،

"مَاسَمِعۡنَابِهٰذَافِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۚ اِنۡ هٰذَآ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۚ" [1]	یہ تو ہم نے سب سے پچھلے دین نصرانیت میں بھی نہ سنی یہ تو نری نئی گھڑت ہے (ت)

خیر یہاں تک تو نری بدعت ہی بدعت تھی، آگے شراب ضلالت تیز و تند ہو کر اونچی چڑھی اور نشے کی ترنگ کیف کی امنگ دون پر آکر کفر تک بڑھی کہ اللہ عزوجل کا پاک و منزہ اور دیدار الٰہی کو بے جہت و مقابلہ ماننے کو مخلوقات کے قدیم جاننے اور خالق کو بے اختیار ماننے کے ساتھ گنا اور اسے ان ناپاک مسئلوں کے ساتھ کہ باجماع مسلمین کفر محض ہیں، ایک حکم میں شریک کیا، اب کیا کہا جائے سوا اس کے کہ "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾" [2] (اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، اچھے امام اور اچھے ماموم ع

مذہب معلوم و اہل مذہب معلوم

تازیانہ ۳: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) سفیہ سحیق کی اور جہالت وضلالت دیکھئے خود مانتا جاتا ہے کہ صدق اللہ عزوجل کی صفات کمالیہ سے ہے، حیث قال صفت کمال ہمیں ست [3] الخ (جہاں اس نے یہ کہا صفت کمال یہی ہے الخ۔ت) پھر اسے امر اختیاری جانتا ہے کہ باری تعالٰی نے باوجود قدرت عدم برعایت مصلحت بطور ترفع اختیار فرمایا، اہل سنت کے مذہب میں اللہ عزوجل کے کمالات اس کے یا کسی کے قدرت واختیار سے نہیں بلکہ باقتضائے نفس ذات بے توسط قدرت وارادہ واختیار اس کی ذات پاک کے لئے واجب ولازم ہیں نہ کہ **معاذاللہ** وہ اس کی صنعت یا ان کا عدم اسکے زیر قدرت، تمام کتب کلامیہ اس کی تصریح سے مالا مال، وہ احادیث وآثار تمھارے کان تک بھی پہنچے ہوں گے جن میں کلام الٰہی کو باختیار الٰہی ماننے والا کافر ٹھہرا ہے، اور عجب نہیں کہ بعض ان میں سے ذکر کروں، مجھے یہاں حیرت ہے کہ اس بیباک بدعتی کو کیونکر الزادم دوں، اگر یہ کہتا ہوں کہ صفات کمالیہ الٰہی کا اختیاری اور ان کے عدم کا زیر قدرت

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] رسالہ یکروزی (فارسی) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

باری نہ ہونا ائمہ اہلسنت کا مسئلہ اجماعی ہے تو اس نے جیسے اوپر مسائل اجماعیہ تنزیہ وتقدیس کو بدعت حقیقیہ لکھ دیا یہاں کہتے کون اس کی زبان پکڑتا ہے کہ ائمہ اہل سنت سب بدعتی تھے، اور اگریوں دلیل قائم کرتا ہوں کہ صفت کمال کا اختیاری اور اس کے عدم کا زیر قدرت ہونا مستلزم عیب ومنقصت ہے کہ جب کمال اختیاری ہوا کہ چاہے حاصل کیا یا نہ کیا تو عیب ونقصان روا ٹھہرا اور مولٰی سبحانہ وتعالٰی کا موصوف بصفات کمالیہ ہونا کچھ ضروری نہ ہوا تو یہ اس بدمشرب کا عین مذہب ہے وہ صاف لکھ چکا کہ باری عزوجل میں عیب وآلائش کا ہونا ممکن، مگر ہاں ان پیروؤں سے اتنا کہوں گا کہ آنکھ کھول کر دیکھتے جاؤں کس معتزلی کرامی کو امام جانتے ہو جو صراحۃً عقائد اجماعیہ اہل سنت وجماعت کو رد کرتا جاتا ہے، پھر نہ کہنا کہ ہم سنی ہیں۔

تنبیہ نبیہ: حضرت نے صفات کمالیہ باری جل وعلا کا اختیاری ہونا کچھ فقط صفت صدق ہی میں نہ لکھا بلکہ مستلزم علم الٰہی میں بھی اس کی تصریح کی، کتاب تقویۃ الایمان مسمّٰی بہ تقویت الایمان، ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

(سیاہ حبشی کا نام الٹ کر کافور رکھتے ہیں۔ ت)

میں صاف لکھ دیا: "غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہیئے کر لیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے"[1]

حاشا اللہ! اللہ عزوجل پر صریح بہتان ہے، دیکھو یہاں کھلم کھلا اقرار کر گیا کہ اللہ تعالٰی چاہے تو علم حاصل کر لے چاہے جاہل رہے، شاباش بہادر، اچھا ایمان رکھتا ہے خدا پر، اہل سنت کے مذہب میں ازلا ابدا ہر بات کو جاننا ذات پاک کو لازم ہے کہ نہ وہ کسی کے ارادہ واختیار سے نہ اس کا حاصل ہونا یا زائل ہوجانا کسی کے قابو واقتدار میں، پیروصاحبو! ذرا پیر طائفہ کی بدمذہبیاں گنتے جاؤ اور اپنے امام معظم کے لئے ہم اہلسنت کے امام اعظم ہمام امام الائمہ سراج الامہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشاد واجب الانقیاد کا تحفہ لو، فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

صفاتہ تعالٰی فی الازل غیر محدثۃ ولامخلوق فمن قال انہا مخلوقۃ او محدثۃ اووقف فیہا اوشك فیہا فھو کافر باللہ تعالٰی[2]۔	صفات الٰہی ازلی ہیں، نہ حادث نہ کسی کے مخلوق تو جو انھیں مخلوق یا حادث بتائے یا ان میں تردد کرے یا شک لائے وہ کافر ہے اور اللہ تعالٰی کا منکر۔

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی ردالاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴

[2] الفقۃ الاکبر مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۴

اقول: وجہ اس کی وہی ہے کہ صفات مقتضائے ذات توان کا حادث و قابل فنا ہونا ذات کے حدوث و قابلیت کو مستلزم، اور یہ عین انکار ذات ہے، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

تازیانہ ۴: اقول: وباللہ التوفیق جب صدق الٰہی اختیاری ہوا اور قرآن عظیم قطعًا اس کا کلام صادق، تو واجب کہ قرآن مجید اللہ تعالٰی کا مقتضائے ذات نہ ہو، ورنہ قرآن لازم ذات ہوگا اور صدق لازم قرآن اور لازم لازم لازم، اور لازم کا اختیاری ہونا بداہۃ باطل اور باجماع مسلمین جو کچھ ذات ومقتضائے ذات کے سوا ہے، سب حادث ومخلوق تو دلیل قطعی سے ثابت ہوا کہ مولائے وہابیہ پر قرآن عظیم کو مخلوق ماننا لازم، اس بارے میں اگرچہ حضرت عبداللہ بن مسعود [عہ۱] وعبداللہ بن عباس [عہ۲]، وجابر بن عبداللہ [عہ۳]، وابو درداء [عہ۴]، وحذیفہ بن الیمان [عہ۵]، وعمر بن حصین [عہ۶]، ورافع بن خدیج [عہ۷]، وابو حکیم شامی [عہ۸]، وانس بن مالک [عہ۹]، وابوہریرہ [عہ۱۰] دس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کی حدیثوں سے مروی ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قرآن مجید

عہ۱: الشیرازی فی الالقاب والخطیب ومن طریقہ ابن الجوزی بوجہ اٰخر ۱۲ منہ

شیرازی نے القاب میں، خطیب نے اور ابن جوزی نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۲: ابونصر السجری فی الابانۃ عن اصول الدیانۃ ۱۲ منہ۔

ابونصر السجری نے الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں ذکر کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۳: اخرج عنہ الخطیب ۱۲ منہ

ان سے خطیب نے نقل کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۴: الدیلمی فی مسند الفردوس ۱۲ منہ۔

دیلمی نے مسند الفردوس میں ذکر کیا ۱۲ منہ (ت)

عہ۵: الشیرازی فی الالقاب والدیلمی فی مسند الفردوس بوجہ اٰخر ۱۲ منہ

شیرازی نے القاب میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

عہ۶: الدیلمی من طریق الامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲ منہ

دیلمی نے امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے نقل کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۷: کالذی قبلہ ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی

یہ پہلے کی ہی مثل ہے ۱۲ منہ سلمہ اللہ تعالٰی (ت)

عہ۸: روی عنہ الخطیب ۱۲ منہ

خطیب نے ان سے نقل کیا ۱۲ منہ (ت)

عہ۹: الدیلمی وھو عند الخطیب بوجہ اٰخر ۱۲ منہ۔

دیلمی میں ہے اور خطیب نے اسے ایک اور سند سے بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

عہ۱۰: ابن عدی فی الکامل ۱۲ منہ

ابن عدی نے الکامل میں ذکر کیا ۱۲ منہ (ت)

کے مخلوق کہنے والے کو کافر بتایا، مگر از انجاکہ ائمہ محدثین کو ان عـــہ احادیث میں کلام شدید ہے، لہذا آثار و اقوال صحابہ کرام و تابعین عظام وائمہ اعلام علیہم رضا المنعام استماع کیجئے۔

(ارشاد اتا ۱۰) امام لالکائی کتاب السنہ میں بسند صحیح روایت کرتے ہیں:

انبأنا الشیخ ابو حامد بن ابی طاہر الفقیہ انبأنا عمر بن احمد الواعظ حدثنا محمد بن ھارون الحضرمی حدثنا القاسم بن العباس الشیبانی حدثنا سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار قال ادرکت تسعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقولون من قال القراٰن مخلوق فھو کافر [1]۔	ہمیں خبر دی شیخ ابو حامد بن ابی طاہر الفقیہ نے انھیں خبر دی عمر بن احمد الواعظ نے انھیں خبر دی محمد بن ہارون الحضرمی نے انھیں خبر دی قاسم بن عباس الشیبانی نے ان سے بیان کیا سفیان بن عیینہ نے کہ حضرت عمرو بن دینار فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نو صحابہ کو پایا کہ فرماتے تھے جو قرآن کو مخلوق بتائے وہ کافر ہے۔

عـــہ: البیھقی فی الاسماء والصفات اسانیدہ مظلمۃ لا ینبغی ان یحتج بشیئ منھا ولا ان یستشھد بھا [2] ابن الجوزی فی الموضاعات موضوع [3] الذھبی فی المیزان والحافظ فی اللسان والسخاوی فی المقاصد باطل [4] القاری فی المنح لااصل لہ [5] السیوطی فی اللاٰلی فما رأیت لھذا الحدیث من طب [6] ۱۲ منہ سلمہ ربہ۔	بیہقی نے "الاسماء والصفات" میں کہا ان میں سے کسی کے ساتھ بھی استدلال واستشہاد درست نہیں، ابن جوزی نے موضاعات میں موضوع قرار دیا ذہبی نے میزان میں اور حافظ نے لسان میں اور سخاوی نے مقاصد میں باطل کہا، علی قاری نے المنح میں کہا اس کی کوئی اصل نہیں، سیوطی نے اللآلی میں کہا میں نے اس حدیث کی کوئی صحت نہ پائی ۱۲ منہ سلمہ ربہ (ت)

[1] اللاّلی المصنوعۃ بحوالہ اللالکائی فی السنۃ کتاب التوحید دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸

[2] المقاصد الحسنہ بحوالہ الاسماء والصفات تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۴

[3] موضوعات ابن الجوزی کتاب التوحید دار الفکر بیروت ۱/ ۱۰۸

[4] المقاصد الحسنہ حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۴

[5] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر القرآن غیر مخلوق الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۶

[6] اللاّلی المصنوعۃ کتاب التوحید دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۶

(۱۱) بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ و عن آباءہ الکرام سے راوی کہ مخلوقیت قرآن ماننے والے کی نسبت فرماتے، **انہ یقتل ولایستتاب**[1] اسے قتل کیا جائے اوراس سے توبہ نہ لیں۔

(۱۲) اسی میں امام علی بن مدینی سے منقول: **انہ کافر**[2] (وہ کافر ہے۔ت)

(۱۳) اسی میں امام مالک سے مروی: **کافر فاقتلوہ**[3] کافر ہے اسے قتل کرو۔

(۱۴) جزء الفیل میں یحیٰی بن ابی طالب سے رایت:

من زعم ان القرآن مخلوق فھو کافر[4]۔ ذکر ھذہ الاربع مامر السخاوی فی المقاصد الحسنۃ۔	جو قرآن کو مخلوق کہے کافر ہے، (ان چاروں کا ذکر امام سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں کیا ہے۔ت)

(۱۵) ابن امام احمد کتاب السنہ میں فرماتے ہیں:

من قال القراٰن مخلوق فھو عندنا کافر لان القراٰن من صفۃ اللہ[5]۔	قرآن کو مخلوق کہنے والا ہمارے نزدیک کافر ہے کہ قرآن خدا کی صفتوں سے ہے۔

(۱۶) امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

من قال القراٰن مخلوق فھو زندیق[6]۔	جو قرآن کو مخلوق کہے وہ بے دین ہے۔

(۱۷) امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:

القرآن کلام اللہ من قال مخلوق فھو کافر[7].	قرآن کلام الٰہی ہے جو اسے مخلوق کہے کافر ہے۔

(۱۸) عبداللہ بن ادریس کے سامنے خلق قرآن ماننے والوں کا ذکر ہوا کہ اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں

---

[1] المقاصد بحوالہ البیہقی فی الاسماء والصفات تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[2] المقاصد الحسنہ بحوالہ علی ابن مدینی تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[3] المقاصد الحسنہ بحوالامام مالك تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[4] المقاصد الحسنہ بحوالہ جزء الفیل عن یحیٰی بن ابی طالب تحت حدیث ۷۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۰۵

[5] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[6] الحدیقہ الندیہ عبداللہ ابن مبارك کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[7] الحدیقۃ الندیۃ سفیان بن عینیہ کتاب السنۃ القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

فرمایا:

کذبوا لیس ھؤلاء بموحدین ھؤلاء زنادقۃ من زعم ان القراٰن مخلوق فقد زعم ان اللہ مخلوق ومن زعم ان اللہ مخلوق فقد کفر ھؤلاء زنادقۃ[1]۔	جھوٹے ہیں وہ موحد نہیں زندیق ہیں جس نے قرآن کو مخلوق کہا اس^{عـــہ} نے خدا کو مخلوق کہا اور جس نے خدا کو مخلوق کہا کافر ہوا، یہ بے دین ہیں۔

(۱۹تا۲۱) وکیع بن الجراح ومعاذ بن معاذ ویحیٰی بن معین فرماتے ہیں: **من قال القراٰن مخلوق فھو کافر**[2] (جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔ت)

(۲۲) ابن ابی مریم نے فرمایا: **من زعم ان القراٰن مخلوق فھو کافر**[3] (جو قرآن کو مخلوق مانے وہ کافر ہے۔ت)

(۲۳و۲۴) شبابہ بن سور وعبدالعزیز بن ابان قرشی فرماتے ہیں:

القرآن کلام اللہ ومن زعم انہ مخلوق فھو کافر[4]۔	قرآن کلام اللہ ہے جو اسے مخلوق مانے کافر ہے۔

(۲۵) امام یزید بن ہارون نے فرمایا:

واللہ الذی لا الٰہ الا ھوا الرحمن الرحیم عالم الغیب والشھادۃ من قال القراٰن مخلوق فھو زندیق[5]۔ اورد ھذہ الاواخر فی	قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں بڑا مہربان رحمت والا حاضر غائب سب سے خبردار کہ جو کوئی قرآن کو مخلوق کہے زندیق ہے (ان آخری اقوال کا

عـــہ: **اقول:** وجہ ملازمت ظاہر ہے کہ ہر مخلوق حادث اور قرآن لازم ذات اور حدوث لازم حدوث ملزوم کو مستلزم اور ہر حادث مخلوق تو خلق صفت ماننے کو خلق ذات ماننا لازم، حضرات نجدیہ غور کریں لازم شنیع یعنی **معاذاللہ** ذات باری کا حادث ومخلوق ہونا ان کے امام پر بھی لازم آیا یا نہیں غنیمت جانیں کہ لازم قول قول نہیں ہوتا ۱۲ **منہ دام فیضہ**

---

[1] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ عبداللہ بن ادریس القرآن کلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷

[2] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ وکیع بن الجراح ومعاذ بن معاذ ویحیٰی بن معین مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷،۵۸

[3] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ ابن ابی مریم القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۸

[4] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ شبابہ بن سوار وعبدالعزیز بن ابان القرشی القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۸

[5] الحدیقۃ الندیہ بحوالہ یزید بن ہارون القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۷،۵۸

الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة للعلامة النابلسی۔	تذکرہ علامہ نابلسی نے الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ میں کیا۔ت)

(۲۶) سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وصایا میں فرماتے ہیں:

من قال ان کلام اللہ مخلوق فھو کافر باللہ العظیم[1]۔	جو قرآن کو مخلوق کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

(۲۷) امام فخر الاسلام فرماتے ہیں:

قد صح عن ابی یوسف انه قال ناظرت اباحنیفة رحمه اللہ تعالٰی فی مسئلة خلق القراٰن فاتفق رأیی ورأیه علی ان من قال بخلق القراٰن فھو کافر[2]۔	امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے بروایت صحیحہ ثابت ہوا کہ انھوں نے فرمایا میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسئلہ خلق قرآن میں مناظرہ کیا بالاخر میری اور ان کی رائے متفق ہوئی کہ خلق قرآن ماننے والا کافر ہے۔

(۲۸) مولانا علی قاری شرح فقہ اکبر میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

صح ھذا القول ایضا عن محمد[3]۔	یہ قول امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی سے بھی بسند صحیح مروی ہوا۔

(۲۹و۳۰) فصر عمادی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

من قال بخلق القراٰن فھو کافر[4] الخ۔	جس نے قرآن کے مخلوق ہونے کا قول کیا وہ کافر ہے۔(ت)

(۳۱) خلاصہ میں ہے:

معلم قال تا قرآن آفریدہ شدہ است پنج شنبہ نہادہ شدہ است یکفر[5] الخ۔	اگر معلم نے کہا جب سے قرآن پیدا کیا گیا جمعرات بنائی گئی تو کافر ہوجائے گا الخ۔(ت)

---

[1] وصیت نامہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۲۹و۳۰

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فخر الاسلام القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مصطفی البابی مصر ص ۲۶

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ فخر الاسلام القرآن کلام اللہ غیر مخلوق مصطفی البابی مصر ص ۲۶

[4] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۶

[5] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الجنس التاسع فی القرآن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۸

(۳۲) خزانۃ المفتین میں ہے:

من قال بخلق القراٰن فھو کافر .سئل نجم الدین النسفی عن معلمة قالت تاقراٰں افریدہ شد است سیم پنچ شنبی استادنہادہ شدہ است .ھل یقع فی نکاحھا شبھة قال نعم لانھا قالت بخلق القرآن [1]۔	جس نے خلق قرآن کا قول کیا تو وہ کافر ہے۔امام نجم الدین نسفی سے ایک معلّمہ کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کہاجب قرآن پیدا کیا گیا تیسویں جمعرات استاد رکھا گیا اس معلّمہ کے نکاح میں کوئی شبہ واقع ہوگا؟ تو انھوں نے فرمایا: ہاں، کیونکہ اس نے خلق قرآن کا قول کیا ہے۔(ت)

ایہاالمسلمون! امام وہابیہ کے صرف ایک قول کے متعلق صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین وعلمائے دین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے یہ بتیس فتوے ہیں جن کی رو سے اس پر کفر لازم عـــہ، اور اس کے بہت سے اقوال کہ اس کے مثل یا اس سے بھی شنیع تر ہیں، ان کا کہنا ہی کیا ہے ع

قیاس کن زگلستان او بہارش را

(باغ پر اس کی بہار کو قیاس کرو۔ت)

اللھم انا نسئلك الختام علی الایمان والسنة، اٰمین اٰمین یاعظیم المنة۔	اے اللہ! ہم تجھ سے ایمان اور سنت پر خاتمہ مانگتے ہیں، اے عظیم احسان فرمانے والے! قبول فرما، قبول فرما! (ت)

یہ چار تازیانے خاص اس امر کے اظہار میں تھے کہ مولائے نجدیہ نے اس ایک قول میں کتنی کتنی بد مذہبیاں کیں، معتزلیت کرامیت وغیرہما کس کس طرح کی ضلالتیں لیں، کیسا کیسا عقائد اجماعیہ اہل سنت کو جھٹلایا، اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخی وبے ادبی کو کس نہایت تک پہنچایا، جب بحمد اللہ تضلیل مستدل سے فراغت پائی

عـــہ: لیحمدوا ان المحققین فرقوا بین اللزوم و الالتزام ثم الایکفیه مافی ھذا من خسار کامل وبوار تام والعیاذ باللہ ذی الجلال والاکرام ۱۲منه۔	محققین نے لزوم اور التزام کے درمیان فرق کیا ہے یہ غنیمت جانیں پھر کیا اسی میں کامل خسارہ اور مکمل ہلاکت کافی نہیں صاحب جلال واکرام ہی کی پناہ ہے ۱۲منہ (ت)

[1] خزانۃ المفتین فصل فی الفاظ الکفر قلمی نسخہ ۱/ ۱۹۷

بتوفیق تعالٰی تذلیل دلیل کی طرف چلئے یعنی اس ہذیان دوم میں جو اس نے امکان کذب باری پر ایک فریبی مغالطہ دیا، اس کارد بلیغ سنئے، ذرا اس کی تقریر مغالطہ پر پھر ایک نظر ڈال لیجئے کہ تازہ ہو جائے، حاصل اس کلام پریشان کا یہ تھا کہ عدم کذب باری تعالٰی کہ صفات کمال سے ہے، جس سے اس کی مدح کی جاتی ہے، در صفت عـــہ۱ کمال و قابل مدح ہے کہ کذب پر قادر ہو کر اس سے بچے، سرے سے قدرت ہی نہ ہوئی، تو عدم کذب میں کیا خوبی ہے، پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ یوہیں جو کذب کا ارادہ کرے مگر کسی مانع کے سبب بول نہ سکے عقلا اس کی بھی مدح نہ کریں گے۔ اب بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے تقوض اجماع لیجئے، پھر حل مغالطہ کا مژدہ دیجئے۔ واللہ الھادی وولی الایادی (اللہ تعالٰی ہی ہادی ہے اور مدد کا مالک ہے۔ ت)

تازیانہ ۵: رب عزوجل فرماتا ہے: "وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ "[1] میں بندوں کے حق میں ستمگر نہیں۔ اور فرماتا ہے: "وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ "[2] تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور فرماتا ہے: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ "[3] بیشک اللہ تعالٰی ایک ذرے برابر ظلم نہیں فرماتا۔

اقول: ان آیات میں مولٰی عزوجل نے عدم ظلم سے اپنی مدح فرمائی، کیوں عـــہ۲ ملاجی! بھلا جو ظلم پر

عـــہ۱: **اقول:** اس احمق کا سارا ہذیان دفع کرنے کو صرف اتنا جملہ کافی جو تنزیہ دوم میں زیر دلیل بست وچہارم گزرا کہ اللہ عزوجل پر ہر وہ شے بھی محال جو کمال سے خالی ہو اگرچہ نقص نہ رکھتی ہو ظاہر ہے کہ نفی کمال سے مدح ہونے سے رہی مدح اس کی نفی سے ہوگی جو کمال نہیں، اور جو کچھ نہیں وہ باری عزوجل کے لئے محال، ایمان ٹھیک ہو تو یہی دو حرف بس ہیں ۱۲ منہ

عـــہ۲: **بحمداللہ** یہ نقض نہ رفیع بدیع ملائے شفیع کی ساری تقریر فظیع کو سراپا حاوی جس سے اس کے ہذیانوں کا ایک حرف نہ بچ سکے، اس تقریر پریشان کو پیش نظر رکھ لیجئے اور یوں کہہ چلئے ظلم الٰہی محال نہیں ورنہ لازم آئے کہ قدرت انسانی قدرت ربانی سے زائد ہو کہ ظلم وستم اکثر آدمیوں کی قدرت میں ہے، ہاں ظلم خلاف حکمت ہے تو ممتنع بالغیر ہو، اسی لئے عدم ظلم کو کمالات حضرت حق سبحانہ سے گنتے اور اس سے اس کی تعریف کرتے ہیں۔ بخلاف شجر وحجر کہ انھیں کوئی عدم ظلم سے ستائش نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ صنعت کمال یہی ہے کہ ظلم پر قدرت تو ہو مگر برعایت مصلحت ومقتضائے حکمت الائش ستمگاری سے بچنے کو ظلم نہ کرے، ایسا ہی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۴۹

[3] القرآن الکریم ۴/ ۴۰

قدرت ہی نہ رکھے اس کی بے ظلمی کی کیا تعریف، یوں تو پتھر کی بھی ثنا کیجئے کہ ظلم نہیں کرتا، اسی طرح جو صوبہ چاہے مگر حاکم بالا کا خوف مانع آئے اسکی بھی مدح نہ کریں گے۔ تو لاجرم باری عزوجل کو ظلم پر قادر رکھئے گا، **سبحان اللہ!** تم سے کیا دور جب کذب وغیرہ وآلائش پر قدرت مان چکے تو ظلم میں کیا ستم رکھا ہے مگر اتنا سمجھ لیجئے کہ ظلم کہتے ہیں ملک غیر میں تصرف بے جا کو، جب باری سبحانہ و تعالٰی کو اس پر قادر مانئے گا تو پہلے بعض اشیاء کو اس کی ملک سے خارج اور غیر کی ملک مستقل مان لیجئے، مسلمانوں کو تو بزور زبان زور و بہتان مشرک کہتے ہو خود سچے پکے کافر بن جائے، **قال تعالٰی**:

" لِلّٰهِ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْاَرْضِ " [1] اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں۔ **وقال تعالٰی**:

" قُلْ لِّمَنْ مَّافِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ " [2] تو فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تو فرماؤ اللہ تعالٰی کا ہے، **وقال تعالٰی**: " اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ " [3] کیا ان کا ساجھا ہے آسمانوں میں، ولہذا اہل سنت وجماعت کا اجماع قطعی قائم کہ باری جل مجدہ سے ظلم ممکن ہی نہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

لایوصف اللہ تعالٰی بالقدرۃ علی الظلم لان المحال لایدخل تحت القدرۃ وعند	باری تعالٰی کو ظلم پر قادر نہ کہا جائے گا کہ محال زیر قدرت نہیں آتا، اور معتزلہ کے نزدیک قادر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شخص سلب عیب ظلم واتصاف کمال عدل سے ممدوح ہوگا بخلاف اس کے جس کے اعضاء وجوارح بیکار ہوگئے ہوں کہ ظلم کرہی نہیں سکتا یا قوت متفکرہ فاسد ہوگئی ہے کہ معنی ظلم سمجھنے اور اس کا قصد کرنے ہی سے عاجز ہے یا وہ شخص کہ جب عدل وانصاف کا حکم دے تو یہ حکم اس سے صادر ہو اور جب ظلم کا حکم چاہے آواز بند ہو جائے یا زبان نہ چلے یا کوئی منہ بند کرلے یا گلا دبادے یا ایک شخص کسی سے سیکھ کر حکم کرتا ہے آپ حکم دینا جانتا ہی نہیں اور وہ بتانے والا اسے احکام عدل وانصاف ہی بتاتا ہے اس وجہ سے ظلم صادر نہیں ہوتا، یہ لوگ عقلاء کے نزدیک قابل مدح نہیں بالجملہ عیب ظلم سے ترفع اور اس کی آلائش سے تنزہ کے لئے ظلم نہ کرنا ہی صفت مدح ہے اور عجز ہو تو کچھ مدح نہیں، یا اسکی مدح پہلے کی مدح سے بہت کم ہے **انتہٰی** ملاحظہ کیجئے نقض اسے کہتے ہیں کہ نام کو لگی نہ رکھے **واللہ الموفق ۱۲ منہ سلمہ**

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴ و ۴/ ۱۲۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۰ و ۴۶/ ۴

المعتزلة انه یقدر ولا یفعل[1]۔	ہے اور کرتا نہیں۔

بیضاوی وعمادی وغیرہما تفاسیر میں ہے:

الظلم یستحیل صدورہ عنه تعالٰی[2] اھ ملخصا۔	اللہ تعالٰی سے ظلم صادر ہونا محال ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے: الظلم محال منه تعالٰی[3] اللہ تعالٰی سے ظلم محال ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے:

الذی یدل علی ان الظلم محال من اللہ تعالٰی ان الظلم عبارة عن التصرف فی ملك الغیر، والحق سبحانه لایتصرف الافی ملك نفسه فیمتنع کونه ظالما وایضا الظالم لایکون الٰھا والشیئ لایصح الااذ کانت لوازمه صحیحة فلوصح منه الظلم لکان زوال الٰھیته صحیحا وذٰلك محال[4] اھ ملخصا۔	ظلم الٰہی محال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ظلم ملک غیر میں تصرف عـــہ۱ سے ہوتا ہے اور حق سبحانہ تعالٰی جو تصرف کرے یا اپنی ہی ملک میں کرتا ہے تو اس کا ظلم ہونا محال اور نیز ظالم عـــہ۲ خدا نہیں ہوتا اور شے جبھی ممکن ہوتی ہے کہ اس کے سب لوازم ذاتیہ ممکن ہوں، تو اگر ظلم الٰہی ممکن ہو تو لازم ظلم یعنی زوال الوہیت بھی ممکن ہو یہ محال ہے اھ ملخصًا۔

اسی میں زیر قوله تعالٰی "وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ"[5] الاٰیة لکھتے ہیں:

الظالم سفیه خارج عن الاُلٰھیة فلوصح	ظالم بے وقوف ہے خدائی سے خارج تو اگر خدا سے

عـــہ۱: لایخفی علی الفطن الفاھم فرق بین تعبیر الاصل وعبارة العبد المترجم ۱۲ منه	صاحب ذہن وفہم کے لئے اصل اور مترجم کی عبارت میں فرق واضح ہے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: یعنی ظلم والوہیت کا جمع ہونا ناممکن کہ ظلم عیب ہے اور الوہیت ہر عیب کو منافی تو صدور ظلم کو عدم الوہیت لازم ۱۲ منہ۔

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر باب لایوصف اللہ تعالٰی بالقدرة علی الظلم مصطفی البابی مصر ص ۱۳۸

[2] انوار التنزیل (بیضاوی) آل عمران آیة وما اللہ یرید ظلما للعلمین (نصف اول) مصطفی البابی مصر ص ۶۹

[3] روح البیان تحت آیة وما انا بظلام للعبید المکتبة الاسلامیه لصاحبها الریاض جزء ۲۶ ص ۱۲۶

[4] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) آیة ان اللہ لا یظلم مثقال ذرہ المطبعة البھیة المصریة مصر ۱۰/ ۱۰۲

[5] القرآن الکریم ۲۱/ ۴۷

منہ الظلم لصح خروج عن الالٰھیۃ [1]۔	ظلم ممکن ہو تو اس کا خدائی سے نکل جانا ممکن ہو،

تفسیر کبیر کی وہی عبارت ہے جس کا ہم تازیانہ اول میں وعدہ کر آئے تھے۔

تازیانہ ۶: قال ربنا تبارك وتعالٰی:

وقول "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا" [2]۔	تو کہہ سب تعریفیں اس خدا کو جس نے اپنے لئے بیٹا نہ بنایا۔

وقال تعالٰی حاکیا عن الجن:

"وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّ لَا وَلَدًا ۟ۙ" [3]۔	بے شک بڑی شان ہے ہمارے رب کی جس نے اپنے لئے نہ عورت اختیار کی نہ بچہ۔

اقول: ان آیات میں سبوح قدوس جل جلالہ نے یوں اپنی تعریف فرمائی، اب بھلا میاں جی کہیں اپنی دلیل سے چوکتے ہیں، ضرور کہیں گے کہ ان کا خدائے موہوم چاہے تو بیاہ کرے، بچے جنائے، مگر عیب ولوث سے بچنے کو فرد رہتا ہے، جب تو صفت مدح ٹھہری ورنہ سرے سے قدرت ہی نہ ہو تو خوبی ہی کیا ہے، یحیٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو فرمایا گیا: "سَیِّدًا وَّ حَصُوْرًا" [4] سردار اور عورتوں سے پرہیز رکھنے والا، احیز نامرد کی کون تعریف کرے گا کہ عورتوں سے بچتا ہے۔"

تازیانہ ۷: قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی: "وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ۟ۚ" [5] تیرا رب بھولنے والا نہیں،

اقول: اب دہلوی ملا اپنی ہذیانی دلیل کو آیہ کریمہ میں جاری کر دیکھئے، "رب تعالٰی ذکرہ، نے عدم نسیان سے اپنی مدح فرمائی او رصفت کمال و قابل مدح یہی ہے کہ باجود امکان نسیان عیب ولوث سے بچنے کو اپنے علوم حاضر رکھے، پتھر کی کوئی تعریف نہ کرے گا کہ یہ بات نہیں بھولتا حالانکہ عدم نسیان قطعاً اسے بھی حاصل، یوہیں اگر ایک شخص بالقصد کسی مسئلہ کو بھلا دینا چاہتا ہے اور عمداً اپنے دل کو اس کی یاد سے پھیرتا ہے، مگر جب بھولنے پر آتا ہے کوئی یاد لاتا ہے یوں بھلانے پر قدرت نہیں پاتا عقلا ایسے شخص کو بھی عدم نسیان سے مدح نہ کریں گے تو لاجرم

---

[1] المفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) آیہ نضع الموازین القسط یوم القیامۃ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۲۲/۱۷۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۳

[4] القرآن الکریم ۳/ ۳۹

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴

واجب کہ باری سبحانہ کا نسیان ممکن ہو اور وہ اپنے علوم بھلادینے پر قادر "**تعالٰی اللہ عن ذٰلك علوا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت)

تازیانہ ۸: آیہ کریمہ "**لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی**" [1] میرا رب نہ بہکے نہ بھولے، **اقول:** موسٰی کلیم علی سیدہ وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے عدم ضلال سے اپنے رب کی ثنا کی "اگر دہلوی میانجی کی دلیل سچی ہو تو لازم کہ باری عزوجل کا بہکنا ممکن ہو کہ مدح اسی میں ہے کہ باوصف امکان عیب ولوث سے بچنے کو ضلال میں نہ پڑے، اگر ضلالت پر قدرت ہی نہ پائی تو مجبوری کی بات میں تعریف کا ہے کی، پتھر کو کوئی نہ کہے گا کہ یہ راہ نہیں بھولتا یا جب پھینکتے ہیں تو سیدھا زمین ہی پر آتا ہے، کبھی بہک کر آسمان کو نہیں چلا جاتا، اسی طرح جب کوئی شخص بہکنے کو ہو تو راہ بتادی جائے، یوں بہکنے نہ پائے، اس میں بھی کوئی تعریف نہیں" یہ چار تازیانے نقض کے لئے بس ہیں، اور جو شخص طرز تصویر سمجھ گیا اس پر راہ اور نقوض کثیرہ کا استخراج عـــہ آسان۔

مگر انصاف یہ ہے کہ جو گستاخ دہن دریدہ حیا پریدہ اپنے رب کے لئے دنیا بھر کے عیب وآلائش روا کرچکا، اس سے ان استحالوں کا ذکر بے حاصل کہ وہ سہو وضلالت وجماع وولادت سب کچھ گوارا کرلے گا۔

تیر بر جاہ انبیا انداز　　طعن در حضرت الٰہی کن
بے ادب زی وآنچہ دانی گوئے　　بیحیا باش وہرچہ خواہی کن

(انبیاء علیہم السلام کے رتبہ پر تیر برسا، بارگاہ الٰہی میں طعن کر، بے ادب ہوجا پھر جو چاہے کہہ بیحیا ہوجا پھر جو چاہے کر۔ت)

تازیانہ ۹: اقول: ع

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگوئے
(اس کے تمام عیوب بیان کئے اب اسکے ہنر بھی بیان کر۔ت)

عـــہ: مثلاً قال اللہ تعالٰی: "**وَ مَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ**" [2] اللہ غافل نہیں تمھارے کاموں سے، تو ملاجی کے مسلک پر لازم کہ اس کی غفلت ممکن ہو، وقال اللہ تعالٰی:

"**اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ**" [3] الآیۃ۔	کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے اور نہ تھکا ان کے بنانے سے،

اب مُلّا جیل کہیں گے کہ خدا کا تھکنا بھی ممکن، وعلی ہذا القیاس ۱۲منہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۸۵ و ۱۴۰ و ۱۴۹ و ۳/ ۹۹

[3] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۳

جامعیت اوصاف عجب چیز ہے، اور مجموعہ کا فضل آحاد پر ظاہر، دہلوی ملا کو بھی اللہ عزوجل نے جامعیت اصناف بدعت عطا فرمائی تھی، دنیا بھر میں کم کوئی طائفہ ارباب ضلالت نکلے گا جس سے ان حضرت نے کچھ تعلیم نہ لی ہو، پھر ایجاد بندہ اس پر علاوہ، تو اس نئے فتنہ کو چاہے عطر فتنہ کہئے یا ضلالت کی گھانیوں کا عطر مجموعہ، اب یہ نفیس دلیل جو حضرت نے امکان کذب باری عزوجل پر قائم کی، حاشا ان کی اپنی تراشی نہیں کہ وہ دین میں نئی بات نکالنے کو بہت برا جانتے تھے بلکہ اپنے اساتذہ کاملہ حضرات معتزلہ خذلہم اللہ تعالٰی سے سیکھ کر لکھی ہے، ان خبیثوں نے بعینہٖ حرف بحرف اس دلیل سے مولٰی تعالٰی کا امکان ظلم نکالا تھا اور جو نقص فقیر نے ان حضرت پر کئے بعینہٖ ایسے ہی نقصوں سے ائمہ اہل سنت نے ان باپاکوں کا رد فرمایا، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں زیر قولہ عزوجل ان اللہ لایظلم مثقال ذرہ فرماتے ہیں:

قالت المعتزلہ الاٰیۃ تدل علی انہ قادر علی الظلم لانہ تمدح بترکہ ومن تمدح بترك فعل قبیح لم یصح منہ ذٰلك التمدح الااذاکان ھو قادرًا علیہ الاتری ان الزمن لایصح منہ ان یتمدح بانہ لایذھب فی اللیالی الی السرقۃ والجواب انہ تعالٰی تمدح بانہ لاتاخذہ سنۃ ولانوم ولم یلزم ان یصح ذٰلك علیہ وتمدح بانہ لاتدرکہ الابصار ولم یدل ذٰلك عند المعتزلۃ عـــہ علی انہ یصح ان تدرکہ الابصار[1]۔	یعنی معتزلہ نے کہا آیت مذکورہ دلالت فرماتی ہے کہ اللہ تعالٰی ظلم پر قادر ہے، اس لئے کہ رب عزوجل نے اس میں ترک ظلم سے اپنی مدح فرمائی ور کسی فعل قبیح کے ترک پر مدح جب ہی صحیح ہوگی کہ اسے اس کے کرنے پر قدرت ہو آخر نہ دیکھا کہ لنجھا اپنی تعریف نہیں کرسکتا کہ میں راتوں کو چوری کے لئے نہیں جاتا، اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی مدح میں فرمایا کہ اسے نیند آئے نہ غنودگی، حالانکہ معتزلہ کے ہاں بھی اللہ تعالٰی کے لئے یہ ممکن نہیں۔ اور اپنی مدح میں یہ بھی فرمایا کہ ابصار اس کا احاطہ نہ کرسکیں، حالانکہ یہ بھی ان کے ہاں ممکن نہیں (ت)

مسلمان دیکھیں کہ معتزلہ ذلیل کی یہ بیہودہ دلیل بعینہٖ وہی ہذیان ملائے ضلیل ہے یا نہیں۔ فرق یہ ہے کہ انھوں نے اس قدیم العدل پر تہمت ظلم رکھی، انھوں نے اس واجب الصدق پر افترائے کذب اٹھایا،

عـــہ: **اقول:** بل وعندنا ایضًا اذاکان الادراك بمعنی الاحاطۃ ۱۲منہ	میں کہتا ہوں بلکہ ہمارے نزدیک بھی جب ادراک بمعنی احاطہ ہو ۱۲ منہ (ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر کبیر) آیۃ ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ الخ المطبعۃ البھیۃ المصریہ مصر ۵/ ۱۰۲

انھوں نے بر تقدیر تنزہ اپنے رب کو لنجھے سے تشبیہ دی انھوں نے گونگے اور پتھر سے ملادیا، **وفی ذلك اقول**: (اسی میں میں نے کہا۔ت)ع

هم اٰمنوا ظلما ملیکهم ذا قائل کذبا بکذب عــــه الهه

لاغر وفیه اذالقلوب تشابهت فالشبه نزاع الی اشباهه [1]

(وہ ظالم اپنے مالک کے بارے میں ظلم پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ اپنے الہ لوکذاب کہتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے دل ایک جیسے ہیں اور وجہ شبہ اپنے مشابہات کی طرف کھینچنے والا ہوتا ہے۔ت)

اب ائمہ اہل سنت کا جواب سنئے، امام ممدوح فرماتے ہیں اس دلیل سے جواب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنی تعریف فرمائی کہ اسے غنودگی وخواب نہیں آتی اس سے یہ لازم نہ آیا کہ **معاذاللہ** یہ چیزیں اس کے لئے ممکن بھی ہوں اور اس نے اپنی تعریف فرمائی کہ نگاہیں اسے نہیں پاتیں اس سے معتزلہ کے نزدیک اس پر نظر پہنچنے کا امکان نہ نکلا **انتہی** کیوں ہم نہ کہتے تھے ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(تمام جو اوصاف رکھتے ہیں تو تنہا ان سے جامع ہے۔ت)

تازیانہ ۱۰: هو الحل اقول وبالله التوفیق

صفات مدائح کے درجات متفاوت ہیں بعض مدائح اولٰی ہوتے ہیں یعنی اعلٰی درجہ کمال، اور بعض تنزلی یعنی فائت الکمال کے مبلغ کمال، پھر یہ اسی کے حق میں مدح ہوں گے جو مدائح اولی نہیں رکھتا، صاحب کمال تام کا اس پر قیاس جہل و وسواس، مثلا عبادت وتذلل وخشوع وخضوع وانکسار وتواضع انسان کے مدائح جلیلہ سے ہیں اور باری جل شانہ پر محال، کہ ان کا مدح ہونا فوت کمال حقیقی یعنی معبودیت پر مبنی تھا، معبود عالم عزجلالہ کے حق عیب ومنقصت ہیں بلکہ اس کے لئے مدح تعالٰی وتکبر ہے جل وعلا سبحانہ وتعالٰی، یوہیں ترک نقائص ومعائب میں مخلوق کی مدح بالقصد باز رہنے پر مبتنی ہونا بھی اسکے نقصان ذاتی پر مبنی کہ وہ اپنی ذات میں سبوح وقدوس وواجب الکمال ومستحیل النقصان نہیں بلکہ جائز العیوب والقبوح ہے اور بنظر نفس ذات کے عیوب و نقائص سے

عــــه: قدمر ان القول بالامکان قول بالوقوع بل بالوجوب ۱۲منه

گزر چکا ہے کہ امکان کذب کا قول کذب کے وقوع بلکہ اس کے وجوب کو مستلزم ہے ۱۲منہ (ت)

[1] الدیوان العربی الموسوم بساتین فی الرد علی القائل بامکان کذب اللہ تعالٰی دار الاشاعت لاہور، مجمع بحوث الامام احمد رضا کراچی ص ۲۰۴

منافات نہیں رکھتا تو غایت مدح اس کے لئے یہ ہے کہ جہاں تک بنے اس ممکن سے بچے اور تلوث سے بھاگے، ولہذا جہاں بوجہ فقدان اسباب وآلات بعض معائب وفواحش کی استطاعت نہ رہے وہاں مدح بھی نہ ہوگی جیسے نامرد لنجھے اپاہج گونگے کا زنا کرنا، چوری کو نہ جانا، جھوٹ بولنا کہ مناط مدح کے دور بھاگنا اورت اپنے نفس کا باز رکھتا تھا یہاں مفقود، اور جب امکان ہے تو کیا معلوم کہ عصمت بی بی از بیچاری نہیں شاید اسباب سالم ہوتے تو مرتکب ہوتا، سفیہ جاہل نے اپنے رب جل وعلا کو بھی انھیں گونگوں لنجھوں بلکہ اینٹوں پتھروں پر قیاس کیا اور جب تک عیب ونقصان سے متصف نہ ہوسکے عدم عیب کو مدح نہ سمجھا حالانکہ یہ مدح اول وکمال حقیقی تھا کہ وہ اپنے نفس ذات میں متعالی وقدوس وسبوح وواجب الکمالات ومستحیل القبوح ہے تعالیٰ وتقدس تو یہاں عیب ممکن سے باز رہنے اور بطور ترفع بالقصد بچنے کی صورت ہی متصور نہیں، نہ حاش للہ یہ اس کے حق میں مدح بلکہ کمال مذمت وقدح ہے، **واللہ العزۃ جمیعا** (تمام عزت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ت) **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

تنبیہ نفیس: ایھا المسلمون! ایک عام فہم بات عرض کروں، سفیہ جاہل کا سارا مبلغ یہ ہے کہ کذب پر قدرت پا کر ہی اس سے بچنا صفت کمال ہے نہ کہ کذب ممکن ہی نہ ہوا، **اقول:** جب کذب ممکن ہوا تو صدق ضروری نہ رہا، اور جو ضروری نہیں وہ ممکن الزوال، تو حاصل یہ ہوا کہ کمال وہی ہے جسے زوال ہوسکے اور جو ایسا کمال ہو، جس کا زوال محال تو کمال ہی کیا ہے، سبحان اللہ! یہ بھی ایک ہی ہوئی، او احمق! کمال حقیقی وہی ہے جس کا زوال امکان ہی نہ رکھے، ہر کمال قابل زوال عارضی کمال ہے نہ ذاتی کمال، مسلمانو! للہ انصاف! باری عزوجل کا مصدق یوں ماننا کہ ہے تو سچا مگر جھوٹا بھی ہوسکتا ہے، یہ کمال ہوا یا یوں کہ وہ سبوح قدوس تبارک وتعالیٰ ایسا سچا ہے جس کا جھوٹا ہونا قطعاً محال، اہل اسلام ان دونوں باتوں کو میزان ایمان میں تول کر دیکھیں کہ کون گستاخ بے ادب اپنے رب کی تنزیہ کو بدعت وضلالت جاننے والا بحیلہ مدح اس کی مذمت وتنقیص پر اترتا ہے اور کون سچا مسلمان صحیح الایمان اپنے مولیٰ کی تقدیس کو اصل دین ماننے والا اس کے صدق ونزاہت وجملہ کمالات کو علی وجہ الکمال ثابت کرتا ہے **والحمد للہ رب العالمین وقیل بعدا للقوم الظلمین**۔

للہ الحمد اس عشرہ کاملہ نے ہذیان ناپاک گستاخ بیباک کی دھجیاں اڑادیں مگر ہنوزان کی نزاکتوں کو تو بس نہیں ع

صدہا سال می تواں سخن از زلف یار گفت

(زلف محبوب کے بارے میں سو سال بھی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ت)

ابھی حضرت کی اس چار سطری چار دیواری میں شواہد وزوائد وغیرہا مفاسد سے بہت ابکار افکار ستم کیش عیار، آہوان مردم شکار کی چھلبل نظر آتی ہے، جنھیں بے خدمت کامل تسکین بالغ ناشاد نامراد، سسکتا بلکتا چھوڑ جانا خلاف مروت وفتوت ذاتی ہے، لہٰذا اپنے سمند رَہوار، غضنفر خونخوار، صاعقہ برق بار کی دوبارہ عنان لیتا اور خامہ پختہ کار، شہزور شہسوار، شیر گیر ضیغم شکار کو از سر نو رخصت جولان دیتا ہوں **وباللہ التوفیق۔**

تازیانہ ۱۱: قولہ عدم کذب راز کمالات حضرت حق سبحانہ، می شمارند[1] (عدم کذب کو اللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی کے کمالات سے شمار کرتے ہیں۔ت)

اقول: اس ہوشیار عیار کی چالاکی دیدنی، صدق کو چھوڑا، عدم کذب پر مباحثہ چھیڑا تاکہ جماد وغیرہ کی نظریں جما سکے، ظاہر ہے کہ پتھر کو سچا نہیں کہہ سکتے مگر یہ بھی ٹھیک ہے کہ جھوٹا نہیں حالانکہ قلب حاضر اور عقل ناظر ہو تو فقیر ایک نکتہ بدیعہ القاء کرے سلب کیسی شی کا بنفسہ ہر گز صفت کمال نہیں ورنہ لازم آئے کہ معدومات کروڑوں اوصاف کمال سے موصوف اور اعلٰی درجہ مدح کے مستحق بلکہ باری تعالٰی کی تنزیہ وتقدیس میں اس کے شریک ہوں کہ بحالت عدم موضوع سب سالبے سچ ہیں جو سرے سے موجود ہی نہیں، وہ جسم بھی نہیں، جہت میں بھی نہیں، زمان میں بھی نہیں، مکان میں بھی نہیں۔ مصور بھی نہیں۔ محدود بھی نہیں۔ مرکب بھی نہیں، متجزی بھی نہیں، حادث بھی نہیں، متناہی بھی نہیں۔ کاذب بھی نہیں۔ ظالم بھی نہیں، مخلوق بھی نہیں، فانی بھی نہیں، ذی زوجہ بھی نہیں، ذی ولد بھی نہیں، اسے خواب بھی نہیں، اونگھ بھی نہیں، بلکنا بھی نہیں، بھول بھی نہیں۔ بیس یہ اور ان جیسے صدہا، اور سب صادق ہیں، مگر کوئی مجنون معرض مدح وبیان کمال میں آتا ہے جب کسی صفت کمال کے ثبوت پر مبنی اور صفت مدح سے منبئی ہو، ولہٰذا قضایائے مذکورہ باری عزوجل کے مدائح سے ہیں کہ ان چیزوں کا سلب اعظم صفات کمال یعنی وجوب کے ثبوت سے ناشی اور ان کے بیان سے اس کا سبوح وغنی وقدوس ومتعالی ہونا ظاہر، باری عزوجل کو کہنا کہ متجزی نہیں، بیشک مدح ہے کہ اس سے اس کا غنا سمجھا گیا اور نکتہ کو کہنے میں کچھ تعریف نہیں کہ اس کے لئے خوبی نہ نکلی کہ وہاں غنا در کنار متجزی محتاج کے محتاج المحتاج کی محتاجی ہے وعلی ہذا القیاس، جب یہ امر ممہد ہولیا تو ظاہر ہوگیا کہ حقیقۃً صدق صفت کمال ہے نہ مجرد عدم کذب جو معدومات بلکہ محالات کے بارے میں بھی صادق البتہ سلب کذب وہاں مفید مدح جہاں اس کا سلب ثبوت صدق کو مستلزم مثلاً زید عاقل ناطق کی تعریف کیجئے کہ جھوٹا نہیں۔ بیشک تعریف ہوئی کہ جھوٹا نہیں تو آپ ہی سچا ہوگا اور سچا ہونا صفت کمال، تو اس سلب نے ایک صفت کمال کا ثبوت بتایا، لہٰذا محل مدح میں آیا، جہاں ایسا نہ ہو وہاں زنہار مفید مدح مظہر کمال، یہ نکتہ بدیعہ ملحوظ رکھئے، پھر دیکھئے کہ عیار بہادر کی دی ہوئی نظیریں کیا کیا کئے کو پہنچتی ہیں۔ **واللہ الموفق۔**

---

[1] رسالہ یکروزی (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

تازیانہ ۱۲و۱۳: قولہ اخرس وجماد کہ کسے ایشاں رابعدم کذب مدح نمی کند[1] (گونگے اور جماد کی مدد عدم کذب سے کوئی نہیں کرتا۔ت)
اقول: دونوں نظیروں پر پتھر پڑے ہیں، گنگ وسنگ کی کیوں مدح کریں کہ وہاں سلب کذب ثبوت صدق سے ناشی نہیں، گونگہ یا پتھر اگر جھوٹا اگر جھوٹا نہ ہوا تو کیا خوبی کہ سچا بھی نہیں، تو وہ استلزام صفت کمال جو مبنائے مدح تھا منتفی، سر یہ ہے کہ منفصلہ حقیقیہ کے مقدم وتالی میں جب دو صفت مدح وذم محمول ہوں توجس فرد موضوع سے ذمیہ کو سلب کیجئے مدحیہ ثابت ہوگی کہ یہاں ہر ایک کا رفع دوسری کے وضع کو منتج مخلاف ان چیزوں کے جو زیر موضوع مندرج ہی نہیں، کہ ان سے دونوں محمول کا ارتفاع معقول، پھر سلب ذم ثبوت مدح پر کیونکر محمول، یہاں قضیہ **کل متکلم مخبر اما صادق واما کاذب** (ہر متکلم خبر دینے والا یا وہ صادق ہوگا یا کاذب۔ت) تھا اخرس وجماد پر سرے سے وصف عنوانی ہی صادق نہیں، پھر عدم کذب ان کے لئے کیا باعث مدح ہو، دیکھو اوذی ہوش! یہ فارق ہے نہ وہ کہ جب تک عیب ممکن نہ ہو کمال حاصل ہی نہیں **ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

تکمیل جمیل: اقول: او جھوٹی نظیروں سے بیچارے عوام کو چھلنے والے! اس تفرقہ کی سچی نظیر دیکھ مسلمان کو اہل بدعت کے بہتر فرقے پورا گنا کر کہئے رافضی، وہابی، خارجی، معتزلی، جبری، قادری، ناصبی وغیرہ نہیں تو بیشک اس کی بڑی تعریف ہوئی، اور بعینہ یہی کلمات کسی کافر کے حق میں کہئے تو کچھ تعریف نہیں حالانکہ یہ سالبہ قضیے دونوں جگہ قطعاً صادق، تو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان باوجود قدرت رافضی وہابی ہونے سے بچا لہٰذا محمود ہوا اور دونوں اس کافر کو رافضی وہابی ہونے پر قدرت ہی نہ تھی لہٰذا مدح نہ ٹھہرا، کوئی جاہل سے جاہل یہ فرق سمجھے گا بلکہ تفرقہ وہی ہے کہ جب یہ فرقے اہل قبلہ کے ہیں تو مسلمان کے حق میں ان بہتر کی نفی سنی ہونے کا اثبات کرے گی لہٰذا اعظم مدائح سے ہوا اور کافر سرے سے مقسم یعنی کلمہ گو ہی سے خارج، تو ان کی نفی سے کیس وصف محمود کا اس کے لئے اثبات نہ نکلا، ولہٰذا مفید مدح نہ ٹھہرا، **والحمد للہ علٰی اتمام الحجۃ ووضوح المحجۃ** (اتمام حجت اور غلبہ پر اللہ تعالٰی کی حمد ہے۔ت)

تازیانہ ۱۴: قولہ بخلاف کسے کہ لسان اوماؤف شدہ باشد تکلم بکلام کاذب نمی تواند کرد[2] (بخلاف اس کے جس کی زبان ہی ماؤف ہو اور وہ جھوٹا کلام کر ہی نہ سکے، ت) **اقول** اچھا ہوتا کہ تم بھی اسی کس کے مثل ہوتے کہ ایسے کاذب کلاموں کے بس تو نہ بوتے، اے عقلمند! وہ ماؤف اللسان تکلم، بکلام صادق بھی نہ کرسکے تو عدم مدح کی وہی وجہ کہ سلب کذب سے ثبوت صدق نہیں۔

تازیانہ ۱۵: قولہ یا قوت متفکرہ او فاسد شدہ باشد کہ عقد قضیہ غیر مطابق للواقع نمی تواند کرد[3] (یا اس کی سوچ وفکر کی قوت فاسد ہو کر قضیہ غیر مطابق للواقع کا انعقاد نہ کرسکے۔ت) **اقول:** تم سے بڑھ کر

---

[1] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸
[2] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸
[3] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷و۱۸

فاسد المتفکر کون ہوگا، پھر کتنے قضایائے باطلہ عقد کررہے ہو، بھلا حضرت کیا فساد متفکرہ صرف قضایائے کاذبہ ہی کے لئے ہوگا ورجب مطلقًا ہے تو عقد قضیہ پر بھی قدرت نہ ہوگی تو صراحۃً وہی فارق اور وہم زاہق، ہاں جس تام العقل سالم النطق کو لطف الٰہی صدق محض کی استطاعت دے کہ وجہ مانع غیبی اصدار کذب سے ممنوع و مصروف ہو تو یہ عدم کذب بیشک مدح عظیم ہوگا اسی وجہ سے کہ اب ثبوت صادقیت کبرٰی سے مبنٰی اور کمال جلیل یعنی عصمت من اللہ پر مبنی خلاصہ یہ کہ شخص مذکور اس طور پر زیر موضوع مندرج اور بطور فساد تفکر خارج، **فظهر التفرقة وذهب الوسوسة** (فرق ظاہر اور وسوسہ ختم ہوا۔ت)

تازیانہ ۱۶تا۱۹: قولہ یا شخصے کہ کلام صادق از وصادر می گردد وہر گاہ ارادہ کلام کاذب نماید آواز او بند میگردد یا زبان اوماؤف میشود یا کسے دہن او بند یا حقوق خفہ کند[1] (یا ایسا شخص ہے جو کسی جگہ سچا کلام کرتا ہے وہ اس سے صادر ہوتا ہے اور جب جھوٹا کلام کرتا ہے تو آواز بند ہوجاتی ہے یا زبان ماؤف ہوجاتی ہے یا کوئی اس کا منہ بند کردیتا ہے یا گلا دبادیتا ہے۔ت)

اقول: ایسا تو کیا کہوں جو آپ کی طبع نازک کو بلکل خفہ کند، ہاں اتنا کہوں گا کہ اب کی تو اچھل کر تارے ہی توڑ لائے، یہ چار نظیریں وہ بے نظیر دی ہیں کہ باید وشاید، او عقل کی پڑیا! جب وہ عزم تکلم بکذب کرچکا تو کلام نفسی میں کاذب ہوچکا اگرچہ بوجہ مانع صادر نہ ہوسکا ت واس کے عدم سے حکم کذب کیونکر در کار، کذب حقیقۃً صفت معانی ہے نہ وصف الفاظ پھر اسکی مدح کیا معنی قطعاً مذموم ہوگا بھلا لے دے کر اگلی نظیروں میں عدم کذب کی صورت تو تھی یہاں اللہ کی عنایت سے وہ بھی نہ رہی صریح کذب متحقق وموجود اور عدم کذب کی نظیروں میں معدود، جبھی تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی جب گمراہ کرتا ہے عقل پہلے لے لیتا ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

تازیانہ ۲۰: قولہ یا کسے کہ چند قضایائے صادقہ یاد گرفتہ واصلًا برترکیب قضایائے دیگر قدرت ندارد بناء علیہ تکلم بکاذب از وصادر نہ گردد[2] (یا کسی نے چند سچے جملے رٹ لئے ہیں دیگر جملوں پر وہ قدرت نہیں رکھتا ہے اس بناء پر اس سے جھوٹ صادر نہیں ہوتا ہے۔ت)

اقول یہ صورت بھی ویسا ہی فساد عقل کی ہے جس سے فقط حفظ صوادق کا شعبہ بڑھایا، مگر کام نہ آیا قطع نظر اس سے کہ یہ تصویر کیسی اور ایسے شخص سے حفظ قضایا معقول بھی ہے یا نہیں۔

اولا: انسان مرتبہ عقل بالملکہ میں بالبداہۃ ترکیب قضایا پر قادر، تو سرے سے تصویر ہی باطل، اور عقل ہیولانی میں کہ تعقل انطباعی نہیں ہوتا، اگر تعقل نسبت خبریہ معقول بھی ہو تاہم حکایت وقصد افادۃ قطعاً غیر معقول اور صدق کذب باعتبار حکایت ہی میں، نہ باعتبار مجرد علم، ورنہ **معاذاللہ** علم کواذب کاذب ٹھہرے، تو یہاں بھی سلب کذب سے ثبوت لازم نہ ہوا اور وہی فارق پیش آیا۔

---

[1] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[2] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

ثانیاً جو اصلا کسی قضیہ کا حتی کہ قضایائے وہمیہ واحکام شخصیہ بدیہیہ حسیّہ پر بھی قادر نہ ہو قطعاً مجانین بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اور جماد سے ملحق تو اس کا کلام کام نہ ہوگا، صورت بے صورت ہوگا اور صدق وکذب اولا بالذات صفت معانی ہے، نہ وصف عبارات، تو بات اگرچہ بایں معنی سچی ہو کہ سامع اس سے ادارک معنی مطلق للواقع کرے مگر اس سے اس جمادی آواز کرنے والے کا صدق لازم نہیں کہ معنی متصف بالصدق اس کے نفس سے قائم نہیں حتی کہ علماء نے کلام مجنون کو بھی خبریت سے خارج کیا، اور پر ظاہر کہ صدق وکذب اوصاف خبر ہیں، نہ شامل مطلق آواز، مولانا بحر العلوم قدس سرہ فواتح میں فرماتے ہیں:

الکلام الصادر عن المجنون لایکون مقصودا بالافادۃ فلایکون حکایۃ عن امر حتی یکون خبر[1]۔	پاگل سے صادر ہونے والا کلام مقصود کے لئے مفید نہیں ہوتا لہٰذا کسی امر (واقع) سے حکایت ہی نہیں حتی کہ اسے خبر قرار دیا جائے۔ (ت)

تنبیہ دائر وسائر بہ تسفیہ جلہ نظائر: **اقول**: **ایھا المسلمون**! سفیہ جاہل نے حتی الامکان اپنے رب میں راہ کذب نکالنے کو نو نظیریں دیں، مگر بحمد اللہ سب نے معنٰی ہم نے اس وقت تک ان کے رد میں اس مر پر بنائے کار رکھی کہ عدم کذب بنفسہ کمال نہیں۔ جب تک ثبوت کمال پر مبنی نہ ہو، اور یہاں ایسا نہیں اس کی سزا کو اسی قدر بس تھا۔ مگر غور کروکیجئے تو معاملہ اور بھی بالکل معکوس اور عقل مستشھد کا کاسہ منکوس اور تمام نظائر روبہ قفا ہیں یعنی یہاں عدم قدرت علی الکذب کا بربنائے کمال ہونا بالائے طاق الٹا بربنائے عیوب ونقائص ہے، کہیں عدم عقل کہیں عجز آلات، کہیں لحوق مغلوبی کہیں عروض آفات، پھر ایسا عدم کذب اگر ہوگا تو مورث ذم ہوگا نہ باعث مدح، یہ وجہ ہے کہ ان صور میں سلب کذب سے تعریف نہیں کرتے نہ وہ جاہلانہ وسفیہانہ خیال کہ عیب پر قدرت نہ ہونا مانع کمال، اب ختم الٰہی کا ثمرہ کہ سفیہ جاہل کہ خدا و جماد میں فرق نہ سوجھا، اس کا عدم کذب اس کے کمال عالی یعنی سبوحیت وقدوسیت بلکہ نفس الوہیت سے ناشی کہ الوہیت اپنی حد ذات میں ہر کمال کی مقتضی اور ہر نقص کی منافی اور ان کا کذب عیوب ونقائص پر مبنی پھر کیسی پرلے سرے کی کوری یا سینہ زوری کہ عین کمال کو کمال نقص پر قیاس کرے اور اینٹوں پتھروں کے عیوب ونقائص باری جل مجدہ کے ذمے دھرے، جاہل پر ایسی نظیر دینی لازم تھی جس میں عدم کذب باآنکہ کمال سے ناشی ہوتا پھر بھی بحالت عدم امکان مدح نہ سمجھا جاتا "وانی لہ ذلک" اب جو اس کا حامی بنے سب کو دعوت عام دیجئے کہ ایسی نظیر ڈھونڈ کر لاؤ، "فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا"[2] الایۃ (پھر اگر نہ کرسکو گے اور ہرگز نہ کرسکو گے۔ ت)

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الاصل الثانی السنۃ مشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۰۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

تنبیہ دوم: اقول: اس سے زائد قہر یہ ہے کہ اپنا لکھا خود نہیں سمجھتا، نظیریں دے کر بالجملہ کہہ کر آپ ہی خلاصہ مطلب یہ نکلتا ہے کہ عدم کذب اگر بربنائے عجز ہو تو مورث مدح نہیں، معلوم ہوا کہ ان نظائر میں تحقیق عجز وقصور پر مطلع ہے، پھر باری عزوجل کے عدم کذب کو ان سے ملاتا ہے حالانکہ وہاں عیب ومنقصت پر عدم قدرت زنہار عجز نہیں بلکہ عین کمال و مدحت، اور **معاذاللہ** داخل قدرت ماننا ہی صریح نقص ومذمت، یہ تقریر کافی ووافی طور پر مقدمہ رسالہ ونیز رد ثالث، ہذیان اول میں گزری اور وہیں یہ بھی بیان ہوا کہ عجز جب ہے کہ جانب فاعل قصور و کمی ہو جیسے اے سفیہ! ان تیری نظیروں کہ گنگ وسنگ اپنے نقصان کے باعث جھوٹ سچ کچھ نہیں بول سکتے، نہ یہ کہ جانب قابل نالائق ہو کہ تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا، جس طرح جناب باری عزوجل کا کذب وغیرہ تمام عیوب سے منزہ ہونا اسے ہرگز کوئی مسلم عاقل عجز گمان نہ کرے گا، یارب مگر ابن حزم سا کوئی ضال اجہل یا ان حضرت سا جاہل اضل، **وباللہ العصمة عن موقع الزلل والحمد للہ الاعز الاجل** (پھسلنے کے مواقع سے اللہ ہی کی طرف سے حفاظت ہوتی ہے اور تمام حمد اللہ غالب وبزرگ تر کے لئے ہے۔ت)

بحمداللہ یہ صرف نظار پر تازیانوں کا دوسرا عشرہ کاملہ تھا، بلکہ خیال کیجئے تو یہاں تک اسی مسئلہ کے متعلق سفاہات شریفہ پر سات تازیانے اور گزرے، تازیانہ [۱] اول دوسرا، **ثم اقول:** (میں پھر کہتا ہوں۔ت) جس نے حضرت کا تناقص بتایا، اور [۲] دوم [۳] سوم و [۴] دہم کے بعد کی تنبیہات اور [۵] بستم کا ثانیا اور اس کے بعد کی دو [۶] تنبیہیں، یہ ساتوں جداگانہ تازیانے تھے، توحقیقۃً عشرہ اولٰی میں چودہ [۱۴] اور ثانیا میں تیرہ [۱۳] کل ستائیس [۲۷] تازیانے یہاں تک ہوئے چلتے وقت کے تین [۳] اور لیتے جائیے کہ تیس [۳۰] کا عدد جو دونوں تنزیہ سبق میں بھی ملحوظ رہا ہے پورا ہو جائے، خصوصاً ان میں ایک تو ایسا شدید کامل جس سے جان بچانی مشکل جو آپ کا خلاصہ طلب کھولے اصل مذہب سر چڑھ کر بولے **وباللہ التوفیق واضافة التحقیق** (توفیق اور حصول تحقیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت)

تازیانہ ۲۸: اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) شاطر عیار نے اگرچہ بظاہر اغوائے جہال کہ عوام اہل اسلام اپنے رب ذوالجلال والاکرام کے حق میں صریح دشنام سن کر بھڑک نہ جائیں، مطلب دل کے روئے زشت پر پردہ ڈالنے کو براہ تقیہ کہ روافض سے بڑھ کر اصل اصیل مذہب نجدیہ ہے، یہ کلمات بڑھا دئے کہ "کذب مذکور آرے منافی حکمت اوست پس ممتنع بالغیر ست [1]" (ہاں کذب مذکور اس کی حکمت کے منافی ہے لہٰذا یہ کذب ممتنع بالغیر ہے۔ت) مگر اس کے ساتھ ہی جوم ذہب خفیہ جوش پر آیا اور نظیریں دینے کا شوق گرمایا تو کھلے بندوں علانیہ بتایا کہ کذب الٰہی میں اصلا امتناع بالغیر کی بو بھی نہیں قطعاً جزماً جائز و قوعی ہے جس کے وقوع میں استحالہ عقلی وشرعی درکنار استعباد عادی کا بھی

---

[1] رسالہ یک روزہ شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

نام ونشان نہیں۔ ثبوت لیجئے اگر اس کے مذہب میں کذب الٰہی ممکن بالذات و ممتنع بالغیر ہوتا تو نظیریں وہ دیتا جن میں ممتنع بالذات ہو کہ دیکھو جہاں امتناع ذاتی ہوتا ہے عدم کذب باعث مدح نہیں ہوتا اور باری عزوجل کے لئے مدح ہے تو اس کے حق میں امتناع ذاتی نہیں، مگر برخلاف اس کے مثالیں وہ دیں جن میں امتناع ذاتی کا پتہ نہیں، مثلاً جس کا منہ بند کرلیں یا گلا گھونٹ دیں اور اس وجہ سے وہ جھوٹ نہ بول سکے تو پر ظاہر کہ بولنے پر یقیناً قادر، اگر بالفرض امتناع ہے تو اس عارض کی وجہ سے تو نہ ہوا مگر امتناع بالغیر امام نجدیہ اسے بھی مانع مدح جان کر باری عزوجل سے صراحۃ سلب کرتا ہے پھر کیوں منافقانہ کہا تھا، "ممتنع بالغیر ست" (کذب باری تعالٰی ممتنع بالغیر ہے۔ت) صاف کہا ہوتا "اصلا از امتناع بالغیر ہم بہرہ ندارد" (امتناع بالغیر سے بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ت) اے حضرت! دور کیوں جائیے پہلی بسم اللہ اخرسی وجماد ہی کی نظیر لیجئے بھلا اخرس تو انسان ہے، جماد کے لئے بھی کلام محال شرعی تک نہیں صرف محال عادی ہے کتب حدیث دیکھئے بطور خرق عادت ہزار بار پتھروں جمادوں سے کلام واقع ہوا اور ہزارہا بار ہوگا قریب قیامت آدمی سے اس کا کوڑا باتیں کرے گا، جب اہل اسلام یہود عنود کو قتل کریں گے اور وہ پتھروں درختوں کی آڑ لیں گے شجر وحجر مسلمان سے کہیں گے اے مسلمان آ یہ میرے پیچھے یہودی ہے، اسی طرح سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے گونگے کا کلام کرنا احادیث میں وارد، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ"[1]	کافر اپنی کھالوں سے بولیں گے تم نے کیوں ہم پر گواہی دی، وہ بولیں گی ہمیں اس اللہ نے بلوایا جس نے ہر چیز کو گواہی بخشی۔

اگر کلام جماد واخرس ممتنع بالغیر یا محال شرعی ہوتا زنہار وقوع کا نام نہ پاتا کہ ہر ممتنع بالغیر کا وقوع اس غیر یعنی ممتنع بالذات کے وقوع کو مستلزم، تو وقوع نے ظاہر کردیا کہ صرف خلاف عادت ہے جب وقوع کلام ثابت اور ان کے استحالہ کذب پر ہرگز کوئی دلیل عقلی نہ شرعی، تو یقیناً اس کے لئے بھی جواز قوی جو امتناع بالغیر کا منافی قطعی، اب جیوٹ بہادر استدلال کرتا ہے کہ ایسا عدم کذب مفید مدح نہیں ہوتا، اور باری عزوجل میں مدح ہے، تو لاجرم وہاں ایسا عدم بھی نہ ہوگا، اتنا تو اس کے کلام کا منطوق صریح ہے، آگے خود دیکھ لیجے کہ اخرس وجماد میں کیسا عدم تھا جس کو باری عزوجل میں نہیں مانتا، زنہار نہ امتناع عقلی تھا نہ استحالہ شرعی بلکہ صرف استبعاد عادی تو بالضرور ملائے بیباک اپنے رب میں کذب کو مستبعد بھی نہیں جانتا، العظمۃ اللہ! اگر لازم قول قول ٹھہرنے تو اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہے، مگر یہ حسن احتیاط اللہ عزوجل نے ہم اہلسنت ہی کو عطا فرمایا، اہل بدعت خصوصاً نجدیہ کہ

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۱

یہ شخص جن کا معلم وامام ہے کفر وشرک کو ٹکے سیر کئے ہوئے ہیں، بات پیچھے اور کفر شرک پہلے، اگر "**جَزٰٓؤُاسَیِّئَةٍسَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا**"[1] (اور برائی کا بدلہ اسی کی برابر برائی ہے، ت) کی ٹھہرے تو کیا ہم ان کے ایسے صریح کفریات پر بھی فتوی کفر نہ دیتے، مگر الحمد للہ یہاں "**اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ**"[2] (برائی کو بھلائی سے ٹال۔ت) پر عمل اور کلمہ طیبہ کا ادب پیش نظر ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنے والے کو حتی الامکان کفر سے بچاتے ہیں، والحمد للہ رب العالمین۔

تازیانہ ۲۹: اقول: مناجات حکمت کے سبب کذب کو زبانی ممتنع بالغیر کہنا اس سفیہ کا صریح تناقص سے شے ممتنع بالغیر جب ہوسکتی ہے کہ کسی محال بالذات کی طرف منجر ہو ورنہ لزوم ممکن کا ممکن کو ناممکن کرنا لازم آئے اور انتفائے حکمت اگرچہ اہل سنت کے نزدیک ممتنع بالذات مگر ان حضرات کے دین میں بالیقین ممکن کہ اخر سلب حکمت ایک عیب ہے ومنقصت ہے اور وہ تمام عیوب ونقائص کو ممکن مان چکا پھر کس منہ سے کہتا ہے کہ منافات حکمت باعث امتناع بالغیر ہوئی، الحمد للہ اہل بدعت کے بارے میں اس طرح سنت باری تعالٰی ہے کہ انھیں کے کلام سے انھیں کے کلام پر حجت والزام قائم فرماتا ہے ع

ومنها علی بطلانها لشواهد

(ان میں سے ان کے بطلان پر شواہد موجود ہیں۔ت)

سچ کہا ہے:

دروغ گو را حافظہ نباشد

(جھوٹے شخص کا حافظہ نہیں ہوتا۔ت)

تازیانہ ۳۰: اقول: سبحان اللہ! ہم یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امام الطائفہ نے امتناع بالغیر محض تقیۃً مانا حقیقۃً اس کا مذہب جواز وقوعی ہے، مگر غور کیجئے تو وہاں کچھ اور ہی گل کھلا ہے، امام وماموم، خادم ومخدوم سارا طائفہ ملوم کذب الٰہی کو واقع اور موجود گا رہا ہے، صراحۃً کہتے ہیں کہ کذب مقدور اور فر بلاشبہہ مقدوریت کذب مقدوریت صدق کو مستلزم، **کما دللنا علیه فی الدلیل السادس و العشرین** (جیسا کہ اس پر ہم نے چھبیسویں دلیل میں اشارہ کیا ہے۔ت) اور امام الطائفہ نے توصاف بتادیا کہ برعایت مصلحت صدق اختیار فرمایا، اب کتب عقائد ملاحظہ کیجئے، ہزار درہزار قاہر تصریحیں

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۴

ملیں گے کہ جو کچھ باختیار صادر ہو قدیم نہیں تولاجرم صدق الٰہی حادث ٹھہرااور ہر حادث ازل میں معدوم اور ازل کیلئے نہایت نہیں تو بالیقین لازم کہ ازل غیر متناہی میں مولیٰ تعالیٰ سچانہ رہا ہوااور جب سچا نہ تھا تو معاذاللہ ضرور جھوٹا تھا **للانفصال الحقیقی بینهما** (کیونکہ ان دونوں کے درمیان انفصال حقیقی ہے۔ت) پھر ضلال پلشت کا چہرہ زشت چھپانے کو کیوں کہتے ہو کہ کذب الٰہی ممکن ہے، کیوں نہیں کہتے کہ خدائے موہوم طائفہ ملوم کروڑوں برس تک جھوٹا رہ چکا ہے، پھر اب بھی اپنی پرانی آن پر آئے تو کیا ہے، **تعالٰی اللہ عما یقولون علوا کبیرا** (اللہ تعالیٰ اس سے بہت بالا ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔ت)

تازیانہ ۳۱: میں نے بارہا قصد کیا کہ تازیانوں میں دس بیس تیس پر بس کروں مگر جب ان حضرت کی شوخیاں بھی مانیں وہاں تو۔

زفرق تابقدم ہر کجا کہ مے بنگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جاایں جاست

(سر کی مانگ سے لے کر قدم تک ہر جگہ پر نظر ڈالو دامن دل ہر جگہ کے بارے میں کہے گا جگہ یہی ہے۔ت)

اسی رسالہ **یکروزی** میں عبارت مذکورہ سے دو سطر اوپر جو نظر کروں تو وہاں تو خوب ہی سانچے میں ڈھلے ہیں یہاں عروس مذہب کے جمال مطلب پر پردہ تقیہ تھا وہاں حضرت بے نقاب چلے ہیں، اعتراض تھا کہ اگر حضور سید علم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل یعنی تمام اوصاف کمالیہ میں حضور کا شریک **من حیث ھو شریک** ممکن ہو تو خبر الٰہی کا کذب لازم آئے کہ وہ فرماتا ہے:

"وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1]۔	لیکن اللہ کے رسول اور انبیاء کے آخری ہیں۔ (ت)

اور وصف خاتمیت میں شرکت ناممکن، حضرت اس کا ایک جواب یوں دیتے ہیں:

بعد اختیار ممکن ست کہ ایشاں رافراموش گردانیدہ شود پس قول بامکان وجود مثل اصلا منتج بتکذیب نص از نصوص نگردد وسلب قرآن مجید بوصف انزال ممکن ست داخل تحت قدرت الٰہیہ، **کما قال اللہ تعالٰی** "وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ	اختیار کے بعد یہ ممکن ہے کہ اس آیہ کریمہ کی بھول ہو جائے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثل کے وجود کے امکان والی بات نصوص میں سے کسی نص کی تکذیب بالکل نہ ہوگی جبکہ نازل شدہ قرآن کا سلب ممکن ہے جو اللہ کی قدرت کے تحت داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر ہم چاہیں تو آپ کی طرف کی ہوئی وحی کو اٹھالیں پھر آپ ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۰

بِہٖ عَلَیۡنَا وَکِیۡلًا "[1]	پاس کوئی وکالت کرنے والا نہ پاتے۔(ت)

حاصل یہ کہ امکان کذب ماننا تکذیب قرآن کو اسی صورت میں مستلزم کہ آیات قرآن محفوظ رہیں حالانکہ ممکن کہ اللہ تعالٰی قرآن ہی کو فنا کردے، پھر تکذیب کاہے کی لازم آئے۔

اقول: ایھا المؤمنون! دیکھو صاف صریح مان لیا کہ خدا کی بات واقع میں جھوٹی ہوجائے تو ہوجائے اس میں کچھ حرج نہیں، حرج تو اس میں ہے کہ بندے اسے جھوٹا جانیں، یہ اسی تقدیر پر ہوگا کہ آیات باقی رہیں جن کے ذریعہ سے ہم جان لیں گے کہ خدا کی فلانی بات جھوٹی ہوئی اور جب قرآن ہی محو ہوگیا پھر جھوٹی پڑی تو کسی کو جھوٹ کی خبر بھی نہ ہوگی تکذیب کون کرے گا، غرض سارا ڈر اس کا ہے کہ بندوں کے سامنے کہیں جھوٹا نہ پڑے واقع میں جھوٹا ہوجائے تو کیا پروا، **انا للہ وانا الیہ راجعون** (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) اے سفیہ ملوم! یہ تیرا خدائے موہوم ہوگا جو بندوں کے طعنوں سے ڈر کر جھوٹ سے بچنے اور ان سے چرا چھپا بھلا کر خوب پیٹ بھر کر بولے ہمارا سچا خدا بالذات ہر عیب ومنقصت سے پاک ہے کہ کذب وغیرہ کسی میں نقصان کو اس کے سراپردہ عزت تک بار ممکن نہیں، اور جو افعال اس کے ہیں حاشا وہ ان میں کسی نہیں ڈرتا، "**یَفۡعَلُ اللہُ مَا یَشَآءُ**" [2] (اللہ جو چاہے کرے۔ت) "**یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ**" [3] (حکم فرماتا ہے جو چاہے۔ت) اس کی شان ہے اور "**لَا یُسۡـَٔلُ عَمَّا یَفۡعَلُ وَ ہُمۡ یُسۡـَٔلُوۡنَ**" [4] (اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ت) اس کے جلال عظیم کا بیان "**لَہُ الۡکِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ**" [5] "**سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ**" [6] (اور اس کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے۔ت)

تازیانہ ۳۲: رب جلیل کو خلق کا خوف ماننا حضرت کا قدیمی مسلک ہے تقویت الایمان میں بھی بحث شفاعت میں فرماگئے:

"آئین بادشاہت کا خیال کرکے بے سبب درگزر نہیں کرتا کہ کہیں لوگوں کو

[1] رسالہ یکروزہ (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱

[4] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

[5] القرآن الکریم ۴۵/ ۳۷

[6] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۰

دلوں میں اس آئین کی قدر گھٹ نہ جاوے[1]" **العظمۃ للہ!** سفیہ جہول نے خدا کو بھی دارا و سکندر یا ہمایوں و اکبر سمجھا ہے کہ اپنی مرضی پوری کرنے کو لوگوں کے لحاظ سے حیلے ڈھونڈتا ہے: الا "**بُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ**" [2] (دور ہوں بے انصاف لوگ۔ت)

تازیانہ ۳۳: قولہ" سلب قرآن مجید بعد انزال ممکن ست" [3] (نزول قرآن مجید کا سلب ممکن ہے۔ت)

اقول: اے طرفہ معجون جملہ بدعات قرآن مجید اللہ عزوجل کی صفت قدیمہ ازلیہ ابدیہ ممتنع الزوال ہے، نہ اس کا وجود اللہ عزوعلا کے ارادہ واختیار و خلق ایجاد سے نہ اس کا سلب واعدام اللہ تعالٰی کی قدرت میں ورنہ اپنی ذات کریم کو بھی سلب کرسکے مقتضائے ذات بے انتفائے ذات منتفی نہیں ہوسکتا۔

تازیانہ ۳۴: قولہ کما قال اللہ تعالٰی (اس کا قول: جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، ت)

اقول: کیا خوب، کہاں ذاہب کہاں مسلوب، مگر آپ کو تحریف معنوی مرغوب،

تنبیہ: ہیہات یہ گمان نہ کرنا کہ سلب سے مراد قلب سے زوال ہے، **اولا** جس ضرورت سے اس طرف جائے وہ حضرت کے بالکل خلاف مذہب کہ یہ شخص صفات باری کو علانیہ مخلوق واختیاری مانتا ہے، جیسا کہ علم الٰہی و صدق ربانی کے بارے میں اس کی تصریحیں ہم نے نقل کیں، اور بیشک وہ چیزیں جو مخلوق و مقدور ہے اس کی ذات کا سلب بھی ممکن، تو برخلاف مسلک قائل تاویل قول غلط و باطل۔

ثانیا: ہم نے تنزیہ دوم میں بدلائل ثابت کردیا کہ صدق کو اختیاری ماننے والا قطعاً قرآن عظیم کو حادث مانتا ہے اور بیشک ہر حادث قابل فنا پھر اس کے نزدیک فنائے قرآن یقینا جائز۔

ثالثا: خاص یہاں بھی حضرت کا مطلب ان کی جاہلانہ نظر میں جبھی نکلے گا کہ قرآن مجید فی نفسہٖ معدوم ہوسکے کہ جب خبر ہی نہ رہی تو کاذب کیا ہوگی، ورنہ مجرد سہو ہوجانا ہرگز منافی نہیں ہوسکتا، **کما لایخفی فاعرف** (جیسا کہ مخفی نہیں پس اسے اچھی طرح جان لو۔ت)

تازیانہ ۳۵: اقول: بفرض محال اگر سلب قرآن ممکن بھی ہو، تاہم جناب سفاہت مآب کا جواب عجاب قطعاً ناصواب، معترض نے لزوم کذب سے استحالہ قائم کیا تھا نہ لزوم تکذیب سے اور بیشک اس تقدیر لزوم کذب سے اصلا مفر نہیں کہ خبر جب خلاف واقع ہو تو اس کا صفحہ عالم سے انعدام مانع کذب قائل نہ ہوگا۔ مانا کہ خبر معدوم ہوگئی، اس کے بعد اس کا خلاف واقع ہونا تو غایت یہ کہ ظہور کذب کا وقت نہ تھا

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر رد الاشراك فی التصرف مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۴

[3] رسالہ یک روزہ (فارسی) شاہ محمد اسمٰعیل فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

کہ کذب اس وقت اسے عارض ہوتا ہے جس کے لئے وجود معروض درکار تھا، وہ جس وقت موجود تھی اسی وقت بوجہ مخالفت واقع کاذب تھی گو ظہور کذب بعد کی ہو یا کبھی نہ ہو، اب انسان ہی میں دیکھئے اس کا کلام کہ عرض ہے اور عرض علمائے عـــہ متکلمین کے نزدیک صالح بقا نہیں فورا موجود ہوتے ہی معدوم ہو جاتا ہے، بااین ہمہ جب اس کا خلاف واقع ہوتا، کہتے ہیں کہ فلاں کی بات جھوٹی تھی، غرض اس نفیس جواب ملائے عجاب اور ان دو ہذیان تباہ وخراب کی قدر ان کے مثل مجانین ہی جانتے ہوں گے، یامعاذاللہ عفوالٰہی بشرط صلاحیت کام نہی فرمائے تو اس کی سچی قدر اس دن کھلے گی "یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ" [1] (جس دن سب لوگ رب لعالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ت)

الحمدللہ! یہ حضرت کی چند سطری تحریر پر بالفعل پنتیس کوڑے ہیں اور پانچ ہذیان اول پر گزرے تو پورے چالیس تازیانے ہوئے، واقعی معلم طائفہ نے بغلامی معلم الملکوت ہمارے مولٰی پر کذب وعیوب کا افترائے ممقوت کیا، اور شرع میں افتراء کی سزا اسی کوڑے مگر غلام کے حق میں آدھی "فَعَلَیْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ" [2] (تو ان پر اس کی سزا آدھی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ت) تو چالیس کوڑے نہایت بجا واقع ہوئے۔ اللہ عزوجل سے آرزو کہ قبول فرمائے اور ان تازیانوں کو متبوع کے حق میں نکال وعقوبت تابع کے لئے ہدایت وعبرت، اہل سنت کے واسطے قوت واستقامت بنائے، آمین یا ارحم الراحمین! بیشک ہماری طرف کے علماء "شکر اللہ مساعیم الجمیلہ" نے حضرت کے ہذیان دوم کی بھی ضرور دھجیاں لی ہوں گی مگر اس وقت تک فقیر کی نظر سے اس بارے میں کوئی تحریر نہ گزری جو کچھ حاضر کیا بحمداللہ القائے ربانی ہے کہ عبد ضعیف پر فیض لطیف سے فائض ہوا، امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اس بسط جلیل ووجہ جمیل پر نقد جزیل حصہ خاص فقیر ذلیل ہے۔

عـــہ: بلکہ مذہب بقاپر بھی مدعا حاصل، لفظی غیر قار کا انعدام تو ظاہر اور نفسی نسبت مخلوط بالارادہ ملحوظ بقصد الافادہ کا نام ہے، پر ظاہر کہ ارادہ افادہ ادائم نہیں، اور جو کچھ بعد کو محفوظ رہے صورت علمیہ ہے، نہ کلام نفسی، معہذا بحالت نسیان وہ بھی زائل، علاوہ بریں روح انسانی اگرچہ اہل سنت کے نزدیک فنا نہ ہوگی مگر قطعاً ممکن الانعدام اس کے ساتھ اس کے سب صفات معدوم ہو سکتے ہیں ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۵

فللّٰه المنة فی کل اٰن وحین والحمد للّٰه رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰله و صحبه اجمعین۔ آمین!	ہر وقت وہر گھڑی اللہ تعالٰی کی ہی حمد ہے اور حمد ہے تمام جہانوں کے پروردگار کی، صلٰوۃ والسلام رسولوں کے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کے آل واصحاب تمام پر، آمین! (ت)

تنزیہ چہارم [عہ] علاج جہالات جدیدہ میں

اقول: وبحول اللّٰه اصول ایھا المسلمون (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اے اہل ایمان سلام! ت) امکان کذب الٰہی کو خلف وعید کی فرع جاننا اور اس میں اختلاف ائمہ کو وجہ سے امکان کذب کو مختلف فیہ ماننا ایک تو افتراء دوسرے کتنا بے مزہ۔ بیشک مسئلہ خلف وعید میں بعض علماء جانب جواز گئے، اور محققین نے منع وانکار فرمایا، مگر حاشانہ اس سے امکان کذب ثابت، نہ یہ علمائے مجوزین کا مسلک بلکہ وہ اس سے بہزار زبان تبری وتحاشی کرتے ہیں، پھر ان کی طرف امکان کذب کی نسبت سخت کذب وستم جسارت جس کے بہتان واضح البطلان ہونے پر حجج قاہرہ قائم،

حجت اولٰی: یہی نصوص قاطعہ کہ تنزیہ اول میں گزرے جن سے واضح کہ کذب باری محال ہونے پر اجماع قطعی منعقد تمام کتب کلامیہ میں جہاں اس مسئلے کا ذکر آیا ہے صاف تصریح فرمادی کہ اس پر اجماع واتفاق علماء ہے یا بے حکایت خلاف اس پر جزم کیا فرمایا ہے۔

حجت ثانیہ: اقول: طرفہ یہ کہ جو علماء مسئلہ خلف وعید میں خلاف بتاتے ہیں وہی استحالہ کذب پر اجماع نقل فرماتے ہیں، جس شرح مقاصد میں ہے:

ان المتاخرین منھم یجوزون الخلف فی الوعید [1]۔	ان میں کے متاخرین خلف وعید جائز مانتے ہیں۔

اسی شرح مقاصد میں ہے:

[عہ] **تنبیہ ضروری:** خوب یاد رہے کہ اس ساری تنزیہ اور اس کے مناسب تمام مواضع رسالہ میں ہمارا روئے سخن ان ناقصوں خاسروں کی طرف نہیں جنھیں عروسان منصہ امامت طائفہ نے اپنے بھولے چہروں کا نقاب بنایا ہو بلکہ صرف مخاطبہ ان نئے متبدعوں، تازہ مقتداؤں سے ہے جو کتاب پر تقریظ لکھیں اور اس کے حرف بحرف صحیح ومسلم ہونے کی تصریح کریں والسلام ۱۲ منہ

---

[1] شرح المقاصد المبحث الثانی اتفقت الائمۃ علی العفو عن الصغار دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۷

الکذب وھو محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ علی مح [1]۔	کذب الٰہی باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اس پاک بے عیب پر قطعاً محال۔

مگر علماء کو خبر نہ تھی کہ امکان کذب جواز خلف وعید پر متفرع تو ہم اسے مختلف فیہ لکھ کر کیونکر اجماع بتائے دیتے ہیں، اب چودھویں صدی میں آکران حضرات کواس تفریع کی خبر ہوئی،

حجت ثالثہ: اقول: طرفہ تریہ کہ جو علماء خلف وعید کا جواز مانتے ہیں خود ہی کذب الٰہی کو محال واجماعی جانتے ہیں، جس مواقف میں ہے:

لایعد الخلف فی الوعید نقصا [2]۔	خلف وعید تنقص نہیں گنا جاتا۔

اسی مواقف میں ہے:

انہ تعالٰی یمتنع علیہ الکذب اتفاقا [3]۔	کذب باری بالاتفاق محال ہے۔

جس شرح طوالع میں ہے:

الخلف فی الوعید حسن [4]۔	وعید میں خلف حسن ہے۔

اسی میں ہے:

الکذب علی اللہ تعالٰی محال [5]۔	اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے۔

جن علامہ جلال دوانی نے شرح عقائد میں لکھا:

ذھب بعض العلماء الی ان الخلف فی الوعید جائز علی اللہ تعالٰی لافی الوعد وبھذا وردت السنۃ [6]۔	بعض علماء اس طرف گئے کہ وعید میں خلف اللہ تعالٰی پر جائز ہے نہ وعدہ میں اور یہی مضمون حدیث میں آیا۔

[1] شرح المقاصد المبحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲ /۱۰۴
[2] شرح المواقف المقصد السادس فی تقریر اصحابنا منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۰۷
[3] شرح المواقف المقصد السابع فی انہ تعالٰی متکلم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۰
[4] شرح طوالع الانوار
[5] شرح طوالع الانوار
[6] الدوانی علی العضدیہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴

پھر بعد ذکر حدیث اسے عرف وکلام سے مؤید کیا **کما نقله افندی اسماعیل حقی فی روح البیان** (جیسا کہ امام اسماعیل حقی آفندی نے روح البیان میں اسے نقل کیا ہے۔ت) وہی علامہ جلال فرماچکے:

الکذب علیه تعالٰی محال لاتشتمله القدرة[1]۔	اللہ تعالٰی کا کذب محال ہے قدرت الٰہی میں داخل نہیں۔

مگر یہ علماء خود اپنا لکھانہ سمجھے تھے کہ باہم متلازم چیزوں میں ایک کا جواز دوسرے کا استحالہ کیونکر مان لیتے اور اپنے کلام سے آپ ہی تناقص کرتے ہیں۔اب صدہا سال کے بعد ان حضرات کو کشف ہوا کہ مذہب کے معنی وہ تھے جو خود اہل مذہب کی فہم نہ تھے۔

حجت رابعہ: اقول: افسوس ان ذی ہوشوں نے اتنا ہی دیکھا کہ علماء مسلک جواز کا محصل ومبنٰی کیا ٹھہراتے اور اس تفریع شنیع یعنی امکان کذب کو کیوں کر طرح طرح سے دفع فرماتے ہیں یہاں ان سے بعض وجوہ نقل کرتا ہوں:

وجہ ۱: وعید سے مقصود انشائے تخویف وتہدید ہے،نہ اخبار،توسرے سے احتمال کذب کا محل ہی نہ رہا،**مسلم الثبوت** اور اس کی شرح **فواتح الرحموت** میں ہے:

الخلف فی الوعید جائز فان اهل العقول السلیمة یعدونه فضلاء لانقصا دون الوعد فان الخلف فیه نقص مستحیل علیه سبحانه ورد بان ایعاد الله تعالٰی خبر فهو صادق قطعا لاستحاله الکذب هناک،و اعتذر بان کونه خبرا ممنوع بل هو انشاء للتخویف فلا باس ح فی الخلف[2]۔(ملخصًا)	یعنی وعید میں خلف جائز ہے کہ سلیم عقلیں اسے خوبی گنتی ہیں،نہ عیب،اور وعدہ میں جائز نہیں کہ اس میں خلف عیب ہے اور عیب اللہ عزوجل پر محال اس پر اعتراض ہوا کہ اللہ تعالٰی کی وعید بھی ایک خبر ہے تو یقینا سچی باری جل وعلا کا کذب محال،اور عذر کیا گیا کہ ہم اسے خبر نہیں مانتے بلکہ انشائے تخویف ہے تو اب خلف میں حرج نہیں۔(ملخصًا)

دیکھو! خلف وعید جائز ماننے والوں سے استحالہ کذب الٰہی کا صراحۃً اقرار اور اس کے امکان سے بہزار زبان اجتناب وانکار کیا،اور اپنے مذہب کی وہ توجیہ فرمائی جس نے اس احتمال باطل کی گنجائش ہی نہ رکھی،پھر **معاذاللہ** امکان کذب ماننے کو ان کے سر باندھنا کیسی وقاحت وشوخ چشمی ہے۔

---

[1] الدوانی علی العضدیۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۳

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الباب الثانی فی الحکم منشورات الرشریف قم ایران ۱/ ۶۲

وجہ ۲: فرماتے ہیں آیات عفو سے مخصوص ومقید ہیں، یعنی عفو و وعید دونوں میں وارد، توان کے ملانے سے آیات وعید کے یہ معنی ٹھہرے کہ جنھیں معاف نہ فرمائے گا وہ سزا پائیں گے، جب یہ معنی خود قرآن عظیم ہی نے ارشاد فرمائے تو جواز خلف کو **معاذ اللہ** امکان کذب سے کیا علاقہ رہا، امکان کذب تو جب نکلتا کہ جزمًا حتمًا وعید فرمائی جاتی، اور جب خود متکلم جل وعلا نے اسے مقید بعدم عفو فرمادیا ہے تو چاہے وعید واقع ہو یا نہ ہو ہر طرح اس کا کلام یقینا صادق جس میں احتمال کذب کو اصلاً دخل نہیں، یہ وجہ اکثر کتب علماء مثل تفسیر بیضاوی انوار التنزیل و تفسیر عمادی ارشاد العقل السلیم و تفسیر حقی روح البیان وشرح مقاصد وغیرہا میں اختیار فرمائی، لطف یہ ہے کہ خود ہی ردالمحتار جس سے مدعی جدید غیر مہتدی ورشید نے مسئلہ خلف میں خلاف نقل کیا، اسی ردالمحتار میں اسی جگہ اسی قول جواز کے بیان میں فرمایا:

حاصل ھذا القول جواز التخصیص لما دل علیہ اللفظ بوضعہ اللغوی من العموم فی نصوص الوعید[1]۔	اس قول کا حاصل یہ ہے کہ نصوص وعید میں جو ظاہر لفظ اپنے معنی لغوی کی رو سے عموم پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ سزا پائے گا، اس میں تخصیص جائز ہے۔

یعنی عام مراد نہ ہو بلکہ ان لوگوں کے ساتھ خاص ہو جنھیں مولٰی تعالٰی عذاب فرمانا چاہے، ایمان سے کہنا اسی ردالمحتار میں یہیں یہیں یہ تصریح تو نہ تھی جس نے اس تفریع خبیث وقبیح کی صاف بیخ کنی کردی، آج تک کسی عاقل نے عام مخصوص منہ البعض کو کذب کہا ہے، ایسے عام تو قرآن عظیم میں اس وقت بکثرت موجود، پھر امکان کذب کیوں مانو! صاف نہ کہہ دو کہ قرآن مجید میں (خاک بدہن گستاخان) جابجا کذب موجود ہے، واہ شاباش! ردالمحتار کی عبارت سے اچھا اسناد کیا کہ آدھی نقل اور آدھی عقل، پھر بھی دعوی رشد ودیانت باقی ہے، ذرا آدمی سے تو حیا کرے **ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

وجہ ۳: اگر بالفرض کوئی نص مفید تخصیص وعید نہ بھی آتا تاہم کریم کی شان یہی ہے کہ غیر متمرد غلاموں کے حق میں وعید بنظر تہدید فرمائے اور اس سے یہی مراد لے کہ اگر ہم معاف نہ فرمائیں تو یہ سزا ہے، خلاصہ یہ کہ قرینہ کرم تخصیص وتقید وعید کے لئے بس ہے اگرچہ مخصص قولی نہ ہو۔

اقول وبہ یحصل قران المخصص بالمخصص بخلاف ماسبق فھو خاص بمذہب	**میں کہتا ہوں** اس سے مخصص کا قرینہ حاصل ہوگیا بخلاف ماسبق کے، وہ صرف اس شخص کے مذہب کے

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء بالمغفرۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

من یجیز التراخی والانفصال وھذا جارٍ علی مذہب الکل۔	موافق ہے جس نے تراخی وانفصال کو جائز رکھا ہے اور یہ تمام مذہب پر جاری ہے۔(ت)

یہ وجہ وجیہ فقیر غفر اللہ تعالٰی کے خیال میں آئی تھی یہاں تک کہ علامہ خیالی رحمہ اللہ تعالٰی کو دیکھا کہ حاشیہ شرح عقائد میں اس کی تصریح فرمائی:

حیث قال لعل مرادھم ان الکریم اذا اخبر بالوعید فاللائق بشانہ ان یبنی اخبارہ علی المشیۃ وان لم یصرح بذلك بخلاف الوعد فلا کذب ولا تبدیل۔[1]	یعنی امید ہے کہ خلف وعید جائز ماننے والے یہ مراد لیتے ہیں کہ کریم جب وعید کی خبر دے تو اس کی شان کے لائق یہی ہے کہ اپنی خبر کو مشیت پر مبنی رکھے اگرچہ کلام میں اس کی تصریح نہ فرمائے بخلاف وعدہ کے تو خلف وعید میں نہ کذب ہے نہ بات بدلنا۔

مسلمانو! دیکھا کہ خلف وعید جائز ماننے والے اس تفریع ناپاک سے جو مدعی بیباک نے گھڑی کس قدر دور بھاگتے اور کس کس وجہ سے اسے علانیہ رد کرتے ہیں، پھر اپنی جھوٹی بات بنانے کے لئے ناکردہ گناہ ان کے سر ایسا الزام شدید باندھنا کس درجہ جراءت و بے حیائی ہے، قال اللہ سبحانہ وتعالٰی:

"وَمَنۡ یَّکۡسِبۡ خَطِیۡٓـَٔۃً اَوۡ اِثۡمًا ثُمَّ یَرۡمِ بِہٖ بَرِیۡٓـًٔا فَقَدِ احۡتَمَلَ بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۱۱۲﴾"[2]۔	اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا۔(ت)

حجت خامسہ: اقول: مجوزین خلف وعید اپنے مذہب پر بڑی دلیل پیش کرتے ہیں کہ باری عزاسمہ نے فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَ یَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ۚ"[3]	بیشک اللہ تعالٰی کفر کو معاف نہیں فرماتا اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔

اسی ردالمحتار میں اسی مقام پر اسی مسئلہ کے بیان میں آپ کی منقولہ عبارت سے چار ہی سطر بعد فرمایا:

ادلۃ المثبتین التی من انصھا قولہ تعالٰی	اثبات کرنیوالوں کی مضبوط ترین دلیل اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے

---

[1] حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد النسفیہ مطبع اصح المطابع بمبئی (انڈیا) ص ۱۲۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِکَ" [1]۔	بیشک اللہ تعالٰی کفر کو معاف نہیں فرماتا اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے گا بخش دے گا۔ (ت)

یوں ہی اس کی ماخذ حلیہ شرح منیہ میں امام محقق ابن امیر الحاج میں ہے اور پر ظاہر کہ دعوی دلیل پر متفرع اور اس کے مفاد کا تابع ہوتا ہے، سبحان اللہ! جب جواز خلف خود ارشاد متکلم بالوعید جل مجدہ کی طرف مستند کہ اس نے فرمادیا "ہم جسے چاہیں گے بخش دیں گے" تو دلیل امکان کذب کو اصلا راہ نہیں دیتی مگر مدلول میں زبردستی خدا واسطے کو مان لیا جائے گا اس جہالت کی کوئی حد ہے آپ کے نزدیک یہ علماء اپنے دعوی و دلیل کی بھی سمجھ نہ رکھتے تھے کہ خلف تو اس معنی پر جائز مانیں جسے امکان کذب لازم، اور دلیل وہ پیش کریں جو اس معنی کی بالکل قاطع وحاسم، خدارا اپنی جہالتیں، سفاہتیں علماء کے سر کیوں باندھتے ہو،
ع

اس آنکھ سے ڈریئے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

للہ! انصاف! اگر بادشاہ حکم نافذ کرے کہ جو یہ جرم کرے گا یہ سزا پائے گا اور ساتھ ہی اسی فرمان میں یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ ہم جسے چاہیں گے معاف فرمادیں گے تو کیا اگر وہ بعض مجرموں سے در گزر کرے تو اپنے پہلے حکم میں جھوٹا پڑے گا یا اس آئین کی قدر لوگوں کے دلوں سے گھٹ جائے گی، جیسا کہ وہ احمق جاہل دعوی کرتا ہے یا اگر کوئی شخص بدلیل اس دوسرے ارشاد کے ثابت کرے کہ بادشاہ نے جو سزا مقرر فرمائی ہے کچھ ضرور نہیں کہ ہو ہی کر رہے بلکہ ٹل بھی سکتی ہے تو کیا اس کے قول کا حاصل یہ ہوگا کہ وہ بادشاہ کا کذب محتمل مانتا ہے، ذرا آدمی سمجھ سوچ کر تو بات منہ سے نکالے، سبحن اللہ! جس ردالمحتار سے سند لائے اسی میں وہیں اسی بیان میں اسی صفحہ میں وہ صاف وروشن تصریحیں موجود ہیں جن سے اس تفریع ناپاک کی پوری قلعی کھلتی ہے، حضرت ایک ذرا سا ٹکڑا نقل کر لائیں اور باقی بالکل ہضم، گویا دیکھا ہی نہیں۔ اسی کا نام دین ودیانت ہے۔ اسی پر دعوی رشد وہدایت ہے۔ مگر حضرات وہابیہ عادت سے مجبور ہیں، نقل عبارت میں قطع وبرید اب صاحبو کا داب قدیم رہا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے متکلمین نے رسالے کے رسالے جی سے گھڑ کر علمائے سابقین کی طرف نسبت کردیئے۔ **انتھی** یہ کہ عالم و امام دل سے تراشے کہ باوجود تکرار مطالبہ تمام عالم میں ان کے وجود کا پتا نہ دے سکے۔ فقیر کے بعض احباب سلمہم اللہ تعالٰی نے رسالہ "**سیف المصطفی علی ادیان الافتراء**" اسی باب میں لکھا اور اس میں ان حضرات کے عمائد واکابر کی ڈیڑھ سو سے زیادہ ایسی ہی عبارتوں، بددیانتوں کا ثبوت دیا۔ واقعی حضرات نجدیہ نے ایک حدیث صحیح عمر بھر کے عمل کو بس سمجھی ہے کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---
[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

اذالم تستحیی فاصنع ماشئت[1] (جب کوئی بے حیا ہو جائے تو وہ چاہے کرے۔ت) ع

بے حیا باش وانچہ خواہی کن

(بے حیا ہو جا پھر جو چاہے کرتا رہ۔ت)

حجت سادسہ: اقول: امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

قال ابو عمرو بن العلا لعمرو بن عبید، ماتقول فی اصحاب الکبائر؟ قال اقول: ان اللہ منجز ایعادہ کما ھو منجز وعدہ، قال ابو عمرو انک رجل اعجم، لا اقول اعجم اللسان ولکن اعجم القلب، ان العرب تعدا لرجوع عن الوعد لؤما وعن الایعاد کرما والمعتزلۃ حکوا ان اباعمرو بن العلاء لما قال ھذا الکلام قال لہ عمرو بن عبید یا ابا عمرو فھل یسمی اللہ مکذب نفسہ فقال لا فقال عمرو بن عبید فقد سقطت حجتک، قالوا فانقطع ابو عمرو بن العلاء، وعندی انہ کان لابی عمرو ان یجیب عن ھذا السؤال ان ھذا انما یلزم لوکان الوعید ثابتا جزمًا من غیر شرط، وعندی جمیع الوعیدات مشروطۃ بعدم العفو، فلایلزم من ترکہ دخول الکذب فی الکلام اللہ تعالٰی اھ ملخصًا۔[2]	یعنی امام ابو عمرو بن العلاء رحمہ اللہ تعالٰی نے عمرو بن عبید پیشوائے معتزلہ سے فرمایا اہل کتاب کبائر کے بارے میں تیرا کیا عقیدہ ہے؟ کہا میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی اپنی وعید ضرور پوری کرے گا جیسا کہ اپنا وعدہ بیشک پورا فرمائے گا۔ امام نے فرمایا تو عجمی ہے میں نہیں کہتا کہ زبان کا عجمی بلکہ دل کا عجمی ہے، عرب وعدہ سے رجوع کو نالائقی جانتے ہیں اور وعید سے در گزر کو کرم، معتزلہ حکایت کرتے ہیں۔ اس پر عمرو نے جواب دیا کیا خدا کو اپنی ذات کا جھٹلانے والا ٹھہرائے گا۔ امام نے فرمایا نہ، عمرو نے کہا تو آپ کی حجت ساقط ہوئی، اس پر امام بند ہوگئے۔ امام رازی فرماتے ہیں میرے نزدیک امام یہ جواب دے سکتے تھے کہ اعتراض تو جب لازم آئے کہ وعید یقینی بلاشرط ہو اور میرے مذہب میں تو سب وعیدیں عدم عفو سے مشروط ہیں تو خلف وعید سے معاذاللہ کلام الٰہی میں کذب کہاں سے لازم آیا۔

اب عاقل بنظر انصاف غور کرے۔ **اولًا:** اگر تجویز خلف امکان کذب ماننا ہی ہوتی تو بر تقدیر صدق حکایت امام کا بند ہونا کیا معنی انھیں صاف کہنا تھا میں جواز خلف مانتا ہوں تو امکان کذب میرا عین مذہب اور

[1] المعجم الکبیر مروی از عبداللہ بن مسعود حدیث ۶۵۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ اللہ لا یخلف المیعاد المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۷/ ۱۹۷

برتقدیر کذب معتزلہ علمائے اہلسنت کیوں نہیں فرماتے کہ تم نے وہ حکایت گھڑی جو آپ ہی اپنے کذب کی دلیل ہے، مجوزین خلف توامکان کذب مانتے ہیں پھر امام اس الزام پر بند کیوں ہو جاتے۔

ثانیًا: آگے چل کر امام رازی امام ابن العلاء کی طرف سے اچھا جواب دیتے ہیں کہ میرے مذہب میں سب وعیدیں مقید ہیں۔سبحان اللہ! جب وعیدیں مقید ہوں گی توامکان کذب کدھر جائے گا۔کیوں نہیں کہتے کہ میرے مذہب میں کذب ممکن توالزام ساقط، غرض بے شمار وجوہ سے ثابت کہ مدعی جدید غیر مہتدی ورشید نے علماء کرام پر جیتا طوفان باندھا۔

حجت سابعہ، **اقول:** آپ کی یہی ردالمحتار جس سے آدھا فقرہ نقل کرکے ائمہ دین پر پوری تہمت کردی، اس مبحث میں حلیہ امام علامہ ابن امیر الحاج ناقل ہے شروع عبارت یوں ہے:

واقفه علی الاول صاحب الحلیة المحقق ابن امیر الحاج وخالفه فی الثانی وحقق ذٰلك بانه مبنی علی مسئلة شهیرة وهی انه هل یجوز الخلف فی الوعید فظاهر مافی المواقف[1] الخ۔	صاحب حلیۃ محقق ابن امیر الحاج نے اول میں اس کی موافقت کی ہے اور ثانی میں مخالف، اور ثابت کیا کہ اس کامدار ایک مشہور مسئلہ پر ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا خلف وعید جائز ہے۔تو مواقف میں جو کچھ ہے تو وہ ظاہر ہے الخ۔(ت)

اور ختم یوں هذا خلاصة ماطال به فی الحلیة[2] (یہ حلیہ میں ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ ہے۔ت) اور یہ صاحب حلیہ خود مسلمانوں کے حق میں جواز خلف کو ترجیح دیتے ہیں، اسی ردالمحتار میں ان سے منقول:

الاشبة ترجح جواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصة دون الکفار[3]۔	اشبہ ومختار یہ ہے کہ خلف وعید کا جواز خاص مسلمانوں کے حق میں ہے نہ کہ کفار کے حق میں ہیں۔(ت)

اب ملاحظہ ہو کہ یہی امام قائل جواز خود آپ کی اس تفریح شنیع یعنی امکان کذب سے کیسی سخت تحاشی کرتے ہیں۔اسی حلیہ میں بعد ختم بحث کے فرمایا:

وحاش للّٰه ان یراد بجواز الخلف فی الوعید ان لایقع عذاب من اراداللّٰه الاخبار	یعنی حاشا للہ خلف وعید جائز ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ عزوجل نے جس کے عذاب کی خبر دینی چاہی

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

بعذابه فانه محال علی الله تعالٰی قطعا، کما ان عدم وقوع نعیم من اراد الله الاخبار عنه بالنعیم محال علیه قطعا کیف لا وقد قال تعالٰی "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾" "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾" "وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ"[1]۔	اس کا عذاب واقع نہ ہو یہ اللہ تعالٰی پر قطعاً محال ہے جس طرح یہ بالیقین ممکن نہیں کہ اس نے جس کے لئے نعیم کی خبر دی ہو اس کے لئے نعیم واقع نہ ہو اور کیوں کر نہ ہو اس کی خبر کا کذب محال ہے۔ حالانکہ وہ خود فرماتا ہے اللہ سے کس کا قول سچا ہے، اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔ تیرے رب کی باتیں سچ اور عدل میں کامل ہیں، کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں۔

کیوں ایمان سے کہنا یہ وہی علماء ہیں جن پر تم امکان کذب ماننے کا بہتان کرتے ہو۔ اللہ حیا دے۔

حجت ثامنہ بقطع عرق ضلالت ضامنہ۔ اقول: وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں اور اسی کی توفیق سے تحقیقی بات کو پایا جاسکتا ہے۔ ت) علمائے مجوزین کے طریق استدلال و مناظرہ وجدال شاہد عدل ہیں کہ ان کے نزدیک خلف وعید و عفو و مغفرت میں نسبت تساوی اور دونوں جانب سے ترفق کلی ہے، ثبوت سنئے قریب گزرا کہ انھوں نے اپنے دعوے پر آیہ کریمہ "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ"[2] (اور کفر سے نیچے جتنے گناہ ہیں جسے چاہے بخش دے گا۔ ت) سے استدلال کیا۔ اور حلیہ پھر ردالمحتار میں جس سے آپ ہمیشہ کے لئے اپنے پیچھے ایک آفت لگانے کو ذرا سا ٹکڑا نقل کرلائے۔ اس دلیل کو انص واظہر دلائل مجوزین کہا اور پر ظاہر کہ آیت صرف جواز مغفرت ارشاد فرماتی ہے اسی کو انھوں نے جواز خلف پر دلیل ٹھہرایا تو ان کا استدلال برہان قاطع کہ وہ مغفرت کو خلف سے عام نہیں مانتے کہ جواز اعم ہرگز جواز اخص کا مثبت نہیں ہوسکتا اور عنقریب آتا ہے کہ معتزلہ نے امتناع عفو پر آیات وعید سے تمسک کیا۔ اس پر ان علماء نے جواب دیا کہ خلف جائز ہے تو لاجرم جواز خلف کو امتناع عفو کا رد مانا اور زنہار جواز اعم امتناع اخص کا نافی نہیں ہوسکتا۔ تو ان کا یہ جواب دلیل ساطع کہ وہ خلف کو مغفرت سے عام نہیں مانتے۔ رہا تباین وہ بالبداہۃ اور خود اس رد واثبات سے سے بین البطلان پس تساوی متعین اور مراد متبین، یعنی ظاہر ہوگیا کہ وہ صرف عدم وقوع وعید بوجہ عفو کو خلف سے تعبیر فرماتے اور جائز

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

ٹھہراتے ہیں کہ یہی مغفرت سے مساوی ہے نہ کہ معاذاللہ تبدیل وتکذیب خبر کہ عفو سے عموم وخصوص دونوں رکھتی ہے مثلاً در گزر بربنائے تخصیص نصوص وتقیید وعید واقع ہوئی تو عفو موجود اور تبدیل مفقود، کسی جرم پر ایک سزائے شدید کی وعید حتمی اور ایقاع کے وقت اس میں کمی کی تو عفو عـــہ مفقود اور تبدیل موجود۔اور اگر عفو تخفیف کو شامل کیجئے تو عام مطلقاً سہی بہر حال خلف کہ اس کا مساوی ہے کذب سے قطعاً عام مطلقاً یا من وجہ اب تو اپنی جہالت فاحشہ پر متنبہ ہوئے کہ جواز اعم امکان اخص کا مستلزم مان رہے ہو فالحمدللہ علی اتمام الحجۃ وایضاح المحجۃ۔

حجت تاسعہ قاہرہ قالعہ قاتلہ قارعۃ بارغۃ التنیین دامغۃ الکذابین: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ایہا المسلمون! ذرا قلب حاضر درکار اسی مدعی جدید غیر مہتدی ورشید نے کذب باری عزوجل کا صرف امکان عقلی ہی ائمہ دین کی طرف نسبت نہ کیا۔بلکہ معاذاللہ انھیں کفر صریح کا قائل قرار دیا۔ پھر الحمدللہ ان کا دامن سنت مامن تو کفر وضلالت کے ناپاک دھبوں سے پاک ومنزہ مگر حضرت خود ہی اپنے ایمان کی خیر منائیں۔یوں نہ مانیں تو مفصل جانیں۔اصل مراد یہ ہے کہ خلف بایں معنی کہ متکلم بایک بات کہہ کر پلٹ جائے اور جو خبرت دی تھی اس کے خلاف عمل میں لائے۔ بلاشبہہ اقسام کذب سے ہے کہ کذب نہیں مگر خلاف واقع خبر دینا تو اس معنی پر خلف کو ممکن یا سائغ یا واقع یا واجب جو کچھ مانئے بعینہ وہی حکم کذب کے لئے ثابت ہوگا کہ یہ جانب وجود ہے اور جانب وجود میں قسم مقسم کو مستلزم اور عقل احکام قسم سے مقسم پر حاکم کہ اس کا وجود بے اس کے محال وناممکن تو لاجرم اس کا امکان اس کے جواز اور اس کا وجود اس کے وقوع اور اس کا وجوب اس کی ضرورت کو لازم۔ حضرت مدعی جدید نے اپنی جہالت وضلالت سے کلام علماء میں خلف کے یہی معنی سمجھے کہ باری تعالٰی عیاذاً باللہ بات کہہ کر پلٹ جائے خبر دے کر غلط کردے لہٰذا جواز خلف پر امکان کذب کو متفرع کیا حالانکہ حاشاللہ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل نہیں بلکہ وہ صراحۃً اس معنی مردود مخترع عنود کا رد بلیغ فرماتے او جواز خلف کو تخصیص نصوص وتقیید وعید وغیرہما ایسے امور پر بربنا کرتے ہیں جن کے بعد نہ معاذاللہ کہہ کر پلٹنا نہ بات کا بدلنا ہو اس امر پر دلائل قاہرہ وتصریحات باہر سن ہی چکے ہیں مگر ان حضرت کو

عـــہ: المغفرۃ وقایۃ شر الذنوب بالکلیۃ [1] اھ ۱۲ رضی اللہ عنہ۔	مغفرت گناہوں کے شر سے کلیۃً محفوظ رہنا ہے اھ ۱۲ رضی اللہ عنہ (ت)

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

یہ مسلم نہیں خواہی نخواہی خلف اسی معنی پر ڈھالتے ہیں جو ایک قسم کذب ہے تاکہ اسکے جواز سے امکان کذب کی راہ نکالیں بہت اچھا اگر یہی معنٰی مراد ہوں تو اب نظر کیجئے کہ جواز خلف کے کیا معنی ہیں اور وہ اپنے کس معنی پر ائمّی میں مختلف فیہ۔ حاشا جواز صرف بمعنی امکان عقلی محل خلاف نہیں بلکہ [عہ۱] قطعاً جواز شرعی وامکان وقوعی میں نزاع

عہ۱: **اقول**: هل عیست ان تتفطن مما القینا ونلقی علیك من الابحاث ونقلنا ونقل لك من کلمات العلماء ان الکلام فی مطلق الخلف فی حق العصاۃ لا الخلف المطلق فیهم ولا الخلف فی الکفار لوفاق اهل السنة الوعیدیة علی استحالته شرعا اما الثانی فظاهر واضح وقد نص علیه القراٰن العزیز واجمعت علیه الامة جمیعا واماالاول فنقل علیه ایضا غیر واحد الاجماع وهو الصواب من حیث النظر وان نقل العلامة فی حاشیه العلائی خلافه ففی هذین ان کان الخلاف فلایکون الافی الامکان العقلی ولذا حمل علیه العلامة ش بید انی لا اعلم خلافا بین اهل السنة فی جواز الاول عقلا والثانی وان وقع فیه خلاف ولکن المحققین ھٰهنا علی الجواز ولم یخالف فیه الا اقل قلیل کماسیأتی فالذی [عہ۲] وقع عن العلامة ش

اقول (میں کہتا ہوں) آپ نے ہماری اس گفتگو سے جو کی اور کریں گے اور علماء کے منقولہ کلمات سے سمجھ لیں گے کہ کلام گنہ گاروں کے حق میں مطلق خلف میں ہے۔ نہ خلف مطلق میں اور نہ ہی حق کفار میں خلف ہے کیونکہ وعیدی اہلسنت کا اتفاق ہے کہ ایسی خلف وعید شرعاً محال ہے، دوسری بات (حق کفار میں) تو ظاہر واضح ہے اس پر قرآن عزیز کی تصریح ہے اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے۔ رہی پہلی بات تو اس پر بھی متعدد اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے، دلیل کے اعتبار سے یہی صواب ہے، اگرچہ علامہ نے حاشیہ علائی میں اس کے خلاف نقل کیا ہے ان دونوں میں اگر اختلاف ہو بھی تو محض بطور امکان عقلی ہو ہوگا اس لئے علامہ ش نے اسے اس پر محمول کیا مگر میں اول کے جواز عقلی میں اہلسنت کا اختلاف نہیں جانتا، اور دوسری میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن محققین یہاں بھی جواز پر ہیں اگرچہ اس کی مخالفت بہت ہی کم لوگوں نے کی ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

عہ۲: قوله فالذی وقع حیث نقل النزاع المشهور وکون المحققین علی المنع

قولہ والذین وقع، کیونکہ انھوں نے جہاں نزاع مشہور نقل کیا ہے اور محققین کا اس کے کلام میں دونوں خلفوں (باقی بر صفحہ آئندہ)

ہے جس کے بعد امتناع بالغیر بھی نہیں رہتا۔ **دلائل سنئے:**

(بقیہ حاشیہ عــہ۱ صفحہ گزشتہ)

اشتباہ یجب التنبیه له وقد اوضحناہ علی ہامشه ولو لا ان عرضنا فی المقام لایتعلق بنقد ذٰلك لاتینا بالتحقیق فیما ھنالکن ثم من البدیھی ان امکان عدم التعذیب عقلا مع استحالته شرعا ادخل فی الرد علی ھٰؤلاء الجھلة کما لایخفی علی عاقل فضلا عن فاضل و سنلقی علیك تحقیقه فیما سیأتی فی رد الوھابیة الدیوبندیة فانتظر واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲ منه قدس سرہ۔

علامہ ش سے جو واقع ہوا یہ اشتباہ ہے جس پر تنبیہ ضروری ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر اس کی وضاحت کر دی ہے اگر ہماری غرض اس مقام پر تنقید کرنا ہوتی تو ہم اس تحقیق کو یہاں کر دیتے۔ پھر یہ بات بدیہی ہے کہ عقلا عدم عذاب کا محض امکان جو شرعا محال ہے ان جہال کے رد کا ذریعہ بنتا ہے جیساکہ کسی عاقل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ عنقریب اس کی تفصیل و تحقیق وہابیہ دیوبندیہ کے رد میں آرہی ہے تھوڑا سا انتظار کرو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

(بقیہ حاشیہ عــہ۲ صفحہ گزشتہ)

فی کلامه علی ھٰذین الخلفین وزعم تبعا فالحق ان محل النزاع المشھور ھوالجواز الشرعی وکلامھم انما ھو فی مطلق الخلف وتحقیق الحق فی محصله ماسنلقی علیک واللہ الھادی ۱۲ منه رضی اللہ عنه۔ للحلیة ان الاشبه ترجح جواز الاول عقلا فاوھم ان جوازہ العقلی مختلف فیه واوھم ایھامًا اشد واعظم ان المحققین علی انکارہ وان کان الاشبه عندہ ترجح الجواز مع انا لانعلم فیه نزاع اصلا ولانظنه محل نزاع وان کان فلا شك ان عامة الائمة علی الجواز ثم اوھم بل صرح اٰخر ان الصحیح عن المحققین منع الثانی عقلا مع ان الامر بالعکس

پر منع مذکور ہوا اور حلیہ کی اتباع میں اس نے عقلا جواز اول کی ترجیح کو مختار محسوس کرلیا تو اسے یہ وہم ہوگیا کہ اس کے جواز عقلی میں اختلاف ہے یہ وہم شدید ہے محققین تو اس کا انکار کر رہے ہیں اگرچہ اس کے ہاں مختار جواز کو ترجیح دینا ہے حالانکہ ہم تو اس میں نزاع کا علم نہیں رکھتے اور نہ ہی محل نزاع کا گمان کرے ہیں اور اگر ہے تو بلاشبہہ اکثر ائمہ جواز پر ہیں پھر وہم میں پڑتے ہوئے آخر تصریح کی کہ محققین کے ہاں صحیح یہ ہے کہ دوسری صورت عقلا منع ہے حالانکہ معاملہ برعکس (باقی اگلے صفحہ پر)

اولا اہلسنت بالاجماع اور معتزلہ کا ایک فرقہ مغفرت عاصیان کبائر کردگان وبے توبہ مردگان کے امکان عقلی پر متفق ہیں یعنی کچھ عقلی محال نہیں جانتی کہ اللہ تعالٰی ان سے مواخذہ نہ فرمائے مگر امکان شرعی میں اختلاف پڑا اہلسنت بالاجماع شرعا بھی جائز بلکہ واقع اور یہ فرقہ وعیدیہ سمعا ناجائز اور عذاب واجب مانتے ہیں۔ انھوں نے آیات وعید سے استناد کیا اس کے جواب میں جواز خلف کا مسئلہ پیش ہوا یعنی اے معتزلہ! تمھارا استدلال توجب تمام ہو کہ ہم وقوع وعید شرعا واجب مانیں وہ خود ہمارے نزدیک جائز الخلف ہے تو عفو پھر جائز کا جائز ہی رہا اور شرعا وجوب عذاب کہ تمھارا دعوی تھا ثابت نہ ہوا۔ امام علامہ تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

البحث الثانی عشر اتفقت الامة ونطق الکتاب والسنة بان الله تعالٰی عفو غفور یعفو عن الصغائر مطلقًا وعن الکبائر بعد التوبة ولایعفو عن الکفر قطعا، واختلفوا فی العفو عن الکبائر بدون التوبة فجوزه الاصحاب بل اثبتوه خلافا للمعتزلة، تمسك القائلون بجواز العفو عقلا وامتناعه سمعا وهم البصریون من المعتزلة وبعض البغدادیة بالنصوص الوارة فی وعید الفساق واصحاب الکبائر، واجیب بانهم داخلون فی عمومات الوعد بالثواب ودخول الجنة علی مامر والخلف فی الوعد لئوم لایلیق بالکریم وفاقا بخلاف الخلف فی الوعید فانه	بارھویں، امت کا اتفاق اور کتاب وسنت اس پر ناطق ہیں کہ اللہ تعالٰی معاف فرمانے والا غفور ہے۔ وہ صغائر تو ہر حال میں معاف فرمادیتا ہے اور کبائر کو توبہ کے بعد، کفر کو قطعاً معاف نہیں فرماتا۔ بغیر توبہ کبائر ک بخشش میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس کے جواز کے قائل بلکہ اس کو دلائل سے ثابت کرنے والے ہیں اس میں معتزلہ کا اختلاف ہے ان میں سے کچھ نے کہا عقلا عفو کا جواز ہے مگر شرعا ممتنع ہے۔ یہ بصری معتزلہ کی رائے ہے۔ بغدادی معتزلہ ان کی نصوص سے استدلال کرتے ہیں جو فساق اور اصحاب کبائر کے بارے میں وعیدیں آئی ہیں۔ ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ وعدہ ثواب ودخول جنت کی عمومی نصوص میں داخل ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) فالحق ان محل النزاع المشهور هو الجواز الشرعی وکلامهم انما هو فی مطلق الخلف وتحقیق الحق فی محصله ماسنلقی علیك والله الهادی ۱۲ منه رضی الله عنه۔

ہے تو حق یہ ہے کہ نزاع مشہور کا محل جواز شرعی ہے، علماء کا کلام مطلق خلف میں ہے حق کی تحقیق ہم آپ پر عنقریب بیان کریں گے۔ واللہ الہادی ۱۲ منہ رضی اللہ عنہ (ت)

ربما یعد کرما[1] اھ ملتقطا۔	جیسا کہ گزر چکا ہے۔اور وعدہ میں خلف ایسا قابل ملامت عمل ہے جو بالاتفاق کریم کے مناسب ولائق نہیں بخلاف خلاف وعید کے کہ اسے اکثر کرم ہی شمار کیا جاتا ہے اھ ملتقطا ۔(ت)

دیکھو علماء اس جواز خلف سے عذاب کے وجوب شرعی کو دفع فرماتے ہیں اور وجوب شرعی کا مقابل نہیں مگر جواز شرعی اگر صرف امکان عقلی مراد ہو تو وہ ان معتزلہ کے مذہب سے کیا منافی اور ان کی دلیل کا کیونکر نافی ہو گو وہ کب کہتے تھے کہ واجب عقلی ہے جو تم امکان عقلی کا قصہ پیش کرو۔تو ثابت ہوا کہ یہ علماء بالیقین خلف وعید کو شرعا جائز مانتے ہیں۔

ثانیًا: محققین کہ جواز خلف نہیں مانتے۔آیہ کریمہ "مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ"[2] (میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں کی جائے گی۔ ت)استدلال کرتے ہیں کما فی شرح عقائد النسفی وشرح الفقہ الاکبر وغیرھما (جیساکہ شرح عقائد نسفی، شرح فقہ اکبر اور دیگر کتب میں ہے۔ت) اور پر ظاہر کہ آیت میں نفی وقوع صرف استحالہ شرعی پر دلیل ہوگی نہ کہ امتناع عقلی پر، تو لازم کہ وہ علماء جواز شرعی مانتے ہوں ورنہ محققین کی دلیل محل نزاع سے محض اجنبی اور امر نزاع کی نافہمی پر مبتنی ہوگی وہ نہ کہہ دیں گے کہ اس سے صرف استحالہ شرعی ثابت ہوا وہ امکان عقلی کے کب خلاف ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

ثالثًا: واحدی نے بسیط میں آیہ کریمہ "اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾"[3] (بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ت) سے صرف وعدہ مراد لیا اور وعید پر حمل کرنے سے انکار کیا کہ اس میں تو خلف جائز ہے۔ تفسیر کبیر میں فرمایا:

احتج الجبائی بھذہ الاٰیۃ علی القطع بوعید الفساق (ثم ذکر احتجاجۃ والاجوبۃ عنہ الی ان قال)وذکر الواحدی فی البسیط طریقۃ اُخریٰ۔فقال لم لایجوز ان یحمل ھٰذا علی میعاد الاولیاء دون وعید الاعداء	جبائی نے وعید فساق کی قطعیت پر اسی آیہ مبارکہ سے استدلال کیا (پھر اس کا استدلال اور اس کے جوابات ذکر کئے پھر کہا)اور واحدی نے بسیط میں ایک اور طریقہ ذکر کرتے ہوئے کہا یہ کیوں جائز نہیں کہ اسے وعدہ اولیاء پر محمول کرلیا جائے نہ کہ وعید اعدا پر

---

[1] شرح المقاصد البحث الثانی عشع دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۵تا ۲۳۷

[2] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۴

لان خلف الوعید کریم عندالعرب [1] الخ۔	کیونکہ خلف وعید عربوں کے ہاں سراپا کریم ہوتا ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ علمائے مجوزین اگر صرف امکان عقلی مانتے تو آیت میں اس حمل کی انھیں کیا حاجت تھی کہ انتفائے شرعی جواز عقلی کے کچھ منافی نہیں۔

رابعا: قائلان جواز کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ خلف وعید صرف بحق مسلمین جائز ہے نہ بحق کفار۔ عبارت حلیہ:

الاشبہ ترجح القول بجواز الخلف فی الوعید فی حق المسلمین خاصۃ دون الکفار [2]۔	مختار یہ ہے کہ خلف وعید کا قول مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ کفار کے لئے۔(ت)

ابھی بحوالہ ردالمحتار گزری مگر میں نے اس کی جگہ اور تحفے پیش کروں، مختصر العقائد میں ہے:

الملك لله والناس عبیدہ ولہ ان یفعل بھم مایرید ولکن وعدان لایعذب احدا بغیر ذنب وان لایخلف المؤمن المذنب فی النار ویستحیل ان یخلف فی میعادہ وکذا اوعد ان یعذب المؤمن المذنب زمانا والکافر موبدا وکن قد یعفو عن المؤمن المذنب ولایعذبہ لانہ تکرم وتفضل فیترك الوعید، اما فی حق الکفار فلایکون العفو وان کان تکرما وتفضلا قال اللہ تعالٰی ولو شئنا لاٰتینا کل نفس ھداھا، ولکن حق القول منی الایۃ، اخبر انہ لایفعل مع الکفار الابطریق العدل [3]۔	ملک اللہ کا ہے تمام لوگ اس کے غلام ہیں اللہ تعالٰی ان کے بارے میں جو اپنے ارادہ کے مطابق کرسکتا ہے لیکن اس نے وعدہ فرمایا وہ کسی کو گناہ کے بغیر عذاب نہیں دے گا۔ کسی مومن گنہگار کو ہمیشہ دوزخ میں نہیں ڈالے گا اور اس سے وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے۔ اس طرح اس نے مومن گنہگار کو کچھ وقت کے لئے اور کافر کو ہمیشہ کے لئے عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے لیکن اگر وہ کسی مومن کو معاف فرما دیتا ہے اور اسے عذاب نہیں دیتا تو یہ اس کا سراپا کرم و فضل ہے تو وعید کو ترک فرمادیتا ہے رہا کفار کا معاملہ تو اس میں عفو نہیں اگرچہ عفو کرم و فضل ہی ہوتا ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ہر نفس کو ہدایت دیں لیکن میرا قول حق ہے۔ الآیہ اس میں اللہ تعالٰی نے خبر دی ہے کہ کفار کے ساتھ صرف عدل کا معاملہ فرمائے گا۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان اللہ لایخلف المیعاد المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۷/ ۱۹۶

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلیۃ مطلب فی خلف الوعید وحکم الدعاء بالمغفرۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[3] مختصر العقائد

روح البیان میں ہے:

اللہ تعالٰی لایغفر ان یشرك بہ فینجز وعیدہ فی حق المشرکین ویغفر مادون ذٰلك لمن یشاء فیجوز ان یخلف وعیدہ فی حق المومنین[1]۔	اللہ تعالٰی مشرک کو معاف نہیں فرماتا تو مشرکین کے حق میں وعید جاری وساری رہے گی اور اس سے نیچے کو معاف فرمادیتا ہے جس کو چاہے تو اہل ایمان کے حق میں خلف وعید جائز ہوگی۔(ت)

سبحان اللہ! اگر صرف امکان عقلی میں کلام ہوتا تو وہ باجماع اشاعرہ بلکہ جماہیر اہلسنت حق کفار میں بھی حاصل وھو التحقیق یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید (اور یہی تحقیق ہے اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔ت) شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول دین میں ہے:

اتفقت الامۃ ان اللہ تعالٰی لایعفو عن الکفر قطعاوان جاز عقلا ومنع بعضھم الجواز العقلی ایضا لانہ مخالف لحکمۃ التفرقۃ بین من احسن غایۃ الاحسان ومن اساء غایۃ الاساءۃ وضعفہ ظاھر[2] اھ ملخصا۔	امت کا اتفاق ہے کہ کفر کو قطعاً معاف نہیں کیا جائے گا اگرچہ اس کا عقلی جواز ہے اور بعض نے تو جواز عقلی کا بھی انکار کیا ہے کہ انتہائی نیکی کرنے والے اور انتہائی برائی کرنے والے کے درمیان فرق کرنے کی حکمت کے خلاف ہے اور اس کا ضعف ظاہر ہے اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

عند شرذمۃ لایجوزون العفو عنھم فی الحکمۃ[3]۔	ایک گروہ کے ہاں یہ ہے کہ وہ حکمت کے طور پر کفار سے معافی کو جائز نہیں کہتے۔(ت)

لاجرم بدلائل قاطعہ ثابت ہوا کہ قائلین جواز جواز شرعی لیتے ہیں اور خلف کے امتناع بالغیر سے بھی انکار رکھتے ہیں، اب تم نے خلف کے وہ معنی لیے جو ایک قسم کذب ہے تو قطعاً لازم کہ تمھارے زعم باطل میں ان علماء کے نزدیک کذب الٰہی نہ صرف عقلا بلکہ شرعا بھی جائز ہو جسے امتناع بالغیر سے بھی بہرہ نہیں یہ صریح کفر ہے والعیاذ باللہ رب العالمین۔ امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہ، شفا شریف میں فرماتے ہیں:

من دان بالوحدانیۃ وصحۃ النبوۃ و	جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور نبوت کی حقانیت اور

[1] روح البیان الجزء السادس والعشرون سورۃ ق مایبدل القول کے تحت المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۹/ ۱۲۵

[2] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۵

[3] شرح المقاصد المبحث الثانی عشر دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۳۸

نبوۃ بنبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن جوز علی الانبیاء الکذب فیما اتوابہ ادعی فی ذٰلك المصلحۃ بزعمہ ام لم یدعھا فھو کافر باجماع[1]۔	ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعتقاد رکھتا ہو باایں ہمہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر ان باتوں میں کہ وہ اپنے رب کے پاس سے لائے کذب جائز مانے خواہ بزعم خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے۔ ہر طرح بالاجماع کافر ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! حضرت انبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء پر کذب جائز ماننے والا باتفاق کافر ہوا۔ جناب باری عزوجل کا جواز کذب ماننے والا کیونکر بالاجماع کافر ومرتد نہ ہوگا۔ اب تو جانا کہ تم نے اپنی جہالت و قاحت سے کفر واسلام میں تمیز نہ کی اور کفر خالص پر معاذاللہ ائمہ دین میں نزاع ٹھہرادی، سبحان اللہ! یہ فہم فقاہت یہ دین ودیانت اور اس پر عالم رشید بلکہ شیخ مرید بننے کی ہمت

ع

آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت

(آدم ختم ہوگئے اور اللہ تعالٰی کے ملک پر گدھے نے قبضہ کرلیا۔ت)

ذرا یہ مقام یادرکھئے کہ آپ کو خاتمہ اس سے کام پڑتا ہے واللہ المستعان علی ماتصفون، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

حجت عاشرہ ظاہرہ باہرہ زاہرہ قاہرہ امر وادھی من قرینتھا الاولی۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ہنوز بس نہیں اگرچہ علماء مسئلہ خلف میں بلفظ جواز تعبیر کررہے ہیں مگر عقلی صافی ونظر وافی نصیب ہو تو کھل جائے کہ وہ جس معنی پر خلف جائز کہتے ہیں اس معنی پر نہ صرف جائز بلکہ بالیقین واقع مانتے ہیں تو تمھارے زعم خبیث پر قطعًا لازم کہ ائمہ دین کذب الٰہی کو یقینا واقع و موجود بالفعل جانتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفر جلی اور کیا ہوگا، دلائل لیجئے۔

اولا: ہم ثابت کرآئے کہ خلف وعفو ان کے نزدیک مساوی ہیں۔ اور ایک مساوی کا وقوع مساوی دیگر کو قطعاً مستلزم خواہ تساوی فی التحقق ہو یا فی الصدق کہ اول کا تو عین منطوق تلازم فی الوجود اور ثانی اس سے بھی زیادہ ادخل فی المقصود، فان الانفکاك فی الوجود فی الصدق مع شی زائد (کیونکہ وجودمیں انفکاک، صدق میں انفکاک ہی ہے بلکہ شی زائد کے ساتھ ہے۔ت) لیکن عفو بالیقین واقع ابھی شرح مقاصد

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۲۶۹

سے گزرا"جواز الاصحاب بل ائبتوہ [1] " (اصحاب اسے جائز بلکہ اسے ثابت کرتے ہیں۔ت) تو ثابت ہوا کہ وہ علماء جسے خلف وعید کہتے ہیں یقیناً واقع، اب تم خلف کو اس معنی ناپاک پر حمل کرتے ہو تو معاذاللہ الٰہی کے بالیقین واقع و موجود ہونے میں کیا کلام رہا، صدق اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا۔ت):

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ۞" [2]۔	بیشک آنکھیں اندھی ہوتیں وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔والعیاذباللہ سبحانہ وتعالٰی (اللہ سبحانہ وتعالٰی کی پناہ۔ت)

ثانیاً: تعیین تساوی سے قطع نظر بھی کیجئے تاہم آیہ کریمہ "وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ" [3] (شرک سے نیچے معاف فرمادے گا۔ت) سے ان کا استدلال دلیل قاطع کو خلف عفو س خاص یا مباین نہیں لاجرم مساوی نہ سہی تو عام ہوگا۔ بہر حال وقوع مغفرت و وقوع خلف اور تمہارے طور پر وقوع خلف و قوع کذب کو مستلزم ہو کر کذب الٰہی یقینی الوقوع ٹھہرے گا اور کیا گمراہیوں کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔

ثالثاً: مختصر العقائد کی عبارت گزری کچھ دیر نہ ہوئی جس میں خلف وعد کو محال لکھ کر وعید مسلمین کے بارے میں دیکھ لیجئے کیا لفظ لکھا یجوز ان یترك الوعید (وعید کا ترک کرنا جائز ہے۔ت) نہ کہا بلکہ صاف صاف یترك الوعید [4] (وعید کو ترک کردیا۔ت) مرقوم کیا۔ پھر ثبوت مدعا میں کیا کلام رہا۔

رابعاً: ان دلائل قاطعہ کے بعد تمہاری سمجھ کے لائق قاطع نزاع وواقع شغب یہ ہے کہ امام محمد محمد ابن امیر الحاج حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی حلیہ میں جواسی ردالمحتار کی جس سے آپ ناقل (اس مقام میں) ماخذ صاف بتادیا کہ خلف وعید صرف عفو سے عبارت ہے۔ اب آپ ہی بولئے کہ آپ کے مذہب میں عفو بالیقین واقع ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو وہی خلف ہے اور تم خلف کو اصل کذب سمجھے تو اپنے خدا کو یقیناً کاذب کہہ چکے یا نہیں۔ حلیہ کی عبارت میں ہے:

الدعاء المذکور یستلزم انه یجوز الخلف فی الوعید وظاهر المواقف والمقاصد	دعا مذکور اس بات کو مستلزم ہے کہ خلف وعید جائز ہے۔ مواقف اور مقاصد کے ظاہر سے ہی

[1] شرح المقاصد المبحث فی عشر دار المعارف النعمانیہ بیروت ۲/ ۲۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۶

[4] مختصر العقائد

ان الاشاعرۃ قائلۃ بہ لانہ لایعد نقصاً بل جود او کرما ولھذامدح بہ کعب بن زھیر رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حیث قال۔ نبئت ان رسول اللہ اوعدنی والعفو عند رسول اللہ مأمول [1]	معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اس کے قائل ہیں کیونکہ اسے نقص نہیں بلکہ جود وکرم شمار کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس کے ساتھ مدح کرتے ہوئے کہا۔ مجھے بتایا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے وعید سنا رکھی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عفو کی ہی امید ہے۔(ت)

دیکھو صراحۃً مدح بالعفو کو مدح بخلف وعید قرار دیا۔ اسی طرح ختم نبوت میں قول ابن نباتہ مصری:

الحمدللہ الذی اذاوعدی وفاواذا اوعد عفا [2]۔	تمام حمد اللہ کی جو وعدہ کرکے وفا فرماتا ہے اور تو جب وعید سناتا ہے تو معاف فرمادیتا ہے۔(ت)

کو اسی باب سے ٹھہرایا اب بھی وضوح حق میں کچھ باقی رہا۔ یہ دوسرا مقام یاد رکھنے کا ہے کہ تم نے صراحۃً وقوع و وجود کذب الٰہی کو ائمہ اہلسنت کا مذہب جانا اور ایسے کفر شنیع وارتداد قطیع کو اہل حق کا ایک اختلافی مسئلہ مانا،

کذلك یطبع اللہ علی کل قلب متکبر جبار ولاحول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار۔	یوں ہی اللہ تعالٰی ہر متکبر اور جابر دل پر مہر ثبت فرماتا ہے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ الواحد القھار (ت)

بالجملہ بحمداللہ بحجج قاہرہ وبینات باہرہ شمس وامس سے زیادہ روشن اوابین ہوگیا کہ علماء جس معنی پر خلف جائز مانتے ہیں، حاش اللہ! اسے امکان کذب اصلاعلاقہ نہیں، ان کے نزدیک خلف بمعنی عدم ایقاع وعید بوجہ تجاوز وکرم ہے کہ عین عفو یا عفو کا مساوی وملازم، اور یہ معنی نہ صرف جائز بلکہ باجماع اہلسنت بلاشبہہ واقع رہا۔ خلف بمعنی تبدیل وتکذیب خبر جس کے جواز پر امکان کذب متفرع ہوسکے۔ ہر گز ان علماء کی مراد نہ عالم میں کوئی عالم اس کا قائل بلکہ وہ بالاتفاق یک زبان ویک دل اس سے تبری وتحاشی کامل کرتے ہیں اور کذب الٰہی کے استحالہ قطعی وامتناع عقلی پر اجماع تام رکھتے ہیں۔ اول سے آخر تک ان کے تمام کلمات ومحاورات وجوہ مناظرہ طریق رد واثبات ہزار درہزار طور سے اس امر پر شاہد عدل وناطق فصل وقد ظھر علی کل

---

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

ذی عقل (اور یہ ہر عقلمند پر ظاہر ہے۔ت) اور امام ابن امیر الحاج نے تو بحمد اللہ یہ امر باتم وجوہ منجلی کردیا کہ خود جواز خلف کو راجح مان کر اس معنی ناپاک تراشیدہ مدعی بیباک کی وہ بیخ کنی فرمائی جس کی غرب سے شرق تک خبر آئی۔ یونہی امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں باآنکہ کلام امام ابو عمرو ابن العلاء قائل جواز خلف کی وہ کچھ تائید کی جو اوپر گزر چکی۔ جب معنی تبدیل کی نوبت آئی جس پر ان حضرات نے تفریع کی ٹھہرائی اس پر وہ شدید و عظیم نکیر فرمائی کہ کج فہمی جاہل پر قیامت ڈھائی، اسی تفسیر میں فرماتے ہیں:

الخبرا ذاجواز علی اللہ الخلف فیه فقد جوز الکذب علی اللہ تعالٰی وھذا خطاء عظیم بل یقرب من ان یکون کفرافان العقلاء اجمعوا علی انه تعالٰی منزه عن الکذب ومعلوم ان فتح ھذا الباب یقضی الی الطعن فی القراٰن وکل الشریعۃ اھملخصا[1]۔	یعنی جب خبر میں خلف اللہ تعالٰی پر جائز رکھا جائے تو بیشک کذب الٰہی کو جائز ماننا ہوگا اور یہ سخت خطا ہے بلکہ قریب ہے کہ کفر ہوجائے اس لئے کہ تمام عقلاء (یعنی نہ صرف اہل اسلام بلکہ سمجھ والے کافر بھی) اتفاق کئے ہوئے ہیں کہ باری تعالٰی کذب سے منزہ ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس دروازے کا کھولنا قرآن مجید اور تمام شریعت میں طعن تک لے جائیگا اھ ملخصا۔

بس خدا کی شان ہی شان نظر آتی ہے کہ واضح روشن، ایمانی اجماعی مسائل ہیں مدعیان علم و دیانت و رشد و مشیخت اغوائے عوام وتلبیس مرام کو یوں دیدہ ودانستہ کو یہ مفتری بن جاتے ہیں اور خوف خالق و شرم خلائق سب کو یک دست سلام کرکے ائمہ دین پر یوں کھلے بہتان جیتے طوفان اٹھاتے ہیں۔

چشم بازو گوش بازوایں ذکا　　　خیرہ ام در چشم بندے خدا

(آنکھیں کھولو، کان کھولو، اے بندہ خدا! اس سے آنکھیں خیرہ ہیں۔ت)

فان کنت لاتدری فتلك مصیبة　　　وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

(اگر تم نہیں جانتے تو یہ مصیبت وپریشانی ہے اور اگر جانتے ہو تو اس سے بڑھ کر آزمائش ہے۔ت)

بس زیادہ نہ کہو سوا اس کے کہ اللہ ہدایت دے آمین!

تنبیہ نبیہ: الحمد للہ تحقیق ذروہ علیا کہ پہنچی اور عیارون طراروں کی افترابندی اپنی سزا کو، اب صرف یہ امر قابل تنقیح رہا کہ جب خلف بمعنی تبدیل کے استحالہ پر اجماع قطعی قائم اور بمعنی مساوی عفو بالاجماع جائز بلکہ واقع تو علمائے مجوزین و محققین مانعین میں نزاع کس امر پر ہے۔ **اقول:** وباللہ التوفیق وبه العروج علی

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر

اوج التحقیق علی الخبیر سقطت (میں کہتاہوں اللہ کی توفیق سے ،اور اس توفیق سے باخبر کو تحقیق کی بلندیوں پر عروج حاصل ہوتاہے۔ت) ہاں منشاء نزاع اس اطلاق کی تجویز ہے مجوزین نے خیال کیا کہ خلف وعید معاذاللہ کسی عیب ومنقصت کا نشان نہیں دیتا بلکہ عفو وکرم پر دلیل ہوتاہے اور محل مدح وستائش میں بولا جاتاہے ولہذا جابجا عرف عرب سے اس پر استناد کرتے ہیں۔قائل قائلھم (ان میں سے کسی کا قول ہے۔ت) ؎

وانی وان اوعدته او وعدته لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

(اگر میں نے اسے وعید سنائی یا اس سے وعدہ کیا تو اپنے وعید کا خلاف اور وعدہ کو پورا کرنیوالا ہوں۔ت)

وقال اٰخر (اور دوسرے نے کہا۔ت) :؎

اذا وعد السراء انجز وعده وان اوعد افالعفو مانعه

(جب خوشحال لوگوں سے وعدہ کیا تو وعدہ پورا کردیا اور جب فقراء کو وعید سنائی تو عفو اس کے مانع ہوگیا۔ت)

بنابراں خلف وعید کی تجویز کی۔ محققین نے دیکھا کہ لفظ معنی محال یعنی تبدیل کا موہوم اور یہاں ایہام محال بھی منع میں کافی، کما نصوا علیه فی مسئلة معقد العنز (جیسا کہ انھوں نے مسئلہ معقد العنز میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) اور اس کے ساتھ وقوع تمدح صرف مخلوق میں ہے خالق عزوجل کا ان پر قیاس صحیح نہیں لاجرم اس تجویز سے تحاشی کی۔

خلاصہ یہ کہ آیات وعید میں بنظر ظاہر عموم عدم ایک صورت خلف میں ہے اگرچہ بنظر تخصیص وتقیید حقیقت خلف سے قطعاً منزہ، مجوزین اسی خلف صوری کو خلف وعید سے تعبیر کرتے اور اسے جائز رکھتے ہیں کہ مفید مدح ہے اور محققین منع فرماتے ہیں کہ موہم نقص وقدح ہے ورنہ اگر خیال معنی کیجئے تو بلاشبہہ وہ جس امر کو خلف کہتے ہیں قطعاً بالاجماع جائز وواقع ، ولہذا علامہ شہاب الدین خفاکی مصری نے نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں مسئلہ خلف کو اہلسنت کا اتفاقی قرار دیا اور اس میں خلاف صرف معتزلہ کی نسبت کیا،

حیث قال الوعید لایجوز تخلفه عند المعتزله لقولھم بانه یجب علی اللہ تعالٰی تعذیب العاصی[1]۔	جہاں کہا کہ وعید کا تخلف معتزلہ کے ہاں جائز نہیں کیونکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ خاص کو عذاب دینا اللہ تعالٰی پر لازم ہے۔(ت)

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۵۳۱

پر ظاہر کہ اس نسبت کا منشا وہی نظر معنی ہے کہ معنی مقصود مجوزین کے جواز میں واقعی اشقیائے معتزلہ ہی کو خلاف ہے اہلسنت میں کوئی اس کا منکر نہیں۔ جس طرح معنی کذب و تبدیل کے بطلان وامتناع پر اہلسنت بلکہ اہل ملل بلکہ اہل عقل کا اجماع ہے جس میں کسی فرقہ کا خلاف معلوم ظاہر نہیں۔ یہ ہے بحمد اللہ محل نزاع کی تحریر انیق و تقریر رشیق، والحمد ﷲ ولی التوفیق علی الھام التحقیق وارشاد الطریق (حمد ہے اللہ تعالٰی میں جو عطاء تحقیق اور رہنما طریق کی توفیق کا مالک ہے۔ت) امام محقق مدقق علامہ حلبی نے اسی حلیہ میں جواز خلف مان کر معنی کذب و تبدیل سے وہ تحاشی عظیم فرمائی جس کی نقل حجت سابعہ میں گزری پھر تصریح مراد کی یوں ارشاد کی:

المراد بالوعید صورۃ العموم بالوعید من ارید بالخطاب [1]۔	مسئلہ جواز خلف میں وعید سے صورت عموم مراد ہے کہ بظاہر حکم سب مخاطبوں کو شامل نظر آتا ہے۔

یعنی تنہا الفاظ وعید پر نظر کیجئے تو صاف یہی حکم ہے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایسا کریں گے سب سزا پائیں گے پھر جبکہ بدلائل قاطعہ ثابت ہوا کہ بعض کو نہ ہوگی تو بظاہر وعید متخلف ہوئی حالانکہ وہ عموم صرف صوری تھا۔ نہ حقیقی کہ حقیقت میں عمومات وعید آیاتِ مشیت سے مکتسب تقیید، جن کا حاصل یہ ہے کہ ہم معاف نہ فرمائیں تو سزا ہوگی بس اس قدر محصل خلف ہے جسے معاذاللہ کذب و تبدیل سے کچھ علاقہ نہیں۔ پھر اس مراد و مقصود کی تحقیق فرما کر ارشاد کرتے ہیں:

ثم حیث کان المراد ھذا فالوجہ ترک اطلاق جواز الخلف فی الوعد والوعید دفعا لایھام ان یکون المراد منہ ھذا المحال [2]۔	یعنی جب معلوم ہوگیا کہ جواز خلف سے صرف اس قدر مراد ہے نہ وہ کہ معاذاللہ امکان کذب کو راہ دے کہ کذب و تبدیل تو یقینا اللہ تعالٰی پر مستحیل، تو مناسب یہی ہے کہ وعدہ یا وعید کسی میں جواز خلف کا لفظ نہ بولیں کہ اس سے کسی کو اس معنی محال کا وہم نہ گزرے.

واقعی امام ممدوح کا گمان بجا تھا۔ آخر دیکھئے نا کہ اس چودھویں صدی میں جہال سفہاء کو وہ ہم آڑے ہی آیا۔ والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی پھر فرماتے ہیں:

وانما وافقناھم علی الاطلاق لشھرۃ المسئلۃ بینھم بھذہ الترجمۃ و	ہم نے جو اس لفظ کے اطلاق میں علمائے سابقین کا ساتھ دیا اس پر باعث یہ تھا کہ مسئلہ ان میں سے اسی

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

نستغفر اللہ العظیم من کل مالیس فیہ رضاہ [1]۔	نام سے شہرت رکھتا ہے اور ہم اللہ عزوجل سے مغفرت چاہتے ہیں ہر اس بات کی جو اسے پسندیدہ نہیں۔

سفیہ جاہل دیکھے کہ اس کے امکان کذب کے شوشے کدھر گئے۔

"قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٨١﴾" [2]۔	فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بتوفیق المولٰی سبحانہ وتعالٰی اس مقام کی زیادہ تحقیق حواشی شرح عقائد وشرح مواقف پر ذکر کی اگر مخافت تطویل نہ ہوتی توان نفائس جلیلہ کو زیور گوش سامعین کرتا۔ **وفیما ذکرنا کفایۃ والحمد للہ ولی الھدایۃ** (جو کچھ ہم نے ذکر کردیا وہی کافی ہے۔ حمد ہے اللہ تعالٰی کی جو ہدایت کا مالک ہے۔ ت) غرض اس مقدار سے زائد کسی امر کو محل نزاع ٹھہرانا خود ان کے مقتضائے کلام ومقال وتمسک واستدلال سے جدا پڑنا اور توجیہ القول بالایرضی بہ قائلہ کرنا اور ان کے اجماعیات قاطعہ سے منکر ہونا اور ان مہالک شنیعہ ونتائج فظیعہ کا ان کے ذمے باندھنا ہے جن سے وہ ہزار جگہ بتصریح صریح تبری کرتے ہیں۔ اور واقعی بحمد اللہ بارہا دیکھا ہے کہ ائمہ اہلسنت میں جو مسئلہ اصول مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ بعض ناظرین ظواہر الفاظ سے دھوکا کھائیں مگر عند التحقیق اس کا حاصل نزاع لفظی یا ایسی ہی کسی بلکہ بات کی طرف راجع ہوا ہے۔ پھر ایک فریق کے دوسرے پر الزامات حقیقۃً اپنے معنی مراد پر الزام ہیں جس سے دوسرے کا ذہن خالی نہ اس کی مراد سے انھیں تعلق نہ اسے دیکھ کر کوئی عاقل یہ وہم کرسکتا ہے کہ وہ امر جس کا الزام دیا گیا فریقین میں مختلف فیہ ہے بلکہ یہ تو عامہ نزاعات حقیقیہ معنویہ میں بھی نہیں ہوتا چہ جائے صوریہ ولفظیہ میں الزام اسی امر سے دیتے ہیں جس کا بطلان متفق علیہ ہو مختلف فیہ سے مختلف فیہ پر احتجاج یعنی چہ خصوصا جب کہ ایک امر میں اختلاف دوسرے میں تنازع کی فرع ہو کہ اس تقدیر پر فرع سے الزام مصادرہ علی المطلوب ہے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل کہ طرف مقابل سخت ابلہ وجاہل، خیر بات دور پہنچی نظائر لیجئے۔ مثلاً ایمان مخلوق ہے یا غیر مخلوق، امام عارف باللہ حارث محاسبی وجعفر بن حرب وعبد اللہ بن کلاب وامام المتکلمین عبد العزیز مکی وائمہ سمرقند اول کے قائل اور اسی طرف امام ہمام ابوالحسن اشعری قدس سرہ، مائل، بلکہ اسی پر امام الائمہ سراج الامہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نص شریف دلیل کامل، اور امام عماد السنہ احمد بن حنبل وغیرہ جماعت محدثین سے قول منقول اور یہی ائمہ بخارا

---

[1] حلیہ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

"ومن وافقھم "کے نزدیک مختار و منصور و معتمد مقبول،اس پر ائمہ سمر قند و بخارا میں نزاع کو جو طول ہوا مخفی نہیں انہوں انھوں نے ان پر مخلوقیت قرآن کاالزام رکھاانھوں نے ان پر نامخلوقیت افعال عباد کا طعن کیااور حقیقت دیکھئے تو بات کچھ بھی نہیں اپنی اپنی مراد پر دونوں سچ فرماتے ہیں ایمان مخلوق بیشک مخلوق کہ مخلوق و صفات مخلوق سب مخلوق اور ایمان کہ صفت خالق عزوجل ہے جس پر اسمائے حسنٰی سے پاک مومن دلیل یعنی اس ملک جلیل جل جلالہ کاازل میں اپنے کلام کی تصدیق فرمانا وہ قطعاً غیر مخلوق کہ خالق و صفات خالق مخلوقیت سے منزہ۔

ھکذا قررہ الفاضل العلامۃ کمال الدین بن ابی شریف القدسی فی المسامرۃ شرح المسایرۃ۔	اسی طرح اس کی تفصیل فاضل علامہ کمال الدین بن ابی شریف المقدسی نے المسامرۃ شرح المسایرۃ میں کی ہے۔(ت)

اب کیا کوئی احمق جاہل اس نزاع کو دیکھ کر یہ گمان کرے گا کہ بعض صفات خالق کا مخلوق یا بعض افعال مخلوق کا نامخلوق ہونا ائمہ اہل سنت میں مختلف فیہ ہے۔حاشاہ کلایوں ہی مسئلہ زیادت و نقصان ایمان کہ قدیم سے مختلف فیہا ہے۔امام رازی وغیرہ بہت محققین اسے بھی نزاع لفظی پر اتارتے ہیں۔منح الروض میں ہے:

ذھب الامام الرازی وکثیر من المتکلمین الی ان ھذا الخلاف لفظی راجع الی تفسیر الایمان [1]۔	امام رازی اور بہت سے متکلمین اس طرف گئے ہیں یہ اختلاف لفظی ہے جو ایمان کی تفسیر کی طرف لوٹتا ہے۔(ت)

پھر کہا:

ھذا ھو التحقیق الذی یجب ان یعول علیہ [2]۔	یہ وہ تحقیق ہے جس پر اعتماد لازم ہے(ت)

اسی طرح اور مسائل پائے گا۔اگر اس پر حمل کیجئے جب تو امر نہایت ایسر کہ مجوزین بمعنی مساوی عفہ لیتے ہیں اور مانعین بمعنی تبدیل قول دونوں سچ کہتے ہیں اور دونوں اجماع باتیں ہیں مگر فقیر نے بحمد اللہ جو تنقیح مناط کردی اس پر نزاع بھی معنوی رہی اور قول مانعین کا محقق وراج ہونا بھی کھل گیااور جہالت جاہلین کاعلاج بھی بحمد اللہ بروجہ کافی ہولیا،

ذٰلک من فضل اللہ علینا وعلی الناس	یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر لیکن اکثر لوگ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنھا ان الایمان لایزید وینقص مصطفی البابی مصر ص ۱۳۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنھا ان الایمان لایزید وینقص مصطفی البابی مصر ص ۱۳۵

ولکن اکثر الناس لایشکرون o اللهم لك الشکر الابدی والمن السرمدی، والحمد لله رب العالمین۔	شکر نہیں بجالاتے۔اے اللہ! شکر ابدی اور احسان دائمی تیرے لئے ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔(ت)

تسجیل جلیل و تکمیل جمیل:اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مدعی جدید بیچارے کی حالت نہایت قابل رحم غریب نے امام الطائفہ کی بات بنانے کو عقل ودیانت کو پان رخصت دیا۔اپنے رب کو جیسے بنے لائق کذب کردینے کا ذمہ لیا۔ائمہ امت وسادات ملت پر کھلی آنکھوں جیتا بہتان کیا، غرض لاکھ جتن کو چھوڑے مگر کال نہ کٹا یعنی امام کی پیشانی سے داغ ضلالت مٹنا تھا نہ مٹا۔آپ کو یاد ہو کہ اصل بات کاہے پر چھڑی تھی، ذکر یہ تھا کہ حضور پر نور سید المرسلین خاتم النبیین اکرم الاولین والاخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل وہمسر حضور کی جملہ صفات کمالیہ میں شریک برابر محال ہے کہ اللہ تعالٰی حضور کو خاتم النبیین فرماتا ہے اور ختم نبوت نا قابل شرکت تو امکان مثل مستلزم کذب الٰہی اور کذب الٰہی محال عقلی ؎

منزہ عن شریك فی محاسنه فجوھر الحسن فیه غیر منقسم

(اپنے محاسن میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی شریک سے بالا ہیں آپ کو ہر حسن تقسیم نہیں کیا گیا۔ت)

اس پر اس سفیہ نے جواب دیا کہ کذب الٰہی محال نہیں۔ ممکن ہے کہ خدا کی بات جھوٹی ہو جائے اور اس پر جو ہذیانات بکے ان کی خدمت گزاری تو آپ سن ہی چکے اب یہ حضرت اس کی حمایت میں خلف وعید کا مسئلہ پیش کرتے ہیں یعنی ان کے امام نے نئی نہ کہی بلکہ اس کا قول ایک گروہ ائمہ کے موافق ہے۔اے سبحان اللہ! ؎

اماچنیں مقتدے چناں جہاں چوں نہ بیند بدلے چناں

(ایسے امام اور ایسے مقتدی، جہاں نے ایسے بدنہ دیکھے ہوں گے۔ت)

اے حضرت! سب کچھ جانے دیجئے مگر یہ آیہ کریمہ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1] ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) بھی معاذاللہ کوئی وعید ہے جس کے امکان کذب کو جواز علت پر متفرع کیجئے گا یہ تو وعدہ ہے یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بشارت عظیمہ کو تمھیں اس فضل جلیل سے مشرف کیا گیا تمھاری شریعت مطہرہ کو شرف افضلیت بخشا تم ناسخ ادیان ہوئے تمھارے دین متین کا ناسخ کوئی نہ آئے گا تم سب سے بلند وبرتر تم سے بالا کوئی ہوا نہ ہوگا۔اس میں خلف تو

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

ہر طرح بالا جماع محال ہے پھر تمھارے امام کا کیا کام نکلا اور مخالف اجماع مسلمین واحداث بدعت ضالہ فی الدین کا داغ کیونکر مٹا۔ہاں یہ کہ اس کی اور ساتھ لگے تمھاری عقل ودیانت کا کام تمام ہوا،اسے کام نکلنا سمجھ لیجئے چاہئے کام ہو جانا قسمت کا بداکہ دین ودیانت سے یوں کٹی چھٹی اور امام بیچارے کی بات نہ بنی ؎

نہ خداہی ملانہ وصال صنم　　　　حبك الشئی یعمی ویصم

(تجھے شی کی محبت اندھااور بہرہ کردے گی۔ت)

؎ ذلیل وخوار وخراب وخستہ نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے

بہک گئے دین حق کارستہ نہ اس سے ملتے نہ ایسے ہوتے

صدق القائل(کہنے والے نے سچ کہا۔ت)؎

اذاکان الغراب دلیل قوم　　　　سیھدیھم طریق الھالکینا

(جب قوم کا رہنما کوّا ہو تو اس کو ہلاکت والے راستہ ہی کی رہنمائی کرے گا۔ت)

الحمد ﷲ! یہ بظاہر دس حجج باہرہ اور حقیقۃً اکیس دلائل قاہرہ ہیں کہ حجت رابعہ میں "وجہ ۲ و"وجہ ۳ حجت سادسہ میں "ثانیا،حجت تاسعہ وعاشرہ دونوں میں "۱۴ "ثانیا۱۵ "ثالثا۱۶ "رابعا۱۷ ۱۸، ۱۹ ،بالجملہ کے بعد ۲۰عبارت امام رازی تنبیہ نبیہ میں کلام ۲۱امام حلبی،یہ گیارہ مستقل حجتیں تھیں۔انھیں مدعی جدید پر اکیس کوڑے سمجھئے تو بائیسواں ۲۲ تازیانہ تسجیل جلیل کا ہوا،اوپر کے سو ۱۰۰ ملا کر ایک سو بائیس ۱۲۲ کوڑے انھیں جمع رکھئے اور آگے چلئے کہ سائل کے بقیہ سوال کو اظہار جواب و تحقیق صواب کا انتظار کرتے دیر گزری،اب وقت وہ آیا کہ ادھر عطف عنان کروں اور بیان حکم قائل کے لئے میدان بدیع تحقیق رفیع میں قدم دھروں:

واﷲ الھادی ولی الایادی والصلٰوۃ علی حبیبہ سراج النادی۔رہنمائی فرمانے والا اﷲ ہے اور وہی مدد کا مالک ہے اس کے محبوب پر صلٰوۃ والسلام ہو جو مجلس کائنات کے چراغ ہیں۔(ت)

خاتمہ تحقیق حکم قائل میں

اقول: وباﷲ التوفیق اللھم اغفر وقنا الضلال والکفر (میں اﷲ کی توفیق سے کہتا ہوں اے اﷲ! ہمیں معاف فرمادے اور ہمیں گمراہی اور کفر سے محفوظ فرما۔ت) جان برادر! یہ پوچھتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کیسا ہے اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے،یہ پوچھ کہ امام وماموم پر ایک جماعت ائمہ کے نزدیک

کتنی وجہ سے کفر آتا ہے۔حاش للہ حاش للہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہر گز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ کے کفر پر بھی ہم حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل لا الہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولایعلی (اسلام غالب ہے مغلوب نہیں۔ت) مگر یہ کہتا ہوں اور بیشک کہتا ہوں کہ بلاریب ان تابع ومتبوع سب پر ایک گروہ علماء کے مذہب میں بوجہ کثیرہ کفر لازم۔والعیاذ باللہ ذی الفضل الدائم (دائمی فضل والے اللہ کی پناہ۔ت) میرا مقصود اس بیان سے یہ ہے کہ ان عزیزون کو خواب غفلت سے جگاؤں اور ان کے اقوال باطلہ کی شناعت بائلہ انھیں جتاؤں کہ او بے پروا بکریو! کس نیند سورہی ہو، گلا دور پہنچا، سورج ڈھلنے پر آیا گرگ خونخوار بظاہر دوست بن کر تمھارے کان پر تھپک رہا ہے کہ ذرا جھٹپٹا اور اپنا کام کرے چوپایوں میں تمھاری بیجاہٹ کے باعث اختلاف پڑچکا ہے بہت حکم لگاچکے کہ یہ بکریاں ہمارے گلے سے خارج ہیں بھیڑیاں کھائے شیر لے جائے ہمیں کچھ کام نہیں اور جنھیں ابھی تک تم پر ترس باقی ہے وہ بھی تمھاری ناشائستہ حرکتوں سے ناراض ہو کر اپنی خاص گلے میں تمھارا آنا نہیں چاہتے ہیہات ہیہات اس بیہوشی کی نیند اندھیری رات میں جسے چوپان سمجھ رہے ہو واللہ وہ چوپان نہیں خود بھیڑیا ہے کہ ذیاب فی ثیاب کے کپڑے پہن کر تمھیں دھوکا دے رہا ہے پہلے [عہ۱] وہ بھی تمھارے طرح اس گلے کی بکری تھا، حقیقی بھیڑیے [عہ۲] نے جب اسے اسے شکار کیا اپنے مطلب کا دیکھ کر دھوکے کی ٹٹی بنالیا اب وہ بھی اکے دکے کی خیر مناتا اور بھولی بھیڑوں کو لگا کر لے جاتا ہے للہ اپنی حالت پر رحم کرو۔اور جہاں تک دم رکھتے ہو ان گرگ ونائب گرگ سے بھاگو جیسے بنے اس مبارک گلے میں جس پر خدا کا ہاتھ ہے کہ ید اللہ علی الجماعۃ (جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ت) اور اس کے سچے راعی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں آکر ملوں کہ امن چین کا رستہ چلو اور مرغ زار جنت میں بے خوف چرو۔اے رب میرے ہدایت فرما، آمین!

عہ۱: یعنی امام الوہابیہ ۱۲ عہ۲: یعنی شیطان ۱۲

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔

ادامه الله لنا حتی نلقاہ به یوم القیام وندخل به بفضل رحمته دار السلام اٰمین!	اللہ تعالٰی اس پر ہمیں دوام عطا فرمائے حتی کہ ہماری روز قیامت آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملاقات ہو اور اللہ تعالٰی اپنی رحمت سے دار السلام میں آپ کے ساتھ داخلہ عطا فرمائے۔(ت)

اور معاذ اللہ ان میں کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنٰی شک لانا کفر،

اعاذنا الله منه بحفظه العظیم ورحم عجزنا وضعنا بلطفه الفخیم، انه هو الغفور الرحیم اٰمین اٰمین اِلٰه الحق اٰمین!	اپنے حفظ عظیم سے اللہ تعالٰی ہمیں اپنی پناہ عطا فرمائے اور ہمارے عجز اور کمزوری پر لطف عظیم سے رحم فرمائے وہی غفور رحیم ہے، آمین آمین اے معبود برحق آمین! (ت)

پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے، لزومی والتزامی، التزامی یہ کہ ضروریات دین سے کسی شیئ کا تصریحات خلاف کرے یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے اگرچہ نام کفر سے چڑے اور کمال اسلام کا دعوی کرے۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں بلکہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائف کفار میں بھی نہ پایا جائے گا ہم نے دیکھا ہے بہیترے ہندو کافر کہنے سے چڑتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا یا جس بات کا اس نے دعوی کیا وہ بعینہٖ کفر و مخالف ضروریات دین ہو جیسے طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک و جن و شیطان و آسمان و نار و جنان و معجزات انبیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والسلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوات اللہ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ و توہمات عاطلہ کو لے مرنا نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے نہ محبت اسلام و ہمدردی قوام کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ "[1] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) اور لزومی یہ کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات و تتمیم تقریبات کرتے لے چلئے تو انجام کار اس سے کسی ضرور دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلاف حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انکار کرنا کہ تضلیل

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰ و ۶۳/ ۴

جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی طرف مؤدی اور وہ قطعاً کفر مگر انھوں نے صراحۃ اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہلبیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علی مولاھم وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بناتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں اس قسم کے کفر میں علماء اہلسنت مختلف ہوگئے جنھوں نے مآل مقال ولازم سخن کی طرف نظر کی حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعوت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ رب العالمین کی پناہ۔ت) امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں فرماتے ہیں:

من قال بالمأل یؤدی الیه قول ویسوقه الیه مذهبه، کفره، فکانهم صرحوا عنده بما ادی الیه قولهم، ومن لم یراخذهم بمأل قولهم ولاالزمهم موجب مذهبهم لم یرا کفارهم قال لانهم اذاوقفوا علی هٰذا قالوا لا نقول بالمأل الذی الزمتموه لنا۔ و نعتقد ونحن وانتم انه کفر، بل نقول ان قولنا لا یؤل الیه علی ما اصلنا، فعلی هٰذین المأخذین اختلف الناس فی الکفار اهل التاویل والصواب ترک اکفارهم[1] اهملخصاً۔	جس نے اس مآل کی طرف دیکھا جس کی طرف اس کا قول مؤدی تھا جس کی طرف اس کا مذہب چلا جاتا ہے تو اس نے اس کی تکفیر کی گویا اس نے ان کے مؤدی قول کو سمجھا ہے اور جنھوں نے ان کے مآل کو نہ دیکھا اور نہ ان کے تقاضا مذہب کالزوم دیکھا انھوں نے تکفیر نہیں کی اس لئے جب وہ اس سے اگاہ ہوگئے توانھوں نے کہا ہم اس مآل کا قول دونوں اسے کفر تصور کرتے ہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے اصل کے مطابق ہمارے قول کا وہ مآل ہی نہیں، ان دونوں ماخذوں کی وجہ سے اہل تاویل کے کفر میں لوگوں کا اختلاف ہوا اور درست رائے یہی ہے کہ ان کے کفر کا قول نہ کیا جائے اھ ملخصاً (ت)

جب یہ امر ہو لیا تو اب ان امام وماموم کے کفریات لزومیہ ہوگئے۔ امام کے کفروں کا شمار ہی نہیں اس نے تو صرف انھیں چند سطروں میں جو تنزیہ سوم میں اس سے منقول ہوئیں کفروی لزومی کی ساتھ اصلیں تیار کیں جن میں ہر اصل صدہا کفر کی طرف منجر اور اس کا مذہب مان کر ہر گز ان سے نجات نہ مفر، والعیاذ باللہ العلی الاکبر۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی فصل فی بیان ماهو من المقالات المطبعة الشرکة الصحافیه بیروت ۲/ ۲۷۸

اصل اول: جو کچھ انسان کرسکے خدا اپنی ذات کریم کے لئے کرسکتا ہے ورنہ قدرت انسانی بڑھ جائیگی (دیکھو ہذیان اول) اس اصل کے کفروں کی گنتی نہیں مگر میں اسی قدر شمار کروں جو اوپر گن آیا ہوں یقینا قطعاً لازم کہ اس سفیہ کے مذہب پر (۱) اس کا معبود کھانا کھاسکتا ہے (۲) پانی پی سکتا ہے (۳) پاخانہ پھر سکتا ہے (۴) پیشاب کرسکتا ہے (۵) اپنا سمع روک سکتا ہے (۶) بصر روک سکتا ہے (۷) دریا میں ڈوب سکتا ہے (۸) آگ میں جل سکتا ہے (۹) خاک پر لیٹ سکتا ہے (۱۰) کانٹوں پر لوٹ سکتا ہے (۱۱) وہابی ہوسکتا ہے (۱۲) رافضی ہوسکتا ہے (۱۳) اپنا نکاح کرسکتا ہے (۱۴) اجماع کرسکتا ہے (۱۵) عورت کے رحم میں اپنا نطفہ پہنچا سکتا ہے (۱۶) اپنا بچہ جنا سکتا ہے (۱۷) نیز اس اصل پر لازم کہ خدا خدا نہیں (۱۸) ہزاروں کروڑوں خدا ممکن ہیں (۱۹) آیہ کریمہ "**وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ** ﴿۹۶﴾"[1] (اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے اعمال کو۔ت) حق نہیں ان سب امور کا ثبوت ہذیان مذکور کے ردوں میں ہدیہ ناظرین ہوا۔

اصل دوم: خدا کے لئے عیوب ونقائص محال نہیں بلکہ مصلحت کے لئے ان سے قصداً بچتا ہے (ہذیان دوم) اس اصل کفر اصل اول سے صدہا درجے فزوں جس سے لازم کہ اس بیباک کے مذہب ناپاک پر (۲۰) اہل اسلام کے عامہ عقائد تنزیہی وتقدیس کہ ان کے نزدیک ضروریات دین سے ہیں سب باطل وبے دلیل (۲۱) اس نامسعود کا وہمی معبود عاجز (۲۲) جاہل (۲۳) احمق (۲۴) کاہل (۲۵) اندھا (۲۶) بہرا (۲۷) ہکلا (۲۸) گونگا سب کچھ ہوسکتا ہے (۲۹) کھانا کھائے (۳۰) پانی پیئے (۳۱) پاخانہ پھرے (۳۲) پیشاب کرے (۳۳) بیمار پڑے (۳۴) بچہ جنے (۳۵) اونگھے (۳۶) سوئے (۳۷) مرجائے (۳۸) مرکر پھر پیدا ہو سب کچھ روا ہے (۳۹) اللہ کے علم (۴۰) قدرت (۴۱) سمع (۴۲) بصر (۴۳) کلام (۴۴) مشیت وغیرہا صفات کمال کے (ازلی) ہونے کا کچھ ثبوت نہیں (۴۵ تا ۵۰) ان کے ابدی ہونے کا کچھ ثبوت نہیں (۵۱) اس کی الوہیت قابل زوال، ان سب لزوم کا بیان تازیانہ اول میں گزرا بلکہ (۵۲) خود اس اصل کا ماننا درحقیقت بالفعل اللہ عزوجل کو ناقص جانتا ہے (دیکھو تازیانہ ۲) اور بیشک جو اللہ عزوجل کی طرف نقص کی نسبت کرے قطعاً کافر، اعلام بقواطع الاسلام میں ہے: **من نفی او اثبت ماھو صریح فی النقص کفر**[2] الخ۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۹۶

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ فصل اول مکتبۃ حقیقہ استنبول ترکی ص

اصل سوم: جن باتوں کی نفی سے خدا کی مدح کی گئی وہ سب خدا کے لئے ممکن ہیں (ہذیان ۲) اس کے کفر بھی بکثرت ہیں قطعاً لازم کہ اس سفیہ کے طور پر (۵۳) اس کے معبود کی جو رو ہو سکتی ہے۔ (۵۴) بیٹا ہو سکتا ہے (۵۵) بھول سکتا ہے (۵۶) بہک سکتا ہے (۵۷) بعض اشیاء اس کی ملک سے خارج ہیں الی غیر ذٰلک من الکفریات (اس کے علاوہ دیگر کفریات۔ت) (دیکھوت ۵ تا ۸)

اصل چہارم: صدق الٰہی اختیاری ہے (ھ ۲) اس سے لازم کہ سفیہ کے مذہب پر (۵۸) قرآن مجید مخلوق ہے جس کے کفر پر ۳۲ فتوے گزرے (۵۹) اس کا معبود ازل میں کاذب تھا (۶۰) اب بھی کاذب ہے (۶۱) کبھی صادق نہیں ہوسکتا (۶۲) قرآن مجید کا جملہ جملہ غلط ہے (۶۳) اللہ مخلوق ہے (۶۴) بلکہ محال ہے الی غیر ذلک وہ کفریات کثیرہ کہ مواضع متعددہ میں جن کا الزام گزرا۔

اصل پنجم: علم الٰہی اختیاری ہے (تنبیہ بعد ت ۳) اس پر لازم کہ جاہل کے نزدیک (۶۵) علم الٰہی مخلوق وحادث ہے جس کے کفر پر فتوی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ گزرا (اللہ تعالٰی ازل میں جاہل تھا (۶۷) جب چاہے جاہل بن جائے (۶۸) اللہ حادث ہے (۶۹) قابل فنا ہے الٰی غیر ذلک۔

اصل ششم: کذب الٰہی ممکن ہے اور ثابت کرآئے کہ اس کا کلام نہ صرف امکان عقلی بلکہ امکان وقوعی بلکہ عدم استبعاد عادی میں نص صریح ہے اور (۷۰) یہ خود کفر ہے، پھر اس تقدیر پر قطعاً یقینا (۷۱) شریعت سے یکسر مان مرتفع (۷۲) خدا کی خبر سے یقین مندفع (۷۳) اسلام پر مطاعن جن سے جواب ناممکن۔

اصل ہفتم: (۷۴) اللہ تعالٰی بندوں سے چراچھپا کر، بہلا بھلا کر آیات قرآنیہ جھوٹی کردے تو کچھ حرج نہیں (ت ۳۱) ہیہات یہ تو اس نے صاف صریح کہا تھا میں متحیر ہوں اسے لزوم میں داخل کروں یا التزام میں، پھر اس پر (۷۵) حشر نشر، حساب کتاب، جنت نار، عذاب، ثواب کس چیز پر ایمان نہ رہا کہ ہر چیز میں صاف صریح احتمال نقص باقی تو یقین کیسا تو ایمان کہاں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین ہماری تقریرات سابقہ وتقریرات لاحقہ دیکھنے والا اس امام نجدیہ کے کفریات لزومیہ کو صدہا تک پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ جس قدر اوپر مذکور ہوئے وہ بھی یہاں پورے نہ گنے گئے پھر بھی **معاذاللہ** پچھتّر کفر کیا کم ہیں، پھر یہ تو صرف ایک ہی قول پر ہیں باقی کفریات، تقویت الایمان وصرام المستقیم کی گنتی ہی کیا ہے پھر وہ اقوالی کفر علاوہ رہے جو ایمان تقویۃ الایمان پر صراط مستقیم میں اہلے گہلے پھر رہے ہیں۔ غرض حضرت کے کفریات لزومیہ واقوالیہ کی تفصیل کرتے فی کفر ایک نقطہ ان کی قبر پر دیتے جائے تو غالبا دم بھر میں ساری قبر کا منہ کالا ہوجائے، یہ اس کی سزا ہے کہ کفر وشرک دھڑی دھڑی کرکے بیچا محض بلاوجہ سچے مسلمانوں کو کافر مشرک کہا یہاں تک کہ ان کے طور پر صحابہ وتابعین سے لے کر شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز صاحب تک کوئی کفر وشرک سے نہ بچا گویا حضرت کے نزدیک کفر امور عامہ

سے تھا پھر یہ خود اس سے بچ کر کہا جاتے کہ کرد کہ نیافت کما تدین تدان [1] (جو کیا تھا نہ پایا، جو کرے گا اس کا بدل دیا جائے گا۔ت)۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را　　چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

(تم نے دیکھا نہیں کہ پروانہ کا خون ناحق شمع کو اسی طرح امان نہیں دیتا کہ رات کو سحری کردے۔ت)

"كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾" [2] اللھم احفظ لنا الایمان واعصمنا من شر الشیطان بجاہ حبیبك سیدنا محمد سید الانس والجان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسل وعلٰی اٰلہ و صحبہ شرف وکرم اٰمین والحمد اللہ رب العلمین۔	اسی طرح عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب سب سے بڑا ہے، کاش یہ اسے جانیں، اے اللہ! ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، شر شیطان سے ہمیں محفوظ فرما بوسیلہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جو انس وجن کے سردار ہیں آپ پر اور آپ کی آل واصحاب پر شرف وکرم ہو آمین والحمدللہ رب العالمین۔(ت)

ان امام صاحب پر چالیس بلکہ سوتازیانے اور پر گزرے تھے پچھتّر یہ ہوئے کہ ایک جماعت ائمہ کے نزدیک تم پچھتّر وجہ سے کافر ہو، امام الطائفہ پر ایک ہی قول میں پونے دو سو کوڑے یاد رکھے، اب مقتدی صاحبوں کی طرف چلئے ان میں دیوبندی [عہ] تقلید نے تو دیوبندگی یعنی اس عوام مغوی امام کی پیروی سے قدم آگے نہ بڑھایا

عہ: **تنبیہ ضروری:** واقف منصب افتاء جانتا ہے کہ مفتی سے جس کلام باطل وضلال کی نسبت سوال سائل ہو اس پر اس کلام کی شناعتوں کا اظہار، قباحتوں کا ایضاح واجب اگرچہ قائل محض عامی وجاہل ہو کہ اتمام جواب واحکام صواب اس پر موقوف اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قابل مخاطبہ ٹھہرا، پس اگر حضرت دیوبندی مثل مدعیان جدید کوئی اکابر ومتبوعین طائفہ سے ہیں جب تو اس رد بلیغ کا ہدیہ مبارک یا اگر مثل صاحب نسبت براہین قاطعہ نقاب عارض امامت کا منہ ہیں تو خطاب متعدد اور مخاطب واحد ورنہ کلام فقیر بضرورت افتاء محض جانب کلام من حیث ہو کلام معطوف اور خصوصی متکلم سے نظر مصروف ۱۲ منہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ عد عن ابن عمر حدیث ۴۳۰۳۲ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

یعنی کوئی ایسی نئی بات پیش نہ کی جس پر الزام کفر سے جدید حصہ پاتا صرف انھیں احکام امام کا ترکہ پایا اور اس کی باقی خرافات بشدت اہمال قابل التفات اہل علم نہیں تاہم معرض بیان میں سکوت نا محمود لہذا بطور اجمال تعرض مقصود، قولہ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے کبھی جھوٹ بولا نہ بولے۔

اقول: یہ زبانی اظہار محض بے بنیاد و ناپائیدار کہ جب کذب ممکن بلکہ جائز و وقوعی ہوا جیسا کہ تمھارے امام کا مشرب، تو ہرگز اس اعتقاد کی طرف کوئی راہ نہیں بلکہ صراحۃً "اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰"[1] (یا خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا علم تمھیں نہیں۔ت) میں داخل ہونا ہے۔ وہ تقریریں کہ فقیر نے دلیل دوم تنزیہ دوم میں حاضر کیں یہاں بہنایت وضوح وانجلا جاری، جنھیں بحمداللہ اس اظہار باطل کی ذلت وخواری کی پوری ذمہ داری، سچا ہے تو کذب الٰہی جائز رکھ کر اپنے اعتقاد پر دلیل تو قائم کرے اور جب نہ قائم کرسکے تو واضح ہوجائے گا کہ یہ زبانی استمالت بھی صرف خاطر داری عوام کے لئے تھی آخر اس کا امام صراحۃً لکھ ہی چکا کہ چرا چھپا کر خدا جھوٹ بول لے تو کچھ حرج نہیں،

اللھم انی اعوذبك من اضلال الشیاطین، والعیاذ باللہ رب العالمین۔	اے اللہ! میں شیطان کی گمراہی سے تیری پناہ میں آتا ہوں، اللہ رب العالمین کی پناہ ہے۔(ت)

قولہ مگر بول سکتا ہے، **اقول:** "اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۵۰"[2] (دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ۔ت)

قولہ۔ بہشتیوں کو دوزخ اور دوزخیوں کو بہشت میں بھیج دے، **اقول:** قطع نظر اس سے کہ مومن مطیع کی تعذیب ہمارے ائمہ کرام ماتریدیہ اعلام قدست اسرارہم کے نزدیک محال عقلی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

امتناع تعذیب الطائع مذھبنا معشر الماتریدیة فانه نقص مستحیل علیه سبحانه وتعالٰی عقلا[3] اھ ملخصا۔	مومن مطیع کے عذاب کا ممتنع ہونا ہم ماتریدیہ کا مذہب ہے کیونکہ یہ نقص ہے جو اللہ تعالٰی پر محال عقلی ہے، اھ ملخصا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۰

[3] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الباب الاول فی الحاکم منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۶

اور امام نسفی وغیرہ عـــہ۱ بعض علماء نے عفو کافر کو بھی عقلاً ناممکن جانا، امام ابن الہمام مسایرہ میں فرماتے ہیں،

صاحب العمدة اختار ان العفو عن الکفر لا یعفو من الکفر ال یجوز عقلا۔[1]	صاحب عمدہ کا مختار یہ ہے کہ کفر سے عفو عقلاً جائز نہیں۔(ت)

اس قائل سے پوچھئے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا جنھوں نے کبھی اطاعت کے سوا کچھ گناہ نہ کیا معاذ اللہ دوزخ میں جانا اور کافروں مشرکوں کا جنت میں آنا محال شرعی بھی مانتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو اپنے ایمان کی فکر کرے اور علماء سے اپنا حکم پُوچھ دیکھئے اور اگر ہاں تو ممتنع بالغیر ہو اور ممتنع بالغیر وہی جس کا وقوع ماننا کسی ممتنع بالذّات کی طرف منجر ہو ورنہ لزوم ممکن سے استحالہ ممکن محض ناممکن، اب وہ غیر کیا ہے، یہی لزوم کذب باری عزوجل، تو آپ ہی کی دلیل عـــہ۲ سے ثابت ہوا کہ کذب بار محال ذاتی ہے، اسے ذی ہوش!

عـــہ۱: طرفہ یہ کہ وہ ردالمحتار جس سے مدعیان جدید اس مسئلہ میں جہلا متمسک اس میں بھی یہی قول اختیار کیا اور اسی کو صحیح و معتمد قرار دیا،

حیث قل لکنه مبنی علی جواز العفو عن الشرك عقلاع وعلیه یبتنی القول بجواز الخلف فی الوعید، و قد علمت ان الصحیح خلافه فالدعاء به کفر لعدم جوازه عقلا و شرعا[2]۔	انھوں نے کہا یہ اس پر مبنی ہے کہ شرک کا عفو عقلا جائز ہے اور خلف وعید کا قول بھی اسی پر مبنی ہے اور آپ جان چکے صحیح قول اس کے خلاف ہے لہذا اس کا دعوی کفر ہے کیونکہ اس کا جواز نہ عقلا ہے نہ شرعا (ت)

اور اس طرف اس کے ماخذ حلیہ کا کلام ناظرہ،

کما لا یخفی علی من طالعه بامعان النظر واللہ الموفق ۱۲ منه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جیسا کہ مخفی نہیں ہر اس شخص پر جس نے گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔(ت)
عـــہ۲: فان قلت لم لا یجوز ایکون هذا ایضا	اگر یہ اعتراض کریں یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ بھی محال لغیرہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] المسایرہ مع المسامرة الرکن الرابع فی السفیهات المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۲۵۵

[2] ردالمحتار مطلب فی خلف لاوعید الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

ورودِ نص کے سبب خلاف منصوص کو محال شرعی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا وقوع محال عقلی یعنی کذبِ الٰہی کو مستلزم، شرح عقائد میں ہے:

لووقع لزم کذب کلام اللہ تعالٰی وھو محال[1]۔	اگر وقوع ہو جائے تو اللہ تعالٰی کے کلام کا کذب لازم آتا ہے جو محال ہے (ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے،

قال اللہ تعالٰی، لا یکف اللہ نفسا الا وسعھا، وعن ھذا النص ذھب المحققون ممن جوزہ عقلا من الاشاعرۃ الی امتناعہ سمعا وان جاز عقلا ای والا لزم وقوع خلاف خبرہ سبحانہ[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد گرامی ہے، اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر، اسی نص کی بنا پر ان اشاعرہ میں سے محققین اس طرف گئے ہیں جو اسے عقلا جائز سمجھتے تھے کہ شرعا محال ہے اگرچہ عقلا جائز ہے یعنی ورنہ اللہ تعالٰی کی خبر کے خلاف وقوع لازم آئے گا۔ (ت)

سبحان اللہ! یہ تو عقل وفہم اور الٰہیات میں بحث کا وہم قولہ تو کسی کا اجارہ نہیں **اقول**: یوں تو تم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

محالا لغیرہ وذٰلك الغیر المستحیل بالذات شیئا اٰخر قلت لم لا یجوزان یکون ھذا ھو ذٰلك الغیر الا محال بالذات ولا جلہ سار ملزومہ محالا بالغیر فان تشبثت باحتمال تشبثنا باٰخر وکنا مصیبین وکنت من الخاطئین لانك مستدل بھذا الدلیل علی امکان الکذب امامدعیا واما غاصبا فکیف یکفیك عسٰی ولعل ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہو اور یہ غیر جو محال بالذات ہو دوسری شیئ ہے میں کہوں گا یہ کیوں جائز نہیں کہ یہ غیر محال بالذات یہی ہو اور اس کی وجہ سے اسکا ملزوم محال بالغیر ہو اور اگر تم کسی اور احتمال سے استدلال کرو توہم مصیب اور تم خاطی ٹھہروگے کیونکہ تم اس دلیل سے امکان کذب پر استدلال کیا تو تم یا تو مدعی ہو یا غاصب اب تمھارے لئے شاید یہ ہو امید ہے کہ ہو، کیسے کام آسکتا ہے ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ الاعربیۃ قندھار افغانستان ص ۷۱

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری من مخلوقاتہ وبعدہ عنھم البابی مصر ص ۱۰۷

اپنے امام کی طرف سے یہ بھی کہہ سکتے ہو کہہ سکتے ہو اگر باری تعالٰی اپنے آپ کو ناقص وملوث و عیبی بنالے تو کسی کا اجارہ نہیں، اپنی ذات یا قدرت یا علم یا الوہیت کو فنا کردے تو کسی کا اجارہ نہیں، ظاہر ہے کہ ان محالات کے فرض پر بھی اس کا اجارہ ثابت نہ ہوگا کہ بے علاقہ ملازمت معقول نہیں پھر اسی نفی اجارہ سے ثبوت امکان کیونکر ہو، اور اگر یہ مقصود کہ ایسا کرے تو کچھ حرج نہیں، اور بیشک عرف میں یہ کلام اسی معنی کو مفید ہوتا ہے تو محض غلط و باطل، اور اجماعِ امت و نصوص قاطعہ کے خلاف بیشک کتنا بڑا حرج ہے کہ سارے جہان کا سچّا مالک **معاذاللہ** جھُوٹا ٹھہرے جس کے استحالہ پر نصوص بے شمار سُنتے آئے اور حلیہ کا کلام تازہ گزرا اور شرح عقائد و شرح فقہ اکبر کی آوازیں تو ابھی تمھارے کان مین گونجتی ہو گی، مگر ہاں تمھارے نزدیک اللہ عزوجل کے جھُوٹے ہونے میں کیا حرج ہوتا تھا، امام تو صاف کہہ چکا کہ اس پاک بے عیب میں دنیا بھر کے عیب آسکتے ہیں پھر انہیم بر علم اللہ ایمان و حیا بخشے۔ قولہ یہی امکانِ کذب ہے۔ **اقول:** عـــہ محض تمھارا کذب ہے ہر ممتنع بالغیر محال بالذات کو مستلزم، اور باوجود اس کے خود ممکن بالذات ہوتا ہے، اسکا امکان ذاتی اس محال بالذات کے امکان ذاتی کو مستلزم ہو محال بالذات اور کو مستلزم ہونا محال بالذات اور لمَ یہ کہ ان میں استلزام ہی عارضی تھا نہ کہ ذاتی ورنہ محال بالذات ہوتا نہ کہ بالغیر، یُوں تولازم کہ باری تعالٰی و تقدس واجب الوفود نہ رہے یا تمام موجودات واجب بالذات ہو جائیں، وجہِ ملازمت سُنئے زید آج موجود ہوا اس کا وقت وجود علم الٰہی سبحانہ وتعالٰی میں تھا یا نہیں، اگر نہیں تو علم محیط باری جل وعلا منتفی ہوا اور انتفائے علم کہ مقتضائے ذات ہے انتفائے مقتضی کو مقتضی تو باری عزوجل **معاذاللہ** معدوم ہُوا اور اگر تھا تو اس وقت اس کا عدم بھی ممکن ذاتی تھا یا نہیں، اگر نہیں تو زید واجب بالذات ہُوا اور وہاں تو اس کا اس وقت عدم کہ ممکن بالذات ہے۔ عدم علم اور عدم عالم کو مستلزم تو تمھارے طور پر عدم ذات ممکن تو باری جل جلالہ واجب الوجود نہ ہوا، اب تو آپ کو اپنی جہالت پر یقین آیا، واقعی تم بیچارے معذور ہو کہ حقائقِ علوم و دقائق فہوم میں بیچاری گنگوہی تعلیم کا حصہ رکھا ہی نہ گیا، ذرا کلمات علماء پر

عـــہ: **واقول:** ایضا بلکہ اوجاہل! اگر یہ تیر دلیل جہالت تام ہو تو باری عزوجل کا **معاذاللہ** جہل بھی ممکن ٹھہرے کہ اس نے بہشتیوں کے بہشت، دوزخیوں کے دوزخ جانے کی صرف ہم کو خبر ہی نہ دی بلکہ اس کے علم میں بھی ایسا ہی ہے بااینہمہ وُہ خلاف پر قادر، اس تقدیر پر اس کا علم غلط پڑے گا اور یہی امکان جہل ہے تعالٰی عن ذلک علو کبیر اللہ تعالٰی اس سے بڑھ کر بلند ہے۔ ت) ہاں اے جاہل! اب تو یا تو امکان جہل بھی مان یا امکانِ کذب پر ان جھُوٹے شوشوں سے در گزر، اللہ تعالٰی ہدایت بخشے آمین! ۱۲منہ رضی اللہ عنہ۔

نظر کیجئے تو آپ کو اپنی دانشمندی پر یقین کامل آئے۔ علّامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفی میں فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی لما اوجد العالم بقدرتہ اختیارہ فعدمہ ممکن فی نفسہ مع انہ یلزم من فرض وقوعہ تخلف المعلوم عن علتہ التامۃ وہو محال والحاصل ان لاممکن لایلزم من فرض وقوعہ محال بالنظر الٰی ذاتہ واما بالنظر الٰی امر زائد علٰی نفسہ فلا نسلم انہ لایستلزم المحال۔[1]	اللہ تعالٰی نے جہان کو اپنی قدرت واختیار سے تخلیق فرمایا اس کا فی ذاتہ عدم ممکن ہے باوجودیکہ اسکے وقوع کے فرض سے معلول کا اپنی علت تامہ سے تخلف لازم آتا ہے اور یہ محال ہے، حاصلیہ ہے کہ ممکن وُہ ہوتا ہے جی زاتہ جس کے وقوع کے فرج کرنے سے مال لازم نہ آئے لیکن کسی امرزائد کی بنسبت ہم نہیں مانتے کہ محال کو مستلزم نہیں (ت)

شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

ان قیل ماعلم اللہ او اخبر بعدم بوقوعہ یلزم من فرض وقوعہ محال ہو جہلہ او کذبہ تعالٰی عن ذٰلک و کل مایلزم من فرض وقوعہ محال فہو محال ضرورۃ امتناع وجود الملزوم بدون اللازم، فجوابہ منع الکبری وانما یصدق لوکان لزوم المحال لذاتہ امالو کان لعارض کالعلم اوالخبر فیما نحن فیہ فلا لجواز ان یکون ہو مکنافی نفسہ ومنشاء لزوم المحال ہو ذٰلک العارض۔[2]	اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالٰی نے جس چیز کے عدم وقوع کو جانا یا اُس کی خبر دی ہو تو اس کے وقوع کے فرض سے محال لازم آئے گا وہ جہالت یا اس کا کذب ہے تو جب اس فرض وقوع سے محال لازم آئے گا تو یہ بہر حال محال ہوگا کیونکہ لازم کے بغیر ملزوم کا وجود ممتنع ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کبرٰی نہیں مانتے، یہ تب سچّا ہے کہ اگر لزوم محال لذاتہ ہو اور اگر کسی عارضہ کی وجہ سے ہو مثلاً وُہ زیر بحث علم یا خبر ہو تو اس میں محال نہیں کیونکہ یہ فی نفسہٖ ہو سکتا ہے ممکن ہے اور لزوم محال کی علّت وہ عارض بن رہا ہو۔ (ت)

غرض استحالہ ناشیہ عن نفس الذات وعن خارج میں فرق نہ کرکے بعض نے استلزام عارضی میں بھی استحالہ لازم بالذات سے استحالہ ملزوم بالذات کا حکم کیا جس کا محققین نے یوں حل کردیا مگر ایسی جگہ امکان ملزوم سے

---

[1] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۷۱ و ۷۲

[2] شرح المقاصد المبحث الرابع لاقبیح من اللہ تعالٰی دار المعارف النعمانیہ لاہور ۶/ ۱۵۵

امکان لازم مستحیل بالذّات کا حکم آپ ہی کی عقل شریف کا حصّہ خاصہ تھا کہ اس کے رد میں علماء کا وہ حل کافی ووافی ہوا، سبحان اللہ! میں اپنے علماء سے کیوں استناد کروں۔ آپ اپنے ہی امام کا قول نہ سُنئے، اسی محبث کذب والی یکروزی میں کیا کہتا ہے:

اگر مقصود این ست کہ وقوع مذکور بالفعل (جسے یہاں اپنی بحث میں وقوع تعذیب مطیع و مغفرت کافر فرض کیجئے) مستلزم کذب ست پس آن مسلم ست وکسے دعوی وقوع مذکور بالفعل نکردہ اگر مقصودش این ست کہ امکان وقوع مذکور مستلزم کذب نصی ست از نصوص قرآنیہ پس آں نص را تلاوت باید کرد تا واضح گردد کہ کدام نص بر نفی امکان وجود مذکور دلالت میکند واگر مقصود این ست کہ امکان وجود مذکور مستلزم امکان کذب ست پس ملازمت ممنوع ست زیرا کہ عدم وجود مذکور معلول صدق نص ست پس تحقق عدم مذکور البتہ مستلزم تحقق امکان صدق نص مذکور ست وزوال عدم مذکور بالفعل مستلزم کذب ست واما امکان زوال عدم مذکور پس مستلزم امکان زوال صدق نیست یعنی امکان وجود مثل مذکور مستلزم امکان کذب نیست چہ امکان زوال معلول مستلزم امکان زوال علت نیست والا لازم آید کہ امکان زوال عقل اول مستلزم امکان زوال واجب باشد پس امکان زوال عقل اول ممتنع باشد پس عقل اول واجب لذا تہ باشد، حاصلش آنکہ ملازم درمیان علت و معلوم درفعلیت وجود و عدم ست نہ درامکان ذاتی والا لازم آید کہ واجب لذاتہ ممکن لذاتہ اگردد، چہ معلولات او	اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع مذکور بالفعل ہے (جسے یہاں اپنی بحث میں وقوع تعذیب مطیع و مغفرت کافر فرض کیجئے) تو یہ کذب کو مستلزم ہے پس یہ تسلیم شدہ ہے اور کسی نے وقوع مذکورہ بالفعل کا دعوی نہیں کیا، اور اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع مذکور کا امکان قرآنی نص کے کذب کو مستلزم ہے تو اس نص کی تلاوت کی جائے تاکہ واضح ہوجائے کہ کون سی نص وجود مذکور کے نفی امکان پر دلالت کر رہی ہے، اور اگر مقصود یہ ہے کہ وجود مذکور کا امکان امکانِ کذب کو مستلزم ہے تو یہ لزوم ممنوع ہے کیونکہ وجود مذکور کا عدم صدق نص کا معلول ہے تو عدم مذکور کا تحقق یقینا صدق نص مذکور کے امکان کے تحقق کو مستلزم ہے، عدم مذکور کا بالفعل زوال، کذب کو مستلزم ہے لیکن زوال عدم مذکور کا امکان، زوال صدق کے امکان کو مستلزم نہیں یعنی امکان وجود مذکور، امکان کذب کو مستلزم نہیں کیونکہ زوال معلول کا امکان، امکان زوال علت کو مستلزم نہیں ورنہ لازم آئے گا زوال عقل اول کا امکان، زوال واجب کے امکان کو مستلزم ہو تو زوال عقل اول کا امکان ممتنع ہو تو عقل اول واجب لذاتہ ہوگی۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ علت و معلول کے درمیان تلازم فعلیت وجود عدم میں ہے نہ کہ امکان ذاتی میں، ورنہ ازم آئے گا کہ واجب لذاتہ، ممکن

ہمہ ممکنات اند اھ ملخصاً۔[1]	لذاتہ ہو جائے کیونکہ اس کے تمام معلولات ممکن ہیں اھ ملخصاً (ت)

اگر اس کی یہ تقریر پریشان طویل الذیل جس میں اس نے خواہی نہ خواہی ذراسی بات کو بیگھوں میں پھیلایا ہے، تمھاری مقدس سمجھ میں نہ آئے تو اسی کا دوسرا بیان مختصر سنو اسی یکروزی میں لکھتا ہے:

اگر مقصود این ست کہ از وقوع ممکن ہیچگونہ محال ناشی نمی گردد لا بالنظر الیٰ ذاتہ ولا بالنظر الی الامور الخارجیۃ پس این مقدمہ ممنوع ست چہ بریں تقدیر لازم می آید کہ وجود ہر معدوم و عدم ہر موجود محال باشد زیرا کہ مستلزم محال ست یعنی کذب علم ازلی۔[2]	اگر مقصود یہ ہے کہ وقوع ممکن سے کوئی محال لازم نہیں آتا، نہ اس کی ذات کے اعتبار سے اور نہ امور خارجی کے اعتبار سے، تو یہ مقدمہ ممنوع ہے کیونکہ اس صورت میں لازم آئے گا کہ ہر معدوم کا وجود اور ہر موجود کا عدم محال ہو کیونکہ یہ محال کو مستلزم ہے یعنی علم ازلی میں کذب۔ (ت)

دیکھو باوجود امکان ملزوم لازم کو محال مانتا ہے، پھر تمھاری جہالت کہ تعزیب مطیع و عفو کافر کے امکان سے امکان کذب پر استدلال کرتے ہو، غرض حق یہ ہے کہ یہ نفیس استدلال کسی ایسے ہی مقدس آدمی کا کام ہے جسے دیو جہالت کی بند و قید میں کبھی علم و فہم کی ہوا نہ لگی ہو، واللہ الھادی خیر یہ تو وہ تھے جنھوں نے تقلید امام سے تجاوز نہ کیا تھا، رہے امام عنید کے مرید رشید، انھوں نے بیشک ہمت فرما کر وُہ طرفہ ابکار افکار ہدیہ انظار فحول نظار کیں یعنی یہی جواز خلف کی تقریر نازنین جس کے باعث اُن پر لزوم کفر کی تین وجہیں اور بڑھیں:

اولا: وہ وجہ ہائل کہ تمام مقلدین امام طائفہ کو عموماً شامل یعنی یہ اس کے قول مذکور و جمیع اقوال کفریہ میں مقلد اور بیشک جو کفریات میں تقلید کرے قطعاً لزومِ کفر سے حصّہ پائے۔

ثانیا: ان حضرت نے جواز خلف بمعنی کذب، ائمہ دین کی طرف نسبت کیا اور ہم بدلائل قاطعہ مبرہن کر آئے کہ وُہ جس معنی پر خلف جائز فرماتے ہیں اسے قطعاً جائز و قوعی بلکہ واقع ٹھہراتے ہیں، تو ان حضرت نے مولیٰ سبحانہ و تعالیٰ کا کاذب بالفعل ہونا کہ قطعاً اجماعاً کفر خالص ہے، ایک جماعت ائمہ دین کا مذہب جانا اور اسے اس قدر ہلکا سمجھا کہ ائمہ اہل سنت کا اختلافی مسئلہ مانا اور اس پر طعن کو بیجا بتایا اور اس سے تعجب کار جہلا ٹھہرایا اور بیشک جو شخص کسی عقیدۂ کفر کو ایسا سمجھے خود کافر ہے، اعلام بقواطع الاسلام میں ہمارے علمائے اعلام

---

[1] رسالہ یک روزی (فارسی) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۵ و ۱۶

[2] رسالہ یک روزی (فارسی) مطبوعہ فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۶

سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول،

او صدّق کالم اھل الا ھواء ؏ اوقال عندی کلام مھم کلام معنوی اومعناہ صحیح[1] الخ۔	یا وُہ تصدیق کرے کلام اہل بدعت کی، یا کہے میرے ہاں ان کا کلام بامقصد ہے، یا کہے اس کا معنی درست ہے الخ(ت)

فقیر نے اس مسئلہ کی قدرے تفصیل اپنے رسالہ مبارکہ مقامع الحدید علی خدا المنطق الجدید میں ذکر کی واللہ الموفق۔

ثالثاً: الحمد للہ کہ علمائے اہلسنت ان نے جہلا کی جہالت فاحشہ سے پاک نرالے اور ان کے بہتانی خیالوں، شیطانی ضلالوں پر سب سے پہلے تبرّا کرنے والے مگر ان کی قوتِ واہمہ نے جو انھیں امام الطائفہ کے ترکہ میں ملی، ائمہ متقدمین میں کچھ علماء ایسے تراشے جو کذب الٰہی کے جواز و قوعی بلکہ وقوع بالفعل کے قائل ہوئے تو وہ تراشیدہ علماء ساختہ ائمہ (جن کا ان جہال کے وہم وخیال کے سوا کہیں وجود نہیں) قطعاً جماعا کافر مرتد تھے، اب انھوں نے ان وہمی موجودوں یقینی مرتدوں کو کافر نہ جانہ بلکہ مشائخِ دین وعلمائے معتمدین مانا تو خود ان پر کفر وارتداد لازم آنے میں کیا کلام رہا کہ جو کسی منکرِ ضروریات دین کو کافر نہ کہے آپ کافر ہے۔ امام علامہ قاضی عیاض قدس سرہ سفا شریف میں فرماتے ہیں:

الاجماع علی کفر من لم یکفراحدا من النصاری و الیھود و کل من فارق دین المسلیمن او وقف فی تکفیر ھم او شک. قال القاضی	یعنی اجماع ہے اس کے کفر پر جو یہود ونصارٰی یا مسلمانوں کے دین سے جدا ہونیوالے کافر نہ کہے یا اس کے کافر کہنے میں توقف کرے یا شک لائے، امام قاضی

؏:حمل العلامة ابن حجر اھل الاھواء علی الذین نکفر ھم ببد عتھم قلت وھو کما افاد ولا یستقیم التخریج علی قول من اطلق الاکفا ر بکل بدعة فانه الکالم فی الکفر المتفق علیه فلیتبنه ۱۲۔	علامہ ابن حجر اہل ہوا سے مراد وہ لوگ لیتے ہیں جنھیں ان کی بدعت کی وجہ سے کافر کہا گیا ہے، میں کہتا ہوں بات وہی ہے جو انھوں نے کہی اسے یہ حوالہ اس قول پر صحیح نہیں جو مطلقاً ہر بدعت کو کفر کہتے ہیں کیونکہ گفتگو اس کفر میں ہو رہی ہے جس پر اتفاق ہو اسے یاد رکھ ۱۲(ت)

[1] علامہ بقواطع الاسام مع سبل النجاۃ فصل کفر متفق علیہ مکتبہ حقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۷۱

ابو بکر لا ن التوقیف والا جماع اتفقا علی کفرھم فمن وقف فی ذٰلك فقد کذب النص و التوقیف اوشك فیه، والتکذیب والشك فیه لا یقع الا من کافر۔[1]	ابو بکر باقلانی نے اس کی وجہ یہ فرمائی کہ نصوص شرعیہ واجماعِ امت ان لوگوں کے کفر پر متفق ہیں تو جو ان کے کفر میں توقف کرتا ہے وُہ نص و سریعت کی تکذیب کرتا ہے یا اس میں شک رکھتا ہے اور یا امر کافر ہی سے صادر ہوتا ہے۔

اسی میں ہے:

یکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة الاسلام اووقف فیھم اوشك اوصحح مذ ھبھم وان اظھر الاسلام واعتقد ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھار ما اظھر من خلاف ذٰلك[2] اھملخصا۔	یعنی کافر ہے جو کافر نہ کہے ان لوگوں کو کہ غیر ملت اسلام کا اعتقاد رکھتے ہیں یا ان کے کفر میں شک لائے یا ان کے مذہب کو ٹھیک بتائے اگرچہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا اور مذہب اسلام کی حقانیت اور اس کے سواسب مذہبوں کے بطلان کا اعتقاد ظاہر کرتا ہو کہ اس نے بعض منکر ضروریات دین کو جب کہ کافر نہ جانا تو اپنے اس اظہار کے خلاف اظہار کر چکا اھ ملخصا۔

آپ کو یاد ہو کہ ان مدعیان جدید نا مہتدی ورشید پر ایک سو بائیس ۱۲۲ کوڑے اوپر جوڑے اور ان کے امام کا وبال انھیں کب چھوڑے کہ یہ آخر اسی کے مقلد اور اسکے اقوال کے پورے معتقد، معہذا جب ضرب الغلام اھانة المولٰی (غلام کی ضرب مولٰی کی اہانت ہے۔ت) تو ضرب المولٰی اھانة الغلام (مولٰی کی ضرب غلام کی اہانت۔ت) بدرجہ اولٰی بہر حال یہ پچھتّر ۷۵ کوڑے جو امام الطائفہ پر تازے پڑے، ان کے حصّے میں بھی یقینا جڑے، کُل ایک سو ۱۹۷ ستانوے ہوئے اور تین خاص ان کے دم پر سوار تو اس مختصر رسالے موجز عجالے میں مدعیان جدید پر پُورے دوسو ۲۰۰ کوڑوں کی کامل بوچھار،

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ ع "[3]	مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخر کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وُہ جانتے۔ (ت)

میں نے جس طرح اس رسالہ کا تاریخی نام "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" رکھا یونہی

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتاولین المطبعة الشرکة الصحافیه ۲ /۲۹۷

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل جی بیان ماھو من المقالات کفر المطبعة الشرکة الصحافیه ۲ / ۲۷۱

[3] القرآن الکریم ۶۸ / ۳۳

ان تازیانوں کا عدد رخواست کرتا ہے کہ اس کا تاریخی لقب "دوصد تازیانہ بر فرق جہول زمانہ" رکھوں، بالجملہ آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ ایک مذہب علمائے دین پر یہ امام و مقتدی سب کے سب نہ ایک دو کفر بلکہ صدہا کفر سراپا کفر میں ڈوبے ہوئے ہیں وفی ذٰلك **اقول**: (اس میں میں نے کہا۔ت) ؎

فکفر فوق کفر فوق کفر   کان الکفر من کثر وفر
تتابعَ قطرہ من تقب کفر[1]   کماء اٰسنِ فی نتین دفر

(کفر ہر کفر سے بڑھ کر کفر، ہر کثیر سے بڑھ کر کثیر، جیسا کہ کھڑا پانی بدبودار پانی ملنے سے خوب بدبودار ہو جاتا ہے۔ت)

معاذاللہ! اس قدر ان کے خسار وبوار کو کیا کم ہے اگرچہ ائمہ محققین وعلمائے محتاطین انھیں کافر نہ کہیں اور یہی صواب ہے،

وھو الجواب وبه یفتی و علیه الفتوی وھو المذھب وعلیه الاعتماد وفیه السلامة وفیه السداد۔	جواب یہی ہے، اس کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، یہی مذہب اور اسی پر اعتماد ہے، اسی میں سلامتی اور یہی درست ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی اعلام میں فرماتے ہیں:

انه یصیر مرتدا علٰی قول جماعة وکفٰی بھٰذا خسارا۔[2]	وُہ ایک جماعت علماء کے قول پر مرتد ہوگیا اور اس قدر خسران وزیان میں بس ہیں۔

والعیاذ باللہ خیرا الحافظین (اور بہتر حفاظت کرنے والے کی پناہ۔ت) پھر جب کہ ائمہ دین ان کے کفر میں مختلف ہوگئے تو راہ یہ ہے کہ اگر اپنا بھلا چاہیں جلد از سر نو کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنے مذہب نامہذب کی تکذیب صریح اور اس کے رد و تقبیح کی صاف تصریح کریں ورنہ بطور عادت کلمہ شہادت کافی نہیں کہ یہ تو وہ اب بھی پڑھتے ہیں اور اسے اپنے مذہب کا رد نہیں سمجھتے۔ بحر الرائق میں بزازیہ و جامع الفصولین سے ہے:

لواتی بالشھادتین علی وجه العادۃ لم ینفعه مالم یرجع عماقال۔[3]	اگر معمول کے مطابق وہ کلمہ شہادت پڑھتے تو اسکو وہ نافع نہیں جب تک وہ اپنے قول سے رجوع نہ کرے(ت)

[1] الدیوان العربی الموسوم بساتین الغفران فی الرد علی القائلین بامکان کذب اللہ الخ رضا دار الاشاعۃ لاہور ص ۱۹۲

[2] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ حقیقیہ استنبول ترکی ص ۳۶۲

[3] بحر الرائق باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۸

اور جس طرح اس مذہب خبیث کا اعلان کیا ہے ویسے ہی توبہ و رجوع کا صاف اعلان کریں کہ توبہ نہاں کی نہاں ہے اور عیاں کی عیاں۔ حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة۔[1] رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی المعجم الکبیر بسند حسن علی اصولنا عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، پوشیدہ کی پوشیدہ اور ظاہر کی ظاہر۔ (اسے امام احمد نے کتاب الزہد میں، طبرانی نے المعجم الکبیر مین سند صحیح سے ہمارے اصولوں کے مطابق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

اس سب کے بعد اپنی عورتوں سے تجدید نکاح کریں کہ کفر خلافی کا حکم یہی ہے، علامہ حسن شرنبلالی شرح وہانیہ پھر علامہ علائی شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنی وما فیہ خلاف یومر بالاستغفار والتوبة و تجدید النکاح[2]۔	جو بالاتفاق کفر ہو اس سے اعمال، نکاح باطل ہو جاتے ہیں تمام اولاد، اولاد زنا قرار پا جاتی ہے اور جس میں اختلاف ہو وہاں استغفار، توبہ اور تجدید نکاح کروایا جائے گا۔ (ت)

پس اگر مولٰی سبحانہ وتعالٰی ہدایت فرمائے اور اس کے کرم سے کچھ دُور نہیں، یعنی یہ حضرات اپنے مذہب مردود سے باز آئیں اور علانیہ اب العالمین کی طرف توبہ لائیں "فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ"[3] تمھارے دینی بھائی ہیں، ورنہ اہل سنت پر لازم کہ ان سے الگ ہو جائیں، ان کی صحبت کو آگ سمجھیں، ان کے پیچھے نماز ہر گز نہ پڑھیں اگر نادانستہ پڑھ لی ہو اعادہ کرلیں کہ نماز اعظم عباداتِ ربِّ بے نیاز ہے اور تقدیم وامامت ایک علی اعزاز، اور فاسق مجاہر، واجب التوہین، نہ کہ بدعتی گمرہ فاسق فی الدّین، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ فقیر عفر اللہ تعالٰی لہ نے ان مسائل کے قدرے تحقیق و تفصیل اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید میں ذکر کی۔ علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

یکرہ تقدیم الفاسق کراھة تحریم وکذا	یعنی فاسق وبدمذہب کی امامت مکروہ تحریمی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۱۵۹، الزہد الکبیر حدیث ۹۵۴ دار القلم کویت ص ۳۶۴

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی ۱/ ۳۵۹

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

المبتدع [1] اھملخصاً۔	قریب بحرام ہے اھ ملخصا۔

جس کے سبب نماز کا پھیرنا واجب، یہ ہے حکم، وللّٰہ الحکم والیہ ترجعون o والحمد للّٰہ رب العٰلمین (اور اللہ ہی کے لئے حکم ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو دونوں جہانوں کا پالنے والا ہے۔ت)
التماس ہدایت اساس: میں جانتا ہوں کہ فقیر کے اس رسالے پر حسبِ معمول سخن پروری و بحکم دستور تعصب وخود سری اگر بعض سلیم خاطرین شرمائیں گی، قبول وانصاف کو کام فرمائیں گی، تو بہت عنادی طبیعتیں گرمائیں گی، جبلی نزاکتیں غصہ لائیں گی، جاہلی حمیتیں جوش دکھائیں گی، تعصبی حمائتیں ہمت پر آئیں گی، وحسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل، نعم المولٰی ونعم الکفیل (ہمارے لئے اللہ کافی اور وہ سب سے بڑا کارساز، سب سے بہتر آقا اور سب سے بہتر کفالت فرمانے والا ہے۔ت) یہ سب کچھ قبول، کھسینا عاجزوں کا قدیمی معمول، مگر "اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ" [2] (میں تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں۔ت) حق اسلام یادلا کر اتنا ماموں کر چند ساعت کے لئے تعصب و نفسانیت کو راہ بتائیں، مثنٰی وفرادٰی، تنہا یا دو دو صاحب بیٹھ کر غور فرمائیں اگر کلام خصم حق و صواب ہو تو اللہ! حق سے کیوں اجتناب ہو، کیا قرآن نے نہ سنایا کہ تمھارے رب نے کیا فرمایا سَیَذَّكَّرُ مَنْ یَّخْشٰی ﴿۱۰﴾ وَ یَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿۱۱﴾ " [3] (عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بدبخت دور رہے گا۔ت) اے میرے پیارے بھائیو! کلمہ اسلام کے ہمراہیو! اگر نفس امّارہ رہزن عیّارہ اور شیطان لعین اس کا معین، ولہٰذا خطا کا اقرار آدمی کو ناگوار، مگر واللہ! "وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ" [4] اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ت) کی آفت سخت شدید، "اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾" [5] (کیا تم میں ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں۔ت) خدارا ذرا انصاف کو کام فرماؤ، خلق کا کیا پاس خالق سے شرماؤ، کچھ دیکھا بھی کس پر امکانِ کذب کی تہمت دھرتے ہو، کس پاک بے عیب میں عیب آنے کا احتمال کرتے ہو، العظمۃ للّٰہ! ارے وہ خدا ہے سب خوبیوں والا ہر عیب و نقصان سے پاک نرالا، ذرا تو گریبان میں منہ ڈالو جس نے زبان عطا فرمائی اس کے بارے میں تو زبان سنبھالو، وائے

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۔ ۵۱۳

[2] القرآن الکریم ۳۴ / ۴۶

[3] القرآن الکریم ۸۷ / ۱۰ و ۱۱

[4] القرآن الکریم ۲ / ۲۰۶

[5] القرآن الکریم ۱۱ / ۷۸

بے انصافی تمھیں کوئی جھُوٹا کہے تو آپے میں نہ رہو اور ملک جبار واحد قہار کا جھُوٹا ہونا یو ممکن کہو، یہ کون سی دیانت ہے، کیا انصاف ہے، اس پر یہ قہر اصرار یہ بلااعتساف ہے،

اے طائفہ حائفہ اے قوم مفتون ! مانو تو ایک تدبیر تمھیں بتاؤں، میرا رسالہ تنہائی میں بیٹھ کر بغور دیکھو، ان دو سو ۲۰۰ دلائل و اعتراضات کو ایک ایک کرکے انصاف سے پرکھو، فرض کر دم کہ دہ سو ۲۰۰ میں استحالہ کذب الٰہی پر صرف ایک دلیل اور تمھارے خیال اور تمھارے امام کے ہذیانی اقوال پر فقط ایک ایک اعتراض قاطع ہر قال و قیل باقی رہ گیا، باقی سب تم نے جواب دے لیا، تو جان برادر ! احقاقِ حق کو ایک دلیل کافی، ابطال باطل کو ایک اعتراض وافی، نہ کہ دلائل باہرہ اعتراضیات قاہرہ صد ہانسو اور ایک نہ گِنو۔ دل میں جانتے جاؤ کہ دلائل باصواب اور اعتراض لاجواب، مگر ماننے کی قسم، توبہ کی اان بلکہ اُلٹے تائید باطل کی فکر سامان، یہ تو حق پرستی نہ ہُوئی بادبستی، نشہ تعصب میں سیاہ مستی ہوئی، پھر قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہوگا، خدا کے حضور سوال وجواب تو نہ ہوگا، اے رب میرے ! ہدایت فرما اور ان لجیلی آنکھوں کو کُچھ تو شرما۔

می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول   اے کہ دُر ساختہ قطرہ بارانی را

(اے اللہ ! تُو میرے آنسوؤں کو حسنِ قبول دے سکتا ہے جیسا کہ تو بارس کے قطرہ کو موتی بنادیتا ہے۔ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ جو صاحب قصد جواب کی ہمت رکھیں ایک ایک دلیل ایک ایک اعتراض کا تفصیلی جواب سمجھ کر لکھیں، یہ نہ ہو کہ ابقائے مشیخت، رفع مزامت، فریب عوام، جواب کے نام کو کہیں، کچھ اعتراج باقی سے اعراض، یہ کلا خصم کارد نہ کرے گا، الٹا تمھیں پر صاعقہ بن کر گرے گا کہ جب حجت خصم مٹا نہ سکے مذہب سے اعتراض ہٹا نہ سکے تو ناحق تکلیف خامہ اٹھائی، مصیبت سیاہی نامہ اٹھائی، اپنے ہی عجز کا اظہار کیا، بطلان مذہب کا اقرار کیا، للہ کُچھ دیر تو حق وانصاف کی قدر سمجھو، زنجیر تعصب کی قید سے سلجھو، خار زار تکبّر میں اتنا نہ اُلجھو، افسوس کہ حق کا چاند جلوہ نما اور تمھارے نصیب کی وہی کالی گھٹا، ہمارے ہُمایُوں سایہ فگن اور تمھارا تاج وہی بالِ زغن، اے سچّے خدا سچ سے موصوف جھُوٹ سے نرالے، سچے رسول پر سچی کتاب اتارنے والے ! اپنے سچے حبیب کی سچی وجاہت کا صدقہ آمت مصطفٰی کو سچّی ہدایت نصیب فرما،

صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وسلم وعلٰی اٰلہ و صحبہ و شرف کرمہ مانجی الصادق و ھلك الکاذب و نھی الصدق عن تعاطی الکواذب قولك الحق و	اے اللہ ! رحمتیں نازل فرما اور آپ کے شرف وبزرگی میں مزید اضافہ فرما جو حبیب ہیں جب تک صادق نجات پاتے رہیں، کاذب ہلاک ہوتے رہیں، جنھوں نے تمام کواذب سے منع فرمایا، تیرا قول حق

وعدك الصدق ولك الحمد واليك المصير انك علٰی كل شئی قدير و صلی الله تعالٰی علٰی سيدّ الصادقين محمد و آله وصحبه اجمعين اٰمين اٰمين اله الحق اٰمين !	تیرا وعدہ سچّا حمد تیرے لئے، تمام کا لوٹنا تیر طرف اور تو ہر شیئ پر قادر ہے، اللہ تعالٰی کی رحمت ہو سید الصادقین حضرت محمد، آپ کی آل اور اصحاب سب پر، آمین آمین الٰہ الحق آمین! (ت)

الحمدللہ کہ یہ مبارک رسالہ موجز عجالہ باوجود کثرت اشغالِ تحریر مسائل وترتیب رسائل، تیرہ [۱۳] دن کے متفرق جلسوں میں مسودہ اور تئیس [۲۳] دن میں صاف وبیضہ ہو کر دوازدہم ماہ مبارک و فاخر شہر ربیع الآخر روز ہمایوں جمعہ ۱۳۰۷ھ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ کو بہم وجوہ بدر سمای تمام و شمعِ بزمِ ہدایت انام ہوا۔

للہ الحمد والمنه کہ آج اس مبارک رسالے، سنّت کے قبالے، رنگِ صدق جمانے والے، زنگِ کذب گمانے والے سے علومِ دینیہ میں تصانیفِ فقیر نے سو [۱۰۰] کا عدد کامل پایا،

والحمد لله وهّاب العطايا، ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ٥ والحمد لله رب العٰلمين والصلاة و السلام علٰی سيد المرسلين محمد و اله وصحبه اجمعين، سبحٰن ربك رب العزة عمّا يصفون، و سلام علی المرسلين، والحمد لله رب العٰلمين، تمّت و بالخير عمّت بعون من قال وقوله الحق "تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ " الحمد لله الذی بنعمه وجلاله تتنم الصالحات، والصلٰوة والسلام علی سيدنا ومولانا محمد سيد الكائنات و اٰله و صحبه وامته و حزبه الجمعين، و الحمد لله رب العٰلمين۔	تمام حمد اللہ تعالٰی کی ہے جو تمام انعامات کا اعطا کرنیوالا ہے، اے ہمارے رب! ہماری طرف سے قبول فرما بلاشبہ تُو سننے والا ہے، تمام حمد اللہ کی جو جہانوں کا پروردگار ہے، صلٰوۃ وسلام نازل ہو تمام رسولوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر آپ کی آل و اصحاب تمام پر، سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمن۔ رسالہ تام ہوا اور خیر کے ساتھ وسیع ہوا اس ذات کی مدد سے جس نے فرمایا جبکہ اس کا فرمان برحق ہے "ترے رب کے کلمات صدق وعدل میں تام ہیں کوئی ان کو تبدیل کرنے والا نہیں وہی سننے جاننے والا ہے۔" تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کی جس کی نعمت وجلال سے خوبیا تام ہوتی ہیں اور صلٰوۃ ولام ہمارے آقا مولٰی سید کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آل واصحاب واُمت اور ان کی سب جماعت پر، والحمد رب العالمین (ت)

کتبـــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن

المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تحریر جناب مولانا گلام دستگیر علیہ الرحمۃ من ربنا القدیر بر رسالہ مبرکہ "سُبحٰن السبوح من عیب کذب المقبوح فقیر غلام دستگیر قصوری کان اللہ لہ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ میں بریلی میں وار دہُوا اور اس مبارک رسالہ کے دیکھنے کا اتفاق پڑا، چونکہ مدتِ دراز کے بعد یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے اور ملاقات احباب اور نیز مشورہ امر دینی کے سبب جو وکلاء سے کرنا تھا اس قدر کم فرصتی ہُوئی کہ معمولی وظائف جو کبھی سفر و حضر میں ترک نہیں ہوئے تھے ان چار روز میں وُہ بھی پُورے نہ ہوسکے، اس کشاکش میں اس رسالہ سلالہ کو فقیر بالاستیعاب کیا کچھ حصّہ معتد بہا بھی نہ دیکھ سکا مگر ابتدا اور درمیان اور انتہا سے جو دیکھا تو مسئلہ امکان کذب باری تعالٰی کا رَد پایا اور اس کا آنکھوں سے لگایا الحمد للہ حمدا کثیرا کہ اس کے مولف علامہ فہامہ نے جو ایک علم اور فضل کے خاندان سے عمدۃ الخلف وبقیۃ السلف ہیں اس بارے میں بھی اپنے عزیز واقارب کو جو ہمیشہ کارِ خیر اشاعت علوم دینیہ میں مصروف ہیں صرف فرمایا جزاہ اللہ الشکور عنی وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء واوصلہ الی غایۃ ما یحب و یرضی، اللھم تقبل منّا انّك انت السمیع العلیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ و مظھر لطفہ و احسانہ سیدنا محمد و عترتہ اجمعین اللھم ارحمنا معھم برحمتک یا ارحم الراحمین!

۱۵ جمادی الاول روز روانگی وطن پر چند حروف لکھے گئے وللہ ھو المسیر للصعاب۔

رسالہ
دامان باغ سبحٰن السبوح
(سبحٰن السبوح کے باغ کا دامن ۱۳۰۷ھ)

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کی دیو بند کا پڑھاہُوا ایک مولوی کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی جُھوٹا ہو سکتا ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ آدمی جُھوٹ بول سکتا ہے تو اگر اللہ تعالٰی نہ بول سکے تو آدمی کی قدرت خدا کی قدرت سے بڑھ جائے گی کہ ایک کام ایسا نکلا کہ آدمی تو کر سکتا ہے اور خدا نہیں کر سکتا، یہ ظاہر بات ہے کہ خدا کی قدرت بے انتہا ہے آدمی جس جس بات پر قادر ہے خدا ضرور ان سب باتوں پر قادر ہے اور ان کے سوا بے انتہا چیزوں پر قدرت رکھتا ہے جن پر آدمی کو قدرت نہیں انسان کو اپنے کذب پر قدرت اور خدا کو اپنے کذب پر قدرت نہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے، اور اس دلیل کو کہتا ہے کہ یہ ایسی قاطع دلیل ہے کہ جس کا جواب نہیں ہو سکتا ہے امید کہ اس بارہ میں جو حق ہو تحریر فرمائیں اور مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچائیں۔ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت) اللہ عزوجل سلمانوں کو شیطانوں کے وسوسوں سے بچائے، دیو بندی نہ دیو بندی کہ دیو بندیوں نہ دیو بندیوں کہ ان کے امام اسمٰعیل دہلوی کا یہ قول صریح ضلالت وگمراہی وبد دینی ہے جس میں بلا مبالغہ ہزار ہا وجہ سے کفر لزومی ہے، جمہور فقہائے کرام کے طور پر ایسی ضلالت کا قائل صریح کافر ہو جاتا ہے اگر ہم باتباع

جمہور متکلمین کرام صرف لزوم پر بے التزام کافر کہنا نہیں چاہتے اور ضال مضل بد دین کہنے پر قناعت کرتے ہیں۔
اس مسئلہ میں فقیر کا یک کافروافی رسالہ مسمّٰی بہ **سبحٰن السبوح عن کذب مقبوح** مدت ہوئی چھپ کر شائع ہو چکا اور گنگوہیوں دیوبندیوں وغیرہم وہابیوں کسی سے اس کا جواب نہ ہو سکا نہ **ان شاء اللہ العزیز** قیامت تک ہوسکے،

حقت علیھم کلمۃ العذاب بما کذبوا ربھم وبما کانو یفسقون اولٰئك اصمھم اللہ واعمٰی ابصارھم فھم طغیانھم یعمھونo	عذاب کا قول ان پر ٹھیک اترا بسبب اس کے کہ انھوں نے اپنے رب کی طرف جھوٹ منسوب کیااور اس سبب سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالٰی نے بہرہ کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا پس وُہ اپنی سرکشی میں سرگرداں رہتے ہیں (ت)

میں نے اس رسالے میں تیس ۳۰ نصوص اور تیس دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالٰی کا کذب محال بالذات ہے اور یہ کہ اس کے محال بالذات ہونے پر تمام ائمہ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں اس کے رب کی عظمت اور اس کے کلام کی تصدیق ہو اگر کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لئے یہی دو حرف کافی ہیں، اول یہ کہ کذب ایسا گندا ناپاک عیب ہے جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزّت والا بھی بچنا چاہتا ہے اور ہر بھنگی چمار بھی اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے، اگر وہ اللہ عزوجل جلالہ کے لئے ممکن ہوا تو وہ عیبی ناقص ملوث گندی گھناؤنی نجاست سے آلودہ ہوسکے گا، کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے، مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لئے اسکے رب کی امان، ادنٰی سمجھ وال یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا، پاکی ہے اسے جس کے سراپردہ عزت وجلال کے گرد کسی عیب و نقص کا گزر قطعاً محال بالذات ہے، جس کی عظمت وقدوسیت کو ہر لوث وآلودگی سے بالذات منافات ہے۔ شرح مقاصد میں ہے:

الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالٰی محال[1]۔	یعنی جُھوٹ باجماعِ علماء محال ہے کہ وُہ بالاتفاق عقلا عیب ہے اور عیب اللہ تعالٰی پر محال۔

نیز مقصد سادس فصل ثالث محبث سابع جملہ اہلسنت کے عقند اجماعیہ میں فرماتے ہیں:

طریقۃ اھل السنۃ ان العالم حادث و	اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و

[1] شرح المقاصد البحث السادس فی انہ تعالٰی متکلم دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲ / ۱۰۴

الصانع قدیم متصف بصفات قدیمة و الا یصح علیه الجھل ولا الکذب ولا النقص[1]۔	نو پیدا ہے، اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے نہ کذب ممکن ہے نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔

دوم: یہ کہ جب اس کا کذب ممکن ہو تو اس کا صدق ضروری نہ رہا، جب اس کا صدق ضروری نہ رہا تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے گا، ہر بات میں احتمال رہے گا کہ شاید جھوٹ کہہ دی ہو، جب وُہ جُھوٹ بول سکتا ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا، کیا اس کسی کا ڈر ہے یا اس پر کوئی حاکم وافسر ہے جو اسے دبائے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا، ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ ہمیشہ سچ بولوں گا یا اس نے فرمادیا ہے کہ میرا سب باتیں سچی ہیں مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرالو تو سرے سے اس وعدہ وفرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا، ہو سکتا ہے کہ پہلا جُھوٹ یہی بولا ہو، غرض معاذاللہ اس کا کذب ممکن مان کر دین و شریعت واسلام وملّت کسی کا اصلاً پتا نہیں لگا رہتا، جزاو سزا وجنت ونارہ حساب و کتاب وحشر ونشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا،

تعالٰی اللہ عما یقولون الظلمون علوا کبیرا۔	اللہ تعالٰی بہت بلند ہے اس سے جو ظالم کہتے ہیں۔ (ت)

علّامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرماتے ہیں:

الکذب فی اخبار اللہ تعالٰی فیه مفاسد لا تحصی و مطاعن فی الاسلام لا تخفی، منہا مقال الفلاسفة فی المعاد ومجال الملاحدة فی العناد و بطلان ماعلیه الاجماع من القطع بخلود الکفار فی نار فمع صریح اخبار اللہ تعالٰی به، فجواز عدم وقوع مضمون ھٰذا الخبر محتمل ولما کان ھٰذا باطلا قطعا	اخبارِ الٰہیہ میں امکان کذب ماننے سے بے شمار خرابیاں اور اسلام میں ایسے طعنے سر اٹھائیں گے جو پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے معاد کے بارے میں فلاسفہ کا کلام، عناد پر مبنی بے دینوں کی جسارت اور کفار کے ہمیشہ جہنم میں رہنے جیسے اجماعی نظریات کا بطلان ہے باوجودیکہ اس بارے میں اللہ تعالٰی کی تصریح وارد ہے، چنانچہ اس خبر کے مضمون کے عدم وقوع کا جائز ہونا محتمل ہوا، اور جب یہ قطعاً

[1] شرح المقاصد فصل ثالث مبحث ثامن دارا المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۷۰

علم ان القول بجواز الکذب جی اخبار اللہ تعالٰی باطل قطعا[1] (ملتقطا)۔	باطل ہے تو معلوم ہُوا کہ اخبار الٰہیہ میں امکان کذب کا قول قطعاً باطل ہے (ملتقطا) (ت)

رہی دیوبندی کی دلیل ذلیل وہ اس کی اپنی ایجاد نہیں، امام الوہابیہ کی اختراع خبیث ہے، سبحٰن السبوح میں اسکے ہذیانوں کی پوری خدمت گزاری کر دی ہے، یہاں چند حرف گزارش،

اوّلا: جب یہ ٹھہرا کہ انسان جو کچھ اپنے لئے کر سکتا ہے وہابیہ کا خدا بھی خود اپنے واسطے کر سکتا ہے، تو جائز ہُوا کہ اُن کا خدا زنا کرے، شراب پیئے، چوری کرے، بُتوں کو پُوجے، پیشاب کرے، پاخان پھرے، اپنے آپ کو آگ میں جلائے، دریا میں ڈبائے، سرِ بازار بدمعاشوں کے ساتھ دھول چھکڑ لڑے، جوتیاں کھائے وغیرہ وغیرہ وہ کون سی ناپاکی، کون سی ذلت، کونسی خواری ہے جو ان کے خدا سے اُٹھ رہے گی۔

ثانیا: بے دین اس گھمنڈ میں ہیں کہ انھوں نے خدا کا عیبی ہونا فقط ممکن کہا ہے کوئی عیب بالفعل تو اسے نہ لگایا، حالانکہ اوّل تو یہی ان کا گدھا پن ہے اُس جلیل جمیل سبوّح قدوس کی شان جلال کے لئے فقط امکان عیب ہی خود بڑا بھاری ہے **فی سبحٰن السبوح واوضحناہ اللغواۃ مع مالہ من الواضوح** (جیسا کہ ہم نے اس کو سبحٰن السبوح میں بیان کیا اور گمراہوں کے لئے اس کی خوب وضاحت کی۔ت) خیر یہ تو ایمان والے جانتے ہیں، میں وُہ بتاؤں جسے یہ عیب لگانے والے بھی سمجھ جائیں کہ بیشک انھوں نے خدا کو بالفعل عیبی مانا اور کتنا سخت سے سخت عیبی جانا بلکہ اس کے حق میں کچھ لگی نہ رکھی صاف صاف اس کی الوہیت ہی باطل کر دی، وجہ سُنئے جب ٹھہری کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے خدا بھی اپنے لئے کر سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ آدمی قادر ہے کہ اپنی ماں کی تواضع وخدمت کے لئے اس کے تلووں پر اپنی آنکھیں ملے، اپنے باپ کی تعظیم وغلامی کے لئے اس کے جُوتے اپنے سر پر رکھ کر چلے تو ضرور ہے کہ وہابیہ کا خدا بھی اپنے ماں باپ کے ساتھ ایسی تعظیم وتواضع وخدمت وغلامی پر قادر ہو ورنہ انسان کی قدرت جو اس کی قدرت سے بڑھ جائے گی کہ ایک کام وہ نکلا جو انسان کر سکا اور خدا سے نہیں ہو سکتا، اگر کہئے اسے اس کام پر اس وجہ سے قدرت نہ ہوئی کہ اس کے ماں باپ ہی نہیں تو اس میں اس زخم کا کیا علاج ہُوا، مطلب تو اتنا تھا کہ ایک کام ایسا نکلا جسے بعض انسان کر رہے ہیں اور خدا سے نہیں ہو سکتا خواہ نہ ہو سکنے کی کوئی وجہ ہو، لاجرم تمھارے طور پر ضرور ہے کہ خدا کے ماں باپ ہوں تاکہ وُہ بھی ایسی سعادت مندی کر سکے جیسی انسان کر رہا ہے، اور ظاہر کہ جو ماں باپ سے پیدا ہو وہ حادث ہو گا اور حادث خدا نہیں ہو سکتا، اس کا کوئی خالق ہو گا اور مخلوق خدا نہیں ہو سکتا، اب تو تم سمجھے کہ تم خدا کو

---

[1] شرح المقاصد المحث الثانی عشر دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲ / ۲۳۸

بالفعل عیبی مانتے اور سرے سے اس کی الوہیت ہی باطل کر رہے ہو۔ ہاں ایک صورت نکل سکتی ہے کہ بالفعل خدا کے ماں باپ نہ ہوں اور پھر بھی اسے ان سعادتمندیوں پر قدرت ہو، کہو تو بتادیں، وہ یہ کہ وہابیہ کا خدا کسی دن اپنے آپ کو موت دے اور آواگون کے ہاتھوں کسی پُرش کے بھوگ سے کسی استری کے گربھ میں دوسرا جنم لے اپنے ان آئندہ ماں باپوں کی غلامی کرے، مگر الوہیت تو یُوں بھی گئی کہ جو مر سکا وُہ خدا کہاں!

ثالثًا: احمق بددین نے اگرچہ مسلمانوں کا دل رکھنے کو اپنے رسالہ یکروزی میں جہاں یہ ناپاک دلیل ذلیل لکھی ہے یہ اظہار کیا کہ خدا کا کذب ممکن بالذات ہونے پر بھی ممتنع بالغیر ضرور ہے مگر دلیل وہ پیش کی جس نے امتناع بالغیر کو بھی صارف اڑادیا، ظاہر ہے کہ انسان کا کذب نہ ممتنع بالذات نہ ممتنع بالغیر، بلکہ ہر روز و سب ہزاروں بار واقع تو کذب پر اس کی قدرت آزاد ہوئی جس پر کوئی روک نہیں اور برابر کام دے رہی ہے، مگر خدا کی قدرت بستہ و مسدود ہے کہ واقع کرنے کی مجال نہیں اور شک نہیں کہ آزاد قدرت مسدود قدرت پر صریح فوقیت رکھتی ہے تو یوں کیا انسانی قدرت اس کی قدرت سے فائق نہ رہی باعتبار مقدورات کمًّا نہ سہی تو باعتبار نفاذ کیفا سہی، ناچار تمھیں ضرور ہے کہ امتناع بالغیر بھی نہ مانو کہ انسانی قدرت سے شرمانا تو نہ پڑے۔

رابعًا: اس قول خبیث کی خباثتیں کہاں تک گنیں کہ وُہ تو بلا مبالغہ کروڑوں کفریات کا خمیرہ ہے، ہاں وہ پوچ بے حقیقت گرہ کھولیں جو اس نے اپنا جادو پھونک کر لگائی اور حماقت سے بہت کرّی گتھی جانی، یہ چار طور پر ہے **بعضھا قریب من بعض**:

اوّل: ساری بات یہ ہے کہ احمق نے افعال انسانی کو خدا کی قدرت سے علیحدہ سمجھا ہے کہ آدمی اپنے کام اپنی قدرت سے کرتا ہے یہ رافضیوں معتزلیوں فلسفوں کا مذہب ہے، اہلسنت کے نزدیک انسانی حیوانی تمام جہان کے افعال اقوال اعمال احوال سب اللہ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، اوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے جسے تاثیر و ایجاد میں کچھ دخل نہیں تمام کائنات و ممکنات پر قدرت موثرہ خاص اللہ عزوجل کے لئے ہے، تو کذب ہو یا صدق، کفر ہو یا ایمان، حسن ہو یا قبح، طاعت ہو یا عصیان، انسان سے جو کچھ واقع ہوگا وہ اللہ ہی کا مقدور اللہ ہی کا مخلوق ہوگا، اسی کی قدرت اسی کی ایجاد سے پیدا ہوگا، پھر کیونکر ممکن کہ انسان کو فعل قدرتِ الٰہی سے جُدا کرسکے جس کے لئے وزن برابر کرنے کو خدا کو خود اپنے لئے بھی کر سکنا پڑے، اس ضلالت و بددینی کی کوئی حد ہے مقاصد میں ہے:

فعل العبد واقع بقدرۃ اللہ تعالٰی انما للعبد الکسب والمعتزلۃ بقدرۃ	یعنی بندے کا ہر فعل اللہ تعالٰی ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے بندہ کا فقط کسب ہے اور معتزلہ و فلاسفہ

العبد صحة الحکماء ایجابا[1]۔	کہتے ہیں کہ بندے کا فعل خود بندے کی قدرت سے ہوتا ہے، معتزلہ کے نزدیک امکانی طور پر کہ قدرت بندہ سے وقوعِ فعل ممکن ہے واجب نہیں اور فلاسفہ کے نزدیک وجوبی طور پر کہ تخلف ممکن نہیں۔

دوم: اندھے سے پوچھو انسان کو کس کے کذب پر قدرت ہے، اپنے یا خدا کے۔ ظاہر ہے کہ انسان قادر ہے تو صرف کذبِ انسانی پر نہ کہ معاذ اللہ کذبِ ربّانی پر۔ اور شک نہیں کہ کذب انسانی ضرور قدرت ربانی میں ہے، پھر اگر کذب ربانی قدرت ربانی میں نہ ہُوا تو قدرت انسانی کیونکر بڑھ گئی، وہ کذب ربانی پر کب تھی اور جس پر تھی یعنی کذب انسانی، اسے ضرور قدرت ربانی محیط ہے، مگر خدا جب دین لیتا ہے عقل پہلے چھین لیتا ہے، دل کے اندھے نے یہ خیال کیا کہ انسان اپنے کذب پر قادر ہے، اور یہی لفظ بارگاہِ عزت میں بول کر دیکھا کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہئے اور نہ سُوجھا کہ وہاں اپنے سے انسان مراد تھا اور اب خدا مراد ہو گیا، اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ اسی کی طرح کا کوئی کور باطن خیال کرے کہ انسان اپنے خدا کی تسبیح کر سکتا ہے تو چاہیئے کہ خدا بھی اپنے خدا کی تسبیح کر سکے ورنہ قدرت انسانی بڑھ جائے گی، تو خدا کے لئے اور خدا درکار ہوا،

وھلم جرا الی غیر نہایة و غیر قرار، کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار۔	اور کھینچتا چل مالا نہایۃ تک، یونہی اللہ تعالٰی ہر متکبر سرکش کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے (ت)

سوم: ہم پُوچھتے ہیں قدرتِ انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے، آیا یہ کہ انسان کے مقدورات گنتی میں خدا کے مقدورات سے زائد ہو جائیں گے، یہ تو بداہۃً استحالہ کذب کو لازم نہیں کہ کذب و جملہ نقائص سرکار عزت کے لئے سرکار عزت کی قدرت میں نہ ہونے پر بھی اس کے مقدورات غیر متناہی ہیں اور انسان کتنی ہی ناپاکیوں پر قادر ہو آخر اس کے مقدورات محدود ہی رہیں گے اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، ہاں یہ کہئے کہ ایک چیز بھی ایسی نکلنا جو انسان کے زیر قدرت ہو اور رحمٰن کے زیر قدرت نہ ہو محال ہے (اور بیشک ایسا ہی ہے) اسی کو زیادت قدرت سے تعبیر کیا ہے تو اب ہم دریافت کرتے ہیں یہ خاص کذب کہ انسان سے واقع ہوا قدرتِ خدا سے ہوا یا قدرتِ خدا سے جدا، بر تقدیر اول وہ کون سی چیز نکلی جو انسان کے زیر قدرت تھی اور رحمٰن کے زیر قدرت نہ تھی کہ یہ جو قدرت انسان سے ہوا خود مانتے ہو کہ قدرت رحمٰن سے ہوا پھر زیادت کہاں، بر تقدیر دوم رحمٰن اگرچہ معاذ اللہ اپنے کروڑ کذبوں پر قادر ہو وہ کذب اس کذب کے عین نہ ہوں گے جو انسان سے

[1] المقاصد مع شرح المقاصد الفصل الخامس دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۲۰

واقع ہُوا بلکہ کذب ہونے میں اس کے مثل ہوں گے اور مثل پر قدرت شے پر قدرت نہیں، وُہ خاص کذب انسانی جو قدرت انسانی سے واقع ہوا اسے صراحۃً قدرتِ خدا سے جدا کہہ رہے ہو تو خدا کا کذب ممکن بلکہ اب تازہ ایمان گنگوہی پر **معاذاللہ** واقع مان کر بھی وُہ کال تو نہ کٹا کہ ایک شیئ جو زیر قدرت انسانی تھی زیر قدرت رحمانی نہ ہوئی اس کی نوع مقدور خدا ہوئی نہ کہ خود وہ فرد، تو تو نے خدا اور انسان کو درباره کذب برابر کے دو عاجز مانا کہ نوع کذب کے افراد سے جس فرد پر انسان قادر ہے اور جس فرد پر خدا قادر ہے انسان قادر نہیں۔ دہلوی کے بندو! اسی پر اس مسئلہ میں "**اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ**" [1] (**بیشک اللہ** تعالٰی ہر شیئ پر قادر ہے۔ت) پڑھتے اور کذب الٰہی محال جاننے والے مسلمانوں پر عجز ماننے کی تہمت رکھتے ہو، حالانکہ تم خود ہی وُہ ہو کہ خدا کو افراد مقدورہ عبد پر قادر نہیں مانتے جب تو وزن برابر کرنے کو امثال مقدورات عبد خود اس کے نفس کریم میں گھڑنا چاہتے ہو **قاتلکم اللہ** (اللہ تعالٰی تمھیں ہلاک کرے۔ت) کسی مذہب خبیث کی بھی تقلید چھوڑو گے یا سب میں سے ایک ایک حصّہ لوگے، یہ طوائف معتزلہ سے طائفہ جبائیہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالٰی نفس مقدورات عبد پر قادر نہیں۔ مواقف میں ہے:

الجبائیۃ قالوا لایقدر علی عین فعل العبد [2] **الخ۔**	جبائیہ نے کہا کہ اللہ تعالٰی عین فعل عبد پر قدرت نہیں رکھتا الخ (ت)

ہم اہلسنّت کے نزدیک اللہ تعالٰی عین مقدورات عبد پر بھی قادر ہے کہ وہ اسی کی قدرت کاملہ سے واقع ہوتے ہیں اور ان کے امثال پر بھی کہ امثال عبد سے امثال فعل صادر کراسکتا ہے، مگر ایسے امثال پر قدرت کہ خود اپنے نفس کریم سے ویسی ناپاکیاں صادر کر دکھائے اس سے وُہ پاک و متعالی ہے، **سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون** (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت)

اس کی مثال یُوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ عــہ۱ کو طلاق عــہ۲ دینے پر قادر ہیں مگر ایک دوسرے کی

عــــہ۱: یہ فہم امام الوہابیہ کے قابل واضح تغایر لکھا ہے ورنہ مخلوق میں کسی فعل بعینہٖ پر دوسرے کو قدرت نہیں ہو سکتی کہ فعل فاعل سے تعین پاتا ہے تو وہ فعل مثلا روٹی کھانا، پانی پینا یا اٹھنا بیٹھنا وغیرہ وغیرہ جو زید سے صادر ہوا عمرو سے صادر نہیں ہو سکتا اس کی نظیر اس سے صادر ہو گی ۱۲ منہ مد ظلہ

عــــہ۲: یعنی ایسی طلاق جس میں اصیل خود مختار ہو ۱۲ منہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۷

[2] المواقف مع شرح المواقف المرصد الرابع فی الصفات الوجودیۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۶۴

زوجہ کو طلاق عـــہ نہیں دے سکتا تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے، لیکن حق جل مجدہ دونوں پر قادر ہے کہ ان میں جو اپنی زوجہ کو طلاق دے گا وُہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہوگی تو اللہ تعالٰی زید و عمرو ہر ایک کے عین فعل پر بھی قادر ہے اور مثل فعل پر بھی کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا، مگر امام الوہابیہ کی ضلالت نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا بلکہ قدرت کے لئے یہ لازم سمجھا کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں خدا خود بھی اپنی جورو مقدسہ کو طلاق دے سکے، اس گدھے پن کی حد ہے؟ اس بے ایمانی کا ٹھکانہ ہے؟ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

چہارم: یہ قضیہ بیشک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس سب اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیاء پر مولٰی عزوجل قادر ہے وہ بقدرت ظاہر یہ عطائیہ اور حق بقدرت حقیقیہ ذاتیہ مگر اس حق کو یہ ناحق کوش کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے انسان کی قدرت ظاہر یہ صرف اس قدر ہے، قدرت حقیقیہ خلق و ایجاد میں اس کا حصہ نہیں وہ خاص مولٰی عزوجل کی قدرت ہے تو اس کلمہ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ عزوجل اسکے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہو گا مگر بقدرت خدا اس دل کے اندھے نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمٰن بھی خود اپنے لئے اس کے کسب پر قادر ہے **سبحٰن اللہ رب العرش عما یصفون** (پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت) اندھے نے نہ جانا کہ کسی کا کسی شے پر قادر ہونا "**صحۃ الشیئ منہ**" ہے نہ کہ "**صحۃ الشیئ علیہ**"، اور صاف گھڑلیا کہ "**ما یصح علی العبد یصح علی اللہ**" جو بندے پر جاری ہوسکے خدا پر بھی جاری ہوسکتا ہے، اس سے بڑھ کر اور کیا ضلالت و شیطنت بے انتہا ہے،

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ ﴿۲۲۷﴾" [1]	اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے (ت)

دیوبندی اسے قطعی دلیل کہتا ہے، ہم ایک فائدہ عجیبہ بتائیں، میں کہتا ہوں ہاں وہ ضرور قطعی دلیل ہے مگر کا ہے پر، وہابیہ امام الوہابیہ کے ایک ایک قول ایک ایک فقرے ایک ایک حرف وہابیت کے ابطالِ صریح پر، اس حجت عامۃ الظہور لامعۃ النور کی تقریر ایک مقدمہ واضحہ کے بیان سے روشن و منیر،

عـــہ: بمعنی مذکور ۱۲منہ

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

وُہ مقدمہ یہ کہ جس بات کا حق جاننا خدا پر جائز وروا ہے وُہ ضرور فی الواقع حق و بجا ہے ورنہ خدا پر جہل مرکب جائز ہو کہ اپنی غلط فہمی سے ناحق کو حق جان لے باطل کو صحیح مان لے، امام الوہابیہ نے اگرچہ اس کا کذب ممکن کہا مگر وُہ یُوں تھا کہ اس کے علم میں ٹھیک بات ہے اور دوسروں سے اس کے خلاف کہے نہ یہ کہ خود اس کا علم ہی باطل وخلافِ حق ہو اس کے امکان کی اس نے تصریح نہ کی، دیوبندیوں نے اگرچہ امکان جہل عـــہ صراحۃً اوڑھ لیا مگر وہ جہل بسیط تھا کہ ایک بات معلوم نہ ہونا، نہ کہ جہل مرکب کہ باطل کو حق اعتقاد کرنا، اس کا امکان ان سے بھی مسموع نہیں، رہے ہم اہل اسلام، ہمارے نزدیک تو بحمد اللہ تعالٰی یہ مقدمہ اجلی بدیہیات واعلٰی ضروریات دین سے ہے، اگر خدا کا علم جائز الخطا ہو تو قیامت وحشر ونشر وجنت ونار وغیرہا جملہ سمعیات باطل محض ہو جائیں کہ ان کی طرف عقل کو آپ تو راہ ہی نہیں کہ کسی دلیل کسی تعلیل، کسی استقراء، کسی تمثیل سے ان پر اعتقاد کرسکے ان کا اعتقاد محض بربنائے کلام الٰہی تھا اب اس کی جانچ واجب ٹھہری کہ ایک جائز الخطاء کی بات ہے، جانچ کاہے سے ہوگی عقل سے، عقل وہاں چل سکتی ہی نہیں تو محض مہمل وبے ثبوت جاننا اور ان سب کا چھوڑ دینا لازم ہُوا کذب نے تو بات ہی میں شبہ ڈالا تھا جہل مرکب نے جڑ سے لگی نہ رکھی بلکہ نظر بمذہب وہابیہ اس تقدیر پر نہ صرف ایمانیات معاد بلکہ خود اصل ایمان اعنی توحید الٰہی پر بھی ایمان ہاتھ سے جائے گا، وجہ سُنئے وہابیہ کے طور پر خدا کے لئے بیٹا ہونا عقلاً محال نہیں ان کا امام صاف مان رہا ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے خدا بھی اپنے لئے کرسکتا ہے تو واجب ہُوا کہ خدا عورت سے نکاح بعدہ جماع بعدہ اس کے رحم میں اپنے نطفے کا ایقاع کرسکے ورنہ قدرت میں انسان سے گھٹ جو رہے گا، اور جب یہاں تک ہو لیا تو اب نطفہ ٹھہرانے اور بچّہ بنانے اور پیدا کرانے میں کیا زہر گھُل گیا کہ ان سے عاجز رہے گا دنیا بھر کی ماؤں کے ساتھ یہ افعال کر رہا ہے، اپنی زوجہ کے بارے میں کیوں تھک رہے گا، آخر وہابیہ کا ایک پُرانا امام ابن حزم غیر مقلّد ظاہری المذہب مدعی عمل بالحدیث منہ بھر کر

عـــہ: مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری مرحوم مصنف تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل وغیرہ نے جو اس ہذیان امام الوہابیہ پر لزوم امکان جہل وغیرہ شناعات سے نقض کیا تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی وغیرہ پارٹی دیوبند نے عقائد گنگوہی کے بیان وحمایت میں اس کا جواب اخبار نظام الملک پرچہ ۲۵ / اگست ۱۸۸۹ء میں یہ چھاپا "چوری شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی معلوم ہوتا ہے، غلام دستگیر کے نزدیک خدا کی قدرت بندہ سے زائد ہونا ضروری نہیں حالانکہ یہ کلیہ ہے جو مقدور العبد ہے مقدور اللہ ہے۔" دیکھو کیسا صاف اقرار ہے کہ وہابیہ کا معبود چوریاں کرئے شرابیں پیئے، جاہل بنے، ظلم میں سے سب کچھ روا ہے، اعوذ باللہ من الخذلان اس پرچہ کی خرافات ملعونہ کا رد آخر کتاب مستطاب سبحٰن السبوح میں چھپا ہے وہاں ملاحظہ ہو ۱۲ منہ۔

بک گیا کہ خدا کے بیٹا ہو سکتا ہے، ملل و نحل میں کہتا ہے:

انه تعالٰی قادر ان یتخذ ولد اذلو لم یقدر لکان عاجزا[1]	بیشک اللہ تعالٰی اس بات پر قادر ہے کہ اولاد رکھے کیونکہ اگر اس پر قادر نہ ہوا تو عاجز ہوگا(ت)

اس کا رد سبحٰن السبوح صفحہ ۳۴ و ۳۵ میں ملاحظہ ہو، اور شک نہیں کہ خدا کا بیٹا ہوگا تو ضرور وہ بھی مستحقِ عبادت ہوگا، قال اللہ تعالٰی:

"قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾"[2]	تم فرمادو کہ رحمٰن کے کوئی بچہ ہے تو سب سے پہلے اس کا پُوجنے والا میں ہوں۔

تو ثابت ہُوا کہ وہابیہ کے نزدیک ہزاروں خدا مستحقِ عبادت ممکن ہیں، عقلی استحالہ تو یُوں یا، رہا شرعی اس کے کھونے کو امکان کذب کیا تھوڑا تھا کہ اب خدا کی بات سچّی ہونی ضرور نہیں، جہل مرکب ممکن مانا گیا، تو پوری رجسٹری ہو جائے گی کہ ممکن کہ ادعائے توحید و مذمت شرک سے جو تمام قرآن گونج رہا ہے سب بر بنائے جہل مرکب و غلط فہمی ہو۔ اب لا الٰہ الاّ اللہ بھی ہاتھ سے گیا والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی، بالجملہ اللہ عزوجل پر جہل مرکب محال بالذات ہونے میں وہابیہ کو بھی اہل اسلام کا ساتھ دینے سے چارہ نہیں تو یہ مقدمہ کہ "جس بات کا حق جاننا خدا پر روا ہے وُہ ضرور حق و بجا ہے۔" برہانی ایقانی بھی ہے اور مخالف کا تسلیمی اذعانی بھی، اس کا نام مقدمہ ایمانیہ رکھئے۔

اب خلاف وہابیہ و وہابیت جو بات چاہئے فرض کر لیجئے خواہ وہ ہمارے موافق ہو یا ہمارے احکام سے بھی زائد مثلاً:

(۱) اسمٰعیل دہلوی نرا کافر تھا۔

(۲) گنگوہی، دیوبندی، نانوتوی، انبٹھی، تھانوی وغیرہم وہابی سب کھلے مرتد ہیں۔

(۳) جو کذبِ الٰہی ممکن کہے ملحد ہے۔

(۴) تقویۃ الایمان، تنویر العینین، ایضاح الحق، صراطِ مستقیم تصانیف اسمٰعیل دہلوی، معیار الحق تصنیف نذیر حسین دہلوی، تحذیر الناس تصنیف نانوتوی، براہین قاطعہ تصنیف گنگوہی وغیرہا جملہ نباحات انبوہی سب کفری بول نجس تر از بول ہیں، جو ایسا نہ جانے زندیق ہے۔

[1] الملل والنحل لابن حزم

[2] القرآن الکریم ۴۳ / ۸۱

(۵) جو باوصف اطلاع اقوال ان میں سے کسی کا معتقد ہو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے۔
(۶) ان سفہا اور اُن کے نُظرا تمام خبثا جنھوں نے شانِ اقدس وارفع رب العالمین و حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیص کی، جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورب العزت جل جلالہ کے مقابل ان ملحدوں کی حمایت مروت رعایت کرے ان کی باتوں کی تحسین، توجیہ تاویل کرے وہ عدوِخدا دشمنِ مصطفٰی ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔
(۷) غیر مقلدین سب بے دین پکّے شیاطین پورے ملاعین ہیں۔
سات یہ اور سات ہزار اور، جو بات لو کیا انسان اس کا اعتقاد نہیں کر سکتا ہر شخص بداہۃً جانتا ہے کہ آدمی ضرور ان میں سے ہر بات کے اعتقاد عـــہ پر قادر ہے، یہ مقدمہ بدیہیہ عامۃ الورود محفوظ رکھئے کہ "اس امر کا اعتقاد انسان کر سکتا ہے"۔ مسلمانو! (اس) میں آپ کو اختیار رہا، ردّ وہابیہ کی جس بات کو چاہئے اس کا مشار الیہ بنائیے، اب اس مقدمہ بدیہیہ کو صغری کیجیے اور مقدمہ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کا وہ دعوی ذلیل کہ "جو کچھ انسان کر سکتا ہے خدا کر سکتا ہے" اسے کبرٰی بنائیے، شکل اوّل بدیہی الانتاج سے نتیجہ نکلا کہ "اس امر کا اعتقاد خدا کر سکتا ہے" اب اس نتیجہ صغری کیجیے اور مقدمہ ایمانیہ کو کبری کہ "ہر وہ امر جس کا اعتقاد خدا کر سکتا ہے قطعاً یقینا حق ہے، شکل اول کا نتیجہ بدیہیہ ہو گا کہ یہ امر قطعاً یقینا حق ہے، وہابیہ کو یہاں معارضہ بالقلب کی گنجائش نہیں کہ اپنے عقاید باطلہ کو کہیں انسان ان کا بھی اعتقاد کر سکتا ہے تو خدا بھی کر سکتا ہے تو یہ بھی حق ہیں کہ بنائے دلیل مقدمہ وہابیہ ہے اور وہ ان پر حجت کہ ان کا اور ان کے امام کا ایمان ہے، ہمارے نزدیک وُہ باطل محض ہے تو کبرٰی قیاس اول مردود ہو کر پہلا ہی نتیجہ باطل ہوگا، اب کہئے مفر کدھر، تین ہی احتمال ہیں:
اول: مقدمہ ایمانیہ کا انکار کرو اور اپنے خدا کا جہل مرکب میں گرفتار ہونا بھی جائز جانو، جب تو قیامت و حشر و نشر و جنت و نار جملہ سمعیات اور خود اصل اصول دین لا الٰہ الا اللہ (پر ایمان کو استعفاء دو اور کھلے کافر بنو۔
دوم: اقرار کرو کہ مقدمہ وہابیہ یعنی دہلوی ضلیل کی دلیل ذلیل کا وہ شیطانی کلیہ مردود و ملعون و مطرود تھا

عـــہ: ظاہر ہے کہ کوئی خبر بھی ہو حق ہو گی یا باطل، اور سب جانتے کہتے مانتے ہیں کہ حق کا اعتقاد فرض یا کم از کم جائز اور باطل کا اعتقاد حرام وممنوع، اور فرض وحرام وممنوع وہی شے ہوگی جس پر انسان کو قدرت ہو، یہی یہاں ملحوظ ہے ۱۲منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

ہیہات اول تو اسے تمھارا دل کب گوارا کرے ؎

انی لکم الی الھدی تھویل   قد اشرب فی القلوب اسمٰعیل

(تمھیں ہدایت کی طرف پلٹنا کہاں نصیب ہوگا، تحقیق تمھارے دلوں میں اسمٰعیل (کی محبت) رچ گئی ہے۔ت)

اور خدا کا دھرا سر پر، براہ ناچاری اس کے انکار پر آؤ بھی تو تمھارا خصم کب مانے وہ کہے گا میرا استدلال اسی مقدمہ کی بنا پر الزامی تھا، اور خصم جب دلیل الزامی قائم کرے تو فریق کو اپنے مقدمہ مسلمہ سے پلٹ جانے کی گنجائش نہیں، **کما صرح**[عہ] **بہ العلماء الکرام** (جیسا کہ علماءِ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) ورنہ کوئی دلیل الزامی قائم ہی نہ ہوسکے، ہمیشہ مغلوب کے لئے یہ بھاگنے کا رستہ کُھلا رہے کہ دلیل جس مقدمہ مسلمہ پر مبنی ہو اس سے انحراف کر جائے اور بالفرض وُہ بھی در گزر کرے تو کیا یہ اقرار نرے قول کی ضلالت پر اقتضاء ہوگا، نہیں نہیں صاف صاف کہنا پڑے گا کہ امام الوہابیہ باری سبوح قدوس عزوجل کو ایسی شنیع ناپاک گالی کہ کروڑوں گالیوں پر مشتمل ہے دے کر صریح ضال مضل بے دین ہوا اور تم اور فلاں و فلانی اس کے سارے معتقدین بھی اس کی طرح گمراہ بددین ہوں۔

سوم اگر ان دونوں سے فرار کرو تو اب نہ رہا مگر یہ تیسرا کہ ان سب نتائج کو جو تمھارے امام ہی کے

عہ: فی مسلم الثبوت و شرحہ فواتح الرحموت للمولی بحر العلوم لو تم ھذا لم یکن الدلیل الجدلی مفیدا للالزام اصلا، اذ یمکن اعتراضہ بالخطاء فی تسلیم احدی المسلمات و لم تکن القضایا المسلمۃ من مقاطع البحث والکل باطل علی ما تقرر فی محلہ والحق ان المسلّمہ کالمفروض فی حکم الضروری لا یصح انکارہ فانکارہ اشد من الالزام[1] **اھ باختصار ۱۲ منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔**

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت تصنیف مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ہے کہ اگر یہ تام ہو جائے تو پھر دلیل جدلی بالکل مفید الزام نہ رہے گی کیونکہ ممکن ہوگا کہ خصم قضائے مسلمہ میں سے کسی کو خطا مان لے اور مسلمات بحث کے خاتمہ کا ذریعہ نہ رہینگے اور یہ سب باطل ہے جیسا کہ ہم اس کو اپنے محل میں ثابت کر چکے ہیں، اور حق یہ ہے کہ مسلّم، حکم ضرورۃ و بداہۃ میں مفروض سمجھا جاتا ہے جس کا انکار صحیح نہیں، پس اس کا انکار الزام سے شدید تر ہے اھ باختصار رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت)

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مع بذیل المستصفٰی

گھر سے پیدا ہوئے حق جانو اور دہلوی عــہ۱ اول و دہلوی عــہ۲ آخر و گنگوہی و نانوی وانبیٹھی و تھانوی و دیوبندی اور خود اپنے آپ اور جملہ وہابیہ اور سارے غیر مقلدین سب کو کافر مرتد اور تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ و تحذیر الناس و معیار الحق وغیر تمام تصانیف وہابیہ کو کفری قول اور پیشاب سے زیادہ نجس و بدمانو، فرمایئے ان میں کون سا آپ کو پسند ہے جسے اختیار کیجئے اپنے اور اپنے امام سب کے کفر ونی یا کم از کم گمراہی و بددینی کا اقرار کیجئے، کہو کچھ جواب فرماؤ گے یا آج ہی سے "مَالَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾ "[1] (تمھیں کیا ہوا آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے بلکہ وہ آج گردن ڈالے ہیں۔ت) کا رنگ دکھاؤ گے کیوں،

ھل ثوب الفجار ماکانوا یافکون والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیا کچھ بدلہ فاجروں کو اس کا ملا جو وہ جھوٹ بولے تھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی اور ان کے تمام آل و اصحاب پر درود نازل فرمائے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

عــہ۱: اسمٰعیل ۱۲ عــہ۲: نذیر حسین ۱۲

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۲۵و۲۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
القمع المبین لاٰمال المکذبین ۱۳۲۹ھ
(مسایرہ وشرح مواقف وسیالکوٹی کی عبارات میں مکذّبوں کی سرشکنی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۷۴: از نگلہ اروہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع اکبر آباد، مرسلہ محمد صادق خاں، شوال ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

قلت الکذب نقص والنقص علیه تعالٰی محال، فلا یکون من الممکنات الخ قوله والنقص علیه الخ لا یخفی انه موقوف علی کونه ممتنعا بالذات ولا نسلم ذٰلك اذلوکان ممتنعا لما وقع الکذب من احد فهو ممتنع بواسطة انه مناف لکماله تعالی فیکون ممتنعا بالغیر والامتناع بالغیر	**میں کہتاہوں،** جھوٹ نقص ہے، اور نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال، لہٰذا یہ ممکنات میں سے نہیں ہے الخ اس کا قول، کہ نقص اللہ تعالٰی کے لئے محال الخ، مخفی نہ رہے کہ یہ بات کذب کے ممتنع بالذات ہونے پر موقوف ہے، جبکہ یہ ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر یہ محال بالذات ہوتا تو پھر کسی سے بھی کذب صادر نہ ہوتا، لہٰذا یہ اللہ تعالٰی کمال کے منافی ہونے کے واسطہ سے ممتنع ہے تو ممتنع بالغیر ہُوا جو امکان

لاینافی الامکان الذاتی۔ حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی	ذاتی کے منافی نہ ہوا۔ (ت) حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ الواجب الصدق المستحیل الکذب المحال علیہ بذاتہ لذاتہ کل نقص و شین، فمن تقول علیہ بامکان کذبہ وتفرق الیہ بخلف وعیدہ فقد استوجب لعنۃ اللہ علیہ فی الدارین، "قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟" [1] "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ " [2] "عــــہ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۷۲﴾ " [3] "وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَیُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ " [4] " اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ ؕ " مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾ " [5] " [6] " وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ " [7] " اُولٰٓىِٕكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَ یَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۸﴾ ۙ " [8] ھو	بسم اللہ الرحمن الرحیم، سب تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لئے جو واجب، صادق، کذب جس کے لئے محال بذاتہ ہے، جس کی ذات کے لیے ہر نقص اور عیب محال بذاتہ ہے، اور جو شخص اس کے لئے امکانِ کذب کا قول کرے اور خلفِ وعید کے ذریعہ اس کا راستہ بنائے تو بیشک وہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالٰی کی لعنت کا مستحق ہوا، فرمادیجئے اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا، اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی، جو یہاں اندھا ہو آخرت میں اندھا اور زیادہ گمراہ ہے، تمھاری خرابی اللہ پر کذب کی تہمت نہ باندھو کہ تمھیں عذاب سے پیس ڈالے گا، بیشک جو اللہ پر کذب کی تہمت رکھتے ہیں انھیں چھٹکارا نہ ملے گا دنیا میں تھوڑا برتنا ہے اور آخرت میں ان کے لئے دردناک عذاب، اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر کذب کی تہمت رکھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا سنتا ہے اللہ کی لعنت ان ظالموں

عــــہ: آیۃ ھذا سے جناب گنگوہی کا فوٹو ملادیکھئے ۱۲ س عفاعنہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۹۵
[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۱
[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۲
[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۶۱
[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶
[6] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۷
[7] القرآن الکریم ۶/ ۲۱
[8] القرآن الکریم ۱۱/ ۸

"الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ ۙ وَلَوۡ کَرِہَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳۳﴾ "[1] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وعلٰی اٰلہٖ و صحبه وبارك وکرم کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون، والحمد للہ رب العٰلمین۔	پر، اور اللہ تعالٰی وُہ ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو تمام ادیان پر غالب کردے اگرچہ مشرک لوگ ناپسند کریں۔ اللہ تعالٰی اپنی رحمت فرمائے اس رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کے صحابہ پر، اور ان پر برکتیں اور کرامتیں نازل فرمائے جب تک اس کو یاد کرنے والے یاد کرتے رہیں اور جب تک اس کے ذکر سے غافل لوگ غفلت کرتے رہیں، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی سب جہانوں کے پالنے والے کے لئے۔ (ت)

اللہ عزوجل کے غضب سے اسی کی پناہ، پھر اس کے حبیب اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پناہ، جب غضب الٰہی کسی قوم سے دین لیتا ہے عقل پہلے چھین لیتا ہے کہ عقل سلیم بفضل کریم باطل کو قبول نہیں کرتی، اور اگر کبھی شیطان نے کچھ دھوکا دینا چاہا "تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ۚ "[2] (یاد دلاؤ تو جلد ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں) مگر جب عقل نہ رہی (یعنی دین متین کی سمجھ اگرچہ دنیا و دیگر علوم و فنون کی کتنی ہی دانش ہو "لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ "[3] (نہ کسی چیز کو سمجھتے ہیں اور نہ ہدایت پاتے ہیں۔ت) اس وقت انسان شیطان کا مسخرہ ہوجاتا ہے کہ صورت میں آدمی اور باطن میں گدھا ہے
" کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا ؕ "[4] " کَاَنَّہُمۡ حُمُرٌ مُّسۡتَنۡفِرَۃٌ ﴿۵۰﴾ۙ "[5] (گدھے کی مثل کتابوں کا بوجھ اٹھائے ہُوئے ہیں، گویا بھاگتے ہوئے گدھے ہیں۔ت) اپنی اغراض فاسدہ کے لئے اس کی کتاب بینی کی مثال بالکل سوئر اور سیرِ باغ کی ہوتی ہے، پُھول مہکیں، کلیاں چٹکیں، تختے لہکیں، فوارے چھلکیں، بلبلیں چہکیں، اسے کسی لطف و سرور سے کام نہیں وہ اس تلاش میں پھرتا ہے کہ کہیں نجاست پڑی ہو تو نوشِ جان کرے بعینہ یہی حالت گمراہ بد دین کی ہوتی ہے ہزار ورق کی کتاب میں لاکھ باتیں نفیس و جلیل فوائد کی ہوں ان سے اسے بحث نہ ہوگی، کتاب بھر میں اگر کوئی غلط و باطل و خطا جملہ اپنے مطلب کا سمجھے گا اسی کو پکڑ لے گا اگرچہ واقع میں وہ اس کے مطلب کا بھی نہ ہو اتنی بات اس میں خنزیر سے بھی بڑھ کر ہوئی کہ وہ نجاست لے گا تو اپنے مطلب کی اور اسے اس کی بھی تمیز نہیں، انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں اور غیر معصوم سے کوئی نہ کوئی کلمہ یا بیجا صادر ہونا کچھ نادر کالعدم نہیں پھر سلف صالحین و

[1] القرآن الکریم ۹ /۳۳
[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۱
[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰
[4] القرآن الکریم ۶۲ / ۵
[5] القرآن الکریم ۷۴/ ۵۰

ائمہ دین سے آج تک اہل حق کا یہ معمول رہا ہے،

کل ماخوذ من قولہ و مردود علیہ الا صاحب ھذا القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اس روضہ پاک والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا ہر ایک کا قول لیا جاسکتا ہے اور اس پر رد بھی کیا جاسکتا ہے۔(ت)

جس کی جو بات خلاف اہل حق و جمہور دیکھی وہ اسی پر چھوڑی اور اعتقاد وہی رکھا جو جماعت کا ہے کہ ید اللہ علی الجمائۃ اتبعو السواد الاعظم اللہ تعالٰی کی حمایت جماعت کو حاصل ہے سواد اعظم کی پیروی کرو۔ت) نہ کہ اجماع امت کے خلاف کسی نے محض بطور بحث منطقی کوئی شگوفہ چھوڑ دیا اور دل کی میچ کر اس کے پیچھے ہوئے یا اندھے ملاعین کا طریقہ ہوتا ہے یا اوندھے شیاطین کا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾"[1]	اگر ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس میں چلنا پسند نہ کریں اور گمراہی کا رستہ نظر پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لئے کہ وُہ ہمارے کلام کی طرف کذب کی نسبت کرتے اور ہماری آیتوں میں غافل ہیں۔

اس وصف میں تمام طوائف گمراہان میں طائفہ وہابیہ اور طوائف وہابیہ میں خاص طائفہ دیوبندیہ سب سے ممتاز ہیں، اور ہوا ہی چاہیں کہ قرآن عظیم فرماتا ہے یہ اس کذب کی شامت ہے جو وُہ ہمارے کلام کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اللہ کی طرف نسبتِ کذب میں وہابیہ سب سے پیش قدم ہیں کہ ان کے پیشوا اسمٰعیل دہلوی صاحب نے یک روزی میں اس کی چنائی چنی اور وہابیوں میں دیوبندی اس میں اگوا ہیں کہ ان کے پیر گنگوہی صاحب نے براہین میں اس پر استر کاری کی، نیز جناب موصوف کی تقلید سے ماشاء اللہ اندھے ہونے میں بھی اس طائفہ کو دنیا بھر کے دلی اندھوں پر ترجیح ہے اگر ایک آدھ آنکھ آدھی چوتھائی بھی کھلی ہوتی تو یہ نہ سوجھتا کہ سیالکوٹی ملا تو جس کذب میں یہاں ممکن بالذات کہہ رہے ہیں اسے نہ صرف ممکن بلکہ واقع بتا رہے ہیں یعنی نفس کذب کسی کا ہو جنگلی کا یا کوہی کا، دہلوی کا یا گنگوہی کا، اور اس کے ممکن بلکہ روزانہ لاکھوں کروڑوں بار واقع ہونے میں کیا کلام ہے ان کے لفظ دیکھئے کہ "لوکان ممتنعا لما وقع الکذب من احد" یعنی جس طرح اجتماع نقیضین وارتفاع نقیضین اپنی ذات میں محال ہیں یوں ہی اگر مطلق جُھوٹ خود اپنی ذات میں محال ہوتا تو کبھی کوئی شخص جھوٹ نہ بول سکتا مگر کروڑوں لوگ جھوٹ بول رہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ جھوٹ خود اپنی حد ذات میں محال نہیں، ہاں

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۶

جب اسے اللہ عزوجل کی طرف نسبت کرو تو ضرور محال ہے کہ ذات الٰہی بالذات مقتضی جملہ کمالات و منافی جملہ نقائص ہے تو اس پر کذب محال بالذات ہے یہ استحالہ جانب باری سے بالذات ہوا کہ اس کی ذات کریم ہر عیب کے منافی ہے، مگر مطلق کذب جو کلی عام شامل ہر کذب اور ہر شخص کے کذب کو تھا اس فرد کے استحالہ سے اسے بھی ایک استحالہ عارض ہوا کہ ہر فرد کا حکم طبیعت من حیث کی طرف ساری ہوتا ہے یہ استحالہ مطلق کذب کے حق میں ذاتی نہ ہوا کہ خود مطلق کذب کی ذات سے پیدا نہ ہوا بلکہ اللہ عزوجل کی ذات سے، بعینہٖ اس کی مثال وہی اجتماع نقیضین ہے، مطلق اجتماع کسی کا ہو اپنی حد ذات میں محال نہیں ورنہ کبھی کوئی دو ۲ چیزیں جمع نہ ہو سکتیں ہاں نقیضین کا اجتماع محال بالذات ہے کہ ذات نقیضین منافی اجتماع ہے، مگر مطلق اجتماع کہ ہر دو شَے کے جمع ہونے کو عام شامل تھا وہ جو اس مادہ خاصہ میں آکر محال ہوا تو یہ استحالہ اس کے لئے ذاتی نہیں بلکہ خصوص نقیضین کے باعث ہے تو مطلق اجتماع کہ ماہیت مطلقہ ہے ضرور ممکن بالذات بلکہ لاکھوں جگہ موجود اور اس کے سبب اجتماع نقیضین ممکن نہیں ہو سکتا وہ قطعاً محال بالذات ہے یونہی مطلق کذب کہ طبیعت مرسلہ ہے ضرور ممکن بالذات بلکہ ہزاروں جگہ موجود اس کے سبب معاذاللہ کذب باری ممکن نہیں ہو سکتا وہ یقینا محال بالذات ہے، یہ ہے اس عبارت کی تقریر جس سے اعتراض ملّا سیالکوٹی صاحب کی تشریح بھی ہو گئی اور اس سے جواب کی خوب توضیح بھی کہ یہاں کلام کذب خاص میں ہے نہ کہ مطلق طبیعت کذب میں، اور کلی کا امکان اس کے ہر فرد کے امکان کو مستلزم نہیں، یہاں ملّا سیالکوٹی کی تو اتنی ہی خطا تھی کہ محلِ نزاع میں فرق نہ کیا امکانِ فرد میں بحث تھی اور لے کر چلے امکان طبیعت، مگر دیوبندی اپنے کفر سے کب باز آتے ہیں، وہ اسی کو معاذاللہ امکان باری پر دلیل بتاتے اور اپنے کفریات ان کے سر منڈھا چاہتے ہیں، بہت خوب اب دیوبندی سنبھل کر بتائیں کہ یہ سیالکوٹی تقریر جس طرح تم بتاتے ہو تمھارے نزدیک حق ہے یا باطل، اگر باطل ہے تو کیوں دانستہ اوندھے چلتے اور ناواقف مسلمانوں کو چھلتے ہو، اور حق ہے تو تمھارے ہی منہ ثابت ہو کہ تم مشرک ہی نہیں بلکہ نرے بت پرست ہو کہ اللہ عزوجل کو مانتے ہی نہیں صرف اپنے ساختہ ٹھاکر کو پُوجتے ہو، یُوں نہ مانو ہم ثابت کر دیں تو سہی، جس تقریر سے اس کا کذب معاذاللہ ممکن ٹھہرایا، بعینہٖ بلا تفاوت اسی تقریر سے اس کا شریک بھی ممکن ہے کہ شریک اگر محال ہوتا تو کوئی کسی کا شریک نہ ہو سکتا تو شریک باری اس واسطے سے محال ہو گا کہ اس کے کمال کے منافی ہے تو ممتنع بالغیر ہوا اور امتناع بالغیر امکان ذاتی کا منافی نہیں، بعینہٖ بلا تفاوت اسی تقریر سے اس کی موت و فنا بھی ممکن ہے کہ موت محال ہوتی تو کوئی کبھی نہ مرتا تو موتِ باری اس واسطے محال ہوئی کہ منافی کمال ہوئی تو امتناع بالغیر رہا تو اس کا مرنا فنا ہو جانا ممکن بالذات ہوا تو وہ واجب الوجود نہ ہوا تو الٰہ نہ ہوا بلکہ کوئی تمھارا ساختہ ٹھاکر ہُوا، "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾" [1] (خبردار ظالموں پر

---

[1] القرآن الکریم ۱۱ / ۱۸

اللہ کی لعنت ہے۔ت)

اس عبارت کے جواب کو تو اسی قدر بس ہے مگر فقیر بعون القدیر چاہتا ہے کہ اس بحث کو اعلیٰ درجہ کمال پر پہنچائے اور گنگوہی و دیوبندی مکذّ بانِ الٰہی نے مسایرہ و شرح مواقف کی دو عبارتوں سے جو مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہا ہے ایک ضربتِ حیدری و صولتِ فاروقی سے اس کی بھی پردہ دری ہو جائے، و باللہ التوفیق ان عبارتوں سے استناد اس سے زیادہ پوچ و لچر ہے، جیسا اس عبارت سیالکوٹی سے تھا، مگر اللہ کے مکذّبوں کا مقصود مردود تو صرف عوام کو دھوکے دینا اور یہود کے **تلبسوا الحق بالباطل و تکتموا الحق** (حق کو باطل سے ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو۔ت) سے پُورا اتر کر لینا ہے۔

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾" [1] ظالم لوگ عنقریب معلوم کرلیں گے کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں (ت)

فاقول: و باللہ التو فیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) مسلمانو! عقائد وہ سنت ہیں جو حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و صحابہ و تابعین و سلف صالحین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے ثابت ہیں انھیں کے بیان کے لئے کتب عقائد کے متون موضوع ہوتے ہیں، زمانہ خیر میں یہ عقائد صدور و السنہ ائمہ سے تلقی کئے جاتے تھے، اور مسلمان اپنی سلامت صدر سے ان پر ایمان لاتے تھے انھیں چون وچرا و لِمَ ولانسلم کی علّت نہ تھی، جب بدمذہبوں کا شیوع ہُوا اور گمراہ مکلبوں نے عام مسلمین کو بہکانے کے لئے اپنے عقائد باطلہ پر عقلی و نقلی مغالطے پیش کرنے شروع کئے تو علمائے سنت و جماعت کو حاجت ہُوئی کہ ان کے دلائل باطلہ کا رَد کریں اپنے عقائد حقّہ پر دلائل قائم فرمائیں، یہاں سے کلام متاخرین کی بناپڑی اب کہ استدلال و بحث و مناظرہ کا پھاٹک کُھلا خود اپنے دلائل و جوابات کی جانچ پرکھ کی بھی حاجت ہوئی، اذہان مختلف ہوتے ہیں اور بحث و استخراج میں خطا و اصابت آدمی کے ساتھ لگے ہوئے ہیں ایک نے مذہب پر ایک دلیل قائم فرمائی یا مخالفت کی یا کسی اعتراض کا جواب دیا دوسرے نے اس پر بحث کر دی کہ اپنے مذہب پر یہ دلیل کمزور ہے مخالف کی طرف سے اس کا رَد یہ ہو سکتا ہے، یا اعتراض کا یہ جواب کافی نہیں مخالف اس میں یوں کہہ سکتا ہے، اس رَد و بحث کا اثر فقط اسی دلیل و جواب تک ہوتا ہے عام ازیں کہ اس دلیل و جواب ہی میں قصور ہو جیسا کہ بحث کرنے والے کا بیان ہے، یا خود اس باحث کی نظر نے خطا کی دلیل و جواب صحیح و صواب ہو، بہر حال **معاذ اللہ** اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنا اصل مذہب باطل یا مخالف کا ضلال حق ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ / ۲۲۷

کسی کی قائم کی ہُوئی ایک دلیل یا دیا ہُوا جواب بگڑ جانے سے اصل مسئلہ باطل نہیں ہو سکتا نہ **معاذ اللہ** یہ بحث کرنے والا اپنا عقیدہ بدلتا اور مذہب اہلسنّت کو باطل جان کر اس سے باہر نکلتا ہے یہ ایک ایسی بات ہے جسے نہ فقط اہلسنت بلکہ ہر مذہب وملّت والا اپنے یہاں دیکھتا جانتا ہے، پھر بھی جب تک زمانہ خیر کا قرب تھا اس رَد و کد میں ایک اعتدال باقی تھا جب فن کلام فلسفہ دان متاخرین کے ہاتھ پڑا اب تو بات بات میں وجہ بے وجہ نکتہ چینی کی لَے بڑھی جس سے مقصود صرف بر دومات ورَدّ و اثبات و منع و نقض واخذ میں ذہن آزمائی اور اپنی طاقت سخن کی رونمائی ہوتی ہے وبس، نہ کہ **معاذ اللہ** مذہب سے پھریں دین و عقائد کو باطل کریں **حاشاللہ** یہاں سے ہر ذی انصاف پر ظاہر کہ یہ متاخر شارح محشّی جو کچھ بحث میں لکھ جایا کرتے ہیں وہ مطلقًا خود ان کا اپنا بھی اعتقاد نہیں ہوتا نہ کہ تمام اہلسنت و جماعت کا عقیدہ، عقیدہ وُہ ہوتا ہے جو متون و مسائل میں بیان کر دیا بالائی تقریریں اس کے موافق ہیں تو حق ہیں، مخالف ہیں تو وہی ان کی بحث بازیاں اور ذہن آزمائیاں اور قلم کی جولانیاں ہیں جن کا خود انھیں اقرار ہے کہ ان میں قواعد اہل حق کی پابندی نہیں کی جاتی اور معرفتِ سامع پر چھوڑا جاتا ہے کہ عقیدہ اہل حق اسے معلوم ہے اس کی مراعات کرلے گا، مواقف میں ہے:

انت تعرف مذهب اهل الحق و انما لا نتعرض لا مثاله للاعتماد علی معرفتك بها فی مواضعها۔[1]	تم اہل حق کا مذہب جانتے ہو اور تمھاری اس معرفت کی بنا پر ہی ہم ایسے مقامات میں اس سے تعرض نہیں کرتے۔(ت)

شرح میں ہے:

فعلیك برعایة قواعد اهل الحق فی جمیع المباحث وان لم نصرح بها۔[2]	تو تجھ پر لازم ہے کہ تمام مباحث میں اہل حق کے قواعد کا پاس کرے اگرچہ ہم وہاں یہ تصریح نہ کریں۔(ت)

شرح مقاصد میں ہے:

کثیر اما توردالا راء الباطلة للفلا سفة من غیر تعرض لبیان البطلان الافیما یحتاج الی زیادة بیان[3]	عام طور پر فلاسفہ کی باطل آراء کو ان کا بطلان ذکر کئے بغیر وارد کر دیا جاتا ہے ہاں جہاں کسی زائد بیان کی ضرورت ہو تو وہاں ان کا بطلان واضح کر دیا جاتا ہے۔(ت)

---

[1] المواقف شرح المواقف القسم الاول المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۴۴

[2] المواقف شرح المواقف القسم الاول المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۴۴

[3] شرح المقاصد المقصد الثالث الفصل الثالث القسم الاول النوع الثالث المسموعات دار المعارف النعمانیه لاہور ۱/ ۲۱۶

بعینہٖ اسی طرح حسن چلپی علی السید میں ہے تو عقائد ان کے وہی ہیں جو متون خود اور ان کے کلام میں جابجا مصرح ہیں اگرچہ بحث مباحث میں کچھ کہیں، خصوصًا وُہ جن پر فلسفہ کا رنگ چڑھا اُن کو تو لِمَ ولا نسلم کا وہ لپکا بڑھا جس کے آگے کھائی، خندق، دریا، پہاڑ سب یکساں ہیں مطارحات میں وہ باتیں کہہ جاتے ہیں کہ خدا کی پناہ، شرح فقہ اکبر میں ہے سیّدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لقد اطلعت من اھل الکلام علٰی شیئ ماظننت مسلما یقولہ۔[1]	میں نے اہل کلام سے بعض باتیں وہ سنیں کہ مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا کہتا۔

وُہ تو سمجھ لئے کہ بحث مذہب پر حاکم نہیں، ہمارے عقائد معلوم و معروف ہیں لِمَ ولا نسلم میں جو بات اس کے خلاف ہو گی ناظرین خود ہی سمجھ لیں گے اور ان کے متعدد اکابر نے اس پر تنبیہ بھی کر دی، مگر مضل مغوی کا کیا علاج وُہ تو ایسے ہی موقع کی تاک میں رہتا ہے ادھر عامی بیچارہ مارا پڑا یا وادی حیرت میں سرگرداں رہا اسے ہر بات میں قاعدہ اہل حق کہاں معلوم کہ اس کی مراعات کرلے گا، یہی وُہ باتیں ہیں جنھوں نے اس قسم کے کلام متاخرین کو ائمہ دین کی نگاہ میں سخت ذلیل و بے قدر بنا دیا، یہاں تک کہ امام ابویوسب رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

من طلب العلم بالکلام تزندق۔[2]	جس نے علم کلام کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی کوشش کی تو وہ زندیق بنا۔ (ت)

فقہائے کرام نے فرمایا جو مال علماء کے لئے وصیّت کیا گیا ہو متکلمین کا اس میں حصہ نہیں، نہ کتبِ کلام کتبِ علم میں داخل، ہندیہ میں محیط سے ہے:

لایدخل فی ھذہ الوصیۃ المتکلمون۔[3]	اس وصیت میں متکلمون (علم کلام والے) داخل نہ ہوں گے۔ (ت)

انھیں میں امام ابو القاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے: کتب الکلام لیست کتب العلم[4] (کلام کی کتب علم کی کتب نہیں۔ ت) منح الروض الازہر میں فتاوی ظہیریہ سے ہے:

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۱

اوصی لعلماء بلدہ لا ید خل المتکلمون ولو اوصی انسان ان یوقف من کتبہ کتب العلم فافتی السلف انہ یباع مافیھا من کتب الکلام۔[1]	کسی نے علاقہ کے علماء کے لئے کچھ وصیت کی تو اس میں متکلمون (علم کلام والے) داخل نہ ہوں گے،اور اگر کسی نے وصیت کی کہ میری کتب میں سے علم کی کتب کو وقف کیا جائے تو اسلاف کا فتوٰی ہے کہ علم کلام کی کتب کو ان میں سے فروخت کیا جائے (یعنی یہ علم کی کُتب نہیں ہیں)۔(ت)

طریقہ محمدیہ میں بحوالہ تاتارخانیہ امام حافظ ابواللیث سمرقندی سے ہے:

من اشتغل بالکلام محی اسمہ علی العلماء۔[2]	جو شخص کلام میں مشغول ہوا تواس کا نام علماء کی فہرست سے خارج قرار دیا جائے گا۔(ت)

حدیقہ ندیہ میں ہے: فلایقال لہ عالم[3] (اس کو عالم نہ کہا جائے گا۔ت) اس کے نظائر نظرِ فقیر میں کثیر ووافر،سرِ دست انھیں تین کتابوں سے نظائر لیجئے کہ مکذّبانِ خدانے قرآن عظیم و نصوص صریحہ متون و عقائد واجماعِ قطعی ائمہ سلف وخلف کو یکسر چھوڑ کر ابحاث زائدہ میں ان کی تراشیدہ تقریروں کا دامن پکڑا ہے یعنی مسایرہ وشرح مواقف جن کی دو عبارتیں دیوبندیوں کی پُرانی دست مال ہیں،اور تیسری حاشیہ سیالکوٹی کی یہ عبارت کہ سوال میں گزری،ان کے بعد بحمد اللہ تعالٰی مکذبوں کا ہاتھ بالکل خالی رہ جائیگا اور وسوسہ ابلیس مردود و مطرود ہو کر "وَیۡلٌ یَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُکَذِّبِیۡنَ ﴿۴۰﴾"[4] (اس روز جھٹلانے والوں کے لئے ہلاکت ہے۔ت) کا نقشہ ان پر یہیں سے نظر آئے گا وباللہ التوفیق۔

نظیر اوّل: مُلّا عبدالحکیم سیالکوٹی کی سُنئے،منہیہ خیالی سے منقول ہُوا کہ اس میں باری عزوجل کے علم کا امور متناہیہ سے تفصیلا متعلق ہونا ممنوع کہہ دیا،مُلّا نے خیالی کا خیال خبالی نقل کرکے اس پر رجسٹری کردی:

حیث قال قولہ فتامل نقل عنہ وجہ التامل ان علمہ تعالٰی الشامل انمایشتمل مالا یمتنع	جہاں انہوں نے کہا قولہ فتامل(اس کا قول کہ تامل کرو) وہاں انھوں نے وجہ تامل ان سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالٰی کا شامل علم ان چیزوں کو مشتمل ہو گا جن کا وجود ممتنع نہ ہو گا جس طرح اس کی شامل قدرت ان چیزوں کو

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[2] طریقہ محمدیۃ النوع الثانی فی المنہی عنہا مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۱/ ۹۳ و ۹۴

[3] الحدیقۃ الندیۃ بحوالہ تاتارخانیہ النوع الثانی فی العلوم المنہی عنہا فیصل آباد ۱/ ۳۳۰

[4] القرآن الکریم ۷۷/ ۴۰

وجودہ و امکان تعلق العلم بالمراتب الغیر المتناھیۃ مفصلۃ ممنوع انتھی فان قیل فیلزم الجھل علی اللہ قلت الجھل عدم العلم بما یصح تعلق العلم بہ کما ان العجز عدم تعلق القدرۃ بما یصح ان تتعلق بہ فتأمل اھ۔[1]	مشتمل ہے جن کا وجود ممتنع نہ ہو، اور مفصل طور پر غیر متناہی مراتب میں علم کے تعلق کا امکان ممنوع ہے انتہٰی، اگر اعتراض کیا جائے کہ اس سے اللہ تعالٰی کا جہل لازم آئے گا، تو میں کہتا ہوں جن چیزوں سے علم کا تعلق صحیح ہو ان کو نہ جاننا جہل ہے، جس طرح جن چیزوں سے قدرت کا تعلق صحیح ہو ان چیزوں کی قدرت نہ ہونا عجز کہلاتا ہے، غور کر اھ۔ (ت)

ممنوع کہتے تو کہہ گئے لیکن نظر کرتے کہ یہ وسوسہ باطلہ جو عدد مبین اعاذنا اللہ تعالٰی من شرہ المھین نے القا کیا، اس کی تہ میں کیا کیا آفات قاہرہ ہیں، تو ہرگز خامہ و نامہ کو اس سے آلودہ کرنا روانہ رکھتے۔

فاقول اوّلا: (دونوں ملّا صاحب فرمائیں تو کہ سلسلہ اعداد سے کس قدر پر مولٰی عزوجل کا علم جا کر رُک گیا کہ اس سے آگے کا عدد خدا کو معلوم نہیں، سلسلہ ایّام آخرت سے کتنے دن خدا کو معلوم ہیں، آگے مجہول نعیم جنان و عذاب نیران سے کتنی مقدار علم الٰہی میں ہے زیادہ کی اسے خبر نہیں، کیا کوئی عاقل مسلم سوچ سمجھ کر ایسی بات کہہ سکتا ہے، حاشا وکلّا دیکھو کیسی صریح تصدیق ہے امام شافعی کے اس ارشاد کی کہ **ماظننت مسلما یقولہ**[2] (مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی مسلمان یہ بات کہے گا۔ت)، ہاں انھوں نے **اطلعت علی شیئ**[3] (میں نے کسی چیز پر اطلاع پائی۔ت) فرمایا،

"وقد اطلعنا علی اشیاء اذفسد الزمان و الی اللہ المشتکی وعلیہ التکلان"۔	جبکہ ہم نے فساد زمان کی وجہ سے بہت سی چیزوں پر اطلائی پائی جبکہ شکایت اللہ تعالٰی کے دربار میں ہے اور اسی پر توکل ہے (ت)

ثانیا: جو حد مقرر کیجئے وہاں فارق بتائیے کہ حد بندی کرے، کیا سبب کہ یہاں تک کا علم ہوا بعد کا نہیں، علم کے لئے معلوم کا وجود خارجی درکار ہو تو آخرت درکنار معاذاللہ کل آئندہ کا علم نہ ہو بلکہ ازل میں جملہ ماوراسے عیاذا باللہ جہل مطلق ہو پھر خلق کیونکر ہو اور جب وجود ضرور نہیں تو معدوم معدوم سب یکساں، کسی حدِ خاص پر رُکنا ترجیح بلامرجح ہے۔ بخلاف علوم عالم کہ وہاں مرجح ارادہ الٰہیہ ہے، جسے جتنا دیا اُتنا ملا "لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ"[4] (اللہ تعالٰی کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر صرف جتنا اللہ تعالٰی

---

[1] حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۵

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۴

[4] القرآن الکریم ۲ /۲۵۵

چاہیے۔ت)

ثالثًا: جو حد مقرر کیجئے یقینًا معلوم کہ ایام وایلام وانعام اس سے آگے بڑھیں گے کہ "لاتقف عند" حد ہیں، اب جو بعد کو آئے ان کا علم باری عزوجل کو ہوگا یا نہیں، اگر نہیں تو جہل موجود، اور جو عذر کیا تھا زاہق و مردود، کہ اب تو وہ خود عباد کو معلوم و مشہود، معہذا انھیں پیدا کون کرے گا، وہی خبیر شہید، تو نہ جاننا کیا معنی!

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾"[1]	کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا اور وہی ہے ہر باریکی جانتا خبر دار۔(ت)

اور اگر وہاں تم نے اور مانا کہ ان کا علم پہلے نہ تھا تو اس کا علم **معاذاللہ** حادث ہُوا، متجدد ہوا، کیا یہ عقیدہ اہلسنّت کا ہے جو ہمارے رب عزوجل نے فرمایا "وَ کَانَ اللّٰهُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۲۶﴾"[2] (اللہ تعالٰی ہر شیئ کا عالم ہے۔ت)

عقیدہ وُہ ہے جو خود سیالکوٹی نے حاشیہ شرح عقاید جلالی میں لکھا:

المعلومات فی انفسها غیر متناهیة لشمولها الموجوات والمعدومات۔[3]	معلوماتِ باری تعالٰی اپنی ذات میں غیر متناہی ہیں کیونکہ موجودات اور معدومات سب کو شامل ہیں۔(ت)

خود شرح میں ہے:

اعلم ان المتکلمین ینفون الوجود الذهنی ویثبتون علم اللّٰه تعالٰی بالحوادث الغیر المتناهیة۔[4]	واضح رہے علم کلام والے ذہنی وجود کی نفی کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی کے لئے غیر متناہی حوادث کا علم ثابت کرتے ہیں(ت)

بلکہ خود اسی حاشیہ سیالکوٹی علی الخیالی میں ہے:

هذه التعلقات قدیمة غیر متناهیة بالفصل ضرورة عدم تناهی متعلقاتها اعنی جمیع مایمکن ان یعلم من الامور الکلیة والجزئیة الازلیة والمتجددة لشموله	یہ تعلقات تفصیلی طور پر غیر متناہی قدیم ہیں یہ اس وجہ سے ضروری ہے کہ ان کے متعلقات غیر متناہی ہیں، یعنی تمام وُہ امور جن کو جانا جاسکتا ہے کلیات، جزئیات، ازلیہ ہوں یا حادثہ، کیونکہ یہ علم ممکنات،

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۶

[3] حاشیہ شرح عقاید جلالی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱

[4] شرح الدوانی علی العقاید العضدیة مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱

الممکن والممتنع والواجب۔[1]	محالات اور واجبات سب کو شامل ہے(ت)

عقیدہ وہ ہے جو مقاصد و شرح میں فرمایا:

علمه تعالٰی لا یتناهی و محیط بما لا یتناهی کالا عداد والاشکال)ونعیم الجنان و شامل لجمیع الموجودات والمعدومات الممکنة والممتنعة وجمیع الکلیات و الجزئیات سمعاو عقلا۔[2]	اللہ تعالٰی کا علم غیر متناہی ہے اور اعداد واشکال اور جنّت کی نعمتوں جیسی غیر متناہی اشیاء کو محیط اور تمام موجودات و معدومات و ممکنات و ممتنعات کو اور تمام کلیات و جزئیات کو نقلا و عقلا شامل ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو مواقف وشرح میں بیان فرمایا:

علمه تعالٰی یعم المفهومات کلها الممکنة والواجبة والممتنعة والمخالف فی هذا الفصل فِرَ ق الاولٰی من قال لا یعلم نفسه(الٰی ان قال)الرابعة من قال لا یعقل غیر المتناهی۔[3]	اللہ تعالٰی کا علم تمام ممکنہ،واجبہ اور محال مفہومات کو شامل ہے،اس بحث میں کچھ مخالف فرقے ہیں،پہلا وُہ جو کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو اپنی ذات کا بھی علم نہیں ہے،اور یہاں تک کہا کہ چوتھا فرقہ وُہ ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو غیر متناہی امور کا علم نہیں ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو حدیقہ ندیہ میں فرمایا:

المعلومات موجودة او معدومة محالة او ممکنة قدیمة اوحادثة متناهیة اوغیرمتناهیة جزئیة اوکلیة وبالجملة جمیع مایمکن ان یتعلق به العلم فهو معلوم لله تعالٰی۔[4]	موجود اور معدوم محال یا ممکن ہوں،قدیم و حادث،متناہی،غیر متناہی،جزئی یا کُلّی غرضیکہ جس چیز سے بھی علم کا تعلق ہو سکتا ہے وہ سب اللہ تعالٰی کو معلوم ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جواس فقیر ربِّ قدیر نے الدولۃ المکیہ میں لکھااور علمائے کرام حرمین طیبین نے

---

[1] حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی علی الخیالی مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۲

[2] مقاصد و شرح المقاصد خاتمہ علمہ لایتناہی الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۹۰

[3] مواقف و شرح المواقف المقصد الثالث فی علمہ تعالٰی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۷۰

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقہ المحمدیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۴

مزیّن بتصدیقاتِ جلیلہ کیا:

ان ربنا تبارك وتعالٰی یعلم ذاته الکریمة و وصفاته الغیر المتناھیة والحوادث التی وجدت والتی توجد غیر متناھیة الٰی ابد الابد والممکنات التی لم توجد ولن توجد بل والمحالات باسرھا فلیس شیئ من المفاھیم خارجا عن علمه سبحٰنه وتعالٰی یعلمھا جمیعا تفصیلا تاما ازلا ابدا وذاته سبحٰنه وتعالٰی غیر متناھیة وصفاته غیر متناھیات وکل صفة منھا غیر متناھیة وسلاسل الاعداد غیرمتناھیة وکذا ایام الابد وساعاته واٰناته وکل نعیم من نعم الجنة وکل عذاب من عقوبات جھنم و انفاس اھل الجنة واھل النار ولمحاتھم وحرکاتھم وغیر ذٰلك کلھا غیر متناہ والکل معلوم لله تعالٰی ازلا و ابدا باحاطة تامة تفصیلیة ففی علمه سبحٰنه وتعالٰی سلاسل غیر المتناھیات بمرات غیرمتناھی بل له سبحانه وتعالٰی فی کل ذرة علوم لا متناھی لان لکل ذرة مع کل ذرة کانت اوتکون اویمکن ان تکون نسبة بالقرب والبعد والجھة مختلفة فی الا زمنة باختلاف الا مکنة الواقعة والممکنة من اول یوم الٰی مالا اٰ خر له والکل معلوم له سبحٰنه وتعالٰی بالفعل فعلمه عز جلاله غیر متناہ غیر متناہ فی غیر متناہ کانه معکب غیر المتناھی علی اصطلاح الحساب وھذا جمیعا واضح عند من له من الاسلام

ہمارے رب تعالٰی اپنی ذات کریمہ و صفات غیر متناہیہ اور حوادث جو موجود ہیں یا ہو سکیں خواہ ابدالا بد تک غیر متناہی ہوں اور ممکنات غیر موجودہ اور جو موجود نہ ہو سکیں اور محالات تمام ان مفہومات میں سے کوئی بھی اللہ تعالٰی کے علم سے خارج نہیں، ان تمام کو تفصیلا کاملا ازل و ابد سے جانتا ہے، اللہ تعالٰی کی ذات پاک لا محدود اور اس کی صفات غیر متناہی ہیں اور پھر اس کی ہر صفت غیر متناہی ہے، اعداد کا سلسلہ اور یونہی ابد تک ایام، ان کے گھنٹے، ان کی آنات اور جنت کی نعمتیں، اور پھر ہر نعمت، یونہی جہنم کی سزاؤں کے عذاب، اور جنتی اور جہنمی لوگوں کے سانس، ان کے لمحات، حرکات وغیرہا یہ تمام غیر متناہی ہیں اور اللہ تعالٰی کا علم ازلا وابدا ان سب کو محیط تام ہے اور تفصیلا ہے، تو اللہ تعالٰی کے علم میں غیر متناہی سلسلے غیر متناہی طور پر داخل ہیں بلکہ ہر ذرّہ کے متعلق اللہ تعالٰی کے معلومات ہیں کیونکہ ہر ذرّہ کو ذرّہ کے ساتھ خواہ وہ موجود ہو یا ہو سکتا ہو یا اس کی نسبت قُرب وبُعد اور زمانہ کی مختلف جہات سے باعتبار اختلاف مکانات وزمانات اول تا غیر منتہی، ضرور نسبت حاصل ہے، اور تمام کا اللہ تعالٰی کو بالفعل علم ہے تو اللہ تعالٰی کا علم غیر متناہی، غیر متناہی میں غیر متناہی ہے، گویا کہ حساب والوں کی اصطلاح میں غیر متناہی معکب ہے اور تمام بیان کردہ اس شخص کے ہاں واضح ہے جس کو اسلام

نصیب۔[1]	نصیب ہے۔(ت)

عقیدہ وُہ ہے جو فقیر نے اس کی تعلیقات الفیوضات الملکیہ میں نقل کیا:

حیث کتبت علٰی قولی بل له سبحٰنه فی کل ذرّة علوم لامتناھی ما نصه الحمد لله ھذالذی کتبته من عندی ایمانا بربی ثم رأیت التصریح به فی التفسیر الکبیر اذ یقول تحت کریمة وکذٰلك نری ابرٰھیم، سمعت الشیخ الامام الوالد عمر ضیاء الدین رحمه الله تعالٰی قال سمعت الشیخ ابا القاسم الانصاری یقول سمعت امام الحرمین یقول معلومات الله تعالٰی غیر متناھیة ومعلوماته فی کل واحد من تلك المعلومات ایضاغیر متناھیة وذٰلك لان الجوھر الفرد یمکن وقوعه فی احیاز لا نھایة لھا علی البدل ویمکن اتصافه بصفات لانھایة لھاعلی البدل الخ۔[2]	جہاں میں نے اپنے مذکور قول "بلکہ اللہ تعالٰی سبحٰنہ کے ہر ذرّہ میں علوم غیر متناہی ہیں" پر یہ عبارت لکھی ہے، الحمد للہ یہ جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ میں نے اپنی طرف سے اپنے رب پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے' اس کے بعد میں نے تفسیر کبیر میں اس کی تصریح پائی، جہاں آیہ کریمہ "وکذٰلک نری ابراھیم" کے تحت فرمایا کہ میں نے اپنے والد شیخ امام عمر ضیاء الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سُنا اُنھوں نے فرمایا میں نے شیخ ابوالقاسم انصاری سے انھوں نے فرمایا میں نے امام الحرمین سے سُنا کہ فرمارہے تھے کہ اللہ تعالٰی کے معلومات غیر متناہی اور ان معلومات میں سے ہر ایک کے معلومات بھی غیر متناہی ہیں یہ اس لئے کہ جو ہر فرد کا غیر متناہی احیاز میں علٰی سبیل البدل پایا جانا ممکن ہے اور یُونہی اس کا بدل کے طور پر غیر متناہی صفات سے متصف ہونا ممکن ہے الخ۔ (ت)

نظیر دوم: مسایرہ میں اصل عقیدہ تو وہی لکھا جو ائمہ اہلسنّت وجماعت کا ہے کہ اللہ کے سوا اصلاً کسی شے کا کوئی خالق نہیں، بندوں کے افعال اختیاریہ بھی تمام وکمال اسی کے مخلوق ہیں، بندہ صرف کاسب ہے، اور اسے دلائل عقلیہ ونقلیہ سے روشن کیا:

حیث قال الاصل الاول العلم بانه تعالٰی لا خالق سواہ فھو سبحٰنه الخالق لکل حادث جوھر او عرض کحرکة	جہاں اُنھوں نے فرمایا کہ پہلا ضابطہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے متعلق یہ علم ہے کہ وُہ خالق ہے اور اس کے بغیر کوئی بھی خالق نہیں، تو اللہ تعالٰی ہر حادث

[1] الدولة المکیة القسم الاوّل مطبعہ اہل السنة والجماعت بریلی ص ۷

[2] الفیوضات الملکیة تعلیقات الدولة المکیة مطبعہ اہل السنة والجماعت بریلی ص ۹

کل شعرۃ وکل قدرۃ و فعل اضطراری کحرکۃ المرتعش والنبض اواختیاری کا فعال الحیوانات المقصود لھم ،واصلہ من النقل قولہ تعالٰی اللہ خالق کل شیئ وقولہ تعالٰی واللہ خلقکم وما تعملون ومن العقل ان قدرتہ تعالٰی صالحۃ للکل لا قصورلھا عن شیئ منہ فوجب اضافتھا الیہ بالخلق اھ [1] مختصرًا۔	خواہ وہ جوہر ہو یا عرض جیسے ہر بال کی حرکت، ہر طاقت و قدرت اور ہر فعل خواہ اضطراری ہو جیسے رعشہ والے اور نبض کی حرکت، یا فعل اختیاری ہو جیسا کہ اپنے مقصد کے لئے ہر حیوان کی حرکت کا خالق ہے، اور یہ ضابطہ، اللہ تعالٰی کے قول "خالق کل شیئ"، اور اس کے قول "واللہ خلقکم وما تعملون" سے ماخوذ ہے، اور یہ عقلی تقاضا ہے کہ اللہ تعالٰی کی قدرت کاملہ ہے وُہ کسی چیز کے متعلق ناقص نہیں ہے لہذا ہر چیز اللہ تعالٰی کی صفت خلق کی طرف منسوب ہے اھ مختصرًا (ت)

پھر جب عادت متاخرین اہل کلام بحث کے طور پر ایک بات لکھ گئے اگر مسلّم ہو تو اس بحرِ عمیق مسئلہ قدر میں شناوری اور سرِ الٰہی کی جلوہ گری چاہے جس میں بحث سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صدیق اکبر و فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ممانعت فرمائی اور آخر نتیجہ وہی ہُوا جو ہونا چاہئے کہ گوہر کی جگہ خزف پر ہاتھ پڑے اور وہ بھی محض "لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ؕ﴿۷﴾" [2] (نہ فربہ کرے اور نہ بُھوک ختم کرے۔ت) وُہ بحث یہ کہ عزم کو نصوص سے مخصوص مان لیجئے اس کا آغاز لقائل ان یقول (سے کیا یعنی کوئی کہنے والا یُوں کہہ سکتا ہے اور وہی شبہات جو معتزلہ پیش کرتے ہیں اس کی تقریر میں بیان کرکے کہا:

فلنفی الجبر المحض و تصحیح التکلیف وجب التخصیص وھو لا یتو قف علی نسبۃ جمیع افعال العباد الیھم بالایجاد(ای کما فعلت المعتزلۃ)بل یکفی ان یقال جمیع ما یتو قف علیہ افعال الجوارح من الحرکات وکذاالتروک التی ھی افعال النفس من المیل و الداعیۃ والاختیار بخلق اللہ تعالٰی	بندے کے مجبور محض ہونے کی نفی اور اس کی تکلیف کی صحت کے لئے تخصیص واجب ہے اور یہ اس بات پر وقوف نہیں کہ بندوں کے تام افعال کا ایجاد، بندوں کی طرف منسوب ہو، یعنی جیسا کہ معتزلہ نے کیا ہے، بلکہ اس کے لئے اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ وہ چیز جس پر بندہ کے افعال جوارح حرکات اور تروک وغیرہ نفس کے افعال مثلاً میلان، دواعی اور اختیارات وغیرہ ہیں یہ سب کے سب اللہ تعالٰی کی تخلیق سے ہیں

[1] المسایرہ متن المسامرۃ الاصل الاول المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۹۶تا۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۸۸/ ۷

لاتاثیر لقدرةالعبد فیه وانما محل قدرته عزمه عقیب خلق الله تعالٰی هذه الا مور فی باطنه عزما مصمما بلا ترددو توجهه توجها صادقا للفعل طالبا ایا ه فاذاوجد العبد ذٰلك العز م خلق الله له الفعل فیکون منسوبا الیه تعالٰی من حیث هو حرکة والی العبد من حیث هو زنا و نحوه(الی ان قال)وکفی فی التخصیص لتصحیح التکلیف هذا الامر الواحد اعنی العزم المصمم وما سواه مما لا یحصی من الافعال الجزئیة والتروك کلهامخلوقةلله تعالٰی متأ ثرة عن قدرته ابتداء بلا واسطة القدرة الحادثة المتأثرة عن قدرته تعالٰی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم [1] (ملخصًا)	اور ان امور میں بندے کی قدرت کی کوئی تاثیر نہیں ہے، اور بندے کی قدرت صرف اس کے عزم میں ہے جو اللہ تعالٰی کی طرف سے ان امور کی تحقیق کے بعد اس کے باطن میں عزم صمیم بلا ترّدّد پیدا ہوتا ہے اور اس کی توجہ صادق اور طلب برائے فعل سے حاصل ہوتا ہے، توجب بندہ اپنے اس عزم کو بروئے کار لاتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے لئے فعل کو پیدا فرمادیتا ہے تو یہ فعل اللہ تعالٰی کی طرف حرکت ہونے کے لحاظ سے منسوب ہوتا ہے اور بندے کی طرف مثلاً زنا وغیرہ ہونے کے لحاظ سے منسوب ہوتا ہے، آگے یہاں تک فرمایا، اور بندے کی تکلیف کی صحت کے لئے یہی ایک امر یعنی عزم مصمم کافی ہے، اسکے علاوہ باقی تمام افعال جزئیہ اور تروک وغیرہ اللہ تعالٰی کی مخلوق ہیں اور براہِ راست اللہ تعالٰی کی قدرت سے متأثر ہیں جبکہ اس تاثیر کے لئے اور جدید تاثیر کی ضرورت نہیں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی (ملخصًا)۔ (ت)

مسایرہ کے بیان سے کسی نافہم کو دھوکا نہ ہو کہ یہ حنفیہّ کا مذہب ہے، حاشا بلکہ ان کا مذہب وہ ہے جو ان کے امام امام الائمۃ الانام سیّدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فقہ اکبر ووصایائے شریفہ میں تصریح فرمائی کہ افعال عباد جمیع وتمام وکمال بلا تخصیص و بلا استثناء مخلوق الٰہی ہیں، خود مسایرہ کے لفظ صاف بتارہے ہیں کہ یہ ایک طبع زاد بحث ہے نہ کہ مذہب منقول، بلکہ فی الواقع یہ صاحبِ مسایرہ کا بھی عقیدہ نہیں، بحث عقیدہ نہیں ہوتی، عقیدہ یُوں نہیں کہا جاتا کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے، ان کا عقیدہ وہی ہے جو اصل مسئلہ یہاں بیان کیا اور آخر کتاب میں عقیدہ اہلسنّت وجماعت کی فہرست میں لکھا یہ عبارات عنقریب اِن شاء اللہ مذکور ہوتی ہیں، یہاں مجھے اس بحث کا ناموجہّ وبیحاصل ہونا بتانا ہے، جو ضرورت اس بحث کی بیان کی، اس کا باذنہ تعالٰی شافی و کافی جواب فقیر کے رسالہ "ثلج الصدر لایمان القدر ۱۳۳۵ھ" سے کہ تحفہ حنفیہّ میں طبع ہُوا ملے گا اور اس

[1] المسایرة متن المسامرة الاصل الاول العلم بانه تعالٰی الخ المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۱۱۹ تا ۱۲۳

بحث کا نامفید بے ثمر ہونا اس حاشیہ سے واضح جو فقیر نے یہاں ہامشِ مسایرہ پر لکھا، وہ یہ ہے:

قولہ فاذااوجد العبد ذٰلك العزم اقول: معاذاللہ ان یقول بان العبد یخلق شیئا واحدا ولا عشر عشیر معشار شیئ الا له الخلق والامر تبارك الله رب العٰلمین افمن یخلق کمن لا یخلق ماکان لھم الخیرۃ ھل من خالق غیر اللہ وکون ھذا قلیلا بالنسبۃ الی مقدورات اللہ تعالٰی لا یجدی نفعًا فانه کثیر بثیر فی نفسه جدا فان الانسان لا یحصی ماله من العزمات فی یوم واحد فکیف فی عمرہ فکیف عزائم الاولین والاٰخرین من الانس والجن والملك وغیرھم فتخرج ھٰذہ الکثرۃ التی تفنی دون عد بعضھا الاعمار عن مخلوقات العزیز الغفار بلا واسطۃ وتدخل فی مخلوقات العبید فیکون جواب ھل من خالق غیر اللہ بالایجاب والعیاذ باللہ ای بلٰی ھناك الوف مؤلفۃ خالقون غیر اللہ ولم تبثت المعتزلۃ اکثر من ھذا اذ شنع علیھم ائمتنا من مشائخ ماوراء النھر وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی قائلین انھم اقبح من المجوس حیث ان المجوس لم یقولوا الا بخالقین اثنین

قولہ اذا اوجد العبد ذٰلك العزم (جب بندہ اس عزم کو ایجاد کرتا ہے) **اقول:** (میں کہتا ہوں) معاذاللہ کہ ہم یہ کہیں کہ بندہ کسی ایک چیز کو پیدا کرتا ہے جبکہ کسی بھی چیز کا عشر عشیر صرف اللہ تعالٰی کی تخلیق اور حکم سے ہوتا ہے اللہ تبارک تعالٰی ہی رب العالمین ہے، کیا خالق غیر خالق کی طرح ہے جو کوئی اختیار نہیں رکھتے، کیا اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خالق ہو سکتا ہے، اس عزم کا اللہ تعالٰی کی مقدورات کی نسبت قلیل ہونا کسی طرح مفید نہیں، کیونکہ یہ فی نفسہ کثیر و وسیع ہے کیونکہ انسان ایک دن کے اپنے عزمات کا شمار نہیں کر سکتا تو اپنی عمر بھر کے عزمات کا احاطہ کیسے کر سکتا ہے تو اولین وآخرین انسانوں، جنات اور فرشتوں وغیرہم کے عزمات کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے، تو اس عظیم کثرت جس کے کچھ حصّہ کو شمار کرنے میں عمریں ختم ہو جائیں، کو تم اللہ تعالٰی عزیز غفار کی مخلوقات سے براہِ راست خارج کر دو اور اس کو بندے کی مخلوقات بنادو تو لازم آئیگا کہ "**ھل خالق من غیر اللہ**" (کیا اللہ کے ماسوا کوئی خالق ہے) کا جواب ایجاب میں ہوگا (کہ ہاں اور خالق ہے) **والعیاذ باللہ تعالٰی** (پھر یوں کہنا ہوگا) ہاں یہاں ہزاروں ہزار ماسوا اللہ خالق ہیں، معتزلہ بھی تو اتنا ہی کہتے ہیں جبکہ ماوراء النہر کے ہمارے ائمہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ان پر زبردست تشنیع کی ہے اور انھوں نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ معتزلہ لوگ مجوس سے بدتر ہیں کیونکہ مجوس نے دو خالقوں

فما اثبتوا الا شریکا واحدا والمعتزلة اثبتوا شرکاء لا تحصی و ذٰلك انها انما قالت بخلق العبد فعله الا ختیاری وکل فعل اختیاری لا بد له من عزم فعدد العزمات والا فعال سواء بل ربما تکون العزمات اکثر اذ قد یعزم العبد علی فعل ثم یصرف عنه فلا یقع قال سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجهه عرفت ربیّ بفسخ العزائم فان کانت العزمات یشملها اسم واحد وهو العزم فکذٰلك الافعال ینتظمها اسم واحد وهو الفعل، فلا طائل تحت ما قدم الشارح و یأتی اٰنفًا للمصنف انه یکفی اسناد جزئی واحد الی العبد وهو العزم، بل لو فرضنا انه واحد بالشخص فالله تعالٰی متعال عن ان یشارکه احد فی خلق شیئ ولو جزئیا واحدا اما اعتذار المصنف بان البراهین ای الاٰیات الناصة باختصاص الخلق به تعالٰی عمومات تحتمل التخصیص وقد اوجبه العقل اذ ارادة العموم فیها تستلزم الجبر المحض المستلزم لضیاع التکلیف و بطلان الامر والنهی و تعلق القدرة بلا تاثیر ای کما تقوله الاشاعرة لا یدفعه لان موجب الجبر لیس	کا قول کیا ہے یعنی اللہ تعالٰی کے ساتھ ایک اور شریک بنادیا ہے جبکہ معتزلہ نے اللہ تعالٰی کے بے شمار شریک بنادئے یہ اس طرح کہ انھوں نے کہا کہ بندہ اپنے افعال اختیاریہ کا خود خالق ہے جبکہ ہر اختیاری فعل کے لئے عزم ضروری ہے تو اس طرح افعال اور عزمات کی تعداد مساوی ہُوئی بلکہ عزمات کی تعداد بڑھ جاتی ہے کیونکہ بندہ کبھی ایک فعل کا عزم کرکے اس فعل کو ترک کردیتا ہے، جس سے فعل وجود میں نہیں آتا جیسا کہ علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو عزائم کے ناکام ہونے سے پہچانا ہے، اگر تمام عزائم کو ایک عزم کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اس طرح تو تمام افعال کو بھی ایک فعل کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ یہ ایک سب کو شامل ہے، تو یہ بات شارح کی گزشتہ اور مصنّف کی آئندہ گفتگو کہ بندہ کی طرف ایک جزئی چیز یعنی عزم کی نسبت اس کے مکلّف ہونے کے لئے کافی ہے، کو مفید نہیں، بلکہ اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ یہ واحد شخصی ہے تب بھی اللہ تعالٰی اپنی تخلیق میں اس ایک شریک سے بھی پاک ہے اگرچہ یہ ایک جزئی ہو، مصنّف کا یہ عذر کہ وہ آیات جن میں تخلیق کو اللہ تعالٰی کا خاصہ بیان کیا گیا ہے وہ ایسے عمومات ہیں جن میں تخصیص کا احتمال ہے اور اس تخصیص کو عقل نے لازم کیا ہے کیونکہ ان آیات کا عموم انسان کے مجبور محض ہونے کو مستلزم ہے جس سے مکلّف ہونے اور امر ونہی کا بطلان اور انسانی قدرت کا غیر مؤثر ہونا لازم آتا ہے اور اشاعرہ کا اس کے متعلق موقف کو ختم

سوٰی ان لا تأثیر لقدرۃ العبد فی ایجاد فعل اھ ملخصًا[1]. فاعترضه القاری فی منح الروض بان ذٰلك العزم المصمم داخل تحت الحکم المعمم اھ۔[2] **اقول:** ھذا من اعجب ما تسمع من الرد فابن الھمام متی انکر دخوله تحت العام ولو انکرہ فما کان یحوجه الی التخصیص بل النظر فیه بما ستسمع بتوفیق الله تعالٰی، **فاقول اولا:** بل الاٰیات عمومات لا تحتمل التخصیص لاجماع ائمة السنة علٰی اجرائھا علٰی سنتھا وان الخلق مختص بالله تعالٰی لا حظ فیه للعبد فما ذا ینفع کون اللفظ فی ذاته محتملا للخصوص مع الاجماع علٰی ان لا خصوص و من کان فی ریب مما قلنا فلیأتنا بنقل من الصحابة والتابعین اومن بعدھم من ائمة السنة المتقدمین	نہیں کرتا کیونکہ جبر کا موجب صرف یہی ہے کہ اس کے فعل کے ایجاد میں انسان کی اپنی قدرت کی تاثیر نہیں ہے اھ ملخصا، تو اس عذر پر ملا علی قاری نے منح الروض میں اعتراض کیا ہے کہ انسان کا یہ عزم صمیم خود ان آیات کے عموم میں داخل ہے اور وہ اللہ تعالٰی کا مخلوق ہے اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہُوں) تیری شنید میں یہ پسندیدہ رَد ہے، تو علّامہ ابن ھمام نے عزم کو کب آیات کے عموم میں داخل ہونے سے انکار کیا ہے، اگر انکار کیا ہوتا تو پھر تخصیص کی ان کو ضرورت پیش نہ آتی، بلکہ اس میں قابل غور وُہ بات ہے جو آپ ابھی اللہ تعالٰی کی توفیق سے سُنیں گے، **فاقول:** (تو میں کہتا ہُوں) کہ یہ آیات اپنے عموم پر ہیں ان میں کسی تخصی-ص کا احتمال نہیں کہ اہلسنّت کے ائمہ کا اجماع ہے کہ یہ آیات اپنے عمومی اقتضاء پر جاری ہیں اور یہ کہ خلق کی صفت صرف اللہ تعالٰی سے خاص ہے اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے، تو لفظ کا فی نفسہ محتمل تخصیص ہونا کیا مفید ہو سکتا ہے جبکہ اجماع یہ ہے کہ یہاں تخصیص نہیں ہے، اور اگر ہمارے اس بیان میں کسی کو شک ہو تو اسے چاہئے کہ وُہ صحابہ کرام، تابعین اور ان کے بعد والے متقدمین ائمہ اہلسنّت میں سے کوئی نقل پیش کرے،

[1] المسایرۃ مع المسامرۃ العلم بانه تعالٰی لاخالق سواہ المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۱۱۶ و ۱۱۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

قبل حدوث هٰؤلا المتأخرین یکون فیه ان للعبد
ایضاقسطامن الخلق والایجاد ولن یاتی به حتی یوب
القارظان ویمکن التکلف بارجاع مالللقاری الی هذا
ای الاجماع قائم علی عدم التخصیص فذلك العزم
ایضاغیر مخرج من الحکم۔

ثانیًا: لا حاجة بنا الی تخصیص النصوص و اثبات
منصب افاضة الوجود لمن لا وجود له فی حد ذاته بل
تندفع الحاجة علی وزان ماتزعمون اندفاعهاهٰهنا
باثبات تاثیر القدرة الحادثة فی شیئ دون الوجود کما
هو مذهب الامام ابی بکر الباقلانی ان للانسان قدرة
مؤثرة لکن لا فی الوجود بل فی حال زائدة علی الوجود
وقد ارتضاه جمع من المحققین ذاهبین الی ان تاثیر
ها فی القصد والقصد حال لا موجود ولا معدوم ای هو
من الامور الاعتباریة التی وجودها بمنشیها والخلف
فی الحال لفظی کما فی الفصول البدائع وغیرها، فلیس
افاضتها خلقا فانه افاضة الوجود بل هو احداث والا
حداث اهون من الخلق کما فی المسلم وفواتح وعلیه
تدور کلمات الامام

جس میں یہ ہو کہ بندے کے لئے کبھی خلق وایجاد میں دخل ہے ان سے قبل کسی امام سے کوئی نقل پیش نہیں کی جا سکتی حتی کہ قارظان واپس لوٹ آئیں، اور علامہ قاری کی کلام کو تکلف سے اسی عدم تخصیص کے اجماع کی طرف راجع کیا جائے گا کہ یہ عزم صمیم بھی ان آیات کے عموم سے خارج نہیں ہے۔

ثانیا: ہمیں ان نصوص کے عموم میں تخصیص کرنے اور ایجاد کا منصب ایسی ذات کے لئے ثابت کرنے کی حاجت نہیں جس کا اپنا وجود ذاتی نہیں ہے بلکہ بندے کے مجبور محض کو دفع کرنے کی حاجت ان کے اس اندفاع سے پُوری ہو جاتی ہے جس کو انھوں نے اپنے خیال میں اندفاع قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالٰی کی قدرت کی تاثیر کے بعد بندے کی نئی تاثیر کا تعلق وجود میں نہیں بلکہ اور چیز میں ہے جیسا کہ امام ابو بکر باقلانی کا مذہب ہے، کہ انسان کی قدرت مؤثر ہے لیکن وجود میں نہیں بلکہ وجود سے زائد ایک حال میں ہے جس کو بہت سے محققین نے پسند کرتے ہوئے کہا کہ انسان کی تاثیر کا تعلق قصد سے ہے اور یہ قصد ایک حال ہے جو نہ موجود ہے اور نہ معدوم ہے یعنی وہ ایک ایسی اعتباری چیز ہے جس کا وجود صرف اس کے منشاء کے تابع ہے اور اس حال میں اختلاف صرف لفظی جیسا کہ الفصول البدائع وغیرہ میں ہے تو اس قصد کو بروئے کار لانا بطور خلق نہیں ہوتا بلکہ خلق اور وجود کا فیضان ہے جس کو احداث کہا جاتا ہے اور احداث کی شان خلق سے کمزور ہے جیسا کہ مسلم الثبوت اور فواتح میں ہے اور امام محقق

المحقق صدر الشریعۃ فی التو ضیح والعلامۃ الشمس الفناری فی الفصول البدائع و تبعه العلامۃ قاسم تلمیذ المحقق ابن الھما م فی تعلیقاته علی المسایرۃ وغیرھم رحمھم اللہ تعالٰی وھم مع تنوع مناز عھم یر جعون الی ذلك الحرف الواحد ولم ار احد منھم یر ضی بتخصیص العمومات، اللھم الا ماحکی عن الامام ابی المعالی علی الاضطر اب فیه فتارۃ یثبته و تا رۃ ینفیه کما فی الیواقیت عن الشیخ ابی طاھر القزوینی بل الکلام فی ثبوته عنه کما سیأتی، والمنقول عن الحنفیۃ فی کتب المتا خرین ھو ھذا القدر اعنی ان للقدرۃ الحادثۃ اثرا فی القصد اما انه خلق وایجاد او النصوص مخصصۃ فکلا لا یو جد ھذا الا للمحقق و قد قال الا ما م صدر الشریعۃ فی التو ضیح بعد ما استفر غ و سعه فی التو ضیح والتنقیح فالحاصل ان مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی ینفون عن العبد قدرۃ الایجاد والتکوین فلا خالق ولا مکون الا اللہ تعالٰی لکن یقولون ان للعبد قدرۃ ما علی وجه لا یلزم منه وجود امر حقیقی لم یکن بل انما یختلف بقدرته النسب والا ضافات فقط کتعین احد المتسا ویین و ترجیحه[1] اھ فھذا نص

صدرالشریعۃ کا توضیح اور علامہ شمس فناری کا الفصول البدائع میں کلام اسی پر دائر ہے، اور علامہ قاسم شاگرد رشید محقق ابن ہمام نے مسایرہ پر اپنی تعلیقات میں اس کی اتباع کی ہے اور مذکور حضرات کے غیر رحمہم اللہ تعالٰی باوجودیکہ وُہ اپنے اپنے بیان میں مختلف ہیں وہ سب اس ایک بات پر متفق ہیں، میں نے اس میں سے کسی کو بھی عمومات میں تخصیص پر راضی نہیں پایا، صرف امام ابو المعالی سے اس میں اضطراب منقول ہے کہ کبھی وہ تخصیص کو ثابت اور کبھی اسکی نفی کرتے ہیں جیسا کہ یواقیت میں شیخ ابو طاہر قزوینی سے منقول ہے بلکہ ان سے ثبوت میں کلام ہے جیسا کہ آرہا ہے، اور متاخرین کی کتب میں جو کچھ احناف سے منقول ہے وُہ صرف یہ ہے کہ انسان کی قدرت حادثہ کا اثر قصد میں ہے لیکن یہ کہ وُہ خلق وایجاد ہے یا آیات میں تخصیص ہے اس کاہر گز کہیں وجود نہیں، ہاں صرف محقق مذکور نے ذکر کیا ہے جبکہ امام صدر الشریعۃ نے توضیح میں مکمل توضیح وتنقیح سے فراغت کے بعد فرمایا، کہ حاصل یہ ہے کہ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی بندے کی قدرت خلق وایجاد اور تکوین کی نفی کرتے ہیں لہٰذا اللہ تعالٰی کے ماسوا کوئی خالق اور مکّون نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وُہ بندے کی قدرت کے اس طرح قائل ہیں کہ اس سے کسی معدوم چیز کے حقیقی وجود کا قول لازم نہ آئے بلکہ انسانی قدرت سے صرف نسبت واضافت تبدیل ہوتی ہے مثلًا دو مساوی چیزوں میں سے ایک کا تعین اور ترجیح

---

[1] التوضیح مع التلویح فصل فی مسائل الجبر والقدر المطبعۃ الخیریۃ مصر ۲/ ۱۵۵

صریح فی ان مذھب الحنفیة علی خلاف ما بحث المحقق ولو لا نسحب الکلام علی منوال الا لتزام لقلت انه ابداہ نقضاعلی القدریة اللئام بانه لو سلم ان الحاجة الی تصحیح التکلیف والجزاء تؤدی الی ذٰلك ولا بد فھی تندفع بشیئ واحد وھو القصد فلم قلتم فی جمیع الافعال بخالقیة العبد، ولعمری ھذا قاطع لھم لا یمکنھم الخروج عنه۔ ھذا وقال الامام محمد السنوسی رحمه اللّٰه تعالٰی فی شرح ام البراھین مقدمته فی التوحید وبالجملة فلیعلم ان الکائنات کلھا یستحیل منھا الاختراع لا ثر ما، بل جمیعھا مخلوق لمو لنا جل و عز و مفتقر الیه اشد الا فتقار ابتداء ودوا ما بلا واسطة فبھذا شھد البرھان العقلی و دل علیه الکتاب والسنة واجماع السلف الصالح قبل ظھور البدع، ولا تصغ باذ نیك لما ینقله بعض من اولع ینقل الغث والسمین عن مذھب بعض اھل السنة ممایخالف ماذکرناہ لك فشد یدك علی ماذکر ناہ فھو الحق الذی لا شك فیه ولا یصح غیرہ واقطع تشرفك الی سماع الباطل تعش سعیدا و تمت ان شاء اللّٰه تعالٰی	ہو جائے اھ تو یہ صریح نص ہے کہ احناف کا مسلک محقق مذکور کی بحث کے خلاف ہے، اگر محقق مذکور کے کلام کو ان کے التزام پر محمول نہ کریں تو میں کہوں گا کہ انھوں نے یہ گفتگو قدریہ ملعون فرقے پر بطور نقض ذکر کی ہے کہ اگر بقول قدریہ یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ انسان کے مکلّف ہونے اور علم کی جزادئے جانے کی بناپر اس چیز کی حاجت ہے تو بھی یہ حاجت صرف ایک قصد کے ایجاد سے پُوری ہو جاتی ہے تو پھر تم تمام افعال کے لئے بندے کی خالقیت کا قول کیوں کرتے ہو تو یقیناً محقق مذکور کا یہ موقف قدریہ کے موقف کا قاطع ہے جس سے ان کو فرار ممکن نہیں ہے، اس کو محفوظ کرو۔ امام سنوسی رحمہ اللہ تعالٰی نے ام البراہین کے مقدمہ فی التوحید میں فرمایا خلاصہ یہ کہ معلوم ہونا چاہئے کہ تمام کائنات میں کسی اثر سے اختراع محال ہے بلکہ پوری کائنات اللہ تعالٰی مولٰی عزوجل کی مخلوق ہے اور ابتداء و دوام میں بلا واسطہ اسی کی سخت محتاج ہے عقلی دلیل کی یہی شہادت ہے اور کتاب و سنّت اور اجماع سلف صالحین کا یہی مدلول ہے اور بدعات کے ظہور سے قبل یہ مسلم ہے، لہٰذا بعض ایسے لوگوں کی بات مت سُنو جو مذہب اہل سنت وجماعت کے متعلق ضعیف وقوی ہر قسم کی بات ہمارے ذکر کردہ کے خلاف نقل کردیتے ہیں، لہٰذا ہمارے ذکر کردہ پر ہاتھ کو مضبوط کر، یہی حق ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے علاوہ سب نادرست ہے اس لئے باطل کی طرف اپنی توجہ کو مبذول مت کر ان شاء اللہ

طیبا رشیدا واللہ المستعان [1] اھ۔ قال محشیہ الفاضل محمد الدسوقی اشار بھذاالی ثلثۃ اقوال نقلت عن اھل السنۃ قول القاضی بتاثیر قدرۃ العبد فی حال الفعل وقول الاستاذالاسفرائنی تؤثر فی اعتبار لان الاستاذلایقول بالاحوال وقول امام الحرمین فی ذات الفعل علٰی وفق مشیئۃ الرب وھذہ الاقوال غیرصحیحۃ لمخالفتھا لاجماع السلف الصالح فان قلت کیف یصح من ھٰؤلاء الائمۃ مخالفۃ الاجماع قلت قال فی شرح الکبری لایصح نسبتھا لھم بل ھی مکذوبۃ عنھم ولئن صحت فانما قالوہ فی مناظرۃ مع المعتزلۃ جرالیھا الجدل اھ [2] ملخصًا۔	سعادت مند زندگی پائے گا اور پاکیزہ کامیاب موت پائے گا جبکہ اللہ تعالٰی ہی مستعان ومددگار ہے اھ اس کے محشّی فاضل محمد دسوقی نے یہاں کہا کہ انھوں نے بعض ناقلین کہہ کر تین اقوال کی طرف اشارہ کیا ہے جو اہلسنت و جماعت کی طرف منسوب ہیں جن میں ایک قاضی کا قول ہے کہ بندے کی قدرت فعل کے حال میں تاثیر کرتی ہے اور دوسرا قول استاذ اسفرائنی کا ہے کہ بندے کی قدرت اعتبار میں مؤثر ہے، کیونکہ یہ استاذ احوال کے قائل نہیں، اور تیسرا قول امام الحرمین کا ہے کہ بندے کی قدرت کی تاثیر نفسِ فعل میں اللہ تعالٰی کی مشیت کے مطابق ہوتی ہے، یہ تینوں اقوال نادرست ہیں کیونکہ یہ سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہیں۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ ان ائمہ کرام کے اقوال اجماع کے خلاف کیونکر صادر ہوئے، تو اس کے جواب میں مَیں کہتا ہوں کہ شرح کبرٰی میں فرمایا کہ ان اقوال کی نسبت ان ائمہ کی طرف درست نہیں ہے بلکہ یہ ان پر جھوٹ کہا گیا ہے اور اگر یہ نسبت درست بھی ہو تو انھوں نے یہ بات معتزلہ کے ساتھ مناظرہ میں بطور ارخاء عنان کہی ہے اھ ملخصا۔
اقول: امامخالفۃ مانقل عن ابی المعالی للاجماع فظاھر وقد صح خلافہ	**اقول** (میں کہتا ہوں) ابو المعالی سے جو منقول ہے اس کا اجماع کے مخالف ہونا ظاہر ہے حالانکہ ان سے اس کا خلاف صحیح ثابت ہے جیساکہ

[1] شرح ام البراہین للامام محمد السنوسی

[2] حاشیہ شرح ام البراہین للفاضل الدسوقی

كما ستسمع اما قول امام اهل السنة الباقلانی والاستاذ الامام ابی اسحٰق علی مانقل ھٰھنا فلیس فیه رائحة خلاف ما اسقر علیه الاجماع والاتفاق لما علمت انه لیس فی شیئ من الایجاد والتکوین علی الاطلاق و قال العلامة فی شرح المقاصد المشهور فیما بین القوم والمذکور فی کتبهم ان مذهب امام الحرمین ان فعل العبد واقع بقدرته وارادته کما هو رأی الحکماء وهذا خلاف ما صرح به الامام فیما وقع الینا من کتبه قال فی الارشاد اتفق ائمة السلف قبل ظهور البدع والاهواء علی ان الخالق هو الله ولا خالق سواه ان الحوادث کلها حدثت بقدرة الله تعالٰی من غیر فرق بین ما یتعلق قدرة العباد به و بین ما یتعلق فان تعلق الصفة بشیئ لا یستلزم تاثیر ها فیه کالعلم بالمعلوم والارادة عــه بفعل الغیر فالقدرة	عنقریب آپ سنیں گے، لیکن امام اہلسنت باقلانی اور استاذ امام ابو اسحٰق اسفرائنی سے جو یہاں ان کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اس میں اجماع اور اتفاق کے خلاف بُو تک بھی نہیں ہے کیونکہ انکے کلام میں ایجاد و تکوین کے متعلق علی الاطلاق کوئی بات نہیں ہے، اور شرح مقاصد میں علّامہ نے فرمایا کہ قوم میں مشہور اور ان کی کُتب میں مذکور ہے کہ امام الحرمین کا مذہب یہ ہے کہ بندے کا فعل اس کی اپنی قدرت اور ارادہ سے واقع ہوتا ہے جیسا کہ حکماء کی رائے ہے، حالانکہ یہ بات امام کی اس تصریح کے خلاف ہے جو انھوں نے اپنی ان کتب میں کی ہے، جو ہمارے پاس پہنچی ہیں انھوں نے ارشاد میں فرمایا کہ بدعات و گمراہی کے ظہور سے قبل ائمہ سلف کا اتفاق ہے کہ خالق صرف اللہ تعالٰی ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور تمام حوادث کا وجود اللہ تعالٰی کی قدرت سے ہوتا ہے خواہ ان کے ساتھ بندوں کی قدرت کا تعلق ہو یا نہ ہو ان میں کوئی فرق نہیں، کیونکہ کسی چیز کے ساتھ صفت کے تعلق سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس صفت کی تاثیر اس چیز میں پائی جائے جیسا کہ علم کا تعلق معلوم سے اور ارادہ کا تعلق

عــه: **اقول**: ارادة فعل الغیر وان لم تکن من الارادة المبحوث عنها اعنی صفة من شانها تخصیص احد المقدورین کما لا یخفی بل بمعنی المحبة والھوی لکنه

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) غیر کے فعل کا ارادہ وُہ ارادہ نہیں جو زیر بحث ہے یعنی وُہ صفت جو مقدورین میں سے ایک کو خاص کرے، یہ مراد نہیں کما لا یخفی بلکہ یہاں بمعنٰی محبت اور خواہش کے ہے، دوسری صفت کے ذکر سے (باقی اگلے صفحہ پر)

الحادثة لاتؤثر فی مقدورھا	غیر کے فعل سے ہوتا ہے تو قدرت حادثہ اپنی مقدورات میں ہرگز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یریدا الاستیضاح بصفات اخرٰی الاترٰی انہ ذکر العلم ثم التقیید الفعل الغیر لیکون اوضح واظھر والا فارادۃ فعل نفسہ ایضا غیر مؤثرۃ فی الفعل انما شانھا التخصیص والتاثیر شان القدرۃ کما نص علیہ فی المسایرۃ غیرانہ یتجہ لھم الجواب بان الکلام فی القدرۃ ولیس من شانھا الا التاثیر عند تعلق الارادۃ اما العلم والارادۃ فبمعزل عن التاثیر وکانہ لھذا عدل عنہ الامام حجۃ الاسلام فی قواعد العقائد فاستند بنفس القدرۃ اذ یقول ولیس من ضرورۃ تعلق القدرۃ بالمقدوران یکون بالاختراع فقط.اذ قدرہ اللہ تعالٰی فی الازل قد کانت متعلقۃ بالعالم ولم یکن الاختراع حاصلا بھا وھی عندالاختراع متعلقۃ بہ نوعا اٰخر من التعلق فیہ فبطل ان القدرۃ تختص بایجاد المقدر اھ[1]

ان کا مقصد صرف وضاحت کرنا،آپ غور نہیں کرتے کہ انھوں نے صفتِ علم ذکر کی اور پھر ارادہ کو غیر کے فعل سے مقید کیا تاکہ زیادہ وضاحت واظہار ہوسکے، ورنہ تو اپنے فعل کا ارادہ بھی غیر مؤثر ہوتا ہے جس کی شان صرف تخصیص کرنا ہے جبکہ تاثیر صرف قدرت کی شان ہوتی ہے جیسا کہ اس پر مسایرہ میں نص کی گئی ہے،علاوہ ازیں وہ معتزلہ کو جواب دے رہے ہیں کہ بحث قدرت میں ہو رہی ہے جو صرف اس وقت تاثیر کرتی ہے جب ارادہ کا تعلق ہو، لیکن محض علم اور ارادہ کا تاثیر میں کوئی دخل نہیں ہے، گویا کہ اسی لئے امام حجۃ الاسلام نے اس انداز کو تبدیل کرتے ہُوئے قواعد العقائد میں نفس قدرت کو دلیل میں اختیار کیا جب انھوں نے فرمایا کہ مقدور کے ساتھ قدرت کے تعلق کو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ تعلق صرف ایجاد واختراع کے لئے ہو کیونکہ ازل میں اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق تمام عالم سے ہُوا حالانکہ اس وقت اختراع وایجاد اس تعلق سے نہ ہُوا جبکہ اختراع کے وقت ایک اور تعلق ہُوا تو اس سے یہ کہنا باطل ٹھہرا کہ قدرت صرف ایجاد مقدِر سے مختص ہے اھ، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۱۱

اصلا و اتفقت المعتزلۃ ومن تابعھم من اھل الزیغ	مؤثر نہیں ہوتی جبکہ معتزلہ اور انکے متبعین گمراہ حضرات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وانت تعلم ان القدرۃ انما تؤثر علی وفق الارادۃ وانما تعلقت الارادۃ فی الازل ان توجد الکائنات فی اوقاتھا المخصوصۃ فیما لایزال فلانسلم ان القدرۃ تعلقت مع العراء عن الاختراع بل اثرت واخترعت علی وفق الارادۃ اما ھٰھنا فتعلق بلا تاثیر اصلا فلم تکن الا اسما بلا مسمی ولفظا بلا معنی وھذا ما حصل ماناقشہ بہ فی المسایرۃ۔

اقول: ولا اری ھذہ العقدۃ تنفك الا باحد امرین الاول لیست القدرۃ ماتؤثر حتما ولا مع الارادۃ ولا محید عنہ للمعتزلۃ ایضا الاتری ان الکفرۃ بذلوا جھدھم فی ایذاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھموا بمالم ینالوا ورد اللہ الذین کفروا بغیظھم فانّما القدرۃ صفۃ من شانھا التاثیر وتؤثر مع الارادۃ لولا مانع وقد قال فی المسامرۃ شرح المسایرۃ اعلم ان الاشعریۃ لاینفون عن القدرۃ الحادثۃ

آپ جانتے ہیں کہ قدرت کی تاثیر ارادہ کے موافق ہوتی ہے تو ازل میں اس ارادہ کا تعلق ہوا کہ کائنات اپنے مخصوص اوقات میں یعنی لایزال میں موجود ہو، اس لئے ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ قدرت کا تعلق اختراع سے خالی ہو سکتا ہے بلکہ قدرت ارادہ کے موافق تاثیر کرتی ہے اور اختراع کرتی ہے، لیکن یہاں بندے کے معاملہ میں قدرت کا تعلق ہر گز تاثیر کے لئے معنٰی نہیں، مسایرہ میں جو مناقشہ بیان کیا ہے یہ اس کا ماحصل ہے۔

اقول: (میں کہتاہُوں) اور یہ عقدہ میری رائے میں صرف دو امور میں سے ایک کے ساتھ حل ہو گا، اوّل یہ کہ کوئی بھی قدرت اگرچہ ارادہ کے ساتھ بھی ہو حتمی طور پر موثر نہیں ہے اور معتزلہ کو بھی اس سے فرار نہیں ہے، کیاآپ نہیں دیکھتے کہ کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذارسانی میں مکمل جدوجہد کی اور پورا عزم کیا جو حاصل نہ کر پائے اور اللہ تعالٰی نے کفار کے غیظ و غضب کو مردود کر دیا، لہٰذا قدرت ایک ایسی صفت ہے جس کی شان صرف تاثیر کرنا ہے اور وُہ ارادہ کے ساتھ تاثیر کرتی ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو، چنانچہ مسامرہ شرح مسایرہ میں کہا ہے کہ اشعری حضرات قدرت حادثہ کی تاثیر بالفعل کی نفی کرتے ہیں اس کی (باقی اگلے صفحہ پر)

علٰی ان العبادموجدون لافعالھم	اس پر متفق ہیں کہ بندے اپنے فعال کے موجد ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الا التاثیربالفعل لا بالقوۃ لان القدرۃالحادثۃعندھم صفۃشانھا التأثیروالایجادولکن تخلف اثرھا فی افعال العبادلمانع ھوتعلق قدرۃاللّٰہتعالٰی بایجادھا, کماحقق فی شرح المقاصدوغیرہ اھ[1] **قلت** وصرح بہ الامدی ثم رأیت فی شرح المقاصدمن بحث القدرۃ الحادثۃ من مقصدالاعراض نسبہ لہ ولم یأت بتحقیق یزیدعلی مامر.

اقول: وفیہ حزازۃ والقلب لا یطمئن بہ ولا یسکن الیہ والالکان کل حیوان ولواخس مایکون واضعہ قادراعلٰی الخلق والایجاد وان لم یتفق لہ ذٰلك لعروض مانع وھوسبقۃالخلق الالٰھی وماذا تفعل الاشاعرۃالاقدمون ح بدلیلھم ان لوقدر العبدعلٰی فعلہ لقدرعلی خلق الاجسام والجواھر

بالقوۃ تاثیر کی نفی نہیں کرتے، کیونکہ ان کے ہاں حادث قدرت ایسی صفت ہے جس کی شان تاثیر کرنا ہے لیکن بندوں کے افعال میں اس کا اثر اس لئے نہیں ہوتا کہ وہاں مانع موجود ہے اور وہ اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق جو ان کے افعال کے ایجاد میں مؤثر ہے، کا موجود ہونا، جیسا کہ شرح مقاصد وغیرہ میں اس کی تحقیق ہے اھ **قلت**(میں کہتا ہوں) اس بیان کی تصریح آمدی نے کی ہے پھر میں نے شرح مقاصد کی بحث قدرت حادثہ جو اعراض کے مقصد میں ہے، اس بحث کو ان کی طرف منسوب پایا جس میں گزشتہ تحقیق سے کچھ زائد نہیں ہے،

اقول: (میں کہتا ہوں) اس میں خلش ہے اور دل کو اطمینان و سکون اس سے حاصل نہ ہو سکا، ورنہ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ہر انسان بلکہ خسیس ترین اور ضعیف ترین حیوان بھی خلق و ایجاد پر قادر ہو جائے اگرچہ اس کو مانع کی وجہ سے اتفاق نہ ہو سکے اور وہ مانع اللہ تعالٰی کی تخلیق کا پہلے موجود ہونا ہے، اور اشاعرہ متقدمین اس وقت اپنی اس دلیل کو کیسے بیان کریں گے کہ اگر بندہ اپنے فعل پر قادر ہو تو پھر وُہ اجسام و جواہر کے خلق پر بھی قادر ہوگا کیونکہ فعل اور اجسام دونوں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] المسامرۃ شرح المسایرۃ العلم بانہ تعالٰی لا خالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۱۲

مخترعون لہابقدرتہم ثم المتقدمون	اور اپنی قدرت سے ان کو سرزد کرتے ہیں پھر معتزلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اذلامصحح سوی الحدوث والامکان وھمامشترکان افتراھم قائلین ان کل انسان وحیوان حتی الخناس والدیدان یقدرعلٰی خلق السمٰوٰت والارض وان لم یقع لھم لسبقۃخلق اللہ تعالٰی، وقدنص الاشعریۃان لیس للعبدمن الفعل الاالمحلیۃ فتدبروا نصف، **والثانی** ان الحادثۃ تحدث ولا تخلق وکفی بہ تاثیرا وھذاھوالذی حمل الحنفیۃ والقاضی والاستادوجمعامن المحققین علی القول بان للحادثۃتاثیرافیمادون الوجودوالحق ان العقل لایستقل بادارک تلک الحقائق فنؤمن بما اتی بہ القراٰن وشھدت بہ الضرورۃ وادی الیہ البرھان ان الفرق بین الانسان والحجروبین حرکتی البطش والارتعاش والصعود والھبوط والوثبۃ والسقوط بدیھی، وان لیس للانسان الاماسعی ولان لاخالق لشیئ الا العلی الاعلی وان لامشیئۃ للانسان الابمشیئۃاللہ تعالٰی ولانزید علی ھذاولانقتحم

حدوث وامکان میں مساوی طور پر مشترک ہیں اور یہی حدوث و امکان ہی خلق وایجاد کی صحت کا معیار ہیں تو کیا اشعریہ کو اس بات کا قائل تصور کروگے کہ ہر انسان اور حیوان حتٰی کہ کیڑے مکوڑے زمین وآسمان کی تخلیق پر قادر ہیں اگرچہ اس تخلیق کا ان کو اتفاق نہ ہوا کہ اللہ تعالٰی کا خلق پہلے موجود ہے حالانکہ اشعریہ کی صریح نص ہے کہ فعل میں بندے کا دخل صرف محلیۃ کا ہے، تو غور اور انصاف کرو۔ دوسرا یہ کہ قدرت حادثہ صرف حدوث کرسکتی ہے خلق نہیں کرسکتی اس کے لئے اتنی تاثیر ہی کافی ہے، یہی وُہ حقیقت ہے جس نے احناف قاضی، استاذ اور محققین کی جماعت کو اس قول پر مجبور کیا کہ حادث قدرت کی تاثیر ہے لیکن وجود کے لئے مؤثر نہیں ہے، حق تو یہ ہے کہ ان حقائق کے ادراک میں عقل کو استقلال نہیں ہے لہٰذا قرآن کے بیان کردہ اور بداہت کی شہادت اور جہاں تک دلائل کی رسائی ہے کہ انسان اور پتھر، ارادی اور رعشہ کی حرکتوں، اٹھنے اور کُودنے، گرنے اور اترنے میں بدیہی فرق پر ہم ایمان رکھیں اور انسان کے بس میں صرف سعی کرنا ہے اور اللہ تعالٰی کے بغیر کسی چیز کا کوئی خالق نہیں اور انسان کی مشیئت اللہ تعالٰی کی مشیئت کے تابع (باقی اگلے صفحہ پر)

منهم كانوا يمنعون من تسمية العبد خالقاً لقرب عهدهم بإجماع السلف على انه لا خالق الا الله تعالٰى واجترأ المتأخرون فسموا العبد خالقاً على الحقيقة هذا كلامه ثم اورد ادلة الاصحاب واجاب عن شبه المعتزلة وبالغ فى الردعليهم وعلى الجبرية واثبت للعبد كسباً وقدرة مقارنة للفعل غير مؤثرفيه [1] اھ فهذا اصرح نص على ان معتقده رحمه الله تعالٰى هواهل السنة سواء بسواء فلم يبق احد تسايره المسايرة.	کے متقدمین حضرات اجماع سلف سے قریب زمانہ کی بنا پر بندے پر خالق کا اطلاق نہ کرتے تھے اور لا خالق الا اللہ پر اجماع کے خلاف قول نہ کرتے اور انکے متاخرین نے جرات کرتے ہوئے بندے پر حقیقی خالق کا اطلاق شروع کر دیا، امام نے اپنے اس کلام کے بعد معتزلہ کے دلائل کا رَد اور ان کے شبہات کا جواب دیا انھوں نے ان کا اور جبریہ کا خُوب رَد فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ بندے کا صرف کسب ہوتا ہے اور فعل کے مقارن اس کو ایک قسم کی قدرت حاصل ہوتی ہے جو کہ غیر مؤثر ہوتی ہے اھ، تو ان کیطرف سے یہ واضح نص ہے کہ انکا عقیدہ وہی ہے جو اہلسنت کا عقیدہ ہے اور کوئی فرق نہیں ہے تو مسایرہ کی راہ چلنے والا کوئی بھی نہ ہُوا۔
اقول: ولكن العجب كل العجب من العلامة بحر العلوم الكنوى عفا الله تعالٰى عنا وعنه جنح فى الفواتح الى مافى المسايرة مع تصريحه فيماقبله باسطر بما نصه (وما فهموا) ادى المعتزلة بل هٰؤلاء الجهلة ايضاً (ان الامكان ليس من شانه افاضة الوجود)	**اقول:** (میں کہتا ہُوں) لیکن تعجب ہے کہ علامہ بحر العلوم لکھنوی (ہمیں اور انھیں اللہ تعالٰی معاف فرمائے) نے فواتح میں مسایرہ میں مذکور کی طرف میلان فرمایا، حالانکہ انھوں نے خود فواتح میں چند سطر قبل ازیں تصریح کی ہے جس کی عبارت یُوں ہے کہ (وما فهموا) یعنی معتزلہ اور ان جاہلوں نے بھی نہ سمجھا کہ (ممکن کی یہ شان نہیں کہ وُہ وجود عطا کرے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
بحر الانقدر على سباحته والله الهادى ۱۲منه۔

ہے، پر پختہ یقین کریں اور اس پر مزید کوئی بات نہ کریں، اور ایسے سمندر میں چھلانگ نہ لگائیں جس میں تیرنے کی ہمیں قدرت نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] شرح المقاصد الفصل الخامس فى افعال البحث الاول فعل العبد الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۲۶

فان من ھو فی نفسہ باطل الذات محتاج فی الواقعیۃ الی الغیروکَلّ عـــہ علی مولاہ کیف یقدرعلیٰ ایجاد الافعال من غیراختلال بالنظام الاجود۔ وھذاظاھر لمن لہ اقل حدس من اصحاب العنایۃ الالٰھیۃ۔لکن من لم یجعل اللہ لہ نورفمالہ من نور(وعند اھل الحق)اصحاب العنایۃ الذین ھم اھل السنۃ الباذلون انفسھم فی سبیل اللہ بالجھادالاکبر(لہ قدرۃکاسبۃ)فقط لا خالقۃ[1] الخ فکیف رضی مع ھذا بان جعل الممکن الباطل الذات خالقالعزائمہ مع ان قول التاثیرفی امر اعتباری کان بمرأی عینیہ و قد کان بینہ ھو بنفسہ علی وجہ کاف و لم یتعقبہ فان کان مختار اولا بدفکان اختیار ماعلیہ جمع من المحققین ولبس	کیونکہ جو چیز فی نفسہ اپنی ذات میں باطل اور اپنے وجود میں غیر کی محتاج ہو اور اپنے مالک پر بوجھ قرار پائے، وُہ بہترین نظام عالم میں خلل انداز ہو کر افعال کو کیسے ایجاد کر سکتی ہے اور یہ حقیقت ہر اس شخص پر عیاں ہے جس کو اللہ تعالٰی کی طرف سے عنایت پر معمولی سی سمجھ ہے، لیکن جس کو اللہ تعالٰی نورِ علم نہ عطافرمائے اس کو نور کیسے نصیب ہو سکتا ہے (اور اہل حق کے ہاں) یعنی اللہ تعالٰی کی عنایت والے لوگ وُہ اہل سنت و جماعت ہیں جو اللہ تعالٰی کے راستے میں جہاد اکبر کرتے ہُوئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں (بندہ کو صرف قدرت کاسبہ حاصل ہے) نہ کہ قدرت خالقہ الخ، تواس تصریح کے باوجود انھوں نے ممکن باطل الذات کو کیسے اپنے عزائم کا خالق کہہ دیا حالانکہ انکا مطمح نظریہ ہے کہ بندے کی تاثیر صرف اعتباری چیز میں ہوتی ہے اس کو انھوں نے خود کافی تفصیل سے بیان کیا اور پھر اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، اگر یہی ان کا مختار ہے اور ہونا بھی ضروری ہے تو یہ تمام محققین کا اجماعی مختار ہے اور اس میں نہ کسی نص کی

عـــہ:استعملہ بمعنی المحتاج وانماھو بمعنی التقیل واللہ متعال ان یکون احد کلا علیہ ۱۲منہ۔	کَلّ "کالفظ انھوں نے یہاں محتاج کے معنٰی میں استعمال کیا ہے اور اس کا معنٰی بوجھ ہے جبکہ اللہ تعالٰی اس سے پاک ہے کہ کوئی اس پر بوجھ بنے ۱۲منہ (ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی فائدہ فی تحقیق صدور الافعال الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۴۰ و ۴۱

فيه مخالفة نص ولا اجماع وهو اولٰى واحرى ولكن الله يفعل مايريد هذا وتلميذ المحقق العلامة الكمال بن ابى شريف وان ساير هٰهنا شيخه رحمهما الله تعالٰى لكنه اشار بعده الى ان هذا خلاف ما عليه اهل السنة حيث قال فى المسامرة عند قول المصنف قد منا ان للمكلف اختيارا اوعزما يصمم مانصه (اختيارا) على ما عليه اهل السنة (اوعزما) على مااختاره المصنف [1] اهو تلميذه الأخر العلامة الذين بن قطلوبغافى تعليقه على المسايرة لم يرض به من اول الامروقال للطريق الذى سبلكه المصنف انه المرضى عنده الرفع للجبر فلم يندفع به سأنبه عليه ثم اوردطريقا اختاره العلامة الفنارى فى الفصول واقره ومحصله هو التاثير فى الا عتبارى ولو لاغرابة المقام لاوردته مع مايرد عليه. **اقول:** وبما ذكرنا ظهران الفرق بين ما ساره فى المسايرة	مخالفت ہے نہ اجماع کی، یہی مناسب اور اولی ہے، لیکن اللہ تعالٰی جو چاہتا ہے کرتا ہے اسے محفوظ کرو، ار محقق مذکور کے شاگرد علامہ کمال بن ابی شریف اگرچہ یہاں انھوں نے اپنے شیخ کی موافقت کی ہے لیکن اس کے بعد انھوں نے اشارہ دیا کہ یہ بات اہلسنّت کے مسلک کے خلاف ہے، جہاں انھوں نے مسامرہ میں مصنّف کے قول (کہ ہم نے پہلے ذکر کیا کہ مکلّف کو اختیار یا عزم صمیم حاصل ہے) پر کہا جس کی عبارت یوں ہے (اختیار حاصل ہے) جیسا کہ اہلسنّت کا مؤقف ہے (یا عزم صمیم حاصل ہے) جیسا کہ مصنف نے خود پسند کیا اھ، اور محقق مذکور کے دوسرے شاگرد (علامہ زین بن قطلوبغا مسایرہ پر اپنی تعلیقات میں ابتداہی اپنے استاذ کے موقف پر راضی نہ ہوئے اور یوں کہا جس راستہ پر مصنف چلے وہ انکا اپنا پسندیدہ ہے اور وہ جبر کو ختم کرنے کے لئے کہا جبکہ اس سے جبر مندفع نہ ہوا میں اس پر عنقریب تنبیہ لاؤں گا، اس کے بعد انھوں نے علامہ فناری کا راستہ اپنایا جس کو انھوں نے فصول میں بیان کرکے اس پر ثابت قدم رہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندے کی تاثیر اعتباری چیز میں ہوتی ہے، اگر یہ مقام غرابت کا حامل نہ ہوتا تو میں اس کو اور اس پر اعتراض کو ذکر کرتا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہمارے ذکر کردہ سے مسایرہ کی روش

[1] المسامرة شرح المسايرة فعل العبدالخ المكتبة التجارية الكبرٰى مصر ص ۱۴۳

وماقضٰی بہ القاضی کالفرق بین الغرب والشرق فماقال فی المسامرۃان حاصل کلام المصنف رحمہ اللہ تعالٰی تعویل علٰی مذھب القاضی الباقلانی [1] الخ وتبعہ علی القاری فی منح الروض الا زھرفقال ما اختارہ ھوقول الباقلانی من ائمۃ اھل السنۃ [2] الخ فھما لا وجہ لہ نعم انما وافقہ فی لفظ وھوانہ یکون منسوبًاالیہ تعالٰی من حیث ھوحرکۃ والی العبد من حیث ھوزنا ونحوہ وقال القاضی قدرۃ اللہ تعالٰی تتعلق باصل الفعل،وقدرۃ العبد بوصفہ من کونہ طاعۃ اومعصیۃ.فمتعلق تاثیرالقدرتین مختلف کمافی لطم الیتیم تادیبااوایذاء فان ذات اللطم واقعۃ بقدرۃاللہ تعالٰی وتاثیرہ،وکونہ طاعۃ علی الاول ومعصیۃعلی الثانی بقدرۃالعبدوتاثیرہ لتعلق ذٰلک بعزمہ المصمم [3] اھ فانماالاشتراک فی نسبۃ	اور قاضی باقلانی کے فیصلہ میں فرق واضح ہو گیا یہ مغرب و مشرق جیسا فرق ہے، مسامرہ میں جو کہا کہ مصنّف رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا ماحصل قاضی باقلانی کے مذہب پر اظہار اعتماد ہے الخ،اور ملا علی قاری نے منح الروض الازہر میں اس کی اتباع کرتے ہوئے کہا کہ مصنّف نے جسے اختیار کیا وُہ اہلسنّت کے ایک امام قاضی باقلانی کا قول ہے الخ، حالانکہ ان دونوں کی بات میں کوئی وزن نہیں ہے،ہاں اتنا ضرور ہے کہ فعل سے دو۲ قسم کی تا ثیروں کے تعلق میں دونوں کا لفظی اشتراک ہے، مصنّف نے کہا کہ فعل حرکت ہونے کے اعتبار سے اللہ تعالٰی کی طرف منسوب ہے اور مثلاً زنا وغیرہ ہونے کے اعتبار سے بندے کی طرف منسوب ہے اور قاضی نے فرمایا اللہ تعالٰی کی قدرت کا تعلق اصل فعل سے ہے اور بندے کی قدرت کا تعلق فعل کی صفت کہ طاعت یا معصیت ہونے سے ہے تو دونوں قدرتوں کی تا ثیر کا تعلق مختلف ہے، جیسا کہ یتیم بچے کو تھپّڑ مارنا تربیت اور ایذا بھی ہوتا ہے تو تھپّڑ کا لگنا اللہ تعالٰی کی قدرت اور تا ثیر سے ہوتا ہے اور طاعت کے لحاظ سے نیکی اور اذیت کے لحاظ سے گناہ ہونا یہ بندے کی قدرت اور تا ثیر سے ہے جو اس کے عزم مصمم کے تعلق کی وجہ سے ہُوئی اھ، تو یہاں

[1] المسامرۃ العلم بانہ تعالٰی لا خالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۴۳

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افعال العبد کسبھم الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

صفة الفعل الٰی تاثیر قدرة العبد واین مادعی المحقق من خلقه عزمه۔	اشتراک صرف فعل کی صفت کو بندے کی قدرت کی طرف منسوب کرنے میں ہے جبکہ محقق مذکور کا یہ دعوٰی کہ بندہ اپنے عزم کا خالق ہے، وہ کہاں ہے۔
اقول: ماذکر من ان الصفة اثر قدرة العبد حق بلا مریة لکن لاعلی الوجه الذی قرر المصنّف بل الا مران المولٰی تعالٰی اجری سنته بان العبد اذا اراد فعلا یخلقه الله تعالٰی فیه فالارادة بخلق الله تعالٰی والفعل بخلق الله تعالٰی ولیس للعبد من الخلق شیئ لکن کون الفعل ارادیا یتوقف علی ارادة العبد توقفا عقلیا قطعیا اذلو خلق الله فیه الفعل من دون ان یخلق فیه ارادة له لکان کحرکة الحجر بالتحریك فلم یکن ارادیا والفعل لایکون طاعة ولا معصیة الا اذا کان ارادیا فهذه الصفة للفعل لاتحصل الا بارادتنا ای لکونه مصحوبا لارادة خلقها الله تعالٰی فینا ولولا ذٰلك لم یکن طاعة ولامعصیة قطعًا، ثمّ انیّ رأیت المحقق ذکر فی التحریر اما الحنفیة فالکسب صرف القدرة المخلوقة الی القصد المصمم فاثرها فی القصد ویخلق سبحٰنه الفعل عنده بالعادة	**اقول:** (میں کہتا ہوں) قاضی کا یہ کہنا کہ فعل کی صفت بندے کی قدرت کا اثر ہے بلا شک یہ حق ہے لیکن اس طور پر نہیں جس طرح مصنّف نے اس کی تقریر کی بلکہ معاملہ یُوں ہے کہ اللہ تعالٰی کی یہ سنت جاریہ ہے کہ بندہ جب کسی فعل کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے ارادہ پر فعل کی تخلیق فرماتا ہے لہٰذا ارادہ اور فعل دونوں اللہ تعالٰی کی مخلوق ہوئے اور بندے کا خلق میں کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہوتا لیکن کسی فعل کے ارادی ہونے کا دار و مدار بندے کے ارادے پر ہے یہ دار و مدار عقلی اور قطعی ہے کیونکہ اگر اللہ تعالٰی بندے کے ارادہ کے بغیر فعل کی اس میں تخلیق کر دے تو پھر یُوں ہُوا جیسے پتھر کو حرکت دی جائے تو وہ حرکت کرتا ہے، تو اس طرح فعل نہ ارادی ہوگا نہ طاعت و معصیت ہوگا، یہ جبھی ممکن ہے وُہ فعل ارادی ہو تو فعل کی یہ صفت ہمارے ارادے سے حاصل ہُوئی، یعنی یہ صفت اللہ تعالٰی کی طرف سے ارادہ کی تخلیق کے ساتھ حاصل ہُوئی، اگر یہ نہ ہو تو وہ فعل قطعًا طاعت و معصیت نہ بنے گا۔ پھر میں نے محقق ابن ہمام کو تحریر میں یہ ذکر کرتے ہوئے پایا کہ حنفی حضرات کے ہاں کسب یہ ہے کہ مخلوق قدرت کو مصمم قصد کے لئے صرف کرنا اس مخلوق قدرت کا اثر قصد میں ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی اس وقت اپنی عادت کریمہ کے مطابق فعل کو پیدا فرماتا ہے

فان کان القصد حالا غیر موجود و لا معدوم فلیس بخلق وعلیه جمع من المحققین وعلی نفیه فکذلك (ای لیس الکسب بخلق ایضا) علی ما قیل (ای قول صدر الشریعة) الخلق یقع به المقدور لا محل فی القدرة و یصح انفراد القادر با یجاد المقدور و الکسب یقع به فی محلها ولا یصح انفراده با یجاده ولو بطلت هٰذه التفرقة (بین الخلق و الکسب) علی تعذره (ای بطلانها) وجب تخصیص القصد المصمم من عموم الخلق بالعقل اھ[1] باختصار، مزیدا ما بین الهلالین من شرحه التقریر والتحبیر لتلمیذه المحقق ابن امیر حاج رحمهما الله تعالٰی فقد ابان البون البین بین مابحثه فی المسایرة وبین ماذهب الیه الامام القاضی وظهرت بحمد الله تعالٰی منه علیّ فائدة نفسیة وهوانی کنت کتبت علی المسایرة قبل هذا بنحو اربع سنین مانصه نرجوان المصنف رحمه الله تعالٰی رجع عنه اذلم یذکره فی فکذلك مایعتقده الا ما علیه اهل السنة کما سیأتی و نرجوان المولٰی سبحٰنه وتعالٰی	تو اگر قصد صرف ایسا حال ہو جو نہ معدوم اور نہ موجود ہو تو مخلوق نہ بنے گا۔ قصد کے مخلوق نہ ہونے اور اس کے حال ہونے کی نفی محققین کی ایک جماعت کا موقف ہے اور یُوں ہی کسب بھی مخلوق نہیں ہے ایک قول کے مطابق یعنی صدر الشریعہ کے قول پر کہ خلق سے مقدور کا وجود محل قدرت کے بغیر ہوتا ہے اور اس میں قادر کا مقدور کے ایجاد میں منفرد ہونا صحیح ہوتا ہے اور کسب سے مقدور کا وجود محل قدرت (قصد) کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس کے بغیر ایجاد میں منفرد ہونا صحیح نہیں ہوتا، اور اگر (خلق اور کسب کا یہ فرق) باطل ہو جائے جبکہ یہ فرق متعذر ہے یعنی یہ فرق باطل ہے، تو پھر عموم خلق میں سے قصد مصمم کی تخصیص ضروری ہو گی اھ اختصارا، اور ہلالین میں اسکی شرح التقریر والتحبیر سے اضافہ ہے، یہ شرح ان کے شاگرد محقق ابن امیر الحاج (رحمہا اللہ تعالٰی) کی ہے، تو انھوں نے اپنی مسایرہ کی بحث اور امام قاضی کے مذہب میں واضح فرق کر دیا ہے اور میرے لئے بحمد اللہ تعالٰی یہاں ایک نفیس فائدہ ظاہر ہُوا، وہ یہ کہ میں نے مسایرہ پر چار سال قبل حاشیہ لکھا تھا جس کی عبارت یہ ہے، ہمیں امید ہے کہ مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے اسی سے رجوع کر لیا ہو گا کیونکہ انھوں نے تشبیہ (فکذٰلک) (میں اپنا عقیدہ ذکر کئے بغیر صرف اہلسنت کا موقف ذکر فرمایا ہے، کما سیأتی اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالٰی

[1] التحریر فی اصول الفقه الباب الاول الفصل الثانی فی الحکم مصطفی البابی مصر ص ۲۲۸

جعل هذه الزلة الواحدة وان عظمت مغمورة فيما اولاه من بحار الحسنات الجميلة ونسأل الله الثبات على الحق وهداية الصواب فی کل باب وصلی الله تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰله وسلم ابدًا امین[1] اھ. فبحمد الله تعالٰی قد حقق الله رجائی وظهر رجوع المحقق عن اختیار ما بحثه، اذ علقه ھٰهنا علٰی تعذر التفرقة بین الخلق والکسب وصرح ببطلان التعذر فاذا بطل المبنی وجب تهدم البناء ولله الحمد وتصنیف التحریر متأخر عن تالیف المسایرة کما لاتخفی علٰی من طالعه وذٰلك قوله تعالٰی یثبت الله الذین اٰمنوا بالقول الثابت فی الحیوة الدنیا والاٰخرة[2] والحمد لله ربّ العٰلمین، امّا ما اورد الشیخ القزوینی علی الامام ابی بکر الباقلانی کما نقله فی الیواقیت لامام الشعرانی مقرا علیه انه یقال له هذه الحال مقدورة لله تعالٰی ام لا علی الثانی لا محالة تکون مقدورة للعبد وهو مذهب المعتزلة بعینه وعلی الاول لم یکن للعبد شیئ البتة وذٰلك هو مذهب الجبریة بعینه	ان کی اس ایک خطا کو (اگرچہ یہ گراں ہے) انکو عطا کردہ نیکیوں کے دریاؤں میں غوطہ زن کر دے گا اور ہم اللہ تعالٰی سے ثابت قدمی کے سائل ہیں کہ وہ ہمیں ہر معاملہ میں حق اور صواب کی رہنمائی فرمائے وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ محمد وآلہ وسلم ابدًا، آمین، اھ۔ اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس نے میری امید کو پُورا فرمادیا اور محقق مذکور نے اپنی بحث کو مختار قرار دینے سے رجوع فرمالیا جب انھوں نے خلق اور کسب میں فرق کے متعذر ہونے پر حاشیہ لکھ کر اس تعذر کو باطل قرار دیا، تو جب مبنٰی باطل ہو گیا تو اس پر بنی ہوئی عمارت بھی گر گئی، وللہ الحمد، اور انکی کتاب التحریر مسایرہ سے بعد کی تصنیف ہے جیسا کہ مطالعہ کرنے والے پر مخفی نہیں ہے، اور یہ اللہ تعالٰی کے ارشاد کہ "اللہ تعالٰی ایمان والوں کو دُنیا و آخرت میں حق پر ثابت قدمی عطا فرماتا ہے" کا مظہر ہے الحمد للہ رب العالمین، لیکن شیخ قزوینی کا امام ابو بکر باقلانی پر وہ اعتراض جس کو امام شعرانی نے یواقیت میں نقل کرکے ثابت رکھا یعنی اس حال (قصد) کے متعلق ان سے سوال کیا گیا کہ یہ اللہ تعالٰی کا مقدور ہے یا نہیں، اور اگر نہیں، تو پھر لا محالہ یہ بندے کا مقدور ہو گا جبکہ معتزلہ کا بعینہٖ یہی مذہب ہے اور اوّل صورت یعنی اگر اللہ تعالٰی کا مقدور ہے تو پھر بندے کے لئے کچھ مقدور نہ ہُوا جبکہ یہ بعینہٖ جبریہ کا

[1] حاشیہ اعلیحضرت علی المسایرۃ

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

فلا فائدة لتمسك بالحال[1] اھ باختصار۔ **اقول:** و تلك شكاة ظاهر عنك عارها، و لما يتراأى ظاهر ان هٰذا سوال عام الورود لا محيص عنه لشيئ من الاقوال فشان من اثبت للقدرة الحادثة تاثيرا مافى شيئ من عين اوحال فيقال له كما قلتم فان قال ان ذلك الشيئ ليس مقدور الله تعالٰى فهو الاعتزال اوقال مقدور له فلم يبق للعبد شيئ وهو الجبر ومن لم يثبت كسادتنا الاشعرية فقد افصح بالشق الاخير من الاول فيقال اذن لا شيئ للعبد البتة فهو الجبر بعينه و ذٰلك لانه انما يريد انكم لجأتم الى هٰذا نفيا للجبر فاذا اعترفتم انه واقع بقدرة الله تعالٰى لا بقدرة العبد لاستحالة اجتماع مؤثرين على اثر فقد انتفى الملجأ ولزم القرار على ما منه الفرار فالمعنى هو الجبر بعينه عندكم بل لما **اقول** يختار انه مقدور الله تعالٰى بل و مراده ايضا لكن ارادان يريد العبد فيكون فلا جبر ولا اعتزال	مذہب ہے، لہٰذا حال کا سہارا لینا بیکار ہوا اھ اختصارًا **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ ایسی شکایت ہے جس کی عار آپ کی طرف سے ظاہر، اور ظاہرًا نظر آرہا ہے کہ یہ سوال عام الورود ہے اس سے کسی قول کو بھی چھٹکارا نہیں ہے، تو جو بھی حادث قدرت کے لئے کسی قسم کی تاثیر کسی عین چیز یا حال میں ثابت کرے گا تو اس پر تمھارا یہی اعتراض وارد ہوگا کہ اگر یہ چیز اللہ تعالٰی کا مقدور نہیں تو اعتزال لازم آئے گا، اور اگر اللہ تعالٰی کا مقدور ہو تو پھر بندے کا کچھ دخل نہ رہا، تو یہ جبر ہے، اور جو لوگ اس قدرت کے لئے کوئی تاثیر ثابت نہ مانیں جیسا کہ ہمارے سادات اشعریہ کا موقف ہے تو ان پر پہلی دو ۲ شقوں میں سے دوسری شق والا اعتراض ہوگا کہ بندے کی کوئی تاثیر نہیں تو یہ بعینہٖ جبر ہے، بندے کے لئے تاثیر نہ ماننے والوں کی مراد یہ ہے کہ بندے کی تاثیر ماننے والوں کو اس بات پر جبر کی نفی کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا، تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے بندے کی تاثیر ماننے کے باوجود جب یہ اعتراف کرلیا کہ اللہ تعالٰی کی قدرت سے بندے کا فعل ہوتا ہے اور بندے کی قدرت سے نہیں کیونکہ ایک اثر کے لئے دو موثر محال ہیں تو اس سے تمھارا مقصد (یعنی جبر کی نفی) فوت ہوگیا اور جس سے فرار تھا اسی پر قرار ہُوا، یہی فعل کا اللہ تعالٰی کی قدرت سے ہونا تمھارے ہاں بعینہٖ جبر ہے، تو

[1] الیواقیت والجواہر المبحث الرابع والعشرون الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۰

والٰی منحی ھذا ینحو مافی المسایرۃ غایۃ مافیہ انہ تعالٰی قدرہ علی بعض مقدوراتہ تعالٰی کما انہ اعلمنا بعض معلوماتہ سبحٰنہ تفضلا [1] الخ **وبالجملۃ** لاتنافی بین کونہ مقدوراللہ تعالٰی ومقدور العبد باقدارہ حتی یقال لم یکن للعبد شیئ وایضًا لایلزم من کونہا مقدورۃ للعبد الاعتزال لانہم یقولون بخالقیۃ العبد والخلق افاضۃ الوجود والحال غیر موجود ھذا، ولیعلم انی لااریدبالدفاع عن ھذاالقول ان اقول بہ انما اقول انی لااعلم مایردہ من نص اواجماع وقدرأوا ان ھٰھنا ثلثۃ اشیاء حال بین عینین ارادۃ العبد وفعلہ وتعلقہا بہ فان	کوئی قول بھی مذکورہ اعتراض سے نہ بچ سکے گا بلکہ یہ اعتراض ختم ہوگا تو میرے اس قول سے ہوگا کہ بندے کا فعل اللہ تعالٰی کا مقدور ہے بلکہ اسکی مراد بھی ہے لیکن اللہ تعالٰی ارادہ فرماتا ہے کہ بندہ اس فعل کا ارادہ کرے تو پایا جائے، تو اس طرح نہ جبر لازم آیا اور نہ ہی اعتزال ہوا میرے کلام کے انداز پر ہی مسایرہ کا یہ بیان ہے، اس میں انتہائی قابل اعتراض بات یہ ہوگی کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بعض مقدورات پر بندے کو قادر بنادیا (جبکہ واقع میں ایسا ہے) جیسے اللہ تعالٰی اپنے بعض معلومات کا ہمیں علم دیتا ہے اور یہ اس کا فضل ہے الخ، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے مقدور اور اللہ تعالٰی کے قادر بننے پر بندے کے مقدور، میں کوئی منافات نہیں تاکہ یہ کہا جائے کہ بندے کی کوئی قدرت نہیں، نیز فعل کا اللہ تعالٰی کی قدرت سے بندے کا مقدور ہوجانے سے اعتزال بھی لازم نہ آئے گا، کیونکہ معتزلہ بندے کی خالقیت کا قول کرتے ہیں، جبکہ خلق وجود عطا کرنے کا نام ہے حالانکہ حال (قصد) موجود نہیں ہوتا، اسے محفوظ کرو۔ معلوم ہونا چاہئے کہ حال (قصد) میں بندے کی تاثیر والے قول کے دفاع سے میرا مقصد یہ نہیں کہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ اس قول کے رد میں کوئی نص یا اجماع میرے علم میں نہیں ہے، جبکہ ان کے خیال میں یہاں تین

[1] المسایرۃ متن المسامرۃ العلم بانہ تعالٰی لاخالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۱۸۔۱۱۷

لم یکن للعبد مدخل فی شیئ من ذٰلك خرج من البین قطعًا وھوالجبر حقاکما لازم به الحنفیة الاشعریة بل قدنصت الاشاعرة انفسھم فی بحث عقلیة الحسن والقبح ان فعل العبد اضطراری غیر اختیار فوجب ان لایوصف بحسن ولاقبح عقلا، ونص الامام ابوالحسن الاشعری ان العبد محل الفعل فحسب وصرح کبراء الاشاعرة کالامام الفخر والعلامة سعدالدین فی اُخرین ان الماٰل ھو الجبر وان العبد مجبور فی صورة مختار وتبعھم القاری فی منح الروض فجعله الانصاف،ومن المعلوم قطعًا اجماعًا وسمعًا ان لیس للعبد شیئ من الایجاد فارادته کقوله لیست الاخلق ربه تبارك وتعالٰی فلم یبق الاالتعلق المسمی بالقصد فقالوا ھذاماقدرہ علیه ربه ولیس من الخلق فی شیئ کما عرفت،فھذا نزاع ساداتنا الحنفیة فی ھذاالباب اما انا فکما ذکرت فی الفیوض الملکیة تعلیقات کتابی الدولة المکیة لست ممن یخوض فی ھذاوانما ایمانی و ﷲ الحمد ماثبت بالقراٰن

امور ہیں، بندے کے فعل اوراس کے ارادے کے درمیان ایک حال اور بندے کے ارادے کااس سے تعلق ان تینوں امور میں اگر بندے کا کوئی دخل نہیں تو بندہ بالکل الگ تھلگ رہاتو یہ قطعًا جبر ہے جس کا اشعری حنفی لوگ الزام دیتے ہیں، بلکہ اشاعرہ نے حسن وقبح کے عقلی ہونے کی بحث میں خود تصریح کی ہے کہ بندے کا فعل اضطراری غیر ارادی ہے تو وہ کیسے حسن وقبح سے عقلاً موصوف ہوسکتا ہے،امام ابوالحسن اشعری نے یہ تصریح کی ہے کہ بندہ تو صرف فعل کا محل ہے اور بس،اور امام فخر الدین اور علامہ سعدالدین جیسے بڑے اشاعرہ نے آخری دور میں تصریح کی ہے کہ نتیجۃً جبر لازم ہے اور بندہ مختار کی صورت میں مجبور ہےاور ملا علی قاری نے منح الروض میں ان کی اتباع کرتے ہوئے اسی کو انصاف قرار دیا ہے،اور یہ بات قطعًا اجماعی اور سماعی طور پر معلوم ہے کہ بندے کوایجاد میں کوئی دخل نہیں ہے تواس کا ارادہ اس کے قول کی طرح صرف اور صرف اللہ تعالٰی کی مخلوق ہے اب صرف ارادے کا فعل سے تعلق باقی ہے جس کو قصد کا نام دیا جاتا ہے تواس کے لئے انہوں نے کہا ہے کہ اس پر اللہ تعالٰی نے بندے کو قادر فرمایا ہے اور یہ قصد کسی شیئ کے خلق میں دخیل نہیں ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے تواس باب میں ہمارے سادات احناف کا یہ نزاع ہے۔ لیکن میرا معاملہ تو وہ ہے جو میں نے اپنی کتاب الدولۃ المکیہ کے حاشیہ الفیوض الملکیہ میں ذکر کردیا ہے کہ میں اس گہرائی میں نہیں پڑتا، میراتوصرف وہ ایمان ہے(وﷲ الحمد) جس کوقرآن نے

واجمع علیه الفریقان، شهدت به البداهة وادی الیه البرهان، ان لاجبرولاتفویض ولکن امر بین امرین، (وسرت اسرد فیه الکلام الی ان قلت) فالتکلیف حق، والجزاء حق، والحکم عدل، و الاعتراض کفر، والاستبداد ضلال، والتحج رجنون، والجنون فنون، ولا حجة لاحد علی الله تعالٰی مهما فعل ولله الحجة البالغة، لایسئل عما یفعل وهم یسئلون، فهٰذا ایماننا ولانزید علیه وان سئلنا عما ورائه قلنا لا ندری ولاکلفنا به ولا نخوض بحرا لانقدر علی سباحته نسأل الله الثبات علی دین الحق وسذا جته، والحمد لله رب العٰلمین اھ[1]

وثالثًا: الخلق لغة وعرفا وشرعا هوالایجاد بالاختیار، قال تعالٰی "اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ"[2]، فافادان العلم لازم للخلق وذٰلك هوالایجاد بالقصد فان الموجب لایجب ان یعلم الموجب من جهة کونه موجبا

ثابت کیا، جس پر دونوں فریق متفق ہیں، جس پر بداہت شاہد ہے اور جس پر دلیل و برہان نے آگاہی دی ہے کہ نہ جبر ہے نہ تفویض ہے بلکہ ان دونوں چیزوں کے بین بین ایک امر ہے، میں نے اپنا کلام جاری رکھتے ہوئے آخر میں یہ کہا کہ تکلیف حق ہے، جزاء حق ہے اور حکم عدل اور انکار کفر ہے، بندہ کو مستقل بنانا گمراہی ہے اور اس کو پتھر بنانا جنون ہے اور جنون کئی قسم ہے اور اللہ تعالٰی جو کرتا ہے اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے، کامل حجت اللہ تعالٰی کی ہے وہ جو کرے اس پر اعتراض نہیں، لوگ جو کریں ان سے پوچھ ہو گی، پس ہمارا تو یہ ایمان ہے اور بس، اس سے زائد کوئی ہم سے سوال کرے تو کہہ دیں گے، کہ ہم نہیں جانتے اور نہ ہم اس کے مکلّف ہیں، ہم اس سمندر میں غوطہ زن نہ ہونگے جس میں تیراکی نہیں کرسکتے، ہم تو اللہ تعالٰی سے اس کے دین پر ثابت قدمی اور سادہ فہمی کی دعا کرتے ہیں والحمدللہ رب العالمین اھ

ثالثًا: لغت، عرف اور شرع میں خلق کا معنٰی "اختیار سے کسی چیز کو ایجاد کرنا" ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے **الایعلم من خلق** یعنی کیا تخلیق کرنے والا علم نہیں رکھتا، تو اس آیہ کریمہ نے یہ فائدہ دیا کہ خلق کو علم لازم ہے جبکہ یہی ایجاد بالقصد ہے، اس کے برخلاف موجب کے لئے ضروری نہیں کہ وہ موجب ہونے کی حیثیت سے موجب کو جانے،

[1] الفیوضات الملکیة تعلیقات الدولة المکیة مطبعة اہل السنة والجماعت بریلی ص ۲۲

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

وان علم علمه من جهة اخری واما ما نوزع فیه بان الدلالة بالتتمة "وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝۱۴ " [1] . **فاقول**: کونه لطیفا خبیرا کاف فلولم یکف للخالقیة لکان اقحام من خلق مستدرکا، علی انه قد تواتر من القراء الوقف علی من خلق فهی جملة مستقلة ولا توقف لها علی مابعدها والحق ان الکل دلیل مستقل، فلوکان قصدنا بخلقنا لکان بقصد نا وکل احد یعلم من وجدانه انما یرید الفعل لا انه یرید ان یرید ثم یرید۔	اگر وہ اسے جانے گا تو دوری جہت سے جانے گا اور یہ نزاع کہ علم پر اس آیہ کریمہ کا تتمہ دلالت کررہا ہے تو **میں کہتا ہوں** کہ اللہ تعالٰی کا لطیف وخبیر ہونا خالقیت کے لئے کافی ہے اور اگر یہ خالقیت کیلئے کافی نہ ہو تو پھر اس آیہ کریمہ کے درمیان "**من خلق**" کا ذکر زائد قرار پائے گا،اس کے علاوہ قراء حضرات کا "**من خلق**" پر وقت تواتر سے منقول ہے لہٰذا یہ مستقل جملہ ہے جس کا معنٰی مابعد پر موقوف نہیں ہے،اور حق تو یہ کہ یہ دونوں جملے خالق کے عالم ہونے پر مستقل دلیل ہیں تو اگر ہمارا قصد ہمارے خلق سے ہو تو وہ بھی ہمارے قصد سے ہوگا اور ہر ایک اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ یہ فعل کا قصد اور ارادہ ہے نہ کہ یہ ارادے کا ارادہ ہے اور پھر اس ارادے کے لئے ارادہ کرنا ہوگا(تو اگر یہ قصد وارادہ فعل کیلئے نہ ہو بلکہ ارادے کے لئے ہو تو یوں ارادہ در ارادہ سے تسلسل لازم آئے گا)
ورابعًا،لایخالف ملأ حتی المعتزلی ان الارادة الکلیة فینا لیس بخلقنا بل خلق ربنا خالق القول والقدر، فلا یکون لنا ان کان الا القصد الجزئی۔	**رابعًا**، کوئی گروہ حتی کہ معتزلہ حضرات بھی اس بات سے انکاری نہیں ہیں کہ ہمارا کلی ارادہ ہمارا خلق نہیں ہے بلکہ یہ ارادہ کلیہ ہم میں اللہ تعالٰی کا خلق ہے،اور ہمارا رب خالق قول اور خالق قدر ہے،تو یہ ارادہ کلیہ ہمارا خلق نہیں،اگر ہمارا ہے تو صرف جزئی ارادہ ہے۔
اقول: ولیست کلیة الارادة المخلوقة فی عبدا نها نوع تحته افراد بل هی صفة شخصیة قائمة بشخص وانما کلیتها بمعنی الاطلاق	**اقول**: (میں کہتا ہوں) بندے میں پیدا شدہ ارادہ اس معنی میں کلیہ نہیں کہ اس کے تحت کئی افراد ہوں بلکہ یہ ایک صفت ہے جو شخصی ہے اور ایک شخص سے قائم ہے،اس ارادے کی کلیت اس معنی میں ہے کہ یہ ارادہ تمام

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

عن التعلقات فكلما تعلقت بمقدور معين سميت جزئية، فما القصد الجزئی الاخصوص تعلق تلك الصفة الشخصية بفعل شخصی والتعلق امر اضافی لاوجود له فی الاعیان فان اسند الی العبد لم یکن فی شیئ من الخلق فلم عدلتم عن قول الحنیفة وملتم الی تخصیص النصوص۔

وخامسًا عـــہ هب ان القصد بالقصد

تعلقات سے خالی ہے تو جب اس کا تعلق کسی جزئی اور معین مقدور سے ہوتا ہے تو وہی ارادہ جزئی کہلاتا ہے لہٰذا جزئی قصد وارادہ صرف اسی معنٰی میں ہے کہ اس شخصی صفت کا شخصی فعل سے خصوصی تعلق ہوتا ہے جبکہ یہ تعلق ایک نسبت و اضافت ہے جس کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہے، لہٰذا اگر اس قصد جزئی کو بندے کی طرف منسوب کیا جائے تو کسی بھی چیز کا خلق نہ ہوگا (کیونکہ یہ خاص تعلق ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہے) تو آپ حضرات نے کس خاطر احناف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے قول سے اعراض کیا اور کیوں نصوص میں تخصیص کا تکلف کیا۔ **خامسًا**، تسلیم کرلیں کہ قصد وارادہ کے لئے

عـــہ: **اقول** وھنا دلیلان اٰخران یمکن له الجواب عنهما۔

سادسًا: "وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ" [1] فمشیتنا لیست بمشیتنا بل بمشیة ربنا۔

سابعًا: ورد مرفوعا وانعقد اجماع المسلمین علی قولهم ماشاء الله

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں دو دلیلیں اور ہیں، ان کا جواب ممکن ہے، پہلی سادسًا اور دوسری سابعًا ہے۔

سادسًا، اللہ تعالٰی کے ارشاد "تم نہیں چاہو گے سوائے اس کے کہ اللہ تعالٰی چاہے" کی رو سے ہماری کوئی مشیت نہیں ہے اگر ہے تو اللہ تعالٰی کی مشیت سے ہے (تو بندے کا مجبور ہونا ثابت ہے)

سابعًا، مرفوع حدیث اور اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے کہ یہ مسلم قول ہے جو اللہ تعالٰی چاہے گا وہ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۷۶ /۳۰

فلابد من الانتہاء الی قصد لیس بالقصد والا تسلسل فی الاعیان لانہ وجودی عندکم، واذا انتھی الامر الی الایجاب انتھی الاختیار لزم القرار علی ماکان منہ الفرار ماقولھم الوجوب بالاختیار لا ینافی الاختیار بل یحققہ، **اقول:** لیس ھذا وجوبا بالاختیار بل اختیار بالوجوب ای لایستطیع ان لا یختار وھو ینافی الاختیار بمعنی التمکن من الترک قطعًا فیعود المحذور واردا علی القائلین بالتاثیر فی الحال ایضا ولا محیص بماقالوا

بھی قصد ضروری ہے تو لازمًا آخر میں ایسا قصد ہوگا ورنہ تو خارج میں تسلسل کا وجود لازم آئے گا کیونکہ تمہارے ہاں قصد وجودی چیز ہے، توجب آخر میں قصد خود بخود بغیر قصد پایا گیا تو یہ بطور ایجاب ہوگا اور اختیاری نہ ہوگا یہی وہ جبر ہے، تو نے جس سے فرار اختیار کیا وہی پیش آیا، لیکن یہاں ان کا یہ کہنا کہ یہ وجوب بالاختیار ہے جو اختیار کے منافی نہیں بلکہ اس کے بندے کا اختیار ثابت ہوتا ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وجوب بالاختیار نہیں بلکہ اختیار بالوجوب ہے یعنی بندہ کو اس کے اختیار نہ کرنے کی استطاعت نہ ہوگی، یہ تو قطعاً اختیار بمعنی قدرت ترک کے منافی ہے تو خرابی کا عود لازم آیا جو بندے کے لئے حال میں تاثیر کے قائل ہیں ان پر بھی یہ اعتراض وارد ہوگا، اور ان کا یہ کہنا کہ قصد اعتباری چیز ہے جس میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کان ومالم یشاء لم یکن فلولم یشاء مشیتنالما کانت لکن کانت فقد شاء ھا والجواب عنھما مشیتنا بمشیتنا لمشیتہ ان تکون بمشیتنا ویخص الاول ان المعنی لاتشاؤن شیئا من افعالکم الاماشاء اللہ ان یخلقہ عند مشیتکم ۱۲منہ۔

ہوگا اور جو نہ چاہے گا نہ ہوگا، تو اگر اللہ تعالٰی ہماری مشیئت کو نہ چاہے تو نہ ہوگی، لیکن ہماری مشیئت پائی جاتی ہے لہٰذا اللہ تعالٰی نے اس کی مشیئت فرمائی ہے (تو بندے کے لئے جبر ثابت ہے) دونوں دلیلوں کا جواب یہ ہے کہ ہماری مشیئت کا وجود ہماری مشیئت سے ہے کہ اللہ تعالٰی کی مشیئت ہے کہ بندے کی مشیئت پائی جائے، اور پہلی دلیل میں آیہ کریمہ میں تخصیص یوں ہوگی تم اپنے افعال سے کچھ نہ چاہو گے مگر جب اللہ تعالٰی تمہاری مشیت سے اس کو پیدا کرنا چاہے گا ۱۲منہ (ت)

ان القصد اعتباری فلیتسلسل وذٰلك لانه فی المبدء محال ولوفی الاعتباریات **اقول** لان سر تجویزہ ھو انقطاعه بانقطاع الاعتبار وھٰھنا حیث انقطع انقطع ماتحته لانعدام العلة فینعدم الفعل، ولابان قصد القصد عین القصد فان المحتاج کیف یکون عین المحتاج الیه ولا بانه عدمی فلایحتاج الی مؤثر فان کل متجدد لاغناء له عن مؤثر ولو عدمیا کالعمی ولابان اختیار المختار لایعلل کایجاب الموجب، **اقول** نعم لایسأل لم خصص ھذا لاذاك کما حققته فی رسالة "الافھام المصحح للترجیح بدون مرجح" التی الفتھا بعد ورود ھذا الاستفتاء امانفس التخصیص فمتجدد ولیس له عن المؤثر محیص، فان قال الکل لانرید بالاختیاری الامایقع بالاختیار او عند الاختیار وان لم یکن الاختیار بالاختیار

تسلسل ہو سکتا ہے (یہ قول بھی اس اعتراض سے ان کو نجات نہیں دے سکتا) کیونکہ اس تسلسل کے مبدء میں (بلاقصد ہونا) ایک محال چیز ہے اگرچہ یہ اعتباری چیزوں کا تسلسل بھی ہو **اقول**: (میں کہتا ہوں) اعتباریات میں تسلسل کے جواز کا قول اس بنیاد پر تھا کہ یہ اعتبار کے انقطاع سے منقطع ہو جاتا ہے تو یہاں جب اعتباری قصد منقطع ہوگیا تو تسلسل بھی ختم ہوگیا کیوں کہ علت (قصد) جب ختم ہو گئی تو فعل ختم ہو جائے گا، اس تسلسل کے جواز کی بنیاد یہ نہیں کہ قصد کا قصد عین وہی قصد ہوتا ہے کیونکہ یہ غلط ہے اس لئے دوسرا قصد پہلے کی طرف محتاج ہے اور پہلا محتاج الیہ ہے تو محتاج کا عین محتاج الیہ ہونا کیونکر ہو سکتا ہے، اور اس کے جواز کی بنیاد یہ بھی نہیں، کہ قصد عدمی ہے تو عدمی کسی مؤثر کا محتاج نہیں ہوتا، یہ اس لئے غلط ہے کہ قصد متجدد ہوتا ہے تو متجدد چیز مؤثر سے مستغنی نہیں ہو سکتی اگرچہ وہ متجدد عدمی ہو، جیسا کہ بینا نہ ہونا، اور اس کے جواز کی وجہ یہ بھی نہیں کہ مختار کے اختیار کے لئے کسی اور علت کی ضرورت نہیں، جیسا کہ موجبِ کے ایجاب کے لئے ضرورت نہیں، **اقول** یہ اس لئے غلط ہے کہ مختار کے اختیار سے تخصیص ہوتی ہے تو اس تخصیص کے متعلق وجہ نہیں پوچھی جاسکتی کہ اس کو کیوں خاص کیا یا اسکو کیوں خاص نہ کیا مختار کو اختیار تخصیص کی تحقیق میں نے اپنے رسالہ **الافھام المصحح للترجیح بدون المرجح** میں کی ہے جس کو میں نے اس استفتاء کے بعد تالیف کیا ہے لیکن

قلنا ان دفع قول الاشعری ان فعل العبد اضطراری ولکن این المحیص من ثبوت الحجۃ للعبد فی المعاصی فانہ یقول ماخلقت وانما قصدت وماکان قصدی ایضًا باختیاری فماذنبی، **واعلم** ان الکلام ھٰھنا ینجر الی حویصۃ اخری امر وادھی، لاتنحل بانامل الافکار الابتوفیق العزیز الغفار ولعصوبۃ ھذاسکت عنہ مثل السید الشریف فی موضعین من شرح المواقف والتزم مصیبتہ البحر فی الفواتح والعیاذ باللہ تعالٰی وتتبعت کلمات المتکلمین و الاصولیین من جمیع مظان ھذا البحث الیھا فاجتمعت لی منھا ثمانیۃ اجوبۃ لاغناء فی شیئ منھا ثم المولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فتح بفضلہ وھدانی للجواب الحق کما اوردت کل ذٰلک فی رسالتی "تحبیر الحبر بقصم الجبر ۱۳۲۹ھ" التی الفتھا بعد ورود ھذا الاستفتاء قبل ان انھی الجواب عنہ فنکل ھذا البحث قبل ان انھی الجواب عنہ فنکل ھذا البحث الیھا ونفیض فیما کنا فیہ فنقول لھم تبین ان	نفسِ تخصیص تومتجدد ہے جس کو مؤثر سے غنٰی نہیں، اور تمام مذکور حضرات یہ کہیں کہ اختیاری سے ہماری مراد یہ ہے کہ وہ مختار سے یا اختیار پر صادر ہوا اگرچہ وہ اختیار اختیاری نہ ہو، توہم کہیں گے کہ یہ بات اگرچہ اشعری کے اس قول کے لئے دافع ہوجائیگی کہ بندے کا فعل اضطراری ہے، لیکن قیامت کے روز گناہوں پر جواب طلبی کے وقت بندے کی اس حجت، کہ میں نے گناہ کے فعل کی تخلیق نہ کی صرف قصد کیا، اور میرا قصد اختیاری بھی نہ تھا توگناہ میرا کیسے ہوگیا، کا جواب کیسے بنے گا تو خلاصی نہ ہوئی، اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں کلام ایک نئی مشکل میں پڑگیا ہے جو مشکل ترین ہے اوراللہ تعالٰی العزیز الغفار کی توفیق کے بغیر افکار کے ذریعہ حل نہیں ہوسکتی بحث کی اس صعوبت کی بناء پر سید شریف نے شرح المواقف کے دو مقام پر خاموشی اختیار کرلی، اور بحر العلوم نے فواتح میں اس کو مصیبت تسلیم کیا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، اس معاملہ میں متکلمین اوراصولیین کے مواقعِ بحث کی میں نے چھان بین کی تو مجھے وہاں سے آٹھ جواب ملے جن سے کوئی تسلی بخش اطمینان نہ ملا، پھر مولٰی تعالٰی نے اپنے فضل اور رہنمائی سے حق جواب کا راستہ کھول دیا، جیسا کہ میں نے اس تمام بحث کو اپنے رسالہ "تجبیر الحبر بقصم الجبر" میں لایا ہوں، اس رسالہ کو میں نے اس استفتاکے ورود کے بعد اور اس کے جواب کو مکمل کرنے سے قبل تالیف کیا ہے، تو میں اس بحث کو اس کے سپرد کرتا ہوں اور اپنی جاری کلام میں چل رہا ہوں، توہم ان سے

ما زعمتم ان الحاجة تندفع به فماحملكم علی تخصيص النصوص،وانت تعلم ان هذا كما يكفی للرد علی المحقق رحمه الله تعالٰی كذٰلك لرد كل مايدعی العبد خالقاله من فعل اوعزم اوغير ذٰلك للخلاص من هذه الورطة الظلماء،فان الكلام يجری فی الكل،ولايزال يتسلسل الابالانهاء الی الالجاء، وهذامانقل فی شرح المقاصد وغيره عن المحققين ان المآل هوالجبر فثبت بالبرهان اسناد خلق شيئ ماالی العبد مع كونه مخالفًا للقراٰن العظيم والاجماع القديم والدين القويم لايسمن ولايغنی من جوع، فوجب حمل كلام الله تعالٰی علٰی عمومه والايمان بان لاخالق الاالله تعالٰی،ثم البداهة شاهدة بالفرق بين البشروالحجر فلاجبر ولا تفويض ولكن امربين امرين، ولا يلزم للعلم بحقيقة شيئ العلم بحقيقته كما بينته فی"ثلج الصدر لايمان القدر"وهذا هو العلم الموروث عن رسول الله صلی الله تعالٰی	گزارش کر رہے ہیں کہ واضح ہوچکا ہے کہ تمہاری مجبوری والی حاجت اس سے ختم ہو گئی ہے تو پھر کس لئے تم نصوص کی تخصیص کر رہے ہو۔آپ جانتے ہیں کہ جس طرح یہ بیان محقق رحمہ اللہ تعالٰی کے رد کے لئے کافی ہے اسی طرح ان تمام لوگوں کے رد کے لئے کافی ہے جو بندے کو فعل یا عزم وغیرہ کیلئے خالق ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور اس اندھیری نگری سے خلاصی دینے کے لئے کافی ہے کیونکہ یہ کلام تمام لوگوں کے موقف پر جاری ہوتا ہے اور یہ سلسلہ کلام جاری رہے گا تاوقتیکہ جبر تک انتہا نہ ہوجائے،اور یہی کچھ ہے جو شرح المقاصد وغیرہ میں محققین سے منقول ہے کہ باآخر معاملہ جبر پر ختم ہوتا ہے،تو برہان سے ثابت ہوگیا ہے کہ بندے کی طرف کسی چیز کے خلق کو منسوب کرنا باوجودیکہ،قرآن قدیم،اجماع اور دین قویم کے مخالف ہے،نہ کسی طرح مفید ہے اور نہ ہی کسی حاجت میں کارآمد ہے،تو ضروری ہے کہ اللہ تعالٰی کے کلام کو اس کے عموم پر محمول کیا جائے اور اللہ تعالٰی کے سوا کسی کے خالق نہ ہونے پر ایمان رکھا جائے، پھر بداہت اس بات پر شاہد ہے کہ بشر اور حجر میں فرق ہے لہٰذا جبر کا قول نہ کیا جائے اور نہ ہی تفویض کی بات کی جائے بلکہ ان دونوں کے درمیان معاملہ ہے،اور کسی چیز کے حق ہونے کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی حقیقت کا علم ہوجائے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ "ثلج الصدر لایمان بالقدر" میں بیان کیا ہے یہی وہ علم ہے

علیہ وسلم ومن رام فوقہ فانما یروم خرط القتاد۔

اقول: ومن الدلیل القاطع علی بطلان کل کلام اریدبہ حل ھذہ العقدۃ ماتواتر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نھیہ الامۃ حتی اجلۃ صحابۃ الکرام الذین کانوا اعقل واعلم وافھم من کل من بعدھم عن الخوض فیہ وقد اخرج الطبرانی فی المعجم الکبیر عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ مولٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اجتمع اربعون من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم ینظرون فی القدر و الجبر فیھم ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فنزل الروح الامین جبرئیل علیہ الصلٰوۃ والسلام فقال یامحمد اخرج علی امتك فقد احدثوا، فخرج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملتمعا لونہ متوردۃ وجنتاہ کانما تفقأ بحب الرمان الحامض، فنھضوا الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاسرین اذرعھم ترعد اکفھم واذرعھم، فقالوا

جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وراثت میں ملا ہے اور جو شخص اس سے زائد کا متلاشی ہے وہ ناممکن کا متلاشی ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اس پیچیدہ بحث میں ہر کلام کے بطلان پر ایک قاطع دلیل وہ ہے جو تواتر کے ساتھ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی امت حتی کہ اجلہ صحابہ کرام جو کہ اپنے بعد والے لوگوں سے ہر طرح زیادہ عقل، زیادہ علم اور زیادہ فہم والے تھے، کو اس خطرناک بحث سے منع فرمایا چنانچہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ جو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آزاد کردہ تھے، سے روایت کیا کہ چالیس صحابہ کرام جن میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی تھے جمع ہو کر جبر وقدر میں بحث کرنے لگے تو روح الامین جبرائیل علیہ الصلٰوۃ والسلام حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! آپ باہر اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیں انہوں نے ایک نیا کام شروع کردیا ہے، تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام باہر اس حال میں تشریف لائے کہ غصہ سے آپ کا چہرہ مبارک سرخی میں اس طرح نمایاں تھا جیسے سرخ انار کا دانہ آپ کے رخسار مبارک پر نچوڑا گیا ہو، تو صحابہ کرام حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اس کیفیت کو دیکھ کر کھلے بازو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے استقبال

تبنا الی اللہ ورسولہ،فقال اولٰی لکم ان کدتم لتوجبون،اتانی الروح الامین فقال اخرج الی امتك یامحمد فقد احدثت اھ[1] افتری ان ھذا الغضب الشدید والنھی الاکید کان لان ابابکر وعمر وسائر الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم لم یکونوا اھلالان یعرفواکلمۃ سھلۃ خفیفۃ ان العزم لکم والباقی لربکم اوغیر ذٰلك مایزعمہ زاعم کلابل ھو دلیل قاطع علی ان الامر سر لاتبلغہ العقول ولایحیط بہ البیان،وان لاخیر للامۃ فی کشفہ علیھم والالماضن اللہ بہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالحق الناصع ماعلیہ ائمۃ السلف ان الامر بین لاولا ولا مصدر لنا الاٰن فوق ذٰلك ومانحن من المتکلفین الحمدللہ رب العٰلمین	کے لئے آگے بڑھے درانحالیکہ ان کے ہاتھ اور بازو کانپ رہے تھے اور عرض کی ہم نے اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں توبہ پیش کی توآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاقریب تھاکہ تم اپنے پر جہنم کوواجب کرلیتے، میرے پاس جبرائیل امین تشریف لائے اور کہا کہ آپ باہر امت کے پاس جائیں انہوں نے حادثہ کردیا ہے، الخ،آپ نے یہ شدید غضب اورپُر تاکید نہی دیکھ لی اور کیا یہ اس وجہ سے تھی کہ ابوبکر اور عمر فاروق و دیگر صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین معمولی سی اس بات کو سمجھنے کے اہل نہ تھے کہ عزم بندے کا خلق ہے اور باقی سب اللہ تعالٰی کی مخلوق ہے یا جیسا کہ گمان کرنے والوں نے یہ گمان کیاہر گزہر گزیہ بات نہ تھی بلکہ یہ اس بات پر قطعی دلیل تھی کہ جبر وقدر کا معاملہ ایک راز ہے جس تک عقلوں کی رسائی نہیں اور جس کو احاطہ بیان میں نہیں لایا جاسکتااور اس راز کو عیاں کرنے میں امت کے لئے بھلائی نہیں ورنہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے بیان پر بخیل نہ تھے،تو خالص حق وہی ہے جس پر ائمہ سلف قائم رہے کہ یہ معاملہ نہ جبر ہے نہ قدر ہے بلکہ دونوں کے درمیان ایک امر ہے جس کو اب تک ہم پر اس سے زائد واضح نہیں کیا گیا اور نہ ہی ہم تکلف میں مبتلا ہوں گے،الحمدرب العٰلمین۔(ت)

[1] العجم الکبیر حدیث ۱۴۲۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۹۵و۹۶

بالجملہ یہ بحث کہ نصوص کے خلاف، اجماع کے خلاف، اشعریہ کے خلاف، حنفیّہ کے خلاف، وجدان کے خلاف، برہان کے خلاف، کیا عقیدہ اہلسنت ہوسکتی ہے، یا امام ابن الہمام کا یہ عقیدہ ہے حاش للہ، **عقیدہ** وہی ہے جو خود ہمارے رب عزوجل نے فرمایا: "هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ"[1] (کیااللہ تعالٰی کے بغیر کوئی خالق ہے۔ت) اور فرمایا: "اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ"[2] (صرف اسی کے لئے خلق اور امر ہے۔ت) اور فرمایا: "اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ"[3] (توکیا پیدا کرنے والا اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا۔ت) اور فرمایا: "لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ"[4] (وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے جبکہ وہ خود مخلوق ہیں۔ت)

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ابن الہمام نے اسی اصل کے آغاز میں لکھا کہ **ان اللہ لاخالق سواہ**[5] (بیشک اللہ تعالٰی کے سوا کوئی خالق نہیں۔ت)

عقیدہ وہی ہے جو خود امام ممدوح نے اسی کتاب مسایرہ کے آخر میں لکھا، جہاں عقائد اہلسنت کی فہرست دی اور تادمِ مرگ اس پر اپنے ثابت قدم رہنے کی دعا کی کہ فرماتے ہیں:

ولنختم الکتاب بایضاح عقیدۃ اھل السنۃ و الجماعۃ، وھی انہ تعالٰی واحد لاشریک لہ، منفرد بخلق الذوات وافعالھا،[6] (الٰی ان قال علیہ رحمۃ ذی الجلال) واللہ سبحٰنہ نسألہ من عظیم جودہ وکبر منہ ان یتوفانا علٰی یقین ذٰلك مسلمین انہ ذوالفضل العظیم، وھو	ہم اپنی کتاب کو اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کی وضاحت پر ختم کرتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی واحد لاشریک ہے وہ ذات اور افعال کے پیدا کرنے میں منفرد ہے، اور ان رحمہ اللہ تعالٰی نے آخر میں یوں فرمایا، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی کے جودو کرم اور اس کی کبریائی سے ہم سوالی ہیں کہ وہ ہمیں اس پختہ یقین حالت اسلام میں وفات نصیب فرمائے، وہ بڑے فضل والا ہے، اور وہی

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۴

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰

[5] المسایرۃ متن المسامرۃ العلم بانہ تعالٰی لاخالق سواہ المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۹۶

[6] المسایرۃ متن المسامرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدہ اہلسنت المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۳۹۰

حسبنا ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم[1]۔	ہمیں کافی ہے اور بہترین وکیل ہے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت) **عقیدہ** وہ ہے جو امام صدر الشریعۃ کی توضیح سے گزرا، (یہ رسالہ ناقص ملا)

مسئلہ ۷۵: ازڈیرہ غازی خاں، بلاک ۱۲، مرسلہ مولوی احمد بخش صاحب ۲۱ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

حضرت ملک العلماء والفضلاء ثقتی رجائی ادام اللہ تعالٰی ظلہ علی رؤس المستفیضین! نیاز بے انداز وشوقِ زیارت کے بعد جن کا کوئی حد وانداز نہیں، گزارش، میں دیوبندیوں کو امکان کذب کے متعلق سخت مبغوض اور ملحد جانتا تھا ان ایام میں جہد المقل مؤلفہ محمود حسن دیوبندی کا اتفاقِ مطالعہ ہوا تو عقلی دلائل کی پرواہ نہ کرکے کتب معتبرہ کی نقول وروایات جو اس میں موجود ہیں سخت مخالف عقیدہ خود ثابت ہوئی ہے، سوااس کے کوئی چارہ نہ ملا کہ حضور کی خدمت میں دریافت کرنے سے یہ مشکل حل ہو، اگر کوئی جہد المقل کا جواب مفصل یا کوئی اور تسلی بخش رسالہ یا کتاب چھپی ہو تو کسی خادم کے نام حکم فرماکر کہ وی پی بھیج دیں ممنون فرمائیں، ورنہ مجھے مطمئن فرمادیں کہ شرح مقاصد وشرح مواقف وشرح طوالع ومسائرہ وغیرہ کتبِ کثیرہ کی عبارات کا کیا جواب ہے جن میں صاف طور پر موجود ہے کہ خدائے پاک جل شانہ سے صدور قبائح ممکن ہے، **فقط**۔

الجواب:

بملاحظہ مولٰینا المکرم ذی المجد الاتم والفضل والکرم دامت معالیہ وبورکت ایامہ ولیالہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نامی نامہ۔ بریلی سے واپس ہو کر یہاں آیا، فقیر ۱۲ ربیع الاول شریف کی مجلس مبارک پڑھ کر شام سے سخت علیل ہوا کہ ایسا مرض کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ لکھوادیا، بارے بحمدہٖ تعالٰی مولٰی عزوجل نے شفا بخشی ولہ الحمد۔ اسی دوران میں آپ کا قصیدہ حمیدہ نعتیہ آیا تھا مجھ میں دیکھنے کی قوت کہاں تھی وہ کاغذات میں مل گیا اور مہینوں گم رہا، مجھے زیادہ ندامت اس کی تھی کہ جناب نے تحریر فرمایا کہ اس کا مثنی یہاں نہیں، اب الحمدللہ مہینوں کے بعد مل گیا، زوال مرض کو مہینے گزرے مگر جو ضعف شدید اس سے پیدا ہوا تھا اب تک بدستور ہے۔ فرض ووتر اور صبح کی سنتیں بدقت کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں باقی سنتیں بیٹھ کر۔ مسجد میرے دروازے سے دس بارہ قدم ہے وہاں تک چار آدمی کرسی پر بٹھا کرلے جاتے اور لاتے، اور باقی امراض کہ کئی برس سے کالازم ہیں بدستور ہیں، کبھی ترقی کبھی تنزل،

والحمدللّٰہ علٰی کل حال واعوذ باللّٰہ من حال اھل النار۔	تمام تعریفیں ہر حال میں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور دوزخیوں کے حال سے میں اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتا ہوں (ت)

[1] المسایرۃ متن المسامرۃ ختم المصنف کتابہ ببیان عقیدۃ اہلسنت اجمالاً المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۳۹۵

حاش للہ استغفر اللہ معاذ اللہ یہ بطور شکایت نہیں بلکہ صرف معذرت کیلئے اظہار واقعیت، اس کی وجہ کریم کو حمد ابدی ہے بعزتہ وجلالہ سر سے پاؤں تک ایک ایک رونگٹے پر کروڑوں بے شمار نعمتیں ہیں لاکھوں بے حساب عافیتیں ہیں۔

ولہ الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ کما یحب ربنا ویرضی ملأ السمٰوٰت وملأ الارض وملأ ماشاء من شیئ بعد والحمد للہ رب العالمین۔	حمد اسی کے لئے ہے ایسی حمد جو بہت زیادہ پاک، برکت والی ہے جیسے ہمارا رب چاہے آسمان بھر، زمین بھر اور ہر وہ شیئ بھر جو وہ چاہے، اور تمام تعریفیں اس معبود کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (ت)

ان حالات میں شدت گرما سے گھبرا کر رمضان شریف کرنے اور گرمیاں گزارنے ۲۹ شعبان سے یہاں پہاڑ پر آیا، طالب دعا ہوں، یہ کمزوری یہ قوت ضعف یہ علالتیں پھر میری تنہائی اور اس پر اعدائے دین کا چاروں طرف سے نرغہ، اسی کی پھر اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد ہے کہ برابر دفعِ اعداءِ دین و دشمنانِ اسلام میں وقت صرف ہوتا ہے،

تقبل المولٰی بکرمہ ولہ الحمد علی نعمہ۔	مولا تعالٰی اپنے کرم سے قبول فرمائے اور اس کی نعمتوں پر اسی کے لئے حمد ہے (ت)

یہاں آکر بھی پانچ رسالے رد خبثاء میں تصنیف ہوچکے ہیں اور چھٹا زیرِ تصنیف ہے۔ یہ سوال کہ جناب نے فرمایا مدت ہوئی اس کے جواب میں بھی ایک مستقل رسالہ "القمع المبین لاٰمال المکذبین" تصنیف کرچکا ہوں جو میرے رسالہ "سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح" کے آخر میں طبع ہونا شروع ہوا تھا مگر افسوس کہ اب تک پورا نہ چھپا، میں مطبع کو لکھتا ہوں کہ وہ جس قدر بھی چھپا ہے حاضر خدمت کرے۔ اجمالًا یہاں بھی دو حرف گزارش کروں کہ جناب جیسے فاضل کامل کے لئے بعونہ عزوجل کافی ووافی ہوں گے۔ ان عبارتوں کے جواب کو اربابِ دین وانصاف کے لئے بحمدہٖ تعالٰی ایک نکتہ بس ہے۔ عقیدہ وہ ہوتا ہے جو متون، یا تراجم ابواب وفصول، یا فہرست وفذ بلکہ عقائد میں لکھتے ہیں وہی اہلسنت کا معتقد ہوتا ہے وہ ہی خود ان علماء کا دین معتمد ہوتا ہے۔ ہنگامِ ذکر دلائل وابحاث ومناظرہ جو کچھ ضمنًا لکھ جاتے ہیں اس پر نہ اعتماد ہے نہ خود انکا اعتقاد ہے، اور تو اور خود سب سے اعلٰی واجلٰی مسئلہ توحید میں ملاحظہ فرمائیے۔ اس کلام محدث میں اس کے دلائل پر کیا کیا نقض وارد کئے ہیں۔ دلائل عقلیہ بالائے طاق رکھئے خود برہان قطعی یقینی ایمانی قرآنی:

"لَوْ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللہُ لَفَسَدَتَا ۚ"[1]۔	اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور تباہ ہوجاتے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۲

پر کیا کچھ شور و شغب نہ ہوا، حتی کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اسے محض اقناعی لکھ دیا جس پر نوبت کہاں تک پہنچی، کیا معاذ اللہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان کو توحید پر ایمان نہیں یا اس میں کچھ شک ہے، نہیں یہ صرف طبع آزمائیاں اور بحث و مباحثہ کی خامہ فرسائیاں ہیں، جو گمراہوں کے لئے باعثِ ضلال و دستاویز اضلال ہو جاتی ہیں، اور اہل متانت و استقامت جانتے ہیں کہ:

"مَاضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ﴿۵۸﴾ "[1]۔	انہوں نے تم سے یہ نہ کہی مگر ناحق جھگڑنے کو بلکہ وہ ہیں جھگڑالو لوگ (ت)

ولہذا ائمہ دین و کبرائے ناصحین ہمیشہ سے اس کلام محدث کی مذمت اور اس میں اشتغال سے ممانعت فرماتے آئے یہاں تک کہ سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

من طلب العلم بالکلام تزندق[2]۔	جس نے علم کلام حاصل کیا وہ زندیق ہو گیا (ت)

فقہائے کرام نے فرمایا جو وصیت علماء کے لئے کی جائے متکلمین اس سے کچھ حصہ نہ پائیں گے، میں نے "القمع المبین" میں متعدد نظائر اس کے ذکر کئے ہیں کہ ایمان و عقیدہ کچھ ہے، اور بحث و مباحثہ میں کچھ کا کچھ، حتی کہ کفر صریح تک لکھتے ہیں، مولوی نے حاشیہ خیالی میں خود خیالی سے کیسا ناپاک خیال نقل کیا اور خود اسے مسلم و مقرر رکھا کہ باری عزوجل کا علم متناہی ہے "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ "[3] (ہم اللہ کے مال ہیں ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) یہ صریح مناقض ایمان ہے۔ علامہ سید شریف قدس سرہ کے استاد سید مبارک شاہ نے شرح حکمۃ العین میں لکھ دیا کہ واجب صرف اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہیں ہوتا اپنے تعین و تشخص میں دوسرے کا محتاج ہو تو کیا حرج ہے، کیا یہ دین ہے، کیا یہ اسلام ہے، کلا واللہ، اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ اس کے تعین و وجود تو ایک ہی ہیں کہ اسکے ذات کریم کے عین ہیں، معاذاللہ تعین میں محتاج ہوا تو نفس وجود میں محتاج غیر ہوا پھر واجب الوجود کیسے رہا ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ یہ حضرات خود بھی تصریح کر گئے ہیں کہ عقائد معلوم و متعین ہو چکے ابحاث و مشاجرات وغیرہا میں جو کچھ ہم لکھیں اس پر اعتماد نہ کرو۔ عقیدہ سے مطابقت سے و مخالفت دیکھ لو پھر بھی اگر "الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ "[4] (وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے) بگڑیں "فَیَتَّبِعُوْنَ

[1] القرآن الکریم ۴۳ / ۵۸

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر عن ابی یوسف مصطفی البابی مصر ص ۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[4] القرآن الکریم ۳/ ۷

مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ"[1] (وہ تو اشتباہ والی آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے کو۔ت) پر اڑیں تو یہ ان کی بدنصیبی و بے ایمانی۔ شرح مقاصد میں فرمایا:

کثیر ماتورد الاراء الباطلة للفلاسفة من غیر تعرض لبیان البطلان الافیما یحتاج الی زیادة بیان[2]۔	بسا اوقات فلاسفہ کی آراء باطلہ ذکر کردی جاتی ہیں اور ان کے بطلان کے بیان سے تعرض نہیں کیا جاتا سوائے اس کے جس کے بیان کی زیادتی اور تفصیل کی محتاجی ہو۔(ت)

اسی طرح حسن چلپی علٰی شرح المواقف میں ہے ___ خود مواقف میں فرمایا:

انما لانتعرض لامثاله للاعتماد علی معرفتك بهافی موضعها[3]۔	ہم اس مباحث کا تعرض نہیں کرتے اس اعتماد پر کہ تو ان کو ان کی جگہوں پر پہچان چکا ہے(ت)

شرح مواقف میں فرمایا:

علیك برعایة قواعد اهل الحق فی جمیع المباحث وان لم یصرح بها[4]۔	تجھ پر تمام مباحث میں اہل حق کے قواعد کی رعایت لازم ہے اگرچہ ان کی تصریح نہ کی گئی ہو(ت)

فتح القدیر و نہر الفائق و در مختار کتاب النکاح میں ہے:

الحق عدم تکفیر اهل القبلة وان وقع الزامًا لهم فی المباحث[5]۔	حق اہل قبلہ کی عدم تکفیر ہے اگرچہ مباحث میں الزامی طور پر تکفیر واقع ہوئی ہے(ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں تصریح کی کہ جو کچھ میں اس میں کہوں میرا مذہب نہ سمجھا جائے میری باگ ایک قوم بے ادب کے ہاتھ میں ہے جدھر لیجاتے ہیں جانا پڑتا ہے، بالجملہ مباحث کلام و مناظرہ کا کچھ اعتبار نہیں کہ محل بیان عقائد میں جو لکھا ہے وہ عقیدہ ہے، یا جس پر صراحۃً اجماع ملت بتایا جائے، یا اسے تصریحًا عقیدہ اہلسنت کہا جائے، یا اس کے خلاف کو مذہب گمراہاں بتایا جائے ایسے مواقع پر ملاحظہ فرمائے کتب مذکورہ میں کیا لکھا ہے، شرح مقاصد میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷
[2] شرح المقاصد المقصد الثالث النوع الثالث المسموعات دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۴۲
[3] المواقف مع شرح المواقف القسم الاول فی الالوان المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی ۵/ ۲۴۲
[4] شرح المواقف القسم الاول فی الالوان المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی ۵/ ۲۴۲
[5] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

طریقة اهل السنة ان العالم حادث والصانع قدیم متصف بصفات قدیمة لیست عینه ولاغیره، وواحد لاشبة له ولاضد ولاند ولانهایة له ولاصورة ولاحد ولایحل فی شیئ ولایقوم به حادث ولایصح علیه الحرکة والانتقال ولاالجهل ولا الکذب ولاالنقص وانه یری فی الاٰخرة[1]۔	اہل سنت وجماعت کا راستہ یہ ہے کہ بے شک عالم حادث ہے اور صانع عالم قدیم ایسی صفات قدیمہ سے متصف ہے جو نہ اس کا عین ہیں نہ غیر۔ وہ واحد ہے، نہ اس کی کوئی مثل ہے، نہ مقابل، نہ شریک، نہ انتہا، نہ صورت، نہ حد، نہ وہ کسی میں حلول کرتا ہے،۔ نہ اسکے ساتھ کوئی حادث قائم ہوتا ہے، نہ اس پر حرکت صحیح، نہ انتقال، نہ جہالت، نہ جھوٹ اور نہ نقص۔ اور بیشک آخرت میں اس کو دیکھا جائے گا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الکذب محال، اما **اولا** فباجماع العلماء واما **ثانیًا** فبما تواتر من اخبار الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام واما **ثالثًا** فلان الکذب نقص باتفاق العقلاء وهو علی الله تعالٰی محال[2] الخ۔	اللہ تعالٰی کے لئے جھوٹ محال ہے، **اولًا** اس لئے کہ اس پر علماء کا اجماع ہے، اور **ثانیًا** اس لئے کہ اس میں پہلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متواتر خبریں منقول ہیں، اور **ثالثًا** اس لئے کہ جھوٹ نقص ہے جس پر تمام عقلمندوں کا اتفاق ہے اور نقص کا اللہ تعالٰی میں ہونا محال الخ (ت)

مواقف وشرح مواقف میں ہے:

(تفریع علی) ثبوت (الکلام) لله تعالٰی وهو انه (یمتنع علیه الکذب اتفاقا، اما عندنا فثلثة اوجه الاول انه نقص والنقص علی الله تعالٰی محال) اجماعا[3]۔	یہ اللہ تعالٰی کے لئے ثبوت کلام پر متفرع ہے اور وہ یہ کہ بیشک بالاتفاق اللہ تعالٰی کے لئے جھوٹ ممتنع ہے، ہمارے نزدیک اس کی تین وجوہ ہیں، پہلی وجہ یہ کہ جھوٹ نقص ہے اور نقص اللہ تعالٰی پر بالاجماع محال ہے۔ (ت)

---

[1] شرح المقاصد المبحث الثامن حکم المومن الخ دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۷۰

[2] شرح المقاصد المبحث السادس فی انه متکلم دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۱۰۴

[3] شرح المواقف المرصد الرابع المقصد السابع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۰۱۔۱۰۰

انہیں میں آخر کتاب فذلکہ عقائد اہلسنت میں ہے:

الفرق الناجیة اهل السنة والجماعة فقد اجمعوا علی حدوث العالم ووجود الباری تعالٰی، وانه لاخالق سواہ وانه قدیم لیس فی حیز ولاجهة ولایصح علیه الحرکة والانتقال ولاالجهل ولایصح الکذب ولا شیئ من صفات النقص۔[1] (ملخصًا)	ناجی فرقے یعنی اہلسنت وجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ عالم حادث ہے اور باری تعالٰی موجود ہے اور یہ کہ اس کے بغیر کوئی خالق نہیں اور یہ کہ وہ قدیم ہے، نہ وہ کسی جہت میں ہے نہ حیز میں، اس پر حرکت وانتقال اور جہل وکذب صحیح نہیں، اور نہ ہی کوئی صفت نقص اس کے لئے صحیح ہے (ت)

انہیں میں بیان فرقہ ضالہ میں ہے:

(المزداریة هوابوموسٰی عیسٰی بن صبیح المزدار تلمیذ بشر)اخذ العلم عنه وتزهد حتی سمی راهب المعتزلة(قال الله قادر علی ان یکذب ویظلم)ولوفعل لکان الٰها کاذبا ظالمًاتعالی الله عما قاله علوا کبیرا[2]۔	(مزداریہ، وہ ابوموسٰی عیسٰی بن صبیح مزدار شاگرد ہے بشر کا) اس سے علم حاصل کیا اور زہد اختیار کیا حتی کہ اس کا نام راہب معتزلہ پڑگیا (اس نے کہا کہ اللہ تعالٰی جھوٹ اور ظلم پر قادر ہے) اگر وہ ایسا کرلے تو وہ جھوٹا ظالم معبود ہوگا، حالانکہ اللہ تعالٰی بہت بلند ہے اس سے جو کچھ اس نے کہا۔ (ت)

مسایرہ امام ابن الہمام میں ہے:

یستحیل علیه تعالٰی سمات النقص والجهل والکذب[3]۔	اللہ تعالٰی پر نقص، جہل اور جھوٹ کی علامات محال ہیں۔ (ت)

اس کی شرح مسایرہ میں ہے:

لاخلاف بین الاشعریة وغیرهم فی ان کل ماکان وصف نقص فالباری تعالٰی عنه منزه، وهو محال علیه تعالٰی والکذب وصف	اشاعرہ اور ان کے غیر میں اس بات پر کوئی اختلاف نہیں جو بھی وصف نقص ہے باری تعالٰی اس سے پاک ہے اور ایسا وصف اس پر محال ہے اور جھوٹ

[1] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۴۰۰

[2] شرح المواقف المرصد الرابع فی الامة منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۸۱

[3] المسایرہ مع المسامرۃ ختم المصنف کتابه ببیان عقیدہ اہل سنة اجمالا المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۳۹۳

نقص [1]۔	وصف نقص ہے۔(ت)

یونہی مسایرہ میں تلخیص عقائد اہلسنت میں اس کی تصریح فرمائی۔ مسایرہ کی یہ عبارت میرے پاس منقول نکل آئی، کتاب وطن میں ہے۔ یونہی شرح طوالع یہاں پاس نہیں ورنہ اور عبارتیں بھی حاضر کرتا اور انصافاً کسی مسلم صحیح الاعتقاد کو یہاں عبارات کی کیا حاجت، اگر بفرض غلط علماء تصریح نہ بھی فرماتے تو اپنا ایمان بھی کوئی چیز ہے جس میں **معاذ اللہ** نقص کی گنجائش، وہ سبوح وقدوس کیونکر ہوا اور اس کی تسبیح کیسی، **تعالٰی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا** (جو کچھ ظالم کہتے ہیں اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے۔ت) اور دیوبندیوں سے تو اب امکان کذب کی بحث ہی فضول ہے، ان کے پیشوا گنگوہی نے صراحۃً وقوعِ کذب مان لیا اور تصریح کردی کہ جو "اللہ تعالٰی کو **معاذ اللہ** کاذب بالفعل کہے اسے کافر یا گمراہ یا فاسق کہنا کیا معنی، کوئی سخت لفظ نہ کہنا چاہئے، اس کا اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے"، اس بیان کے لئے میرے قصیدہ الاستمداد صفحہ ۲۴ کے پہلے تین شعر، پھر ص۲۵ پر ان کا حاشیہ نمبری ۱۷۶ تا ۱۸۰ پھر اس کی تکمیلات میں ص۹۱ سے ص۹۴ تک تکمیل ۵۹ ملاحظہ فرمائیے۔ جہد المقل کا مصنف اللہ عزوجل کا نہ صرف کاذب ہونا ممکن جانتا تھا بلکہ اسے بالامکان ظالم، چور، شرابی بھی جانتا تھا۔ یوں کروڑوں خدا موجود بالفعل مانتا تھا اس کے بیان کے لئے قصیدہ الاستمداد صفحہ ۲۲ پر ع چور شرابی ظالم جاہل، یہاں سے چار شعر تک، اور اسی صفحہ پر اس کا حاشیہ نمبری ۱۵۴ تا ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰ اور تکمیلات آخر صفحہ ۸۱ سے ص۸۲ تک تکمیل ۵۰ و ۵۱، اور اس کے متعلق رسالہ اڈیٹر شکن کہ ص۸۲ سے ص۹۰ تک نوٹ میں ملاحظہ ہو، میں مطبع کو لکھ دوں گا کہ یہ اور سبحٰن السبوح ہدیۃً خدمت میں بنظرِ احتیاط بیرنگ حاضر کرے، والسلام مع الاکرام۔

تحریر عــہ فہرست عقائد دیوبندیان مرتبہ مولوی رکن الدین صاحب الوری پیش کردہ مولوی حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور غرہ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لاسیما علی حبیبہ المصطفی

فہرست نظر سے گزری جزی اللہ من حررہ ووصف بہ وقدرہ حضرات کفر سمات گنگوہ ونانوتہ وانبٹھہ وتھانہ بھون

عــہ: اصل میں۔

[1] المسامرۃ شرح المسایرۃ اتفقوا علی ان ذلک غیر واقع المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص۲۰۶

وسائر وہابیہ (اخذھم اللہ تعالٰی اخذۃ الرابیہ) کے کفر وضلال حد شمار سے خارج ہیں جسے انموذج وافر ووافی پر اطلاع منظور ہو فقیر کا قصیدہ الاستمداد علٰی اجیال الارتداد اس کی شرح کشف ضلال دیوبند مطالعہ فرمائے جس میں بحوالہ کتب وصفحات ان کے دو سو تیس اقوال کفر وضلال ہیں یہ پندرہ سولہ کہ یہاں شمار ہوئے بلکہ ان میں سے صرف دو ایک "علم شیطان کا علم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زائد ہونا[1]" کہ براہین قاطعہ گنگوہی میں ہے،

دوسرا "حضور کا سا علم غیب ہر پاگل ہر چوپایہ ہر جانور کو حاصل ہونا[2] کہ حفظ الایمان تھانوی میں ہے"۔ ہر مسلمان کے سمجھنے کو یہی بس ہیں۔

یہ دونوں کفر قطعی وارتداد یقینی ہیں، ان پر علمائے حرمین شریفین نے بحوالہ شفا شریف وبزازیہ ومجمع الانہر ودر مختار وغیرہا حکم فرمایا کہ:

من شك فی كفرہ وعذابہ فقد كفر[3]۔	ان قائلوں کے کافر ہونے میں جو شک کرے وہ بھی کافر۔

(ا) ابن عبدالوہاب نجدی کے کفر عام آشکار ہیں، اکابر عرب وعجم نے دفتر کے دفتر اس کی تکفیر وتضلیل میں تصنیف فرمائے۔ وہ روضہ انور کو صنم اکبر کہتا اور چھ سو برس کے تمام ائمہ واکابر کو کافر اکفر۔ اور کچھ نہ ہوتا تو یہی اس کے کفر کو کیا کم تھا کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ وسیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خالی اسماء طیبہ بلا تعظیم لکھ کر کہا کہ یہ سب جہنم کی راہیں ہیں۔

الالعنۃ اللہ علی الظلمین (خبر دار ظالموں پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔ت) گنگوہی صاحب اسے اچھا اور اس کے عقائد کو عمدہ کیوں نہ بتائیں کہ وہ ان کے دشمن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سخت گالیاں دینے والا تھا۔ طرفہ یہ کہ گنگوہی صاحب کو اس پر ایمان بالغیب ہے، ان کے فتاوٰی حصہ اول ص ۶۴ میں ہے: "محمد بن عبدالوہاب کے عقائد کا حال مجھ کو معلوم نہیں[4]"۔ پھر بھی ص ۸ پر لکھتے ہیں: "

محمد بن عبدالوہاب کے عقائد عمدہ تھے وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں[5]"۔

یعنی اتنا اجمالاً معلوم تھا کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سخت گالیاں دیتا، بس اتنا ہی اس کے اچھے

---

[1] براہین قاطعہ بحث علم غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

[2] حفظ الایمان مع بسط البنان کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہانپور ص ۸

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۳

[4] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الایمان والکفر قرآن محل کراچی ص ۴۴

[5] فتاوٰی رشیدیہ مسائل مشورہ قرآن محل کراچی ص ۲۳۵

اوراس کے عقائد عمدہ ہونے کے لئے کافی ہے، زیادہ تحقیقات کی کیا حاجت ہے دیگ سے ایک ہی چاول دیکھ لینا بس ہے۔

(۲) قول دوم میں وہابیہ غیر مقلدین کے ساتھ عقائد میں اپنا اتحاد اور اعمال میں خلاف بتایا پہلا جملہ ضرور صحیح ہے بیشک وہابیہ مقلدین وغیر مقلدین یقینا تمام عقائد کفر وضلال میں متحد ہیں اور اگر کچھ اختلاف ہوتا تو نہ ہوتا کہ "**الکفر ملة واحدة**"، عجب کہ گنگوہی صاحب جو اپنے رب کو کاذب مانتے ہیں، خود یہاں سچ بول گئے مگر **الکذاب قد یصدق** (بہت بڑا جھوٹا کبھی کبھار سچ بول دیتاہے۔ت) دوسرا جملہ کہ اعمال میں اختلاف ہے جھوٹ ہے صوری اختلاف ہو معنوی کچھ نہیں کہ براہین قاطعہ ص ۱۳۷ میں صاف لکھاہے کہ؛

"مختلف فیہ مسئلہ تویوں بھی بلاضرورت جائز ہوجاتاہے[1]"۔

اور فتاوٰی حصہ اول ص۵ میں ہے: "حدیث پر عمل کرنالوجہ اللہ تعالٰی اچھاہے[2]"

ص۶ پر رفع یدین وآمین بالجہر کرنے والے کو کہا: "تعصب اچھانہیں وہ بھی عامل بحدیث ہے"[3]۔

بلکہ کہا: "اگرچہ نفسانیت سے کرتاہے مگر فعل توفی حدذاتہ درست ہے"[4]۔

صفحہ ۵ پر تھا: "سب حدیث پر ہی عامل ہیں مقلد ہو یا غیر مقلد[5]"۔

(۳) ترک تقلید کا بیج ہندوستان میں اسمٰعیل دہلوی نے بویا جیساکہ اس کی تقویۃ الایمان اور تنویر العینین سے ظاہر ہے۔ گنگوہی صاحب کااس پر ایمان قرآن عظیم پر ایمان سے بہت زائد ہے۔

فتاوٰی حصہ اول ص ۱۲۲میں کہتے ہیں: "اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے"[6]

---

[1] البراہین القاطعۃ تحقیق مسئلہ اجرۃ تعلیم القرآن الخ مطبع لے بلاساواقع ڈھورہ ص ۱۳۷

[2] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص۱۷۹

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۸۰

[4] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۸۰

[5] فتاوٰی رشیدیہ کتاب التقلید والجہاد قرآن محل کراچی ص ۱۷۹

[6] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الایمان والکفر قرآن محل کراچی ص ۴۱

ہر شخص جانتا ہے کہ عین کی نفی ضد کا ثبوت ہے، جب تقویۃ الایمان کا پڑھنا عین اسلام ہے تو نہ پڑھنا قطعًا کفر ہے، حالانکہ کروڑوں مسلمان ہیں جو قرآن عظیم پڑھے ہوئے نہیں وہ کافر نہ ہوئے جب تقویۃ الایمان کا رکھنا عین اسلام ہے تو نہ رکھنا کفر ہے، حالانکہ کروڑوں مسلمانوں کے پاس قرآن نہیں ہوتا وہ کافر نہ ہوئے لیکن تقویۃ الایمان وہابیہ ضرور پاخانہ میں لیجاتے ہوں گے کہ جس وقت نہ رکھی عین اسلام سے چھٹے اور کافر ہوئے غالبًا گنگوہی صاحب کی قبر میں بھی رکھ دی گئی ہوگی کہ مر کر تو کافر نہ ہوں۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ انہیں مٹی میں ملے پندرہ سال سے زائد ہوئے کتاب بھی گل گئی ہوگی، جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمن ان کے نزدیک مر کر مٹی میں مل گئے تو وہ ناپاک کتاب کیا رہی ہوگی، بہر حال گنگوہی صاحب اب تو اپنے حکم سے بھی کافر ہوئے ہونگے۔ خیر، کہنا یہ ہے کہ جب ایک ایسی کتاب نے غیر مقلدی بوئی تو گنگوہی صاحب اس کی اجازت کیوں نہ دیں ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مقلدین ائمہ معاذ اللہ کفار تھے اور ہیں کہ تقلید کرکے تقویۃ الایمان کا خلاف کیا اور اس پر عمل عین اسلام تھا تو ضرور کافر ہوئے، اور اگر کہئے کہ یوں تو گنگوہی و نانوتوی و تھانوی و دیوبندی صاحبان سب کفار ٹھہرینگے کہ ظاہرًا ان سب کا عمل تقلید پر ہے تو گنگوہی صاحب تقیہ کا حکم دے کر اس کا علاج کر گئے ہیں وہ کہہ دیں گے کہ ہمارا اور ان کا تقلید پر عمل تقیۃً ہے تو صورۃً کافر ہوئے دل میں تو کفر نہیں غیر مقلدی بھری ہے۔

(۴) امکان کذب کا اب ذکر فضول ہے گنگوہی اور ان کے اتباع صراحۃً وقوعِ کذب لکھ چکے اس کی تفصیل کشفِ ضلالِ دیوبند میں ص۹۱ سے ص ۹۴ تک دیکھئے۔

(۵) وصف کریم رحمۃ للعالمین مسلمانوں کے نزدیک تو ضرور خاصہ رحمتِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مگر گنگوہی صاحب اسے کیونکر مانتے کہ اس سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مثل محال ہو جاتا کہ آیہ کریمہ

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾"[1] (اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کیلئے۔ت) تمام ماسوااللہ کو حضور کی رسالت عام کررہی ہے، سب ماسوااللہ حضور کے امتی ہیں اور امتی کا مثل نبی ہونا بداہۃً محال، لہٰذا عالمین کے عموم قطعی کو رد کرکے اس وصف کریم کو گلی گلی کے ملوں میں متبذل کردیا۔

(۶) اس کی نسبت اوپر گزرا کہ کفر قطعی ہے مگر گنگوہی صاحب سے اس کی شکایت نہ چاہئے ہر شخص اپنے بڑے کی بڑائی چاہتا ہے۔

(۷) مجلس میلاد مبارک کی نسبت جو مبشرات علمائے کرام وصلحائے عظام نے دیکھے کہ حضور اقدس

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس عمل مبارک سے شاد ہیں۔ اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "**من فرح بنافرحنابہ**[1]"جو ہماری خوشی کرتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں۔ یونہی ولی اللہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی نیاز سالانہ پر شاد وفرحاں دیکھا، ان خوابوں کے جواب میں ان کے متکلمین کہتے ہیں کہ خواب کا کیا اعتبار، یہاں تک کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خواب مروی صحیح بخاری شریف کہ شادی ولادتِ اقدس پر ابولہب ملعون پر روز دوشنبہ قدرے تخفیف ہوتی ہے، اسے بھی مہمل بتاتے اور یہ شعر گاتے ہیں۔

چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم   نہ شبنم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم[2]

(جب میں آفتاب کا غلام ہوں تو میں یہ کہتا ہوں کہ سب کچھ آفتاب سے ہے، میں شبنم وشب پرست نہیں کہ خواب کی بات کروں۔ت)

سبحان اللہ! غلام محمد وغلام نبی شرک، اور غلامِ آفتاب ہونے کا خود اقرار، اس کا ترجمہ عربی میں عبدِ شمس اور ہندی میں سورج داس ہی ہوا یا کچھ اور، وہاں تو خوابوں کی یہ کیفیت اور اپنے سے استاذی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فخر ثابت کرنے کے لئے ایک جعلی خواب سے تمسک، مگر ہونا ضرور تھا "**لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿١٩﴾**"[3] (ضرور تم منزل بمنزل چڑھوگے۔ت)، ان کے اگلوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کیا کہا تھا "**قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿١٤﴾**"[4] پڑھایا ہوا دیوانہ، انہوں نے پڑھائے کی تصدیق اس خواب سے کی اور دیوانہ کی تکمیل تھانوی صاحب نے حفظ الایمان کہ "ان کا سا علم غیب ہر مجنون کو ہے[5]" "**وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾**"[6] (عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

(۸) وہ مجلس مبارک جنم کنھیا سے تشبیہ کیوں نہ دیں جو قرآن عظیم کو وید اشلوک سے تشبیہ دے چکے ہیں دیکھو براہین قاطعہ ص۷۹۔

(۹و۱۰) نفسِ میلاد وعرس سے انکار کا کیا گلہ جب کہ انہیں نفسِ انبیاء واولیاء اور خود حضور سید الانبیاء

1

2

3 القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

4 القرآن الکریم ۴۴/ ۱۴

5 حفظ الایمان مع بسط البنان کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ضلع سہارن پور ص۸

6 القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

علیہم الصلٰوۃ والسلام سے صاف انکار ہے اور ان کا ماننا نرا خبط ٹھہراتے ہیں۔ ان کے قرآن بلکہ ان کے نزدیک قرآن سے اعظم تقویت الایمان مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ ص۲۱ میں ہے: اللہ کے سوا کسی کو نہ مان [1]۔"

ص۸: "اوروں کا ماننا محض خبط ہے" [2]۔

ص۱۹: "اللہ صاحب نے فرمایا میرے سوا نہ مانیو۔ [3] "۔

ص۱۷: " جتنے پیغمبر آئے سو اللہ کی طرف سے یہی حکم لائے ہیں کہ اللہ کو مانے اور اس کے سوا کسی کو نہ مانے [4] "۔

(۱۱) ایصال ثواب کے طریقوں کو بدعت سیئہ وحرام کیوں نہ کہیں ۔

جگ بیتی سے کیا مطلب ہے اپنی بیتی سناتے یہ ہیں

ان کی میت کو ثواب پہنچنا محال کہ "مَا لَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ " [5] (آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ت) ان کے قاری کو ثواب ملنا محال کہ "وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ " [6] (جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرماکر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا یعنی برباد کردیا۔ت)

(۱۲) سالگرہ دو طرح ہوتی ہے، ایک میں کچھ قرآن مجید و درود شریف پڑھ کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیدنا غوث اعظم وغیرہ اولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نیاز اور احباب وفقراء کو کچھ تقسیم، گنگوہی صاحب اسے ہرگز جائز نہیں کہہ سکتے کہ اس میں تو دن کی تعیین بھی ہے اور ہر سال کا التزام بھی، اور ان کے دشمنوں کی نیاز بھی، اسے جائز کہہ کر وہابیت میں کس دین کے رہتے۔ دوسری وہ جو کہ کفار وفجار کرتے ہیں کہ جس میں لہو لعب ناچ رنگ وغیرہا شیطنتیں ہوتی ہیں، گنگوہی صاحب اسے جائز فرماتے ہیں

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[2] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۵

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراك مطبع علیمی لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۰

[5] القرآن الکریم ۲ /۲۰۰

[6] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

تو ان پر اعتراض بیجا ہے، رہا یہ کہ اس میں بھی تعیین والتزام ہے، ہوا کرے، تعیین تو التزام ہی کے لئے ہوتی ہے اور ان کے یہاں حسنات ہی کا التزام حرام ہے نہ کہ سیئات، بلکہ بسااوقات سیئات کا التزام ان کے یہاں فرض قطعی بلکہ مدارِ ایمان ہے، جیسا ان کے قرآن تقویۃ الایمان سے عیاں ہے۔ ص ۱۲ میں ہے:

"اس کے گھر دور دور سے قصد کرکے سفر کرنا اور راستے میں نامعقول باتیں کرنے سے بچنا یہ کام عبادت کے ہیں جو کسی پیغمبر یا بھوت کو کرے اس پر شرک ثابت ہے[1]"۔ (ملخصاً)

تو ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ کے راستے میں نامعقول باتیں کرنا فرض بلکہ مدارِ ایمان ہیں اگر نہ کرے گا مشرک ہوجائیگا، اور نہ ایک مدینہ طیبہ بلکہ سفر حج کے سوا گنگوہ یا دیوبند یا تھانہ بھون جہاں کہیں جاتے ہوئے بھی نامعقول باتیں اور جنگ وجدال بلکہ فسق وفجور بھی نہ کرے گا مشرک ہوجائے گا کہ آیت نے سب کو ایک نسق میں بیان فرمایا ہے کہ:

"فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ"[2]۔	تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو، نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت (ت)

(۱۳) دادا پیر سے بغض کی کیا شکایت جب خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید بغض رکھتے ہیں جن کی تفصیل کتب کثیرہ میں ہوچکی اور پھر آپس میں اپنا اصطلاحی فیض بانٹ رہے ہیں، الحق یہ فیض شیطانی ہے، اور محبوبوں کے بغض ہی سے ملتا ہے، تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انقطاع سلسلہ جو بغض مشائخ سلسلہ سے حاصل ہوگا، مضر نہیں بلکہ ضرور ہے۔

(۱۴) اوپر گزرا کہ یہ ملعون اخبث قول کفر قطعی وارتداد یقینی ہے **لعن اللہ قائلہ وقابلہ** (اللہ تعالٰی لعنت کرے اس کے قائل اور اس کو قبول کرنے والے پر۔ ت) ان مرتدین سے کیا شکایت عجب ان سے جو مسلمان کہلاتے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ایسی شدید ناپاک گالیاں سنتے اور پھر ان کی تاویل کرتے یا قائل کو کافر کہتے ہچکچاتے ہیں لاواللہ وہ خود اپنا ایمان اس دشنام دہندہ پر لٹاتے ہیں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ	تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ ورسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے

[1] تقویۃ الایمان مقدمہ کتاب مطبع علیمی لاہاری دروازہ لاہور ص ۷ و ۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ "[1]	یا بھائی یا عزیز ہوں۔

(۱۵) تقیہ کی اجازت بلکہ حکم دینے کی کیا شکایت کہ آخر ان بڑوں کی وراثت ہے جو بارگاہِ اقدس میں حاضر آکر شدید غلیظ قسمیں کھا کر کہا کرتے: "نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ "[2] ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک حضور یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ رب العزت نے اس پر ارشاد فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے بیشک تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ خبیث جھوٹے ہیں، زبانی ادعا یہ تھا اور دل کی خباثت وہ کہ "لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ" الآیۃ[3] (کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ گئے الآیۃ۔ت) یہی حال ان صاحبوں کا ہے مسلمانوں کے دکھاوے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریفیں کرینگے بات بات پر "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کہیں گے اور دلی خباثتیں وہ کہ چوڑھا چمار ہر ذرہ ناچیز سے کمتر، ان کی سرداری ایسی جیسے گاؤں کا چودھری، عاجز ناکارے، مرکر مٹی میں مل گئے وغیرہ وغیرہ۔

"اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ﴿۱۸﴾"[4] "اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾"[5]	خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت۔ بیشک وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کو ان پر دنیا وآخرت میں اللہ تعالٰی کی لعنت اور اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(ت)

(۱۶) سبحان اللہ وہ جو اللہ ورسول کو شدید گالیاں دے چکے ان سے کوّا کھانے بلکہ اسے ثواب بتانے کی کیا شکایت۔ سنن ابن ماجہ شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ فرمایا:

من یاکل الغراب وقد سماہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاسقا واللہ ماھو من الطیبات[6]۔	کوا کون کھائے گا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو اس کا نام فاسق رکھا ہے خدا کی قسم وہ پاک چیزوں سے نہیں۔

یہی مجانست وجہ موانست ہوئی، شاعر کا قول۔

پرد ہم جنس باہم جنس درزاغ   کبوتر با کبوتر زاغ با زاغ

(ہر جنس اپنی جنس کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ کبوتر کبوتر کے ساتھ، کوا کوے کے ساتھ۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[5] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[6] سنن ابن ماجہ ابواب الصید اب الغراب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۱

اگر نہ مانے تو کیا اللہ عزوجل کا ارشاد بھی نہ مانیں گے کہ "اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ"[1] (گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کے لئے ہیں۔ت) تمام کتب مذہب متون وشروح وفتاوٰی مملو ہیں کہ غراب ابقع یعنی دورنگا کو احرام ہے۔ گنگوہی صاحب اگراب آنکھوں سے معذور ہوگئے تھے تو مادر زاد اندھے تو نہ تھے کہ دیسی کوے میں دورنگ نظر نہ آئے بڑی دلیل یہ لاتے ہیں کہ وہ صرف نجاست نہیں بلکہ دانہ بھی کھاتا ہے تو مرغی کی طرح ہوا۔ یوں تو پہاڑی کوا بھی حلال کرلیں وہ بھی بکثرت دانہ کھاتا ہے کھیتوں پر کثرت سے گرتا ہے اور کتا تو روٹی اور گوشت سب کھاتا ہے، یہ مرغی کے دانہ کھانے پر گئے اور نہ دیکھا کہ وہ فاسق نہیں جیفہ خوار نہیں اور کوا فاسق وجیفہ خوار ہے، بہر حال ان باتوں میں ان سے بحث بیکار ہے کہ ان کو نفسِ اسلام ہی سے انکار ہے،

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"۔ سیعلم الذین اجرموا ای منقلب ینقلبون۔ نسأل اللہ العافیۃ، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم ومجد وکرم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ اور عنقریب جان لیں گے مجرم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ اور ہم اللہ تعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی مدد کے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی، آپ کی آل اور آپ کے تمام اصحاب پر درود، برکت اور سلام نازل فرمائے اور انہیں بزرگی وکرم سے نوازے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
باب العقائد والکلام ۱۳۳۵ھ
(عقائد وکلام کا باب)

مسئلہ ۷۶: کفار اللہ تعالٰی کو جانتے ہیں یا نہیں؟

رسالہ **باب العقائد والکلام** جس کا رسالہ **حسن التعمم** میں وعدہ عـــہ تھا، یہ بیان اگرچہ مسائل تیمّم وطہارت ظاہری سے جدا ہے مگر باذنہٖ تعالٰی طہارت باطن کا اعلٰی ذریعہ ہے، جس طرح قرآن عظیم نے مسائل طلاق کے وسط میں تاکیدِ نماز کا ذکر فرمایا کہ:

"حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾"[1] ۔	نگاہداشت کرو نمازوں اور خصوصًا نماز اوسط کی اور اللہ کے حضور ادب سے کھڑے ہو۔

اسی سنتِ کریمہ کے اتباع سے یہ مسائل تیمّم کے وسط میں عقائد اسلام کی یاددہانی ہے، مولٰی تعالٰی قبول فرمائے

عـــہ: مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے یہ نوٹ اس صورت میں ہے جبکہ یہ رسالہ جلد اول قدیم، کتاب الطہارت، باب التیمم (از صفحہ ۷۳۵ تا صفحہ ۷۴۹) پر تھا، اب اسے باقی رکھتے ہوئے وہاں سے خارج کرکے مضمون کی مناسبت سے یہاں شامل کیا جارہا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸

اور مسلمانوں کے لئے ذریعہ ثبات ایمان بنائے، اور اس کے کرم پر دشوار نہیں کہ بعض مخالفین کو بھی اس سے راہِ ہدایت دکھائے وباللہ التوفیق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للذی ھدانا للایمان: واٰتانا القراٰن والفرقان: والصلوۃ والسلام الاتمان الاکملان: علی من اعطانا العلم بربنا فصح لنا الایمان: وعلٰی اٰلہ وصحبہ وتابعیھم باحسان:

جانا جس نے جانا اور جس نے نہ جانا وہ اب جانے کہ اللہ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالٰی مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے، کوئی کافر کسی قسم کا ہو ہرگز اسے نہیں جانتا، کفر کہتے ہی جہل باللہ کو ہیں، یہاں ناواقفوں کو ایک شبہہ گزرتا ہے جس کا جواب کاشف صواب ورافع حجاب والتوفیق من اللہ الوھاب۔

تقریر شبہہ: کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالٰی کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں،

فلاسفہ تو اس کی توحید پر دلائل قائم کرتے ہیں، یہود ونصارٰی توراۃ وانجیل، اور مجوس اپنے زعم میں ژندواستا کو اسی کا کلام جان کر اعتقاد رکھتے ہیں، آریہ اگرچہ وید کو اس کا کلام نہیں جانتے مگر بزعم خود اسی کا الہام مانتے اور اسی کو مالک وخالق کل اعتقاد کرتے اور توحید کا محض جھوٹا دم بھرتے ہیں، ہنود وغیرہم بت پرست تک کہتے ہیں کہ سارے جہاں کا مالک سب خداؤں کا خدا ایک ہی ہے، عرب کے مشرک کہا کرتے

"مَانَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ"[1]	یعنی وہ تو ان بتوں کو صرف اس لئے پوجتے ہیں کہ بت انہیں اللہ سے قریب کردیں۔

اور لبیک میں کہا کرتے:

لبیک لاشریك لك الاشریکا ھولك تملکہ وماملک[2]۔	ہم تیری خدمت کو حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک کہ تیرا ہی مملوک ہے تو اس کا بھی مالک اور اس کی ملک کا بھی مالک۔

جب وہ لاشریک لک تک پہنچتے کہ تیرا کوئی شریک نہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے: ویلکم قدقد[3] تمہیں خرابی ہو بس بس، یعنی آگے نہ بڑھو استثناء نہ گھڑو، رب عزوجل فرماتا ہے:

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳

[2] صحیح مسلم باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۶

[3] صحیح مسلم باب التلبیۃ وصفتھا ووقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۶

"وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰہُ ؕ" [1]	اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کس نے بنائے، ضرور کہیں گے اللہ نے۔

اور کلمہ گو فرقوں میں جو مرتد ہیں وہ تو نبی وقرآن سبھی کو جانتے **قال اللہ وقال الرسول** سے سند لاتے نمازیں پڑھتے روزے رکھتے ہیں جیسے قادیانی، نیچری، چکڑالوی، وہابی، رافضی، دیوبندی، غیر مقلد **خذلھم اللہ تعالٰی اجمعین**، پھر کیونکر کہا جائے کہ یہ اللہ عزوجل کو جانتے ہی نہیں، ہاں نرے دہریوں کی نسبت یہ کہنا ٹھیک ہے جو اللہ تعالٰی کو مانتے ہی نہیں۔

تقریر جواب: بعون الوھاب اقول وباللہ التوفیق ایجاب وسلب متناقض ہیں جمع نہیں ہوسکتے وجود شیئ اس کے لوازم کے وجود کا مقتضی اور ان کے نقائض ومنافیات کا نافی ہے کہ لازم کا منافی موجود ہو تو لازم نہ ہو اور لازم نہ ہو تو شیئ نہ ہو، تو ظاہر ہوا کہ سلب شے کے تین طریقے ہیں:

اول: خود اس کی نفی مثلاً کہے انسان ہے ہی نہیں۔

دوم: اس کے لوازم سے کسی شئے کی نفی مثلاً کہے انسان تو ہے لیکن وہ ایک ایسی شیئ کا نام ہے جو حیوان یا ناطق نہیں۔

سوم: ان کے منافیات سے کسی شئے کا اثبات مثلاً کہے انسان حیوان ناہق یا صاہل سے عبارت ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں پچھلوں نے اگرچہ زبان سے انسان کو موجود کہا مگر حقیقۃً انسان کو نہ جانا وہ اپنے زعم باطل میں کسی ایسی چیز کو انسان سمجھے ہوئے ہیں جو ہرگز انسان نہیں، تو انسان کی نفی اور اس سے جہل میں یہ دونوں اور وہ پہلا جس نے سرے سے انسان کا انکار کیا سب برابر ہیں فقط لفظ میں فرق ہے۔

مولٰی عزوجل کو جمیع صفات کمال لازم ذات، اور جمیع عیوب ونقائص اس پر محال بالذات کہ اس کے کمال ذاتی کے منافی ہیں، کفار میں ہرگز کوئی نہ ملے گا جو اس کی کسی صفتِ کمالیہ کا منکر یا معاذاللہ اس کے عیوب ونقص ونقص کا مثبت نہ ہو، تو دہریے اگر قسم اول کے منکر ہیں کہ نفس وجود سے انکار رکھتے ہیں، باقی سب کفار دو قسم اخیر کے منکر ہیں کہ کسی کمال لازم ذات کے نافی یا کسی عیب منافی ذات کے مثبت ہیں، بہر حال اللہ عزوجل کو نہ جاننے میں وہ اور دہریے برابر ہوئے وہی لفظ وطرزِ ادا کا فرق ہے، دہریوں نے سرے سے انکار کیا اور ان قہریوں نے اپنے اوہام تراشیدہ کا نام خدا رکھ کر لفظ کا اقرار کیا، مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۵

"اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ"[1]	دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا۔

ولہذا کریمہ "لیقولن اللہ" کے تتمہ میں ارشاد ہوا: "قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۵"[2]۔ اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے، کہیں گے "اللہ قل الحمدللہ" تم کہو حمد اللہ کو کہ اس کے منکر بھی ان صفات میں اسی کا نام لیتے ہیں اپنے معبودان باطل کو اس لائق نہیں جانتے، مگر کیا اس سے کوئی یہ سمجھے کہ وہ اللہ کو جانتے ہیں، نہیں نہیں بل اکثر ھم لایعلمون o بلکہ اکثر اسے جانتے ہی نہیں،[3] وہ تو یونہی اپنی سی اٹکلیں دوڑاتے ہیں، جیسے اور بہتیرے معبود گھڑ لئے کہ:

"اِنْ هِیَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ"[4]۔	وہ تو نرے نام ہیں کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے دھر لئے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری۔

یونہی اپنی اندھی اٹکل سے ایک سب سے بڑی ہستی خیال کرکے اس کا نام اللہ رکھ لیا ہے حالانکہ وہ اللہ نہیں کہ جس صفات کی اسے بتاتے ہیں اللہ عزوجل ان سے بہت بلند وبالا ہے، تعالی اللہ عما یقول الظٰلمون علوا کبیرا o سبحٰن رب العرش عما یصفون o رہا یہ کہ یہاں اکثر سے نفی علم فرمائی **اقول اولاً:** دفع شبہہ کو اتنا ہی کافی کہ آخر یہ ان کے اکثر سے نفی ہے جو اقرار کرتے تھے کہ آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے، معلوم ہوا کہ ان کا اقرار باللہ منافی جہل باللہ نہیں اور ہمارے سالبہ کلیہ کی نفی نہ فرمائے گا کہ یہ مفہوم لقب سے استدلال ہوا اور وہ صحیح نہیں اکثر سے نفی سلب جزئی ہوئی اور سلب جزئی کلی کو لازم ہے نہ کہ اس کا منافی۔ **ثانیاً:** ایسی جگہ اکثر پر حکم فرمانا قرآن عظیم کی سنت کریمہ ہے حالانکہ وہ احکام یقیناً سب کفار پر ہیں

"اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۰"[5] "وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۵۹"[6] "وَّ لٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۳"[7] "وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ۝۱۱۱"[8] "یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ تَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَ اَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ۝۸"[9] "یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۳"[10] کافروں کو "زفرمایا ان میں اکثر ایمان نہیں رکھتے، ان کے اکثر فاسق ہیں، ان کے

[1] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳
[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۵
[3] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۰
[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳
[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۰
[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۹
[7] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳
[8] القرآن الکریم ۶/ ۳۷
[9] القرآن الکریم ۹/ ۸
[10] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۳

اکثر بے عقل ہیں، ان کے اکثر جاہل ہیں، ان کے اکثر کافر ہیں، حالانکہ وہ سب ایسے ہی ہیں۔ یونہی یہاں فرمایا کہ ان کے اکثر نہیں جانتے حالانکہ ان میں کوئی بھی نہیں جانتا یہاں تک کہ شیاطین کے بارے میں فرمایا "یُلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ﴿۲۲۳﴾"[1] ان میں اکثر جھوٹے ہیں حالانکہ یقیناً وہ سب جھوٹے ہیں اور ان کے سوا اور آیاتِ کثیرہ، اب یا تو یہ کہ اکثر سے کل مراد ہے جیسے کبھی کل سے اکثر مراد ہوتا ہے کریمہ "**ومایتبع اکثرھم الاظنا**" کے تحت میں مدارک التنزیل میں ہے: **المراد بالاکثر الجمیع**[2] اکثر سے مراد کل ہے۔ت) معالم التنزیل میں ہے: **اراد بالاکثر جمیع من یقول ذٰلک**[3]۔ اکثر سے مراد وہ سب جو یہ کہتے ہیں (ت) شہاب علی البیضاوی میں ہے:

یعنی ان الاکثر یستعمل بمعنی الجمیع کما یرد القلیل بمعنی العدم، وحمل النقیض علی النقیض حسن وطریقۃ مسلوکۃ[4] اھ۔**اقول**: لکن لاشك ان منھم من لایتبع ظناولاوھما ولاادنی شبھۃ انما یتبع ھوی نفسہ عناداواستکبارا "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ"[5]، "فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۹﴾"[6] "وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَیْقَنَتْهَآ"	یعنی اکثر بمعنی کل ہے جیسے قلیل بمعنی معدوم استعمال ہوتا ہے اور ایک نقیض کی مراد پر دوسری نقیض کو مراد لینا اچھا اور مروج طریقہ ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں**، لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کے بعض ظن اور وہم اور کسی ادنٰی شبہ میں مبتلا نہیں وہ تو قطعاً عناد اور تکبر کی بنا پر نفسانی خواہش کے پیروکار ہیں (جس کو قرآن میں ہم نے یوں بیان فرمایا) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وہ خوب جانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں (اور فرمایا) جب انکی پہچان کے مطابق وہ تشریف لائے تو انہوں نے اس کا انکار کردیا تو

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۳

[2] مدارک التنزیل سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۶۳

[3] معالم التزیل علی ہامش الخازن سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۹

[4] حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی سورۃ یونس آیۃ ومایتبع اکثرھم الاظنا کے تحت دار صادر بیروت ۵/ ۲۸

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۶ و ۶/ ۲۰

[6] القرآن الکریم ۲/ ۸۹

اَنۡفُسُهُمۡ ظُلۡمًا وَّعُلُوًّا" [1] ،وقد سلفت الاٰية يعرفون نعمة الله ثم ينكرونها، نعمة الله محمد صلى الله تعالٰى عليه وسلم [2] قاله ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	کافروں پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے (نیز فرمایا) انہوں نے ان کا انکار کردیا باوجودیکہ دلی طور پر وہ یقینی سمجھتے تھے یہ انکار ظلم اور تکبر کی بناء پر کیا۔ پہلے آیہ کریمہ گزری کہ اللہ تعالٰی کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور پھر اس کا انکار کردیتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول کے مطابق نعمۃ اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یا یہ کہ ان میں سے جو علمِ الٰہی میں ایمان لانے والے ہیں ان کا استثناء فرمایا جاتا ہے۔

وهو مسلك حسن نفيس ذهب اليه خاطری بحمد الله تعالٰی اول وهلة ثم رأيت العلامة اباالسعود اشار اليه فی "ارشاد العقل السليم" حيث قال تخصيص اكثرهم للتلويح بما سيكون من بعضهم من اتباع الحق والتوبة [3]۔	یہ نفیس اور خوب مسلک ہے، ابتداءً ہی میرا دل اس کی طرف مائل ہوا، پھر میں نے علامہ ابوالسعود کو "ارشاد العقل السلیم" میں اس کی طرف اشارۃ کرتے ہوئے پایا جہاں انہوں نے فرمایا کہ خصوصیت سے اکثر کفار کا ذکر اس لئے کہ ان میں سے بعض حق کی اتباع اور توبہ کو پالیں گے (ت)

مشرکین کا جہل باللہ تو اسی کریمہ سے ثابت جس سے ان کے جاننے پر شبہہ میں استدلال تھا مدعیانِ توحید پر کلام کیجئے جن میں نصارٰی بھی باوصف تثلیث اپنے آپ کو شریک کرتے ہیں اور شرع مطہر نے بھی ان کے احکام کو احکام مشرکین سے جدا فرمایا: **فاقول: وبالله التوفيق** پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

(۱) فلاسفہ کے جھوٹے خدا

فلاسفہ ایسے کو خدا کہتے ہیں جو صرف ایک عقلِ اول کا خالق ہے، دوسری چیز بنا ہی نہیں سکتا، تمام جزئیاتِ عالم سے جاہل ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۴

[2] الجامع لاحکام القرآن بحوالہ السدی دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۶۱

[3] ارشاد العقل السلیم سورہ یونس آیۃ ومایتبع اکثر ہم الاظنا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۵

اپنے افعال میں مختار نہیں، اجسام کو معدوم کرکے پھر نہیں بناسکتا، ولہٰذا حشر جساد کے منکر ہیں، آسمان اس نے نہ بنائے بلکہ عقلوں نے، اور ایسے مضبوط گھڑے کہ فلسفی خدا انہیں شق نہیں کرسکتا، ولہٰذا قیامت کے منکر ہیں وغیرہ وغیرہ خرافاتِ ملعونہ، کیا انہوں نے خدا کو جانا، حاش للہ **سبحٰن رب العرش عما یصفون۔**

(۲) آریہ کے جھوٹے خدا

آریہ ایسے کو ایشر کہتے ہیں جس کے برابر کے ہم عمر دو واجب الوجود اور ہیں روح و مادہ۔ ایشر نہ ان کا خالق نہ ان کے مالک اور ناحق ناروا نہیں دبا بیٹھا ان پر ظالمانہ حکم چلارہا ہے۔ ایسے کو جس کا اصلاً کوئی ثبوت ہی نہیں آریہ نے زبردستی مان رکھا ہے۔ جب روح و مادہ بے کسی کے بنائے آپ ہی ازل سے موجود ہیں تو کیا آپ ہی اپنا میل نہیں کرسکتے تو جونون کے بننے میں بھی اس کے وجود پر دلیل نہیں، رہا جونون کا بدلنا وہ کرم کے ہاتھ ہے ایشور کی کیا حاجت اور اس کے ہونے پر کیا دلیل، ایسے کو جو، عــہ۱ ماں رکھتا ہے، اور وہ اس کی جان کی حفاظت کرتی ہے تو باپ بھی ضرور ہوگا کہ خود آریہ ولادتِ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کہتے ہیں کہ بے باپ ولادت نرا مضحکہ ہے، جب ایشور کے ہوتے ہوئے بے باپ ولادت نہیں ہوسکتی تو جب ایشور بھی نہ تھے ان کی ماتا آپ سے آپ کیسے گربھ کرلاتی۔ اور خاکی انڈا ہو بھی تو گندا۔ ایسے کو جو بستر عــہ۲ پر بیمار پڑا اور اپنی ماں کو دوا کے لئے پکار رہا ہے وید آتے اور اس کا تنگ حال دیکھ کر سخت کڑھتے اور سر ہلاتے ہیں، ایسے کو جس سے زیادہ علم وعقل والے موجود ہیں یہ اپنی بیماری میں جن کی دوہائی دیتا اور چیخ رہا ہے کہ او سیکڑوں طرح کے عقل وعلم والو! تمہاری ہزاروں بوٹیاں عــہ۳ ہیں ان سے میرے شریر کو نروگ کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر۔ ایسے کو جو گونگا ہے اصلاً بول نہیں سکتا (اور یہ دوا کے لئے دوہائی تہائی کون مچارہا تھا) بات تو یوں نہیں کرتا کہ انسان کی مشابہت نہ پیدا ہو، مگر وید اتارنے کے لئے رشیوں کو بینڈ باجے کی طرح بجاتا اور کٹھ پتلیوں کی مانند نچاتا ہے فضیلت انسانی میں مشابہت گوارا نہ ہوئی اور بجانے نچانے کے رذیل

عــہ۱: دیکھو یجر وید ۱۲

عــہ۲: یجر وید ادھیا نمبر ۱۲ و ۱۴

عــہ۳: یہ سمجھ میں آنے کی بات نہیں کہ بوٹی بواؤ معروف اور ان کے پاس ہو ایشر جی کے پاس نہ ہو، دیکھنا کہیں یہ بوٹی بواؤ مجہول تو نہیں، تو یہ ضرور ایشر جی کے یہاں کہاں کہ ان کے ہوم کرنے والے ماس سے بہت برامانتے ہیں عجب نہیں کہ بیماری میں طاقت آنے کے لئے مسلمانوں سے گوشت کی بوٹیاں مانگتے ہوں ۱۲ اعجب العقاب تصنیف مولوی نواب مرزا صاحب قادری برکاتی رضوی۔

کاموں میں شرکت کی ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

(ہر شخص کی فکر اس کی ہمت بھر ہوتی ہے۔ت)

اس بجنے ناچنے میں جو کچھ رشیوں کے سُر کے بولے وہ اس کی الہامی کتاب وید ہے، ایسے کو جس نے نیوگ جیسی بیحیائی کو ذریعہ نجات کیا ہے، ایسے کو جس کے عــہ[1] ہزار سر ہیں دو[2] مُونھے سانپ سے پانسو حصے سوا ہزار آنکھ ہیں ہر سر میں ایک ☆ ہر منہ سے کانا، یا بعض چہروں میں کئی کئی باقی چہروں سے اندھا، ہزار پاؤں ہیں کنکھجورا تو نہیں جسے ہزار پا کہتے ہیں۔ ایسے کو جو زمین پر ہر جگہ ہے اُلٹا سیدھا، نٹ کی کلا کو بھی مات کیا، اور کلام حرام کہ انسان سے مشابہت نہ ہو، پھر جگہ پاخانہ بھی ہے سیدھا ہوتا تو پاؤں ہی بھرتے، الٹا بھی ہے تو سَر بھی سَنا تب بھی دس[1] انگلی کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے تو ہر جگہ کب ہُوا پھر دو[2] آدمی آمنے سامنے دس[3] انگل کے فاصلے سے ہوں تو ان میں ہر ایک ایشور کا جگہ میں شریک ہُوا، اور دو[4] انگل کے فاصلے پر ہوں تو ایشور آٹھ آٹھ انگل ہر ایک کے پیٹ میں گُھسا ٹھہرا، ایسے کہ جو سروبیاپک ہے ہر چیز میں حلول کئے ہوئے ہے ہر مادہ کی فرج ہر شخص کی مقعد ہر پاخانے کی ڈھیری میں نجاست کا کیڑا بھی اتنا گھناؤنا تو نہیں ہوتا۔ پھر یہ سب جگہ رما ہُوا ایک ہی ایشور ہے یا ہر جگہ نیا، بر تقدیر دوم ایشوروں کی گنتی تمام مخلوقات کے شمار سے بڑھ نہ گئی تو برابر ضرور رہی اس پر توحید کا دم بھرتے ہیں، بر تقدیر اول ایشور کے سنکھوں مہا سنکھوں ٹکڑے ہُوئے کہ ذرّے ذرّے بھر جگہ میں اس کا نیا ٹکڑا ہے تو ایشور مرکب ہُوا اور ہر مرکب محتاج ہے کہ جب تک اس کے سب اجزا اکٹھے نہ ہوں نہیں ہو سکتا، تو ایشور محتاج ہوا، پھر جب ہر جگہ رما ہوا ہے فرض کرو ایک شخص نے دُوسرے کے جُوتا مارا تو یہ فضا جس میں جُوتا چل کر اُس کے بدن تک گیا اس میں بھی ایشور تھا یا نہیں، نہ کیونکر ہوگا وہ سب جگہ ہے اور جب یہاں بھی تھا تو جوتا آتے ہوئے دیکھ کر ہٹ گیا یا جُوتا اس کے اندر ہوتا ہُوا گزر گیا ہٹ تو سکتا نہیں ورنہ ہر جگہ کب رہا یہ جگہ خالی ہو جائے گی ضرور جوتا اُس میں ہو کر گزرا عجب ایشور کے جُوتے سے پھٹ گیا، پھر اُس شخص کے جس حصہ بدن پر جوتا پڑا وہاں بھی ایشور تھا یا نہیں، نہ کیسے ہوگا ورنہ ہر جگہ نہ رہے گا اور جب وہاں بھی تھا تو اب بتاؤ کہ یہ جُوتا کس پر پڑا، کاش نرا الٹا ہوتا تو پاؤوں پر لگتا، سیدھا بھی ہے تو سر پر پڑا، یہ ہیں آریہ اور اُن کا ایشور، کیا اُنھوں نے خدا کو جانا، حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون O

عــہ: یہاں سے اُن الفاظ تک کہ ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے جس جس عبارت پر خط ہے یہ مضمون یجروید ادھیا ۳۱ منتر اول کا ہے ۱۲۔

(۳) مجوس کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتے ہیں جس کے برابر کی چوٹ کا دوسرا خالق شیطان ہے، پھر بعض کے نزدیک تو شیطان اُس کا مخلوق ہی نہیں اُسی کی طرح واجب الوجود ہے خود بخود موجود ہے جب تو شیطان اُس کا ہمسر ہونا ظاہر، اور جن کے نزدیک وُہ بھی اسی سے پیدا ہوا وہ اور سخت اعجوبہ ہے، یزدان سے کوئی جزئی شر تو اس لئے نہ بن سکا کہ وہ خیر محض ہے اُس سے شر کیونکر پیدا ہو، مگر اہرمن کی ہر شر کی جڑ اور کلی شر ہے اس سے پیدا ہوگیا اور جب سب شر اہرمن سے پیدا ہیں اور اہرمن یزدان سے تو جملہ شرور کاٹیکا یزدان ہی کے ماتھے رہا، ایسے کو جسے بیٹھے بٹھائے ایک دن فکر ہوئی کہ اگر کوئی میرا مخالف ہو تو کیسا ہو، اس خیال فاسد سے ایک دُھواں اُٹھا جو شیطان بنا اور اس نے قوت پکڑی یہاں تک کہ لشکر جوڑ کر یزدان کے مقابل ہُوا مجوس کا یزدان اُس کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر بھاگا اور جنت میں قلعہ بند ہوا، اہرمن تین ہزار برس جنت کا محاصرہ کئے رہا، یزدان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا، آخر فرشتوں نے بیچ بچاؤ کرکے تصفیہ کرادیا کہ سات ہزار برس دنیا میں شیطان سلطنت کرے پھر ملک یزدان کو سونپ دے، مجوس کا یزدان طول محاصرہ سے عاجز آچکا تھا جبرًا و قہرًا قبول کیا اور اب اس سے دعا فضول کی کہ وُہ دنیا کی سلطنت سے معزول، ایسے کو جس نے بیٹے کے لئے ماں باپ کے لئے بیٹی جیسی بیحیائیاں حلال کی ہیں، کیا انھوں نے خدا کو جانا، حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون O

(۴) یہود کے جھوٹے خدا

یہود ایسے کو خدا کہتے ہیں جو آسمان و زمین بنا کر اتنا تھکا کہ عرش پر جاکر پاؤں پر پاؤں رکھ کر چت لیٹ گیا، ایسے کو جو ان میں بعض کے نزدیک عزیر کا باپ ہے ایسے کو جو ایک حکم دے کر اس کا پابند ہوجاتا ہے زمانہ و مصالح کتنے ہی بدلیں اس کے بدلے دوسرا حکم نہیں بھیج سکتا ولہذا نسخ کے منکر ہیں اور شریعتِ موسوی کو ابدی کہتے اور اس صریح کذب کا افترا اپنے معبود کے سر دھرتے ہیں، ایسے کو جس نے آپ ہی قومِ نوح پر طوفان بھیجا پھر اپنی اس حرکت پر ایسا نادم ہُوا اتنا رویا کہ آنکھیں دُکھ آئیں، نسخ تو پچتانا ٹھہر کر محال، حالانکہ اُسے پچتانے سے کوئی تعلق نہیں، رات کو دن کرتا ہے پھر دن کو رات کردیتا ہے، کوئی مجنون ہی اسے پچتانا کہے گا، جب احکامِ تکوینیہ میں یہ ہے احکامِ تشریعیہ میں کون مانع ہے، خیر وُہ تو پچتانے کے خوف سے نہ بدل سکے مگر آدم کو بنا کر پچتایا اور طوفان بھیج کر تو پچتانے کا وُہ طوفان آیا جس نے رُلا رُلا کر آنکھوں کا یہ دن کر دکھایا، ایسے کو جس نے یہودی کے لئے اسکی سگی بہن حلال کی اور توراۃ میں اسکی حرمت غلط لکھ دی اس لئے کہ شریعت آدم میں یقینا حلّت تھی اب حرام کرے تو منسوخی حکم سے پچتانا ٹھہرے ایسے کو جس نے خلیل و اسمٰعیل علیہما الصلٰوۃ والسلام کی دُعا قبول کی اور ان سے کہا کہ میں نے اسمٰعیل واولادِ اسمٰعیل کو برکت دی اور تمام خیر و خُوبی اُن میں رکھی عنقریب تمام اُمتوں پر اُنھیں غالب کروں گا اور اُن میں اُنھیں میں سے اپنا رسول اپنے کلام کے ساتھ بھیجوں گا، پھر کیا کچھ نہیں بلکہ ان کا عکس کیا جیسا یہود بکتے ہیں۔ ایسے کو کہ نہ تورات اُس کی کتاب

نہ موسٰی سے اُس کا کلام، یہ سارے کرشمے ایک فرشتے کے ہیں۔ کیا انھوں نے خدا کو جانا، **حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون** O

(۵) نصارٰی کے جھوٹے خدا

نصارٰی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو مسیح کا باپ ہے اور مزہ یہ کہ اُس کے بھائیوں [عہ۱] کا بھی باپ ہے، اُس [عہ۲] کے شاگردوں کا باپ ہے، اُس [عہ۳] کے چھوٹے جھنڈ کا باپ ہے۔ ہر عیسائی [عہ۴] کا باپ ہے، پھر [عہ۵] ہر مصلح کا باپ ہے، خود [عہ۶] آدمیوں کے باپ آدم کا باپ ہے، تو ہر بشر کا باپ ہے یہاں تک کہ حکم [عہ۷] ہے کہ زمین پر کسی کو اپنا باپ مت کہو کیونکہ تمھارا ایک ہی باپ ہے جو آسمان پر ہے، یہ کچھ تو نات پودھ پھیلی ہُوئی ہے اور پھر اکیلا مسیح اُس کا اکلوتا، ایسے کو جو اپنے اکلوتے کو سُولی سے نہ بچا سکا، ایسے کو کہ جب اس کا بیگناہ اکلوتا یہاں کی مصیبت جھیل کر ہاں ہاں عیسائیوں کا خدا مخلوق کے مارے سے دَم گنوا کر باپ کے پاس گیا اُس نے اکلوتے کی یہ عزت کی اُس کی مظلومی وبیگناہی کی یہ داد دی کہ اُسے [عہ۸] دوزخ میں جھونک دیا اوروں کے بدلے اسے تین دن جہنم میں بُھونا، ایسے کو [عہ۹] جو روٹی اور گوشت کھاتا ہے اور سفر سے آکر اپنے پاؤں دُھلوا کر درخت کے نیچے آرام کرتا ہے درخت اونچا اور وُہ نیچا ہے، ایسے کو جو فقط زندوں [عہ۱۰] کا خدا ہے مُردوں کا نہیں جو جو مرتے جاتے ہیں اس کی خدائی سے نکلتے جاتے ہیں، ایسے کو جو اپنے ایک بندے [عہ۱۱] سے رات کو صبح ہونے تک کشتی لڑا اور اُسے گرانہ سکا جب دیکھا کہ میں اس پر غالب نہیں آتا اُس کے پاؤں کی نس چڑھا کر کمزور کیا، ایسے کو جس کا [عہ۱۲] بیٹا اُسے جلال بخشتا ہے آریوں کے ایشور کی تو ماں اس کی جان کی حفاظت کرتی تھی عیسائیوں کے خدا کا بیٹا اُسے عزت بخشتا ہے، کیوں نہ ہو سپوت ایسے ہی ہوتے ہیں، اس پر پھر اسے بے خطا جہنم میں جھونکنا کیسی محسن کشی ناانصافی ہے۔ ایسے کو جو [عہ۱۳] یقینا دغا باز ہے پچتاتا [عہ۱۴] بھی ہے،

عہ۱: انجیل یوحنا باب ۲۰ درس ۱۷، عہ۲: انجیل متی باب ۵ درس ۴۵ و ۴۸ و باب ۶ درس ۲ و ۴ و ۱۵ و ۱۸ و ۲۶ و ۳۲ و باب، درس ۱۱۔ وانجیل لوقا باب ۱۱ درس ۲ و باب ۱۲ درس ۳۰۔ عہ۳: انجیل لوقا باب ۲ درس ۳۲۔ عہ۴: پولس کا خط گلتیوں کو باب ۳ درس ۲۶۔ عہ۵: انجیل متی باب ۵ درس ۹۔ عہ۶: انجیل لوقا باب ۳ درس ۳۸۔ عہ۷: انجیل متی باب ۲۳ درس ۹۔ عہ۸: مسئلہ کفارہ ۱۲۔ عہ۹: پیدائش باب ۱۸ درس ۴ تا ۸۔ عہ۱۰: انجیل متی باب ۲۲ درس ۳۲۔ عہ۱۱: موسٰی کی پہلی کتاب باب ۳۲ درس ۵ و ۲۴۔ عہ۱۲: انجیل یوحنا باب ۱۷ درس اول۔ عہ۱۳: کتاب یرمیاہ نبی باب ۴ درس ۱۹۔ عہ۱۴: کتاب یرمیاہ باب ۱۵ درس ۶۔

تھک جاتا بھی ہے، ایسے کو عــہ۱ جس کی دو ۲ جوروہیں ہیں دونوں پکّی زناکار حد بھر کی فاحشہ، ایسے کو جس عــہ۲ کے لئے زنا کی کمائی فاحشہ کی خرچی، کمال مقدس پاک کمائی ہے، ایسے کو جس عــہ۳ نے باندی غلام بنانا جائز رکھ کر نصارٰی کے دھرم میں حددرجے کی ناپاک ظالمانہ وحشیانہ حرکت کی، اور پھر خالی عــہ۴ کام خدمت ہی کے لئے نہیں بلکہ موسٰی کو حکم دیا کہ مخالفوں کی عورتیں پکڑ کر حرم بناؤاُن سے ہم بستری کرو، ایسے کو جس عــہ۵ کی شریعت محض باطل ہے اُس سے راستبازی نہیں آتی اُسے ایمان عــہ۶ سے کچھ علاقہ نہیں جو اس کی شریعت عــہ۷ پر عمل کرے ملعون ہے بلکہ اس کا اکلوتا عــہ۸ بیٹا خود ہی ملعون ہے پھر بھی ایسی لعنتی شریعت عــہ۹ پر عمل کا حکم دیتا، بندوں سے اس کا التزام مانگتا اُسکے ترک عــہ۱۰ پر عذاب کرتا ہے، ایسے کو عــہ۱۱ جو اتنا جاہل کہ نہایت سیدھا سا حساب نہ کر سکا بیٹے کو باپ سے عمر میں بڑا بتایا گیا، ایسے کو جو عــہ۱۲ اتنا بھلکڑ کہ اپنے اکلوتے کے باپوں کی صحیح گنتی نہ گنا سکا، کہیں داؤد تک اس کے ستائیس ۲۷ باپ، کہیں پندرہ ۱۵ بڑھا کر بیالیس ۴۲ باپ وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا۔ حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون ٥

(۶) نیچریوں کے جھوٹے خدا

نیچری ایسے کو خدا کہتا ہے جو نیچر کی زنجیروں میں جکڑا ہے اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا اور نیچر بھی اُتنا جو نیچری کی سمجھ میں آئے جو اس کی ناقص عقل سے وراء ہے معجزہ ہو یا قدرت سب پادر ہوا ہے، ایسے کو جس نے (خاک بدہن ملعونان) جھوٹا دین اسلام بھیجا کہ اس میں باندی غلام حلال کیا (اگرچہ پیر نیچر کے نزدیک ابتدا ہی میں) عــہ۱۳ اور وہ دین جس

عــہ۱: کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ درس ا تا ۲۳ عــہ۲: کتاب یسیعاہ نبی باب ۲۳ درس ۱۸۔ عــہ۳: خروج باب ۱۲ درس او ۴ تا ۶ و پیدائش باب ۱۶ درس ا تا ۶ وغیرہ۔ عــہ۴: استثنا باب ۷ درس ۲ باب ۲۱ درس ۱۰ و ۱۱۔ عــہ۵: پولس کا خط گلتیوں کو باب ۳ درس ۱۱۔ عــہ۶: ایضًا درس ۱۲۔ عــہ۷: ایضًا درس ۱۰ و ۱۳۔ عــہ۸: ایضًا درس ۱۳۔ عــہ۹: انجیل متی باب ۲۳ درس ۲۳۔ عــہ۱۰: کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲ تا ۱۶۔ عــہ۱۱: تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۲ درس او ۲ مع باب ۲۱ درس ۲۰۔ عــہ۱۲: انجیل لوقا درس ۲۳ تا ۳۱ مع انجیل متی درس ۶ تا ۱۷۔

عــہ۱۳: رسالہ سید احمد خان پیر نیچر ابطال غلامی صفحہ ۱۳ ایسی حالت صانع کی مرضی نہیں ہو سکتی صاف عیاں ہے کہ غلامی اس قادر مطلق کی مرضی اور قانون قدرت دونوں کے برخلاف ہے صفحہ ۲۰ غلامی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہو سکتی کیا پاک پروردگار ہی ناپاک چیز کو انسان کے حق میں جائز کرتا اصلی ظلم اور ٹھیٹ ناانصافی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

میں باندی غلام بنانا حلال ہوا ہو نیچری کے نزدیک خدا کی طرف سے ہر گز نہیں ہو سکتا، ایسے کو جس نے مدتوں اسلام میں اپنی خلاف مرضی باتیں ناپاک چیزیں، اصلی ظلم، ٹھیٹ ناانصافی روا رکھی، ایسی بد باتیں بہائم کی حرکتیں کہ ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جاسکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اُس میں ایسے امور جائز ہوں۔ ایسے کو جوان سخت ظالموں، ٹھیٹ ناانصافوں جانور سے بدتر وحشیوں کو جن کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خدا ایسے قصور کا تقصیر وار نہیں ہو سکتا صفحہ ۲۴ جو امور لونڈیوں اور قیدی عورتوں کے ساتھ جائز سمجھے جاتے ہیں کیا حرکات بہائم سے کچھ زیادہ رتبہ رکھتے ہیں، کیا وہ کسی مذہب کے سچے اور خدا کے دئے پر دلیل ہو سکتے ہیں، حاشا وکلا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ بات مانی نہیں جا سکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں، صفحہ ۲۵ یہودی مذہب نے غلامی کے قانون کو جائز سمجھا، اور عیسٰی مسیح نے اس کی نسبت کچھ نہ کہا مگر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو کچھ کہا اس کو کسی نے نہ سمجھا، صفحہ ۲۹ زمانہ اسلام میں بھی غلامی کی رسم پر جب تک آیتِ حُریت نازل نہ ہُوئی کچھ تھوڑا سا عملدرآمد ہُوا، اس میں کُچھ شک نہیں کہ قبلِ نزولِ آیتِ حریت جو غلام موجود تھے ان کو اسلام نے دفعۃً آزاد نہ کیا، نہ ان کے تعلقات کو توڑا، ملاحظہ ہو موسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل کر دئے، مُوسوی تو یوں کہ اس نے غلامی کے قانون کو جائز رکھا، اور عیسوی یُوں کہ عیسٰی مسیح نے اسی شدید بیحیائی ٹھیٹ ظلم پر کچھ نہ کہا نبی کا کسی بات پر سکوت بھی اسے جائز کرنا ہے، اسلام یوں کہ صدر اسلام میں غلامی کی رسم پر عملدرآمد رہا پھر جب اس مرتد کے زعم میں آیت آزادی اُتری اس نے بھی اگلے حکموں کو برقرار رکھا، ان بے حیائیوں کو معدوم نہ کیا۔ سود منع فرمایا جب تو یہ حکم دیا کہ پہلے کا جو باقی رہا ہو وہ بھی چھوڑ دو ورنہ اللہ و رسول سے لڑائی کو تیار ہو جاؤ، اور یہاں موجودہ ظلموں بے حیائیوں کو قائم رکھا جائز کر دیا فقط آئندہ کے لئے اس کے زعمِ ملعون میں منع کیا، بہر حال تینوں دینوں میں ہمیشہ یا ایک زمانہ دراز تک رسمِ غلامی جائز رہی، اور خود کہہ چکا کہ ایک لمحہ کے لئے یہ بات نہیں مانی جا سکتی کہ سچا مذہب جو خدا کی طرف سے اترا ہو اس میں ایسے امور جائز ہوں کیسا صاف صریح کہہ دیا کہ موسوی، عیسوی، محمدی تینوں دین باطل، اور پھر عجب ہے کہ اس کے پیرواُسے نہ صرف مسلمان بلکہ اسلام کا سنوارنے والا بتاتے ہیں کلا واللہ بلکہ "اَبٰی وَاسۡتَکۡبَرَ٭ۙ وَکَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۳۴﴾"[1]، "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] (منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا، عنقریب جان لیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) ۱۲ منہ علیہ الرحمۃ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

[2] القرآن ۲۶/ ۲۲۷

چھوٹا بڑا اوّل سے آج تک اُن ناپاکیوں پر اجماع کئے ہوئے ہے خیر الامم کا خطاب دیتا اور اپنے چُنے ہوئے بندے کہتا ہے۔ایسے کو جس نے کہا تو یہ روشن آیتیں بھیجتا ہوں تمھیں اندھریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہوں اور کیا یہ کہ جو کہی کہہ مکرنی کہی تمثیلی داستان پہیلیاں چیستاں،لفظ کچھ مراد کچھ جو لغۃً عرفاً کسی طرح اُس کا مفہوم نہ ہو۔فرشتے،آسمان،جن،شیطان،بہشت،دوزخ،حشر اجساد،معراج،معجزات سب باتیں بتائیں اور بتائیں بھی کیسی ایمانیات ٹھہرائیں اور من میں یہ کہ درحقیقت یہ کچھ نہیں یوہیں طوطا مینا کی سی کہانیاں کہہ سُنائیں وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔کیا انھوں نے خدا کو جانا۔حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفونo

(۷) چکڑالوی کے جُھوٹے خدا

چکڑالوی ایسے کو خدا کہتا ہے جس کے رسول کی قدر ایک ڈاکئے سے زیادہ نہیں جس نے اپنے نبی کا اتباع کچھ نہ رکھا،ایسے کو جس نے کہا تو یہ،کہ میری کتاب میں ہر شیئ کا روشن بیان ہے ہر چیز کی پُوری تفصیل ہے ہم نے اس میں کوئی بات نہ اٹھار کھی اور حالت یہ کہ نماز فرض کی اور یہ بھی نہ بتایا کہ کے وقت کی،یہ بھی نہ بتایا کہ ہر وقت میں کے رکعتیں،یہ بھی نہ بتایا کہ اُس کے پڑھنے کی ترکیب کیا ہے اس کے ارکان کیا ہیں،اگر رکوع سجود قیام قرأت اس کے رکن مانے بھی جائیں اگرچہ اس نے کہیں اس کا اظہار نہ کیا تو ان میں آگے کیا ہو پیچھے کیا،اس کے مفسدات کیا کیا ہیں،کیونکر جاتی ہے،کیونکر ہوتی ہے سب سے بڑا فرض ایمان،اُس میں تو یہ گول مجمل بے سود بیان جس سے کچھ پتا ہی نہ چلے اور دعوی وُہ ہے کہ جملہ اشیاء کا روشن بیان،مزہ یہ کہ متواترات کی جڑ کاٹ دی کہ سوا میری کتاب کے کچھ حجت نہیں،اپنی کتاب کیا وہ خود ہمارے ہاتھ میں دے گیا یہ بھی تو ہم کو تواتر ہی سے ملی،جب تواتر حجت نہیں،یہ بھی حجت نہیں،غرض ایمان اسلام سب بر باد وناکام وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔کیا اس نے خدا کو جانا۔حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفونo

(۸) قادیانی کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتا ہے جس عـــہ۱ نے چار سو جھوٹوں کو اپنا نبی کیا اُن سے جھوٹی پیشین گوئیاں کہلوائیں جس نے ایسے عـــہ۲ کو ایک عظیم الشان رسول بنایا جس کی نبوت پر اصلاً دلیل نہیں بلکہ اُس کی نفیِ نبوت پر دلائل قائم جو(خاک بدہن ملعونان) ولد الزنا عـــہ۳ تھا جس کی تین دادیاں نانیاں زناکار کسبیاں تھیں۔ایسے کو جس عـــہ۴ نے ایک بڑھئی کے

عـــہ۱: ازالہ ص ۶۲۹۔ عـــہ۲: اعجاز احمدی ص ۱۳۔ عـــہ۳: ضمیمہ انجام آتھم ص ۷۔ عـــہ۴: رسالہ کشتی نوح ص ۱۶ مع نوٹ۔

بیٹے کو محض جھوٹ کہہ دیا کہ ہم نے بن باپ کے بنایا اور اس پر یہ فخر کی جھوٹی ڈینگ ماری کہ یہ ہماری قدرت کی کیسی کھلی نشانی ہے۔ ایسے کو جس نے عـــہ۱ ایک بد چلن عیاش کو اپنا نبی کیا جس نے ایک عـــہ۲ یہودی فتنہ گر عـــہ۳ کو اپنا رسول کرکے بھیجا جس کے پہلے ہی فتنہ نے دنیا کو تباہ کردیا۔ ایسے کو جو عـــہ۴ اسے ایک بار دنیا میں لاکر دوبارہ لانے سے عاجز ہے وہ جس نے ایک شعبدہ باز عـــہ۵ کی مسمریزم والی مکروہ حرکات قابلِ نفرت حرکات جھوٹی بے ثبات کو اپنی آیات بینات بتایا، ایسے کو جس کی آیات بینات لہو لعب ہیں اتنی بے اصل کہ عام لوگ ویسے عجائب کرلیتے تھے اور اب بھی کر دکھاتے ہیں بلکہ آجکل کے کرشمے اُن سے زیادہ بے لاگ ہیں اہل کمال کو ایسی باتوں سے پرہیز رہا ہے۔ ایسے کو جس نے اپنا عـــہ۶ سب سے پیارا بروزی خاتم النبیین دوبارہ قادیان میں بھیجا مگر اپنی جُھوٹ فریب تمسخر ٹھٹول کی چالوں سے اُس کے ساتھ بھی نہ چوکا، اُس سے کہہ دیا کہ تیری جورو کے اس عمل سے بیٹا ہوگا جو انبیاء کا چاند ہوگا بادشاہ اُس کے کپڑوں سے برکت لیں گے۔ بروزی بیچارہ اس کے دھوکے میں آکر اُسے اشتہاروں میں چھاپ بیٹھا اسے تو یُوں ملک بھر میں جُھوٹا بننے کی ذلّت ورسوائی اوڑھنے کے لئے یہ جُل دیا اور جھٹ پٹ میں اُلٹی کَل پھرادی بیٹی بنادی۔ بروزی بیچارہ کو اپنی غلط فہمی کا اقرار چھاپنا پڑا اور اب دوسرے پیٹ کا منتظر رہا اب کی یہ مسخر گی کی کہ بیٹا دے کر امید دلائی اور ڈھائی برس کے بچے ہی کا دم نکال دیا، نہ نبیوں کا چاند بننے دیا نہ بادشاہوں کو اُس کے کپڑوں سے برکت لینے دی، غرضکہ اپنے چہیتے بروزی کا جھوٹا کذاب ہونا خوب اُچھالا اور اُس پر مزہ یہ کہ عـــہ۷ عرش پر بیٹھا اُس کی تعریفیں گارہا ہے، اس پر بھی صبر نہ آیا بروزی کے چلتے وقت کمال بے حیائی کی ذلت ورسوائی تمام ملک میں طشت از بام ہونے کے لئے اُسے یوں چاؤ دلایا کہ اپنی بہن احمدی کی بیٹی محمدی کا پیام دے، بروزی بیچارے کے مُنہ میں پانی بھر آیا، پیام پر پیام، لالچ پر لالچ، دھمکی پر دھمکی، اُدھر احمدی کے دل میں ڈال دیا کہ ہرگز نہ پسیج، یوں لڑائی ٹھنوا کر اپنے امدادی وعدوں سے بروزی کی امیدوار بڑھائی کہ دیکھ احمدی کا باپ اگر دوسری جگہ اس کا

عـــہ۱: ضمیمہ مذکوہ صفحہ ۷۔ عـــہ۲: مواہب الرحمٰن صفحہ ۷۲۔ عـــہ۳: دافع البلا صفحہ ۱۵۔ عـــہ۴: ایضًا عبارت مذکورہ۔
عـــہ۵: ازالہ آخر صفحہ ۱۵۱ تا آخر صفحہ ۱۶۲۔ عـــہ۶: دافع البلا صفحہ ۳ و صفحہ ۹ وغیرہ۔ عـــہ۷: اعجاز احمدی ص ۶۹۔

نکاح کر دے گا تو ڈھائی برس میں وہ مرے گا، اور تین برس میں وُہ شوہر، یا بالعکس۔ بروزی جی تو ہمیشہ اُس کی چالوں میں آجاتے تھے اسے بھی چھاپ بیٹھے یہاں تک تو وہی جُھوٹی پیشن گوئیاں رہتیں جو سدا کی تھیں۔ اب اُس قادیانی کے ساختہ خدا کو اور شرارت سوجھی جھٹ بروزی کو وحی پھنکا دی کہ "زوجنا کہا" محمدی سے ہم نے تیرا نکاح کر دیا۔ اب کیا تھا بروزی جی ایمان لے آئے کہ اب محمدی کہاں جاسکتی ہے یُوں جُل دے کر بروزی کے منہ سے اُسے اپنی منکوحہ چھپوا دیا، تاکہ وُہ حد بھر کی ذلت جو ایک چمار بھی گوارا نہ کرے کہ اُس کی جورو اور اُس کے جیتے جی دوسرے کی بغل میں، یہ مرتے وقت بروزی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہو، اور رہتی دنیا تک بیچارے کی فضیحت و خواری و بے عزّتی و کذابی کا ملک میں ڈنکا ہو، ادھر تو عابد و معبود کی یہ وحی بازی ہُوئی اُدھر سلطان محمد آیا اور نہ عابد کی چلنے دی نہ معبود کی، بروزی جی کی آسمانی جورو سے بیاہ کر ساتھ لے، یہ جا، وہ جا، چلتا بنا، ڈھائی تین برس پر موت دینے کا وعدہ تھا وُہ بھی جُھوٹا گیا، اُلٹے بروزی جی زمین کے نیچے چل بسے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے قادیانی اور اُس کا ساختہ خدا۔ کیا وُہ خدا کو جانتا تھا یا اب اس کے پیرو جانتے ہیں **حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفون**o

(۹) رافضیوں کے جھوٹے خدا

ایسے کو خدا کہتا ہے جو حکم کرکے پچھتاتا ہے جو مصلحت[عــہ] سے جاہل رہ کر ایک حکم کرتا ہے جب مصلحت کا علم آیا اُسے بدل دیتا ہے، اس سے تو یہودی خدا غنیمت تھا کہ پچتانے کے عیب سے بچنے کو نسخ تک نہ کر سکا، ایسے کو جو وعدے کا جُھوٹا یا بندوں سے عاجز ہے کہ اپنا کلام اتارا اور اُس کی حفاظت کا ذمہ دار بنا مگر عثمان غنی وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم واہلسنت نے اس کی آیتیں اُلٹ پُلٹ کر دیں سُورتوں کی سورتیں کترلیں اور وہ یا تو وعدہ خلافی سے چپکا، دیکھا کیا اور کچھ نہ کہا، یا گھٹانے والوں کے آگے کچھ نہ چل سکی، دم سادھ گیا۔ ایسے کو جس نے کہا تو یہ کہ میں یہ دین سب پر غالب کرتا ہوں، اور کیا یہ کہ خود ہی اُسے ملیا میٹ کر دیا، اپنی کتاب ہی کا آپ ہی تھل بیڑا نہ رکھا، فاسقوں کی روایت بے تحقیق ماننے سے منع کیا اور اپنی کتاب کی روایت کا سلسلہ (خاک بدہن ملعونان) کافروں سے رکھا، اور کافر بھی وُہ جن کا ایک گروہ ایک جتھا خیانت میں طاق، اور عداوت اہلبیت میں تحریف واخفائے آیات پر سب کا اتفاق، کیا معلوم کہ اُنھوں نے کتنا بدلا، کیا کچھ چھپایا، آیتوں کی ترتیب بدل کر کہاں کا حکم کہاں لگایا، ایسے کو جو بندوں سے عاجز تر ہے وہ بندے سے نیکی چاہے اور بندہ بدی چاہے تو بندہ ہی کا چاہا ہوتا ہے اُس کی ایک نہیں چلتی۔ ایسے کو کہ ہر چمار ہر کافر ہر کُتّا ہر سوئر خالقیت میں اُس کا شریک ہے، وہ اعیان گھڑتا ہے یہ اپنی

عــہ۱: فتوائے مجتہد لکھنو مجموعہ تکملہ ردّ روافض ۱۲۔

قدرت سے اپنے افعال، اور پھر اس پر یہ دعوٰی کہ ہے میرے سوا کوئی خالق۔ ایسے کو جس نے بہتیرا چاہا کہ میرے نائب کے بعد میرا شیر مسند پر بیٹھے مگر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نہ چلنے دی، آیت عـــہ اتاری وُہ کترلی اور سب نے اُس کے کترنے پر اتفاق کیا آج تک ویسی ہی کتری ہوئی چلی آتی ہے، اس کے رسول نے تمام صحابہ کے مجمع میں اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ کر دکھایا اور عمامہ باندھ کر اپنا ولیعہد بنایا مگر رسول کی آنکھیں بند ہوتے ہی بالاتفاق تمام صحابہ نے وہ عہد و پیمان پاؤں کے نیچے مل ڈالا اور کمیٹی کرکے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مسند نشین کردیا اور شیر مُنہ دیکھتا رہ گیا نہ اُسکی چلی نہ رافضی صاحبوں کے ساختہ خدا کی۔ ایسوں کے ہاتھ میں قرآن رکھا اچھا حفاظت کا وعدہ نباہا۔ ایسا بے اعتبار قرآن شائع کیا، اچھا دین کو غلبہ دیا اپنے نبی کی صحبت اور اُس کے دین کی روایت کو چھانٹ چھانٹ کر ایسے چنے لطف وعدل و اصلح کا واجب خوب ادا کیا، ایسے کو جس کا شیر اور شیر بھی کیسا غالب شیر ہمیشہ دشمنوں کا مطیع وفرمانبردار رہا (خاک بدہن ملعونان) کافروں کے پیچھے نماز پڑھا کیا، کافروں کے جھنڈے کے نیچے لڑا کیا، بُزدلی سے دو رویہ و منافق ہو کر دشمنوں کی بڑی بڑی تعریفیں گاتا رہا، اہلبیتِ رسالت پر کرّے کرّے گھنونے گھنونے ظُلم دیکھتا، اور ڈر کے مارے دَم نہ مارتا بلکہ اپنی مدح وستائش سے اور مدد کرتا، یہاں تک کہ کافر لوگ اُس کی سگی بیٹی چھین کرلے گئے اور بی بی بنایا اور وہ تیوری پر میل نہ لایا، ویسا ہی اُن کا خادم و ہمدم بنا رہا، اور وُہ کیا کرے رافضی دھرم میں رسول ہی کو یہ توفیق تھی کہ بیٹیاں لے تو کافروں منافقوں سے، اور بیٹیاں دے تو کافروں منافقوں کو، اور اپنا یار وانیس و وزیر و جلیس بنائے تو کافروں منافقوں کو، اور وُہ بھی کیا کرے روافض کا خدا ہی اُن ظالموں کافروں کے بڑے بڑے مناقب اپنے کلام میں اتارتا رہا، جسے لاکھ کے مجمع میں مقبول تو فقط چار چھ، باقی سب دشمن اور وہ اُس بھری جماعت میں بلاتعیین عام صیغوں سے عام وصفوں سے مہاجرین وانصار وصحابہ کہہ کر تعریفیں کرتا بندوں کو دھوکے دیتا، دوٹوک بات نہ کہنی تھی نہ کہہ سکا، ایسے کو جس نے اُن موجود حاضروں میں اپنے نیک بندوں کو مخاطب کرکے وعدہ دیا کہ ضرور ضرور تمھیں اس زمین کی خلافت دُوں گا اور تمھارا دین تمھارے لئے جماؤں گا اور تمھارا خوف امن سے بدل دوں گا، کاش وہ کسی کے لئے ان میں سے کچھ نہ کرتا تو نرا وعدہ خلاف ہی رہتا۔ نہیں اُس نے کی اور اُلٹی کی اپنے نیک بندوں کے بدلے (خاک بدہن ملعونان) کافروں کو زمینِ عرب کی خلافت دی اور اُنھیں کا دین خوب جمادیا اور انھیں کے خوف کو امن سے بدل دیا۔ رہے

عـــہ: یا ایھا النبی بلغ ما انزل الیك من ربك ان علیا ولی المؤمنین قرآن عظیم میں اتنا ٹکڑا روافض زیادہ مانتے ہیں اور یہ کہ صحابہ نے اسے گھٹادیا ۱۲۔

چار چھ نیک بندے بے بس بیچارے ترساں ہراساں خوف کے مارے انھوں نے ان کی خدمتگاری فرمانبرداری کرتے دن گزارے، جس نے روشن کر دیا کہ کافر ہی اُس کے نیک بندے ہیں تو وعدہ خلاف دغاباز حق کا چھپانے والا باطل کا چمکانے والا بندوں کو دھوکے دے کر اُلٹی سمجھانے والا سب کچھ ہُوا، ایسے کو جو خود مختار نہیں بلکہ اُس پر واجب ہے کہ یہ یہ کرے اور یہ یہ نہ کرے، اور مزہ یہ کہ اس پر واجب تھا بندوں کے حق میں بہتر کرنا یہ بندوں کے حق میں بہتر تھا کہ ان کی ہدایت کو جو کتاب اتری ظالموں کے پنجے میں رکھی جائے کہ وہ اسے کتریں بدلیں اور اصل ہدایت پہاڑ کی کھوہ میں چھپادی جائے جس کی وہ ہوا نہ پائیں یہ بندوں کے حق میں اصلح تھا کہ اعداء غالب محبوب مغلوب، باطل غالب حق مغلوب، اچھا واجب ادا کیا وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، یہ ہے رافضیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے تعالیٰ اللہ کیا وہ خدا کو جانتے ہیں، حاش للہ سبحٰن رب العرش عما یصفون ٥

(۱۰) وہابیوں کے جھوٹے خدا

وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے جسے عــہ۱ مکان، زمان، جہت، ماہیت، ترکیب عقلی سے پاک کہنا بدعت حقیقیہ کے قبیل سے اور صریح کفروں کے ساتھ گننے کے قابل ہے جس کا سچا ہونا کچھ ضرور نہیں جھوٹا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے کہ عــہ۲ جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اُس کی کتاب قابلِ استناد نہ اُس کا دین لائق اعتماد، ایسے کو جس عــہ۳ میں ہر عیب و نقص کی گنجائش ہے جو اپنی مشیت بنی رکھنے کو قصداً عیبی بننے سے بچتا ہے، چاہے تو ہر گندگی میں آلودہ ہو جائے، ایسے کو جس عــہ۴ کا علم حاصل کئے حاصل ہوتا ہے اس کا علم اس کے اختیار میں ہے چاہے تو جاہل رہے، ایسے کو جس عــہ۵ کا بہکنا، بھولنا، سونا، اونگنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتی کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے کھانا، پینا، پیشاب کرنا، پاخانہ پھرنا، ناچنا، تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بیحیائی کا مرتکب ہونا حتّٰی کہ مخنّث کی طرح خود مفعول بننا، کوئی خباثت کوئی فضیحت اُس کی شان عــہ۶

عــہ۱: ایضاح الحق اسمٰعیل دہلوی مطبع فاروقی ۱۲۹۷ھ دہلی مع ترجمہ صفحہ ۳۵ و ۳۶۔

عــہ۲: دیکھو سبحٰن السبوح تنزیہ دوم دلیل دوم۔ عــہ۳: رسالہ یکروزی اسمٰعیل دہلوی ص ۱۴۵۔

عــہ۴: تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی مطبع فاروقی دہلی ۱۲۹۳ھ ص ۲۰۔

عــہ۵: دیکھو یکروزی ص ۱۴۵ مع کوکب شہابیہ ۱۵ و سبحٰن السبوح طبع بار سوم ص ۶۴ تا ۶۷ و دامان باغ سبحٰن السبوح ص ۱۵۴ تا ۱۵۶ و پیکان جانگداز ص ۱۶۱ وغیرہ۔ عــہ۶: یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

کے خلاف نہیں، وُہ کھانے عــہ۱ کا مُنہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی وزنی کی دونوں علامتیں بالفعل رکھتا ہے صمد نہیں جوف دار کھگل ہے، سبوح قدوس نہیں، خنثٰی مشکل ہے یا کم از کم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتا ہے اور یہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو عــہ۲ جلا بھی سکتا ہے ڈبو بھی سکتا ہے زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر بندوق مار کر خود کشی بھی کر سکتا ہے اُس کے ماں باپ جورو بیٹا سب عــہ۳ ممکن ہیں بلکہ ماں باپ ہی سے عــہ۴ پیدا ہوا ہے ربڑ کی طرح پھیلتا عــہ۵ سمٹتا ہے برمھا کی طرح چومکھا عــہ۶ ہے، ایسے کو جس عــہ۷ کا کلام فنا ہو سکتا ہے جو بندوں کے خوف کے باعث جھوٹ عــہ۸ سے بچتا ہے کہ کہیں وُہ مجھے جھوٹا نہ سمجھ لیں، بندوں سے پُرا چھپا کر پیٹ بھر کر جھوٹ بک سکتا ہے، ایسے کو جس کی خبر کچھ ہے عــہ۹ اور علم کچھ، خبر سچی ہے تو علم جھوٹا، علم سچا ہے تو خبر جُھوٹی۔ ایسے کو جو سزا عــہ۱۰ دینے پر مجبور ہے نہ دے تو بے غیرت ہے، معاف کرنا چاہے تو حیلے ڈھونڈھتا ہے، خلق کی آڑ لیتا ہے، ایسے کو جس کی خدائی کی اتنی حقیقت کہ جو شخص ایک پیڑ کے پتّے گن دے اُس کا شریک ہو جائے، جس نے اپنا سب سے بڑھ کر

عــہ۱: دیکھو مضمون محمود حسن دیوبندی مطبوع پرچہ نظام الملک ۲۵ اگست ۸۹ء مع رسالہ الھیبۃ الجباریہ علٰی جہالۃ الاخباریہ و پیکان جانگداز وغیرہ۔

عــہ۲: یکروزی مردود مع مذکورہ ردود۔

عــہ۳: ایضًا یکروزی و مضمون محمود حسن دیوبندی مع سبحٰن السبوح صفحہ ۷ و ۴ و ۴۸ و ۶۶ و دامان باغ صفحہ ۱۵۸ وغیرہا، اور جورو بیٹے کا امکان ایک دیوبندی اپنے رسالہ ادلہ واہیہ صفحہ ۱۴۲ میں صراحۃً مان گیا دیکھو پیکان جانگداز صفحہ ۱۷۶۔

عــہ۴: یکروزی و مضمون محمود حسن دیوبندی مع دامان باغ سبحٰن السبوح ص ۱۸۷

عــہ ۵: یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز ص ۱۷۵۔

عــہ۶: یکروزی و محمود حسن مع پیکان جانگداز ۱۷۶۔

عــہ۷: یکروزی مع سبحٰن السبوح ص ۸۳۔

عــہ۸: یکروزی مع سبحٰن السبوح ص ۸۲

عــہ۹: رسالہ تقدیس دیوبندی ص ۳۶۔

عــہ۱۰: یہاں سے شروع بیان دیوبندیاں تک سب اقوال تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی کے ہیں جو بارہا دکھا کر رَد کر دیئے گئے ۱۲

مقرب ایسوں کو بنایا جو اس کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہیں جو چُوڑھوں چماروں سے لائق تمثیل ہیں، ایسے کو جس نے اپنے کلام میں خود شرک بولے اور جا بجا بندوں کو شرک کا حکم دیا۔ قرآن عظیم تو فرمائے "اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"[1] انھیں اللہ ورسول نے اپنے فضل سے دولتمند کر دیا اور مسلمانوں کو اس کہنے کی ترغیب دے کہ "حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ"[2] ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتے ہیں اللہ ورسول ہمیں اپنے فضل سے۔ اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کے کان میں پھونک جائے کہ ایسا کہنے والا مشرک ہے، قرآن عظیم تو جبریل امین کو بیٹا دینے والا فرمائے کہ اُنھوں نے حضرت مریم سے کہا: "اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ﳓ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا"[3] میں تو تیرے رب کا رسول ہُوں اس لئے کہ میں تجھے سُتھرا بیٹا دُوں۔ یعنی مسیح علیہ الصلوٰۃ والتسلیم رسول بخش ہیں، اور وہابیہ کا خدا اُن کے کان میں ڈال جائے کہ رسول بخش کہنا شرک قرآن عظیم تو اس گستاخ پر جس نے کہا تھا رسول غیب کیا جانے حکم کفر فرمائے کہ:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ"[4]	بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

اور وہابیہ کا خدا اسمٰعیل دہلوی کو یہی ایمان سُجھائے کہ رسول غیب کیا جانے اور وہ بھی اس تصریح کے ساتھ کہ اللہ کے دئے سے مانے جب بھی شرک ہے۔ اب کہئے اگر رسول کو غیب کی خبر مانے تو وہابی خدا کے حکم سے مشرک، نہ مانے تو قرآن عظیم کے حکم سے کافر، پھر مفر کدھر، یہی مانتے بنے گی کہ یہ مسلمانوں کے خدا کے احکام ہیں جس نے قرآن کریم محمد رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اتارا اور وہ وہابیہ کے خدا کے جس نے تقویۃ الایمان اسمٰعیل دہلوی اتاری، ہاں وہابیہ کا خدا وُہ ہے جس کے سب سے اعلیٰ رسول کی شان اتنی ہے جیسے قوم کا چودھری یا گاؤں کا پدھان جس نے حکم دیا ہے کہ رسولوں کو ہر گز نہ ماننار سولوں کا ماننا نرا خبط ہے وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ۔ یہ ہے وہابیوں کا خدا، کیا خدا ایسا ہوتا ہے لا الٰہ الا اللہ کیا وُہ خدا کو جانتے ہیں، حاش للہ سبحٰن رب العرش عمّا یصفون ٥

(۱۱) دیوبندیوں کے جھوٹے خدا

دیوبندی ایسے کو خدا کہتے ہیں جو وہابیہ کا خدا ہے جس کا بیان ابھی گزر چکا ہے اور اتنے وصف اور رکھتا ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۱۹/۱۹

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

علمِ ذاتی عـــہ۱ میں اس کی توحید یقینی، دوسرے کو اپنی ذات سے بے عطائے خدا عالم بالذات کہنا قطعًا کفر نہیں، ہاں وہ جو بالفعل جُھوٹا ہے جس عـــہ۲ کے لئے وقوعِ کذب کے معنے درست ہو گئے جو اسے جھٹلائے مسلمان عـــہ۳ سنی صالح ہے اسے کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہئے، دیوبندی خدا عـــہ۴ چوری بھی کر سکتا ہے وہ تمام جہان عـــہ۵ کا تنہا مالک نہیں اُس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہیں جن کی ملک میں وہ چیزیں ہیں جو دیوبندی خدا کی ملک میں نہیں اُن پر للچائے تو چاہے ٹھگوں لٹیروں کی طرح جبرًا غصب کر بیٹھے کیونکہ وہ ظالم بھی عـــہ۶ ہو سکتا ہے اُچکّوں چوروں کی طرح مالکوں کی آنکھ بچا کر لے بھاگے کیونکہ وہ چوری کر سکتا ہے، ہاں وُہ جس کی توحید باطل ہے کہ ایک وہی خدا ہوتا تو دوسرا مالک مستقل نہ ہو سکتا اور دوسرا مالک مستقل نہ ہوتا تو دیوبندی خدا چوری کیسے کر سکتا کہ اپنی ملک لینے کو چوری نہیں کہہ سکتے اور اگر وہ چوری نہ کر سکتا تو دیوبندی بلکہ عام وہابی دھرم میں علٰی کل شیئ قدیر نہ رہتا انسان اُس سے قدرت میں بڑھ جاتا کہ آدمی تو چوری کر سکتا ہے اور وہ کر نہ سکا اور یہ محال ہے۔ لاجرم ضرور ہے کہ دیوبندی خدا چوری کر سکے تو ضرور ہے کہ اس کے سوا اور بھی مالک مستقل ہوں تو لازم ہے کہ دیوبندی خدا کم از کم مجوسی خداؤں کی طرح دو۲ ہوں، نہیں نہیں بلکہ قطعًا لازم کہ کروڑوں ہوں کہ آدمی کروڑوں اشخاص کی چوری کر سکتا ہے دیوبندی خدا نہ کر سکے تو آدمی سے قدرت میں گھٹ رہے، لاجرم ضرور ہے کہ کروڑوں خدا ہوں جن کی چوری دیوبندی خدا کر سکے، رہا یہ کہ وہ سب کے سب اسی کی طرح چوٹے بدمعاش ہیں یا صرف یہ، اس کا فیصلہ تھانوی صاحب کے سر ہے۔ ہاں دیوبندی خدا وُہ ہے کہ علم عـــہ۷ میں شیطان اس کا شریک ہے سب سے بدتر

عـــہ۱: یہ قول رشید احمد گنگوہی کا ہے، فتاوٰی گنگوہی جلد اول ص ۳ ۸ "جو یہ عقیدہ ہو کہ خود بخود آپ کو علم تھا بدون اطلاع حق تعالٰی کے تو اندیشہ کفر کا ہے امام نہ بنانا چاہیے اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان روکے" تھانوی صاحب وغیرہ علمائے وہابیہ سے استفتا ہے کہ علم ذاتی بے عطائے الٰہی کسی مخلوق کے لئے ماننا ضروریات دین کا انکار ہے یا نہیں، ہے تو ایسے کے کفر میں شک کرنا بلکہ کفر نہ ماننا صرف اندیشہ کفر جاننا کفر ہے یا نہیں، ہے تو جناب گنگوہی صاحب کافر ہُوئے یا نہیں، نہیں تو کیوں ۱۲۔

عـــہ۲: فتوائے گنگوہی ۱۲۔ عـــہ۳: فتوائے گنگوہی ۱۲۔

عـــہ۴: مضمون محمود حسن دیوبندی پرچہ مذکورہ نظام الملک ۱۲

عـــہ۵: دیکھو مضمون مذکور دیوبندی مع پیکان جانگداز ص ۱۷۲۔ عـــہ۶: مضمون مذکور

عـــہ۷: براہین قاطعہ ایمان گنگوہی صاحب ص ۴۷۔

مخلوق عــہ۱ شیطان کا علم اُس کے سب سے اعلیٰ رسول کے علم سے وسیع تر ہے اور ہونا ہی چاہئے کہ رسول اس کے برابر کیسے ہو سکے جو خدا کا شریک ہے، اُس نے جیسا عــہ۲ علم اپنے حبیب کو دیا اور اُسے اپنا بڑا فضل کہا اور اس پر اعلیٰ درجہ کا احسان جتایا اُس کی حقیقت اتنی کہ ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے، ہاں دیوبندی خدا وُہ ہے جسے قادر مطلق کہنا اسی دلیل سے باطل ہے کہ جمیع اشیاء پر قدرت تو عقلاً ونقلاً باطل ورنہ خود وہ بھی مقدور ہو تو ممکن ہو تو خدا نہ رہے اور اگر بعض مراد تو اس میں اُس کی کیا تخصیص، ایسی قدرت تو ہر پاگل چوپائے کو ہے۔ دیوبندی خدا وہ ہے جس عــہ۳ نے ایسے کو اپنا سب سے اعلیٰ رسول چُنا جو اُس کا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھتا خیالات عوام کے لائق اُس کی سمجھ تھی جس کی خطا اہل فہم پر روشن تھی، پھر یہ دیوبندی خُدا اُسے اس فاحش غلطی پر بھی نہ روکتا یا شاید خود بھی اپنا کلام نہ سمجھتا کیونکہ وہ عــہ۴ جاہل بھی ہوسکتا ہے، دیوبندی خدا وُہ ہے کہ جس دلیل سے اس کے خاتم النبیین کے سوا چھ عــہ۵ خاتم النبیین اور ماننا خاتم کی شان بڑھانا ہے یو ہیں اُسے تنہا خدا کہنا اُس کی شان گھٹانا ہے اُس کی بڑی بڑائی یہ ہے کہ بہت سے خداؤں کا خدا ہے کیا خدا ایسا ہوتا ہے، حاش ﷲ سبحٰن رب العرش عما یصفون ○

(۱۲) غیر مقلدوں کے جھوٹے خدا

غیر مقلد کا خدا یہ سب کچھ ہے جو دیوبندی وہابی کا، قال اللہ تعالٰی "بَعْضُھُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ"[1] (اور وہ بعض نزاکتیں اور زیادہ رکھتا ہے ایسا کہ جس عــہ۶ کے دین میں کُتّا حلال، سوئر کی چربی حلال، سوئر کے گُردے حلال، سوئر کی تلی حلال، سوئر کی کلیجی حلال، سوئر کی اوجھڑی حلال، سوئر کی کھال کا ڈول بنا کر اس سے پانی پینا حلال وضو کرنا

عــہ۱: براہین قاطعہ ایمان گنگوہی صاحب ص ۴۷۔ عــہ۲: حفظ الایمان تھانوی صاحب ص ۷۔

عــہ۳: تحذیر الناس قاسم نانوتوی صاحب ص ۲ مع حدیث متواتر "انا خاتم النبیین لا نبی بعدی"۔

عــہ۴: تقویۃ الایمان ص ۲۰ و تصریح صریح مضمون مذکور محمود حسن دیوبندی۔ عــہ۵: تحذیر الناس نانوتوی ص ۳ و ۳۸۔

حلال۔ عــہ۶: آیہ کریمہ "قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ"[2] میں کھانے کی صرف چار ۴ چیزوں میں حرمت کا حصر ہے جن میں کُتّا نہیں، اور سوئر کا گوشت ہے چربی گردے تلی کلیجی کھال نہیں، اور انکی حرمت میں کوئی صحیح صریح حدیث بھی نہیں اور ہو تو آیت کارد نہیں کرسکتی لہٰذا غیر مقلدی دھرم میں یہ سب چیزیں حلال و شیر مادر ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۵

حلال، گندی خبیث عـــہ۱ شراب سے نہا کر سارے کپڑے اس میں رنگ کر نماز پڑھنا حلال ایک وقت میں ایک عورت عـــہ۲ متعدد مردوں پر حلال، وُہ جس نے آپ ہی تو عـــہ۳ حکم دیا کہ خود نہ جانو تو جاننے والوں سے پوچھو، اپنے علماء کی اطاعت کرو، اپنے نیکوں کی پیروی کرو، جب پوچھا اور اطاعت و پیروی کی تو شرک کی جڑ دی۔ وُہ جس نے ائمہ دین کی تقلید حرام و شرک ٹھہرائی اور پُوربی عـــہ۴ بنگالی پنجابی بھوپالی کی فرض۔ وہ جس نے اپنے اور رسولوں کے سوا کسی کی بات حجت نہ رکھی اور بیچ میں چند محدثوں عـــہ۵ اور جارحوں معدلوں کو کھڑا کرکے ان کے قول کو کتاب وسنت کے برابر ٹھہرا کر حجیت دی یعنی یہ شریک الوہیت نہیں تو شریک رسالت ضرور ہیں، نہیں نہیں بلکہ شریک الوہیت ہی ہیں کہ

"اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"[1] (انھوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ

عـــہ۱: روضہ ندیہ صدیق حسن بھوپالی ص ۱۲۔ عـــہ۲: دیکھو ضمیمہ النیر الشابی ص ۳۴ تا ۳۶۔

عـــہ۳: قال اللہ تعالٰی

"فَسْــٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تم کو علم نہیں (ت)

وقال تعالٰی "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"۔[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور حکم والوں کی جو تم میں سے ہوں (ت)

وقال تعالٰی "وَّ اتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ"۔[4] ۱۲ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا (ت)

عـــہ۴: کہ جو کچھ یہ کہہ دیں کہ قرآن حدیث سے ثابت ہے ان کے جاہلوں پر اس کا ماننا فرض ۱۲

عـــہ۵: بخاری و مسلم فلاں فلاں نے حدیث، روایت کردی صحیح ہو گئی، یحیٰی، نسائی، دارقطنی فلاں فلاں نے راوی کو ثقہ کہہ دیا، ضعیف کہہ دیا ضعیف ہے۔ اگرچہ یحیٰی وغیرہ تک سند خود مقطوع ہو، ذہبی وابن حجر نے قال کہہ دیا سند صحیح ہے رُوی کہا ضعیف ہے، یہ سب نری تقلید جامد ہے جس پر اللہ نے کوئی سند نہ اتاری، قرآن وحدیث سے اسکا کہیں ثبوت نہیں ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۹ / ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۶ / ۴۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۳۱ / ۱۵

کے سوا خدا بنالیا۔ت) نہ کہ رسلا من دون النبی (نبی کے سوا رسول۔ت) ہاں وہ جس نے آپ ہی تو عــــہ اتباع ظن حرام اور افادہ حق میں محض ناکام کیا پھر ان چند کی ظنی روایات ظنی جرح و تعدیلات کا اتباع عین دین کر دیا، تو بات کیا وہی کہ یہ مثل انبیاء معصوم ہیں، نہیں نہیں بلکہ دین غیر مقلدی کے اربابا من دون اللہ جھوٹے خدا ہیں، وُہ جس نے چند جاہلان عالم نما کے سوا جو ابو حنیفہ و شافعی پر منہ آتے اور اُن کے احکام پر رکھنے کی اپنے میں طاقت بتاتے ہیں تمام عالم کو بے نتھا بیل کیا ہے کیونکہ وُہ آپ دلیل نہیں سمجھ سکتے اور دُوسرے کی کہی ہُوئی اگرچہ بنگالی بھوپالی دہلوی امر تسری کی مان لیں کہ دلیل سے یہ ثابت ہے، یہ تو وہی تقلید ہُوئی جو شرک ہے لہٰذا ضرور بے نتھے بیل ہیں، وُہ کہ عام جہاں پر جس کے لئے کوئی حجت قائم نہیں ہو سکتی کہ حجت قائم ہو دلیل سے، دلیل وُہ خود سمجھ نہیں سکتے اور دُوسرے کی سمجھ پر اعتماد شرک۔ وہ جس نے (خاک بدہن خبثا) کُھلے مشرکوں کو خیر امۃ کہا اور ان کے تین قرنوں کو خیر القرون (کہلوایا جن کا روز اول سے آج تک یہی معمول کہ عامی کو جو مسئلہ پُوچھنا ہوا عالم سے پُوچھا، عالم نے حکم بتا دیا سائل نے مانا اور کاربند ہُوا صحابہ سے آج تک کبھی دلیل بتانے اور اُسے عامی کے اس قدر ذہن نشین کرنے کا کہ وُہ خود سمجھ لے کہ واقعی یہ حکم قرآن و حدیث سے ثابت بروجہ صحیح غیر معارض و غیر منسوخ ہے، ہرگز نہ دستور تھا نہ ہُوا نہ ہے، تو پوچھنے والے بے علم دلیل تفصیلی اُن کا فتوٰی مانا کئے اور یہی تقلید ہے، اور تقلید شرک تو عہد صحابہ سے آج تک سب

عــــہ: قال اللہ تعالٰی

"وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر، بیشک گمان حق کا کچھ کام نہیں دیتا (ت)

قال تعالٰی

"اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ۚ"[2]۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ تو نرے گمان کے پیچھے ہیں اور بیشک گمان یقین کی جگہ کُچھ کام نہیں دیتا (ت)

وقال تعالٰی "وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ"[3]۔۱۲ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

مفتیان وعلماء مشرک گر و شرک دوست ہُوئے اور ہر مشرک گر خود مشرک اور مشرکوں سے بد تر، تو غیر مقلد کے دھرم میں صحابہ سے اب تک تمام اُمت مشرک، لیکن غیر مقلد کا خدا انھیں کو **خیر الامۃ** اور **خیر القرون** کہتا کہلواتا ہے، پھر اس کی کیا شکایت کیہ ایسوں کو کہا جو غیر مقلدی دھرم میں "فَرَّقُوۡا دِیۡنَہُمۡ وَ کَانُوۡا شِیَعًا"[1] تھے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور جُدا جدا گروہ ہوگئے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن سے فتوٰی لیتے اور اس پر چلتے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن کی طرف تھے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اتباع اُن کے ساتھ تھے اور وُہ اختلاف آج تک برابر قائم رہے، سب فریق مشورہ کرکے ایک بات پر عامل نہ ہونے تھے نہ ہوئے، قرآن عظیم میں ہمیشہ پڑھا کئے:

"فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ"۔[2]	(جب تم میں کسی بات میں اختلاف ہو تو اُسے اللہ ورسول کی طرف رجوع کرو۔

اس پر نہ عمل کرنا تھا نہ کیا، اس پر عمل کرتے تو سب ایک نہ ہو جاتے کہ اللہ ورسول کا حکم ایک ہی تھا، مگر وُہ اپنے ہی عالموں کے قول پر اڑے رہے مسعودی عمری عباسی نام نہ کہلانا کوئی چیز نہیں کام وہی رہا جو حنفی شافعی مالکی حنبلی نے کیا کام کام سے ہے نہ کہ نام سے۔ دین کے ایسے ٹکڑے کرنے والوں کو "**خیر امۃ و خیر القرون**" ٹھہرایا وغیرہ وغیرہ خرافات ملعونہ، کیا انھوں نے خدا کو جانا، حاش للہ "مَا لَہُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾"[3]

"سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۸۲﴾"[4] (انھیں اس کی حقیقت کچھ معلوم نہیں یُونہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ پاکی ہے عرش کے رب کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ت)

تنبیہ: مسلمانو! تم نے دیکھا یہ ہیں گمراہ فرقے، اور یہ ہیں ان کے ساختہ خدا "مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدۡرِہٖۤ"[5] (اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ت) اور ایک عام بات یہ ہے کہ کفر کیا ہے اُس بات کی تکذیب جو بالقطع والیقین ارشاد الٰہی عزوجل ہے اب یہ تکذیب کرنے والا اگر اُسے ارشاد الٰہی عزوجل نہیں مانتا تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کا یہ ارشاد نہیں حالانکہ خدا وُہ ہے جس کا یہ ارشاد ہے تو اُس نے خدا کو کہاں جانا اور اگر اس کا ارشاد مان کر تکذیب کرتا ہے تو ایسے کو خدا سمجھا ہے جس کی بات

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۰

[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۲

[5] القرآن الکریم ۶/ ۹۱

جھٹلانا رواہے اور خدااس سے پاک ووراء وبلند و بالا تواس نے خدا کو کب جانا، حاصل وہی ہوا کہ "اِتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ"[1] (اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا۔ت) اور یہاں سے ظاہر ہُوا کہ اس جہل باللہ میں نِرے دہریوں کے بعد جو سرے سے وجود خدا کے منکر ہیں سب سے بھاری حصہ ان وہابیوں اسمٰعیلیوں خصوصا دیوبندیوں کا ہے کہ اور کافر تواس سے کافر ہوئے کہ انھوں نے خدا کو جھٹلایا خدا کو عیب لگایا مگر اُن میں ایسا کُھلا بیباک مشکل سے نکلے گا جو اپنی زبان سے خود ہی کہے کہ ہاں ہاں اُس کا خدا جُھوٹا ہونے اور نہ صرف جُھوٹ بلکہ ہر سڑے سے سڑے عیب ہر ناپاک سی ناپاک گندگی میں سننے کے قابل ہے یہودی نصرانی بھی شاید اسے کہتے جھجکیں گے، یہ دھوئی دھائی دیدے کی صفائی، انہی صاحبوں کے حصہ میں آئی کہ اپنے معبود کے کذاب عیبی آلودہ ہونے کو دھڑلے سے جائز کریں اور اُس پر تحریر کریں لکھیں چھاپیں اسی پر کمالِ اسلام کا مدار جانیں

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ"[2] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

تنبیہ: ان چند اوراق میں جو کچھ بیان ہُوا کتب ورسائل فقیر واصحاب فقیر میں بحمدہ تعالٰی مبسوط و مبرہن ہیں، مسلمان انھیں حروف کو یاد رکھیں تو ضرور ضرور ان تمام بے دینوں کے سائے سے بچیں، انکی پر چھائیں سے دُور بھاگیں انکے نام سے گھن کریں، انکے قال اللہ وقال الرسول کے مکر کے جال میں نہ پھنسیں، "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" تو بعونہ تعالٰی یہیں روشن ہوا اور ان شاء اللہ الکریم، ان شاء اللہ الکریم، ان شاء اللہ الکریم وفی الاخرۃ[3] کل کے دن پر وہ برافگن ہو یعنی ثابت رکھے اللہ ایمان والوں کو حق دین پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، واللہ قدیر واللہ غفور رحیم o وللہ الحمد۔ والیہ الصمد۔ وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین۔ اٰمین والحمد للہ ربّ العٰلمین o

---

[1] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami
دعوتِ اسلامی

رسالہ
حجب العوار عن مخدوم بہار ۱۳۳۹ھ
(مخدوم بہار سے عیب کو روکنا)

مسئلہ ۷۷: از داناپور مرسلہ محمد حنیف خان ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

بخدمت فیضدرجت جناب اعلیٰحضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب مدظلہ العالی، گزرارش ہے کہ اسمعٰیل نے چمار سے مثال دی، یہاں کے غیر مقلد کہتے ہیں کہ مخدوم صاحب نے مینگنی سے مثال دی ہے اس کا کیا جواب ہے حضور کا کوئی رسالہ یا فتوٰی ہے اس بارے میں ہے یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اولا: کوئی کتاب یا رسالہ کسی بزرگ کے نام سے منسوب ہونا اس سے ثبوت قطعی کو مستلزم نہیں، بہت رسالے خصوصا اکابر چشت کے نام منسوب ہیں جس کا اصلا ثبوت نہیں۔

ثانیا: کسی کتاب کا ثابت ہونا اس کے ہر فقرے کا ثابت ہونا نہیں، بہت اکابر کی کتابوں میں الحاقات ہیں جن کا مفصل بیان کتاب الیواقیت والجواھر امام عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہے خصوصا حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں توالحاقات کی گنتی نہیں، کھلے ہوئے صریح کفر بھر دئے ہیں، جس پر درمختار ابوالسعود سے نقل کیا:

تیقنا ان بعض الیھود افتراھا علی الشیخ قدس اللہ سرّہ[1]۔	ہم کو یقین ہے کہ شیخ قدس سرہ پر یہ عبارتیں بعض یہودیوں نے گھڑ دی ہیں۔

حضرت مخدوم صاحب ہی کی کتاب عقائد ترجمہ عمدۃ الکلام میں ہے:

قریش اعلٰی جد مصطفٰی بود واو دو پسر داشت یکے را نام ہاشم بود ودوم رانام تیم پیغامبر از نسل ہاشم است وابوبکر از نسل تیم است[2]۔	ہاشم کے باپ کا نام قریش اور ان کے دو بیٹے تھے، ایک ہاشم دوسرا تیم، پیغامبر ہاشم کی نسل سے اور ابوبکر تیم کی نسل سے ہیں۔

کوئی جاہل سے جاہل ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ ہاشم کے باپ کا نام قریش تھا، اور انکے دو بیٹے تھے، ایک ہاشم دوسرا تیم۔ ہم ہرگز ایسی نسبت بھی مخدوم صاحب کی طرف نہیں مان سکتے ضرور کسی جاہل کا الحاق ہے نہ کہ **معاذاللہ** توہین شان رسالت یہ وہابیہ ہی میں سے کسی کا الحاق ہے۔

ثالثًا: امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبۃ مسلم الی کبیرۃ من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیا وقتل ابو لؤلوء عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فان ذلك ثبت متواترًا فلا یجوزان یری المسلم بفسق اوکفر من غیر تحقیق[3]۔	یعنی کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی نسبت بلا تحقیق حرام ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ ابو ملجم نے مولا علی اور ابو لولؤ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو شہید کیا کہ یہ تواتر سے ثابت ہے، تو کسی مسلمان کی طرف بلا تحقیق کفر یا فسق کی نسبت اصلا جائز نہیں۔

اس کے بعد وہ احادیث ذکر فرمائیں جن سے ثابت ہے کہ کسی کو کافر کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے اگر وہ کافر نہ تھا۔ یوں ہی فسق کی طرف نسبت کرنے والا فاسق ہوجاتا ہے اگر وہ فاسق نہ تھا۔ کتاب کا چھپ جانا اسے متواتر نہیں کردیتا کہ چھاپے کا اصل وہ نسخہ ہے جو کسی الماری میں ملا اس سے نقل کرکے کاپی ہوئی سیدھی صاف باتوں میں کسی کتاب سے کہ ظنی طور پر کسی بزرگ کی طرف منسوب ہو۔ اسناد اور بات ہے، اور ایسے

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۸

[2] کتاب عقائد ترجمہ عمدۃ الکلام

[3] احیاء العلوم والدین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن مطبعۃ المشھد الحسینی القاھرہ ۳/ ۱۲۵

امر میں جسے مسند کلمہ کفر بنایا اور اس سے توہین شانِ رسالت کے جواز پر سند لانا ہے، اس پر اعتماد اور بات، علماکے نزدیک ادنٰی درجہ ثبوت یہ تھاکہ ناقل کے لئے مصنف تک سند مسلسل متصل بذریعہ ثقات ہو، خطیب بغدادی بطریق الرحمان سلمی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا:

اذا وجد احدکم کتابا فیه علم لم یسمعه عن عالم فلیدع باناء وماء فلینقعه فیه حتی یختلط سوادہ فی بیاضه [1]۔	جب تک تم میں کوئی ایک کتاب پائے جس میں علم کی بات ہے اور اسے کسی عالم سے نہ سنا تو برتن میں پانی منگا کر وہ کتاب اس میں ڈبودے کہ سیاہی سپیدی سب ایک ہوجائے۔

فتاوٰی حدیثیہ امام زین الدین عراقی سے ہے:

نقل الانسان مالیس له به روایة غیر سائغ بالاجماع عند اهل الدرایة [2]۔	یعنی علمائے کرام کا اجماع ہے کہ آدمی جس بات کی سند متصل نہ رکھتا ہو اس کا نقل اسے حلال نہیں۔

ہاں اگر اس کے پاس نسخہ صحیحہ معتمدہ ہو کہ خود اس نے یا کسی ثقہ معتمد نے خود اصل نسخہ مصنف سے مقابلہ کیا یا اس نسخہ صحیحہ معتمدہ سے جس کا مقابلہ اصل نسخہ مصنف یا اور ثقہ نے کیا وسائط زیادہ ہوں تو سب کا اسی طرح کے متعمدات ہونا معلوم ہو تو یہ بھی ایک طریقہ روایت ہے اور ایسے نسخہ کی عبارت کو مصنف کا قول بتانا جائز، فتاوٰی حدیثیہ میں ہے:

قالوا ماوجد فی نسخة من تصنیف فان وثق بصحة النسخة بان قابلها المصنف اوثقه غیرہ بالاصل او بفرع مقابل بالاصل وهکذا جاز الجزم بنسبتها الی صاحب ذلك الکتاب وان لم یوثق لم یجزم [3]۔	یعنی علماء نے فرمایا جو عبارت کسی تصنیف کے کسی نسخہ میں ملے اگر صحت نسخہ پر اعتماد ہے یوں کہ اس نسخہ کو خود مصنف یا کسی اور ثقہ نے خاص اصل مصنف سے مقابلہ کیا ہے یا اس نسخہ سے جسے اصل پر مقابلہ کیا تھا، یوں ہی اس ناقل تک، جب تو یہ کہنا جائز ہے کہ مصنف نے فلاں کتاب میں یہ لکھا ورنہ جائز نہیں۔

[1] الفتاوٰی الحدیثیه بحواله الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح له الخ المطبعة الجمالیه مصر ص ۶۵
[2] الفتاوٰی الحدیثیه بحواله الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح له الخ المطبعة الجمالیه مصر ص ۶۴
[3] الفتاوٰی الحدیثیه بحواله الخطیب مطلب فی ان الانسان لایصح له الخ المطبعة الجمالیه مصر ص ۶۵

مقدمہ امام ابوعمر و بن الصلاح میں عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے ہشام سے فرمایا: تم نے لکھ لیا؟ کہا: ہاں۔ مقابلہ کرلیا؟ کہا: نہ۔ فرمایا: **لم تکتب**[1] تم نے لکھا ہی نہیں۔ اسی میں امام شافعی ویحیٰی بن ابی کثیر سے ہے کہ دونوں صاحبوں نے فرمایا:

من کتب ولم یعارض کمن دخل الماء ولم یستنج[2]۔	جس نے لکھا اور مقابلہ نہ کیا وہ ایسا ہے کہ پانی میں داخل ہے اور استنجانہ کیا۔

اسی میں ہے:

اذا اراد ان ینقل من کتاب منسوب الی مصنف فلا یقل "قال فلان کذا وکذا" الا اذا وثق بصحۃ النسخۃ بان قابلہا ھو او ثقۃ غیرہ باصول متعددۃ[3]۔	جب کسی کتاب سے کہ کسی مصنف کی طرف منسوب ہے کچھ نقل کرنا چاہے تو یوں نہ کہے کہ مصنف نے ایسا کہا جب تک کہ صحت عامہ نسخہ پر اعتماد نہ ہو یوں کہ اس نے خواہ اور ثقہ نے اس متعدد صحیح نسخوں سے مقابلہ کیا ہو۔

اسی میں ہے:

یطالع احدھم کتابا منسوبا الی مصنف معین وینقل منہ عنہ من غیر ان یثق بصحۃ النسخۃ قائلا "قال فلان کذاوکذا او ذکر فلان کذا وکذا" والصواب ماقدمناہ اھ[4] ولفظ الفتاوی الحدیثیۃ عنہ والصواب ان ذلک لایجوز[5]۔	کسی معین مصنف کی طرف منسوب کتاب میں ایک عبارت دیکھ کر آدمی نقل کردیتا ہے کہ مصنف نے ایسا کہا حالانکہ صحت نسخہ پر وثوق (بروجہ مذکور کہ اصل نسخہ مصنف سے بلاواسطہ یا بوساطت ثقات اس نے یا اور ثقہ نے مقابلہ کیا ہو) حاصل نہیں مثلاً یوں کہے کہ فلاں نے یوں یوں کہا یا فلاں نے یوں یوں ذکر کیا، حق یہ ہے کہ یہ ناجائز ہے۔

---

[1] مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الخامس والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹۲

[3] مقدمہ ابن الصلاح النوع الرابع والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸۷

[4] مقدمہ ابن الصلاح النوع الرابع والعشرون فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۸۷

[5] الفتاوی الحدیثیہ مطلب ان الانسان لایصح لہ ان یقول الخ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ص ۶۵

امام نووی نے تقریب میں فرمایا:

فان قابلھا باصل محقق معتمد اجزاہ[1]۔	اگر ایک اصل تحقیق معتمد سے اس نے مقابلہ کیا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔

یعنی اصول معتمدہ متعدد سے مقابلہ زیادت احتیاط ہے، یہ اتصال سند اصل وہ شیئ ہے جس پر اعتماد کرکے مصنف کی طرف نسبت جائز ہوسکے، اور متاخرین نے کتاب کا علماء میں ایسا مشہور ہونا جس سے اطمینان کہ اس میں تغییر و تحریف نہ ہوئی، اسے بھی مثل اتصال سند جانا اور وہ ایسا ہی ہے مقدمہ امام ابو عمرو نوع اول میں ہے:

اٰل الامران الاعتماد علی مانص علیه فی تصانیفھم المعتمدۃ المشھورۃ التی یؤمن فیھا لشھرتھا من التغییر و التحریف[2] (ملخصا)	یعنی آخر قرار داد اس پر ہوا کہ اعتماد اس پر ہے جو ایسی مشہور و معتمد کتابوں میں ہو جن کی شہرت کے سبب ان میں تغییر و تحریف سے امان ہو۔ (ملخصا)

فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار میں فرمایا:

علی ھذا لو وجدنا بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل عزوما فیھا الی محمد والا الی ابی یوسف لانھا لم تشتھر فی دیارنا ولم تتداول[3]۔	یعنی اگر کتب ستہ کے سوا اور کتب تلامذہ امام کے بعض نسخے پائیں تو حلال نہیں کہ ان کے اقوال کو امام محمد یا امام ابو یوسف کی طرف نسبت کریں کہ وہ کتابیں ہمارے دیار میں مشہور و متداول نہ ہوئیں۔

تداول کے یہ معنی کہ کتاب جب سے اب تک علماء کے درس و تدریس یا نقل و تمسک یا ان کی مطمح نظر رہی ہو، جس سے روشن ہو کہ اس کے مقامات و مقالات علماء کے زیر نظر آچکے اور وہ بحالت موجودہ اسے مصنف کا کلام مانا کئے، زبان علماء میں صرف وجود کتاب کافی نہیں کہ وجود تداول میں زمین وآسمان کا فرق ہے، پر ظاہر کہ یہاں دونوں باتیں مفقود، تداول درکنار کوئی سند متصل بھی نہیں، نہ کہ تواتر جو ایسی نسبت کے لئے لازم ہے، رہا وجود نسخ، انصافا متعدد بلکہ کثیر و وافر قلمی نسخے موجود ہونا بھی ثبوت تواتر کو بس نہیں، جب تک ثابت نہ ہو کہ یہ سب نسخے جدا جدا اصل مصنف سے نقل کئے گئے یا ان نسخوں سے جو اصل سے نقل ہوئے ورنہ ممکن کہ بعض نسخ محرفہ ان کی اصل ہوں، ان میں الحاق ہوا اور یہ ان سے نقل و نقل در نقل ہو کر کثیر ہوگئے، جیسے آج کل کی

[1] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الاول الصحیح دار الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۰

[2] مقدمہ ابن الصلاح النوع الاول الصحیح فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۹

[3] فتح القدیر کتاب الحوالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۰

محرف بائبل کے ہزار در ہزار نسخے، فتوحات مکیہ کے تمام مصری نسخے نسخہ محرفہ سے منقول ہوئے اور اس کی نقلیں مصر میں چھپیں اور اب وہ گھر گھر موجود ہیں، حالانکہ تواتر درکنار ایک سلسلہ صحیحہ آحاد سے بھی ثبوت ہیں، "وَاللّٰہُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَھُوَ یَہۡدِی السَّبِیۡلَ ﴿۴﴾ "[1] (اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔ت) علامہ شامی کا ظن پر اکتفا صاف باتوں کے لئے وجہ ہے مگر ایسے امور میں اس پر قناعت قطعاً حرام، ورنہ معاذاللہ اکابر ائمہ واعاظم علماء کی طرف نسبت کفر ماننی پڑے، ہماری نظر میں ہیں وہ کلمات جو اکابر اولیاء سے گزر کر اکابر علماء معتمدین مثل امام ابن حجر مکی وملا علی قاری وغیرہما کی کتب مطبوعہ میں پائے جاتے ہیں، اور ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ الحاق ہیں، ایک ہلکی نظیر علی قاری کی شرح فقہ اکبر صفحہ ۷۴ پر ہے:

ماسمی به الرب نفسه وسمی به مخلوقاته مثل الحی والقیوم والعلیم والقدیر [2]۔	نام کہ رب تعالٰی نے اپنے لئے اور مخلوق کے لئے مقرر فرمائے وہ مثل حی، قیوم، علیم، قدیر ہیں۔(ت)

اس میں مخلوقات پر قیوم کے اطلاق کا جواز ہے حالانکہ ائمہ فرماتے ہیں کہ غیر خدا کو قیوم کہنا کفر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

اذا اطلق علی المخلوق من الاسماء المختصة بالخالق نحو القدوس والقیوم والرحمٰن وغیرها یکفر [3]۔	جو اللہ تعالٰی کے مخصوص ناموں میں سے کسی نام کا اطلاق مخلوق پر کرے، جیسے قدوس، قیوم اور رحمٰن وغیرہ تو وہ کافر ہوجائے گا۔(ت)

اسی طرح اور کتابوں میں ہے۔ حتی کہ خود اسی شرح فقہ اکبر صفحہ ۲۴۵ میں ہے:

من قال لمخلوق یاقدوس اوالقیوم اوالرحمٰن کفر [4]۔	جو کسی مخلوق کو قدوس یا قیوم یا رحمٰن کہے کافر ہوجائے۔

پھر کیونکر مان سکتے ہیں کہ وہ صفحہ ۷۴ کی عبارت علی قاری کی ہے ضرور الحاق ہے اگرچہ کتاب اجمالاً مشہور ومعروف ہے، بخلاف کلمات اسمٰعیل کہ موافق ومخالف کے نزدیک اس سے متواتر ہیں، مخالفین رد کرتے ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر اللہ سبحانہ اوجد المخلوقات مصطفی البابی مصر ص ۳۹

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۰

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

موافقین تاویلیں کرتے ہیں، اب یہیں دیکھئے اس چمار والے کلام پر سے دفع ایراد کہ یہ عبارت پیش کی، خود اسمٰعیل کی زندگی میں اس پر مواخذے ہوئے، جامع مسجد دہلی میں شاہ عبدالعزیز کے اعزہ واخص تلامذہ مثل مفتی رشید الدین خاں صاحب وشاہ موسٰی صاحب نے مناظرے کئے الزام دئے، نہ اس نے کہا کہ یہ کلمات میرے نہیں، نہ اس کے ہواخواہوں نے، جب سے آج تک، تواس سے ثبوت یقینی ہے اور وہابیہ کہ بحالت موجودہ اسے مثل قرآن وعین ایمان مان رہے ہیں ان پر رد تو کسی ثبوت کی بھی حاجت نہیں **کمالا یخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

رابعًا: ایسی جگہ خلق سے مراد وہ ہوتے ہیں جو عظمت دینی سے اصلاحصہ نہیں رکھتے شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

نگہدار دآں شوخ در کیسہ در ... کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر[1]۔

(موتیوں کی بات ایسے شوخ سے ہوشیار رہو جو تمام لوگوں کو جیب کترا سمجھتا ہے۔ت)

ابلیس ہوگا وہ جو کہے کہ اس سے عام مراد ہے کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی معاذاللہ گرہ کاٹ جانے، حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق دو قسم ہے:

اول: وہ کہ عظمت دینی رکھتے ہیں جن کے سروسرور مطلق حضور سید المرسلین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم، پھر باقی حضرات انبیاء وملائکہ واولیاء واہلبیت وصحابہ، پھر دیگر علماء وصلحاء واتقیاء، پھر سلاطین اسلام، پھر عام مومنین، نیز صحائف دینیہ مثل مصحف شریف وکتب فقہ وحدیث، صفات جمیلہ مثل ایمان وعمل، اعمال صالحہ مثل نماز وحج، اخلاق فاضلہ مثل زہد وتواضع، اماکن مقدسہ مثل کعبہ مکرمہ وروضہ منورہ، غرض جملہ اشخاص واشیاء جن کو مولٰی عزوجل سے علاقہ قرب ہے۔اس علاقہ کے سبب ان کی تعظیم اللہ عزوجل ہی کی تعظیم ہے اور ان کی عزت اس کی عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القراٰن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط[2]۔	بیشک اللہ کی تعظیم سے ہے بوڑھے مسلمان کی عزت کرنی، اور حافظ قرآن کی کہ نہ اس میں حد سے بڑھے نہ اس سے دوری کرے، اور حاکم عادل کی۔

[1] بوستان سعدی باب اول منشی گلاب سنگھ لکھنؤ ص ۱۲۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

رواہ ابوداؤد بسند حسن عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(اسے ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

مولٰی عزوجل فرماتا ہے: "فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾" [1] عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے، اور خود فرماتا ہے:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾" [2]۔	عزت اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

رسول اور مسلمانوں کی عزت اگر عزت الٰہی سے جدا ہوتی تو عزت کے حصے ہوجاتے۔ایک حصہ اللہ کے لئے، ایک رسول کا، ایک مومنین کا، حالانکہ رب عزوجل فرماچکا کہ عزت ساری اللہ ہی کے لئے ہے، توقطعًا ان کی عزت اللہ ہی کی عزت سے ہے اور ان کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم۔اللہ اور اس کے رسولوں میں تفرقہ کرنے والوں کو قرآن عظیم کافر فرماتا ہے، ایک قوم کا حال ارشاد فرمایا:

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ" [3]۔	اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنی چاہتے ہیں۔

پھر فرمایا: "اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّاۚ" [4] یہی پکے کافر ہیں۔رسولوں کی عزت رسولوں کی عظمت اللہ عزوجل کی عزت وعظمت سے جدا ماننی، اللہ اور اس کے رسولوں میں جدائی ڈالنی ہے ۔

خاصان خدا خدا نباشند — لیکن زخدا جدا نباشند

اللہ تعالٰی کے خاص بندے خدا نہیں لیکن خدا سے جدا بھی نہیں۔ت)

ولہٰذا ان کی تعظیم مدار ایمان ہوئی، اور ان کی ادنٰی توہین کفر، ارسال رسول کا ایک مقصد اعلٰی تعظیم وتوقیر رسول ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُؕ" [5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور رسول پر ایمان لاؤ، اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۹

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۱

[5] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

۲دوم وہ کہ عظمت دینی سے اصلاً بہرہ نہیں رکھتے کہ اللہ عزوجل سے انھیں کوئی علاقہ قرب نہیں ہے، تو بعد ہی ہے، ان کے بدتر وذلیل تر کفار ومشرکین ومرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وغیر مقلدین ہیں، پھر باقی ضالین، نیز صفات رذیلہ مثل کفر وضلال، اعمال خبیثہ مثل زنا وشرب خمر، اخلاق رذیلہ مثل تکبر وعجب، اماکن نجسہ مثل معابد کفار غرض دنیا ومافیہا جس کو اللہ عزوجل سے علاقہ قرب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدّنیا ملعونة ملعون مافیھا الاما کان منھا للہ عزوجل [1]۔ رواہ ابو نعیم فی الحلیة والضیاء فی المختارة عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسن۔	دنیا ملعون ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے ملعون ہے مگر وہ جو اس میں سے اللہ عزوجل کے لئے ہو (اسے ابونعیم نے حلیہ میں اور ضیاء نے مختارہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدنیا ملعونة ملعون مافیھا الاذکر اللہ وماوالاہ وعالمًا اومتعلمًا [2] رواہ ابن ماجة عن ابی ھریرة و الطبرانی فی الاوسط عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	دنیا پر لعنت ہے اور دنیا میں جو کچھ ہے سب پر لعنت ہے مگر اللہ کا ذکر اور جسے اس سے علاقہ قرب ہے اور عالم یا طالب علم دین (اس کو ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور طبرانی نے اوسط میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدنیا ملعونة ملعون مافیھا الاما ابتغی بہ وجہ اللہ تعالٰی [3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دنیا لعینہ ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے سب لعین ہے مگر جس سے رضائے الٰہی مطلوب ہو (اس کو طبرانی نے کبیر میں ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

[1] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۳۰ محمد بن المنکدر دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۵۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب مثل الدنیا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳-۳۱۲

[3] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب الزہد باب ماجاء فی الریاء دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۲۲۲

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحَآدُّوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗۤ اُولٰٓئِکَ فِی الۡاَذَلِّیۡنَ ﴿۲۰﴾" [1]	بیشک اللہ ورسول کے مخالف وہی سب ذلیلوں سے ذلیل تروں میں ہیں۔

اور فرماتا ہے تبارک وتعالٰی:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۷﴾" [2]	بیشک تمام کافر کتابی ومشرک جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے وہ تمام مخلوق الٰہی سے بدتر ہیں (اونٹ کی مینگنی سے بدتر، کتے سور کے غلیظ سے بدتر) بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ تمام مخلوق الٰہی سے بہتر ہیں (کعبہ وعرش سے بہتر، ملائکہ سے بہتر)

جب یہ دونوں قسمیں معلوم ہوگئیں اور واضح ہوا کہ قسم اول سے جدا نہیں بلکہ بعینہٖ اسی کی تعظیم، تو محل تحقیر میں غیر اللہ یا خلق سے یقیناً وہی مراد ہوتا ہے جسے مولٰی عزوجل سے علاقہ قرب نہیں۔ علاقہ قرب والے تو جانب خالق میں ہیں نہ کہ جانب غیر میں، دیکھو علماء فرماتے ہیں غیر خدا کے لئے تواضع حرام ہے، ملتقط پھر درمختار میں قبیل فصل فی البیع نیز فتاوٰی عالمگیریہ باب ۲۸ میں ہے: **التواضع لغیر اللہ حرام** [3] (غیر اللہ کے لئے تواضع حرام ہے۔ت) حالانکہ ماں باپ کے لئے تواضع کا قرآن عظیم میں حکم ہے:

"وَ اخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ" [4]	ماں باپ کے لئے نرم دل سے ذلت کا بازو بچھا۔

اپنے استاد بلکہ شاگردوں کے لئے بھی تواضع کا حدیث میں حکم ہے:

تواضعوا لمن تعلمون منه وتواضعوا لمن تعلمونه ولاتکوا جبابرة العلماء [5]۔ رواہ	جس سے علم سیکھتے ہو اس کے لئے تواضع کرو، اور جسے سکھاتے ہو اس کے لئے تواضع کرو۔ اور گردن کش عالم

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶و۷

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۴

[5] الجامع لاخلاق الراوی عن عمر باب ذکر ماینبغی للراوی والسامع دارالکتب العلمیہ بیروت ص۱۹۱، اتحاف السادہ عن ابی ہریرہ فضیلۃ الحلم دارالفکر بیروت ۸/ ۲۷

الخطیب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نہ بنو (اسے خطیب نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب عزوجل نے صحابہ کی تواضع فرمانے کا حکم دیا ہے:

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ "[1] مومنوں کے لئے اپنا پہلو جھکائے۔اور فرمایا:

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ "[2]۔	اپنے پیروایمان والوں کے لئے اپنا بازو نرم فرمایئے۔

بات وہی ہے کہ ایسی جگہ غیر اللہ سے وہی مراد جسے اللہ سے علاقہ نہ ہو، ولہذا ردالمحتار میں اس عبارت درمختار کی شرح کی: ای اذلال النفس لنیل الدنیا[3] یعنی تواضع لغیر کا یہ مطلب ہے کہ دنیا ملنے کے لئے اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلیل کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ[4]، رواہ احمد ومسلم والنسائی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ۔	اللہ کی لعنت اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اسے احمد اور مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ت)

حالانکہ خود حدیث کا ارشاد ہے:

من ذبح لضیفہ ذبیحۃ کانت فدائہ من النار[5]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ دوزخ سے اس کا فدیہ ہوجائے (اسے حاکم نے اپنی تاریخ میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تو وجہ وہی ہے کہ اکرام مہمان اخلاق سے تھا اور مکارم اخلاق سے رضائے الٰہی مطلوب، مہمان کے لئے ذبح کرنا غیر اللہ کے لئے ذبح نہ ہوا بلکہ اللہ عزوجل ہی کے لئے، صوفی کہ غیر خدا کی تحقیر کرے اور اسے اونٹ کی

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[4] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[5] السیاق فی ذیل التاریخ نیشاپور

مینگنی سے حقیر تر جانے قطعاً اسی کی تحقیر کرتا ہے جس کی تعظیم تعظیم الٰہی نہیں۔ جسے مولٰی عزوجل سے علاقہ نہیں ورنہ جانب خالق کی تحقیر کرے تو وہ خود رب عزوجل کی تحقیر کرے گا۔ یہ صوفی کا کام ہوگا یا ابلیس لعین کا۔ ملعون ملعون ملعون ہے وہ کہ اس سے یہ سمجھے کہ مصحف شریف وانبیاء کرام کو مینگنی سے حقیر تر بتایا ہے، کیا ایسا بتانے والا قرآن عظیم کی تکذیب نہیں کرتا، کیا خود اللہ عزوجل کو گالی نہیں دیتا۔ کیا تمام دین وشریعت واسلام پائمال نہیں کرتا۔ قرآن وحدیث وشریعت ودین واسلام وایمان جن کی تعظیم کے حکم سے مملو ہیں، جن کی ادنٰی توہین کو کفر بتارہے ہیں۔ کیا ان کی ایسی تحقیر کرنیوالا بجھنم عـــہ) اس مردود کو مسلمان جاننے والا مسلمان رہ سکتا ہے۔

کلا واللہ "بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾ "[1]۔	بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ (ت)

حضرت مخدوم صاحب تو معاذاللہ اس معنی ملعون کے وہم سے بھی پاک ہیں۔ ہاں یہی کافر وملعون ومرتد وشیطان وابلیس ہیں جو ان کے کلام کو (اگر ان کا کلام ہے) ایسے گندے کفر پر ڈھالتے ہیں "وَمَا كَفَرَ سُلَيۡمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيۡنَ" [2] (سلیمان نے تو کفر نہ کیا ہاں یہ شیطان ہی کافر ہوئے۔ "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۳۰﴾ " [3] (اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ ت) بخلاف ذلیل ضلیل دہلوی اسمٰعیل علیہ اللوم والتذلیل کہ اس نے چوڑھے، چمار سے بھی ذلیل اور ناکارے لوگ اور ذرہ ناچیز سے کم تر یہ ناپاک الفاظ صراحۃً تمام انبیاء کرام واولیاء عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کو کہے، اس نے شرک کی چار قسمیں گھڑیں اور ان میں صراحۃً انبیاء واولیاء وبھوت پری سب کو یکساں رکھا۔ تقویت الایمان مطبع صدیقی دہلی ۱۲۷۰ھ ص ۹ "مشکل کے وقت پکارنا شرک ہے" اس بات میں اولیاء انبیاء شیطان، بھوت میں کچھ فرق نہیں جس سے معاملہ کرے گا مشرک ہو جائے گا خواہ انبیاء واولیاء سے کرے خواہ بھوت سے [4]۔

صفحہ ۱۲ جو کوئی کسی پیر پیغمبر بھوت کو ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو یا دور سے قصد کرکے جاوے یا وہاں روشنی

عـــہ: کذا فی الاصل لعلہ "بجھنم نہیں"

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[4] تقویۃ الایمان باب اول توحید وشرک کے بیان میں مطبع لوہاری گیٹ لاہور ص ۶

کرے، ان کی قبر پر شامیانہ کھڑا کرے، وہاں کے گردوپیش کے جنگل کا ادب کرے اس پر شرک ثابت ہے، [1]۔
صفحہ ۲۵ "جو کوئی کسی نبی ولی بھوت پری کو ایسا جانے وہ مشرک ہے" [2]
صفحہ ۵۱ کسی مخلوق کے نام کا کر دیجئے ولی نبی بھوت پری کا سب حرام ہے اور ناپاک اور کرنیوالے پر شرک ثابت [3]
وغیر ذلک مقامات۔ تو اس کا کلام قطعاً ماسوی اللہ کو عام اور خود حضرات انبیاء واولیاء کے بالخصوص نام انھیں بیانات ص ۹، ۱۱، ۱۲ کے ثبوت میں اس نے پانچ فصلیں باندھیں جن میں سے فصل اول ص ۲۲ میں کہا: "ہمارا خالق جب اللہ ہے تو ہم کو بھی چاہئے اپنے ہر کاموں پر اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام، جیسے جو کوئی ایک بادشاہ کا غلام ہو چکا وہ اپنے ہر کام کا علاقہ اسی سے رکھتا ہے دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں رکھتا اور کسی چوڑھے چمار کا کیا ذکر [4]"
ص ۱۶ میں کہا: "جس نے اللہ کا حق مخلوق کو دیا تو بڑے کا حق ذلیل سے ذلیل کو دیا۔ جیسے بادشاہ کا تاج چمار کے سر پر، اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے [5]"
فصل سوم ص ۳۵ پر کہا: "ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان نہ پہنچا سکتے۔ محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارے لوگوں کو ثابت کیجئے [6]"
فصل پنجم ص ۴۷ پر کہا: "سب انبیاء واولیاء اس کے روبرو ایک ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں [7]"
ان صریح ملعون کلاموں کی سند میں وہ عبارت پیش کرنی کیسی شدید کھلی بے ایمانی ہے، مخدوم صاحب نے اگر کہا تو دنیا اور دنیا کی چیزوں کو کہا، جن کو اللہ سے علاقہ نہیں بیشک وہ مینگنی سے حقیر تر ہیں۔ اور اس گمراہ نے صاف صاف یہ چوہڑے چمار سے ذلیل ناکارے لوگ ذرہ ناچیز سے کمتر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء اور خود سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کہا "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾" [8] (اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھاتے ہیں۔ ت)

www.alahazratnetwork.org I.T. Majlis of DawateIslami

---

[1] تقویۃ الایمان باب اول توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۸
[2] تقویۃ الایمان الفصل ثانی فی ردالاشراک فی العلم مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۵
[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر ردالاشراک فی العبادات مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۸
[4] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳
[5] تقویۃ الایمان الفصل الاول فی الاجتناب عن الاشراک مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۰
[6] تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر ردالاشراک فی التصرف مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰
[7] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی ردالاشراک فی العادات مطبع علیمی لوہاری گیٹ لاہور ص ۳۸
[8] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

خامسًا وہابیہ ان میں سے کچھ نہیں مانتے خواہی نخواہی مدعی ہیں کہ حضرت مخدوم نے ایسافرمایااور یہ کہ تمام انبیاء واولیاء وحضور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والثناء سب کو کہا **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ اب ان سے پوچھئے کہ یہ کہنا تمھارے نزدیک حق ہے یا باطل، اگر باطل ہے تو باطل سے سند لانیوالا مکار عیار اور اس سے توہین شان رسالت کا ہلکا پن چاہنے والا کافر بے دین فی النار ہے یا نہیں۔ اور اگر کہیں کہ ہاں وہ حق ہے، ۔ اور حضرات انبیاء سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ اس ناپاک مثال کے لائق ہیں تو پردہ کھل گیا، ہر بچہ ہر بے علم ہر ناخواندہ بشرطیکہ مسلمان ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت پر ایمان سے اس کا دل کچھ بھی حصہ رکھتا ہو وہ تین باتوں پر فورا یقین کرے گا:

(۱) یہ جو انبیاء کرام واولیاء عظام وخود حضور اقدس سید الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس ناپاک گندی مثال کے لائق بتارہے ہیں قطعاً کافر ہیں۔ اور اللہ ورسول کے کھلے دشمن، کیا اسلام نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہی عظمت سکھائی ہے۔ "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ" [1] (ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ ت)

(۲) اسے صاف روشن ہوجائے گا کہ ہر گز حضرت مخدوم صاحب نے ایسی ملعون بات نہ فرمائی نہ وہ یا کوئی مسلمان ایسا کہہ سکتا ہے، جن کے غلامان غلام کے غلامان غلاموں کی عمر بھر کفش برداری سے حضرت مخدوم صاحب حضرت مخدوم صاحب ہوئے اگر انھیں کو ایسا ناپاک بتاتے تو خود کہاں رہتے۔ اور اپنے آپ اس سے کتنے لاکھ درجے بدتر گندی گھناؤنی ذلیل ناپاک مثال کے قابل ہوتے نہ کہ سند لانے کے لائق، مگر حاشاللہ بات وہی ہے کہ "وَمَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا" [2] (اور سلیمان نے کفر نہ کیا ہاں شیطان کافر ہوئے۔ ت) حضرت مخدوم صاحب نے تو کفر نہ کیا یہ شیاطین ہی کفر کررہے ہیں۔

(۳) کھل جائیگا کہ اسمٰعیل دہلوی کے نجس اقوال ایسے ہی خبیث وناپاک ہیں کہ ان کے بنانے کے لئے انبیاء واولیاء وخود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو ایسی گندی مثال ایسی سڑی دشنامیں دینے کی حاجت ہوتی ہے۔ پھر وہ گالیاں اللہ رسول پر تو چسپاں ہو نہیں سکتیں۔ وہ پاک ومنزہ ہیں۔ انھیں اسمٰعیل پرستوں کے کفر خبیث پر اور رجسٹری ہوتی ہے کہ ان کے دل میں اتنی قدر ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

اللہ واحد قہار کے حبیب اکرم و خلیفہ اعظم محمد رسول اللہ کی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔
واخذ اعداءہ باشد النقم اٰمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔
اللہ تعالٰی آپ کے دشمنوں سے سخت انتقام لے، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اس جل مجدہ کا علم اتم واکمل ہے۔ (ت)

کتب عبدہ المذنب احمد رضاخاں البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
السوء والعقاب علی المسیح الکذاب ۱۳۲۰ھ
(جھوٹے مسیح پر وبال اور عذاب)

مسئلہ ۷۸: از امر تسر، کڑہ گر باسنگھ، کوچہ ٹنڈا شاہ، مرسلہ جناب مولانا مولوی محمد عبدالغنی صاحب واعظ ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

باسمہٖ سبحانہ مستفتی نے ظاہر کیا کہ ایک شخص نے درآنحالیکہ مسلمان تھا ایک مسلمہ سے نکاح کیا، زوجین ایک عرصہ تک باہم مباشرت کرتے رہے، اولاد بھی ہوئی، اب کسی قدر عرصہ سے شخص مذکور مرزا قادیانی کے مریدوں میں منسلک ہو کر صیغ عقائد کفریہ مرزائیہ سے مصطبغ ہو کر علٰی رؤس الاشہاد ضروریاتِ دین سے انکار کرتا رہتا ہے، سو مطلوب عن الاظہار یہ ہے کہ شخص مذکور شرعًا مرتد ہوچکا اور اس کی منکوحہ اس کی زوجیت سے علیحدہ ہوچکی اور منکوحہ مذکورہ کا کل مہر معجّل، مؤجل مرتد مذکور کے ذمّہ ہے، اولادِ صغار اپنے والد مرتد کی ولایت سے نکل چکی یا نہ؟ بَیِّنُوْا تُؤْجَرُوْا (بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

خلاصہ جواباتِ امر تسر:

(۱) شخص مذکور بباعث آنکہ بہم عقیدہ مرزا کا ہے جو باتفاق علمائے دین کافر ہے، مرتد ہوچکا، منکوحہ

زوجیت سے علیحدہ ہوچکی، کل مہر بذمہ مرتد واجب الادا ہوچکا، مرتد کو اپنی اولادِ صغار پر ولایت نہیں۔
(ابو محمد زبیر غلام رسول الحنفی القاسمی عفی عنہ)

(۲) شک نہیں کہ مرزا قادیانی اپنے آپ کو رسول اللہ، نبی اللہ کہتا ہے اور اس کے مرید اس کو نبی مرسل جانتے ہیں، اور دعوی نبوت کا بعد رسول اللہ کے بالاجماع کفر ہے، جب اس طائفے کا ارتداد ثابت ہوا، پس مسلمہ ایسے شخص کے نکاح سے خارج ہوگئی ہے، عورت کو مہر ملنا ضروری ہے، اور اولاد کی ولایت بھی ماں کا حق ہے، عبد الجبار بن عبد اللہ الغزنوی۔

(۳) لا یشك فی ارتداد من نسب المسمریزم الذی هو من اقسام السحر الی الانبیاء علیهم السلام واهان روح الله عیسٰی بن مریم علیهما السلام وادعی النبوة وغیرها من الکفریات کالمرزا فنکاح المسلمة لا شك فی فسخه لکن لها المهر والاولاد الصغائر. ابو الحسن غلام مصطفی عفی عنه۔	ترجمہ: بیشک جو شخص جادو کی قسم مسمریزم کو انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب کرے اور حضرت روح اللہ عیسٰی بن مریم علیہما السلام کی توہین کرے اور نبوت کا دعوی وغیرہ کفریات کا ارتکاب کرے جیسے مرزا قادیانی، تو اس کے مرتد ہونے میں کیا شک ہے، تو مسلمان عورت کا اس سے نکاح بلا شک فسخ ہوجائے گا لیکن اس مسلمان عورت کو مہر و اولاد کا استحقاق ہے۔ (ابو الحسن غلام مصطفٰی عفی عنہ۔ت)

(۴) شک نہیں کہ مرزا کے معتقدات کا معتقد مرتد ہے، نکاح منفسخ ہوا، اولاد عورت کو دی جائے گی، عورت کامل مہر لے سکتی ہے۔ (ابو محمد یوسف غلام محی الدین عفی عنہ)

(۵) انچہ علمائے کرام از عرب وہند و پنجاب در تکفیر مرزا قادیانی و معتقدان وے فتوی دادہ اند ثابت و صحیح ست قادیانی خود را نبی و مرسل یزدانی قرار میدہد، وتوہین و تحقیر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام وانکارِ معجزات شیوہ اوست کہ از تحریر اتش پر ظاہر ست (نقل عبارات ازالہ رسائل مرزاست)۔ (احقر عباد اللہ العلی واعظ محمد عبد الغنی)	علماء عرب وہند و پنجاب نے مرزا قادیانی اور اس کے معتقدین کی تکفیر کا جو فتوی دیا ہے وہ صحیح وثابت ہے، مرزا قادیانی اپنے کو نبی و رسول یزدانی قرار دیتا ہے اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی توہین و تحقیر کرنا اور معجزات کا انکار کرنا اس کا شیوہ ہے۔ جیسا کہ اس کی تحریروں سے ظاہر ہے (یہ عبارات ازالہ اوہام میں منقول ہیں جو کہ مرزا کے رسائل میں سے ایک رسالہ ہے) احقر عباد اللہ العلی واعظ محمد عبد الغنی (ت)

(۶) احقر العباد خدا بخش امام مسجد شیخ خیر الدین۔

(۷) شک نہیں کہ مرزا قادیانی مدعیِ نبوت ورسالت ہے (نقل عبارات کثیرہ ازالہ وغیرہا تحریرات مرزا) پس ایسا شخص کافر تو کیا میرا وجدان یہی کہتا ہے کہ اس کو خدا پر بھی ایمان نہیں، ابوالوفاء ثناء اللہ کفاہ اللہ مصنّف تفسیر ثنائی امرتسری۔

(۸) قادیانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ضروریاتِ دین سے انکار ہے نیز دعوی رسالت کا بھی چنانچہ (ایک غلطی کا ازالہ) میں اس نے صراحتًا لکھا ہے کہ میں رسول ہوں۔ لہٰذا غلام احمد اور اس کے معتقدین بھی کافر بلکہ اکفر ہوئے۔ مرتد کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے، اولادِ صغار والد کے حق سے نکل جاتی ہے، پس مرزائی مرتد سے اولاد لے لینی چاہیے اور مہر معجّل اور مؤجل لے کر عورت کو اس سے علیحدہ کرنا چاہیے۔ (ابوتراب محمد عبدالحق بازار صابونیاں)

(۹) مرزائی مرتد ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منکر معجزات کو مسمریزم تحریر کیا ہے، مرزا کافر ہے، مرزا سے جو دوست ہو یا اس کے دوست سے دوست وہ بھی کافر مرتد ہے۔

(صاحبزادہ صاحب سید ظہور الحسن قادری فاضلی سجادہ نشین حضرات سادات جیلانی بٹالہ شریف)

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد نبوت ورسالت کا دعوی اور ضروریات دین کا انکار بیشک کفر وارتداد ہے ایسے شخص پر قادیانی ہو یا غیر، مرتدوں کے احکام جاری ہوں گے۔ (نور احمد عفی عنہ)

از جناب مولانا مولوی محمد عبدالغنی صاحب امرتسری باسم سامی حضرت عالم اہلسنّت دام ظلہم العالی

بخدمت شریف جناب فیض مآب قامع فساد و بدعات دافع جہالت وضلالات مفخر العلماء الحنفیہ قاطع اصول الفرقۃ الضالۃ النجدیہ مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب متعنا اللہ بعلمہ تحفہ تحیات وتسلیمات مسنونہ رسانیدہ مکشوف ضمیر مہر انجلا، آنکہ چوں دریں بلاد از مدّت مدیدہ بہ ظہور دجّال کذّاب قادیانی فتور وفساد برخاستہ است بموجب حکم آزادگی بہ ہیچ صورتے درچنگ علما آں دہری رہزن دین اسلام نمی آید، اکنوں ایں واقعہ درخانہ	بخدمت شریف جناب فیض مآب قامع فساد و بدعات، جہالت وگمراہی کو دفع کرنے والے، حنفی علماء کا فخر، گمراہ نجدی فرقہ کے اصول کو مٹانے والے مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، اللہ تعالٰی ہمیں اس کے علوم سے بہرہ ور فرمائے، سلام وتحیت مسنونہ پیش ہوں، دلی مراد واضح ہو کہ جب سے اس علاقہ میں قادیانی فتور وفساد برپا ہوا ہے قانونی آزادی کی وجہ سے اس بے دین اسلام کے ڈاکو پر علماء کی گرفت نہ ہو سکی ابھی ایک واقعہ حنفی شخص کے ہاں ہوا ہے کہ اس کے نکاح میں مسلمان عورت

یک شخص حنفی شد کہ زنے مسلمہ در عقد شخصے بودہ آں مرد مرزائی گردید زن مذکورہ ازوے ایں کفریات شنیدہ گریز نمودہ بخانہ پدر رسید، لہذا برائے آں وبرائے سد آیندہ وتنبیہ مرزائیاں فتوی ہذا طبع کردہ آید امید کہ آں حضرت ہم بمہر ودستخط شریف خود مزین فرمایند کہ باعثِ افتخار باشد سفیر از ندوہ کدام مولوی غلام محمد ہوشیار پوری وارد امرتسر ازمدت دو ماہ شدہ است فتوائے ہذا نزد وے فرستادم مشار الیہ دستخط ننمود وگفت اگر دریں فتوی دستخط کنم ندوہ از من بیزار شود خاکش بدہن، ازیں جہت مرد ماں بلدہ رابسیار بدظنی درحق ندوہ می شود زیادہ چہ نوشتہ آید جزاکم اللہ عن الاسلام و المسلمین۔ الملتمس بندہ کثیر المعاصی واعظ محمد عبدالغنی از امرتسر کڑہ گربا سنگھ کوچہ ٹنڈا شاہ۔	تھی وہ شخص مرزائی ہوگیا اس کی مذکورہ عورت نے اس کے کفریات سن کر اس سے علیحدگی اختیار کرکے اپنے والد کے گھر چلی گئی، لہذا اس واقعہ اور آئندہ سدِّ باب اور مرزائیوں کی تنبیہ کے لئے یہ فتوی طبع کرایا ہے امید ہے کہ آپ بھی اپنی مہر اور دستخط سے اس کو مزین فرمائیں گے جو کہ باعثِ افتخار ہوگا۔ ندوہ کا ایک نمائندہ مولوی غلام محمد ہوشیارپوری دو ماہ سے امرتسر میں آیا ہوا ہے میں نے یہ فتوی اس کے پاس بھیجا تاکہ وہ دستخط کردے تو اس نے کہا اگر میں نے اس فتوی پر دستخط کئے تو ندوہ والے مجھ سے ناراض ہوجائیں گے اس کے منہ میں خاک ہو، اس کی اس بات کی وجہ سے شہر کے لوگ ندوہ والوں سے نہایت بدظن ہوگئے ہیں۔ مزید کیا لکھوں، اللہ تعالٰی آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزاء عطا فرمائے، الملتمس گنہگار بندہ واعظ محمد عبدالغنی از امرتسر کڑہ گر باسنگھ کوچہ ٹنڈا شاہ۔ (ت)

الجواب:

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علٰی من لا نبی بعدہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ رب انی اعوذبك من ھمزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون۔	(تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک کے لئے ہیں، اور صلوٰۃ و سلام اس ذات پر جس کے بعد نبی نہیں ہے اور اس کی آل و اصحاب پر جو عزّت و کرامت والے ہیں، اے رب! میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی کھلی بدگوئیوں سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں انکے حاضر ہونے سے۔ت)

اللہ عزوجل دین حق پر استقامت عطا فرمائے اور ہر ضلال و وبال و نکال سے بچائے، قادیانی مرزا کا اپنے آپ کو مسیح و مثل مسیح کہنا تو شہرہ آفاق ہے اور بحکم آنکہ ع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

(شراب کے تمام عیب بیان کئے اب اس کے ہنر بھی بیان کر۔ت)

فقیر کو بھی اس دعوی سے اتفاق ہے، مرزا کے مسیح و مثل مسیح ہونے میں اصلاً شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوٰۃ اللہ بلکہ مسیح دجّال علیہ اللّعن والنّکال، پہلے اس ادعائے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خاں محمد حفظہ اللہ تعالٰی نے لکھا اور بنام تاریخی "الصّارم الربانی علٰی اسراف القادیانی" مسمّٰی کیا۔ یہ رسالہ حامی سنن، ماحی فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن، مکرمنا قاضی عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی صین عن الفتن نے اپنے رسالہ مبارکہ تحفہ حنفیہّ میں کہ عظیم آباد سے ماہوار شائع ہوتا ہے طبع فرمادیا، بحمد اللہ تعالٰی اس شہر میں مرزا کا فتنہ نہ آیا، اور اللہ عزوجل قادر ہے کہ کبھی نہ لائے۔ اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں، مجیب ہفتم نے جو اقوال ملعونہ اس کی کتابوں سے بہ نشان صفحات نقل کئے مثیل مسیح ہونے کے ادعا کو شناعت و نجاست میں ان سے کچھ نسبت نہیں ان میں صاف صاف انکار ضروریاتِ دین اور بوجوہ کثیرہ کفروارتداد مبین ہے فقیر ان میں سے بعض کی اجمالی تفصیل کرے۔

کفر اوّل: مرزا کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "ایک غلطی کا ازالہ" ہے، اس کے صفحہ ۶۷۳ پر لکھتا ہے: میں احمد ہوں جو آیت "مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ" میں مراد ہے۔[1] آیہ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ سیدنا مسیح ربّانی عیسٰی بن مریم روح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ مجھے اللہ عزوجل نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے توریت کی تصدیق کرتا اور اس رسول کی خوشخبری سناتا جو میرے بعد تشریف لانے والا ہے جس کا نام پاک احمد ہے ﷺ۔ ازالہ کے قول ملعون مذکور میں صراحتًا ادّعا ہوا کہ وہ رسول پاک جن کی جلوہ افروزی کا مژدہ حضرت مسیح لائے معاذ اللہ مرزا قادیانی ہے۔

کفر دوم: توضیح مرام طبع ثانی صفحہ ۹ پر لکھتا ہے کہ "میں محدث ہوں اور محدث عـــہ بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے۔[2]

عـــہ: لا الٰہ الا اللہ لقد کذب عدوّ اللہ ایھا المسلمون (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، دشمن خدا نے جھوٹ بولا اے مسلمانو!۔ت) سید المحدثین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں کہ انہیں کے (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] توضیح المرام مطبوعہ ریاض الہند امرتسر، ص ۱۶

[2] توضیح المرام مطبوعہ ریاض الہند امرتسر، ص ۱۶

کفر سوم: دافع البلاء مطبوعہ ریاض ہند صفحہ ۹ پر لکھتا ہے "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا"[1]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واسطے حدیث محدثین آئی۔ انھیں کے صدقے میں ہم نے اس پر اطلاع پائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

قد کان فیما مضی قبلکم من الامم اناس محدثون فان یکن فی امتی منهم احد فانه عمر بن الخطاب[2] رواہ احمد والبخاری عن ابی ہریرۃ واحمد ومسلم والترمذی والنسائی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اگلی امتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی فراست صادقہ و الہام حق والے، اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہوگا تو وہ ضرور عمر بن خطاب ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے احمد اور بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

فاروق اعظم نے نبوت کے کوئی معنی نہ پائے صرف ارشاد فرمایا:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب[3] رواہ احمد و الترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو عمر ہوتا، (اسے احمد و ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے اور طبرانی نے کبیر میں عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے، ت)

مگر پنجاب کا محدث حادث کہ حقیقۃً نہ محدث ہے نہ محدث، یہ ضرور ایک معنی پر نبی ہوگیا الا لعنۃ اللہ علی الکٰذبین (خبردار، جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ت) والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

---

[1] دافع البلاء مطبوعہ ضیاء الاسلام قادیان ص ۲۶

[2] صحیح البخاری مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۱، جامع الترمذی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی مکتبہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۲۱۰

[3] صحیح البخاری مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، المستدرک للحاکم معرفتہ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۸۵، جامع الترمذی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹

کفر چہارم: مجیب پنجم نے نقل کیا، ونیز میگوید کہ خدائے تعالٰی نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی، ان اقوال خبیثہ میں **اوّلاً:** کلامِ الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ معاذاللہ آیہ کریمہ میں یہ شخص مراد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **ثانیا:** نبی اللہ ورسول اللہ وکلمتہ اللہ عیسٰی روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افتراء کیا وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔ **ثالثًا:** اللہ عزوجل پر افتراء کیا کہ اس نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لئے بھیجا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾"[1]	بیشک جو لوگ اللہ عزوجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ"[2]	ایسے افتراء وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں۔

رابعًا: اپنی گھڑی ہوئی کتاب براہین غلامیہ کو اللہ عزوجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالٰی نے براہین احمدیہ میں یوں فرمایا، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾"[3]	خرابی ہے ان کے لئے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لئے ان کے لکھے ہاتھوں سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحۃً اپنے لئے نبوت ورسالت کا ادعائے قبیحہ ہے اور وہ باجماعِ قطعی کفر صریح ہے، فقیر نے "رسالہ جزاء اللہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ ۱۳۱۷ھ" خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیت قرآن عظیم اور ایک سو دس ۱۱۰ حدیثوں اور تیس ۳۰ نصوں کو جلوہ دیا، اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا، ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا قطعًا محال و باطل جاننا فرض اجل وجزءِ ایقان ہے "وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ"[1] (ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے۔ت) نص قطعی قرآن ہے اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک کہ ادنٰی ضعیف احتمال خفیف سے توہم خلاف رکھنے والا قطعًا اجماعًا کافر ملعون مخلد فی النیران ہے، نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے اس عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہونے میں شک وتردّد کو راہ دے وہ بھی کافر ہیں، الکفر جلی الکفران ہے، قول دوم وسوم میں شائد وہ یا اس کے اذناب آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑلیں کہ یہاں نبی ورسول سے معنی لغوی مراد ہیں یعنی خبر دار یا خبر دہندہ اور فرستادہ مگر یہ محض ہوس ہے۔

اوّلًا: صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی، فتاوٰی خلاصہ و فصول عمادیہ و جامع الفصولین و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للعمادی لو قال انا رسول اللہ او قال بالفارسیۃ من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر[2]	یعنی اگر کوئی اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے یا بزبان فارسی کہے میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں کافر ہوجائے گا۔

امام قاضی عیاض کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

قال احمد بن ابی سلیمٰن صاحب سحنون رحمہما اللہ تعالٰی فی رجل قیل لہ لا وحق رسول اللہ فقال فعل اللہ برسول اللہ کذا وذکر کلا ما قبیحا، فقیل لہ ما تقول یا عدو اللہ فی حق رسول اللہ فقال لہ اشد من کلامہ الاول ثم قال انما اردت برسول اللہ العقرب فقال ابن ابی سلیمٰن للذی سألہ اشھد علیہ وانا شریکك یرید فی	یعنی امام احمد بن ابی سلیمان تلمیذ ورفیق امام سحنون رحمہما اللہ تعالٰی سے ایک مردک کی نسبت کسی نے پوچھا کہ اس سے کہا گیا تھا رسول کے حق کی قسم اس نے کہا اللہ رسول اللہ کے ساتھ ایسا ایسا کرے اور ایک بدکلام ذکر کیا کہا گیا اے دشمن خدا! تو رسول اللہ کے بارے میں کیا بکتا ہے تو اس سے بھی سخت تر لفظ بکا پھر بولا میں نے تو رسول اللہ سے بچھّو مراد لیا تھا۔ امام احمد بن ابی سلیمان نے مستفتی سے فرمایا تم اس پر گواہ ہو جاؤ اور اسے سزائے موت دلانے اور

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۳

قتلہ و ثواب ذٰلک.قال حبیب بن الربیع لان ادعاء التاویل فی لفظ صراح لا یقبل[1]۔	اس پر جو ثواب ملے گا اس میں میں تمہارا شریک ہوں، (یعنی تم حاکم شرع کے حضور اس پر شہادت دو اور میں بھی سعی کروں گا کہ ہم تم دونوں بحکم حاکم اسے سزائے موت دلانے کا ثوابِ عظیم پائیں) امام حبیب بن ربیع نے فرمایا یہ اس لئے کہ کھلے لفظ میں تاویل کا دعوی مسموع نہیں ہوتا۔

مولانا علی قاری شرح شفاء میں فرماتے ہیں:

ثم قال انما اردت برسول الله العقرب فانه ارسل من عندا لحق وسلط علی الخلق تاویلا للرسالة العرفية بالارادة اللغوية وهو مردود عندالقواعد الشرعية[2]	یعنی وہ جو اس مردک نے کہا کہ میں نے بچھّو مراد لیا، اس طرح اس نے رسالت عرفی کو معنی لغوی کی طرف ڈھالا کہ بچھّو کو بھی خدا ہی نے بھیجا اور خلق پر مسلّط کیا ہے، اور ایسی تاویل قواعدِ شرع کے نزدیک مردود ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

هذا حقيقة معنی الارسال وهذا مما لا شك فی معناه وانكاره مكابرة لكنه لا يقبل من قائله وادعاؤه انه مراده لبعده غاية البعد،وصرف اللفظ عن ظاهره لا يقبل كما لو قال انت طالق قال اردت محلولة غير مربوطة لا يلتفت لمثله ويعد هذيانا اھ ملتقطا۔[3]	یعنی یہ لغوی معنی جن کی طرف اس نے ڈھالا ضرور بلاشک حقیقی معنی ہیں اس کا انکار ہٹ دھرمی ہے بایں ہمہ قائل کا ادعا مقبول نہیں کہ اس نے یہ معنی لغوی مراد لئے تھے، اس لئے کہ یہ تاویل نہایت دور از کار ہے اور لفظ کا اس کے معنی ظاہر سے پھیرنا مسموع نہیں ہوتا جیسے کوئی اپنی عورت کو کہے تو طالق ہے اور کہے میں نے تو یہ مراد لیا تھا کہ تو کھلی ہوئی ہے بندھی نہیں ہے (کہ لغت میں طالق کشادہ کو کہتے ہیں) تو ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور اسے ہذیان سمجھا جائے گا۔

ثانیا: وہ بالیقین ان الفاظ کو اپنے لئے مدح و فضل جانتا ہے، نہ ایک ایسی بات کہ

دندان تو جملہ در دہانند چشمان تو زیر ابروانند

(تیرے تمام دانت منہ میں ہیں، تیری آنکھیں ابرو کے نیچے ہیں۔ت)

---

[1] الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع الباب الاول مطبع شرکۃ صحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۲/ ۲۰۹

[2] شرح الشفاء لملّا علی قاری مع نسیم الریاض الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۴۳

[3] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الاول دار الفکر بیروت ۴/ ۳۴۳

کوئی عاقل بلکہ نیم پاگل بھی ایسی بات کو جو ہر انسان ہر بھنگی چمار بلکہ ہر جانور بلکہ ہر کافر مرتد میں موجود ہو محلِ مدح میں ذکر نہ کریگا نہ اس میں اپنے لئے فضل وشرف جانے گا بھلا کہیں براہین غلامیہ میں یہ بھی لکھا کہ سچا خدا وہی ہے جس نے مرزا کی ناک میں دو نتھنے رکھے، مرزا کے کان میں دو گھونگے بنائے، یا خدا نے براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ اس عاجز کی ناک ہونٹوں سے اوپر اور بھوؤں کے نیچے ہے، کیا ایسی بات لکھنے والا پورا مجنون پکّا پاگل نہ کہلایا جائے گا۔ اور شک نہیں کہ وہ معنی لغوی یعنی کسی چیز کی خبر رکھنا یا دینا یا بھیجا ہوا ہونا، ان مثالوں سے بھی زیادہ عام ہیں بہت جانوروں کے ناک کان بھویں اصلاً نہیں ہوتیں مگر خدا کے بھیجے ہوئے وہ بھی ہیں، اللہ نے انہیں عدم سے وجود نر کی پیٹھ سے مادہ کے پیٹ سے دنیا کے میدان میں بھیجا جس طرح اس مردک خبیث نے بچّھو کو رسول بمعنی لغوی بنایا۔ مولوی معنوی قدس سرہ القوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

۱۔	کل یوم ھو فی شان بخواں	مرورا بیکار و بے فعلے مداں
۲۔	کمتریں کارش کہ ہر روز ست آں	کُو سہ لشکر روانہ میکند
۳۔	لشکرے زاصلاب سوئے امہات	بہرآں تا در رحم روید نبات
۴۔	لشکرے زار حام سوئے خاکدان	تاز نر و مادہ پر گردد جہاں
۵۔	لشکرے از خاکداں سوئے اجل	تا بہ بیند ہر کسے حسنِ عمل [1]

((۱) روزانہ اللہ تعالٰی اپنی شان میں، پڑھ اس کو بیکار اور بے عمل ذات نہ سمجھ۔ت) (۲) اس کا معمولی کام ہر روز یہ ہوتا ہے کہ روزانہ تین لشکر روانہ فرماتا ہے۔ت) (۳) ایک لشکر پشتوں سے امہات کی طرف، تاکہ عورتوں کے رحموں میں پیدائش ظاہر فرمائے۔ت) (۴) ایک لشکر ماؤں کے رحموں سے زمین کی طرف، تاکہ نر و مادہ سے جہان کو پُر فرمائے۔ت) (۵) ایک لشکر دنیا سے موت کی جانب تاکہ ہر ایک اپنے عمل کی جزا کو دیکھے۔ت) حق عزوجل فرماتا ہے:

"فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ " [2]	ہم نے فرعونیوں پر بھیجے طوفان اور ٹڈیاں اور جُوئیں اور مینڈکیں اور خون۔

کیا مرزا ایسی ہی رسالت پر فخر رکھتا ہے جسے ٹڈی اور مینڈک اور جُوں اور کتے اور سؤر سب کو شامل مانے گا، ہر جانور بلکہ ہر حجر و شجر بہت سے علوم سے خبر دار ہے اور ایک دوسرے کو خبر دینا بھی صحاح احادیث سے ثابت،

[1] المثنوی المعنوی قصہ آنکس کہ دریارے بکوفت گفت الخ نورانی کتب خانہ پشاور، دفتر اول ص ۷۹

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۳۳

حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی ان کی طرف سے فرماتے ہیں: ۔

ما سمیعیم و بصیریم و خوشیم　　　با شما نا محرماں ما خامشیم [1]

ہم آپس میں سننے، دیکھنے والے اور خوش ہیں، تم نامحرموں کے سامنے ہم خاموش ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ" [2]	کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر ان کی تسبیح تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من شیئ الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ او فسقۃ الجن والانس [3] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وصححه خاتم الحفاظ۔	کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے اللہ کا رسول نہ جانتی ہو سوا کافر جن اور آدمیوں کے۔ (طبرانی نے کبیر میں یعلٰی بن مرہ سے روایت کیا اور خاتم الحفاظ نے اسے صحیح کہا۔ت)

حق سبحانہ تعالٰی فرماتا ہے:

"فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾" [4]	کچھ دیر ٹھہر کر ہدہد بارگاہ سلیمانی میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے ایک بات وہ معلوم ہوئی ہے جس پر حضور کو اطلاع نہیں اور میں خدمت عالی میں ملک سبا سے ایک یقینی خبر لے کر حاضر ہوا ہوں۔

حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما من صباح ولا رواح الا وبقاع الارض ینادی بعضها بعضا، یا جارۃ هل مر بك الیوم عبد صالح صلّی علیك او ذکر اللہ؟	کوئی صبح اور شام ایسی نہیں ہوتی کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کو پکار کر نہ کہتے ہوں کہ اے ہمسائے! آج تجھ پر کوئی نیک بندہ گزرا جس نے تجھ پر

[1] المثنوی المعنوی حکایت مارگیرے کہ اژدہائے افسردہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور دفتر سوم ص ۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۷۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۲/ ۲۶۲، الجامع الصغیر حدیث ۸۰۴۸ دار الکتب العلمیه بیروت الجزء الثانی ص ۴۹۲

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۲

فان قالت نعم رأت ان لها بذٰلك فضلا[1]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط وابونعیم فی الحلیة عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نماز پڑھی یا ذکر الٰہی کیا، اگر وہ ٹکڑا جواب دیتا ہے کہ ہاں تو وہ پوچھنے والا ٹکڑا اعتقاد کرتا ہے کہ اسے مجھ پر فضیلت ہے۔ (اسے طبرانی نے اوسط میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

توخبر رکھنا، خبر دینا سب کچھ ثابت ہے۔ کیا مرزا ہر اینٹ پتھر، ہر بت پرست کافر، ہر ریچھ بندر، ہر کتے سؤر کو بھی اپنی طرح نبی و رسول کہے گا؟ ہرگز نہیں، تو صاف روشن ہوا کہ معنی لغوی ہرگز مراد نہیں بلکہ یقینا وہی شرعی و عرفی رسالت و نبوت مقصود اور کفر وارتداد یقینی قطعی موجود۔

وبعبارۃ اخری معنی کے چار ہی قسم ہیں، لغوی، شرعی، عرفی، عام یا خاص، یہاں عرف عام تو بعینہٖ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعًا حاصل، اور ارادہ لغوی کا ادعاء یقینًا باطل، اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی ورسول کے معنی اور رکھے ہیں جن میں مجھے سگ وخوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصفِ نبوت میں اشتراک بھی نہیں، مگر حاش للہ! ایسا باطل ادعاء اصلًا شرعًا عقلًا عرفًا کسی طرح بادشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، ایسی جگہ لغت وشرع وعرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہوسکے کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید توہین کرکے مجرم نہ ٹھہرسکے کہ ہر ایک کو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعوی کردے جس میں کفر وتوہین کچھ نہ ہو، کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں جب اس پر اعتراض ہو کہہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں، کیا عمرو جنگل میں سؤر کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے، جب کوئی مرزائی گرفت چاہے کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں، اگر کہئے کوئی مناسبت بھی ہے تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں لا مشاحة فی الاصطلاح (اصطلاح میں کوئی اعتراض نہیں) آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور، لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے جس میں معنی اوّل سے مناسبت اصلًا منظور نہیں، معہذا قادی بمعنی جلدی کنندہ ہے یا جنگل سے آنے والا۔ قاموس میں ہے:

قدت قادية جاء قوم قد اقحموا	قوم جلدی میں آئی، قدت قادیۃ کا ایک معنی

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۶۶ مکتبہ المعارف الریاض ۱/ ۳۳۶

من البادیۃ والفرس قد یانا اسرع [1]	قدت من البادیۃ یا قدت الفرس جنگل سے آیا، یا گھوڑے کو تیز کیا۔

قادیان اس کی جمع اور قادیانی اس کی طرف منسوب یعنی جلدی کرنے والوں یا جنگل سے آنے والوں کا ایک، اس مناسبت سے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے جنگلی کا نام قادیانی ہوا، کیا زید کی وہ تقریر کسی مسلمان یا عمرو کی یہ توجیہ کسی مرزائی کو مقبول ہو سکتی ہے، حاشا وکلّا کوئی عاقل ایسی بناوٹوں کو نہ مانے گا بلکہ اسی پر کیا موقوف، یوں اصطلاح خاص کا ادعاء مسموع ہو جائے تو دین و دنیا کے تمام کارخانے درہم برہم ہوں، عورتیں شوہروں کے پاس سے نکل کر جس سے چاہیں نکاح کرلیں کہ ہم نے تو ایجاب وقبول نہ کیا تھا، اجازت لیتے وقت ہاں کہا تھا، ہماری اصطلاح (ہاں) بمعنی (ہوں) یعنی کلمہ جزر وانکار ہے، لوگ بیع نامے لکھ کر رجسٹری کرا کر جائدادیں چھین لیں کہ ہم نے تو بیع نہ کی تھی بیچنا لکھا تھا، ہماری اصطلاح میں عاریت یا اجارے کو بیچنا کہتے ہیں الی غیر ذٰلک من فسادات لا تحصی (ایسے بہت سے فسادات ہوں گے۔ت) تو ایسی جھوٹی تاویل والا خود اپنے معاملات میں اسے نہ مانے گا، کیا مسلمانوں کو زن ومال اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے زیادہ پیارے ہیں کہ جورو اور جائداد کے باب میں تاویل سنیں اور اللہ ورسول کے معاملے میں ایسی ناپاک بناوٹیں قبول کرلیں لا الٰہ الا اللہ مسلمان ہرگز ایسے مردود بہانوں پر التفات بھی نہ کریں گے انہیں اللہ ورسول اپنی جان اور تمام جہان سے زیادہ عزیز ہیں وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود ان کا رب جل وعلا قرآن عظیم میں ایسے بیہودہ عذروں کا دربار جلا چکا ہے، فرماتا ہے:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ" [2]	ان سے کہہ دو بہانے نہ بناؤ بیشک تم کافر ہوچکے ایمان کے بعد۔ والعیاذ باللہ تعالٰی رب العالمین۔

ثالثًا: کفر چہارم میں امتی ونبی کا مقابلہ صاف اسی معنی شرعی وعرفی کی تعیین کر رہا ہے۔

رابعًا: کفر اول میں تو کسی جھوٹے ادعائے تاویل کی بھی گنجائش نہیں، آیت میں قطعًا معنی شرعی ہی مراد ہیں نہ کہ لغوی، نہ اس شخص کی کوئی اصطلاح خاص، اور اسی کو اس نے اپنے نفس کے لئے مانا تو قطعًا یقینا بمعنی شرعی ہی اپنے نبی اللہ ورسول اللہ ونے کا مدعی اور "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ" [3]

[1] القاموس المحیط باب الواؤ فصل القاف مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

(ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) کا منکر اور باجماع قطعی جمیع امت مرحومہ مرتد وکافر ہوا، سچ فرمایا سچے خدا کے سچے رسول سچے خاتم النّبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے کہ عنقریب میرے بعد آئیں گے **ثلثون دجّالون کذّابون کلھم یزعم انہ نبی** تیس ۳۰ دجال کذاب کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا **وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی**[1] حالانکہ میں **خاتم النبیین** ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں، اٰمنت اٰمنت صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم۔ میں ایمان لایا میں ایمان لایا، اللہ تعالٰی آپ پر صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے۔ت) اسی لئے فقیر نے عرض کیا تھا کہ مرزا ضرور مثیل مسیح ہے مَسیحِ صدق بلکہ مسیح دجّال کا کہ ایسے مدعیوں کو یہ لقب خود بارگاہ رسالت سے عطا ہوا **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔

کفر پنجم: دافع البلاء ص ۱۰ پر حضرت مسیح علیہ السلام سے اپنی برتری کا اظہار کیا ہے[2]

کفر ششم: اسی رسالے کے صفحہ ۷ پر لکھا ہے:

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو

اس سے بہتر غلام احمد ہے[3]

کفر ہفتم: اشتہار معیار الاخیار میں لکھا ہے میں بعض نبیوں سے بھی افضل ہوں۔ یہ ادعاء بھی باجماعِ قطعی کفر وارتداد یقینی ہیں، فقیر نے اپنے فتوی مسمّٰی بہ ردّالرفضۃ میں شفاء شریف امام قاضی عیاض و روضہ امام نووی وارشاد الساری امام قسطلانی وشرح عقائد نسفی وشرح مقاصد امام تفتازانی واعلام امام ابن حجر مکی ومنح الروض علامہ قاری وطریقہ محمدیہ علامہ برکوی وحدیقہ ندیہ مولٰی نابلسی وغیرہا کتب کثیرہ کے نصوص سے ثابت کیا ہے کہ باجماعِ مسلمین کوئی ولی کوئی غوث کوئی صدیق بھی کسی نبی سے افضل نہیں ہوسکتا، جو ایسا کہے قطعًا اجماعًا کافر ملحد ہے، ازاں جملہ شرح صحیح بخاری شریف میں ہے:

النبی افضل من الولی وھو امر مقطوع بہ والقائل بخلافہ کافر کانہ معلوم من	یعنی ہر نبی ہر ولی سے افضل ہے اور یہ امر یقینی ہے اور اس کے خلاف کہنے والا کافر ہے کہ

[1] جامع ترمذی ابواب الفتن باب لاتقوم الساعۃ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۴۵، مسند احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۵/ ۳۹۶

[2] دافع البلاء ضیاء الاسلام قادیان ص ۳۰

[3] دافع البلاء ضیاء الاسلام قادیان ص ۳۰

الشرع بالضرورة[1]	یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

کفر ہفتم: میں ایسے ایک لطیف تاویل کی گنجائش تھی کہ یہ لفظ (نبیوں) بتقدیم نون نہیں بلکہ (بنیوں) بہ تقدیم با ہے یعنی بھنگی در کنار کہ خود ان کے تو لال گرو کا بھائی ہوں ان سے تو افضل ہوا ہی چاہوں میں تو بعض بنیوں سے بھی افضل ہوں کہ انہوں نے صرف آٹے دال میں ڈنڈی ماری اور یہاں وہ ہتھ پھیری کی بیسیوں کا دین ہی اڑ گیا، مگر افسوس کہ دیگر تصریحات نے اس تاویل کی جگہ نہ رکھی۔

کفر ہشتم: ازالہ صفحہ ۳۰۹ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو جن کا ذکر خداوند تعالٰی بطور احسان فرماتا ہے مسمریزم لکھ کر کہتا ہے: اگر میں اس قسم کے معجزات کو مکروہ نہ جانتا تو ابن مریم سے کم نہ رہتا[2] یہ کفر متعدد کفروں کا خمیرہ ہے معجزات کو مسمریزم کہنا ایک کفر کہ اس تقدیر پر وہ معجزہ نہ ہوئے بلکہ **معاذ اللہ** ایک کسبی کرشمے ٹھہرے، اگلے کافروں نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

"اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰"[3]	جب فرمایا اللہ سبحانہ نے اے مریم کے بیٹے! یاد کر میری نعمتیں اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تجھے قوت بخشی لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھایا لکھنا اور علم کی تحقیقی باتیں اور توریت اور انجیل اور جب تو بناتا مٹی سے پرند کی سی شکل میری پروانگی سے پھر تو اس میں پھونکتا تو وہ پرند ہو جاتی میرے حکم سے اور تو چنگا کرتا مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میری اجازت سے، اور جب تو قبروں سے جیتا نکالتا مردوں کو میرے اذن سے اور جب میں نے یہود کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس یہ روشن معجزے لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے یہ تو نہیں مگر کھلا جادو۔

مسمریزم بتایا یا جادو کہا، بات ایک ہی ہوئی یعنی الٰہی معجزے نہیں کسبی ڈھکوسلے ہیں، ایسے ہی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العلم باب ما یستحب للعالم الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۱۴

[2] ازالہ اوہام، ریاض الہند امرتسر، بھارت، ص ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

منکروں کے خیال ضلال کو حضرت مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علی سیدہ وعلیہ وسلم نے بار بار بتاکید رد فرمادیا تھا اپنے معجزات مذکورہ ارشاد کرنے سے پہلے فرمایا:

"اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ "[1] الآیۃ۔	میں تمہارے پاس رب کی طرف سے معجزے لایا کہ میں مٹی سے پرند بناتا اور پھونک مار کراسے جِلاتا اور اندھے اور بدن بگڑے کو شفا دیتا اور خدا کے حکم سے مردے جِلاتا اور جو کچھ گھر سے کھا کر آؤ اور جو کچھ گھر میں اٹھا رکھو وہ سب تمہیں بتاتا ہوں۔

اور اس کے بعد فرمایا:

"اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ "[2]	بیشک ان میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان لاؤ۔

پھر مکرر فرمایا:

"جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ "[3]	میں تمہارے رب کے پاس سے معجزہ لایا ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا حکم مانو۔

مگر جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کے رب کی نہ مانے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کیوں ماننے لگا، یہاں تو اسے صاف گنجائش ہے کہ اپنی بڑائی سبھی کرتے ہیں ع

کس نہ گوید کہ دروغ من ترش ست

(کوئی نہیں کہتا کہ میرا جھوٹ ترش ہے۔ت)

پھر ان معجزات کو مکروہ جاننا دوسرا کفر یہ کہ کراہت اگر اس بنا پر ہے کہ وہ فی نفسہٖ مذموم کام تھے جب تو کفر ظاہر ہے قال اللہ تعالٰی:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ[4]	یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

اور اسی فضیلت کے بیان میں ارشاد ہوا:

"وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ"[1]	اور ہم نے عیسٰی بن مریم کو معجزے دئے اور جبرئیل سے اس کی تائید فرمائی۔

اور اگر اس بنا پر ہے کہ وہ کام اگرچہ فضیلت کے تھے مگر میرے منصب اعلٰی کے لائق نہیں تو یہ وہی نبی پر اپنی تفضیل ہے ہر طرح کفر وارتداد قطعی سے مفر نہیں، پھر ان کلمات شیطانیہ میں مسیح کلمۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدہ وعلیہ وسلم کی تحقیر تیسرا کفر ہے اور ایسی ہی تحقیر اس کلام ملعون کفر ششم میں تھی اور سب سے بڑھ کر اس کفر نہم میں ہے کہ ازالہ صفحہ ۱۶۱ پر حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لکھا" بوجہ مسمریزم کے عمل کرنے کے تنویر باطن اور توحید اور دینی استقامت میں کم درجے پر بلکہ قریب ناکام رہے"[2]

انا للہ وانّا الیہ راجعون، الا لعنۃ اللہ علٰی اعداء انبیاء اللہ وصلی اللہ تعالٰی علٰی انبیائہ وبارك وسلم۔	(ہم اللہ کی ملکیت اور ہم اس کی طرف ہی لوٹنے والے ہیں، انبیاء اللہ کے دشمنوں پر اللہ تعالٰی کی لعنت، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اس کے انبیاء علیہم السلام پر اور برکتیں اور سلام۔ت)

ہر ا نبی کی تحقیر مطلقًا کفر قطعی ہے جس کی تفصیل سے شفاء شریف وشروح شفاء وسیف مسلول امام تقی الملۃ والدین سبکی وروضہ امام نووی ووجیز امام کردری واعلام امام حجر مکّی وغیرہا تصانیف ائمہ کرام کے دفتر گونج رہے ہیں نہ کہ ۲ نبی بھی کون نبی مرسل نہ کہ ۳ مرسل بھی کیسا ۴ مرسل اولوالعزم نہ کہ تحقیر بھی کتنی کہ مسمریزم کے سبب نور باطن نہ نور ۵ باطن بلکہ دینی استقامت نہ ۶ دینی استقامت بلکہ نفس توحید میں ۷ کم درجہ بلکہ ناکام رہے اس ملعون قول لعن اللہ قائلہ وقابلہ (اسے کہنے والے اور قبول کرنے والے پر اللہ کی لعنت) نے اولوالعزمی ورسالت ونبوت درکنار اس عبداللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ علیہ وصلوٰۃ اللہ وسلام وتحیات اللہ کے نفس ایمان میں کلام کردیا اس کا جواب ہمارے ہاتھ میں کیا ہے سوا اس کے کہ:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝" [3]	بیشک جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ نے لعنت کی دنیا وآخرت میں اور ان کے لئے تیار کر رکھا ہے ذلّت کا عذاب۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[2] ازالہ اوہام ریاض الہند امرتسر، بھارت ص ۱۱۶

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

کفر دہم: ازالہ صفحہ ۶۲۹ پر لکھتا ہے: ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط عــــہ ہوئی اور وہ جھوٹے۔[1] یہ صراحۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی تکذیب ہے عام اقوام کفار لعنہم اللہ کا کفر حضرت عزت عزّ جلالہ نے یوں ہی تو بیان فرمایا:

"كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ"[2] "كَذَّبَتْ عَادُ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ"[3] "كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ"[4] "كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ"[5] "كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ"[6]	(نوح کی قوم نے پیغمبروں کو جھٹلایا، عاد نے رسولوں کو جھٹلایا، ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا، لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا، بَن والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ت)

ائمہ کرام فرماتے ہیں، جو نبی پر اس کی لائی ہوئی بات میں کذب جائز ہی مانے اگرچہ وقوع نہ جانے باجماع کفر ہے نہ کہ معاذاللہ چار سو انبیاء کا اپنے اخبار بالغیب میں کہ وہ ضرور اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ واقع میں جھوٹا ہو جانا، شفا شریف میں ہے:

من دان بالوحدانية وصحة النبوة ونبوة نبينا صلى اللہ تعالٰی علیه وسلم ولكن جوز على الانبياء الكذب فيما اتوا به ادعى فى ذلك المصلحة بزعمه اولم يدعها فهو كافر باجماع[7]	یعنی جو اللہ تعالٰی کی وحدانیت نبوّت کی حقانیت ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہو بایں ہمہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر انکی باتوں میں کذب جائز مانے خواہ بزعمِ خود اس میں کسی مصلحت کا ادعا کرے یا نہ کرے ہر طرح بالاتفاق کافر ہے۔

عــــہ: یہ اس کی پیش بندی ہے کہ یہ کذّاب اپنی بڑ میں ہمیشہ پیشگوئیاں ہانکتا رہتا ہے اور بعنایت الٰہی وہ آئے دن جھوٹی پڑا کرتی ہیں تو یہاں یہ بتانا چاہتا ہے کہ پیشگوئی غلط پڑی کچھ شان نبوت کے خلاف نہیں معاذاللہ اگلے انبیاء میں بھی ایسا ہوتا ہے۔ (ایضم برعلم)

---

[1] ازالہ اوہام ریاض الھند امرتسر بھارت ص ۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۲۳

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۴۱

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۶۰

[6] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۷۶

[7] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ما ھو من المقالات مکتبہ شرکۃ صحافیہ فی بلاد العثمانیہ ۲/ ۲۶۹

ظالم نے چار سو کہہ کر گمان کیا کہ اس نے باقی انبیاء کو تکذیب سے بچالیا حالانکہ یہی آیتیں جو ابھی تلاوت کی گئی ہیں شہادت دے رہی ہیں کہ اس نے آدم نبی اللہ سے محمد رسول اللہ تک تمام انبیائے کرام علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام کو کاذب کہہ دیا کہ ایک رسول کی تکذیب تمام مرسلین کی تکذیب ہے۔

دیکھو قوم نوح وہود وصالح ولوط و شعیب علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک ہی نبی کی تکذیب کی تھی مگر قرآن نے فرمایا: قوم نوح نے سب رسولوں کی تکذیب کی، عاد نے کل پیغمبروں کو جھٹلایا، ثمود نے جمیع انبیاء کو کاذب کہا، قوم لوط نے تمام رسل کو جھوٹا بتایا، ایکہ والوں نے سارے نبیوں کو دروغ گو کہا، یونہی واللہ اس قائل نے نہ صرف چار سو بلکہ جملہ انبیاء و مرسلین کو کذاب مانا۔

فلعن اللہ من کذب احدا من انبیائہ وصلی اللہ تعالٰی علٰی انبیائہ ورسلہ والمؤمنین بھم اجمعین، وجعلنا منھم وحشرنا فیھم وادخلنا معھم دار النعیم بجاھھم عندہ وبرحمتہ بھم ورحمتھم بنا انہ ارحم الراحمین والحمدللہ رب العٰلمین۔	(اللہ تعالٰی کے کسی نبی کو جھوٹا کہنے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت اور اللہ تعالٰی اپنے انبیاء ورسولوں پر اور ان کے وسیلہ سے تمام مومنین پر رحمت فرمائے اور ہمیں ان میں بنائے، ان کے ساتھ حشر اور ان کے ساتھ جنت میں داخل فرمائے، ان کی اپنے ہاں وجاہت اور ان پر اپنی رحمت اور انکی ہم پر رحمت کے سبب وہ برحق بڑا رحیم ورحمٰن ہے سب حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا رب ہے۔ت)

طبرانی معجم کبیر میں وَبَر حنفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّی اشھد عدد تراب الدنیا ان مسیلمۃ کذّاب[1]	بیشک میں ذرہ ہائے خاک تمام دنیا کے برابر گواہیاں دیتا ہوں کہ مسیلمہ (جس نے زمانہ اقدس میں ادعائے نبوت کیا تھا) کذاب ہے۔

وانا اشھد معك یارسول اللہ (یارسول اللہ! میں بھی آپ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں) اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ عالم پناہ کا یہ ادنٰی کتا بعدد دانہائے ریگ وستارہائے آسمان گواہی دیتا ہے اور میرے ساتھ تمام ملائکہ سمٰوٰت وارض وحاملانِ عرش گواہ ہیں اور خود عرش عظیم کا مالک گواہ ہے "وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾"[2] (اور اللہ کافی ہے گواہ۔ت) کہ ان اقوال مذکورہ کا قائل بیباک کافر مرتد ناپاک ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۱۲ از وبر بن مشھر الحنفی المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۲۲/ ۱۵۴

[2] القران الکریم ۴۸/ ۲۸

اگر یہ عــہ اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو واللہ واللہ وہ یقینا کافر اور جو اس کے ان اقوال یا ان کے امثال پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ کہے وہ بھی کافر، ندوہ مخذولہ اور اس کے اراکین کہ صرف طوطے کی طرح کلمہ گوئی پر مدارِ اسلام رکھتے اور تمام بددینوں گمراہوں کو حق پر جانتے، خدا کو سب سے یکساں راضی مانتے، سب مسلمانوں پر مذہب سے لادعوے دینا لازم کرتے ہیں جیسا کہ ندوہ کی روداد اوّل و دوم ورسالہ اتفاق وغیرہا میں مصرح ہے ان اقوال پر بھی اپنا وہی قاعدہ ملعونہ مجرد کلمہ گوئی نیچریت کا اعلٰی نمونہ جاری رکھیں اس کی تکفیر میں چون وچرا کریں تو وہ بھی کافر، وہ اراکین بھی کفار، مرزا کے پیرو اگرچہ خود ان اقوال انجس الابوال کے معتقد نہ بھی ہوں مگر جب کہ صریح کفر وکھلے ارتداد دیکھتے سنتے پھر مرزا کو امام و پیشوا و مقبول خدا کہتے ہیں قطعًا یقینا سب مرتد ہیں سب مستحق نار۔ شفاء شریف میں ہے:

نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل اوو قف فیھم اوشک [1]	یعنی ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو کافر کو کافر نہ کہے یا اس کی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے۔

شفاء شریف نیز فتاوٰی بزازیہ و درر و غرر و فتاوٰی خیریہ و در مختار و مجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [2]۔	جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے یقینا خود کافر ہے۔ (ت)

اور جو شخص باوصف کلمہ گوئی وادعائے اسلام، کفر کرے وہ کافروں کی سب سے بدتر قسم مرتد کے حکم میں ہے، ہدایہ و در مختار وعالمگیری و غرر وملتقی الابحر ومجمع الانہر وغیرہا میں ہے:

صاحب الھوٰی ان کان یکفر فھو بمنزلة المرتد [3]	(بدعتی اگر کفر کرے تو وہ مرتد کے حکم میں ہے۔ ت)

فتاوٰی ظہیریہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ وبرجندی شرح نقایہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

عــہ: یہ اقوال دوسرے کے منقول تھے اس فتوے کے بعد مرزا کی بعض نئی تحریریں خود نظر سے گزریں جن میں قطعی کفر بھرے ہیں بلاشبہ وہ یقینا کافر مرتد ہے ۱۲۔

---

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم فصل فی بیان ماھو من المقالات مکتبہ شرکۃ صحافیہ فی البلاد والعثمانیہ ۲/ ۲۵

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

[3] درمختار فصل فی وصایا الذمی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی، ۲/ ۳۳۳

ھٰؤلاء القوم خارجون عن ملّة الاسلام واحکامھم احکام المرتدین[1]	یہ لوگ دین اسلام سے خارج ہیں اور انکے احکام بعینہٖ مرتدین کے احکام ہیں۔

اور شوہر کے کفر کرتے ہی عورت نکاح سے فوراً نکل جاتی ہے، اب اگر بے اسلام لائے اپنے اس قول ومذہب سے بغیر توبہ کئے یا بعد اسلام وتوبہ عورت سے بغیر نکاح جدید کئے اس سے قربت کرے زنائے محض ہو جو اولاد ہو یقینا ولد الزنا ہو، یہ احکام سب ظاہر اور تمام کتب میں دائر وسائر ہیں۔

فی الدر المختار عن غنیة ذوی الاحکام مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[2]	در مختار میں غنیۃ ذوی الاحکام سے منقول ہے جو بالاتفاق کفر ہو وہ عمل، نکاح کو باطل کر دیتا ہے اسکی اولاد ولد الزنا ہے۔

اور عورت کا کل مہر اس کے ذمّہ عائد ہونے میں بھی شک نہیں جب کہ خلوت صحیحہ ہو چکی ہو کہ ارتداد کسی دَین کو ساقط نہیں کرتا۔

فی التنویر وارث کسب اسلامه وارثه المسلم بعد قضاء دین اسلامه وکسب ردته فی بعد قضاء دین ردته[3]	تنویر میں ہے قرضہ کی ادائیگی کے بعد اس کے اسلامی وقت کی کمائی کا وارث مسلمان ہے اور اس کے ارتدادی دور کی کمائی بیت المال میں جمع ہوگی۔

اور معجّل تو فی الحال آپ ہی واجب الادا ہے، رہا مؤجل، وہ ہنوز اپنی اجل پر رہے گا، مگر یہ کہ مرتد بحال ارتداد ہی مرجائے یا دارالحرب کو چلا جائے اور حاکم شرع حکم فرمادے کہ وہ دارالحرب سے ملحق ہوگیا اس وقت مؤجل بھی فی الحال واجب الادا ہو جائے گا اگرچہ اجل موعود میں دس بیس برس باقی ہوں۔

فی الدر ان حکم القاضی بلحاقه حل دینه[4] فی رد المحتار لانه باللحاق صار من اھل الحرب وھم اموات فی حق احکام الاسلام فصار کالموت، الا	(در مختار میں ہے کہ اگر قاضی نے مرتد کو دارالحرب سے ملحق ہونے کا فیصلہ دے دیا تو اس کا دَین لوگوں کو حلال ہے، ردالمحتار میں ہے کیونکہ دارالحرب سے لاحق ہونے پر حربی ہوگیا اور حربی اسلام کے احکام میں مُردوں

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[4] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

انه لا یستقر لحاقه الا بالقضاء لا حتمال العود، واذا تقرر موته تثبت الاحکام المتعلقة به کما ذکر نهر [1]	کی طرح ہوتے ہیں مگر اس کا طوق قاضی کے فیصلہ پر دائمی قرار پائے گا کیونکہ قبل ازیں اس کے واپس دارالاسلام آنے کا احتمال ہے، تو جب اس کی موت ثابت ہوگئی تو موت سے متعلقہ تمام احکام نافذ ہو جائیں گے جیسا کہ نہر نے ذکر کیا۔ ت)

اولاد صغار ضرور اس کے قبضے سے نکال لی جائے گی،

حذرا علی دینهم الاتری انهم صرحوا بنزع الولد من الام الشفیقة المسلمة ان کانت فاسقة والولد یعقل یخشی علیه التخلق بسیرها الذمیة فما ظنك بالاب المرتد والعیاذ باللّٰه تعالٰی قال فی ردالمحتار الفاجرة بمنزلة الکتابیة فان الولد یبقی عندها الی ان یعقل الادیان کما سیأتی خوفا علیه من تعلمه منها ما تفعله فکذا الفاجرة [2] الخ وانت تعلم الولد لا یحضنه الاب الا بعد ما بلغ سبعا او تسعا وذلك عمر العقل قطعا فیحرم الدفع الیه ویجب النزع منه وانما احوجنا الی هذا لان الملك لیس بید الاسلام والا [عـــه] فالسلطان این یبقی	نابالغ بچوں کے دین کے خطرے کی وجہ سے، کیا آپ نے نہ دیکھا کہ فقہاء نے مسلمان شفیق ماں اگر فاسقہ ہو تو اس سے بچے کو الگ کرنے کی تصریح کی ہے بچے کے سمجھدار ہونے پر اس کی ماں کے بُرے اخلاق سے متاثر ہونے کے خوف کی وجہ سے، تو مرتد باپ کے بارے میں تیرا کیا گمان ہوگا، والعیاذ باللّٰه تعالٰی، ردالمحتار میں فرمایا کہ فاجر عورت اہلِ کتاب عورت کے حکم میں ہے کہ اس کے پاس بچہ صرف اس وقت تک رہے گا جب تک دین سمجھنے نہ پائے جیسا کہ بیان ہوگا، اس خوف سے کہ کہیں بچہ اس کے اعمال سے متاثر نہ ہو جائے، تو فاجرہ عورت کا بھی یہی حکم ہے الخ، اور تجھے علم ہے کہ والد بچے کو سات یا نو سال کے بعد ہی اپنی پرورش میں لیتا ہے اور یہ سمجھ کی عمر ہے لہٰذا بچے کو اس کے سپرد کرنا حرام ہے اور اس سے الگ کر لینا ضروری ہے اور

عـــه: فان سلطان الاسلام مامور بقتله لایجوز له ابقاؤه بعد ثلثة ایام ۱۲ منه	کیونکہ اسلامی حکمران کو مرتد کے قتل کا حکم ہے تو اسے جائز نہیں کہ مرتد کو تین دن کے بعد باقی رکھے۔ ۱۲ منہ

[1] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۰

[2] ردالمحتار باب الحضانة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۴

المرتد حتی یبحث عن حضانته الاتری الی قولھم لا حضانة لمرتدة لانھا تضرب وتحبس کالیوم فانی تتفرغ للحضانة فاذا کان ھذا فی المحبوس فما ظنك بالمقتول ولکن انا للہ وانا الیه راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ہم نے یہ ضرورت اس لئے محسوس کی کہ یہ ملک مسلمان کے اختیار میں نہیں ورنہ اسلامی حکمران مرتد کو کب چھوڑے گا کہ مرتد کی پرورش کا مسئلہ زیر بحث آئے، آپ نے غور نہیں کیا کہ فقہاء کا ارشاد ہے کہ مرتدہ کو حق پرورش نہیں ہے کیونکہ وہ قید میں سزا یافتہ ہوگی جیسا کہ آج ہے لہٰذا وہ پرورش کرنے کی فرصت کہاں پاسکتی ہے تو یہ حکم قیدی کے متعلق ہے تو مقتول مرتد کے متعلق تیرا کیا گمان ہوسکتا ہے، لیکن ہم اللہ تعالٰی کا مال اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم۔ ت

مگران کے نفس یا مال میں بدعوے ولایت اس کے تصرفات موقوف رہیں گے اگر پھر اسلام لے آیا اور اس مذہب ملعون سے توبہ کی تو وہ تصرف سب صحیح ہوجائیں گے اور اگر مرتد ہی مرگیا یا دارالحرب کو چلا گیا تو باطل ہوجائیں گے۔

فی الدر المختار یبطل منه اتفاقا ما یعتمد الملة وھی خمس النکاح والذبیحة والصید والشھادۃ والارث و یتوقف منه اتفاقا ما یعتمد المساواۃ وھو المفاوضة. او ولایة متعدیة وھو التصرف علی ولده الصغیر. ان اسلم نفذ وان ھلك اولحق بدارالحرب وحکم بلحاقه بطل[1] اھ مختصرا. نسأل اللہ الثبات علی الایمان وحسبنا اللہ ونعم الوکیل وعلیه التکلان ولا حول ولا قوۃ الّا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین. اٰمین	(درمختار میں ہے مرتد کے وہ تمام امور بالاتفاق باطل ہیں جن کا تعلق دین سے ہو اور وہ پانچ امور ہیں: نکاح، ذبیحہ، شکار، گواہی اور وراثت، اور وہ امور بالاتفاق موقوف قرار پائیں گے جو مساوات عمل مثلاً لین دین اور کسی پر ولایت اور یہ نابالغ اولاد کے بارے میں تصرفات ہیں، اگر وہ دوبارہ مسلمان ہوگیا تو موقوف امور نافذ ہوجائیں گے، اور اگر وہ ارتداد میں مرگیا یا دارالحرب پہنچ گیا اور قاضی نے اس کے طوق کا فیصلہ دے دیا تو وہ امور باطل ہوجائیں گے، اھ مختصراً، ہم اللہ تعالٰی سے ایمان پر ثابت قدمی کے لئے دعا گو ہیں، ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اس پر ہی بھروسا ہے، لاحول

[1] درمختار، باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

واللہ تعالٰی اعلم۔	ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ت)

محمد وصی احمد — عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عبد المصطفٰی

ناصر دین — احمد رضا خاں عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامّی

محمدی سُنّی حنفی قادری

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

قھرالدّیان علٰی مرتدٍّ بقادیان ۱۳۲۳ھ

(قادیانی مرتد پر قہر خداوندی)

الحمدللّٰہ وکفٰی، سمع اللّٰہ لمن دعا، لیس وراء اللّٰہ منتھٰی، ان ربی لطیف لما یشاء، صلوات العلی الاعلٰی، وتسلیماتہ المنزھۃ عن الانتھاء، وبرکاتہ التی تنمی وتنمٰی، علٰی خاتم النبیین جمیعا، فمن تنبّأ بعدہ تامّا اوناقصا فقد کفر وغوٰی، اللّٰہ اکبر علٰی من عاث وعتا، ومرد وعطٰی، وفی ھوۃ ھواہ ھوٰی، اللھم اجرنا من ان نذل ونخزٰی، او نزلّ ونشقٰی، ربنا وانصرنا بنصرك علٰی من طغٰی وبغٰی،

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے، دعا کرنے والے کیلئے کفایت فرماتا اور سنتا ہے، اللہ تعالٰی کے بغیر کو منتہٰی نہیں بیشک میرا رب جس پر چاہے لطف فرماتا ہے، اللہ تعالٰی کی صلوٰتیں، تسلیمات اور برکتیں جو بڑھتی ہیں اور انتہا سے پاک ہیں تمام انبیاء کے خاتم پر، توجو آپ کے بعد تام یا ناقص نبوت کا مدعی ہوا تو وہ کافر ہوا اور گمراہ، اللہ تعالٰی ہر سرکش، باغی، کھلے نافرمان اور اپنی خواہش کے گڑھے میں گرنے والے پر غالب و بلند ہے، اے باری تعالٰی! ہمیں ذلّت، رسوائی، پھسلنے اور بدبختی سے محفوظ فرما۔ یا اللہ! ہماری اپنی خاص مدد فرما ہر باغی اور سرکش اور

وضل واضل عن سبیل الاھتداء، صل علی المولٰی واٰلہ وصحبہ ابدا ابدا، واشھد ان لا الٰہ اِلّا اللہ وحدہ لا شریك لہ احدا صمدا، وان محمدا عبدہ ورسولہ بالحق ودین الھدٰی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ دائما سرمدا۔	جو بھی گمراہ ہو اور گمراہ کرتا ہو سیدھے طریقے سے ان سب کے خلاف۔اور رحمت نازل فرما ہمارے آقا پر اور ان کی آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، وہ وحدہ لاشریک احد صمد ہے اور یہ کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور برحق رسول ہیں اور اس کا دین ہدایت ہے۔اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو ان پر اور ان کے آل واصحاب پر دائمی۔ت

اللہ اکبر علٰی من عتا وتکبر

(اللہ تعالٰی ہر سرکش اور متکبر پر غالب وبلند ہے۔ت)

مدّتے ایں مثنوی تاخیر شد مُلتے بایست تاخُوں شیر شد

(اس مثنوی کو ایک مدّت تاخیر ہوئی، خون کے دودھ بننے کے لئے مدت چاہیے۔ت)

اللہ عزوجل اپنے دین کا ناصر، اپنے بندوں کا کفیل، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، رسالہ ماہواری رَدِّ قادیانی کی ابتداء حکمتِ الٰہیہ نے اس وقت پر رکھی تھی کہ یہاں دو چار جاہلان محض اس کے مرید ہوآئے، مسلمانوں نے حسب حکم شرع شریف ان سے میل جول، ارتباط، سلام، کلام یک لخت ترک کردیا۔دین میں فساد، مسلمانوں میں فتنہ پیدا کرنے والوں نے یہ "الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ "[1] (بڑے عذاب سے قبل دنیاوی چھوٹا عذاب چکھا) مسلمانوں پر حملے میں اپنی چلتی میں کوئی گئی نہ کی، بس نہ چلا تو متواتر عرضیاں دیں کہ ہمارا پانی بند ہے، ہم پر زندگی تلخ ہے، بیدار مغز حکومت ایسی لغویات کو کب سنتی، ہر بار جواب ملا کہ مذہبی امور میں دست اندازی نہ ہوگی، سائلان آپ اپنا انتظام کریں، آخر بحکم آنکہ

ع دست بگیر دسر شمشیر تیز

(تیز تلوار کا سرا ہاتھ میں پکڑا۔ت)

ایک بے قید پرچے روہیل کھنڈ گزٹ میں اشتہار چھاپا کہ عمائدِ شہر اگر علمائے طرفین سے مناظرہ کرائیں اور وہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۲/۲۱

بھی اس شرط پر کہ دونوں طرف سے خود وہی منتظم رہیں تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم بھی مرزائی ملانوں کو بلالیں اور اس میں علمائے اہلسنّت کی شان میں کوئی دقیقہ بد زبانی واکاذیب بہتانی وکلماتِ شیطانی کا اٹھا نہ رکھا، یہ حرکت نہ فقط ان بے علم بے فہم مرزائیوں بلکہ بعونہ تعالیٰ خود مرزا کے حق میں **کالباحث عن حتفه بظلفه**(اس کی طرح جو اپنی موت اپنے کھُر سے کرید کر نکالے۔ت) سے کم نہ تھی۔

ست بازو بجہل میفگند پنجہ بامردِ آہنیں چنگال

(ہر فاہم وجاہل کو چھیڑا، آہنی پنجے والے مرد سے پنجہ آزمائی کی۔ت)

مگر ازانجا کہ "**عَسٰۤی اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ**"[1]۔ قریب ہے کہ تم ناگوار سمجھوگے بعض چیزیں اور وہ تمہارے لئے بہتر ہوں گی۔ت)

ع خدا شرّے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

(اللہ تعالیٰ ایسا شر لاتا ہے جس میں ہماری خیر ہو۔ت)

یہ ایک غیبی تحریک خیر ہوگئی جس نے اس ارادہ رسالہ کی سلسلہ جنبانی فرمادی، اشتہار کا جواب اشتہاروں سے دیا گیا۔ مناظرہ کے لئے ابکار افکار مرزا قادیانی کو پیام دیا، اس کے ہولناک اقوال ادّعائے رسالت ونبوت وافضیلت من الانبیاء وغیرہا کفر وضلال کا خاکہ اڑایا، گالیوں کے جواب میں گالی سے قطعی احتراز کیا، صرف اتنا دکھادیا کہ تمہاری آج کی گالی نرالی نہیں، قادیانی تو ہمیشہ سے اللہ ورسول وانبیائے سابقین وائمہ دین سب کو گالیاں سناتا رہا ہے، ہر عبارت اس کی کتابوں سے بحوالہ صفحہ مذکور ہوئی، مضمون کثیر تھا، متعدد پرچوں میں اشاعت منظور ہوئی، "ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری" نام رکھا گیا، اس میں دعوتِ مناظرہ، شرائط مناظرہ، طریق مناظرہ، مبادی مناظرہ سب کچھ موجود ہے۔ اس مختصر تحریر نے اپنی سلک منیر میں متعدد سلاسل لئے، سلسلہ دشنام ہائے قادیانی بر حضرتِ ربّانی ورسولانِ رحمانی ومحبوبانِ یزدانی، سلسلہ کفریات وضلالاتِ قادیانی، سلسلہ تناقضات وتہافتات قادیانی، سلسلہ دجّالی وتلبیساتِ قادیانی، سلسلہ جہالات وبطالاتِ قادیانی، سلسلہ تاصیلات، سلسلہ سوالات اور واقعی وقتی ضرورات مختلف مضامین پر کلام کی مقتضی ہوتی ہیں اور اس کے اکثر رسائل الٹ پھیر کر انہیں ڈھاک کے تین پات کے حامل، لہٰذا ہر رسالے کے جداگانہ رو سے انہیں سلاسل کا انتظام احسن واولیٰ۔

اب بعونہٖ تعالیٰ اسی ہدایت نوری سے ابتدائے رسالہ ہے اور مولیٰ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے، اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

بعد وقتاً فوقتاً رسائل و مضامین میں حسبِ حاجت اندراج گزین مناسب، کہ جو کلام جس سلسلے کے متعلق آتا جائے بہ شمار سلسلہ اسی کی سلک میں انسلاک پائے جو نیا کلام اس سلاسل سے جدا شروع ہو اس کے لئے تازہ سلسلہ موضوع ہو۔اعتراضات کے تازیانے جن کا شمار خدا جانے اوّل تا آخر ایک سلسلہ میں منضود اور ہر اعتراض حاشیہ پر تازیانہ یا اس کی علامت "ت" لکھ کر جُدا معدود۔

مسلمانوں سے تو بفضلہٖ تعالٰی یقینی امید مدد و موافقت ہے، مرزائی بھی اگر تعصب چھوڑ کر خوفِ خدا اور روزِ جزاء سامنے رکھ کر دیکھیں تو بعونہٖ تعالٰی امید ہدایت ہے **وماتوفیقی الاّ باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد واٰلہٖ وصحبہ انہ ھو القریب المجیب۔**

ہدایت نوری بجواب اطلاع ضروری

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم خاتم النبیین واٰلہ وصحبہ اجمعین ط

اس میں قادیانی کو دعوتِ مناظرہ اوراس کے بعض سخت ہولناک اقوال کا تذکرہ ہے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو دین حق پر استقامت اور اعدائے دین پر فتح و نصرت بخشے، آمین!

روہیل کھنڈ گزٹ مطبوعہ یکم جولائی ۱۹۰۵ء فقیر غفرلہ میں تصور حسین نیچو بند کے نام سے ایک مضمون بعنوان "اطلاع ضروری" نظر سے گزرا جس میں اوّلاً علمائے اہلسنّت **نصرھم اللہ تعالٰی** پر سخت زبان درازی وافتراء پردازی کی ہے، کوئی دقیقہ توہین کا باقی نہ رکھا اور آخر میں عمائدِ شہر کو ترغیب دی ہے کہ علمائے طرفین میں مناظرہ کرادیں کہ حق جس طرف ہو ظاہر ہوجائے

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ نیچو بند صاحب جیسے بے علم فاضل، کیا کلام وخطاب کے قابل، بلکہ فوج کی اگاڑی آندھی کی پچھاڑی مشہور ہے، جس فوج کی یہ اگاڑی یہ ہراوّل، اس کی پچھاڑی معلوم از اوّل، مگر اپنے دینی بھائیوں سے دفعِ فتنہ لازم، لہٰذا دونوں باتوں کے جواب کو یہ ہدایت نوری دو عدد پر منقسم، آئندہ حسبِ حاجت اس کے شمار کا اللہ عالم (پہلے عدد میں) ان گالیوں کا جوابِ متین جو علمائے اہلسنّت کو دی گئیں۔

پیارے بھائیو! عزیز مسلمانو! کیا یہ خیال کرتے ہو کہ ہم گالیوں کا جواب گالیاں دیں؟ حاشاللہ ہر گز نہیں بلکہ ان دل کے مریضوں اور ان کے ساختہ مسیح مرزا قادیانی کو گالی کے جواب میں یہ دکھائیں گے، ان کی آنکھیں صرف اتنا دکھا کر کھولیں گے کہ شُستہ دہنو! تمہاری گندی گالی تو آج کی نئی نرالی نہیں، قادیانی بہادر

ہمیشہ سے علماء وائمہ کو سڑی گالیاں دینے کا دھنی ہے، **استغفر اللہ!** علماء وائمہ کی کیا گنتی، وہ کون سی شدید خبیث ناپاک گالی ہے جو اس نے اللہ کے محبوبوں، اللہ کے رسولوں بلکہ خود اللہ واحد قہار کی شان میں اٹھا رکھی ہے، یہ اطلاع ضروری کی پہلی بات کا جواب ہوا۔

(دوسرے عدد) میں بعونہ تعالیٰ قادیانی مرزا کو دعوتِ مناظرہ ہے، اس میں شرائط مناظرہ مندرج ہیں اور نیز اس کا طریق مذکور ہے جو نہایت متین ومہذّب اور احتمالِ فتنہ سے یکسر دور ہے اس میں قادیانی کی طرح فریق مقابل پر شرائط میں کوئی سختی نہ رکھی گئی بلکہ قادیانی کی باگ ڈھیلی کی اور اس کی تنگی کھول دی گئی ہے، اس میں بحولہٖ تعالیٰ شرائط کے ساتھ مبادی بھی ہیں جو کمال تہذیب ومتانت سے ضلالتِ ضال کے کاشف اور مناظرہ حسنہ کے بادی بھی ہیں۔

ایک مُدعی وحی کو لازم کہ اپنے وحی کنندوں کو جو رات دن اس پر اترتے رہتے ہیں جمع کر رکھے اور اپنی حال کی اور پچھلی قوت سب حق کا وار سہارنے کے لئے ملالے۔ ہاں ہاں قادیانی کو تیار ہو رہنا چاہیے اس سخت وقت کے لئے جب واحد قہار اپنی مدد مسلمانوں کے لئے نازل فرمائے گا اور جھوٹی مسیحی جھوٹی وحی کا سب جال پیچ بعونہٖ کھل جائے گا۔

وما ذٰلك على الله بعزيز لقد عز نصر من قال وقوله الحق ان جندنا لهم الغٰلبون ولن يجعل الله للكٰفرين على المؤمنين سبيلا والحمد لله ربّ العٰلمين۔	(اور یہ اللہ تعالیٰ پر گراں نہیں، اس ذات کی مدد غالب جس نے فرمایا اور اس کا فرمان برحق ہے کہ ہمارا تیار کردہ لشکر ہی ان پر غالب رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کافروں کو مومنوں پر ہر گز راہ نہ دے گا، **الحمد للہ رب العالمین**۔ت)

یہ دوسرا عدد بحولہٖ تعالیٰ اس کے متصل ہی آتا ہے، اب بعونہٖ تعالیٰ پہلے عدد کا آغاز ہوتا ہے۔

وما توفيقي الّا بالله عليه توكلت واليه انيب۔	(اور مجھے صرف اللہ تعالیٰ سے توفیق ہے اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ت)

عددِ اوّل

اللہ کے محبوبوں، اللہ کے رسولوں حتّی کہ خود اللہ عزوجل پر قادیانی کی لچھے دار گالیاں

مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ومولیٰ تمہیں کفر وکافرین کے شر سے بچائے، قادیانی نے سب سے زیادہ اپنی گالیوں کا تختہ مشق رسول اللہ وکلمۃ اللہ وروح اللہ سیدنا عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسّلام کو

بنایا ہے اور واقعی اسے اس کی ضرورت بھی تھی، وہ مثیل عیسٰی بلکہ نزول عیسٰی یا دوسرے لفظوں میں عیسٰی کا اتار بنا ہے، عیسٰی کے تمام اوصاف اپنے میں بتاتا ہے اور حقیقت دیکھئے تو مسیح صادق کی جمیع اوصاف حمیدہ سے اپنے آپ کو خالی اور اپنے تمام شنائع ذمیمہ سے اس پاک مبارک رسول کو منزّہ پاتا ہے لہٰذا ضرور ہوا کہ ان کے معجزات، ان کے کمالات سے یک لخت انکار اور اپنی تمام شنیع خصلتوں، ذمیم حالتوں کی ان پر بوچھاڑ کرے جب تو اتار بنا ٹھیک اترے۔ میں یہاں اس کی گالیاں جمع کروں تو دفتر ہو لہٰذا اس کی خروار سے مُشتِ نمونہ پیش نظر ہو۔

فصل اول

رسول اللہ عیسٰی بن مریم اور انکی ماں علیہما الصلوٰۃ والسلام پر قادیانی کا گالیاں

تازیانہ ا تا ۳ (ا): اعجاز احمدی ص ۱۳ پر صاف لکھ دیا کہ: "یہود عیسٰی کے بارے میں ایسے قوی اعتراض رکھتے ہیں کہ ہم بھی جواب میں حیران ہیں، بغیر اس کے کہ یہ کہہ دیں کہ ضرور عیسٰی نبی ہے کیونکہ قرآن نے اس کو نبی قرار دیا ہے اور کوئی دلیل ان کی نبوت پر قائم نہیں ہو سکتی بلکہ ابطالِ نبوت پر کئی دلائل قائم ہیں۔ یہاں عیسٰی کے ساتھ قرآن عظیم پر بھی جڑ دی کہ وہ ایسی باطل بات بتارہا ہے جس کے ابطال پر متعدد دلائل قائم ہیں"۔

ت ۴ و ۵۔ (۲): ایضًا ص ۲۴: "کبھی عـــہ آپ کو شیطانی الہام بھی ہوتے تھے۔"

ت ۶۔ (۳): ایضًا ص ۲۴: "ان کی اکثر پیشگوئیاں غلطی سے پر ہیں۔" یہ بھی صراحۃً نبوت عیسٰی سے انکار ہے کیونکہ قادیانی خود اپنی ساختہ کشتی ص ۵ پر کہتا ہے: "ممکن نہیں کہ نبیوں کی پیشین گوئیاں ٹل جائیں۔"

ت ۷: نیز پیشگوئی لیکھرام آخر دافع الوساوس ص ۷ پر کہتا ہے: "کسی انسان کا اپنی پیشگوئی میں جھوٹا نکلنا تمام رسوائیوں سے بڑھ کر رسوائی ہے۔"

ت ۸: ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ ۲ پر کہا: "کیا اس کے سوا کسی اور چیز کا نام ذلت ہے کہ جو کچھ اس نے کہا وہ پورا نہ ہوا۔"

ت ۹: اور کشتی ساختہ میں اپنی نسبت یوں لکھتا ہے ص ۶: "اگر کوئی تلاش کرتا کرتا مر بھی جائے تو ایسی کوئی

عـــہ: یہ خود ان کا اپنا عقیدہ ہے بظاہر انجیل کے سر تھوپا ہے، خود اسے اپنے یہاں حدیث سے ثابت مانتا ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آتا ہے۔

پیشگوئی جو میرے منہ سے نکلی ہو اسے نہیں ملے گی جس کی نسبت وہ کہہ سکتا ہو کہ خالی گئی۔" تو مطلب یہ ہوا کہ اس کے لئے تو بھاری عزت ہے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وہ خواری و ذلّت ہے جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں۔ **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین۔**

ت ۱۰ تا ۱۲ (۴): دافع البلاء ٹائیٹل پیج ص ۳: "ہم مسیح کو بیشک راستباز آدمی جانتے ہیں کہ اپنے زمانہ کے اکثر لوگوں سے البتہ اچھا تھا، **واللہ اعلم،** مگر وہ حقیقی منجی نہ تھا"۔

رسول اللہ اور وہ بھی ان پانچ مرسلین اولوالعزم سے کہ تمام رسولوں سے افضل ہیں یعنی ابراہیم و نوح و موسٰی و عیسٰی و محمد صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم اس کی صرف اتنی قدر ہے کہ ایک راستباز آدمی تھا جو ان کی خاک پا کے ادنٰی غلاموں کا بھی پورا وصف نہیں تو بات کیا، وہی کہ عیسٰی کی نبوّت باطل ہے فقط ایک نیک شخص تھا وہ بھی نہ ایسا کہ دوسرے کو نجات ملنے کا واقعی سبب ہوسکے بلکہ حقیقی نجات دہندہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھے، اور اب قادیانی ہے کہ اسی کے متصل کہتا ہے کہ "حقیقی منجی وہ ہے جو حجاز میں پیدا ہوا تھا اور اب آیا مگر بروز کے طور پر خاکسار غلام احمد از قادیان"۔

ت ۱۳۔ (۵): پھر یہاں تک تو عیسٰی کا ایک راستباز آدمی اور اپنے بہت اہل زمانہ سے اچھا ہونا یقینی تھا کہ بیشک اور البتہ کے ساتھ کہا، نوٹ میں چل کر وہ یقین بھی زائل ہوگیا، اسی صفحہ پر کہا "یہ ہمارا بیان محض نیک ظنی کے طور پر ہے ورنہ ممکن ہے کہ عیسٰی کے وقت میں بعض راستباز اپنی راستبازی میں عیسٰی سے بھی اعلٰی ہوں۔" اے سبحٰن اللہ!

حسنِ ظن تو بچکار آید ایماں یقین شعار باید

(پختہ ایمان انسان کا شعار ہونا چاہیے صرف اچھا گمان تیرے کیا کام آئے گا۔ت)

ت ۱۴۔ (۶): پھر ساتھ لگے خدا کی شریعت بھی ناقص وہ تمام ہوگئی، اسی کے ص ۴ پر کہا "عیسٰی کوئی کامل شریعت نہ لائے تھے"۔

ت ۱۵ تا ۱۷۔ (۷): عیسٰی کی راستبازی پر شراب خوری اور انواع انواع بد اطواری کے داغ بھی لگ گئے، ایضا ص ۴۔ مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسرے راستبازوں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ (یعنی یحیٰی) شراب نہیں پیتا تھا اور کبھی نہ سنا کہ کسی فاحشہ عورت نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا تھا یا ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا تھا یا کوئی بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی تھی، اسی وجہ سے قرآن میں یحیٰی کا نام حصور رکھا گیا مگر مسیح کا نہ رکھا کیونکہ ایسے قصّے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔

ت۱۸تا۲۰۔(۸): اسی ملعون قصے کو اپنے رسالہ ضمیمہ انجام آتھم ص ۷ میں یوں لکھا: "آپ کا کنجریوں سے میلان اور صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدّی مناسبت درمیان ہے (یعنی عیسٰی بھی ایسوں ہی کی اولاد تھے) ورنہ کوئی پرہیزگار انسان ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سرپر اپنے ناپاک ہاتھ لگاوے اور زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سرپر ملے اور اپنے بالوں کو اس کے پیروں پر ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔"

ت۲۱تا۳۶: اسی رسالہ ص ۴ سے ص ۸ تک مناظرہ کی آڑ لے کر خوب ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ اللہ عزوجل کے سچے مسیح عیسٰی بن مریم کو نادان[9] اسرائیلی، شریر[10]، مکار[11]، بدعقل[12]، زنانے خیال والا[13] فحش گو[14]، بدزبان[15]، کٹیل[16]، جھوٹا[17]، چور[18]، علمی[19] عملی[20] قوت میں بہت کچا، خلل دماغ والا[21]، گندی گالیاں دینے والا[22]، بدقسمت[23]، نرافریبی[24]، پیروِ شیطان[25] وغیرہ وغیرہ خطاب اس قادیانی دجّال نے دیئے۔

ت ۳۷ (۲۶): صاف لکھ دیا ص ۶ "حق بات یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہ ہوا۔"

ت۳۸ (۲۷): "اس زمانے میں ایک تالاب سے بڑے بڑے نشان ظاہر ہوتے تھے، آپ سے کوئی معجزہ ہوا بھی ہو تو آپ کا نہیں اس تالاب کا ہے، آپ کے ہاتھ میں سوا مکروفریب کے کچھ نہ تھا۔"

ت۳۹و۴۰۔(۲۸): انتہاء یہ کہ ص ۷ پر لکھا: آپ کا خاندان بھی نہایت پاک و مطہر ہے، تین دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔ **انّا للہ وانّا الیہ راجعون**۔ خدائے قہار کا حلم کہ رسول اللہ کو بحیلہ[عہ] وبے حیلہ یہ ناپاک گالیاں دی جاتی ہیں اور آسمان نہیں پھٹتا۔ ان شدید ملعون گالیوں کے آگے ان لچھے دار شرافتوں کا کیا ذکر جو نیچپہ بند صاحب نے علماء اہلسنّت کو دیں ان کا پیر تو نانی دادی تک کی دے چکا۔ **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین**۔

ت۴۱تا۴۴۔(۲۹): وہ پاک کنواری مریم صدیقہ کا بیٹا کلمۃ اللہ جسے اللہ نے بے باپ کے پیدا کیا نشان سارے جہان کے لئے۔ قادیانی نے اس کے لئے دادیاں بھی گنا دیں، اور ایک جگہ اس کا دادا بھی لکھا ہے اور اس کے حقیقی بھائی سگی بہنیں بھی لکھی ہیں، ظاہر ہے کہ دادا، دادی، حقیقی بہنیں، سگے بھائی اسی کے ہو سکتے ہیں جس کے لئے باپ ہو، جس کے نطفے سے وہ بنا ہو، پھر بے باپ کے پیدا ہونا کہاں رہا؟ یہ قرآن عظیم کی تکذیب اور طیبہ طاہرہ مریم کو سخت گالی ہے۔

ت۴۵: کشتی ساختہ ص ۱۶ پر لکھا: "مسیح تو مسیح ہیں اس کے چاروں بھائیوں کی بھی عزت کرتا ہوں۔ مسیح کی

عہ: خبیث حیلہ مناظرہ کا ہے اس کا رد عنقریب آتا ہے۔

دونوں ہمشیروں کو بھی مقدسہ سمجھتا ہوں"۔اور خود ہی اس کے نوٹ میں لکھا"یسوع مسیح کے چار بھائی اور دو بہنیں تھیں،یہ سب یسوع مسیح کے حقیقی بھائی اور حقیقی بہنیں تھیں یعنی یوسف اور مریم کی اولاد تھے۔"

ت۴۶: دیکھو کیسے کھلے لفظوں میں یوسف بڑھئی کو سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ کا باپ بنادیا اور اس صریح کفر میں صرف ایک پادری کے لکھ جانے پر اعتماد کیا۔ہاں ہاں یقین جانو آسمانی قہر سے واحد قہار سے سخت لعنت پائے گا اور جو ایک پادری کی بے معنی زٹل سے قرآن کو رد کرتا ہے۔

ت۴۷۔(۳۰): نیز اسی دافع البلاء کے ص ۱۵ پر لکھا"خدا ایسے شخص (یعنی عیسٰی) کو کسی طرح دوبارہ دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے نے ہی دنیا کو تباہ کردیا۔"یہ ان گالیوں کے لحاظ سے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک ہلکی سی گالی ہے کہ اس کے فتنے نے دنیا تباہ کردی مگر اس میں دو شدید گالیاں اور ہیں کہ **ان شاء اللہ تعالٰی** فصل سوم میں مذکور ہوں گی۔

ت۴۸(۳۱): اربعین نمبر ۲ ص ۱۳ پر لکھا"کامل مہدی نہ موسٰی تھا نہ عیسٰی۔ان مرسلین اولوالعزم کا کامل ہادی ہونا بالائے طاق،پورے مہدی بھی نہ ہوئے،اور کامل کون ہیں،جناب قادیانی۔"دیکھو اسی کا ص ۱۲ و ۱۳۔

ت۴۹ و۵۰(۳۲) مواہب الرحمٰن پر صاف لکھ دیا کہ عیسٰی یہودی تھا **لو قدر اللہ رجوع عیسی الذی ھو من الیھود لرجع العزۃ الی تلك الیوم** (اگر اللہ تعالٰی نے یہودی عیسٰی کا دوبارہ آنا مقدر کیا تو عزت اس دن لوٹ آئے گی۔)ت ظاہر ہے کہ یہودی مذہب کا نام ہے نہ کہ نسب کا،کیا مرزا کہ پارسیوں کی اولاد ہے مجوسی ہے۔

قادیانی نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کردی۔

ت۵۲(۳۳): حد یہ کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تکفیر کردی۔مسلمانو! وہ اتنا احمق نہیں کہ صاف حرفوں میں لکھ دے عیسٰی کافر تھا بلکہ اس کے مقدمات متفرق کرکے لکھے،یہ تو دشنام سوم میں سن چکے کہ عیسٰی کی سخت رسوائیاں ہوئیں،اور کشتی ساختہ ص ۱۸ پر کہتا ہے"جو اپنے دلوں کو صاف کرتے ہیں ممکن نہیں کہ خدا ان کو رسوا کرے،کون خدا پر ایمان لایا صرف وہی جو ایسے ہیں"دیکھو کیسا صاف بتادیا کہ جسے خدا پر ایمان ہے ممکن نہیں کہ اسے خدا رسوا کرے لیکن عیسٰی کو رسوا کیا تو ضرور اسے خدا پر ایمان نہ تھا اور کیا کافر کہنے کے سر پر سینگ ہوتے ہیں۔**الا لعنۃ اللہ علی الکفرین**۔

قصد تھا کہ فصل اوّل یہیں ختم کی جائے کہ اتنے میں قادیانی کی"**ازالۃ الاوھام**"ملی،اس کی برہنہ گوئیاں بہت بے لاگ اور قابلِ تماشا ہیں۔

معجزات مسیح کی تحقیر وانکار۔

ت۵۳تا۵۷(۳۴): یہ جو مثیل مسیح بنا اور اس پر لوگوں نے مسیح کے معجزے مثلاً مردے جِلانا اس سے طلب کئے تو صاف جواب دیتا ہے ص ۳"احیاء جسمانی کچھ چیز نہیں،احیاء روحانی کے لئے یہ عاجز آیا ہے"۔دیکھو

وہ ظاہر باہر قاہر معجزہ جسے قرآن عظیم نے جا بجا کمال تعظیم کے ساتھ بیان فرمایا اور آیۃ اللہ ٹھہرایا، قادیانی کیسے کھلے لفظوں میں اس کی تحقیر کرتا ہے کہ وہ کچھ نہیں، پھر اس کے متصل کہتا ہے ص ۴۔ "ماسوائے اس کے اگر مسیح کے اصلی کاموں کو ان حواشی سے الگ کرکے دیکھا جائے جو محض افتراء یا غلط فہمی سے گھڑے ہیں تو کوئی اعجوبہ نظر نہیں آتا بلکہ مسیح کے معجزات پر جس قدر اعتراض ہیں میں نہیں سمجھ سکتا کہ کسی اور نبی کے خوارق پر ایسے شبہات ہوں، کیا تالاب کا قصہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا"۔

دیکھو "کوئی اعجوبہ نظر نہیں آتا" کہہ کر ان کے تمام معجزات سے کیسا صاف انکار کیا اور تالاب کے قصّے سے اور بھی پانی پھیر دیا اور آخر میں لکھا ص ۴ و ۵ "زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح معجزہ نمائی سے صاف انکار کرکے کہتے ہیں کہ میں ہر گز کوئی معجزہ دکھا نہیں سکتا مگر پھر بھی عوام الناس ایک انبار معجزات کا ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔"

غرض اپنی مسیحیت قائم رکھنے کو نہایت کھلے طور پر تمام معجزاتِ مسیح و تصریحاتِ قرآن عظیم سے صاف منکر ہے اور پھر مہدی و رسول و نبی ہونے کا ادّعا، مسلمان تو مکذّبِ قرآن کو مسلمان بھی نہیں کہہ سکتے، قطعًا کافر مرتد زندیق بے دین ہے نہ کہ نبی و رسول بن کر اور کفر پر کفر چڑھے **الا لعنۃ اللہ علی الکفرین** (خبردار! کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) اور اس کذاب کا کہنا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام خود اپنے معجزے سے منکر تھے، رسول اللہ پر محض افتراء اور قرآنِ عظیم کی صاف تکذیب ہے، قرآنِ عظیم تو مسیح صادق سے یہ نقل فرماتا ہے کہ:

"اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ ۚ" [1]	بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب سے یہ معجزے لے کر آیا ہوں کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی صورت بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ خدا کے حکم سے پرند ہو جاتی ہے اور میں بحکم خدا مادر زاد اندھے اور بدن بگڑے کو اچھا کرتا اور مردے زندہ کرتا ہوں، اور تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے اور جو گھروں میں اٹھار کھتے ہو، بیشک اس میں تمہارے لئے بڑا معجزہ ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

پھر مکرّر فرمایا:

"وَ جِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ۟ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ ۝۵۰ "[1]	میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بڑے معجزات لے کر آیا تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو اور یہ قرآن کا جھٹلانے والا ہے کہ انہیں اپنے معجزات سے انکار تھا۔

کیوں مسلمانو! قرآن سچا یا قادیانی؟ضرور قرآن سچا ہے اور قادیانی کذّاب جھوٹا، کیوں مسلمانو! جو قرآن کی تکذیب کرے وہ مسلمان ہے یا کافر؟ضرور کافر ہے، ضرور کافر بخدا۔

ت۵۸و۵۹: (۳۵) اسی بکر فکر قادیانی کے ازالہ شیطانی میں آخر ص ۱۶۱ سے آخر ۱۶۲ تک تو نوٹ میں پیٹ بھر کر رسول اللہ و کلمۃ اللہ کو وہ گالیاں دیں اور آیات اللہ و کلام اللہ سے وہ مسخریاں کیں جن کی حد و نہایت نہیں، صاف لکھ دیا کہ جیسے عجائب انہوں نے دکھائے عام لوگ کرلیتے تھے۔اب بھی لوگ ویسی باتیں کر دکھاتے ہیں۔

ت۶۰ (۳۶): بلکہ آجکل کے کرشمے ان سے زیادہ بے لاگ ہیں۔

ت۶۱و۶۲ (۳۷): وہ معجزے نہ تھے، کل کا دَور تھا عیسٰی نے اپنے باپ بڑھئی کے ساتھ بڑھئی کا کام کیا تھا،اس سے یہ کلیں بنانی آگئی تھیں۔ **ت۶۳ (۳۸):** عیسٰی کے سب کرشمے مسمریزم سے تھے۔

(۳۹): وہ جھوٹی جھلک تھی۔

(۴۰): سب کھیل تھا، لہو ولعب تھا۔ **ت۶۴ (۴۱):** سامری جادوگر کے گئوسالے کے مانند تھا۔

ت۶۵ (۴۲): بہت مکروہ و قابلِ نفرت کام تھے۔ **ت۶۶ (۴۳):** اہل کمال کو ایسی باتوں سے پرہیز رہا ہے۔

ت۶۷ (۴۴): عیسٰی روحانی علاج میں بہت ضعیف اور نکمّا تھا۔

ت۶۸: وہ ناپاک عبارات بروجہ التقاط یہ ہیں ص ۱۵۱: انبیاء کے معجزات دو قسم ہیں،ایک محض سماوی جس میں انسان کی تدبیر و عقل کو کچھ دخل نہیں جیسے شق القمر، دوسرے عقلی جو خارقِ عادت عقل کے ذریعہ سے ہوتے ہیں جو الہام سے ملتی ہے جیسے سلیمان کا معجزہ **صرح ممرد من قواریر**[2] (شیشے جڑا صحن ہے۔ت) بظاہر مسیح کا معجزہ سلیمان کی طرح عقلی تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ان دونوں میں ایسے امور کی طرف لوگوں کے خیالات جھکے ہوئے تھے جو شعبدہ بازی اور دراصل بے سود اور عوام کو فریفتہ کرنے والے تھے،وہ لوگ جو سانپ بنا کر دکھلادیتے اور کئی قسم کے جانور تیار کرکے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۴۴

زندہ جانوروں کی طرح چلادیتے، مسیح کے وقت میں عام طور پر ملکوں میں تھے سو کچھ تعجب نہیں کہ خدائے تعالٰی نے مسیح کو عقلی طور سے ایسے طریق پر اطلاع دے دی ہو جو ایک مٹی کا کھلونا کسی کل کے دبانے یا پھونک مارنے پر ایسا پرواز کرتا ہو جیسے پرندہ یا پیروں سے چلتا ہو کیونکہ مسیح اپنے باپ [عـــہ۱] یوسف کے ساتھ بائیس ۲۲ برس تک نجاری کرتے رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بڑھئی کا کام در حقیقت ایسا ہے جس میں کلوں کے ایجاد میں عقل تیز ہو جاتی ہے پس کچھ تعجب نہیں کہ مسیح نے اپنے دادا [عـــہ۲] سلیمان کی طرح یہ عقلی معجزہ دکھلایا ہو، ایسا معجزہ عقل سے بعید بھی نہیں، حال کے زمانہ میں اکثر صنّاع ایسی چڑیاں بنالیتے ہیں کہ بولتی بھی ہیں، ہلتی بھی ہیں۔ دم بھی ہلاتی ہیں، اور میں نے سنا ہے کہ بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز بھی کرتی ہیں، بمبئی اور کلکتے میں ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں اور ہر سال نئے نئے نکلتے آتے ہیں [عـــہ۳] ماسوا اس کے یہ قرین قیاس ہے کہ ایسے ایسے اعجاز عمل الترب یعنی مسمریزی طریق سے بطور لہو ولعب نہ بطور حقیقت ظہور میں آسکیں کیونکہ مسمریزم میں ایسے ایسے عجائبات ہیں، سو یقینی طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس فن میں مشق والا مٹی کا پرند بنا کر پرواز کرتا دکھادے تو کچھ بعید نہیں کیونکہ کچھ اندازہ کیا گیا کہ اس فن کی کہاں تک انتہا ہے [عـــہ۴] سلبِ امراض عمل الترب (مسمریزم) کی شاخ ہے، ہر زمانے میں ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں اور اب بھی ہیں جو اس عمل سے سلب امراض کرتے ہیں اور مفلوج مبروص ان کی توجہ سے اچھے ہوتے ہیں، بعض نقشبندی وغیرہ نے بھی ان کی طرف بہت توجہ کی تھی، محی الدین ابن عربی کو بھی اس میں خاص مشق تھی، کاملین ایسے عملوں سے پرہیز کرتے رہے ہیں، اور یقینی طور پر ثابت ہے کہ مسیح بحکم الٰہی اس عمل (مسمریزم) میں کمال رکھتے تھے مگر یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل ایسا قدر کے لائق نہیں جیسا کہ عوام الناس اس کو خیال کرتے ہیں، اگر یہ عاجز اس عمل کو مکروہ اور قابلِ نفرت نہ سمجھتا تو ان عجوبہ نمائیوں میں ابن مریم سے کم نہ رہتا، اس عمل کا ایک نہایت. براخاصہ یہ ہے کہ جو اپنے تئیں اس مشغولی میں ڈالے وہ روحانی تاثیروں میں جو روحانی بیماریوں کو دور کرتی ہیں، بہت ضعیف اور نکما ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ گو مسیح جسمانی بیماریوں کو اس عمل (مسمریزم) کے ذریعہ سے اچھا کرتے رہے مگر ہدایت و توحید اور دینی استقامتوں کے دلوں میں قائم

عـــہ۱: اس کا باپ، دیکھئے مسیح و مریم دونوں کو سخت گالی ہے۔

عـــہ۲: اس کا دادا، دیکھئے وہی مسیح و مریم کو گالی ہے۔

عـــہ۳: یہاں تک تو مسیح کا معجزہ کل دبانے سے تھا، اب دوسرا پہلو بدلتا ہے کہ مسمریزم تھا۔

عـــہ۴: یہاں تک مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پرند بنانے پر استہزاء تھے اب اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرنے پر مسخرگی کرتا ہے۔

کرنے میں ان کا نمبر ایسا کم رہا کہ قریب قریب ناکام رہے، جب یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان پرندوں میں صرف جھوٹی حیات جھوٹی جھلک نمودار ہوجاتی تھی تو ہم اس کو تسلیم کرچکے ہیں، ممکن ہے کہ عمل الترب (مسمریزم) کے ذریعہ سے پھونک میں وہی قوت ہوجائے جو اس دخان میں ہوتی ہے جس سے غبارہ اوپر کو چڑھتا ہے۔ مسیح جو جو کام اپنی قوم کو دکھلاتا تھا وہ دعا کے ذریعہ سے ہرگز نہ تھے بلکہ وہ ایسے کام اقتداری طور پر دکھاتا تھا۔ خدا تعالٰی نے صاف فرمادیا ہے کہ وہ ایک فطری طاقت تھی جو ہر فردِ بشر میں ہے، مسیح کی کچھ خصوصیت نہیں، چنانچہ اس کا تجربہ اس زمانے میں ہو رہا ہے، مسیح کے معجزات تو اس تالاب کی وجہ سے بے رونق و بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے پہلے مظہر عجائبات تھا جس میں ہر قسم کے بیمار اور تمام مجذوم مفلوج مبروص ایک ہی غوطہ مار کر اچھے ہوجاتے تھے لیکن بعض بعد کے زمانوں میں جو لوگوں نے اس قسم کے خوارق دکھلائے، اس وقت تو کوئی تالاب بھی نہ تھا، یہ بھی ممکن ؏ ہے کہ مسیح ایسے کام کے لئے اس تالاب کی مٹی لاتا تھا جس میں روح القدس کی تاثیر تھی، بہر حال یہ معجزہ صرف ایک کھیل تھا جیسے سامری کا گوسالہ۔

مسلمانو! دیکھا کہ اس دشمن اسلام نے اللہ عزوجل کے سچے رسول کو کیسی مغلظ گالیاں دیں، کون سی ناگفتنی اس ناشدنی نے ان کے حق میں اٹھا رکھی، ان کے معجزوں کو کیسا صاف صاف کھیل اور لہو ولعب و شعبدہ و سحر ٹھہرایا، ابرائے اکمہ وابرص کو مسمریزم پر ڈھالا اور معجزہ پرند میں تین احتمال پیدا کئے، بڑھئی کی کل یا مسمریزم یا کراماتی تالاب کا اثر، اور اسے صاف سامری کا بچھڑا بتادیا بلکہ اس سے بدتر کہ سامری نے جو اسپ جبریل کی خاک سُم اٹھائی وہ اسی کو نظر آئی دوسرے نے اطلاع نہ پائی، قال اللہ تعالٰی:

"قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ﴿۹۶﴾"[1]	سامری نے کہا میں نے وہ دیکھا جو انہیں نظر نہ آیا تو میں نے اسپِ رسول کی خاک قدم سے ایک مٹھی لے کر گوسالے میں ڈال دی کہ وہ بولنے لگا نفس امارہ کی تعلیم سے مجھے یونہی بھلا معلوم ہوا۔

مگر مسیح کا کرتب ایک دست مال تھا جس سے دنیا جہان کو خبر تھی، مسیح پیدا بھی نہ ہوئے تھے جب تالاب کی کرامات شہرہ آفاق تھیں، تو اللہ کا رسول یقینا اس کافر جادوگر سے بہت کم رہا، اور مزہ یہ ہے کہ مسیح کے وقت میں بھی ایسے شعبدے تماشے بہت ہوتے تھے پھر معجزہ کدھر سے ہوا، اللہ اللہ رسولوں کو گالیاں، معجزات کے انکار،

؏: یہ تیسرا پہلو ہے کہ حضرت مسیح اس مٹی کے پرند میں تالاب کی مٹی ڈال دیتے جس میں روح القدس کا اثر تھا، اس کے زور سے حرکت کرتا جیسے سامری نے اسپِ روح القدس کے پاؤں تلے کی خاک بچھڑے میں ڈال دی بولنے لگا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۶

قرآن کی تکذیبیں اور پھر اسلام باقی ہے ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیزہ

(جیسے تمیزہ بی بی کا وضوئے محکم ہو۔ت)

اس سے تعجب نہیں کہ ہر مرتد جو اتنے بڑے دعوے کرکے اٹھے اسے ایسے کفروں سے چارہ نہیں، اندھے تو وہ ہیں جو یہ کچھ دیکھتے ہیں پھر اتنے بڑے مکذبِ قرآن و دشمنِ انبیاء وعدوّ الرحمٰن کو امامِ وقت مسیح و مہدی مان رہے ہیں۔

ع گر مسیح ایں ست لعنت بر مسیح

(اگر یہی مسیحیت ہے ایسی مسیحیت پر لعنت۔ت)

اور ان سے بڑھ کر اندھا وہ ہے جو شد بد پڑھ لکھ کر اس کے ان صریح کفروں کو دیکھ بھال کر کہے میں جناب عــہ مرزا صاحب کو کافر نہیں کہتا خطا پر جانتا ہوں، ہاں شاید ایسوں کے نزدیک کافر وہ ہوگا جو انبیاء اللہ کی تعظیم کرے، کلام اللہ کی تصدیق و تکریم کرے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

"كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵"[1]	اللہ یوں ہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔

تنبیہ: ان عباراتِ ازالہ سے **بحمد اللہ تعالٰی** اس جھوٹے عذر معمولی کا ازالہ بھی ہوگیا جو عبارات ضمیمہ انجام آتھم کی نسبت بعض مرزائی پیش کرتے ہیں کہ یہ تو عیسائیوں کے مقابلہ میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں دی ہیں۔

عــہ: ایسوں کو شاید اتنی بھی خبر نہیں کہ جو مخالفِ ضروریاتِ دین کو کافر نہ جانے خود کافر ہے۔

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2]۔	جس نے اس کے کفر اور عذاب میں شک کیا وہ خود کافر ہے۔

جب تکذیب قرآن و سب و شتم انبیاء کرام بھی کفر نہ ٹھہرے تو خدا جانے آریہ و ہنود و نصارٰی نے اس سے بڑھ کر کیا جرم کیا ہے کہ وہ کفار ٹھہرائے جائیں، یا شاید ایسوں کے دھرم میں تمام دنیا مسلمان ہے کافر کوئی تھا نہ ہے نہ ہو، یہ بھی معجزاتِ مسیح کی طرح قرآن کے بے اصل کہ فلانا مسلم فلانا کافر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] درمختار باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

اوّلاً ان عبارات کے علاوہ جو گالیاں اس کے اور رسائل مثل اعجاز احمدی ودافع البلاء وکشتی نوح واربعین ومواہب الرحمٰن وغیرہ میں اہلی وگہلی پھر رہی ہیں، وہ کس عیسائی کے مقابلہ میں ہیں، مثل مشہور ہے، دلہن کا منہ کالا، مشاطہ کب تک ہاتھ دئے رہے گی۔

ثانیاً: کس شریعت نے اجازت دی ہے کہ کسی بدمذہب کے مقابل اللہ کے رسولوں کو گالیاں دی جائیں؟

ثالثاً: مرزا کو ادّعا ہے کہ اگرچہ اس پر وحی آتی ہے مگر کوئی نیا حکم جو شریعتِ محمدیہ سے باہر ہو، نہیں آسکتا، ہم تو قرآن عظیم میں یہ حکم پاتے ہیں کہ:

" لَا تَسُبُّوا الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدۡوًۢا بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ [1]	کافروں کے جھوٹے معبودوں کو گالی نہ دو کہ وہ اس کے جواب میں بے جانے بوجھے دشمنی کی راہ سے اللہ عزوجل کی جناب میں گستاخی کریں گے۔

مرزا اپنی وہ وحی بتائے جس نے قرآن کے اس حکم کو منسوخ کردیا۔

رابعاً: مرزا کو ادّعا ہے کہ وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم بقدم چل رہا ہے، التبلیغ ص ۸۳ پر لکھتا ہے:

من اٰیات صدق انہ تعالٰی وفقنی باتباع رسولہ واقتداء نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فما رأیت اثرا من اٰثار النبی الاقفوتہ۔	(میری سچائی کی نشانی یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اپنے رسول کی اتباع اور نبی کی اقتداء پر توفیق دی میں نے نبی کا جو بھی نشان دیکھا اس پر قدم رکھا۔ت)

بتائے تو کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس دن عیسائیوں کے مقابل **معاذ اللہ** عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو گالیاں دی ہیں۔

خامساً: مرزا کے ازالہ نے مرزائیوں کی اس بکر فکر کا کامل ازالہ کردیا، ازالہ کی یہ عبارتیں تو کسی عیسائی کے مقابل نہیں، ان میں وہ کون سی گالی ہے جو ضمیمہ انجام آتھم سے کم ہے حتی کہ چور اور ولد الزنا کا بھی اثبات ہے وہاں چوری کسی مال کی نہ بتائی تھی بلکہ علم کی، ضمیمہ انجام ص ٦، نہایت شرم کی یہ بات ہے کہ آپ نے پہاڑی تعلیم کو یہودیوں کی کتاب طالمود سے چرا کر لکھا ہے اور پھر ایسا ظاہر کیا کہ گویا یہ میری

[1] القرآن الکریم ٦/ ١٠٨

تعلیم ہے۔

ازالہ میں اس سے بدتر چوری معجزہ کی چوری مانی کہ تالاب کی مٹی لاکر بے پر کی اڑاتے اور اپنا معجزہ ٹھہراتے، رہی ولادتِ زناوہ اس نے اس بائیبل محرف کے بھروسے پر لکھی، برائے نام کہہ سکتا تھا کہ عیسائیوں پر الزاماً پیش کی اگرچہ مرزا کی عملی کارروائی صراحۃً اس کی مکذّب تھی کہ وہ اپنے رسائل میں بکثرت مسلمانوں کے مقابل اسی بائیبل محرف کو نزول الیاس وغیرہ کے مسئلہ میں پیش کرتا ہے مگر ازالہ میں تو صاف تصریح کردی کہ قرآن عظیم اسی بائیبل محرف کی طرف رجوع کرنے اور اس سے علم سیکھنے کا حکم دیتا ہے، ازالہ ص ۳۰۸ "آیت ہے "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾" یعنی تمہیں علم نہ ہو تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو، ان کی کتابوں پر نظر ڈالو، اصل حقیقت منکشف ہو، ہم نے موافق حکم اس آیت کے یہود ونصارٰی کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ مسیح کے فیصلے کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے دیکھو کتاب سلاطین وکتاب ملاکی نبی اور انجیل"۔ تو ثابت ہوا کہ یہ توریت وانجیل بلکہ تمام بائیبل موجودہ اس کے نزدیک سب بحکم قرآن مستند ہیں تو جو کچھ اس سے لکھا ہرگز الزاماً نہ تھا بلکہ اس کے طور پر قرآن سے ثابت، اور خود اس کا عقیدہ تھا، اور اللہ تعالٰی دجّالوں کا پردہ یونہی کھولتا ہے **والحمد للہ رب العٰلمین**۔

رسالہ
الجُراز الدّیانی علی المرتدّ القادیانی ۱۳۴۰ھ
(قادیانی مرتد پر خدائی خنجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷۹-۸۰: از پیلی بھیت مسؤلہ شاہ میر خاں قادری رضوی ۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

اعلیٰ حضرت مد ظلکم العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اس میں شک نہیں آپ کی خدمت میں بہت سے جواب طلب خطوط موجود ہوں گے لیکن عریضہ ہذا بحالت اشد ضرورت ارسالِ خدمت ہے امید کہ بواپسی جواب سے شرف بخشا جائے۔

(۱) آیت کریمہ:

"وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْــٴًـا وَّ هُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ ۚ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ ۙ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾" [1]	(اور اللہ کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں، مردے ہیں زندہ نہیں، اور انہیں خبر نہیں لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ ت)

یہ ظاہر کرتی ہے کہ ماسوا اللہ تعالیٰ کے جس کسی کو خدا کہا جاتا ہے وہ خالق نہ ہونے اور مخلوق ہونے کے علاوہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰ و ۲۱

مر دہ ہے زندہ نہیں۔

بنابریں عیسٰی علیہ السلام کو بھی جبکہ نصارٰی خدا کہتے ہیں تو کیوں نہ ان کو مر دہ تسلیم کیا جائے اور کیوں ان کو آسمان پر زندہ مانا جائے؟

(۲) صاحبِ بخاری بروایت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ارقام فرماتے ہیں۔(منقول از مشارق الانوار، حدیث ۱۱۱۸):

لَعَنَ اللهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَائِهِمْ مَسٰجِدَ [1]	اللہ تعالٰی یہود و نصارٰی پر لعنت فرمائے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔(ت)

اس سے ظاہر ہے کہ نبی یہود حضرت موسٰی و نبی نصارٰی حضرت عیسٰی علٰی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کی قبریں پوجی جاتی تھیں۔

حسب ارشاد باری تعالٰی عزّ اسمہ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" [2] (پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ ورسول کے حضور رجوع کرو۔ت) آیاتِ الٰہیہ، احادیث نبویہ ثبوتِ مماتِ عیسٰی علیہ السلام میں موجود ہوتے ہوئے کیونکر ان کو زندہ مان لیا جائے؟ میں ہوں حضور کا ادنٰی خادم شاہ میر خاں قادری رضوی غفرلہ ربّہ ساکن پیلی بھیت ۳ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ

الجواب:

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم ط

(۱) قبلِ جواب ایک امر ضروری کہ اس سوال وجواب سے ہزار درجہ اہم ہے، معلوم کرنا لازم، بے دینوں کی بڑی راہِ فرار یہ ہے کہ انکار کریں ضروریاتِ دین کا، اور بحث چاہیں کسی ہلکے مسئلے میں جس میں کچھ گنجائش دست وپا زدن ہو۔

قادیانی صدہا درجہ سے منکر ضروریاتِ دین تھا اور اس کے پس ماندے حیات ووفاتِ سیدنا عیسٰی رسول اللہ علٰی نبیّنا الکریم وعلیہ صلوات اللہ وتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں، جو ایک فرعی مسئلہ خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جس کا اقرار یا انکار کفر تو درکنار ضلال بھی نہیں (فائدہ نمبر ۴ میں آئے گا کہ

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے) نہ ہر گز وفاتِ مسیح ان مرتدین کو مفید، فرض کردم کہ رب عزوجل نے ان کو اس وقت وفات ہی دی، پھر اس سے انکا نزول کیونکر ممتنع ہوگیا؟ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی موت محض ایک آن کو تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لئے ہوتی ہے، پھر وہ ویسے ہی حیاتِ حقیقی دنیاوی و جسمانی سے زندہ ہوتے ہیں جیسے اس سے پہلے تھے، زندہ کا دوبارہ تشریف لانا کیا دشوار؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِھِمْ یُصَلُّوْنَ[1]	انبیاء زندہ ہیں اپنی قبروں میں، نماز پڑھتے ہیں۔

(۲) معاذاللہ کوئی گمراہ بددین یہی مانے کہ ان کی وفات اوروں کی طرح ہے جب بھی ان کا دوبارہ تشریف لانا کیوں محال ہوگیا؟ وعدہ "وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَآ اَنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۹۵﴾"[2] (اور حرام ہے اس بستی پر جسے ہم نے ہلاک کردیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔ت) ایک شہر کے لئے ہے، بعض افراد کا بعد موت دنیا میں پھر آنا خود قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے سیدنا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ"[3]	(تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس، پھر زندہ کردیا۔ت)

چاروں طائرانِ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، **قال اللہ تعالٰی**:

"ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْھُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُھُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا ؕ"[4]	(پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے، پھر انہیں بلا، وہ تیرے پاس چلے آئیں گے دوڑتے ہوئے۔ت)

ہاں مشرکین ملاعنہ منکرین بعث اسے محال جانتے ہیں اور درباره مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیانی بھی اس قادر مطلق عزّجلالہ کو **معاذاللہ** صراحۃً عاجز مانتا اور دافع البلاء کے صفحہ ۳۴ پر یوں کفر بکتا ہے: خدا ایسے شخص کو پھر دنیا میں نہیں لاسکتا جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کردیا ہے[5]۔ مشرک و قادیانی دونوں کے رد میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَعَیِیْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ ھُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ	(تو کیا ہم پہلی بار بنا کر تھک گئے بلکہ وہ نئے بننے سے

[1] مسند ابو یعلٰی مروی از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۳۴۱۲، موسسہ علوم القرآن بیروت ۳/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۰

[5] دافع البلاء مطبوعہ ربوہ ص ۳۴

خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ﴿۱۵﴾ "[1]	شُبہ میں ہیں۔ت)

جب صادق و مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے نزول کی خبر دی اور وہ اپنی حقیقت پر ممکن و داخل زیر قدرت و جائز، توانکار نہ کرے گا مگر گمراہ۔

(۳) اگر وہ حکم افراد کو بھی عام مانا جائے تو موت بعدِ استیفائے اجل کے لئے ہے، اس سے پہلے اگر کسی وجہ خاص سے اماتت ہو تو مانع اعادت نہیں بلکہ استیفائے اجل کے لئے ضرور اور ہزاروں کے لئے ثابت ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

"اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ "[2]	(اے محبوب! کیا تم نے نہ دیکھا انہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے، تو اللہ نے ان سے فرمایا مر جاؤ، پھر انہیں زندہ فرمادیا۔ت)

قتادہ نے کہا:

اَمَاتَهُمۡ عُقُوۡبَةً ثُمَّ بُعِثُوۡا لِيَتَوَفَّوۡا مُدَّةَ اٰجَالِهِمۡ وَلَوۡ جَآءَتۡ اٰجَالُهُمۡ مَا بُعِثُوۡا۔ (معنًا)[3]	(اللہ تعالٰی نے ان کو سزا کے طور پر موت دی پھر زندہ کردیئے گئے تاکہ اپنی مقررہ عمر کو پورا کریں، اگر ان کی مقررہ عمر پوری ہوجاتی تو دوبارہ نہ اٹھائے جاتے۔ت)

(۴) اس وقت حیات و وفاتِ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسئلہ قدیم سے مختلف چلا آتا ہے مگر آخر زمانے میں ان کے تشریف لانے اور دجّال لعین کو قتل فرمانے میں کسی کو کلام نہیں، یہ بلا شبہ اہلسنّت کا اجماعی عقیدہ ہے تو وفات مسیح نے قادیانی کو کیا فائدہ دیا اور مغل بچہ، عیسٰی رسول اللہ بے باپ سے پیدا ابن مریم کیونکر ہوسکا؟ قادیانی اس اختلاف کو پیش کرتے ہیں، کہیں اس کا بھی ثبوت رکھتے ہیں کہ اس پنجابی کے ابتداع فی الدین سے پہلے مسلمانوں کا یہ اعتقاد تھا کہ عیسٰی آپ تو نہ اتریں گے کوئی ان کا مثیل پیدا ہوگا، اسے نزول عیسٰی فرمایا گیا اور اس کو ابن مریم کہا گیا؟ اور جب یہ عام مسلمانوں کے عقیدے کے خلاف ہے تو آیہ:

"يَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ﴿۱۱۵﴾ "[4]	(مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کرینگے اور کیا ہی بُری جگہ پلٹنے کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۳

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر طبری) القول فی تاویل قولہ تعالٰی الم تر الی الذین الآیۃ المطبعۃ المیمنہ مصر ۲/ ۳۴۷

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

کا حکم صاف ہے۔

(۵) مسیح سے مثیل مسیح مراد لینا تحریف نصوص ہے کہ عادتِ یہود ہے، بے دینی کی بڑی ڈھال یہی ہے کہ نصوص کے معنی بدل دیں "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"[1] (اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدل دیتے ہیں۔ت) ایسی تاویل گھڑنی نصوصِ شریعت سے استہزاء اور احکام وارشادات کو درہم برہم کر دینا ہے، جس جگہ جس شیئ کا ذکر آیا، کہہ سکتے ہیں وہ شیئ خود مراد نہیں اس کا مثیل مقصود ہے، کیا یہ اس کی نظیر نہیں جو اباحیہ مُلاعِنہ کہا کرتے ہیں کہ نماز وروزہ فرض ہے نہ شراب وزنا حرام بلکہ وہ کچھ اچھے لوگوں کے نام ہیں جن سے محبت کا ہمیں حکم دیا گیا اور یہ کچھ بدوں کے جن سے عداوت کا۔

(٦) بفرضِ باطل ایںہم برعلم پھر اس سے قادیان کا مرتد، رسول اللہ کا مثیل کیونکر بن بیٹھا؟ کیا اس کے کفر، اس کے کذب، اس کی وقاحتیں، اس کی فضیحتیں، اس کی خباثتیں، اس کی ناپاکیاں، اس کی بیباکیاں کہ عالم آشکار ہیں، چھپ سکیں گی؟ اور جہان میں کوئی عقل ودین والا ابلیس کو جبریل کا مثیل مان لے گا؟ اس کے خروارِ ہزار ہا کفریات سے مُشتے نمونہ، رسائل السوء والعقاب علی المسیح الکذاب وقہر الدیان علی مرتد بقادیان ونور الفرقان وباب العقائد والکلام وغیرہا میں ملاحظہ ہوں کہ یہ نبیوں کی علانیہ تکذیب کرنے والا، یہ رسولوں کو فحش گالیاں دینے والا، یہ قرآن مجید کو طرح طرح رد کرنے والا، مسلمان بھی ہونا محال، نہ کہ رسول اللہ کی مثال، قادیانیوں کی چالاکی کہ اپنے مسیلمہ کے نامسلم ہونے سے یوں گریز کرتے اور اس کے ان صریح ملعون کفروں کی بحث چھوڑ کر حیات ووفات مسیح کا مسئلہ چھیڑتے ہیں۔

(٧) مسیح رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور اوصافِ جلیلہ اور وہ کہ قرآن عظیم نے بیان کئے، یہ تھے کہ اللہ عزّوجل نے ان کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا نشانی سارے جہان کے لئے:

"قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ۚ وَ لِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَ كَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا ﴿۲۱﴾"[2]	بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا، مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ نہ لگایا، نہ میں بدکار ہوں، کہا یونہی ہے، تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لئے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ امر ٹھہر چکا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰و۲۱

انھوں نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا:

"فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا ﴿۲۴﴾ " الآیۃ۔[1] علی قراءۃ من تحتها بالفتح فیهما وتفسیرہ بالمسیح علیه الصلوٰۃ والسلام (معنًا)[2]	تو اس کے نیچے والے نے اسے آواز دی کہ تو غم نہ کر، تیرے رب نے تیرے نیچے نہر بہادی ہے۔ اس قراءت پر جس میں مَنْ کی میم مفتوح اور تَحْتَهَا کی دوسری تاء مفتوح ہے اور اس کی تفسیر حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کی گئی ہے۔

انھوں نے گہوارے میں لوگوں کو ہدایت فرمائی۔

"یُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَ كَهْلًا"[3]	لوگوں سے باتیں کرے گا پالنے میں اور پکی عمر میں۔ (ت)

انہیں ماں کے پیٹ یا گود میں کتاب عطا ہوئی، نبوت دی گئی،

"قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ﳴ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ "[4]	بچہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔

وہ جہاں تشریف لے جائیں برکتیں ان کے قدم کے ساتھ رکھی گئیں۔

"وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ "[5]	اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں۔ (ت)

برخلاف کفرِ طاغیہ قادیان کہ کہتا ہے جس کے پہلے فتنے ہی نے دنیا کو تباہ کردیا۔ انہیں اپنے غیبوں پر مسلّط کیا،

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[6]۔	غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلّط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (ت)

جس کا ایک نمونہ یہ تھا کہ لوگ جو کچھ کھاتے اگرچہ سات کوٹھڑیوں میں چھپ کر، اور جو کچھ گھروں میں ذخیرہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۴

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر طبری) القول فی تاویل قولہ تعالٰی فناداها من تحتها الخ مطبعہ میمنہ مصر ۱۶/ ۴۵

[3] القرآن الکریم ۳/ ۴۶

[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۰

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۳۱

[6] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶،۲۷

رکھتے اگرچہ سات تہ خانوں کے اندر، وہ سب ان پر آئینہ تھا۔

"وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ"[1]	اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ (ت)

انہیں توراتِ مقدس کے بعض احکام کا ناسخ کیا،

"وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ"[2]	اور تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور اس لئے کہ حلال کروں تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔ (ت)

انہیں قدرت دی کہ مادر زاد اندھے اور لاعلاج برص کو شفا دیتے،

"وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ"[3]	اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا۔ (ت)

انہیں قدرت دی کہ مردے زندہ کرتے،

"وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ"[4] "وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ"[5]	اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔ اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔ (ت)

ان پر اپنے وصفِ خالقیت کا پرتو ڈالا کہ مٹی سے پرند کی صورت خلق فرماتے اور اپنی پھونک سے اس میں جان ڈالتے کہ اُڑتا چلا جاتا،

"وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ"[6]	اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتا۔ (ت)

ظاہر ہے کہ قادیانی میں ان میں سے کچھ نہ تھا پھر وہ کیونکر مثیل مسیح ہوگیا؟

اخیر کی چار یعنی مادر زاد [1] اندھے اور [2] ابرص کو شفاء دینا، [3] مردے جِلانا، مٹی کی مورت میں پھونک سے [4] جان ڈال دینا، یہ قادیانی کے دل میں بھی کھٹکے کہ اگر کوئی پوچھ بیٹھا کہ تو مثیل مسیح بنتا ہے ان میں سے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[4] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[5] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

کچھ کر دکھا اور وہ اپنا حال خوب جانتا تھا کہ سخت جھوٹا ملوم ہے اور الٰہی برکات سے پورا محروم، للہذا اس کی یوں پیش بندی کی کہ قرآن عظیم کو پسِ پشت پھینک کر رسول اللہ کے روشن معجزوں کو پاؤں تلے مل کر صاف کہہ دیا کہ معجزے نہ تھے مسمریزم کے شعبدے تھے، میں ایسی باتیں مکروہ نہ جانتا تو کر دکھاتا، وہی ملاعنہ مشرکین کا طریقہ اپنے عجز پریوں پردہ ڈالنا کہ "لَوْنَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ [1]" اگر ہم چاہتے تو ایسا کلام کہتے۔ ہم چاہتے تو اس قرآن کا مثل تصنیف کر دیتے، ہم خود ہی ایسا نہیں کرتے، الالعنۃ اللہ علی الکٰفرین۔

قادیانی خَذَلَهُ اللهُ کے ازالہ اوہام ص ۵، ۴، ۳ ونوٹ آخر میں ۱۵۱ تا آخر صفحہ ۱۶۲ ملاحظہ ہوں جہاں اس نے پیٹ بھر کر یہ کفر بکے ہیں یا ان کی تلخیص رسالہ قہر الدیان ص ۱۰ تا ۱۵ مطالعہ ہوں، یہاں دو چار صرف بطور نمونہ منقول:

ملعون ازالہ ص ۳: ۱احیاءِ جسمانی کچھ چیز نہیں۔

ملعون ازالہ ص ۴: کیا ۲تالاب کا قصّہ مسیحی معجزات کی رونق دور نہیں کرتا۔

ملعون ازالہ ص ۱۵۱: عــــہ ۳شعبدہ بازی اور ۴دراصل بے سود، ۵عوام کو فریفتہ کرنے والے ۶مسیح اپنے باپ یوسف کے ساتھ بائیس ۲۲ برس تک نجاری کرتے رہے، ۷بڑھئی کا کام در حقیقت ایسا ہے جس میں کلوں کے ایجاد میں عقل تیز ہو جاتی ہے، ۸بعض چڑیاں کل کے ذریعہ سے پرواز کرتی ہیں، ۹بمبئ کلکتہ میں ۱۰ایسے کھلونے بہت بنتے ہیں، یہ بھی قرین قیاس ہے کہ ایسے اعجاز ۱۱مسمریزمی ۱۲بطور لہو ولعب نہ ۱۳بطور حقیقت ظہور میں آسکیں، ۱۴سلبِ امراض مسمریزم کی شاخ ہے ایسے لوگ ہوتے رہے ہیں جو اس سے سلبِ امراض کرتے ہیں، مبروص ان کی توجہ سے اچھے ہوتے ہیں، ۱۵مسیح مسمریزم میں کمال رکھتے تھے، یہ ۱۶قدر کے لائق نہیں، یہ ۱۷عاجز اس کو مکروہ قابل نفرت نہ سمجھتا تو ان عجوبہ نمائیوں میں ۲۰ابن مریم سے کم نہ رہتا، اس عمل کا ایک نہایت بُرا خاصہ ہے جو اپنے تئیں اس میں ڈالے روحانی تاثیروں میں بہت ۲۲ضعیف اور ۲۳نکّما ہو جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسیح جسمانی بیماریوں کو اس ۲۴عمل (مسمریزم) سے اچھا کرتے، مگر ۲۵ہدایت توحید اور دینی استقامتوں کے دلوں میں قائم کرنے میں ان کا نمبر ایسا کم رہا کہ ۲۶قریب قریب ناکام رہے، ان پرندوں میں صرف ۲۷جھوٹی حیات،

عــــہ: ازالہ اوہام، مطبع ریاض الہند ص ۱۲۱۔ ۱۱۳

[1] القرآن الکریم ۸/ ۳۱

۲۸جھوٹی جھلک نمودار ہو جاتی تھی، ۲۹مسیح کے معجزات اس تالاب کی وجہ سے ۳۰بے رونق ۳۱بے قدر تھے جو مسیح کی ولادت سے پہلے مظہرِ عجائبات تھا، بہر حال یہ معجزہ صرف ایک ۳۲کھیل تھا جیسے ۳۳سامری کا گوسالہ۔

مسلمانو! دیکھا، ان ملعون کلمات میں وہ کون سی گالی ہے جو رسول اللہ کو نہ دی اور وہ کونسی تکذیب ہے جو آیاتِ قرآن کی نہ کی، اتنے ہی جملوں میں تینتیس ۳۳کفر ہیں۔

بہر حال یہ تو ثابت ہوا کہ یہ مرتد مثیل مسیح نہیں، مسلمانوں کے نزدیک یوں کہ وہ نبی مرسل اولوالعزم صاحب معجزات وآیات بینات، اور یہ مردود و مطرود و مرتد و موردِ آفات، اور خود اس کے نزدیک یوں کہ **معاذاللہ** وہ شعبدہ باز بھانمتی مسمریزمی تھے، روحانی تاثیروں میں ضعیف نکمّے اور یہ ڈال کا ٹوٹا مقدس مہذب برگزیدہ ہادی، **الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین** خبردار! ظالموں پر خدا کی لعنت۔ (ت)

ہاں ایک صورت ہے، اس نے اپنے زعمِ ملعون میں مسیح کے یہ اوصاف گنے، دافع البلاء ص ۴: مسیح کی راستبازی اپنے زمانے میں دوسروں سے بڑھ کر ثابت نہیں ہوتی بلکہ یحیٰی کو اس پر ایک فضیلت ہے کیونکہ وہ (**یحیٰی**) ۳۴شراب نہ پیتا تھا، کبھی نہ سنا کہ کسی ۳۵فاحشہ نے اپنی کمائی کے مال سے اس کے سر پر عطر ملا یا ۳۶ہاتھوں اور اپنے سر کے بالوں سے اس کے بدن کو چھوا یا کوئی ۳۷بے تعلق جوان عورت اس کی خدمت کرتی، اسی وجہ سے خدا نے یحیٰی کا نام حصور رکھا مسیح نہ رکھا کہ ۳۸ایسے قصے اس نام کے رکھنے سے مانع تھے۔[1]

ضمیمہ انجام آتھم ص ۷: آپ (یعنی عیسٰی) کا ۳۹کنجریوں سے میلان اور ۴۰صحبت بھی شاید اسی وجہ سے ہو کہ جدی ۴۱مناسبت درمیان ہے (یعنی عیسٰی بھی ایسوں ہی کی اولاد تھے) ۴۲ورنہ کوئی پرہیزگار ایک جوان کنجری کو یہ موقع نہیں دے سکتا کہ وہ اس کے سر پر اپنے ناپاک ہاتھ لگائے، ۴۳زناکاری کی کمائی کا پلید عطر اس کے سر پر ملے، ۴۴اپنے بال اس کے پیروں پر ملے، سمجھنے والے سمجھ لیں کہ ایسا ۴۵انسان کس چلن کا آدمی ہو سکتا ہے۔

ص ۶: ۴۶حق یہ ہے کہ آپ سے کوئی معجزہ نہ ہوا۔

ص ۷: آپ کے ہاتھ میں سوا ۴۷مکر و ۴۸فریب کے کچھ نہ تھا، آپ کا ۴۹خاندان بھی نہایت ناپاک ہے، تین ۵۰دادیاں اور نانیاں آپ کی زناکار اور کسبی عورتیں تھیں جن کے خون سے آپ کا وجود ہوا۔ یہ پچاس ۵۰کفر ہوئے۔

نیز اسی رسالہ ملعونہ میں ص ۴ سے ۸ تک بحیلہ باطلہ مناظرہ خود ہی جلے دل کے پھپھولے پھوڑے، اللہ عزوجل کے سچے رسول مسیح عیسٰی بن مریم کو ۵۱نادان، ۵۲شریر، ۵۳مکار، ۵۴بدعقل، ۵۵زنانے خیال والا، ۵۶فحش گو، ۵۷بدزبان، ۵۸کٹیل، ۵۹جھوٹا،

---

[1] دافع البلاء مطبع ضیاء الاسلام، قادیان ص ۶۔۵

۶۰چور، ۶۱علمی ۶۲عملی قوت میں بہت کچّا، ۶۳خلل دماغ والا، ۶۴گندی گالیاں دینے والا، ۶۵بد قسمت، ۶۶نرافریبی، ۶۷پیرِ وشیطان ۶۸ وغیرہ وغیرہ خطاب اس قادیانی دجّال نے دیئے اور اس کے تین کفر اوپر گزرے کہ اللہ مسیح کو دوبارہ نہیں لاسکتا، ۶۹مسیح فتنہ تھا، ۷۰مسیح کے فتنے نے تباہ کردیا۔ یہ سب ستر ۷۰ کفر ہوئے اور ہزاروں ستر کی گنتی کیا، غرض تیس ۳۰ سے اوپر اوصاف اس دجّال مرتد نے اپنے مزعوم مسیح میں بتائے، اگر قادیانی خود اپنے لئے ان میں سے دس وصف بھی قبول کرلے کہ یہ شخص یعنی یہی قادیانی ۱بد چلن، ۲بد معاش، ۳فریبی، ۴مکّار، ۵زنانے خیال والا، ۶کٹیل بھی جھوٹا، ۷چور، ۸گندی گالیوں والا، ۹ابلیس کا چیلہ، ۱۰کنجریوں کی اولاد، کسبیوں کا جنا ہے، زنا کے خون سے بنا ہے، تو ہم بھی اس کی مان لیں گے کہ یہ ضرور مثیل مسیح ہے مگر کون سے مسیح کا؟ اسی مسیح قبیح کا جو اس کا موہوم ومزعوم ہے، **الالعنۃ اللہ علی الظّٰلمین**۔

مسلمانو! یہ سات فائدے محفوظ رکھئے، کیسا آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ قادیانیوں کا مسئلہ وفات وحیاتِ مسیح چھیڑنا کیسا ابلیسی مکر، کیسی عبث بحث، کیسی تضییع وقت، کیسا قادیانی کے صریح کفروں کی بحث سے جان چھڑانا اور فضول زق زق میں وقت گنوانا ہے!

اس کے بعد ہمیں حق تھا کہ ان ناپاک وبے اصل وپا، درہوا شبہوں کی طرف التفات بھی نہ کرتے جو انہوں نے حیاتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پیش کئے، ایسی مہمل عیاریوں کیادیوں کا بہتر جواب یہی تھا کہ ہشت۔ پہلے قادیانی کے کفر اٹھاؤ یا اسے کافر مان کر توبہ کرو، اسلام لاؤ، اس کے بعد یہ فرعی مسئلہ بھی پوچھ لینا مگر ہم ان مرتدین سے قطع نظر کرکے اپنے دوست سائل سُنّی المذہب سے جوابِ شبہات گزارش کرتے ہیں، **وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْق**۔

پہلا شُبہ: کریمہ والذین یدعون من دُون اللہ الاٰیۃ۔

اقول اولاً: یہ شبہ مرتدانِ حال نے کافرانِ ماضی سے ترکہ میں پایا ہے، جب آیہ کریمہ: "**اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ ؕ اَنۡتُمۡ لَہَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾**"[1] نازل ہوئی کہ بیشک تم اور جو کچھ تم اللہ کے سوا پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہو تمہیں اس میں جانا ہے۔ مشرکین نے کہا کہ ملائکہ اور عیسٰی اور عزیر بھی تو اللہ کے سوا پوجے جاتے ہیں، اس پر رب عزوجل نے ان جھگڑالو کافروں کو قرآن کریم کی مراد بتائی کہ آیت بتوں کے حق میں ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲۱ / ۹۸

"اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَہُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِکَ عَنۡہَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَہَا ۚ"[1]	بیشک وہ جن کے لئے ہمارا بھلائی کا وعدہ ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک تک نہ سنیں گے۔

قرآن کریم نے خود اپنا محاورہ بتایا جب بھی مرتدوں نے وہی راگ گایا۔ ابوداؤد کتاب الناسخ والمنسوخ میں اور فریابی عبد بن حمید وابن جریر وابن ابی حاتم طبرانی وابن مردویہ اور حاکم مع تصحیح مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

لمّا نزلت انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم انتم لها واردون فقال المشرکون الملئكةُ وعیسٰی وعزیر یعبدون من دون الله فنزلت ان الذین سبقت لهم منا الحسنٰی اولئك عنها مُبعدون[2]	جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّکُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ (الآیۃ) تو مشرکین نے کہا ملائکہ، حضرت عیسٰی اور حضرت عزیر کو بھی اللہ تعالٰی کے سوا پوجا جاتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی ان الذین سبقت (الآیۃ) بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔

ثانیًا یدعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللہِ یقینا مشرکین ہیں اور قرآنِ عظیم نے اہل کتاب کو مشرکین سے جدا کیا، ان کے احکام ان سے جدا رکھے، ان کی عورتوں سے نکاح صحیح ہے مشرکہ سے باطل، اِن کا ذبیحہ حلال ہو جائے گا، اُن کا مردار، **قال اللہ تعالٰی:**

"لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ۙ﴿۱﴾"[3]	(کتابی کافر اور مشرک اپنا دین چھوڑنے کو نہ تھے جب تک ان کے پاس دلیل نہ آئے۔ ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴿۶﴾"[4]	بیشک جتنے کافر ہیں کتابی اور مشرک سب جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہی تمام مخلوق سے بدتر ہیں۔ (ت)۔

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱ و ۱۰۲

[2] المستدرك کتاب التفسیر تفسیر سورۃ انبیاء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۸۵

[3] القرآن الکریم ۹۸/ ۱

[4] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

وقال اللہ تعالٰی: "مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْؕ "[1]	(وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک، وہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی اترے تمہارے رب کے پاس سے۔ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْاۚ وَ لَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰىؕ"[2]	ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جنہوں نے کہا کہ بیشک ہم نصارٰی ہیں ت۔

وقال اللہ تعالٰی:

"اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ٘ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ"[3] "وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى یُؤْمِنَّؕ"[4]	(آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں مسلمان اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی۔ت) (اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک مسلمان نہ ہو جائیں۔ت)

جب قرآن عظیم "یدعُونَ مِنْ دُوْنِ اللہِ" میں نصارٰی کو داخل نہیں فرماتا اس "اَلَّذِین" میں مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کیونکر داخل ہوسکیں گے؟

ثالثًا: سورت مکیہ ہے اور سوائے عاصم، قُراءِ سبعہ کی قرأت "تَدْعُوْنَ" بہ تائے خطاب، تو بُت پرست ہی مراد ہیں اور "اَلَّذِین یدعُونَ اَصْنَامٌ" (جنہیں وہ پوجتے ہیں وہ بُت ہیں۔ت)

رابعًا: خود آیہ کریمہ طرح طرح دلیل ناطق کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء عمومًا اور حضرت مسیح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۵/۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۱

علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خصوصًا مراد نہیں، جہاں فرمایا اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ[1] (مردے ہیں زندہ نہیں۔ت) اموات سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ پہلے زندہ تھے پھر موت لاحق ہوئی لہٰذا ارشاد ہوا "غَیر اَحۡیاءٍ" یہ وہ مردے ہیں کہ نہ اب تک زندہ ہیں نہ کبھی تھے نِرے جماد ہیں، یہ بتوں ہی پر صادق ہے، تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

حیث کان بعض الاموات ممّا یعتریہ الحیاۃ سابقا اولاحقا کاجساد الحیوان والنطف التی ینشئھا اللہ تعالٰی حیوانا احترز عن ذٰلك فقیل غیر احیاءٍ ای لا یعتریھا الحیوۃ اصلا فھی اموات علی الاطلاق[2]	بعض اموات وہ تھے جنہیں زندگی حاصل تھی جیسے مردہ حیوان کا جسم، اور بعض وہ ہیں جنہیں زندگی ملنے والی ہے مثلًا نطفہ جسے اللہ تعالٰی مستقبل میں حیوان بنائے گا اس لئے ایسے اموات سے احتراز کیا اور فرمایا غیر احیاء یعنی یہ وہ اموات ہیں جنہیں زندگانی (ماضی یا مستقبل میں) بالکل حاصل نہیں لہٰذا یہ علی الاطلاق اموات ہیں۔

خامسًا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ"[3]	خبردار! شہیدوں کو ہرگز مردہ نہ جانیو بلکہ وہ اپنے رب کے یہاں زندہ ہیں، روزی پاتے ہیں، اللہ نے جو اپنے فضل سے دیا اس پر خوش ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَا تَقُوۡلُوۡا لِمَنۡ یُّقۡتَلُ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتٌ ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ وَّلٰکِنۡ لَّا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۱۵۴﴾"[4]	جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں خبر نہیں۔

محال ہے کہ شہید کو تو مردہ کہنا حرام، مردہ سمجھنا حرام اور انبیاء معاذ اللہ مردے کہے سمجھے جائیں، یقینا قطعًا ایمانًا وہ "اَحۡیاء غیر اَمۡوَاتٍ" (زندہ ہیں مردے نہیں۔ت) ہیں نہ کہ عیاذًا باللہ "اموات غیر اَحۡیاءٍ" (مردے ہیں زندہ نہیں۔ت) جس وعدہ الٰہیہ کی تصدیق کے لئے ان کو عروضِ موت ایک آن کے لئے لازم ہے قطعًا شہداء کو بھی لازم ہے۔ "کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ"[5] (ہر جان کو موت کا

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۱

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) آیۃ ۱۶/ ۲۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۰۶

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

[5] القرآن الکریم ۲۱/ ۳۵

مزہ چکھنا ہے۔ت) پھر جب یہ "اَحیاءٌ غَیر اَمْوَاتٍ" ہیں وہ یقیناً ان سے لاکھوں درجے زائد "اَحیاء غَیر امواتٍ" ہیں نہ کہ "اَمْوات غَیر اَحیاءٍ"۔

سادسًا: آیہ کریمہ میں "وَهُمْ قَدْ خُلِقُوْا" بصیغہ ماضی نہیں بلکہ "وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝" [1] بصیغہ مضارع ہے کہ دلیل تجدّد واستمرار ہو یعنی بنائے گھڑے جاتے ہیں اور نئے نئے بنائے گھڑے جائیں گے، یہ یقیناً بُت ہیں۔

سابعًا: آیہ کریمہ میں ان سے کسی چیز کی خلق کا سلبِ کُلّی فرمایا کہ "لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا" [2] (وہ کوئی چیز نہیں بناتے۔ت) اور قرآن عظیم نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بعض اشیاء کی خلق ثابت فرمائی، "وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ" [3] (اور جب تو مٹی سے پرند کی مورت بناتا) اور ایجاب جزئی نقیض سلبِ کُلّی ہے تو عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صادق نہیں، نامناسب سے قطع نظر ہو تو اَمْوَات قضیہ مطلقہ عامہ ہے یا دائمہ۔ بر تقدیر ثانی یقیناً انس وجن وملک سے کوئی مراد نہیں ہوسکتا کہ ان کیلئے حیات بالفعل ثابت ہے نہ کہ ازل سے ابد تک دائم موت، بر تقدیر اوّل قضیہ کا اتنا مفاد کہ کسی نہ کسی زمانے میں ان کو موت عارض ہو، یہ ضرور عیسٰی وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے لئے ثابت، بیشک ایک وقت وہ آئے گا کہ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات پائیں گے اور روز قیامت ملائکہ کو بھی موت ہے، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ موت ہوچکی، ورنہ "یدعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ" میں ملائکہ بھی داخل ہیں، لازم کہ وہ بھی مر چکے ہوں، اور یہ باطل ہے۔ تفسیر انوار التنزیل میں ہے:

(اَمْوَات) حالًا اومالًا غیر احیاءٍ بالذّاتِ لیتناول کُلّ معبودٍ [4]	(مردے حال میں یا آئندہ غیر زندے بالذات تاکہ ہر معبود کو شامل ہو۔ت)

تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

فالمراد مالا حیٰوۃ لہ سواء کان لہ حیٰوۃ ثم مات کعزیر اوسیموت کعیسٰی والملئکۃ علیہم السلام اولیس من شانہ الحیٰوۃ کالاصنام [5]	یعنی ان اموات سے عام مراد ہے خواہ اس میں حیات کی قابلیت ہی نہ ہو جیسے بت، یا حیات تھی اور موت عارض ہوئی جیسے عزیر، یا آئندہ عارض ہونے والی ہے جیسے عیسٰی وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

منکرین دیکھیں کہ ان کا شبہ ہر پہلو پر مردود ہے، وللہ الحمد۔

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

[4] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) آیۃ ۱۶/ ۲۱ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۰

[5] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی آیۃ ۱۶/ ۲۱، دار صادر بیروت ۵/ ۳۲۲

شُبہ دوم: لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی[1] اللہ تعالٰی یہود و نصارٰی پر لعنت فرمائے۔ اقول: وَالْمِرْزَائِیَۃُ لَعَنَہُمْ لَعْنًا کَبِیْرًا (میں کہتا ہوں کہ مرزائیوں پر بھی بڑی لعنت ہو) اوّلًا: اَنْبِیَائِھِمْ[2] میں اضافت استغراق کے لئے نہیں کہ موسٰی سے یحیٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام تک ہر نبی کی قبر کو یہود و نصارٰی سب نے مسجد کرلیا ہو، یہ یقینا غلط ہے، جس طرح "وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ"[3] (انہوں نے انبیاء کو ناحق شہید کیا۔ت) میں اضافت ولام کوئی استغراق کا نہیں کہ نہ سب قاتل اور نہ سب انبیاء شہید کئے، قال اللہ تعالٰی:

"فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ٘ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ۝۸۷"[4]	(انبیاء کے ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے ہو۔ت)

اور جب استغراق نہیں تو بعض میں مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا داخل کرلینا ادّعائے باطل و مردود ہے، یہود کے سب انبیاء نصارٰی کے بھی انبیاء تھے، یہود و نصارٰی کا ان میں بعض قبورِ کریمہ کو (مسجد بنالینا) صدقِ حدیث کے لئے بس اور اس سے زیادہ مرتدین کی ہوس۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یہ اشکال ذکر کرکے کہ نصارٰی کے انبیاء کہاں ہیں، ان کے تو صرف ایک عیسٰی نبی تھے ان کی قبر نہیں، ایک جواب یہی دیا جو بتوفیقہ تعالٰی ہم نے ذکر کیا کہ:

اوالمراد بالا تخاذ اعم من ان یکون ابتداعًا او اتباعًا فالیھود ابتدعت والنصارٰی اتبعت، ولا ریب ان النصارٰی تعظم قبور کثیر من الانبیاء الذین تعظمھم الیھود[5]	انبیاء کی قبروں کو مسجد بنانا عام ہے کہ ابتدًا ہو یا کسی کی پیروی میں، یہودیوں نے ابتداء کی اور عیسائیوں نے پیروی کی، اور اس میں شک نہیں کہ نصارٰی بہت سے ان انبیاء کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں جن کی یہودی تعظیم کرتے ہیں۔

ثانیًا: امام حافظ الشان (ابن حجر) نے دوسرا جواب یہ دیا کہ اس روایت میں اقتصار واقع ہوا، واقع یہ ہے کہ یہود اپنے انبیاء کی قبور کو مساجد کرتے اور نصارٰی اپنے صالحین کی قبروں کو، ولہذا صحیح بخاری حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دربارہ قبور انبیاء تنہا یہود کا نام ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال قاتل اللہ الیھود اتخذوا قبور	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی یہودیوں کو ہلاک فرمائے انہوں نے اپنے

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۱۷۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۸۷

[5] فتح الباری شرح صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۴

انبیائھم مساجد [1]	انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

اور صحیح بخاری حدیث اُم سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں جہاں تنہا نصارٰی کا ذکر تھا صرف صالحین کا ذکر فرمایا، انبیاء کا نام نہ لیا کہ:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولئك قوم اذا مات فیھم العبد الصالح اوالرجل الصالح بنوا علٰی قبرہ مسجدًا وصوّرُوا فیه تلك الصُّور [2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نصارٰی وہ قوم ہے کہ جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے اور اس میں تصویریں بناتے۔

اور صحیح مسلم حدیث جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہود و نصارٰی دونوں کو عام تھا انبیاء و صالحین کو جمع فرمایا کہ:

سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال الاوان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجدا [3]	میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیتے تھے۔ ہمیشہ جمع طرق سے معنی حدیث کا ایضاح ہوتا ہے۔

ثالثاً اقول: چالاکی بھی سمجھئے! یہ فقط قبرِ عیسٰی ثابت کرنا نہیں بلکہ اس میں بہت اہم راز مضمر ہے، قادیانی مدعیِ نبوت تھا اور سخت جھوٹا کذاب جس کے سفید چمکتے ہوئے جھوٹ وہ محمدی والے نکاح، اور انبیاء کے چاند والے بیٹے قادیان و قادیانیہ کے محفوظ از طاعون رہنے کی پیشین گوئیاں وغیرہا ہیں، اور ہر عاقل جانتا ہے کہ نبوت اور جھوٹ کا اجتماع محال، اس سے قادیانی کا سارا گھر ہر عاقل کے نزدیک گھروندا ہوگیا اس لئے فکر ہوئی کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو **معاذ اللہ** جھوٹا ثابت کریں کہ قادیانی کذاب کی نبوت بھی بن پڑے، اس کا علاج خود قادیانی نے اپنے ازالہ اوہام ص ۶۲۹ پر یہ کیا کہ ایک زمانے میں چار سو نبیوں کی پیشگوئی غلط ہوئی اور وہ جھوٹے، یہ اس مرتد کے اکٹھے چار سو کفر کہ ہر نبی کی تکذیب کفر ہے، بلکہ کروڑوں کفر ہیں کہ ایک نبی کی تکذیب تمام انبیاء اللہ کی تکذیب ہے، **قال اللہ تعالٰی:** " كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ﹰالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ " [4] (نوح کی قوم نے پیغمبروں کو

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ، قدیمی کتب خانہ کراچی۔ ۱/ ۶۲

[2] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۱/ ۶۲

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد، باب: النھی عن بناء المسجد علی القبور، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۱/ ۲۰۱

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۵

جھٹلایا۔ت) تو اس نے چار سو ہر نبی کی تکذیب کی، اگر انبیاء ایک لاکھ عـــہ۱ چوبیس ہزار ہیں [1] تو قادیانی کے چار کروڑ چھیانوے لاکھ کفر، اور اگر دو لاکھ عـــہ۲ چوبیس ہزار [2] ہیں تو یہ اس کے آٹھ کروڑ چھیانوے لاکھ کفر ہیں، اور اب ان مرزائیوں نے خود یا اسی سے سیکھ کر اندارج کفر میں اور ترقی معکوس کرکے اسفل سافلین پہنچنا چاہا کہ معاذاللہ سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و علیہم اجمعین کا جھوٹ ثابت کریں، اس حدیث کے یہ معنے گھڑے کہ نصارٰی نے عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کو مسجد کرلیا، یہ صریح سپید جھوٹ ہے، نصارٰی ہر گز مسیح کی قبر ہی نہیں مانتے اسے مسجد کرلینا تو دوسرا درجہ ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (کے دشمنوں) نے (خاک بدہن ملعونان) کیسی صریح جھوٹی خبر دی پھر اگر ہمارا قادیانی نبی جھوٹ کے پھنکے اڑاتا تھا تو کیا ہوا قادیانی مرتدین کا اگر یہ مطلب نہیں تو جلد بتائیں کہ نصارٰی مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کب مانتے ہیں، کہاں بتاتے ہیں، کس کس نصرانی نے اس قبر کو مسجد کرلیا جس کا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر کیا، اس مسجد کا روئے زمین پر کہیں پتا ہے؟ ان نصرانیوں کا دنیا کے پردے پر کہیں نشان ہے؟ اور جب یہ نہ بتا سکو اور ہر گز نہ بتا سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذمّے **معاذ اللہ** دروغ گوئی کا الزام لگانے کو حدیث کے یہ معنی گھڑے اور:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ	(بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے

عـــہ۱: کما رواہ احمد وابن حبان والحاکم والبیہقی وغیرہم عن ابی ذر وھٰؤلاء وابن ابی حاتم والطبرانی وابن مردویہ عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما ۱۲ منہ غفرلہ(م)	(جیسا کہ احمد ابن حبان، حاکم، بیہقی وغیر ہم نے ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نیز انہوں نے اور ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔ت)
عـــہ۲: کما فی روایۃ علٰی ما فی شرح عقائد النسفی للتفتازانی قال خاتم الحفاظ لم اقف علیہا ۱۲ منہ غفرلہ(م)	(جیسا کہ دوسری روایت میں ہے جس کو علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں ذکر فرمایا، خاتم الحفاظ نے فرمایا میں اس پر واقف نہیں ہوا ۱۲ منہ)

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ابو امامۃ الباہلی، دار الفکر بیروت، ۵/ ۲۶۶

[2] شرح عقائد النسفی دار اشاعۃ العربیۃ قندھار، افغانستان، ص ۱۰۱

عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ " [1]	ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ت)

کی گہرائی میں پڑے الا لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین، کیوں، حدیث سے موت عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام پر استدلال کامزا چکّھا؟

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ " [2] (واللہ تعالٰی اعلم)	(مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔ت) (واللہ تعالٰی اعلم)

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

العبد المذنب

احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدنِ المصطفٰی

صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

رسالہ
جزاء اللّٰہ عدوّہ بابائہٖ ختم النبوّۃ ۱۳۱۶ھ
(دشمنِ خدا کے ختم نبوت کا انکار کرنے پر خدائی جزاء)

مسئلہ ۸۱: از شیخ خدا بخش اہلسنّت والجماعت محلّہ سوئی گری کی پول، ۱۹ رجب ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولید ساکن مشہد کہ اپنے آپ کو سید کہلواتا، اپنا عقیدہ بایں طور پر رکھتا ہے کہ حضرت علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو انبیاء ورسول کہنا ثابت ہے اور اپنے زعم میں اس کا ثبوت حدیثوں سے بتاتا ہے، ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان سنت و جماعت اولیائے کاملین سے ہے یا غالی رافضی کافر اولیائے شیاطین سے؟ اور جو شخص عقیدہ کفریہ رکھے وہ سید ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اسے سید کہنا روا ہے یا نہیں؟ **بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

الحمد للّٰہ رب العٰلمین وسلام علی المرسلین، ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللّٰہ وخاتم النبیین وکان اللّٰہ بکلّ شیئ علیما،	تمام خوبیاں اللہ تعالٰی رب العالمین کو اور سلام تمام رسولوں پر، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم میں سے کسی ایک مرد کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کے پچھلے، اور اللہ تعالٰی ہر شئے کا عالم ہے

یا من یصلی علیه هو وملئکته صل علیه وعلی اله و صحبه وبارك وسلم تسلیما اٰمین، ربّ انی اعوذبك من همزات الشیطین واعوذبك ربّ ان یحضرون و صلی الله تعالٰی علٰی خاتم المرسلین اول الانبیاء خلقًا واٰخرهم بعثًا واٰله وصحبه والتابعین ولعن وقتل واخزی وخذل مردة الجن وشُیطین الانس و اعاذنا ابدا من شرهم اجمعین اٰمین۔	اے وہ ذات جس پر اللہ تعالٰی اور اس کے فرشتوں کے درود اور اس کے آل واصحاب پر اور سلام کامل۔آمین۔اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیاطین کے وسوسوں سے،اور اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں،اور صلوٰۃ اللہ خاتم المرسلین پر جو تمام انبیاء سے پیدائش میں اول اور بعثت میں ان سے آخر اور اس کی آل واصحاب اور تابعین پر،اور لعنت اور ہلاکت،رسوائی اور ذلت ہو اللہ تعالٰی کی طرف سے سرکش جنّوں اور انسانی شیطانوں پر،اور ان سب کے شر سے ہمیشہ ہمیں پناہ دے،آمین۔ت)

اللہ عزوجل سچا اور اس کا کلام سچا، مسلمان پر جس طرح لا اله الا الله ماننا اللہ سبحٰنه وتعالٰی کو احد صمد لا شریك له جاننا فرضِ اوّل ومناط ایمان ہے یونہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقینا محال وباطل جاننا فرض اجل وجزء ایقان ہے "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَؕ"[1] (ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ت) نص قطعی قرآن ہے،اس کا منکر نہ منکر بلکہ شبہ کرنے والا نہ شاک کہ ادنٰی ضعیف احتمال خفیف سے توہّم خلاف رکھنے والا قطعًا اجماعًا کافر ملعون مخلد فی النیران ہے،نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے عقیدہ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی کافر،جو اس کے کافر ہونے میں شک وتردّد کو راہ دے وہ بھی کافر بین الکافر جلی الکفران ہے،ولید پلید جس کا قول نجس تراز بول،سوال میں مذکور،ضرور ولی ہے بیشک ضرور مگر حاشانہ ولی الرحمٰن بلکہ عدو الرحمٰن ولی الشیطان ہے،یہ جو میں کہہ رہا ہوں میرا فتوٰی نہیں اللہ واحد قہار کا فتوٰی ہے،خاتم الانبیاء الاخیار کا فتوٰی ہے،علی مرتضٰی وبتول زہرا وحسن مجتبٰی وشہید کربلا تمام ائمہ اطہار کا فتوٰی ہے صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدھم ومولاھم وعلیھم وسلّم۔شفاء شریف واعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

یکفر ایضامن کذب بشیئ مماصرح	نیز تکفیر کی جائیگی جس نے قرآن کے صریح حکم یا خبر

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

فی القراٰن من حکم او خبر، او اثبت ما نفاہ او نفی ما اثبتہ علٰی علم منہ بذٰلک، اوشك فی شیئ من ذٰلک [1]	کی تکذیب کی، یا جس نے علم کے باوجود اس کی نفی کردہ کا اثبات کیا یا اس کے ثابت کردہ کی نفی کی، یا جس نے اس میں شک کیا۔ت۔

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

التردد فی المعلوم من الدین بالضرورۃ کالانکار [2]	بدیہی ضروری دینی معلوم چیز میں تردد کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کا انکار کرنا ہے۔ت

شفاء میں ہے:

وقع الاجماع علٰی تکفیر کل من دافع نص الکتاب او خص حدیثا مجمعا علٰی نقلہ مقطوعا بہ مجمعا علی حملہ علی ظاھرہ ولھذا نکفر من لم یکفر من دان بغیر ملۃ الاسلام اووقف فیھم اوشک (فی کفرھم) اوصحح مذھبھم، وان اظھر الاسلام واعتقدہ واعتقد ابطال کل مذھب سواہ فھو کافر باظھار ما اظھر من خلاف ذٰلک اھ [3] مختصرا مزیدا من نسیم الریاض ما بین الھلالین۔	ایسے شخص کے کفر پر امت مسلمہ کا اجماع ہے جو کتاب اللہ کی نص کا انکار کرے یا ایسی حدیث جس کے نقل پر یقین ہے اس کی تخصیص کرے حالانکہ اجماع کے مطابق اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے۔ اسی لئے ہم ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو اسلام کے غیر کسی دین والے کی تکفیر نہ کرے یا توقف یا شک کرے (ان کے کفر میں) یا ان کے مذہب کو صحیح سمجھے، اگرچہ ایسا شخص اسلام کا اظہار کرے اور عقیدہ رکھے اور اسلام کے سوا ہر مذہب کے بطلان کا عقیدہ رکھے اس سبب سے کہ وہ اپنے ظاہر کئے کا خلاف ظاہر کرتا ہے لہٰذا وہ کافر ہے اھ مختصراً، ہلالین کے درمیان نسیم الریاض کی طرف سے زائد ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اجماع علٰی کفر من لم یکفر کل من	اسلام سے علیحدگی اختیار کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے والے

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، فصل آخر فی الخطاء مکتبۃ الحقیقیۃ استنبول، ص ۳۸۱

[2] فتاوٰی حدیثیہ، باب اصول الدین، مطبعہ جمالیہ مصر، ص ۱۴۶

[3] الشفاء للقاضی عیاض فصل فی بیان ما ھو من المقالات، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی البلاد العثمانیۃ ۲ /۲۷۱، نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فی بیان ما ھو من المقالات، دار الفکر بیروت، ۴ /۵۰۹-۱۰

فارق دین المسلمین اووقف فی تکفیر هم اوشک [1] مختصرًا۔	یاان کی تکفیر میں توقف یا شک کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے والے کے کفر پر اجماع ہے، مختصرًا۔(ت)

بزازیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [2]	جس نے اس کے کفراور عذاب میں شک کیا وہ کافر ہے۔(ت)

بلکہ شخص مذکور پر لازم وضرور ہے کہ اپنے آپ ہی اپنے کفر والحاد وزندقہ وارتداد کا فتوٰی لکھے، آخر یہ تو بداہۃً ضرورۃً موافقین ومخالفین حتی کہ کفار ومشرکین سب کو معلوم ومسلم کہ حضرات حسنین اوران کے والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم مسلمان تھے، قرآن عظیم پر ایمان رکھتے اور بلاشبہ اسے کلام اللہ جانتے، اس کے ایک ایک حرف کو حق مانتے، اور اسی قرآن کا ارشاد ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو قطعًا وہ بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین اعتقاد کرتے تو قطعًا یقینًا اپنے آپ کو نبی ورسول نہ جانتے اور اس ادعائے ملعون کو باطل وملعون ہی مانتے کہ قول بالمتنافیین کسی عاقل سے معقول نہیں، اب یہ شخص کہ انہیں نبی ورسول مانتا ہے خود اپنے ہی ساختہ رسولوں کو کاذب ومبطل جانتا ہے اور رسولوں کی تکذیب کفرِ ظاہر ہے تو خود ہی اپنے عقیدے کی رو سے کافر ہے، غرض انہیں رسول کہہ کر اعتقاد ختم نبوت میں سچا جانا تو اس ایمانی عقیدے کا منکر ہو کر کافر ہوا، اور جھوٹا مانا تو اپنے ہی رسولوں کی آپ تکذیب کرکے کافر ہوا مفر کدھر، ولا حول ولا قوّۃ الّا باللہ العزیز الاکبر۔

ولید کے مقابل ذکرِ احادیث ونصوص علمائے قدیم وحدیث کا کیا موقع کہ جو نص قطعی قرآن کو نہ مانے حدیث وعلماء کی کیا قدر جانے، مگر بحمد اللہ تعالٰی مسلمانوں کے لئے متعدد منافع ظاہر وبین ہیں، قرآن وحدیث دونوں ایمانِ مومن ہیں، احادیث کا بار بار تکرار اظہار دلوں میں ایمان کی جڑ جمائے گا، آیہ کریمہ میں وساوسِ ملعونہ

ف: اہل بیت کرام خواہ کسی امتی کو نبی ماننے والا خود اپنے اقرار سے بھی کافر ہے۔

[1] الشفاء للقاضی فصل فی تحقیق القول فی اکفار المتأولین، مطبعۃ شرکۃ صحافیۃ فی البلاد العثمانیۃ ۲/۲۶۷

[2] درمختار، باب المرتد، مطبع مجتبائی دہلی، ۱/ ۳۵۶

بعض شیاطین نجدیہ کا استیصال فرمائے گا، ختم نبوت و خاتم النّبیین کے صحیح و نجیح معنی بتائے گا، بعض قاسمان کفر و مجون کے اختراع جنون کو مردود و ملعون بنائے گا۔

ولید پلید کے ادعائے خبیث ثبوت بالحدیث کا بطلان دکھائے گا، نصوصِ ائمہ سے اہلِ ایمان کو صحت فتوی پر زیادہ تر اعتبار و اعتماد آئے گا معہذا ذکر محبوب راحتِ قلوب ہے، ان کی یاد سے مسلمانوں کا دل چین پائے گا۔

بریت آدم اور ختم نبوّت:

فاقول: وبحول اللہ احول (ارشادات الٰہیہ)

طبرانی معجم کبیر میں اور حاکم بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، جب آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لغزش واقع ہوئی عرض کی یارب **اسئلك بحق محمد ان غفرت لی** (الٰہی! میں تجھے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما) ارشاد ہوا: اے آدم! تو نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو کیونکر پہچانا حالانکہ میں نے ابھی اسے پیدا نہ کیا؟ عرض کی: الٰہی! جب تو نے مجھے اپنی قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو عرش کے پایوں پر لکھا پایا **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** تو میں نے جانا تو نے اسی کا نام اپنے نام پاک کے ساتھ ملایا ہوگا جو تجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے۔ فرمایا:

صدقت یا اٰدم انہ لاحب الخلق الیّ واذ سألتنی بحقہ فقد غفرت لك ولو لا محمد ما خلقتک [1] ۔ زاد الطبرانی وھو اٰخر الانبیاء من ذرّیتک [2]	اے آدم! تو نے سچ کہا بیشک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے اور جب تو نے مجھے اس کا واسطہ دے کر سوال کیا تو میں نے تیرے لئے مغفرت فرمائی، اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا۔ طبرانی نے یہ اضافہ کیا: وہ تیری اولاد میں سب سے پچھلا نبی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ختم نبوّت:

ابو نعیم ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان موسٰی لما نزلت علیہ التوراۃ وقرأھا	جب موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام پر توریت اتری اسے

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب التاریخ، استغفار آدم علیہ السلام بحق محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۶۱۵، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ما جاء فی تحدّث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۵/ ۴۸۹

[2] المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث ۶۴۹۸، مکتبۃ المعارف ریاض، ۷/ ۲۵۹

وجد فیھا ذکر ھذہ الامۃ فقال یارب انی اجد فی الالواح امۃ ھم الاٰخرون السابقون فاجعلھا امتی قال تلك امّۃ احمد [1]	(پڑھا تو اس میں اس امّت کا ذکر پایا عرض کی: اے رب میرے! میں ان لوحوں میں ایک امت پاتا ہوں کہ وہ زمانے میں سب سے پچھلی اور مرتبے میں سب سے اگلی، تو یہ میری امت کر، فرمایا: یہ امت احمد کی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔)

حضرت آدم علیہ السلام اور سرکار دو عالم:

ابن عساکر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما خلق اللہ اٰدم اخبرہ ببنیہ فجعل یرٰی فضائل بعضھم علٰی بعض فراٰی نورًا ساطعا فی اسفلھم، فقال یا رب من ھذا قال ھذا ابنك احمد و ھوالاول وھو الاٰخر وھو اول شافع واول مشفع [2]	جب اللہ تعالٰی نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا انہیں ان کے بیٹوں پر مطلع فرمایا، وہ ان میں ایک کی دوسرے پر فضیلتیں دیکھا کئے تو ان سب کے آخر میں بلند و روشن نور دیکھا، عرض کی، الٰہی! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیرا بیٹا احمد ہے یہی اوّل ہے اور یہی آخر ہے اور یہی سب سے پہلا شفیع اور یہی سب سے پہلا شفاعت مانا گیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم النبیین:

نیز بطریق ابی الزبیر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، فرمایا:

بین کتفی اٰدم مکتوب، محمد رسول اللہ خاتم النبیین [3]، صلی اللہ علیہ وسلم۔	آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں شانوں کے وسط میں قلم قدرت سے لکھا ہوا ہے محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

محمد اور دروازہ جنت:

ابن ابی شیبہ مصنف میں بطریق مصعب بن سعد حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم ذکر الفضیلۃ الرابعۃ، عالم الکتب بیروت ۱/ ۱۴

[2] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر باب ماورد فی اصطفائہ علی العالمین الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۱۱، کنزالعمال حدیث ۳۲۰۵۲، موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۴۳۷

[3] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر باب ذکر ما خص بہ و شرف بہ الخ عالم الکتب بیروت ۲/ ۱۳۷

انه قال اول من یاخذ بحلقة باب الجنة فیفتح له محمد صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم ثم قرأ اٰیة من التوراة اضرا باقدما یا نحن الاخرون الاولون[1]	یعنی انہوں نے کہا سب سے پہلے جو دروازہ جنت کی زنجیر پر ہاتھ رکھے گا پس اس کے لئے دروازہ کھولا جائے گا، وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، پھر توریت مقدس کی آیت پڑھی کہ سب سے پہلے مرتبے میں سابق زمانے میں لاحق، یعنی امتِ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم الانبیاء کی بشارت:

ابن سعد عامر شعبی سے راوی، سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صحیفوں میں ارشاد ہوا:

انه کائن من ولدك شعوب وشعوب حتی یاتی النبی الامیّ الذی یکون خاتم الانبیاء[2]	بیشک تیری اولاد میں قبائل در قبائل ہوں گے یہاں تک کہ نبی امّی خاتم الانبیاء جلوہ فرما ہو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یعقوب علیہ السلام وخاتم الانبیاء:

محمد بن کعب قرظی سے راوی:

اوحی اللہ تعالٰی الی یعقوب انی ابعث من ذریتك ملوکا وانبیاء حتی ابعث النبی الحرمی الذی تبنی امته هیکل بیت المقدس، وهو خاتم الانبیاء، واسمه احمد[3]	اللہ عزوجل نے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری اولاد سے سلاطین وانبیاء بھیجتا رہا کروں گا یہاں تک کہ ارسال فرماؤں اس حرم محترم والے نبی کو جس کی امت بیت المقدس کی بلند تعمیر بنائے گی اور اس کا نام احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

اشعیاء اور احمد مجتبٰی:

ابن ابی حاتم وہب بن منبہ سے راوی:

قال اوحی اللہ تعالٰی الی اشعیاء انی باعث	اللہ عزوجل نے اشعیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھیجی

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الفضائل ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱۱/ ۴۳۴

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من تسمی فی الجاہلیہ بمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۱۶۳

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من تسمی فی الجاہلیہ بمحمد دار صادر بیروت ۱/ ۱۶۳

نبیا امیا افتح بہ آذانا صما وقلوبا غلفا واعینا عمیا، مولدہ بمکۃ ومہاجرہ بطیبۃ وملکہ بالشام (وساق الحدیث فیہ) الکثیر الطیب من فضائلہ و شمائلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم الی ان قال ولاجعلن امتہ خیر امۃ اخرجت للناس (وذکر صفاتھم الی ان قال) اختم بکتابھم الکتب بشریعتھم الشرائع و بدینھم الادیان[1] الحدیث الجلیل الجمیل۔	میں نبی اُمی کو بھیجنے والا ہوں، اس کے سبب بہرے کان اور غافل دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا، اس کی پیدائش مکّے میں ہے اور ہجرت گاہ مدینہ اور اس کا تخت گاہ ملک شام، میں ضرور اس کی امت کو سب امتوں سے جو لوگوں کے لئے ظاہر کی گئیں بہتر و افضل کروں گا، میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم فرماؤں گا اور ان کی شریعت پر شریعتوں اور ان کے دین پر سب دینوں کو تمام کروں گا۔

کتب سماوی میں اسم محمد:

ابن عساکر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یسمّی فی الکتب القدیمۃ احمد و محمد والماحی والمقفی ونبی الملاحم وحمطایا وفارقلیطا وماذماذ[2]	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اگلی کتابوں میں میرے یہ نام تھے، احمد، محمد، ماحی (کفر و شرک کو مٹانے والے)، **مقفی** (سب پیغمبروں سے پیچھے تشریف لانے والے) **نبی الملاحم** (جہادوں کے پیغمبر)، حمطایا (حرم الٰہی کے حمایتی)، **فارقلیطا** (حق کو باطل سے جدا کرنے والے)، **ماذ ماذ** (ستھرے، پاکیزہ) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم:

سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ھبط جبریل فقال ان ربك یقول قد ختمت بك الانبیاء وما خلقت خلقا اکرم علی منك وقرنت اسمك مع اسمی	جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی حضور کا رب فرماتا ہے بیشک میں نے تم پر انبیاء کو ختم کیا اور

[1] الخصائص الکبرٰی، بحوالہ ابن ابی حاتم و ابو نعیم باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل الخ دار الکتب الحدیثیہ ۱/ ۳۳، ۳۴، الدر المنثور، بحوالہ ابن ابی حاتم و ابو نعیم آیۃ الذی یجدونہ مکتوبا فی التوراۃ الخ منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران، ۳/ ۱۳۴

[2] الخصائص الکبرٰی، بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ دار الکتب الحدیثیہ شارع الجمہوریہ، بعابدین ۱/ ۱۹۲

فلااذکرنی موضع حتی تذکر معی، ولقد خلقت الدنیا واھلہا لاعرفھم کرامتك علی ومنزلتك عندی، ولولاك ما خلقت السمٰوٰت والارض وما بینھما لولاك ما خلقت الدنیا ھذا مختصر [1]	کوئی ایسا نہ بنایا جو تم سے زیادہ میرے نزدیک عزت والا ہو، تمہارا نام میں نے اپنے نام سے ملایا کہ کہیں میرا ذکر نہ ہو جب تک میرے ساتھ یاد نہ کئے جاؤ، بیشک میں نے دنیا واہل دنیا سب کو اس لئے بنایا کہ تمہاری عزت اور اپنی بارگاہ میں تمہارا مرتبہ ان پر ظاہر کروں، اور اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے اصلًا نہ بناتا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آخرالنبیین:

خطیب بغدادی حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما اسری بی الی السماء قربنی حتی کان بینی وبینہ کقاب قوسین او ادنٰی، وقال لی یامحمد ھل غمك ان جعلتك اٰخر النبیین، قلت لا، قال فھل غم امتك ان جعلتھم اٰخر الامم قلت لا، قال اخبر امتك انی جعلتھم اٰخر الامم لافضح الامم عندہ ولا افضحھم عندالامم [2]۔	شب اسرٰی مجھے میرے رب عزوجل نے نزدیک کیا یہاں تک کہ مجھ میں اور اس میں دو کمان بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا اور مجھ سے فرمایا: اے محمد! کیا تجھے اس کا غم ہوا کہ میں نے تجھے سب پیغمبروں کے پیچھے بھیجا، میں نے عرض کی نہ۔ فرمایا: کیا تیری امت کو اس کا رنج ہوا کہ میں نے انہیں سب امتوں کے پیچھے رکھا، میں عرض کی نہ۔ فرمایا: اپنی امت کو خبر دے دے کہ میں نے انہیں سب سے پیچھے اس لئے کیا کہ اور امتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں اوروں کے سامنے رسوائی سے محفوظ رکھوں، والحمدللہ رب العالمین!

رحمۃً للعٰلمین:

ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وبزار وابویعلٰی وبیہقی بطریق ابوالعالیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل اسرامیں راوی:

ثم لقی ارواح الانبیاء، فاثنوا علی	یعنی پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ذکر ما خصّ بہ وشرف بہ من بین الانبیاء دار الفکر بیروت، ۲/ ۳۷۔۱۳۶

[2] تاریخ البغداد ترجمہ ۷۲۵۵، ابوعبداللہ احمد بن محمد النزلی، دارلکتب العربی، بیروت، ۵/ ۱۳۰

ربهم فقال ابراهیم ثم موسٰی ثم داؤد ثم سلیمٰن ثم عیسٰی ثم ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اثنٰی علی ربه فقال کلکم اثنی علی ربه وانی مُثن علی ربی الحمد للہ الذی ارسلنی رحمة للعٰلمین وکافة للناس بشیرا ونذیرا و انزل علی الفرقان فیه تبیان لکل شیئ وجعل امتی خیر امة اخرجت للناس وجعل امة وسطا وجعل امتی هم الاولون وهم الاٰخرون ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحاو خاتما فقال ابراهیم بهذا فضلکم محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثم انتهٰی الی السدرة فکلمه تعالٰی عند ذٰلك فقال له قد اتخذتك خلیلا وهو مکتوب فی التوراة حبیب الرحمن ورفعت لك ذکرك فلا اذکر الا ان ذکرت معی وجعلت امتك هم الاولون والاٰخرون وجعلتك اوّل النبیین خلقا واٰخرهم بعثا وجعلتك فاتحاو خاتما[1] هذا مختصر ملتقطا۔

ارواح انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ملے، پیغمبروں نے اپنے رب عزوجل کی حمد کی،ابراہیم پھر موسٰی پھر داؤد پھر سلیمان پھر عیسٰی علیہم الصلوٰۃ بترتیب حمد الٰہی بجالائے اور اس کے ضمن میں اپنے فضائل و خصائص بیان فرمائے سب کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اپنے رب جل جلالہ کی ثنا کی اور فرمایا تم سب اپنے رب کی تعریف کرچکے اور اب میں اپنے رب کی حمد کرتا ہوں سب خوبیاں اللہ کو جس نے مجھے سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور تمام آدمیوں کی طرف بشارت دیتا اور ڈر سناتا مبعوث کیا اور مجھ پر قرآن اتارا جس میں ہر شیئ کا روشن بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی اور انہیں عدل و عدالت و اعتدال والی امت کیا اور انہیں کو اوّل اور انہیں کو آخر رکھا اور میرے واسطے میرا ذکر بلند فرمایا اور مجھے فاتحہ دیوان نبوت و خاتمہ دفتر رسالت بنایا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا ان وجوہ سے محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم تم سے افضل ہوئے پھر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سدرہ تک پہنچے،اس وقت رب عزجلالہ نے ان سے کلام کیا اور فرمایا میں نے تجھے اپنا خالص پیارا بنایا اور تیرا نام توریت میں حبیب الرحمٰن لکھا ہے، میں نے تیرے لئے تیرا ذکر اونچا کیا کہ میرا ذکر نہ ہو جب تک میرے ساتھ تیری یاد نہ آئے اور میں نے تیری امت کو یہ فضل دیا کہ وہی سب سے اگلے اور وہی سب سے پچھلے اور میں نے تجھے سب پیغمبروں سے پہلے پیدا کیا اور سب کے بعد بھیجا اور تجھے فاتح وخاتم کیا۔

[1] جامع البیان(تفسیر ابن جریر)تحت آیة سبحان الذی اسرٰی الخ. المطبعة المیمنة مصر،۱۵/ ۷ تا۹

ارشاداتِ انبیاء وملائکہ واقوال علماءِ کتب سابقہ

حدیث شفاعت:

امام احمد وابو داؤد طیالسی مطولاً اور ابن ماجہ مختصراً اور ابو یعلٰی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث طویل شفاعتِ کبرٰی میں فرماتے ہیں:

فیأتون عیسٰی فیقولون اشفع لنا الٰی ربك فلیقض بیننا فیقول انی لست ھناکم انی اتخذت الٰھًا من دون اللہ، وانہ لا یھمنی الیوم الانفسی ولکن ان کل متاع فی وعاء مختوم علیہ أکان یقدر علی ما فی جوفہ حتی یفض الخاتم. فیقولون لا فیقول ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیأتونی فاقول انا لھا فاذا اراد اللہ ان یقضی بین خلقہ نادی مناد این احمد و امتہ فنحن الاخرون الاولون نحن اٰخر الامم واول من یحاسب، فتفرج لنا الامم عن طریقنا [1] الحدیث ھذا مختصر۔	یعنی جب لوگ اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حضور سے مایوس ہو کر پھریں گے تو سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے، مسیح فرمائیں گے میں اس منصب کا نہیں مجھے لوگوں نے اللہ کے سوا خدا بنایا تھا مجھے آج اپنی ہی فکر ہے مگر ہے یہ کہ جو چیز کسی سر بمہر برتن میں رکھی ہو کیا بے مہر اٹھائے اسے پا سکتے ہیں، لوگ کہیں گے نہ، فرمائیں گے تو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور یہاں تشریف فرما ہیں، لوگ میرے حضور حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے میں فرماؤں گا میں ہوں شفاعت کے لئے، پھر جب اللہ عزوجل اپنی مخلوق میں فیصلہ کرنا چاہے گا ایک منادی پکارے گا کہاں ہیں احمد اور ان کی امت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو ہمیں پچھلے ہیں اور ہمیں اگلی سب امتوں سے پیچھے آئے اور سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا اور سب امتیں عرصاتِ محشر میں ہمارے لئے راستہ دیں گی۔

انبیاء کا التجائے شفاعت:

احمد وبخاری ومسلم وترمذی حدیث طویل شفاعت میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فیأتون محمدا فیقولون یامحمد	اولین وآخرین حضور خاتم النبیین افضل المرسلین

---

[1] مسند ابو یعلی حدیث ۲۳۲۴ عبداللہ ابن عباس، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت، ۳/ ۶

انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء [1]	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور آکر عرض کرینگے حضور اللہ تعالٰی کے رسول اور تمام انبیاء کے خاتم ہیں ہماری شفاعت فرمائیں۔

حضرت آدم علیہ السلام اور اذان اوّل:

ابو نعیم حلیۃ الاولیا اور ابن عساکر دونوں بطریق عطاء حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نزل اٰدم بالھند واستوحش فنزل جبریل فنادی بالاذان اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، اشھد ان محمدا رسول اللہ، قال اٰدم من محمد، قال اٰخر ولدك من الانبیاء [2]	جب آدم علیہ الصلوٰۃ و السلام بہشت سے ہند میں اترے تو گھبرائے، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اتر کر اذان دی، جب نام پاک آیا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا: محمد کون ہیں، کہا: آپ کی اولاد میں سب سے پچھلے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

انشراح صدر:

ابو نعیم دلائل میں یونس بن میسرہ بن حلبَس سے مرسلًا اور دارمی وابن عساکر بطریق یونس ھذا عن ابی ادریس الخولانی عبد الرحمٰن بن غنم اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولًا راوی وھذا لفظ المرسل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: فرشتہ سونے کا طشت لے کر آیا اور میرا شکم مبارک چیر کر دل مقدس نکالا اور اسے دھو کر کچھ اس پر چھڑک دیا، پھر کہا:

انت محمد رسول اللہ المقفی الحاشر [3] (الحدیث ھذا مختصر)	حضور محمد رسول اللہ ہیں سب انبیاء کے بعد تشریف لانے والے تمام عالم کو حشر دینے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث متصل میں یوں ہے: جبریل نے اتر کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شکم چاک کیا، پھر کہا:

قلب وکیع فیہ اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان محمد رسول اللہ	مضبوط و محکم دل ہے اس میں دو کان ہیں شنوا اور دو آنکھیں ہیں بینا، محمد اللہ کے رسول ہیں۔

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر، سورۃ بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۶۸۵

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ عمرو بن قیس الملائی، دار الکتاب العربی بیروت، ۵/ ۱۰۷

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم عن یونس باب ما جاء فی قلبہ الشریف دار الکتب الحدیثۃ، ۱/ ۱۶۲

المقفی الحاشر [1] (الحدیث)	انبیاء کے خاتم اور خلائق کو حشر دینے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

بشارت میلاد الرسول:

ابو نعیم بطریق شہر بن حوشب اور ابن عساکر بطریق مسیب بن رافع وغیرہ حضرت کعب احبار سے راوی، انہوں نے فرمایا، میرے باپ اعلم علمائے توراۃ تھے، اللہ عزوجل نے جو کچھ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا اس کا علم ان کے برابر کسی کو نہ تھا، وہ اپنے علم سے کوئی شے مجھ سے نہ چھپاتے، جب مرنے لگے مجھے بلا کر کہا: اے میرے بیٹے! تجھے معلوم ہے کہ میں نے اپنے علم سے کوئی چیز تجھ سے نہ چھپائی مگر ہاں دو ورق رکھے ہیں ان میں ایک نبی کا بیان ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آپہنچا میں نے اس اندیشے سے تجھے ان دو ورقوں کی خبر نہ دی کہ شاید کوئی جھوٹا مدعی نکل کھڑا ہو، تو اس کی پیروی کرلے یہ طاق تیرے سامنے ہے میں نے اس میں وہ اوراق رکھ کر اوپر سے مٹی لگادی ہے ابھی ان سے تعرض نہ کرنا، نہ انہیں دیکھنا جب وہ نبی جلوہ فرما ہو اگر اللہ تعالٰی تیرا بھلا چاہے گا تو تو آپ ہی اس کا پیرو ہو جائے گا، یہ کہہ کر وہ مرگئے ہم ان کے دفن سے فارغ ہوئے مجھے ان دونوں ورقوں کے دیکھنے کا شوق ہر چیز سے زیادہ تھا، میں نے طاق کھولا ورق نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ان میں لکھا ہے:

محمد رسول اللہ خاتم النبیین لا نبی بعدہ مولدہ بمکۃ ومھاجرہ بطیبۃ [2] (الحدیث)	محمد اللہ کے رسول ہیں، سب انبیاء کے خاتم، ان کے بعد کوئی نبی نہیں، ان کی پیدائش مکے میں اور ہجرت مدینے کو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

راہب کا استفسار:

بیہقی وطبرانی وابونعیم اور خرائطی کتاب الہواتف میں خلیفہ بن عبدہ سے راوی، میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا جاہلیت میں کہ ابھی اسلام نہ آیا تھا تمہارے باپ نے تمہارا نام محمد کیونکر رکھا، کہا میں نے اپنے باپ سے اس کا سبب پوچھا، جواب دیا کہ بنی تمیم سے ہم چار آدمی سفر کو گئے تھے، ایک میں اور سفیان بن مجاشع بن دارم اور عمر بن ربیعہ اور اسامہ بن مالک، جب ملک شام میں پہنچے ایک تالاب پر اترے جس کے کنارے پیڑ تھے، ایک راہب نے

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب ما جاء فی قلبہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین، ۱/ ۱۶۲

[2] الخصائص الکبرٰی باب ما جاء فی قلبہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین، ۱/ ۱۶۲، تہذیب تاریخ دمشق، باب تطہیر قلبہ من انعل الخ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۳۷۹، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل، دار الحدیثہ شارع الجمہوریہ بعابدین، ۱/ ۳۶

اپنے دیر سے ہمیں جھانکااور کہاتم کون ہو؟ ہم نے کہااولادِ مضر سے کچھ لوگ ہیں۔ کہا:

اما انه سوف يبعث منكم و شيكا نبي فسارعوا اليه و خذوا بحظكم منه ترشدوا فانه خاتم النبيين۔	سنتے ہو عنقریب بہت جلد تم میں سے ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے تم اس کی طرف دوڑنا اور اس کی خدمت واطاعت سے بہرہ یاب ہونا کہ وہ سب میں پچھلا نبی ہے۔

ہم نے کہااس کا نام پاک کیا ہوگا؟ کہا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جب ہم اپنے گھروں کو واپس آئے سب کے ایک ایک لڑکا ہوا اس کا نام محمد رکھا[1]۔ انتھی، واللہ اعلم حیث یجعل رسالته۔

قبل از ولادت شہادت ایمان:

زید بن عمرو بن نفیل کہ احد العشرۃ المبشرۃ سیدنا سعید بن زید کے والد ماجد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنہ موحدان و مومنان عہد جاہلیت سے تھے طلوعِ آفتاب عالمتاب اسلام سے پہلے انتقال کیا مگر اسی زمانے میں توحید الٰہی و رسالت حضرت ختم پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم کی شہادت دیتے۔ ابن سعد وابونعیم حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ملا کہ معظّمہ سے کوہ حرا کو جاتے تھے، انہوں نے قریش کی مخالفت اور ان کے معبودانِ باطل سے جدائی کی تھی، اس پر آج ان سے اور قریش سے کچھ لڑائی رنجش ہوچکی تھی، مجھے دیکھ کر بولے اے عامر! میں اپنی قوم کا مخالف اور ملت ابراہیم کا پیرو ہوا اسی کو معبود مانتا ہوں جسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پوجتے تھے، میں ایک نبی کا منتظر ہوں جو بنی اسماعیل اور اولاد عبدالمطلب سے ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے میرے خیال میں میں ان کا زمانہ پاؤں گا میں ابھی ان پر ایمان لاتا اور ان کی تصدیق کرتا ان کی نبوت کی گواہی دیتا ہوں، تمہیں اگر اتنی عمر ملے کہ انہیں پاؤ تو میرا اسلام انہیں پہنچانا، اے عامر! میں تم سے ان کی نعت و صفت بیان کئے دیتا ہوں کہ تم خوب پہچان لو، درمیانہ قد ہیں، سر کے بال کثرت و قلّت میں معتدل، ان کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخ ڈورے رہیں گے، ان کی شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے، ان کا نام احمد، اور یہ شہر ان کا مولد ہے، یہیں ان کی رسالت ظاہر ہوگی، ان کی قوم انہیں مکے میں نہ رہنے دے گی کہ ان کا دین اسے ناگوار ہوگا، وہ ہجرت فرما کر مدینے جائیں گے، وہاں سے ان کا دین ظاہر و غالب ہوگا، دیکھو تم کسی دھوکے فریب میں آکر ان کی اطاعت سے محروم نہ رہنا۔

فانی بلغت البلاد کلها اطلب دین ابراهیم،	کہ میں دین ابراہیمی کی تلاش میں شہروں شہروں پھرا

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ البیهقی والطبرانی والخرائطی باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثه شارع الجمهوریة، بعابدین ۱/ ۵۷۔۵۸

وکل من اسأل من الیہود والنصارٰی و المجوس یقول ھذا الدین وراء ک،وینعتونہ مثل ما نعتہ لک،و یقولون لم یبق نبی غیرہ۔	یہود ونصارٰی مجوس جس سے پوچھاسب نے یہی جواب دیا کہ یہ دین تمہارے پیچھے آتا ہے اور اس نبی کی وہی صفت بیان کی جو میں تم سے کہہ چکا اور سب کہتے تھے کہ ان کے سوا کوئی نبی باقی نہ رہا۔

عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں جب حضور خاتم الانبیاء علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوت ظاہر ہوئی میں نے زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ باتیں حضور سے عرض کیں، حضور نے ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد کیا قد رأیتہ فی الجنۃ یسحب ذیلہ[1] میں نے اسے جنت میں دامن کشاں دیکھا۔

انکار ختم نبوّت کی وجوہات:

اللہ اللہ اس زمانے کے یہود ونصارٰی و مجوس نے تو بالاتفاق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نبوت ختم ہوجانے کی شہادتیں دیں اور آج کل کے کذاب بدلگام مدعیان اسلام یہ شاخسانے نکالیں مگر ہے یہ کہ اس وقت تک ان فرقوں کو نہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بغض وحسد تھا، نہ اپنے کسی پیشوائے مردود کا سخن مطرود بنانا مراد و مقصد، نہ اپنے کسی سگے بھائی کی بات رکھنی نہ بعد ظہور نور خاتمیت اپنے باپ دادا کی نبوت گھڑنی، وہ کیوں جھوٹ بولتے جو کچھ علوم انبیاء واخبار احبار ورہبان وعلماء سے پہنچا تھا صاف کہتے تھے، بعد ظہور اسلام ان ملاعنہ کے دل میں حسد وعناد کا پھوڑا پھوٹا اور ان مدعیان اسلام پر قہر ٹوٹا کہ کسی خبیث کا پیشوا خبیث معاذ اللہ آیہ کریمہ وخاتم النبیین میں خدا کا جھوٹ ممکن لکھ گیا، اب یہ جب تک اپنی سینہ زوری سے کچھ خاتم الانبیاء گھڑ کر نہ دکھائیں اگرچہ زمین کے اسفل السافلین طبقے میں تو گروجی پیشوا کی خدمت ہی کیا ہوئی، ہونہار سپوتوں کی سعادت ہی کیا ہوئی، کسی قاسم کفروضلالت قسیم ومباین حق وہدایت کا کوئی بھائی لگتا ان نئے مرتدوں کے ہاتھ بک گیا۔ساتھ خاتم النبیین کا فتوٰی لکھ گیا، اب یہ اگر تازی نبوتوں کا ٹھیکہ نہ لیں ختم نبوت کے معنی متواتر کو مہمل نہ کہیں تو اکلوتے بھیا کی حمایت ہی کیا ہوئی، اختراعی طبیعت کی جودت ہی کیا ہوئی، کسی مردک کو یہ دھن سمائی کہ سید بنے تو کیا بنے، کوئی گنے تو نبی کا نواسا ہی گنے، پاپچے کا رشتہ کوئی بات نہیں، پیرجی پوتے نہ بن بیٹھے تو کچھ کرامات نہیں "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ "[2] اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن سعد وابی نعیم عن عامر بن ربیعہ، باب اخبار الاحبار الخ، دار الکتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۲۔۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مقوقس شاہ مصر کی تصدیق ولادت:

امام واقدی وابو نعیم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل ملاقات مقوقس بادشاہ مصر میں راوی، جب ہم نے اس نصرانی بادشاہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدح وتصدیق سنی اس کے پاس سے وہ کلام سن کر اٹھے جس نے ہمیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ذلیل وخاضع کردیا ہم نے کہا سلاطین عجم ان کی تصدیق کرتے اور ان سے ڈرتے ہیں حالانکہ ان سے کچھ رشتہ علاقہ نہیں اور ہم تو ان کے رشتہ دار ان کے ہمسائے ہیں وہ ہمارے گھر ہمیں دین کی طرف بلانے آئے اور ہم ابھی ان کے پیرو نہ ہوئے، پھر میں اسکندریہ میں ٹھہرا کوئی گرجا کوئی پادری قبطی خواہ رومی نہ چھوڑا جہاں جاکر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صفت جو وہ اپنی کتاب میں پاتے ہیں نہ پوچھی ہو، ان میں ایک پادری قبطی سب سے بڑا مجتہد تھا اس سے پوچھا: ھل بقی احد من الانبیاء "آیا پیغمبروں میں سے کوئی باقی رہا؟ وہ بولا:

نعم وھو اٰخر الانبیاء لیس بینہ وبین عیسٰی نبی قد امر عیسٰی باتباعہ وھو النبی الامی العربی اسمہ احمد۔	ہاں ایک نبی باقی ہیں وہ سب انبیاء سے پچھلے ہیں ان کے اور عیسٰی کے بیچ میں کوئی نبی نہیں، عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی پیروی کا حکم ہوا ہے وہ نبی امّی عربی ہیں ان کا نام پاک احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

پھر اس نے حلیہ شریفہ ودیگر فضائل لطیفہ ذکر کئے، مغیرہ نے فرمایا: اور بیان کر۔ اس نے اور بتائے، ازانجملہ کہا:

یخص بما لم یخص بہ الانبیاء قبلہ کان النبی یبعث الی قومہ وبعث الی الناس کافۃ۔	انہیں وہ خصائص عطا ہوں گے جو کسی نبی کو نہ ملے ہر نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا وہ تمام لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے۔

مغیرہ فرماتے ہیں میں نے یہ سب باتیں خوب یادرکھیں اور وہاں سے واپس آکر اسلام لایا[1]

میلاد النبی پر خاص تارے کا طلوع:

ابو نعیم حضرت حسّان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں سات برس کا تھا ایک دن پچھلی رات کو وہ سخت آواز آئی کہ ایسی جلد پہنچتی آواز میں نے کبھی نہ سنی تھی کیا دیکھتا ہوں کہ مدینے کے ایک بلند ٹیلے پر ایک یہودی ہاتھ میں آگ کا شعلہ لئے چیخ رہا ہے لوگ اس کی آواز پر جمع ہوئے وہ بولا:

ھذا کوکب احمد قد طلع ھذا الکوکب	یہ احمد کے ستارے نے طلوع کیا، یہ ستارہ کسی

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الخامس عالم الکتب بیروت، ص۲۱و۲۲

لا یطلع الا بالنبوۃ ولم یبق من الانبیاء الا احمد[1]	نبی ہی کی پیدائش پر طلوع کرتا ہے اور اب انبیاء میں سوائے احمد کے کوئی باقی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہودی علماء کے ہاں ذکر ولادت:

امام واقدی وابو نعیم حضرت حویصر بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا و یہود فینا کانوا یذکرون نبیا یبعث بمکۃ اسمہ احمد ولم یبق من الانبیاء غیرہ وھو فی کتبنا[2] الحدیث	یعنی میرے بچپن میں یہود ہم میں ایک نبی کا ذکر کرتے جو مکے میں مبعوث ہوں گے ان کا نام پاک احمد ہے اب ان کے سوا کوئی نبی باقی نہیں وہ ہماری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

احبار کی زبان پر نعتِ نبی:

ابو نعیم سعد بن ثابت سے راوی:

قال کان احبار یہود بنی قریظۃ والنضیر یذکرون صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلما طلع الکوکب الاحمر اخبروا انہ نبی وانہ لا نبی بعدہ اسمہ احمد ومھاجرہ الی یثرب فلما قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ و نزلھا انکروا وحسدوا و بغوا[3] " فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ	یہود بنی قریظہ و بنی نضیر کے علماء حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے جب سرخ ستارہ چمکا تو انہوں نے خبر دی کہ وہ نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں ان کا نام پاک احمد ہے، ان کی ہجرت گاہ مدینہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لا کر رونق افروز ہوئے یہود براہِ حسد و بغاوت منکر ہوگئے۔ توجب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص ۱۷، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاخیار الخ دار الکتب الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین، ۱/ ۶۴

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثۃ شارع الجمہوریۃ بعابدین، ۱/ ۶۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص ۱۷

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم باب اخبار الاحبار الخ دار الکتب الحدیثہ شارع الجمہوریہ بعابدین، ۱/ ۶۷

الْكٰفِرِيْنَ﴿۸۹﴾ "[1]	منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔ (ت)

اہل یثرب کو بشارت میلاد النبی:

زیاد بن لبید سے راوی، میں مدینہ طیبہ میں ایک ٹیلے پر تھا ناگاہ ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے:

یا اهل یثرب قد ذهبت والله نبوة بنی اسرائیل، هذا نجم قد طلع بمولداحمد وهو نبی اٰخرالانبیاء و مهاجره الی یثرب[2]	اے اہل مدینہ ! خدا کی قسم بنی اسرائیل کی نبوت گئی، ولادتِ احمد کا تارا چمکا، وہ سب سے پچھلے نبی ہیں، مدینے کی طرف ہجرت فرمائیں گے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یوشع کی زبان پر نعتِ رسول:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی میں نے مالک بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کہتے سنا کہ میں ایک روز بنی عبدالاشہل میں بات چیت کرنے گیا، یوشع یہودی بولا اب وقت آگیا ہے ایک نبی کے ظہور کا جس کا نام احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم سے تشریف لائیں گے ان کا حلیہ ووصف یہ ہوگا، میں اس کی باتوں سے تعجب کرتا اپنی قوم میں آیا وہاں بھی ایک شخص کو ایسا ہی بیان کرتے پایا، میں بنی قریظہ میں گیا وہاں بھی ایک مجمع میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک ہو رہا تھا ان میں سے زبیر بن باطا نے کہا:

قد طلع الکوکب الاحمر الذی لم یطلع الا لخروج نبی وظهوره ولم یبق احد الا احمد وهذه مهاجره[3]	بیشک سرخ ستارہ طلوع ہو کر آیا یہ تارا کسی نبی ہی کی ولادت و ظہور پر چمکتا ہے اور اب میں کوئی نبی نہیں پاتا سوا احمد کے، اور یہ شہر ان کی ہجرت گاہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تذییل:

ابن سعد و حاکم و بیہقی وابونعیم حضرت ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی مکہ معظمہ میں ایک یہودی بغرض تجارت رہتا جس رات حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیدا ہوئے قریش کی مجلس میں گیا اور پوچھا کیا آج تم میں کوئی لڑکا پیدا ہوا انہوں نے کہا ہمیں نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۲ / ۸۹

[2] الخصائص الکبرٰی باب اخبار الاحبار بحوالہ ابی نعیم دارالکتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۸

[3] الخصائص الکبرٰی باب اخبار الاحبار بحوالہ ابی نعیم دارا کتب الحدیثہ شارع الجمہوریۃ بعابدین ۱/ ۶۶۔۶۵، دلائل النبوۃ الفصل الخامس، عالم الکتب بیروت، ص ۸

معلوم، کہا:

احفظوا ما اقول لکم، ولد ھذہ اللیلۃ نبی ھذہ الامۃ الاخیرۃ بین کتفیہ علامۃ[1] الحدیث	جو تم سے کہہ رہا ہوں اسے حفظ کر رکھو آج کی رات اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہوا اس کے شانوں کے درمیان علامت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشادات حضور ختم الانبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء

وفیھا انواع فی اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اسماء النّبی:

اجلّہ ائمہ بخاری و مسلم وترمذی ونسائی وامام مالک و امام احمد وابوداؤد طیالسی وابن سعد و طبرانی وحاکم و بیہقی وابو نعیم وغیر ہم حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی اسماء انا محمد و انا احمد وانا الماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر وانا الحاشر الذی یحشر الناس علٰی قدمی وانا العاقب الذی لیس بعدہ نبی[2]	بیشک میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے سبب سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں میرے قدموں پر لوگوں کا حشر ہوگا، میں عاقب ہوں اور عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

سبعہ اخیرہ الاالطبرانی کی روایت میں والخاتم[3] زائد ہے یعنی اور میں خاتم ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

انا محمد واحمد:

امام احمد مسند اور مسلم صحیح اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد واحمد والمقفی والحاشر	میں محمد ہوں اور احمد اور سب انبیاء کے بعد

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن سعد و الحاکم و البیہقی وابی نعیم، باب ما ظھر فی لیلۃ مولدہ الخ، دار الکتب الحدیثہ، بعابدین ۱/ ۱۲۳

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۲۶۱، شعب الایمان للبیہقی، فصل فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۱۳۹۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۲/ ۱۴۱

[3] شعب الایمان للبیہقی فصل فی اسماء رسول صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۱۳۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۴۱، الطبقات الکبرٰی ذکر اسماء رسول صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۱۰۴

ونبی التوبۃ ونبی الرحمۃ[1]	آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نام مبارک **نبی التوبۃ** عجب جامع و کثیر المنافع نام پاک ہے، اس کی تیرہ توجیہیں فقیر غفرلہ المولی القدیر نے شرح صحیح مسلم للامام النووی و شرح الشفا للقاری والخفاجی و مرقاۃ واشعۃ اللمعات شروح مشکوٰۃ و تیسیر و سراج المنیر و حفنی شروح جامع صغیر و جمع الوسائل شرح شمائل و مطالع المسرات و مواہب و شرح زرقانی و مجمع البحار سے التقاط کیں اور چار بتوفیق اللہ تعالٰی اپنی طرف سے بڑھائیں سب سترہ ہوئیں، **بعضہا املح من بعض واحلی** (ان میں ہر ایک دوسری سے لذیذ اور میٹھی ہے۔ت)

خصائص مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہدایت سے عالم نے توبہ و رجوع الی اللہ کی دولتیں پائیں حضور کی آواز پر متفرق جماعتیں، مختلف امتیں اللہ عزوجل کی طرف پلٹ آئیں[2]۔

ذکرہ فی مطالع المسرات وقاری فی شرح الشفاء والشیخ المحقق فی اشعۃ اللمعات وعلیہ اقتصر فی المواہب اللدنیۃ شرح الاسماء العلیۃ وقبلہ شارحہا الزرقانی عند سردہا۔	(اس کو مطالع المسرات میں اور ملا علی قاری نے شرح شفاء میں، شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں ذکر کیا۔ اور اسی پر مواہب لدنیہ کے شرح اسماء مبارکہ میں اور اس سے قبل اپنے بیان میں شارح زرقانی نے انحصار کیا۔ت)

(۲) ان کی برکت سے خلائق کو توبہ نصیب ہوئی[3]۔ **الشیخ فی اللمعات والاشعۃ**. **اقول: ولیس بالاول فان الہدایۃ دعوۃ واراءۃ وبالبرکۃ توفیق الوصول** (اقول یہ چیز اول یعنی ہدایت سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ہدایت دعوت، راستہ دکھانے اور برکت سے وصول مقصود کی توفیق کا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۶۱

[2] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ص ۱۰۱، شرح الشفا لعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض فصل فی اسمائہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۳۹۳، شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثانی، الفصل الاول حرف ن، دار المعرفۃ، بیروت، ۳/ ۱۴۹

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب اسماء النبی وصفاتہ الخ فصل نمبر ۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۴/ ۴۸۲

نام ہے)

(۳) ان کے ہاتھ پر جس قدر بندوں نے توبہ کی اور انبیائے کرام کے ہاتھوں پر نہ ہوئی **الشیخ فی اللمعات واشار الیہ فی الاشعۃ حیث قال بعد ذکر الاولین** (شیخ نے لمعات میں اسے ذکر کیا اور اشعہ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا جہاں انہوں نے پہلے دونوں کا ذکر کیا وہاں یہ ہے۔ت)

ایں صفت در جمیع انبیاء مشترک ست و در ذات شریف آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازہمہ بیشتر و وافرو کامل ترست [1]	تمام انبیاء میں یہ صفت مشترک ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات میں یہ سب سے زیادہ اور وافر اور کامل تر ہے۔

صحیح حدیثوں سے ثابت کہ روز قیامت یہ امت سب امتوں سے شمار میں زیادہ ہوگی، نہ فقط ہر ایک امت جداگانہ بلکہ مجموع جمیع امم سے، اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں بحمداللہ تعالٰی اسی ۸۰ ہماری اور چالیس ۴۰ میں باقی سب امتیں، **والحمدللہ رب العالمین**۔

(۴) وہ توبہ کا حکم لے کر آئے [2] **(الامام النووی فی شرح صحیح مسلم والقاری فی جمع الوسائل والزرقانی فی شرح المواھب** (اسے امام نووی نے شرح مسلم، ملا علی قاری نے جمع الوسائل اور زرقانی نے شرح مواہب میں ذکر کیا۔ت)

(۵) اللہ عزوجل کے حضور سے قبول توبہ کی بشارت لائے [3] **شرح المواھب والمناوی فی التیسیر**۔

(۶) اقول بلکہ وہ توبہ عام لائے ہر نبی صرف اپنی قوم کے لئے توبہ لاتا ہے وہ تمام جہان سے توبہ لینے آئے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۷) بلکہ توبہ کا حکم وہی لے کر آئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سب ان کے نائب ہیں تو روز اول سے آج تک اور آج سے قیامت تک جو توبہ خلق سے طلب کی گئی یا کی جائے گی، واقع ہوئی یا وقوع پائے گی۔ سب کے نبی، ہمارے نبی توبہ ہیں [4] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، **الفاسی فی مطالع المسرات فجزاہ اللہ معانی المبرات وعوالی المسرات** (یہ علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں ذکر کیا، اللہ تعالٰی ان کو نیکیوں کا ذخیرہ اور بلند خوشیاں جزا میں عطا فرمائے۔ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ باب اسماء النبی وصفاتہ الخ فصل نمبر ۱، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر، ۴/ ۴۸۲

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الفضائل باب فی اسمائہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی۔ ۲/ ۲۶۱

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث انا محمد واحمد الخ مکتبہ امام الشافعی ریاض، ۱/ ۳۷۶

[4] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲۔۱۰۱

(۸) توبہ سے مراد اہل توبہ ہیں[1]۔ای علی وزان **قولہ تعالٰی واسئل القریۃ** (اللہ تعالٰی کے قول واسئل القریۃ کے انداز پر) (ت) یعنی توابین کے نبی، **مطالع المسرات مع زیادۃ منی** (مطالع المسرات اور جو کچھ زیادہ ہے وہ میری طرف سے) **اقول:** اب اوفق یہ ہے کہ توبہ سے مراد ایمان لیں[2] **کما سوغہ المناوی ثم العزیزی فی شروح الجامع الصغیر** (جیسا کہ علامہ مناوی نے پھر عزیزی نے الجامع الصغیر کی شرحوں میں ذکر فرمایا) (ت) حاصل یہ کہ تمام اہل ایمان کے نبی۔

(۹) ان کی امت توابین ہیں، وصفِ توبہ میں سب امتوں سے ممتاز ہیں، قرآن ان کی صفت میں **التائبون**[3] فرماتا ہے، جمع الوسائل، جب گناہ کرتے ہیں توبہ لاتے ہیں یہ امت کا فضل ہے اور امت کا ہر فضل اس کے نبی کی طرف راجع[4]، مطالع، **اقول: وبہ فارق ماقبلہ فلیس فیہ حذف ولا یجوز** (میں کہتا ہوں، اس سبب سے وہ پہلے سے جدا ہوا تو اس میں نہ حذف ہے اور نہ یہ جائز ہے۔ت)

(۱۰) ان کی امت کی توبہ سب امتوں سے زائد مقبول ہوئی[5]، **حفنی علی الجامع الصغیر**، کہ ان کی توبہ میں مجرد ندامت وترک فی الحال وعزم امتناع پر کفایت کی گئی، نبی الرحمۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے بوجھ اتار لئے اگلی امتوں کے سخت وشدید باران پر نہ آنے دیئے، اگلوں کی توبہ سخت سخت شرائط سے مشروط کی جاتی تھی گوسالہ پرستی سے بنی اسرائیل کی توبہ اپنی جانوں کے قتل سے رکھی گئی **کما نطق بہ القراٰن العزیز** (جیسا کہ قرآن نے اس کو بیان فرمایا) (ت) جب سترّ ہزار آپس میں کٹ چکے اس وقت توبہ قبول ہوئی، شرح الشفاء للقاری[عہ] والمرقاۃ ونسیم الریاض والفاسی ومجمع البحار۔ برمز (ن)

عـــہ: **اقتصر الحنفی فی تقریر ھذا الوجہ علی ذکر الاستغفار فقط فقال لانہ** | حفنی نے اپنی تقریر میں اس وجہ پر استغفار کے ذکر کا اقتصار کیا تو فرمایا آپ کی امت (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ص ۱۰۱ و ۱۰۲

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر، تحت حدیث انا محمد واحمد، مکتبہ امام الشافعی، ریاض، ۱/ ۳۷۶

[3] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ الخ، دار المعرفۃ، بیروت، ۲/ ۱۸۳

[4] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ، سکھر، ص ۱۰۱

[5] حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علٰی ہامش السراج المنیر المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ، مصر، ۲/ ۶۳

للامام النووی والذی رأیته فی منہاجہ ماقدمت فحسب۔ (ان کی رمز امام نووی کی طرف ہے) اور جو میں نے ان کی کتاب منہاج میں دیکھا وہ میں نے پہلے بیان کردیا ہے اور بس۔ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قبل من امته التوبة بمجرد الاستغفار زاد میرك بخلاف الامم السابقة واستدل بقوله تعالٰی فاستغفروا اللّٰہ واستغفرلهم الرسول[1] الآیة، وقد اقره العلامة القاری فی المرقاة وفی شرح الشفاء و شدد النکیر علیه فی جمع الوسائل شرح الشمائل فقال هذا قول لم یقل به احد من العلماء فهو خلاف الامة وقد قال وارکان التوبة علی ما قاله العلماء ثلثة الندم والقلع والعزم علی ان لا یعود ولا احد جعل الاستغفار اللسانی شرطا للتوبة[2] الخ **اقول** رحم اللّٰہ مولانا القاری این فی کلام الحنفی ومیرك ان التوبة لا تقبل الا بالاستغفار فضلا عن اشتراط الاستغفار باللسان، انما ذکر ان مجرد الاستغفار کاف فی توبة هذه الامة من دون الزام امور اخر شاقة جدا کقتل الانفس وغیره مما الزمت به

سے صرف استغفار پر توبہ قبول فرمائی، اس پر میرک نے "بخلاف الامم السابقة" کا اضافہ کیا انہوں نے دلیل میں اللہ تعالٰی کا قول "اللہ تعالٰی سے استغفار کرو اور رسول ان کے لئے استغفار فرمائیں، الآیة" ذکر کیا، علامہ قاری نے مرقات اور شرح شفاء میں اس کو ثابت رکھا جبکہ جمع الوسائل میں اس پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ یہ بات علماء میں سے کسی نے نہ کی تو یہ امت کے خلاف ہے اور فرمایا کہ توبہ کے ارکان علماء کے بیان کے مطابق تین ہیں، ندامت اور چھوڑنا، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم، اور کسی نے بھی زبانی استغفار کو توبہ کی شرط نہ کہا الخ، **اقول**: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ملا علی قاری پر رحم فرمائے حنفی اور میرک کے کلام میں استغفار کے بغیر توبہ کا قبول نہ ہونا کہاں ہے چہ جائیکہ زبانی استغفار کی شرط ہو، انہوں نے تو یوں کہا ہے کہ اس امت کی توبہ میں صرف استغفار کافی ہے دوسرے شاق امور لازم نہیں مثلاً جانوروں کو قتل کرنا وغیرہ، جو کچھ پہلی امتوں پر لازم کیا گیا

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مرقات المفاتیح کتاب الفضائل باب اسماء النبی وصفاتہ الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۰، جمع الوسائل فی شرح الشمائل، باب ما جاء اسماء رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ، بیروت، ۲/ ۱۸۳

[2] جمع الوسائل فی شرح الشمائل، باب ما جاء اسماء رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ، بیروت، ۲/ ۱۸۳

(۱۱) وہ خود کثیر التوبہ ہیں، صحیح بخاری میں ہے: میں روز اللہ سبحانہ سے سو بار استغفار کرتا ہوں۔[1] شرح الشفا و المرقاۃ واللمعات والمجمع برمز (ط) للطیبی والزرقانی ہر ایک کی توبہ اس کے لائق ہے حسنات الابرار سیاٰت المقربین (نیکوں کی خوبیاں مقربین کے گناہ ہیں۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر آن ترقی مقامات قرب و مشاہدہ میں ہیں۔ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ" [2] (آپ کے لئے ہر پہلی ساعت سے دوسری افضل ہے۔ت) جب ایک مقام اجل واعلٰی پر ترقی فرماتے گزشتہ مقام کو بہ نسبت اس کے ایک نوع تقصیر تصوّر فرما کر اپنے رب کے حضور توبہ واستغفار لاتے تو وہ ہمیشہ ترقی اور ہمیشہ

الامم السابقة فلا تشم منه رائحة اشتراط الاستغفار لمطلق التوبة وان امعنت النظر لم تجد فيه خلا فالحديث الارکان ایضا فان الاستغفار الصادق لا ینشؤا الاعن ندم صحیح والندم الصحیح یلزمه الاقلاع وعزم الترک، ولذا صح عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قوله الندم توبة علا ان المقصود الحصر بالنسبة الٰی ما کان علی الامم السابقة من الامر ثم هذا کله لا مساغ له فی تقریرا لوجه بما قررنا کما تری فاعرف ۱۲منه۔	اس سے مطلق توبہ کے لئے استغفار کی شرط کی بوتک محسوس نہیں ہوتی، اگر آپ گہری نظر سے دیکھیں تو اس میں آپ کوئی خلاف نہ پائیں گے کہ سچی استغفار کا وجود سچی ندامت کے بغیر نہیں ہوسکتا کیونکہ صحیح ندامت کو گناہ کا ختم کرنا اور اس کے ترک کا عزم لازم ہے اسی معنی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صحیح منقول ہے کہ ندامت توبہ ہے اس کے علاوہ ان کا مقصد پہلی امتوں پر لازم امور کی نسبت سے حصر کرنا ہے، پھر اس وجہ کی تقریر میں اس تمام بیان کا کوئی دخل نہیں ہے جس کی ہم نے تقریر کی جیسا کہ آپ اسے دیکھ رہے ہیں، غور کرو ۱۲منہ۔ (ت)

[1] شرح الشفاء لعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض، فصل فی اسمائه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۳۹۳، مرقات المفاتیح کتاب الفضائل باب اسماء النبی صلی اللہ علیه وسلم وصفاته مکتبه حبیبیه کوئٹه، ۱۰/ ۴۹،۵۰

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۴

توبہ بے تقصیر میں ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] مطالع مع بعض زیادات منی

(۱۲) باب توبہ: انہیں کے امت کے آخر عہد میں باب توبہ بند ہوگا شرح الشفا للقاری [2]۔ اگلی نبوتوں میں اگر کوئی ایک نبی کے ہاتھ پر تائب نہ ہو تاکہ دوسرا نبی آئے اس کے ہاتھ پر توبہ لائے یہاں باب نبوت مسدود اور ختم ملّت پر توبہ مفقود، توجو ان کے دستِ اقدس پر توبہ نہ لائے اس کے لئے کہیں توبہ نہیں [3] **افادہ الفاسی وبہ استقام کونہ من وجود التسمی بھٰذا الاسم العلی السمی۔**

(یہ فائدہ علامہ فاسی نے بیان کیا اور اس معنی کی بناء پر آپ کی ذات مبارکہ کا اس نام سے مسمّٰی ہونا درست ہے۔ت)

(۱۳) فاتح باب توبہ: وہ فاتح باب توبہ ہیں سب میں پہلے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توبہ کی وہ انہیں کے توسل سے تھی تو وہی اصل توبہ ہیں اور وہی وسیلہ توبہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطالع [4]

(۱۴) کعب کا خون: وہ توبہ قبول کرنے والے ہیں ان کا دروازہ کرم توبہ و معذرت کرنے والوں کے لئے ہمیشہ مفتوح ہے جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خون ان کے زمانہ نصرانیت میں مباح فرمادیا ہے ان کے بھائی بجیر بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں لکھا **فطر الیہ فانہ لایرد من جاء تائبا** ان کے حضور اڑ کر آؤ جو ان کے سامنے توبہ کرتا حاضر ہو یہ اسے کبھی رد نہیں فرماتے [5] مطالع المسرات۔ اسی بناء پر کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ جب حاضر ہوئے راہ میں قصیدہ نعتیہ بانت سعاد نظم کیا جس میں عرض رسا ہیں:

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی — والعفو عند رسول اللہ مامول

انی اتیت رسول اللہ معتذرا — والعذر عند رسول اللہ مقبول [6]

مجھے خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے لئے سزا کا حکم فرمایا ہے اور رسول کے ہاں معافی کی امید کی جاتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور معذرت کرتا حاضر ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

---

[1] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲

[2] شرح الشفاء للعلی قاری علی ھامش نسیم الریاض فصل فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم، دارالفکر بیروت، ۲/ ۳۹۳

[3] مطالع المسرات ذکر اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد ۱۰۱

[4] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۱

[5] مطالع المسرات، ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۱۰۲

[6] المجموعۃ النبہانیۃ فی المدائح النبویۃ قصیدہ بانت سعاد لکعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ، دارالمعرفۃ، بیروت ۳/ ۶

بارگاہ میں عذر دولت قبول پاتا ہے۔

توراۃ مقدس میں ہے: لایجزئ بالسیئة السیئة ولکن یعفو ویغفر[1]۔ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدی کا بدلہ بدی نہ دیں گے بلکہ بخش دیں گے اور مغفرت فرمائیں گے رواہ البخاری عن عبداللّٰہ بن عمرو والدارمی وابن سعد وعساکر عن ابن عباس والاخیر عن عبداللّٰہ بن سلام، وابن ابی حاتم عن وھب بن منبه وابونعیم عن کعب الاحبار رضی اللّٰہ تعالٰی عنھم اجمعین۔

اس کو بخاری نے عبداللہ بن عمرو اور دارمی، ابن سعد اور ابن عساکر نے ابن عباس سے اور آخری نے عبداللہ بن سلام سے، ابن ابی حاتم نے وہب بن منبہ سے اور ابو نعیم نے کعب الاحبار رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے روایت کیا۔ت۔ ولہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے طیبہ ہیں عفو غفور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۱۵) نبی توبہ: اقول: وہ نبی توبہ ہیں، بندوں کو حکم ہے کہ ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر توبہ واستغفار کریں اللہ تو ہر جگہ سنتا ہے، اس کا علم اس کا سمع اس کا شہود سب جگہ ایک سا ہے مگر حکم یہی فرمایا کہ میری طرف توبہ چاہو تو میرے محبوب کے حضور حاضر ہو۔ **قال تعالٰی:**

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾[2]	اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے پاس حاضر ہو کر خدا سے بخشش چاہیں اور رسول ان کی مغفرت مانگے تو ضرور خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

حضور کے عالم حیات ظاہری میں حضور ظاہر تھا، اب حضور مزار پُرانوار ہے اور جہاں یہ بھی میسر نہ ہو تو دل سے حضور پر نور کی طرف توجہ حضور سے توسل فریاد، استغاثہ، طلب شفاعت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اب بھی ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں، ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:

روح النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم حاضرة فی بیوت اھل الاسلام[3]	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کراھیة الصخب فی السوق، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۵، سنن دارمی باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دار المحاسن بیروت ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

[3] شرح شفاء للقاری علی ہامش نسیم الریاض، الباب الرابع من القسم الثانی، مطبعة الازہریة المصریة، مصر ۳/ ۴۶۴

(۱۶) وہ مفیض توبہ ہیں توبہ لیتے بھی یہی ہیں اور دیتے بھی یہی، یہ توبہ نہ دیں تو کوئی توبہ نہ کرسکے، توبہ ایک نعمتِ عظمٰی بلکہ اجل نعم ہے، اور نصوص متواترہ اولیائے کرام وعلمائے اعلام سے مبرہن ہوچکا کہ ہر نعمت قلیل یا کثیر، صغیر یا کبیر، جسمانی یا روحانی، دینی یا دنیوی، ظاہری یا باطنی، روز اول سے اب تک، اب سے قیامت تک، قیامت سے آخرت، آخرت سے ابد تک، مومن یا کافر، مطیع یا فاجر، ملک یا انسان، جن یا حیوان بلکہ تمام ماسوا اللہ میں جسے جو کچھ ملی یا ملتی ہے یا ملے گی اس کی کلی انہیں کے صبائے کرم سے کھلی اور کھلتی ہے اور کھلے گی، انہیں کے ہاتھوں پر بٹی اور بٹتی ہے یہ سر الوجود واصل الوجود وخلیفۃ اللہ الاعظم وولی نعمت عالم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا ابو القاسم اللہ یعطی وانا اقسم ف[1] رواہ الحاکم فی المستدرک وصححہ واقرہ الناقدون۔	میں ابوالقاسم ہوں اللہ دیتا ہے اور میں تقسیم کرتا ہوں۔ (اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور تحقیق کرنے والوں نے اسے ثابت رکھا ہے۔ت)

ان کا رب اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾"[2]	ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس جانفزا وایمان افروز ودشمن گداز وشیطان سوز بحث کی تفصیل جلیل اور اس پر نصوص قاہرہ کثیرہ وافرہ کی تکثیر جمیل اپنے رسالہ مبارکہ سلطنت المصطفٰی فی ملکوت الورٰی ۱۲۹۷ھ میں ذکر کی والحمد للہ رب العٰلمین۔

(۱۷) اقول: وہ نبی توبہ ہیں کہ گناہوں سے ان کی طرف توبہ کی جاتی ہے توبہ میں انکا نام نامِ پاک نام جلالت حضرت عزت جلالہ کے ساتھ لیا جاتا ہے کہ میں اللہ ورسول کی طرف توبہ کرتا ہوں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم شریف میں ہے ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کی:

یارسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ماذا اذنبت[3]	یارسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی؟۔

[1] المستدرک للحاکم، کتاب التاریخ ذکر اسماء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۴

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

[3] صحیح البخاری، کتاب النکاح باب ھل یرجع اذا رأی منکرًا فی الدعوۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲/ ۷۷۸

ف: ہر نعمت ہر شخص کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملی اور ملتی ہے اور ملے گی۔

معجم کبیر میں حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ابو بکر صدیق و عمر فاروق وغیرہما چالیس اجلّہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کھڑے ہو کر ہاتھ پھیلا کر لرزتے کانپتے حضور سے عرض کی:

تبنا الی اللہ والٰی رسولہ[1]	ہم اللہ اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتے ہیں۔

فقیر نے یہ حدیثیں مع جلیل و نفیس بحثیں اپنے رسالہ مبارکہ الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء میں ذکر کیں۔

اقول: توبہ کے معنی ہیں نافرمانی سے باز آنا، جس کی معصیت کی ہے اس سے عہد اطاعت کی تجدید کرکے اسے راضی کرنا، اور نص قطعی قرآن سے ثابت کہ اللہ عزوجل کا ہر گنہگار حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا گنہگار ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"[2] ویلزمه عکس النقیض من لم یطع اللہ لم یطع الرسول وھو معنی قولنا من عصی اللہ فقد عصی الرسول۔	جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس کو عکس نقیض، من لم یطع اللہ لم یطع الرسول، لازم ہے اور ہمارے قول "من عصی اللہ فقد عصی الرسول" کا یہی معنی ہے۔ (ت)

اور قرآن عظیم حکم دیتا ہے کہ اللہ و رسول کو راضی کرو۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾"[3] نسأل اللہ الایمان والامن والامان و رضاہ ورضی رسوله الکریم علیه وعلٰی اٰله الصلوٰۃ والتسلیم۔	سب سے زیادہ راضی کرنے کے مستحق اللہ و رسول ہیں اگر یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں۔ ہم اللہ تعالٰی سے ایمان، امن وامان، اس کی رضا، اس کے رسول کریم کی رضا چاہتے ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (ت)

یہ نفیس فوائد کہ استطراداً زبان پر آگئے قابل حفظ ہیں کہ اس رسالے کے غیر میں نہ ملیں گے یوں تو ع

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۴۲۳، المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، ۲/ ۹۵و۹۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

ہر گُلے را رنگ و بُوئے دیگر ست

(ہر پھول کا رنگ و خوشبو علیحدہ ہے۔ت)

مگر میں امید کرتا ہوں کہ فقیر کی یہ تین توجیہیں اخیر بحمد اللہ تعالٰی چیزے دیگر ہیں وباللہ التوفیق۔

توبہ قبول کرنے والے نبی:

امام احمد وابن سعد وابن ابی شیبہ اور امام بخاری تاریخ اور ترمذی شمائل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، مدینہ طیبہ کے ایک راستے میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھے ملے ارشاد فرمایا:

انا محمد وانا احمد وانا نبی الرحمۃ ونبی التوبۃ وانا المقفی وانا الحاشر ونبی الملاحم[1]	میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں رحمت کا نبی ہوں، میں توبہ کا نبی ہوں، میں سب میں آخر نبی ہوں، میں حشر دینے والا ہوں، میں جہادوں کا نبی ہوں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مالک لوائے احمد:

طبرانی معجم کبیر اور سعید بن منصور سنن میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد وانا احمد وانا الحاشر الذی احشر الناس علٰی قدمی، وانا ماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر، فاذا کان یوم القٰیمۃ کان لواء الحمد معی، وکنت امام المرسلین وصاحب شفاعتھم[2]	میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو اپنے قدموں پر میں حشر دوں گا، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے سبب سے کفر کو محو فرماتا ہے، قیامت کے دن لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا، میں سب پیغمبروں کا امام اور ان کی شفاعتوں کا مالک ہوں گا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اسمائے طیبہ خاتم وعاقب ومقفی تو معنی ختم نبوت میں نص صریح ہیں، علماء فرماتے ہیں اسم پاک حاشر بھی اسی طرف ناظر۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

قال العلماء معنا ھما (ای معنی روایتی قدمی بالتثنیۃ والافراد) یحشرون علٰی	علماء نے فرمایا ان دونوں یعنی قدمی مفرد اور قدمی تثنیہ کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کا حشر میرے پیچھے

[1] شمائل الترمذی مع جامع الترمذی باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۵۹۷، مسند احمد بن حنبل، حدیث حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ، دار الفکر بیروت، ۵/ ۴۰۵

[2] المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۱۷۵۰، باب من اسمہ جابر بن عبداللہ، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت، ۲/ ۱۸۴

اثری وزمان نبوتی ورسالتی ولیس بعدی نبی [1]	میری رسالت ونبوت کے زمانہ میں ہوگا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تیسیر میں ہے:

ای علی اثر نوبتی ای زمنها ای لیس بعدہ نبی [2]	(یعنی میری نبوت کے زمانہ کے بعد یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ت)

جمع الوسائل میں ہے:

قال الجزری ای یحشر الناس علی اثر زمان نبوتی لیس بعدی نبی [3]	(جزری نے فرمایا یعنی لوگوں کا حشر میری نبوت کے زمانہ کے بعد ہوگا میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ت)

دس۱۰ اسمائے مبارکہ:

ابن مردویہ تفسیر اور ابونعیم دلائل میں اور ابن عدی وابن عساکر ودیلمی حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی عشرۃ اسماء عند ربی انا محمد واحمد والفاتح والخاتم وابو القاسم والحاشر والعاقب والماحی ویس وطٰہٰ [4]	میرے رب کے یہاں میرے دس نام ہیں، محمد واحمد وفاتح عالم ایجاد وخاتم نبوت وابوالقاسم وحاشر وآخر الانبیاء وماحی کفر ویس وطٰہٰ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم۔

ابن عدی کامل میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ان لی عند ربی عشرۃ اسماء میرے رب کے پاس میرے لیئے دس نام ہیں، ازانجملہ محمد واحمد وماحی وحاشر وعاقب یعنی خاتم الانبیاء ورسول الرحمۃ ورسول التوبہ ورسول الملاحم ذکر کرکے فرمایا: وانا المقفی قفیت النبیین عامۃ وانا

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم، باب فی اسمائہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۲۶۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان لی اسماء، مکتبہ امام شافعی الریاض، ۱/ ۳۴۳

[3] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت، ۲/ ۱۸۲

[4] الکامل فی ضعفاء، ترجمہ سیف بن وہب، دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۲۷۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم، الفصل الثالث، عالم الکتب بیروت، ص ۱۲، تہذیب تاریخ ابن عساکر، باب معرفۃ اسمائہ الخ دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۲۷۵

قثم[1] (میں مقفی ہوں کہ تمام پیغمبروں کے بعد آیا اور میں کامل جامع ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔)

تنبیہ: یہ حدیث ابن عدی نے مولٰی علی وام المؤمنین صدیقہ واسامہ بن زید و عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت کی،

کما فی مطالع المسرات فان کان کلھا عاقب او مقف ونحوھما کانت خمسۃ احادیث۔	(جیسا کہ مطالع المسرات میں ہے تو اگر تمام میں عاقب یا مقف وغیر ہما ہوں تو پانچ احادیث ہوئیں۔ت)

الحاشر و العاقب:

حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کنیسہ یہود میں تشریف لے گئے، میں ہمرکاب تھا، فرمایا، اے گروہ یہود! مجھے بارہ آدمی دکھاؤ جو گواہی دینے والے ہوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اللہ عزوجل سب یہود سے اپنا غضب (یعنی جس میں وہ زمانہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گرفتار ہیں کہ "وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ"[2] (اور خدا کے غضب میں لوٹے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے۔ت) اٹھالے گا، یہود سن کر چپ رہے کسی نے جواب نہ دیا۔ حضور نے فرمایا:

ابیتم فواللہ لانا الحاشروانا العاقب وانا النبی المصطفٰی اٰمنتم اوکذبتم[3]	تم نے نہ مانا خدا کی قسم بیشک میں حاشر ہوں اور میں خاتم الانبیاء ہوں اور میں نبی مصطفٰی ہوں خواہ تم مانو یا نہ مانو۔

رسول جہاد:

ابن سعد مجاہد مکی سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد واحمد انا رسول الرحمۃ انا الملحمۃ انا المقفی والحاشر[4]	میں محمد واحمد ہوں، میں رسول رحمت ہوں، میں رسول جہاد ہوں، میں خاتم الانبیا ہوں، میں لوگوں کو حشر دینے والا ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ وہب بن وہب بن خیر بن عبداللہ بن زہیر، دار الفکر بیروت، ۷/ ۲۵۲۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۱و۹۰

[3] المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، مطبع دار الفکر بیروت، ۳/ ۴۱۵

[4] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر اسماء الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر، بیروت، ۱/ ۱۰۵

نوع اٰخر:

"ہُوَالۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاہِرُ وَالۡبَاطِنُ ۚ"[1]

وہی ہیں اوّل وہی ہیں آخر وہی ہیں باطن وہی ہیں ظاھر
انہیں سے عالم کی ابتدا ہے وہی رسولوں کی انتہا ہیں

صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن الاٰخرون السابقون یوم القٰیمۃ[2]	ہم زمانے میں سب سے پچھلے اور قیامت میں سب سے اگلے ہیں۔

مسلم وابن ماجہ ابوہریرہ وحذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن الاٰخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القٰیمۃ المقضی لھم قبل الخلائق[3]۔	ہم دنیا میں سب کے بعد اور آخرت میں سب پر سابق ہیں، تمام جہان سے پہلے ہمارے لئے حکم ہوگا۔

دارمی ابن مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ ادرك بی الاجل المرجوواختارنی اختیارا فنحن الاٰخرون ونحن السابقون یوم القٰیمۃ[4]۔	بیشک اللہ نے مجھے مدّت اخیر وزمانہ انتظار پر پہنچایا اور مجھے چن کر پسند فرمایا تو ہمیں سب سے پچھلے اور ہمیں روز قیامت سب سے اگلے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اس حدیث میں نسخ مختلف ہیں بعض میں یوں ہے:

ان اللہ ادرك بی الاجل المرحوم، و	مجھے اللہ عزوجل نے محض رحمت کے وقت پہنچایا اور

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۳

[2] صحیح البخاری، کتاب الجمعہ، باب فرض الجمعہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب فضیلۃ یوم الجمعۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۲۸۲

[3] صحیح مسلم، کتاب الجمعہ، باب فضیلۃ یوم الجمعۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۲۸۲

[4] کنز العمال بحوالہ الدارمی، حدیث ۳۲۰۸۰، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۱/ ۴۴۲

اختصر لی اختصارا[1]۔	مجھے اللہ عزوجل نے محض رحمت کے وقت پہنچایا اور میرے لئے کمال اختصار فرمایا۔

اس اختصار کی شرح وتفسیر پانچ وجہ منیر پر فقیر نے ۱۳۰۵ھ میں اپنے رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں بیان کی۔

آخر زمان اور اولین یوم قیامت:

اسحٰق بن راہویہ مسند اور ابوبکر ابن ابی شیبہ استاذ بخاری ومسلم مصنف میں مکحول سے راوی، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایک یہودی پر کچھ آتا تھا لینے کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا:

لا والذی اصطفٰی محمدا علی البشر لا افارقك	قسم اس کی جس نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام آدمیوں سے برگزیدہ کیا میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔

یہودی بولا: واللہ! خدا نے انہیں تمام بشر سے افضل نہ کیا، امیر المؤمنین نے اسے تمانچہ مارا، وہ بارگاہ رسالت میں نالشی آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! تم اس تمانچہ کے بدلے اسے راضی کردو (یعنی ذمی ہے) اور ہاں اے یہودی! آدم صفی اللہ، ابراہیم خلیل اللہ، نوح نجی اللہ، موسٰی کلیم اللہ، عیسٰی روح اللہ ہیں وانا حبیب اللہ اور میں اللہ کا پیارا ہوں، ہاں اے یہودی! اللہ نے اپنے دو ناموں پر میری امت کے نام رکھے اللہ سلام ہے اور میری امت کا نام مسلمین رکھا اور اللہ مومن ہے اور میری امت کو مومنین کا لقب دیا، ہاں اے یہودی! تم زمانہ میں پہلے ہو ونحن الاٰخرون السابقون یوم القیٰمۃ اور ہم زمانے میں بعد اور روز قیامت میں سب سے پہلے ہیں، ہاں ہاں جنت حرام ہے انبیاء پر جب تک میں اس میں جلوہ افروز نہ ہوؤں اور حرام ہے امتوں پر جب تک میری امت نہ داخل ہو[2] صلی اللہ تعالٰی علیك وعلیھم وسلم۔

دریائے رحمت:

بیہقی شعب الایمان میں ابو قلابہ سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما بعثت فاتحا وخاتما[3] میں بھیجا گیا دریائے رحمت کھولتا اور نبوت ورسالت ختم کرتا ہوا۔

آخرین بعثت:

ابن ابی حاتم وبغوی وثعلبی تفاسیر اور ابو اسحٰق جوزجانی تاریخ اور ابونعیم دلائل میں بطریق عدیدہ عن قتادۃ عن الحسن عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مسنداً اور

---

[1] سنن الدارمی باب ۸، ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل، دار المحاسن، للطباعۃ مصر، ۱/ ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ، کتاب الفضائل، حدیث ۱۱۸۵۱، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ۱۱/ ۵۱۱

[3] بیہقی شعب الایمان، حدیث ۵۲۰۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۴/ ۳۰۸

ابن سعد طبقات اور ابن لال مکارم الاخلاق میں قتادہ سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیہ کریمہ "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ" کی تفسیر میں فرمایا:

کنت اول النبیین فی الخلق واٰخرھم فی البعث[1]	میں سب نبیوں سے پہلے پیدا ہوا اور سب کے بعد بھیجا گیا۔

قتادہ نے کہا: فبداء بی قبلھم۔ اسی لئے رب العزت تبارک وتعالٰی نے آیہ کریمہ میں انبیائے سابقین سے پہلے حضور پر نور کا نام پاک لیا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تذییل:

ابو سہل قطان اپنے امالی میں سہل بن صالح ہمدانی سے راوی، میں نے حضرت سیدنا امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا: نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توسب انبیاء کے بعد مبعوث ہوئے حضور کو سب پر تقدم کیونکر ہوا، فرمایا:

ان اللہ تعالٰی لما اخذ من بنی اٰدم من ظھور ھم ذریاتھم واشھد ھم علٰی انفسھم الست بربکم کان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول من قال بلٰی ولذٰلک صار یتقدم الانبیاء وھواٰخر یبعث[2]	جب اللہ تعالٰی نے آدمیوں کی پیٹھوں سے ان کی اولادیں روز میثاق نکالیں اور انہیں خود ان پر گواہ بنانے کو فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں، توسب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کلمہ بلٰی عرض کیا کہ ہاں کیوں نہیں، اس وجہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سب انبیاء پر تقدم ہوا حالانکہ حضور سب کے بعد مبعوث ہوئے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضرت فاروق کا طریق ندا وخطاب بعد از وصال:

شفا شریف امام قاضی عیاض واحیاء العلوم امام حجۃ الاسلام ومدخل امام ابن الحاج واقتباس الانوار علامہ ابو عبداللہ محمد بن علی رشاطی وشرح البردہ ابو العباس قصار ومواہب لدنیہ امام قسطلانی وغیرہا کتب معتمدین میں ہے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد وفات

---

[1] تفسیر ابن ابی حاتم تحت آیۃ واذ اخذنا من النبیین الخ حدیث ۱۷۵۹۴ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمۃ ۹/ ۳۱۱۶، تفسیر نبوی المعروف معالم التنزیل علی ہامش الخازن، تحت آیۃ واذا خذنا من النبیین الخ مصطفی البابی الحلبی مصر ۵/ ۲۳۲

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی سہل باب خصوصیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکونہ اول النبیین فی الخلق، دار الکتب الحدیثہ بعابدین ۱/ ۹

حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات جو فضائل عالیہ حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کو ندا و خطاب کرکے عرض کئے ہیں انہیں میں گزارش کرتے ہیں:

بابی انت واُمّی یا رسول اللہ لقد بلغ من فضیلتك عند اللہ ان بعثك اٰخر الانبیاء وذکرك فی اولھم، فقال اللہ تعالٰی "وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ"[1] الاٰیۃ۔	یا رسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان حضور کی فضیلت اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اس حد کو پہنچی کہ حضور کو تمام انبیاء کے بعد بھیجا اور ان سب سے پہلے ذکر فرمایا کہ فرماتا ہے اور یاد کر جب ہم نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے اے محبوب اور نوح وابراہیم و موسٰی و عیسٰی بن (مریم سے علیہم الصلوٰۃ والسلام۔)

حضرت جبرائیل سلام کہتے ہیں:

علامہ محمد بن احمد بن محمد بن محمد بن ابی بکر بن مرزوق تلمسانی شرح شفاء شریف میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جبریل نے حاضر ہو کر مجھے یوں سلام کیا: السلام علیك یا ظاھر، السلام علیك یا باطن۔ میں نے فرمایا: اے جبریل! یہ صفات تو اللہ عزوجل کی ہیں کہ اسی کو لائق ہیں مجھ سی مخلوق کی کیونکر ہوسکتی ہیں، جبریل نے عرض کی، اللہ تبارک وتعالٰی نے حضور کو ان صفات سے فضیلت دی اور تمام انبیاء و مرسلین پر ان سے خصوصیت بخشی اپنے نام و وصف سے حضور کے نام و وصف مشتق فرمائے۔

وسماك بالاوّل لانك اول الانبیاء خلقا وسماك بالاٰخر لانك اٰخر الانبیاء فی العصور خاتم الانبیاء الی اٰخر الامم۔	حضور کا اول نام رکھا کہ حضور سب انبیاء سے آفرینش میں مقدم ہیں اور حضور کا آخر نام رکھا کہ حضور سب پیغمبروں سے زمانے میں مؤخر و خاتم الانبیاء و نبی امت آخرین ہیں۔

باطن نام رکھا کہ اس نے اپنے نام پاک کے ساتھ حضور کا نام نامی سنہرے نور سے ساقِ عرش پر آفرینش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو ہزار برس پہلے ابد تک لکھا پھر مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا میں نے حضور پر ہزار سال درود بھیجا اور ہزار سال بھیجا یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو مبعوث کیا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور جگمگاتا سورج۔

[1] المواہب اللدنیہ، باب وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتب الاسلامی، بیروت، ۴/ ۵۵۵

حضور کو ظاہر نام عطا فرمایا کہ اس نے حضور کو تمام دینوں پر ظہور و غلبہ دیا اور حضور کی شریعت و فضیلت کو تمام اہلِ سماوات وارض پر ظاہر و آشکارا کیا تو کوئی ایسا نہ رہا جس نے حضور پر نور پر درود نہ بھیجا ہو، اللہ حضور پر درود بھیجے۔

فربك محمود وانت محمد وربك الاول والاٰخر والظاھر والباطن وانت الاول والاٰخر والظاھر والباطن۔	پس حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد، حضور کا رب اول وآخر وظاہر و باطن ہے اور حضور اول وآخر وظاہر و باطن ہیں۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمدللّٰه الذی فضلنی علی جمیع النبیین حتی فی اسمی وصفتی۔ ذکرہ القاری فی شرح الشفاء فقال قد روی التلمسانی عن ابن عباس[1] الخ۔ **اقول:** ظاھرہ انہ اخرجہ بسندہ فان الاسناد ماخوذ فی مفھوم الروایۃ کما قالہ الزرقانی فی شرح المواھب ولعل الظاھر ان فیہ تجریدا والمراد اورد وذکر اللّٰه تعالٰی اعلم۔	سب خوبیاں اللہ عزوجل کو جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی یہاں تک کہ میرے نام وصفت میں، علی قاری نے شرح شفاء میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ تلمسانی نے ابن عباس سے روایت کیا الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس کو انہوں نے اپنی سند کے ساتھ تخریج کیا ہے کہ اسناد روایت کے مفہوم میں ماخوذ ہے جیسا کہ زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا ہوسکتا ہے کہ ظاہر اس میں تجرید ہو (اسناد ماخوذ نہ ہو) اور صرف وارد کرنا اور ذکر کرنا مراد ہو۔ (ت)

نوعِ آخر خصوص نصوص ختم نبوت:

صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب واحلت لی الغنائم وجعلت لی الارض مسجدا وطھورا وارسلت الی	میں تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دیا گیا، مجھے جامع باتیں عطا ہوئیں اور مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کی گئی اور میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں اور میرے لئے زمین پاک

[1] شرح الشفاء لعلی قاری علی ہامش نسیم الریاض فصل فی اسماء رسول اللہ الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۵

الخلق کافۃ وختم بی النبیون[1]	کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی اور میں تمام جہان سب ماسوی اللہ کا رسول ہُوا اور مجھ سے انبیاء ختم کئے گئے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

خاتم النبیین:

دارمی اپنی سنن میں بسند صحیح اور بخاری تاریخ اور طبرانی اوسط اور بیہقی سنن میں اور ابو نعیم حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا قائد المرسلین ولا فخر، وانا خاتم النبیین ولا فخر، وانا شافع ومشفع ولا فخر[2]	میں تمام رسولوں کا پیش رو ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا، میں تمام پیغمبروں کا خاتم ہوں اور بطور فخر نہیں کہتا اور میں سب سے پہلی شفاعت کرنے والا اور سب سے پہلا شفاعت قبول کیا گیا ہوں اور بروجہ فخر ارشاد نہیں کرتا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

احمد وحاکم وبیہقی وابن حبان عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی مکتوب عنداللہ فی ام الکتاب لخاتم النبیین وان اٰدم لمنجدل فی طینتہ[3]	بیشک بالیقین میں اللہ کے حضور لوح محفوظ میں خاتم النبیین لکھا تھا اور ہنوز آدم اپنی مٹی میں پڑے تھے۔

آدم سروتن بآب وگل داشت
کو حکم بملک جان ودل داشت

(حضرت آدم علیہ السلام اپنے خمیر میں ہی تھے جبکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحکم خداوندی جان ودل سے سرفراز تھے۔ت)

لوح محفوظ پر شہادت ختم نبوت:

مواہب لدنیہ ومطالع المسرات میں ہے:

اخرج مسلم فی صحیحہ من حدیث عبداللہ بن عمر وبن العاص عن النبی صلی	یعنی صحیح مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب مواضع الصلٰوۃ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۱۹۹

[2] سنن الدارمی، حدیث ۵۰، باب ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل دار المحاسن قاہرہ مصر، ۱/ ۳۱

[3] المستدرک کتاب التاریخ، ذکر اخبار سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الفکر بیروت، ۲/ ۶۰۰، کنز العمال حدیث ۳۲۱۱۴، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۱/ ۴۴۹

اللہ تعالٰی علیہ وسلّم انہ قال ان اللہ عزوجل کتب مقادیر الخلق قبل ان یخلق السمٰوٰت والارض بخمسین الف سنۃ فکان عرشہ علی الماء ،ومن جملۃ ماکتب فی الذکر وھوام الکتاب ان محمدا خاتم النبیین۔	وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل نے زمین وآسمان کی آفرینش سے پچاس ہزار برس پہلے خلق کی تقدیر لکھی اور اس کا عرش پانی پر تھا منجملہ ان تحریرات کے لوح محفوظ میں لکھا بیشک محمد خاتم النبیین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔
ثم قال بعد ھذا فی المواھب وعن العرباض بن ساریۃ[1] ،فذکر الحدیث المذکور اٰنفا و قال بعدہ فی المطالع وغیر ذٰلك من الاحادیث[2] ،اھ وقال الزرقانی بعد قولہ ان محمد ا خاتم النبیین فان قیل الحدیث یفید سبق العرش علی التقدیر وعلٰی کتابۃ محمد خاتم النبیین[3] الخ فافادوا جمیعا انہ بتمامہ حدیث واحد مخرج ھٰکذا فی صحیح مسلم والعبد الضعیف راجع الصحیح من کتاب القدر فلم یجد فیہ الا الٰی قولہ وکان عرشہ علی الماء وبِھٰذا القدر عزاہ لہ فی المشکوٰۃ والجامع الصغیر والکبیر وغیرھا فاللہ اعلم۔	پھر اس کے بعد مواہب میں فرمایا اور عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے ابھی مذکور حدیث کو ذکر کیا اور اس کے بعد مطالع المسرات میں فرمایا اس کے علاوہ احادیث میں ہے اھ ،اور علامہ زرقانی نے اپنے قول "تحقیق محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں" کے بعد فرمایا اگر اعتراض ہو کہ حدیث سے عرش کی تخلیق، تقدیر اور محمد خاتم النبیین لکھنے سے قبل کا فائدہ دے رہی ہے الخ، توان سب نے افادہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سب ایک حدیث ہے جس کو صحیح مسلم میں تخریج کیا ہے جبکہ اس عبد ضعیف نے صحیح مسلم کی کتاب القدر کو دیکھا تو اس میں صرف ان کا قول یہ پایا" وکان عرشہ علی الماء "اس کا عرش پانی پر تھا" اور اسی قدر کو مشکوٰۃ میں صحیح مسلم وجامع صغیر وکبیر وغیرہما کی طرف منسوب کیا ہے تو اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے۔

[1] المواہب اللدنیۃ ،باب سبق نبوتہ ،المکتب الاسلامی ،بیروت، ۱/ ۵۷، مطالع المسرات ،مکتبہ نوریہ رضویہ ،فیصل آباد، ص ۹۸

[2] مطالع المسرات ،مکتبہ نوریہ رضویہ ،فیصل آباد، ص ۹۸

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ،المقصد الاول ،دار المعرفۃ ،بیروت، ۱/ ۳۱

عمارت نبوت کی آخری اینٹ:

احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت جابر بن عبداللہ اور احمد و شیخین حضرت ابوہریرہ اور احمد و مسلم حضرت ابو سعید خدری اور احمد و ترمذی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بالفاظ متناسبہ و معانی متقاربہ راوی حضور خاتم المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصرا حسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الاموضع تلک اللبنۃ فکنت انا سددت موضع اللبنۃ ختم بی البنیان وختم بی الرسل [1]. وفی لفظ للشیخین فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین [2]	میری اور تمام انبیاء کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک محل نہایت عمدہ بنایا گیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی، دیکھنے والے اس کے آس پاس پھرنے اور اس کی خوبی تعمیر سے تعجب کرتے مگر وہی ایک اینٹ کی جگہ کہ نگاہوں میں کھٹکتی، میں نے تشریف لاکر وہ جگہ بند کی، مجھ سے یہ عمارت پوری کی گئی، مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی، میں عمارت نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں، میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

امام ترمذی حکیم عارف باللہ محمد بن علی نوادر الاصول میں سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اول الرسل اٰدم و اٰخرھم محمد [3] سب رسولوں میں پہلے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور سب میں پچھلے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

سوسمار کی گواہی:

طبرانی معجم اوسط و معجم صغیر اور ابن عدی کامل اور حاکم کتاب المعجزات اور بیہقی و ابو نعیم کتاب دلائل النبوۃ اور ابن عساکر تاریخ میں امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجمع اصحاب میں تشریف فرما تھے کہ ایک بادیہ نشین قبیلہ بنی سلیم کا آیا سوسمار شکار کرکے لایا تھا وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع مجتبائی دہلی، ص ۵۱۱

[2] صحیح البخاری، باب خاتم النبیین، قدیمی کتب، کراچی۔ ۱/ ۵۰۱، صحیح مسلم، باب ذکر کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین، قدیمی کتب خانہ، کراچی ۲/ ۲۴۸

[3] نوادر الاصول حکیم ترمذی

ڈال دیا اور بولا قسم ہے لات وعزّٰی کی وہ شخص آپ پر ایمان نہ لائے گا جب تک یہ سوسمار ایمان نہ لائے، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جانور کو پکارا وہ فصیح زبان روشن بیان عربی میں بولا جسے سب حاضرین نے خوب سنا اور سمجھا:

لبّیك وسعدیك یازین من وافی یوم القیٰمة۔	میں خدمت وبندگی میں حاضر ہوں اے تمام حاضرین مجمع محشر کی زینت۔

حضور نے فرمایا: من تعبد تیرا معبود کون ہے؟ عرض کی:

الذی فی السماء عرشه وفی الارض سلطانه وفی البحر سبیله وفی الجنة رحمته وفی النار عذابه۔	وہ جس کا عرش آسمان میں اور سلطنت زمین میں اور راہ سمندر میں رحمت جنت میں اور عذاب نار میں۔

فرمایا: من انا بھلا میں کون ہوں؟ عرض کی:

انت رسول رب العٰلمین وخاتم النبیین قد افلح من صدقك وقد خاب من کذبک۔	حضور پروردگارِ عالم کے رسول ہیں اور رسولوں کے خاتم، جس نے حضور کی تصدیق کی وہ مراد کو پہنچا اور جس نے نہ مانا نامراد رہا۔

اعرابی نے کہا اب آنکھوں دیکھے کے بعد کیا شبہہ ہے، خدا کی قسم میں جس وقت حاضر ہوا حضور سے زیادہ اس شخص کو دشمن کوئی نہ تھا اور اب حضور مجھے اپنے باپ اور اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں اشھد ان لا الٰه الا اللّٰه وانّك رسول اللّٰه [1] (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ت) یہ مختصر ہے اور حدیث میں اس سے زیادہ کلام اطیب واکثر۔

یہ حدیث امیر المؤمنین مولٰی علی وام المؤمنین عائشہ صدیقہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایات سے بھی آئی۔

کما فی الجامع الکبیر والخصائص الکبرٰی ولم اقف علی الفاظھم فان اشتملت جمیعا علی لفظ خاتم النبیین کانت اربعة احادیث۔	جیسا کہ جامع کبیر اور خصائص کبرٰی میں ہے میں نے ان کے الفاظ نہ پائے اگر ان سب کے الفاظ خاتم النبیین کے لفظ پر مشتمل ہوں تو یہ چار احادیث ہوئیں۔

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم، ذکر الظبی والضّب، عالم الکتب، بیروت، ۲/ ۱۳۴

تذییل: ترمذی حدیث طویل حلیہ اقدس میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ انہوں نے فرمایا: بین کتفیه خاتم النبوة وهو خاتم النبیین [1] حضور کے دونوں شانوں کے بیچ میں مہر نبوت ہے اور حضور خاتم النبیین ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تذییل: طبرانی معجم اور ابو نعیم عوالی سعید بن منصور میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے درود شریف کا ایک صیغہ بلیغہ راوی جس میں فرماتے ہیں:

اجعل شرائف صلٰوتك ونوامی برکاتك ورأفة تحنّنك علٰی محمد عبدك ورسولك الخاتم لماسبق والفاتح لما اغلق [2]	الٰہی! اپنی بزرگ درودیں اور بڑھتی برکتیں اور رحمت کی مہر نازل کر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کہ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں، گزروں کے خاتم اور مشکلوں کے کھولنے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

نوع آخر ف نبوت گئی، نبوت منقطع ہوئی، جب سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نبوت ملی کسی دوسرے کو نہیں مل سکتی۔

ولا نبی بعدی:

صحیح بخاری شریف میں مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کانت بنو اسرائیل تسوسهم الانبیاء کلما هلك نبی خلفه نبی ولا نبی بعدی [3]	انبیاء بنی اسرائیل کی سیاست فرماتے، جب ایک نبی تشریف لے جاتا دوسرا اس کے بعد آتا، میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

احمد و ترمذی و حاکم بسند صحیح بر شرط صحیح مسلم کما قاله الحاکم واقره الناقدون (جیسے حاکم نے کہا ہے اور محققین نے اسے ثابت رکھا ہے) حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الرسالة والنبوة قد انقطعت	بیشک رسالت و نبوت ختم ہو گئی اب میرے بعد

[1] جامع ترمذی ابواب المناقب، باب ماجاء فی صفة النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۵

[2] المعجم الاوسط، حدیث ۹۰۸۵، مکتبة المعارف الریاض، ۱۰/ ۳۶

[3] صحیح بخاری کتاب الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۴۹۱

ف: نوع چہارم نبوت منقطع ہوئی اب کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

فلا رسول بعدی ولا نبی[1]	نہ کوئی رسول نہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لم یبق من النبوۃ الّا المبشرات الرّؤیا الصالحۃ[2]	نبوت سے کچھ باقی نہ رہا صرف بشارتیں باقی ہیں اچھی خوابیں۔

طبرانی معجم کبیر میں حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذہبت النبوۃ فلا نبوۃ بعدی الا المبشرات الرؤیا الصالحۃ یراھا الرجل او ترٰی لہ[3]	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہیں مگر بشارتیں ہیں اچھا خواب کہ انسان آپ دیکھے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔

احمد وابنائے ماجہ وخزیمہ وحبان حضرت ام کرز رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند حسن راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذہبت النبوۃ وبقیت المبشرات[4]	نبوت گئی اور بشارتیں باقی ہیں۔

صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس واقع ہوا پردہ اٹھایا سر انور پر پٹی بندھی تھی لوگ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیچھے صف بستہ تھے حضور نے ارشاد فرمایا:

یا ایھا الناس انہ لم یبق من مبشرات النبوۃ الاّ الرؤیا الصالحۃ یراھا المسلم او ترٰی لہ[5]	اے لوگو! نبوت کی بشارتوں سے کچھ نہ رہا مگر اچھا خواب کہ مسلمان دیکھے یا اس کے لئے دوسرے کو دکھایا جائے۔

---

[1] جامع الترمذی، ابواب الرؤیا، باب ذہبت النبوۃ الخ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی، ۲/ ۵۱

[2] صحیح البخاری، کتاب التعبیر، باب مبشرات، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۰۳۵

[3] المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۳۰۵۱، مکتبۃ الفیصلیہ، بیروت، ۳/ ۱۷۹

[4] سنن ابن ماجہ، ابواب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحۃ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۲۸۶

[5] سنن ابن ماجہ، ابواب تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحۃ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۸۷۔۲۸۶

اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضرت عمر ہوتے:

احمد وترمذی وحاکم بتصحیح ورؤیانی وطبرانی وابویعلٰی حضرت عقبہ بن عامر اور طبرانی وابن عساکر اور خطیب کتاب رواۃ مالک میں حضرت عبداللہ بن عمر اور طبرانی حضرت عصمہ بن مالک و حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب [1]	اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تذییل: صحیح بخاری شریف میں اسمٰعیل بن ابی خالد سے ہے:

قلت لعبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما أرأیت ابراھیم ابن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال مات صغیرا ولو قضی ان یکون بعد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی عاش ابنہ ولکن لانبی بعدہ [2]	میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے پوچھا آپ نے حضرت ابراہیم صاحبزادہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا تھا، فرمایا ان کا بچپن میں انتقال ہوا اور اگر مقدر ہوتا کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہو تو حضور کے صاحبزادے ابراہیم زندہ رہتے، مگر حضور کے بعد نبی نہیں۔

امام احمد کی روایت انہیں سے یوں ہے میں نے حضرت ابن ابی اوفٰی کو فرماتے سنا:

لوکان بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی مامات ابنہ ابراھیم [3]	اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوتا تو حضور کے صاحبزادے انتقال نہ فرماتے۔

تذییل: امام ابوعمر ابن عبدالبر بطریق اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی انہوں نے فرمایا:

کان ابراھیم قد ملأ المھد ولو عاش لکان نبیا لکن لم یکن لیبقی فان نبیکم اٰخر الانبیاء [4]	حضرت ابراہیم اتنے ہوگئے تھے کہ ان کا جسم مبارک گہوارے کو بھر دیتا اگر زندہ رہتے نبی ہوتے مگر زندہ نہ رہ سکتے تھے کہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آخر الانبیاء ہیں۔

[1] جامع الترمذی، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۹

[2] صحیح البخاری، کتاب الآداب، باب من سمی باسماء الانبیاء، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۹۱۴

[3] مسند امام احمد بن حنبل، بقیہ حدیث حضرت عبداللہ ابن اوفٰی، دار الفکر بیروت، ۴/ ۳۵۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، بحوالہ اسماعیل بن عبدالرحمن عن انس، المقصد الثانی، دار المعرفۃ بیروت، ۳/ ۱۶-۲۱۵

فائدہ: فـــ اس کی اصل متعدد احادیث مرفوعہ سے ہے، ماوردی حضرت انس اور ابن عساکر حضرات جابر بن عبداللہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا[1] وبه انجلی ما اشتبه علی الامام النووی مع جلالة شانه، وسعة عرفانه، اما ما قال الامام ابوعمر بن عبدالبر لاادری ما ھذا فقد کان ابن نوح غیر نبی ولو لم یلد النبی الا نبیا کان کل احد نبیا لانھم من ولد نوح قال اللہ تعالٰی "وَجَعَلۡنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِیۡنَ"[2] فاجابوا عنه بان الشرطیة لا یلزمها الوقوع **اقول:** نعم لکنھا لا شك تفید الملازمة فان کانت مبینة علی ان ابن نبی لایکون الا نبیا لزم ما الزم ابوعمرو لا مفر فالحق فی الجواب ما **اقول:** من عدم صحة قیاس الانبیاء السابقین وبنیھم علٰی نبینا سید المرسلین وبنیه صلی اللہ تعالٰی علیه وعلیھم وسلم فلو استحق ابنه بعدہ النبوۃ لایلزم منه استحقاق	(اگر ابراہیم زندہ رہتا تو صدیق پیغمبر ہوتا) اس سے امام نووی کو درپیش ہونے والا اشتباہ ختم ہوگیا، باوجودیکہ ان کی شان اجل ہے اور ان کا عرفان وسیع ہے لیکن امام ابوعمر بن عبدالبر نے جو یہ فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ ہوسکا، حالانکہ نوح علیہ السلام کے بیٹے نبی نہ ہوئے، اور اگر یہ ہوتا کہ نبی سے نبی ہی پیدا ہو تو ہر ایک نبی ہوتا کیونکہ وہ بھی تو نوح علیہ السلام کی اولاد تھے، کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہم نے اس کی ذریت کو ہی باقی رکھا، اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ کسی شرطیہ قضیہ کو وقوع لازم نہیں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں درست ہے لیکن بے شک شرطیہ، ملازمہ کا فائدہ ضرور دیتا ہے اگر یہ قضیہ شرطیہ اس معنی پر مبنی ہو کہ نبی کا بیٹا ضرور نبی ہی ہوتا ہے تو ابوعمر کا الزام لازم آئے گا جس سے مفر نہیں ہے تو جواب میں حق وہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں کہ انبیاء سابقین اور ان کے بیٹوں کا قیاس ہمارے نبی سید المرسلین اور ان کے صاحبزادوں پر درست نہیں، اللہ تعالٰی ہمارے نبی اور سب انبیاء پر درود وسلام

فـــ: حدیث ولو عاش ابراہیم لکان نبیا[3] والبحث علیه۔	**حدیث** "اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے" کی تحقیق اور اس پر بحث سے متعلق یہ فائدہ ہے (ت)

[1] کنزالعمال بحوالہ الماوردی عن انس وابن عساکر حدیث ۳۳۲۰۴ موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۱/ ۴۶۹

[2] الاسرار المرفوعہ بحوالہ ابن عبدالبر فی التمہید، حدیث ۷۴۳، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۱۹۱

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر، باب ذکر بنیہ وبناتہ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱/ ۲۹۵

ابناء الانبیاء جمیعا ھکذا رأیتنی کتبت علی ھامش نسختی التیسیر ثم رأیت العلامۃ علی القاری ذکر مثلہ فی الموضوعات الکبیر فللّٰہ الحمد	فرمائے پھر اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیٹا نبوت کا مستحق ٹھہرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی تمام انبیاء کے بیٹے بھی نبوت کے مستحق ہوں، میں نے اپنی تیسیر کے نسخے پر یونہی حاشیہ لکھا بعد ازاں میں نے علامہ ملا قاری کو موضوعات کبیر میں اسی طرح ذکر کرتے ہوئے پایا فللّٰہ الحمد۔
وقد اخرج الدیلمی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسو ل اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نحن اھل بیت لا یقاس بنا احد[1]،علی انی **اقول:** لا نسلم ان الحدیث یحکم بالنبوۃ بل انبأ عما تکامل فی جوھر ابراہیم من خصائل الانبیاء و خلال المرسلین بحیث لو لم ینسدّ باب النبوۃ لنا لکان نبیا تفضلا من اللہ لا استحقاقا منہ فان النبوۃ لا یستحقھا احد من قبل ذات لکن اللہ تعالٰی یصطفی من عبادہ من تم و کمل صورۃ و معنی ونسبا وحسبا وبلغ الغایۃ القصوی من کل خیر.اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ فاذن الحدیث علی وزان ما مر لو کان بعدی نبی لکان عمر[2]،واللہ تعالٰی اعلم۔	دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم اہلبیت پر کسی کو قیاس نہ کیا جائے۔علاوہ ازیں میں کہتا ہوں کہ مذکورہ حدیث نبوت کا حکم بیان کررہی ہے، یہ بات ہمیں تسلیم نہیں، بلکہ حدیث مذکور حضرت کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق یہ خبر دے رہی ہے کہ ان میں انبیاء علیہم السلام جیسے خصائل واوصاف تھے کہ اگر ہمارے لئے نبوت ختم نہ ہوتی تو وہ اللہ تعالٰی کہ فضل محض سے نبی ہوتے نہ کہ بطور استحقاق نبی بنتے، کیونکہ کوئی بھی اپنی ذات میں نبوت کا استحقاق نہیں رکھتا لیکن اللہ تعالٰی نبوت کے لئے اپنے بندوں میں سے ایسے کو منتخب فرماتا ہے جو صورۃً، معنیً، نسبًا، حسبًا ہر اعتبار سے تام وکامل ہو اور ہر خیر میں انتہائی مرتبہ کو پہنچا ہو،اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے کہ کہاں رسالت بنائے تو حدیث مذکور کی دلالت وہی ہے جو "لو کان بعدی نبیا لکان عمر" الحدیث کی دلالت ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الفردوس بمأثور الخطاب، حدیث ۶۸۳۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۴/ ۲۸۳

[2] جامع الترمذی، مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، امین کمپنی خانہ رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۲۰۹

نوع آخر ف— بعد طلوع آفتاب عالمتاب خاتمیت صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ الکرام جو کسی کے لئے ادعائے نبوت کرے دجّال کذّاب مستحقِ لعنت وعذاب ہے۔

امام بخاری حضرت ابوہریرہ اور احمد ومسلم وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، وھذا حدیث ثوبان، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انه سیکون فی امتی کذابون ثلثون کلھم یزعم انه نبی وانا خاتم النبیین لا نبی بعدی [1]، ولفظ البخاری دجالون کذابون قریبا من ثلثین [2]	عنقریب اس امت میں قریب تیس کے دجال کذاب نکلیں گے ہر ایک ادعا کرے گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اور بخاری کے الفاظ ہیں دجال کذاب تقریبًا تیس ہوں گے۔ت)

کذاب اور دجال

امام احمد وطبرانی وضیاء حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی امتی کذابون و دجالون سبعة و عشرون منھم اربع نسوة وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی [3]	میری امتِ دعوت میں (کہ مومن وکافر سب کو شامل ہے) ستائیس کذاب دجال ہوں گے ان میں چار عورتیں ہیں حالانکہ میں خاتم الانبیاء ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

جھوٹے مدعیان نبوت:

ابن عساکر علاء بن زیاد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مرسلًا راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعة حتی یخرج ثلثون دجّالون کذابون کلھم یزعم انه نبی [4] (الحدیث)	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ تیس دجال کذاب مدعی نبوت نکلیں گے۔

ف: نوع پنجم حضور کے بعد جو کسی کو نبوت ملنی مانے دجال کذاب ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب الفتن، ذکر الفتن ودلائلھا، آفتاب عالم پریس، لاہور، ۲/ ۲۲۸

[2] صحیح البخاری، کتاب الفتن، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۲/ ۱۰۵۴

[3] مسند امام احمد، حدیث حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الفکر بیروت، ۵/ ۳۹۶

[4] تہذیب تاریخ ابن عساکر، ترجمہ الحارث بن سعید الکذاب، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۳/ ۴۴۵

تذییل: ابویعلٰی مسند میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون کذابًا منھم مسیلمۃ والعنسی والمختار [1]	قیامت نہ آئے گی جب تک کہ تیس کذاب نکلیں ان میں سے مسیلمہ اور اسود عنسی ومختار ثقفی ہے، اخذہم اللہ تعالٰی۔

الحمدﷲ بفضلہٖ تعالٰی یہ تینوں خبیث کُتّے شیرانِ اسلام کے ہاتھ سے مارے گئے، اسود مردود خود زمانہ اقدس اور مسیلمہ ملعون زمانہ خلافت حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ومختار ثقفی ملعون زمانہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں، وﷲ الحمد[عـــه]

حضرت علی اور ختم نبوت:

نوع آخر[ف] خاص امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ نبوت ختم ہوئی نبوت میں ان کا کچھ حصہ نہیں۔

امام احمد مسند اور بخاری ومسلم وترمذی ونسائی وابن ماجہ صحاح، ابن ابی شیبہ سنن، ابن جریر تہذیب الآثار میں بطریق عدیدہ کثیرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص، اور حاکم بتصحیح اسناد مستدرک، اور طبرانی معجم کبیر واوسط، اور ابوبکر عاقولی فوائد میں، اور ابن مردویہ مطولًا اور بزار بطریق عبداللہ بن ابی بکر عن حکیم بن جبیر عن الحسن بن سعد مولٰی علی، اور ابن عساکر بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدہ عقیل امیر المؤمنین مولٰی علی اور احمد وحاکم وطبرانی وعقیلی حضرت عبداللہ بن عباس، اور احمد حضرت امیر معاویہ، اور احمد وبزار وابوجعفر بن محمد طبری وابوبکر مطیری حضرت ابوسعید خدری، اور ترمذی بافادہ تحسین حضرت جابر بن عبداللہ سے مسندًا اور حضرت ابوہریرہ سے تعلیقًا، اور طبرانی کبیر اور خطیب کتاب المتفق والمتفرق میں حضرت عبداللہ بن عمر، اور ابونعیم فضائل الصحابہ میں حضرت سعید بن زید، اور طبرانی کبیر میں حضرات براء بن عازب وزید بن ارقم وجیش

ف: نوع ششم خاص مولٰی علی کے باب میں متواتر حدیثیں کہ نبوت ختم ہوگئی نبوت میں ان کا حصہ نہیں۔

عـــه: مسلیمہ خبیث کے قاتل وحشی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جنہوں نے زمانہ کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا وہ فرمایا کرتے قتلت خیر النّاس وشرّ النّاس [2]، میں نے بہتر شخص کو شہید کیا پھر سب سے بدتر کو مارا۔

[1] مسند ابو یعلی، مروی از عبداللہ بن زبیر، حدیث ۶۷۸۶، موسسۃ علوم القرآن، بیروت، ۶/ ۱۹۹

[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی ہامش الاصابۃ باب الافراد فی الواو، دار صادر، بیروت، ۳/ ۶۴۵

بن جنادہ و جابر بن سمرہ و مالک بن حویرث و حضرت ام المؤمنین ام سلمہ، زوجہ امیر المؤمنین علی حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے راوی، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کو تشریف لیجاتے وقت امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مدینے میں چھوڑا امیر المؤمنین نے عرض کی یارسول اللہ! حضور مجھے عورتوں اور بچّوں میں چھوڑے جاتے ہیں، فرمایا:

اما ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی غیر انہ لانبی بعدی [1]	یعنی کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم یہاں میری نیابت میں ایسے رہو جیسے موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام جب اپنے رب سے کلام کے لئے حاضر ہوئے ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی نیابت میں چھوڑ گئے تھے ہاں یہ فرق ہے کہ ہارون نبی تھے میں جب سے نبی ہوا دوسرے کے لئے نبوت نہیں۔

مسند و مستدرک میں حدیث ابن عباس یوں ہے:

الا ترضی ان تکون بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انک لست بنبی [2]	کیا تم راضی نہیں کہ بمنزلہ ہارون کے ہو موسٰی سے مگر یہ کہ تم نبی نہیں۔

حضرت اسماء کی حدیث اس طرح ہے:

قالت ھبط جبریل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا محمد ان ربك یقرأك السلام ویقول لك علیّ منك بمنزلۃ ھارون من موسٰی لکن لا نبی بعدک [3]	جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی حضور کا رب حضور کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) تمہاری نیابت میں ایسا ہے جیسا موسٰی کے لئے ہارون، مگر تمہارے بعد کوئی نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] صحیح البخاری، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۵۲۶، جامع الترمذی، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، امین کمپنی کتب خانہ، رشیدیہ، دہلی، ۲/ ۱۱۴، صحیح مسلم کتاب الفضائل، مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ ۲/ ۲۷۸، مسند احمد بن حنبل، حدیث حضرت سعد ابن وقاص، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۸۲

[2] المجمع الزوائد بحوالہ احمد وغیرہ عن ابن عباس باب جامع مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الکتاب بیروت، ۹/ ۱۲۰، المستدرك للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ، دار الفکر، بیروت، ۳/ ۱۰۹

[3] المعجم الکبیر، حدیث ۳۸۴ تا ۳۸۹، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، ۲۴/ ۱۴۶ و ۱۴۷

فضائل صحابہ امام احمد میں حدیث امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں ہے کسی نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا فرمایا: سل عنھا علی ابن ابی طالب فھو اعلم مولا علی سے پوچھو وہ اعلم ہیں، سائل نے کہا: یا امیر المؤمنین! مجھے آپ کا جواب ان کے جواب سے زیادہ محبوب ہے، فرمایا:

بئسما قلت لقد کرھت رجلا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغرہ بالعلم غرا ولقد قال لہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی وکان عمر اذا اشکل علیہ شیئ یاخذ منہ [1]	تو نے سخت بُری بات کہی ایسے کو ناپسند کیا جس کے علم کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عزت فرماتے تھے اور بیشک حضور نے ان سے کہا تجھے مجھ سے وہ نسبت ہے جو ہارون کو موسٰی علیہما الصلوۃ والسلام سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب کسی بات میں شبہ پڑتا ان سے حاصل کرتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یا علی أخصمك بالنبوۃ ولا نبوۃ بعدی [2]	اے علی! میں مناصب جلیلہ وخصائص کثیرہ جزیلہ نبوت میں تجھ پر غالب ہوں اور میرے بعد نبوّت اصلاً نہیں۔

حضرت علی کی عیادت:

ابن ابی عاصم اور ابن جریر بافادہ تصحیح اور طبرانی اوسط اور ابن شاہین کتاب السنہ میں امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی، میں بیمار تھا خدمت اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوا حضور نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز میں مشغول ہوئے، ردائے مبارک کا آنچل مجھ پر ڈال لیا، پھر بعد نماز فرمایا:

برئت یا ابن ابی طالب فلا بأس علیك ما سألت اللہ لی شیئا الا سألت لك مثلہ ولا سألت اللہ شیئا	اے ابن ابی طالب! تم اچھے ہوگئے تم پر کچھ تکلیف نہیں، میں نے اللہ عزوجل سے جو کچھ اپنے لئے مانگا تمہارے لئے بھی اس کی مانند سوال کیا

[1] فضائل الصحابۃ لامام احمد بن حنبل، حدیث ۱۱۵۳، فضائل علی علیہ السلام، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۲/ ۶۷۵

[2] حلیۃ الاولیاء، المسندۃ فی مناقبھم وفضائلھم نمبر ۴ علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱/ ۶۵

الا اعطانیه غیر انه قیل لی انه لا نبی بعدک۔	اور میں نے جو کچھ چاہا رب عزوجل نے مجھے عطا فرمایا مگر مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ تمہارے بعد کوئی نبی نہیں۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں میں اسی وقت ایسا تندرست ہوگیا گویا بیمار ہی نہ تھا[1]

تنبیہ :اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) یہ حدیث حضرت امیر المؤمنین کے لئے مرتبہ صدیقیت کا حصول بتاتی ہے، صدیقیت ایک مرتبہ تلو نبوت ہے کہ اس کے اور نبوت کے بیچ میں کوئی مرتبہ نہیں مگر ایک مقام ادق واخفی کہ نصیبہ حضرت صدیق اکبر اکرم واتقی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے تو اجناس وانواع واصناف فضائل وکمالات وبلندی درجات میں خصائص وملزومات نبوت کے سوا صدیقین ہر عطیہ بہیہ کے لائق واہل ہیں اگرچہ باہم ان میں تفاوت و تفاضل کثیر ووافر ہو۔

آخر نہ دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ابن جمیل ونائب جلیل حضور پر نور سید الاسیاد فرد الافراد غوث اعظم غیث اکرم غیاث عالم محبوب سبحانی مطلوب ربانی سیدنا ومولانا ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ولی علی قدم نبی وانا علی قدم جدی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وما رفع المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قدما الا وضعت انا قدمی فی الموضع الذی رفع قدمه منه، الا ان یکون قدما من اقدام النبوۃ فانه لا سبیل ان یناله غیر نبی[2]، رواه الامام الاجل ابوالحسن علی الشطنوفی قدس سرہ فی بهجة الاسرار فقال اخبرنا ابو محمد سالم بن علی بن عبد اللہ بن سنان الدمیاطی المصری	ہر ولی ایک نبی کے قدم پر ہوتا ہے اور میں اپنے جد اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پاک پر ہوں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جہاں سے قدم اٹھایا میں نے اسی جگہ قدم رکھا مگر نبوت کے قدم کہ ان کی طرف غیر نبی کو اصلًا راہ نہیں (اس کو امام ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہ نے بہجۃ الاسرار میں روایت کیا، تو کہا ابو محمد سالم بن علی بن عبداللہ بن سنان الدمیاطی المصری جو قاہرہ میں ۶۷۱ھ میں پیدا ہوئے، انہوں نے کہا مجھے شیخ شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبداللہ سہروردی

[1] کنز العمال بحوالہ ابن ابی عاصم وابن جریر وطس وابن شاہین فی السنۃ حدیث ۳۶۵۱۳ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۱۷۰

[2] بهجة الاسرار، ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه الخ، مطبع مصطفی البابی، الحلبی، مصر ص ۲۲

المولد بالقاهرة ۶۷۱سنة احدی وسبعین وستمائة، قال اخبرنا الشیخ القدوة شهاب الدین ابو حفص عمر بن عبدالله السهروردی ببغداد ۶۲۴ سنة اربع و عشرین وستمائة قال سمعت الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه یقول علی الکرسی بمدرسته[1] (فذکره)۔	نے ۶۲۴ھ کو بغداد میں بیان کیا کہ میں نے شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مدرسہ میں کرسی پر تشریف فرما، کہتے ہوئے سنا تو وہ ذکر فرمایا جو گزرا۔ (ت)

بالجملہ مادون نبوت پر فائز ہونا نہ تفرد کی دلیل نہ حجت تفضیل کہ وہ صدہا میں مشترک اور فی نفسہٖ مشکک، ہر غوث وصدیق اس میں شریک اور ان پر بشدّت مقول بالتشکیک، بلکہ خود حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتاه ملك الموت وهو یطلب العلم کان بینه وبین الانبیاء درجة واحدة درجة النبوة[2] رواه ابن النجار عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	جس کے پاس ملک الموت آئیں اور وہ طلب علم میں ہو اس میں اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں صرف ایک درجے کا فرق ہے کہ درجہ نبوت ہے (اسے ابن النجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے:

کا دحملة القراٰن ان یکونوا انبیاء الا انه لا یوحٰی الیهم[3]، رواه الدیلمی فی حدیث عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	قریب ہے حاملان قرآن انبیاء ہوں مگر یہ کہ ان کی طرف وحی نہیں آتی (اسے دیلمی نے ایک حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا)

تو اس کے امثال سے حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم پر امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تفضیل کا وہم نہیں ہوسکتا۔

[1] بهجة الاسرار، ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه الخ، مطبع مصطفی البابی، الحلبی، مصر ص ۲۲

[2] کنز العمال، بحواله ابن النجار عن انس حدیث ۲۸۸۲۹، موسسة الرسالة، بیروت، ۱۰/ ۱۶۰

[3] الفردوس بمأثور الخطاب، حدیث ۲۲۱، دار الکتب العلمیه بیروت، ۱/ ۷۵

ابوبکر صدیق صدیق اکبر ہیں:

علماء فرماتے ہیں، ابوبکر صدیق صدیق اکبر ہیں اور علی مرتضی صدیق اصغر، صدیق اکبر کا مقام اعلٰی صدیقیت سے بلند و بالا ہے، نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

اما تخصیص ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فلانہ الصدیق الاکبر الذی سبق الناس کلھم لتصدیقہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم یصدر منہ غیرہ قط وکذا علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ فانہ یسمی الصدیق الاصغر الذی لم یتلبس بکفر قط ولم یسجد لغیر اللہ مع صغرہ وکون ابیہ علی غیر الملۃ ولذا خصّ بقول علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ[1]	لیکن ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تخصیص اس لئے کہ وہ صدیق اکبر ہیں جو تمام لوگوں میں آگے ہیں کیونکہ انہوں نے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کی وہ کسی کو حاصل نہیں اور یونہی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا نام صدیق اصغر ہے جو ہر گز کفر سے ملتبس نہ ہوئے اور نہ ہی انہوں نے غیر اللہ کو سجدہ کیا باوجودیکہ وہ نابالغ تھے اور ان کے والد ملت اسلامیہ پر نہ تھے، اسی وجہ سے انہوں نے علی کرم اللہ وجہہ کے قول کو خاص طور پر لیا۔

حضرت خاتم الولایۃ المحمدیۃ فی زمانہ بحر الحقائق ولسان القوم بجنانہ وبیانہ سیدی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نفعنا اللہ فی الدارین بفیضانہ فتوحات مکیہ شریفہ میں فرماتے ہیں:

فلو فقد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ذٰلک الوطن وحضرہ ابوبکر لقام فی ذٰلک المقام الذی اقیم فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانہ لیس ثم اعلٰی منہ یحجبہ عن ذٰلک فھو صادق ذٰلک الوقت وحکمہ وماسواہ تحت حکمہ(ثم قال)وھذا المقام الذی اثبتناہ بین الصدیقیۃ ونبوۃ التشریع الذی ھو مقام القربۃ وھو للافراد ھودون نبوۃ التشریع۔	یعنی اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اس موطن میں تشریف نہ رکھتے ہوں اور صدیق اکبر حاضر ہوں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مقام پر صدیق قیام کریں گے کہ وہاں صدیق سے اعلٰی کوئی نہیں جو انہیں اس سے روکے وہ اس وقت کے صادق و حکیم ہیں، اور جو ان کے سوا ہیں سب ان کے زیر حکم، یہ مقام جو ہم نے ثابت کیا صدیقیت اور نبوت شریعت کے بیچ میں ہے، یہ مقام قربت فردوں کے لئے ہے، اللہ کے نزدیک

[1] نسیم الریاض شرح شفاء امام عیاض، الباب الاول، الفصل الاول، دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۲

وفوق الصدیقیة فی المنزلة عند الله والمشار الیه بالسر الذی وقر فی صدر ابی بکر ففضل به الصدیقین اذحصل له مالیس فی شرط الصدیقیة ولا من لوازمها فلیس بین ابی بکر وبین رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم رجل لانه صاحب الصدیقیة وصاحب سر [1]	نبوت شریعت سے نیچا اور صدیقیت سے مرتبے میں بالا ہے اسی کی طرف اس راز سے اشارہ ہے جو سینہ صدیق میں متمکن ہوا جس کے باعث وہ تمام صدیقوں سے افضل قرار پائے کہ ان کے قلوب میں وہ رازِ الٰہی حاصل ہوا جو نہ صدیقیت کی شرط ہے نہ اس کے لوازم سے، تو ابوبکر صدیق اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی شخص نہیں کہ وہ توصدیقیت والے بھی ہیں اور صاحبِ راز بھی، رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

تذییل: بعض احادیث علویہ مبطلہ دعوٰی غلویہ۔

مولا علی کی نگاہ میں مقام صدیق اکبر

صحیح بخاری شریف میں امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

قال قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من، قال ثم عمر ثم خشیت ان اقول ثم من فیقول عثمان فقلت ثم انت یا ابت، فقال ما انا الارجل من المسلمین [2]، رواہ ایضا ابن ابی عاصم و خشیش وابو نعیم فی الحلیة الاولیاء۔	میں نے اپنے والد ماجد مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا پھر کون؟ فرمایا: پھر عمر۔ پھر مجھے خوف ہوا کہ کہیں میں کہوں پھر کون تو فرمادیں عثمان، اس لئے میں نے سبقت کرکے کہا اے باپ میرے! پھر آپ؟ فرمایا: میں تو نہیں مگر ایک مرد مسلمانوں میں سے (اسے ابن ابی عاصم اور خشیش اور ابو نعیم نے بھی حلیۃ الاولیاء میں بیان کیا ہے۔ت)

[1] الفتوحات المکیة، الباب الثالث والسبعون، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲/ ۲۵

[2] صحیح بخاری، کتاب المناقب، فضائل ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ، قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱/ ۵۱۸، جامع الاحادیث بحوالہ خ دوابن ابی عاصم وخشیش وغیرہ، حدیث ۱۴۱۷۷ دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۷، کنز العمال، بحوالہ خ دوابن ابی عاصم وخشیش وغیرہ، ۳۶۰۹۴ موسسة الرسالہ، بیروت، ۱۳/ ۷

طبرانی معجم اوسط میں صلہ بن زفر سے راوی، جب امیر المؤمنین مولٰی علی کے سامنے لوگ ابوبکر صدیق کا ذکر کرتے، امیر المؤمنین فرماتے:

السباق یذکرون السابق یذکرون والذی نفسی بیدہ ما استبقنا الی خیر قط الا سبقنا الیہ ابوبکر [1]	ابوبکر کا بڑی سبقت والے ذکر کر رہے ہیں کمال پیشی لے جانے والے کا تذکرہ کرتے ہیں قسم اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جب ہم نے کسی خیر میں پیشی چاہی ہے ابوبکر ہم سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

حضرت صدیق کے بارے میں حضرت علی رائے:

ابوالقاسم طلحی وابن ابی عاصم وابن شاہین واللالکائی سب اپنی اپنی کتاب السنہ میں اور عشاری فضائل صدیق اور اصبہانی کتاب الحجہ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں راوی، امیر المؤمنین کو خبر پہنچی کچھ لوگ انہیں ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے افضل بتاتے ہیں منبر شریف پر تشریف لے گئے حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

ایھا الناس بلغنی ان اقواما یفضلو نی علی ابی بکر و عمر ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ، فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر، علیہ حد المفتری خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابو بکر ثم عمر (زاد غیر الطلحی) ثم احدثنا بعضھم احداثا یقضی اللہ فیھا مایشاء [2]	اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دیتے ہیں اگر میں پہلے متنبہ کرچکا ہوتا تو اب سزا دیتا، آج کے بعد جسے ایسا کہتا سنوں گا وہ مفتری ہے، اس پر مفتری کی حد آئے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر ابوبکر ہیں، پھر عمر، پھر ان کے بعد ہم سے کچھ نئے امور واقع ہوئے کہ خدا ان میں جو چاہے گا حکم فرمائے گا۔

امام ابوعمران عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے اور امام ابوالحسن دارقطنی سنن میں روایت کرتے ہیں امیر المؤمنین مولا علی فرماتے ہیں:

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۷۱۶۴، مکتبۃ المعارف الریاض، ۸/ ۸۲، جامع الاحادیث بحوالہ طس، حدیث ۷۶۸۸، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۹

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن ابی عاصم و ابن شاہین واللالکائی والعشاری، حدیث ۳۶۱۴۳، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳/ ۲۱، جامع الاحادیث ابن ابی عاصم و ابن شاہین واللالکائی والعشاری، حدیث ۷۷۳۵، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۲

لا اجد احدا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدتہ حد المفتری[1]	میں جسے پاؤں گا کہ ابو بکر و عمر پر مجھے تفضیل دیتا ہے اسے مفتری کی حد اسّی کوڑے لگاؤں گا۔

ابن عساکر بطریق الزہری عن عبداللہ بن کثیر راوی، امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

لا یفضلنی احد علی ابی بکر و عمر الاجلدتہ جلدا وجیعا[2]	جو مجھے ابو بکر و عمر سے افضل کہے گا اسے دردناک کوڑے لگاؤں گا۔

امام احمد مسند اور عدنی مائتین اور ابو عبید کتاب الغریب اور نعیم بن حماد فتن اور خثیمہ بن سلیمان طرابلسی فضائل الصحابہ اور حاکم مستدرک اور خطیب تلخیص المتشابہ میں راوی، امیر المؤمنین فرماتے ہیں:

سبق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصلی ابوبکر وثلث عمر ثم خطبتنا فتنۃ و یعفواللہ عمن یشاء[3]، وللخطیب وغیرہ فھو ماشاء اللہ زادھو فمن فضلنی علی ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فعلیہ حد المفتری من الجلد و اسقاط الشھادۃ[4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبقت لے گئے اور ان کے دوسرے ابو بکر اور تیسرے عمر ہوئے، پھر ہمیں فتنے نے مضطرب کیا اور خدا جسے چاہے معاف فرمائے گا یا فرمایا جو خدا نے چاہا وہ ہوا تو جو مجھے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر فضیلت دے اس پر مفتری کی حد واجب ہے اسّی کوڑے لگائے جائیں اور گواہی کبھی نہ سنی جائے۔

ابو طالب عشاری بطریق الحسن بن کثیر عن ابیہ راوی، ایک شخص نے امیر المؤمنین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: آپ خیر الناس ہیں۔ فرمایا تو نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ کہا نہ۔ فرمایا: ابو بکر کو دیکھا؟ کہا: نہ فرمایا: عمر کو دیکھا؟ کہا: نہ، فرمایا:

اما انک لو قلت انک رأیت النبی	سن لے اگر تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیکھنے

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] جامع الاحادیث عن الحکم بن حجل عن علی، حدیث ۷۷۴۷، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۵، مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمہ ۲۲، عبداللہ ابن ابی قحافہ، دار الفکر بیروت، ۱۳/ ۱۱۰

[2] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن علی، حدیث ۷۷۲۳، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی، حدیث ۳۶۱۰۳، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۳/ ۹

[3] المستدرک علی الصحیحین کتاب معرفۃ الصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم، مناقب ابی بکر، دار الفکر بیروت، ۳/ ۶۸۔۶۷

[4] کنز العمال بحوالہ خط فی تلخیص المتشابہ، حدیث ۳۶۱۰۲، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳/ ۹، جامع الاحادیث خط فی تلخیص المتشابہ، حدیث ۷۷۲۲، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لقتلتك ولو قلت رأیت ابا بکر وعمر لجلدتک[1]	کے بعد خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اقرار کرتا اور پھر مجھے خیر الناس کہتا تو میں تجھے قتل کرتا اور اگر تو ابوبکر وعمر کو دیکھے ہوتا اور مجھے افضل بتاتا تو تجھے حد لگاتا۔

ابن عساکر سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

لایفضلنی احد علی ابی بکر و عمر الاوقد انکر حقی وحق اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]	جو مجھے ابوبکر وعمر پر تفضیل دے گا وہ میرے اور تمام اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حق کا منکر ہوگا۔

حضرات شیخین اولین جنتی ہیں:

ابوطالب عشاری اور اصبہانی کتاب الحجہ میں عبد خیر سے راوی، میں نے امیر المؤمنین مولٰی علی سے عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے جنت میں کون جائے گا؟ فرمایا: ابوبکر وعمر۔ میں نے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا وہ دونوں آپ سے پہلے جنت میں جائیں گے؟ فرمایا:

ای والذی فلق الحبة وبرأالنسمة انهما لیاکلان من ثمارها ویرویان من مائها ویتکئان علی فرشها وانا موقوف بالحساب[3]	ہاں قسم اس کی جس نے بیج کو چیر کر پیڑ اگایا اور آدمی کو اپنی قدرت سے تصویر فرمایا بیشک وہ دونوں جنت کے پھل کھائیں گے، اس کے پانی سے سیراب ہوں گے، اس کی مسندوں پر آرام کریں گے اور میں ابھی حساب میں کھڑا ہوں گا۔

خیر الناس بعد رسول اللہ:

ابوذر ہروی ودار قطنی وغیرہما حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی میں نے امیر المؤمنین سے عرض کی:

یا خیرالناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال مهلا یا ابا جحیفة	یا خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایا ٹھہر وائے ابوجحیفہ! کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ

[1] جامع الاحادیث بحوالہ العشاری، حدیث ۷۷۴۳، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۵، کنزالعمال بحوالہ العشاری، حدیث ۳۶۱۵۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۳/ ۲۶

[2] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر، حدیث ۷۷۳۳، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۔۲۲۱

[3] جامع الاحادیث بحوالہ ابوطالب العشاری والاصفہانی الخ حدیث ۷۷۲۰، دارالفکر بیروت، ۱۶/ ۲۱۹

الا اخبرك بخير الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابو بكر و عمر [1]	کون ہے؟ فرمایا اے ابوجحیفہ! خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) ہیں۔

افضل الناس بعد رسول اللہ:

ابو نعیم حلیہ اور ابن شاہین کتاب السنہ اور ابن عساکر تاریخ میں عمرو بن حریث سے راوی میں نے امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو منبر پر فرماتے سنا:

ان افضل الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابوبكر و عمر و عثمان وفي لفظ ثم عمر ثم عثمان [2]	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے افضل ابوبکر و عمر و عثمان ہیں، اور بالفاظ دیگر پھر عمر پھر عثمان۔

مولود ازکٰی فی الاسلام:

ابن عساکر بطریق سعد ابن طریف اصبغ بن نباتہ سے راوی، فرمایا:

قلت لعلي يا امير المؤمنين من خير الناس بعد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم؟ قال ابو بكر، قلت ثم من؟ قال ثم عمر، قلت ثم من؟ قال ثم عثمان، قلت ثم من؟ قال انا رأيت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم بعيني هاتين والا فعميتا، وباذني هاتين والا فصمتا، يقول ماولد في الاسلام مولود ازكٰى ولا اطهر ولا افضل من ابي بكر ثم عمر [3]	میں نے مولٰی علی سے عرض کی یا امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ابوبکر۔ میں نے کہا: پھر کون؟ فرمایا: عمر، کہا پھر کون؟ فرمایا: عثمان، کہا: پھر کون؟ فرمایا: میں، میں نے ان آنکھوں سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ورنہ یہ آنکھیں پھوٹ جائیں اور ان کانوں سے فرماتے سنا ورنہ بہرے ہوجائیں حضور فرماتے تھے اسلام میں کوئی شخص ایسا پیدا نہ ہوا جو ابوبکر پھر عمر سے زیادہ پاکیزہ زیادہ فضیلت والا ہو۔

[1] جامع الاحادیث بحوالہ الصابونی فی المائتین، حدیث ۷۷۳۴، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۲۲، کنز العمال بحوالہ الصابونی فی المائتین، وطس وکر حدیث ۳۶۱۴۱، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۳/ ۲۱

[2] کنز العمال، بحوالہ ابن عساکر وحل ابن شاہین فی السنہ، حدیث ۸۰۰۶، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۹۰

[3] جامع احادیث ابن عساکر حدیث ۸۰۲۳، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۹۴

ابو طالب عشاری فضائل الصدیق میں راوی، امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

وھل انا الاّ حسنة من حسنات ابی بکر [1]	میں کون ہوں مگر ابوبکر کی نیکیوں سے ایک نیکی۔

سیدنا صدیق کی سبقت کی چہار وجوہات:

خیثمہ طرابلسی وابن عساکر ابو الزناد سے راوی، ایک شخص نے مولیٰ علی سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! کیا بات ہوئی کہ مہاجرین وانصار نے ابوبکر کو تقدیم دی حالانکہ آپ کے مناقب بیشتر اور اسلام وسوابق پیشتر، فرمایا: اگر مسلمان کے لئے خدا کی پناہ نہ ہوتی تو میں تجھے قتل کر دیتا، افسوس تجھ پر، ابوبکر چار وجہ سے مجھ پر سبقت لے گئے، افشائے اسلام میں مجھ سے پہلے، ہجرت میں مجھ سے سابق، صحبت غار میں انہیں کا حصہ، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امامت کے لئے انہیں کو مقدم فرمایا ویحك ان اللہ ذم الناس کلھم ومدح ابابکر فقال الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ [2]، (الآیۃ) افسوس تجھ پر بیشک اللہ تعالیٰ نے سب کی مذمت کی اور ابوبکر کی مدح فرمائی کہ ارشاد فرماتا ہے اگر تم اس نبی کی مدد نہ کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس کی مدد فرمائی جب کافروں نے اسے مکے سے باہر کیا دوسرا ان دو کا جب وہ غار میں تھے جب اپنے یار سے فرماتا تھا غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

حضرت صدیق کا تقدم:

خطیب بغدادی وابن عساکر اور دیلمی مسند الفردوس اور عشاری فضائل الصدیق میں امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سألت اللہ ثلثا ان یقدمك فابی علی الا تقدیم ابی بکر [3]	اے علی! میں نے اللہ عزوجل سے تین بار سوال کیا کہ تجھے تقدیم دے اللہ تعالیٰ نے نہ مانا مگر ابوبکر کو مقدم رکھنا۔

حضرت علی کی مدح افراط وتفریط کا شکار:

عبداللہ بن احمد زوائد مسند میں، اور ابو یعلٰی ودورقی وحاکم وابن ابی عاصم

[1] جامع الاحادیث بحوالہ ابی طالب العشاری، حدیث ۷۶۸۴، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۸

[2] جامع الاحادیث بحوالہ خیثمہ وابن عساکر حدیث ۷۶۸۹، دار الفکر بیروت، ۱۶/ ۲۰۹

[3] تاریخ بغداد، حدیث ۵۹۲۱، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۱/ ۲۱۳، کنز العمال بحوالہ ابی طالب العشاری وغیرہ حدیث ۳۵۶۸۰، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۲/ ۵۱۵

وابن شاہین امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ انہوں نے فرمایا:

دعانی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا علی ان فیك من عیسٰی مثلا ابغضته الیھود حتی بھتوا امه واحبته النصارٰی حتی انزلوہ بالمنزلة التی لیس بھا وقال علی الاوانه یھلك فیّ رجلان محب مطریئ یفرطنی بما لیس فیّ ومبغض مفتر یحمله شنأنی علی ان یبھتنی الاوانی لست بنبی ولا یوحی الیّ، ولکنی اعمل بکتاب اللہ وسنة نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ما استطعت فما امرتکم به من طاعة اللہ فحق علیکم طاعتی فیما احببتم اوکرھتم وما امرتکم بمعصیة انا وغیری فلاطاعة لاحد فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف[1]	مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلاکر ارشاد فرمایا: اے علی! تجھ میں ایک کہاوت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ہے، یہود نے ان سے دشمنی کی یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا اور نصارٰی ان کے دوست بنے یہاں تک کہ جو مرتبہ ان کا نہ تھا وہاں جا اتارا، مولا علی فرماتے ہیں سن لو میرے معاملے میں دو شخص ہلاک ہوں گے ایک دوست میری تعریف میں حد سے بڑھنے والا جو میرا وہ مرتبہ بتائے گا جو مجھ میں نہیں، اور ایک دشمن مفتری جسے میری عداوت اس پر باعث ہوگی کہ مجھ پر تہمت اٹھائے، سن لو میں نہ تو نبی ہوں نہ مجھ پر وحی آتی ہے تو جہاں تک ہوسکے اللہ عزوجل کی کتاب اور اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتا ہوں تو میں جب تمہیں اطاعت الٰہی کا حکم دوں تو میری فرمانبرداری تم پر لازم ہے چاہے تمہیں پسند ہو خواہ ناگوار، اور اگر معصیت کا حکم دوں میں یا کوئی، تو اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت تو مشروع بات میں ہے۔

افضل الایمان: ابن عساکر سالم بن ابی الجعد سے راوی، فرمایا:

قلت لمحمد بن الحنفیة ھل کان ابو بکر اول القوم اسلاما قال لا قلت فیما علا ابو بکر و سبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانه کان افضلھم	میں نے امام محمد بن حنفیّہ صاحبزادہ مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دریافت کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، فرمایا نہ۔ میں نے کہا پھر کس وجہ سے ابو بکر سب پر بلند و سابق ہوئے میں نے امام محمد بن حنفیّہ صاحبزادہ مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دریافت کیا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، فرمایا نہ۔ میں نے کہا پھر کس وجہ سے ابو بکر سب پر بلند و سابق ہوئے

[1] المستدرك للحاکم، کتاب معرفة الصحابه، دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۲۳، مسند احمد بن حنبل مروی از علی رضی اللہ تعالٰی عنه، دار الفکر بیروت، ۱/ ۱۶۰

اسلاما حین اسلم حتی لحق بربه[1]	کہ ان کے سوا کوئی دوسرے کاذکر ہی نہیں کرتا،

فرمایا: اس لئے کہ وہ جب سے مسلمان ہوئے اور جب تک اپنے رب عزوجل کے پاس گئے ان کا ایمان سب سے افضل رہا۔

شیخین کی افضیلت: امام دارقطنی جندب اسدی سے راوی:

ان محمد بن عبداللہ بن الحسن اتاہ قوم من اھل الکوفۃ والجزیرۃ فسألوہ عن ابی بکر و عمر فالتفت الیّ فقال انظر الی اھل بلادك یسألونی عن ابی بکر و عمر لھما افضل عندی من علی[2]	یعنی امام نفس زکیہ محمد بن عبداللہ محض ابن امام حسن مثنٰی ابن امام حسن مجتبٰی ابن مولٰی علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوھہم کے پاس اہل کوفہ وجزیرہ سے کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے میں سوال کیا امام نے میری طرف التفات کرکے فرمایا اپنے وطن والوں کو دیکھو مجھ سے ابوبکر و عمر کے باب میں سوال کرتے ہیں بیشک وہ دونوں میرے نزدیک علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

رافضی اور خارجی نظریات:

حافظ عمر بن شبہ سیدنا امام زید شہید ابن امام زین العابدین ابن امام حسین شہید کربلا ابن مولا علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی انہوں نے رافضیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر و عمر ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیأ وانطلقتم انتم فطفرتم فوق ذٰلك فبرئتم منھما فمن بقی فواللہ ما بقی احد الا برئتم منه[3]	خارجیوں نے چل کر تو انہیں سے برات کی جو ابوبکر و عمر سے نیچے ہیں یعنی عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر و عمر کی شان میں کچھ نہ کہہ سکے، اور اے رافضیو! تم نے ان سے اوپر جست کی کہ خود ابوبکر و عمر سے برات کر بیٹھے تو اب کون رہ گیا خدا کی قسم کوئی باقی نہ رہا جس سے تم نے تبرا نہ کیا۔

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن عساکر، الباب الثانی، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۳

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۵

[3] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الحافظ عمر بن شعبہ، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۳

رافضی کی سزا:

دارقطنی فضیل بن مرزوق سے راوی فرمایا:

قلت لعمر بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم افیکم امام تفترض طاعتہ تعرفون ذٰلك لہ من لم یعرف ذٰلك لہ فمات مات میتۃ جاھلیۃ فقال لا واللہ ما ذٰلك فینا من قال ھذا فھو کاذب فقلت انھم یقولون ان ھذہ المنزلۃ کانت لعلی ثم للحسن ثم للحسین قال قاتلھم اللہ ویلھم ما ھذا من الدین واللہ ما ھٰؤلاء الا متاکلین بنا ھذا مختصر [1]	میں نے امام زین العابدین کے صاحبزادے امام باقر کے بھائی امام عمر بن علی سے پوچھا آپ میں کوئی ایسا امام ہے جس کی طاعت فرض ہو آپ اس کا یہ حق پہچانتے ہیں جو اسے بے پہچانے مرجائے جاہلیت کی موت مرے، فرمایا خدا کی قسم ہم میں کوئی ایسا نہیں جو ایسا کہے جھوٹا ہے، میں نے کہا رافضی تو کہتے ہیں یہ مرتبہ مولا علی کا تھا، پھر امام حسن پھر امام حسین کو ملا۔ فرمایا: اللہ رافضیوں کو قتل کرے خرابی ہو ان کے لئے کیا دین ہے خدا کی قسم یہ لوگ نہیں مگر ہمارا نام لے کر دنیا کمانے والے والعیاذ باللہ عزوجل۔

نصوص ختم نبوت:

یہاں تک سو ۱۰۰ احادیث فقیر نے لکھیں اور چاہا کہ اسی پر بس کرے، پھر خیال آیا کہ ذکر پاک امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ ہے دس حدیثیں اور شامل ہوں کہ نام مبارک مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عدد حاصل ہوں، نظر کروں تو فیضان روح مبارک امیر المؤمنین سے تذییلات میں دس حدیثیں خود ہی گزر چکی ہیں تذییل بعد حدیث ۲۵ یک وبعد ۳۹ سہ وبعد ۴۲ یک و بعد ۴۸ و ۵۸ دو ۲ دو ۲ وبعد ۶۲ یک یہ مقصود تو یوں حاصل تھا مگر ازانجا کہ وضع رسالہ نصوص ختم نبوت میں ہے اور ۸ سے ۱۰۰ تک بیس ۲۰ حدیثیں اس مطلب کو دوسرے طرز سے ادا کرتی تھیں للہذا خاص مقصود کی بیس حدیثوں کا اضافہ ہی مناسب نظر آیا کہ خود اصل مرام پر سو حدیثوں کا عدد کامل اور اصل مرویات ایک سو بیس ۱۲۰ ہو کر تین چہل حدیث کا فضل حاصل ہو۔

ارشاداتِ انبیاء و علمائے کتب سابقہ:

حاکم صحیح مستدرک میں وہب بن منبہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عباس اور سات دے گر صحابہ کرام

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن فضیل بن مرزوق، الباب الثالث، مکتبہ مجیدیہ، ملتان، ص ۵۶

سے کہ سب اہل بدر تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک اللہ عزوجل روز قیامت اوروں سے پہلے نوح علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی قوم کو بلا کر فرمائے گا تم نے نوح کو کیا جواب دیا وہ کہیں گے نوح نے نہ ہمیں تیری طرف بلایا، نہ تیرا کوئی حکم پہنچایا، نہ کچھ نصیحت کی، نہ ہاں یا نہ کا کوئی حکم سنایا، نوح علیہ الصلوۃ والسلام عرض کریں گے:

دعوتھم یا رب دعاء فاشیا فی الاولین و الاٰخرین امة حتی انتھی الی خاتم النبیین احمد فانتسخه وقرأه وامن به وصدقه۔	الٰہی! میں نے انہیں ایسی دعوت کی جس کی خبر یکے بعد دیگرے سب اگلوں پچھلوں میں پھیل گئی، یہاں تک کہ سب سے پچھلے نبی احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچی انہوں نے اسے لکھا اور پڑھا اور اس پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق فرمائی،

حق سبحانہ، وتعالٰی فرمائے گا احمد وامتِ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بلاؤ۔

فیاتی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وامته یسعی نورھم بین ایدیھم[1]	رسول اللہ اور حضور کی امت حاضر آئینگے یوں کہ ان کے نور ان کے آگے جولان کرتے ہوں گے۔

نوح علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے شہادت ادا کریں گے الحدیث وقد اختصرناہ (ہم نے حدیث کو اختصارًا نقل کیا ہے) دارقطنی غرائب، امام مالک اور بیہقی دلائل اور خطیب رواۃ مالک میں بطریق عدیدہ عن مالک بن انس عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، اور ابن ابی الدنیا، اور بیہقی وابونعیم دلائل میں بطریق ابن لہیعہ عن مالک بن الازہر عن، نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابونعیم دلائل میں من طریق یحیٰی بن ابراہیم بن ابی قتیلة عن بن اسلم عن ابیه اسلم مولٰی عمر رضی الله تعالٰی عنه، اور معاذ بن المثنٰی زوائد مسند مسدد میں بطریق منتصر بن دینار عن عبداللہ بن ابی الھذیل راوی ہیں اور بروجہ آخر واقدی مغازی میں عن عبدالعزیز بن عمر بن جعونة بن نضلة رضی الله تعالٰی عنه، اور ابن جریر تاریخ اور باوردی کتاب الصحابہ میں بطریق ابی معروف عبدالله بن معروف عن ابی عبدالرحمن الانصاری عن محمد بن حسین بن علی بن ابی طالب، اور ابن ابی الدنیا امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

وھذا حدیث معاذ و فیه صریح النص	یہ حدیث معاذ کی ہے اور اس میں صریح نص ہے

[1] المستدرك للحاکم، کتاب التواریخ المتقدمین من الانبیائ، دار الفکر بیروت، ۲/ ۵۴۷۔۵۴۸

علی مرادنا ومازدنا من الطریق الاول ادرنا حوله ھلالین۔	ہماری مراد پر، اور پہلے طریقہ سے ہم جو زیادتی کریں گے وہ ہلالین میں ہے۔

ذریب بن برثملا کی شہادت:

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نضلہ بن عمرو انصاری کو تین سو مہاجرین وانصار کے ساتھ تاراج حلوان عراق کے لئے بھیجا، یہ قیدی اور غنیمتیں لے آتے تھے، ایک پہاڑ کے دامن میں شام ہوئی، نضلہ نے اذان کہی، جب کہا اللہ اکبر اللہ اکبر پہاڑ سے آواز آئی اور صورت نہ دکھائی دی کہ کوئی کہتا ہے کبرت کبیرا یانضلۃ تم نے کبیر کی بڑائی کی اے نضلہ!، جب کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ جواب آیا اخلصت یانضلۃ اخلاصًا نضلہ! تم نے خالص توحید کی، جب کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ آواز آئی نبی بعث لانبی بعدہ ھو النذیر وھو الذی بشرنا بہ عیسٰی بن مریم وعلٰی راس امتہ تقوم الساعۃ یہ نبی ہیں کہ مبعوث ہوئے ان کے بعد کوئی نبی نہیں یہی ڈر سنانے والے یہی ہیں جن کی بشارت ہمیں عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی تھی انہیں کی امت کے سر پر قیامت قائم ہوگی۔ جب کہا حی علی الصلوٰۃ جواب آیا فریضۃ فرضت[عـــہ۱] (طوبٰی لمن مشی الیھا وواظب علیھا) نماز ایک فرض ہے کہ بندوں پر رکھا گیا خوبی وشادمانی اس کے لئے جو اس کی طرف چلے اور اس کی پابندی رکھے، جب کہا حی علی الفلاح آواز آئی افلح من اتاھا وواظب علیھا (افلح[عـــہ۲] من اجاب محمد

عـــہ۱: ھکذا فی السابع وفی الطریق الثانی عند البیہقی فی الصلوٰۃ قال کلمۃ مقبولۃ وفی الفلاح قال البقاء لامۃ احمد صلی اللہ علیہ وسلم، وعکس ابن ابی الدنیا فذکر فی الصلوٰۃ البقاء لامۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفی الفلاح کلمۃ مقبولۃ ۱۲منہ۔(م)	ساتویں طریقہ میں یوں ہے اور دوسرے طریقہ میں بیہقی کے ہاں یوں ہے، حی علی الصلوٰۃ پر کہا، یہ مقبول کلمہ ہے، اور حی علی الفلاح پر کہا اس میں امت محمدیہ کے لئے بقاء ہے اور ابن ابی الدنیا نے اس کا عکس بیان کیا کہ پہلے میں امت محمدیہ کی بقاء اور دوسرے میں مقبول کلمہ کہا ۱۲منہ۔
عـــہ۲: زاد الخطیب وھو البقاء لامتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ(م)	خطیب نے یوں زیادہ کہا، یہ امتِ محمدیہ کی بقاہے، ۱۲منہ

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مراد کو پہنچا جو نماز کے لئے آیا اور اس پر مداومت کی، مراد کو پہنچا جس نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت کی، جب کہا قد قامت الصلوٰۃ جواب آیا البقاء لامۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی رؤسہا تقوم الساعۃ بقا ہے امت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اور انہیں کے سروں پر قیامت ہوگی (جب کہا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ آواز آئی اخلصت الاخلاص کلہ یا نضلۃ فحرم اللہ بہا جسدك علی النار اے نضلہ! تم نے پورا اخلاص کیا تو اللہ تعالٰی نے اس کے سبب تمہارا بدن دوزخ پر حرام فرمادیا) نماز کے بعد نضلہ کھڑے ہوئے اور کہا اے اچھے پاکیزہ خوب کلام والے! ہم نے تمہاری بات سنی تم فرشتے ہو یا کوئی سیاح یا جن، ظاہر ہو کر ہم سے بات کرو کہ ہم اللہ عزوجل اور اس کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اور امیر المؤمنین عمر) کے سفیر ہیں، اس کہنے پر پہاڑ سے ایک بوڑھے شخص نمودار ہوئے، سپید مُو، دراز ریش، سر ایک چکی کے برابر، سپید اُون کی ایک چادر اوڑھے ایک باندھے، اور کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ، حاضرین نے جواب دیا، اور نضلہ نے پوچھا اللہ تم پر رحم کرے تم کون ہو؟ میں ذریب بن برثملا ہوں بندہ صالح عیسٰی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وصی ہوں انہوں نے میرے لئے دعا فرمائی تھی کہ میں ان کے نزول تک باقی رہوں (زاد فی الطریق الثانی) (دوسرے طریقہ میں یہ زائد ہے۔ت) پھر ان سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہاں ہیں؟ کہا انتقال فرمایا۔ اس پر وہ بزرگ بشدت روئے، پھر کہا ان کے بعد کون ہوا؟ کہا ابوبکر۔ وہ کہاں ہیں؟ کہا انتقال ہوا۔ کہا پھر کون بیٹھا؟ کہا عمر۔ کہا امیر المؤمنین عمر سے میرا سلام کہو، اور کہا کہ ثبات وسداد وآسانی پر عمل رکھئے کہ وقت قریب آلگا ہے، پھر علاماتِ قرب قیامت اور بہت کلماتِ وعظ وحکمت کہے اور غائب ہوگئے۔ جب امیر المؤمنین کو خبر پہنچی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام فرمان جاری فرمایا کہ خود اس پہاڑ کے نیچے جایئے (اور وہ ملیں تو انہیں میرا سلام کہئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی کہ عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک وصی عراق کے اس پہاڑ میں منزل گزین ہے) سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ (چار ہزار مہاجرین وانصار کے ساتھ) اس پہاڑ کو گئے چالیس دن ٹھہرے پنجگانہ اذانیں کہیں مگر جواب نہ ملا۔ آخر واپس آئے[1]

[1] دلائل النبوۃ ابو نعیم، عالم الکتب بیروت، الجزء الاول ص ۲۸۔۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ماجاء فی قصۃ وصیئ عیسٰی ابن مریم علیہما السلام، المکتبۃ الاثریہ، لاہور، ۵/ ۴۲۵تا ۴۲۷

شام کے نصرانی ختم نبوت کی شہادت دیتے ہیں:

طبرانی معجم کبیر میں سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، میں زمانہ جاہلیت میں ملک شام کو تجارت کے لئے گیا تھا ملک کے اسی کنارے پر اہل کتاب سے ایک شخص مجھے ملا پوچھا کیا تمہارے یہاں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں، کہا تم ان کی صورت دیکھو تو پہچان لوگے؟ میں نے کہا ہاں، وہ ہمیں ایک مکان میں لے گیا جس میں تصاویر تھیں، وہاں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ مجھے نظر نہ آئی، اتنے میں ایک اور کتابی آکر بولا: کس شغل میں ہو؟ ہم نے حال کہا، وہ ہمیں اپنے گھر لے گیا وہاں جاتے ہی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر منیر مجھے نظر آئی اور دیکھا کہ ایک شخص حضور کے پیچھے حضور کے قدم مبارک کو پکڑے ہوئے ہے، میں نے کہا یہ دوسرا کون ہے، وہ کتابی بولا:

انه لم یکن نبی الا کان بعدہ نبی الا ھذا فانه لا نبی بعدہ وھذا الخلیفة بعدہ۔	بیشک کوئی نبی ایسا نہ ہوا جس کے بعد نبی نہ ہو سوا اس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور یہ دوسرا ان کے بعد خلیفہ ہے۔

اسے جو میں دیکھوں تو ابوبکر صدیق کی تصویر تھی[1]

بادشاہ روم کی دربار میں ذکر مصطفٰی:

تذییل اوّل: ابن عساکر بطریق قاضی معافی بن زکریا حضرت عبادہ بن صامت، اور بیہقی وابو نعیم بطریق حضرت ابوامامہ باہلی حضرت ہشام بن عاص سے راوی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہمیں بادشاہ روم ہرقل کے پاس بھیجا اور ہم اس کے شہ نشین کے نزدیک پہنچے وہاں سواریاں بٹھائیں اور کہا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ جانتا ہے یہ کہتے ہی اس کا شہ نشین ایسا ہلنے لگا جیسے ہوا کے جھونکے میں کھجور، اس نے کہلا بھیجا یہ تمہیں حق نہیں پہنچتا کہ شہروں میں اپنے دین کا اعلان کرو، پھر ہمیں بلایا ہم گئے وہ سرخ کپڑے پہنے سرخ مسند پر بیٹھا تھا آس پاس ہر چیز سرخ تھی اس کے اراکین دربار اس کے ساتھ تھے ہم نے سلام نہ کیا اور ایک گوشے میں بیٹھ گئے وہ ہنس کر بولا تم آپس میں جیسا ایک دوسرے کو سلام کرتے ہو مجھے کیوں نہ کیا؟ ہم نے کہا ہم تجھے اس سلام کے قابل نہیں سمجھتے اور جس مجرے پر تو راضی ہوتا ہے وہ ہمیں روا نہیں کہ کسی کے لئے بجالائیں، پھر اس نے پوچھا سب سے بڑا کلمہ تمہارے یہاں کیا ہے؟ ہم نے

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۵۳۷، المکتبة الفیصلیة، بیروت، ۲/ ۱۲۵، دلائل النبوة ابو نعیم، عالم الکتب، بیروت، ۱/ ۹

کہالا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، خدا گواہ ہے یہ کہتے ہی بادشاہ کے بدن پر لرزہ پڑ گیا پھر آنکھیں کھول کر غور سے ہمیں دیکھا اور کہا یہی وہ کلمہ ہے جو تم نے میرے شہ نشین کے نیچے اترتے وقت کہا تھا؟ ہم نے کہاہاں، کہاجب اپنے گھروں میں اسے کہتے ہو تو کیا تمہاری چھتیں بھی اس طرح کانپنے لگتی ہیں؟ ہم نے کہاخدا کی قسم یہ تو ہم نے یہیں دیکھا اور اس میں خدا کی کوئی حکمت ہے، بولا سچی بات خوب ہوتی ہے سن لو خدا کی قسم مجھے آرزو تھی کہ کاش میرا آدھا ملک نکل جاتا اور تم یہ کلمہ جس چیز کے پاس کہتے وہ لرزنے لگتی۔ ہم نے کہا یہ کیوں؟ کہایوں ہوتا تو کام آسان تھا اور اس وقت لائق تھا کہ یہ زلزلہ شان نبوت سے نہ ہو بلکہ کوئی انسانی شعبدہ ہو [1] (یعنی اللہ تعالٰی ایسے معجزات ہر وقت ظاہر نہیں فرماتا بلکہ عالم اسباب میں شان نبوت کو بھی غالبًا مجرائے عادت کے مطابق رکھتا ہے)

"وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝" [2]	اگر ہم فرشتے کو نبی بناتے تو مرد ہی بناتے اور اس کو وہی لباس پہناتے جو مرد لوگ پہنتے ہیں۔

ولہذا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جہادوں میں بھی جنگ دو سرداروں کا مضمون رہتا ہے۔

الحرب بیننا وبینه سجال ینال منا و ننال منه [3]۔ رواہ الشیخان عن ابی سفیان رضی اللہ تعالٰی عنه۔	(ہمارے اور ان کے درمیان جنگ کبھی وہ کامیاب اور کبھی ہم کامیاب ہوتے ہیں، اس کو شیخین نے ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

لہذا جب ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہرقل کو خبر دی کہ لڑائی میں کبھی ہم بھی ان پر غالب آتے ہیں ہرقل نے کہاھذہ اٰیة النبوة [4] یہ نبوت کی نشانی ہے رواہ البزار وابونعیم عن دحیة الکلبی رضی اللہ تعالٰی عنه (اسے بزار اور ابونعیم نے دحیہ کلبی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما وجد من صورۃ نبینا محمد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱/ ۳۸۶-۸۷، جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن المعافی عن عبادۃ بن الصامت، حدیث ۱۵۶۴۱ دار الفکر، بیروت، ۲۰/ ۶۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۹

[3] صحیح البخاری، باب کیف کان بدء الوحی، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱/ ۴

[4] کشف الاستار عن زوائد البزار باب فیما کان عند اہل الکتاب من علامات نبوتہ، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۳/ ۱۱۷

تصرفِ اولیاء اور مظلومیت حسین:

یہ بات یادرکھنے کی ہے کہ بعض جہال ضعیف الایمان اس پر شک کرنے لگتے ہیں، اور اسی قبیل سے ہے جاہل وہابیوں کا اعتراض کہ اولیاء اگر اللہ تعالٰی کی طرف سے کچھ قدرت رکھتے تو امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کیوں ایسی مظلومی کے ساتھ شہید ہوجاتے، ایک اشارے میں یزید پلید کے لشکر کو کیوں نہ غارت فرمادیا۔ مگر یہ سفہاء نہیں جانتے کہ ان کی قدرت جو انہیں ان کے رب نے عطافرمائی رضا و تسلیم و عبدیت کے ساتھ ہے نہ کہ معاذاللہ جباری و سرکشی و خودسری کے ساتھ مقوقس بادشاہ مصر نے حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امتحاناً پوچھا کہ جب تم انہیں نبی کہتے ہو تو انہوں نے دعا کرکے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک فرمادیا جب انہوں نے ان کا شہر مکہ چھڑایا تھا، حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کیا تو عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسول نہیں مانتا انہوں نے دعا کرکے اپنی قوم کو کیوں نہ ہلاک کردیا جب انہوں نے انہیں پکڑا اور سولی دینے کا ارادہ کیا تھا؟ مقوقس بولا: **انت حکیم جآء من عند حکیم**[1]، تم حکیم ہو کہ حکیم کامل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔ **رواہ البیہقی عن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو بیہقی نے حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

خیر یہ تو فائدہ زائدہ تھا، حدیث سابق کی طرف عود کریں۔

ہرقل کے پاس انبیاء کی تصاویر:

پھر ہرقل نے ہمیں باعزاز و اکرام ایک مکان میں اتارا، دونوں وقت عزت کی مہمانیاں بھیجتا، ایک رات ہمیں پھر بلا بھیجا، ہم گئے اس وقت اکیلا بالکل تنہا بیٹھا تھا، ایک بڑا صندوقچہ زرنگار منگا کر کھولا اس میں چھوٹے چھوٹے خانے تھے ہر خانے پر دروازہ لگا تھا، اس نے ایک خانہ کھول کر سیاہ ریشم کا کپڑا تہہ کیا ہوا نکالا اسے کھولا تو اس میں ایک سرخ تصویر تھی، مرد فراخ چشم بزرگ سرین کہ ایسے خوبصورت بدن میں ایسی لمبی گردن کبھی نہ دیکھی تھی سر کے بال نہایت کثیر (بے ریش دو گیسو غایت حسن و جمال میں) ہرقل بولا: انہیں پہچانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا: یہ آدم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر وہ تصویر رکھ کر دوسرا خانہ کھولا، اس میں سے ایک سیاہ ریشم کا کپڑا نکالا، اس میں خوب گورے رنگ کی تصویر تھی، مرد بسیار موئے سر مانند موئے قبطیاں، فراخ چشم، کشادہ سینہ، بزرگ سر (آنکھیں سرخ، داڑھی خوبصورت) پوچھا: انہیں جانتے ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا یہ نوح ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پھر اسے رکھ کر اور خانہ کھولا، اس میں سے حریر سبز کا ٹکڑا نکالا اس میں نہایت گورے رنگ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء الی کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم المقوقس دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۹۶

کی ایک تصویر تھی، مرد خوب چہرہ، خوش چشم، دراز بینی (کشادہ پیشانی)، رخسارے سُتے ہوئے، سر پر نشانِ پیری، ریش مبارک سپید نورانی، تصویر کی یہ حالت ہے کہ گویا جان رکھتی ہے، سانس لے رہی ہے (مسکرارہی ہے) کہا: ان سے واقف ہو؟ ہم نے کہا: نہ، کہا: یہ ابراہیم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پھر اسے رکھ کر ایک اور خانہ کھولا، اس میں سے سبز ریشم کا پارچہ نکالا، اسے جو ہم نظر کریں تو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر منیر تھی، بولا: انہیں پہچانتے ہو؟ ہم رونے لگے اور کہا: یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، وہ بولا: تمہیں اپنے دین کی قسم یہ محمد ہیں؟ ہم نے کہا: ہاں ہمیں اپنے دین کی قسم یہ حضور اکرم کی تصویر پاک ہے گویا ہم حضور کو حالتِ حیات دنیوی میں دیکھ رہے ہیں، اسے سنتے ہی وہ اچھل پڑا بے حواس ہوگیا سیدھا کھڑا ہوا پھر بیٹھ گیا دیر تک دم بخود رہا پھر ہماری طرف نظر اٹھا کر بولا: **اما انہ اٰخر البیوت ولٰکنی عجلتہ لا نظر ما عندکم**[1]، سنتے ہو یہ خانہ سب خانوں کے بعد تھا مگر میں نے جلدی کرکے دکھایا کہ دیکھوں تمہارے پاس اس باب میں کیا ہے، یعنی اگر ترتیب وار دکھاتا آتا تو احتمال تھا کہ تصویر حضرت مسیح کے بعد دکھانے پر تم خواہ مخواہ کہہ دو کہ یہ ہمارے نبی کی تصویر ہے اس لئے میں نے ترتیب قطع کرکے اسے پیش کیا کہ اگر یہ وہی نبی موعود ہیں تو ضرور پہچان لوگے۔ **بحمداللہ تعالٰی** ایسا ہی ہوا، اور یہی دیکھ کر اس حرماں نصیب کے دل میں درد اٹھا کہ حواس جاتے رہے اٹھا بیٹھا دم بخود رہا۔

وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ [2] "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾" [3]	(اللہ تعالٰی اپنے نور کو تمام فرمائیگا اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ **والحمدللہ رب العٰلمین**۔ ت)

ہمارا مطلب تو **بحمد اللہ** یہیں پورا ہوگیا کہ یہ خانہ سب خانوں کے بعد ہے، اس کے بعد حدیث میں اور انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی تصاویر کریمہ کا ذکر ہے، حلیہ ہائے منورہ پر اطلاع مسلمین کے لئے اس کا خلاصہ بھی مناسب، یہاں تک کہ دونوں حدیثیں متفق تھیں، ترجمہ مختصراً حدیث عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تھا، جو لفظ حدیث ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بڑھائے خطوط ہلالی میں تھے، اب حدیث ہشام اتم وازید ہے کہ اس میں پانچ انبیاء لوط واسحٰق ویعقوب واسمٰعیل و یوسف علیہم الصلٰوۃ والسلام کا ذکر شریف زائد ہے لہٰذا اسی سے

---

[1] جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن معاذ عن عبادۃ بن الصامت حدیث ۱۵۶۴۱، دار الفکر بیروت ۲۰/ ۶۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماوجد فی صورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت ۱/ ۳۸۷،۸۸

[2] القرآن الکریم ۶۱/ ۸

[3] القرآن الکریم ۱/۱

اخذ کریں، اور جو مضمون حدیث عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں زائد ہوا سے خطوط ہلالی میں بڑھائیں۔

فرماتے ہیں پھر اس نے ایک اور خانہ کھولا، حریر سیاہ پر ایک تصویر گندمی رنگ سانولی نکالی (مگر حدیث عبادہ میں گورا رنگ ہے) مرد مرغول عـــہ۱ مو سخت گھونگر والے بال، آنکھیں جانب باطن مائل، تیز نظر، ترش رو دانت، باہم چڑھے ہونٹ، سمٹا جیسے کوئی حالتِ غضب میں ہو۔ ہم سے کہا: انہیں پہچانتے ہو؟ یہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، اور ان کے پہلو میں ایک اور تصویر تھی، صورت ان سے ملتی مگر سر پر خوب تیل پڑا ہوا، پیشانی کشادہ، پتلیاں جانب بینی مائل (سر مبارک مدوّر گول)، کہا: انہیں جانتے ہو؟ یہ ہارون علیہ السلام ہیں۔ پھر اور خانہ کھول کر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، مرد گندم گوں، سر کے بال سیدھے، قد میانہ، چہرے سے آثار غضب نمایاں، کہا: یہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، گورا رنگ جس میں سرخی جھلکتی، ناک اونچی، رخسارے ہلکے، چہرہ خوبصورت، کہا یہ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، صورت صورتِ اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مشابہ تھی مگر لب زیریں پر ایک تل تھا، کہا: یہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سیاہ پر ایک تصویر نکالی، رنگ گورا، چہرہ حسین، ناک بلند، قامت خوبصورت، چہرے پر نور درخشاں اور اس میں آثار خشوع نمایاں، رنگ میں سرخی کی جھلک تاباں، کہا: یہ تمہارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جد کریم اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی کہ صورت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مشابہ تھی، چہرہ گویا آفتاب تھا، کہا یہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں، پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی سرخ رنگ، باریک ساقیں، آنکھیں کم کھلی ہوئی عـــہ۲ جیسے کسی کو روشنی میں چوندھ لگے، پیٹ ابھرا ہوا، قد میانہ، تلوار حمائل کئے، مگر حدیث عبادہ میں اس کے عوض

عـــہ۱: الحمدللہ حدیثیں ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں ابو یعلٰی وابن عساکر نے بطریق یحیٰی بن ابی عمرو الشیبانی عن ابی صالح عن ام ھانی رضی اللہ تعالٰی عنہا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث معراج میں موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہی حلیہ روایت کیا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

واما موسٰی فضخم اٰدم طوال، کانہ من رجال شنوأۃ کثیر الشعر، غائر العینین، متراکب الاسنان مقلص الشفۃ خارج اللثۃ، عابس[1]	لیکن موسٰی علیہ السلام بھاری بدن، گندم گوں، طویل، گویا شنوہ قبیلہ کے لوگ، آنکھیں جانب باطن مائل، باہم چڑھے ہوئے دانت باہم ملے ہوئے ہونٹ، لٹکی داڑھی، سمٹا جیسے حالت غضب۔ ت۔ اور یہیں سے ترجیح حدیث صحیح ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہ ظاہر ہوئی کہ گندمی رنگ بتایا تھا ۱۲ منہ۔

عـــہ۲: یہ اس سالہا سال کے گریہ خوف الٰہی کا اثر تھا جس کے باعث رخسارہ انور پر دو خط سیاہ بن گئے تھے۔

---

[1] درمنثور بحوالہ ابی یعلی وابن عساکر، تحت آیہ سبحٰن الذی، منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی، قم ایران، ۴/ ۱۴۸، المطالب العالیۃ بحوالہ ابی یعلی، حدیث ۴۲۸۷، دار الباز مکۃ المکرمۃ، ۴/ ۲۰۲

یوں ہے حریر سبز پر گوری تصویر جس کے عضو عضو سے نزاکت و دلکشی ٹپکتی، ساق و سرین خوب گول، کہا: یہ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ پھر حریر سپید پر ایک تصویر نکالی، فربہ سرین، پاؤں میں طول، گھوڑے پر سوار (جس کے ہر طرف پر لگے تھے گردن [عہ۱] دبی ہوئی، پشت کوتاہ، گورا رنگ) کہا: یہ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں (اور یہ پر دار گھوڑا جس کی ہر جانب پر ہیں ہوا ہے کہ انہیں اٹھائے ہوئے ہے) پھر حریر سیاہ پر ایک گوری تصویر نکالی، مرد جوان، داڑھی نہایت سیاہ، سر کے بال کثیر، چہرہ خوبصورت (آنکھیں حسین، اعضا متناسب) کہا [عہ۲] یہ عیسٰی بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ ہم نے کہا: یہ تصویریں تیرے پاس کہاں سے آئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ ضرور سچی تصاویر ہیں کہ ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر کریم کے مطابق پائی۔ کہا: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی تھی کہ میری اولاد کے انبیاء مجھے دکھادے حق سبحانہ تعالٰی نے ان پر تصاویر انبیاء اتاریں کہ مغرب شمس کے پاس خزانہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں تھیں، ذوالقرنین نے وہاں سے نکال کر دانیال علیہ السلام کو دیں (انہوں نے پارچہ ہائے حریر پر اتاریں کہ یہ بعینہا وہی چلی آتی ہیں) سن لو خدا کی قسم مجھے آرزو تھی کاش میرا نفس ترک سلطنت کو گوارا کرتا اور میں مرتے دم تک تم میں کسی ایسے کا بندہ بنتا جو غلاموں کے ساتھ نہایت سخت برتاؤ رکھتا (مگر کیا کروں نفس راضی نہیں ہوتا) پھر ہمیں عمدہ جائزے دے کر رخصت کیا (اور ہمارے ساتھ آدمی کرکے سرحدِ اسلام تک پہنچادیا) ہم نے آکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حال عرض کیا، صدیق روئے اور فرمایا: مسکین اگر اللہ اس کا بھلا چاہتا وہ ایسا ہی کرتا، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ یہ اور یہودی اپنے یہاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت پاتے ہیں[1]

مقوقس کے دربار میں فرمان نبوی:

تذییل دوم: امام واقدی اور ابوالقاسم بن عبدالحکم فتوح مصر میں بطریق ابان بن صالح راوی جب حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمان اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لے کر مقوقس نصرانی بادشاہ

عہ۱: حدیث مذکورام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا میں حلیہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ہے قد میانہ سے زائد دراز سے کم، سینہ چوڑا، خون کی سرخی بدن پر جھلکتی، بال عمدہ ان کی سیاہی سرخی مائل ۱۲ منہ۔

عہ۲: فائدہ: یہ نفیس جلیل حدیث طویل جس کا خلاصہ اختصار کے ساتھ تین ورق میں بیان ہوا بحمداللہ صحیح ہے امام حافظ عماد الدین بن کثیر، امام خاتم الحفاظ سیوطی نے فرمایا **ھذا حدیث جید الاسناد ورجالہ ثقات**۔ ۱۲ منہ

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما وجد من صورۃ نبینا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ الاثریہ، لاہور ۱/ ۳۸۸ تا ۳۹۰، جامع الاحادیث بحوالہ ابن عساکر عن المعافی عن عبادہ بن الصامت، حدیث ۱۵۶۴۱ دار الفکر بیروت، ۲۰/ ۶۳ و ۶۴

مصر واسکندریہ کے پاس تشریف لے گئے، اس نے ان سے دریافت کیا کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس بات کی طرف بلاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: توحید و نماز پنجگانہ و روزہ رمضان وحج و وفائے عہد۔ پھر اس نے حضور کا حلیہ پوچھا، انہوں نے باختصار بیان کیا، وہ بولا:

قد بقیت اشیاء لم تذکرھا فی عینیہ حمرۃ قلت ما تفارقہ وبین کتفیہ خاتم النبوۃ الخ	ابھی اور باتیں باقی رہیں کہ تم نے نہ بیان کیں ان کے آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں کہ کم کسی وقت جدا ہوتے ہوں اور ان کے دونوں شانوں کے بیچ مہر نبوت ہے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اور صفات کریمہ بیان کرکے بولا:

قد کنت اعلم ان نبیا قد بقی وقد کنت اظن مخرجہ بالشام، وھناك کانت تخریج الانبیاء قبلہ فاراہ قد خرج فی ارض العرب فی ارض جھد وبؤس والقبط لا تطاوعنی علی اتباعہ وسیظھر علی البلاد[1]	مجھے یقینا معلوم تھا کہ ایک نبی باقی ہے اور مجھے گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا کہ اگلے انبیاء نے وہاں ظہور کیا اب میں دیکھتا ہوں کہ انہوں نے عرب میں ظہور فرمایا، محنت میں مشقت کی زمین میں، اور قبطی ان کی پیروی میں میری نہ مانیں گے عنقریب وہ ان شہروں پر غلبہ پائیں گے۔

تتمہ حدیث: ابوالقاسم نے بطریق ہشام بن اسحق وغیرہ اور ابن سعد نے طبقات میں بطریق محمد بن عمر بن واقد ان کے شیوخ سے روایت کیا کہ مقوقس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی مضمون کی عرضی لکھی کہ:

قد علمت ان نبیا بقی وکنت اظن انہ یخرج بالشام وقد اکرمتك رسولك وبعثت الیك بھدیۃ[2]	مجھے یقین تھا کہ ایک نبی باقی ہے اور میرے گمان میں وہ شام سے ظہور کرتا اور میں نے حضور کے قاصد کا اعزاز کیا اور حضور کے لئے نذر حاضر کرتا ہوں۔

عبداللہ بن سلام کا واقعہ ایمان:

تذییل سوم: بیہقی دلائل میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا چرچا سنا اور حضور کے صفت ونام وہیات اور جن جن باتوں کی ہم حضور

[1] شرح الزرقانی علی المواہب بحوالہ واقدی وابن عبدالحکیم، المقصد الثانی، الفصل الثالث، دارالمعرفۃ، بیروت، ۳/ ۳۵۰

[2] الطبقات الکبرٰی، ذکر بعثتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ، دار صادر، بیروت، ۱/ ۲۶۰

کے لئے۔ توقع کر رہے تھے سب پہچان لیں تو میں نے خاموشی کے ساتھ اسے دل میں رکھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے مجھے خبر رونق افروزی پہنچی میں نے تکبیر کہی میری پھوپھی بولی: اگر تم موسٰی بن عمران علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آنا سنتے تو اس سے زیادہ کیا کرتے؟ میں نے کہا: اے پھوپھی! خدا کی قسم وہ موسٰی بن عمران کے بھائی ہیں جس بات پر موسٰی بھیجے گئے تھے اسی پر یہ بھی مبعوث ہوئے ہیں، وہ بولی:

یا ابن اخی اھو النبی الذی کنا نخبر به انه یبعث مع بعث الساعة، قلت لها نعم [1]	اے میرے بھتیجے! کیا یہ وہ نبی ہیں جن کی ہم خبر دئے جاتے تھے کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوں گے؟ میں کہا: نعم ہاں۔ (الحدیث)

خطیب وابن عساکر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا احمد و محمد والحاشر والمقفی والخاتم [2]	میں احمد ہوں اور محمد اور تمام جہان کو حشر دینے والا، اور سب انبیاء کے پیچھے آنے والا، اور نبوت ختم فرمانے والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ہجرت حضرت عباس:

ابو یعلٰی و طبرانی و شاشی وابو نعیم فضائل الصحابہ میں اور ابن عساکر و ابن النجار حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولاً اور رویانی وابن عساکر محمد بن شہاب زہری سے مرسلاً راوی حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما عم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں (مکہ معظّمہ سے) عرضی حاضر کی کہ مجھے اذن عطا ہو تو ہجرت کرکے (مدینہ طیبہ) حاضر ہوں۔ اس کے جواب میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمان نافذ فرمایا:

یا عم اقم مکانك الذی انت فیه، فان الله یختم بك الهجرة کما ختم بی النبوة [3]	اے چچا! اطمینان سے رہو کہ تم ہجرت میں خاتم المہاجرین ہونے والے ہو، جس طرح میں نبوت میں خاتم النبیین ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب ما جاء فی دخول عبداللہ بن سلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب العلمیہ، بیروت، ۲/ ۵۳۰

[2] تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۲۵۰۱ احمد بن محمد السوطی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۵/ ۹۹

[3] تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، ذکر من اسمہ عباس، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۷/ ۲۳۵

امام اجل فقیہ محدث ابواللیث سمر قندی تنبیہ الغافلین میں فرماتے ہیں:

حدثنا ابوبکر محمد بن احمد ثنا ابو عمران ثنا عبدالرحمن ثنا داؤد ثنا عباد بن الکثیر عن عبد خیر عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمیں ابوبکر محمد بن احمد ان کو ابو عمران ان کو عبدالرحمٰن ان کو داؤد ان کو عباد بن کثیر ان کو عبد خیر سے انہوں نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔

جب سورۃ اذا جاء نصر اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض وصال شریف میں نازل ہوئی حضور فوراً برآمد ہوئے پنجشنبہ کا دن تھا، منبر پر جلوس فرمایا، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم دیا کہ مدینے میں ندا کردو "لوگو! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وصیت سننے چلو" یہ آواز سنتے ہی سب چھوٹے بڑے جمع ہوئے، گھروں کے دروازے ویسے ہی کھلے چھوڑدیئے یہاں تک کہ کنواریاں پردوں سے باہر نکل آئیں، حدیہ کہ مسجد شریف حاضرین پر تنگ ہوئی، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمارہے ہیں اور اپنے پچھلوں کے لئے جگہ وسیع کرو، اپنے پچھلوں کے لئے جگہ وسیع کرو۔ پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر قیام فرماکر حمد وثنائے الٰہی بجالائے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجی، پھر ارشاد ہوا:

انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم العربی الحرمی المکی لا نبی بعدی[1] الحدیث، ھذا مختصر۔	میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم عربی صاحب حرم محترم ومکہ معظمہ ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں، الحدیث، ہذا مختصر

مدینہ طیبہ میں حضور کی تشریف آوری:

اللہ اللہ ایک وہ دن تھا کہ مدینہ طیبہ میں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین وآسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی وشادمانی ہے کہ درودیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا دمکتا چہرہ انار دانہ ہورہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامے تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ چھما چھم برس رہا ہے فرش سے عرش تک کا نور کا بقعہ بنا ہے، پردہ نشین کنواریاں شوق دیدارِ محبوبِ کردگار میں گاتی ہوئی باہر آئی ہیں کہ:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع وجب الشکر علینا مادعاللہ داع[2]

(ہم پر چاند نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے) (ت)

---

[1] تنبیہ الغافلین، باب الرفق، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ص ۴۳۷

[2] المواہب اللدنیۃ، الہجرۃ الی المدینۃ متی انشد طلع البدر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱/ ۳۱۳

بنی النجار کی لڑکیاں کوچے کوچے محوِ نغمہ سرائی ہیں کہ:

نحن جوارٍ من بنی النجارِ   یا حبذا محمد من جارِ [1]

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں اے نجاریو!   محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔ت

ایک دن آج ہے کہ اس محبوب کی رخصت ہے، مجلسِ آخری وصیت ہے، مجمع تو آج بھی وہی ہے، بچوں سے بوڑھوں تک، مردوں سے پردہ نشینوں تک سب کا ہجوم ہے، ندائے بلال سنتے ہی چھوٹے بڑے سینوں سے دل کی طرح بے تابانہ نکلے ہیں، شہر بھرنے مکانوں کے دروازے کھلے چھوڑ دئے ہیں، دل کمھلائے چہرے مرجھائے دن کی روشنی دھیمی پڑ گئی کہ آفتابِ جہاں تاب کی وداع نزدیک ہے، آسمان پژمردہ، زمین افسردہ، جدھر دیکھو سناٹے کا عالم اتنا اژدھام اور ہو کا مقام، آخری نگاہیں اس محبوب کے روئے حق نما تک کس حسرت و یاس کے ساتھ جاتی اور ضعفِ نومیدی سے ہلکان ہو کر بیخودانہ قدموں پر گر جاتی ہیں، فرطِ ادب سے لب بند مگر دل کے دھوئیں سے یہ صدا بلند۔

کنت السواد لناظری   فعمی علیك الناظر

من شاء بعدك فلیمت   فعلیك کنت احاذر [2]

(میں اپنے دیکھنے والوں کے لئے سیاہ تھا پس اندھا کیا گیا آپکو دیکھنے والے کو، پس جو چاہے آپ کے بعد مار دے، پس آپ پر ہی بھروسا تھا کہ مجھے بچالیں گے۔ت)

اللہ کا محبوب، امت کا داعی کس پیار کی نظر سے اپنی پالی ہوئی بکریوں کو دیکھتا اور محبت بھرے دل سے انہیں حافظ حقیقی کے سپرد کررہا ہے، شان رحمت کو ان کی جدائی کا غم بھی ہے اور فوج فوج امنڈتے ہوئے آنے کی خوشی بھی کہ محنت ٹھکانے لگی، جس خدمت کو ملک العرش نے بھیجا تھا باحسن الوجوہ انجام کو پہنچی۔

نوح کی ساڑھے نوسوبرس وہ سخت مشقت اور صرف پچاس شخصوں کو ہدایت، یہاں بیس ۲۰ تئیس ۲۳ ہی سال میں بحمد اللہ یہ روز افزوں کثرت، کنیز وغلام جوق جوق آرہے ہیں، جگہ بار بار تنگ ہو جاتی ہے دفعہ دفعہ ارشاد ہوتا ہے آنے والوں کو جگہ دو، آنے والوں کو جگہ دو، اس عام دعوت پر جب یہ مجمع ہو لیا ہے سلطان عالم نے منبر اکرم پر قیام کیا ہے، بعد حمد وصلوٰۃ اپنے نسب و نام و قوم و مقام و فضائل عظام کا بیان ارشاد ہوا ہے، مسلمانو! خدارا پھر مجلس میلاد اور کیا ہے، وہی دعوت عام، وہی مجمع تام، وہی منبر و قیام، وہی بیان فضائل سید الانام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام مجلس میلاد اور کس شئے کا نام، مگر نجدی صاحبوں کو ذکر محبوب

---

[1] المواہب اللدنیۃ، الہجرۃ الی المدینۃ متی انشد طلع البدر، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱/ ۳۱۴

[2] المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر، الفصل الاول (وثائی) المکتب الاسلامی، بیروت، ۴/ ۵۵۴

مٹانے سے کام وربنا الرحمن المستعان وبه الاعتصام وعلیه التکلان (ہمارا رب رحمٰن مددگار ہے اور اسی ذات سے مضبوطی اور اسی پر اعتماد۔ ت)

چارپائے کلام کرتے ہیں:

ابن حبان وابن عساکر حضرت ابو منظور اور ابو نعیم بروجہ آخر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، جب خیبر فتح ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دراز گوش سیاہ رنگ دیکھا اس سے کلام فرمایا، وہ جانور بھی تکلم میں آیا، ارشاد ہوا، تیرا کیا نام ہے؟ عرض کی: یزید بیٹا شہاب کا، اللہ تعالٰی نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ دراز گوش پیدا کئے **کلھم لا یرکبه الا نبی** ان سب پر انبیاء سوار ہوا کئے **وقد کنت اتوقعك ان ترکبنی، لم یبق من نسل جدی غیری ولا من الانبیاء غیرك** مجھے یقینی توقع تھی کہ حضور مجھے اپنی سواری سے مشرف فرمائیں گے کہ اب اس نسل میں سوا میرے اور انبیاء میں سوا حضور کے کوئی باقی نہیں، میں ایک یہودی کے پاس تھا اسے قصداً گرادیا کرتا وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا نام **یعفور** رکھا، جسے بلانا چاہتے اسے بھیج دیتے چوکھٹ پر سر مارتا جب صاحب خانہ باہر آتا اسے اشارے سے بتاتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں، جب حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا وہ مفارقت کی تاب نہ لایا ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کنویں میں گر کر مرگیا۔[1]

هذا حدیث ابی منظور ونحوه عن معاذ باختصار غیر انه ذکر مکان الاباء ثلثة اخوة واسمه مکان یزید عمر وقال کلنا رکبنا الانبیاء انا اصغرهم وکنت لک[2]. الحدیث **قلت** ولا علیك من دندنة العلامة ابن الجوزی کعادته علیه ولا من تحامل ابن دحیة علی حدیث الضب المار سابقا فلیس فیهما ما ینکر شرعا ولا فی	یہ ابو منظور کی حدیث ہے اور اسی کی مثل حضرت معاذ سے بطریق اختصار مروی ہے مگر انہوں نے آباء کی جگہ تین بھائیوں کا اور یزید کی جگہ نام عمر ذکر کیا اور اس نے کہا ہم سب پر انبیاء علیہم السلام سوار ہوئے جبکہ میں سب سے چھوٹا ہوں اور میں آپ کے لئے ہوں، الحدیث۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) علامہ ابن جوزی کا اعتراض جیسا کہ اس کی عادت ہے تجھے مضر نہیں، اور نہ ہی ابن دحیہ کی سو سمار سے متعلق گزشتہ حدیث پر جسارت تجھے مضر ہے، ان دونوں حدیثوں میں شرعی طور پر کوئی قابل انکار چیز نہیں

[1] المواهب اللدنية بحواله ابن عساکر عن ابی منظور، مقصد رابع، فصل اول، المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۵۴

[2] دلائل النبوة لابی نعیم، الفصل الثانی والعشرون، عالم الکتب، بیروت، ص ۱۳۸

سندھما کذاب ولا وضاع ولا متھم بہ فانی یاتیھما الوضع وھذا امام الشان العسقلانی قد اقتصر فی حدیث ابی منظور علی تضعیفہ ولہ شاھد من حدیث معاذ کماتری لاجرم ان قال الزرقانی نھایتہ الضعف لا الوضع [1]،وقال ھو والقسطلانی فی حدیث الضب (معجزاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیھا ما ھو ابلغ من ھذا ولیس فیہ ما ینکر شرعا خصوصا و قدرواہ الائمۃ) الحافظ الکبار کابن عدی وتلمیذہ الحاکم و تلمیذہ البیہقی وھو لا یروی موضوعا والدارقطنی وناھیك بہ (فنھایتہ الضعف لاالوضع) کمازعم کیف ولحدیث ابن عمر طریق اٰخر لیس فیہ السلمی رواہ ابو نعیم وورد مثلہ من حدیث عائشۃ وابی ھریرۃ عند غیرھما [2] اھ **قلت** وقد اوردکلا الحدیثین الامام خاتم الحفاظ فی الخصائص الکبری وقد قال فی خطبتھا نزھتہ عن الاخبار الموضوعۃ ومایرداہ [3]، **قلت** وعزو الزرقانی	اور نہ ہی ان کی سندوں میں کوئی کذاب اور وضاع اور متہم راوی ہے توان حدیثوں کا موضوع ہونا کہاں سے ہوا جبکہ امام عسقلانی نے ابو منظور کی حدیث کو ضعیف کہنے پر اقتصار کیا حالانکہ اس حدیث کا شاہد حضرت معاذ کی حدیث ہے جیسا کہ آپ دیکھ رہے اسی بناپر علامہ زرقانی نے فرمایا زیادہ سے زیادہ یہ ضعیف ہے موضوع نہیں ہے،اور انہوں نے اور امام قسطلانی نے بھی سوسمار والی حدیث کے متعلق فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات میں تواس سے بڑھ کر واقعات ہیں جبکہ اس حدیث میں شرعی طور پر قابل انکار چیز بھی نہیں، خصوصًا جبکہ اس کو بڑے ائمہ حفاظ جیسے ابن عدی،ان کے شاگرد امام حاکم اوران کے شاگرد امام بیہقی نے روایت کیا ہو،امام بیہقی تو موضوع روایت ذکر نہیں کرتے،اس کو دارقطنی نے روایت کیاان کی سند تو تجھے کافی ہے توزیادہ سے زیادہ یہ حدیث ضعیف ہوسکتی ہے موضوع نہیں ہے جیساکہ بعض نے خیال کیا، موضوع کیسے کہا جائے جبکہ ابن عمر کی حدیث دوسرے طریقہ سے بھی مروی ہے جس میں سلمی مذکور نہیں اس طریق کوابو نعیم نے روایت کیااور حضرت عائشہ صدیقہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی مثل دونوں کے غیر سے وارد ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) ان دونوں حدیثوں کو امام جلال الدین سیوطی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ مقصد رابع،فصل اول،حدیث الضب،دارالمعرفۃ بیروت،۵/ ۱۴۸

[2] المواہب اللدنیہ مقصد رابع،فصل اول،حدیث الضب،المکتب الاسلامی،بیروت،۲/ ۵۵۵،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ مقصد رابع،فصل اول،حدیث الضب،دارالمعرفۃ بیروت،۵/ ۵۰۔۱۴۹

[3] الخصائص الکبرٰی،مقدمۃ المؤلف،دارالکتب الحدیثیہ،بیروت،۱/ ۸

حدیث الضب لابن عمر تبع فیه الماتن اعنی الامام القسطلانی صاحب المواهب وسبقهما الدمیری فی حیٰوة الحیوان الکبری لکن الذی رأیت فی الخصائص الکبرٰی والجامع الکبیر للامام الجلیل الجلال السیوطی هو عزوہ لامیر المؤمنین عمر رضی الله تعالٰی عنه کما قدمت وقد اوردہ فی الجامع فی مسند عمر فزیادة لفظ الابن اما وقع سهوا اویکون الحدیث من طریق ابن عمر عن عمر رضی الله تعالٰی عنهما فیصح العزو الی کل وان کان الاولی ذکر المنتهی ویحتمل علی بُعد عن کل منهما فاذن یکون مرویا عن ستة من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم، والله تعالٰی اعلم۔	نے خصائص الکبرٰی میں ذکر فرمایا حالانکہ انہوں نے اس کتاب کے خطبہ میں فرمایا ہے میں نے اس کتاب کو موضوع اور مردود روایات سے دور رکھا ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) زرقانی کا سوسمار والی حدیث کو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف منسوب کرنا ماتن یعنی مصنف مواہب امام قسطلانی کی پیروی ہے جبکہ ان دونوں سے قبل علامہ دمیری نے حیٰوۃ الحیوان میں اس کو ذکر کیا لیکن میں نے امام جلال الدین سیوطی کی خصائص الکبرٰی اور جامع کبیر میں دیکھا انہوں نے اس کو امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں، انہوں نے اسے اپنی جامع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مسند میں ذکر فرمایا، تو "ابن" کا لفظ سہواً لکھا گیا ہے یا پھر ابن عمر کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے لہٰذا دونوں حضرات کی طرف نسبت درست ہے، اگرچہ منتہی راوی یعنی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منسوب کرنا اولٰی ہے اور بعید احتمال کے طور پر دونوں حضرات سے مستقل روایت بھی ہو سکتی ہے تو یوں چھ صحابہ سے یہ حدیث مروی ہوگی۔ (واللہ تعالٰی اعلم)۔ت

میرے بعد کوئی نبی نہیں:

سعید بن ابی منصور وامام احمد وابن مردویہ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لانبوة بعدی الا المبشرات الرؤیا الصالحة[1]	میرے بعد نبوت نہیں مگر بشارتیں ہیں اچھے خواب۔

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث ابی الطفیل رضی الله تعالٰی عنه، دار الفکر بیروت، ۵/ ۴۵۴، مجمع الزوائد، کتاب التعبیر، دار الکتاب، بیروت، ۷/ ۱۷۳

احمد وخطیب اور بیہقی شعب الایمان میں اس کے قریب ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یبقی بعدی من النبوۃ شیئ الاالمبشرات الرؤیا الصالحۃ یراھا العبد اوتری لہ[1]	میرے بعد نبوت سے کچھ باقی نہ رہے گا مگر بشارتیں، اچھا خواب کہ بندہ آپ دیکھے یا اس کے لئے دوسرے کو دکھایا جائے۔

تیس ۳۰ کذاب:

ابوبکر ابن ابی شیبہ مصنف میں عبید بن عمر ولیثی اور طبرانی کبیر میں نعیم بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقوم الساعۃ حتی یخرج ثلثون کذابا کلھم یزعم انہ نبی زاد[2] عبید قبل یوم القیمۃ۔ **اقول:** وانما اخرناھما الی التذییل بخلاف عین اللفظ المتقدم فی الحدیث الثانی والستین لان فی تتمتہ ان من قال فافعلوا بہ کذاوکذا وھذا العموم انما تم لاجل ختم النبوۃ اذلوجاز ان یکون بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی صادق لما ساع الامر المذکور بالعموم وان کان یاتی ایضاثلثون اوالوف من الکذابین بل کان یجب اقسامۃ امارۃ تمیز الصادق من الکاذب والامر بالایقاع بمن ھو کاذب	قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ اس سے پہلے تیس کذاب نکلیں ہر ایک اپنے آپ کو نبی کہتا ہو۔ عبید نے اس پر "قبل یوم القیمۃ" کو زائد کیا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان دونوں حدیثوں کو ہم نے تذییل کے آخر میں ذکر کیا برخلاف اس کے جو باسٹھویں حدیث میں پہلے گزرا عین لفظ اس کے کیونکہ اس کے آخر میں یوں ہے کہ جو بھی نبوت کا دعوی کرے اسے یہ یہ کرو۔ اور جو بھی ایسا دعوی کرے اس سے یوں کرو" یہ عموم ختم نبوت کے لئے ہی تام ہوسکتا ہے کیونکہ اگر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا آنا جائز ہوتا تو پھر یہ عام حکم ایسے لوگ تیس ہوں یا ہزاروں ہوں سب کو شامل نہ ہوتا بلکہ پھر سچے اور جھوٹے نبی کی تمیز میں کوئی امتیازی علامت بیان کرکے "یہ یہ کرنے" کا حکم ان میں سے صرف کاذبین کے لئے ہوتا

[1] مسند امام احمد بن حنبل، حدیث سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا، دار الفکر بیروت ۶/ ۱۲۹، تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۵۸۳۶، عبدالغالب بن جعفر، دار الکتاب العربی، بیروت ۱۱/ ۱۴۰

[2] مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الفتن حدیث ۱۹۴۱۱، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی ۱۵/ ۱۷۰

منھم لاغیر کما لایخفی والی اللہ المشتکٰی من ضعفنا فی ھٰذہ الزمان الکثیر فجارہ القلیل انصارہ الغالب کفارہ البین عوارہ وقد ظھر الاٰن بعض ھٰؤلاء الدجالین الکذابین فلواراد اللہ باحدھم شیئًا یطیروا بالمسلم والمسلم انما حدّث فانّا للہ وانّا الیہ رٰجعون لکن الاحتراس کان اسلم للمسلم وانفی للفساد فاحببنا الاقتصار علی القدر المراد واللہ المستعان وعلیہ التکلان ولا حول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔	ہر ایک کے لئے نہ ہوتا، جیسا کہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی سے ہی اس زمانہ میں ہمیں اپنے کمزور ہونے کی شکایت ہے یہ زمانہ جس میں فجار کی کثرت، مددگاروں کی قلّت، کافروں کا غلبہ اور کج روی عام ہے جبکہ اب بعض ایسے کذاب دجّال لوگ ظاہر ہوئے ہیں، اگر ایسے دجالوں کو اللہ تعالٰی کے ارادہ سے کچھ ہوگیا تو اس کو مسلمانوں کی طرف منسوب کیا جائے گا کہ انہوں نے ایسی حدیث بیان کی جس پر یہ کچھ ہوا ہم اللہ تعالٰی کی ملک ہیں اور اس کی طرف ہمارا لوٹنا ہے تاہم مسلمانوں کو اپنی حفاظت مناسب ہے اور فساد کو دفع کرنا زیادہ بہتر ہے تو اس لئے صرف مراد کو بیان کرنا ہی پسند کیا ہے، اور اللہ تعالٰی ہی سے مدد اور اسی پر توکل ہے لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ العلی العظیم۔ (ت)

علی بمنزلہ ہارون ہیں:

خطیب حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انما علی مِنّی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الا انہ لا نبی بعدی [1]	علی مجھ سے ایسا ہے جیسا موسٰی سے ہارون (کہ بھائی بھی اور نائب بھی) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

امام احمد مناقب امیر المؤمنین علی میں مختصرًا، اور بغوی وطبرانی اپنی معاجیم، باوردی معرفت، ابن عدی کامل، ابواحمد حاکم کنٰی میں بطریق امام بخاری، ابن عساکر تاریخ میں سب زید بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل میں راوی وھذا حدیث احمد (یہ حدیث احمد ہے۔ت) جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بھائی چارہ کیا امیر المؤمنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کی: میری جان نکل گئی اور پیٹھ ٹوٹ گئی، یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب کے ساتھ کیا جو میرے ساتھ نہ کیا یہ اگر مجھ سے کسی ناراضی کے سبب ہے تو حضور ہی کے لئے منانا اور عزت ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب، ترجمہ ۴۰۲۳، الحسن بن یزید، دار الکتاب العربی، بیروت، ۷/ ۴۵۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی بعثنی بالحق ما اخرتك الا لنفسی وانت منّی بمنزلة هارون من موسٰی غیر انه لانبی بعدی [1]	قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے تمہیں خاص اپنے لئے رکھ چھوڑا ہے تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون موسٰی سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں تم میرے بھائی اور وارث ہو۔

امیر المؤمنین نے عرض کی: مجھے حضور سے کیا میراث ملے گی؟ فرمایا: جو اگلے انبیاء کو ملی۔ عرض کی: انہیں کیا ملی تھی؟ فرمایا: خدا کی کتاب اور نبی کی سنت، اور تم میرے ساتھ جنت میں میری صاحبزادی کے ساتھ میرے محل میں ہوگے اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔

ابن عساکر عـــہ بطریق عبداللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدہ عقیل بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: خدا کی قسم میں تمہیں دو جہت سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو قرابت، دوسرے یہ کہ ابوطالب کو تم سے محبت تھی، اے جعفر! تمہارے اخلاق میرے اخلاق کریمہ سے مشابہ ہیں:

عـــہ: فی نسخة کنزالعمال المطبوعة عن عبداللہ بن عقیل عن ابیه عن جدہ عقیل وهو خطأ وصوابه عبداللہ بن محمد بن عقیل، عبداللہ تابعی صدوق من رجال الاربعة ما خلا النسائی قال الذهبی حدیثه فی مرتبة الحسن وابوہ تابعی مقبول رجال ابن ماجة ۱۲ منه (م)	کنزالعمال کے مطبوعہ نسخہ میں عبداللہ بن عقیل اپنے والد ماجد اور ان کے دادا عقیل سے راوی جبکہ یہ خطا ہے اور صحیح یہ ہے عبداللہ بن محمد بن عقیل، یہ عبداللہ تابعی ہیں نہایت صادق، نسائی کے ماسوا سنن صحاح کے راویوں میں شمار ہیں، امام ذہبی نے فرمایا ان کی روایت حسن کے مرتبہ میں ہے اور ان کے والد بھی تابعی اور مقبول، ابن ماجہ کے راویوں میں شمار ہیں۔ت

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ذکر من اسمه سلمان، ترجمه سلمان بن الاسلام الفارسی، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۶/ ۲۰۳، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، حدیث ۱۰۸۵، موسسة الرساله، بیروت، ۲/ ۶۳۹-۶۳۸

واما انت یا علی فانت منی بمنزلة هارون من موسٰی غیر انه لانبی بعدی [1]	تم اے علی! مجھ سے ایسے ہو جیسے موسٰی سے ہارون مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

الحمدللہ تین چہل حدیث کا عدد تو کامل ہوا جن میں چوراسی ۸۴ حدیثیں مرفوع تھیں اور سترہ ۱۷ تذییلات علاوہ، پہلے گزری تھیں سات عـــہ اس تکمیل میں بڑھیں، ان سترہ میں بھی پانچ مرفوع تھیں تو جملہ مرفوعات یعنی وہ حدیثیں جو خود حضور پر نور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی حضور کے ارشاد و تقریر کی طرف منتہی ہیں نواسی ۸۹ ہوئیں لہذا چاہا کہ ایک حدیث مرفوع اور شامل ہو کہ نوّے ۹۰ احادیث مرفوعہ کا عدد کامل ہو نیز ان اللہ وتر یحب الوتر (اللہ واحد ہے اور واحد کو پسند کرتا ہے۔ت) کا فضل حاصل ہو۔ میں

آخری نبی اور میری امت آخری امت ہے:

بیہقی سنن میں حضرت ابن زمل جُہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل رؤیا میں راوی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد نماز صبح پاؤں بدلنے سے پہلے ستر بار سبحان اللہ وبحمدہٖ واستغفر اللہ ان اللہ کان توّابا پڑھتے پھر فرماتے یہ ستر ۷۰ سات سو ۷۰۰ کے برابر ہیں نرا بے خیر ہے جو ایک دن میں سات سو ۷۰۰ سے زیادہ گناہ کرے (یعنی ہر نیکی کم از کم دس ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها، تو یہ ستر کلمے سات سو نیکیاں ہوئے اور ہر نیکی کم از کم ایک بدی کو محو کرتی ہے۔ ان الحسنات یذهبن السیاٰت، تو اس کے پڑھنے والے کے لئے نیکیاں ہی غالب رہیں گی مگر وہ کہ دن میں سات سو گناہ سے زیادہ کرے اور ایسا سخت ہی بے خیر ہوگا وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

پھر لوگوں کی طرف منہ کرکے تشریف رکھتے اور اچھا خواب حضور کو خوش آتا دریافت فرماتے: کسی نے کچھ دیکھا ہے؟ ابن زمل نے عرض کی: یارسول اللہ ! میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ فرمایا: بھلائی پاؤ اور برائی سے بچو ہمیں اچھا اور ہمارے دشمنوں پر بُرا، رب العالمین کے لئے ساری خوبیاں ہیں خواب بیان کرو۔ انہوں نے عرض کی: میں نے دیکھا کہ سب لوگ ایک وسیع نرم بے نہایت راستے پر پیچ شارع عام میں

عـــہ: بعد حدیث ۱۱۰ تذییل اول دو حدیث عبادہ بن صامت وہشام بن عاص، وتذییل دوم دو حدیث حاطب وشیوخ واقدی، وتذییل سوم حدیث ابن سلام وبعد حدیث ۱۱۷ دو حدیث عبید و نعیم رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ (م)

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن عبداللہ بن عقیل حدیث ۳۳۶۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۳۹ ۷

چل رہے ہیں ناگہاں اس راہ کے لبوں پر خوبصورت سبزہ زار نظر آیا کہ ایسا کبھی نہ دیکھا تھا اس کا لہلہاتا سبزہ چمک رہا ہے، شادابی کا پانی ٹپک رہا ہے، اس میں ہر قسم کی گھاس ہے، پہلا ہجوم آیا، جب اس سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی اور سواریاں سیدھے راستے پر ڈالے چلے گئے ادھر ادھر اصلًا نہ پھرے، پھر اس مرغزار کی طرف کچھ التفات نہ کیا، پھر دوسرا ریلا آیا کہ پہلوں سے کئی گنا زائد تھا، سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی راہ پر چلے مگر کوئی کوئی اس چراگاہ میں چرانے بھی لگا اور کسی نے چلتے میں ایک مٹھا لے لیا، پھر روانہ ہوئے، پھر عام اژدھام آیا، جب یہ سبزہ زار پر پہنچے تکبیر کہی اور بولے یہ منزل سب سے اچھی ہے یہ ادھر ادھر پڑ گئے میں ماجرا دیکھ کر سیدھا راہ راہ پڑ لیا، جب سبزہ زار سے گزر گیا تو دیکھا کہ سات زینے کا ایک منبر ہے اور حضور اس کے سب سے اونچے درجے پر جلوہ فرما ہیں، حضور کے آگے ایک سال خوردلاغر ناقہ ہے حضور اس کے پیچھے تشریف لے جاتے ہیں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ راہ نرم و وسیع وہ ہدایت ہے جس پر میں تمہیں لایا اور تم اس پر قائم ہو اور وہ سبزہ زار دنیا اور اس کے عیش کی تازگی ہے میں اور میرے صحابہ تو چلے گئے کہ دنیا سے اصلًا علاقہ نہ رکھا نہ اسے ہم سے تعلق ہوا نہ ہم نے اسے چاہا نہ اس نے ہمیں چاہا پھر دوسرا ہجوم ہمارے بعد آیا وہ ہم سے کئی گنا زیادہ ہے، ان میں سے کسی نے چرایا کسی نے گھاس کا مٹھا لیا اور نجات پاگئے، پھر بڑا ہجوم آیا وہ سبزہ زار میں دہنے بائیں پڑ گئے تو **انّا للہ وانّا الیہ راجعون**o اور اے ابن زمل! تم اچھی راہ پر چلتے رہو گے یہاں تک کہ مجھ سے ملو اور وہ سات زینے کا منبر جس کے درجہ اعلٰی پر مجھے دیکھا یہ جہان ہے اس کی عمر سات ہزار برس کی ہے اور میں اخیر ہزار میں ہوں **واما ناقۃ التی رأیت ورأیتنی اتبعھا فھی الساعۃ علینا تقوم لا نبی بعدی ولا اُمۃ بعد اُمتی** اور وہ ناقہ جس کے پیچھے مجھے جاتا دیکھا قیامت ہے ہمارے ہی زمانے میں آئے گی، نہ میرے بعد کوئی نبی نہ میری امت کے بعد کوئی امت[1]، **صلی اللہ تعالٰی علیک وعلٰی امتک اجمعین وبارک وسلم واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین**۔

تسجیل جمیل: **بحمد اللہ** بیس ۲۰ احادیث علویہ کے علاوہ خاص مقصود محمود ختم نبوت پر یہ ایک سو ایک ۱۰۱ حدیثیں ہیں اور مع تذییلات ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ جن میں نوے ۹۰ مرفوع ہیں اور ان کے رواۃ واصحاب اکہتر ۷۱۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ البیہقی، حدیث ۴۲۰۱۸، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۵/ ۵۱۸تا۵۲۱، المعجم الکبیر حدیث ۸۱۴۶، عن ابن زمل الجھنی، المکتبۃ الفیصلیۃ، بیروت، ۸/ ۳۶۲و۳۶۷

گیارہ تابعی: صحابہ وتابعین جن میں صرف گیارہ تابعی:

۱۔ امام اجل محمد باقر
۲۔ سعد بن ثابت
۳۔ ابن شہاب زہری
۴۔ عامر شعبی
۵۔ عبداللہ بن ابی الہذیل
۶۔ علاء بن زیاد
۷۔ ابوقلابہ
۸۔ کعب احبار
۹۔ مجاھد مکی
۱۰۔ محمد بن کعب قرظی
۱۱۔ وہب بن منبہ

اکاون صحابہ: باقی ساٹھ ۶۰ صحابی ازاں جملہ اکاون ۵۱ صحابہ خاص اصول مرویات میں:

۱۲۔ ابی بن کعب
۱۳۔ ابوامامہ باہلی
۱۴۔ انس بن مالک
۱۵۔ اسماء بنت عمیس
۱۶۔ براء بن عازب
۱۷۔ بلال مؤذن
۱۸۔ ثوبان مولٰی رسول اللہ
۱۹۔ جابر بن سمرہ
۲۰۔ جابر بن عبداللہ
۲۱۔ جبیر بن مطعم
۲۲۔ حبیش بن جنادہ
۲۳۔ حذیفہ بن اسید
۲۴۔ حذیفہ بن الیمان
۲۵۔ حسان بن ثابت
۲۶۔ حویصہ بن مسعود
۲۷۔ ابوذر
۲۸۔ ابن زمل
۲۹۔ زیاد بن لبید
۳۰۔ زید بن ارقم
۳۱۔ زید بن ابی اوفٰی
۳۲۔ سعد بن ابی وقاص
۳۳۔ سعید بن زید
۳۴۔ ابوسعید خدری
۳۵۔ سلمان فارسی
۳۶۔ سہل بن سعد
۳۷۔ ام المؤمنین ام سلمہ
۳۸۔ ابوالطفیل عامر بن ربیعہ
۳۹۔ عامر بن ربیعہ
۴۰۔ عبداللہ بن عباس
۴۱۔ عبداللہ بن عمر

۴۲۔ عبدالرحمٰن بن غنم
۴۳۔ عدی بن ربیعہ
۴۴۔ عرباض بن ساریہ
۴۵۔ عصمہ بن مالک
۴۶۔ عقبہ بن عامر
۴۷۔ عقیل بن ابی طالب
۴۸۔ امیر المؤمنین علی
۴۹۔ امیر المؤمنین عمر
۵۰۔ عوف بن مالک اشجعی
۵۱۔ ام المؤمنین صدیقہ
۵۲۔ ام کرز
۵۳۔ مالک بن حویرث
۵۴۔ مالک بن سنان والد ابی سعید خدری
۵۵۔ محمد بن عدی بن ربیعہ
۵۶۔ معاذ بن جبل
۵۷۔ امیر معاویہ
۵۸۔ مغیرہ بن شعبہ
۵۹۔ ابن ام مکتوم
۶۰۔ ابو منظور
۶۱۔ ابو موسٰی اشعری
۶۲۔ ابوہریرہ

اور **نو صحابی** تذییلات میں:

۶۳۔ حاطب بن ابی بلتعہ
۶۴۔ عبداللہ ابن ابی اوفٰی
۶۵۔ عبداللہ بن زبیر
۶۶۔ عبداللہ بن سلام
۶۷۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص
۶۸۔ عبادہ بن صامت
۶۹۔ عبید بن عمرو لیثی
۷۰۔ نعیم بن مسعود
۷۱۔ ہشام بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ختم نبوت پر دیوبندی عقیدہ:

ان احادیث کثیرہ وافرہ شہیرہ متواترہ میں صرف گیارہ حدیثیں وہ ہیں جن میں فقط نبوت کا انہیں الفاظ موجودہ قرآن عظیم سے ذکر ہے جن میں آج کل کے بعض ضُلّال قاسمانِ کفر وضلال نے تحریف معنوی کی اور معاذ اللہ حضور کے بعد اور نبوتوں کی نیو جمانے کو خاتمیت بمعنی نبوت بالذّات لی یعنی معنی خاتم النبیین صرف اس قدر ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی بالذّات ہیں اور انبیاء نبی بالعرض، باقی زمانے میں تمام انبیاء کے بعد ہونا حضور کے بعد اور کسی کو نبوت ملنی ممتنع ہونا یہ معنی ختم نبوت نہیں اور صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد بھی کسی کو نبوت مل جائے تو ختم نبوت کے اصلاً منافی نہیں اس کے رسالہ ضلالت مقالہ کا خلاصہ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

عبارت یہ ہے:

قاسم نانوتوی کا عقیدہ:

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ سب میں آخر نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن کہ تقدّم یا تاخّر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین** فرمانا کیونکر صحیح ہوسکتا بلکہ موصوف بالعرض کا قصّہ موصوف بالذات پر ختم ہوجاتا ہے اسی طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمایئے آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور نبی موصوف بالعرض ایں معنی جو میں نے عرض کیا آپ کا خاتم ہونا انبیائے گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے[1] ھ ملتقطا مسلمانو! دیکھا اس ملعون ناپاک شیطانی قول نے ختم نبوت کی کیسی جڑ کاٹ دی، خاتمیت محمدیہ **علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ** کہ وہ تاویل گھڑی کہ خاتمیت خود ہی ختم کردی صاف لکھ دیا کہ اگر حضور خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوٰۃ والثنا کے زمانے میں بلکہ حضور کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو تو ختم نبوت کے کچھ منافی نہیں اللہ اللہ جس کفر ملعون کے موجد کو خود قرآن عظیم کا **وخاتم النبیین** فرمانا نافع نہ ہوا **کما قال تعالٰی** (جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔):

"وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَۙ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا(۸۲)"[2]	اتارتے ہیں ہم اس قرآن سے وہ چیز کہ مسلمانوں کیلئے شفاء ورحمت ہے اور ظالموں کو اس سے کچھ نہیں بڑھتا سوا زیاں کے۔

اسے احادیث میں **خاتم النبیین** فرمانا کیا کام دے سکتا ہے فبای حدیث بعدہ یومنون[3] قرآن کے بعد اور کون سی حدیث پر ایمان لائیں گے۔

[1] تحذیر الناس، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔ ص ۱۸ و ۲۴

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۸۵

صحابہ کرام اور ختم نبوت:

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے ان احادیث کثیرہ میں صرف گیارہ حدیثیں ایسی لکھیں جن میں تنہا ختم نبوت کا ذکر ہے باقی نوے ۹۰ احادیث اور اکثر تذییلات، ان پر علاوہ سو ''' سے زائد حدیثیں وہی جمع کیں کہ بالتصریح حضور کا اسی معنی پر خاتم ہونا بتارہی ہیں جسے وہ گمراہ ضال عوام کا خیال جانتا ہے اور اس میں نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لئے کوئی تعریف نہیں مانتا، صحابہ کرام وتابعین عظّام کے ارشادات کہ تذییلوں میں گزرے، مثلاً:

۱۔ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو سب انبیاء کے بعد بھیجا۔

۲۔ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول تمہارے نبی آخر الانبیاء ہیں۔

۳۔ عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۴۔ امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول کہ وہ سب انبیاء کے بعد بھیجے گئے۔

انہیں تو یہ گمراہ کب سنے گا کہ وہ اسی وسوسۃ الخناس میں صاف یہ خود بھی بتایا گیا ہے کہ وہ سلف صالح کے خلاف چلا ہے اور اسکا عذر یوں پیش کیا کہ: اگر بوجہ کم التفاتی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آگیا اور کسی طفل ناداں نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا وہ عظیم الشان ہو گیا"۔

مگر آنکھیں کھول کر خود محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی متواتر حدیثیں دیکھئے کہ:

۱۔ میں عاقب ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲۔ میں سب انبیاء میں آخر نبی ہوں۔

۳۔ میں تمام انبیاء کے بعد آیا۔

۴۔ ہمیں پچھلے ہیں۔

۵۔ میں سب پیغمبروں کے بعد بھیجا گیا۔

۶۔ قصر نبوت میں جو ایک اینٹ کی جگہ تھی مجھ سے کامل کی گئی۔

۷۔ میں آخر الانبیاء ہوں۔

۸۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۹۔ رسالت و نبوت منقطع ہو گئی اب نہ کوئی رسول ہوگا نہ نبی۔

۱۰۔ نبوت میں سے اب کچھ نہ رہا سوا اچھے خواب کے۔

۱۱۔ میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا۔

۱۲۔ میرے بعد دجّال کذّاب ادعائے نبوت کریں گے۔

۱۳۔ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

۱۴۔ نہ میری امت کے بعد کوئی امت۔

ادھر علمائے کتبِ سابقہ عـــہ اللہ ورسل جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادات سن سن کر شہادات ادا کریں گے کہ:

۱۔ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین ہوں گے ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔

۲۔ انکے سوا کوئی نبی باقی نہیں۔

۳۔ وہ آخر الانبیاء ہیں۔

ادھر ملائکہ وانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی صدائیں آرہی ہیں کہ:

۴۔ وہ پسین پیغمبراں ہیں۔

۵۔ وہ آخر مرسلان ہیں۔

خود حضرت عزت عزت عزتہ سے ارشادات جانفزا و دلنواز آرہے ہیں کہ:

۶۔ محمد ہی اوّل وآخر ہے۔

۷۔ اس کی امت مرتبے میں سب سے اگلی اور زمانے میں سب سے پچھلی۔

۸۔ وہ سب انبیاء کے پیچھے آیا۔

۹۔ اے محبوب! میں نے تجھے آخر النبیین کیا۔

۱۰۔ اے محبوب! میں نے تجھے سب انبیاء سے پہلے بنایا اور سب کے بعد بھیجا۔

۱۱۔ محمد آخر الانبیاء ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مگر یہ ضال مضل محرف قرآن مغیر ایمان ہے کہ نہ ملائکہ کی سنے نہ انبیاء کی نہ مصطفٰی کی مانے نہ ان کے خدا کی۔ سب کی طرف سے ایک کان گونگا ایک بہرا، ایک دیدہ اندھا ایک پھوٹا، اپنی ہی ہانک لگائے جاتا ہے کہ یہ سب نافہمی کے اوہام، خیالاتِ عوام ہیں، آخر الانبیاء ہونے میں فضیلت ہی کیا ہے انّا للہ

عـــہ: نیز تذییلات میں مقوقس کی دو حدیثیں گزریں کہ ایک نبی باقی تھے وہ عرب میں ظاہر ہوئے، ہرقل کی دو حدیثیں کہ یہ خانہ آخر النبوت تھا، عبداللہ بن سلام کی حدیث کہ وہ قیامت کے ساتھ مبعوث ہوئے، ایک حبر کا قول کہ وہ امت آخرہ کے نبی ہیں بلکہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عرض کہ حضور سب پیغمبروں سے زمانے میں متاخر ہیں۔ (م)

وانّا الیه رٰجعون o

" كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ "[1] " رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ "[2]	اللہ یونہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے دل پر۔اے ہمارے رب ! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تونے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بیشک توہی بڑا دینے والا۔

ہاں ان نوے ۹۰ حدیثوں میں تین حدیثیں صرف بلفظ خاتمیت بھی ہیں، دو حدیث سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اے چچا! جس طرح اللہ تعالٰی نے مجھ پر نبوت ختم کی تم پر ہجرت کو ختم فرمائے گا، جیسے میں **خاتم النبیین** ہوں تم خاتم المہاجرین ہوگے۔شاید وہ گمراہ یہاں بھی کہہ دے کہ تمام مہاجرین کرام مہاجر بالعرض تھے حضرت عباس مہاجر بالذات ہوئے۔ ایک اور حدیث الٰہی جل وعلا کہ میں ان کی کتاب پر کتابوں کو ختم کرو نگا اور ان کے دین وشریعت پر ادیان شرائع کو۔ او گمراہ! اب یہاں بھی کہہ دے کہ اور دین دین بالعرض تھے یہ دین دین بالذات ہے توریت وانجیل وزبور اللہ تعالٰی کے کلام بالعرض تھے قرآن کلام بالذات ہے مگر ہے یہ کہ:

" مَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝۴۰ "[3] نسأل الله العفو والعافية ونعوذ به من الحور بعد الكور والكفر بعد الایمان والضلال بعد الهدی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد اٰخر المرسلین وخاتم النبیین واٰله و	جس کے لئے اللہ تعالٰی نور نہ بنائے تو اس کے لئے کوئی نور نہیں، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کے طلبگار ہیں، اور ہم سنورنے کے بعد بگڑنے اور ایمان کے بعد کفر اور ہدایت کے بعد گمراہی سے اس کی پناہ کے طالب ہیں، حرکت اور طاقت نہیں مگر صرف اللہ تعالٰی سے جو بلند وعظیم ہے، اللہ تعالٰی کی صلواتیں ہمارے آقا و مولٰی محمد صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

صحبہ اجمعین، والحمدللہ رب العٰلمین۔	تعالٰی علیہ وسلم پر جو رسولوں کے آخری اور نبیوں کے آخری ہیں اور آپ کی سب آل واصحاب پر، والحمدللہ رب العالمین (ت)

دیوبندی اور شیعہ عقائد میں مماثلت:

الحمدللہ کہ بیان اپنے منتہٰی کو پہنچا اور حق کا وضوح ذروہ اعلٰی کو۔ احادیث متواترہ سے اصل مقصد یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاتم النبیین اور اہلبیت کرام کا نبوت ورسالت سے بے علاقہ ہونا تو بروجہ تواتر قطعی خود ہی روشن وآشکارا ہوا اور اس کے ساتھ طائفہ تالفہ وہابیہ قاسمیہ کو خاتم النبیین کو بہ معنی آخر النبیین نہ ماننا، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد اور نبی ہونے سے ختم نبوت میں نقصان نہ جاننا اس کے کفر خفی ونفاق جلی کا بھی بفضلہٖ تعالٰی خوب اظہار ہوا اور ساتھ لگے رافضیوں کے چھوٹے بھائی حضرات تفضیلیہ کی بھی شامت آئی، اسد الغالب کی بارگاہ سے اسی ۸۰ کوڑوں کی سزا پائی، ان چھوٹے مبتدعوں کا رد یہاں محض تبعًا واستطرادًا مذکور ورنہ ان کے ابطال مشرب ضلال سے قرآن عظیم واحادیث مرفوعہ واقوال اہلبیت وصحابہ وارشاداتِ امیر المؤمنین علی مرتضٰی واولیائے کرام وعلمائے اعلام ودلائل شرعیہ اصلیہ وفرعیہ کے دفتر معمور جس کی تفصیل جلیل وتحقیق جزیل فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کی کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین ۱۲۹۷ھ میں مسطور ہے۔

منکران ختم نبوت پر علمائے اسلام کی گرفت:

اب بتوفیقہ تعالٰی تکفیر منکرانِ ختم نبوت میں بعض نصوص ائمہ کرام لکھ کر بقیہ سوال کی طرف عنان گردانی منظور۔

علامہ تورپشتی: (نص ۱): امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی معتمد فی المعتقد میں فرماتے ہیں:

بحمداللہ ایں مسئلہ در اسلامیان روشن ترازاں ست کہ آنرا بکشف وبیان حاجت نہ افتد اما ایں مقدار از قرآن از ترس آں یاد کردیم کہ مبادا زندیقے جاہلے رادر شبہتے اندازد وبسیار باشد کہ ظاہر نیار ند کردن وبدیں طریقہا پائے درنہند کہ خدائے تعالٰی برہمہ چیز قادرست کسے قدرت اورا منکر نیست اماچوں خدائے تعالٰی	بحمد اللہ تعالٰی یہ مسئلہ مسلمانوں میں روشن تر ہے کہ اسے بیان ووضاحت کی حاجت کیا ہے لیکن قرآن سے کچھ اس لئے بیان کررہے ہیں کہ کسی زندیق کے لئے کسی جاہل کو شبہ میں مبتلا کرنے کا خطرہ نہ رہے بسا اوقات کھلی بات کے بجائے یوں فریب دیتے ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے کوئی اس کی قدرت کا انکار نہیں کرسکتا لیکن جب اللہ تعالٰی

از چیزے خبر دہد کہ چنیں خواھد بودن یا نخواہد بودن جز چناں نباشد کہ خدائے تعالٰی ازاں خبر دہد وخدائے تعالٰی خبر داد کہ بعد از وے نبی دیگر نباشد ومنکر ایں مسئلہ کسے تواند بود کہ اصلا در نبوت او معتقد نباشد کہ اگر برسالت او معترف بودے ویرادر ہرچہ ازاں خبر دادے صادق دانستے وبہماں حجت ہاکہ از طریق تواتر رسالت او پیش ماںداں درست شدہ است ایں نیز درست شد کہ وے باز پسیں پیغمبران ست در زمان او و تاقیامت بعد ازوے ہیچ نبی نباشد وہر کہ دریں بہ شک ست دراں نیز بہ شک ست وآنکس کہ گوید کہ بعد ازوے نبی دیگر بود یاہست یاخواہد بود وآنکس کہ گوید کہ امکان دارد کہ باشد کافرست اینست شرط درستی ایمان بخاتم انبیاء محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]	کسی چیز کے متعلق خبر دے دے کہ ایسے ہوگی یا نہ ہوگی، تو اس کا خلاف نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تعالٰی اسی سے خبر دیتا ہے اور اللہ تعالٰی خبر دیتا ہے کہ اس کے بعد دوسرا نبی نہ ہوگا، اس بات کا منکر وہی ہوسکتا ہے جو سرے سے نبوت کا منکر ہوگا جو شخص آپ کی رسالت کا معترف ہوگا وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیان کردہ ہر خبر کو سچ جانے گا جن دلائل سے آپ کی رسالت کا ثبوت بطریق تواتر ہمارے لئے درست ہے اسی طرح یہ بھی درست ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آپ کے زمانہ میں اور قیامت تک آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا جو آپ کی اس بات میں شک کرے گا وہ آپ کی رسالت میں شک کرے گا، جو شخص کہے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی تھا یا ہے یا ہوگا اور جو شخص کہے کسی نبی کے آنے کا امکان ہے وہ کافر ہے یہی خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صحیح ایمان کی شرط ہے۔(ت)

امام ابن حجر مکی: (نص ۲،۳) امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

تنبأ فی زمنه رضی اللہ تعالٰی عنه رجل قال امهلونی حتی اٰتی بعلامة فقال من طلب منه علامة کفر لانه بطلبه ذٰلك مکذب لقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانبی بعدی[2]۔	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ایک مدعی نبوت نے کہا مجھے مہلت دو کہ کوئی نشانی دکھاؤں، امام ہمام نے فرمایا جو اس سے نشانی مانگے گا کافر ہوجائے گا کہ وہ اس مانگنے کے سبب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد قطعی و متواتر ضروردینی کی تکذیب کرتا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

[1] معتمد فی المعتقد (فارسی)

[2] خیرات الحسان فی مناقب الامام الفصل الحادی والعشرون فی فراستہ، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ص ۱۱۹

فتاوٰی ہندیہ: (نص ۴ تا ۷) فتاوٰی خلاصہ و فصول عمادیہ و جامع الفصولین و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہیں:

واللفظ للعمادی قال قال انا رسول الله او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید به من پیغام می برم یکفر ولو انه حین قال هذه المقالة طلب غیره منه المعجزة قیل یکفر الطالب والمتأخرون من المشائخ قالوا ان کان غرض الطالب تعجیزه وافتضاحه لا یکفر [1]	یعنی اگر کوئی شخص کہے میں اللہ کا رسول ہوں یا فارسی میں کہے میں پیغمبر ہوں کافر ہو جائے گا اگرچہ مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں، اور اگر اس کہنے والے سے کوئی معجزہ مانگے تو کہا گیا یہ بھی مطلقًا کافر ہے، اور مشائخ متاخرین نے فرمایا اگر اسے عاجز و رسوا کرنے کی غرض سے معجزہ طلب کیا تو کافر نہ ہوگا ورنہ ختم نبوۃ میں شک لانے کے سبب یہ بھی کافر ہو جائے گا۔

اعلام بقواطع الاسلام: (نص ۸) اعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

واضح تکفیر مدعی النبوة ویظهر کفر من طلب منه معجزة لانه بطلبه لها منه مجوز لصدقه مع استحالته المعلومة من الدین بالضرورة نعم ان اراد بذٰلك تسفیهه وبیان کذبه فلا کفر [2]	مدعی نبوت کی تکفیر تو خود ہی روشن ہے اور جو اس سے معجزہ مانگے اس کا بھی کفر ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس مانگنے میں اس مدعی کا صدق محتمل مان رہا ہے حالانکہ دین متین سے بالضرورۃ معلوم ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد دوسرا نبی ممکن نہیں، ہاں اگر اس طلب سے اسے احمق بنانا اس کا جھوٹ ظاہر کرنا مقصود ہو تو کفر نہیں۔

(نص ۹، ۱۰) اسی (اعلام بقواطع الاسلام) میں ہے:

ومن ذٰلک (ای المکفرات) ایضا تکذیب نبی او نسبة تعمد کذب الیه	انہیں باتوں میں جو معاذ اللہ آدمی کو کافر کر دیتی ہیں کسی نبی کو جھٹلانا یا اس کی طرف قصدًا جھوٹ بولنے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ، الباب التاسع، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۲/ ۲۶۳

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، مکتبۃ الحقیقۃ استنبول، ترکی، ص ۳۷۶

او محاربته اوسبه او الاستخفاف ومثل ذٰلك كما قال الحليمي مالو تمنى فى زمن نبينا او بعده ان لو كان نبيا فيكفر فى جميع ذٰلك والظاهر انه لافرق بين تمنى ذٰلك باللسان او القلب[1] اھ مختصرًا۔	کی نسبت کرنا یا نبی سے لڑنا یا اسے بُرا کہنا اس کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہونا اور بتصریح امام حلیمی انہیں کفریات کی مثل ہے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی شخص کا تمنا کرنا کہ کسی طرح سے نبی ہو جاتا، ان صورتوں میں کافر ہو جائے گا اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں کچھ فرق نہیں وہ تمنا زبان سے یا صرف دل میں کرے اھ مختصراً۔

سبحان اللہ! جب مجرد تمنا پر کافر ہوتا ہے تو کسی کی نسبت ادعائے نبوت کس درجہ کا کفر خبیث ہوگا، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

(نص ۱۱ تا ۱۴) تیمیۃ الدہر پھر ہندیہ میں بعض ائمہ حنفیہ سے اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے:

واللفظ لها اذالم يعرف ان محمدا صلى الله تعالٰى عليه وسلم اٰخر الانبياء فليس بمسلم لانه من الضروريات[2]	جب نہ پہچانے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے پچھلے نبی ہیں تو مسلمان نہیں کہ یہ ضروریات دین سے ہے۔

طائفہ قاسمیہ: مولٰی سبحانہ وتعالٰی ہزاراں ہزار جزا ہائے خیر وکرم ورضوان اتم کرامت فرمائے ہمارے علمائے کرام کو ان سے کس نے کہہ دیا تھا کہ صدہا برس بعد وہابیہ میں ایک طائفہ حائفہ قاسمیہ ہونے والا ہے کہ اگرچہ براہ نفاق وفریب کہ عوام مسلمین بھڑک نہ جائیں بظاہر لفظ خاتم النبیین کا اقرار کرے گا مگر اس کے بہ معنی آخر الانبیاء ہونے سے صاف انکار کرے گا اس معنی کو خیال عوام و ناقابل مدح قرار دے گا، اسی دن کے لئے ان اجلہ کرام نے لفظ **اشهر واعرف ومكتوب فى المصحف اعنى خاتم النبيين** کے عوض مسئلہ بلفظ آخر الانبیاء تحریر فرمایا کہ جو حضور کو سب سے بچھلا نبی نہ مانے مسلمان نہیں یعنی ختم نبوت اسی معنی پر داخل ضروریاتِ دین ہے یہی مراد رب العالمین ہے، اسی ضروری دین وارشاد الٰہ العالمین کو یہ گمراہ **معاذ اللہ** عامی خیال بتاتے ہیں۔

---

[1] الاعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ، مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی، ص ۳۵۲

[2] الاشباہ والنظائر، کتاب السیر باب الردۃ، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱/ ۲۹۶

مہمل و مختل ٹھہراتے ہیں "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ" [1] (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) بحمداللہ یہ کرامت علمائے کرام امت ہے فجزاهم الله المثوبات الفاخرة ونفعنا ببركاتهم فی الدنيا والاٰخرة اٰمين (اللہ تعالٰی ان کو قابل فخر ثواب کی جزادے اور ہمیں ان کی برکات سے دنیاوآخرت میں نفع عطافرمائے۔آمین۔ت)

فتاوٰی تاتارخانیہ: تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لاخر من فرشته توام فی موضع کذااعینك علی امرك فقد قیل انه لایكفر وكذااذا قال مطلقاانا ملك بخلاف مااذا قال انانبی [2]	یعنی ایک نے دوسرے سے کہامیں تیرافرشتہ ہوں فلاں جگہ تیرے کام میں مدد کروں گااس پر تو بعض نے بیشک کہاکافرنہ ہوگایوں ہی اگر مطلقًا کہامیں فرشتہ ہوں بخلاف دعوی نبوت کہ بالاجماع کفرہے۔یہ حکم عام ہے کہ مدعی زمانہ اقدس میں ہو مثل ابن صیاد واسود خواہ بعد کماتقدم وسیاتی (جیساکہ گزرااور آگے آئے گا۔ت)

شفاء قاضی عیاض: شفاء شریف امام قاضی عیاض مالکی اوراس کی شرح نسیم الریاض للعلامۃ الشہاب الخفاجی میں ہے۔

(وكذلك يكفر من ادعى نبوة احد مع نبينا صلی الله تعالٰی عليه وسلم)ای فی زمنه كمسيلمة الكذاب والاسود العنسی(او)ادعى(نبوة احد بعده)فانه خاتم النبيين بنص القراٰن والحديث فهذا تكذيب الله ورسوله صلی الله تعالٰی عليه وسلم (كالعيسوية)وهم طائفة(من اليهود) نسبوا العيسٰى بن اسحٰق اليهودی ادعى النبوة فی زمن	یعنی اسی طرح وہ بھی کفرہے جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کی نبوت کاادعا کرے جیسے مسیلمہ کذاب واسود عنسی یا حضور کے بعد کسی کی نبوت مانے اس لئے کہ قرآن وحدیث میں حضور کے خاتم النبیین ہونے کی تصریح ہے تو یہ شخص اللہ ورسول کو جھٹلاتا ہے جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جیسے یہود کاایک طائفہ عیسویہ کہ عیسٰی بن اسحٰق یہودی کی طرف منسوب ہے،اس نے مروان الحمارکے زمانے میں ادعائے نبوت کیاتھااور بہت یہود

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۴

[2] فتاوٰی ہندیہ، الباب التاسع فی احکام المرتدین، نورانی کتب خانہ، پشاور، ۴/ ۲۶۶

مروان الحمار و تبعه کثیر من الیهود وکان من مذهبه تجویز حدوث النبوۃ بعد نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم (وکاکثر الرافضة القائلین بمشارکة علی فی الرسالة للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وبعده کالبزیغیة والبیانیة منهم) وهم اکفر من النصارٰی و اشد ضررا منهم لا نهم بحسب الصورۃ مسلمون ویلتبس امرهم علی العوام (فهٰؤلاء) کلهم (کفار مکذبون للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اخبر انه خاتم النبیین وانه ارسل کافة للناس واجمعت الامة علٰی ان هذا الکلام علی ظاهره وان مفهومه المراد منه دون تاویل ولا تخصیص فلا شك فی کفر هٰؤلاء الطوائف کلها قطعًا اجماعًا وسمعًا)[1] اھ مختصرًا۔	اس کے تابع ہوگئے، اس کا مذہب تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد نئی نبوت ممکن ہے اور جیسے بہت رافضی کہ مولا علی کو رسالت میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شریک اور حضور کے بعد انہیں نبی کہتے ہیں اور جیسے رافضیوں کے دو فرقے بزیغیہ و بیانیہ، ان لوگوں کا کفر نصارٰی سے بڑھ کر ہے اور ان سے زائد ان کا ضرر کہ یہ صورت میں مسلمان ہیں ان سے عوام دھوکے میں پڑجاتے ہیں یہ سب کے سب کفار ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے اس لئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور خبر دی کہ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں اور اپنے رب عزوجل سے خبر دی کہ وہ حضور کو خاتم النبیین اور تمام جہان کی طرف رسول بتاتا ہے اور امت نے اجماع کیا کہ یہ آیات و احادیث اپنے معنی ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے خدا اور رسول کی یہی مراد ہے نہ ان میں کچھ تاویل ہے نہ تخصیص، تو کچھ شک نہیں کہ یہ سب طائفے بحکم اجماع امت و بحکم حدیث و آیت بالیقین کافر ہیں۔

منکرانِ ختم نبوت کے طریقے:

الحمدللہ اس کلام رشید نے ولید پلید وروافض بلید و قاسمیہ جدید و امیریہ [عہ] طرید کسی مردود وعنید کا تسمہ نہ لگا وللہ الحجة السامیه۔

عـــہ: اسی طرح طائفہ مرزائیہ متبعان غلام احمد قادیانی کہ سب سے تازہ ہے یہ بھی مرزا کو مرسل من اللہ کہتا ہے اور خود مرزا اپنے اوپر وحی اترنے کا مدعی ہے اپنے کلام کو کلام الٰہی ومنزل من اللہ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] کتاب الشفاء للقاضی عیاض، فصل فی بیان ما هو من المقالات، مطبعة شرکة صحافیه، ۲/ ۷۱۔۲۷۰، نسیم الریاض شرح شفاء للقاضی عیاض فصل فی بیان ما هو من المقالات دار الفکر بیروت، ۴/ ۵۰۶ تا ۵۰۹

یہ فقرے آب زر سے لکھنے کے ہیں کہ ان خبیثوں کا کفر یہود و نصارٰی سے بدتر اور کھلے کافروں سے انکار زائد ضرر، **والعیاذ باللہ العزیز الاکبر۔**

مجمع الانہر: وجیز امام کردری و مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

اما الایمان بسیدنا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیجب بانہ رسولنا فی الحال وخاتم الانبیاء والرسل فاذا اٰمن بانہ رسول ولم یؤمن بانہ خاتم الانبیاء لایکون مؤمنا[1]	ہمارے مولا ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر یوں ایمان لانا فرض ہے کہ حضور اب بھی ہمارے رسول ہیں (نہ یہ کہ **معاذ اللہ** بعد وصال شریف حضور رسول نہ رہے یا حضور کے بعد اب اور کوئی ہمارا رسول ہوگیا) اور ایمان لانا فرض ہے کہ حضور تمام انبیاء و مرسلین کے خاتم ہیں، اگر حضور کے رسول ہونے پر ایمان لایا اور خاتم الانبیاء ہونے پر ایمان نہ لایا تو مسلمان نہ ہوگا۔

یہاں رسالت پر ایمان مجازًا بنظر صورت بحسب ادعائے قائل بولا گیا ورنہ جو ختم نبوت پر ایمان نہ لایا قطعًا حضور کی رسالت ہی پر ایمان نہ لایا کہ رسول جانتا تو حضور جو کچھ اپنے رب جل جلالہ کے پاس سے لائے سب پر ایمان لاتا۔ **کما تقدم فی کلام الامام التورپشتی رحمہ اللہ تعالٰی** (جیسا کہ امام تورپشتی کے کلام میں پہلے گزر چکا ہے۔ت)

علامہ یوسف اردبیلی: امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی کتاب الانوار میں فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) بتاتا ہے اور اس کے رسالہ "ایک غلطی کا ازالہ" سے منقول کہ اس میں صراحۃً اپنے آپ کو نبی بلکہ بہت انبیاء سے افضل لکھا ہے اس بارے میں ابھی چند روز ہوئے امرتسر سے سوال آیا تھا جس پر حضرت مصنف علامہ مدظلہ نے مدلل و مفصل فتوٰی تحریر فرمایا جس کا حسن بیان دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے جس کا نام السوء والعقاب ہے۔ وللہ الحمد، **عفی عنہ مصحح** (م)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد، ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱/ ۶۹۱

من ادعی النبوۃ فی زماننا او صدق مدعیا لها او اعتقد نبیا فی زمانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم او قبله من لم یکن نبیا کفر اھ ملخصًا[1]	جو ہمارے زمانے میں نبوت کا مدعی ہو یا دوسرے کسی مدعی کی تصدیق کرے یا حضور کے زمانے میں کسی کو نبی مانے یا حضور سے پہلے کسی غیر کو نبی جانے کافر ہوجائے اھ ملخصًا۔

امام غزالی: امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی کتاب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

ان الامت فهمت من هذا اللفظ انه افهم عدم نبی بعده ابدا وعدم رسول بعده ابدا وانه لیس فیه تاویل ولا تخصیص ومن اوله بتخصیص فکلامه من انواع الهذیان لا یمنع الحکم بتکفیره لانه مکذب لهذا النص الذی اجمعت الامة علی انه غیر مؤول ولا مخصوص[2]	یعنی تمام امت محمدیہ علی صاحبہا وعلیہا الصلوٰۃ والتحیۃ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ وہ بتاتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور کے بعد کبھی کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا کہ اس لفظ میں نہ کوئی تاویل ہے کہ آخر النبیین کے سوا خاتم النبیین کے کچھ اور معنی گھڑیئے نہ اس عموم میں کچھ تخصیص ہے کہ حضور کے ختم نبوت کو کسی زمانے یا زمین کے کسی طبقے سے خاص کیجئے اور جو اس میں تاویل و تخصیص کو راہ دے اس کی بات جنون یا نشے یا سرسام میں بہکنے بڑانے بکنے کے قبیل سے ہے اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ وہ آیت قرآن کی تکذیب کررہا ہے جس میں اصلاً تاویل و تخصیص نہ ہونے پر امتِ مرحومہ کا اجماع ہوچکا ہے۔

بحمد اللہ یہ عبارت بھی مثل عبارت شفاء و نسیم تمام طوائف جدیدہ قاسمیہ وامیریہ خذلھم اللہ تعالٰی کے ہذیانات کا رد جلیل وجلی ہے آٹھ آٹھ سو برس بعد آنے والے کافروں کا رد فرماگئے، یہ ائمہ دین کی کرامت منجلی ہے۔

غنیۃ الطالبین: غنیۃ الطالبین شریف میں عقائد ملعونہ غلاۃ روافض کے بیان میں فرمایا:

ادعت ایضاان علیانبی (الی قولہ رضی اللہ	یعنی غالی رافضیوں کا یہ دعوٰی بھی ہے کہ مولا علی نبی

[1] الانوار لاعمال الابرار

[2] الاقتصاد فی الاعتقاد

تعالٰی عنہ)لعنھم اللہ وملئکتہ وسائر خلقہ الٰی یوم الدین وقلع آثارھم واباد خضراءھم ولا جعل منھم فی الارض دیارافانھم بالغوا فی غلوھم ومرضوا علی الکفر وترکوا الاسلام وفارقوا الایمان وجحدوا الالٰہ والرسل والتنزیل فنعوذ باللہ ممن ذھب الٰی ھٰذہ المقالۃ[1]	ہیں اللہ اور اس کے فرشتے اور تمام مخلوق قیامت تک ان رافضیوں پر لعنت کریں اللہ ان کے درخت کی جڑ اکھاڑ کر پھینک دے تباہ کردے زمین پر ان میں کوئی بسنے والا نہ رکھے کہ انہوں نے اپنا غلو حد سے گزار دیا کفر پر جم گئے اسلام چھوڑ بیٹھے ایمان سے جدا ہوئے اللہ ورسول وقرآن سب کے منکر ہوگئے، ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس سے جو ایسا مذہب رکھے۔

الحمدللہ، اللہ عزوجل نے یہ دعائے کریم مستجاب فرمائی غرابیہ وغیرہا ملعون طوائف کا نشان نہ رہا اب جو اس دارالفتن ہند پر محن کی زمین میں فتنوں کی بوچھاڑ کی گندہ بہار میں دو ایک حشرات الارض کہیں کہیں تازہ نکل پڑے وہ بھی بحمد اللہ تعالٰی جلد جلد اپنے مقر سقر کو پہنچ گئے ایک آدھ کہیں باقی ہو تو وہ بھی قہر الٰہی سے

"اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَؕ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۸﴾"[2] کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہ فرمایا پھر پچھلوں کو ان کے پیچھے پہنچائیں گے مجرموں کے ساتھ ہم ایسا ہی کرتے ہیں۔ت) کا منتظر ہے۔

تحفہ شرح منہاج: تحفہ شرح منہاج میں ہے:

اوکذب رسولا اونبیا او نقصہ بای منقص کان صغر اسمہ مریدا تحقیرہ اوجوز نبوۃ احد بعد وجود نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعیسٰی علیہ الصلوٰۃ و السلام نبی قبل فلا یرد[3]	یعنی کافر ہے جو کسی نبی کی تکذیب کرے یا کسی طرح اس کی شان گھٹائے، مثلاً بہ نیت توہین اس کا نام چھوٹا کرکے لے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد کسی کی نبوت ممکن مانے اور عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو حضور کی تشریف آوری سے پہلے نبی ہوچکے ان سے اعتراض وارد نہ ہوگا۔

[1] غنیۃ الطالبین فصل علامات اہل بدعت کے بیان میں، مصطفی البابی مصر، ۱/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۱۶تا۱۸

[3] المعتقد المنتقد بحوالہ التحفہ شرح المنہاج مع المستند المعتمد، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ص ۲۸۔۱۲۷

شرح فرائد: عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

فساد مذھبھم غنی عن البیان بشھادۃ العیان، کیف وھو یؤدی الی تجویز مع نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوبعدہ و ذٰلک یستلزم تکذیب القراٰن اذ قد نص علی انہ خاتم النبیین واٰخر المرسلین، وفی السنۃ انا العاقب لا نبی بعدی، واجمعت الامۃ علی ابقاء ھذا الکلام علٰی ظاھرہ وھٰذا احدی المسائل المشھورۃ التی کفرنا بھا الفلاسفۃ لعنھم اللہ تعالٰی[1] نقل ھٰذین خاتم المحققین معین الحق المبین السیف المسلول مولانا فضل الرسول قدس سرہ فی المعتقد المنتقد۔	فلاسفہ نے کہا تھا کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے آدمی ریاضتیں مجاہدے کرنے سے پا سکتا ہے اس کے رد میں فرماتے ہیں کہ ان کے مذہب کا بطلان محتاج بیان نہیں آنکھوں دیکھا باطل ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے نتیجے میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں یا حضور کے بعد کسی نبی کا امکان نکلے گا اور یہ تکذیب قرآن کو مستلزم ہے قرآن عظیم نص فرما چکا کہ حضور خاتم النبیین و آخر المرسلین ہیں اور حدیث میں ہے میں پچھلا نبی ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اسی معنی پر ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتے ہیں، یہ ان مشہور مسئلوں میں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے فلاسفہ کو کافر کہا اللہ تعالٰی ان پر لعنت کرے۔ یہ مذکورہ دونوں عبارتیں خاتم المحققین، حق مبین کے معاون ننگی تلوار مولانا فضل رسول قدس سرہ نے اپنی کتاب المعتقد المنتقد میں نقل کی ہیں۔

مواہب شریف: مواہب شریف آخر نوع ثالث، مقصد سادس میں امام ابن حبان صاحب صحیح مسمّٰی بالتقاسیم والانواع سے نقل فرمایا:

من ذھب الٰی ان النبوۃ مکتسبۃ لا تنقطع او الٰی ان الولی افضل من النبی فھو زندیق الٰی آخرہ[2]	جو اس طرف جائے کہ نبوت کسب سے مل سکتی ہے ختم نہ ہو گی، یا کسی ولی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ زندیق بے دین ملحد دہریہ ہے۔

[1] المعتقد المنتقد بحوالہ شرح الفرائد للنابلسی مع المستند المعتمد، مکتبہ حامدیہ، لاہور، ص ۱۵۔ ۱۱۴

[2] المواہب اللدنیہ، المقصد السادس، النوع الثالث، المکتب الاسلامی، بیروت، ۳/ ۱۸۳

علامہ زرقانی نے اس کی دلیل میں فرمایا: لتکذیب القراٰن وخاتم النبیین[1]، یہ شخص اس وجہ سے کافر ہوا کہ قرآن عظیم و ختم نبوت کی تکذیب کرتا ہے۔

امام نسفی: بحر الکلام امام نسفی پھر تفسیر روح البیان میں ہے:

صنف من الروافض قالوا بان الارض لا تخلو عن النبی والنبوة صارت میراثا لعلی واولادہ وقال اھل السنة والجماعة لانبی بعد نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اللہ ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا نبی بعدی ومن قال بعد نبینا نبی یکفر لانہ انکر النص وکذلك لوشك فیہ[2] ببعض اختصار۔	رافضیوں کا ایک طائفہ کہتا ہے زمین نبی سے خالی نہیں ہوتی اور نبوت مولا علی اور ان کی اولاد کے لئے میراث ہو گئی ہے اور اہلسنّت وجماعت نے فرمایا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہاں خدا کے رسول ہیں اور سب انبیاء میں پچھلے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے بعد کوئی نبی نہیں، تو جو حضور کے بعد کسی کو نبی مانے کافر ہے کہ قرآن عظیم و نص صریح کا منکر ہے یوں ہی جسے ختم نبوت میں کچھ شک ہو وہ بھی کافر ہے۔

تمہید ابو شکور سالمی: تمہید ابو شکور سالمی میں ہے:

قالت الروافض ان العالم لایکون خالیا عن النبی قط وھذا کفر لان اللہ تعالٰی قال وخاتم النبیین ومن ادعی النبوة فی زماننا فانہ یصیر کافرا ومن طلب منہ المعجزات فانہ یصیر کافرا لانہ شك فی النص ویجب الاعتقاد بانہ ماکان لاحد شرکة فی النبوة لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بخلاف ماقالت الروافض	رافضی کہتے ہیں دنیا نبی سے خالی نہ ہوگی اور یہ کفر ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے وخاتم النبیین اب جو دعوی نبوت کرے کافر ہے اور جو اس سے معجزہ مانگے وہ بھی کافر کہ اسے ارشاد الٰہی میں شک پیدا ہوا جب تو معجزہ مانگا اور اس کا اعتقاد فرض ہے کہ کوئی شخص نبوت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شریک نہ تھا بخلاف روافض کے کہ مولٰی علی کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، المقصد السادس النوع الثالث، دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۱۸۸

[2] روح البیان، آیہ ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ المکتبۃ الاسلامیہ ریاض الشیخ، ۷/ ۱۸۸

ان علیا کان شریکا لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی النبوۃ وھذا منھم کفر [1]	شریک نبوت مانتے ہیں اور یہ ان کا کفر ہے۔

مولانا عبد العلی: بحر العلوم ملک العلماء مولانا عبد العلی محمد شرح سلم میں فرماتے ہیں:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین وابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاصحاب والاولیاء وھاتان القضیتان مما یطلب بالبرھان فی علم الکلام والیقین المتعلق بھما یقین ثابت ضروری باق الی الابد ولیس الحکم فیھما علی امر کلی یجوز العقل تناول ھذا الحکم لغیر ھٰذین الشخصین وانکار ھذا مکابرۃ وکفر [2]	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں اور ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام اولیاء سے افضل ہیں اور ان دونوں باتوں پر دلیل قطعی علم عقائد میں مذکور ہے اور ان پر یقین وہ جما ہوا ضروری یقین ہے جو ابدالآباد تک باقی رہے گا اور یہ خاتم النبیین اور افضل الانبیاء ہونا کسی امر کلی کے لئے ثابت نہیں کیا ہے کہ عقل ان دونوں ذات پاک کے سوا کسی اور کے لئے اس کا ثبوت ممکن مانے اور اس کا انکار ہٹ دھرمی اور کفر ہے۔

فیہ لف ونشر بالقلب یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے افضل الاولیاء ہونے سے انکار قرآن وسنت واجماع امت کے ساتھ مکابرہ ہے اور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے خاتم الانبیاء ہونے سے انکار کفر، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

امام احمد قسطلانی: امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ مقصد سابع فصل اول، پھر علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ باب اول فصل ثانی میں فرماتے ہیں:

العلم اللدنی نوعان لدنی رحمانی ولدنی شیطانی والمحك ھو الوحی ولا وحی بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، واماّ قصۃ موسٰی مع الخضر	یعنی علم لدنی دو قسم ہے رحمانی اور شیطانی، اور ان کے پہچاننے کا معیار وحی ہے کہ جو اس کے مطابق ہے رحمانی ہے اور جو اس کے خلاف ہے شیطانی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے بعد وحی نہیں کہ کوئی کہے میرا یہ علم وحی جدید کے

[1] التمھید فی بیان التوحید، الباب السابع فی المعرفۃ والایمان دار العلوم حزب الاحناف لاہور، ص ۱۱۴-۱۱۳

[2] شرح سلم لعبد العلی، بحث التصدیقات آخر کتاب، مطبع مجتبائی، دہلی، ص ۲۶۰

علیهما الصلٰوة والسلام فالتعلق بها فی تجویز الاستغناء عن الوحی بالعلم اللدنی الحاد وکفر یخرج عن الاسلام موجب لاراقة الدم والفرق ان موسٰی علیه الصلٰوة والسلام لم یکن مبعوثا الی الخضر، ولم یکن الخضر مامورا بمتا بعته ومحمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی جمیع الثقلین فرسالته عامة للجن والانس فی کل زمان، فمن ادعی انه مع محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم کالخضر مع موسٰی علیهما الصلٰوة والسلام اوجوز ذٰلك لاحد من الامة فلیجدد اسلامه(لکفره بھٰذه الدعوی)ولیشهد شهادة الحق(لیعود الی الاسلام)فانه مفارق لدین الاسلام بالکلیة فضلا عن ان یکون من خاصة اولیاء الله تعالٰی وانما هو من اولیاء الشیطٰن وخلفائه ونوابه(فی الضلال والاضلال)والعلم اللدنی الرحمانی هو ثمرة العبودیة والمتابعة لھٰذا النبی الکریم علیه ازکی الصلٰوة واتم التسلیم وبه یحصل الفهم فی الکتاب والسنة بامر یختص به صاحبه کما قال علی (امیر المؤمنین)وقد سئل	مطابق ہے، رہا خضر و موسٰی علیہما الصلٰوۃ والسلام کا قصہ (کہ خضر کے پاس وہ علم لدنی تھا جو موسٰی علیہما الصلٰوۃ والسلام کو معلوم نہ تھا، اسے یہاں دستاویز بنا کر علم لدنی کے سبب وحی کی پروانہ رکھنا نری بے دینی و کفر ہے، اسلام سے نکال دینے والی بات ہے جس کے قائل کا قتل واجب، اور فرق یہ ہے کہ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام حضرت خضر کی طرف مبعوث نہ تھے نہ خضر کو ان کی پیروی کا حکم (کہ وہ تو خاص بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے کان النبی یبعث الی قومه خاصة) اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام جن و انس (بلکہ تمام ماسوائے اللہ) کی طرف مبعوث ہیں (وارسلت الی الخلق کافّة) تو حضور کی رسالت ہر زمانے میں سب جن و انس کو شامل ہے تو جو مدعی ہو کہ وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ایسے تھے جیسے موسٰی کے ساتھ خضر، امت میں کسی کے لئے یہ مرتبہ ممکن مانے وہ نئے سرے سے مسلمان ہو کہ اس قول کے باعث کافر ہو گیا مسلمان ہونے کے لئے کلمہ شہادت پڑھے کہ وہ دین اسلام سے یک لخت جدا ہو گیا چہ جائیکہ اللہ عزوجل کے خاص اولیاء سے ہو وہ تو شیطان کا ولی اور گمراہی و گمراہ گری میں ابلیس کا خلیفہ و نائب ہے علم لدنی رحمانی بندگی خدا و پیروی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پھل ہے جس سے قرآن و حدیث میں ایک خاص سمجھ حاصل ہو جاتی ہے جس طرح صحیح بخاری و سنن نسائی میں ہے کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے سوال ہوا کہ تم اہل بیت کو نبی صلی اللہ

(کما فی الصحیح وسنن النسائی)هل خصکم رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بشیئ دون الناس(کما تزعم الشیعة)فقال لا الا فهمایؤتیه الله عبدا فی کتابه اھ[1] مختصرًا مزیدا ما بین الهلالین من شرح العلامة الزرقانی۔رزقنا الله تعالٰی بمنّه واٰلائه بفضل رحمته باولیائه وصل وسلم علی خاتم انبیائه محمد واٰله وصحبه واحبائه اٰمین۔	تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی خاص شئے ایسی عطا فرمائی ہے جو اور لوگوں کو نہ دی جیسا کہ رافضی گمان کرتے ہیں؟فرمایا: نہ مگر وہ سمجھو جو اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو قرآن عزیز میں عطا فرمائی اھ، مختصرًا ہلالین میں شرح زرقانی کی عبارت زائد لائی گئی ہے۔اللہ تعالٰی اپنی رحمت و فضل،احسان و نعمت ہمیں عطا فرمائے بوسیلہ اولیاء اللہ صلوٰۃ وسلام نازل فرمائے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب سب پر۔آمین۔(ت)

سید کفریہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا:

ولید بلید خواہ کوئی پلید ختم نبوت کا ہر منکر عنید صراحۃً جاحد ہو یا تاویل کا مرید مطلقًا نفی کرے یا تخصیص بعید امیری، قاسمی، مشہدی مرید، رافضی غالی وہابی شدید، سب صریح کافر مرتد طرید علیهم لعنة العزیز الحمید(ان پر اللہ عزوجل کی لعنت ہو)اور جو کافر ہو وہ قطعًا سید نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ٘"[2]	وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔(ت)نہ اسے سید کہنا جائز۔

منافق کو سید نہ کہو:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا تقولوا للمنافق سید فانه ان یکن سیدا فقد استخطتم ربکم عزوجل[3]۔رواہ	منافق کو سید نہ کہو کہ اگر وہ تمہارا سید ہو تو بیشک تم پر تمہارے رب عزوجل کا غضب ہو(اس کو

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد السابع۔الفصل الاول علامات محبۃ الرسول۔المکتب الاسلامی۔بیروت،۳/ ۹۷۔۲۹۶،شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ۔الفصل الاول علامات محبۃ الرسول۔دارالفکر بیروت،۶/ ۱۱۔۳۱۰

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[3] سنن ابی داؤد۔کتاب الادب باب لا یقول المملوک ربی وربتی،آفتاب عالم پریس،لاہور،۲/ ۳۲۴

ابوداؤد والنسائی بسند صحیح عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابوداؤد اور نسائی نے بسند صحیح حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا)

روایت حاکم کے لفظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قال الرجل للمنافق یاسید فقد اغضب ربہ عزوجل[1]	جو کسی منافق کو "اے سید" کہے اس نے اپنے رب کا غضب اپنے اوپر لیا۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

پھر یہی نہیں کہ یہاں صرف اطلاق لفظ سے ممانعت شرعی اور نسب سیادت کا انتفائے حکمی ہو حاشا بلکہ واقع میں کافر اس نسل طیب وطاہر سے تھا ہی نہیں اگرچہ سید بنتا اور لوگوں میں براہ غلط سید کہلاتا ہو ائمہ دین اولیائے کاملین علمائے عاملین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ ساداتِ کرام بحمد اللہ تعالٰی خباثت کفر سے محفوظ و مصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہوگا۔ قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ﴿۳۳﴾"[2]	اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کردے ستھرا کرکے۔

تمام فوائد اور بزار وابویعلٰی مسند اور طبرانی کبیر اور حاکم بافادہ تصحیح مستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان فاطمۃ احصنت فرجہا فحرمہا اللہ وذریتہا علی النّار[3]	بیشک فاطمہ نے اپنی حرمت پر نگاہ رکھی تو اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی ساری نسل کو آگ پر حرام کردیا۔

اہل بیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں:

ابوالقاسم بن بشران اپنے امالی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سالت ربی ان لایدخل احدا من اھل بیتی النار فاعطانیہا[4]	میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہلبیت سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے اس نے میری یہ مراد عطا فرمائی۔

---

[1] المستدرک للحاکم، کتاب الرقاق، دار الفکر بیروت، ۴/ ۳۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳

[3] المستدرک للحاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، دار الفکر بیروت، ۳/ ۱۵۲

[4] کنز العمال بحوالہ ابن بشران فی امالیہ عن عمران بن حصین حدیث ۳۴۱۴۹ موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۲/ ۹۵

اہل بیت عذاب سے بری ہیں:

طبرانی بسند صحیح ؏ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمایا:

ان اللہ تعالٰی غیر معذبك ولا ولدك[1]	بیشک اللہ تعالٰی نہ تجھے عذاب فرمائے گا نہ تیری اولاد کو۔

حضرت فاطمہ کی وجہ تسمیہ:

ابن عساکر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما سمیت فاطمة لان اللہ فطمها وذریتها عن النار یوم القیٰمة[2]	فاطمہ اس لئے نام ہوا کہ اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی نسل کو روز قیامت آگ سے محفوظ فرمادیا۔

اہل بیت آگ میں نہیں جاسکتے:

قرطبی آیہ کریمہ "وَلَسَوۡفَ يُعۡطِيۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰى" کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ناقل کہ انہوں نے فرمایا:

رضا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لا یدخل احد من اھل بیته النار[3]	یعنی اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راضی کردینے کا وعدہ فرمایا اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

نار دو قسم کی ہے، نارِ تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور نارِ خلود کافر کے لئے ہے، اہل بیت کرام

؏: افادہ الھیثمی فی الصواعق حیث قال جاء بسند رواته ثقات انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لفاطمة فذکرہ۔ ۱۲ منه (م)	ہیثمی نے صواعق میں اس کا افادہ کیا جہاں انہوں نے کہا سند کے ساتھ مروی جس کے تمام راوی ثقہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو فرمایا تو پھر اس حدیث کا ذکر کیا ۱۲ منہ (ت)

---

[1] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۶۸۵، المکتبة الفیصلیة، بیروت، ۱۱/ ۲۶۳

[2] المواہب اللدنیہ، بحوالہ ابن عساکر، المقصد الثانی، الفصل الثانی، المکتب الاسلامی، بیروت، ۲/ ۶۴، تنزیه الشریعة بحوالہ ابن عساکر باب مناقب السبطین الخ الفصل الاول، دار الکتب العلمیه، بیروت، ۱/ ۴۱۳

[3] الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) تحت اٰیة ولسوف یعطیك ربک، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰/ ۹۵

میں حضرت امیر المؤمنین مرتضی و حضرت بتول زہرا و حضرت سید مجتبیٰ و حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سید ہم و علیہم و بارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم باقی نسل کریم تا قیام قیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالیٰ مطلق دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلماتِ اہل تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منع خلود مقصود جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔ شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث مذکور:

انما سمیت فاطمة هی فاما هی وابناها فالمنع مطلق واما من عداهم فالممنوع عنهم نار الخلود. واما ماروٰه ابو نعیم والخطیب ان علیا الرضا بن موسٰی الکاظم ابن جعفر الصادق سئل عن حدیث ان فاطمة احصنت فقال خاص بالحسن و الحسین وما نقله الاخباریون عنه من توبیخه لاخیه زید حین خرج علی المامون وقوله اغرك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان فاطمة احصنت الحدیث ان هذا لمن خرج من بطنها لا لی ولا لك فهذا من باب التواضع وعدم الاغترار بالمناقب وان کثرت کما کان الصحابة المقطوع لهم بالجنّة علی غاية من الخوف والمراقبة والا فلفظ ذرية لا یخص بمن خرج من بطنها فی لسان العرب ومن ذریته	بیشک فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ نام ہے لیکن فاطمہ اور ان کے بیٹے تو ان پر مطلقًا جہنم کی آگ ممنوع ہے لیکن ان کے ماسوا کے لئے جہنم کا خلود ممنوع ہے۔ آپ پر اور ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ اور لیکن جو ابونعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسٰی کاظم ابن جعفر الصادق سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ فاطمہ نے اپنے حرم گاہ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ حسن اور حسین کے لئے خاص ہے اور وہ جو مورخین نے ان سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے اپنے بھائی زید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا جب اس نے مامون پر خروج کیا اور کہا کیا تجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کو محفوظ رکھا ہے۔ (الحدیث) اس پر انہوں نے فرمایا یہ میرے اور تیرے لئے خاص نہیں بلکہ جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا ہے ان سب کے لئے ہے، تو یہ تواضع اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور نہ کرنے کے باب سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے جنت قطعی ہے اس کے باوجود وہ خوف و مراقبہ میں مبتلا تھے، ورنہ تو ذریت کا لفظ عربی

داؤد وسلیمٰن الاٰیۃ وبینھم وبینہ قرون کثیرۃ فلا یرید ذٰلك مثل علی الرضا مع فصاحتہ ومعرفتہ لغۃ العرب علی ان التقلید بالطائع یبطل خصوصیۃ ذریتھا ومحببیھا الا ان یقال ﷲ تعذیب الطائع فالخصوصیۃ ان لا یعذ بہ اکراما لھا واﷲ اعلم [1] اھ مختصرا و رأیتنی کتبت علی ھامش قولہ الا ان یقال ما نصہ۔ **اقول:** ولا یجدی فان الوقوع ممنوع باجماع اھل السنۃ واما الامکان فثابت عند من یقول بہ الی خلاف ائمتنا الماتریدۃ رضی اﷲ تعالٰی عنھم فانھم یحیلونہ وقد تکلمت فی مسئلۃ علی ھامش فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت لبحر العلوم بمایکفی ویشفی فانی اجدنی فیھا ارکن وامیل الی قول ساداتنا الاشعریۃ رحمھم اﷲ تعالٰی ورحمنا بھم جمیعا واﷲ اعلم بالصواب فی کل باب۔	زبان میں ایک پیٹ کی اولاد کے لئے خاص نہیں، جیسے آیہ کریمہ ومن ذریتہ داؤد سلیمٰن ہے، حالانکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور داؤد و سلیمٰن علیہما السلام کے درمیان کئی قرون کا فاصلہ ہے، لہٰذا علی رضا اپنی فصاحت اور عربی لغت کی معرفت کے باوجود یہ خاص مراد نہیں لے سکتے، علاوہ ازیں نافرمان کی تقلید حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کی خصوصیت کو باطل کردیتی ہے، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کو نافرمان کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے اکرام کے لئے اُسے اِعذاب نہیں دیتا، واللہ تعالٰی اعلم اھ مختصراً۔ میں نے زرقانی کے قول "الا ان یقال" پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) ان کا یہ بیان مفید نہیں ہے عذاب کا وقوع تو باجماع اہلسنّت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اس قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں، میں نے اس مسئلہ پر کتاب مسلم الثبوت کی شرح بحر العلوم فواتح الرحموت پر حاشیہ میں کافی اور شافی بحث کی ہے میں نے وہاں اپنے کو سادات اشعریہ رحمہم اللہ کے قول کی طرف مائل پایا، اللہ تعالٰی ہم سب پر رحم فرمائے۔ (واللہ تعالٰی اعلم)

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

اذا تقرر ذٰلك فمن علمت نسبتہ الی اٰل	توجب یہ ثابت ہوا تو جس کی نسبت اہلبیت نبی اور

[1] شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ، المقصد الثانی، الفصل الثانی، دار المعرفۃ، بیروت، ۳/ ۲۰۳

البیت النبوی والسر العلوی لا یخرجه عن ذٰلك عظیم جنایته ولا عدم دیانته وصیانته ومن ثم قال بعض المحققین ما مثال الشریف الزانی او الشارب او السارق مثلًا اذا اقمنا علیه الحد الا کامیر اوسلطان تلطخت رجلاہ بقذر فغسله عنهما بعض خدمه ولقد بر فی هذا المثال وحقق ولیتأمل قول الناس فی امثالهم الولد العاق لا یحرم المیراث نعم الکفران فرض وقوعه لاحد من اهل البیت والعیاذ باللّٰه تعالٰی هو الذی یقطع النسبة بین من وقع منه وبین شرفه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انما قلت ان فرض لانی اکادان اجزم ان حقیقة الکفر لا تقع ممن علم اتصال نسبه الصحیح بتلك البضغة الکریمة حاشا هم اللّٰه من ذٰلك و قد احال بعضهم وقوع نحو الزنا واللواط ممن علم شرفه فما ظنك بالکفر[1]	علوی حضرات کی طرف معلوم ہے تو اس کی بڑی جنایت اور عدم دیانت وصیانت اس کو اس نسبت سے خارج نہ کرے گی، اس بات کی بناء پر بعض محققین نے فرمایا زانی یا شرابی یا چور رسید پر حد قائم کرنے کی مثال صرف یہی ہے جیسے امیر یا سلطان کا کوئی خادم اس کے پاؤں پر لگی نجاست کو صاف کرے، اس مثال کو غور سے سمجھا جائے اور لوگوں کی اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ نافرمان اولاد وراثت سے محروم نہیں ہوتی، ہاں اگر ان حضرات سے کفر کا وقوع فرض کیا جائے، والعیاذ باللّٰه، تو اس سے وہ نسبت منقطع ہو جائے گی، میں نے صرف فرض کرنے کی بات اس لئے کی ہے کیونکہ مجھے جزم کی حد تک یقین ہے کہ جو صحیح النسب سید ہو اس سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہو سکتا اللّٰه تعالٰی ان کو اس سے بلند رکھے، بعض نے ان سے زنا اور لواطت جیسے افعال کو بھی محال کہا ہے بشرطیکہ ان کی نسبی شرافت یقینی ہو تو پھر کفر کے متعلق تیرا کیا خیال ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی حدیثیہ، طلب ما الحکمۃ فی خصوص اولاد فاطمہ بالمشرف. المطبعۃ الجمالیہ، مصر، ص ۱۲۲

شیخ اکبر اور اہلبیت:

امام الطریقۃ لسان الحقیقۃ شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ باب ۲۹ میں فرماتے ہیں:

لما کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدا مخصا قد طھرہ اللہ و اھل بیتہ تطھیرا واذھب عنھم الرجس وھو کل ما یشینھم فھم المطھرون بل ھم عین الطھارۃ فھذہ الاٰیۃ تدل علی ان اللہ تعالٰی قد شرك اھل البیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی قولہ تعالٰی "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ"، و ای وسخ وقذر من الذنوب فطھر اللہ سبحانہ نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالمغفرۃ ممّا ھو ذنب بالنسبۃ الینا فدخل الشرفاء اولاد فاطمۃ کلھم رضی اللہ تعالٰی عنھم الی یوم القیٰمۃ فی حکم ھذہ الاٰیۃ من الغفران الی اٰخر ما افادوا جادو ثمہ کلام طویل نفیس جلیل فعلیك بہ رزقنا اللہ العمل بما یحبہ و یرضاہ اٰمین! [1]	جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالٰی کے خاص عبد ہیں کہ ان کو اور ان کے اہل بیت کو کامل طور پر پاک کردیا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور کردیا ہے اور رجس ہر ایسی چیز ہے جو ان حضرات کو داغدار کرے تو وہ پاکیزہ لوگ بلکہ وہ عین طہارت ہیں، تو اللہ تعالٰی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل بیت کو طہارت میں شریک فرمایا ہے جس پر آیہ کریمہ ہے "لیغفر لك اللہ" "اللہ تعالٰی نے آپ کے لئے پہلے اور پچھلے آپ کے خطایا معاف کردئے یعنی گناہوں کی میل و قذر سے آپ کو پاک رکھا ہے جو ہماری نسبت سے گناہ ہوسکتے ہیں تو تمام سادات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد اس حکم میں داخل ہے الخ، تک جو حضرت شیخ نے بہترین فائدہ مند کلام فرمایا یہاں آپ کا جلیل نفیس طویل کلام ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس کی طرف راجع ہوں اللہ تعالٰی ہمیں اپنے پسندیدہ عمل کا حصّہ عطافرمائے، آمین! (ت)

[1] الفتوحات المکیۃ، الباب التاسع والعشرون، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱/ ۱۹۶

بدعقیدہ سید:

اگر کہے بعض کٹر نیچری بیشمار اشد غالی رافضی بہت سچّے ملحد جھوٹے صوفی کچھ ہفت خاتم شش مثل والے وہابی غرض بکثرت کفار کہ صراحۃً منکرین ضروریات دین ہیں سید کہلاتے میر فلاں لکھے جاتے ہیں۔

اقول: کہلانے سے واقعیت تک ہزاروں منزل ہیں نسب میں اگرچہ شہرت پر قناعت **والناس امناء علٰی انسابھم** (لوگ اپنے نسبوں میں امین ہیں۔ت) مگر جب خلاف پر دلیل قائم ہو تو شہرت بے دلیل نامقبول وعلیل اور خود اس کے کفر سے بڑھ کر نفی سیادت پر اور کیا دلیل درکار، کافر نجس ہے **قال تعالٰی** "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک مشرک نرے ناپاک ہیں) اور ساداتِ کرام طیب وطاہر **قال اللہ تعالٰی** "وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے) اور نجس وطاہر باہم متبائن ہیں کہ ایک شیئ پر معًا ان کا صدق محال، جب علمائے کرام تصریح فرما چکے کہ سید صحیح النسب سے کفر واقع نہ ہوگا اور یہ شخص صراحۃً کافر تو اس کا سید صحیح النسب نہ ہونا ضرورۃً ظاہر، اب اگر اس نسب کریم سے انتساب پر کوئی سند معتمد نہ رکھتا ہو تو امر آسان ہے ہزاروں اپنی اغراضِ فاسدہ سے براہِ دعوی سید بن بیٹھے: ع

غلّہ تا ارزاں شود امسال سیدمی شوم

(اس سال سید بنوں گا تاکہ خوراک میں آسانی ہو)

رافضی سید: رافضی صاحبوں کے یہاں تو یہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، آج ایک رذیل سارذیل دوسرے شہر میں جاکر رفض اختیار کرے کل میر صاحب کا تمغا پائے تو فلاں کافر سے کیا دور ہے کہ خود بن بیٹھا ہو یا اس کے باپ دادا میں کسی نے ادعائے سیادت کیا اور جب سے یونہی مشہور چلا آتا ہو، اور اگر بالفرض کوئی سند بھی ہو تو اس پر کیا دلیل ہے کہ یہ اسی خاندان کا ہے جس کی نسبت یہ شہادت تامہ ہے، علامہ محمد بن علی صبان مصری اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی وفضائل اہل بیت الطاہرین میں فرماتے ہیں:

ومن این تحقق ذٰلك لقیام احتمال زوال بعض النساء وکذب بعض الاصول فی الانتساب[3]	یہ کیسے ثابت ہوا جبکہ بعض عورتوں کی غلط کاری اور نسب بنانے میں بعض مردوں کے جھوٹ کا احتمال ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳

[3] اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی وفضائل اہل البیت الطاہرین، محمد بن علی صبان مصری

یہ وجوہ ہیں ورنہ حاشاﷲ ہزار ہزار حاشاﷲ نہ بطن پاک حضرت بتول زہرا میں معاذاﷲ کفر وکافری کی گنجائش، نہ جسم اطہر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی پارہ کتنے ہی بُعد پر عیاذًا باﷲ دخولِ نار کے لائق، الحمدﷲ یہ دو دلیل جلیل واجب التعویل ہیں کہ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنے والا رافضی وہابی متصوف نیچری ہر گز سید صحیح النسب نہیں۔ تین قیاس پر مشتمل

دلیل اوّل:

(۱) یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر نجس۔ نتیجہ: یہ شخص نجس ہے۔

(۲) ہر سید صحیح النسب طاہر ہے اور کوئی طاہر نجس نہیں، نتیجہ: کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

(۳) اب یہ دونوں نتیجے ضم کیجئے یہی شخص نجس ہے اور کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

قیاس اول کا صغرٰی مفروض اور کبرٰی منصوص اور دوم کا صغرٰی منصوص اور کبرٰی بدیہی تو نتیجہ قطعی۔

دلیل دوم:

قیاس مرکب، یہ بھی تین قیاسوں کو متضمن، یہ شخص کافر ہے اور ہر کافر مستحقِ نار۔

نتیجہ: یہ شخص مستحقِ نار ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا کوئی پارہ مستحقِ نار نہیں۔

نتیجہ: یہ شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسمِ اقدس کا پارہ نہیں اور ہر سید صحیح النسب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔

نتیجہ: یہ شخص سید صحیح النسب نہیں۔

پہلا کبرٰی منصوص قرآن، اور دوسرے کا شاہد ہر مومن کا ایمان، اور تیسرا عقلاً وفقہًا واضح البیان۔

و الحمدﷲ الکریم المنان والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علٰی سیدنا ومولانا سید الانس والجان خاتم النبیین بنص الفرقان وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ و تابعیھم باحسان وعلینا معھم یاﷲ یارحمٰن اٰمین اٰمین یارؤف یاحنان سبحانك اللھم و بحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك واﷲ سبحانہ وتعالٰی	تمام تعریفیں احسان فرمانے والے اللہ کریم کے لئے تام وکامل صلوٰۃ وسلام ہمارے آقا و مولٰی انسان و جن کے سردار، قرآنی نص سے خاتم النبیین اور آپ کی آل واصحاب اور تابعین اور ان کے ساتھ ہم پر، یا اللہ یا رحمان، آمین آمین، اے شفقت ومہربانی فرمانے والے! تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری ہی تعریفیں، گواہی دیتا ہوں کہ تیرے بغیر کوئی معبود برحق نہیں، تجھ سے بخشش کا طالب ہوں اور تیری طرف ہی رجوع، اللہ سبحانہ وتعالٰی

اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	بڑے علم والا اور اسی جل مجدہ کا علم نہایت تام اور نہایت قطعی ہے۔ (ت)

کتبــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ محمد

المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

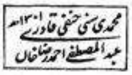

تقریظ جناب مولانا شیخ احمد مکی مدرس مکہ معظّمہ دام مجدہ

الحمد للہ الذی جعلنا من ذوی العقول و منحنا بالرضا والقبول نسألہ الصلٰوۃ والسلام کما ینبغی لجلال عظمۃ قدر نبینا و سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء وسید کل رسول اشھد ان لا الٰہ الّا اللہ وحدہ لا شریك لہ المنزہ عن الکذب والاقول والصلٰوۃ والسلام علٰی سیدنا محمد خاتم انبیائہ و اشرف رسلہ المبعوث الٰی کافۃ الخلق والی الاسود و الاحمر ھو الشافع المشفع فی المحشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المصابیح العزر وعلی الائمۃ المجتھدین الی یوم الیقین اما بعد فقد نورت جفنی باثمد ھٰذا الجواب فیاطرب من جواب اصاب لا یاتیہ الباطل من بین	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے ہمیں ذوالعقول بنایا اور رضا و قبول کا تحفہ دیا، اس سے ہم اپنے نبی و سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو انبیاء کے پچھلے اور تمام رسولوں کے سردار کی پُر جلال عظمتِ قدر کے مناسب پر صلٰوۃ وسلام کا سوال کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے بغیر کوئی معبود برحق نہیں جو کذب اور بے جا بات سے پاک ہے، ہمارے سردار، اللہ تعالٰی کے انبیاء ورسولوں کے خاتم واشرف، جو تمام مخلوق کی طرف مبعوث وہ محشر کے روز شفاعت کرنے والے جن کی شفاعت مقبول ہے سیدنا محمد پر صلٰوۃ و سلام اور ان کی آل واصحاب پر جو قابلِ قدر چراغ ہیں اور ائمہ مجتہدین پر قیامت تک، امابعد میں نے اس جواب کے سرمہ اثمد سے اپنی پلکوں کو منور کیا، کیا ہی خوشی ہے ایسے جواب باصواب سے کہ باطل اس کے قریب نہیں پھٹک سکتا، بلکہ یہ نری ہدایت ہے جو حق وصواب تک پہنچانے

یدیه ولا من خلفه بل هدایة مهداة الی الحق و الصواب و کیف لا وهو للبحر الطمطام والحبر الفهام قدوة الفقهاء والمحدثین وزبدة الکملاء والمفسرین ریاض البلغاء المتکلمین ومرکز الفصحاء الماهرین جامع المتون وشارح الفنون التقی النقی نعمان الزمان مولانا الحاج الحافظ القاری الشیخ احمد رضا خاں لازالت شموس افاضته علی العٰلمین مشرقة وصمصام اجوبته لاعناق الملحدین قاطعة جزاه الله عنا وعن المسلمین خیرا لجزاء وجمع الله شمله مع الاوتاد والنجباء فلعمری ان هذا الجواب لا یقبله الاّ ذو قلب سلیم ولا یخوض فیه بالباطل الاّ الملحد الزندیق الرجیم کما قیل۔

الحمدلله ان الحق قد ظهرا
الا علی اکمه لا یعرف القمرا
من فاضل نال من ابائه الشرفا
اروی سحاب نداه الجن والبشرا

والحق ان من یضلل الله فلا هادی له ومن یهده فلا مضل له اللهم اجعلنا متصفین بالافعال کما جعلتنا واصفین بالاقوال وارضنا وارض عنّا بجاه سیدنا محمد والاٰل واحفظنا عن زائغ الزائغین ومن همزات الشیاطین واٰخر دعوانا

والی ہے کیوں نہ ہو کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر، انتہائی فہم والے ماہر، فقہاء اور محدثین کے مقتداء، کاملین و مفسرین کے نشان، بلیغ کلام والوں کے باغ، فصیح ماہرین کے مرکز، متون کے جامع، فنون کے شارح، پاکیزہ، متقی، نعمانِ وقت مولانا الحاج حافظ قاری الشیخ احمد رضا خاں کا یہ جواب ہے ان کے فیض کا سورج تمام جہانوں پر چمکتا رہے اور ان کے جوابات کی تلوار ملحدین کی گردن کو کاٹتی رہے، اللہ ان کو ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور اللہ تعالٰی ان کی مقبول خدمات کو اوتاد و نجباء کے ساتھ شمار فرمائے، مجھے اپنی عمر کی قسم اس جواب کو صرف سلیم قلب والے لوگ ہی قبول کریں گے اور اس میں باطل کی تلاش صرف ملحد وزندیق مردود کو ہی ہوگی، جیسے کسی نے کہا:

الحمد للہ بیشک حق ظاہر ہوا مگر اندھوں کے لئے نہیں جو چاند کو نہیں پہچانتے، یہ ظہور ایسے فاضل سے ہوا جس نے اپنے آباء واجداد سے شرف پایا، اس کی مجلس کے بادل نے جن وبشر کو سیراب کیا۔

یہ حق ہے کہ جس کو اللہ تعالٰی گمراہ کرے اس کا کوئی ہادی نہیں اور جس کو وہ ہدایت دے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں، اے اللہ! ہمیں افعال میں ایسے متصف فرما جیسے تو نے ہمیں اقوال میں واصف بنایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی آل پاک کے وسیلہ سے

ان الحمد للہ رب العٰلمین نمقه ببنانه الراجی عفو ربه الحفی البارٰی احمد المکی الجشتی الصابری الامدادی المدرس بالمدرسة الاحمدیة الواقعة فی مکّة المحمیة ۱۳۱۷ھ۔	ہمیں راضی بنا اور ہم سے راضی رہ،اور ہمیں گمراہوں کی گمراہی اور شیطانوں کی شیطنت سے محفوظ فرما،ہماری آخری التجا اللہ رب العالمین کی حمد ہے،احمد مکی چشتی صابری امدادی مدرس مدرسہ احمدیہ نے ۱۳۱۷ھ میں اپنے دستخطوں سے مکہ مکرمہ میں جاری کیا۔(ت)

نوٹ:

جلد پانز دھم کتاب السیر (حصہ دوم) ختم ہوئی

جلد شانز دھم کا آغاز کتاب الشرکۃ سے ہوگا۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۶

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

پیش لفظ 4
سولھویں جلد 5
رموز 7
اجمالی فہرست 8
فہرست مضامین مفصّل 10
فہرست ضمنی مسائل 58
کتاب الشرکۃ 90
(احکام شرکت کا بیان) 90
کتاب الوقف 114
(احکامِ وقف کا بیان) 114
رسالہ 176
جوالُ العلوّ لتبیین الخلو ۱۳۳۶ھ 176
(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش 176
مصارف وقف 206
(وقف کے مصارف کا بیان) 206
بابُ المسجد 256
(احکام مسجد کا بیان) 256
رسالہ 262
التحریر الجید فی حق المسجد ۱۳۱۵ھ 262
(مسجد کے حق میں عمدہ تحریر) 262
رسالہ 366
ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری ۱۳۳۱ھ (عبدالباری کی مصالحت میں چھپی ہوئی (خرابی) کا اظہار) 366
اوقاف کے اجارہ کا بیان 620

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضَوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد شانزدہم (۱۶)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد شانزدہم ١٦

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج وتصحیح ________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ٦۳۲

اشاعت ________ جمادی الاولٰی ١٤٢٠ھ / ستمبر ١٩٩٩ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولٰنا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے،اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی ترجمہ و تخریج کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھااور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا نو سال کے مختصر عرصہ میں یہ سولھویں جلد آپکے ہاتھوں میں ہے،اس سے قبل کتاب الطہارۃ،کتاب الصلٰوۃ،کتاب الجنائز،کتاب الزکوٰۃ،کتاب الصوم،کتاب الحج،کتاب النکاح،کتاب الطلاق کتاب الایمان،کتاب الحدودوالتعزیر اور کتاب السیر پر مشتمل پندرہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

صفحات	سنینِ اشاعت	تعدادِ رسائل	جواباتِ اسئلہ	عنوان	جلد
۸۳۸	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۱۱	۲۲	کتاب الطہارۃ	۱
۷۱۰	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷	۳۳	کتاب الطہارۃ	۲
۷۵۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۶	۵۹	کتاب الطہارۃ	۳
۷۶۰	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۵	۱۳۲	کتاب الطہارۃ	۴
۶۹۲	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶	۱۴۰	کتاب الصّلوٰۃ	۵
۷۳۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۴	۴۵۷	کتاب الصّلوٰۃ	۶
۷۲۰	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷	۲۶۹	کتاب الصّلوٰۃ	۷
۶۶۴	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶	۳۳۷	کتاب الصّلوٰۃ	۸
۹۴۶	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۱۳	۲۷۳	کتاب الجنائز	۹
۸۳۲	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۱۶	۳۱۶	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۱۰
۷۳۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۶	۴۵۹	کتاب النکاح	۱۱
۶۸۸	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۳	۳۲۸	کتاب نکاح، طلاق	۱۲
۶۸۸	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۲	۲۹۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۱۳
۷۱۲	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷	۳۳۹	کتاب السیر (ا)	۱۴
۷۴۴	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۱۵	۸۱	کتاب السیر (ب)	۱۵

سولھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڈھ بھارت کے صفحہ ۳۲۰ سے آخر تک ۴۳۲ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے، نئے شامل کردہ رسائل کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں تیرہویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشرکۃ اور کتاب الوقف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے انتہائی وقیع اور گرانقدر

تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) جوال العلولتبیّن الخلو (۱۳۳۶ھ)

خلو کی تعریف اور اس کے شرعی حکم کا بیان

(۲) التحریر الجید فی حق المسجد (۱۳۱۵ھ)

اشیاء مسجد کو فروخت کرنے اور انھیں اپنے تصرف میں لانے کا حکم

(۳) ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری (۱۳۳۱ھ)

مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّی کے اس مسجد کے بارے میں فیصلے کا رد بلیغ۔

رسائل مذکورہ میں سے اول الذکر رسالہ تو پہلے سے ہی فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم کتاب **الوقف** میں موجود تھا جبکہ باقی دونوں رسالے اس سے قبل فتاوٰی رضویہ میں شامل نہ تھے موضوع کی مناسبت سے ان کو جلد ہذا میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے نیز رسالہ **التحریر الجید** کے بعد مسئلہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸ فتاوٰی افریقہ سے ماخوذ ہیں، یاد رہے کہ پندرھویں جلد میں **کتاب السیر** مکمل ہوچکی ہے اس کے بعد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ششم میں **کتاب المفقود** تھی جس کو **کتاب الطلاق** کے ساتھ منسلک کرکے تیرھویں جلد (جدید) میں شامل کیا جاچکا ہے لہذا پیش نظر جلد (شانزدہم) کا آغاز **کتاب الشرکۃ** سے ہورہاہے۔

جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ستمبر ۱۹۹۹ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

I.T. Majlis of DawateIslami www.dawateislami.net

رموز

محقق: علّامہ کمال الدین ابن ہمام صاحب فتح القدیر

ح: علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی صاحب غنیۃ المستملی

ش: علّامہ محمد امین ابن عابدین الشامی صاحب ردالمحتار

ط: علّامہ سید احمد الطحطاوی صاحب حاشیۃ الدرالمختار وحاشیہ مراقی الفلاح

الدر: الدرالمختار، علامہ محمد علاء الدین الحصکفی

الدرر: الدرر شرح الغرر، ملّا خسرو علّامہ محمد بن فراموز

بحر: البحر الرائق، علّامہ زین الدین ابن نجیم

ہندیہ: فتاوٰی عالمگیری، جماعت علمائے احناف

نہر: النہر الفائق، سراج الدین عمر بن تمیم

فتح: فتح القدیر، علّامہ کمال الدین ابن ہمام

غنیہ: غنیۃ المستملی، علّامہ محمد ابراہیم بن محمد الحلبی

حلیہ: حلیۃ المحلّی، ابن امیر الحاج

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۳
فہرست مضامین مفصل ۹
فہرست مسائل ضمنیہ ۵۷
کتاب الشرکۃ ۸۹
کتاب الوقف ۱۱۳
مصارف وقف ۲۰۵
باب المسجد ۲۵۵

فہرست رسائل

o جوال العلو لتبیین الخلو ۱۷۵
o التحریر الجید فی حق المسجد ۲۶۱
o ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری ۳۶۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

حمد بارئ تعالٰی

اَلْحَمْدُ لِلْمُتَوَحِّدِ

بِجَلَالِهِ الْمُتَفَرِّدِ

وَصَلٰوتُه دَوْمًا عَلٰی

خَیْرِ الْاَنَامِ مُحَمَّدٍ

حضرت رضا بریلوی

اس خدائے یکتا کی حمد وثنا

جو اپنے جلال میں یکتا و یگانہ ہے

تمام مخلوق میں سب سے اعلٰی انسان محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

پر خدا کی رحمت ہمیشہ ہمیش نازل ہوتی رہے!

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین مفصّل

۹۱	عرف ظاہر پر عمل واجب ہے۔		**کتاب الشرکۃ**
۹۱	عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔	۸۹	جن لوگوں کا مال اس طرح مل گیا کہ تمیز مشکل ہے اور کچھ لوگ عدم امتیاز کی وجہ سے اپنا حصہ لینے سے انکار کریں تو بقیہ شرکاء اپنا حصہ لے کر بقیہ فقیروں کو دے دیں۔
۹۱	جو عرف میں معروف ہو وہ مشروط شرعی کی طرح ہوتا ہے۔	۸۹	مال شرکت سے متعلق ایک سوال۔
۹۲	زید نے عمرو کو کچھ روپیہ دیا اور کہا کہ اس کو خرچ کر، یا اپنی حاجت میں اٹھا، یا جہاد کر، تو قرض قرار دیا جائیگا۔	۸۹	مشترک دکان کی آمدنی میں شرکاء بحصہ مساوی شریک ہوں گے۔
۹۲	عورت نے شوہر کو دیا کہ کپڑا بنا کر پہن، تو ہبہ قرار دیا جائے گا۔	۹۰	مشترکہ ملک میں سے ایک شریک دوسرے شریک کی اجازت سے کچھ رقم لے گیا تو اگر کچھ باقی واپس ہوا تو دونوں شرکاء بحصہ مساوی مالک ہونگے۔
۹۲	طالبعلم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے، ہبہ قرار پائے گا۔	۹۰	قرض، ہبہ اور اباحت کا فرق۔
۹۲	جس عاریۃ کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا، قرض قرار دیا جائے گا۔	۹۰	اباحت بعد موت مبیح باطل ہو جاتی ہے۔
۹۲	مدار عرف پر ہے۔	۹۱	مشترک مال میں ہر فریق کے لئے جو مباح کر دیا گیا اس کا تاوان نہیں۔
۹۳	جس معاملہ میں قرض معروف ہو قرض قرار دیا جائے اور جس میں ہبہ وہ ہبہ ہے۔		

جو چند بھائی یکجا رہتے ہیں ان میں عرفاً ہر ایک کو اپنے مصارف میں صرف کرنے کی اجازت رہتی ہے اور کمی بیشی کا کوئی حساب نہیں ہوتا، یہ اباحت ہے۔	۹۳	یمین علی فعل الغیر میں قسم علم پر کھائی جاتی ہے۔	۹۹
شرکت ملک کا ایک سوال۔	۹۳	جواب سوال دوم	۱۰۰
مشترک زمین پر گورنمنٹ نے قبضہ کیا، بعد میں تقسیم ہو کر وہ ایک فریق کے حصہ میں پڑی، اور گورنمنٹ نے قبضہ کا معاوضہ دیا تو زمانہ شرکت کے معاوضہ میں سب شرکاء شریک ہوں گے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ وہ زمین "معدلاستغلال" ہو اور کسی ایک نے اپنے لئے اعداد نہ کیا ہو۔	۹۴	مکان میں تعمیر مزید سب شرکاء کی رائے سے ہوئی تو اپنا حصہ نکال کر بقیہ شرکاء سے باقی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔	۱۰۰
کسی ایک کے اپنے لئے اعداد کرنے کی صورت میں زمانہ شرکت کی آمدنی بقدر حصص شرکاء مابعد کے لئے ملک خبیث ہے جس کا صدقہ کرنا یا شرکاء کو دینا واجب ہے۔	۹۴	ایک شریک نے اپنے مال سے بقیہ شرکاء کیلئے مشترکہ ملک میں کچھ بنایا اگر یہ ہبہ ہو تو ناجائز ہے کہ یہ ہبہ مشاع ہے۔	۱۰۰
اگر زمین معدلاستغلال نہ ہو تو گورنمنٹ نے جس کو دیا وہی مستحق ہے کہ یہ ہبہ ہے جبکہ شرکاء میں کوئی یتیم نہ ہو۔	۹۴	جواب سوال سوم	۱۰۱
سات سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۹۵	مشترکہ جائداد میں کسی شریک نے اپنے صرفہ سے اپنے لئے مکان بنایا تو وہ اسی کا ہوگا۔	۱۰۱
جواب سوال اول۔	۹۶	کسی نے دوسرے کی زمین میں مکان بنایا تو مکان والا اس سے معاملہ بھی کرسکتا ہے اور وہ مکان اپنی زمین سے اکھڑوا بھی سکتا ہے اور زمین بیکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس مکان کی قیمت لگا کر اس پر قبضہ بھی کرسکتا ہے۔	۱۰۱
دینے والا دیتے وقت جو جہت متعین کردے وہی متعین ہے۔	۹۶	دوسرے کی زمین میں بنے ہوئے مکان کی قیمت لگانے کا طریقہ۔	۱۰۲
معطی نے دیتے وقت کچھ نہ کہا تو اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے جبکہ ظاہر اور عرف کے خلاف نہ ہو۔	۹۶	مختلف کتب فقہ سے مسئلہ دائرہ کے نصوص۔	۱۰۲
لڑکوں نے باپ کو روپیہ دیا مگر صراحۃً ثابت ہو کہ بطور قرض دیا تھا روپیہ واپس لیں گے۔	۹۹	جواب سوال چہارم۔	۱۰۵
صراحت نہ ہو اور معمول یہ رہا کہ بطور امداد بے قصد واپسی دیتے رہے ہوں تو بقیہ ورثاء کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۹۹		

لڑکیاں مکان قدیم سے ترکہ پدری پائیں گی۔	۱۰۵	شرکت ملک میں ہر شریک کو تصرف کی اجازت ہو تو اپنے حصہ میں اصیل اور شریک کے حصہ میں وکیل ہوگا۔	۱۰۷
ہبہ بلاقبضہ باطل ہوتا ہے۔	۱۰۵	شریک کو مال مشترک میں تصرف کے لئے اجیر کرنا جائز نہیں۔	۱۰۸
جواب سوال پنجم	۱۰۵	وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی۔	۱۰۹
قیم پر حساب واجب ہے اس کا تحریر میں رکھنا واجب نہیں۔	۱۰۵	وکیل بشراء قرض کے طور پر خرید سکتا ہے۔	۱۰۹
شرکاء کی یہ قرارداد کہ ایک شریک مال بیچے حساب لکھے اور اکنی روپیہ دستوری لے، ناجائز وحرام ہے۔	۱۰۵	وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا اختیار ہے	۱۱۰
جواب سوال ششم	۱۰۵	وکیل بالشراء روپیہ قرض نہیں لے سکتا۔	۱۱۰
بھائیوں نے مرحوم بھائی کی بیوی کو کچھ دیا تو یہ بطور مواسات وغمخواری ہے، اور واپس نہ ہوگا اور استحقاق شوہر کے بدلہ کے طور پر ہو تو جو حق سے زائد دیا واپس لے سکتا ہے۔	۱۰۶	**کتاب الوقف**	
تصدّق میں اصلًا رجوع نہیں۔	۱۰۶	مہر میں جائداد دینا ہبہ بالعوض ہے اور یہ بیع ہے۔	۱۱۳
جواب سوال ہفتم	۱۰۶	جائداد مہر میں دے کر بعد موت واپسی کی شرط لگانا شرط فاسد ہے اور ایسی جائداد کے اوپر بیوی کی ملک فاسد ہے۔	۱۱۳
مشترکہ دکان کے شریک نگراں نے دکان پر قرض بتایا اگر کسی سے نقد روپیہ لیا تھا تو خاص نگراں ذمہ دار ہونگے اور مال ہی بطور قرض مول لیا اور ادا نہ ہو تو سب شرکاء ذمہ دار ہوں گے۔	۱۰۷	ایسی جائداد کے وقف میں علماء کو اختلاف ہے یعنی اس میں بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے۔	۱۱۳
تحقیق مسئلہ	۱۰۷	بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری دونوں پر فرض ہے۔	۱۱۳
مورث کے مرنے کے بعد شرکاء ترکہ میں مشترکہ طور پر تصرف کرتے ہیں یا ان میں سے ایک کو نگراں بنادیتے ہیں، یہ شرکت ملک ہے۔	۱۰۷	بیع فاسد کو فسخ نہ کرنا گناہ ہے۔	۱۱۳
شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔	۱۰۷	عقد فاسد سے خریدی ہوئی جائداد پر قبضہ کے بعد مشتری اس کا مالک ہوجاتا ہے۔	۱۱۳

ایک قول صحت کا ہے اور دوسرا ابطلان کا۔ مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق۔	۱۱۴	موقوفہ جائداد کی آمدنی سے جو زمین خریدی گئی وہ وقف کا حکم نہیں رکھتی، اس کی بیع وشراء جائز ہے، مگر اس کی بیع قابل اطمینان ذرائع سے ہونی چاہئے۔	۱۱۷
وقف کسی خاص وقت خاص تک مقید نہیں ہوسکتا۔	۱۱۴	حرام کی کمائی کے مصارف خیر میں صرف کرنے کا طریقہ۔	۱۱۸
جائداد پر قرض ہونے کے دو معنی۔	۱۱۴	وقف صحیح ہونے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں ہوسکتی۔	۱۱۹
جائداد کا قرضہ میں مکفول کرنا جائز نہیں لیکن ایسی جائداد کا وقف صحیح ہے۔	۱۱۴	واقف کو متولی کو معزول کرنے کا حق ہے۔	۱۱۹
جائداد مرہونہ کا وقف اس صورت میں صحیح ہے کہ راہن کے پاس مال قابل ادائے قرض موجود ہو۔	۱۱۵	موقوفہ جائداد کے بارے میں واقف کو بھی کوئی وصیت کرنے کا حق نہیں، نہ کوئی اس کو بیچ سکتا ہے	۱۲۰
مسجد کی تعمیر کی اور اس کے چاروں طرف دکان بنائی، دکان وقف نہ کی تب بھی مسجد کا وقف صحیح ہے، اور اگر اب کوئی شخص وارثوں سے خرید کر وہ دکان مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کرے، تو یہ وقف بھی صحیح ہے۔	۱۱۶	امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتا جس نے بنایا اس کی ملک ہے وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کی ملک ہے۔	۱۲۱
وہابیہ، روافض، غیر مقلدین اور نیچری ضالین ہیں۔	۱۱۶	تعزیہ داری ناجائز ہے۔	۱۲۱
تین عملوں کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔	۱۱۶	اسلام کی شرکت سے انکار کرنے والا کافر ہے۔	۱۲۱
ایک شخص نے نفع عوام کے لئے تالاب بنایا کہ لوگ نہائیں اور شکار کریں، اس کی موت کے بعد دوسرے نے زمیندار سے مل کر اس پر قبضہ کرلیا، یہ قبضہ باطل ہے، لیکن اس تالاب کے وقف ہونے میں کلام ہے۔	۱۱۷	زنا اور غنا میں حاصل کیا ہوا روپیہ مثل غصب حرام مطلق ہے۔	۱۲۱
حوض مساجد کا حکم	۱۱۷	جو جائداد آشناؤں نے زانیہ عورتوں کو ہبہ کی، ہبہ باطل، اور جائداد آشناؤں کی ملکیت پر باقی ہے۔	۱۲۱
		اگر عقد ونقد دونوں حرام پر جمع نہ ہوں تو ملک صحیح اور حلال ہوگی۔	۱۲۱

نقد میں مال حرام دیا تو بائع کو اس کا لینا حرام لیکن جائداد ملک مشتری ہوگی۔	۱۲۲	جتنے لوگوں کے نام بیع ہولی مبیع کے سب مالک ہوگئے اگرچہ قیمت ایک شخص نے ادا کی ہو۔	۱۲۶
ناچنے گانے والوں کو اجرت کے علاوہ "بیل" کے طور پر جو دیا جاتا ہے وہ حرام نہیں۔	۱۲۲	چندہ چندہ دہندگان کی ملک پر ہوتا ہے۔	۱۲۶
مال حرام کے مصرف خیر میں لانے کا حیلہ۔	۱۲۲	جو جائداد چندہ کے پیسہ سے چندہ دہندگان کی اجازت سے فراہم ہوئی تو اس میں سبھی شریک ہوں گے، اور جب سب لوگوں نے مل کر اس کو مدرسہ دینیہ کے لئے کردیا تو وقف ہوگیا۔	۱۲۶
جنازہ پر ڈالنے کے لئے چادر وقف کرسکتے ہیں۔	۱۲۲	مشترکہ جائداد میں چندہ کی کمی بیشی کا کوئی اثر نہ ہوگا بلکہ سب کو یکساں حق حاصل ہے۔	۱۲۶
جنازہ پر بقصد زینت بیش قیمت چادر ڈالنا مکروہ ہے۔	۱۲۲	حقوق غیر متجزی میں تمام شریک علی وجہ الکمال مالک ہوتے ہیں۔	۱۲۶
مسجد کے لئے ہندوؤں کا وقف باطل ہے۔	۱۲۳	جو چیز ایک بار وقف ہوگئی دوبارہ وقف نہیں ہوسکتی۔	۱۲۷
نماز اور جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔	۱۲۳	کسی منصب والے کو بلاعذر شرعی معزول کرنا جائز نہیں۔	۱۲۷
تاڑ و کھجور کے باغ میں زمین کا وقف صحیح ہے اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دینا حرام و باطل ہے۔	۱۲۳	مسئلہ شرعی میں قلّت و کثرت رائے کا اعتبار نہیں۔	۱۲۸
صدہا سال سے مسلمان جس زمین پر چاہ و قبور و مساجد بناتے آئے ہیں وہ وقف عام ہے۔	۱۲۴	انتظامی امور جن میں شرع کی طرف سے کوئی تحدید نہ ہو کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں علم وجہالت کا بھی لحاظ نہ ہوگا بلکہ تجربہ کاری کا اعتبار ہے۔	۱۲۸
وقف خاص میں ہر متولی خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے۔	۱۲۴	وقف کی صحت کے لئے واقف کا جائدا موقوفہ کا مالک ہو ناضروری ہے	۱۲۹
خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے۔	۱۲۴	صحت وقف کے لئے وقف نامہ لکھنا ضروری نہیں، زبانی وقف بھی کافی ہے۔	۱۲۹
خائن متولی کو معزول کردینا لازم ہے۔	۱۲۴	واقف اپنے یا اپنے خاندان کی تولیت کی شرط لگاسکتا ہے۔	۱۲۹
ایک بیعنامہ کی نقل۔	۱۲۵	متولی سے ولایت کب لے لینا ضروری ہے۔	۱۲۹
ہبہ بالعوض بیع ہے۔	۱۲۶	اوقاف مطلقًا چاہے واقف غیر مسلم ہو اور وقف ہمارے مذہبی اعمال کے لئے ہوں، یا غریبوں کی مدد تعلیم یا طبّی امداد کے لئے ہوں سب علی العموم مذہبی ہیں۔	۱۳۰

صحت وقف کی دو ضروری شرطیں۔	۱۳۰	موقوفہ قبرستان میں کچھ زمین دفن سے رہ گئی اور کسی وجہ سے مزید مردوں کا دفن کرنا ممکن نہ رہا تو وہ خالی زمین واقف کی ملکیت میں لوٹ آئی۔	۱۳۶
مالداروں کے لئے ہوٹل بناکر وقف کیا وقف نہ ہوگا۔	۱۳۰	مسجد کے روپوں اور اس کی زمین وعمارت میں ناجائز تصرف کے بارے میں سوال اور اس کا شرعی حکم۔	۱۳۷
کافر نے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا۔	۱۳۰	مسجد کا متولی تعمیر مسجد وغیرہ امور میں قاضی پر مقدم ہے۔	۱۳۷
کافر نے مندر یا شوالہ کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا۔	۱۳۰	واقف نے صاف مطلق اور بے تقیید وقف دائمی کیا وقف صحیح وتام ہوگیا۔	۱۳۸
اگر یہ شرط لگادی کہ شوالہ نہ رہے تو فقیروں کیلئے کردیا جائے وقف صحیح ہوگیا۔	۱۳۰	خود واقف نے وقف میں غلط تصرف کیا اس کو وقف کے انتظام سے الگ کردیا جائے۔	۱۳۸
مسلمان وقف کرکے مرتد ہوجائے تو وقف باطل ہوجاتا ہے۔	۱۳۱	واقف اگر شرائط وقف کی پابندی نہ کرے تو گنہگار ہے مگر وقف باطل نہ ہوگا۔	۱۳۸
مسائل مذکورہ بالا کے جزئیے کتب فقہ سے۔	۱۳۱	واقف ومتولی کی خیانت ظاہر ہوجائے تو وقف اس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کردیا جائے۔	۱۳۸
چندہ کا جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے کسی دوسرے مصرف میں صرف کرنے کے لئے ان کی رضامندی ضروری ہے۔	۱۳۴	وقف کے بعد واقف صرف ایک متولی کی حیثیت میں رہتا ہے۔	۱۳۸
چندہ دہندگان نہ ہوں تو ان کے بالغ وارثوں سے استصواب کیا جائے۔	۱۳۴	واقف نے تولیت کے تبدیل کا ذکر وقف نامہ میں نہ کیا پھر بھی اس کو متولی بدلنے کا حق ہے۔	۱۳۸
صبی ومجنون کا حصہ واپس کرنا ہوگا۔	۱۳۴	عام اور معتبر شرطوں کو اختیار شرع نے واقف کو صرف انشاء وقف کے وقت دیا ہے۔	۱۳۹
اگر چندہ دہندگان معلوم نہ ہوں تو مصرف سے جو زائد ہو اس کو اس کام میں صرف کریں جس کے لئے وصول کیا گیا، وہ نہ بن پڑے تو فقراء کو دیں۔	۱۳۶	شرائط معتبرہ کا بیان۔	۱۳۹
قبرستان کی بیع ناجائز ہے۔	۱۳۶	وقف تام ہونے کے بعد شرط بدلنے کا اختیار نہیں، ہاں اگر تبدیل شرائط کی شرط لگائی ہو تو اختیار رہے گا۔	۱۳۹
قبروں کو ہموار کرکے ان پر چلنا بھی حرام ہے۔	۱۳۶		

وقف میں عام فقراء پر خرچ کرنے کی شرط لگائی، بعد میں خاص کے لئے کہا تو یہ باطل ہے۔	۱۴۰	اجمیر معلّٰی کے احاطہ کی زمین واردین وصادرین کے لئے وقف ہے جو شخص ان میں تعمیر کرکے اسی مقصد کے لئے وقف کرے وقف صحیح ہوا۔	۱۴۵
وقف میں تبدیل شرط لگائی تو صرف ایک بار تبدیل کرسکتا ہے دوبارہ نہیں۔	۱۴۰	ایام حاضری بارگاہ میں خود بانی بھی اس میں مقیم ہوسکتا ہے۔	۱۴۶
ہاں دائمی تبدیلی کی شرط کی تو ہر بار بدل سکتا ہے۔	۱۴۰	مسجد، مقبرہ، پل، حوض وسقایہ سے حسب شرط وقف بانی اور غیر بانی سب فائدہ اٹھاسکتے ہیں جو عمارتیں زائروں کے لئے ہیں ان میں کسی کو دوامی قیام درست نہیں۔	۱۴۶
وقف مطلق غیر مشروط التبدیل کی بیع، اس کو دوسری جائداد سے بدلنا اسے دائمی اجارہ پر دینا، یا چالیس سال کے پٹہ پر دینا جائز نہیں۔	۱۴۲	مجاوروں کو درگاہ کی عمارتوں میں قیام کا بالکل حق نہیں کہ وہ مسافروں زائروں کے لئے بنائی گئیں۔	۱۴۶
وقف مطلق کو ذی عقل وعلم وعمل قاضی صرف اس وقت بدل سکتا ہے کہ وہ بالکل قابل انتفاع نہ رہ جائے۔	۱۴۲	تعمیر وقف کے لئے وقت واقف نے کوئی نیت کی اور شرط نہ لگائی، تو نیت کا اعتبار نہیں۔	۱۴۷
کسی مملوک کا بھی دائمی اجارہ ہو یہ جائز نہیں۔	۱۴۳	ارض موقوفہ میں جس نے مقصد وقف کے لئے کوئی عمارت بناکر وقف کی اس کو کوئی ترجیحی حق حاصل نہیں۔	۱۴۷
مدت بقاء مجہول ہے۔	۱۴۳	واقف کی جو شرط مخالف شرع مطہر ہو نامقبول ونامعتبر ہے۔	۱۴۸
جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے۔	۱۴۳	عدم ترجیح پر مسجد میں رومال رکھ کر جگہ گھیرنے سے شبہ اور اس کا جواب۔	۱۴۸
عقد فاسد حرام ہے۔	۱۴۳	مال وقف پر ملکیت کے دعوی کا کسی کو حق نہیں، تصرف کا حق متولی اور وہ نہ ہو تو اہل محلّہ کو ہے۔	۱۵۰
تعیین مدت کے بغیر اجارہ جائز نہیں۔	۱۴۳	تکیہ موقوفہ میں ذاتی مکان بنانا، مسجد بنانا، اس کا بیچنا جائز نہیں۔	۱۵۰
تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے۔	۱۴۳	الواقف لایوقف	۱۵۰
وقفی پیڑ کاٹنے کی اجازت نہیں۔	۱۴۴	الوقف لایملك	۱۵۰
واقف نے اجازت نہ دی اور وقف کو ضرورت نہ ہو تو زمین موقوف کو تین سال سے زیادہ کے اجارہ پر دینا جائز نہیں۔	۱۴۴	وقفی قبرستان میں مدرسہ مسجد یا کچھ اور علاوہ قبر کے بنانا جائز نہیں۔	۱۵۰

جس زمین کے وقف ہونے کا کوئی ثبوت نہیں وہ مالک کی ہے۔	۱۵۱	مال وقف پر تعدی حرام ہے۔	۱۵۵
سلاطین اسلام نے جو ارصادات کئے ان کیلئے وقف کا حکم ہے، بندمعانی میں لفظ وقف کا ہونا کچھ ضروری نہیں۔	۱۵۳	حرام امور میں مال وقف کو صرف کرنیوالے متولی پر تاوان لازم ہوگا۔	۱۵۵
متولی کا کسی مقدمہ میں اپنے کو مالک کہنا یا گورنمنٹ کا اس کو مالک تسلیم کرنا اس کو وقف ہونے سے نہیں نکالے گا۔	۱۵۳	متولی امین ہوتا ہے۔	۱۵۵
موقوف علیہ کا فقیر، غیر ہاشمی ہونا ضروری نہیں، اوقاف رفاہ عامہ میں سب داخل ہوسکتے ہیں، اور واقف نے استثناء کردیا ہو تو بھی مالدار اور سادات منتفع ہوسکتے ہیں۔	۱۵۳	ہر امین تعدی کے سبب سے ضامن ہوتا ہے۔	۱۵۵
وقف کی صحت کے لئے قربت موبد ہونا ضروری ہے لیکن وقف کی پوری جائداد اسی مقصد کے لئے ہونا ضروری نہیں ہے۔	۱۵۳	ذمی نے بیعہ پر وقف کیا اور کہا کہ جب یہ ویران ہوجائے تو وقف فقراء کے لئے ہوگا تو اس صورت میں یہ وقف ابتدًا ہی فقراء کے لئے ہوگا۔	۱۵۵
اقرباء اور خاندان پر صرف کرنے کی شرط کی تفصیل۔	۱۵۴	اوقاف میں شرط واقف نص شارع کی طرح ہے۔	۱۵۷
اقرب رشتہ دار ابعد کو محجوب کرتا ہے۔	۱۵۴	مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرضہ ادا نہیں کیا جاسکتا اور جو ادا کرے تاوان دے، مسجد سے نہیں لے سکتا۔	۱۵۷
میراث میں فقر وغناء کا لحاظ نہیں ہوتا۔	۱۵۴	مسجد پر جو جائداد وقف ہے اگر واقف نے اس کی آمدنی سے بنائے مدرسہ ومصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۱۵۷
مصارف وقف میں جہاں وقف نامہ خاموش ہو معمول قدیم کے موافق عملدرآمد ہوگا۔	۱۵۵	جائداد موقوفہ کو کوئی ظالم لینا چاہے تو مسلمان ہر جائز کوشش سے اس کا دفاع کریں۔	۱۵۷
واقف نے وقف میں قوالی اور تعزیہ کی شرط لگادی تو ان پر صرف حرام ہے مگر دیگر مصارف خیر کی وجہ سے یہ وقف جائز ہے۔	۱۵۵	قبرستان کے درخت لگانے والے کی ملک ہیں۔	۱۵۷
استطاعت کا معیار ملک نصاب زائد از حاجت اصلیہ ہے۔	۱۵۵	لفظ ارصادات کی تحقیق۔	۱۵۸
تعزیہ ومزامیر معصیت ہیں۔	۱۵۵	جو زمین مسجد کے لئے وقف کی گئی اس کو مسجد میں اسی وقت شامل کرسکتے ہیں کہ مسجد میں جگہ کی قلّت ہو اور اس جگہ کی ضرورت ہو۔	۱۵۹
معصیت میں مال وقف کا صرف حرام ہے۔	۱۵۵		

مسجد کی زمین میں کوئی تعمیر حسب شرائط وقف جائز ہے۔	۱۵۹	دیوبندیوں کے اقوال کفریہ پر مطلع ہو کر انہیں عالم دین سمجھنا کفر ہے۔	۱۶۲
ارصادات اور عطایا کا فرق۔	۱۶۰	عالم دین بھی وقف میں ظالمانہ تصرف کرے اس کو معزول کیا جائے۔	۱۶۳
سلاطین اسلام جو مواضع مصارف خیر کیلئے متعین کردیں ان کا حکم وقف کا ہوگا، اس میں سے جو بچے کل یا جز کسی شیخ کی اولاد کے لئے کرنا منافی وقف ہے۔	۱۶۰	ایک غلط عذر کا مسکت جواب۔	۱۶۳
اوقاف قدیمہ کے لئے سند پیش کرنا اور وقف کا نام معلوم ہونا ضروری نہیں۔	۱۶۰	حالت صحت میں مالک نے وقف کردیا تو کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا ظلم ہے۔	۱۶۳
جاگیر میں مصارف خیر ہیں صرف کرنے کی قید نہیں ہوتی یہ قید واقف کی علامت ہے۔	۱۶۱	ہندوستان میں خلاف شرع حرکتوں کی تعزیر یہ ہے کہ مسلمان ایسے شخصوں سے مقاطعہ کریں۔	۱۶۳
بندوبست حال میں کسی وقف کو ملکیت ظاہر کرنے سے وقف ثابت کسی کی ملک نہ ہوگا۔	۱۶۱	مصاحف کثیر تعداد میں مساجد میں جمع ہوگئے بیکار ضائع ہونے کا خطرہ ہے بھیجنے والا اسے لے کر جو چاہے کرے اگر وقف نہ کیا ہو، وقف کیا ہو تو دوسری مساجد وغیرہ میں تقسیم کرسکتے ہیں۔	۱۶۴
محاصل وقف میں اجراء وراثت تصرف بیجا ہے۔	۱۶۱	ان کو بیچ کر رقم مسجد میں جمع کرنا جائز نہیں۔	۱۶۴
جائداد وقف میں تصرف بیجا ظلم اور باطل ہے۔	۱۶۱	مشاع کا ہبہ بلا تقسیم ناجائز ہے۔	۱۶۴
ملک بدل کر وقف ہوسکتی ہے لیکن وقف بدل کر ملک نہیں ہوسکتی۔	۱۶۱	لاولد بھائیوں کا مشترکہ باغ ایک کی موت کے بعد دوسرے نے وقف کردیا وقف صحیح ہوگیا۔	۱۶۴
مولوی مرتضٰی حسین دربھنگی کے بھائی مولوی مجتبٰی حسن کے وقف پر قبضہ غاصبانہ سے متعلق ایک سوال۔	۱۶۱	وقف کی بیع و رہن جائز نہیں۔	۱۶۵
وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے۔	۱۶۲	موقوفہ تکیہ میں دوسری تعمیر ناجائز ہے۔	۱۶۵
جو متولی وقف میں تصرف بیجا کرے اس کو معزول کردیا جائے۔	۱۶۲	باڑے میں منفعت وقف کے لئے تعمیر کی گئی اور شرائط وقف میں اسکے خلاف نہیں تو جائز ہے۔	۱۶۵
وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے۔	۱۶۲	وقف نامہ کا مسودہ وقف نامہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔	۱۶۶
		خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔	۱۶۶

ایک کتب خانہ سے متعلق سوال اور ملک وہبہ اور وقف ہونے کی صورتیں اور ان کے احکام۔	۱۶۷	دسویں صدی میں امام ناصر الدین مالکی نے اس کے جواز کا فتوی دیا، علمائے احناف رحمہم اللہ نے اسے رد فرمایا۔	۱۷۶
کتب خانہ جو دار القضاء پر وقف ہوا اس میں کسی قاضی کی وراثت نہیں چل سکتی۔	۱۶۸	خلو کی تعریف۔	۱۷۹
وقف کا ثبوت تعامل سے بھی ہوتا ہے۔	۱۶۸	دوامی پٹہ کی ایک صحیح صورت (مشد المسکہ)	۱۸۰
زر چندہ چندہ دہندوں کی ملکیت پر رہتا ہے۔	۱۶۸	خلو عین نہیں بلکہ وصف ہے۔	۱۸۱
نفاذ شراء علی المشتری کا حکم۔	۱۶۸	سکنی اور خلو کا فرق۔	۱۸۱
وکیل نے موکل کے پیسے سے چیز اپنے لئے خریدی تو زر کا وکیل ضامن ہے۔	۱۶۸	معنی خلو میں مختلف علماء کی تصریحات اور مصنف کی تحقیق۔	۱۸۶
چندہ دہندگان کے علاوہ کسی نے اس رقم سے کچھ خریدا تو مبیع کے مشتری کی ملک ہونے کی صورتیں۔	۱۶۸	ابن بلال اور ان پر رد کرنے والوں کے کلام میں مصنف کی تطبیق۔	۱۸۸
موانع نفاذ علی المشتری۔	۱۷۰	علامہ منقح پر مصنف کا اظہار تعجب۔	۱۸۹
بیع میں مشتری کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اضافت ضروری ہے۔	۱۷۰	کرداری اور اس کا حکم۔	۱۹۰
اضافت الی المشتری کی صحیح اور غلط صورتیں۔	۱۷۰	قرضدار نے قرض دینے والے کو رہنے کے لئے گھر دیا تو اس کی اجرت مثل واجب ہے۔	۱۹۱
لفظ واسطہ کے معانی مختلفہ۔	۱۷۱	شامی پر تنقید۔	۱۹۲
بعض صورتوں میں وقف کا لفظ بولنا ضروری نہیں دلالۃً بھی وقف ہو جاتا ہے۔	۱۷۲	وقف کے خلو کی شرائط۔	۱۹۳
جس نے یہ سمجھ کر کہ اسکا دینا مجھ پر واجب ہے کوئی چیز دی ابعد کو کھلا کہ واجب نہ تھی تو لوٹا سکتا ہے۔	۱۷۳	احناف کے یہاں وقف کا نگران امین ہی ہونا چاہئے۔	۱۹۴
○ رسالہ **جوال العلو لتبیین الخلو**	۱۷۵	ناظر امین کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اگر ظاہر اس کی تکذیب نہ کرے۔	۱۹۵
مستاجر نے اجارہ کو دائمی بنانے کے لئے اجارہ پر لی گئی دکان یا مکان میں اپنے مال سے اضافہ کیا، اس معاملہ کے شرعی احکام۔	۱۷۵	وقف کا رہن باطل ہے۔	۱۹۶
معاملہ خلو بے اصل و باطل ہے۔	۱۷۶	رہن دخلی تو ملک کا بھی حرام ہے۔	۱۹۶

وقف سے جو منافع اٹھائے اس کو تاوان دینا ہوگا۔	۱۹۶	وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔	۲۰۷
وقف ثبوت کے بعد کسی ناجائز کارروائی سے باطل نہیں ہوسکتا۔	۱۹۶	وقف کی زائد آمدنی امانۃً جمع رہے گی اور بوقت ضرورت وقف پر خرچ کی جائے۔	۲۰۷
دیہات کا ٹھیکہ جیسا ہندوستان میں رائج ہے حرام ہے۔	۱۹۷	واقف نے اپنے ورثاء کے لئے تولیت کی شرط لگائی تو یہ شرط قید اہلیت کے ساتھ مقید ہوگی۔	۲۰۷
اعیان کے اتلاف کا اجارہ باطل ہے۔	۱۹۷	اجیر خاص کا کام پر حاضر رہنا ضروری ہے غیر حاضری کے دن کی اجرت کا حقدار نہیں، قلیل رخصت جو اس صیغہ میں مروج ہو وہ عادۃً معاف ہے۔	۲۰۸
مورث نے وقف کی خیانت کی تو وارث پر الزام نہیں، نہ اس کی اہلیت میں فرق پڑتا ہے۔	۲۰۱	صیغہ تعلیم میں جمعہ، کہیں منگل اور جمعہ اور رمضان المبارک کی تعطیل جائز ہے۔	۲۰۹
اعلیحضرت کے معاصر علمائے اہلسنت کے القاب۔	۲۰۲	خدمت گار کو رمضان کی تعطیل نہ ملے گی۔	۲۰۹
بعض صورتوں میں عدم علم عذر ہے۔	۲۰۳	مدرس کو حج فرض کی ادائیگی کی رخصت نہیں۔	۲۰۹
مسجد کے لئے ہندو کا وقف جائز نہیں۔	۲۰۴	صیغہ تعلیم میں بضرورت تین مہینہ کی غیر حاضری معاف ہے لیکن بلا تنخواہ۔	۲۰۹
مصارف وقف	۲۰۵	انتظام مسجد کا مہتمم سال میں ایک آدھ ہفتہ کی رخصت تو پاسکتا ہے طویل رخصت کے لئے عوضی دینا ہوگا۔	۲۰۹
مصارف وقف کو کسی دوسری غرض میں صرف کرنا حرام ہے۔	۲۰۵	صاحب وظیفہ کی غیبت مسقط اور غیر مسقط کی بحث۔	۲۰۹
وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ یا دوسری مسجد میں صرف نہیں ہوسکتی۔	۲۰۵	وقف رجسٹرڈ کرانے کی فیس اگر متولی نے شرط نہ لگائی تو مال وقف سے نہ ادا کی جائے گی۔	۲۱۳
ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ یا مسجد میں صرف نہیں ہوسکتی۔	۲۰۵	اوقاف کے رجسٹرڈ کرانے کی قباحتیں	۲۱۴
چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہونے کے بعد بچے چندہ دہندوں کو واپس کردیا جائے یا جس کام کے لئے اجازت دیں اس میں صرف ہو۔	۲۰۶	مال وقف سے حاجتمند متولی دستور کے موافق کھاسکتا ہے۔	۲۱۵
چندہ دینے والوں کو پتہ نہ چلے تو اسی قسم کے دوسرے کام میں لگائیں ورنہ فقیروں کو تقسیم کردیں۔	۲۰۶	حرص وآز کی مذمت اور قناعت کے فضائل۔	۲۱۵

وقف سے رجوع ناممکن ہے۔	۲۱۶	شرائط وقف کے اتباع کی چند صورتیں،	۲۲۲
متولی کا وظیفہ اجیر مثل کے موافق دیا جائے گا عدم کفایت کی صورت میں فاضلات سے اضافہ کیا جاسکتا ہے۔	۲۱۶	اوقاف کے مصارف متولی ومنتظمین کے اختیارات وغیرہ سے متعلق استفسار جو دس سوالات پر مشتمل ہے۔	۲۲۳
اضافہ اعلم علمائے بلد یا متعدد معززین دیندار اصحاب رائے کریں گے۔	۲۱۶	جو مصارف شرائط وقف کے موافق اور شرائط نہ معلوم ہونے کی صورت میں قدیم عملدرآمد کے موافق ہو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔	۲۲۵
قرض خواہ اس آمدنی پر جو وقف ہے متولی کو ملتی ہے ڈگری جاری کراسکتا ہے جائداد موقوفہ پر نہیں۔	۲۱۷	وقف کی کارروائی پوشیدہ رکھنا جرم نہیں، مطالبہ حساب کا البتہ سب کو اختیار ہے ہر متولی ومنتظم خیانت ظاہر ہونے کے بعد معزول کیا جاسکتا ہے۔	۲۲۶
اشعار صحیحہ حمد ونعت جو ممنوعات سے پاک ہوں انہیں سن کر انعام واکرام دینا جائز ہے۔	۲۱۸	وقف کے بارے میں شرع کی مخالفت کرنے والے اور حساب کی جانچ سے روکنے والے ممبران جرم کے مرتکب ہوئے۔	۲۲۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قصیدہ نعتیہ سن کر ردائے مبارک عطافرمائی۔	۲۱۸	اوقاف کے لئے شرط واقف اور احکام شرع سے ہٹ کر قواعد وضع کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔	۲۲۶
اور جائداد موقوفہ سے اس کا رواج ہو تو اس سے بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔	۲۱۸	وقف کا سامان کسی دوسرے کو عاریۃً دینا بھی ناجائز ہے۔	۲۲۶
قدیم اوقاف میں نئے مصارف مثلاً ٹیلیفون، برقی پنکھا اور برقی روشنی وغیرہ لگانا جائز نہیں۔	۲۱۹	وقف کا مال غیر مسلم کو دینا حرام ہے۔	۲۲۶
اسراف کی مذمت۔	۲۲۰	مال وقف سے مذہبی تقریبات کی شیرینی غیر حاضر کو بھیجنے کی شرط ہو یا معمول قدیم ہو تو جائز وروا ہے۔	۲۲۶
مال وقف مال یتیم کا حکم رکھتا ہے۔	۲۲۰	یہی حال دعوت وغیرہ کا ہے۔	۲۲۶
جو کہے کہ عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں، یا کہے کہ خدا اوپر ہے یہاں آئے تو اسکو ہم درست کردینگے مرتد ہے، اس کے احکام مرتدین کے ہیں۔	۲۲۰	متولی وقف امین وقف ہے۔	۲۲۶
شرائط وقف کی تعمیل ضروری ہے۔	۲۲۲	سامان وقف میں کچھ تلف ہو جائے تو متولی اور ملازموں پر تاوان نہیں اتلاف پر تاوان ہے۔	۲۲۷

کتابیں ذوات القیم ہیں ذوات الامثال نہیں۔	۲۲۷	وقف کی وصیت کا نفاذ بعد موت ہوگا زندگی میں حسب منشاء تصرفات کا اختیار ہے۔	۲۳۰
چھاپے اور کاغذ کی وحدت مستلزم مثلیت نہیں۔	۲۲۷	مسجد کی وقفی زمین میں ناجائز تصرفات کے متعلق سوال۔	۲۳۰
ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریۃً دینا جائز نہیں۔	۲۲۷	ایک وقف جس غرض کے لئے کیا جائے اسی پر رکھا جائے۔	۲۳۱
احکام شرعیہ کے خلاف نہ کثرت رائے دیکھی جاسکتی ہے نہ اتفاق رائے۔	۲۲۷	وقف دکان کو رباط یا رباط کو دکان کردینا حرام ہے۔	۲۳۱
حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔	۲۲۷	وقف جائداد کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہے۔	۲۳۱
دربارہ وقف واقف کی تصریح شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح واجب العمل ہے۔	۲۲۸	موقوف علیہ کو بدل دینا حرام ہے۔	۲۳۲
احکام شرع کے خلاف کوئی قانون اور شرط نہ مانی جائے گی۔	۲۲۸	مسجد کی موقوفہ زمین کو مدرسہ میں شامل کرنا حرام ہے۔	۲۳۲
اغراض وقف سے زائد امور کے لئے مال وقف سے نہ تو کسی جائداد کا خریدنا نہ کرایہ پر لینا جائز ہے۔	۲۲۹	مسجد کا پشتہ کھود کر پاخانہ بنانا حرام ہے اور وقف میں غصب ہے۔	۲۳۲
ولی کے ایسے تصرفات جس سے وقف کو نقصان پہنچے تو وہ تصرفات ناجائز ہیں۔	۲۲۹	صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روز قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔	۲۳۲
"ان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولانظر فی الضرر"۔	۲۲۹	وقف کی جائداد میں بے جا دست برد اور ظلم پر سکوت حرام ہے اور چارہ جوئی فرض ہے۔	۲۳۲
شرح سود کے حساب سے کرایہ مقرر کیا تو یہ معاملہ گندہ ہے کرایہ جائز ہوگا۔	۲۲۹	مسلمانوں کو وقف کے بدلنے کا کوئی اختیار نہیں۔	۲۳۲
وقف سے متولی کو بضرورت سواری اور ایام کار گزاری کی تنخواہ اور ضرورت ہو تو سپاہی کی تنخواہ بھی ملے گی۔	۲۲۹	آدمی اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے۔	۲۳۲
مقدار تنخواہ وغیرہ کا تعین عرف پر ہے۔	۲۲۹	واقف مالک حقیقی کی ملک خاص ہے۔	۲۳۲
پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ جائز نہیں ہے۔	۲۲۹	مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے۔	۲۳۲
		مسجد میں مٹی کا تیل جلانا، سلائی سلگانا، کچا گوشت لے جانا حرام ہے۔	۲۳۲

مسجد کے قریب پائخانہ بنانا جس سے مسجد میں بو پہنچے حرام ہے۔	۲۳۲	گیاس کی روشنی ہے تو برقی قمقمے لگانا منع ہے لگائیں تو تاوان دینا ہوگا۔	۲۳۵
مسجد عام جماعت کے لئے بنائی جاتی ہے۔	۲۳۲	مسائل مذکورہ بالا سے متعلق نصوص۔	۲۳۵
جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔	۲۳۲	مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقًا ناپسندیدہ ہے۔	۲۳۸
ترک جماعت پر وعیدات شدیدہ۔	۲۳۲	بجلی کے پنکھے کی ہوا طبعًا مضر ہو تو اپنے گھر میں بھی لگانا نہ چاہئے۔	۲۳۹
کچا پیاز یا کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا ناجائز ہے۔	۲۳۳	مسجد میں ایسی چیز لگانا جس سے مصلیوں کا دل بٹے منع ہے۔	۲۳۹
مسجد خالی ہو تب بھی اس میں بدبو داخل کرنا ناجائز۔	۲۳۳	مسجد میں نجس چیز لے جانا حرام ہے۔	۲۳۹
جس سے انسان ایذا پاتا ہے اس چیز سے ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں۔	۲۳۳	برقی روشنی اور پنکھے سے حادثات کا ظن غالب ہو تو ان کا استعمال منع ہے۔	۲۴۰
مسجد میں مال وقف سے بلاضرورت برقی پنکھے اور الیکٹرک روشنی لگانے سے متعلق سوال	۲۳۳	طبعًا جس چیز کا مضر ہونا ثابت ہو اس کا استعمال حرام ہے۔	۲۴۰
جن مصارف کی عرفًا یا نصًا اجازت نہ ہو مال وقف سے اس کا ادا کرنا حرام ہے۔	۲۳۵	ایک مسجد کے وقف کی آمدنی دوسری مسجد میں نہیں لگائی جاسکتی۔	۲۴۱
بے شرط وقف مال وقف سے صبح تک چراغ جلانا منع ہے۔	۲۳۵	وقف کے کرایہ دار نے عذر صحیح سے درمیان مدت میں مکان چھوڑدیا تو باقی ماندہ کا کرایہ چھوڑا جاسکتا ہے۔	۲۴۱
واقف نے مسجد میں کنگرے نہیں بنوائے تھے متولی نے مال وقف سے بنوایا تاوان دے۔	۲۳۵	بالغ ہوجانیوالے یتیموں کو اگر کسب کے لائق ہونے تک یتیم خانہ سے خورد نوش دینے کا معمول ہو تو دیا جائے۔	۲۴۲
مصلیوں کو اذان کی آواز بے منارہ پہنچ جاتی ہے تو مال مسجد سے منارہ بنانا درست نہیں۔	۲۳۵	معمول نہ ہو تو چندہ دہندگان سے اجازت لینی ضروری ہے۔	۲۴۲
واقف نے فراش کا وظیفہ نہ رکھا تو متولی یا حاکم یہ وظیفہ جاری کرنے کے مجاز نہیں۔	۲۳۵	معمول نہ ہونے اور اجازت نہ لینے کی صورت میں جو بالغوں پر صرف ہو مہتمموں کو اس کا تاوان دینا ہوگا۔	۲۴۲
مسجد مستحکم ہو تو اس کو توڑ کر نئی بنانا جائز نہیں	۲۳۵		

مسجد کے چندہ میں چیک دیا متولی کی غفلت سے بھن نہ سکا تو کیا حکم ہے۔	۲۴۳	مزارات اولیاء کی حفظ ونگہداشت کے لئے وقف بنیت خیر صحیح ہے۔	۲۴۸
روپیہ جو کوئی شخص بینک میں جمع کرتا ہے وہ بینک پر دین ہوتا ہے۔	۲۴۴	ہر مباح بنیت محمودہ محمود وقربت ہوجاتا ہے۔	۲۴۹
وکیل بقبض الدین اور ہبہ باطلہ کی ایک صورت۔	۲۴۴	وقف علی الاولاد اور وقف علی النفس کی وضاحت اور اس کے جواز کا حکم۔	۲۵۰
معدوم کے لئے ہبہ باطل ہے۔	۲۴۴	اپنی صحت میں اپنی پوری جائداد کے وقف کا اختیار ہے مگر یہ نیت مذموم وشنیع ہے کہ دیگر وارثوں کو اپنے ترکہ سے محروم کرے۔	۲۵۱
ہبہ بے قبضہ تام مفید ملک نہیں۔	۲۴۵	صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق مورث کے مال سے متعلق نہیں ہوتا۔	۲۵۱
قبضہ سے پہلے موہوب ہلاک ہوجائے تو ہبہ باطل ہوتا ہے۔	۲۴۶	جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کا حصہ قطع کردیتا ہے۔	۲۵۱
تسلیم سے پہلے واہب مرجائے تو بھی ہبہ باطل ہے۔	۲۴۶	بہنوں کا مالدار ہونا انہیں میراث سے محروم کرنے کی وجہ شرعی نہیں۔	۲۵۱
کسی ادارے کے چند متولی ہوں تو ذمہ داری سب کی برابر ہے۔	۲۴۶	وقف اہلی کا بیان۔	۲۵۱
چندہ کی رقم جو کام سے فاضل بچ گئی چندہ دہندوں کی ملک ہے یا تو انہیں حصہ رسدی واپس دیا جائے یا دوسرے جس کار خیر میں وہ بتائیں لگائی جائے۔	۲۴۷	وقف علی الاولاد کی ایک جائز صورت۔	۲۵۲
خیرات خالصًا للہ کے لئے وقف صحیح ہے۔	۲۴۷	غیر مرض موت میں جو وقف کیا جائے اس پر کسی وارث کو حق اعتراض نہیں۔	۲۵۲
نیاز فاتحہ حضرت امام عالی مقام واولیاء کے لئے وقف صحیح ہے۔	۲۴۷	وقف علی الاولاد میں واقف جیسی شرط لگائے اسی کے موافق عملدرآمد ہوگا۔	۲۵۳
زائرین کے آرام کے لئے جو مکان بنایا گیا اس کی مرمت کے لئے وقف جائز ہے۔	۲۴۷	نیاز بزرگان دین اور میلاد کے لئے وقف جائز ہے۔	۲۵۳
قبر کی مرمت کے لئے وقف صحیح نہیں۔	۲۴۸	ثلث مال کار خیر میں صرف کرنا بقیہ دو ثلث سے زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا جبکہ اس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزرے۔	۲۵۳

باب المسجد		(اس رسالہ میں اس امر کی تحقیق انیق ہے کہ مسجد کی چیزیں فروخت کرکے اپنے صرف میں لانا اور مسجد کی چھت خرید کر اس پر پائخانہ وغیرہ بنانا جائز ہے یانہیں)	۲۶۱
مسجد کے لئے چھت، منارہ، دیواریں ضروری نہیں۔	۲۵۵	مسجد کی چیزیں اس کے اجزاء ہیں یاآلات یااوقاف یازوائد۔	۲۶۱
جوزمین نماز کے لئے وقف ہوئی مسجد ہوگئی۔	۲۵۵	اجزاء مسجد یعنی زمین وعمارت قائمہ کی بیع کاحکم شرعی۔	۲۶۱
شملہ کی چند مسجدوں کے بارے میں سوال۔	۲۵۶	مسئلہ مذکورہ کی تحقیق کے لئے کتب فقہ کی عبارات۔	۲۶۱
مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی۔	۲۵۷	مصنف علیہ الرحمۃ کی نہایت شاندار تحقیق کہ امام ابویوسف کی روایت نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے۔	۲۶۳
اعادہ وصف کرنے والا احداث اصل کرنے والے کی مثل نہیں۔	۲۵۷	امام ابویوسف کی روایت کاحاصل۔	۲۶۳
حساب کتاب کی کتابوں پر بھی اصل بانی کانام لکھنا بہتر ہے۔	۲۵۷	مسجد منہدم ہوجائے اور اس کے اجزاء ضرورت مسجد سے زائد ہوں جن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو قاضی کے اذن سے فروخت کرنا اور قیمت کو محفوظ رکھنا جائز ہے۔	۲۶۴
بانی کے خاندان میں جب تک اس کے اہل پائے جائیں وہی متولی ہوں گے۔	۲۵۷	تعمیر شدہ مسجد کو گراکر پہلے سے مضبوط تر بنانا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۶۴
متولی کادیانت دار ہوناضروری ہے مالدار ہوناضروری نہیں۔	۲۵۸	آلات مسجد یعنی مسجد کے اسباب جیسے بوریا مصلی، فرش، قندیل اور جاڑوں میں بچھائی جانے والی گھاس وغیرہ کو فروخت کرنے کاشرعی حکم۔	۲۶۵
حاکم اسلام وہ نہ ہو تو متولی مسجد اہل محلّہ مسجد سے نکلی ہوئی چھپّر مناسب دام پر کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں۔	۲۵۸	مسئلہ مذکورہ کی تحقیق کے لئے کتب فقہ کی عبارات۔	۲۶۵
مسجد کاسامان خریدنے والے کو چاہئے کہ کسی قسم کی بے حرمتی کی جگہ اس کو نہ ڈالے۔	۲۵۸	رباط کے جانور بہت زیادہ ہوجائیں اور ان کاخرچہ بڑھ جائے تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے قیمت کو جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یانہیں۔	۲۶۵
٥رسالہ **التحریر الجید فی حق المسجد**	۲۶۱		

مسئلہ مذکورہ کی دو صورتیں۔	۲۶۵	مسئلہ مذکورہ کی وضاحت کے لئے کلام و عبارات علماء کرام۔	۲۷۱
مسجد کے تابوت اور چارپائی کی بیع کا حکم۔	۲۶۶	استبدال تین وجھوں پر ہے۔	۲۷۱
مسجد میں کسی نے چٹائی بچھائی پھر مسجد ویران ہوگئی تو چٹائی کا کیا کیا جائے۔	۲۶۶	قاضی بہشت صاحب علم و عمل کو کہتے ہیں۔	۲۷۲
کسی نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدی پھر اس کی ضرورت نہ رہی تو کیا حکم ہے۔	۲۶۶	مصنف علیہ الرحمہ کا شامی پر ایک حاشیہ۔	۲۷۲
آلات مسجد کے بارے میں امام محمد اور تابید مسجد کے بارے میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ہے۔	۲۶۷	اشجار موقوفہ کی بیع کا حکم۔	۲۷۸
اوقاف مسجد کی بیع کب جائز ہے۔	۲۶۷	زوائد کی بیع کا شرعی حکم۔	۲۷۸
چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔	۲۶۷	زوائد سے مراد کیا چیزیں ہیں۔	۲۷۸
وقف کی تبدیلی میں بے شمار خرابیاں ہیں۔	۲۶۸	وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی بڑھانے کے لئے خریدے ان کی بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے۔	۲۷۹
استبدال وقف کا موجب یا تو شرط استبدال ہے یا ضرورت استبدال۔	۲۶۸	مسئلہ مذکورہ کی تائید میں کتب فقہ کی عبارات۔	۲۷۹
بحالت شرط استبدال، تبدیلی وقف کا جواز چند شرطوں سے مشروط ہے۔	۲۷۰	ایک مسجد کی ملکیت دوسری مسجد میں خرچ کرنا یا مسجد کا پیسہ مدرسہ میں دینا حرام ہے۔	۲۸۰
تبدیل وقف کی شرائط سبعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مخالفت شرط اور مظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے۔	۲۷۰	مسجد کی بیکار چیز خرید کر صرف میں لانا۔	۲۸۰
جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضی شرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرط واقف بلکہ باوصف منع واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض سے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط۔	۲۷۱	علماء نے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔	۲۸۱
		جو مکان ہمیشہ نماز مسلمین کے لئے بنایا مسجد ہوگیا اگرچہ اسے مسجد نہ کہا، نہ محراب بنائی۔	۲۸۱

اگر کہا میں نے یہ زمین نماز کے لئے وقف کی مگر اسے کوئی مسجد نہ سمجھے جب بھی مسجد ہوگئی۔	۲۸۲	مسجد کو بدبو سے بچانا واجب ہے۔	۲۸۸
مسجد ہونے کے لئے زمین میں پانچ صورتوں سے ایک صورت چاہئے ورنہ مسجد نہ ہوگی۔	۲۸۳	جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے فرشتے بھی اس سے اذیت پاتے ہیں (حدیث)	۲۸۸
صحن مسجد بھی مسجد ہے۔	۲۸۴	متولی مسجد کی واجبی تعمیر میں محلّہ والوں کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔	۲۸۹
مسجد کے فرش پر وضو حرام ہے۔	۲۸۴	اہل محلّہ نے متولی کی اجازت کے بغیر جو تعمیر کی جائز ہے اور جو اب کریں گے جائز ہوگی۔	۲۸۹
غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں وضو کرے اس طرح کہ پانی مسجد میں نہ گرے۔	۲۸۴	تعمیر مسجد کے فضائل قرآن وحدیث سے۔	۲۸۹
معتکف کو مسجد میں اس صورت میں وضو کرنے کی رخصت ہے کہ کوئی بوند مستعمل پانی کی مسجد میں نہ گرے۔	۲۸۴	ویرانی مسجد کے خواستگار کے لئے وعید شدید۔	۲۸۹
غیر معتکف شدید بارش میں بمجبوری اس طرح وضو کرسکتا ہے کہ مینہ کا پانی سب کو بہالیجائے۔	۲۸۶	متولی کو حق نہیں پہنچتا کہ وعدہ موہومہ پر اہل محلّہ کو تعمیر سے روکے، ایسا شخص عملاً مسجد کو ویران کرنے والا ہے۔	۲۹۰
الضرورات تبیح المحظورات۔	۲۸۷	امام کے نصب میں تنازع ہو تو اہل محلّہ کا امام افضل ہے تو اسی کو ترجیح ہے۔	۲۹۱
کثیر بارش ترک جماعت کے لئے عذر ہے۔	۲۸۷	اہل محلّہ کا مسجد کی تعمیر کرنا متولی کی توہین نہیں ہے۔	۲۹۲
جماعت نماز واجب ہے۔	۲۸۷	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجدوں میں مینار اور کنگورے نہیں تھے، بعد میں قلوب عوام میں عظمت ڈالنے کے لئے علماء اور عوام مسلمین نے اس کو مستحسن سمجھا۔	۲۹۳
کثیر بارش ترک جمعہ کے لئے عذر ہے۔	۲۸۷	قرآن شریف پر سونا چڑھانا مسجد میں گچکاری وغیرہ اسی قبیل سے ہے۔	۲۹۳
غیر معتکف کو مسجد میں اخراج ریح مکروہ ہے۔	۲۸۸	آج کل یہ طرز تعمیر مسجد کی حفاظت اور اس کے امتیاز کا بھی ذریعہ ہے۔	۲۹۴
طالب علم مسجد میں اس طرح کتاب دیکھ سکتا ہے کہ نمازیوں کو حرج نہ ہو۔	۲۸۸	مسجد بنانے کی نیت سے ہندو نے مسلمان کو روپیہ دیا، مسلمان نے اس روپیہ سے مسجد بنادی مسجد ہوگئی۔	۲۹۵
اگر ریح میں بدبو ہو تو ایسے شخص کا ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں۔	۲۸۸	کافر نے پرانی مسجد کی مرمت کرادی مسجد ہی رہے گی البتہ مسلمانوں کو کافر کی ایسی مدد قبول نہ کرنی چاہئے۔	۲۹۶

کافر نے اپنی زمین مسلمانوں کو ہبہ کی اور انہوں نے مسجد بنالی تو جائز ہے اور خود مسجد بنوادی تو وہ مسجد ہوئی ہی نہیں۔	۲۹۶	دروازہ قدیم مسجد کی چھت پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا ہے بے اہل محلّہ کی اجازت کے جائز نہیں۔	۳۰۱
مخلوط مال کسی کو میراث سے پہنچا جس میں حلال حرام کی تمیز نہیں، تو وارث پر کوئی مطالبہ نہیں ایسے مال سے مسجد بنائی مسجد ہو گئی۔	۲۹۷	آباد قبرستان کو پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا حرام ہے۔	۳۰۱
حرام مال میں بھی جب تک عقد ونقد دونوں حرام مال پر جمع نہ ہوں خریدی ہوئی چیز میں حرمت سرایت نہ کرے گی۔	۲۹۸	جس قبرستان میں دفن کرنا بند ہو وہاں قبر سے باہر ستون قائم کرکے بلندی پر چھت پاٹ کر چھت کو شامل مسجد کرنے میں حرج نہیں۔	۳۰۳
امام کرخی کامذہب مفتی بہ ہے۔	۲۹۸	مطلقًا حقوق عبد کا تعلق مانع مسجدیت نہیں۔	۳۰۵
طاق عدد اللہ تعالٰی کو محبوب ہے۔	۲۹۹	مقبرہ کے لئے بھی حقوق عبد سے فارغ ہونا شرط ہے۔	۳۰۶
مسجد میں دروں کی طاق عدد کا مسلمانوں میں رواج ہے، حتی الامکان اس روش کے خلاف نہ کیاجائے بمجبوری جفت رکھنے میں بھی حرج نہیں۔	۲۹۹	نہر خاص کو پاٹ کر اس کی چھت پر مسجد بنانا جائز ہے۔	۳۰۶
مسجد بنانا باعث اجر عظیم ہے۔	۳۰۰	غیر کی ایسی زمین پر جس پر اس غیر کو حق مزاحمت نہ رہا، مسجد بنائی تو فتوی اسی پر ہے کہ وہ عمارت مسجد ہو گئی۔	۳۰۶
اگر بہ یقین معلوم ہو کہ نئی مسجد کی تعمیر سے پرانی مسجد ویران ہوگی تو نئی کی تعمیر نہ کیجائے۔	۳۰۰	حجرہ مسجد پر اپنی دیوار بنانا حرام ہے اور جو نقصان پہنچا اس کا تاوان دینا ہوگا۔	۳۰۷
آباد مسجد کی اینٹ دوسری میں لگانا حرام ہے۔	۳۰۰	مسجد کی دیوار میں اپنی عمارت کے لئے کڑی ڈالنا حرام ہے۔	۳۰۸
مسجد کے احاطہ اور اس کے صحن میں دکان بنانا جائز نہیں، حجرہ بناسکتے ہیں جبکہ اس سے مسجد میں کسی طرح کی تنگی نہ پڑے۔	۳۰۰	مسجد کی دیوار سے ملا کر بلا استحقاق پر نالہ گرانا حرام ہے۔	۳۰۸
مصالح مسجد توابع مسجد ہیں۔	۳۰۱	مسجد میں کھڑکی رکھنا بھی حرام ہے۔	۳۰۸
		دوسرے کا کبوتر پکڑنا حرام اور ایسا کرنے والا فاسق ہے۔	۳۰۹

خالی کبوتر اڑانا جس میں چھت پر چڑھتے ہیں دوسروں کا مالی یا جسمانی ضرر ہو حرام ہے۔	۳۰۹	تجارت کے لئے بیع وشراء معتکف کو بھی ناجائز ہے۔	۳۱۳
ایسے شخص کو منع کیا جائیگا، اور نہ مانے تو اس کا کبوتر ذبح کردیا جائیگا۔	۳۰۹	مسجد میں بچوں اور پاگلوں کو لانا، بیع وشراء، جھگڑے اور آواز بلند کرنا منع ہے۔	۳۱۳
مطلقًا کبوتر بازی جس میں مفاسد بالا نہ ہوں لیکن عبث وبے فائدہ اور حرام ہے اور پرندوں پر ظلم ہے۔	۳۰۹	مسجد میں آواز سے گم شدہ چیز تلاش کرنا منع ہے۔	۳۱۴
کبوتر بازوں کو نصیحت وہدایت۔	۳۱۰	بٹیر بازی کبوتر بازی سے بھی زیادہ سخت قبیح اور شنیع ہے۔	۳۱۴
بے گناہ بے زبان جانور پر ظلم آدمیوں کی ضرر رسانی سے شدید تر ہے۔	۳۱۰	مسلمانوں پر ظلم کرنے سے زیادہ براذمی پر ظلم کرنا ہے، اور اس سے بھی زیادہ سخت جانوروں پر ظلم کرنا ہے۔	۳۱۵
دنیا گزشتنی ہے ایک دن انصاف کا آنیوالا ہے۔	۳۱۰	عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے افعال شنیعہ سے روکیں۔	۳۱۵
ثواب وعذاب اور جنت وجہنم مکلفین کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔	۳۱۰	گناہ کو اچھا جاننا کفر ہے۔	۳۱۵
ایک عورت بلی کو قید کرنے کی وجہ سے جہنم میں گئی۔	۳۱۰	جو لوگ گناہ میں شریک نہ ہوں مگر گناہ کرنیوالوں کو باوصف قدرت منع نہ کریں وہ بھی ماخوذ وگرفتار ہیں۔	۳۱۵
مسجد میں کبوتر بازی اشد حرام ہے۔	۳۱۰	مسئلہ مذکورہ کی تائید احادیث کریمہ سے جو زمین کبھی دارالاسلام نہ ہوئی اس میں مسجد بنانے کی اجازت نہیں، اور بنائی تو مسجد کا حکم نہیں۔	۳۱۶
مسجد میں بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے جانور گھاس کو۔	۳۱۱	دارالاسلام میں بنی ہوئی مسجد کی آبادی بھی جب متعذر ہوجائے اور تغلب کفار کا خطرہ ہو تو اسباب تعمیر اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جاسکتے ہیں۔	۳۱۷
مباح باتیں بھی مسجد میں بلاضرورت حرام ہیں۔	۳۱۲	جو زمین متعلق مسجد ہو مسلمانوں کے مشورہ سے جب وہ جگہ مسجد ہو گئی تو اس کے لئے مسجد کا حکم ہے۔	۳۱۷
مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے والوں، غیبت کرنے والوں کے منہ سے بدبو نکلتی ہے۔	۳۱۲	جس زمین کو مسجد سے متعلق وقف کیا اس میں باغ وپھل ہوں تو انہیں بیچ کر مسجد کی تعمیر میں صرف کرسکتے ہیں۔	۳۱۹
بشروط معتکف کو مسجد میں بیع وشراء اور اکل وشرب جائز ہے۔	۳۱۳		

جس زمین کو مسجد کیا اس میں باغ اور پھلدار درخت ہیں انہیں کاٹ کر اپنے صرفہ میں لائے اور زمین شامل مسجد کرے۔	۳۱۹	مفتی بہر صورت سوال کا جواب دیتا ہے۔	۳۲۹
جو مسجدیں عام طور سے مسجد مشہور ہوں اور ان میں نماز پنجگانہ ہوتی ہو وہ مسجد ہی ہے اس کو مسجد البیت قرار دے کر ملکیت جتانا ظلم وحرام ہے۔	۳۲۰	واقعہ سے بحث اس کے فرائض سے نہیں۔	۳۲۹
ایسی مسجد کو کسی قسم کے ذاتی تصرف میں لانا حرام ہے۔	۳۲۰	سوال ظاہر البطلان ہو تو مفتی اس کا جواب نہ دے یا سوال کی غلطی ظاہر کرے۔	۳۲۹
وقف کا ثبوت شہرت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔	۳۲۰	نیت کا علم اللہ کو ہے مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۳۲۹
سچے دل سے توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔	۳۲۲	جو اپنے زمانہ والوں کی معرفت نہ رکھے جاہل ہے۔	۳۳۰
فنائے مسجد میں اپنا ذاتی مکان بنانا بھی حرام ہے۔	۳۲۲	مریض نے اپنی بیماری الٹی سمجھ کر دوا مانگی طبیب کو غلطی جاننے کے بعد الٹی دوا دینا حرام ہے۔	۳۳۱
حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا ہے۔	۳۲۲	چند فتووں کی اصلاح۔	۳۳۱
مسجد کی بے ادبی اور بے حرمتی حرام ہے۔	۳۲۳	جو مسجد فساد کے لئے بنائی گئی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۳۳۱
فنائے مسجد تابع مسجد ہے۔	۳۲۳	اتفاق واتحاد کی ہدایت۔	۳۳۱
مساجد میں امام اور مؤذن کی سکونت کے لئے بنائے جانیوالے مکانات کا حکم۔	۳۲۳	حالت نماز میں پنکھا کروانے کا حکم۔	۳۳۲
اختلاف کی بنیاد پر بننے والی دو مسجدوں کے بارے میں سوال اور دلی وبریلی کے فتاوے۔	۳۲۳	جس مسجد کی آبادی ناممکن ہو اس کے اسباب دوسری مساجد میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔	۳۳۳
نقل فتوی بریلی۔	۳۲۴	شروط باطلہ سے مسجد باطل نہ ہوگی شرطیں ہی باطل قرار دی جائیں گی۔	۳۳۴
نقل فتوی دہلی۔	۳۲۶	مسجد بناکر شرط لگائی میں اسے بیچ سکوں گا مسجد ہوگئی شرط باطل۔	۳۳۴
نقل فتوی ایرانی۔	۳۲۷	مسجد بناکر شرط لگائی کہ صرف فلاں قوم کے لئے مسجد سب کے لئے ہوگی تخصیص باطل ہے۔	۳۳۴
فریقین کے بیان سننا قاضی پر لازم ہے نہ کہ مفتی پر۔	۳۲۹		

مسجد کی دیوار پر خود بانی کو بھی کڑیاں رکھنا حرام ہے۔	۳۳۴	امام نے اپنے نائب کے لئے کوئی مدت متعین نہ کی تو اجارہ فاسد ہے۔	۳۴۵
مسجد قائم ہونے کے بعد مسجد کی چھت پر امام کے لئے بھی حجرہ بنانا جائز نہیں۔	۳۳۵	اجارہ فاسدہ کا فسخ کرنا فریقین پر واجب ہے وہ نہ کریں تو حاکم فسخ کردے۔	۳۴۶
مسجد کی دیوار پر کرایہ دے کر بھی کڑی رکھنی جائز نہیں۔	۳۳۵	اجارہ میں طریقہ رائج الوقت کے لحاظ سے اجارہ صرف پہلے مہینہ کے لئے ہوتا ہے۔	۳۴۶
مسجد میں درخت لگانا جائز نہیں الایہ کہ زمین نمناک ہو تو رطوبت ختم کرنے کے لئے درخت لگا سکتے ہیں۔	۳۳۶	اسپرٹ شراب ہے۔	۳۴۷
درخت پہلے سے موجود ہوں مسجد بعد میں بنائی یہ جائز ہے۔	۳۳۶	اسپرٹ مسجد میں لے جانا منع ہے۔	۳۴۷
بونے والا ہی بانی وواقف ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوں گے، اور بونے والا دوسرا ہو تو یا تو اپنا درخت کاٹ لے جائے یا مسجد کو دے دے۔	۳۳۶	ناپاک تیل سے چراغ جلانا مسجد میں جائز نہیں ہے۔	۳۴۷
مسجد میں درخت لگانے کی مختلف صورتوں کا حکم	۳۳۷	مسجد کی چھت پر وطی کرنا جائز نہیں۔	۳۴۷
خانیہ، بحر، حاوی، درمختار کی عبارتوں کا صحیح محمل۔	۳۴۰	مسجد کی چھت پر پیشاب وپاخانہ کرنا ناجائز ہے۔	۳۴۷
حرام کی کمائی سے خریدی ہوئی جائداد کے وقف کرنے کی صورت۔	۳۴۱	مسجد میں کافر کا جانا بے ادبی ہے۔	۳۴۷
دیہات میں عیدگاہ کے لئے وقف صحیح نہیں۔	۳۴۲	مسجد زیر تعمیر کو جب تک وقف نہ کرے بانی کی ملک ہے۔	۳۴۸
جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ خاص یہ روپیہ حرام ہے اس کو لے کر مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔	۳۴۳	مسجد کر دیا ہے جب بھی بانی تعمیر کی حقدار ہے، خود نہ بنا سکتا ہو تو مسلمانوں کو تعمیر کی اجازت دے۔	۳۴۸
نیابت امامت سے متعلق ایک تفصیلی سوال۔	۳۴۳	صحن مسجد مسقف کر دینے سے اس میں نماز پڑھنے میں خلل نہیں آتا۔	۳۴۸
امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے، اصل وظائف کا مالک امام ہوگا، نائب کو اتنا ہی ملے گا جتنا باہم تراضی سے مقرر ہوا ہو۔	۳۴۴	مسجد کی چھت پر بلاضرورت نماز نہیں پڑھی جائیگی نیچے جگہ بھر جائے تو اوپر پڑھ سکتے ہیں۔	۳۴۹

مسجد دو منزلہ بنائی مگر مسجد صرف بالائی منزل کو کیا، وہی مسجد ہوگئی، منزل زیریں ضروریات مسجد کے لئے ہوگی۔	۳۴۹	مسجد کو اس لئے شہید کرنا اس کو چھوڑ کر دوسری جگہ بنائیں گے، حرام ہے۔	۳۵۴
مسجد کی نچلی منزل میں بھراؤ ڈال کر پاٹنا جائز نہیں۔	۳۵۰	بے ضرورت مسجد کی تعمیر جدید عبث ولغو ہے۔	۳۵۵
اعدام مسجد پر وعید شدید۔	۳۵۰	تضییع مال ناجائز ہے۔	۳۵۵
بلاشرط واقف وقف کی ہیئت میں تغیر و تبدل کرنا ناجائز ہے۔	۳۵۰	قیل و قال، کثرت سوال اور اضاعت مال اللہ تعالٰی کو ناپسند ہیں۔	۳۵۵
دار وقف کو باغ اور سرائے کو حمام وغیرہ بنانا جائز نہیں۔	۳۵۰	فضول خرچی کرنیوالے شیطان کے بھائی ہیں۔	۳۵۵
مسجد کی وقفی زمین توڑ کر شاہراہ میں شامل کرنا حرام ہے۔	۳۵۱	عبث حرام ہے۔	۳۵۵
حقوق مسجد پر تعدی اور وقف مسجد میں ناحق دخل اندازی منع ہے۔	۳۵۱	توسیع اور بوسیدگی کی حالت میں تعمیر جدید کی اجازت ہے۔	۳۵۵
مقصد وقف باطل کرکے وقف کو دوسرے کام کے لئے کردینا ناجائز ہے۔	۳۵۱	اشباہ نظائر کے مصنف امام ابراہیم نہیں ہیں۔	۳۵۶
فنائے مسجد کی حرمت مسجد کی طرح ہے۔	۳۵۲	اشباہ نظائر کی طرف منسوب ایک غلط عبارت کی تصحیح۔	۳۵۶
مسجد کو راستہ بنانے کا جزئیہ اور اس کا صحیح مطلب۔	۳۵۲	اشباہ کی دوسری عبارت کی تشریح۔	۳۵۷
جنب، حائض اور نفساء کو مسجد سے گزرنے کی بالکل اجازت نہیں۔	۳۵۲	مسجد میں راستہ بنانا جائز نہیں، ہاں بوقت ضرورت اس میں سے گزرسکتے ہیں۔	۳۵۷
مسجد سے گھوڑے یا بیل گاڑی کو گزارنا منع ہے۔	۳۵۲	جنبی، حائض یا نفاس والی اور جانوروں کو گزرنے سے روکا جائے۔	۳۵۸
مسجد کو شارع عام بنانے کی اجازت نہیں۔	۳۵۲	ایک مسجد کے ہوتے ہوئے دوسری مسجد بنانے کا سوال۔	۳۵۹
مسجد میں مصارف خیر کے لئے چندہ وصول کرسکتے ہیں جبکہ آداب مسجد کی مخالفت نہ ہو۔	۳۵۴	تفریق بین المسلمین کی نیت سے جدید مسجد تعمیر کرنیوالے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور مسجد مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۳۶۰

فساق مرتکب کبیرہ کاذبیحہ جائز ہے،ان سے ابتداء سلام ناجائز، زجروتنبیہ کی نیت سے ان سے ترک راہ ورسم بہتر ہے۔	۳۶۰	مسجد میں وعظ اور چندہ کے جائز وناجائز ہونے کی صورتیں اور ان کا حکم۔	۳۶۱
فاسق نکاح پڑھائے تو نکاح درست ہے لیکن فاسق سے نکاح پڑھوانا منع ہے۔	۳۶۰	کسی زمین کے مسجد ہونے کی صورتیں۔	۳۶۱
ظن وتخمین سے کسی مسجد کے ضرار ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۳۶۰	مسجد کے لئے عمارت ضروری نہ ہونے کا بیان۔	۳۶۲
جس مسجد کا مسجد ضرار ہونا یقینا ثابت ہو اس کو ڈھایا جاسکتا ہے۔	۳۶۰	مسجد مچھلی بازار کانپور کے لئے جمع ہونیوالے چندہ کے مصارف کا بیان اور مولوی عبدالباری صاحب کے فیصلہ کی غلطی کا اظہار۔	۳۶۳
اختلاف وفتنہ سے بچنے کے لئے الگ مسجد بنائی تو مسجد ضرار نہیں۔	۳۶۱	o رسالہ **ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری** (مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوی جس کا سوال لکھنو فرنگی محل سے آیا اور دارالافتاء بریلی سے جواب دیا گیا اور بکمال وضوح ثابت کیا گیا کہ مولوی عبدالباری صاحب فرنگی محلّی نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق کیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دربارۂ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اور اپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کا برا اثر پڑے گا اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ رہے گا۔ "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" کا بھی رد بلیغ اس رسالہ میں ہے)	۳۶۵
فاسق اور بانی شر وفساد کی امامت ناجائز ہے۔	۳۶۱	مسئلہ از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی محمد سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس مؤید الاسلام۔	۳۶۵
جو مسجد ضرار کے حکم میں ہو اس کی تعمیر میں مدد دینا ناجائز ہے۔	۳۶۱	جواب از دارالافتاء بریلی۔	۳۶۶
ذبح کی اجرت لینے والا امام ہوسکتا ہے۔	۳۶۱	سات امور مستفسرہ۔	۳۶۶
قیام جمعہ کی شرائط کا بیان۔	۳۶۱	فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعًا جائز ہے نہ عقلًا ٹھیک۔	۳۶۷
کسی کے مقابلہ میں بھی شر پیدا کرنا جائز نہیں	۳۶۱		

فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔	٣٦٧	احکام اسلامیہ کے خلاف پر مصالحت روانہیں۔	٣٧٣
مخالفت شرع حکم کو بلا جبر و اکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کرنا یا اس میں دشواری ڈالنا اور آئندہ کیلئے بھی اسے نظیر بنادینا روانہیں۔	٣٦٧	جرم بغاوت کو تمام دنیوی سلطنتیں سنگین ترین بلکہ ناقابل معافی قرار دیتی ہیں۔	٣٧٤
مسئلہ باردوم از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی صاحب موصوف۔	٣٦٨	مولوی صاحب اغماض نے اصل معاملہ میں پیچیدگیاں اور دشواریاں پیدا کردی ہیں۔	٣٧٤
امور مستفسرہ مع تصریح۔	٣٦٨	روایت امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہے مخالف مذہب جمہور نہیں۔	٣٧٦
جواب از دارالافتاء بریلی۔	٣٧١	مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا تمام ائمہ کے اجماع سے حرام اور مناقض ارشاد خداوندی ہے۔	٣٧٦
ہر مسلمان لاسیما اہل علم کو انکشاف حق کے لئے مستعد رہنا چاہئے۔	٣٧١	فقاہت کے کیا معنی ہیں۔	٣٧٦
منصب افتاء کی ذمہ داری یہ ہے کہ بر تقدیر صدق مستفتی صورت مستفسرہ کے مطابق جواب دے دیا جائے۔	٣٧١	مولوی صاحب نے جو مصالحت مسجد کے بارے میں کی ہے کوئی ہندو اس کو شوالہ کے بارے میں قبول نہیں کرسکتا، اور نہ ہی خود مولوی صاحب اس کو اپنے مکان سکونت کے بارے میں گوارا کریں گے۔	٣٧٧
اظہار حق کے سلسلہ میں مفتی پر لازم ہے کہ وہ کسی کے ساتھ مراسم قدیم کو حفظ حرمت اسلام اور رفع غلط فہمی عوام پر غالب نہ آنے دے۔	٣٧١	مولوی صاحب کی مصالحت کا حاصل۔	٣٧٨
حقیقتاً حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔	٣٧١	جواب استفسار دوم پر نظر۔	٣٧٨
جواب استفسار اول پر نظر۔	٣٧٢	"فیصلہ کانپور پر ایک نظر" کارد بلیغ	٣٨٠
قبضہ زمین کی بحث۔	٣٧٢	عالم مصالح کی تدبیر اول نامنظور و شنیع ہونے کا بیان۔	٣٨٠
چھت اور زمین دو مترادف الفاظ نہیں ہیں۔	٣٧٢	مسئلہ مرفی المسجد کی تحقیق جلیل۔	٣٨١
مصالحت رفع نزاع کا نام ہے نہ کہ ابقائے نزاع کا۔	٣٧٣	کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے۔	٣٨١
اصل بناء ومنشاء کو مہمل و معطل اور دور آئندہ کی امید موہوم پر محمول کرنا ابقائے نزاع ہے نہ کہ رفع و قطع نزاع۔	٣٧٣	کم من شئی یثبت ضمناً ولا یثبت قصداً	٣٨١

ایک صحیح مسئلہ کو موقع سے متعلق سمجھنے میں مولوی صاحب سے بکثرت خطائیں ہوئیں۔	۳۸۱	ضرورت اکراہ شرعی سے جواز شیئ فی نفسہ نہیں ہوتا بلکہ مکرہ سے رفع اثم ہوتا ہے۔	۳۸۴
صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلّف بالفروع ہیں۔	۳۸۲	تجویز دوم کی شناعتیں۔	۳۸۴
جنابت وحیض کی حالت میں مسجد میں جانا بیت اللہ کی بے حرمتی ہے۔	۳۸۲	حرام شرعی کو حسب دلخواہ، نہایت مسرت خیز، موجب اطمینان و دلجمعی مسلماناں قرار دینا اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہنا اشد ظلم ہے۔	۳۸۶
جانور بالاجماع مکلّف نہیں۔	۳۸۲	ایک عذر گناہ بدتر از گناہ کارد۔	۳۸۷
کتے، خنزیر بلکہ ناسمجھ بچے اور مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنا مسلمان کو روا نہیں۔	۳۸۲	مومن ایک ہی سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا۔	۳۸۸
احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو مسجد سے نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے۔	۳۸۲	متعلق جواب استفسار سوم۔	۳۸۹
مساجد کو یقینی بے حرمتی کے لئے پیش کرنا جرم شنیع اور خبیث ہے۔	۳۸۲	مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعار اسلام کا ہتک وابتذال ہے۔	۳۹۰
مسئلہ ممر فی المسجد صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے۔	۳۸۳	عرف وشرع کا قاعدہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جائے۔	۳۹۰
اسلامی سلطنت میں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں۔	۳۸۳	بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کیلئے مسجدوں کی حرمتیں پامال کرنا حلال نہیں۔	۳۹۰
نکتہ جلیلہ دقیقہ۔	۳۸۳	بھائی کا زکام کھونے کے لئے باپ کو قتل کر دینا عقلمندی اور روا نہیں۔	۳۹۰
مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے، اور اس کا استحقاق اور۔	۳۸۳	متعلق جواب استفسار چہارم۔	۳۹۱
مساجد جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزہ ہیں۔	۳۸۳	ذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ ہے۔	۳۹۲
مسئلہ ممر فی المسجد کو سلطنت غیر اسلامیہ کیلئے قرار دینا صریح جہل اور ظلم عظیم ہے۔	۳۸۳	متعلق جواب استفسار پنجم	۳۹۳
"من، الی، فی علی" کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں، فقاہت چیزے دیگر است۔	۳۸۳	ملک کا اطلاق دو۲ معنی پر آتا ہے: اول۱ اختصاص مانع، دوم قدرت تصرف شرعی۔	۳۹۳
ضرورت کی بحث۔	۳۸۴		

متولی کو مالک اوقاف بمعنی قادر تصرف شرعی کہہ سکتے ہیں۔	۳۹۴	مسجد کی بے حرمتی پر مصالحت کرنیوالوں کو نصیحت۔	۳۹۹
ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے۔	۳۹۴	ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے اپنے منصب کے لائق مساجد کو بے حرمتی سے بچا کر دنیا میں سرخرو اور آخرت میں مثاب ہوں۔	۴۰۰
قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں۔	۳۹۴	مسجد کا ویران کرنا سخت حرام ہے۔	۴۰۱
اصطلاح مذکور کا پتہ شرع مطہر میں بھی ہے۔	۳۹۴	مسجد تنگ ہو اور پڑوسی زمین نہ دے تو بحکم سلطان اسلام پڑوسی کی مرضی کے بغیر واجبی قیمت پر وہ زمین مسجد میں شامل کی جائے۔	۴۰۱
متعلق جواب استفسار ششم۔	۳۹۵	سوال میں ذکر کی ہوئی ایک خرابی پر تنبیہ۔	۴۰۱
مولوی صاحب کی مصالحت سے لازم آیا کہ مسجد، مسجد تو درکنار، سرے سے وقف ہی نہ ٹھہری۔	۳۹۵	ایک مجمل سوال پر تنبیہ۔	۴۰۲
متعلق جواب استفسار ہفتم۔	۳۹۵	مسجد تنگ نہ ہو تو درگاہ کی زمین جبراً مسجد میں شامل کرنا ناجائز ہے۔	۴۰۲
الزام کی تین صورتیں۔	۳۹۵	مسجد تنگ ہو اور اسکے متعلق زمین نہ ہو، درگاہ کی زمین وقف شرعی نہ ہو یا زمین شامل مسجد کرنے سے درگاہ کو ضرر نہ ہو تو اس کو شامل مسجد کر سکتے ہیں۔	۴۰۲
اس امر کے روشن ثبوت کہ مصالحت مذکورہ کی کارروائی ایک شخصی کارروائی ہے نہ کہ مسلمانوں کی۔	۳۹۶	سنی کی بنوائی ہوئی مسجد بلاشبہ مسجد ہے۔	۴۰۳
سبیل نجات۔	۳۹۸	اس زمانہ کے روافض مرتد ہیں ان کی بنوائی مسجد مسجد نہ ہوگی۔	۴۰۳
گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔	۳۹۸	مرتد کی بنوائی ہوئی مسجد کو سنی نے خرید کر مسجد کر دیا تو اس کو مسجد ہونے نہ ہونے کی صورتوں کا بیان۔	۴۰۴
جیسا گناہ ہو ویسی ہی توبہ چاہئے۔	۳۹۸	مسجد میں بالغ طلبہ کا پڑھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اوقات نماز میں جگہ نہ گھیریں اور ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔	۴۰۴
مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے چھت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔	۳۹۸	مرتد کے حالت اسلام کا کسب اس کے مسلمان وارثوں کا ہے اور زمانہ ارتداد کا کسب فے ہے۔	۴۰۴
مسجد کی بے حرمتی میں مداہنت کرنے والوں کے لئے وعید شدید۔	۳۹۹	زمین کے کسی حصہ کے مسجد ہونے کے بعد اس میں کسی قسم کی دوسری تعمیر جائز نہیں۔	۴۰۵

مسجد کا کنواں مشترکہ بنانا کہ اس میں مشرکین بھی پانی لے سکیں، منع ہے۔	۴۰۶	چندہ کا روپیہ جمع ہو تو اس میں اضافہ کی جائز صورتوں کے لئے بھی چندہ دہندوں کی اجازت درکار ہے۔	۴۱۰
مسجد کو باقی اور آباد رکھنا ضروری ہے، مسجد کسی دوسرے کام میں صرف نہیں کی جاسکتی۔	۴۰۶	پورے قصبہ کی مساجد کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے کا حکم۔	۴۱۱
مسجد کا فرش جو استعمال کے قابل نہ رہے دینے والے کی ملک ہوتا ہے اور مسجد کے مال سے بنایا گیا ہو تو اس کو بیچ کر مسجد کے ہی کسی کام میں صرف کیا جائے۔	۴۰۶	سنیوں کی بنائی مسجد کو رفع فساد کیلئے غیر مقلدوں کو دینا حرام ہے۔	۴۱۱
مسجد کا ملبہ ناقابل استعمال ہو تو اسے مسلمان کے ہاتھ بیچا جائے کہ وہ بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے اور وہ رقم مسجد کی مرمت میں ہی صرف کی جائے۔	۴۰۷	مسئلہ کی تفہیم کے لئے ایک دلنشین مثال۔	۴۱۱
کسی ایک وارث نے میراث کی مشترکہ زمین پر زبردستی قائم کردی تو مسجد نہ ہوگی تاوقتیکہ تمام ورثہ بالغ ہو کر اس کی اجازت نہ دے دیں۔	۴۰۷	مسجد میں داخلہ سے کن کن لوگوں کو روکا جاسکتا ہے، بطور خود روکنے میں فساد کا اندیشہ ہو تو حکومت سے چارہ جوئی کی جائے۔	۴۱۲
مسجد کی زمین غصب کرنا ظلم شدید اور گناہ کبیرہ ہے۔	۴۰۸	مسجد کو حتی الامکان آباد کرنا ضروری، اور اس کی ویرانی منع ہے۔	۴۱۳
جو کسی کی بالشت بھر زمین دبائے گا قیامت کے دن ساتوں طبق توڑ کر اتنا حصہ زمین اس کے گلے میں ڈالا جائے گا۔	۴۰۹	نئی مسجد تعمیر کرنے سے بہتر پرانی مسجد کا آباد کرنا ہے۔	۴۱۳
مسجد کی کسی زمین پر زبردستی قبضہ کرنے والے سے اس کو واگذار کرانا ہر مسلمان پر بقدر استطاعت ضروری ہے۔	۴۰۹	مسجد سے متعلق ایک مسئلہ کی تنقیح۔	۴۱۵
معاوضہ لے کر اسے دے دینا ہرگز جائز نہیں۔	۴۰۹	مسجد کا سامان جو ضرورت مسجد سے فارغ ہو اس کے فروخت کرنے کا شرعی طریقہ اور اس کے مصارف کا بیان۔	۴۱۵
مسجد پر قبضہ کرنیوالے ربوا خوار فسادی سے قطع تعلق کا حکم ہے۔	۴۰۹	مسجد کی دکانوں کی چھت فرش میں شامل تھی، اس میں کوئی ایسا تصرف کرنا جس سے وہ صحن مسجد سے علیحدہ ہو، اور اس کا کرایہ پر دینا، اس کے پرنالہ کے لئے مسجد کا ایک حصہ توڑنا، اس میں وضو کرنا وغیرہ ناجائز تصرفات کا حکم۔	۴۱۶

مسجد میں اپنے لئے سوال منع ہے، اور کسی دوسرے ضرورتمند یا قومی ضرورت کے لئے نہ صرف جائز بلکہ سنت رسول ہے	۴۱۸	مسجد میں وضو کے لئے رکھے ہوئے پانی کو اپنے گھر لے جانا جائز نہیں۔	۴۱۹
استبدال کی شرط نہ ہو تو فی الجملہ نقصان یا تا احتمال نقصان کی وجہ سے وقف کی بیع ناجائز ہے۔	۴۱۸	گاؤں میں قیام جمعہ جائز نہیں۔	۴۲۰
مسجد کی دریاں، چٹائیاں اور لوٹے وغیرہ جب تک قابل استعمال ہوں بیچے نہ جائیں، اور جب ناقابل استعمال ہوجائیں دینے والوں کو واپس کردئے جائیں۔	۴۱۸	مسجدوں کو برباد کرکے ایک جامع مسجد بنانا حرام ہے۔	۴۲۰
بغیر امتیاز ہر شخص کو مسجد میں وعظ کی اجازت دینا منع ہے اور روکنا واجب ہے۔	۴۱۸	ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا منع ہے۔	۴۲۰
انتظام مسجد صحیح اور مطابق شرع ہو تو دوسروں کو دست اندازی کا حق نہیں، اور خلاف شرع ہوں تو ہر مسلمان دست اندازی کرسکتا ہے۔	۴۱۸	جو حصہ زمین ایک بار مسجد ہوگیا قیامت تک مسجد ہی رہے گا، اس کو اپنے کسی تصرف میں لانا حرام ہے۔	۴۲۰
امام مسجد کے صفات کا بیان۔	۴۱۸	شہر میں متعدد جگہ جمعہ پڑھا جاسکتا ہے، جو کسی وجہ سے معذور ہوں انہیں ایک جگہ جمع ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۴۲۰
مسجد کا گھڑا کسی کو بھی اپنی ضرورت کے لئے فروخت کرنا حرام ہے۔	۴۱۸	مال وقف کو واقف کی شرط کے بغیر تجارت میں لگانا جائز نہیں۔	۴۲۱
مسجد کا تیل کب اپنی ضرورت پر خرچ ہوسکتا ہے اور کب نہیں۔	۴۱۸	پنج وقتی نماز اور جمعہ وعیدین کے لئے مسجد کی شرط نہیں۔	۴۲۱
امام کو جو روٹیاں دی گئیں اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۱۹	کسی مکان میں نماز پڑھنے کی عام اجازت دینے سے کب مکان مسجد ہوگا اور کب نہیں۔	۴۲۱
استاد طالب علم سے روٹی منگانے کے لئے کب جبر کرسکتا ہے اور کب نہیں۔	۴۱۹	مصلحت شرعی ہو تو اپنا عالم ہونا ظاہر کیا جاسکتا ہے اور خودستائی کے لئے ہو تو حرام ہے۔	۴۲۱
طالب علم کی شرعی حد تعزیر۔	۴۱۹	مسجد کے لئے زمین خریدی، جز حصہ میں مسجد تعمیر ہوئی، بقیہ حصہ کے متعلق احکام شرعیہ کی تفصیل۔	۴۲۲

خبر کے رد کے شرعی اسباب اور آدمی کے مردود الشہادۃ ہونے کی صورتیں۔	۴۲۳	مسجد کا وہ عملہ جو مسجد کے کام کا نہ رہ گیا ہو وہ بیچا جاسکتا ہے، اور جو جلانے کے لائق ہی رہ گیا ہو جلایا بھی جاسکتا ہے لیکن اپلوں کی معیت سے بچایا جائے۔	۴۲۷
مسجد میں قبر نکلی تو مسجد باقی رہے گی، قبر پر اور اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا منع ہوگا۔	۴۲۴	بعینہٖ حرام مال کو مسجد کی ضروریات مثلاً وضو خانہ وسقایہ کے لئے بھی لینا حرام ہے۔	۴۲۷
قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کے قرب میں نماز پڑھنا باعث برکت ہے۔	۴۲۴	خاص جس مال کے لئے معلوم نہ ہو کہ حرام ہے اس کو لینے میں مضائقہ نہیں۔	۴۲۷
کسی مسجد کا شرعی شہادتوں سے مقبرہ ہونا ثابت ہوجائے تو مسجد کی عمارت منہدم کردی جائے۔	۴۲۴	مسجد کی موقوفہ زمین بیچنے کا کسی کو حق نہیں۔	۴۲۸
پختہ مسجد بنانے کا ثواب۔	۴۲۵	جو جائداد وقف کی آمدنی سے خریدی گئی وہ ضرورت وقف کے لئے بیچی جاسکتی ہے بشرطیکہ متولی، اہل محلّہ، سنی دیندار عالم اور ہوشیار مسلمانوں کا مشورہ شامل ہو۔	۴۲۸
مسجد نبوی کی تاریخ۔	۴۲۵	جو وقف صرف مسجد کے لئے ہو اس کا فاضل آمدنی سے بھی مدرسہ نہیں کھول سکتے۔	۴۲۸
مسجد کے موقوفہ مکان کو بضرورت مسجد میں شامل کرسکتے ہیں۔	۴۲۵	مسجد کا جو عملہ مسجد میں لگانے کے لائق نہیں رہا اس کی بیع متولی اور متدین اہل محلّہ کی رائے سے جائز ہے، خریدنے والا اپنے کام میں بھی لاسکتا ہے، بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔	۴۲۸
مسجد کے دروازے عام حالت میں بند کرنا منع ہے۔	۴۲۵	امام مسجد کا مقتدیوں سے کج خلقی سے پیش آنا ناجائز ہے گناہ ہے۔	۴۳۰
ایک حدیث شریف کا مضمون کہ قیامت کے دن مسجد کی ساری زمین جنت میں داخل کی جائے گی۔	۴۲۶	امام مسجد جو نہ خود اذان دے نہ دوسروں کو اذان دینے دے فاسق ہے۔	۴۳۰
فضیلت مسجد سے متعلق دو حدیثوں کے مؤول او معلل ہونے کا بیان۔	۴۲۶	جو امام مسجد کی صفائی سے دوسروں کو روکے اور خود بھی نہ کرے مسجد کا بدخواہ ہے۔	۴۳۰
مسجد کے ارد گرد کی زمین کا داخل جنت ہونا ثابت نہیں۔	۴۲۶		

مسجد میں درخت لگانا ممنوع، اور دوسروں کے بوئے ہوئے ہوں توان کواس کی اجازت کے بغیر گھرلے جانا جائز نہیں۔	۴۳۱	بوقت ضرورت مسجد میں راستہ کو شامل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حصہ بالکلیہ مسجد کرلیا جائے۔	۴۳۳
مسجد کی اشیاء پر مالکانہ قبضہ حرام ہے۔	۴۳۱	لیکن ضرورۃً مسجد کو راہ بنانے کا مطلب یہ نہیں کہ اس کو راستہ میں شامل کرلیا جائے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ بضرورت مسجد کے ایک دروازہ سے داخل ہوکر دوسرے سے گزر سکتے ہیں۔	۴۳۳
فنائے مسجد میں لگے ہوئے وضو کے پائپ کو بے وجہ شرعی اکھڑوانا شرعاً ممنوع ہے۔	۴۳۱	معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔	۴۳۴
پائپ عین مسجد میں قبل تمام مسجدیت لگا ہو تو اکھڑوانا منع اور تمام مسجدیت کے بعد لگا تو اکھڑوانا واجب ہے۔	۴۳۱	مسجد میں ناسمجھ بچوں کو لے جانے کی ممانعت ہے۔	۴۳۴
مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مسجد کی بے حرمتی اور حرام ہے۔	۴۳۱	جو شخص اجرت لے کر طلبہ کو پڑھائے اس کو مسجد میں تعلیم دینا سخت ناجائز ہے۔	۴۳۴
جو منتظم مسجد کی چٹائی کوٹھری میں بند کردے اور اپنی چٹائی بچھا کر نماز پڑھنے نہ دے ظالم ہے۔	۴۳۱	مسجد کی تعمیر کے لئے بانی کا شریف النسب ہونا ضروری نہیں۔	۴۳۵
مسجد پر قبضہ غاصبانہ کرنیوالے اور مذکورہ بالاصفات کے مالک شخص کی امامت کا حکم۔	۴۳۱	کسی مال کا حرام ہونا جب تک معلوم نہ ہو وہم کو دخل دینا منع ہے۔	۴۳۵
دستور اور عرف کے موافق مال وقف سے مسجد میں روشنی کی جائے۔	۴۳۱	مسجد کی شکل پر عمارت بناکر عام نمازیوں کو اجازت دے دی مسجد ہوگئی، اور یہ کہنا کہ بانی نے وقف ہمیں کیا قابل قبول نہیں۔	۴۳۶
عام حالت میں نصف شب تک روشنی ہو۔	۴۳۱	گواہان عادل سے ثابت ہو کہ مسجد بناکر بانی نے کہا میں اس کو صرف اپنے لئے بناتا ہوں، یا مسجد کا راستہ اپنی ملک سے الگ نہ کیا تو مسجد نہ ہوئی۔	۴۳۶
محراب اور دیوار قبلہ میں نقش ونگار مال وقف سے مکروہ ہے، ہاں واقف نے ایسا ہی کیا ہو تو بعد میں ویسا ہی کیا جائے اور نیت تعظیم مسجد ہو۔	۴۳۱	دیگر املاک جو مسجد سے متصل ہوں بے ثبوت شرعی وقف نہیں قرار دیئے جاسکتے۔	۴۳۷
قبل تمام مسجدیت مسجد کے نیچے تہ خانہ یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بنانا جائز ہے، اور تمام مسجدیت کے بعد ناجائز۔	۴۳۲		

جس کی وجہ سے مسجد میں فتنہ اٹھتا ہو اس کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے۔	۴۳۷	بلاضرورت مسجد کو توڑنا اور اس کو بدلنا حرام ہے۔	۴۴۲
مال وقف پر اپنا قبضہ جمانے والا، نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے روکنے والا موذی اور قابل اخراج ہے۔	۴۳۷	مسجد کی لکڑی اپنی ضرورت میں نہیں لائی جاسکتی۔	۴۴۲
بلاوجہ شرعی مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے سے روکنا فساد وحرام ہے۔	۴۳۷	جس شخص نے پہلی مسجد کے بدلہ میں دوسری مسجد بنائی اگر اپنی ملک میں بنائی اور مسجد کردی تو یہ بھی مسجد ہوگئی اور پہلی کا باقی رکھنا بھی فرض ہے۔	۴۴۳
مسجد کی موقوفہ دکانوں کی چھت مصلیوں نے شامل مسجد کرلی تو وہ چھت بھی مسجد ہوگئی، معتکف ان دکانوں کی چھت پر جاسکتا ہے۔	۴۳۸	مسجد کے احاطہ کے درخت اگر مسجد پر وقف ہوں تو ان کے پھل بے قیمت کھانا حرام ہے، اور دوسرے کے ہوں تو اس کی اجازت درکار ہے، یہ بھی اجازت ہے کہ اس غرض سے بوئے کہ جو اس میں رہے وہ کھائے۔	۴۴۳
محراب وسط مسجد میں نہ ہو تو صف پوری مسجد میں لگائی جائے اور امام محراب چھوڑ کر وسط مسجد میں کھڑا ہو۔	۴۳۹	زمیندار سے خریدی ہوئی زمین پر مسجد بنائی تو مسجد ہوگئی۔	۴۴۳
مسجد کے نچلے حصہ میں تنگی ہو تو بالائی حصہ پر جاسکتے ہیں، بلاضرورت بالائی درجہ میں جانا بلکہ نماز پڑھنا منع ہے۔	۴۳۹	موقوفہ زمین میں اجیر نے مسجد بنائی تو وہ کس کی طرف سے ہوگی، اقوال مختلفہ کا بیان۔	۴۴۴
مسجد اول کی تقلیل جماعت واضرار کی غرض سے دوسری مسجد بنانا مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۴۴۰	مسجد کے پانی بہنے کی نالی، سنڈاس کمانے کا راستہ سرکاری گلی میں تھا، میونسپل بورڈ گلی ختم کرکے سڑک بنائے اور نالی اور سنڈاس کے لئے دوسری جانب جگہ دے تو اس پر راضی ہونے میں کوئی قباحت نہیں، ہاں اس کے بنانے کے لئے مسجد کا روپیہ نہ صرف کیا جائے۔	۴۴۵
بضرورت قدیم جامع مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے، پرانی مسجد کی آبادی بقدر مقدرت ضروری ہے	۴۴۰	پولیس کے خوف سے مسجد کے مصلیوں نے دوسری پرانی مسجد آباد کی اس کو مسجد ضرار کہنا غلط ہے۔	۴۴۶
کسی مسجد کے شہید ہونے کا خطرہ ہو اور مسلمانوں کو اس کی تعمیر کی طاقت نہ ہو تو غیر مسلموں سے مدد لے سکتے ہیں۔	۴۴۰	جس شخص نے بنام مسجد کوئی عمارت تیار کی جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا وتفاخر کی نیت ہو وہ بیشک مسجد نہ ہوگی۔	۴۴۶
کسی غیر کی ملک میں ظلماً مسجد قائم نہیں کی جاسکتی، قبضہ ظالمانہ کی وجہ سے کسی نے مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ کی تو کچھ الزام نہیں، بلاوجہ شرعی روکا تو ظلم وگناہ ہے۔	۴۴۱	امام نسفی اور صاحب بیان القرآن کے اقوال میں تطبیق۔	۴۴۶

جس شخص نے بنام مسجد کوئی عمارت تیار کی جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا وتفاخر کی نیت ہو وہ بیشک مسجد نہ ہوگی۔	۴۴۶	ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں عاریۃً دینا جائز نہیں، عیدگاہ میں دینا اور منع ہے۔	۴۵۲
امام نسفی اور صاحب بیان القرآن کے اقوال میں تطبیق۔	۴۴۶	مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے۔	۴۵۳
مسجد کا شش جہات میں جمیع حقوق عباد سے خالی ہونا ضروری ہے۔	۴۴۷	مسجد میں درخت لگایا گیا تو کب مسجد کا ہوگا اور کب لگانے والے کا، اور مسجد میں لگے ہوئے درخت کے اکھیڑنے اور نہ اکھیڑنے کی تفصیل۔	۴۵۳
جس مسجد کی دیوار مشترک رکھی وہ مسجد ہی نہ ہوگی، اور غیر مشترک دیوار کو متولی نے مشترک بنایا تو اس کو تولیت سے الگ کردیں، اور اشتراک کی جو علامتیں بنائی ہوں اسے مٹادیں۔	۴۴۸	وقف کی زمین میں بنائی ہوئی عمارت کی تفصیل۔	۴۵۴
جس نے مسجد کی دیوار پر شہتیر رکھا ہٹادیں اور جتنے دن رکھا اس کا کرایہ وصول کریں۔	۴۴۸	جو امام لائق امامت نہ رہ گیا ہو معزول کردیا جائے۔	۴۵۷
جو پتھر مسجد کی ضرورت سے زائد ہوں اور ان کے ضائع ہونے کا ڈر ہو انہیں بیچ کر مسجد کی تعمیر میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۴۹	غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینے والے سے واپس لی جائے گی، اور جس متولی نے ایسی تنخواہ دی اسے بھی معزول کیا جائے۔	۴۵۷
جو سامان کسی خاص مسجد کے لئے خریدا گیا ہے کسی دوسرے کا اپنے مصرف میں لانا حرام ہے۔	۴۵۱	نابالغ بچوں کے تعلیم کے لئے مسجد میں جانے کا حکم۔	۴۵۸
مسجد کی بتی کا کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	مصارف مسجد سے کچھ بچا کر اپنے صرفہ میں لایا تو اس کے کفارہ کی تدبیر۔	۴۶۱
لیمپ، فرش، دری وغیرہ اگر مسجد کی آمدنی کیلئے کرایہ پر دینے کے لئے خریدے گئے ان کا کرایہ پر دینا جائز ہے، اور خاص مسجد کی ضرورت کے لئے خریدے گئے تو کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	حلال وحرام کے بارے میں صاحب مال کا قول بلادلیل معتبر ہے۔	۴۶۱
مجبوری کی صورت میں مجبوری دور ہونے تک خاص مسجد کے صرفہ کے سامان کرایہ پر دیئے جاسکتے ہیں۔	۴۵۲	عقد ونقد حرام پر جمع ہوں تو مبیع حرام ہوگا ورنہ نہیں۔	۴۶۲
		اللہ کے لئے جتنی مسجد بنائیں سب مسجد ہوگئیں اور سب کی آبادی مسلمانوں پر لازم ہے۔	۴۶۲

مشترک روپیہ مسجد میں لگانے کا مسئلہ۔	۴۶۲	مسجد کی آمدنی دوسرے امور میں صرف کرنا حرام ہے اور جس نے صرف کیا اس سے تاوان لیا جائے۔	۴۶۹
عام کنوؤں میں غیر مسلم کا روپیہ عدم استحقاق کی شرط کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے۔	۴۶۳	جمعہ جماعت کے قیام کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں۔	۴۷۰
مسجد اور مدرسہ میں افضل مسجد کی تعمیر ہے، علم دین کی تعلیم البتہ فرض ہے۔	۴۶۳	مسجد کی تعمیر میں واقعی عذر ہو تو کسی بھی مناسب جگہ جماعت قائم کی جائے۔	۴۷۰
مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ ہے۔	۴۶۴	ضرورۃً مسجد کو دو منزلہ کیا جاسکتا ہے۔	۴۷۰
ہندو کے حکم سے بنائی ہوئی مسجد کا حکم۔	۴۶۵	مسجد کو ضرورت مسجد کے لئے بھی دکان بنانا حرام ہے۔	۴۷۰
نماز مطلقاً ہر جگہ ہوسکتی ہے۔	۴۶۵	مولوی عبدالکافی صاحب الہ آبادی کا ایک فتوی۔	۴۷۰
جو عمارت سیکڑوں برس سے بطور مسجد مسلمانوں کے تصرف میں ہے وہ مسجد ہی ہے۔	۴۶۵	وقف نامہ میں درج کی ہوئی شرائط کے موافق مصارف جائز ہیں۔	۴۷۰
نزول کی زمین اللہ تبارک وتعالٰی کی ملک ہے۔	۴۶۵	وقف نامہ نہ ہو تو متولیان سابق کے تعامل کے موافق اخراجات کئے جائیں اور تعامل بھی معلوم نہ ہو تو مسجد کے ضروری اخراجات جو شرعاً ثابت ہوں انہیں پر بس کیا جائے۔	۴۷۲
مرتد کا مال اس کے مرنے کے بعد فے مسلمین ہے۔	۴۶۵	تعامل قدیم کی تحقیق۔	۴۷۳
کافر غیر ذمی غیر مستامن کا مال نقض عہد کے بغیر حاصل ہو تو مسلمان کے لئے حلال ہے۔	۴۶۶	بہتان کی اشاعت فاحشہ اور حرام ہے۔	۴۷۳
مسجد کو انہدام کے بعد کافر بنائے مسجد ہی رہے گی۔	۴۶۶	غیبت کی تعریف اور احکام۔	۴۷۳
مرتد کا وقف موقوف رہتا ہے، مسلمان ہوجائے تو صحیح ہوجاتا ہے۔ مرتد مرجائے تو فے مسلمین ہو کر صحیح ہوجاتا ہے۔	۴۶۶	ایک لامعلوم الجہت زمین کے متعلق استفتاء	۴۷۴
اسلامی کام میں غیر مسلم کا عطیہ نہ لینا چاہئے۔	۴۶۷	وقف کا ثبوت شہرت سے ہوتا ہے اور اس کی گواہی بھی شہرت کی بناء پر دی جاسکتی ہے	۴۷۵
خزانہ والی ملک کا ذاتی سرمایہ نہیں ہوتا۔	۴۶۸	جس زمین کو موروثی ہونے کا ثبوت گواہان عادل سے ہو وہ ترکہ قرار دی جائے گی۔	۴۷۵
امور خیر کے لئے چندہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔	۴۶۸		

جو لامعلوم الجہت زمین کسی وقف کے خادموں کے قبضہ میں عہد قدیم سے ہو بلا ثبوت شرعی اس کی ملک کا دعوی یا جدید تصرف جائز نہیں۔	۴۷۵	اوقاف میں واقف کی شرط کے موافق صرف کرنا ضروری ہے۔	۴۸۵
مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب ہے۔	۴۷۵	واقف نے روزہ کشائی اور ختم قرآن کی شیرینی کے لئے وقف کیا تو تعمیر مدرسہ میں صرف کرنا حرام ہے۔	۴۸۵
امامت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔	۴۷۶	مسجد کی تعمیر اور مرمت کی شرط لگائی تو لوٹے اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے۔	۴۸۶
جو امامت کے لائق نہ ہو اس کا معزول کرنا واجب ہے۔	۴۷۶	جس وقف کے شرائط تحریری نہ ہوں تو تعامل قدیم پر عملدرآمد ہوگا۔	۴۸۶
حکم شرعی نافذ کرنے کے لئے عوام سے مشورہ لینا ضروری نہیں۔	۴۷۷	وقف میں تعامل قدیم کی حد وقت اور زمانہ سے نہیں ہے۔	۴۸۶
بلا عذر شرعی کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کرنا جائز نہیں۔	۴۷۸	زمانہ حدوث کا نہ معلوم ہونا قدامت کی دلیل ہے۔	۴۸۶
اس شرط پر کسی کی ممبری کے لئے کوشش کرنا کہ مسجد میں دو ہزار روپیہ دے، معاملہ کی تصحیح کی مختلف صورتیں اور مصنف کی ژرف نگاہی۔	۴۷۸	جس وقت میں افطاری کے لئے مد مقرر ہو اگر افطار کے وقت بے روزہ دار بھی شریک ہوں متولیوں پر کچھ الزام نہیں۔	۴۸۷
مسجد کے کسی حصہ کو دکان یا تہ خانہ بنانا جائز نہیں	۴۸۲	لاعلمی میں مالدار کو زکوۃ دے دی ادا ہوگئی کہ حکم ظاہر پر ہے۔	۴۸۷
مسجد کے وضو خانہ کو دکان بنانا حرام ہے،	۴۸۲	اوقاف کے مصارف عمومی میں مالدار اور غریب سب برابر ہیں جیسے افطار یا وضو کا پانی۔	۴۸۷
وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں۔	۴۸۳	بازاری عورت روزہ کشائی یا مسجد چٹائی وغیرہ کے لئے کچھ بھیجے تو اس کا شرعی حکم۔	۴۸۷
اینٹوں کا جو ڈھیر ڈھائی ہزار مان کر نیلام ہوا شمار کے بعد اینٹیں زائد نکلیں تو مالک کو دی جائیں۔	۴۸۳	جس خریداری میں خبث ہونا بعینہٖ معلوم نہ ہو اس کے حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔	۴۸۷
جو املاک قرق کرا کے نیلام کرائیں ان کو مسجد کی طرف سے خریدنا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	۴۸۳	بازاری عورت کے عطیات سے بچنا ہی اولٰی ہے۔	۴۸۸

جو چیزیں مسجد کے لئے وقف کیں اور مہتمموں کے سپرد کردیں انہیں واپس نہیں لے سکتا۔	۴۸۸	قدیم وقف کی تعمیر جدید کرانے والوں کو وقف میں نئے صیغے کرنے کا اختیار نہیں۔	۴۹۴
جو سامان مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اس کو بیچنے کی اجازت ہے اور اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے۔	۴۸۹	چندہ دہندگان نے روپیہ ابھی متولی کے سپرد نہیں کیا الگ جمع کردیا، تو اس میں سب لوگوں کی رائے سے تصرفات جائز ہیں۔	۴۹۴
مسجد کے بے کار اسباب خرید کر بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے جائیں۔	۴۸۹	ادھار کے دام کچھ زائد رکھیں اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۹۴
امانت کا اپنے صرفہ میں لانا حرام ہے، توبہ استغفار لازم اور تاوان واجب ہے۔	۴۸۹	مسجد کی زمین میں جو درخت ہوں ان کو مناسب قیمت پر خرید کر اپنے تصرف میں لایا جاسکتا ہے۔	۴۹۵
دکان کو مسجد بنادیا مسجد ہوگئی، اس میں دوبارہ دکان کرنا، مسجد کا زینہ بنانا یا حکومت کا اس پر قبضہ کرنا حرام ہے۔	۴۸۹	مسجد کا بیکار پیال اور چٹائی جو پھینک دی جائے اس کو اٹھا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔	۴۹۵
وقف کا ثبوت شہرت کی بناء پر ہوتا ہے۔	۴۹۰	مسجد کی فصیل بعض باتوں میں مسجد کے حکم میں ہے اور بعض مسائل میں خارج مسجد۔	۴۹۵
سرکاری ریکارڈ میں وقف درج ہو تو مزید شہادت کی ضرورت نہیں وقف ثابت ہے۔	۴۹۱	وقف کو اس کے حال پر باقی رکھنا ضروری ہے، بلاضرورت اضافہ ضروری نہیں۔	۴۹۶
مسجد کو اجرت پر دینا یا سامان رکھنے کا گودام بنانا یا اس میں سکونت اختیار کرنا حرام ہے۔	۴۹۱	اتنی قریب دوسری مسجد بنانا کہ اس سے پہلی مسجد کی آبادی میں خلل آئے، نہیں چاہئے، لیکن بن جائے تو مسجد ہی رہے گی۔	۴۹۶
مسجد میں سوال حرام ہے اور معتکف کے علاوہ دوسرے کو عقد ومعاملہ اور مباح بات چیت بھی حرام ہے۔	۴۹۱	ایک مسجد کی صف دوسری مسجد میں لے جانا ناجائز وممنوع ہے۔	۴۹۷
مسجد ہوجانے کے بعد باقی کو بھی اس میں غلط تصرف کا حق نہیں۔	۴۹۲	مسجد کی پشت پر مسجد کی زمین ہو تو اس میں کسی کو کسی قسم کی تعمیر کرنا جائز نہیں۔	۴۹۷
جہاں وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں قدیم عملدرآمد کا اعتبار ہے، اور قدیم عملدرآمد کی حد کا بیان۔	۴۹۴	مسجد کی زمین نہ تھی صرف پر نالہ گرنے کا حق تھا تو تعمیر ہوسکتی ہے بشرطیکہ پرنالہ کے بہاؤ میں فرق نہ آئے۔	۴۹۷

مسجد میں کسی کارکن کی کوتاہیوں کا اس کے نام کے ساتھ پتھر لگانے سے متعلق ایک تفصیلی فتوٰی۔	۴۹۷	مسجد میں کو جدید مسجد کا صحن (فرش) کیا اس میں حرج نہیں۔	۵۰۳
قبلہ کی دیوار میں حد نظر سے اوپر کوئی کتبہ یا نقش و نگار منع نہیں ہے۔	۴۹۸	مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا، اس کو کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۵۰۳
جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو ان کی نگاہ اچک لی جائے گی۔	۴۹۹	تبرائی کا وقف جائز نہیں، اس کے مرنے کے بعد مسلمان اس میں جو تصرف چاہیں کرسکتے ہیں۔	۵۰۴
جدار قبلہ میں کوئی چیز نماز میں مشغولیت ڈالنے والی ہو تو اس کو ڈھک دیا جائے۔	۴۹۹	جو مسجد غیر آباد جگہ بنائی گئی مسجد نہ ہوگی۔	۵۰۵
ریاکاری حرام ہے اور بلاوجہ کسی پر ریاکاری کا الزام لگانا بھی حرام ہے۔	۴۹۹	مسجدوں میں کافروں اور مرتدوں کا مال نہ لیا جائے۔	۵۰۶
میراث کا ایک سوال۔	۵۰۰	مرتد رافضی نے مسجد بنائی مر گیا تو اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگا سکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔	۵۰۶
ترکہ میں قبل تقسیم کسی ایک وارث نے مسجد قائم کی تو مسجد صحیح ہوگی یا نہیں، اس سے متعلق احکام۔	۵۰۰	جو دکان کسی مسجد پر وقف ہو نہ بیچی جاسکتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، ہاں بالکل قابل انتفاع نہ رہے تو شروط تبادلہ ممکن ہے۔	۵۰۶
جو زمین وقف کی آمدنی سے خریدی گئی وہ وقف کے حکم میں نہیں ہے بوقت ضرورت اس کی بیع جائز ہے۔	۵۰۲	خانقاہ متعلقہ مزار شریف میں قبور اور شرائط وقف کی رعایت کے ساتھ بالغوں کی تعلیم بطور عاریت جائز ہے۔	۵۰۷
مسلمانوں کی قبر کھود ڈالنا حرام ہے، قبروں پر نماز جائز نہیں۔	۵۰۳	مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے دور رکھو۔	۵۰۷
پرانا درخت جو مسجد میں ہو کاٹنا ضروری نہیں۔	۵۰۳	چنگاری پر پیر رکھنا قبر روندنے سے آسان ہے۔	۵۰۸
قدیم دروازہ جس سے نمازیوں کو آرام ہو اور بند کرنے سے تکلیف، اس کا بند کرنا ناجائز ہے۔	۵۰۳	قبر کی چھت حق میت ہے۔	۵۰۸
کنوئیں پر کھینچی دیوار کو اپنا آلہ تناسل بتانا کفر نہیں ہے بیہودگی ہے۔	۵۰۳	قبرستان میں نیا راستہ نکالنا حرام ہے۔	۵۰۸
		جائداد موقوفہ میں متولی وہی ترمیم کرسکتا ہے جو شرائط وقف کے موافق ہو۔	۵۰۹

مسجد اور متعلقات مسجد خالص اللہ تعالٰی کی ملک ہے۔	۵۰۹	زمین عقد فاسد سے حاصل کرکے مسجد بنائی وقف صحیح ہوگیا دیگر مصارف خیر کے لئے وقف کرنے کا یہی حکم ہے۔	۵۱۵
اوقاف کا انتظام متولی کے سپرد ہے، امام مؤذن کا عزول منصب اسی کے ذمہ ہے۔	۵۰۹	مسجد کا حجرہ واقف نے مؤذن کے لئے بنایا تو اس میں مؤذن کو رہنا اور ان کے اوپر دوسری تعمیر بھی جائز ہے اور دیگر مصارف کے لئے وقف کیا تو مؤذن کا اس میں رہنا جائز نہیں۔	۵۱۷
جب تک خیانت کا مظنہ صحیحہ نہ ہو متولی کو حساب سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۵۰۹	کتابیں جامع مسجد کے لئے وقف کیں تو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف ان کا انتقال جائز نہیں۔	۵۱۷
مسلمانوں عورتوں نے جو جبراً کسی ہندو راجہ کے تصرف میں رہیں اور ان راجاؤں سے مال لے کر نئی یا پرانی مسجدوں کی تعمیر کی ایسی مسجدوں کیلئے مسجد کا ہی حکم ہے اور ان میں نماز کو روکنا ظلم ہے۔	۵۱۱	مسئلہ بالا میں اختلاف علماء اور اقوال راجح کی ترجیح۔	۵۱۸
اجارہ کے لئے بیع کی ایسی طرح ایجاب و قبول اور تراضی طرفین ضروری ہے۔	۵۱۱	واقف ناظر کو معزول کرکے خود متولی بنے اس مسئلہ میں صاحبین کے اختلاف اور قول مفتٰی بہ کی تحریر۔	۵۱۹
مال معصوم کا بلاوجہ لینا حرام ہے، حربی کا مال اس کی رضا سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۵۱۲	رافضی کو وقف مسلمین کا متولی بنانا حرام ہے۔	۵۲۰
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار مکہ سے تصرف مسلمین پر شرط بدل کر مال لیا۔	۵۱۲	کافر اپنی زمین کو اپنی رکھ کر مسلمانوں کو مسجد بنانے کے لئے اجازت دے تو وہ مسجد نہ ہوگی۔	۵۲۰
راجہ اور نواب جن عورتوں کو اپنے حرم میں رکھتے ہیں انہیں جو کچھ دیتے ہیں بطور اجرت زنا نہیں بلکہ بطور نفقہ ماہوار، اس لئے ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔	۵۱۳	کافر اپنی زمین مسلمانوں کو ہبہ کردے تو اس پر مسجد بنانا جائز ہے۔	۵۲۰
عاشق معشوق مسلمان ہوں تو آپس میں ایک دوسرے کو جو دیں رشوت ہے۔	۵۱۴	کافر سامان دے تو اس کا بعینہٖ مسجد میں لگانا منع ہے۔	۵۲۰
حرام مال میں جب تک عقد ونقد جمع نہ ہوں مبیع حرام نہیں ہوتا۔	۵۱۴	کافر اس طور پر رقم دے کہ مسلمانوں پر احسان رکھتے تو لینا جائز نہیں ہے، نیاز مندانہ دے تو لے لیں۔	۵۲۰

مسجد کو منہدم کرکے دوسری جگہ اس کے ملبہ سے مسجد بنانا حرام ہے۔	۵۲۱	کسی جائداد کا وقف اشارۃ النص سے ثابت ہوسکتا ہے جبکہ عبارۃ النص اس کے خلاف نہ ہو۔	۵۲۷
دو مسجدیں ملی ہوئی ہوں تو ان کے بیچ کی دیوار ہٹا کر ایک کرنا جائز ہے۔	۵۲۱	وقف کسی شرط پر معلق کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔	۵۲۸
مسجد کے فاضل اسباب کو اپنے تصرف یا کسی دوسری مسجد میں لگانا حرام ہے، اسے بیچ کر قیمت اسی مسجد میں تعمیر و مرمت کے لئے باقی رکھیں۔	۵۲۱	کسی کلام کو مہمل قرار دینے سے بہتر ہے کہ اس کی تصحیح کی جائے۔	۵۲۹
مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور مسجد کی جگہ راستہ یا مکان بنانا حرام ہے۔	۵۲۲	جائداد وقف کرکے کسی کو کچھ دینے کی شرط کی اور اس کو کسی شرط پر معلق کیا اس میں حرج نہیں۔	۵۲۹
مسجد کے کنویں سے مشرکین کو پانی بھرنے سے منع کرنا چاہئے۔	۵۲۲	وعدے کا ایفاء واجب نہیں۔	۵۲۹
مسجد کا ملبہ دوسری مسجد میں لگانا حرام ہے، فاضل ملبہ ہو تو اسے بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد کی تعمیر میں لگائی جائے۔	۵۲۳	مسجد ویران ہوگئی اور اب اس کی آبادی کا امکان نہیں تو اس کے سامان کو دوسری مسجد میں شامل کرسکتے ہیں۔	۵۳۰
مسجد کی دکانوں کی چھت کو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔	۵۲۴	مقبرہ میں ہر مسلمان کو دفن کرنے کا حق ہے متولی کی اجازت کی بالکل ضرورت نہیں۔	۵۳۰
روافض زمانہ علی العموم کفار و مرتد ہیں۔	۵۲۴	جذامی، ابرص، گندہ دہن، جس کے لباس میں بدبو ہو، بدزبان، فتنہ پرور جیسے وہابی غیر مقلد، رافضی کو مسجد سے روکا جائے گا۔	۵۳۱
مرتدوں کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔	۵۲۴	مقبرہ میں کسی بھی سنی مسلمان کو دفن ہونے سے روکا نہیں جائے گا۔	۵۳۲
ارتداد کے بعد تمام علائق ختم ہوجاتے ہیں۔	۵۲۴	جس مقبرہ کی زمین وقف نہ ہو اس کی چھت کو مسجد کے لئے وقف کیا صحیح نہ ہوگا، زمین کے ساتھ وقف صحیح ہوگا۔	۵۳۲
ایک جائداد کے اقرار نامہ سے متعلق سوال۔	۵۲۵	زمین مقبرہ کے لئے وقف ہے اور عمارت مقبرہ قبل از وقت بنی ہو تو چھت نماز کے لئے وقف ہوسکتی ہے۔	۵۳۲

مقبرہ کی عمارت زمین قبرستان کے لئے وقف کرنے کے بعد بنی تو یہ عمارت ہی ناجائز ہے۔	۵۳۳	قبر کے لئے زمین وقف کرنے سے پہلے اس زمین میں جو مسجد بنائی وہ ابدالآباد کے لئے مسجد ہوگئی، اس میں کسی قسم کا غلط تصرف ناجائز ہے، اور ویران ہوجائے تو آبادی لازم ہے، اور مقبرہ قرار دینے کے بعد بنائی تو وہ مسجد ہی نہیں لیکن ذاتی مکان بنانا یا زراعت اس میں اب بھی ناجائز ہے۔	۵۳۸
عام مقابر میں تعمیر وتصرف کی اجازت نہیں۔	۵۳۳	مسجد قبرستان کی ملک نہیں ہوسکتی۔	۵۳۹
قبریں اگر مملوکہ زمین میں ہیں تو کسی قسم کے تعمیر و تصرف کے لئے مالک کی اجازت ضروری ہے۔	۵۳۳	میت دفن کرنے والے اگر کچھ رقم دفن کرتے وقت دیتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ یہ مسجد میں صرف ہوتی ہے، اسی طرح قبرستان کے وہ درخت جن کا لگانے والا معلوم نہ ہو سوکھ جائے تو وہ لکڑی مسجد میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۳۹
قبریں خود اس کی زمین میں ہوں تو اس طرح تعمیر کرسکتا ہے کہ ستون اور بنیاد عین قبر پر نہ ہو۔	۵۳۳	موقوفہ قبرستان میں کوئی دوسرا کام مثلاً بازار لگانا، کھیت بنانا حرام ہے۔	۵۳۹
قبریں اگر عصبًا بنی ہوں تو زمین کا مالک چاہے تو زمین خالی کرکے تعمیر کرے یا انتظار کرے تا آنکہ میت بالکل راکھ ہوجائے تب اس پر تعمیر کرے۔	۵۳۴	مسلمانوں کی قبر کھودنا شدید جرم ہے۔	۵۴۰
جو زمین ہندو راجا نے مسلمان کو قبرستان کے لئے دی، اور انہوں نے اس کو قبرستان کے لئے وقف کیا اس میں کسی بھی ہندو یا مسلمان زمیندار کو حق ملکیت قائم کرنے یا تصرف کرنے کا حق نہیں۔	۵۳۵	جان بوجھ کر ظالم کی مدد کرنا اسلام کی رسی گلے سے نکالنا ہے۔	۵۴۰
قبرستان میں کسی نے درخت بویا، درخت بونے والے کی ملک ہے۔	۵۳۷	گورنمنٹ نے قبرستان کے جز حصہ پر قبضہ کرکے معاوضہ دیا تو اس سے ویسی ہی جائداد خرید کر قبرستان میں شامل کی جائے۔	۵۴۱
قبرستان میں جو گھاس اگتی ہے جب تک سبز ہے اس کے کاٹنے کا حکم نہیں سوکھ جائے تو کاٹ سکتے ہیں۔	۵۳۷	آباد وقف کے بدلنے کی چار صورتوں کا بیان۔	۵۴۱
قبرستان میں جانور چرانا جائز نہیں۔	۵۳۷	وقف کی مصلحت شرط واقف کے خلاف میں ہو تو واقف اس میں مصلحت وقف کے موافق تغیر کرسکتا ہے۔	۵۴۲
ناجائز معاہدہ خود ہی باطل ہے۔	۵۳۷	واقف نے وقف نامہ میں شرط لگائی اور شرائط کی پابندی میں اغراض وقف کے خلاف لازم آتا ہے تو واقف کو تبدیل کی اجازت ہے۔	۵۴۳

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں، جیسے دکان کو حمام اور حمام کو دکان بنادیا جائے۔	۵۴۴	انگریزی سوال وجواب۔	۵۴۹
مسجد کی زمین کو باغ بنانا منع ہے۔	۵۴۵	امام کو علیحدہ کرنے کا متولی کو حق ہے جبکہ وہ شرعًا قابل عزل ہو، عزل کے لئے متولی کو کسی قاضی یا سلطان سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔	۵۵۳
مسجد کو غیر معمولی آراستہ کرنے کی ممانعت ہے۔	۵۴۵	چھ مہینہ کی مسلسل غیر حاضری قائم مقام کے بغیر اور ایک روایت میں ایک مہینہ کی غیر حاضری، بدعقیدگی، احکام شرع کی برملا خلاف ورزی، امام کی وجہ سے تقلیل جماعت واقع ہونا، مسجد سے متعلق کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی اسباب عزل میں سے ہیں۔	۵۵۴
جو متولی اراضی وقف میں غیر مشروع تصرف کریں انہیں معزول کردیا جائے۔	۵۴۵	نسلاً بعد نسلٍ اور بطنًا بعد بطنٍ کی توضیح۔	۵۵۵
جو زمین متعلق مسجد ہے اسے مسجد کے کام میں لایا جائے۔	۵۴۶	نسلاً بعد نسلٍ کہا تو طبقہ اعلٰی کے ہوتے ہوئے طبقہ ثانیہ کا کوئی متولی نہ ہوگا۔	۵۵۵
واقف نے اگر اس زمین پر عام مدرسہ قائم کرنے کی شرط لگائی تو خاص قوم کا مدرسہ قائم نہیں ہوسکتا۔	۵۴۶	نسلاً بعد نسلٍ میں نواسے شامل نہیں۔	۵۵۵
کسی زمین کے متعلق دل میں وقف کی نیت کی وقف نہ ہوا، زبان سے کہہ دیا ہوگیا تحریر ضروری نہیں۔	۵۴۷	لائق تولیت کی تشریح۔	۵۵۶
استبدال کی شرط اگر وقف کے وقت لگائی تو بدل سکے گا ورنہ نہیں۔	۵۴۷	بددیانت، بے پروا، لالچی، مصروف لہو ولعب، بدعقل، عاجز، کاہل جن سے وقف کو ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو، فاسق تولیت کے اہل نہیں ہیں۔	۵۵۷
واقف کے استبدال کی شرط کے بغیر تبادلہ وقف جائز نہیں الایہ کہ جائداد قابل انتفاع نہ رہ جائے۔	۵۴۷	سود کا مرتکب اگرچہ ایک بار ہی ہو فاسق ہے۔	۵۵۸
تولیت کا بیان۔	۵۴۸	بلاعذر صحیح شرعی تارک جماعت فاسق ہے۔	۵۵۸
تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کو اس میں حق پہنچے۔	۵۴۸	بلاعذر صحیح شرعی تین سال تک زکوٰۃ نہ دے تو فاسق ہے۔	۵۵۹
واقف کو تولیت کے بدلنے کا اختیار ہے۔	۵۴۸		

مسلسل تین سال تک عشر نہ ادا کرے تو فاسق ہے۔	۵۶۰	وقف کی آمدنی اپنے ذاتی صرف میں لانا جائز نہیں ہے، ہاں متولی معروف طریقہ پر اجرت مثل لے سکتا ہے۔	۵۶۷
شطرنج جو مفضی ترک جماعت ہو بالاتفاق حرام ہے۔	۵۶۰	متولی پر امامت ضروری نہیں۔	۵۶۷
تاش گنجفہ، چوسر بلا شرط ناجائز وممنوع ہے۔	۵۶۰	ہوا وہوس تاحد فسق ہو تو مانع تولیت ہے	۵۶۷
جو شخص طمع ونفسانیت سے تولیت کی کوشش کرے اسے متولی بنانا حرام ہے۔	۵۶۱	جو متولی وقف کی ضروری خدمات انجام نہ دے اسے معزول کیا جائے۔	۵۶۷
جس کے لئے تولیت ثابت ہو وہ نفاذ کے لئے کوشش کرے تو یہ ناجائز ہے۔	۵۶۱	مفضول افضل کی امامت کرسکتا ہے۔	۵۶۷
وکالت کا پیشہ جس میں سودی ڈگریاں دلوانا پڑے خلاف حق مقدمات میں کوشش کرنا پڑے فسق ہے۔	۵۶۲	جس نے مفضول کو افضل کا حاکم بنایا اس نے اللہ ورسول سے خیانت کی۔	۵۶۸
کفری عقائد کی تائید کفر ہے۔	۵۶۲	قبر پر استنجا حرام، اگال یا ہانڈی کا دھوون ڈالنا توہین، اور بلاضرورت شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے۔	۵۶۸
ایسے اشخاص مسلمانوں کے کسی ذمہ دار عہدہ پر مقرر نہیں کئے جاسکتے۔	۵۶۲	مسجد پر ہوئی ڈگری کا مطالبہ اگر متولی نے اپنے مال سے ادا کردیا تو مسجد سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔	۵۶۹
لامعلوم اوقاف میں قدیم عملدرآمد کے موافق کارروائی ہوگی۔	۵۶۳	مسجد کی رقم ہضم کرنے والا غاصب ہے۔	۵۶۹
واقف کے رشتہ داروں میں تولیت کے لائق افراد موجود ہوں تو کسی بیگانہ کو متولی نہ کیا جائے۔	۵۶۴	متولی کے قبضہ سے مال چوری گیا، متولی کی بے احتیاطی کو دخل نہ ہو تو کوئی تاوان نہیں۔	۵۷۰
کافر کو متولی کیا جائے تو ہوجائے گا مگر اس کو متولی کرنا حرام ہے۔	۵۶۵	وقف کی آمدنی سے ملازمین کو پیشگی تنخواہ دینا روا نہیں، ہاں قدیم سے ایسا تعامل ہو تو حرج نہیں۔	۵۷۰
غیر مسلم سے دینی کاموں میں مدد نہ لی جائے۔	۵۶۵	متولی قرض کے طور پر بھی مال وقف اپنے صرف میں نہیں لاسکتا ہے۔ نہ دوسرے کو قرض دے سکتا ہے۔	۵۷۰
جس متولی کی خیانت ثابت ہو اس کو معزول کرنا واجب ہے۔	۵۶۷	واقف نے وقف نامہ میں یہ شرط لگائی ہو تو ایک وقف کی کتابیں دوسری جگہ منتقل ہوسکتی ہیں ورنہ نہیں۔	۵۷۰

ایک وقف کامال دوسرے میں بطور قرض بھی صرف نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۰	حق تولیت قابل ہبہ نہیں، واقف نے متولی کو اختیار نہ دیا ہو تو وہ کسی کو اپنے بدلہ متولی نہیں کرسکتا۔	۵۷۵
شریک مال مشترک سے اپنے حق بھر صرف کرسکتا ہے۔	۵۷۱	سجادہ نشین نے اپنے قائم مقام اور متولی کسی کو کیا اسے جو نذر وفتوح اسی کے لئے ملی وہ اس کی ہے اور جو بحیثیت سجادگی ملی وہ اس سجادہ نشین کی ہوگی۔	۵۷۶
متولی وقف قرض امر ضروری لابدی کیلئے قاضی کی اجازت سے لے سکتا ہے بشرطیکہ قرض کے سوا چارہ کار نہ ہو۔	۵۷۱	جو لوگ بحکم واقف یا بحسب عملدر آمدِ قدیم کسی وقف میں حق شرعی رکھتے ہوں وہ بلاوجہ شرعی کسی کے منع کئے منع نہ ہوں گے۔	۵۷۶
چٹائی اور تیل کامصالح مسجد میں شمار ہے۔	۵۷۱	مستحق صرف اپنے حق کا مختار ہے، وقف میں اصل ورأس متولی ہے۔	۵۷۷
واقف نے متولی کو اختیار نہ دیا ہو تو متولی اپنی جگہ کسی دوسرے کو متولی نہیں کرسکتا۔	۵۷۲	واقف پر جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہو اگر اس سے کم ادا ہوا ہے اور منتظم مرگیا تو باقی منتظم کے ترکہ سے وصول کیا جاسکتا ہے، اور زائد ادا ہوا تو اس کو واپس کیا جائے۔	۵۷۷
بددیانت واقف بھی تولیت سے علیحدہ کردیا جائے دوسرے کی کیا بات ہے۔	۵۷۳	کئی ایک متولیوں میں ایک فاسق ہو تو اسکو علیحدہ کرنا ضروری ہے۔	۵۷۸
مسجد کی رقم جو اپنے صرفہ میں لایا، یا مجبوری کے بغیر رشوت میں دیا اس کا تاوان دینے والے پر لازم ہے۔	۵۷۴	اپنے صرفہ سے متولی کا عام مسلمانوں کو برف پلانا معیوب نہیں۔	۵۷۹
ہندوستان میں تعزیر کی صورت صرف مقاطعہ ہے	۵۷۴	برف کا پانی پینے کے لئے مسجد میں مجمع نہ ہو۔	۵۷۹
قادر متدین مسجد کا متولی کیا جائے۔	۵۷۴	مسجد میں شور وغل ناجائز ہے اور غیر معتکف کو کھانا پینا ناجائز ہے۔	۵۷۹
متولی مال وقف کو قرض کے طور پر بھی نہ اپنے صرفہ میں لاسکتا ہے نہ دوسرے کو دے سکتا ہے۔	۵۷۴	جس شخص نے وقف کے خلاف کوشش کی وہ متولی نہیں بنایا جاسکتا۔	۵۷۹
نذر وفتوح جو جس کو دے اسی کی ہے، سجادہ نشین نے نذر وفتوح بالتنصیف دینے کا وعدہ کیا اس کا ایفاء اس پر واجب نہیں ہے۔	۵۷۵	وقف کی حمایت میں بولنے کے وقت خاموش رہنے والی متولیہ مجبور ہو تو معاف ہے ورنہ اسے بھی تولیت سے خارج کیا جائے۔	۵۸۰
جائداد موقوفہ کا ہبہ باطل ہے۔	۵۷۵		

فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہرگز تولیت مسجد کے لائق نہیں۔	۵۸۱	تقدیر کا منکر رافضی، معتزلی ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی ایسے شخص کو سنی مسلمانوں کے مدرسہ کا مہتمم نہیں رکھا جاسکتا۔	۵۸۵
اہل محلّہ بانی میں سے جس کے مقرر کردہ امام افضل ہوں وہی رکھے جائیں مساوات کی صورت میں بانی کے مقرر کردہ راجح ہیں۔	۵۸۱	حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل۔	۵۸۵
موذن اور امام تنخواہ دار ہوں تو تنخواہ دینے والوں کو حق ترجیح ہے۔	۵۸۱	امام کو عذر شرعی کے بغیر امامت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔	۵۸۶
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۵۸۱	تنخواہ دار امام نوکر ضرور ہے لیکن خدمت گار نہیں مخدوم ہے۔	۵۸۶
کوئی شخص امامت کا اہل تو ہے مگر جماعت میں اس سے افضل لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کو مکروہ سمجھتے ہوں تو اس کو امامت کے لئے آگے بڑھنا نہ چاہیے۔	۵۸۱	امام مسائل شرعیہ سے واقف ہو تو اوقات صوم وصلوٰۃ میں اس کی اتباع لازم ہے البتہ خود امام پر تکثیر جماعت کی رعایت بھی ضروری ہے۔	۵۸۷
خائن متولی نہیں ہوسکتا۔	۵۸۲	وقف کے معاملات میں اگر گورنمنٹ خلاف شرع مداخلت کرے تو تاحد امکان اس کی مزاحمت کی جائے۔	۵۸۷
جس گواہی کو لوگ جھوٹا سمجھیں اسمیں کئی احتمال ہیں۔	۵۸۲	جو کہے میں مسائل شرعیہ نہیں جانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔	۵۸۷
وقف کی تولیت میں وراثت نہیں چلتی، بھائی اور بیٹے میں جو اہل ہو اسی کو متولی کیا جائے۔	۵۸۳	سود خوار آمدنی کے باوجود مسجد کے ضروری اخراجات نہ دینے والا متولی واجب الاخراج ہے۔	۵۸۷
جس نے دینی مدرسہ کو اپنے اغراض کا آلہ کار بنایا اور غلط الزام ہے مسلمانوں کو بدنام کیا اور ادارہ کے دستور کی بلاوجہ خلاف ورزی کی درجہ ہمام کا لالچی ہے، اور بہ ہوائے نفس اس کے لئے کوشاں ہرگز تولیت کے لائق نہیں۔	۵۸۴	ناتوانی اور بیماری رفع صحت وقف نہیں۔	۵۸۸
		بدحواسی کا دعوی شاہدان شرعی کے بغیر نامقبول ہے۔	۵۸۸

واقف نے کسی کو رضا کے حال میں متولی کیا ہو یا غصہ کی حالت میں بہر حال وہ دوسرا متولی بدل سکتا ہے۔	۵۸۹	امام راتب کے علاوہ کچھ لوگوں نے اگر پہلے ہی جماعت کرلی، اگر بے ضرورت شرعی کیا غلط کیا، اور ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں، امام راتب کو اعادہ جماعت کا حق ہے۔	۵۹۵
کند ذہن کے تصرفات نافذ ہیں۔	۵۸۹	موقع تہدید میں "ہماری مسجد" کہنا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔	۵۹۶
وقف صحیح سے واقف رجوع نہیں کرسکتا۔	۵۸۹	ہماری مسجد میں اضافتِ ملک مراد نہیں ہے۔	۵۹۶
سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے اور سجادہ نشین کے فرائض میں اجرائے سلسلہ تولیت جملہ نظم و نسق عزل و نصب اور صاحب سجادگی کی نیابت مطلقہ داخل ہے۔	۵۹۲	عشاء اور ظہر میں دوبارہ جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں، پچھلی نفل ہوگی۔	۵۹۶
معروف شرعًا مشروط کی طرح ہے۔	۵۹۲	کسی امام کی بکراہت اقتداء کرنے سے اقتداء صحیح ہوگی اور نماز میں فرق نہیں آتا ہے۔	۵۹۶
سجادگی میں معروف یہی ہے کہ وہ سجادہ نشین ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون و مجاز ہو۔	۵۹۲	جس امام کو وجہ شرعی کی بنیاد پر لوگ ناپسند کریں اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔	۵۹۷
شیخ بے سجادہ نشین مقرر کئے مرگیا، بعد میں لوگوں نے کسی کو اس کا گدی نشین کردیا، یہ جائز نہیں۔	۵۹۳	وقف کے اجارہ میں متولیوں کو وقف کا فائدہ مدنظر ہونا چاہئے، جو زیادہ دے اسی کو دیا جائے۔	۵۹۸
متولی نے مرض الموت میں کسی کو اپنا جانشیں مقرر کیا تو وہ متولی ہوگیا۔	۵۹۳	جو متولی اس کے خلاف کرے قابل عزل ہے، ہاں زائد والے کو دینے میں بباطن وقف کا نقصان ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔	۵۹۸
طالب تولیت کو متولی نہ کیا جائے۔	۵۹۴	تولیت کے لئے مرد ہونا شرط نہیں عورت بھی متولی ہوسکتی ہے۔	۵۹۹
رضاعت بغیر شہادت عادلہ کے ثابت نہیں ہوتی۔	۵۹۴	فاسق اور غیر مامون کو متولی اور عہدیدار نہیں کیا جاسکتا۔	۵۹۹
مقام بیان میں منہ پھیر لینا انکار ہے۔	۵۹۴	سنی، ذی علم، پرہیزگار، دیانتدار، ہوشیار، کارگزار کو متولی مہتمم وعہدیدار ہونا چاہئے۔	۶۰۰
جماعت اولٰی امام وجماعت متعینہ کا حق ہے۔	۵۹۵	مسجد کو مال وقف سے غلط زیب و زینت دینے والا مسجد کی بیحرمتی کرنے والا متولی ذمہ دار اور امین نہیں ہوسکتا۔	۶۰۰

فاسق کی تعظیم سے خدا کا عرش کانپتا ہے اور غیر مسلموں کو مسجد میں احترام کے ساتھ لے جانا اس سے برا ہے۔	۶۰۰	جتنے لوگوں نے مل کر مسجد بنائی سب واقفین میں شامل ہوگئے، ان میں سے کچھ لوگ نئی مسجد بنالیں تو پہلی مسجد کے واقف ہونے سے نہ نکلیں گے۔	۶۰۶
تولیت کے بارے میں وراثت جاری نہیں ہوتی، متولی حال نے جسکے بارے میں وصیت کی وہ متولی ہوگیا۔	۶۰۱	مسجد کے لئے متولی ضروری نہیں وقف کے لئے ضروری ہے۔	۶۰۶
متولی نے حالت صحت میں بھی اگر کسی کو جانشین اور متولی بنایا اور اس وقف کے متولیوں کا قدیم سے یہی دستور رہا ہے تو جس کو متولی بنایا بشرط اہلیت شرعی متولی ہوگیا۔	۶۰۱	متولی کئی ایک مقرر کرسکتے ہیں لیکن ان میں کوئی مستقل نہ ہوگا سب کو اتفاق رائے سے کام کرنا ہوگا۔	۶۰۶
جہاں معمول قدیم نہ ہو وہاں متولی خود اپنا نائب نہیں مقرر کرسکتا۔	۶۰۲	واقفین میں کچھ لوگوں نے ایک آدمی کو متولی مقرر کیا اور کچھ لوگوں نے دوسرے کو، دونوں متولی ہوگئے اور ملکر کام کریں گے۔	۶۰۷
تولیت میں وراثت نہیں چلتی، وقف نامہ میں دربارہ تولیت کوئی تصریح ہو تو اس کی اتباع کی جائے، تصریح نہ ہو تو واقف کے وارثوں سے جو اہل ہو اس کو متولی قرار دیا جائے۔	۶۰۳	مسجد کی زمین اصل مسجد ہے۔	۶۰۷
وارثوں میں کوئی اہل نہ ہو تو مسلمانوں کی رائے سے کوئی دیندار، ہوشیار، کارگزار متولی کیا جئے۔	۶۰۳	جس نے زمین دی وہ مسجد کا واقف ہوا، اور جس نے عمارت بنائی وہ تعمیر کا۔	۶۰۷
خائن اور خدمت وقف کا نااہل، اور تولیت کا خواستگار متولی نہیں ہوسکتا۔	۶۰۴	تعمیر کرنے والا بھی وقف میں شریک ہے۔	۶۰۷
متولی ومنتظم وقف پر وقف کے شرائط اور شرع کی پابندی ضروری ہے۔	۶۰۵	بدعتی، رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور قرآن کو مخلوق ماننے والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۶۰۸
جس پر خیانت کا ظن بھی ہو مسلمان حساب فہمی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور خیانت ثابت ہو تو اس کو نکال دیں۔	۶۰۵	جس کی بدمذہبی حد کفر کو پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جس کی حد کفر کو نہ پہنچے اس کو پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۸
		جو رافضی شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو گالی دے کافر ہے۔	۶۰۹

اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو صرف افضل مانے تو گمراہ ہے کافر نہیں۔	۶۰۹	یہودی کو مسلمانوں کے اعمال پر مقرر کرنا حرام ہے۔	۶۱۴
رافضی صحابہ کرام کو کافر کہتے ہیں تو ہم انہیں کافر کہیں گے۔	۶۰۹	ذمی کافر کا حکم اکثر معاملات میں مسلمانوں جیسا ہے۔	۶۱۵
رافضیوں کا قول کہ آواگون ہوتا ہے، اور امام غائب خروج کریں گے کفر ہے۔	۶۰۹	حربی سے مطلقاً قطع تعلق کا حکم ہے مرتد ان سب میں اخبث ہے۔	۶۱۵
اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہوں۔	۶۰۹	مرتد کو بادشاہ اسلام غور وفکر کے لئے جیل میں تین دن کی مہلت دے گا۔	۶۱۵
زندگی بھر طاعت وعبادت کرنے والا بھی کسی کفر کے صدور سے کافر ہوسکتا ہے۔	۶۰۹	صرف ذمی کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کی ولایت صحیح ہے۔	۶۱۶
اہل قبلہ سے مراد قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے والے نہیں، کیونکہ روافض ایسے ہی ہیں لیکن کافر نہیں۔	۶۱۰	شامی کی عبارت کا مطلب۔	۶۱۶
فاسق کی اہانت شرعاً واجب ہے اور کافر کی تعظیم کفر ہے اور ایسوں کو مسلمانوں پر افسری دینا حرام ہے۔	۶۱۰	خلاصلہ حکم مسئلہ۔	۶۱۷
متولی بنانا تو بڑی بات ہے مرتدین سے دینی کاموں میں مدد لینا بھی حرام ہے۔	۶۱۱	روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا جائز نہیں۔	۶۱۷
روافض کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشگوئی۔	۶۱۱	رافضیوں کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو نہ ان کے ساتھ پڑھو۔	۶۱۸
کافر کو مسلمانوں کے عظیم کام میں دخیل اور راز دار بنانا حرام ہے۔	۶۱۱	رافضیوں کے متولی بنانے والے تعزیر کے مستحق ہیں۔	۶۱۸
امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نصرانی کو کاتب بنانے سے منع کیا۔	۶۱۲	مرتدین کے احکام۔	۶۱۸
واقف امین نہ ہو تو اس کو بھی وقف سے علیحدہ کیا جائے۔	۶۱۳	اوقاف کے اجارہ کا بیان۔	۶۱۹
متولی کو وقف کی خیر خواہی ضروری ہے اور غیر مسلم ہرگز کسی معاملہ میں مسلمان کا خیر خواہ نہ ہوگا۔	۶۱۳	دیہات کا ٹھیکہ جیسا کہ ہندوستان میں رائج ہے حرام ہے اس کو رد کرنا ضروری ہے۔	۶۲۰
عشر وصول کرنے والا آزاد اور مسلمان ہونا چاہئے۔ چنگی کے محرر اور چوکی کے پولیس کا درجہ بھی غیروں کو نہ دیا جائے۔	۶۱۳	اجارہ منافع پر ہے عین کے استہلاک پر نہیں۔	۶۲۰

مذکورہ کلیہ سے حدیث میں جس کا استثناء ہے اس کا اتباع کیاجائے۔	۶۲۰	غلط خیال کی بناء پر جو لفظ کہے جائیں وہ کچھ اثر نہیں رکھتے۔	۶۲۶
وفائے وعدہ پر جبر نہیں۔ وعدہ میں ان شاء اللہ کا لفظ حلف کے اثر کو باطل کردیتاہے۔	۶۲۰	اس گمان پر کہ عورت کو طلاق ہوگئی طلاق کا اقرار کیا طلاق نہ پڑے گی۔	۶۲۶
اراکین ومنتظمین وقف کے نقصان کا وعدہ بھی نہیں کرسکتے، ٹھیکیداری کو حدود شرع میں کرنے کی تدبیریں۔	۶۲۰	کہاں وقف افضل ہے اور کہاں تصدق افضل ہے، اس امر کی تفصیل۔	۶۲۷
مسجد پر موقوفہ زمین کو مسجد ہونے سے قبل مسجد کی ضروریات کے واسطے اجارہ پر دیا جاسکتاہے۔	۶۲۲	ایک دستاویز کے تملیک نامہ یا وقف نامہ ہونے کا فیصلہ۔	۶۲۸
وقف کا اجارہ زیادہ سے زیادہ تین سال تک ہوگا۔	۶۲۲	متولی کو حالت صحت میں اپنا جانشین مقرر کرنے کا حق نہیں۔	۶۲۹
بیچنے اور خریدنے کی شرط لگانے سے وقف باطل ہوجاتاہے البتہ تبادلہ کی شرط صحیح ہے۔	۶۲۴	شرائط وقف کے خلاف تولیت جائز نہیں۔	۶۲۹
مجہول چیز کا وقف باطل ہے۔	۶۲۵	واقف کے رشتہ داروں میں تولیت کے اہل ہوں تو اجنبیوں سے متولی نہ کیا جائے۔	۶۳۰

فہرست ضمنی مسائل

نماز		نماز مطلقاً ہر جگہ ہو سکتی ہے۔	۴۶۵
نماز اور جمعہ کے لئے مسجد شرط نہیں۔	۱۲۳	جمعہ جماعت کے قیام کے لئے مسجد ہونا ضروری نہیں۔	۴۷۰
جماعت نماز میں پنکھا کروانے کا حکم۔	۳۳۲	مسجد کی تعمیر میں واقعی عذر ہو تو کسی بھی مناسب جگہ جماعت قائم کی جائے۔	۴۷۰
مسجد کی چھت پر بلاضرورت نماز نہیں پڑھی جائیگی نیچے جگہ بھر جائے تو اوپر پڑھ سکتے ہیں۔	۳۴۹	جو لوگ نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں اپنی حرکت سے باز نہ آئے تو ان کی نگاہ اچک لی جائے گی۔	۴۹۹
پنجوقتی نماز اور جمعہ وعیدین کے لئے مسجد کی شرط نہیں۔	۴۲۱	جدار قبلہ میں کوئی چیز نماز میں مشغولیت ڈالنے والی ہو تو اس کو ڈھک دیا جائے۔	۴۹۹
مسجد میں قبر نکلی تو مسجد باقی رہے گی، قبر پر اور اس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنا منع ہوگا۔	۴۲۴	قبروں پر نماز جائز نہیں۔	۵۰۳
قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کے قرب میں نماز پڑھنا باعث برکت ہے۔	۴۲۴	زمین مقبرہ کے لئے وقف ہے اور عمارت مقبرہ قبل از وقت بنی ہو تو چھت نماز کے لئے وقف ہو سکتی ہے۔	۵۳۲
مسجد کے نچلے حصہ میں تنگی ہو تو بالائی حصہ پر جا سکتے ہیں، بلا ضرورت بالائی درجہ میں جانا بلکہ نماز پڑھنا منع ہے۔	۴۳۹		

روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا جائز نہیں۔	۶۱۷	امام کے نصب میں تنازع ہو تو اہل محلّہ کا امام افضل ہے تو اسی کو ترجیح ہے۔	۲۹۱
جماعت		فاسق اور بانی شر و فساد کی امامت ناجائز ہے۔	۳۶۱
مسجد عام جماعت کے لئے بنائی جاتی ہے۔	۲۳۲	ذبح کی اجرت لینے والا امام ہو سکتا ہے۔	۳۶۱
جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔	۲۳۲	امام مسجد کے صفات کا بیان۔	۴۱۸
ترک جماعت پر وعیدات شدیدہ۔	۲۳۲	مسجد پر قبضہ غاصبانہ کرنے والے اور مذکورہ بالا صفات کے مالک شخص کی امامت کا حکم۔	۴۳۱
کثیر بارش ترک جماعت کے لئے عذر ہے۔	۲۸۶	امامت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔	۴۷۶
جماعت نماز واجب ہے۔	۲۸۷	جو امامت کے لائق نہ ہو اس کا معزول کرنا واجب ہے۔	۴۷۷
محراب وسط مسجد میں نہ ہو تو صف پوری مسجد میں لگائی جائے اور امام محراب چھوڑ کر وسط مسجد میں کھڑا ہو۔	۴۳۹	چھ مہینے کی مسلسل غیر حاضری قائم مقام کے بغیر اور ایک روایت میں ایک مہینہ کی غیر حاضری بدعقیدگی، احکام شرعی کی برملا خلاف ورزی، امام کی وجہ سے تقلیل جماعت واقع ہونا، مسجد سے متعلق کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی اسباب عزل میں سے ہیں۔	۵۵۴
جماعت اولٰی امام و جماعت متعینہ کا حق ہے۔	۵۹۵	امام کو عذر شرعی کے بغیر امامت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔	۵۸۶
امام راتب کے علاوہ کچھ لوگوں نے اگر پہلے ہی جماعت کرلی، اگر بے ضرورت شرعی کیا غلط کیا اور ضرورت ہو تو مضائقہ نہیں، امام راتب کو اعادہ جماعت کا حق ہے۔	۵۹۵	تنخواہ دار امام نوکر ضرور ہے لیکن خدمت گار نہیں مخدوم ہے۔	۵۸۶
عشاء اور ظہر میں دوبارہ جماعت میں شریک ہوسکتے ہیں پچھلی نفل ہوگی۔	۵۹۶	امام مسائل شرعیہ سے واقف ہو تو اوقات صوم و صلوٰۃ میں اس کی اتباع لازم ہے البتہ خود امام پر تکثیر جماعت کی رعایت بھی ضروری ہے۔	۵۸۷
امامت			

کسی امام کی بکراہت اقتداء کرنے سے اقتداء صحیح ہوگی اور نماز میں فرق نہیں آتا ہے۔	۵۹۶	گاؤں میں قیام جمعہ جائز نہیں۔	۴۲۰
جس امام کو وجہ شرعی کی بنیاد پر لوگ ناپسند کریں اس کی نماز مقبول نہیں ہوتی۔	۵۹۷	شہر میں متعدد جگہ جمعہ پڑھا جاسکتا ہے، جو کسی وجہ سے معذور ہوں انہیں ایک جگہ جمع ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۴۲۰
بدعتی، رافضی، جہمی، قدری، مشبہہ اور قرآن کو مخلوق ماننے والوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔	۶۰۸	بضرورت قدیم جامع مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے اور پرانی مسجد کی آبادی بھی بقدر مقدرت ضروری ہے۔	۴۴۰
جس کی بدمذہبی حد کفر کو پہنچی ہو اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جس کی حد کفر کو نہ پہنچے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۸	**جنائز**	
متولی پر امامت ضروری نہیں۔	۵۶۷	رافضیوں کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو نہ ان کے ساتھ پڑھو۔	۶۱۸
مفضول افضل کی امامت کرسکتا ہے۔	۵۶۷	**زکوٰۃ**	
اہل محلّہ اور بانی میں سے جس کے مقرر کردہ امام افضل ہوں وہی رکھے جائیں، مساوات کی صورت میں بانی کے مقرر کردہ راجح ہیں۔	۵۸۱	ثلث مال کارخیر میں صرف کرنا بقیہ دو ثلث سے زکوٰۃ کو ساقط نہیں کرتا جب کہ اس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزرے۔	۲۵۳
مؤذن اور امام تنخواہ دار ہیں تو تنخواہ دینے والے کو حق ترجیح ہے۔	۵۸۱	لاعلمی میں مالدار کو زکوٰۃ دے دی ادا ہوگئی کہ حکم ظاہر پر ہے۔	۴۸۷
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ کوئی شخص امامت کا اہل تو ہے مگر جماعت میں اس سے افضل لوگوں کی موجودگی کی وجہ سے لوگ اس کی امامت مکروہ سمجھتے ہوں تو اس کو امامت کے لئے بڑھنا نہ چاہئے۔	۵۸۱	**اعتکاف**	
جمعہ		معتکف کو مسجد میں اس صورت میں وضو کرنے کی رخصت ہے کہ کوئی بوند مستعمل پانی کی مسجد میں نہ گرے۔	۲۸۴
کثیر بارش ترک جمعہ کے لئے عذر ہے۔	۲۸۷	بشروط معتکف کو مسجد میں بیع وشراء اور اکل وشرب جائز ہے۔	۳۱۳
قیام جمعہ کی شرائط کا بیان۔	۳۶۱	تجارت کے لئے بیع وشراء معتکف کو بھی ناجائز ہے۔	۳۱۳

مسجد کی موقوفہ دکانوں کی چھت مصلیوں نے شامل مسجد کرلی تو وہ چھت بھی مسجد ہوگئی، معتکف ان دکانوں کی چھت پر جاسکتا ہے۔	۴۳۸	عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔	۹۱
نکاح		جو عرف میں معروف ہو وہ مشروط شرعی کی طرح ہوتا ہے۔	۹۱
فاسق نکاح پڑھائے تو نکاح درست ہے لیکن فاسق سے نکاح پڑھوانا منع ہے۔	۳۶۰	عرف ظاہر پر عمل واجب ہے۔	۹۱
طلاق		مدار عرف پر ہے۔	۹۲
اس گمان پر کہ عورت کو طلاق ہوگئی طلاق کا اقرار کیا طلاق نہ پڑے گی۔	۶۲۶	دینے والا دیتے وقت جو جہت متعین کردے وہی متعین ہے۔	۹۶
مہر		معطی نے دیتے وقت کچھ نہ کہا تو اسی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، جبکہ ظاہر اور عرف کے خلاف نہ ہو۔	۹۶
جائداد مہر میں دے کر بعد موت واپسی کی شرط لگانا شرط فاسد ہے، اور ایسی جائداد کے اوپر بیوی کی ملک فاسد ہے۔	۱۱۳	لڑکوں نے باپ کو روپیہ دیا، اگر صراحۃً ثابت ہو کہ بطور قرض دیا تھا روپیہ واپس لیں گے۔	۹۹
رضاعت		صراحت نہ ہو اور معمول یہ رہا کہ بطور امداد بے قصد واپسی دیتے رہے ہوں تو بقیہ ورثہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۹۹
رضاعت بغیر شہادت عادلہ کے ثابت نہیں ہوتی۔	۵۹۴	عام اور معتبر شرطوں کا اختیار شرع نے واقف کو صرف انشاء وقف کے وقت دیا ہے۔	۱۳۹
نفقہ		عقد فاسد حرام ہے۔	۱۴۳
راجہ اور نواب جن عورتوں کو اپنے حرم میں رکھتے ہیں انہیں جو کچھ دیتے ہیں بطور اجرت زنا نہیں بلکہ بطور نفقہ ماہوار، اس لئے ان کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔	۵۱۳	ملک بدل کر وقف ہوسکتی ہے لیکن وقف بدل کر ملک نہیں ہوسکتی۔	۱۶۱
فوائد اصولیہ		وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے۔	۱۶۲
اباحت بعد موت مبیح باطل ہوجاتی ہے۔	۹۰		

متولی وقف امین وقف ہے۔	۲۲۶	مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے اور اس کا استحقاق اور۔	۳۸۳
احکام شرعیہ کے خلاف نہ کثرت رائے دیکھی جاسکتی ہے نہ اتفاق رائے۔	۲۲۷	مساجد جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزہ ہیں۔	۳۸۳
ہر مباح بنیت محمودہ محمود وقربت ہو جاتا ہے۔	۲۴۹	ضرورت اکراہ شرعی سے جواز شیئ فی نفسہ نہیں ہوتا بلکہ مکرہ سے رفع اثم ہوتا ہے۔	۳۸۴
اعادہ وصف کرنے والا احداث اصل کرنیوالے کی مثل نہیں۔	۲۵۷	عرف وشرع کا قاعدہ ہے کہ ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جائے۔	۳۹۰
الضرورات تبیح المحظورات۔	۲۸۶	ذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ ہے۔	۳۹۲
شروط باطلہ سے مسجد باطل نہ ہوگی، شرطیں ہی باطل قرار دی جائیں گی۔	۳۳۴	ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے۔	۳۹۴
مسجد بناکر شرط لگائی میں اسے بیچ سکوں گا، مسجد ہوگئی شرط باطل۔	۳۳۴	حلال وحرام کے بارے میں صاحب مال کا قول بلادلیل معتبر ہے۔	۴۶۱
مسجد بناکر شرط لگائی کہ صرف فلاں قوم کے لئے، مسجد سب کے لئے ہوگی تخصیص باطل ہے۔	۳۳۴	زمانہ حدوث کا نہ معلوم قدامت کی دلیل ہے۔	۴۸۶
مصالحت رفع نزاع کا نام ہے نہ کہ ابقائے نزاع کا۔	۳۷۳	کسی جائداد کا وقف اشارۃ النص سے ثابت ہوسکتا ہے جبکہ عبارۃ النص اس کے خلاف نہ ہو۔	۵۲۷
اصل مبناء ومنشاء نزاع کو مہمل ومعطل اور دور آئندہ کی امید موہوم پر محمول کرنا ابقائے نزاع ہے نہ کہ رفع وقطع نزاع۔	۳۷۳	وقف کسی شرط پر معلق کرنے سے باطل ہوجاتا ہے۔	۵۲۸
احکام اسلامیہ کے خلاف پر مصالحت روا نہیں۔	۳۷۳	کسی کلام کو مہمل قرار دینے سے بہتر ہے کہ اس کی تصحیح کی جائے۔	۵۲۹
کم من شیئ یثبت ضمناً ولایثبت قصداً۔	۳۸۱	معروف شرعاً مشروط کی طرح ہے۔	۵۹۲
صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلّف بالفروع ہیں۔	۳۸۲	افتاء ورسم المفتی	
جانور بالاجماع مکلّف نہیں۔	۳۸۲	آلات مسجد کے بارے میں امام محمد اور تابید مسجد کے بارے میں امام ابویوسف کے قول پر فتوی ہے۔	۲۶۷

اختلاف کی بنیاد پر بننے والی دو مسجدوں کے بارے میں سوال اور دلی و بریلی کے فتاوٰی۔	۳۲۳	تصدق میں اصلاً رجوع نہیں۔	۱۰۶
فریقین کے بیان سننا قاضی پر لازم ہے نہ کہ مفتی پر۔	۳۲۹	شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔	۱۰۷
مفتی بہر صورت سوال کا جواب دیتا ہے، واقعہ سے بحث اس کے فرائض سے نہیں۔	۳۲۹	وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہوسکتا۔	۱۱۴
سوال ظاہر البطلان ہو تو مفتی اس کا جواب نہ دے یا سوال کی غلطی ظاہر کرے۔	۳۲۹	اگر عقد و نقد دونوں حرام پر جمع نہ ہوں تو ملک صحیح اور حلال ہوگی۔	۱۲۱
جو اپنے زمانہ والوں کی معرفت نہ رکھے جاہل ہے۔	۳۳۰	چندہ چندہ دہندگان کی ملک پر ہوتا ہے۔	۱۲۶
منصب افتاء کی ذمہ داری یہ ہے کہ برتقدیر صدق مستفتی صورت مستفسرہ کے مطابق جواب دے دیا جائے۔	۳۷۱	حقوق غیر متجزی میں تمام شریک علی وجہ الکمال مالک ہوتے ہیں۔	۱۲۶
اظہار حق کے سلسلہ میں مفتی پر لازم ہے کہ وہ کسی کے ساتھ مراسم قدیم کو حفظ حرمت اسلام اور رفع غلط فہمی عوام پر غالب نہ آنے دے۔	۳۷۱	مسئلہ شرعی میں قلّت و کثرت رائے کا اعتبار نہیں۔	۱۲۸
مسئلہ ممر فی المسجد کو سلطنت غیر اسلامیہ کے لئے قرار دینا صریح جہل اور ظلم عظیم ہے۔	۳۸۳	انتظامی امور جن میں شرع کیطرف سے کوئی تحدید نہ ہو کثرت رائے کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں علم و جہالت کا بھی لحاظ نہ ہوگا بلکہ تجربہ کاری کا اعتبار ہوتا ہے۔	۱۲۸
سوال میں ذکر کی ہوئی ایک خرابی پر تنبیہ۔	۴۰۱	وقف کی صحت کے لئے واقف کا جائداد موقوفہ کا مالک ہونا ضروری ہے۔	۱۲۸
ایک مجمل سوال پر تنبیہ۔	۴۰۲	مالداروں کے لئے ہوٹل بناکر وقف کیا وقف نہ ہوگا۔	۱۳۰
مولوی عبدالکافی صاحب الہ آبادی کا ایک فتوٰی۔	۴۷۰	کافر نے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا۔	۱۳۰
فوائد فقہیہ		مسجد کا متولی تعمیر مسجد وغیرہ امور میں قاضی پر مقدم ہے۔	۱۳۷
قرض، ہبہ اور اباحت کا فرق۔	۹۰	مدت بقاء مجہول ہے۔	۱۴۳
دوسرے کی زمین میں بنے ہوئے مکان کی قیمت لگانے کا طریقہ۔	۱۰۲	تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے۔	۱۴۳

الوقف لایوقف۔	۱۵۰	خلو عین نہیں بلکہ وصف ہے۔	۱۸۱
الوقف لایملك	۱۵۰	سکنی اور خلو کا فرق۔	۱۸۱
استطاعت کا معیار ملک نصاب زائد از حاجت اصلیہ ہے۔	۱۵۵	معنی خلو میں مختلف علماء کی تصریحات اور مصنف کی تحقیق۔	۱۸۶
متولی امین ہوتا ہے۔	۱۵۵	ابن بلال اور ان پر رد کرنے والوں کے کلام میں مصنف کی تطبیق۔	۱۸۸
اوقاف میں شرط واقف نص شارع کی طرح ہے۔	۱۵۷	احناف کے یہاں وقف کا نگران امین ہی ہونا چاہئے ناظر امین کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اگر ظاہر اس کی تکذیب نہ کرے۔	۱۹۵
قبرستان کے درخت لگانے والے کی ملک ہیں۔	۱۵۷	بعض صورتوں میں عدم علم عذر ہے۔	۲۰۳
لفظ ارصادات کی تحقیق۔	۱۵۸	وقف سے رجوع ناممکن ہے۔	۲۱۶
مسجد کی زمین میں کوئی تعمیر حسب شرائط واقف جائز ہے۔	۱۵۹	کتابیں ذوات القیم ہیں ذوات الامثال نہیں۔	۲۲۷
ارصادات اور عطایا کا فرق۔	۱۶۰	چھاپے اور کاغذ کی وحدت مستلزم مثلیت نہیں۔	۲۲۷
خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔	۱۶۶	ان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولا نظر فی الضرر۔	۲۲۹
وقف کا ثبوت تعامل سے بھی ہوتا ہے۔	۱۶۸	صحت موروث میں کسی وارث کا کوئی حق موروث کے مال سے متعلق نہیں ہوتا۔	۲۵۱
زر چندہ چندہ دہندوں کی ملکیت پر رہتا ہے۔	۱۶۸	مسجد کی چیزیں اس کے اجزا ہیں یا آلات یا اوقاف یا زوائد۔	۲۶۱
لفظ واسطہ کے معانی مختلفہ۔	۱۷۱	چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔	۲۶۷
جس نے یہ سمجھ کر کہ اس کا دینا مجھ پر واجب ہے، کوئی چیز دی، بعد کو کھلا کہ واجب نہ تھی تو لوٹا سکتا ہے۔	۱۷۳	وقف کی تبدیلی میں بے شمار خرابیاں ہیں۔	۲۶۸
معاملہ خلو بے اصل و باطل ہے۔	۱۷۶	استبدال وقف کا موجب یا تو شرط استبدال ہے یا ضرورت استبدال۔	۲۶۸
خلو کی تعریف۔	۱۷۹	بحالت شرط استبدال، تبدیلی وقف کا جواز چند شرطوں سے مشروط ہے۔	۲۷۰
دوامی پٹہ کی ایک صحیح صورت۔	۱۸۰	تبدیل وقف کی شرائط سبعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مخالفت شرط اور مظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے۔	۲۷۰

استبدال تین وجہوں پر ہے۔	۲۷۱	ضرورت کی بحث۔	۳۸۴
قاضی بہشت صاحب علم وعمل کو کہتے ہیں۔	۲۷۲	ملک کا اطلاق دو[2] معنی پر آتا ہے اول[1] اختصاص مانع، دوم[2] قدرت تصرف شرعی۔	۳۹۳
زوائد سے مراد کیا چیزیں ہیں۔	۲۷۸	متولی کو مالک اوقاف بمعنی قادر تصرف شرعی کہہ سکتے ہیں۔	۳۹۴
صحن مسجد بھی مسجد ہے۔	۲۸۴	متولی کو مالک اوقاف بمعنی قادر تصرف شرعی کہہ سکتے ہیں۔	۳۹۴
مصالح مسجد توابع مسجد ہیں۔	۳۰۱	قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں۔	۳۹۴
مطلقًا حقوق عبد کا تعلق مانع مسجدیت نہیں۔	۳۰۵	اصطلاح مذکور کا پتہ شرع مطہر میں بھی ہے۔	۳۹۴
مقبرہ کے لئے بھی حقوق عبد سے فارغ ہونا شرط ہے۔	۳۰۶	مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے چھت اس کا بدل نہیں ہوسکتی۔	۳۹۸
ایسی مسجد کو کسی قسم کے ذاتی تصرف میں لانا حرام ہے۔	۳۲۰	مسجد کا شش جہات میں جمیع حقوق عباد سے خالی ہونا ضروری ہے۔	۴۴۷
وقف کا ثبوت شہرت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔	۳۲۰	نزول کی زمین اللہ تبارک وتعالٰی کی ملک ہے۔	۴۶۵
حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا ہے۔	۳۲۲	تعامل قدیم کی تحقیق۔	۴۷۳
فنائے مسجد تابع مسجد ہے۔	۳۲۳	غیبت کی تعریف اور احکام۔	۴۷۳
فنائے مسجد کی حرمت مسجد کی طرح ہے۔	۳۵۲	سب مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب ہے۔	۴۷۵
مسجد کو راستہ بنانے کا جزئیہ اور اس کا صحیح مطلب	۳۵۲	جس وقف کے شرائط تحریری نہ ہوں تو تعامل قدیم پر عملدرآمد ہوگا۔	۴۸۶
قبضہ زمین کی بحث۔	۳۷۲	وقف میں تعامل قدیم کی حد وقت اور زمانہ سے نہیں ہے۔	۴۸۶
فقاہت کے کیا معنی ہیں۔	۳۷۶	اوقاف کے مصارف عمومی میں مالدار اور غریب سب برابر ہیں جیسے افطار یا وضو کا پانی۔	۴۸۷
مسئلہ مرفی المسجد کی تحقیق جلیل۔	۳۸۰	وقف کا ثبوت شہرت کی بناء پر ہوتا ہے۔	۴۹۰
مسئلہ مرفی المسجد صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے۔	۳۸۳	جہاں وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں قدیم عملدرآمد کا اعتبار ہے، اور قدیم عملدرآمد کی حد کا بیان۔	۴۹۴
من، الی، فی، علی کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں، فقاہت چیزے دیگر است۔	۳۸۳	مسجد کی فصیل بعض باتوں میں مسجد کے حکم میں ہے اور بعض مسائل میں خارج مسجد۔	۴۹۵

قبر کی چھت حق میت ہے۔	۵۰۸	وعدہ میں ان شاء اللہ کالفظ حلف کے اثر کو باطل کرتا ہے۔	۶۲۰
مسجد اور متعلقات مسجد خالص اللہ تعالٰی کی ملک ہے۔	۵۰۹	**نذر وفتوح**	
ناجائز معاہدہ خود ہی باطل ہے۔	۵۳۷	نذر و فتوح جو جس کو دے اسی کی ہے۔ سجادہ نشین نے نذر و فتوح بالتنصیف دینے کا وعدہ کیا اور اس کا ایفاء اس پر واجب نہیں ہے۔	۵۷۵
آباد وقف کے بدلنے کی چار صورتوں کا بیان۔	۵۴۱	سجادہ نشین نے اپنا قائم مقام اور متولی کسی کو کیا اسے جو نذر و فتوح اسی کے لئے ملی وہ اس کی ہے، اور جو بحیثیت سجادگی ملی وہ اصلی سجادہ نشین کی ہوگی۔	۵۷۶
چٹائی اور تیل کا مصالح مسجد میں شمار ہے۔	۵۷۱	**بیوع**	
ناتوانی اور بیماری رفع صحت وقف نہیں۔	۵۸۸	مہر میں جائداد دینا ہبہ بالعوض ہے اور یہ بیع ہے۔	۱۱۳
کند ذہن کے تصرفات نافذ ہیں۔	۵۸۹	بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے۔	۱۱۳
ہماری مسجد میں اضافت ملک مراد نہیں ہے۔	۵۹۶	بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری دونوں پر فرض ہے۔	۱۱۳
مسجد کی زمین اصل مسجد ہے۔	۶۰۷	بیع فاسد کو فسخ نہ کرنا گناہ ہے۔	۱۱۳
جس نے زمین دی وہ مسجد کا واقف ہوا اور جس نے عمارت بنائی وہ تعمیر کا۔	۶۰۷	عقد فاسد سے خریدی ہوئی جائداد پر قبضہ کے بعد مشتری اس کا مالک ہوجاتا ہے۔	۱۱۳
تعمیر کرنے والا بھی وقف میں شریک ہے۔	۶۰۷	موقوفہ جائداد کی آمدنی سے جو زمین خریدی گئی وہ وقف کا حکم نہیں رکھتی۔ اس کی بیع وشراء جائز ہے۔ مگر اس کی بیع قابل اطمینان ذرائع سے ہونی چاہئے۔	۱۱۷
غلط خیالی کی بناء پر جو لفظ کہے جائیں وہ کچھ اثر نہیں رکھتے	۶۲۶	نقد میں مال حرام دیا تو بائع کو اس کا لینا حرام لیکن جائداد ملک مشتری ہوگی۔	۱۲۲
یمین		ہبہ بالعوض بیع ہے۔	۱۲۶
یمین علٰی فعل الغیر میں قسم علم پر کھائی جاتی ہے۔	۹۹	جتنے لوگوں کے نام بیع ہولی مبیع کے سب مالک ہوگئے اگرچہ قیمت ایک شخص نے ادا کی ہو۔	۱۲۶

وقف کی بیع و رہن جائز نہیں۔	۱۶۵	زوائد کی بیع کا شرعی حکم۔	۲۷۸
نفاذ شراء علی المشتری کا حکم۔	۱۶۸	وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی بڑھانے کے لئے خریدے انکے بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے۔	۲۷۹
موانع نفاذ علی المشتری۔	۱۷۰	حرام مال میں بھی جب تک عقد و نقد دونوں حرام مال پر جمع نہ ہوں خریدی ہوئی چیز میں حرمت سرایت نہ کرے گی۔	۲۹۸
بیع میں مشتری کی طرف سے صراحۃً یا دلالۃً اضافت ضروری ہے۔	۱۷۰	عقد و نقد حرام پر جمع ہوں تو مبیع حرام ہوگا ورنہ نہیں۔	۴۶۲
اضافت الی المشتری کی صحیح اور غلط صورتیں۔	۱۷۰	اینٹوں کا جو ڈھیر ڈھائی ہزار مان کر نیلام ہوا شمار کے بعد زائد نکلیں تو مالک کو دی جائیں۔	۴۸۳
حاکم اسلام وہ نہ ہو تو متولی مسجد اور اہل محلّہ مسجد سے نکلی ہوئی چھپّر مناسب دام پر کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ سکتے ہیں۔	۲۵۸	جو املاک قرق کرکے نیلام کرائیں ان کے مسجد کی طرف سے خریدنا اور مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	۴۸۳
اجزاء مسجد یعنی زمین و عمارت قائمہ کی بیع کا حکم شرعی۔	۲۶۱	جس خریداری میں خبث ہونا بعینہٖ معلوم نہ ہو اس کے حرام ہونے کا حکم نہیں لگایا جائیگا۔	۴۸۷
آلات مسجد یعنی مسجد کے اسباب جیسے بوریا مصلی، فرش قندیل اور جاڑوں میں بچھائی جانے والی گھاس وغیرہ کو فروخت کرنے کا شرعی حکم۔	۲۶۵	جو سامان مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اس کے بیچنے کی اجازت ہے اور اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے۔	۴۸۹
مسجد کے تابوت اور چارپائی کی بیع کا حکم۔	۲۶۶	ادھار کے دام کچھ زائد رکھیں اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۹۴
اوقاف مسجد کی بیع کب جائز ہے۔	۲۶۷	مسجد کی زمین میں جو درخت ہوں ان کو مناسب قیمت پر خرید کر اپنے تصرف میں لایا جاسکتا ہے۔	۴۹۵
جو وقف ویران و خراب ہو جائے تو قاضی شرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرط واقف بلکہ باوصف منع واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض سے اس کے قائم قام کر دینے کی اجازت ہے بچند شروط۔	۲۷۱	جو زمین وقف کی آمدنی سے خریدی گئی وہ وقف کے حکم میں نہیں ہے بوقت ضرورت اس کی بیع جائز ہے۔	۵۰۲
اشجار موقوفہ کی بیع کا حکم۔	۲۷۷		

حرام مال میں جب تک عقد ونقد جمع نہ ہوں مبیع حرام نہیں ہوتا۔	۵۱۴	متولی قرض کے طور پر بھی مال وقف اپنے صرف میں لاسکتا نہ دوسرے کو قرض دے سکتا ہے۔	۵۷۰
مداینات		ایک وقف کا مال دوسرے میں بطور قرض بھی صرف نہیں کیاجاسکتا۔	۵۷۰
زید نے عمر کو کچھ روپیہ دیااور کہا کہ اس کو خرچ کر یااپنی حاجت میں اٹھایا جہاد کر تو قرض قرار دیا جائے گا۔	۹۲	متولی وقف قرض امر ضروری لابدی کے لئے قاضی کی اجازت سے لے سکتا ہے بشرطیکہ قرض کے سوا چارہ کار نہ ہو۔	۵۷۱
جس عاریۃ کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا، قرض قرار دیا جائے گا۔	۹۲	**ہبہ**	
مکان میں تعمیر مزید سب شرکاء کی رائے سے ہوئی تو اپنا حصہ نکال کر بقیہ شرکاء سے باقی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔	۱۰۰	عورت نے شوہر کو دیا کہ کپڑا بنا کر پہن، تو ہبہ قرار دیا جائے گا۔	۹۲
مشترکہ دکان کے شریک نگران نے دکان پر قرض بتایا اگر کسی نے نقد روپیہ لیا تھا تو خاص نگران ذمہ دار ہوں گے اور مال ہی بطور قرض مول لیااور ادا نہ ہو تو سب شرکاء ذمہ دار ہوں گے۔	۱۰۷	طالب علم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے ہبہ قرار دیا جائے گا۔	۹۲
مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق۔	۱۱۴	اگر زمین معد لاستغلال نہ ہو تو گورنمنٹ نے جس کو دیا وہی مستحق ہے کہ یہ ہبہ ہے جب کہ شرکاء میں کوئی یتیم نہ ہو۔	۹۴
جائداد پر قرض ہونے کے دو معنی۔	۱۱۴	ایک شریک نے اپنے مال سے بقیہ شرکاء کے لئے مشترکہ ملک میں کچھ بنایا اگر یہ ہبہ ہو تو ناجائز ہے کہ یہ ہبہ مشاع ہے۔	۱۰۰
قرضدار نے قرض دینے والے کو رہنے کیلئے گھر دیا تو اس کی اجرت مثل واجب ہے۔	۱۹۱	ہبہ بلاقبضہ باطل ہوتا ہے۔	۱۰۵
قرض خواہ اس آمدنی پر جو وقف سے متولی کو ملتی ہے ڈگری جاری کراسکتا ہے، جائداد موقوفہ پر نہیں۔	۲۱۷	بھائیوں نے مرحوم بھائی کی بیوی کو کچھ دیا تو یہ بطور مواسات وغمخواری ہے، اور واپس نہ ہوگا، اور استحقاق شوہر کے بدلہ کے طور پر ہو تو جو حق سے زائد دیا واپس لے سکتا ہے۔	۱۰۶
روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے۔	۲۴۴		

جو جائداد آشناؤں نے زانیہ عورتوں کو ہبہ کی ہبہ باطل اور جائداد آشناؤں کی ملکیت پر باقی ہے۔	۱۲۱	میراث میں فقر وغنا کا لحاظ نہیں ہوتا۔	۱۵۴
مشاع کا ہبہ بلا تقسیم ناجائز ہے۔	۱۶۴	محاصل وقف میں اجراء وراثت تصرف بیجا ہے۔	۱۶۱
اشعار صحیحہ حمد ونعت جو ممنوعات سے پاک ہوں انہیں سن کر انعام واکرام دینا جائز ہے۔	۲۱۸	کتب خانہ جو دارالقضاء پر وقف ہو اس میں کسی قاضی کی وراثت نہیں چل سکتی۔	۱۶۸
وکیل بقبض الدین اور ہبہ باطلہ کی ایک صورت۔	۲۴۴	وقف میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔	۲۰۷
معدوم کے لئے ہبہ باطل ہے۔	۲۴۵	جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کا حصہ قطع کردیتا ہے۔	۲۵۱
ہبہ بے قبضہ تام مفید ملک نہیں۔	۲۴۵	بہنوں کا مالدار ہونا انہیں میراث سے محروم کرنے کی وجہ شرعی نہیں۔	۲۵۱
قبضہ سے پہلے موہوب ہلاک ہوجائے تو ہبہ باطل ہوتا ہے۔	۲۴۶	جس زمین کے موروثی ہونے کا ثبوت گواہان عادل سے ہو وہ ترکہ قرار دی جائے گی۔	۴۷۵
تسلیم سے پہلے واہب مرجائے تو بھی ہبہ باطل ہے۔	۲۴۶	میراث کا ایک سوال۔	۵۰۰
کافر نے اپنی زمین مسلمانوں کو ہبہ کی اور انہوں نے مسجد بنالی تو جائز ہے اور خود مسجد بنوادی تو وہ مسجد ہوئی ہی نہیں۔	۲۹۶	ترکہ میں قبل تقسیم کسی ایک وارث نے مسجد قائم کی تو مسجد صحیح ہوگی یا نہیں، اس سے متعلق احکام۔	۵۰۰
جائداد موقوفہ کا ہبہ باطل ہے۔	۵۷۵	تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کو اس میں حق پہنچے۔	۵۴۸
حق تولیت قابل ہبہ نہیں، واقف نے متولی کو اختیار نہ دیا ہو تو وہ کسی کو اپنے بدلہ متولی نہیں کرسکتا۔	۵۷۵	واقف کی تولیت میں وراثت نہیں چلتی، بھائی اور بیٹے میں جو اہل ہو اسی کو متولی کیا جائے۔	۵۸۳
میراث		**وصیت**	
لڑکیاں مکان قدیم سے ترکہ پدری پائیں گی۔	۱۰۵	وقف کی وصیت کا نفاذ بعد موت ہوگا، زندگی میں حسب منشاء تصرفات کا اختیار ہے۔	۲۳۰
اقرب رشتہ دار ابعد کو محجوب کرتا ہے۔	۱۵۴		

تولیت کے بارے میں وراثت جاری نہیں ہوتی متولی مال نے جس کے بارے میں وصیت کی وہ متولی ہوگیا۔	٦٠١	اجیر خاص کاکام پر حاضر رہنا ضروری ہے، غیر حاضری کے دن کی اجرت کا حقدار نہیں قلیل رخصت جو اس صیغہ میں مروج ہو وہ عادۃً معاف ہے۔	٢٠٨
وقف		صیغہ تعلیم میں جمعہ، کہیں منگل اور جمعہ اور رمضان المبارک کی تعطیل جائز ہے۔	٢٠٩
قیم پر حساب واجب ہے، اس کا تحریر میں رکھنا واجب نہیں۔	١٠٥	خدمت گار کو رمضان کی تعطیل نہ ملے گی۔	٢٠٩
اجارہ		مدرس کو حج فرض کی ادائیگی کی رخصت نہیں۔	٢٠٩
شرکاء کی یہ قرار داد کہ ایک شریک مال بیچے حساب لکھے اور انکی روپیہ دستوری لے، ناجائز وحرام ہے۔	١٠٥	صیغہ تعلیم میں بضرورت تین مہینہ کی غیر حاضری معاف ہے لیکن بلا تنخواہ۔	٢٠٩
شریک کو مال مشترک میں تصرف کے لئے اجیر کرنا جائز نہیں۔	١٠٨	انتظام مسجد کا مہتمم سال میں ایک آدھ ہفتہ کی رخصت توپا سکتا ہے طویل رخصت کے لئے عرضی دینا ہوگا۔	٢٠٩
کسی مملوک کا بھی دائمی اجارہ ہو یہ جائز نہیں۔	١٤٣	متولی کا وظیفہ اجیر مثل کے موافق دیا جائے گا عدم کفایت کی صورت میں فاضلات سے اضافہ کیا جاسکتا ہے۔	٢١٦
جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے۔	١٤٣	شرح سود کے حساب سے کرایہ مقرر کیا تو یہ معاملہ گندہ ہے، کرایہ جائز ہوگا۔	٢٢٩
تعیین مدت کے بغیر اجارہ جائز نہیں۔	١٤٣	وقف سے متولی کو بضرورت سواری اور ایام کارگزاری کی تنخواہ اور ضرورت ہو تو سپاہی کی تنخواہ بھی ملے گی۔	٢٢٩
واقف نے اجازت نہ دی اور وقف کو ضرورت نہ ہو تو زمین موقوف کو تین سال سے زیادہ کے اجارہ پر دینا جائز نہیں۔	١٤٤	مقدار تنخواہ وغیرہ کا تعین عرف پر ہے۔	٢٢٩
مستاجر نے اجارہ کو دائمی بنانے کے لئے اجارہ پر لی گئی دکان یا مکان میں اپنے مال سے اضافہ کیا اس معاملہ کے شرعی احکام۔	١٧٥	وقف کے کرایہ دار نے عذر صحیح سے، درمیان مدت میں مکان چھوڑ دیا، تو باقیماندہ کا کرایہ چھوڑا جاسکتا ہے۔	٢٤١
دیہات کا ٹھیکہ جیسا ہندوستان میں رائج ہے حرام ہے۔	١٩٧	نیابت امامت سے متعلق ایک تفصیلی سوال۔	٣٤٣
اعیان کے اتلاف کا اجارہ باطل ہے۔	١٩٧		

امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے اصل وظائف کا مالک امام ہوگا، غائب کو اتنا ہی ملے گا جتنا باہم تراضی سے مقرر ہوا ہو۔	۳۴۴	غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینے سے واپس لی جائے گی اور جس متولی نے ایسی تنخواہ دی اسے بھی معزول کیا جائے۔	۴۵۷
امام نے اپنے نائب کے لئے کوئی مدت متعین نہ کی تو اجارہ فاسد ہے۔	۳۴۵	مسجد کے نیچے تہ خانہ بنانا، اس کو کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۵۰۳
اجارہ فاسدہ کا فسخ کرنا فریقین پر واجب ہے وہ نہ کریں تو حاکم فسخ کردے۔	۳۴۶	اجارہ کے لئے بیع کی ایسی طرح ایجاب و قبول اور قاضی طرفین ضروری ہے۔	۵۱۱
اجارہ میں طریقہ رائج الوقف کے لحاظ سے اجارہ صرف پہلے مہینہ کے لئے ہوتا ہے۔	۳۴۶	وقف کی آمدنی اپنے ذاتی صرف میں لانا جائز نہیں ہے، ہاں متولی معروف طریقہ پر اجرت مثل لے سکتا ہے۔	۵۶۷
امام کو جو روٹیاں دی گئیں اس کے حکم کی تفصیل۔	۴۱۹	وقف کی آمدنی سے ملازمین کو پیشگی تنخواہ دینا روا نہیں، ہاں قدیم سے ایسا تعامل ہو تو حرج نہیں۔	۵۷۰
استاد طالبعلم سے روٹی منگانے کے لئے کب جبر کرسکتا ہے اور کب نہیں۔	۴۱۹	وقف کے اجارہ میں متولیوں کو وقف کا فائدہ مد نظر ہونا چاہئے، جو زیادہ دے اسی کو دیا جائے۔	۵۹۸
جس نے مسجد کی دیوار پر شہتیر رکھا ہٹادیں اور جتنے دن رکھا اس کا کرایہ وصول کریں۔	۴۴۸	جو متولی اس کے خلاف کرے قابل عزل ہے ہاں زائد والے کو دینے میں بباطن وقف کا نقصان ہو تو اس سے احتراز کیا جائے۔	۵۹۸
مسجد کی بتی کا کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	اوقاف کے اجارہ کا بیان۔	۶۱۹
لیمپ، فرش، دری وغیرہ اگر مسجد کی آمدنی کے لئے کرایہ پر دینے کے لئے خریدے گئے ان کا کرایہ پر دینا جائز ہے، اور خاص مسجد کی ضرورت کے لئے خریدے گئے تو کرایہ پر دینا حرام ہے۔	۴۵۱	دیہات کا ٹھیکہ جیسا ہندوستان میں رائج ہے۔ حرام ہے اس کو رد کرنا ضروری ہے۔	۶۲۰
مجبوری کی صورت مجبوری دور ہونے تک خاص مسجد کے صرفہ کے سامان کرایہ پر دئے جاسکتے ہیں۔	۴۵۲	اجارہ منافع پر ہے عین کے استہلاک پر نہیں۔	۶۲۲
جو امام لائق امامت نہ رہ گیا ہو معزول کردیا جائے۔	۴۵۷	مسجد پر موقوفہ زمین کو مسجد ہونے سے قبل مسجد کی ضروریات کے واسطے اجارہ پر دیا جاسکتا ہے وقف کا اجارہ زیادہ سے زیادہ تین سال تک ہوگا۔	۶۲۲

وکالت		جائداد مرہونہ کا وقف اس صورت میں صحیح ہے کہ راہن کے پاس مال قابل ادائے قرض موجود ہو۔	۱۱۵
شرکت ملک میں ہر شریک کو تصرف کی اجازت ہو تو اپنے حصہ میں اصیل اور شریک کے حصہ میں وکیل ہوگا۔	۱۰۷	**عاریت**	
وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی۔	۱۰۹	ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریتًا دینا جائز نہیں۔	۲۲۷
وکیل بالشراء قرض کے طور پر خرید کرسکتا ہے۔	۱۰۹	**غصب**	
وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا اختیار ہے۔	۱۱۰	کسی نے دوسرے کی زمین میں مکان بنایا تو مکان والا اس سے معاملہ بھی کرسکتا ہے اور وہ مکان اپنی زمین سے اکھڑوا بھی سکتا ہے اور زمین بیکار ہونے کا اندیشہ ہو تو اس مکان کی قیمت لگا کر اس پر قبضہ بھی کرسکتا ہے۔	۱۰۱
وکیل بالشراء روپیہ قرض نہیں لے سکتا۔	۱۱۰	مسجد کی زمین غصب کرنا ظلم شدید اور گناہ کبیرہ ہے۔	۴۰۸
وکیل نے موکل کے پیسے سے چیز اپنے لئے خریدی تو زر کا وکیل ضامن ہے۔	۱۶۸	جو کسی کی بالشت بھر زمین دبائے گا قیامت کے دن ساتوں طبق توڑ کر اتنا حصہ زمین اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔	۴۰۹
وکالت کا پیشہ جس میں سودی ڈگریاں دلوانا پڑے خلاف حق مقدمات میں کوشش کرنا پڑے فسق ہے۔	۵۶۲	مصارف مسجد سے کچھ بچا کر اپنے صرفہ میں لایا تو اس کے کفارہ کی تدبیر۔	۴۶۱
کفالہ		مال معصوم کا بلاوجہ لینا حرام ہے، حربی کا مال اس کی رضا سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۵۱۲
جائداد کا قرضہ میں مکفول کرنا جائز نہیں لیکن ایسی جائداد کا وقف صحیح ہے۔	۱۱۴	قبریں اگر غصبًا بنی ہوں تو زمین کا مالک چاہے تو زمین خالی کرکے تعمیر کرے یا انتظار کرے تا آنکہ میت بالکل راکھ ہوجائے تب اس پر تعمیر کرے۔	۵۳۳
رہن		مسجد کی رقم ہضم کرنے والا غاصب ہے۔	۵۶۹

شہادت		حرام امور میں مال وقف کو صرف کرنے والے متولی پر تاوان لازم ہوگا۔	۱۵۵
خبر کے رد کے شرعی اسباب اور آدمی کے مردود الشہادۃ ہونے کی صورتیں۔	۴۲۳	ہر امین تعدی کے سبب سے ضامن ہوتا ہے۔	۱۵۵
وقف کا ثبوت شہرت سے ہوتا ہے اور اس کی گواہی بھی شہرت کی بناء پر دی جاسکتی ہے۔	۴۷۵	مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرضہ ادا نہیں کیا جاسکتا اور جو ادا کرے تاوان دے مسجد سے نہیں لے سکتا۔	۱۵۷
جس گواہی کو لوگ جھوٹا سمجھیں اس میں کئی احتمال ہیں۔	۵۸۲	وقف سے جو منافع اٹھائے اس کو تاوان دینا ہوگا۔	۱۹۶
دعوی		سامان وقف میں کچھ تلف ہو جائے تو متولی اور ملازموں پر تاوان نہیں اتلاف پر تاوان ہے۔	۲۲۷
جو لا معلوم الجہت زمین کسی وقف کے خادموں کے قبضہ میں عہد قدیم سے ہو بلا ثبوت شرعی اس کی ملک کا دعوی یا جدید تصرف جائز نہیں۔	۴۷۵	واقف نے مسجد میں کنگرے نہیں بنوائے تھے متولی نے مال وقف سے بنوائے، تاوان دے۔	۲۳۵
بدحواسی کا دعوی شاہدان شرعی کے بغیر نامقبول ہے۔	۵۸۸	گیاس کی روشنی ہے تو برقی قمقمے لگانا منع ہے، لگائیں تو تاوان دینا ہوگا۔	۲۳۵
مقام بیان میں منہ پھیر لینا انکار ہے۔	۵۹۴	حجرہ مسجد پر اپنی دیوار بنانا حرام ہے اور جو نقصان پہنچا اس کا تاوان دینا ہوگا۔	۴۶۹
شرکت		مسجد کی آمدنی دوسرے امور میں صرف کرنا حرام ہے اور جس نے صرف کیا اس سے تاوان لیا جائے۔	۴۶۹
شریک مال مشترک سے اپنے حق بھر صرف کرسکتا ہے۔	۵۷۱	متولی کے قبضہ سے مال چوری ہوگیا، متولی کی بے احتیاطی کو دخل نہ ہو تو کوئی تاوان نہیں۔	۵۷۰
ضمان		مسجد کی رقم جو اپنے صرفہ میں لایا، یا مجبوری کے بغیر رشوت میں دیا، اس کا تاوان دینے والے پر لازم ہے۔	۵۷

عقائد وکلام		جنازہ پر ڈالنے کے لئے چادر وقف کرسکتے ہیں	۱۲۲
وہابیہ، روافض، غیر مقلدین اور نیچری ضالین ہیں۔	۱۱۶	جنازہ پر بقصد زینت بیش قیمت چادر ڈالنا مکروہ ہے۔	۱۲۲
دیوبندیوں کے اقوال کفر پر مطلع ہو کر انہیں عالم دین سمجھنا کفر ہے۔	۱۶۲	وقف خاص میں ہر متولی خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے۔	۱۲۴
حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔	۲۲۷	خائن متولی کو معزول کردینا لازم ہے۔	۱۲۴
گناہ کو اچھا جاننا کفر ہے۔	۳۱۵	کسی منصب والے کو بلاعذر شرعی معزول کرنا جائز نہیں۔	۱۲۷
اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین پر متفق ہیں۔	۶۰۹	چندہ کا جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے کسی دوسرے مصرف میں صرف کرنے کے لئے ان کی رضامندی ضروری ہے۔	۱۳۴
زندگی بھر طاعت وعبادت کرنے والا بھی کسی کفر کے صدور سے کافر ہوسکتا ہے۔	۶۰۹	چندہ دہندگان نہ ہوں تو ان کے بالغ وارثوں سے استصواب کیا جائے۔	۱۳۴
اہل قبلہ سے مراد قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے والے نہیں کیونکہ روافض ایسے ہی ہیں لیکن کافر نہیں۔	۶۱۰	صبی ومجنون کا حصہ واپس کرنا ہوگا۔	۱۳۴
فاسق کی اہانت شرعًا واجب ہے اور کافر کی تعظیم کفر ہے۔ اور ایسوں کو مسلمانوں پر افسری دینا حرام ہے۔	۶۱۰	اگر چندہ دہندگان معلوم نہ ہوں تو مصرف سے جو زائد ہو اس کو اس کام میں صرف کریں جس کے لئے وصول کیا گیا، وہ نہ بن پڑے تو فقراء کو دیں۔	۱۳۴
حظر واباحت		قبرستان کی بیع ناجائز ہے۔	۱۳۶
تعزیہ داری ناجائز ہے۔	۱۲۱	قبروں کو ہموار کرکے ان پر چلنا بھی حرام ہے	۱۳۶
زنا اور غنا میں حاصل کیا ہوا روپیہ مثل غصب حرام مطلق ہے۔	۱۲۱	مسجد کے روپوں اور اس کی زمین وعمارت میں ناجائز تصرف کے بارے میں سوال اور اس کا شرعی حکم۔	۱۳۷
ناچنے گانے والوں کو اجرت کے علاوہ "بیل" کے طور پر جو دیا جاتا ہے وہ حرام نہیں۔	۱۲۲	وقف مطلق غیر مشروط التبدیل کی بیع، اس کو دوسری جائداد سے بدلنا، اسے دائمی اجارہ پر دینا یا چالیس سال کے پٹہ پر دینا جائز نہیں۔	۱۴۲

وقفی پیڑ کاٹنے کی اجازت نہیں۔	۱۴۴	وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے۔	۱۶۲
مسجد، مقبرہ، پل، حوض اور سقایہ سے حسب شرط وقف بانی اور غیر بانی سب فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔	۱۴۶	مصاحف کثیر تعداد میں مساجد میں جمع ہوگئے بیکار ضائع ہونے کا خطرہ ہے، بھیجنے والا اسے لے کر جو چاہے کرے اگر وقف نہ کیا ہو، وقف کیا ہو تو دوسری مساجد وغیرہ میں تقسیم کرسکتے ہیں۔	۱۶۴
جو عمارتیں زائروں کے لئے ہیں ان میں کسی کو دوامی قیام درست نہیں۔	۱۴۶	موقوفہ تکیہ میں دوسری تعمیر ناجائز ہے۔	۱۶۵
مجاوروں کو درگاہ کی عمارتوں میں قیام کا بالکل حق نہیں کہ وہ مسافروں زائروں کیلئے بنائی گئیں۔	۱۴۶	وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ یا دوسری مسجد میں صرف نہیں ہوسکتی۔	۲۰۵
تکیہ موقوفہ میں ذاتی مکان بنانا، مسجد بنانا، اس کا بیچنا جائز نہیں۔	۱۵۰	ایک مدرسہ کی آمدنی دوسرے مدرسہ یا مسجد میں صرف نہیں ہوسکتی۔	۲۰۵
وقفی قبرستان میں مدرسہ، مسجد یا کچھ اور علاوہ قبر کے بنانا جائز نہیں۔	۱۵۰	مال وقف سے حاجت مند متولی دستور کے موافق کھاسکتا ہے۔	۲۱۵
تعزیہ ومزامیر معصیت ہیں۔	۱۵۵	مال وقف سے مذہبی تقریبات کی شیرینی غیر حاضر کو بھیجنے کی شرط ہو یا معمول قدیم ہو تو جائز و روا ہے۔	۲۲۶
معصیت میں مال وقف کا صرف حرام ہے۔	۱۵۵	یہی حال دعوت وغیرہ کا ہے۔	۲۲۶
مال وقف پر تعدی حرام ہے۔	۱۵۵	پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ جائز نہیں ہے۔	۲۲۹
مسجد پر جو جائداد وقف ہے اگر واقف نے اس کی آمدنی سے بنائے مدرسہ مصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ نہیں۔	۱۵۷	آدمی اپنی ملک میں تصرف کرسکتا ہے۔	۲۳۲
جائداد موقوفہ کو کوئی ظالم لینا چاہے تو مسلمان ہر جائز کوشش سے اس کا دفاع کریں۔	۱۵۷	مسجد کے قریب پائخانہ بنانا جس سے مسجد میں بو پہنچے حرام ہے۔	۲۳۲
جائداد وقف میں تصرف بے جا ظلم اور باطل ہے۔	۱۶۱	کچا پیاز یا کچا لہسن کھا کر مسجد میں جانا ناجائز ہے۔	۲۳۳
		مسجد خالی ہو تب بھی اس میں بدبو داخل کرنا ناجائز۔	۲۳۳

مصلیوں کو اذان کی آواز بے منارہ پہنچ جاتی ہے تو مال مسجد سے منارہ بنانا درست نہیں۔	۲۳۵	رباط کے جانور بہت زیادہ ہوجائیں اور ان کا خرچہ بڑھ جائے تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے قیمت کو جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۵
مسجد مستحکم ہو تو اس کو توڑ کر نئی بنانا جائز نہیں۔	۲۳۵	مسجد کے فرش پر وضو حرام ہے۔	۲۸۴
بجلی کے پنکھے کی ہوا طبعًا مضر ہو تو اپنے گھر میں بھی لگانا نہ چاہئے۔	۲۳۹	غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں وضو کرے اس طرح کہ پانی مسجد میں نہ گرے۔	۲۸۴
مسجد میں ایسے چیز لگانا جس سے مصلیوں کا دل بٹے منع ہے۔	۲۳۹	غیر معتکف شدید بارش میں بمجبوری اس طرح وضو کرسکتا ہے کہ مینہ کا پانی سب کو بہالے جائے۔	۲۸۶
مسجد میں نجس چیز لے جانا حرام ہے۔	۲۳۹	غیر معتکف کو مسجد میں اخراج ریح مکروہ ہے۔	۲۸۸
برقی روشنی اور پنکھے سے حادثات کا ظن غالب ہو تو ان کا استعمال منع ہے۔	۲۳۹	طالب علم مسجد میں اس طرح کتاب دیکھ سکتا ہے کہ نمازیوں کو حرج نہ ہو۔	۲۸۸
طبعًا جس چیز کا مضر ہونا ثابت ہو اس کا استعمال حرام ہے۔	۲۳۹	اگر ریح میں بدبو ہو تو ایسے شخص کا ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا جائز نہیں۔	۲۸۸
نیاز بزرگان دین اور میلاد کے لئے وقف جائز ہے۔	۲۵۳	مسجد کو بدبو سے بچانا واجب ہے۔	۲۸۸
مسجد کا سامان خریدنے والے کو چاہئے کہ کسی قسم کی بے حرمتی کی جگہ اس کو نہ ڈالے۔	۲۵۸	متولی مسجد کی واجبی تعمیر میں محلّہ والوں کی مزاحمت نہیں کرسکتا۔	۲۸۹
مسجد منہدم ہوجائے اور اس کے اجزاء ضرورت مسجد سے زائد ہوں جن کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو قاضی کے اذن سے فروخت کرنا اور قیمت کو محفوظ رکھنا جائز ہے۔	۲۶۳	مسجد بنانے کی نیت سے ہندو نے مسلمانوں کو روپیہ دیا مسلمانوں نے اس روپیہ سے مسجد بنادی مسجد ہوگئی۔	۲۹۵
تعمیر شدہ مسجد کو گراکر پہلے سے مضبوط تر بنانا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۶۴	کافر نے پرانی مسجد کی مرمت کرادی مسجد ہی رہے گی، البتہ مسلمانوں کو کافر کی ایسی مدد قبول نہ کرنی چاہئے۔	۲۹۵
		مخلوط مال کسی کو میراث سے پہنچا جس میں حلال حرام کی تمیز نہیں، تو وارث پر کوئی مطالبہ نہیں، ایسے مال سے مسجد بنائی مسجد ہوگئی۔	۲۹۷

مسجد میں دروں کے طاق عدد کا مسلمانوں میں رواج ہے حتی الامکان اس روش کے خلاف نہ کیا جائے، بمجبوری جفت رکھنے میں بھی حرج نہیں۔	۲۹۹	مسجد میں کھڑکی رکھنا بھی حرام ہے۔	۳۰۸
اگر بہ یقین معلوم ہو کہ نئی مسجد کی تعمیر سے پرانی مسجد ویران ہوگی تو نئی کی تعمیر نہ کی جائے۔	۳۰۰	دوسرے کا کبوتر پکڑنا حرام اور ایسا کرنے والا فاسق ہے۔	۳۰۹
آباد مسجد کی اینٹ دوسری میں لگانا حرام ہے۔	۳۰۰	خالی کبوتر اڑانا جس میں چھت پر چڑھتے ہیں دوسروں کا مالی جسمانی ضرر ہو حرام ہے۔	۳۰۹
مسجد کے احاطہ اور اس کے صحن میں دکان بنانا جائز نہیں حجرہ بناسکتے ہیں جبکہ اس سے مسجد میں کسی طرح کی تنگی نہ پڑے۔	۳۰۰	ایسے شخص کو منع کیا جائیگا اور نہ مانے تو اس کا کبوتر ذبح کردیا جائیگا۔	۳۰۹
دروازہ قدیم مسجد کی چھت پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا بے اہل محلّہ کی اجازت کے جائز نہیں۔	۳۰۱	مطلقاً کبوتر بازی جس میں مفاسد بالا نہ ہوں لیکن عبث و بے فائدہ اور حرام ہے، اور پرندوں پر ظلم ہے۔	۳۰۹
آباد قبرستان کو پاٹ کر مسجد میں شامل کرنا حرام ہے۔	۳۰۲	کبوتر بازوں کو نصیحت وہدایت۔	۳۱۰
جس قبرستان میں دفن کرنا بند ہو وہاں قبر سے باہر ستون قائم کرکے بلندی پر چھت پاٹ کر چھت کو شامل مسجد کرنے میں حرج نہیں۔	۳۰۳	مسجد میں کبوتر بازی اشد حرام ہے۔	۳۱۰
نہر خاص کو پاٹ کر اس کی چھت پر مسجد بنانا جائز ہے۔	۳۰۶	مباح باتیں بھی مسجد میں بلاضرورت حرام ہیں۔	۳۱۲
غیر کی ایسی زمین پر جس پر اس غیر کو حق مزاحمت نہ رہا، مسجد بنائی تو فتوی اسی پر ہے کہ وہ عمارت مسجد ہوگئی۔	۳۰۶	مسجد میں بچوں اور پاگلوں کو لانا، بیع وشراء، جھگڑے اور آواز بلند کرنا منع ہے۔	۳۱۳
مسجد کی دیوار میں اپنی عمارت کے لئے کڑی ڈالنا حرام ہے۔	۳۰۸	مسجد میں آواز سے گم شدہ چیز تلاش کرنا منع ہے۔	۳۱۳
مسجد کی دیوار سے ملا کر بلااستحقاق پر نالہ گرانا حرام ہے۔	۳۰۸	دارالاسلام میں بنی ہوئی مسجد کی آبادی بھی جب متعذر ہو جائے اور تغلب کفار کا خطرہ ہو تو اسباب تعمیر اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جاسکتے ہیں۔	۳۱۷

جس زمین کو مسجد سے متعلق وقف کیا اس میں باغ و پھل ہوں تو انہیں بیچ کر مسجد کی تعمیر میں صرف کرسکتے ہیں۔	۳۱۹	ناپاک تیل سے چراغ جلانا مسجد میں جائز نہیں۔	۳۴۷
فنائے مسجد میں اپنا ذاتی مکان بنانا بھی حرام ہے۔	۳۲۲	مسجد کی چھت پر وطی کرنا جائز نہیں۔	۳۴۷
مسجد کی بے ادبی اور بے حرمتی حرام ہے۔	۳۲۳	مسجد کی چھت پر پیشاب و پاخانہ کرنا ناجائز ہے۔	۳۴۷
نیت کا علم اللہ کو ہے، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۳۳۰	مسجد میں کافر کا جانا بے ادبی ہے۔	۳۴۷
مریض نے اپنی بیماری الٹی سمجھ کر دوا مانگی طبیب کو غلطی جاننے کے بعد الٹی دوا دینا حرام ہے۔	۳۳۱	بلاشرط واقف وقف کی ہیئت میں تغیر و تبدل کرنا ناجائز ہے۔	۳۵۰
جو مسجد فساد کے لئے بنائی گئی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۳۳۱	جنب، حائض، اور نفساء کو مسجد سے گزرنے کی بالکل اجازت نہیں۔	۳۵۲
جو مسجد فساد کے لئے بنائی گئی مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۳۳۱	مسجد سے گھوڑے یا بیل گاڑی کو گزارنا منع ہے۔	۳۵۲
جس مسجد کی آبادی ناممکن ہو اس کے اسباب دوسری مسجد میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔	۳۳۳	مسجد کو شارع عام بنانے کی اجازت نہیں۔	۳۵۲
مسجد کی دیوار پر خود بانی کو بھی کڑیاں رکھنا حرام ہے۔	۳۳۴	مسجد میں مصارف خیر کے لئے چندہ وصول کرسکتے ہیں جبکہ آداب مسجد کی مخالفت نہ ہو۔	۳۵۴
مسجد قائم ہونے کے بعد مسجد کی چھت پر امام کے لئے بھی حجرہ بنانا جائز نہیں۔	۳۳۵	بے ضرورت مسجد کی تعمیر جدید عبث و لغو ہے۔	۳۵۵
مسجد کی دیوار پر کرایہ دے کر بھی کڑی رکھنا جائز نہیں۔	۳۳۵	تضییع مال ناجائز ہے۔	۳۵۵
مسجد میں درخت لگانا جائز نہیں الا یہ کہ زمین نمناک ہو تو رطوبت ختم کرنے کے لئے درخت لگاسکتے ہیں۔	۳۳۶	عبث حرام ہے۔	۳۵۵
درخت پہلے موجود ہوں مسجد بعد میں بنائی یہ جائز ہے۔	۳۳۶	توسیع اور بوسیدگی کی حالت میں تعمیر جدید کی اجازت ہے۔	۳۵۵
اسپرٹ مسجد میں لے جانا منع ہے۔	۳۴۷	تفریق بین المسلمین کی نیت سے جدید مسجد تعمیر کرنے والے گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں اور مسجد مسجد ضرار کے حکم میں ہے۔	۳۶۰
		فساق مرتکب کبیرہ کا ذبیحہ جائز ہے، ان سے ابتداءً سلام ناجائز، زجر و تنبیہ کی نیت سے ان سے ترک راہ و رسم بہتر ہے۔	۳۶۰

ظن و تخمین سے کسی مسجد کے ضرار ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، جس مسجد کا مسجد ضرار ہونا یقینا ثابت ہو اس کو ڈھایا جاسکتا ہے۔	۳۶۰	مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔	۳۸۸
کسی کے مقابلہ میں بھی شر پیدا کرنا جائز نہیں۔	۳۶۱	بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کے لئے مسجدوں کی حرمتیں پامال کرنا حلال نہیں۔	۳۹۰
فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کی توہین کیلئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعًا جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔	۳۶۷	بھائی کا زکام کھونے کے لئے باپ کو قتل کردینا عقلمندی اور روانہیں۔	۳۹۰
مخالف شرع حکم کو بلا جبر واکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کرنا یا اس میں دشواری ڈالنا اور آئندہ کے لئے بھی اسے نظیر بنا دینا روا نہیں۔	۳۶۷	مسجد تنگ ہو تو درگاہ کی زمین جبرًا مسجد میں شامل کرنا ناجائز ہے۔	۴۰۲
حقیقتًا حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔	۳۷۱	مسجد میں بالغ طلبہ کا پڑھنا اس شرط پر جائز ہے کہ اوقات نماز میں جگہ نہ گھیریں اور ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو۔	۴۰۴
مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا تمام ائمہ کے اجماع سے حرام اور مناقض ارشاد خداوندی ہے۔	۳۷۶	مسجد کا کنواں مشترکہ بنانا کہ اس میں مشرکین بھی پانی لے سکیں منع ہے۔	۴۰۶
جنابت وحیض کی حالت میں مسجد میں جانا بیت اللہ کی بے حرمتی ہے۔	۳۸۲	مسجد کو باقی اور آباد رکھنا ضروری ہے، مسجد کسی دوسرے کام میں صرف نہیں کی جاسکتی۔	۴۰۶
کتے، خنزیر بلکہ ناسمجھ بچے اور مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھ کر خاموش بیٹھے رہنا مسلمان کو روا نہیں۔	۳۸۲	مسجد کا ملبہ ناقابل استعمال ہو تو اسے مسلمان کے ہاتھ بیچا جائے کہ وہ بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے اور وہ رقم مسجد کی مرمت میں صرف کی جائے۔	۴۰۷
احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو مسجد سے نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے۔	۳۸۲	پورے قصبہ کی مساجد کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے کا حکم۔	۴۱۱
مساجد کو یقینی بے حرمتی کے لئے پیش کرنا شنیع وخبیث ہے۔	۳۸۲	سنیوں کی بنائی مسجد کو رفع فساد کے لئے غیر مقلدوں کو دینا حرام ہے۔	۴۱۱

مسجد میں اپنے لئے سوال منع ہے اور کسی دوسرے ضرورت مند یا قومی ضرورت کے لئے نہ صرف جائز بلکہ سنت رسول ہے۔	۴۱۸	مسجد میں مٹی کا تیل جلانا مسجد کی بے حرمتی اور حرام ہے۔	۴۳۱
بغیر امتیاز ہر شخص کو مسجد میں وعظ کی اجازت دینا منع ہے اور روکنا واجب ہے۔	۴۱۸	دستور اور عرف کے موافق مال وقف سے مسجد میں روشنی کی جائے۔	۴۳۱
مسجد کو برباد کرکے ایک جامع مسجد بنانا حرام ہے۔	۴۲۰	محراب اور دیوارِ قبلہ میں نقش ونگار مال وقف سے مکروہ ہے۔	۴۳۱
ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں لگانا منع ہے۔	۴۲۰	معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔	۴۳۴
مصلحت شرعی ہو تو اپنا عالم ہونا ظاہر کیا جاسکتا ہے اور خودستائی کے لئے ہو تو حرام ہے۔	۴۲۱	مسجد میں ناسمجھ بچوں کو لے جانے کی ممانعت ہے۔	۴۳۴
کسی مسجد کی شرعی شہادتوں سے مقبرہ ہونا ثابت ہوجائے تو مسجد کی عمارت منہدم کردی جائے۔	۴۲۴	جو شخص اجرت لے کر طلبہ کو پڑھائے اس کو مسجد میں تعلیم دینا سخت ناجائز ہے۔	۴۳۴
بعینہ حرام مال کو مسجد کی ضروریات مثلاً وضو خانہ وسقایہ کے لئے بھی لینا حرام ہے خاص جس مال کے لئے معلوم نہ ہو کہ حرام ہے اس کو لینے میں مضائقہ نہیں۔	۴۲۷	مسجد کی تعمیر کے لئے بانی کا شریف النسب ہونا ضروری نہیں۔	۴۳۵
امام مسجد کا مقتدیوں سے کج خلقی سے پیش آنا ناجائز ہے گناہ ہے۔	۴۳۰	جس کی وجہ سے مسجد میں فتنہ وفساد اٹھتا ہو اس کو مسجد میں آنے سے منع کرنا جائز ہے۔	۴۳۷
امام مسجد جو نہ خود اذان دے نہ دوسروں کو اذان دینے دے فاسق ہے۔	۴۳۰	بلاوجہ شرعی مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے سے روکنا فساد وحرام ہے۔	۴۳۷
جو امام مسجد کی صفائی سے دوسروں کو روکے اور خود بھی نہ کرے مسجد کا بدخواہ ہے۔	۴۳۰	کسی مسجد کے شہید ہونے کا خطرہ ہو اور مسلمانوں کو اس کی تعمیر کی طاقت نہ ہو تو غیر مسلموں سے مدد لے سکتے ہیں۔	۴۴۰
مسجد میں درخت لگانا ممنوع، اور دوسروں کے بوئے ہوئے ہوں تو ان کو اس کی اجازت کے بغیر گھر لے جانا جائز نہیں۔	۴۳۱	بلاضرورت مسجد کو توڑنا اور اس کو بدلنا حرام ہے۔	۴۴۲
مسجد کی اشیاء پر مالکانہ قبضہ حرام ہے۔	۴۳۱		

مسجد کی لکڑی اپنی ضرورت میں نہیں لائی جاسکتی	۴۴۲	مسجد کے وضو خانہ کو دکان بنانا حرام ہے،	۴۸۲
مسجد کے احاطہ کے درخت اگر مسجد پر وقف ہوں توان کے پھل بے قیمت کھانا حرام ہے، اور دوسرے کے ہوں تواس کی اجازت درکار ہے، یہ بھی اجازت ہے کہ اس غرض سے بوئے کہ جو اسمیں رہے وہ کھائے۔	۴۴۳	وقف کواس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں۔	۴۸۳
جو سامان کسی خاص مسجد کے لئے خریدا گیا ہے کسی دوسرے کااپنے مصرف میں لانا حرام ہے۔	۴۵۱	جس وقف میں افطاری کے لئے مد مقرر ہو اگر افطار کے وقت بے روزہ دار بھی شریک ہوں متولیوں پر کچھ الزام نہیں۔	۴۸۷
مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے۔	۴۵۳	بازاری عورت روزہ کشائی یا مسجد میں چٹائی وغیرہ کے لئے کچھ بھیجے تواس کاشرعی حکم۔	۴۸۷
نابالغ بچوں کی تعلیم کے لئے مسجد میں جانے کاحکم۔	۴۵۸	بازاری عورت کے عطیات سے بچناہی اولٰی ہے۔	۴۸۸
عام کنوؤں میں غیر مسلم کا روپیہ عدم استحقاق کی شرط کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے۔	۴۶۳	مسجد کے بیکار اسباب خرید کر بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے جائیں۔	۴۸۹
اسلامی کام میں غیر مسلم کاعطیہ نہ لینا چاہئے۔	۴۶۷	مسجد میں سوال حرام ہے، اور معتکف کے علاوہ دوسرے کا عقد و معاملہ اور مباح بات چیت بھی حرام ہے۔	۴۹۱
خزانہ والی ملک کاذاتی سرمایہ نہیں ہوتا۔	۴۶۷	مسجد کا بیکار پیال اور چٹائی جو پھینک دی جائے اس کو اٹھا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔	۴۹۵
بہتان کی اشاعت فاحشہ اور حرام ہے۔	۴۷۳	قبلہ کی دیوار میں حد نظر سے اوپر کوئی کتبہ یا نقش ونگار منع نہیں ہے۔	۴۹۸
حکم شرعی نافذ کرنے کے لئے عوام سے مشورہ لینا ضروری نہیں۔	۴۷۷	ریاکاری حرام ہے اور بلاوجہ کسی پر ریاکاری کاالزام لگانا بھی حرام ہے۔	۵۰۰
بلاعذر شرعی کسی عہدہ دار کو اس کے عہدہ سے معزول کرنا جائز نہیں۔	۴۷۸	پرانا درخت جو مسجد میں ہو کاٹنا ضروری نہیں۔	۵۰۳
مسجد کے کسی حصہ کو دکان یا تہ خانہ بنانا جائز نہیں۔	۴۸۲	مسجدوں میں کافروں اور مرتدوں کامال نہ لیا جائے۔	۵۰۶

مرتد رافضی نے مسجد بنائی مرگیا تو اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگاسکتے ہیں جبکہ فساد کااندیشہ نہ ہو۔	۵۰۶	قبرستان میں جو گھاس اُگتی ہے جب تک سبز ہے اس کے کاٹنے کاحکم نہیں، سوکھ جائے توکاٹ سکتے ہیں۔	۵۳۷
مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے دور رکھو۔	۵۰۷	قبرستان میں جانور چرانا جائز نہیں۔	۵۳۷
قبرستان میں نیاراستہ نکالنا حرام ہے۔	۵۰۸	مسلمانوں کی قبر کھودنا شدید جرم ہے۔	۵۴۰
عاشق معشوق مسلمان ہوں توآپس میں ایک دوسرے کو جو دیں رشوت ہے۔	۵۱۴	جان بوجھ کرظالم کی مدد کرنااسلام کی رسی گلے سے نکالنا ہے۔	۵۴۰
کتابیں جامع مسجد کے لئے وقف کیں تو کسی دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف ان کاانتقال جائز نہیں۔	۵۱۸	مسجد کو غیر معمولی آراستہ کرنے کی ممانعت ہے۔	۵۴۵
رافضی کو وقف مسلمین کا متولی بنانا حرام ہے۔	۵۲۰	سود کامرتکب اگرچہ ایک بار ہی ہو فاسق ہے۔	۵۵۸
کافر سامان دے تواس کابعینہٖ مسجد میں لگانا منع ہے۔	۵۲۰	بلاعذر صحیح شرعی تارک جماعت فاسق ہے۔	۵۵۸
کافراس طور پر رقم دے کہ مسلمان پر احسان رکھے تو لینا جائز نہیں ہے نیاز مندانہ دے تولے لیں۔	۵۲۰	بلاعذر صحیح شرعی تین سال تک زکوٰۃ نہ دے تو فاسق ہے۔	۵۵۹
مسجد کو منہدم کرکے دوسری جگہ اس کے ملبہ سے مسجد بنانا حرام ہے۔	۵۲۱	مسلسل تین سال تک عشر نہ ادا کرے توفاسق ہے۔	۵۵۹
دو مسجدیں ملی ہوئی ہیں توانکے بیچ کی دیوار ہٹا کر ایک کرنا جائز ہے۔	۵۲۱	شطرنج جو مفضی ترک جماعت ہو بالاتفاق حرام ہے۔	۵۶۰
مسجد کے کنویں سے مشرکین کو پانی بھرنے سے منع کرنا چاہئے۔	۵۲۲	تاش، گنجفہ، چوسر بلاشرط ناجائز وممنوع ہے۔	۵۶۰
وعدے کاایفاء واجب نہیں۔	۵۲۹	غیر مسلم سے دینی کاموں میں مدد نہ لی جائے۔	۵۶۵
جزامی، ابرص، گندہ دہن، جس کے لباس میں بدبو ہو، بدزبان، فتنہ پرور جیسے وہابی غیر مقلد، رافضی کو مسجد سے روکا جائے گا۔	۵۳۱	جس متولی کی خیانت ثابت ہواس کو معزول کرنا واجب ہے۔	۵۶۷
مقبرہ میں کسی بھی سنی مسلمان کو دفن ہونے سے روکا نہیں جائے گا۔	۵۳۲	جس نے مفضول کو افضل کاحاکم بنایا اس نے اللہ ورسول سے خیانت کی۔	۵۶۸
عام مقابر میں تعمیر وتصرف کی اجازت نہیں۔	۵۳۳	قبر پر استنجا حرام، اگال یا ہانڈی کا دھوون ڈالنا توہین، اور بلاضرورت شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے۔	۵۶۸

اپنے صرفہ سے متولی کا عام مسلمانوں کو برف پلانا معیوب نہیں۔	۵۷۹	مال حرام کے مصرف خیر میں لانے کا حیلہ۔	۱۲۲
برف کا پانی پینے کے لئے مسجد میں مجمع نہ ہو۔	۵۷۹	ٹھیکہ داری کو حدود شرع میں کرنے کی تدبیریں۔	
مسجد میں شور وغل ناجائز ہے اور غیر معتکف کو کھانا پینا ناجائز ہے۔	۵۷۹	**سیر**	
طالب تولیت کو متولی نہ کیا جائے۔	۵۹۴	اسلام کی شرکت سے انکار کرنے والا کافر ہے۔	۱۲۱
فاسق کی تعظیم سے خدا کا عرش کانپتا ہے اور غیر مسلموں کو مسجد میں احترام کے ساتھ لے جانا اس سے برا ہے۔	۶۰۰	مسلمان وقف کرکے مرتد ہوجائے تو وقف باطل ہوجاتا ہے۔	۱۳۱
متولی بنانا تو بڑی بات ہے مرتدین سے دینی کاموں میں مدد لینا بھی حرام ہے۔	۶۱۱	جو کہے کہ عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں یا کہے کہ خدا اوپر ہے یہاں آئے تو اس کو ہم درست کردیں گے، مرتد ہے، اس کے احکام مرتدین کے ہیں۔	۲۲۰
کافر کو مسلمانوں کے عظیم کام میں دخیل اور راز دار بنانا حرام ہے۔	۶۱۱	کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے	۳۸۱
عشر وصول کرنے والا آزاد اور مسلمان ہونا چاہئے۔	۶۱۴	اسلامی سلطنت میں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں۔	۳۸۳
چنگی کے محرر اور چوکی کے پولیس کا درجہ بھی غیروں کو نہ دیا جائے۔	۶۱۴	اس زمانہ کے روافض مرتد ہیں ان کی بنوائی مسجد، مسجد نہ ہوگی۔	۴۰۳
یہودی کو مسلمانوں کے اعمال پر مقدم کرنا حرام ہے۔	۶۱۴	مرتد کی بنوائی ہوئی مسجد کو سنی نے خرید کر مسجد کردیا تو اس کے مسجد ہونے، نہ ہونے کی صورتوں کا بیان۔	۴۰۴
وفائے وعدہ پر جبر نہیں۔	۶۲۰	مرتد کے حالت اسلام کا کسب، اس کے مسلمان وارثوں کا ہے اور زمانہ ارتداد کا کسب فے ہے۔	۴۰۴
حیل		مرتد کا مال اس کے مرنے کے بعد فے مسلمین ہے۔	۴۶۶
حرام کی کمائی کے مصارف خیر میں صرف کرنے کا طریقہ۔	۱۱۸	کافر غیر ذمی، غیر مستامن کا مال نقض عہد کے بغیر حاصل ہو تو مسلمان کے لئے حلال ہے مسجد کو انہدام کے بعد کافر بنائے مسجد ہی رہے گی۔	۴۶۶

مرتد کا وقف موقوف رہتا ہے، مسلمان ہوجائے تو صحیح ہوجاتا ہے، مرتد مرجائے تو فے ہوکر صحیح ہوجاتا ہے۔	۴۶۶	ذمی کافر کا حکم اکثر معاملات میں مسلمانوں جیسا ہے۔	۶۱۵
تبرائی کا وقف جائز نہیں، اس کے مرنے کے بعد مسلمان اس میں جو تصرف چاہیں کرسکتے ہیں۔	۵۰۴	حربی سے مطلقاً قطع تعلق کا حکم ہے مرتد ان سب میں اخبث ہے۔	۶۱۵
روافض زمانہ علی العموم کفار و مرتد ہیں۔	۵۲۴	مرتد کو بادشاہ اسلام غور فکر کے لئے جیل میں تین دن کی مہلت دے گا۔	۶۱۵
مرتدوں کا مسجد میں کوئی حق نہیں۔	۵۲۴	صرف ذمی کے لئے یہ حکم ہے کہ اس کی ولایت صحیح ہے۔	۶۱۶
ارتداد کے بعد تمام علائق ختم ہوجاتے ہیں۔	۵۲۴	مرتدین کے احکام۔	۶۱۸
کفری عقائد کی تائید کفر ہے۔	۵۶۲	**ترغیب وترہیب**	
تقدیر کا منکر رافضی معتزلی ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی، ایسے شخص کو سنی حنفی مسلمانوں کے مدرسہ کا مہتمم نہیں رکھا جاسکتا۔	۵۸۵	تین عملوں کا ثواب موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔	۱۱۶
جو کہے میں مسائل شرعیہ نہیں جانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا۔	۵۸۷	حرص وآز کی مذمت اور قناعت کے فضائل۔	۲۱۵
جو رافضی شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہم کو گالی دے کافر ہے۔	۶۰۹	اسراف کی مذمت۔	۲۲۰
اگر حضرت علی کو صرف افضل مانے تو گمراہ ہے کافر نہیں۔	۶۰۹	صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روز قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا۔	۲۳۲
رافضی صحابہ کرام کو کافر کہتے ہیں تو ہم انہیں کافر کہیں گے۔	۶۰۹	ویرانی مسجد کے خواستگار کے لئے وعید شدید۔	۲۸۹
رافضیوں کا قول کہ آواگون ہوتا ہے، اور امام غائب خروج کریں گے، کفر ہے۔	۶۰۹	بے گناہ بے زبان جانور پر ظلم آدمیوں کی ضرر رسانی سے شدید تر ہے۔	۳۱۰
		دنیا گزشتنی ہے ایک دن انصاف کا آنے والا ہے۔	۳۱۰

ثواب وعذاب اور جنت وجہنم مکلفین کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔	۳۱۰	مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعار اسلام کا ہتک وابتذال ہے۔	۳۹۰
مسجد میں بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے جانور گھاس کو۔	۳۱۱	سبیل نجات۔	۳۹۸
مسجد میں دنیا کی بات کرنے والوں کے منہ سے بدبو نکلتی ہے۔	۳۱۲	گناہ کبیرہ پر توبہ لازم ہے۔	۳۹۸
بٹیر بازی کبوتر بازی سے بھی زیادہ سخت قبیح اور شنیع ہے، مسلمانوں پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت جانوروں پر ظلم کرنا ہے، عام مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے افعال شنیعہ سے روکیں۔	۳۱۵	جیسا گناہ ویسی ہی توبہ چاہئے۔	۳۹۸
جو لوگ گناہ میں شریک نہ ہوں مگر گناہ کرنے والوں کو باوصف قدرت منع نہ کریں وہ بھی ماخوذ وگرفتار ہیں۔	۳۱۵	مسجد کی بے حرمتی میں مداہنت کرنیوالوں کیلئے وعید شدید۔	۳۹۹
سچے دل سے توبہ اللہ قبول کرتا ہے۔	۳۲۲	مسجد کے بے حرمتی پر مصالحت کرنیوالوں کو نصیحت۔	۳۹۹
اتفاق واتحاد کی ہدایت۔	۳۳۱	ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے منصب کے لائق مساجد کو بے حرمتی سے بچاکر دنیا میں سرخرو اور آخرت میں مثاب ہوں۔	۴۰۰
اعدام مسجد میں وعید شدید۔	۳۵۰	پختہ مسجد بنانے کا ثواب۔	۴۲۵
قیل وقال، کثرت سوال اور اضاعت مال اللہ تعالٰی کو ناپسند ہیں۔	۳۵۵	جو منتظم مسجد کی چٹائی کوٹھری میں بند کردے اور اپنی چٹائی بچھاکر نماز پڑھنے نہ دے ظالم ہے۔	۴۳۱
فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔	۳۵۵	مال وقف پر اپنا قبضہ جمانے والا، نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے روکنے والا موذی اور قابل اخراج ہے۔	۴۳۷
فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔	۳۶۷	چنگاری پر پیر رکھنا قبر روندے سے آسان ہے۔	۵۰۸
ہر مسلمان لاسیما اہل علم کو انکشاف حق کے لئے مستعد رہنا چاہئے۔	۳۷۱	**حدود وتعزیر**	
حرام شرعی کو حسب دلخواہ نہایت مسرت خیز، موجب اطمینان ودلجمعی مسلماناں قرار دینا اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہنا اشد ظلم ہے۔	۳۸۶	ہندوستان میں خلاف شرع حرکتوں کی بڑی تعزیر یہ ہے کہ مسلمان ایسے شخصوں سے مقاطعہ کریں۔	۱۶۳

ہر متولی ومنتظم خیانت ظاہر ہونے کے بعد معزول کیا جاسکتا ہے۔	۲۲۶	نئی مسجد تعمیر کرنے سے بہتر پرانی مسجد کا آباد کرنا ہے۔	۴۱۳
مسجد پر قبضہ کرنے والے ربٰو خوار فسادی سے قطع تعلق کا حکم ہے۔	۴۰۹	ایک حدیث شریف کا مضمون کہ قیامت کے دن مسجد کی ساری زمین جنت میں داخل کی جائے گی۔	۴۲۶
طالب علم کی شرعی حد تعزیر۔	۴۱۹	مسجد اور مدرسہ میں افضل مسجد کی تعمیر ہے، علم دین کی تعلیم البتہ فرض ہے۔	۴۶۳
کنویں پر کھینچی ہوئی دیوار کو اپنا آلہ تناسل بتانا کفر نہیں بیہودگی ہے۔	۵۰۳	مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ ہے۔	۴۶۳
ہندوستان میں تعزیر کی صورت صرف مقاطعہ ہے۔	۵۷۴	امور خیر کے لئے چندہ کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔	۴۶۸
رافضیوں کو متولی بنانے والے تعزیر کے مستحق ہیں۔	۶۱۸	کہاں وقف افضل ہے اور کہاں تصدق افضل ہے، اس امر کی تفصیل۔	۶۲۷
فضائل ومناقب		**مناظرہ**	
اعلیحضرت کے معاصر علمائے اہلسنت کے القاب۔	۲۰۲	جواب استفسار اول پر نظر۔	۳۷۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قصیدہ نعتیہ سن کر ردائے مبارک عطا فرمائی۔	۲۱۸	مولوی صاحب کے اغماض نے اصل معاملہ میں پیچیدگیاں اور دشواریاں پیدا کردی ہیں۔	۳۷۴
علماء نے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔	۲۸۹	روایت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے مخالف مذہب جمہور نہیں۔	۳۷۶
تعمیر مسجد کے فضائل قرآن وحدیث سے۔	۲۸۹	مولوی صاحب نے جو مصالحت مسجد کے بارے میں کی ہے کوئی ہندو اس کو شوالہ کے بارے میں قبول نہیں کرسکتا، اور نہ ہی خود مولوی صاحب اس کو اپنے مکان سکونت کے بارے میں گوارا کریں گے۔	۳۷۷
طاق عدد اللہ تعالٰی کو محبوب ہے۔	۲۹۹	مولوی صاحب کے مصالحت کا حاصل۔	۳۷۸
مسجد بنانا باعث اجر عظیم ہے۔	۳۰۰		

جواب استفسار دوم پر نظر۔	۳۸۰	جرم بغاوت کو تمام دنیوی سلطنتیں سنگین ترین بلکہ ناقابل معافی قرار دیتی ہیں۔	۳۷۴
"فیصلہ کانپور پر ایک نظر" کارد بلیغ۔	۳۸۰	**تاریخ وتذکرہ**	
عالم مصالح کی تدبیر اول نامنظور وشنیع ہونے کا بیان۔	۳۸۰	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجدوں میں مینار اور کنگرے نہیں تھے بعد میں قلوب عوام میں عظمت ڈالنے کے لئے علماء اور عوام مسلمین نے اس کو مستحسن سمجھا۔	۲۹۱
ایک صحیح مسئلہ کو موقع سے متعلق سمجھنے میں مولوی صاحب سے بکثرت خطائیں ہوئیں۔	۳۸۱	ایک عورت بلّی کو قید کرنے کی وجہ سے جہنم میں گئی۔	۳۱۰
تجویز دوم کی شناعتیں۔	۳۸۴	مسجد نبوی کی تاریخ۔	۴۲۵
ایک عذر گناہ بدتر از گناہ کارد۔	۳۸۷	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کفار مکہ سے تصرف مسلمین پر شرط بدل کر مال لیا۔	۵۱۲
متعلق جواب استفسار سوم۔	۳۸۹	حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عمل۔	۵۸۵
متعلق جواب استفسار چہارم۔	۳۹۱	موقع تہدید میں ہماری مسجد کہنا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔	۵۹۵
متعلق جواب استفسار پنجم۔	۳۹۳	روافض کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشگوئی۔	۶۱۱
متعلق جواب استفسار ششم۔	۳۹۵	امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نصرانی کو کاتب بنانے سے منع کیا۔	۶۱۲
مولوی صاحب کی مصالحت سے لازم آیا کہ مسجد، مسجد تو درکنار سرے سے وقف ہی نہ ٹھہرایا۔	۳۹۵	**اسماء الرجال**	
متعلق جواب استفسار ہفتم۔	۳۹۵	اشباہ نظائر کے مصنف امام ابراہیم نہیں ہیں۔	۳۵۶
الزام کی تین صورتیں۔	۳۹۵	**تصوف وطریقت**	
اس امر کے روشن ثبوت کہ مصالحت مذکورہ کی کاروائی ایک شخصی کاروائی ہے نہ کہ مسلمانوں کی۔	۳۹۶	سجادگی میں معروف یہی ہے کہ وہ سجادہ نشین ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون ومجاز ہو۔	۵۹۲
سیاست			

شیخ بے سجادہ نشین مقرر کئے مرگیا، بعد میں لوگوں نے کسی کو اس کا گدی نشین کردیا۔ یہ جائز نہیں۔	۵۹۳	آج کل یہ طرز تعمیر مسجد کی حفاظت اور اس کے امتیاز کا بھی ذریعہ ہے۔	۲۹۴
جرح وتعدیل		چند فتووں کی اصلاح۔	۳۳۱
فضیلت مسجد سے متعلق دو حدیثوں کے مؤول اور معلل ہونے کا بیان۔	۴۲۶	مسجد میں درخت لگانے کی مختلف صورتوں کا حکم۔	۳۳۷
مسجد کے ارد گرد کی زمین کا داخل جنت ہونا ثابت نہیں۔	۴۲۶	خانیہ، بحر، حاوی، درمختار کی عبارتوں کا صحیح محمل۔	۳۴۰
امانت		اشباہ نظائر کی طرف منسوب ایک غلط عبارت کی تصحیح۔	۳۵۶
امانت کا اپنے صرفہ میں لانا حرام ہے، توبہ استغفار لازم اور تاوان واجب ہے۔	۴۸۹	اشباہ کی دوسری عبارت کی تشریح۔	۳۵۷
متفرقات		چھت اور زمین دو مترادف الفاظ نہیں ہیں۔	۳۷۲
شامی پر تنقید۔	۱۹۲	مسئلہ کی تفہیم کے لئے ایک دلنشیں مثال۔	۴۱۱
جس سے انسان ایذا پاتا ہے اس چیز سے ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں۔	۲۳۳	امام نسفی اور صاحب بیان القرآن کے اقوال میں تطبیق۔	۴۴۶
مصنف علیہ الرحمۃ کی نہایت شاندار تحقیق کہ امام ابویوسف کی روایت نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے۔	۲۶۳	مسجد میں درخت لگایا گیا تو کب مسجد کا ہوگا اور کب لگانے والے کا، اور مسجد میں لگے ہوئے درخت کے اکھاڑنے اور نہ اکھاڑنے کی تفصیل۔	۴۵۳
امام ابویوسف کی روایت کا حاصل۔	۲۶۳	مشترک روپیہ مسجد لگانے کا مسئلہ۔	۴۶۲
مصنف علیہ الرحمۃ کا شامی پر ایک حاشیہ۔	۲۷۴	ایک لامعلوم الجہۃ زمین کے متعلق استفتاء۔	۴۷۴
جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے فرشتے بھی اس سے ایذا پاتے ہیں۔ (حدیث)	۲۸۸	اس شرط پر کسی کی ممبری کے لئے کوشش کرنا کہ مسجد میں دوہزار روپیہ دے، معاملہ کی تصحیح کی مختلف صورتیں اور مصنف کی ژرف نگاہی۔	۴۷۸

واقف ناظر کو معزول کرکے خود متولی بنے اس مسئلہ میں صاحبین کے اختلاف اور قول مفتی بہ کی تحریر۔	۵۱۹	سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے، اور سجادہ نشین کے فرائض میں اجرائے سلسلہ تولیت اور جملہ نظم ونسق عزل ونصب اور صاحب سجادہ کی نیابت مطلقہ داخل ہے۔	۵۹۲
نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن کی توضیح۔	۵۵۵	شامی کی عبارت کا مطلب۔	٦١٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشرکۃ
(احکام شرکت کا بیان)

مسئلہ ۱: ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دیار میں دستور ہے کہ پاٹ سن کی ڈھیر علیحدہ علیحدہ پانی میں بھگوتے ہیں، امسال کنوار کے مہینہ میں بہت سخت طوفان اور بارش کے سبب سے سب کے ڈھیر کو اکٹھا کرڈالا، بعدہ اکثر نے نہیں لیا بعض نے اس مال کو قبض کیا اور انتظام دے کر طیار کیا اب قبض کرنے والے بعض ان اکثر کو کہتے ہیں تمہارا جتنا ہولے لو، وہ لوگ کہتے ہیں جب ہمارا مال کا کوئی شناخت نہیں ہم نہیں لیتے، اب قبض کرنے والے لوگ خود خرچ کریں یا فقراء اور مساکین کو تقسیم کردیں اور قبض کرنے والے پر حلال ہو تو فقراء اور غنا ہونے میں برابر ہے یا تفاوت ہے؟

الجواب:

جب وہ لوگ نہیں لیتے تو قابضین صرف اپنا حصہ لے لیں باقی فقراء پر تصدق کردیں، ان میں اگر کوئی فقیر ہے تو اسے بھی دے سکتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از کوہ نینی تال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمود بیگ وعبدالغفور بیگ دو بھائیوں کی دکان کوہِ نینی تال پر تھی، دونوں نے مال واسبابِ دکان اپنے باپ کے ترکہ سے پایا اور دونوں یکجا کارکن رہے اور یکجا ان کا

خوردونوش تھا، کوئی غیریت کسی بات میں نہ تھی، محمود بیگ مع اپنی والدہ ولایتی بیگم کے آمدنی دکان سے چھ سوروپے حج کو گیا اور سب سامان دکان عبدالغفور بیگ کے سپرد کرگیا، بعدان کی واپسی کے پھر عبدالغفور بیگ اسی آمدنی سے تین سوروپے کرلے کر حج کو گیااور اپنی زوجہ امراؤبیگم اور ایک لڑکا یکماہہ عبدالشکور اپنی والدہ اور بھائی کے پاس چھوڑگیا، راستہ میں مقام احمد آباد میں اس کی طبیعت بگڑی، کل اسباب اسٹیشن پولیس میں داخل کرکے محمود بیگ کو تاردیا، وہ فوراً روانہ ہوا، وہاں پہنچ کر معلوم ہواکہ عبدالغفور بیگ نے انتقال کیا، وہ روپیہ اور اسباب جو اسٹیشن میں تھا محمود بیگ واپس لایا، اس صورت میں اس روپے کی نسبت کیا حکم ہے؟ یہ صرف محمود بیگ کو ملے گا یاوارثان عبدالغفور بیگ بھی اس سے حصہ پائیں گے اور کیونکر پائیں گے؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جبکہ وہ تین سوروپیہ اسی دکان مشترک کی آمدنی تھا جس کے دونوں بھائی بحصہ مساوی مالک تھے تو وہ روپیہ بھی نصف نصف ان دونوں کی ملک تھا، سائل مظہر کہ روپیہ عبدالغفور بیگ اپنے بھائی کی اجازت سے لے گیا تھا اب یہ اجازت قرض تھی خواہ ہبہ خواہ اباحت، بہرحال کل یا بعض جس قدر باقی تھا جسے محمود بیگ احمد آباد سے لے آیا اس کے مقدار نصف میں محمود بیگ کا حق ہے اور نصف عبدالغفور بیگ کا کہ بر تقدیر عدم موانع ووارث آخر وتقدیم مایقدم چوبیس سہام ہو کر اسکے وارثوں پر یوں تقسیم ہوگا:

امراؤبیگم ۔۔۔۔۔۔ ۳ ولایتی بیگم ۔۔۔۔۔ ۴ عبدالشکور ۔۔۔۔۔ ۱۷

بحالت قرض توظاہر کہ نصف مضمون تھا تو ما کا مطالبہ محمود بیگ کا ترکہ عبدالغفور پر رہا خواہ اسی روپے سے ادا کریں یااس کے غیر سے "لان الدیون تقضی بامثالھا" (کیونکہ قرض اپنی مثل سے ادا کیا جاتا ہے۔ت) اور بحالت اباحت بھی ظاہر کہ اباحت بعد موت باطل ہوجاتی ہے،

لانھا لیست تملیکا حتی تجری فیھا الارث بل تحلیل تصرف للمباح لہ۔فاذا مات او مات المبیح بطلت امافی الثانی فلانتقال الملك کما علل بہ فی الخیریة واما فی الاول فلعدم الملك لینتقل کما اشرنا الیہ۔	کیونکہ یہ تملیک نہیں ہے تاکہ اس میں وراثت جاری ہو، بلکہ اس کے لئے ایک مباح چیز میں تصرف کو حلال قرار دینا ہے، تو جب وہ یا مباح کرنے والا فوت ہوجائے گا تو باطل ہوگی، لیکن ثانی میں تو ملکیت کے انتقال کی وجہ سے جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں اس کو وجہ بتایا ہے مگر پہلی میں ملکیت نہیں تاکہ منتقل کیا جائے جیسا کہ ہم نے اس کا اشارہ دیا ہے۔(ت)

اور بحالت ہبہ تین سو میں سے ڈیڑھ سو کا ہبہ قابل قسمت میں ہبہ مشاع ہے کما نص علیہ علماؤنا فی غیر ما کتاب (جیسا کہ اس پر ہمارے علماء نے متعدد کتب میں نص فرمائی ہے۔ت) اور ایسا ہبہ مذہب صحیح پر محض بے اثر کہ بعض قبض بھی مورث ملک نہیں ہوتا جب تک جدا کرکے واہب کی طرف سے تسلیم نہ واقع ہو کما حققہ فی الخیریۃ والعقود الدریۃ ورد المحتار وغیرھا (جیسا کہ خیریہ، عقود دریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) تو وہ ڈیڑھ سو بدستور ملک محمود بیگ پر رہے، ان دونوں صورتوں میں بعینہٖ انہیں روپوں کا نصف محمود بیگ کو ملنا چاہئے، غرض باقی کی نصف مقدار میں ہر طرح محمود بیگ کا استحقاق ثابت، ہاں جس قدر عبدالغفور بیگ صرف کرچکا تھا اس کا نصف بھی محمود بیگ کو ملے یا نہیں، یہ محل نظر ہے، اگر ثابت ہو کہ وہ روپے اس نے قرضًا یا ہبۃً دئے تھے تو بیشک ملنا چاہئے "لضمان القرض وبطلان الھبۃ فانقلبت مضمونۃ بالاستھلاک" (قرض کے ضمان اور ہبہ کے بطلان کے سبب لہٰذا اہلاک کرنے پر ضمان ہوگا۔ت) اور اگر اباحۃً دئے تھے یعنی مجرا لینا منظور نہ تھا نہ ان ڈیڑھ سو کا عبدالغفور بیگ کو مالک کیا تھا بلکہ جیسے بحالتِ اتحاد ویکجہتی ایک مال دوسرے کے خرچ میں آجاتا ہے اور اس کا معاوضہ مقصود نہیں ہوتا یوں دئے تھے تو جو صرف ہوگئے ہوگئے، ان کا بدل محمود بیگ کو نہیں مل سکتا "لان الاباحۃ تصح فی المشاع ولا تضمن" (کیونکہ اباحت حصص والی چیز میں صحیح ہوتی ہے اور اسی پر ضمان نہیں آتا ہے۔ت) اور بیشک عرف ناس پر لحاظ سے یہاں ظاہر یہی صورت ہے اور ظاہر پر عمل واجب جب تک دلیل سے اس کا خلاف نہ ثابت ہو، کہ عرف اعظم دلائل شرعیہ سے ہے۔ خیریہ میں ہے:

ان کان العرف قاضیا بانھم یدفعونہ علی وجہ البدل یلزم الوفاء بہ، وان کان العرف بخلاف ذٰلك بان کانوا لا ینظرون فی ذٰلك الی اعطاء البدل فلا رجوع فیہ بعد الھلاك والاستھلاك والاصل فیہ ان المعروف عرفا کالمشروط شرعا[1] اھ ملخصًا۔	اگر عرف بتائے کہ لوگ اس کو بدلہ کے طور پر دیتے ہیں تو پھر بدلہ پورا کرنا لازم ہے اور اگر عرف اس کے خلاف ہو کہ لوگ اس میں عوض کے منتظر نہیں ہوتے تو پھر ہلاک کرنے ہلاک ہوجانے پر رجوع نہیں کیا جائے گا، اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ عرف میں مشہور معاملہ شرعًا مشروط کی طرح ہوتا ہے اھ ملخصًا (ت)

ظہیریہ میں امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول:

التعویل علی العرف حتی یوجد وجہ یستدل بہ علی غیر ما قلنا[2]۔	عرف پر اعتماد ہوگا اگر موجود ہو تو یہ قابل استدلال وجہ بن سکے گا جیسا کہ بہت دفعہ ہم ذکر کرچکے ہیں (ت)

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] فتاوٰی ظہیریۃ

ولہذا باآنکہ اگر زید عمرو کو کچھ روپے دے کہ خرچ کرے، یا اپنی حاجتوں میں اٹھا، یا ان سے راہِ خدا میں جہاد کر، تو قرض ٹھہرتا ہے اگر شوہر عورت کو دے کہ کپڑے بنا کر میرے پاس پہن ہبہ ٹھہرے گا، یونہی طالب علم کو لکڑیاں وغیرہ دیں کہ اپنی کتابوں میں صرف کیجئے ہبہ قرار پائے گا کہ یہاں عرف قاضی تملیک ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

دفع الیہ دراھم فقال لہ انفقھا ففعل فھو قرض کما لوقال اصرفھا الی حوائجک[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ دراہم دئے کہ خرچ کرو تو اس سے لے کر خرچ کرلئے تو یہ قرض قرار پائے گا جیسے کوئی یوں کہے کہ یہ اپنی ضروریات میں صرف کرو(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لاٰخر خذ ھذا المال واغزفی سبیل اللہ عزو علا فھو قرض کذا فی الظھیریۃ[2]۔	اگر یوں کہا یہ مال لو اور فی سبیل اللہ جہاد کرو، تو یہ قرض شمار ہوگا، ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اعطی لزوجتہ دنانیر لتتخذبھا ثیابا وتلبسھا عندہ فدفعتھا معاملۃ فھی لھا قنیۃ[3]۔	خاوند نے بیوی کو کچھ دینار دئے کہ وہ کپڑا لے کر گھر میں لباس کے طور پہنے تو بیوی نے وہ دینار آگے معاملہ کے طور پر کسی کو دے دئے تو بیوی کو اختیار ہے، قنیہ (ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لمتفقہ اصرف ھذہ الخشبۃ الی کتبك فھو ھبۃ والصرف الی الکتب مشورۃ کذا فی القنیۃ[4]۔	کسی نے طالبعلم کو کہا کہ یہ لکڑی لے جا کر اپنی کتب کے لئے استعمال کرو، تو یہ ہبہ ہوگا، اور کتب کے لئے استعمال صرف مشورہ ہوگا، جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

اسی طرح اگر کسی کو مثلاً قاب پلاؤ یا اور کوئی عاریت کا نام کرکے دیا تو قرض ٹھہرے گا "لان عاریۃ مالاینتفع بہ الا بالاستھلاك قرض" (کیونکہ ایسی چیز کو عاریۃً دینا جس کو صرف کرکے ہی نفع لیا جاسکتا ہے تو وہ قرض ہوتا ہے۔ت) اور ان میں باہم دوستی واتحاد ہے تو اباحت "لمکان العرف" (اباحت ہے کیونکہ یہی عرف ہے۔ت) درمختار

---

[1] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الھبۃ تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۱

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[4] الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

میں ہے:

لو اعارہ قصعۃ ثرید فقرض ولو بینہما مباسطۃ فاباحۃ[1]۔	اگر ثرید کا پیالہ عاریۃً دیا تو قرض ہوگا اور لین دین والوں میں بے تکلفی ہو تو یہ اباحت ہے (ت)

بالجملہ مدار عرف پر ہے اور یہاں عرف قاضی اباحت کہ جو بھائی باہم یکجا رہتے اور اتفاق رکھتے اور خورد و نوش وغیرہا مصارف میں غیریت نہیں برتتے، ان کی سب آمدنی یکجا رہتی ہے، اور جسے جو حاجت پڑے بے تکلف خرچ کرتا اور دوسرا اس پر راضی ہوتا اور واپسی کا ارادہ نہیں رکھتا، نہ وہ آپس میں یہ حساب کرتے ہیں کہ اس دفعہ تیرے خرچ میں زائد آیا اتنا مجرا دے، نہ صرف کے وقت ایک دوسرے سے کہتا ہے میں نے اس روپے سے اپنے حصے کا تجھے مالک کردیا بلکہ یہی خیال کرتے ہیں کہ باہم ہمارا ایک معاملہ ہے جس کا مال جس کے خرچ میں آجائے کچھ پروا نہیں، اور یہ عین معنی اباحت و تحلیل ہے تو جب تک اس کا خلاف دلیل سے ثابت نہ ہوگا اباحت ہی قرار دیں گے اور زر صرف شدہ کا نصف محمود بیگ کو نہ ملے گا، **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۳: از ریاست رام پور بلاسپور دروازہ مرسلہ شہزادہ میاں معرفت مولوی سید خواجہ احمد صاحب ۱۴ صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی تعدادی (۳لعہ /عگہ) پختہ کے چند اشخاص بذریعہ میراث بطور اشتراک مالک تھے اور اسی طرح چند روز تک مالک رہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے (للعہ عگہ ۱۴بسوہ) پختہ اراضی پر منجانب سرکار قبضہ ۱۳۰۸ سنہ ف میں ہوگیا، یہ مقبوضہ اراضی سرکارہ وہ ہے کہ جس میں اشخاص مذکورہ بالا کے مورث نے بازار پینٹھ لگایا تھا، بعد ازاں اراضی مذکورہ مع اس اراضی پینٹھ والے کے ۱۳۱۴ سنہ فصلی میں باہم تقسیم ہوگئی اور عملدرآمد سرکار میں بھی اس تقسیم کا ہوگیا اور حصص ہر ایک کے مشخص اور ممتاز ہوگئے۔ مثلاً زید کے حصے میں یہ اراضی مقبوضہ سرکار پینٹھ والی مع کچھ دیگر اراضی کے (جملہ لعہ ۴ عگہ) پختہ آئی اور سب شرکاء رضامند اس تقسیم ہوگئے اور زید نے اور ایک بیگہ اراضی دیگر شرکاء سے منجملہ ۶ بیگہ پختہ کے خرید بھی لی بعد ان معاملات کے زید نے سرکار میں چارہ جوئی کی اور چاہا کہ سرکار اپنا قبضہ اراضی پینٹھ مذکور پر سے اٹھالے، سرکار نے قبضہ تو نہیں اٹھایا لیکن معاوضہ میں بجائے قبضہ اٹھانے کے دیگر اراضی دے دینے کا حکم دے دیا، اور سرکار کے قبضہ کو اس اراضی پر اٹھارہ ۱۸ سال ہوئے سترہ ۱۷ سال کے منافع کے بابت اندازہ ظاہر کرکے صرف مبلغ (الما للعہ نقد ۸) دے دینے کا بھی حکم صادر فرمادیا۔ اب دیگر شرکاء زید جو اسکے سابق میں شریک تھے وہ چاہتے ہیں کہ اس زر نقد سرکار کے عطیہ میں سے ہم کو بھی ملنا چاہئے، جس حاکم کے قبضہ میں وہ روپیہ ہے ان کی رائے ہے کہ روپیہ مذکورہ سترہ سال پر

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

بانٹا جائے۔جب سے کہ تقسیم ہوگئی ہے یعنی ۱۳۱۴ھ ف لغایت ۱۳۲۵ھ فصلی،تو زید کو تنہا جائے،اور جتنے زمانہ تک اراضی مشترکہ یعنی از ابتداء لغایت ۱۳۱۳ھ ف بلحاظ حصص شرکاء روپیہ تقسیم کیا جاوے،اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اراضی پینٹھ والی اب سرکار میں خالص حق وملک زید کی قرار پائی ہے اور زید ہی نے کوشش کرکے معاوضہ کا حکم کرایا،اور سرکار سے روپیہ بھی تنہا زید ہی کو دے دینے کا حکم ہوا،ایسی صورت میں کیا زمانہ اشتراک کا عذر کرکے دیگر شرکاء بھی رقم مذکورہ میں سے لینے کے مستحق ہیں یا کیا؟امید کہ جواب صاف صاف بلارُو رعایت تحریر فرمایا جائے۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

حق کے سوا کسی کی رو رعایت خادمانِ شرع کا کام نہیں،اگر وہاں کچھ فتوی نویس اسکے عادی سمجھے ہوں تو سب کو ان پر قیاس نہ کیا جائے،وہ زمین اگرسب شرکاء کی طرف سے معد للاستغلال تھی اور ریاست کو اس کا علم تھا **کما فی الدر عن الخیر الرملی** (جیسا کہ درمختار میں خیر الدین رملی سے منقول ہے۔ت) یا اس کا ایسا ہونا عام طور پر معروف تھا **کما فی ردالمحتار ویؤیدہ مسألۃ الخان والحمام فی الاشباہ والدر** (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے جس کی تائید خانوت اور حمام والا مسئلہ کررہاہے جو اشباہ اور درمختار میں مذکور ہے۔ت) تو بلاشبہہ یہ معاوضہ تازمانہ شرکت حسب حصص سب شرکاء کا ہے،

لان الاعداد قائم مقام الایجاب والاخذ مقام القبول فکانوا کلھم عاقدین فوجب الاجر لھم جمیعا۔	کیونکہ تیار کرنا ایجاب اور لینا قبول کے قائم مقام ہوتا ہے،تو یہ تمام لوگ عقد کرنے والے قرار پائینگے تو سب کے لئے معاوضہ واجب ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے یہ صورت کہ متصرف زید تھا اور وہ سب شرکاء کا کارکن،اور اس نے سب کے لئے اعداد کیا،

فانہ اذن منھم جمیعا بحکم الاذن ولو فی ضمن العموم۔	کیونکہ وہ ان سب کی طرف سے اجازت ہوگی اگرچہ اذن عموم کے ضمن میں پایا گیا۔(ت)

اور اگر اعداد سب کی طرف سے نہ تھا زید نے تنہا اپنے لئے کیا اور اس حالت میں ریاست نے اسے لیا اور اب یہ معاوضہ دیا تو اس کا مالک تنہا زید ہے،

لانہ ھو العاقد والمنافع لاتتقوم الا بالعقد فلاتکون الا لہ کما فی الھندیۃ والخیریۃ والعقود الدریۃ۔	کیونکہ وہ اکیلا ہی عاقد ہے جبکہ منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں لہٰذا یہ صرف اسی کے لئے ہونگے جیسا کہ ہندیہ،خیریہ اور درر میں ہے(ت)

مگر تازمانہ شرکت بقدر حصص شرکاء زید کے لئے ملک خبیث ہے **لتصرف فی ملک غیرہ** (غیر کی ملکیت میں تصرف کی وجہ سے) اس پر لازم ہے کہ اس قدر تصدق کرے یا شرکا کو دے اور یہی اولیٰ ہے **کما فی الخیریۃ**

وغیرھا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور ان کے لئے طیب ہوگا لانہ نماء ملکھم (کیونکہ یہ ان کی ملکیت میں اضافہ ہوا ہے۔ ت) اور اگر معد للاستغلال نہ تھی تو کسی شریک کے لئے کوئی معاوضہ ریاست کے ذمے نہ آیا لعدم الاجارۃ صراحۃ ولا دلالۃ (اس لئے کہ اجارہ نہ صراحۃً ہے نہ دلالۃً۔ت) جو کچھ دیا وہ محض ہبہ وعطیہ ہے جسے دیا تنہا اسی کا کام ہے اور تمام وکمال اس کے لئے طیب وحلال ہے،

لانہ لیس عوضاً من مشترك حتی یحتمل اشتراك الشرکاء فیہ۔	مشترکہ چیز کا معاوضہ نہیں تاکہ اس میں شرکاء حضرات کی شرکت کا احتمال ہو۔ (ت)

مگر یہ کہ شرکاء میں کوئی یتیم ہو تو البتہ اس کے حصے کے قابل بعد اخذ ریاست تا انتہائے شرکت جتنے دنوں وہ نابالغ رہا ہو اس قدر کا حصہ اس یتیم کو دینا واجب ہے،

لانہ منافع مالہ کمنافع الوقف مضمونۃ بالاستھلاك بلاشرط الاعداد کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	کیونکہ یتیم کے مال کے منافع وقف کے منافع کی طرح ہلاک کرنے پر مضمون ہو جاتے ہیں اگرچہ یہ شرط نہ کی گئی ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ مشہور کتب میں ہے (ت)

یہ استثناء صورت ثانیہ میں بھی جاری ہوگا اور قدر حصہ یتیم میں زید تصدق کا اختیار نہ رکھے گا بلکہ یتیم ہی کو دینا واجب، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴ تا ۱۰: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان ومحمد صاحبان ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس میں کہ خالد کے پانچ پسر، زید، بکر، حامد، جعفر اور تین دختر ہیں، خالد نے مکان مسکونہ بنوایا۔ زید، بکر، عمرو جنکی شادی ہو گئی تھی اور بالغ تھے کچھ روپے سے اس کی تعمیر میں خالد کے شریک ہوئے۔ چند سال بعد خالد نے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ، مکانات واسباب دکانداری وغیرہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کیا اور یہ مکان مسکونہ بھی اس ہبہ نامہ میں درج ہوا، ہبہ نامہ کی تحریر کے بعد تین سال تک خالد زندہ رہا مگر جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر جس کو وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود قابض رہا۔ خالد کی حیات میں زید، بکر، عمرو، حامد واسطے خورد ونوش کے فی کس پانچ روپے دیتا تھا اور سبھوں کا کھانا یکجائی پکتا۔ جعفر صغیر سن تھا اسی وجہ سے شریک نہ تھا، ہر پسر اپنی اپنی آمدنی علیحدہ اپنے پاس رکھتا تھا اور امور خانگی میں خود خرچ کرتا تھا، صرف کھانا یکجائی تھا، بعد انتقال خالد ہندہ کے زمانہ میں بھی خورد ونوش کا ایسا ہی انتظام رہا، اور دکان بلا فہرست اسباب عمرو کے سپرد ہوئی اس شرط پر کہ وہ ایک آنہ ۱/فی روپیہ دستوری لے لیا کرے جب مال فروخت ہو، اور وہ حساب کتاب بھی لکھتا رہے۔

تھوڑے دنوں تک عمرو نے حساب کتاب لکھا مگر پھر خود ہی بند کر دیا۔ بعد وفات خالد ہندہ کے حیات میں

مکان مسکونہ میں تعمیر مزید کی ضرورت ہوئی اور حامد نے کام شروع ہونے میں روپیہ دیا، روپے کی کمی عمرو پوری کرتا تھا جن کے تعلق دکان تھی اور اپنی انگریزی پھیری بھی پھیرتا تھا مگر آمدنی دونوں کی یکجا رکھتا تھا اس اثناء میں خاص اپنا روپیہ لگا کر زید نے اپنے لئے بنگلہ اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا جو اب تک قائم ہے ہندہ کے انتقال کے بعد حامد نے ایک بنگلہ اپنے واسطے اس مکان مسکونہ میں اپنے روپے سے بنوایا، اور یہ اس روپے کے علاوہ ہے جو کہ حامد نے تعمیر مزید کے شروع کرنے میں دیا تھا، دیگر یہ کہ زید کی وفات کے بعد اس کی بیوہ کو دو آنہ فی یوم اب تک دکان سے جو عمرو کے متعلق ہے ملتا ہے۔ اور عمرو کا بیان ہے کہ دکان کے ذمہ قرض بھی ہے مگر خالد وہندہ نے کوئی قرضہ نہیں لیا تھا اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے مکان مسکونہ کس طور پر تقسیم ہوگا؟ (۱) آیا زید وبکر وعمرو کا روپیہ جو حیات خالد وہندہ میں لگا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۲) حامد کا روپیہ اور زید کا بنگلہ جس کا وقوع بعد انتقال خالد مگر ہندہ کی حیات میں ہوا ہے مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۳) حامد کا بنگلہ جو بعد وفات خالد وہندہ کے تعمیر ہوا مجرا ہوگا یا نہیں؟

(۴) دختروں کو مکان مسکونہ میں کس قدر حصہ پہنچ سکتا ہے صرف اس قدر مکان میں جو خالد کے انتقال کے وقت تھا یا نئی تعمیر سے لے کر؟

(۵) عمرو کی دکان کا حساب نہ لکھنے پر کوئی الزام اس پر آسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) زید کے بیوہ کو دو آنہ ۲/ فی یوم جو دکان سے ملتا ہے واپس ہوگا یا نہیں؟

(۷) عمرو کو جو قرضہ دکان مجرا ہوگا یا نہیں؟ **فقط بینوا توجروا۔**

الجواب:

جواب سوال اول: ان مسائل میں اصل کلی یہ ہے کہ جو شخص اپنے مال سے کسی کو کچھ دے اگر دیتے وقت تصریح ہو کہ یہ دینا فلاں وجہ پر ہے مثلاً ہبہ یا قرض یا ادائی دین ہے جب تو آپ ہی وہی وجہ متعین ہوگی اور اگر یہ کچھ ظاہر نہ کیا جائے تو دینے والے کا قول معتبر ہے کہ وہ اپنی نیت سے خوب آگاہ ہے اگر اپنی نافع نیت بتائے گا مثلاً کہے میں نے قرضاً دیا قرض میں دیا ہبہ مقصود نہ تھا تو اس کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور جو اس کے خلاف کا مدعی ہو وہ محتاج اقامت بینہ ہوگا مگر جبکہ قرائن ودلائل عرف سے اس کا یہ قول خلاف ظاہر ہو تو نہ مانیں گے اور اسی کو اقامتِ بینہ کی تکلیف دیں گے بکثرت مسائل اسی اصل پر متفرع ہیں، مداینات العقود الدریۃ میں بزازیہ سے ہے:

القول قول الرافع لانہ اعلم بجھۃ الدفع[1]۔	دینے والے کی بات معتبر ہوگی کیونکہ دینے کی وجہ کو وہ بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب المداینات القول قول الرافع الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۴

فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح میں ہے:

دفع الی غیرہ دراھم فانفقھا وقال صاحب الدراھم اقرضتکھا وقال القابض لابل وھبتنی کان القول قول صاحب الدراھم[1]۔	ایک نے دوسرے کو کچھ درہم دئے تو اس نے لے کر خرچ کر لئے، دراہم دینے والے نے کہا میں نے تجھے قرض دئے تھے اور لینے والا کہتا ہے نہیں بلکہ تو نے مجھے ہبہ دیا ہے، تو دینے والے کی بات معتبر ہوگی (ت)

جامع الفصولین فصل رابع وثلثین میں ہے:

صدق الدافع بیمینہ لانہ مملک[2]۔	دینے والے کی بات قسم کے ساتھ مصدقہ قرار پائے گی کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

دفع الی ابنہ مالافاراداخذہ صدق انہ دفعہ قرضا لانہ مملک[3]۔	بیٹے کو کچھ مال دیا اب واپس لینا چاہتا ہے تو قرض کے طور پر دینا مانا جائے گا کیونکہ وہ دینے والا ہے (ت)

وہیں ہے:

یصدق المملک لانہ اعرف فقول العالم اولٰی بان یقبل من قول الجاہل الافیما یکذب عرفا[4]۔	مالک بنانے والے کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ وہ بہتر جانتا ہے تو جاننے والے کی بات کو ماننا اولٰی ہے بجائے اس کے کہ جاہل کی بات مانی جائے الّا یہ کہ عرف اس کو جھوٹا قرار دے (ت)

ہدایہ میں ہے:

(من بعث الی امرأتہ شیئا فقالت ھوھدیۃ وقال الزوج ھو من المھر فالقول قولہ) لانہ ھوالمملک فکان اعرف بجھۃ التملیک کیف وان الظاھر انہ	جس نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی تو بیوی نے کہا یہ ہدیہ ہے اور خاوند نے کہا یہ مہر میں شمار ہے، تو خاوند کی بات معتبر ہے کیونکہ وہ مالک بنانے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ کو بہتر جانتا ہے اس کے خلاف کیسے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح فصل فی حبس المرأۃ نفسہا بالمھر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۸

[2] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[3] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[4] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

یسعی فی اسقاط الواجب(الٰی فی الطعام الذی یؤکل)فان القول قولھا او المراد منه مایکون مھیأ للاکل لانه یتعارف ھدیة[1] الخ۔	ہوسکتا ہے جبکہ ظاہر یہ ہے کہ خاوند اپنے ذمہ واجب کی ادائیگی میں کوشاں ہے ہاں کھائی جانیوالی چیز میں یہ بات ظاہر نہیں کیونکہ اس میں بیوی کی بات معتبر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز کھانے کے لئے مہیا کی گئی ہو کیونکہ عرفاً ایسی چیز ہدیہ قرار پاتی ہے الخ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیعه ماذکر من الحنطة واللوز والدقیق والسکر والشاة الحیة وباقیھا یکون القول فیھا قول المرأة لان المتعارف فی ذٰلك كله ارساله ھدیة فالظاھر مع المرأة لامعه ولایکون القول له الافی نحوالثیاب والجاریة[2]۔	ہمارے دیار میں گندم، بادام، آٹا، شکر، زندہ بکری، اس کا گوشت وغیرہ مذکورہ تمام اشیاء میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ عرف میں ان تمام چیزوں کو ہدیہ کے طور پر ارسال کیا جاتا ہے اس لئے ظاہر عورت کی تائید کرتا ہے نہ کہ مرد کی، خاوند کی بات صرف کپڑوں اور لونڈی وغیرہ جیسی چیزوں میں معتبر ہوتی ہے (ت)

نہرالفائق میں ہے:

وینبغی ان لایقبل قوله ایضافی الثیاب المحمولة مع السکرونحوہ للعرف[3]	مناسب ہے کہ خاوند کی بات شکر وغیرہ کے ساتھ ارسال کئے گئے کپڑوں میں معتبر نہ ہو کیونکہ عرف یہی ہے (ت)

حاشیہ ابی السعود الازھری علی الکنز میں ہے:

ینبغی ان یکون القول لھا فی غیرالنقود للعرف المستمر[4]۔	مناسب ہے کہ نقود کے غیر میں بیوی کی بات معتبر ہو کیونکہ عرف میں یہی جاری ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

کذامایعطیھامن ذٰلك اومن دراھم	یونہی شب زفاف کی صبح کو جو درہم یا دینار دئے جاتے ہیں

---

[1] الھدایة کتاب النکاح باب المھر المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۳۱۷

[2] فتح القدیر باب المھر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶

[3] ردالمحتار بحوالہ النھر الفائق کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[4] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین کتاب النکاح باب المھر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۰

اودنا نیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبیحۃ فان کل ذٰلک تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ [1]۔	ان کو عرف میں صبحہ کہا جاتا ہے کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ ہدیہ ہونے پر عرف بن چکا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں اگر صراحۃً ثابت ہے کہ زید و عمرو وبکر نے یہ روپیہ اپنے باپ کو قرضًا دیا تھا تو ضرور واپس ہوگا، یا صراحۃً ثابت ہو کہ بطور حسن سلوک وخدمت پدر ہبۃً دیا تھا تو ہر گز واپس نہیں ہو سکتا **لتحقق موانع عدیدۃ للرجوع** (رجوع کرنے میں متعدد موانع پائے جانے کی وجہ سے۔ت) یا ان کے یہاں معمول قدیم رہا ہو کہ جب کبھی ایسے صرف کی باپ کو ضرورت ہوئی ہے بیٹے اس کے شریک ہوئے ہیں اور وہ شرکت ہمیشہ بے قصد واپسی رہی ہے تو قول بقیہ ورثہ کا معتبر ہوگا کہ یہ دینا بھی اسی طرح تھا قرض نہ تھا دینے والے اگر مدعی ہوں کہ اس بار ہم نے قرضًا دیا تھا تو ازانجا کہ ان کا وہ عرف باہمی اس دعوے کے خلاف ہے بارِ ثبوت ان کے ذمہ ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قدقال العلامۃ فی الاسرار امر رجلا بان یعمل لہ عمل کذا ولم ینطقا شیئا فی الاجر وعدمہ ان کان العامل من قبل ممن یعمل لہ او للناس مثل ھذا العمل بغیر اجر کان متبرعا [2]۔	علامہ نے اسرار میں فرمایا ایک شخص نے دوسرے کو کوئی کام کرنے کو کہا اور اس پر انہوں نے معاوضہ ہونے نہ ہونے کا کوئی ذکر نہ کیا تو اگر کام کرنے والا قبل ازیں اس شخص کا کام بغیر اجرت کرتا رہتا ہے یا دوسرے لوگوں کا کام بلااجرت کرتا رہتا ہے تو مفت شمار ہوگا۔(ت)

اور اگر سب کچھ نہ ہو تو عمرو بکر خود اور زید کے وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ یہ دینا بطور ہبہ نہ تھا مگر عمرو بکر کہ زندہ ہیں قطعی قسم کھائیں گے اور وارثان زید اپنے علم پر یعنی واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ ہمارے مورث زید نے یہ روپیہ اپنے باپ خالد کو ہبۃً دیا تھا،

کما عرف من الحکم فی الیمین علی فعل الغیر فانھا انما تکون علی العلم لامع البتات۔	جیسا کہ کسی دوسرے شخص کے کام کرنے کے متعلق قسم میں معلوم ہوچکا ہے کہ وہ حکم علم پر مبنی ہوتا ہے مطلقًا قطعی نہیں ہوتا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الاجارہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳

جامع الفصولین میں ہے:

الوارث یصدق ان الاب اعطاہ بجھۃ الدین لقیامہ مقام مورثہ فیصدق فی جھۃ التملیک[1]۔	وارث کی یہ بات تسلیم کرلی جائے گی کہ والد نے فلاں کو چیز بطور قرض دی تھی کیونکہ وارث اپنے مورث کے قائم مقام ہوجاتا ہے اس لئے تملیک کی وجہ میں اس کی تصدیق کی جائے گی۔(ت)

اس صورت میں اگر بقیہ ورثہ خالد مدعی ہبہ ہوں گواہ دیں واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

کا مطالبہ مطلقًا کرسکتا ہے کہ اگر یہ دینا قرضًا تھا جب تو ظاہر، اور اگر بطور ہبہ ہی تھا تاہم دو طرح کا شیوع رکھتا ہے:

اولًا: چند شخصوں کو روپے ہبہ کرنا۔

ثانیًا: اپنے حصے کے ماورا کا ہبہ کرنا کہ اگر بالفرض سب شرکاء نہیں ایک ہی شریک کو باقیوں کے لئے ہبہ کرنا ہوتا جب بھی اپنا حصہ سے ہبہ جدا رہنے کے باعث محتمل قسمت میں مشاع تھا اور اس قسم کا شیوع صدقہ میں بھی جائز نہیں اگرچہ قسم اول یعنی چند شخصوں پر تصدق جائز ہے بخلاف ہبہ کہ اس میں دونوں قسم کا مشاع مفسد ومبطل ہے جبکہ وہ شیئ صالح تقسیم ہو۔ درمختار میں ہے:

تصدق بعشرۃ دراہم اووھبھا لفقیرین صح لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد فلاشیوع لالغنیین لان الصدقۃ علی الغنی ھبۃ فلاتصح للشیوع ای لاتملك حتی لوقسمھا وسلمھا صح[2]۔	دو فقیروں کو دس درہم بطور صدقہ یا ہبہ اکٹھے دے دئے تو صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ میں اللہ تعالٰی کی رضا مقصود ہوتی ہے اور وہ واحد ہے اس لئے اس میں شیوع یعنی قابل تقسیم ہونا، نہ پایا گیا، لیکن یہ صورت دو غنی حضرات کو صدقہ کرنے میں صحیح نہیں کیونکہ غنی کے لئے صدقہ بھی ہبہ ہوتا ہے جب کہ ہبہ میں شیوع درست نہیں یعنی دونوں غنیوں میں سے کوئی بھی غیر منقسم کا تقسیم اور قبضہ سے قبل مالک نہ بنے گا(ت)

تنویر میں ہے:

الصدقۃ کالھبۃ لاتصح غیر مقبوضۃ	صدقہ ہبہ کی طرح ہے لہذا بغیر قبضہ اور غیر منقسم کو

---

[1] جامع الفصولین فصل ۳۴ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۷

[2] درمختار باب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ولافی مشاع یقسم [1]۔	تقسیم کئے بغیر درست نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان قلت قدم ان الصدقة لفقیرین جائزة فیما یحتمل القسمة بقوله وصح تصدق عشرة لفقیرین قلت المراد ھنا من المشاع ان یھب بعضه لواحد فقط عـــه فحینئذ ھو مشاع یحتمل القسمة بخلاف الفقیرین فانه لاشیوع کماتقدم بحر [2] اھ۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم	اگر تیرا اعتراض ہو کہ قبل ازیں کہا ہے کہ دو فقیروں کو تقسیم سے قبل قابل تقسیم چیز کا صدقہ جائز ہے، میں کہتا ہوں کہ یہاں۔۔۔۔۔۔کے معاملہ میں مشاع سے مراد یہ ہے کہ فقط اس کا کچھ ایک کو دیا ہو تو یہ مشاع (غیر منقسم جو قابل تقسیم تھا) ہوا، بخلاف فقیروں کے کیونکہ ان میں شیوع نہ پایا گیا، جیسا کہ پہلے گزرا، بحر، اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال سوم وبقیہ دوم: زید وحامد نے زمین مکان مشترک میں جو بنگلے اپنے لئے اپنے روپے سے بنائے وہ خاص انہیں کے ہیں دیگر شرکاء کا ان میں کوئی حق نہیں، اگر باقی شرکاء اب قائم رہنا نہیں چاہتے تو مکان وزمیں موروث مشترک تقسیم کریں، اگر بنگلے کی کل زمین بنگلے ہی کے حصہ میں آکر پڑی جب تو نزاع ہی قطع ہوئی اور اگر وہ کل زمین یا اس کا بعض کسی دوسرے شریک کے حصے میں پڑے تو یا باہمی رضامندی سے زمیں والا اپنی زمین بنگلے والے کے ہاتھ بیع کردے یا بنگلے والا اپنا بنگلہ کل یا بعض زمین والے کے ہاتھ اور کسی طرح تراضی نہ ہو تو زمین والے کو اختیار ہوگا کہ بنگلہ کل یا بعض جس قدر اس کی زمین میں واقع ہوا اکھڑوا دے اور اس کے سبب اگر زمین کو کچھ نقصان قلیل پہنچے اس کا تاوان بنگلہ والے سے لے لے اور اگر نقصان سخت کثیر پہنچے کہ زمین کو خراب وبیکار کردے تو اسے اختیار ہے کہ اس قدر عمارت بنگلہ جو اس کی زمین میں ہے اپنی ملک ٹھہرالے اگرچہ صاحب بنگلہ راضی نہ ہو اور اسے،

عـــه: قوله فقط ناظر الی بعضه لاالی واحد حتی لو وھب بعضه فقط لجماعة لم تجز ایضا ولو وھب کله لغیرہ واحد جاز فی الصدقة کمالایخفی ۱۲منه (م)	قولہ، فقط، کا تعلق لفظ "بعض" سے ہے نہ کہ "واحد" سے، حتی کہ بعض حصہ اگر پوری جماعت کو بھی دیا تو جائز نہ ہوگا اور اگر سارا متعدد کو دے دیا تو صدقہ میں جائز ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ۱۲ منہ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] ردالمحتار باب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۲۲

اس تعمیر کی وہ قیمت دے دے جو روز واپسی زمین ایسی عمارت کا اس حال میں نرخ ہو جبکہ اسکے گرادینے کا حکم ہولیا ہو، اور اس کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ اگر یہ عمارت گرادی جائے تو جس قدر عملہ ٹوٹ پھوٹ کر بعد گرانے کے نکلے اس کا بھاؤ روز واپسی کیا ہوگا اور گروانے میں کیا مزدوری جائے گی یہ مزدور اس عملہ کے بھاؤ سے گھٹا کر جو بچے وہ اس دن اس عمارت کی قیمت ہے جس کے گرانے کا حکم ہولیا۔ درمختار کتاب القسمۃ میں ہے:

بنی احد الشریکین بغیر اذن الاخر (وکذا لوباذنہ لنفسہ لانہ مستعیر لحصۃ الاٰخر وللمعیر الرجوع متی شاء رملی علی الاشباہ اھ ش) فی عقار مشترك بینہما فطلب شریکہ رفع بنائہ قسم العقار فان وقع البناء فی نصیب البانی فبہا ونعمت والاھدم البناء (اوارضاہ بدفع قیمۃ ط عن الھندیۃ) وحکم الغرس کذٰلك بزازیۃ[1] اھ مزیدا من الشامی۔	مشترکہ جگہ پر ایک شریک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر تعمیر کی دوسرے نے وہاں سے عمارت ہٹانے کا مطالبہ کیا تو زمین کو تقسیم کیا جائے، اگر عمارت بنانے والے کے حصہ میں وہ عمارت آئی تو بہتر ورنہ عمارت کو گرایا جائے گا (اس پر علامہ شامی نے یہ اضافہ فرمایا یونہی شریک کی اجازت سے اپنی ذات کے لئے بنائی تو حکم یہی ہے کیونکہ اس نے گویا وہ زمین عاریۃً عمارت کے لئے اپنے شریک سے حاصل کی اور عاریتًا دینے والے کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے واپس لے لے اھ رملی علی الاشباہ اور طحطاوی میں ہندیہ سے یوں ہے، یا شریک کو قیمت دے کر راضی کرلے) ______ اور پودے لگانے کا حکم بھی یہی ہے، بزازیہ، اھ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اقول: وفی فتاوٰی قارئ الھدایۃ وان وقع البناء فی نصیب الشریك قلع وضمن مانقصت الارض بذٰلك اھ وقد تقدم فی کتاب الغصب متنا ان من بنی او غرس فی ارض غیرہ امر بالقلع وللمالك ان یضمن لہ قیمۃ بناء او غرس امر بقلعہ ان نقصت الارض بہ	**میں کہتا ہوں** اور فتاوٰی قارئ الھدایہ میں ہے اور اگر عمارت شریک کے حصہ میں بنائی تو ہٹائے اور بنانے والے سے زمین کے نقصان کا ضمان لے اھ، متن کے کتاب الغصب میں پہلے گزر چکا ہے کہ جس نے عمارت یا پودے غیر کی زمین میں لگائے تو اسے ہٹانے کا حکم دیا جائے گا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ اگر عمارت گرانے یا پودے اکھاڑنے سے زمین کا جو نقصان ہوا ہو تو اس کا

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۱، ردالمحتار کتاب القسمۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

والظاهر جریان التفصیل هنا کذٰلك تأمل [1] اھ **اقول**: وکذٰلك تقدم فی کتاب العاریة متنا وشرحا حیث قال لواعار ارضاللبناء والغرس صح وله ان یرجع متی شاء ویکلفه قلعهما الااذاکان فیه مضرة بالارض فیترکان بالقیمة مقلوعین لئلا تتلف ارضه [2] اھ وهذااعنی بناء احدالشریکین لایخلو عن احدهما اذلو بنی بغیر اذن شریکه کان غاصبا او به لنفسه کان مستعیرافلاشك فی جریان الحکم المذکور فیهما هنا ثم ماذکرہ قاری الهدایة محله ماذاکان النقصان قلیلاغیربالغ حد افساد الارض والتملك محمول علی النقصان الفاحش کمایفیدہ تعلیل الدر بقوله لئلا تتلف ارضه وقد نقل المحشی عن السائحانی عن المقدسی فی الغصب تحت قول الدر من بنی اوغرس فی ارض غیربغیر اذنه امر بالقلع	ضمان لے اور ظاہر ہے کہ یہاں وہی تفصیل ہوگی، غور کرو اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اور یونہی متن اور شرح کی کتاب العاریۃ میں گزرا ہے جہاں فرمایا کہ اگر زمین عمارت یا پودے لگانے کے لئے عاریۃً دی تو جائز ہے اور اس کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے واپس لے لے اور بنانے والے کو ہٹانے پر مجبور کرے، ہاں اگر عمارت گرانے اور پودے اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو دونوں چیزوں کو ان کی اکھاڑی ہوئی صورت کی قیمت کے بدلے بحال رکھا جائے تاکہ مالک کی زمین تلف نہ ہو اھ، اور شریکین میں سے ایک کا تعمیر کرنا دو حال سے خالی نہیں کہ بغیر اجازت تعمیر کرے گا تو غاصب ہوگا یا اجازت سے اپنی ذات کے لئے تعمیر کرے گا تو عاریۃً حاصل کرنے والا قرار پائے گا تو بلاشک دونوں صورتوں میں وہاں مذکور حکم ہی جاری ہوگا، پھر قاری الہدایہ نے جو ذکر فرمایا تو اس کا محل وہ صورت ہے جب اکھاڑنے میں نقصان کم ہو جس سے زمین میں فساد پیدا نہ ہو، اور قیمت دے کر مالک بننے کی صورت وہ ہے جب زمین کا نقصان زیادہ ہو جیسا کہ درمختار کا یہ علت بیان کرنا "تاکہ زمین تلف نہ ہو" سے بطور فائدہ معلوم ہورہا ہے، اور غصب کے باب میں محشی نے سائحانی اس نے مقدسی سے درمختار کے قول "جس نے غیر کی زمین میں بغیر اجازت عمارت بنائی یا پودے لگائے تو اسے وہاں سے اکھاڑنے

[1] ردالمحتار کتاب القسمۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰

[2] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵٦

والرد وللمالك ان يضمن له قيمة بناء او شجر امر بقلعه ای مستحق القلع ان نقصت الارض به[1] اھ مانصه ای نقصانا فاحشا بحيث يفسدها اما لو نقصها قليلا فيأخذارضه ويقلع الاشجار ويضمن النقصان[2] اھ فبذا التوفيق يتضح المرام وتزول الاوهام والحمدلله ولی الانعام۔	اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا اور مالک کو اختیار ہوگا کہ وہ اکھاڑے ہوئے مکان یا درختوں کی قیمت کا ضامن بن جائے اگر زمین کو نقصان کا خطرہ ہو یعنی اگر نقصان ہو تو اکھاڑنے کا استحقاق ہوگا اھ محشّٰی کی عبارت یہ ہے یعنی ایسا فحش نقصان جو زمین کے فساد کا باعث ہو، لیکن اگر نقصان قلیل ہو تو مالک اپنی زمین واپس لے اور درخت وغیرہ اکھاڑ دے اور نقصان کا ضمان لے اھ تو اس بیان سے مذکورہ عبارات میں موافقت ہوگئی، مقصود واضح ہوگیا اور اوہام ختم ہوگئے اور بزرگی نعمت کے مالک کے لئے ہے۔(ت)

نیز شامی میں ہے:

ای قیمة بناء اوشجر امر بقلعه اقل من قیمته مقلوعا مقدار اجرة القلع فان کانت قیمة المقلوع عشرة واجرة القلع دراھم بقیت تسعة[3] (ملخصًا)	یعنی مکان یا درخت جن کو اکھاڑنے کا حق ہے ان کھاڑے ہوئے کی قیمت سے اکھاڑنے کی مزدوری برابر منہا کرکے بقیہ قیمت دی جائے، مثلاً اگر اکھاڑے ہوئے کی قیمت دس درہم ہو اور مزدوری ایک درہم ہو تو نو درہم قیمت دے گا (ملخصًا)۔(ت)

خیریہ میں ہے:

ان وقع بعضه فی حصته وبعضه فی حصة الاٰخر فما وقع فی حصته فامره اليه وما وقع فی حصة الاٰخر فله ان يکلفه قلعه[4]۔	اگر مکان کا کچھ حصہ اپنی زمین اور کچھ حصہ دوسرے کی زمین میں ہو تو اپنی زمین والا حصہ اس کی صوابدید پر ہے، اور جو حصہ دوسرے کی زمین پر واقع ہے تو دوسرے کو حق ہے کہ وہ اسے گرانے پر مجبور کرے (ت)

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷
[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴
[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۴
[4] الفتاوٰی الخیریہ کتاب القسمة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۶۱

یہ سب اس صورت میں ہے جبکہ مکان صالح تقسیم، اور شرکاء تقسیم پر راضی ہوں ورنہ اگر بقیہ شرکاء اس عمارت کو رکھنا نہ چاہیں توڑھادینے سے چارہ نہیں۔ خیریہ میں ہے:

لایخفی انه اذالم یمکن القسمة اولم یرضیا بها تعین الهدم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مخفی نہیں کہ جب زمین قابل تقسیم نہ ہو یا فریقین تقسیم پر راضی نہ ہوں تو گرائے بغیر چارہ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال چہارم: دختریں مکان قدیم سے کہ وقت مرگ خالد موجود تھا ترکہ پدری پائیں گی کہ ہبہ جو خالد نے ہندہ کے نام کیا تھا بوجہ قبضہ نہ دینے کے موت خالد سے باطل ہوگیا اور ترکہ ترکہ خالد ہی ٹھہرا اور اس میں سے جو حصہ ہندہ نے پایا اور نیز تعمیر مزید سے کہ زمانہ ہندہ میں سب شرکاء کے لئے ہوئی جس قدر حق ہندہ تھا ان دونوں میں سے ترکہ مادری لیں گی اور اگر زید کے ورثہ میں بہنوں کا کوئی حاجب مثلاً بیٹا یا پوتا نہیں تو جب کچھ زید کو ترکہ پدری وہر دو ترکہ مادری سے پہنچا اور اس کا اپنا خاص بنگلہ ان تینوں میں سے میراث برادری کی مستحق ہوں گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال پنجم: حساب دکان لکھنا عمرو پر واجب نہ تھا اگر نہ لکھا اس پر کوئی الزام نہ ہوا،

فی العقودالدریة عن البحرالرائق من تصرفات القیم یجوز الاخذ علی نفس الکتابة ولایجوز الاخذعلی نفس المحاسبة لان الحساب واجب علیه[2] اھ فافادان الکتابة لاتجب علیه حتی جازله اخذ الاجرة علیها فعلم ان الامین فی معاملة لایجب علیه کتابة حسابه وان کان نفس الحساب واجبا علیه۔	عقوددریہ میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ قیمتی تصرفات میں لکھائی پر معاوضہ لینا جائز ہے اور محض حساب پر معاوضہ لینا جائز نہیں کیونکہ حساب اس پر واجب ہے، اھ، اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وہاں لکھائی واجب نہ ہوگی جہاں اجرت لینا جائز ہوگا تو اس سے معلوم ہوا کسی معاملہ منتظم پر حساب کی لکھائی واجب نہیں اگرچہ نفس حساب اس پر واجب ہے۔(ت)

بلکہ یہ قرار داد ہی کہ عمرو وبقیہ شرکاء میں ہو کہ عمرو مال بیچے حساب لکھے اور انی روپیہ دستوری لے محض ناجائز وحرام ہے کما لایخفی علی الفقیه (جیسا کہ فقہ جاننے والے پر مخفی نہیں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الفتاوی الخیریہ کتاب القسمة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۶۰

[2] العقود الدریة تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار، افغانستان ۱/ ۲۱۵

جواب سوال ششم: خاص ہندہ کے لئے اس کے بیوہ ہونے پر شریکوں کا یہ یومیہ مقرر کرنا ظاہراً بہ نیت ثواب، بطور مواسات بیوہ برادر ہے اگر ایسا ہی ہے تو ہرگز واپس نہیں ہوسکتا کہ وہ اس حال میں تصدق ہے اور تصدق میں اصلاً رجوع نہیں۔ درمختار میں ہے:

لارجوع فیھا ولو علی غنی لان المقصود فیھا الثواب لا العوض [1]	اس میں رجوع نہیں اگرچہ غنی پر کیا ہو کیونکہ اس سے مقصود ثواب ہے معاوضہ نہیں ہے (ت)

اور اگر دکان میں جو اس کا استحقاق بذریعہ ترکہ شوہری ہے اسے حق میں سمجھ کر دیتے ہیں تو اگر اس کا حق اسی قدر یا اس سے زائد ہے جب بھی رجوع کے لئے کوئی معنی نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ حق سے زائد پہنچا تو البتہ بقدر زیادت واپس لیا جائے گا۔

فی شرکۃ العقود الدریۃ سئل فیما اذا کان لکل من زید وعمرو عقار جار فی مبلکہ بمفردہ فتوافقا علی ان ما یحصل من ریع العقارین بینھما نصفین واستمر علی ذٰلك تسع سنوات، والحال ان ریع عقار زید اکثر ویرید زید مطالبۃ عمرو بالقدر الزائد الذی دفعہ لعمرو وبناء علی انہ واجب علیہ بسبب الشرکۃ المزبورۃ فھل یسوغ لزید ذٰلک (الجواب) الشرکۃ المزبورۃ غیر معتبرۃ فحیث کان ریع عقار زید اکثر تبین ان مادفعہ لعمرو من ذٰلك بناء علی ظن انہ واجب علیہ ومن دفع شیئا لیس بواجب علیہ فلہ استردادہ الا اذادفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ القابض کما فی شرح النظم الوھبانی وغیرہ من المعتبرات [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عقود دریہ کی کتاب الشرکہ میں ہے کہ زید اور عمرو ہر ایک انفرادی طور پر اپنی زمین کا مالک ہے تو دونوں نے باتفاق طے کیا کہ دونوں زمینوں سے جو پیداوار حاصل ہو وہ دونوں میں نصف نصف ہوگی اسی معاہدہ پر نوسال معاملہ چلتا رہا حالانکہ زید کی زمین زیادہ تھی اب زید اپنے زائد حصہ کا عمرو سے مطالبہ کرنا چاہتا ہے اس مبنٰی پر کہ عمرو کو ادا شدہ حصہ معاہدہ مذکورہ کی وجہ سے واجب تھا تو کیا زید کو اس زائد ادا شدہ کو واپس لینے کا اختیار ہے؟ (الجواب) مذکورہ شراکت معتبر نہیں تو جب زید کی زمین کا رقبہ زیادہ ہے تو پیداوار کا زیادہ ہونا واضح ہوگیا تو معلوم ہوا کہ اس نے عمرو کو جو زائد مقدار دی وہ اس خیال سے دی کہ اس کی ادائیگی واجب تھی جبکہ کوئی شخص غیر واجب چیز کو ادا کرے تو اس کی واپسی مطالبہ کا حق ہوتا ہے، ہاں اگر ہبہ کے طور پر دیا اور قابض نے اس کو ہلاک کردیا ہو تو واپسی کا حق نہیں جیسا کہ

[1] درمختار کتاب الھبہ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶

[2] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ، کتاب الشرکۃ، ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

النظم الوہبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جواب سوال ہفتم: یہ قرضہ کہ عمرو دکان کے ذمے بتاتا ہے اگر یوں ہے کہ اس نے حسب عادت تجار کچھ مال قرضوں مول لیا اور ہنوز زرِ ثمن ادانہ کیا یا دکان میں خسارہ واقع ہونے کے سبب ادانہ ہوسکا تو یہ قرض سب شرکاء کے ذمے حصہ رسد ہوگا اور عمرو کا قول اس بارے میں قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور اگر یوں ہے کہ عمرو نے سرمایہ دکان بڑھانے کے لئے کچھ روپیہ قرض لے کر اور مال خریدا تو یہ قرض خاص ذمہ عمرو ہوگا باقی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔

تحقیق مسئلہ: یہ ہے کہ یہ طریقہ جو اکثر ورثاء میں معمول ہوتا ہے کہ مورث مرگیا اس کے اموال دیہات دکانات یوں ہی شرکت پر بلا تقسیم رہتے ہیں اور منجملہ ورثہ بعض وارث باقیوں کے اجازت ورضامندی سے ان میں تصرف کرتے ہیں شرکت عقد نہیں شرکت ملک ہی ہے،

کما حققه فی العقود الدریة، وقال فی ردالمحتار ھی شرکة ملك کما حررته فی تنقیح الحامدیة ثم رأیت التصریح به بعینه فی فتاوی الحانوتی[1]۔	جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور ردالمحتار میں فرمایا یہ شرکت ملک ہے جیسا کہ میں نے تنقیح الحامدیہ میں اس کو واضح کیا ہے اور پھر میں نے فتاوٰی حانوتی میں اس کی تصریح دیکھی (ت)

اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصہ سے اجنبی ہوتا ہے،

کما صرحوا به قاطبة، وفی الدر المختار کل من شرکاء الملك اجنبی فی مال صاحبه لعدم تضمنها الوکالة[2]۔	جیسا کہ اس کا جواب مکمل طور پر گزرا، اور درمختار میں ہے کہ شرکت ملک کے تمام فریق دوسرے کے مال سے اجنبی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شرکت وکالت کو متضمن نہیں ہوتی۔ (ت)

مگر یہاں کہ تصرف باجازت ورضائے باقی شرکاء ہے یہ تصرف کرنے والا اپنے حصہ میں اصیل اور باقیوں کی طرف سے وکیل ہوتا ہے،

قال فی ردالمحتار یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوھم ان احدھم یموت فتقوم اولادہ علی ترکته بلاقسمة	ردالمحتار میں فرمایا: کاشتکار لوگوں میں جیسے یہ معاملہ عام ہے کہ جب ان شرکاء میں سے کوئی فوت ہوجاتا ہے تو اس کی اولاد تقسیم کے بغیر ہی اپنے والد کے ترکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الشرکہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

ویعملون فیھا من حرث وزراعۃ وشراء واستدانۃ و نحو ذٰلك وتارۃ یکون کبیرھم ھو الذی یتولی مھماتھم ویعملون عندہ بامرہ وکل ذٰلك علی وجہ الاطلاق والتفویض [1] الخ فلا شك فی تحقق معنی التوکیل۔	پر قائم مقام بن جاتی ہے اور کھیتی باڑی اور خرید وفروخت اور لین دین جیسے امور سرانجام دیتی رہتی ہے اور کبھی ان میں سے بڑا وہ خود ہی ضروری امور کا متولی بن جاتا ہے اور چھوٹے اس کے کہنے پر عمل کرتے رہتے ہیں جبکہ یہ تمام کارروائی بطور اجازت اور تفویض ہوتی ہے الخ، تو اس میں وکالت کے معنی پائے جانے میں شک نہیں ہے (ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ میں تو صراحۃً بقیہ شرکاء کی طرف سے عمرو کو تفویض دکان واجازت اعمال تجارت ہوئی یہ معنے وکالت ہیں اور اس میں یہ شرط قرار پانا کہ جو مال بکے عمرو اٹنی روپیہ دستور لے اگرچہ شرط فاسد ہے کہ شریک کو مال مشترک میں تصرف کرنے کے لئے اجیر کرنا اصلاً جائز نہیں،

وھذا باجماع من ائمتنا خلافا للامام الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنھم ثم ھل ھو باطل ام فاسد ذکرناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار. قال فی الدرالمختار لواستأجرہ لحمل طعام مشترك بینھما فلا اجرلہ لایعمل شیئا لشریکہ الاویقع بعضہ لنفسہ فلایستحق الاجر [2] اھ وقال الامام الاتقانی فی غایۃ البیان قال الکرخی قال محمد وکل شیئ استأجر احدھما من صاحبہ ممایکون عملا فانہ لایجوز وان عملہ فلا اجرلہ وکل شیئ لیس یکون عملا استأجرہ احدھما من صاحبہ فھو جائز وقال شمس الائمۃ البیھقی	اس پر ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے بخلاف امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہم، پھر یہ بحث کہ کیا وہ باطل ہے یا فاسد ہے، تو میں نے اس کو ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے، در مختار میں فرمایا کہ اگر ایک شریک مشترکہ سامان کو اٹھانے کے لئے اجیر بنا تو اس کو اجرت نہ ملے گی کیونکہ جو کچھ اس نے اٹھایا اس میں شریک کے ساتھ اس کا اپنا حصہ بھی تھا لہٰذا اس اشتراک کی بناپر وہ اجرت کا مستحق نہ ہوا اھ۔ اور امام اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا کہ امام کرخی نے کہا کہ امام محمد نے فرمایا کہ شریکین میں سے اگر ایک مشترکہ چیز کے کسی عمل میں اجیر بنا تو یہ جائز نہیں اگر اس نے ایسا کیا تو کوئی اجرت نہ پائے گا، اور ایسی مشترکہ چیز جو عمل نہ بنے اس کو اگر شریک اجرت پر لیتا ہے تو جائز ہے، اور شمس الائمہ بیہقی

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

فی الکفایة والاصل ان فی کل موضع لا یستحق الاجر الا بایقاع عمل فی العین المشترك لا یجوزلانه لا یمکن کما فی نقل الطعام المشترك بنفسه او احبته اوغلامه وکل ما یستحق بدون ایقاع عمل فی المشترك یجوز فانه تجب الاجرة بوضع العین فی الدار والسفینة والرحی لا بایقاع عمل اھ[1]	نے کفایہ میں فرمایا کہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسا مقام جہاں صرف عمل کرنے پر ہی اجرت کا مستحق بنے تو وہاں کسی شریک کا اجیر بننا جائز نہیں کیونکہ مشترکہ چیز میں یہ ممکن نہیں جیسا کہ مشترکہ طعام کو خود شریک یا اس کا قریبی یا اس کا غلام منتقل کرنے کا اجیر بنے تو ناجائز ہے، اور ایسا مقام جہاں مشترک چیز میں بغیر عمل اجرت کا مستحق بنے وہاں جائز ہے کیونکہ عین چیز کو گھر میں یا کشتی یا چکی کے مکان میں کرایہ پر رکھ چھوڑنے پر اجرت واجب ہوتی ہے، عمل پر واجب نہیں ہوتی۔(ت)

مگر وکالت شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتی، بزازیہ میں ہے:

الوکالة لاتبطل بالشروط الفاسدة ای شرط کان[2]۔	وکالت فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتی جو بھی شرط ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد الوکالة الخ[3]۔	جو چیز صحیح قرار پائے اور فاسد شرطوں سے فاسد نہ ہو وہ وکالت ہے(ت)

تو وہ شرط ہی فاسد و باطل قرار پائی اور وکالت عمرو صحیح و تام رہی، عالمگیریہ میں ہے:

ولو قال اشترجاریة بالف درهم لك علی شرائك درهم فحینئذ یصیر وکیلا ویکون الوکیل اجر مثله ولایزاد علی درهم[4]۔	اگر کہا کہ ہزار درہم سے لونڈی خرید لاؤ اور خریداری پر تجھے ایک درہم دوں گا تو ایسی صورت میں وہ شخص وکیل قرار پائے گا اور وکیل عمل پر اجرت مثل کا مستحق ہوگا جو ایک درہم سے زائد نہ ہوگی(ت)

اور وکیل بالشراء قرضوں خرید سکتا ہے،

کما نصوا علیه فی غیر ما مسئلة، و	جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہاء کرام نے نص

---

[1] غایة البیان للاتقانی

[2] الفتاوٰی البزازیة علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب الوکالة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳و۵۴

[4] الفتاوٰی الهندیة کتاب الوکالة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۶۶

فی الخانیة الوکیل بالشراء اذااشتری بالنسیئة فمات الوکیل حل علیه الثمن ویبقی الاجل فی حق المؤکل[1]۔	فرمائی ہے، اور خانیہ میں ہے کہ خریداری کے وکیل نے اگر ادھار خرید کی ہوتو وکیل کے فوت ہونے کی صورت میں موکل پر رقم کی ادائیگی آئے گی اور مدت ادھار اس کے حق میں منتقل ہوجائے گی۔ (ت)

بلکہ وکیل تجارت کو موافق معمول تجار قرضوں بیچنے کا بھی اختیار،

فی الدرالمختار صح بالنسیئة ان التوکیل بالبیع للتجارة وان کان للحاجة لایجوز[2]۔	درمختار میں ہے اگر تجارت کے طور پر ادھار فروخت کرے تو جائز ہے اگر اپنی حاجت کی وجہ سے ادھار کیا تو ناجائز ہے (ت)

مگر وکیل کو روپیہ قرض لینے کا اختیار نہیں، نہ قرض لینے پر توکیل روا، اگر لے گا خود وکیل ہی پر قرض ہوگا،

فی جامع الفصولین التوکیل بالاقراض جائز لابالاستقراض[3] الخ۔ وفی ردالمحتار قالوا انمالم یصح التوکیل بالاستقراض لانه توکیل بالتکدی وھو لایصح الخ[4]۔	جامع الفصولین میں ہے قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز ہے اور قرض حاصل کرنے کے لئے وکیل بنانا جائز نہیں الخ (ت) اور ردالمحتار میں ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا: قرض لینے کے لئے وکیل بنانا صحیح نہیں کیونکہ یہ حاجتمندی پر توکیل ہے جو کہ صحیح نہیں ہے الخ (ت)

ہاں اگر صورت یہ ہوتی کہ بقیہ شرکاء عمرو سے کہتے ہم سب شریکوں کے لئے اتنا روپیہ قرض لے کر سرمایہ تجارت بڑھاؤ اور عمرو قرض دینے والے سے کہتا کہ ہم شرکاء کو قرض دے، توالبتہ وہ قرض سب پر ہوتا اور اگر کہتا کہ مجھے ہم سب شرکاء کے لئے قرض دے تو اب بھی خاص عمرو ہی پر ہوتا،

الرسالة بالاستقراض تجوز ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامه مخرج الرسالة یقع القرض للآمر ولو مخرج الولایة	قرض لینے کے لئے قاصد بنانا جائز ہے اور اگر قرض لینے کے لئے بنائے وکیل نے قاصد ہونے کا اظہار کرتے ہوئے قرض لیا تو یہ قرض وکیل بنانے پر ہوگا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوکالة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۷۶

[2] درمختار کتاب الشھادات باب الوکالة بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۷

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدہ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

[4] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۳

بان اضافة الی نفسه یقع للوکیل[1]۔واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	اور اگر وکیل نے وکالت کا اظہار کرتے ہوئے کہ قرض لیا کہ اپنی طرف منسوب کیا تو قرض وکیل کے ذمہ آئے گا،واللّٰہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الوقف

(احکامِ وقف کا بیان)

مسئلہ ۱۱: از مقام کول مانک چوک مسئولہ زوجہ عبدالرشید خاں ۲۲ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کسبی تائبہ کو کچھ جائداد پاک بعوض دین مہر کے ملی ہے یہ اس کے تئیں وقف کیا چاہتی ہے اور متولی خود اپنی حیات میں آپ ہونا چاہتی ہے اور بعد کو دوسرے کو کیا چاہتی ہے، آیا یہ وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ مگر اس جائداد میں ایک قید یہ لگی ہے کہ حین حیات اس نے پائی ہے بعد کو جس سے ملی ہے اسی پر عود کرے گی تو اس صورت سے وقف دوامی کرسکتی ہے یانہیں؟ اور دوامی نہ کرسکے تو حین حیات اپنی وقف کرسکتی ہے یانہیں؟ اور حین حیات وقف کرکے کسی دوسرے کو متولی کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جائداد مہر میں دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے، اور بعد وفات شرط واپسی شرط فاسد ہے، اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد وحرام ہوجاتی ہے، اس کا فسخ کرنا بائع ومشتری دونوں پر فرض ہوتا ہے، اور ان میں کسی کے مرنے سے یہ حکم فسخ زائل نہیں ہوتا، اگر نہ فسخ کریں تو گنہگار رہتے ہیں اور عقد فاسد سے جو جائداد خریدی جائے مشتری اگرچہ بعد قبضہ اس کا مالک ہوجاتا ہے مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس کا ازالہ واجب ہوتا ہے، علماء کو اختلاف ہے کہ اسی حالت پر اگر مشتری اسے وقف کردے تو وقف صحیح ولازم ہوجائے گا صرف واقف کے ذمہ اس عقد فاسد کو فسخ نہ کرنے کا گناہ رہے گا جو بے توبہ نہ جائے گا یا وقف ہی مسلم نہ ہوگا بلکہ توڑ دیا جائے گا اور وہ شیئ بائع یا اس کے ورثہ دی جائے گی جب تک واقف نے اس میں تعمیر وغیرہ

زیادت سے حق فسخ کو زائل نہ کردیا ہو۔ درمختار وردالمحتار ومنح الغفار وغیرہ میں قول اول اختیار کیا اور اصح اور ظاہر الروایۃ قول ثانی ہے،

کما حققنا کل ذٰلك فیما علقنا علی ردالمحتار من اوّل کتاب الوقف فراجعه فانه مهم۔	جیسا کہ ردالمحتار کی کتاب الوقف کے ابتداء میں حاشیہ پر ہم نے اس کی تحقیق کی ہے، لہٰذا اسے دیکھا جائے کیونکہ ضروری بحث ہے (ت)

بہر حال اس وقف میں عورت کے لئے خیر نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عقد یعنی معاوضہ مہر میں جائداد کا لینا فسخ کرے اور از سر نو وارثان شوہر سے مہر کا مطالبہ کرے، اگر ادا کردیں فبہا ورنہ اس جائداد سے وصول کرے، اور اگر سمجھے کہ یوں نہ ملے گا اور مقدار مہر قیمت جائداد سے زائد یا مساوی ہوں تو مذہب مفتٰی بہ بطور خود اس جائداد کو اپنے مہر میں لے لے۔

وھی مسئلة الظفر بخلاف جنس الحق وقد حققھا فی ردالمحتار وان الفتوی الاٰن علی جواز الاخذ۔	یہ کسی کے پاس اپنے حق پر خلاف جنس کے ذریعہ کامیابی کی بحث ہے، اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے اور موجودہ دور میں جبراً لے لینے کے جواز پر فتوٰی ہے (ت)

یوں مالک ہو کر وقف تام ابدی کرے وقف کسی وقت خاص تک مقید نہیں ہوسکتا لان من شرطه التابید (کیونکہ اس کی شرائط میں سے دائمی قرار دینا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضور میاں صاحب قبلہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

زید اپنی جائداد مقبوضہ مملوکہ کو وقف کیا چاہتا ہے مگر جائداد پر قرضہ ہے تو بغیر ادائے قرضہ وقف ہوسکتی ہے یا نہیں، اور اگر وقف میں یہ قید لگادیں کہ وقف بالفعل صحیح ہوجائے اور نفاذ اس کا بعد ادائے قرض کے سمجھا جائے تو صحیح ہوجائے گا یا بعد ادائے قرضہ ہی صحیح ہوگا؟

الجواب:

عرف عوام میں جائداد پر قرضہ کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ جائداد رہن ہو مرتہن کے قبضہ میں دے دی گئی ہو، دوسرے جسے وہ مکفول ومستغرق کہتے ہیں کہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہے مگر وہ دائن کو لکھ دے کہ یہ تیرے دین میں مکفول ہے تا ادائے دین کہیں بیع ہبہ وغیرہ انتقالات نہ کئے جائیں گے، یہ صورت ثانیہ تو شرعاً محض باطل وبے اثر ہے کہ مال کو کسی کے حق میں اس کے استیفا کے لئے محبوس کردینا رہن ہے اور رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، قال تعالٰی: "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو گروی قبضہ میں دیا ہوا۔ت) اگر

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

یہی صورت ہے جب تو وقف بلاشبہہ صحیح وتام نافذ ہے اگرچہ قرضہ ادانہ کرے نہ آئندہ ادائے قرض کے لئے اس کے پاس کچھ مال بچے اگرچہ اس نے وقف میں یہ نیت بھی رکھی ہو کہ دائن کا دین مارا جائے اگرچہ وہ اس نیت فاسدہ سے سخت گنہگار ہوگا مگر وقف میں کچھ خلل نہیں کہ جب وہ جائداد رہن نہیں تو قرض اس کی ذات پر ہے نہ کہ جائداد پر۔ جائداد میں اس کے تصرفات مالکانہ بلامانع نافذ ہیں، اور اگر صورت اولٰی ہے یعنی جائداد قبضہ مرتہن میں سپرد کردی تو اب دو صورتیں ہیں، اگر اس کے پاس اور مال قابل ادائے قرض موجود ہے تو اب بھی وقف قبل ادائے قرض صحیح وتام نافذ ہے حاکم اس پر جبر کرے گا کہ اپنے دوسرے مال سے قرض ادا کرے مگر وقف کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، اور اگر مال نہیں تو اس صورت میں البتہ وہ وقف برقرار نہ رہے گا حاکم اسے باطل کرکے جائداد قرض میں بیع کردے گا، یونہی اگر مدیون مذکور مرجائے تو انہیں دونوں صورتوں پر لحاظ ہوگا اور جائداد موجود ہے تو اس سے ادائے قرض کریں گے اور وقف صحیح رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف وغیرہ لووقف المرھون بعد تسلیمہ صح واجبرہ القاضی علی دفع ما علیہ ان کان موسرًا و ان کان معسرا ابطل الوقف وباعہ فیما علیہ اھ وکذا لومات فان عن وفاء عاد الی الجھۃ والابیع وبطل الوقف کما فی الفتح بخلاف وقف مدیون صحیح فانہ یصح ولو قصد بہ المماطلۃ لانہ صادف مبلکہ کما فی انفع الوسائل عن الذخیرۃ قال فی الفتح وھو لازم لاینقضہ ارباب الدیون [1] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسعاف وغیرہ میں ہے مرہون چیز کو قبضہ دے دینے کے بعد اگر وقف کیا جائے تو صحیح ہے جبکہ اس کو رہن کے بدلے قرض کو ادا کرنے کے لئے قاضی مجبور کریگا بشرطیکہ مالدار ہو ورنہ تنگ دست ہونے کی صورت میں قاضی وقف کو باطل کرکے اس کے ذمہ قرض کی ادائیگی میں فروخت کردے گا اھ، اور یونہی اگر مرہون کو وقف کرنے پر فوت ہوجائے تو اگر قرض کی ادائیگی کے لئے مال ترکہ چھوڑا ہو تو وقف معینہ جہت پر برقرار رہے گا ورنہ فروخت کردیا جائے گا وقف باطل قرار پائیگا جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اس کے برخلاف مقروض شخص کا وقف کردہ بہر صورت صحیح ہے بشرطیکہ وہ تندرست ہو اگرچہ وہ ادائیگی میں تاخیر کے لئے ایسا کرے کیونکہ یہ کارروائی اس کی اپنی ملکیت میں ہوئی ہے جیسا کہ انفع الوسائل میں ذخیرہ سے منقول ہے، فتح القدیر میں کہا ہے کہ مقروض کا یہ وقف لازم ہوگا قرض خواہ حضرات اس کو باطل نہیں کرسکیں گے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف الراہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۵

مسئلہ ۱۳: از قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد محلّہ چھجھ پور مرسلہ حافظ یار محمد صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک زمانہ گزرا کہ زید نے ایک عالیشان پختہ مسجد چوک کے بیچ میں تیار کرائی اور گرد اسکے چوطرفہ دکانیں بنوائیں اور دکانوں کے محاصل کو ہمیشہ اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، بعد انتقال زید کی یہ دکانیں بھی مثل اور جائداد کے ارثا اس کے اولاد کو ملیں اور ایک مدت تک یہ سلسلہ قبضے کا اس کے خاندان میں جاری رہا یعنی دکانوں کی آمدنی اور کرایہ سے خاندانِ زید کی اوقات بسر ہوتی رہی اور مسجد کے متعلق وہ آمدنی نہ تھی بعد ایک مدت دراز کے ان دکانوں کا وارث یعنی خالد نے بسبب افلاس کے ان دکانوں کو عمرو بکر کے ہاتھ فروخت کرڈالا اب عمرو بکر چاہتے ہیں کہ ان دکانوں کو واسطے اجرائے مدرسہ اسلامی کے مسلمانوں کے نام وقف کردیں کہ دینی مدرسہ جاری ہو اور مسجد کی ترمیم وقتاً فوقتاً ہوتی رہی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ وقف جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ صورت واقعہ یہ ہے اور ان دکانوں کا وقف مسجد ہونا ثابت نہیں بلکہ ملک (میراث زید ہونا ثابت ہے تو عمرو بکر کہ وارث شرعی سے بروجہ شرعی مشتری ہوئے اگروہ مسجد ومدرسہ دینیہ اسلام کے نام انہیں وقف کریں گے جس میں تعلیم دین متین مطابق مذہب اہل سنت وجماعت ہو اور اس کے مدرسین واراکین وہابیہ یا روافض یا غیر مقلد نیچری وغیرہم ضالین نہ ہوں) تو ان کے لئے اجر عظیم وصدقہ جاریہ ہے سالہاسال گزرگئے ہوں قبر میں ان کی ہڈیاں بھی نہ رہی ہوں ان کو بعونہٖ تابقائے مسجد و مدرسہ وجائداد برابر ثواب پہنچتا رہے گا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلث صدقة جارية او علم ينتفع به اوولد صالح يدعوله[1]۔ رواه مسلم فی صحيحه والبخاری فی الادب المفرد وابو داؤد والترمذی والنسائی عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه وفی الباب احاديث كثيرة شهيرة۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	جب انسان فوت ہوجائے تو اس کے عمل منقطع ہوجاتے ہیں مگر تین وجہ سے جاری رہتے ہیں: صدقہ جاریہ یا نافع علم یا صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرے اس کو مسلم نے اپنی صحیح میں اور بخاری نے ادب مفرد میں، اور ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس باب میں کثیر احادیث مشہورہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب مایلحق للانسان من الثواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۱۴: مسئولہ احمد حسن طالب علم بنگالی بروز دوشنبہ ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے برائے منفعت عوام ایک تالاب بنوایا اور اسے وقف کردیا اور اس کے زمانہ حیات میں لوگ عام طور سے تاریخ معینہ پر شکار کرتے اور ہمیشہ غسل وغیرہ کرتے جیسا کہ تمام تالابوں سے نفع حاصل کیا کرتے ہیں بعد اسکی موت کے بھی عرصہ تک یہی طریقہ جاری رہا پھر ایک مدت کے بعد ایک غیر شخص نے جو اس کے خاندان سے بھی نہیں ہے اپنے زمیندار کے بندوبست میں اپنی جانب منسوب کرلیا اب اس نے اپنے واسطے اس تالاب کو مخصوص کرلیا اب دوسرا شخص کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھاسکتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے، آیا اس کا قبضہ صحیح ہے یا نہیں اور کیا ہونا چاہئے؟

الجواب:

اگر حالت یہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو اس کا قبضہ باطل ہے، شکار کرنا کوئی قربت نہیں نہ تفریح کا نہانا، تو اس تالاب کے وقف ہونے میں کلام ہے، بخلاف حوض مساجد کہ وضو کے لئے وقف ہے، ظاہرًا وہ وارثان بانی کی ملک ہے جیسا وہ ہونا چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: مسئولہ حاجی سیٹھ محمد اعظم صاحب از راندیر متصل سورت مہتمم مدرسہ بر باولی ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! آپ نے جو جواب روانہ فرمایا بندہ کو بتاریخ ۲۵ مئی بروز جمعرات کو ملا بہت خوب ہے مگر دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد کی آمد سے جو ملکیت خرید کی گئی ہو وہ بھی در وقف گنی جائے کہ نہیں اور جب وہ وقف گنی جائے اس کے بیع کرنے کو حاکم کی منظوری کی ضرورت ہے کہ نہیں کیونکہ جو خریدنے والا ہو وہ کیا جانتا ہے کہ یہ وقف شدہ ملکیت کی آمد سے خرید کرکے وقف کی ہوئی ہے لہٰذا جو حاکم کی منظوری ہو تو کسی طور کا خوف نہ رہے نہ خریدنے والے کو نہ بیچنے والے کو، اور نہ غبن و تلف کا کوئی اندیشہ باقی رہے اور بعد میں کوئی مہتمم کو کسی طرح کا کوئی الزام نہ دے سکے اور نہ کوئی رائے لے تو بالکل خراب ہوتا ہے وہ تو مسجد کے روپوں سے مدرسہ کھولنا جواز بتاتے ہیں اور دبانے کے خیال سے ان کو یعنی اہل دول کے رائے بموجب فتوی دیتے ہیں۔

الجواب الملفوظ:

متولی نے زر وقف سے جو زمین یا جائداد وقف کے لئے خریدی وہ وقف نہیں ہو جاتی اس کی بیع جائز ہے کتابوں میں جزئیہ کی تصریح ہے ہاں بیع کے لئے ایسا ذریعہ اطمینان ضرور ہے جس میں کسی کے تغلب کا احتمال نہ رہے قاضی شرع تو یہاں کوئی نہیں اہل محلہ وعالم دیندار و مسلمانان متدین کی دینداری سے یہ کام ہو، درمختار میں ہے:

اشتری المتولی بمال الوقف دار اللوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفۃ و	متولی نے وقف مال سے کوئی مکان وقف طور پر خریدا تو یہ مکان وقف شدہ جائداد شمار نہ ہوگا اصح قول میں

یجوز بیعھا فی الاصح [1] ۔واﷲ تعالٰی اعلم۔	اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶: بحضور عظیم البرکت اعلیحضرت مدظلہ السلام علیکم ورحمۃ اﷲ وبرکاتہ،آج غریب اﷲ صاحب تشریف لائے ہیں فرماتے ہیں کہ مسماۃ سمی طوائف جس کی عمر اس وقت تخمیناً ۵۰ برس کی ہے ۱۶ برس ہوئے میاں ناصر صاحب کی مرید ہو کر تائب ہوئی، کرایہ دکانات سے گزر کرتی ہے،خواہش اس کی یہ ہے کہ جائداد تیس چالیس روپیہ ماہانہ کے وقف کرنا چاہتی ہے اور حج کو جانا چاہتی ہے،جس جائداد کا تاحیات خود اور بعد کو مدرسہ مالک ہے اس میں حضور کیا فرماتے ہیں؟

کمترین قادر علی محرر مدرسہ ۴ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

الجواب:

وہ جائداد اگر اس کی اس حرام کمائی کی ہے تو اس کا طریقہ صرف یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی محتاج پر تصدق کرے اور وہ محتاج بعد قبضہ اپنی طرف سے یوں وقف کرے کہ تاحیات سمی اس سے مستفید ہو اس کے بعد مدرسہ اور اس کے لئے دفع اعتراض مخالفین کے واسطے ضرور ہے کہ پہلے وہ ایک ہبہ نامہ اس محتاج کے نام تصدیق کرائے جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ جائداد وجہ حرام سے ہے اور اب میں نے توبہ کی ہے اور شرع مطہر اس کے تصدق کا حکم فرماتی ہے لہذا میں نے فلاں کو بطور تصدق اس کا مالک مستقل کیا اور پورا قبضہ اسے دے دیا،اسکے بعد وہ محتاج وقف نامہ تصدیق کرائے کہ ازانجا کہ مسماۃ فلانہ نے امتثال حکم شرع کے لئے یہ جائداد بطور تصدق میری ملک کردی اور میں نے قبضہ کرلیا اور اب یہ مال شرعاً طیب ہوگیا،میں چاہتا ہوں کہ اسے کار خیر میں صرف کرکے ثواب حاصل کروں اور مسماۃ کو بھی فائدہ پہنچاؤں لہذا میں نے اسے تاحیات مسماۃ اس پر اور اس کے بعد مسجد مدرسہ پر وقف صحیح شرعی کی، باقی عبارتیں کاغذ میں حسب دستور ہوں۔

مسئلہ ۱۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اپنی کل جائداد جس پر بار کفالت بھی تھا باظہار بار کفالت وقف عنداﷲ کی اور وقف نامہ تحریر کرکے اس میں متولی اپنی زوجہ کو لکھایا بعدہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء کو ایک تتمہ متعلق وقف نامہ مذکور بخیال اس کے کہ زمینداری جو وقف نامہ میں وقف تھی اس کی نمبرداری کے لئے خواستگار دوسرا شریک ہو کیونکہ عورت بموجب قانون انگریزی بمقابلہ مرد کے نمبردار نہیں ہوسکتی ہے تتمہ مذکور لکھا اور اس میں عبارت حسب ذیل درج کی:

چونکہ میں نے بذریعہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کو اس کل جائداد منقولہ وغیر منقولہ دس بارہ روپیہ کو وقف کرکے تکمیل دستاویز مذکور کے بذریعہ تحریر ورجسٹری کے کرادی ہے اس دستاویز میں سہو کامل

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

سے کسی سبب یہ بات لکھنے سے باقی رہ گئی ہے کہ تمام جائداد مندرجہ وقف نامہ متذکرہ بالا کی بابت میں شرائط کی پابندی اسمیں درج ہےاس کا عمل درآمد اور پابندی شرائط میرے مرنے کے بعد عمل پذیر ہوگی جب تک میں مقر بقید حیات زندہ ہوں اس وقت تک میں مقر مالکانہ قابض اور متصرف رہوں گا مع تتمہ دستاویز وقف نامہ مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کی بابت لکھ دیا کہ سند ہو، بعدہ وہ ۱۸ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک تتمہ دوسرا اور لکھا اور اس میں حسب ذیل عبارت تحریر کی کہ تتمہ دستاویز مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء جو بابت دستاویز مورخہ ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء کے لکھا یا تھا اس تتمہ دستاویز کے سطر ج کے آخر میں لفظ مقر کے بعد بوجہ سہو کتابت کے عبارت ذیل تحریر ہونے سے رہ گئی ہے وہ عبارت ذیل مذکور تتمہ مذکور یعنی دستاویز تتمہ مذکور مورخہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء مذکور کا جزو متصور ہو کر پڑھی جاوے:

"واقف منتظم بشرائط مندرجہ وقف نامہ بحیثیت متولی ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء"

لہذا یہ تتمہ بطور دستاویز تتمہ ۳۱ جنوری ۱۹۱۷ء متصور ہو، اس کے بعد پسر واقف نے کل جائداد واقف پر ۱۹۱۹ء میں قبضہ متولی سابق کو دے دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ وقف نامہ جائز ہے یا نہیں اور وقف اگر جائز ہے تو وہ ۱۹۱۹ء کے تتمہ سے مانا جائے گا یا ۱۹۱۷ء کے وقف نامہ سے اور تتموں سے تو کوئی اثر وقف پر نہیں پڑتا۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ درمیانی امور کے بابت واقف بحیثیت متولی مانا جائے گا یا مالک کی حیثیت اس کی ہوگی تیسرا سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وقف کردے اور متولی کو قبضہ نہ دے اور خود ہی واقف اپنا قبضہ رکھے تو اس حالت میں کیا وقف ناجائز ہے یا جائز؟

الجواب:

وقف صحیح ہوگیا اور پہلا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف کا عملدرآمد اس کے مرنے کے بعد ہوگی زندگی بھر وہ مالکانہ قابض رہے مردود ہے وقف صحیح ہوجانے کے بعد اس میں کسی تبدیلی کا اصلاً اختیار نہیں اور دوسرا تتمہ جس کا حاصل یہ ہے کہ وقف نامہ میں جسے متولی کیا تھا اس کی جگہ خود متولی رہنا چاہتا ہے یہ اس کے اختیار کی بات ہے اسے معزول کرکے آپ متولی ہوسکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

للواقف عزل الناظر مطلقًا به یفتی [1]۔	مطلقاً واقف کو یہ جائز ہے کہ وہ نگران کو معزول کردے، اسی پر فتوی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای سواء کان بجنحة اولا وسواء کان	یعنی نگران کا جرم ہو یا نہ ہو اور معزولی کی شرط

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

شرط له العزل اولا[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہو یا نہ ہو برابر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از مقام چندوسی ضلع مراد آباد محلّہ سنبھل دروازہ مسئولہ عبداللہ لوہار

کہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ ،زید نے ایک منزل دکان واقع چندوسی پرگنہ بلاری میں ۱۹۰۴ء میں فی سبیل اللہ وقف کی،اور یہ وقف نامہ رجسٹری شدہ تحریر کردیا ہے،اس کے دو ماہ بعد ایک وصیت نامہ زید نے اور تحریر کردیا کہ میرا ارادہ بیت اللہ شریف جانے کا ہے اگر میں زندہ واپس آگیا تو میں مالک ہوں اور بعد انتقال میرے کے میری عورت مسماۃ عدیا اور میرا پوتا علی حسین مالک ہے۔زید کا انتقال بیت اللہ شریف جاتے وقت راستہ میں ہوگیا اور اس کے بعد پوتا علی حسین بھی مرگیا تو اس کی بیوی عدی باقی رہی اس نے یہ جائداد کفالت کردی،کفالت کے ایک سال بعد عدی عورت کا بھی انتقال ہوگیا تو اس کے پوتے علی حسین کے والد امر نے یہ جائداد بیع کردی اور اس کا روپیہ اسی نے صرف کرلیا اور چودھری محلّہ ہے انہوں نے بیع نامہ پر دستخط کردئے اور اس کے بعد خریدار نے اسکو تعمیر کرلیا،خریدار کو وقت بیع اور وقت تعمیر کے یہ معلوم ہوا تھا کہ یہ جائداد فی سبیل اللہ وقف ہے،اہل محلّہ کو جب معلوم ہوا کہ اس میں کا ایک شخص کہ جس کی وقف نامہ پر گواہی نہیں ملا اور اسی نے کہا کہ تو کوشش کرکے عدالت سے اس کی نقولیں حاصل کرینگے تو معلوم ہوگا اور مالک خریدار کا یہ بیان ہے کہ میرا روپیہ بیع وتعمیر کا دلوایا جائے تو میں قبضہ چھوڑ دوں گا،اور اب امر جس نے فروخت کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں مالک تھا فروخت کردیا۔اب ہماری شریعت مطہرہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب وہ دکان وقف ہوچکی تھی تو اس کی نسبت زید کو وصیت کرنے کا کوئی اختیار نہ تھا،نہ عورت کو مکفول کرنے کا نہ عمرو کو اس کے بیچنے کا،یہ سب باطل محض،مشتری پر فرض ہے کہ اسے فورًا چھوڑ دے اپنا روپیہ عمرو سے لے لے،روپے نہ ملنے تک قبضہ رکھنے کا مشتری کو کوئی اختیار نہیں،ایک منٹ کے لئے قابض رہنا اس پر حرام ہے اس نے جدید کرلی ہے تو اسے اکھیڑ لے،اور اگر مسلمان اسے عملے کی قیمت ادا کرے،عملہ وقف کے لئے کرلیں تو بہتر۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹: از بریلی موضع بلیا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص موضع بلیا میں امام باڑے کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ میرا مکان ہے،اور اس میں بیل باندھنے لگا،اور زمیندار خود کہتے ہیں کہ تم لوگ اپنا

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

تیوہار کرو، لیکن ان لوگوں نے زمیندار کو ۷۵ روپیہ دے کر اس کو اپنے بس میں کرلیااور وہ کہتے ہیں کہ ہم دینداری کے شریک نہیں۔ان کا کیاانتظام کیاجائے؟

الجواب:

امام باڑہ وقف نہیں ہوسکتاوہ جس نے بنایااسی کی ملک ہے اسے اختیار ہے اس میں جو چاہے کرے، وہ نہ رہاتواس کے وارثوں کی ملک ہے انہیں اختیار ہے، اور تعزیہ داری کواگر کسی نے دینداری کہااور اس نے اس کی شرکت سے انکار کیاتوکچھ بیجانہ کیاکہ تعزیہ داری ناجائز ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔یہی اس سوال سے ظاہر ہے اور وہ معنی کہ میں اسلام کے شریک نہیں مسلمان ہر گز مراد نہ لے گا، ہاں اگرثابت ہوجائے کہ کسی کلمہ گو نے اسلام کی شرکت سے انکار کیاتو ضرور کافر ہوجائے گامگر یہ معنی یہاں سے مفہوم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: مسئولہ عزیزالحسن قادری رضوی از قصبہ پچھپوند ضلع اٹاوہ محلّہ اونچاٹیلہ ۱۲ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہندہ سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ جو پندرہ بیس برس ہوئے کہ اپنے مادری پیشہ کسب سے توبہ کرچکی، اپنی مقبوضہ کل جائداد واملاک جواس کی ماں اور نانی کی متروکہ اور ان کوان کے آشناؤں کی ہبہ کی ہوئی ہے مدرسہ دینیہ کی تعلیم میں یااسکے یتیم ومفلس طلبہ کی خوردونوش کی صرف میں لانے کی غرض سے وقف کرنا چاہتی ہے، پس سوال حضرات مفتیان شرع شریف سے یہ ہے کہ منتظمین مدرسہ کو یہ جائداد اپنے قبضہ میں لاکر اس کے محاصل کو ہندہ کی خواہش کے موافق صرف میں لاناشرعًا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو روپیہ بعوض زنا وغنا حاصل کیا مثل غصب حرام مطلق ہے کہ کسی طرح اس کی ملک نہیں ہوسکتا ہے وہ جائدادیں جو آشناؤں نے زانیات کو ہبہ کیں وہ ہبہ بھی محض باطل ہے وہ اصل دینے والوں کی ملک پر رہیں ان کی ملک میں نہیں آسکتیں، قنیہ ودرمختار میں ہے:

مایدفعه المتعاشقان فهو رشوة[1]۔	عشق بازی کرنیوالے ایک دوسرے کو جو دیں وہ رشوت ہے(ت)

ہاں جو جائداد زانیہ نے خریدی ہو اور اس کے شراء میں عقد ونقد دونوں زرِ حرام پر جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا روپیہ پیشگی دے کر کہا کہ اس روپے کے عوض جائداد دے دے بائع نے اس کے عوض بیع کردی یہ تو حرام پر عقد ہوا، اور وہی روپیہ زرِ ثمن میں دیا گیا یہ حرام کا نقد ہوا دونوں جمع ہوگئے اس صورت میں بھی وہ جائداد ان کی ملک نہ ہوگی ہاں اگر زرحرام پر عقد ونقد دونوں جمع نہ ہوئے ہوں مثلًا جائداد خریدی اس وقت ثمن کی تعین خاص مال حرام سے نہ تھی نہ وہ

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ القنیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات ۴/ ۴۰۳

دکھایا گیا نہ پیشگی دیا گیا مطلق روپے کے بدلے خریدی تو یہ جائداد اس خریدنے والے کی ملک صحیح وحلال ہوجائے گی اب زرِ ثمن اس حرام مال سے ادا کیا گیا تو یہ گناہ ہوا اور بائع کو اس کا لینا حرام تھا مگر جائداد اس کی ملک میں آ گئی، اسی طرح جو کچھ ان کو اجرت ورشوت کے علاوہ ناچ گانے میں بطور انعام دیا جاتا ہے جسے "بیل" کہتے ہیں وہ ان پر حرام نہیں کما نص علیہ فی الھندیۃ (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) غرض جن صورتوں میں جائداد اس کی ملک ہے اسے وقف کرسکتی ہے مہتممان مدرسہ اسے لے سکتے ہیں اور جس صورت میں جائداد اس کی ملک نہیں وہ اسے وقف نہیں کرسکتی نہ اس کے وقف کئے وقف ہو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جائداد کسی فقیر محتاج مسلمان کو ہبہ کرکے قبضہ کرادے اگرچہ اپنے کسی عزیز قریب مثل ماں بہن وغیرہ کو، اور وہ وقف کردے یا یہ اس سے خرید کر اگرچہ ایک پیسے کو یا اس سے اپنے نام ہبہ کراکے قبضہ میں کرکے خود وقف کردے اب یہ وقف صحیح ہوگا اور مدرسہ میں اس کا صرف حلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: از نگینہ ضلع بجنور متصل مسجد کھجور والی، مکان حکیم مبارک حسین صاحب مرسلہ صوفی حاجی محمد ابراہیم صاحب ۴ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

جنازہ کے اوپر جو چادر نئی ڈالی جاتی ہے اگر پرانی ڈالی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر کل برادری کے مردوں کے اوپر ایک ہی چادر بنا کر ڈالتے رہا کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اس کی قیمت مردہ کے گھر سے یعنی قلیل قیمت لے کر مقبرہ قبرستان یا مدرسہ میں لگانی جائز ہے یا نہیں؟ اور چادر مذکور اونی یا سوتی بیش قیمت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نئی ہو یا پرانی یکساں ہے، ہاں مسکین پر تصدق کی نیت ہو تو نئی اولٰی، اور اگر ایک ہی چادر معین رکھیں کہ ہر جنازے پر وہی ڈالی جائے پھر رکھ چھوڑی جائے اس میں بھی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے کپڑا وقف کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

صح وقف قدر وجنازۃ وثیابھا [1]۔	ہنڈیا، جنازہ اور اس کے کپڑے کا وقف صحیح ہے۔(ت)

طحطاوی وردالمحتار میں ہے:

جنازۃ بالکسر النعش وثیابھا مایغطی بہ المیت وھو فی النعش [2]۔	جنازہ کسرہ کے ساتھ چارپائی اور اس کے کپڑے جن سے میت کو ڈھانپا جائے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

اور بیش قیمت بنظر زینت مکروہ ہے کہ میت محل تزئین نہیں اور خالص بہ نیت تصدق میں حرج نہیں کجلال الھدی (جیسا کہ ہدی (قربانی) کے جانور کے جُھل۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر الاسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندو زمیندار اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کرے تو یہ وقف ہماری شریعت میں معتبر ہے یا نہیں؟ اور اس مسجد میں نماز جمعہ اور نماز پنجگانہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کے لئے ہندو کا وقف باطل ہے **لانہ لیس قربۃ فی دینہ الباطل** (کیونکہ اس کے باطل دین میں کوئی قربت نہیں۔ت) اگر یونہی مسجد بنالیں گے اسمیں نماز ہوجائے گی اور جمعہ بھی ہوجائے گا اگر شہر یا فناء شہر میں ہو **اذلایشترط لھا المسجد** (کیونکہ نمازوں کے لئے مسجد شرط نہیں۔ت) مگر مسجد میں پڑھنے کا ثواب نہ ملے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳: از موضع ڈیلاہی ڈاک خانہ لہریا سرائے ضلع دربھنگہ مرسلہ محمد عبدالجلیل خاں صاحب ۱۳رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی کچھ زمین مملوکہ کو وقف کرنا چاہتا ہے اس زمین کی آمدنی دو قسم کی ہے کچھ نقدی تحصیل ہے اور زیادہ حصہ آمدنی کا بذریعہ تاڑ و کھجور ہے یعنی جس قدر تاڑ و کھجور اس زمین میں ہیں سال بسال رعایا کے ساتھ بندوبست کئے جاتے ہیں رعایا مدت معینہ تک فائدہ اس سے اٹھاتے ہیں اور اس مدت تک کے لئے مالک نے جو کچھ زر مقرر کیا ہے اس کو ادا کرتے ہیں،اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زمین مذکورہ موصوفہ بصفت مسطورہ کو زید وقف شرعًا کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زمین وقف کرسکتا ہے کہ اسمیں کوئی معصیت نہیں اور تاڑ و کھجور تاڑی اور سیندھی نکالنے کے لئے اجارہ پر دیں حرام و باطل ہے،وہ نہ بعد وقف جائز ہو نہ اب جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴ تا ۲۸: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اگر کوئی قطعہ کسی خاص شخص یا قوم کی پرورش کے لئے وقف خاص ہو لیکن اس میں کچھ آمدنی ہو اور اس پر صدہا برس سے عام اہل اسلام اپنی مردے دفن کرتے ہوں جن کو ہزارہا قبور وبکثرت خطیرہ ومقبرہ ومتعدد مساجد وچاہات موجود ہوں اور ہنوز یہ عمل جاری ہو تو وہ اراضی وقف عام مانی جائیگی یا نہیں؟

(۲) کیا اراضی موقوفہ مذکور کے کسی متولی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی مسلمان کو مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ وخطیرہ

بنانے سے روک دے۔

(۳) اگر منجملہ تین متولیوں کے جو کسی موقوفہ قبرستان کے ہوں دو مرد متولی زید کو مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ تعمیر کرنے کی اجازت دے دیں اور وہ اس پر عمل کرکے مردہ دفن کرادے اور مسجد وچاہ بھی تعمیر کرادی مگر تیسری عورت متولیہ اس پر رضامند نہ ہو تو کیا دو مرد متولیوں کی اجازت کافی مانی جائے گی؟

(۴) کیا تیسری متولیہ کو جو اجازت میں شامل نہیں ہے شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقبرہ ومسجد وچاہ تعمیر شدہ کو تڑوادے۔

(۵) کیا موقوفہ قبرستان میں کوئی شخص بہ اجازت متولیوں کے منجملہ تین کے مردہ دفن کرنے ومسجد وچاہ تعمیر کرنے کے لئے کوئی خاص حصہ مخصوص کرسکتا ہے اور تیسری متولیہ جو اجازت میں شامل نہیں ہے وہ مخصوص کرنے کی مانع ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ صدہا سال سے عام مسلمان بلانکیر اس زمین میں مساجد وچاہ وقبور بناتے آئے ہیں تو وہ ضرور وقف عام ہے، کس دلیل سے کہا جاتا ہے کہ کسی قوم خاص پر وقف تھا، ایسی حالت میں کسی متولی کو اختیار نہیں کہ سنی مسلمان کو اس میں دفن کرنے یا مسجد یا کُنواں بنانے سے روکے خواہ یہ روکنے والا مرد ہو یا عورت ہو، اور اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو کہ حقیقۃً وہ زمین کسی قوم خاص پر وقف ہے اور عام لوگوں نے صدہا سال سے اسمیں ظالمانہ وغاصبانہ تصرفات کررکھے ہیں جس کی امید ہرگز کسی طرح نہیں تو البتہ ہر متولی اس میں خلاف اغراض وقف تصرف کرنے سے ہر شخص کو روک سکتا ہے اگرچہ یہ متولی عورت ہو اگر دس مرد متولی اس کی اجازت دے چکے ہوں کہ خلاف اغراض وقف اجازت باطل ہے اور اجازت دینے والا خائن ہے جسے معزول کرنا لازم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹ تا ۳۳: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مرسلہ سید احمد علی صاحب مہتمم مدرسہ نظامیہ عربیہ اسلامیہ ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ خالد نے ایک مدرسہ عربیہ دینیہ قائم کیا چندہ سے۔ اور شہر کے لوگوں سے خالد کا چندہ بھی زائد ہے اور نقل بیع نامہ جو ہمسلک ہذا ہے اس میں خالد نے علاوہ اپنے چھ نام دیگر برائے قائمی مدرسہ درج کرائے یعنی خالد، مولوی شمس الدین صاحب، چڑوہ رحیم بخش صاحب، حاجی محمد فاضل صاحب، رسالدار حسن خاں صاحب، مہاوت موتی خاں صاحب، الہ بخش صاحب، منجملہ ان کے رسالدار حسن خاں صاحب اور حاجی محمد فاضل صاحب مرچکے، محمد فاضل صاحب کا جزوی روپیہ تھا

اور رسالدار حسن خاں صاحب اور مہاوت موتی خاں صاحب کا چندہ کچھ نہیں صرف احتیاطًا نام درج بطور اطمینان کردئے گئے کہ کوئی مدرسہ کو ذاتی ملکیت نہ بنالیوے۔الہ بخش جی کا بھی تھوڑا روپیہ تھا وہ اور رحیم بخش جی اور فاضل جی کا تعلیم میں صرف ہوگیا زمین جو برائے مدرسہ خریدی گئی وہ سب باہر کے چندہ آوردہ خالد اور خالد کے ذاتی چندہ سے خرید کی گئی، جو عمارت مدرسہ اس وقت موجود ہے وہ باہر کے چندہ آوردہ خالد اور احباب خالد سے تعمیر ہوئی ہے تو خالد کا حق دوسروں کے مقابلہ میں اس مدرسہ پر کس قدر ہے فتوی عطا ہو۔

(۲) صورت مسطورہ بالا میں واقف کل کون ہوا اور اگر وقف مشترکہ مانا جاوے تو واقف اعظم کون ہوا صاف حکم فرمایا جائے، خالد حدیث شریف **الدال علی الخیر کفاعلہ**[1] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) سے بھی فائدہ پائے گا یانہیں؟

(۳) ایسے چندہ مسطورہ بالا سے جو ہر سال آمد ہو کر تعمیر اور تعلیم میں صرف ہوتا رہا کیا وقف ہوسکتا ہے کل آمد سالانہ ہو وہ صرف ہوجائے یعنی مدرسہ وقف مانا جائے گا یا کیا۔

(۴) اگر خالد وقف بھی کرنا چاہے تو وقف مانا جائے یا کوئی صورت عارض ہوگی حالانکہ خالد نے چندہ شہر اور باہر سے خدا واسطے مانگ کر لایا اور لگایا اور اپنا وقت سفر اور حضر بلا معاوضہ صرف کیا خالد جو کہ اول سے بانی اور متولی مدرسہ ہے بلاوجہ شرعیہ گروہ جہال جنہوں نے چندہ دیا یا نہ دیا ہو الگ کرسکتے ہیں ذاتی عداوت سے۔

(۵) سواد اعظم میں گروہ جہال مانے جائیں گے یا پڑھے لکھے پابند اسلام؟

نقل بیعنامہ

تحریر از طرف پٹھان حسن خاں وحاجی محمد خان پسران خواجو خاں سکنہ شہر بنام جملہ انجمن والان مسمّٰی رحیم بخش جی چڑوہ رنگریز، مولوی سید شمس الدین جی، مہاوت موتی خاں جی، الہ بخش جی، رسالدار حسن خاں جی، قاضی احمد علی، حاجی محمد فاضل جی شہر والوں کے روپیہ (ال سالہ للعہ ۱۶۴۱) اودے پوری دینا جس کے بدلہ میرے باپو نیکی جگہ نیم سیم سمیت مع چبوترہ وجملہ حقوق بخشش کردئے اور قابض ومتصرف بھی کرادیا روپیہ اس طرح پر لئے (ال معہ معہ ۱۰۷۷) تو پٹھان عمر خاں نیاز محمد خان کو رہن کے آپ نے چکائے وتحریرات رہن آپ نے لے لی اور مبلغ (مال مہ معہ ۲۷۵) چوڑی گر محمد علی کو بابت دعوی دیوانی کے آپ چکانا کم دو یا زیادہ اور مبلغ (مال لعہ لہ ۲۸۹) ہم نے نقد آپ سے وصول کرلئے غرضکہ (ال سال للعہ ۱۶۴۱) کل بھر پائے فیس نقشہ ورجسٹری وغیرہ سب آپ کے ذمہ ہے اس جگہ

---

[1] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعلہ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۱

بابت ہمارے بھائی گرایہ وغیرہ کوئی دعوٰی جھگڑا کریں گے نہیں، اگر کریں گے توان کا من میں مناؤں گا لہذا یہ تحریر بیعنامہ سنداً لکھ دی کہ وقت ضرورت کام دے۔ دستخط حسن خاں وحاجی محمد خاں مع گواہان

مکرر یہ کہ زمین زیادہ قیمت کی تھی مگر مسطورہ بالا روپیہ میں آپ کو فروخت کرکے بخشش کردی کہ پھر کوئی دعویدار نہ ہوسکے (سمہ ۱۹۶۳) بکرمی کے بیسا کھ بدی ۷۔

الجواب:

ہبہ بالعوض بیع ہے بیع جتنے اشخاص کے نام ہوئی سب مالک ہوئے اگرچہ روپیہ ایک ہی دیتا وہ اوروں کے حصے کا زرثمن ادا کردینے میں متبرع ہے جبکہ ان سے واپسی قرار نہ پائی ہو جیسا یہاں ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں ثابت کیا ہے کہ زرچندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور محصل کا ان کے اذن عرفی سے غلط کرلینا اسے مالک نہ کردے گا اور جبکہ انہوں نے مدرسہ بنانے کے لئے خالد کو چندہ دیا تواسے شراء زمین وتعمیر کا ماذون کیا اور ان کا روپیہ ان کے اذن سے اس نے شراء وتعمیر میں صرف کیا تو وہ زمین وعمارت تمام مشتریوں اور چندہ دہندوں کی ہوئی جس کا ایک پیسہ چندہ ہو اور جس کا ہزار روپے سب شریک ہیں، اور جبکہ دینی مدرسہ نفع عام مسلمین کے لئے بنانا مقصود تھا اس میں کسی کی نیت یہ نہیں ہوتی کہ میں کسی جز کا مالک رہوں اور اس سے انتفاع ایک مدت محدود تک ہو پھر میری ملک میں واپس آئے جبکہ اپنی ملک سے خارج کرکے ہمیشہ کے لئے نفع مسلمین کے واسطے کردینا مقصود ہوتا ہے اور یہی حاصل وقف ہے تو اگرچہ نصًا وہ سب لفظ وقف نہیں کہتے عرفاً دلالۃً وقف کرتے اور وقف ہی سمجھتے ہیں، ذخیرہ وخانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیھا امر قوما ان یصلوا فیھا بجماعۃ فان امرھم بالصلٰوۃ فیھا ابدا نصًّا بان قال صلوا فیھا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًا ونوی الابد صارت الساحۃ مسجدا وان وقت بالشھر اوالسنۃ لاتصیر مسجدا۔[1]	ایک شخص نے اپنے خالی میدان میں لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کی صراحۃً ابدی اجازت دی یا مطلقًا کہہ دیا کہ اس میں نماز پڑھو اور نیت ابدی کرلی تو وہ میدان مسجد قرار پائے گا اور اگر مہینے یا سال کے لئے نماز پڑھنے کو کہا تو وہ مسجد نہ قرار پائے گا۔(ت)

تو وہ ایک مکان ہے جس کی زمین وعمارت سب ان سب کی ملک مشترک ہو کر ان سب کی طرف سے وقف ہوئی اور حق کہ واقف کو وقف پر ہوتا ہے سب کو بروجہ کمال یکساں حاصل ہوا اس میں کمی بیشی چندہ پر لحاظ نہ ہوگا کہ یہ حق متجزی نہیں اور حق غیر متجزی ہر شریک کے لئے کاملاً حاصل ہوتا ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۵

ماثبت بجماعة فھو بینھم علی سبیل الاشتراك الافی مسائل، الاولی ولایة الانکاح للصغیروالصغیرة ثابتة للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذاکان ممالایتجزی فانه یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوك ممالا یتجزی[1]۔	جو چیز پوری جماعت کے نام ہو تو وہ ان سب میں مشترک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے، جن میں سے ایک نکاح دینے کی ولایت جو تمام اولیاء کو نابالغ لڑکے اور لڑکی پر حاصل ہے اور یہ ہر ایک کو مستقل حاصل ہے (آگے یہاں تک فرمایا) اس کا ضابطہ یہ ہے کہ اگر حق غیر متجزی ہو تو یہ ہر ایک کو مستقل ہوگا، تو مشترکہ غلام سے خدمت لینا ہر ایک کو مستقل حق ہے کیونکہ یہ بھی غیر متجزی ہے (ت)

خالد بشرط حسن نیت وقبول حضرت عزت الدال الخیر کفاعله[2] (نیکی بتانے والا نیکی کرنے والے کی مانند ہے۔ت) کا فائدہ روز جزائے پائے گا خالد اب اسے جدید وقف کرکے واقف کل نہیں بن سکتا وقف دوبارہ وقف نہیں ہوسکتا نہ خالد مالک کل ہے اور وقف کی شرط ملک ہے، خالد کو مدرسہ سے جدا کرنے کی اگر کوئی وجہ شرعی نہ ہو تو جہال ہوں یا علماء بلاوجہ محض نفسانیت سے جو کریں مسموع نہیں ہوسکتا جبکہ خود حاکم قاضی کو کسی صاحب وظیفہ تک کا بے گناہ معزول کرنا نہیں پہنچتا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

استفید من عدم صحة عزل الناظر بلا جنحة عدمها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اھلیة[3]۔	بغیر جرم نگران کی معزولی کی عدم صحت سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ وقف کا کوئی نگران باوظیفہ ہو تو بھی بغیر جرم اور نااہلیت کے بغیر معزول نہیں کیا جاسکتا (ت)

اور اگر وجہ شرعی ہو تو بلاشبہہ معزول کیا جائے گا اگرچہ خاص اپنی تنہا ملک سے وقف کیا ہوتا۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیة، لو الواقف، درر، فغیره بالاولی غیرما مون اوعاجز اوظھر به فسق کشرب الخمر ونحوه، فتح[4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہی کیوں نہ ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی جب وہ ناقابل اعتماد نااہل، یا اس کا فسق ظاہر ہوچکا ہو مثلاً شرابی ہونا وغیرہ فتح۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۴۵۔ ۲۴۴

[2] جامع الترمذی باب ماجاء ان الدال علی الخیر کفاعله امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۹۱

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

سوادِ اعظم اہلسنت ہیں فرعیات میں حکم شرع کے خلاف کثرت و قلّت جماعت پر نظر نہیں امورِ انتظامی جن میں شرع مطہر کی جانب سے کوئی تحدید نہ ہو ان میں کثرتِ رائے کا لحاظ ہوتا ہے اس میں ہر ذی رائے مسلمان سنی کی رائے ملحوظ ہوگی اگرچہ عالم نہ ہو کہ معاملہ شرعیات سے نہیں بلکہ بارہا تجربہ کار کم علموں کی رائے کسی انتظامی امر میں ناتجربہ کار ذی علم کی رائے سے صائب تر ہو سکتی ہے **انتم اعلم بامور دنیا کم**[1] (تم اپنے دنیاوی امور کو بہتر جانتے ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: مسئولہ مولوی ظہور حسین صاحب ساکن بریلی محلّہ کنگھی ٹولہ ۲۴رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی حیات میں ایک جزو زمینداری معہ ایک قطعہ مکان موسوم امام باڑہ بغرض امورات مذہبی بشرائط ذیل بنام خدائے برتر وقف کرکے وقف نامہ مصدقہ رجسٹری لکھ دیا اور قبضہ دخل جزواً وکلاً اٹھا کر خدا کی ملک میں دے دیا اور کوئی تعلق اپنا کسی قسم کا نہ رکھا اور دو متولی مقرر کرکے عمل درآمد باضابطہ کرادیا اغراض وقف کے شرائط مجوزہ ہندہ واقفہ یہ ہیں:

اول یہ کہ جو منافع خالص رہے اس میں سے محفل میلاد شریف حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ ونذر ونیاز وغیرہا سید الشہداء امام حسن وامام حسین علیہما السلام وفاتحہ برسی اموات ومرمت شکست و ریخت امام باڑہ باہتمام متولیان ہو۔

دوسرے یہ کہ اگر متولیان مذکور بلاکسی کو متولی یا قائم مقام اپنا کئے فوت ہوجائیں تو اولاد ذکور لائق متولیان ہندہ سے متولی ہوگی کوئی شخص مستحق تولیت کا نہ ہوگا بلکہ یہ سلسلہ خاندانی تاقیام زمانہ نسلاً قائم رہے گا کوئی کمیٹی وانجمن موقوفہ میں دست انداز نہیں ہوسکتی کیونکہ محاصل اس وقف کا بنا براجراء کارِ خیر ونذر ونیاز رکھا گیا ہے تاکہ نام میرا دنیا وآخرت میں ہمیشہ کو رہے اور ثواب ملتا رہے۔ ایسا وقف اور یہ اصراف اوقاف شرعی یعنی بموجب شرع محمدی کے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ جائداد اور یہ مکان اس وقف کرنے کے وقت ہندہ کی ملک تھی اور اب اس نے مصارف خیر مذکورہ کے لئے وقف کر دیئے وقف جائز وصحیح ولازم ہوگیا اور مصارف مذکورہ شرعاً جائز ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

ووقف المشاع جائز[2] **قال فی الدرر**	غیر منقسم جائداد کا وقف جائز ہے، درر میں ہے کہ

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب امتثال ما قالہ شرعاً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲ /۶۱۸

وبہ یفتی[1]۔	اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

اور وقت وقف اس کامالک ہونا ضروری ہے، شامی ج ۳ ص ۵۵۵ میں ہے:

شرطہ شرط سائر التبرعات افاد ان الواقف لابد ان یکون مالکالہ وقت الوقف ملکاتاما[2]۔	اس کی شرط وہی ہے جو تمام تبرعات کی شرط ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ واقف کا بوقتِ وقف کامل مالک ہونا ضروری ہے(ت)

وقف کے لئے کتابت ضروری نہیں زبانی الفاظ کافی ہیں، خیریہ میں ہے:

اما اشتراط کونہ یکتب فی حجۃ ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحۃ ذلک شرعا والزیادۃ لایحتاج الیھا[3] اھ ملتقطا	یہ کہ جہت وقف لکھی جائے اور دفتری کتب میں لکھائی تو یہ شرط شرعًا لازم نہیں بلکہ شرعی طریقہ کے مخالف ہے کیونکہ صرف لفظی طور پر کہہ دیناکافی ہے اور اس سے زائد شرعًا کوئی ضروری نہیں اھ (ت)

اور ولایت کو اپنے خاندان میں شرط کردینا بھی صحیح ہے اور وہ اسکا متولی رہے گا جب تک کہ اس کی خیانت یا عجز یا فسق ظاہر نہ ہو ورنہ اس سے ولایت لے لی جائے گی اگر متولی خود واقف ہی ہو، درمختار صفحہ ۵۹۴ میں ہے:

وینزع وجوبا لوکان المتولی غیرمامون او عاجزا وظھر بہ فسق وان شرط عدم نزعہ او ان لاینزعہ قاض ولاسلطان لمخالفتہ لحکم الشرعی فیبطل کالوصی[4] اھ ملخصًا ومختصرا۔	اور متولی غیر معتمد علیہ ہو، یانالائق ہو، یا اس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو تو اس کو معزول کرنا ضروری ہے اگرچہ معزول نہ کرنے کی شرط کی ہو، یا یہ کہ قاضی اور سلطان بھی نہ معزول کرے گا، تو شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے جیسا کہ وصی کے متعلق حکم ہے۔اھ ملخصًا مختصرًا(ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعہ احمد کامل الکائنہ ۲ /۱۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۹

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۲۱۶

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۸۳

مسئلہ ۳۵: از سورت عیدروس منزل خانقاہ عیدروسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زید بن حسن عیدروس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ مسلمانوں کے اوقاف جو ثواب کی نیت سے بترغیب حکم رب العالمین وقف کئے جاتے ہیں وہ اوقاف کل کے کل مذہبی ہیں یامذہب کے غیر یا بعض مذہبی اور غیر مذہبی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اوقاف جائزہ مطلقاً اگرچہ بے نیت ثواب کئے جائیں اگرچہ وقف کرنیوالے مسلمان بھی نہ ہوں خواہ ہمارے مذہبی تعلیم اعمال، عبادات کے لئے ہوں یا غریبوں کی مدد، تعلیم، طبّی امداد وغیرہا کے لئے علی العموم سب مذہبی ہیں اور ان میں دست اندازی مذہبی دست اندازی، نیت وعدم نیت یا اسلام وکفرواقف سے یہ فرق پڑتا ہے کہ واقف اگر مسلمان ہواور ثواب کی نیت سے کرے (جیساکہ عام اوقاف میں مسلمانوں کی یہی نیت ہوتی ہے) تو وہ اس کے لئے قربت وعمل صالح وباعث ثواب وقرب رب الارباب بلکہ اطلاق عام میں عبادت الٰہی ہے اور ایسا نہ ہو تو واقف کو ثواب نہ ملے گا مگر وقف فی نفسہ ضرور ہمارا دینی مذہبی کام ہی رہے گا ولہٰذا اس میں دو شرطیں مطلقاً لازم ہیں:

ایک یہ کہ وہ کام جس کے لئے یہ وقف ابتداءً ہوا یا آخر میں اس کے لئے قرار پائے گا واقف کے نزدیک کار ثواب ہو وہ اس ثواب کی نیت کرے یانہ کرے یہ اس کا فعل ہے کام مذہبی حیثیت سے ثواب کا ہونا چاہئے، جیسے غرباء کی امداد اگرچہ دوا وغیرہ سے ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ کام خود ہمارے مذہب اسلام کی رو سے کارِ ثواب ہو اگرچہ وقف کرنے والا مسلمان نہ ہو۔

(۱) اسی لئے اگر اغنیاکے چائے پانی کے لئے ہوٹل بناکر وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ کوئی ثواب کا کام نہیں۔

(۲) کافرنے مسجد کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ اس کے خیال میں کارثواب نہیں۔

(۳) کافرنے ایک مندر یا شوالے کے لئے وقف کیا وقف نہ ہوگا کہ یہ واقع میں کارِ ثواب نہیں۔

(۴) کافرنے ایک شوالے پر وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک یہ باقی ہے وقف کی آمدنی اس میں خرچ ہو اور جب شوالہ ٹوٹ کر ویران ہوجائے تو اس کے بعد یہ آمدنی محتاجوں پر صرف ہوا کرے وقف صحیح ہوجائے گا کہ اس کا آخر ایک ایسے کام کے لئے رکھا جو کارثواب ہے یعنی امداد مساکین، اور آج ہی سے اس کی ساری آمدنی

امداد مساکین میں صرف ہوگی شوالہ کو ایک پیسہ نہ دیا جائے گا، اور اس قسم کے بکثرت مسائل کتب معتمدہ میں مذکور ہیں، تو ثابت ہوا کہ وقف جائز کیسا ہی ہو کسی نے کیا ہو کسی طرح کیا ہو مطلقاً ہم مسلمانوں کا دینی مذہبی ہے، کام دو ہی قسم ہیں: دینی یا دنیوی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی کام میں ان دونوں شرطوں سے کوئی شرط نہیں، نہ یہی ضرور کہ فاعل کے نزدیک وہ کارِ ثواب ہو، نہ یہی لازم کہ مذہب اسلام نے اسے کارِ ثواب مانا ہو اور وقف میں مطلقاً یہ دونوں شرطیں لازم ہیں، تو ظاہر ہوا کہ وہ ہرگز دنیوی کام نہیں بلکہ خاص دینی ومذہبی ہے، اور یہی ہمیں ثابت کرنا تھا، اور اس پر ایک صریح دلیل یہ بھی ہے کہ مسلمان اگر کیسا ہی وقف کسی غرض کا کرے اور پھر **معاذاللہ** اسلام سے پھر جائے تو فوراً اس کا ہر وقف باطل ہو جاتا ہے وہ اس کے وارثوں پر مالکانہ تقسیم کر دیے جاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر مرتد ہو کر پھر اسلام لے آئے وقف عود نہ کرے گا جب تک بعد اسلام پھر از سرنو وقف نہ کرے اور یہ حکم عام ہے جس میں کسی وقف کی تخصیص نہیں تو کوئی وقف اگر ایسا بھی ہوتا جو مذہبی نہ ہو تو مذہب بدل جانے سے وہ کیوں باطل ہو جاتا تو معلوم ہوا کہ وقف کیسا ہی ہو مطلقاً مذہبی ہے، اب ان تمام مسائل پر عبارات کتب ملاحظہ کیجئے، ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد دوم ص ۴۲۳:

العتق والوقف والاضحیۃ ایضا عبادات[1]۔	وقف، عتق اور قربانی بھی عبادات ہیں۔(ت)

ہدایہ مع فتح القدیر مطبع مصر جلد پنجم ص ۵۷:

الوقف ازالۃ الملك الی اللہ تعالٰی علٰی وجہ القربۃ[2]۔	اپنی ملکیت کو عبادت کے طور پر زائل کرنا اللہ تعالٰی کے لئے، اس کو وقف کہتے ہیں (ت)

فتح القدیر جلد مذکور ص ۵۷:

محاسن الوقف ظاہرۃ لما فیہ من ادامۃ العمل الصالح کما فی الحدیث المعروف اذا مات ابن اٰدم انقطع عملہ الا من ثلث صدقۃ جاریۃ[3]، الحدیث۔	وقف کے محاسن ظاہر ہیں کہ اس میں نیک عمل کا دوام ہے جیسا کہ معروف حدیث میں ہے کہ انسان کے فوت ہونے پر اس کے عمل تین کے ماسوا سب منقطع ہو جاتے ہیں، ان میں ایک صدقہ جاریہ ہے، الحدیث (ت)

درمختار مع شامی مطبع استنبول جلد سوم ص ۵۵۴:

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵۸

[2] الهدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۶۲۳

[3] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۱۶

سببہ ارادۃ محبوب النفس فی الدنیا ببر الاحباب وفی الاٰخرۃ بالثواب یعنی بالنیۃ من اھلھا لانہ مباح بدلیل صحتہ من الکافر[1]۔	دنیا میں احباب سے بھلائی اور آخرت میں ثواب کیلئے نفس کو خوش کرنا اس کا سبب ہے یعنی ثواب کی نیت اہل نیت سے، ورنہ مباح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ وقف کرنا کافر کو بھی جائز ہے (ت)

ایضًا صفحہ ۴۵۶ :

شرطہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ[2]۔	شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں قربت ہو۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری مطبع احمدی جلد سوم ص ۱۱۴ :

بیان شرائط وقف منھا ان یکون قربۃ فی ذاتہ وعند المتصرف[3]۔	وقف کے شرائط کا بیان ایک شرط یہ ہے کہ فی نفسہٖ قربت ہو اور تصرف کرنے والے کے ہاں بھی قربت ہو (ت)

ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۲:

فی النھر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدھم لم یجز لانہ لیس بقربۃ اما لو جعل اٰخرہ للفقراء فانہ یکون قربۃ فی الجملۃ[4]۔	نہر میں محیط سے منقول ہے اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو صحیح نہیں کیونکہ یہ قربت نہیں، اگر آخر میں فقراء کے لئے کردیا تو فی الجملہ قربت ہو جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ جلد سوم ص ۱۱۵:

لوجعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین ثم مات یصیر میراثا لورثتہ وھذا قول الکل کذا فی جواھر الاخلاطی ولو جعل ذمی دارہ بیعۃ او کنیسۃ او بیت نار فی صحتہ ثم مات یصیر میراثا	اگر ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا پھر فوت ہوگیا تو وہ اس کے وارثوں کے لئے میراث ہوگی اور یہ سب کا قول ہے یونہی جواہر اخلاطی میں ہے، اور اگر ذمی نے اپنا گھر بیعہ یا کنیسہ، یا آتشکدہ اپنی تندرستی میں بنادیا پھر فوت ہوا تو میراث قرار پائے گا۔

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

ھکذاذکر الخصاف فی وقفه وھکذاذکر محمد من الزیادات کذافی المحیط[1] (ملخصاً)۔	یوں خصاف نے اپنے وقف اور امام محمد نے زیادات میں بیان کیا، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطا) (ت)

فتح القدیر جلد پنجم ص ۳۸ و ردالمحتار جلد سوم ص ۵۵۷ :

لووقف الذمی علی بیعة مثلا فاذا خربت یکون للفقراء، کان للفقراء ابتداءً ولولم یجعل اٰخرہ للفقراء کان میراثا عنه نص علیه الخصاف فی وقفه ولم یحك خلافا[2]۔	اگر ذمی نے بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کے لئے وقف کیا مثلاً خرابہ ہوجانے پر فقراء کے لئے کہا تو وہ ابتداء سے فقراء کے لئے ہوگا، اور اگر آخر میں (خرابہ کے وقت) فقراء کے لئے نہ کہتا تو پھر ورثاء کے لئے میراث بن جاتا، اس کو خصاف نے اپنے اوقاف میں بیان کیا اور اس میں خلاف قول ذکر نہ کیا۔ (ت)

عالمگیری جلد سوم ص ۱۱۴ واسعاف ص ۱۱۹:

لوقال تجری غلتها علٰی بیعة کذافان خربت ھذہ البیعة کانت الغلة للفقراء والمساکین فانه تجری غلتها علی الفقراء والمساکین ولاینفق علی البیعة شیئ کذافی المحیط[3]۔	اگر ذمی نے کہا کہ اس زمین کی آمدن فلاں بیعہ پر وقف ہے اور جب یہ بیعہ خرابہ بن جائے تو زمین کی آمدن فقراء ومساکین کے لئے جاری رہے گی، تو یہ آمدن شروع سے ہی فقراء ومساکین پر صرف ہوگی اور بیعہ پر کچھ بھی صرف نہ ہوگا، محیط میں یونہی ہے (ت)

درمختار صفحہ ۵۵۷ : ارتد المسلم بطل وقفه[4] (وقف کنندہ مسلمان مرتد ہوجائے تو اسکا وقف باطل ہوجائیگا۔ت) ردالمحتار صفحہ مذکورہ :

ویصیر میراثاسواء قتل علی ردته اومات اوعادالی الاسلام الا ان اعادالوقف بعد عودہ الی الاسلام[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور وہ وقف میراث قرار پائے گا خواہ ارتداد پر قتل ہوجائے یا طبعی موت مرجائے، یا دوبارہ مسلمان ہوجائے، مگر دوبارہ اسلام کی صورت میں اس وقف کو دوبارہ وقف کرے تو وقف رہے گا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۵۳

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۷۷

[5] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۶۰

مسئلہ ۳۶: ازبنارس کچی باغ مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب خلف منشی لعل محمد تاجر پارچہ بنارس ۴ جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

ماقول العلماء ورثۃ الانبیاء جزاکم اللہ تعالٰی یوم الجزاء اس مسئلہ میں کہ یہاں رواج ہے کہ ماہ ربیع الاول میں لوگوں سے محض بغرض ایصال ثواب روح پر فتوح حضرت نبی مکرم نور مجسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چندہ لیا جاتا ہے لوگ حسب استطاعت دیتے ہیں اس کا کھانا وغیرہ پکا کر مساکین وفقراء کو کھلایا جاتا ہے، اب اس چندہ سے کچھ روپیہ کھانے وغیرہ کے پختن سے فاضل بچ گیا تو افسران ومہتممین کی صلاح ہوتی ہے کہ اس روپے فاضل سے دیگ آجانا چاہئے کیونکہ ہر سال ۱۲ تاریخ ربیع الاول کو ضرورت پڑتی ہے اور بڑی تردد سے ملتی ہے کبھی مستعار کبھی کرائے پر، اور اس روپے سے آجائے گی تو ہمیشہ کے واسطے آرام ہوگا، معہذا یہ رائے بھی ہے کہ جس کو ضرورت دیگ کی پڑے گی اس کو کرائے پر دی جائے گی اور وہ کرایہ کی آمدنی مدرسہ میں طالب علم کی حاجتوں میں صرف کی جائے لیکن افسران مختلف ہیں جواز وعدمِ جواز میں، لہٰذا علماء سے مستفسر ہیں کہ اس طرح جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے چندوں سے جو روپیہ فاضل بچے وہ چندہ دہندگان کا ہے انہیں کی طرف رجوع لازم ہے وہ دیگ وغیرہ جس امر کی اجازت دیں وہی کیا جائے، ان میں جو نہ رہے اس کے عاقل بالغ وارثوں کی طرف رجوع کی جائے اگر ان میں کوئی مجنون یا نابالغ ہے تو باقیوں کی اجازت صرف اپنے حصص کے قدر میں معتبر ہوگی صبی ومجنون کا حصہ خواہی نخواہی واپس دینا ہوگا، اور اگر وارث بھی نہ معلوم ہوں تو جس کام کے لئے چندہ دہندوں نے دیا تھا اسی میں صرف کریں، وہ بھی نہ بن پڑے تو فقراء پر تصدق کردیں، غرض بے اجازت مالکان دیگ لینے کی اجازت نہیں، درمختار میں ہے:

ان لم یکن بیت المال معمورا او منتظما فعلی المسلمین تکفینہ فان لم یقدروا سألوا الناس لہ ثوبا فان فضل شیئ ردللمتصدق ان علم والا کفن بہ مثلہ والا تصدق بہ مجتبٰی[1]۔	اگر بیت المال میں مال نہ ہو یا کوئی منتظم نہ ہو تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کو کفن پہنائیں اور اگر کوئی قادر نہ ہو تو لوگوں سے چندہ لیا جائے اور کفن کے چندہ سے کچھ بچ جائے تو یہ چندہ لینے والا معلوم ہو تو اسے لوٹا دیا جائے ورنہ اس سے ایسے ہی کسی فقیر کو کفن پہنا دیا جائے، یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی فقیر کو صدقہ کردیا جائے، مجتبٰی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

(قولہ والا کفن بہ مثلہ) ھذا المیذکرہ	ماتن کا قول کہ اسی جیسے فقیر کو کفن پہنا دیا جائے، یہ

[1] درمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

فی المجتبی بل زادہ علیہ فی البحر عن التجنیس و الواقعات **قلت** وفی مختارات النوازل لصاحب الھدایۃ فقیر مات فجمع من الناس الدراھم وکفنوہ وفضل شیئ ان عرف صاحبہ یرد علیہ والایصرف الی کفن فقیر اٰخر اویتصدق بہ[1]۔	عبارت مجتبٰی میں مذکور نہیں بلکہ یہ زائد بحر میں تجنیس اور واقعات کے حوالے سے مذکور ہے میں کہتا ہوں اور صاحب ہدایہ کی کتاب مختارات النوازل میں ہے کہ فقیر فوت ہوا تو لوگوں نے چندہ جمع کرکے اس کو کفن دیا اور چندہ بچ گیا اگر اس زائد چندہ والا شخص معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے ورنہ اس کو کسی دوسرے فقیر کے کفن میں خرچ کیا جائے یا پھر صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے:

قلت واشارفی ردالمحتار بنقل عبارت المختارات الی انہ لم یذکر الترتیب بین التکفین والتصدق علی مافی الشرح **اقول:** لکن فی الخانیۃ ثم الھندیۃ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ وان لم یعرف کفن بہ محتاجا اٰخر وان لم یقدر علٰی صرفہ الی الکفن یتصدق بہ علی الفقراء[2] اھ۔فھذا نص فی الترتیب و لاشك ان باختیارہ یخرج عن العھدۃ بیقین ثم ھذا وان لم یکن وقفا فلہ شبہ بہ ولاشك ان مراعاۃ غرض المالك املك واحکم فلذا اعولنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) ردالمحتار میں مختارات کی عبارت نقل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ کسی فقیر کو کفن پہنانے یا صدقہ کرنے میں ترتیب مذکور نہیں ہے جیسا کہ شرح میں ہے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن خانیہ پھر ہندیہ میں ہے کہ اگر زائد چندے والا معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے اور اگر معلوم نہ ہو تو پھر کسی اور محتاج کو کفن دیا جائے، اور اگر کسی کفن میں صرف کرنا مقدور نہ ہو تو پھر فقراء پر صدقہ کیا جائے اھ، تو یہ عبارت ترتیب کے لئے نص ہے، اس میں شک نہیں کہ اس ترتیب کو اپنانے سے یقینا عہدہ برآ ہوسکتا ہے، پھر یہ اگرچہ وقف نہیں تو اس کے مشابہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ چندہ دینے والے مالک کی غرض کو پورا کرنا زیادہ محکم ہے اس لئے ہم نے اس ترتیب کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار باب صلوٰۃ الجنازۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

مسئلہ ۳۷: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ محمد علی جان خاں صاحب ۸رجب المرجب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّی کرامت علی ونیاز علی واقع تکیہ ملوکپور کے خادم تھے جنہوں نے کچھ اراضی مسمّی قادر بخش کے پاس بمیعاد تیس سال کے بیع بالوفاء کردی جو بعد انقضاء میعاد مذکورہ بالاکے شیخ مذکور کے قبضہ میں اس بیعنامہ کے ذریعہ سے آگئی، چنانچہ شیخ مذکور کی قبراور ان کے بزرگان کی قبریں بھی اسمیں بنیں، بعدہ تخمیناً عرصہ سینتالیس سال کا ہوا کہ از جانب سرکار انگریزی تکیہ ہذامیں مردوں کے دفن کرنے کی ممانعت ہوگئی اب وہ اراضی بیکار پڑی ہےاوراس کی صفائی کاکچھ انتظام نہ تھااس واسطے جملہ مسلمانان محلّہ نے شیخ یاد علی وارث قادر بخش سے اس اراضی کابیعنامہ مسجد کے نام جواس کے محاذمیں واقع ہے صرف سڑک انگریزی درمیان میں واقع ہے لکھالیااور بعد لکھانے بیعنامہ کے باجازت سرکار انگریزی اس اراضی کو پختہ منڈیروں سے محدود کرکے اس کے اوپر کرایہ دار کو بٹھادیااور اس سے جو کرایہ حاصل ہوااس کو مسجد کی مرمت وغیرہ میں صرف کیااور وقت محدود کرنے اراضی کے اس کو ہموار کردیا تھااب اس کے محاصل کامسجد میں صرف کرناجائز ہے یاناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگروہ زمین ان تکیہ داروں کی ملک نہ تھی بلکہ قبرستان عام مسلمین کی وقفی زمین تھی تو وہ بیعیں سب ناجائز ہوئیں اور بذریعہ بیع یہ صورت جو اسے متعلق مسجد کرلینے کی ہے یہ بھی ناجائز ہوئی اس میں جو قبور تھیں انہیں منہدم وہموار کرکے ان پر چلنا پھرنا سب ناجائز، البتہ جو زمین اس میں قبور سے جدا تھی وہ ازانجا کہ اب وہاں دفن ممکن نہ رہا ملک اصل واقف کی طرف عود کرگئی اس کے ورثہ کو اختیار ہے ان کی اجازت سے اس قدر کو متعلق مسجد کرسکتے ہیں اور واقف نہ معلوم ہو یا ورثہ کا پتا نہیں تو مسلمانوں کا یہ فعل باستثناء مواضع قبور ممنوع نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۸ تا ۴۱: مسئولہ حافظ قاضی تلن خاں عرف میزان اللہ شاہ اشرفی امام ومدرس مسجد مولوی ٹولہ شہر کہنہ ۵ شوال ۱۳۳۳ھ

ایک شخص کے پاس دوسو روپے امانت مسجد کا تھا کہ جس کو بلااجازت متولی اس نے عدالت سے وصولی کرلیا تھااور بوجہ اس کے سربرآوردہ ہونے کے متولی نے طلب اس سے نہیں کی اور جب طلب کیا تو جواب دیا کہ جس کام میں میری رائے ہوگی صرف کردوں گا، چنانچہ اب اس شخص نے متصل اسی مسجد کے حجرہ کے اراضی افتادہ میں اپنا ذاتی ایک چبوترہ تعمیر کرلیااور یہ خیال کہ اس چبوترہ کی آڑ دیوار حجرہ سے ہے اور اس چبوترہ کے آگے بھی اراضی افتادہ ہے جس میں تین پرنالہ مسجد کے قدیم سے جاری ہیں اس اراضی کی بھی آڑ مسجد سے ہوجاوے پس ایک پاکھا فصیل مسجد پر بنانے کاارادہ کیا چونکہ وہ تعمیر بلاضرورت دیوار مسجد پر تھی لہٰذا یہ ظاہر کیا کہ مرمت مسجد کرائی جاوے،

چنانچہ اسی مرمت میں یہ تجویز خود کیا کہ پیش حجرہ ٹین ڈالا جاوے جس کے واسطے پاکھوں کی ضرورت ہے چنانچہ دونوں طرف حجروں کے فصیل پر پاکھے بنوائے گئے اوان کو بغرض حفاظت اراضی افتادہ بند کرنا چاہا تاکہ کوئی وضو فصیل پر نہ کرسکے جس کے مسلمان حارج ہوئے مگر کچھ نہ مانا ایک بہت اونچی جگہ پر کسی قدر ان پاکھوں کو کھولا اور ٹین پیش ہر دو حجرہ ڈلوادیا اور دوسو روپیہ اس تعمیر میں صرف کردئے۔ مسلمانوں کی رائے تھی کہ اور کچھ چندہ فراہم کرکے ایک مکان تعمیر ہوجاتا کہ جس کی آمدنی خرچ وصرف مسجد کو کافی ہوتی یہ رقم دوسوپچاس کی تھی جس میں اب صرف پچاس روپیہ انہیں کی تحویل میں باقی رہے ہیں لہٰذا تعمیر مکان اب دشوار ہوگئ،

(۱) ایسی حالت میں یہ روپیہ بجا صرف ہوا یا بے جا؟

(۲) اور مواخذہ دار اس کا عنداللہ وہ رہا یا نہیں؟

(۳) اور متولی مسجد سے رسید اس روپے کی طلب کرتا ہے تو رسید دینا چاہئے یا نہیں جبکہ بلامشورہ ورائے یہ روپیہ صرف ہوا مرمت مسجد میں، اگر صرف بہ انتظام ہوتا تو (صہ/) سے زائد نہ صرف ہوتا، اب ڈیڑھ سوروپیہ صرف دونوں طرف کے پاکھے اور ٹین اور فضولیات میں صرف ہوگیا جس کی اس وقت مسجد کو کوئی ضرورت نہ تھی اور ۸ سال تک یہ روپیہ اس نے اپنے قبضہ میں رکھا،

(۴) اور دونوں جانب کے در فصیل کھلوادینے چاہئیں یا نہیں کیونکہ ہوا بالکل مسدود ہے اور آرام نمازیوں اور وضو کا جاتا رہا، جو حکم شرع ہو وہ کیا جاوے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) شخص مذکور کے یہ تصرفات محض ناجائز وباطل ہیں۔

(۲) روپے کا تاوان اس پر لازم ہے۔

(۳) متولی مسجد کو حرام ہے کہ اسے رسید دے۔

(۴) دونوں طرف کے در بدستور کھول دئے جائیں کہ ہوا اور وضو کا آرام ہو،

فی الدر المختار والبحر الرائق والاشباہ والنظائر وغیرھا التصریح بان المتولی مقدم علی القاضی وان کان منصوبہ فکیف بالاجنبی فکیف فی اضاعۃ المال وسد المرافق[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار، بحرالرائق، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں تصریح ہے کہ متولی قاضی پر مقدم ہے اگرچہ متولی اسی قاضی کا بنایا ہوا ہو تو اجنبی کا کیا مقام ہے تو مال کاضیاع اور مفادات پر پابندی کا کیا سوال ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۵

مسئلہ ۴۲: کریم الدین واقف نے بحیثیت متولی کام نہیں کیا بلکہ مالکانہ جب سے وقف کیا جس کو عرصہ پندرہ سال کا ہوا کرتے رہے سیر اس میں کی (**مہ معہ /**) بیگھ زمین خود کاشت میں رکھی جو اعلیٰ درجہ کی ہے اور کبھی اس کا لگان درج نہیں ہوا، اخراجات جو لکھے ہیں چند نشان میں کبھی نہیں کی متولی بدلنے کی کہیں شرط نہیں، جس صورت میں خود واقف جو متولی ہوا وہ حسب شرائط کار بندنہ ہوا پھر وقف کب ہوا، مکرر یہ کہ اس نے اندراج وقف کا کاغذات پٹواری میں نہیں کرایا یہ ایک شرط اس نے اپنے ذمے لازم رکھی تھی۔

الجواب:

وقف میں کریم الدین کے لفظ صاف وبے تقیید مطلق ہیں کہ وقف دائمی کیا میں نے اور خود اپنے آپ کو متولی کیا وقف صحیح وتام ولازم ہوگیا جس کی تبدیل ناممکن ہے بعد کو اگر اس نے قبضہ مالکانہ کیا ہو اور جتنی باتیں سائل نے ظاہر کیں سب سچ ہوں بلکہ بالفرض اس نے صراحۃً دعوی دائر کردیا ہو کہ میں مالک ہوں یہ وقف نہیں ہے جب بھی وقف کو آنچ نہیں پہنچ سکتی بلکہ خود اس کی خیانت ظاہر ہوتی اور واجب ہوتا کہ وقف اس سے نکال کر دوسرے کے سپرد کیا جائے نہ یہ کہ اس سے وقف باطل ہوجائے یہ نری جہالت وضلالت ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیۃ، لوالواقف، درر، فغیرہ بالاولی غیرمامون[1]۔	جبراً معزول کرنا واجب ہے، بزازیہ، اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو غیر شخص جو قابل اعتماد نہ ہو اس کو بطریق اولٰی معزول کیا جائے گا۔ (ت)

شرائط کی پابندی اس پر لازم تھی کہ اگر نہ کی گنہگار ہوا نہ کہ وقف ہی جاتا رہا وقف کے بعد واقف صرف ایک متولی کی حیثیت میں رہتا ہے نہ کہ مالک یا ابطال وقف پر قادر۔ کیا متولی اگر خلافِ شرائط کرے توشیئ وقف سے نکل جائے گی، ایسا خیال نرے احمق بے ادراک کا خیال ہے، در بارہ متولی واقف کو ایسی صورت میں ضرور تبدیل کا اختیار ہوتا ہے اگرچہ وقت وقف یا وقف نامہ میں بدلنے کی کوئی شرط نہ کی ہو۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیھا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط[2]۔	متولی بنانا واقف کی تمام شرائط سے الگ معاملہ ہے کیونکہ واقف جب چاہے بغیر شرط بیان کئے بھی متولی کو تبدیل کرسکتا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

توبعد کو جواقرار نامہ اس نے دربارہ تولیت لکھا اسی پر عمل درآمد واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳تا۴۵: از بہار شریف ضلع پٹنہ ڈاکخانہ سوہ سرائے محلّہ مغل کنواں مکان شیخ بہادر مہتو مرسلہ مولوی امیر حسن صاحب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے وفات سے تیرہ برس پہلے اپنی جائداد کو وقف کرکے بشہادت معززین شہر ایک وثیقہ لکھوا کر حاکم وقت کی کچہری میں باضابطہ تعمیل کرادیا، بعد تیرہ سال کے مرض موت میں دوسرا وثیقہ مخالف شروط وثیقہ اول لکھوایا اور دوچار پہر کے بعد قضا کرگئی چونکہ ہندہ سنیہ حنفیّہ تھی لہٰذا فقہ حنفیّہ کی معتبرہ ومشہور کتابوں سے قول مفتی بہ وصحیح کے ساتھ میرے سوالات مفصلہ ذیل کاجواب مرحمت ہو:

(۱) وثیقہ اول کی ترمیم وشروط بدلنے کاہندہ کااختیار تھا یانہیں؟

(۲) مرض موت کے وقف کاکیاحکم ہے؟

(۳) وثیقہ ثانی صحیح ہے یا باطل؟ بینواتوجروا المستفتی عبداللہ

الجواب:

عامہ [عہ۱] شرائط معتبرہ [عہ۲] کااختیار شرع مطہر نے واقف کو صرف انشائے وقف کے وقت دیا ہے مثلاً جسے چاہے اس کا مصرف بنائے جسے چاہے اس سے جدارکھے، جسے جتنا چاہے دینا بتائے، جس وقت یا حالت یا صفت کے ساتھ چاہے مقید کردے، جو ترتیب چاہے مقرر کرے، جب تک اس انشاء میں ہے مختار ہے، وقف تمام ہوتے ہی وہ تمام شروط مثل وقف لازم ہوجاتی ہیں کہ جس طرح وقف سے پھرنے یااس کے بدلنے کااسے اختیار نہیں رہتا یونہی ان میں سے کسی شرط سے رجوع یا اس کی تبدیل یااس میں کمی بیشی نہیں کرسکتا ہاں اگر انشاہی کے وقت شرط لگادی تھی کہ مجھے ان تمام شروط یا خاص فلاں شرط میں تبدیل کااختیار ہوگا توجس شرط کے لئے بالتصریح یہ شرط کرلی تھی

عہ۱: انما قال عامۃ لان التولیۃ خارجۃ عن ھذا الحکم فلہ التغییر فیھا کلما شاء ولولم یشرط شیئاً کما فی البحر وقد تقدم فی فتاوٰنا غیر مرۃ ۱۲منہ (م)

"عامہ" کالفظ اس لئے کہا کیونکہ تولیت کا معاملہ اس حکم سے خارج ہے لہٰذا واقف کو جب چاہے متولی میں تبدیلی کا حق ہے اگرچہ اس کی شرط نہ لگائی ہو جیسا کہ بحر میں ہے اور متعدد بار ہمارے فتاوٰی میں گزرچکا ہے ۱۲منہ (ت)

عہ۲: قید بالمعتبرۃ لان الشرط الباطل باطل مطلقاً لاتقبل حین الانشاء ولابعدہ ۱۲منہ۔

معتبر شرائط سے کہا، کیونکہ باطل شرط ہو تو مطلقاً باطل ہے وقف کرتے وقت لگائی گئی ہو یا بعد میں لگائی گئی ہو ۱۲منہ (ت)

اسی کو بدل سکے گا پھر اسے بھی ایک ہی بار بدل سکتا ہے، جب تبدیل ہولی اب دوبارہ تغیر کا اختیار نہ ہوگا کہ اسی قدر شرط کا مفاد تھا، وہ پورا ہوگیا اب دوبارہ تبدیل شرط شے زائد ہے لہذا مقبول نہ ہوگی البتہ اگر کسی شرط پر انشائے وقف میں یہ شرط لگادی کہ میں اسے جب کبھی چاہوں ہر بار بدل سکوں گا تو اس شرط کی نسبت اختیار مستمر رہے گا کہ اب اس کا استمرار ہی مقتضائے شرط ہے غرض واقف خود اس کا قطعی پابند ہوتا ہے جو ان شرائط میں وقف کرتے وقت زبان یا قلم سے نکال چکا اس سے باہر ان میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا، امام طرابلسی اسعاف میں فرماتے ہیں:

لایجوز له ان یفعل الا ماشرط وقت العقد[1]۔	یعنی واقف کو اسی قدر کرنے کی اجازت ہے جتنا وقف کرتے وقت شرط کرچکا تھا۔

اسی میں ہے:

لو شرط فی وقفه ان یزید فی وظیفة من یری زیادته اوینقص من وظیفة من یری نقصانه اویدخل معهم من یری ادخاله اویخرج من یری اخراجه جاز، ثم اذا فعل ذٰلك لیس له ان یغیره لان شرطه وقع علی فعل یراه فاذا راٰه مضاه فقد انتهی ماراٰه[2]۔	یعنی اگر واقف نے وقف میں شرط کرلی کہ میری رائے میں جس کا وظیفہ بڑھانا مناسب ہوگا بڑھادوں گا یا جس کا کم کرنا مناسب ہوگا کردوں گا جسے داخل کرنا آئے گا داخل کروں گا جسے خارج کردینا منظور ہوگا خارج کردوں گا تو یہ شرط جائز ہے پھر جب ایک بار کرچکا اب اسے نہیں بدل سکتا کہ شرط جتنی تھی ختم ہوچکی۔

علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں:

الوقف اذا لزم لزم مافی ضمنه من الشروط[3]۔	وقف جہاں لازم ہوا ساتھ ہی اس کے ضمن میں جتنی شرطیں ہیں سب لازم ہوجاتی ہیں۔

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

وقف ضیعة فی صحته علی الفقراء واخرجها من یده الی المتولی ثم قال لوصیه عندالموت اعط من غلتها لفلان کذا ولفلان کذا	یعنی ایک جائداد اپنی صحت میں فقیروں پر وقف کرکے متولی کو سپرد کردی پھر مرتے وقت وصی سے کہا اس کی آمدنی سے اتنا فلاں کو دینا اتنا فلاں کو تو اس کا

[1] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[2] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۹

فجعله لاولئك باطل لانها صارت للفقراء اولا فلا يملك ابطال حقهم الا اذا شرط فی الوقف ان يصرف غلتها الی من شاء[1]۔	یہ کہنا باطل ہے کہ وقف ابتداءً فقراء کے لئے ہوچکا تو ان کا حق مٹانے کا اختیار نہیں رکھتا مگر یہ کہ وقف ہی میں شرط کرلی ہو کہ اس کی آمدنی سے جسے چاہوں گا دوں۔

درمختار میں ہے:

جاز شرط الاستبدال به ثم لايستبدلها بثانية لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لا الثانية اھ[2] مختصرا۔	یعنی تبدیل وقف کی شرط جائز ہے پھر جب ایک بار تبدیل کرچکا دوبارہ نہیں کرسکتا کہ یہ اجازت تو اس شرط لگانے سے حاصل ہوئی تھی اور شرط پہلی میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں اھ مختصراً۔

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

الا ان يذکر عبارة تفيد له ذٰلك دائما[3]۔	یعنی ہاں اگر ہمیشہ اختیار تبدیل کی شرط کرلی تو ہمیشہ مختار رہے گا۔

اس قدر سے سوال اول وسوم کا جواب واضح ہوگیا کہ شروط لازمہ کی ترمیم کا ہندہ کو کوئی اختیار نہ تھا اور دوسرا وثیقہ جہاں تک ان کی تبدیل کرتا ہو محض لغو ومہمل کہ وقف اس کی ملک سے خارج ہوچکا اور شرائط لازمہ لازم ہولیں اب ان کے متعلق نیا وثیقہ ایسا ہے جیسا ایک اجنبی راہ چلتا کچھ لکھ جائے۔ سوال دوم کو اس مسئلہ سے کچھ تعلق نہیں اور اس کا جواب یہ کہ مرض الموت میں وقف مثل وصیت بے اجازت ورثہ صرف ثلث مال میں نافذ ہوتا ہے کما فی التنویر وغیرہ عامة کتب المذهب (جیسا کہ تنویر وغیرہ عامہ کتب المذہب میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶ تا ۴۸: از بدایوں مرسلہ جناب نبی بخش صاحب مہتمم مدرسہ محمدیہ　　۲ محرم الحرام ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد مسجد ومدرسہ دینی پر وقف ہے آیا ۱ متولی کو اختیار ہے کہ اس کا کوئی جز بیع کردے یا ۲ کسی کی حاجت وکار کے لیے وہ جائداد یا جزو جائداد اسے دے دے کہ وہ اپنے تصرف میں لائے اور اس کے عوض اس سے دوسری جائداد ویسی ہی یا اس سے بہتر بدل لے یا ۳ اس جائداد کا کوئی ہمیشہ کے لئے کسی کو اجارہ دے دے یا چالیس سال کا پٹہ لکھ دے حالانکہ وقف آباد ہے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

اور اسے حاجت نہیں، نہ واقف نے وقف نامہ میں اس کی اجازت دی بلکہ صرف اتنا لکھا ہے کہ ضرورت اتفاقیہ تعمیر در صورت وقوع خرابی مسجد ومدرسہ اختیار اجارہ دینے جزوجائداد کا چندروز عارضی تاادائے قرضہ ہوگا۔ **بینوا توجروا**۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ وہ جائداد جسے لوگ اپنی ضرورت کے لئے مانگتے ہیں باغ ہے وہ اس کے پیڑ کاٹ کر عمارت بنانا چاہتے ہیں **فقط**۔

الجواب:

یہ چاروں صورتیں حرام قطعی ہیں متولی خواہ غیر کسی کو اصلاً ان کا اختیار نہیں متولی اگر ان میں سے کوئی صورت کرے گا تو خائن ہوگا اور واجب ہوگا کہ فوراً نکال دیا جائے اور وقف اس کے قبضہ سے نکال کر کسی متدین خداترس کو حسب شرائط واقفہ سپرد کیا جائے دوسرے جو اس باغ کو لے کر اس کے پیڑ کاٹ کر کوئی عمارت بنائیں گے وقف کے غاصب ہوں گے، فرض ہوگا کہ فوراً وقف ان کے قبضہ ظالمانہ سے خلاص کیا جائے اور ان کی عمارت مسمار کردی جائے اور ان سے پیڑوں کا تاوان بسختی تمام بلارعایت وصول کرلیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس لعرق ظالم حق[1]۔	ظالم کو دخل کا حق نہیں۔ (ت)

پہلی صورت کی حرمت توظاہر، ہر شخص جانتا ہے کہ:

الوقف لایملك لایباع ولایورث	وقف ملکیت نہیں بن سکتا، نہ فروخت ہو اور نہ وراثت بن سکتا ہے۔ (ت)

دوسری صورت یوں حرام ہے کہ واقفہ نے استبدال کی اجازت نہ دی بلکہ صراحۃً لکھ دیا کہ کسی متولی خواہ مہتمم خواہ اصحاب انجمن اسلامیہ کو اختیار انتقال دائمی جائداد کا نہ ہوگا اور وقف جب تک کچھ بھی انتفاع کے قابل رہے حاکم اسلام کو بھی اسکی تبدیل حرام و باطل ومردود محض ہے، درمختار میں ہے:

شرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة و کون البدل عقارا والمستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل[2]۔	بحر میں شرط ہے کہ وہ وقف کلیۃً انتفاع کے قابل نہ رہے اور اس کا بدل زمین ہو اور بدلنے والا قاضی محکمانہ ہو جس کا مطلب ہے کہ عالم باعمل ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماذکر فی احیاء الموات امین کمپنی دہلی ۱۶۶/۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۳۸۳/۱

یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وان لایکون ھناك ریع للوقف یعمر بہ الخ[1]۔	قاضی کو تبدیلی جائز ہے بشرطیکہ وقف کلیۃً ناقابل انتفاع ہوجائے اور وقف کو آباد کرنے کے لئے آمدن بھی نہ ہو الخ (ت)

اور بدلے کی چیز کا اس سے بہتر ہونا وجہ جواز نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان دون زیادۃ اخری و لانہ لاموجب لتجویزہ لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذلاتجب الزیادۃ فیہ بل تبقیہ کماکان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت میں بحال رکھنا ضروری ہے اس میں کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے موجب اول میں شرط ہے اور ثانی میں ضرورت ہے جبکہ یہاں کوئی ضروری نہیں، اس لئے اس میں زیادتی ضروری نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔ (ت)

شرح الاشباہ للمحقق البیری میں یہ کلام فتح سے نقل کرکے فرمایا:

ماقالہ ھذا المحقق ھو الحق والصواب[3]۔	جو اس محقق نے فرمایا وہ حق وصواب ہے (ت)

تیسری صورت کی حرمت یہ کہ ہمیشہ کے لئے اجارہ میں دینا کسی مملوک شے کا بھی جائز نہیں، نہ کہ وقف ظاہر ہے کہ ہمیشگی کسی شیئ کو نہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ جب تک باقی ہے اور مدت بقامجہول ہے اور جہالت مدت سے اجارہ فاسد ہوتا ہے اور عقد فاسد حرام ہے، لہذا علماء نے تصریح فرمائی کہ جب تک مدت معین نہ کی جائے اجارہ جائز نہیں کہ تعیین مدت سے مقدار منفعت معلوم ہوتی ہے، پر ظاہر ہے کہ ہمیشہ کے لئے کہنا نہ کوئی تعیین مدت ہے نہ اس سے مقدار منفعت معلوم ہوسکے۔ ہدایہ میں ہے:

المنافع تارۃ تصیر معلومۃ بالمدۃ کاستیجار الدور للسکنی والارضین للزراعۃ فیصح العقد علی مدۃ معلومۃ	کبھی منافع کا تعین مدت کے تعین سے ہوتا ہے جیسے مکانات اور زرعی زمینوں کا اجارہ، تو معینہ مدت جو بھی ہو اس کے مطابق عقد اجارہ جائز ہے کیونکہ مدت معلوم ہوجانے سے منافع معلوم

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] شرح الاشباہ للعلامۃ البیری

ای مدۃ کانت لان المدۃ اذاکانت معلومۃ کان قدر المنفعۃ فیھا معلوما اذاکانت المنفعۃ لاتتفاوت[1]۔	ہوجاتے ہیں جب منافع میں تفاوت نہ ہو (ت)

عنایہ میں ہے:

الظن عدم البقاء الی تلك المدۃ والظن مثل الیقین فی حق الاحکام فصارت الاجارۃ مؤبدۃ معنی والتابید یبطلھا[2]۔	اس مدت تک باقی نہ رہنے کا ظن ہے جبکہ احکام ظن مثل یقین ہے تومعنًا یہ اجارہ دائمی ہوگا اور دائمی اجارہ عقد کو باطل کردیتاہے (ت)

چوتھی یوں حرام ہے کہ جب نہ واقف نے اجازت دی ہو نہ وقف کی اپنی کوئی ضرورت و مجبوری ہو تو زمین موقوف کو تین برس سے زیادہ پر اجارہ دینا جائز نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

فی الاوقاف لاتجوز الاجارۃ الطویلۃ کی لایدعی المستاجر ملکھا وھی مازاد علی ثلث سنین ھو المختار[3]۔	اوقاف کا طویل اجارہ جائز نہیں تاکہ مستاجر کو دعوی ملکیت کے لئے گنجائش پیدا نہ ہو، اور طویل مدت تین سال سے زائد کا نام ہے اور یہی مختار ہے (ت)

درمختار میں ہے:

فلواجرھا المتولی اکثرلم تصح الاجارۃ وتفسخ فی کل المدۃ لان العقد اذا فسد فی بعضہ فسد فی کلہ فتاوٰی قاری الھدایۃ[4]۔	اگر متولی نے وقفی چیز کو زیادہ مدت کیلئے اجارہ پر دیا تو صحیح نہیں، اور یوں تمام مدت میں اسے فسخ قرار دیا جائے گا کیونکہ جب عقد کا بعض حصہ فاسد ہوا تو تمام مدت فسخ ہوجائیگا، فتاوٰی الہدایہ (ت)

پھر یہ حکم تو اجارہ کے تھے اور وہ جس کے لئے اس باغ کو طلب کررہے ہیں اجارہ نہیں اغارہ ہوگا یعنی وقف کا غارت کرنا، وقفی پیڑ کاٹ ڈالنے کی اجازت کیونکر ہوگی تو یہ اجارہ تین برس درکنار ایک گھڑی کے لئے حلال نہیں ہوسکتا۔

---

[1] الہدایۃ کتاب الاجارات مطب یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱

[2] العنایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/۸

[3] الہدایۃ کتاب الاجارات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱

[4] درمختار کتاب الاجارات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۷

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ حاجی محمد علی خاں صاحب جج ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

زید کی طرف سے وکیل نے جو خدام درگاہ غریب نواز سے ہے کمیٹی درگاہ شریف سے اجازت حاصل کرکے زید کے لئے احاطہ درگاہ معلٰی میں مسجد شاہجہانی کے جانب جنوب ایک حجرہ مع دو دالان کے اپنے صرف سے تیار کرائے بعد تیاری زید نے اس تعمیر پر قبضہ کرنے یا اس کے مصارف وکیل کو ادا کرنے سے قطعی انکار کیا اس پر عمرو نے وہ لاگت تعمیر دے کر حجرہ اور ہر دو دالان پر قبضہ کرلیا اور ایک حجرہ اور زمین وکیل خادم درگاہ کی معرفت اپنے ذاتی مصارف سے تیار کرواکر کل لاگت خادم موصوف کو باخذ رسید دے دیا اور بعد تیاری ان دو حجروں اور ہر دو دالان کو اس نیت سے وقف کردیا کہ جب کبھی بہ زمانہ عرس شریف یا غیر اوقات میں عمرو یا اس کی اولاد یا متعلقین یا احباب حاضر آستانہ ہوا کریں تو ان میں قیام کیا کریں باقی زمانہ اور اوقات میں زائران صادر وارد، یا فقراء میں سے جو چاہے مقیم ہو کر شرف سعادت حاصل کیا کریں چنانچہ عمرو نے اپنی تعمیر کا کندہ تاریخی پتھر برپیشانی حجرہ میں نصب کردیا اور سالہاسال یوم تعمیر سے اب تک عمرو اور اس کے متعلقین وغیرہ زمانہ عرس شریف وغیرہ میں وہاں قیام کیا کرتے ہیں اگر کوئی فقیر وغیرہ ان میں رہتا ہے تو ان کے آنے پر وہ فوراً خالی کردیتا ہے اب وہی خادم درگاہ عمرو کے ان حجروں میں مقیم ہونے کے مانع ہیں اس عذر پر کہ یہ مال وقف ہے عمرو کی ملکیت نہیں، فقیر جو ان حجروں میں رہتے ہیں ان سے یہ حجرے خالی نہیں ہوسکتے، عمرو یا اس کے متعلقین یہاں ٹھہرنے کے مجاز نہیں ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین سے دریافت کیا جاتا ہے کہ عمرو کا ایسا وقف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور عمرو یا اس کے متعلقین بصورت متذکرہ بالا ان حجروں میں مقیم ہوسکتے ہیں یا نہیں اور منع کرنے والے کو خواہ وہ خدام درگاہ شریف میں سے ہو یا اور کوئی فقیر یا دیگر شخص جس نے حجروں میں سکونت اختیار کی ہو اس کو حق ممانعت ہے یا نہیں اور شخص مانع ان حجروں میں متصرف اور قابض رہ سکتا ہے یا نہیں اور وہ اس کے متعلق معاملات میں دخیل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

زمین احاطہ درگاہ معلٰی عامہ زائرین واردین صادرین کے لئے وقف یا ارصاد کالوقف بہر حال محکوم باحکام الوقف ہے **کما حققه المحقق الشامی فی ردالمحتار** (جیسا کہ محقق شامی نے ردالمحتار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) عمرو نے جو حجرہ اپنے زر خاص سے تعمیر کرایا اور جو حجرہ و دالان وکیل سے خریدے اور ان کو اسی مقصد کے لئے وقف کیا یہ وقف صحیح ہوا خادم بائع اس عمارت سے بے تعلق ہوگیا، نہ اس کو ان معاملات میں مداخلت کا کوئی حق خاص رہا،

فی الدر المختار بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونها ان الارض	درمختار میں ہے کہ کسی نے زمین پر عمارت بنائی پھر صرف عمارت بغیر اراضی وقف کردی اگر یہ زمین

مملوکۃ لایصح وان موقوفۃ علی ماعین البناء لہ جاز تبعا اجماعا وان الارض لجھۃ اخری فمختلف فیہ والصحیح الصحۃ کما فی المنظومۃ المحیئۃ۔[1]	مملوکہ ہے تو وقف صحیح نہیں، اگر زمین عمارت کے مقاصد کے لئے وقف ہو تو عمارت بھی تبعًا وقف ہو جائیگی اور اگر زمین کسی اور مقصد کیلئے وقف ہو تو پھر مختلف فیہ ہے اور صحیح یہی ہے کہ درست ہے جیسا کہ آئندہ منظوم میں ہے۔(ت)

عمرو اور اس کے متعلقین بھی ضرور ایام حاضری بارگاہ عالی میں ان میں مقیم ہو سکتے ہیں کوئی شخص ان کو بلاوجہ شرعی اس سے منع نہیں کرسکتا کہ یہ از قبیل مسجد و مقبرہ و رباط و قنطرہ و حوض وسقایہ ہے جن سے غنی و فقیر و واقف و غیر واقف سب حسب شرط وقف متمتع ہو سکتے ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ھذہ الاشیاء بین الغنی والفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط والشرب من السقایۃ والدفن فی المقبرۃ کذا فی التبیین۔[2]	ان چیزوں سے انتفاع میں امیر غریب کا کوئی فرق نہیں، لہذا سرائے ورباط، سقایہ (سبیل)، تدفین (مقبرہ میں ہر ایک کو مساوی حق ہے۔

اسی میں ہے:

ولاباس بان یشرب (ای البانی) من البئر والحوض ویسقی دابتہ وبعیرہ ویتوضأ منہ کما فی الظھیریۃ[3]۔	بطور وقف تعمیر کرنیوالے کو کنویں، حوض سے پانی پینے، اپنے جانوروں کو پلانے، وضو کرنے میں کوئی حرج نہیں، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔(ت)

ہاں ان کو مسکن و موطن دوام بنانے کا نہ عمرو کو اختیار ہے نہ کسی فقیر وغیرہ کو کہ یہ زمین و عمارت دونوں کے مقصد کے خلاف ہے اور خدام درگاہ کو تو ان میں اقامت چند روزہ کی بھی صحیح نہیں کہ وہ باہر سے حاضر ہونے والوں کے لئے بنے ہیں نہ کہ مجاوروں کے لئے۔ ہندیہ میں ہے:

قال الخصاف فی وقفہ اذا جعل دارہ	امام خصاف نے وقف کے بیان میں فرمایا

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۵

سکنی للحاج فلیس للمجاورین ان یسکنوھا کذافی الظھیریة[1]۔	جب کسی نے اپنا گھر حجاج کی رہائش کیلئے وقف کیا تو اس میں مجاورین کو رہائش کا حق نہیں، ظہیریہ میں یونہی ہے (ت)

سوالاتِ سائل کا جواب تو ہو گیا مگر یہاں ایک ضروری امر غور طلب باقی رہا جس سے اگرچہ سائل نے تصریحًا سوال نہ کیا مگر بیان صورت میں اس سے تعرض موجود اور اس کی حاجت ضرور ہے وہ یہ کہ جس طرح غیر عمرو کو ممانعت عمرو متعلقین عمرو کا اختیار نہیں اس طرح آیا عمرو کو بھی دوسرے کے ممانعت کا اختیار ہے یا نہیں جبکہ وہ دوسرا نہ بطور سکونت بلکہ حسب شرط معلوم ایام موسم خواہ ان کے غیر میں پہلے سے مقیم ہو اور اب عمرو یا اس کے متعلقین آجائیں تو آیا بدعوی عمارت اس سے خالی کراسکتے ہیں یا نہیں، ظاہرًا اس کا جواب نفی ہے، عمرو نے اگر یہ شرط وقف میں نہ لگائی ہو جب تو ظاہر، مجرد نیت نہ مفید شرط ہے نہ اس کا دعوی مسلم۔ درمختار میں ہے:

لوقال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ[2] اھ۔	اگر کہے میں نے یہ نیت کی تھی تو اس کی تصدیق نہ ہوگی تاتارخانیہ، جب وقف میں یہ معاملہ ہے تو غیر وقف میں کیسے تصدیق نہ ہوگی اھ (ت)

اور اگر شرط لگائی ہو اور شرط واقف واجب الاتباع ہے اور اس کے خلاف تصرف ناجائز، اور جب تاحیات صرف اپنے نفس پر وقف جائز ہے تو اوقاتِ خاصہ میں اپنی تقدیم کی شرط بدرجہ اولٰی، مگر یہ سب اس صورت میں ہو تا کہ زمین بھی ملک عمرو ہوتی، یہاں کہ زمین اول سے عام پر وقف ہے اسے کسی وقت اپنے نفس کے لئے اسے خاص کرلینے کا اختیار نہیں عمارت اس نے وقف کی اسے اپنے لئے خاص کرسکتا اگر یہ خصوص عمارت ہی تک محدود رہتا مگر ایسا نہیں بلکہ زمین بھی ان اوقات میں اس کے لئے محصور اور عام اہل حق سے ممنوع و مجور رہے گی بلکہ زمین ہی قیام میں اصل ہے اور عمارت تابع۔ اور زمین پر اس کو اپنی تقدیم وترجیح کا کوئی حق نہیں، نہ دوامًا نہ کسی وقت خاص کے لئے، مثلًا موقف عرفات میں کوئی شخص ایک حجرہ بنائے کہ جس سال یہ حج کو جائے دوسرا وہاں وقوف نہ کرسکے اس کی ہرگز اجازت نہیں ہوسکتی۔ امام طحاوی شرح معانی الآثار پھر علامہ اتقانی غایۃ البیان شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

المسجد الحرام لایجوز لاحد ان یبتنی فیه بناء ولاان یحتجر فیه موضعاو	مسجد حرام میں کسی کو اپنے لئے تعمیر کی اجازت ہے نہ ہی اپنے لئے جگہ مخصوص کرنے کا حق ہے، اور یہی حکم ان تمام

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

کذٰلك حکم جمیع المواضع التی لایقع لاحد فیھا ملك وجمیع الناس فیھا سواء الاتری ان عرفات لو اراد رجل ان یبنی فی المکان الذی یقف فیہ الناس بناء لم یکن لہ ذٰلك وکذٰلك منٰی لواراد ان یبنی فیھا داراکان من ذٰلك ممنوعا، وکذٰلك جاء الاثر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحدث باسنادہ الٰی عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قال قلت یارسول اللہ الانتخذ لك بمنی شیئا تستظل فیہ فقال یاعائشۃ انھا مناخ لمن سبق فھذا حکم المواضع التی فیھا الناس سواء ولاملك لاحد علیھا[1]۔	مواضع کا ہے جن میں کسی کو ملکیت کا حق نہیں اور ان میں تمام لوگ مساوی حق رکھتے ہیں کیاآپ دیکھتے نہیں کہ عرفات میں کوئی شخص مکان بنانا چاہے جو کہ لوگوں کے ٹھہرنے کے لئے ہے تو اس کو یہ حق نہیں ہے، اور یونہی منٰی میں کوئی مکان حویلی بنانا چاہے تو ممنوع ہے، یہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ماثور ہے جس کی نسبت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انہوں نے عرض کی یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے لئے منٰی میں کوئی سایہ دار جگہ بنادیں، توآپ نے فرمایا اے عائشہ! منٰی تمام لوگوں کے لئے ڈیرہ ہے جو بھی پہلے وہاں اتر جائے تو یہ ان مواضع کا حکم ہے جس میں تمام لوگوں کو برابر حق ہے اور کسی کی ملکیت نہیں ہے (ت)

تو یہ شرط خلافِ شرع ہوئی اور واقف کی جو شرط مخالف شرع مطہر ہو نامقبول و نامعتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

شرائط الواقف معتبرۃ اذالم تخالف الشرع۔[2]	جب شرع کے مخالف نہ ہو تو وقف کی شرائط معتبر ہیں (ت)

اور یہ خیال بھی نہیں ہوسکتا کہ ایسی زمینیں اس کے لئے ہیں جس کا قبضہ پہلے ہوجائے اور یہاں عمرو کا قبضہ سابق ہے کہ اس کی عمارت موجود ہے جیسے کوئی شخص مسجد میں آیا ایک جگہ بیٹھا پھر وضو کے لئے گیا اور اپنا کپڑا وہاں چھوڑ گیا دوسرا شخص اس کپڑے کو ہٹا کر وہاں نہ بیٹھے کہ کپڑے والے کا قبضہ سابق ہولیا ہے، یہاں اس کا محل نہیں، جب عمارت وقف ہوچکی عمارت کا ہونا اس کا قبضہ سابقہ نہیں ٹھہر سکتا کہ نفس عمارت میں بھی یہ اور سب مسلمان برابر ہوگئے معہذا ایسا قبضہ تھوڑی دیر کے لئے مسلم ہوتا ہے جیسا کپڑا رکھ کر وضو کو جانے میں، نہ یہ کہ مسجد میں اپنی کوئی چیز رکھ دیجئے اور وہ جگہ ہمیشہ آپ کے لئے مخصوص ہوجائے کہ جب آیئے دوسروں پر تقدیم پایئے، یہ ہرگز نہ جائز نہ مقبول۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب البیوع باب بیع ارض مکہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب شرائط الوقف معتبرۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۱

فی الدر المختار فی مایمنع فی المسجد تخصیص مکان لنفسه ولیس له ازعاج غیرہ منه ولو مدرسا[1]۔	در مختار، مسجد میں ممنوعات کے بیان میں ہے کہ اپنے لئے جگہ کو مخصوص کرنا اور وہاں سے کسی کو ہٹانا اگرچہ مدرس ہو منع ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة له فی المسجد موضع معین یواظب علیه وقد شغله غیرہ قال الاوزاعی له ان یزعجه ولیس له ذٰلك عندنا اھ ای لان المسجد لیس ملکا لاحد بحر عن النهایة **قلت** وینبغی تقیید بما اذا لم یقم عنه علی نیة العود بلامهلة کما لو قام للوضوء مثلا ولاسیما اذا وضع فیه ثوبه لتحقق سبق یدہ تأمل وفی شرح السیر الکبیر للسرخسی وکذا کل مایکون المسلمون فیه سواء کالنزول فی الرباطات والجلوس فی المساجد للصلٰوۃ، والنزول بمنٰی او عرفات للحج حتی لوضرب فسطاطه فی مکان کان ینزل فیه غیرہ فهو احق ولیس للاٰخران یحوله[2]۔	قنیہ میں ہے کہ مسجد میں کسی کی مخصوص جگہ جہاں وہ روزانہ بیٹھتا ہو وہاں کوئی دوسرا شخص مشغول ہوجائے، تو امام اوزاعی نے فرمایا اگر وہ اس کو وہاں سے ہٹانا چاہے تو جائز ہے اور اس کو ایسا کرنے کا حق نہیں ہے ہمارے نزدیک اھ یعنی کیونکہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں بحر میں نہایہ سے منقول، **قلت** (میں کہتا ہوں) اس بیان کو اس بات سے مقید کرنا مناسب ہے کہ جب پہلا شخص وہاں پر فورًا واپس آنیکی نیت سے نہ اٹھا ہو جیساکہ کوئی وضوکے لئے مثلًا اٹھے خصوصًا جب وہاں اپنا کپڑا رکھ جائے یہ اس لئے کہ وہ پہلے قبضہ کرچکا ہے، غور کرو۔ اور امام سرخسی کی سیر کبیر میں ہے اور ایسے ہی ہر وہ مقام جس میں تمام مسلمان مساوی حق رکھتے ہوں، جیسا کہ سراؤں میں ٹھہرنا، نماز کے لئے مساجد میں بیٹھنا اور منٰی اور عرفات میں حج کے لئے اترنا، حتی کہ اگر کسی نے ایک جگہ وہاں خیمہ لگایا اور دوسرا شخص وہاں پہلے ٹھہر گیا تو پہلے کو یہ حق نہیں کہ اسے وہاں سے منتقل کرے الخ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیاکہ جس نے سبقت کی اور عمرو کے لئے اپنی حاجت جائزہ کے وقت خالی نہیں کرتا اس پر یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتاکہ حق غیر میں تصرف کررہا ہے یعنی عام حق تو زمین میں تھا اور یہ حجروں دالانوں میں ٹھہر کر عمارت کو بھی اپنے تصرف میں لایا اور وہ عمارت اصل مالک نے اس کے لئے جائز کی تھی جو خود اس کی حاجت کے سوا دوسرے وقت میں آئے اس کا جواب وہی ہے کہ عمارت اس کی ملک نہ رہی اور

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مطلب فیمن سبقت یدہ الی مباح داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

وہ شرط کہ اس نے کی تھی خلاف شرع ہو کر نامعتبر ہوئی تو اب جس کا ہاتھ سبقت کرے وہی مقدم ہے **ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عند ربی** (مجھے یہ معلوم ہوا جبکہ حقیقی علم میرے رب کو ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از نجیب آباد ضلع بجنور متصل تحصیل مرسلہ جناب محمد ظفر اللہ صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال وقف مسجد پر حجن کے نام سے موسوم ہے شرعًا کسی کا دعوی ہوسکتا ہے یانہیں؟ اگر اس کا کوئی شخص یا چند شخص مل کر اپنے آپ کو ولی قرار دیتے ہوں تو وہ مالک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال وقف پر دعوی ملک تو کسی کو نہیں ہوسکتا، ہاں دعوی تصرف متولی کو ہے، اگر متولی نہ ہو تو اہل محلّہ کو اختیار ہے، اگر انہوں نے اس شخص یا اشخاص کو متولی کردیا ہے تو اس کو اختیار مل سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از مقام خاص مرزاپور محلّہ چیت گنج مرسلہ حکیم احمد علی صاحب یکم ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک قطعہ زمین سرکاری جو کہ جنازہ مسلمانان کے لئے وقف ہے اس میں باجازت تکیہ دار کے ایک مکان ایک دوسرے فقیر نے بنایا اور اسی میں بود وباش اختیار کرنے کے بعد چندے اس مکان کو براہ خدا وقف کردیا وہ وقف شدہ مکان بقیمت مبلغ بیس؁ روپیہ کو وارث تکیہ نے خرید کیا مکان وقف شدہ کا روپیہ ایک مسجد جو کہ مکان سے علیحدہ اسی زمین میں تعمیر کی گئی ہے وہ روپیہ اسی مسجد میں خرچ کیا گیا اب وہ مکان تکیہ دار کے قبضہ میں ہے پھر دوبارہ وہی فقیر جس نے مکان تعمیر کیا تھا خریدنا چاہتا ہے شرع شریف سے جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر وہ تکیہ وقف ہے جیسا کہ سائل بیان کرتا ہے تو نہ اس میں اس فقیر کو اپنا مکان سکونت بنانے کی اجازت تھی نہ اسمیں مسجد بنانا جائز ہے **لان الوقف لایوقف** (کیونکہ وقف شدہ دوبارہ وقف نہیں ہوتا) نہ اس مکان کی زمین کا بیچنا صحیح تھا، نہ اب اس کے یا کسی اور کے ہاتھ بیع ہوسکتی ہے **لان الوقف لایملک** (کیونکہ وقف کسی کا مملوک نہیں ہوسکتا) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۲ تا ۵۳: بتاریخ یکم صفر روز پنجشنبہ ۱۳۳۴ھ

(۱) قبرستان میں مدرسہ یا کوئی مکان یا مسجد بنانا جائز یا نہ؟

(۲) ایک بزرگ نے ایک جگہ چند بزرگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا وہاں ایک چبوترہ بطور مسجد بنایا اور ایک مدت تک وہاں نماز پڑھی گئی اب ایک عرصہ سے وہ جگہ خراب پڑی ہے، وقف کی یانہیں کی اس کا کچھ حال معلوم نہیں،

اب وہ جگہ کسی کو دے دی جائے کہ مکان بنائے یا مسجد بنادی جائے۔

الجواب:

(۱) قبرستان وقف میں کوئی تصرف خلاف وقف جائز نہیں، مدرسہ ہو خواہ مسجد یا کچھ اور۔ اور اگر کسی کی ملک ہے تو قبور سے الگ وہ جو چاہے بنا سکتا ہے۔

(۲) اگر تصریحًا یا دلالۃً کسی طرح وقف کرنا ثابت نہیں تو وہ زمین مالک یا اس کے ورثہ کی ملک ہے وہ جو چاہیں کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: از ضلع سیتاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی ابومحمد یوسف حسن صاحب طالب علم مدرسہ مذکور ۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل کے جواب میں کہ زید نے اپنی اور اپنے شریک دار کے کہ جس کی جانب سے وہ کارکن اور خود بھی حصہ دار تھا اپنے مقبوضہ مواضعات معافی کی نسبت انگریزی ہونے پر محکمہ بندوبست میں درخواست دی کہ ہمارے مواضعات حسب عمل درآمد قدیم اب بھی معاف رہیں اور اس میں حسب ذیل الفاظ سے اقرار کیا:

یہ مواضعات صدہا سال سے واسطے مصارف عرس سید شاہ فلاں واقع مقام فلاں ومصارف واردین و صادرین و غرباو مساکین ومجالس محرم سلاطین ماضیہ نے بطور وقف مقرر ومعاف ومرفوع القلم کیا ہے۔ دوسرے مقام پر اپنی درخواست میں یہ الفاظ تحریر کئے ہیں امیدوار ہوں کہ دیہات، معافی بدستور بصیغہ وقف معاف ومرفوع القلم رہیں، اور اسی مقدمہ میں اجلاس پر حاکم کے روبرو بسوال حاکم بدیں الفاظ جواب تحریر کردیا۔

سوال حاکم: تمہاری معافی بعہد نواب سعادت علی خاں والی لکھنؤ کے کس سبب سے ضبط ہوئی؟

جواب: یہ معافی وقف اس واسطے ضبط نہیں ہوئی اور اسی مقدمہ تحقیقات معافی میں ایک حساب داخل کیا جس میں عبارت مسلم وقف حسب ذیل ہے، اس میں مصارف میرے اور میرے عزیزوں کے مناط قوت ان کا بھی یہی ہے اور یہ سب لوگ خدمت گزار درگاہ ہیں اور یہ معافی وقف ہے اس کارروائی پر حاکم ضلع نے مصارف کی تحقیقات کرکے سفارش معافی کی کردی اور اس سفارش پر حاکم اعلٰے صاحب کمشنر نے یہ الفاظ تحریر کئے قابض اور ان کے موروثان سب مشہور لوگ ہیں اور مزار پیشتر بہت مشہور تھا یہ مجھ کو مذہبی وقف معلوم ہوتا ہے قبضہ سالہاسال سے ہے، مسجد وامام باڑہ وخانقاہ ومسافرخانہ سب بمقام فلاں ہے اس کو سرکار سے سند معافی عطا ہوئی جس میں لفظ وقف کا نہیں تحریر ہے اور سند مطبوعہ حسب نمونہ مقررہ ہے اور تمام ایسی معافیات میں اسی طور کے اسناد اس نواح میں سرکار نے دئے ہیں، اس کے بعد بندوبست پختہ میں

حسب قاعدہ مقررہ سرکار دعوی حقیت اعلیٰ مواضعات مذکور کا زید ہی نے دائر کیا اور اس درخواست میں بربنائے قبضہ سابقہ ڈگری چاہی مگر اس مقدمہ کے بیان میں بعد درخواست مذکور مالک کا لفظ استعمال کیا اور ڈگری میں بھی لفظ مالکانہ تحریر ہوگیا اس کے بعد بمقدمہ حصہ داری وتعین حصہ ہر شریک دار میں پھر یہ ظاہر کیا کہ یہ جائداد واسطے مصارف درگاہ ہے کسی حصہ دار کو اختیار انتقال کسی قسم کا نہیں بعد مصارف عرس وفواتح واردین وصادرین کے جو بچتا ہے بحصہ مساوی تقسیم ہوجاتا ہے اور آئندہ ہم لوگوں نے اقرار کنندگان کے ورثہ پر اسی طور پر ہمارے حصہ سے تقسیم ہوتا رہے گا بعدہ واجب العرض میں بھی جو بعد کارراوئی حصہ داری کے مرتب ہوئی اس میں یہ تحریر کردیا کہ یہ موضع وقف ہے، ان حالات پر ازروئے شرع شریف اس جائداد پر اطلاق وقف کا ہوگا یانہیں؟ اور زید کے وارثوں کو اختیار انتقال اس جائداد سے ہے یا نہیں، واضح رہے، مقدمہ تعین حصہ داری ودیگر کاغذات سرکاری میں کل حصہ داران شریک دار آمدنی نے اس کو وقف تسلیم کیا ہے اور یہ اقرار کیا ہے کہ کسی کو اختیار انتقال حاصل نہیں ہے صرف درمیانی کارروائی ڈگری حقیت اعلیٰ میں لفظ مالک کا استعمال ہوا ہے اس سے قبل وبعد کی کل کارروائیوں میں اقرار عدم اختیار انتقال وقف کا سب کی جانب سے ہے اور یہ خاندان اولاد حضرت پیران پیر دستگیر سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اپنے کو منسوب کرتا ہے اور ایسے ہی بعض ملفوظات خاندانی وشجرہ جات خاندانی سے مانا گیا ہے اس خاندان کے لوگ بلالحاظ مستطیع وغیر مستطیع حسب قرار داد بندوبست جو باتفاق خود تعین حصص کرچکے ہیں اس اعتبار سے مستحق گزارہ ہیں یا مورث اعلیٰ کی نسل پر ازروئے فرائض ازسر نو تعین گزارہ کا حق رکھتے ہیں اگر مستطیع کو استحقاق گزارہ بوجہ اس کی استطاعت نہ ہو تو کسی وقت بحالت نہ رہنے استطاعت کے پھر کسی سبب سے گزارہ پاسکتے ہیں اور استطاعت کا معیار کیا ہے اور کسی اولاد پر بالخصوص سادات کے کسی خاندان پر جو وقف ہو اس میں جب لوگ مستطیع ہوتے جائیں گے وہ خارج از گزارہ ہوتے جائیں گے اور پھر جب غیر مستطیع ہوجائینگے داخل ہوتے جائیں گے، اور اس کا سلسلہ کس طور سے جاری رہے گا تعین گزارہ کی نسبت کیا ہوا کرے گا۔ امید کہ جملہ امور کا جواب ازروئے فقہ حنفیّہ مرحمت فرمایا جائے اور یہ اراضی عشری ہیں اور عشر ان پر واجب ہے یانہیں، اور فی الحال یہ مواضعات کاشتکاروں کے پاس نقدی جمع سر ہیں، جن مصارف کا ذکر اوپر تحریر کیا گیا ہے جیسے فواتح واعراس ومیلاد شریف ومحرم وخرچ واردین وصادرین تو جہاں تک مجالس واعراس وفواتح کو ذکر وتذکرہ قرآن خوانی وتقسیم طعام وغیرہ سے تعلق ہے وہ تو ظاہر ہی ہے صرف تعزیہ داری کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے ایک رواجی مقامی طریقہ ہے تو اس قدر مصرف ناجائز کے شمول سے نفس وقف پر کیا اثر ہے اور یہ فعل قابل ترک ہے، اسی طور سے اعراس میں ایک صورت بعض وقت سماع کی ہے جو سب طریقہ موسیقی وراگ ومزامیر نزد احناف حرام ہیں اور یہی سوادِ اعظم ہے البتہ محض قصیدہ خوانی یا نعت خوش الحانی سے سننا اور سنانے والے کو کچھ دینا جیسا کہ حضور انور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک حضرت حسان کو مرحمت فرمائی تھی اس کی بابت

کیا حکم ہے یہ بھی قابل ترک ایسے اوقاف سے ہے یا نہیں؟

الجواب:

ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ کسی کو ان کے بیع وانتقال کا کوئی حق ہو **کما حققه فی ردالمحتار بمالامزید علیه** (جیسا کہ اس کی تحقیق ردالمحتار میں کی ہے جس پر مزید اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت) سند معافی میں لفظ وقف نہ ہونا کچھ مضر نہیں، نہ کسی مقدمہ میں اپنے آپ کو مالک تعبیر کرنا یا گورنمنٹی ڈگری میں لفظ مالکانہ لکھا جانا کچھ اثر رکھتا ہے کہ متولی کی طرف نسبت ملک بوجہ ملک تصرف واختیار شائع ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح فی الجواب ان کانت دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر حدود اربعہ کو اپنے لئے قرار دیا پھر یہ دعوی کیا کہ وقف ہے، توجواب صحیح یہ ہے اگر وقف ہونے کا دعوی تولیت کی وجہ سے ہو تو دونوں باتوں میں موافقت ممکن ہے کیونکہ وقف کو متولی متصرف اور فریق بحث ہونے کے اعتبار سے عادتاً اپنی طرف منسوب کرلیتا ہے۔(ت)

موقوف علیہ کا فقیر یا غیر ہاشمی ہونا ضرور نہیں اغنیاء وسادات بھی اوقاف عامہ، رفاہ عام میں داخل ہوسکتے ہیں جیسے مسجد، مقبرہ، حوض، کنواں، سقایہ، سرائے پل وغیرہا، اور وہ ہر وقت میں بشرط واقف مثل استثناء فی المصروف بھی شامل ہوسکتے ہیں جس طرح خود اپنا نفس اور اپنی اولاد، بالجملہ وقف کا قربت موبدکے لئے ہونا ضرور ہے مگر تمام آمدنی قربت ہی کے لئے معین ہونا ضرور نہیں استثناء بعض علی الدوام واستثناء کل الی زمان منقطع دونوں کی گنجائش ہے اور اس کا اختیار واقف کو ہے جیسی شرط کرے گا اتباع کی جائے گی تحت قول درمختار **والتصدق بالمنفعة ولوفی الجملة**[2] (منفعت کو صدقہ قرار دینا اگرچہ کسی طرح ہو۔ت) ردالمحتار میں ہے فرمایا:

فیدخل فیه الوقف علی نفسه ثم علی الفقراء وکذا الوقف علی الاغنیاء ثم الفقراء لما فی النهر عن المحیط لو وقف علی الاغنیاء وحدهم لم یجز لانه لیس بقربة، امالوجعل اخره للفقراء فانه یکون	اس میں اپنی ذات کے لئے وقف اور بعد میں فقراء کیلئے داخل ہوگا، اسی طرح اغنیاء کیلئے پھر فقراء کیلئے وقف کی صورت بھی داخل رہے گی جیساکہ نہر میں محیط سے منقول ہے کہ اگر صرف اغنیاء کے لئے وقف ہو تو ناجائز ہوگا کیونکہ یہ قربت نہیں ہے لیکن اگر آخر میں فقراء

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

قربۃ فی الجملۃ[1] اھ۔	کیلئے وقف کیا تو جائز ہوجائیگا کیونکہ یہ قربت ہے اگرچہ فی الجملہ ہے اھ (ت)

اسی میں ہے:

اذاجعل اولہ علی معینین صار کانہ استثنٰی ذٰلک من الدفع الی الفقراء کما صرحوا بہ(الی ان قال) فعلم انہ صدقۃ ابتداءً ولایخرجہ عن ذٰلک اشتراط صرفہ لمعین[2]۔	جب اولاً دو معین شخصوں کے لئے کیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے استثناء ہوجائے گا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ان کا یہ بیان یہاں تک ہے کہ فرمایا) تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ابتداءً صدقہ ہے، تو معین کے لئے صرف کرنے کی شرط اس کو اس سے خارج نہ کرے گی (ت)

اسی میں فتاوٰی امام قاضی خاں سے ہے:

لوقال ارضی صدقۃ موقوفۃ علی من یحدث لی من الولد ولیس لہ ولد یصح لان قولہ صدقۃ موقوفۃ وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء کانہ قال الاان حدث لی ولد فغلتہا لہ مابقی[3]۔	اگر یوں کہا میری زمین بعد میں پیدا ہونے والے میرے بچے کیلئے صدقہ ہے جبکہ اسکی اولاد نہ ہو تو وقف صحیح ہوگا کیونکہ وقف شدہ صدقہ کہنے سے فقراء کیلئے وقف ہوگیا اور بیٹے کے ذکر سے اسمیں استثناء ہوگیا، گویا یوں کہا یہ صدقہ ہے مگر اگر میرا بچہ پیدا ہو تو اس کی موجودگی تک اس کے لئے وقف کرتا ہوں۔ (ت)

سلطان واقف کی شرط اگر معلوم ہے کہ بعد مصارف خیر مذکورہ جو بچے اولاد شیخ فلاں تقسیم کرلیں تو ان کے فقراء واغنیاء سب اسے بحصہ مساوی لیں گے اور اگر شرط کردی ہے کہ مابقے نسل شیخ پر حسب فرائض تقسیم ہو تو حسب فرائض ہی تقسیم ہوگی اقرب ابعد کو محجوب کرے گا اور لحاظ فقر وغنا نہ ہوگا اور اگر شرط یہ کی کہ باقیماندہ خاندان شیخ کے فقراء پر تقسیم ہو تو اب ان کے اغنیاء کو کچھ نہ ملے گا اور جو غنی فقیر ہوجائے اب سے وہ بھی مستحق ہوگا سنین ماضیہ کا حصہ نہ طلب کرے گا اور جو فقیر غنی ہوجائے اب سے وہ مستحق نہ رہے گا اور سالہائے گزشتہ کا لیا ہوا واپس نہ دے گا لان العبرۃ الحال دون الماضی والاستقبال (کیونکہ اعتبار حال کا ہے ماضی یا مستقبل کا نہیں۔ت) اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۸۔۳۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۴

شرائط اصل واقف پر اطلاع نہ ہو تو عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی زید نے جو واجب العرض میں لکھا، یا اگر اس کے مطابق ہے فبہا ورنہ اس پر اصلاً لحاظ نہ ہوگا اور قدیم پر عمل رہے گا۔ **لانہ لیس بواقف ولاالیہ تغییرہ** (کیونکہ وہ نہ واقف ہے نہ اس کو تبدیلی کا حق ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذاعلم حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون فیہ والی من یصرفونہ، فیبنی علی ذٰلک، لان الظاھر انھم کانوایفعلون ذٰلک علی موافقۃ شرط الواقف وھو المظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذٰلک، وفی انفع الوسائل ذکر فی الذخیرۃ قال سئل شیخ الاسلام عن وقف مشھور اشتبھت مصارفہ وقدرمایصرف الی مستحقیہ قال ینظر الی المعھود من حالہ فیماسبق من الزمان من ان قوّامہ کیف یعملون[1]۔	جب ماضی میں اس کا حال معلوم ہے کہ منتظم اس میں کیا کرتے رہے اور کہاں خرچ کرتے ہیں تو اسی حال کو وقف کی بنیاد قرار دیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ منتظم یہ عمل واقف کی شرط کے مطابق کرتے رہے ہیں مسلمانوں کے متعلق یہی گمان کیا جاسکتا ہے تو اسی عمل کو جاری رکھا جائے گا، انفع الوسائل میں ذکر ہے کہ ذخیرہ میں ہے کہ شیخ الاسلام سے ایک مشہور وقف جس کے مصارف اور مقدار کے متعلق اشتباہ ہے، کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ گزشتہ زمانہ کا حال معلوم کیا جائے گا کہ اس کے منتظم کیسے عمل کرتے رہے ہیں۔(ت)

استطاعت کی معیار ملک نصاب زائد از حاجت اصلیہ ہے تعزیہ ومزامیر دونوں معصیت ہیں اور معصیت میں مال وقف کا صرف دوہرا حرام ہے بلکہ تین حراموں کا مجموعہ، ایک وہ معصیت دوسرے مال وقف پر تعدی تیسرے مستحق کی محرومی مگر ان مور حادثہ سے نفس وقف پر کوئی ضرر نہیں، جو متولی ان میں صرف کرے گا اس قدر کا تاوان اس پر لازم ہوگا **لانہ امین وکل امین بالتعدی ضمین** (کیونکہ وہ امین ہے اور ہر امین ناجائز تصرف پر ضامن بنتا ہے۔ت) بلکہ اگر خود سلطان واقف منجملہ مصارف مذکورہ تصریحاً تعزیہ ومزامیر کو بھی ایک مصرف مقرر کرتا کہ وقف پر جب بھی ضرر نہ تھا یہ مصرف باطل رد وساقط کرکے وہ حصہ بھی مصارف خیر ہی کیطرف مصروف ہوتا، فتح القدیر پھر ردالمحتار میں ہے:

لووقف الذمی علی بیعۃ فاذا خربت یکون للفقراء کان للفقراء	اگر ذمی نے مثلاً بیعہ (یہودی عبادت گاہ) کیلئے وقف کیا اور کہا جب یہ خرابہ ہوجائے تو یہ فقراء کیلئے ہی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب والوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۱

ابتداءً[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہو گا تو ابتداءً ہی یہ فقراء کے لئے وقف قرار پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵تا۵۶: از قصبہ گوپاموٴ ضلع ہردوئی اورہ محلّہ قنوجی مسئولہ یاور حسین صاحب یوم سہ شنبہ ۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی نواب ناظر حسین خاں صاحب رئیس قصبہ گوپاموٴ نے تقریبًا دس بارہ سال سے ایک مسجد کے متعلق جو کہ ان کے مکان کے قریب محلّہ قنوجی میں واقع ہے، یہ انتظام کیا کہ زیر مسجد کی دکانیں جن کو مسجد کے منتظموں نے رہن بھی کرلیا تھا اور جو رہن سے بچی ہوئی تھیں وہ بالکل مسمار ہوگئی تھیں، غرضکہ وہ دکانات مسجد مذکور جو کہ ایک دینی مدرسہ عربی کو بحیثیت وقف شامل تھیں ان کو فک رہن کرالیا اور مسمار شدہ کی تعمیر کرادی، ایک مدرسہ اسلامیہ کی آمدنی سے جس کے وہ صدر انجمن ہے سب ادا کردیا دکانوں کو تعمیر کرایا پھر رفتہ رفتہ انہیں دکانوں کو آمدنی سے وہ کل روپیہ بھی ادا کردیا جب انجمن کا روپیہ ادا ہوگیا تو ان دکانوں کو مع تحویل باقی کے اپنے چھوٹے بھائی کو جو کہ اسی مسجد میں طلبہ کو عربی پڑھاتے ہیں بطور انتظام جائداد وقف کے حوالہ کردیا حتی کہ اس آمدنی سے وقتًا فوقتًا مسجد کی درستی ہوتی رہتی ہے، اور اسی احاطہ مسجد میں بیرونی طلبہ کے لئے حجرے بھی حسب ضرورت تیار ہوتے رہے، سال گزشتہ میں ایک مولوی صاحب کو باہر سے عربی تعلیم کے لئے بلایا گیا تھا ان کی نصف تنخواہ چندہ سے اور نصف اسی آمدنی مسجد سے سال بھر تک دی جایا کی، نیز اب تک چونکہ درس وتدریس کے لئے سوائے مسجد کے اور کوئی جگہ نہ تھی، اور جو کتابیں طلباء کو حسب دستور دی جاتی ہیں ان کے رکھنے کے لئے بھی مکان کی ضرورت ہوئی تو ایک مکان جانب مسجد میں اس سال بھی تعمیر کرایا گیا جو ان شاء اللہ مختصرًا مدرسہ وکتب خانہ دونوں کا کام دے گا علاوہ ان دکان کے کچھ خانہائے رعایا خالی کراکے اس کی زمین مسجد کو وقف کردی اور دو ایک دکانیں جدید بھی بنوادیں ایک دکان منشی بقاء اللہ صاحب وکیل سرائے میران نے بھی وقف کیا،

(۱) اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں جبکہ علاوہ نیت کے عملدرآمد حسب مذکورہ بالا رہا ہے تو آیا اس آمدنی سے مسجد اور طلباء کے لئے حجرے نیز مدرس کی تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا شرعًا جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) یہ کہ انہیں نواب صاحب موصوف نے جو اپنی ذاتی دکان اور تین خانہائے رعایا کو صحن بازار مسجد کی ضرورت سے برابر کراکے نیز گردو پیش کے اپنی افتادہ زمین کو اسی مد میں مدّت سے وقف کردیا ہے چنانچہ گھاس، بھوسہ، لکڑی، کنڈا اور دیگر پلہ داروں سے جو اس زمین کا محصول آتا ہے وہ بھی برابر مسجد میں ایک بنئے کے ذریعہ سے یکمشت جمع ہوتا رہتا ہے اور جو مدّات مذکور میں صرف ہوتا ہے اسکے متعلق (ایک ہندو رئیس جس کا نام لالہ بشمبر ناتھ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۱

ہے اور وہ گوپامؤ سے قریب ایک موضع تمہروان میں رہتے ہیں) کا یہ بیان سنا جاتا ہے کہ چُنگی قبضہ میں ہمارے ہے لہذا یہ متفرق آمدنی ہماری ہے اس کو ہم لیں گے حالانکہ وہ اس بازار میں کسی جزءِ اراضی کے بھی مالک نہیں ہیں اور چنگی ان کی ہونا قاعدہ کے بھی بالکل خلاف ہے کیونکہ چنگی حقِ گورنمنٹ ہے، کاغذات سرکاری میں بھی چنگی کا کوئی وجود نہیں، دوسرے مالک زمین یعنی واقف کی طرف سے یہ زمین دراصل مسجد کی ہے، ایسی حالت میں آیا ہم مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہم دامے درمے قلمے، سخنے غرض ہر مدافعانہ حیثیت سے ان کی اس ناجائز دست برد سے اگروہ کریں اس کو بچائیں یا نہیں؟ نیز اس معاملہ جو شدائد ہمیں درپیش ہوں گے بصیغہ حفظ جائداد ووقف عنداللہ ہیں اس کا اجر ملے گا یا نہیں؟ اور اگر مسلمان کثرت رائے سے اس کی کل یا جزءِ آمدنی بطور فیصلہ باہمی کے لالہ صاحب کو دینا منظور کریں تو آیا ان کا یہ فعل شرعًا صحیح اور قابل تسلیم ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اوقاف میں شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہوتی ہے اور اس میں بلاشرط واقف یا اجازت خاصہ شرعیہ کوئی تغیر تبدل جائز نہیں، مدرسہ کے مال سے مسجد کا قرض ادا نہیں کیا جاسکتا جو ادا کرے گا تاوان اس پر ہے مسجد کے مال سے نہیں لے سکتا مسجد پر جو جائداد واقف نے وقف کی اگر اس سے بنائے مدرسہ ومصارف مدرسہ کی اجازت دی تھی تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

(۲) صورت مذکورہ میں ضرور مسلمانوں پر فرض ہے کہ حتی المقدور ہر جائز کوشش حفظ مال وقف ودفع ظلم ظالم میں صرف کریں اور اس میں جتنا وقت یا مال ان کا خرچ ہوگا یا جو کچھ محنت کرینگے مستحق اجر ہوں گے، قال تعالٰی:

"**لَا یُصِیْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّ لَا نَصَبٌ وَّ لَا مَخْمَصَةٌ**" (**الٰی قولہ تعالٰی**) "**اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ**"[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	ان کو مشقت اور مشکل نہ پہنچے گی (**الٰی قولہ تعالٰی**) مگر ان کے لئے نیک عمل لکھے جائیں گے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از ضلع گیا، موضع پردہ چک، ڈاکخانہ شمشیر نگر، مسئولہ ابوالبرکات یوم شنبہ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

عام قبرستان میں اگر کسی نے درخت لگائے تو اسکی ملک ہے یا نہیں؟ دوسروں کو بدون اجازت استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

قبرستان اگرچہ وقف ہو مگر درخت جو اس میں لگائے جائیں اگر لگانے والا تصریحًا یہ کہ بھی دے کہ میں نے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰

ان کو قبرستان پر وقف کیا جب بھی وقف نہ ہوں گے اور لگانے والے ہی کی ملک رہیں گے، اس کی اجازت کے بغیر دوسروں کو ان میں تصرف جائز نہیں، اور اس کو اختیار ہے کہ اس کی لکڑی کاٹے یا جو چاہے کرے بلکہ اگر ان کے سبب مقابر پر زمین تنگ کردے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ درخت کاٹ کر زمین خالی کردے **والمسئلة فی الهندیة وغیرها** (فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۸: از ضلع سیتاپور قصبہ لہرپور مدرسہ اسلامیہ قاضی ابو محمد یوسف حسین صاحب بروز چہار شنبہ ۲۱ صفر ۱۳۳۴ھ

وقف والے استفتاء میں ایک لفظ "**ارصادات**" کا تحریر ہے جس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے، اگر آپ کو معلوم ہوں تحریر فرمائے، غیاث میں "**رصد**" کے معنی نگاہ رکھنا نکلے اور لفظ "**ارصادات**" نہیں نکلا، "**رصد**" کی اگر جمع "**ارصادات**" لئے جائیں تو بھی اس موقع پر کام نہیں دیتے شاید لفظ تحریرات سلطانی میں کسی قسم کی تحریر کا نام ہو جیسے "**سجل**" یا "**فرمان**" وغیرہ اگر ایسا ہے تو یہ تحریر فرمایئے کہ یہ لفظ کس قسم کے اسناد کے واسطے مستعمل ہوتا ہے اصلِ موقع اس لفظ کا شاید آپ کے خیال میں نہ باقی ہو اس لئے میں ابتدائے مضمون استفتاء کا نقل کئے دیتا ہوں، ارصادات سلاطین حکم وقف میں ہیں نہ وہ موروث ہوں نہ ان کے بیع وانتقال کا کسی کو حق ہو۔

الجواب:

مولٰنا اکرمکم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "**ارصاد**" کے معنی نگہداشتن ہی ہیں یعنی محفوظ کردینا، سلاطین اسلام مواضع سلطنت سے جو دیہات مصارف خیر کے لئے وقف کرتے ہیں انہیں ارصاد کہتے ہیں یعنی سلطان نے انہیں محفوظ وممنوع التملیک کردیا ان کا حکم بعینہٖ مثل وقف ہے،

وانما سمیت ارصادات لان الوقف شرطه الملك والسلاطین لایملکون مافی ولایتهم ان الملك الا لله۔ والله تعالٰی اعلم۔	ان کو ارصادات اس لئے کہتے ہیں کہ وقف کی شرط ہے کہ پہلے کسی کی ملک میں ہو جبکہ سلاطین اپنی ولایت کے مالک نہیں ہوتے، ملک تو صرف اللہ تعالٰی کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۹ تا ۶۰: از کانپور محلّہ لکھنیا بازار متصل مدرسہ فیض عام مسئولہ شمس الدین محمود عرف میاں ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت وفات اپنے چند قطعات زمین وقف کئے اپنی ملکیت ومتروکہ سے چھوڑے سند وقف میں یہ تحریر ہے کہ خرچ مساکین ومسافرین ومسجد کے واسطے یہ وقف کیا جاتا ہے پس مورثان متوفی جو متولی جائداد موقوفہ بھی ہیں،

(۱) اگر منجملہ قطعات زمین متذکرہ صدر کے کوئی جزو جو خراب وبیکار پڑا ہو اور اس سے کسی قسم کی آمدنی بھی نہ ہو

مسجد میں شامل کردیں۔

(۲) یا کسی جز قطعات مذکور بالامیں کچھ عمارت اس غرض سے تعمیر کردیں کہ اس کی آمدنی واسطے اخراجات مسجد کے کام آئے یا کسی خاص کام متعلق مسجد کے مثلاً فرش وفروش وغیرہ متعلقہ ومملوکہ مسجد کے رکھنے یا پیش امام ومؤذن وغیرہ کسی خادم مسجد کی سکونت کے بکار ہوتو جائز ہے یانہیں اور متولی پر کوئی مواخذہ شرعی تو نہ ہوگا؟

الجواب:

اگر مسجد تنگ ہو جماعت کی دقت ہوتی ہے جگہ کی حاجت ہے تو یہ زمین مسجد میں شامل کردی جائے ورنہ نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف ہے نہ کہ مسجد کرلینے کے لئے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ[1]۔	وقف کی ہیئت کو بدلنا جائز نہیں (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الفتح ضاق المسجد وبجنبہ ارض وقف علیہ او حانوت جاز ان یوخذ ویدخل فیہ[2]۔	فتح میں ہے کہ مسجد تنگ ہوجائے حالانکہ اسکے پہلو میں وقف شدہ زمین یا دکان ہے جو اسی مسجد کے نام وقف ہے تو اس کو مسجد میں شامل کرنا جائز ہے (ت)

صورت ثانیہ حسب پابندی شرائط واقف جائز ہے مثلاً اس کی آمدنی مسجد میں صرف کرنے کے لئے وقف کی ہو تو اس غرض کے لئے اس میں عمارت بنانی جائز اور سکونت امام وغیرہ کے لئے ناجائز لان شرط الواقف کنص الشارع (کیونکہ واقف کی شرط، شارع کی نص کی طرح ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۱: از خیرآباد ضلع سیتاپور اودھ محلّہ میاں سرائے درگاہ حضرت حاجی حافظ سید محمد علی صاحب ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند موضعات کو شاہان دہلی نے واسطے مصارف امور مذہبی ومدد معاش ایک خاندان کے معاف کیا تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطاکنندہ اس پر عملدرآمد رہا عہد سلطنت انگلشیہ زمانہ بندوبست اول میں اس معافی کی نسبت تحقیقات ہوکر معافی قدیم ثابت ہوئی اس تحقیقات میں ورثا معافی دار اول نے یہ بیان کیاہے کہ یہ مواضع قدیم سے وقف ہے لیکن اب بھی وقف نامہ یا ایسی تحریر یا حکم شاہان دہلی عطاکنندہ کی معافی کا کہ جس سے واقف کا نام یا مضمون وقف اس سے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

ثابت ہوسکے پیش نہیں ہوا بلکہ جو کچھ ثبوت تحریری زبانی پیش ہوا اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ مواضع شاہان دہلی نے بغرض مذکور بالا معافی عطا کئے تھے، اسی بنیاد پر جو سند سرکار انگلشیہ سے عطا ہوئی وہ معافی مشروط کی عطا ہوئی، اور منجملہ شرائط سند عطائے سرکار انگلشیہ ایک یہ بھی شرط ہے کہ درصورت عدم پابندی شرائط سند یہ معافی ضبط کرلی جائیگی اور مواضع مذکورہ کے متعلق سرکار انگلشیہ سے ڈگری حق اعلیٰ بمقابلہ سرکار بحق معافی داران صادر ہوچکی ہے اور سرکار انگلشیہ اپنے حقوق مثل رقم سوائی وفیس سڑکانہ وشفاخانہ وغیرہ مثل دیگر زمینداران کے سالانہ معافی دار سے لیتی ہے اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران شرائط مندرجہ عطیہ سرکار انگلشیہ پابند رہ کر بطور مناسب اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنے مدد معاش میں صرف کرتے رہے بندوبست اول سے اس خاندان معافی داران میں حصص قائم ہوئے اور برابر وراثت جاری رہے اور ہر معافی دار کا نام کھیوٹ وکاغذات میں بطور مالک درج ہوتا رہا۔ اب تھوڑا عرصہ ہوا کہ شرکاء معافی میں سے چند شرکاء نے حسب ذیل انقلاب کئے ایک معافی دار نے منجملہ اپنے حصہ کے ایک جزء کا وقف نامہ بنام اللہ میاں رجسٹری شدہ تحریر کیا ایک حصہ دار نے اپنا حصہ اپنے حقیقی بھائی کے نام ہبہ کردیا، ایک نے وقف علی الاولاد کیا، اس کے بعد واقف علی الاولاد نے عدالت مجاز میں ایک دعوی دائر کیا کہ ہبہ مواضع موقوفہ میں ان میں کارروائی منتقلات جائز نہیں ہے اور اپنے عرضی دعوی میں اپنے انتقال وقف علی الاولاد کو پوشیدہ رکھا اور ہر دو انتقالات کو ظاہر کیا اور عدم جواز کی حجت کی لہذا استصواب ہے کہ مواضع عطیہ شاہی وسرکار انگلشیہ وقف سمجھے جائیں گے یا از قبیل عطیات ومعاقبات وارصادات وغیرہ متصور ہوں گے اور کارروائی انتقالات متذکرہ بالا باطل وکالعدم سمجھی جائیں گی یا جائز متصور ہوکر آئندہ کے لئے ایسی کارروائیاں جائز رہیں گی اور اس بیان معافی داران سے جو بندوبست میں نسبت وقف ہونے جائداد کے ہوا ہے جائداد مذکورہ وقف ہوگئے یا ان کا بیان بمقابلہ نیت عطا کنندہ کے باطل وہیچ ہے اور ہبہ جائداد بصورت عطیہ ومعافی وارصاد کے قائم رہیں گے اور عطیہ وارصاد کے کیا معنی ہیں اور ان پر کیا کیا احکام جاری ہوسکتے ہیں اور کیا کیا احکام جاری نہیں ہوسکتے ہیں فقط۔

الجواب:

ارصادات وعطایا سلاطین میں زمین وآسمان کا فرق ہے جو مواضع سلاطین اپنی رعیت میں سے کسی کو جاگیر بخش دیں اسے اس کا مالک کردیں وہ عطا ہے عربی میں اسے اقطاع کہتے ہیں اور ہماری زبان میں معافی وجاگیر اور جو مواضع سلاطین اسلام مصارف خیر کے لئے تعین کردیں وہ ارصاد ہیں ان کا حکم بعینہٖ حکم وقف ہے اور بعد مصارف خیر جو کچھ بچے اس میں سے کسی قوم یا کسی شیخ کی اولاد یا کسی مزار کے خدام کی مدد معاش کرنا منافی وقف وارصاد نہیں، نہ اوقاف قدیمہ کے لئے واقف کا نام معلوم ہونا ضرور، نہ کوئی سند پیش کرنا لازم، ورنہ لاکھوں وقف خصوصًا مساجد باطل ہوجائیں، خود سائل کا بیان ہے کہ مواضع سلاطین دہلی نے مصارف امور مذہبی اور ایک خاندان کی مدد معاش کے لئے

معاف کئے اور یہ کہ تا زمان سلطنت انگلشیہ موافق نیت عطا کنندہ اس پر عملدرآمد رہا اور یہ کہ اس کے بعد سے تاحال ورثاء معافی داران اغراض معافی میں محاصل مواضع میں سے خرچ کرکے بقیہ محاصل کو اپنی مدد معاش میں صرف کرتے رہے، یہ شان وقف ہی کی ہوتی ہے، اور اگر کسی خاص شخص کو جاگیر دینی ہوتی ہے تو مصارف خیر کی قید نہ لگائی جاتی، نہ یہ کہ ان سے جو بچے وہ مدد معاش میں صرف ہو، نہ اس کے موافق قدیم سے اب تک عملدرآمد رہتا ہے تو ضرور یہ مواضع وقف ہی ہیں اور بندوبست حال میں اسمائے متولیان بخانہ ملکیت رکھنا وقف ثابت کو زائل نہ کرے گا اور یہ انتقالات جو ان بعض متولیوں نے کئے اگر اس سے مقصود وہ محاصل ہیں جو بعد مصارف خیر ان کے حصہ میں آئیں جب تو ظاہر ہے کہ اس سے اصل وقف پر کوئی حملہ نہ ہوا اگرچہ محاصل کا وقف یا قبل وصول ہبہ کرنا باطل ہے، اور اگر ان سے نفس رقبہ جائداد کا انتقال مقصود تھا تو غایت یہ کہ ان کا ظلم باطل ومردود تھا، اس سے وقف پر کیوں حرف آنے لگا، گورنمنٹ کا رقوم سوائی وغیرہ لینا بھی منافی وقف نہیں، یوں ہی بندوبست اول سے اجرائے وراثت اگر محاصل میں ہے کیا بیجا ہے اور رقبہ میں ہے تو متولیوں کا ظلم ہے بلکہ بیان سائل کہ اب تک بعد مصارف خیر جو بچتا ہے تقسیم کرتے ہیں رقبہ میں اجرائے وراثت کی خود نفی کررہا ہے، اور نہ بھی سہی تو ان کے مورثوں کا سب سے پہلا بیان کہ یہ جائداد وقف ہے، ان کے ان تصرفات کے ابطال کو کافی ہے، جائداد ملک ہوکر وقف ہوسکتی ہے مگر وقف ٹھہر کر کبھی ملک نہیں ہوسکتی اور ان کے اس بیان اول میں نیت عطا کنندہ کا کچھ خلاف نہیں بلکہ عین موافقت ہے جیسا کہ اوپر ظاہر ہوا بالجملہ شک نہیں کہ مواضع مذکورہ وقف ہیں اور ان میں کسی کو تصرفات مالکانہ یا انتقالات کا کچھ حق نہیں "وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾"[1] (اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس کی طرف تم اٹھائے جاؤگے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از ضلع بجنور موضع چاند پور مسئولہ محمد قطب الدین ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

مخدوم مکرم ومعظم دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آبادی قصبہ چاند پور میں موازی ۶ بسوائے یعنی (للعہ مہ) گز کل اراضی نمبری خسرہ ۲۴۸۲ واقع محلّہ کوئلہ موقوفہ تھی اس پر ایک دکان بنی ہوئی تھی اس کی آمدنی صرف مسجد میں آتی تھی چنانچہ بندوبست دہم یعنی ۱۸۶۷ء یا ۱۲۷۴ف میں دکان مذکورہ بخانہ مالک زمین ومالک مکان (موقوفہ) تحریر ہے اس کے کیفیت میں (دکان تصرف مسجد) تحریر ہے اس کے منتظم مولوی مجتبٰی حسن صاحب دیوبندی ساکن چاند پور تھے دکان منہدم ہوگئی اس پر ایک سہ دری بنائی گئی جو قیام مسافران اور درس گاہ کے کام آتی رہی اور مہتمم بدستور مولوی صاحب موصوف رہے اب اس سال سے مولوی صاحب مذکور نے اس کے اوپر ایک بالاخانہ تعمیر کرلیا اس کو زنانہ مکان کرلیا بیچ کا سابقہ حصہ یعنی سہ دری اپنی نشست گاہ خاص بنالی، اللہ اللہ خیر صلّا۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۶

مولوی صاحب کہتے ہیں ہم مکان کے مالک ہیں ہمارا تعمیر کردہ ہے تمادی بارہ سال عارضی ہے وغیرہ وغیرہ اور سب چیزیں خدا کی ملکیت میں اور ہم اس کے بندے ہیں، رضامندی سے وہ چھوڑنے پر رضامند نہیں ہوتے، مجبورًا عدالتانہ کارروائی کرنا ہوگی چونکہ مولوی صاحب موصوف اور ان کے بھائی مولوی مرتضٰی حسن صاحب سب مولوی ہیں (مولوی عالم فاضل ہیں) سب لوگ ان کا ادب کرتے ہیں بچتے ہیں کوئی دعوی کرنے یا مدعی بننے پر رضامند نہیں ہوتا، یہاں ہم صرف دو آدمی حق کی حمایت کرسکتے ہیں، البتہ واقعات کے بابت شہادت دے سکتے ہیں، اگر ان کو مدعی بنالیا جائے تو گواہ کون رہے سوائے اس کے نالش ہونے پر لوگوں سے توقع ہوسکتی ہے، بالفعل یہ خیال ہے کہ مولوی پر ہاتھ ڈالنا گناہ کبیرہ ہے، حتی کہ مولوی عبدالواسع صاحب ومیر سجاد حسین صاحب وکلا بجنور وکیل بننے سے گریز کرتے ہیں اس قحط الرجال میں آپ پر نظر دوڑتی ہے اور گزارش کیا جاتا ہے کہ ہم کو کیا کارروائی کرنا چاہئے اور اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور اگر آپ کا نام نامی بھی زمرہ مدعیان میں شامل کردیا جائے تو نامناسب تو نہیں ہے؟ یا کسی اور شخص کا لکھا جائے؟ جیسی رائے عالی ہو کیا جائے، جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو، فقط۔

الجواب:

بحمداللہ تعالٰی میں حکم شرعی جانتا ہوں اور وہی بتاسکتا ہوں قانون سے نہ مجھے واقفیت نہ اس کا مشورہ دے سکتا ہوں، وقف میں تصرف مالکانہ حرام ہے اور متولی جب ایسا کرے تو فرض ہے کہ اسے نکال دیں اگرچہ خود واقف ہو چہ جائے دیگر۔ درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف، درر، فغیرہ اولٰی لو غیر مامون، بزازیہ[1]۔	لازمًا معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہی ہو، درر۔ تو بطریق اولٰی غیر کو اگر وہ معتمد علیہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

اور وقف کا مدعی ہر مسلمان ہوسکتا ہے او جو مدعی ہو وہی شاہد ہوسکتا ہے **لانہ لایحتاج الی الدعوی** (کیونکہ دعوی کی ضرورت نہیں۔ ت) وہاں کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وقف کو ظلم سے نجات دلائیں۔ دیوبندی عالم دین نہیں ان کے اقوال پر مطلع ہو کر انہیں عالم دین سمجھنا خود کفر ہے، علمائے حرمین شریفین نے انہیں لوگوں کے لئے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر[2]۔	جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے تو وہ کافر ہوا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

اور بالفرض کوئی عالم بھی ہو تو اس کا ادب اس کا مقتضی نہیں ہو سکتا ہے کہ وقف اس کے دستبرد ظالمانہ میں چھوڑ دیا جائے اگرچہ عالم ہے مگر وقف پر ظالم ہے اور اس کی تخلیص فرض۔ یہ بہت اچھا عذر ہے کہ سب ملک خدا ہے اور ہم اس کے بندہ، کیا ایسا کہنے والا اپنے املاک اور اپنے ابل میں بھی ان کے لئے یہی گمان کرے گا کہ یہ سب ملک خدا ہیں اور وہ خدا کے بندے، یہ خاصہ اباحیہ کا مذہب ہے، فقیر کچہری کی لیاقت نہیں رکھتا اس سے معاف فرمایا جائے اور ہزاروں مسلمان مدعی ہو سکتے ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: مسئولہ مردمان عامہ موضع باجری تحصیل کھرڑ واڑ ضلع انبالہ بتوسط الہ بخش درزی ساکن باجری ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بیوہ نے اپنی تمام اشیاء جس میں منجملہ دیگر اشیاء کے ایک سکنی مکان بھی ہے مسجد کے نام پر خدا کے واسطے وقف کر دیا اور سند کے لئے ایک کاغذ پر چند معزز برادران رشتہ کے دستخط کروا کر ایک کاغذ بنالیا اور یہ کام کرکے وہ عورت ایک دوسرے موضع میں اپنی لڑکی کے گھر پر جا رہی اور اس کے چلے جانے کے بعد میں اس عورت کے قریبی رشتہ والوں نے اس وقف شدہ مکان کی بابت فساد شروع کر دیا کہ ہم یہ مکان مسجد کے نام نہیں دیں گے حالانکہ بیوہ کے کوئی اولاد ذکور میں سے صاحب حق نہیں ہے اور وہ اپنے مال وجائداد کی بلااشتراک غیرے خاوند کے مرنے کے بعد خود مختار مالک تھی، لہٰذا اب دریافت امر خاص یہ ہے کہ آیا کوئی شخص بیوہ کی مرضی کے خلاف کچھ کاروائی کر سکتا ہے؟ اور اگر کر سکتا ہے تو کس صورت سے؟ ورنہ ایسے بددیانت اشخاص کی کیا شرعی تعزیز ہے؟ **فقط**

الجواب:

جو شیئ اللہ عزوجل کے لئے وقف ہو گئی اس میں کسی کو دعوی نہیں پہنچتا، یہاں سوال سے ظاہر یہ ہے کہ عورت نے اپنی حالت صحت میں یہ وقف کیا تو اب کسی رشتہ دار کا اس میں مزاحمت کرنا محض ظلم ونا مسموع ہے اور یہاں کوئی کسی کو تعزیر نہیں دے سکتا، بڑی تعزیر یہ ہے کہ جس سے بات واقع ہو مسلمان اسے چھوڑ دیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از شہر جیت پور ملک کاٹھیاوار چھوٹی چوک مسئولہ حاجی امداد احمد حامد متولی جمعہ مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کا طریقہ ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے تو اس کی جانب سے اس کے عزیز ایک یا چند قرآن پاک مسجد میں بھیجتے ہیں اس نیت سے کہ لوگ پڑھیں تاکہ ہم کو ثواب ملے، اب چونکہ جامع مسجد میں وہ بکثرت جمع ہو گئے اور بیکار رکھے ہیں جن کا انجام سوائے گلنے اور بوسیدہ ہونے کے کچھ نہیں ہے کیونکہ پڑھنے والے چند اور قرآن بکثرت جمع، تو ان کو ہدیہ کرکے وہ پیسہ مسجد کے صرف میں لا سکتے ہیں یا نہیں، مسجد سے ملحق ایک مدرسہ قرآن ہے اور نیز شہر میں بھی قرآن کے مدرسے ہیں ان میں

ان قرآنوں کو متولی بھیج سکتا ہے یا نہیں نیز اگر اس شہر کے مدارس سے بچ رہیں تو دوسرے شہر کے مدارس میں بھیجے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس بھیجنے سے مصحف شریف اس مسجد پر وقف کرنا مقصود نہیں ہوتا جب تو بھیجنے والوں کو اختیار ہے وہ مصاحف ان کی ملک میں باقی ہیں جو وہ چاہیں کریں اور اگر مسجد پر وقف مقصود ہے تو اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں اسے دوسری مسجد بھیج سکتے ہیں یا نہیں، جب حالت وہ ہو جو سوال مذکور میں ہے اور تقسیم کی ضرورت سمجھی جائے تو قولِ جواز پر عمل کرکے دوسری مساجد ومدارس پر تقسیم کرسکتے ہیں اس شہر کی حاجت سے زائد ہو تو دوسرے شہر کو بھی بھیج سکتے ہیں مگر انہیں ہدیہ کرکے، ان کی قیمت مسجد میں نہیں صرف کرسکتے۔ درمختار میں ہے:

وقف مصحفاً علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولایکون محصوراعلی هذاالمسجد [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کے نام قرآن کا وقف جائز ہے وہاں اس کی تلاوت کی جائے لیکن وہ اس مسجد کے لئے پابند نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۵: مسئولہ عبداللہ لوہار مقام چندوسی ضلع مرادآباد محلّہ سنبھل دروازہ ۱۹ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ، ایک باغ (اعگہ) کے دو بھائی مسمیان خواجہ بخش وعظیم مالک تھے اور دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی، عظیم بخش نے ایک بھتیجا لے لیا تھا مسمّٰی حسین، اور اس نے نصف باغ کا داخل خارج کاغذات سرکاری میں کرادیا عرصہ تیس سال کا ہوا اور اب تک اسی کے نام داخل خارج چلا آتا ہے اب دوسرے بھائی خواجہ بخش نے بھی باغ بیت اللہ شریف کے جاتے وقت فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا جبکہ عظیم بخش کا انتقال ہوگیا تھا ایسی صورت میں حصہ بھتیجا حسین کو پہنچ سکتا ہے یا بھائی مالک ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ نصف باغ بلا تقسیم عظیم بخش نے بھتیجے کے نام ہبہ کردیا تھا اور عظیم بخش نے اپنے انتقال کے بعد بھائی کے سوا کوئی وارث نہ چھوڑا تو وہ ہبہ جو بھتیجے کے نام تھا عظیم بخش کی موت سے باطل ہوگیا۔ درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلوقبله بطل [2]۔	قبضہ دے دینے کے بعد عاقدین میں سے کسی کا فوت ہوجانا، تو اگر قبضہ دینے سے پہلے فوت ہو تو عقد باطل ہوگا۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰۔۳۸۱

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع عن الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۶۱

تو کل باغ کا مالک خواجہ بخش ہوا جب اس نے وقف کردیا وقف ہوگیا اب نہ اس کا ہے نہ بھتیجے کا، خالص مِلک الٰہی ہے عزوجل۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٦٦: از علی گڑھ محلّہ دہلی دروازہ تکیہ بخشی کریم اللہ صاحب مسئولہ عبدالکریم وعبدالعزیز وغیرہ ٢١رجب ١٣٣٩ھ

کیافرماتے ہیں عالمان دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک تکیہ اور کچھ اراضی باڑہ کے نام سے کہ جو قدیم الایام سے واسطے فاتحہ حضرت فیض اللہ شاہ صاحب اور حضرت بانام شاہ صاحب کے وقف چلی آتی ہے اور اس کے متولی اور متصرف ہمارے اجداد سے تھے اور اس کی آمدنی سے فاتحہ اور عرس ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اس میں پہلے یہ تصرف ہوا کہ اس زمین میں کچھ دکانیں بنوادیں گئیں اور پھر تکیہ کی زمین سے کچھ حصہ اشخاص کے ہاتھ بیع کردیا گیا اور باڑہ کی زمین میں ایک گنج آباد کرا کے اس کو رہن کردیا اب استفسار طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع اور رہن اس اراضی موقوفہ کا شرعًا جائز ہے یانہیں؟ اور یہ تصرف کیا حکم رکھتا ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب بیان فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

وقف کے رہن وبیع ناجائز ہیں، درمختار میں ہے:

فاذاتم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[1]۔	جب وقف تام اور لازم ہوجائے تو کوئی نہ اس کا مالک بنے نہ کسی کو مالک بناسکے، نہ عاریۃً دیا جائے اور نہ رہن رکھا جاسکے گا(ت)

دکانیں اگر تکیہ میں بنائی گئیں تو قطعًا ناجائز ہیں اور باڑے میں متولی نے منفعت وقف کے لئے بنوائیں اور ان میں کوئی مخالفت شرط وواقف وتغییر ہیئات وقف نہ تھی تو حرج نہیں ورنہ وہ بھی ناجائز ہیں **کمانص علیہ فی فتح القدیر والفتاوی الھندیۃ وغیرھما** (جیسا کہ اس پر فتح القدیر اور فتاوی ہندیہ وغیرہما میں تصریح کردی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٦٧: مرسلہ چودھری رشید الدین صاحب اشرف صاحب تعلقدار وآنریری مجسٹریٹ از بیار ضلع بارہ بنکی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قاضی امیر اشرف صاحب مرحوم نے وفات پائی ان کے کاغذات سے ایک تحریر برآمد ہوئی جس کی نقل مطابق اصل شامل استفتاء ہذا ہے جو ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہیں ہے مگر جا بجا اس کے حواشی وغیرہ پر عبارت ان کے قلم کی لکھی ہوئی ہے آیا اس تحریر پر عملدرآمد شرعًا

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٧٩

ہوسکتا ہے یانہیں؟ یہ وقف سمجھاجائے گا یا وصیت؟ اور اس کی پابندی ہر دو طریق سے کسی طریق پر ورثاء کے ذمہ لازم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ نہ وقف ہے نہ وصیت، نہ کوئی شیئ، نہ اسکی پابندی اصلاً کسی طرح وارث خواہ غیر پر کچھ لازم، یہ ایک وقفنامہ نامکمل کا خاکہ ہے جو نہ قلم مورث سے ہے نہ دستاویزوں کے عنوان معروف (میں کہ فلاں بن فلاں الخ) سے اس کی ابتدا، نہ اس پر کوئی شہادت، ایسا کاغذ ایک ردی پرچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، خصوصًا اس کا ختم اس پر ہے کہ لہذا وقفنامہ ہذا کو تکمیل ورجسٹری کرائے دیتا ہوں تاکہ سند رہے اور وقت پر کام آئے، فقط۔ زیادہ سے زیادہ یہ گمان ہوسکتا ہے کہ مورث نے وقف کا قصد کیا اور کسی شخص سے اس کا مسودہ کرایا اور اس میں خودترمیم کی پھر، رائے نہ ہوئی اور اسے موقوف رکھا ولہذا تکمیل نہ کی، نہ رجسٹری کرائی۔ یہ اگر ہو بھی تواس قدر سے کچھ نہیں ہوتا کہ ایک ارادہ تھا جو ہو کر رہ گیا، یہ بھی بفرض تسلیم ہے ورنہ ثابت اس قدر بھی نہیں کہ یہ کاغذ مورث نے لکھوایا یا مورث کی رائے سے لکھا گیا، حواشی پر قلم مورث سے کچھ لکھا معلوم ہونا کوئی دلیل نہیں خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، بہرحال وہ ایک مہمل کاغذ ہے جس کا کچھ اثر نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین[1]۔	خط پر اعتماد نہ کیا جائے اور وقف نامہ جو گزشتہ قاضی حضرات کے اس پر خطوط لکھے ہوئے ہیں ان پر عمل نہ کیا جائے گا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

کتاب الوقف انما ھو کاغذ بہ خط وھو لایعتمد علیہ ولایعمل بہ کما صرح بہ کثیر من علمائنا[2]۔	وقف کی کتاب، وہ ایک کاغذ ہے اس پر خط ہے جو قابل اعتماد نہیں اور نہ اس پر عمل جائز ہے جیسا کہ ہمارے اکثر علماء نے اس پر تصریح کی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان مصدرا معنونًا فکالنطق اذا اعترف ان الخط خطہ بخلاف ما اذا	جب ابتداء میں عنوان قائم کیا گیا ہو تو پھر زبانی گفتگو کی طرح ہوگا جب یہ اعتراف بھی ہو کہ یہ میرا خط ہے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۳۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوقف ۱/ ۱۱۰ و کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار ۲/ ۲۰

لم یکن مصدرا معنونا وھذا ذکروہ فی الاخرس وذکر فی الکفایۃ اٰخر الکتاب عن الشامی ان الصحیح مثل الاخرس فاذاکان مستبینا مرسوما وثبت ذٰلك باقرارہ او ببینۃ فھو کالخطاب اھ والمعنون لحاضر اذا کتب علی وجہ الصکوك یقول فلان الفلانی [1] الخ اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	بخلاف اس کے کہ وہ عنوان سے شروع نہ کیا ہو، اس کو انہوں نے گونگے کے متعلق ذکر کیا ہے، اور کفایہ میں کتاب الوقف کے آخر میں علامہ شامی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کیا کہ صحیح بھی گونگے کی طرح ہے کہ جب اس کی تحریر واضح ہو اور معنون لکھی گئی ہو اور اسکے اقرار یا گواہی سے ثابت ہو تو وہ خطاب کی طرح ہے اھ، معنون کسی مخاطب کے نام ہو اور چیک کی لکھائی ہو اور یوں لکھے فلاں جو فلاں ہے، الخ اھ ملتقطا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: از بمبئی مرسلہ قاضی شریف عبداللطیف صاحب قاضی بمبئی ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدا ومصلیا

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علمائے کرام! آپ کا کیا فرمان ہے کہ۔ت) قاضی شریف عبداللطیف صاحب مرحوم مغفور ۱۸۵۰ء میں بمقام شولاپور منجانب حکومت مفتی مقرر کئے گئے ۱۸۵۶ء میں بمقام رتناگری اسی عہدہ پر منتقل ہوگئے اسی عرصہ میں محکمہ افتاء کے لئے کتابوں کا ذخیرہ جماعت المسلمین کی جانب سے مہیا کردیا گیا من بعد ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے عہدہ مفتی موقوف کرکے صاحب موصوف کی پنشن مقرر کردی جو ان کے حین حیات تک جاری رہی ۱۸۶۶ء میں بمبئی کے جماعت المسلمین کے اہل حل وعقد ورؤسا نے بالاتفاق ان ذات ستودہ صفات کو عہدہ قضا سپرد کیا، کتب خانہ محکمہ افتاء رتناگری بھی وہاں کے اکابر واصاغر مسلمین کی اجازت سے بمبئی منتقل ہوگیا بلکہ یہاں کے بزرگان اسلام نے اس کی مزید تکمیل فرمائی، آج تک وہ کتب خانہ عطیہ قوم دار القضا کے متعلق سمجھا جاتا ہے اس صورت سے کہ جو شخص مسند قضا پر متمکن ہوتا ہے اس کے قبض وتصرف اور نگرانی میں بطور امانت رہتا ہے، قاضی کو اس میں کسی قسم کی کمی کرنے یا کسی کتاب کے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ حسب ضرورت قومی پیسہ سے یا محکمہ قضاء کی آمد سے اضافہ کرسکتے بلکہ کرتے رہتے ہیں، قاضی شریف عبداللطیف مرحوم ومغفور کے رحلت فرمانے کے بعد ان کا تمام ترکہ ورثہ میں تقسیم ہوا مگر کتب خانہ منجملہ عطایائے قوم مخصوص برائے مسند قضا ناقابل التقسیم قرار دیا گیا قاضی صاحب مرحوم کے بعد ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب شریف محمد صالح صاحب حسب استرضائے ارباب حل وعقد جماعت المسلمین بمبئی قضاء پر متمکن ہوئے اور کتب خانہ ان کی نگرانی میں رہا، ۱۳۳۶ھ میں انہوں نے بھی رحلت

[1] ردالمحتار باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۵۳

فرمائی اور بجائے ان کے جناب شریف عبداللطیف صاحب (ان کے فرزند اکبر) کے سپرد محکمہ قضا اور اس کے متعلق کتب خانہ کیا گیا، پس دریافت طلب صرف یہ امر ہے کہ یہ کتب خانہ جو دارالقضا کے متعلق ہے اور عطیہ قوم وہ بھی مثل دیگر مال متروکہ کے ورثہ میں تقسیم ہوگا یا حسب دستور سابق محفوظ ومامون ان قاضی صاحب کے پاس رہے گا جو فی الحال خدمت قضا انجام دے رہے ہیں۔

الجواب:

جبکہ وہ کتابیں جماعت مسلمین محکمہ افتاء یا دارالقضا کے لئے جمع کیں قاضی کو ان کا مالک نہ کیا جیسا کہ تعامل مذکور سوال سے واضح ہے تو ورثہ قاضی کے ان میں کوئی حق وراثت نہیں اگر جماعت نے وقف کیں تو ظاہر اور نہ کیں تو ملک جماعت ہیں یا نفاذ شراء علی المشتری کی صورت میں ملک مشتری اور وہ زر جماعت کا ضامن ہے بہر حال ملک قاضی نہیں، غیر قاضی نے جو کتابیں جماعت کے لئے خریدیں ان میں نفاذ علی المشتری کی صورت یہاں نادر ہے ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الوقف میں مبین کیا ہے کہ زرِ چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر رہتا ہے اور ان کی اجازت سے صرف ہوتا ہے خریداری کتب اگر اہل جماعت نے خود نہ کی تو معہود یہ ہے کہ دوسرا ان کے امر سے کرتا ہے ثمن ان کے روپے سے ادا کیا جاتا ہے جو انہوں نے خریداری کے لئے پہلے دے دیا بعد خریداری ادا کیا اس صورت میں اس مشتری کے مالک کتب ہونے کے لئے یہ درکار کہ:

اولاً: جماعت نے اسے کسی کتاب معین مشخص کے شراء کا وکیل نہ کیا ہو، یعنی کسی جلد خاص کی نسبت کہ بعینہٖ یہ جلد خرید دے (یہ کہنا کہ ہدایہ یا فلاں مطبع کی ہدایہ یا فلاں دکان سے مصری چھاپے کی ہدایہ یہ شے معین کے لئے توکیل نہیں جبکہ اس دکان پر مصری طبع کے متعدد نسخے ہدایہ ہوں) کہ اس صورت میں وہ غیبت جماعت میں اسے اپنے لئے خرید ہی نہیں سکتا،

حیث لم یکن مخالفا دفعا للغرر درمختار[1]، وبین المخالفۃ فی البحر، ولان فیہ عزل نفسہ فلایملکہ علی ما قیل الابمحضر من الموکل[2] ردالمحتار عن الباقانی عن الھدایۃ۔	جب مخالف نہ ہو، تاکہ دھوکا کا احتمال نہ ہو، درمختار، اور مخالفت کو بحر میں بیان کیا، اور اس لئے کہ اس میں اپنے آپ کو معزول ہونا ہے جس کا وہ اپنے موکل کی حاضری کے بغیر مالک نہیں، ردالمحتار نے باقانی سے بحوالہ ہدایہ نقل کیا۔

ثانیاً: عقد ایجاب میں جماعت کی طرف مضاف نہ ہو مثلاً اس نے بائع سے کہا یہ کتاب میں نے تجھ سے جماعت

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۵

[2] ردالمحتار باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۰۴

کی طرف سے خریدی اس نے کہا میں نے بیچی یا اس نے کہا میں نے یہ کتاب جماعت کے ہاتھ بیع کی اس نے کہا میں نے خریدی کہ اس صورت میں نفس عقد جماعت ہی کے لئے ہوگا اور مشتری پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

علی ماحققنا صورۃ بتفاصیلھا فی کتاب البیوع من فتاوٰنا فی تحریر حافل کامل سمیناہ"عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی"بمالایوجد فی غیرہ وباللہ التوفیق۔	جو ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب البیوع میں اس کی تفصیلی صورتوں کی تحقیق کی ہے وہ جامع کامل تحریر ہے ہم نے اس کا نام "عطیۃ النبی فی الاشتراء للاجنبی" رکھا ہے، یہ تحقیق اس کے غیر میں نہیں ملے گی، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت)

ثالثًا: عقد کو مال جماعت کی طرف بھی مضاف نہ کرے فقط جماعت کا روپیہ دکھا کر کہا اس روپے کی فلاں فلاں کتاب تجھ سے خریدی۔

رابعًا: خریداری میں جماعت کے لئے خرید نے کی نیت نہ کرے ورنہ وہ دیانۃً علی الاطلاق جماعت ہی کے لئے ہے۔

خامسًا: قیمت میں مال جماعت نہ دے ورنہ وہ جماعت ہی کے لئے ٹھہریں گی اگرچہ اپنے لئے خریداری کی نیت بتائے،

وتفصیلہ ذٰلک فی البحر ولخصناہ فی جدالممتار بقولی وبالجملۃ اذاکان وکیلًا بشراء شیئ لابعینہ فالاضافۃ قاضیۃ فان لم توجد فالنیۃ فان لم توجد فللعاقد عند محمد ان سلم الاٰمر ایضا عدم النیۃ وان قابل بل نوی لی حکم النفقد کما لوتخالفا فیھا وعند ابی یوسف یحکم النقد فی الوجھین وھو الراجح قدمہ قاضیخان واٰخر دلیلہ فی الھدایۃ فتحصل ان الحکم للاضافۃ فان لم توجد فللنیۃ فان لم توجد اوتکاذبا فیھا فللنقد [1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل بحر میں ہے، ہم نے جدالممتار میں اپنے اس قول کے ساتھ اس کی تلخیص کی ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی غیر معین چیز کی خریداری کا وکیل ہو تو وہاں نسبت فیصل بنے گی اگر نسبت نہ ہو تو پھر نیت پر فیصلہ ہوگا اگر نیت بھی نہ ہو تو پھر خریدار کی نیت معتبر ہے جب آمر تسلیم کرلے کہ میرے لئے نیت نہ تھی اور اگر کہے خریدار وکیل نے میرے لئے نیت کرکے خریدا ہے تو صرف ایسی صورت میں امام محمد کے ہاں مروج سکے پر فیصلہ ہوگا اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے ہاں دونوں صورتوں میں سکے کو فیصل قرار دیا جائے گا اور یہی راجح ہے، قاضی خاں نے اسے پہلے ذکر کیا اور ہدایہ میں اسکی دلیل کو بعد میں ذکر فرمایا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ اضافت پر حکم ہوگا ورنہ نیت پر، اگر نیت نہ ہو یا

[1] جدالممتار حاشیہ ردالمحتار

دونوں اختلاف کریں تو پھر نقد پر فیصلہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

یہاں اگرچہ نفاذ علی المشتری سے تین مانع اول کثیر الوقوع نہیں مگر خامس ہی غالب ہے اور کتابیں لاکر سپرد جماعت یا داخل کتب خانہ افتاء وقضاء کرنا رابع پر شاہد۔ یونہی وہ کتابیں کہ قاضی نے قومی پیسے یا آمدنی دار القضاء سے خریدیں یہاں بھی ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ قاضی نے اپنے مال سے نہ خریدیں اگرچہ اس کی تنخواہ بھی اسی پیسے یا آمدنی سے ہوتی ہو مگر عبارت اس سے ساکت ہے کہ قاضی کا شراء بھی بامر جماعت تھا یا بطور خود۔ اگر صورت اولٰی ہے کہ قاضی نے اس مال سے کتابیں بامر جماعت خرید کر داخل کتب خانہ مذکورہ کیں تو ان کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ وقف یا ملک جماعت ہوئیں کہ اب قاضی وہ مشتری ہے جس میں وجہ رابع وخامس مانع تملک ہیں، اور اگر صورت ثانیہ ہے تو اب مانع نفاذ صرف وقت ایجاب بیع میں اضافت بجماعت ہونا ہے وبس۔ اگر یہ اضافت نہ ہو تو ایجاب میں مشتری کی طرف اضافت صراحۃً دلالۃً سے چارہ نہیں ورنہ بیع ہی نہ ہوگی، تجنیس ناصری وتاتارخانیہ وہندیہ میں ہے:

لو قال من فروختم ایں بندہ بہزار درم توخریدی فقال مجیبا لہ خریدم تم البیع، اما لو قال من فروختم ایں بندہ رابہزار درم فقال المشتری خریدم ولم یزد علی ھذا لایکون بیعا لعدم الاضافۃ[1] اھ اقول: ای اذا لم تجر بینھما المساومۃ والا کفی بھا دلالۃ کقولہ ھٰھنا توخریدی فانہ ایضا لیس باضافۃ فی الایجاب انما فیہ دلالۃ علیھا وذٰلک اعنی الاکتفاء بدلالۃ الاستیام کما فی تجنیس الامام صاحب الھدایۃ ثم الفتح لو قال لاٰخر بعد ماجری بینھما مقدمات البیع بعت ھذا بالف ولم یقل	اگر کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو خریدیگا تو دوسرے نے جواب میں کہا میں نے خریدا تو بیع تام ہو جائے گی۔ لیکن اگر یوں کہا میں یہ غلام ہزار درم میں فروخت کرتا ہوں تو دوسرے نے کہا میں نے خریدا اھ، اور اس پر کوئی زائد بات نہ کی تو بیع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں خریدنے کی نسبت اس غلام کی طرف نہ ہوئی اھ اقول: (میں کہتا ہوں) یہ اس صورت میں ہے کہ جب پہلے اس غلام کے متعلق سودے کا ذکر نہ ہو، ورنہ یہی نسبت کافی ہے جو دلالۃً موجود ہے جیسا کہ یہاں بھی ایجاب یعنی "توخریدی" میں نسبت مذکور نہیں اس میں صرف دلالۃً نسبت ہے، اور یہ یعنی بھاؤ لگانا نسبت کے لئے کافی ہے جیسا کہ صاحب ہدایہ سے تجنیس میں پھر فتح میں ہے کہ ایک نے دوسرے کو کہا میں نے یہ ہزار میں فروخت کیا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۵

منك وقال الاٰخر اشتریت صح ولزم اھ[1]۔	اور" تجھ سے" نہ کہا، اور دوسرے نے کہا میں نے خریدا، جبکہ دونوں میں پہلے بیع کے مقدمات (بھاؤ وغیرہ) ہوچکے ہوں تو بیع صحیح اور لازم ہوجائے گی اھ (ت)

اور جب ایجاب میں مشتری غیر مامور کی طرف اضافت ہے اگرچہ اسی قدر کہ اول قول اسی نے کیا تو بیع اسی کے حق میں نافذ ہوگئی لان الشراء متی وجد نفاذًا علی المشتری نفذ (کیونکہ جب خریداری شیئ پر نافذ کرتے پائی جائے تو وہ مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) عام ازیں کہ قبول میں بھی اسی مشتری کی طرف اضافت ہو مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یا یہ کہے میں نے اپنے لئے خریدیں یا پہلے یہ کہے پھر وہ خواہ قبول میں کسی طرف اضافت نہ ہو، مثلاً بائع کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں یہ کہے میں نے لیں یا قبول کیں، یا کہے میں نے اپنے لئے خریدیں وہ کہے میں نے دیں یا بیچیں خواہ قبول میں جماعت کی طرف اضافت محتملہ قابل تاویل ہو جو عقد کو جماعت کے حق میں متعین نہ کردے کہ اس صورت میں بوجہ اختلاف ایجاب وقبول بیع ہی باطل ہوگی جیسے وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیع کیں یہ کہے میں نے جماعت کی طرف سے قبول کیں، خانیہ میں ہے:

لوقال الفضولی اشتریت ھذالفلان بکذا اوقال البائع بعت منك الصحیح انه باطل[2]۔	اگر فضولی نے کہا یہ میں نے فلاں کے لئے خریدا، اور بائع نے کہا میں نے تجھے فروخت کیا، تو صحیح یہ ہے کہ بیع باطل ہوگی۔ (ت)

بلکہ صورت یہ ہو کہ مثلاً وہ کہے میں نے تیرے ہاتھ بیچیں، یہ اس نے ایجاباً کہا، اب یہ قبول میں کہے میں نے جماعت کے واسطے خریدیں کہ واسطہ لحاظ وخاطر وتمتع بہت معانی کو محتمل ہے۔ عنایہ وفتح میں ہے:

ان قال اشتریت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال بعت او قال المالك بعت منك ھذاالعین لاجل فلان فقال اشتریت لایتوقف علی اجازۃ فلان لانه وجد نفاذًا علی المشتری حیث اضیف الیه ظاھرا فلاحاجة الی الایقاف علی رضاالغیر وقوله لاجل فلان یحتمل لاجل رضاہ وشفاعته وغیر ذٰلک[3]۔	اگر فضولی کہے میں نے تجھ سے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی اور بائع نے کہا میں نے فروخت کی، یایوں کہ مالک کہے میں نے یہ چیز تجھے فلاں کے لئے فروخت کی تو یہ جواب میں کہے میں نے خریدی، تو بیع موقوف نہ ہوگی، کیونکہ جب صراحتًا خریدار پر بیع کا نفاذ کیا جارہا ہے تو اب اس کی اجازت اور رضا پر موقوف رکھنے کی ضرورت نہیں، اور بیع میں، فلاں کے لئے، کو فلاں کو سفارش پر محمول کیا جائیگا۔ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[3] العنایة مع فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۹۱، فتح القدیر کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۹۰

اس مسئلہ کی تحقیق بازغ وتنقیح بالغ ہمارے اسی رسالہ "عطیۃ النبی فی الشراء للاجنبی ۱۳۳۶ھ" میں ہے اس تقدیر پر قاضی کے دل میں وقت شراء جماعت کے لئے خریدنے کی نیت ہونی یا قیمت مال جماعت سے ادا کرنی کچھ مانع نفاذ علی المشتری نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لواشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ [1]۔	اگر غیر کے لئے خریدی تو اس پر نافذ ہوجائیگی جب بائع نے فروخت کرنے کی غیر کی طرف نسبت نہ کی ہو(ت)

فتاوٰی امام قاضی خان وخزانۃ المفتین ووجیز امام کردری میں ہے:

یقول المالك بعت ھذا منك بکذافقال الفضولی قبلت اواشتریت ونوی الشراء لفلان فان الشراء ینفذ علیہ ولایتوقف [2]۔	مالک کہے میں نے تجھے یہ چیز فلاں رقم پر فروخت کی اور جواب میں فضولی کہے میں نے قبول کی یا خریدی اور نیت فلاں غیر شخص کے لئے خریداری کی کی، تو یہ خریداری اس فلاں کیلئے نافذ ہوجائیگی اور موقوف نہ ہوگی(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب [3]۔	والد کے مال سے خریداری ہو تو یہ لازم نہیں کہ خریدی ہوئی چیز والد کی ہوگی(ت)

اس صورت میں اگر کتب خانہ وقف ہے تو قاضی کا کتاب خرید کر اس میں داخل کردینا وقف کرنا ہی سمجھا جائیگا کہ اس کے لئے دلالت کافی ہے تصریحًا زبان سے لفظ وقف کہنا ضرور نہیں جس طرح لوگ مسجد میں لوٹے چٹائیاں رکھ جاتے ہیں اور اگر وقف نہیں اور یہ کتابیں قاضی نے خرید کر جماعت کو دے دیں تو اب ملک جماعت ہوگئیں کہ یہ دینا نہ عاریۃً تھا، نہ بالمعاوضہ، تو ہبہ قرار پائے گا اور بعد قبضہ مفید ملک ہوگا،

قال فی ردالمحتار نفذ علی المشتری فان دفع المشتری الیہ واخذ الثمن کان بیعا بالتعاطی بینھما [4] اھ وکتبت علیہ اقول: یعنی اذا	ردالمحتار میں فرمایا خریدار پر بیع نافذ ہوجائے گی تو اگر خریدار نے اس کو دے کر قیمت وصول کرلی تو یہ دونوں میں بیع بالتعاطی (عملی لین دین) ہوگی اھ اقول: (میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

کان الدفع علی جھۃ البیع کما قید بہ فی الھدایۃ والدر المختار من الوکالۃ اما اذا دفع الیہ مجانا یکون ھبۃ کمن اشتری ثوبا وقطعہ قمیصا لتلمیذہ وسلمہ الیہ مبلکہ التلمیذ کما سیأتی فی الھبۃ[1]۔	کہتا ہوں) یہ جب ہے کہ دینا بیع کے طور پر ہو جیسا کہ اس قید کا ذکر، ہدایہ اور درمختار کے وکالت کے باب میں ہے، لیکن اگر یہ دستی دینا بطور مفت ہو تو ہبہ قرار پائے گا جیسا کہ کوئی کپڑا خرید کر شاگرد کے لئے قمیص بنائے اور پھر شاگرد کے ہاتھ سونپ دے تو شاگرد مالک ہو جائیگا جیسا کہ ہبہ کے باب میں آئے گا۔ (ت)

اقول: مگر یہ اس وقت ہے کہ قاضی جانے کہ یہ شراء مجھ پر نافذ اور کتاب کا مالک میں ہوا ہوں ورنہ غلط فہمی کی حالت میں اس کا اپنی ملک سے اخراج کا قصد متحقق نہیں ہو سکتا کہ اپنے آپ کو مالک ہی نہ سمجھا تھا،

ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ[2] اشباہ ومن رفع شیئا ظانا انہ علیہ ثم بان انہ لم یکن علیہ یستردہ[3] کما افادہ فی الخیریۃ والعقود الدریۃ۔	گمان کا غلط ہونا واضح ہو تو اس کا اعتبار نہیں، اشباہ، اور کسی نے کوئی چیز اس گمان سے دی کہ اس کے ذمہ ادائیگی ضرور تھی، پھر معلوم ہوا کہ ایسا نہیں تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ خیریہ اور عقود دریہ نے یہ فائدہ بیان کیا۔ (ت)

قنیہ وہندیہ میں ہے:

ینبغی ان یحفظ ھذا فقد ابتلی بہ العامۃ والخاصۃ یستعینون بالناس فی الاحتطاب والاحتشاش فیثبت الملك للاعوان فیھا ولایعلم الکل بھا فینفقونھا قبل الاستیھاب بطریقہ او الاذن فیجب علیھم مثلھا او قیمتھا وھم لایشعرون[4] اھ وعدم الاذن فیما ذکر وان کان لنا فیہ	اس فائدہ کو یاد رکھنا چاہئے، لوگ عام وخاص اس میں مبتلا ہیں کہ لوگوں سے لکڑی اور گھاس وغیرہ کاٹنے میں مدد لیتے ہیں حالانکہ مدد کرنے والوں کی ان چیزوں میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اور لوگوں کو علم نہ ہونے کی بنا پر وہ مدد گار کی ان چیزوں کا ہبہ اور اجازت حاصل کئے بغیر صرف کر لیتے ہیں تو ان پر ان چیزوں یا ان کی قیمت کا واپس کرنا لازم ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس کا علم تک نہیں ہوتا اھ، متذکرہ صورت میں اجازت نہ ہونا، اگرچہ ہمیں اس میں

[1] جد الممتار حاشیۃ رد المحتار

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۳

[3] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب المداینات ۲/ ۳۴۹

[4] فتاوٰی ہندیۃ، کتاب الاجارۃ، الباب السادس، نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

کلام بیناہ فی رسالتنا "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی ۱۳۳۴ھ "لکنہ لایجدی ھھنا لان الاذن یطلق التصرف ویسقط الضمان لکن لایسقط ملک المالک وفیہ الکلام ھنا۔	کلام ہے جس کو ہم نے اپنے رسالہ "عطاء النبی لافاضۃ احکام ماء الصبی" میں بیان کیا ہے لیکن یہاں اس کا فائدہ نہیں، کیونکہ اجازت تصرف کو جائز اور ضمان کو ساقط کرتا ہے لیکن مالک کی ملکیت کو ختم نہیں کرتی جبکہ یہاں کلام اسی میں ہے (ت)

اسی طرح اگر قاضی نے جماعت کو نہ دیں بلکہ کتب خانہ غیر وقفی میں آپ داخل کردیں اگرچہ اپنی ملک بھی جانتا ہو جب بھی اس کی ملک سے خارج نہ ہوں گی پرائے مال میں اپنا مال رکھ دینا ملک زائل نہیں کرتا، بالجملہ صرف یہ دو صورتیں ایسی نکلیں گی جن میں بعض کتب خریدہ قاضی ملک قاضی میں رہیں مگر ازانجا کہ ثمن دوسرے کے مال سے دیا ہے اس کا تاوان ذمہ قاضی رہا جن کتابوں کی نسبت یہ صورت ثابت ہو وارثان قاضی انہیں لیں اور جو قیمت ان کی قاضی نے قومی پیسے یا دار القضا کی آمد سے ادا کی وہ واپس دیں ھذا ماظھر لی والعلم بالحق عندربی (مجھے یہ معلوم ہوا ہے جبکہ حقیقی علم میرے رب کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
جوالُ العلوّلتبیّن الخلو ۱۳۳۶ھ
(مسئلہ خلو کی وضاحت کے لئے بُلندی کی گردش)

مسئلہ ۶۹تا۷۳: از قصبہ لاہر پور ضلع سیتاپور بمکان سید شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ وجد الحسن صاحب ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اوقاف میں کسی شخص کو کچھ اراضی بطور خلو جس کا ذکر شامی ج ۴ کتاب البیوع بحث خلوالحوانیت میں ہے زر پیشگی لے کر اس شرط پر دینا کہ وہ اجر مثل سال بسال اپنے زر پیشگی میں محسوب کرتا رہے جائز ہے یاناجائز، اور واضح رہے کہ اس حصہ اراضی موقوفہ کالگان سالانہ جس موقوف علیہ کے واسطے مخصوص ہے اس نے اپنی ضرورت کے واسطے زر پیشگی لیا ہے اور اسی نے زر پیشگی لینے والے سے معاملت خلو کی ہے اور اس موقوف علیہ کو اس حصہ موقوفہ پر حق متولیانہ بھی حاصل ہے۔

(۲) صاحب خلو کو یعنی جس کو ایسی اراضی دی گئی ہو اراضی کالگان یعنی اجر مثل ادا کرکے جو منافع اس اجر مثل سے زائد ہو، لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر صاحب خلو خود اپنی کاشت کرکے یا اپنی کوشش سے اجر مثل کی آمدنی سے زائد آمدنی اراضی مذکور کرکے

اپنے مقابضت خلو کے زمانہ میں بڑھادے تو اس اضافہ کا صاحب خلو مستحق ہے یا نہیں؟

(۴) نمبر ۲ و نمبر ۳ کی صورت بظاہر رہن دخلی کی سی ہے اور رہن دخلی کا منافع سود ہے، پس خلو اور رہن دخلی میں کیافرق ہوا اور جواز خلو کی کیا صورت ہے اور نفس خلو کون سا معاملہ ہے اور اس کی کیا تعریف ہے؟

(۵) ایک وقف قدیمہ مشہورہ خاندانی میں اہل خاندان موقوف علیہم و متولیان نے ضرورت مصارف ضروریہ وقفی پر آمدنی وقف موجود نہ ہونے کی حالت میں اور مہاجنان سے بوجہ وقف قرضہ نہ ملنے کی وجہ سے اکثر اوقات یہ کیا کہ بعض حصص اراضیات وقف کو زر پیشگی لے کر زر مذکور دینے والے کے قبضہ میں دے دی اور دستاویز ٹھیکہ نامہ لکھ دی کہ اس قدر سالانہ لگان اس اراضی کا ٹھیکہ دار اپنے زر پیشگی میں مجرا اور بعد وصول کل زر پیشگی مذکور ایک حصہ میعاد پر وہ اراضی صاحب خلو سے واپس ہو کر متولیان و موقوف علیہم کے قبضہ میں آگئی، اس کارروائی سے منکرین وقف عدم وقف کا استدلال کرتے ہیں، یہ استدلال صحیح ہے یا نہیں اور معاملت ٹھیکہ داری مذکور معاملت خلو سے سمجھی جائے گی یا اس کے علاوہ ناجائز سمجھی جائے گی اور ان واقعات اور ارتکاب سے وقف کالعدم ہوجائے گا یا باقی رہے گا اور ایسے فعل کا مرتکب قابل تولیت رہے گا یا نہیں، اگر کسی کے مورث نے یہ فعل کیا ہو تو اس کا وارث تولیت پائے گا یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی لاخلو لشیئ من کرمہ، والصلٰوۃ والسلام علی من وقف علی الکون موائد کرمہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ المتولین اجراء حکمہ وحکمہ۔

اولاً: خلو خود باطل وبے اصل ہے، مذہب حنفی بلکہ نوسو برس تک مذاہب اربعہ میں کہیں اس کا پتا نہیں، دسویں صدی میں ایک عالم مالکی المذہب امام ناصر الدین لقانی قدس سرہ نے اسے جائز کیا، اسی صدی کے نصف آخر میں صاحب اشباہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے برخلاف مذہب اعتبار عرف خاص پر مبنی قرار دیا، اسی صدی اور اس کے بعد کے محققین مثل شیخ الاسلام علی مقدسی وعلامہ حسن شرنبلالی وعلامہ محمد آفندی زیرک زادہ وعلامہ خیر الملۃ والدین رملی وعلامہ سید احمد حموی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے اسے رد فرمادیا۔ حاشیۃ الرملی علی الاشباہ میں ہے:

قولہ ویصیر الخلوفی الحانوت حقالہ الخاقول: والفتوی علی خلاف ذٰلک، مقدسی[1]۔	اس کا قول کہ اور دکانوں میں خلو اس کا حق بن جاتا ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) فتوٰی اس کے خلاف ہے، مقدسی۔ (ت)

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۱۴

اسی میں ہے:

قد علمت ان الصحیح خلافه بقوله ان المذهب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	تو معلوم کرچکا ہے کہ صحیح اس کے خلاف ہے اس کے قول سے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ ہونا مذہب ہے (ت)

شرح الاشباہ لزیرک زادہ میں ہے:

العرف لایجوز ماکان محظورا فی الشرع واما بیع الخلو اذا لم یکن ملاصقا بالحانوت فجائز شرعا فانه حق لمالکه وما وضعه فی الحانوت بالاجارۃ مشروع لکن الحانوت اذاکان ملکا یملك صاحبها خراجه منه اذاانقضی مدته المعروف وان لم تکن له مدۃ معلومة تکون الاجارۃ فاسدۃ وکذااذاکان الحانوت وقفا قد نص الفقهاء علی انه لاتجوز الاجارۃ فیه فوق ثلاث سنین کما فی الوقایة فلااعتبار للعرف سواء کان خاصا او عاما حین وجد النص فی الشرع علی خلافه وقد مرمنا تحقیقه فتذکر[2]۔	عرف جب شرعًا ممنوع ہو تو معتبر نہیں، لیکن خلو کی بیع اگر دکانوں سے متعلق نہ ہو تو شرعًا جائز ہے کیونکہ یہ خلو مالک کا حق ہے لیکن یہ دکانوں کے اجارہ میں مشروع ہے مگر دکان اگر کسی کی ملکیت ہو تو معینہ مدت ختم ہوجانے پر مالک ہی آمدن کا حقدار ہوگا اور اگر مدت معین نہ ہو تو یہ اجارہ فاسد ہوگا اور یونہی اگر دکان وقف ہو تو بھی وہ اجارہ فاسد ہوگا کیونکہ فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ وقف کا اجارہ تین سال سے زائد جائز نہیں جیساکہ وقایہ میں ہے، لہٰذا جب کوئی عرف شرعی نص کے خلاف ہو خواہ عرف عام ہو یا خاص، تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، اس میں ہماری تحقیق گزرچکی ہے، اسے یاد کرو۔ (ت)

اس میں اس سے ایک ورق قبل ہے:

انمایعتبر العرف والعادۃ فیما لم یرد نص الشرع علی خلافه وسینقل فی السطر الثالث بعدها ان الودیعة والعین المؤجرۃ غیر مضمونتین بحال فلا یعتبر فیه العرف بعد النص علی خلافه من الفقهاء[3] اھ	وہی عرف اور عادت معتبر ہے جس کے خلاف شرعی نص نہ ہو، اس کے بعد تیسری سطر میں نقل کرینگے کہ امانت اور کرایہ پر دی ہوئی عین چیز کسی حال میں مضمون نہیں ہوتی لہٰذا اس کے ضمان پر عرف ہو تو اس کے خلاف فقہاء کی نص ہونے کی وجہ سے یہ عرف معتبر نہیں ہوگا اھ،

[1] نزہۃ النواظر علی الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی (۲) ۲/۱۵

[2] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

[3] شرح الاشباہ لزیرک زادہ

وھذا ما اشار الیہ بقولہ وقد مرمنا تحقیقہ۔	یہ وہ عبارت ہے جس کے متعلق انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا "اور ہماری تحقیق اس میں گزری ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

(قولہ علی اعتبارہ (ای العرف الخاص) ینبغی ان یفتی بان مایقع فی بعض اسواق القاھرۃ من خلو الحوانیت لازما ویصیر الخلو حقالہ قیل علیہ کیف ینبغی ان یفتی بہ مع کونہ مخالفا لقواعد الشرع الشریفۃ انتھی وقال شیخنا (یرید العلامۃ الشرنبلالی رحمھما اللہ تعالٰی فی رسالتہ "مفیدۃ الحسنی" بعد نقل کلام المصنف رحمہ اللہ تعالٰی قولہ ینبغی الخ مما لاینبغی فانہ لامماثلۃ بین مااعتبر من المسائل المبینۃ علی العرف الخاص وبین الخلو لان اعتبار العرف الخاص علی ماقیل بہ فی جمیع تلک المسائل ضررھا التزم بہ فاعلھا مختار النفسہ او مقتصرا فی استیفاء شرط یمنع عنہ الضرر، واما الوقف فناظرہ لایملک اتلافہ ولاتعطیلہ وقد ثبت ان المذھب عدم اعتبار العرف الخاص[1]۔	"قولہ علی اعتبارہ" یعنی عرف خاص کے اعتبار پر، یہ فتوٰی مناسب ہوگا کہ قاہرہ کے بازاروں میں جو دکانوں کا خلو ہے وہ لازم ہو اور خلو اس کا حق بن جائے، اس پر اعتراض ہے کہ یہ فتوٰی کیسے مناسب ہوگا جبکہ یہ شرع شریف کے قواعد کے خلاف ہے اھ، اور ہمارے شیخ (ان سے مراد علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں) نے اپنے رسالہ مفیدۃ الحسنٰی میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا "قولہ ینبغی" مناسب ہے الخ، یہ غیر مناسب ہے کیونکہ عرف خاص میں معتبر مسائل جو بیان ہوئے ان میں اور خلو میں کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ عرف خاص والے تمام مسائل میں یہ اعتبار ہے کہ ان میں ضرر والی چیز کو خود فاعل نے اپنے لئے پسند کیا ہے یا ضرر سے مانع شرط کو پورا کرنے میں اقتصار کیا ہے لیکن وقف کا ناظم تو اس میں کسی چیز کے تلف یا معطل کرنے کا مالک نہیں ہے اور جبکہ یہ ثابت ہوچکا ہے کہ عرف خاص کا اعتبار نہ کرنا مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قد اشتھر نسبۃ مسئلۃ الخلوٗ الٰی مذھب	مسئلہ خلو کی نسبت عالم مدینہ حضرت مالک بن انس

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

عالم المدینة مالك بن انس رضی الله تعالٰی عنه والحال ان لیس فیها نص عنه ولاعن احد من اصحابه. حتی قال البدر العراقی(مالکی) انه لم یقع فی کلام الفقهاء التعرض بمسئلة الخلوفیما اعلم وانما فیها فتیا للعلامة ناصر الدین اللقانی بناها علی العرف[1] الخ۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف مشہور ہے حالانکہ ان کی اور ان کے کسی شاگرد کی اس میں تصریح نہیں، ہے، بدر العراقی مالکی نے فرمایا ہے کہ میرے علم کے مطابق خلو کامسئلہ فقہاء کے کلام میں مذکور نہیں، اس میں صرف علامہ ناصر الدین لقانی کا فتوٰی ہے جس کو انہوں نے عرف پر مبنی قرار دیا ہے الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

للعلامة الشرنبلالی رسالة ردفیها علی الاشباہ بان الخلولم یقل به الامتأخر من المالکیة(حتی افتی بصحة وقفه ولزم منه ان اوقاف المسلمین صارت للکافرین بسبب وقف خلوها علی کنائسهم وبان عدم اخراج صاحب الحانوت لصاحب الخلویلزم منه حجرالحر المکلف عن مبلکه واتلاف ماله. بل لایجوز هذا فی الوقف وفی منع الناظر من اخراجه تفویت نفع الوقف وتعطیل ماشرطه الواقف اھ ملخصاقلت وماذکرہ حق خصوصافی زماننا هذا[2]۔	علامہ شرنبلالی کاایک رسالہ ہے جس میں الاشباہ کارد کیا ہے اور کہا ہے کہ خلو کا قول ایک مالکی متاخر عالم کے سوا کسی نے نہیں کیااس نے یہ فتوٰی تک دے دیا کہ اس کا وقف صحیح ہے حالانکہ اس فتوٰی سے لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے وقف کافروں کو منتقل ہو جائیں اس سبب سے کہ وہ خلو کو اپنے گرجوں کے لئے وقف کردینگے اور دکان کامالک جب خلو والے کو اپنی دکان سے بیدخل نہ کرسکے گا تو لازم آئے گا کہ آزاد مکلّف شخص اپنی ملکیت سے ممنوع ہو جائے اور اس کا مال تلف ہو کر رہ جائے، بلکہ یہ سب کچھ وقف میں جائز نہیں ہے اور وقف کے نگران کو خلو والے کی بے دخلی سے منع کرنا وقف کے منافع کو ضائع کرنا اور واقف کی لگائی ہوئی شرط کو معطل کرنا ہے اھ ملخصًا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں۔ (ت)

ثانیًا: صورت سوال کو خلو سے بھی کچھ علاقہ نہیں۔ خلو اس تحقیق وتنقیح پر جو بتوفیق اللہ تعالٰی ہم نے اپنی تعلیقات ردالمحتار میں کی یہ ہے کہ مکان یادکان یازمین کامستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر مع الاشباہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

مال سے نہ اپنے لئے بلکہ اسی شیئ مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھاتے اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار، یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان یا پانی کے نل، وامثال ڈلک، یاخود نہ کرے مؤاجر کو اس کے روپے دے دے جو اجرت کے علاوہ ہوں اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ رسالہ تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

قال العلامه الشلامی فی رسالته "تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارہ" (تنبیه) قد یثبت حق القرار بغیر البناء والغرس بان تکون الارض معطلة فیستاجرها من المتکلم علیها لیصلحها للزرعة ویحرثها ویکسبها وهو المسمی بمشد المسکة فلا تنزع من یده مادام یدفع ماعلیها من القسم المتعارف کالعشر ونحوه واذامات عن ابن توجه لابنه فیقوم مقامه فیها، وقد رأیت بخط شیخ مشائخنا خاتمة الفقهاء الشیخ ابراهیم السائحانی الغزی المسکة عبارۃ من استحقاق الحراثة فی ارض الغیر وذکر فی الحامدیة انها لا تورث وانما توجه للابن القادر علیها دون البنت اھ[1]، ثم افاض فی بیان الکردار والسکنی والجدك وانها اعیان قائمة فی الارض الی ان قال وهذا غیر	علامہ شامی نے اپنے رسالہ "تحریر العبارۃ فیمن ھواحق بالاجارۃ" میں فرمایا (تنبیہ) کبھی تعمیر اور پودے لگائے بغیر حق استقرار ثابت ہوتا ہے مثلاً یوں کہ کوئی زمین خالی پڑی ہو تو کسی خواہشمند کو اجارہ پر دی جائے تاکہ وہ اس کو زراعت کے لئے تیار کرے اور اس کو کاشت کرکے آباد کرے جس کو مشد المسکہ کہا جاتا ہے تو یہ زمین اس کاشتکار سے اس وقت تک واپس نہ لی جائے گی جب تک وہ اس کا متعارف محصول مثلاً عشر وغیرہ دیتا رہے اور اگر وہ کاشت کار کوئی بیٹا چھوڑ کر فوت ہوجائے تو یہ کاشتکاری کا حق اس کو منتقل ہوجائے گا اور وہ بیٹا اپنے باپ کے قائم مقام قرار پائے گا، میں نے اپنے شیخ المشائخ خاتمہ الفقہاء الشیخ ابراہیم السائحانی الغزی کا لکھا ہوا دیکھا ہے کہ "مسکہ" غیر کی زمین میں کاشتکاری کے استحقاق کا نام ہے، اور حامدیہ میں ذکر کیا ہے کہ اس استحقاق میں وراثت نافذ نہ ہوگی بلکہ صرف کاشتکاری پر قادر بیٹے کو یہ حق منتقل ہوگا اور بیٹی کو استحقاق نہ ہوگا، اھ، پھر انہوں نے کرایہ داری، سکنٰی اور جدک کی وضاحت میں فرمایا کہ یہ زمین میں باقی رہنے والے امور ہیں، آگے

[1] تحریر العبارۃ فیمن هواحق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۳۔۱۵۲

الخلوالذی ذکرہ فی الاشباہ فانه بمنزلة مشد المسکة المار وھو وصف لاعین قائمة فلایجوز بیعه ولایورث وانما ینتقل الی الولد بطریق الاحقیة کمامر وما ذکرہ فی الاشباہ من جواز بیع الخلو ردوہ علیه.وقد الف فی ردہ العلامة الشرنبلالی رسالة خاصة [1] اھکلام الشامی ملتقطا۔

یہاں تک فرمایا کہ یہ امور اس خلو کا غیر ہیں جس کا ذکر الاشباہ میں کیا ہے کیونکہ یہ مشد المسکہ کی طرح ہے جس کا بیان پہلے گزرا ہے اور وہ خلو ایک وصف ہے جو باقی رہنے والی عین چیز نہیں ہے تو مشد المسکہ کی بیع ناجائز ہے اور وہ قابل وراثت نہیں ہے ارو صرف وہ بیٹے کو حقدار ہونے کی وجہ سے منتقل ہوتا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے اور الاشباہ میں خلو کی بیع کا جو جواز مذکور ہوا فقہاء کرام نے اس کو رد کیا ہے اور علامہ شرنبلالی نے ایک خاص رسالہ اس کے رد میں تالیف کیا ہے۔علامہ شامی کا کلام ملتقطا ختم ہوا۔

اقول: ومن الدلیل القاطع علی کون الخلو معنی لاعینا انه لما استدل محمد بن ھلال الحنفی علی جواز الخلو بمافی جامع الفصولین وغیرہ عن الذخیرة والکبری والخانیة والخلاصة وواقعات الضریری اشتری سکنی وقف فقال المتولی ماأذنت له بالسکنی فامرہ بالرفع فلو اشتراہ بشرط القرار فله الرجوع علی بائعه والافلایرجع علیه بثمنه ولابنقصانه [2] اھ رموہ عن قوس واحدة انه لم یفھم معنی السکنی لان المراد بھا عین مرکبة

اقول: (میں کہتا ہوں) خلو کے ایک معنوی چیز ہونے اور عین شیئ نہ ہونے پر قاطع دلیل یہ ہے کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ذخیرہ، کبرٰی، خانیہ، خلاصہ اور واقعات ضریری سے منقول ہے اس بیان سے، کہ کسی نے وقف سکنٰی خریدا تو متولی نے کہا کہ میں اس سکنٰی کی اجازت نہیں دیتا اور وہاں سے سکنٰی ختم کرنے کا اس نے حکم دیا تو اگر اس خریدار نے وہ سکنٰی برقرار رہنے کی شرط پر خریدا تھا تو (متولی کے اس اقدام پر) وہ فروخت کرنے والے پر اپنے نقصان میں رجوع کرسکتا ہے ورنہ وہ اپنی لاگت اور نقصان میں بائع پر رجوع نہیں کرسکتا اھ، جب محمد بن ہلال حنفی نے خلو کے جواز پر استدلال کیا، توسب نے

[1] تحریر العبارة فیمن ھواحق بالاجارة رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۱۔۲۲۲، نزہۃ النواظر الاشباہ والنظاہر مع الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۵۰۔۵۱

فی الحانوت وھی غیر الخلو ففی الخلاصۃ اشتری سکنی حانوت فی حانوت رجل مرکبا[1] الخ کمافی رد المحتار عن العلامۃ الشرنبلالی قال ثم نقل عن عدۃ کتب مایدل علی ان السکنی عین قائمۃ فی الحانوت[2]۔	ایک ہی انداز سے اس کا رد کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد بن ہلال کو سکنٰی معنٰی سمجھ نہیں آیا، کیونکہ سکنٰی سے مراد دکان میں لگائی ہوئی عین موجود چیز ہے اور وہ خلو کا مغایر ہے، توخلاصہ میں یوں ہے کہ ایک شخص کی دکان میں مرکب سکنٰی حانوت ہوالخ، جیسا کہ ردالمحتار میں علامہ شرنبلالی سے نقل کرتے ہوئے کہا، انہوں نے پھر متعدد کتب سے نقل کیا کہ سکنٰی، دکان میں قائم رہنے والی ایک موجود عین چیز ہوتی ہے۔
قلت وقد نقلہ فی العقود الدریۃ وفی رسالتہ المذکورۃ عن التجنیس ثم نفس العبارۃ المستدل بھا منادیۃ بذاك اعلٰی نداء کما اوضحہ السید الحموی مع غناہ عن الایضاح اذقال بعد نقل کلام العمادی اذا ادعی سکنی دار اوحانوت وبین حدودہ لایصح لان السکنی نقلیا فلایحدد وذکر رشید الدین فی فتاواہ و ان کان السکنی نقلی لکن لما اتصل بالارض اتصال تابید کان تعریفہ بمابہ تعریف الارض لان السکنی مرکب فی البناء ترکیب قرار فالتحق بمالا یمکن نقلہ اصلااھ	**قلت** (میں کہتا ہوں) انہوں نے اس کو عقود دریہ میں اور اپنے مذکورہ رسالہ میں تجنیس سے نقل کیا، پھر استدلال کرنے والے کی نفس عبارت بھی واضح طور اس کا اعلان کررہی ہے جیسا کہ اسکو سید حموی نے واضح کیا حالانکہ وضاحت کی ضرورت نہ تھی، جہاں انہوں نے عمادی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گھر یا دکان کا سکنی کا دعوی کرکے اس کی حدود کو بیان کرے تو اس کا یہ دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ سکنٰی ایک منتقل ہونے والی چیز ہے اسلئے اس کی حد بندی نہیں ہوسکتی، رشید الدین نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے کہ اگرچہ سکنٰی منتقل ہونے والی چیز ہے لیکن جب وہ کسی خطہ زمین سے بختہ اتصال کرے تو پھر اسکی تعریف زمین کی تعریف کی طرح ہوگی کیونکہ سکنٰی عمارت کے ساتھ استقرار والی ترکیب حاصل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶

مانصه فظهرلك بهذاان السكنى هو ما يكون مركبا فى الحانوت متصلا به فهو اسم عين لااسم معنى كما فهمه البعض وليس فى كلامهم مايفيد ماتوهمه هذاالبعض، الاترى تمام العبارة الذى نص فيها على حقيقة السكنى انه شيئ مركب يرفع فهل يستفاد من هذاالمعنى المعبر عنه بالخلو ايظن ان الخلو يرفع ثم يرد على بائعه ويقال لواشتراه بشرط القرار يرجع على بائعه بثمنه ويرد عليه والافلا يرجع عليه بثمنه ولانقصانه الحاصل بالقلع من الدكان، سبحٰنك هذا بهتان عظيم [1] اھ کلام الحموی فتبين ان الخلو وصف معنوى لاعين تقلع او ترفع وتنقل۔ **اقول:** لکن فی حاشیة السیدین العلامتین ط وش علی الدر عن حواشی الاشباہ للعلامة السید ابی السعود رحمهم اللہ ان الخلو	کرلیتا ہے تو اس کا شمار بھی ان چیزوں میں ہوجاتا ہے جو بالکل قابل انتقال نہیں ہوتیں، اس کی عبارت ختم ہوئی، تو اس بیان سے آپ پر واضح ہوگیا کہ سکنٰی کا دکان کے ساتھ ترکیبی اتصال ہوتا ہے لہٰذا وہ ایک موجود عین چیز ہے نہ کوئی معنوی وصف ہے جیسا کہ بعض نے خیال کیا ہے جبکہ اس کے اس خیال کے لئے کسی کا کلام مفید نہیں ہے، سکنٰی کی حقیقت بیان کرنے والے کی پوری عبارت آپ دیکھ نہیں رہے کہ انہوں نے کہا ہے سکنٰی ایک ایسی چیز ہے جو مرکب ہوتی ہے جسے ختم کیا جاسکتا ہے کیا اس سے یہ خلو کا معنی سمجھا جاسکتا ہے جس سے یہ گمان کیا جاسکے کہ خلو کو ختم کیا جائے پھر وہ بائع پر واپس لوٹا دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ اگر خلو کو استقرار کی شرط پر خریدا ہو تو بائع سے رجوع کرکے رقم واپس لی جائے اور خلو کو واپس کردے ورنہ رقم واپس نہ لے اور دکان کو اکھاڑنے سے جو نقصان ہوا وہ واپس نہ لے، سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے، حموی کا کلام ختم ہوا، تو واضح ہوگیا کہ خلو ایک معنوی وصف ہے اور سکنی کی طرح باقی رہنے والی مستقل چیز نہیں جس کو اکھاڑا یا ہٹایا یا ختم کیا جاسکے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) لیکن علامہ طحطاوی اور علامہ شامی دونوں قابل احترام حضرات نے در پر اپنے حواشی میں علامہ سید ابوسعود (رحمہم اللہ تعالٰی) سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، کہ، خلو کا اطلاق متصل

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶-۳۷

يصدق بالعين المتصل اتصال قرار وبغيره والمراد بالمتصل اتصال قرار ماوضع لاليفصل كالبناء، و بالمتصل لاعلى وجه القرار كالخشب الذی يركب بالحانوت لوضع عدة الحلاق مثلا فان الاتصال وجد لكن لاعلى وجه القرار وكذا يصدق ان بمجرد المنفعة المقابلة بالدراهم اه[1] وزاد ط عنه قبل هذا اعلم ان الخلو يصدق بما اتصل بالعين قرار اتصال كالبناء بالارض المحتكرة ويصدق بالدراهم التی تدفع بمقابلة التمكن من استيفاء المنفعة اذماذكره المصنف يعنی صاحب الاشباه من ان السلطان الغوری لما بنی حوانيت الجملون اسكنها التجار بالخلو وجعل لكل حانوت قدرا اخذه منهم الخ صريح فی ان الخلو فی حادثة السلطان الغوری عبارة عن المنفعة المقابلة للقدر الماخوذمن التجار فيرجع الى ماذكره العلامة الاجهوری من ان الخلو اسم لما يملكه دافع الدراهم من المنفعة التی دفع الدراهم بمقابلتها وعلى هذافلايكون الخلو خاصا بالمتصل بالعين اتصال قرار بل

استقراری عین چیز اور غیر استقراری دونوں پر ہوتا ہے اور متصل استقراری سے مراد وہ چیز ہے جو عمارت میں باقی رکھنے کیلئے لگائی ہو اور متصل غیر استقراری سے مراد مثلاً لکڑی جیسی کوئی چیز جس کو دکان میں لگا کر حجام کے سامان رکھنے کیلئے خانے بنائے جائیں یہ بھی اتصال ہے لیکن یہ علی وجہ الاستقرار نہیں ہوگا اور یوں ہی قراری اور غیر قراری کا مصداق وہ منفعت بھی بنتی ہے جو دراہم کے عوض حاصل کی جاتی ہے اھ، اور علامہ طحطاوی نے اس سے قبل علامہ ابوسعود سے یہ زائد نقل کیا ہے کہ واضح رہے کہ خلو کا اطلاق کسی عین چیز کے ساتھ متصل ہونے والی چیز پر ہوتا ہے جیسے عمارت کسی کرایہ کی زمین پر ہو، اور کسی منفعت کو دراہم کے بدلے حاصل کرنے کی قدرت پر بھی اسکا اطلاق ہوتا ہے، اور مصنف یعنی صاحب اشباہ نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ سلطان غوری نے جب جملون کی دکانیں تعمیر کرائیں تو انھوں نے وہاں تجار کو خلو کے طور پر سکنٰی دیا اور ہر دکان کا کچھ بدل مقرر کرکے ان سے وصول کیا الخ، سلطان غوری کا یہ واقعہ صریح ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جو تجار حضرات سے وصول کردہ کا بدل ہے، تو یہ علامہ الاجہوری کے اس بیان کی طرف راجع ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا دراہم دینے والا دراہم کے بدلے مالک بنتا ہے اور اس بناء پر خلو، استقراری اتصال والی عین چیز سے خاص نہیں ہے بلکہ اس پر اور غیر استقراری پر بھی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۷

يصدق به وبغيره[1] الخ فهذا يفيد ان من الخلو ماهو عين قائمة كالبناء والخشب المركب الاان نقول السيد الازهرى لم يقل الخلو يصدق على العين المتصل وانما قال يصدق بالعين وذلك ان يدفع صاحب الخلو دراهم للواقف مثلا ليبنى فى الوقف و يكون له بازائه منفعة استبقاء الاجارة فالخلو هو هذا المعنى لاالعين، نعم صدقه بسبب العين وبهذا يفسر مافسر به الاجهورى الخلو فالمنفعة هى حق الاستبقاء كما افاده السيد ابوالسعود بقوله تدفع بمقابلة التمكن من استيفاء المنفعة فهذاالتمكن هوالمراد بالمنفعة فى تفسير الاجهورى لكن نقل السيد الحموى فى الغمز عن فاضل متأخر مالكى انه قال بعد نقل كلام العلامة نورالدين على الاجهورى المذكور ظاهره سواء كانت تلك المنفعة عمارة كأن يكون فى الوقف اماكن آئلة الى الخراب فيكريها ناظر الوقف لمن يعمرها، ويكون ماصرفه

صادق آتا ہے الخ، تو یہ بیان اس بات کو مفید ہے کہ خلو، قائم رہنے والی عین چیز مثلاً عمارت اور عمارت پر لگی ہوئی لکڑی دونوں کا نام ہے، الایہ کہ ہم سید ازہری کے متعلق یہ کہیں کہ انہوں نے خلو کا صدق متصل عین پر نہیں کیا بلکہ عین چیز کے عوض پر کیا ہے، یہ یوں کہ خلو والا شخص واقف کو کچھ دراہم دے کر کہے کہ ان سے وقف میں وقف کے اضافہ کے لئے کچھ تعمیر کرے اور اس کے عوض اس کے لئے اجارہ کی منفعت کو باقی رکھنا ہوگا تو خلو اس معنی کا نام ہوگا خاص عین چیز کا نام نہ ہوگا، ہاں اس معنٰی پر اس کا صدق عین چیز کے سبب سے ہوا، خلو کی جو تفسیر علامہ اجہوری نے کی اس کو اسی تفسیر پر محمول کیا جائیگا تو منفعت سے مراد وہاں یہی اجارہ کے حق کی بقاء کا مطالبہ ہے جیسا کہ علامہ ابوسعود نے اپنے قول" دراہم، منعت کو پورا کرنے کی قدرت کے مقابلہ میں دئے جائیں" سے افادہ فرمایا، علامہ اجہوری کی تفسیر میں منفعت سے یہی تمکن مراد ہے، لیکن سید حموی نے غمز میں ایک مالکی متاخر فاضل سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے علامہ اجہوری کے مذکور کلام پر علامہ نورالدین کے حاشیہ کو نقل کرنے کے بعد فرمایا اجہوری کے کلام سے ظاہر ہے کہ منفعت عمارت ہو کہ وقف کی عمارت کا کوئی حصہ خراب ہورہا ہو تو اسے وقف کا ناظم کسی ایسے شخص کو کرایہ پر دے دے جو اس کی تعمیر کرکے خرچہ

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ٣ /١٠

خلواله ویصیر شریکا للواقف بمازادته عمارته اوکانت المنفعة غیر عمارة کوقید مصباح مثلا ولوازمه لاخصوص العمارة خلافا لمن خص المنفعة بهادون غیرها اذ المعتبر انما هو عود الدراہم لمنفعة فی الوقف عمارة کانت او غیرہا اھ[1]۔	کے بدلے اپنے لئے خلو بنالے اور زائد عمارت میں وہ حصہ دار بن جائے یا وہ منفعت غیر عمارت ہو مثلاً چراغ کے لئے کوئی خانہ اور اس کے لوازمات بنالے جو عمارت سے متعلق ہوں نہ کہ خاص وہ عمارت، یہ عام معنٰی اس شخص کے برخلاف ہے جو خلو کو صرف منفعت سے مختص کرتا ہے، یہ اس لئے کہ خلو دراہم کا بدل ہے خواہ وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز ہو۔
اقول: فهذا نص فی ان نفس العمارة خلو ولایمکن تاویله بماذکرنا فی کلام السید الازهری ان المراد ان یعمرها للوقف لالنفسه کیف وانه فسربه المنفعة الواقعة فی تفسیر العلامة الاجهوری وهو یقول اسم لما یملکه دافع الدراہم من المنفعة[2] الخ الا ان یجعل من هذه للتعلیل والمنفعة المنفعة الاٰئلة الی الوقف وتنقسم الی عمارة وغیرہا فیکون مایملکه هو التمکن من استبقاء الاجارة لاجل تلك المنفعة التی اوصلها الی الوقف لکن یکدر قول الاجهوری فی مقابلتها فان دفعه الدراہم انما هو بمقابلة ذٰلك التمکن	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ مذکورہ کلام اس بات میں صریح نص ہے کہ خلو صرف عمارت کا نام ہے، اس کی وہ تاویل جو ہم نے سید ازہری کے کلام میں کی ہے ممکن نہیں کہ وہ وقف کا اضافہ ہو، ذاتی ملکیت نہ ہو، یہ تاویل کیونکر ممکن ہوگی جبکہ وہ یہ بات علامہ اجہوری کی اس کلام کی تفسیر میں کہہ رہے ہیں جس میں اس نے کہا ہے کہ خلو اس منفعت کا نام ہے جس کا وہ دراہم کے عوض میں مالک بنتا ہے الخ الایہ کہ ہم "من المنفعة" کے "من" کو تعلیل کے لئے قرار دیں اور منفعت سے مراد وہ منفعت ہو جو وقف کے حق میں ہو، تو خلو عمارت اور غیر عمارت دونوں پر منقسم ہوجائے تو اجارہ کی بقاکے حق کا وہ مالک اس منفعت کے عوض ہوگا جس کو اس نے وقف میں شامل کیا ہے، لیکن اجہوری کا یہ قول کہ "دراہم منفعت کے مقابل ہیں" رد ہوجائیگا کیونکہ اس کے دراہم اجارہ کے دوام کے

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۰

لابدل تلك المنفعة الآئلة الى الوقف وانما هي حاصلة للوقف لاله بتلك الدراهم فلامخلص الاان يقال ان هذا كلام متاخر من المالكية فيكون الخلو عندهم شاملا للعين والمعنى وعندنا ليس الا المعنى والعين تسمى باسم اٰخر كالسكنى كيف وقد قال هذا المالكى بعده اما كونه اجارة لازمة فهذالا نزاع فيه(اى عندهم)ووجهه ان الواقف لما يريدان يبنى محلا للوقف فيأتي له اناس يدفعون له دراهم على ان يكون لكل شخص محل من تلك المواضع التى يريد الواقف بناءها فاذا قبل منهم تلك الدراهم فكانه باعهم تلك الحصة بمادفعوه له وكانه لم يقف جزء من تلك الحصة التى لكل،وغايته انه وظف عليهم كل شهر كذافليس للواقف فيه بعد ذٰلك تصرف الا بقبض الحصة الموظفة فقط وليس له ان يوجهه لغيره وكان رب الخلو صار شريكاللواقف فی تلك الحصة[1] اھ	مقابل ہیں نہ کہ وقف کے لئے منافع کے مقابل ہونگے وقف کے منافع تو صرف وقف کے لئے ہیں، دراہم دینے والے کے لئے دراہم کا بدل نہیں تو اس عبارت کا کوئی مخلص نہیں سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ مالکی حضرات کا آخری کلام ہے تو ان کے ہاں خلو، عین اور معنٰی دونوں کو شامل ہے اور ہمارے ہاں خلو صرف معنٰی کا نام ہے اور عین چیز کا ہمارے ہاں کوئی اور نام ہے مثلًا اسے سکنٰی کہا جائے گا اس حقیقت کا انکار کیسے ہوسکتا ہے جبکہ خود اس مالکی فاضل نے اس کے بعد کہا اس خلو کا اجارہ لازمہ ہونے میں نزاع نہیں (یعنی مالکیوں کے ہاں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب واقف نے کوئی تعمیر وقف میں کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے پاس لوگ آکر دراہم پیش کریں اور کہیں کہ ہم اس حصہ میں اپنے لئے مخصوص خطہ تعمیر کرینگے تو جب واقف ان سے دراہم اس شرط پر قبول کرلے گا تو گویا اس نے یہ حصہ ان لوگوں کو معاوضہ پر فروخت کردیا اور گویا اس نے ہر ایک کا مخصوص خطہ وقف سے مستثنٰی کردیا اور نتیجتًا اس نے ہر ایک پر ماہانہ شرح سے کچھ وظیفہ مقرر کردیا تو اسکے بعد اب واقف کو اس حصہ میں کسی تصرف کا حق نہ رہا ماسوائے اس کے کہ وہ فقط مقررہ وظیفہ وصول کرتا رہے اور اب وہ حصہ کسی دوسرے کو دینے کا مجاز نہ ہوگا گویا کہ خلو والا ہر شخص اس حصہ میں واقف کے ساتھ شریک قرار پائے گا اھ،

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸، ۱۳۷

فقد جعل الخلو عقارا او جزء من تلك الارض مبيعا من هٰؤلاء مستثنٰى من الوقف، ولذا قال وفائدة الخلو انه كالملك فتجرى عليه احكامه من بيع واجارة وهبة ورهن ووفاء دين وارث ووقف[1] الخ۔	تو یوں اس فاضل نے خلو کو مکانیت سے تعبیر کیا اور وقف شدہ زمین کا ایک حصہ ان لوگوں کے ہاتھ فروخت کرکے وقف سے خارج قرار دیا اور اس لئے اس نے کہا کہ خلو کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ مملوکہ جگہ کی طرح ہوگا اور اس میں ملکیت کے احکام، بیع، اجارہ، ہبہ، رہن، قرض میں منہا کرنا، وراثت اور وقف جاری ہوں گے الخ،
اقول: ثم فى كلام ذٰلك الفاضل المالكى خدشة اخرى فانه جعل العمارة خلوا وقال فى بيانه يكون ماصرفه خلوا له وانما المصروف الدراہم ھذا وبقى مااسلفناه عن اُفندى زيرك زاده من بيع الخلو اذالم يكن ملاصقا بالحانوت وان وضعه فى الحانوت بالاجارة مشروع۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس مالکی فاضل کے کلام میں ایک اور خرابی ہے کہ یہاں اس نے عمارت کو خلو کہا ہے جبکہ پہلے وہ اپنے بیان میں کہہ چکا ہے کہ مال صرف کیا ہے وہ خلو ہوگا، حالانکہ جو صرف کیا ہے وہ دراہم ہیں عمارت نہیں ہے، یہ قابل توجہ ہے۔ زیرک زادہ آفندی سے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اس میں ایک امر باقی ہے کہ انہوں نے کہا ہے جب خلو دکان سے ملصق نہ ہو اور ویسے کرایہ کی دکان میں رکھا ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔
اقول: احسن مايعتذر عنه انه اطلق عليه اسم الخلو تجوزاوان الخلو يطلق عليهما وان ماكان منه عينا مملوكة لصاحب الخلو فلا كلام فى جواز بيعه بل ووقفه ان تعورف وكانت الارض موقوفة او محتكرة والذى حدث وانكره المحققون ھوالخلو بمعنى المعنى والله	**اقول:** (میں کہتاہوں) ان کی طرف سے بہترین تاویل یہ ہوگی کہ انہوں نے اس علیحدہ چیز کو مجازاً خلو کہا ہے یا یہ کہ خلو کا اطلاق دونوں صورتوں پر کیا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ خلو والے کی کوئی مملوک عین چیز ہو تو اس کے فروخت کرنے بلکہ عرف میں وقف کی صورت ہو تو وقف کرنے کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہے جبکہ زمین وقف یا کرایہ کی رہے گی وہ چیز جو نئی ہے اور محققین نے اس کا انکار کیا ہے وہ

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

تعالٰی اعلم وبه یحصل التوفیق بین کلامی ابن ہلال والرادین علیه بان کلامه فی العین القائمة ولاشك ان الاستشهاد علیه بفرع السکنی صحیح اذن لایرد علیه شیئ مماذکروا و کلامهم فی المعنی المعروف فلاخلف ان ساعده کلام ابن ہلال فی رسالته والعلم بالحق عند علام الغیوب، ثم من العجب قول العلامة المنقح فی العقود الدریة الخلو عبارة عن القدیمة ووضع الید[1] اھ **اقول**: سبحٰن الله مجرد کونه واضع یده منذ زمان وهو المعبر عنه فی المبتدعات قانون النصاری بحق موروثی کیف یصیر حقا وکیف یسوغ ان یقول به وبجواز بیعه احد وقد قدم المنقح نفسه قبیل هذا مانصه، واما ما فی القنیة یثبت حق القرار فی ثلاثین سنة فی الارض السلطانیة والملك وفی الوقف فی ثلاث سنین ولو باع حق قراره فیها جاز، وفی الهبة اختلاف، ولو ترکها بالاختیار تسقط قدیمته، حاوی الزاهدی اھ فالمراد به الاعیان

خلو معنوی ہے، اس تاویل سے ابن ہلال اور اس کا رد کرنے والوں کے کلاموں میں موافقت ہوجائیگی کہ ابن بلال کی گفتگو قائم رہنے والی عین چیز کے متعلق ہے اور اب اس پر سکنٰی کے طور پر تفریع بلاشک درست ہوگی اور کوئی اعتراض نہ رہے گا، ور معترضین کا کلام خلو کے معروف معنی کے متعلق ہے لہذا کوئی مخالفت نہ رہی بشرطیکہ ابن بلال کی اپنے رسالہ میں گفتگو اس تاویل کا ساتھ دے، حقیقت کا علم تو اللہ تعالٰی علام الغیوب کے ہاں ہے، پھر عقود الدریہ تنقیح کرنے والے علامہ کا یہ قول عجیب ہے کہ خلو قدیم دخل اور قبضے کا نام ہے اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) سبحٰن اللہ کچھ زمانہ سے محض قابض ہونے جس کو نصارٰی کے قانون میں موروثی حق کہتے ہیں جو کہ ایک نئی بدعت ہے، سے کیسے حق ثابت ہوسکتا ہے اس حق کے ثبوت اور اس کے بیع کے جواز کی بات کوئی کیسے کرسکتا ہے جبکہ خود یہ صاحب تنقیح اس بیان سے تھوڑا پہلے کہہ چکے ہیں، وہ یہ عبارت ہے کہ، لیکن قنیہ میں جو یہ کہا ہے کہ سلطانی زمین پر تیس سالہ قبضہ سے حق القرار اور ملکیت ثابت ہوجاتی ہے اور اگر قابض اس زمین کے حق قرار کو فروخت کرنا چاہے تو جائز ہے جبکہ ہبہ کرنے میں اختلاف ہے، اور اگر قابض خود اس حق سے دستبردار ہوجائے تو قدیمی حق (حق القرار) ساقط ہوجائے گا، حاوی الزاہدی، اھ، تو اس حق سے اعیان قیمتی مراد ہیں

---

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

المتقومة لامجرد الامر المعنوی لما علمت من عدم صحة بیعه ویدل علی ذٰلك قوله فی البزازیة ولاشفعة فی الکردار ای البناء ویسمی بخوار زم حق القرار لانه نقلی اھ[1] ثم ستسمع الآن نصه الصریح علی انکاره فسبحٰن من لاینسی ھذا، وقال فی ردالمحتار قد یقال ان الدراہم التی دفعها صاحب الخلو للواقف واستعان(ای الواقف)بها علی بناء الوقف شبیھة بکبس الارض بالتراب فیصیرله حق القرار فلا یخرج من یدہ اذاکان یدفع اجر المثل ومثله ما لو کان یرم دکان الوقف ویقوم بلوازمها من ماله باذن الناظر ،امامجرد وضع الید علی الدکان ونحوھا وکونه یستاجرھا عدة سنین بدون شیئ مماذکر فھو غیر معتبر(الٰی ان قال)وممن افتی بلزوم الخلو الذی یکون بمقابلة دراہم یدفعھاللمتولی او المالك العلامة المحقق عبد الرحمٰن افندی العمادی صاحب ھدیة ابن العماد وقال فلایملك صاحب الحانوت

نہ کہ صرف معنوی امر ہے کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ امر معنوی کی بیع جائز نہیں ہے اس پر بزازیہ کا قول، کہ کردار یعنی عمارت جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں میں شفعہ کا حق نہیں ہے، کیونکہ یہ حق منتقل ہونے والی چیز ہے اھ، اس کے اس بیان کے باوجود اب تم ان سے صریح طور پر اس بیان کا انکار سن رہے ہو، پس وہی ذات پاک ہے جو بھولتی نہیں ہے، یہ قابل غور ہے۔ ردالمحتار میں فرمایا: خلو والا جو دراہم واقف کو دیتا ہے اور واقف بطور امداد ان دراہم کو وقف کی تعمیر پر خرچ کرتا ہے اس کے متعلق کہا جائے گا کہ یہ زمین میں مٹی ڈالنے کے مشابہ ہے جس کے ذریعہ اس کو حق استقرار حاصل ہوجاتا ہے تو جب تک مثلی اجرت دیتا رہے گا اس کے قبضہ کو ختم نہیں کیا جاسکے گا، اسی کی مثل ہے جب وقف دکان بوسیدہ ہوجائے تو وقف کے نگران کی اجازت سے کوئی شخص اس کو اپنے مال سے مرمت کرلے تو مروج کرایہ ادا کرنے کی شرط پر استقرار حق ہوجائے، لیکن دکان وغیرہ پر محض قبضہ ہونا کہ چند سالوں سے کرایہ دار ہے اور دراہم دینے کی مذکورہ صورت نہ ہو تو استقرار حق معتبر نہ ہوگا (آگے یہاں تک فرمایا) متولی یا مالک کو دئے گئے دراہم کے عوض خلو کے لزوم کا فتوٰی دینے والوں میں علامہ محقق عبدالرحمٰن آفندی عمادی صاحب ہدیہ ابن عماد ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ دکان کا مالک خلو والے کا

[1] العقودالدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ٢/ ٢١٨

اخراجه ولااجارتهالغیره مالم یدفع له المبلغ المرقوم فیفتی بجواز ذلك للضرورة قیاسا علی بیع الوفاء الذی تعارفه المتأخرون احتیالا علی الربا الخ، **قلت** وهو مقید ایضا بماقلنا بما اذاکان یدفع اجر المثل والا کانت سکناه بمقابلة مادفعه من الدراهم عین الربا کما قالوافیمن دفع للمقرض دار الیسکنها اوحمار الیرکبه الی ان یستوفی قرضه انه یلزمه اجرة مثل الداراو الحمار علی ان مایأخذه المتولی من الدراهم ینتفع به لنفسه فلو لم یلزم صاحب الخلواجرة المثل للمستحقین یلزم ضیاع حقهم، اللهم الا ان یکون ماقبضه المتولی صرفه فی عمارة الوقف حیث تعین ذلك طریقا الی عمارته ولم یوجد من یستأجر باجرة المثل مع دفع ذلك المبلغ اللازم للعمارة، فحینئذ قد یقال بجواز سکناه بدون اجرة المثل الضرورة ومثل ذلك یسمی فی زماننا مرصدا کما قدمناه فی الوقف واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم[1] اھـ	قبضہ ختم نہ کرسکے گا اور نہ کسی اور کو کرایہ پر دے سکے گا جب تک خرچ شدہ رقم اس کو واپس نہ کردے، تو اس خلو کے جواز کا ضرورت کی بنا پر فتوٰی دیا جائے گا، یہ قیاس ہوگا اس بیع وفا پر جس کو متاخرین نے سود سے بچنے کے لئے متعارف کرایا ہے الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) یہ جواز بھی ہمارے مذکور بیان کہ جب تک مروج کرایہ دیتا رہے گا، کی قید سے مقید ہے، ورنہ یہ سکنٰی ان دراہم کے مقابلہ میں قرار پائے گا جو اس نے مالک کو دئے ہیں جو کہ عین سود ہے جیسا کہ فقہاء نے فرمایا کہ کسی نے قرض دینے والے کو رہائش کے لئے مکان دیا یا سواری کے لئے گدھا دیا تھا کہ جب تک قرض واپس نہ ہو اس کے استعمال میں رہے، تو اس صورت میں قرض دینے والے پر مکان یا گدھے کا مروج کرایہ ادا کرنا لازم ہوگا (ورنہ سود ہوگا) علاوہ ازیں متولی نے جو دراہم وصول کئے وہ ان کو ذاتی مفاد میں صرف کرے گا تو خلو والے پر اگر مروج کرایہ لازم نہ کیا جائے تو مستحقین وقف کا حق ضائع ہوگا، ہاں اگر متولی وصول کردہ دراہم کو وقف کی عمارت میں خرچ کرے جہاں وقف عمارت میں خرچ کرنے کی ضرورت واضح ہو، اور اس مرمت شدہ عمارت کو مروج کرایہ بمع صرف شدہ رقم، دینے والا کوئی نہیں تو ایسی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ متولی کو رقم دینے والا اس میں ضرورت کے پیش نظر بغیر کرایہ رہائش کرسکتا ہے، ایسی صورت کو ہمارے زمانہ میں "مرصد" کہا جاتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶و۱۷

اقول: قد قدم الکلام علی الوقف وانہ لابد ان یدفع اجر المثل فعودہ الیہ ثانیا وقولہ وھو مقید ایضا بما قلنا ان ارادبہ مسألۃ الواقف کما حط علیہ اٰخر کلامہ کان تکرارا ولم یکن محل لایضاد وان ارادبہ مسألۃ الملك لان کلام العمادی کان فیھما فلاحامل علی ایجاب اجر المثل الا ان یکون مال الیتیم بل لو نقص من اجر المثل فی الوقف لم یجز من جھۃ النقص لالانہ عین الربا لان تلك الدراھم لاتدفع قرضا بل اعانۃ للوقف والصرف فی مایؤل نفعہ الیہ و لاتسترد ابدا الاان یخرجہ الناظر فح یستردھا کما ذکر المحقق العمادی وعن ھذا کانت کبیع الوفاء فالدراھم فیہ لیست قرضا عند مجوزیہ والاکان الانتفاع بہ عین الربا کما ھو المتعمد فیہ اما الدفع لیصرفہ المتولی الی نفسہ فحاش للہ لیس من الخلو فی شیئ بل عین رشوۃ ولیس لاحد من المسلمین	جیسا کہ ہم نے وقف کے بیان میں اس کو بیان کردیا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم **اقول:** (میں کہتا ہوں) رد المحتار میں انہوں نے پہلے وقف کی بحث میں کلام کیا اور فرمایا کہ مثلی اجرت اور کرایہ ضروری ہے، پھر ان کا دوبارہ اس کو بیان کرنا اور یہ کہنا کہ عمادی کا یہ بیان بھی ہمارے سابقہ قول کے ساتھ مقید ہے، اگر اس سے وقف کا مسئلہ مراد ہے جیسا کہ انہوں نے اس پر بات ختم کی ہے، تو یہ تکرار ہے، اور عمادی کی مخالفت کا محل نہ ہوا اگرچہ ذاتی ملکیت کا مسئلہ مراد ہو کیونکہ عمادی کا کلام دونوں صورتوں کے بیان میں ہے بہر حال مثلی اجرت کے بیان کی ضرورت نہیں، ہاں اگر وہ ملکیت کسی یتیم کی ہو تو مثلی اور مروج اجرت ضروری ہوگی بلکہ وقف والی صورت میں تو مروج کرایہ سے کم بھی ہو تو کمی کی وجہ سے ناجائز ہوگا نہ کہ سود ہونے کی وجہ سے، کیونکہ یہ دی گئی رقم بطور قرض نہیں بلکہ وقف کے لئے اعانت کے طور پر دی گئی ہے جس کے منافع باآخر وقف کی طرف راجع ہیں اور یہ رقم بیدخلی کے بغیر ناقابل واپسی ہے صرف بے دخلی پر واپس ہوگی جیسا کہ علامہ عمادی نے ذکر کیا، اسی وجہ سے یہ صورت بیع الوفاء کی مانند قرار پاتی ہے کیونکہ اس کے مجوزین حضرات کے ہاں وہ دراہم بطور قرض نہیں ہیں، ورنہ تو مکان دکان سے انتفاع عین سود ہے جیسا کہ یہی معتمد علیہ بات ہے، لیکن یہ صورت کہ وقف کا متولی اپنی ذات کے لئے دراہم کو صرف کرے، اس غرض سے دینا تو ہرگز خلو نہیں بلکہ یہ تو رشوت ہے جس کے جواز کے متعلق کوئی بھی مسلمان قول نہیں کرسکتا چہ جائیکہ اس

ان یقول بجواز مثله فضلا عن لزومه۔واللہ تعالٰی اعلم۔	رشوت کو لازم قرار دیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

پھر اگر خلو وقف میں ہو تو شرط ہے کہ یہ عقد خود واقف یا متولی کرے دوسرے کو اختیار نہیں، نیز لازم کہ وہ روپیہ خاص وقف کی منفعت صحیحہ میں صرف ہونہ کہ واقف یا متولی یا کسی اور کے کام میں، نیز ضروری کہ وقف کو اس امداد کی حاجت ہو اگر وقف خود اپنی منفعت کو پورا کرسکتاہے تو خلو باطل ہے۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

الموقوف علیه الغلة اوالسکنی لایملك الاجارة الا بتولیة او اذن قاض لان حقه فی الغلة لافی العین[1]۔	کسی کے لئے غلہ یا سکنٰی وقف ہو تو وہ زمین کو اجارہ پر دینے کامالک صرف تولیت یا قاضی کی اجازت سے ہوسکتا ہے ورنہ نہیں کیونکہ اس کا حق صرف غلہ ہے عین چیز یعنی زمین نہیں ہے۔(ت)

غمز العیون میں ہے:

شروط صحة الخلو ان یکون مابذل من الدراہم عائدا علی جهة الوقف بان ینتفع بها فیه فمایفعل الاٰن من اخذ الناظر الدراہم من ذی الخلو ویصرفها فی مصالح نفسه هو فهذا الخلوغیر صحیح ویرجع الدافع بدراهمه علی الناظروان لایکون للوقف ریع یعمر منه فان کان یفی لعمارته ومصاریفه فلایصح فیه حینئذ خلو،فلو وقع کان باطلا وللمستأجر الرجوع علی الناظر بما دفعه من الدراہم،وان یثبت ذٰلك الصرف علی منافع	خلو کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دراہم کے خرچ کرنے سے وقف کو فائدہ ہو کہ ان کا نفع وقف میں شامل ہو، اور آج کل جو کچھ کیا جارہا ہے وہ یہ کہ وقف کا نگران خلو والے سے دراہم لے کر اپنے ذاتی مفاد میں خرچ کرتا ہے تو یہ باطل ہے لہذا دراہم دینے والے کو حق ہے کہ وہ نگران سے واپس وصول کرے اگرچہ وقف کی اتنی آمدن نہ ہو جس سے اس کی تعمیر ہوسکے اور اگر اتنی آمدن ہو جس سے وقف کی عمارت وغیرہ مصارف پورے ہوسکتے ہوں تو اب اس میں خلو صحیح نہ ہوگا اگر خلو کیا تو باطل ہوگا اور مستاجر کو دئے ہوئے اپنے دراہم واپس لینے کا حق ہوگا،اور اگر واقعی دراہم کے فوائد وقف کے لئے ہوں تو بھی محض نگران کی تصدیق ثبوت

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷

الوقف بالوجه الشرعی فلوصدقه الناظر علی التصرف من غیر ثبوت ولاظهور عمارة ان کانت هی المنفعة فلا عبرة بهذاالتصدیق لان الناظر لایقبل قوله فی مصرف الوقف حیث کان لذٰلك الوقف شاهد[1] اهـ نقله عن ذٰلك الفاضل المالکی مقرابل معتمدا حیث قال هذاخلاصة ماحرره بعض فضلاء المالکیة فی تالیف مستقل فی ذٰلك والله الهادی الی قوام المسالك وانما اطنبنا الکلام فی هذا المقام لکثرة دوران الخلو بین الانام واحتیاج کثیر من القضاة الیها وابتناء کثیر من الاحکام علیها خصوصا قضاة الاوهام الذین لیس لهم شعور ولاالهام[2] اهـ.	اور موقعہ پر عمارت کے وجود کے بغیر قابل تقسیم نہیں ہے جبکہ منافع کا تعلق عمارت سے ہو، کیونکہ جب وقف کے منافع قابل مشاہدہ ہوں تو مصرف کے متعلق محض نگران کا قول قابل قبول نہیں ہوتا اھ،اس کو غمزالعیون نے اس مالکی فاضل سے ثابت بلکہ معتمد قرار دیتے ہوئے نقل کیا جہاں انہوں نے کہا کہ بعض مالکی فضلاء نے اس بحث کو اپنے مستقل رسالہ میں جو تحریر کیا ہے یہ اس کا خلاصہ ہے، اللہ تعالٰی ہی مضبوط راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔ہم نے اس بحث کو اسلئے طول دیا کہ لوگوں میں خلو رواج کثیر ہے اور بہت سے قاضی حضرات کو اس کی ضرورت درپیش ہے اور اس پر بہت سے احکام مبنی ہیں خصوصًا وہم پرست قاضیوں کے لئے جن کو فہم وشعور نہیں ہے اھ۔
اقول: ماذکر من عدم تصدیق الناظر مسلم ان کان مسرقا مفسدااوکذبه الظاهر کأن یدعی صرفها الی العمارة ولاعمارة والا فلعله عندالمالکیة اما عندنا فالناظر امین والقول قول الامین مالم یکذبه الظاهر قال فی الدرالمختار لوادعی المتولی الدفع قبل قوله الخ[3] وفی ردالمحتار عن الاسعاف وعن شرح الملتقی عن شروط	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا یہ ذکر کرنا کہ نگران کی تصدیق کافی نہیں ہے یہ وہاں درست ہے جہاں نگران مفسد اور چور ہو یا ظاہر حال نگران کو جھوٹا قرار دے مثلًا یہ کہ وہ عمارت پر صرف کرنے کا دعوٰی کرتا ہو حالانکہ موقعہ پر عمارت کا وجود ہی نہیں ہے،ورنہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالکی حضرات کا موقف ہو، لیکن ہمارے ہاں جب تک ظاہر حال نگران کو نہ جھٹلائے اس وقت تک نگران کو امین قرار دیا جائیگا اور اس کی بات ہی معتبر ہوگی،درمختار میں فرمایا ہے کہ اگر متولی ادا کرنے کا دعوٰی کرتا ہو تو اس کی بات قابل تسلیم

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۔۱۳۸

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

الظهیریة وعن البحر عن وقف الناصحی اذاآجر الواقف او قیمه او وصیه او امینه ثم قال قبضت الغلة فضاعت اوفرقتها علی الموقوف علیهم وانکروا فالقول له مع یمینه [1] اھ وفیه عن الحامدیة عن بیری زاده عن احکام الاوصیاء، القول فی الامانة قول الامین مع یمینه الا ان یدعی امرا یکذبه الظاهر فحینئذ تزول الامانة وتظهر الخیانة فلایصدق [2] اھ وفیه عنها عن المفتی ابی السعود انه ان کان مفسدا مبذرا لایقبل قوله بصرف مال الوقف بیمینه [3] اھ بل استظهر السید الحموی نفسه فی امانات الغمز قبول قوله ولو بعد عزله مستندا بمسائل، منها ان الوصی لو ادعی بعد موت الیتیم انه انفق علیه کذا یقبل	ہو گی الخ اور ردالمحتار میں اسعاف اور شرح ملتقی سے ظہیریہ کی شروط اور بحر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ناصحی کے وقف کے حوالہ سے کہا ہے کہ جب واقف یا ناظم یا وصی یا امین نے وقف زمین کرایہ پر دی اور پھر کہا میں نے غلہ (اجرت) وصول کرلی ہے جو ضائع ہوگئی یا موقوف علیہ لوگوں میں تقسیم کردی ہے وہ لوگ انکار کریں تو قسم لے کر متولی وغیرہ کی بات تسلیم کرلیجائیگی اھ، اور اسی ردالمحتار میں حامدیہ سے بیری زادہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ وصی حضرات کے احکام کی بحث میں فرمایا کہ دیانت کے معاملہ میں قسم کے ساتھ ناظم کی بات تسلیم کرلی جائے گی ماسوائے ایسے معاملہ کے جس میں ظاہرًا جھوٹ کا مدعی ہو تو ایسی صورت میں اس کی دیانت ختم اور خیانت واضح ہونے کی بناء پر تصدیق نہ کی جائے گی اھ اسی میں حامدیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے مفتی ابوسعود سے نقل کیا ہے کہ اگر متولی وغیرہ مفسد اور فضول خرچ ہو تو وقف کے مال کو صرف کرنے کے متعلق اس کی قسم کے باوجود بات قبول نہ کیجائیگی اھ، بلکہ سید حموی نے ظاہر قرار دیتے ہوئے غمز کی امانات کی بحث میں فرمایا کہ اس کی بات قبول ہوگی اگرچہ اس کے معزول ہونے کے بعد اس کا قول ہو۔اس بات کو حموی نے کئی مسائل سے ثابت کیا ہے، ان میں سے ایک یہ ہے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۵

قولہ وعللوہ بانہ اسندہ الی حالۃ منافیۃ للضمان[1] اھ فکانہ سکت ھٰھنا معتمد اظھورہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ وصی شخص یتیم کی موت کے بعد دعوٰی کرے کہ میں نے یتیم پر اتنا مال صرف کیا ہے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، اور اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ وصی کا یہ بیان ایسی حالت کی طرف منسوب ہے جو ضمان کے منافی ہے، اس پر ان کا سکوت ظاہر پر اعتماد کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

ظاہر ہے کہ زر مذکور فی السوال نہ ضرورت وقف کے لئے لیا گیا نہ وقف میں صرف ہوا بلکہ ایک شخص کی اپنی ذاتی غرض میں اگرچہ وہ متولی بھی ہے نہ وہ روپیہ حق استبقائے اجارہ کے بدلے ہے، نہ اجرت مثل اس سے جدا ہے بلکہ اسی میں محسوب ہوا کرے گا تو کسی طرح خلو سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا بلکہ یقیناً وہ ایک قرض ہے کہ اس موقوف علیہ نے لیا اور اس کے بدلے وقف کو رہن کیا اور منافع حرام کو مقرض پر مباح کردیا وقف کا رہن خود ہی باطل ہے، تنویر الابصار میں ہے:

فاذا تم ولزم لایملك ولایملك ولایعار ولایرھن[2]۔	جب وقف لازم وتام ہوجائے تو وہ کسی کا مملوکہ نہ کسی کو تملیک نہ عاریۃً اور نہ ہی بطور رہن دیا جاسکتا ہے۔ (ت)

نہ کہ رہن دخلی کہ ملک کا بھی حرام ہے، تو یہ عقد حرام در حرام، ظلم در ظلم، ظلمات بر ظلمات ہے، واجب الرد ہے گیرندہ پر جب تک نہ چھوڑے وقف کے لئے اجر مثل تو خود ہی لازم ہوگا فان منافع الوقف مضمونۃ مطلقاً (کیونکہ وقف کے منافع مطلقاً قابل ضمان ہوتے ہیں۔ ت) اور جو کچھ اس سے زائد حاصل کرے گا وہ بھی اسے حلال نہیں وقف کردے یا تصدق کرے، اور اول اولٰی ہے کمافی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما (جیسا کہ خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔ ت) یہاں تک چار سوالوں کا جواب شافی ہوگیا اور پنجم کا بھی کہ اس معاملہ کو خلو سے علاقہ نہیں اگرچہ روپیہ ضروریات وقف ہی کے لئے لیا اور انہیں میں صرف کیا کہ یہ روپیہ بمقابلہ استبقائے اجارہ علاوہ اجر مثل نہیں بلکہ اتنا زر اجر پیشگی لیا ہے وقتاً فوقتاً اجرت میں محسوب ہوگا اس سے عدم وقف خواہ اب انعدام وقف پر استدلال صریح جہل وضلال، وقف ثابت کسی کی ناجائز کارروائی سے نہ غیر ثابت ہوسکتا ہے نہ زائل ورنہ ابطال اوقاف ظالموں کے اختیار میں ہوجائے جب چاہیں کوئی ناجائز کام کردیں اور وقف باطل وزائل ہوجائے۔ ہاں تفتیش طلب اس کارروائی کا جواز وعدم جواز ہے اس میں مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الامانات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۷۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے کہ زمین مزارعوں کے اجارہ میں رہے اور توفیر ٹھیکے میں دی جائے بلاشبہہ حرام ومردود وباطل ہے کما حققناہ لامزید علیہ فی کتاب الاجارۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی آخری تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب الاجارہ میں کردی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

قریۃ وقف آجر المتکلم علیہا ثلثہا لرجل سنۃ بمال لیتناول مایتحصل من الثلث المذکور من الغلال صیفیہا وشتویہا ھذہ الاجارۃ باطلۃ غیر منعقدۃ لما صرح بہ علماؤنا قاطبۃ من ان الاجرۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولاتفید شیئا من احکام الاجارۃ فلیس للمستأجر ان یتناول شیئا من الغلال بل ذٰلك للوقف یصرف فی وجوھہ المعینۃ[1]۔ (ملتقطًا)	وقف گاؤں ہو اور موقوف علیہ شخص گاؤں کے تہائی حصہ کی آمدنی کو ایک سال کے لئے کسی مال کے بدلے اجارہ پر دے دے تاکہ اجارہ پر لینے والا شخص اس مال کے بدلے موسم گرما اور سرما کی آمدن کا تہائی حصہ حاصل کرلیا کرے تو یہ اجارہ باطل ہوگا اور منعقد ہی نہ ہوگا کیونکہ تمام علماء نے تصریح کی ہے کہ وہ اجارہ جو عین چیز کو قصدا تلف کرنے پر ہو وہ منعقد نہ ہوگا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہ ہوگا، اس لئے مذکورہ صورت میں اجارہ پر لینے والے کو اس آمدن کو لینے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ تمام آمدن وقف کے معینہ مصارف پر خرچ ہوگی۔ (ملتقطا)۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلایملك المستأجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی علی ماکانت علیہ قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولہا ویضمنہا بالا ستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیہا لعدم ملکہ وذٰلك کاستئجار بقرۃ لیشرب	جب اعیان کو تلف کرنے پر قصدًا اجارہ کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا اجارہ پر لینے والے کو ان اعیان کو حاصل کرنے کا حق نہ ہوگا بلکہ یہ اعیان یعنی غلہ وغیرہ وہیں خرچ ہوگا جہاں وہ اجارہ سے قبل خرچ ہوتے تھے اس لئے مستاجر (اجارہ لینے والے) کے قبضہ سے واپس لے لئے جائیں گے اگر اس نے وصول کرکے خرچ کرلئے اس سے ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل معاملہ کوئی اثر نہیں رکھتا لہٰذا ان میں اس کا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

لبنها وبستان ليأكل ثمرته ومثله استئجار ما في يد المزارعين لاكل خراجه[1]۔	تصرف حرام ہوگا اس لئے کہ وہ اس چیز کا مالک نہ تھا، اس کی مثال جیسے کہ گائے و بھینس کو دودھ کے لئے اجارہ پر لے اور مثلاً باغ کو پھل کھانے کیلئے اور وقف کے مزار عین کے زیر قبضہ زمین کو غلہ کرنے کے لئے اجارہ پر لے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الالتزام والمقاطعة على ما يتحصل من قرية الوقف من خراج بمال معلوم من احد النقدين يدفعه الملتزم ويكون له ما يتحصل منها قليلا كان او كثيرا لاتجوز اذلاوجه لها شرعا لكونها لاتتصور شرعًا ان تكون بيعا اذبعض المقاطع عليه معدوم وبعضه مجهول ولاان تكون اجارة لانها بيع المنافع والواقع عليه في المقاطعة المشروحة اعيان لامنافع فهي باطلة بالاجماع[2] (ملتقطا)۔	کسی گاؤں کی آمدنی (حصہ بٹائی) حاصل کرنے کے لئے مقررہ نقد مال پر اجارہ کا فیصلہ اور التزام کرنا کہ جو قلیل یا کثیر حصہ بٹائی گاؤں سے حاصل ہو اس کو مستاجر حاصل کرے گا، تو یہ جائز نہیں، کیونکہ شرعاً اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں، بیع اس لئے متصور نہیں ہو سکتی کہ معقود علیہ ابھی معدوم ہے اور کچھ حصہ مجہول ہے، اور اجارہ اس لئے متصور نہیں ہو سکتا کہ اجارہ منافع کی بیع کا نام ہے جبکہ ذکورہ صورت میں منافع کی بجائے اعیان (غلہ) پر سودا ہوا ہے، لہٰذا یہ بالاجماع باطل ہے۔ (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا استأجر القرى والمزارع لتناول خراج المقاسمة اوخراج الوظيفة فالاجارة باطلة باجماع علمائنا[3] (ملتقطا)	جب گاؤں یا زراعت جن پر سرکاری وظیفہ یا حصہ بٹائی حاصل ہوتا ہے کو اجارہ پر لینا تاکہ ان سے حاصل وظیفہ یا حصہ کو بدلے میں وصول کیا کرے تو ہمارے علماء کے ہاں بالاجماع یہ اجارہ باطل ہے۔ (ملتقطا) (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ٢/ ١١٩

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ٢/ ١٢٦

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ٢/ ١٢٧

اسی میں ہے:

قریۃ ضمنہا من لہ ولایتہا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراجہا فالتضمین باطل اذلا یصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانہ معدوم[1] (ملتقطا)	کوئی شخص مقررہ مال کے بدلے گاؤں کی آمدن کو کسی شخص کیلئے حاصل کرے تاکہ آمدن اس کے لئے ہوجائے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ اس لئے نہیں ہوسکتا کہ یہ سودا منافع پر نہیں بلکہ اعیان (غلہ) کے تلف کرنے پر قصداً ہوا ہے اور بیع بھی نہیں کیونکہ یہ معدوم چیز پر سودا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

یتماری آجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم لاتصح وعلی کل منہما رد ما تناولہ۔[2]	کھجور کے باغ والا اپنے باغ سے حاصل ہونیوالے پھل کو مقررہ نقد پر کسی دوسرے کو اجارہ پر دے دے تو صحیح نہیں ہے اور دونوں پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو واپس کردیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافہا فہی باطلۃ فاجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا۔[3] (ملتقطا)	ہمارے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب اجارہ اعیان چیزوں کے حصول یا ان کے تلف کرنے پر کیا جائے تو باطل ہوگا لہٰذا وظیفہ یا حصہ بٹائی والا گاؤں اجارہ پر اس لئے دینا کہ مستاجر اس کا وظیفہ اور حصہ عوض میں وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جبکہ میں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے (ملتقطا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

المقرر فی کلام مشایخنا باجمعہم ان الاجارۃ علی استہلاك الاعیان باطلۃ	ہمارے مشائخ نے بالاتفاق یہ طے کیا ہے کہ اعیان چیزوں کو بطور ہلاکت قبضہ میں لینے پر اجارہ باطل ہے اور

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

وجعل العین منفعة غیر متصور فالاجارة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ الخراج والدراھم المضروبة فھو باطل باجماع ائمتنا[1] (ملتقطا)	عین چیز کو نفع قرار دینا متصور نہیں ہو سکتا، تو جہاں زمین کا اجارہ زراعت وغیرہ سے انتفاع کے لئے نہ ہو بلکہ اس سے حاصل ہونے والے خراج اور وظیفہ مقررہ کو حاصل کرنے کے لئے ہو تو یہ بالاجماع باطل ہے (ملتقطا) (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

لاقائل من فقهاء الاسلام بصحة الالتزام فی اوقاف الانام لانك مهما اعتبرته کان باطلا، وکیف ماقومته کان مائلافان قدرته بیعا فھو بیع المعدوم او المجهول، وان قدرته اجارة فھی واقعة علی استهلاك الاعیان المعدومة الاٰتیة فیما یؤل، وهی فی الموجودة لاتجوز فکیف یستأجر منها ماسیجوز وان اعتبرته واهبالما سیصرف ومتهبا لما سیقبض فالهبة فی مال الوقف لاتجوز ولو بعوض[2] اھ **اقول:** خص الکلام بالوقف لان السوال عنه فاستدل بدلیل یخصه والا فهبة المعدوم بطلانه معلوم ولو فی الملك، قال فی الخیریة من الهبة وبهذاعلم عدم صحة هبة ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواهب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه اھ[3]۔	فقہاء اسلام میں کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں کہ سرکاری اوقاف کے وظائف کو حاصل کرنے کی ذمہ داری مقررہ نقد کے عوض حاصل کرلے کیونکہ آپ اسے جس معنی میں اعتبار کریں غلط ہوگا، اگر آپ بیع فرض کریں تو یہ مجہول یا معدوم چیز کی بیع قرار پائے گی اور اگر اجارہ فرض کریں تو یہ معدوم آئندہ پائے جانے والے اعیان کو حاصل کرنے پر اجارہ ہوگا جبکہ یہ موجودہ اعیان میں بھی جائز نہیں تو معدوم میں کیسے جائز ہوگا، اور اگر آئندہ موجود ہونے اور مہیا ہونے والی چیز کا ہبہ فرض کرو تو یہ وقف چیز کا ہبہ قرار پائے گا جبکہ وقف چیز کا ہبہ معاوضہ کے طور پر بھی جائز نہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) انہوں نے خاص وقف کے متعلق بات کی ہے کیونکہ سوال یہی تھا اس لئے انہوں نے وقف سے متعلق دلیل ذکر کی ہے ورنہ تو معدوم چیز کا ہبہ معلوم البطلان ہے اگرچہ ذاتی ملکیت ہو، خیریہ میں ہبہ کی بحث میں فرمایا کہ مذکورہ بحث میں معلوم ہوا کہ گاؤں کے بعد میں حاصل ہونیوالے محصول کا ہبہ بطریق اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ابھی خود مالک کو ان پر قبضہ نہیں ہے تو وہ آگے کسی کو کیا قبضہ دے گا اھ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۵

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

فتاوٰی علامہ تاجی بعلی تلمیذ صاحب درمختار میں ہے:

ھذا اذا لم تکن الاجارۃ واردۃ علی استھلاك الاعیان قصدا، اما اذاکانت کذٰلك بان کانت اراضی القریۃ فی ایدی مزارعین وانما استأجرھا المستأجر المرقوم لیأخذ ما یخصھا من خراج فھی باطلۃ کما صرح بذٰلك علماؤنا قاطبۃ[1]۔	یہ وہ صورت ہے جبکہ اعیان کو بطور ملکیت ہلاک کرنے پر اجارہ قصداً وارد نہ ہوا، اور اگر ایسا ہو کہ کسی گاؤں کی زمین مزارعین کے پاس ہو توان سے مقررہ محاصل وصول کرنے پر اجارہ کیا کہ مستاجر وصول کرلیا کرے تو یہ باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

وانظر مافی فتاوی الشیخ خیر الدین من الاجارات فقد افتی مرارا ببطلان ھذہ الاجارۃ المسماۃ بالمقاطعۃ والالتزام[2]۔	ہمارے شیخ خیر الدین کے اجارات کی بابت فتاوٰی پر غور کرو انہوں نے بارہا یہ فتوٰی دیا ہے کہ مقاطعہ اور التزام (ذمہ داری اور فیصلہ) کے عنوان سے جو اجارے کئے جاتے ہیں وہ باطل ہیں(ت)

ردالمحتار کتاب السیر میں قبیل فصل جزیہ ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجر ھا لاجل اخذ خراجھا لاللزراعۃ ویسمی ذٰلك التزاما وھو غیر صحیح[3]۔	ہمارے زمانہ میں مستاجر حضرات خراج اور وظیفہ وصول کرنے کے لئے جو اجارہ طے کرتے ہیں وہ مزارعت کیلئے نہیں ہے اس لئے وہ باطل ہیں جس کا نام انہوں نے التزام بنا رکھا ہے(ت)

تو یہ کارروائی قطعاً اجماعاً حرام و باطل واقع ہوئی جس کے مورث نے یہ فعل کیا اس کے وارث پر تو کوئی الزام نہیں آتا، نہ وہ اس وجہ سے قابلیت تولیت سے عاری ہو جبکہ فی نفسہٖ و بر عایت شرائط واقف لائق تولیت ہو،

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوی علامہ التاجی البعلی کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۲۱

[3] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۶۴

محل نظر خود وہ متولی ہیں جو اس حرام کے مرتکب ہوئے یہاں ضرور فقیر ان وقائع کا اظہار کرے جو ۳۴ برس سے آج تک کسی تحریر میں ذکر نہ کئے یہ مسئلہ کہ دیہات کارائج ٹھیکہ حرام قطعی ہے جو کچھ محاصل ہو سب مالک قریہ کا ہے اگر گاؤں مملوک ہو یا وقف کا، اگر موقوف ہو ٹھیکیدار کو اس میں سے ایک حبہ لینا حرام ہے اور جس سال نشست کم ہو تو ٹھیکیدار کو جتنا وصول ہوا اسی قدر مالک یا متولی کو لینا حلال ہے پوری رقم قرار یافتہ لینا حرام ہے مثلاً ہزار روپے سال کو ٹھیکہ تھا اور بارہ سو تحصیل ہوئے تو یہ دو سو ٹھیکے دار کو حرام ہیں مالک یا واقف کا حق ہیں اور آٹھ سو ملے تو مالک و واقف کو اسی قدر حلال، دو سو زیادہ حرام ہیں، باوصف کمال وضاحت اس دارالفتن ہندوستان میں ایسا خفی مسئلہ ہے جس سے یہاں کے اکابر علماء غافل محض، اور خود اس میں اور اس کی تحلیل میں مبتلا ہیں چودھویں صدی کے علماء میں باعتبار حمایت دین ونصرت سنت نیز بلحاظ تفقہ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ تعالٰی کا پایہ اکثر معاصرین سے ارفع تھا ایام ندوہ میں اور اس کے بعد جب فقیر نے سرگرم حامیان دین کے خطاب تجویز کئے ہیں حضرت مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب کو الاسد الاسد الاشد، مولوی قاضی عبدالوحید صاحب فردوسی کو ندوہ شکن ندوی فگن، مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی کو شیر بیشہ سنت رحمہم اللہ تعالٰی، حاجی محمد لعل خان صاحب قادری برکاتی مدراسی سلمہ اللہ تعالٰی کو حامی سنت ماحی بدعت، اسی زمانے میں حضرت فاضل بدایونی قدس سرہ کو تاج الفحول سے تعبیر کیا جو آج تک ان کے اخلاف میں مقول و مقبول ہے اور وہ بیشک باعتبارات مذکورہ اس کے اہل تھے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ رحمۃً واسعۃً، ایسے فاضل جلیل کے پاس ۱۳۰۲ھ میں جب فقیر کا فتوٰی اس ٹھیکے کی حرمت میں گیا جس میں اس وجہ سے کہ فقیر اس وقت اپنے دیہات میں تھا اور سوا خیریہ وردالمحتار کے کوئی کتاب ساتھ نہ لے گیا تھا فقط فتاوٰی خیریہ کی بعض عبارات تھیں، حضرت موصوف نے بعد تامل بسیار اس پر صرف اس مضمون سے تصدیق تحریر فرمائی کہ نظر حاضر میں ان عبارات سے عدم جواز ہی معلوم ہوتا ہے، جب فقیر شہر کو واپس آیا مفصل فتوٰی عبارات کثیرہ کتب عدیدہ پر مشتمل لکھ کر بھیجا، اب حضرت نے پورے وثوق سے تسلیم کیا اور یہ فرما بھیجا کہ اسکے جواز کے حیلہ سے اطلاع دو یہی حال اور علمائے اطراف کا ہے بعد سماع دلائل ووضوح تحریم یہی فرماتے پایا کہ حیلہ جواز نکالو یعنی عادتیں مستحکم ہوگئیں خود بھی ابتلا ہو چکا اور اس میں آرام بھی ہے لہٰذا حیلہ جواز کی تلاش ضرور ہوئی۔ مبارک ہیں وہ بندے کہ حکم پر مطلع ہو کر حق کی طرف رجوع لائیں اور اذانیان زمان کی طرح اپنے اور اپنے آباء واساتذہ کی عادت کو شرع مطہر کے رد کے لئے حجت نہ بنائیں۔ ردالمحتار کتاب الاجارہ میں ہے:

اذا تکلم احد بین الناس بذٰلك یعدون کلامه منکر امن القول وھذہ بلیة قدیمة، فقد ذکر العلامة قنالی زادہ	لوگوں میں جب یہ بات کی جاتی ہے تو اس کی بات کو لوگ غلط قول قرار دیتے ہیں، حالانکہ یہ مصیبت قدیم سے چلی آرہی ہے، چنانچہ علامہ قنالی زادہ نے ذکر کیا ہے

ان المسألة کثیرة الوقوع فی البلد ان واذا طلب رفع اجارتها یتظلم المستأجرون ویزعمون انه ظلم وهم ظالمون، وبعض الصدور والا کابر یعاونونهم ویزعمون ان هذا تحرك فتنة علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ما هی علیه وان شر الامور محدثاتها ولایعلمون ان الشرفی اغضاء العین عن الشرع وان احیاء السنة عند فساد الامة من افضل الجهاد واجزل القرب[1]۔ (ملتقطا)	کہ بہت سے علاقوں میں یہ مسئلہ کثیر الوقوع ہے اور جب ایسے اجارہ کو ختم کرنے کی بات کی جاتی ہے تو مستاجر حضرات اپنے آپ کو مظلوم قرار دیتے ہیں اور اس کارروائی کو ظلم کہتے ہیں حالانکہ وہ خود ظالم ہیں، اور بعض معتبر حضرات اور اکابرین ان کی مدد کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ یہ کارروائی فتنہ کو ہوا دینا ہے حالانکہ صحیح بات یہ ہے کہ امور کو اپنی اصلی حالت پر رکھا جائے اور نئی بدعات کو شر قرار دیا جائے، وہ لوگ نہیں جانتے کہ شرع سے چشم پوشی میں شر ہے اور امت کے فساد کے وقت کسی سنت کو زندہ کرنا بہترین جہاد اور بڑی عبادت ہے۔(ت)

ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے: وهذا اعلم فی ورق[2] (یہ ایک ورق میں عظیم علم ہے۔ت) تحریر العبارۃ للعلامۃ الشامی میں ہے:

فعلم بهذا ان هذه علة قدیمة ولاحول ولاقوة الابالله العلی العظیم[3]۔	تو معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔(ت)

ایسا غامض مسئلہ کہ یہاں کے فحول علماء پر مخفی ہو اور عوام کی دوڑ انہیں تک ہے اگر عوام قبل اطلاع حکم اس میں مبتلا ہوں تو یہ نہ کہنا چاہئے کہ انہوں نے قصداً ارتکاب حرام یا وقف کی بدخواہی کی جس سے قابل تولیت نہ رہیں، واللہ یعلم المفسد من المصلح واللہ غفور رحیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴ تا ۷۵: مرسلہ محمد ابرہیم کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) اگر کسی ہندو نے چند جگہ مسلمان کو فقط نماز جمعہ کے واسطے وقف کردئے کہ تم لوگ اس میں قربانی مت کرنا۔ اگر قربانی کے واسطے اجازت بھی دیوے تو ہندو کی وقف کردہ زمین میں مسجد بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر ہندو کی وقف کردہ زمین میں ۲۰ یا ۲۵ برس تک نماز جمعہ پڑھی، بعد میں معلوم کیا، تو

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰

[3] تحریر العبارۃ فیمن ھو احق بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۵۷

اس مسجد کو دوسری جگہ مسلمان کے لئے جا کر بنا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد کے لئے ہندو کا وقف نا ممکن نامقبول ہے، وہ مسجد نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) وہ مسجد ہی نہیں، مسلمان دوسری جگہ اپنی مسجد بنائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مصارف وقف

(وقف کے مصارف کا بیان)

مسئلہ ۷۶: ازاحمد آباد گجرات محلّہ کالو پور پنچ پولی دھنکوٹ مرسلہ شیخ محمد زین الحق عرف چھٹو میاں ۴ محرم ۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید کے پاس ایک رقم زر نقد وقف یاللہ کسی کارِ خیر کے لئے موجود ہے مثلاً مسجد کی تعمیر وغیرہ مصارف کی یا کسی بزرگ کے روضہ یا مقبرہ یا عرس وغیرہ کی آمدنی اس کے مصارف پورے طور سے ہو کر اضافہ جمع رہتی ہے، یامسجد یامدرسہ یا یتیم خانہ تعمیر کرنے کو وہ چندہ جمع کیا گیا ہے اور اس کا خرچ پورے طور سے تمام ہو کر باقی رقم اضافہ رہی ہے وغیرہ وغیرہ، اس قسم کا پیسہ نقد یاملِک مانند مکان وزمین وغیرہ کے ایک کارِ خیر کے لئے فراہم ہوا ہے یا کیا گیا ہے اس کو دوسرے کارِ خیر میں للہ یعنی مسجد کا چندہ کیا ہوا یااس کی آمدنی میں سے بچتا رہا ہوا مقبرہ یامدرسہ یا یتیم خانہ کے کام میں یا مقبرہ ومدرسہ ویتیم خانہ کا پیسہ مسجد کے کام میں لے سکتے ہیں یا نہیں وہ ازروئے شرع شریف مع حوالہ کتب مذہب اہل سنت وجماعت کے خلاصہ بیان فرماکے اپنی مہرو دستخط فرمادیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وقف جس غرض کے لئے ہے اسکی آمدنی اگرچہ اس کے صرف سے فاضل ہو دوسری غرض میں صرف کرنی حرام ہے وقف مسجد کی آمدنی مدرسہ میں صرف ہونی درکنار دوسری مسجد میں بھی صرف نہیں ہو سکتی، نہ ایک

مدرسہ کی آمدنی مسجد یا دوسرے مدرسہ میں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه، جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الأخر اليه لانهما حينئذ كشيئ واحد وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا او مدرسة ووقف عليهما اوقافا لا يجوزله ذٰلك[1]۔	جب واقف ایک ہو اور جہت وقف بھی ایک ہو اور آمدن کی تقسیم بعض موقوف علیہ حضرات پر کم پڑجائے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ دوسرے فاضل وقف سے ان پر خرچ کردے کیونکہ یہ دونوں وقف ایک جیسے ہیں، اور اگر واقف یا جہت وقف دونوں کی مختلف ہو مثلاً دو حضرات نے علیحدہ علیحدہ مسجد بنائی یا ایک نے مسجد اور دوسرے نے مدرسہ بنایا اور ہر ایک نے ان کے لئے علیحدہ وقف مقرر کئے تو پھر ایک کی آمدن سے دوسرے کے مصارف کے لئے خرچ کرنا جائز نہیں۔ (ت)

چندہ کا جو روپیہ کام ختم ہو کر بچے لازم ہے کہ چندہ دینے والوں کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا وہ جس کام کے لئے اب اجازت دیں اس میں صرف ہو، بے ان کی اجازت کے صرف کرنا حرام ہے، ہاں جب ان کا پتا نہ چل سکے تو اب یہ چاہئے کہ جس طرح کے کام کے لئے چندہ لیا تھا اسی طرح کے دوسرے کام میں اٹھائیں، مثلاً تعمیر مسجد کا چندہ تھا مسجد تعمیر ہوچکی تو باقی بھی کسی مسجد کی تعمیر میں اٹھائیں، غیر کام مثلاً تعمیر مدرسہ میں صرف نہ کریں، اور اگر اس طرح کا دوسرا کام نہ پائیں تو وہ باقی روپیہ فقیروں کو تقسیم کردیں۔ درمختار میں ہے:

ان فضل شيئ رد للمتصدق ان علم والا كفن به مثله والا تصدق به[2]	اگر چندہ سے کچھ بچ جائے تو دینے والا اگر معلوم ہو تو اسے واپس کیا جائے گا ورنہ اس جیسے فقیر کے کفن پر صرف کیا جائے یا صدقہ کردیا جائے (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۷: مسئولہ ظہور حسین ساکن بریلی محلّہ کٹلے نالہ ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک وقف نامہ غیر مستقل آمدنی کا بنام خدائے برتر لکھا اور وقف نامہ مذکور میں نسلاً بعد نسل تولیت کا تذکرہ نسبت ورثاء متولیان کے اور کسی

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] درمختار باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

کمیٹی یا انجمن کا دست انداز نہ ہونا تحریر ہے آمدنی مذکور بہ تعین تعداد واسطے نذر و نیاز و کار خیر جاریہ کی مقرر کردی مگر جائداد موقوفہ کی آمدنی اخراجات معینہ واقف سے زائد ہو تو وہ زائد آمدنی کیا ہوگی اور وقف پر کیا اثر ہوگا اور اس پر وراثت جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وقف پر وراثت جاری نہیں ہوسکتی زائد آمدنی امانۃً جمع رہے گی جیسے زیادت ممکن ہے اور برسوں میں کمی بھی محتمل ہے وہ کمی اس سرمایہ جمع شدہ سے وقتاً فوقتاً پوری کی جائے گی، متولیان وورثہ بحال تولیت اگر صالح تولیت رہے تو بہتر، ورنہ بحال جرم وخیانت وعدم لیاقت ضرور مسلمانوں کو دست اندازی پہنچے گی اور واقفہ کی اس شرط پر کچھ نظر نہ کی جائے گی نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار (درمختار وغیرہ معتمد کتب میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) درمختار جلد ۳ صفحہ ۵۵۴ پر ہے:

فیلزم فلا یجوز له ابطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی ابن الکمال وابن الشحنه[1]۔	تو وہ لازم ہوجائے گا اب اس کا ابطال یا وراثت بنانا جائز نہیں، اسی پر فتوی ہے، ابن کمال وابن شحنہ۔ (ت)

وعلیہ الفتوی کے تحت میں علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ای علی قولهما بلزومه قال فی الفتح والحق ترجح قول عامة العلماء بلزومه لان الاحادیث والاثار متظافرة علی ذلك واستمر عمل الصحابة والتابعین ومن بعدهم علی ذلك فلذا ترجح علی خلاف قوله اھ ملخصا[2]۔	یعنی صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے لزوم والے قول پر فتوی ہے، فتح میں فرمایا حق یہی ہے کہ عام علماء کے لازم ہوجانیوالے قول کو ترجیح ہوگی کیونکہ احادیث وآثار اس پر وارد ہیں، اور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے اس لئے امام صاحب کے قول کے خلاف کو یہاں ترجیح ہے، اھ ملخصًا (ت)

اشباہ والنظائر ص ۱۹۲ میں ہے:

وسئل ابوبکر عن رجل وقف دارا علی مسجد علی ان مافضل من عمارته	ابوبکر سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے مسجد کے نام ایک حویلی وقف کی اور قرار دیا کہ اس حویلی کی

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۸

فهوللفقراء فاجتمعت الغلة والمسجد لايحتاج الى العمارة هل تصرف الى الفقراء قال لاتصرف الى الفقراء وان اجتمعت غلة كثيرة لانه يجوز ان يحدث للمسجد حدث والدار بحال لاتغل [1]۔	آمدن اگر مسجد کے تعمیری اخراجات سے زائد ہوتو فقراء پر خرچ کی جائے گی، اب آمدن جمع ہو گئی اور مسجد کی عمارت کو ضرورت نہیں تو کیا وہ جمع شدہ آمدن فقراء پر صرف کردی جائے، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ فقراء پر خرچ نہیں ہوگی اگرچہ کثیر آمدن جمع ہوچکی ہو کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بعد میں مسجد کی عمارت میں ضرورت پیش آئے اور حویلی کی آمدن باقی نہ رہے۔(ت)

درمختار ص ۵۹۴ میں فرمایا:

وينزع وجوبا ولو كان المتولی غيرمامون او عاجزا او ظهربه فسق وان شرط عدم نزعه وان لاينزعه قاضی ولاسلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل كالوصی [2] اهملخصاومختصرا۔	لازمی علیحدہ کردیا جائے اگر متولی قابل اعتماد نہ ہو یا عاجز ہو یا اس میں فسق واضح ہوجائے اگرچہ واقف نے معزول نہ کرنے کی شرط لگا رکھی ہو اور یہ کہ قاضی اور سلطان بھی معزول نہ کرسکے گا کیونکہ ایسی شرط شرع کے مخالف ہونے کی وجہ سے باطل قرار پائے گی جیسا کہ وصیت کرنیوالے کی ایسی شرائط باطل ہوجاتی ہیں اھ ملخصًا و مختصرًا۔(ت)

مسئلہ ۷۸: از پیلی بھیت مرسلہ مولٰنا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص مسجد میں عرصہ پانچ سال سے واسطے حفاظت مسجد اور کل انتظام مسجد کے مقرر ہے اور مسجد کے وقف مال سے وظیفہ پاتا ہے اگر یہ شخص ایک سال یا کم وبیش کی رخصت لے کر اپنے مکان کو چلا جائے تو اس مدت میں وظیفہ لینے کا مستحق ہے یا نہیں، اگر بعلت بیماری جاوے تو بھی مستحق ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

اصل کلی شرعی یہ ہے کہ اجیر خاص پر حاضر رہنا اور اپنے نفس کو کار مقرر کے لئے سپرد کرنا لازم ہے جس دن غیر حاضر ہوگا اگرچہ مرض سے اگرچہ اور کسی ضرورت سے اس دن کے اجر کا مستحق نہیں مگر معمولی قلیل تعطیل جس قدر اس صیغہ میں معروف ومروج ہو عادۃً معاف رکھی گئی ہے اور یہ امر باختلاف حاجت مختلف ہوتا ہے درس تدریس کی حاجت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

روزانہ نہیں بلکہ طلبہ بلاتعطیل ہمیشہ پڑھے جائیں تو قلب اس محنت کا متحمل نہ ہو لہذا ہفتہ میں ایک دن یعنی جمعہ اور کہیں دو دن منگل جمعہ تعطیل ٹھہری، اور رمضان المبارک میں مطالعہ کرنا سبق پڑھنا یاد کرنا دشوار ہے،

وقد قال سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان القلب اذا اکرہ عمی۔[1]	اور ہمارے آقا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے کہ جبر کی صورت میں دل بینا نہیں رہتا۔(ت)

لہذا اسی صیغہ میں رمضان مبارک کی چھٹی بھی معمول ہوئی، بخلاف خدمتگاری کہ اس کی حاجت روزانہ ہے اگر خدمتگار رمضان مبارک کا عذر کرکے گھر بیٹھ رہے ہر گز ایک حبہ تنخواہ کا مستحق نہیں انتظام وحفاظت مسجد بھی اسی قبیل سے ہے جس کی حاجت روزانہ ہے تو اس میں اتنی رخصت بھی نہیں ہوسکتی جتنی صیغہ تعلیم وتعلم میں ہے ولہذا ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ متولی کو اگر فالج وغیرہ عارض ہو تو جتنے دن اس کے باعث اہتمام مسجد سے معذور رہے گا اجرت نہ پائے گا بلکہ صیغہ تعلیم میں بھی تصریح فرمائی کہ مدرس معمول کے علاوہ غیر حاضری پر تنخواہ کا مستحق نہیں اگرچہ وہ غیر حاضری حج فرض ادا کرنے کے لئے ہو یونہی تصریح فرمائی کہ طالب علم جو وظیفہ پاتا ہو اگرچہ بضرورت حج فرض یا صلہ رحم اسے سفر کی اجازت ہے یا شہر کے آس پاس دیہات میں کہ مدت سفر سے کم ہوں بضرورت طلب معاش دو ہفتہ یا زیادہ انتہا تین مہینے تک غیر حاضری کی رخصت ہے مگر اس رخصت کے یہ معنی کہ ان ضرورتوں کے سبب اتنی غیر حاضری کے باعث اس کا نام نہ کاٹا جائیگا معزول نہ کیا جائیگا نہ کہ ایام سفر یا دو ہفتہ خواہ زیادہ کی غیر حاضری بلا سفر پر وظیفہ بھی پائے وظیفہ ان سب صورتوں میں اصلاً نہ مل سکے گا اور اگر تین مہینے سے زیادہ غیر حاضر رہا اگرچہ حوالی شہر میں اگرچہ بضرورت وناچاری معزول بھی کردیا جائے گا جب صیغہ تعلیم میں یہ احکام ہیں تو صیغہ خدمت وحفاظت واہتمام وانتظام مسجد میں کسی غیر حاضری کی تنخواہ کیونکر پاسکتا ہے، ہاں غایت درجہ حرج مرض کو سال میں ایک ہفتہ کی اجازت ہوسکتی ہے یا زیادہ چاہے تو اپنا عوض یعنی نائب دے جائے بغیر اس کے نہ غیر حاضری کی اجازت نہ مہتمان وقف کو روا کہ اسے ایسی طویل رخصت دیں اگر دی تو تنخواہ حلال نہیں نہ اسے لینا جائز، نہ ان کو دینے کا اختیار اگر دیں گے تو یہ خود مال وقف میں خائن ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بھی معزول کئے جائیں گے، اس بیان سے جواب سوال واضح ہوگیا، اب مطالب مذکورہ پر علماء سنئے، درمختار میں ہے:

نظم ابن الشحنۃ الغیبۃ المسقطۃ للمعلوم المقتضیۃ للعزل ومنہ۔[2] ومالیس بدمنہ ان لم یزد علی ثلاث شہور فھو یعفی ویغفر	ابن شحنہ نے اپنی نظم میں مقررہ وظیفہ کو ساقط اور استحقاق معزولیت والی غیر حاضری کو بیان فرمایا ہے، ضروری عذر کی وجہ سے غیر حاضری اگر تین ماہ سے زائد نہ ہو تو معاف ہوگی، اور علماء کا اتفاق ہے کہ گزشتہ

[1]

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

وقد اطبقوا لایاخذ السهم مطلقًا لماقد مضی و الحکم فی الشرع یسفر قلت وهذاکله فی سکان المدرسة وفی غیر فرض الحج وصلة الرحم، امافیهما فلایستحق العزل والمعلوم کما فی شرح الوهبانیة للشرنبلالی[1]۔	غیر حاضری کا وظیفہ مطلقًا نہ لے گا اور شرع میں حکم واضح ہے۔ میں کہتا ہوں یہ تمام بیان مدرسہ کے رہائشیوں کے لئے ہے اور فرض حج اور صلہ رحمی کے عذر کے علاوہ کے لئے ہے اگر دو مذکور عذر ہوں معزولی اور وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا جیسا کہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله نظم ابن الشحنة، حاصل مافی شرحه تبعا للبزازیة انه لایسقط معلومه ولایعزل اذاکان فی المصر مشتغلا بعلم شرعی اوخرج لغیر سفر واقام دون خمسة عشر یوما بلا عذر علی احد قولین (ای والقول الاخر انه یسقط معلومه اذا خرج لرستاق بلاعذر ولواقل من اسبوعین) او خمسة عشرفاکثر لعذر شرعی کطلب المعاش ولم یزد علی ثلثة اشهر وانه یسقط ولایعزل لوسافر لحج ونحوه اوخرج للرستاق لغیرعذر مالم یزد علی ثلثة اشهر وانه یسقط ویعزل لوخرج واقام اکثر من ثلثة اشهر ولو لعذر قال الخیر الرملی وکل هذااذا لم ینصب نائبا عنه والا	قولہ ابن شحنہ کی نظم، اس کی شرح کا ماحاصل یہ ہے جو بزازیہ کی اتباع میں بیان کیا کہ اگر غیر حاضر ہونے والا شہر میں ہی شرعی علم یا حد سفر سے کم مسافت کے لئے شہر سے باہر گیا اور بلاعذر پندرہ دن سے زیادہ باہر قیام کیا تو ایک قول کے مطابق معزول نہ کیا جائے گا اور نہ ہی مقررہ وظیفہ ساقط ہوگا یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ جب وہ بلاعذر شہر سے متعلقہ سراؤں میں پندرہ دن سے کم غائب رہا ہو، یا کسی شرعی عذر کی بناء پر مثلًا طلبِ معاش کے لئے پندرہ دن سے زائد اور تین ماہ سے کم غائب رہا ہو، تو وظیفہ ساقط ہوگا اور معزول نہ ہوگا یونہی اگر فرض حج کیلئے سفر پر رہا ہو یا بغیر عذر تین ماہ سے زائد شہری سراؤں میں غائب رہا ہو، اور اگر شہر سے باہر تین ماہ سے زائد اگرچہ عذر کی بناء پر غائب ہو کر وہاں مقیم رہا ہو تو وظیفہ ساقط اور معزول بھی ہوگا، اور خیر رملی نے فرمایا یہ تمام صورتیں تب ہوں گی جب وہ اپنا نائب مقرر نہ کرگیا ہو ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

فلیس لغیرہ اخذ وظیفتہ اھ وفی القنیۃ من باب الامامۃ امام یترك الامامۃ لزیادۃ اقربائہ فی الرساتیق اسبوعا او نحوہ او لمصیبۃ او لاستراحۃ لاباس بہ ومثلہ عفو فی العادۃ والشرع، وقد ذکر فی الاشباہ عبارۃ القنیۃ ھذہ وحملھا علی انہ یسامح اسبوعا والاظھر مافی اٰخر شرح منیۃ المصلی للحلبی ان الظاہر ان المراد فی کل سنۃ ذکر الخصاف انہ لو اصاب القیم فالج او نحوہ فان امکنہ الکلام والاخذ والاعطاء فلہ اخذ الاجر، والّا فلاقال الطرطوسی ومقتضاہ ان المدرس ونحوہ اذا اصابہ عذر من مرض او حج بحیث لایمکنہ المباشرۃ لایستحق المعلوم لانہ ادار الحکم فی المعلوم علی نفس المباشرۃ فان وجدت استحق المعلوم والافلاوھذا ھو الفقہ اھ، ولاینافی مامر من المسامحۃ باسبوع ونحوہ لان القلیل مغتفر کماسومح بالبطالۃ المعتادۃ[1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا وظیفہ کوئی دوسرا وصول نہیں کرسکتا اھ، اور قنیہ کے امامت کے باب میں ہے کہ اگر امام نے ہفتہ بھر امامت کا ترک سراؤں میں رہائش پذیر اپنے اقرباء کی زیارت یا کسی مصیبت کی بناء پر یا آرام کرنے کے لئے کیا تو کوئی حرج نہیں شرعًا اور عادۃً یہ معاف ہے، اور اشباہ میں قنیہ کی مذکورہ عبارت ذکر کرکے فرمایا کہ ہفتہ کی مقدار میں چشم پوشی سے کام لیا جائے، اور زیادہ ظاہر وہ قول ہے جو منیۃ المصلی کی شرح حلبی کے آخر میں مذکور ہے کہ ہفتہ بھر پورے ایک سال میں مراد ہے، خصاف نے ذکر فرمایا کہ اگر منتظم کو فالج یا کوئی مرض لاحق ہوگیا تو اس میں گفتگو اور لین دین کرنا ممکن ہو تو وہ اپنے اجر کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں، اس پر طرطوسی نے فرمایا کہ اس عبارت کا تقاضا یہ ہے کہ مدرس وغیرہ کو جب کوئی عذر مثلاً مرض یا فرض حج پیش آئے جس کی وجہ سے وہ فرض منصبی ادا نہ کرسکے تو مقررہ وظیفہ کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ معاملہ فرض منصبی کی ادائیگی پر طے ہوا ہے اگر یہ پایا گیا تو وظیفہ کا استحقاق ہوگا ورنہ نہیں، فقہ یہی ہے اھ، یہ بیان ہفتہ تک کی چشم پوشی کے مذکور حکم کے منافی نہیں ہے کیونکہ قلیل معاف ہوتا ہے جیسا کہ عادت میں مقررہ تعطیلات میں چشم پوشی ہوتی ہے اھ ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۷ـ۸

مسئلہ ۷۹: از سورت عید روس منزل خانقاہ عید روسیہ مرسلہ حضرت سید علی بن زین بن حسن عید روس سجادہ نشین خانقاہ مذکور ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین حسب ذیل مسئلہ میں کہ زید محض اس خیال سے کہ متولیان وقف کا مال غفلت وبے پرواہی سے خرد برد کرجاتے ہیں گورنمنٹ کے سامنے بغیر مشورہ قرآن وحدیث کے اپنی ذاتی رائے پیش کرتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ کرائے جائیں اور حساب کی جانچ پڑتال کی جائے حالانکہ گورنمنٹ نے ایڈووکیٹ جنرل کو اوقاف کے لئے محض اس غرض کے واسطے مقرر کیا ہوا ہے کہ اگر متولی کے متعلق کسی شخص کو اس قسم کی کوئی خرابی معلوم ہو تو وہ ایڈووکیٹ جنرل کو اس کی اطلاع دے کر اس کی منظوری سے متولی پر دعوی کرسکتا ہے باوجود اس قاعدہ کے وہ یہ چاہتا ہے کہ اوقاف رجسٹرڈ ہوں اور محکمہ کے کثیر اخراجات مثل رجسٹرڈ کرانے کی فیس اور کلرکوں وغیرہ کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ جس قدر اخراجات ہوں وہ تمام اوقاف سے دئے جائیں حالانکہ واقف کی ان کے لئے وصیت نہیں کیا زید کا یہ بل ازروئے شریعت حقہ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

زید کا وہ بل محض جائز و باطل ہے، وہ نئے خرچ کہ زید نے بے حکم شرع وبے شرط واقف اپنے دل سے ایجاد کرکے کسی وقف پر ڈلوانے چاہے ہرگز وقف پر نہ پڑیں گے، نہ کوئی وقف ان کا ذمہ دار ہوگا، زید تو زید حاکم وقاضی کو بھی وقف میں ایسے ایجاد کا شرعًا اختیار نہیں۔ عقود الدریہ مطبع مصر جلد اول صفحہ ۱۹۲:

اذا ثبت الاحداث لایعمل بتقریرہ لان القاضی لیس لہ الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرۃ والولوالجیۃ وغیرہما بان القاضی اذا قرر فراشًا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلک ولم یحل للفراش تناول المعلوم[1]۔	جب وقف میں نئے مصارف ثابت کئے جائیں تو ان کی تقرری پر عمل نہ کیا جائے گا کیونکہ قاضی کو شرعی جواز کے بغیر نئے امور نافذ کرنے کا اختیار نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے، ذخیرہ، ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے فرش کی صفائی کرنے والا مقرر کردیا تو قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے اور اس مقرر شدہ کو بھی مقررہ وظیفہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضًا ص ۱۸۸ (ص ۱۸۸ پر بھی ہے۔ت):

واخذ القاضی واعوانہ المال کاخذ	قاضی اور اس کے عملہ کا وقف مال کولینا ایسا ہی ہے

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

اللصوص۔[1]	جیسے چوروں کا لینا ہے۔(ت)

بحرالرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۶۰:

فی البزازیہ المتولی لو امیا فاستاجر الکاتب لحسابہ لایجوزلہ اعطاء الاجرۃ من مال الوقف[2]۔	بزازیہ میں ہے کہ متولی اگر تعلیم والا نہ ہو اور حسابات کیلئے وہ کسی کو اجرت پر رکھ لے تو متولی کو اس کی اجرت وقف مال سے دینا جائز نہیں ہے۔(ت)

ایضًا ص ۲۴۵:

فان قلت فی تقریر الفراش مصلحۃ قلت یمکن خدمۃ المسجد بدون تقریرہ بان یستأجر المتولی فراشالہ والممنوع تقریرہ فی وظیفۃ تکون حقالہ ولذاصرح قاضیخان بان للمتولی ان یستأجر خادما للمسجد باجرۃ المثل واستفید منہ عدم صحۃ تقریر القاضی فی بقیۃ الوظائف بغیر شرط الواقف کشہادۃ ومباشرۃ وطلب بالاولی وحرمۃ المرتبات بالاوقاف بالاولی[3]۔	اگر تیرا سوال ہو کہ مسجد کے لئے صفائی والے میں وقف کی اصلاح ہے تو میں کہوں گا کہ مسجد کی خدمت مستقل تقرری کے بغیر بھی ممکن ہے کہ متولی اجرت پر کسی سے کرالے، مستقل وظیفہ پر تقرری ممنوع ہے، اور اسی لئے قاضی خاں نے تصریح کی ہے کہ متولی مسجد کیلئے مروجہ اجرت پر کسی خادم سے کام لے سکتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ قاضی وقف کے بقایا وظائف میں مستقل تقرری واقف کی شرط کے بغیر نہیں کرسکتا، مثلًا شہادت اور اس کی ادائیگی اور اس کا طلب کرنا بطریق اولی اور اوقاف کے حسابات کو مرتب کرنا بطریق اولیٰ (مستقل تقرری ممنوع ہوگی۔(ت)

ایضًا ص ۲۶۳:

فقد علمت ان مشروعیۃ المحاسبات للنظار انما ھی لیعرف القاضی الخائن من الامین لا لاخذ شیئ من النظار للقاضی واتباعہ والواقع بالقاہرۃ فی زماننا الثانی وقد شاھدنا	تو معلوم کرچکا کہ نگران حضرات سے حساب یہ صرف اس لئے مشروع ہے کہ قاضی کو معلوم ہوسکے کہ کون خائن ہے یا امین ہے، اس لئے نہیں کہ قاضی اور اس کے عملہ کے لئے نگرانوں سے کچھ وصولی کی جائے جبکہ

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۵

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۱

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۷

فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا بحیث تقدم کلفة المحاسبة علی العمارة والمستحقین وکل ذٰلك من علامات الساعة[1]۔	قاہرہ میں اس وقت دوسری صورت مروج ہے وار اس سلسلہ میں ہم نے اوقاف میں بہت سے فسادات کا مشاہدہ کیا ہے جہاں پر محاسبہ کے اخراجات کو اوقاف کی عمارت اور اس کے مستحقین پر تقدم حاصل ہوتا ہے جبکہ یہ تمام امور علامات قیامت سے ہیں (ت)

پھر زمانے کے حالت صدہا سال دگرگوں ہورہی ہے، دیانت امانت اور روپے کے معاملے میں حرام وحلال کی پروا نادر رہ گئی ہے، ابھی اسی عبارت بحرالرائق میں سن چکے کہ وہ اپنے زمانہ میں جسے چار سو برس ہونے آئے قاہرہ کے اوقاف کا کیاحال بتاتے ہیں کہ اہلکاروں کے حساب فہمیوں ہی نے وقف کے وقف تباہ کردئے ابھی تو متولی تنہا ہے اور اسے حساب کا خوف لگا ہے اور ہر مسلمان کو اس کی شکایت کا حق پہنچتا ہے اور تغلب کرے تو اس کے ہاتھ میں اپنی برات کی کوئی دستاویز نہیں، اور جب اوقاف رجسٹرڈ کرائے گئے اور حساب فہمی پر اہلکار مقرر ہوئے اور حساب رجسٹروں پر چڑھائے گئے متولیوں کو شکایت و مطالبہ سے تو اطمینان ہوگیا کہ ان کا جمع خرچ پاس ہولیا مگر ان میں جو خائن ہیں ان کا خیانت سے باز آنا معلوم، بلکہ وہ اپنی اغراض فاسدہ کیلئے حساب فہموں کو بھی راضی کرنا چاہیں گے اور انہیں بہت ایسے مل بھی سکیں گے اس وقت وقف میں ایک کی جگہ دس حصے ہونے کا اندیشہ ہے اور اس کا صاف وہی نتیجہ ہے جو بحر میں فرمایا کہ **شاھدنا فیھا من الفساد للاوقاف کثیرا**[2] (ہم نے قاہرہ میں اوقاف کا کثیر فساد دیکھا ہے۔ت) اور ان کا وہ اعتراض تو ضرور لازم ہے کہ وہ خلاف شرع فیسیں قاہرہ میں خواہی نخواہی لی گئیں، وقف کی عمارت اور اس کے مستحقوں کا حق پورا ہو یا نہ ہو، **نسأل الله العفو والعافیة ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم، والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۰: از سہسوان مسئولہ مولوی فضل احمد بدایونی　۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

اگر جائداد موقوفہ سے رجوع شرعًا ناجائز ہو تو ایسے میں توسیع خرچ کی کرسکتا ہے مثلًا پندرہ روپے ماہوار یا دس روپے ماہوار متولی کو ملتا ہے بوجہ تنگی عیال اطفال گزر مشکل ہے، نوکری چاکری کی قوت یا ہمت نہیں اور کام آپ ہی کرتا ہے اگر اپنے خرچ توسیع کرے جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۳

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ" [1]	جو حاجتمند ہے وہ موافق دستور کھائے۔

اور فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" [2]	خداخوب جانتا ہے کون بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔

اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رب متخوض فیما شاءت نفسه من مال الله ورسوله لیس له یوم القیٰمة الا النار [3]۔رواه احمد والترمذی وقال حسن صحیح عن خولة بنت قیس والبیهقی فی الشعب عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهم۔	بہت وہ کہ اللہ و رسول کے مال میں اپنی خواہش نفس کے مطابق دھنستے ہیں ان کے لئے قیامت میں نہیں مگر آگ (اس کو احمد نے اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کو خولہ بنت قیس سے صحیح اور حسن قرار دیا ہے اور بیہقی نے اس کو اپنی شعب میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لوکان لابن اٰدم واد من ذهب لابتغی الیه ثانیا ولوکان له وادیان لابتغی الیهما ثالثا ولا یملأ جوف ابن اٰدم الا التراب ویتوب الله علی من تاب [4]۔رواه	اگر ابن آدم کے لئے ایک جنگل بھر سونا ہو تو دوسرا جنگل اور مانگے اور دو جنگل ہوں تو تیسرا اور چاہے، اور ابن آدم کا پیٹ نہیں بھرتی مگر خاک اور تائب کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے (اس کو

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[3] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء ان الغنی غنی النفس امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۰

[4] الترغیب والترھیب بحوالہ البزاز الترغیب فی الاقتصاد حدیث ۳۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۴۲، صحیح البخاری باب مایتقی من فتنة المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۳، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی واقد اللیثی دارالفکر بیروت ۵/ ۲۱۹

احمد والشیخان عن ابن عباس والترمذی عن انس والبخاری عن ابن الزبیر وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ و احمد عن ابی واقد والبخاری فی التاریخ والبزار عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	شیخین نے ابن عباس اور ترمذی نے انس سے اور بخاری نے ابن زبیر سے اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ سے اور احمد نے ابو واقد سے اور بخاری نے تاریخ میں اور بزار نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

وقف سے رجوع ناممکن، پھر جو ماہوار مقرر ہوا اگر اس کے صدق سعی وحسن خدمت کے لحاظ سے بقدر اجر مثل کے نہیں تو ضرور اجر مثل کی تکمیل کردی جائے گی، اور اگر واقعی اجر مثل بھی اسکے واجبی صرف کو کفایت نہ کرے تو وقف کی فاضلات سے تاحد کفایت ماہوار میں اضافہ بھی ممکن، مگر نہ یوں کہ بطور خود کہ خود ہی مدعی اور خود ہی حاکم ہونا ٹھیک نہیں، بلکہ وہاں کے افقہ اہل بلد عالم سنی دیندار کی طرف رجوع کرے یا متعدد معزز متدین ذی رائے مسلمانان شہر کے سپرد کردے وہ بعد تحقیقات کامل اجر مثل تک حکم دیں یا بشرط صدق حاجت وعدم کفایت تاقدر کفایت اضافہ کریں، اس تقدیر پر ان کو یہ بھی ملحوظ رہے کہ جب واقف خود ہی متولی ہوا اور خود ہی وقت وقف یہ ماہوار تجویز کیا تو اب کون سی بات حادث ہوئی کہ وہ ماہوار ناکافی ہوگیا،

ردالمحتار میں ہے:

الناظر بشرط الواقف فلہ ماعینہ لہ الواقف ولو اکثر من اجر المثل کمافی البحر ولوعین لہ اقل فللقاضی ان یکمل لہ اجر المثل بطلبہ کما بحثہ فی انفع الوسائل، ویأتی قریبا مایؤیدہ، وھذا مقید لقولہ الاٰتی لیس للمتولی اخذ زیادۃ علی ماقررلہ الواقف اصلا[1]۔	نگران کو واقف کی شرط کے مطابق مقررہ وظیفہ ملے گا اگرچہ یہ مروج سے زائد ہو، اور اگر واقف کا مقرر کردہ مروج سے کم ہو تو اس کے مطالبہ پر مروج تک مکمل کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اس کو انفع الوسائل نے بحث کے طور پر ذکر کیا ہے، اور اس کی مزید تائید عنقریب آئے گی اور یہ اس کے آئندہ قول کے "متولی کو مقررہ پر زیادتی کا ہرگز اختیار نہیں ہے" سے مقید ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تجوز الزیادۃ من القاضی علی معلوم	جب امام کے لئے مقررہ وظیفہ کفایت نہ کرے تو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۷

الامام اذاکان لایکفیه[1]۔	قاضی کو زائد کرنے کا اختیار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر انه یلحق به کل من فی قطعه ضرر اذا کان المعین لایکفیه کالناظر والمؤذن ومدرس المدرسة والبواب ونحوھم اذا لم یعملوا بدون الزیادة، یؤیدہ مافی البزازیة اذا کان الامام والمؤذن لایستقرلقلة المرسوم للحاکم الدین ان یصرف الیه من فاضل وقف المصالح والعمارة باستصواب اھل الصلاح من اھل المحلة لو اتحد الواقف والجهة[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہے کہ جس کو معزول کرنے میں نقصان ہو کہ مقررہ اس کو کفایت نہ کرتا ہو تو اس کے معاملہ کو بھی اس سے لاحق کیا جائے گا، مثلاً نگران، مؤذن، مدرس، چوکیدار وغیرہ حضرات جب یہ لوگ وظیفہ زائد کئے بغیر کام نہ کریں، اس کی تائید بزازیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے کہ جب امام اور مؤذن وظیفہ کی قلّت کی وجہ سے استقرار نہ کریں تو حاکم دین کو محلّہ کے اہل لوگوں کے مشورہ سے وقف کے مصالح اور عمارت سے فاضل آمدنی میں سے ان کے لئے صرف کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ فاضل آمدنی والے اوقاف کا واقف اور ان کی جہت ایک ہو۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۸۱: از رام پور محلّہ چاہ شور، محمود الظفر خان عرف چھمن خان ۹ربیع الثانی ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد بایں الفاظ وقف کی کہ تاحیات اپنی آمدنی جائداد موقوفہ کی اپنے مصارف میں لاتا رہوں، بعد میرے اولاد اپنی ضروریات میں صرف کرتی رہے، جب میرے اولاد میں سے کوئی شخص باقی نہ رہے تو علمائے صالحین محل مشروع میں صرف کرتے رہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ عمرو دائن زید مدیون کی اس آمدنی پر جو تاحیات اس کو جائداد موقوفہ سے اپنے مصارف میں لارہا ہے اجرائے ڈگری چاہتا ہے تو وہ شرعاً کراسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہاں جائداد پر نہیں کرسکتا آمدنی جو زید کو ملتی ہے اس پر کرسکتا ہے کہ جائداد وقف ہے اور آمدنی زید کی ملک۔ ردالمحتار میں ہے:

الموقوف علیه یملك المنافع بلابدل[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ حضرات وقف کے منافع کے بلا عوض مالک ہوں گے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۸

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۹

مسئلہ ۸۳: از ضلع سیتاپور، لاہرپور مدرسہ اسلامیہ مسئولہ ابو محمد یوسف متعلّم مدرسہ اسلامیہ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ
والا جناب مستطاب اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ لازال شموس افضالکم تسلیم مسنون کریم مشحون معظم مقرون گزارش ہے بصدور والا نامہ فیض شمامہ عزت افزائی ہوئی، جواب استفتاء بیحد تسکین بخش صادر ہوگیا، اللہ تعالٰی جناب والا کی بزرگ ذات کو ہمیشہ سلامت رکھے اور اس فیض عام سے مسلمانان عالم کو فیضیاب فرماتا رہے آمین بجرمۃ النبی والہ الامجاد، جناب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم مغفور کی خبر رحلت دریافت ہو کر بہت رنج ہوا، صرف ایک بات اور دریافت طلب ہے جو گزارش کی جاتی ہے از راہ شفقت بزرگانہ اسکے جواب سے بھی مطلع کیا جاؤں، بجواب استفتاء مزامیر پر صرف ناجائز فرمایا بہت درست وبجا ارشاد ہے عین حکم شریعت ہے صرف اس قدر عرض ہے کہ صرف کسی قوال سے کوئی قصیدہ یا غزل نعتیہ یا توحید وغیرہ یا سلام وغیرہ سن کر عین حالت سماع میں یا بوقت رخصت حسب شدائد قوانین سابق اوقات او قاف سے بطور زاد راہ قلیل یا کثیر دینا جائز ہے یا نہیں؟ جیسا کہ مشائخ علیہم الرحمۃ کی مجالس عرس میں بزرگوں کا دستور رہے، درانحالیکہ وہ مزامیر سے خالی ہوں اور اس پر حضور انور حیات رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فعل سے سند لینا جو حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے کہ حضور نے حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قصیدہ سن کر ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی ٹھیک ہے یا نہیں؟ امیدوار ہوں کہ اسی عریضہ پر یہ جواب بھی مرحمت ہوجائے، عین ذرہ نوازی ہوگی فقط۔

الجواب:

قوال اگر نہ امرد ہو نہ عورت، اور اشعار صحیحہ حمد ونعت ومنقبت بلامزامیر خوش الحانی سے پڑھے یا خاص مجمع صالحین میں ان کے ساتھ تغنی کرے بالجملہ نہ کسی فتنہ پر فی الحال اشتمال نہ آئندہ اس کا صحیح احتمال، تو صحیح یہ ہے کہ بلاشبہ جائز ہے اور اس پر لینا دینا بھی روا اور واقعہ کعب بن زہیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے قصیدہ نعتیہ استماع فرما کر ردائے مبارک عطا فرمائی اس پر استناد صحیح ہے، اور جبکہ شدائد قدیم میں اس صورت جائزہ پر دینا چلا آیا ہے تو اب بھی دیا جائے گا بلکہ وہ صادرین ووار دین میں داخل ہے، اور قلیل وکثیر بھی معہود قدیم پر دائر رہے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۳ تا ۸۷: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے احاطہ میں ایک دفتر خانہ ہے اور جس کے انتظام کے متعلق گیارہ اشخاص کو کنی جماعت المسلمین بمبئی کی جانب سے مشاور مقرر ہیں

ان میں سے اکثرین کی رائے سے یہ قرار داد طے ہوئی ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں ٹیلیفون لیا جائے باوجودیکہ نہ مسجد کے ساتھ کوئی تجارتی تعلقات ہیں اور نہ کوئی دوسرے اسباب ٹیلیفون کے، بلکہ اس سے فقط تضییع مال وقف ہے، پس ایسے ٹیلیفون کا لینا مال وقف سے شرعًا درست ہے یا نہیں؟

دوسرا اسی کے ساتھ یہ قرار داد بھی طے ہوئی کہ دفتر خانہ مذکور میں جہاں مجلس منتظمہ مشاورین منعقد ہوتی ہے وہاں ایک برقی پنکھا اپنے آرام و تعیش کے واسطے لیا جائے، آیا ایسا خرچ مال وقف میں سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ دفتر خانہ مذکور میں باوجودیکہ گیاس کی روشنی موجود ہے اس کو رد کرکے اس کی جگہ برقی روشنی کے خرچ کا مال وقف کو زیر بار کرنا شرعا کیا حکم رکھتا ہے؟ اطلاعا یہ بھی گزارش ہے کہ مجلس منتظمہ کے اجلاس علی الدوام زمانہ قدیم سے دن کے وقت طے ہوتے ہیں اور اگر احیانًا رات کو ضرورت پڑی تو گیاس کی روشنی موجود ہے۔ برقی روشنی کی بالکل ضرورت نہیں۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ ایسے مشاورین جو مال وقف سے ایسے فضول اور اسراف بیجا کریں ان کے متعلق شریعت غرا کا کیا حکم ہے؟

پس ان مسائل مذکورہ کے جوابات کتب شرعیہ سے مدلل بیان فرمائیں جزاکم اللہ خیرا، بینوا توجروا۔

پانچواں سوال یہ ہے کہ مانعین متولیوں سے ایک نے کہا کہ اس باب میں یعنی مال اوقاف سے ان کاموں میں صرف کرنے سے علماء سے رائے لینا شرعًا ضرور ہے، پس متولیان مجوزین سے ایک نے کہا کہ یہاں شریعت کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور دوسرے نے کہا میں تو عالموں کے منہ میں پیشاب کرتا ہوں، اس وقت اس سے کہا گیا کہ یہ کیا کلمہ کہتا ہے، خدا سے ڈر۔ تو اس نے کہا کہ خدا تو اوپر ہے اور ہم زمین پر، اگر خدا یہاں آئے تو ہم اس کو درست کردیں گے۔ پس ایسے کلمات ناشائستہ کہنے والوں کا شرعًا کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل مع سندہائے کتب شرعیہ بیان فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ نئی بدعتیں کہ مشاورین وقف میں حادث کیا چاہتے ہیں ٹیلیفون اور برقی پنکھا اور برقی روشنی مال وقف پر بار ڈالنا محض حرام ہے، فتح القدیر میں ہے:

امرنا بابقاء الوقف علی ماکان[1]۔	ہمیں حکم ہے کہ وقف کو گزشتہ حال پر قائم رکھیں۔(ت)

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

یہ وہاں فرمایا ہے کہ جہاں منافع وقف کے لئے مصارف مشروطہ پر زیادت کی جائے نہ کہ بے حاجت نہ کہ اپنا تعیش و ترفع یہ حرام در حرام ہے، مال وقف حکم مال یتیم میں ہے اور رب عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا" [1]	جو لوگ یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں۔ (ت)

یہ اسراف ہے اور اللہ مسرفوں کو دوست نہیں رکھتا "اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾" [2] (اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ت) اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾" [3]	بیشک مال بیجا اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔

یہ ان کو فرمایا جو اپنا مال بیجا اڑائیں نہ کہ وقف کا۔ ایسے مشاوروں کو معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مأمون [4]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو دوسرے اگر قابل اعتماد نہ ہوں تو وہ بطریق اولٰی معزول ہوں گے۔ (ت)

یعنی اگر خود واقف کی طرف سے مال وقف پر کوئی اندیشہ ہو تو واجب ہے کہ اسے بھی نکال دیا جائے اور وقف اس کے ہاتھ سے لے لیا جائے تو غیر واقف بدرجہ اولٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ایسے اقوال ملعونہ بکنے والا کافر مرتد ہے اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، مسلمانوں پر اس سے میل جول حرام ہے، وقف مسلماناں میں اسے دخل دینا حرام ہے، اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، اس کا جنازہ اٹھانا حرام ہے، جنازہ کے ساتھ جانا حرام ہے، اسے مقابر مسلمین میں دفن کرنا حرام ہے، اسکی قبر پر کھڑا ہونا حرام ہے، اسے کسی قسم کا ایصال ثواب کرنا کفر ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ" [5]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے فوت ہونیوالے پر نماز جنازہ ہرگز نہ پڑھو اور نہ آپ ان کی قبر پر قیام فرمائیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷

[4] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[5] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

جو اسے اب بھی مسلمان جانے یا اس کے کافر مرتد ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس کے لئے بھی یہی احکام ہیں۔
شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ وبحرالرائق ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر [1]۔ نسأل الله العفو و العافیة ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔ "رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸" [2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے تو وہ کافر ہے (ت) ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور درگزر کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ (ت) اے ہمارے رب! ہدایت فرمانے کے بعد ہمارے دلوں کو نہ پھیر اور اپنے فضل سے ہمیں رحمت عطا کر، بیشک تو بہت عطا کرنے والا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۸تا۹۱: مرسلہ حکیم محمد حیات خاں صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر اوقاف بشمول مسجد جامع وغیرہ آگرہ میں ایک انجمن کے ماتحت وزیر نگرانی ہیں جس کے پانچ ممبر ہیں منجملہ ان پانچوں کے ایک ممبر صاحب انجمن ہلال احمر آگرہ کے بھی سکریٹری ہوگئے ہیں، تھوڑا عرصہ ہوا کہ کچھ ترک قسطنطنیہ سے بغرض اظہار شکریہ مسلمانان آگرہ میں تشریف لائے اور بایماء ان ممبر صاحب کے جو ہلال احمر کے سکریٹری ہیں بلا دریافت دیگر ممبران کمیٹی ایک جلسہ مسجد جامع آگرہ میں منعقد ہوا اس جلسہ کے متعلق جملہ انتظامات ممبر صاحب موصوف نے ملازمان مسجد سے کرائے اور جو کچھ روشنی میں خرچ ہوا وہ انجمن اوقاف متذکرہ صدر سے دلوایا اور یہ کہا کہ چونکہ مسجد جامع مسلمان آگرہ کی ہے اور یہ جلسہ مسلمانان آگرہ کا تھا اگر مسجد میں روشنی زائد نہ ہوتی تو باعث بدنامی مسلمانان تھا اس کارروائی پر دو ممبر معترض ہوئے تو ایک چوتھے ممبر صاحب نے وہ جو روشنی میں خرچ کی گئی تھی اپنے پاس سے ادا کردی اور یہ کہا کہ میں رفع نزاع کئے دیتا ہوں پس امورات قابل استفسار یہ ہیں:

(۱) آیا اول ممبر صاحب کا یہ فعل کہ ملازمان وقف سے انجمن ہلال احمر کا کام لیں درست تھا؟

(۲) آیا ایسے ملازم جو ذی استعداد علم دین سے بہرور کہے جاتے ہیں اور انہوں نے خود نیز اپنے ماتحت ملازموں سے بلا ایماء انجمن اوقاف متذکرہ بالا کرائے ان ملازموں کا یہ فعل جائز تھا؟

---

[1] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸

(۳) جو صرفہ آمدنی وقف سے روشنی کا دلوایا گیا وہ جائز تھا؟

(۴) اگر دیگر ممبر نے اس خرچہ کو ادا کردیا تو آمدنی وقف میں شامل کرلئے جانے میں کوئی امر مانع شریعت تو نہیں ہے؟

الجواب:

شرائط اوقاف پر نظر کی جائے اگر معاملہ مذکورہ ان کے تحت میں داخل ہوتا ہو تو حرج نہیں ورنہ اس ممبر کو ایسا کرنا جائز نہ تھا، کام کرنیوالوں نے اگر کار اوقاف کا حرج کرکے کام کیا تو وہ بھی گنہگار ہوئے، ممبر جس نے معاوضہ دے دیا اپنی حسن نیت پر اجر پائے گا اور اس معاوضہ کو قبول کرلینا جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۲: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

اکثر سجادہ نشینان و متولیان و مینیجران و ممبران وملازمان وقف آمدنی ہائے جائداد وقف کو اپنی ہی ملک اور اس کی زیادہ تر آمدنی کو بھی اپنے ہی مصارف میں صرف کرنا درست وحق سمجھتے ہیں درانحالیکہ وقف جائداد منقولہ وغیر منقولہ کی آمدنی کا زیادہ تر حصہ مذہبی ثواب کے کاموں میں صرف ہونا چاہئے جیسا کہ کلکتہ، مدراس، بمبئی، الہ آباد کی کونسلوں میں بھی تسلیم کیا ہے، پس ان کا ایسا سمجھنا و کرنا برخلاف شرع کرنا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مذکورین کے لئے کوئی وعید بھی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو عوام مسلمین کو ان کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے؟

الجواب:

وقف میں اتباع شرط واقف لازم ہے،

فقد قال علماؤنا ان شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]۔	ہمارے علماء نے فرمایا کہ واقف کی شرط پر عمل شارع کی نص پر عمل کی طرح ضروری ہے۔(ت)

اگر واقف نے یہی شرط کردی ہے کہ اکثر حصہ اس کا سجادہ نشینوں متولیوں کے صرف میں آئے تو ان کا ایسا کرنا بجا ہے اور ان پر کچھ الزام نہیں، اور اگر شرائط واقف کے خلاف وہ براہ تعدی مال وقف کو ظلمًا اپنے مصارف میں لاتے ہیں تو ظالم ہیں غاصب ہیں واجب الاخراج ہیں، لازم ہے کہ وقف ان کے ہاتھ سے نکال لیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا، بزازیۃ، ولو الواقف، درر، فغیرہ بالاولی لو غیر مامون[2]۔	لازمی طور پر معزول ہوگا، بزازیہ۔ اگرچہ واقف ہو، درر۔ تو غیر بطریق اولٰی اگر وہ ناقابل اعتماد ہو(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مال وقف مثل مال یتیم ہے جس کی نسبت ارشاد ہوا کہ جو اسے ظلماً کھاتا ہے اپنے پیٹ میں آگ بھرتا ہے اور عنقریب جہنم میں جائے گا، "اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾ "[1]۔ اگر وہ لوگ اس حرکت سے باز نہ آئیں ان سے میل جول چھوڑ دیں، ان کے پاس بیٹھنا روا نہ رکھیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب کبھی شیطان تجھے بھلادے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۳ تا ۱۰۲: از بہرائچ سید واڑہ بدولتکدہ حاجی احمد اللہ شاہ صاحب مرسلہ نواب علی مورخہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں:

کسی مقام پر ایک بزرگ کا مزار ہے اور اس کے متعلق وقف کی معقول آمدنی ہے خادمان وقف کی بدنظمی سے عدالت نے اس وقف کو خادموں کے ہاتھ سے نکال کر ایک کمیٹی کے سپرد کیا جو وقف کمیٹی کے نام سے موسوم ہے، عدالت نے اس کمیٹی کے ممبران کے لئے جو اس میں شریک ہوں سنی المذہب ہونا ضروری رکھا ہے اور عدالت نے اس وقف کی نگرانی کے لئے قواعد وقف بھی مرتب کئے اور ان قواعد میں اخراجات کے مدات قائم کئے اور یہ شرط کردی کہ بجز ان مدات کے جو قواعد میں درج ہیں کسی دوسرے مدات غیر مندرجہ قواعد میں یہ رقم نہ صرف کی جائے۔

(۱) ان اخراجات کے مدات میں ایک مد خیرات کی بھی ہے جن کے الفاظ وقف قواعد میں یہ ہیں دو خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف وخیرات و تقسیم کھانا کپڑا بغرض پرورش غربا، اگر ایسے خیراتی (الاؤنس) یعنی وظائف سے ان مساجد میں مؤذنوں کو تنخواہ دینا جن کا کوئی تعلق اس وقف سے نہیں ہے یا ایسے ہی دوسرے مصارف مثلاً مدارس اردو انگریزی یا کسی انجمن کے اس مدرسہ کو جس کا کوئی تعلق وقف سے نہیں ہے ان کے مدرسین کو تنخواہ دینا شرعاً جائز ہے؟

(۲) اگر ممبران کمیٹی آمدنی وقف سے ایک مد کی رقم کسی دوسرے مد مندرجہ یا غیر مندرجہ مدات میں صرف

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

کریں اس وقت مسلمانوں کو ان سے باز پرس کا حق ہے یا نہیں؟ اور وہ لوگ اس رقم صرف شدہ کے ادا کرنے پر شرع شریف سے مجبور ہیں یا نہیں؟

(۳) ایسے ممبران جو ہر کارروائی وقف کمیٹی کو عام مسلمانوں سے پوشیدہ کریں یا پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں یا اپنی خود رائی سے اس وقف کا روپیہ کسی بیجا طور پر صرف کریں تو ایسے لوگوں کا اس وقف کا ممبر رہنا شرعًا جائز ہے یا نہیں اور عام مسلمانوں کو اوقاف کی جانچ کا اختیار ہے یا نہیں؟

(۴) اگر وقف کمیٹی کے اکثر ممبران صدر انجمن وقف کے ہمخیال ہوں اور بوجہ اپنی کثرت رائے کے احکام شرعیہ و نیز قواعد وقف کمیٹی کے خلاف عملدرآمد کریں یا کرتے ہوں اور اسی کمیٹی کا ایک ممبر زید جو ان کا ہمخیال نہیں ہے محض اپنی ذاتی معلومات و واقفیت واطمینان کے لئے متعلق وقف کاغذات وقف کو دیکھنا چاہے اور اس کی اصلاح کرنا چاہے اس وقت وہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں زید کو اس کے ارادہ سے باز رکھیں یا جس کاغذ کو وہ دیکھنا چاہتا ہے اس کو ان کاغذات کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں یا اس کو اس کے فرض منصبی ادا کرنے سے باز رکھیں تو ان کا یہ فعل شرعًا جائز ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۵) قواعد وقف مرتبہ عدالت نے کمیٹی وقف کو اختیار دیا ہے کہ کمیٹی حسب ضرورت دوسرے قواعد علاوہ قواعد مرتبہ عدالت مرتب کرے۔ قواعد وقف مرتبہ عدالت میں کسی ممبر کمیٹی کو جانچ پڑتال کاغذات عام نگرانی کی ممانعت نہیں ہے ایسی صورت میں کیا ممبران وقف وصدر وقف کو یہ اختیار شرعًا حاصل ہے کہ وہ جدید قواعد وقف ایسے مرتب کرلے کہ جس سے زید مذکور کاغذات وقف دیکھنے سے مجبور ہوجائے یا یہ کہ ممبران جو ہمخیال صدر انجمن ہیں اپنی کثرت رائے سے یہ قاعدہ پاس کردیں کہ کوئی ممبر وقف کمیٹی بغیر اجازت صدر انجمن وقف کوئی کاغذ نہیں دیکھ سکتا ان کی یہ کارروائی شرعی اعتبار سے جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۶) سامان روشنی، فرش فروش، خیمہ وقنات ودیگر فرنیچر مثلًا شامیانہ ومیز وکرسی وغیرہ جو وقف کی ملک ہیں اہالیان شہر کو ان کی مشروع وغیر مشروع جلسوں میں دینا یا کسی رئیس کی رہائش کے سامان اسی وقف سے دینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۷) مذہبی تقریبات میں جو شیرینی بغرض تقسیم آتی ہے وہ اس محفل کے حاضرین کے لئے مخصوص ہے یا مسلم اور غیر مسلم جو اس تقریب میں شریک نہیں ہے ان کے گھروں میں وہ شیرینی بطور تبرک بھیجنا یا اہالیان شہر کی اس اوقاف کے روپیہ سے دعوت کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۸) اگر کوئی شے یا کتاب جو وقف کی ملک ہے کسی ملازم وقف یا ممبر وقف کمیٹی سے یا کسی غیر شخص سے

تلف ہو جائے تو اس وقت اس کا معاوضہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور معاوضہ کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۹) اگر ممبران وقف کمیٹی یا صدر انجمن وقف کمیٹی ملک وقف شدہ سے کوئی چیز کسی انجمن یا کسی مسجد میں جو غیر متعلق اوقاف ہے ہمیشہ کے لئے دے دیں تو ان کا یہ فعل شرعاً جائزہ یا نہیں؟ (بحوالہ کتب فقہ)

(۱۰) اگر جدید قواعد وقف مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس وقت احکام شرعیہ کا لحاظ کرکے قواعد وقف مرتب ہو سکتے ہیں یا ممبران وقف کمیٹی کی کثرت رائے پر، شرع شریف کس کے حق میں فیصلہ کرتی ہے؟ (بحوالہ کتب فقہ)

الجواب

(۱) وقف میں شرائط واقف کا اتباع واجب ہے، اشباہ والنظائر میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]۔	واجب العمل ہونے میں واقف کی شرط شارع کی نص کی طرح ہے (ت)

اگر ان مواقع میں صرف کرنا شرط واقف سے جدا ہے جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو یہ صرف محض ناجائز ہے اور اگر واقف نے ہی ان مواقع میں صرف کی اجازت دی ہے جو ان میں مصرف خیر ہو اس میں صرف کرنا جائز ہے اور اگر شرائط واقف معلوم نہ ہوں تو متولیوں کے عملدرآمد قدیم پر نظر ہوگی کما فی الخیریۃ وغیرہا (جیسا کہ خیریہ وغیرہ میں ہے۔ت)

(۲) اس کا وہی جواب ہے جو اوپر گزرا جہاں انہوں نے صرف کیا اگر وہ موافق شرط واقف یا اس کے معلوم نہ ہونے کی حالت میں موافق عملدرآمد قدیم متولیان ہے تو وہ صرف جائز ہوا اور ان سے مطالبہ و بازپرس کی کوئی وجہ نہیں ورنہ ناجائز ہوا اور ضرور بازپرس ہے اور ان پر لازم ہوگا کہ اس کا تاوان وقف کے لئے ادا کریں۔

(۳) اگر روپیہ بیجا صرف کریں تو ضرور ان کا معزول کرنا واجب ہے، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف، بزازیہ، فغیرہ بالاولی، درر، لو غیر مامون[2]۔	لازمی طور پر معزول کیا جائے اگرچہ واقف ہو، بزازیہ تو غیر کو بطریق اولیٰ، درر، اگر وہ قابل اعتماد نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

اور متولیوں کا وقف کی کارروائی پوشیدہ کرنا کوئی جرم نہیں، نہ ہر شخص ان سے حساب کا مطالبہ کرسکتا ہے جب تک خیانت ظاہر نہ ہو کہ وہ منجانب امین ہیں اور امین پر اعتراض نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ یونہی جن کی تولیت بشروط واقف نہ ہو، نہ شرط واقف کے خلاف ہو، اور عام مسلمانوں نے ان کو متولی کیا ہو یا ان کی تولیت پر راضی ہوئے ہوں۔

(۴) ان کا یہ فعل شرعاً جائز نہیں اور ان پر صریح الزام ہے جبکہ وہ دربارہ وقف مخالفت شرع کریں اور دوسرے کو اس کی جانچ سے بھی باز رکھیں۔ حدیث میں ہے:

من استرعی الذئب فقد ظلم۔[1]	جس نے بھیڑیئے کو راعی بنایا تو اس نے ظلم کیا (ت)

(۵) یہ کارروائی محض ناجائز ہے کہ اس سے دفع ظلم کا سد باب مقصود ہے۔ متعلق وقف نئے قوانین احداث کرنے کا کسی کو اختیار نہیں جبکہ وہ شرع مطہر یا شرط واقف کے خلاف ہو نہ کہ ایسی صورت کہ مخالفت احکام شرعیہ کی جائے اور اس کی ممانعت کا دروازہ بند کرنے کو یہ قوانین وضع ہوں ایسا قانون اگر خود شرط واقف میں ہوتا مردود ہوتا وہ ہرگز نہ مانا جاتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مثلاً واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا اور یہ شرط لگادی کہ اسے کوئی معزول نہ کرسکے اور جو اسے معزول کرے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہو اور حالت یہ ہو کہ متولی شرعاً رکھنے کے قابل نہیں تو فوراً نکال دیا جائے گا اور واقف کی ایک نہ سنی جائے گی اور اس کی وہ لعنت اسی پر واپس جائیگی **کما فی الدر المختار**۔

(۶) حرام ہے، یہاں تک کہ ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد کو عاریۃً بھی دینا جائز نہیں **کما فی العلمگیریۃ عن القنیۃ** (جیسا کہ قنیہ سے عالمگیریہ میں ہے۔ت) نہ کہ زید وعمرو کو نہ کہ نامشروع جلسوں کو۔ یہ سراسر وقف پر ظلم ہے جو ایسا کریں وقف سے ان کا اخراج واجب ہے، **کما مر عن الوجیز والدرر والدر** (جیسا کہ وجیز، درر اور در سے گزرا۔ت)

(۷) غیر مسلم کو مال وقف سے بھیجنا تو کسی طرح جائز نہیں کہ وقف کار خیر کے لئے ہوتا ہے اور غیر مسلم کو دینا کچھ ثواب نہیں **کما فی البحرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت)، رہا غیر حاضرین مسلمانوں کے گھروں پر بھیجنا، اس میں وہی شرط واقف یا عملدرآمد قدیم کا لحاظ ہوگا بعض مسلمانوں کی دعوت اگر کسی مصلحت وقف کے لیے ہے تو جائز ہے جبکہ شرط واقف یا عملدرآمد کے موافق ہو یا کسی ضرورتِ خاصہ کے لئے ہو **کما ذکروا الوصی فی مال الیتیم** (جیسا کہ علماء نے یتیم کے مال میں وصی کیلئے

[1]

فرمایا۔ت)اور اگر بعض مہتمم اپنی بارات میں کسی کو کھلانا چاہیں جوان صورتوں سے جدا ہو تو کھانا بھی حرام ہے اور کھلانا بھی حرام اور کھلانے والوں پر اس کا تاوان واجب۔

(۸) متولی وقف امین وقف ہے جبکہ اس طرح کا متولی ہو جو اوپر مذکور ہوا اگر اس سے اتفاقیہ طور پر بے اپنے تقصیر و بے احتیاطی کے وقف کی کتاب یا کوئی مال تلف ہو جائے اس کا معاوضہ نہیں، اور اگر قصداً تلف کردے یا اگر اپنی بے احتیاطی سے ضائع کرے تو ضرور معاوضہ ہے، یہی حکم ملازمان وقف کا ہے جبکہ وہ تصرف جو اس نے کتاب میں کیا اس کی ملازمت میں داخل، اور اسے جائز تھا، ورنہ اگر وقف کے کسی اور صیغہ کا ملازم ہے کتب خانہ پر اس کو اختیار نہیں، اور اس نے مثلاً کتاب کسی کو عاریۃً دے دی اور ضائع ہو گئی تو ضرور اس پر معاوضہ ہے، غیر شخص نے اگر وہ تصرف کیا تو منجانب وقف جس کی اسے اجازت تھی اور بے اس کی تقصیر کے کتاب ضائع ہو گئی مثلا کتب خانہ وقف میں جا کر کتابیں دیکھنے کی اجازت ہو اور عام طور پر معمول ہو کہ کتابیں دیکھ کر اسی مکان میں رکھ آتے ہیں یا فلاں ملازم کو سپرد کردیتے ہیں اور یہ اس قاعدہ کو بجالایا اور کتاب گم ہو گئی تو اس پر بھی معاوضہ نہیں، ورنہ اگر وہ تصرف کیا جس کی اسے اجازت نہ تھی یا تھی مگر اس کی تقصیر و بے احتیاطی سے کتاب گئی تو ضرور تاوان دے گا، اور بہر حال معاوضہ اس کتاب کی قیمت یعنی بازار کے بھاؤ سے جو اس کے دام ہوں، کتاب کو علماء نے قیمتی ٹھہرایا ہے نہ مثلی مگر اس وقت تک چھاپے نہ تھے، اور کہہ سکتے ہیں کہ اگر اسی چھاپے کی ہو یعنی اسی بار کی چھپی ہو اور کاغذ بھی ایک ہو اور جلد نہ بندھی ہو تو عجب نہیں کہ مثلی ہو سکے، یعنی کتاب کے معاوضہ میں ایسی ہی کتاب دینی آئے مگر تحقیق یہ ہے کہ چھاپے اور کاغذ کی وحدت بھی مستلزم مثلیت نہیں، ایک کاپی ایک پتھر پر جمی ہوئی اس کے ہزار کاغذ اٹھائے جاتے ہیں، کوئی ہلکا ہے کوئی بھرا ہوا، کوئی بہا ہوا ہے کوئی صاف ہے، تو بات وہی ہے جو علماء نے فرمائی کہ کتاب قیمتی ہے۔

(۹) حرام ہے، اور وہ چیز وہاں سے لی جائے گی اور نہ مل سکے تو ان سے تاوان لیا جائے گا ہم بحوالہ عالمگیری کہہ آئے کہ ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد کو عاریۃً دینا بھی ناجائز، نہ کہ غیر جگہ دے ڈالنا، جو ایسا کرے واجب العزل ہے۔

(۱۰) وقف کے لئے قوانین کے وضع کرنے کا حال اوپر گزرا کہ خلاف شرط واقف ہر گز جائز نہیں، اور جہاں جواز ہو وہاں قطعاً احکام شرعیہ ہی کا لحاظ فرض ہوگا، ان کے خلاف جس کسی کا بھی کہنا ہو مردود ہوگا، یہاں نہ کثرت رائے دیکھی جاتی ہے نہ اتفاق رائے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] (حکم صرف

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

اللہ تعالٰی کا ہے۔ت) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔(ت)

واقف جس کے لئے تصریح ہے کہ در بارہ وقف اس کی شرط مثل نص شارع علیہ الصلوۃ والسلام واجب العمل ہے اس کا تو یہ حال ہے کہ اگر خلاف شرع شرط کرے مردود ہے ہر گز نہ مانی جائے گی، پھر زید وعمرو و کمیٹی کیا چیز ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ فھو رد وان کانت مائۃ شرط شرط اللہ احق واوثق۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسی قوموں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں (جائز) نہیں، اور جو کتاب اللہ کے خلاف شرطیں لگائے تو وہ مردود ہونگی اگرچہ ایسی سو شرطیں ہوں صرف اللہ تعالٰی کی (مقبول) شرطیں ہی حق ہیں اور ثقہ ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳تا۱۰۵: از شہر بمبئی کامبیکر اسٹریٹ چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہر بمبئی کی جامع مسجد کے اکثر متولیوں نے یہ رائے قائم کی کہ ایک کرایہ کی زمین لے کر اس پر ایک مکان وقف کے سرمایہ سے بنایا جائے، جس مکان کی لاگت ایک لاکھ چودہ ہزار روپیہ تک ہو اس حالت میں کہ شہر میں سیکڑوں مکانات دوامی بیعنامہ پر مل سکتے ہیں وقف کی اس قدر بڑی رقم ایک کرایہ کی زمین پر صرف کردینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ بالا زمین کے مالک نے کرایہ زمین کی یہ صورت قائم کی ہے کہ زمین مذکور کی ایک خاص رقم قرار دی جائے اور قیمت پر سالانہ فیصدی للعہ۸ روپیہ کے حساب سے جو سود ہے اس حساب سے زمین مذکور کا ماہواری کرایہ قرار دیا جائے، آیا کرایہ کا یہ طریقہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) چونکہ فی الحال بوجہ جنگ مزدوری لکڑی اور دیگر عمارتی اشیاء کی قیمت تین گنی بلکہ چار گنی ہو گئی ایسے وقت میں وقف مسجد کے سرمایہ کو کرایہ کی زمین پر عمارت بنانے میں صرف کرنا اور تیار شدہ عمارتیں جو کثرت سے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء من اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

ملتی ہیں انہیں نہ خرید نا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ یہ عمارت زر مسجد سے کیوں بنائی جاتی ہے اور وہ غرض اغراض وقف مسجد میں داخل ہے یا نہیں، اگر ان اغراض سے خارج ہے تو نہ خرید نا جائز نہ کرایہ پر لینا، اور اگر داخل ہے تو اس غرض کا حصول خاص اس زمین سے تعلق رکھتا ہے جسے متولی کرایہ پر لے کر عمارت بنانا چاہتے ہیں یا اور مکانوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے اگر اور مکانوں سے بھی حاصل ہے اور وہ مول مل سکتے ہیں اور جدید عمارت بنانے اور کثیر کرایہ دینے سے خریداری میں نفع ہے تو متولیوں کو ہر گز جائز نہیں کہ یہ صورت کرایہ اختیار کرکے وقف کو نقصان پہنچائیں،

فان الولایۃ مشروطۃ بالنظر ولانظر فی الضرر۔	ولایت مشروط بشفقت ہے اور ضرر میں شفقت نہیں ہے۔ (ت)

سود ملحوظ کرکے مقدار کرایہ معین کرنا ایک ناپاک بات اور گندہ لحاظ ہے لیکن اگر معین ہو جائے تو اس کرایہ میں حرج نہیں، مثلاً ہزار روپیہ کی قیمت ہے تو وہ نجس حساب لگا کر پونے چار روپیہ مہینہ کرایہ قرار دیا تو وہ نجاست اس لحاظ ہی میں رہی کرایہ میں نہ آئی، یہ ایسا ہوا کہ ابتداءً کہتا کہ یہ زمین اتنی مدت کو پونے چار روپیہ کرایہ پر کردی، تیسری بات کا جواب مضمون بالا میں آگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از سہسوان ضلع بدایوں قاضی محلّہ مرسلہ سید پرورش علی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

حضور نے تنخواہ ماہوار متولی وقف کو اجیر مثل کا فتوی لکھا ہے، لہذا عرض ہے کہ مدرسہ اسلامیہ حنفیّہ سہسوان کی زمین موقوفہ سہسوان سے تین کوس ہے متولی کو سواری و خوراک مع سپاہی فصل ہنگام تحصیل وقت سے ملے گی، نذر، بھیٹ روپیہ، پٹہ وقبولیت بھی حسب رواج ہنگام ماہوار اس کی تنخواہ کا روپیہ مناسب ہے کاشتکاروں سے وصول کرکے مدرسہ پر صرف کرنا، مدرسوں کو ماہوار دینا، تعمیر و مرمت وغیرہ میں خرچ کرنا مالگذاری گورنمنٹی ادا کرنا اس کا کام ہے اتنے کام کی کتنی اجرت ہوگی۔

الجواب:

وقف سے سواری اور ایام کارگزاری کی تنخواہ ملے گی اور ضرورت ہو تو ان ایام میں سپاہی کی تنخواہ بھی، تنخواہ کا تعین کام کی کمی بیشی اور ہر جگہ کے عرف پر ہے، پٹہ اور قبولیت کا نذرانہ اور اس قسم کے زائد اور بے اصل رقوم کہ رائج ہو رہی ہیں شرعاً باطل ہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۷: از شہر بریلی محلّہ فراشی مسئولہ مولوی عبدالعزیز قدرت اللہ خاں صاحب ۲۱رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ کسی نے دو یا تین مسجدوں کے واسطے نام بنام الگ الگ روپیہ وصیت نامہ سے وقف کیا کہ فلاں مسجد کو اتنا اور فلاں کو اتنا ماہوار دیا جائے، اب خود اس نے ایک مسجد کے نام کا روپیہ دوسری مسجد میں لگا دیا اور اس دوسری مسجد کے نام کا روپیہ بھی اسی دوسری مسجد میں لگا دیا، دونوں مسجدوں کے نام ماہوار وقف کیا ہے، سوال یہ ہے کہ دوسری مسجد کے ماہوار میں سے پہلی مسجد کا روپیہ ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور آئندہ بھی ایک مسجد کا ماہوار دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو اس کو ادا کرنا ضرور ہے یا نہیں؟ یہ بھی واضح ہو کہ ہر ایک مسجد کے واسطے خاص خاص دکانوں کا کرایہ وقف ہے واقفہ زندہ ہے اور وصیت نامہ اسی کے قبضہ میں ہے جو رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

جب وقف کی وصیت کی ہے تو اس کا نفاذ بعد موت واقف ہوگا، زندگی میں اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۸تا۱۱۳: از فیض آباد چوک مسجد شاہ ٹاٹ مرسلہ حافظ عبدالرحمٰن صاحب پیش امام ۱۶شعبان ۱۳۳۷ھ

حضرات علمائے کرام سوالات ذیل میں از روئے شرع شریف کیا حکم فرماتے ہیں:

(۱) مسجد کے متعلق مسجد کی ضرورت سے پاخانہ بنا ہوا تھا اور وہی استنجا خانہ بھی تھا، مسجد کے متعلق ایک تھوڑا سا صحن مسجد کے دکھن جانب تھا جس کا حلقہ پختہ دیوار سے تھا اور اسی حلقہ کے گوشہ میں مسجد کا استنجاخانہ تھا جس میں نمازیان مسجد اور مسافران طہارت اور رفع حاجت کرتے تھے۔ زید نے ایک مدرسہ بنانا چاہا جس کے واسطے عمرو نے اپنی ملک سے مدرسہ کے لئے مسجد کے خلف سے ملی ہوئی زمین دی تھی، زید کو وہ حلقہ جو مسجد کے متعلق تھا اور پاخانہ دونوں وہ بھی زید نے کھود ڈالا اور تخمیناً دو گز زمین چوڑان میں اور جتنی دور پاخانہ تھا اور اسی سیدھ اتنی ہی زمین پر چوڑان میں ۵ خواہ ۶ گز تک لمبان میں سب بغیر عام مسلمانوں کی اجازت کے غصب کرکے اپنا مدرسہ بڑھا کر بنالیا اور تخمیناً تین ہزار اینٹ اسی حلقہ کی جو کھود ڈالی تھی وہ بھی مدرسہ میں لگائی، عام مسلمانوں نے سکوت کیا بوجہ اس کے کہ چند مسلمان ہمخیال زید کے اس کے شریک رہے۔ مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے یہ سب بنوایا تھا کچھ دخل نہ دیا۔ کیا شرعاً زید کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مسجد کا پاخانہ توڑ ڈالے اور معہ پاخانہ کی زمین کے بغیر اجازت عام مسلمانوں کے غصب کرکے مدرسہ بنالے، اینٹ پاخانہ اور حلقہ کی مدرسہ میں لگالے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ایسی حالت میں جبکہ وہ پاخانہ اور استنجاخانہ نمازیان مسجد اور مسافران مسجد کے لئے تھا جس کے کھودڈالنے سے نمازیوں کو برابر تکلیف رہی اور ہے، زید کا پاخانہ کھودڈالنا اور مسجد کی ضروریات کا خیال نہ کرنا اور ایسی زمین کو مدرسہ میں داخل کرنا یہ سب شرعًا جائز ہے یا نہیں اور زید اس سے گنہگار ہوا یا نہیں؟

(۳) زید نے مسجد کی پشت پر کا پختہ پشتہ ایک ثلث جو حفاظت دیوار مسجد کے لئے بنایا جاتا ہے کھودڈالا اور پاخانہ غسل خانہ اور اس کے بدررو (نالی) کا حوض سب مسجد کے پشت دیوار سے بالکل ملا ہوا بلکہ ایک گز مٹی نکال کر بنایا جس سے مسجد میں بو بھی آئے گی، دیوار پشت مسجد میں نونا (شور) بھی لگے گا مسجد کی بیحرمتی بھی ہے کہ پشت مسجد پر پاخانہ بنا ہے، آیا یہ سب فعل زید کے لئے شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ شرع دیوار مسجد میں اجازت دیتی ہے کہ مسجد کا پشتہ وزمین پاخانہ کی ضرورت کو کھودڈالا جائے کہ پاخانہ کی جگہ کچھ کم تھی یا پاخانہ بن نہ سکتا۔ مسجد کی پشت پر سے مہتر آوے گا حوض کا پانی جو بالکل نجاست غلیظہ ہے جس سے مسجد دیوار پر ضرور چھینٹ پڑے گی۔

(۴) زید نے یہ سب کچھ کیا خود اور چند مسلمانوں کی مدد سے، مگر مسلمانان شہر جس میں ہر قسم کے لوگ ہیں زید کی ان تمام باتوں کے خلاف یہ سب زمین مسجد پاخانہ اور وہ زمین جو اس کے متصل مسجد کے متعلق ہے اور اس کی اینٹ سب اپنے تحت تصرف میں لانا بھی سخت خلاف اور رنجیدہ ہیں اس کو جائز نہیں سمجھتے لہٰذا شرعًا ہم سب مسلمانوں کو سکوت کرنا چاہئے یا کہ دخل دینا چاہئے اور یہ سب زمین علیحدہ کرلینا چاہئے؟ امید کہ تشفی بخش جواب ہم غریب مسلمانوں کو مرحمت ہووے مع دلیل کے کیونکہ زید بھی مولوی ہے بغیر دلیل کے وہ ہم لوگوں کی کیوں مانے گا۔

(۵) کیا زمین متعلقہ مسجد یا استنجاخانہ وغیرہ وغیرہ مسلمانوں کی اجازت سے شرعًا منہدم ہوسکتا ہے ایسی حالت میں جبکہ وہ مسجد کے کام میں نہ آئے بلکہ دوسرے کام میں آئے وہ اجازت کے مجاز ہیں۔

(۶) مسجد میں پاخانہ یا پیشاب خانہ بنانے میں کچھ پورپ پچھم میں فرق ہے یا نہیں؟ اور مسجد سے کتنے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنانا چاہئے اس کی کوئی حد شرعًا جو ہو حکم فرمایا جائے اور نجاست کے پانی سے مسجد کی دیوار میں اگر اثر پہنچے تو شرعًا کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱و۲) یہ فعل زید کا حرام قطعی ہے، ایک وقف جس غرض کے لئے وقف کیا گیا ہے اسی پر رکھا جائے اس میں تو تغیر نہ ہو مگر ہیئت بدل دی جائے مثلًا دکان کو رباط کردیں یا رباط کو دکان، یہ حرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لاتجوز تغییر الوقف عن ھیئته[1]۔	وقف جائداد کی ہیئت کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ کہ سرے سے موقوف علیہ بدل دیا جائے، متعلق مسجد کو مدرسہ میں شامل کرلیا جائے یہ حرام ہے اور سخت حرام ہے۔

(۳) یہ بھی زید کا ویسا ہی تصرف ہے، حرام وناجائز ہے۔ مسجد کا پشتہ کھودنا حرام، اور اسے ماورائے مسجد دوسرے کام خصوصًا ایسے ناپاک کام میں صرف کرنا صریح ظلم وغصب وبیحرمتی مسجد ہے۔

صحیح حدیث کا ارشاد ہے کہ جو ایک بالشت زمین غصب کرے گا زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر روزِ قیامت اس کے گلے میں طوق ڈالا جائے گا[2]۔

(۴) مسلمانون کو زید کی ایسی بیجادست برد وظلم پر سکوت حرام ہے اور چارہ جوئی فرض۔ لازم ہے کہ بذریعہ حکومت مسجد کی وہ پہلی زمین اور پشتہ کی زمین سب اس کے قبضہ سے نکلوائی جائے اور پہلے جس حالت پر تھی اسی حالت پر جبرًا اس سے کرائی جائے اور جتنی اینٹیں اس نے تصرف میں کرلی ہیں وہ متمیز ہوں تو واپس لی جائیں ورنہ ان کی قیمت لی جائے اور جتنے دنوں یہ استنجا خانہ وپشتہ وغیرہ کی زمین اس کے قبضہ میں رہی یا تاانفصال رہے اس سب کا کرایہ اس سے مسجد کے لئے لیا جائے **کما قد نصوا علیه قاطبة فی الکتب المعتمدة** (جیسا کہ تمام معتبر کتب میں اس پر نص موجود ہے۔ت)

(۵) مسلمانوں کو تغییر وقف کا کوئی اختیار نہیں تصرف آدمی اپنی ملک میں کرسکتا ہے وقف مالک حقیقی جل وعلا کی ملک خاص ہے اس کے بے اذن دوسرے کو اس میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

(۶) مسجد کو بو سے بچانا واجب ہے، ولہذا مسجد میں مٹی کا تیل جلانا حرام، مسجد میں دیا سلائی سلگانا حرام، حتی کہ حدیث میں ارشاد ہوا: **وان یمر فیه بلحم نیئ**[3]۔ یعنی مسجد میں کچا گوشت لے جانا جائز نہیں، حالانکہ کچے گوشت کی بو بہت خفیف ہے تو جہاں سے مسجد میں بو پہنچے وہاں تک ممانعت کی جائے گی، مسجد عام جماعت کیلئے بنائی جاتی ہے اور جماعت ہر مسلمان پر واجب ہے یہاں تک کہ ترک جماعت پر صحیح حدیث میں فرمایا: ظلم ہے اور کفر ہے۔ اور نفاق یہ کہ آدمی اللہ کے منادی کو پکارتا سنے اور حاضر نہ ہو۔ صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الرابع فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[3] سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

لوصلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف لترکتم سنة نبیکم ولوترکتم سنة نبیکم لضللتم [1] وفی روایة ابی داؤد لکفرتم [2]۔	یعنی اگر مسجد میں جماعت کو حاضر نہ ہوگے اور گھروں میں نماز پڑھوگے تو گمراہ ہوجاؤگے ایمان سے نکل جاؤگے (اور ابوداؤد کی روایت میں ہے تم کافر ہوجاؤگے۔ت)

بایں ہمہ صحیحین کی حدیث میں ارشاد ہوا:

من اکل من هذه الشجرة الخبیثة فلایقربن مصلانا [3]۔	جو اس گندے پیڑ میں سے کھالے یعنی کچا پیاز یا کچا لہسن وہ ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔

اور فرمایا: فان الملئکة تتأذی ممایتأذی منه بنوادم [4]۔ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اگر مسجد خالی ہے تو اس میں کسی بو کا داخل کرنا اس وقت جائز ہو کہ کوئی آدمی نہیں جو اس سے ایذا پائے گا ایسا نہیں بلکہ ملائکہ بھی ایذا پاتے ہیں اس سے جس سے ایذا پاتا ہے انسان۔ مسجد کو نجاست سے بچانا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۴تا۱۱۹: از بمبئی کامبیکرات اسٹریٹ المعروف چھاج محلّہ مرسلہ بدرالدین عبداللہ صاحب مشاور جامع مسجد کمیٹی، ۱۶رجب ۱۳۳۴ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے شرع متین زادہم اللہ تعالٰی شرفاً وتظیماً ان صور مسئولہ میں جو کہ ذیل حسب نمبر مندرج ہیں:

اول: یہ کہ شہر بمبئی میں ایک مسجد عظیم الشان رفیع البنیان جامع مسجد ہے اور اس کی بناوسط شہر میں ایسی جگہ واقع ہے جس کے چوطرف کوئی مکان نہیں ہے اور اس میں ہوابکثرت آتی کیونکہ سب اطراف اس کے فارغ ہیں بلکہ بعض اوقات بسبب کثرت ہوا مصلی دریچہائے مسجد کو بند کرتے ہیں، اس مسجد کی بنا پہلے ہی سے نہایت عمدہ وشاندار تھی مگر قبل از چند سال حضرات مشاورین نے اپنی رائے سے اس میں کسی قدر تبدل وتغیر کیا اور تخمیناً اس ترمیم وتبدیل میں تخمیناً تین لاکھ روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے کیا گیا اس

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل صلوٰۃ والجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲
[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التشدید فی ترک الجماعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۱
[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹
[4] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

مسجد کی روشنی کے لئے قبل از چند سال بصرف مبلغ دس بارہ ہزار روپیہ ہانڈیاں وجھومر بلوری وغیرہ اسباب روشنی کا خرید کرکے نہایت اعلٰی پیمانہ پر مشاورین قدیم نے انتظام کیا تھا بعد از چند سال مشاورین جدید نے اس انتظام کو ناقابل وغیر ملتفی سمجھ کر تقریبًا بیس ہزار روپیہ سے زیادہ صرف مال وقف سے گیس کی روشنی کی تجویز کی اور طبقہ زیریں اور بالاپر گیس کے نل وغیرہ سقف وجدار مسجد میں نصب کئے گئے تھے اور چند سال تک یہ گیس یعنی دخان کی روشنی کا مسجد میں انتظام رہا، مگر جبکہ مسجد بطریق بیان بالاترمیم وتغیر کرنے میں آئی اس وقت یہ سب گیس کی روشنی کے نل وغیرہ جو کہ سقف وجدار میں نصب کیے گئے تھے ضائع وخراب وبرباد ہوئے پھر تجدیدًا حضرات مشاورین نے بکثرت رائے مشاورین نئے سرے سے گیس کی روشنی کا انتظام کیااور طبقہ زیریں میں سقف وجدار میں نل نصب کئے اس امر کو ایک سال کا عرصہ منقضی نہیں ہوا ہے کہ مشاورین مذکور چاہتے ہیں کہ مسجد میں برقی روشنی اور برقی پنکھوں کا انتظام واہتمام بصرف مال مسجد کیاجائے پس جملہ احوال سوال مذکور پر غور فرماکر بیان فرمادیں کہ یہ جو وقتًا فوقتًا دربارہ روشنی اخراجات کثیرہ کئے گئے ہیں یہ مال وقف میں تصرف بیجا وناز یبائے شرع ہیں یا نہیں؟ بیان فرمائیں۔

ثانی: یہ کہ جب مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور مسجد مذکور کے دیواروں میں دریچہائے کلاں بکثرت بنائے گئے ہیں اور ہر وقت ہوا وہاں موجود ومتموج ہے بلکہ بعض وقت حسب بیان سوال اول کھڑکیاں بسبب کثرت ہواکے بند کی جاتی ہیں، پس ایسی صورت میں مال وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

تیسرے یہ کہ تجربتًا یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخل نماز ومبطل خشوع وخضوع، بناءً علیہ اس طرح کے پنکھے بلاضرورت بصرف مال مسجد بنانا شرعًا جائز ہیں یا نہیں؟

(۴) یہ امر بتحقیق تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاء ناپاک ونجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرف مال وقف شرعًا کیا حکم ہے؟

(۵) یہ کہ ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی وبرقی پنکھوں میں زیادہ ترخوف آتشزدگی ہے، چنانچہ الیکٹری سے اس قسم کی آتشزدگی کے واقعات بہت ہوچکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں، پس صورت مذکور میں ایسی خوفناک وحشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

(۶) یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ بقول اطباء روشنی برقی مضر بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا

بھی نقصان رسان صحت ہے، چنانچہ اس قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکن جون سہ رواں مطبوع ہے جو اخبار کہ بسر پرستی جناب حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خاں صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکلا کرتا ہے، پس ایسی مضرت رساں صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(ا) یہ تصرفات محض ظلم واسراف وتضییع مال اوقاف ہیں علماء نے ایک چراغ وقف کے صبح تک روشن رکھنے کو ناجائز بتایا جب تک واقف سے نصًا یا عرفًا اس کی اجازت ثابت نہ ہو نہ کہ بار بار یہ ہزار ہا روپوں کا صرف بیکار، متولیوں کو کسی صرف جدید کے احداث کی اجازت نہیں ہوسکتی، اگر بلا مسوغ شرعی اس میں مال وقف صرف کرینگے وہ صرف ان کی ذات پر پڑے گا اور جتنا مال مسجد اس میں خرچ کیا اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا، واقف نے اگر مسجد میں کنگرے نہ بنائے تھے اور متولی مال وقف سے بنائے گا گنہگار ہوگا اور تاوان دے گا، نمازیوں کو اگر بے منارہ کے اذان کی آواز پہنچ جاتی ہے تو متولی مال مسجد سے منارہ نہیں بناسکتا، بنائے گا تو اس پر تاوان آئے گا، واقف نے فراش مسجد کا کوئی وظیفہ نہ رکھا تھا، متولی تو متولی حاکم کو حلال نہیں کہ اس میں فراش کا وظیفہ حادث کرے، نہ فراش کو وہ وظیفہ لینا حلال۔ بنائے مسجد بسکہ عمدہ ومحکم تھی تو متولیوں کو اس کا شہید کرنا اور نقشہ بدلنا اور اس میں مسجد کے تین لاکھ روپے اڑادینا اور اس کے سبب بیس ہزار کے نل برباد کرنا اور پھر گیاس کی روشنی میں بیس ہزار اور اڑانا، اور اب اسے بھی تباہ کرکے برقی روشنی کی کوشش کرنا اور اس میں مال مسجد برباد کرنا، یہ تمام افعال حرام تھے اور ہیں، متولیوں پر ان لاکھوں روپوں کا تاوان لازم ہے کہ اپنی گرہ سے ادا کریں، اور واجب ہے کہ ایسے مسرف متولی معزول کئے جائیں اور ان کی جگہ مسلمان متدین ہوشیار کار گزار خداترس دیانتدار مقرر کئے جائیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووقف علی دھن السراج للمسجد لایجوز وضعه جمیع اللیل بل بقدر حاجة المصلین ویجوز الی ثلث اللیل ونصفه اذااحتیج الیه للصلٰوة فیه کذا فی السراج الوھاج ولایجوز ان یترك فیه کل اللیل الافی موضع جرت العادة فیه بذٰلك کمسجد بیت المقدس ومسجد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و المسجد الحرام	اگر مسجد کے چراغ کے تیل کے لئے کوئی وقف کیا تو تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہ ہوگا بلکہ صرف نمازیوں کی ضرورت کے مطابق اور تہائی رات تک، اگر ضرورت ہو تو نصف رات تک روشن رکھا جائے، تاکہ نمازی عبادت کرسکیں، یونہی السراج الوہاج میں ہے۔ اور تمام رات چراغ روشن رکھنا جائز نہیں، ہاں ایسے مقامات جہاں ایسی عادت جاری چلی آرہی ہے، جیسا کہ مسجد بیت المقدس او مسجد نبوی اور مسجد حرام میں ہے، یا واقف نے تمام

اوشرط الواقف ترکه فیه کل اللیل کماجرت به العادة فی زماننا کذافی البحر الرائق [1]۔	رات روشن رکھنے کی شرط لگار کھی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں یہ عادت بن چکی ہے، بحر الرائق میں یونہی ہے (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

لیس للقیم ان یتخذ من الوقف علی عمارۃ المسجد شرفا من ذٰلك ولو فعل یکون ضامنا [2]۔	منتظم کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ مسجد کی عمارت پر وقف مال سے کوئی بالاخانہ بنائے، اگر اس نے ایساکیا تو وہ اس مال کا ضامن ہوگا۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

یجوز ان یبنی منارۃ من غلة وقف المسجد ان احتاج الیها لیکون اسمع للجیران وان کانوا یسمعون الاذان بدون المنارۃ فلا [3]۔	ارد گرد کے لوگوں کو آواز پہنچانے کے لئے مسجد کے وقف کی آمدنی سے مینار بنانا جائز ہے بشرط ضرورت، اور اگر منارہ کے بغیر اذان کی آواز لوگ سن لیتے ہوں تو پھر جائز نہیں (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاضی لیس له الاحداث بدون مسوغ شرعی فکیف المتولی وقد صرح فی الذخیرۃ والولوالجیة وغیرهما بان القاضی اذا قرر فراشا للمسجد بغیر شرط الواقف لم یحل للقاضی ذٰلك ولم یحل للفراش تناول المعلوم قال فی البحر فان قلت فی تقریر الفراش مصلحة قلت یمکن خدمة المسجد بدون تقریرہ بان یستاجر المتولی فراشا	قاضی کو وقف میں نئی عمارت بنانا ضرورت شرعی کے بغیر جائز نہیں تو متولی کیسے کرسکتا ہے جبکہ ذخیرہ اور ولوالجیہ وغیرہما میں تصریح ہے کہ اگر قاضی نے واقف کی شرط کے بغیر مسجد کے لئے صفائی والا مقرر کیا تو اسے جائز نہیں اور اس صفائی والے کو مقرر وظیفہ لینا جائز نہیں ہے اور بحر میں فرمایا اگر تیرا اعتراض ہو کہ صفائی والے کی تقرری میں اصلاح کی صورت ہے، تومیں کہتا ہوں کہ اس تقرری کے بغیر بھی مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب جعل دارہ مسجدًا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۲

[3] خزانۃ المفتین کتاب الوقف قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۴

له والممنوع تقريره فی وظيفة تكون حقا له[1]۔	خدمت ممکن ہے کہ متولی کسی کو اجرت دے کر کرالے جبکہ مستقل تقرری جس پر وظیفہ مقرر ہو منع ہے۔(ت)

ہندیہ پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

مسجد مبنی اراد رجل ان ينقضه ويبنيه ثانيا احكم من البناء الاول ليس له ذلك لانه لاولاية له، مضمرات، الاان يخاف ان ينهدم، تاتارخانية، وتاويله ان لم يكن البانی من اهل تلك المحلة اما اهلها فلهم ان يهد موا ويجددوا بنائه لكن من مالهم لامن مال المسجد الابامر القاضی[2]۔	تعمیر شدہ مسجد کو گرا کر کوئی شخص نئی مضبوط عمارت بنانا چاہے تو اسے یہ اختیارات نہیں کیونکہ اس کو یہ ولایت حاصل نہیں ہے، مضمرات۔ مگر اس صورت میں جب عمارت منہدم ہونے کا خطرہ ہو، تاتارخانیہ۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ وہ تعمیر کرنے والا محلّہ دار نہ ہو، اگر وہاں کا محلّہ دار ہو تو محلے والوں کو اختیار ہے گرا کر دوبارہ تعمیر کریں لیکن اپنے مال سے، نہ کہ مسجد کے مال سے، ہاں اگر قاضی کی اجازت ہو تو مسجد کا مال خرچ کر سکتے ہیں۔(ت)

خلاصہ وتنویر الابصار میں ہے:

لاباس بنقشه خلامحرابه بجص وماء ذهب بماله لامن مال الوقف وضمن متوليه لوفعل[3]۔	جص اور سونے کے پانی سے مسجد میں نقش ونگار محراب کو چھوڑ کر کرنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی ذاتی مال سے کرے، وقف کے مال سے جائز نہیں، اگر متولی نے ایسا کیا تو ضامن ہوگا۔(ت)

بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

امامن مال الوقف فلاشك انه لايجوز للمتولی فعله مطلقًا لعدم الفائدة فيه[4]۔	لیکن وقف مال سے ایسا کرنا بلاشبہ متولی کو مطلقًا جائز نہیں کیونکہ اس میں وقف کا کوئی فائدہ نہیں ہے(ت)

---

[1] العقود الدرية فی تنقيح الفتاوی الحامدية کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۰

[2] فتاوی ہندية کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۳

درمختار میں ہے:

الااذاکان الواقف فعل مثلہ لقولھم انہ یعمر الوقف کماکان[1]۔	ہاں اگر واقف ایسا کرتا رہا ہو تو پھر وقف مال سے جائز ہے کیونکہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ متولی اسی طرح تعمیر کرے جس طرح پہلے تھی (ت)

فتح القدیر پھر شرح علامہ بیری پھر ابن عابدین میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ ولاموجب لتجویزہ لان الموجب الشرط والضرورۃ ولاضرورۃ فی ھذا اذلاتجب الزیادۃ بل تبقیہ کماکان[2]۔	وقف کو اپنی اصلی حالت پر رکھنا واجب ہے کوئی زیادتی نہ کی جائے کیونکہ اس کے جواز کا کوئی موجب نہیں ہے کیونکہ موجب صرف وقف کی شرط یا ضرورت ہے اور اس میں کسی زیادتی کی ضرورت نہیں بلکہ جیسے تھا ویسے باقی رکھے۔(ت)

(۲) اولاً ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے، مدخل الی الشریعۃ میں ہے:

قد منع علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی المراوح اذ ان اتخاذھا فی المسجد بدعۃ[3]۔	ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرشی پنکھا مسجد میں لگانا ناجائز کہا ہے کیونکہ مسجد میں ایسا کرنا بدعت ہے۔(ت)

ثانیاً: جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مال وقف سے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ۙ﴿۱۴۱﴾ "[4]۔	اسراف نہ کرو اللہ تعالٰی اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا	اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر البدع التی الخ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۲۲

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱

قیل وقال وکثرۃ السؤال واضاعۃ المال[1]۔	فرمایا ہے قیل وقال، بغیر ضرورت سوالات کی کثرت اور مال کا ضیاع۔(ت)

ثالثاً: یہ وقف میں صرف جدید کا احداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہوسکتی کما بیّنا۔

رابعاً: جب طبّاً اس پنکھے کی ہوا مضر صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا نہ کہ مسجد میں نہ کہ مال وقف سے، کما یأتی۔

(۳) بیشک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

کرہ وقت حضور طعام تاقت نفسه الیه وکذا کل مایشغل باله عن افعالها ویخل بخشوعها کائنا ماکان[2]۔	نفس کی خواہش ہو تو کھانے کے وقت نماز مکروہ ہے اور یونہی ہر وہ چیز جس سے نماز میں دل مصروف رہے اور خشوع میں خلل انداز ہو، جو بھی ہو۔(ت)

نیز شرح تنویر میں ہے: **ولذا تکرہ فی طاحون**[3] (اسی لئے چکی خانہ میں نماز مکروہ ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

لعل وجهه شغل البال بصوتها[4]۔	ہوسکتا ہے اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کی مشغولیت ہو(ت)

(۴) اس صورت میں وہ پنکھا مطلقاً خود ہی ناجائز ہے اگرچہ پہلی چار وجہ نہ بھی ہوتیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

کرہ ادخال نجاسة فیه فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیه[5]۔	مسجد میں نجاست کا داخل کرنا منع ہے اس لئے ناپاک تیل سے مسجد میں چراغ روشن کرنا جائز نہیں۔(ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث المغیرۃ بن شعبة دار الفکر بیروت ۴/ ۲۴۶

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۲

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۵

[5] درمختار شرح تنویر الابصار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

(۵) یہ بھی کافی وجہ اس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مراحدکم فی مسجدنا اوفی سوقنا ومعه نبل فلیمسك علی نصالها بکفه لایعقر مسلما[1]۔رواہ البخاری ومسلم وابوداؤدو ابن ماجة عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم ہماری مساجد و بازار سے گزرو تو اپنے نیزوں کے پھالوں کو قابو رکھو اگر پاس نیزے ہوں تاکہ کسی مسلمان کو نہ لگے۔اس کو بخاری، مسلم،ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا نمتم فاطفؤ االسراج فان الفارة تاخذ الفتیلة فتحرق اهل البیت [2]۔رواہ احمد والطبرانی والحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن سرجس والحدیث فی الصحیحین من وجوہ۔	جب سونے کا ارادہ ہو تو چراغ کو بجھادو، ممکن ہے کہ چوہیا چراغ کے فتیلہ کو کھینچ کر گھروالوں کو جلادے،اس کو احمد، طبرانی اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن سرجس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور صحیحین میں یہ روایت کئی طرق سے مروی ہے۔(ت)

(۶) جب ازروئے طب ان کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلٰی وجہ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے،اور یہ حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولاضرار [3]۔رواہ احمد و ابن ماجة عن ابن عباس وابن ماجة عن عبادة رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	ضرر رسانی ناجائز ہے۔اس کو احمد اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔(ت)

اس میں مسلمانوں کی بدخواہی ہوئی اور یہ خلاف دین ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین النصیحة للہ ولکتابه ولرسوله	بلاشبہ دین اللہ تعالٰی،اسکی کتاب،اس کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حمل السلاح فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۷، مسند احمد بن حنبل حدیث ابوموسٰی الاشعری دارالفکر بیروت ۴/ ۳۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ بن سرجس دارالفکر بیروت ۵/ ۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل اخبار عبادة بن الصامت دارالفکر بیروت ۵/ ۳۲۷

ولائمة المسلمین وعامتھم[1]۔رواہ احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن تمیم الداری رضی اللہ تعالٰی عنه، واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اور مسلمانوں کے ائمہ اور عوام الناس کے لئے خلوص کانام ہے۔اس کو مسلم،ابوداؤد،نسائی نے تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۰تا۱۲۱: از بہاولپور ریاست سپر نٹنڈنٹ یتیم خانہ وسکریٹری اوقاف ۹محرم الحرام ۱۳۳۴ھ پنجشنبہ

حضور ایک کمیٹی ریاست بہاولپور میں منتظم آمدنی وخرچ اوقاف مساجد کی ہے اس کو دو مسئلہ کی اس وقت ضرورت ہے اس پر شرعی فتوے سے روشنی فرماکر باراحسان فرمائیں:

اول: مسجد کی جائداد وقف کی آمدنی کسی دوسری مسجد کے مصارف میں خرچ ہوسکتی ہے یانہ؟

دوم: اگر کوئی شخص سال تمام کے وعدہ پر دکان وقف کو کرایہ پر لے اور درمیان سال میں بوجہ بیماری وغیرہ چھوڑدے تو کیا ممبران اوقاف باقیماندہ کرایہ چھوڑ سکتے ہیں؟فقط۔

الجواب:

(۱) ہرگز جائز نہیں یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں لوٹے حاجت سے زائد ہوں اور دوسری میں نہیں تو اس کے لوٹے اس میں بھیجنے کی اجازت نہیں۔

(۲) اگر اس نے عذر صحیح شرعی سے چھوڑا تو باقیماندہ کرایہ چھوڑا جائے گا ورنہ نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: از انجمن اسلامیہ بریلی ۹جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یتیم خانہ اسلامیہ بریلی میں وہ یتیم جن کی عمر ۱۶سال ۲ماہ کی ہے ان کی یہ دریافت طلب ہے کہ اس عمر والوں کو بموجب شرع شریف کے پرورش کرنے اور روٹی کپڑا دینے کا بار یتیم خانہ کے ذمہ ضروری ہے یانہیں؟ان لڑکوں کی حالت یہ ہے کہ سردست یہ اس قابل نہیں ہوئے کہ یتیم خانہ سے نکلتے ہی وہ خود اپنے قوت بازو سے معاش حاصل کرسکیں،اور اندیشہ ہے کہ ان لوگوں کو اگر اس طرح چھوڑ دیا جائے گا تو یہ آوارہ گردی اور بداطواری میں مبتلا ہوجائیں گے،اور امید ہے کہ چھ سات ماہ کوشش کرکے ان کو اس قابل کردیا جائے گا کہ وہ کوئی پیشہ یا صنعت سیکھ کر اپنی معاش وجہ حلال سے پیدا کرسکیں گے اور اس عرصہ میں ان کے واسطے کوئی صورت معاش حاصل کرنے کی پیدا کردیجائے گی،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴

پس اس صورت میں اگر ان لڑکوں کو اس عرصہ تک جب تک کہ وہ معاش پیدا کرنے کے قابل ہوسکیں یتیم خانہ میں رکھاجائے اور ان کے ضروری مصارف خورد نوش کا تکفل یتیم خانہ سے کیاجائے تو عندالشرع یہ مصارف اسلامی چندہ کی امانت سے جو یتیموں ہی کے واسطے وصول کیا گیا ہے جائز ہوں گے یا ناجائز؟ اور اس روپیہ کے اس مدت میں صرف کرنے کا مواخذہ عندالشرع مہتممان یتیم خانہ کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زر چندہ شرعًا ملک چندہ دہندہ پر باقی رہتا ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اس میں اجازت چندہ دہندگان پر مدار ہے اگر قدیم سے معمول یتیم خانہ رہا ہو کہ جو یتیم حد یتیم شرعی سے نکل کر بالغ ہو جائیں اور وہ بھی اپنے لئے رزق حلال کسب کرنے کے قابل ہونے تک ان کو یتیم خانہ میں رکھا جاتا اور زرچندہ سے ان کا خرچ کیا جاتا ہو، چندہ دہندگان اس پر آگاہ ہوا کئے اور اس پر راضی رہا کئے تو اب بھی جائز ہے **لان المعروف کالمشروط والاجازۃ دلالۃ کالاذن الصریح** (کیونکہ معروف چیز مشروط چیز کی طرح ہوتی ہے اور دلالۃً اجازت بھی صریح اجازت کی طرح ہے۔ت) اور اگر پہلے سے یہ معہود اور معروف نہ رہا اور اب تمام چندہ دہندوں سے اجازت لینی ممکن ہو تو اجازت لے کر کرسکتے ہیں،

لان المال لھم فیصرف باذنھم ولیس ھذا خلاف سبیل البرحتی یکرہ لھم الرجوع عنہ بل ربما یؤیدہ ویرغب الیتامٰی فی دخول ھذہ الجمیعۃ۔	کیونکہ مال ان کا ہے اس لئے ان کی اجازت سے خرچ کیا جائے اور یہ راہ نیکی کے خلاف نہیں ہے حتی کہ واپس لینا مکروہ ہے بلکہ اس میں نیکی کے لئے رغبت ہے اور یتیموں کو اس اجتماعیت میں شرکت کی رغبت ہوسکتی ہے (ت)

اور اگر سب سے اجازت نہ لے کر تو آئندہ مہینے کے چندے میں بقدر کفایت چند اشخاص سے اجازت لے لیجائے کہ تمہارا یہ چندہ جس حالت کے انقضا تک اس کام میں صرف ہوگا جو اجازت دیں ان کا چندہ باقی زرچندہ سے جدا رکھ کر خاص اس کام میں صرف کریں یہاں تک کہ پورا ہوا اور اگر کوئی اجازت نہ دے یا جس قدر پر اجازت پائی اس سے زیادہ اس کام میں اٹھایا جائے تو ضرور حرام ہوگا اور اس کا مواخذہ مہتمموں پر رہیگا اور جن جن کا وہ چندہ تھا ان سب کا تاوان ان پر لازم آئے گا **لانھم تعدوا علی اموالھم والمتعدی غاصب والغصب مضمون** (کیونکہ انہوں نے دوسرے کے مال پر تعدی کی ہے اور تعدی غصب ہے اور غاصب سے ضمان لیا جاتا ہے۔ت) اور اگر وہ یتیم حالت یتم سے یتیم خانہ میں تھے اور بعد ظہور بلوغ یا

پندرہ سال کی عمر پوری ہونے کے یتیم خانہ سے ان پر صرف کیا گیا اور اجازت مذکورہ نصًا یا عرفًا ثابت نہ تھی تو سال بھر سے زائد یہ مواخذہ ذمہ مہتممان لازم اور تاوان ادا کرنا واجب ہوچکا صرف آئندہ سے سوال کیوں **واللہ الھادی**۔ بر دران اسلام کو احکام اسلام سے اطلاع دینی خیر خواہی ہے اور مسلمانوں کی خیر خواہی ہر مسلمان کا حق ہے **والدین النصح لکل مسلم**[1] (دین تمام مسلمانوں کیلئے خلوص اور بھلائی کا نام ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۲۳: از اکبر آباد جامع مسجد مسئولہ جناب مولوی محمد رمضان صاحب ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

حضرت مولانا بالفضل والمعرفۃ اولانا مجد دمائۃ حاضرہ دام مجد کم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک استفتا ارسال خدمت اقدس ہے، امید ہے کہ جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمایا جاؤں، یہاں یہ مسئلہ درپیش ہے اور میری نظر سے ابھی کوئی نظیر ایسی نہیں گزری جس سے تشفی بخش جواب دیا جاسکتا، خیال ہوتا ہے کہ زید وکیل بالقبض ہے مگر سارا باب وکالت کا دیکھ ڈالا یہ صورت ایسی انوکھی ہے کہ صاف جواب نہیں ملتا، لہٰذا تصدیعہ وہ خدمت اقدس عالیہ ہوا زیادہ والتسلیم بہزار تفخیم، عاجز محمد رمضان عفی عنہ واعظ جامع مسجد آگرہ۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ کیا گیا عمرو نے پانچسو روپے کا ایک چک دیا جو نوٹ نہیں تھا بلکہ کتاب کا ورق تھا جس کے ذریعہ سے بنک سے روپیہ وصول کیا جاسکتا ہے کہ بنک سے روپیہ وصول کرکے اس رقم میں شامل کرلی جائے وہ چندہ زید کے پاس جمع ہوا جو اس مسجد کے متولیوں میں سے ایک متولی تھا اس نے چک کا روپیہ وصول نہیں کیا خواہ غفلت سے خواہ اس چک میں بنک کی جانب سے کوئی اعتراض ہوا ازاں بعد زید کا انتقال ہوگیا اور ورثائے زید نے بھی روپیہ وصول نہیں کیا ازاں بعد عمرو کا بھی انتقال ہوگیا باقی متولیان مسجد مذکورہ نے ورثائے زید پر اس جمع شدہ چندہ کی نالش کرکے ڈگری بھی حاصل کرلی ورثائے زید سے اس چک کا روپیہ وصول کرنا کہ ان کے مورث کی غفلت یا بنک کے کسی اعتراض کی وجہ سے وصول نہیں ہوا تھا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسا روپیہ مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے یا نادرست؟ یہ ملحوظ رہے کہ وہ چک اب کسی کام کا نہیں رہا، **بینوا بالکتاب توجروا عنداللہ احسن ثواب** (کتاب سے بیان کرو اور اللہ تعالٰی سے اجر وثواب پاؤ۔ت) **فقط**۔

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

الجواب:

صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کی وہ نالش محض باطل تھی اور ڈگری سراسر خلاف شرع ہوئی، وہ روپیہ مسجد میں لینا نرا حرام ہے، اور اگر لے لیا ہے تو ورثائے زید کو واپس دینا فرض ہے، ظاہر ہے کہ روپیہ جو کوئی شخص بنک میں جمع کرتا ہے وہ بنک پر دین ہوتا ہے، عمرو نے جو وہ روپیہ تعمیر مسجد کو دیا اگر مسجد موجود تھی اور اس کی تعمیر کو دیا تو یہ مسجد کے لئے ہبہ ہوا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل اعطی درھما فی عمارۃ المسجد او نفقۃ المسجد اومصالح المسجد صح لانہ ان کان لایمکن تصحیحہ وقفا یمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی ھذاالوجہ صحیح ویتم بالقبض کذافی الواقعات الحسامیۃ[1]۔	اگر کسی شخص نے مسجد کی عمارت یا اس کے اخراجات یا مصالح کے لئے بطور چندہ ایک درہم دیا تو جائز ہے کیونکہ اگر وقف کے طور پر صحیح نہ ہو تو ہبہ کے طور پر اس کی صحت ہوسکتی ہے کہ مسجد کے لئے یہ تملیک ہوجائیگی جبکہ اس طرح مسجد کے لئے تملیک صحیح ہے اور قبضہ ہوجانے پر ہبہ تمام ہوجائے گا۔ حسامیہ کے واقعات میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین وغیرہا میں ہے اس تقدیر پر یہ ھبۃ الدین عمن غیر من علیہ الدین مع تسلیطہ علی القبض (غیر مدیون کو قبضہ پر اختیار دے کر دین کا ہبہ کیا گیا ہے۔ت) ہوا، متولیان مسجد موہوب لہ کے نائب اور عمرو کی طرف سے وکیل بقبض الدین ہوئے اور اگر ہنوز مسجد موجود نہ تھی بلکہ بنانا چاہتے تھے اسکے چندہ میں دیا تو ہبہ نہیں ٹھہرا سکتے کہ معدوم کے لئے ہبہ ممکن نہیں متولی صرف وکیل بالقبض ہوئے، دونوں صورتوں میں جب تک قبضہ نہ ہوا روپیہ ملک عمرو پر تھا، صورت ثانیہ میں تو ظاہر ہے کہ سرے سے ہبہ ہی نہ ہوا تو ملک مالک سے خروج کیا معنے،

وقد حققنا فی فتاونا ان مایجمع من الناس لمصرف خیر یبقی علی ملك المعطیین۔	ہم نے اپنے فتاوٰی میں یہ تحقیق کردی ہے کہ لوگوں سے کسی اچھے مصرف کے لئے جو چندہ جمع کیا جاتا ہے وہ چندہ دینے والے لوگوں کی ملکیت ہی رہتا ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

رجل جمع مالامن الناس لینفقہ	کسی شخص نے لوگوں سے مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٤٦٠

فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجته ثم ردبدلها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه [1] الخ۔	جمع کیااور ان دراہم کواس نے اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرلیا پھراس کے بدلے مسجد کی ضرورت میں اپنامال خرچ کیاتوایسا کرنے کااس کو اختیار نہیں ہے اگر کرلیا تو چندہ دینے والوں کوچندہ واپس کرے یاان سے نئی اجازت طلب کرے اگر چندہ دینے والوں کاعلم ہو۔(ت)

اور صورت اولٰی میں اس لئے کہ ہبہ بے قبضہ تمام ومفید ملک موہوب لہ نہیں ہوتا، ابھی واقعات حسامیہ وہندیہ سے ہبہ مسجد میں گزراکہ یتم بالقبض (قبضہ ہوجانے سے ہبہ تام ہوجاتاہے۔ت) اسعاف پھر بحرالرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبهم شیئ قالوایصرف الفاضل فی بنائه ولایصرف الی الدهن والحصیر هذا اذاسلموه الی المتولی لیبنی به المسجد والایکون الفاضل لهم یصنعون به ماشاؤا [2]۔	اگر قوم نے مل کر مسجد تعمیر کی اور کچھ تعمیراتی سامان لکڑی وغیرہ بچ جائے توفقہاء نے فرمایاکہ بچے ہوئے کواسی عمارت میں خرچ کرے اوراس کودوسرے مصارف مثلاً مسجد کی چٹائی اور تیل وغیرہ میں نہ خرچ کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ قوم نے متولی کویہ کہہ کر سونپا ہوکہ اس کو تعمیر میں خرچ کردو، ورنہ فالتوسامان ان دینے والوں کی ملکیت رہے گا وہ جہاں چاہیں صرف کریں۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایصح تملیکه ای الدین من غیر من هو علیه الا اذاسلطه علی قبضه فیکون وکیلا قابضا للموکل ثم لنفسه [3]۔	اس کی یعنی قرض کی مقروض کے غیر کو تملیک جائز نہیں تاوقتیکہ اس غیر کو قرض کی وصولی پر مقرر نہ کردے تاکہ یہ اس مالک کی طرف سے وصولی کاوکیل بن کر پھر اپنے لئے وصولی کامالک بن جائے(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الاوقاف التی یستغنی عنہا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین فائدہ نمبر ۵ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

جامع الفصولین میں ہے:

هبة الدین ممن لیس علیه لم تجز الااذا سلطه علٰی قبضه فیصیر کانه وهبه حین قبضه ولایصح الا بقبضه[1] (ملتقطًا)۔	قرض کا ہبہ غیر مقروض کو صرف اسی صورت میں جائز ہوگاجب وہ اس کو اپنی طرف سے قبضہ کیلئے مقرر کرے، تو یوں قبضہ کرلینے کے بعد ہبہ قرار پائے گا اور پھر اس کاقبضہ ہوجانے پر صحیح ہوجائے گا(ملتقطا)(ت)

یہاں اگر موت عمرو سے پہلے چک بیکار ہوگا تو ہبہ بوجہ ہلاک موہوب قبل القبض باطل ہوگیااور اگر موت عمرو کے بعد بیکار ہوا تو بوجہ موت واہب قبل تسلیم کما فی الدر المختار وعامة الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ت) بہر حال مسجد کے لئے ملک اصلا نہ ہوئی تو متولیان مسجد کو اس کا مطالبہ کس بناء پر پہنچ سکتا تھا، نہ کسی طرح ان کی ڈگری ہوسکتی تھی نہ ہر گز انہیں اس کا لینا حلال، نہ مسجد میں خرچ کرنا حلال، معہذا غفلت اگر جرم ہے تو نہ صرف زید بلکہ سب متولیوں کا کہ جب عمرو نے وہ چک مسجد کو دیا تھا ہر متولی کو مسجد کے لئے اس کا حاصل کرنا تھا فقط زید کے پاس جمع کردینے سے کیا باقی سب تولیت مسجد سے خارج ہوگئے اگر خارج ہوگئے توانہوں نے دعوٰی کس بناپر کیااور اگر خارج نہ ہوئے توانہوں نے کیوں نہ وصول کیا یا کرایا، کیوں مال ضائع ہونے دیا، جرم ہے تو سبھی پر ہے، بلکہ اگر چک بعد موت زید بیکار ہوا تو تنہا باقیوں پر الزام ہے کہ ورثاء متولی نہیں، ان متولیوں نے کیوں تلف ہونے دیا، علاوہ بریں اگر یہ جرم تھا تو اتنا کہ ایک مال جو مسجد کی ملک ہوجاتا وصول نہ کیا نہ یہ کہ ایک مال جو مسجد کی ملک تھا تلف کردیا تو یہاں تملک سے امتناع ہے نہ کہ مملوک کا ضیاع، تو ضمان کیا معنی، اور جب ضمان نہیں تو زید ہی کے مال پر مطالبہ نہ آیا تو ورثاء سے مطالبہ کیسا،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بوجہ غفلت چک بیکار ہوا ہو، اور اگر بنک والوں نے اس میں کوئی نقص نکال کر روپیہ نہ دیا جب توظاہر ہے کہ زید بے قصور ہے بالجملہ دعوٰی بہر حال باطل وبے معنی ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون فی الاحکامات ہبۃ الدین اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ بطور چندہ کانپور کے بیوگان ویتیمان وغیرہ وغیرہ کے واسطے جمع کیا ہو، اور اب بعد فیصلہ کانپور وہ روپیہ اکثر مردمان کی رائے سے تعمیر مسجد میں لگادیا جائے تواس کے بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

چندہ جس کام کے لئے کیا گیا ہو جب اسکے بعد بچے تو وہ انہیں کی ملک ہے جنہوں نے چندہ دیا ہے، **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ت) ان کو حصہ رسد واپس دیا جائے یا جس کام میں وہ کہیں صرف کیا جائے، اور اگر دینے والوں کا پتا نہ چل سکے کہ ان کی کوئی فہرست نہ بنائی تھی نہ یاد ہے کہ کس کس نے دیا اور کتنا کتنا دیا تو وہ مثل مال لقطہ ہے اسے مسجد میں صرف کرسکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از شہر مرسلہ جناب حافظ میاں صاحب ۵ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ یوم دوشنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک ملک اور ایک باغ واسطے نیاز حضور جناب امام حسین علیہ السلام اور فاتحہ پیران عظام اور مرمت شکست ریخت زیارت بغرض بقائے نشان ونیز خیرات خالصًاللہ وقف کی، آیا یہ وقف مذہب اہل سنت وجماعت میں جائز وصحیح ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بادلیل مشرح فرمائے، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

خیرات خالصًا للہ کے لئے وقف جائز وصحیح ہے یونہی نیاز وفاتحہ حضرتِ امام واولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے، جبکہ اسے مصرف خیر میں صرف کرنا ہو۔رہی مرمت زیارت، اگراس مراد وہ مکان ہے کہ مسافرین، زائرین، حاضرین عرس کے آرام کو بنایا گیا تو وہ مثل سرائے ومسافرخانہ قربت ہے اوراس کی مرمت مثل عمارت، تو اس پر بھی وقف جائز وصحیح ہے۔

فی الدرالمختار الوقف علی ثلثة اوجه اما للفقراء او للاغنیاء ثم للفقراء اویستوی فیه الفریقان کرباط و خان ومقابر وسقایات وقناطر ونحوذٰلك کمساجد و طواحین وطست لاحتیاج الکل لذٰلك الخ[1]۔	درمختار میں ہے کہ وقف تین طرح ہوتا ہے: فقراء کے لئے یا پہلے اغنیاء اور پھر فقراء کے لئے یا دونوں کے لئے مساوی، جیسے سرائے، تکیہ، قبرستان، سبیلیں اور خیمے وغیرہ۔مثلًا مساجد، چکیاں اور برتن کیونکہ یہ تمام لوگوں کی ضروریات ہیں (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۶

اور اگر مراد عام قبر کی مرمت ہے تو وہ قربت نہیں اور وقف کے لئے قربت ہونا شرط ہے،

فی الدرالمختار شرطه ان یکون قربة فی ذاته ملوما منجزا[1] الخ۔	درمختار میں ہے کہ وقف ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ عمل ذاتی طور پر نیکی ہونا واضح طور پر معلوم ہوا الخ۔ (ت)

فتاوٰی قاضی و فتاوٰی سراجیہ و تنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

اوصی بان یطین قبر فھی باطلة[2] اھ مختصرًا	قبر کی لپائی کی وصیت کی تو باطل ہے اھ مختصرًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الوصیة اما صلة او قربة ولیست ھذہ واحدة منھما فبطلت[3]۔	وصیت، صلہ رحمی ہو یا پھر نیکی ہو، اور یہ دونوں میں سے نہیں ہے، لہذا باطل ہے (ت)

ہاں قبور اولیاء کرام کے حفظ و نگہداشت کو جبکہ ان کی تعظیم و تکریم کے تحفظ اور توہین و پامالی سے بچانے اور مسلمانوں کے وہاں حاضر ہو کر فیض ثواب و تبرکات پانے کے لئے ہو قربت کہنا اقرب بفقہ ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ"[4]۔	یہ پہچان سے قریب تر ہے تاکہ ان کو اذیت سے بچایا جائے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تطیین القبور لایکرہ فی المختار وقیل یکرہ وقال البزدوی لواحتیج لکتابة کیلایذھب الاثر ولایمتھن لاباس به[5]۔	قبروں کی لپائی مکروہ نہیں ہے، مختار قول میں بعض نے کہا مکروہ ہے۔ بزدوی نے فرمایا اگر کتابت کے لئے ضرورت ہو تاکہ قبر کے آثار ختم نہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۱

[4] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۹

[5] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

ان کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العامة حتی لایحتقر واصاحب ھذا القبر الذی وضعت علیه الثیاب ولجلب الخشوع والادب لقلوب الزائرین الغافلین کما ذکرنا من حضور روحانیتھم المبارکة عندقبورھم فھو امر جائز الخ[1]۔	اگر مقصد یہ ہو کہ اس سے لوگوں کی نظروں میں تعظیم ہوگی اور قبر والے کی تحقیر سے حفاظت ہوگی تو اس کی قبر پر کپڑا ڈالنا اور غافل لوگوں کو وہاں خشوع کی طرف اور ادب کی طرف راغب کرنا، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ قبروں پر اصحاب قبور کی روحیں حاضر ہوتی ہیں، اس لئے ہو تو یہ جائز ہے الخ (ت)

اور شک نہیں کہ ہر مباح بہ نیت محمودہ محمود و قربت ہو جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی[2]۔	اعمال نیات کے ساتھ ہیں، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے (ت)

اس صورت میں اس مرمت کے لئے تنہا بھی وقف صحیح ہو سکتا ہے لیکن یہاں جبکہ صرف مرمت قبر پر وقف نہیں بلکہ اس میں مصارف قبر صراحۃً مذکور ہیں تو ایک مصرف جائز اگرچہ خود قربت نہیں، ان میں شامل کرنا وقف کو ناجائز نہیں کر سکتا غایت یہ کہ گویا اتنا روپیہ جس قدر کی حاجت کبھی مرمت قبر کے لئے واقع ہو مصارف خیر سے ایک مصرف جائز کے لئے مستثنے ہوا اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

اذاجعل اوله علی معنیین صار کانه استثنی ذلك من الدفع الی الفقراء کما صرحوا به[3]۔	جب وقف کرتے ہوئے دو چیزوں کو ذکر کیا گیا تو گویا یہ فقراء کو دینے سے مستثنٰی ہوگا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

فتاوٰی قاضی خاں ردالمحتار میں ہے:

لوقال ارضی صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس له ولد یصح لان قوله صدقة موقوفة	اگر کسی نے یوں کہا کہ میری یہ زمین آئندہ پیدا ہونیوالے میرے بچے کے لئے صدقہ ہے فی الحال اگرچہ بچہ نہ ہو تو بھی یہ صحیح ہے کیونکہ اس کا صدقہ کہنا اس کو

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۷

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

وقف علی الفقراء وذکر الولد الحادث للاستثناء [1]۔	فقراء کے لئے وقف قرار دے گا اور آئندہ ہونیوالے بچے کا ذکر فقراء کے مصرف سے مستثنٰی ہوگا۔ (ت)

بالجملہ صورت مذکورہ میں وہ وقف ضرور صحیح وجائز ولازم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وقف علی الاولاد و وقف علی النفس جائز ہیں یا نہیں؟ اور ان کے کیا معنٰی ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

شرع مطہر میں وقف علی الاولاد و وقف علی النفس سب جائز ہے یعنی اپنی جائدادیوں وقف کرے کہ تاحیات کلیۃً خود اس سے متمتع رہوں تمام آمدنی اپنے مصارف ذاتی پر صرف کروں میرے بعد میری اولاد واولادِ اولاد اس سے بدیں تفصیل یا حصہ مساوی (جس طرح چاہے کہے) متمتع ہوتی رہے جب نسل میں کوئی نہ رہے توفلاں مدرسہ یا مسجد یا فقراء یا کارِ خیر کے لئے ہو جس طرح کہے گا اسی طرح پابندی ہوگی اور جائداد بیع وہبہ وغیرہ انتقال کے اصلاً قابل نہ رہے گی تولیت کا بھی اختیار ہے کہ اپنی حیات تک چاہے اپنے ہی نام رکھے یا اپنی اولاد کے نام اور بعد کو بھی جس طرح کی جائز شرطیں چاہے تولیت میں لگائے سب کی پابندی اسی طرح ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مکان بوائن مرحومہ مرسلہ محمد مغل صاحب ۲۶ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی ایک موضع میں ۴/ حقیت زمینداری ہے جس سے انتفاع تخمیناً مبلغ عہ ۳۰/ روپیہ ماہوار کا ہے اور یہ اراضی ہندہ کو اپنے شوہر مرحوم سے دین مہر میں ملی ہے چونکہ ہندہ لاولد ہے اس وجہ سے اپنی جائداد مذکورہ اس طور سے وقف فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہے کہ جب تک وہ زندہ ہے خود متولی رہ کر اس کی آمدنی سے بطریق مناسب خیرات کرتی رہے گی بعد اس کے مرنے کے چار شخص دیندار متدین جنکو کہ وہ نامزد کرے گی وہ لوگ متولی ہوں گے اور اس آمدنی سے ایصال ثواب جس طریقہ سے وقف نامہ میں لکھے گی کرتے رہیں گے، ہندہ کی تین حقیقی بہنیں ہیں سوائے ان کے کوئی عزیز قریب نہیں ہے اور یہ ہر سہ بہنیں صاحب اولاد ہیں اور ان کی ماہوار آمدنی ہندہ کے آمدنی سے زیادہ غرضکہ ہر سہ بہنیں محتاج نہیں ہیں، اکثر اشخاص یہ کہتے ہیں کہ یہ وقف از روئے شرع شریف

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۱

ناقص وناجائز ہوگااس وجہ سے کہ حقیقی بہنیں موجود ہیں اور ہندہ پر حق العباد کا مواخذہ رہے گااوراس کو اجر وثواب اس کانہ ہوگا بلکہ گنہگار ہوگی کہ وہ حق تلفی کرتی ہے،چونکہ ہندہ جائداد مذکورہ بالاثواب وصدقہ جاریہ کے غرض سے وقف کرتی ہے پس اس صورت میں یہ وقف جائز ہوگا یاکہ ناجائز؟ اور ہندہ وقف کرنے سے ثواب پائے گی یاحق العباد کی حق تلفی سے گنہگار ہوگی؟ امید کہ جواب بحوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔**بینوا توجروا۔**

اسے اپنی صحت میں وقف کااختیار ہے جس طرح وقف کرے گی کل یا بعض وقف ہوجائے گی مگرنیت اگر یہ ہے کہ بہنوں کو ترکہ سے محروم کرے تو یہ اگرچہ حق العبد میں گرفتار نہیں کہ صحت مورث میں کسی وارث کا کوئی حق اس کے مال سے متعلق نہیں ہوتا مگر ایسی نیت ضرور مذموم وسخت شنیعہ ہے،حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ۔[1]	جو بلاوجہ شرعی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کا حصہ قطع کردے۔(ت)

بہنوں کامالدار ہونا کوئی وجہ شرعی ان کے محروم کرنے کی نہیں۔راہ یہ ہے کہ یا تو وارثوں سے رضامندی لے وہ سچے دل سے اجازت دے دیں کہ تم اپنی جائداد مصارف خیر کے لئے وقف کردو یا وقف اہلی کرے کہ وقف کا بھی ثواب پائے اور وارث بھی محروم نہ ہوں یعنی یوں وقف کرے کہ یہ جائداد میں نے اپنی زندگی بھر اپنے نفس پر وقف کی اور اپنے بعد اپنے ورثہ پر اور جب وہ اور اس کا وارث کوئی نہ رہے تو فلاں فلاں مصارف خیر پر اس میں یہ بھی جائز ہوگا کہ جائداد میں سے جتنا چاہے اپنی حیات اور اپنے وارثوں کے حیات میں بھی مصارف خیر کے لئے معین کردے اتنا ان میں صرف ہوگا باقی اپنی زندگی بھر یہ لے گی اور اس کے بعد اس کے وارث۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۸: ازمدرسہ نعمانیہ دہلی مرسلہ مولوی محمد ابراہیم صاحب احمد آبادی ۲۳شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے مکان کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے کہ اس میں وراثت جاری نہ ہو،منشاء زید یہ ہے کہ مکان آبائی اسی طرح قائم رہے حصہ بخرہ ہوکر خراب نہ ہوکہ ورثہ اپنے اپنے حصے بیع کردیں گے،اولاد نرینہ اس میں رہا کرے اولاد اناث کواگر ضرورت ہو یعنی

[1] سنن ابن ماجہ باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ سرگودھا ص ۱۹۸

ان کی سسرال سے کسی ناچاقی کی وجہ سے یہاں آنا ہوتو وہ بھی رہے اور خرید وفروخت ہبہ وغیرہ کا کسی کو اختیار نہ رہے البتہ شکست وریخت یا تعمیر جدید یا تغییر مکانیت مناسب کا ہمیشہ اختیار ہے زید کی ایک ہمشیرہ بھی سہیم ہے وہ اس وجہ سے کہ اس کے لڑکے شاید ناراض ہوں تحریر نہیں دیتی زبانی خاص لوگوں کے روبرو اپنا معاف کرنا بیان کرتی ہے، اس صورت میں زید کا وقف کرنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

زید کو ایسے وقف کا اختیار ہے اور یہ وقف صحیح ہے اولاد نرینہ کے سامنے ہمشیرہ کا کوئی حق نہیں ہوتا تو وقف پر کہ غیر مرض موت میں کیا جائے کسی وارث کو حق اعتراض نہیں، نہ حصہ معاف کرنے کی ضرورت، نہ کسی تحریر دینے کی۔ وہ یہ مضمون لکھ دے کہ میں نے اپنا مکان محدود بحدود چنیں وچناں اپنی زندگی بھر اپنے نفس پھر اپنی اولاد پھر فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت پر بایں شروط وقف صحیح شرعی لازم کیا۔

(۱) اپنی حیات بھر خود اس میں رہوں گا۔

(۲) میرے بعد میری اولاد نرینہ واولاد نرینہ واولاد نرینہ تابقائے نسل اس میں رہیں۔

(۳) اولاد اولاد اولاد میں جو اناث ہوں جب تک شادی نہ ہو یا جو بیوہ ہوجائے اور وہاں ٹھکانہ نہ رہے یا بوجہ ناچاقی وہاں نہ رہ سکے وہ بھی تابقائے ضرورت اس میں سکونت رکھے گی۔

(۴) جب نسل میں اولاد ذکور نہ رہیں اولاد اناث کو حق ہوگا۔

(۵) جب وہ بھی نہ رہیں مکان کرائے پر دیا جایا کرے گا اور کرایہ فقرائے مسلمین اہل سنت وجماعت مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین پر صرف ہوا کرے گا۔

(۶) شکست ریخت کا صرف میری زندگی میں میرے ذمہ پھر اولاد ساکنین پھر کرایہ مکان سے ہوا کرے گا۔

(۷) کسی وقت کسی کو اس کی بیع وہبہ وانتقال وغیرہ کا اختیار نہ ہوگا، اور یہ جو مناسب ہوں شرائط لکھ کر وقف نامہ مکمل کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹ تا ۱۳۰: ازآگرہ کٹرہ مسئولہ محمد نواب حسین کارخانہ دار کامدانی ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) زید اپنی جائداد کو وقف علی الاولاد کرنا چاہتا ہے اور ایک ثلث آمدنی جائداد کا کارخیر میں دینا منظور ہے بعد منہائی دیگر اخراجات ضروری مرمت وغیرہ میں جو رقم باقی رہے اس میں سے ایک ثلث کارخیر میں صرف کرنا یا کل آمدنی میں سے۔

(۲) جو رقم ثلث آمدنی کارِ خیر کے واسطے نکالی جائے اس میں سے نیاز بزرگان دین کی و محفل میلاد شریف میں خرچ کرنا و کسی مدرسہ وغیرہ میں دینا مقصود ہے یہ جائز ہوگا اس حالت میں جداگانہ زکوۃ کی تو ضرورت نہ رہے گی۔

الجواب:

(۱) یہ اسکی زبان پر ہے اگر وقف میں یہ شرط لگائے گا کہ کل آمدنی بلااخراج خرچ کا ثلث تو یہی واجب ہوگا اور منافع خالص کا ثلث کہے گا تو خرچ نکال کر جو بچا اس کی تہائی اور اگر مطلق کہے گا تو حسب عرف منافع خالص کا ثلث سمجھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کار خیر میں جو کام متعین کردے گا مثلاً مسجد یا مدرسہ یا مساکین وہ ثلث اس میں صرف ہوسکے گا اور اگر نیاز بزرگان دین و محفل میلاد شریف بھی اسی میں شامل کرے گا تو یہ بھی ہوسکے گا یہ ثلث کار خیر میں صرف کردینا بقیہ دو ثلث پر سے زکوۃ ساقط نہ کردے گا جبکہ اس کے پاس حاجات اصلیہ سے فارغ بقدر نصاب بچے اور سال گزرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

باب المسجد
(احکام مسجد کا بیان)

مسئلہ ۱۳۱: میمن محمد عبداللہ ابوبکر سوداگر زورنگل بازار انصار گنج ریاست حیدرآباد دکن ۱۲ شوال ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چبوترہ پر عرصہ تیس سال سے اذان ونماز باجماعت وجمعہ ہوا کرتی ہے، اس پر محراب ومنبر بھی ہے، زید کہتا ہے کہ محض چبوترہ پر نماز وغیرہ قائم ہونے سے حرمت مسجد نہیں ہوتی کیونکہ اس پر نہ چھت ہے نہ منارہ جولوازمات مسجد ہیں، بکر کہتا ہے یہ لوازمات مسجد نہیں اذان ونماز پنجگانہ باجماعت وجمعہ کا قیام کافی ہے، اب ازروئے شرع کیاحکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

زید کا قول محض باطل وخلاف شرع ہے مسجد کے لئے چھت، منارہ، دیواریں کوئی چیز لازم نہیں، اس میں تومنبر محراب موجود ہے، یہ بھی نہ ہوتا تو بھی مسجدیت میں خلل نہیں۔ مسجد صرف اس زمین کا نام ہے جو نماز کیلئے وقف ہو یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنی نری خالی زمین مسجد کو دے مسجد ہوجائے گی، مسجد کا احترام اس کے لئے فرض ہوجائے گا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوافيها بجماعة ابدا اوامرهم بالصلٰوة مطلقًا ونوی	کسی شخص کی خالی زمین ہے جس میں عمارت نہیں اس نے لوگوں کو کہا کہ اس میں ہمیشہ نماز باجماعت پڑھا کرو، یایوں کہا کہ اس میں نماز پڑھو، اورنیت

الابد صارت الساحة مسجدا کذافی الذخیرۃ وھکذا فی فتاوٰی قاضی خان۔[1] (ملخصًا)	ہیشگی کی کی تھی تو دونوں صورتوں میں وہ خالی زمین مسجد ہو گئی جیسا کہ ذخیرہ اور فتاوٰی قاضی خان میں ہے (ت)

جبکہ اس چبوترہ کا کوئی مالک ومدعی نہیں اور اس میں مدتوں سے نماز باجماعت ہوتی ہے، جمعہ ہوتا ہے، منبر ہے، محراب ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو مسجد نہ سمجھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۳۲: از شملہ مسجد قطب خانساماں کوہ شملہ خورد مرسلہ عالم خاں ممبر وسکریٹری مسجد مذکورہ ملازم کوٹھی آرناڈیل ۶ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص قطب خانساماں نے تین مسجدیں مقام کوہ شملہ تین بازاروں میں بنوائی تھیں، بازار کلاں وبازار بابوگنج وبازار چھوٹا شملہ، خانساماں مرحوم نے خاص اپنی سعی وکوشش سے انگریز سے زمین بھی لی اور بنیاد بھی مسجد کی خود ہی ڈالی، اور اپنے زرِ خاص سے مسجد کو بنوایا، اور تیار ہونے پر بھی خانساماں مغفور نے اپنی حین حیات مسجد کی خدمت وخبر گیری کی اور مسجد کے ہمیشہ خرچ کے لئے کچھ جائداد بھی مسجد کے متعلق کی جو مسجد کے خرچ کو کافی ہے، اب بعد گزر جانے خانساماں مرحوم کے بے انتظامی متولیان ومنتظمانِ وقت کے سبب مسجد کے شہید ہو جانے پر اور پیشہ کے چند لوگوں نے چندہ جمعہ کرکے مسجد مذکور کو تعمیر کرایا اور انتظام دست بدست دیگراں رہا، سواب حق زیادہ مسجد پر پہلے بنانے والے اور اسکے گروہ کا ہے یا بعد کے بنانے والوں کا اور اس کے گروہ کا؟ اور نام روشن ہونا مسجد پہ اور مسجد کی تمام چیزوں پہ کس کا ہونا چاہئے یا کسی کا بھی نہیں؟ او مسجد مذکور قطب خانساماں کے نام سے پکاری جاتی ہے، بعد گزر جانے خانساماں مذکور کے انتظام مسجد دست بدست دیگراں رہا جو کہ منتظم یا متولی مانے جاتے رہے ہیں، بایں صورت ایک شخص بابوپندرہ بیس سال سے متولی یا منتظم قرار دیا ہوا تھا اور انتظام مسجد وآمدنی وخرچ سب اسی کے سپرد تھا سو اسکے انتظام وتولیت سے مسجد کو سراسر نقصان ہوا، یہاں تک کہ مسجد مقروض بھی ہوئی اگرچہ اب نہیں ہے، لیکن مسجد پر خستگی اب بھی ظاہر ہے اور نمازیوں کو تکلیف سامان نماز سے ہمیشہ پہنچتی رہی، لہٰذا متولی ہٰذا کو معزول کرکے بجائے اس کے چند اشخاص معقول ممبر مقرر کرکے جو ایک پیشہ اور اسی بازار کے تھے، انتظام مسجد وآمدنی وخرچ ان کے متعلق کیا گیا، اب آئندہ انتظام دستور سابق کے موافق ہونا چاہئے جو متولی معزول کے وقف میں تھا اور اسی روش پہ چلنا چاہئے یا نئے طریق سے جو مسجد کی آسودگی ونمازیوں کے آرام کی صورت ہو، جو کتابیں کہ اب انتظام مسجد کے حساب وکتاب کے واسطے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

نئی تیار ہوئی ہیں ان پر نام قطب خانساماں کا لکھا گیا ہے، گروہ دوم کہتا ہے کہ ان پہ قطب خانساماں کا نام لکھنا شرک وبدعت ہے چونکہ پہلے نہ تھا اب کیوں لکھا گیا؟ گروہ خانساماں کہتا ہے کہ کتابوں پہ نام کا ہونا شرک وبدعت نہیں ہے، پہلے کا دستور قاعدہ جب لیں جو قواعد وطریق سابق سے مسجد کو آسودگی اور نمازیوں کو آرام پہنچا ہو، مسجد کی آمدنی کا روپیہ خانساماں کے گروہ کے پاس رہنا چاہئے یا گروہ دوم کے پاس؟ اور زرِمذکور زیادہ مالدار کے پاس رہے یا تھوڑے مالدار کے پاس؟

الجواب:

مسجد قیامت تک اصل بانی کے نام سے رہے گی اگرچہ اس کی شکست ریخت یا شہید ہوجانے کے بعد دوبارہ تعمیر اور لوگ کریں، ثواب ان کے لئے بھی ہے مگر اصل بنا بانی وقف کے واسطے خاص ہے،

فان اصل المسجد الارض والعمارۃ وصف ولایکون من اعاد الوصف کمن احدث الاصل۔	کیونکہ اصل مسجد تو زمین ہے اور عمارت وصف ہے چنانچہ جس نے وصف کا اعادہ کیا وہ موجد اصل کی مانند نہیں ہوسکتا۔(ت)

کتابوں پر خانساماں کا نام لکھا جانا نامناسب نہیں بلکہ بہتر ہے اور اسے شرک وبدعت کہنا بدعت ہے۔اسعاف پھر ردالمحتار میں ہے:

من قصد الواقف نسبۃ الوقف الیه وذٰلك فیما ذکرنا[1]۔	واقف کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کی طرف منسوب رہے،اور یہ ہماری مذکورہ صورت میں ہی ہوسکتا ہے(ت)

متولی مسجد بھی جب تک خانساماں کی اولاد یا کنبہ والوں میں کوئی شخص اس کا اہل پایا جائے اور لوگوں میں سے نہ کیا جائے گا، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح التولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانه اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[2]۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی متولی وقف بنانے کی اہلیت رکھتا ہو بیگانوں میں سے کسی کو متولی نہ بنایا جائے کیونکہ واقف کا قریبی رشتہ دار وقف کا زیادہ خیال رکھنے والا ہوگا اس لئے کہ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٤١١

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٩

مسجد کا روپیہ اسی متولی کے اختیار میں رہے گا اسکے لئے دیانتداری کار گزار ہونا شرط ہے مالدار ہونا ضرور نہیں، مالداروں کی سپردگی میں جبکہ مسجد کی بے انتظامی اور نمازیوں کو تکلیف رہی تو اس انتظام کا بدلنا اور ہوشیار دیانت دار پرہیز گار مسلمانوں کی نگرانی میں دینا فرض تھا، درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا بزازیۃ، لوالواقف درر، فغیرہ بالاولی غیر مأمون اوعاجزًا اوظھر بہ فسق کشرب خمر ونحوہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف متولی کی تولیت سے نکال لینا واجب ہے (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہی متولی ہو (درر) جبکہ وہ غیر امین یا عاجز ہو یا اس کا فسق جیسے شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہوجائے [جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو] غیر واقف سے اس صورت میں وقف کا واپس لے لینا بدرجہ اولٰی واجب ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: از رام پور بیلا تالاب مسجد شاہ درگاہی صاحب مرسلہ مولوی عبدالقادر صاحب بنگالی ۵ صفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جگہ ایک مسجد چھپّر کی تھی اب ایک شخص نے اسکو توڑ کر اپنے پاس سے روپیہ دے کے اسی جگہ میں ٹین کر دیا، اب توڑا ہوا چھپّر فروخت کرنا برائے خرچ مسجد کے یا بیٹھک خانہ بنانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر بیٹھک خانہ درست ہے تو ازروئے شرع شریف کے کس صورت پر جائز ہوگا فقط، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حاکم اسلام اور جہاں وہ نہ ہو تو متولی مسجد واہل محلّہ کو جائز ہے کہ وہ چھپّر کہ اب حاجت مسجد سے فارغ ہے کسی مسلمان کے ہاتھ مناسب داموں بیچ ڈالیں اور خریدنے والا مسلمان اسے اپنے مکان نشست یا باورچی خانے یا ایسے ہی کسی مکان پر جہاں بے تعظیمی نہ ہو ڈال سکتا ہے، پاخانہ وغیرہ مواضع بیحرمتی پر نہ ڈالنا چاہئے کہ علما نے اس کوڑے کی بھی تعظیم کا حکم دیا ہے جو مسجد سے جھاڑ کر پھینکا جاتا ہے۔ جواہر الاخلاطی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

حشیش المسجد اذاکان لہ قیمۃ فلاھل المسجدان یبیعوہ وان رفعوا الی	مسجد کی گھاس کی اگر کوئی قیمت ہو تو اہل مسجد کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کردیں۔ اگر حاکم کے پاس

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الحاکم فھواحب ثم یبیعوہ بامرہ ھو المختار[1]۔	اس کامرافعہ کریں تویہ زیادہ پسندیدہ ہے پھراس کے اذن سے فروخت کریں، یہی مختار ہے(ت)

فتاوٰی خانیہ میں ہے:

قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعھم بغیر امر القاضی لایصح ان یکون فی موضع لاقاضی ھناک[2]۔	ہم ذکر کرچکے کہ حکم صحیح یہ ہے کہ بغیر امر قاضی کے ان لوگوں کا مسجد کی گھاس کو فروخت کرنا صحیح نہیں سوائے اس جگہ کے جہاں قاضی نہ ہو۔(ت)

درمختار میں قبیل باب المیاہ ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کی گھاس اور کوڑا کرکٹ ایسی جگہ نہ ڈالا جائے جہاں اس کی بیحرمتی ہوتی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[3] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
التحریر الجید فی حق المسجد ۱۳۱۵ھ
(مسجد کے حق میں عمدہ تحریر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۳۴: بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۱ذوالحجۃ الحرام ۱۳۱۵ ہجری قدسیہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی چیزیں فروخت کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی چیزیں اس کے اجزاء ہیں، یا آلات یا اوقاف یا زوائد، اجزاء یعنی زمین و عمارت قائمہ کی بیع تو کسی حال ممکن نہیں مگر جب مسجد معاذاللہ ویران مطلق ہو جائے اور اس کی آبادی کی کوئی شکل نہ رہے تو ایک روایت میں باذن قاضیِ شرع حاکم اسلام اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں، مواضع ضرورت میں اس روایت پر عمل جائز ہے۔

فی الدرالمختار لوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام	درمختار میں ہے اگر مسجد کا گرد و پیش ویران ہوگیا اور مسجد کی ضرورت نہیں رہی تب بھی امام اعظم ابوحنیفہ

والثانی ابدا وبه یفتی وعن الثانی ینقل الی مسجد اٰخر باذن القاضی [1]۔وفی ردالمحتار قوله وعن الثانی الخ جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لایعود الی ملك الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الی بعض المساجد [2] اھ وفیه ایضًا الشیخ الامام امین الدین بن عبدالعال والشیخ الامام احمد بن یونس الشبلی والشیخ زین بن نجیم والشیخ محمد عبد الوفائی فمنهم من افتی بنقل بناء المسجد ومنهم من افتی بنقله ونقل ماله الی مسجد اٰخر، والذی ینبغی متابعة المشائخ المذکورین فی جواز النقل بلا فرق بین مسجد اوحوض کما افتی به الامام ابوشجاع والامام الحلوانی وکفی بهما قدوة ولا سیما فی زماننا فان المسجد اذا لم ینقل	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک وہ ہمیشہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔اور امام ابویوسف کی ایک روایت یہ ہے کہ قاضی کی اجازت سے اسے دوسری مسجد کی طرف منتقل کردیا جائیگا۔ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "وعن الثانی الخ" اسعاف میں اسی پر جزم کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مسجد اور اس کا گرد وپیش ویران ہوجائے اور لوگ وہاں سے نقل مکانی کرجائیں، تو امام ابویوسف کے نزدیک وہ واقف کی ملک میں نہیں لوٹے گی چنانچہ قاضی کی اجازت سے اس کا ملبہ فروخت کرکے ثمن کسی دوسری مسجد میں صرف کیا جائے گا اھ اسی میں یہ بھی جیسے شیخ امام امین الدین بن عبدالعال، شیخ امام احمد بن یونس شبلی، شیخ زین بن نجیم اور شیخ محمد الوفائی ان بزرگوں میں سے بعض نے مسجد کی عمارت اور بعض نے عمارت اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنے کا فتوٰی دیا،اور جو بات مناسب ہے وہ یہی ہے کہ مسجد وحوض میں فرق کئے بغیر جواز نقل میں مشائخ مذکورہ کی اتباع کی جائے جیسا کہ امام ابوشجاع اور امام حلوانی نے اس پر فتوٰی دیا ہے اور ان دونوں اماموں کا مقتدا ہونا کافی ہے خصوصًا ہمارے زمانے میں، کیونکہ اگر مسجد کو منتقل نہ کیا جائے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

یأخذا نقاضه اللصوص والمتغلبون کما هو مشاهد اھ ملتقطًا[1] **قلت** وللعبد الضعیف ههنا تحقیق شریف حقق فیه بتوفیق اللّٰه تعالٰی ان الروایة النادرة عن الثانی مفرعة علی قوله المفتی به کما افادہ فی الدرر والدر خلافا لما فهمه العلامة الشامی رحمة اللّٰه تعالٰی علیه وانه یفتی بها فی مواضع الضرورة کما قررہ الشامی ومن سبقه ممن سمی وممن لم یسم وانه یجوز نقل الساحة ایضا کما نقل النقض وهو ما مر من قوله منهم من افتی بنقله ونقل ماله وان قول الدر "ینقل الی مسجد اٰخر"[2] محمول علی ظاهرہ وان ذکر النقض والمال والبناء فی کلام غیرہ غیر قید وان حاصل تلك الروایة زوال المسجدیة مع بقاء الوقفیة فلا یعود الی ملك البانی اوورثته ویجوز النقل والاستبدال واللّٰه تعالٰی اعلم بحقائق الاحوال۔	تو چور اور جبری قبضہ کرنے والے لوگ اسباب مسجد لے لیں گے جیسا کہ دیکھا جارہا ہے اھ التقاط۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس عبد ضعیف کی یہاں پر ایک نہایت شاندار تحقیق ہے جس میں اللّٰہ تعالٰی کی توفیق سے ثابت کیا گیا ہے کہ امام ابویوسف کی روایت نادرہ ان کے مفتی بہ قول پر متفرع ہے جیسا کہ اس کا فائدہ درر اور در نے دیا ہے۔ بخلاف اس کے جو علامہ شامی نے سمجھا اور مواضع ضرورت میں اس پر فتوٰی دیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی اور ان کے پیش روائمہ نے اس کی تقریر فرمائی ان میں سے بعض کا نام علامہ شامی نے ذکر کیا اور بعض کا نام ذکر نہیں کیا، اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ مسجد کے ملبہ کی طرح اس کی میدان کو بھی نقل کرنا جائز ہے، اور علامہ شامی کا یہ قول گزرچکا ہے کہ ان میں سے بعض نے مسجد کو نقل کرنے اور اس کے مال کو نقل کرنے کا فتوٰی دیا ہے اور اس بات کو بھی ثابت کیا گیا کہ درکا یہ قول "اس مسجد کو دوسری مسجد کی طرف نقل کیا جائے گا" اپنے ظاہر پر محمول ہے اور یہ کہ در کے غیر کے کلام میں ملبہ، مال اور عمارت کا ذکر بطور قید نہیں اور یہ کہ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ وقفیت کے باقی رہنے کے باوجود مسجدیت کا زوال ہے لہذا بانی یا اس کے وارثوں کی طرف ملک عود نہیں کرے گی اور اس کا نقل کرنا اور تبدیل کرنا جائز ہے اور احوال کی حقیقتوں کو اللّٰہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ہاں اگر معاذ اللہ مسجد کی کچھ بنا منہدم ہوجائے یا اس میں ضعف آجانے کے سبب خود منہدم کرکے از سرنو تجدید عمارت کریں اب جو اینٹوں کڑیوں تختوں کے ٹکڑے حاجت مسجد سے زائد بچیں کہ عمارت مسجد کے کام نہ آئیں اور دوسرے وقت حاجت عمارت کے لئے اٹھا رکھنے میں ضائع ہونے کا خوف ہو تو ان دو شرطوں سے ان کی بیع میں مضائقہ نہیں مگر اذن قاضی درکار ہے اور اس کی قیمت جو کچھ ہو وہ محفوظ رکھی جائے کہ عمارت ہی کے کام آئے،

فی ش عن ط عن الهندیة مسجد مبنی اراد رجل ان ینقضه ویبنیه احکم، لیس له ذٰلك لانه لاولایة له، مضمرات، الاان یخاف ان ینهدم ان لم یهدم تاتارخانیة، وتاویله ان لم یکن البانی من اهل تلك المحلة واما اهلها فلهم ان یهدموه ویجددوا بناءه ویفرشوا الحصیر ویعلقوا القنادیل لکن من مالهم لامن مال المسجد الابامر القاضی خلاصة[1] اه وفی العقود الدریة عن البحر عن عمدة الفتاوٰی لایجوز بیع بناء الوقف قبل هدمه[2] وفی الهندیة عن السراجیة لوباعواغلة المسجد اونقض المسجد بغیراذن القاضی الاصح انه لایجوزاه[3] وفی الدر صرف الحاکم اوالمتولی نقضه اوثمنه ان تعذر	شامی میں ط سے بحوالہ ہندیہ مذکور ہے کہ تعمیر شدہ مسجد کو گراکر اگر کوئی شخص پہلے سے مضبوط تر بنانا چاہے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کیونکہ اس کو ولایت حاصل نہیں، مضمرات۔ مگر اس وقت ایسا کرنا جائز ہے جب یہ ڈر ہو کہ اگر وہ نہیں گرائیگا تو از خود گرجائے گی، تاتارخانیہ۔ تاویل اس کی یہ ہے کہ جب نئی مسجد بنانے والا اس محلّہ کا باشندہ نہ ہو لیکن اہل محلّہ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ پرانی مسجد کو گراکر اس کو نئے سرے سے تعمیر کریں، اس میں چٹائیاں بچھائیں اور قندیلیں لٹکائیں لیکن یہ سب کچھ وہ اپنے مال سے کریں مسجد کے مال سے بلااجازت قاضی وہ ایسا نہیں کرسکتے، خلاصہ۔ اور عقود الدریہ میں بحر سے بحوالہ عمدۃ الفتاوٰی منقول ہے کہ گرانے سے قبل وقف کی عمارت کو فروخت کرنا جائز نہیں اھ ہندیہ میں سراجیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

[2] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب الوقف حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۳

اعادة عینه الی عمارته ان احتاج والاحفظه لیحتاج، الااذاخاف ضیاعه فیبیعه ویمسك ثمنه لیحتاج[1]۔	لوگوں نے قاضی کی اجازت کے بغیر مسجد کا غلہ یا اس کاملبہ فروخت کردیا تو اصح قول کے مطابق یہ جائز نہیں اھ۔

درمختار میں ہے حاکم یا متولی وقف کے ملبہ یا اس کی قیمت کو صرف کرے اگر وقف کا اعادہ بعینہٖ اس کی عمارت کی طرف متعذر ہو اگر حاجت ہو مرمت کی، ورنہ قضائے حاجت کے لئے محفوظ رکھے، مگر جب اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہو تو اس کو فروخت کرکے ثمن وقف حاجت کے لئے رکھ چھوڑے۔ (ت)

آلات: یعنی مسجد کا اسباب جیسے بوریا، مصلی، فرش، قندیل، وہ گھاس کہ گرمی کے لئے جاڑوں میں بچھائی جاتی ہے **وغیر ذٰلک**، اگر سالم و قابل انتفاع ہیں اور مسجد کو ان کی طرف حاجت ہے تو ان کے بیچنے کی اجازت نہیں، اور اگر خراب و بیکار ہوگئی یا **معاذاللہ** بوجہ ویرانی مسجد ان کی حاجت نہ رہی، تو اگر مال مسجد سے ہیں تو متولی، اور متولی نہ ہو تو اہل محلّہ متدین امین باذن قاضی بیچ سکتے ہیں، اور اگر کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد کو دئے تھے تو مذہب مفتی بہ پر اس کی ملک کی طرف عود کرے گی جو وہ چاہے کرے، وہ نہ رہا ہو اور اس کے وارث وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتا نہ ہو تو ان کا حکم مثل لقطہ ہے، کسی فقیر کو دے دیں، خواہ باذن قاضی کسی مسجد میں صرف کردیں،

فی الھندیة عن الذخیرة رباط کثرت دوابه وعظمت مؤنھا ھل للقیم ان یبیع شیئا منھا وینفق ثمنھا فی علفھا او مرمة الرباط، فھذا علی وجھین ان بلغ سن البعض الی حد لایصلح لما ربطت له، فله ذٰلك ومالافلا[2] الخ وفی الخانیة جنازة او نعش	ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ ایک رباط کے جانور بہت زیادہ ہوگئے اور ان کا خرچہ بہت بڑھ گیا تو کیا متولی ان میں سے بعض کو فروخت کرکے ان کی قیمت جانوروں کے چارہ اور رباط کی مرمت پر صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں، اگر بعض جانوروں کی عمریں اس قدر زیادہ ہو چکی ہیں کہ وہ اس مقصد کی صلاحیت نہیں رکھتے جس کے لئے ان کو رباط میں باندھا گیا ہے تو متولی انہیں فروخت کرسکتا ہے ورنہ

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۰

للمسجد فسد فباعه اهل المسجد قالوا الاولی ان یکون البیع بامر القاضی والصحیح ان بیعهم لایصح بغیر امر القاضی [1] اھ وفیها بسط من ماله حصیرا فی المسجد فخرب المسجد ووقع الاستغناء عنه فان ذٰلك یکون له ان کان حیا ولوارثه ان کان میتا وان بلی ذٰلك کان له ان یبیع ویشتری بثمنها حصیرا اٰخر،وکذالو اشتری حشیشا او قندیلا للمسجد فوقع الاستغناء عنه،وعندابی یوسف یباع ویصرف ثمنه الی حوائج المسجد فان استغنی عنه هذاالمسجد یحول الی المسجد الاٰخر،والفتوی علی قول محمد،ولو ان اهل المسجد باعوا حشیش المسجد اوجنازة او نعشا صار خلقا ومن فعل ذلك غائب،لایجوز الاباذن القاضی هوالصحیح [2] اھ فی الهندیة	نہیں الخ۔خانیہ میں ہے مسجد کا تابوت اور مسجد کی چارپائی جو کہ خراب ہوچکی ہو پس اہل مسجد نے اسے فروخت کردیا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ قاضی کے حکم سے بیع کا ہونا اولی ہے اور صحیح یہ ہے کہ بلااذن قاضی ان کی بیع درست نہیں ہوگی اھ اسی میں ہے کسی شخص نے اپنے مال سے مسجد میں چٹائی بچھائی پھر مسجد ویران ہوگئی اور اس چٹائی کی ضرورت نہ رہی تو وہ چٹائی بچھانے والے کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے ورنہ اس کے وارثوں کی ہوگی،اور اگر وہ چٹائی بوسیدہ ہوجائے تو بچھانے والے کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت سے نئی چٹائی خریدلے۔اسی طرح حکم ہے اگر کسی نے مسجد کے لئے گھاس یا قندیل خریدا پھر اس کی ضرورت نہ رہی ہو،اور امام ابویوسف کے نزدیک ان چیزوں کو فروخت کرکے ان کی قیمت کو مسجد کی ضروریات پر صرف کیا جائے گا اور اگر اس مسجد کو ضرورت نہ ہو تو دوسری مسجد کی طرف منتقل کیا جائے گا،اور فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے،اور اگر اہل مسجد نے مسجد کی پرانی گھاس یا پرانا تابوت یا پرانی چارپائی فروخت کردی جبکہ یہ چیزیں مسجد کو دینے والا غائب ہے تو قاضی کی اجازت کے بغیر یہ جائز نہیں اور یہی صحیح ہے اھ ہندیہ میں ہے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤاول ۷۱۶،دوم ۷۱۳،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤاول ۷۱۶،دوم ۷۱۳،فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۸

ذکر ابو اللیث فی نوازله حصیر المسجد اذا صار خلقا واستغنی اهل المسجد عنه وقد طرحه انسان ان کان الطارح حیا فهو له وان کان میتا ولم یدع له وارث ارجو ان لاباس بان یدفع اهل المسجد الی فقیر او ینتفعوا به فی شراء حصیر اٰخر للمسجد والمختار انه لایجوز لهم ان یفعلوا ذٰلك بغیر امر القاضی کذا فی محیط السرخسی [1] اھ فی ردالمحتار عن البحر الفتوی علی قول محمد فی اٰلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد [2]۔	کہ ابولیث نے اپنی نوازل میں ذکر کیا کہ مسجد کی چٹائی جب پرانی ہوگئی اور اہل مسجد کو اس کی ضرورت نہ رہی جبکہ اس کو ایک شخص نے ڈلوایا تھا وہ اس کی ہوگی اگر وہ زندہ ہے اور اگر وہ مرگیا اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو میں امید کرتا ہوں کہ اس بات میں حرج نہیں کہ اہل مسجد وہ چٹائی کسی فقیر کو دے دیں یا اس کو بیچ کر مسجد کے لئے دوسری چٹائی خریدنے میں اس سے نفع اٹھائیں، اور مختار یہ ہے کہ قاضی کی اجازت کے بغیر انہیں ایسا کرنا جائز نہیں، محیط سرخسی میں یونہی ہے اھ، ردالمحتار میں بحوالہ بحر ہے کہ آلات مسجد کے بارے میں فتوی امام محمد کے قول پر ہے اور تابید مسجد کے بارے میں فتوی امام ابویوسف کے قول پر ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما(ت)

اوقاف: جبکہ عامر وآباد نہ ہوں ان کی بیع اصلاً جائز نہیں مگر بناچاری کہ ظالم نے زبردستی ان پر قبضہ کرلیا اور اس سے رہائی کی سبیل نہیں مگر وہ قیمت دینے پر راضی ہے تو بمجبوری ثمن لے کر ان کے عوض اور خرید کر ان کے قائم مقام کردیں یا جبکہ واقف نے اصل وقف میں استبدال شرط کرلیا ہو تو جائز ہے کہ انہیں بیچ کر تبدیل کرلیں،

فی الدر عن الاشباہ لایجوز استبدال العامر الا فی اربع [3]. فی ردالمحتار، الاولی لوشرطه الواقف. الثانیة اذا غصبه غاصب واجری	درمختار بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ چار صورتوں کے علاوہ آباد وقف کو تبدیل کرنا جائز نہیں، ردالمحتار میں ہے (ان چار صورتوں میں سے) پہلی صورت یہ ہے کہ خود واقف نے تبدیل کرنے کی شرط لگائی ہو،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ٢/ ٤٥٨

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٧١

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٤

علیه الماء حتی صار بحرا.فیضمن القیمة ویشتری المتولی بها ارضابدلا.الثالثة ان یجحده الغاصب ولابینة ای واراد دفع القیمة فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا.الرابعة ان یرغب انسان فیه ببدل اکثر غلة واکثر صقعًا فیجوز علی قول ابی یوسف وعلیه الفتوی کما فی فتاوٰی قارئ الهدایة. قال صاحب النهر فی کتابه اجابة السائل قول قارئ الهدایة."والعمل علی قول ابی یوسف"معارض بما قاله صدر الشریعة"نحن لانفتی به".وقد شاهدنا فی الاستبدال ما لایعد ویحصی،فان ظلمة القضاة جعلوه حیلة لابطال اوقاف المسلمین وعلی تقدیره فقد قال فی الاسعاف المراد بالقاضی هو قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل اھ ولعمری ان هذا اعزمن الکبریت الاحمر،وما اراه الالفظا یذکر فالا حری فیه السد خوفامن مجاوزة الحد	دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اسے غصب کرکے اس پر پانی جاری کردیا یہاں تک کہ وہ وقف دریا بن جائے تو اس صورت میں غاصب قیمت کا تاوان دے گا اور متولی اس قیمت کے بدلے دوسری زمین خریدے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ غاصب انکاری ہے اور گواہ نہیں ہیں یعنی غاصب وقف زمین کی قیمت دینے پر آمادہ ہے تو متولی کو اختیار ہے کہ اس سے قیمت وصول کرلے تاکہ اس کے بدلے دوسری زمین خرید لے چوتھی صورت یہ ہے کوئی شخص وقف زمین میں ایسی زمین کے بدلے رغبت رکھتا ہے جو غلہ کے اعتبار سے زمین وقف سے اکثر اور محل وقوع کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت ہو تو امام ابویوسف کے قول پر تبدیل کرلینا جائز ہے اور اسی پر فتوٰی ہے جیسا کہ فتاوٰی قاری الهدایہ میں ہے، صاحب نہر نے اپنی کتاب اجابۃ السائل میں فرمایا قاری الہدایہ کا کہنا کہ عمل امام ابویوسف کے قول پر ہے صدر الشریعۃ کے اس قول کے مخالف ہے کہ ہم اس پر فتوٰی نہیں دیتے تحقیق ہم نے وقف کی تبدیلی میں بے شمار (خرابیاں) دیکھی ہیں کیونکہ ظالم قاضیوں نے اس کو مسلمانوں کے اوقاف باطل کرنے کا حیلہ بنالیا ہے،اسی لئے اسعاف میں فرمایا کہ قاضی مستبدل سے مراد قاضی بہشت ہے جس کی تفسیر اہل علم وعمل کے ساتھ کی جاتی ہے اھ میری عمر کی قسم یہ صورت تو کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے اور میں نہیں خیال کرتا ہوں اس کو

واللّٰه سائل کل انسان اھ قال العلامة البیری بعد نقله **اقول:** وفی فتح القدیر الموجب الشرط او الضرورة ولاضرورة فی ھذا اذ لاتجب الزیادة بل نبقیه کما کان اھاقول: ماقاله ھذاالمحقق ھوالحق الصواب اھکلام البیری وھذا ماحرره العلامة القنالی اھ مافی ردالمحتار مختصرًا[1] ورأیتنی کتبت علی ھامش قوله واجری علیه الماء حتی صار بحرا مانصه **اقول:** علی ھذالم یبق عامراوفیه کلام والصورة الرابعة سیأتی ان الحق عدم جواز الاستبدال فیھا فلم یبق الاصور تان بل لك ان تقول الثالثة ایضا خراب معنی وان لم یکن صورة فلك ان تقول ان العامر لایستبدل الابشرط کماھو قضیة	مگر محض لفظ جس کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ حد سے تجاوز کرنے کے خوف کے پیشِ نظر زیادہ مناسب اس میں ممانعت ہے اور اللہ تعالٰی ہر انسان سے پوچھنے والا ہے اھ علامہ بیری نے اس کو نقل کرنے کے بعد کہا **میں کہتا ہوں** اور فتح القدیر میں ہے کہ استبدال کا موجب یا تو شرط استبدال ہے یا ضرورت استبدال جبکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وقف پر زیادتی واجب نہیں بلکہ ہم اس کو پہلی حالت پر باقی رکھیں گے اھ میں کہتا ہوں جو کچھ اس محقق نے کہا وہی حق اور درست ہے اھ کلام البیری۔ یہ وہ ہے جس کو علامہ قنالی نے تحریر کیا ہے اھ مختصراً ردالمحتار، اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی کے قول کہ "غاصب نے زمین وقف پر پانی بہایا یہاں تک کہ وہ دریا بن گئی" پر یوں حاشیہ لکھا کہ **میں کہتا ہوں** اس صورت میں وہ آباد نہ رہی حالانکہ کلام تو آباد زمین میں ہو رہی ہے، اور عنقریب چوتھی صورت کے بارے میں آرہا ہے کہ اس میں حق استبدال کا عدم جواز ہے، تو اب صرف دو۲ صورتیں باقی ہیں بلکہ تو کہہ سکتا ہے کہ تیسری صورت بھی معنًی خراب ہے اگرچہ صورتًا نہیں، لہٰذا تو کہہ سکتا ہے کہ آباد زمین وقف میں استبدال نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ واقف نے خود استبدال کی شرط لگادی ہو،

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ماحقق المحقق فی الفتح حیث حصرہ فی الشرط اوضرورۃ خروجہ من الانتفاع بہ وان شئت اوضحت فقلت ان الوقف مہما امکن الانتفاع بہ لم یجز استبدالہ الابالشرط۔	جیسا کہ فتح القدیر میں مذکور کلام محقق کا تقاضا ہے جہاں اس نے استبدال کو شرط یا انتفاع سے خارج ہونے کی ضرورت میں منحصر کیا ہے اگر تو تفصیل کا طلبگار ہے تو میں کہتا ہوں کہ جب تک وقف سے انتفاع ممکن ہو بلا شرط اس کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔ (ت)

پھر بحالت شرط استبدال بھی اس تبدیل کا جواز چند شرط سے مشروط:

اولاً: یہ تبدیل کرنے والا خود واقف ہو یا وہ جس کی تبدیل اس نے شرط کی ہو مثلاً اپنے لئے تبدیل شرط کی تو متولی وغیرہ کسی کو اختیار نہیں اور دوسرے کے لئے شرط کی تو واقف کو اختیار ہے۔

ثانیاً: جتنی بار شرط کی اس سے زائد نہ ہو مثلاً کہا کہ مجھے تبدیل کا اختیار ہے تو ایک ہی بار بدل سکتا ہے اور اگر کہا جس قدر بار چاہوں تبدیل کروں تو ہمیشہ مختار ہے۔

ثالثاً: تبدیل عقار یعنی جائداد غیر منقولہ سے ہو نہ روپیہ اشرفی سے۔

رابعاً: عقار میں تخصیص کردی ہے تو اس کے خلاف کا اختیار نہیں مثلاً زمین سے بدلنا شرط کیا تو مکان سے تبدیل نہیں کرسکتا اور مکان کی شرط کی زمین سے تبدیل کا اختیار نہیں رکھتا یونہی فلاں شہر یا گاؤں کی زمین یا فلاں محلّہ کے مکان یا فلاں بازار کی دکان کی تخصیص کی تو معتبر رہے گی۔

خامساً: تبدیل مکان بمکان میں وہ مکان اسی محلّہ کا ہو یا اس سے بہتر کا، یونہی دکان میں بازار وہی ہو یا اس سے بہتر۔

سادساً بیع میں غبن فاحش نہ ہو۔

سابعاً: ایسے کے ہاتھ بیع نہ کرے جس کے لئے اس کی شہادت بوجہ تہمت رعایت مقبول نہ ہو جیسے باپ بیٹا۔

اقول: خلاصہ یہ کہ مخالفت شرط و مظنہ مخالفت نفع وقف سے بچے سب شرائط انہیں دو کلموں میں آگئے،

اما الاولان والرابع ففی الاولی ولیس استبدالہ بنفسہ اذا شرطہ لغیرہ من باب الخلاف	بہر حال پہلی دونوں اور چوتھی شرط ہے تو اول میں خود واقف کا تبدیل کرنا جبکہ وہ غیر کیلئے استبدال کی شرط کرچکا ہو خلاف شرط کے قبیلہ سے نہیں،

لما صرح بہ فی الخانیۃ اٰخر فصل الشرط فی الوقف ان الوقف هو الذی شرط لذٰلك الرجل وما شرط لغیرہ فهو مشروط لنفسه[1] اھ واما البواقی ففی الاخری فان النقد اسرع هلاکا من العقار فالاستبدال بہ نزول الی الاخس وفیه مخالفة النفع والسابع مظنتها۔	اس دلیل کی بناء پر جس کی تصریح خانیہ کے باب الوقف، فصل الشرط کے آخر میں کی گئی کہ بیشک واقف وہی ہے جس نے اس شخص (غیر) کے لئے استبدال کی شرط لگائی اور جو شرط اس نے غیر کے لئے لگائی وہ خود اس کے اپنے لئے بھی شرط ہوئی اھ لیکن باقی شرطوں میں سے دوسری اس لئے کہ نقدی عقار کی بنسبت جلد ہلاک ہوتی ہے تو نقدی کے ساتھ وقف زمین کا تبادلہ گھٹیا کی طرف نزول ہوگا اور اس میں نفع کی مخالفت ہے اور ساتویں شرط میں اس مخالفت کا ظن ہے۔ (ت)

ہاں جو وقف ویران وخراب ہوجائے تو قاضی شرع حاکم اسلام عالم عادل متدین خداترس کو بلاشرط واقف بلکہ باوصف منع واقف بھی اسے بیچ کر دوسری جائداد اسی غرض کے لیے اس کے قائم مقام کردینے کی اجازت ہے بچند شروط، چار شرطیں تو یہی کہ اوپر گزریں یعنی اول وثانی ورابع کے سوا اور پانچویں شرط جو ابھی بیان کی کہ قاضی قاضی بہشت ہو، نہ قاضی جہنم،

سادسًا: وقف کا کچھ غلہ کرایہ وغیرہ ایسا نہ ہو جس سے اس کی آبادی ہوسکے۔

سابعًا: ویرانی کامل ومطلق ہو کہ اصلًا قابل انتفاع نہ رہے جس غرض کے لئے وقف کیا کچھ کام نہ دے یا آمدنی اس قدر ناقص ہو کہ اس کے خرچ کو بھی غیر وافی ہو،

هذا ما لخصناہ بتوفیق اللہ تعالٰی من کلمات العلماء سنذکر کلامهم لیتضح لك جلیلة المأل قال فی ردالمحتار اعلم ان الاستبدال علی ثلثة وجوہ، الاول ان یشترطه الواقف لنفسه او لغیرہ او لنفسه	یہ وہ خلاصہ ہے جو ہم نے علماء کی کلاموں سے اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ اخذ کیا ہے اب ہم ان علماء کرام کا کلام ذکر کرینگے تاکہ تیرے لئے بحث کے انجام کی عظمت واضح ہوجائے، ردالمحتار میں فرمایا تو جان لے کہ استبدال تین وجہوں پر ہے، اول یہ کہ واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے یا دونوں کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۲

وغیرہ.فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح.والثانی ان لایشرطه سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیئ اصلا اولایفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذاکان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه.والثالث ان لایشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیر منه ریعاونفعاوهذالایجوز استبداله علی الاصح المختار کذاحرره العلامة قنالی زاده وهو ماخوذ من الفتح [1] اھ ثم قال وفی البحر.المعتمد انه بلاشرط یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع بالکلیة وان لایکون هناك ریع للوقف یعمر به وان لایکون البیع بغبن فاحش وشرط فی الاسعاف ان یکون المستبدل قاضی الجنة المفسر بذی العلم والعمل	استبدال کی شرط لگائی ہوتو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق استبدال جائز ہے۔دوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو عام ازیں کہ عدم استبدال کی شرط لگائی ہو یا خاموشی اختیار کی ہولیکن وقف ایسا ہو گیاکہ اب اس سے بالکل نفع نہیں اٹھایا جاسکتا بایں طور کہ اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا یااتنا حاصل ہوتا ہے جس سے وقف کاخرچہ پورا نہیں ہوتا تو اصح قول کے مطابق اس میں بھی استبدال جائز ہے بشرطیکہ قاضی اس کا اذن دے اور وہ اس میں مصلحت سمجھے۔سوم یہ کہ واقف نے استبدال کی شرط تو نہ کی ہولیکن اس وقف میں کچھ نفع ہواور اس کا بدل ماحول اور نفع کے اعتبار سے وقف سے بہتر ہوتو اصح ومختار قول کے مطابق اس کا استبدال جائز نہیں۔علامہ قنالی زادہ نے یوں ہی تحریر فرمایا ہے اور یہی فتح سے ماخوذ ہے اھ۔پھر فرمایا اور بحر میں ہے معتمد یہ ہے کہ یہ بلاشرط ہے جبکہ قاضی کے لئے اس شرط کے ساتھ استبدال جائز ہے کہ وقف کلی طور پر انتفاع سے خارج ہوجائے اور نہ ہی وقف کا ماحول اس قابل ہو کہ اس کے ذریعے وقف کو آباد کیاجاسکے اور نہ ہی یہ بیع غبن فاحش کے ساتھ ہو۔اسعاف میں یہ شرط لگائی گئی کہ تبدیل کرنے والا قاضی بہشت یعنی صاحب علم وعمل ہو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۷

ویجب ان یزاد اٰخر فی زماننا وھو ان یستبدل بعقار لابدراھم ودنانیر فانا قد شاھدنا النظار یأکلونھا وافادفی البحرزیادۃ شرط سادس ان لایبیعه ممن لا تقبل شھادته له ولاممن له علیه دین، حیث قال باع من رجل له علی المستبدل دین وباع الوقف بالدین وینبغی ان لایجوز علی قول ابی یوسف وھلال لانھما لا یجوز ان البیع بالعروض فالدین اولی اھ و ذکر عن القنیة مایفید شرطا سابعا حیث قال مبادلة دار الوقف بدار اخری انما یجوز اذاکانتا فی محلة واحدة اومحلة الاخری خیرا، وبالعکس لا یجوز وان کانت المملوکة اکثر مساحة وقیمة واجرة لاحتمال خرابھا فی ادون المحلتین اھ ۔وزاد قنالی زادہ ثامنا وھو ان یکون البدل والمبدل من جنس واحد

اور ہمارے زمانے میں ایک اور شرط کااضافہ ضروری ہے وہ یہ وقف کاتبادلہ عقار کے ساتھ کیاجائے نہ کہ درہموں اور دیناروں کے ساتھ، کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ متولی وقف کے عوض دراہم ودینار لے کر کھاجاتے ہیں اور بحر نے چھٹی شرط کے اضافے کا فائدہ دیاہے وہ یہ کہ وقف کی زمین ایسے شخص کے ہاتھ فروخت نہ کرے جس کے حق میں اس کی گواہی مقبول نہیں اور نہ ہی ایسے کے ہاتھ فروخت کرے جسکا یہ مقروض ہے۔ جہاں صاحب بحر نے فرمایاکہ وقف کوایسے شخص کے ہاتھ فروخت کیاجسکا تبدیل کرنے والے پر قرض تھا اور اس نے قرض کے بدلے وقف کو بیچا تو امام ابویوسف اور ہلال کے نزدیک یہ بیع ناجائز ہونی چاہئے کیونکہ یہ دونوں عروض کے عوض بیع کو ناجائز مانتے ہیں، تو دین کے عوض بدرجہ اولٰی ناجائز ہوگی اھ اور قنیہ کے حوالے سے صاحب بحر نے جو ذکر کیاوہ ساتویں شرط کا فائدہ دیتا ہے جہاں یہ فرمایاکہ وقف مکان کو دوسرے مکان سے تبدیل کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے کہ وہ دونوں مکان ایک ہی محلّہ میں واقع ہوں یا دوسرا محلّہ بہتر ہو اور اس کے برعکس استبدال ناجائز ہے اگرچہ تبدیل شدہ مکان وسعت، قیمت اور اجرت کے اعتبار سے وقف کی بنسبت اکثر ہو کیونکہ کمتر محلّہ میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی خرابی کااحتمال ہے اھ، اور قنالی زادہ نے آٹھویں شرط کااضافہ کیا

لما فی الخانیۃ لو شرط لنفسہ استبدالھا بدار لم یکن لہ استبدالھا بارض وبالعکس او بارض البصرۃ تقید اھ فھذا فیما شرطہ لنفسہ فکذا یکون شرطا فیما لم یشرطہ لنفسہ بالاولی تامل ثم قال والظاہر عدم اشتراط اتحاد الجنس فی الموقوفۃ للاستغلال لان المنظور فیھا کثرۃ الریع وقلۃ المرمۃ والمؤنۃ اھ ولایخفی ان ھذہ الشروط فیما لم یشرط الواقف استبدالہ لنفسہ اوغیرہ.فلو شرطہ لایلزم خروجہ عن الانتفاع ولامباشرۃ القاضی لہ ولاعدم ریع یعمر بہ کما لایخفی فاغتنم ھذاالتحریر[1] اھ کلام الشامی ملخصًا ورائیتنی کتبت علی ھامشہ عند ذکرہ الشرط الثامن وھو اتحاد جنس البدلین

وہ یہ کہ بدل اور مبدل دونوں ایک ہی جنس سے ہوں اس دلیل کی بناپر جو خانیہ میں ہے کہ اگر واقف نے شرط لگائی کہ وہ وقف گھر کو گھر سے بدلے گا تواس کے بدلے میں زمین لینا اس کے لئے جائز نہیں یونہی اسکے برعکس یا یہ شرط لگائی کہ اس کے بدلے بصرہ کی زمین لے گا تو یہ مقید ہوجائے گااھ یہ اس صورت میں ہے جب واقف نے اپنے لئے یہ شرط لگائی ہو اسی طرح یہ بدرجہ اولٰی شرط ہوجائے گی جبکہ اس نے خاص اپنے لئے یہ شرط نہ لگائی ہو، غور کر، پھر فرمایا غلہ حاصل کرنے کے لئے زمین موقوفہ کے استبدال میں ظاہر اتحاد جنس کا شرط نہ ہونا ہے کیونکہ اس میں سبزہ، گھاس اور غلہ کی کثرت اور مرمت اور خرچہ کی قلّت ملحوظ ہوتی ہے اھ اور پوشیدہ نہ رہے کہ یہ تمام شرطیں اس صورت میں ہیں جب واقف نے اپنے لئے یا غیر کے لئے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو چنانچہ اگر واقف نے استبدال کی شرط لگائی ہے تواستبدال کے لئے وقف کا انتفاع سے خروج اور اس کے لئے قاضی کی مباشرت اور وقف کے مال کا ایسانہ ہونا جس سے اس کو آباد کیا جاسکے کچھ بھی ضروری نہیں جیساکہ مخفی نہیں، پس اس تحریر کو غنیمت سمجھ اھ تلخیص کلام شامی۔اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے شامی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مانصه **اقول**: الذی یظھر للعبد الضعیف انه غیر شرط الا لاتباع الشرط حتی لو شرط الاستبدال واطلق لم یتقید بالجنس کما یفیدہ کلام الاسعاف فاذن لایکون ھذا مشروطا فی التبدیل بالشرط، ثم راجعت الخانیة فوجدت کلامھا انص علی مافھمت وللہ الحمد حیث قال رضی اللہ تعالٰی عنه، لوقال ارضی صدقه موقوفة علی ان لی ان استبدلھا بارض اخری لم یکن له ان یستبدلھا بدار لانه لایملك تغیر الشرط، ولو قال ان لی ان استبدلھا بدار لم یکن له ان یستبدلھا بارض، ولو شرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارافباع الارض الاولی کان له ان یستبدلھا بجنس العقارات ماشاء من دار اوارض لاطلاق اللفظ[1] اھ	کے اس مقام پر حاشیہ لکھا جہاں علامہ شامی نے آٹھویں شرط یعنی بدلین میں اتحاد جنس کا صراحۃً ذکر کیا (اور وہ حاشیہ یوں ہے) **اقول**: (میں کہتا ہوں جو اس ضعیف بندے پر ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ غیر شرط ہے مگر اتباع شرط کے لئے یہاں تک کہ اگر واقف نے مطلقًا استبدال کی شرط لگائی تو یہ استبدال جنس کے ساتھ مقید نہ ہوگا جیسا کہ اسعاف کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے لہٰذا یہ بلاشرط تبدیل میں مشروط نہیں ہوگا پھر میں نے خانیہ کی طرف رجوع کیا تو الحمد للہ اس کے کلام کو اپنے فہمیدہ پر بہتر نص پایا جہاں امام قاضی خاں رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اگر واقف نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس شرط پر کہ مجھے دوسری زمین کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو اس کو گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ وہ شرط میں تبدیلی کا مالک نہیں، اور اگر اس نے کہا کہ مجھے گھر کے ساتھ استبدال کا اختیار ہوگا تو وہ دوسری زمین کے ساتھ استبدال نہیں کرسکتا اور اگر اس نے استبدال کی شرط لگائی مگر اس نے زمین یا گھر کا ذکر نہیں کیا پھر پہلی زمین کو بیچ دیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ ثمن کے بدلے کوئی بھی غیر منقولہ جائداد لے سکتا ہے چاہے زمین ہو یا گھر کیونکہ اس نے لفظ مطلق

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی مسائل الشرط فی الوقف مطبوعہ منشی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۱

مختصرا، فھذا بحمدالله نص صریح جلی فیما فھمت اما ما کتبت علیه فتبین ولله الحمد ان ھذا الثامن لامساغ فی استبدال القاضی بلاشرط فلذا اسقطته من شروطه وابدلته فی الشرط الرابع، واسقطت من السابع فی الاول وھو الرابع فی الثانی عدم البیع بالدین لعلمی بان الثالث مغن عنه وزدت فی سابع الثانی ان لایفی ریعه بمؤنة اخذا مما ذکر فی ردالمحتار وقد نص علیه فی الاسعاف والخانیة وعنھما فی البحر نفسه وزدت فی الاول الشرطین الاولین لما فی الخانیة والاسعاف والبحر، واللفظ له لو شرط الاستبدال لنفسه ثم اوصی به الی وصیه، لایملك وصیه الاستبدال ولو وکل وکیلا فی حیاته صح، ولو شرطه لکل متولی صح، وملکه کل متولی ولو شرط الاستبدال لرجل اٰخر مع نفسه، ملك الواقف الاستبدال وحده	بولا ہے اھ اختصارا۔ یہ بحمداللہ کھلی اور واضح نص ہے اس پر جو میں نے سمجھا اور جو میں نے شامی پر حاشیہ لکھا الحمد للہ وہ واضح ہوگیا کہ یہ جو آٹھویں شرط ہے استبدال قاضی بلا شرط میں اس گنجائش نہیں اسی لئے میں نے اس کو استبدال غیر مشروط کی شرطوں سے ساقط کردیا اور استبدال مشروط کی شرطوں میں اسے اس چیز کے ساتھ بدل دیا جو میں نے شرط رابع میں دیکھا اور میں نے اول میں ساتویں شرط جو کہ ثانی میں چوتھی ہے سے دین کے بدلے بیع کے عدم جواز کو یہ جان کر ساقط کردیا کہ تیسری شرط اس سے بے نیاز کردیتی ہے۔ اور جو کچھ ردالمحتار میں مذکور ہے اس سے اخذ کرتے ہوئے میں نے ثانی کی ساتویں شرط میں یہ اضافہ کیا کہ وقف کی آمدنی سے اس کا خرچہ پورا نہ ہوتا ہو حالانکہ اسعاف اور خانیہ میں اس پر نص کی گئی ہے اور خانیہ کے حوالے خود بحر میں مذکور ہے۔ اور اول میں پہلی دو شرطوں کا اضافہ میں نے اس دلیل کی بنا پر کہا جو خانیہ، اسعاف اور بحر میں ہے اور لفظ بحر کے ہیں کہ اگر واقف نے اپنے لئے استبدال کی شرط لگائی پھر کسی کے لئے اس کی وصیت کردی تو وصی استبدال کا مالک نہیں ہوگا، اور اگر اپنی زندگی میں کسی کو وکیل بنایا تو صحیح ہے، اور اگر ہر متولی کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو صحیح ہے اور ہر متولی اس کا مالک ہوگا، اور اگر واقف نے اپنے ساتھ دوسرے شخص کے لئے استبدال کی شرط لگائی تو واقف تنہا استبدال کا مالک

ولایملکه فلان وحده اھ[1] مختصرا وفی الدر وغیرہ جاز شرط الاستبدال به ثم لایستبد لها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة اھ[2] قال الشامی قال فی الفتح الاان یذکر عبارۃ تفید له ذٰلك دائما[3] اھ فاغتنم هذاالتحریر والحمدﷲالعلی الکبیر۔	ہوگا جبکہ دوسرا شخص تنہا اس کامالک نہیں ہوگا اھ اختصار۔ درمختار میں ہے وقف زمین کو دوسری زمین سے بدل لینے کی شرط لگانا جائز ہے پھر اسکو تیسری زمین سے نہیں بدلے گا کیونکہ یہ حکم استبدال شرط کے ساتھ ثابت ہوااور شرط صرف پہلی زمین میں پائی گئی نہ کہ دوسری میں شامی نے کہا فتح میں فرمایا ہے مگر واقف ایسی عبارت ذکر کرے جواسکے لئے دائمی استبدال کا فائدہ دے اھ اس تحریر کو غنیمت سمجھ،اور تمام تعریفیں اللہ بزرگ وبرتر کے لئے ہیں (ت)

یہ حکم ہر عقار موقوف کا ہے جیسے زمین، مکان، دکان، اسی طرح اشجار موقوفہ اگر پھل دار ہوں توجب تک ہرے ہیں ان کاکاٹنا بیچنا ناجائز اور گرپڑنے یا سوکھ جانے کے بعد رواہے کہ لکڑی بیچ کر مصارف وقف میں صرف کردیں یہاں تک اگر کوئی پھل کادرخت نصف خشک ہوگیااور نصف قابل انتفاع ہے تو اسی نصف خشک کی بیع جائز، باقی کی ممنوع، متولی اگر سبز کو کاٹے بیچے گا خائن ہے تولیت سے خارج کیا جائے گا، ہاں وہ پیڑ کہ پھل نہیں رکھتے بلکہ وقف کاانتفاع ان سے یونہی ہے کہ انہیں بیچ کر دام کئے جائیں ان کے سبز وخشک ہر طرح کی بیع جائز ہے،

فی العقود الدریة عن البحر لرائق عن عمدة الفتاوی لایجوز بیع الاشجار الموقوفة المثمرة قبل قلعها بخلاف غیر المثمرة اھ وفی الفتح سئل ابو القاسم الصفار عن شجرة وقف یبس بعضها وبقی بعضها فقال	عقود دریہ میں بحوالہ بحر عمدۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ وقف شدہ پھل دار درختوں کو گرجانے سے قبل فروخت کرنا جائز نہیں بخلاف ان درختوں کے جو پھل دار نہیں اھ۔ فتح میں ہے کہ ابوالقاسم صفار سے ایسے وقف شدہ درخت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس کا کچھ حصہ خشک ہوگیااور کچھ ابھی باقی ہے

[1] بحرالرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۲۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۸

مایبس منهافسبیله سبیل غلتها وما بقی فمتروك علٰی حالها اھ[1] (ملخصا) وفی العقود عن البحر عن الظهیریة لیس له ان یبیع الشجرة ویعمر الدار [2]الخ وفیها سئل فی ناظر وقف قطع اشجار بستان الوقف الیافعة الغیر الشالبة ولاالیابسة وباعها بلاوجه شرعی فهل اذا ثبت ذلك علیه بالوجه الشرعی یستحق العزل الجواب نعم وافتی الشیخ اسمٰعیل بمثل ذلك[3]۔	توانہوں نے فرمایا کہ جو خشک ہوگیا ہے اس کا راستہ وہی ہے جو اس کے غلہ کا راستہ ہے اور جو باقی ہے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے گا اھ تلخیص۔ عقود دریہ میں بحوالہ بحر، ظہیریہ سے منقول ہے کہ وقف درخت بیچ کر وقف گھر کی تعمیر کااختیار متولی کو نہیں الخ۔ اسی میں ہے کہ ایسے متولی کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے وقف باغ کے ایسے درخت کاٹ دئے جنکا پھل پکا ہوا تھا اور وہ بے کار اور خشک نہ تھے اور انہیں بغیر کسی شرعی وجہ کے فروخت کردیا کہ اگر اس پر شرعی طریقے سے اس فعل کا ثبوت ہوجائے تو کیا وہ اس لائق ہے کہ اس کو معزول کردیا جائے؟ جواب: ہاں، اور شیخ اسمٰعیل نے اسی کی مثل فتوٰی دیا ہے (ت)

زوائد: جیسے درختوں کے پھل، زمین کا غلہ وغیرہ جن سے غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں بیچ کر مصارف مسجد واغراض معینہ واقف میں صرف کریں انکی بیع میں کوئی کلام نہیں مگر یہ بیع متولی کرے یا باذن قاضی شرع ہو کما قدمناہ عن الهندیة عن السراجیة (جیسا کہ ہم نے پہلے ہندیہ سے بحوالہ سراجیہ ذکر کیا ہے۔ت) ہاں جہاں جہاں ان مسائل میں اذن قاضی کی شرط مذکور ہوئی اگر قاضی شرع نہ ہو جیسے ان بلاد میں، توبضرورت مسلمانان دین دار موتمن معتمد اس بار کو اپنے اوپر اٹھاسکتے ہیں اور اللہ حساب لینے والا ہے اور وہ مصلح ومفسد کو خوب جانتا ہے،

فی الخانیة من فصل المقابر والرباطات قد ذکرنا ان الصحیح من الجواب ان بیعهم بغیر امر القاضی لا یصح	خانیہ کی فصل المقابر والرباطات میں ہے تحقیق ہم ذکر کرچکے ہیں کہ صحیح حکم یہ ہے کہ قاضی کے حکم کے بغیر ان کی بیع درست نہیں سوائے اس جگہ کے

[1] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الاول مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۱۵

[2] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثانی مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۰۰

[3] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثالث مطبوعہ حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۳۰

الاان یکون فی موضع لاقاضی هناک[1]۔	جہاں کوئی قاضی نہ ہو۔(ت)

اسی طرح وہ تمام اشیاء جو متولی بطور خود مسجد کے مال سے آمدنی مسجد بڑھانے کو خریدے ان کی بیع کا بشرط مصلحت وہ ہر وقت اختیار رکھتا ہے اگرچہ وہ دکان ومکانات ودیہات ہی ہوں کہ یہ خریداری اگرچہ بنظر مصلحت جائز ہوتی ہے مگر اس کے باعث وہ چیزیں وقف مسجد نہ ہو گئیں کہ ان کی بیع ناجائز ہو،

فی الخانیة باب الرجل یجعل دارہ مسجدا المتولی اذا اشتری من غلة المسجد حانوتا او دارا اومستغلا اٰخر جاز لان هذامن مصالح المسجد فاذا اراد المتولی ان یبیع ما اشتری وباع اختلفوافیه قال بعضهم لا یجوز هذا البیع لان هذاصار من اوقاف المسجد وقال بعضهم یجوز هذاالبیع وهو الصحیح لان المشتری لم یذکر شیئامن شرائط الوقف فلایکون ما اشتری من جملة اوقاف المسجد[2] اھ وفی منحة الخالق ورد المحتار عن الفتح اعلم ان عدم جواز بیعه الااذا تعذر الانتفاع به انما هوفیما ورد علیه وقف الواقف امافیما اشتراہ المتولی من مستغلات الوقف فانه یجوز بیعه بلا هذا الشرط وهذا لان فی صیرورته وقفا خلافا	خانیہ کے "باب الرجل یجعل دارہ مسجدا" میں ہے کہ متولی اگر مسجد کی آمدنی سے دکان، گھر یا دیگر منافع خریدے تو جائز ہے کیونکہ یہ مسجد کے مصالح میں سے ہے۔ پھر جب متولی چاہے کہ جو اس نے خریدا اس کو فروخت کرے، اور فروخت کردے تو اس میں فقہاء نے اختلاف کیا، بعض نے کہا یہ بیع ناجائز ہے کیونکہ یہ چیز اوقاف مسجد میں سے ہو چکی ہے اور بعض نے کہا یہ بیع جائز ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری نے شرائط وقف میں سے کچھ بیان نہیں کیا لہٰذا جو کچھ اس نے خریدا وہ اوقاف مسجد میں سے نہیں ہوگا اھ منحۃ الخالق اور ردالمحتار میں فتح کے حوالہ سے ہے۔ جان لے کہ بیشک وقف سے انتفاع کے متعذر ہوئے بغیر اسکی بیع کا عدم جواز صرف اس چیز میں ہے جس پر واقف کا وقف وارد ہوا، رہی وہ چیز جس کو متولی نے وقف کی آمدنی سے خریدا تو اس میں شرط مذکور کے بغیر بھی بیع جائز ہے کیونکہ اس کے وقف ہونے میں اختلاف ہے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجدا مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۵

والمختار انه لایکون وقفا فللقیم ان یبیعه متی شاء لمصلحة عرضت[1] اھ، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اور مختار یہ ہے کہ وہ وقف نہیں ہے لہٰذا متولی کو اختیار ہے کہ کسی مصلحت کے عارض ہونے پر جب چاہے اس کو فروخت کرسکتا ہے اھ، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ١٣٥ تا ١٣٦:

(١) ایک مسجد کی ملکیت دیگر مسجد میں خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(٢) مسجد کا پیسہ مدرسہ میں خرچ کرے تو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

دونوں صورتیں حرام ہیں مسجد جب تک آباد ہے اس کا مال نہ کسی مدرسے میں صرف ہوسکتا ہے نہ دوسری مسجد میں، یہاں تک کہ اگر ایک مسجد میں سو چٹائیاں یا لوٹے حاجت سے زیادہ ہوں اور دوسری مسجد میں ایک بھی نہ ہو تو جائز نہیں کہ یہاں کی ایک چٹائی یا لوٹا دوسری مسجد میں دے دیں۔ درمختار میں ہے:

اتحد الواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه جاز للحاکم ان یصرف عن فاضل الوقف الاخر الیه لانهما حینئذ کشیئ واحد وان اختلف احدهما بان بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة ووقف علیهما اوقافا لایجوز له ذٰلک[2]۔	دو وقفوں کا واقف بھی ایک ہو اور ایک ہی چیز پر وقف ہوں، ان میں ایک کی آمدنی کم ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی بحث سے اس پر خرچ کرے اس لئے کہ اس حالت میں وہ دونوں گویا ایک ہی چیز ہیں، اور اگر واقف دو ہوں یا جدا جدا چیزوں پر وقف ہوں جیسے دو شخصوں نے دو مسجدیں بنائیں یا ایک شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنایا اور ان پر جائدادیں وقف کیں تو اب حاکم کو بھی جائز نہیں کہ ایک کا مال دوسرے میں صرف کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی الوقف اذاخرب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٨٢، منحة الخالق علی ھامش البحر الرائق کتاب الوقف مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٥/ ٢٢٠

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٣٨٠

ردالمحتار میں ہے:

المسجد لایجوز نقل مالہ الی مسجد اٰخر[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جائز نہیں کہ ایک مسجد کا مال دوسری مسجد کو لے جائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: مسجد کی کوئی چیز ایسی ہو کہ خراب ہو جاتی ہے اور اس کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دیں اور وہ چیز اگر دوسرا آدمی قیمت دے کر مسجد کی چیز اپنے مکان پر رکھے تو اس کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے مگر اسے بے ادبی کی جگہ نہ لگائے۔ درمختار میں ہے:

حشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مسجد کا گھاس کوڑا جھاڑ کر ایسی جگہ نہ ڈالیں جس سے اس کی تعظیم میں فرق آئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: ایک شہر میں سب لوگوں نے اتفاق کے ساتھ ایک مکان نماز پڑھنے کے لئے بنایا اور اس کا نام عبادت گاہ رکھا گیا اور مسجد نام نہیں رکھا، اس کی وجہ یہ کہ کبھی آدمی نماز نہ پڑھے تو وہ عبادت گاہ بدعانہ کرے، اب اس مکان میں بیٹھ کر لوگ دنیا کی باتیں کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ہوتی ہے اور لکڑی کا منبر بھی رکھا گیا ہے اور پیش امام بھی ہے، تو اس عبادت گاہ میں فقط محراب نہیں ہے تو اس مکان کا مرتبہ مسجد کا ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں دنیا کی باتیں کرنی درست ہیں یا نہیں؟

الجواب:

جب وہ مکان عام مسلمین کے ہمیشہ نماز پڑھنے کے لئے بنایا اسے کسی محدود مدت سے مقید نہ کیا کہ مہینے دو مہینے یا سال دو سال اس میں نماز کی اجازت دیتے ہیں اور اس میں نماز حتی کہ جمعہ و عیدین تک ہوتے ہیں تو اس کے مسجد ہونے میں کیا شک ہے، اس میں دنیا کی باتیں ناجائز اور تمام احکام مسجد، مسجد ہونے کے لئے زبان سے مسجد کہنا شرط نہیں، نہ محراب نہ ہونا کچھ منافی مسجدیت۔ مسجد الحرام شریف میں کوئی محراب نہیں، خالی زمین نماز کے لئے وقف کی جائے وہ بھی مسجد ہو جائیگی، اگرچہ یہ نہ کہا ہو اسے مسجد کیا، اس میں محراب کہاں سے آئیگی، ذخیرہ و ہندیہ و خانیہ، بحر و طحطاوی میں ہے:

رجل لہ ساحۃ لابناء فیھا امر قوما ان یصلوا فیھا بجماعۃ فھذا علی ثلثۃ اوجہ ان امرھم	ایک شخص کی خالی زمین بے عمارت ہے اس نے کچھ لوگوں سے کہا کہ اس میں جماعت سے نماز پڑھیں، اس کی تین صورتیں ہیں اگر تصریحًا کہا کہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۴

بالصلٰوۃ فیہا ابدًا نصًا بان قالواصلوا فیہا ابدا اوامرھم بالصلٰوۃ مطلقًاونوی الابدصارت الساحۃ مسجدًا اوان وقت الامر بالیوم او الشھر اوالسنۃ لا تصیر مسجدًا لومات یورث عنہ[1]۔	ہمیشہ پڑھیں یا مطلق کہا اور دل میں ہمیشگی کی نیت تھی تو وہ سادہ زمین مسجد ہو گئی اور اگر ایک دن یا مہینے یا برس کی قید لگادی کہ اتنے دن اس میں نماز پڑھ لو تو مسجد نہ ہو گی، اسکے مرنے پر وارثوں کو پہنچے گی۔

درمختار میں ہے: یزول ملکہ عن المسجد بالفعل وبقولہ جعلتہ مسجدا[2] یعنی بانی کی ملک مسجد سے دو طرح زائل ہوتی ہے، ایک یہ کہ زبان سے کہہ دے میں نے اسے مسجد کیا، دوسرے یہ کہ یہ نہ کہے، اور اس میں نماز کی اجازت بلا تحدید دے اور اس میں نماز مثل مسجد ایک بار بھی ہو جائے تو اس سے بھی مسجد ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ لفظ مسجد کہنا شرط نہیں۔

بحرالرائق میں ہے:

لایحتاج فی جعلہ مسجدا الی قولہ وقفتہ ونحوہ لان العرف جاربا لاذن فی الصلٰوۃ علٰی وجہ العموم و التخلیۃ بکونہ وقفا علی ھذہ الجھۃ فکان کالتعبیر بہ[3]۔	مسجد ہونے کو کچھ ضروری نہیں کہ زبان سے کہے میں نے اسے وقف کیا یا اور کوئی لفظ اس کے مثل (۔ مثلاً مسجد کیا) اس کے کہنے کی کچھ حاجت نہیں کہ عرف جاری ہے کہ نماز کی عام اجازت دے کر زمین اپنے قبضہ سے جدا کر دینا نماز کیلئے وقف ہی کرنا ہے، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے زبان سے کہنا کہ اسے مسجد کیا ۱۲۔

اسی میں ہے:

بنی فی فنائہ فی الرستاق دکانا لاجل الصلٰوۃ یصلون فیہ بجماعۃ کل وقت فلہ حکم المسجد[4]۔	گاؤں میں اپنے پیش دروازہ کوئی چبوترہ نماز کیلئے بنالیا کہ لوگ پانچوں وقت اس میں جماعت کرتے ہیں اس چبوترے کے لئے مسجد کا حکم ہے ۱۲

اقول: بلکہ اگر نماز کے لئے وقف کرے اور اس کے ساتھ صراحۃً مسجد ہونے کی نفی کردے مثلاً کہے میں نے یہ زمین نماز مسلمین کے لئے وقف کی مگر میں اسے مسجد نہیں کرتا یا مگر کوئی اسے مسجد نہ سمجھے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۸۔۴۹

[4] بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

جب بھی مسجد ہوجائے گی اور اس کا یہ انکار باطل کہ معنی مسجد یعنی نماز کے لئے موقوف پورے ہوگئے اور مذہب صحیح پر اتنا کہتے ہی مسجد ہوگئی اب انکار مسجدیت لغو ہے کہ معنی ثابت از لفظ سے انکار یا وقف مذکور سے رجوع ہے اور وقف بعد تمامی قابل رجوع نہیں، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بی بی کی نسبت کہے میں نے اسے چھوڑا چھوڑا چھوڑا مگر میں طلاق نہیں دیتا کوئی اسے مطلقہ نہ سمجھے۔ طلاق تو دے چکا اب انکار سے کیا ہوتا ہے۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ ہم یہ زمین وقف نہیں کرتے صرف اس طور پر نماز کی اجازت دیتے ہیں کہ زمین ہماری ملک رہے اور لوگ نماز پڑھیں، تو البتہ نہ وقف ہوتی نہ مسجد۔ یہاں یہ بھی معلوم ہے کہ زمین مذکور جسے بالاتفاق اہل شہر نے محل نماز کیا یا تو عام زمین ملک بیت المال ہو جس میں اتفاق مسلمان بجائے حکم امام ہے یا ان کی ملک ہو یا اصل مالک بھی شامل ہو یا اس کی اجازت سے ایسا ہوا ہو یا بعد وقوع اس نے اسے جائز و نافذ کردیا ہو، ورنہ اگر اہل شہر کسی شخص کی مملوک زمین بے اس کی اجازت کے نماز کے لئے وقف کردیں اور وہ جائز نہ کرے، ہرگز نہ وقف ہوگی نہ مسجد، اگرچہ سب اہل شہر نے بالاتفاق یہ بھی کہہ دیا کہ ہم نے اسے مسجد کیا۔ بحر الرائق میں ہے:

فی الحاوی القدسی ومن بنی مسجدا فی ارض المملوکۃ لہ الخ فافادان من الخانیۃ لوان سلطانا اذن لقوم ان یجعلوا ارضا من اراضی البلدۃ حوانیت موقوفۃ علی المسجداو امرھم ان یزید وافی مسجدھم قالوا ان کانت البلدۃ فتحت عنوۃ وذٰلک لا یضر بالمارۃ والناس ینفذ امر السلطان فیھا وان کانت فتحت صلحا لاینفذ امر السلطان لان فی الاول تصیر ملکا للغانمین فجاز امر السلطان فیھا وفی الثانی	حاوی قدسی میں ہے جس نے اپنی مملوک زمین میں مسجد بنائی اس سے ثابت ہوا کہ مسجد ہونے کے لئے شرط ہے کہ بانی اس زمین کا مالک ہو، اسی لئے فتاوٰی قاضی خاں میں فرمایا کہ اگر سلطان نے لوگوں کو اجازت دی کہ شہر کی کسی زمین پر دکانیں بنائیں جو مسجد پر وقف ہوں یا حکم دیا کہ یہ زمین مسجد میں ڈال لو، علماء نے فرمایا اگر وہ شہر بزور شمشیر فتح ہوا ہے اور وہ دکانیں بنانا یا مسجد میں اس زمین کا شامل کرلینا راستہ تنگ نہ کرے نہ عام لوگوں کا اس میں نقصان ہو تو وہ حکم سلطان نافذ ہوجائے گا، اور اگر شہر صلح سے فتح ہوا تو نہیں کہ پہلی صورت میں شہر کی زمین بیت المال کی ملک ہوگئی تو اس میں سلطان کا حکم جائز ہے اور دوسری صورت میں اصلا مالکوں

تبقی علی ملك ملا کها فلا ینفذ امره فیها[1]۔	کی ملک رہی تو سلطانی حکم اس میں نفاذ نہ پائیگا ۱۲

ردالمحتار میں ہے:

شرط الوقف التأبید والارض اذاکانت ملکا لغیره فللمالك استردادها[2]۔	وقف کی شرط ہیشگی ہے اور زمین جب دوسرے کی ملک ہو تو مالک اسے واپس لے سکتا ہے ۱۲

یہ بیان بغرض تکمیل احکام تھا، سوال سے ظاہر وہی پہلی صورت ہے تو اس کے مسجد ہونے میں شک نہیں اور اس کا ادب لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۹: غرۃ شعبان المعظم ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارش کے دن مسجد میں بیٹھ کر وضو کرنا اس طرح پر کہ غسالہ صحن مسجد میں گرے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو مع الکراہت یا بلا کراہت؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صحن مسجد مسجد ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیه** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) اور مسجد میں وضو حرام۔

واستثناء موضع اعد لذلك لایصلی فیه معناه اذاکان الاعداد من الوقف قبل تمام المسجدیة اما بعده فلا یمکن منه الواقف نفسه فضلا عن غیره کما حققناه فیما علی رد المحتار علقناه واذاکان ذلك کذلك لم یکن الثنیا الاصوریا منقطعا کما لایخفی۔	وضو کے لئے بنائی گئی جگہ جس میں نماز نہیں پڑھی جاتی کے استثناء کا مطلب یہ ہے کہ واقف نے تمام مسجدیت سے قبل وہ جگہ وضو کے لئے بنائی ہو لیکن تمام مسجدیت کے بعد تو خود واقف بھی اس پر شرعًا قادر نہیں چہ جائیکہ کوئی اور ایسا کرسکے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ استثناء محض صوری ومنقطع ہوگا، جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ غیر معتکف کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کر کسی برتن میں اس طرح وضو کرلے کہ ماءِ مستعمل برتن ہی میں گرے، ہاں صرف معتکف کو اس صورت کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ کوئی بوند برتن سے باہر نہ جائے۔

---

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۰

درمختار میں ہے:

یحرم فیہ (ای فی المسجد) الوضوء الا فیما اعد لذٰلک[1]۔	مسجد میں وضو حرام ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعد لذٰلك لایصلی فیہ اوفی اناء[2]۔	مسجد میں کلی کرنا اور وضو کرنا مکروہ ہے الایہ کہ وہاں کوئی جگہ اسی مقصد یعنی وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو یا پھر کسی برتن میں وضو کیا جائے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

فی البدائع یکرہ التوضی فی المسجد لانہ مستقذر طبعا فیجب تنزیہ المسجد عنہ کما یجب تنزیہہ عن المخاط والبلغم[3]۔	بدائع میں ہے کہ مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ اس سے طبعًا گھن محسوس ہوتی ہے لہٰذا اس سے مسجد کو پاک رکھنا ایسے ہی واجب ہے جیسا کہ رینٹ اور بلغم سے مسجد کو پاک رکھنا (ت)

اسی میں ہے:

قولہ اوفی اناء **اقول**: ھذا لیس علی العموم بل فی المعتکف فقط بشرط عدم تلویث المسجد[4]۔	اس کا کہنا کہ یا برتن میں وضو کرلے، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم عموم پر نہیں بلکہ صرف معتکف کے لئے ہے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسجد ملوث نہ ہونے پائے۔ (ت)

بحر الرائق باب الاعتکاف میں ہے:

فی البدائع وان غسل المعتکف	بدائع میں ہے کہ اگر معتکف مسجد میں اس طرح

---

[1] درمختار باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۱۔۲۳۰

رأسه فی المسجد فلاباس به اذا لم یلوث بالماء المستعمل فان کان بحیث یتلوث المسجد یمنع منه لان تنظیف المسجد واجب ولوتوضأ فی المسجد فی اناء فهو علی هذا التفصیل انتهی بخلاف غیر المعتکف فانه یکره له التوضی فی المسجد ولو فی اناء ان یکون موضعا اتخذ لذٰلك لایصلی فیه[1] اھ۔	سر دھوئے کہ مستعمل پانی سے مسجد ملوث نہ ہو تو حرج نہیں ورنہ ممنوع ہے کیونکہ مسجد کو پاک صاف رکھنا واجب ہے اور اگر وہ مسجد میں کسی برتن میں وضو کرے تب بھی وہی تفصیل ہے جو مذکور ہوئی (انتہی) بخلاف غیر معتکف کے کہ اس کے لئے مسجد میں وضو کرنا مکروہ ہے سوائے اس جگہ کے جو وضو کے لئے بنائی گئی ہو جس میں نماز نہ پڑھی جاتی ہو اھ۔

تو اگر خروج ممکن ہے مثلاً بارش خفیف ہے یا چھتری وغیرہ آلات حفاظت پاس ہیں او باہر نکلنے سے معذور نہیں تو واجب ہے کہ باہر ہی وضو کرے اور اگر عذر قوی قابل قبول ہے تو اگر کوئی برتن وغیرہ میسر ہے جس میں بلا تلویث مسجد وضو کرسکے جب بھی صحن میں وضو حرام ہے بلکہ چاہئے کہ اعتکاف کی نیت کرلے اور برتن میں اس طرح وضو کرے کہ باہر چھینٹ نہ پڑے یا جو تدبیر ممکن ہو۔ایک سال اعتکاف میں شب کے وقت بارش بشدت تمام ہورہی تھی اور کوئی برتن اس اطمینان کا نہ تھا کہ وضو کرتے میں پانی قطرہ قطرہ سب اسی میں جائے، جاڑے کا موسم تھا فقیر نے توشک پر چادر چند تہہ کرکے رکھی اور اس پر وضو کیا کہ سب پانی چادر ہی میں رہا۔ غرض جو طریقہ تحفظ مسجد کا ممکن ہو بجالائے ورنہ بمجبوری بضرورت در میں بیٹھ کر اس طرح وضو کرے کہ خود سائے میں رہے اور پانی تمام وکمال موقع آب ومجرائے بارش میں گرے کہ ساتھ ہی مینہ اسے بہاتا لے جائے لان من قواعد الشرع ان الضرورات تبیح المحظورات[2] (کیونکہ شرعی قواعد میں سے ہے کہ ضرورتیں محظورات وممنوعات کو مباح وجائز کردیتی ہیں۔ت)

وقد قال الله تعالٰی "مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ"[3] وقد رخصت الشریعة لعذر المطر فی ترك الجماعة وحضور المسجد	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔اور تحقیق شریعت نے بارش کی وجہ سے جماعت ترک کرنے اور مسجد میں حاضر نہ ہونیکی

[1] بحرالرائق باب الاعتکاف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲ / ۷۸

مع وجوبھما علی المعتمد کما حققناہ فی رسالۃ لنا فی حکم الجماعۃ بل فی ترک الجمعۃ مع انھا فریضۃ قطعیۃ اجماعیۃ۔	رخصت دی ہے حالانکہ مذہب معتمد پر یہ دونوں واجب ہیں، جیسا کہ ہم نے حکم جماعت سے متعلق اپنے رسالے میں اسکی تحقیق کی ہے، بلکہ جمعہ کو چھوڑنے کی بھی بسبب بارش رخصت دی گئی باوجودیکہ وہ فرض قطعی اجماعی ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لاتجب (یعنی الجماعۃ) علی من حال بینہ وبینھا مطر وطین وبرد شدید [1]۔	اس شخص پر جماعت واجب نہیں جس کے لئے بارش کیچڑ او شدید سردی رکاوٹ بن جائے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشار بالحیلولۃ الی ان المراد المطر الکثیر کما قیدہ بہ فی صلٰوۃ الجمعۃ وکذا الطین [2]۔	رکاوٹ بننے کے ذکر سے صاحب تنویر نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مراد شدید بارش اور سخت کیچڑ ہے، جیسا کہ نماز جمعہ میں انہوں نے یہ قید لگائی ہے (ت)

درمختار میں ہے:

شرط لافتراضھا (ای الجمعۃ) بلوغ وعقل وعدم مطر شدید ووحل وثلج ونحوھما [3] اھ ملتقطا وذلك ان اللہ رؤف بالعباد، والحمدللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	نماز جمعہ کی فرضیت کے لئے عاقل و بالغ ہونا اور شدید بارش، کیچڑ اور برف وغیرہ کا نہ ہونا شرط ہے (التقاط) اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک اللہ تبارک وتعالٰی اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے، اور تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد میں حدث کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور معتکف کو حدث کرنا مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟ اور کوئی طالبعلم باوجود حجرہ ہونے کے مسجد میں کتب بینی کرے اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

[2] ردالمحتار باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۳

[3] درمختار باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۲

حدث بھی کرے تواب اس صورت میں مسجد میں بیٹھنا افضل ہے یا حجرہ میں؟اور جو صاحب اس کو تسلیم نہ کریں ان کو کیا حکم ہے شریعت کا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مسجد میں حدث یعنی اخراج ریح غیر معتکف کو مکروہ ہے، اسے چاہئے کہ ایسے وقت باہر ہو جائے پھر چلا آئے، طالب علم کو مسجد میں کتب بینی کی اجازت ہے جبکہ نمازیوں کا حرج نہ ہو، اور اخراج ریح کی حاجت نادر ہو تو اٹھ کر باہر چلا جائے، ورنہ سب سے بہتر یہ علاج ہے کہ بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھے اور کتاب دیکھے جبکہ کتاب علم دین کی ہو یا ان علوم کی جو علم دین کے آلہ ہیں، اور یہ اسی نیت سے اسے پڑھتا ہو، جو شخص غیر معتکف کو اخراج ریح مسجد میں خلاف ادب نہیں جانتا غلطی پر ہے اسے سمجھا دیا جائے، یہ طریقہ اعتکاف کہ اوپر بیان ہوا اس کے لئے ہے جس کی ریح میں وہ بو نہ ہو جس سے ہوائے مسجد پر اثر پڑے، بعض لوگوں کی ریح میں خلقی بوئے شدید ہوتی ہے بعض کو بوجہ سوئے ہضم وغیرہا عارضی طور پر یہ بات ہو جاتی ہے ایسوں کو ایسے وقت میں مسجد میں بیٹھنا ہی جائز نہیں کہ بوئے بد سے مسجد کا بچانا واجب ہے۔

وان الملئکۃ تتأذی ممایتاذی منہ بنواٰدم[1]۔قالہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	جس بات سے آدمیوں کو اذیت پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: منشی عبدالصبور صاحب ۲۹صفر مظفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک مسجد زید کے آباواجداد کی تعمیر ہے اور اسی بناء پر زید اپنے کو متولی مسجد مذکور قرار دیتا ہے، یہ مسجد ویران رہتی تھی، متولی ضروریات واقع کا خبر گیراں نہیں ہوتا تھا، اہل محلّہ نے مرمت شکست ریخت کے واسطے متولی سے کہا کچھ بندوبست نہیں کیا تو اہل محلّہ نے تعمیر شروع کرادی، مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی، تعمیر ناتمام تھی کہ متولی نے روکا کہ جب ہم کو مقدرت ہو گی خود بنوادیں گے، تعمیر ناتمام رہی، اس مسجد میں کنواں بھی نہیں، متصل شارع عام کے کنویں سے کہ ہر کس وناکس پانی بھرتا ہے مسجد میں پانی آتا ہے، ہنود کی بے احتیاطی دیکھ کر اب اہل محلّہ کا قصد ہے کہ مسجد میں ہی کنواں تعمیر ہو جائے اور ایک حجرہ بھی سکونت جاروب کش و مؤذن کے واسطے تعمیر ہو جائے مگر متولی مانع ہوتا ہے کہ اور کوئی نہ بنوائے

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوماالخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

جب ہم کو استطاعت ہوگی خود بنوادیں گے ایسی حالت میں تعویق تعمیر کا حق متولی کو شرعاً حاصل ہے یانہیں اور تعمیر سابق بدون اجازت متولی جائز ہوئی یانہیں اور ممانعت متولی باطل تھی یا صحیح؟ اب بدون اجازت اہل محلّہ تعمیر کراسکتے ہیں یانہیں؟ اور متولی مذکور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہیں ہے اور تعمیر ضروریات میں مانع ومزاحم ہوتا ہے شرعاً متولی رہ سکتا ہے؟ یا تولیت سے معزول ہوسکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں واقعی متولی کو بھی ہرگز حق نہ تھا کہ تعمیر مسجد سے اہل محلّہ کو روکتا، نہ کہ یہ شخص جو صرف اس بناپر کہ مسجد اس کے بزرگوں کی تعمیر ہے اپنے آپ کو متولی ٹھہراتا ہے، تعمیر سابق کہ مسلمانان اہل محلّہ نے بے اجازت شخص مذکور کی ضرور جائز ہوئی کہ وہ باجازت قرآن عظیم ہے۔ اللہ عزوجل کی اجازت کے بعد زید وعمرو کی اجازت وعدم اجازت کیا چیز ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَی الزَّکٰوۃَ وَ لَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ"[1]	خدا کی مسجدیں وہی عمارت کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور نماز برپا رکھتے اور زکوۃ دیتے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنٰی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[2]۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں مکان تعمیر فرمائے۔

شخص مذکور کی ممانعت محض باطل ونامسموع تھی اب بھی اہل محلّہ بے اس کی اجازت کے تعمیر کرسکتے ہیں، درمختار میں ہے:

اراداھل المحلۃ نقض المسجد وبناء ہ احکم من الاول ان البانی من اھل المحلۃ لھم ذٰلك والالا، بزازیۃ[3]۔	اہل محلّہ نے مسجد گرانے اور پہلے سے مضبوط تر بنانے کا ارادہ کیا اگر دوبارہ بنانے والا اہل محلّہ سے ہے تو انہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، بزازیہ۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۰، مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۸

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

فتاوٰی قاضی خاں پھر ردالمحتار میں ہے:

لیس لورثته منعهم من نقضه والزیادة فیه ولاهل المحلة تحویل باب المسجد [1]۔	واقف کے ورثاء اہل محلّہ کو مسجد گراکر وسیع کرنے سے منع نہیں کرسکتے مسجد کا دروازہ تبدیل کرنے کا بھی اہل محلّہ کو اختیار ہے (ت)

محیط امام سرخسی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجد اثم مات فاراداهل المسجد ان ینقضوه ویزیدوافیه فلهم ذٰلك ولیس لورثة المیت منعهم [2]۔	ایک شخص نے مسجد بنائی پھر وہ فوت ہوگیا، بعد ازاں اہل محلّہ نے اس مسجد کو گرانے اور اس میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا تو بانی اول کے ورثاء کو منع کرنے کا اختیار نہیں (ت)

شخص مذکور ضروریات مسجد کا خبر گیراں نہیں ہوتا اور اہل محلّہ کی درخواست پر بھی درستی مسجد کا کچھ بندوبست نہ کیا اور جب اہل محلّہ نے تعمیر شروع کی اور مسجد میں نماز وجماعت ہونے لگی تو روکنے کو آموجود ہوا اور وہ روکنا بھی یوں نہیں کہ آپ تعمیر کرنا شروع کرتا بلکہ نرا وعدہ کہ ہم بنوادیں گے وعدہ بھی کیسا، محض موہوم کہ جب ہمیں مقدرت ہوگی بنوائیں گے، تو ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ شخص مذکور آبادی وعمارت مسجد میں خلل انداز ہے اور وہ ضرور "مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾" [3] (نیکی سے بہت زیادہ منع کرنیوالا حد سے تجاوز کرنے والا گنہگار ہے۔ ت) میں داخل ہے آپ تعمیر نہ کرتا ہے نہ کرسکتا ہے کہ خود اپنی مقدرت سے انکار رکھتا ہے اور مسلمانوں نے جو تعمیر کی جس سے نماز وجماعت ہونے لگی اسے روکتا ہے تو صاف ویرانی مسجد کا خواستگار اور "مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا ط" [4] (اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ تعالٰی کے ذکر سے منع کرے اور مساجد کی بربادی میں کوشاں ہو۔ ت) کی وعید شدید کا سزاوار ہے۔ شخص مذکور کو اگر متولی فرض بھی کرلیں تو اور مسلمانان محلّہ کی تعمیر میں اس کی کوئی اہانت نہیں نہ ہرگز شرع مطہر میں متولی کو حق دیا گیا ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کہ بوعدہ موہومہ مقدرت آپ تعمیر کرنے کے لئے مسجد کو خراب رکھے اہل محلّہ کو تعمیر سے روکے۔ فرض کیجئے اسے مقدرت کبھی نہ ہوئی تو کیا ہمیشہ مسجد ویران رکھیں یا اسے استطاعت دس برس یا دس مہینے یا دس دن ہی بعد ہوگی تو کون سی شریعت نے فرض کیا ہے کہ اس کی مقدرت کا انتظار کرو اور اتنی مدت مسجد خراب رکھو۔ جو شخص دعوی کرتا ہے کہ بسبب وعدہ اور لوگوں کو اس کے تیار کرانے کا انتظار کرنا ہوگا اگر اپنی ہوائے نفس کا حکم دیتا ہے تو مسلمانوں پر اس کا اتباع نہیں، اور اگر اسے شرع مطہرہ کا حکم ٹھہراتا ہے تو صراحۃً شریعت غرا پر افتراء کرتا ہے، شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کہیں نہیں کہ ایسے مہمل وعدوں کا انتظار مسلمانوں کو کرنا ہوگا انتظار انتظار میں مسجد کو خراب رکھنا ہوگا، مسجد متولی یا اس کے بزرگوں کی ملک نہیں۔ قال اللہ تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی ہی کی ہیں۔ت) فرضی یا واقعی متولی کو کیا حق حاصل ہے کہ مسلمانوں کو اپنے وعدہ فردا کے انتظار پر مجبور کرے اور تاتریاق از عراق کے لئے مسجد کو خراب رکھے، ایسے انتظار کا فتوٰی دینا صریح جہالت وضلالت ہے خصوصًا جبکہ مسلمان آنکھوں دیکھ چکے کہ وہ ضروریات مسجد کی خبر گیری نہیں کرتا اور باوصف درخواست اس نے کچھ پروانہ کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین[2]۔	مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا (ت)

اور اگر بفرض باطل تسلیم بھی کرلیں کہ اوروں کی تعمیر میں بخیال عوام اس کی کوئی اہانت ہے تو بیت اللہ کی اہانت وخرابی سے اس کی یہ نفسانی اہانت آسان تر ہے۔ بھلا متولی تو متولی، علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اصل بانی مسجد اور اہل محلّہ میں دربارہ امام ومؤذن نزاع ہو اور جسے اہل محلّہ چاہیں وہ زیادہ مناسب ہو تو اصل بانی کے اختیار پر اہل محلّہ ہی کے اختیار کو ترجیح دی جائے گی۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

ان تنازعوا فی نصب الامام والمؤذن مع اهل المحلة ان کان مااختاره اهل المحلة اولٰی من الذی اختاره البانی فما اختاره اهل المحلة اولٰی[3]۔	بانیان مسجد اور اہل محلّہ کے درمیان امام مؤذن کی تقرری میں اختلاف واقع ہو اور جس کو اہل محلّہ پسند کریں وہ بانی کے پسند کردہ سے اولٰی ہے تو اسی کو مقرر کرنا بہتر ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷۹

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۷

جب اصل واقف پر اہل محلّہ کو صرف اس وجہ سے کہ ان کا پسند کردہ زیادہ مناسب ہے شرع مطہر نے ترجیح عطا فرمائی تو یہاں کہ آبادی و ویرانی کا اختلاف ہے اور شخص مذکور خود واقف بھی نہیں اور خود عمارت کرتا بھی نہیں نرے وعدہ ہی پر ٹالتا ہے اور وہ وعدہ بھی ایک غیبی بات پر موقوف کہ خدا جانے ہوئی یا نہ ہوئی کیونکہ اہل محلّہ کی کارروائی کے آگے جو سراسر نافع مسجد ہے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے، اور جب اس ترجیح اہل محلّہ میں خود واقف کی اہانت نہ تھی یا فرضًا ہو تو شرع مطہر نے اصلًا اسپر لحاظ نہ فرمایا اور محض ایک انسب بات کے لئے اہل محلّہ ہی کو ترجیح بخشی تو یہاں اس غیر واقف کی اہانت کیا ہوگی یا ہو تو اس پر شرع کیا لحاظ فرمائے گی ایسے بیہودہ مخیلات کو مدار فتوٰی قرار دینا سخت عامیانہ سفاہت ہے جس کے لئے شرع الٰہی میں اصلًا اصل نہیں، معہذا ظاہر ہے کہ اہل محلّہ کا مقصود آبادی مسجد ہے نہ کہ اس شخص کی اہانت، ولہذا پہلے خود اسی سے درخواست کی جب اس نے کان نہ رکھا مجبورانہ خود عمارت شروع کی تو اہل محلّہ کی یہ غرض ٹھہرا لینی کہ شخص مذکور کو ذلت پہنچے کس قدر شدید سوئے ظن و جہالت ہے کیا وہ اس قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ لاینظر الٰی صورکم واموالکم ولکن ینظر الٰی قلوبکم واعمالکم۔[1]	بیشک اللہ تعالٰی تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہاری نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔(ت)

کے مستحق نہیں؟ کیا صحیح حدیث میں ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔[2]	بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔(ت)

کا مخالف فاسق نہیں؟ ضرور ہے۔ اور شخص مذکور جبکہ تعمیر ضروریات کا مانع ومزاحم ہے تو بدخواہی مسجد کے سبب اگر متولی بھی ہوتا اس کا معزول کرنا واجب تھا نہ کہ فقط اولادِ بانی سے ہونا کہ ہرگز موجب تولیت نہیں **کما لایخفی** (جیسا کہ چھپا ہوا نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: از میرٹھ کوٹھی انانش خیر نگر دروازہ مرسلہ ولایت اللہ خاں ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت میں مسجدوں کے اوپر مینار اور برج نہیں تھے، اب کیونکر بنائے جاتے ہیں؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب تعلیم الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۵

الجواب:

واقعی زمانہ اقدس حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مساجد کے لئے برج کنگرے اور اس طرح کے منارے جن کو لوگ مینار کہتے ہیں ہر گز نہ تھے بلکہ زمانہ اقدس میں پکے ستون نہ پکی چھت، نہ پکا فرش نہ گچکاری، یہ امور اصلاً نہ تھے کما فی صحیح البخاری فی ذکر مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد کے ذکر میں ہے۔ت) بلکہ حدیث میں ہے:

ابنوا المساجد واتخذوھا جما[1]۔ رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ والبیھقی فی السنن عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مسجدیں بناؤ اور انہیں بے کنگرہ رکھو (اسے ابوبکر بن ابی شیبہ اور بیہقی نے سنن میں سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے:

ابنوا مساجدکم جما وابنوا مدائنکم مشرفۃ[2]۔ رواہ ابن ابی شیبۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اپنی مسجدیں منڈی بناؤ اور اپنے شہر کنگرہ دار۔ (اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ت)

مگر تغیر زمانہ سے جبکہ قلوب عوام تعظیم باطن پر تنبہ کے لئے تعظیم ظاہر کے محتاج ہوگئے اس قسم کے امور علماء وعامہ مسلمین نے مستحسن رکھے، اسی قبیل سے ہے قرآن عظیم سے ہے قرآن عظیم پر سونا چڑھانا کہ صدر اول میں نہ تھا اور اب بہ نیت تعظیم واحترام قرآن مجید مستحب ہے۔ یونہی مسجد میں گچکاری اور سونے کا کام،

وماراٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[3]۔	جس شیئ کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عند اللہ بھی اچھی ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیہا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الصلٰوۃ فی زینۃ المسجد وماجاء فیہا ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۹، کنز العمال حدیث ۲۰۷۶۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۷/ ۶۵۶

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۷۹

درمختار میں ہے:

جاز تحلیۃ المصحف لما فیہ من تعظیمہ کما فی نقش المسجد[1]۔	قرآن مجید کو مزین کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں قرآن مجید کی تعظیم ہے جیساکہ مسجد کو تعظیماً منقش کرنا جائز ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لایکرہ نقش المسجد بالجص وماء الذھب[2]۔	قلعی اور سونے کے پانی سے مسجد کو منقش کرنا مکروہ نہیں۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاباس بنقش المسجد بالجص والساج وماء الذھب والصرف الی الفقراء افضل کذافی السراجیۃ وعلیہ الفتوی کذافی المضمرات وھکذافی المحیط[3]۔	مسجد کو قلعی، ساج کی لکڑی اور سونے کے پانی سے منقش کرنے میں حرج نہیں تاہم فقراء پر صرف کرنا اولٰی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے، مضمرات اور محیط میں یونہی ہے(ت)

اور ان میں ایک منفعت یہ بھی کہ مسافر یا ناواقف منارے کنگرے دور سے دیکھ کر پہچان لے گا کہ یہاں مسجد ہے، تو اس میں مسجد کی طرف مسلمانوں کو ارشاد وہدایت اور امر دین میں ان کی امداد واعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی"[4]	نیکی اور تقوٰی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔ (ت)

تیسری منفعت جلیلہ یہ ہے کہ یہاں کفار کی کثرت ہے، اکثر مسجدیں سادی گھروں کی طرح ہوں تو ممکن ہے کہ ہمسایہ کے ہنود بعض مساجد پر گھر اور مملوک ہونے کا دعوی کردیں اور جھوٹی گواہیوں سے جیت لیں. بخلاف اس صورت کے کہ یہ ہیأت خود بتائے گی کہ یہ مسجد ہے تو اس میں مسجد کی حفاظت اور اعدا سے اس کی صیانت ہے، وباللہ التوفیق. واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/ ۱۶۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۱۴۳: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی ڈاکخانہ قاضی ہاٹ متصل بختیار منشی کے بازار مرسلہ مولوی عبدالعلی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی ہندو مشرک زمیندار اپنی زمین میں نماز پنجگانہ وجمعہ کے لئے ایک مسجد بنادے یا مسلمان کی بنائی ہوئی مسجد کو درست یا پختہ کردے یا ازروئے حیلہ کے دو سو یا چار سو کسی شخص کو مسجد بنوانے کی نیت سے دے وہ شخص زر دادہ سے مسجد بنادے شرعاً اس میں نماز پڑھنا درست ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس نے مسجد بنوانے کی صرف نیت سے مسلمان کو روپیہ دیا یا روپیہ دیتے وقت صراحۃً کہہ بھی دیا کہ اس سے مسجد بنوادو، مسلمان نے ایسا ہی کیا تو وہ مسجد ضرور ہوگئی اور اس میں نماز پڑھنی درست ہے۔

لانہ انما یکون اذنا للمسلم بشراء الآلات للمسجد بمالہ وبمجرد ھذا لایصیر وکیلا وان فرض التوکیل فحیث لم یعین جنس المشری لایقع الشراء الا للمسلم لان الجھالۃ الفاحشۃ تبطل الوکالۃ. فی الدر المختار الاصل انھا(ای الوکالۃ)ان جھلت جھالۃ فاحشۃ وھی جھالۃ الجنس کدابۃ بطلت اھ[1] (ملخصًا) ومعلوم ان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ علیہ فعلی کل کانت الآلات ملك المسلم وقد جعلھا مسجدا فصح۔	کیونکہ یہ اس کی طرف سے مسلمان کو اس کے مال سے مسجد کے لئے سامان خریدنے کا اذن ہوا اور محض اتنی بات سے وہ وکیل نہ ہوا اور بالفرض توکیل مان بھی لیں تو جب جنس شراء غیر معین ہے تو شراء مسلمان کے لئے ہی واقع ہوگی اس لئے کہ جہالت فاحشہ وکالت کو باطل کردیتی ہے۔ درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر وکالت جہالت فاحشہ کے ساتھ مجہول ہو یعنی جہالت جنس ہو جیسے دابہ کا مجہول ہونا تو وکالت باطل ہوجاتی الخ (ملخصا) اور یہ بات معلوم ہے کہ شراء جب مشتری پر نفاذ پائے تو نافذ ہوجاتی ہے، بہر صورت وہ خریدا ہوا سامان مسلمان کا مملوک ہوا اور اس نے مسجد بنادی تو صحیح ہے۔ (ت)

یونہی مسجد قدیم کی درستی ومرمت اگر کافر کرے تو اسکی مسجدیت میں نقصان نہ آئے گا **لان المسجد اذا تم مسجدا لایعود غیر مسجد ابدا** (کیونکہ مسجد بن جانے کے بعد کبھی بھی وہ غیر مسجد نہیں بن سکتی۔ ت)

[1] درمختار باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۴

اسی طرح کچھ مسجد کو اگر پکی کرادے فرش اور دیواریں پختہ بنوادے جب بھی اس کی مسجدیت میں حرج نہیں اس میں نماز درست ہے کہ یہ دیواریں اگرچہ ملک کافر رہیں گی کہ وہ مسجد کے لئے وقف کرنے کا اہل نہیں مگر دیواریں حقیقت مسجد میں داخل نہیں،

حتی لولم تکن او رفعت لم یتطرق الی المسجد خلل الاتری ان المسجد الحرام لاجدران فیه اصلا وان بناء الکعبة لو رفع کما وقع فی زمن سیدنا عبدالله بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما لصحت الصلوة الیها کمانصوا علیه۔	مسجد کی دیواریں اگر بالکل نہ ہوں یا مرتفع ہوجائیں تو مسجدیت میں کوئی خلل نہیں آتا، کیا تو نہیں دیکھتا کہ مسجد الحرام میں دیواریں نہیں ہیں اور اگر کعبۃ اللہ کی عمارت اگر مرتفع ہوجائے جیسا کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ہوا تو تب بھی اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا جائز ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے (ت)

یوں ہی مسالہ کہ فرش پختہ کرنے کو ڈالا چٹائی کی طرح ایک شیئ زائد ہے اور جواز نماز یوں کہ اگرچہ وہ مسالہ ملک کافر پر رہے گا مگر اس پر نماز اس کے اذن سے ہے،

فکان کالصلاۃ فی ارض الکافر باذنه بل اولی۔	تو یہ کافر کی زمین میں اس کے اذن سے نماز پڑھنے کی مانند ہوا یا اس سے بھی اولٰی ہے۔ (ت)

ہاں ایسی چیز کا قبول کرنا مسلمانوں کو نہ چاہئے کہ مسجد کو ملک کافر سے آلودہ کرنا ہے،

وقد قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا لا نستعین بمشرک[1]۔	تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مشرک سے استعانت نہیں کرتے (ت)

اور اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ جب وہ فرش ملک کافر پر باقی ہے تو اگر کسی وقت وہ یا اس کے بعد اس کا وارث اس پر نماز سے منع کردے تو نماز ناجائز ہوجائے گی جب تک فرش کھود کر زمین صاف نہ کرلیں۔ رہی پہلی صورت کہ مشرک اپنی زمین میں مسجد بنوادے اگر مشرک نے وہ زمین کسی مسلمان کو ہبہ کردی اور مسلمان نے مسجد بنوائی تو جائز ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے، اور اگر بے تملیک مسلم اپنی ہی ملک رکھ کر مسجد بنوائی تو وہ مسجد شرعًا مسجد نہ ہوئی،

[1] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانة بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ١٢/ ٣٩٥

لان الکافر لیس اھل لوقف المسجد وفی جواھر الاخلاطی جعل ذمی دارہ مسجدا للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلٰوۃ فیہ فصلوافیہ ثم مات یصیر میراثالورثتہ[1] وھذاقول الکل۔	کیونکہ کافر مسجد کو وقف کرنے کااہل نہیں جواہر الاخلاطی میں ہے کہ ذمی نے اپنے گھر کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا اور مسلمانوں کی طرح اس کی تعمیر کرائی پھر مسلمانوں کواس میں نماز پڑھنے کو کہااور انہوں نے اس میں نماز پڑھی بعد ازاں وہ ذمی مر گیا تو وہ اس کے وارثوں کو بطور میراث ملے گی،اور یہی سب کا قول ہے(ت)

اس میں نماز ایک کافر کے گھر میں نماز ہے جس پر نماز مسجد کاہر گزثواب نہیں مگر جبکہ اس کے اذن سے ہے نماز درست ہے اگر منع کردے گا تواب اجازت نہ رہے گی اور زمین غصب میں نماز کی طرح مکروہ ہوگی **للتصرف فی ملك الغیر بغیر اذنہ** (ملک غیر میں بلااذن مالک تصرف کرنے کی وجہ سے۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴: ازکانپور مرسلہ مولوی عبیداللہ صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کرکے کسب ناجائز اختیار کرلیااور مال میں ہزار پانسو کی تجارت بھی کرتی رہی چنانچہ اس نے اسی مال سے چند دن میں متعدد مکان وغیرہ بھی خرید کئے اور وہ مال اسکے پاس کچھ بطور حلال حاصل ہوا تھااور کچھ بطور حرام، لیکن یہ امر کہ مال حلال کس قدر تھااور مال حرام کس قدر، کچھ معلوم نہیں،خلاصہ یہ کہ وہ مال اس کے پاس مختلط تھا،اس کے بعد اس مال کی وارث اس کی ماں بنی،ہندہ کی ماں نے محض اپنی رائے سے ایک مسجد کی تعمیر کی،اب اس مسجد میں لوگ نماز پڑھنے سے پرہیز کرتے ہیں،پس یہ فرمایا جائے کہ ایسی مسجد کو حکم مسجد کادیں گے یانہیں؟اور یہ وقف شرعاً صحیح ہے یانہیں؟اور یہ بھی ارشاد ہو کہ مال مختلط وراثتاً اگر شخص کو نہ ملا ہو جبکہ خود اس کے پاس مختلط اپناذاتی ہو جیسا آج زمانے میں بکثرت لوگوں کے پاس ہے اگر ایسے سے مسجد بنوائی جائے توکیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مال مختلط کہ مورث وجوہ مختلفہ سے جمع کرلے اور وارث کواس کی کچھ تفصیل کا پتانہیں چل سکا کہ کتنا حلال ہے کتناحرام ہے،جو حرام ہے کس کس سے لیاہے توامر مجہول کامطالبہ اس سے نہیں ہوسکتاایسی ہی

---
[1] جواہر الاخلاطی کتاب الوقف قلمی نسخہ ص ۱۲۷

جگہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ:

الحرمة لاتتعدی بیان المسئلة فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہما من الاسفار۔	حرمت متعدی نہیں ہوتی اس مسئلہ کی وضاحت درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے(ت)

تو مسجد مذکور ضرور مسجد ہے اور اس کا وقف صحیح اور اس میں نماز جائز، اور اگر خود اپنا روپیہ مختلط بلکہ حرام ہو اور اس سے مسجد یوں بنائے کہ زمین وخشت وغیرہما آلات کی خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع نہ ہو تو مذہب امام کرخی پر کہ اب وہی مفتی بہ ہے ان خریدی ہوئی اشیاء میں خباثت اثر نہ کرے گی۔

بل استحسن فی الطریقة المحمدیة الافتاء بما اوسع من ھذا وھو ان الخبث لایسری فی الابدال مطلقا اذا کان ذلك فیما لایتعین فی البیع کالدراھم والدنانیر۔	بلکہ طریقہ محمدیہ میں تو اس سے وسیع تر صورت پر فتوی کو مستحسن قرار دیا ہے اور وہ یہ کہ خباثت ابدال میں مطلقًا اثر نہیں کرتی جبکہ ان اشیاء میں ہو جو بیوع میں متعین نہیں ہوتیں جیسے دراہم ودنانیر۔(ت)

حرام پر عقد کے یہ معنی کہ زرحرام دکھا کر کہے اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، اور نقد کے یہ معنی کہ پھر زرِ حرام ہی اس کے معاوضہ میں دے، اگر مطلقًا بغیر روپیہ دکھائے کوئی چیز خریدے اور پھر زرِ حرام عوض میں دیا تو یہ دینا اگرچہ اسے حرام تھا،

لانه فیه بادائه الی من کان له وان لم یبق ھو ولاوارثه اولم یعرف فالتصدق وھذا عدول عنھما فلایجوز۔	کیونکہ اس میں وہ مال حرام اس شخص کو واپس کرنے کا پابند تھا جس کا وہ ہے اگر وہ یا اس کا کوئی وارث باقی نہیں یا ان کا علم نہیں تو تصدقہ کرنا لازم ہے جبکہ یہ مال حرام کسی کو معاوضے میں دینے اور اصل مالک کو واپس کرنے سے عدول ہوگا تو جائز نہیں(ت)

بلکہ بائع کو بھی لینا حرام تھا جبکہ اسے معلوم ہو کہ یہ روپیہ عین حرام اور اس کے پاس بلا ملک ہے جیسے غصب ورشوت واجرت زنا وغیرہ کا روپیہ مگر جبکہ حرام پر عقد نہ ہوا فرد مطلق پر ہوا خریدی ہوئی شے میں خبث نہ آیا یونہی اگر زرحرام دکھا کر کہا اس کے عوض فلاں شیئ دے دے، جب اس نے دے دی اس نے وہ روپیہ ثمن میں نہ دیا بلکہ زرحلال دیا تو اب اگرچہ عقد حرام پر ہوا مگر نقد اس کا نہ ہوا، ان دونوں صورتوں میں مذہب مفتی بہ پر ابدال یعنی خریدی ہوئی چیزیں حلال رہتی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں عام خریداریاں اسی صورت اولٰی پر ہوتی ہیں کہ حرام پر عقد نہیں ہوتا، اور اگر بالفرض بعض آلات پر اتفاقًا ایسا ہوا ہو تو اس کا حال معلوم نہیں،

وقد قال فی الاصل به ناخذمالم نعرف شیئا حراما بعینه[1]۔	امام محمد نے اصل میں فرمایا کہ ہم اسی کو اپناتے ہیں جب تک ہمیں کسی خاص شیئ کے حرام ہونے کا پتانہ چل جائے۔(ت)

تو ایسی مساجد کی مسجدیت اور ان میں نماز کی صحت میں شک نہیں وقد فصلنا المسألة فی فتاوٰنا (تحقیق ہم نے اس مسئلہ کی تفصیل اپنے فتاوی میں بیان کردی ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۳ محرم شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چھوٹی مسجد کو مسلمانوں نے بڑھایا جو زمین اندر آتی اس میں ایک محراب ہوتی ہے کسی حساب سے پانچ در نہیں ہوسکتے، نہ تو زمین زیادہ ہے کہ دو در بن کر پانچ ہوجائیں نہ اتنا روپیہ کہ سامنے کی محرابیں توڑ کر اس زمین کو شامل کرکے تین در بنائے جائیں، اب اگر ایک در تیار ہوجائے اور سب مل کر چار در ہوجائیں تو کسی طرح کا نماز میں فتور آئے گا یا نہیں؟ شرع شریف نے کیا اجازت دی ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اتنا ضرور ہے کہ طاق عدد اللہ عزوجل کو محبوب ہے ان اللہ وتر یحب الوتر[2] (اللہ تعالٰی وتر یعنی طاق ہے اور طاق کو پسند کرتا ہے۔ت) اور یہاں عام مسلمانوں میں مسجد کے در طاق ہی رکھنے کا رواج ہے وقد نص العلماء ان الخروج عن العادۃ شہرۃ ومکروہ (علماء نے تصریح فرمائی کہ مسلمانوں کی عادت مستمرہ سے خروج مکروہ ہے۔ت) تو جہاں تک ممکن ہو مخالفت عادت مسلمین سے احتراز کریں اور ناممکن ہو تو کوئی حرج نہیں اور نماز میں تو کسی طرح دروں کے طاق یا جفت ہونے سے کوئی فضیلت یا فتور اصلاً نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: مرسلہ عنایت حسین ۴ صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک مسجد چھوٹی ہے اور ایک جانب اس کے قبرستان ہے دو جانب تالاب ہے اور ایک جانب راستہ ہے اور مرمت طلب ہے، ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ میں ایک مسجد بناؤں مگر شرط یہ ہے کہ اس مسجد سے بڑی ہو اور اس میں حجرہ وغیرہ

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراہیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۳

اور وہیں چاہ بھی ہو اور پیش امام اور مؤذن کے واسطے بھی انتظام جائداد سے کردیا جائے اور یہ جو مسجد ہے اسکے آس پاس بڑھانے کی گنجائش نہیں ہے اگر دوسری مسجد اس موضع میں تعمیر ہوئی تو یہ مسجد ویران ہوجائے گی اس میں کوئی نمازی نماز کے واسطے نہیں آئے گا اس وجہ سے کہ اس مسجد میں کوئی امام نہیں ہے اور نمازی بھی ایسے نہیں کہ اس میں امامت کرکے جماعت کرلیں ایسی حالت میں مسجد تعمیر کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ مسجد شہید کرکے اینٹ وغیرہ اس مسجد کی اس مسجد میں لگائیں یا کیا کریں؟

الجواب:

مسجد بنانا باعث اجر عظیم ہے جس طرح ممکن ہو کوشش کیجائے وہ مسجد بھی آباد رہے اور یہ بھی آباد ہو، ثواب لینا چاہتا ہے تو اس کے لئے بھی امام مقرر کرے اگر کسی طرح یہ ممکن ہو بلکہ اگر معلوم ہو کہ اس مسجد کا بننا اسے ویران کردے گا تو ہرگز نہ بنائے کہ مسجد کا ویران کرنا حرام قطعی ہے اور اسے شہید کرنا حرام قطعی، اور آباد مسجد کی اینٹ وغیرہ دوسری مسجد میں لگادینا حرام قطعی۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے ظالم تر کون ہوسکتا ہے جو مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکے اور ان کی بربادی کی سعی کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷: از بدایون ۲۰ صفر ۱۳۲۳ھ

زید نے قبرستان قدیم اہل اسلام کو پاٹ کر ان قبروں کی چھت پر مسجد بنانا اور اس کو ایک مسجد قدیم کے صحن میں داخل کرنے کا قصد کیا ہے اور دروازہ قدیم مسجد کو بھی پاٹ کر اسکے نیچے دکان یا حجرہ بنانا اور چھت کو مسجد کرنا چاہتا ہے، آیا شرعًا زید کو یہ منصب ہے اور یہ سقف قبور مسجد ہوجائے گی اور مصلی کو ثواب مسجد ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا عند اللہ تعالٰی (بیان کیجئے اور اللہ تعالٰی سے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

دروازہ پاٹ کر اس کے نیچے دکان بنانا ہرگز جائز نہیں، عالمگیری میں ہے:

قیم المسجد لایجوزلہ ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائہ[2]۔	ناظم مسجد کو جائز نہیں کہ وہ مسجد کی حدود میں یا فنائے مسجد میں دکانیں بنائے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد فصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

اور حجرہ بنانے کی اجازت ہے جبکہ زمین مسجد سے اس میں کچھ نہ لیا جائے، نہ مسجد پر راہ وغیرہ کسی امر کی تنگی لازم آئے اور یہ تغییر دروازہ کرنے والے خود اہل محلّہ ہوں یا ان کے اذن سے ہو۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے: **لاھل المحلة تحویل باب المسجد**[1] (اہل محلّہ کو دراوزہ مسجد کی تبدیل کا اختیار ہے۔ت) اور اس صورت میں حجرہ کی چھت مسجد ہو جائے گی جبکہ برضائے اہل محلّہ ہے۔ خلاصہ میں ہے:

ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلك المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز الخ[2]۔	ایک زمین مسجد کے لئے وقف ہوئی اور اس مسجد کے پہلو میں زمین ہے اہل محلّہ نے ارادہ کیا کہ مسجد میں کچھ اضافہ اس زمین سے کریں تو جائز ہے الخ (ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر جامع المضمرات شرح القدوری پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

مسجد اراد اھله ان یجعل الرحبة مسجدا وان یحولوا الباب عن موضعه فلھم ذٰلك فان اختلفوا نظر ایھم اکثر وافضل فلھم ذلك[3] اھ بتلخیص۔	اہل محلّہ نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد کر دیں اور دروازہ کو اپنی جگہ سے تبدیل کر دیں تو جائز ہے اور اگر ان میں باہم اختلاف ہو تو دیکھا جائے گا کہ ان میں اکثر وافضل گروہ کی کیا رائے ہے اور انہیں کو اختیار دیا جائیگا اھ بتلخیص (ت)

اور اس کے نیچے حجرہ ہونا کچھ منافی مسجدیت سقف نہ ہوگا، قول بحر **شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا**[4] (اس کے مسجد ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر والا حصہ بھی مسجد ہو۔ت) یہاں وارد ہوگا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جمیع جہات میں حقوق مالکانہ عباد سے منقطع ہو مصالح مسجد توابع مسجد ہیں، خود بحر میں تتمہ عبارت مذکور یہ ہے:

لینقطع حق العبد عنه بقوله تعالٰی وان المسٰجد ﷲ بخلاف ما اذا کان السرداب العلو موقوفا لمصالح المسجد کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاھر	تاکہ حق عبد اس سے منقطع ہو جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی بنیاد پر کہ مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ بخلاف اس کے کہ جب تہ خانہ یا بالاخانہ مصالح مسجد کیلئے موقوف ہوں جیسا کہ بیت المقدس کا تہہ خانہ ہے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف باب الرجل جعل دارہ مسجدا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۳

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[4] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

الروایۃ[1]۔	یہی ظاہر الروایہ میں ہے (ت)

ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحتہ سرداب اوفوقہ بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزلہ عن ملکہ فلہ ان یبیعہ وان مات یورث عنہ لانہ لم یخلص للہ تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقا بہ ولوکان السرداب لمصالح المسجد جاز[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ اور اوپر مکان ہے اس نے مسجد کا دروازہ راستے کی طرف بنایا اور اس کو اپنی ملک سے نکال دیا تو وہ اس کو بیچنے کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ مرجائے تو اس کی میراث قرار پائے گا کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوا اس سبب سے حق عبد اس کے ساتھ منسلک رہا اور اگر وہ تہ خانہ مصالح مسجد کیلئے ہو تو جائز ہے۔ (ت)

ہاں اگر زید بطور خود یہ کارروائی بے رضائے اہل محلّہ کرے تو وہ چھت مسجد نہ ہوجائے گی اور اس میں نماز اگرچہ جائز ہے مگر اس پر نماز مسجد کا ثواب نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

متولی مسجد جعل منزلا موقوفا علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیہ سنین ثم ترک الناس الصلٰوۃ فیہ فاعید منزلا مستغلا جاز لانہ لم یصح جعل المتولی ایاہ مسجدا کذا فی الواقعات الحسامیۃ[3]۔	ایک مسجد کے متولی نے ایک گھر جو کہ مسجد پر موقوف تھا کو مسجد بنادیا لوگ اس میں کئی برس نماز پڑھتے رہے، پھر لوگوں نے اس میں نماز پڑھنا چھوڑدیا پھر وہ اپنی سابقہ حالت یعنی کرایہ پر چلنے لگا تو جائز ہے کیونکہ متولی کا اس کو مسجد کردینا صحیح نہیں ہوا تھا یہ واقعات حسامیہ میں مذکور ہے (ت)

رہا مسلمانوں کا قبرستان قدیم کہ وہ ضرور دفن موتٰی کے لئے موقوف ہوتا ہے، اس میں دو صورتیں ہیں اگر وہ قبرستان قابل کار ہو کہ اس میں دفن اموات کو جگہ بھی ہے اور کسی اور وجہ کے باعث اس سے استغناء بھی نہ ہوگیا نہ داخل حدود شہر ہونے کے سبب اس میں دفن کی ممانعت انگریزی طور پر ہوگئی جب تو اسے پاٹ کر دفن سے روک دینا سرے سے ناجائز وحرام ہے کہ یہ ابطال غرض وقف ہے اور وہ اصلًا روا نہیں۔

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[2] الھدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

عالمگیریہ میں ہے: لایجوز تغییر الوقف[1] (وقف میں تغییر و تبدیل جائز نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ[2]۔	وقف کو حال سابق پر برقرار رکھنا واجب ہے (ت)

اور اگر وہ قابل کار نہ رہا یا اس سے استغناء ہوگیا یا وہاں دفن کی ممانعت ہوگئی جس کے سبب اب وہ اس کام میں صرف نہیں ہوسکتا یا مسجد قدیم لب مقبرہ واقع ہے یہ بیرون حدود مقبرہ ستون قائم کرکے اوپر کافی بلندی پر پاٹ کر چھت کو صحن مسجد سابق سے ملاکر مسجد کردینا چاہتا ہے اس طرح کہ زمین مقبرہ نہ رکے نہ اس میں دفن موتی کرنے اور اس کی غرض سے لوگوں کے آنے جانے کی راہ رکے نہ اس چھت کے ستون قبور مسلمین پر واقع ہوں بلکہ حدود مقبرہ سے باہر ہوں تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ زمین جس میں ستون قائم کئے گئے متعلق مسجد ہو اور کارروائی اہل محلّہ کی یا ان کے اذن سے ہو یا وہ زمین اس بانی سقف یا کسی دوسرے مسلمان کی ملک ہو اور مالک اسے ہر کام کے لئے وقف کردے یا وہ زمین افتادہ بیت المال کی ہو اور اس میں اس کارروائی سے مسلمانوں کے راستے وغیرہ کو ضرر نہ ہو کہ ان حالتوں میں اس نے کوئی بیجا تصرف نہ کیا نہ وقف کو روکا نہ اس کی زمین کو کسی دوسرے کام میں صرف کیا صرف بالائی ہوا میں کہ نہ موقوف تھی نہ مملوک ایک تصرف غیر مضر نفع مسلمین کے لئے کیا۔ عالمگیریہ میں ہے:

ذکر فی المنتقی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الطریق الواسع بنی فیہ اھل المحلۃ مسجدا و ذلك لایضر بالطریق فمنعھم رجل فلا باس ان یبنوا کذافی الحاوی[3]۔	منتقی میں حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یوں منقول ہے کہ ایک وسیع راستہ میں اہل محلّہ نے مسجد بنائی جس سے راستہ کو کچھ ضرر نہ پہنچا ایک شخص نے انہیں اس سے منع کیا تو ان کے مسجد تعمیر کرنے میں کوئی حرج نہیں، حاوی میں یونہی ہے (ت)

اسی میں خزانۃ المفتین سے ہے:

قوم بنوامسجدا واحتاجوا الٰی مکان	لوگوں نے مسجد بنائی تو انہیں مسجد کو وسیع کرنے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

لیتسع المسجد واخذوامن الطریق وادخلوہ فی المسجد ان کان یضر باصحاب الطریق لایجوز وان کان لایضربھم رجوت ان لایکون بہ بأس کذافی المضمرات وھو المختار کذافی خزانۃ المفتین[1]۔	کے لئے کچھ جگہ کی ضرورت پڑی اور انہوں نے راستہ سے کچھ جگہ لے کر مسجد میں داخل کرلی، اگر اس سے راستہ والوں کو ضرر ہو تو ناجائز ہے اور اگر ضرر نہ ہو تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا جیساکہ مضمرات میں ہے اور یہی مختار ہے خزانۃ المفتین میں یونہی ہے۔(ت)

نیز ہندیہ میں حق عام کی شے پاٹ کر مسجد اس طرح بنانے کا جس سے ان حقوق کو ضرر نہ پہنچے جزئیہ یہ ہے:

فی نوادرھشام سألت محمدالحسن عن نھر قریۃ کثیرۃ الاھل لایحصی عددھم وھو نھر قناۃ او نھر وادلھم خاصۃ، واراد قوم ان یعمر وابعض ھذاالنھر ویبنوا علیہ مسجدا اولا یضر ذٰلك بالنھر ولا یتعرض لھم احدمن اھل النھر، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی یسعھم ان یبنواذلك المسجد للعامۃ او المحلۃ کذافی المحیط[2]۔	ہشام نے نوادر میں کہا کہ میں نے امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت فرمایا کہ ایک کثیر آبادی والے قصبہ میں ایک نہر ہے جو کہ جنگل یا پہاڑ کے نالے کی صورت میں ہے اور وہ خاص انہی لوگوں کی ہے اب کچھ لوگوں کا ارادہ ہوا کہ وہ نہر کے کچھ حصہ تعمیر کرکے مسجد بنادیں، اس سے نہ تو نہر کو کوئی نقصان ہے اور نہ ہی نہر والوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو ایسی مسجد بنانے کا اختیار ہے چاہے وہ مسجد اہل محلّہ کے لئے بنائیں یا عام لوگوں کے لئے، جیساکہ محیط میں ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ وہ وقف بھی مسجد ہوجائے گی اور اس میں نمازی کو ثواب مسجد ملے گا اور اس کے نیچے قبریں ہونا اس بناپر کہ ہمارے علماء نے قبروں کے سطح بالائی کو حق میت لکھا ہے،

فی العالمگیریۃ عن القنیۃ قال علاء الترجمانی یأثم بوطئ القبور لان سقف القبر حق المیت[3]۔	عالمگیریہ میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے کہ علاء ترجمانی نے فرمایا قبور کو روندنا گناہ ہے کیونکہ قبروں کی بالائی سطح میت کا حق (ملکیت) ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

اور مسجد کا جمیع جہات میں حقوق العباد سے منقطع ہونا لازم ہے کما تقدم (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) ہرگز مانع مسجدیت نہ ہوگا کہ اس حق سے مراد کسی کی ملک یا وہ حق مالکانہ ہے جس کے سبب وہ اس مسجد میں تصرف سے مانع آسکے کہ جب ایسا ہوگا تو وہ خالص لوجہ اللہ نہ ہوئی، اور مسجد کا خالص لوجہ اللہ ہونا ضرور ہے، ولہٰذا فتح القدیر میں عبارت مذکورہ ہدایہ کی شرح میں فرمایا:

المسجد خالص للّٰه سبحانه لیس لاحد فیه حق، وهو منتف فیما ذکر اما اذاکان السفل مسجدافان لصاحب العلو حقافی السفل حتی منع صاحبه ان ینقب فیه کوة اویتد فیه وتدا، واما اذاکان العلو مسجدا فلان ارض العلو ملك لصاحب السفل بخلاف ما اذاکان السرداب اوالعلو موقوفا لصاحب المسجد فانه یجوز اذلا ملك فیه لاحد[1] اھ مختصرا۔	مسجد خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہے اس میں کسی کا حق نہیں اور یہ بات صورت مذکورہ میں منتفی ہے لیکن اگر نیچے والا حصہ مسجد ہو پھر تو اس لئے کہ بالاخانے والا نچلے حصہ میں حق رکھتا ہے یہاں تک کہ نیچے والے کو دیواروں میں سوراخ کھودنے یا میخ گاڑنے سے منع کرسکتا ہے، اور اگر اوپر والا حصہ مسجد ہو تو پھر اس لئے کہ بالاخانے کی زمین نیچے والے کی ملک ہے۔ بخلاف اس کے اگر تہ خانہ اور بالاخانہ دونوں ہی مصلحت مسجد کے لئے وقف کردئے گئے ہوں تو صحیح ہے کیونکہ اب اس میں کسی کی ملک باقی نہیں رہا اھ مختصرا۔(ت)

مطلقًا حق العبد کا تعلق اگر مانع مسجدیت ہو تو کوئی مسجد مسجد نہ ہوسکے کہ ہر مسجد میں ادائے نماز واعتکاف وغیرہ عام مسلمانوں یا خاص اس کے اہل کا بخصوصیت زائدہ حق ہے جس کے باعث وہ بحال تنگی اوروں کو اپنی مسجد محلّہ میں نماز سے منع کرسکتے ہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا ضاق المسجد کان للمصلی یزعج القاعد عن موضع لیصلی فیه وان کان مشتغلا بالذکراوالدرس او قراءة القراٰن اوالاعتکاف، وکذالاهل المحلة ان یمنعوا من لیس منهم عن الصلٰوة فیه اذا ضاق بهم المسجد کذافی القنیة[2]۔	اگر مسجد تنگ ہو تو نمازی دوسرے شخص کو جو کہ وہاں بیٹھا ہوا ہے وہاں سے ہٹا کر نماز پڑھ سکتا ہے اگرچہ وہ بیٹھا ہوا شخص ذکر، تلاوت یا اعتکاف میں مشغول ہو یوں ہی مسجد کی تنگی کی صورت میں اہل محلّہ دوسروں کو مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرسکتے ہیں یونہی قنیہ میں ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵-۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

بلکہ حق میت کہ قبر وسقف قبر میں ہے اگر ان حقوق عباد سے ہو جن کا تعلق خلوص لوجہ اللہ تعالٰی سے مانع ہو تو سرے سے مقبرہ موقوفہ ہی محال ہو جائے کہ مسجد کی طرح مقبرہ میں بھی محض خلوص وانقطاع جملہ حقوق عباد شرط ہے ولہذا بالاجماع مسجد کی طرح اس میں بھی افراز شرط ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

وقف المشاع جائز عندابی یوسف الافی المسجد والمقبرۃ فانہ لایتم ایضا عند ابی یوسف لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص للہ تعالٰی اھ[1] ۔مختصرًا۔	امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک وقف مشاع جائز ہے سوائے مسجد و مقبرہ کے، اور وہ بھی امام ابو یوسف کے نزدیک تام نہیں ہوتا کیونکہ شرکت اس وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے اھ مختصرًا (ت)

فتح القدیر میں ہے:

انما اتفقوا علٰی منع وقف المشاع مطلقًا مسجدا او مقبرۃ لان الشیوع یمنع خلوص الحق للہ تعالٰی[2] ۔	مسجد و مقبرہ میں وقف مشاع کے مطلقًا ممنوع ہونے پر تمام ائمہ متفق ہیں کیونکہ شیوع وقف کے خالص اللہ تعالٰی کے لئے ہونے سے مانع ہے (ت)

بلکہ میت تو کوئی حق مالکانہ نہیں رکھتا لان الموت ینافی الملک (کیونکہ موت ملکیت کے منافی ہے۔ت) نہر عام کی طرح نہر خاص اہل محلّہ کا جزئیہ گزرا کہ اس کے اوپر پاٹ کر مسجد بنا دینا جائز ہے جبکہ ان کی نہر کو ضرر نہ پہنچے نہ وہ مانع آئیں تو اوپر مسجد ہے اور نیچے نہر بہتی ہے جس میں خاص قوم کا حق مالکانہ ہے مگر از انجا کہ ان کے حق میں کوئی تصرف نہ کیا، نہ انہیں بالائے نہر اس پٹی ہوئی عمارت میں نماز سے ممانعت پہنچتی ہے کہ ان کا حق نہر میں ہے نہ کہ ہوا میں، وہ مسجد صحیح وجائز ہو گئی بلکہ حق مالکانہ درکنار خاص زمین مسجد جس پر عمارت بنا کر مسجد کی گئی اگر ملک غیر ہو مگر اسے حق مزاحمت اصلًا نہ رہا ہو تو مذہب مفتی بہ پر وہ خالی عمارت بھی مسجد ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے:

بنی علی ارض ثم وقف البناء قصدا بدونہا ان الارض مملوکۃ لایصح وقیل صح وعلیہ الفتوی، وان موقوفہ علی	ایک شخص نے کسی زمین پر عمارت بنائی پھر بالقصد عمارت کو وقف کیا بغیر زمین کے، اگر وہ زمین کسی کی مملوک ہے تو وقف صحیح نہیں، اور ایک قول

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۱۸

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۲۶

ماعین البناء له جازتبعا اجماعا وان الارض لجهة اخرے فمختلف فیه،والصحیح الصحة کما فی المنظومة المجیبة[1] اھ باختصار۔	میں صحیح ہے اور اسی پر فتوی ہے،اور اگر زمین وقف ہے اسی پر جس کے لئے عمارت معین ہوئی تو عمارت کا تبعًا وقف بالاجماع جائز ہے،اور اگر زمین کسی اور جہت کے لئے وقف ہے تو اس میں اختلاف ہے صحیح یہی ہے کہ اس صورت میں بھی عمارت کا وقف صحیح ہے جیسا کہ منظومہ مجیبہ میں ہے اھ باختصار (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله والصحیح الصحة ای اذاکانت الارض محتکرة وعن هذاقال فی انفع الوسائل انه لوبنی فی الارض الموقوفة المستأجرة مسجدا انه یجوز[2] اھ هذاما عندی،واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "الصحیح الصحة" (صحیح صحت ہے) اس وقت ہے جب زمین محتکرہ ہو (یعنی جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالیانہ مقرر ہو) اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر کسی نے موقوفہ مستاجرہ زمین پر مسجد بنادی تو جائز ہے اھ میرے نزدیک یہ ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۸:　　　غرہ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کی مسمّی عنایت اللہ نے حجرہ مسجد کی دیوار پر ایک دیوار بنا کر مکان بنالیا ہے اور اسی دیوار کو سائبان کرلیا ہے اور مسجد کی محراب اور دیوار سے ملا کر ایک پیل پایہ کھڑا کرکے خاص دیوار مسجد میں سوراخ کرکے ایک کڑی ڈال کر چھت بنائی اور پرنالہ مسجد کی دیوار سے ملاہوا رکھا جس سے مسجد کا ضرر ہے اور ایک کھڑکی بھی اسی دیوار میں جو حجرہ پر بنائی گئی ہے واسطے آمدورفت چھت حجرہ کے رکھی،عنایت اللہ کو اس طریقہ سے مکان بنانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام حرام حرام، سخت گناہ، سخت کبیرہ،وہ شخص شرعًا اشد سزا کا مستحق۔اس پر فرض ہے کہ حجرہ مسجد پر جو دیوار بنائی ہے ابھی ابھی فورًا فورًا ڈھادے مسمار کردے،اور اس میں جو کچھ نقصان حجرہ مسجد یا دیوار حجرہ مسجد کو پہنچے اسے اپنے داموں سے ویسا ہی بنوادے جیسا پہلے بناہوا تھا،

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

فان کل ضرر ببناء یضمن بالقیمۃ ماخلا بناء الوقف فیومر باعادتہ[1] کماکان فی الاشباہ والنظائر والدر المختار۔	عمارت کے ہر ضرر کا ضمان قیمت سے ادا کیا جاتا ہے سوائے وقف کے عمارت کے کہ اس کے اعادہ کا حکم دیا جائے گا جیسا کہ وہ عمارت پہلے تھی (الاشباہ والنظائر اور در مختار) (ت)

دیوار مسجد میں جو سوراخ کیا ہے وہ سوراخ اسکے ایمان میں ہوگیا اس پر فرض قطعی ہے کہ اس ناپاک کڑی کو ابھی ابھی فوراً نکال لے اور دیوار مسجد کی ویسی ہی اصلاح کردے جیسی تھی اور اس کے سبب اس کی چھت گرپڑے اور گرانا ہی فرض ہے اور وہ ناپاک پر نالہ کہ دیوار مسجد سے ملا ہوا بلا استحقاق شرعی رکھا ہے اور اس میں مسجد کا ضرر ہے، لازم ہے کہ فوراً اسے اکھیڑ دے اور بند کردے، اور حجرہ کی چھت پر آمدورفت کا اسے کوئی استحقاق نہیں، یہ ناپاک دیوار تو گرائی ہی جائے گی، اگر اسے ڈھا کر خاص اپنی زمین میں کوئی دیوار اس کے متصل بنائے تو اسے اصلاً اختیار نہیں کہ حجرہ کی چھت پر آنے جانے کو اس میں کھڑکی رکھی، یہ سب اس کی طرف سے ظلم اور سخت ظلم ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (ظالم کی رگ کا کوئی حق نہیں۔ت)

عنایت اللہ اگر ان سب احکام شرعی کو فوراً امانے اور اپنے یہ سب ناپاک تصرفات فوراً ڈھادے مسمار کردے فبہا، ورنہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی چارہ جوئی کریں، اگر اس میں کمی یا دیر کرینگے تو وہاں کے سب مسلمان جو اس پر قادر تھے اور چارہ جوئی میں دیر لگائی عذاب شدید کے سزاوار ہوں گے **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ شاہ مفتاح الاسلام صاحب پانی پتی ۹ شوال المکرم ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتر بازی، بیٹر بازی وغیرہا حرکات نامشروعہ مسجد میں کرنا اور کسی غیر کا کبوتر مینار یا دیوار مسجد پر بیٹھ جائے اس کے پکڑنے کے لئے اپنے کبوتر چھوڑ کر اور دانہ پانی صحن مسجد میں ڈال کر پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی بے حرمتی مسجد سے فاعل ایسے فعل کے لئے اور نیز متولی ودیگر متعلقین مسجد کے واسطے جو اس امر سے مانع نہ ہوں اور سکوت کریں یا شرکت اس میں کریں یا ان افعال سے رضامند ہوں پس ان کے لئے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی وعید ہے یا نہیں اور وہ سب گنہگار ہوتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ۲/ ۹۷ وردالمحتار کتاب الغصب بیروت ۵/ ۱۱۵

[2] السنن الکبرٰی، کتاب الغصب ۱/ ۹۹ وکتاب احیاء الموات ۱/ ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۸ دارصادر بیروت

الجواب:

پرایا کبوتر پکڑنا حرام ہے اور اس کا فاعل فاسق وغاصب وظالم ہے بلکہ خالی کبوتر اڑانے والا کہ اوروں کے کبوتر نہیں پکڑتا مگر اپنے کبوتر اڑانے کو ایسی بلند چھتوں پر چڑھتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکتا ہے جن سے لوگوں کو مالی یا جسمانی ضرر پہنچتا ہے اس کے لئے بھی شرع مطہر میں حکم ہے کہ اسے نہایت سختی سے منع کیا جائے تعزیر دی جائے، اس پر بھی نہ مانے تو احتساب شرعی کا عہدہ دار اس کے کبوتر ذبح کرکے اس کے سامنے پھینک دے۔ درمختار میں ہے:

یکرہ امساك الحمامات ولو فی برجها ان کان یضر بالناس بنظر اوجلب، فان کان یطیرها فوق السطح مطلعا علی عورات المسلمین ویکسرز جاجات الناس یرمیه تلك الحمامات عزر ومنع اشد المنع، فان لم یمتنع ذبحها المحتسب، وصرح فی الوهبانیة بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیده بما مرو لعله اعتمد عادتهم [1]۔	کبوتر رکھنا اگرچہ اپنے برجوں میں ہوں مکروہ ہے جبکہ کبوتر باز کے لوگوں کے گھروں میں نظر کرنے یا دوسروں کے کبوتر اپنے کبوتروں میں ملانے کے سبب سے لوگوں کو ضرر پہنچے، اور اگر چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑاتا ہے جس سے مسلمانوں کی بے پردگی ہوتی ہے یا کنکریاں پھینکتا ہے جس سے لوگوں کے برتن اور شیشے ٹوٹ جاتے ہیں تو اسے تعزیر کی جائے، اگر باز نہ آئے تو حاکم محتسب اس کے کبوتروں کو ذبح کردے۔ صاحب وهبانیہ نے مطلقاً وجوب تعزیر اور کبوتر کو ذبح کردینے کی تصریح کی ہے لوگوں کی بے پردگی کی قید کا ذکر نہیں کیا، شاید انہوں نے لوگوں کی عادت پر اعتماد کرتے ہوئے اس قید کو ترک کیا ہے۔ (ت)

اقول: بلکہ ان کا خالی اڑانا کہ نہ کسی کی بے پردگی ہو نہ کنکریوں سے نقصان، خود کب ظلم شدید سے خالی ہے جبکہ رواج زمانہ کے طور پر ہو کہ کبوتروں کو اڑاتے ہیں اور ان کا دم بڑھانے کے لئے (جس میں اصلاً دینی یا دنیوی نفع نہیں فیصدی کا خیال کہ اگلے زمانہ میں تھا اب خواب وخیال وافسانہ ہوگیا ہے نہ ہر گز یہ ان جہال کا مقصود، نہ کبھی ان سے یہ کام کوئی لیتا ہے) محض بے فائدہ اپنے بیہودہ بے معنی شوق کے واسطے انہیں اترنے نہیں دیتے وہ تھک تھک کے نیچے گرتے یہ مار مار کر پھر اڑادیتے ہیں صبح کا دانہ دیر تک کی محنت شاقہ پرواز سے ہضم ہوگیا بھوک سے بیتاب ہیں اور یہ غل مچاکر بانس دکھا کر آنے نہیں دیتے خالی معدے شہپر تھکے اور کسی طرح نیچے اترنے، دم لینے دانہ پانی سے اوسان ٹھکانے کرنے کا حکم نہیں۔ یہاں تک کہ گھنٹوں اور گھنٹوں سے پہروں انہیں

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

اسی عذاب شدید میں رکھتے ہیں، یہ خود کیا کم ظلم ہے اور ظلم بھی بے زبان بے گناہ جانور پر کہ آدمیوں کی ضرر رسانی سے کہیں سخت تر ہے،

کما سیأتی وکان ھذاان شاء اللہ تعالٰی ملحظ اطلاق العلامۃ ابن وھبان واللہ المستعان۔	جیسا کہ عنقریب آئے گا، اور گویا کہ یہ ان شاء اللہ تعالٰی علامہ ابن وھبان کے اطلاق میں ملحوظ ہے اور اللہ تعالٰی سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے (ت)

بے درد کو پرائی مصیبت نہیں معلوم ہوتی اپنے اوپر قیاس کرکے دیکھیں اگر کسی ظالم کے پالے پڑیں کہ وہ میدان میں ایک دائرہ کھینچ کر گھنٹوں ان سے کاواکاٹنے کو کہے یہ جب تھکیں پست ہو کر رکیں، کوڑے سے خبر لے، ان کا دم چڑھ جائے، جان تھک جائے، بھوک پیاس بیحد ستائے، مگر وہ کوڑا لئے تیار ہے کہ رکنے نہیں دیتا، اس وقت ان کو خبر ہو کہ ہم بے زبان جانور پر کیسا ظلم کرتے تھے، دنیا گزشتنی ہے، یہاں احکام شرع جاری نہ ہونے سے خوش نہ ہوں ایک دن انصاف کا آنے والا ہے جس میں شاخدار بکری سے منڈی بکری کا حساب لیا جائے گا حالانکہ جانور غیر مکلّف ہے تو تم مکلفین کہ تمہارے ہی لئے ثواب وعذاب جنت وجہنم تیار ہوئے ہیں کس گھمنڈ میں ہو وہاں اگر نار سقر میں کاواکاٹنا پڑا کہ وہاں "جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾"[1] (پوری پوری جزا۔ت) ہے تو اس وقت کے لئے طاقت مہیا کر رکھو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت امرأۃ النار فی ھرۃ ربطتھا فلم تطعمھا ولم تدعھا تأکل من خشاش الارض[2] فوجبت لھا النار بذٰلک[3]۔ رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، وجملۃ "فوجبت" من روایۃ الامام احمد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما۔	ایک عورت جہنم میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھ رکھا تھا نہ خود کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کا گراپڑا یا جو جانور کو ملتا کھاتی اس وجہ سے اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی (اس کو امام بخاری نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور جملہ "فوجبت" (یعنی اس عورت کے لئے جہنم واجب ہوگئی) حضرت امام احمد بن حنبل نے بروایت سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر فرمایا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب بدأالخلق باب خیر مال المسلم غنم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۷

[3] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۳۵

اور جب کبوتر بازی بیرون مسجد اپنے گھر میں بھی حرام ہے تو مسجد میں کس درجہ اشد سخت تر حرام ہوگی، بادشاہ جبار قہار کی ایک نافرمانی اپنے گھر میں بیٹھ کر کیجئے اور ایک نافرمانی خاص اس کے دربار میں کہ یہ نافرمانی کے علاوہ دربار کی توہین اور بادشاہ کو **معاذ اللہ** بے قدر سمجھنے پر دال ہے، اگر واقعی دل میں یہی ہو کہ مسجد کیا محل ادب ہے جس میں گناہ سے رکئے جب تو خالص کفر ہے ورنہ جرم پہلے سے **اضعافًا مُّضٰعَفہ** ہوجانے میں شک نہیں، وہ مسجد جس میں دنیا کی مباح باتیں کرنے کو بیٹھنا نیکیوں کو کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ فتح القدیر میں ہے:

الکلام المباح فیہ مکروہ یاکل الحسنات[1]۔	مسجد میں کلام مباح بھی مکروہ ہے اور نیکیوں کو کھاجاتا ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

انہ یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب[2]۔	بیشک وہ نیکیوں کو یوں کھاجاتا ہے جیسے آگ لکڑیوں کو کھاجاتی ہے (ت)

امام ابو عبداللہ نسفی نے مدارک شریف میں حدیث نقل کی کہ:

الحدیث فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمۃ الحشیش[3]۔	مسجد میں دنیا کی بات نیکیوں کو اس طرح کھاجاتی ہے جیسے چوپایہ گھاس کو۔ (ت)

غمز العیون میں خزانۃ الفقہ سے ہے:

من تکلم فی المساجد بکلام الدنیا احبط اللہ تعالٰی عنہ عمل اربعین سنۃ[4]۔	جو مسجد میں دنیا کی بات کرے اللہ تعالٰی اس کے چالیس برس کے عمل اکارت فرمادے۔

اقول: ومثلہ لایقال بالرای (میں کہتا ہوں کہ اس قسم کی بات رائے اور اٹکل سے نہیں کہی جاسکتی۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سیکون فی اٰخر الزمان قوم یکون حدیثھم فی مساجد ھم لیس للہ فیھم حاجۃ[5]۔ رواہ ابن حبان	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ مسجد میں دنیا کی باتیں کریں گے اللہ عزوجل کو ان لوگوں سے کچھ کام نہیں (اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ فصل ویکرہ استقبال القبلۃ بالفرج فی الخلاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۳۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المساجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[3] المدارک (تفسیر النسفی) سورۃ لقمان آیۃ ومن الناس من یشتری دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۷۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۳

[5] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب المواقیت حدیث ۳۱۱ المطبعۃ السلفیہ مدینہ منورہ ص ۹۹

فی صحیحه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا: ت)

حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

کلام الدنیا اذاکان مباحا صدقا فی المساجد بلاضرورة داعیة الٰی ذٰلك کالمعتکف فی حاجته اللازمة مکروه کراهة تحریم (ثم الحدیث وقال فی شرحه) لیس لله تعالٰی فیهم حاجة ای لایرید بهم خیراوانماهم اهل الخیبة والحرمان والاهانة والخسران[1]۔	یعنی دنیا کی بات جبکہ فی نفسہٖ مباح اور سچی ہو مسجد میں بلاضرورت کرنی حرام ہے ضرورت ایسی جیسے معتکف اپنے حوائج ضروریہ کے لئے بات کرے، پھر حدیث مذکور ذکر کرکے فرمایا معنی حدیث یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہ کریگا اور وہ نامراد محروم وزیاں کار اور اہانت وذلت کے سزاوار ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان مسجدا من المساجد ارتفع الی السماء شاکیا من اهله یتکلمون فیه بکلام الدنیا فاستقبلته الملئکة وقالوا بعثنا بهلاکهم[2]۔	یعنی مروی ہوا کہ ایک مسجد اپنے رب کے حضور شکایت کرنے چلی کہ لوگ مجھ میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ملائکہ اسے آتے ملے اور بولے ہم ان کے ہلاک کرنے کو بھیجے گئے ہیں۔

اسی میں ہے:

وروی ان الملئکة یشکون الی الله تعالٰی من نتن فم المغتابین والقائلین فی المساجد بکلام الدنیا[3]۔	یعنی روایت کیا گیا کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں (جو سخت حرام اور زنا سے بھی اشد ہے) اور جو لوگ مسجد میں دنیا کی باتیں کرتے ہیں ان کے منہ سے وہ گندی بدبو نکلتی ہے جس سے فرشتے اللہ عزوجل کے حضور ان کی شکایت کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب مباح وجائز بات بلاضرورت شرعیہ کرنے کو مسجد میں بیٹھنے پر یہ آفتیں ہیں تو حرام و

[1] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۷-۳۱۶

[2] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

[3] الحدیقۃ الندیۃ نوع ۴۰ کلام الدنیا فی المساجد بلاعذر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۱۸

ناجائز کام کرنے کا کیا حال ہوگا، مسجد میں کسی چیز کا مول لینا بیچنا خرید وفروخت کی گفتگو کرنا ناجائز ہے مگر معتکف کو اپنی ضرورت کی چیز مول لینی وہ بھی جبکہ مبیع مسجد سے باہر ہی رہے مگر ایسی خفیف ونظیف و قلیل شے جس کے سبب نہ مسجد میں جگہ رکے نہ اسکے ادب کے خلاف ہو اور اسی وقت اسے اپنے افطار یا سحری کے لئے درکار ہو،

استثنیته تفقھا لانه ماذون له فی احضار ھذاقطعا ولایؤمر بالخروج للاکل والشرب۔	اس چیز کا استثناء میں نے بطور تفقہ کیا ہے کیونکہ معتکف کو اس قسم کی اشیاء مسجد میں لانے کی قطعًا اجازت ہے اور اسے کھانے پینے کے لئے خروج کا حکم نہیں کیا جائے گا۔(ت)

اور تجارت کے لئے بیع وشرا کی معتکف کو بھی اجازت نہیں، اشباہ میں ہے:

یمنع من البیع والشراء لغیر معتکف ویجوزله بقدر حاجته ان لم یحضر السلعة[1]۔	مسجد میں بیع وشراء غیر معتکف کے لئے ممنوع ہے اور معتکف کو بقدر حاجت جائز ہے جبکہ سامان مبیع مسجد میں نہ لایا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

بشرط ان لایکون للتجارة بل یحتاجه لنفسه او عیاله بدون احضار السلعة[2]۔	بشرطیکہ وہ تجارت کے لئے نہ ہو بلکہ معتکف کو اپنی ذات یا اہل وعیال کے لئے اس کی ضرورت ہو اور وہ سامان بھی مسجد میں حاضر نہ کیا گیا ہو(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوامساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم و رفع اصواتکم[3]۔رواہ ابن ماجة عن مکحول عن واثلة وعبدالرزاق فی مصنفه عن	اپنی مسجد کو بچاؤ اپنے ناسمجھ بچوں اور مجنونوں کے جانے اور خرید وفروخت اور جھگڑوں اور آواز بلند کرنے سے۔اس کو ابن ماجہ نے مکحول سے اور انہوں نے واثلہ سے روایت کیا جبکہ امام عبدالرزاق

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ٢/ ٢٣٢

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ١/ ٤٤٥

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ٥٥

مکحول عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما۔	نے اپنے مصنف میں مکحول سے اور انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا رأیتم من یبیع او یبتاع فی المسجد فقولوا لااربح اللہ تجارتك واذا رأیتم من ینشد ضالة فی المسجد فقولوا لارد اللہ علیک[1]۔رواہ الترمذی وقال حسن صحیح والنسائی وابن خزیمة والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم کسی کو مسجد میں کچھ بیچتے یا مول لیتے دیکھو تو اس سے کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ دے، اور جب کسی کو دیکھو کہ اپنی کوئی گم شدہ چیز مسجد میں لوگوں سے پوچھتا ہے تو اس سے کہو اللہ تجھے تیری چیز نہ ملائے(اس کو امام ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حسن صحیح ہے۔ نیز امام نسائی، ابن خزیمہ اور امام حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

دوسری صحیح روایت میں ارشاد فرمایا:

قولوا لاردھا اللہ علیك فان المساجد لم تبن لھذا[2]۔ رواہ مسلم عنه رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اس سے کہو اللہ تیری گمشدہ چیز تجھے نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں بنی ہیں کہ ان میں آکر گمشدہ چیزوں کی تفتیش کرو(اس کو امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ت)

سبحان اللہ! جب دوسرے کا مال بخوشی برضا اور غبت دام دے کر مول لینے کی بات چیت کرنے پر یہ احکام ہیں تو پرایا مال بلارضا بلااجازت غصبًا پکڑ لینے کے لئے مسجد میں اپنے کبوتر چھوڑنا، دانہ پانی ڈالنا، قابو چلے تو پکڑ لینا کس درجہ اشد عظیم وبالوں کا موجب ہوگا، اور بٹیر بازی کہ ان کے لڑانے سے عبارت ہے اس سے بھی سخت تر ہے کہ وہ بلافائدہ بلاوجہ اپنے ناپاک شوق کے لئے جانوروں کو ایذا دینی ہے۔ حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن التحریش بین البھائم[3]۔رواہ ابوداؤد	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا جانوروں کو باہم لڑانے سے(اسے ابوداؤد

[1] جامع الترمذی کتاب البیوع باب النھی عن البیع فی المسجد امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب عن نشد الضالة فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰

[3] جامع الترمذی کتاب الجھاد باب ماجاء فی التحریش بین البھائم امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۲

والترمذی وقال حسن صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور امام ترمذی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا۔ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان پر ظلم کرنے سے ذمی کافر پر جو پناہ سلطنت اسلام میں رہتا ہو ظلم کرنا سخت تر ہے اور ذمی کافر پر ظلم کرنے سے بھی جانور پر ظلم کرنا سخت تر ہے، درمختار میں ہے:

جاز رکوب الثور وتحمیلہ والکراب علی الحمیر بلا جھد وضرب۔اذظلم الدابۃ اشد من الذمی وظلم الذمی اشد من المسلم [1]۔	بیل پر سوار ہونا اور بوجھ لادنا اور گدھے کو ہل میں جوتنا جائز ہے جبکہ مشقت وتشدد کے بغیر ہو، کیونکہ جانور پر ظلم ذمی پر ظلم ہے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ برا ہے(ت)

اس مسئلہ کی کمال تحقیق وتفصیل فقیر کے فتاوی مجلد چہارم ف کتاب الحظر والاباحۃ میں ملاحظہ ہو، جو لوگ ان افعال شنیعہ میں شریک ہوں وہ تو ظاہر شریک ہیں اور جو شریک نہ ہوں راضی ہوں وہ بھی شریک ہیں اور گناہ وعذاب میں حصہ دار، بلکہ اگر راضی بایں معنی ہوں کہ ان افعال کو خوب وپسندیدہ جانتے ہوں تو ان کا حکم سخت تر ہے کہ گناہ گناہ ہے اور اسے اچھا جاننا کفر۔اور جو لوگ باوصف قدرت منع نہ کریں انسداد نہ کریں متولی مسجد ہو خواہ اہل محلّہ خواہ غیر وہ سب بھی گنہگار وماخوذ وگرفتار ہیں، اس کی مثال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ایک جہاز میں کچھ لوگ سوار ہیں تتق والے چھتری پر پانی بھرتے آتے چھتری والے تکلیف پاتے، تتق والوں نے کہا ہم نیچے جہاز میں سوراخ کرلیں کہ یہیں سے پانی بھرلیا کریں کہ اوپر جانے میں چھتری والوں کو ایذا نہ ہو، اب اگر چھتری والے انہیں نہ روکیں اور سکوت کریں تو نرے وہی نہ ڈوبیں گے بلکہ یہ اور وہ سب ڈوبیں گے، اور روک دیں تو یہ اور وہ سب نجات پائیں گے۔یہی حال گناہ کرنے والوں اور باوصف قدرت انہیں نہ روکنے والوں کا ہے [2] رواہ البخاری والترمذی عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما (اس کو امام بخاری وترمذی نے نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) اور فرماتے ہیں

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[2] صحیح البخاری باب الشرکۃ ۱/ ۳۳۹ وکتاب الشہادات ۱/ ۳۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، جامع الترمذی ابواب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/ ۴۰

ف: کتاب الحظر والاباحۃ مکمل بارہ جلدوں میں سے اب مطبوعہ دسویں جلد ہے۔

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: پہلا نقص بنی اسرائیل میں یہ آیا کہ ان میں ایک گناہ کرتا دوسرا اسے منع تو کرتا مگر اس کے نہ ماننے پر اس کے پاس اٹھنا بیٹھنا اس کے ساتھ کھانا پینا نہ چھوڑتا، اسکے سبب اللہ تعالٰی نے ان سب کے دل یکساں کردئے اور ان سب پر لعنت اتاری[1]۔ **رواہ ابوداؤد والترمذی وحسنہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو ابوداؤد وترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

" كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾ "[2]۔	یعنی ان پر لعنت اس لئے ہوئی کہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے روکتے نہ تھے بیشک یہ ان کا بہت ہی برا کام تھا۔

اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق توبہ نصیب فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: از کھٹور ضلع سورت کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانان ہندوستان بہ تلاش معاش جنوبی افریقہ کے علاقہ ٹرنسوال میں جاکر آباد ہوئے، انہوں نے اس ملک میں مسجدیں بنائیں، اب وہاں کی گورنمنٹ نے ان پر طرح طرح کے ظلمی قانون نافذ کررکھے ہیں جن کی وجہ سے ان کا رہنا وہاں مشکل ہوگیا ہے، پس اگر یہ لوگ وہاں سے نقل مکان کریں تو دوسرے مذہب کے لوگ یقینا مسجدوں کے مالک بن کر ان کو اپنے تصرف میں لائیں گے، لہٰذا اس جگہ سے اثاث مسجد کو منتقل یافروخت کرکے دوسری جگہ جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے اس سے مسجدیں بنائی جائیں تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ٹرانسوال میں کبھی سلطنت اسلامی نہ ہوئی تھی جیسا کہ یہی ظاہر ہے یا ہوئی تھی اور پھر ایسی غیر قوم کا تسلط ہوگیا جس نے شعائر اسلام مثل جمعہ وجماعت واذان وغیرہا کی یکسر بندش کردی اگرچہ بعد کو اسی قوم یا اس کے بعد کسی اور قوم نامسلمان نے اجازت بھی دے دی ہو جب تو نہ مسلمان کو اس میں وطن بنانے کی اجازت ہے نہ وہ مسجدیں مسجدیں ہوئیں **کما بنی مسجدا فی بریۃ کما فی الفتاوی العالمگیریۃ بل اضعف و**

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۰، سنن ابوداؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

ابطل (یہ تو جنگل میں مسجد بنانے والے شخص کی طرح ہوا، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے بلکہ ان مساجد مزعومہ کا حکم تو اس سے بھی زیادہ ضعیف اور کمزور ہے۔ت) اس حالت میں بلا تکلف ان مکانات کو جنہیں مسجد سمجھے ہوئے ہیں مع زمین وعملہ سب بیچ ڈالیں اور بیچ نہ سکیں تو عملہ توڑ کر جہاں چاہیں لے جائیں یہ عملہ یا قیمت بانیوں کی ملک ہیں اور اگر اس علاقہ میں پہلے سلطنت اسلام ہوچکی تھی اور بعد کی قوموں نے کبھی جملہ شعائر اسلام کی بندش نہ کی بعض ہمیشہ جاری رہے اور اب جاری ہیں تو اس صورت میں اگر مسلمانوں کو ان میں توطن وبنائے مسجد کی اجازت تھی مگر جب حالت وہ ہے جو سوال میں مذکور ہوئی تو عملہ بیچ کر یا بعینہٖ دوسری جگہ لے جانے اور وہاں اس سے مسجد بنانے کی اجازت ہے،

علی مافصلہ وانقحہ العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی فی رد المحتار[1] وذکر ندامتہ علی افتائہ من قبل بخلاف ذلك فلیراجع الیہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کی تفصیل وتنقیح علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمائی اور اس سے قبل حکم مذکور کے خلاف اپنے جاری کردہ ایک فتوے پر افسوس وندامت کا اظہار کیا اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں، اب ج د ہ ایک مسجد ہے، ا مسجد، ب صحن مسجد، ج نالی مسجد برائے وضو، د نالی مسجد، ہ متعلق صحن مسجد۔ سوال یہ ہے کہ مقام ہ پر نماز پڑھنا اس قدر ثواب رکھتا ہے جس قدر مکان پر نماز پڑھنے سے ثواب ہے کیونکہ مقام ہ جمیع اہل محلّہ کی رائے سے بڑھایا گیا ہے۔

الجواب:

جبکہ وہ زمین متعلق مسجد تھی اور جمیع اہل محلّہ کے رائے سے جزو مسجد کرلی گئی تو اب وہ مسجد ہوگئی اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں۔

فی الھندیۃ عن المضمرات عن الکنز مسجد اراد اھلہ یجعل الرحبۃ مسجدا لھم ذلك[2] اھ وفیھا عن الخلاصۃ ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلك	ہندیہ میں مضمرات سے بحوالہ کنز مذکور ہے کہ ایک مسجد والوں نے چاہا کہ برآمدہ کو مسجد بنالیں تو انہیں یہ اختیار ہے۔ اسی میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ایک زمین مسجد پر وقف ہوئی اور مسجد کے پہلو میں ایک وقف

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فیما لوخرب المسجد اوغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

المسجد وارادوا ان یزید وافی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لھم ومستغل الوقف کالدار والحانوت علی ھذا [1] اھ ومثلہ فی ش عن البحر عن الخانیۃ وفیہ عن الفتح ولو ضاق المسجد وبجنبہ ارض وقف علیہ حانوت جاز ان یوخذو یدخل فیہ [2] اھ ومعلوم ان الجماعۃ کالقاضی حیث لاقاضی وفی الدرالمختار لم یختص ثواب الصلٰوۃ فی مسجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما کان فی زمنہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین خالی پڑی ہے مسجد والوں نے چاہا کہ اس خالی زمین کا کچھ حصہ مسجد میں شامل کرکے مسجد میں اضافہ کرلیں تو جائز ہے، لیکن وہ یہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ انہیں ایسا کرنے کا اذن دے دے اور وقف آمدنی کے لئے گھر اور دکان کا بھی یہی حکم ہے اھ اور اس کی مثل ش میں بحر سے بحوالہ خانیہ ہے اور اس میں فتح سے منقول ہے کہ اگر کوئی مسجد تنگ ہے اور اس کے پہلو میں اسی مسجد کے لئے ایک وقف زمین ہے جس پر دکان بنی ہوئی ہے تو اس کو (بغرض توسیع) مسجد میں داخل کرلینا جائز ہے اھ اور یہ بات معلوم ہے کہ جہاں قاضی نہ ہو وہاں جماعت مسلمین قاضی کی مانند ہے، اور درمختار میں ہے کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کا ثواب صرف اسی مسجد کے ساتھ مختص نہیں جو عہد رسالت میں تھی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از ضلع کبرے ڈاکخانہ مونڈا سوداران مقام نجیب نگر مسئولہ سردار مجیب رحمان تعلقہ دار ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

عالیجناب حاجی مولوی احمد رضاخان صاحب زادفیوضکم، پس از تسلیم مسنون نیاز مشحون! گزارش مدعایہ ہے کہ راقم نے جو مسجد جدید تعمیر کرائی اس میں ایک مختصر سا باغیچہ ہے جس میں اکثر اشجار ثمردار ہیں اور مرچیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ آپ کی التماس ہے کہ براہ کرم حکم شرع شریف سے معزز فرمائیے کہ ان اشیاء کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر استعمال جائز ہے تو کس طریقہ سے؟ جواب سے معزز

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۴

[3] درمختار

کیا جاؤں۔

الجواب:

خاص مسجد میں باغیچہ ہونے کے تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اگر یوں ہے کہ جس زمین کا ایک قطعہ مسجد کیا ہے اس کے دوسرے قطعہ میں باغیچہ ہے تو اس صورت میں اگر باغیچہ مسجد پر وقف نہ کیا گیا تو وہ ملک اصل مالک پر باقی ہے اسے اختیار ہے کہ اس کے پھل جو چاہے کرے، اور اگر وہ بھی مسجد پر وقف کر دیا ہے تو اب اپنے صرف میں لانا اسے جائز نہیں بلکہ پھل بیچ کر مسجد کے صرف میں لائے۔ اور اگر واقف نے یہی کیا ہے کہ جس زمین میں باغیچہ ہے خود اسی کو مسجد کر دیا ہے یعنی باغیچہ کو وقف علی المسجد نہ کیا بلکہ خود اس کی زمین کو مسجد کر دیا تو اس کے پھل توڑ کر اپنے صرف میں لائے اور درخت کاٹ کر زمین ہموار کر کے مسجد بنائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳: مسئولہ منشی حاجی محمد ظہور صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اہلسنت وجماعت تابع شرع دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک مسجد لب سڑک شارع عام جس کے تین طرف راستہ اور دو دروازے شرقی وجنوبی متصل بازار ہے اس کے بانی جو تھے وہ جوار رحمت میں ہیں اب مرمت وسفیدی ونگرانی اہل محلّہ کرتے ہیں، چند عرصہ ہوا جو ایک مسماۃ نے از قول پنجابیان اس قدر مسجد میں اور اضافہ کیا ہے یعنی ایک درجہ مع مسافر خانہ زیر وبالا وچاہ اندرون مسجد ودو غسل خانہ مسقف وسقایہ و روکار دروازہ مسجد بلندی مینار ہائے مع کلس طلائی واز سر نو فرش واستر کاری والماریاں وحجرہ ودکانات زیریں برائے صرف مسجد تعمیر کرائیں ملحقہ مسجد مکان ایک شخص کا ہے جس نے بعد اس نو تعمیر کے چند عرصہ کے بعد اپنے مکانات کو بلند کیا اور دیوار پاکھائے مسجد پر اپنے بالاخانہ کی دیواریں اور دروازے لگائے جس میں مینار مسجد کے آگئے اور بذریعہ ایک دروازہ کے جو چھت مسجد پر ہے آمدورفت آدمیوں اور کتوں کی اکثر چھت مسجد پر رہتی ہے اور مسافر خانہ کی چھت پر اپنی کھپریل رکھ لی اور حجرہ مسجد کی چھت کو اپنے بالاخانہ کے صحن میں ڈال لیا اس شخص کو ہر چند منع کیا مگر نہ مانا، زبانی اور تحریر کے ذریعہ سے اس نے ظاہر کیا کہ یہ مسجد وقف نہیں ہے یہ مسجد دار کا حکم رکھتی ہے مثل حمام اور چاہ کے میرے مورثان کی ہے اور اب میری ہے یہ مال موقوفہ نہیں ہے میری جائداد ہے حالانکہ اس مسجد میں نمازیں باجماعت پنجگانہ اور تراویح رمضان شریف وختم قرآن مجید ونماز جمعہ وعیدین بہ ہجوم نمازیان محلّہ ودیگر مسلمانان مدام پڑھتے ہیں اور پابندی امامت ومؤذنی وقیام طلبا ومسافران کی رہتی ہے تو ایسی صورتوں میں یہ مسجد حکم وقف کا رکھتی ہے یا مکان کا جو ورثۃً پہنچ سکتا ہے مع حوالہ کتاب وصفحہ کے جواب عطا فرمایا جائے۔

الجواب:

وہ مسجد یقینا مسجد ہے، شخص مذکور کا اسے حکم دار میں بتانا اور اپنے مورثوں کی ملک ٹھہرانا ظلم وغصب ہے اور واحد قہار کی ملک دبا بیٹھنا ہے جب وہ عام طور پر مسجد مشہور ہے، مدتوں سے پنجگانہ جماعتیں جمعے، عیدین، تراویح وغیرہا مثل عام مساجد ہوتی ہیں، کوئی حق ملک اس میں غیر خدا کے لئے ثابت نہیں تو اسے مسلمان تو مسلمان جو غیر مذہب والا بھی دیکھے گا مسجد ہی جانے گا، شخص مذکور کے باپ دادا کی دار ہونے کا اصلاً گمان بھی نہ کرسکے گا، صورت مسجد کی صفت مسجد کی، برتاؤ مسجد کا، شہرت مسجد کی، ایسے روشن ثبوتوں کے بعد بھی کسی غاصب کا دعوی ملکیت سن لیا جائے تو ظالم لوگ تمام جہان کی مسجدیں دبا بیٹھیں، جس کے گھر کے پاس جو مسجد ہو وہ کہہ دے کہ اس کے باپ کا دار یا دادا کا حمام ہے، آج کل دو چار آنے تک گواہیاں سستی ہو گئی ہیں، آٹھ آنے میں دو گواہ دے دے، چلئے فراعنت شد، اللہ واحد قہار کی مسجد انکے باپ دادا کا ترکہ ہو گئی، تمام ہندوستان میں وہ گنتی کی کے مسجدیں ہیں جن کے باضابطہ وقفنامے لکھے گئے ہیں اور وہ دستاویزیں محفوظ ہوں اور ان کے شاہد موجود ہوں تو یہ وہ ظالمانہ طریقہ ہے جس سے دنیا بھر کی تمام مسجدیں ظالموں غاصبوں کا گھر بن جائیں اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا، اور ظلم بھی کیسی حماقت کا جسے مسلمین تو مسلمین کوئی سمجھ وال غیر مذہب بھی قبول نہیں کرسکتا، بھلا مسجد تو مسجد ہے جس کی صورت جس کی محراب جس کے منارے وغیرہا خود دور سے گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ واحد قہار کا گھر ہے۔ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ عام وقفوں کے ثبوت کو صرف شہرت کافی ہے پھر اس سے زیادہ اور شہرت کیا ہوگی کہ تمام مسلمان اسے مسجد جانتے ہیں، مسجد کہتے ہیں، اذانیں ہوتی ہیں، پنجگانہ جماعتیں ہوتی ہیں۔ جمعہ عیدین تراویح ختم کی امامتیں ہوتی ہیں۔ مسلمان اپنے مصارف سے اس کی مرمت، اس میں اضافہ، اس کی عمارت کرتے ہیں۔ ایسی حالت کا نام نہ سنا یا پکا بے دین بے حیا جو ساری دنیا کی آنکھوں پر اندھیری ڈال کر خدا کا مال غصب کرنا چاہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ درمختار جلد ۳ صفحہ ۶۲۴ میں ہے:

تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ حفظا للاوقاف القدیمۃ عن الاستھلاک[1]۔	وقف میں شہادۃ شہرت بھی مقبول ہے تاکہ اوقاف قدیمہ ہلاک ہونے سے محفوظ رہیں۔ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں جلد چہارم ص ۲۳۳ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

اذا شهد الشهود ما تجوز به الشهادة بالسماع وقالوا لم نعاين ذلك ولكنه اشتهر عندنا جازت شهادتهم [1]	جب گواہوں نے ان معاملات میں گواہی دی جن میں شہادت سماعت جائز ہے، اور کہا کہ ہم نے معائنہ نہیں کیا لیکن یہ ہمارے نزدیک مشہور ہے، تو ان کی گواہی جائز ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد سوم ص ۱۳۷ میں ہے:

وتقبل الشهادة فی الوقف بالتسامع وان صرحابه لان الشاهد ربما یکون سنه عشرین سنة وتاریخ الوقف مائة سنة فیتیقن القاضی ان الشاهد یشهد بالتسامع لابالعیان فاذن لافرق بین السکوت والافصاح اشار ظهیر الدین المرغینانی الی هذا المعنی کذافی الفصول العمادیة [2]۔ملتقطا۔	وقف میں شہادت تسامع یعنی سماعت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ سماعت کی تصریح کردیں کیونکہ بسااوقات گواہ کی عمر بیس سال ہوتی ہے اور وقف سو سال سے ہوتا ہے، چنانچہ قاضی کو یقین سے علم ہوتا ہے کہ گواہ سنی ہوئی گواہی دے رہا ہے نہ کہ دیکھی ہوئی، لہٰذا اس صورت میں سماع سے خاموشی اور تصریح کرنے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ظہیر الدین مرغینانی نے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ فصول عمادیہ میں ہے۔(ت)

فتاوٰی خیریہ جلد دوم ص ۲۷ میں ہے:

فی الکنز لایشهد بمالم یعاینه الافی النسب والموت والنکاح والدخول وولایة القاضی واصل الوقف ومثله فی المختار وتنویر الابصار والکل من هؤلاء اطلق فعم المتقادم وغیره الخ [3]۔	کنز میں ہے کہ جب تک گواہ نے معائنہ نہ کیا ہو وہ گواہی نہیں دے سکتا سوائے نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی اور اصل وقف کے، اور مختار وتنویر الابصار میں بھی اسی کی مثل ہے اور ان سب نے مطلق رکھا قدیم وجدید کو عام ہیں۔(ت)

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشهادات فصل فی الشاهد یشهد الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۵

[2] فتاوٰی هندیة کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۸

[3] فتاوٰی خیریة کتاب الشهادات دار الفکر بیروت ۲/ ۲۹

ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴و۱۰۵میں ہے:

امّاالوقف فالصحیح انہ تقبل الشہادۃ بالتسامع فی اصلہ دون شرائطہ لان اصلہ ھوالذی یشتھر[1]۔	صحیح یہ ہے کہ شہادۃ تسامع اصل وقف میں جائز ومقبول ہے نہ کہ شرائط وقف میں، کیونکہ اصل وقف ہی شہرت پذیر ہوتا ہے۔(ت)

بالجملہ شخص مذکور کا قول محض مدفوع وسخت باطل ونامسموع ہے، اس پر فرض ہے کہ مسجد کے مناروں دیواروں اور اس کی اور اس کے حجرہ وغیرہ کی چھتوں کو اپنے ظالمانہ تصرفوں سے فورًا پاک کردے، جو کچھ عمارت مسجد کے پکھے وغیرہ کسی پر بنائی ہے فورًا ڈھادے، جتنی راہیں اس کے یا کتوں کے آنے جانے کی مسجد یا حجرہ مسجد کی سقف پر ہیں فورًا بند کردے، وہ نہ مانے تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ باضابطہ چارہ جوئی کرکے اس کا دست تعدی مسجد سے کوتاہ کریں اور بالجبران ناپاک تصرفات کو مسجد سے دور کرادیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: مرسلہ حکیم سراج الحق صاحب بریلی مسجد بدرالاسلام ۲۰جمادی الآخر ۱۳۲۸ھ دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ۴۵سال سے خارج از مسجد یعنی حوالی مسجد کی اراضی میں مکان بنالیا ہے اس میں رہتا ہے اس نے چند عرصہ سے یعنی چھ ماہ سے اس مکان میں کچھ مرغیاں کے بچے واسطے اپنے کھانے کے خرید کرکے پرورش کری جب اس کو فہمائش کی گئی تو اس نے فورًا مرغیوں کو علیحدہ کردیا اور بحضوری قلب اللہ تعالٰی سے توبہ بھی دل سے کی، علاوہ اس کے اور جو جو الزام کہ جھوٹے ذمہ زید کے لگائے گئے تھے ان سے زید توبہ کرتا ہے، اور کہا کہ یہ محض مجھ پر جھوٹا اتہام ہے آیا اس توبہ حضوری قلب سے نزدیک خداوند عالم کے پاک ہوگیا یا نہیں؟

الجواب:

اللہ توبہ قبول کرتا ہے اگر اس نے سچے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالٰی کے نزدیک اس گناہ سے پاک ہوجائے گا مگر حوالی مسجد یعنی فنائے مسجد میں جدید مکان بطور خود بنالینا اور اس کو اپنا مسکن کرلینا اور وہیں پاخانہ پیشاب کرنا یہ بھی حرام ہے اس کی توبہ سچی جب ہے کہ اپنے ان تصرفات کو بھی زائل کرے اور مسجد کو گھر نہ بنائے حوالی مسجد کا حکم بھی مثل مسجد ہوتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

المسجد اذا جعل حانوتا او مسکنا تسقط	یعنی مسجد کو اگر دکان یا مکان بنالیا جائے تو اس کی

[1] الھدایۃ کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۱۵۸۔۱۵۹

حرمته وهذالایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذافی محیط السرخسی[1]۔	حرمت ساقط ہوگی بے ادبی بے حرمتی ہوگی اور یہ حرام ہے اور فنائے مسجد تابع مسجد ہے تو اس کا حکم بھی مثل حکم مسجد ہے، ایسا ہی محیط امام شمس الائمہ سرخسی میں ہے۔

اور یہ خیال کہ بہت مساجد میں مکان پیش امام و مؤذن کی سکونت کو بنے ہوئے ہیں نفع نہ دے گا، علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ مسجد بن جانے سے پہلے اگر بانی مسجد ایسا کوئی مکان بنادے تو جائز ہے اور اس کے بعد اگر خود بانی مسجد آئے اور بنانا چاہے تو اجازت نہ دیں گے اگرچہ وہ یہ ظاہر کرے کہ اول ہی سے میری نیت اس کے بنانے کی تھی، درمختار میں ہے:

لوبنی فوقه بیتا للامام لایضرلانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذا کان هذافی الوقف فکیف بغیره فیجب هدمه ولو علٰی جدار المسجد۔[2] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اگر مسجد کے اوپر واقف نے امام کے لئے مکان بنایا تو حرج نہیں کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن جب مسجدیت تام ہوجائے پھر اس پر مکان بنانا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میں نے پہلے سے اس کا ارادہ کیا تھا تو اسکی تصدیق نہ کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے، لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از احمد آباد گھیسا محلّہ خماشہ مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب مع جماعت ۱۰ شعبان ۱۳۲۹ھ

حضرت مولانا و مخدومنا فاضل اجل عالم مولوی احمد رضا خاں صاحب! بعد آداب و تسلیمات کے آپ کی خدمت فیضدرجت میں دست بستہ ملتمس ہوں کہ یہاں احمد آباد میں اسلام رخنہ اندازہ ہورہی ہے آپ کو اللہ عزوجل نے وارث انبیاء کیا ہے واسطے اسلام میں اتفاق رکھنے کے، بجائے اس کے اسلام میں نفسانیت کی وجہ سے نااتفاقی از حد پھیل رہی ہے، کئی فتووں پر آپ کی مہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت و شنید نہیں سنتے، ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے، خیر یہاں ایک جھگڑا پڑا ہے، مسجد ایک مدت سے بن گئی ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

ایک مسجد اب بن رہی ہے، ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں مذکور دو فتوے آپ کی خدمت اقدس میں روانہ ہیں بغور ملاحظہ فرما کر جو حکم صحیح ہو روانہ کریں، آپ کی حق تحریر آنے سے ان شاء اللہ العزیز شرمٹ جائے ایسی امید ہے، والسلام۔

نقل فتوائے بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر احمد آباد میں محلّہ تاجپور پانچ پیلی میں سنت جماعت چھیپوں کی جماعت میں عرصہ چند روز کا ہوا اختلاف دنیویہ کی وجہ سے دو ٹکڑے ہوگئے ہیں، ایک طرف آٹھ سو گھر ہیں اور ایک طرف پچاس گھر ہیں، دونوں فرقوں نے مکان مسجد بنانے کے لئے خرید کئے، چھوٹی جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنی شروع کی، ان کو بڑی جماعت کی جانب سے سمجھایا گیا کہ تمہاری مسجد کی مغرب کی جانب بڑی جماعت کا مکان ہے، ان دونوں مکانوں کو مسجد بناؤ اور بنانے میں ہم مال کی مدد میں شریک رہیں گے، انہوں نے یہ وعدہ کیا کہ ہم فی الحال مسجد بناتے ہیں اور جب مغرب کی جانب مسجد بڑی جماعت والوں کی بنے گی تو ہم بیچ کی دیوار توڑ ڈالیں گے اب بڑی جماعت کی بھی مسجد قریب تیار ہونے کے ہے، اب چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کردو، اب چھوٹی جماعت کے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنا ناجائز ہے۔ اب علمائے اہلسنت عم فیوضہم کی خدمات عالیہ میں عرض ہے کہ بیچ کی دیوار توڑ کر دونوں مسجدوں کو ایک کرنے سے نمازیوں کو گنجائش نماز کی اچھی طرح سے ہوجائے گی اب اس صورت میں بیچ کی دیوار کو توڑ کر مسجد کو ایک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد کی دیوار چھوٹی جماعت والے توڑنے کا انکار کریں تو ان کی مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

ہاں اہل محلّہ کو اختیار ہوتا ہے کہ نماز کے لئے دو مسجدوں کو ایک کردیں، اس کو ناجائز کہنا محض غلط و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لھم ای لاھل المحلۃ نصب متولی وجعل المسجدین واحدًا وعکسہ لصلاۃ لالدرس اوذکر فی المسجد اھ [1]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ وہ مسجد کا متولی مقرر کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک یا ایک کو دو کرلیں نماز کے لئے نہ کہ درس وذکر کے لئے اھ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مگر چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت صحیحہ شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں توان پر بھی جبر نہیں پہنچتا کہ جب ایک مسجد کو دو کرلینا جائز ہے کما تقدم عن الدر ان لهم جعل مسجد واحد مسجدين (جیسا کہ در کے حوالے سے گزرا کہ ایک مسجد کو دو کرنے صرف کا اہل محلّہ کو اختیار ہے۔ت) تو دو کو دو رکھنا کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے، ہاں اگر اصلاً کوئی وجہ شرعی نہ ہو صرف ضد کے سبب تفریق جماعت کریں توان کی بات نہ سنی جائے گی کہ اس صورت میں وہ متعنت یعنی بے جاہٹ کرنے والے ہیں اور متعنت کا قول مسموع نہیں ہوتا،

فی الهداية وغيرها من القسمة الاول منتفع به فاعتبر طلبه والثانی متعنت فلم يعتبر [1]۔	ہدایہ وغیرہ میں قسمت کے باب میں ہے کہ اول اس سے نفع حاصل کرنے والا ہے لہٰذا اس کا مطالبہ معتبر ہے اور ثانی ہٹ دھرمی کرنے والا ہے اس کا مطالبہ معتبر نہیں (ت)

درمختار میں قبیل استصناع ہے:

الاصل ان من خرج كلامه تعنتا فالقول لصاحبه بالاتفاق [2]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جس کا کلام تعنت یعنی ہٹ دھرمی پر مبنی ہو اس کے مخالف کا قول بالاتفاق معتبر ہوگا۔ (ت)

توحسب صوابدید اکثر اہل جماعت اس دیوار فاصل کو علیحدہ کردیا جائے گا، ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانية سئل ابوالقاسم عن اهل مسجد اراد بعضهم ان يجعلوا المسجد رحبة والرحبة مسجدا او يتخذوا له بابا اويحولوا بابه عن موضعه وابى بعض ذٰلك قال اذا اجتمع اكثرهم وافضلهم ليس للاقل منعهم [3]۔	تاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوالقاسم سے یہ سوال کیا گیا کہ بعض اہل مسجد ایک مسجد کو صحن اور صحن کو مسجد بنانا، مسجد کا دروازہ بنانا اور سابق دروازے کو اس کی جگہ سے تبدیل کرنا چاہتے ہیں جبکہ بعض اس کا انکار کرتے ہیں تو کیا حکم ہے، آپ نے فرمایا کہ اکثر وافضل حضرات متفق ہیں تو اقل کو اختیار نہیں کہ انہیں منع کریں (ت)

---

[1] الهداية كتاب القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

[3] ردالمحتار كتاب الوقف داراحياء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۳

یوں ہی اگر اس دیوار وتعدد کے باعث اہل محلّہ پر مسجدیں تنگی کرتی ہیں کہ ایک تو دیوار نے جگہ گھیری دوسرے دواماموں کے باعث کمی ہوئی کہ خود امام ایک صف کامل کی جگہ لیتا ہے اس وجہ سے اہل محلّہ دونوں مسجدوں میں پورے نہیں آتے اور دیوار توڑ کر ایک جماعت کردینے سے وسعت ہوجائیگی تو اس صورت میں وہ دیوار خواہی نخواہی جدا کردی جائیگی کہ تنگی مسجد کی ضرورت سے اس کے قریب کی زمین یا مکان یا دکان مملوک بلارضا مندی مالک بقیمت لینے کا اختیار حاکم کو ہے، تو مسجد کو مسجد میں ملالینا بدرجہ اولٰی، در مختار میں ہے:

توخذ ارض ودار وحانوت بجنب مسجد ضاق علی الناس بالقیمة کرھا درر وعمادیة[1]۔	مسجد اگر تنگ ہو تو اس کے پہلو میں جو زمین، مکان یا دکان ہے وہ قیمت دے کر جبراً مسجد میں داخل کی جاسکتی ہے، درر وعمادیہ۔(ت)

اور بہر حال چھوٹی جماعت والوں کے انکار کرنے سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں خواہ ان کا انکار سنا جائے یا نہیں کہ آخر وہ مسجد ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عبدالنبی نواب مرزاعفی عنہ الجواب صحیح۔ واللہ تعالٰی اعلم

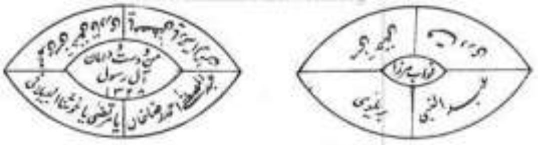

نقل فتوائے دہلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس میں پنجگانہ نماز تین ماہ سے ہورہی تھی متصل اس کے اور ثانی مسجد بنائی گئی اس ضد پر کہ محلّہ والوں کے دو گروہ ہوجائیں اور آپس میں تفرقہ پڑجائے اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے پس اس ثانی مسجد کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا اس میں نماز جائز ہے یا نہیں اور اسکو مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جائے یا نہیں؟

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۲

الجواب:

صورت مسئولہ میں مسجد ضرار کا حکم رکھتی ہے یعنی اس میں نماز پڑھنا منع ہے اور حاکم وقت کو چاہئے کہ اس کو مسجد کی صورت میں نہ رہنے دے خواہ اس کو ہدم کرادیا جائے یا کوئی مکان دوسرا بنادے جیسا کہ تفسیر جامع البیان میں آیہ "وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا" الخ[1] اور وہ لوگ جنہوں نے ضرر کے لئے ایک مسجد بنائی الخ۔ت) کی تفسیر میں لکھا ہے عبارت اس کی بلفظہ یہ ہے:

فلما اتموا بناءه اتوارسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین رجع من تبوك وقال اتممنامسجد اللضعفاء واهل العلة واللیلة المطیرة نلتمس ان تصلی فیه وتدعو بالبرکة فنزلت فی تکذیبهم فامر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بهدمه فهدموه واحرقوه (لاتقم فیه) فی ذٰلك المسجد ابدا للصلٰوة[2]۔	جب انہوں نے مسجد کی تعمیر مکمل کرلی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے اور کہا کہ یارسول اللہ! ہم نے کمزوروں، بیماروں اور رات کی تاریکی میں نماز پڑھنے والوں کی خاطر مسجد بنائی ہے۔ ہماری التماس ہے کہ آپ اس میں برکت کے لئے دعافرمائیں، تو اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی تکذیب میں یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس مسجد کے گرانے کا حکم دیا لہٰذا لوگوں نے مسجد کو گراکر جلادیا، اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ اس مسجد میں کبھی بھی نماز کے لئے قیام نہ فرمائیں۔ (ت) محمد عبدالحق

نقل فتوائے ایران

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص محض بغرض نفسانیت اور عداوت اور ضرر مسجد مقیم (یعنی جو پہلے بنی ہوئی ہو) مسجد بنائے وہ مسجد ضرار کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اور ایسی مسجد بنائی جائے یا نہیں؟

Majlis of Dawateislami

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] جامع البیان تحت آیۃ ۹/ ۱۰۷ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالا ۱/ ۲۸۶

الجواب:

ھو اللہ تعالٰی اعلمھم بالحق والصواب، بلاشبہ جو مسجد بغرض نفسانیت وعداوت کے وضرر مسجد قدیم کے تیار کی جائے حکم مسجد ضرار رکھتی ہے اور ایسی مسجد کی بناء موجب ثواب نہیں بلکہ موجب نکال ہے، چنانچہ تفسیر مدارک وکشاف میں اس آیت کے نیچے مرقوم ہے:

"وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًۢا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ "[1]۔ قیل کل مسجد بنی مباھاۃ اوریاء او سمعۃ اولغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ اوبمال غیر طیب فھو لاحق بمسجد الضرار انتھی[2]۔	اور جنہوں نے بنائی ہے ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں، اور تھانگ اس شخص کی جو لڑرہا ہے، اللہ سے اور رسول سے آگے کا اور اب قسمیں کھائیں گے کہ بھلائی چاہتے تھے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو مسجد بھی تفاخر، ریاکاری، مشہوری یا طلب رضاء الٰہی کے علاوہ کسی غرض کے لئے بنائی جائے ناپاک مال سے بنائی جائے وہ مسجد ضرار سے ملحق ہوگی انتہی۔ (ت)

اور کشاف میں ہے:

عن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی ید عمر امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لایتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدھما صاحبہ[3] انتھی۔	حضرت عطا سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ بہت سے شہر فتح فرمائے تو آپ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایک شہر میں دو مسجدیں نہ بنانا تاکہ ایک سے دوسری کو ضرر نہ پہنچے، انتھی (ت)

اور صاحب تفسیر احمدی نے لکھا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

[2] تفسیر النسفی (المدارک) تحت ۹/۱۰۷ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۴۵

[3] الکشاف (تفسیر) تحت ۹/۱۰۷ انتشارات آفتاب تہران ایران ۲/ ۲۱۴

فالعجب من المشائخین المتعصبین فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مساجد طلبا للاسم والرسم واستعلاء لشانھم واقتداء بابائھم ولم یتاملوا فی ھذہ الاٰیۃ والقصۃ من شناعۃ حالھم وسوء افعالھم[1] انتھی۔	ہمارے زمانے کے متعصب مشائخ پر تعجب ہے کہ شہرت، رسم، اپنی رفعت شان اور اپنے آباء واجداد کی اقتداء کے لئے ہر کونے میں مسجدیں بنالی ہیں اور اس آیت کریمہ اور ان لوگوں کی بدافعالی اور بدحالی کے قصے میں غور نہیں کیا انتھی (ت)

کتبہ العبد بدیع الدین ابن سید شرف الدین صاحب مشہدی ثم الاحمد آبادی عفااللہ تعالٰی عنہما

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

مکرم کرم فرمایان سلمکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

عنایت نامہ مع فتاوٰی فریقین ملا، فقیر نے آپ کے فرمانے سے یہاں کے فتوے پر مکرر نظر کی اور اس طرف کے فتاوٰی کو بھی دیکھا جو یہاں سے لکھا گیا خالص حق وصحیح ہے اس میں بحمداللہ تعالٰی کسی کی طرف داری نہیں حکم شرعی بیان کیا ہے کسی کے مخالف موافق ہو اس سے بحث نہ کی نہ کی جاسکتی ہے کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ چھوٹی جماعت والے اگر خوف نزاع وجدال وغیرہ کسی مصلحت شرعیہ کے باعث دیوار توڑ کر مسجدیں ایک کرنے سے انکار کریں تو ان پر جبر بھی نہیں پہنچتا، کیا آپ نے اس میں یہ لفظ نہ دیکھے کہ بہرحال چھوٹی جماعت والوں کے انکار سے ان کی مسجد میں نماز ناجائز ہونے کی کوئی وجہ نہیں ان عبارات کو دیکھ کر آپ حضرات نے فریق اول کی طرفداری سمجھی، ان عبارات کو دیکھ کر وہ فریق آپ کی طرفداری سمجھے، خلاصہ یہ ہوگا کہ دونوں فریق کی طرفداری ہے یعنی کسی کی طرفداری نہیں صرف بیان حکم سے غرض ہے والحمدللہ رب العٰلمین۔ اور یہ الزام کہ آپ ہر دو جانب کی گفتگو نہیں سنتے ایک ہی طرف کی بات سن کر حکم لگانا ناانصافی ہے اگر آپ انصاف فرمائیں تو یہ الزام محض بے اصل ہے یہاں فتوٰی دیا جاتا ہے دارالقضا نہیں کہ فریقین کے بیان سننا تحقیقات امر واقع کرنا لازم ہو، مفتی تو صورت سوال کا جواب دے گا اس سے اسے بحث نہیں کہ واقع کیا ہے، نہ فریقین کا بیان سننا اس پر لازم نہ اس کا کام۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ سوال اگر ظاہر البطلان ہو تو اس کا جواب نہ دے اور دے تو اس کی غلطی ظاہر کردے تاکہ وہ اپنے فتوے سے باطل کا مددگار نہ بنے، یہاں بحمدہٖ تعالٰی اس کا لحاظ رہتا ہے جس سوال پر بریلی سے جواب گیا اس میں کوئی

---

[1] التفسیرات الاحمدیہ تحت ۹/ ۱۰۷ المطبع الکریمی بمبئی انڈیا ص ۴۷۸

امر ایسا نہ تھا کہ صورت سوال کو غلط سمجھا جاتا مگر افسوس کہ اس طرف کے فتووں میں اس امر اہم کا لحاظ اصلًا نہ ہوا، ان کے سوالوں میں صورت یہ فرض کی تھی کہ دوسری مسجد کی بناء ضد سے کہ آپس میں تفرقہ ہو اور اگلی مسجد کی آبادی میں فرق آئے محض نفسانیت وعداوت وضرر مسجد قدیم کے لئے بنائی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بنانے والوں کے قلب پر حکم تھا کہ ان کی نیت یہ ہے اور نہ صرف یہ بلکہ صرف یہی ہے، حالانکہ نیت کا جاننا اللہ عزوجل کا کام ہے اور مسلمان پر بدگمانی سخت حرام ہے تو مفتی صاحب کا منصب نہ تھا کہ اس صورت باطلہ کی تقدیر مان کر مسجد کے بنانے کو موجب عذاب ٹھہرائے اور حاکم وقت کو **معاذ اللہ** خانہ خدا کے ڈھانے پر ابھارے، ایسی جگہ صرف صورت پر حوالہ کا حیلہ یا اس کہدیئے کی آڑ جو چیز ایسی ہے اس کا حکم یہ ہے اہل عقل وعلم واقعات حال زمانہ کے نزدیک ہرگز کافی نہیں جبکہ صراحۃً معلوم ہے کہ ایک فریق بناواقفی حکم شرع وہ صورت گمان یا فرض کرکے فتوے لینا چاہتا ہے جس کے فرض وگمان کا شرعًا اسے اصلًا حق نہیں، نہ دوسرے کو جائز کہ اس کی بدگمانی مقرر رکھے،

"لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا" [1]۔	ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مومن مرد اور مومن عورتیں اپنوں پر اچھا گمان کرتے (ت)

اور وہ اپنے اس فرض باطل کے ایک فریق مسلمان کو بذریعہ فتوٰی ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو صرف اس صورت کا حکم بتانا اور اس کا حکم نہ بتانا صراحۃً باطل کو مدد دینا ہے جو ایک جاہل مسلمان کے لائق بھی نہیں مفتی تو مفتی،

ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل [2]۔	جو اپنے اہل زمانہ کے احوال کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے (ت)

اور حقیقت یہ کہ نہ صرف فریق دیگر بلکہ خود اس فریق کی بھی بدخواہی ہے بلکہ اس کی بدخواہی سخت تر ہے، فریق اول کی نیت اگر صحیح ہے تو ان کے فرض باطل یا نافہم مفتیوں کے اقوال ہائل سے اس کا کیا ضرر، مگر اس فریق کو جو بدگمانی اور مسلمانوں کو ایذارسانی کی بیماری تھی وہ مفتیوں کی تقریر وعدم انکار کے بعد پختہ ہوگئی،

فھلکوا واھلکوا وانما الدین النصح	وہ خود ہلاک ہوئے اور دوسروں کو ہلاک کیا دین تو

---

[1] القرآن الکریم ٢٤/ ١٢

[2] درمختار کتاب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ١/ ٩٩

لکل مسلم [1]۔	محض ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔(ت)

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک مریض نے براہ ناواقفی اپنا مرض الٹا تشخیص کیا اور اس کے لئے طبیب سے دوا پوچھی، طبیب اگر اس کا اصل مرض جانتا اور سمجھتا ہے کہ یہ دوا اسے نافع نہیں بلکہ اور مضر ہوگی، تو اسے ہر گز حلال نہیں کہ الٹے مرض کی اسے دوا بتا کر اس کی غلطی کو اور جمادے اور اس کے ہلاک پر معین ہو اور یہاں اتنا کہہ دینے سے کہ مرض مسئول کی دوا یہ ہے یا جسے یہ مرض ہو اس کی دوا یہ ہے، طبیب الزام سے بری نہیں ہوسکتا جبکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نہ یہ مرض نہ یہ اس کی دوا، بلکہ یہ اس کے مرض کو اور محکم کردے گی، حاشا یہ وہی کرے گا جو یا تو خود ہی طب نہیں جانتا اور خواہی نخواہی لوگوں کا گلا کاٹنے کو طبیب بن بیٹھا یا دیدہ دانستہ مریض کی غلط تشخیص مقرر رکھ کر خلاف مرض دوا دے کر اسے ہلاک کیا چاہتا ہے، دونوں صورتیں سخت بلا ہیں، ایک دوسرے سے بدتر، تو صاف روشن ہوا کہ انہیں فتووں میں سخت ناانصافی اور نہ ایک فریق بلکہ دونوں کی سخت بدخواہی ہوئی اگرچہ بظاہر فریق دوم کی طرفداری نظر آئے اگر کسی ذی علم عاقل خیر خواہ مسلمان سے یہ سوال ہوتا تو وہ یوں جواب دیتا کہ بھائیو اس کی بناء محض نیت پر ہے اور نیت عمل قلب ہے اور قلب پر اطلاع اللہ عزوجل کو، تم نے کیونکر جانا کہ اس فریق نے یہ مسجد اللہ کے لئے نہ بنائی بلکہ محض نفسانیت وعداوت واضرار مسجد سابق کا ارادہ اس کے دل میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **افلا شققت عن قلبہ** [2] تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا۔ باہم تفرقہ کے بعد اس کی بناء سے غایت یہ کہ تفرقہ کے باب الوقف میں ہے، اور مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی، اس بیان ضروری کے بعد چاہتا تو یہ بھی لکھتا کہ ہاں اگر دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتا کہ ان کی نیت اضرار تھی اور اسی غرض سے انھوں نے مسجد بنائی تو ضرور اس کے لئے مسجد ضرار کا حکم ہوتا مگر حاشا اس کے ثبوت کا کیا طریقہ اور اس کی طرف راہ کیا، آپ کے سوال کا جواب یہ تھا، نہ وہ جو ایرانی ودہلوی صاحب نے دیا، بہر حال فقیر آپ صاحبوں کا ممنون احسان ہے کہ اپنے نزدیک جو عیب اپنے بھائی مسلمان یعنی اس فقیر میں سمجھا اس سے مطلع فرمایا، مجھ پر فرض تھا کہ بات ٹھیک ہوتی تو تسلیم کرتا اب کہ باطل ہے اس کا بطلان آپ کو دکھا دیا، ماننا آپ صاحبوں کا کام ہے، سنیوں بھائیوں کو آپس میں ایک رہنا لازم ہے، سنیوں پر دشمنان دین کے آلام کیا تھوڑے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

بندھ رہے ہیں کہ آپس میں بھی خانہ جنگی کریں اور نہ ہوسکے تو اتنا ضرور ہے کہ دنیوی رنجش جانے دیں "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ"[1] بیشک تمام مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ت) پر نظر فرما کر گلے مل لیں، فریق اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالٰی اس سے زائد اس کی نسبت جانتا ہے اگر واقع میں مسجد انہوں نے محض براہ نفسانیت بقصد اضرار مسجد سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجد ضرار ہے اسے دور کردیں اور تائب ہوں مگر فریق دوم کو ہرگز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر اتنی سخت بدگمانی کرکے **معاذاللہ** مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی ناموں کے فتووں کی آڑلیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکم وقت کو بربادی خانہ خدا پر ابھارتے ہیں **والعیاذ باللہ رب العٰلمین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اللہ تعالٰی رب العالمین کی پناہ، بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی عطا کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔ت) فقیر اپنے اس خط کی نقل فریق اول کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کیا ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے **والسلام علٰی جمیع اخواننا اھل السنۃ والجماعۃ** (تمام اہلسنت وجماعت پر سلامتی ہو۔ت) فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۱۰ شعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ھ ہجریہ قدسیہ **علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ آمین!**

مسئلہ ۱۵۶: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مسئولہ جناب سید علی شاہ حسن میاں صاحب غرہ ماہ مبارک ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد مسقف میں شدت گرما کے سبب مصلیوں کو تکلیف ہوتی ہے اور پسینہ کی کثرت وحبس کی وجہ سے ادائے فرض میں نقصان اور خلل ہوتا ہے ایسی حالت میں اس کے انسداد کے لئے اگر مسجد میں سقفی بادکش لٹکایا جائے تو یہ بھی جو بحالت معذوری ومجبوری کیا گیا ہے خلاف آداب مسجد ومنافی احکام شریعت تو نہ ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

موسم گرما ہمیشہ سے آتا ہے اور عرب شریف میں آتا تھا اور مکہ معظمہ میں گرمی یہاں سے سخت تر تھی اور ہے، اس میں نہ کوئی معذوری ہے نہ مجبوری، ورنہ ہر زمانے اور ہر مقام میں اس کا علاج ملحوظ ہوتا کہ انسان سے معذور ومجبور کبھی نہیں رہا جاتا، نماز عبادت وبندگی ہے اور بندگی کمال تذلل وفروتنی، نہ کہ مخدوم بننا اور عین دربار بے نیاز میں خادم کو مقرر کرنا کہ ہم کو پنکھا جھلے کچہریوں میں جو فرشی پنکھے ہوتے ہیں اس میں

---

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۰

اصل مقصود حاکم ہوتا ہے کہ خود وہ ایک عاجز و محتاج ہے جسے گرمی سردی سب ستاتی ہے بلکہ اور بہت سے جفاکشوں کی نسبت وہ زیادہ محتاج ہے پنکھا اس کے لئے لگاتے ہیں خادم اس کے لئے کھینچتا ہے حاضرین بالطبع اس سے ہوا پاتے ہیں اس سبب سے وہ بے ادبی خلاف ادب دربار نہیں گنا جاتا۔ یوں نہ دیکھئے بلکہ یوں کہ کوئی شخص دربار شاہی میں حاضر ہو اور اپنا خادم مقرر کرے کہ بادشاہ کے سامنے مجھے دستی جھل، کیا اسے بے ادب نہ کہا جائے گا؟ بیشک کہا جائے گا۔ اور اب مسئلہ میں قدرے زیادہ بیان اور ادائے فرض میں عذر خلل و نقصان کا جواب فقیر کے فتاوٰی میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از احمد آباد محلہ پانچ پیلی تاجپور ۱۴رمضان ۱۳۲۹ھ

ایک مسجد جنگل میں ہے جس کی تولیت چھیپوں کی جماعت کرتی ہے اور وہ منہدم و مسمار ہوگئی ہے اور اس کی صرف ایک محراب ہی باقی ہے اور اس مسجد کے تمام پتھر لوگ چرالے گئے، اب اس صورت میں وہ محراب دوسری مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ اس مسجد شہید شدہ کا آباد کرنا فرض ہے ناممکن ہوگیا ہو اور اس کی طرف کوئی راہ میسر نہ ہو اور چور اس کے مال پر دست درازی کررہے ہیں تو ایسی صورت میں اس ضرورت میں اس کی محراب دوسری مسجد میں لگادینے کی اجازت ہوگی **کما بینہ العلامۃ الشامی فی ردالمحتار وفصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ علامہ شامی نے اس مسئلہ کو ردالمحتار میں بیان فرمایا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۸: از الہ آباد بنگلہ نمبر ۱۶ مہابلی پرشاد سوداگر پناہی مرسلہ حاجی منشی محمد ظہور صاحب جوہری بریلوی ۷ اصفر مظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میرے مورثان نے بغرض نماز اپنے اور اپنے خاندان کے باستثناء عورات کے بنوائی اور اس کے ساتھ متصل اس کے اپنا مکان بنوایا اور ایک طرف کی کڑیاں مسجد کے ایک سمت کی دیوار پر اسی وقت میں رکھ لیں اب تیس سال ہوئے جو اس نے اجازت عام نمازیوں کو واسطے نماز کے دے دی اب نماز پنجگانہ اور نماز عیدین ہوتی ہے اب اس کی اولاد میں ایک شخص نے اپنے مکان کی نیچی چھت کو ڈیڑھ گز اونچا کیا اور وہاں کڑیاں یا شہتیر اٹھا کر دیوار پر دیوار کو بلند کرکے ڈال لیں اور بجائے ایک کھڑکی کے دو کھڑکی جانب مسجد اضافہ کی اور دیوار کو اونچا کرکے سائبان ٹین کا اپنی طرف کو ڈال لیا جس کا مگر مسجد کے دیوار پر رہا (خلاصہ) جب خانہ خدا وہ مسجد

عام نمازیوں کے واسطے وقف ہوگئی تو وہ دیوار مسجد جس پر کڑیاں یا شہتیر رکھا ہو اور دو مینار بھی اسی دیوار پر ہوں تو وہ دیوار بھی وقف ہوئی یا نہیں اور اس دیوار سے کڑیاں اٹھا کر اور دیوار بلند کرکے پھر دوبارہ کڑیاں رکھنے یا دیوار مسجد پر دیوار بنانے یا اضافہ کرنے کا کوئی حق ہے یا نہیں وارثان بانی مسجد کو از روئے شرع شریف، اور وہ حق یا تعلق جو بانی مسجد نے رکھا تھا بعد علیحدہ کرنے کے باقی رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ مسجد روز اول سے عام مسلمانوں کے لئے خانہ خدا ہوگئی خاص ایک قوم کے لئے نیت کرنے سے خاص نہیں ہوسکتی نہ بانی کو اس میں اپنے لئے کوئی حق یا تعلق رکھنے کا اختیار ہے، فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۷ ۱۳ میں ہے:

اتفقوا علی انہ لواتخذ مسجدا علی انہ بالخیار جاز الوقف وبطل الشرط کذا فی مختار الفتاوی، فی وقف الخصاف اذا جعل ارضہ مسجدا وبناہ واشھدان لہ ابطالہ وبیعہ فھو شرط باطل ویکون مسجدا کما لو بنی مسجدا لاھل محلۃ وقال جعلت ھذا المسجد لھذہ المحلۃ خاصۃ کان لغیر اھل تلك المحلۃ ان یصلی فیہ ھکذا فی الذخیرۃ[1]۔	یعنی سب علماء کا اتفاق ہے کہ اگر مسجد بنائی اس شرط پر کہ مجھے اختیار رہے تو مسجد صحیح ہوگئی اور وہ شرط جو لگائی باطل و بے اثر ہے، ایسا ہی مختار الفتاوٰی میں ہے۔ وقف خصاف میں ہے جب اپنی زمین کو مسجد کیا اور مسجد تعمیر کی اور لوگوں کو گواہ کرلیا کہ اس کا باطل کرنا اور بیچنا مجھے جائز ہوگا تو یہ شرط باطل ہے اور وہ مسجد ہوجائیگی اسی طرح اگر مسجد کسی محلّہ والوں کے لئے بنائی اور کہا کہ میں نے خاص اس محلّہ والوں کے لئے اسے مسجد کیا تو یہ شرط بھی باطل ہے اور وہ عام مسجد ہوجائیگی ہر شخص کو اس میں نماز کا اختیار ہوگا اگرچہ وہ غیر محلّہ کا ہو۔ ذخیرہ میں یونہی ہے۔

اور جب وہ دیوار مسجد کی ہے خود بیان کرنے والا کہہ رہا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیں اور اس دیوار پر مسجد کے دو منارے ہونا روشن دلیل ہے کہ وہ مسجد کی دیوار ہے تو اس دیوار کے وقف و مسجد ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے، بانی مسجد کو حرام تھا کہ مسجد کی دیوار پر اپنی کڑیاں رکھے، یوں ہی اس وارث نے جو تصرفات مذکورہ کئے سب حرام ہیں، اور واجب ہے کہ کڑیاں اتار دی جائیں اور ٹین جدا کردیا جائے، مسجد کی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸۔۴۵۷

دیواران تصرفات سے پاک کردی جائے۔ درمختار مطبع قسطنطنیہ جلد ۳ ص ۵۷۳ میں ہے:

لو بنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم ارادہ البناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[1] ۔	یعنی اگر مسجد کی چھت پر امام کے لئے گھر بنایا تو نقصان نہیں کہ یہ بھی مصالح مسجد سے ہے مگر مسجد پوری ہونے کے بعد اگر امام کے لئے بھی گھر بنانا چاہے گا نہ بنانے دیں گے اور اگر کہے گا میری پہلے سے یہی نیت تھی جب بھی نہ مانیں گے۔ تاتارخانیہ میں ہے تو جب یہ حکم خود بانی مسجد پر ہے تو دوسرے کا کیاذکر، تواس کا ڈھادینا واجب ہے اگرچہ مسجد کی فقط دیوار ہی پر کچھ بنایا ہو۔

بحرالرائق مطبع مصر جلد ۵ ص ۲۷۱ میں ہے:

اذاکان ھذافی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمه[2] ۔	یعنی جب خود بانی مسجد کو ممانعت ہے تو غیر بانی کیا چیز ہے تو جو شخص مسجد کی دیوار پر کوئی عمارت بنائے اس کا ڈھادینا واجب ہے۔

ردالمحتار مطبع استنبول جلد ۳ ص ۵۷۳ میں ہے:

نقل فی البحر قبله ولایوضع الجذع علی جدار المسجد وان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانه لایحل ولودفع الاجرۃ[3] ۔	یعنی بحرالرائق میں اس سے پہلے نقل فرمایا ہے کہ مسجد کی دیوار پر کڑی نہ رکھی جائے اگرچہ وہ کڑی خود مسجد ہی کی کسی وقفی مکان کی ہو اور یہیں سے معلوم ہوا کہ مسجد کے زیر سایہ رہنے والے بعض لوگ جو مسجد کی دیوار پر کڑیاں رکھ لیتے ہیں یہ حرام ہے اگرچہ وہ کرایہ بھی دیں جب بھی اجازت نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

مسئلہ ۱۵۹: مسئولہ مولوی صلاح الدین صاحب عرف حاجی داداساکن ضلع پشاور ۲۱صفر ۱۳۳۰ھ

مسجد میں درخت بونا جائز ہے یانہیں؟ اگر بولیا گیاتو وہ کس کی ملک شمار ہوگا؟

الجواب:

مسجد میں درخت بونا ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اگرچہ درخت پھلدار ہو (سوااس ضرورت کے کہ زمین مسجد سخت نمناک ہو جس کے باعث اس کی عمارت کو ضرر پہنچے ستون نہ ٹھہریں یا دیواریں پھولیں، اس لئے بوئے جائیں کہ ان کی جڑیں پھیل کر رطوبت کو جذب کرلیں) خلاصہ میں ہے:

غرس الاشجار فی المسجد لاباس بہ اذاکان فیہ نفع للمسجد بان کان المسجد ذانزو الا سطوانات لا تستقر بدونہا وبدون ھذالایجوز اھ[1] ولفظ الامام ظھیر الدین بعد ذکر الحاجۃ المذکورۃ فحینئذ یجوز والا فلا[2] اھ قال فی منحۃ الخالق قولہ والا فلا دلیل علی انہ لایجوز احداث الغرس فی المسجد ولا القائہ وفیہ لغیر ذلک العذر ولوکان المسجد واسعا، ولوقصد بہ الاستغلال للمسجد[3] الخ۔	مسجد میں درخت لگانا جائز ہے جبکہ مسجد کے نفع کے لئے ہو جیسے زمین مسجد نمناک ہو اور درختوں کے بغیر اس کے ستون قرار نہ پکڑتے ہوں اور اس ضرورت کے بغیر درخت لگانا ناجائز ہیں اھ حاجت مذکور کے ذکر کرنے کے بعد امام ظہیر الدین نے یوں فرمایا کہ اگر یہ حاجت ہوتو جائز ورنہ ناجائز اھ منحۃ الخالق میں ہے فرمایا کہ امام ظہیر الدین کا قول والاورنہ ناجائز ہے) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عذر مذکور کے بغیر مسجد میں ابتداءً درخت لگانا بھی ناجائز اور لگے ہوئے درختوں کو باقی رکھنا بھی ناجائز ہے اگرچہ مسجد وسیع ہو اور اگرچہ اس سے مسجد کے لئے کرایہ لینا مقصود ہوالخ (ت)

ہاں اگر درخت مسجد کے مسجد ہونے سے پہلے رکھا گیاتو عدم جواز مذکور کے تحت میں داخل نہیں کہ اس تقدیر پر یہ درخت مسجد میں نہ بویا گیابلکہ مسجد زمین درخت میں بنائی گئی اس صورت میں اگر درخت بونے والا وہی مالک زمین وبانی مسجد ہے تو درخت مسجد پر وقف ہوگا، نہ کسی شخص کی ملک،

فی ردالمحتار یدخل فی وقف الارض	ردالمحتار میں ہے زمین کے وقف وہ درخت اور

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

[2] بحرالرائق بحوالہ الظھیریہ کتاب الصلٰوۃ فصل لمافرغ من بیان الکراہیۃ فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[3] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ فصل لمافرغ من بیان الکراہیۃ فی الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

مافیہا من الشجر والبناء [1] الخ۔	عمارت بھی داخل ہوگی جو اس زمین موقوفہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر درخت دوسرے کا ہے تو اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر مسجد پر اس کا وقف تسلیم کرلے گا تو وقف ہوجائے گا ورنہ تفریغ مسجد کا حکم کیا جائے گا۔ رہا یہ کہ مسجد میں درخت بویا علماء نے فرمایا کہ درخت مسجد کے لئے ہوگا۔ ردالمحتار میں خانیہ سے ہے:

لوغرس فی المسجد یکون للمسجد لانہ لایغرس فیہ لنفسہ [2]۔	اگر کسی نے مسجد میں درخت بویا تو وہ مسجد کا ہی ہوگا کیونکہ وہ اپنے لئے نہیں ہوسکتا ہے۔ (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اذا غرس شجرا فی المسجد فالشجر للمسجد [3]۔	جب کسی نے مسجد میں درخت لگایا تو وہ درخت مسجد کے لئے ہوگا (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

سئل نجم الدین عن رجل غرس قالۃ فی مسجد فکبرت بعد سنین فاراد متولی المسجد ان یصرف ھذہ الشجرۃ الی عمارۃ بئر فی ھذہ السکۃ والغارس یقول ھی لی فانی ماوقفتہا علی المسجد، قال الظاہر ان الغارس جعلہا للمسجد فلایجوز صرفہا الی البئر ولا یجوز للغارس صرفہا الی حاجۃ نفسہ [4]۔	نجم الدین سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مسجد میں پودا لگایا جو چند برس میں بڑا درخت بن گیا، متولی مسجد کا ارادہ ہے کہ وہ اس درخت کو اسی کوچہ کے کنویں کی تعمیر میں صرف کرے، اور درخت لگانے والا کہتا ہے کہ یہ میرا ہے کیونکہ میں نے اس کو مسجد پر وقف نہیں کیا، تو امام نجم الدین نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اگر درخت بونے والے نے مسجد کے لئے بویا تھا تو اس کو کنویں کی تعمیر میں صرف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی بونے والا اپنی ضرورت میں اس کو صرف کرسکتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۷

درمختار میں ہے:

لوغرس فی المسجد اشجارا تثمر ان غرسها للسبیل فلکل مسلم الاکل والافتباع لمصالح المسجد[1]۔	واقف نے مسجد میں پھلدار درخت بوئے اگر تو اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور پر بوئے ہیں تو ہر مسلمان کو پھل کھانا جائز ہے ورنہ ان پھلوں کو مصالح مسجد کے لئے فروخت کیا جائے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای وان لم یغرسها للسبیل بان غرسها للمسجد او لم یعلم غرضه بحر عن الحاوی[2]۔	یعنی اگر اس نے فی سبیل اللہ وقف کے طور نہیں بوئے بایں طور کہ مسجد کے لئے ان کو بویا یا اس کی غرض معلوم نہیں ہوسکی، بحر بحوالہ حاوی۔(ت)

اصل یہ ہے کہ بنایا غرس زمین وقف میں اگر متولی کرے تو مطلقاً وقف کے لئے ہے مگر یہ کہ اپنے ذاتی مال سے کرے اور بناو غرس سے پہلے گواہ کرلے کہ اپنے نفس کے لئے کرتا ہوں یا یہ کہ متولی خود واقف ہو اور وقف کے لئے اس کی نیت نہ کرے اور مسجد میں بونا دلالۃً مسجد کے لئے بونا ہے کہ کوئی مسجد میں اپنے لئے نہیں بوتا، یہ اس فرع کی تاصیل ہے، درمختار میں ہے:

المتولی بناؤہ وغرسه للوقف مالم یشهد انه لنفسه قبله[3]۔	متولی کا زمین وقف میں عمارت بنانا یا درخت لگانا وقف کے لئے ہی ہوگا جب تک وہ عمارت بنانے یا درخت لگانے سے قبل اس پر گواہ نہ قائم کردے کہ میں اپنی ذات کے لئے کررہا ہوں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان کان البانی المتولی بمال الوقف فوقف، سواء بناہ للوقف او لنفسه اواطلق، وان من ماله للوقف او اطلق فوقف الا اذاکان	عمارت بنانے والا اگر خود متولی ہو اور مال وقف سے بنائے تو وہ وقف کے لئے ہے چاہے وقف کیلئے بنائے یا اپنے لئے بنائے یا مطلق رکھے،

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۵

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۳

ھو الواقف واطلق فھولہ کمافی الذخیرۃ وان من مالہ لنفسہ واشھدانہ لہ فھو لہ کما فی القنیۃ والمجتبٰی، وان لم یکن متولیا فان بنی باذن المتولی لیرجع فوقف، والا فان بنی للوقف فوقف، وان لنفسہ واطلق فلہ رفعہ ان لم یضر[1]۔	اور اگر اپنے مال سے وقف کے لئے بنائے یا مطلق رکھے تب بھی وقف کے لئے ہوگی ہاں اگر وہ خود واقف ہو اور مطلق رکھے تو وہ اس کے اپنے لئے ہوگی (ذخیرہ) اور اگر اس نے اپنے مال سے اپنی ذات کے لئے عمارت بنائی اور اس پر گواہ بھی قائم کرلئے کہ اپنی ذات کے لئے بنارہاہوں تو وہ اسی کی ہوگی جیسا کہ قنیہ ومجتبی میں ہے۔ اگر بانی خود متولی نہ ہو تو اگر اس نے متولی کی اجازت سے عمارت بنائی تاکہ متولی سے خرچہ کارجوع کرسکے تو وہ وقف کے لئے ہے ورنہ اگر وقف کے لئے بنائی تو پھر بھی وقف ہے اور اگر اپنے لئے بنائی یا مطلق رکھی تو اس کو اٹھانے کا اختیار ہے جبکہ وقف کو نقصان نہ پہنچے (ت)

اشباہ میں ہے:

وان اضر فھو المضیع لمالہ فلیتربص الی خلاصہ[2]۔	اور اگر اس کو اٹھالے جانے میں وقف کو نقصان ہے تو نہ اٹھانے دیں گے کیونکہ اس نے اپنامال خود ضائع کیااب وہ انتظار کرے یہاں تک کہ وہ عمارت وقف سے خلاص ہوجائے۔ (ت)

اقول: مگر یہ بناوغرس جائز میں ہے ناجائز کے لئے حکم ہدم وقلع ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[3] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) درمختار میں ہے:

لوبنی فوقہ بیتاللامام لایضر لانہ من المصالح امالو تمت المسجدیۃ	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲۔۳۰۳

[3] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، السنن الکبرٰی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم حق دارصادر بیروت ۶/ ۹۹

ثم ارادالبناء منع، ولو قال عنیت ذٰلك لم یصدق تاتارخانیة، فاذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ، فیجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[1]۔	مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے روکا جائے گا اگرچہ وہ کہے کہ میرا شروع سے یہ ارادہ تھا، تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی، تاتارخانیہ۔ جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے لہٰذا ایسی عمارت کو گرادینا واجب ہے اگرچہ وہ مسجد کی دیوار پر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوی قاری الھدایة استاجردارا وقفا، وجعلھا طاحونا ان لم یکن انفع ولااکثر ریعا الزم بھدم ماصنع[2] اھ مختصرًا۔	فتاوٰی قاری الہدایۃ میں ہے کہ ایک شخص نے مکان وقف کو کرایہ پر لے کر اس میں آٹا پیسنے کی چکی بنادی اگر وہ وقف کے لئے زیادہ نفع وخوبی کا حامل نہیں تو جو کچھ اس نے بنایا اس کو گرانے پر مجبور کیا جائے گا اھ مختصرًا (ت)

اور ہم بیان کرچکے بلاضرورت مذکورہ مسجد میں پیڑ بونا جائز نہیں لشغله موضع الصلٰوۃ ولشبه البیع والکنائس (کیونکہ اسطرح نماز کی جگہ بھی مشغول ہوگی اور گرجا اور کلیسا سے مشابہت بھی ہوگی۔ ت) اور یہ کہ اس کا باقی رکھنا جائز نہیں تو یہ فروع خانیہ صورت جواز پر محمول ہوں گی۔

الاتری انه ممنوع والوقف قربة وانه مقلوع والوقف مؤبد فذٰلك برھانان انه لایکون للسمجد۔	کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ممنوع ہے جبکہ وقف عبادت ہے اور اس کو اکھاڑنا لازم، جبکہ وقف کو ہمیشہ باقی رکھنا لازم ہے، یہ دونوں دلیلیں ہیں اس پر کہ وہ مسجد کے لئے نہیں (ت)

اور فرع مذکور بحر وحاوی ودرمختار فنائے مسجد میں غرس پر بھی محمول ہوسکتی ہے اور اگر ثابت ہو کہ فنائے مسجد میں بونا بھی دلالۃً مسجد میں بونا بتاتا ہے تو جملہ فروع مذکورہ کا یہ دوسرا عمدہ محمل ہے ھذا ماظھر لی (یہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۴

مسئلہ ١٦٠: از میرٹھ ٨ جمادی الآخر ١٣٣٠ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رنڈی نے اپنے پیشہ کے ذریعہ سے کچھ دکانیں خریدیں، چندروز کے بعد وہ رنڈی مر گئی، بعد مرنے کے وہ دکانیں وراثۃً اس کی بہن کو پہنچیں جو اپنے پیشہ سے تائب اور کسی کے نکاح میں ہے، اب اس کی بہن اپنی طرف سے اس جائداد کو جو وراثۃً اس کو ملی ہے کسی مسجد کے نام وقف کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں مہتممان مسجد کو ان دکانوں کالینااور ان کے کرایہ سے مسجد کے مصارف میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ وہ دکانیں بعینہا رنڈی کو اجرت زنا یاغنامیں نہ ملی تھیں بلکہ اس نے خرید کیں، اگرچہ خریداری اسی زرِ خبیث سے ہو، تو ازانجاکہ عامہ عقود رائجہ میں یہ قاعدہ نہیں کہ روپیہ دکھا کر کہا جاتا ہو اس روپے کے عوض بیع کرے یا خریدے بلکہ مطلق بیع ہوتی ہے تو عقد ونقد زرِ حرام پر جمع نہیں ہوتی اور مذہب کرخی مفتی بہ پر ایسی حالت میں اس شے مشتری میں خباثت بھی نہیں آتی، تو وہ دکانیں خود اس رنڈی کے لئے اس صورت میں حرام نہ ہوں گی، نہ کہ بعد انتقالِ وراثت۔ لہذا وقف مذکور نہ فقط صحیح بلکہ جائز و مورث ثواب ہوگااور متولیوں کو ان کالینااور ان کا کرایہ مسجد میں صرف وخرچ کرنا ہر طرح جائز ہوگا۔

والمسئلة قد فصلناها فی فتاوٰنا ثم ان کان خبث بالاجتماع لوفرض لم یکن فیه الاکراهة والوراثة ناقلة والوقف اخراج عن الملك والابحاث طویلة الاذیال وانما یفتی فی الوقف بما هوانفع له کیف و الصحة لاشك فیها قطعا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اس مسئلہ کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کردیا ہے، پھر اگر بالفرض عقد ونقد کے اجتماع سے خبث آئے بھی تو اس میں صرف کراہت آئے گی جبکہ وراثت نقل کرنے والی اور وقف ملک سے اخراج کا نام ہے اور اس میں طویل مباحث ہیں، اور بلاشبہ وقف میں فتوٰی اسی پر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ نفع بخش ہو تو یہاں کیونکر ایسا نہ ہوگا جبکہ اس کی صحت میں قطعًا شک نہیں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ١٦١: از موضع ملکی پور تھانہ کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ جملہ مسلمانان موضع ١٥ جمادی الآخر ١٣٣٠ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عیدگاہ موضع ملکی پور میں ہے وہ بہت چھوٹی ہے اور عیدین میں بفضلہٖ تعالٰی اس قدر مسلمان جمع ہوجاتے ہیں کہ نماز پڑھنے اور کھڑے ہونے کی

جگہ نہیں رہتی عیدگاہ سے باہر نماز کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں اور عیدگاہ قبرستان میں واقع ہے اگر یہاں وسعت دی جائے تو قبریں اندر آنے کا احتمال ہے اور جگہ بھی تحفظ کی نہیں ہے، مویشی وغیرہ پیشاب وغیرہ کرتے ہیں، ایسی حالت میں عیدگاہ قدیمی چھوڑ کر دوسری جگہ اگر بہت بلند ہے اور فضا کی جگہ ہے اور ہر قسم کا تحفظ ہے، مویشی وغیرہ بھی وہاں نہیں جاسکتے، وسعت دے کر تعمیر کرائی جائے یا نہیں؟ اور عیدگاہ قدیمی میں بحالت چھوڑنے قبرستان بناسکتے ہیں یا نہیں؟ ازروئے شرع شریف معزز و ممتاز فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ موضع ایک گاؤں ہے، اور ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں گاؤں میں عیدین جائز نہیں تو وہاں عیدگاہ وقف نہیں ہوسکتی کہ محض بے حاجت و بے قربت بلکہ مخالف قربت ہے، تو وہ زمین و عمارت ملک بانیان ہیں انہیں اختیار ہے اس میں جو چاہیں کریں، خواہ اپنا مکان بنائیں یا زراعت کریں یا قبرستان کرائیں، اور اب وہاں دوسری عیدگاہ بنائیں گے اس کی بھی یہی حالت ہوگی۔ درمختار میں ہے:

فی القنیة صلٰوۃ العید فی القری تکرہ تحریما ای اشتغال بما لایصح[1]۔	قنیہ میں ہے کہ گاؤں میں نماز عید مکروہ تحریمی ہے یعنی ایسی چیز میں مشغول ہونا ہے جو صحیح نہیں (ت)

اسی کی کتاب الوقف میں ہے:

شرطہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ[2]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت مقصودہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۲: از اسکول بنام اسلامی مرسلہ مولوی یعقوب علی ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا پیشہ ڈھولک فروخت کرنے کا ہے، مڑھے ہوئے اور بغیر مڑھے ہوئے دونوں قسم کے ڈھولک فروخت کرتا ہے۔ عمرو کو پیشہ حکمت طبابت بید حکیمی کا کرتا ہے اور قمار بازی بھی کرتا ہے اور دھوکا دہی کرکے مریضوں سے روپیہ لیتا ہے۔ زید و عمرو یہ لوگ کچھ روپیہ مسجد کی مرمت یا مسجد بنوانے میں دیں تو ان کا روپیہ لے کر مسجد میں صرف کیا جائے

[1] درمختار باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جب تک ہمیں معلوم نہ ہو کہ یہ خاص روپیہ جو ہم کو دیتا ہے وجہ حرام سے ہے اس کا لینا اور مسجد میں صرف کرنا جائز ہے کچھ حرج نہیں،

بہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ [1] کما فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الامام محمد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور ہم اسی کو قبول کرتے ہیں جب تک کہ کسی معین شے کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو، جیسا کہ ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۳تا۱۶۵: از شمس آباد ضلع کیمل پور پنجاب علاقہ مرسلہ مولوی قاضی غلام گیلانی صاحب ۱۸ رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

الاستفتاء فی حضرت مجدد المائۃ الحاضرۃ الفاضل البریلوی غوث الانام مجمع العلم والحلم والاحترام امام العلماء ومقدام الفضلاء لازال بالافادۃ والافاضۃ والعزوالاکرام! کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک مسجد کا امام تھا بعد اس کی موت کے اس کا برادر حقیقی ایک مدت تک امام رہا جب وہ بھی انتقال کرگیا تو زید کا بیٹا بکر امام ہوا مگر چونکہ وہ دوسری مسجد میں امامت کرتا تھا اس مسجد میں اس نے برضائے مقتدیان اپنا خلیفہ مقرر کیا اور اس کے لئے معلومات امامت سے ایک شے قلیل مقرر کی اور باقی کا خود لینا ٹھہرایا چنانچہ کئی برس تک جو خلیفہ یکے بعد دیگرے آیا اسی شرط کا پابند رہا یہاں تک کہ خالد نام مولوی زید کے شاگرد علمدینی نے اپنے استادزادے بکر سے کہا کہ مجھ کو اس مسجد میں آپ امام مقرر کیجئے میں آپ کا خلیفہ رہوں گا اور آپ کے وظائف مقررہ معہودہ میں کوئی نقصان نہ کروں گا پس بکر نے خالد کو اس اقرار پر خلیفہ مقرر کیا اور تخمیناً سترہ اٹھارہ برس تک خالد یہ پابندی شرط مذکور امامتی کراتا رہا اور امور مقررہ میں کبھی چون وچرانہ کی، اب چونکہ بکر کا بیٹا بالغ ہوگیا ہے اور علم امامت سے بہرمند ہے لہٰذا بکر خالد کو برطرف کرکے اپنے بیٹے کو امام کرنا چاہتا ہے اور ابتدائے تقرر خالد کے وقت خالد نے تسلیم کرلیا تھا کہ آپ کے بیٹے جب بالغ قابل امامت ہوں یا اور کسی امر سے جب کبھی آپ مجھ کو موقوف کردیں گے تو مثل خلفائے سابقین کے مجھ کو عذر نہ ہوگا، اب خالد اپنے اقرار سے فرار کرکے کہتا ہے کہ میں تمہارا کوئی خلیفہ نہیں کیونکہ جب میں نماز فرض وتراویح وعید وغیرہ خدمات مسجد ومراعات اہل محلّہ ختم دعا، درود سب بذات خود کرتا رہا تو میں امام مستقل ہوگیا تم کو میرے عزل کا کوئی اختیار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

نہیں اور قبل ہی سے جو کچھ میں نے تم کو دیا یا لینے دیا وہ شرم وحیا کی وجہ سے تھا ورنہ تمہارا کوئی استحقاق نہیں ہے کہ امامت تو میں کراؤں اور منافع تم لو، خلافت اور اصالت کے کیا معنی پس بکر نے علمائے اطراف کو جمع کیا تھا کہ خالد سے تحقیق کریں اور فہمائش کرکے اس کو برطرف ہونے کا حکم دیں مگر خالد ذرا چالاک آدمی ہے علماء سے کبھی امامت کی تعریف، کبھی خلیفہ کے معنی، کبھی وظیفہ امامت کے معنی دریافت کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ امام کی تعریف میرے پر صادق آتی ہے یا کہ بکر پر۔ غرض کہ ایسی باتوں میں وقت ٹال دیتا ہے، یہاں کے علماء کو یہ مسئلہ مصرحہ طور پر اور مفصل کسی کتاب میں نہیں ملتا اور ایسی طاقت نہیں کہ اجزائے مسئلہ کو ابواب مختلفہ ونظائر متفقہ سے استنباط کرکے فیصلہ کریں، چونکہ حضور پر نور بفضلہٖ تعالٰی مذہب مہذب حنفی کے بلکہ جمیع مذاہب حقہ کے مجتہد ہیں اور موافق ومخالف سب کے مسلم ہیں لہذا التماس کہ خالد باوجود دینے وظائف امامت کے بکر کو بہ اقرار خلافت سولہ سترہ برس تک مثل خلفائے پیشین کے شرعًا مستقل امام متصور ہوگا۔ حالانکہ مقتدی لوگ کل سوا دو چار آدمیوں کے خالد کے اس فرار عن الاقرار سے سخت ناخوش ہیں یا مثل خلفائے پیشین کے خالد بھی خلیفہ ہی ہوگا، واضح ہو کہ اس ملک میں کئی جگہ دستور ہے کہ ایک شخص ایک مسجد کا امام ہوتا ہے اور باقی مساجد میں خود امامت کا مباشر تو نہیں ہوتا مگر ایسا تصرف رکھتا ہے کہ ان مساجد کے عمدہ عمدہ منافع خود لے لیا کرتا ہے اور معمولی قسم کی آمدنی خلیفہ کو دیا کرتا ہے اور چاہتا ہے تو اسے موقوف کردیتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ قائم کردیتا ہے اور چونکہ اول ہی سے یہ بات قرار داد بین الاصل والخلیفہ ہوا کرتی ہے اور مقتدی لوگ بکر کے اس تصرف پر کسی طرح کے معترض نہیں ہوتے، کچہری انگریزی میں بھی ایک آدھ مقدمہ اس امر کا کیا گیا جس میں اصل ہی کامیاب ہوا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مسئلہ تین مسائل پر مشتمل: **اول:** آیا امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے؟

دوم: اگر کرسکتا ہے تو وظائف امامت کا مستحق وہ اصل ہوگا اور نائب صرف اسی قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے بتایا ازانجا کہ فعل وخدمات امامت یہ نائب بجالاتا ہے، یہی جملہ معلومات کا مستحق ہوگا اور اصل معزول سمجھا جائے گا۔

سوم: اگر اصل معزول نہیں بلکہ وہی اصل امام اور یہ اس کا مقرر کیا ہوا نائب ہے تو آیا امام اصل کو اس نائب کے معزول کر دینے اور اس کی جگہ دوسرا نائب مقرر کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بحمداللہ** یہ تینوں مسائل واضح ومصرح ہیں۔

مسئلہ اولٰی: ہاں امام دوسرے کو اپنا نائب مقرر کرسکتا ہے، فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

الامام یجوز استخلافه بلااذن بخلاف القاضی وعلی هذالاتکون وظیفته شاغرة وتصح النیابة[1]۔	امام کے لئے بلااجازت نائب مقرر کرنا جائز ہے بخلاف قاضی کے، اسی بنیاد پر اس کا وظیفہ غیر مقرر ہوتا ہے اور نیابت صحیح ہے(ت)

مسئلہ ثانیہ: وظائف امامت کا مستحق اصل ہوگا اور نائب صرف اس قدر لے سکے گا جو اصل نے اس کے لئے معین کیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یجب العمل بما علیه الناس وخصوصا مع العذر، وعلی ذٰلك جمیع المعلوم للمستنیب ولیس للنائب الا الاجرة التی استأجره بها[2]۔	اس پر عمل واجب ہے جو لوگوں میں معروف ہے خصوصًا عذر کی صورت میں، لہٰذا تمام معلومات اصل امام کے لئے ہوں گے نائب کے لئے فقط اتنی ہی اجرت ہوگی جس پر اصل نے اس کو رکھا ہے۔(ت)

مسئلہ ثالثہ: صورت مذکورہ میں وہ نائب جبکہ اس کے لئے اصل کچھ مقرر کرے اصل کا اجیر ہوتا ہے پھر اگر وہ اجرت معینہ ہے تو اجارہ صحیحہ ورنہ فاسدہ، اور اگر کچھ مقرر نہ کرے نہ نصًا نہ عرفًا، تو اجیر بھی نہیں محض بیگاری ہوتا ہے، صورت اخیرہ میں تو ظاہر ہے کہ نائب کوئی استحقاق اصلًا نہیں رکھتا اس کا کام اصل کی طرف سے ایک مفت استخدام تھا اصل جس وقت چاہے اسے منع کرسکتا ہے نہ اس صورت میں وہ کسی معاوضہ کا مستحق ہوتا ہے، ایسی ہی صورت پر قنیہ میں ہے:

ان النائب لایستحق شیئا من الوقف لان الاستحقاق بالتقریر ولم یوجد[3]۔	بیشک نائب وقف میں سے کسی شیئ کا مستحق نہیں ہوتا کیونکہ استحقاق تو مقرر کرنے سے ہوتا ہے جو پایا نہیں گیا۔(ت)

اور صورت سابقہ میں وہ نائب اجیر ہے، بحر الرائق میں ہے: **النائب وکیل بالاجرة**[4] (نائب وکیل

---

[1] ردالمحتار بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ خلاصہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۸، العقود الدریۃ بحوالہ بحرالرائق کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۵

[4] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

بالاجرۃ ہوتا ہے۔ت) پس صورت ثانیہ میں کہ اجارہ فاسد ہے آپ ہی ہر وقت اختیار فسخ ہونا در کنار خود وجوب فسخ ہے کہ اجارہ فاسدہ معصیت ہے اور معصیت کا ازالہ فرض، یہاں تک کہ اصل و نائب باہم فسخ نہ کریں تو حاکم پر فرض ہے کہ جبرًا اسے فسخ کردے کما عرف ذٰلك فی البیوع (جیسا کہ بیوع میں معلوم ہوچکا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

ولذالایشترط فیہ قضاء قاض لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء درر[1]۔	اسی واسطے اس میں قضا قاضی شرط نہیں کیونکہ جو شرعًا واجب ہو وہ قضاء کا محتاج نہیں ہوتا، درر۔ (ت)

اور صورت اولٰی میں جبکہ عام رواج یہی ہے کہ کوئی مدت اجارہ معین نہیں کی جاتی کہ سال بھر کیلئے تجھے امام کیا یا چھ مہینے کے لئے بلکہ صرف امامت اور اس کے مقابل ماہوار اتنا پانے کا بیان ہوتا ہے تو اجارہ صرف پہلے مہینے کے لئے صحیح ہوا اور ہر سر ماہ اجیر ومستاجر ہر ایک کو دوسرے کے سامنے اس کے فسخ کردینے کا اختیار ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اجر حانوتا کل شھر بکذا صح فی واحد فقط وفسد الباقی لجھالتھا واذا مضی الشھر فلکل فسخھا بشرط حضور الاخر لانتھاء العقد الصحیح[2]۔	دکان کرایہ پر دی کہ ہر ماہ اتنا کرایہ ہوگا تو فقط ایک ماہ کے لئے اجارہ صحیح ہوا باقی مہینوں میں بسبب جہالت کے فاسد ہے اور جب مہینہ پورا ہوگیا تو دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی موجودگی میں اجارہ فسخ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ عقد صحیح ختم ہوگیا (ت)

بہرحال اصل کو ہر سر ماہ پر اس نائب کے معزول کردینے اور دوسرے کو اس کی جگہ نائب کرنے کا اختیار ہے۔ مسئلہ مسئولہ سائل کا تو جواب یہ ہے اور یہاں ایک امر ضروری اللحاظ یہ ہے کہ بعض جگہ معلومات ووظائف امامت ایسے مقرر ہوتے ہیں جو شرعًا جائز یا صحیح نہیں ان کا استحقاق نہ اصل کو ہوگا نہ نائب کو بلکہ صرف اجرت مثل کا، مگر نائب ان میں بھی اصل سے اپنے لئے منازعت نہیں کرسکتا کہ وہ اسے بھی حلال نہیں صرف اپنی اجرت مثل لے سکتا ہے۔ فلیتنبہ (پس آگاہ رہنا چاہئے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

مسئلہ ۱۶۶: از نینی تال. بڑا بازار مرسلہ فدا حسین صاحب سادہ کار ۶ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

بعالی خدمت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب ! جناب من ! یہاں مسجد نینی تال میں گیس کی لالٹین روشن کی گئی ہے خاص اندرون مسجد، جس وقت وہ روشن کی جاتی ہے اسپرٹ شراب ڈال کر گرم کی جاتی ہے تب وہ روشن ہوتی ہے اور ایک ہندو ان کو جلانے کے واسطے اندر جا کر جلاتا ہے جس کے پیر دھلائے جاتے ہیں اور ناپاکی سے اس کی کچھ مطلب نہیں، یہ کام جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اسپرٹ شراب ہے اور شراب ناپاک ہے اور ایسی ناپاک چیز مسجد میں لیجانا منع ہے ہر گز اجازت نہیں، ولہذا فتاوٰی عالمگیری ودرمختار وغیرہ معتبر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ تیل کسی طرح ناپاک ہوگیا ہو تو مسجد میں اسے جلانا ہر گز جائز نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

یکرہ الوطی والبول والتغوط وادخال نجاسۃ فیہ فلایجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ[1]۔	اور کافر کا اس میں جانا بھی بے ادبی ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا بتوفیقہ تعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے۔ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی سالار بخش نے محلّہ بانخانہ میں مسجد تعمیر کرائی اور اس کا فرش تھوڑا درست کرا کر چھوڑ دیا اور چہار دیواری وغیرہ بھی ٹھیک طور پر درست نہ کرائی، عرصہ قریب چھ سال کے گزر گیا مگر چند مرتبہ سالار بخش سے کہا گیا انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اب اور چند لوگوں نے یہ رائے قائم کی کہ یہ مسجد ہنوز ایسی نہیں ہے کہ اس میں نماز پڑھی جائے، چنانچہ اس کو درست کریں تاکہ نماز پڑھی جائے، مسمّٰی سالار بخش کو یہ بات ظاہر ہوئی کہ اور لوگ اس مسجد کو درست کرانا چاہتے ہیں فوراً ان لوگوں سے یہ لفظ کہا کہ اس کو میں خود درست کراؤں گا آپ لوگ اس میں ایک حبہ نہیں لگا سکتے ہیں اور نہ میں کسی کو روپیہ لگانے دوں گا جس وقت میرے پاس روپیہ

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

ہو جائیگا میں خود درست کرادوں گا، اب وہ مسجد اسی طرح پر ہے نہ تو کسی کو مرمت کرانے دیتے ہیں اور نہ خود درست کراتے ہیں، امیدوار کہ بعد ملاحظہ جو کچھ حکم شرع شریف ہو تحریر فرما کر مہر ثبت کردی جائے۔

الجواب:

اگر سالار بخش نے مسجد کی بناڈالی ہے اور ابھی یہ نہ کہا کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب تو وہ ابھی وقف نہ ہوئی سالار بخش کی ملک ہے دوسروں کو اس میں دست اندازی نہیں پہنچتی اور اگر اسے وقف کرچکا یہ کہہ چکا ہے کہ میں نے اسے مسجد کردیا جب بھی اس کے بنانے کا حق اسی کو ہے اسے چاہئے کہ خود بنائے ورنہ جو مسلمان بنانا چاہتے ہیں ان کو اجازت دے اور اگر باہم راضی ہوں تو یوں کریں کہ ان مسلمانوں سے کہے تم بناؤ اور جو کچھ اس میں صرف ہو وہ میرے ذمہ ہے اس کا حساب لکھتے رہو میں ادا کروں گا یوں مسجد بن بھی جائے گی اور وہ سب مسلمان بھی اس کے بنانے کا پورا ثواب پائیں گے اور ساری مسجد اسی کے روپے سے بنے گی سب مطلب حاصل ہوجائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۸: ازمارہرہ شریف سرکار خورد مرسلہ حضرت سید شاہ میاں صاحب ۹ رمضان مبارک ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے اب اس سقف کو بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے ایسی حالت میں حسب مذہب اہلسنت وجماعت اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں اور حصہ زیریں جو مرتب ومسقف ہے بدستور رکھا جائے یا بھراؤ ڈال کر صحن بنالیا جائے، ایسی صورت میں کہ سقف نہ رکھی جائے اور ایک بنی بنائی عمارت مسمار کردی جائے شرعًا خلاف ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وروایات جواب لکھا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں حصہ بالائی وحصہ زیریں کہنے سے ظاہر کہ مسجد دو طبقہ ہے: علو وسفل یعنی بالاخانہ ومنزل زیریں۔ اور یہ الفاظ کہ ایک مسجد جس کا صحن مسقف ہے اور اس سقف کے نیچے سو دو سو برس سے نماز ہوتی ہے بظاہر اس طرف جاتے ہیں کہ سرے سے بانی مسجد نے طبقہ سفل کا کوئی صحن نہ رکھا بلکہ اس کے دونوں درجہ اندرونی وبیرونی مسقف ہی بنائے اور بعد کے الفاظ کہ اب اس وقف کے بالائی حصہ مسجد میں بطور صحن شامل کرلیا ہے یہ بھی سقف کا حدوث نہیں بناتے بلکہ اس کا پہلے سے ہونا اور اسے طبقہ علو کے لئے بجائے صحن قرار دینے کا حدوث۔ لیکن سفل جب اصل سے دو درجہ مسقف ہو اور درجہ اندرونی پر علو ہو تو درجہ بیرونی کی سقف خود ہی اس علو کے لئے بجائے صحن ہوگی، اب بطور صحن شامل کرلیا ہے

کا کیا محصل ہوگا یہ ظاہرًا حدوث سقف کی طرف ناظر ہے مگر یہ کہ اس وقف پر نماز پہلے نہ پڑھی جاتی ہو اب پڑھنے لگے بایں معنی شامل کرنے کا حدوث بتایا ہو، نیز صحن کا مسقف کہنا بھی حدوث سقف کا پتا دیتا ہے کہ صحن کبھی مسقف نہیں ہوتا نہ مسقف کو صحن کہیں مگر بایں معنے کہ پہلے جو صحن تھا بعد کو مسقف کرلیا ہے، اسی طرح عبارت سوال کہ اس مسقف صحن میں نماز جائز ہے یا نہیں نظر بالفاظ اسی درجہ بیرونی منزل زیریں سے سوال ہے کہ وہی صحن مسقف ہے اور اوپر اسی کو اس لفظ سے تعبیر کیا بھی تھا، مگر وہاں تو سودو سو برس سے نماز ہوتی ہے اور اس میں عدم جواز کا کوئی منشا بھی نہیں، ہاں سقف کو جو حصہ بالا میں اب شامل کیا گیا اسے صحن حادثات بتایا اور یہاں سوال کے لیے منشا بھی ہے شاید اسے مسقف بایں معنی کہا ہو کہ یہ درجہ زیریں کی سقف کیا گیا ہے نہ یہ کہ اس پر سقف بنائی گئی بہر حال ہم ہر احتمال پر کلام کریں۔ یہ سقف اگر حادثات ہے بانی مسجد نے منزل زیریں کے سامنے صحن رکھا تھا بعدہ کسی نے اسے بھی مسقف کردیا، جب تو ظاہر ہے کہ اس درجہ بیرونی میں جو پہلے صحن تھا اور اب مسقف ہے عدم جواز نماز کی کوئی وجہ نہیں کہ وہ بدستور مسجد ہے سقف نے اسے مسجدیت سے خارج کیا، ہاں اس سقف پر بلاضرورت نماز کی اجازت نہیں کہ سقف مسجد پر بے ضرورت چڑھنا ممنوع و بے ادبی ہے اور گرمی کا عذر مسموع نہ ہوگا، ہاں کثرت جماعت کہ طبقہ زیریں کے دونوں درجے بھر جائیں اور لوگ باقی رہیں تو سقف پر اقامت نماز کی اجازت ہوگی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولھذا اذااشتد الحر یکرہ ان یصلوابالجماعۃ فوقہ الا اذا ضاق المسجد فحینئذ لایکرہ الصعود علی سطحہ للضرورۃ[1]۔	ہر مسجد چھت پر چڑھنا مکروہ ہے یہی وجہ ہے کہ شدید گرمی کے باوجود مسجد کی چھت پر باجماعت نماز پڑھنا مکروہ ہے مگر جب مسجد نمازیوں کے لئے تنگ پڑ گئی تو مجبورًا چھت پر چڑھنا مکروہ نہیں (ت)

اور اگر یہ سقف قدیم ہے خود بانی مسجد ہی نے طبقہ زیریں کے دونوں درجے مسقف بنائے تو اب نظر لازم ہے اگر ثابت اور تحقیقًا معلوم ہو کہ بانی نے اصل مسجد علو کو رکھا اور نیچے یہ دو درجے وقت ضرورت کے لئے بنادئے کہ اگر جماعت کثیر ہو تو ان میں قیام کریں تو اس صورت میں ظاہرًا سقف پر نماز مطلقًا جائز ہے کہ درجہ زیریں حسب نیت بانی اصل مسجد نہیں بلکہ تابع و معین مسجد ہے اور زیر سقف تو مطلقًا جواز خود ظاہر ہے کہ وقت ضرورت کی نیت اس کے غیر میں ممانعت نہیں **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) اور اگر ثابت ہو کہ بانی نے اصل مسجد طبقہ زیریں کو کیا اور طبقہ بالا وقت ضرورت یا وقت گرمی کے لئے بنایا دونوں کو اصل مسجد کیا مثلًا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

اختلاف موسم کے خیال سے طبقہ زیریں بالکل مسقف اور طبقہ بالامع صحن بنایا یا کچھ ثابت نہ ہوا تو ان تینوں صورتوں کا حکم مثل اس سب سے پہلی صورت حدوث سقف کے چاہئے کہ دو صورت پیشین میں تو طبقہ زیریں کا مسجد ہونا خود ہی ثابت و مراد ہے تو یہ سقف سقف مسجد ہوئی اور سقف مسجد پر بے ضرورت صعود ممنوع، اور صورت اخیرہ میں اگرچہ نصًا ثبوت نہ ہو عرفاً ثبوت ہے کہ منازل میں منزل زیریں ہی اصل ہے اور بالاخانہ تابع کہ اس کا قیام اس پر موقوف اور صحن نہ رکھنا عدم ارادہ اصالت کا موجب نہیں جیسے صورت لحاظ مواسم میں گزرا، بالجملہ زیر سقف نماز پڑھنا مطلقاً جائز ہے اور چھت پر بحال ضرورت تو مطلقاً اور بلاضرورت صرف اس صورت میں کہ بانی سے تحقیق طور پر ثابت ہو کہ مسجد صرف علو کو کیا اور اسے تابع رکھا، باقی صورتوں میں چھت پر نماز سے احتراز ہو۔ رہا بھراؤڈال کر حصہ زیریں کو نیست و نابود کردینا یہ کسی صورت جائز نہیں جن صورتوں میں یہی مسجد یا یہ بھی مسجد ہے جب تو ظاہر کہ یہ مسجد کا اعدام اور معاذاللہ اس وعید شدید پر اقدام ہوگا،

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ"[1]	اس سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو مساجد میں ذکر الٰہی سے منع کرے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر نہیں تو لااقل وقف صحیح تابع مسجد ہے اور وقف کی ہیئت بدلنا تو جائز نہیں، نہ کہ بالکل مسدود و مفقود کردینا۔ عالمگیریہ میں سراج وہاج سے ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأته فلایجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا الا اذا جعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[2] اھ ھذا کله ماظھر لی۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا ہاں اگر واقف نے خود متولی کو مصلحت وقف کے لئے تبدیلی کا اختیار دیا ہو تو جائز ہے اھ یہ تمام میرے لئے ظاہر ہوا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: ۱۰ذی القعدۃ الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمین مسجد کہ اس میں اور مسجد میں راہ وغیرہ کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

فاصل نہیں، کثرت جماعت کے وقت اس میں نماز بھی ہوتی ہے اور ایسے وضو وغیرہ ضروریات مسجد کے لئے ہے کیا متولی یا دیگر مسلمین کو یہ جائز ہے کہ اسے مسجد سے توڑ کر شارع عام میں شامل کردیں یا بالعوض خواہ بلاعوض سڑک بنانے کے لئے دے دیں اور ایسا کرنا حقوق مسجد پر دست درازی کرنا ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک ایسا کرنا حرام قطعی اور ضرور حقوق مسجد پر تعدی اور وقف مسجد میں ناحق دست اندازی ہے شرع مطہر میں بلاشرط واقف کہ اسی وقف کی مصلحت کے لئے ہو وقف کی ہیأت بدلنا بھی ناجائز ہے اگرچہ اصل مقصود باقی رہے تو بالکل مقصد وقف باطل کرکے ایک دوسرے کام کے لئے دینا کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔ سراج وہاج وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیأته فلایجعل الدار بستانا ولاالخان حماما ولاالرباط دکانا الااذاجعل الواقف الی الناظر مایری فیه مصلحة الوقف[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں، لہٰذا مکان کو باغ، سرائے کو حمام اور اصطبل کو دکان نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت یہ تبدیلی ناجائز نہ ہوگی جب واقف نے خود متولی کو اختیار دیا ہو کہ مصلحت کے لئے جو تبدیلی بہتر سمجھیں کرلیں۔ (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ وغیرہ کتب میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه۔[2]	وقف کو اپنی حالت پر باقی رکھنا واجب ہے (ت)

خصوصًا ایسی تبدیلی جس سے خاص مسلمانوں کا حق عام آدمیوں مسلم غیر مسلم سب کے لئے ہوجائے جب وہ سڑک ہوئی تو اس میں مسلم کافر سب کا حق ہوجائے گا اور پہلے وہ صرف حق مسلماناں تھی تو کیونکر جائز ہو کہ مسلمانوں کا حق چھین کر عام کردیا جائے، کیا کوئی ہندو گوارا کرسکتا ہے کہ اس کے شوالے یا مندر کا کچھ حصہ توڑ کر مسلمانوں کو اس میں حقدار کردیا جائے تو عجب اس مسلمان سے کہ اپنے دین پر ایسے ظلم کا مرتکب ہو، یا اگر کوئی مسلمان کسی زمین، مندر یا ہندو کسی زمین مسجد کے ساتھ ایسا کرے تو گورنمنٹ اسے روا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

رکھے گی ہر گز نہیں بلکہ ضرور اسے اس مسلم یا ہندو کی جبر و تعدی اور مذہبی دست اندازی قرار دے گی علی الخصوص ایسی زمین کہ اگر عین مسجد نہیں فنائے مسجد ہے۔ غنیہ میں ہے:

فناء المسجد هو المكان المتصل به ليس بينه طريق[1]۔	فنائے مسجد وہ مکان ہے جو مسجد کے متصل ہو اور درمیان میں راستہ نہ ہو۔ (ت)

اور فنائے مسجد کی حرمت مثل مسجد ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ کتاب الوقف باب ۱۱ میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قيم المسجدلايجوز له ان يبنى حوانيت فى حد المسجد اوفى فنائه لان المسجد اذاجعل حانوتا و مسكنا تسقط حرمته وهذالايجوز والفناء تبع المسجد فيكون حكمه حكم المسجد[2]۔	متولی کو مسجد کی حد یا مسجد کے فناء میں دکانیں بنانے کا اختیار نہیں کیونکہ مسجد کو جب دکان یا رہائش گاہ بنالیا جائے تو اس کا احترام ساقط ہو جاتا ہے جو کہ ناجائز ہے اور فنائے مسجد چونکہ مسجد کے تابع ہے لہٰذا اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو مسجد کا ہے۔ (ت)

جب فنائے مسجد میں خود مصلحت مسجد کے لئے دکان بنانا متولی مسجد کو حرام، اور مسجد کی بے ادبی اور اس کی حرمت کا ساقط کرنا ہے تو فنائے مسجد کو عام سڑک کے لئے دے دینا کس درجہ سخت حرام اور مسجد کی بے حرمتی اور اس کی عظمت کا منہدم کرنا ہوگا۔ وہ جو بعض کتب میں ہے کہ ضرورت و مجبوری کے وقت مسجد کو راستہ بنانا جائز ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ بضرورت مسجد میں ہو کر دوسری طرف کو نکل جانا جائز ہے کہ مسجد میں دوسری طرف جانے کے لئے چلنا حرام ہے مگر بضرورت کہ راستہ گھرا ہوا ہے اور مسجد ہی میں سے ہو کر جاسکتا ہے جیسے موسم حج میں مسجد الحرام شریف میں واقع ہوتا ہے اس کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی جنب یا حائض یا نفساء کو نہیں نیز گھوڑے یا بیل گاڑی کو نہیں، ہو کر نکل جانے کیلئے بھی ان کا جانا لے جانا ہر گز جائز نہیں، نہ یہ کہ **معاذ اللہ** اسے مسجدیت سے خارج کرکے گزر گاہ عام کر دیا جائے کہ مسلم کافر جانور پاک ناپاک سب کے لئے شارع عام ہو جائے یہ ہر گز حلال نہیں ہو سکتا۔ **اشباہ والنظائر احکام المسجد** میں ہے:

---

[1] غنیۃ المستملی فصل فی احکام المسجد سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

لایجوز اتخاذ طریق فیه للمرور الالعذر[1]۔	سوائے ضرورت کے مسجد میں سے گزرنے کیلئے راستہ بنانا ناجائز ہے (ت)

اس کی شرح غمز العیون والبصائر میں ہے:

قوله ولایجوز اتخاذ طریقه فیه للمرور یعنی بان یکون له بابان فاکثر فیدخل من هذا ویخرج من هذا[2]۔	ماتن کے قول کہ "مسجد سے گزرنے کے لئے راستہ بنانا ناجائز ہے" کا معنی یہ ہے کہ مسجد کے دو یا دو سے زیادہ دروازے ہوں تو ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی خلاصہ میں ہے:

رجل یمر فی المسجد ویتخذ طریقا ان کان بغیر عذر لایجوز وبعذر یجوز ثم اذا جاز یصلی فی کل یوم مرة لافی کل مرة[3]۔	ایک شخص مسجد سے گزرتا ہے اور اس کو راستہ بناتا ہے اگر عذر ہے تو جائز ہے بلا عذر ہے تو ناجائز ہے پھر اگر اس کو گزرنا جائز ہو تو ہر روز ایک مرتبہ اس میں نماز پڑھے نہ کہ ہر بار جب بھی گزرے (ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للامام الزیلعی وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا جعل فی المسجد ممرا فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع جاز لکل واحد ان یمر فیه حتی الکافر الا الجنب والحائض والنفساء ولیس لهم ان یدخلوا فیه الدواب[4]۔	اگر مسجد میں سے کوئی حصہ مسلمانوں کے لئے عام راستہ گزرگاہ بنا دیا جائے تو جائز ہے کیونکہ شہروں کے لوگوں میں جامع مسجدوں میں ایسا متعارف ہے اور ہر ایک کو اس راہ گزر سے گزرنے کی اجازت ہوگی حتی کہ کافر کو بھی، مگر جنبی اور حیض ونفاس والی عورتوں کو گزرنے کی اجازت نہیں اور لوگوں کو یہ اختیار نہیں کہ اس راستے سے اپنے جانوروں کو لے کر جائیں۔ (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۹

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

محیط امام برہان الدین و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان ارادوا ان یجعلوا شیئا من المسجد طریقا للمسلمین فقد قیل لیس لھم ذٰلك وانه صحیح[1]۔	اگر لوگوں نے ارادہ کیا کہ مسجد کا کوئی ٹکڑا مسلمانوں کے لئے گزر گاہ بنادیں تو کہا گیا ہے کہ انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہیں، اور بیشک یہی صحیح ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام فقیہ ابواللیث پھر فتاوٰی تاتارخانیہ وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۰: از محلّہ کوٹ پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد مکان مولوی لئیق احمد صاحب مرسلہ مطہر حسین صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

جلسہ چندہ واسطے مصارف خیر کے مساجد میں خصوصًا جامع مسجد میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ چپقلش نہ ہو اور کوئی بات خلاف ادب مسجد نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۱: از گونڈہ محلّہ گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحاق صاحب ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

مسجد قدیم کہنہ کو شہید کرکے اسی مقام پر یا کچھ فاصلہ سے ہٹ کر دوسری جگہ مسجد جدید کوئی بنوادے تو اس بارے میں شرعًا کیا حکم ہے؟

الجواب:

مسجد کو اس لئے شہید کرنا کہ وہ جگہ ترک کردیں گے اور دوسری جگہ مسجد بنائیں گے مطلقًا حرام ہے قال تعالٰی:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[2]	اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا ذکر کرنے سے روکے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے۔ (ت)

اور اگر اس لئے شہید کی کہ یہیں از سر نو اس کی تعمیر کرائے تو اگر یہ امر بے حاجت و بلاوجہ صحیح شرعی ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

تو لغو وعبث وبے حرمتی مسجد وتضییع مال ہے اور یہ سب ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال [1]. وقال تعالٰی "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ" [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند بنایا: قیل وقال، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ فضول خرچی مت کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے: **العبث حرام** [3] (فضول خرچی کرنا حرام ہے۔ت) اور اگر بمصلحت شرعی ہے مثلاً اگر اس میں اور زمین شامل کرکے توسیع کیجائے گی یا بنا کمزور ہوگئی ہے محکم بنائی جائے گی تو اصل بانی مسجد ورنہ اہل محلّہ کو اس میں اختیار ہے **کما فی الھندیۃ والدر المختار وغیرہما** (جیسا کہ ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: از علی گڑھ سوسائٹی کارڈن مسئولہ حمید الدین خاں بی اے ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ معرفت سید برکت علی صاحب:

معظمی زاد عنایتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ! تھوڑا عرصہ ہوا جب مجھے آپ کے ہمراہ جناب مولٰنا صاحب قبلہ سے شرف قدم بوسی حاصل ہوا تھا اس روز میں نے مولٰنا صاحب کی خدمت میں یہ عرض کیا تھا کہ ایک صاحب نے مسجد کے متعلق چند کتب احادیث کی اسناد پر یہ مواد جمع کیا ہے کہ راستہ کی فراخی کے لئے مسجد میں سے کچھ حصہ بشرط گنجائش لینا جائز ہے جس میں آنجناب مولٰنا صاحب قبلہ نے یہ فرمایا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں بلکہ اس مسئلہ کا منشا بحالت ہجوم مسجد کے کسی حصہ میں سے گزرنے کا جواز ہے اس پر میں نے ان صاحب کو انکی غلطی پر بذریعہ خط متنبہ کیا عرصہ کے بعد ان کا جواب آیا افسوس ہے کہ وہ اپنی جائے قیام پر نہیں ہیں اس وجہ سے ان کے پاس وہ ان کا رسالہ اور وہ کتب جن سے مواد جمع کیا تھا موجود نہ تھیں مگر جو انہوں نے مجھے اپنی یادداشت سے لکھا بجنسہٖ نقل کرکے ارسال خدمت کررہا ہوں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النھی عن کثرۃ المسائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷۔۲۶

[3] الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

نام کتاب جس میں سے مواد حاصل کیا: اشباہ والنظائر مصنفہ امام ابراہیم باب فوائد شتی ص ۴۰۴ و ۴۰۵ مطبوعہ ۱۲۸۳ھ مطبع نظامی یا مصطفائی کانپور۔

عبارت خط: جو حوالہ میں نے آپ کو لکھا تھا وہ اس طرح ہے:

لو ضاق الطریق علی المارۃ والمسجد واسع فلھم ان یوسعوا الطریق من المسجد۔	اگر راستہ گزرنے والوں کے لئے تنگ ہو اور مسجد وسیع ہو تو انہیں مسجد کا کچھ حصہ لے کر راستہ میں توسیع کرنے کا اختیار ہے (ت)

اور دوسری جگہ:

ماضاق المرور ولوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ۔	جب گزر نا دشوار ہو اور مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ (ت)

قریب قریب ایسی ہی عبارت جو مجھے کل اور اچھی طرح یاد نہیں ہے، عبارت بالا اشباہ والنظائر میں صاف لکھی ہے اور صاحب رد المحتار نے اسی کو مرجح اور معتمد لکھا ہے حکم بالا میں مسجد کے متعلق ہے فناء مسجد یعنی وضو خانہ، حجرہ، غسل خانہ میں تو بحث ہی فضول ہے۔ یہ عبارت انہوں نے مجھے لکھ کر بھیجی ہے غالبًا یہ کتاب آنجناب مولانا صاحب کے وسیع کتب خانہ میں ضرور موجود گی ہوگی اور اس کو دیکھ کر آں جناب ضرور اس کی صحت اور موقع پر غور فرما سکیں گے والسلام۔

دیگر گزارش یہ ہے کہ جناب مولانا صاحب قبلہ کے فیصلہ سے مجھے بھی مطلع فرمائیں تو باعث کمال عنایت ہوگا علاوہ اضافہ معلومات مجھے ان حضرت کو بھی لکھنے کا موقع مل سکے گا میرا پتہ حسب ذیل ہوگا:

محمد حمید الدین خاں بی اے، سوسائٹی کارڈن علی گڑھ

الجواب:

استغفر اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم الحکیم، نہ کتاب مستطاب اشباہ والنظائر کے مصنف امام ابراہیم نہ اشباہ میں معاذاللہ کہیں ان کا پتہ کہ لوکان مسجدا واسعا یجوز انھدامہ (اگر مسجد وسیع ہو تو اس کا انہدام جائز ہے۔ت) نہ کوئی مسلمان ایسا کہہ سکے نہ کوئی

عربی دان ایسی عبارت لکھے نہ کہ علامہ زین بن نجیم مصری مصنف اشباہ ان کی نسبت یہ محض تہمت ہے یا نرا اشتباہ۔ کسی شخص کے اپنے تخیل میں یہ لفظ پیدا ہوئے ہوں گے جس کی عربیت فاسد اور معنی باطل، کوئی آدمی ابراہیم نامی وہاں موجود یا مخیل ہوگا اور کتاب اشباہ کہیں رکھی ہوگی سب تصورات جمع ہو کر یہ یاد رہا کہ امام ابراہیم نے اشباہ میں ایسا لکھا اگرچہ نظر بواقع وہی مثال ہے کہ۔

چہ خوش گفتست سعدی در زلیخا   الا ایها الساقی ادر کاسا وناولها

(کیا خوب کہا سعدی نے زلیخا میں، خبردار اے ساقی! جام کو گردش دے اور عطا کر۔ت)

بلکہ اس سے بھی ہزار درجہ بدتر ہے کہ اگرچہ نہ کتاب زلیخا شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالٰی کی تصنیف نہ مصرع دوم ان کا، نہ اس کتاب کا، مگر آخر ہے تو ایک عارف کا قول۔ بخلاف اس کے کہ مسجد ڈھانے کی حلت اور اشباہ کی طرف اس کی نسبت، افسوس کہ ناقل نے جس کتاب کے صفحہ ۴۰۴ سے پہلی عبارت نقل کی اس سے گیارہ ہی ورق اوپر صفحہ ۳۸۱ میں اس کے معنی کی صریح تشریح نہ دیکھی کہ "لایجوز اتخاذ طریق فیه للمرور یعنی بان یکون له بابان فاکثر فیدخل من هذا ویخرج من هذا" [1] یعنی مسجد میں راستہ بنانا جو ناجائز ہے اور عذر کی صورت میں جس کی اجازت دی گئی ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ مسجد کے دو یا زیادہ دروازے ہوں ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جائے۔ **بحمد اللہ تعالٰی** اس یعنی نے معنی کو صاف کردیا اور جب خود اسی کتاب میں جو عبارت تھی نظر نہ آئی اور جو نہ تھی وہ متشکل ہوگئی تو اس کی کیا شکایت کہ خود انہیں امام مصنف اشباہ کی دوسری جلیل و عظیم کتاب بحر الرائق نہ دیکھی جس میں انہوں نے صاف طور پر واضح کردیا ہے کہ مسجد کو راستہ بنانے سے یہی مراد ہے کہ مسجد بحال خود قائم و برقرار رہے اور کسی کام کے لئے اس میں ہو کر نکل جائے اور صریح تصریح فرمادی ہے کہ یہ ناپاک مرد یا عورت کے لئے حلال نہیں، نہ اس میں گھوڑا یا بیل وغیرہ جانور لے جاسکتے ہیں، عبارت یہ ہے بحر الرائق مطبع مصر جلد پنجم ص ۲۷۶:

ومعنی قوله کعکسه انه اذا جعل فی المسجد ممرا فانه یجوز لتعارف اهل الامصار فی الجوامع و جاز لکل واحد ان یمر فیه حتی	یعنی مسجد کے کسی حصہ کو راستہ بنانے سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں ہو کر مرور کے لئے جگہ ٹھہرالے تو رواہے کہ شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا عام رواج ہو رہا ہے اور اس میں

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

الکافر الا الجنب والحائض والنفساء لماعرف فی موضعہ ولیس لھم ان یدخلوا فیہ الدواب[1]۔	ہو کر ہر شخص کو گزر جانے کی اجازت ہوگی یہاں تک کہ کافر کو مگر جنابت والے مرد و عورت اور حیض والی عورت اور نفاس والی ان میں کسی کو وہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ مسجد میں ان کا جانا حرام ہونا اپنی جگہ یعنی کتاب الطھارۃ میں معلوم ہوچکاہے اور یہ بھی انہیں اختیار نہیں کہ اس جگہ جانور لے جائیں (ت)

بعینہٖ اسی طرح تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی و درر الحکام و در مختار و فتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔اس ارشاد علماء کو ایمان کی نگاہ سے دیکھنے والے پر آفتاب کی طرح روشن ہوجائے گا کہ مسجد کو راستہ بنانے کے معنی خود انہوں نے کیا ارشاد فرمائے اور کیا مراد بتائی،اور یہ کہ معاذ اللہ مسجد توڑ کر سڑک میں ڈال لو جس میں آدمی،جنب،حائض،نفسا،گھوڑے،گدھے،غلیظ کی گاڑیاں سب گزریں اور سب کا حق مساوی ہو اور کسی کو منع نہ کر سکو نہ وہاں منڈھی ڈال کر بیٹھ سکو کہ جو آدمی گزرے اس سے پوچھو تجھے نہانے کی حاجت تو نہیں،جو عورت گزرے اس سے دریافت کرو تجھے حیض تو نہیں،اور جو ایسا کرے بھی تو مجنون کہلائے اور فائدہ کچھ نہیں کہ کسی کو روک سکو اور روکو تو روز فساد ہو استغفر اللہ کیا ایسی بے معنی بیہودہ بات علماء نے اپنی مراد بتائی یا یہ کہ مسجد اپنے حال پر قائم و برقرار رہے اس کے تمام آداب بدستور فرض و مقرر ہیں نہ اسمیں کوئی جانور جاسکے،نہ جنب،نہ حائض،نہ نفاس والی،اور ان کے علاوہ اور آدمی ہو کر گزر جائے،یہ بھی پیش نظر رہے کہ وہ جس امر کی اجازت دے رہے ہیں اسے صاف بتارہے ہیں کہ عام شہروں کی جامع مسجدوں میں اس کا رواج ہے،اب یہ دیکھ لیجئے کہ جامع مسجدوں کا عام دستور کیا ہے،آیا یہ کہ مسجدیں توڑ کر سڑک میں ڈال لی جاتی ہیں،حاشا کوئی اندھا بھی ایسا نہیں کہہ سکتا تو بس جتنی بات کا عام شہروں کی جامع مسجدوں میں رواج چلا آتا ہے اسی کی وہ اجازت دے رہے ہیں اور وہی ان کی مراد ہے اس سے زیادہ باطل وایجاد ہے واللہ یقول الحق ویھدی السبیل وھو حسبی ونعم الوکیل (اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت فرماتا ہے اور وہ ہی مجھے کافی اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل لما اختص المسجد باحکام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵

مسئلہ ۱۷۳ تا ۱۸۱: مسئولہ محمد علاؤالدین صاحب مالگذار رئیس تحصیل ملتائی ضلع بیتول ملک متوسط ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ اس مختصر قصبہ ملتائی میں قریب سو سال سے ایک مسجد کمترین کے بزرگوں کی تعمیر کرائی ہوئی موجود ہے جس میں نماز پنجگانہ وجمعہ ہوا کرتا ہے یہاں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے قریب ستر پچہتّر مکان ہوں گے ان میں بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند صرف معدودے چند اشخاص ہیں تاہم تفرقہ انداز نفوس موجود ہیں امسال رمضان شریف میں روزہ جلد افطار کرنے کی کٹ حجتی پر یعنی متولی مسجد کے یوم غیم میں کچھ دیر کرکے روزہ افطار کرنے کی تنبیہ پر زید وبکر وخالد وعمرو نے مسجد قدیمی سے کنارہ کشی اختیار کرکے اور دس بیس آدمیوں کو ورغلا کر مسجد میں تراویح پڑھنے وقرآن شریف سننے سے جو حافظ صاحب نماز تراویح میں پڑھتے تھے خود بھی باز رہے اور دیگر لوگوں کو بھی باز رکھا اور ترک جماعت کرکے ایک دوسری جگہ نماز پنجگانہ وتراویح ونماز جمعہ پڑھنے لگے اور اپنی ضد وتفرقہ اندازی کی غرض سے اور چند جاہل مسلمانوں کو اکسا و ورغلا کر اپنا ہم خیال بنا کر جابجا سے چندہ وصول کرکے ایک دوسری مسجد تعمیر کرنے کی فکر کررہے ہیں بلکہ ایک ویرانی خانگی مسجد کو جو ایک خاندان کے لئے مخصوص تھی جس میں اب کوئی علامت مسجد کی باقی نہیں نہ دیوار ودر ثابت ہیں نہ منبر وغیرہ کا نشان نظر آتا ہے پچاس ساٹھ برس سے بالکل ویران پڑی ہوئی ہے اسی کو باجازت اس کے متولیوں کے از سر نو تعمیر کراکر مسجد حال کو ویران کرنے کی نیت سے اس مسجد سے بالکل کنارہ کش ہو بیٹھے ہیں اور اس اپنی منافقانہ وکافرانہ حرکت وضد کو قرین ثواب وجائز قرار دے کر اسی پر اڑے ہوئے ہیں کہ ہم دوسری مسجد بنا کر رہیں گے حالانکہ سب کے سب علم دین سے محض نابلد وجاہل مطلق ہیں کہ آیہ کریمہ قرآن پاک پ ۱۱ رکوع ۲ میں جو اس قسم کی مسجد ضرار کے بارہ میں احکام الٰہی صاف روشن ہیں اس کا ترجمہ دیکھ کر اس کے معنی الٹے سمجھتے ہیں کہ یہ یہود ونصارٰی سے متعلق ہے انہیں کے لئے نازل ہوئی ہے لہٰذا ان کے منافقانہ تفرقہ اندازی سے باز رہنے کے لئے حسب ذیل امور کیلئے علمائے دین موجودہ حال لکھنؤ کے مواہیر سے مثبتہ فتوی درکار ہے اور رفع شر کے لئے ایسے فتوے کی اشد ضرورت ہے، اللہ جل شانہ نے آپ صاحبوں کو علمی فضیلت دی ہے، نہایت عاجزی سے ملتجی ہوں کہ براہ عنایت وتحصیل ثواب فتوی مسندہ جلد ارسال فرما کر عنداللہ وعندالناس مشکور ہوں گے۔

(۱) کیا مذکورہ بالا اشخاص ایک مسجد قدیمی کی ضد پر موجودہ حال وآبادی سے قریب ومتصل ہے اور اس میں پوری گنجائش نمازیوں کی کافی طور سے ہوتی ہے اور جس میں عرصہ قریب سو سال سے نماز پنجگانہ وجمعہ ادا ہوتی ہے بلکہ مذکورہ بالا اشخاص وبستی کے مسلمان صرف ایک مسجد کو بھی پورے طور سے آباد نہیں رکھ سکتے ہیں باہم نفاق ڈالنے کی نیت سے بلاضرورت دوسری مسجد تعمیر کرانا اور چند

انجان مسلمانوں کو ترغیب دے کر اس قدیمی مسجد سے باز رکھنا اور اپنی ایک جداگانہ جماعت قائم کرنا یہ فعل ان کا منافقانہ داخل کفر و ناروا ہے یا نہیں؟

(٢) دیگر بے شر و بے لوث مسلمانوں کے لئے ان کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا کیا؟

(٣) ان سے راہ و رسم، سلام مسنون یا ان میں سے بطور قاضی کے کسی کا نکاح پڑھانا جائز یا کیا:

(٤) مسجد ضرار جو ایک مسجد کی ضد پر بنائے فساد قائم کی جائے اس کے گرادینے و منہدم کرنے کا حکم ہے یا نہیں؟

(٥) کیا ایسا شخص مذکورہ بالا جو ایسے شر و نفاق کا بانی مبانی ہو امامت کے قابل ہو سکتا ہے؟ کیا اس کی امامت جائز ہے۔؟

(٦) کیا ایسی مسجد کی تعمیر کے لئے جس کی بنا ضد و نفاق پر ہو اور جو ضرار کی تعریف میں داخل ہو کچھ چندہ دینا یا دیگر طریقہ سے مدد دینا جائز ہے؟

(٧) کیا ذابح بقر و غنم کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یعنی جو شخص اجرت لے کر ذبیحہ کرتا ہو وہ امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟

(٨) کیا نماز جمعہ ایسی جگہ جہاں مسلمانوں کے ستر چھتّر مکان ہوں اور نمازی بمشکل تیس چالیس جمع ہوتے ہوں نماز جمعہ دو جگہ ہو سکتی ہے؟

(٩) جو شخص بستی و قوم میں ہر طرح معزز و رئیس ہو اور وہ متولی مسجد بھی ہو اس کے خلاف برگشتہ ہو کر معمولی حیثیت کے مسلمان کا ایسا شر پیدا کرنے کا طرز عمل جائز ہے؟ **بینوا توجروا یا اولی الابصار۔**

الجواب:

(١) اگر فی الواقع ان کی نیت جماعت مسلمین کی تفریق اور مسجد قدیم کی تخریب ہو تو ضرور وہ مرتکب سخت کبیرہ ہیں اور اس تقریر پر ان کی مسجد مسجد ضرار ہوگی مگر اتنی بات پر حکم تکفیر ناممکن ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(٢) جب ان پر حکم کفر نہیں تو ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کیوں نادرست ہوگا؟

(٣) جو لوگ اس تقدیر پر فساق و مرتکب کبائر ہیں ان سے ابتداءً سلام ناجائز ہے اور بغرض زجر و تنبیہ ترک راہ و رسم بہتر ہے اور جب راہ و رسم نہ ہوگی تو اپنی شادیوں میں بلانا اور نکاح پڑھوانا بھی نہ ہوگا لیکن اگر وہ نکاح پڑھائیں تو اس نکاح میں کوئی جرم لازم نہ آئے گا۔

(٤) ضرور ہے مگر جبکہ ضرار ہونا یقیناً ثابت ہو۔ دو جماعتوں میں رنجش ہوئی اور ایک جماعت دوسری کی

مسجد میں بخوف فتنہ آنا نہ چاہے اور مسجد میں نماز پڑھنا ضرور، لہذا وہ اپنی مسجد بنائے تو اسے مسجد ضرار نہیں کہہ سکتے، مسجد ضرار اسی صورت میں ہوگی کہ اس سے مقصود مسجد کو ضرر دینا اور جماعت مسلمین میں تفرقہ ڈالنا ہو، نیت امر باطن ہے محض قیاسات وقرائن کا لحاظ کرکے ایسی سخت بات کا حکم نہیں دے سکتے خصوصًا اس حالت میں جبکہ وہ جدا مسجد بنانا نہیں چاہتے بلکہ جو مسجد پہلے موجود تھی اس کا احیاء چاہتے ہیں۔

(۵) ایسے شخص کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، جبکہ صورت واقعہ یہ ہو جو سائل نے ذکر کی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) اگر امر مذکور ثابت ہو تو اس میں کسی طرح مدد دینا جائز نہیں۔

(۷) یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے ذبح بقر کوئی جرم نہیں، نہ اس پر اجرت لینا ممنوع، تو اس وجہ سے امامت میں کیا حرج ہوسکتا ہے۔

(۸) نماز جمعہ کے شرائط سے ایک شرط یہ ہے کہ خود سلطان اسلام پڑھائے یا اس کا نائب یا اس کا ماذون اور جہاں یہ نہ ہوں وہاں بضرورت مسلمانوں کا کسی کو امام مقرر کرلینا معتبر رکھا ہے ایسی بستی میں جبکہ جمعہ قائم ہے اور ایک امام مقرر کردہ مسلمین موجود ہے تو بلاوجہ شرعی چند شخصوں کا دوسرے کو امام جمعہ مقرر کرنا صحیح نہ ہوگا اور وہاں نماز جمعہ ادا نہ ہوسکے گی۔

(۹) شر پیدا کرنا کسی کو کسی کے مقابل جائز نہیں اور دینی معظم کی بلاوجہ شرعی مخالفت اور پر شر ہے ہاں جو فقط دنیوی وجاہت رکھتا ہو اسے معزز اور اس کے مقابل اور مسلمانوں کو معمولی مسلمان کہنا یہ بھی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ سید کمال الدین احمد صاحب جعفری وکیل ہائیکورٹ الہ آباد ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

عیدگاہ یا مسجد میں وعظ یا چندہ اسلامی مذہبی کاموں کے لئے کرنا عام مسلمانوں کو جائز ہے اور متولی کو اس کے روکنے کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسجد میں کار خیر کے لئے چندہ کرنا جائز ہے جبکہ شور وچپقلش نہ ہو خود احادیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے، مسجد میں وعظ کی بھی اجازت ہے جبکہ واعظ عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہو اور نماز کا وقت نہ ہو، ان دونوں باتوں کو کہ منکرات سے خالی ہوں متولی یا کوئی منع نہیں کرسکتا ہے، ہاں اگر چندہ امر شر کے لئے ہو اگرچہ اسے کیسے ہی امر خیر کہا جائے جیسے نیچریوں کے کالج یا وہابیوں کے مدرسہ کے لئے یا اس میں شور وغل ہو

یاواعظ بدمذہب یا بے علم یاروایات موضوع کا بیان کرنے والا ہو یا لوگ نماز پڑھ رہے ہوں اور اس نے وعظ شروع کردیا کہ ان کی نماز میں خلل آتا ہو تو ایسی صورت میں متولی اور ہر مسلمان کو روک دینے کا اختیار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۳: از موضع منصور پور متصل ڈاکخانہ قصبہ شیش گڈھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خاں ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک دیوار شمال وجنوب کی ہے اس کی بنیاد سے ملا کر کسی قدر اونچائی مثل چبوترہ قائم کیا گیااور اس دیوار پر چھپّر رکھوا کر وہ جگہ نماز کے واسطے مخصوص کردی گئی چنانچہ جگہ مذکور پر بلاناغہ اذان ونماز ایک مدت سے ہو رہی ہے یہاں تک کہ نماز جمعہ بھی ہوتی ہے منبر لکڑی کا برائے خطبہ جگہ معینہ پر موجود ہے، بایں صورت فرمائے کہ اس کو مسجد کیا جائے یا کیا؟

الجواب:

مالک زمین نے اگر کہا کہ میں نے اس کو مسجد کردیا اور اس میں نماز پڑھ لی گئی تو وہ مسجد ہو گئی اگرچہ اس میں عمارت اصلا نہ ہو خالی ہو، یونہی اگر اس کے کلام سے مسجد کردینے پر دلالت پائی گئی مثلاً کہا میں نے یہ زمین مسلمانوں کی نماز کے لئے کردی کہ ہمیشہ اس میں نماز ہوا کرے جب بھی مسجد ہو جائیگی اور اگر ایک مدت خاص کی تحدید کی مثلاً سال دوسال نماز پڑھنے کے لئے دیتا ہوں تو مسجد نہ ہو گی، اور اگر زبان سے لفظ نہ ہمیشہ کا کہا نہ کسی وقت محدود کا تو دل میں اگر نیت ہمیشہ کی ہے مسجد ہو گئی ورنہ نہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل له ساحة لابناء فیها امر قوما ان یصلوا فیها بجماعة، فهذا علی ثلثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلوٰة فیها ابدا نصا بان قال صلوا فیها ابدا، اوامرهم بالصلوٰة مطلقا ونوی الابد، ففی هٰذین الوجهین صارت الساحة مسجدا لومات لایورث عنه،	ایک شخص کی خالی زمین پڑی ہوئی تھی جس میں کوئی عمارت نہیں اس نے لوگوں کو اس زمین میں باجماعت نماز پڑھنے کو کہا تو اس کی تین صورتیں ہیں (پہلی یہ کہ) اس نے امر نماز کی تابید کی تصریح کی ہو بایں طور کہ یوں کہا ہو کہ تم اس میں ہمیشہ نماز پڑھا کرو، یا (دوسری صورت یہ کہ) اس نے انہیں مطلقاً نماز پڑھنے کو کہا اور نیت ہمیشگی کی کرلی ان دونوں صورتوں میں وہ زمین مسجد ہو گئی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری نہ ہو گی اور (تیسری

واما ان وقت الامر بالیوم او الشهر او السنة ففی هذا الوجه لایصیر الساحة مسجد الومات یورث عنه[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	صورت یہ ہے کہ) اگر اس نے امر نماز کو دن، مہینے یا سال سے مقید کیا تو اس صورت میں وہ زمین مسجد نہ ہوگی اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ عبدالرحیم و کریم احمد صاحبان متولیان مسجد مچھلی بازار کان پور ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ مسجد مچھلی بازار کان پور فنڈ میں تین عنوانوں سے آیا ہے:

(۱) کچھ توامداد مجروحین ومقتولین کے لئے۔

(۲) کچھ مقدمہ مسجد کے لئے۔

(۳) کچھ حفاظت اور تعمیر حصہ منہدمہ مسجد کی غرض سے۔

اب بعد ختم ہوجانے مقدمہ کے اس کا صحیح مصرف از روئے شرع شریف کیا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

امداد مجروحین ومقتولین مقدمہ ختم ہونے سے ختم نہیں ہوجاتی، امداد مقتولین سے ان کی بیواؤں اور یتیموں کی امداد مراد ہے ار وہ ہنوز باقی ہیں، مقدمہ اگر ختم ہوا تو ماخوذین کا نہ مسجد کا کہ اس کا جو فیصلہ مولوی صاحب کنندہ نے کیا محض باطل وخلاف شرع ہے مسلمانوں کو اس پر سکوت جائز نہیں، فرض ہے کہ اپنے تحفظ حقوق مذہبی کے لئے گورنمنٹ سے جائز چارہ جوئی کو انتہا تک پہنچائیں۔ اس کے مصارف میں یہ روپیہ اٹھائیں اس کا روشن بیان "**ابانة المتواری فی مصالحة عبدالباری**" میں ہے جو اصل رسالہ چھپ گیا اور زمیندار میں بھی شائع ہوچکا اور اس کا ذیل زیر طبع ہے، **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
ابانۃ عــــہ المتواری فی مصالحۃ عبدالباری ۱۳۳۱ھ
(عبدالباری کی مصالحت میں چھپی ہوئی (خرابی) کا اظہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۸۵: از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی سلامت اللہ صاحب نائب منصرم مجلس موید الاسلام ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ________ گورنمنٹ کے حکام

عــــہ: مسجد کانپور کے متعلق ایک نہایت ضروری فتوی، جس کا سوال لکھنؤ فرنگی محل سے آیا اور دارالافتاء نے جواب دیا اور بکمال وضوح ثابت کیا کہ مولوی صاحب نے جو فیصلہ مسجد مچھلی بازار کانپور کے متعلق دیا وہ سراسر مخالف احکام اسلام ہے، اس پر مسلمانوں کو مطمئن ہونا سخت گناہ وحرام ہے، ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ دربارہ حفظ حقوق مذہبی گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی سے نفع لیں اور اپنے اپنے منصب کے لائق جائز چارہ جوئی میں پوری کوشش کریں مولوی صاحب کی یہ شخصی کارروائی اگر مقبول ٹھہر گئی تو ہمیشہ کے لئے مساجد ہند پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا اور ہر مسلمان کہ جائز کوشش کرسکتا تھا اور نہ کی اس کے وبال میں ماخوذ ہوگا "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" کا بھی اس میں رد بلیغ ہے۔

نوٹ: علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے "**قامع الواھیات من جامع الجزئیات** ۱۳۳۱ھ" کے نام سے اس پر ایک عربی تذییل تحریر فرمائی ہے جو کہ مولوی صاحب فیصلہ کنندہ کی اس چھ ورقی عربی تحریر بنام "جامع جزئیات فقہ" جو اس نے اس فیصلہ کو مطابق شرع بنانے میں تحریر فرمائی تھی کے رد میں ہے اعلیحضرت احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ نے اس رسالہ میں پچاس دلائل قاہرہ پیش کئے جبکہ علامہ امجد علی صاحب اعظمی نے مزید دوسو ۲۰۰ دلائل پیش کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ فیصلہ مطابق شرع نہیں ہے اور نہ ہی مسجد توڑ کر راستہ بنالینا روا ہے۔

کا بیان ہے کہ جزء متنازعہ مسجد کانپور خارج از مسجد ہے اور اس کو بعض ٹرسٹیان نے ہم کو دے دیا تھا، اس بناء پر انہوں نے اس کو منہدم کردیا، اس کے چند دنوں کے بعد بغیر اجازت چند لوگوں نے اس زمین پر جس کو میونسپلٹی نے اپنے قبضہ میں کرلیا تھا تعمیر کرنا شروع کیا اس وجہ سے پولیس نے روکا اور فیما بین لڑائی ہوگئی کچھ مسلمان قتل کیے گئے کچھ مسلمان جن میں بے قصور بھی ہیں قید کیے گئے گورنمنٹ نے اپنے طرز عمل سے باور کرادیا کہ وہ کسی طرح قیدیوں کو نہ چھوڑے گی اور اس زمین کو جس پر میونسپلٹی نے قبضہ کرلیا ہے مسلمانوں کو واپس نہ دے گی، بعد چندے اس نے مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا اپنے ملکی فوائد کے اعتبار سے اس امر کی خواہش کی کہ تصفیہ ایسا ہوجائے کہ مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس زمین پر چھتا پاٹ کے مسجد میں شامل کردیا جائے اس کو چند معتبر حضرات کے روبرو اس نے پیش کیا ایک عالم نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ زمین جس کو اکثر مسلمان جزء مسجد کہتے ہیں محفوظ مسجد کے کام میں رہ جائے ایک مخلص کی صورت یہ نکالی کہ ادھر ہی مسجد کا دروازہ کردیا جائے وہ زمین اس دروازہ مسجد کے کام آئے گورنمنٹ کے ممبران متعینہ نے اس امر کو نہیں مانا کہ زمین پر قبضہ مسلمانوں کا ہو بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں، بعد ردوقدح کے اس عالم کی رائے سے یہ طے پایا کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے کیونکہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلا یا جائے حق آسائش حقیقۃً مسلمانوں کو حاصل ہے، اگر ظلماً یا تشدداً گورنمنٹ عام اجازت گزر کی دے تو ہم اس کی وجہ سے قطع مصالحت نہ کریں گے بلکہ صورت بنا اس کی میونسپلٹی کے سپرد کردیا جائے جس میں بہ غلبہ آرا قوی امید ہے کہ موافق قوانین اسلام تصفیہ ہوجائے، وائسرائے نے بھی تاکید کردی کہ بننے کے وقت مسلمانوں کی خوشی اور ان کے قواعد کا لحاظ کیا جائے۔ سوال طلب یہ امر ہے کہ جس عالم نے بدیں تفصیل مصالحت کی ممانعت نہیں کی اور منازعت کو قطع کردیا وہ خاطی ہے یا مصیب، اور مسلمانوں کو آئین امن عام کے اندر رہ کے استحقاق کی چارہ جوئی کرنی چاہئے اس عالم کی رائے ہے یا جوش وہنگامہ دکھانا اور خلل اندازی امن عامہ کرنا شرعاً ضروری ہے اور جو امر دوم کی کوشش کرے وہ حق پر ہے یا جو امر اول کے طرز کو مسلمانوں کے لئے مفید سمجھے۔ بینوا توجروا۔

جواب از دار الافتاء

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ بتایا کہ:

(ا) مصالحت کیا کی۔

(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔
(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔
(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکہ طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے، آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردوقدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔
(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک ثابت نہ کی جائے مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔
(۶) سردست کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کرلئے۔
(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا وہ بطور خود گیا تھا۔
جب تک ان سب باتوں کی تفصیل معلوم نہ ہو ایک نہایت مجمل گول بات کا جواب کیا دیا جائے۔ ہاں اتنا امر واضح وروشن ہے کہ فتنہ پردازی اور امن عام میں خلل اندازی اور مسلمانوں کو بلا اور اسلام کو توہین کے لئے پیش کرنا ہرگز نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً ٹھیک۔ قرآن عظیم میں ارشاد فرماتا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[1] (فتنہ وفساد قتل سے بھی سخت ہے۔ت) اور فرماتا ہے: "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ"[2] (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ت) نہ یہی کسی طرح روا ہے کہ کسی حکم مخالف شرع کو بلاجبر واکراہ خود ایک امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند کریں یا اس میں دشواری ڈالیں اور آئندہ کے لیے بھی اسے نظیر بنائیں بلکہ حدود سلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلام ہونا ظاہر کریں اور ورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلا کر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں جو اس طریق پر چلے مصیب ہے اور جو ان دو طریقوں میں سے کسی پر چلے وہ خاطی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: بار دوم از لکھنؤ فرنگی محل مرسلہ مولوی صاحب موصوف سوم ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

مولٰنا المعظم دام بالمجد والکرم والسلام علیکم، استفتا موصول ہوا مشکور فرمایا، گو ہم کو اصل مسئلہ کے متعلق جناب کی رائے سے آگاہی ہو گئی مگر جناب کے استفسارات کے باعث ضرور ہوا کہ امور مستفسرہ کا جواب دیا جائے ان کو مفصل لکھ کر ارسال کرتا ہوں امید کہ اب جواب شافی عام لوگوں کے فائدہ کی غرض سے تحریر فرمایا جائے۔

امور مستفسرہ مع تصریح

س(۱) مصالحت کیا کی؟

ج(۱) عالم نے مصالحت یہ کی کہ گورنمنٹ مقدمات اٹھالے اور کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، مسجد کی زمین پر گورنمنٹ اپنی ملکیت ثابت نہ کرے مسلمانوں کو اس پر قبضہ دلادے اگر جبرًا گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو وہ حاکم ہے خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا اور موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق دربارہ ہنگامہ کانپور مسلمان کچھ نہ کرینگے۔

س(۲) وہ امر جس پر مصالحت کی تجویز گورنمنٹ تھا جسے عالم مذکور نے قبول کیا یا اس عالم نے پیش کیا اور اسے گورنمنٹ نے مان لیا۔

ج(۲) گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مسلمانوں کے اوپر جو مقدمات ہیں گورنمنٹ کی طرف سے اور مسلمانوں کو جو گورنمنٹ سے دعاوی ہیں ان کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہو جائے تاکہ گورنمنٹ کو مسلمانوں سے بدظنی اور مسلمانوں کو گورنمنٹ سے بے اعتباری نہ ہو اور بے چینی دفع ہو۔

س(۳) گورنمنٹ نے خود ہی مراحم خسروانہ کے لحاظ سے یا ملکی فوائد کے اعتبار سے قیدیوں کو آزاد کیا جیساکہ عبارت سوال سے ظاہر ہے اس کے بعد کی منازعت سوال میں مذکور نہیں کہ کیا تھی اور عالم مذکور نے کیا اور کس طرح قطع کی۔

ج(۳) گورنمنٹ نے لحاظ مراحم خسروانہ یا باعتبار فوائد ملکی خود خواہش تصفیہ کی کی نہ کہ قیدیوں کو بلامقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا کہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں اور مسجد کی

زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں، گورنمنٹ سے اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی ومنازعت تھی جس کو کہ عالم مذکور نے قطع کردیا۔

س(۴) بعد اس کے کہ ممبران متعینہ گورنمنٹ نے زمین پر مسلمانوں کا قبضہ ہرگز نہ مانا اور صاف کہہ دیا کہ یہ کسی طرح ممکن نہیں جیسا کہ سائل کا بیان ہے پھر عالم مذکور کی رائے سے یہ کیونکر طے پایا کہ قبضہ زمین پر مسلمانوں کو دلایا جائے آیا صرف عالم مذکور کا اپنے خیال میں ایک مفہوم متخیل کرنا یا یہ کہ بعد ردوقدح عالم نے ممبران گورنمنٹ سے یہ امر طے کرالیا۔

ج(۴) گورنمنٹ کے متعینہ ممبروں نے ابتداءً مسجد کی زمین پر کسی قسم کا قبضہ دینے سے انکار کیا عالم کی انتہائی جدوجہد سے اس نے کہا کہ ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً وعرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں یہ عالم کا متخیلہ نہیں بلکہ ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔

س(۵) نیز اس کی رائے سے طے پانا کہ سردست اس زمین پر کسی کی ملک نہ ثابت کی جائے ایک مفہوم تھا کہ اس کے اپنے ذہن میں رہا یا گورنمنٹ نے عالم مذکور کی رائے سے اسے طے کیا۔

ج(۵) زمین کی ملکیت جو گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی اس کے بارے میں صرف عالم کا تخیلہ نہ تھا بلکہ ممبر متعینہ سے اس نے صاف صاف کہہ دیا اور کہلوالیا تھا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے ثابت نہیں ہوتی اس واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں ہیں بلکہ مشیر قانونی نے بھی یہی کہا کہ ہماری ملک غصب سے چلی نہیں گئی کہ ہم اپنی ملک کے ثابت کرنے کو کہیں بلکہ ہم اسی قدر چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ اپنے لئے ملک ثابت نہ کرے چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

س(۶) "سردست" کے معنی کیا لئے اور وہ بھی عالم مذکور کے خیال میں رہے یا گورنمنٹ سے طے کئے۔

ج(۶) سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شراکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے اور اس وقت تک مطمئن نہ ہوں گے جب تک کہ گورنمنٹ مسلمانوں کی خواہش پوری نہ کردے بلکہ ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہوجائے گا اس وقت جس قدر عالمگیر جوش ملک میں ہے اور اس سے اندیشہ فریقین کے لئے مشکلات کا ہے وہ دفع کردیا ہے، اور ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتے ہیں ورنہ ہم کو اس میں بھی کوئی عذر نہ ہوتا۔

س(۷) عالم مذکور کو گورنمنٹ نے حکماً مجبور کیا تھا یا مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا تھا یا وہ بطور خود

گیا تھا۔

ج(۷) عالم مذکور کو عام مسلمانوں نے طلب نہیں کیا تھا، نہ وہ از خود گیا تھا بلکہ مقدمہ کے کارکنوں نے باصرار عالم مذکور کو خود بلایا تھا اور ممبر متعینہ نے اس سے اس معاملہ میں گفتگو شروع کی جس کے اثنا میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ صورت اختیار کرنا چاہئے مگر ممبر متعینہ نے کہا کہ ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس نہ جمع کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو اور ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹہ کی مہلت ہے چنانچہ اس عالم نے بعد سخت گفتگو کے مشورہ دیا کہ ملک سے سروکار نہ رہنا چاہئے قبضہ مسلمانوں کا ثابت کردیا جائے حق مرور اگر مشترک ہو تو ہم اس کی وجہ سے اس وقت منازعت باقی رکھنا نہیں چاہتے اپنے قیدی چھڑائے لیتے ہیں اور اشتراک مرور کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے اور حسب قواعد میونسپلٹی بنوایا جائے تاکہ ہم اس سے بہترین تدبیر اپنے تحفظ جزء مسجد کی کراسکیں جس کی کامل توقع ہے،ان سب امور کا تصفیہ ممبر متعینہ سے کردیا گیا جو ایک مجمع میں مسلمانوں کے ہوا اور ان سب باتوں کی تصدیق وہ عالم کراسکتا ہے اس نے کسی حکم مخالف شرع کو بلا جبر واکراہ خود امر طے شدہ قرار دے کر جائز چارہ جوئی کا دروازہ بند نہیں کیا بلکہ جس کو جمہور علما ناجائز کہتے تھے اس کو اس نے بھی ناجائز قرار دیا اور صاف ظاہر کردیا کہ برابر اس کی چارہ جوئی جائز طور پر کی جائے گی کسی قسم کی دشواری نہیں پیدا کی کیونکہ بے قاعدہ حرکات کو کوئی نہیں روک سکتا اور باقاعدہ احکام اسلامیہ کی چارہ جائی ہر وقت ہوسکتی ہے دیوانی کے مقدمات ہر طرح کے دائر کئے جاسکتے ہیں اور آئندہ کے لئے نظیر تو درکنار ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے خود حسب تصریح ممبر متعینہ اس متنازعہ فیہ حصہ کا بھی مسلمانوں کے موافق ہونا متوقع ہے اس عالم کی رائے ہے کہ یہ قبضہ وحق مشترک مرور قابل اطمینان نہیں بلکہ حدود وسلامت روی کے اندر رہ کر گورنمنٹ پر اس امر کا خلاف قوانین اسلامیہ ہونا ظاہر کریں اور گورنمنٹ کا مستمر قانون کہ مذہبی دست اندازی نہ کرے گی یاد دلاکر بلاضرر واضرار فائدہ پائیں اس صورت میں عالم مصیب ہے یا نہیں،امید ہے۔برتقدیر صدق مستفتی جواب صاف عطا فرمایا جائے۔

جواب از دار الافتاء

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب استفسارات باعث مشکوری ہے طرح وجرح منظور نہیں بلکہ انکشاف حق جس کے لئے ہر مسلمان کو مستعد رہنا چاہئے، لاسیما اہل علم، جوابات نہ توکافی ہیں نہ مفید براءت اگرچہ مجھ سے صرف برتقدیر صدق مستفتی جواب چاہا گیا اور منصب افتا کی اتنی ہی ذمہ داری تھی کہ صورت مستفسرہ پر جواب دے دیا جاتا مگر میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ نظر بواقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہوسکے مگر افسوس کہ جتنا خوض وتفتیش سے کام لیا اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی، ناچار جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اظہار حق لازم تھا، عالم مذکور سے مراسم قدیم حفظ حرمت اسلام ورفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالٰی غالب نہ آسکتے تھے کہ ہمارے رب عزوجل نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ "[1]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

بلکہ حقیقۃً حق دوستی یہی ہے کہ غلطی پر متنبہ کیا جائے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

اُنصر اخاك ظالما او مظلوما قالوا یارسول اللہ وکیف ذٰلك قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یك ظالما فاردده عن ظلمه وان یك مظلوما فانصره[2]، رواہ الدارمی	اپنے بھائی کی مدد کر وچاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم یہ کیسے۔ حضور نے فرمایا: ظالم ہونے کی صورت میں اسے ظلم سے روک دو اور مظلوم ہونے کی

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الاکراہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۷، صحیح مسلم، سنن الدارمی باب ۴۰ انصر اخاک الخ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۰، مختصر تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج دار الفکر بیروت ۷/ ۵۹، تہذیب تاریخ دمشق ترجمہ ۲۹ حسن بن فرج دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۱

وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	صورت میں اس کی مدد کرو۔اسے دارمی اور ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

لہٰذا امید واثق ہے کہ جواب سوال میں اظہار حق سنگ راہ مراسم قدیمہ نہ ہوگا اور زیادہ خوشی اس بات کی ہوئی کہ ہمارے قدیمی دوست عالم نے اسی معاملہ پر ایک تقریر کی ابتداء میں (جو روزانہ زمیندار ۲۱ ذی الحجہ میں چھپی) یوں داد حق جوئی دی کہ "میں ان لوگوں کا دل سے اور خدا کی قسم دل سے مشکور ہوتا ہوں جو میرے عیوب مجھ سے خواہ لوگوں سے کہہ کر میرے اوپر مربیانہ شفقت کا احسان رکھتے ہیں، یہ لوگ میرے محسن ہیں" جب بیان عیوب اور وہ بھی ابتداءً اس درجہ موجب شکر گزاری ہے تو بیان مسئلہ شرعیہ میں اظہار حق اور وہ بھی بعد سوال مراسم قدیمہ میں کیا خلل انداز ہوسکتا ہے۔**وباللہ التوفیق۔**

جواب استفسار اول پر نظر

(۱)[ف: قبضہ زمین کی بحث] اس سوال کے جواب میں کہ عالم نے مصالحت کیا کی، تین باتوں پر صلح ہونی بتائی گئی از انجملہ اصل معاملہ کی نسبت یہ ہے کہ مسجد کی زمین پر گورنمنٹ مسلمانوں کو قبضہ دلادے کسی بات پر مصالحت ہونا فریقین میں اس کا طے ہوکر قرار پانا ہے، اگر یہ امر قرار پاتا تو اسی کے مطابق وقوع میں آتا مگر ایسا نہ ہوا جو اب ایڈریس میں گورنمنٹ کے لفظ جو روزانہ ہمدرد ۱۶/ اکتوبر میں چھپے صاف یہ ہیں: میں اس امر کو کچھ بھی وقیع اور اہم خیال نہیں کرتا کہ وہ زمین جس پر وہ دالان تعمیر ہوگا کس کے قبضہ میں رہے گی ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(یہ تفاوت دیکھ کہ راستہ کہاں ہے اور تو کہاں)

(۲) ہاں اس پر چھتا بنا کر چھت پر قبضہ اور زمین کو سڑک کردینا ٹھہرا ہے کیا چھت اور زمین دو مترادف لفظ ہیں یا چھت کا قبضہ زمین پر بھی قبضہ ہوتا ہے، علو وسفل کے مسائل جو عام کتب فقہیہ میں مذکور ہیں ملحوظ نظر رہیں جواب ایڈریس مذکور میں ہے کامل غور کے بعد میں اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ آٹھ فٹ بلند ایک چھتا اور اس پر دالان تعمیر کردیا جائے نیچے ایک سڑک نکل آئے جس سے عمارت میں مداخلت نہ ہو۔

(۳) عالم نے اس مصالحت میں زمین پر قبضہ مسلمانان سے صرف مسلمانوں کا خالص قبضہ مراد لیا یا قبضہ عام خلائق کے ضمن میں عامہ کے ساتھ انہیں بھی ایک حق دیا جانا، بر تقدیر دوم یہ درخواست کتنی بےمعنے تھی

زمین سڑک میں ڈال لینے پر بھی عام کے ساتھ مسلمانوں کو حق مرور رہتا گورنمنٹ نے کس دن کہا تھا کہ یہ سڑک خاص کفار کے لئے بنے گی کوئی مسلمان اس پر نہ چل سکے گا۔ برتقدیر اول کون سا خاص قبضہ مسلمانوں کو ملنا ٹھہرا کہ جبکہ جواب ایڈریس مذکور کے صاف لفظ یہ ہیں: یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک استعمال کرنے کے مجاز ہوں۔

(۴) قبضہ زمین کا حال جواب استفسار میں خود ہی کھول دیا کہ قبضہ دلادے کے بعد متصلاً کہا اگر جبراً گورنمنٹ اس کے مرور کو مشترک کرتی ہے تو خلاف احکام اسلامیہ ہے اس سے مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔ صاف کھل گیا کہ قبضہ ہوا پر ٹھہرا ہے زمین مرور مشترک کے لئے چھوڑی ہے جسے دوسرے لفظوں میں شارع عام یا سڑک کہئے اس کا مطالبہ دور آئندہ پر اٹھار کھنا بتایا ہے حالانکہ یہی یہاں اہم مسئلہ بلکہ تمام اصل معاملہ تھا اسی کو نظر انداز کرنا اور عالم کی مصالحت سمجھنا کس قدر عجیب ہے مصالحت رفع نزاع ہے نہ کہ اصل مبناء و منشاء نزاع مہمل و معطل اور دور آیندہ کی امید موہوم پر محول نہ ایقائے نزاع ہے نہ قطع ورفع۔ ہاں اگر اس کے معنی یہ تھے کہ عالم نے مسجد سے دست برداری دی جیسا کہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی وغیرہ نے اس کارروائی سے سمجھا اور پسند کیا تو ضرور قطع نزاع ہوئی اگرچہ باز دعوی دینا شرعاً مفہوم صلح میں آنا دشوار ہو خیر ایں ہم بر علم۔ مگر بعد کے الفاظ کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے اس تاویل کو بھی نہیں چلنے دیتے تو اسے مصالحت مشہور کرنا مسلمانوں اور گورنمنٹ دونوں کو غلط بات باور کرانا ہوا۔

(۵) [ف: مصالحت خلاف حکم اسلام پر کی اور گورنمنٹ پر بھی بدگمانی کی] جب عالم کو اعتراف ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے تو اس پر مصالحت کرنا کیونکر روا ہو سکتا گورنمنٹ۔ برسر مصالحت و دلجوئی تھی نہ برسر ضد و جبر و تعدی، اس وقت کیوں نہ دکھایا گیا کہ یہ طریقہ خلاف احکام اسلامیہ ہے اس میں مذہبی دست اندازی ہے جس سے گورنمنٹ ہمیشہ دور رہنا چاہتی ہے، طے ہوتا تو اس وقت بسہولت ہوتا، نہ ہوتا تو عالم بری الذمہ تھا، نہ یہ کہ اس وقت اصل معاملہ پس پشت ڈال کر بالائی باتوں پر صلح کرلیں اور اصل میں یہ دشواریاں ڈالیں کہ تم لوگ صلح کرکے پھرتے ہو تم نائب سلطنت کے فیصلہ سے اور ایسے بے بہا فیصلہ سے اب سرتابی کرتے ہو، تم شکریہ کے جلسے اور روشنیاں کرکے پھر شکایت و منازعت پر اترتے ہو، نادر شاہی زمانہ گزر چکا تھا کہ چیلی کا سا بم درکنار اینٹ پھینکنے پر بے شمار سر اڑ جاتے، مکانوں کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی نہ کہ بم چلے اور کار گر پڑے اور بے تحقیق کسی سے مواخذہ نہ ہو، آج حفظ حقوق مذہبی کا اس سے بہتر کیا موقع تھا، یہاں دلی کمزوری سے کام لینا موجودہ آزمودہ گورنمنٹ کو

خواہی نخواہی نادر شاہی ضد اور ہٹ کا پتلا سمجھ کر ایسی عظیم حرمت دینی کو پامالی کے لئے چھوڑ دینا کیونکر صواب ہو سکتا ہے۔

(۶) تمام دنیاوی سلطنتوں کا قاعدہ کہ اپنے قانون کی رو سے جس فعل کو جرم بغاوت سمجھیں اسے سب سے زیادہ سنگین بلکہ ناقابل معافی جانتی ہیں ان کے یہاں انتہائی رسوخ والا وہ ہے کہ جسے انہوں نے باغی سمجھ کر اسیر کیا ہو اس کی رہائی کی سفارش کرسکے نہ کہ ان جبروتی شرائط کے ساتھ کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو، معافی مانگنی کیسی، خود یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے، یہ تو شائد شخصی سلطنتوں میں صرف محبوب خاص سلطان کی مجال ہو جو ایاز و محمود کی نسبت رکھے اگر ایسا درجہ اختصاص حاصل ہوا تھا تو اسے حفظ حرمت اسلام میں صرف کرنا تھا جس پر باقی اور متفرع ہوئے تھے نہ کہ قیدیوں کے بارے میں یہ فضول وزائد شرائط اور خاص حرمت دینی سے اغماض کیا، یہ

ہرچہ شاہ آں کہ او گوید حیف باشد کہ جز نکو گوید

(بادشاہ جس شخص کی بات مانتا ہے اگر وہ اچھی بات کے علاوہ کہے تو ظلم ہے)

کا مصداق نہ ہوگا۔

(۷) [ف: معاملہ میں پیچیدگیاں ڈال دی گئیں] اس اغماض نے اصل مقصد میں جو پیچیدگیاں دشواریاں پیدا کیں ان کی شرح طول چاہتی ہے ادنٰی بات یہ ہے کہ قوم کے قلوب اس پر مطمئن ہوگئے تو سرے سے دعوی ہی گیا، چارہ جوئی کون کرے اخباروں میں بکثرت مضامین اسپر اطمینان کے شائع ہوئے، ازاں جملہ نواب مشتاق حسین صاحب امروہی کی بسیط تحریر کہ روہیل کھنڈ گزٹ بریلی یکم نومبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی جس میں وہ عالم موصوف ہی کی ایک تحریر کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں جناب کی اس تحریر کے بعد اس مسئلہ کے مذہبی پہلو کے تحفظ سے ہم کو بالکل مطمئن ہو جانا چاہئے، اسی کی ابتدا میں ہے مسلمان پبلک نے بھی اس فیصلہ کی نسبت اپنا اطمینان ظاہر کیا۔ اس پر ایڈیٹر اخبار مذکور نے لکھا مولانا قبلہ نے اپنی تحریر میں نہایت اچھی طرح ثابت کردیا کہ مذہبی نقطہ خیال سے شرائط تصفیہ نہایت مناسب ہیں روزنامہ زمیندار ۱۵/ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ نے لکھا خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مسجد کے منہدم حصہ کا تصفیہ مسلمانوں کی منشا کے مطابق ہوگیا ہے۔ نیز لکھا وہ مسلمانوں کے لئے بالکل قابل اطمینان ہے۔ روہیلکھنڈ گزٹ کے پرچہ مذکور نے سکرٹری و نائب سکرٹری مسلم لیگ مراد آباد کی ایک مراسلت میں نقل کیا متشرع علمائے اسلام نے فقہ پر کامل غور کرکے یہ فتوی دے دیا کہ شرعًا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ پھر بالخصوص عالم مذکور کا اطمینان دلانا لکھ کر کہا پس علمائے کرام کے اطمینان کے بعد مذہبی پہلو سے تصفیہ پر نکتہ چینی اور بے اطمینانی ظاہر کرنے کا کسی کو کوئی

حق نہیں۔ پھر نواب صاحب موصوف کی اسپیچ (SPEECH) سے نقل کیا ہمارے تمام اکابر قوم وعلمائے کرام اس پر اظہار مسرت کررہے ہیں۔اس قسم کے مضامین اگر جمع کئے جائیں ورقوں میں آئیں تمام اقطار ہند میں شہروں شہروں جو جو ریز ولیوشن (RESOLUTION) اظہار مسرت واطمینان کے پاس ہوئے روشنیاں ہوئیں ان کے بیانوں سے اخباروں کے کالم گونج رہے ہیں ان تمام واقعات کو اس سے کس قدر تناقض ہے کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع اس کے لئے کوشاں رہیں گے۔

(۸) جب عالم کا قول وہ ہے کہ یہ کارروائی خلاف احکام اسلامیہ ہے، اور اس عالم ہی کے اعتماد پر افراد قوم اسے بالکل بمطابق احکام اسلام سمجھ لئے اور وہ الفاظ شائع کررہے ہیں جن کا خفیف نمونہ گزرا تو عالم کا اس پر سکوت، معلوم نہیں کیا معنی رکھتا ہے۔

(۹) اس سے بھی زیادہ تعجب خیز وہ الفاظ ہیں جو خود عالم کی طرف سے شائع کئے گئے ہیں تقریر مذکور نواب صاحب امروہی میں ہے: ۱۹/اکتوبر کو جو تار جناب ممدوح نے خود میرے نام ارسال کیا ہے اس میں تصفیہ کانپور کی بابت حسب ذیل الفاظ تحریر فرماتے ہیں: میں معاملات کانپور کے تصفیہ کو پسند کرتا ہوں۔ تقریر مذکور اراکین مسلم لیگ مرادآباد میں عالم مذکور کی نسبت ہے: حضرت مولانا قبلہ نے اس فیصلہ سے اطمینان بذریعہ اخبارات پبلک کو دلایا ہے۔فیصلہ کو خلاف احکام اسلامیہ جاننا اور پھر اسے پسند کرنا اس پر اطمینان دلانا کیونکر جمع ہوا، اور اطمینان دلانا اور وہ بیان کہ اس پر اطمینان نہ ہوگا کس قدر متخالف ہیں۔

(۱۰) اوروں کی نقل ونسبت کو نہ دیکھئے، خود عالم کی تقریر جس کا عنوان یہ ہے: "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جو ہمدرد ۱۹/اکتوبر اور زمیندار ۲۱ذی القعدہ میں شائع ہوئی اس میں فرمایا ہے: یہ مجلس سرور ہے ہم کو نہایت مسرت سے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دل جمعی نصیب ہوئی اسی میں ہے: اول کے تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔اسی میں ہے: ہمارے حسب دلخواہ مصالحت کرالی۔اسی میں ہے: کل کا واقعہ نہایت مسرت خیز ہے اور اسلامی تاریخ کے زریں ایام سے کل کا روز ہے۔اسی میں ہے: ہر طرح اسلام [عہ] کا احترام قائم رکھا۔

للہ انصاف عوام ان لفظوں کو سن کر کیوں نہ اطمینان کریں اور وہ بیانات وواقعات کہ نمبر ۴ میں گزرے کیوں نہ صادر ہوں اور وہ وعدہ بے اطمینانی کہ حسب بیان سائل نفس مصالحت میں تھا کیوں نہ نسیًا منسیًا ہو، گورنمنٹ نہ تو مسلمان ہے

عـــہ: پھر خدا جانے کون سی بات خلاف احکام اسلامیہ ہوئی ۱۲

نہ اسلامی شرع کی عالم، جب عالم خود ہی خلاف اسلامیہ کہہ کر پھر اسے حسب دلخواہ و موجب دلجمعی واطمینان و نہایت مسرت خیز اور اسلامی تاریخ کا زریں دن کہے تو گورنمنٹ کا کیا قصور اور عوام پر کیا الزام۔

(۱۱) ان تمام صاف الفاظ سے گزر کیجئے تو عالم مذکور کا تار ۱۶/اکتوبر جو ہمدرد و دبدبہ سکندری ۲۰/اکتوبر وغیرہ میں شائع ہوا، اس میں اولا فرما کر کہ یہ بات اگرچہ قابل تعریف نہیں ہے۔ اخیر میں یہی فرمایا ہے کہ یہ تصفیہ اصلی مفہوم کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔ جب عالم کے نزدیک فیصلہ خلاف احکام اسلامیہ ہے تو احکام اسلامیہ سے بڑھ کر اور کون سا اصلی مفہوم ہے جس کے لحاظ سے قابل اطمینان ہے۔

(۱۲) بااین ہمہ عالم مذکور نے تحریر جمیع جزئیات میں کوئی دقیقہ دور از کار اس سعی بے سود کا اٹھا نہ رکھا کہ اس کارروائی کو جیسے بنے کشاں کشاں مطابق احکام اسلامیہ کر دکھائیں، بہر حال تصویر کے دونوں رخ تاریک ہیں نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے فضل وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

[ف: روایت امام محمد مطابق مذہب جمہور ہے] خط کہ اس سوال کے ساتھ یہاں بھیجا اس میں روایت سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے اور یہ کہ اس عالم نے بضرورت اپنی رائے میں اسی کو اختیار کیا ہے گو بخیال تحفظ مساجد ہمیشہ اتباع جمہور رہا ہے یہ سخت غلط فہمی ہے یہاں روایت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر گز خلاف جمہور نہیں وہ وہی فرمارہے ہیں جو جمہور ائمہ نے فرمایا ہے انکی روایت میں ایک حرف بھی قول جمہور سے زائد نہیں۔ نہ ہر گز اس روایت خواہ کسی قول کسی روایت کا یہ مطلب ہے نہ ہوسکتا ہے کہ مسجد کے کسی حصہ کو سڑک میں ڈال لینا روا ہے، یہ تمام ائمہ کے اجماع سے حرام قطعی و مناقض ارشاد خدا ہے، روایات ائمہ درکنار اقوال مشائخ مذہب بھی نظر توفیق میں یہاں مختلف نہیں ہر ایک اپنے محمل پر صحیح و بجا ہے اور بالفرض اختلاف ہے تو نہایت خفیف جو قطعی تحفظ کلی ہر حصہ مسجد پر اجماع کے بعد صرف ایک زائد بات میں ہوا ہے جس سے حفظ جملہ اراضی مساجد پر معاذاللہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا ہم بتوفیق اللہ تعالٰی ان مباحث جلیلہ کو ایک مستقل فتوے میں رنگ ایضاح دیں گے۔

[ف: فقاہت کے کیا معنی ہیں] فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے یوں تو ہر اعرابی ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے بلکہ فقہ بعد ملاحظہ اصول مقررہ و ضوابط محررہ و وجوہ تکلم وطرق تفاہم و تنقیح مناط و لحاظ انضباط و مواضع یسر واحتیاط و تجنب تفریط وافراط وفرق روایات ظاہرہ ونادرہ و تمیز درآیات غامضہ وظاہر ومنطوق و مفہوم وصریح و محتمل و قول بعض و جمہور و مرسل و معلل ووزن الفاظ مفتین وسیر مراتب

ناقلین وعرف عام وخاص وعادات بلاد واشخاص وحال زمان ومکان واحوال رعایا و سلطان وحفظ مصالح دین ودفع مفاسد دین وعلم وجوہ تجریح واسباب ترجیح ومناہج توفیق ومدارک تطبیق ومسالک تخصیص ومناسک تقیید ومشارع قیود وشوارع مقصود وجمع کلام ونقد مرام فہم مراد کانام ہے کہ تطلع تام واطلاع عام ونظر دقیق وفکر عمیق وطول خدمت علم وممارست فن وتیقظ وافی وذہن صافی معتاد تحقیق مؤید بتوفیق کاکام ہے،اور حقیقۃً وہ نہیں مگر ایک نور کہ رب عزوجل بمحض کرم اپنے بندہ کے قلب میں القافرماتا ہے:

"وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾ "[1]۔	اور یہ دولت نہیں ملتی مگر صابروں کو،اور اسے نہیں پاتامگر بڑے نصیب والا۔(ت)

صدہامسائل میں اضطراب شدید نظرآتا ہے کہ ناواقف دیکھ کر گھبراجاتا ہے مگر صاحب توفیق جب ان میں نظر کو جولان دیتااور دامن ائمہ کرام مضبوط تھام کرراہ تنقیح لیتا ہے توفیق ربانی ایک سررشتہ اس کے ہاتھ رکھتی ہے جوایک سچاسانچاہو جاتا ہے کہ ہر فرع خود بخود اپنے محمل پر ڈھلتی ہے اور تمام تخالف کی بدلیاں چھنٹ کراصل مراد کی صاف شفاف چاندنی نکلتی ہے اس وقت کھل جاتا ہے کہ اقوال سخت مختلف نظر آتے تھے حقیقۃً سب ایک ہی بات فرماتے تھے،الحمد ﷲ فتاوائے فقیر میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی وﷲ الحمد تحدیثا بنعمۃ اللہ وما توفیقی الا باللہ،وصلی اللہ تعالٰی علی من امدنا بعلمہ وایدنا بنعمہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم اٰمین والحمدﷲ رب العٰلمین۔

(۱۳) [ف:اس مصالحت کی تین نظیریں] کیا کوئی ہندوروا رکھے گا کہ اس کا شوالہ توڑ کر سڑک کردیا جائے جس پر عام مسلمانوں اور گوشت کے ٹکڑے لے کر قصاب گزرا کریں اوراس پر ایک چھجا یا چھتا بنے وہ ہندوؤں کے قبضے میں رہے کیا وہ اسے زمین شوالہ پر اپنا قبضہ سمجھے گا کیا وہ اس کارروائی کو حسب دلخواہ موجب اطمینان اور اس دن کو نہایت مسرت خیز اور ہندودھرم کی تاریخ کازریں دن اور ہر طرح اس کا احترام قائم رکھنا کہے گا،لیکن ایک اسلامی عالم نے مسجد کے ساتھ یہ کارروائی کی اور اس کی نسبت ان تمام الفاظ سے مدح سرائی کی فاعتبروا یااولی الابصار۔

(۱۴) کیا اگر شوالہ کے ساتھ مسلمان ایسا کرتے تو گورنمنٹ ان پر مداخلت مذہبی اور توہین مذہب کاجرم قائم نہ کرتی ضرور کرتی،کیا گورنمنٹ اپنے لئے مذہبی دست اندازی وتوہین مذہب جائزرکھتی ہے

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

ہر گز نہیں، مگر جب اسلامی عالم ہی اسے نہایت مسرت خیز اور زریں دن اور احترام اسلام کا پورا قیام کہے تو گورنمنٹ کی کیا خطا ہے۔

(۵) کیا اگر عالم کے مکان سکونت کے ساتھ یہ طریقہ برتا جائے کہ مکان کھود کر مسلمان یا ہندو سڑک یا دنگل بنالیں اور اس پر چھت پاٹ کر ہوادار جھروکے عالم کے بسنے کو دیں تو عالم ان ہندو یا مسلمانوں پر نالشی نہ ہوگا کیا وہ اسے زمین مکان پر اپنا قبضہ قائم رہنا سمجھے گا کیا وہ اسے اپنے حق میں دست اندازی و تعدی نہ کہے گا۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**۔

(۱۶) امور مصالحت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ کسی کو قیدیوں سے معافی مانگنے کی حاجت نہ ہو یہ امر ثابت نہ ہو کہ یہ لوگ مجرم تھے۔ لیکن اس مصالحت کے بعد جو ایڈریس پیش ہوا اس کے لفظ یہ ہیں: ہم ان لوگوں کی کارروائی کو ملامت اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں جنہوں نے قانون کی خلاف ورزی کی۔ اگر قانون کی خلاف ورزی کرنے والا قانونی مجرم نہیں تو اور کون ہے۔ پھر گورنمنٹ کا جواب روزانہ ہمدرد ۱۶/ اکتوبر میں یہ ہے: اب میں ان لوگوں کی نسبت کچھ کہنا چاہتا ہوں جنہوں نے ۳ ۱ اگست کو بلوہ کا ارتکاب کیا۔ اسی میں ہے: گورنمنٹ کا فرض تھا کہ قیدیوں پر مقدمہ چلائے اور انہیں سزادے مگر وہ کافی سزا بھگت چکے ہیں۔ اسی میں ہے: میں ان لوگوں پر بھی رحم کرتا ہوں جنہوں نے بلوے کی اشتعالک دی اور اس طرح سے اس نقصان رسانی کے مرتکب ہوئے جواب تک ہوچکا ہے اور اس لئے کسی خاص سلوک کے مستحق نہیں رہے۔ تو ضرور مجرم و سزا وار سزا ٹھہر کر کافی سزا بھگت کر رحم کئے گئے نہ یہ کہ ان کو مجرم قرار ہی نہ دیا جائے۔

(۱۷) [ف: مصالحت مسجد سے دست برداری پر کی] امور مصالحت میں تیسری بات یہ ہے: گورنمنٹ مقدمات اٹھالے مسلمان مرور کے لئے کوشاں رہیں گے البتہ مقدمات دیگر امور کے متعلق کچھ نہ کریں گے۔ اس کا حاصل طرفین سے ترک مقدمات ہے مگر مسلمانوں کے لئے دعوی مسجد کا استثنا۔ یہاں دو قسم کے دعوے تھے: دعوی دیوانی دربارہ زمین مسجد کہ مسلمان کرتے دعوی فوجداری دربارہ بلوی کہ گورنمنٹ کی طرف سے دائر تھا۔ مسلمانوں کو دعوی دوم میں اپنی ہی جان چھڑانی پڑی تھی نہ کہ وہ الٹے اس میں مدعی بنتے، تو ادھر سے نہ تھا مگر دعوی مسجد، اور مصالحت میں ضرور طرفین سے ترک مقدمات قرار پایا تو حاصل مصالحت صرف اتنا نکلا کہ گورنمنٹ قیدیوں کو چھوڑدے مسلمان مسجد چھوڑتے ہیں، اس سے زیادہ محض الفاظ ہیں کہ یا تو مخیلہ سے باہر ہی نہ آئے یا زبان تک آکر نامقبول رہے، بہر حال ان کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان پر مصالحت کی، ولہذا بعد کی عملی کارروائیاں اطمینان کے جوش اور خود عالم کی تقریریں جن کا

بیان اوپر گزرا سب استثنائے مذکور کی غلطی پر دلیل ہیں اس پر صلح ہوئی ہوتی تو اپنی مجلس مؤید الاسلام کا جلسہ خالص مسرت اور نہایت مسرت کا جلسہ نہ ہوتا بلکہ مسرت ماتم آمیز کا ایک آنکھ ہنستی تو ایک روتی یہ نہ کہا جاتا کہ مسلمانان ہند کو اطمینان اور دلجمعی نصیب ہوئی۔ بلکہ یوں کہا جاتا کہ مسلمانو! فرع میں تمہاری فتح ہوئی اور اصل ہنوز باقی ہے اٹھو اور اس کے لئے انتہائی جائز کوششیں کرو۔

(۱۸) نیز اس کے غلط ہونے کی ایک کافی دلیل وہ ہے جو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفتاء سوم میں لکھا کہ گورنمنٹ نے قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ نا نہ چاہا بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں۔ دیکھئے اس میں استثناء نہیں۔

(۱۹) آگے گورنمنٹ کی دوسری شرط بتائی کہ مسلمان مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں۔ یہاں نفی استثنا ہو گئی اگر مسلمانوں کو دعوی زمین کی اجازت رہتی اور ضرور ممکن کہ وہ ڈگری پاتے تو بعینہٖ اسی طریقے کی عمارت بنانے سے کیوں ممنوع ہوتے اس کے صاف یہی معنی ہیں کہ ایسی عمارت بنالو جس کی چھت سے کام لو اور زمین پر دعوی نہ کرو۔

(۲۰) [ف: گورنمنٹ نے اسلام کو فائدہ دینا چاہا مگر مصالحت والوں نے روک دیا] جواب ایڈریس میں ہے مجھے پورے طور پر بھروسا ہے کہ مسئلہ مسجد کا جو حل میں نے کیا ہے اس سے ہندوستان کی تمام مسلمان آبادی مطمئن ہو جائے گی۔ گورنمنٹ کے یہ الفاظ اور صلح میں اس قرار داد کا بیان کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا۔ دونوں ملا کر دیکھئے صاف کھل جائے گا کہ وہ استثناء نہاں خانہ خیال ہی میں تھا، یا کہا اور منظور نہ ہوا، لاجرم تمام زوائد چھنٹ کر اصل بات نکل آئی جتنے پر عالم نے مصالحت ٹھہرائی کہ گورنمنٹ ہمارے آدمی چھوڑ دے ہم نے مسجد چھوڑ دی یہ وہی دلی کمزوری اور دہلی کے بم کا تجربہ دیکھ کر بھی گورنمنٹ پر ضد اور جبر کی بدگمانی سے ناشئی ہوا حالانکہ یہ بالکل وسوسہ گورنمنٹ دونوں باتوں میں مسلمانوں کے صاف موافق تھی قیدیوں کی رہائی کے لئے جواب ایڈریس کے وہ لفظ دیکھئے: میں خاص شملہ سے اس غرض سے آیا ہوں تاکہ آپ کے واسطے پیغام امن لاؤں۔ آخر میں مکرر ہے: میں کانپور اسی لئے آیا ہوں تاکہ پیغام امن لاؤں۔ اور مسئلہ احترام مذہبی کے لئے وہ قیمتی الفاظ پڑھئے: میرے لئے یہ بالکل غیر ضروری ہے کہ جو یقین میں نے کونسل کے اجلاس میں اس بارے میں دلائے ہیں کہ رعایا کے مذہبی عقائد کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی میں کوئی تغیر نہ ہوا اس کو دہراؤں اس لئے کہ آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ یہ ایک واقعی بات ہے۔ یہ لفظ تو عام آزادی مذہبی کے متعلق تھے اور خاص مسئلہ مساجد کے متعلق سنئے: ممکن ہے کہ سڑکوں ریل نہروں کی تعمیر مذہبی عمارتوں کے ساتھ ٹکرائے لیکن آپ کو یقین رکھنا چاہئے کہ گورنمنٹ

کافی توجہ سے تمام مطالبات پر غور کرے گی اور ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ اس طور حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ایسی صورت میں صرف امر اول سے فائدہ لینااور امر دوم کہ وہی اصل مرام وخاص مسئلہ احترام اسلام تھا،یوں چھوڑ دینا کیونکر صواب ہوسکتاہے۔**نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

جواب استفسار دوم پر نظر

(۲۱) استفسار تو یہ تھاکہ جس امر پر صلح ہوئی وہ کس کی تجویز تھا،اس کا یہ جواب کیا ہواکہ گورنمنٹ نے خود مصالحت کی خواہش کی اس امر پر کہ مقدمات اور دعاوی کے بارے میں کوئی سمجھوتا ہوجائے۔کس نے پوچھا تھاکہ خواہش صلح کدھر سے ہوئی اس سمجھوتے ہی کو پوچھا تھاکہ کس کی رائے کاایجاد تھااس کاکچھ جواب نہ ہوا۔

(۲۲) [ف: فیصلہ کانپور پرایک نظر کارد بلیغ] سائل فاضل نے اگرچہ جواب استفسار نہ دیامگر خود عالم کی تقریر کہ بعنوان "فیصلہ کانپور پرایک نظر" ہمدرد وغیرہ میں چھپی وہ اس کے جواب کی کفیل ہے اس میں صاف اعتراف ہے کہ چھتابنا کراس پر قبضہ ملنے اور زمین پر سڑک چلنے کی تجویز خود عالم نے اپنی طرف سے پیش کی وہی منظور ہوئی اس تجویز کاحال اوپر معلوم ہوچکا،اور یہ بھی کہ خود عالم کواس کاخلاف احکام اسلامیہ ہونا مسلم ہے مگر عالم کی تقریر مذکوراس تجویز کی حالت اور بھی واضح کرتی ہے۔

[ف: عالم کی پہلی تدبیر نامنظور شدہ اور اس کا صریح باطل وخلاف شرع ہونا] تقریر کاخلاصہ یہ ہے کہ عالم نے پہلے تو یہ تدبیر نکالی کہ اس زمین کو مسجد کامَمر بنادیں اور اس کے لئے مسجد کادروازہ اس طرف نکالیں کہ اصل ممر مسلمانوں کے لئے ہو پھر ضمناً کوئی دوسرا بھی اس طرف سے اس طرف گزر جائے تو ہم اس کو مانع نہیں ضرورت کے وقت اجازت ہوسکتی ہے بشرطیکہ احترام اس جز کامثل احترام دیگر اجزائے مسجد کے قائم رہے،اور غالباً اسی تحفظ واحترام کے لئے یہ چاہاتھاکہ اس حصہ زمین کو سڑک سے مرتفع بنایا جائے یعنی تاکہ پیدل کے سوااوروں کا گزرنہ ہو۔اس تدبیر میں عالم کی نظراس مسئلہ پر تھی کہ راستہ جب پیدل پر تنگی کرے تو بضرورت مسجد میں ہوکر لوگ ادھر گزر سکتے ہیں یوں کہ مسجد بحال خود برقرار رہے اس میں کوئی فرق اصلاً نہ آئے ولہذا شرط ہے کہ یہ مسجد میں ہوکر نکل جانے والے جنب وحائض ونفسانہ ہوں نہ اس میں جانور لیجائیں کہ مسجد میں ان کاجانااور ان کالے جانا حرام ہے۔

[ف: مسئلہ ممر فی المسجد کی جلیل تحقیق اور یہ کہ وہ سلطنت اسلامیہ کے ساتھ خاص ہے] **اقول:**

یہ گزر اصالۃً مسلمانوں کے لئے ہے کہ مسجدوں سے کافروں کو کیا علاقہ،

الاتری الی تعلیلھم بانھما للمسلمین[1] کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔	ان کا یہ علت بیان کرنا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ مسلمانوں کے لئے ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ معتبر کتب میں ہے(ت)

مگر جبکہ راستہ پیدل تنگ ہے اور گزر کی حاجت کافر کو بھی ہے اور کافر ذمی بلکہ مستامن بھی تابع مسلم ہے تو بالتبع ضمناً اسے بھی منع نہ کریں گے۔

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدًا وھذا معنی قول العلماء حتی الکافر[2] فظھر الجواب عما اعتراض بہ العلامۃ الطحطاوی علی جعلہ غایۃ[3] وللّٰہ الحمد ولا حاجۃ الی ما اجاب بہ العلامۃ الشامی وللّٰہ الحمد وظھر الجواب عما ظن العلامۃ شیخی زادہ فی مجمع الانھر من التعارض بین تعلیلیھم بان کلیھما للمسلمین و بین قولھم حتی الکافر[4] وللّٰہ الحمد۔	کئی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں اور علماء کے قول (حتی الکافر) حتی کہ کافر، کا یہی معنی ہے تو علامہ طحطاوی نے اس کو غایت قرار دے کر جو اعتراض کیا ہے، اس سے اس کا جواب ظاہر ہوگیا، للّٰہ الحمد، اور علامہ شامی نے جو جواب دیا اس کی بھی حاجت نہ رہی، وللّٰہ الحمد، نیز اس سے علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں اپنے خیال سے فقہاء کرام کی تعلیل کہ دونوں مسلمانوں کے لئے، اور فقہاء کرام کے قول "حتی الکافر" میں جو تعارض سمجھا اس کا جواب بھی ظاہر ہوگیا، وللّٰہ الحمد (ت)

مسئلہ تو یہاں تک بجا و صحیح یا کم از کم ایک قول پر ٹھیک تھا مگر موقع سے اسے متعلق سمجھنے میں ایک دو نہیں بکثرت خطائیں ہوئیں جن میں تین خود عالم کے تین لفظوں سے ظاہر و مبین (۱) ضمناً (۲) احترام (۳) ضرورت ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت ہوتی تو **اولاً:** کفار کا گزر ہرگز ضمناً نہ ہوتا بلکہ اصالۃً جس کا انکار صریح مکابرہ ہے اور وہ نہ صرف اس عالم کے اقرار بلکہ یقیناً مراد علماء کے خلاف ہے، زمانہ ائمہ میں مساجد تو مساجد دارالاسلام کی سڑک یا افتادہ زمین ہی پر چلنے والا کافر نہ ہوتا مگر ذمی کہ مطیع اسلام ہے یا مستامن کہ سلطان اسلام سے پناہ لے کر داخل ہوا، اور یہ دونوں تابع اسلام ہیں آخر نہ دیکھا کہ انہیں عبارات میں علماء نے مساجد کی طرح مطلق راستوں کو بھی مسلمانوں کے لئے بتایا کہ اور ہیں تو ضمنی و تابع ہیں۔

---

[1] درمختار، کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف ۱/ ۳۸۲

[3] طحطاوی علی الدر المختار کتاب الوقف دار المعرفہ بیروت ۱/ ۵۴۳

[4] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الوقف فصل اذبنی مسجداً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۴۸

ثانیًا: یہاں احترام ناممکن تھا جنب وحائض کی ممانعت پر اصلًا اختیار نہ ہوتا خصوصًا کفار کو اجازت ہو کر، اور اس ممانعت کو مسلمانوں کے ساتھ مخصوص کرنا محض ظلم ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کفار بھی مکلّف بالفروع ہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

"یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَکَکُمۡ فِیۡ سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوۡا لَمۡ نَکُ مِنَ الۡمُصَلِّیۡنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَمۡ نَکُ نُطۡعِمُ الۡمِسۡکِیۡنَ ﴿۴۴﴾ وَ کُنَّا نَخُوۡضُ مَعَ الۡخَآئِضِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ کُنَّا نُکَذِّبُ بِیَوۡمِ الدِّیۡنِ ﴿۴۶﴾"[1]	پوچھتے ہیں مجرموں سے تمہیں کیا بات دوزخ میں لے گئی، وہ بولے ہم نماز نہ پڑھتے تھے اور مسکین کو کھانا نہ دیتے تھے اور بیہودہ فکر والوں کے ساتھ بیہودہ فکریں کرتے تھے اور ہم انصاف کے دن کو جھٹلاتے رہے (ت)

اور بالفرض وہ مکلّف بالفروع نہ سہی ہم تو مکلّف ہیں بحال جنابت وحیض مسجد میں جانا ضرور بیت اللہ کی بیحرمتی اور دربار ملک الملوک عزوجلالہ کی بے ادبی ہے تو ہمیں کیونکر رواہوا کہ ایسی شنیع تجویز خود پیش کریں اور بیت اللہ کی حرمت پامال کرائیں، جانور تو بالاجماع مکلّف نہیں، کیا مسلمان کو روا ہے کہ کتے یا سوئر بلکہ ناسمجھ بچے یا مجنون کو مسجد میں چلتا دیکھے اور چپکا بیٹھا رہے کہ وہ تو مکلّف ہی نہیں حاشا حفظ مسجد پر یہ تو مکلّف ہے اور ترک منع اس کا گناہ ہے کہ بے ادبی مسجد پر راضی ہوا یا کم از کم ساکت رہا، حدیث میں ارشاد ہوا:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم[2] رواہ ابن ماجۃ وعبدالرزاق عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور دیوانوں سے بچاؤ۔ (اسے ابن ماجہ اور عبدالرزاق نے واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

جب احتمال بے ادبی پر غیر مکلفوں کو نہ روکنا خلاف حکم حدیث ہے تو مساجد کو بیحرمتی یقینی کے لئے خود پیش کرنا کس درجہ جرم شنیع وخبیث ہے۔

ثالثًا: اس میں جانوروں کا نہ جانا بھی ہرگز نہ ہوتا اگرچہ کہہ دیا جاتا کہ یہ پیدل کے لئے ہے، معہود معروف یہ ہے کہ پختہ سڑک جسے گولا کہتے ہیں اصالۃً صرف بگھیوں ٹمٹموں کے لئے بنتی ہے اور اس کے پہلوؤں پر جو راہ پیادوں کے لئے چھوڑی جاتی ہے بیل گاڑیوں، چھکڑوں، گائے بیلوں، گدھوں

---

[1] القرآن الکریم ۷۴ /۴۰ تا ۴۶

[2] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۵

کے لئے وہی ہوتی ہے، ولہذا ان میں سے جو چیز سڑک پر چل رہی ہے اور کوئی بگھی آجائے تو ان سب کو اسی پیادہ کی راہ میں ہٹنا ہوتا ہے ان کا استحقاق اسی میں سمجھا جاتا ہے اور معروف مثل مشروط ہے تو پیدل کے لئے کہنے کے یہ معنی ہیں کہ گھوڑا گاڑی کے سوا سب کے لئے ہے، آخر نہ دیکھا کہ جب آپ نے اس زمین کو سڑک سے کچھ مرتفع رکھنا چاہا یہ منظور نہ ہوا کہ اس میں گاڑیوں کی ممانعت تھی اور چھت آٹھ فٹ بلند ٹھہری کہ پیادہ کی حاجت سے بہت زائد ہے، لطف یہ کہ آپ اب بھی اسے زیر مسئلہ مذکورہ لانا چاہتے ہیں **فاعتبروا یااولی الابصار**۔

رابعًا: بفرض غلط اگر ممانعت ہوتی تو سواریوں کے لئے مگر گائے، بکری، بھیڑ کے گلے کوڑے اینٹوں کے گدھے نہ سوار ہیں نہ سواری، یہ قطعًا پیادہ ہی میں شامل رہتے۔

خامسًا: یہ بھی نہ سہی پیادہ گوروں اور جنٹلمینوں کے کتوں کا استثناء کیونکر ممکن تھا وہ تو ضرور پیادہ ہیں اور یہ ان کے دم کے ساتھ۔

سادسًا: جانے دو بھنگنیں کہ ٹوکرے لئے نکلتی ہیں وہ تو ہر طرح پیادہ آدمی ہیں ان کی ممانعت کس گھر سے آتی، تو آفتاب سے زیادہ روشن کہ یہ مسئلہ صرف اسلامی سلطنت کے ساتھ خاص ہے جہاں کفار تابع مسلمین ہوتے ہیں اور جہاں ہر طرح ہم احترام مساجد قائم رکھنے پر قادر ہیں غیر اسلامی عملداری میں اس کا اجراخود اصل مسئلہ کا ابطال اور مسجدوں کی صریح بیحرمتی وابتذال ہے۔

سابعًا: یہاں ایک نکتہ جلیلہ دقیقہ اور ہے جس پر مطلع نہیں ہوتے مگر اہل توفیق "**وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ**" [1] (اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔ت) وہ یہ کہ مسجد میں کسی امر کا جواز اور بات ہے اور اس کا استحقاق اور۔ صورت مذکورہ علماء میں حکم جواز ہے نہ حکم استحقاق کہ مساجد تو جمیع حقوق عباد سے ہمیشہ کے لئے منزہ ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "**وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ**" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ت) تو حکم صرف سلطنت اسلامیہ میں چل سکتا ہے غیر اسلامی سلطنت میں جو ممر بنایا جائیگا ضرور اس میں کفار خصوصًا حکام کا مرور بطور دعوی واستحقاق ہوگا اور یہ قطعی ابطال مسجدیت وہتک حرمت اسلام وخلاف کلام ذی الجلال والاکرام ہے اگرچہ بفرض محال ہر طرح کا احترام قائم ہی رہے تو سلطنت غیر اسلامیہ کے لئے یہ مسئلہ قرار دینا صریح جہل وظلم عظیم ہے، انہیں سات وجوہ پر نظر فرمانے سے واضح ہوسکتا ہے کہ "مِن، الٰی، فی، علٰی،" کا ترجمہ جان لینا فقاہت نہیں فقاہت چیزے دیگرست۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

(یہ سعادت زور بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عطافرمانے والامالک عطانہ فرمائے)

ثامنًا: [ف: ضرورت کی بحث] رہی ضرورت تنگی، اس کا حال ظاہر ہے کہ پیدل تو پیدل گاڑیوں کے لئے وسیع سڑک موجود ہے، علماء نے یہاں یہی ضرورت تحریر فرمائی ہے اور یہی حکم جواز فی نفسہ کا کفیل ہے، ضرورت اکراہ شرعی نہ یہاں متحقق نہ اس میں یہ صورت صادق، اس سے جواز شے فی نفسہ نہیں ہوتا رفع اثم ہوتا ہے، وہ بھی صرف مکرہ سے، وہ بھی صرف وقت اکراہ، وہ بھی صرف اتنی بات پر جس پر اکراہ ہوا، اگر بعض اوہام اُلٹے چلے تو ان شاء اللہ الکریم اس وقت ان مباحث جلیلہ کی تفصیل کردی جائے گی جس سے روشن ہوگا کہ یہاں ادعائے ضرورت اکراہ کیسا جہل شدید تھا، بالجملہ یہ تدبیر بھی محض باطل وناصواب تھی اور اتنا خود عالم کو اسی تقریر میں اقرار ہے کہ نہایت تنزل اور بقول ضعیف اور مخلص کے طور پر صورت مجوزہ ہے بہر حال وہ بھی ممبروں نے منظور نہ کی اس وقت عالم نے یہ دوسری تجویز نکالی جس پر تصفیہ ہوا کہ چھتا مسجد اور زمین سڑک۔ تقریر مذکور میں ہے: اس گفتگو میں تمام وقت صرف ہوگیا مصالحت کی امید منقطع ہوگئی اسوقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں کہ ہم بنائیں۔ اس کے بعد ایک فقرہ دھوکا دینے والا ہے کہ اور زمین بھی دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں حسب قواعد میونسپلٹی جو تمام عمارات کے واسطے عام ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ زمین ہم کو واپس مل جائے ہم اس پر پہلی سی عمارت بنالیں، اس سے آسان ترکہ تدبیر اول میں تھا وہ تو ممبر نے مانا نہیں اس کے بعد اس کے کہنے کی کیا گنجائش ہوتی ہے اور کہا جاتا تو مانا کیوں جاتا اور یہ وہ کہا گیا جو مانا گیا کہ اس کی نسبت تقریر مذکور میں ہے: غرضیکہ تینوں دفعات حسب دلخواہ طے ہوگئے۔ پھر باریابی گورنمنٹ اور ہار پہنانے کا ذکر کرکے کہا: اس کے بعد موافق تجویز دی روزہ تینوں مقاصد ہمارے حاصل ہوئے۔ یعنی جواب ایڈریس ان کے مطابق ملا تو زمین دے دیں اس کو بھی ہم ہی بنائیں، کے وہ معنی ہیں جو جواب ایڈریس میں ہے کہ متولیوں کو ایک چھتادار محراب بنالینی چاہئے اور ان عمارات کے نیچے بھی ایک گزرگاہ تعمیر کرلینی چاہئے جو میونسپل بورڈ کی مجوزہ تجاویز کے عین مطابق ہے۔ غرض تجویز پیش کردہ عالم کا یہ حاصل تھا کہ ہم کو ایک چھتا بنالینے دیا جائے جو مسجد ٹھہر کر ہمارے قبضہ میں رہے اور اس کے نیچے سڑک چلے اور یہ سعادت بھی ہمیں کو بخشی جائے کہ زمین مسجد پر یہ سڑک ہم ہی تعمیر کریں جو بعینہٖ تجویز چونگی ہے۔

[ف: تجویز دوم کی شناعتیں] اس تجویز کا حال مجوز کا قال بتارہا ہے، تدبیر اول کہ نامنظور رہوئی اسے نہایت تنزل بتایا تھا اور نہایت کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا تو یہ تجویز کہ اس سے بدرجہا گری ہوئی ہے کسی تنزل پر بھی دائرہ حکم شرعی میں نہیں آسکتی بلکہ حکم کی صریح تبدیل ناقابل تاویل ہے،

تدبیر اول کو بقول ضعیف کہا تھا تو اس کے لئے کوئی ضعیف روایت بھی نہیں محض باطل وایجاد بندہ ہے تدبیر اول کو مخلص کے طور پر کہا تھا تو یہ مخلص بھی نہیں بلکہ مجلس ہے یعنی مسجد کو ہتک حرمت کے لئے پھنسانا۔اور تقریر میں اقرار ہے کہ میں نے یہ صورت پیش کی۔ یہاں ہمارے استفسار دوم کا جواب کھلا، ایسی باطل وحرام وہتک اسلام صورت اگر ادھر سے پیش ہوتی اور عالم جبر واکراہ تام اسے تسلیم کرلیتا تو شرعًا سخت کبیرہ عظیمہ شدیدہ کا مرتکب تھانہ کہ خود اپنی تجویز سے ایسی صورت نکالنا اور اسے پیش کرنا اس پر منظوری لینا اس کی شناعت کا کیا اندازہ ہو،**نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۳) پھر یہ نہیں کہ عالم نے اس وقت کم علمی یا نافہمی سے اس صورت کا باطل وخلاف شرع ہونا نہ سمجھا نادانی سے اس وقت مجوز ہو بیٹھا نہیں نہیں بلکہ اس وقت بھی حکم شرعی معلوم تھا تقریر مذکور میں اس تجویز کے پیش کرنے سے پہلے کا بیان ہے کہ مسجد کے دیکھنے اور وہاں کے احوال سننے سے تسلیم کرلینا پڑا کہ جزو متنازعہ جزو مسجد ہے اس کے بعد مجھے مخلص نکالنا بہت دشوار ہو گیا میں ہرگز کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ مسلمانوں کو کسی جزو مسجد کو کسی دوسرے مصرف میں لانا جائز ہے تو دیدہ ودانستہ ارتکاب ہوا۔

(۲۴) پھر یہی نہیں کہ اسے صرف ابتدائی درجہ کا حرام جانا ہو بلکہ وہیں تصریح ہے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس جزو کو اصل مسئلہ سے زیادہ اس کے طرز انہدام نے اہم کردیا اور یہ واقعہ ہائلہ ۳/اگست نے تو احترام اسلام کا سوال پیدا کردیا اور شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو بھی شبہہ نہ رہا۔یارب یہاں تک جان کر پھر ہتک اسلام کی آپ تجویز پیش کرنے کو کیا سمجھا چاہئے **فانا للہ وانا الیہ راجعون** اس قول عالم کے معنی یہ ہیں کہ ہتک حرمت مسجد ضرور ہتک شعار اسلام ہے خصوصًا بحکومت کہ اس کا ہتک حرمت اسلام ہونا خود ہی واضح تر ہے جسے واقعہ ۳اگست نے سب پر ظاہر کردیا۔اس عبارت عالم کا یہ مطلب ہے ورنہ اگر عالم کے نزدیک اصل معاملہ میں ہتک حرمت اسلام نہ تھی تو واقعہ ۳/اگست کہ محض بربنائے قانون شکنی تھا اسے ہتک حرمت اسلام نہ کردیتا۔خانہ جنگی وغیرہ میں کتنے مسلمان ماخوذ وسزایاب ہوتے ہیں اسے کوئی ہتک حرمت اسلام نہیں سمجھتا کہ اصل معاملہ حرمت اسلام کا نہ تھا۔عالم کا یہ قول یادرکھنا چاہئے کہ خود اس کے منہ اس کی کارروائی کا حاصل کھلتا ہے **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۵) پھر یہ نہیں کہ عالم اس وقت حالت اکراہ میں ہو کہ " اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ "[1] (مگر جو مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو۔ت) سے فائدہ لے سکے وہ ابھی ابھی تدبیر اول پیش کرکے زیادہ کے لئے صاف جواب دے چکا تھا تقریر مذکور میں ہے: میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ احکام مذہبی میں کوئی

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

کچھ دخل نہیں دے سکتا حقیقۃً جس طرح وہ حصہ لیا گیا ہے اسی طرح واپس کیا جائے نہایت تنزل صورت مجوزہ ہے اگراس پر بھی رضامندی نہیں ہوتی پھر حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔ عالم کی اس تقریر کو ہمارے سائل فاضل نے جواب استفسار ہفتم میں یوں بیان کیا: گفتگو کے اثناء میں اس نے صاف کہہ دیا کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں ہے جس طرح وہ چاہے اور اس کا حکم ہو بننا چاہئے نہ کہ جس طرح میں یا آپ چاہوں علماء کو جمع کرنا چاہئے مسلمانوں کو جس سے اطمینان ہو وہ کرنا چاہئے۔ یہ تمام کلمات حق تھے انہیں کہہ کر پھر حق سے ایسے شدید ناحق کی طرف عدول کیوں ہوا ممبر اگرنہ مانتے اتنے ہی پر ختم کرنا فرض تھا، نہ عالم پر الزام رہتا نہ معاملہ میں یہ سخت پیچ پڑتا، مگر مشیت آڑے آئی اور عالم سے جو نہ ہونا تھا ہوا، **ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم**۔

(۲۶) پھر اس سے بھی اشد ظلم یہ کہ اس حرام شرع کو حسب دلخواہ اور نہایت مسرت خیز وموجب اطمینان ودلجمعی مسلمانان اور مسئلہ شرعیہ کی صورت سے بھی بہتر اور اس کے دن کو اسلامی تاریخ کا زریں دن کہا گیا اور خود شعار اسلام کا ہتک بتا کر بقائے احترام اسلام کہا یہ باتیں بہت سخت تر ہیں **نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ**۔

(۲۷) پھر اس کا یہ شدید ضرر قاصر نہ رہا بلکہ عام عوام مسلمین تک متعدی ہوا انہوں نے اس عالم ہی کے بھروسے حرام کو حلال، ماتم کو مسرت، ہتک حرمت اسلام کو اسلام کا احترام سمجھا۔

(۲۸) ان وجوہ نے معاملہ کی گتھی بہت کری کردی اور اس نرے زبانی بیان کو کہ مسلمانوں کو اطمینان نہ ہوگا موقع موقع کوشاں رہیں گے، کہ محض برائے گفتن تھا حرف غلط کردیا مریض جب مرض کو شفا سمجھے پھر ہوس علاج جنون ہے۔

(۲۹) پھر اتنے ہی پر بس نہیں بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے نظیر ہوگیا اسلامی عالم جسے قومی لیڈر اور گویا تمام مسلمانان ہند کا وکیل سمجھا گیا اس کی ایجاد کی ہوئی تجویز اس کی پیش کی ہوئی تجویز، پھر گورنر جنرل کی منظور، پھر تمام اسلامی حلقوں میں اس پر اظہار مسرت وخوشی، پھر عالم کا اسے اسلامی تاریخ میں زریں دن اور بقائے احترام اسلام اور موجب دلجمعی واطمینان ونہایت مسرت خیز کہنا اسے پتھر کی لکیر کر گیا، مسجدوں کا سڑکوں، ریلوں، نہروں سے تصادم نہ کوئی نئی بات نہ کبھی منتہی جیسا کہ خود جواب ایڈریس میں مذکور ہے مگر اس پر کتنے اطمینان بخش وہ الفاظ گورنمنٹ تھے کہ گورنمنٹ ہمیشہ کوشش کرے گی کہ مسئلہ متنازعہ کو اس طور پر حل کرے جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہو۔ عالم اور عوام کی ان کارروائیوں نے انہیں کتنے ہی برے معنی کی طرف پھیر دیا، انہوں نے چیخ وپکار اور جلسوں روشنیوں کی بھرمار سے بتادیا کہ یہ صورت

ہمارے لئے نہایت قابل اطمینان ہے جب تصادم ہو مسجدیں توڑ کر ہوا پر کر دو اور نیچے سڑکیں ریلیں نہریں دوڑادو، بس مسئلہ اس طور پر حل ہو جائے گا جو تمام اشخاص متعلقہ کے لئے قابل اطمینان ہے، کیا عالم اور عوام کو کوئی منہ رہا ہے کہ اس وقت کچھ شکایت کریں یا چارہ جوئی کا نام لیں، کیا ان سے نہ کہا جائے گا کہ عقل کے ناخن لو یہ وہی تو نہایت مسرت خیز و موجب اطمینان واحترام اسلام اور اسلامی تاریخ کازریں دن ہے جسے تم آپ پیش کرکے منظور کراچکے ہو۔

(۳۰) پھر نری نظیر ہی نہیں بلکہ جو قانون معابد بنا بتایا جاتا ہے اس کے لئے کافی مادہ ہے احترام مساجد کو یہی دفعہ بس ہوگی کہ ان کا زمین پر رکھنا کچھ ادب نہیں بلکہ چھتوں پر اٹھا کر سروں سے اونچی کردی جائیں اور اصل مسجد یعنی زمین پر جو چاہیں بنائیں عالم وعوام اس اپنی ہی پیش کردہ پسندیدہ دفعہ کا دفع کہاں سے لائیں گے، افسوس کہ یہ شدید ہتک اسلام خود فرزندان اسلام کے ہاتھوں ہو **انا للّٰه وانا الیه رٰجعون**، یہیں سے ظاہر ہوا کہ یہ جو بہلاوے دئے جاتے ہیں کہ ایک مختتم قانون تحفظ معابد کا بنایا جانا قرار دلوادیا گیا ہے جس سے حسب تصریح ممبر اس متنازع فیہ حصے کا بھی مسلمانوں کو موافق ہونا متوقع ہے، اور فیصلہ پر ایک نظر میں یہ تاکیدی حکم سنا جانا بتایا کہ اس کی تعمیر میں احکام اسلامیہ کے احترام کو ہر طرح مد نظر رکھنا چاہئے۔ سب روغن قاز کی بھی وقعت نہیں رکھتے، مانا کہ قانون ضرور بنے، مانا کہ تاکیدی حکم بیشک ہوا مگر احترام کے معنی تو آپ نے بتادئے کہ ہم اسے احترام اسلام کہتے ہیں جسے خود اپنے منہ سے ہتک حرمت اسلام کہہ چکے ہیں، بس اسی پر قانون بنوالیجئے اور اسی کی نسبت تاکیدی حکم تصور کیجئے ع

خویشتن کردہ راعلاج مخواہ

(اپنے کئے کا کوئی علاج نہیں)

یارب ! معنی خود الٹے ٹھہرانا اور خالی لفظ پر عوام کو بہلانا کس لئے۔

(۳۱) [عذر بدتر از گناہ کے رد] طرفہ تر عذر بدتر از گناہ سنئے، تقریر مذکور میں ہے: میں نے اسلئے اس کو اپنی صورت مجوزہ (یعنی تدبیر اول نامنظور) سے بھی بہتر خیال کیا کہ قواعد میونسپلٹی سے ممکن ہے کہ ہم کو بہتر موقع اس کے حاصل کرلینے کا ہو۔ ایسے حرام وہتک اسلام کو اپنے منہ پیش کرکے منظور کرانا اور اس امید موہوم کو کہ ممکن ہے میونسپلٹی ہمیں واپس دے اس کے ارتکاب کی نہ صرف تجویز بلکہ تحسین کا موجب ٹھہرانا عجیب فہم بلکہ تازہ شریعت ہے۔ کیا جیسا کہ کہا جاتا اور مراسلات کا مرید وغیرہ میں بیان ہوا ہے، یہ میونسپلٹی وہ نہیں جس نے کثرت رائے کا بھی خیال نہ کیا اور مسجد کے خلاف ہی فیصلہ دیا۔

لایلدغ المؤمن من جحر واحد مرتین [1]۔	مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جاتا (ت)

خاص گورنمنٹ، کون گورنمنٹ، وہ وہ جس نے کہا میں تمہارے لئے پیام امن لایا ہوں وہ وہ جس نے کہا مذہبی باتوں کے متعلق وہی پالیسی ہے اس میں کوئی تغیر نہیں، وہ وہ جس نے کہا حقوق مساجد کا ہمیشہ لحاظ رکھا جائیگا اور سب مسلمانوں کے اطمینان کے قابل فیصلہ کیا جائے گا اسے چھوڑ کر میونسپلٹی کی رحمت پر بھروسا کرنا وہاں اپنے منہ حرمت اسلامیہ کو پامالی کے لئے خود پیش کرنا اور اس کے ازالہ کی امید چونگی سے رکھنا کس درجہ بدقسمتی ہے۔

(۳۲) میونسپلٹی اگر موافق بھی ہوتی تو فیصلہ خاص گورنمنٹ کے بعد اس سے نقض کی امید کتنی غلط امید ہے۔

(۳۳) بفرض غلط اگر میونسپلٹی آپ کو لکھ بھی دے کہ ہاں یہ زمین خاص مسجد کی ہے چونگی کا اس پر کچھ دعوی نہیں تو کیا وہ اس حکم حتمی گورنمنٹ کو بھی منسوخ کردے گی کہ یہ ضرور ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں اور جب یہ برقرار رہا تو وہ کیا ہے جسے آپ میونسپلٹی سے خاص کرلیں گے جس کے سبب اس اپنے اقرار اشد حرام وہتک اسلام کو زائل کرلیں گے۔

(۳۴) بفرض باطل یہ بھی ممکن سہی تو ایک امید موہوم کے لئے، جس کا نہ وقوع معلوم نہ سال دس سال مدت معلوم، اس وقت ایسا حرام وہتک اسلام کو ہتک کے لئے خود پیش کرنا کس شریعت نے جائز کیا ہے۔

(۳۵) موہوم ہونے کی یہ حالت ہے کہ خود بھی اس کے حصول پر اطمینان نہیں تقریر میں عبارت مذکورہ کے متصل ہے اگر نہ ملا تو ہم مجبور ہیں ویسا ہی تصور کرینگے جیسا کہ اس وقت دہلی کی جامع مسجد میں انگریزوں کو جوتا پہنے آنے سے روک نہیں سکتے مجبور کس نے کیا، آپ تجویز نکالو، آپ پیش کرو، آپ منظور کراؤ، آپ خوشیاں مناؤ، اور پھر مجبور کے مجبور۔ انگریزوں کا جوتا پہنے پھرنا اگر وہاں کے مسلمانوں کی خوشی سے ہے تو ان پر بھی الزام ہے اگرچہ آپ پر اشد ہے کہ کہاں نادرًا گاہے ماہے کسی انگریز کا آنا اور کہاں یہ شبانہ روز کی پامالی، گوبر لید متالی، اور اگر مسلمانوں نے اس کی اجازت نہ دی تو یہ آپ کی تو خود کردہ ہے اس کا اس پر قیاس کیسا!

(۳۶) سب جانے دیجئے امید و موہوم و مظنون سب سے گزر کر بفرض محال میونسپلٹی سے اس کا استحصال

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب لایلدغ المؤمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۵، سنن الدارمی باب لایلدغ المومن من جحر مرتین نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۷

اور مرور واستعمال کا بالکلیہ زوال سب قطعی ویقینی ٹھہرا لیجئے پھر الزام کیا دفع ہوا، کیا کوئی گناہ حلال ہوسکتا ہے جبکہ ایک زمانہ کے بعد اس کا زوال یقینی ہو، یوں تو شراب وزنا بھی حلال ہوجائیں گے کہ ہمیشہ کے لئے نہ وہ مستقر نہ یہ مستمر، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ ہے وہ تقریر "مسجد کانپور کے فیصلہ پر ایک نظر" جس پر عوام کو وہ کچھ وثوق وہ کچھ ناز ہے واستغفر اللہ العظیم۔

الحمدللہ دو استفسار پیشین کے جواب میں یہی چھتیس نظریں کافی ووافی ہیں جن میں اس فیصلہ پر ایک نظر پر بھی پندرہ نظریں ہوگئیں، اور نہ صرف اسی قدر بلکہ مسئلہ وفیصلہ کے پہلوؤں پر کافی روشنی پڑ گئی جس کے بعد عاقل کو امتیاز حق وباطل کے لئے ان شاء اللہ العظیم زیادہ کی حاجت نہ رہی جواب باقی استفسارات کا حال بھی یہیں سے کھل گیا لہٰذا ان پر بالاجمال دو چار لفظ لکھ کر کلام تمام کریں وباللہ التوفیق۔

متعلق جواب استفسار سوم

اس کے فقرے فقرے کارد اوپر گزر چکا، گورنمنٹ نے خود خواہش تصفیہ کی، بہت اچھا کیا، مگر تصفیہ میں یہ تجویز جو خود عالم کے اقرار سے حرام اور بلاشبہہ ہتک حرمت اسلام ہے، عالم نے آپ ہی پیش کی بہت برا کیا، پھر اسے نہایت مسرت خیز وزریں روز وغیرہ وغیرہ کہا اور سخت برا کیا۔

(۳۷) [اس تجویز نے کیا دیا اور کیا لیا اس کا موازنہ] نہ کہ قیدیوں کو بلا مقابلہ کسی امر کے چھوڑ دینا چاہا، جواب اڈریس میں کسی مقابلہ کا اشارہ تک نہیں، لکھنو کے ایک انگریزی اخبار میں ہے کہ بلا شرط چھوڑا گیا، ممکن ہے کہ باہم خفیہ گفتگو میں ذکر شرط آیا ہو، اب سوال یہ ہے وہ شرط کیا تھی اور جزا کے ساتھ ہم قیمت تھی یا بہت گراں، ہمارے سائل فاضل کا بیان ہے کہ بلکہ اس کو مشروط کیا کہ مسلمان آئندہ مقدمات نہ چلائیں، یعنی زمین مسجد سے دست بردار ہوجائیں (دیکھو ہمارے بیانات میں نمبر ۱۷تا۲۰) اور مسجد کی زمین پر بعینہٖ اسی طریقہ کی عمارت نہ تعمیر کریں یعنی جس سے وہ مسجد کے لئے محفوظ رہے اور سڑک کے کام میں نہ آسکے ورنہ عمارت کی کسی ہیأت معینہ سے بحث کے کوئی معنی نہیں تو حاصل شرط مسجد کی مسجدیت کا ابطال اور اس کی زمین کا سڑک میں استعمال اور اس کی حرمت کا اسقاط وابتذال تھا، اسی کی پابندی سے عالم نے یہ اخیر ناشدنی تجویز نکالی جو منظور ہوکر نظیر ہوگئی اور جس نے ہمیشہ کے لئے تمام مساجد ہند کی حرمت بیچ ڈالی۔ اب اس کا اور جزا یعنی رہائی ملزمان کا موازنہ کرلیجئے خاص اشخاص کی قید ضرر خاص تھا اور وہ بھی جسمانی اور وہ بھی منقطع اور مساجد کی بیحرمتی وابطال مسجدیت اور اس کے خود پیش کرنے پھر منظور کرانے، پھر اس پر اظہار رضا ومسرت سے ہمیشہ کے لئے اس کا نظیر بننا کتنا سخت ضرر عام تھا اور وہ بھی دینی اور وہ بھی مستمر، اسی کو عالم نے خود کہا تھا

کہ شعار اسلام کے ہتک ہونے میں کسی کو شبہہ نہ رہا، ایک مسجد کا ضرر ضرر عام ہے کہ مسجد عام مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے، نہ کسی خاص کی، اور ضرر عام ضرر خاص سے اقوی، اسی پر مبنی ہے فتح القدیر و بحر الرائق و درر و غرر و تنویر الابصار و در مختار وغیرہا معتمدات اسفار کا مسئلہ کہ مسجد ضاق وبجنبہ ارض لرجل [1] الخ (جب مسجد تنگ ہوجائے اور اس کے پہلو میں ایک شخص کی زمین ہو۔ت) جب صرف نمازیوں پر جگہ کی تنگی ایسا ضرر مہم سمجھی گئی تو مسجد کی مسجدیت کا ابطال شعار اسلام کا وہ ہتک وابتذال اور پھر نہ ایک مسجد کے بلکہ قاعدہ مستمرہ مساجد کیلئے کس درجہ اشد واشنع ضرر عام مسلمین وضرر نفس اسلام ودین ہے عقل ونقل وعرف وشرع کا قاعدہ تو وہ تھا کہ ضرر عام سے بچنے کو ضرر خاص کا تحمل کرتے ہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

یتحمل الضرر الخاص لاجل دفع الضرر العام [2]۔	عام ضرر سے بچنے کے لئے خاص ضرر کو اپنایا جاسکتا ہے۔ت)

یہاں چند روزہ خفیف ضرر خاص چند اشخاص سے بچنے کو اتنا عظیم ضرر عام واضرار اسلام مستمر ومدام گوارا کیا، اب سوا اس کے کیا کہئے کہ "یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۲۶﴾" [3] (کسی طرح میری قوم جانتی۔ت)

(۳۸) عموم وخصوص ضرر سے قطع نظر آخر اتنا تو عالم کو بھی اقرار ہے کہ اس میں ہتک حرمت اسلام ہے پھر کون سی شریعت ہے کہ بعض اشخاص کو قید سے چھڑانے کے لئے مسجدیں بھینٹ چڑھانا اور ان کی حرمتیں پامال کرانا اور اس پامالی کو نظیر مستمر بنانا حلال ہے، زید کا باپ بیمار تھا اور بھائی کو زکام، ایک بڑا ڈاکٹر جس کے ہاتھ میں اللہ عزوجل نے ان بیماریوں کا یقینی علاج رکھا تھا دور سے اسے سن کر آیا، اور آیا بھی کیسا، یہ کہتا آیا میں تمہارے لئے پیام شفا لایا ہوں اور خاص تصریحًا برادر وپدر دونوں کا نام لے کر کہا کہ اسے بھی دوا دوں گا اور اس کا بھی خاص توجہ سے پورا اطمینان بخش معالجہ کروں گا، بااینہمہ زید نے اپنے وہم خواہ کسی کمپوڈر کے کہنے سے یہ خیال دل میں پکا لیا کہ باپ جب تک زندہ ہے بھائی کو دوا نہ دی جائیگی، لہذا بھائی کا زکام جانے کے لئے باپ کو قتل کردیا، ایسی صورت کو کیا کہیں گے، یا نہ سہی یہی فرض کرلیجئے کہ ڈاکٹر نے وہ کچھ کہہ کر خود بھائی کے علاج کو باپ کی موت پر مشروط کردیا، کیا اس صورت میں بھائی کا

---

[1] فتح القدیر کتاب الوقف فصل اختص المسجد باحکام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۵، بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۵، الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الوقف مطبعۃ احمد کامل ۲/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول تنبیہ یحتمل ضرر الخاص لاجل دفع ضرر العام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۱

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۲۶

زکام کھونے کو باپ کا قتل رواہے۔

(۳۹) استفسار یہ نہ تھا کہ ملزم شرط پر چھوٹے یا بلا شرط، جس کا یہ جواب دیا گیا، بلکہ سوال یہ تھا کہ ان کی آزادی کے بعد اور کیا منازعت رہ گئی تھی جسے عالم نے قطع کیا اور کیونکر قطع کی، یہاں بھی بعض اصحاب نے استفسارات کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان کی حکمت سمجھ میں نہ آئی کس کس غرض سے یہ امور دریافت کئے ہیں ہمارے استفسار دوم کی حکمت اوپر معلوم ہوچکی، اس سوم کا فائدہ یہ تھا کہ یہاں دو ہی نزاعیں تھیں، گورنمنٹ کا ملزموں پر دعوی، مسلمانوں کو زمین پر دعوی۔ گورنمنٹ نے عالم سے مصالحت کی، مصالحت یک طرفہ تو تھی نہیں اور رہائی ملزمان کوئی فعل مشترک نہ تھا کہ فریقین نے کیا، اور طرفین سے قطع نزاع متحقق ہوا، وہ تو تنہا فعل گورنمنٹ تھا کہ خود ہی وہ اسے بجالائی اور اپنی طرف سے قطع نزاع کی، اس کے بعد دوسری نزاع کیا تھی کہ ادھر سے قطع کی گئی، لاجرم اس کا جواب یہی تھا کہ گورنمنٹ نے قیدی چھوڑے مسلمانوں نے مسجد چھوڑی، ولہذا سائل فاضل نے استفسار دوم کی طرح سوم کے جواب سے بھی پہلو تہی کی اور وہ زائد بات لکھ کر اس گول مبہم پر قناعت فرمائی کہ گورنمنٹ اور مسلمانوں سے مقدمات اور اس کے ضمن میں باہم کشیدگی و منازعت تھی جس کو عالم نے قطع کردیا۔ سوال تھا منازعت کیا تھی کیونکر قطع کی؟ جواب ہوا کہ تھی اور قطع کی غرض یہاں کے بعض اصحاب فائدہ استفسارات نہ سمجھیں مگر سائل فاضل نے خوب سمجھا اور اپنی احتیاط کا حق ادا کیا۔

متعلق جواب استفسار چہارم

قبضہ کی کافی بحث اوپر گزری کہ زمین پر قبضہ دینا نہ ٹھہرا بلکہ ہوا پر۔

(۴۰) [زعم حصول قبضہ کارد] رہا ممبروں کا کہنا ہم عمارت کی اجازت دیں گے جو قانوناً و عرفاً قبضہ ہے اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں، شرعاً راستہ پر چھجا نکالنے چھتا پاٹنے کا ہر شخص کو اختیار ہے اگر کوچہ غیر نافذہ ہو تو سب اہل کوچہ کی اجازت سے، اور شارع عام ہو تو سلطان کی اجازت سے بلکہ بلا اجازت سلطان بھی نکالنے سے گنہگار نہ ہوگا اگرچہ مزاحمت کے بعد تار دینا واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد احداث الظلة فی سکة غیر نافذة یعتبر فیه الاذن من اهل السکة وهل یباح احداث الظلة علی طریق العامة ذکر الطحاوی انه یباح ولایأثم قبل ان یخاصمه	اگر کوئی بند گلی میں چھتہ بنانا چاہے تو گلی والوں کی اجازت معتبر ہوگی، اور کیا شارع عام پر کوئی چھتہ بناسکتا ہے، تو امام طحاوی نے مباح کہا ہے اور اس وقت تک گنہگار نہ ہوگا جب تک کوئی مخاصمت نہ کرے اور مخاصمت کے

احد وبعد المخاصمة لایباح الاحداث والانتفاع ویأثم بترك الظلة کذافی الفصول العمادیة.ولیس لاحد من اھل الدرب الذی ھو غیر نافذ ان یشرع کنیفا ولامیزابا باذن جمیع اھل الدرب اضر ذلك بھم اولم یضر ھکذا فی الخلاصة[1]۔	بعد نہ بنانا مباح ہوگااور نہ ہی اس سے انتفاع جائز ہوگااور اس کو باقی رکھنے سے گنہگار ہو گا، جیساکہ فصول عمادیہ میں ہے،اور کسی کو تنگ بند گلی میں کوڑا ڈالنا اور پر نالہ لگانا گلی والوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں خواہ گلی والوں کو ضرر ہو یا نہ ہو، خلاصہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور غالبًا انگریزی قانون میں بھی چونگی اجازت سے ایسا ہوسکتا ہے اسے کوئی عاقل راہ یا سڑک کی زمین پر قبضہ نہ کہے گااور دور کیوں جایئے لکھنو میں بام نشینان بازار کی کثرت سنی جاتی ہے شرعًا عرفًا قانونًا کسی طرح وہ دکانوں پر قابض نہیں۔

(۴۱) جواب اڈریس کاوہ جملہ کہ میں اس کو کچھ وقیع والم نہیں خیال کرتا کہ زمین کس کے قبضہ میں رہے گی،اس کے سمجھنے میں بہت غلطی کی گئی بحث قبضہ وقیع نہیں یعنی فضول ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ قبضہ کسی خاص کا ہو، اس سے ہمیں غرض نہیں۔دوسرے یہ کہ ہم کسی خاص قبضہ کو ہر گز روانہ رکھیں گے، لہذااس کی بحث فضول ہے،وہ بات کہ اگرچہ گورنر جنرل لفظ قبضہ کو اپنی زبان سے نہ کہیں معنی اول بتاتی ہے حالانکہ مراد قطعًا معنی ثانی میں ہے کہ اس کے متصل ہی،جواب اڈریس میں ہے مگر یہ ضروری ہے کہ عام پبلک اور نمازی اسے بطور سڑک کے استعمال کرنے کے مجاز ہوں یعنی قبضہ عام ہونا ضروری ہے خصوصیت کی بحث لایعنی ہے،توذکر نفی قبضہ کو نفی ذکر قبضہ پر حمل کرنا صریح مغالطہ یا کھلی غلطی ہے۔ممبر متعینہ نے صاف صاف کہہ دیا کہ یہی قبضہ ہے یعنی اور میں نے مان لیا کہ سالبہ مرادف موجبہ ہے ایسا قبضہ عالم صاحب یا کوئی مسلمان ممبر صاحب اپنے گھر کے لئے بھی گوارا کریں گے یا یہ خاص اللہ عزجلالہ کے گھر کے لئے ہے غرضکہ قبضہ خود ممبر متعینہ کی زبان سے طے کرالیا۔جی نہیں بلکہ خود اپنی زبان سے قبضہ کا قضیہ طے کردیا کہ چھت ہماری اور مسجد کی زمین پر سڑک جاری،لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الجنایات الباب الحادی عشر فی جنایۃ الحائط نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۰

متعلق جواب استفسار پنجم

(۴۲) [مصالحت اس پر کی کہ مسجد مسجد کیا بلکہ وقف بھی نہ ٹھہرے] عالم کی پیش کردہ دوسری تجویز جس پر فیصلہ ہوا تقریر مذکور عالم میں صرف ان لفظوں سے ہے: اس وقت میں نے یہ صورت پیش کی کہ سردست ہم کو دالان کی چھت پر قبضہ دے دیں الخ، اس میں کہیں کسی کی ملک نہ ہونے کا تذکرہ نہیں مگر سائل نے اسے ان لفظوں سے بیان کیا تھا کہ بعد رد وقدح عالم کی رائے سے طے پایا ہے کہ سردست ملک اس زمین پر کسی کی ثابت نہ کی جائے کیوں کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ وقف ہے قبضہ زمین پر مسلمانوں کا دلایا جائے، اس پر یہ استفسار پنجم تھا کہ یہ کسی کی ملک ثابت نہ ہونے کی قرارداد صرف عالم کے متخیلہ میں رہا یا باتفاق فریقین طے ہوا اس کا یہ جواب ہے کہ زمین کی ملکیت گورنمنٹ اپنی ہی سمجھتی تھی ممبر سے عالم نے صاف کہہ دیا اور کہلوالیا کہ ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی اور اسی واسطے ہم اپنے لئے بھی ثابت کرنے کے درپے نہیں۔ اس جواب میں بہت خلط مبحث ہے۔ ملک کا اطلاق دو ۲ معنی پر آتا ہے اول اختصاص مانع کہ ابتداءً اس کے لئے قدرت تصرف شرعی ثابت کرے اور اس کے غیر کو بے اس کی اجازت کے تصرف سے مانع ہو جیسے زید کا مکان زید کی ملک ہے، فتح القدیر میں ہے:

الملك هو قدرة يثبتها الشارع ابتداء على التصرف فخرج نحو الوكيل[1]۔	ملکیت وہ قدرت ہے جسے شارع نے تصرف کے لئے ابتداءً ثابت کیا ہو تو وکیل جیسے تصرف خارج ہوگئے (ت)

اشباہ میں ہے:

وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز[2]۔	اور حاوی قدسی نے اس کی تعریف یوں کی ہے وہ اختصاص جو دوسرے کی مداخلت سے مانع ہو۔ (ت)

بایںمعنی تمام اوقاف علی الصحیح المفتی بہ اور خصوصا مساجد باجماع امت اللہ عزوجل کے سوا کسی کی ملک نہیں، قال اللہ تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور یہ کہ مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ت) دوم ۲ بمعنی قدرت تصرف شرعی، عنایہ میں ہے: الملك هو القدرة على

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

التصرف فی المحل شرعا[1] (ملکیت، یہ محل تصرف شرعی کی قدرت ہے۔ت) بایں معنی متولی کو مالک او قاف کہہ سکتے ہیں۔
خزانۃ المفتین وفتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[2]۔	اگر پہلے محدود رقبہ کا دعوی اپنے لئے کیا پھر وقف ہونے کا دعوی کیا تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر وقف کا دعوی تولیت کی بناء پر کیا تو پھر اس کے دونوں دعووں میں موافقت پیدا کی جاسکتی ہے کیونکہ عادتًا وقف متولی کی طرف تصرف اور منازعت میں منسوب ہوتا ہے(ت)

یہ دونوں معنی خود اسی جواب استفسار میں موجود، اول کہا: ملک وقف میں کسی کے لئے نہیں ہوتی۔اس کے متصل ہی اپنے مشیر قانونی کا قول نقل کیا کہ ہماری ملک غصب سے نہیں چلی گئی۔ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ہرگز کسی وقت اس حصہ مسجد میں اپنی ملک بمعنی اول کی مدعی نہ ہوئی اس پر یہ کبھی نہ کہا گیا کہ یہ گورنمنٹی زمین ہے تم نے اسے مسجد کرلیا تھا اب گورنمنٹ اسے واپس لیتی ہے بلکہ دعوی اگر تھا تو اختیار تصرف کا اس کی نفی امر طے شدہ میں نہ ہرگز عالم نے کی نہ ممبر سے کہلوالی نہ صاف ناصاف بلکہ صاف صاف اس کے اثبات پر فیصلہ ہوا کہ یہ امر ضروری ہے کہ عام پبلک الخ۔

(۴۳) ہر قوم اپنی اصطلاح پر کلام کرتی اور سمجھتی ہے قانون اور اہل قانون کی اصطلاح میں زمین مسجد یا وقف مسجد کو ملک مسجد کہتے ہیں بلکہ اس اصطلاح کا پتا شرع مطہر میں بھی ہے۔واقعات حسامیہ وخزانۃ المفتین وفتاوی ہندیہ میں ہے:

لایمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد فاثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح[3]۔	مسجد کو ہبہ کرنے سے تملیک کی تصحیح ممکن نہیں جبکہ اس طریقہ سے مسجد کے لئے ملکیت کا اثبات صحیح ہے(ت)

تو یہ طے کرنا ملک اس زمین پر کسی کی نہ ثابت کی جائے یہ طے کرنا ہے اسے مسجد کی شے نہ مانا جائے

[1] العنایة علٰی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع مکتبۂ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵
[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب السادس فی الدعوی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱
[3] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

اور اب یہ کہنا ضرور صحیح ہے کہ چنانچہ گورنمنٹ نے ایسا ہی کیا۔

متعلق جواب استفسار ششم

(۴۴) یہاں "سردست" کے معنی جس حکمت کے لئے دریافت کئے تھے وہ کارگر ہوئی بتانا پڑا کہ سردست کے معنی ممبر متعینہ سے صاف کہہ دئے گئے کہ ہم تخلیص شرکت مرور کے لئے ہمیشہ چارہ جوئی کرتے رہیں گے۔ یعنی اس وقت ہماری یا مسجد کی ملک ثابت ہو جائے گی فی الحال کسی کی نہ رکھو تو صاف کھل گیا کہ ملک سے وہی معنی مراد لئے جو اصطلاح قانون ہے یا معنی دوم بہر حال مطلب یہ ہوا کہ فی الحال زمین مسجد کو وقف نہ ٹھہرایا جائے آئندہ ہم کوشش کرینگے کہ وقف قرار پائے ایک اسلامی عالم کہ الٰہی گھر کی حمایت کو چلا ہو اس کے لئے اس سے زیادہ شنیع بات اور کیا ہوگی کہ اپنے منہ سے مسجد درکنار سرے سے فی الحال اسے وقف ہی نہ ٹھہرانے کی تجویز پیش کرے۔ رہی آئندہ کی کوشش اس کا مفصل حال اوپر گزرا کہ یہ محض نہاں خانہ خیال میں رہا یا کہا اور منظور نہ ہوا اس کا قرارداد ہر گز نہ ہوا اور جو کچھ برائے گفتن تھا تصفیہ ہوتے ہی اسے خود ہی منسوخ و ممسوح کر دیا اور اس کا خیال تک مسلمانوں کے دلوں سے چھیل ڈالنے کا پورا ذمہ لیا **فاعتبروا یااولی الابصار** ممبر متعینہ نے یہ بھی صاف صاف کہہ دیا کہ جب قانون بن جائے گا تو خواہ نخواہ یہ مسئلہ بھی طے ہو جائے گا۔ جی مسئلہ تو ابھی طے ہو گیا اور وہی قانون کے لئے مادہ ہو گیا دیکھو نمبر ۲۶ تا ۳۰ ہم اس وقت اس خواہش کو پورا نہیں کر سکتے یعنی مسجد کو مسجد بالائے طاق وقف بھی نہیں مان سکتے۔ یہ ہے جو عالم نے طے کیا ہے۔ **فانا للہ وانا الیہ راجعون**۔

متعلق جواب استفسار ہفتم

(۴۵) [یہ مصالحت ایک شخصی کارروائی ہے اور اس کے روشن ثبوت] یہاں تک بعض استفساروں کے منشا کو سائل فاضل نے سمجھ لیا اور جواب سے اعراض یا ابہام کی طرف عدول کیا جیسے استفسار دوم وسوم اور باقی میں جواب صحیح کی راہ ہی نہ تھی ان میں طریق اعتذار لیا اور بن نہ پڑا۔ اس ہفتم میں بظاہر منشاء سوال خیال میں نہ آیا، منشا یہ تھا کہ عالم نے جس بات پر فیصلہ کیا قطعًا اسی کے اقرار سے خلاف احکام وہتک حرمت اسلام ہے۔ اب الزام کے لئے تین صورتیں ہیں: ایک معافی وہ صورت جبر واکراہ شرعی ہے، یہ استفسار کی شق اول تھی کہ عالم کو گورنمنٹ نے حکمًا مجبور کیا۔ دوم اشترک کہ الزام تام ہے مگر نہ صرف عالم بلکہ عام مسلمانان ذی تعلق پر جبکہ انہوں نے اس کارروائی کے لئے عالم کو وکیل بنا کر بھیجا ہو یہ دوسری شق تھی کہ یا

مسلمانوں نے اپنی طرف سے مامور کیا اور اس میں عالم کا نفع یہ تھا کہ اگرچہ کبیرہ شدیدہ واقع ہوا مگر اوروں کو عالم پر سخت شنیع ملامتیں کرنے کا (جن کی شکایت اس سوال کے ساتھ خط میں آئی) موقع نہ ہوگا کہ وہ خود بھی اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ سوم عالم ومن معہ کا انفراد اور اضرار اسلام میں استبداد، یہ تیسری شق تھی کہ یا وہ بطور خود گیا، اس کے جواب میں دو شق اخیر کی صراحۃً اور اول کی ضمناً نفی کی کہ عالم کو عام مسلمانوں نے طلب نہ کیا نہ وہ از خود گیا بلکہ مقدمہ کانپور کے کارکنوں نے باصرار بلایا، یہاں سے ظاہر کہ وہ کارکن عام مسلمانوں کے صحیح نائب مناب نہ تھے ورنہ ان کا بلانا عام مسلمانوں کا طلب کرنا کیوں نہ ہوتا اور جب ایسے نہ تھے اور معاملہ عام مسلمانوں کا تھا نہ کہ تنہا ان خاص کا، تو خاص کے بلائے پر جانا عام کا قائم مقام کیونکر کردے گا، تو مآل وہی ہوا کہ خود گیا۔

(۴۶) بالفرض وہ کارکن عام مسلمین کے صحیح قائم مقام تھے یا خود عام مسلمانوں نے عالم کو بھیجا تو کیا انہوں نے کہہ دیا تھا کہ اصل معاملہ پر پانی پھیر دینا فیصلہ پر ایک نظر میں مسلمانوں سے گفتگو اور عالموں سے مشورہ تک تو صرف تدبیر اول تھی بھیجنے والوں نے اسی کے لئے بھیجا تھا جب ممبر نے اسے نامنظور کیا عالم کی وکالت ختم ہوچکی، اسے اپنی رائے سے ایسی تدبیر حرام وخلاف احکام وہتک اسلام نکالنے اور اسے مسلمانوں کے سر ڈالنے کا کیا اختیار تھا، لاجرم اشتراک ہرگز نہیں بلکہ اضرار اسلام میں استبداد ہے پھر ملامت مسلمانان کی شکایت کیوں۔

تنکی المحب وتشکو وھی ظالمۃ　　　　کالقوس تصمی الرمایا وھی مرنان

(محب کو ہلاک کرتی ہے اور شکایت کرتی ہے حالانکہ خود ظالم ہے کمان کی طرح کہ تیر ہلاک کریں اور یہ جنبش دے)

(۴۷) عالم نے خود ممبر سے یہ کہہ کر کہ میرا کام مسئلہ بتادینے کا ہے خدا کے گھر کا معاملہ ہے میرا گھر نہیں الخ اور تقریر عالم میں ہے احکام مذہبی میں کچھ نہیں دخل دے سکتا اگر رضامندی نہیں ہوتی حکام کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، اپنی وکالت کو ختم کردیا تھا، پھر خودرائی کا اسے کیا اختیار تھا اس کا عذر یہ بتایا ہے کہ مگر ممبر متعینہ نے کہا ہم کو تمہاری رائے پر اعتماد ہے ہم علماء کی مجلس جمع نہ کریں گے تم اپنی رائے کہہ دو۔ **الحمدﷲ** ظاہر ہوگیا کہ اب یہاں سے عام مسلمانوں کا وکیل نہ تھا بلکہ فریق ثانی کا جس نے اس پر اعتماد کیا، تو اس کی یہ کارروائی ہرگز مسلمانوں کی نہیں ٹھہر سکتی بلکہ ایک وکیل گورنمنٹ بلکہ ایک وکیل ممبر کی کارروائی ہے جس کا اثر صرف ممبر کی ذات تک محدود ہے۔

(۴۸) علماء سے مشورہ نہ لینے کو ممبر کے سر رکھا جاتا ہے مگر فیصلہ پر ایک نظر کی تقریر تو صاف کہہ رہی ہے کہ عالم خود ہی اس سے باز رہا اور بالقصد اس سے انحراف اور اپنی رائے پر توکل کیا تقریر مذکور میں ہے

میں نے چاہا کہ عام طور پر علما سے مشورہ لوں مگر مجھے اخفائے راز کی ذمہ داری اس سے مانع ہوئی اپنا ذاتی خانگی معاملہ ہوتا تو ایک بات تھی عام مسلمانوں کا معاملہ اور انہیں سے اخفاء گورنمنٹ کا اگر کوئی راز تھا تو کیا ضرور تھا کہ گورنمنٹ کا نام لیا جاتا اس کا کوئی خفیہ ارادہ ظاہر کیا جاتا در بارہ مسئلہ علماء سے استشارہ کہ فلاں صورت کا کیا حکم ہے کون سا افشائے راز تھا شرعی مسئلہ اور خاص حرمت اسلام سے متعلق اور عام مسلمانوں سے اس کا تعلق اور راز کی کوٹھری میں بند۔ بحمداللہ یہ تو صاف ہوگیا کہ ایک شخص کی شخصی کارروائی ہے جس میں نہ عام مسلمان شریک نہ علماء کو خبر، ایسی کارروائی جس قابل ہے ظاہر ہے۔

(۴۹) آگے ممبر کا قول لکھا ہم بالکل گفتگو منقطع کرتے ہیں اور صرف ایک گھنٹے کی مہلت ہے یہاں یہ بتایا جاتا ہے کہ جلدی کی اور مہلت نہ دی اور گھبرالیا اس لئے ہم نے مسجد نہ ایک مسجد بلکہ ہندوستان کی سب مسجدیں نذر کردیں، اس عذر کی خوبی ظاہر ہے نزاع میں فریق ثانی سب کچھ کرتا ہے گھبرالینے پر گھبرا جانا کیوں ہوا مہلت کے جواب میں کیوں نہ انہیں سے مشورہ لینے کے لئے کافی مہلت ملنا ضرور ہے ورنہ گورنمنٹ کو اختیار ہے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا، یہ کہہ کر دیکھا ہوتا کہ آشتی خواہ گورنمنٹ کیا کہتی، حرمت اسلام کیسی برقرار رہتی، حفظ حقوق مذہب میں گورنمنٹ کی نامبدل پالیسی کیا کچھ نفع پہنچاتی، وہ امن جس کا پیام ہی لے کر گورنمنٹ کا آنا ہوا تھا کیسا کچھ مبارک رنگ دکھاتی، اسی لئے تو حدیث میں ارشاد ہوا:

التأنی من الرحمٰن والعجلة من الشیطان[1]۔ والعیاذ باللہ العزیز المستعان۔	تاخیر رحمان کی طرف سے ہوتی ہے اور عجلت شیطان کی طرف سے، اللہ تعالٰی غالب مددگار کی پناہ۔ (ت)

اس کے بعد جو کچھ کہا گیا اس کے فقرے فقرے کارد اوپر آگیا **وباللہ التوفیق۔**

(۵۰) غرض الزامات شرعیہ قطعیہ یقینا قائم ہیں اور بشدت قائم، کبائر شدیدہ عدیدہ کے ارتکاب قطعًا لازم ہیں اور بقوت لازم۔ اس سب پر ظلم بر ظلم برات کی فکر وکاوش اور اس کارروائی ہتک حرمت اسلام کو صحیح وصواب بنانے کی کوشش ہے حاشا حق طلبی کی یہ راہ نہیں ؎

دانم نرسی بکعبہ اے پشت براہ کیں راہ کہ تو میروی بہ انگلستان ست

(اے مسافر مجھے معلوم ہے کہ تو کعبہ نہیں پہنچے گا کیونکہ جس راستہ پر تو چل رہا ہے وہ انگلستان کا ہے)

نسأل اللہ العفو والعافیة۔

[1] جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی التأنی امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲، کنز العمال حدیث ۵۶۷۵ موسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۱۰۱

بلکہ سبیل نجات اس میں منحصر کہ

اولًا: عالم اور جو جو مسلم اس کارروائی میں شریک تھے سب اس شنیع وسخت فظیع کبیرہ خمیر صدہا حرام وہتک حرمت اسلام سے بصدق دل توبہ کریں رب المساجد جل جلالہ کے حضور خاک مذلت پر ناک رگڑیں، اپنے سروں پر خال اڑائیں، سربرہنہ بادل گریاں وچشم بریاں اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن پکڑ کر دست ضراعت پھیلائیں اور ہر ایک کہے: اللّٰھم انی اتوب الیك منھا لاارجع الیھا ابدا الٰھی! میں ان تمام حرکات شنیعہ سے تیری طرف توبہ کرتا ہوں اب ایسا نہ کروں گا۔

ثانیًا: بکثرت اخباروں اشتہاروں میں صاف صاف بلا تاویل اپنے جرائم کا اعتراف اور اپنی توبہ اور اس کارروائی کی شناعت کی خوب اشاعت کریں کہ جس طرح عالم کے اعتماد پر عوام میں اسکی خوبی کا دند(شور) ہند کے گوشہ گوشہ میں مچا یوں ہی بچہ بچہ کے کان تک عالم کی توبہ اور اس کی شناعت کا اعلان پہنچے، حدیث میں ارشاد ہوا:

اذاعملت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السر بالسرو العلانیۃ بالعلانیۃ[1]۔رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب بسند حسن جید عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔	جب تو برائی کرے تو اسی وقت توبہ کر، مخفی کی مخفی اور علانیہ کی علانیہ۔اس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حسن جید سند کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کیا۔(ت)

ثالثًا: گورنمنٹ کو جو ایسا عظیم مسئلہ غلط باور کرایا ہے جس سے ہمیشہ کے لئے مسجدوں کو سخت خطرہ کا سامنا ہے اپنی تمام ہستی ساری حیثیت پوری کوشش ہمگین طاقت اس کے رفع میں صرف کریں اور شرعی دلائل، فقہی مسائل، ائمہ کے ارشاد، علماء کے فتاوٰی بیش از بیش جمع کرکے یقین دلاویں کہ وہ کارروائی جو پہلے ہم نے بتائی محض باطل وحرام وہتک حرمت اسلام تھی کسی مسجد کی کوئی زمین ہرگز ہرگز راستہ، سڑک، ریل نہر غرض کسی دوسرے کام کے لئے نہیں کی جاسکتی، مسجد حقیقۃً زمین کا نام ہے۔

[1] الزہد لامام احمد بن حنبل دارالدیان التراث القاہرۃ ص ۳۵

چھت اس کا بدل نہیں ہو سکتی نہ ہر گز کسی دوسری زمین یا دس ' لاکھ روپے گز قیمت خواہ کسی شے سے اس کا بدلنا روا ہو سکے، اگر ایسا نہ کیا تو یہ مسجد اور اس کے سوا جب کبھی کسی مسجد کو عالم اور اس کے ساتھی مسلمانوں کی اس کارروائی سے صدمہ پہنچے گا ہمیشہ ہمیشہ تا بقائے دنیا اس کی ایک ایک بیحرمتی کا روزانہ گناہ عظیم ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہوا کرے گا اللہ کی پناہ اس حالت سے کہ قبر میں ہڈیاں بھی نہ رہیں اور ہر ہر لمحہ پر،

"مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ "[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لئے جانے سے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے۔ (ت)

کا وبال عظیم دنیا سے قبر اور قبر سے حشر تک پیچھا نہ چھوڑے، اور یہ عذر مسموع نہ ہوگا کہ ہمیں اس کام کے لئے آدمی نہیں ملتے جیسا کہ یہاں خط میں لکھ کر بھیجا کام آپ کا بگاڑا ہوا ہے آپ پر اس کی تلافی فرض ہے اگرچہ کوئی ساتھ نہ دے، بگاڑنے کو آپ تھے بنانے کو کوئی اور آئے، اس وقت کا استبداد کہ نہ علماء سے پوچھا نہ مسلمانوں سے کہنا اب بھی کام لائیے اور اپنی عاقبت بنائیے اور خدمت کعبہ کی الٹی بانگی مٹا کر سیدھی دکھائیے، راہ یہ ہے اور توفیق اللہ عزوجل کی طرف سے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ اس میں اپنی ذلت نہ سمجھئے اللہ عزوجل کے نزدیک عزت کہ اس کی طرف رجوع لائے اس کے گھر کی بیحرمتی کرانے سے باز آئے، وہ فرماتا ہے: "لَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ(۱۳۵) "[2] (اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر اڑ نہ جائیں۔ ت) مسلمانوں کے نزدیک عزت کہ ان کے دین پر تعدی چھوڑی حفظ حقوق مذہب کی طرف باگ موڑی، گورنمنٹ کے نزدیک عزت کہ ایسی عظیم حرمت اسلام کی پامالی جو اس کی نامبدل پالیسی کے بالکل خلاف اس کے مستمر وعدوں کے بالکل مناقض، سات کروڑ رعایا کا دل دکھانے والی روش برطانیہ کو مذہبی دست اندازی کا عیب لگانے والی تھی اٹھا دی اور جو بات غلط باور کرائی تھی حق وانصاف سے بدلوا دی، **والامر بید اللہ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ** (معاملہ اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ**۔ ت) میں ان صاحبوں خصوصًا اپنے قدیمی دوست عالم کو اللہ عزجلالہ کی پناہ دیتا ہوں اس سے کہ انہیں بات کی پیچ الٹی راہ دکھائے **معاذ اللہ** "اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ "[3] (اسے اور ضد چڑھے گناہ کی۔ ت) کی شامت آڑے آئے، اور اگر خدا نا کردہ ایسا ہو تو علماء پر فرض ہے کہ اس کارروائی کا خلاف شرع ومضر اسلام ہونا دلائل ساطعہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

واضح کریں اوہام خلاف کا رد بالغ فرمائیں، اسلامی اخباروں پر فرض ہے کہ ان تحریرات علماء کو نہایت کثرت واہتمام سے شائع کریں، ایک ایک گوشہ میں ان کی آواز پہنچائیں، اسلامی انجمنوں پر فرض ہے کہ ان کی تائید میں جلسے کریں بکثرت ریزولیوشن پاس کریں گورنمنٹ کو ان کی اطلاعیں دیں، مسلمان امراء وحکام واہل وجاہت پر فرض ہے کہ گورنمنٹ کو اس طرف پے در پے توجہ دلائیں، مسلمان قانون پیشہ پر فرض ہے کہ اس کے استغاثے منتہی کو پہنچائیں غرض ہر طبقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ اپنے منصب کے لائق اس میں سعی جمیل بجالائیں، اور بے تکان اتھک جائز کوششیں کرکے اپنی مساجد کو بے حرمتی سے بچائیں، ایسا کروگے تو ضرور حضرت عزت عزجلالہ سے ان شاء اللہ القدیر المستعان کامیاب ہوگے دنیا میں سرخرو آخرت میں مثاب ہوگے کہ وہ فرماتا ہے:

"وَ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾"[1] "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۲۰﴾"[2]	اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا، بیشک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (ت)

والحمد للہ رب العٰلمین، وصلی اللہ وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولٰنا وملجأنا وماوٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم، کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۱۸۶:　　مسئولہ مولوی نور احمد صاحب ہزاروی از کانپور مدرسۃ البنات

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد اہل محلّہ پر تنگ ہے اور اس کے گرداگرد جگہ نہیں مل سکتی یا مل سکتی ہے لیکن لوگوں میں اس قدر طاقت نہیں کہ وہ اتنا روپیہ دے سکیں اور پھر مسجد بنوادیں کیونکہ روپیہ بہت خرچ ہوتا ہے اور وہ طاقت نہیں رکھتے اور وہ دوسری جگہ مسجد وسیع تیار کرسکتے ہیں بشرطیکہ پہلی مسجد کی لکڑی وغیرہ دوسری مسجد میں لگادیں وگرنہ دوسری بھی بمشکل تمام نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳۰ /۴۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰ و ۱۱/ ۱۱۵ و ۱۲/ ۹۰

ہو سکتی، کیا اس صورت میں اہل محلّہ دوسری جگہ نئی مسجد اپنے محلّہ میں پہلی مسجد کے سامان سے اور زوائد روپیہ لگا کر بنا سکتے ہیں یا نہ؟ اگر بنا سکتے ہیں تو پہلی مسجد کی جگہ کی کس طور سے حفاظت رکھی جائے؟ مدلل و مبرہن طور پر تحریر و بیان فرمایا جائے۔

الجواب: مسجد جب تک مسجد ہے قرآن عظیم کی نص قطعی، ہمارے ائمہ کرام کے اجماع سے اسے ویران کرنا سخت حرام و کبیرہ ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو ان میں جانا ہی نہ پہنچتا تھا مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

ہمارے ائمہ کرام نے بلاخلاف تصریح فرمائی کہ مسجد اگر تنگی کرے اور اس کے قریب اگر کسی شخص کی زمین ہو اور وہ دینے پر راضی نہ ہو تو بحکم سلطان بے اس کی مرضی کے لے کر مسجد میں داخل کرلی جائے اور مالک کو بازار کے بھاؤ سے قیمت دے دی جائے کمانص علیه فی البزازیة والفتح والبحر والدر وغیرہا (جیسا کہ اس پر بزازیہ، فتح، بحر اور در وغیرہ میں نص فرمائی گئی۔ت) اگر تنگی کی وجہ سے یہ مسجد ویران کرکے دوسری جگہ بنالینا جائز ہوتا تو جبر ہرگز حلال نہ ہوتا اور وہ صورت کہ سوال میں فرض کی گئی اس کی بنا خود ہی متزلزل ہے جب وہ دوسری مسجد اس سے بڑی بنا سکتے ہیں اگرچہ اس میں اس کے عملے سے بھی مدد لینا چاہتے ہیں تو مہربانی فرماکر بڑی نہیں ایک چھوٹی مسجد دوسری بنالیں کہ دونوں مسجدیں مل کر حاجت پوری کردیں، کس نے واجب کیا ہے کہ سب ایک ہی مسجد میں نماز پڑھیں، غرض جو اللہ سے ڈرے اور اس کی حرمتوں کی تعظیم کرے اللہ اس کے لئے آسانی کی راہ نکال دیتا ہے اور جو بے پروائی کرے تو اللہ تمام جہان سے بے پروا ہے،

"وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴿۲﴾ "[2]	جو اللہ تعالٰی سے ڈرے تو وہ اس کے لئے راہ بنادیتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

"وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ ۝٢٤ "[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو منہ پھیرے تو اللہ تعالٰی ہی بے نیاز اور ستو دہ صفات ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷تا۱۸۹: مسئولہ قاضی سید احمد علی مدنی مہتمم مدرسہ اسلامیہ از بمبئی بھنڈی بازار ۲ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسی صورت میں کہ ایک درگاہ شریف کے قریب ایک مسجد واقع ہے، مسجد کے متولی صاحب نے درگاہ شریف کی زمین جبراً دبالی، اس کو شامل مسجد کرنا چاہتے ہیں، متولی درگاہ نے روکا کہ شرع شریف میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، مگر نہیں مانتے، سوایسا کرنا جائز ہے؟

(۲) کیاایسی جبراً مغصوبہ زمین پر مسجد بنانا درست ہے اور کیااس میں نماز درست ہوگی حالانکہ متولی صاحب درگاہ برابر معترض ہوا کئے ہیں۔

(۳) کیا ایسے متولی مسجد جو خلاف شرع زمین غصب کرکے اس پر مسجد بنادے تو وہ عندالشرع قابل تدارک و گنہگار ہیں یا نہیں؟جواب صحیح ازروئے کتب فقہ صاف بخشا جائے۔بینوا توجروا۔

الجواب:

سوال بہت مجمل ہے کچھ نہ لکھا کہ متولی اس زمین کو مسجد میں کس وجہ سے شامل کرنا چاہتے ہیں، آیا مسجد نمازیوں پر تنگ ہوئی ہے یہ ضرورت لاحق ہوئی ہے یا کچھ اور۔نہ یہ لکھا کہ وہ زمین درگاہ پر وقف ہے یا نہیں، اور ہے تو کس طرح وقف ہے جسے وقف صحیح شرعی کہا جاسکے گا یا نہیں، نہ یہ لکھا کہ اس زمین کے شامل مسجد کرلینے سے درگاہ میں کیا نقصان ہوگا، اگر مسجد نے تنگی نہ کی تو متولیوں کو اس زمین کے لینے کا کوئی اختیار نہیں وہ غاصب ہوں گے اور اتنے پارہ زمین پر نماز ناجائز ہوگی، اور اگر مسجد تنگ ہوگئی ہے اور اس کے اپنے متعلقات کی زمینوں سے بڑھانے کی گنجائش نہیں، تو اگر وہ زمین درگاہ وقف صحیح شرعی نہیں یا اسکے لینے سے درگاہ کو ضرر نہیں پہنچتا تو بقیمت لے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۰تا۱۹۳: مسئولہ مولوی صابر علی صاحب از مدرسہ رفاہ المسلمین فرنگی محل لکھنؤ ۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، ایک مسجد قدیم کسی شیعہ کی تھی

---
[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۴

مگر کچھ عرصے سے ویران پڑی تھی، اسی حالت ویرانی میں چند قدم کے فاصلے پر ایک سنی نے دوسری مسجد بنوائی اور اس نئی سنی کی مسجد میں مسلمان سنی نماز پنج وقتہ پڑھنے لگے اس کے پانچ چھ برس کے بعد پرانی شیعہ کی مسجد کو ایک شخص نے ایک سنی کے ہاتھ فروخت کرڈالا تو اس سنی نے اس کی مرمت وغیرہ کرا کے پنج وقتہ اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شروع کردئے۔ اس کو بھی پانچ چھ برس کا عرصہ گزر گیا اب اس سنی مشتری مذکور نے اپنا ایک مکان مسجد کے مدرسہ اسلامیہ کے لئے وقف کردیا ہے اور مسجد مذکور میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن پڑھنے کی اجازت دیتا ہے، اور مسجد مذکور میں بہت سی زمین ایسی پڑی ہے جس پر جوتا پہن کے چلتے ہیں تو اس زمین پر مدرسہ کیلئے کمروں کے بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے تو ایسی صورت میں حسب ذیل سوالات کے جوابات مرحمت ہوں:

اول: یہ دونوں مسجدیں حکم مسجد میں ہیں یا نہ؟ اور مسلمانوں کو دونوں مسجدوں میں نماز پڑھنے سے ثواب مسجد حاصل ہوگا یا نہ؟ اور اگر نہ حاصل ہوگا تو پھر اس مسجد کو کس کام میں لاسکتے ہیں؟

دوم: طلبہ مدرسہ اسلامیہ کا اس مسجد کے اندر بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے یا نہ؟

سوم: احاطہ مسجد کے اندر جو زمین صحن مسجد کے علاوہ جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں اس پر مدرسہ کے روپیہ سے کوئی کمرہ وغیرہ طلبہ کی تعلیم کے لئے یا دفتر مدرسہ کے لئے یا طلبہ کے رہنے کے لئے بنانا جائز اور اس میں ان کاموں میں سے کوئی کام کرنا جائز ہے یا نہ؟

چہارم: مشتری مسجد کی یہ بھی تجویز ہے کہ مسجد کے اندر سے جہاں جوتا پہن کے چلتے ہیں ایک راستہ مدرسہ کے اندر جانے کا نکالا جائے کہ طلبہ وملازمین مدرسہ کو مدرسہ میں جانا آسان ہوجائے ورنہ چکر کھا کے گلیوں میں سے جانا ہوگا تو آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ جواب جلد اور مدلل فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ مسجد کہ سنی نے بنوائی تھی بلاشبہ مسجد ہے اور اس کا رکھنا فرض ہے اور اس میں نماز کا ثواب وہی ہے جو مسجد میں نماز کا ثواب ہے، روافض زمانہ مرتد ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ** (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالرفضہ میں بیان کی ہے۔ ت) تو وہ مسجد بنانے کے اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ" (**الٰی قولہ تعالٰی**) "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا مشرکوں کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ تعالٰی کی مساجد تعمیر کریں اس حال میں کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت دینے والے ہیں (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک کہ) بیشک اللہ تعالٰی کی مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی

الْاٰخِرِ" [1]۔ الاٰیۃ	اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

خصوصًا بعد موت کے مرتد کے سب اوقاف باطل ہوجاتے ہیں کما فی الدرالمختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت) تو وہ مسجد کہ سنی نے خریدی اسے مرمت وغیرہ کراکے اگر اس خیال سے نماز کے لئے دیا کہ یہ پہلے سے مسجد ہے تو وہ خیال باطل تھا اور وہ مسجد بدستور ایک مکان ہے جس میں ان تمام تصرفات مذکورہ فی السوال کا اختیار ہے، اور اگر سنی نے خرید کراز سرنو اپنی طرف سے اسے مسجد کردیا یعنی یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد نہیں میں اسے مسجد کرتا ہوں، نہ یہ سمجھ کر کہ یہ مسجد تھی اسے کار مسجد کے لئے چھوڑتا ہوں، اس صورت میں اگر شرائے صحیح سے سنی کے لئے اس کی ملک ثابت ہوگئی تھی تو یہ بھی مسجد ہوگئی مگر یہ بہت بعید ہے اس کے لئے صرف ایک صورت ہے کہ غالبًا وہ واقع نہ ہوئی ہوگی، وہ صورت یہ کہ زمین جسے رافضی نے مسجد کیا اس کے زمانہ اسلام کی ملک تھی، اس کے بعد اس نے رفض اختیار کیا، یہ مسجد بنائی اور مرگیا اور اس کے قریب و بعید وارثوں میں کوئی شخص سنی مسلمان ہے کہ وہی اس کے کسب اسلام کا وارث ہو کر اس مکان کا مالک ہے اور اس نے اس سنی کے ہاتھ بیچ ڈالا تو یہ شراء صحیح ہوا اور یہ سنی اس مکان کا مالک ہوگیا اور اب جو اس نے اسے اپنی طرف سے مسجد کیا مسجد ہوگئی، اس صورت بعیدہ پر وہ تصرفات مذکورہ سب ناجائز ہوں گے فانہ لایجوز تغییر الوقف عما ھولہ (کہ وقف اپنی اصلی حالت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ ت) مگر طلبہ کا پڑھنا جائز جبکہ اطفال نہ ہوں اور نماز کے وقت نماز کی جگہ نہ گھیریں نہ ان کے پڑھنے سے نمازیوں کو تشویش ہو اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ وہ مکان اس کے زمانہ رفض ہی کی ملک تھا تو یہ بیع جس شخص نے کی ہرگز مثبت ملک مشتری نہیں کہ بائع خود ہی مالک نہ تھا مرتد کے زمانہ ارتداد کی ملک اسکی موت کے بعد فیئ للمسلمین ہوجاتی ہے اس کے کسی وارث کو نہیں پہنچ سکتی اگرچہ اس کا بیٹا ہو مسلم ہو خواہ اسی کی طرح مرتد یا اور قسم کا کافر، تو جب شراء صحیح نہ ہوا تو اس سنی کا اسے مسجد کرنا صحیح نہ ہوا بلکہ وہ بدستور ایک زمین عام مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں کی مرضی سے اس میں مسلمین کی منفعت کے تصرفات کرسکتے ہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

المرتد اذاقتل او مات او لحق بدار الحرب فما اکتسبہ فی حال اسلامہ ھو میراث لورثۃ المسلمین اما ما اکتسبہ فی حالۃ الردۃ یکون	مرتد جب قتل ہوجائے یا مرجائے یا دارالحرب سے ملحق ہوجائے تو جو کچھ اس نے حالت اسلام میں کمایا تھا وہ اس کے مسلمان وارثوں کو بطور میراث ملے گا اور جو کچھ بحالت ارتداد کمایا وہ مال غنیمت ہے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸،۱۷

فیئا یوضع فی بیت المال [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو بیت المال میں رکھا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴تا۱۹۵: از علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

(۱) ایک مسجد ہے جو زمین سے ۳ گز اونچی ہے اور اونچائی ٹھوس ہے اور صحن مسجد کا کل چوڑائی میں ۱۳ فٹ ہے جس میں ۵ فٹ چوڑائی میں زینہ اور جوتیوں کی جگہ سقاوا اور غسل خانہ ہے اور ۸ فٹ جگہ میں نماز ہوتی ہے،اس مسجد میں کنواں نہیں ہے، سقّہ سقاوے میں پانی باجرت ڈالتا ہے،اور نہ کوئی آمدنی مسجد کی ہے جو تیل وغیرہ میں صرف ہو،اس مسجد سے ۷۴ قدم کے فاصلہ پر ایک اور مسجد ہے اس کے دس قدم پر ایک کنواں ہے گویا اس مسجد سے ۸۴ قدم پر ہوا۔زید کہتا ہے کہ صحن مسجد جو ٹھوس ہے اس کو شہید کافی کرکے اس میں دو دکانیں نکالی جائیں اس کی چھت صحن مسجد ہو جائے گا،اور وہ تیل بتی کو اس کی آمدنی کافی ہوگی۔عمرو کہتا ہے کہ یہ ناجائز ہے کیونکہ صحن مسجد تحت الثرٰی تک حکم مسجد رکھتا ہے،اگر دکانیں سابق سے بنائی جاتیں تو درست تھیں،عمرو کی رائے ہے کہ ۵ فٹ جگہ جس میں زینہ وغیرہ ہے اس میں کنواں وزینہ وغیرہ بن سکتا ہے اور ایک چھوٹی دکان بھی نکل آئے گی اور صحن بھی برقرار رہے گا اس میں مردہ کو زیادہ ثواب ہوگا کیونکہ نمازیوں کو پانی کی تکلیف جاتی رہے گی۔کیا حکم شریعت ہے اور کیا کرنا چاہئے؟

(۲) کنواں بننے کی حالت میں زمین سے ۴ گز اونچا ہو کر مسجد میں ملے گا،زید کہتا ہے کہ زمین پر بھی ایک کھڑکی رکھی جائے جس سے عوام پانی بھریں اور مسجد کو اوپر سے پانی ملے۔عمرو کہتا ہے کہ اوپر ہی رکھنا چاہئے کیونکہ نیچے کھڑکی رکھنے سے ہندو بھی پانی بھریں گے شاید ہندو کا پانی بھرنا ناجائز ہو۔شریعت کا کیا حکم ہے اور کس میں زیادہ ثواب ہے؟

الجواب:

دکانیں بنانے کی اجازت نہیں ہے،اگر پہلے سے ہوتیں حرج نہ تھا اب نہیں بن سکتیں،

کما نص علیه فی النوازل والتجنیس والخانیة و المحیط السرخسی وتهذیب الواقعات والاسعاف و البحر والنهر والهندیة وغیرها۔	جیسا کہ اس پر نوازل، تجنیس، خانیہ، محیط سرخسی تہذیب الواقعات، اسعاف، بحر، نہر اور ہندیہ وغیر میں نص فرمائی گئی (ت)

۸۴ قدم کا فاصلہ کچھ ایسا دور نہیں،اگر بغیر کنویں کے کارروائی چل سکے یونہی چلنے دیں اور اگر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الفرائض نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

نہ چل سکے اور اس کی وجہ سے ویرانی مسجد کا احتمال قوی ہو تو اس پانچ فٹ میں ایک کنارہ کو کنواں بنالیں۔
(۲) نیچے کھڑکی نہ رکھیں کہ مسجد کے کنویں میں ہندو کی شرکت سخت معیوب ہے ان کی نجاست سے کنویں کی طہارت ہمیشہ معرض خطر شدید میں رہے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از شیر پور ڈاکخانہ خاص تحصیل پورن پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ ظہیر الدین ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹے موضع میں ایک مسجد قدامت سے تھی اور عرصہ دس بارہ سال سے ایک دوسری مسجد اور تیار ہو گئی اور اب دونوں مسجدیں چھپّر پوش اور بوسیدہ حالت میں ہیں اب مسلمانوں کی یہ رائے ہے کہ بجائے دو مسجدوں کے ایک مسجد پختہ چندہ سے تعمیر کرائی جائے اور ایک مدرسہ کے واسطے دے دی جائے۔ اس کی بابت شرع کیا حکم دیتی ہے؟ اور سرمایہ بہت قلیل ہے جس سے دونوں مسجدیں تیار نہیں ہو سکتی ہیں، لہذا آپ بموجب شرع احکام صادر فرمائے۔

الجواب:

مسجدوں کا پختہ کرنا فرض نہیں، اور ان کا آباد رکھنا فرض ہے، مسجد نہ مدرسہ کو دی جاسکتی ہے نہ دوسرے کام میں صرف ہو سکتی ہے، یہ سب ناجائز وحرام ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن هیأته [1] ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۹۷: ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ:

علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسجد کا فرش اور لکڑیاں جو خراب ہو جاتی ہیں سوا مسجد کے اور کسی کام میں تصرف کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ آخر کیا کرنا چاہئے؟ تحریر فرما کر مشرف فرمائیں۔ **فقط**

الجواب:

فرش جو خراب ہو جائے کہ مسجد کے کام کا نہ رہے جس نے وہ فرش مسجد کو دیا تھا وہ اس کا مالک ہو جائے گا جو چاہے کرے اور اگر مسجد ہی کے مال سے تھا تو متولی بیچ کر مسجد کے جس کام میں چاہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

لگادے اور مسجد کی لکڑیاں یعنی چوکھٹ، کواڑ، کڑی، تختہ، یہ بیچ کر خاص عمارت مسجد کے کام میں صرف ہو۔لوٹے، رسی چراغ، بتی، فرش چٹائی کے کام میں نہیں لگاسکتے، پھر ان چیزوں کی بیع کافر کے ہاتھ نہ ہو بلکہ مسلمان کے ہاتھ۔اور مسلمان ان کو بے ادبی کی جگہ استعمال نہ کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۸ تا ۲۰۱: مرسلہ مولوی عبدالمطلب صاحب از بانٹوہ کاٹھیاوار ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ:

(۱) ایک شخص مرگیا اور اپنی عورت اور ایک لڑکی اور باقی وارث چھوڑے اور اس متوفی کی عورت نے وارثوں کے حق کو تلف کرکے ایک مسجد تعمیر کرائی اور جس زمین پر اس نے مسجد تعمیر کرائی ہے وہ زمین نیز وراثت میں داخل ہے تو اس میں نماز پڑھنا اور اس کو مسجد کہنا شرعًا درست ہے یانہ؟

(۲) اور اگر بعضے وارث انہیں میں سے اپنے حق کو معاف کردیں اور بعضے نہ کریں تو نماز پڑھنا اس مسجد میں درست ہوجائے گا یانہ؟

(۳) اور اگر وہ وارث جانتے ہیں کہ اب جو پیسہ تھا وہ مسجد میں خرچ ہوگیا اب ہمیں ملنے والا نہیں ہے اور لوگوں کی شرم سے معاف کردیں تو درست ہے؟

(۴) اور اگر شرع حکم دے کہ نماز اس میں درست نہیں ہے تو اس میں رہنا گھر بناکر یا کرایہ وغیرہ پر دینا درست ہوگا؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے سرفراز کریں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں باجماع مسلمین وہ ہرگز مسجد نہیں بلکہ ایک زمین ہے بدستور اپنے مالکوں کی ملک پر باقی، کہ جب یہ عورت تنہا اس کی مالک نہیں جیسا کہ بیان سائل ہے تو وہ ساری زمین اس کے وقف کئے سے وقف نہیں ہوسکتی، لان شرط الوقف الملك[1] كما في الهندية وغيرها (کیونکہ شرط وقف یہ ہے کہ وہ واقف کی ملک ہو جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) نہ یہ ممکن کہ اس میں سے اس کے حصہ کو مسجد ٹھہرادیں باقی ملک دیگر ورثہ سمجھیں کہ جب وہ غیر منقسم ہے تو اس کا حصہ متعین نہیں اور مسجد بالاجماع مشاع نہیں ہوسکتی۔

لان من شرطه انقطاع حقوق العباد عن جميع جوانبه فضلا عن نفسه[2] كما في الهداية وغيرها۔	کیونکہ شرائط وقف میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ اس کی تمام جوانب حقوق العباد سے منقطع ہو چہ جائیکہ خود وقف جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۳۔۳۵۲

[2] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۶۲۵

قال تعالٰی "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ" [1]۔	نے فرمایا کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں (ت)

ہاں اگر باقی ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور سب بالاتفاق اس وقت مسجدیت کو جائز کردیں تواب جائز ہوجائے گی اور کسی کی شرم سے ایسا کرنا مانع صحت نہ ہوگا فان الحیاء لیس باکراہ (کیونکہ حیاء جبر واکراہ نہیں ہے۔ت) جب تک ایسا نہ کریں کہ وہ ایک مکان ہے کہ مالکوں کو اس میں رہنا بسنا کرایہ پر دینا سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۲تا۲۰۳:

کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ میں:

(۱) زید نے (مسلمان کہلائے جانے کی حالت میں) کچھ قطعہ زمین صحن مسجد اپنے مکان کی بنا مس دبالیا، بعض لوگ مانع آئے مگر نہ مانا، ایسی صورت میں زید کے ساتھ کیا معاملہ شرعًا کیا جائے اور متولیان مسجد ودیگر اہل اسلام کو مواخذہ کا حق حاصل ہے یانہیں؟ اگر ہے تو ان پر یہ حق واجب، اور ضروری ہے جس کے ترک سے عاصی ہوں گے یا کیا؟ یا زید بعوض زمین مغصوبہ بہ زر نقد بطور جرمانہ ادا کرے تو اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ دریں صورت زید مواخذہ عنداللہ سے بری ہوسکتا ہے؟

(۲) جو شخص ربوخوار معلن ہے زکوۃ بھی نہیں دیتا اس کا کیا حکم اور اس سے مخالطت ومرابطت ومواکلت مکروہ ہے کہ نہیں؟ للہ مصرح اور عامۃ الفہم عبارت میں جواب ارشاد فرماکر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

اس صورت میں زید سخت گناہ کبیرہ وظلم شدید کا مرتکب اور اس آیہ کریمہ کی وعید کا مستوجب ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ " [2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں سعی کرے، انہیں روانہ تھا کہ اس میں قدم رکھیں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔

مسجد کا ہر ٹکڑا مسجد ہے تو جتنا پارہ زمین اس نے دبالیا اسے نماز سے روکا اور اس کی ویرانی میں

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ساعی ہوا اور دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم کا استحقاق لیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں فرمایا ہے کہ "جو بالشت بھر زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن اتنا حصہ زمین کے ساتوں طبقے توڑ کر اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں گے[1]"۔ ہر مسلمان خصوصًا متولیان مسجد کو اس پر حق مواخذہ حاصل ہے اور فرض ہے کہ ہر جائز چارہ جوئی اس سے زمین نکال کر شامل مسجد کرنے کے لئے حد کو پہنچائیں، جو باوصف قدرت اس سے باز رہے گا شریک عذاب ہوگا تاحد قدرت ہرگز حلال نہیں کہ اس سے کچھ روپیہ اس کے عوض لے کر چھوڑ دیں کہ یہ مسجد کا بیچنا ہوگا اور مسجد کی بیع باطل وحرام وناممکن ہے **قال اللہ** "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ بے شک مساجد اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) اگر وہ لاکھ روپے ہرگز کے بدلے دے جب بھی لینا حرام ہے، نہ ہرگز زید کسی طرح عنداللہ مواخذہ سے بری ہوگا جب تک زمین مسجد مسجد کو واپس نہ دے۔ زید اگر ایسا نہ کرے تو مسلمان اس سے میل جول، سلام کلام، نشست برخاست قطع کردیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر قوم ظالمین کے ساتھ مت بیٹھ (ت)

یونہی ربوخوار معلن بھی اسی آیہ کریمہ کے حکم میں داخل ہے، تفسیر احمدی میں ہے: **والقعود مع کلھم ممتنع**[4] (ان سب کے ساتھ مجلس کرنا ممنوع ہے۔ت) اس سے بھی قطع علاقہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۴: مرسلہ حاجی سیٹھ یوسف بن ابراہیم بمقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار ۷ ۲ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ چہار شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ بعض لوگوں نے مسجد بڑھانے یا پرانی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لئے مسلمان جماعت کو روپے دئے ہیں اور کہا ہے کہ جس طور چاہیں مسجد میں خرچ کریں ______ مگر فی الحال مسجد میں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ روپے امانۃً پڑے ہیں، اب مذکورہ روپیہ بیوپار کی کمپنی میں ڈال کر ان کا نفع بڑھا دیں تو جائز ہے یا نہیں؟ مگر

---

[1] صحیح البخاری باب ماجاء فی سبع ارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] التفسیرات الاحمدیۃ تحت ۶/ ۶۸ مطبع کریمی بمبئی انڈیا ص ۳۸۸

یہاں کی کمپنیوں میں لین دین سود کا ہوتا ہے تو ان کا کیا حکم ہے؟ اگر اس طور وہ روپیہ بڑھ نہ سکتا ہو تو اور کوئی طریقہ ان روپوں کے بڑھنے کا ہے اور بڑھ سکتے ہیں یا نہیں یا اسی طرح سے جماعت کسی امین شخص کے پاس امانت رہنے دے اور امانت رکھنے میں چوری ہونے کا خوف ہے کہ مبادا مسجد کے روپے ضائع ہو جائیں تو ان روپوں کا مکان خرید کر کے اس کے کرایہ سے نفع اٹھایا جائے اور وقت ضرورت روپیہ وہ مکان فروخت کیا جائے، مگر ان میں جماعت والوں کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ کرنی چاہئے اور بعض کہتے ہیں کہ اس طور کیا جائے تو ان کا حکم کیا ہے، وہ برائے مہربانی مفصل طور سے ارقام فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

الجواب:

چندہ کے روپے چندہ دینے والوں کی ملک پر رہتے ہیں ان سے اجازت لی جائے، جو جائز بات وہ بتائیں اس پر عمل کیا جائے، **وبیان المسئلۃ وتحقیقھا فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (اس مسئلے کا بیان اور تحقیق ہمارے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں ہے۔ت) ایسی کمپنی میں کہ سود کا لین دین کرتی ہو شامل کر کے بڑھانا حرام ہے اگرچہ چندہ دہندہ اجازت دیں، **فلیس لاحد ان یحل ماحرم اللہ** (کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالٰی نے حرام فرمایا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۶: مرسلہ محمد صابر مدرس مدرسہ دارالعلوم قصبہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ ۱۸ صفر ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ کئی سو برس سے آباد ہے وہاں کے مسلمانوں کی مردم شماری فی الحال تقریبًا آٹھ ہزار ہے اور وہاں مسجدیں تخمینًا اسی کے قریب آباد ہیں، ان کے علاوہ اور بھی مساجد ہیں، وہاں کے کل مسلمان بجز چند شیعہ کے ابتدا سے حنفی المذہب متفق الخیال متحد العقائد والمسائل باہم شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے تھے ان میں کسی قسم کا مذہبی جنگ وجدال وتخالف نہ تھا مگر تقریبًا تیس بتیس برس سے چند لوگ (غالبًا فی الحال ان کی تعداد دوڈھائی سو ہوگی) منکر مذہب، غیر مقلد ہوگئے اور باہم سخت منافرت ومخالفت پیدا ہوگئی حتی کہ بارہا فوجداری اور عدالت کی نوبت پہنچ گئی، غیر مقلدین نے اپنی عیدگاہ اور جامع مسجد نئی بنوالی تھیں مگر بعض بعض ایسی ہی مسجدیں ہیں جن میں دونوں فریق نماز پڑھتے ہیں ایسی مسجدوں پر اکثر مذہبی جھگڑے ہوجایا کرتے ہیں چنانچہ ان دنوں موجودہ ۱۳۳۳ھ ۱۳ محرم کو ایک مسجد میں دونوں فریق جمع ہوگئے اور اسی میں مارپیٹ لٹھم لٹھا گھوسم گھوسا کر بیٹھے بلکہ ان کے ذریعہ سے دو فوجداریاں اور بھی ہوگئیں جس سے قصبہ میں ہلچل مچ گئی، پولیس اگر روک تھام نہ کرتی تو نہیں معلوم کیا ہوجاتا آئے دن کی مذہبی فوجداری سے دونوں فریق تنگ آگئے، اب فریقین اس امر پر راضی ہیں کہ باہم صلح کر کے جھگڑے کو

مٹادیں، چنانچہ برضامندی فریقین چند اشخاص حکم مقرر کئے گئے ہیں اور باتفاق فریقین اقرار نامہ ثالثی میں مضمون لکھا گیا ہے کہ ثالثان حسب شریعت وقانون ودیانتداری جو فیصلہ کردیں گے ہم فریقین کو منظور رہے، اب علمائے حقانی سے یہ استفسار ہے:

(۱) چونکہ تیسوں برس کے تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس قصبہ میں جب دونوں فریق ایک نزاعی مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں تو اکثر مذہبی شر وفساد کر بیٹھتے ہیں اگر اس شر وفساد وفتنہ وپرخاش کے مٹانے کے لئے ثالثین دونوں کو الگ کردیں اور فریقین کے لئے خاص خاص مسجدیں نامزد کریں تو کیا یہ فیصلہ خلاف شریعت ہوگا؟

(۲) اگر کسی نمازی کے ذریعہ سے حفظ امن میں خلل واقع ہوتا ہو اور شر وفساد کا اندیشہ ہو یا عام نمازیوں کو کسی قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچتی ہو تو ایسے شخص کو بغرض حفظ امن وانسداد شر وفساد جماعت سے روک دینا کیا شرع کے خلاف ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جو مساجد غیر مقلدوں کی بنائی ہوئی ہیں ان کے نامزد کردی جائیں مگر جو مساجد اہل سنت کی بنائی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی مسجد غیر مقلدوں کے لئے خاص کردینا اور اہلسنت کو ان سے ممنوع کرنا شرعاً محض ظلم وحرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مساجد میں اس کا نام لینے سے روکے۔(ت)

جبکہ وہ مسجدیں اہلسنت کی ہیں اور ان کی بنائی ہوئی ہیں تو ان پر قبضہ چاہنا اور اس کے لئے فتنہ اٹھانا غیر مقلدوں کا فساد ہوگا اور کوئی مجبور نہیں ہوسکتا کہ دوسرے کے شورش بے جاکے سبب اپنے حق سے دست بردار ہو فتنہ غیر مقلدوں کا انسداد اگر یوں نہ ہوسکتا ہو تو کچہریاں کھلی ہوئی ہیں اور وہ اسی واسطے رکھی گئی ہیں کہ فتنہ والوں کا دست تعدی کوتاہ کریں اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی نہ کرنے دیں جو شخص یہ رائے یا فتوی دے کہ دفع فتنہ کے لئے اپنی مسجد چھوڑ دو۔ کل اگر غیر مقلدین اور مفسدین ان کی جائداد اموال متاع مکانوں پر قبضہ چاہیں، اور نہ دیجئے تو فساد اٹھائیں کیا دفع فتنہ کو وہ لوگ اپنے گھر بار مال متاع اسباب جائداد سے دستبردار ہوجائیں گے ہرگز نہیں، تو وجہ کیا ہے کہ یہ آنکھوں میں دنیا کی قدر ہے دل میں دنیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

کی محبت ہے جگر میں دنیا کا درد ہے وہاں دفع فتنہ کو یہ تدبیر نہ سوجھے گی نہ آیات دفع فساد کے یہ معنی ذہن میں آئیں گے اور نہ دین کی قدر نہ محبت نہ درد، لہذا گھاس کی طرح کتر دیں گے کہ میاں ہاں اپنی مسجدیں چھوڑ دو اپنے دینی حقوق سے دست بردار ہو جاؤ کسی طرح جھگڑا تو مٹے حالانکہ اوروں کے فتنہ فساد پر اگر اپنی جائداد مکانات، مال، اسباب چھوڑ دو تو صرف دنیوی نقصان ہے اور یہاں علاوہ اپنی دینی حق تلفی کے اس آیہ کریمہ کی وعید شدید میں داخل ہونا اور حرام کا ارتکاب اور بحکم قرآن عظیم استحقاق رسوائی وخواری وعذاب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ" [1] والعیاذ باللہ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

(۲) ہاں شرعًا حکم ہے کہ ایسے لوگ مسجد سے باز رکھے جائیں،

قال اللہ تعالٰی "اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں مساجد میں داخل نہیں ہونا چاہئے مگر ڈرتے ہوئے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یمنع منہ کل مؤذ ولو بلسانہ [3]۔	ہر ایذا دینے والے کو مسجد سے روکا جائیگا اگرچہ وہ ایذا زبان سے پہنچائیں (ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں زیر حدیث فلایقربن مصلانا (وہ ہرگز ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئیں۔ ت) پھر ردالمحتار میں ہے:

والحق بالحدیث کل من اذی الناس بلسانہ وبہ افتی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما وھو اصل فی نفی کل من یتاذی بہ [4]۔	اس حدیث کے ساتھ وہ شخص بھی ملحق ہے جو زبان سے لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے اور حضرت عمر فاروق نے اسی پر فتوٰی دیا اور یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے لوگوں کو ایذا ہوتی ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

مگر طرفہ تحفظ کا لحاظ ضروری ہے اگر خود منع کرنے میں اندیشہ فساد ہو چارہ جوئی کرکے بند کرادیں، **وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ نثار احمد زمیندار ساکن موضع پال نگر ڈاکخانہ امریہ ضلع پیلی بھیت ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں، ایک موضع جس میں پانچ چار گھر مسلمانوں کے اور پندرہ بیس گھر اہل ہنود کے ہیں، اور قدیم الایام سے ایک مسجد تعمیر خام خس پوش موجود ہے، کسی وقت میں یہ مسجد مسلمانوں کی آبادی کے اندر واقع تھی اور اس کے گرد ونواح میں مسلمان آباد تھے، رفتہ رفتہ تغیر وتبدل ہوتے ہوتے مسلمانوں کی آبادی اس مقام سے ہٹتی گئی اب صورت یہ ہے کہ مسجد کے گرد ونواح کوئی مسلمان کا گھر نہیں ہے اور وہ مسجد بالکل مسلمانوں کی آبادی سے ایک جانب ہنود کی آبادی کے ساتھ متصل ہے اور ہمیشہ خراب وخستہ اور ویران پڑی رہتی ہے اور عرصہ دس بیس سال سے نہ وہ آباد ہوئی اور نہ آبادی کی امید ہے، اب بفضلہ تعالٰی اہل اسلام میں سے ایک شخص کو خداوند تعالٰی نے توفیق عطا فرمائی ہے وہ مسجد پختہ بنانا چاہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ مسجد پختہ اسی مسجد قدیم کی تعمیر کی جائے کہ جو ایک مدت دراز سے غیر آباد اور نہ آئندہ آبادی کی امید ہے، یا یہ کہ اس کو کسی طرح محفوظ محدود کرکے دوسری جگہ مسلمانوں کی آبادی کے درمیان میں مسجد پختہ تعمیر کی جائے کہ جس سے اس مسجد پختہ جدید میں نمازیوں کا پہنچنا بھی آسان ہو اور مسجد آباد رہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حتی الامکان مسجد کا آباد کرنا فرض ہے اور ویران کرنا حرام۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ[1]	اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

ہندوستان کی آبادی کا قاعدہ یہ ہے شہر ہو یا گاؤں کہ مکانات قریب قریب ہوتے ہیں، بیس پچیس گھر کا گاؤں اتنے فاصلہ کی آبادی نہ رکھے گا کہ مسلمانوں کو مسجد قدیم تک جانا دشوار ہو، تو جو صاحب پختہ بنانا چاہتے ہیں اسی کو پختہ کریں اور آباد کریں جدا مسجد بنانے میں نفل کا ثواب پائیں گے اور اس مسجد کے آباد کرنے میں فرض کا ثواب

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

نفل کے ثواب کو فرض کے ثواب سے کچھ نسبت نہیں ہوسکتی۔بڑے گاؤں میں جو لوگ رہتے آبادی میں ہیں اور ان کی کاشت کے نمبر گاؤں کے دھری پر ہیں روزانہ جوتنے،کاٹنے،کے لئے دو دو میل جاتے آتے ہیں اپنے رب کے فرض ادا کرنے کو دس قدم آگے جانا کیا دشواری ہے،اصل حکم یہ ہے،اگر عمل اس پر واقعی ناممکن ہو تو وجوہ دشواری سے مفصل اطلاع دیں اگر معقول ہوئیں تو چارہ کار بتایا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۸،۲۰۹: مسئولہ حاجی محمد رمضان وابراہیم پیرزادہ وغیرہما انصاری سکنہائے قصبہ پالی مارواڑ کیریہ محلّہ ناڈی ۴ ذوالقعدۃ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ پالی مارواڑ محلّہ ناڈی میں فقیر ٹونڈے شاہ نے اپنے مکان میں ایک چھوٹی سے مسجد خاص اپنے ہی واسطے نماز پڑھنے کے لئے بنوالی اور تازیست خود اسی میں وہ نماز پڑھتا رہاعام لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی۔جب ٹونڈے شاہ لاوارث مرگیا تو اس مکان کا قبالہ یعنی پٹہ سرکارراج مارواڑی نے بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کردیا جس کا مضمون یہ ہے کہ ٹونڈے شاہ تو،نااولاد گیا لہٰذا اس کے مکان کا پٹہ یعنی قبالہ حاجی اعظم شاہ صاحب کے نام کردیا گیا ہے۔سواب اس مکان پر قابض اور متصرف حاجی اعظم شاہ کی اولاد رہے گی کسی دوسرے کا کوئی حق اور ملکیت اس مکان پر نہیں ہے،چنانچہ تخمیناً سوبرس عرصہ ہوا آج تک اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم اس مکان پر قابض اور متصرف ہے،تھوڑا عرصہ ہوا کہ چند اشخاص ناحق شناس نے عدالت میں مسجد کو اپنے قبضہ وتصرف میں لانے کی غرض سے دعوی کیا مگر بروئے پٹہ سرکار کے عدالت نے حق اور ملکیت اس مکان اور مسجد پر اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم ہی کا بدستور قدیم قائم رکھا،اب وہی اشخاص مذکورین اولاد حاجی اعظم شاہ مرحوم کو تنگ کرتے ہیں کہ یا تو مسجد کو چھوڑ دو اور نہیں تو تم کو اسلام سے خارج کرادیں گے۔لہٰذا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اس مسجد کو اولاد حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم سے جبراً لے لی جائے تو اس مسجد میں نماز عندالشرع صحیح ودرست ہوگی یا کیا؟

دوم اگر اولاد حاجی اعظم صاحب مرحوم مسجد کو نہ چھوڑیں تو مخالفین ان کو اسلام سے خارج بحکم شرع شریف کرسکتے ہیں یا کیا؟

اور یہ امر بھی واضح رہے کہ مسجد متنازعہ عام مسلمانوں پر وقف نہ ہونے کی وجہ سے سرکارراج مارواڑ نے اس کا پٹہ بصیغہ لاوارثی بنام حاجی اعظم شاہ صاحب مرحوم کردیا ہے،اور جو مسجدیں کہ عام مسلمانوں پر وقف کی گئی ہیں ان کا یہ سرکارراج مارواڑ بصیغہ لاوارث نہیں کرتی ہیں،لہٰذا امیدوار کہ اس صورت میں جو امرحق ہو ارشاد فرمائیں اور عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہوں،فقط۔

الجواب:

اس سوال میں چند باتیں معلوم ہونے کی ضرورت ہے:

(۱) وہ مسجد مکان کے اندر کس حیثیت سے ہے؟

(۲) مسجد تک راستہ مکان کی زمین مملوک میں ہے یا کس طرح ہے؟

(۳) ٹونڈے شاہ کے وقت میں اور بھی لوگ اس میں نماز پڑھتے تھے یا تنہا وہ پڑھتے تھے اگر اور لوگ بھی پڑھتے تھے تو کون اس محلّہ کے یا عام راہ گیر یا کیا؟

(۴) اس مسجد کی ہیأت کیا ہے، اس میں محراب، منبر، برجیاں، منارے وغیرہ ہیں یا نہیں؟ بہتر ہو کہ اس مسجد اور مکان کا شارع عام تک پورا مفصل واضح نقشہ بنا کر بھیجئے۔

(۵) اس کا کیا ثبوت ہے کہ ٹونڈے شاہ نے وہ مسجد خاص اپنے لئے بنائی اور کسی کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی؟

ان باتوں کا مفصل جواب اسی ورق کی پشت پر مع نقشہ لکھ کر یہ ورق واپس کیجئے تو جواب دیا جائے ان شاء اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: مسئولہ یعقوب علی نقشبندی قادری مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ دھنیہ اسٹیشن مالوسانہ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں یعنی مسجد میں تیل خرچ سے زائد قریب تیس آثار کے جو عرصہ سے جمع ہے اس تیل کو فروخت کرکے قیمت اس کی اخراجات مسجد میں لائی جائے یا یہ کہ اس کو محتاجوں میں تقسیم کیا جائے؟

الجواب: اگر مسجد کے لئے روزانہ تیل دوسری جگہ سے آتا ہے مسجد کو خریدنا نہیں ہوتا جس کے باعث یہ تیل مسجد میں کام آنے کی امید نہیں یا اس کی حفاظت میں وقت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے تو اسے متولی واکثر متدین اہل محلّہ امانت یا دیانت واعلان کے ساتھ بیچ کر اخراجات مسجد میں صرف کردیں، محتاجوں میں تقسیم کرنا جائز نہیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۱تا۲۱۲: بروز سہ شنبہ ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

اولا: ایک مسجد کے ایک پہلو میں فرش صحن کے نیچے دکانات کے آثار تھے، مگر ان کی چھت کی بلندی

صحن مسجد کی عام سطح سے کہیں ممتاز نہیں تھی یعنی دکانات کی چھت اور مسجد کا بقیہ صحن سب ایک سطح مستوی تھی اور یہ کل رقبہ ایک فصیل سے محاط تھا،اس فصیل کے اندر اندر کل اراضی مسجد اور مصلی تھی اب وہ دکانات دوبارہ تعمیر ہوئیں، فصل گرادی گئی، صحن مسجد کا وہ جز جو دکانات کی چھت بنا ہوا تھا دکانات میں ڈال دیا گیا،اور وہ اتنی اونچی پائی گئیں کہ بقیہ صحن سے ایک قد آدم سے زیادہ بلند ہیں۔اس چھت کے پرنالے مکانات کے پچھیت پر یعنی صحن مسجد میں اتارے گئے اور صحن مسجد کے کنارے پر پچھیت کی جڑ میں ایک عرض محدود کردیا گیا جس پر وہ پرنالے گرتے ہیں اور اس نالے میں بھی لوگ وضو کرنے لگے،اس چھت سے ملحق ایک بالاخانہ اور چھت کل کو ایک مکان کی حیثیت سے کرایہ پر اٹھادیا گیا تاکہ مسجد کی آمدنی میں اضافہ ہو،سوال یہ ہے کہ اب یہ چھت مسجد کے حکم میں ہے یا خارج از مسجد؟ اور اس پر ایسے تصرفات جائز ہیں یا نہیں جو مسجد پر ناجائز ہوتے ہیں، مثلاً بود و باش رکھنا نجاست ڈالنا وغیرہ اور مذکورہ بالا پرنالے اور نالی قابل قائم رکھنے کے ہیں یا نہیں؟

ثانیاً: ایک مسجد کے صحن کا ایک جز مصلی کاٹ کر موڑ پر سے محدود کردیا گیا بدیں غرض کہ نمازی اس جگہ جوتا اتارا کریں، یہ تصرف اور اس جگہ جوتے اتارنا جائز ہیں یا نہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ چھت مسجد ہے اسے مسجد سے توڑ کر دکان میں ڈال دینا ایک حرام اور اسے بالاخانہ حجرہ کا صحن و گزرگاہ کردینا دوسرا حرام،اور اسے کرایہ پر اٹھادینا تیسرا حرام،اور اس کی آبچک کے لئے مسجد کا ایک اور حصہ توڑلیا محدود کردینا اور اس میں وضو ہونا چوتھا حرام۔ غرض یہ افعال حرام در حرام حرام در حرام ہیں۔فرض ہے کہ ان تمام تصرفات باطلہ کو رد کرکے مسجد مثل سابق کردیں۔

درمختار میں ہے:

لوبنی فوقه بیتاللامام لایضر لانه من المصالح امالوتمت المسجدیة ثم اراده البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیه فاذاکان هذافی الواقف فکیف لغیرہ فیجب هدمه ولو علی جدار المسجدولایجوز اخذالاجرۃمنه ولاان	اگر واقف نے مسجد کی چھت پر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے مگر تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اسے منع کیا جائیگا اگرچہ وہ کہے کہ میں نے شروع سے اس کی نیت کی تھی اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی،تاتارخانیہ،تو جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے چنانچہ اس عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ وہ دیوار مسجد پر

یجعل شیئا منه مستغلا ولاسکنی بزازیة [1]۔	بنائی گئی ہو اور اس کی اجرت لینا یا اس میں سے کسی حصہ کو ذریعہ آمدن یا رہائش گاہ بنانا جائز نہیں، بزازیہ (ت)

اسی طرح دوسرے سوال میں جو تصرف کیا گیا اور مسجد کے ایک حصہ کو مسجد سے خارج کردیا گیا اور اسے جوتا اتارنے کی جگہ بنایا یہ بھی تصرف باطل ومردود وحرام ہے، اوقاف میں تبدیل وتغیر کی اجازت نہیں **لایجوز تغییر الوقف عن هیأته**[2] (وقت کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں۔ت) مسجد کے بجمیع جہات حقوق العباد سے منقطع ہے **قال اللہ تعالٰی "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"**[3] (اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ بیشک مسجدیں اللہ عزوجل کی ہیں۔ت) یہاں بھی وہی حکم ہے کہ فورًا فورًا اس ظلم کی منڈیر کو دور کرکے زمین مسجد شامل مسجد کریں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ سعید الرحمٰن ناظم اتحاد ومنتظم کمیٹی جامع مسجد پیلی بھیت ۸ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ چہار شنبہ

کیا حکم ہے شریعت غرا کا مسائل مندرجہ ذیل میں، جواب شافی سے مطمئن ومعزز فرمایا جائے:

(۱) مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا، کسی معذور، بیوہ یا کسی مسجد یا خاص اسی مسجد کی ضروریات کے لئے کسی قومی یا مذہبی ضرورت کے لئے چندہ وخیرات مسجد میں مانگنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) جو مکان وزمین وغیرہ کہ وقف ہے یعنی کسی مسجد ومدرسہ کی ضروریات کے لئے وقف کی گئی ہے مرور ایام یا کسی اور وجہ سے اس میں ایسا تغیر واقع ہوگیا ہے کہ اس کو رکھنے میں فی الجملہ نقصان ہے اس کو اس نیت سے کہ آئندہ اور نقصان ہوگا فروخت کرکے اس کی قیمت اس مسجد ومدرسہ میں داخل کرنا یا بجائے اس کے اس سے زیادہ نفع کی کوئی چیز اس مسجد ومدرسہ کے لئے خریدنا درست ہے یا نہیں؟ نیز مستعمل وبیکار چیزیں نیلام کرنا یا فروخت کرنا کیسا ہے؟

(۳) مقامی حالت کا اندازہ کرکے کسی مسجد وغیرہ کے انتظام ونگہداشت کے لئے چند مسلمانوں کو منتخب کرکے دوسرے لوگوں کو جو اس انتظام کے لئے مخصوص نہیں کئے گئے ہیں روکنا کہ وہ بطور خود مسجد میں دست اندازی نہ کریں جس سے مقررہ انتظام میں ابتری وبرہمی پیدا ہونے کا خیال ہے یا بغیر امتیاز کے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

ہر شخص کو وعظ کہنے کی اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسجد میں اپنے لئے مانگنا جائز نہیں اور اسے دینے سے بھی علماء نے منع فرمایا ہے یہاں تک کہ امام اسمٰعیل زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے اسے چاہئے کہ ستر پیسے اللہ تعالٰی کے نام پر اور دے کہ اس پیسہ کا کفارہ ہوں، اور کسی دوسرے کے لئے مانگنا یا مسجد خواہ کسی اور ضرورت دینی کے لئے چندہ کرنا جائز اور سنت سے ثابت ہے۔

(۲) وقف کو بیع کی اجازت نہیں ہوسکتی جب تک واقف نے استبدال کی شرط نہ لگائی ہو، فی الجملہ نقصان یا آئندہ اس کا احتمال اس کی اجازت کا کفیل نہیں ہوسکتا، مسجد کی مستعمل چیزیں مثلاً چٹائیاں، دریاں، لوٹے صرف مستعمل ہونے کی وجہ سے بیچنے کے کوئی معنی نہیں، اور ایسی اشیاء میں سے جو بیکار ہوجائے وہ دینے والے کی طرف واپس ہوجاتی ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔

(۳) بغیر امتیاز وعظ کی اجازت دینا جائز نہیں اور روکنا واجب ہے، ان کا انتظام اگر صحیح ومطابق شرع وموافق مصالح مسجد ہو تو دوسروں کو اس میں دست اندازی کی وجہ نہیں اور وہ روکے جاسکتے ہیں اور اگر ان کا انتظام خلاف شرع ہو تو ہر مسلمان اس میں دست اندازی کرسکتا ہے اور اس کے روکنے کا حق کسی کو نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۶: آہود ملک مارواڑ متصل ایرپتوار پیر محمد امیر الدین روز یک شنبہ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

پیش امام میں کون کون صفت ہونی چاہئے؟ آیا کہ مسجد کا تیل وہ گھڑے وروٹی وغیرہ فروخت کرنا جب ان لڑکوں سے مار پیٹ کر روٹی منگانا وہ روکھی لائیں تو ان کو مارنا اور جمعے کے روز بھی لڑکوں کو اسی واسط بلوانا کہ میری ریاض کی روٹیوں میں فرق نہ پڑ جائے اور مسافر بھوکا رہے تو رہے مگر روٹی شکر وہاں نافروخت ہوئے تو دوسری موضع جاکر فروخت کرنا اور پانی کے گھڑے جو مسجد میں وضو کے واسطے موہلے والے لے کر آئیں تو امام اپنے مکان پر پانی پہنچادے وضو والے تکلیف اٹھاتے اور مسافر وغیرہ سب تکلیف اٹھاتے تو ایسے امام کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہی ساتھ والے ہو کر یہ بات کرے تو جائز ہے؟

الجواب:

امام مسجد صحیح العقیدہ، صحیح الطہارۃ، صحیح القرأت، غیر فاسق معلن، عالم احکام نماز وطہارت ہونا چاہئے جس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے جماعت کی قلّت ونفرت پیدا ہو، مسجد کے گھڑے اپنے لئے فروخت کرنا حرام ہے اور مسجد کا تیل اگر دینے والوں کی اجازت ہو کہ جو خرچ سے بچے اسے

امام یا مؤذن یا مسجد کا خادم لے لیا کرے تو وہ بچا ہوا جمع کرکے بیچنا جائز ہے، مسجد کی روٹی دینے والے نے جسے دی تھی اگر بطور تملیک دی تھی تو اس کو بیچنے کا اختیار ہے اور اگر بطور اباحت دی جیسے کھانا سامنے لاکر رکھتے ہیں کہ جتنا پیٹ میں آئے کھالو اسے صرف کھانا جائز ہے بیچنا یا دوسرے کو دینا حرام۔ جبراً روٹی منگانا حرام ہے مگر جب کہ وہی نوکری کی اجرت قرار پائی ہو، اور اس کے لئے لڑکوں کو مارنا جائز نہیں مگر جب کہ وہی اس واجب شدہ روٹی کے لانے میں قصور کرتے ہوں اور مارنا ہاتھ سے ہو نہ کہ لکڑی سے، اور تین بار سے زائد نہ ہو، اور منہ پر نہ ہو۔ اور جمعہ کو بھی روٹی منگا سکتا ہے جب کہ وہ اجرت میں ٹھہری ہو۔ اور روٹی کہ اس کی ملک ہو جائے اسے اس کے بیچنے کا اختیار ہے خواہ وہاں بیچے یا دوسری جگہ۔ جو پانی مسجد میں وضو کے لئے رکھا گیا اسے اپنے گھر لے جانا جائز نہیں اگرچہ کسی کو تکلیف نہ ہو اور تکلیف ہو تو دوہرا حرام۔ جو باتیں ان میں ناجائز بتائی گئی ہیں جو امام ان کا ارتکاب کرے اور باز نہ آئے اسے امام نہ رکھنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷ تا ۲۱۹: ابوتراب محمد اسمٰعیل موضع پنچم سینگ ڈاکخانہ جعفر گنج، چہار شنبہ ۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ گاؤں میں چار کنارہ پر چار مساجد مدت بیس بائیس برس سے جاری ہیں اور ہر مسجد میں تخمیناً بیس یا پچیس آدمی نماز جمعہ کی پڑھتے چلے آئے ہیں اور ان چار مساجد میں سے ایک قدیم ہے لیکن وہ بھی موضع کے ایک کنارہ پر واقع ہے اب کوئی عالم صاحب بنظر ہدایت واصلاح دین ودنیا ورضائے خدا ورسول اہل موضع کو بلاکر کہے کہ بحسب حدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتبعو السواد الاعظم وید اللہ فوق الجماعۃ[1]۔	سواد اعظم کی پیروی کرو اور اللہ تعالٰی کا دست رحمت جماعت پر ہوتا ہے (ت)

ان چاروں جماعت کو اکٹھا کرکے نماز جمعہ کی بطور اکمل واشرف ادا کیا کرو۔ اہل موضع بالاتفاق بایں شرط اس بات میں راضی ہوئے کہ گاؤں کے بیچا بیچ میں جامع مسجد ہو، بعدہ مسجد قدیم والے کچھ پس وپیش کرنے لگے کہ یہاں سب کیوں نہیں آتے مسجد قدیم کو کس طرح توڑوں مابقے تین مساجد والے بوجہ حرج مسافت وبعد مسجد قدیم کے اسمیں راضی نہیں۔ اس سوال میں یہ تین باتیں ضرورت طلب ہیں:

(۱) اول، عالم صاحب مذکورۃ الصدر کو ان چاروں مسجدوں کے ٹین وستونوں کو اکھیڑ کے موضع کے بیچ میں ایک مسجد جامع بناکر چاروں جماعت کو لے کے اس مسجد جامع میں نماز جمعہ کی پڑھنی جائز ہے

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵ و ۱۱۶

یا نہیں، اور وہ عالم اس امر میں مستحق ثواب ہوگا یا عذاب؟

(۲) دوم، ان چاروں مسجدوں کا متروکہ بیٹ یعنی جاگیوں کا کیا حکم؟

(۳) سوم، مسجد قدیم والے کا عذر مذکورہ مکتوبہ از روئے شرع شریف ودین منیف مسموع یا غیر مسموع مستحسن یا غیر مستحسن؟

بینوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے گاؤں کے لفظ سے تعبیر کیا، اگر وہ واقع میں گاؤں ہے شہر یا قصبہ نہیں جب تو سرے سے مبنائے سوال باطل ہے کہ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں، اور اگر گاؤں سے بستی مراد ہے اور وہ بستی کم از کم قصبہ ہے، جب یہ حرام ہے کہ اور مسجدوں کو برباد کرکے جامع مسجد بنائی جائے، نہ ان مسجدوں کے ٹین وستون اس کی طرف منتقل ہو سکتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولانقل مالہ الی مسجد اٰخر[1]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد کی طرف منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ ان مسجدوں کی زمینوں کا کسی دوسرے تصرف میں لانا حلال ہو سکتا ہے، جو ایسا کرے گا سخت ظالم ومستحق سخت عذاب ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرتا ہے اور ان کی بربادی کی کوشش کرتا ہے (ت)

اور جب کہ بعد مسافت کی وجہ سے حرج ہے تو لوگ مجبور نہیں کئے جاسکتے کہ جمعہ ایک ہی جگہ پڑھیں کہ مذہب صحیح معتمد مفتی بہ میں شہر میں تعدد جمعہ مطلقاً جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۰: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ انوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسجد کا جو پیسہ جمع ہے اسے کسی منفعت پر خرید وفروخت تجارت کر سکتے ہیں، مسجد کے جمع مال افزود کے لئے؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

الجواب:

تجارت میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہے اور کارکنوں میں امین و خائن دونوں طرح کے ہوتے ہیں اور مال وقف میں شرط واقف سے زیادت کی اجازت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۱: از برٹس کائنامرارا پترس ہال وپنچ ایسٹ بنک مسئولہ عبدالغفور ۲۴صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگرایک شخص کہتا ہے کہ میں عالم ہوں اور مجرد مسجد ہونے کے ایک مکان میں پنجوقتی نماز اور عید کی نماز اور جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے تواس کا حکم کیا ہے،اور حال یہ ہے کہ اس مکان کے مالک نے عام اجازت دے دی ہے کہ جس کی خوشی ہو وہ آکر نماز پڑھے جمعہ اور عید اور پنجوقتی کی،آیا اس مکان کو پھر اپنے تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں،فقط۔

الجواب:

اگراس نے اس مکان کو نماز کے لئے وقف کردیا تو وہ مسجد ہی ہے اسے اس میں رہنا جائز نہیں تمام آداب مسجد لازم ہیں اور اس میں نماز کا وہی ثواب ہے جو مسجد میں ہے اور اگر صرف اتنا کہا کہ نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہوں مگر وقف نہیں کرتا،تو اس میں نماز جائز ضرور ہے اگرچہ جمعہ وعیدین کی کہ ان کے لئے بھی مسجد شرط نہیں مگر بلاعذر شرعی عیدین میں ترک سنت اور فرائض میں ترک واجب ہے،یہ کہنا کہ میں عالم ہوں اگر کسی وقت کسی ضرورت ومصلحت شرعی کے سبب ہے تو حرج نہیں، قال سیدنا یوسف علی نبینا الکریم وعلیه: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾ "[1] (بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔ت)اور اگر بلاضرورت ہے تو جہل اور خود نمائی ہے خود ستائی کے لئے ہے تو سخت گناہ ہے قال اللہ تعالٰی " فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ "[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ اپنی پاکیزگی مت بیان کرو۔ت)حدیث میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جو یہ کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲: ازمدرسہ مظہر العلوم کچی باغ بنارس مسئولہ امان اللہ مدرس یکشنبہ ۲۵صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

زید نے چند مسلمانوں سے کچھ روپیہ بطور چندہ مجتمع کیا یہ کہہ کر کہ اس روپیہ سے زمین مسجد بنانے کو خرید

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۴۳۳

کی جائیگی، اس نیت سے لوگوں نے چندہ دیا اور اس روپیہ سے چندہ کے ایک زمین خریدی گئی، وقت بنائے مسجد قطب نما وغیرہ سے سمت قبلہ درست کرنے میں منجملہ زمین خرید شدہ چند ہاتھ زمین بسبب کجی کے احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی مسجد بہمہ وجوہ تیار ہوگئی اس میں جمعہ جماعت جاری ہے لیکن کسی مسلمان نے نہ زبانی اب تک ایسا کہا کہ یہ سب زمین خرید شدہ ہم نے وقف کی نہ ایسی تحریر کسی منتظم مسجد یا چندہ دہندگان کیطرف سے ہوئی، ایسے حال میں علمائے دین سے سوال ہے کہ وہ زمین احاطہ مسجد سے باہر رہ گئی ہے زمین مسجد سمجھی جائے گی اور اس کا حکم مسجد کا ہوگا یا فقط زمین موقوفہ کہی جائے گی حکم مسجد میں نہ ہوگی، اور بہر حال اس زمین کا بیع وشراء یا اس میں تصرف مالکانہ کرنا جائز ہوگا یا ممنوع و ناجائز؟ منتظم مسجد نے اس زمین کو خارج مسجد سمجھ کر ہمسایہ کے ایک مسلمان سے کچھ روپیہ لے کر اس کو دے دی اور اس روپیہ کو مسجد کے متعلق خرچ کیا اور اس مسلمان نے اس زمین سے زینہ اپنے مکان کی چھت کا بنایا اس سے عام مسلمان ناراض ہیں کہ زمین مسجد یا زمین وقف میں کیوں ایسا تصرف کیا گیا، اب اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟ آیا وہ زینہ تڑوا کر زمین واپس لے لی جائے یا اس کے عوض میں جو روپیہ وہ مسلمان دے چکا ہے اس سے وہ زمین اس کی مملوکہ ہوئی؟ زینہ تڑوانے اور زمین واپس لینے کا حق شرعًا مسلمانوں کو حاصل نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان بلانالش کرنے کے عدالت حاکم وقت میں زینہ توڑنا اور زمین واپس دینا نہ چاہے تو مصارف نالش ذمہ منتظم ہوگا جس نے روپیہ لے کر زینہ بنانے کی اجازت دی ہے یا عام مسلمانان کے ذریعہ وہ خرچ ہوگا۔ ہر شش سوال کا جواب عام فہم مفصل ہو دلائل و نقل عبارت مستندات درکار ہے۔ بدون اس کے تشفی عام مسلمانان وصورت رفع نزاع متصور نہیں، **فقط**

الجواب:

اگر چندہ دینے والے سب یا ان کا وکیل ماذون بعد خریداری زمین یہ کہہ دیتا کہ اس زمین کو مسجد کیا تو وہ کل مسجد ہوجاتی اور اس میں سے کسی جزو کی بیع یا کوئی تصرف مالکانہ مطلقًا حرام ہوتا لیکن ظاہرًا یہاں ایسا واقع نہ ہوا بلکہ زمین خریدی گئی کہ اس میں مسجد بنائی جائے گی اور بنانے میں تصحیح سمت کے سبب ایک حصہ چھوٹ گیا، جس قدر بنی وہی مسجد سمجھی گئی اور اس میں نماز جاری ہوئی، حصہ متروکہ کو اگر چندہ دہندوں یا ان کے وکیل ماذون نے وقف علی المسجد کردیا تو اب بھی اس کی بیع ناجائز ہوئی مگر سوال سے اس صورت کا وقوع بھی ظاہر نہیں ہوتا، صرف اتنا ہوا کہ وہ چندہ دے کر اس روپے اور زمین سے بے تعلق ہوگئے اور یہ ملک سے خارج ہونے کا موجب جب تک وقف شرع نہ پایا جائے یہ بیع اور اس روپے کا مسجد میں صرف کرنا اگر اجازت مالکان سے تھا یا بعد وقوع انہوں نے اجازت دے دی تو دونوں تصرف صحیح ہوگئے، اور اگر مشتری کی خریداری اور زینہ بنالینے کو ایک کافی زمانہ گزرا اور مالکوں نے تعرض نہ کیا تو یہ بھی

اجازت سمجھی جائے گی، فقط، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳ تا ۲۲۵: از مقام قاضی کیری ڈاکخانہ نویسی ضلع بھاگلپور بمکان شیخ شمس الدین صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز شنبہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد خام تخمیناً بیس ۲۰ برس سے تھی بمشورہ مسلمان موضع پختہ بنانے کی رائے ہوئی، جس وقت نیو دیوار کھودی گئی قبر نکلی، دریافت کرنے سے جو ضعیف موضع تھے معلوم ہوا ان سے کہ ہم نے اپنے والد وغیرہ سے سنا ہے کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے، اکثر مکانوں میں بھی قبر نکلتی ہے، نماز اس میں جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ مسجد کسی صرف میں آسکتی ہے یا پرتی میدان رہے گا، میدان رہنے میں ممکن ہے زمیندار کسی کو دے دے پھر اس کی حفاظت کی کیا صورت کی جائے؟

(۲) اس موضع کا مالک ایک کافر راجہ ہے وہ حتی الامکان دوسری جگہ مسجد بنانے سے مانع ہوگا اور یہاں رعیت کو اختیار بیع وفروخت ہے راجہ کچھ نہیں کرسکتا ہے صرف مالگزاری کا مستحق ہے اگر خلاف مرضی راجہ دوسری جگہ مسجد بنائی جائے تو مالگزاری جو مقرر ہے نہیں چھوڑے گا، پس اس صورت میں جبکہ مالگزاری برابر زمیندار لیتا رہا حکم میں مسجد کے ہوگا یا نہیں؟ بصورت عدم جواز جو مسجد اس طرح بنی ہو کیا حکم ہے، منہدم کردیں یا کیا کریں؟

(۳) جب کہ کل موضع قبرستان پر آباد ہے تو جو لوگ نماز گھر میں پڑھیں جائز ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ خبر کہ یہ سب قبرستان ہے بلکہ کل بستی قبرستان پر آباد ہے بہت بعید وشنیع امر کی خبر، اور خود اپنے مخبروں کی بے اعتباری ورد شہادت پر دلیل روشن ہے، جن اشخاص نے ایسا بیان کیا اگر بے نمازی ہیں تو اس سے بڑھ کر اور کیا فسق ورد شہادت درکار، اور اگر نمازی ہیں تو قبروں پر نماز حرام ہے، یہ حرام خصوصاً علی الدوام کرکے بھی فاسق ومردود الشہادۃ ہوئے بلکہ سب بستی قبروں پر آباد ہے تو مقابر پر چلنا پھرنا، سونا، بیٹھنا، پاخانہ پیشاب کرنا کس نے حلال کیا۔ دانستہ مدام ان کے ارتکاب سے بھی فسق ظاہر، بہر حال خبر مردود ونا مسموع ہے بلکہ بالفرض اگر یہ لوگ ان محرمات کے ارتکاب سے خود محفوظ بھی ہوتے تو اور مسلمان کو ان میں مبتلا دیکھ کر مدتوں یہ شہادت ادا نہ کرنا اور اب بتانا یہ خود کیا فسق کے لئے کافی نہیں۔ اشباہ ودر مختار وغیرہما میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشہادۃ فی	بغیر طلب اداء شہادت واجب ہے اگر وہ شہادت

حقوق اللہ تعالٰی ومتی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فترد [1]۔	حقوق اللہ سے متعلق ہو اور شاہد حسبہ نے بلاعذر شہادت میں تاخیر کی تو وہ فاسق ہوگا اور اس کی گواہی مردود ہوگی (حسبہ وہ ہے جس سے ثواب آخرت کی توقع ہو)۔(ت)

غرض ان کے کہنے پر کچھ نظر نہ کی جائے، مسجد بنائی جائے اور اگر قبریں نکلیں تو وہ ضرور مسجد ہے اور اس میں نماز جائز اور اس کی حفاظت واجب۔ قبر جو نکلی ہے اور اس پر نماز نہ پڑھیں، نہ اس کی طرف پڑھیں، اس کے برابر آگے داہنے بائیں پڑھنے میں حرج نہیں بلکہ اگر قبر کسی مقبول بندے کی ہے تو اس کی قربت سے نماز میں اور برکت آئے گی،

کما فی اللمعات ومجمع البحار وکثیر من الاسفار وقد بیناہ فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ لمعات، مجمع البحار اور متعدد کتب جلیلہ میں ہے اور تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیلاً بیان کردیا ہے۔ (ت)

قبر کے شرقی جانب آدھ گز بلند ایک اینٹ کا سترہ قائم رکھیں پھر اس طرف بھی نماز جائز ہوجائیگی، اور اگر ان لوگوں کا اس مسجد کی نسبت بیان صحیح نکلے کہ جابجا قبور برآمد ہوں تو وہ بیشک مسجد نہیں۔

فان الوقف لایوقف اخری ولایحل اتخاذ القبور مساجد ولاتباح الصلوٰۃ علیھا۔	وقف کو دوبارہ وقف نہیں کیا جاسکتا اور قبور کو مسجدیں بنانا حلال نہیں اور نہ ہی قبور پر نماز پڑھنا مباح ہے (ت)

اس صورت میں دوسری جگہ مسجد بنانی لازم، اور راجہ اگر مالگزاری نہ چھوڑے تو اس سے مسجد میں کچھ خلل نہ آئے گا فان غایتہ الظلم والظلم لایبطل الحق (کیونکہ نتیجۃً یہ ظلم ہے اور ظلم حق کو باطل نہیں کرتا۔ت) اور پچھلی صورت میں پہلی عمارت کہ حقیقۃً مسجد نہیں ضرور منہدم کردی جائے کہ بوجہ قبور اس میں نماز جائز نہیں اور صورت مسجد باقی رہے گی تو ناواقف کو دھوکا دے گی وہ اس میں نماز پڑھے گا نماز بھی خراب ہوگی اور قبور پر چڑھنے سے ان کی بھی بے حرمتی ہوگی۔ یہ دو سوالوں کا جواب ہوا۔ تیسرے کی بنا اس پر ہے کہ وہ کل موضع قبرستان پر آباد مان لیا جائے اور ہم اوپر ثابت کرچکے کہ یہ خبر مدفوع ونامسموع ہے۔ اگر تسلیم کی جائے تو نہ صرف نماز وہاں چلنا پھرنا، رہنا، بسنا، پاخانہ، پیشاب سب حرام ہوجائے گا کما بیناہ فی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ ہم رسالہ "الامر باحترام المقابر" میں بیان کرچکے ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

مسئلہ ۲۲۶: از ڈھاکہ محلّہ مولوی بازار کوٹھی نمبر ۱۱ مسئولہ برکات احمد سوداگر ۱/ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندر اس مسئلہ کے، مسجد پختہ چندہ جمع کرکے بنانا کیسا ہے اور چندہ دینے والوں کو اس کا اجر کیا ملے گا؟ والسلام سنت اسلام۔

الجواب:

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من بنی ﷲ مسجدا زاد فی روایۃ ولو کمفحص قطاۃ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[1] زاد فی روایۃ من درو یاقوت[2]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اگرچہ ایک چھوٹی سی چڑیا کے گھونسلے کے برابر، اللہ عزوجل اس کے لئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل تیار فرمائے گا۔

اور اس میں ہر وہ شخص جو کسی قدر چندہ سے شریک ہوا، داخل ہے۔ ساری مسجد بنانے پر یہ ثواب موقوف نہیں۔ مدینہ طیبہ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنائی، پھر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں زیادت فرمائی، پھر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب اس کی تعمیر میں افزائش فرمائی، اس پر یہی حدیث روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۷: روز شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان خس پوش پیش مسجد وملکیت مسجد واقع ہے اس کو توڑ کر اراضی مسجد میں شامل کرلیا جائے اور امورات نیک مثل نماز جنازہ وغیرہ کے واسطے محدود کردیا جائے، دوسرے ہر شخص کو وقت آمد ورفت مسجد کواڑ دروازہ مسجد بھیڑ کر آنا جانا چاہئے یا نہیں؟ پس صورت مسئولہ میں حکم شرع شریف کا کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے اگر خلاف شرط واقف نہ ہو، مسجد کے کواڑ کبھی نہ بھیڑے جائیں گے بعد فراغت نماز عشاء جبکہ کسی کے آنے کی امید نہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما دارالفکر بیروت ۱/ ۲۴۱، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی ﷲ مسجدا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عبدالرب مرامجھلیا احاطہ امریا ضلع پیلی بھیت ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

گرد مسجد کس قدر زمین جنت ہے پیائش مہرے گر تین فٹ والے کی لکھی جائے، فقط۔

الجواب:

مسجد کی نسبت ایک حدیث روایت کی جاتی ہے روز قیامت تمام مساجد کی زمین جمع کرکے داخل جنت کی جائے گی،

تذھب الارضون کلھا یوم القیٰمۃ الا المساجد فانھا ینضم بعضھا الی بعض[1] قال الشراح ای فتصیر بقعۃ فی الجنۃ[2]۔	قیامت کے دن تمام زمینیں ختم ہوجائینگی سوائے مساجد کی زمینوں کے کہ ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملادیا جائے گا یعنی اکٹھا کردیا جائے گا۔ شارحین حدیث نے فرمایا کہ وہ جنت کا حصہ بنادی جائیں گی۔ (ت)

اور یہ تو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ:

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قیل وما ریاض الجنۃ یارسول اللہ قال المساجد قیل وما الرتع قال سبحٰن اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر[3]۔ رواہ الترمذی وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنت کی کیاریوں پر گزرو تو ان میں چروان کا میوہ کھاؤ، عرض کی گئی یا رسول اللہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا مسجدیں۔ عرض کی گئی وہ چرنا کیا ہے؟ فرمایا یہ کہنا "سبحان اللہ والحمد للہ ولاالٰہ الا اللہ واللہ اکبر" (اس کو ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مگر یہ حدیث محتمل تاویل ہے اور پہلی روایت میں سخت تعلیل ہے اور مسجد کے قریب اصلاً کسی حصہ کا جنت سے ہونا وارد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: مرسلہ سید محمد حسین علی قاضی سید پور علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ اورنگہ ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد پرانی ہے اور اس کو

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۲۱ مکتبۃ المعارف الریاض ۵/ ۱۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت مذکورہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۴۴۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸۹

بنانے کے لئے اس کا پرانا سامان لکڑی وغیرہ نکلا کچھ سامان تو اس میں لگ گیا اور کچھ سامان لکڑی بچ رہے اب اس کو کس کام میں لانا چاہئے اور اس میں بہت سی لکڑی ایسی ہے کہ وہ جلانے کے سوا اور کچھ کام میں نہیں آسکتی ہے سو اس لکڑی کا جلانا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ اور باقی جو کہ اچھی لکڑی ہے اس کو دوسرے شخص معتبر کے ہاتھ فروخت کرنا جائز اور درست ہے یا نہیں؟ خلاصہ جواب تحریر فرمائے گا۔

الجواب:

مسجد کا عملہ جو بچ رہے اگر کسی دوسرے وقت مسجد کے کام میں آنے کا ہو اور رکھنے سے بگڑے نہیں تو محفوظ رکھیں ورنہ بیع کردیں اور اس کے دام مسجد کی عمارت ہی میں لگائیں لوٹے، بوریہ، تیل بتی وغیرہ میں صرف نہیں ہوسکتا۔ یہ سب کام متولی اور دیانت دار اہل محلّہ کی زیر نگرانی ہو۔ بیع کسی ادب والے مسلمان کے ہاتھ ہو کہ وہ اسے کسی بے جا یا ناپاک جگہ نہ لگائے۔ لکڑی کہ جلنے کے سوا کسی کام کی نہ رہی سقایہ مسجد کے صرف میں لائیں اور اگر بیع کردیں تو خریدنے والا بھی اسکو جلاسکتا ہے مگر اپلے کی معیت سے بچائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: مرسلہ اسمٰعیل خاں کارندہ موضع ریونڈہ ڈاکخانہ مونڈھ تحصیل وضلع مرادآباد ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص گانے بجانے کا کام کرتا ہے اور فونو گراف باجا بھرنے پر بھی اجرت تنخواہ پاتا ہے اور کوئی ہندو جو زمیندار بھی ہے اور سود وغیرہ کی آمدنی بھی اس کو ہوتی ہے ایسے ایسے دونوں قسم کے اشخاص کے روپیہ سے مسجد کا وضوخانہ بنانا یا مسجد پر کلس چڑھانا شرعیہ قاعدہ سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو مال بعینہٖ حرام ہو وہ ان کاموں کے لئے لینا بھی حرام ہے، اور جس کی نسبت یہ معلوم نہ ہو کہ یہ خاص مال حرام ہے اس کے لینے میں مضائقہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱تا۲۳۳: از راندیر ضلع سورت مسئولہ محمد اعظم ناخدا بروز شنبہ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

ماقولکم اندریں صورت کہ مسجد کے نقد روپے پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ جمع یعنی موجود تھے اور اسی روپے سے مسجد کی تعمیر کرنے والوں نے یعنی اہل محلّہ نے ٹھہراؤ یعنی مقرر کیا ہوا تھا مگر نصف کام ہو کر روپے تمام ہوگئے لہٰذا مسجد کی آمد کے لئے جو ملکیت واقف نے وقف کی ہوئی ہوں اس کی آمد سے دوسری ملکیت زیادہ کی ہوں یعنی آمد سے دوسری ملکیت خرید کی ہو ان کو متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ کی صلاح سے فروخت کرکے مسجد کو تمام کردے یا بستی کے مسلمانوں کو بھی کمیٹی کرکے صلاح لے اور حاکم وقت کی منظوری درکار ہے کہ نہیں، بروقت نہ ہونے قاضی کے، اور واقف کی کوئی شرط یا لکھان ایسا نہیں ہے جسے کوئی بیچ سکے۔

دیگر سوال: مسجد کی تعمیر کی کوئی ضرورت نہ ہو اور مسجد کے خرچ واخراجات سے آمد بہت زائد ہو تو کیا متولی یعنی مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر کے مدرسہ اس فاضل آمدنی سے کھول سکتا ہے کہ نہیں؟ یا مہتمم مسجد اہل محلّہ سے اجازت لے کر یا اہل بستی کے مسلمانوں کی کمیٹی کرکے ان کی رائے لے کر کے مدرسہ کھولے اور حاکم وقف کے حکم کی منظوری ملانا ضروری ہے کہ نہیں؟ کیونکہ واقف کی نیت فقط یہ تھی کہ میرے وقف شدہ ملکیت کی آمدنی مسجد میں خرچ ہو اور کوئی دلیل نہیں کہ مدرسہ کھولیں تو اس وقت میں حاکم وقت کی منظوری کی ضرورت ہوگی کہ نہیں. بروقت نہ ہونے قاضی شرع کے، **فقط**۔

سوال سوم: بنابرازیں زائد آمدنی اس مسجد کی سے دوسری مسجد میں خرچ کرسکتے ہیں کہ نہیں **فقط**۔

الجواب:

(۱) وہ کہ واقف نے مسجد پر وقف کیا ہے اسے کوئی نہیں بیچ سکتا، نہ متولی، نہ اہل محلّہ، نہ حاکم، نہ کوئی، ہاں اس کی آمدنی سے جو جائداد متولی نے وقف کے لئے خریدی وہ مسجد کے لئے بیع ہوسکتی ہے۔ متولی اور اہل محلّہ اور سنی دیندار عالم اور دیانتدار مسلمانوں کے مشورہ سے جس میں غبن اور تغلب کا احتمال نہ رہے۔

(۲) جب کہ واقف نے صرف مسجد کے لئے وقف کیا تو وہ مسجد ہی میں صرف ہوگا اس سے مدرسہ نہیں کھول سکتے، نہ خود، نہ باجازت حاکم۔

(۳) نہیں کرسکتے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۴: مرسلہ محمد ابراہیم ڈاک خانہ کنکشیر ہائی اسکول ضلع فرید پور رجب ۱۳۳۴ھ

مسجد کے پرانے اسباب یعنی خام اور ٹین اور بانس وغیرہ اپنے گھر کے کاروبار میں لگاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر لگاسکے تو کس کام اور کس طور لگایا جائے؟

الجواب:

ستون اور ٹین کہ مثل سقف تھا اور بانس کہ سقف میں تھے اسی طرح کڑیاں اور اینٹیں، غرض جو اجزائے عمارت مسجد ہوں وہ اگر حاجت مسجد سے زائد ہوجائیں اور دوبارہ ان کے اعادہ کی امید نہ رہے تو متولی ومتدین اہل محلّہ کی اجتماعی رائے سے انہیں بیچ کر قیمت عمارت مسجد ہی کے کام میں صرف کی جائے مسجد کے بھی دوسرے کام میں صرف نہیں ہوسکتی، خریدنے والا انہیں اپنے صرف میں لاسکتا ہے مگر بے ادبی کی جگہ سے بچائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵ تا ۲۴۱: از رائل ہوٹل لکھنؤ حبیب اللہ خاں بروز شنبہ ۲۵ رجب ۱۳۳۴ھ

(۱) جو شخص حافظ کسی مسجد میں واسطے امامت وحفاظت کے مقرر ہو وہ مسلمانان اہل محلّہ سے جو مسجد میں نماز کو آئیں ان سے ایسی کج خلقی کا برتاؤ کرے جس کی وجہ سے مسجد میں آنا ترک کردیں اور جماعت میں خلل پڑ جائے، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) وہ شخص حافظ جو امام ومحافظ مسجد کا ہو اور مسجد میں پنجگانہ اذان نہ خود کہے نہ کہلوائے، نہ روا نہ صفائی مسجد کی کرے، اور دوسرے نمازیوں کو جو صفائی مسجد میں کریں ان کو مسجد کی خدمت کرنے سے منع کرے اور یہ کہے کہ مسجد کی خدمت کرکے کیا مسجد میں قبضہ کرنا چاہتے ہو، اس مسجد میں ہم جو چاہیں کریں تم لوگ کچھ نہیں کرسکتے ہو۔ اس پر کیا حکم ہے؟

(۳) جو شخص حافظ امام مسجد ہو اس حق سے مسجد کے درخت اور گملے جو عرصہ دراز سے مسجد کی زیبائش ورونق کے واسطے لگائے ہوئے ہوں اٹھا کر اور اکھاڑ کر اپنے گھر کو لے جائے اور اپنا قبضہ ہر چیز پر جو مسجد میں ہو اس پر ظاہر کرے اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) وہ حافظ جو امام مسجد ہو اور مسجد میں جو بمبا پانی کا نمازیوں کے آرام اور خرچ مسجد کے واسطے لگا ہوا ہو اس کو اکھڑوادے اور منع کرنے سے نہ مانے اور دوسرے مسلمان کو جو مسجد میں بمبا لگوانا چاہیں ان کو منع کرے اور نہ لگانے دے اور نمازیوں کی تکلیف پیش نظر رکھے اس پر کیا حکم ہے؟

(۵) مسجد میں مٹی کا تیل ٹین کی ڈبیہ میں جلائے جس سے مسجد میں بدبو اور سیاہی ہو اور چھت سیاہ ہوجائے اس پر کیا حکم ہے؟

(۶) موسم گرما میں نمازی صحن مسجد میں نماز پڑھنے کو چٹائی بچھانے کی خواہش کریں اور محافظ مسجد چٹائی حجرہ میں بند کردے بچھانے کو نہ دے اور نمازی باہم چندہ کرکے بخیال رفع تکلیف وآسائش نمازیوں کے چٹائی منگا کر بچھانا چاہیں تو ان کو نہ بچھانے دے اور کہے کہ جو کوئی اس مسجد میں چٹائی رکھے گا تو ہم اس چٹائی کو باہر مسجد کے پھینک دیں گے جس کی خوشی ہو اندر مسجد کے یا صحن مسجد میں بحالت موجودہ خواہ گرد اہو یا کچھ ہو نماز پڑھے یا نہ پڑھے اپنی چٹائی نہیں بچھا سکتا ہے، کیا مسجد میں چٹائی بچھا کر مسجد پر نمازی اپنا قبضہ کرنا چاہتے ہیں جن کے بزرگوں کی مسجد بنوائی ہوئی ہے ان کی طرف سے ہم مقرر ہیں ہم چاہیں چٹائی مسجد میں ڈالیں یا نہ ڈالیں دوسروں کو ڈالنے کا اختیار ومجاز نہیں ہے، اس پر کیا حکم ہے۔؟

(۷) جو حافظ امام مسجد ہو اور اس طرح کا عمل مذکورہ بالا کرے جس سے نمازیوں کو تکلیف ہو اور

جماعت میں خلل پڑے اور ان کی وجہ سے مسجد میں آنا چھوڑدیں اور وہ شخص مسجد کو اپنا مقبوضہ خیال کرے وہ شخص امام رہنے کے قابل ہے یانہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یانہیں؟ اور اس کو خطاب کرنا چاہئے؟ اور اس پر حد شرع کیا ہے؟ **فقط۔**

الجواب:

(۱) اس صورت میں وہ گنہگار و مستحق عذاب ہے کج خلقی وغیرہ تو بڑی بات ہے سید نا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسجد میں ایک بار نماز عشاء کی قرات طویل کی وہ ایک مقتدی کو ناگوار ہوئی، اس کا حال حضور میں عرض کیا گیا اس پر ایسا غضب فرمایا کہ ایسی شان جلال کم دیکھی گئی تھی اور معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

افتان انت یامعاذ، افتان انت یا معاذ، افتان انت یا معاذ[1]۔	اے معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو، کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والے ہو۔

(۲) اذان سنت مؤکدہ اور شعار اسلام ہے اور بغیر اس کے جماعت مکروہ، یہاں تک کہ اگر امام مسجد آہستہ اذان کہلوا کر جماعت پڑھ جائے وہ جماعت اولٰی نہ ہوگی، بعد کو جو لوگ آئیں انہیں حکم کہ اعلان کے ساتھ اذان کہیں اور پھر از سر نو جماعت کریں، اس کا تارک اور لوگوں کو اس سے منع کرنے والا صریح گمراہ وفاسق ہے، یونہی مسجد کی تنظیف کا بھی شرع میں حکم ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے:

امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببناء المسجد فی الدور وان تنظف وتطیب[2]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گھروں میں مساجد بنانے اور انہیں پاک وصاف رکھنے کا حکم دیا ہے (ت)

جو نہ خود کرے اور نہ اوروں کو کرنے دے مسجد کا بدخواہ ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۲، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب القراۃ فی العشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن نسائی کتاب الامامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۳، سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب تخفیف الصلوٰۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۱۵

[2] سنن ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۶

(۳) مسجد میں پیڑ بونا ممنوع ہے اور ان کا اکھاڑ ناجائز مگر اس کے لگائے ہوئے نہیں تو اپنے گھر لے جانے کا کوئی معنی نہیں۔ قبضہ اگر مسجد کی اشیاء پر متولیانہ ظاہر کرے تو حرج نہیں جبکہ متولی ہو اور مالکانہ ہو تو حرام۔

(۴) مسجد ہی کے دو معنے ہیں ایک یہ کہ فنائے مسجد یعنی اس کے متعلق زمین اس کا بلاوجہ شرعی زائل کرنا اور نمازیوں کو تکلیف پہنچانا شرعاً ممنوع ہے، دوسرے یہ کہ عین مسجد میں اگر قبل تمام مسجدیت واقف نے لگایا تو باقی رکھا جائے گا اور اس کا ازالہ بھی ممنوع ہے اور اگر بعد تمام مسجدیت بانی نے خواہ اور کسی نے لگایا تو وہ لگانا حرام اور اکھاڑ دینا واجب۔

(۵) یہ حرام ہے اور اس کا ازالہ فرض، اور کرنے والا مسجد کا بدخواہ، اور دربارہ الٰہی کے ساتھ گستاخ۔

(۶) اس پر استحقاق لعنت ہے اور وہ خود ہی مسجد پر قبضہ مالکانہ کرنا چاہتا ہے دوسروں پر جھوٹا الزام رکھتا ہے۔

(۷) شنائع مذکورہ کے مرتکب فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی منع، اور پڑھ لی تو پھیرنا واجب، اور مسجد پر سے اس قبضہ ظالمانہ کا اٹھا دینا لازم، اور شرعاً وہ ہر اس تعزیر کا مستحق ہے جو سلطان اسلام تجویز فرماتا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۲: مسئولہ سیٹھ آدم جی بردر دولت اعلیحضرت یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) مسجد میں چراغ تمام شب جلانا چاہئے یا یا جہاں تک نمازیوں کی آمد و رفت ہو وہاں تک؟

(۲) محراب مسجد کو یا دیوار قبلہ نقش و نگار اور سونے کا پانی چڑھانا اور رنگ دینا مکروہ ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

الجواب:

(۱) وہاں کے عرف معہود پر عمل کیا جائے جہاں شب بھر روشن رہتا ہے جیسے مساجد طیبہ، مدینہ و مکہ معظّمہ وبیت المقدس وہاں شب بھر روشن رکھنا چاہئے ورنہ نصف شب کے قریب تک۔

(۲) مکروہ ہے کہ باعث شغل قلب نمازیان ہے مگر واقف نے کیا ہو تو ویسا ہی کیا جائے گا اور اس میں نیت تعظیم مسجد ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از وزیر آباد ضلع گوجرانوالا مسجد شیخ لعل نور عالم امام مسجد یکشنبہ ۱۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

بخدمت حامی سنت، قامع بدعت، عالم اہلسنت وجماعت، مرجع علمائے وفضلاء جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب سلمہ اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالٰی وبرکاتہ۔

ہماری مسجد بسبب کہنہ ہونے کے شہید کرا کر از سر نو تعمیر کرائی جارہی ہے، بعض اصحاب کا خیال ہے

کہ نیچے دکانیں اور اوپر مسجد تعمیر ہو، تاکہ دکانوں کا کرایہ مسجد کے مصالح و مصارف پر وقتاً فوقتاً خرچ ہوتا رہے، اور بعض اس کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسجد کا احاطہ تحت الثرٰی سے عرش معلٰی تک قابل احترام ہے دکانیں بنانے میں احترام نہیں رہتا کیونکہ مسجد کا گرداگرد ابھی قابل احترام ہے۔ ہاں اگر ابتداء بناء میں دکانیں بنائی جاتیں تو جائز تھا جیسا کہ لاہور میں مسجد وزیر خاں اور سنہری مسجد۔ مجوزین کہتے ہیں کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد کے اوپر امام کے لئے بالاخانہ جائز ہے، اور مسجد کا احترام جیسا کہ نیچے کے حصہ کا ویسا ہی اوپر کا، جب بالاخانہ بنانے سے احترام میں فرق نہیں آتا تو دکانیں بنانے میں کیا حرج ہے، حالانکہ فائدہ ہے۔ نیز مسجد تنگ ہو تو راہ کا کچھ حصہ اس میں ملالینا اور راہ تنگ ہو تو مسجد کا کچھ حصہ راہ میں ملادینا جائز ہے، جب ضرورت کے وقت بلالحاظ احترام ایسا تغیر و تبدل جائز ہے تو دکانیں بنانے میں بھی چونکہ مسجد کے مصلحت کی ضرورت ہے کیوں جائز نہیں ہے اور عدم جواز کی کیا وجہ ہے؟ اور آج کل ضلع گوجرانوالا میں ایک مسجد شہید کراکر نیچے دکانیں بنائی گئی ہیں اکثر علماء نے فتوی جواز کا دے دیا ہے حتی کہ فیصلہ عدالت حکام میں بطور نظیر رکھا گیا ہے، اور فتوی جواز عندالعلماء مسلم ہوچکا ہے۔ غیر مقلدین جواز کے قائل ہیں مگر ہمارا اطمینان نہیں ہوتا کیونکہ کتابوں میں عدم جواز ہی دیکھا ہوا ہے البتہ تذبذب وتشتت ہوگیا ہے۔ لہذا خدمت میں گذارش ہے کہ خدا کے واسطے مطابق کتاب وسنت اس مسئلہ کی تحقیق فرماکر جلد مرحمت فرمائیں تاکہ اس جھگڑے سے ہمیں نجات ملے، جواز یا عدم جواز جو حق ہو دلائل قاطعہ سے مدلل فرماکر جلد روانہ فرمائیں کیونکہ عمارت رکی ہوئی ہے اور دیر ہونے میں حرج ہوتا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدنیا والآخرۃ۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دکانیں قطعی حرام اور وہ بالاخانہ بھی قطعی حرام، ہاں وقت بنائے مسجد قبل تمام مسجدیت نیچے مسجد کے لئے دکانیں یا اوپر امام کے لئے بالاخانہ بانی بنائے اور اس کے بعد اسے مسجد کرے تو جائز ہے اور اگر مسجد بناکر بنانا چاہے اگرچہ مسجد کی دیوار کا صرف اسارا اس میں لے اور کہے میری پہلے سے یہ نیت تھی ہرگز قبول نہ کریں گے اور اس عمارت کو ڈھادیں گے۔ درمختار میں ہے:

لو بنی فوقہ بیتا للامام لایضر لانہ من المصالح اما لوتمت المسجدیۃ ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیۃ فاذا کان ھذا فی الواقف	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کے لئے حجرہ بنادیا تو حرج نہیں کیونکہ وہ مصالح مسجد میں سے ہے لیکن تمام مسجدیت کے بعد اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو اس کو منع کیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ میرا شروع سے ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی۔ (تاتارخانیہ)

فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد ولا یجوز اخذ الاجرۃ منہ ولان یجعل شیئا منہ مستغلا ولاسکنی بزازیۃ۔[1]	جب خود واقف کا حکم یہ ہے تو کسی اور کو یہ اختیار کیسے ہوسکتا ہے لہذا ایسی عمارت کو گرانا واجب ہے اگرچہ صرف دیوار مسجد پر وہ استوار کی گئی ہو، اس کی اجرت لینا یا مسجد کا کوئی حصہ کرایہ کے لئے یا رہائش کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں (بزازیہ) (ت)

وقت ضرورت راہ کا حصہ مسجد میں ملالینے کے یہ معنی نہیں کہ راہ بدستور راہ ہے اور اسے مسجد کرلیا جائے جس سے مخالف احترام لازم آئے بلکہ اس پارہ راہ کو جب مسجد میں شامل کرلیا جائے گا وہ تمام احکام مسجد میں ہوجائے گا اور اسے گزرگاہ بنانا ناجائز ہوگا اور مسجد کو بایں معنی راہ بنانا کہ وہ مسجدیت سے خارج اور اس کا احترام ساقط اور راہ میں شامل ہوجائے ہرگز جائز نہیں۔ مسئلہ کہ بعض کتب میں لکھا ہے اس کے معنٰی اور ہیں جس کی تفصیل و تحقیق دیکھنی ہو تو فقیر کا فتاوٰی یا ردالمحتار کا حاشیہ یا رسالہ مطبوعہ "قامع الواہیات لجامع الجزئیات" ملاحظہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۵: از راجپوتانہ ریاست کوٹہ مدرسہ انجمن اسلامیہ یوسف خاں مہتمم شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں معاملہ کہ یہاں پر قریب تین سو گز کے آبادی مسلمانوں کی ہے اور یہاں کی جامع مسجد میں علاوہ نماز جمعہ کے پنج وقتی نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہے اس میں مسافر لوگ باہر کے نمازی وغیر نمازی آکر ٹھہرا کرتے ہیں اور دن رات وہاں پر رہتے سوتے ہیں، یہ عمل قریب عرصہ تین چار سال سے جاری ہے، اور یہ بات مسلم ہے کہ حالت خواب میں انسان کو اپنے جسم کا خیال نہیں رہ سکتا، ایسے میں اگر احتلام بھی ہوجاتا ہو تو کیا عجب ہے اس کے دفع کے لئے بہت سے کوشش کی مگر ناکامی ہوئی حتی کہ ایسا عمل کرنے میں ان کے دیکھا دیکھی قصبہ کے مسلمانان بھی پورے طور پر عادی ہوگئے ہیں، ایسی حالت دیکھنے پر منع جو کیا گیا تو جواب ملا کہ بڑے بڑے شہروں میں یہ عمل ہوتا ہے اگر منع ہوتا تو وہاں پر لوگ ایسا نہ کرتے ہم نہیں مان سکتے جب تک کہ ہم کو کسی کتاب سے یا حدیث صحیح سے اس کے عدم جواز کے بارہ میں صاف طور آگاہ نہیں کردیا جائے، علاوہ ازیں ایک حافظ صاحب نابینا ٹونگ کے رہنے والے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ صبح سے چار بجے تک حالت خواب میں رہتے ہیں، کبھی پیر قبلہ کی اور کبھی اوتر کی جانب رہتے ہیں۔ گاہ بگاہ نماز جمعہ تک کے بھی ہاتھ نہیں آتے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

اور یہ صاحب طلبہ خورد سالہ کو جن کو اپنے پیروں کے ناپاکی سے بچانے کا خیال تک نہیں رہتا، جامع مسجد ہی میں درس دیتے ہیں، اور طلبہ صبح سے لے کر چار بجے تک وہاں پر ہی حاضر رہتے ہیں ان منع کیا گیا کہ آپ سمجھدار ہیں یہاں کا سونا اور بچوں کو اس جگہ تعلیم دینا بند کریں کیونکہ ان کے پیر ناپاکی میں آلودہ رہتے ہیں اور سونا مدرسہ اسلامیہ یا جس صاحب کے مکان پر رہتے ہیں یا جہاں پر علاوہ مسجد کے آپ پسند فرمائیں اختیار کریں جس سے نہایت غصہ میں آکر جواب دہ ہوئے کہ ہم نہیں مان سکتے تمہارا جو جی چاہے کرو، ایسی شکل میں ہمارے واسطے مسجد میں سونا درست ہے یا نہیں؟ اب قصبہ میں یہ مرض مسلمانوں میں دیکھا دیکھی زیادہ ترقی پر ہے، مسجد میں بخوبی رہتے ہیں، ایسی صور تہائے مذکورہ بالا میں ہمارے مذہب حنفی میں کیا حکم ہے؟ اس کا جواب بحوالہ کتب معتبرہ بحوالہ حدیث صحیح کے نہایت شرح سے دیا جائے، **فقط۔**

الجواب:

صحیح راجح یہ ہے کہ معتکف کے سوا کسی کو مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

کرہ النوم فیہ الا المعتکف[1] الخ واستثنی بعضھم الغریب ولاحاجۃ الیہ لانہ یقدر علی ان ینوی الاعتکاف ویذکر اللہ تعالٰی قدر ما تیسر ثم یفعل ما یشاء[2]۔	مسجد میں غیر معتکف کے لئے سونا جائز نہیں الخ بعض نے مسافر کو اس حکم سے مستثنٰی کیا ہے مگر اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ اعتکاف کی نیت کرکے حسب استطاعت اللہ تعالٰی کا ذکر کرے اور پھر جو چاہے کرے (ت)

مسجد میں ناسمجھ بچوں کے لے جانے کی ممانعت ہے، حدیث میں ہے:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم[3]۔	اپنی مساجد کو اپنے ناسمجھ بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو۔ (ت)

خصوصًا اگر پڑھانے والا اجرت لے کر پڑھاتا ہو تو اور بھی زیادہ ناجائز ہے کہ اب کار دنیا ہو گیا اور دنیا کی بات کے لئے مسجد میں جانا حرام ہے نہ کہ طویل کار کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الصلوٰۃ باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

مسئلہ ۲۴۶: از شہر مظفر پور محلّہ کلیانی حکیم ظہور الحق شنبہ ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک محلّہ میں شہر کے ایک مسجد پختہ مدت دراز سے قائم ہے اور کوئی معتبر شخص نہیں کہتا ہے کہ یہ مسجد زرحلال یا حرام سے کس طرح روپیہ سے بنی ہے اور بنانے والا کون ہے۔ مگر بعض اشخاص غیر معتبر کہتے ہیں کہ یہ مسجد ایک عورت کی بنوائی ہوئی ہے جس نے ایک ملازم سرکاری سے عقد کیا تھا اور بعد عقد کے ظروف گلی کے بیچنے کا پیشہ کرتی تھی اور اپنی ظروف فروشی کے حلال روپیہ سے اس نے یہ مسجد بنوائی ہے چنانچہ قبر اس عورت کی صحن مسجد کے دالان میں موجود ہے اب مرمت وغیرہ مسجد مذکورہ کی مسلمانان محلّہ کے خرچ واہتمام سے ہوتی ہے اور برابر نماز پنجگانہ جماعت سے اس میں ہوتی ہے اور ایک شخص بمشورہ مسلمانان محلّہ ان دنوں اس کا متولی ہے اور اذان دیتا ہے اور نمازیں پڑھاتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ یہ مسجد ہماری نانی کی بنوائی ہوئی ہے مگر عندالناس یہ شخص شریف النسب نہیں ہے، پس اس صورت میں اس مسجد کو مسجد کا حکم دیا جائے گا یا نہیں؟ اور نمازیں اس میں جائز ہوں گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد ضرور مسجد ہے اور اس میں نمازیں بے شک جائز اور بنانے والے کا شریف النسب نہ ہونا اگر ثابت بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ بانی کی شرافت نسب کوئی شرط مسجد نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ"[1] الاٰیۃ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسجدیں تو وہی لوگ تعمیر کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

اور جب زر حرام سے ہونا معلوم نہیں تو شبہ ووہم کو دخل دینا بے معنی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ذخیرہ سے ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں جب تک ہمیں کسی معین شیئ کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی فی الھدایا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۲۴۷ تا ۲۵۰: از بریلی بازار صندل خاں مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب یکشنبہ ۱۹ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان صورتوں میں کہ:

(۱) دو شخصوں نے ایک چاہ ومسجد بخیال آرام وآسائش ادائے نماز اپنی کے تعمیر کرائی اور وقف نہ کی، نیز دیگر مکانات بھی اس میں پہلے بنانے والے کے ملحق مسجد واقع تھے اور اب بھی ہیں، بنانے والے کے ورثاء ہمیشہ سے یکے بعد دیگرے انتظام مسجد کرتے چلے آنے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں مگر اس میں دیگر اشخاص نماز ادا کرنے لگے، اب چند اہل محلّہ ان مکانات وغیرہ کو متعلق مسجد خیال کرکے اس کی آمدنی اپنی رائے سے صرف وخرد برد کرنا چاہتے ہیں اور وارثان ہر دو اشخاص جن کے مورثوں نے مسجد و چاہ تعمیر کراکر وقف نہ کی وہ ان کے خرد برد سے آمدنی کو باز رکھنا چاہتے ہیں پس عندالشرع ایسے شخص غیر تعلقدار اپنی رائے سے آمدنی مسجد صرف وخرد برد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ انتظام کس کی رائے سے ہونا چاہئے اور کس کی رائے سے نہ ہونا مناسب ہے، آیا غیر شخص کی رائے یا ان مورثوں کے ورثاء کے ہاتھ سے جنہوں نے مسجد وچاہ تعمیر کرایا ہے، اور اب بھی حسب ضرورت خرچ مسجد و امام وغیرہ ہی کرتے ہیں، صورت بالا میں مسجد بلاایماء بنوانے والے کے وقف سمجھی جائیگی یا نہیں اور بلاایماء بنوانے والے کے یا اس کے ورثاء کے غیر اشخاص کے ادائے نماز میں کوئی سقم واقع ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی شخص امام مسجد مثلاً طالب علم یا دیگر اہل محلّہ سے مسجد میں اگر جھگڑا کرے اور تحکمانہ برتاؤ کرے ایسی باتیں کرے جس میں کہ تمام اہل محلّہ وامام مسجد نالاں ہو کر مسجد میں آنا ترک کردیں تو ایسے شخص کو مسجد میں آنے دیا جائے یا نہیں؟ باوجود مدد کرنے زر نقد وروٹی وغیرہ کے، اس پر اور اس کے ہم خیال وغیرہ پر کیا حکم شرع ہے؟

(۳) کانٹا ولوٹا ورسی وغیرہ سامان مسجد سوائے اپنے یا اپنے میل کے اشخاص کے کسی دوسرے شخص کو دینا پسند نہ کرے، اواگر لیں تو جھگڑا کرے تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

(۴) عالم پانی بھرنے والوں کو جو چاہ مسجد میں بھریں برا کہے اور روکے برخلاف اپنے میل کے اشخاص کے، تو ایسے شخص پر کیا حکم شرع ہے؟

الجواب:

(۱) مسجد اگر صورت مسجد پر بنائی اور راستہ اس کا شارع عام تک جدا کردیا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دی تو بلاشبہ وہ مسجد ہوگئی اور اس کا یہ کہنا کہ بانی نے وقف نہ کی قابل قبول نہیں، یونہی اگر کنواں بناکر متعلق مسجد کردیا اس میں نماز وارثان بانی کی محتاج اجازت نہیں، ہاں اگر بہ ثبوت شرعی ثابت ہو کہ بانی نے کہا تھا یہ مسجد میں اپنے لئے بناتا ہوں وقف نہیں کرتا، یا اس کا راستہ اسی کی ملک میں ہو کر ہو

اور اس نے مسجد کے لئے راہ جدا نہ کی تو وہ مسجد نہ ہوئی اگرچہ صورت اخیرہ میں اس نے یہ بھی کہہ دیا ہو کہ میں نے اس کو وقف کیا، یوں اس میں نماز مسجد کا ثواب نہیں، نہ بے اجازت مالکان دوسرا پڑھ سکتا ہے، رہے دیگر املاک متصل مسجد ثبوت شرعی سے ان کا مسجد پر وقف ہونا درکار ہے بے اس کے کوئی ان میں تصرف نہیں کرسکتا وہ وارثوں کی ملک ہے ان کو اختیار ہے۔

(۲) جو شخص ناحق فتنہ اٹھاتا ہو اور اس کے سبب لوگ مسجد میں آنا ترک کردیں اسے مسجد سے روکنا جائز ہے جبکہ باعث اثارت فتنہ نہ ہو، درمختار میں ہے:

ویمنع منه کل موذ ولو بلسانه[1]۔	مسجد سے ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبانی ایذا پہنچاتا ہو۔ (ت)

اور اگر وہ کسی امر ضروری حق کی طرف بلاتا ہو اور لوگ اپنی جہالت کے سبب سے اس سے ناراض ہوں تو وبال انہیں پر ہے نہ کہ اس پر۔

(۳) مال وقف پر کوئی اپنا قبضہ نہیں کرسکتا، اگر ایسا کرے اور نمازیوں کو مسجد کی اشیاء سے انتفاع نہ کرنے دے تو وہ بھی موذی اور قابل اخراج۔

(۴) کنویں پر سے کسی مسلمان کے روکنے کا کسی کو حق نہیں، جب تک کوئی خاص وجہ شرعی نہ ہو اور جو ایسا فساد کرتا ہو بطرز مناسب اس کا انسداد واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۳: ازالہ آباد مدرسہ سبحانیہ محمد نصیر الدین محلّہ سرائے گڈھا پنجشنبہ ۲۳ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی لب سڑک تھی اس میں ایک درجہ پچھم جانب گنبد دار تھا اور مسجد کے پورب ودکھن جانب دکانات ہیں جن کی چھت مسجد کے فرش صحن سے، اب مسجد ہذا کی از سر نو تعمیر اس طور پر کی گئی کہ پچھم کی جانب بجائے ایک درجے قائم کئے گئے اور دکانات کی بھی چھت پر عمارت بنائی گئی جس کے ہر چہار طرف بڑے بڑے دروازے جواب بنائے گئے اور مسجد کی کرسی بھی اتنی بلند کی گئی کہ دکانوں کی چھت فرش مسجد سے برابر ہوگئی صرف چھ انگشت بمقدار درسہ دکانات کی چھت سے فرش مسجد اونچی ہے مسجد ہی کی طرف سے اس چھت پر آمد ورفت ہے، رمضان المبارک کے جمعوں میں اس قدر لوگوں کی کثرت ہوتی تھی کہ لوگ مسجد میں نہیں سماتے تھے سڑکوں پر صف قائم کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اس ضرورت سے مسجد دو منزلہ بنائی گئی، مسجد کے اندر کے درجہ چھت پر ایک درجہ گنبدی بنایا گیا

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اور اس برابر آگے کا درجہ اور تمام صحن مع عمارت بالائے سقف دکانات پاٹ دیا گیا گویا کہ نیچے اوپر دو مسجدیں ہو گئیں نیچے کی مسجد مع صحن و اپنے حوالی کے پٹی ہوئی ہو گئی اور اوپر ایک درجہ پٹا ہوا گنبدی اور اس کے ساتھ بہت بڑا صحن کھلا ہوا نکل آیا اور اوپر کے درجہ کے سامنے جو صحن ہے وہ محاذات مسجد سے دکھن جانب بڑھا ہوا ہے کیونکہ دکانات کی چھت کی عمارت کی سقف بھی شامل کر لی گئی ہے۔اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوپر کی مسجد کا جو صحن بغرض وسعت دکھن کی طرف بالائے سقف دکانات بڑھا ہوا ہے وہ مسجد ہے یا نہیں؟

[2]دوم: یہ کہ دکانات مذکورہ کی چھت پر یا اس کے بالائے عمارت کے سقف پر معتکف جاسکتا ہے یا نہیں؟

[3]سوم: یہ کہ اوپر کے مسجد پر صحن میں جب امام محراب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو دکھن کی جانب صف بڑھ جاتی ہے ایسی حالت میں امام کچھ ہٹ کر دکھن کی جانب کھڑا ہوتا ہے کہ دونوں جانب صف برابر رہے یا خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور مقتدیوں کو زائد حصہ میں دکھن کی جانب کھڑے ہونے سے روکے اور اپنے پیچھے دونوں طرف صف برابر قائم کرنے کا حکم دے کیونکہ امام کے پیچھے دور تک بہت جگہ باقی رہتی ہے۔فقط

الجواب:

اگر وہ دکانیں متعلق مسجد اور اس پر وقف ہیں اور مسلمانوں نے ان کی سقف کو داخل کر لیا تو وہ سقف بھی مسجد ہو گئی،

ولایضر کون الحوانیت تحتہ لکونھا وقفا علیہ وجاز اخذ ملك الناس کرھا بالقیمۃ عند ضیق المسجد فکیف بما ھو وقف علیہ[1] کما فی ردالمحتار۔	مسجد کے نیچے دکانوں کا ہونا مضر نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف ہیں، اگر مسجد تنگ ہو تو لوگوں کی مملوکہ جگہ قیمت کے بدلے جبراً لے کر مسجد میں توسیع کرنا جائز ہے تو جو مسجد پر وقف ہو اس کو شامل مسجد کرنا کیونکر جائز نہ ہوگا، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے(ت)

ان دکانوں کی چھت پر اور ان کی بالائی عمارت کی سقف پر معتکف جاسکتا ہے،

لانھا کانت من فناء المسجد ولا طریق فاصل بینھما فکیف وقد صارت من المسجد۔	کیونکہ وہ فناء مسجد ہے اور درمیان میں کوئی راستہ جدائی ڈالنے والا نہیں اور کیسے ناجائز ہوگا جبکہ وہ مسجد ہی کا حصہ ہو گیا ہے(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰ و ۳۸۴

اگرامام محراب کے سامنے کھڑا ہواور اپنے توسط کے لئے صف پوری نہ کرنے دے توگناہ و ناجائز ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله اللہ ومن قطع صفا قطعه اللہ[1]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو صفوں کو ملائے اللہ تعالٰی اس کو وصل عطا فرماتا ہے اور جو صفوں کو قطع کرے اللہ تعالٰی اس کو منقطع فرماتا ہے (ت)

اور خود محراب کے سامنے کھڑا ہو اور صف پوری ہو کر ایک جانب بڑھ جائے تو مکروہ اور خلاف سنت ہے

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم توسطوا الامام[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ امام درمیان میں ہو۔ (ت)

بلکہ یہ چاہئے کہ صف پوری کی جائے اور صف کا جہاں وسط ہو امام محراب چھوڑ کر وہاں کھڑا ہو اس بیرونی حصہ کے لئے یہی جگہ محراب ہے نص علیه فی ردالمحتار التفصیل فی فتاوٰنا (ردالمحتار میں (علامہ شامی) نے اس پر نص فرمائی اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) مگر یہ معلوم رہے کہ مسجد کی چھت پر بلاضرورت جانا منع ہے اگر تنگی کے سبب کہ نیچے کا درجہ بھر گیا اوپر نماز پڑھیں جائز ہے اور بلاضرورت مثلاً گرمی کی وجہ سے پڑھنے کی اجازت نہیں کما نص علیه فی الفتاوٰی عالمگیریة (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم دوشنبہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک مسجد میں خلاف تہذیب و ناشائستہ حرکات کرتے ہوئے مثلاً کسی وقت اس میں لڑے، گالی گلوچ تک نوبت پہنچی اور بہت شور و شغب کیا، کسی وقت مسخرہ پن کیا، ایک نے دوسرے کا تہبند کھول دیا، بعض وقت کسی کی مقعد میں انگلی کردی، کبھی مؤذن کی آواز پر ہنسے قہقہے اڑائے۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر ایک شخص نے ناصحانہ حیثیت سے محض نصیحت اور سمجھانے کے طور کہا کہ بھائیو! مسجد خانہ خدا ہے اس کے اندر تم کو یہ افعال جائز نہیں ہیں، اور غور کرو کہ مسجد کی حرمت اور تعظیم ہم پر اور تم پر اور ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری اور فرض ہے، تو ان لوگوں نے اس کی بات کو نصیحت اور خیر خواہی نہ سمجھ کر تعصب اور نفسانیت تصور کرکے خلاف منشاء ناصح کے جواب دیا، اس پر ناصح مذکور نے کہا کہ

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷

[2] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۹، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب مقام الامام من الصف دار صادر بیروت ۳/ ۱۰۴

مسجد نماز اور ذکر خدا کے لئے گئی ہے بیہودہ باتوں کے لئے نہیں ہے۔ مسخرہ پن کرنا چاہتے ہو تو دوسری مسجد تلاش کرو۔ اس بات پر اکڑ گئے کہ تم نے مسجد پر مالکانہ دعوی کیا اور ہم کو مسجد سے نکال دیا اور اب دوسری مسجد بنانا چاہتے ہیں اور مسجد اول کی ویرانی اور جماعت کم ہو جانے کا کچھ خیال نہیں کرتے، کیا باوجود تخریب مسجد اول اور تقلیل جماعت ان کو مسجد ثانی بنانا جائز ہے؟ یا دوسری مسجد ضرار کہلائے گی؟ **فقط۔**

الجواب:

اگر یہ واقعی اسی طرح ہے اور ان کی نیت فاسد ہے تو ضرور دوسری مسجد بنانے کی ان کی اجازت نہیں، بوجہ فساد نیت وہ مسجد حکم ضرار میں ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵ تا ۲۵۶: مرسلہ عبدالغنی، حاجی کریم بخش صاحب از مقام کمپ ڈیسہ علاقہ ریاست پالن پور ۸ صفر ۱۳۳۵ھ

حضرات علمائے دین کی خدمت میں مسائل شرعی دریافت طلب پیش ہیں:

مسئلہ اول: قدیمی جامع مسجد کو ترک کرکے دوسری مسجد کو مسجد جامع قرار دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور قدیمی جامع مسجد ترک کرنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی نسبت یہ اندیشہ ہے کہ کچھ عرصہ میں خود بخود منہدم ہو جائے کیونکہ اس کے دو جانب برساتی نالے فراخ ہوتے جاتے ہیں اور مسلمان اس قدر مقدرت نہیں رکھتے کہ نالوں کو پٹوا کر مسجد کو محفوظ کر سکیں اور اس کے علاوہ ان نالوں کو سوائے سرکار انگریزی کے دوسرے شخص کو بند کرانے کا مجاز بھی نہیں، اور جس مسجد کو مسجد جامع قرار دینا چاہتے ہیں وہ جامع مسجد سے محکم اور فراخ بھی ہے، تو ایسی صورت میں دوسری مسجد کو جامع قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟

دوسرا مسئلہ: کسی ایسے ہندو یا انگریز حاکم کا روپیہ جو اسلام کی طرف قلبی توجہ رکھتا ہو مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

(۱) جائز ہے، اور اس مسجد اول کی محافظت تا حد قدرت فرض ہے۔

(۲) ایسی ضرورت کی حالت میں جیسی اوپر مذکور ہوئی کہ مسجد شہید ہو جائیگی اور مسلمانوں میں طاقت نہیں جائز ہے **لان الضرورات تبیح المحظورات**[1] (کیونکہ مجبوریاں ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

مسئلہ ۲۵۷: از کالا کر ضلع پرتاب گڈھ ۲۲ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان نے ایک مسجد کی بنا ایسی جگہ ڈالی ہے جہاں کبھی مسجد نہ تھی اور وہاں کے ہنود باشندے مسجد کے بننے کو روکتے، لیکن زید مسلمان نے اپنی خوشامد سے مسجد کی بنیاد قائم کردی لیکن اسی مقام کا عمرو خود اس امر کی کوشش اہلکاروں زمینداروں سے کی اور ملازم زمیندار کو اس موقع پر لاحاضر کیا کہ اس مسجد کی بنیاد میرے گھر کی طرف چھ انگل بڑھی ہوئی ہے، اس مسجد کی دیوار چھ انگل ادھر بنانی چاہئے لیکن باقی مسجد زید نے اپنی خوشی سے اور خوشامد کے باعث اپنی منزل مقصود کو پہنچے اور جب عمرو مسلمان اپنے مقصد کو نہ پہنچا تو ایک ہندو کو ورغلا کر اس امر پر آمادہ کیا کہ مسجد کی دیوار تیرے مکان کی دیوار کی طرف بڑھا کر اٹھائی جارہی ہے تو روک دے ورنہ تجھ کو اس مسجد کی دیوار کی وجہ سے نقصان ہوگا لیکن زید مسلمان نے اپنی چالاکی سے بمقابلہ ہندو اور عمرو مسلمان قائم ہی کردی اور عمرو مسلمان کی کچھ نہ چلی، ایسے شخص کے ساتھ از روئے حکم خدا اور رسول کیا برتاؤ رکھا جائے اور اس کے یہاں کا کھانا پینا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے نہ بتایا کہ واقع زید نے چھ انگل ملک عمرو زمین میں شامل کرکے اسے مسجد کرنا چاہا ہے یا واقع میں ایسا نہیں اور عمرو کا دعوی جھوٹا ہے اگر فی الواقع صورت اولٰی ہے تو مسجد مسجد نہیں، اور عمرو نے جو کچھ برتاؤ برتے اس صورت میں اس پر الزام نہیں اور ایسا تو بلاشبہ عمرو بدخواہ مسجد اور سخت سے سخت ظالموں میں ہے،

قال اللہ تعالٰی عزوجل: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[1]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا تھا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اس حالت میں اس کے ساتھ کھانا پینا، میل جول نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۵۸: مرسلہ محمد حسن فاروقی ضلع پورنیہ ڈاکخانہ اسلام پور بھوجاگاؤں ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد زمانہ دراز سے قائم تھی جس کو زید نے توڑ کر جگہ سابق سے دوسری جگہ پر یعنی دس بارہ ہاتھ یا ایک رسی کے فاصلہ پر بنادی ہے اور اس مسجد کی جو لکڑی پرانی ہوگئی تھی اسکو اپنا کھانا پکانے میں جلادی ہے توکیا مسجد ایک جگہ سے توڑ کر دوسری جگہ بنادینا اور اس کی لکڑی کو اپنے تصرف میں لانا درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ جس جگہ پر وہ مسجد پہلی قائم تھی بعد توڑ دینے مسجد کے وہ جگہ جہاں پر وہ مسجد تھی ویسا ہی خالی پڑی رہے یا کہ اگر کوئی چیز پیدا ہو تو بوئی جائے۔

الجواب:

یہ فعل کہ زید نے کیا حرام محض ہے، مسجد نہ توڑی جاسکتی ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، نہ اس کی لکڑی وغیرہ کوئی چیز اپنے مصرف میں لائی جاسکتی ہے،

قال اللہ تعالٰی: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَاؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ(۱۱۴)" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں یاد الٰہی ہونے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے، ایسوں کو نہیں پہنچتا کہ اس میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایجوز نقلہ ولانقل مالہ الی مسجد اٰخر [2]۔	مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں (ت)

نہ اس میں کچھ بونا یا اور کوئی تصرف کسی طرح حلال ہوسکے بلکہ زید پر فرض ہے کہ اسے بدستور پہلی طرح بنادے۔

فان الضمان فی بناء الوقف باعادتہ	عمارت وقف میں ضمان یہ ہے کہ اس کو پہلے کی طرح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

کماکان بخلاف سائر الابنیة[1] کما فی الدر وغیرہ۔	دوبارہ بنائے بخلاف دیگر عمارات کے ضمان کے، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے (ت)

یہ دوسری مسجد جو اس نے بنائی اگر اپنی زمین میں بنائی اور اسے مسجد کردیا تو یہ بھی مسجد ہوگئی اس کا بھی باقی رکھنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ سعادت خاں نابینا مسجد ندی قصبہ مہد پور ریاست اندور ملک مالوہ یکم ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

مسجد کے احاطہ کے اندر درختوں میں سے یا مسجد کی ملک کے درختوں میں سے کسی درخت کا پھل یا پھول بلاادائے قیمت کھانا یا لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ پیڑ مسجد پر وقف ہیں تو بلاادائے قیمت جائز نہیں ورنہ مالک کی اجازت درکار ہے اگرچہ اسی قدر کہ اس نے اسی غرض سے لگائے ہوں کہ جو مسجد میں ہوں ان سے تمتع کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۰: مرسلہ محمد نصیر الحق امام مسجد مالدہ محلّہ بی بی گاؤں ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قدیم جامع مسجد نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ میں اضافہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ایک قطعہ زمین اسی مسجد کی ملحق ایک مسلمان زمیندار کا تھا اور اس کو زمیندار نے ایک شخص کے ساتھ مدامی بندوبست کچھ خزانہ معینہ پر کردیا تھا خزانہ باقی رہنے کی وجہ سے زمیندار نے نالش کرکے اس زمین کو نیلام کرایا، اس کو ایک مسلمان نے خرید لیا، اور اس خریدار نے ایک حصہ اس زمین کا وقف کرکے مسجد کے ساتھ ملحق کردیا، کیا وہ حصہ ملحقہ مسجد کے حکم میں ہوا یا نہیں؟ یہاں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کے حکم میں نہیں ہوا حالانکہ خریدار اس زمین پر ہر قسم کے تصرف کرنے کا مجاز ہے، زمیندار کو بجز زر خزانہ معینہ کے نہ تو حق انتزاع رکھا ہے نہ اپنی حقیت زمینداری کے باعث اس زمین پر کسی قسم کا تصرف کرسکتا ہے، اگر زمیندار اسی قطعہ زمین میں مسجد یا کنواں یا مسافرخانہ بلامرضی خریدار کے بنانا چاہے تو بالکل نہیں بناسکتا اور خریدار کو یہ سارے حقوق حاصل ہیں، ایسی صورت میں جو حکم شرع شریف ہو بحوالہ کتب وعبارت تحریر کیا جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ وقف صحیح اور وہ قطعہ مسجد ہوگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷، ردالمحتار کتاب الغصب مطبوعہ بیروت ۵/ ۱۱۵

الصحیح الصحة ای اذاکانت الارض محتکرة کما علمت،وعن ھذا قال فی انفع الوسائل انه لوبنی فی الارض الموقوفة المستاجرة مسجدا انه یجوز.قال واذاجاز فعلی من یکون حکرہ.والظاہر انه یکون علی المستاجر مادامت المدة باقیة.فاذاانقضت ینبغی ان یکون من بیت مال الخراج واخواته ومصالح المسلمین [1] اھ فاذا کان ھذا فی ارض مستاجرة وما جعل مسجدا غیر بناء مجرد فماظنك بارض مشتراة وقد جعلت ھی مسجدا فالحکر اذا لم یمنع ثم فھھنا بالاولی۔واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	صحیح حکم صحت ہی ہے جبکہ زمین محتکرہ ہو(یعنی وہ زمین موقوف جس کی اجرت بطور ماہانہ یا سالانہ مقرر ہو گئی ہو) جیسا کہ تو جان چکا ہے اسی بنیاد پر انفع الوسائل میں فرمایا کہ اگر اجرت پر لی ہوئی زمین موقوف میں کسی نے مسجد بنادی تو جائز ہے اور جب جائز ہو گئی تو حکر کس پر ہو گی اور ظاہر یہ ہے کہ جب تک مدت اجارہ باقی ہے مستاجر پر ہو گی اور اختتام مدت کے بعد خراج وغیرہ مصالح مسلمین کے لئے بنائے ہوئے بیت المال پر ہو گی اھ تو جب یہ حکم مستاجرہ زمین کا ہے اور اس میں بنائی گئی مسجد عمارت کے علاوہ کچھ نہیں تو خریدی ہوئی زمین کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے درانحالیکہ اسے مسجد بنادیا گیا ہو تو حکر جب وہاں مانع نہیں تو یہاں بدرجہ اولی مانع نہ ہو گا۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۱تا۲۶۲: مرسلہ حافظ عبدالستار صاحب مچھلی بازار کانپور ۱۲جمادی الاول ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کانپور کی ایک مسجد میں پاخانہ متعلق مسجد واقع ہے اور ایک کمرہ متعلق مسجد ہے اس کی نالیاں پانی بہنے کی اور پاخانہ کی سنڈاس کمانے کا راستہ سرکاری گلی میں جانب پچھم ہمیشہ سے جاری تھا، میونسپل بورڈ نے جانب پچھم اور دکھن کے مکانات توسیع سڑک کے لئے لے کر راستہ بطور سڑک بنالیا اور وہ گلی جانب پچھم کی کالعدم کردی اور مسجد کے پچھم کی بقایا زمین بعد نکالے جانے سڑک کے فروخت کردی،اب میونسپل بورڈ متولی مسجد کو حکم دیتا ہے کہ جس قدر جگہ جانب پچھم پاخانہ سنڈاس کمانے کو اور نالیاں جاری رکھنے کو درکار ہے جانب دکھن میونسپل بورڈ دیتا ہے، متولی مسجد سنڈاس کارخ دوسری طرف پھیرے اور نالیاں بھی اس طرف سے جاری رکھی جائیں،اگر متولی کے پاس روپیہ مسجد کانہ موجود ہو تو صرف رضامندی دے دی جائے تاکہ میونسپل بورڈ اپنے صرفہ سے نالیاں اور سنڈاس بنادے اور کسی قسم کاحرج مسجد کانہ ہونے پائے۔

---
[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

(۱) کیا متولی شرع کے مطابق ایسی رضامندی دے سکتا ہے کہ سرکار کی طرف سے بنائی جائے۔
(۲) کیا پچھم کی طرف سے جو نالیاں یا سنڈاس کمانے کا دروازہ ہے اس کے بدلے جانب دکھن سرکاری زمین لے کر مسجد کی آمدنی سے متولی اس کو درست کراسکتا ہے اگر مسجد کی آمدنی نہیں صرف کر سکتا ہے تو چندہ کرکے اس کام کو انجام دے سکتا ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے زمین وقف میں کوئی تبدیل نہیں، صرف رخ پھیرنا ہے اور کمانے کا راستہ اور پانی کا نکاس پہلے بھی زمین وقف میں تھا اس تبدیل کا جواز جائے تامل نہیں، مگر مسجد کی آمدنی مصالح مسجد کے لئے ہوتی ہے اور یہ کام مصالح شارع عام کے لئے ہے مصلحت مسجد اس سے متعلق نہیں، لہٰذا آمدنی مسجد اس میں صرف نہیں ہو سکتی۔ چندہ کا اختیار ہے اور اس میں حرج نہیں کہ میونسپلٹی کی سڑکوں کے مصالح اس سے متعلق ہیں اپنے صرف سے بنا دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: مرسلہ منشی ابراہیم صاحب قصبہ گودھرہ ضلع پنچ محل مدرسہ فیض عام ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۵ھ

حضرت مولانا ومقتدانا مولوی احمد رضا خان صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک فتوی تصحیح کے لئے دو سوال جواب کے لئے خدمت والا میں بھیجے تھے ان کا جواب نہیں ملا، معلوم نہیں کہ یہ مرسلہ خطوط جناب تک پہنچے یا نہیں، صاحب تفسیر بیان القرآن نے "وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا"[1] کے تحت میں مسئلہ کرکے یہ لکھا ہے کہ بعض علمائے کہا جو فخر وریا سے مسجد بنائی جائے اس مسجد کو مسجد کہنا نہ چاہئے ان بعض علماء پر مجھ کو کلام ہے، بعض علماء سے مراد کشاف ومدارک واحمدی وغیرہ ہیں، اور اسی بناء پر یہ جواب لکھا گیا ہے جو مرسلہ خدمت والا ہے صاحب بیان کا اعتراض درست ہے یا نہیں؟ کیا صاحب کشاف وغیرہ کے قول پر انکے قول کو ترجیح دی جائے گی؟ جواب کا منتظر ہوں، مرسلہ سوال وجواب میں حضور کی کیا رائے ہے تحریر فرمائیں:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک محلّہ کی مسجد میں عرصہ پندرہ بیس سال سے ایک امام مقرر تھا بعض لوگوں نے بعض وجوہ سے اس کو برطرف کیا، بعض لوگوں کو امام قدیم کا برطرف کرنا ناگوار معلوم ہوا، ہر چند اس فریق نے یہ چاہا کہ امام قدیم کو قائم رکھا جائے، لیکن فریق اول نے جنہوں نے امام قدیم کو برطرف کیا تھا نہ مانا، بناء بریں جھگڑے نے ترقی پکڑی یہاں تک کہ فریق اول نے جھگڑے کے اندیشہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۷

کی وجہ سے مسجد کے دروازہ پر پولیس کو لاکے بٹھادیا تاکہ کسی قسم کا فتنہ نہ ہونے پائے۔فریق ثانی نے پولیس کے خوف کے مارے اس وقت نماز وہاں نہ پڑھی، دیگر مساجد میں پڑھی، اور بعد میں بھی وہ کچھ عرصہ تک دیگر مساجد میں پڑھتے رہے اس لئے کہ یہ فریق جدید امام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چاہتے تھے، آخر کار ایک قدیم مسجد جو کہ ویران پڑی ہوئی تھی (اس میں کبھی کبھی نماز باجماعت ہوئی ہے) اور یہ مسجد اتنی بڑی تھی کہ جس میں سوسوا سو آدمی نماز پڑھ سکیں غرضیکہ مسجد مذکور کو آباد کیا اور کچھ دنوں کے بعد اس مسجد کی قدیم بناء کو گرا کر اور کچھ زمین گرد سے لے کر کچھ وسعت کے ساتھ تیار کی، اب اول فریق یہ کہتا ہے کہ مسجد مذکور ملک غیر میں بنی ہے اور حسد سے بنی ہے اس وجہ سے یہ مسجد ضرار ہے۔اور فریق ثانی یہ کہتا ہے کہ یہ مسجد وقف ہے، پس کیا یہ مسجد ضرار ہوسکتی ہے؟ اور اس کی بناء کو کھود کر پھینک دیا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت سوال ملاحظہ ہوئی، اس مسجد کو ضرار سے علاقہ ہونے کے کیا معنی، انہوں نے مسجد کا احداث بھی تو نہ کیا بلکہ مسجد قدیم کا احیاء کیا ہے اور مسجد قدیم **معاذاللہ** ویران ہوجائے حتی الوسع اس کا احیاء فرض ہے، کہاں فرض اور کہاں ضرار، اور اگر بالفرض نئی مسجد بناتے جب بھی اسے ضرار سے کوئی تعلق نہ ہوتا کہ مسجد اللہ ہی کے لئے بنائی اور نماز ہی پڑھنی مقصود ہے نہ کہ دوسری مسجد کو نقصان پہنچانا، اور جماعت المسلمین میں تفرقہ ڈالنا، اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے، جو شخص بنام مسجد کوئی عمارت تیار کرے جس سے تقرب الی اللہ مقصود نہ ہو بلکہ محض ریا و تفاخر کی نیت ہو تو وہ بیشک مسجد نہیں ہوسکتی کہ مسجد وقف ہے اور اس کا قربت مقصودہ کے لئے ہونا ضرور، اور ریا و تفاخر قربت الی اللہ نہیں بلکہ بعد عن اللہ ہیں، امام نسفی صاحب مدارک نے ایسی ہی مسجد کو حکم ضرار میں فرمایا ہے، اور اگر مسجد بنائی اللہ ہی کے لئے اور وہی مقصود ہے اگرچہ اس کے ساتھ ریا و تفاخر کا خیال آگیا تو وہ ضرور مسجد ہے اگرچہ اس کے ثواب میں کمی ہو یا نہ ملے۔ صاحب بیان القرآن کا شبہ اسی صورت پر محمول ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ آیا مسجد کی دیواریں ہمسایوں کے ساتھ مشترک کرنا شرعًا جائز ہے (الف) نصف لاگت دیواروں کی ہمسائے لگائیں اور نصف لاگت مسجد کا خرچ ہو (ب) کل لاگت مسجد ہو۔ مسجد قدیمی کی دیواروں پر ہمسایہ کی شہتیر رکھی ہوئی تھی اور (الف) اور نشانات اشتراک نہ تھے (ب) اور نشانات اشتراک تھے۔ کہنہ مسجد کو مسجد کی لاگت پر گرایا گیا اور مسجد کے

روپوں کا امین وہی ہمسایہ تھا جس کے شہتیر مسجد کی دیواروں پر تھے۔ اس نے مسجد کی لاگت سے کل دیواریں اسی طرح بنوائیں جس سے بداہۃً اشتراک معلوم ہوتا ہے یعنی اپنی طرف جالی اور الماریاں حسب مرضی خود بلارضامندی دیگر مصلیان کے رکھوالئے، کیا یہ فعل لہابیہ کا شرعًا جائز ہے۔ بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا ان دیواروں پر ہمسایہ مذکور بالاخانہ ہائے تیار کرسکتا ہے اور بطور ملکیت خود ان دیواروں کو استعمال کرسکتا ہے، بصورت (الف) وبصورت (ب) کیا بقول لھابیہ نصف دیوار اس کی ہے نصف دیوار کی تختہ زمین چھوڑ کر از سرنو دیواریں واحد ملکیت مسجد بلااشتراک تحریر چڑھانا جائز ہے یا ضروری ہے کیا ایسے مشترک دیوار والی مسجد پر "**الوقف لایملک**" صادق آتا ہے اور ایسی مسجد میں نماز ادا کرنے سے ثواب جو مسجد میں ادا کرنے پر وارد ہوتا ہے ملتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ**"[1] مسجدیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ مسجد ہونے کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی شش جہت میں جمیع حقوق عباد سے منزہ ہو اگر اس کے کسی حصہ میں بھی ملک عبد باقی ہے تو مسجد نہ ہوگی۔ ہدایہ میں ہے:

من جعل مسجدا تحته سرداب، او فوقه بیت وجعل باب المسجد الی الطریق وعزله عن ملکه، فله ان یبیعه وان مات یورث عنه لانه لم یخلص لله تعالٰی لبقاء حق العبد متعلقا به[2]۔	جس شخص نے مسجد بنائی جس کے نیچے تہ خانہ یا اوپر کوئی مکان ہے اور مسجد کا دروازہ اس نے بڑے راستہ کی طرف کردیا اور اس کو اپنی ملک سے الگ کردیا تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اسے بیچ دے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث جاری ہوگی کیونکہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہیں ہوئی اس سے حق عبد متعلق ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وکذلك ان اتخذ وسط دار مسجدا واذن للناس بالدخول فیه، یعنی	کسی نے اپنے گھر کے درمیان میں مسجد بنائی اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دے دی

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] الھدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴

له ان یبیعه ویورث عنه لان المسجد مالایکون لاحدفیه حق المنع(الی ان قال)فلم یصر مسجدا لانه ابقی الطریق لنفسه فلم یخلص للّٰه تعالٰی[1] ۔	اگر تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو مذکور ہوا یعنی اسے فروخت کرسکتا ہے اور اس کے مرنے کے بعد اس میں میراث بھی جاری ہوگی کیونکہ مسجد وہ ہوتی ہے جس سے روکنے کا حق کسی کو نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) پس چونکہ اس نے راستہ اپنے لئے باقی رکھا ہے لہٰذا وہ مسجد نہ ہوئی اسلئے کہ وہ خالص اللہ تعالٰی کے لئے نہ ہوئی۔(ت)

پس اگر اس مسجد کی دیواریں واقع میں مشترک ہیں ان میں کچھ حصہ عبد کا بھی ہے تو وہ مسجد سرے سے مسجد ہی نہیں، نہ اسمیں نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب، وہ بانی کی ملک ایک مکان ہے جسے وہ بیچ سکتا ہے اور مرجائے تو ترکہ میں تقسیم ہوگا **کما مر عن الھدایۃ** (جیسا کہ ہدایہ سے گزرا۔ت) اور اگر واقع میں مشترک نہیں، اس متولی نے غاصبانہ اشتراک کر رکھا ہے تو فرض ہے کہ اسے تولیت سے خارج کردیں اور وہ نشانات جو اس نے اپنے اشتراک کی علامت بنائے ہیں سب مٹادیں اور شہتیر وغیرہ جو کچھ اس کا مسجد کی دیوار پر رکھا ہے سب گرادیں، اور جتنے برسوں رکھا رہا اتنے کا کرایہ دیوار مسجد کا اس سے وصول کریں، اور اب اگر کوئی عمارت دیوار مسجد پر بنانا چاہے نہ بنانے دیں، اور اگر بنالی ہو بجبر حکومت فوراً منہدم کرادیں۔ درمختار میں ہے:

وبنی فوقه بیتا للامام لایضر لانه من المصالح اما لوتمت المسجدیة ثم اراد البناء منع ولو قال عنیت ذلك لم یصدق تاتارخانیة، فاذاکان هذا فی الواقف فکیف بغیرہ فیجب هدمه ولو علی جدار المسجد[2] ۔	اگر واقف نے مسجد کے اوپر امام کا حجرہ بنادیا تو جائز ہے کیونکہ یہ مصالح مسجد میں سے ہے، لیکن جب مسجد تام ہوگئی اب وہ حجرہ بنانا چاہے تو اس کو نہیں بنانے دیا جائے گا، اگر وہ کہے کہ شروع سے میرا ارادہ تھا تو اس کی تصدیق نہیں کیجائیگی (تاتارخانیہ) جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو ایسا کرنے کا اختیار کیسے ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر بنایا گیا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البحر لایوضع الجذع علی جدار المسجد	بحر میں ہے مسجد کی دیوار پر لکڑی نہیں رکھی جائیگی

---

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۶۲۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

وان کان من اوقافه اھ قلت وبه علم حکم مایصنعه بعض جیران المسجد من وضع جذوع علی جدارہ فانه لایحل ولو دفع الاجر [1]۔	اگرچہ وہ اوقاف مسجد میں سے ہو اھ میں کہتا ہوں اس سے مسجد کے بعض پڑوسیوں کے اس فعل کا حکم معلوم ہوگیا جو وہ دیوار مسجد پر کڑیاں رکھتے ہیں کہ یہ ان کے لئے حلال نہیں اگرچہ وہ اس کی اجرت دیں۔(ت)

مسئلہ ۲۶۵: از گونڈل کاٹھیاوار مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل رضوی ۸ صفر ۱۳۳۶ھ

ایک مسجد میں قریب ایک صدی سے فرش پتھر کا بچھا ہوا تھا جس کو اب لوگوں نے نکال کر دوسرا فرش بچھایا ہے، اب اس نکلے ہوئے فرش کے پتھر کو کسی اور کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ یا کوئی اور مسجد کے کسی کام میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس پتھر کی ضرورت کسی اور مسجد میں بھی نہ ہو اور ان کو حفاظت سے رکھنے کے لئے جگہ کی بھی تنگی ہو یا ان کو سنبھال رکھنے میں اور اخراجات ہوتے ہوں تو ایسی صورت میں ان کو فروخت کرکے ان کی قیمت اس مسجد کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

انہیں فروخت کرکے وہ قیمت خاص اسی مسجد کے خاص عمارت میں صرف کی جائے، تیل بتی وغیرہ میں نہیں اور اس وقت مسجد کو عمارت کی حاجت نہ ہو تو اس کی آئندہ ضرورت کے لئے محفوظ رکھی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶ تا ۲۷۱: از رنگون مغل اسٹریٹ پوسٹ بکس ۲۴۲ مال کمپنی مرسلہ سید فضل اللہ ولد سید غلام رسول صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک قصبہ میں مثلاً تین مسجد آباد ہیں اور نماز جمعہ وعیدین مسجد جامع میں ادا ہوتی ہیں اور اس جامع مسجد میں تمام ضروری اشیاء مثلاً فرش، دری، چٹائی، جھومر، قنادیل، لیمپ وغیرہ اہل قصبہ چندہ فراہم کرکے خاص مسجد کے لئے خرید کر جمع رکھتے ہیں اور اسی قصبہ کے بعض تجار دوسرے ملک سے مسجد کے لئے بھیجتے رہتے ہیں اور بھیجنے والوں کے حسب منشاء وہ چیز خرید کرکے مسجد میں رکھ دی جاتی ہے یا بعض وقت خاص مال مسجد سے مذکورہ بالا چیزیں خرید کی جاتی ہیں اور یہ کل چیزیں مسجد جامع ہی میں رہتی ہیں اور بوقت ضرورت رمضان المبارک وشب قدر وشبہائے متبرکہ میں استعمال ہوتا ہے اور فرش چٹائی وغیرہ کا عیدین میں اسی مسجد میں کام آتا ہے اور جملہ اسباب اسی جگہ پر رہتا ہے، نہ کرایہ پر دینے کے لئے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۱

ہے کیونکہ چندہ دینے اور لینے والوں نے خاص اس جامع مسجد ہی میں اشیائے مذکورہ کے لئے چندہ دیا ہے پس جس کو جو میسر آیا بلا قیدوشرط وبلا تصریح دے دیا، اب اہل قصبہ یا اور کوئی جس نے چندہ دیا ہو یا نہ دیا ہو خود اپنے کسی کام یا کسی تقریب میں مثلاً وعظ، مولود یا شادی وغیرہ میں مسجد کی کوئی شے مثل بتی، لیمپ وفرش، دری، چٹائی وغیرہ اپنے کام میں برتنے کے لئے کرایہ سے یا بے کرایہ سے لے جائے تو یہ مسجد کی چیزوں کا دوسری جگہ میں استعمال جائز ہے یا نہیں؟

(٢) اس قصبہ میں ۲۵ سال قبل عید اضحٰی عیدگاہ میں ہوا کرتی تھی اس وقت تمام فرش ومنبر وغیرہ تمام حاجت کی چیزیں ریاست سچین سے نواب صاحب کی طرف سے آیا کرتی تھیں اور اختتام نماز پر وہ وہ کل چیزیں واپس ہمراہ لے جایا کرتے، امسال جدید عیدگاہ قائم ہوجانے سے عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھی اور جامع مسجد کی چٹائی وغیرہ لاکر بچھائی گئی، بعد نماز ختم جو چیز یہاں کی تھی وہاں بلا نقص پہنچادی گئی تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(٣) مسجد کے متصل مسجد ہی کی زمین ہے اس میں کوئی آدمی خود فائدہ اٹھانے کی غرض سے درخت لگائے اور جب وہ بڑے ہوں اور پھل پھول سے بارآور ہوں تو اس وقت یہ درخت زمین کے اعتبار سے مسجد کی ملکیت میں داخل ہوں گے یا لگانے والے کے، یا مسجد کا، اور مسجد کی زمین میں اس طرح درخت لگادینے کا غیر کو حق حاصل ہے؟

(٤) مسجد کے متصل مسجد کا بوسیدہ مکان یا حجرہ ہے اس پر کوئی شخص کم یا زیادہ اپنا روپیہ لگا کر کوئی تعمیر کرے اور بلا کرایہ اپنے تصرف اور قبضہ میں لائے تو یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟

(٥) اس مسجد جامع کے لئے امام ہے مگر اوقات کی پابندی سے آکر نماز نہیں پڑھاتے کبھی وقت بے وقت آجاتے ہیں، اور اکثر اور لوگ نماز پڑھادیتے ہیں، اس لئے امام سے مسجد کی آبادی بھی نہیں ہوتی بلکہ ان کے نہ ہونے سے مسجد کی زیادہ آبادی کی امید ہے، چونکہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے مخارج صاف اور تلفظ سامع کی سمجھ میں نہیں آتے۔ امام صاحب غریب خود عاجز محض ہیں اور دیندار متقی بھی نہیں۔ علاوہ اس کے مسجد بھی غریب ہے اور ضروری تعمیر کی محتاج ہے اس لئے مسجد کے مال سے امام صاحب کو تنخواہ دینے پر بھی لوگ راضی نہیں مگر مجبوراً، اور رعایت امام صاحب کے بزرگوں کی قدر کی وجہ سے چون وچرا سے عاجز ہیں، اس صورت میں امام صاحب کو غریب مسجد سے تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(٦) مسجد میں بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے جس سے مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، تمام بچے ننگے پیر آتے جاتے ہیں، اس صورت میں بچوں کو تعلیم دینی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

استعمال مذکور حرام ہے، چندہ دہندہ کرے یا کوئی، مال وقف خود واقف کو حرام ہے کہ اپنے صرف لائے، یہاں تک کہ اگر نفس وقف غیر اہلی میں اس نے شرط کرلی ہو کہ اپنی حیات تک میں اپنے صرف میں لاسکوں گا، تو شرط باطل ہے اور تصرف حرام، فتاوٰی خلاصہ جلد دوم ص ۵۷۰:

رجل جعل فرسه للسبيل على ان يمسكه مادام حيا ان امسكه للجهاد له ذٰلك لانه لولم يشترط كان له ذلك لان لجاعل السبيل ان يجاهد عليه وان اراده ان ينتفع به غير ذلك لم يكن له ذلك وصح جعله للسبيل[1]۔	ایک شخص نے اپنا گھوڑا فی سبیل اللہ وقف کیا اس شرط پر کہ جب تک وہ زندہ ہے گھوڑے کو اپنے پاس روکے رکھے گا، اگر تو اس نے جہاد کے لئے روکا ہے تو جائز ہے کیونکہ اگر وہ یہ شرط نہ بھی کرتا تب بھی اسے یہ حق تھا اس لئے اس گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنے والا بھی اختیار رکھتا ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرے، اور اگر اس کا ارادہ یہ ہے کہ وہ جہاد کے علاوہ کوئی اور نفع حاصل کرے گا تو اس کو یہ اختیار نہیں، تاہم گھوڑے کو فی سبیل اللہ وقف کرنا صحیح ہوگیا۔ (ت)

بتی کا کرایہ پر دینا تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ بتی وقف نہ کی ہو خود اپنی ملک ہو، شرع مطہر نے عقد اجارہ اس لئے رکھا ہے کہ شیئ باقی رہے اور مستاجر اس کو برت کر ختم اجارہ پر واپس دے، نہ اس لئے کہ خود اس شیئ کو خرچ وفنا کرے، اور ظاہر ہے کہ بتی جب کام میں لائی جائے گی خود اس کے اجزا فنا ہوں گے، ایسا اجارہ حرام وباطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار رحمہما اللہ تعالٰی جلد دوم ص ۱۰۷:

الاجارة المذكورة باطلة غير منتعقدة لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارة اذا وقعت على اتلاف الاعيان قصدا لاتنعقد ولاتفيد شيئا من احكام الاجارة[2]۔	اجارہ مذکورہ باطل ہے منعقد نہیں ہوگا کیونکہ ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اجارت جب قصداً اصل کے اتلاف پر واقع ہو منعقد نہیں ہوتا اور نہ ہی احکام اجارہ میں سے کسی حکم کا فائدہ دیتا ہے (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث فی صحۃ الوقف مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

باقی چیزیں مثلاً لیمپ، فرش، دری، چٹائی، اور یونہی بتی بھی، اگر اس سے مراد خالی شمعدان ہو اگرچہ اپنی ذات میں قابل اجارہ ہیں، مملوک ہوں تو مالک اجارہ پر دے سکتا ہے کرایہ پر دینے کے لئے وقف ہوں تو متولی دے سکتا ہے مگر وہ جو مسجد پر اس کے استعمال میں آنے کے لئے وقف ہیں انہیں کرایہ پر دینا لینا حرام کہ جو چیز جس غرض کے لئے وقف کی گئی دوسری غرض کی طرف اسے پھیرنا ناجائز ہے اگرچہ وہ غرض بھی وقف ہی کے لئے فائدہ کی ہو کہ شرط واقف مثل نص شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجب الاتباع ہے۔ درمختار کتاب الوقف:

فروع قولھم شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[1]۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح واجب العمل ہے (ت)

ولہٰذا خلاصہ میں تحریر فرمایا کہ جو گھوڑا قتال مخالفین کے لئے وقف ہوا ہو اسے کرایہ پر چلانا ممنوع و ناجائز ہے، ہاں اگر مسجد کو حاجت ہو مثلاً مرمت کی ضرورت ہے اور روپیہ نہیں تو بمجبوری اس کا مال اسباب اتنے دنوں کرایہ پر دے سکتے ہیں جس میں وہ ضرورت رفع ہو جائے، جب ضرورت نہ رہے پھر ناجائز ہو جائے گا۔ خلاصہ جلد ۲ ص ۴۷۵:

ولا یؤاجر فرس السبیل الا اذا احتیج الی النفقۃ فیؤاجر بقدر ماینفق وھذہ المسألۃ دلیل علی ان المسجد اذا احتاج الی النفقۃ تؤجر قطعۃ منہ بقدر ماینفق علیہ[2]۔	فی سبیل اللہ وقف شدہ گھوڑا کرایہ پر نہیں دیا جاسکتا ہاں اگر اس کے اخراجات کے لئے مجبوری ہو تو اتنے وقت کے لئے دیا جاسکتا ہے جس سے اخراجات پورے ہوسکیں اور یہ مسئلہ دلیل ہے اس پر کہ اگر اخراجات مسجد کے سلسلہ میں حاجت ہو تو ان اخراجات ضروریہ کی فراہمی کے لئے وقف کا کوئی حصہ کچھ وقت کے لئے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے (ت)

(۲) یہ فعل ناجائز و گناہ ہے، ایک مسجد کی چیز دوسری مسجد میں بھی عاریۃً دینا جائز نہیں، نہ کہ عیدگاہ میں کہ اتصال صف کے سوا اور احکام میں وہ مسجد ہی نہیں، ولہٰذا جنب کو اس میں جانا منع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ جلد پنجم ص ۱۲۲:

یجوز للقیم شراء المصلیات للصلاۃ علیھا ولایجوز اعارتھا لمسجد اٰخر[3] (ملخصًا)۔	مسجد کے ناظم کو مسجد کے لئے چٹائیاں خریدنا جائز ہے تاکہ ان پر نماز پڑھی جائے اور انہیں عاریۃً دوسری مسجد کے لئے دینا جائز نہیں (ت)

[1] درمختار فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲۔

درمختار علٰی ہامش ردالمحتار مطبع قسطنطنیہ جلد اول ص ۶۸۷

المتخذ لصلاۃ جنازۃ او عید مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقا بالناس لافی حق غیرہ بہ یفتی نہایۃ فحل دخولہ لجنب وحائض کفناء مسجد ورباط ومدرسۃ[1]۔	جنازگاہ اور عیدگاہ جواز اقتداء کے حکم میں مسجد ہے اگرچہ صفوں میں فاصلہ ہو یہ حکم لوگوں کی سہولت کے لئے ہے دیگر احکام میں وہ مثل مسجد نہیں، اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے نہایۃ لہٰذا اس میں جنبی شخص اور حیض ونفاس والی عورتوں کا داخل ہونا حلال ہے جیسا کہ فناء مسجد، خانقاہ اور مدرسہ کا حکم ہے (ت)

(۳) مسجد کی زمین میں اپنے لئے درخت لگانا حرام ہے کہ وقف میں تصرف مالکانہ ہے، **والواقف لایملک**، پھر اگر یہ مال اس نے مسجد کے مال سے لگایا تو مسجد کا ہے اور اپنے مال سے لگایا اور یہ متولی ہے تو مسجد کا ہے مگر یہ کہ لگاتے وقت لوگوں کو گواہ کرلیا ہو کہ یہ میں اپنے لئے لگاتا ہوں، اور اگر غیر متولی ہے تو خود اس کا ہے مگر یہ کہ اقرار کرے کہ میں نے مسجد کے لئے لگایا، اب جس صورت میں پیڑ لگانے والے کا ٹھہرے اگر اس کے اکھیڑنے میں زمین وقف کا نقصان نہیں جبرًا اکھڑوادیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[2] (عرق ظالم کا کوئی حق نہیں۔ت) اور اگر اس میں زمین وقف کا ضرر ہو تو درخت مسجد کی ملک کرلیا جائے گا اور اندازہ کریں گے کہ اس وقت اس درخت کی قیمت زیادہ ہے اکھیڑ کر بیچنے میں کم ہوجائے گی یا جدا کرکے بیچنے میں دام زیادہ اٹھیں گے اس وقت قیمت کم آئیگی دونوں حالتوں میں جس صورت پر کم قیمت اٹھے وہ کم قیمت مسجد کے مال سے لگانے والے کو دی جائے گی۔ فتاوٰی خلاصہ جلد ۲ ص ۴۷۰:

فی الحاوی سئل ابو القاسم عمن غرس الوقف من مالہ ومات قال ان غرس من غلۃ للوقف فھو للوقف وان لم یذکر شیئا فان غرس بمالہ ان ذکر انہ غرس للوقف فھو	حاوی میں ہے کہ ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے اپنے مال سے وقف زمین میں درخت بوئے اور پھر مرگیا تو ابوالقاسم نے فرمایا کہ اگر وقف کی آمدنی سے بوئے ہیں تب تو وقف کے لئے ہیں اگرچہ کسی شیئ کا ذکر نہ کیا ہو اور اگر اپنے مال سے

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعہ باب من احیا ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

لہ وان لم یذکر شیئا فھو عنہ میراث[1]۔	بوئے اور ذکر کیا کہ یہ وقف کیلئے ہے تو وقف کیلئے ہیں اور اگر کسی شے کا ذکر نہیں کیا تو وہ اس کی میراث ہے۔(ت)

ایضاً جلد مذکور ص ۴۲۳:

المتولی اذا بنی فی عرصۃ الوقف ان کان من مال الوقف یکون للوقف وکذا من مال نفسہ لکن بنی للوقف فان بنی لنفسہ ان اشھد کان لہ ذٰلک وان بنی ولم یذکر شیئا کان للوقف بخلاف الاجنبی[2]۔	متولی نے مال وقف سے جب وقف زمین کے میدان میں عمارت بنادی تو وہ وقف کے لئے ہوگی یونہی اگر اس نے اپنے مال سے وقف کیلئے عمارت بنائی تب بھی وقف کے لئے ہوگی اور اگر اپنی ذات کے لئے بنائی اور اس پر گواہ کرلئے تو یہ عمارت اس کی ذات کے لئے ہوگی، اور اگر عمارت بنائی مگر کسی شے کا ذکر نہ کیا تو عمارت وقف کے لئے ہوگی بخلاف اجنبی شخص کے۔(ت)

عقود الدریہ جلد اول ص ۱۶۵:

حیث کان غرس عمر و المذکور لنفسہ بلا اذن الناظر فللناظر علی الوقف تکلیفہ قلعہ ان لم یضرفان اضر یتمبلکہ الناظر باقل القیمتین للوقف منزوعا وغیر منزوع بمال الوقف[3]۔	اگر عمرو مذکور نے اپنی ذات کے لئے بغیر اذن متولی درخت لگائے تو متولی کو اختیار ہے کہ وہ اسے اکھاڑنے پر مجبور کرے جبکہ وقف کو ضرر نہ ہو اور اگر اکھاڑنا وقف کے لیے ضرر رساں ہے تو متولی دو قیمتوں میں سے اقل قیمت کے بدلے مال وقف سے وقف کیلئے ان درختوں کا مالک بن جائے گا، دو قیمتوں سے مراد زمین میں لگے ہوئے درختوں کی قیمت اور اکھاڑے ہوئے درختوں کی قیمت ہے۔(ت)

(۴) حرام ہے، اور جتنے دنوں اس نے اپنے تصرف میں رکھا اتنے دنوں کا کرایہ جو حصہ وقف کا نرخ بازار سے ہوا اتنا تاوان اس پر لازم ہوگا کہ وقف کے لئے ادا کرے اور اپنا روپیہ لگا کر جو کچھ اس نے بنایا اگر وہ کوئی مالیت نہیں رکھتا وہ وقف کا مفت قرار پائے گا۔ اور اگر مالیت ہے تو وہی حکم ہے کہ اگر اس کا

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۱۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوقف الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۲۳

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸۹

اکھیڑنا وقف کو مضر نہیں جتنا اس نے زیادہ کیا اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا وہ اپنا عملہ اٹھا کرلے جائے اور اگر اس کے بنانے میں اس نے وقف کی کوئی دیوار منہدم کی تھی تو اس پر لازم ہوگا کہ اپنے صرف سے وہ دیوار ویسی ہی بنادے اور اگر ویسی نہ بن سکتی ہو، بنی ہوئی دیوار کی قیمت ادا کرے اور اگر اکھیڑنا وقف کو مضر ہے تو نظر کریں گے کہ اگر یہ عملہ اکھیڑا جاتا تو کس قیمت کا رہ جاتا، اتنی قیمت مال مسجد سے اسے دیں گے، اگر فی الحال اس درخت یا اس عملہ کی قیمت مسجد کے پاس نہیں تو یہ یا اور کوئی زمین متعلق مسجد یا دیگر اسباب مسجد کرایہ پر چلا کر اس کرایہ سے قیمت ادا کرینگے اس کے لئے اگر برس درکار ہوں اسے تقاضے کا اختیار نہیں کہ ظلم اس کی طرف سے ہے، یہ سب اس حال میں ہے کہ وہ عمارت اس شخص کی ٹھہرے یعنی متولی تھا تو بناتے وقت گواہ کرلئے تھے کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا غیر تھا تو یہ اقرار نہ کیا کہ مسجد کے لئے بناتا ہوں ورنہ وہ عمارت خود ہی ملک وقف ہے اور یہ جو ہم نے قیمت لگانے میں اکھڑے ہوئے عملہ کا لحاظ کرنا کہا اس بنا پر ہے کہ غالبًا بعد انہدام عملہ کی قیمت گھٹ جاتی ہے، اور اگر حالت موجودہ ہی قیمت حالت ہدم سے کم ہو تو یہی کم لازم آئیگی۔ عقود الدریہ جلد اول ص ۱۵۶:

اذا ثبت کونہ وقفا وجبت الاجرۃ لہ فی تلك المدۃ لان منافع الوقف مضمونۃ علی المفتی بہ[1]۔	جب اس کا وقف ہونا ثابت ہوگیا تو اس کی اجرت واجب ہے کیونکہ مفتی بہ قول کے مطابق منافع وقف پر ضمان لازم ہوتا ہے (ت)

اشباہ والنظائر مع الغمز صفحہ ۳۰۰:

من ہدم حائط غیرہ یضمن نقصانہا ولایؤمر بعمارتہا الا فی حائط المسجد کما فی کراھۃ الخانیۃ[2]۔	جس نے غیر کی دیوار گرادی اس کے نقصان کا ضامن ہوگا مگر اس کی تعمیر کا حکم اس کو نہیں دیا جائے گا سوائے دیوار مسجد (کہ اس کی تعمیر کا حکم دیا جائیگا) جیسا کہ خانیہ میں کتاب الکراہۃ میں ہے (ت)

ردالمحتار جلد پنجم ص ۱۷۶:

فی شرح البیری اما الوقف فقد قال فی الذخیرۃ اذا غصب الدار	شرح بیری میں ہے لیکن وقف تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں فرمایا کہ اگر کسی نے وقف شدہ گھر

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۷

الموقوفة فهدم بناء الدار للقيم ان يضمنه قيمه البناء اذا لم يقدر الغاصب على ردها ويضمن قيمة البناء مبنيا،لان الغصب وردهكذااه ومقتضاه انه اذاامكنه ردالبناء كما كان وجب ولم يفصل فيه بين المسجد وغيره من الوقف،ولذاقال البيرى فيما سبق وهذا فى غيرالوقف وفى فتاوى قارى الهداية استاجر دارا وقفا فهدمها وجعلها طاحونا،الزم بهدمه واعادته الى الصفة الاولى اه فظهران لافرق بين المسجد وغيره من الوقف بخلاف الملك اه مختصرا[1]۔	غصب کیااور اس کی دیوار گرادی تو ناظر وقف کو اختیار ہے کہ وہ اس کو عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرائے اگر غاصب اس کی تعمیر پر قادر نہ ہو اور تعمیر شدہ عمارت کی قیمت کا ضامن ٹھہرایا جائے گا کیونکہ غصب اسی پر واقع ہوا اھ اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب غاصب سابقہ حالت پر عمارت بنانے پر قادر ہو تو ایسا کرنا واجب ہے اور اس حکم میں مسجد اور دوسرے وقف میں کوئی فرق نہیں اسی واسطے بیری نے ما قبل میں کہا کہ یہ غیر وقف کا حکم ہے، فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے کہ ایک شخص نے وقفی گھر کرایہ پر لیااور اس کو گراکر آٹا پیسنے کی چکی بنالی تو اس پر لازم قرار دیا جائے گا کہ وہ چکی کو گراکر مکان کو پہلی حالت پر لوٹائے اھ تو ظاہر ہوا کہ اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا چاہے وقف بصورت مسجد ہو یا غیر مسجد بخلاف ملک کے اھ اختصارًا (ت)

عقود الدریہ جلد ا ص ۱۵۹:

غصب ارض وقف وزاد فيها زيادة من عند نفسه وان كانت شيئا ليس بمال ولاله حكم المال تو خذمنه بلاشيئ،ان كانت مالا قائما نحوالغراس والبناء امر القاضى الغاصب برفعه وقلعه،الااذاكان يضر بالوقف فانه يمنع عنه لواراد ان يفعل ويضمن	کسی نے وقف کا احاطہ غصب کرکے اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ کردیا، اگر تو وہ اضافہ مال یا حکم مال کے قبیلہ سے نہیں تو بلاعوض اس سے واپس لیا جائے گا اور اگر وہ اضافہ ایسا مال ہے جو زمین کے ساتھ قائم ہے جیسے درخت اور عمارت تو قاضی غاصب کو حکم دے گا کہ وہ اس کو اکھاڑے جبکہ اکھاڑنے سے وقف کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو پھر اس کو کھاڑنے سے روکا

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۵

القیم اوالقاضی قیمۃ ذٰلك من غلۃ الواقف ان کانت والا یؤاجر الوقف ویؤتی من اجرتہ عمادیۃ[1] ومثلہ فی الفصولین من ۱۳	جائیگا اگر وہ اکھاڑنے کا ارادہ کرے،اور متولی یا قاضی اس اضافے کی قیمت کے ضامن ہوں گے اگر وقف کی کوئی آمدنی ہے تو اس سے ضمان دیں گے ورنہ وقف کو کرایہ پر دے کر اس کی اجرت سے ضمان ادا کرینگے، عمادیہ۔اور اسی کی مثل فصولین میں ہے(ت)

(۵) جبکہ امام التزام امامت نہیں کرتا کبھی وقت بے وقت آجاتا ہے اور حرف بھی صاف مسموع نہیں ہوتے،اور مسائل کا بیان ہے کہ وہ دیندار متقی بھی نہیں،تو نہ خدمت پوری کرتا ہے نہ خدمت کے مناسب ہے،ضرور مستحق معزولی ہے،بلکہ دوامراخیر اگرنہ بھی ہوتے تو صرف پہلی بات اسے تنخواہ مقرر لینا اور مال مسجد سے دینا دونوں کے حرام کرنے کو کافی ہے،

درمختار کتاب الوقف فروع فصل نہر الفائق سے:

فیجب علیہ خدمۃ وظیفۃ اوترکھا لمن یعمل والا اثم[2]۔	اپنے وظیفہ کی خدمت کرنا اس پر واجب ہے یا اس شخص کے لئے چھوڑ دے جو یہ خدمت کرے ورنہ گنہگار ہوگا۔(ت)

جتنی مدتوں وہ کبھی کبھی آیا اور تنخواہ پوری دی گئی حساب کرکے اوقات حاضری کی تنخواہ مجرا کرنا لازم ہے،اس پر فرض ہے کہ واپس دے،اور متولی پر فرض ہے کہ واپس لے۔فتاوٰی خیریہ جلد اصفحہ ۱۷۳:

سئل فی رجل بیدہ وظیفۃ امامۃ علی مسجد کل یوم بعثمانی وقد تناول جمیع المعلوم من قیم الوقف والحال انہ کان امر فی بعض الاوقات دون بعض فھل لایستحق المعلوم الابمقدار ماباشر والباقی یرجع علیہ بہ ویکون موفرالجھۃ الوقف اجاب الذی تحصل من کلام البحر ان مقتضی کلام الخصاف انہ لایستحق الابمقدار	ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے ہاتھ میں کسی مسجد کی امامت کا وظیفہ تھا بحساب ایک عثمانی(روپیہ)یومیہ،اور اس نے متولی سے تمام تنخواہ اکٹھی وصول کرلی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ وہ بعض اوقات امامت کراتا رہا اور بعض اوقات غیر حاضر رہتا تو کیا وہ صرف انہی دنوں کی تنخواہ کا مستحق ہے جن میں اس نے امامت کرائی اور باقی دنوں کی تنخواہ متولی اس سے واپس لے گا اور اس طرح وہ جہت وقف کا پورا حق ادا کرنے والا ہوگا،تو جواب دیا کہ کلام بحر سے جو حاصل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خصاف کے کلام کا تقاضا

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوقف الباب الثانی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۸۳۔۱۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

مباشر،وبه صرح ابن وھبان فی المسافر للحج اوصلة الرحم حیث قال لاینعزل ولایستحق المعلوم مدۃ سفرہ مع انھا فرضان[1]۔	یہی ہے کہ جن دنوں کی امامت اس نے کرائی صرف انہی دنوں کی اجرت کا مستحق ہے۔ابن وھبان نے اسی کی تصریح فرمائی،حج یا صلہ رحمی کے لئے سفر میں جہاں انہوں نے فرمایا کہ وہ معزول نہ ہوگا اور نہ مدت سفر کی تنخواہ کا مستحق ہوگا باوجودیکہ یہ دونوں چیزیں فرض ہیں(ت)

بلکہ انصافاً وہ متولی یا مہتمم کہ اس حالت پر اسے پوری تنخواہ دیتا رہا وہ بھی مستحق عزل ہے کہ بلا استحقاق دینے سے مال مسجد پر متعدی ہے۔

(۶) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوامساجد کم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم[2]۔رواہ ابن ماجة عن واثلة بن الاسقع وعبدالرزاق فی مصنفه بسند امثل منه عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنھما۔	اپنی مسجدوں کو بچوں اور مجنونوں اور آوازیں بلند کرنے سے محفوظ رکھو۔(اس کو ابن ماجہ نے بروایت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس سے زیادہ بہتر سند کے ساتھ امام عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں بروایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اگر نجاست کا ظن غالب ہو تو انہیں مسجد میں آنے دینا حرام اور حالت محتمل و مشکوک ہو تو مکروہ۔اشباہ مع الغمز صفحہ ۳۸۰ و در مختار اواخر مکروھات الصلوٰۃ:

یحرم ادخال صبیان و مجانین حیث غلب تنجیسھم والا فیکرہ[3]۔	اگر بچوں اور پاگلوں کے مسجد کو نجس کرنے کا گمان غالب ہو تو انہیں مسجد میں داخل کرنا حرام ورنہ مکروہ ہے۔(ت)

یونہی اگر بچے بلکہ بوڑھے بھی بے تمیز،نامہذب ہوں غل مچائیں،بے حرمتی کریں،مسجد میں نہ آنے دئے جائیں،در مختار محل مذکور:

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الوقف دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۸۸

[2] سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳

یحرم فیه السوال ویکره الاعطاء و انشاد ضالة وشعر الامافیه ذکر ورفع صوت بذکر الالمتفقهة ویمنع منه کل مؤذولو بلسانه[1]۔	مسجد میں سوال کرنا حرام اور سائل کو مسجد میں دینا مکروہ ہے،اوراسی طرح گمشدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنا۔اور ایسے اشعار پڑھنا جن میں ذکر نہ ہو،اور فقہ کی تعلیم و تعلم کے علاوہ آواز بلند کرنا مکروہ ہے،اور کل ایذا دینے والے کو مسجد سے منع کیا جائیگا اگرچہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔(ت)

اور اگر ایسے نہ ہوں تو انہیں مسجد میں غیر اوقات نماز میں پڑھانا مضائقہ نہیں رکھتا جب کہ معلم بلا تنخواہ محض لوجہ اللہ پڑھاتا ہو ورنہ ہر گز جائز نہیں اگرچہ جوان اور بوڑھے ہی پڑھیں کہ اب یہ اور پیشوں کی طرح دنیا کمانا ہے اور مسجد میں اس کی اجازت نہیں۔فتاوٰی عالمگیری جلد ۵ ص ۱۲۲:

لوجلس المعلم فی المسجد والوراق یکتب فان کان المعلم یعلم للحسبة والوراق یکتب لنفسه فلاباس به لانه قربة وان کان بالاجرة یکره الاان تقع لهما الضرورة کذافی محیط السرخسی[2]۔	اگر معلم مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دیتا ہے اور کاتب مسجد میں بیٹھ کر لکھتا ہے اگر تو معلم ثواب کی نیت سے ایسا کرتا ہے اور کاتب اپنے لئے لکھتا ہے نہ کہ اجرت پر تو حرج نہیں کیونکہ یہ قربت وعبادت ہے،اور اگر اجرت کے لئے ہے تو بلاضرورت ایسا کرنا مکروہ ہے،امام سرخسی کی محیط میں بھی ایسا ہی ہے۔(ت)

اشباہ والنظائر صفحہ ۳۸۱:

تکره الصناعة فیه من خیاطة وکتابة باجر وتعلیم صبیان باجر لا بغیره الالحفظ المسجد فی روایة[3]۔	مسجد میں سلائی یاکتابت کا پیشہ اجرت پر کرنا اور اجرت لے کر بچوں کو پڑھانا مکروہ ہے جبکہ بلااجرت ہو تو حرج نہیں۔ایک روایت میں ہے کہ حفاظت مسجد کیلئے بغیر اجرت پر بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے(ت)

غمز العیون ص ۳۸۱:

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴۔۹۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

فی الفتح معلم الصبیان القراٰن کالکاتب ان باجر لایجوز وحسبۃ لاباس بہ انتھی، وفی شرح الجامع الصغیر للتمرتاشی لایجوز تعلیم الصبیان القراٰن فی المسجد للمروی جنبوامجانینکم وصبیانکم مساجدکم انتھی وھو صریح فی عدم الجواز سواء کان باجر اولا اھ[1] **اقول:** والتوفیق ماأشرنا الیہ ان لو کانوا غیرما مونین علی المسجد لم یجز مطلقًا و الاجاز حسبۃً لاباجر والدلیل علیہ استدلالہ بالحدیث وقد قرنوافیہ بالمجانین فالمراد فی الحدیث من لا یعقل اولایؤمن علیہ وفی فرع التمرتاشی غیر المأمونین خاصۃ اذمن لایعقل لایعلم. واللہ سبحٰنہ اعلم۔	قرآن کی تعلیم دینے والا کاتب کی طرح ہے اگر اجرت پر ہو تو ناجائز اور نیت ثواب سے ہو تو جائز ہے انتہی، تمرتاشی کی شرح جامع صغیر میں ہے کہ بچوں کو مسجد میں تعلیم قرآن جائز نہیں کیونکہ مروی ہے کہ اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے محفوظ رکھو انتہی، یہ عدم جواز میں صریح ہے چاہے اجرت پر ہو یا بلا اجرت اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ تطبیق جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہ ہے کہ اگر مسجد (کی طہارت واحترام) کے سلسلہ میں ان پر بھروسا نہیں تو مطلقًا ناجائز ہے ورنہ بنیت اجر وثواب جائز اور اجرت پر ناجائز ہے اور اس پر دلیل اس حدیث سے استدلال ہے کہ اس میں بچوں کے ذکر کے ساتھ پاگلوں کا ذکر ہے لہذا حدیث میں بچوں سے مراد وہ ہیں جو بے عقل ہو یا ان پر (آداب مسجد کے سلسلہ میں) بھروسا نہ کیا جاسکتا ہو۔فرع تمرتاشی میں بطور خاص غیر مامون (بے بھروسا) کا ذکر ہے (نہ کہ بے عقل کا) کیونکہ جسے عقل نہیں وہ تعلیم حاصل نہیں کرسکتا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد تحصیل حسن پور مرسلہ اشرف علی خاں ۲۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کے سپرد مسجد کی روشنی کا اہتمام ہے اور اس کو دوسرا شخص تیل کے لئے صرف دیتا ہے اب پہلے شخص نے جس کو روپیہ صرفہ کے لئے دیا جاتا ہے اس نے روشنی میں کمی کرکے یا زیادہ صرفہ لے کر اور کم صرف کیا اور کچھ دام بچا کر وہ اپنے ذاتی صرفہ میں لایا، اور اب وہ شخص جو اپنے صرفہ میں لایا ہے اس مقام سے چلا آیا اور دوسرے مقام پر موجود ہے اب اس کا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ بچایا تھا اور صرف کیا وہ ادا کردوں اور میرا یہ گناہ معاف ہوجائے تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے آیا وہ اسی مسجد میں اسی تیل کو

[1] غمز العیون البصائر الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۱

روشنی کے کام دے یا وہ دوسری مسجد میں جہاں وہ اب موجود ہے وہاں پر کسی مسجد شکستہ یا قلعی وغیرہ کیلئے دے دے جس سے اس کا گناہ معاف ہو۔

الجواب:

اس پر توبہ فرض ہے اور تاوان ادا کرنا فرض ہے جتنے دام اپنے صرف میں لایا تھا اگر یہ اس مسجد کا متولی تھا تو اسی مسجد کے تیل بتی میں صرف کرے دوسری مسجد میں صرف کر دینے سے بری الذمہ نہ ہوگا، اور اگر متولی نہ تھا تو جس نے اسے دام دئے تھے اسے واپس کرے کہ تمہارے دئے ہوئے داموں سے اتنا خرچ ہوا اور اتنا باقی رہا تھا کہ تمہیں دیتا ہوں،

لانہ ان کان متولیاً فقد تم التسلیم والا بقی علی ملك المعطی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اگر وہ متولی ہے تو تسلیم تام ہو گئی ورنہ معطی کی ملک پر باقی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانس منڈی مرسلہ شمس الہدی ۷ ربیع الاول ۱۳۳٦ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت نے ایک مسجد تیار کرائی حالانکہ وہ اور اولاد سب اس کی سود ورشوت کھاتے ہیں اور قبل ان افعال ناجائز کے وہ مفلس تھے اور ۱۸، ۱۷ آدمی جو پرہیزگار ومتقی ہیں اس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ مسجد حرام کے مال سے تیار کرائی گئی لیکن بانی مسجد اور اس کے دو چار متبع کہتے ہیں کہ حلال کے مال سے بنائی گئی، بنا بران صورتوں کے چند مسلمانوں نے اتفاق ہو کر دوسرے محلّہ میں ایک مسجد جدید بنائی ہے بناءً علیہ کہ اس میں نماز نہیں ہوگی، پس ان صورتوں میں کس میں نماز شرعًا ناجائز؟ اگر ناجائز تو کون سی ناجائز؟ اور کس میں شرعًا بہتر اولٰی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اس بارے میں صاحب مال کا قول شرعًا معتبر ہے، اگر وہ کہے یہ مال مجھے وراثۃً ملا تھا یا میں نے قرض لے کر لگایا تو مانا جائے گا، اور اس سے کوئی دلیل اس پر طلب نہ کی جائے گی کما نص علیہ فی العالمگیریۃ وغیرہا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) ان سترہ اٹھارہ کا کہنا اگر صرف اس بناء پر ہے کہ ان لوگوں کے پاس مال حرام ہے تو وہی لگایا ہوگا جب تو محض بے دلیل ہے ان کے پاس صرف مال حرام کب ہے، سائل سود کھانا بتاتا ہے سود بلاشبہ حرام ہے مگر اس کیلئے اصل درکار ہے اصل نہ ہوگی تو سود کا ہے پر لے گا، سود کے حرام ہونے سے اصل کیوں حرام ہونے لگی، اور بالفرض ان کے پاس صرف مال حرام ہی ہو تو کیا یہ لوگ شہادت دیں گے کہ انکے سامنے ان لوگوں نے

اپنامال حرام بائعوں کو دکھایا اور ان سے کہا کہ ان روپوں کے عوض ہم کو اینٹ کڑی تختہ دے دو جب انہوں نے دی وہی زر حرام انہوں نے ثمن میں دے دیا اور اس طرح کا اینٹ کڑی تختہ خریدا ہوا مسجد میں لگایا یونہی مسجد کی زمین اپنامال حرام بائع کو دکھا کر خاص اس کے عوض خریدی اور وہی ثمن میں دیا اور ایسی خریدی ہوئی زمین کو مسجد کیا، ان سترہ اٹھارہ میں ایک بھی ایسی شہادت نہ دے سکے گا اور جب اس طرح خریداری نہ ہو توان کامال حرام سہی اینٹ کڑی تختہ زمین جو کچھ خریدا حلال تھا،

کما حققه فی الطریقة المحمدیة والحدیقة الندیة بل رجح فوق ذلك وقد بیناه فی فتاوٰنا۔	جیسا کہ طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں اس کی تحقیق (مصنف کتاب نے) فرمائی بلکہ اس کو ترجیح دی اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔(ت)

لہٰذا اس مسجد کا آباد کرنا مسلمانوں پر لازم، اور وہ دوسری مسجد جو اللہ عزوجل کے لئے بنائی وہ بھی مسجد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: از شہر مرسلہ حافظ چھٹن محلہ ذخیرہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو کے مبلغ لعہ ۹ روپیہ سود ہے ایک مسلمان پر چاہئے ہیں مسلمان روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ ضامن طلب کرتا ہے ضامن بھی نادہند ہے کچھ مسلمانوں نے اس ہندو سے کہا کہ یہ روپیہ مسجد کے نام تو اگر کردے تو ہم وصول کرلیں گے، لہٰذا یہ روپیہ مسجد میں جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جبکہ اس میں سود بھی شامل ہے تو اتنا تو حرام قطعی ہے اور اگر پہلے یہ کچھ سود میں دے چکا ہو تو اتنا اصل میں مجرا ہونا لازم ہے جتنا باقی رہا اتنا اگر وہ ہندو اپنی خوشی سے کسی مسلمان کو دے اور اسے وصول کرنے کا اختیار دے تو اب وہ روپیہ اس مسلمان کا ہے اسے مسجد میں لگادینے میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ کسی مسلمان کو نہ دے بلکہ یہی کہے کہ وہ وصول کرکے میری طرف سے مسجد میں لگادو تو نہ لیا جائے حدیث میں فرمایا: **انی نھیت عن زبد المشرکین**[1] (مجھے مشرکوں کی داد ودہش سے منع کردیا گیا ہے۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ھدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

نیز فرمایا: انا لا نستعین بمشرک[1] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی صاحب قادری رضوی ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کنواں سر راہ ہے اس سے سب قوم پانی پیتی ہے، ہندو مسلمان۔ اور مسجد بھی قریب ہے، مسجد کے خرچ میں اسی کنویں کا پانی آتا ہے، اس وقت وہ کنواں مرمت کرنے کے لائق ہے، اگر ہندو اس کی مرمت کرائے تو کچھ حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے بیان کیا کہ وہ کنواں مسجد کا نہیں، نہ وہاں کوئی آبادی ہے، مسافر لوگ مسجد میں نماز پڑھتے، کنواں راہ گیروں کے لئے ہے، ہندو اس کی مرمت کرانا چاہتا ہے کرائے، جبکہ وہ اس کی وجہ سے کوئی استحقاق اپنا ایسا نہ کرے کہ وضو و غسل میں مزاحم ہوسکے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶: از سہسرام ضلع گیا مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

فرق درمیان فضائل مسجد و مدارس کے کیا ہیں؟ حضور آقائے نامدار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی کوئی مدرسہ تعمیر کیا تھا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی مدرسہ تعمیر نہ فرمایا، نہ صدر اول میں کوئی عمارت بنام مدرسہ بنانے کا دستور تھا۔ ان کی مساجد ان کی مجالس یہی مدارس ہوتی تھیں۔ ہاں تعلیم علم دین ضرور فرض ہے اسی لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوتی ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما بعثت معلما[2]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا۔ (ت)
وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم[1]۔ وقال عزوجل "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ"[2]۔	تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت) اللہ عزوجل نے فرمایا کہ وہ (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ (ت)

مساجد کی تعمیر واجب ہے اور مدرسہ کے نام سے کسی عمارت کا بنانا واجب نہیں، ہاں تعلیم علم دین واجب ہے اور مدرسہ بنانا بدعت مستحبہ تعمیر مسجد کی فضیلت بیشمار ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[3] وفی روایۃ من درو یاقوت[4]۔	جو اللہ عزوجل کے لئے مسجد بنائے اس کے لئے اللہ عزوجل جنت میں موتیوں اور یاقوت کا گھر بنائے۔

مسئلہ ۲۷۷: از ویجیا نگرم ضلع وزیگا پٹم مرسلہ حاجی علی محمد عثمان ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہاں کی جامع مسجد میں اندر کے طاقوں والے ستونوں پر یہ تاریخ لکھی ہے:

از حکم مہاراج عالی لقب محمد علی حاجی خوش لقب باحداث مسجد سعی نمود، کزاں مومناں راشدہ صد طرب بتاریخ اوگشت الہام حق، کہ واسجد بدرگاہ رب واقترب، زلطف خداوند حی وصمن، محمد ابراہیم خوئے لقب بتعمیر مسجد چوں بنمود عزم، دوبارہ پئے قرب درگاہ رب۔ پے تاریخ آمد بگوش ۱۲۴۲ نگر حکم رب واسجد واقترب۔	مہاراج بلند لقب کے حکم سے اچھے لقب والے حاجی محمد علی نے مسجد بنانے کی کوشش کی جس سے مومنوں کو سیکڑوں خوشیاں حاصل ہوئیں، اس کی تاریخ کے بارے میں حق تعالٰی کی طرف سے یوں الہام ہوا کہ واسجد بدرگاہ واقترب (پروردگار کی بارگاہ میں سجدہ کر اور قرب حاصل کر) زندہ وبے نیاز خداوند قدوس کی مہربانی سے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کی خاطر محمد ابراہیم خوئے لقب نے دوبارہ مسجد کی تعمیر کا عزم کیا تو اس کی تاریخ کے لئے یہ صدا کان میں آئی کہ نگر حکم رب واسجد اقترب (پروردگار کا یہ حکم دیکھ کر سجدہ کر اور قریب ہوجا)۔ (ت)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۹

[3] سنن ابن ماجہ ابواب المساجد باب من بنی للہ مسجداً ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴، مسند احمد بن حنبل مروی از مسند عبداللہ بن عباس دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۱

[4] المعجم الاوسط حدیث ۵۰۵۵ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۲۷

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ اس مسجد کی بنا حاجی محمد علی نے یہاں کے ہندو راجہ کے حکم سے کی اور حاجی محمد علی شیعہ مذہب کا تھا، بعد میں اس مسجد کو گراکر دوسری مرتبہ اسی جگہ پر سنی مسلمانوں نے چندہ کرکے پھر نئے سرے سے تعمیر کی گئی جس چندہ میں زیادہ حصہ محمد ابراہیم خوئے لقب نے لیا جو شیعی مذہب کا ہے جس کا نام تاریخ میں لکھا ہے مگر اس مسجد میں شیعوں کا تصرف کسی قسم کا ہے نہ ان میں سے کوئی نماز کو آتا ہے، امام مؤذن کی تنخواہیں راجہ کے خزانہ سے ملتی ہیں جن سے مسجد کے چراغ بتی بھی ہوتی، اب ان کے احکام بیان فرمائیں کہ اس مسجد میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یہ مسجد مسجد جامع کا حکم رکھتی ہے یا نہیں؟ ہندو راجہ کے پیسہ سے مسجد کے چراغ بتی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

نماز اس میں ہوسکتی ہے تو اصلا یہ محل اشتباہ نہیں۔ نماز ہر پاک جگہ ہوسکتی ہے جہاں کوئی ممانعت شرعی نہ اگرچہ کسی کا مکان یا افتادہ زمین ہو۔ رسول اللہ صلی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعلت لی الارض مسجدا و طهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلوٰۃ فلیصل[1]۔	میرے لئے زمین کو جائے نماز اور پاک کرنے والی بنایا گیا ہے لہٰذا میری امت میں سے کسی شخص کو جہاں بھی نماز کا وقت آجائے تو اس کو وہاں ہی نماز پڑھ لینی چاہئے۔ (ت)

اور جب وہ تقریبًا سو برس سے مسجد کہلاتی، مسجد سمجھی جاتی ہے اس میں جمعہ و جماعت و اذان ہوتی ہے اس کے لئے امام و مؤذن مقرر ہیں تو اب اسے مسجد سمجھنے میں شبہ پیدا کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہندو راجہ کے حکم سے بننا اس کو مستلزم نہیں کہ اس کی مملوک زمین میں اسی کی ملک پر بنی ہے کہ مسجد نہ ہوسکے بلکہ غالب یہی ہے کہ شہر کی زمین پر جس کا کوئی شخص مالک نہیں ہوتا ہے اور والیان ملک اس میں بطور خود تصرف کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں دیتے ہیں جو چاہتے ہیں بنواتے ہیں ایسی زمین پر باجازت راجہ بنی، ملک کی غیر مملوکہ زمین اللہ عزوجل کی ملک ہوتی ہے، بیت المال کی کہلاتی ہے، راجہ اس کا مالک نہیں ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **عادی الارض للّٰه ولرسوله**[2] (زمین اللہ تعالٰی اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملک ہوتی ہے۔ ت) اور رافضی کے اہتمام سے بننا بھی اس کے مسجد ہونے میں مخل نہیں، اگر اس کا رفض حد کفر تک

---

[1] صحیح البخاری کتاب التیمم ۱/ ۴۸ و کتاب الصلوٰۃ ۱/ ۶۲ قدیمی کتب خانہ کراچی

[2] السنن الکبرٰی احیاء الموات دار صادر بیروت ۶/ ۱۴۳

نہ تھا جب توظاہر، ورنہ غایت یہ کہ اس کے مسجد کرنے سے مسجد نہ ہوئی، مگر جب مسلمانوں نے اسے مسجد قرار دیا اس میں نمازیں مسجد سمجھ کر پڑھیں مسجد ہو گئی،

فان الارض ان کانت لبیت المال فجاز جعلهم ایاها مسجدا، والبناء ان کان من مال المسلمین فبها او من مال المرتد فاذا مات علی ارتداده فصار فیئا للمسلمین او من خزانة الوالی فالخزانة لبیت المال علی ان ماکان لکافر غیر ذمی ولا مستأمن وحصل للمسلمین بغیر عذر ونقض عهد صار لهم علی ان بیدنا دلیلا ظاهرا یثبت به الوقف شرعا وهی الشهرة فدعوی خلافه یردها الاحتمال[1] کما بیناه فی فتاوٰنا بتوفیق اللّٰه۔	زمین جبکہ بیت المال کی ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ اسے مسجد بنادیں، اور تعمیر اگر مسلمانوں کے مال سے ہو تو فبہا، یا تعمیر مرتد کے مال سے ہوئی اس کے ارتداد پر مرنے کے بعد اس کا مال مسلمانوں کے لئے فے ہوگیا، یا والی کے خزانہ سے تعمیر ہوئی تو خزانہ بیت المال کا ہے، اس بنیاد پر غیر ذمی اور غیر مستامن کافر کا مال اگر بغیر دھوکا اور بدعہدی کے بغیر مسلمانوں کو حاصل ہو تو وہ انہیں کا ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں ہمارے پاس جو دلیل ہے وہ ظاہر ہے جس سے شرعًا وقف ثابت ہوجاتا ہے اور وہ دلیل شہرت ہے پس اس کے خلاف دعوٰی کے احتمال کو رد کردیتا ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ بنا میں کسی شیعی کا چندہ میں زیادہ حصہ لینا اس معنی پر ہے کہ تحصیل چندہ میں زیادہ کوشش کی جب توظاہر، اور اگر اسی معنی پر ہو کہ زیادہ چندہ اس نے خود اپنے مال سے دیا تو مسجدیت ثابت ہو کر قیامت تک زائل نہیں ہو سکتی،

الاتری ان لو انهدم مسجد فاعادبنائه کافر بماله لم یخرج عن المسجدیة وان لم یقبل بناء ہ لکونه غیر اهل للوقف علی المسجد هذا اذالم یکن مرتدا اما هو فیتوقف الامر علی ان یسلم فیصح کما فی رد المحتار عن البحر	کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی مسجد گر جائے اور اس کی عمارت کسی کافر نے دوبارہ اپنے مال سے بنادی تو وہ مسجدیت سے خارج نہ ہوئی اگرچہ کافر کا مسجد کو تعمیر کرنا مقبول نہیں کیونکہ وہ مسجد پر وقف کا اہل نہیں، یہ اس صورت میں ہے کہ کافر غیر مرتد ہو، اور اگر مرتد ہو تو یہ معاملہ موقوف رہے گا حتی کہ وہ مسلمان ہوجائے تو صحیح ہوجائے گا جیسا کہ بحر سے ردالمحتار میں ہے،

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی وقف المرتد والکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

اویموت علی ردته والعیاذ باللہ فیعود فیئا للمسلمین۔	یا وہ حالت ارتداد پر مرجائے، اللہ تعالٰی کی پناہ تو اب یہ مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن جائے گا(ت)

نامسلم کا عطیہ کہ اس کے اپنے مال سے ہو خصوصًا اپنے اسلامی کام میں نہ لانا چاہئے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی نھیت عن زبد المشرکین[1] رواہ ابوداؤد و الترمذی عن عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنه، وھو حدیث حسن صحیح۔	بیشک مجھے مشرکوں کے عطیہ سے منع کردیا گیا ہے۔(اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے عیاض بن حمار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انی لااقبل ھدیة مشرک[2]۔ رواہ الطبرانی الکبیر عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	بیشک میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتا۔(اسے طبرانی نے کبیر میں کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانقبل شیئا من المشرکین[3] رواہ احمد والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بے شک ہم مشرکوں کی کوئی شے قبول نہیں کرتے۔(اسے احمد اور حاکم نے حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا لانستعین بمشرک[4]۔ رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	بیشک ہم مشرکوں سے مدد طلب نہیں کرتے۔(اس کو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ہدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۸، ۱۳۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۹/ ۷۰ و ۷۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از حکیم بن حزام دارالفکر بیروت ۳/ ۴۰۳

[4] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی المشرک یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب ف الاستعانة بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

اور حدیثیں جواز واجازت میں بھی ہیں اور توفیق بتوفیق اللہ تعالیٰ ہمارے فتوٰی میں ہے، مگر یہاں ضرور وہ خرچ خزانہ سے ملتا ہوگا نہ کہ راجہ کی جیب سے، اور خزانہ والی ملک کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتا تو اس کے لینے میں حرج نہیں جبکہ کسی مصلحت شرعیہ کا خلاف نہ ہو، **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ وہ ہے جو میرے نزدیک ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۸: از پوکھرایرارائے پور ضلع مظفر پور محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مرسلہ شریف الرحمٰن صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید سندی عالم ہے، مالدار ہے، پانچ سات ہزار روپے کی مالیت رکھتا ہے، چندہ یعنی مانگ کر مسجد بنواتا ہے۔ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے، امور خیر کے لئے چندہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، مالدار پر واجب نہیں کہ ساری مسجد اپنے مال سے بنائے، امر خیر میں چندہ کی تحریک دلالت خیر ہے۔

ومن دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ[1]۔	جو کار خیر کی راہنمائی کرے اس کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا کار خیر کرنے والے کو۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۹تا۲۸۰: از اجمیر شریف درگار مقدس مرسلہ نذیر احمد خان صاحب رامپوری ۳ رمضان ۱۳۳۶ھ

ایک وقفی جاگیر چند منتظمان کے سپرد کی گئی جس میں ایک شاہی مسجد اور اس کی جائداد بھی شامل ہے، منتظمان وقف خاص نے جائداد مسجد کی کافی آمدنی مجموعی سرمایہ وقف میں جمع کیا اور علاوہ اس مسجد کے جس کے لئے یہ جائداد وقف تھی دوسرے ابواب وقف میں صرف کردیا اور اس مسجد کو ویران رکھا۔ امام مؤذن نماز اذان پنجگانہ کا انتظام کیا نہ پانی روشنی کا اہتمام، حتی کہ مسجد کی ضروری مرمت وصفائی تک نہیں کرائی جاتی۔

اول: ایک وقف کی آمدنی باوجود اس کی ضروریات موجود ہونے کے غیر آباد رکھ کر دوسرے ابواب میں صرف کردینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو صرف شدہ مال مسجد کو ابواب مصروف فیہا (خواہ وقفی ہی ہوں) سے واپس لے کر اس مسجد میں صرف کرانے کا مسلمان کو حق حاصل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل اعانۃ الغازی فی سبیل اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۷

ہے یا نہیں؟

دوم: منتظمان وقف اس صورت میں شرعاً کسی تعزیر وسزا کے مستوجب ہیں اور واجب العزل ہیں یا نہیں؟

الجواب:

مسجد کی آمدنی دوسرے اوقاف میں صرف کرنا حرام ہے اگرچہ مسجد کو حاجت بھی نہ ہو نہ کہ بحال حاجت کہ حرام حرام اشد حرام ہے۔ مال مسجد اگر بعینہٖ موجود ہو واپس لیا جائے اگرچہ دوسرے وقف یا مسجد دیگر میں ہو اور جو صرف ہوگیا ان کا تاوان منتظمین پر لازم ہے ان سے وصول کیا جائے اور ان کا معزول کرنا واجب ہے کہ وہ غاصب وخائن ہیں اگر صورت مذکورہ واقعیہ ہے۔ درمختار میں ہے:

اتحدالواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين اورجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذٰلک[1]۔	واقف وجہت وقف متحد ہو اور بعض موقوف علیہ کے مشاہر میں کمی واقع ہوجائے تو حاکم کو جائز ہے کہ دوسرے وقف کی فاضل آمدنی میں سے کچھ اس پر صرف کرے اور اگر ان دونوں یعنی واقف وجہت میں سے کوئی ایک مختلف ہو جیسے دو شخصوں نے الگ الگ دو مسجدیں بنوائیں یا ایک ہی شخص نے ایک مسجد اور ایک مدرسہ بنوایا اور دونوں کے مصالح کے لئے الگ الگ اوقاف متعین کئے ہوں تو ایک کی آمدنی دوسرے پر خرچ کرنے کا اختیار حاکم کو نہیں۔ (ت)

اس میں ہے:

ينزع وجوبا بزازيه ولوالواقف درر فغيره بالاولى غير مأمون[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	متولی سے وجوبًا وقف واپس لیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ خود واقف ہو (درر) لہذا غیر واقف اگر متولی ہو تو بدرجہ اولٰی اس سے وقف واپس لیا جائیگا درانحالیکہ وہ امین نہ ہو (بلکہ خائن ہو)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۲۸۱: مسئولہ آفتاب الدین از مدرسہ منظر اسلام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مسلمان چاہتے ہیں کہ زمین ہندو زمیندار سے مول لے کر مسجد کے لئے وقف کریں مگر وہ زمیندار مسلمانوں کے ہاتھ نہیں بیچتا ہے، تو اس صورت میں مسجد بنانے کے لئے کیا حکم ہے؟ آیا کہ موروثی زمین پر مسجد بنا کر نماز پڑھیں یا اپنے اپنے گھر نماز پڑھیں اور نماز جمعہ کے بابت کیا حکم ہے جب ہندو زمیندار اپنی زمین نہ بیچے؟

الجواب:

ہندو اگر بیچتا نہیں اس سے کوئی مسلمان اپنے نام ہبہ کرالے پھر یہ مسلمان اسے مسجد کردے، موروثی ہونے سے زمین ملک مزارعاں نہیں ہوجاتی، اور وقف کرنے کے لئے ملک ضرور ہے، اگر وہ ہبہ نہ بھی کرے تو گھروں میں یا جہاں مناسب تر ہو نماز پڑھیں اور جمعہ بھی اگر وہ جگہ شہر یا فناء شہر ہو۔ گاؤں میں جمعہ خود ہی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۲: ایک مسجد نہایت تنگ ہے کہ اس میں بیس آدمی سے زائد نمازی نماز نہیں پڑھ سکتے، یہاں کا زمیندار ہندو ہے وہ عرض وطول میں گھٹانے بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا ہے ایسی صورت میں مسجد کو بحیثیت دو منزلہ تعمیر کرکے اور نیچے اس کے دکانیں بنا کر اس کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کرایہ کو مسجد کی صرف میں لانے کا خیال ہے اور مسجد کو دکانوں کے اوپر بنا سکتا ہے یا نہیں؟ ایسی صورت میں اس وقت سجدہ گاہ نیچے ہے اور پھر دکانوں کے اوپر ہو اس کے واسطے جو حکم ہو مع حوالہ حدیث قوی و مستند کے دیا جائے۔

الجواب:

مسجد کو دکانیں کردینا حرام قطعی ہے، توسیع کے لئے یہ ہوسکتا ہے کہ دو منزلیں کردی جائیں وقت ضرورت بالاخانہ پر بھی نماز ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۴: از الہ آباد سرائے گڑھا دار الطلبہ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

سوال اول: ایک مسجد کے متعلق کچھ دکانیں ہیں اور مسجد کے وقف نامہ کا کچھ پتا نہیں ہے البتہ اس کی آمدنی متولی سابق اپنے و مسجد کے ضروری اخراجات میں صرف کرتے تھے ان کے زمانہ میں زیر باری بہت ہوگئی تھی تاہم رمضان المبارک کی تراویح میں قرآن شریف ختم ہونے کے بعد شیرینی منگا کر تقسیم کرتے تھے اور ان سے پیشتر جو متولی تھے وہ علاوہ ان اخراجات کے رمضان شریف میں روزانہ افطاری بھی منگا کر نمازیوں کو تقسیم کرتے تھے

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مسجد کی آمدنی سے اب مٹھائی اور افطاری منگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب ھو الموفق والصواب

صورت مسئولہ میں ختم کی مٹھائی اور رمضان شریف میں افطاری منگانا جائز ہے اس لئے کہ مسجد کی آمدنی کے متعلق پیشتر وقف نامہ کے شرائط کے مطابق عملدرآمد کرنا چاہئے، اور اگر وقف نامہ موجود نہ ہو تو متولیان سابق کے تعامل کے مطابق عمل کرنا چاہئے اور اگر تعامل کا بھی حال معلوم نہ ہو تو جو مسجد کے ضروری اخراجات شرعًا ثابت ہوں اس میں خرچ کرنا چاہئے، جیسا کہ شامی کتاب الوقف میں مذکور ہے:

وفی الخیریۃ ان کان للوقف کتاب دیوان القضاۃ المسمی فی عرفنا بالسجل وھو فی ایدیھم اتبع ما فیہ استحسانا اذا تنازع اھلہ فیہ، والا ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون وان لم یعلم الحال فیما سبق رجعنا الی المقیاس الشرعی وھو ان من اثبت بالبرھان حقا حکم لہ بہ[1] اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم کتبہ محمد عبدالکافی۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اگر وقف کے لئے کوئی تحریر دفتر قضاۃ یعنی قاضی کے رجسٹر میں ہے جس کو ہمارے عرف میں سجل کہا جاتا ہے تو متولیان وقف میں اختلاف کی صورت میں استحسانًا اس تحریر کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی ورنہ دیکھا جائے گا کہ زمانہ سابقہ سے اس وقف کا حال معہود و معروف کیا چلا آرہا ہے یعنی متولیان سابق کیسے کرتے تھے اگر یہ بھی معلوم نہ ہوسکے تو پھر ہم اس قیاس شرعی کی طرف رجوع کریں گے کہ جس نے برہان سے حق ثابت کردیا اس کے لئے اس حق کا فیصلہ کردیا جائے گا اھ فقط واللہ تعالٰی اعلم، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھاہے۔ (ت)

سوال دوم: ایک مسجد کے سابق متولی سید تھے، وہ بہت نیک وسادہ طبیعت تھے، ان کی سادگی سے کچھ لوگوں نے مسجد کو نقصانات پہنچادئے، ان وجوہ سے ان کی مسجد سے علیحدگی بھی ہوگئی، اب ان کی بے عنوانیوں کو پتھر پر کندہ کراکے مسجد میں نصب کرانا جس سے ان کو صدمہ روحی ہوگا جائز ہے یا نہیں؟ گو ان کا نام مذکور نہیں ہے بلکہ بجائے نام متولی سابق لکھا گیا ہے جن کو اس لقب کے ساتھ شہر کے لوگ جانتے ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

الجواب:

جب کہ سید صاحب کی علیحدگی ہوگئی اور ان کو مسجد سے کوئی تعلق نہ رہا تو ان کی برائیوں کا کندہ کرکے نصب کرنا نہ چاہئے اس لئے کہ جو کچھ ان سے غفلت ہوئی اس کو عوض ان کو مل چکا اب ہمیشہ کے لئے علانیہ پتھر پر ان کے بے عنوانیاں کندہ کراکے نصب کرانا جائز نہیں بلکہ یہ غیبت میں داخل ہے، جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے:

فی کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع وکما تکون الغیبة باللسان صریحا تکون ایضا بالفعل و بالتعریض وبالکتابة وبا لحرکة وبالرمز وبغمز العین والاشارة بالید وکل مایفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبة وهو حرام [1] الخ فقط واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتبه محمد عبدالکافی۔	کتاب الحظر والاباحۃ میں بیع کے متعلق فصل کے تحت مذکور ہے کہ غیبت جس طرح صراحتًا زبان سے ہوتی ہے اسی طرح عمل، تعریض، تحریر، حرکت، رمز، آنکھ اور ہاتھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے اسی طرح ہر وہ شے جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا وہ غیبت میں داخل ہے اور غیبت حرام الخ فقط واللہ اعلم بالصواب، اس کو محمد عبدالکافی نے لکھا ہے (ت)

الجواب:

اللّٰھم ہدایۃ الحق والصواب۔

(۱) ایک دو شخص کے کرنے سے تعامل ثابت نہیں ہوتا، اگر یہ معلوم ہو کہ قدیم سے یہ مصارف متولیان مسجد مال مسجد سے کرتے آئے اب بھی کئے جائیں گے ورنہ نہیں جبکہ اور کوئی ذریعہ ثبوت شرعی نہ ہو۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا وجد شرط الواقف فلا سبیل الی مخالفته واذا فقد عمل بالاستفاضة والاستیمارات العادیة المستمرة من تقادم الزمان و	اگر واقف کی طرف سے کوئی شرط موجود ہے تو اس کی مخالفت کی کوئی سبیل نہیں اور اگر یہ مفقود ہے تو پرانے زمانے سے اب تک اس وقف کے بارے میں جو معاملات مشہودہ تسلسل و

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

الی ھذا الوقت[1]۔	استمرار سے چلے آرہے ہیں ان پر عمل کیا جائیگا۔(ت)

ورنہ تمام مجہول الشرائط او قاف ہر متولی کے استعمال و تابع افعال ہو جائیں کہ ایک کے فعل سے تعامل ثابت اور سابق سے عدم ثبوت، ثبوت عدم نہیں۔وھذا لایتفوہ بہ من لہ ادنی ترعرع من العامیۃ کما لایخفی (یہ ایسی بات ہے جو ادنٰی سوجھ بوجھ رکھنے والا ایک عام آدمی بھی نہیں کہہ سکتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ت)

(۲) اگر ان باتوں میں ان کا قصور نہ تھا بلکہ اور لوگوں نے نقصان پہنچائے تو ان افعال کی ان کی طرف نسبت بہتان وافترا ہے اور اس کی اشاعت اشاعت فاحشہ ہے اور وہ حرام ہے۔

قال تعالٰی " اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ ؕ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک وہ لوگ جو مومنوں میں اشاعت فاحشہ چاہتے ہیں ان کیلئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے(ت)

اور اگر ان کا قصور تھا اور اس پر ان کی علیحدگی بھی ہوگئی اور اب ان بے اعتدالیوں کا پتھر پر کندہ کراکے نصب کرنا کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو اگرچہ اس حالت میں کہ وہ باتیں معروف و مشہور ہو چکی ہوں اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہو سکتا ہے خصوصًا منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تا حیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو ہاں بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتذکروا موتاکم الابخیر[3]۔	اپنے مردوں کا ذکر بھلائی کے سوامت کرو(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ماقدموا[4]۔	اپنے مردوں کو برانہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان، الآفۃ الثامنۃ اللعن دارالفکر بیروت ۷/ ۴۹۰، ۴۹۱

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب الجنائز، النھی عن سب الاموات، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

بایں ہمہ جب کہ بلا مصلحت شرعیہ ہے عبث ہے، اور عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اور اگر وہ افعال وقف میں خیانت واضرار تھے اور متولی کو پھر عود کی ہوس ہے اور اس کی قوت یا بعض کی حمایت سے عود کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا غرض اس کے نصب میں اس کا عزل ہے یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے،

نظیر مافی الحدیث اترعون عن ذکر الفاجر کی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ ویحذرہ الناس [1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اس کی نظیر وہ ہے جو حدیث میں ہے کہ فاجر کا رد کرنے سے باز رہتے ہو تاکہ لوگ اسے پہچانتے رہیں، فاجر کی فجور اور اس کی بری خصلتوں کا ذکر کرو تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۵: از موضع سیاکھ تھانہ چومکہ تحصیل میرپور ریاست جموں مسئولہ محمد ابراہیم ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳٦ھ

ایک قطعہ اراضی جو مسجد کے قریب واقع ہے آباء واجداد سے خادم آب مسجد اس کی کاشت کرتے ہیں اور ماحصل اس کا کھاتے ہیں اور خراج اس کا ادا کردیتے ہیں اگر خدمت ماء چھوڑدیں تو اہل دیہہ دوسرے خادم آب مسجد کو دیتے ہیں اسی طریق پر قبضہ اراضی مذکور کا بدلتا جاتا ہے معلوم نہیں ہوتا کہ آباواجداد اہل دیہہ نے کس طرح اراضی بالا کو مقرر کیا مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی وقف کیا یا بعدہ وقف کیا ہے یا بوجہ اعمال بطور خدمت مذکور دی گئی اور ملک خود باقی، اگر اب موجودہ اہل دیہہ اراضی مملوکہ مشترکہ سمجھ کر اس کے کئی گوشہ پر تعمیر مکان امام مسجد کرادیں اور یہ کہیں کہ یہ اراضی مشترکہ مملوکہ ہمارے آباواجداد کی ہے ہم کو اختیار ہے جو کریں خادم آب مسجد صرف مزدوری کا مالک ہے اس کی مزدوری نقد وغیرہ سے ادا کریں، بالاتفاق تعمیر مذکور کرادیں، آیا یہ عمارت اس قطعہ اراضی میں جائز ہے یا نہیں، چونکہ ہمارے ہاں لوگ جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے شروط اور ارکان وقف سے واقف نہیں، پس یہ اراضی بالا کس امر پر محمول ہوگی، وقف سمجھی جائے گی یا مملوکہ اہل دیہہ متصور ہوگی یا کسی اور طریق پر محمول ہوگی ہر ایک قید قیود مدنظر فرماکر بالتعجیل جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں ہمارے لوگ اکثر جوابہائے سوال دیوبندیوں سے

[1] السنن الکبرٰی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۱۰

منگواتے ہیں چونکہ یہ فقیروں کی جانب سے بعض مسائل اعتقادی عمل میں گراں خاطر ہیں اس واسطے حضرت کو تکلیف دی گئی۔

الجواب: اگر وہ زمین بنام وقف مشہور ہو تو بلا شبہ وقف ہے کہ وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے اگرچہ پتا نہ چلے کہ کب اور کس نے وقف کیا جیسے قدیم مساجد کہ بلاشبہ وقف ہیں اگرچہ نہیں بتا سکتے کہ کس نے کب بنائیں، درمختار میں ہے:

تقبل فیہ الشھادۃ بالشھرۃ[1] (ملخصًا)	وقف میں شہرت کی بنیاد پر شہادت مقبول ہے (ملخصًا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الاسعاف عن الخانیۃ وتصح دعوی الوقف و الشھادۃ بہ من غیر بیان الواقف[2]۔	اسعاف میں خانیہ سے منقول ہے وقف میں دعوٰی اور شہادت بیان واقف کے بغیر بھی صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر بنام وقف مشہور نہ ہو نہ اور کسی ذریعہ شرعیہ سے اس کا وقف ہونا ثابت ہو اور یہ ثابت ہو کہ فلاں شخص کی ملک تھی اور یہ ثبوت گواہان عادل سے ہو تو وہ اس شخص کا ترکہ اور اس کے وارثوں کی ملک ہے جو چاہیں کریں، اور اگر اس کا بھی ثبوت نہ ہو تو جس طرح قدیم سے خادمان آب کے قبضے میں چلی آتی ہے یونہی رہے گی، اہل دیہہ بلا ثبوت شرعی اس پر دعوٰی ملک یا کوئی تصرف جدید نہیں کر سکتے۔ امام ثانی مذہب سیدنا ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

لیس للامام ان یخرج شیئا من یداحد الابحق ثابت معروف[3]۔	امام کو جائز نہیں کہ بغیر حق ثابت ومعروف کے کسی کے قبضہ سے کوئی شے خارج کرے (ت)

بلکہ قدیم سے اس کا یونہی چلا آنا اور کسی کا دعوی ملک نہ کرنا حال کے لوگوں کے دعوی ملک کو ناقابل سماعت کرتا ہے۔ ردالمحتار مسائل شتی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] کتاب الخراج فصل فی الارض فی الصلح والعنوۃ مطبع بولاق مصر ص ۷۰

فی الحامدیة من الولوالجیة رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اخریری الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف[1]۔	حامدیہ میں بحوالہ ولوالجیہ ہے کہ ایک شخص کچھ عرصہ ایک زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اسے زمین میں تصرف کرتے دیکھتا رہا اور اس پر دعوی نہیں کیا پھر اسی حال میں مرگیا تو اس کے بعد اس کے بیٹے کا دعوی مسموع نہ ہوگا لہٰذا وہ زمین حسب سابق متصرف کے قبضے میں رہنے دینگے۔(ت)

اور جبکہ کسی کی ملک ثابت نہیں، نہ اب دعوی ملک سنا جائے اور متعلق مسجد ہونا قطعًا معلوم کہ اسی کے خادمان آب کے تصرف میں رہتی ہے اور وہ مسجد کے لئے اس کا خراج ادا کرتے ہیں تو مسجد پر وقف ہی سمجھی جائے گی اور یہ طریقہ کہ اجرت آب میں ان کو دی جاتی ہے کہ خراج دیں اور باقی محاصل اپنی مزدوری میں لیں حرام ہے کہ اجرت مجہولہ بلکہ غرر وخطر میں ہے اور مسلمانوں کا کام حتی الامکان صلاح پر محمول کرنا واجب، **کما نصوا علیه قاطبة فی غیر ما مقام** (جیسا کہ علماء نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت کی۔ت) تو یہ تعامل قدیم یوں سمجھا جائے گا کہ واقف ہی نے زمین اسی شرط پر وقف کی کہ خادمان آب مسجد اس کی کاشت کریں اور محاصل کھائیں اور خراج مسجد کو دیں تو اس طریقے کی تبدیل کسی کے اختیار میں نہیں،

فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واقف کی شرط شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۶: از ریاست گوالیار محلّہ چوک بازار جامع مسجد مرسلہ عبدالغفور صاحب ۳ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۱۳۱۹ھ میں شہر گوالیار میں یہیں کے شرفاء ذی علم اور معزز حضرات کی ایک انجمن قائم ہوئی گوالیار کی جامع مسجد نہایت شکستہ حالت میں بکفالت سرکار تھی۔ اراکین انجمن نے واگذاشت کرانے کی کوشش کی، ریاست نے بکمال رعایا پروری جامع مسجد مع دکانات اور اراکین انجمن کے سپرد فرمادی، اراکین انجمن نے علاوہ انتظام

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

جامع مسجد کے اور انتظام دینی خدمات کے بھی اپنے زمہ لئے ستائیس ہزار روپیہ جامع مسجد مذکور کی مرمت و تعمیر میں صرف کیا جس میں دس ہزار عطیہ ریاست ہے اراکین انجمن نے ایک امام مسمّٰی زید کو بمشاہرہ مبلغ ۱۰/ ماہوار مقرر کیا مگر زید نے اپنے فرائض منصبی یعنی نماز وغیرہ کی پابندی نہیں کی، علاوہ عدم پابندی نماز وغیرہ کے اور بہت سی بے عنوانیاں ظاہر ہوئیں جس پر اراکین انجمن نے بہت فہمائش کے بعد زید کو کئی برس کا عرصہ ہوا برخاست کردیا اور دوسرے امام صاحب کو بیس روپیہ ماہوار تنخواہ پر مقرر کیا۔

اول یہ ہے کہ ازروئے شرع شریف ایسے امام کو جیسا کہ زید تھا اور جس کو عہدہ امامت پر اراکین انجمن نے مقرر کیا تھا برخاست کرنے کا اختیار اراکین انجمن کو تھا یا نہیں؟ اور ایسی صورت جب کہ کل انتظام جامع مسجد کا اراکین انجمن کے اختیار میں سترہ اٹھارہ برس سے ہے، اراکین انجمن جس کو چاہیں امام بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ زید کا خیال ہے کہ منصب امامت ایک دائمی اور موروثی عہدہ ہے اور باوجود عدم پابندی نماز اور بہت سی بے عنوانیاں کے امام کسی حال میں معزول نہیں ہوسکتا، کیا درحقیقت شرعًا منصب امامت کوئی دائمی اور موروثی عہدہ ہے، زید یہ بھی کبھی کہتا ہے کہ عوام الناس سے مشورہ میری معزولی کے وقت میں نہیں لیا گیا لہذا میں معزول نہیں ہوا، کیا شرعًا اس کی معزولی کے لئے عوام الناس کا مشورہ ضروری تھا اور کیا بغیر عوام الناس کے مشورہ کے انجمن انتظامیہ جامع مسجد جو عرصہ سے جامع مسجد کی متولی اور منتظم ہے اور جس نے بغیر مشورہ عوام الناس کے زید کو دس روپیہ ماہوار پر امام مقرر کیا تھا اس کو معزول نہیں کرسکتی۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

امامت میں میراث جاری نہیں ورنہ امام متوفی کے بعد آٹھویں دن اس کی زوجہ امامت کرے، جو نماز کا پابند نہ ہو لائق امامت نہیں، اسے معزول کرنا واجب ہے، اگر معزول نہ کرتے گنہگار رہتے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ للامامۃ تعظیمہ وقدوجب علیھم اھانتہ شرعًا[1]۔	فاسق امام کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جب کہ لوگوں پر شرعًا اس کی توہین لازم ہے۔ (ت)

انجمن کو ایسے شخص کے معزول کرنے میں کسی سے کچھ مشورہ کی حاجت نہ تھی بلکہ بحالت مذکورہ اگر تمام عوام الناس اس کو بحال رکھنا چاہتے تو ان کا کہنا ماننا جائز نہ تھا اور معزول کرنا واجب تھا۔ رسول اللہ

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کی طاعت نہیں کی جائیگی۔ (ت)

زید کا یہ عذر عجیب ہے، انجمن کی کارروائی بے مشورہ عوام اس کے نزدیک صحیح ہے یا باطل؟ اگر صحیح ہے تو عذر کیا ہے اور اگر باطل ہے تو معزولی درکنار، اس کا تقرر ہی باطل تھا کہ وہ بھی انجمن نے بے مشورہ عوام کیا تھا اور جب تقرر باطل تھا تو جتنے دنوں مسجد کے مال سے ۱۰؁/ ماہوار لیا واپس دے۔ اب کہے گا کہ وہ تقرر صحیح تھا تو یہ معزولی بھی کہ بوجہ شرع ہے صحیح ہوئی، ہاں بلاوجہ شرعی مقبول نہ ہوتی۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

واستفید من عدم عزل الناظر بلاجنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ناظر کو بلاجرم معزول کرنے کے صحیح نہ ہونے سے معلوم ہوتا ہے کسی وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو بلاجرم اور بغیر نااہلی کے معزول کرنا صحیح نہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۷: ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سرکاری عہدہ ممبری کے ملنے کے لئے جو لوگوں کی کوشش پر موقوف ہے مسلمانوں سے کوشش کرانا چاہتا ہے کہ کوشش کنندگان یہ کہتے ہیں تم تعمیر مسجد میں اس قدر روپیہ دو بر تقدیر ممبر ہوجانے کے۔ تو ہم لوگ تیار کوشش پر ہیں۔ یہ رقم جو حق الاجرت ہے مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اسے حق الاجرۃ کہنا صحیح نہیں کہ ممبر کردینا ان کا کام نہیں اور کوشش مجہول القدر ہے اور وقت معین نہ کیا تو یہ کسی طرح اجارہ جائزہ میں نہیں آسکتا، ہاں اگر یوں کرے کہ وہ ان کو مہینے پندرہ روز کے لئے بتعیین تنخواہ وتعین وقت مثلاً تم کو دس دن کے لئے ہر روز صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری دارالفکر بیروت ۵/ ۶۶،۶۷، کنز العمال بحوالہ ق۔ د۔ ن عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۸۷۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

اتنے معاوضہ پر اگرچہ وہ دس ہزار روپے ہوں نوکر رکھا پھر وقت مقرر میں جو کام چاہے لے ازاں جملہ یہ کوشش تو اس صورت میں اجارہ صحیح ہوجائے گا **وقد افادھذہ الحیلۃ فی الخانیۃ والخلاصۃ وغیرہما** (تحقیق اس حیلہ کا افادہ خلاصہ اور خانیہ وغیرہ میں فرمایا ہے۔ت) مگر اس صورت میں وہ بات کہ بر تقدیر ممبر ہوجانے کے ہے حاصل نہ ہوگی بلکہ یہ تنخواہ واجب الادا ہوگی اگرچہ ممبری نہ ملے، اور اگر یہ شرط کرلیں کہ ممبری ملنے پر یہ تنخواہ دی جائے گی تو پھر اجارہ فاسد وحرام ہوجائے گا، معہذا جب کہ یہ روپیہ ان کا حق الاجرۃ ہوگا ان کی ملک ہوگا اگر مسجد میں نہ دیں ان پر الزام نہ ہوگا۔ ایک صورت یہ ہے کہ مسجد کی کوئی اینٹ یا لوٹا کپڑے میں سی کر مثلاً دو ہزار کو اس کے ہاتھ متولی مسجد بیع کرے اور وہ قیمت اور چیز کسی امین کے پاس رکھ دی جائیں اور یہ لوگ کوشش کریں اگر ممبری ہوجائے امین وہ چیز ممبر کو دے دے اور وہ روپیہ مسجد میں اور اگر ممبری نہ ہو تو یہ طالب ممبری اس چیز کو کھول کر اب دیکھے اور بحکم خیار رویت بیع رد کردے امین وہ چیز مسجد کو دے دے اور قیمت اس شخص کو پھیر دے، اس میں یہ بھی ہوگیا کہ روپیہ بر تقدیر ممبری دیا جائے گا ورنہ نہیں، اور جب دیا جائے گا تو مسجد ہی کی ملک ہوگا، دوسرا اس میں تصرف نہ کرسکے گا مگر اس میں یہ خامی ہے کہ ممبری ہوجانے پر بھی اسے اختیار ہوگا کہ چیز دیکھ کر بیع رد کردے تو ممبری بھی ہوگئی اور روپیہ بھی دینا نہ آیا۔ اور اگر یوں ہو کہ طالب ممبری کہے میں اللہ کے لئے منت مانتا ہوں کہ اگر ممبر ہوگیا تو دو ہزار روپے فلاں مسجد کی تعمیر میں دوں گا تو یہ بھی اس کے اختیار پر رہے گا کہ تعمیر مسجد کی نذر صحیح ولازم نہیں، بدائع وردالمحتار میں ہے:

من شروطه ان یکون قربة مقصودة فلا یصح النذر بالوضوء والاذان وبناء الرباطات والمساجد[1]۔	نذر کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ وہ قربت مقصودہ ہو لہذا وضوء، اذان، خانقاہوں اور مسجدوں کی تعمیر کی نذر صحیح نہیں۔(ت)

اگر وہ یوں کہے کہ ممبری ملنے پر اسی دن دو ہزار فلاں مسجد کو دوں گا نہ دوں تو دس ہزار روپے فقرائے مسلمین کو دوں اگرچہ نذر مسجد لازم نہ ہوئی یہ نذر تو یقیناً نذر صحیح ہے اس کے خوف سے مسجد کو دو ہزار دے گا تو یہ بھی کافی نہیں کہ یہ نذر معنیٰ میں قسم ہے، اگر مسجد کو روپیہ نہ دے تو اسے اختیار ہوگا کہ صرف قسم کا کفارہ دے دے اور بری الذمہ ہوگیا، درمختار میں ہے:

ان المعلق فیه تفصیل فان علقه	پھر نذر معلق میں تفصیل ہے اگر اس نے نذر کو

[1] ردالمحتار کتاب الایمان مطلب فی احکام النذر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۶۷

بشرط یریدہ کان قدم غائبی یوفی وجوبا ان وجد الشرط وان علقه بمالم یردہ کان زنیت بفلانة مثلاً فحنث وفی بنذرہ اوکفر لیمینه علی المذھب لانه نذر بظاھر ویمین بمعناہ فیخیر ضرورۃ[1]۔	ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جس کا وہ ارادہ رکھتا ہے مثلاً یوں کہے کہ اگر میرا غائب شخص آجائے (تو مجھ پر اتنا صدقہ لازم ہے) اس صورت میں اگر شرط پائی جائے تو نذر کو وجوبًا پورا کرے گا اور اگر ایسی شرط کے ساتھ نذر کو معلق کیا جس کا وہ ارادہ نہیں رکھتا مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے زنا کروں (تو مجھ پر صدقہ لازم ہے) پھر حانث ہوا تو چاہے تو نذر کو پورا کرے چاہے تو قسم کا کفارہ دے دے کیونکہ یہ ظاہرًا نذر اور معنًا یمین ہے لہٰذا اس کو ازراہ ضرورت اختیار دیا جائیگا۔ (ت)

اور اس کے بدلے یوں کہلوائیں کہ نہ دوں تو میرا مکان اور جائداد مسجد مذکور پر وقف ہے، تو یہ بھی بیکار ہے کہ وقف کسی شرط پر معلق نہیں ہوسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالحظر[2]۔	وقف قریب الھلاک شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا (ت)

ہاں باندی غلام ہوتے تو یہ بندش پوری تھی کہ بشرط ممبری مثلاً ایک ہفتہ کے اندر اتنا روپیہ اگر فلاں مسجد کو نہ دوں تو میرے سب غلام وکنیز آزاد ہیں مگر یہاں باندی غلام کہاں، اور ایسی قسم طلاق کی نہ کھانی جائز نہ کھلانی جائز، اور حدیث میں ارشاد ہوا:

ماحلف بالطلاق مومن وما استحلف به الامنافق[3]۔	طلاق کی قسم نہیں کھاتا مسلمان، نہ اس کی قسم لے مگر منافق۔

بالجملہ ایسی صورت کہ ممبری نہ ہونے پر روپیہ نہ دینا ہو اور ہونے پر مجبورًا دینا پڑے اور وہ مسجد ہی کا حق ہو کوئی نظر نہیں آتی سوا اس کے کہ طالب ممبری وہ روپیہ کسی امین کو دے دے اور اسے وکیل کردے کہ اگر ممبری ہوجائے تو یہ روپیہ فلاں مسجد میں دے دینا۔ اب اگر ممبری نہ ہو تو وکیل اسے روپیہ واپس دے اور ہوجائے تو فورًا وہ روپیہ متولی مسجد کو دے دے قبل اس کے کہ موکل اسے معزول کرسکے اس صورت میں جب وکیل وہ روپیہ مسجد کو دے چکے گا موکل کو اس کی واپسی کا کچھ اختیار

[1] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۴و۲۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

[3] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن انس حدیث ۴۶۳۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۸۹

نہ رہے گا فان الصدقة اذا تمت لزمت (اس لئے کہ صدقہ جب تام ہوجائے تو لازم ہوجاتا ہے۔ت) ہاں بعد ممبری وکیل ابھی روپیہ مسجد کو نہ دینے پایا کہ موکل نے منع کردیا اور اس ممانعت کی اطلاع وکیل کو ہوگئی تو وکالت سے معزول ہوجائے گا اور مسجد میں نہ دے سکے گا اور اگر اس نے منع کیا اور وکیل کو ابھی اطلاع نہ ہوئی اور روپیہ مسجد کو دے دیا تو دینا صحیح ہے اور مؤکل واپس نہیں کرسکتا لان الوکیل لاینعزل بالعزل مالم یعلمہ (کیونکہ وکیل معزول کردینے سے معزول نہیں ہوتا جب تک اسے علم نہ ہوجائے۔ت) لہٰذا بعد ممبری وکیل فورًا متولی کو دے دے یہ سب صورتیں شرعًا مجبور ہونے کے متعلق تھیں اور اگر اطمینان ہو تو عنداللہ وہ اتنے وعدہ ہی سے کہ ممبری ہوجائے تو اتنا روپیہ فلاں کو دوں گا دینے پر مجبور ہے کہ اللہ واحد قہار سے وعدہ کرکے پھرنا بہت سخت ہے اور اس پر شدید وعید، قال تعالٰی:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝" [1]. والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تو اس کے پیچھے اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک کہ اس سے ملیں گے بدلہ اس کا کہ انہوں نے اللہ تعالٰی سے وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ وہ جھوٹ بولتے تھے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۸: از شہر علیگڑھ مرسلہ محمد اسمٰعیل ومحمد یوسف سوداگران موتی مسجد ۱۰/رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ زمانہ سلف کی ایک مسجد جس کی کرسی اونچی ہے ایک محلّہ میں واقع ہے اس محلّہ میں متعدد آدمی نمازی ہیں اور وہ بھی ناداری کی وجہ سے مسجد کے کسی خرچ کے کفیل نہیں ہوسکتے ہیں، اس مسجد میں کنواں نہیں تھا کچھ عرصہ ہوا کہ ایک کنارے سے کنواں بنوایا گیا ہے جو زینہ سے اور صحن کے میل میں ہے رائے یہ ہوئی کہ اس کا زینہ کنویں کی طرف کردیا جائے اور زینہ کے نیچے ایک آدھ گز زمین فرش میں سے لے لی جائے اس آدھ گز زمین میں دیوار اٹھا کر بنوادی جائے اور بجائے زینہ کے دکانیں بنوادی جائیں جن کا کرایہ مسجد کے خرچ میں صرف کیا جائے آدھ گز زمین فرش میں سے لینے کے لئے دیوار کاٹی جارہی تھی کہ بجائے مٹی کے راکھ نکل پڑی اور اور یکایک جو حصہ صحن کا چھوڑا تھا وہ بھی آن پڑا اس طرح سے کل کرسی صحن مسجد کی آن پڑی صرف اندرونی مسجد باقی ہے، اب یہ رائے ہے کہ صحن مسجد

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

میں ایک صف کی جگہ ٹھوس کرادی جائے اور باقی صحن میں دکانات بنوادی جائیں اور ان دکانات کا کرایہ مسجد کے صرف میں لایا جائے اور ان دکانات کی چھت ہموار کرکے بیرون صف مسجد کے ساتھ جو ٹھوس ہوگی ملادی جائے۔ تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وجوہات مندرجہ بالا کے لحاظ سے جو دکانات کا تیار کرانا اور چھت کا ہموار کردینا اور بیرون صف سے ملادینا اس میں شرعًا تو کوئی امر مانع نہ ہوگا اور دکانات کی چھت جو ہموار ہو کر صحن مسجد ہو جائے گا اس میں نماز کی ادائیگی درست ہوگی اس کے متعلق جو اتفاق علماء کا ہو قطعی طور پر مفصل بتایا جائے اور شرعی مسئلہ کے موافق مشورہ موجودہ صورت میں تعمیر مسجد کا دیا جائے۔

الجواب:

جو زمین مسجد ہو چکی اس کے کسی حصہ کسی جز کا غیر مسجد کر دینا اور اگرچہ متعلقات مسجد ہی سے کوئی چیز ہو حرام قطعی ہے **قال اللہ تعالٰی** "وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔ت) پہلے جو ایک حصہ فرش کا زینہ میں شامل کرنا چاہا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام فرش گر گیا اب فرش مسجد کو دکانیں کرنا چاہتے ہیں، یہ حرام اور سخت حرام ہے، ان دکانوں میں بیٹھنا حرام ہوگا، ان سے کوئی چیز خریدنے کے لئے جانا حرام ہوگا، فنائے مسجد میں دکانیں کرنے کو تو علماء نے منع فرمایا نہ کہ **معاذاللہ** نفس مسجد میں۔ بزازیہ اور درمختار میں ہے:

لایجوز ان یتخذ شیئ منه مستغلا[2]۔	مسجد کے کسی حصہ کو کرایہ حاصل کرنے کے لئے مقرر کرنا جائز نہیں۔(ت)

مبسوط السرخسی اور عالمگیریہ میں ہے:

قیم یرید ان یبنی حوانیت فی فناء المسجد لایجوز ذٰلك لانه یسقط حرمة المسجد لانه فناء المسجد له حکم المسجد[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی متولی فنائے مسجد میں دکانیں بنانا چاہتا ہے تو اسے ایسا کرنا جائز نہیں اس لئے کہ یہ حرمت مسجد کو ساقط کردیتا ہے کیونکہ فنائے مسجد کا حکم وہی ہے جو خود مسجد کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۲۸۹: از سکندرہ راؤ ضلع علیگڈھ محلّہ نوخیل مرسلہ ایزدبخش ۱۳رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حدود جامع مسجد میں فرش مسجد سے ملحق ایک درجہ وضوخانہ کے نام سے جس کے بیرونی دروازہ عام راہ پر اور اندرونی در جن کے فرش مسجد پر نصب ہیں اور نالی واسطے خارج ہونے پانی وضو درمیان فرش مسجد وصحن ووضوخانہ مسقف تعمیر ہے جس میں وقت بارش ودھوپ نمازی وضو کرتے ہیں اب ان کے در جو جانب فرش مسجد ہیں بند کرکے ایک ہندو وکیل کو جو پیشہ وکالت کرتا ہے واسطے کرنے وکالت کرایہ پردے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام، بوجوہ حرام، اگرچہ مسلمان کو جائز کار دنیوی کے لئے کرایہ پر دیتے۔

عالمگیری میں ہے: **لایجوز تغییر الوقف عن هیأته**[1] (وقف کو اس کی ہیئت سے تبدیل کرنا جائز نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از پدارس پور ضلع بریلی ڈاکخانہ صدر کمپ مرسلہ سنوخاں ۲۲رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کالے خاں اس کی اینٹ تخمیناً قریب چار ہزار کے تھیں اس کو ایک ڈگری دار نے قرق کرایا اور بجائے چار ہزار کے ڈھائی ہزار کا تخمینہ کیا گیااور ان اینٹوں کو بضرورت مسجد نیلام میں خرید کیں اور خرید بنام سنوخاں کے لیں بعد خرید نیلام کے جب اس کا شمار کیا گیا تو چار ہزار ہوئیں اور آپس میں یہ مشورہ ہوگیا کہ اس کے اوپر کوئی دام نہ بڑھائے یہ واسطے مسجد کے خرید کی جائیں تواب مسجد میں ڈھائی ہزار دینا چاہئے یا کل دی جائیں اور اگر ڈھائی ہزار دی گئیں مسجد میں تو باقی ڈیڑھ ہزار تخمیناً بچیں تو اس کا مالک کالے خاں ہے یا مسجد کی ہوئیں؟

الجواب:

جو باقی بچیں ان کامالک تو یقینا کالے خاں ہے اس کو دی جائیں، اور سائل نے بیان کیا کہ یہ نیلام ڈگری دار نے کرایا اور اس کا مطالبہ پورا بھی نہ ہوا نہ کہ کچھ بچتا اور کالے خان کو دیا جاتا اور وہ لیتا تو وہ ڈھائی ہزار بھی مسجد میں صرف کرنی جائز نہیں، ہاں اگر کالے خاں بخوشی مسجد کو ہبہ کردے تو جائز ہے چاہے یہ ڈیڑھ ہزار بھی ہبہ کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

مسئلہ ۲۹۱: از مقام فتح گڈھ ضلع فرخ آباد مرسلہ حسین خاں گھڑی ساز سابق متولی مسجد گولا ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد جس کے متعلق کچھ دکانات ہیں مگر بوجہ ناکارہ حالت میں ہونے کے آمدنی ضروریات مسجد کے لئے کافی نہ تھی اس لئے ایک شخص اس نیت سے مدت مدید تک جدوجہد کرتا رہا کہ دکانات اچھی حالت میں ہوجائیں تو بصورت اضافہ آمدنی مسجد اپنے اخراجات کی خود کفالت کرسکے اس کی سعی وحسن نیت سے یہ نتیجہ ہوا کہ مسجد کی آمدنی بجائے چار پانچ ۱۶/ روپیہ ماہانہ ہوگئی اور جملہ اخراجات مثل شکست وریخت و تنخواہ پیش امام نیز بماہ صیام انتظام روزہ کشائی جو ۴/ روزانہ کے حساب سے رہا ختم کلام اللہ پر تقسیم شیرینی وروشنی عرصہ دس بارہ سال سے برابر عمل میں آتی رہی لیکن چند سال سے بعض علماء جو ایک ہی دارالعلم کے سرچشمہ سے سیراب ہیں اور ایک مدرسے سے تعلق رکھنے کے باعث رونق افروز بمقام ہذا ہیں اور اس مسجد سے اس وجہ سے واسطے رکھتے ہیں کہ کچھ رقم پیش امام کے نام سے مدرسہ کے لئے بطور امداد لی جاتی ہے اور فرائض امامت مدرسہ ہی کے کوئی نہ کوئی مولوی صاحب ہی ادا کرتے رہتے ہیں یہ حضرات آمدنی مسجد سے روزہ کشائی کرانا اور ختم قرآن پر تقسیم شیرینی وروشنی وغیرہ کرنا ناجائز بتاتے ہیں چنانچہ گذشتہ چوتھے سال ختم قرآن مجید پر حسب طریق قدیم جب تقسیم شیرینی عمل میں نہ آئی جس کی بندش کی صورت ایسے طریقے پر کی گئی تھی جو شان عالم کے خلاف کیا بلکہ ایک دنیادار کے واسطے بھی موجب شرم تھی تو اہل اسلام میں اختلاف رونما ہو کر ایک فتنہ برپا ہونے کا احتمال ہوا، اگر مولوی صاحب علیحدہ نہ کردئے جاتے تو یقینا تباہ کن نتائج مرتب ہوتے امسال دوسرے مولوی صاحب نے آمدنی مسجد سے روزہ کشائی ناجائز قرار دے کر مغرب کے وقت مسجد کی رونق جو بوجہ کثرت نمازیاں ہوجایا کرتی تھی، اس میں اس قدر کمی پیدا کردی جو گزشتہ سال کی تعداد چالیس وپچاس کے بجائے آج کل دس بارہ ہوتی ہے کیونکہ ایک دو روز تک پابند صوم نمک کی ڈلی وپانی سے روزہ کشائی کرتے رہے بعدہ دیگر مسجد میں جہاں یہ اہتمام ہوتا ہے مکدر خاطر ہو کر چلے گئے، پس کیا امورات مرقومہ بالا آمدنی مسجد سے تکمیل کو پہنچانے جائز ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

ایضاً

مسئلہ ۲۹۲: از فتح گڈھ کمپ ضلع فرخ آباد محلّہ منگت مرسلہ محمد ایوب ومحمد یعقوب سوداگران پنجابی ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کا مال موقوفہ یعنی دکانیں جن کی آمدنی مسجد کے

اخراجات کو کافی نہیں ہو سکتی تھی لہٰذا اخراجات کے پورا کرنے کے واسطے مسلمان شہر سے چندہ وصول کرکے ایک شخص کی زیر نگرانی عمارت جدید بنائے سابقہ پر تیار ہوئی بفضلہٖ تعالٰی ان کی آمدنی اخراجات مسجد کو کافی ہوتے ہوئے قدرے پس انداز ہوتا رہا بایں سبب بعض جاہل اور ناخواندہ مہتمموں نے رمضان المبارک میں ختم قرآن پاک شیرینی اور افطاری کا سامان اسی میں سے کیا اب اس مسجد کی تولیت اور اہتمام کا کام ایسے لوگوں کے سپرد ہوا جوان سے ذی علم ہیں چنانچہ ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان اپنے پاس سے کیا اور کررہے ہیں، ان کا یہ خیال ہے کہ اس رقم کو جو پس انداز ہوتی رہی ہے اس کو زمین افتادہ موقوفہ زیر مسجد میں ایک مدرسہ تعمیر کرایا جائے اور اس آمدنی کو اس میں صرف کیا جائے چنانچہ آج کل میں تعمیر شروع ہونے والی ہے امسال بوجہ اغوائے شیطانی وہ شخص جس کے زیر نگرانی کچھ عرصہ تک یہ مسجد رہ چکی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ میری نگرانی کے زمانے میں توسیع آمدنی ہوئی ہے، لہٰذا مجھے حق حاصل ہے کہ ختم قرآن مجید کی شیرینی اور افطاری کا سامان اسی سے کروں، یہاں کی افطاری کی یہ صورت ہے کہ مختلف قسم کی مٹھائی اور مختلف قسم کی اشیاء نمکین جن کی تعداد دس بارہ سے کم نہیں ہوتی اس میں شرکت کرنے والے نصف روزہ دار اور نصف بے روزہ، روزہ داروں میں فیصدی چھہتّر مرفہ الحال تو پچیس غریب اس صورت میں ختم قرآن پاک کی شیرینی اور افطاری کا سامان مال موقوفہ سے اس صورت خاص میں بایں ہیئت کذائی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور متولیان اور مہتممان سابق بعد علیحدہ ہوجانے تولیت اور اہتمام کے مال موقوفہ میں مجاز ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

دارالافتاء میں یہ سوال فریقین کی طرف سے آیا فریق اجازت خواہ ان مصارف کا آمدنی اوقاف مسجد سے ہونا ایک جگہ دس بارہ سال سے کہتا ہے دوسری جگہ طریق قدیم اور فریق منع طلب اسے محض احداث جدید اور فعل جہال کہتا ہے اور اس کے بدلے زمین موقوفہ مسجد میں مدرسہ بناکر فاضل آمدنی مسجد اس میں صرف کرنا چاہتا ہے، یہاں حکم شرعی یہ ہے کہ اوقاف میں پہلی نظر شرط واقف پر ہے یہ زمین ودکانیں اس نے جس غرض کے لئے مسجد پر وقف کی ہوں ان میں صرف کیا جائے گا اگرچہ وہ افطاری وشیرینی وروشنی ختم ہو اور اس کے سوا دوسری غرض میں اس کا صرف کرنا حرام حرام سخت حرام اگرچہ وہ بناء مدرسہ دینیہ ہو فان شرط الواقف کنص الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] (واقف کی شرط ایسے ہی واجب العمل ہے جیسے شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص۔ت) حتی کہ اگر اس نے

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

صرف تعمیر مسجد کے لئے وقف کی تو مرمت شکست و ریخت کے سوا مسجد کے لوٹے چٹائی میں بھی صرف نہیں کر سکتے افطاری وغیرہ درکنار، اور اگر مسجد کے مصارف رائجہ فی المساجد کے لئے وقف ہے تو بقدر معہود وشیرینی وروشنی ختم میں صرف جائز افطاری ومدرسہ میں ناجائز۔ نہ اسے تنخواہ مدرسین وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں کہ یہ اشیاء مصارف مسجد سے نہیں **ولا یجوز احداث مرتبۃ فی الواقف فضلا عن الاجنبی البحت** (جب خود واقف کے لئے کسی نئی چیز کا احداث وقف میں جائز نہیں تو محض اجنبی شخص کیلئے کیسے ہو سکتا ہے۔ ت) اور اگر اس نے ان چیزوں کی بھی صراحۃً اجازت شرائط وقف میں رکھی یا مصارف خیر کی تعمیم کردی یا یوں کہا کہ دیگر مصارف خیر حسب صوابدید متولی، تو ان میں بھی مطلقاً یا حسب صوابدید متولی صرف ہو سکے گا۔ غرض ہر طرح اس کے شرائط کا اتباع کیا جائے گا اور اگر شرائط معلوم نہیں تو اس کے متولیوں کا قدیم سے جو عملدرآمد رہا اس پر نظر ہوگی اگر ہمیشہ سے افطاری وشیرینی وروشنی ختم کل یا بعض میں صرف ہوتا رہا اس میں اب بھی ہوگا ورنہ اصلاً نہیں اور احداث مدرسہ بالکل ناجائز۔ فتاوٰی خیریہ وغیرہ معتمدات میں ہے:

ان کان للوقف کتاب فی دیوان القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع مافیہ استحسانا، والاینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان من ان قوامہ کیف کانوا یعملون[1] (ملخصًا)	اگر خود وقف کے لئے کوئی تحریر دیوان القضاۃ میں موجود ہے تو متولیوں کو اس کے مندرجات کے مطابق عمل کرنا مستحسن ہے ورنہ قدیم سے حال وقف میں متولیوں کا جو عملدرآمد چلا آرہا ہے اس پر نظر ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

قدیم سے ہونے کے یہ معنی کہ اس کا حدوث معلوم نہ ہو اور اگر معلوم ہے کہ یہ بلا شرط بعد کو حادث ہوا تو قدیم نہیں اگرچہ سو برس سے ہو اگرچہ نہ معلوم ہو کہ کب سے ہے، یہاں بحال عدم علم شرائط واقف زمین دکانیں اگر صورت حسب بیان فریق دوم ہے کہ چند سال سے بعض بے علموں نے افطاری وشیرینی وروشنی کا احداث کیا جسے حسب بیان فریق اول دس بارہ برس ہوئے تو ناجائز ہے اور مدرسہ بنانا اور اس میں صرف کرنا بھی حرام اور اگر بیان فریق اول کے یہ معنی کہ قدیم سے یہ مصارف ہوتے آئے بیچ میں بوقت قلّت آمدنی قطع ہوگئے تھے کہ بعد اضافہ دس بارہ سال سے پھر جاری ہوئے اور واقع اس کے مطابق ہو تو بلاشبہ اس سے افطاری وروشنی وشیرینی ختم جائز ہیں

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

اور افطاری میں غیر روزہ دار اگر روزہ دار بن کر شریک ہوتے ہیں متولیوں پر الزام نہیں۔ بہتیرے غنی فقیر بن کر بھیک مانگتے اور زکوٰۃ لیتے ہیں دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ ظاہر پر حکم ہے اور لینے والے کو حرام قطعی ہے یونہی یہاں ان غیر روزہ داروں کو اس کا کھانا حرام ہے۔ وقف کا مال مثل مال یتیم ہے جسے ناحق کھانے پر فرمایا:

" اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ " [1]	اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔

ہاں متولی دانستہ غیر روزہ دار کو شریک کریں تو وہ بھی عاصی و مجرم وخائن و مستحق عزل ہیں۔ رہا اکثر یا کل مرفہ الحال ہونا اس میں کوئی حرج نہیں۔ افطاری مطلق روزہ دار کے لئے ہے اگرچہ غنی ہو جیسے سقایہ مسجد کا پانی ہر نمازی کے غسل و وضو کو ہے اگرچہ بادشاہ ہو۔ انتظامات متولیوں کے ہاتھ سے ہوں گے جبکہ وہ صالح ہوں۔ متولی معزول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳: از شہر جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مرسلہ ملک محمد امین صاحب ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بازاری عورت مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے چٹائی وغیرہ اور روزہ افطار کرنے کے لئے دودھ وغیرہ بھیجے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر وہ کہے کہ قرض لے کر اس سے یہ چٹائی یا افطاری خریدی ہے جب تو اصلاً جائے سخن نہیں **کما افادہ فی العالمگیریۃ من الحظر** (جیسا کہ عالمگیریہ کے **باب الحظر والاباحۃ** میں اس کا افادہ فرمایا۔ت) ورنہ زر حرام کے عوض خریدی ہوئی چیز میں خباثت جب آتی ہے کہ عقد و نقد دونوں زر حرام پر جمع ہوں کہ حرام روپیہ دکھا کر کہے اس کے عوض دے دے پھر قیمت میں وہی زر حرام دے، ایسا بہت کم ہوتا ہے، تو عام خریداریوں میں خبث آنا معلوم نہیں تو منع حکم نہیں۔ سیدنا امام محمد فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ [2]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

حکم یہ ہے پھر بھی ان کے یہاں کے کھانے اور افطاری سے بچنا انسب کے باعث طعن وفتح باب غیبت ہے نیز نظر عوام میں ان کے حرام کی خفت، اور یہ وجہ چٹائی وغیرہ کو بھی شامل، مگر جہاں بذریعہ حلال مثل قرض وغیرہ ہونا بتادیا جائے یا عرفاً معہود ہو جیسے بناء مسجد میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۴تا۲۹۶: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے مسجد کے خرچ کے لئے لکڑی اینٹ وغیرہ دی ہے اور کام کے وقت کوئی شیئ صرف میں نہیں آتی رکھے رکھے سے احتمال خراب ہوجانے کا ہے، ایسی صورت میں جس شخص نے کہ وہ شے دی تھی واپس لے سکتا ہے یانہیں اور یا وہ شیئ فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد کے صرف میں ہوسکتی ہے یانہیں؟

(۲) مسجد کا مال جو فضول وبیکار جان کر فروخت کیا جائے، مسلمانوں کو خرید کرنا لازم ہے یانہیں؟ زید کا خیال ہے کہ مسجد کا کوئی مال خفیف ہو یا زیادہ اس کو قیمت یا بلا قیمت کسی صورت سے لینا نہیں چاہئے۔

(۳) مسجد کا روپیہ بمدامانت بغرض تعمیر وغیرہ کسی شخص کے پاس جمع ہو تو وقت ضرورت وہ شخص اپنے خرچ میں بطریق قرض لاسکتا ہے یانہیں اگر خرچ کرلیا ہو اور پھر دے دیا ہو تو اس کو اب کیا کرنا چاہئے یعنی وہ قصوروار ہوا یانہیں؟

الجواب:

(۱) وہ شخص واپس نہیں لے سکتا جبکہ مسجد کے لئے مہتممان مسجد کو سپرد کرچکا ہو بلکہ وہ اشیاء حاجت مسجد کے لئے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں دقت ہو تو بیچ کر قیمت خاص تعمیر ومرمت مسجد کے لئے محفوظ رکھیں۔ تیل، بتی، لوٹے، چٹائی میں اسے صرف نہیں کرسکتا۔ اسعاف پھر بحر الرائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوان قومابنوامسجدا وفضل من خشبھم شیئ قالوا یصرف الفاضل فی بناءہ ولایصرف الی الدھن و الحصیر ھذا اذا اسلموا الی المتولی لیبنی بہ المسجد والایکون الفاضل لھم یصنعون بہ ماشاؤا۔[1]	اگر ایک قوم نے مسجد بنائی اور اس کی لکڑیوں میں سے کچھ بچ گئیں۔ مشائخ فرماتے ہیں ان کو مسجد کی تعمیر میں ہی صرف کیا جائے گا، مسجد کے لئے تیل اور چٹائی میں صرف نہیں کرسکتے، یہ اس وقت ہے جب انہوں نے متولی کے سپرد کردیا ہو کہ وہ اس سے مسجد بنوائے اگر سپرد نہیں کیا تو وہ انہی کا ہے جو چاہیں اس کے ساتھ کریں۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۴

(۲) مسجد کا مال کہ مسجد کے کام کا نہ رہا ہو اور مہتممان مسجد جن کو اس کے بیچنے کی شرعًا اجازت ہے مسجد کے لئے بیچیں اس کا خریدنا ہر مسلمان کو جائز ہے،

فان اجازۃ البیع اجازۃ الشراء اذ لایتحقق البیع الابالشراء۔	اس لئے کہ اجازت بیع اجازت شراء ہے کیونکہ شراء کے بغیر بیع متحقق نہیں ہو سکتی(ت)

ہاں اسے بے تعظیمی کی جگہ نہ لگائے۔

(۳) مسجد خواہ غیر مسجد کسی کی امانت اپنے صرف میں لانا اگرچہ قرض سمجھ کر ہو حرام وخیانت ہے توبہ واستغفار فرض ہے اور تاوان لازم پھر دے دینے سے تاوان ادا ہو گیا، وہ گناہ نہ مٹا جب تک توبہ نہ کرے۔**واﷲتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از جے پور مسئولہ محمد ہدایت علی خاں سید عبدالوکیل سید معشوق حسین صاحبان سکنائے شہر جے پور ۲۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو دکانیں لب سڑک بازار میں خرید کیں، دونوں کی درمیانی دیوار توڑ کر ایک کر لیا ان میں ایک منبر، ایک سقایہ بھی بنایا، ایک شخص مؤذن مقرر کر دیا وہی امامت بھی کرتا رہا، سات برس سے زیادہ عرصہ تک پنجگانہ نماز باجماعت اذان واقامت سے ہوتی رہی، نمازیوں کی کثرت اور جگہ کی قلّت کے باعث زید نے پھر ان دکانوں کی پشت پر ایک اور زمین خرید کر کے اونچی کرسی کی جامع مسجد بنوائی اور ان دکانوں میں سے جامع مسجد میں جانے کے لئے زینہ نکالا، اس کے بعد راج سے حکم ہوا کہ ان دکانوں میں نماز نہ ہوا کرے اور ان دکانوں میں ہو کر زینہ نہ رہے جو زینہ پہلے سے بنا ہوا ہے اس میں سے بدستور راستہ مسجد کا رہے، اور دکانیں جیسی تھیں ویسی ہی تجارت کے کام کی کر دی جائیں، جو شخص مؤذن وامام تھا وہ شہادت دیتا ہے کہ میں نے سات برس سے زیادہ عرصہ تک نماز باجماعت واقامت پڑھائی، پچیس تیس آدمی شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے ان دونوں دکانوں میں مسجد سمجھ کر نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد مشہور تھی اور سات آٹھ آدمی یہ شہادت دیتے ہیں کہ زید نے اپنی حیات میں ہم سے ان دکانات کا وقف ہونا ظاہر کیا تھا اور راج کے کاغذات نقشہ آبادی شہر اور خسرہ میں بھی مسجد درج ہے اور دونوں دکانوں کی یکجائی پیمائش ایک نمبر درج ہے، پس ان حالات میں یہ دکانیں زید کی ملک قرار پائیں گی یا بوجہ مسجد ہونے کے وقف متعلقہ مسجد قرار دی جائیں گی؟**بینوا توجروا**

الجواب:

حاش ﷲ(اللہ تعالٰی کی پناہ) نہ وہ زید یا کسی مخلوق کی ملک نہ وہ وقف متعلق مسجد بلکہ خود

مسجد ہیں۔

اولاً: پچیس تیس شہادتوں سے ثابت کہ وہ مسجد مشہور تھی اور وقف شہرت سے ثابت ہو جاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

تقبل فیه(ای فی الوقف)الشھادة بالشھرة لاثبات اصله[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی بنیاد پر دی گئی شہادت مقبول ہے(ت)

عامہ مساجد واوقاف کو مسجد ووقف ماننے کا ذریعہ یہی شہرت ہے اگر یہ کافی نہ ہو وہ سب باطل ہو جائیں، جامع الفصولین میں ہے:

تقبل فی الوقف الشھادة بسماع ولو صرحا به اذ الشاھد ربما یکون سنه عشرین سنة وتاریخ الوقف مائة سنة[2]۔	وقف میں سمعی شہادت مقبول ہے اگرچہ دونوں گواہوں نے اس کی صراحت کردی ہو (کہ وہ شہادت بالسمع دے رہے ہیں) بسااوقات گواہ بیس سال کا ہوتا ہے اور تاریخ وقف سو سال پرانی ہوتی ہے۔(ت)

سات آٹھ شہادتیں واقف کے اقرار وقف کی ہیں اور دربارہ وقف یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اسے وقف کیا اور یہ شہادت کہ ہمارے سامنے زید نے اس کے وقف کا اقرار کیا دونوں یکساں ہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

شھدا انه اقر انه وقف جمیع حصته وقفا یصیر جمیع حصته وقفا[3]۔	گواہی دی گئی کہ واقف نے اپنا تمام حصہ وقف کرنے کا اقرار کیا ہے تو اس کا تمام حصہ وقف ہو جائے گا۔(ت)

اسی طرح ذخیرہ وظہیریہ وہندیہ وغیرہا میں ہے، اور سالہاسال تک اس میں منبر ومؤذن وامام وجماعت پنجگانہ جہت وقف یعنی مسجدیت کی تعیین کرتی ہے، بحرالرائق میں ہے:

بنی فی فنائه فی الرستاق دکانا لاجل الصلوٰة یصلون فیه بجماعة	متولی مسجد نے فنائے مسجد کی جانب میں نماز کیلئے ایک دکان بنائی لوگ اس میں ہمیشہ باجماعت

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۸

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثالث عشر فی دعوی الوقف الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

کل وقت فله حکم المسجد [1]۔	نماز پڑھتے ہیں تو وہ دکان حکم مسجد میں ہوگی (ت)

ثانیاً راج کے سمجھنے کو اس کے کاغذات میں مسجد درج ہونا ہی بس ہے۔ شرح الاشباہ محقق ہبۃ اللہ البعلی میں ہے:

لو وجد فی الدفاتران المکان الفلانی وقف علی المدرسة الفلانیة مثلا یعمل به من غیر بینة و بذٰلك یفتی مشایخ الاسلامی کما ھو مصرح به فی بهجة عبداللّٰه افندی وغیرہا فلیحفظ [2]۔	اگر رجسٹروں میں مندرج ہے کہ فلاں مکان فلاں مدرسہ پر وقف ہے تو گواہوں کے بغیر اس پر عمل کیا جائے گا، اسی پر مشائخ اسلام نے فتوی دیا جیسا کہ عبداللہ آفندی کی بہجہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے، اس کو محفوظ کرلینا چاہئے۔ (ت)

اس پر وارثان زید خواہ کسی کو کوئی دعوی نہیں پہنچتا اور اسے دوبارہ دکان تجارت کردینا حرام حرام سخت حرام، اور مذہب اسلام میں دست اندازی ہے جسے راج وغیرہ کوئی روانہ رکھے گا۔ اس میں کسی کار دنیا کے لئے بیٹھنا یا اس کا کرایہ لینا دینا یا اس میں کوئی چیز بیچنا خریدنا یا بیچنے خریدنے کے لئے اس میں جانا سب حرام قطعی ہے۔ درمختار میں ہے:

لایجوز اخذ الاجرة منه ولاان یجعل شیئا منه مستغلا ولاسکنی، بزازیة [3]۔	اس سے اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ مسجد کا کوئی حصہ کرایہ یا رہائش کے لئے مقرر کیا جائے۔ بزازیہ (ت)

اسی میں ہے:

یحرم فیه السوال ویکرہ کل عقد الالمعتکف بشرطه والکلام المباح وقیدہ فی الظهیریة بان یجلس لاجله [4]۔	حرام ہے مسجد میں سوال کرنا، اور مکروہ ہے مسجد میں ہر عقد، مگر معتکف کو اس کی مشروط اجازت ہے۔ مسجد میں مباح کلام مکروہ ہے، اور ظہیریہ میں یہ قید لگائی کہ مسجد میں بیٹھا ہی کلام مباح کیلئے ہو تب مکروہ ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۰

[2] شرح الاشباہ للمحقق ہبۃ اللہ البعلی

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[4] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳ و ۹۴

ردالمحتار میں ہے:

قولہ کل عقد الظاہر ان المرادبہ عقد مبادلۃ.قولہ بشرطہ وھوان لایکون للتجارۃ[1]۔	ماتن کے قول "کل عقد" سے بظاہر مراد عقد مبادلہ ہے اور قول ماتن "بشرطہ" میں شرط سے مراد یہ ہے کہ معتکف کا عقد بیع وشراء بغرض تجارت نہ ہو(ت)

خود بانی نے کہ جامع مسجد بناکر اس مسجد کے ایک حصہ زمین میں اس کا زینہ بنایا یہ بھی ناجائز ہے کہ مسجد بعد تمامی مسجدیت کسی تبدیل کی متحمل نہیں۔واجب ہے کہ اسے بھی زائل کرکے اسے خاص مسجد ہی رکھیں۔درمختار میں ہے:

امالوتمت المسجدیۃ ثم ارادالبناء منع ولو قال عنیت ذٰلك لایصدق تاتارخانیۃ.فاذاکان ھذافی الواقف فکیف بغیرہ فیجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد[2]۔	لیکن مسجدیت تام ہوگئی اب واقف اس پر (حجرہ امام) تعمیر کرنا چاہتا ہے تو اس کو روکا جائیگا،اگر وہ کہے کہ شروع سے میری نیت ایسا کرنے کی تھی تو اس کی تصدیق نہیں کی جائیگی تاتارخانیہ،جب خود واقف کا یہ حکم ہے تو غیر واقف کو اسکی اجازت کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا ایسے مکان کو گرانا واجب ہے اگرچہ فقط دیوار مسجد پر ہو۔(ت)

مسلمانوں پر اسے باقی رکھنا اور تاحد قدرت ہر جائز طریقہ سے اسے مسجد رہنے میں پوری کوشش کرنا فرض قطعی ہے جو اس میں کوتاہی کرے گا سخت عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ "[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا:اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں ذکر الٰہی ہونے سے،اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے،انہیں روانہ تھا کہ ان میں جاتے مگر ڈرتے ہوئے،ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب۔والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۲۹۸: از شہر الہ آباد زیر مسجد جامع چوک مرسلہ مرزا واحد علی خوشبو ساز ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد شاہی زمانہ کی بنی ہوئی تھی اس کے متعلق خام دکانیں بھی تھیں جن کے کرایہ کی آمدنی تیس چالیس روپے ماہوار تھی وہ آمدنی متولی سابق جو کہ اس مسجد میں امامت بھی کرتے تھے ان کے خرچ میں اور موذن و تیل بتی و پانی و ختم تراویح کی مٹھائی وغیرہ مصالح مسجد میں صرف ہوتی تھی چونکہ مسجد اور اس کی دکانیں بہت بوسیدہ ہوگئی تھیں، لہٰذا ایک صاحب نے بمشورہ اہالیان مسجد اپنے ذاتی روپے سے دکانیں پختہ کرائیں جس سے کرایہ قریب ڈیڑھ سو کے ہوگیا، اسی کرایہ سے وہ صاحب قسط وار اپنا روپیہ بھی وصول کرتے رہے اور مسجد بھی چندہ سے از سر نو تعمیر کرائی گئی اور انتظام مسجد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی اور متولی سابق علیحدہ کئے گئے جن لوگوں کی کوشش سے دکانیں پختہ کرائی گئیں ان لوگوں میں نمازی مسجد اور اہل محلّہ بھی شریک ہیں ان سب کے اور ممبران کمیٹی کے مشورہ سے یہ بات طے پائی کہ وہ اخراجات جو سابق میں مسجد کی آمدنی سے ہوتے تھے بدستور قائم رہیں، اس کے علاوہ کچھ افطاری رمضان شریف میں نمازیوں کے واسطے بھی دی جائے، دس بارہ برس ہوئے کہ اس پہ عملدرآمد چلا آرہا ہے، زید کہتا ہے کہ جو اخراجات مصالح مسجد میں شامل ہیں وہ قائم رہنا چاہئے اور جو اخراجات مصالح مسجد میں نہیں ہیں، مثلاً شیرینی ختم تراویح افطاری رمضان شریف وہ جائز نہیں ہیں بند ہونا چاہئے۔ بکر کہتا ہے کہ جن اوقاف کا وقف نامہ موجود نہ ہو اور وقف کے شرائط معلوم نہ ہوں جیسے صورت مسئولہ میں، تو اس میں عملدرآمد سابق پر کاربند ہونا چاہئے، چونکہ شیرینی ختم قرآن شریف کی ہمیشہ متولیان سابق کے زمانے میں برابر آتی رہی لہٰذا اب بھی ویسا ہی آنا چاہئے اور بے تکلف جائز ہے، باقی رہا افطاری جو دس بارہ برس سے ممبران کمیٹی جو تمام مسلمانوں کی طرف سے قائم ہے ان کی تجویز سے آنے لگی ہے گو کہ یہ ایک امر جدید ہے لیکن اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں ہوتا کیونکہ جیسے بانی اول کو اوقاف کے اخراجات کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں ویسے ہی بانیان ثانی کہ جس میں نمازی مسجد و اہل محلّہ روپیہ خرچ کرنے والے سب شریک ہیں اور انہوں نے کوشش کرکے آمدنی بڑھائی اور مسجد از سر نو بنوائی تو اس کو بھی اپنی بڑھائی ہوئی آمدنی میں ضرور اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ہونا چاہئے کیونکہ اہل محلّہ و نمازیوں کے تصرفات بہت وسیع ہیں اور کمیٹی انہیں کی طرف سے قائم ہے تو کمیٹی کا فعل عین ان کا فعل ہے غرض اخراجات کے بڑھانے کا اختیار ثانی کو بھی ہونا چاہئے بالخصوص ایسے موقع میں کہ باوجود ان سب اخراجات بالا کے پھر بھی آمدنی مسجد میں بچت ہوتی ہے، پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا بکر کا؟

الجواب: جہاں شرط واقف معلوم نہ ہو عملدرآمد قدیم کا اعتبار ہے۔ خیریہ میں ہے:

ینظر الی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان ان قوامه کیف کانوا یعملون[1]۔	دیکھا جائے گا کہ قدیم سے متولیوں کا عملدرآمد اس وقف کے بارے میں کیا چلا آرہا ہے (ت)

"قدیم" کے یہ معنی "جس کا حادث ہونا معلوم نہ ہو"۔ دس بارہ برس یا سود وسو برس سے جو بات بعد واقف بے شرط واقف حادث ہوئی حادث ہی ہے، اس پر عمل ناجائز ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری[2]۔	وقف کو بغیر کسی زیادتی کے سابقہ حالت پر باقی رکھنا واجب ہے۔ (ت)

شیرینی قدیم اگر اسی معنی پر قدیم ہے کہ اس کا حادث ہونا معلوم نہیں، وہ اب بھی دی جائے گی اور افطاری کہ دس بارہ برس سے نوایجاد ہے نہ ہوسکے گی۔ مسجد از سر نو بنوانے والوں کو تو دکانات وقف سے کچھ تعلق نہیں کہ ان کو اس میں اختیار ہو، اور دکانیں پختہ کرنا اسی وقف کی پختگی ہے نہ کہ وقف جدید خصوصاً جبکہ وہ اپنا لگایا ہوا روپیہ وصول بھی کررہا ہے تو قرض دینے والا ہے نہ کہ واقف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹: از احمد آباد مرسلہ حکیم مولوی عبدالرحیم صاحب ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم نے چندہ کرکے ہزار دو ہزار روپیہ جمع کئے ہیں اب اس کے بعد تدبیر یہ کی کہ اس مال سے کپڑا سفید خریدتے ہیں اور اس کو ادھار نفع چڑھا کر بیچتے ہیں اور اس سے جو نفع پیدا ہوتا ہے اس کو بھی جمع کرتے جاتے ہیں اور مقصدان حضرات کا یہ ہے کہ یہ رقم چار پانچ ہزار روپیہ کی جمع ہوجائے اس سے مکان قریب مسجد کے خریدنا ہے اور مسجد کو بڑھانا ہے، اب اس مسجد کے چندہ سے اس قسم کی تجارت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ وہ روپیہ انہوں نے متولیان مسجد کو ابھی سپرد نہ کیا تو ان کی ملک ہے، اس میں تصرف جائز کا انہیں اختیار ہے قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا، یہ باہمی تراضی بائع ومشتری پر ہے،

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۶

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

قال تعالٰی " اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ تمہارے درمیان باہمی رضا مندی سے تجارت ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۰: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی فاروقی ۲۴صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس مسجد میں درخت بہی بیلا، گلاب وغیرہ ہو اور بوجہ تعمیر ہونے حجرہ وغسل خانہ کے ان درختوں کو کاٹا جائے تو کوئی شخص ان درختوں کو کھود کر اپنے مکان میں لگا سکتا ہے یانہیں؟ دوسرے یہ کہ پیال یا لرسی موسم سرما میں جو مسجدوں میں ڈالی جائے اور بعد گزر جانے موسم سرما کے اس کو نکال کر پھینک دیتے ہیں تو جو شخص اس پیال یالرسی یا چٹائی کہنہ قابل پھینک دینے کے ہو اس کو اپنے صرف میں مثل پانی گرم کرنے کے لاسکتا ہے یانہیں؟ یہ کہ منڈیر یا فصیل مسجد جس پر وضو کرتے ہیں یا اذان دیتے ہیں وہ مسجد کے حکم میں داخل ہے، کیا مثل مسجد کے بات وغیرہ کرنے کی وہاں بھی ممانعت ہوگی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ان درختوں کو مسجد سے واجبی ومناسب قیمت پر مول لے کر لگا سکتا ہے۔ پیال یا چٹائی بیکار شدہ کہ پھینک دی جائے لے کر صرف کرسکتا ہے۔ فصیل مسجد بعض باتوں میں حکم مسجد میں ہے معتکف بلاضرورت اس پر جاسکتا ہے اس پر تھوکنے یا ناک صاف کرنے یا نجاست ڈالنے کی اجازت نہیں، بیہودہ باتیں، قہقہے سے ہنسا وہاں بھی نہ چاہئے اور بعض باتوں میں حکم مسجد نہیں اس پر اذان دیں گے اس پر بیٹھ وضو کرسکتے ہیں جب تک مسجد میں جگہ باقی ہو اس پر نماز فرض میں مسجد کا ثواب نہیں، دنیا کی جائز قلیل بات جس میں چپقلش ہو نہ کسی نمازی یا ذاکر کی ایذا اس میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۱: ۲۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد نیاریاں شکستہ ہے چھت اس کی بالکل خارج ہے اور کڑیاں ٹوٹ گئی ہیں اور بعض بعض خمیدہ ہوگئی ہیں، منارے جھری دے گئے ہیں، لہٰذا ہم اہل محلہ یہ بات چاہتے ہیں کہ از سرنو تعمیر کریں۔ اراضی مسجد کی افتادہ اتر وپچھم کی بڑھانا منظور ہے۔ چنانچہ کچھ روپیہ جمع ہے اور باقی جو روپیہ زائد صرف ہوگا چندہ جمع کرکے انجام دیں گے اس واسطے کہ موسم بارش میں نمازیوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے موجودہ بنیاد کو نکال کر دوسری بنیاد قائم کریں۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب

مسجد کی مرمت واجب ہے، بارش کی تکلیف کہ چھت ٹپکنے سے سائل نے بتائی اس سے دفع ہو جائے گی، اس قدر کے لئے اگر موجودہ روپیہ کافی نہ ہو چندہ کریں باقی اصل مسجد کی بنیادیں نکال کر شمال و مغرب کی زمین متعلق مسجد میں مسجد بڑھانے کے لیے جدید بنیادیں قائم کرنا اگر اس توسیع کی مسجد کو صحیح ضرورت ہے کریں ورنہ بے ضرورت بڑھانا اور مسلمانوں پر چندہ کا بار بلاوجہ بہت بڑھا دینا کس لئے! ہر مسجد میں جمعہ وعیدین قائم کرنا کوئی شرعی ضرورت نہیں! فتح القدیر میں ہے:

انما امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[1]۔	بیشک ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو بغیر کسی زیادتی کے حال سابق پر قائم رکھیں (ت)

مسئلہ ۳۰۲: ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کبیر محلّہ میں بوجہ ضعف اسلام وتسامح الناس قدرے گر پھوٹ گئی ہے اور بعد کو بعون خدا تعالیٰ مرمت کاملہ کرادی گئی ہے اور پیش امام وغیرہ نیز بدستور مقرر کئے گئے ہیں اور صلٰوۃ خمسہ، جمعہ، اذان اس میں پڑھی جاتی ہے۔ پس بوقت غیر آبادی و شکستگی مسجد مذکور بالاکے ایک مرد مسلم نے ایک مسجد صغیر عنقریب و متصل اس کے چار گز کے فاصلہ پر بنائی تھی جو کہ اب تک آباد ہے اور اس میں بھی اذان صلٰوۃ بالفعل ہو رہے ہیں، کیا اس شخص کو مسجد جدید بنانی عندالشرع جائز تھی یا نہ؟ اور اب اس کا گرانا جائز ہے یا نہ؟

الجواب:

حاشا اس کا گرانا بھی جائز نہیں، دونوں کا آباد رکھنا واجب ہے، اسے مناسب یہ تھا کہ مسجد قدیم ہی کی تعمیر کرتا اور اتنے قریب دوسری مسجد نہ بناتا اب کہ بن گئی ہدم حلال نہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۳: از موضع سرولی ڈاکخانہ کچا ضلع نینی تال مرسلہ محمد حسین خورد ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی صف دوسری مسجد میں لاکر نماز فرض یا واجب پڑھی جائے تو ہو سکتی ہے یا نہیں؟ جیسے کہ نماز الوداع میں اکثر صفوں کی ضرورت ہوتی ہے، تو جس جگہ موضع میں دو مسجدیں ہوتی ہیں تو مسجد جامع میں دوسری مسجد کی صفیں لاکر نماز پڑھتے ہیں یا عید کی نماز پڑھی جائے تو از روئے شرع شریف نماز دوسری مسجد کی صفوں پر ہو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

الجواب:

ایک مسجد کی صفیں دوسری مسجد میں لے جانا ممنوع وناجائز ہے، نماز مکروہ وناقص ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۴: از بریلی مسئولہ مولوی میر احمد صاحب بنگالی طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا پاخانہ پشت مسجد سے ملحق تھا اس کو بوجہ مسجد منہدم کرادیا اور کوئی عرصہ دو ماہ سے کچھ لوگ وہاں پر کوڑا وغیرہ ڈالنے لگے اب زید یہ چاہتا ہے کہ اس ملحق پشت مسجد زمین کی اپنی نشست گاہ بنوادے اور مسجد کے دو پرنالوں کا پانی اپنی چھت پر لے یا اس اراضی کو اپنی ڈیوڑھی بنالے اس صورت میں ایک پرنالہ اپنی ڈیوڑھی پر لے اور دوسرے پرنالے کا پانی باہر نکال دے، اور ساتھ ہی اس کے یہ واضح رہے کہ مسجد کا کوئی پشتہ نہیں اور نہ پشتہ اس جگہ ہے جہاں مسجد کے دو پرنالوں کا پانی گرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم شرع ہے؟ نشست گاہ یا ڈیوڑھی وغیرہ بننے سے مسجد کی حفاظت بھی ہوتی ہے اور پانی مسجد کا کسی صورت میں روکا نہیں جاتا۔

الجواب:

مسجد کا پشتہ نہ ہو آبچک کے لئے زمین مسجد نے چھوڑی ہوگی، اسے اپنے تصرف میں لانا حرام ہے، ہاں اگر ثابت ہو کہ مسجد کی کوئی زمین نہ چھوٹی تھی صرف پانی بہانے کا اس کی زمین میں حق تھا تو یہ اس میں عمارت بناسکتا ہے جبکہ مسجد کا پانی نہ روکے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۵: از الہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب آوردہ مولٰنا مولوی سید نذیر احمد صاحب ۱۸ جمادی اولٰی ۱۳۳۸ھ

سوال بعینہٖ مثل سوال ثانی ۲۹/ شوال ۱۳۳۷ھ مذکور **باب احکام المسجد۔**

الجواب:

اس سوال کا جواب جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ پھر رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ پھر شوال ۱۳۳۷ھ میں تین بار یہاں سے جاچکا، اس بار اس کے ساتھ ایک اور تحریر طویل بایں خلاصہ ہے کہ اس سوال میں زید مستفتی نے اخفائے حق کیا، حقیقت امر یہ ہے کہ ان لوگوں نے دکانات مسجد کی چھت پر ایک مدرسہ بلامعاوضہ قائم کرلیا اور کمیٹی سے اس کی بقا کا اقرار نامہ لکھالیا ہے، یہ حالت دیکھ کر تحفظ آئندہ کے لئے یہ پتھر لگایا گیا جس میں دکانات وحمام کے وقف علی المسجد ہونے کا تذکرہ ہے کہ آئندہ کوئی متولی سابق کی طرح ان دکانوں پر دعوی نہ کر بیٹھے۔ اعلان میں معلن کا نام ضرور ہے، گمنام اعلان ایسا نہیں ہوتا، لہذا بکر نے اپنا نام لکھا نہ بقصد ریاء نہ طلب دعا۔ یہ پتھر سجدہ کی جگہ سے دس فٹ بلند ہے تو نمازی کا سامنا

نہیں ہوگا اور اندر کے محراب پر نہیں بلکہ بیرونی محرابی دروں پر، وہی لوگ جن سے اندیشہ ہے اس پتھر کا انعدام چاہتے ہیں کہ اس کی بقاء میں تحفظ واستحکام وقف ہے انتہی ملخصاً۔

فریق ثانی کی طرف سے بھی سوال مع جواب آیا تھا کہ اس پتھر کا نصب جائز نہیں بلکہ غیبت میں داخل ہے اور اس کا جواب بھی رمضان مبارک عـــہ ۱۳۳۶ھ میں گیا کہ اگر وہ افعال متولی سابق سے صادر ہوئے اور اہل شہر ان وقائع پر مطلع ہوں تو ان کا لکھ کر نصب کرنا غیبت نہیں ہوسکتا، خصوصاً منظر عامہ میں نصب کہ اشتہار چھاپ کر عام تقسیم کی طرح حد غیبت میں اس کا آنا دشوار نہ تاحیات متولی مذکور اس کے عدم جواز کی کوئی وجہ جب کہ منجر بفتنہ نہ ہو، ہاں اس کا نصب کوئی مہم مصلحت شرعیہ نہ رکھتا ہو تو بعد موت متولی اس پتھر کا معدوم کردینا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لاتذکروا اموا تکم الابخیر**[1] (اپنے مردوں کا تذکرہ سوائے بھلائی کے مت کرو۔ت) اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتسبوا الاموات فانهم قد افضوا الی ماقدموا[2]۔	اپنے مردوں کو برا نہ کہو کیونکہ وہ اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو پہنچ چکے ہیں۔(ت)

بایں ہمہ جبکہ بلا مصلحت شرعیہ عبث ہے عبث سے ویسے ہی بچنا چاہئے نہ کہ وہ جس سے کسی مسلمان کو تکلیف ہو اگر وقف میں خیانت واضرار کا اندیشہ ہے اور اس پتھر کا نصب کرنا مانع ہوگا یا اسی طرح اور کوئی مصلحت مہمہ شرعیہ ہے تو نصب میں حرج نہیں بلکہ حاجت ہو تو اجر ہے، یہ اس جواب کا خلاصہ ہے جو فریق ثانی کو یہاں سے گیا، اب بھی یہی کہا جاتا ہے کہ محض بلا مصلحت ہو تو جدا کردیں اور مصلحت شرعیہ ہے تو قائم رکھیں، پھر اگر موضع نظر سے اتنا بلند ہو کہ جب تک نظر اوپر کو اٹھا کر نہ دیکھیں نظر نہ آئے کسی طرح نقش دیوار قبلہ کی کراہت میں نہیں آتا، یہ خود اس نمازی کا قصور ہے، اسے نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا کب جائز تھا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عـــہ: مندرجہ صفحہ ۴۷۲۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آفات اللسان الآفۃ الثامنۃ اللعن دار الفکر بیروت ۷/ ۹۱۔۴۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماینھی عن سب الاموات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷، سنن النسائی کتاب النھی باب ماینھی عن سب الاموات نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۲۷۴

لینتھین اقوام یرفعون ابصارھم الی السماء فی الصلوٰۃ اولتخطفن ابصارھم[1]۔رواہ مسلم۔	وہ جو نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے ہیں یا تو وہ اپنی اس حرکت سے باز آئیں گے یا ان کی نگاہ اچک لی جائے گی (اسے مسلم نے روایت کیا۔ت)

اور اگر اتنا بلند نہیں تو ضرور موقع کراہت میں ہے اور اس میں اندرونی وبیرونی محراب کا تفرقہ نہیں مسجد کا درجہ مسقفہ وصحن دونوں مسجد ہیں اس حالت میں چاہئے کہ اس تحریر پر نمازوں کے اوقات میں غلاف ڈال دیں، ہم نے فتوی سابقہ میں سنن ابی داؤد کی حدیث نقل کی کہ دیوار غربی کعبہ معظمہ میں (اس) مینڈھے کے (جو سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فدیہ ہوا) سینگ نصب تھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خمرھما فانہ لاینبغی ان یکون فی قبلۃ البیت شیئ یلھی المصلی[2]۔	انہیں (سینگوں کو) ڈھانک دو کہ نمازی کے سامنے کوئی ایسی چیز نہ چاہئے جسے دل بٹے۔

نام کا جواب بھی فتوی سابقہ میں تھا کہ ریاء کو حرام مگر بلاوجہ شرعی مسلمان پر قصد ریا کی بدگمانی بھی حرام، اور بنظر دعا ہے تو حرج نہیں، نہ کفایت اجمال منافی طلب خصوص۔ اور یہ مصلحت کہ اس تحریر میں بتائی ضرور قابل لحاظ ہے جبکہ اس کا نام وجہ اعتبار اعلان یا زیادت اعتبار ہو،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[3]۔	اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

دکانات مسجد پر اقامت مدرسہ کے بارے میں بھی سوال آیا اور مفصل جواب جاچکا ہے مگر فریق ثانی کے سوال میں یہ تھا کہ مسجد میں ایک مدرسہ ہے جس میں تعلیم کلام مجید وتفسیر وفقہ وحدیث کی ہوتی ہے، بعض منتظمین نے چاہا کہ تعلیم مسجد سے اٹھادی جائے، اوران شرائط پر اس کے قیام کا فیصلہ ہوا، اس تحریر تازہ میں یہ ہے کہ بلا استحقاق وبلا معاوضہ سقف وقف پر مدرسہ کرلیا ہے، ایسا ہے تو بلا شبہ حرام ہے اور منتظمین مسجد کی اس پر رضامندی مردود، اور اب تک کا کرایہ مدرسہ قائم کرنیوالوں پر

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب النہی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱

[2] سنن ابو داؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۷، مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ من بنی سلیم دار الفکر بیروت ۴/ ۶۸

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ پشاور کراچی ۱/ ۲

بحق مسجد لازم، کما ھو منصوص علیہ فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از بمبئی نشان پاڑا کراس روڈ بوساطت سید غوث پیران صاحب مرسلہ میمن آدم عبدالرحمٰن صاحب ۲ جمادی الاآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک حنفی المذہب عورت نے انتقال کیا جس نے اپنی جائداد کے ساتھ ایک شوہر، دو بیٹیاں، ایک حقیقی بھائی اور ایک عم زاد بہن کا بیٹا چھوڑا اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔ قبل از تقسیم ترکہ مرحومہ کی وفات کے دو سال بعد اس کے شوہر نے جائداد مذکورہ سے زمین کا ایک قطعہ مسجد بنانے کے لئے وقف کردیا جس پر بتوسل جماعت مسجد تعمیر کی گئی اور پنجوقتہ نماز بھی قائم ہوگئی، لیکن بعض لوگ اس میں عدم جواز نماز کے قائل ہیں کہ وقف صحیح نہ ہوا۔ مرحومہ کا شوہر یہ کہتا ہے کہ مجھ سے مرحومہ نے یہ وصیت کی تھی کہ مسجد کی عمارت کے لئے ایک قطعہ زمین وقف کرے اگر شرعًا یہ وقف صحیح نہ ہوگا تو میں اپنے حصہ رسدی سے اس وقف کو برقرار رکھوں گا۔ صورت مذکورہ میں وقف اول صحیح ہوکر نماز پڑھنا اس میں درست ہے یا نہیں؟ برصورت عدم جواز اپنے حصہ میراث سے وقف کا برقرار رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ترکہ متوفی حسب شرائط فرائض بارہ سہام ہوکر تین سہم شوہر، چار چار ہر دختر، ایک برادر کو ملے گا۔ عم زاد بہن کا بیٹا محروم ہے۔ اگر صحیح ہے کہ مورثہ نے یہ وصیت کی تھی اور یہ قطعہ (بعد ادائے دین اگر ذمہ مورثہ ہو) ثلث متروکہ سے زائد نہیں تو وقف صحیح ونافذ ہوگیا اور وہ قطعہ مسجد اور اس میں نماز مسجد میں نماز۔ یوہیں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو اور باقی ورثہ یعنی بیٹیاں اور بھائی سب عاقل بالغ اور سب اس وصیت کو قبول کیا اور جائز رکھا، جب بھی یہی حکم ہے۔ یونہی اگر وصیت ثابت نہ ہو اور شوہر نے ایک قطعہ معینہ جس میں باقی ورثہ کے بھی حصے تھے تعمیر مسجد کے لئے وقف کردیا اور باقی سب ورثہ نے بشرط عقل وبلوغ اسے جائز رکھا جب بھی یہی حکم ہے۔ ان سب صورتوں میں وہ مسجد ہوگیا،

وذٰلك لانه فی الاخیر فضولی فی حصصهم وقد صدر منه ماله مجیز حین صدوره وقد اجازوا فنفذ ولم یمنع الشیوع لعدمه عند اجتماعهم علی تجویزه	اور یہ اس لئے ہے کہ صورت اخیرہ میں وہ (شوہر) دیگر ورثاء کے حصص کو مسجد بنانے میں فضولی ہے اور یہ فعل اس سے اس حال میں صادر ہوا کہ صدور کے وقت اسکو جائز کرنے والا موجود ہے اور انہوں نے اس کی اجازت دے کر جائز کردیا اور شیوع

قال فی ردالمحتار لو بینھما ارض وقفاھا ودفعاھا معا الی قیم واحد جاز اتفاقا لان المانع من الجواز عند محمد ھو الشیوع وقت القبض لاوقت العقد ولم یوجد ھٰھنا[1]۔	یہاں مانع نہیں ہوگا کیونکہ جب وہ تمام اس کے جائز رکھنے پر مجتمع ہوگئے تو شیوع رہا ہی نہیں، ردالمحتار میں ہے دو شخصوں کی اگر مشترکہ زمین ہو اور دونوں نے معًااس زمین کو وقف کرکے ایک ہی متولی کے حوالے کردیا تو بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ امام محمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک مانع جواز شیوع ہے جو وقت قبض ہو نہ کہ وقت عقد، اور یہاں وقت قبض شیوع نہیں پایا گیا (ت)

ہاں اگر کوئی وارث غیر عاقل یا نابالغ ہے یا ان بعض نے اس تصرف کو جائز نہ رکھا بے وصیت مطلقًا اور بحال وصیت جبکہ ثلث سے زائد ہو تو البتہ وہ مسجد مسجد نہیں اور اس سبب سے کہ اس میں ایسے کی ملک ہے جس کی اجازت نہیں یا جس کی اجازت شرعًا اجازت نہیں اس میں نماز ناجائز۔ یہ حکم بھی متفق علیہ ہے کہ مسجد میں شیوع بالاجماع ممنوع،

لان بقاء الشرکۃ یمنع الخلوص ﷲ تعالٰی ش عن النھر والفتح[2]۔	کیونکہ بقاء شرکت اللہ تعالٰی کے لئے شے کے خالص ہونے سے مانع ہے، ش نے نہر اور فتح سے واضح کیا۔ (ت)

ہاں اگر شوہر تقسیم صحیح شرعی کرائے اور یہ قطعہ اس کے حصہ میں آئے اس کے بعد اسے یہ مسجد کرے تو اب مسجد ہوجائے گا لزوال المانع (مانع ختم ہوجانے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۷: مسئولہ سید مصباح القیوم صاحب ساکن شہر رائے پور بیجناتھ پارہ مدرسہ اصلاح المسلمین صوبہ سی پی ۵ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کے متعلق طہارت خانہ وغیرہ بنانے کی غرض سے مسجد کے روپیہ سے ایک قطعہ زمین کا مسجد سے علیحدہ مگر قریب میں خریدا کیونکہ زمین بہت ہے مسجد کی ضرورت کی چیزیں بن جانے پر بھی باقی رہ گئی اور مسجد کی کوئی منفعت مقصود نہیں اور اہلسنت نے ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لئے مکان کی ضرورت ہے تو کچھ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ زمین مذکور پر مدرسہ تعمیر کرادیں اور قیمت زمین کی مدرسہ کی آمدنی سے لے کر مسجد میں داخل کیا جائے تو شرعًا یہ جائز ہے کہ نہیں اور در صورت

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۴

عدم جواز کوئی حیلہ اس کے جواز کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ وہ باقیماندہ حاجت مسجد سے زیادہ زمین (کہ سابق سے وقف نہ تھی بلکہ مسجد کے روپیہ سے مسجد کے لئے خریدی تھی) مدرسہ کے لئے بیع بقیمت مناسب کرکے رثمن داخل مسجد کیا جائے جبکہ احتیاط و امانت کاملہ سے کام لیا جائے۔ عالمگیری میں ہے:

متولی المسجد اذا اشتری بمال المسجد حانوتا او دارا ثم باعها جاز اذا کانت له ولایة الشراء بناء علی ان هذه الدار والحانوت هل تلتحق بالحوانیت الموقوفة علی المسجد معناه هل تصیر وقفا، المختار انه لا کذا فی المضمرات[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک مسجد کے متولی نے مسجد کے مال سے دکان یا گھر خریدا پھر بیچ دیا تو جائز ہے جبکہ اس کو خریدنے کی ولایت حاصل ہو، یہ مبنی ہے اس بات پر کہ کیا یہ دکان اور گھر مسجد پر وقف شدہ دکانوں سے ملحق ہوگا، اس کا معنٰی یہ ہے کہ کیا یہ وقف ہو جائیگا، مختار یہ ہے کہ نہیں ہوگا۔ مضمرات میں ایسا ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۸: ۱۴ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محلّہ قاضی ٹولہ پرانا شہر میں ایک مسجد قاضی زادوں کی تعمیر کردہ ہے اس دروازہ پہاڑ رخ قدیمی ہے اور اس میں کچھ قبریں پختہ قاضی زادوں کے آباواجداد کی تھیں، اور ایک کنواں بنجاروں کا بنایا ہوا مسجد سے پہلے کا ہے جس سے سوائے نمازیاں اور کئی محلوں کو اس کے پانی سے نفع پہنچتا ہے، اس مسجد میں کئی قوم کے لوگ نماز پڑھتے ہیں قصائی، نداف۔ ان کے مکان بھی وہیں ہیں، قصابوں نے مسجد میں جو قبریں تھیں انہیں کھود کر بالکل نیست و نابود کردیا، درخت موسری کا جس کے سایہ سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا کاٹ ڈالا، گول در شمال کی جانب جس سے نمازیوں کو بارش سے آرام ملتا تھا بند کردیا، کنواں جس سے مخلوق کو نفع تھا اس کی ایک سیڑھی کا راستہ بند کردیا گیا گویا ایک رخ بالکل بند کردیا جس سے بہشتیوں کو ازحد تکلیف ہے انہوں نے پانی بھرنا بند کردیا۔ دو دیواریں بنا کر اس میں گھری لگادی ہے جس سے کچھ نفع نہیں۔ یہ لوگ کس سزا کے مستحق ہیں؟ یہ کام اچھے کئے یا برے کئے۔ ندافوں میں سے ایک شخص نے کسی سے پوچھا یہ کنویں پر در و دیوار کیا ہیں، اس نے اپنی جہالت سے کہا کہ یہ میرا۔۔۔۔۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۷۔۱۸

بنایا ہے لوگوں کے تکلیف دینے کو، توکیا یہ شخص کافر ہوگیا؟ حالانکہ ان دیواروں کو وہ مسجد نہیں سمجھتا ہے بلکہ یہ شرارت کی دیواریں سمجھتاہے کس سزا کا مستحق ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیانات واقعی ہیں تو مسلمان کی قبروں کا کھود ڈالنا ہر گز جائز نہ تھا اس سے وہ توہین مسلمین کی سزا کے مستحق ہیں، سزا یہاں کون دے سکتا ہے، اور اگر یہ قبریں اس لئے کھودیں کہ اس جگہ پر نماز پڑھی جائے تو یہ نماز کو بھی خرابی میں ڈالنا ہے، قبور کی جگہ نماز جائز نہیں جب تک اندر تک کھود کر میت کے سب اجزاء نکال نہ دئے جائیں، اور مسلمان میت کے ساتھ ایسا کرنا حرام حرام سخت حرام۔ درخت جو قدیم سے تھا اس کے کاٹنے کی کوئی وجہ نہ تھی، بلاوجہ شرعی نمازیوں کو تکلیف دینا سخت بد ہے۔ شمالی دروازہ کہ قدیم سے تھا اور اس سے نمازیوں کو آرام ملتا تھا، اس کے بند کرنے کا بھی کوئی اختیار نہ تھا۔ کنوئیں کی ایسی روک جس سے پانی بھرنے والوں کو تکلیف ہو اور وہ بھرنا چھوڑ دیں ہر گز جائز نہیں، یہ سب برے کام ہوئے۔ اس نداف نے بیہودہ کہا۔ بر اکیا اس کے سبب کافر نہیں ہو سکتا کہ اس میں مسجد کی کوئی توہین نہیں، نہ وہ دیواریں مسجد کی ہیں۔ اس کے لئے اتنی سزا کافی ہے کہ تونے بیہودہ بکا۔ آئندہ احتیاط کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۹: مسئولہ عظمت اللہ کوتوالی شہر بریلی شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک مسجد شریف قدیم ٹھوس تھی اہل اسلام نے اس کو منہدم کراکر مغرب کی جانب میں مسجد بنوائی اور قدیم کو اس کا صحن قرار دیا اور مسجد جدید اور صحن یعنی مسجد قدیم ہر دو کی کرسی بلند کی اور نیچے تہہ خانے بنائے اور مسجد قدیم کے تہہ خانے کے حصے کو مسجد کی دکانوں میں شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس صحن میں نماز پڑھنے والوں کو ثواب مسجد کا ملے گا یا نہیں؟ اور اگر یہ جائز ہے تو اس طرح مسجد جدید کے تہہ خانے کو بھی کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد مسجد ہوجانے کے بعد دوسرے کام کے لئے کرنا حرام حرام سخت حرام ہے ان پر فرض ہے کہ مسجد قدیم کا تہہ خانہ بدستور سابق بند کردیں اور اب کہ مسجد جدید کرچکے اس کے تہ خانے کو بھی کرایہ پر دینا حرام ہے ہاں مسجد کردینے سے پہلے دکانیں وقف مسجد کے لئے بناتے اور اس کے بعد ان کی چھت کو مسجد کرتے تو جائز تھا، اب ہر گز حلال نہیں مسجد قدیم کو جدید کا صحن کرلیا اس میں حرج نہیں وہ بدستور مسجد ہے اور اس میں نماز مسجد میں نماز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۰: از شہر کہنہ محلّہ کوٹ مسئولہ شیخ انعام اللہ ۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ امام باڑہ متصل زیارت شاہ صاحب کے ایک گوشہ میں واقع ہے اور گزشتہ زمانے کے شیعہ مذہب کے لوگ جو لکھنؤ کے پیرو تھے ان کی تعمیر کردہ ہے۔ لیکن اب مسجد مذکور اہلسنت کے قبضہ میں ہے اور کنویں مذکور سے ۳۳/۳۴ گز کے فاصلہ پر ہے، کنویں اور مسجد کے درمیان بوجہ کوڑے اور گھاس کیڑے وغیرہ کا احتمال رہتا ہے، اسی لئے مسجد مذکور آباد نہیں ہوتی، اہل محلّہ چاہتے ہیں کہ مسجد مذکور کاملبہ لب سڑک متصل کنواں اٹھالائیں اور یہاں مسجد تعمیر کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اس مسجد کا بانی رافضی تبرائی روافض حال کا ہم عقیدہ تھا اور اسی مذہب پر مرا تو مسلمانوں کو جائز ہے کہ اس کا عملہ دوسری مسجد لے جائیں، نیز جائز ہے کہ اس مسجد کی زمین کو بیچ کر جدید مسجد میں لگائیں۔

فی الدرالمختار لو وقف المرتد فقتل اومات اوارتد المسلم بطل وقفه[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر مرتد نے وقف کیا پھر قتل کردیا گیا یا مر گیا یا مسلمان مرتد ہوگیا تو اس کا وقف باطل ہوگیا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۱: مسئولہ حافظ عبدالمجید از ضلع مرادآباد قصبہ بچھرایوں محلّہ چودھریاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میرے باپ جناب قبلہ وکعبہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے ۲جولائی ۱۸۹۹ء کو اپنی حقیت موضع کھادگوجر پرگنہ سانپور ضلع مرادآباد تعدادی مواضع چار بسوہ کو اور میرے بھائی حاجی عبد اللطیف خان صاحب اور مجھ حافظ عبدالمجید خاں نے اپنی حقیت سواسوابسوہ موضع کافورپور وچک کافورپور پرگنہ بانسٹہ ضلع بجنور کو بنابر صرف مسجد وچاہ وپیاؤ وقف کردیا مگر وہ جگہ جہاں مسجد وکنواں تیار کرانے کا خیال تھا وہ جگہ آبادی قصبہ بچھرایوں سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر جنگل میں جانب مشرق اور مسجد لب سڑک سے جو آبادی میں بنی ہوئی ہے دو سو گز کے فاصلہ پر ہے بعد وقف ہوجانے کے جو میری غیبت میں تکمیل ہوا تھا یہ خیال پیدا ہوا کہ اس جگہ مسجد کا بنانا کارآمد نہیں ہے کیونکہ اس موقع پر بوجہ نہ ہونے آبادی کے آباد نہیں رہ سکتی مگر یہ خیال جناب والد بزرگوں صاحب سے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

ظاہر نہ کرسکا تھا کہ میرٹھ اپنی ملازمت پر تشریف لے گئے وہاں سے ان کا والا نامہ صادر ہوا کہ فوراً مسجد کی تعمیر کرو میں نے بخوف ان کی ناراضی کے اپنا خیال تو ظاہر نہ کیا مگر بموجب ارشاد تعمیل یہ کردیا کہ دیہات سے چار بیگاری جمع کرکے مسجد کی نیو معین بنیاد کندہ کرائی اور زمین برابر نیو چنوادی چونکہ موسم برسات آنے والا تھا والد بزرگوار قبلہ کو بطور عریضہ یہ عرض کیا کہ بنیاد بھروادی گئی اور تعمیر مسجد بعد برسات شروع کی جائے گی، اسکے بعد میں خود جناب والد صاحب قبلہ کے پاس پہنچا اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا کہ مسجد تو بموجب ارشاد عالی بنادی جائے گی مگر اس کی آبادی کی کون سی صورت ہے، اول جناب والا وہاں پر اس کا زنانہ ومردانہ بنادیں اور میں وہاں محلّہ آباد کرلوں تب مسجد تیار ہونی چاہئے، انہوں نے اس بات کو بخوبی منظور فرمالیا، اس عرصہ میں ان کا انتقال ہوگیا مگر کنواں وپیاؤ تیار ہوگیا تھا اور بدستور جاری ہے نہ مکان تھا نہ وہ آباد ہوا۔ ہم دونوں بھائی آپس میں جدا ہوگئے اور اس وقف کا بعد جناب قبلہ کے میں متولی رہا۔ ایک مسجد درمیان آبادی منہدم ہوگئی تھی، میں نے اس روپیہ سے وہ مسجد از سر نو بنوائی، اور وہ بنیاد مسجد جو جنگل میں بیگاروں سے بھروادی تھی اکھڑ واکر اس کی اینٹیں بھی اس میں لگواکر تیار کروادی، اب اس وقف کی رقم جمع ہے اور ایک مسجد محلّہ جو میرے مردانہ مکان کے پیش دروازہ ہے از حد مرمت طلب ہورہی ہے اور کوئی صاحب اس کی طرف توجہ نہیں کرتے، میرا خیال ہے کہ اگر شرع شریف اجازت دے تو میں اس مسجد کی اس روپیہ سے مرمت کرادوں۔ دوسرے یہ کہ وہ مسجد جہاں جنگل میں پہلے بنیاد بھروادی تھی اور وہ اس وجہ سے کہ یہ کسی وقت کارآمد وآباد نہیں ہوسکتی اکھڑواڈالی گئی تھی، اس کا بنانا ضروری ہے یا اس مسجد کی مرمت کرادینا ضرور ہے؟

الجواب:

جبکہ یہ صحیح ہو کہ وہ جگہ آباد نہیں ہوسکتی اور وہ مسجد کام میں بھی نہ آئے گی تو وہ مسجد نہ ہوئی، ان اینٹوں اور روپے کو دوسری مسجد میں صرف کرسکتے ہیں، عالمگیری میں ہے:

رجل بنی مسجدا فی مفازۃ حیث لایسکنھا احد، وقل ما یمر بہ انسان لم یصر مسجد العدم الحاجۃ الی صیرورتہ مسجدا کذافی الغرائب [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شخص نے جنگل میں مسجد بنادی جہاں کوئی بھی نہیں رہتا اور بہت کم ہی کسی انسان کا وہاں سے گزر ہوتا ہے تو وہاں مسجد نہیں ہوئی کیونکہ اس کے مسجد ہونے کی ضرورت نہیں، غرائب میں ایسا ہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس فی آداب المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۰

مسئلہ ۳۱۲تا۳۱۳: از شہر محلّہ باغ احمد علی خاں مسئولہ منشی فتح محمد صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک مسجد اہل سنت وجماعت کی تعمیر ہورہی ہے اور اس کا چندہ جمع ہورہا ہے، اس مسجد میں کس کس مذہب کا پیسہ لگانا جائز ہے اور کس کس مذہب کا ناجائز؟

(۲) ایک مسجد رافضی کی تیار کی ہوئی ہے جو اس وقت ایک گوشہ میں ویران پڑی ہے اس میں اہلسنت وجماعت کی یہ رائے ہے کہ اس مسجد کو شہید کرکے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرائی جائے اس کی زمین کا پیسہ دوسری مسجد اہلسنت وجماعت میں لگایا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس مسجد کا اب کوئی فساد کرنے والا نہیں۔

الجواب:

(۱) مسجد میں صرف اہلسنت کا پیسہ لیا جائے، کافروں یا مرتدوں کا ناپاک مال نہ لیا جائے۔

(۲) رافضی جو ایسا ہی مذہب رکھتا ہے جیسا کہ آج کل کے رافضیوں کا ہے اگر اس نے مسجد بنائی اور مرگیا تو اس کی مسجد کی زمین اور عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں لگاسکتے ہیں جبکہ فساد کا اندیشہ نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۴: از حصار محمد عبدالرشید مدرسہ انجمن محاسن الاسلام احاطہ عبدالغفور خاں ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دکان مرہونہ مسجد کے نام کسی صورت میں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دکان کہ مسجد پر وقف کی گئی اور واقف نے شروط وقف میں اس کے بدلنے کی اجازت نہ لکھی وہ کسی طرح نہیں بک سکتی، مگر یہ کہ تباہ ویران ہوجائے اور کوئی صورت اس کی آبادی کی نہ رہے تو اسے بیچ کر دوسری جگہ دکان خرید کر متعلق مسجد کردے، یا دکان پر کسی ظالم کا قبضہ ہوگیا اور اسے کسی طرح رہائی نہیں ہوسکتی مگر دام دینے پر راضی ہے تو لیں اور دوسری دکان اس کی جگہ قائم کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۵: از شہر کہنہ درگاہ شاہ دانا صاحب قدس سرہ مسئولہ رحمت علی صاحب ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ دانا صاحب کا مزار شریف ایک چھوٹے سے احاطہ

کے اندر نور افروز ہے اور اسی احاطہ میں ایک مسجد اور ایک خانقاہ جانب شمال دو تین گز کے فاصلہ سے واقع ہے خانقاہ قدیم الایام یعنی مزار شریف کی تعمیر کے زمانہ سے اب تک واسطے ٹھہرنے سیاحین زائرین مقرر ہے، چنانچہ اکثر اولیاء سابق درویش اور سالکین استقامت کیش جو وقتاً فوقتاً واسطے زیارت اور حاصل کرنے مراد اور برکات کے دور دراز سے سفر کرکے آتے ہیں تو اسی خانقاہ میں ٹھہرا کرتے ہیں اور جو کہ ایام عرس میں تخمیناً ایک ہزار مرد و عورت ولڑکی لڑکے جوان بڈھے مزار اقدس میں جمع ہوتے ہیں اور یہ بھیڑ بھاڑ تقریباً ایک ماہ تک رہتی ہے تو اس ہنگامہ میں سوا اس مکان کے دھوپ اور بارش وغیرہ کے بچاؤ کے لئے اور کوئی مکان مطلق نہیں ہے اگر وہ مکان نہ ہو تو زائرین کو از حد پریشانی اور تکلیف ہو، دوسرے یہ کہ اس خانقاہ کے اندر دو ایک قبریں بھی ہیں اور ایک قبر خلیفہ ولایت علی صاحب کی بھی ہے کہ اس قبر کو ہموار کرکے اس پر لڑکے پڑھتے ہیں، اب اس خانقاہ اور شرقی حصہ صحن مزار شریف کو عرصہ تقریباً دو ایک ماہ سے بلا اجازت متولی صاحب وبغیر منشا خادمین جو پشت ہا پشت سے اس پر بطور مالکانہ کے قبضہ رکھتے ہیں، چند اشخاص وہابی محلّہ شاہدانہ نے بتقریب تحکم مصلیان جدید اس میں جدید مدرسہ قائم کیا ہے، مدرسہ کے اکثر طلبہ جو خانقاہ میں قبریں ہیں ان پر بیٹھ کر پڑھتے ہیں اور صحن مزار شریف میں سوئے ادبی اور بازی اور رسہ کشی کرتے ہیں اور چھوٹے لڑکے ساتھ مسجد میں جاکر فرش مسجد اور لوٹوں کو ناپاک کرتے ہیں اس صورت میں اسلامی قانون نبوی کے مطابق مقام مذکور پر مدرسہ رکھ سکتا ہے یا نہیں جبکہ بانی مبانی عمارت شریف کی یہ نیت اور منشاء نہ ہو اور متولی ان حرکات سے اور مدرسہ کے قیام سے قطعاً راضی نہ ہو اور مسافرین اور زائرین کی جگہ جبراً چھین لی ہو، اور لڑکے اس مقام متبرک پر گند باد سے بے ادبی کرتے ہوں اور قبروں کو نشست گاہ بنایا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر خانقاہ میں عاقل، بالغ، باادب، باتمیز اور قریب بلوغ متادب لڑکوں کے لئے درس دینے کی اجازت دی جاتی اور قبور کی بیحرمتی نہ کی جاتی اور حاضرین پر ٹھہرنے کی جگہ تنگ نہ ہوتی اور ایام عرس شریف میں خانقاہ ان کے لئے خالی رہتی اور یہ سب کچھ عاریۃً ہوتا نہ کہ خانقاہ یا مسجد پر مالکانہ قبضہ تو حرج نہ تھا مگر مسجد کی بے حرمتی حرام اور اس میں بچوں کا جانا ممنوع۔

ابن ماجہ کی حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم [1]۔	اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور اپنی آوازیں اونچی کرنے سے بچاؤ۔ (ت)

[1] سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

اور مسلمان کی قبر پر بیٹھنا یا چلنا ناجائز ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اطأعلی جمرۃ حتی مخلص الی جلدی احب الی من ان اطأعلی قبر مسلم او ماھذا معناہ[1]۔	مجھے چنگاری پر پاؤں رکھنا یہاں تک کہ وہ جوتا توڑ کر کھال تک پہنچ جائے اس سے زیادہ پسند ہے کہ کسی مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھوں۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

لان امشی علی سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[2]۔ او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	مجھے تلوار پر چلنا مسلمان کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے (جیساکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یکرہ القعود علی القبر لان سقف القبر حق المیت[3]۔	قبر پر بیٹھنا مکروہ ہے کیونکہ قبر کی چھت میت کا حق ہے۔ (ت)

فتح القدیر ودر مختار وردالمحتار میں ہے:

المرور فی سکۃ حادثۃ فی المقابر حرام[4]۔	قبرستان میں جو نیا راستہ بنایا جائے اس میں چلنا حرام ہے۔ (ت)

اور مسلمان کی قبر کو ہموار کردینا اور بھی سخت حرام۔ حاضرین کے لئے جگہ تنگ کرنا جنکی اصل وضع خانقاہ ہے وقف میں تصرف بے جا اور مخالفت غرض واقف ہے کہ شرعًا ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶تا۳۱۸: از ضلع بردوانمقام رانی گنج مسئولہ میر ضامن سکریٹری مدرسہ دارالعلوم ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲، سنن ابو داؤد کتاب الجنائز باب کراہیۃ القبور علی القبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۴، الترغیب والترہیب الترہیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[4] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

(۱) مسجد کی موقوفہ جائداد کا متولی مسجد یا مسجد کے متعلق مکان میں تنہا اپنی رائے سے کسی قسم کی ترمیم کرسکتا ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ مصلیان مسجد اس ترمیم کے سخت مخالف ہوں۔
(۲) مسجد کی کوٹھری یا حجرہ یا مسجد کا مدرسہ آیا متولی موصوف کی ملکیت ہے یا ان کا نظم ونسق وغیرہ۔ امام ومؤذن کی تقرری وبرخاستگی عام مصلیان مسجد کے اتفاق پر موقوف ہے مصلیان مسجد کو اس کے متعلق کوئی بازپرس کرنے کا اور جمع خرچ کے سمجھنے کا اختیار ہے یا نہیں؟
(۳) مصلیان مسجد کے خلاف میں اگر کسی مسجد کا متولی دوسری مسجد کے نمازیوں کو اپنے ساتھ ملا کر مخالفت سے اس مسجد میں کوئی ناپسندیدہ کام کرنا چاہے اور اس کی قابل مرمت چیزیں خراب ہورہی ہوں تو مصلیان مسجد کو اس پر رکاوٹ کا مجاز اور متولی کو ان کا متفق الرائے کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر اس ترمیم کا اختیار اسے واقف نے دیا تھا تو کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ بات ملاحظہ شرائط وقف سے ظاہر ہوسکتی ہے۔
(۲) مسجد اور اس کے متصل کوئی شے نہ متولی کی ملک ہے نہ مصلیوں کی، نہ کسی غیر خدا کی، وہ سب خالص ملک الٰہی ہے، اوقاف مسجد کا انتظام متولی کے سپرد ہے اور امام ومؤذن کا نصب وعزل بانی مسجد یا اس کی اولاد پھر مصلیوں کے متعلق ہے متولی جو بات خلاف شرائط وقف کرے مصلی بلکہ عامہ مسلمین اس سے بازپرس کرسکتے ہیں۔ متولی امین ہے جب تک اس کی خیانت کا صحیح مظنہ نہ پیدا ہو وہ جمع خرچ سمجھانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ درمختار میں ہے:

سئل قارئ الھدایة عمن طلب محاسبة شریکه فاجاب لایلزمه بالتفصیل ومثله المضارب والوصی والمتولی۔ نھر [1]۔	قارئ الہدایہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو اپنے شریک سے محاسبہ کا سوال کرے تو قارئ ہدایہ نے جواب دیا کہ شریک پر مفصل جواب دینا لازم نہیں، اس کی مثل ہے مضارب، وصی اور متولی، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: **یحمل اطلاقه علی غیر المتھم** [2] (اس کا اطلاق اس شخص پر محمول کیا جائیگا

---
[1] درمختار کتاب الشرکة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳
[2] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۷

جس پر تہمت نہ لگائی جاتی ہو۔ت)

(۳) سائل نے ناپسندیدہ کام کی تفصیل نہ کی، ان کو ناپسندیدہ ہے یا شرعاً، جو شرعاً ناپسندیدہ ہے اس کا اختیار کسی کو نہیں، نہ وہ کسی کے متفق الرائے سے ہونے سے ہو سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۹: مولوی غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۳ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قصبہ جام نگر (علاقہ کاٹھیاوار) میں دو مسجدیں ایسی مسلمان بائیوں (عورتوں) کے نام سے بنی ہوئی ہیں کافر راجہ نے ان کو باوجود اسلام پر قائم رہنے کے اپنی ہی مجامعت میں ہمیشہ کے لئے قائم و دائم زبردستی کرکے رکھا ایک فاطمہ بائی کی مسجد راجہ سے مال کثیر لے کر اصل پرانی مسجد پر اپنے مسلمان ناظر نوکر کے مال حوالہ کرکے مسجد بنائی ہے۔ اسی طرح دوسری امرت بائی کی مسجد نو تعمیر ہو کر امرت بائی کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے راجہ کے وقت میں قصبہ ہذا میں سات مسجدیں سات بائیوں کے نام سے پچاس سال ہوئے ہیں بنائی ہیں:

ایک دھن بائی کی مسجد جو جامع مسجد دھن بائی کی مشہور ہے پرانی مسجد پر اس کی تعمیر ہوئی۔

دوسری ناتھی بائی کی مسجد رافضی پورہ محلّہ میں پرانی مسجد کو شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

تیسری جان بائی کی ٹاور کی مسجد، یہ بھی ایک پرانی مسجد شہید کرکے نئی بنائی گئی ہے۔

چوتھی دالبائی کی مسجد جو پرانی جیل کے قریب بالکل نئی تعمیر کی گئی ہے۔

پانچویں رتن بائی کی مسجد لنگھاواڑ میں نئے سرے سے بنائی گئی ہے، قبل ازیں یہاں کوئی مسجد نہ تھی۔

چھٹی ہنس بائی کی مسجد جو ملک لوگوں کی مسجد تھی اس کو شہید کرکے وسیع پیمانے پر بنائی گئی ہے۔

ساتویں چھوٹی دھن بائی کی مسجد جو گجراتی واڑ میں کہنہ خورد مسجد کو شہید کرکے اسی پر بنائی گئی ہے۔

یہ عورتیں مسلمان صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور کافر راجاؤں کے جبر سے مرتے دم تک ان کے مکان میں رہیں، اور راجاؤں سے ان عورتوں نے مال حاصل کرکے اپنے نوکر مسلمان ناظر کو مال حوالہ کردیا اور ان ناظروں نے مسجدیں بنواکر مسلمانوں کے قبضہ میں کردیں اور تا ایں دم مسلمان کے قبضہ میں ہیں۔ یہ عورتیں مرچکی ہیں ان کی ہر ایک کی قبر ہر مسجد کے فنا میں بنی ہوئی ہے، اور ان میں سے جو مسجدیں سابق پرانی مسجدوں کو شہید کرکے تعمیر کی گئی ہیں، ان کے فنا میں اولیاء کے مزار بھی ہیں، ان مسجدوں کے ان بائیوں کے نام سے موسوم ہونے پر کافر کا روپیہ لگنے کے باعث اگرچہ ان عورتوں میں سے ہر ایک نے اپنے نوکر ناظر مسلمان کو حوالہ کرکے مسجد کی تعمیر کرائی ہے اور مسلمانوں کے قبضہ میں کردی گئی ہیں

باوجود اس کے مسلمانوں کے دو گروہ ازاں دم تا ایں دم چلے آتے ہیں، ایک گروہ ان مسجدوں میں نماز پڑھنا جائز سمجھتا ہے اور دوسرا گروہ بوجوہ بالا ناجائز سمجھ کر ان میں نماز نہیں پڑھتا اور پڑھنے والے کو روکتا ہے، معترض گروہ نے اپنے استدلال میں ایک عربی رسالہ بھی لکھا ہے جو منسلک استفتاء ہذا ہے۔ قائلین جواز اکثر فتاوٰی کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ یہ مسجدیں اپنے مصارف کے لئے قطعًا کسی کی محتاج نہیں ہیں کیونکہ ہر مسجد اپنے تعلق میں دکانیں رکھتی ہے۔ موجودہ کافر راجہ کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ان مسجدوں میں بحکم شرع شریف نماز ناجائز ہے تو وہ ان کے انہدام میں ایک لمحہ دیر نہ لگائے اور مسجدیں دکانیں جن کی عمارت تقریبًا ۵ لاکھ بلکہ زائد ہوگی مسلمانوں کے قبضہ وتصرف سے نکل جائینگی اور مزارات اولیاء کرام جو ان مسجدوں کی فناء میں واقع ہیں مسمار کردئے جائینگے، آپ نہایت تفصیل سے عام فہم زبان میں ارشاد فرمائیں کہ حکم شرع شریف کیا ہے تاکہ مسلمانوں میں فساد مذکورہ بالا کی بیخ کنی ہو جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ مسجدیں شرعًا مساجد ہیں اور ان میں نماز قطعًا جائز، اور ان کا ہدم ظلم شدید، اور ان نماز پڑھنے سے روکنا، ان کی ویرانی میں کوشش کرنا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لینے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کی۔

عربی رسالے میں اجرت زنا کی حرمت کا بیان ہے اس میں کسے کلام ہے مگر اسے یہاں سے کیا علاقہ، اور ان مسجدوں کی ابطال مسجدیت سے تو اسے اصلًا مس نہیں، یہاں نہ اجارہ ہوا نہ وہ مال کہ ان عورتوں نے پایا اجرت تھا، نہ ان کے لئے حکم حرمت تھا، اور بالفرض ہوتا تو ان مسجدوں کو مسجد نہ ماننا جہالت تھا،

اولًا: اجارہ کہ بیع منافع ہے مثل بیع محتاج ایجاب وقبول وتراضی طرفین ہے، اور سوال میں زبردستی کرکے رکھا، کافر راجاؤں کے جبر سے رہیں تو نہ کوئی اجارہ تھا نہ ایجاب وقبول، خود رسالہ عربیہ میں اقرار کیا ہے کہ صورت مبحوث عنہا میں عقد اجارہ نہیں تو مسئلہ اجرت زنا کی بحث بیکار تھی۔ رہا رسالہ کا یہ گمان کہ جب بے عقد ہے تو بدرجہ اولی حرام ہے کہ اب اس کی حرمت پر اتفاق ہے، ذخیرۃ العقبٰی میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

ماأخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحرام عندهما وان كان بغير عقد فحرام اتفاقا لانها اخذته بغير حق كذا في المحيط[1]۔	جو کچھ زانیہ نے لیا اگر عقد اجارہ کے طور پر ہے صاحبین کے نزدیک حرام ہے اور اگر بلا عقد ہے تو بالاتفاق حرام ہے کیونکہ زانیہ نے اس کو ناحق لیا ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

اقول: یہ ہی وہ نافہمی ہے جس نے غلطی میں ڈالا، بلاوجہ کسی کا مال لے لینا کہ بالاتفاق حرام ہے مال معصوم میں ہے جو کہ مسلمان یا ذمی یا مستأمن کا مال ہے ان کے غیر کا مال کہ بلاعذر ملے خصوصًا جو خود اس کی رضا سے ہو اس کی حرمت کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ بلاوجہ محض بلکہ بنام وجہ فاسد وناجائز مثل ربا وقمار وغیرہما ہو۔ ہدایہ وفتح القدیر میں ہے:

(مالهم مباح) واطلاق النصوص في مال محظور وانما يحرم على المسلم اذا كان بطريق الغدر (فاذالم ياخذ غدرا فباى طريق ياخذه حل) بعد كونه برضا[2]۔	(ان کا مال مباح ہے) اور نصوص کا اطلاق مال ممنوع پر ہوتا ہے اور بیشک وہ (کافر حربی کا مال) مسلمان پر اسی صورت میں حرام ہوتا ہے جب بطور غدر لیا جائے، اور اگر غدر ودھوکے سے نہ لے تو جس طرح بھی حاصل کرے حلال ہے بشرطیکہ اس کافر کی رضامندی سے ہو۔ (ت)

مبسوط میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے نصرت مسلمین پر شرط باندھ کر مال لینا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے جائز رکھنا بلکہ خود بحکم حضور شرط میں اضافہ کرنا مذکور۔ محقق علی الاطلاق فرماتے ہیں:

وهو القمار بعينه بين ابي بكر ومشركي مكة وكانت مكة دار شرك[3]۔	اور وہ سید صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مشرکین کے درمیان بعینہٖ جوا تھا اور مکہ دار شرک تھا۔ (ت)

ثانیًا: جب ان کا رہنا بجبر واکراہ تھا تو عقد درکنار شرط زنا پر لینا بھی نہ ہوا تو رسالہ عربیہ کا

Majlis of Dawateislami

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدہ نولکشور کانپور ۳/ ۵۱۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

[3] فتح القدیر کتاب البیوع باب الرباء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

کہنا کہ:

ماتاخذہ الزانیۃ علی الزنا بغیر عقد الاجارۃ حرام اتفاقاوھو المبحوث عنہ۔	جو کچھ زانیہ زنا پر بغیر عقد اجارہ کے لے وہ بالاتفاق حرام ہے اور یہ زیر بحث ہے(ت)

یوں بھی صحیح نہیں اور اب مال کافر کی بھی قید نہ رہی،

ففی الھندیۃ عن المحیط عن المنتقی ابراہیم عن محمد امرأۃ نائحۃ اوصاحب طبل او مزمارا کتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ لانہ اذا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھااما اذا لم یکن الاخذ علی الشرط لم یکن الاخذ معصیۃ والدفع حصل من المالك برضاہ فیکون لہ ویکون حلالالہ[1]۔	پس ہندیہ میں محیط سے بحوالہ منتقی ابراہیم سے بروایت امام محمد منقول ہے کہ نوحہ کرنے والی عورت، ڈھول بجانے والے اور سارنگی بجانے والے نے جومال کمایا اگر وہ کسی شرط پر تھا تو وہ مالکوں کو واپس کریں کیونکہ جب اس کا لینا شرط پر ہوا تو وہ معصیت کے مقابلہ میں ہوا اور معاصی میں چھٹکارے کی سبیل اس کو مالکوں کی طرف لوٹانا ہے اور اگر وہ شرط کی بنیاد پر نہ تھا اس کا لینا معصیت نہ ہوا اور یہ دینا خود مالک کی طرف سے اس کی رضا کے ساتھ متحقق ہوا لہذا وہ اس کے لئے حلال ہوگا۔(ت)

ثالثًا: حقیقت امر یہ ہے کہ نواب وراجہ جو عورتیں رکھتے اور انہیں اپنا پابند کرتے ہیں اپنے زعم مردود میں انہیں مثل ازواج وکنیزاں رکھتے ہیں اور جو کچھ ادرار وماہوار انہیں دیتے ہیں نہ بعوض زنا ہوتا ہے نہ بشرط زنا بلکہ نفقہ ازواج کی طرح جزاء احتباس سمجھ کر دیتے ہیں ولہذا اگر ان میں بعض کی صورت بھی مہینوں نہ دیکھنے میں آئی ادرار میں فرق نہیں آتا یہ حبس ضرور ظلم و حرام ہے، اور اگر برضائے زنا ہو تو قطعًا یہ بھی عاصیہ کہ رضا بالحرام حرام ہے لیکن جب بالجبر ہے تو اس کی طرف سے معصیت نہیں،

قال تعالٰی "وَ مَنۡ یُّکۡرِہۡہُّنَّ فَاِنَّ اللّٰہَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِکۡرَاہِہِنَّ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۳۳﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو ان پر جبر واکراہ کرے تو اللہ تعالٰی ان عورتوں کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۳

تو وہ ان کے لئے کسی طرح مقابل معصیت نہیں اور امام محمد کا ارشاد بلادقت صادق کہ مال برضاء مالک ملا تو ان کے لئے حرام نہیں۔علاوہ ماہوار بعض منظورات نظر کو اور اموال جو زائد دیتے ہیں مسلم کی طرف سے ہوتے تو ضرور حرام ہوتے کہ رشوت تھی،

والراشی والمرتشی کلاھما فی النار [1]۔	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں۔(ت)

لینے والی مالک نہ ہوتی اور ان کا دینے والے کو واپس دینا فرض ہوتا۔ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

المتعاشقان یدفع کل واحد منھما لصاحبہ اشیاء فھی رشوۃ لایثبت الملك فیھا وللدافع استردادھا [2]۔	باہمی معاشقہ کرنے والوں میں سے ہر ایک نے جو دوسرے کو دیا وہ رشوت ہے اس سے ملک ثابت نہیں ہوتی اور دینے والے کو اختیار ہے کہ واپس لے لے۔(ت)

یہاں کہ دینے والا حربی غیر مستأمن ہے اور ان کی طرف سے غدر نہیں بلکہ برضائے مالک ہے تو بحکم استیلاء ان کی ملک ثابت اور ہدایہ کا ارشاد صادق کہ:

بای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذالم یکن فیہ غدر [3]۔	مسلمان جس طرح بھی لے ایک مال مباح لیتا ہے جبکہ اس میں غدر نہ ہو۔

خصوصًا وہ روپیہ کہ راجہ سے مسجد کے لئے مانگ کر لیا اور اس نے بخوشی دیا اسے زبردستی زیر حرمت مان لینا کیا معنی۔

رابعًا: بالفرض یہ روپیہ حرام ہی ہوتا تو امام کرخی کے مذہب مفتی بہ پر مسجد کی طرف اس کی خباثت سرایت نہ کرسکتی جب تک اس پر عقد ونقد جمع نہ ہوتے یعنی وہ روپیہ دکھا کر بائعوں سے اینٹ کڑیاں زمین وغیرہا خریدی جاتیں کہ اس روپے کے عوض میں دے پھر وہی زر حرام ثمن میں ادا کیا جاتا۔ظاہر ہے کہ عام خریداریاں اس طور پر نہیں ہوتیں تو اب بھی ان مسجدوں میں اثر حرام ماننا جزاف و باطل تھا۔تنویر الابصار میں ہے:

تصدق بالفلۃ لو تصرف فی المغصوب	اور باقیماندہ منفعت کو صدقہ کرے،اگر اس نے مغصوب اور

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب ص عن ابن عمر حدیث ۱۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳،الترغیب والترھیب ترھیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۸۰

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

[3] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

اوالودیعة وربح اذاکان متعینا بالاشارۃ اوبالشراء بدراہم الودیعة او الغصب ونقدھا،وان اشارالیھا و نقد غیرہا اوالی غیرہا اواطلق ونقدھا لا ،وبه یفتی[1]۔	ودیعت میں تصرف کیااور اس سے نفع حاصل ہوا جبکہ وہ مغصوب یا ودیعت متعین ہو چاہے اشارہ سے متعین ہو یا غصب وودیعت کے دراہم کے بدلے خریدنے اور انہی دراہم کوادا کرنے سے متعین ہواور اگراشارہ دراہم غصب و ودیعت کی طرف کیااور ادا دوسرے درھم کئے یااشارہ دراھم غصب وودیعت کے غیر کی طرف کیا اور ادا دراہم غصب و ودیعت کئے یاذکر مطلق دراہم کا کیا بلااشارہ کے اور ادا دراہم غصب وودیعت کئے تو ان تینوں صورتوں میں منفعت صدقہ نہ کرے،اسی پر فتوی دیا گیاہے۔(ت)

خامسًا: پورے تنزل کے بعد بالفرض سرایت خبث بھی سہی تو یہ خبث بوجہ فساد ملک ہوگا نہ بوجہ عدم ملک کہ بسبب استیلاء ملک زناں میں شبہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

دخل مسلم دارالحرب بامان حرم تعرضه لشیئ منھم فلو اخرج شیئا مبلکه ملکا حراما للغدر فیتصدق به[2]۔	اگر کوئی مسلمان دارالحرب میں امان لے کر داخل ہواتوان کی کسی چیز سے تعرض کرنا اس کو حرام ہے اگر وہ ان حربی کافروں کی کوئی چیز نکال لایا تو دغابازی کی وجہ سے اس کامالک بہ ملک حرام ہوالہٰذااس کو صدقہ کردے۔(ت)

تواس صورت میں بھی صحت مسجدیت وجواز نماز کے لئے روایات کثیرہ جلیلہ موجود ہیں۔ متفرقات وقف عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لواشتری ارضا شراء فاسدا فقبضھا و اتخذھا مسجدا وصلی الناس فیه ذکر ھلال رحمه اللہ تعالٰی فی وقفه انه مسجد وعلی المشتری قیمتھا ولاترد الی البائع قال ھلال ھذا قول اصحابنا	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ کوئی زمین خریدی اور اس پر قبضہ کرکے اس کو مسجد بنادیا اور لوگوں نے اس میں نماز پڑھ لی تو ہلال رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وقف میں فرمایا کہ وہ مسجد ہے اور اس کی قیمت مشتری کے ذمے ہے اس کو بائع کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا،ہلال رحمہ اللہ نے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۰۶-۲۰۵

[2] درمختار کتاب الجہاد باب المستأمن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

فی المسجد والوقف علی قیاسه[1]۔	فرمایا کہ ہمارے اصحاب کا یہ قول مسجد کے بارے میں ہے اور وقف کو اسی پر قیاس کیا جائیگا (ت)

فتاوٰی قاضیخاں نیز ہندیہ اوائل الوقف میں ہے:

لواشتری رجل دارا شراء فاسدا وقبضها ثم وقفها علی الفقراء والمساکین جاز وتصیر وقفا علی ماوقفت وعلیه قیمتها[2]۔	اگر کسی نے شراء فاسد کے ساتھ گھر خریدا اور اس نے قبضہ کرلیا پھر اس کو فقراء ومساکین پر وقف کردیا تو جائز ہے اور وہ ان پر وقف ہوجائیگا جن پر اس نے وقف کیا اور اس کی قیمت اسی مشتری پر لازم ہوگی۔ (ت)

تنویر الابصار احکام البیع الفاسد میں ہے:

فان وقفه وقفا صحیحا نفذ[3]۔	اگر اس کو وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا تو نافذ ہوجائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لانه استهلکه حین وقفه واخرجه عن ملکه ومافی جامع الفصولین علی خلاف ھذا غیر صحیح کما بسطه المصنف[4]۔	اس لئے کہ اس نے وقف کرکے اس کو ہلاک کرڈالا اور اس کو اپنی ملک سے خارج کردیا، اور وہ جو جامع الفصولین میں اس کے خلاف آیا ہے وہ صحیح نہیں جیسا کہ مصنف نے اس کو تفصیل سے بیان کیا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین لو وقفه او جعله مسجدا لایبطل حق الفسخ مالم یبن اھ ای فالمانع من الفسخ ھو البناء حمله فی	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر مشتری نے اس کو وقف کیا یا مسجد بنایا تو جب تک عمارت نہ بنادے حق فسخ باطل نہیں ہوتا اھ یعنی مانع فسخ، عمارت ہے،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۵۔۴۸۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول فی تعریفہ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۴

[3] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

[4] درمختار شرح تنویر ابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

النھر علی احدی روایتین وھو اولی من التغلیط وحملہ فی البحر علی ما اذا لم یقض بہ. قلت لکن المسجد یلزم بدون القضاء اتفاقا[1]۔	صاحب نہر نے اس کو دو روایتوں میں سے ایک پر محمول کیا اور یہ اس کی تغلیط سے اولٰی ہے اور بحر میں اس کو اس پر محمول کیا کہ جب تک اس کے ساتھ قضاء واقع نہ ہو۔ میں کہتا ہوں لیکن مسجد تو بغیر قضاء قاضی کے لازم وثابت ہوجاتی ہے بالاتفاق۔(ت)

اسی کے اوائل وقف میں ہے:

صح وقف ما شراہ فاسدا بعد القبض[2]۔	قبضہ کے بعد اس چیز کا وقف صحیح ہے جس کو شرا فاسد کے ساتھ خریدا ہو۔(ت)

نظر بحالت مذکورہ سوال انہیں پر فتوٰی واجب ہوتا اذ لا یفتی فی الوقف الا بما ھو انفع لہ (وقف میں صرف اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے جو اس کے حق میں زیادہ نافع ہو اس کے غیر پر فتوٰی نہیں دیا جاتا۔ت) نہ کہ ان مباحث عظیمہ کے ساتھ جو ہم نے ابتداءً ذکر کیں جن کے بعد شبہ کو اصلاً گنجائش نہیں، وللہ الحمد، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰: از لکھنؤ جھوائی ٹولہ بادشاہ محل کی ڈیوڑھی مسئولہ منشی انور علی ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص موذن مسجد ہے اور اس شخص مؤذن نے حجرہ مسجد جو وقف تھا اس میں اپنا دخل اور تصرف مالکانہ کرکے ایک مکان اوپر اس حجرہ کے بنایا اور حجرہ وقف کو اپنے مالکانہ تصرف اور ماتحت میں لاتا اور اس میں خانہ داری وسکونت کرتا ہے، آیا عند الشرع الشریف یہ جائز ہے یا نہ اور اہل محلّہ اس کو خارج کرسکتے ہیں یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

حجرہ اگر سکونت مؤذن کے لئے واقف نے وقف کیا تھا اور اس نے اس کے اوپر کوئی عمارت اپنے روپے سے وقف کے لئے بنا کر اس میں سکونت کی تو اس پر الزام نہیں، نہ یہ کوئی تصرف مالکانہ ہے بلکہ مطابق شرط واقف ہے اور اگر حجرہ مسجد کے دیگر مصارف کے لئے وقف ہوا تھا جن میں سکونت مؤذن داخل نہیں، تو بیشک ناجائز ہے اور مہتممان مسجد اسے خارج کرسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۹

مسئلہ ۳۲۱: از گرواڑہ ریاست بڑودہ مسئولہ یوسف علی خاں بہادر ۷ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عرصہ دس سال سے اپنی کتابیں جامع مسجد بڑودہ میں فی سبیل اللہ وقف کردی ہیں، عرصہ دس سال سے انجمن اصلاح اہلسنت وجماعت کے قبضے میں ہیں اب وہ شخص رافضی کی طرفداری میں ہوکر کتب خانہ موقوف کو واپس اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اس بات کا مستحق ہے کہ انجمن اہل سنت وجماعت کا قبضہ چھڑا کر اپنا قبضہ کرے یا کتابوں کو دوسری مسجد یا مدرسہ کی طرف منتقل کردے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگراس نے کتابیں مسجد جامع پر وقف کیں تو جائز نہیں کہ وہ کسی مدرسہ یا دوسری مسجد کی طرف منتقل کی جائیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ظاہرہ انه یکون مقصوراعلٰی ذٰلك المسجد وھذاھو الظاہر حیث کان الواقف عین ذٰلك المسجد[1]۔	ظاہر اس کا یہی ہے کہ وہ اسی مسجد کے لئے مختص ہے اور یہی ظاہر ہے جبکہ خود واقف نے اسی مسجد کے لئے معین کردیا تھا۔ (ت)

قنیہ میں ہے:

سبل مصحفا فی مسجد بعینه للقرائه لیس له بعد ذٰلك ان یدفعه الٰی اٰخر من غیر اھل تلك المحلة للقرائة[2]۔	کسی شخص نے قرآن مجید ایک خاص مسجد میں تلاوت کے لئے صدقہ کیا تو اب اس کو اختیار نہیں کہ وہ اس مسجد کے اہل محلّہ کے علاوہ کسی دوسرے کو پڑھنے کے لئے دے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبه عرف حکم نقل کتب الاوقاف من محالھا للانتفاع بھا، والفقھاء بذٰلك مبتلون فان وقفھا علی مستحقی وقفه لم یجز نقلھاو	اسی سے کتب اوقاف کے انتفاع کی غرض کا اپنے مکانات سے منتقل کرنے کا حکم معلوم ہوگیا اور فقہاء اس کے ساتھ مبتلی ہیں پس اگر تو واقف نے صرف اپنے وقف (یعنی اپنی مسجد و مدرسہ) کے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

[2] القنیۃ المنیۃ للتتمیم الغنیۃ کتاب الوقف کلکتہ انڈیا ص ۲۱۳

ان علی طلبة العلم وجعل مقرھا فی خزانته التی فی مکان کذافی جواز النقل تردد نھر [1]۔	مستحقوں کے لئے ان کتابوں کو وقف کیا ہے توان کو منتقل کرنا جائز نہیں اور اگر مطلقاً طالبان علم کیلئے وقف کیا اور ٹھکانا ان کتابوں کااپنے اس خزانہ میں مقرر کیاجو فلاں مکان میں ہے تو منتقل کرنے کے جواز میں تردد ہے، نہر (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی تحصل من کلامه انه اذا وقف کتبا وعین موضعھا فان وقفھا علی اھل ذلك الموضع لم یجز نقلھا منه لالھم ولا بغیرھم،وظاھرہ انه لایحل لغیرھم الانتفاع بھا،وان وقفھا علی طلبة العلم فلکل طالب الانتفاع بھا فی محلھا وامانقلھا منه ففیه تردد ناشیئ مماقدمه عن الخلاصة من حکایة القولین من انه لو وقف المصحف علی المسجد ای بلاتعیین اھله قیل یقرأفیه ای یختص باھله المترددین الیه وقیل لایختص به ای فیجوز نقله الی غیرہ وقد علمت تقویة القول الاول بمامر عن القنیة [2]۔	اس کے کلام سے جو معنٰی حاصل ہورہا ہے وہ یہ ہے کہ اگر واقف نے کتابوں کووقف کیا اور ان کے لئے مکان معین کردیا پھراگر صرف اسی جگہ والوں کے لئے وقف کیا تو اب منتقل نہیں کرسکتا نہ ان لوگوں کے لئے نہ دوسروں کے لئے۔ اس کا ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں کے غیر کے لئے ان کتب موقوفہ سے انتفاع حلال نہیں اور اگران کتب کو طالبان علم پر وقف کیاتوان کتب کے محل معین میں ان سے ہر طالب علم کو انتفاع کا حق ہے لیکن ان کتابوں کو اس محل معین سے منتقل کرنے میں تردد ہے جوخلاصہ کے حوالہ سے ان دو قولوں سے پیدا ہوا جن کی سابق میں حکایت کی جاچکی ہے یہ کہ اگر کسی شخص نے قرآن مجید کسی مسجد پر وقف کیامگراس مسجد والوں کی تعیین نہیں کی توایک قول یہ ہے کہ اس کے ساتھ مختص نہیں لہذااس کو منتقل کرنا جائز ہے تو تحقیق تو قول اول کی تقویت قنیہ کی تائید سے پہلے ہی جان چکا ہے۔ (ت)

واقف کتب اگرکتابیں اسی مسجد میں رکھنا چاہتا اور قبضہ انجمن سے نکال کراپناقبضہ متولیانہ رکھتا تواس کے جواز کی طرف راہ تھی، امام ابویوسف کے نزدیک جائز تھا، اشباہ میں فرمایا به یفتی (اس پر فتوٰی ہے۔ت)، اور امام محمد کے نزدیک ناجائز تھا جب تک وقت وقف یہ شرط نہ کرلیتا کہ متولی کے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۶

بدلنے کا مجھے اختیار ہے۔ صاحب ہدایہ نے تجنیس میں فرمایا: **الفتوی علی قول محمد** (فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ت) اور اسی پر علامہ قاسم نے تصحیح القدوری اور خود صاحب اشباہ نے اپنے رسائل میں جزم فرمایا کہ ناجائز ہے، لیکن اگر وہ قبضہ اس لئے چاہتا ہے کہ کتابیں دوسری جگہ منتقل کردے تو اس کی اجازت نہ دیں گے اور اگر رافضی کو متولی کرنے کے لئے یہ حیلہ کرتا ہے تو بالاتفاق ہرگز ہرگز جائز نہیں کہ رافضی کا متولی کرنا حرام محض ہے **کما حققناہ فی الفتوی الاولی** (جیسا کہ پہلے فتوے میں ہم اس کی تحقیق کرچکے ہیں۔ت) اس صورت میں اگر واقف خود پہلے سے متولی ہوتا فورًا وہ خود نکال لیا جاتا کہ اس سے وقف کی بدخواہی ثابت ہوئی ہے **کما تقدم من الدر ینزع وجوبا ولو الواقف غیر مامون**[1] (جیساکہ در کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ وقف متولی سے وجوبًا لے لیا جائے گا اگرچہ خود واقف ہو جب وہ امانت دار نہ ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۲: ازاودے پور میواڑ مہارانی ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافر اگر اپنی خوشی سے زمین دے کہ اس زمین میں مسجد بنالو یا کوئی سامان دے کہ مسجد میں لگالو، یا روپیہ دے کہ اس کو بھی مسجد میں لگانا، تو اس کی یہ چیزیں مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کافر اگر زمین اپنی ملک رکھ کر مسلمانوں کو اس پر مسجد بنانے کی اجازت دے تو وہ مسجد مسجد ہی نہ ہوگی **فان الکافر لیس اھلا لوقف المسجد** (کیونکہ کافر وقف مسجد کی اہلیت نہیں رکھتا۔ت) ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین ہبہ کرکے قبضہ دے دے کہ مسلمان مالک ہوجائے اور وہ مسلمان اپنی طرف سے اسے مسجد کرے تو صحیح ہے سامان اگر کافر نے ایسا دیا کہ بعینہٖ مسجد میں لگایا جائے گا جیسے کڑیاں یا اینٹیں تو جائز نہیں کہ وہ مسجد کے لئے وقف کا اہل نہیں وہ مال اسی کی ملک رہے گا اور مسجد میں ملک غیر کا خلط صحیح نہیں، ہاں یہاں بھی اگر مسلمان کو تملیک کردے اور مسلمان اپنی طرف سے لگائے تو حرج

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

نہیں، مسجد میں لگانے کو روپیہ اگراس طور پر دیتا ہے کہ مسجد یا مسلمانوں پر احسان رکھتا ہے یااس کے سبب مسجد میں اس کی کوئی مداخلت رہے گی تو لینا جائز نہیں اور اگر نیاز مندانہ طور پر پیش کرتا ہے تو حرج نہیں جب کہ اس کے عوض کوئی چیز کافر کی طرف سے خرید کر مسجد میں نہ لگائی جائے بلکہ مسلمان بطور خود خریدیں یاراجوں مزدوروں کی اجرت میں دیں اوراس میں بھی اسلم وہی طریقہ ہے کہ کافر مسلمان کو ہبہ کردے مسلمان اپنی طرف سے لگائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳تا۳۲۴: از بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رمضان علی بنگالی ۲۰صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ایک محلّہ میں دو مسجد ہیں اور دونوں مسجد کے متولی ایک ہی آدمی ہیں فی الحال محلّہ کے سب آدمی بالاتفاق دونوں مسجد کے اسباب سے ایک مسجد تیار کرنی چاہتے ہیں، شرعًا دونوں مسجد کو ایک مسجد بنانا جائز ہے یانہیں؟

(۲) کسی مسجد میں کڑی، چونا، اینٹ وغیرہ زائد ہے کسی کام میں صرف نہیں ہوتا اگر بہ رائے سب مصلی کے اس اسباب کو دوسری مسجد میں بھیجنے یا کوئی شخص اپنے کام کے لئے خرید کرلے جائے یا محلّہ کے آدمی تقسیم کرکے لے جائیں تو جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) اگر یہ چاہتے ہیں کہ دونوں مسجدوں کو معدوم کرکے تیسری جگہ مسجد بنائیں تو یہ حرام حرام سخت حرام اشد ظلم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ"[1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں اللہ کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی میں کوشش کرے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بڑا عذاب۔

اور اگر دونوں مسجدیں متصل ہیں یہ چاہتے ہیں کہ بیچ کی دیوار ہٹا کر دونوں کو ایک کرلیں تو یہ جائز ہے۔ اشباہ ودرمختار میں ہے:

لاھل المحلۃ جعل المسجدین واحدا[2]۔	اہل محلّہ کو اختیار ہے کہ دو مسجدوں کو ایک کرلیں۔ (ت)

(۲) اہل محلّہ یا کوئی اسے اپنے تصرف میں کرلے یہ حرام، اسے دوسری مسجد میں دے دیں یہ حرام۔ اسے بیچ کر اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر ومرمت کے لئے محفوظ رکھیں یہ جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

مسئلہ ۳۲۵: از ریاست گوالیار محلّہ حویلی پچھواڑہ مسئولہ نور محمد خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں، کیاکسی مجبوری کی حالت میں بموجب شریعت یہ جائز ہے کہ عمارت مسجد پختہ یا خام دوسری جگہ منتقل کردی جائے اور زمین مسجد پر مکان یا راستہ وغیرہ بنالیا جائے اور اس کے عوض میں دوسری جگہ مناسب زمین لے کر اس پر مسجد بنوادی جائے اور اس کا ملبہ وغیرہ سب اسی میں لگادیا جائے اور خوبصورت بنوادی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنا اور اس کی زمین پر راستہ یا مکان بنانا سب اشد حرام قطعی ہے اگرچہ اس کے عوض دوسری جگہ سونے کی مسجد بنوادی جائے، مجبوری کی تفصیل لکھی جائے کہ اس پر جواب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲٦: از بیلپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ مولوی عرفان علی صاحب رضوی سلمہ ۱/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندوؤں کو مسجد کے کنویں سے پانی بھرنے کی اجازت دینے کا کیا حکم ہے اور کیا شرعًا وہ مسجد کے کنویں سے پانی بھر سکتے ہیں؟ یہاں خلافت کمیٹی والوں نے ہندو مسلم اتحاد کی بناء پر کچہری کلکٹری کی مسجد کے کنویں سے ہندوؤں کو پانی بھرنے کی اجازت دی ہے، کنواں مسجد میں ہے تین طرف عین مسجد یعنی فرش مسجد ہے اور ایک جانب فصیل اور وضو کے پانی کی نالی ہے۔ خلافت کمیٹی والے کہتے ہیں کہ فناء مسجد یعنی نالی اور فصیل کی جانب سے داخل ہوکر ہندو پانی بھر سکتے ہیں اگرچہ آنکھوں سے دیکھا گیا کہ اہل ہنود برابر عین مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور پانی بھرتے ہیں، کیا مسلمانان شہر پر فرض ہے کہ حتی الامکان مسجد کو اہل ہنود کی دسترس سے بچائیں۔

الجواب:

بلاشبہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ مسجد کو مشرکین کی بے حرمتی سے محفوظ کریں اور خلافت کمیٹی کی ہندو پرستی پر لحاظ نہ کریں۔ ان لوگوں نے مسجد میں جاکر پانی بھرنا درکنار بارہا مساجد میں ہندوؤں کو لے جاکر مسلمانوں کا واعظ بنایا ہے، فصیل مسجد بھی حکم مسجد میں ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فناء مسجد مسجد کے تابع ہوتا ہے لہٰذا اس کا حکم وہی ہے جو مسجد کا ہوتا ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴٦۲

مسئلہ ۳۲۷تا۳۲۸: از محمد پور وڈہرہ والا تحصیل احمد پور ڈاکخانہ خاص مسئولہ مولوی غلام فرید ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسجد کہنہ مسقف جس کے یمین شمال مشرق میں میدان پڑا ہے جس کے جوانب محدود بدیوار ہائے پختہ ہیں گنبد ہائے مسجد گر گئے ہیں اور دیوار جنوبی بھی گر گئی ہے جس کی خشتہائے پختہ بہت عرصہ سے خراب ہورہی ہیں، کیا بموجب شرع شریف یہ خشتہا کسی دوسری مسجد پر یا ان کو بیچ کر اسی مسجد کہنہ کی تعمیر پر رقم صرف کرنا جائز ہے ورنہ مسجد میں بھی یوں ہی منہدم رہے گی اور خشتہا بھی ضائع ہوجائیگی۔

(۲) سامان مسجد شریف مثل خشتہائے پختہ وکڑی ہائے کہنہ وغیرہ آوارہ پڑی ہیں اور مسجد شریف بھی اس سامان سے مستغنی ہے تو کیا وہ سامان مسجد کا دوسری مسجد پر لگایا جائے یا نہیں؟ اگر لگایا جائے تو کسی کی اجازت سے قیمت لی جائے یا خیراتی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ان اینٹوں کا دوسری مسجد میں دینا حرام ہے اسی مسجد کی تعمیر میں صرف کی جائیں، اور اگر اس مسجد کی تعمیر میں ان کی حاجت نہ ہو مثلاً دیوار شکستہ بن چکی یا اور مضبوط اینٹوں یا پتھروں سے بنانے کا ارادہ ہے تو انہیں متولی یا متدین جماعت محلّہ بکمال امانت ودیانت بیچ کر اسی مسجد کی تعمیر ہی میں صرف کریں مسجد کے دوسرے کام میں اس قیمت کا خرچ کرنا حرام ہوگا **والتفصیل الکامل فی فتاوٰنا** (تفصیل کامل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

(۲) ان انقاض کا دوسری مسجد میں دے دینا حرام ہے کسی کی اجازت سے نہیں دے سکتے ہاں جب کہ یہ مسجد ان سے مستغنی ہے تو بیع کئے جائیں اور دوسری مسجد کے ہاتھ بیع کرنا اولٰی ہے کہ بدستور معظم رہیں گے وہ قیمت اسی مسجد کی تعمیر میں صرف ہو اور اس وقت تعمیر کی حاجت نہ ہو تو متولی امین متدین کے پاس اسی مسجد کی حاجت تعمیر کے لئے امانت رہے اور کام میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ بیع متولی کرے اگر وہ نہ ہو تو امین متدین جماعت محلّہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۹: از سررشتہ اسلام کمیٹی آگرہ جامع مسجد مسئولہ عبدالرشید سررشتہ دار کمیٹی ۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ نمازیان مسجد کی رائے ہے کہ صحن مسجد کی توسیع کے لئے دکانات متعلقہ مسجد کی چھت پر ایک کمرہ تعمیر کیا جائے تاکہ اوپر کی چھت پر مسجد کا صحن ہوجائے اور نیچے اس کے ایک کمرہ ہوجائے مسجد بہت اونچی ہے جب دکانوں پر کمرہ بنے گا تو کمرہ کی چھت صحن مسجد سے برابر ملے گی، اس طرح توسیع صحن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، اور مسجد جب بھر جائے تو اس کمرے کی چھت پر پڑھنے والوں کو بھی مسجد ہی کا ثواب ملے گا اگرچہ وہ کمرہ صرف وقف علی المسجد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ازدوکوہہ ڈاک خانہ چھاؤنی جالندھری مسئولہ سید حاجی منور شاہ ۲۷ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں ایک مسجد تقریبًا پچاس برس سے موجود ہے جس کو اس گاؤں کے اہل سنت نے مل کر تعمیر کیا تھا جب سے اب تک ہر نماز اس میں ادا کرتے ہیں چند سال سے اس گاؤں میں چند لوگ رافضی ہوجانے کے سبب اہلسنت سے ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رکھتے ہیں کچھ عرصہ سے ان لوگوں نے اس بناپر کہ اس مسجد کی تعمیر میں ہمارے آباواجداد بھی شامل تھے اس لئے ہمیں بھی اذان و نماز کا حق حاصل ہے، قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد پر قبضہ کرلینا چاہتے ہیں اور سنیوں کو بے تعلق کرنا منظور ہے، جھگڑے فساد کا یقین کامل ہے، استفتاء یہ ہے کہ مسجد مذکور میں اہلسنت وروافض اذان و نماز ادا کرسکتے ہیں یا نہیں اور روافض کے سنی آباواجداد کے تعمیر مسجد میں شریک ہونے سے انہیں مسجد پر دخل وتصرف کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

روافض زمانہ علی العموم کفار مرتدین ہیں **کما حققناہ فی ردالرفضۃ بما لامزید علیہ** (جیسا کہ ہم اس کی تحقیق اپنے رسالہ "ردالرفضہ" میں اس انداز سے کرچکے ہیں جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ت) فتاوٰی خلاصہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الرافضی اذاکان یسب الشیخین اویلعنھما والعیاذ باللہ فھو کافر[1]۔ **قال اللہ تعالٰی "اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ"**[2]۔	رافضی جب شیخین کریمین (صدیق و عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالیاں بکے یا ان پر لعنت بھیجے تو وہ کافر ہے (ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں۔ (ت)

نہ ان کی اذان اذان، نہ ان کی نماز نماز۔

قال اللہ تعالٰی "وَقَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۴

عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾"[1]	ہم نے قصد فرماکر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔ (ت)

اور ان کے باپ دادا جبکہ اہلسنت تھے اور انہوں نے مذہب رفض اختیار کیا تو نہ وہ ان کے باپ رہے نہ یہ ان کی اولاد، نہ ان کے ذریعہ سے انہیں کوئی دعوی پہنچتا ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﴿﴾"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح! وہ تیرے گھروالوں میں نہیں بیشک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۱: ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

عبدالکریم خاں نے جو وارث چھوڑے وہ حسب تفصیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران ومسماۃ مندھو زوجہ اپنے کو چھوڑا۔ ایک منزل مکان عبدالکریم خان نے اپنے زوجہ کو بعوض دین مہر کے دیا اور اس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو کے نام تحریر کردیا۔ مسماۃ مندھو نے اس مکان کو بدست فدا حسین خاں ولد کالے خاں کے بیع کردیا جس کا لادعوی مسماۃ مشہدی سے لکھوایا گیا۔ مسماۃ مندھو نے جو وارث چھوڑے حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالشکور خاں وعبدالحکیم خاں وعبدالنبی خاں وکالے خاں پسران عبدالنبی خان فوت ہوئے انکے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: عبدالنبی خان وعلی محمد خاں وولی محمد خاں پسران۔ عبدالنبی خاں ومسماۃ کنا ومسماۃ اولیا بیگم زوجہ عبدالنبی خاں اور دختران عمراؤ واقبال کو چھوڑا۔ عبدالحکیم خان فوت ہوئے اس کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: حاجی عبدالرحمٰن وعبدالرحیم خان ننھے خان پسران عبدالحکیم خان ولایتی بیگم وچھوٹی بیگم دختران عبدالحکیم خان وزوجہ معلوم کو چھوڑا۔ کالے خان فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: فدا حسین خاں پسر کالے خان کو اپنا وارث چھوڑا۔ فدا حسین خاں فوت ہوئے ان کے وارث حسب تفصیل ذیل ہیں: زوجہ اولٰی کا انتقال فدا حسین خان کے سامنے ہوگیا تھا، یہ نہیں معلوم کہ دین مہر ادا ہوا یا معاف ہوا اور زوجہ اولٰی کے فوت ہونے کے بعد زوجہ ثانی کے ساتھ عقد ہوا جس کا نام مشہدی بیگم ہے۔ مسماۃ مشہدی بیگم نے مہر معاف نہیں کیا ہے۔ زوجہ مشہدی بیگم لاولد اور زوجہ اولٰی بھی لاولد اور ایک چچا حقیقی عبدالشکور خان وعبدالمجید خاں وعبدالوحید خاں وعبدالعزیز خان پسران عبدالشکور خان اور چچازاد بھائی

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

عبدالغنی خان و علی محمد خان وولی محمد خان پسران عبدالنبی خان مرحوم یہ وارث چھوڑے۔ یہ جائداد جس قدر وقف ہوئی علاوہ مکان مسماۃ مندھو کے یہ کالے خان کی پیدا کی ہوئی تھی اور مکان جس کا بیعنامہ مسماۃ مندھو نے بنام فدا حسین خان کیا عبدالکریم خان کا پیدا کردہ ہے جس سے مسماۃ مشہدی بیگم سے لادعوی لکھوادیا ہے اقرار نامہ پیش کرتا ہوں۔

منکہ مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خان مرحوم و عبدالشکور خاں ولد عبدالکریم مرحوم و حاجی عبدالرحمان خاں و ننھے خان و عبدالرحیم خاں پسران عبدالحکیم خان ساکن بریلی محلّہ بہار پور کے ہیں جو کہ جائداد مفصلہ ذیل مالیتی دو ہزار روپے حاجی کالے خاں مرحوم مورث اعلیٰ ہمارے واقع محلّہ بہاری پور بریلی کے ہیں اس کا تصفیہ باہمی رضامندی ہم سب ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تاحیات مسماۃ مشہدی بیگم زوجہ فدا حسین خاں کے قبضہ اور تصرف میں رہے گی اور اس کی آمدنی سے وہ تصرفات اپنے کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہواری تاحیات اپنی عبدالشکور خان وایک روپیہ ماہواری تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن دیا کریں اگر مسماۃ مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت و عصمت سے گزربسر نہ کرے تو اس کو حق قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول از ماہوار مقررہ عبدالشکور خان و حاجی عبدالرحمان خان باقی نہیں رہے گا اور بحال عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصرف مسجد بی جی صاحبہ واقع بریلی محلّہ بہاری پور وقف متصور ہوگی۔ مسماۃ خواہ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات و مکانات کا حاصل نہ ہوگا۔ جو شخص متولی مسجد ہے یا آئندہ کو ہوگا وہی متولی جائداد مذکور کا ہوگا، ہم مقران یا کسی متولی کو منصب انتقال جائداد بذریعہ بیع و رہن وغیرہ کے نہ ہوگا مرمت شکست ریخت دکانات و مکانات کے مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی اگر خدانخواستہ کوئی دکان و مکان بالکل منہدم ہوجائے تو اس کی تعمیر مسجد بی بی صاحبہ اپنے سرمایہ سے بذریعہ متولی مسجد کے کرے گی، مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں و عبدالرحیم خاں و ننھے خاں وغیرہ میں مسماۃ مذکور کو کچھ تعلق اور دعوی نہ ہوگا لہٰذا ان سب مراتب پر اقرار لاکر یہ اقرار نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فدا حسین خاں ولد کالے خاں نے زوجہ مشہدی بیگم اور چچا عبدالشکور چھوڑ کر انتقال کیا عبدالحکیم خاں کے دوسرے چچا تھے جو فدا حسین خان سے پہلے گزر گئے جائداد کہ فدا حسین خان کی پیدا کردہ ہے اور مکان کہ فدا حسین خان نے اپنی دادی مندھو سے خریدا جو اسے اس کے شوہر نے دین مہر میں دیا تھا ان متروکات فدا حسین خاں کے نسبت ایک اقرار نامہ مشہدی بیگم و عبدالشکور خان اور پسران عبدالحکیم خان حاجی عبدالرحمٰن خاں و عبدالرحیم خاں و ننھے خاں

نے اس مضمون کالکھا کہ جو کہ جائداد مفصلہ ذیل حاجی کالے خاں مرحوم ہمارے مورث عالی کی ہے اس کا تصفیہ برضامندی ہم سے ورثائے کالے خاں کے یہ قرار پایا کہ جائداد مذکور الصدر تاحیات مشہدی بیگم کے قبضہ وتصرف میں رہے گی اس کی آمدنی سے وہ اپنے تصرفات کرتی رہے اور علاوہ آمدنی کرایہ جائداد موقوفہ کے ایک روپیہ ماہوار تاحیات اپنی عبدالشکور خان اور ایک روپیہ ماہوار تاحیات مسماۃ حاجی عبدالرحمٰن خان دیا کریں اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کرے یا عفت وعصمت سے گزر نہ کرے توان کو قبضہ اور آمدنی کرایہ جائداد مذکور اور وصول ماہوار مقررہ نہ رہے گااور بحالت عقد ثانی اور فوت مسماۃ کے یہ جائداد واسطے مصارف مسجد بی بی جی صاحبہ کے وقف متصور ہوگی مسماۃ دیگر ورثا کو حق وصول زر کرایہ دکانات کا حاصل نہ ہوگا مرمت شکست ریخت مکانات دکانات کی مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی،اگر کوئی دکان مکان بالکل منہدم ہوجائے اس کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی مکان خام موروثی مسکونہ عبدالشکور خاں وعبدالرحیم خاں وغیرہ میں مسماۃ کو کچھ دعوی نہ ہوگا فقط۔ اس صورت میں یہ دکان ومکان وقف ہوگئے یا نہیں؟ مشہدی بیگم کس چیز کی مستحق ہے اگر وہ نکاح ثانی کرے تو اس کا کیااثر ہے؟ مکان خرید کردہ فدا حسین خاں جس سے لادعوی لکھایا گیاہے وہ ہوا یا نہیں؟ مشہدی بیگم ماہوار مذکور عبدالشکور خان وحاجی عبدالرحمٰن خاں سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت اقرار نامہ عجب مختل ہے صورت واقعہ اگر وہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو وہ جائداد حاجی کالے خان کی ہے،نہ عبدالشکور وپسران عبدالحکیم خاں حاجی کالے خان کے وارث ہیں اس کا وارث تنہا فدا حسین خان تھااور جائداداس کی بھی نہیں فدا حسین خان کی ذاتی یا خرید کردہ ہے بہر حال اس کا مالک صرف فدا حسین خاں تھا جسکے وارث فقط مشہدی بیگم زوجہ اور عبدالشکور خان چچا ہیں، مگراس کااس اقرار میں شریک ہونا قضاءً ان پر حجت ہوگااور جائداد متروکہ کالے خاں قرار پائے گی لیکن اس سے بھی پسران عبدالحکیم خاں کواس سے تعلق ثانت نہ ہوگا کہ کالے خان کا بیٹا فدا حسین خاں موجود تھااس کے ہوتے بھتیجوں کا وارث ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا پھر جائداد کی نسبت ابتداء میں بطور اشارۃ النص لفظ موقوفہ واقع ہوامذہب مفتٰی بہ میں اگرچہ صرف اسی قدر سے وقف ہوجاتاہے۔درمختار میں ہے:

اکتفی ابویوسف بلفظ موقوفۃ فقط قال الشھید ونحن نفتی	امام ابویوسف نے وقف کے لئے صرف لفظ موقوفہ پر اکتفاء فرمایا، شہید نے کہا کہ ہم عرف کی بناء پر

بہ للعرف[1]۔	اس کے ساتھ فتوٰی دیتے ہیں۔(ت)

مگر آگے عبارۃ النص یہ ہے کہ اگر مشہدی بیگم دوسرا نکاح کریں یا عفت سے گزر نہ کریں تو یہ جائداد وقف متصور ہوگی، یہ صراحۃ وقف کی تعلیق ہے اور دستاویز واحد کا اول وآخر کلام واحد ہے کمانص علیہ فی الخیریۃ(جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی گئی ہے۔ت) تو وہ لفظ موقوفہ کا اطلاق اس شرط سے مقید ہوا اور وقف کا کسی شرط پر تعلق کرنا اسے باطل کردیتا ہے۔

درمختار میں ہے:

شرطہ ان یکون منجزا لامعلقا الابکائن[2]۔(ملتقطا)	وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ منجز ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذاجاء غدا اواذاجاء راس الشھر اواذاکلمت فلانا او اذا تزوجت فلانۃ فارضی ھذہ صدقۃ موقوفۃ اوان شئت اواجبت یکون الوقف باطلا لان الوقف لا یحتمل التعلیق بالخطر[3] اھ من الوقف ومن اواخر البیوع۔	واقف نے کہا جب کل کا دن آئے یا جب میں فلاں سے کلام کروں یا فلاں عورت سے شادی کروں تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہوگی یا یوں کہا کہ اگر میں چاہوں یا پسند کروں، تو وقف باطل ہوجائیگا کیونکہ وقف قریب الہلاکت چیز سے معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا اھ وقف اور اواخر کتاب البیوع۔(ت)

لیکن آگے یہ عبارت ہے کہ مرمت مسماۃ اپنے پاس سے کرتی رہے گی منہدم کی تعمیر مسجد کرے گی یہ اس صورت سے متعلق نہیں کہ مشہدی بیگم نکاح کرے یا مرجائے، موت کے بعد مرمت ناممکن اور بعد نکاح اسے جائداد سے بالکل بے تعلق ٹھہرایا گیا ہے اس کے ذمہ مرمت رکھنے کے کیا معنی، تو یہ ضرور اس کی حیات قبل نکاح کا ذکر ہے اور اس وقت کے لئے کہا کہ منہدم کی تعمیر مسجد اپنے سرمایہ سے کرے گی اگر مسجد پر وقف نہیں تو تعمیر منہدم ذمہ مسجد ہونے کے کیا معنی، تو بعد تنقیح تام اس مختل عبارت کا محصل یہ نکلا کہ مقرین نے یہ تمام جائداد فی الحال وقف کی اور مصارف میں یہ شرط لگائی کہ تاحیات مشہدی بیگم کے تصرف میں رہیں بشرطیکہ وہ بہ عفت بسر

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۰

کرے اور دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک آمدنی اس کے لئے ہے اور شکست ریخت کی مرمت اس کے ذمہ ہے منہدم کی تعمیر مسجد خود کرے، تو اگرچہ جائداد فی الحال وقف ہے مگر آمدنی سے حق مشہدی بیگم بشرط مذکور متعلق ہے اگر یہ شرط مفقود ہو یعنی مشہدی بیگم نکاح کرلے یا عفت سے بسر نہ کرے تو اس وقت یہ جائداد ذات و منافع دونوں کے لحاظ سے خالص مسجد پر وقف متصور ہوگی یعنی آمدنی سے بھی مشہدی بیگم کو کوئی تعلق نہ رہے گا، یہ اس اقرار نامہ کا محصل منقح ہے،

وتصحیح الکلام اولٰی من اہمالہ مہما امکن [1] کما نصوا علیہ فی الاشباہ وغیرہا۔	کلام کو حتی الامکان صحیح بنانا اس کو مہمل بنانے سے اولٰی ہے، جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے (ت)

لہٰذا جائداد مذکور تمام وکمال مسجد بی جی صاحبہ پر وقف صحیح تمام نافذ ہوگئی مشہدی بیگم تاحیات وپابندی شرط مذکور صرف آمدنی کی مستحق ہے اور شرط مذکور کی پابندی نہ کرے تو آمدنی بھی خالص صرف مسجد کی ہوگی مشہدی بیگم کو اس سے تعلق نہ رہے گا، ماہوار کہ عبدالشکور خان و حاجی عبدالرحمٰن خان نے مقرر کیا وہ ایک وعدہ ہے جس کا نباہنا ان کو مناسب ہے مگر مشہدی بیگم اس پر مجبور نہیں کرسکتی اگرچہ وہ شرط مذکور کی پابند بھی رہے مکان سے لادعوی صحیح نہیں **لان الابراء عن الاعیان باطلۃ** (کیونکہ اعیان سے برائت باطل ہے۔ت) اگر وہ داخل وقف نہ تھا تو حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ اس کا چہارم مشہدی بیگم کا اور تین حصے عبدالشکور خاں کے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۲: ہدایت یار خاں از شاہ پور جہلم رسالہ چھاؤنی نمبر ۵ ڈاکخانہ چک نمبر ۳۸ رسالہ براہ ملک پنجاب ۹ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یافتاح، بخدمت فضیلت پناہ، عالی دستگاہ، جناب فیض مآب پیر صاحب، دام اللہ تعالٰی فیضکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ علیکم، واضح رائے عالی ہو کہ ایک مسجد شریف ایک آبادی میں تھی، اب وہ لوگ وہاں سے چلے گئے اور وہ مسجد جنگل میں رہ گئی اس مسجد قدیم کا اسباب اٹھا کر دوسری مسجد جو بنائی جائے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔** خدا تعالٰی سایہ رحمت تادیر برسر ماغریباں قائم رکھے، **آمین ثم آمین!**

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعۃ ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۱۶۸

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر اس مسجد کے آباد رکھنے، حفاظت کرنے کا کوئی طریقہ نہ ہو اور یوں جنگل میں چھوڑ دی جائے گی تو چور اور متغلب لوگ اس کا مال لے جائیں گے تو جائز ہے کہ اس کا اسباب وہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ مسجد بنائیں اور یہ کام ہوشیار اور دیانتدار مسلمانوں کی نگرانی میں ہو **واللہ تعالٰی اعلم فقط**۔

مسئلہ ۳۳۳: ۱۳ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب میت کے واسطے دفن کرنے کے لے جاؤ، اور دفن کرو تو اجازت متولی قبرستان کی واسطے دفن کرنے میت کے لینا ضرور ہے اور عمرو کہتا ہے کہ قبرستان اور مسجد وقف ہیں وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتے ہیں اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہیں، اگر قبرستان میں اجازت کی ضرورت ہوگی تو مسجد میں بھی بلااجازت نماز پڑھنا درست نہ ہوگا، متولی صرف مسجد کے جھاڑو وغیرہ دینے کو ہوتا ہے ایسے ہی تکیہ میں واسطے صفائی کے ہوتا ہے جس کو تکیہ دار کے نام سے پکارتے ہیں تکیہ اور مسجد عام مسلمانوں پر وقف ہے جس کا دل چاہے جس مسجد میں نماز پڑھے اور جس قبرستان میں چاہے اپنا مردہ دفن کرے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید غلط کہتا ہے، اس کا قول شرع شریف پر محض افتراء ہے، مقبرہ عام مسلمانوں کے لئے وقف ہوتا ہے، ہر مسلمان کو اس میں دفن کا حق پہنچتا ہے، مقبرہ کا متولی کوئی چیز نہیں، نہ اس کی اجازت کی حاجت نہ ممانعت کی پرواہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لافرق فی الانتفاع فی مثل ھذہ الاشیاء بین الغنی و الفقیر حتی جاز للکل النزول فی الخان والرباط و الشرب من السقایۃ والدفن فی المقبرۃ کذافی التبیین[1]۔	ان اشیاء سے انتفاع حاصل کرنے غنی وفقیر کے درمیان کوئی فرق نہیں یہاں تک کہ ہر شخص کو سرائے اور خانقاہ میں نزول کا حق ہے اسی طرح ہر شخص وقف سبیل سے پانی پی سکتا ہے اور قبرستان میں مردہ دفن کرسکتا ہے۔ یونہی تبیین میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

لو بنی مسجدًا لاھل محلۃ وقال جعلت	اگر کسی نے ایک محلّہ والوں کے لئے مسجد بنائی اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی عشر فی الرباطات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۶

هذاالمسجد لاهل هذاالمحلة خاصة،كان لغيراهل تلك المحلة ان يصلى فيه هكذا فى الذخيرة[1]۔	کہہ دیا کہ میں نے یہ مسجد خاص اس محلّہ والوں کے لئے بنائی ہے تو اس محلّہ والوں کے غیر کو بھی اس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے، اسی طرح ذخیرہ میں ہے۔(ت)

بلکہ مقبرہ کا عموم مسجد کے عموم سے بھی بہت زیادہ ہے بہت لوگ ہیں جنہیں مسجد سے روکنے کا حکم ہے مثلاً جذامی اور ابرص جس کا برص شائع ہو یا جس کے منہ یا بدن یا لباس میں بدبو ہو یا جس کے آنے سے فتنہ اٹھے جیسے غیر مقلد وہابی یا رافضی وغیرہم، درمختار میں ہے:

اُکل نحوثوم يمنع منه(اى من المسجد)وكذااكل موذ ولو بلسانه[2]۔	تھوم کھانے والے کو مسجد سے روکا جائے گا اسی طرح ہر موذی کو روکا جائے گا اگرچہ وہ زبان سے ایذا پہنچاتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الامام العينى فى شرحه على صحيح البخارى يلحق بمانص عليه فى الحديث كل ماله رائحة كريهة ماكولا او غيره، وكذٰلك الحق بعضهم من بفيه بخراوبه جرح له رائحة وكذلك القصاب والسماك والمجذوم والابرص اولٰى بالالحاق، وقال سحنون لااری الجمعة عليهما واحتج بالحديث و الحق بالحديث كل من اذى الناس بلسانه وبه افتى ابن عمر (رضى الله تعالٰى عنهما)وهو	امام عینی نے اپنی شرح صحیح بخاری میں فرمایا کہ حدیث کے ساتھ ہر اس شیئ کو ملحق کیا جائے گا جس میں ناگوار بدبو ہو چاہے کھانے کی چیز یا کوئی اور، اسی طرح بعض نے ملحق کیا اس شخص کو بھی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو یا اس کو ایسا زخم ہو جس سے ناپسندیدہ بو آتی ہو، اسی طرح قصاب، مچھلی کا گوشت بیچنے والا اور جذام و برص کا مریض۔ تو الحاق کے لئے اولٰی ہے۔ اور سحنون نے کہا کہ میں ان دونوں (مجذوم و ابرص) پر جمعہ فرض نہیں سمجھتا اور دلیل حدیث کو قرار دیا اور حدیث کے ساتھ زبان سے لوگوں کو ایذا دینے والے ہر شخص کو ملحق کیا گیا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس پر ہی فتوٰی دیا اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر فی المسجد نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۵۷۔۵۸

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

اصل فی نفی کل من یتأذی بہ [1] اھ بالاختصار۔	یہ اصل ہے ہر اس چیز کی نفی میں جس سے اذیت پہنچتی ہو اھ (اختصارا)۔ (ت)

مگر مقبرہ اہلسنت میں کسی سنی مسلمان کو ممانعت نہیں ہو سکتی،

لعدم الوجہ وحصول الاذن من جھۃ الشرع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ممانعت کی کوئی وجہ نہیں اور شرع کی طرف سے اذن حاصل ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از بانٹوہ ملک کاٹھیاوار مرسلہ مولوی محمد عبدالمطلب ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین کے مفتیان کرام اس مسئلہ میں کہ۔ت) ایک مرد نے مقبرہ بنایا یعنی گنبد پختہ سطح دار اور اس میں صندوقیں تیار کرائیں اور ایک مسجد نیز اس مقبرہ کے جوار میں بناء کی اور اب وہ چاہتا ہے کہ اس مقبرہ مذکور کو مسجد کے سطح کے ساتھ ملا کر برائے بانگ ونماز وقف کردیا جائے اور اب ایسے مقبرہ کی سطح پر نماز پڑھنا درست ہے کہ جس میں حالاً دو تین میت مدفون کی گئی ہیں اور آئندہ نیز ہوں گی اور اس کی سطح کو مسجد سے ملانا اور وقف کرنا برائے بانگ نماز شرعاً درست ہے یا نہ؟ بحوالہ کتب معتبرہ جواب سے مشکور وممنون فرمائیں۔

الجواب:

اگر زمین مقبرہ اس کی ملک ہے اور اب تک اس نے وقف نہ کی اگرچہ بعض اموات اس میں دفن ہوگئیں تو اگر صرف اس کی چھت کو وقف کرے گا اور زمین بدستور اپنی ملک رکھے گا تو وہ چھت وقف نہ ہوگی لکونہ وقف منقول قصدامن دون تعارف (کیونکہ یہ وقف منقول ہے قصداً بغیر تعارف کے۔ت) اور اگر زمین کو بھی مسجد کے لئے وقف کردے گا تو چھت کا وقف بھی صحیح ہوجائے گا اور اگر زمین کو مقبرہ کیلئے وقف کرچکا ہے تو عمارت مقبرہ قبل از وقف بنائی ہے یا بعد، اگر قبل از وقف بنائی ہے تو کچھ حرج نہیں، چھت کو اذان ونماز کے لئے وقف کردے ہوجائے گی

لحصول التابید بوقفیۃ الاخری وان کانت موقوفۃ علی جھۃ اخری علی ماھو الاصح ووقف البناء علی المقابر لایصح کما فی الخانیۃ والھندیۃ	کیونکہ دوسری مرتبہ وقف کرنے سے تابید ودوام حاصل ہوجائے گا اگرچہ وہ دوسری جہت پر موقوف تھی زیادہ صحیح قول کے مطابق اور عمارت کو قبرستان پر وقف کرنا صحیح نہیں جیسا کہ خانیہ وہندیہ

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

وغیرہما فھو علی مبلکه وله وقفه علی مایشاء۔	وغیرہ میں ہے چنانچہ وہ اس کی ملک میں ہے اور اس کو اختیار ہے جس پر چاہے وقف کرے(ت)

اور اگر بعد وقف بنائی ہے تو یہ عمارت خود ہی ناجائز ہے کہ مقابر موقوفہ میں عمارت بنانے کی اجازت نہیں تو اس پر اذان وغیرہ کے لئے بھی چھت بنانا بھی نہیں ہوسکتا لانه یستحق الازالة لاالادامة (کیونکہ وہ مستحق ہے اس بات کی کہ اس کو زائل کیا جائے نہ کہ اس کو دوام بخشا جائے۔ت) اسی طرح وہ زمین مقبرہ اس کی ملک نہ تھی بلکہ وہ قبرستان وقف تھا جس میں اس نے عمارت بنالی جب بھی حکم عدم جواز ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵: مسئولہ سید مظفر علی صاحب مدرس مدرسہ کریمہ خانقاہ سلون ضلع رائے بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وواقفان شرع متین اس مسئلہ میں، قبرستان کہ جس میں بہت سی قبریں مومنین ومومنات کی ہیں ستون سے مسقف کرکے کہ سب قبریں چھت کے نیچے رہیں اس چھت پر چلے پھرے اور بیٹھے اٹھے اور دوسرے حوائج انسانی ادا کرے تو عندالشرع جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر وہ قبرستان وقف ہے جیسے کہ عام مقابر ہوتے ہیں تو زمین وقف میں اس کے خلاف تصرف کی اجازت نہیں ہوسکتی فی الهندیة لایجوز تغییرہ الوقف عن هیأته[1] (ہندیہ میں ہے کہ وقف کو اس کی ہیأت سے متغیر کرنا جائز نہیں۔ت) اور اگر ملک غیر ہے تو اس میں بے اجازت مالک تصرف ناجائز ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیس لعرق ظالم حق[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرق ظالم کا کوئی حق نہیں(ت)

اور اگر اس کی اپنی ملک ہے تو اس طرح مسقف کرنا کہ دیوار یا پایہ عین کسی قبر پر نصب ہو جائز نہیں کہ اس میں میت کی ایذاء ہے کما نطقت به احادیث اوردناھافی الامر باحترام المقابر (جیسا کہ متعدد حدیثیں اس پر ناطق ہیں جن کو ہم نے "الامر باحترام المقابر" میں ذکر کیا ہے۔ت) اور مسلمان کی ایذا حیّا ہو یا میتاً ہر طرح حرام ہے،

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] صحیح البخاری کتاب الحرث والمزارعۃ باب من احیاء ارضا مواتا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الخراج باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صاحب القبر انزل من علی القبر لاتؤذی صاحب القبر ولایؤذیك [1] وفی حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ انی اکرہ اذی المسلم فی مماتہ کما اکرہ اذاہ فی حیاتہ [2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قبر سے اتر جا، نہ تو صاحب قبر کو ایذاء پہنچا نہ وہ تجھے ایذاء پہنچائے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں بعد از موت مسلمان کی ایذا کو اتنا ہی مکروہ جانتا ہوں جتنا حالت حیات میں اسے ایذاء دینا مکروہ خیال کرتا ہوں۔(ت)

مگر اس صورت میں کہ قبور بے اجازت کے غصبًا بنی ہوں تو اسے اختیار ہے کہ زمین خالی کرے یا صبر کرے یہاں تک کہ میت بالکل خاک ہوجائے اور اس کے لئے بہت زمانہ دراز درکار ہے اس وقت ان قبور پر عمارت بناسکتا ہے،

کما فی الدر جاز زرعہ والبناء علیہ [3] وقد حققناہ فی اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین۔	جیسا کہ در میں ہے کہ اس میں زراعت کرنا اور عمارت بنانا جائز ہے اور بے شک ہم نے توہین قبور مسلمین کی تحقیق رسالہ "اھلاك الوھابیین علٰی قبور المسلمین" میں کردی ہے۔(ت)

اور اگر زمین اس کی ملک ہے اور قبور کے باہر باہر دیواریں یا ستون قائم کرکے مسقف کرتا ہے تو جائز ہے اور اس چھت پر چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا وغیرہا افعال کی بھی اجازت ہے کہ یہ سقف مکان ہے سقف قبر نہیں کما نصوا بجواز الصعود علٰی سطح بیت فیہ مصحف کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص کی ہے کہ اس مکان کی چھت پر چڑھنا جائز ہے جس میں قرآن مجید ہو، جیسا کہ درروغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۵تا۳۳۷: از جاود ضلع نیمچ مرسلہ عبدالمجید خلف الرشید حافظ عبدالکریم صاحب مرحوم پیش امام مسجد چھیپان ۵رجب ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں:

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترھیب من الجلوس علی القبر مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۷۴، مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطبرانی باب فی دفن المیت الفصل الاول مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹، مجمع الزوائد باب البناء علی القبور دارالکتاب بیروت ۳/ ۶۱

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ سعید بن منصور، باب فی دفن المیت الفصل الاول، مکتبہ امدادیہ ملتان ۴/ ۶۹و۷۷

[3] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۶

(۱) مسلمان قصبہ جاود سکونت پذیر ہوئے اس وقت فرمانروائی قصبہ مذکور میں رانا صاحب والی ریاست اودے پور تھی مسلمانوں کے قبرستان کے واسطے دو سو بیگھ اراضی نسلاً بعد نسل از روئے سند کے مرحمت کی بعد حصول سند پختہ کے جملہ اقوام اہل اسلام نے بطور ملکیت کے اپنا قبضہ پا کر قبرستان تجویز کیا ہے اور مردے اپنے اس میں دفن کرتے رہے اور اسی سند کی رو سے اس وقت موتی دفن ہوتے ہیں اور بامید ثواب اس قبرستان میں درخت ثمری وغیر ثمری لگائے جاتے ہیں اور بارش میں گھاس اگتا ہے بعد خشک ہونے گھاس کے اور بیکار ہونے لکڑی قبرستان کے محافظ قبرستان یعنی فقیر کو صدقۃً دے دی گئی اور جملہ اہل اسلام کی اجازت سے یہ صدقہ قدیم سے لے رہا ہے، بعد حکومت رانا صاحب کے گورنمنٹ دور قائم ہوا، بعد ازاں سیندھیا صاحب بہادر کا تسلط ہوگیا لیکن موافق عطائے سند قبرستان میں عمل درآمد مسلمانوں کا چلا آتا ہے اور اسی طریق سے تمام ممالک ہند میں مسلمان قبرستان کی اراضی پر ملکیت کے زمرہ میں اپنا قبضہ حاصل کئے ہوئے ہیں کسی غیر مذہب کو اس میں دخل نہیں ہے، قصبہ جاود کے زمینداران ہنود نے چند عرصہ کے بعد اپنی حقیت وملکیت زمینداری قبرستان مسلموں میں اراضی بشمول موضع قرار دے کر لکڑی وگھاس قبرستان سے حاصل کرنے کے واسطے دعویدار ہوئے، بعہد رانا صاحب یہ زمینداری قائم نہ تھی، اس عہد کے بعد ٹھیکہ ہوا ہے لیکن کبھی قبرستان کی لکڑی وگھاس غیر مذہب کو نہیں دیا گیا، اور نہ غیر مذہب اس کا مستحق ہے کیونکہ یہ شیئ بطور صدقہ کے ہے، اب زمینداروں کا یہ دعوی ہے کہ مسلمان اپنے مردے قبرستان میں دفن کرتے رہیں لکڑی وگھاس قبرستان سے ہم زمیندار لیں گے اور مویشی چرائیں گے، اسی صورت غیر مذہب کی مداخلت سے بے حرمتی قبرستان اور مویشیوں کے چرنے سے منہدم ہونا قبروں کا ظاہر ہے شرعاً اس بات میں کیا حکم ہے؟ اور ہنود کا قبرستان کی لکڑی وگھاس پر حقیت جدید قائم کرکے لینا کیسا ہے؟

(۲) بغرض رفع فساد یا ناواقفیت مسئلہ کے مابین تنازعہ کے فریقین نے اس امر کا اقرار نامہ لکھا کہ افتادہ زمین میں بلحاظ راستہ قبرستان کے کاشتکاری نہ کی جائے گی صرف اس اراضی میں مسلمان اپنے مردے دفن کرتے رہیں اور زمیندار اپنے مویشی چراتے رہیں اب وہ اراضی بھی افتادہ نہ رہی مردے دفن ہوگئے قبریں تعمیر ہوگئیں، اس ہیئت پر مویشی چرائے جائیں تو تمام قبریں منہدم ہوجائیں گی، اقرار نامہ قابل فسخ کے ہے یا اسی پر عملدرآمد ہوگا؟

الجواب:

جب وہ زمین مسلمانوں کو نسلاً بعد نسل ہمیشہ کے لئے دی گئی اور مسلمانوں نے اس پر بطور ملک قبضہ کرکے اسے قبرستان کردیا اور مردہ دفن ہوا وہ زمین ہمیشہ ہمیشہ قبرستان مسلمین کے لئے وقف ہوگئی،

کسی زمیندار کا اس پر کوئی حق ودعوی نہ رہا، ہندو ہو یا مسلمان۔ زمیندار اگر مسلمان ہو تو عام مسلمانوں کی طرح اتنا حق اسے بھی ہوگا کہ اپنے مردے دفن کرے، اس سے زیادہ اسے اپنی حقیت وملکیت وہ بھی نہیں ٹھہراسکتا، تمام جہان جانتا ہے کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوتا خالص ملک الٰہی جل جلالہ ہوتا ہے **الوقف لایملک** (وقف کسی کی ملکیت نہیں ہوتا۔ت) ایک عام زبان زد حکم ہے جسے بچے بھی جانتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

عندهما هو حبسها (ای العين على حكم ملك الله تعالٰى وصرف منفعتها على من احب ولو غنيا فيلزم فلايجوزله ابطاله ولايورث عنه وعليه الفتوى ابن الكمال وابن الشحنة[1]۔	اور صاحبین کے نزدیک وقف نام ہے عین کو اللہ تعالٰی کی ملکیت کے حکم پر حبس کرنے اور اس کی منفعت کو اس پر صرف کرنے کا جس پر واقف چاہے اگرچہ وہ موقوف علیہ غنی ہو پس وہ وقف لازم ہو جائیگا اور واقف اس کو باطل نہیں کرسکتا اور نہ ہی اس میں میراث جاری ہوگی اور اسی پر فتوی ہے (ابن کمال وابن شحنہ)۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

فی العيون واليتيمة ان الفتوى على قولهما كذا فی شرح الشيخ ابی المكارم للنقاية[2]۔	عیون اور یتیمہ میں ہے کہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ شیخ ابوالمکارم کی شرح نقایہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

عندهما الوقف لازم بغير هذه التكلفات، والناس لم يأخذوا بقول ابی حنيفة رحمه الله فی هذا للاثار المشهورة عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم والصحابة، وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولها وقف	صاحبین کے نزدیک وقف ان تکلفات کے بغیر لازم ہو جاتا ہے اور لوگوں نے اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کے قول کو نہیں اپنایا کیونکہ متعدد آثار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے اور لوگوں کا تعامل خانقاہیں اور سرائیں بنانے کے بارے میں منقول ہے

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۰

الخلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ[1]۔	ان میں سے پہلا وقف حضرت خلیل علیہ الصلوات والسلام کا ہے۔(ت)

اور جب اس زمین میں زمینداروں کا اصلاً کوئی حق نہیں تو اس کی لکڑی اور گھاس پر ان کو کیا دعوی پہنچ سکتا ہے، زمین خالص خدا کی ملک ہے گھاس بھی، اور لکڑی کے مالک پیڑوں کے بونے والے ہیں جو انہوں نے فقیر پر تصدق کردئے، بہرحال زمینداروں کا ان میں کچھ دعوی نہیں۔ فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

مقبرۃ فیھا اشجار ان علم غارسھا کانت للغارس اھ مختصرًا[2]۔	ایک قبرستان میں کچھ درخت ہیں اگر ان کا بونے والا معلوم ہے تو اسی کے ہیں اھ مختصرًا(ت)

قبرستان میں جو گھاس اُگتی ہے جب تک سبز ہے اسے کاٹنے کی اجازت نہیں۔ جب سوکھ جائے تو کاٹ کر جانوروں کے لئے بھیج سکتے ہیں مگر جانوروں کا قبرستان میں چرانا کسی طرح جائز نہیں مطلقًا حرام ہے قبروں کی بے ادبی ہے، مذہب اسلام کی توہین ہے، کھلی مذہبی دست اندازی ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق اور دررالحکام اور غنیہ اور امداد الفتاح اور فتاوٰی قاضیخان سے ہے:

یکرہ قطع النبات الرطب من المقبرۃ دون الیابس[3]۔	قبرستان سے تر گھاس کاٹنا مکروہ ہے خشک کاٹنا مکروہ نہیں۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان فیھا حشیش یحش ویرسل الی الدواب ولا ترسل الدواب فیھا کذا فی البحر الرائق[4]۔	اگر قبرستان میں گھاس ہو تو کاٹ کر چوپاؤں کی طرف ڈالی جائے نہ کہ چوپاؤں کو اس کی طرف چھوڑا جائے، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے(ت)

زمینداروں سے معاہدہ افتادہ زمین کی بابت ہوا تھا جب وہاں قبریں ہوگئیں زمین افتادہ کب رہی، اور اگر کوئی غلط و باطل وخلاف شرع حق تلفی اموات مسلمین کا معاہدہ کسی نے اپنی جہالت

---

[1] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۹

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۷۱

سے خواہ دیدہ ودانستہ کرلیا تو وہ معاہدہ مردود ہے اس پر عملدرآمد ہرگز نہ ہوگا نہ اس کے فسخ کی ضرورت ہے، فسخ تو جب کیا جائے کہ وہ معاہدہ سمجھا بھی جائے وہ معاہدہ ہی نہیں ایک بیہودہ وبے معنی تحریر ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال اناس یشترطون شروطالیست فی کتاب الله، من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فلیس له(وفی روایة فھو باطل)وان شرط مائة مرة شرط الله احق و اوثق [1]، رواہ الشیخان عن ام المومنین رضی الله تعالٰی عنھا۔والله تعالٰی اعلم۔	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں نہیں، جس نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں، تو وہ اس کے لئے نہ ہوگی، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ باطل ہے، اگر سوبار شرط لگائے اللہ تعالٰی کی شرط زیادہ حق والی اور زیادہ پختگی والی ہے۔ اس کو شیخین نے ام المومنین (سیدہ عائشہ صدیقہ) رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۸: از قصبہ جائس ضلع رائے بریلی محلّہ غوریاں کلاں مرسلہ محمد حسن صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اہالیان جائس کا دستور قدیم رہا ہے کہ اپنے مقابر میں مساجد بھی بنادیا کرتے تھے جس پر مسافران وخود اہالیان قصبہ وقف بے وقف نماز ادا کیا کرتے تھے زمانہ کے دستبرد سے بعض ایسی مسجدیں تودہ خشت بن کررہ گئیں اور بعض اب بھی موجود ہیں ایسے تودہائے خاک وخشت کو فضیلت مسجد حاصل ہے یا نہیں اور وہ مسجد کے حکم میں ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو آیا وہاں اینٹوں کو فروخت کرکے اپنے صرف میں لانا یا اس قطعہ زمین میں اپنا مسکن بنانا یا مزروعہ کرکے کاشت میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مقبرہ اگر وقف ہے اور مقابر عامہ غالبًا وقف ہی ہوتے ہیں تو جو مسجد واقف نے قبل وقف بنائی کہ اتنے حصہ کو مسجد اور باقی کو مقبرہ کیا وہ ابد الآباد تک مسجد ہے اگرچہ ویران ہوجائے **ھو الصحیح وبہ یفتی** (یہی درست ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) اس حالت میں تو اس کا آباد کرنا واجب

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۹۴

اور اس میں آداب مسجد لازم، اور اسے زراعت وغیرہ سے اپنے تصرف میں لانا حرام، اور اگر زمین مقبرہ کے لئے وقف ہو چکی تھی، اس کے بعد اس کے کسی حصہ کو مسجد کیا اگرچہ خود واقف نے تو وہ مسجد نہیں ہو سکتا، نہ آداب مسجد کا مستحق، مگر ذاتی تصرف زراعت وغیرہ اس میں بھی حرام کہ وہ مقبرہ کے لئے وقف ہے اور مقبرہ تصرفات سے آزاد، اور اگر وہ مقبرہ وقف نہیں جیسے دیہات میں مالکان دیہہ کی اجازت سے لوگ دفن ہوتے ہیں بے اسکے کوئی قطعہ مقابر کے لئے معین کرکے وقف کیا جائے اس میں اگر مالک نے مسجد بنائی یا دوسرے نے، اور مالک نے اسے جائز کیا تو وہ مسجد ہو گئی، اور اس کا وہی حکم ہے جو پہلے گزرا کہ اس کا ادب لازم، اور اس میں تصرف حرام، بشرطیکہ وہ زمین خالی میں بنائی گئی ہو، نہ قبور پر کہ قبروں کی زمین صالح مسجدیت نہیں اور اگر غیر مالک نے بنائی اور مالک نے جائز نہ کیا تو وہ مسجد نہیں، مالک کو اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۹: از شہر محلّہ بہاری پور مسئولہ غلام ربانی صاحب ۴ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں۔ت) کہ قبرستان کی آمدنی کا روپیہ مسجد میں صرف کرنا چاہئے یا نہیں اور قبرستان کی مالک مسجد ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہماری شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

تفصیل آمدنی: **(۱)** میت کی چادروں کی قیمت **(۲)** چادر کے ہمراہ مالک میت نقد دیتا ہے۔ **(۳)** قبرستان میں جو درخت ہیں ان کی لکڑی کی قیمت۔

تفصیل خرچ: مسجد کے کسی حصہ کی تعمیر میں فرش، لوٹے، روغن، رسی، یا رمضان المبارک کے اخراجات میں یہ روپیہ لانا۔

الجواب:

نہ مسجد قبرستان کی مالک ہو سکتی ہے نہ قبرستان کسی مال کا مالک ہوتا ہے۔ سائل نے بیان کیا کہ اہل میت اہل محلّہ میں کسی کو چادریں اور کچھ نقد دیتے ہیں اور دینے والوں کو معلوم ہے کہ یہ مسجد کے لئے لیتے ہیں، اور درخت بہت قدیم ہے بونے والے کا پتا نہیں، جو لکڑی سوکھ جاتی ہے گر پڑتی ہے مسجد کے سقائے وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے، اس صورت میں ان سب چیزوں سے مسجد کے وہ سب صرف جائز ہیں کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۰: از مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ محلّہ الہ داد پورہ مسئولہ صابر حسین صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ قبرستان کا مسلمانوں کے کیا حکم ہے اور کیا کرنا چاہئے؟ کوئی شخص اس

پر کوئی کام دیدہ دانستہ دنیاوی کرے مثلاً تجارت، اور اصرار کرے کہ ہم قبرستان ہی پر کاروبار کرینگے دوسری جگہ نہیں کرینگے، یہ کسی کو برا معلوم ہو یا بھلا، اور ساتھ اس کے ہنود کو ملا کر زور دے کہ اس کو کھیت بنائیں اور کسی مصرف میں لے لیں اور مسلمانوں کو بے قبضہ کردیں اور وہاں کے اشجار پر بھی قبضہ کرلیں اور یہی کوشش کررہے ہوں اور بصورت انکار قبر کو عندالتحقیقات کھدوادیں وغیرہ وغیرہ تو اس شخص کے ایمان کا کیا حال ہے اور ایسے شخص کی ناحق پر تائید کرنا کیا ہے اور کس جرم کا مرتکب ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں کا عام قبرستان وقف ہوتا ہے اور اس میں سوائے دفن کے اور تصرف کی اجازت نہیں اسے تجارت گاہ بنانا یا اس پر کھیت کرنا سب حرام ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ہیأتہ[1]۔	وقف کی ہیئت کو تبدیل کرنا جائز نہیں۔(ت)

اشباہ وغیرہا میں ہے:

شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ[2]۔	واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے(ت)

اور مسلمان کی قبر کو کھودنا تو نہایت سخت شدید جرم ہے، اسلامی سلطنت ہو تو ایسا شخص سخت تعزیر کا مستحق ہے یہاں تک کہ سلطان اسلام کی اگر رائے ہو تو جو ایسی حرکات کا مرتکب ہوا کرتا ہو اسے سزائے قتل دے سکتا ہے، جو شخص ناحق پر اس کی تائید کرتے ہیں سب اسی کی طرح مرتکب جرم و مستحق سزا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔(ت)

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام[4]۔	جو دانستہ کسی ظالم کی امداد کو چلے اس نے اپنی گردن سے اسلام کی رسی نکال دی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۵

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷ وکنز العمال حدیث ۱۴۹۵۵ بیروت ۶/ ۸۵، والفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۷۰۹ دارالباز مکۃ المکرمۃ سعودی عرب ۳/ ۵۴۷

مسئلہ ۳۴۱تا۳۴۴: مسئولہ احمد نبی خاں صاحب از مراد آباد ۲۲صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین سوالات مفصلہ میں:

(۱) جزو جائداد اراضی موقوفہ کا روپیہ معاوضہ سرکار انگریزی سے متولی جائداد کو ملا، اس روپیہ کو متولی کو کیا کرنا چاہئے؟ آیا جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ کرنا چاہئے یا کسی مصارف خاص میں یا عام مصارف جائز میں اس رقم کا صرف کرنا جائز ہے؟

(۲) متولی فوت ہوگیا اور اس نے اپنے زمانہ حیات میں اس روپیہ معاوضہ مذکور سے کوئی جائداد خرید کرکے شامل جائداد موقوفہ نہیں کی اور روپیہ معاوضہ مذکور کا کوئی مصرف جائز بھی کسی قسم کا اس کی حیات میں ظاہر نہیں ہوا اور اکثر اوقات متولی متوفی اور اس کے مختار عام اور سربراہ کار یہ ظاہر کرتے رہے کہ ہنوز کوئی جائداد متصل موقوفہ کے دستیاب نہیں ہوئی ہے کوشش کی جاتی ہے جس وقت کوئی جائداد فروخت ہوئی خرید کرکے شامل وقف کی جائے گی۔

(۳) متولی متوفی نے اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ چھوڑی ہے جس پر اس کے وارثان قابض ودخیل ہیں۔

(۴) متولی حال کا بحالت موجودہ کیا فرض ہے، آیا وارثان متولی متوفی سے روپیہ مذکور طلب کرنے اور اس کی جائداد متروکہ سے وصول کرنے کا عندالشرع مستحق ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متولی سابق پر اس زر معاوضہ کا تاوان لازم ہے جو اس کی جائداد متروکہ سے وصول کیا جائے گا متولی حال پر لازم ہے کہ اسے وصول کرے اور اس میں سستی کو راہ نہ دے بعد وصول جب کہ وہ روپیہ خود عین اراضی موقوفہ کا بدل ہے کسی مصرف میں صرف نہیں ہوسکتا بلکہ لازم ہے کہ اس سے ویسی ہی جائداد خرید کی جائے کہ جائداد رفتہ کی جگہ وقف ہو۔ درمختار وعقود الدریہ میں ہے:

الناظر لو مات مجهلا لمال البدل ضمنه کما فی الاشباه ای لثمن الارض المستبدلة[1]۔	ناظر اگر مرجائے مال بدل مجہول چھوڑ کر تو تبدیل شدہ زمین کے ثمن کا ضامن ہوگا جیسا کہ اشباہ میں ہے۔ (ت)

نیز درمختار وردالمحتار میں ہے:

(لایجوز استبدال العامر الافی اربع)الاولی لوشرطه الواقف،	زمین وقف کا بدلنا جائز نہیں سوائے چار صورتوں کے، پہلی صورت یہ کہ واقف نے اگر استبدال

[1] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۱۸

الثانیۃ غصبه غاصب واجری علیه الماء حتی صار بحرا فیضمن القیمۃ ویشتری المتولی بها ارضا بدلا، الثالثۃ ان یجحده الغاصب ولابینه ای اراد دفع القیمۃ فللمتولی اخذها لیشتری بها بدلا الخ[1] واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کی شرط کی ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ غاصب نے اس کو غصب کیا اور اس پر اتنا پانی بہایا کہ وہ دریا بن گئی تو متولی اس سے ضمان لے کر اس کے بدلے میں دوسری زمین خریدے۔ تیسری صورت یہ کہ زمین وقف کا غاصب انکاری ہے اور متولی کے پاس گواہ نہیں اور غاصب قیمت دینا چاہتا ہے تو غاصب سے قیمت لے کر اس کے عوض متولی دوسری زمین خریدلے الخ واللّٰه تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۵: مسئولہ مجید اللہ صاحب بتوسط عطا احمد صاحب مولوی محلّہ بدایوں ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی ایک جائداد بلا تخصیص مقام ہر جگہ کے مسلمانوں کی تعلیم کے لئے وقف کی اور ایک خاص قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے نامزد کردیا کہ اس قصبہ میں تعلیم گاہ بنائی جائے لیکن کوئی خاص اراضی تعمیر مدرسہ کے لئے وقف نہیں کی گئی اب کسی مجبوری ونیز اس وجہ سے کہ جو قصبہ مدرسہ بنانے کے لئے وقف نامہ میں معین کیا گیا تھا عام مسلمانوں کی تعلیم میں وہاں سہولت نہیں ہے دوسری جگہ اسی غرض تعلیمی کے لئے وہ مدرسہ بنانا چاہتا ہے جہاں عام مسلمانوں کے لئے سہولت ہو، پس یہ تبدیلی مقام شرعًا جائز ہے یانہیں، یعنی اگر اس تبدیل شدہ جدید مقام پر مدرسہ بناکر جائداد موقوفہ کی آمدنی اس پر خرچ کی جائے تو جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

واقف کو ایسی تغییر جائز ہے جبکہ مصلحت وقف اس میں نہیں اس کے خلاف میں ہے۔ردالمحتار میں ہے:

فی فتاوٰی مؤید زاده اذالم یکونوا اصلح اوفی امرهم تهاون فیجوز للواقف الرجوع عن هذا الشرط اه و هکذا نقله عنها فی شرحه علی الملتقی	فتاوٰی مؤید زادہ میں ہے کہ اگر موقوف علیہ زیادہ صلاحیت والے لوگ نہ ہوں یا وہ اپنے معاملے میں غفلت کرتے ہوں تو واقف کو اس شرط سے رجوع کرلینا جائز ہے اھ اسی طرح ماتن نے فتاوٰی مویدزادہ سے ملتقی پر اپنی شرح میں

[1] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب لایستبدل العامر الافی اربع داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۹

ثم نقل عن الخلاصة لایجوز الرجوع عن الوقف اذاکان مسجلا ولکن یجوز الرجوع عن الموقوف علیه وتغییرہ وان کان مشروطا کالمؤذن والامام و المعلم ان لم یکونوااصلح اوتھا ونوافی امرھم فیجوز للواقف مخالفة الشرط [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	نقل کیا، پھر خلاصہ سے یوں نقل کیا کہ وقف جب رجسٹرڈ ہوتو اس سے رجوع جائز نہیں لیکن موقوف علیہ سے رجوع اور اسکو تبدیل کرنا جائز ہے اگرچہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم، اگر وہ وقف کی زیادہ صلاحیت نہ رکھتے ہوں یا وہ اپنے معاملات میں غفلت اور سستی کا ارتکاب کرتے ہوں تو واقف کے لئے شرط کی مخالفت کرنا جائز ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۶تا ۳۴۷: از شیخ پور مرسلہ شیخ امین الدین حیدر رئیس ۲۹جمادی اولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) وقف نامہ ہمرشتہ کے کسی شرط کو واقفان بذریعہ تتمہ دستاویز تبدیل یا ترمیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اگر واقفان کسی مصلحت سے مدرسہ کا مقام رقبہ شیخ پور سے کسی دوسرے موضع یا شہر کے رقبہ میں تبدیل کردیں اور مصرف وغرض وقف فوت نہ ہو تو وقف میں نقصان نہ واقع ہوگا۔

الجواب:

(۱) وقف نامہ میں واقفوں نے اگر شرط کردی ہوتی کہ ہم کو تبدیل شرائط کا اختیار ہے تو اختیار ہوتا، اب کہ یہ شرط نہ کی بلاضرورت صحیحہ واجازت شرعیہ کسی تبدیل وترمیم کا اختیار نہیں۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے:

الوقف اذالزم لزم مافی ضمنه من الشروط [2]۔	وقف جب لازم ہوتا ہے تو اس کے ضمن میں پائی جانے والی تمام شرطیں لازم ہوجاتی ہیں (ت)

(۲) اگر شیخ پور میں ہونا اغراض وقف کے لئے مفید نہ ہوا اور دوسری جگہ مصلحت شرعی ہو تو واقفوں کو اس تبدیل کی اجازت ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اشتراط الاستبدال بارض من البصرة	اگر یہ شرط لگائی گئی کہ زمین وقف کو بصرہ زمین سے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۰

لیس لہ ان یستبدل من غیرہا، وینبغی ان کانت احسن ان یجوز، لانہ خلاف الی خیر کذافی فتح القدیر [1]۔	بدلوں گا تو بصرہ کے ماسوا دوسری زمین سے بدلنے کا واقف کو اختیار نہ ہوگا مگر چاہئے یہ کہ کہ اگر دوسری جگہ کی زمین اس کے بدلے میں زیادہ بہتر ہے تو جائز ہو کیونکہ یہ خلاف کرنا بہتری کی طرف ہے فتح القدیر میں اسی طرح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں بحوالہ در منتقی خلاصۃ الفتاوٰی سے ہے:

یجوز الرجوع عن الموقوف علیہ وتغییرہ وانکان شروطا کالمؤذن والامام والمعلم ان لم یکونوا اصلح اوتہاونوا فی امرہم فیجوز للواقف مخالفۃ الشرط [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	موقوف علیہ سے رجوع اور اس میں تبدیلی جائز ہے اگرچہ وہ مشروط ہو جیسے مؤذن، امام اور معلم اگر یہ لوگ وقف کے لئے زیادہ صلاحیت کے حامل نہ ہوں یا اپنے معاملات میں سستی کرتے ہوں تو واقف کے لئے جائز ہے کہ شرط کی مخالفت کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۸: مسئولہ بدرالدین صاحب ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس صورت میں کہ جامع مسجد بمبئی کے گیارہ مشاورین میں سے اکثرین نے یہ قرار داد منظور کی کہ مسجد کے اوقاف کی آمد سے مسجد کے احاطہ میں جو کھلی جگہ ہے وہاں باغیچہ قائم کیا جائے اور درخت اور کنڈیاں نصب کئے جائیں اور اس کے انتظام کے لئے ایک باغبان مشاہرہ سے رکھا جائے، اطلاعاً گزارش ہے کہ جس زمین پر باغیچہ تیار کرنا منظور ہے وہ جگہ پیش تر سے نماز پڑھنے کے لئے عیدین اور یوم الجمعہ میں استعمال کی جاتی ہے پس اس حالت میں مشاورین مسجد کو اوقاف مسجد سے ایسا خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس زمین پر زمانہ قدیم سے نمازیں ہوتی تھیں اس پر باغیچہ بنا کر لوگوں کو ادائے نماز سے روکنا مشاورین مسجد کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بناءً علی عدم جواز مرتکبین اس فعل کے اپنے عہدہ ہائے مفوضہ سے معزول ہونگے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

وقف کو اس کی ہیئت سے بدلنا جائز نہیں اگرچہ مقصود واحد ہو مثلاً کسی مسجد پر دکانیں وقف

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۳۱

ہیں کہ ان کا کرایہ مسجد میں صرف ہوتا ہے انہیں حمام کر دیا جائے اور اس کا کرایہ مسجد کو دیا جائے یا حمام کا کرایہ مسجد پر وقف تھا اسے دکانیں کر دیا جائے یہ ناجائز ہے حالانکہ مقصود یعنی کرایہ واحد ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز تغییر الوقف عن ھیئتہ فلایجعل الدکان خانا الخ[1]۔	وقف کی ہیئت میں تبدیلی کرنا جائز نہیں لہٰذا دکان کو سرائے بنادینا جائز نہیں الخ (ت)

نہ کہ خلاف مقصود اور وہ بھی محض سود مردود، باغیچہ امراء کے مکانوں کی زینت ہوتا ہے، بیت اللہ کی زینت ذکر اللہ ہے، ولہٰذا علماء نے مساجد میں پیڑ لگانا منع فرمایا اور فرمایا کہ مساجد کو یہود و نصارٰی کے کنیسوں گرجوں سے مشابہ نہ کرو، پھر اس میں نمازیوں پر جمعہ و عیدین میں تنگی ہے اور جو مسلمانوں پر تنگی کرے گا اللہ اس پر تنگی کرے گا **من ضیق ضیق اللہ علیہ** (جس نے تنگی کی اللہ تعالٰی اس پر تنگی فرمائیگا۔ت) اس میں منع خیر ہے اور مناع للخیر کی مذمت کلام اللہ میں ہے، اس میں متعلق مسجد کو نماز سے روکنا ہے۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْهَاۤ اِلَّا خَآىٕفِیْنَ ؕ۬ لَهُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾"[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو ان میں نام الٰہی لئے جانے سے روکے اور انکی ویرانی میں کوشش کرے ان کو اس زمین میں قدم دھرنا نہ تھا مگر ڈرتے ہوئے ایسوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب۔

ایسے مشاور اگر باز نہ آئیں واجب العزل ہیں من استرعی الذئب فقد ظلم جس نے بھیڑیئے کو چرواہا بنایا اس نے بکریوں پر ظلم کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۹: مسئولہ منشی خلیل الرحمٰن صاحب پارچہ فروش از نگینہ ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد ایک محلّہ کے اندر واقع ہے کہ جس میں کچھ اراضی زائد فرش سے ہے اور اس اراضی میں ایک مزار شریف بھی ہے، اس مسجد کی خبر گیری اہل محلّہ جس میں چند قوم کے آدمی ہیں کرتے ہیں منجملہ چند اقوام کے ایک قوم ایک مدرسہ خاص قومی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۹۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

اس اراضی موقوفہ میں بنانا چاہتی ہے کہ جس میں دوسری قوم کا تعلیم نہیں پائے گا احیانا کسی وقف میں اس اراضی موقوفہ کی ضرورت مسجد کو ہوئے تو وہ تعمیر مدرسہ اٹھوا کر اپنے تصرف خواہ کسی قسم کا تصرف ہو لا سکتے ہیں یا نہیں، جس قوم کا مدرسہ تعمیر ہوتا ہے اس قوم کے چند لوگ مہتمم ومتولی ہیں وہ ایک اقرار نامہ بدیں مضمون لکھتے ہیں کہ اگر کسی وقت میں مسجد کو ضرورت اراضی کی ہو تو وہ نہیں لے سکتی یہ اقرار ان کا لکھنا جائز ہوگا یا نہیں، علاوہ اس قوم کے دیگر اقوام یا دیگر محلّہ یہ چاہیں کہ مدرسہ قومی خاص نہ رہے تو وہ اس عمارت میں مدرسہ ہذا رہنے دے سکتے ہیں یا نہیں، اور یہ مدرسہ خصوصیت قوم کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے اور اسی قوم کے بچے مستفیض ہوں گے جواب خلاصہ ومشرح مرحمت فرمایا جائے، مکرر عرض ہے جواب کے ارسال میں دیر نہ فرمائی جائے، مکرر عرض ہے کسی وجہ سے کل کو وہاں مدرسہ نہ رکھا گیا تو اس تعمیر کی مالک قوم یا اہل مدرسہ ہوگا یا نہیں یا مسجد کی ہی ملکیت ہو جائے گی مدرسہ کو اختیار اس کے کرایہ پر دینے کا رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام لائی جاسکتی ہے اور اس کے بھی اسی کام میں جس کے لئے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں، **شرط الواقف کنص الشارع فی وجوب العمل بہ**[1] (واقف کی شرط وجوب عمل میں شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نص کی مثل ہے۔ت) واقف نے اگر یہ مدرسہ بنانے کی اجازت نہ دی تو اس میں عام مدرسہ بھی نہیں بن سکتا نہ کہ خاص، اور اگر خلاف اجازت ایسا تصرف کرینگے غاصب ہوں گے اور وہ عمارت منہدم کرا دینے کے قابل ہوگی اور بعد انہدام جو کچھ اینٹیں کڑیاں ہوں اس کے مالک وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے عمارت بنوائی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۰: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ حافظ عبدالحمید امام مسجد کمبوہ ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زمینداری کے ایک قطعہ کو جو عہ/ بیگھ خام ہے اور اس کا سالانہ منافع ۱۲ ہے اس تصریح کے ساتھ کہ ۴؎/ سالانہ اس محلّہ کی مسجد میں جس میں واقف رہتا ہے صرف ہوا کریں اور ۴؎/ سالانہ غرباء ومساکین کے لڑکوں کی تعلیم جو قرآن شریف اور دینیات پڑھتے ہیں قرآن شریف یا متفرق پارہ اور کتب دینیہ خرید کر امداد کی جائے اور اس مصرف میں ہمیشہ صرف ہوتے رہیں اور ۴؎/

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوقف ادارۃ القرآن الکریم ۱/ ۳۰۵

سالانہ یتیماں وبیوگاں کی تیاری پارچہ سرما وغیرہ صرف کئے جائیں، اپنے دل میں مذکورہ مصارف کی نیت کرکے وقف کردیا اور ایک سال سے اس کا منافع بھی کاشتکار سے وصول نہیں کیا اور وقف کی کوئی تحریر بھی نہیں لکھی، اب زید یہ چاہتا ہے کہ قطعہ اراضی مذکورہ بالا سے جس کے وقف کی نیت کی ہے بہتر اور عمدہ اور زیادہ منافع کی دیگر اراضی کو جو اس کی ملکیت ہے بجائے اس کے وقف کردے اور بموجب شرع شریف کے تحریر وتکمیل کردے اور متولی اس کا مقرر کرکے اس کے قبضہ میں اس زمین کو دے دے کہ منافع اس کا مصارف مذکور میں صرف کیا کرے اور آئندہ متولی اس کا زید کے رشتہ داران اور نمازیان مسجد محلّہ کے مشورہ سے مقرر ہوا کرے گا، اس صورت میں امید ہے کہ ۱۵/ سالانہ سے زیادہ منافع سالانہ وقف کا ہوگا صرف نیت وقف کرلینے سے جو خاص قطعہ اراضی کی نسبت کی ہے اور اس کی تحریر بھی نہیں لکھی اور اراضی جو اس سے بہتر اور عمدہ زیادہ منافع کی ہے وقف کرکے تحریر کردے شرع ممانعت تو نہیں کرتی؟

الجواب:

تحریر تو شرعًا کوئی ضروری چیز نہیں، نہ اس پر وقف موقوف، اگر اس نے زبان سے کہہ دیا تھا کہ میں نے اس کو اللہ کے لئے وقف کردیا تو وقف ہوگئی اب اس سے رجوع نہیں کرسکتا مگر یہ کہ وقت وقف شرط استبدال کرلی ہو یعنی مجھے اختیار ہے کہ جب چاہوں اس زمین کے بدلے اور زمین وقف کردوں تو البتہ اس حالت میں تبدیل کا اختیار ہے، اگر زبان سے بھی نہیں کہا تھا صرف دل سے نیت کی تھی تو وہ زمین وقف نہ ہوئی، گر واقعی اس سے بہتر اور زیادہ منافع کی زمین وقف کرنا چاہتا ہے تو اس پر کچھ الزام نہیں، **قال اللہ تعالٰی** "مَاعَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نیکی کرنے والوں پر (مواخذہ کی) کوئی راہ نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵۱: از شہر مسئولہ محمد خلیل اللہ صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک موقع پر ایک جائداد موقوفہ متعلق مسجد واقع ہے تو علاوہ بیع کے جو ہر طرح ناجائز ہے آیا اس موقع پر جائداد مذکورہ سے تبادلہ کا جواز اسی قلیل قیمت اور حیثیت کی جائداد سے یا کسی دیگر نوع سے کسی صورت بھی ہوسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

اس خاص وقف کرتے وقت واقف نے استبدال کی شرط نہ کرلی ہو تو ہر گز کسی حال میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

جائز نہیں جب تک اس سے انتفاع ممکن ہے اگرچہ دوسری کی اس کے بدلے میں ملے اس سے قیمت حیثیت ومنفعت میں بہت زائد ہو،

فانا امرنا بابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة اخری [1]۔ کما حققه المحقق فی الفتح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم وقف کو سابقہ ہیئت پر باقی رکھیں نہ کہ دیگر زیادت کو، جیسا کہ محقق علیہ الرحمۃ نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ٣٥٢: ١٠ جمادی الاخری ١٣٢٦ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ منشی کریم الدین کی دو بیویاں تھیں اور دونوں سے اولاد ہے، پہلی بیوی سے تین لڑکیاں اور ایک لڑکا، اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں تھیں، منشی صاحب مرحوم نے ایک باغ، ایک موضع، ایک مدرسہ اور کچھ دکانیں پہلی بیوی کے انتقال ہونے کے بعد وقف کیں اس طرح پر کہ میرے بعد میری زوجہ متولی رہے اور زوجہ کے بعد لڑکا جو کہ پہلی بیوی سے تھا اور لڑکے کے بعد ان کی اولاد، چونکہ لڑکا ان کی حیات میں فوت ہوگیا اور لڑکے کی اولاد میں ایک لڑکی تھی وہ لڑکی ناقابل انتظام تھی اور اس کا شوہر بوجہ بدچلنی کے ناقابل انتظام تھا اس وجہ سے منشی صاحب نے ایک اقرار نامہ وقف نامہ کی تحریر کے بارہ سال بعد اس طرح تحریر کر دیا کہ میرے بعد میری دوسری زوجہ متولی رہے اور اس کے بعد اس کی بڑی لڑکی اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد میں بڑا لڑکا جو لائق ہو متولی رہے اس طرح سلسلہ برابر جاری رہے اس اقرار نامہ کی تحریر کو عرصہ دو سال ہوگیا اور وقف نامہ کو چودہ سال، اس وقت منشی صاحب مرحوم کی دوسری زوجہ حیات ہے اور منشی صاحب نے جائداد مذکورہ مفصلہ ذیل اخراجات کے واسطے وقف کی ہے، مولود شریف، گیارھویں شریف، فاتحہ حسنین، خرچ مدرسہ وتکیہ وغیرہ چونکہ پہلی بیوی کی لڑکیاں اور منشی صاحب کے لڑکے کی لڑکی حیات ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ بروئے وقف نامہ کے جائداد مذکورہ کے ہم متولی ہیں اس لئے التماس ہے کہ شرعًا اس وقت جائداد مذکورہ کا متولی کون شخص قرار دیا جائے گا اور اس کے بعد کون، اقرار نامہ کا قانونًا بھی داخل خارج ہوگیا ہے بموجب حکم شرع شریف تحریر فرمایا جائے۔ **فقط**

الجواب:

تولیت کوئی ترکہ نہیں کہ ہر وارث کا اس میں حق ہو تولیت واقف کے اختیار کی ہے جسے متولی کردے

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٥/ ٤٤٠

وہی ہوگا۔ در مختار میں ہے: ولایۃ نصب القیم الی الواقف[1] (متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو حاصل ہے۔ت) تو اس میں شک نہیں کہ فی الحال وقف کی متولی صرف زوجہ ثانیہ ہے کہ وقف نامہ اور اقرار نامہ دونوں اپنے بعد اس کو متولی لکھا ہے اور جب زوجہ کا انتقال ہو تو حسب شرط اقرار نامہ اسی زوجہ کی بڑی لڑکی پھر اس کے بعد اس لڑکی کی اولاد میں جو بڑا لڑکا لائق ہو ورنہ جو لائق ہوں بہر حال پہلی بیوی کی لڑکیوں کا تو کوئی استحقاق تولیت میں سرے سے نہ تھا کہ وقف نامہ، اقرار نامہ کسی میں ان کی تولیت نہیں رہی پسر متوفی کی لڑکی اگرچہ وقفنامہ میں اپنے بعد پسر پھر اولاد پسر کی تولیت لکھی تھی مگر وہ واقف کے سامنے مرگیا اور اب اس نے ان شرائط کو تبدیل کردیا اور دوبارہ تولیت واقف کو تغیر و تبدل کا اختیار ہے تو اب عمل بموجب اقرار نامہ ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ من حکم سائر الشرائط لانہ لہ فیہا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واقف کی تولیت تمام شرائط کے حکم سے خارج ہے کیونکہ واقف کو ان شرائط میں تبدیلی کا اختیار ہے جب بھی وہ مناسب سمجھے اگرچہ اس نے عقد وقف میں اس کی شرط نہ لگائی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۳:

QUESTION

Rangoon, The 19th May 1908.1908 ,

To

Moulvi Haji Ahmad Khan,

Esqur, Bareeilly,

United provinces.

Hunoured Sir

We desir to place prepare you a certain religious matter on which we solicit your valuable opinion. The facts are briefly these . there is a Chulian a

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

Mosque in Moung Taulay Street at this place. Thereare five duly elected trustees or mutawallis who manage the affairs of the said mosque according to a scheme framed by the chief court of Lower Burma. The trustees are given the power of discharging the Imam, Muazzin and Clerks of the mosque. In virtue of the said power. The trustess at a meeting discharged thier Imam. One Syed Muckbool for Irregularity misconduct and disbidience. After the discharge the trustees failed a suit in the chief court of lower Burma for declaration that the discharge of the Imam may be confirmed .The Imam now questions the authority of the trustees and maintains power badly . He may misconduct himself, they have no power to discharge him. Having placed the facts briefly we request you most humbly to give your Fatwa as to whether the trustees have the power to discharge the Imam when they find it necessary to do so. This a vital point which is at present engaging the attention of the leading member of the Chulian Sunni Mohmmadan community and we Shall thank you very much if you can send your fatwa before the Ist week of june thanking you in anticipation We beg to remain, honoured Sir, your most obedient and Humble followers in M Qadir Gani. President The Madras Muslim Association No37.tocckay Mq Tualay street.

Answer

from Brieilly,

The 28th of May, 1908.

To M .Qadir Gani.

President

The madras Muslim Association

Sir. With refrence to your letter datted 19th of May, 1908, I send my Fatwa for your perusal The trustees can discharge an Imam by their authority when such indifference is found in Him which be the sufficient reason of"Shara"for him to be dismissed. Vide lisanul Hukkam printed at Mier page No.123,

فی فتاوی قاضی خان اذاعرض للامام اوللمؤذن عذر منعه عن المباشرة مدة ستة اشهر فللمتولی ان یعزله ویولی غیره وانکان للمعزول نائب[1]۔

Translation:- there is in fatwa Qazi Khan when an Imam or Muazzin Has some certain Business which may be the cause of six months absence from the mosque, not with standing he may have given some person for him to act .At such opportunity the trustee can discharge him and may establish or Appoint another Imam in his place"(Tahtawi printed Misr and Shami printed Constantinople volume 3, page 639)

وتقدم مایدل علی جواز عزله اذامضی شهر ، بیری[2]

Translation:-Allama Birizada has said that the books aforesaid style Shows that a trustee can discharge an Imam on account of a month absence from the mosque The Trustees had no need of taking sanntion of discharging the Imam from the Court or from any Higher Officer or Governor because the authority of trustees in these matters is over the powers of a Muhammadan governor although the same Mutawalis or trustees may have been fixed by the same Muhammadan Governor See Ashbahunnazair printed Lucknow page.179 copies from the Fatwa of Imam Rashiduddin.

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظره ولو من قبله[3]۔

Translation:-"A Qazi can not interfere a Waqf in the Presence of a trustees although the trustees may have been fixed by the same Qazi Hamawi Sharah Asbah printed Lucknow page No.179 copies from Fatwa Imam Zahiruddin"

قاضی البلد اذا نصب رجلا متولیا للوقف بعد ماقلده الحاکم الحکومة فلیس للحاکم علی الوقف سبیل حتی لایملك الاجارة ولاغیرها[4]۔

---

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۲

[3] الاشباه والنظائر الفن الاول القاعدة السادسة عشر ادارة القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباه والنظائر الفن الاول القاعدة السادسة عشر ادارة القرآن کراچی ۱/ ۱۹۲

Translation:-"A king appointed a Qazi and after it the Qazi fixed a trustee on a Waqf, now the King has no connection on with the Waqf nor has he any power of it contract etc. Another stlye from Lisanul Hukkam copies from fatwa Imam Sowri.

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[1]۔

Translation:- Aking cannot interfere a Waqf against a trustee Authorities in this case the higher officers or governors are not Muhammadan ones and therefor they do not know the schemes of shara as a Muhammadan trustee knows The trustees can discharge an Imam when the Imam leave Sunnia Doctrine or Commets an open sin against Shara or there may be found in him something Which may be the cause of abhorrence which decreases the number of people at prayer or he may be disobedint against the managing rules of affairs of the mosques. Or assesmble of persons at prayers or there may be somthing such in him. Otherwise he will not be discharged without fault. See Raddul Muhtar printed Constantinople volume 3 page 597.

قال فی البحر واستفید من عدم صحۃ عزل الناظر بلاجنحۃ عدمھا لصاحب وظیفۃ فی وقف بغیر جنحۃ وعدم اھلیۃ[2]۔

Translation:-It is said in Bahrur Raiq That as a Mutawali can not be dismissed without fault. From this it is manifest that any receiver of a salary of a Waqf can not be discharged until his fault be proved or he may be proved to be unfit for his duties.

امر برقمہ عبدہ احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن

المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ٢٩٦

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطبع لایصح عزل صاحب وظیفۃ بلاجنحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٨٦

ترجمہ مسئلہ ٣٥٣: از رنگون مورخہ ١٩ مئی ١٩٠٨ء

بخدمت جناب مولوی حاجی احمد رضاخاں صاحب محلّہ سوداگران بریلی، یوپی۔

مولانائے محترم ! ہم سب آپ کی خدمت میں چند مذہبی امور کے بارہ میں رائے عالی جاننے کے لئے یہ پیش کررہے ہیں اور مختصراً واقعہ کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں۔ یہاں ایک مسجد چولیان مونگ تلااسٹریٹ میں واقع ہے جس کے چنے ہوئے پانچ متولیان ہیں جو مسجد کا انتظام اس قانون کے تحت انجام دے رہے ہیں جس کو عدالت العالیہ برمانے مرتب کیا ہے جس کے مطابق متولیوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ امام، مؤذن اور عملہ کو برخاست کرسکیں، اس قانون کے مطابق متولیان نے ایک مجلس شورٰی کے اندر سید مقبول امام مسجد کو ان کی بیضابطگی، برے چال چلن اور حکم عدولی کے باعث برخاست کردیا، اس برخاستگی کے بعد متولیوں نے ایک مقدمہ استقرار یہ اس امر کا عدالت العالیہ برما میں دائر کیا کہ امام کی برخاستگی مستقل کردی جائے، اب امام نے یہ بازپرس متولیوں کی مجلس قانون سے کی ہے، قانون کا ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہے، ان لوگوں کو برخاست کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس مختصر واقعہ کو پیش کرتے ہوئے نہایت ادب سے التجا کرتے ہیں کہ آپ اس کے متعلق اپنا فتوٰی مرحمت فرمائیں، کیا متولیان کو امام کی برخاستگی کا حق حاصل ہے کہ جب وہ چاہیں برخاست کردیں۔ یہ آج کل بہت بڑا مسئلہ ممبران چولیان سنی محمڈن کمیونٹی کا بنا ہوا ہے، ہم لوگ بیحد شکرگزار ہوں گے اگر آپ اپنا فتوٰی ماہ جون کے اوائل ہفتہ میں روانہ فرمادیں فقط۔

آپ کا فرمانبردار خاکسار معتقد

قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن، مونگ تلااسٹریٹ۔

الجواب:

بریلی مورخہ ٢٨/ مئی ١٩٠٨ء

بخدمت جناب ایم قادر غنی صدر مدرس مسلم ایسوسی ایشن

محترم! آپ کے مراسلہ مورخہ ١٩/ مئی ١٩٠٨ء کے مطابق میں اپنا فتوٰی برائے ملاحظہ ارسال کررہا ہوں، متولیان ایک امام کو برخاست کرسکتے ہیں جبکہ کوئی ایسا اختلاف اور وجہ معقول شرعی طور پر پائی جائے (لسان الحکام مطبوعہ مصر ص ١٢٣)

ترجمہ: فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ جب امام یا مؤذن کے درمیان کوئی ایسی چیز عارض ہو جس کی وجہ سے وہ چھ ماہ تک مسجد سے غیر حاضر رہے اور اس نے اپنا کوئی بدل نہ دیا ہو تو اس وقت متولی اس کو برطرف کرسکتا ہے اور دوسرا امام اس کی جگہ مقرر کرسکتا ہے (طحطاوی مطبوعہ مصر اور شامی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ٣

ص ٦٣٩)

ترجمہ: "علامہ بیری زادہ کتاب مذکور میں فرماتے ہیں کہ متولی ایک امام کو مسجد سے ایک ماہ کی غیر حاضری پر برطرف کرسکتا ہے"، متولی کو کوئی ضرورت امام کی برطرفی کے لئے عدالت یا کسی افسر بالا یا گورنر سے اجازت لینے کی نہیں ہے کیونکہ متولی اپنے اختیار خصوصی سے ان معاملات میں خود اسلامی گورنر جیسا اختیار رکھتا ہے جبکہ متولیان خود ایک اسلامی گورنر کے مقرر کردہ ہوں (اشباہ والنظائر مطبوعہ لکھنؤ ص ١٧٩ منقولہ از فتاوی امام رشید الدین)

ترجمہ: ایک قاضی وقف کے کسی معاملہ میں متولی کی موجودگی میں دخل نہیں دے سکتا جبکہ اسی قاضی نے اس کو متولی بنایا ہو۔ (حموی شرح اشباہ مطبوعہ لکھنؤ ص ١٧٩ منقولہ از فتاوی امام ظہیر الدین)

ترجمہ: ایک بادشاہ نے ایک قاضی مقرر کیا اور اس کے بعد قاضی نے وقف کا ایک متولی مقرر کیا، اب بادشاہ کو کوئی تعلق اس وقف سے نہ رہا اور نہ کوئی اختیار اس کو ردوبدل کا باقی رہا۔ (لسان الحکام، منقولہ از فتاوی امام ثوری)

ترجمہ: ایک بادشاہ ایک متولی کے معاملہ میں دخیل نہیں ہوسکتا جبکہ حکام بالا یا گورنر جو کہ مسلمان نہیں اور جو اس قانون تولیت سے واقفیت بمقابلہ متولی نہیں رکھتے اس وقت متولی امام کو برخاست کرسکتا ہے جبکہ امام عقائد سنیہ کو ترک کردیتا ہے یا برملا شرع کی خلاف ورزی کرتا ہو یا کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جس سے نماز جماعت میں کمی واقع ہو یا کمیٹی کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہو جو مسجد سے متعلق ہو برخاست ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا۔ (ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ ج ٣ ص ٥٩٧)

ترجمہ: بحر الرائق میں ہے کہ ایک متولی بغیر امام کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک وقف سے تنخواہ پانے والا شخص بغیر کسی قصور کے برخاست نہیں کیا جاسکتا یا جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ وہ اپنی ڈیوٹی انجام دینے میں قاصر ہے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

امر برقمہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ٣٥٤: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ منشی ہدایت اللہ صاحب ٢٤ صفر ١٣٢٧ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ نواب غلام چشتی خان صاحب رئیس قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد موضع عیسٰی پور بطریق زکوۃ ریاست وموضع بچی کھیرا بطور خیرات حقیت اپنی کو اول وقف کیا

سال ۱۲۸۴ھ میں اس حقیت موقوفہ کے بابت ایک وصیت نامہ سادہ تحریر کیا جس میں انتظام واہتمام تولیت جائداد موقوف اور مصارف خیر کی بابت شرائط درج کئے، چنانچہ تاحیات اپنی خود واقف ہر دو مواضعات مذکورہ کے مہتمم رہے اور بعض فوت ان کے نواب محمد عبدالکریم خان صاحب مرحوم یکے از واقف مہتمم مقرر ہوئے، وصیت نامہ میں واقف نے یہ شرط تحریر کی ہے اقرار یہ ہے کہ حین حیات اپنی آمدنی وپیداوار مواضعات مذکور جو لائق ہووے نسلاً بعد نسلٍ اور بطنًا بعد بطنٍ حسب دستور بطریقہ مستعملہ مجھ گنہگار کے صرف کرتا ہے، ۲۱/اکتوبر ۱۹۰۸ء کو مہتمم ثانی نے وفات پائی، اب دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ فقرہ نسلاً بعد نسل کے کیا معنی اور مطلب، اور نسل سے منشا واقف کا اپنی اولاد سے ہے یا مہتمم ثانی کی اولاد سے، اور شرعاً بعد فوت ہونے مہتمم ثانی کے اصل واقف کے اولاد میں سے مہتمم مقرر ہونا چاہئے یا مہتمم ثانی کی اولاد میں سے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب تک واقف کی اولاد صلبی سے کوئی مرد لائق باقی رہے گا اولاد اولاد کو تولیت نہ پہنچے گی، جب ان میں کوئی نہ رہے گا اس وقت اولاد اولاد سے کوئی لائق متولی کیا جائے گا اور ان میں جب تک کوئی رہا تیسرے درجہ سے مقرر نہ کیا جائے گا وعلی ھذا القیاس نسلاً بعد نسلٍ اور بطنًا بعد بطن کے یہی معنی ہیں اس میں واقف کی اپنی اولاد واولاد اولاد واولاد اولاد اولاد، اولاد سب داخل ہیں مگر بترتیب کہ سب سے مقدم اولاد پھر اولاد اولاد، اولاد اولاد اولاد الٰی آخر الدہر۔ اسعاف میں ہے:

لایکون للبطن الاسفل شیئ مابقی من البطن الاعلی احدوھکذا الحکم فی کل بطن حتی تنتھی البطون موتا[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	بطن اسفل کو کچھ حق نہ ملے گا جب تک بطن اعلٰی میں سے کوئی ایک موجود ہے، اور یہی حکم تمام بطنوں کا ہے حتی کہ موت کے سبب بطون منتفی ہوجائیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۵تا۳۵۶: مرسلہ حاجی محمد حسین صاحب رئیس از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد ۱۸ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد وقف کی اور دربارہ تولیت یہ شرط تحریر کی کہ بعد میرے میری اولاد سے ایک شخص از قسم ذکور جو لائق ہو

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ بحوالہ الاسعاف کتاب الوقف ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۵۳

نسلاً بعد نسل اور بطناً بعد بطن حسب دستور مجھ گنہگار کے صرف کرتا رہے، آیا اس عبارت مذکورہ سے واقف کا منشا کسی خاص اولاد کی نسبتاً یعنی بیٹیوں کی پوتوں کی نسبت ہے یا اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

سوال دوم: جائداد موقوفہ کے اشخاص ذیل متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں اور شرعاً لفظ لائق کن اشخاص سے مراد ہے؟

(۱) جو باوصف استطاعت بائیس سال سے نہ حج کرتا ہو نہ زکوۃ اور نہ عشر دے۔

(۲) جو علانیہ فسق وفجور مبتلا ہو۔

(۳) کیا تارک جماعت لائق متولی ہو سکتا ہے۔

(۴) جو طمع نفسانی سے متولی ہونا چاہے اور جس کو بیحد کوشش تولیت کی ہو۔

(۵) جو سود جائز سمجھ کر لیتا ہو۔

(٦) جو شطرنج اور تاش بازی میں مصروف رہتا ہو وہ قابل تولیت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

(۱) نہ اس میں ایسا خصوص ہے کہ بعض طبقات اولاد کو اصلاً شامل نہ ہو، نہ ایسا عموم کہ ہر طبقہ کی اولاد معاً مستحق ہو بلکہ وہ جمیع طبقات کو بشرط ترتیب عام ہے یعنی جب تک خاص اولاد صلبی واقف سے کوئی مرد لائق تولیت باقی رہے گا پوتے اگرچہ لائق ہوں بلکہ الیق ہوں نہ پا سکیں گے **لان الواقف انما شرط اللائق دون الالیق** (واقف نے تولیت کے لئے لائق کی شرط لگائی ہے نہ کہ لائق ترین کی۔ت) اور جب اولاد صلبی سے کوئی مرد نہ ہو یا جتنے باقی ہوں ان میں کوئی لائق تولیت نہ ہو تو پوتوں میں جو لائق ہو اسے پہنچے گی اب ان میں کا جب تک کوئی لائق باقی رہے گا پرپوتوں کا استحقاق نہ ہوگا **وعلی ھذا القیاس الی انقراض النسل** (اور اسی پر قیاس کرتے چلو یہاں تک کہ اس کی نسل ختم ہو جائے۔ت) اور نواسے بہر حال مستحق نہ ہوں گے جس نے نواسوں کو بھی شمول لکھ دیا خطا کی۔ فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

ان قال علی ولدی وولد ولدی یصرف الی اولادہ ابدا ماتناسلوا الاقرب والابعد فیه سواء الا ان یذکر الاقرب	اگر واقف نے کہا کہ یہ چیز میری اولاد اور اولاد کی اولاد پر وقف ہے، تو یہ وقف اس کی اولاد کی طرف ہی پھیرا جائے گا جب تک اس کی اولاد کا سلسلہ جاری رہے گا۔ قریب وبعید والے

فلا قرب او یقول بطنا بعد بطن فیبدا بما بدأبه الواقف[1] (ملخصًا)	اس میں برابر ہوں گے یا اس نے یوں کہا یہ وقف ایک بطن کے بعد دوسرے بطن کے لئے ہے تو اسی سے ابتداء کریں گے جس سے واقف نے ابتداء کی ہے (ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

ولدی لایدخل فیه ولدالبنت فی ظاہر الروایة وبه اخذھلال والصحیح ظاہر الروایة[2] (ملخصًا)	واقف کے کلام میں لفظ "ولدی" میں بیٹی کی اولاد داخل نہیں ظاہر الروایۃ کے مطابق اسی کو ھلال نے لیا ہے اور صحیح ظاہر الروایۃ ہے (ملخصًا)۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وقال ولدی وولد ولدی لایدخل فیه اولاد البنات فی ظاہر الروایة وعلیه الفتوی ھکذا فی محیط للسرخسی[3]	واقف نے اگر اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد کا ذکر کیا تو ظاہر الروایۃ کے مطابق بیٹی کی اولاد اس میں داخل نہیں، اور اسی پر فتوی ہے۔ اور محیط سرخسی میں اسی طرح ہے۔(ت)

(۲) لائق وہ ہے کہ دیانت کار گزار ہوشیار ہو جس پر دربارہ حفاظت وخیر خواہی وقف اطمینان کافی ہو، فاسق نہ ہو جس سے بطمع نفسانی یا بے پروائی یا ناحفاظتی یا انہماک لہو ولعب وقف کو ضرر پہنچانے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو بدعقل یا عاجز یا کاہل نہ ہو کہ اپنی حماقت یا نادانی یا کام نہ کر سکنے یا محنت سے بچنے کے باعث وقف کو خراب کرے، فاسق اگرچہ کیسا ہی ہوشیار کار گزار مالدار ہو ہرگز لائق تولیت نہیں کہ جب وہ نافرمانی شرع کی پروانہیں رکھتا کسی کار دینی میں اس پر کیا اطمینان ہو سکتا ہے، ولہذا حکم ہے کہ اگر خود واقف فسق کرے واجب ہے کہ وقف اس کے قبضہ سے نکال لیا جائے اور کسی امین متدین کو سپرد کیا جائے پھر دوسرا تو دوسرا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی الاسعاف ولا یولی الاامین قادربنفسه او بنائبه لان	اسعاف میں فرمایا ہے کہ متولی صرف اسی کو بنایا جائے گا جو امین ہو اور بذات خود یا اپنے نائب

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۹

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الوقف علی الاولاد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۸-۲۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث فی المصارف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۷۴

الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود وکذا تولیة العاجزلان المقصود لایحصل به[1]۔	کے اعتبار سے وقف کی حفاظت پر قادر ہو کیونکہ ولایت نگرانی کی شرط سے مقید ہے اور خائن کو متولی بنانے میں نگرانی کا فقدان ہے کیونکہ خائن کی تولیت مخل مقصود ہے یہی حال عاجز کو متولی بنانے کا ہے کہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(وینزع وجوبا بزازیة(لو)الواقف درر فغیرہ بالاولی (غیر مامون)او عاجزا او ظهربه فسق کشرب خمر و نحوہ، فتح[2]۔	متولی سے ولایت وقف وجوبًا واپس لے لی جائیگی (بزازیہ اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی واپس لے لی جائیگی جب کہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس کا فسق شراب نوشی وغیرہ ظاہر ہوچکا ہو (فتح)۔(ت)

سود لینا گناہ کبیرہ ہے تو اس کا ارتکاب اگرچہ ایک ہی بار یقینا اجماعًا فاسق وبددیانت کردیگا جب کہ حرام جان کر کرے اور دارالاسلام میں جائز سمجھا تو فسق درکنار صریح کافر مرتد ہوجائے گا لاستحلاله ماعلم حرمته ضرورة من الدین (اس چیز کو حلال جاننے کی وجہ سے جس کی حرمت ضروریات دین سے معلوم ہے۔ت) یونہی جو بلاعذر صحیح شرعی ترک جماعت کیا کرے فاسق ومردود الشہادۃ ہے۔ غنیہ میں ہے:

تارکھا بلاعذر یعزر وترد شهادته[3]۔	بلاعذر ترک جماعت کرنے والے پر تعزیز لگائی جائے اور اس کی شہادت رد کردی جائے گی۔(ت)

نہرالفائق میں ہے:

ترکھا مرة بلاعذر یوجب اثما فی قول العراقیین والخراسانیون علی انه یاثم اذا اعتاد الترک کما فی القنیة[4]۔	بلاعذر ایک بار جماعت کو چھوڑنا عراقیوں کے قول کے مطابق موجب گناہ ہے اور خراسانی تب اس کو گنا ہگار قرار دیتے ہیں جب وہ ترک جماعت کو عادت بنالے، جیسا کہ قنیہ میں ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] غنیة المستملی فصل فی الامامة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۰۹

[4] بحوالہ الغنیة المنیة باب فی الجماعة مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص ۳۶

ردالمحتار صدر واجبات میں ہے:

الجماعۃ واجب کما فی البحر وصرحوابفسق تارکھا[1]۔	راجح قول کے مطابق جماعت واجب ہے یا حکم واجب میں ہے جیسا کہ بحر میں ہے، اور مشائخ نے تصریح کی ہے کہ تارک جماعت فاسق ہے۔ (ت)

مذہب صحیح ومعتمد پر زکوۃ کا وجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار ہے، یونہی قول اصح وارجح پر حج کا وجوب، تو جس سال استطاعت ہو اسی سال جائے ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر زکوۃ یا حج بعد وجوب بلاعذر صحیح تین سال تک ادا نہ کرے تو فاسق ہے نہ کہ بائیس سال۔ تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ میں ہے:

افتراضھا فوری وعلیہ الفتوٰی فیاثم بتاخیرھا وترد شھادتہ[2]۔	زکوۃ کی فرضیت فوری ہوتی ہے اور اسی پر فتوی ہے تاخیر کرنے والا گنہگار ہے اور اس کی گواہی مردود ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع عن المنتقی بالنون اذا لم یؤد حتی مضی حولان فقد اساء واثم[3]۔	بدائع میں بحوالہ منتقی ہے کہ کسی نے زکوۃ ادا نہیں کی یہاں تک کہ اگلا سال ختم ہوگیا تو برا کیا اور گنہگار ہوا۔ (ت)

درمختار کتاب الحج میں ہے:

فرض علی الفور فی العام الاول عند الثانی واصح الروایتین عن الامام ومالک واحمد فیفسق وترد شھادتہ بتاخیرہ ای سنینا لان تاخیرہ صغیرۃ و بارتکابہ مرۃ لایفسق الا بالاصرار، بحر[4]۔	حج کی فرضیت علی الفور ہوتی ہے اور پہلے ہی سال ادا کرنا چاہئے امام ابویوسف کے نزدیک، اور امام ابوحنیفہ سے منقول دو روایتوں میں سے اصح روایت کے مطابق اور امام مالک واحمد کے مطابق چند سال مؤخر کرنے سے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس کی شہادت مردود ہوگی کیونکہ تاخیر حج گناہ صغیرہ ہے اس کے مرتکب کو اس پر اصرار کے بغیر فاسق قرار نہیں دیا جائے گا، بحر۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۰۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۳

[4] درمختار کتاب الحج مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۰۔۱۵۹

عشر بھی ایک نوع زکوۃ ہے یا کم از کم اس کا حکم حکم زکوۃ ہے اور اسی طرح بعینہٖ اسی دلیل سے اس کا وجوب بھی فوری اور تین برس تک نہ دینے میں فسق۔ ردالمحتار میں ہے:

العشر ذکرہ فی الزکوٰۃ لانه منھا قال فی الفتح لاشك انه زکوٰۃ حتی یصرف مصارفھا اھ وایدہ الشیخ اسمٰعیل بانه یجب فیما لایؤخذ منه سواہ ولایجامع الزکوٰۃ بتسمیته فی الحدیث صدقة واختلافھم فی وجوبه علی الفور اوالتراخی کما فی الزکوٰۃ[1]۔	عشر کو ماتن نے زکوۃ میں ذکر کیا کیونکہ یہ زکوۃ میں سے ہی ہے۔ فتح میں کہا کہ بے شک عشر زکوۃ ہے یہاں تک کہ اس کو مصارف زکوۃ پر صرف کیا جاتا ہے اھ اور شیخ اسمٰعیل نے اس کی تائید کی بایں طور کہ عشر انہی چیزوں میں واجب ہوتا ہے جن میں اس کے سواکچھ نہیں لیا جاتا اور یہ زکوۃ کے ساتھ جمع نہیں ہوتا، اور حدیث میں عشر کا نام صدقہ رکھنے اور زکوۃ کی طرح اس کے وجوب علی الفور اور وجوب علی التراخی میں فقہاء کے اختلاف سے بھی اس کا زکوۃ ہونا ہی معلوم ہوتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الامر بالصرف الی الفقیر معه قرینة الفور وھی انه لدفع حاجته وھی معجلة فمتی لم تجب علی الفور لم یحصل المقصود من الایجاب علی وجه التمام وتمامه فی الفتح[2]۔	عشر کو فقیر پر صرف کرنے کا حکم قرینہ ہے اس کے وجوب علی الفور پر، کیونکہ یہ دفع حاجت کے لئے ہے اور حاجت معجّل ہے تو اگر اس کا وجوب علی الفور نہ ہو تو اس کے ایجاب کا مقصود پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتا اس کی تفصیل فتح میں ہے (ت)

شطرنج اگر ترک جماعت وغیرہ منکرات کی طرف مؤدی یا ان پر مشتمل ہو بالاتفاق حرام ہے اور اس کی عادت مطلقاً ممنوع اور بحکم تجربہ ضرور داعی معاصی، اور تاش اور اسی طرح گنجفہ بوجہ اشتمال واعزاز تصاویر مطلقاً بلاشرط ممنوع وناجائز ہے اور مصروف رہنا فسق۔ درمختار میں ہے:

کرہ کل لھولقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل لھو المسلم حرام الاثلثة	ہر کھیل مکروہ ہے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناپر کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۱۔۱۳۰

ملاعبته اهله وتادیبه لفرسه ومناضلته بقوسه[1]۔	ہے سوائے تین کھیلوں کے: اپنی بیوی سے ملاعبت کرنا اور اپنے گھوڑے کی تعلیم وتادیب کرنا اور سبقت کے لئے اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا۔(ت)

رہا وہ شخص کہ اپنے لئے تولیت کی کوشش کرے اگر ثابت ہو کہ یہ کوشش بطمع نفسانی ونیت فاسدہ ہے جب تو ظاہر ہے کہ اسے متولی بنانا حرام لان الشرط کونہ امینا والطالب لطمع غیر امین (تولیت کے لئے شرط ہے کہ متولی امین ہو اور حرص وہوا کے لئے تولیت کا مطالبہ کرنے والا غیر امین ہے۔ت) اور ایسا نہیں تو اگر اس کے لئے تولیت ثابت ہے صرف اس کا نفاذ چاہتا ہے تو کوئی حرج نہیں اگرچہ کسی قدر کوشش کرے کہ یہ کوشش حق کے لئے ہے اور حق کے لئے کوشش حق ہے مثلاً واقف نے شرط کی کہ میری اولاد ذکور سے جو لائق ہو متولی ہو، یہ شخص اس کی اولاد ذکور سے ہے اور جملہ شرائط مذکورہ لیاقت کا جامع ہے تو اس کی کوشش بے جا نہیں، اور اگر اس کے لئے تولیت ثابت نہیں پھر تحصیل تولیت کے لئے کوشش کرتا ہے تو اسے متولی نہ کرنا چاہئے اگرچہ کیسا ہی لائق ہو۔ درمختار میں ہے:

طالب التولیة لایولی الاالمشروط له النظر لانه مولی فیرید التنفیذ، نهر[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے جس کے لئے تولیت مشروط ہو چکی ہو کیونکہ وہ بسبب شرط کے متولی ہو چکا ہے اور اب اس کی تنفیذ چاہتا ہے، نہر۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[3]۔ رواہ احمد و البخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہم ہرگز اپنے دینی کام پر اسے مقرر نہ کریں گے جو خود اس کی خواہش کرے (اس کو امام احمد بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے سیدنا حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

طالب التولیۃ لایولی کمن طلب القضاء لایقلد فتح وھل المراد انہ لاینبغی اولایحل استظھر فی البحر الاول تأمل [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا جیسا کہ طالب قضاء کا مطالبہ نہیں مانا جاتا، فتح، کیا اس سے مراد یہ ہے کہ مناسب نہیں یہ مراد ہے کہ حلال نہیں، بحر میں پہلے قول کو ترجیح دی ہے، غور کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۷: مرسلہ مولوی سلیمان صاحب اکبر آبادی ۲۳ شعبان ۱۳۲۸ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ کا سکرٹری ہے اور پیشہ وکالت کرتا ہے اور لوگوں کو سود کی ڈگریاں دلواتا ہے اور خلاف حق مقدمات میں کوشش کرنے سے نہیں بچتا اور اکثر اوقات عقائد سر سید احمد خان کا مداح رہتا ہے ایسا شخص آیا منتظم امور اہل اسلام یعنی سکریٹری انجمن اسلامیہ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو اہل اسلام اس کو اپنا سکریٹری بنائیں ان کا کیا حکم؟

الجواب:

امور بالا سے تو یہ شخص فاسق فاجر ہوتا مگر عقائد کفریہ کافر کا مداح خود کافر و مرتد ہے اور کافر کسی طرح مسلمانوں کے کسی کام کا والی نہیں ہوسکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۠(۱۴۱)" [2]۔	اور ہرگز اللہ تعالٰی کافروں کو مومنوں پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ (ت)

ان سے استعانت ناجائز ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انا لانستعین بمشرک** [3] (بیشک ہم کسی مشرک سے مدد طلب نہیں کرتے۔ت) جو ایسے کی سپردگی میں مسلمانوں کا کام دے اس نے اللہ ورسول اور سب مسلمانوں کی خیانت کی۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عصابۃ رجلا وفیھم من ھو ارضی منہ للہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین [4]۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	جس نے کسی شخص کو ایسی جماعت مسلمین پر عامل بنایا جس جماعت میں اس سے زیادہ پسندید کوئی شخص موجود ہے تو اس نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸، المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۱۵۰۰۹ کتاب الجہاد ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامارۃ امانتہ دارالفکر بیروت ۴/ ۹۳۔۹۲

سلم اور تمام مومنوں سے خیانت کی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۸: مرسلہ احمد نبی خان از مراد آباد ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک اہل اسلام عادل اور ثقہ نے بلا تحریر وقف نامہ کے ایک جائداد جس کو عرصہ زائد ایک سوسال کا ہوا، بدون مصارف کے وقف کیا اگرچہ وقف واقف کا کوئی گواہ زندہ نہیں ہے مگر بعد وفات واقف کے تمام مرد عورت عادل وصالح اہل خاندان واقف کے وقتًا فوقتًا متولی ہوتے رہے کبھی کوئی شخص غیر خاندان کا متولی نہیں ہوا اور باعتبار اس عملدرآمد کے منشائے واقف بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ سوائے اہل خاندان صالح اور عادل کے اور کوئی متولی نہ کیا جائے، اب ایک مسماۃ متولیہ اہل خاندان کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ایک شخص غیر خاندان کے نام ایک وصیت نامہ لکھ دیا ہے کہ بعد میرے وہ متولی کیا جائے اہل خاندان واقف جن میں اکثر مرد صالح اور عادل ہیں یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ شخص جس کو متولی ہونا بیان کیا جاتا ہے فاسق اور غیر خاندان واقف سے ہے، اس کو بمقابلہ اہل خاندان صالح کے حق تولیت حسب وصیت حاصل ہے یانہیں؟

الجواب:

جس وقف کے شرائط واقف معلوم نہ ہوں اور طول مدت کے سبب گواہان مشاہدہ نہ رہے ہوں اس میں عملدرآمد قدیم پر کارروائی کی جائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قدصرح فی الذخیرۃ بانہ اذااشتبہت مصارف الوقف ینظر الی المعھود من حالہ فیما سبق من الزمان، فیبنی علی ذلک لان الظاہر انہم کانوا یفعلون ذلک علی موافقۃ شرط الواقف وھوالمظنون بحال المسلمین فیعمل علی ذلک[1]۔	تحقیق ذخیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ اگر مصارف وقف میں اشتباہ ہو توزمانہ قدیم سے اس وقف میں جاری معلوم کو دیکھا جائے گا اور اسی پر بناء کی جائے گی کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ متولیان سابقہ شرط واقف کے مطابق ہی ایسا کرتے ہوں گے اور مسلمانوں کے حال کے بارے میں یہی گمان غالب ہے لہٰذا اسی پر عمل کیا جائیگا۔ (ت)

اسی میں کتاب الوقف للخصاف سے ہے:

اذاوجد شرط الواقف فلاسبیل	جب واقف کی شرط موجود ہو تو اس کی مخالفت کی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۳۔۱۲۲

الی مخالفتہ۔واذافقد عمل بالاستفاضۃ والاستیمارات العامۃ المستمرۃ من تقادم الزمان[1]۔	کوئی راہ نہیں اور اگر شرط واقف مفقود ہو تو قدیم زمانوں سے متولیوں کا جو عملدرآمد اور معمول اس وقف کے بارے میں مشہور ومعروف چلاآرہاہے اسی پر عمل کیاجائے گا۔(ت)

علاوہ بریں خود حکم شرع ہے کہ جب تک اقربائے واقف میں کوئی شخص لائق تولیت ہو بیگانہ آدمی متولی نہ کیاجائے، درمختار میں ہے:

مادام احد یصلح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب،لانہ اشفق ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[2]۔	جب تک واقف کے قریبی رشتہ داروں میں کوئی صالح تولیت موجود ہو اجنبیوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ یہ وقف کے معاملہ میں زیادہ شفیق واقع ہوگا اور اس کا مقصد یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف قائم رہے۔(ت)

پھر اس شخص غیر کا فاسق ہونا سب پر طرہ ہے فسق کے بعد تو خود واقف اگر متولی ہو تو وہ بھی معزول کردیا جائے گا نہ کہ اجنبی فاسق کو متولی کیاجائے۔درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیرمامون او عاجزاوظھر بہ فسق کشرب خمرونحوہ،فتح[3]۔	متولی سے ولایت وقف بطور وجوب واپس لی جائیگی اگرچہ خود واقف ہو جبکہ وہ امین نہ ہو یا عاجز ہو یا اس سے کوئی فسق شراب نوشی وغیرہ کی مانند ظاہر ہو (جب واقف کا حال یہ ہے) تو غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت وقف صورت مذکورہ میں واپس لیناواجب ہوگا،فتح۔(ت)

لہٰذا وصیت پر عمل نہیں بلکہ خاندان واقف سے کسی صالح متدین ہوشیار کار گزار کو متولی کیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۵۹: مولوی حشمت علی ساکن گڈھیا ۲/رجب المرجب ۱۳۳۱ھ

کیاہنود وغیرہ کفار متولی مسجد وغیرہ او قاف ہوسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو عالمگیری کی اس عبارت

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۳

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ولایشترط الحریۃ والاسلام [1] **الخ** (اس میں حریت واسلام شرط نہیں الخ۔ت) کا کیا مطلب لیا جائیگا اور ایک ہندو مسجد کا حوض اپنے روپے سے بنانا چاہتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فقیر نے یہاں حاشیہ ردالمحتار میں لکھا:

اقول: وباللّٰه التوفیق عدم اشتراط للصحة لا یستلزم عدم اشتراطه للحل وقدتقدم فی کتاب الزکوٰۃ باب العاشر تحریم جعل کافر عاشرا الان فیه تعظیمه وهو حرام وعن شرح السیر الکبیر ان امیر المؤمنین رضی الله تعالٰی عنه کتب الی سعد بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه لاتتخذ احدامن المشرکین کاتباعلی المسلمین قال وبه ناخذ لقوله تعالٰی لا تتخذوا بطانة من دونکم ویأتی فی الاضحیة کره ذبح الکتابی وتعلیله بانه لاینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین وقد صح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انا لانستعین بمشرك وقد علم تحریم تولیة الخائن وهذا ربنا عزوجل یقول "لا یالونکم خبالا" والله الموفق [2] اھ ما کتبت علیه۔	میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ صحت کے لئے شرط نہ ہونا حل کے لئے شرط نہ ہونے کو مستلزم نہیں اور کتاب الزکوٰۃ باب العاشر میں گزر چکا ہے کہ کافر کو عاشر مقرر کرنا حرام ہے کیونکہ اسے عاشر بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور کافر کی تعظیم حرام ہے، سیر کبیر کی شرح سے منقول ہے کہ امیر المومنین (عمر) رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لکھا کہ مسلمانوں کے معاملات کیلئے کسی مشرک کو کاتب مت بنانا اور شارح سیر کبیر نے کہا کہ ہم اسی کو اخذ کرتے ہیں بدلیل اس ارشاد الٰہی کہ "(اے ایمان والو!) غیروں کو اپنا راز دار مت بناؤ"۔ کتاب الاضحیہ میں آرہا ہے کہ کتابی کا ذبیحہ مکروہ ہے اور اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ امور دینیہ میں کافر سے مدد نہیں مانگنی چاہئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول یہ حدیث مرتبہ صحت کو پہنچ چکی ہے کہ بیشک ہم مشرک سے مدد نہیں طلب کرتے، اور تحقیق خائن کو متولی بنانے کی حرمت معلوم ہو چکی ہے اور ہمارا رب عزوجل یہ ارشاد فرماتا ہے کہ "وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے" اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ ردالمحتار پر میرا حاشیہ ختم ہوا۔(ت)

اس سے حکم مسئلہ واضح ہو گیا کہ کافر کو متولی کیا جائے تو ہو جائے گا مگر اسے متولی کرنا، کوئی امر دینی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایۃ الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

اس کو اختیار میں دینا حرام ہے اور اسے معزول کرنا واجب، نہ کہ خاص مسجد پر کہ اعظم او قاف دینیہ ہے۔

مؤذن گریباں گر فتش کہ ہین سگ و مسجد اے فارغ از عقل و دیں

(مؤذن نے اس (بے دین) کا گریبان پکڑا کہ خبردار! کتے اور مسجد کا کیا تعلق اے عقل اور دین نہ رکھنے والے۔ت)

ہندو سے کسی کار دینی میں مدد نہ لی جائے گی وہ اس میں مسجد و مسلمانان پر اپنا احسان سمجھے گا۔ **اللّٰھم لاتجعل لفاجر علی یدًا**[1] (اے اللہ! مجھ پر کسی فاجر کا احسان مت رکھ۔ت) دعائے ماثورہ ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۶۰ تا ۳۶۵: از مراد آباد بتوسط حاجی امیر اللہ صاحب ۱۶/ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید ایک مسجد کا جس کی آمدنی مستقل زائد از بیس روپے ماہوار ہے مدت سے متولی ہے، مسجد میں قطعی بندوبست نماز کا بغیر صلٰوۃ جمعہ نہیں، جس کا دل چاہا خواہ فاسق معلن ہو یا بے علم اس نے امامت کرلی، اور اکثر اوقات نزاع وفساد در بارہ امامت ووقت رہتا ہے، متولی مذکور صراحۃً وکنایۃً ان مکروہات کے انسداد کے واسطے فہمائش منجانب مصلیان ہوئی بھی تو قطعی خیال نہ کیا، زیادہ سے زیادہ مسجد کے خرچ میں درمیان پانچ یا چھ روپیہ ماہوار کے آتا ہے، علاوہ اس کے مسجد کی خدمت در بارہ صفائی بھی کماحقہ نہیں ہوتی بلکہ پانی سقایہ ونیز اس کا سرما میں گرم ہونا بیشتر چندہ سے ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں متولی مذکور قابل رہنے کے ہے یا نہیں؟

(۲) مسجد کی آمدنی کا روپیہ کس شخص کو خواہ متولی ہو یا دیگر اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مسجد کی آمدنی اتنی معقول ہو اس میں اگر دوسرا شخص بطور چندہ یا اپنی طرف سے مسجد کی خدمت کرے تو وہ ماجور ہوگا یا نہیں اور مسجد اس چندہ کو شرعًا قبول کرسکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر متولی لطائف الحیل سے ضروریات مسجد کو ٹال دے یعنی نماز وامامت اور باوجود ضروریات دین اور نیز فہمائش کے مسجد کی خدمت کماحقہ ادا نہ کرے نہ خود امامت کرے بلکہ دن رات نفسانی ہوا وہوس میں مشغول رہے اور اسی بناء پر امامت سے اعراض کرے تو اس کا کیا حکم ہے وشرع شریف کے نزدیک ایسا متولی قابل رکھنے کے ہے یا نہیں؟

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب المحبۃ بیان حقیقۃ المحبۃ الخ دار الفکر بیروت ۹/ ۵۵۴

(۵) محض خالصًا لوجہ اللہ والناس جواب ہونا چاہئے انہیں صورتوں میں جب کہ امام مقتدیوں سے ضروریات شرعیہ میں ہر طرح سے کم ہے اور پھر بھی امام بنا ہے تو علاوہ نماز خراب ہونے کے متولی بھی اس گناہ میں ماخوذ ہوگا یا نہیں؟ اور اول مقتدیوں کی نماز جو اس امام سے علم وفضل میں زائد ہیں کس درجہ تک ناقص ہوگی یا قطعی نہ ہوگی؟

(۶) اگر کوئی شخص شرارتًا و باغوائے متولی قبروں پر مع جوتیاں چڑھتا ہو اور ہانڈی کا دھوون، پان کی اگال، استنجا قبروں پر کرتا ہو تاکہ اوروں کو جو اس شرارت سے روکتے ہیں ایذا ہو تو ایسے شخص اور متولی کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جب کہ مسجد کی آمدنی بیس ۲۰ روپیہ ماہوار سے زائد ہے اور متولی صرف پانچ چھ روپے خرچ کرتا ہے باقی کا پتا نہیں دیتا اور مسجد کی ضروریات مثل صفائی وغیرہ معطل رہتے ہیں یا چندہ سے ہوتے ہیں تو اسکا ظاہر حال خیانت ہے اگر وجہ معقول وحساب صحیح پیش نہ کرے معزول کرنا لازم ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولی لو غیر مأمون[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	متولی خائن سے ولایت وجوبًا واپس لے لی جائیگی اگر وہ خود واقف ہو لہٰذا غیر واقف سے تو بدرجہ اولٰی ولایت واپس لینا واجب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) مسجد کی آمدنی کو کوئی شخص اپنے ذاتی صرف میں نہیں لاسکتا مگر متولی بقدر اجرت مثل یعنی اتنے کام پر عرف میں کیا ماہوار ہوتا ہے اتنا پاسکتا ہے۔

(۳) پاک مال نیک نیت سے مسجد کی خدمت کرنے والا ضرور ماجور ہے اور مسجد اسے قبول کرسکتی ہے اگرچہ مسجد کی آمدنی کثیر ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) امامت ذمہ متولی لازم نہیں اور ہوا و ہوس اگر تا حد فسق نہ ہو مانع تولیت نہیں اور ضروری خدمتوں میں تقصیر یا بربنائے عجز ہوگی یا بربنائے بے پروائی دونوں صورتوں میں لائق عزل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) مفضول فاضل کی امامت کرسکتا ہے جب کہ شرائط صحت وجواز امامت کا جامع ہو اس سے فاضل کی نفس نماز میں کوئی نقص آئے گا نہ متولی پر اس کا الزام ہے، ہاں اگر متولی دیدہ دانستہ افضل

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

کے ہوتے ہوئے مفضول کو امام کرے تو وہ اس حدیث کا مورد ہے کہ:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی منہ للّٰہ تعالٰی فقد خان اللّٰہ ورسولہ والمؤمنین[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے بہتر ان میں موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمان سب کی خیانت کی۔

(۲) قبر مسلم کا ادب واجب ہے اس پر استنجا کرنا حرام ہے اس پر اگال یا دھون ڈالنا توہین ہے، اس پر بلاضرورت و مجبوری شرعی پاؤں رکھنا ناجائز ہے، نہ کہ معاذاللہ اس پر جوتا پہنے چڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان یجلس احدکم علی جمرۃ فتحرق ثیابہ فتخلص الی جلدہ خیرلہ من ان یجلس علی قبر[2]۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	بیشک تم میں کسی کا چنگاری پر بیٹھنا کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر اس کی کھال تک پہنچ جائے اس کے حق میں قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔ (اس کو مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لان امشی علی جمرۃ او سیف احب الی من ان امشی علی قبر مسلم[3]۔	بیشک مجھے آگ یا تلوار پر چلنا مسلمانوں کی قبر پر چلنے سے زیادہ پسند ہے۔

اس میں بکثرت احادیث وروایات ہمارے رسالہ **اھلاك الوھابیین**[4] میں ایسا کرنے والا سب سے سخت عذاب کا مستحق ہے اور متولی کہ ایسے فعل کا اغوا کرتا ہے اس سے بھی بدتر ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ع عن حذیفہ حدیث ۱۴۶۵۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹

کنز العمال میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس علم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غشی اللہ وغشی رسولہ وغشی جماعۃ المسلمین جبکہ مستدرک حاکم میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: من استعمل رجلا من عصابۃ وفی تلک العصابۃ من ھو ارضی للہ منہ فقد خان اللہ وخان رسولہ وخان المومنین۔ ملاحظہ ہو جلد ۴ ص ۹۲ مطبعہ دار الفکر بیروت۔

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی النھی عن الجلوس علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی النھی عن المشی علی القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۳

[4] رسالہ ہذا (اھلاک الوھابیین) فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جلد ۹ ص ۴۲۹ پر موجود ہے۔

مسئلہ ۳۶۶: از بریلی بہاری پور معماران مسئولہ رحیم بخش صاحب ۵صفر المظفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کی معرفت جو بہت معزز صاحب تھے کام مسجد کے واسطے خشت خریدی گئی اور وہ خشت مسجد کے کام میں آئی، روپیہ اسکا جو مسجد کے چندہ کا جمع تھا ان صاحب کو دے دیا گیا۔ اس شخص نے روپیہ مالک بھٹہ کو نہیں دیا اپنے پاس صرف کرلیا۔ مالک بھٹہ نے نالش مہتمم مسجد پر کردی آخر کارڈگری مہتمم مسجد پر ہوگئی اور اس کا روپیہ جس قدر تھا وہ مہتمم مسجد نے فی الحال دیا اب مہتمم مسجد وہ روپیہ کس طرح سے وصول کرے اور وہ شخص کہ جس نے روپیہ اپنے پاس صرف کرلیا ہے۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوتا ہے کہ نالش کا روپیہ اس نے اپنے مال سے دیا اس کا معاوضہ زر مسجد سے نہیں لے سکتا، وہ شخص جس نے روپیہ مار لیا اس سے حتی الامکان مسجد کا روپیہ وصول کرے وہ غاصب ہے، مرتکب غصب مستحق غضب ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۳۶۷تا۳۷۴: از سہسوان ضلع بدایوں مرسلہ مولوی سید پرورش علی صاحب ولد مولوی سید عبدالعزیز صاحب ۷رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) متولی وقف کے مسکن وصندوق سے مال وقف چوری گیا تاوان لازم یا نہیں؟

(۲) مدرسین وقف کو دو چار چھ ماہ کی پیشگی تنخواہ دینا روا یا ناروا؟

(۳) متولی کو مال وقف بطور قرض اپنے صرف میں لانا پھر ادا کرنا روا یا ناروا؟

(۴) مال وقف سے کسی مسلمان کو قرضہ دینا روا یا ناروا؟

(۵) کتب وقف ایک مدرسہ دوسری جگہ مستعار دینا روا یا ناروا؟

(۶) دو مدرسوں کے متولی کو ایک وقف کا مال دوسرے میں صرف کرنا بطور قرض روا یا ناروا؟ اور واقف دونوں وقف کے جدا جدا ہیں۔

(۷) زمین مشترک کا روپیہ ایک شریک وصول کرتا ہے قبل تقسیم اپنے صرف میں لانا یا کسی مسلمان کو اس میں سے قرض دینا جائز یا نہ؟

(۸) تعمیر مدرسہ کے واسطے بمشورہ مسلمین قرض لینا روا یا ناروا؟ حنفی کی معتمدات سے جواب عنایت ہو مع حوالہ کتاب۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) اگر متولی نے کوئی بے احتیاطی نہ کی تو اس پر تاوان نہیں **لانہ کالوصی امین فالقول قولہ بیمین** (کیونکہ وہ (متولی) وصی کی طرح امین ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ت) اور اگر بے احتیاطی کی مثلاً صندوق کھلا چھوڑ دیا غیر محفوظ جگہ رکھا تو اس پر تاوان ہے **لان الامین بالتعدی ضمین** (کیونکہ تعدی کی وجہ سے امین پر ضمان لازم ہوتا ہے۔ت)

(۲) روانہیں مگر جہاں اجازت واقف یا تعامل قدیم ہو **لانہ یحمل علی المعھود من عند الواقف** (کیونکہ یہ خود واقف کی طرف سے معہود پر محمول ہوگا۔ت)

(۳) حرام حرام **لانہ تعدی علی الوقف والقیم اقیم حافظ لامتلف** (کیونکہ یہ وقف پر تعدی ہے حالانکہ متولی کو بطور محافظ مقرر کیا جاتا ہے نہ کہ ضائع کرنے والا۔ت)

(۴) نہ، **لانہ صرف فی غیر المصرف** (کیونکہ یہ غیر مصرف میں صرف کرنا ہوا۔ت)

(۵) شرط واقف کا اتباع کیا جائے گا اگر منع کردیا ناجائز ہے، اور اگر یہ شرط کردی کہ کتاب جو عاریۃً لے جانا چاہے اتنا مال اس کے عوض گویا بطور گروی رکھا جائے تو یونہی کیا جائے گا بے اس کی اجازت نہیں اور اگر بلاشرط عاریۃً کی اجازت قوم یا اشخاص خاص کو دی تو انہیں کے لئے اجازت ہوگی اور عام تو عام **لقولھم شرط الواقف کنص الشارع**[1] **والمسألۃ فی الاشباہ والنھر والدر المختار ورد المحتار وھذا حاصل ماتقرر** (بسبب فقہاء کے اس قول کے کہ شرط واقف وجوب عمل میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نص کی طرح ہے اور یہ مسئلہ اشباہ، نہر، درمختار اور ردالمحتار میں ہے جو کچھ اس پر وہاں تقریر کی گئی یہ اس کا خلاصہ ہے۔ت) **(۶)** ناجائز ہے،

لان الاقراض تبرع والتبرع اتلاف فی الحال والناظر للنظر لاللاتلاف ومسألۃ اختلاف الواقف اوالجھۃ مذکورۃ فی التنویر والدر ودائرۃ فی الاسفار الغر۔	قرض دینا تبرع ہے اور تبرع فی الحال تلف کرنا ہے جبکہ متولی تو حفاظت کے لئے ہوتا ہے نہ کہ تلف کرنے کے لئے اور واقف وجہت وقف کے اختلاف کا مسئلہ تنویر، در اور جلیل القدر ضخیم کتابوں میں مذکور ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳ و کتاب التعریف ۱/ ۳۰۵

(۷) اپنے حق تک صرف کرسکتا ہے۔

(۸) متولی کو وقف پر قرض لینے کی دو شرط سے اجازت ہے ایک یہ کہ امر ضروری و مصالح لابدی وقف کے لئے باذن قاضی شرع قرض لے اگر وہاں قاضی نہ ہو خود لے سکتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ حاجت سوائے قرض اور کسی سہل طریقہ سے پوری نہ ہوتی ہو مثلاً وقف کا کوئی ٹکڑا اجارہ پر دے کر کام نکال لینا۔ درمختار میں ہے:

لاتجوز الاستدانة علی الوقف الااذااحتیج الیھا لمصلحة الوقف کتعمیر وشراء بذر فیجوز بشرطین، الاول اذن القاضی فلو یبعد منه یستدین بنفسه، الثانی ان لاتتیسر اجارة العین والصرف من اجرتھا و الاستدانة القرض والشراء نسیئة [1]۔	وقف پر قرض لینا متولی کو جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جبکہ اس کی حاجت ہو جیسے وقف کی مرمت یا زمین وقف میں کاشت کے لئے بیج خریدنا، تو اس صورت میں دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے شرط اول یہ ہے کہ اذن قاضی سے قرض لے اگر قاضی دور ہو تو متولی از خود قرض لے سکتا ہے، شرط ثانی یہ ہے کہ عین وقف کو اجارہ پر دینا اور اس کی اجرت سے خرچ کرنا ممکن نہ ہو۔ استدانت سے مراد قرض لینا اور شراء سے مرادادھار پر خریدنا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المختار انه اذالم یکن من الاستدانة بد تجوز بامر القاضی ان لم یکن بعیداعنه، اماماله منه بد کالصرف علی المستحقین فلا کما فی القنیة الاالامام و الخطیب والمؤذن فیما یظهر لقوله فی جامع الفصولین لضرورة مصالح المسجد اھ والا الحصیر والزیت بناء علی القول بانھما من المصالح وھو الراجح، ھذاخلاصة ما اطال فی البحر [2] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مختار یہ ہے کہ اگر قرض کرلینے سے چھٹکارا نہ ہو تو قاضی کی اجازت سے جائز ہے جبکہ قاضی دور نہ ہو لیکن اگر اس سے چھٹکارا ہوسکتا ہے تو جائز نہیں جیسے مستحقین پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جیسا کہ قنیہ میں ہے۔ مگر امام، خطیب اور مؤذن پر خرچ کرنے کے لئے قرض لینا جائز ہے جیسا کہ جامع الفصولین کے قول سے ظاہر ہے کیونکہ اس میں مسجد کی مصلحت ہے اھ اور اسی طرح مسجد کے لئے چٹائی اور تیل وغیرہ کے لئے قرض لینا بھی جائز اس قول کی بناء پر کہ یہ مصالح مسجد میں سے ہیں اور یہی راجح ہے، یہ بحر کی طویل بحث کا خلاصہ ہے اھ واللہ اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۹

مسئلہ ۳۷۵: مسئولہ فیض رسول خاں ساکن چاند پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ولی حسین خاں نے عرصہ اکتیس سال سے تحریر تولیت نامہ حقیت موضع پرتیت پور پرگنہ نواب گنج محلّہ باغ کے قابض کرکے متولی مقرر کردیا، بعدہ پندرہ برس کے ولی حسین خان فوت ہوئے اس کے بعد کو بھی متولی بدستور پندرہ سال تک اور کام تولیت کا انجام دیتا ہے اور اب تک قابل انجام وہی کام تولیت کے ہے۔اب تقی حسین خاں پسر ولی حسین خاں نے جبر ناجائز دے کر متولی سے دستبرداری لکھائی اور جائداد موقوفہ سے ایک باغ رد کراکر اپنے ملازم سے مشتری باغ ظاہر کرایااور آمدنی خیر کو مصارف ناجائز میں صرف کرنا شروع کیا۔جواب بالا میں متولی سابق برخاست ہوسکتا ہے اور تقی حسین خاں قابل تولیت کے ہوسکتا ہے اور تصرف ناجائز آمدنی خیر میں عنداللہ وعندالرسول کے کیا احکام ہیں؟

الجواب:

دستاویز دست برداری ملاحظہ ہوئی وہ دست برداری مطلق نہیں بلکہ بحق تقی حسین خاں ہے اور پیش قاضی بقبول قاضی نہیں بلکہ بطور خود ہے اور مرض الموت متولی میں نہیں بلکہ اس نے اپنی صحت میں کی ہے اور دستاویز وقف ملاحظہ ہوئی، اس میں واقف سے متولی کو کوئی اختیار اپنے عزل اور دوسرے کے نصب کا نہیں دیا۔پس دست برداری مذکور محض مردود و باطل ہے اس سے نہ فیض رسول خاں کی تولیت زائل نہ تقی حسین خاں کو اصلاً کوئی حق حاصل بلکہ فیض رسول خان بدستور متولی اور تقی حسین خان نرا اجنبی ہے اگرچہ وہ بددیانتی بھی نہ کرے اور بحال بددیانتی جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خود واقف بھی اگر متولی ہوتا فوراً نکال دیا جاتا نہ کہ دوسرا شخص۔درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیرہ مقامه فی حیاته ان کان التفویض له بالشرط عاما صح والا لایصح[1] (ملخصًا)	متولی نے اپنی زندگی میں کسی اور کو اپنی جگہ متولی بنانا چاہا اگر تو اس کو واقف کی طرف شرط کے تحت عام تفویض تولیت کی اجازت حاصل ہے تو صحیح ورنہ نہیں۔(ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معنی العموم کما فی انفع الوسائل انه	عموم کا معنی جیسا کہ انفع الوسائل میں ہے یہ ہے

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

ولاہ واقامہ مقام نفسہ،وجعل لہ ان یسندہ الی من شاء ففی ھذہ الصورۃ یجوز التفویض منہ فی حال الحیوۃ[1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنایا اور اس کو اپنے قائم مقام کر دیا اور اسے اختیار دیا کہ وقف کو جس کی طرف چاہے منسوب کردے تو اس صورت میں اس کو اپنی زندگی میں تفویض تولیت جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفراغ مع التقریر من القاضی عزل لاتفویض ویدل علیہ قولہ فی البحر اذاعزل نفسہ عندالقاضی فانہ ینصب غیرہ وبہ ظھران قولھم لایصح اقامۃ المتولی غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ مقید بمااذالم یکن عند القاضی،ولایرد ان العزل یکفی فیہ مجرد علم القاضی لان الفراغ عزل خاص مشروط فانہ لم یرض بعزل نفسہ الا لتصیر الوظیفۃ لمن نزل لہ عنھا[2]اھ مختصرا۔	متولی کا فارغ ہونا جبکہ قاضی دوسرے کو مقرر کرے عزل ہے تفویض نہیں اسی پر دلالت کرتا ہے بحر میں اس کا قول کہ اگر متولی نے قاضی کے پاس خود کو معزول کرلیا تو قاضی کسی دوسرے کو مقرر کرے،اسی سے ظاہر ہوا کہ فقہاء کا یہ قول کہ متولی اپنی زندگی میں حالت صحت میں غیر کو اپنے قائم مقام نہیں کرسکتا مقید ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ قائم مقام کرنا قاضی کے پاس نہ ہو۔اس پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ عزل میں تو صرف قاضی کو علم ہونا کافی ہے عدم ورود کی وجہ یہ ہے کہ فراغ ایک خاص مشروط عزل ہے کیونکہ متولی اپنی معزولی پر صرف اس صورت میں رضامند ہوا کہ ولایت اسی کی طرف منتقل ہو جس کے لئے اس نے معزولی اختیار کی اھ اختصارًا(ت)

درمختار میں ہے:

وینزع وجوبًا بزازیۃ،لو الواقف درر،فغیرہ بالاولی غیر مامون[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خائن متولی سے وجوبًا ولایت لے لی جائے گی(بزازیہ)اگر وہ متولی خود واقف ہو(درر)تو خیانت کے سبب غیر واقف سے بدرجہ اولٰی ولایت لے لینا واجب ہوگا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۲-۴۱۱

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۳۷۶: مسئولہ فیض محمد صاحب محلّہ بہادر گنج شاہجہان پور ۳۰ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد کی تحویل کا روپیہ رشوت میں صرف کیا جائے اور اپنے تصرف میں لایا جائے توآیا ایسی صورت میں تحویل رکھنے والا یا مشورت میں شریک ہونے والا شرعًا کس تعزیر کا مستوجب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کیاشرعی تعزیرات یہاں جاری ہیں، کیا کوئی دے سکتا ہے تحویل اس سے نکال لینی واجب ہے، اور جو اپنے صرف میں لایا یا خاص کار ضروری مسجد بحالت مجبوری محض کے سوا رشوت میں اٹھایا اس کا تاوان اس پر لازم ہے مسلمان اس سے توبہ لیں، نہ مانے تو اس سے میل جول چھوڑدیں ہاں اگر نہ اپنے صرف میں لایا نہ اور کوئی تصرف بیجا کیا کسی معاملہ میں مسجد کو ضرر شدید پہنچتا تھا اور بے کچھ دئے لئے کسی طرح نجات نہ تھی یوں صرف کیا تو مسجد کا اس پر کچھ الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷۷: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتوار ملوک ناگپور شہر ناگپور ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

متولی مسجد کا کون شخص ہو سکتا ہے اور اس کے لئے کیا حقوق خدمات مسجد کے ہیں؟

الجواب:

متولی مسجد ایک قادر متدین ہونا چاہئے کہ ہوشیاری دیانتداری سے کام کرسکے اوقاف مسجد کا سب نظم ونسق اس کے سپرد ہوگا نیز مسجد کی نگہداشت غور پرداخت۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷۸: از سہسوان ضلع بدایوں عبداللطیف مدرس قرآن شریف ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

محمود الاقران نعمان الزمان دامت برکاتہم السلام علیکم وعلٰی من لدیکم، متولی وقف کو مال وقف بطور قرض اپنے تصرف میں لانا یا کسی مسلمان کو قرض دینا روا یا ناروا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

متولی کو روا نہیں کہ مال وقف کسی کو قرض یا بطور قرض اپنے تصرف میں لائے۔

مسئلہ ۳۷۹ تا ۳۸۱: از شہر آگرہ محلّہ کھڑکی مسئولہ محمود حسن صاحب امام جامع مسجد سابق یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص خانقاہ کی سجادگی حاصل کرکے اپنے بھائی کو ہبہ مشاع اس شرط پر کرے کہ موہوب لہ سجادہ نشین رہے اور واہب مسند نشین اور آمد ہر قسم سرکاری ونذر وفتوح وغیرہ سب بالتنصیف تقسیم رہے اور یہ سلسلہ نسلًا بعد نسل چلا جائیگا مگر اس موہوب لہ سجادہ نشین کی اولاد اصل واہب کی اولاد کی منع مسند نشینی کے ساتھ نذر وفتوح وغیرہ کو بالتنصیف نہیں دیتی ہے کیا ایسی حالت میں

واہب موہوب لہ سے شے موہوب واپس لے سکتا ہے؟

(۲) جو اس سجادگی حاصلہ موہوبہ و مسند نشینی سے پہلے تھے ان کے حقوق وغیرہ معافیات بدستور قائم رہے اس میں کچھ رقم متعلق مرمت خانقاہ رہی موہوب لہ سجادہ نشین نے ان سوابق کو خانقاہ میں آنے اور خدمت کرنے سے منع کرادیا یا کردیا یا ایسے اسباب ڈالے جس سے مجبورًا ممنوع ہوئے اور مرمت وغیرہ بھی ان کی جانب سے نہ ہونے دی اور نہ کرنے دی اب سوابق مستحقین کے اولاد سے وہ (رقم مرمت جو پاتے رہے ہیں اولاد سجادہ نشین (موہوب لہ) لینا چاہتی ہے، کیا لے سکتی ہے یا نہیں؟ باوجودیکہ وہ لوگ اپنی ذات سے خدمت اور مرمت کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) بعد نظر ڈالنے ہر دو قلم یہ بھی دریافت طلب ہے کہ شرعًا اس خانقاہ کا اصل راس یا مکھیا کس کو سمجھا جائے اور کون ہے اولاد سوابق مستحقین موہوب لہ کی اولاد، مسند نشین اصل واہب کی اولاد؟

الجواب:

نذر وفتوح جو جسے دے اس کی ملک ہیں واہب ہو یا موہوب لہ یا ان میں کسی کی اولاد، سجادہ نشین یا کسے باشد۔ رہا معاہدہ تنصیف وہ ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر اصل وعدہ کنندہ بھی حکمًا مجبور نہ کیا جاتا نہ کہ اس کی اولاد۔ **فقد نصوا علی انہ لاجبر علی الوفاء بالوعد**[1] (مشائخ نے اس پر نص کی ہے وفاء عہد پر جبر نہیں کیا جاتا۔ ت) مگر یہاں ایک دقیقہ ہے کہ آگے ظاہر ہوگا بیان سائل سے معلوم ہوا کہ شے موہوب ملک واہب نہ تھی بلکہ جائداد وقف خانقاہ تھی اور سجادہ نشین حسب دستور اس کا متولی، اس نے اپنے بھائی کو یہ نصف ہبہ کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہبہ باطل محض ہوا کہ جائداد موقوف اس کی ملک نہ تھی جسے ہبہ کرسکتا اور حق تولیت قابل ہبہ نہیں، متولی اپنی صحت میں دوسرے کو قائم مقام نہیں کرسکتا مگر اس حالت میں کہ جہت واقف سے اسے اس کا اختیار عام دیا گیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی صحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح والالا۔[2]	متولی نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں کسی کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا، اگر واقف کی طرف سے شرط کے سبب سے عام تفویض کا حق حاصل ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

تو اگر واہب کے لئے اختیار حسب شرط واقف یا تعامل قدیم کی دلیل شرط واقف ہے حاصل نہ تھا تو اس کا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع فی الاجارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

اپنے بھائی کو سجادہ نشین کرنا باطل محض ہوا بلکہ وہی واہب بدستور سجادہ نشین رہا،

فانہ جعلہ مستقلا لا وکیلا عنہ حتی یجوز ولا ینعزل بعزل نفسہ الا عند قاضی الشرع ولا قاضی ثمہ۔	اس لئے کہ اس نے اسے مستقل کیا ہے نہ کہ وکیل حتی کہ جائز ہوتا اور خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ قاضی شرع کے پاس ایسا کرے اور یہاں قاضی شرع موجود نہیں (ت)

اس صورت میں جو نذور وفتوح موہوب لہ کو دی جائیں اگر دینے والا خود اس کی ذات کو دیتے وہ اس کی ملک تھیں اور اگر نذر سجادہ بحیثیت سجادہ نشینی دیتے تو اس کو ان کا لینا جائز نہ تھا کہ وہ واقع میں سجادہ نشین نہ ہوا،

ومن اعطی احدا بظن وصف ولم یکن فیہ لم یحل لہ اخذہ[1] کما حققہ فی احیاء العلوم وغیرہ۔	اگر کوئی شخص کسی شخص میں کوئی وصف گمان کرکے عطیہ دے اور وہ وصف موہوب لہ میں نہ ہو تو اس کو یہ عطیہ لینا جائز نہیں، جیسا کہ احیاء العلوم وغیرہ میں اس کی تحقیق کی گئی ہے (ت)

اس صورت میں واپس لینے کے کوئی معنی نہیں کہ وہ دینا ہی صحیح نہ ہوا واپسی تو دینے کے بعد ہے۔ ہاں اگر واہب کو حسب شرط واقف اس کا اختیار بھی تھا تو بھائی کی شرکت صحیح ہوگئی اور واپسی کا اختیار نہیں مگر یہ کہ واقف نے یہ اختیار بھی دیا ہو۔ درمختار میں ہے:

ان کان التفویض لہ عاما صح ولا یملك عزلہ الا اذا کان الواقف جعل لہ التویض والعزل[2]۔	اگر اس کو تفویض عام حاصل ہے تو صحیح ہے اور وہ اس کو معزول نہیں کرسکتا سوائے اس کے کہ واقف نے اس متولی کو تفویض وعزل دونوں کا اختیار دیا ہو (ت)

(۲) جو بحکم واقف یا حسب عملدرآمد قدیم اوقاف میں کوئی حق شرعی رکھتے تھے وہ بلاوجہ شرعی کسی کے ممنوع کئے ممنوع نہیں ہوسکتے۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

استفید من عدم صحۃ عزل الناظر	متولی وقف کو بلاجرم معزول کرنے کی عدم صحت

---

[1] احیاء العلوم کتاب الزہد والفقر ۴/ ۲۰۸، کتاب الحلال والحرام ۲/ ۱۵۴، کتاب اسرار الزکوٰۃ ۱/ ۲۲۳ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ مصر

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

بلاجنحة عدمها لصاحب وظیفة فی وقف بغیر جنحة وعدم اهلیة[1]۔	سے معلوم ہوا کہ وقف میں کسی صاحب وظیفہ کو جرم اور عدم اہلیت کے بغیر معزول کرنا صحیح نہیں۔(ت)

(۳) مستحقین اپنے اپنے حقوق لینے تک کے مختار ہوتے ہیں اصل و راس وہی متولی او قاف ہے جس کا بیان جواب سوال اول میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۲: مرسلہ نقی احمد صاحب قصبہ سندیلہ ضلع ہردوئی محلّہ اشراف ۱۹صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں:

(۱) زید منتظم و بانی جائداد انجمن اسلامیہ جو کہ منجانب گروہ اسلام قائم ہوئی تھی تھااور عمرو امین جائداد کا تھا۔

(۲) بکر وغیرہ جو کہ متولی گروہ اسلام تھے پانچ سال کے حساب فہمی کا دعوی زید منتظم و عمرو امین پر کیااور کاغذات طلب کئے۔

(۳) ہر دو مدعا علیہم نے جواب دیا کہ تم مستحق حساب فہمی نہیں ہو کیونکہ کل جائداد میرے اہتمام و کوشش سے حاصل ہوئی۔

(۴) عدالت سے کاغذات طلب ہوئے عمرو امین روپوش ہوگیااور کاغذات نہیں دئے عدالت نے بہ ثبوت یک طرفہ مدعا علیہم پر ڈگری کردی۔

(۵) بعد ڈگری اس ڈگری کی بابت ثالثی ہوئی جس میں زرڈگری چوتھائی قائم رہااور زید منتظم نے بوجہ روپوش ہونے عمرو کے کل روپیہ مطابق فیصلہ ثالثی ادا کردیا۔

(۶) اب زید منتظم و عمرو امین کا انتقال ہوگیااور جو کاغذات امین کے قبضہ میں تھے وہ برآمد ہوئے ان کاغذات کی رو سے بمقابلہ اداشدہ رقم کے بہت کم روپیہ مطالبہ مدعیان کا ذمہ منتظم وامین برآمد ہوتا ہے آیا شرعًا بروئے کاغذات بقدر مطالبہ ذمہ منتظم وامین نکلے تو رقم اداشدہ کے بعد جس قدر باقی رہے ان کے ورثہ سے جب کہ جائداد چھوڑی ہو مدعیان رقم پانے کے شرعًا مستحق ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اگر منتظم نے زائد روپیہ داخل کیا ہو تو شرعا واپس پانے کا حق ورثاء منتظم کو ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب:

جس قدر مطالبہ واجبی ثابت ہوا گراس سے کم ادا ہوتا ہے باقی ان کے ترکہ سے لیاجائے گااور اگر اول سے زیادہ لے لیا گیا ہے تو جتنا زیادہ ہو انہیں واپس دینا واجب ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا[1]، وقال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ"[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی، یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طور پر مت کھاؤ اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس لئے لے جاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

من دفع شیئا ظانا انہ علیہ کان لہ ان یستردہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی شے دی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس کو یہ شے دینا مجھ پر لازم ہے تو اس کو واپس لینے کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۸۳: مرسلہ حکیم محمد حیات خان صاحب آگرہ کوچہ حکیماں حیات منزل ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ منجملہ پانچ متولیان اوقاف کے جو بحیثیت ایک انجمن کے کثرت رائے پر کام کرتے ہوں اگرچہ ایک علانیہ سود کھاتے ہوں اور خلاف منشاء واقف خرچ کئے جانے پر مصر ہوں اس قابل ہیں کہ عندالشرع متولی رہ سکیں۔ متذکرہ بالا متولی صاحب کا جو علانیہ سود کھاتے ہیں یہ فعل کہ مسجد جامع وغیرہ میں جو ان کے زیر نگرانی ہیں حسب موقع اپنے خرچہ سے عام مسلمانوں کو برف وغیرہ پلواتے ہیں آیا عندالشرع اس قابل ہے کہ دیگر متولیان اسے روکیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ وہ شخص ہر گز متولی رہنے کے قابل نہیں اور اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ موداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ وکتاب الوقف ۱/ ۲۲۹، ۲۲۷ وکتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندھار افغانستان

ینزع وجوبًا لوالواقف درر فغیرہ بالاولٰی غیر مامون[1]۔	اس کو وجوبًا وقف سے نکال دیا جائے گا اگرچہ وہ خود واقف ہی ہو (درر) جبکہ وہ امین نہ ہو تو غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی اس کو نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

اپنے خرچ سے مسلمانوں کو برف پلانا کوئی امر معیوب نہیں بلکہ نیت حسن ہو تو مستحسن ہے مگر وقف کی آمدنی سے حرام ہے جبکہ شرائط وقف کے تحت میں داخل نہ ہو اور مسجد میں یہ مجمع نہ ہونا چاہئے کہ غل شور کا بھی احتمال ہے، اور مسجد میں غیر معتکف کو کھانا پینا بھی نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸۴: از موضع درؤ ضلع نینی تال تحصیل کچھا مسئولہ ثروت یار خاں صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک جائداد وقف کے متولی واحد کے انتقال پر تین متولیان بموجب شرط دستاویز وقف پیدا ہوئیں اور دیگر جائداد میں چھ وارث قائم ہوئے مقدمہ داخل خارج وقف پر منجملہ چھ وارثوں کے دو وارثوں نے جائداد وقف کو متروکہ قرار دیا اور وقف کے خلاف کوشش کی اور منجملہ انہیں چھ[۶] وارثوں کے تین وارث جائداد وقف کے متولیان میں سے دو متولیان نے وقف قائم رکھنے کی کوشش کی اور وہ کامیاب ہوئے ایک متولی خاموش رہا جن وارثوں نے کوشش خلاف وقف متروکہ قائم ہونے کے لئے کی تھی وہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ایک بھائی کے لڑکے کی وہ متولیہ جو کہ خاموش رہی وقت داخل خارج وقف مذکور منکوحہ تھی جس سے یہ اندیشہ دو[۲] متولیان اور مسلمانان کو تھا اور ہے کہ اگر جائداد وقف متروکہ قرار پائی گئی تو متولیہ خاموش کو یہ نفع ذاتی پہنچے کہ اس کے دونوں خسر جو وارث ہیں حصہ دار جائداد وقف میں بن جائیں اور وقف کو نقصان پہنچے کہ اس وجہ سے آئندہ بھی نقصان کا خیال ہے اب دوسرا مقدمہ واسطے نمبرداری برائے تعمیل شرائط وقف چل رہا ہے تو ایسی صورت میں جو کہ اوپر ظاہر کی گئی ہے کون متولیہ نمبردار مقرر ہونے کے لائق ہے اور کون تولیت سے خارج ہونے کے قابل ہے اور وہ شخص جو خاموش متولیہ کی طرف سے سربراہ کار مقرر ہونا چاہتا ہے جو خسر اس کا ہے اور وقف کے خلاف متروکہ قائم ہونے کی کوشش کرچکا ہے سربراہ کار مقرر ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو خلاف وقف کوشش کرچکا وہ ہر گز سربراہ کار نہیں کیا جاسکتا یہاں تک کہ اگر خود متولی یا خود واقف ایسا کرتا واجب تھا کہ فورًا نکال دیا جاتا۔ درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ینزع وجوبالوالواقف فغیرہ باولی غیر مامون[1]۔	متولی وقف اگرامین نہ ہو تواس کو ولایت سے نکال دیناواجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو،اگر متولی غیر واقف ہے توبدرجہ اولٰی نکالناواجب ہے(ت)

ایک متولیہ کاخاموش رہنا اگرثابت ہو کہ اس نیت فاسدہ سے تھاتواس کااخراج بھی واجب ہے،ہاں اگر بوجہ مجبوری ساکت رہی تو حرج نہیں، نمبرداری شرعی مسئلہ نہیں،ہاں جائز متولیوں سے باہر کوئی شخص نہ ہو۔**واﷲتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۵ تا ۳۸۸: ازجبلپوراومتی کاپل مرسلہ محمد نمیرخاں ۷ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) زید نے اپنی زمین مسجد کے لئے وقف کردی اور کچھ پتھر بھی برائے تعمیر مسجد دئے،زمین اور پتھروں کی قیمت تقریبًا ۲۰۰ مالہ/ہوں گے،اور عمرو نے اپنی ذات خاص سے بالکل مسجد باقاعدہ اور ایک حجرہ بھی تیار کرکے دونوں کو وقف کردیا جس میں غالبًا پانچ ہزار روپیہ صرف ہوا ہوگا بعدہ زید کے کہنے سے عمرو نے زید کے نام سے واسطے نگرانی مسجد ایک کاغذ جسٹری شدہ تحریر کردیا اور مسجد تیار ہوئے بارہ برس ہوئے جب سے ہر طرح کے خرچ کا کفیل مثل چراغ تنخواہ امام ومؤذن ورمضان شریف میں حافظ کی خدمت وتقسیم شیرینی اور بھی درمیان میں مسجد کے متعلق جوضرورت ہوا کرتی ہے عمروصرف اپنی ذات سے صرف کرتا ہے اور عمرو نہایت خلیق پابند صوم وصلوٰۃ باخدا شخص ہے اور عمرو زید کے افعال سے واقف نہ تھا کیونکہ زید بڑا فتنہ انگیز،حاسد،غیبت کنندہ،جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا اور مسجد پر اپنی حکومت جتانے والا،ایک نہ ایک شرارت پیدا کرنے والا ہے،اس صورت میں متولی کس کو شرع شریف قرار دیتی ہے اور وہ رجسٹری زید کی بموجب شرع شریف کارآمد ہے حالانکہ اہل محلّہ اور اہل جماعت عمرو کا متولی ہونا پسند کرتی ہیں؟

(۲) صرف زید کے حکم سے پیش امام ومؤذن مقرر ہوسکتے ہیں یا برخاست ہوسکتے ہیں یا کل اہل جماعت کی رائے سے؟

(۳) پیش امام کے موجود ہوتے ہوئے زید شرارتًا امامت کرتا ہے زید کے پیچھے نماز درست ہوسکتی ہے؟

(۴) زید کی امامت درست ہے یا نمازی اپنی اپنی نماز بوجہ کراہت دہرالیا کریں؟

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

الجواب:

(۱) اگر یہ امر واقعی ہے کہ زید فتنہ گر، شریر، مفرق جماعت ہے تو وہ ہر گز تولیت مسجد کے قابل نہیں، اس کا معزول کرنا واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف غیر مامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو۔ (ت)

(۲) مؤذن وامام جس کے مقرر کئے شرعًا ان منصوبوں کے لئے زیادہ لائق ہوں انہیں کو ترجیح ہوگی اور اگر یکساں ہوں تو زید کے مقرر کردہ مرجح ہیں کہ اصل مسجد یعنی زمین اسی کی وقف ہے، درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی[2]۔	مسجد کا بانی مسجد کے امام ومؤذن کی تقرری میں باقی لوگوں کی بنسبت اولٰی ہے یہی قول مختار ہے مگر جب قوم کا مقرر کیا ہوا امام یا مؤذن بانی کے مقرر کئے ہوئے سے افضل اور زیادہ صلاحیت کا حامل ہو تو وہی بہتر ہے۔ (ت)

مگر جب کہ مؤذن وامام تنخواہ دار ہیں اور تنخواہ انہیں عمرو دیتا ہے تو استحقاق تنخواہ اسی کو ہوگا جسے عمرو مقرر کرے، اس پر لازم ہے کہ اسے پسند کرے جو شرعًا زیادہ مناسب ہو اور تنخواہ دار کی برخاستگی بھی عمرو کی رائے پر ہوگی۔ **لانه هو المستاجر فلیس لثالث فسخها** (کیونکہ وہی کرایہ پر لینے والا ہے تو تیسرے شخص کو فسخ اجارہ کا حق نہیں۔ ت)

(۳و۴) اگر زید سے علانیہ فسق ثابت ہو تو اس کی امامت اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[3]۔	فاسق کو امامت کے لئے مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شرعًا مسلمانوں پر فاسقوں کی توہین واجب ہے (ت)

اور اگر زید میں کوئی وجہ مانع امامت نہیں مگر امام مقرر کردہ اس سے افضل واولٰی ہے اور اس وجہ سے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

اہل جماعت امام کے ہوتے زید کی امامت مکروہ وناپسند رکھتے ہیں تو زید کو جائز نہیں کہ امامت کے لئے تقدم کرے **لانہ ممن ام قوما وھم لہ کارھون**[1] (کیونکہ وہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے کسی قوم کی امامت کی حالانکہ وہ اس کی امامت کو ناپسند جانتے ہیں۔ت) مگر اس صورت میں نماز میں خلل نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸۹: ازگنگا جھری ڈاکخانہ دونی واڑہ تحصیل گوندیا ضلع بھنڈارہ ملک متوسط مرسلہ محمد اسمٰعیل خان ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

متولی مسجد نے مسجد کے پیسہ میں خیانت کی ایسے شخص کو متولی رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ یا متولی نے جھوٹی شہادت دی تو تولیت اسے دینا جائز ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جس نے جھوٹی شہادت کہی اس میں تو بہت احتمال ہیں کہ واقعی جھوٹی نہ ہو لوگ اسے جھوٹی سمجھیں یا واقع میں جھوٹی ہو مگر شہادت دینے والے نے اپنے نزدیک سچی سمجھ کر دی ہو یا کسی مصلحت اعظم کے لئے کوئی پہلودار بات کہی ہو یا راستی فتنہ انگیز سے بچنے کے لئے مرتکب ہوا ہو یا اس شہادت سے اسے حمایت وقف مقصود ہو، اسی طرح بہت احتمال نکل سکتے ہیں جن کے باعث وہ معزولی متولی کا سبب نہ ہوگی مگر پہلی بات بالکل صاف ہے جب اس نے مال وقف میں خیانت کی اس کا معزول کرنا واجب۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیر مامون بزازیۃ[2]۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	متولی اگر امین نہ ہو تو اس کو ولایت وقف سے نکال دینا واجب ہے اگرچہ وہ خود واقف ہو (درر) لہٰذا غیر واقف کو بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا (بزازیہ) **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۳۹۰: اجمیر شریف محلّہ خادمان چاہ ارٹھ مرسلہ سید امتیاز علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسمّٰی سید امیر علی متولی درگاہ تھا اور اس کی چار بیبیاں منکوحہ تھیں اول زوجہ اس کے چچا کی دختر تھی اور دوسری پٹھانی اور تیسری کاشت کار قوم چتیہ کی لڑکی چھوٹی قوم سے تھی، اول زوجہ سے ایک دختر اور دوسری سے ایک پسر مسمّٰی شریف حسین اور تیسری سے دو دختران، اور متولی مذکور کے ایک برادر علاتی پٹھانی بیوی سے ہیں جب کہ متولی مذکور الصدر نے انتقال کیا تو اولاد مندرجہ برادر علاتی کو چھوڑا اب برادر علاتی

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۱۷۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۲۸۲

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسمّٰی نثار احمد بمقابلہ پسر مسمّٰی شریف حسین کے دعویدار ہے کہ میں عہدہ تولیت کا مستحق ہوں، اب شرعًا لڑکا ہونا چاہئے یا برادر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مال کی کوئی وراثت ہو تو بیٹے کے آگے بھائی محروم ہے مگر وقف کی تولیت کوئی ترکہ نہیں، اس میں شرائط واقف پھر عملدرآمد سابق پھر صوابدید مسلمانان پر نظر ہوگی ان کے اعتبار سے جسے ترجیح ہوگی وہی متولی ہوگا بیٹا ہو یا بھائی یا غیر۔ ردالمحتار میں ہے:

(من جهلهم) قولهم خبز الاب لابنه[1]۔ والله تعالٰی اعلم	ان کی جہالت کی بناء پر ہے ان کا یہ قول کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹۱ تا ۳۹۸: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ دہلی دروازہ مرسلہ سید ضامن علی صاحب ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شہر میں مسلمانوں نے باتفاق باہمی قومی سرمایہ سے ایک مدرسہ موسومہ مدرسہ حنفیہ تعلیم دینیات جاری کیا اور اس پر انجمن اسلام کی نگرانی قائم کی گئی اور زید کو معمولی اختیاروں کے ساتھ بہ نفاذ ایک دستور العمل مہتمم مدرسہ مقرر کیا۔

(۲) زید نے بظاہر بصلہ حسن کار گزاری تیسرے سال مربیت اور پانچویں سال متولیت کا ادعا حاصل کیا۔

(۳) چھٹے سال بلا استصواب قوم مدرسہ حنفیہ کو مدرسہ نظامیہ سے وابستہ کرکے روداد سالانہ میں بجائے حنفیہ کے نظامیہ لکھنا شروع کیا تاکہ زید کے تعلقات خاندان نظامیہ سے مدرسہ مخصوص سمجھا جائے۔

(۴) اس کے بعد زید نے دستور العمل نظام مدرسہ کی پابندی سے انحراف کرنا شروع کیا اور ارباب انجمن کو یکے بعد دیگرے ممبرانہ حیثیت سے گرانا شروع کیا۔

(۵) نویں دسویں سال اسی قوم کے جذبات مذہبی کو بذریعہ تحریر صدمہ پہنچانے لگا یعنی کھلے لفظوں میں یہ لکھ کر اطراف ہندوستان میں شائع کردیا کہ فلاں شہر کے مسلمان کلمہ کی جگہ بتوں کا نام لیتے ہیں سجدہ کی جگہ دھوک دیتے ہیں، روزہ نماز کے وہ پابند نہیں، نہ ان لوگوں کو خوف خدا و رسول ہے، یہ مذہب سے سراسر آزاد ہیں، میں نے ان کے لئے اسلام کی بنیاد کا پتھر رکھا ہے حالانکہ یہ بہتان عظیم ہے اور واقعات سراسر اس کے خلاف ہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

(۶) گیارھویں سال کی روداد میں حسب معمول زید نے لفظ انجمن نہیں لکھا تاکہ بادی النظر میں مدرسہ انجمن کی نگرانی میں نہ سمجھا جائے۔

(۷) تعلیم وتربیت کے اعتبار سے مدرسہ نے کچھ بھی ترقی نہ کی۔

(۸) حالات صدر کو محسوس کرکے جب قوم نے چند اشخاص کو کاروبار مدرسہ میں شریک کرنا چاہا تو زید نے انکار کردیا اور خدمت مہتممی سے علیحدہ کردئے جانے کے بعد زید نے کچہری میں مدرسہ پر قبضہ دلاپانے کا دعوی کیا لہذا واقعات اور حالات حاضرہ کی روسے زید کی نیت سے یہ ثابت ہوچکا کہ جو کچھ وہ کرتا رہا قومی نقطہ نظر کے خلاف کرتا رہا اس کو ترقی تعلیم وخدمت اسلام مد نظر نہ تھی بلکہ اس کو اس پردہ میں اپنی نام آوری اور مفاد ذاتی منظور تھا، پس زید کی نسبت شریعت حقہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے تو زید حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں میں گرفتار، اور شریعت مطہرہ کے نزدیک سخت سزا کا سزاوار ہے کہ اس نے مسلمانوں پر اتہام رکھے اور ان کی دینی حیثیت سے بدنام کیا اور مدرسہ وقفی کو اپنی ذاتی اغراض کا ذریعہ بنانا چاہا وہ جب ایک دستور العمل کی پابندی سے مشروط کرکے مہتمم کیا گیا تھا اور اس نے بلاوجہ شرعی اس کی پابندی نہ کی مہتممی سے خارج ہوگیا **اذافات الشرط فات المشروط** (جب شرط فوت ہوئی تو مشروط فوت ہوگیا۔ت) اور اب کہ اسے اس بارے میں اتنی طمع ہے کہ کچہری میں نالشی ہوکر مدرسہ پر قبضہ کرنا چاہا تو ہرگز اس قابل نہیں کہ مدرسہ میں اس کو دخل دیا جائے، درمختار وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے: **طالب التولیۃ لایولی**[1] (تولیت کا طلبگار کو متولی نہیں بنایا جائے گا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2]، رواہ الائمۃ احمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک ہم ہرگز اپنے معاملات کا عامل اس کو نہیں بناتے جو اس کی خواہش رکھتا ہو۔ (اس کو امام احمد، بخاری، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارۃ باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

مسئلہ ۳۹۹: از جوناگڑھ محلّہ کتبانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص تقدیر اور وسیلہ پکڑنے کے خلاف ہو ایسا آزاد شخص حنفیوں کے مدرسہ کا خیر خواہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تقدیر کا منکر رافضی معتزلی گمراہ ہے اور محبوبان خدا سے توسل کا منکر نجدی وہابی بدراہ ہے جو شخص ایسا ہو اس سے مدرسہ اہلسنت کی خیر خواہی کی کیا امید ہوسکتی ہے، نہ اسے مدرسہ پر کسی قسم کا اختیار دیا جائے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ خیر میں کہ اسلام کا آفتاب نصف النہار پر تھا اور کفار ہر طرح ذلیل وخوار، ایک نصرانی کو کہ حساب وسیاق میں طاق تھا اور صوبہ یمن میں ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے محرری پر نوکر رکھنا چاہتے تھے امیر المومنین سے اجازت چاہی منع فرمایا انہوں نے پھر عرضی بھیجی، اس پر تحریر فرمایا: **مات النصرانی، والسلام**[1] (نصرانی ہلاک ہوا، والسلام۔ت) غرض کسی طرح اجازت نہ فرمائی، تو اس وقت ضعف اسلام میں کسی مخالف عقیدہ کو اختیار دینا کس درجہ مضر ہے کہ بوجہ کلمہ گوئی کافروں سے اس کا ضرر زائد ہوگا پھر اس زمانہ میں اس کی مغلوبی تھی اور اب مطلق العنانی۔ اور وہ ایک محرری کی خدمت تھی اور یہ افسری، جب وہ اس وقت میں قبول نہ فرمائی تو یہ اس وقت میں کیونکر مقبول ہوسکتی ہے، حدیث میں ہے:

من استعمل علی عشرۃ من فیھم ارضی ﷲ منہ فقد خان ﷲ ورسولہ والمؤمنین[2]۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس شخصوں پر کسی ایسے کو افسر کیا کہ نظر شرع میں اس سے زیادہ پسندیدہ کوئی دوسرا موجود تھا تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سب کی خیانت کی، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۰ تا ۴۰۳: از بمبئی محلّہ شیخ بھائی بلڈنگ کھانڈ بازار جوناکولی مرسلہ یوسف عبدالرحمٰن مروٹھی ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) متولی مسجد کو یہ حق حاصل ہے کہ امام مسجد کو بغیر کسی عذر شرعی کے خارج کردے۔

---

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔ ۶۲

[2] کنز العمال بحوالہ عن حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۴۶۵۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۹، المستدرک للحاکم کتاب الاحکام الامامۃ امانۃ دارلفکر بیروت ۴/ ۹۳۔ ۹۲

(۲) امام مسجد نوکر مانا جائیگا یا سردار قوم؟ اور اس کو نمازیوں کی تابعداری کرنا چاہئے، یا نمازی اس کی تابعداری کریں، مثلاً اوقات صوم وصلٰوۃ سے بخوبی واقف ہے وہ برابر لوگوں کو وقت پر افطاری کراتا ہو اور امساک کا حکم کرتا ہو اور نمازوں میں بہت احتیاط اوقات میں کرتا ہو تو قوم اس کو کہے کہ ہم کو فلاں وقت جماعت ملنا چاہئے فلاں وقت اذان ہونا چاہئے اس میں امام کیا ان کی اطاعت کرے یا موافق مسائل شرعی کاربند رہے۔

(۳) نصارٰی کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی طرف سے مسجد کے متولی بنائے اور ان کو قوانین کا پابند کرے اگرچہ وہ قوانین خلاف مذہب اہلسنت وجماعت واحناف ہوں۔

(۴) اگر نصارٰی کا مقرر کردہ متولی اپنی نفسانیت سے امام کو اپنا نوکر قرار دے کر نکلوانا چاہے اور قوم اسکی مخالفت کرے اور مقدمہ کرے اس مقدمہ میں وہ متولی یہ کہے کہ میں مسائل شرعیہ کو مانتا ہوں میں قانون سے اس کو نکلواتا ہوں وہ میرا نوکر ہے یہ جملہ کہ "میں مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا" اس وقت کہے جب کہ اس کو مسئلہ بتلایا جائے کہ امام مسجد نوکر نہیں ہے یہ نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور بغیر کسی عذر شرعی کے نہیں جدا ہوسکتا تو اس کے مقابلہ میں یہ لفظ کہے ایسا متولی قابل ہے متولی بننے کے؟

الجواب:

بغیر عذر شرعی کے امام کو خارج کرنیکا متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

لایجوز عزل صاحب وظیفۃ بغیر جنحۃ[1]۔	کسی صاحب وظیفہ کو بغیر جرم کے معزول کرنا جائز نہیں۔ (ت)

(۲) امام اگر کسی قوم کا تنخواہ دار ہے تو وہ ان کا نوکر ضرور ہے مگر نہ خدمت گار بلکہ مخدوم جیسے علماء وقضاۃ وسلاطین کہ بیت المال سے وظیفہ پاتے ہیں مگر وہ رعایا کے خدمت گار نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم[2]۔	اپنے افضلوں کو اپنا امام بناؤ کہ وہ تم میں اور تمہارے رب میں واسطہ عرضداشت ہیں۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۱، ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۶ و ۴۱۹

[2] سنن الدار قطنی باب تخفیف القرأۃ لحاجۃ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۸۸

ہاں بایں معنے امام و علماء وقضاۃ وسلاطین سب خادم ہوسکتے ہیں کہ **سید القوم خادمھم** [1] قوم کا سردار ان کا خادم ہوتا ہے یعنی اسے قوم کے آرام و تربیت کی ہر وقت ایسی فکر چاہئے جیسے خادم کو مخدوم کے کام کی۔ امام جب کہ اوقات کا عالم ہے تو امساک و افطار میں اس کے حکم کا اتباع لازم ہے، رہی نماز اس کے اوقات میں امام پر تکثیر جماعت کی رعایت لازم ہے جہاں تک کراہت لازم نہ آئے وہ وقت مقرر کرے جس میں اس کے اہل مسجد زیادہ جمع ہوسکیں، خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب ملاحظہ فرماتے کہ لوگ جمع ہوگئے نماز میں جلدی فرماتے، ایسا ہی امام کو چاہئے کہ قوم کے واقعی اعذار کا لحاظ رکھے۔ ہاں بعض لوگ بلاوجہ ضد کرتے ہوں تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۳) قانون میں یہ بات بھی داخل ہے کہ مذہب میں دست اندازی نہ کی جائے گی لہٰذا امر مذکور فی الحال متوقع نہیں اور اگر واقع ہو تو اس کی باضابطہ چارہ جوئی کی جائے کہ مساجد کے متولی حسب شرط بانی مقرر ہوں وہ نہ رہا ہو تو اسکی اولاد، ورنہ نمازیان مسجد کی صوابدید سے، اور یہ کہ امور مسجد میں کسی خلاف مذہب کو دخل دینے سے معاف رکھا جائے۔

(۴) جو شخص مسائل شرعیہ کے مقابلہ میں کہے کہ وہ مسائل شرعیہ کو نہیں مانتا وہ اسلام سے خارج ہوگیا اور اسے امور اسلامی میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں رہا اسے تولیت سے جدا کرنا لازم ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۴: از دھام پور ضلع بجنور مرسلہ عبدالحفیظ ٹھیکہ دار ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص سود لیتا ہے آیا وہ متولی جائداد موقوفہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور کسی کو حساب نہ دیتا ہو اور خرچ ضروری مسجد بھی نہ کرتا ہو۔

الجواب:

جب ضروری خرچ مسجد کے نہیں کرتا اور مسجد کی آمدنی کافی ہو اور اس کے سود کھانے سے ظاہر کہ وہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتا، تو ظاہر حال یہی ہے کہ وہ تغلب کرتا ہے تو اس پر اطمینان نہ ہوا، اور جس متولی پر اطمینان نہ ہو اس کا اخراج واجب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا لوالواقف بزازیۃ فغیرہ بالاولٰی درر غیر مأمون [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	خائن اور غیر امین متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ متولی واقف ہو لہٰذا غیر واقف اگر خائن ہو تو بدرجہ اولٰی نکالنا واجب ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۵۱۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۷۱۰

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

زید نے کسی جائداد کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کرکے وقف کیا اور تاحیات اپنے کو متولی کیا اور بعد اپنے شخص غیر کو تولیت تحریر کردی اور اپنے پسر و نبیرہ کو حق تولیت میں شریک نہیں کیا لیکن وقف کنندہ نے یہ وقفی کارروائی حالت بیماری و ناتوانی و بدحواسی میں کی ہے بعد صحت اب واقف کہتا ہے کہ میں مضامین وقف نامہ کو نہیں سمجھا اور نہ مجھے سمجھنے کی اس وقت قابلیت تھی وقف کرنا میں نہیں چاہتا ہوں، کیا زید کی وقفی کارروائی از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بحالت غم وغصہ اپنے پسر کو تولیت سے محروم کرکے غیر شخص کو متولی مقرر کیا اب جب کہ غم وغصہ اس کا فرو ہوا اور اپنے پسر سے رضامند ہوا تو شخص غیر جس کو وہ غصہ میں متولی بناچکا تھا علیحدہ کرکے اپنے پسر کو کیا متولی مقرر کرسکتا ہے؟

(۳) اگر واقف بدحواسی کی حد کو نہیں پہنچا لیکن سفیہ ضرور ہے تو ایسی کارروائی وقف و تولیت کی جو سفاہت سے ہوئی ہے جائز رہ سکتی ہے یا نہیں؟

(۴) اگر درحقیقت زید کے حواس وقت وقف نامہ درست تھے اور قبل نفاذ وقف نامہ اس کی نیت خراب ہوئی اور وہ وقف نامہ کو منسوخ کرنا چاہتا ہے تو کیا وقف نامہ منسوخ ہوجائے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یہ وقف صحیح شرعی ہو تو سوالات سائل کا جواب یہ ہے کہ ناتوانی کچھ مانع صحت وقف نہیں، نہ بیماری کا کچھ اثر رہا جب کہ سائل لکھتا ہے کہ اس کے بعد تندرست ہوگیا، رہا بدحواسی کا دعوٰی وہ غیر بینہ عادلہ شاہدان ثقہ شرعی کی شہادت کے مقبول نہیں ہوسکتا ورنہ ہر شخص وقف، بیع، اجارہ، نکاح، طلاق تمام تصرفات کرکے یونہی پھر جائے اور کہہ دے کہ میں اس وقت بدحواس تھا رجسٹری بھی بدحواسی میں ہوئی، ہاں اگر معلوم و معروف ہو کہ اس مرض میں اس کی عقل زائل ہوجاتی ہے، بدحواس و مجنون ہوجاتا ہے، پہلے بھی ایسا واقع ہوچکا ہے اور اب کہے کہ اس بار بھی میری یہی حالت ہوگئی تھی تو اس کا قول حلف کے ساتھ قبول کرلیں گے۔ ردالمحتار میں فتاوٰی خیریہ سے ہے:

سئل فیمن طلق وھو مغتاظ مدھوش فاجاب ان الدھش من اقسام الجنون فلا یقع، واذا کان	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اس حال میں طلاق دی جب غضبناک اور بدحواس تھا تو جواب دیا کہ بدحواسی جنون کی قسموں میں سے ہے

یعتادہ بان عرف منہ الدھش مرۃ یصدق بلا برھان[1] (ملخصًا)	لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور جب بدحواسی اس کی عادت ہے بایں طور کہ پہلے بھی اس سے یہ بدحواسی دیکھنے میں آچکی ہے اور معروف ہے تو بغیر دلیل حلف کے ساتھ اس کے قول کی تصدیق کردی جائیگی (ملخصًا)۔(ت)

اسی میں ہے:

وکذا یقال فیمن اختل عقلہ لمرض او لمصیبۃ فاجأتہ[2]۔	اور یہی کہا جائے گا اس شخص کے بارے میں جس کی عقل میں کسی بیماری یا اچانک صدمہ کی وجہ سے خلل واقع ہوگیا ہو(ت)

(۲) یہ دوسرا سوال دوسرا پہلو ہے اور بدحواسی کو دفع کرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ غصہ میں دوسرے کو متولی کیا تھا یا رضامندی میں بہرحال اسے اس کے معزول کرنے اور پنے پسر خواہ جس کو چاہے متولی کرنے کا اختیار ہے۔ بحرالرائق میں ہے:

التولیۃ من الواقف خارجۃ عن حکم سائر الشرائط لان لہ فیہا التغییر والتبدیل کلما بدالہ من غیر شرط فی عقدۃ الوقف[3]۔	واقف کی تولیت تمام شرائط وقف کے حکم سے خارج ہیں کیونکہ واقف کو اس میں جب مناسب سمجھے تبدیلی و ترمیم کا اختیار ہے اگرچہ عقد وقف میں اس کی شرط نہ کی ہو۔(ت)

(۳) یہ تیسرا پہلو ہے سائل نے سفیہ کہا اور یہ نہ بتایا کہ اس سے کیا مراد لی، لوگ احمق غبی کند ذہن کو سفیہ کہتے ہیں صرف اس قدر مانع صحت تصرف نہیں۔

(۴) وقف جب کہ صحیح واقع ہو واقف کو اس سے رجوع کا کوئی اختیار نہیں رہا کہ اب وہ اس کی ملک سے نکل گیا،

ویتم الوقف بمجرد القول عند الامام ابی یوسف سلمہ اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوی وبہ یفتی۔	امام ابویوسف سلمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک محض زبانی کہہ دینے سے وقف تام ہوجاتا ہے اسی پر فتوی ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۱

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ وہ وقف صحیح شرعی ہو جیسا کہ عبارت سوال کا مفاد ہے ورنہ بحالت بطلان ان سوالات کا کوئی محل ہی نہ ہوگا **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۹ تا ۴۱۰: از قصبہ لاہر پور مکان شاہ ولایت احمد صاحب مرسلہ احمد حسین صاحب عثمانی ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک درگاہ صدہا سال سے ایک بزرگ کی ہے جن کی اولاد کے چند شاخوں میں پیری مریدی بسلسلہ صحیح وباجازت وخلافت جاری ہے مگر سجادگی اس درگاہ کی ایک بیٹے کی اولاد میں چلی آتی ہے، گو سلسلہ خلافت عن اب وجد صاحب درگاہ سے اس شاخ میں باقی نہیں رہا تھا مگر دوسرے خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب سجادہ درگاہ نے اجازت وخلافت حاصل کرلی تھی اور اب دو پشتوں سے ہر باپ سے بیٹے کو اجازت وغیرہ حاصل ہوا کی، اس خلفائے سلسلہ سے بھی صاحب درگاہ کا سلسلہ جاری رہا، صاحب درگاہ کا خاندان طریقت قادریہ وچشتیہ ہے، اس سلسلہ کے شائق اور صاحب درگاہ کے موروثی معتقدین کو اس کا پورا موقع رہا ہے کہ اس سلسلہ میں داخل ہوسکیں، آخر صاحب سجادہ لاولد تھے انہوں نے اپنے حقیقی بھانجے کو اپنے بعد کے واسطے سجادگی تجویز کی جن کو اس خاندان میں بیعت وغیرہ حاصل ہے، دوران علالت میں ان کو دوسرے اعزائے خاندانی سے مشورہ کے واسطے ایک دوسرے دور دراز مقام پر بھیجا اور تیمارداری ان کی متعلق ان کے بعض اعزا کے تھی جو اخیافی بھانجے ہوتے ہیں وہ دو بھائی حقیقی ایک بہن ہے جن کے قبضہ میں وہ بحالت مرض تھے جب علالت زیادہ ہوئی تو اہالیان قصبہ کو جمع کرکے درگاہ کے اندر پھر اپنے حقیقی بھانجے مذکورہ بالا کی نسبت اظہار وصیت کیا ایسے مجمع میں ان اخیافی بھانجوں میں سے ایک نے بطور مغالطہ دہی کہا کہ والدین اس کے جس کے واسطے سجادگی تجویز کی جاتی ہے دودھ شریک بھائی بہن تھے اس لئے اس کا نکاح ناجائز ہوا وہ حرامی ہوئے ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے صاحب سجادہ نے اس واقعہ رضاعت سے انکار کیا اور کہا کہ جھوٹ ہے بلکہ ضعف بیماری میں ان کو سخت صدمہ اس دروغ گوئی پر ہوا جس سے وہ کوئی مزید تقریر نہ کرسکے اور مجمع برخاست ہوگیا، جب علالت کا سلسلہ زیادہ طویل ہوا ان دونوں اخیافی بھانجوں کی جانب سے حصول سجادگی کی ایک بھائی کے واسطے مزید کوشش شروع ہوئی اور بعض موافقین کے مشورہ سے ایک بڑی درگاہ کے صاحب سجادہ کو طلب کیا جو ان صاحب سجادہ کے پیر کی درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں اور ان سے کہا کہ منجملہ ان ہر دو بھائیوں کے بڑے بھائی کے پگڑی باندھ دیجئے انہوں نے کہا کہ ہم موجودہ صاحب سجادہ سے اجازت لے لیں جب ان سے دریافت کیا تب انہوں نے منہ پھیر لیا کوئی جواب نہ دیا کچھ دیر کے بعد جب پہلو بدلا پھر استفسار کیا اب بھی وہ جواب خود نہ سمجھے، مگر موافقین اشخاص نے ہر دو بھائیوں کے جو موجود تھے بالاتفاق

کہا کہ اجازت دے دی انہوں نے پگڑی باندھ دی، ایسی نازک حالت تیمارداری میں قبل واپس آنے ان کے حقیقی بھانجے نامزد شدہ سجادہ نشینی کے ان سجادہ نشین نے وفات پائی، معاملہ رضاعت کے عینی شہادت موجود نہیں ہے، جن لوگوں کے وقت میں عقد ہوا وہ مقدس ومکرم وعابد وزاہد اشخاص تھے بالخصوص سجادہ نشیں مذکور کے پدر حافظ قرآن صاحب سجادہ متوکل درویش، صاحب رشد وہدایت ومقدس تھے جن کی دختر و بھتیجے کا نکاح باہم انہیں کے زیر اہتمام ہوا تھا دیگر اکابر خاندان اہل اسلام معزز ومعتبر ونمازی شریک نکاح تھے، یہ الزام صرف نامزدشدگی کی نااہلی ثابت کرنے اور خود سجادگی حاصل کرنے کے ضرورت سے لگایا جاتا تھا اور چونکہ دونوں بھائیوں نے ایک اپنی ذاتی دکان درگاہ کے واسطے وقف کی ہے اس پر دوسرے سجادہ نشیں کا قبضہ نہ ہونے کے خیال سے اپنے واسطے سجادگی کی خواہش تھی حالانکہ واقف وقف کا خود متولی رہ سکتا ہے اور حیات میں دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار ہے مگر غالبًا وہ مسئلہ کی ناواقفیت کی وجہ سے وہ پریشان ہوئے کہ شائد سجادگی کے ساتھ تولیت میری وقف کردہ جائداد کی بھی انہیں صاحب سجادہ کے متعلق ہوجائے ایسا اختیار کیا، ان کو اب تک کسی سے اجازت وخلافت بھی نہیں ہے اور صاحب درگاہ کی شاخ کے سلسلہ کے مشائخ سے غالبًا اب بھی اجازت وخلافت حاصل کرنے پر تیار نہیں ہیں: پس سوال یہ ہے کہ ایسی سجادگی جو اس طور سے حاصل کی گئی ہو جائز ہے یا نہیں، اور وہ سلسلہ صاحب درگاہ کے علاوہ کسی دوسرے خاندان سے بیعت واجازت وغیرہ حاصل کرلیں تو جائز ہوگی یا نہیں، مگر اس صورت میں صاحب درگاہ کا سلسلہ صاحب سجادہ سے جاری نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت سجادگی فوت ہوجائے گی صرف متولیانہ حیثیت ایسے شخص کی باقی رہے گی۔ مگر تولیت درگاہ ایسے متولی کی جس نے ترکیب مذکورہ بالا سے سجادگی وتولیت حاصل کی ہو کہاں تک جائز ہوگی، اور ایسی حالت میں خاندان صاحب درگاہ وصاحب طریقت سلسلہ صاحب درگاہ کو بقائے سلسلہ صاحب درگاہ کے واسطے کیا کرنا چاہئے، آیا منجملہ اولاد صاحب درگاہ جس سے سلسلہ جاری ہوا اسے خلافت دلوا کر یا دیگر کوئی صاحب سجادہ ومتولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اول نامزد شدہ کو ترجیح ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) ایک احاطہ میں ایک بزرگ کا مزار اور ایک خانقاہ اور ایک مسجد واقع ہے خانقاہ میں مدرسہ اسلامیہ ایک وقف سے جاری ہے جس کے طلبہ بھی اس مسجد میں مثل دیگر اہل محلّہ پنجوقتہ نماز پڑھتے ہیں نماز جمعہ یہاں عرصہ سے نہیں ہوتی ہے، دوسری جامع مسجد میں ہوتی ہے، اس درگاہ کے صاحب سجادہ ہیں وہ مع دیگر اشخاص کے چند لوگ اس وقف کے متولی ہیں جس سے ضروریات مسجد ومدرسہ مذکورہ کا صرفہ ہوتا ہے، منجملہ ان کے زید بھی متولی ہے اور نیز ایک دوسرے وقف کا بھی

زید مذکور تنہا متولی ہے اس سے بھی مسجد مذکور کے آب وغیرہ کا انتظام ہوتا ہے اور زید ہی کے ذمہ بوجہ حاضر باشی زائد اس مسجد کے اوقات نماز میں موسمی وضروری تغیرات مقامی کی وجہ سے تعین کرتا ہے اور اس مسجد کا موذن وامام معین ہیں ایام تشریق میں زیادہ تر لوگ بوجہ ادائے نماز جماعت مستحبہ التزاماً پنجوقتہ شریک ہونے کے عادی ہیں، انہیں ایام میں بعض اشخاص نے بلاانتظام امام معین ومقتدین قدیم بلااس کے کہ مؤذن ومکبّر معین تکبیر اقامت کہے معینہ مقام پر جماعت کرلی زید کو یہاں کا مقامی تجربہ ہے کہ عوام تہدید پسند ہیں اس خیال پر اس نے الفاظ ذیل تہدید کے لئے کہے اور مکرر جماعت مع ان قدیم مقتدیوں کے جو باقی تھے اسی مقام پر پھر ادا کی اس خیال سے کہ سابق پڑھنے والے غیر معین تھے اور کہا کہ جس کسی کو اس جماعت میں شریک ہونا نہ منظور ہو وہ ہماری مسجد میں نہ آئے، کیا استحقاق ان لوگوں کو ہے جنہوں نے بلاانتظار امام معین اور جماعت ومقتدین قدیم نماز پڑھ لی، پس لفظ "ہماری" کا جو مسجد کی طرف منسوب کیا حالانکہ وہ خانہ خدا ہے اور لفظ "نہ آنے" کا جو استعمال کیا حالانکہ مساجد میں اذن عام ہے اس سے زید کیا کرے صرف ندامت کافی ہے یا کوئی کفارہ اس پر لازم آیا اگر کفارہ ہے تو کیا؟ بلحاظ تجربہ زید یہ ہوا کہ بعد تہدید مذکور پھر جماعت اسی طور سے جیسی ہمیشہ سے چلی آتی تھی مسجد میں قائم ہے، اور جو لوگ بعد ادائے فرض عشاء جو سابقہ جماعت سے پڑھ چکے تھے مکرر جماعت میں زید کی تقریر کے بعد شریک ہوگئے ان کی یہ مکرر نماز کیا ہوئی اس دوسری جماعت کی نماز زید نے پڑھائی تھی اس میں ایک اور متولی وقف مذکور شریک تھے جن کو پہلے جماعت نہیں ملی تھی، مگر دوران نماز میں انہیں یہ خیال رہا کہ زید نے مسجد کی اپنی طرف نسبت کی اور اذن عام کے خلاف تقریر کی اگر میں اس کے پیچھے نماز نہ پڑھتا تو اچھا تھا پس اس وقت گویا اس نے باستکراہ اقتدا کی اس لئے اس کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) سجادہ نشینی خلافت خاصہ ہے جس میں اجرائے سلسلہ سجادہ وتولیت اوقاف درگاہ اور جملہ نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وفرق ونصب وعزل عملہ میں صاحب سجادہ کی نیابت مطلقہ سب داخل، اور کوئی خاص بے عام متحقق نہیں ہوتا اور شرعاً معروف کالمشروط ہے، معروف یہی ہے کہ سجادہ نشیں وہی ہوسکتا ہے جو اس سلسلہ میں ماذون ومجاز ہو کہ اس کا بڑا مقصد اس سلسلہ کا احیاء ہے نہ کہ مجرد تولیت، ولہٰذا جو سلسلہ صاحب درگاہ میں خلافت صحیحہ نہ رکھتا ہو کہیں سجادہ نشیں نہیں کیا جاتا اگرچہ دوسرے کسی سلسلہ کا مجاز ہو نہ کہ وہ جو رأساً مجاز ہی نہیں یوں تو سجادہ نشینی نری ممبری رہ جائے گی تو اخیافی بھانجہ غیر مجاز فی السلسلۃ بلکہ فی سلسلۃ سجادہ نشین نہیں ہوسکتا اور بعد کو اجازت لینی اس سجادہ نشینی کی تصحیح نہیں کرسکتی "**فان الشرط یتقدم و العام لایتأخر**" (کیونکہ شرط مقدم ہوتی ہے اور عام متاخر نہیں ہوتا۔ت) حضرت اسد العارفین سید نا شاہ حمزہ عینی

واسطی قدس سرہ فص الکلمات شریف میں فرماتے ہیں:

شیخے ازیں عالم نقل کردو کسے راخلیفہ نگرفت قوم و قبیلہ وارثے یا مریدے کہ بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت راخلافت افترائی گویند[1]۔	ایک شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو خلیفہ نہ بنایا، قوم اور قبیلہ نے اس کے کسی وارث یا مرید کو خلیفہ تجویز کیا تو یہ خلافت مشائخ کے نزدیک جائز نہیں، خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہتے ہیں۔(ت)

رہی تولیت وہ بھی شرعًا حقیقی بھانجے کوحاصل کہ سجادہ نشین متولی نے اپنے مرض الموت میں اس کے لئے وصیت کی، اور دربارہ تولیت وصیت متولی ماخوذ ومعتمد ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

انما صح اذافوض فی مرض موته وان لم یکن له التفویض عاما لما فی الخانیه من انه بمنزلة الوصی، وللوصی ان یوصی الی غیره[2]۔	تفویض تولیت صرف اس صورت میں صحیح ہوگی جب متولی اپنی مرض الموت میں تفویض کرے اگرچہ اس کو تفویض عام حاصل نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ وہ بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ دوسرے کو وصیت کرے۔

فتاوٰی تتمہ وغیرہا پھر اشباہ والنظائر پھر درمختار میں ہے:

اسناد الناظر النظر لغیره بلا شرط فی مرض الموت صحیح[3]۔	نگران وقف کا مرض الموت میں بلاشرط نگرانی کسی دوسرے کے سپرد کرنا صحیح ہے۔(ت)

یہاں تک کہ متولی نے جس کے لئے وصیت کی اس کے ہوتے ہوئے حاکم شرعی دوسرے کو متولی نہ کرے گا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط فی المجتبی ان لایکون المتولی اوصی به لآخر عند موته فان اوصی لاینصب القاضی[4]۔	مجتبٰی میں شرط لگائی کہ متولی نے اپنی موت کے وقت کسی دوسرے کو متولی بنانے کی وصیت نہ کی ہو اور اگر اس نے وصیت کی ہے تو قاضی کسی اور کو مقرر نہ کرے۔(ت)

---

[1] فص الکلمات شاہ حمزہ عینی واسطی

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

[3] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

نہ کہ ایسے لوگ جن کو طلب تولیت میں یہ کچھ غلو ہو کہ اس کے لئے محصنات مومنات غافلات کو قذف کریں بلاوجہ مسلمان کو حرامی بنائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لن نستعمل علی عملنا من ارادہ[1]۔ رواہ البخاری و احمد وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک ہم ہرگز اپنے کسی کام پر اسے عامل نہ بنائیں گے جو اس کا طالب ہو (اس کو بخاری اور احمد اور ابوداؤد اور نسائی نے ابو موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الا المشروط لہ النظر لانہ مولی فیرید التنفیذ[2]۔	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا مگر اس وقت جب واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کی ہو تو اس وقت اس کو متولی بنائیں گے کیونکہ وہ شرط کے سبب بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلب گار ہے۔ (ت)

رضاعت بے شہادت عادلہ مثل شہادت مال کے دو مرد یا ایک مرد و دو عورت سب ثقہ عادل اپنے معائنہ کی گواہی دیں ثابت نہیں ہو سکتی اور اگر مجرد کسی کا کہہ دینا کافی ہو تو آج زید نے عمرو کو کہا کل عمرو یا بکر زید کو کہہ دے گا کہ اس کے ماں باپ رضاعی باپ بیٹی تھے۔ درمختار میں ہے:

الرضاع حجتہ حجۃ المال وھی شھادۃ عدلین او عدل وعدلتین[3]۔	حجت مال ہی حجت رضاعت ہے اور وہ دو عادل مردوں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کی شہادت ہے (ت)

استفسار پر منہ پھیر لینا صریح دلیل انکار ہے دوبارہ پوچھنے پر کچھ کہنا اور مستفسر کا نہ سمجھنا اور ساعیوں کا کہہ دینا کہ اجازت دے دی معتبر نہیں تمام قرائن سابقہ عدم رضا پر صاف دال ہیں اور ساعی اپنے قول میں متہم۔ پس صورت مستفسرہ میں اخیافی کو نہ سجادگی ہے نہ تولیت، اور حقیقی بھانجہ ہی سجادہ نشین و متولی صحیح شرعی ہے، یہ صورت سوال کا حکم ہے اگر واقعہ اسی طرح ہو۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۰۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۴

(۲) جماعت اولٰی امام وجماعت معینہ کا حق ہے ان سے پہلے اگر کچھ لوگ جماعت کر جائیں ان کو اعادہ جماعت کا حق ہے اور جماعت اولٰی یہی ہوگی جو انہوں نے کی جبکہ امام جامع شرائط جواز وحل امامت ہو۔ متن غرر اور اس کی شرح درر میں ہے:

لاتکرر الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی فیه اولًا غیر اهله لان حقهم لایسقط بفعل غیرهم[1]۔	مسجد محلّہ میں اذان واقامت کے ساتھ تکرار جماعت نہ کیا جائے مگر جب اہل محلّہ کے غیر نے پہلے جماعت کرالی ہو تو اہل محلّہ کو اذان واقامت کے ساتھ دوسری جماعت کرانے کا حق ہے جو دوسروں کے فعل سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

جن لوگوں نے بے انتظار امام ومؤذن وجماعت معین ومقام امام راتب پر جماعت کرلی اگر کسی صحیح ضرورت سے شرعی سے تھی مضائقہ نہ تھا مگر مقام امام پر قیام نہ چاہئے تھا، اور اگر بلاضرورت محض عجلت کے لئے ایسا کیا برا کیا تفریق جماعت کے مرتکب ہوئے اور وہ شرع مطہر کو سخت ناپسند ہے اور اگر خود اسی تفریق کی نیت سے اس کے مرتکب ہوئے تو ان پر اشد وبال اور تفریقًا بین المومنین کا صدق ہے، والعیاذباللّٰہ تعالٰی۔ بہر حال امام جماعت معینہ کو اعادہ جماعت کا ہر طرح حق تھا پھر اگر واقع دو صورت اخیرہ تھیں تو ضرور وہ پہلی جماعت مستحق رد وانکار تھی اور ازانجا کہ وقت وقت عشاء تھا کہ اس میں اور ظہر میں اعادہ نماز روا ہے تو اس پر رد کا یہ اچھا طریقہ تھا کہ جو پڑھ چکے تھے وہ بھی دوبارہ شریک کئے جائیں کہ آئندہ عوام اس تفریق میں شرکت سے باز رہیں اور ایسی جگہ تہدید کو کہنا کہ ہماری مسجد میں نہ آئے قابل مواخذہ نہیں بلکہ اصل شرعی رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں:

من کان له سعة ولم یضح فلایقربن مصلانا[2]۔ رواه الامام احمد واسحٰق بن راهویة وابو بکر بن ابی شیبة وابن ماجة و ابو یعلٰی والدار قطنی والحاکم و صححه عن ابی هریرة وفی الباب عن ابن عباس	جس کا ہاتھ پہنچتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہر گز ہماری مسجد کے پاس نہ آئے۔ (اس کو امام احمد، اسحٰق بن راہویہ، ابو بکر بن ابی شیبۃ، ابن ماجۃ، ابو یعلٰی، دار قطنی اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے اس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح قرار

[1] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الصلوٰۃ فصل فی الامامۃ مطبعہ احمد کامل الکائنہ فی دار السعادۃ مصر ۱/ ۸۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاضاحی باب الاضاحی واجبۃ ھی ام لا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	دیا ہے اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔ت)

وہی "ہماری مسجد" کا لفظ ہے اور وہی آنے سے ممانعت بلکہ "ہرگز" اور "پاس نہ آئے" دو لفظ زائد ارشاد ہوئے ہیں یہاں "ہماری" سے اضافت ملک مراد نہیں ہوتی، ہاں اگر صورت صورت اولٰی تھی یعنی ان لوگوں کا پہلے پڑھ لینا بضرورت صحیحہ شرعیہ تھا اور زید کو اس پر اطلاع نہ تھی اس نے ان پر تفریق جماعت کا گمان کرکے ایسا کہا تو زید پر اس کہنے کا مواخذہ نہیں بلکہ بلاتحقیق مسلمانوں پر بدگمانی کی جس سے توبہ لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو زیادہ گمان سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔(ت)

اور اگر ان پر بدگمانی نہ کی مگر یہ خیال کہ مبادا عوام حقیقت امر سے غافل ہو کر کہیں تفریق کے عادی نہ ہوجائیں تو یہ الزام بھی نہیں،

فانہ انما اراد تحفظھم، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[2]۔	کیونکہ اس نے تو محض مسلمانوں کے تحفظ کا ارادہ کیا اور اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

اس جماعت میں جو پہلے پڑھ کر شریک ہوئے یہ ان کے نفل ہوئے اور وہ متولی جس نے بکراہت اقتدا کی اور یہ خیال رہا کہ نہ کرتا تو بہتر تھا اس کی بھی نماز ہوگئی جبکہ نہ ابتداءً فقط شرم ولحاظ سے ظاہرًا بے نیت اقتدا شریک ہوا ہو نہ بعد کو قطع اقتدا کی نیت کرلی ہو،

وذٰلک لانہ فعل لاترک فیعمل فیہ نیۃ القطع کالصلٰوۃ دون الصوم[3] کما یظھر بمراجعۃ الاشباہ وغیرہا۔	اور ایسا اس لئے ہے کہ بیشک یہ فعل ہے نہ کہ ترک تو اس میں نیت قطع عمل کرتی ہے جیسے نماز نہ کہ روزہ جیسا کہ اشباہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔(ت)

اس لئے کہ یہ لفظ کہ "نہ کرتا تو بہتر ہوتا" خود اس پر دلیل ہے کہ اقتدا کی اور اس پر مستمر رہا اگرچہ بکراہت جیسے فاسق کے پیچھے نماز کہ یہ اپنے زعم میں ان الفاظ کے سبب اسے مثل فاسق ہی سمجھتا تھا۔ احادیث کثیرہ صحیحہ میں ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۷ تا ۵۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاترفع صلاتهم فوق رؤسهم شبرا رجل ام قوما وهم له كارهون[1]۔ هذا لفظ ابن ماجة عن ابن عباس رضی الله عنهما بسند حسن۔	تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، ایک وہ کہ کسی جماعت کی امامت کرے اور انہیں اس کی اقتدا ناگوار ہو (یہ لفظ امام ابن ماجہ کے ہیں انہوں نے اس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت فرمایا۔ت)

تو باآنکہ مقتدیوں کے دل میں کراہت ہے اور ناگواری کے ساتھ اس کے مقتدی ہوئے ان کی نماز میں نقص نہ فرمایا بلکہ امام کی نماز میں جب کہ ان کی کراہت بوجہ شرعی ہو ورنہ وبال ان پر ہے كما فی الدر وغیرہ (جیساکہ در وغیرہ میں ہے۔ت)

اقول: وبالجملة النية هو القصد الجازم فاذا وجد وجدت وربما يقصد الانسان شيئا وهو له كاره وعن هذا نص علماؤنا ان الارادة ترجح احد المتساويين بل ربما ترجح المرجوح لمن عن له طريقان احدهما احسن فعمد الى الاخرى وقد قال الله تعالٰی "كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ"[2]۔	اقول: (میں کہتاہوں کہ) نیت قصد جازم کو کہتے ہیں، جب قصد جازم پایا گیا تو نیت پائی گئی بسااوقات انسان کسی شیئ کا قصد کرتا ہے حالانکہ وہ اسے ناگوار ہوتی ہے، اس کی بنیاد پر ہمارے علماء نے نص فرمائی کہ ارادہ دو مساوی چیزوں میں سے ایک کو ترجیح دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ مرجوح کو ترجیح دیتا ہے اس شخص کے لئے جس کو دو راستے درپیش ہیں جن میں سے ایک احسن ہے تو اس نے دوسرے کا ارادہ کرلیا اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ تم پر جہاد فرض کردیا گیا حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے۔(ت)

مسئلہ ۶۱۱: از اٹاوہ بازار ہوم گنج دکان حاجی عبداللہ خاں مرسلہ محمد خان صاحب ۱۷جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسجد واقع میں محلّہ چوکر کنواں اٹاوہ میں پیش دروازہ ایک اراضی ملک مسجد ایسی ہے کہ جس پر ٹال لکڑی رکھی جاتی ہے دو شخص وارث علی وغیاث الدین اس کے متولی ہیں جنہوں نے اولًا چار سال کے واسطے مسمّی رحیم خاں کو ٹال رکھنے کے واسطے مبلغ مے/ ماہوار کرایہ پر

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامة الصلوات باب من ام قوما وهم له كارهون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۶

دی تھی جس کی میعاد منقضی ہوگئی پھر کرایہ اضافہ کرنے کے بابت رحیم خاں مذکور سے کہا گیا اس نے اضافہ کرنے سے قطعی انکار کردیا اور کہا جو اس سے زیادہ دے اس کو اراضی کرایہ پر دے دو حسن اتفاق سے ایک دوسرا شخص مسمّٰی رحیم خان لہ عہ/ ماہواری پر لینے کو آمادہ ہوا، دونوں متولیوں نے رحیم خاں ثانی کو لہ عہ/ ماہوار پر دوسال کے لئے کرایہ نامہ لکھا کر رجسٹری کرادی مگر سابق کرایہ دار نے ہنوز زمین کو خالی نہیں کیا جو جدید کرایہ دار کو اس پر قبضہ دیا جائے، غیاث الدین متولی ثانی کرایہ دار سابق کا ہم خیال ہوگیا ہے اور اسکا دلی مقصد یہ ہے کہ اراضی اس کرایہ پر سابق کرایہ دار ہی کے پاس رہے وارث علی متولی اول نے کچہری دیوانی اٹاوہ میں خالی کرانے اراضی مسجد کی نالش رحیم خان سابق کرایہ دار پر دائر کردی ہے جس میں متولی ثانی نے شرکت سے قطعی انکار کردیا ایسی صورت میں غیاث الدین متولی ثانی مذکور قابل متولی رہنے کے ہے یا نہیں؟ اور وارث علی متولی اول کا یہ فعل موافق شرع شریف کے ہے یا نہیں اور رحیم خان سابق قابل بے دخلی ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کے نفع کے خیال سے لہ عہ/ ماہوار زمین اٹھانا متولی اول کی رائے کے موافق اولٰی ہے یا ے/ ماہوار پر حسب رائے متولی ثانی کی اور ایسی صورت میں کون کرایہ دار قابل ترجیح ہے مقدمہ چونکہ کچہری دیوانی میں زیر تجویز ہے، لہٰذا درخواست کی جاتی ہے جلد جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

جبکہ رحیم خاں ثانی نے تین روپے ماہوار اضافہ کرکے دوسال کے لئے رجسٹری کرالی ظاہر ہوا کہ وہ متعنت نہیں اور جبکہ غیاث الدین بھی اسے اجارہ دینے میں شریک تھا یہ اجارہ ضرور تام ونافذ ہوگیا اب غیاث الدین کو اس سے پھرنے کا کوئی استحقاق نہیں، رحیم خاں سابق کی بے دخلی واجب ہے غیاث الدین کے اب اس کا طرفدار ہو کر وقف کا نقصان اور اس کا فائدہ چاہتا اور خود اپنی تمام شدہ کارروائی کو باطل کرنے کا خواستگار ہے، تو اپنے ذاتی نفع کے لئے جو کچھ اضرار کرے تھوڑا ہے ایسا شخص امین نہ ہوگا بلکہ خائن اور خائن کا معزول کرنا واجب اگرچہ خود واقف ہو، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا بزازیۃ ولو الواقف درر فغیرہ بالاولی غیرمامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا (بزازیہ) اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو (درر) تو غیر واقف کو بصورت بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

ہاں اگر کوئی وجہ معقول قابل قبول بیان کرے کہ ثانی کو کرایہ پر دینے میں وقف کا یہ ضرر ہے اگر بظاہر معہ عہ /روپے کا نفع ہے مگر وہ ضرر شدید اس سے زیادہ ہے لہٰذا اب میں اس اجارہ کو فسخ کرنا چاہتا ہوں اور یہ امر ثابت ہوجائے تو اس پر الزام نہ رہے گا بلکہ اس کا خیال قابل پیروی ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۲: از علی گڑھ بازار موتی مسجد مرسلہ علی الدین سوداگر پارچہ ۲۹رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے ولی کی درگاہ کی کہ جس کا سالانہ عرس اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے متولی ہوسکتی ہے؟ کیا پردہ نشیں عورت کسی ایسے قبرستان کو کہ جس میں چند مساجد ہوں اور اس میں نماز پنجگانہ ادا ہوتی ہو تو متولی ہوسکتی ہے؟

الجواب:

عورت بھی متولی اوقاف ہوسکتی ہے ذکورت شرط تولیت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۳ تا ۴۱٦: از ہلدوانی نینی تال مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۳جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

(۱) ناخواندہ شخص سود کے روپے سے روزگار کرنے والا اور ذاتی رنجش کی بنا پر موقوفہ آمدنی کو بے جا بلا قاعدہ صرف کرنے والا اور اوقاف کی آمدنی کے روپے کو اپنی تجارت میں خلاف قاعدہ انجمن شامل کرکے ذاتی فائدہ حاصل کرنے والا انجمن اسلامیہ کوئی عہدہ دار یا منتظم یا امین ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) شخص مقروض معقول تعداد کا ہضم کرنے والا جو دیوالیہ ہوچکا ہے اور پابند صوم وصلوٰۃ بھی نہ ہو اور ضدی بھی امین یا اعلٰی عہدہ دار ہوسکتا ہے؟

(۳) انجمن اسلامیہ مذہبی خدمات کے واسطے کم از کم احتیاط کا شخص عہدیدار یا منتظم یا امین یا اہل ہوسکتا ہے؟

(۴) اکثر علمائے ہند کے فتوؤں کے خلاف اور مقامی مسلمانان کے خلاف اپنے ذاتی نفع ونمائش واغراض کے لحاظ سے معبد گاہ یعنی مسجد کو زیب وزینت دے کر دیگر مذاہب کے اشخاص کو مدعو کرکے فرش مسجد پر مستعمل جوتوں سے گزرتے ہوئے لے جاکر احاطہ مسجد میں جلسہ قرار دے کر اپنے مخالفوں کی حمد وثنا کرنا اور تالیاں بجا کر خوش وخرم ذکر کرنا اس قسم کے افعال کے اشخاص انجمن اسلامیہ کے عہدیدار ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نہیں، درمختار میں ہے:

وینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ اولٰی لو	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود وقف کرنے والا ہو تو غیر واقف کو

غیر مامون [1]۔	بصورت خیانت بدرجہ اولٰی نکال دینا واجب ہوگا۔ (ت)

(۲) نہ رقم ہضم کرنے والا امین ہوسکے نہ غیر پابند صوم وصلوٰۃ کو افسری مل سکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا [2]۔	فاسق کو مقدم کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ مسلمانوں پر شرعًا اس کی توہین واجب ہے۔ (ت)

(۳) سنی، ذی علم، پرہیزگار، دیانتدار، ہوشیار، کارگزار۔

(۴) ایسے اشخاص ادنٰی عہدہ دار بھی نہیں ہوسکتے کہ فاسق مجاہر وبیباک ومبتلائے غضب رب الارباب ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش [3]۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

مدح فاسق پر یہ حال ہے مخالفان اسلام مثل ہنود (جن کے مناقب آج لیڈر پکارتے ہیں اور ان کی جے بولتے ہیں اور وہی مساجد میں زینت مجلس بلکہ منبر پر واعظ مسلمین بنائے جارہے ہیں) ان کی جے پکارنے اور حمد گانے اور مسجد میں اس پر خوشی کی تالیاں بجانے پر اسلام بھی قائم رہنا دشوار ہے انجمن اسلامیہ کی عہدہ داری تو درکنار ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ و اشباہ والنظائر و مجمع الانہر و تنویر الابصار و درمختار وغیرہ میں ہے:

لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر ولو قال لمجوسی یا استاذی تبجیلا کفر [4]۔	اگر ذمی کافر کو مسلمان بطور تعظیم سلام کہے تو کافر ہوجائے گا اور مجوسی کو تعظیمًا کہا اے میرے استاذ تو کافر ہوگیا۔ (ت)

ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بھی قرآن عظیم نے ناجائز فرمایا:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ مصر ۱/ ۲۵۱

[3] شعب الایمان باب فی حفظ اللسان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتاب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۱

[5] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۱۷: از بدایوں ۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک وقف عرصہ دراز سے چلا آتا ہے شرائط و حالات وقف کچھ معلوم نہیں ہیں بجز اس قدر کے تولیت ہمیشہ سے ایک خاندان خاص میں بلالحاظ وراثت چلی آتی ہے متولی حال نے اپنے ایک اہل خاندان کو اپنا خلیفہ اور سجادہ نشین بنایا اور بعد اپنے اپنا جانشین اور متولی قرار دیا، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا باستحقاق وراثت دعویدار تولیت ہے، درانحالیکہ اس کا باپ حقیت موقوفہ سے برطرف کیا جاچکا ہے اور اقرار لکھ چکا ہے کہ کبھی معاملات وقف میں دست اندازی نہ کرے گا نیز بھتیجا مذکور متولی کو ضرر شدید پہنچانے میں سزایاب ہوچکا ہے اور باہم متولی اور اس کے بھتیجے کے وقت وفات متولی ایک سخت دشمنی اور عداوت تھی، کیا شرعاً ایسا بھتیجا حقیت موقوفہ کا بمقابلہ جانشین نامزد شدہ کے متولی مقرر ہوگا یا متولی متوفی کا نامزد شدہ شخص مرجح ہوگا؟

الجواب:

تولیت میں توریث جاری نہیں محض بربنائے وراثت ادعائے تولیت باطل و مردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

واعتقادھم ان خبز الاب لابنہ لایفید لما فیہ من تغییر حکم الشرع[1]۔	اور ان کا یہ اعتقاد مفید نہیں کہ باپ کی روٹی بیٹے کی ہے کیونکہ اس میں حکم شرع کی تبدیلی ہے۔ (ت)

متولی حال نے جسے اپنے بعد متولی کیا متولی ہوگیا اگر یہ وصیت مرض موت میں کی جب تو ظاہر ہے کہ وہ جانشین بعد موت متولی ہوگیا اور بلاوجہ شرعی کسی کو اس سے منازعت اصلاً جائز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

صح اذا فوض فی مرض موتہ وان لم یکن التفویض لہ عامًا لما فی الخانیۃ انہ بمنزلۃ الوصی وللوصی ان یوصی الٰی غیرہ[2] اھ۔	متولی نے اپنی مرض موت میں کسی دوسرے کو ولایت سونپ دی تو صحیح ہے اگرچہ اس کے لئے تفویض عام نہ ہو اس دلیل کی بنیاد پر جو خانیہ میں ہے کہ متولی بمنزلہ وصی کے ہے اور وصی کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ دوسرے کو وصیت کرے۔ اھ (ت)

اور اگر اپنی حالت صحت میں کی اور قدیم سے اس وقف کے متولیوں میں اس کا دستور چلا آیا ہے کہ متولی

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۱

اپنی حیات وصحت میں اپنے جانشین کو اپنے بعد متولی بنالیتے ہیں اور وہ متولی ہوتا ہے جب بھی ظاہر ہے کہ یہی جانشین بشرط اہلیت شرعیہ متولی ہوگیا۔ دوسرا اس کی منازعت نہیں کرسکتا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرة سئل شیخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه، قال ینظر الی المعهود من حاله فیما سبق من الزمان من ان قوامه کیف یعملون فیه فیبنی علی ذٰلک[1]۔	ذخیرہ میں ہے شیخ الاسلام سے اس وقف مشہور کے بارے میں پوچھا گیا جس کے مصارف مشتبہ ہوگئے ہیں تو شیخ الاسلام نے فرمایا کہ قدیم زمانہ سے اس وقف کے بارے میں جو معمول چلا آرہا ہے اس پر نظر کی جائیگی کہ متولیان سابقہ اس میں کیا عملدرآمد کرتے تھے پس اسی پر بناء کی جائے گی۔ (ت)

اور اگر یہ معمول قدیم نہیں تو متولی اپنی صحت میں خود وقف سے جدا ہونا اور دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ممنوع ہوتا کہ اس کے لئے اس کی اجازت جانب واقف سے بوجہ اشتباہ شرائط ثابت نہیں۔ درمختار میں ہے:

اراد المتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته وصحته ان کانت التفویض له عاما صح والالا[2]۔	متولی نے ارادہ کیا کہ کسی اور شخص کو اپنی حیات وصحت میں اپنا قائم مقام کرے اگر اس کے لئے تفویض عام ہے تو صحیح ہے ورنہ نہیں (ت)

مگر یہاں ایسا نہیں بلکہ اپنے بعد اسکے لئے وصیت تولیت کی ہے تو یہ مطلقاً ہر صورت میں جائز وصحیح ہونا چاہئے جب تک مخالف شرع نہ ہو کہ بوجہ عدم علم شرائط مخالفت شرائط واقف سے محفوظ ہے وہی عبارت قاضیخان للوصی ان یوصی الٰی غیرہ[3] (وصی کو اختیار ہے کہ کسی اور شخص کو وصیت کرے۔ ت) اس کے لئے کافی ہے،

وترك السابقین لایدل علی شرط العدم بل علی عدم الشرط و المتبع العمل دون الترك الذی لیس من افعال المکلفین ولامقدور الهم[4]، کمافی	اور سابقین کا کسی چیز کو ترک کرنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اس کا نہ ہونا شرط ہے بلکہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا ہونا شرط نہیں اور اتباع عمل کی کی جاتی ہے نہ کہ ترک کی جو افعال مکلفین میں سے نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی اجارۃ الاوقاف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۳۸

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۷

غمز العیون وشتان ما الترك والکف ولم یثبت۔	اور نہ ہی ان کی قدرت میں ہے جیسا کہ غمز العیون میں ہے کف بمعنی روکنا ترک سے مختلف ہے اور کف ثابت نہیں ہوا (بلکہ ترک ثابت ہوا ہے۔(ت)

بالجملہ پہلی دو صورتوں میں جانشین مذکور کی صحت تولیت اصلاً محل شبہ نہیں جبکہ شرعاً اس کا اہل ہو، اور تیسری صورت میں بھی ظاہر یہی ہے کہ اس کی تولیت صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۱۸: از شہر محلہ چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۱۶صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ ایک بزرگ نے اپنی حیات میں جائداد موقوفہ کا زید کو بذریعہ تملیک نامہ کے متولی کیا اور یہ لکھا کہ تاحیات یہ متولی رہے اور بعد اس کے جو متولی یا سجادہ نشین ہوئے اس کو بھی اسی تحریر کا کاربند رہنا چاہئے اور درصورت خلاف ورزی کے میرے مریدان سر برآوردہ جس کو مناسب سمجھیں مقرر کریں، ان بزرگ نے پردہ فرمایا اور بعد ایک زمانہ کے زید کا بھی کا انتقال ہوگیا اب زید کا لڑکا یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے باپ کا قائم مقام بنوں اور ان بزرگ کے وارثان شرعی یہ چاہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص ہونا چاہئے، تو ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف کے وارثان متولی کا حق ہے یا وارثان بزرگ کا، اور فقیر کی گدی پر وراثت کسی کی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ جائداد پہلے زبانی وقف ہوچکی تھی اس کی توثیق کے لئے یہ وقف نامہ لکھا گیا ہے جسے غلطی یا ناواقفی سے تملیک نامہ لکھ دیا اس میں متولی مذکور کے بعد دربارہ تولیت کسی شرط کی تصریح نہیں ہے، ایسی صورت میں وارثان متولی مذکور کو تولیت پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا، تولیت ترکہ نہیں کہ وارثوں میں تقسیم ہو بلکہ حتی الامکان وارثان وقف میں سے جو لائق ہو متولی کیا جائے گا اگر ان میں کوئی نہ ہو تو اہل الرائے اہل علم مسلمانوں کے مشورہ سے کوئی دیندار ہوشیار کارگزار متولی کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

(ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لا یجعل المتولی من الاجانب) لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف الیهم[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تک واقف کے اقارب میں سے کوئی ایک بھی تولیت کی صلاحیت والا موجود رہے گا اجنبی لوگوں میں سے کسی کو متولی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ واقف کا قریبی متولی وقف پر زیادہ شفقت کرنیوالا ہوگا کیونکہ اس کا مقصود یہ ہوگا کہ وقف کی نسبت اس کے خاندان کی طرف بنی رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

مسئلہ ۴۱۹: از ریاست رامپور شتر خانہ کہنہ احاطہ صابری مسئولہ واحد حسن صاحب ۶ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مزار کا زید متولی تھامزار کی جائداد اراضی بحق خدمت مزار موصوفہ معاف ہے، زید کا صاحب مزار سے کوئی سلسلہ نسبی وسلسلہ طریق کوئی تعلق نہیں تھا اب زید کا انتقال ہوگیا زید کا بیٹا عمرو جو بالکل خدمت مزار کا اہل نہیں ہے اور تمام جائداد کی آمدنی تغلب وتصرف کرلی ہے ایک حبہ صرف نہیں کیا تولیت کا خواستگار ہے۔ بکر یہ کہتا ہے کہ میں ان خدمات کا اہل ہوں اور صاحب مزار سلسلہ طریقت اور میرے خاندان کا مزار ہے، عمرو نے اکثر سامان تلف کردیا، عمرو اخبث ہے اور خدمات انجام دینے کا اہل ہی نہیں ہے اور نہ مسلک درویشی عمرو کا ہے عندالقاضی صورت مسئولہ میں ہر دو فریق میں سے کون لائق تولیت نہیں اور کس کے نام جائداد کا اندراج ہونا چاہئے؟ عندالقاضی بکر کی اہلیت ثابت ہوچکی۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیان مذکور اگر واقعی ہے تو عمرو تو کسی طرح متولی ہو ہی نہیں سکتا اگرچہ خود واقف نے اسے متولی کیا ہوتا بلکہ اگرچہ وہ خود ہی واقف ہوتا کہ وہ متغلب ہے۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون[1]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوبًا نکال دیا جائیگا اگرچہ وہ خود واقف ہو تو غیر واقف بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

اور بکر اگرچہ اہل ہو خواستگار تولیت ہے اور خواستگار تولیت کو متولی نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انالن نستعمل علی عملنا من ارادہ[2] رواہ احمد و الشیخان وابوداؤد والنسائی عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم اپنے کام پر اس کے خواستگار کو ہر گز مقرر نہ کریں گے (اس کو امام احمد، شیخین وابوداؤد، اور نسائی نے حضرت ابو موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

طالب التولیۃ لایولی الاالمشروط لہ	طالب تولیت کو متولی نہیں بنایا جائے گا سوائے اس کے

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارات باب استیجار الرجل الصالح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۱

النظر لانہ مولی فیرید بہ التنفیذ[1]۔	کہ واقف نے اس کو متولی بنانے کی شرط کردی ہو کیونکہ وہ واقف کی شرط کی وجہ سے متولی بن چکا ہے اور اب اس کے نفاذ کا طلبگار ہے (ت)

لہذا کوئی اور کہ ہر طرح اہل ہو تلاش کرکے متولی کیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۰: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطان پور مسئولہ سید فصیح اللہ صاحب ۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کیا متولی اور منتظم مساجد مساجد کے مداخل و مخارج میں حسب خواہش بلا امتیاز طریق جائز و ناجائز بذات خود بلا مشاورت، اہل اسلام دست تصرف دراز رکھ سکتے ہیں اور یقینی تغلب اور غبن فاحش کے باوجود مسلمانوں کی درخواست پر آمد و خرچ کے حساب کے عدم معاینہ کی بابت ان کا انکار و اعراض جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

متولی اور منتظم پر اتباع شرع و شرائط ضروری ہے ان کے خلاف کسی فعل کا ان کو اختیار نہیں، اور اگر کریں تو مسلمانوں کو ان کی مزاحمت چاہئے، اور اگر خیانت یا ان کے باعث وقف پر ضرر ثابت ہو تو فوراً نکال دئے جائیں۔ درمختار میں ہے:

ینزع وجوبا ولو الواقف فغیرہ بالاولی غیر مامون[2]۔	خائن متولی کو ولایت وقف سے وجوباً نکال دیا جائیگا اگرچہ خود واقف ہو اور غیر واقف ہو تو بدرجہ اولٰی نکال دیا جائے گا۔ (ت)

غبن و تغلب یقینی درکنار اگر مظنون بھی ہو تو مسلمانوں کو ان سے حساب سمجھنے کا حق پہنچتا ہے اور انکا اعراض سخت قابل اعتراض۔ درمختار میں ہے:

لاتلزم المحاسبۃ فی کل عام ویکتفی القاضی منہ بالاجمال لو معروفا بالامانۃ ولو متھما یجبرہ علی التعیین شیئا فشیئا[3]۔	متولی اگر امانت میں معروف ہو تو ہر سال تفصیلی محاسبہ اس پر لازم نہیں بلکہ قاضی اس سے اجمالی حساب طلب کرنے پر اکتفاء کرے گا اور اگر وہ متہم بالخیانت ہے تو قاضی اس کو ایک ایک شیئ کا تفصیلی حساب بتانے پر مجبور کرے گا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[3] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۲

صورت مذکورہ میں وہ مجبور کئے جائیں گے تفصیلی حساب دکھائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۱ تا ۴۲۷: از لشکر گاہ بنگلور ملک میسور مسئولہ چودھری محمد حسین بکر قصاب صاحبان مسجد اعظم ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند آدمی مل کر ایک زمین خرید کر بالاتفاق بہ نیت وقف اس پر مسجد آباد کریں، امام مؤذن بھی مقرر کرلیں۔ بارہ سال سب واقفین باہم متفق رہے، نماز جماعت وجمعہ وغیرہ میں شریک رہے، مسجد کے لئے اوقاف واسطے آمدنی کے بھی خرید کر مسجد کے نام واسطے محاصل کے دے چکے، ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے بارہ سال بعد مسجد دور ہونے کے باعث ایک اور مسجد بھی فاصلہ بعید سے بنواڈالی اور دونوں مسجدوں میں شریک رہے، خدمات اور خرچ بھی محاصل اور ذات سے خرچ کرتے رہے وہ گروہ عرصہ ۲۵ سال سے ذاتی چندہ اس دوسری مسجد میں دیتے ہیں اور پہلی مسجد کے اوقاف برحال خود جاری ہیں اب یہ لوگ جو جدا ہوئے ہیں ان کو پہلی مسجد والے حقوق وقف سے علیحدہ تصور کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ ہم متولی اپنی رضامندی سے مقرر کرتے ہیں اور دوسری مسجد والے کہتے ہیں ہمارا حق ہے کہ ہم سب واقف ہیں اور تولیت کا اختیار سب واقفین کو ہے، دوسرے گروہ والے کہتے ہیں کہ تمہارا حق بسبب جدا ہونے اور الگ بنوانے مسجد کے نہیں رہا، سوال یہ ہے کہ پہلے واقفین کا حق ساقط ہے یا باقی؟

(۲) متولی کا مقرر کرنا مسجد کے لئے ضروریات سے ہے یا نہیں؟

(۳) ایک سے زیادہ متولی مقرر کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) جب واقفین میں اختلاف ہو بعض زید کو متولی کریں بعض عمرو کو تو اکثر کو ترجیح ہے یا اقل کو، اور بر تقدیر مساوات کس کو اختیار نصب متولی کا ہے؟

(۵) واقف سے مراد سطح مسجد کا واقف مراد ہے یا آبادی کرنے والا اور عمارت بنوانے والا؟

(۶) قوم کو نصب امام وموذن وآبادی مسجد وغیرہ کا اختیار ہے یا واقفین کو؟

(۷) واقفین کے لئے ضرور ہے کہ ہمیشہ عملدرآمد اور قابض اپنے موقوف پر رہیں کیا قبضہ چھوڑنے سے حق واقفیت ساقط ہوجاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) جب ان سب نے مل کر وہ مسجد بنائی سب اس کے واقف ہوئے جو حقوق کہ واقف کے ہیں سب کے لئے ہیں ایک فریق کے مسجد بنالینے سے پہلے کا حق زائل نہ ہوا یہ محض ظلم ہے۔

(۲) مسجد کے لئے متولی کا مقرر کرنا کچھ ضرور نہیں البتہ اوقاف کے لئے ضروری ہے۔

(۳) متولی متعدد بھی ہوسکتے ہیں وہ سب مل کر کام کریں گے ہر ایک مستقل نہ ہوگا۔

(۴) فقیر اس وقت کتابوں سے دور حالت سفر میں ہے جزئیہ پیش نظر نہیں، اور ظاہر یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں زید وعمرو دونوں متولی ہوجائیں گے اور مل کر کام کرینگے کہ نصب متولی کی ولایت واقف کو ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ولایۃ نصب القیم الی الواقف [1]۔	متولی مقرر کرنے کی ولایت واقف کو ہے (ت)

اور وہ سب واقف ہیں اور نصب متولی متجزی نہیں تو ہر ایک کو اختیار کامل ہے تو دونوں متولی ہوجائیں گے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

ماثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل الاشتراک الافی مسائل الاولی ولایۃ الانکاح للصغیر والصغیرۃ ثابتۃ للاولیاء علی سبیل الکمال لکل (الی ان قال) والضابط ان الحق اذاکان ممالایتجزی فانہ یثبت لکل علی الکمال فالاستخدام فی المملوک ممالایتجزی [2]۔	جو چیز جماعت کے لئے ثابت ہو وہ ان سب میں مشترک طور پر ہوتی ہے سوائے چند مسائل کے جن میں سے پہلا مسئلہ نابالغ ونابالغہ کے نکاح کی ولایت کا ہے کہ وہ اولیاء میں سے ہر ایک کے لئے کامل طور پر ثابت ہوتی ہے (صاحب اشباہ کے اس قول تک کہ فرمایا) ضابطہ یہ ہے بیشک جو حق ناقابل تجزی ہو وہ ہر ایک کے لئے بطور کمال ثابت ہوتا ہے اور مملوک سے خدمت لینے کا حق ناقابل تجزی ہے۔ (ت)

(۵) اصل مسجد زمین ہے تو زمین کا واقف اصل مسجد کا واقف ہے اور جس نے اس میں عمارت بنا کر وقف کی وہ بنا کا واقف ہے اور بنا اگرچہ وصف ہے اس کے لیے حکم جزء ہے تو وہ بھی وقف مسجد میں شریک ہے۔

(۶) عمارت ومرمت مسجد کا اختیار واقفین کو ہے اور انہیں کے امام ومؤذن مقرر کئے ہوئے اولٰی ہیں مگر یہ کہ جن کو قوم مقرر کرے وہ شرعاً مرجح ہوں تو انہیں کو ترجیح ہوگی۔ درمختار میں ہے:

البانی للمسجد اولٰی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الااذاعین القوم اصلح ممن عینہ البانی [3]۔	قول مختار کے مطابق مسجد کا بانی امام ومؤذن کے تقرر میں بنسبت قوم کے اولٰی ہے سوائے اس کے کہ قوم کا مقرر کردہ امام ومؤذن بانی کے مقرر کردہ سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الاشباہ والنظائر کتاب النکاح الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۴تا۲۴۶

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۰

(٧) واقف کے لئے وقف پر ہمیشہ قابض رہنا ضرور نہیں بارہا واقف دوسرے کو متولی کرتا ہے قبضہ متولی کا رہتا ہے مگر حق واقف ساقط نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲۸: از بڑودہ ناگروارہ گجرات مرسلہ یوسف علی خاں صاحب بہادر صدر انجمن اہلسنت وجماعت ۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہلسنت وجماعت کو یہ جائز ہے کہ روافض کو جامع مسجد یا غیر مساجد کا متولی اور متصرف بنائیں اور ان کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کریں اور جو مسلمان ایسا کریں ان کے لئے از روئے شرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اہلسنت کی کسی مسجد خصوصًا مسجد جامع کا متولی رافضی کو کرنا شریعت مطہرہ وقرآن عظیم واحادیث صحیحہ وفقہ حنفی کی رو سے اصلاً کسی طرح جائز نہیں حرام قطعی ہے۔

(ا) یہ روافض نہ اہل قبلہ ہیں نہ مسلمان بلکہ بالیقین کفار مرتدین ہیں، رد الرفضہ میں بکثرت کتب معتمدہ حنفی وعقائد اہلسنت سے ان کے کافر مرتد ہونے کے روشن ثبوت دئے ہیں۔ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰے امام طاہر عبد الرشید وشرح الکنز امام فخر الدین زیلعی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

وھذا نصاھا قال المرغینانی یجوز الصلاۃ خلف صاحب ھوی وبدعۃ ولاتجوز خلف الرافضی و الجھمی والقدری والمشبھۃ ومن یقول بخلق القراٰن، وحاصلہ ان کان ھوی لایکفر بہ صاحبہ تجوز الصلٰوۃ خلفہ مع الکراھۃ والافلا ھکذا فی التبیین والخلاصۃ، وھو الصحیح ھکذا فی البدائع[1]۔	یعنی امام مرغینانی صاحب ہدایہ نے فرمایا: بدمذہب بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے اور رافضی وجہمی وقدری اور مشبہہ اور وہ جو قرآن عظیم کو مخلوق مانتے ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے اور حاصل یہ ہے کہ جس میں ایسی بدمذہبی ہو جس کے سبب اسے کافر نہ کہا جائے اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی مگر مکروہ ہوگی اور اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچی ہے جیسے رافضی وغیرہ مذکورین کہ یہ سب کافر ہیں اس کے پیچھے نماز ہوگی ہی نہیں، ایسا ہی تبیین الحقائق اور فتاوٰی خلاصہ میں ہے اور یہی صحیح ہے ایسا ہی بدائع میں ہے۔ (ت)

نیز فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ نورانی کتب خانہ پشاور ١/ ٨٤

الرافضی اذاکان یسب الشیخین ویلعنهما العیاذ باللّٰه فهو کافر وان کان یفضل علیا کرم اللّٰه تعالٰی وجهه علی ابی بکر رضی اللّٰه عنه لایکون کافرا الا انه مبتدع[1]۔	رافضی اگر صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی تعالٰی عنہما کو معاذاللہ برا کہتا اور تبرابکتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر صدیق اکبر سے مولٰی علی کو فقط افضل کہتا ہو تو کافر نہ ہوگا مگر گمراہ ہے۔ (ت)

فتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفارهم باکفارعثمٰن وعلی وطلحة وزبیر وعائشة رضی اللّٰه عنهم[2]۔	یعنی جولوگ حضرت عثمان، علی، طلحہ، زبیر اور عائشہ رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں واجب ہے کہ ہم ان کافر کہنے والوں کو کافر کہیں۔

فتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولهم برجعة الاموات الی الدنیا وبقولهم فی خروج امام باطن (الٰی قوله) وهٰؤلاء قوم خارجون عن ملة الاسلام واحکام المرتدین[3]۔	یعنی رافضیوں کو کافر کہنا واجب ہے ان کے اس قول میں کہ اموات دنیا کی طرف لوٹیں گے اور اس قول میں کہ ایک چھپا ہوا امام نکلے گا اور یہ لوگ ملت اسلام سے خارج ہیں اور ان کے وہی حکم ہیں جو مرتدوں کے ہوتے ہیں۔

شرح مقاصد شرح تحریر الاصول و ردالمحتار علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

اهل القبلة معناه الذین اتفقوا علی ماهو من ضروریات الاسلام واختلفوا فی اصول سواها والا فلا نزاع فی کفر اهل القبلة المواظب طول العمر علی الطاعات بصدور شیئ من موجبات الکفر عنه[4] اھ مختصرًا۔	یعنی اہل قبلہ کے یہ معنی ہیں کہ جو تمام ضروریات دین کو مانتا ہو اور ان کے سوا بعض عقائد میں خلاف رکھتا ہو ورنہ اس میں کچھ خلاف نہیں کہ جس اہل قبلہ سے کوئی موجب کفر صادر ہو وہ کافر ہے اگرچہ تمام عبادتوں پر مداومت کرے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع فی احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[4] شرح المقاصد المبحث السابع فی مخالف الحق من اہل القبلۃ دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۲۶۹

شرح فقہ اکبر علی قاری میں ہے:

لایخفی ان المراد بقول علمائنا لاتجوز تکفیر اھل القبلۃ بذنب لیس مجرد التوجہ الی القبلۃ فان الغلاۃ من الروافض وان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمؤمنین[1]۔	یعنی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے علماء کے اس قول میں کہ اہل قبلہ کو کسی گناہ کے سبب کافر کہنا جائز نہیں فقط نماز میں قبلہ کو منہ کرلینا مراد نہیں کہ غالی رافضی اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں بلاشبہ کافر ہیں۔

اور مساجد اہلسنت خصوصًا مسجد جامع کا اسے متولی کرنا اور مسلمانوں کے ایسے عظیم دینی تصرفات اس کے ہاتھ میں رکھنا اس کی عظیم تعظیم ہے اور اس کی تعظیم سخت حرام ہے بلکہ بحکم فقہائے کرام کفر ہے۔ تبیین الحقائق وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہما میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[2]۔	اس لئے کہ اسے گواہ بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں اس کی توہین واجب ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ واشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے: تبجیل الکافر کفر[3] کافر کی تعظیم کفر ہے۔

(۲) اس میں اسے مسلمانوں پر ایک افسری دینا ہے اور یہ حرام ہے۔ فتح القدیر ودرمختار وغیرہما میں ہے:

یمنع من استکتاب ومباشرۃ یکون بھا معظما عند المسلمین[4]۔	یعنی ذمی کافر کو بھی منشی بنانا یا اور کوئی ایسا عمل سپرد کرنا جس سے مسلمانوں میں اس کی بڑائی ہو جائز نہیں۔

حاوی قدسی وبحر الرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم لہ ینبغی ان یلازم الصغار فیما یکون بینہ وبین المسلمین فی کل شیئ، وعلیہ فیمنع من القعود حال قیام المسلم عندہ بحر، ویحرم تعظیمہ[5]۔	یعنی کافر اور مسلمان کے ہر معاملہ میں کافر کو دبا ہوا ذلیل رکھنا چاہئے، مسلمان کھڑا ہو تو اسے بیٹھنے نہ دیں، ایسا ہی بحر میں ہے اور اس کی تعظیم حرام ہے۔

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطلب یجب معرفۃ لمکفرات الاجتنابھا الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] درمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

[5] درمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۲

(۳) مساجد واوقاف کا متولی بنانا کیسے عظیم دینی کاموں میں ان سے استعانت ہے اور یہ ان تشریحات جلیلہ پر کہ **المحجة المؤتمنه** میں مذکور ہوئیں حرام ہے، قرآن عظیم فرماتا ہے:

"لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۸۹﴾"[1]	غیروں میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤنہ مددگار۔

تفسیر ارشاد العقل السلیم علامہ ابو سعود عمادی وتفسری فتوحات الٰہیہ میں ہے:

نھوا عن موالاتھم لقربة اوصداقة جاھلیة ونحوھما من اسباب المصادقة والمعاشرة وعن الاستعانة بھم فی الغزو وسائر الامور الدینیة[2]۔	یعنی مسلمان منع کئے گئے کافروں کی دوستی سے خواہ وہ رشتہ داری کے سبب ہو یا اسلام سے پہلے کے یارانے خواہ یاری اور میل جول کے اور کسی سبب سے اور منع کئے گئے اس سے کہ جہاد یا کسی دینی کام میں کافروں سے استعانت کریں۔

(۴) عقیلی وابن حبان وغیرہما کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

سیأتی قوم لھم نبز یقال الرافضة لایشھدون جمعة ولاجماعة ویطعنون علی السلف فلاتجالسوا[3]۔	عنقریب کچھ لوگ آئیں گے ان کا بدلقب ہوگا انہیں رافضی کہا جائے گا نہ جمعہ میں حاضر ہوں گے نہ جماعت میں اور سلف صالح کو برا کہیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ کھانا پینا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

اذمجالسة الاغیار تجر الی غایة البوار ونھایة الخسار[4]۔	اس لئے کہ غیروں کے پاس بیٹھنا حد درجہ کی بربادی اور انتہا درجہ کے نقصان کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔

جب ان کے پاس بیٹھنا نری بربادی ہے تو انہیں مساجد واوقاف کا متولی کرنا کس درجہ کس قدر عظیم تباہی ہے۔

(۵) مسلمانوں کا ایسا عظیم کام اس کے سپرد کرنے میں اسے رازدار ودخیل کار بنانا ہے اور یہ حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۹

[2] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیة ۳/ ۲۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳، الفتوحات الالٰھیة الشھیر بالجمل تحت آیة ۳/ ۲۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[3] العلل المتناھیة حدیث ۲۵۷، دار نشر الکتب الاسلامیه لاہور ۱/ ۱۶۱ والضعفاء الکبیر، حدیث ۱۵۳ /۱/ ۱۲۶

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان تحت حدیث ۱۰۸ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۱/ ۳۰۹

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ" [1]	کیا اس گھمنڈ میں ہو کہ یونہی چھوڑ دیے جاؤگے اور ابھی وہ لوگ علانیہ ظاہر نہ ہوئے جو تم سے راہ خدا میں پوری کوشش کریں اور اللہ و رسول و مسلمین کے سوا کسی کو اپنا راز دار و دخیل کار نہ بنائیں اور اللہ تمہارے کاموں سے خبر دار ہے۔

تفسیر کبیر میں ہے:

نهی الله تعالٰی المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المؤمنین فیکون ذٰلك نهیا عن جمیع الکفار، ومما یؤکد ذٰلك انه قیل لعمر رضی تعالٰی عنه ھٰهنا رجل من اهل الحیرة نصرانی لایعرف اقوی حفظا ولا احسن خطا منه فان رأیت ان نتخذه کاتبا فامتنع عمر من ذٰلك وقال اذا اتخذت بطانة من غیر المؤمنین [2]	یعنی اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو منع فرمایا کہ غیر مسلم کو اپنا راز دار نہ بناؤ تو یہ تمام کفار سے ممانعت ہے اور تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ شہر حیرہ میں ایک نصرانی ہے اس کا سا حافظہ اور عمدہ خط کسی کا معلوم نہیں حضور کی رائے ہو تو ہم اسے محرر بنالیں، امیر المومنین نے اسے قبول نہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایسا ہو تو میں غیر مسلم کو راز دار بنانے والا ٹھہروں گا۔

تفسیر لباب التاویل وغیرہ پارہ ۶ میں ہے:

روی ان اباموسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه قال قلت لعمر بن خطاب رضی الله تعالٰی عنه ان لی کاتبا نصرانیا فقال مالك وله قاتلك الله الا اتخذت حنیفا یعنی مسلما اما سمعت قول الله	یعنی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ میں نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے عرض کی میرا ایک محرر نصرانی ہے، فرمایا تمہیں اس سے کیا علاقہ خدا تم سے سمجھے کیوں نہ کسی کھرے مسلمان کو محرر بنایا کیا تم نے یہ ارشاد الٰہی نہ سنا کہ اے ایمان والو!

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة ۳/ ۱۱۸ المطبعة البهیة المصریة مصر ۸/ ۲۱۰

عزوجل "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ" قلت له دینه ولی کتابته قال لا اکرمهم اذ اهانهم الله ولا اعزهم اذ اذلهم الله ولا ادنیهم اذ ابعدهم الله قلت لایتم امر البصرة الا به فقال مات النصرانی والسلام یعنی هب انه مات فما تصنع بعد فما تعمل بعد موته فاعلمه الاٰن واستغن عنه بغیره من المسلمین [1]۔	یہود ونصارٰی کو یار نہ بناؤ، میں نے عرض کی اس کا دین اس کے لئے ہے مجھے تو اس کی محرری سے کام ہے، فرمایا میں کافروں کو گرامی نہ کروں گا جبکہ انہیں اللہ نے خوار کیا، نہ انہیں عزت دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں ذلیل کیا، نہ ان کو قرب دوں گا جب کہ اللہ نے انہیں دور کیا۔ میں نے عرض کی بصرہ کا کام بے اس کے پورا نہ ہوگا۔ فرمایا مرگیا نصرانی، یعنی فرض کرلو کہ وہ مرگیا اس کے بعد کیا کروگے جو جب کروگے اب کرو اور کسی مسلمان کو مقرر کرکے اس سے بے پرواہو جاؤ۔

شرح سیر کبیر پھر ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

به ناخذ فان الوالی ممنوع من ان یتخذ کاتبا من غیر المسلمین لقوله تعالٰی "لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ" [2]۔	ہم امیر المومنین کے اسی ارشاد پر فتوٰی دیتے ہیں بیشک والی کو جائز نہیں کہ کسی کافر کو محرر بنائیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے اپنے سوا اوروں کو راز دار نہ بناؤ۔

سبحٰن اللہ! جب ان کو محرر تک بنانا ناجائز وخلاف قرآن عظیم ہے تو مساجد مسلمین ان کے ہاتھ میں سپرد کرنا اور اتنا عظیم منصب دینا کس درجہ سخت حرام ہونا لازم۔

(۶) متولی کرنا حرام ہے مگر اسے کہ امین وخیر خواہ ہو، یہاں تک کہ خود واقف پر اگر اطمینان نہ ہو وقف سے اسے باہر نکال دینا واجب ہے۔ اسعاف فی حکم الاوقاف میں ہے:

لایولی الا امین لان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود [3]۔	متولی نہ کیا جائے مگر جس پر پورا اطمینان ہو کہ تولیت میں وقف کا فائدہ دیکھنے کی شرط ہے اور جس پر اطمینان نہ ہو اس کا متولی کرنا رعائت فائدہ سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا کہ وہ اصل مقصود میں خلل ڈالتا ہے۔

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۵/ ۵۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۳۔ ۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار بحوالہ الاسعاف فی حکم الاوقاف کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

فتاوٰی بزازیہ ودررو غرر و تنویر الابصار ودرمختار وغیرہا میں ہے:

ینزع وجوبا لو الواقف فغیرہ اولٰی غیر مامون[1]۔	یعنی اگر خود واقف قابل اطمینان نہ ہو تو اسے نکال دینا واجب، پھر دوسرے کا کیا ذکر۔

اور قرآن عظیم شاہد ہے کہ غیر مسلم ہرگز کسی معاملہ کا خیر خواہ نہ ہوگا، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴿۱۱۸﴾"[2]	اے ایمان والو! اپنے غیروں سے کسی کو راز دار نہ بناؤ وہ تمہاری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور جو ان کے سینوں میں دبی ہے وہ بڑی ہے، ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمہیں عقل ہو۔

(۷) تنویر الابصار وغیرہ متون میں ہے: **العاشر حر مسلم**[3] (یعنی عشر تحصیل کرنیوالے کی تعریف میں آزاد اور مسلمان ہونا داخل ہے۔ غایۃ البیان امام اتقانی شرح ہدایہ وبحرالرائق شرح کنزالدقائق وردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

لایصح ان یکون کافرا لانه لایلی علی مسلم[4] بالاٰیة۔	یعنی تحصیل عشر پر کسی کافر کو مقرر کرنا باطل محض ہے کہ بنص قرآن اسے کسی مسلم پر کوئی اختیار نہیں مل سکتا۔

عشر لینے والا راستوں پر مقرر کیا جاتا ہے کہ تاجروں سے عشر تحصیلے، راہ کی حفاظت کرے، جیسے بلاتشبیہ یہاں چونگی کا محرر اور راستوں کی چوکی کا پولیس مین۔ جب اتنی خفیف دنیوی خدمت پر انہیں مقرر کرنا اصلاً درست نہیں تو ایسے عظیم دینی کام پر تقرر کیونکر ممکن۔ (خاص تصریحاتِ مسئلہ) **(۸)** لاجرم صریح تصریحیں لیجئے۔ درمختار میں ہے:

بهذا یعلم حرمة تولیة الیهود علی الاعمال[5]۔	یہاں سے معلوم ہوا کہ اسلامی کاموں پر یہودی (یعنی کسی کافر کا متولی کرنا حرام ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

[4] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[5] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۶

بحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

لاشك فی حرمة ذٰلک[1]۔	اس کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔

شامی میں ہے:

ای لان فی ذٰلك تعظیمه وقد نصوا علی حرمة تعظیمه[2]۔	یعنی اس لئے کہ اس میں اس کی تعظیم ہے اور بیشک ائمہ دین نے تصریحیں فرمائیں کہ کافر کی تعظیم حرام ہے۔

شرنبلالیہ علی الدرر پھر ردالمحتار میں ہے:

علم مماذکرناه حرمة تولیة الفسقة فضلا عن الیهود والکفرة[3]۔	یعنی جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس سے معلوم ہوا کہ فاسقوں کو متولی کرنا حرام ہے چہ جائیکہ یہودی و دیگر کفار۔

(۹) تمام عبارات ودلائل کہ یہاں تک مذکور ہوئے مطلقًا ہر کافر میں ہیں اگرچہ کافر ذمی ہو جو سلطنت اسلامیہ میں فرمانبردار وجزیہ گزار ہو کر رہتا ہے اور اکثر معاملات میں اس کا حکم مسلمانوں کا سا رکھا گیا ہے نہ کہ حربی جس سے انقطاع کلی کا حکم ہے اور امان لے کر بھی دارالاسلام میں سال بھر تک رہ ہی نہیں سکتا کہ مرتد جسے سلطان اسلام فورًا قتل کرے گا اور اگر غور کے لئے مہلت مانگے تو تین دن کی مہلت دے گا اور ان میں بھی قید ہی رکھے گا، متولی کس وقت کرے گا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمکن حربی مستأمن فینا سنة[4]۔	حربی مستامن ہمارے درمیان ایک سال نہیں ٹھہر سکتا۔ (ت)

در مختار میں ہے:

من ارتد عرض الحاکم علیه الاسلام وتکشف شبهته ویحبس وجوبا ثلثة ایام ان طلب المهلة والا قتله من ساعته الا اذا رجی	جو مرتد ہو جائے حاکم اس پر اسلام پیش کرے گا اور اس کے شبہ کا ازالہ کرے گا اگر وہ مہلت طلب کرے تو لازمی طور پر تین دن قید رکھا جائے گا ورنہ حاکم اسلام اسی وقت اس کو قتل کردے گا سوائے

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العاشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد فصل فی استیمان الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

(مطلب عبارات ردالمحتار)

اسلامه بدائع[1]۔	اس کے کہ اس کے اسلام کی امید ہو، بدائع۔(ت)

عبارت ردالمحتار یشترط للصحة بلوغه وعقله لاحریته واسلامه صراحة[2] (صحت تولیت کے لئے بلوغ اور عقل شرط ہے حریت اور صراحتًا مسلمان ہونا نہیں۔ت) خاص دربارہ ذمی ہے یعنی متولی بن سکنے کے لئے اسلام شرط نہیں کہ کافر ذمی بھی اگر متولی کیا جائے گا ہوجائے گا نہ یہ کہ کوئی کافر کیسا ہی ہو متولی ہوسکتا ہے، اس عبارت کے متصل ہی خود اس میں اس کی سند یہ لکھی:

لما فی الاسعاف لواوصی الی صبی تبطل فی القیاس مطلقا وفی الاستحسان ھی باطلة مادام صغیرا ولوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا ثم الذمی فی الحکم کالعبد فلواخرجهما القاضی ثم عتق العبد واسلم الذمی لاتعود الیهما اھ بحر ونحوہ فی النھر[3]۔	یعنی اسلام شرط نہ ہونے کی سند وہ ہے جو اسعاف میں فرمایا کہ اگر کسی نابالغ کو وصی کیا تو قیاس میں مطلقًا باطل ہے اور استحسان یہ ہے کہ اس کے نابالغ رہنے تک باطل ہے اور اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں صحیح ہے اور حکم میں ذمی مثل غلام ہے، پھر اگر حاکم نے انہیں وصایت سے نکال دیا اور اس کے بعد غلام آزاد ہو اور ذمی اسلام لے آیا تو وصی نہ ہوجائینگے، یہ بحر میں ہے اور اسی کے مثل نہر میں۔

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتشترط الحریة والاسلام للصحة لما فی الاسعاف ولوکان عبدا یجوز قیاسا واستحسانا والذمی فی الحکم کالعبد فلو اخرجهما القاضی ثم اعتق العبد واسلم الذمی لایعود الولایة الیهما کذا فی البحر الرائق[4]۔	یعنی متولی بن سکنے کے لئے آزادی واسلام اس سند سے شرط نہیں کہ اسعاف میں فرمایا کہ اگر غلام ہو تو قیاس واستحسان دونوں میں اس کی وصایت ممکن ہے اور حکم میں ذمی بھی غلام کے مثل ہے اور اگر قاضی نے انہیں نکال دیا پھر غلام آزاد اور ذمی مسلمان ہوا تو اس سے وصایت ان کی طرف عود نہ کرآئے گی، ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔

دیکھو صراحۃً کلام کافر ذمی میں ہے اور مرتد ہرگز اس کی مثل نہیں وہ سب کافروں سے بدتر ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶-۳۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۸

اشباہ والنظائر میں ہے:

المرتد اقبح کفرا من الکافر الاصلی [1]۔	یعنی مرتد کفر میں کافر اصلی سے بدتر ہے۔

شرط اسلام نہ ہونے کے لئے ایک قسم کے کافر کا کسی ایک صورت میں متولی بن سکنا کافی ہے نہ کہ شرطیت اسلام جبھی نہ ہوگی کہ ہر قسم کا کافر متولی بن سکے مگر کم علمی و نافہمی عجب چیز ہے پھر صحت کے لئے شرط نہ ہونے سے اتنا ہی تو ہوا کہ بن سکنا محتمل ہے نہ یہ کہ اسے متولی بنانا جائز وحلال ہے۔ ابھی ابھی اسی ردالمحتار و دیگر معتمدات سے صاف تصریحیں گزریں کہ کسی کافر کو متولی بنانا مطلقاً حرام ہے اور اسی میں کلام ہے، جو امر ہمارے دین میں حرام ہے اسے روا رکھنا صریح مذہبی دست اندازی و بدخواہی اسلام ہے۔

(۱۰) پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ اس کے ذمہ صرف نگہداشت یا ضروری اشیاء کی خرید وفروخت حساب کی لکھت پڑھت ہو کسی مسلمان پر اسے کوئی اختیار نہ دیا گیا ہو اس صورت میں متولی اگرچہ ہوسکے گا مگر کرنا حرام ہے۔ ردالمحتار کی عبارت مذکورہ اسی صورت میں متعلق ہے اور اگر اسے کوئی اختیار دیا جائے مثلاً امام یا مؤذن یا فراش یا اور کسی ملازم کی موقوفی یا بحال یا اضافہ یا کمی یا رخصت یا معطل میں کچھ دخل۔ جب تو اس کی تولیت نہ صرف حرام بلکہ باطل محض ہے ہو سکتی ہی نہیں جیسا کہ ابھی اسی ردالمحتار و بحر الرائق و غایۃ البیان سے گزرا اور انہیں کتابوں میں اس پر اس آیہ کریمہ سے دلیل لائے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا" [2]۔	یعنی شریعت الٰہیہ ہرگز کسی کافر کو کسی مسلمان پر کوئی اختیار نہ دے گی۔

(خلاصہ حکم مسئلہ) بالجملہ رافضی کو مسجد خواہ کسی وقف کا ذی اختیار متولی کرنا جس سے کسی مسلمان ملازم وغیرہ پر اسے کوئی اختیار ملے یہ تو ممکن ہی نہیں اگر کیا جائے نہ ہوسکے گا اور اس کی تولیت باطل محض ہوگی اور محض بے اختیار متولی کیا جائے یہ بھی کم از کم قطعاً حرام اور مذہبی دست اندازی و بدخواہی اسلام ہے۔ بفرض غلط اگر رافضی کافر نہ بھی ہوتا تو مجرد فاسق عملی سے تو یقیناً بدتر ہے کما نص علیہ فی الغنیہ شرح المنیہ، اور ابھی شرنبلالیہ وردالمحتار سے گزرا کہ فاسق کا متولی کرنا بھی حرام ہے۔ یہ ہے مسئلہ کی تحقیق **وباللہ التوفیق**۔

(۱۱) روافض کو اپنے ساتھ نماز میں شریک کرنا ہرگز جائز نہیں کہ جب وہ شرعاً مسلمان ہی نہیں تو وہ نہ اہل عبادت ہیں نہ ان کی نماز نماز کہ عبادت کی پہلی شرط اسلام ہے اور جب ان کی نماز باطل محض ہے

[1] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

تو انہیں شریک کرنا صف کا قطع کرنا ہوگا کہ غیر نمازی صف میں کھڑا ہے اور صف کا قطع کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قطع صفا قطعه الله [1]۔ رواه النسائی والحاکم عن ابن عمر رضی الله عنهما بسند صحیح۔	جو کسی صف کو قطع کرے اللہ اسے قطع کردے۔ اس کو امام نسائی اور امام حاکم نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

رافضیوں کے بارے میں حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بتخریج عقیلی وابن حبان گزری اس کی روایت ابن حبان میں ہے:

ولا تصلوا علیهم ولا تصلوا معهم [2]۔	نہ رافضیوں کے جنازے کی نماز پڑھو نہ رافضی کے ساتھ نماز پڑھو۔

(۱۲) جو لوگ ان احکام شرعیہ کی مخالفت کریں رافضی کو متولی بنائیں یا اسے نماز میں داخل کریں صراحۃً شریعت کے بدلنے والے اور احکام الٰہی کے خلاف چلنے والے اور مستحق تعزیر شدید وعذاب مدید ہیں یہ بھی جب کہ ان روافض کے عقائد پر مطلع ہو کر انہیں کافر جانیں اور براہ خباثت نفس اپنے کسی دنیوی علاقہ کے سبب ان امور کے مرتکب ہوں ورنہ ایسی حالت میں انہیں مسلمان جانیں تو خود ہرگز مسلمان نہ رہیں گے۔ بزازیہ وذخیرۃ العقبٰی ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہ میں ہے:

من شك فی عذابه وکفره فقد کفر [3]۔	جو ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

تنبیہ: یہ احکام کہ ہم نے لکھے یعنی مسجد خواہ کسی وقف کا ادنی ذی اختیار متولی اصلاً نہ ہوسکنا اور غیر ذی اختیار متولی کرنا بھی حرام ہونا اور اسلامی کسی کام میں انہیں دخل دینا باطل ومردود ہونا اور نماز میں انہیں داخل کرنے کی تحریم اور یہ کہ ان کی نماز نماز نہیں، یونہی جملہ احکام ارتداد کہ ان کے تمام اعمال حبط اور ان کے نکاح باطل وفسخ، اور یہ کہ جہاں بھر میں کسی سے ایسے عقیدہ کے مرد یا عورت کا نکاح نہیں ہوسکتا نہ مسلمان سے نہ کافر سے نہ مرتد سے، جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا، اور یہ کہ وہ اپنے کسی مورث کے اصلاً وارث نہیں ہوسکتے اگرچہ ان کا باپ یا بیٹا ہو اور یہ کہ انہیں کسی بالغ یا نابالغ

[1] سنن النسائی کتاب الامامۃ والجماعۃ باب من وصل صفا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس الخ حدیث ۳۲۵۲۸_۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۴۰

[3] درمختار باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

پر اگرچہ ان کی اولاد ہو کوئی ولایت نکاح وغیرہ کی نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ان سے میل جول حرام اور یہ کہ ان کی حیات یا موت میں کوئی اسلامی برتاؤان سے حرام۔ یہ تمام احکام نہ صرف ان رافضیوں بلکہ ان جمیع فرق واشخاص کے لئے ہیں جو باوصف کلمہ گوئی اپنے کسی عقیدہ یا عمل میں کفر رکھتے ہیں جیسے ہر قسم کے وہابی اور نیچری اور قادیانی اور چکڑالوی اور حلول یا اتحاد بکنے والے جھوٹے صوفی اور اب سب سے نئے اکثر گاندھوی کہ یہ سب مرتدین ہیں اور ان سب پر وہی احکام جیسا کہ علمائے حرمین طیبین کے دونوں مشہور فتاوٰی الحرمین وحسام الحرمین وغیرہما اور **المحجۃ المؤتمنہ** سے ظاہر ہے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی حق ارشاد فرماتاہے اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھاکارساز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

اوقاف کے اجارہ کا بیان

مسئلہ ۴۲۹: از پیلی بھیت مرسلہ جناب مولٰنا محدث سورتی دام فیضہ ۱۹صفر ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع وقفی پانچ برس کو ممبران انجمن اسلامیہ سے ایک توفیر معین پر ٹھیکہ لیا، علاوہ شرائط ٹھیکہ کے ایک درخواست ٹھیکہ دار نے بعد ایک سال کے اس مضمون کی دی کہ چونکہ انجمن کے ممبر وغیرہ زائد از پانچ سال کو ٹھیکہ شرعاً نہیں دے سکتے لہٰذا بالغرض کار گزاری آئندہ مجھ سے معاہدہ تحریری کرالیا جائے کہ آئندہ پانچ برس کو بھی ٹھیکہ مجھی کو دیا جائے، چنانچہ معاہدی تحریری دستخطی کرلیا گیا کہ اگر اسامیان موضع کو ٹھیکہ دار رضامند رکھے اور باغ کی توفیر زیادہ کرے گا اور محافظت کرے گا تو آئندہ کو بھی اسی توفیر پر دیا جاسکتا ہے مگر توفیر باغ کو بدستور رہی اور اسامیان راضی نہیں، پس ایسی صورت میں اراکین انجمن کو پابندی لازم ہے یا نہیں؟ باینہمہ کہ اور اشخاص کی درخواستیں ٹھیکہ جدید کی زائد از سابق موجود ہیں جس میں مسجد ومدرسہ کا نفع ظاہر ہے، علاوہ ازیں اگر ٹھیکہ والے سابق نے پابندی معاہدہ کی موافق کی ہو یعنی اسامیان دیہہ کو راضی رکھنے کا اہتمام کیا ہو اور باغ کی توفیر کی زیادتی میں سعی کی ہو مگر اتفاق سے ان کی رضامندی نہ ہوسکی اور توفیر میں ترقی نہ ہوسکی تو کیا ایسی صورت میں معاہدہ کی پابندی اراکین انجمن اسلامیہ کو لازم ہوگی اور اس کو اسی توفیر پر ٹھیکہ دینا جائز ہے گو مسجد مدرسہ کا نقصان ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اراکین پر اس معاہدہ کی پابندی نہ صرف غیر ضروری بلکہ محض ناجائز وممنوع وگناہ ہے وہ معاہدہ

محض باطل و شرعًا مردود و ناروا تھا اور باطل کا حق یہ ہے کہ مٹایا جائے نہ کہ پابندی ہو۔ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح ہندوستان میں رائج ہے باجماع مذاہب اربعہ باطل و ناجائز ہے، اس ٹھیکہ میں زمین تو اجارہ مزارعین میں ہوتی ہے اور توفیر آئندہ کا ٹھیکہ دیا جاتا ہے اور یہ حرام ہے عقد اجارہ شرع نے منافع کے لئے رکھا ہے، نہ عین کے لئے، منفعت جیسے مکان میں رہنا گھوڑے پر چڑھنا اور عین جیسے روپیہ غلہ پھل وغیرہا، تو جو اجارہ استہلاک عین پر واقع ہو مردود و باطل ہے،

الاماخصه الشرع کاجارة الضرع للارضاع فانها علی اللبن و اللبن عین لکن ورد الشرع باباحتها علی خلاف الاصل فیقتصر علی مورده۔	مگر جس کو شرع نے مخصوص کر دیا ہو جیسے دودھ پلانے کے لئے کوئی دودھ والا جانور اجرت پر لینا کیونکہ یہ اجارہ دودھ پر واقع ہوا اور دودھ عین ہے لیکن شرع خلاف قیاس اس کی اباحت پر وارد ہے لہذا یہ حکم اپنے مورد پر بند رہے گا (ت)

فتاوٰی خیریہ و عقود الدریہ و در مختار و ردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے اور فتاوٰی فقیر میں اس کی کامل تفصیل و تنقیح۔ اور اگر اس سے قطع نظر ہی کریں تو **اولًا:** اراکین کی وہ تحریر صرف ایک وعدہ تھی اور وفائے وعدہ پر جبر نہیں **کما فی الاشباہ و الھندیة وغیرھما** (جیسا کہ اشباہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت)

ثانیًا: وہ وعدہ بھی لفظ ان شاء اللہ کے ساتھ تھا جو حلف کے اثر کو بھی باطل کر دیتا ہے۔

ثالثًا: اراکین کو کوئی اختیار نہ تھا نہ ہے کہ وقف کے نقصان کا وعدہ کرلیں اور اپنے وعدہ کے نباہ کے لئے وقف کا نفع کھوئیں۔

بالجملہ وہ تحریر تو محض مہمل اور یہ رائج ٹھیکہ باطل و حرام ہے، اراکین کو چاہئے کہ دیہات میں جس وقت سال تمام ہوتا ہے اس وقت نظر کریں کہ بعض مزارعین سے پٹہ کی میعاد باقی ہے یا سب کی ختم ہو گئی یا کل یا بعض ایسے ہیں جن سے کسی میعاد معین کا معاہدہ نہ ہوا سال بسال زراعت کرتے اور اجرت دیتے ہیں، یہ تین صورتیں ہیں۔ صورت دوم میں تو ظاہر ہے کہ زمین دیہہ اجارہ سے پاک و خالص ہو گئی، اور صورت سوم میں تمام مزارعوں کو اطلاع دے دیں کہ سال آئندہ زمین ہماری طرف سے تم کو اجارہ میں نہ دی جائے گی بلکہ ہم کل زمین دیہہ فلاں مستاجر کو اجارہ دیں گے اس کی طرف سے تم کو بدستور اجارہ ملے گی جس سے تمہارے معمول میں فرق نہ آئے گا یوں زمین دیہہ خالص ہو جائے گی، صورت اول میں البتہ دقت ہے اس کا علاج یہ ہے کہ جس جس کی میعاد باقی ہے اسے بلا کر سمجھایا جائے

کہ ہم صحت شرعی کے لئے یہ کارروائی کرتے ہیں جس کا کوئی اثر تمہارے خلاف نہ پڑے گا تم زبانی کہہ دو کہ ہم نے بقیہ میعاد کے اجارہ زمین سے دست برداری کی، اس سے تمہیں ضرر نہ ہوگا زمین بدستور تمہیں کو ملے گی کاغذی عملدرآمد میں تبدیل نہ ہوگی شرعی طور پر سال آئندہ سے ہمارے بدلے فلاں مستاجر سے تم کو زمین اجارہ میں ملے گی جب وہ اس پر راضی ہو کر فسخ اجارہ کردیں یوں تمام زمین خالص ہوجائے گی، بعد مستاجر سے کہا جائے کہ ہم نے اس تمام دیہہ کی زمین پانچ برس کے لئے فی سال اتنے روپے کے عوض تمہارے اجارہ میں دی وہ قبول کرے یہ عقد صحیح وجائز شرعی ہوگا اور زرٹھیکہ وقف کے لئے حلال ہوگا جو بچا مستاجر کے لئے حلال ہوگا ورنہ طرفین گنہگار، اور نشست کم ہوئی تو اصل منافع موجودہ سے جتنا زائد آئے گا وقف کے لئے حرام ہوگا وہ ملک مستاجر ہے اور نشست زیادہ ہو تو جتنا بچا وہ مستاجر کے لئے حرام ہوگا وہ مال وقف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳۰: مسئولہ ظہور الدین صاحب وکیل بریلی محلّہ خواجہ قطب ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ ایک مسجد کی تعمیر زیر تجویز ہے جس کی اوپر کی منزل پر تعمیر ہونا قرار پایا ہے لیکن مسجد کو وسیع بنانے اور اس کا ٹھیک رخ قائم کرنے میں ایک جزو مکان دوسرے شخص کا بھی آتا ہے یہ جزو ایک چھوٹے مثلث کی شکل میں ہے یہ شخص مالک مکان اس مثلث کو وقف کرنے کو تیار ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ تعمیر مسجد جو اوپر بنے گی نیچے کے قطعہ مثلث کو اس کو دوامی طور پر کرایہ یا چانٹی پر دے دیا جائے تاکہ وہ شخص اس پر تعمیر نیچے نیچے کرلے اس کا یہ خیال ہے کہ میرا مکان جو مثلث قطعہ دینے سے کوٹھا ٹوٹ کر ناقص ہوجائے گا پھر نیچے نیچے کوٹھے کی تعمیر کرنے سے درست رہے زمین موقوفہ رہے گی اور اس کا کرایہ وہ ادا کیا کرے گا، ذیل میں ایک نقشہ بغرض سہولت فہم بنادیا گیا ہے جس میں ا، ب، ج سے اراضی استفتا طلب دکھائی ہے آیا بعد وقف کے اس کو اراضی اس طور سے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں کرایہ ضرور مسجد میں صرف ہوگا، نقشہ یہ ہے:

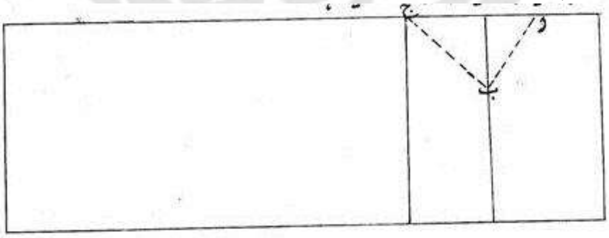

الجواب:

وہ شخص اپنا خاص جزو مکان اس مسجد کے نام وقف کردے اور وقف نامہ رجسٹری کرادے پھر مصارف مسجد کے لئے یہ خاص ٹکڑا اس شخص کو اجرت مثل پر اجارہ میں دے دیا جائے اور ہر تین سال کے بعد کرایہ نامہ کی تجدید کی جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ وقف کرتے وقت وقفنامہ میں متولی مسجد کو یہ اجازت لکھ دے کہ یہ خاص ٹکڑا زیادہ مدت کے لئے بھی مجھ کو اجارہ میں دیا جاسکے اس صورت میں تین سال کی قید نہ رہے گی مگر وقف کیلئے زیادہ احتیاط اسی پہلی صورت میں ہے، درمختار میں ہے:

یراعی شرط الواقف فی اجارتہ فلو اھمل الواقف مدتھا قیل تطلق الزیادۃ للقیم وقیل تقید بسنۃ مطلقاً، وبھا ای بالسنۃ یفتی فی الدار وبثلاث سنین فی الارض الا اذا کانت المصلحۃ بخلاف ذلک[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وقف کے اجارہ میں شرط واقف کو ملحوظ رکھا جائے گا اگر واقف نے مدت اجارہ کا تعین نہیں کیا تو ایک قول یہ ہے کہ متولی کے لئے زیادتی کی اجازت مطلق رکھی جائے گی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کے ساتھ مقید ہوگی اور ایک سال کی مدت پر ہی فتوٰی دیا جائے گا، مکان کے بارے میں اور تین سال کی مدت پر فتوٰی دیا جائے گا زمین کے بارے میں سوائے اس کے کہ مصلحت اس کے خلاف میں ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۱: از پیلی بھیت محلّہ کھکرا مرسلہ حمید الدین خان صاحب کارندہ اکبری بیگم ۶ رمضان مبارک ۱۳۲۶ھ

قبلہ دوجہاں وکعبہ دین وایماں دامت برکاتہم بعد تمنائے قدمبوسی عارضی، بی بی صاحبہ نے جائداد وقف کی ہے وارث سے اندیشہ ہے کہ بعد وفات منسوخ کراکر قبضہ مالکانہ کریں حضور سے دریافت کیا کہ یہ تحریر شرعاً درست ہے اگر اس میں کوئی شک ہے تو دوسرا کاغذ رجسٹری کرادیا جائے، وقف نامہ معہ صہ/کے اسٹامپ پر تحریر ہے اس کی نقل واسطے ملاحظہ اقدس ارسال خدمت ہے جس وقت حضور کا جواب آئے گا تب داخل خارج کی درخواست دی جائے گی بی بی صاحبہ نے اپنی دوسری جائداد سے حصہ وارثان کو دے دیا ہے، یہ جائداد وقف کی ہے۔ (وقف نامہ)

خلاصہ وقف نامہ: میں اکبری بیگم فارسی خواندہ بنت عبدالرشید خاں مرحوم ساکنہ پیلی بھیت محلّہ کھکرا بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی خوشی سے اس وقت اپنی جائداد حسبۃً للہ واسطے مصارف

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۶

خیر اطعام مساکین و پارچہائے سرماو گرمائے مساکین و تجہیز و تکفین غربائے اسلام وجہیز دختران مساکین وصرف خیر مساجد ومدارس دینی وحرمین شریفین زادہمااللہ شرفاً وتعظیماً وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں تاحیات خود متولی رہوں گی بعد میرے فیاض الدین احمد خاں، بعد ان کے ان کی اولاد ذکور جو پابند شرع شریف ہو بمعیت حکیم خلیل الرحمٰن خاں ومولوی وصی احمد صاحب رہیں گے، متولیان سو روپے سال اصغری بیگم کو جو میری چھوٹی بہن ہے دیتے رہیں بعد ان کے ان کی اولاد ذکور کو جو پابند شرع شریف ہو دیتے رہیں نیز یہ بھی شرط ہے کہ میری رائے میں بحالت تولیت میری اس حقیت کا بیع یا رہن کرنا یا ٹھیکہ دینا اور اس سے دوسری جائداد یا اور کوئی شے مفید واسطے منافع اغراض وقف کے خرید کرنا ضرور معلوم ہو تو ایسا کرنے کا حسب شرائط دستاویز ہذا مجھے اختیار ہوگا اس لئے کہ موت کا وقت مقرر نہیں ہے لہذا انتظاماً واحتیاطاً یہ وقف نامہ لکھا گیا افضل خیرات شرعاً یہ ہے کہ جائداد مذکورہ کسی قیمت مناسب پر فروخت کرکے وقتاً فوقتاً خود اپنے ہاتھ سے خیرات کرتی، لہذا تاحیات اپنی مجھ کو اختیار ہوگا کہ جس وقت چاہوں فروخت کرکے حسب رائے خود خرچ کروں اور جو کچھ بعد میں باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ ہذا متعلق ہوں گے اگر میری حیات میں متولیان سے کوئی فوت ہوجائے تو مجھ کو متولی مقرر کرنے کا خود اختیار ہوگا، متولیان کو چاہئے ۱۲/ سال بطور خیرات تاحیات اس کے مسماۃ بنی کو جو اس وقت میرے پاس ہے بعد میرے دیا کریں گے بعد وفات اس کے یہ روپیہ دیگر خیرات میں شامل کیا جائے اگر خدانخواستہ ملک حجاز اپنی بدقسمتی سے نہ پہنچ سکوں تو میری قبر کسی بزرگ کے قریب بنوائی جائے اور محفوظ ممیّز کردی جائے اور ایصال ثواب قرآن شریف وکلمہ ودرود میں ۵۰/ سال تک خرچ کیا جائے چونکہ آمدنی جائداد کی تعیین نہیں ہوسکتی میری رائے میں منہائے اخراجات متعلق جائداد کے ایک ثلث حرمین شریفین میں واسطے خیرات کے دیا جائے، اور ایک ثلث طلبائے علم دین ومصارف مساجد پیلی بھیت ومدرسہ عربی واقع پیلی بھیت، ایک ثلث فقراء ومساکین واطعام وغیرہ، اور واسطے ایصال ثواب شاہ محمد شیر صاحب کے ۱۲/ روپے سالانہ یا جس قدر زائد گنجائش ہو کیا جائے مجھے حکام سے امید ہے کہ بوقت دورہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی فرمادیں، متولیان کے پاس رجسٹر حساب جمع خرچ باقاعدہ درست رہنا ضرور ہے، میرے وارث یا قائم مقام کو اس کے تبدیل تغیر کا اختیار نہ ہوگا۔ لہذا یہ وقف نامہ بتعیین مالیت **معمہ ھما** روپیہ دیا کہ سند ہو۔ مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۹۰۶ء رجسٹری شدہ ہے۔

الجواب:

یہ کاغذ باطل محض ہے اس میں انشائے وقف کے دو۲ جملے ہیں:

اوّل: وقف لوجہ اللہ کرتی ہوں اور راس میں یہ شرط لگائی کہ اسے بیچ کر جائداد یا اور کوئی شے مفید اغراض وقف خرید کرنے کا مجھے اختیار ہوگا شرط استبدال اگرچہ جائز ہے مگر یوں کہ اس کے عوض دوسری جائداد ہی لی جائے جو انہیں مقاصد پر وقف ٹھہرے نہ کہ علاوہ جائداد مطلقاً جو شے چاہے جیسا کہ اس کاغذ میں تحریر ہے ایسی شرط سے وقف باطل ہو جاتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا شرط فی اصل الوقف ان یستبدل بہ ارضا اخری اذا شاء فتکون وقفا مکانہا، فالوقف والشرط جائز ان عند ابی یوسف وکذالوشرط ان یبیعہا ویستبدل بثمنہا مکانہا، وفی واقعات القاضی الامام فخر الدین قول ھلال مع ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وعلیہ الفتوٰی کذافی الخلاصۃ، وان قال علی ان ابیعہا بما بدا لی من الثمن من قلیل اوکثیر او علی ان ابیعہا و اشتری بثمنہا عبدا او قال ابیعہا ولم یزد علی ذلک، قال ھلال ھذاالشرط فاسد یفسد بہ الوقف کذافی فتاوٰی قاضی خان، ولوشرط الاستبدال ولم یذکر ارضا ولادارا، لہ ان یستبدل بجنس العقار ماشاء	اگر واقف نے اصل وقف میں یہ شرط عائد کی کہ جب چاہے گا اس زمین کے بدلے دوسری زمین لے گا اور وہ اس پہلی زمین موقوفہ کی جگہ وقف ہوگی تو امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک وقف وشرط دونوں جائز ہیں، اور اسی طرح اگر یہ شرط کی کہ اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن کے بدلے دوسری زمین خریدے گا جو اس کی جگہ وقف ہوگی تو بھی جائز ہے اور واقعات قاضی امام فخر الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں ابو یوسف کے قول کے ساتھ شیخ ہلال علیہ الرحمۃ کا قول بھی مذکور ہے اور اسی پر فتوٰی ہے یہ خلاصہ میں ہے، اور اگر واقف نے اصل وقف میں یوں کہا کہ اس شرط پر وقف کرتا ہوں کہ میں اس وقف کو اپنی رائے کے مطابق کثیر یا قلیل ثمن کے بدلے فروخت کروں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر میں اس کو فروخت کروں گا، اور اس کے ثمن کے بدلے غلام خریدوں گا یا یوں کہا کہ اس شرط پر کہ میں اس کو فروخت کروں گا اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو شیخ ھلال نے فرمایا کہ یہ شرط فاسد ہے اور اس سے وقف فاسد ہوگا یہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اور اگر اس نے فقط استبدال کی شرط کی اور یہ بیان نہ کیا اس کے بدلے زمین یا دار لے گا تو اس کو اختیار

من دار اوارض کذافی الخلاصۃ،واذاقال علی ان استبدل ارضا اخری لیس لہ ان یجعل البدل دارا و کذا علی العکس کذافی فتح القدیر[1] وذکر الخصاف فی وقفہ لو شرط ان یبیعھا ویصرف ثمنھا الی مارأی من ابواب الخیرفالوقف باطل کذافی الذخیرۃ[2]۔	ہوگا کہ جنس عقار سے جو چاہے اس کے بدلے میں لے لے چاہے زمین یا مکان،یوں ہی خلاصہ میں ہے۔اور اگر اس نے کہا اس شرط پر کہ میں اس کے بدلے دوسری زمین لوں گا تو اب اس کے بدلے مکان نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسکا عکس کرسکتا ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے،امام خصاف نے اپنی وقف میں ذکر فرمایا کہ اگر واقف نے یہ شرط کی کہ میں وقف کو فروخت کرکے ثمن کارہائے خیر میں جہاں چاہوں گا خرچ کروں گا تو وقف باطل ہوگا،ذخیرہ میں یونہی ہے۔(ت)

دوم: جو کچھ بعد میرے باقی رہے گا اس سے شرائط وقفنامہ متعلق ہوں گے اس کا حاصل یہ ہے کہ فی الحال اس جائداد کا کوئی حصہ وقف نہیں میں جب چاہوں بیچوں اور جہاں چاہوں خرچ کروں میرے بعد اس بیع وخرچ سے کچھ باقی بچے تو وہ وقف ہو،ظاہر ہے کہ یہاں کچھ معلوم نہیں کہ بعد زندگی اس کے بیع وخرچ سے کوئی حصہ جائداد باقی رہے یا کچھ نہ رہے اور رہے تو کیا اور کس قدر،تو یہ ایک مجہول چیز کا وقف کرنا ہوا اور مجہول کا وقف باطل ہے پھر وہ بھی ایک احتمال بات پر معلق رہا اور ایسی تعلیق کا وقف باطل ہے۔درمختار میں ہے:

شرطہ ان یکون قربۃ فی ذاتہ معلوما لامعلقا الا بکائن[3]۔	شرط وقف یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قربت ہو اور معلوم ہو معلق نہ ہو ہاں شرط موجود کے ساتھ معلق ہوسکتا ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حتی لووقف شیئا من ارضہ ولم یسمہ لایصح و لو بین بعدذلک[4]۔	یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیا اور اس کو متعین نہ کیا تو وقف صحیح نہ ہوگا اگرچہ بعد میں بیان کردے(ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۰۔۳۹۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۰۲

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳٦۰

اسی میں اسعاف سے ہے:

الوقف لایحتمل التعلیق بالخطر [1] ۔	وقف ایسی شیئ کے ساتھ معلق ہونے کا احتمال نہیں رکھتا جو محتمل الہلاک ہو (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو قال اذا مت من مرضی ھذا فقد وقفت ارضی الی اٰخرہ فمات لم تصر وقفا [2] ۔	جب کہا کہ اگر میں اپنی اس مرض میں مرگیا تو میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی، پھر مرگیا تو زمین وقف نہ ہوئی (ت)

اس کے بعد جو لکھا کہ حکام سے امید ہے کہ اس جائداد موقوفہ کی نگرانی کریں اور اخیر میں کہا کہ یہ وقف نامہ لکھ دیا اور متولیوں کو مصارف بتائے ان میں کسی سے انشائے وقف نہ مقصود ہے نہ مفہوم بلکہ یہ سب اپنے اسی خیال کی بناپر ہے کہ اسے وقف سمجھا حالانکہ وہ شرعًا ہنوز وقف نہ ہوئی اور غلط خیالی کی بناپر جو الفاظ کہے جائیں کچھ اثر نہیں رکھتے۔ اشباہ قاعدہ لاعبرۃ بالظن البین خطوہ میں ہے:

لواقر بطلاق زوجتہ ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبین عدمہ لم یقع کما فی القنیۃ [3] ۔	اگر کسی نے مفتی کے فتوٰی دینے کی وجہ سے وقوع طلاق کا گمان کرتے ہوئے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار کیا پھر اس کا عدم ظاہر ہوگیا تو طلاق واقع نہیں ہوئی جیسا کہ قنیہ میں ہے (ت)

پس اس طالبہ ثواب کو چاہئے کہ اسے از سر نو وقف فرمائے اور بعد موت پر معلق نہ کرے کہ وہ اس میں اگر ثلث متروکہ سے زائد ہو تو پھر وارثوں کی اجازت کا جھگڑا ہے اور واقفہ استبدال کی شرط لگانا چاہے تو اختیار ہے مگر صرف اس طرح کہ اسے دوسری جائداد سے بدل لیں خواہ بیچ کر اس کے عوض دوسری جائداد خرید لیں، اور اب وہ دوسری فورًا انہیں شرائط پر وقف ہوجائے گی، اور ماورائے جائداد کسی اور چیز سے تبدیل کا ذکر ہر گز نہ ہو ورنہ وقف جاتا رہے گا، اور یہ خیال نہ کریں کہ اپنی حیات میں بیچ کر خرچ کردوں تو ثواب زیادہ ہے، نہیں بلکہ اپنی حیات میں وقف کامل کریں اور شرط کرلیں کہ زندگی بھر

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ٣/ ٣٦٠

[2] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٥/ ٤٢٣

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ١/ ١٩٤

اس کے تمام مصارف میرے ہاتھ سے ہوں گے اور میری رائے واختیار پر رہیں گے میرے بعد فلاں فلاں متولی ہوں اور اتنا اتنا فلاں مصرف میں صرف کیا کریں یوں اپنی رائے سے زندگی بھر جیسا چاہے صرف کا اختیار رہا اور بعد کو بھی تابقائے جائداد ثواب پہنچا کیا۔ عالمگیری میں ہے:

رجل ارادان یجعل مالہ بوجہ القربۃ فبناء الرباط للمسلمین افضل من عتق الرقاب لانہ ادوم، وقیل التصدق علی المساکین وقلت قد کنا قلنا لمن اراد ذٰلك ان یشتری الکتب ویضع فی دارالکتب لیکتب العلم لانہ ادوم، فکان افضل من غیرہ ولوارادان یتخذ دارالہ وقفا علی الفقراء، فالتصدق بثمنہا افضل ولوکان مکان الدار ضیعۃ فالوقف افضل کذا فی المضمرات[1]۔ (ملخصًا)	ایک شخص نے ارادہ کیا کہ اپنامال قرب الٰہی میں کردے تو اس کا مسلمانوں کے لئے رباط بناناغلام آزاد کرنے سے بہتر ہے کیونکہ رباط کو دوام زیادہ ہے، اور بعض نے کہا کہ اس کو مساکین پر صدقہ کرنا افضل ہے اور تحقیق ہم نے ایسا ارادہ کرنے والے کو کہا تھا کہ وہ کتابیں خرید کر لائبریری میں رکھے کیونکہ اس میں زیادہ دوام ہے لہٰذا یہ اپنے غیر سے افضل ہے اور اگر کسی نے ارادہ کیا کہ اپنا گھر فقیروں پر وقف کردے تو اس کے ثمن کو صدقہ کرنا افضل ہے اور اگر بجائے گھر کے زمین موقوف ہو تو وقف افضل ہے، ایسے ہی مضمرات میں ہے (ملخصًا)۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

رجل جاء الی المفتی وارادان یتقرب الی اللہ تعالٰی بدارہ فسأل ابیعہا واتصدق بثمنہا اواشتری بثمنہا عبیدا فاعتقہم او اجعلہا دارالمسلمین ای ذٰلك یکون افضل، قالوا یقال لہ ان بنیت رباطا وتجعل لہا وقفا ومستغلا لعمارتہا فالرباط افضل فانہ ادوم و اعم نفعا، وان لم تجعل للرباط مستغلا	ایک مفتی کے پاس ایسا شخص آیا جو اپنے گھر کے ذریعے اللہ تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اس نے کہا کہ میں اس کو فروخت کرکے اس کے ثمن صدقہ کروں یا اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کروں یا اس کو مسلمانوں کے لئے گھر کردوں ان میں سے کیا افضل ہے تو مشائخ نے کہا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگر تو رباط بنا کر اس کی آمدنی کے لئے کوئی شے وقف کردے تو رباط افضل

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوقف الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۸۲۔۴۸۱

للعمارۃ فالافضل ان تبیع وتتصدق بثمنہ علی المساکین[1]۔	ہے کیونکہ اس میں دوام زیادہ اور اس کا نفع عام ہے اور اگر تو رباط کی آمدنی کے لئے کوئی چیز وقف نہ کرسکے تو پھر اس کو فروخت کرکے ثمن مسکینوں پر صدقہ کرنا افضل ہے (ت)

عالمگیریہ میں اسے نقل کرکے فرمایا:

ودون ذٰلك فی الفضل ان یشتری بثمنھا عبیدًا فیعتقھم کذافی الظھیریۃ[2]۔	اور اس سے کمتر فضیلت اس میں ہے کہ اس کے ثمنوں سے غلام خرید کر آزاد کردے۔ ظہیریہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

وجیز کردری پھر بحرالرائق پھر ہندیہ میں ہے:

وقف الضیعۃ اولی من بیعھا والتصدق بثمنھا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قطعہ اراضی کو وقف کرنا اس کو بیچ کر ثمنوں کو صدقہ کرنے سے اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۳۲: از شہر چڑھائی نیب مسئولہ منشی محمد ظہور صاحب ۲۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے کہ دستاویز "ا" جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو یہ تملیک نامہ میں شمار ہوگی یا وقف نامہ میں یا تولیت نامہ میں؟ دوسرے یہ کہ زید نے دستاویز "ب" اپنے پسر عمرو کو اسی مضمون کو پلٹ کر لکھ دی تو متولی یا مہتمم کو اختیار تھا یا نہیں؟ اب چونکہ زید کا انتقال ہوگیا جس کی نسبت لکھا تھا کہ زید تاحیات متولی رہے گا بعد اس کے جو متولی یا سجادہ یا مہتمم ہوگا یکے بعد دیگرے اس کو بھی پابند اس تحریر کا رہنا ہوگا اب چونکہ دو دعویدار پیدا ہوئے ایک بکر خاندانی بزرگ جس کی عمر تخمیناً ۷۵ سال کی ہے اور مرید بھی کرتے ہیں دوسرا زید کا لڑکا عمرو جو مرید نہیں کرتا ہے جس کی عمر ۱۹ سال کی ہے جس کے حق میں دستاویز "ب" متولی نے تحریر کی ہے اب ان ہر دو میں ترجیح کس کو ہے اور کون مستحق جانشینی کا ہے اور متولی اور سجادہ نشیں جدا جدا ہونا چاہئے یا ایک ہی شخص مستحق ہے بموجب تحریر متذکرہ کے؟

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف باب الرجل یجعل دارہ مسجداً الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی الرباطات والمقابر نورانی کتب خانہ، پشاور ۲/ ۴۷۰

الجواب:

دونوں دستاویزیں سنیں اول وقفنامہ ہے اگرچہ غلطی سے اسے تملیک نامہ لکھا ہے اس کی عبارت یہ ہے: "میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل اراضی ومکان وغیرہ مذکورہ بالا کو اپنی ملکیت سے جدا کرکے واسطے امور واغراض مذہبی متذکرہ آئندہ کے تملیک کرکے اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو اور میرے کسی وارث شرعی کو نسبت جائداد مذکور کے دعوی نہ ہوگا ننھے خاں اپنی حیات تک متولی جائداد مذکور کے رہیں گے اور ان کے بعد جو شخص سجادہ نشیں یکے بعد دیگرے میرا ہوگا سجادہ نشین ومتولی جائداد مذکور کا رہے گا کسی متولی کو کسی وقت رہن وبیع کسی قسم کے انتقال کا اختیار نہ ہوگا یہ جائداد تملیک شدہ بطور وقف خاص مذہبی کام کے متصور ہوگی، اس میں کبھی وراثت جاری نہ ہوگی" تو شک نہیں کہ وقف نامہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دستاویز "ب" کے ملاحظہ سے ظاہر کہ زید نے جو اصل واقف کا مقرر شدہ متولی تھا اپنی حالت حیات وصحت میں تولیت سے دستکشی کرکے اپنے بیٹے کو جانشین ومتولی کیا شرعًا اسے کچھ اختیار نہ تھا،

اولًا: متولی کو جائز نہیں کہ اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرے جب تک کہ واقف نے صراحۃً اسے اس کا اختیار نہ دیا ہو اور یہاں اسے اس کا اختیار نہ دیا تھا بلکہ عبارت وقف نامہ سے صاف ظاہر کہ واقف نے تاحیات زید اسی کا متولی رہنا لکھا اس کے بعد اوروں کی جانشینی تحریر کی، درمختار میں ہے:

ارادالمتولی اقامۃ غیرہ مقامہ فی حیاتہ وصحتہ ان کان التفویض لہ بالشرط عاما صح، والافان فوض فی صحتہ لایصح[1]۔	متولی نے اپنی حیات وصحت میں دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانے کا ارادہ کیا تو اگر اس کو شرط واقف کے ذریعے تفویض عام حاصل ہے تب تو صحیح ہے ورنہ حالت صحت میں تفویض صحیح نہ ہوگی (ت)

ثانیًا: پسر زید کی جانشینی بھی خلاف شرط وقف نامہ عمل میں آئی جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہے لہٰذا دستاویز "ب" محض مہمل وناقابل عملہ ہے تحریر وقف نامہ سے روشن ہے کہ متولی وسجادہ نشین ایک ہی شخص ہو اور اس کی نسبت واقف نے کوئی تعیین نہ کی تو مصالح شرعیہ دینیہ کے اعتبار سے اقربائے واقف میں سے جو شخص سنی پرہیزگار، دیندار، دیانتدار علماء وصلحائے اہلسنت کے اتفاق رائے سے اس کام کے لئے

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

زیادہ مناسب ہو وہی سجادہ نشین ومتولی کیا جائے، علم، تقوٰی ودیانت واہلیت کا لحاظ سب سے مقدم ہوگا اور جب تک اقارب واقف میں سے ایسا مل سکے اجنبیوں میں سے نہ کیا جائے گا۔ درمختار میں ہے:

ومادام احد یصالح للتولیۃ من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب، ومن قصدہ نسبۃ الوقف الیھم[1]۔	جب تک وقف کرنیوالے کے اقارب میں کوئی متولی بننے کی صلاحیت رکھنے والا موجود ہے کسی اجنبی کو متولی وقف نہیں بنایا جائے گا۔ واقف کے قریبی رشتہ دار متولی کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وقف اس کے خاندان کی طرف منسوب رہے۔ (ت)

عرفاً اس سلسلے کا مجاز وماذون ہونا بھی ضرور ہے اگران سب باتوں میں مساوات ہو تو باعتبار سن ترجیح ہوگی،

کمانصوا ان الاحق بالامامۃ اعلمھم بالکتاب و السنۃ ثم وثم اسنھم[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ مشائخ نے نص فرمائی کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم امامت کا زیادہ حقدار ہے پھر فلاں، پھر فلاں پھر ان میں سب سے زیادہ عمر رسیدہ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نوٹ:

سولھویں جلد کتاب الشرکۃ وکتاب الوقف پر ختم ہوئی،

سترہویں جلد کا آغاز کتاب البیوع سے ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الوقف فی اجارتہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۹

[2] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۰۱، درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۷

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 6
فہرست مضامین مفصّل 9
فہرست ضمنی مسائل 57
کتاب البیوع 81
(خرید وفروخت کا بیان) 81
باب البیع الفاسد والباطل 141
(باطل اور فاسد بیع کا بیان) 141
باب البیع المکروہ (بیع مکروہ کا بیان) 189
باب بیع الفضولی (فضولی کی بیع کے احکام) 193
باب الاقالۃ (بیع اقالہ کا بیان) 217
باب المرابحۃ 219
(بیع مرابحہ کا بیان) 219
باب التصرف فی المبیع والثمن 243
(مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان) 243
بابُ القرض (قرض کا بیان) 269
بابُ الرّبٰو (سُود کا بیان) 291
رسالہ کِفلُ الفقیہِ الفاھِم فی احکامِ قِرطاسِ الدِّراھِمِ ۱۳۲۴ھ (کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ) 395
رسالہ کَاسِرُالسَّفِیۡهِ الۡوَاھِمُ فِیۡ اَبۡدَالِ قِرۡطَاسِ الدَّرَاھِمُ ۱۳۲۹ھ (کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا) 505
کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی 505
اَلذَّیۡلُ الۡمَنُوۡطِ لِرِسَالَۃِ النُّوۡط ۱۳۲۹ھ (رسالہ نوٹ کا معلق دامن) 505

ردّ سفاہت 506
ردّوہم 520
باب الاستحقاق 561
(استحقاق کا بیان) 561
باب البیع السلم 569
(بیع سلم کا بیان) 569
باب الاستصناع 597
(بیع استصناع کا بیان) 597
باب الصرف (بیع صرف کا بیان) 601
باب بیع التلجیة 639
(دکھلاوے کی بیع کا بیان) 639
باب بیع الوفاء (بیع وفاء کا بیان) 643
باب متفرقات البیع (بیع کے متفرق احکام) 649
کتاب الکفالة (ضامن بننے کا بیان) 653
کتاب الحوالہ (حوالہ کا بیان) 703

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّةُ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہفدہم (۱۷)

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب________فتاوی رضویہ جلد ۱۷

تصنیف________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح________مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات________۷۱۵

اشاعت________ذیقعدہ ۱۴۲۰ھ / فروری ۲۰۰۰ء

مطبع________

ناشر________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت________

ملنے کے پتے

* جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۶

O کتاب البیوع ____ ۸۱

O باب بیع الباطل والفاسد ____ ۱۴۱

O باب البیع المکروہ ____ ۱۸۹

O باب بیع الفضولی ____ ۱۹۳

O باب الاقالۃ ____ ۲۱۷

O باب المراجۃ ____ ۲۱۹

O باب التصرف فی المبیع والثمن ____ ۲۴۳

O باب القرض ____ ۲۶۹

O باب الربا ____ ۲۹۱

O باب الاستحقاق ____ ۵۶۱

O باب بیع السلم ____ ۵۶۹

O باب الاستصناع ____ ۵۹۷

O باب الصرف ____ ۶۰۱

O باب بیع التلجیۃ ____ ۶۳۹

O باب بیع الوفاء ____ ۶۴۳

O باب متفرقات البیع ____ ۶۴۹
O کتاب الکفالۃ ____ ۶۵۳
O کتاب الحوالۃ ____ ۷۰۳

<u>فہرست رسائل</u>

O کفل الفقیہ الفاہم ____ ۳۹۵
O کاسر الفقیہ الواہم ____ ۵۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً دس سال کے مختصر عرصہ میں سترہویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ، کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکت اور کتاب الوقف پر مشتمل سولہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲

سترہویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے شروع سے صفحہ ۲۹۰ تک ۲۹۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ رسالہ "**کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم**" کے علاوہ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے اس سے قبل گیارہویں، بارھویں، تیرہویں اور سولہویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں جبکہ "**کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم**" کا نہایت شاندار اور زوردار ترجمہ مصنف علیہ الرحمۃ کے فرزند ارجمند حجۃ الاسلام حضرت علامہ مولانا محمد حامد رضاخان بریلوی نور اللہ مرقدہ، کا ہے۔

یاد رہے کہ رسالہ مبارکہ "**کفل الفقیہ الفاہم**" جو نوٹ سے متعلقہ تمام مسائل پر محیط ہے مصنف علیہ الرحمہ نے مکہ مکرمہ میں ایک دن اور چند گھنٹوں میں علماء مکہ کی طرف سے پیش کردہ بارہ سوالات کے جواب میں تحریر فرمایا۔ رسالہ میں مذکور تحقیقات وتدقیقات کو دیکھ کر علماء مکہ بہت مسرور ومحظوظ ہوئے اور مصنف علیہ الرحمہ کو انتہائی شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش فرمایا، رسالہ مذکورہ کی تصنیف کے بعد جب آپ حرمین شریفین سے وطن واپس تشریف لائے تو مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی عبدالحہ لکھنوی صاحب کے نوٹ سے متعلق فتوے نظر سے گزرے جن کے رَد میں مصنف علیہ الرحمہ نے رسالہ "**کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم**" ملقب بلقب تاریخی "**الذیل المنوط لرسالۃ النوط**" تحریر فرمایا پیش نظر جلد بنیادی طور پر **کتاب البیوع**، **کتاب الکفالہ** اور **کتاب الحوالہ** کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے تاہم متعدد **ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ** کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دورسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) **کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ کے بارے علماء مکرہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب

(۲) **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم ملقب بلقب تاریخی الذیل المنوط لرسالۃ النوط** (۱۳۲۴ھ)

کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد۔

O

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

شوال المکرم ۱۴۲۰ھ
جنوری ۲۰۰۰ء

www.dawateislami.net — I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست مضامین مفصّل

کتاب البیوع		مغصوب کو غاصب کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا حکم۔	۸۲
شرع میں ایجاب وقبول کے لئے ماضی کا صیغہ درکار ہے۔	۸۱	کسی شیئ کی ملکیت کے شرعی گواہ گزریں تو قبضہ حکماً قرار دیا جائے گا۔	۸۲
وہ صورت کہ ایجاب وقبول کے بغیر بھی بیع تام ہوجائے۔	۸۱	صحت بیع کے لئے بیع کا حکماً مقدور التسلیم ہونا کافی ہے۔	۸۲
ان عقود میں مقصود معنی ہے نہ کہ لفظ۔	۸۱	حقیقۃً فی الحال مبیع کا مقدور التسلیم ہونا کسی کے نزدیک ضروری نہیں۔	۸۲
بیع میں اصل مدار تراضی طرفین ہے قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً۔	۸۱	غلام جس کو مالک نے کسی کام سے بھیجا حالت غیبت میں اس کی بیع صحیح ہے۔	۸۲
تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب ہوتی ہے۔	۸۱	احکام عرف وعادت میں خلاف کے احتمالات عقلیہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔	۸۲
بیع تعاطی میں ایجاب وقبول فعل ہوتا ہے۔	۸۱	ملے ہوئے کبوتر جو شام کو واپس آجاتے ہیں حالت غیبت میں ان کی بیع صحیح ہے۔	۸۲
کسی دوسرے کے مکان کو اپنی ملکیت ظاہر کرکے کسی کے ہاتھ بیچنا اور مشتری کو قبضہ دلادینا غصب ہے۔	۸۲		

غاصب مالک کی ملکیت کا اقرار کرے تو مغصوب کو بیع صحیح ہے۔	۸۲	تمامیت بیع کے بعد بھی خیار رؤیت اور خیار عیب حاصل رہتا ہے۔	۸۷
اقرار بینہ سے قوی حجت ہے۔	۸۲	مال نمونہ کے موافق نہ ہو اور رؤیت کے بعد مشتری سے کوئی امر رضامندی کا صادر نہ ہو تو مال واپس کرسکتا ہے۔	۸۸
بھاگا ہوا غلام اور نیا کبوتر غیر مقدور التسلیم ہے۔	۸۳	ایجاب وقبول کے بعد مبیع مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے قیمت ادا کرے یا نہ کرے۔	۸۹
قدرۃ علی التسلیم کو بعض ائمہ نے شرط انعقاد بیع قرار دیا اور بعض نے شرط صحت بیع، اور دونوں قول باقوت ہیں، قول اول پر بیع باطل اور ثانی پر فاسد ہوگی۔	۸۳	مشتری نے کل یا جُز قیمت ادا کئے بغیر مبیع پر قبضہ کردیا تو مبیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔	۸۹
بیع مغصوب غیر مقدور التسلیم قول ثانی پر بیع فاسد ہے اور یہی موقوف بھی ہے۔	۸۳	بائع قیمت وصول کرنے کے لئے مبیع روک سکتا ہے۔	۸۹
اجنبی محض کو دعوی کا اختیار نہیں ہوتا۔	۸۳	سود حرام قطعی ہے کسی سے سود لیا پھر لینے والے کی کوئی رقم دینے والے کو ملی تو اس کو دئے ہوئے سود میں مجرا کرسکتا ہے۔	۸۹
بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا۔	۸۳	**خیار شرط**	
بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کردیتا ہے۔	۸۳	کسی مکان کو دو سال کے لئے خیار شرط پر بیر کرنا، پھر بائع کا اسی مکان کو کرایہ پر حاصل کرنا سودی کاروبار ہے۔	۸۹
ایسی صورت میں صحت بیع کے لئے قبضہ مشتری یا اقرار غاصب یا بائع کے گواہان عادل ضروری ہے۔	۸۳	یہ معاملہ حقیقۃً رہن کا ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے۔	۹۰
مقدور التسلیم حکماً کی بیع میں قبضہ سے پہلے مبیع ہلاک ہوجائے تو بیع فسخ ہوجاتی ہے۔	۸۳	مالک اپنی ملک غیر مالک سے کرایہ پر نہیں لے سکتا۔	۹۰
کتب فقہ سے مسائل مذکورہ بالا کے جزئیات کے نصوص۔	۸۳	سود کی ملک خبیث ہے۔	۹۰
ایجاب وقبول		اجارہ باطلہ کے ذریعہ رقم حاصل ہو غصب ہے۔	۹۰
ایجاب وقبول کے بعد مبیع کا بازار بھاؤ بڑھ گیا، بائع کو طے شدہ نرخ پر مال دینے پر مجبور کیا جائے گا۔	۸۷	پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے۔	۹۰
ایجاب وقبول کے بعد بیع تمام ہوجاتی ہے بائع ومشتری سے کسی کو ایک طرفہ کرنے کا حق نہیں۔	۸۷		

گیارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء۔	۹۰	**بیع مطلق**	
خیار شرط کی تعریف۔	۹۱	مرض موت کے تصرفات غیر نافذ ہیں۔	۹۳
خیار شرط کی کم سے کم اور زائد سے زائد مقدار کا بیان۔	۹۱	لزوم بیع کے بعد ورثہ کو فسخ کا اختیار نہیں۔	۹۳
خیار شرط کی مدت کے اندر مخیّر کو فسخ بیع کا حق حاصل ہے اور انقضائے مدت کے بعد بیع لازم ہوجاتی ہے۔	۹۱	خیار رؤیت کا حق صرط مشتری کو ہے۔	۹۳
بیع بالوفاء کی تعریف۔	۹۱	خیار عیب بائع کو بھی حاصل ہے لیکن بائع خیار عیب کی وجہ سے بیع فسخ نہیں کرسکتا، ثمن ردی کو جید سے بدل سکتا ہے خیار رؤیت میں امام صاحب کا قول قدیم۔	۹۳
بیع بالوفاء حقیقۃً رہن ہے۔	۹۱	بیع میں مبیع اصل ہے، اس کے رد سے بیع فسخ ہوجائے گی ثمن کے رد سے فسخ نہ ہوگی۔	۹۴
راہن سے شے مرہونہ پ قبضہ نہ کرے تو رہن باطل ہے، اور قبضہ تو تب بھی شیئ مرہونہ سے انتفاع حرام ہے۔	۹۱	بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعانہ روک لینا ظلم ہے چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔	۹۴
حدیث کل قرض جر نفعا فہو حرام کی ایک مثال۔	۹۱	بیع توڑنے کے لئے طرفین کی رضا ضروری ہے۔	۹۴
سادہ قرض کی ادائیگی کے لئے کوئی میعاد ٹھہرائی تب بھی اس کی پابندی لازم نہیں دائن جب چاہے قرض وصول کرسکتا ہے۔	۹۲	عدم بیع کی صورت میں بیعانہ مشتری کو واپس ملے گا۔	۹۵
بیع بالوفاء حقیقۃ بیع نہیں تو انقضائے مدت کے بعد بھی مشتری کی ملک ثابت نہ ہوگی۔	۹۲	ایجاب وقبول کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے وعدہ کوئی عقد نہیں۔	۹۵
بیع بالوفاء کو ختم کرنے کی مختلف شرعی صورتیں۔	۹۲	وفائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۹۵
بیع مرہون مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔	۹۲	میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی تقسیم پر مقدم ہوگی۔	۹۵
خیار تعین		عقد بیع زبانی ایجاب وقبول سے مکمل ہوجاتا ہے رجسٹری کچھ ضروری نہیں، اسی طرح تحریری بیعنامہ کے بعد لفظی ایجاب وقبول ضروری نہیں۔	۹۶
مقبوض علی سوم الشراء ہلاک ہوجائے تو قابض سے تاوان وصول کرسکتے ہیں۔	۹۳	تکمیل بیع کے بعد بائع مشتری کی اجازت کے بغیر مبیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کرسکتا۔	۹۶

مرض الموت سے قبل آدمی کا اس کی ملک میں ہر تصرف نافذ ہوگا۔	۹۶	امین پر بلاتعدی وتقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔	۱۰۲
زوجہ نے جائداد مشترکہ مالک بن کر بیچ دی دیگر ورثہ کل بالغ تھے بیع کی اطلاع پاکر اسے پسند کیا اور قیمت میں سے حصہ لیا اب کسی کو اس بیع سے انکار کا حق نہیں۔	۹۷	بیع فضولی میں قیمت پر بائع کا قبضہ قبضہ امانت ہے۔	۱۰۲
بحر اور درر کے ایک جزئے کی تصنیف۔	۹۷	بیع فضولی میں مالک کا مشتری کو زر ثمن ہبہ کرنا یا صدقہ کرنا رضا ہے۔	۱۰۲
نقد اور ادھار کے بھاؤ میں تفاوت حرام اور ناجائز نہیں۔	۹۷	خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعا اجازت نہیں ہے۔	۱۰۲
جائداد مشترکہ کے کچھ ورثہ نابالغ ہوں یا بیع پر راضی نہ ہو تو ان کے حصہ کی بیع نافذ نہ ہوگی، ایسی بیع میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ پوری بیع رد کردے یا حصص غیر مبیع کی قیمت واپس لے بقیہ بیع جائز رکھے۔	۹۸	ایک جائداد کے وارثوں کے حصص کی شرعی تعیین اور تفصیل۔	۱۰۳
جواب ثانی بالتفصیل ہے۔	۹۹	جائداد مشترکہ مبیع فضولی میں مشتری کو پوری بیع کے رد کرنے یا بقدر حصہ باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے۔	۱۰۳
باپ کو نابالغ لڑکے کی ختنہ اور اس کے مال کے بیع وشراء کی ولایت حاصل ہے چچا اور ماں کو نہیں صرف مال کی حفاظت اور قبول ہبہ کا حق حاصل ہے۔	۹۹	نیلام کی ایک خاص صورت سے متعلق سوال۔	۱۰۳
ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ میں فضولی قرار پائے گا۔	۹۹	آج کل کچہریوں میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے بیع غاصب کے حکم میں ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۱۰۴
بیع فضولی میں وقت عقد کوئی مجیز نہ ہو، مثلا مبیع نابالغ کی ملک ہو تو عقد باطل ہوگا۔	۹۹	قاضی کا مدیون کے مال کو انکار کی صورت میں زبردستی بیچنا اور مکرہ کی بیع فاسد ہے۔	۱۰۴
فضولی غیر کی ملک اپنی بنا کر بیچے تو مذہب ضعیف پر یہ بیع باطل ہے، اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ بیع موقوف ہے۔	۱۰۰	بیع فضولی کے مشتری نے مبیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دی، یہ بھی بیع فضولی ہوئی اور اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی۔	۱۰۵
بیع فضولی میں مالک کا مشتری سے قیمت طلب کرنا یا بائع سے کہنا تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا، اجازت متصور ہوگا۔	۱۰۲		

کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو تو اصل مالک جس عقد کی اجازت دے گا صرف وہی جائز ہوگا۔	۱۰۵	ہاں اس معصیت میں اعانت کی نیت سے خریدا تو اس بُری نیت کا وبال ضرور مشتری پر ہوگا۔	۱۰۸
بیع فضولی میں مبیع کے اندر جو اضافہ ہوگا اگرچہ قبل اجازت کا ہو، بعد اجازت سب کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۰۶	ڈگری میں بے رضا کے مالک جائداد کا نیلام بیع فضولی ہے۔	۱۰۹
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیر کا مغصوب منہ مالک ہوگا۔	۱۰۶	مجیز نہ ہو تو باطل وقت عقد مجیز ہو تو جائز۔	۱۰۹
مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔	۱۰۶	اجازت کی ایک صورت۔	۱۰۹
ہبہ میں رجوع کے حق سے دست برداری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔	۱۰۶	شوہر نے قرض خواہوں کو تحریر دی کہ میں ادا نہ کرسکوں تو میری جائداد سے وصول کیا جائے اور اپنی جائداد اپنی زندگی میں زوجہ کی مہر کے عوض لکھ دیا تو قرضخواہ اس جائداد سے اپنا قرض وصول نہیں کرسکتا۔	۱۰۹
عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷	حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں۔	۱۰۹
اجازت لاحق کی ایک صورت۔	۱۰۷	عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا۔	۱۰۹
نیلاب بے اجازت عقد فضولی اور عقد موقوف ہے۔	۱۰۷	شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جائداد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہوسکتا ہے: (۱) صلح عن المہر (۲) زوج یا زوجہ کی طرف سے ہبہ بالعوض (۳) ہبہ بشرط العوض۔	۱۱۰
عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷	عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہوگا اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت وقبول ہے۔	۱۱۰
نابالغ کی ملک فضولی نے بیچ دی بیع باطل ہوگی۔	۱۰۷	حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں، صحت وفساد، اور دونوں باقوت ہیں۔	۱۱۱
کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے حق موصی لہ بالخدمۃ حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) ان کا عوض لینا جائز ہے۔	۱۱۱

جو حقوق اصالۃً ثابت نہ ہوں (جیسے حقوق شفعہ وقسم زوجہ وخیار مخیّرہ فی النکاح) ان کا عوض ناجائز ہے۔	۱۱۱	بیع میں ہبہ کی طرح قبضہ شرط نہیں ہے۔	۱۱۷
کم من یصح ضمناً ولایصح قصداً۔	۱۱۲	حالت صحت میں کسی وارث کے ہاتھ جائداد بیع کردی بیع صحیح ہوگئی دوسرے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زرثمن پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثاء زرثمن کا دعوی کرسکتے ہیں زرثمن کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرائن سے نہ ہوگا۔	۱۱۷
حق مرور، حق شرب، حق تعلق وغیرہ کی بیع اصالۃً جائز نہیں۔	۱۱۲	ادائے ثمن نہ تو شرائط صحت بیع میں داخل ہے نہ شرائط نفاذ بیع میں۔	۱۱۸
جن کے نزدیک حقوق کی بیع جائز نہیں وہ بھی بطلان کو مضموم الیہ تک ساری نہیں مانتے۔	۱۱۲	تکمیل عقد کے بعد بائع کل زرثمن معاف کرسکتا ہے بیع میں خلل نہ ہوگا۔	۱۱۸
حر و میتہ کو عبد اور غلام کے ساتھ ملایا تو بھی بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں۔	۱۱۲	المرء مواخذ باقرارہ۔	۱۱۸
اس مسئلہ میں تعبیرات علماء کا اختلاف اور ان میں تطبیق۔	۱۱۲	مال آنے جانے والی چیز ہے۔	۱۱۸
بیع فاسد کی مبیع قبضہ کے بعد مملوک ہوجاتی ہے۔	۱۱۵	مزروعہ زمین کی بیع میں زراعت کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۱۹
بیع فاسد کی مبیع مشتری ثانی کے لئے حلال ہوجاتی ہے۔	۱۱۵	اس امر کا تفصیل بیان کہ بیع میں کب زمین کے تابع کھیتی ہے اور کب نہیں۔	۱۱۹
فالسہ کی ٹہنیوں کی بیع میں علماء کا اختلاف ہے اہل جواز کا مستدل تعامل یا مقام قطع کا ٹھیک ٹھیک معلوم ہونا ہے۔	۱۱۶	جن صورتوں میں میں زراعت بائع کی ہے مشتری چاہے تو بائع کو زمین خالی کرنا ہوگی، اور مشتری کی اجازت سے باقی رکھی تو مشتری حسب عرف کرایہ لے سکتا ہے۔	۱۲۰
مبیع قبضہ مشتری سے پہلے ہلاک ہوجائے تو بیع باطل ہے اور قیمت واپس کرنی واجب ہوتی ہے۔	۱۱۶	مورث نے اپنے وارث کے حصہ کو جو مورث کی موت کے بعد اسے ملے گا، ایک ایسی عورت کے مہر کے بدلہ میں لکھا جس کا نکاح ابھی وارث سے نہیں تو کیا حکم ہے۔	۱۲۰
مبیع کو بائع نے غصب کرلیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔	۱۱۷	مہر کے عوض جائداد دینا ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۱۲۱
غصب کی ایک صورت۔	۱۱۷	بیع مبادلہ مال بمال کا نام ہے۔	۱۲۱
عقار کا غصب متحقق نہیں۔	۱۱۷	مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو یہ مال ہی نہیں۔	۱۲۱

خون، مردار اور مٹی اشیاء تو ہین مگر مال نہیں ہے۔	۱۲۱	بائع ارض مبیعہ کے جز حصہ کو بیع سے خارج ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن سالہاسال سے ارض مبیعہ پر مشتری کا تصرف دیکھ کر خاموش رہا تو بائع کا دعوی باطل قرار دیا جائے گا۔	۱۲۶
حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔	۱۲۲	آڑھت میں مال جمع کرکے اس کی قیمت پیشگی آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا حرام ہے، البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔	۱۲۶
دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔	۱۲۲	بیع آج کی اور بیعنامہ میں لکھا کہ اس کا نفاذ فلاں تاریخ سے ہوگا بیع فاسد ہوگی۔	۱۲۷
قبل از نکاح مہر کی ادائیگی سے شبہہ اور اس کا جواب۔	۱۲۲	متعاقدین پر بیع فاسد کا توڑ دینا واجب ہے۔	۱۲۷
آئندہ ملنے والی تنخواہ یا عطیہ منصب کو مہر کے عوض کیا تو یہ خود معدوم اور باطل ہے لہذا اس کا ہبہ اور بیع دونوں باطل ہے۔	۱۲۳	بیع فاسد میں مشتری رضا سے بائع سے کوئی تصرف از قسم بیع، ہبہ، دین، وقف، وصیت کرے تو بیع نافذ ہوجائے گی مگر مشتری گنہگار ہوگا۔	۱۲۷
اراضی کے بیعنامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری کی ہوئی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوئی کے بعد وہ حصہ واگزار کردیا جائے گا۔	۱۲۳	جس چیز کو بیع فاسد سے خریدا اور اسی کو دوسرے کے ہاتھ پانچ سو میں بیچا اور اس کا بازار میں چار سو ہی بھاؤ ہے تو اس کو چار سو ہی دئے جائیں۔	۱۲۷
چوحدی میں اگر زمین کی مکسر پیائش میں اختلاف تحریر ہوا تو بھی چوحدی کا اعتبار نہ ہوگا۔	۱۲۴	بیع مطلق ہوئی اور شرط فاسد بعد میں لگائی تو شرط کالعدم ہوگی اور بیع بلاشرط صحیح ہوگی۔	۱۲۷
مکسر پیائش کے ساتھ ساتھ اگر یہ بھی تحریر ہو کہ فی گز اتنا تو اب چوحدی کا نہیں پیائش کا اعتبار ہوگا۔	۱۲۴	بیع وشراء کے وقت بھاؤتاؤ کرنا سنت ہے، سفرحج کے لئے خریدی جانے والی چیز کا استثناء ہے۔	۱۲۸
زبانی بیع اور طرح ہوئی اور تحریر اس کے خلاف ہو تو اعتبار زبانی ایجاب وقبول کا ہوگا۔	۱۲۵	شرع میں خرید وفروخت کی گفتگو کا اعتبار ہے۔	۱۲۸
زمین کا جز مبیعہ متعین نہ ہوا تو بسبب جہالت بیع فاسد ہوگی۔	۱۲۵	زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کا نام لکھایا، لڑکیوں کی نہ ہوئی، البتہ بیع نامہ ہبہ قرار دیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔	۱۲۸
زمین کا جز حصہ فی گز کے حساب سے فروخت کیا تو اس کی جہت اور سمت کا تعین بھی وقت عقد یا مجلس عقد میں ضروری ہے، اور مجلس عقد کے بعد متعین کرکے قبضہ دیا تو یہ نئی بیع تعاطی قرار دی جائے گی۔	۱۲۶		

لڑکوں میں سے کسی نے اس زمین کو دوسرے کے ہاتھ بیچا تو باپ کی رضا سے بیع نافذ ہوگی۔	۱۲۸	ایجاب وقبول کے بغیر باؤتاؤ کرکے بیعنامہ دے دیا یہ بیع نہیں بلکہ بیع وہ تحریر ہوگی جو بیع نامہ کے نام سے لکھی جائے گی، اسی میں خریدم فروختم تحریر ہوتا ہے، اسی نے تحریر لکھوای تو بیع تام ونافذ ہوگئی، دوسرے نے لکھوایا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی، مختلف کتب فقہ سے مسئلہ کی جزئیات کا بیان۔	۱۳۲
زبانی اور تحریر دونوں میں لڑکوں کے لئے خریدا تو قبول نابالغ کی طرف سے باپ کرے اور بالغ اپنی طرف سے خود قبول کرے۔	۱۲۸	بیع عربان ممنوع ہے۔	۱۳۳
بالغ نے اپنا حصہ بیچ دیا تو بقیہ جز کے حصہ کا مالک رہے گا اور نابالغ اپنے پورے حصہ کا۔	۱۲۸	ایجاب وقبول کا معنٰی۔	۱۳۳
حرام مال سے کوئی چیز خریدی، اگر عقد ونقد دونوں حرام مال سے ہوئے تو مبیع خبیث ہے ورنہ نہیں۔	۱۲۹	ایجاب وقبول زبانی کا اعتبار ہے تحریر کا اعتبار نہیں۔	۱۳۴
جائداد غیر منقولہ بغیر قبضہ کئے ہوئے بیچی جاسکتی ہے۔	۱۲۹	الکتاب کالخطاب	۱۳۵
کوئی چیز ایک معین مقدار میں خریدی، وزن کم نکلا، تو جتنا کم نکلا اتنی قیمت مشتری وضع کرے۔	۱۳۰	مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے کسی کی زمین زبردستی مسجد پر خریدی نہیں جاسکتی۔	۱۳۶
فصل میں اس نیت سے غلہ خریدنا کہ جب بھاؤ چڑھ جائے گا بیچوں گا جائز ہے۔	۱۳۰	زید نے مال خریدنے کے لئے ایک شخص کو وکیل بنایا، اس پر قبضہ کرنے کے بعد زید کا اس مال کو اسی وکیل کے ہاتھ مرابحۃ بیچنا جائز ہے۔	۱۳۷
بیع مرابحہ میں معمولی خرچ جو عادت تجار میں مال پر ڈالا جاتا ہے منافع کے ساتھ یہ خرچ بھی مشتری سے لیا جائے گا، اور نقصان کو بھی اسی پر ڈالنے کا رواج ہو تو وہ مشتری سے لیا جائے گا۔	۱۳۰	ایک شریک نے تقسیم کے بعد دوسرے شریک کا مال کم داموں پر خرید اتراضی طرفین ہو تو جائز ہے۔	۱۳۷
ایک مشترکہ خاندان کے نام پر جائداد کی خریداری کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس کا حکم۔	۱۳۱	مورث نے جو جائداد اپنے روپے سے خریدی وہ اسی کی ملک قرار پائے گی۔	۱۳۸
ایک کثیر الاشکال مسئلہ کے دو بیان۔	۱۳۲	دوسرے کے روپے سے خریدی خواہ بیوی ہی کیوں نہ ہو، اور عقد بیع اپنے لئے کیا تب بھی جائداد اپنے لئے قرار دی جائے گی۔	۱۳۸
بیان اول۔	۱۳۲	اور اس صورت میں دوسرے نے اس کو روپیہ کا مالک بنادیا تھا تو اس روپے کا تاوان بھی مورث پر نہیں، اور دوسرے نے قرض دیا ہو یا جبراً اس سے روپے لے لیا ہو تو اس روپیہ کا تاوان مورث پر ہوگا۔	۱۳۸
خریداری تین طرح ہوتی ہے۔	۱۳۲		

زید نے اپنی بیوی کے دین مہر سے جائداد خریدی اس کی دو	۱۳۸	کسی کا مال بے اس کی رضا کے لینے پر قرآن و حدیث کی	۱۴۴

صورتیں: (۱) عورت نے دینِ مہر پر قبضہ کرلیا تھا پھر شوہر نے اس روپیہ سے جائداد خریدی، اس صورت میں دوسرے کے روپیہ سے جائدا خریدنے والی شکل کے احکام جاری ہوں گے۔ (۲) مہر پر عورت نے قبضہ نہیں کیا تھا۔ خود شوہر نے کہا یا عورت نے فرمائش کی مہر کے بدلے جائداد خریددو، اس صورت میں جائداد عورت کی ہوگی۔		وعیدیں۔	
بیوی نے کہا میرا مہر جو تم پر ہے اس کے بدلے جائداد خریدلو، تو جائداد شوہر کی ہوگی اور شوہر سے روپیہ کا مطالبہ بھی ہوساقط ہوگا۔	۱۳۸	اختیار اور رضا میں عام خاص کا فرق ہے۔	۱۴۵
مذکورہ بالا صورت میں اقتضاءً مہر کا ہبہ ثابت ہوگا۔	۱۳۸	اختیار کا مقابل جبر ہے اور رضا کا مقابل کراہت۔	۱۴۶
دوسرے نے اپنا روپیہ تجارت میں لگانے کے لئے کہا اور روپوں کی تملیک نہ کی تو شرکت یا قرض قرار دیا جائے گا اور عوض لازم ہوگا۔	۱۳۸	عقود مثلاً بیع وشراء وہبہ جس طرح عدم اختیار سے فاسد ہوتے ہیں عدم رضا سے بھی فاسد ہوتے ہیں۔	۱۴۶
جھوٹ نہ بولے تو زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یا دُگنی قیمت لینا جائز ہے۔	۱۳۹	اسٹامپ آدمی اپنے اختیار سے خریدتا ہے مگر اس پر راضی نہیں ہوتا۔	۱۴۶
باب البیع الباطل والفاسد		ظلم وجور میں اہل دنیا کے حال کا بیان۔	۱۴۷
ناجائز بیع کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد، مکروہ تحریمی۔	۱۴۱	کسی امر مکروہ کے عادی ہونے سے وہ دائرہ رضامندی میں نہ آئیگا۔	۱۴۷
بیع باطل کی تعریف اور اس کی مثال۔	۱۴۲	گورنمنٹ کے اشیاء کا نرخ مقرر کرنے کا حکم۔	۱۴۷
خلل عقد وخلل محل میں نسبت کا بیان اور مصنف کی تحقیق۔	۱۴۲	اسٹامپ کی خریداری کی کچھ جائز صورتیں۔	۱۴۸
بیع فاسد کی تعریف اور مثال۔	۱۴۳	ایک کثیر الوقوع صورت جس میں عدم اکراہ ہے، لیکن دیگر وجوہ معصیت کی وجہ سے وہ بھی ممنوع ہے گناہ پر مدد گناہ وممنوع ہے جیسے اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار کی بیع مصنوعی گھی کی تجارت جائز ہے جبکہ مشتری اس سے کماحقہ واقف ہو۔	۱۴۹
سرکاری اسٹامپ کی بیع کا حکم۔	۱۴۴	بازاری دودھ کا حکم۔	۱۵۰

بیع میں ملاوٹ کا علم تین طرح ہوتا ہے خود بخود ظاہر ہو جیسے گیہوں چنے میں کھساری عرف بن گیا ہو جیسے دودھ میں پانی	۱۵۱	تھوڑی سی چیز جیسے ایک مشت خاک کی بیع جائز نہیں، اور کثیر کی جائز ہے۔	۱۵۷
بائع خود بتائے یہ چیز ملاوٹ کی ہے۔	۱۵۱	درر کی ایک عبارت کی توضیح اور شامی سے استشہاد۔	۱۵۷
زانی ولد الزنا کا ولی نہیں تو اس کا ولی بن کر بیع کے قبول کرنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔	۱۵۱	معدوم کی بیع کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	۱۵۷
ماں، بھائی، چچا کو نابالغ پر ولایت مالیہ نہیں۔	۱۵۱	سوائے سلم کے معدم کی بیع باطل ہے۔	۱۵۷
ایجاب غائب عن المجلس کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ باطل ہو جاتا ہے۔	۱۵۲	کھیت میں کھڑے گنے کے رس کی اندازا بیع کا حکم۔	۱۵۹
جانبین یا ایک جانب کا فضولی ایجاب کرے اور قبول کرنے والا موجود نہ ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے۔	۱۵۲	اندازہ سے کم ہوا تو وہ پیسہ فی من کے حساب سے سو کا منافع مشتری واپس کرے گا، ایسی شرط لگانے کا حکم۔	۱۶۰
درخت خریدا اس کے کٹوانے کی ذمہ داری مشتری کی ہے بائع کے لئے شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی۔	۱۵۳	ربٰو کی تعریف۔	۱۶۰
بیع فاسدہ کا فسخ کرنا متعاقدین پر واجب ہے۔ ان میں جو فسخ کردے گا ہو جائے گی متعاقدین خود فسخ نہ کریں تو حاکم جبرا فسخ کردے۔	۱۵۳	بیع فاسد کی ایک اور صورت کا حکم	۱۶۰
معدوم کی بیع ناجائز ہے۔	۱۵۵	جس شرط میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو وہ شرط فاسد ہے۔	۱۶۰
زید سے عمرو نے سو شیشوں کی بات دس آنہ سیکڑہ کے حساب سے کی اور آٹھ سو کے چھ روپے دے دئے، شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں دوسری جگہ سے خرید کر اپنی دکان پر رکھ دیں اس میں سو شیشیاں ٹوٹی نکلی نقصان زید کا ہوا۔	۱۵۵	ہر شرط فاسد مفسد بیع ہے۔	۱۶۰
پھل کا پھول بیچنا حرام ہے عاقدین پر ایسی بیع سے توبہ اور دست کشی لازم ہے۔	۱۵۵	ہر بیع فاسد حرام وواجب الفسخ ہے۔	۱۶۰
زبانی عقد بیع شرط فاسد سے پاک ہو اور بیع نامہ میں اس کا ذکر ہو تو بیع فاسد نہ ہوگی۔	۱۵۶	اگر عاقدین بیع فاسد کو فسخ نہ کریں تو قاضی جبر فسخ کردے۔	۱۶۰
مال کی تعریف۔	۱۵۷	قمار کی ایک صورت اور اس کی حرمت کا بیان۔	۱۶۱
		یہ ٹھہرا کہ معاہدہ کی طرفین میں سے جو خلاف ورزی کرے گا ہرجانہ دے گا یہ شرط ناجائز ہے۔	۱۶۱

بیع معدوم کی ایک اور شکل اور اس کا حکم۔	۱۶۱	المبنٰی علی الباطل باطل۔	۱۶۳
جتنے کا مال کی بیع ہوئی بائع نے اس سے کم دیا تو اب پورا کرے۔	۱۶۱	الباطل لاحکم لہ۔	۱۶۳
بائع نے اگر مال مبیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہگار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے کا تاوان اس وقت کے بازار کے بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔	۱۶۱	ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کرلیا شوہر نے نالش کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو مہر بعوض المہر والا عقد باطل ہوگیا اور شوہر اس کا مالک ہوگیا۔	۱۶۳
مردار کی کھال پکا کر یا سکھا کر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔	۱۶۱	شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہوجائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔	۱۶۴
ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۱	مسجد کے درخت سے جو سوکھی لکڑی گرے اس کے بدلے کمہار لوٹا دیتا رہے یہ عقد جہالت مقدار بدلین کی وجہ سے ناجائز ہے، دونوں کی تعیین ہونی چاہئے۔	۱۶۵
سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔	۱۶۲	مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔	۱۶۵
زندہ جانور کا گوشت خریدا اور کھال کا استثناء ہو یہ ناجائز ہے۔	۱۶۲	لاعلمی میں خریدنا تو ناجائز ہے۔	۱۶۵
دین مہر کا عوض دینا ہبہ بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔	۱۶۳	خریدنے کے بعد مسروقہ ہونے کا علم ہو تو اس کا استعمال حرام مالک کو دیا جائے اس کا پتہ نہ چلے تو فقراء پر صرف کیا جائے۔	۱۶۵
آئندہ بھی جو جائداد پیدا ہو اسی دین مہر کے بدلہ میں دینے کی شرط لگائی تو یہ شرط باطل ہے، اور اس کی وجہ سے پہلا عقد بیع بھی فاسد ہوگیا۔	۱۶۳	اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھوا کر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔	۱۶۵
آئندہ پیدا ہونے والی جائداد پر اسی شرط فاسد کی بنیاد پر بیوی کا قبضہ کرادیا تب بھی وہ اس کی مالک نہ ہوگی۔	۱۶۳	پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں کرتی یہ قرض مردہ ہے۔	۱۶۶
بیع فاسد کے ذریعہ حاصل ہونے والی چیز کو مشتری نے بیچ دیا، تو یہ بیع ثانی صحیح ہے لیکن باہم طے شدہ دام نہیں دلایا جائے گا بلکہ بازار کا بھاؤ۔	۱۶۳	قرض کی بیع خریدار کو قبضہ کے لئے مدیون پر مسلط کئے بغیر حرام وفاسد ہے۔	۱۶۶

قرض مردہ کی تعریف۔	۱۶۷	زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کی اخروی سزا کا بیان۔	۱۷۱
بیع باطل کی ایک جدید شکل کا بیان۔	۱۶۷	وکیل کو چیز کے متعین دام بتا کر کہنا اس سے کم زیادہ بیچو تو تم جانو ہم وہی متعینہ دام لیں گے اور اسمیں سے دو فیصدی تمھیں دلالی دیں گے، ایسا معاملہ وکیل اور موکل دونوں کے لئے ناجائز ہے۔	۱۷۲
اس بیع میں ٹکٹ بیچنے کے بعد کمیٹی جو کپڑا دیتی ہے وہ معاوضہ نہیں بلکہ انعام ہوتا ہے تو اس کا لینا جائز ہے، اور اس سے نماز درست ہے۔	۱۶۷	معین چیز کے کسب حرام ہونے کا علم نہ ہو تو اسے کھا سکتے ہیں۔	۱۷۲
نزول کی زمین کو سرکار سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔	۱۶۸	شرط فاسد عقد میں نہ ہو، نہ پہلے سے قرار داد کرکے اسی کے موافق عقد ہو تو بیع جائز ہے۔	۱۷۳
مردہ پھونکنے والوں کے ہاتھ لکڑی بیچنا جائز ہے اس کام میں اس کی اعانت کی نیت نہ کرے۔	۱۶۸	شامی کے قول کی توضیح	۱۷۴
بھنگ پینے والوں کے ہاتھ اس کی بیع ناجائز ہے البتہ دوا کے طور پر اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۸	حکم دیانت	۱۷۴
حقوق زوجیت مال ہے اور اس کو کسی چیز کا ثمن قرار دینا جائز ہے جبکہ حقوق ثابت اور معلوم ہوں۔	۱۶۹	کھڑا کھیت خریدنا اس وقت جائز ہوگا کہ کھیتی تیار ہو اور فوراً کاٹ لی جائے ورنہ ناجائز ہے۔	۱۷۵
آئندہ جو نفقہ واجب ہوگا اس کو ثمن قرار دیا تو بیع فاسد ہوگی۔	۱۶۹	کچی کھیتی خریدنے کا حیلہ۔	۱۷۵
بیع سلم میں یہ شرط لگائی کہ وقت موعود پر مبیع ادا نہ کیا تو اس وقت مبیع کا جو بازار بھاؤ ہوگا اس حساب سے بائع روپیہ واپس کرے گا حرام وفاسد ہے۔	۱۷۰	بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے۔	۱۷۵
صحت اور جواز میں فرق ہے ممکن ہے ایک چیز صحیح تو ہو لیکن حرام ہو۔	۱۷۰	پھل کھانے کے لائق ہو جائیں تو جائز لیکن پکنے تک درخت پر رہنے کی شرط سے بیع فاسد ہے۔	۱۷۵
افیون کی بیع دواءً خارجی استعمال کے لئے جائز ہے اور کھانے کے لئے حرام ہے۔	۱۷۰	فصل کی بیع میں ڈالی کی شرط فاسد ہے۔	۱۷۶
مردار کی بیع حرام ہے۔	۱۷۱	ان بیوع کے جواز کی تدبیر۔	۱۷۶
قبرستان کی بیع حرام بائع کو قیمت لینا حرام، واپس کرنا ضروری، اور مشتری کو قبرستان سے انتفاع حرام اور اس پر مسلمانوں کا قبضہ دلانا ضروری، بائع سے قیمت واپس ملے یا نہ ملے	۱۷۱	بیع کی صحت کے لئے بدلین کا معلوم معین ہونا ضروری ہے۔	۱۷۷
		جہالت سے بیع فاسد ہو جاتی ہے اور مجلس عقد کے بعد جہالت زائل ہونا کچھ مفید نہیں۔	۱۷۷

عبارت فتح کی توجیہ اور شامی پر تطفل۔	۱۷۹	چھت کی معین شہتیر اور غیر معین شہتیر کی بیع کا فرق۔	۱۸۸
شامی پر دوسرا تطفل۔	۱۸۱	**باب البیع المکروہ**	
شامی پر تیسرا تطفل۔	۱۸۲	احتکار کی تعریف اور اس کا حکم۔	۱۸۹
ایک روپیہ دو روپے کو بیچے اور قبل افتراق ایک روپیہ ساقط کردے تب بھی یہ بیع جائز نہیں۔	۱۸۳	بھاؤ چڑھنے کے انتظار میں غلہ روک کر بیچنا جائز ہے بشرطیکہ صارفین کو اس سے ضرر نہ ہو۔	۱۸۹
صلب عقد میں فساد ہو یا شرط انعقاد معدوم ہو دونوں صورتوں میں مجلس عقد میں اصلاح مفید صحت نہیں۔	۱۸۳	غلہ بیچنے کے لئے بھاؤ چڑھنے کا انتظار۔	۱۹۰
مصنف کی تحقیق کہ شرط انعقاد کا عدم مبطل عقد ہے اور جہالت بدلین مفسد ہے۔	۱۸۴	زبانی عقد کی تمامیت کے بعد رجسٹری ضروری نہیں۔	۱۹۱
فساد قوی ہو تو مجلس عقد کے اندر اس کے ازالہ سے عقد صحیح ہوجائے گا بعد مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور ازالہ سے عقد صحیح نہ ہوگا۔	۱۸۴	مکان کی زبانی بیع ہوگئی اور اس پر قبضہ مشتری ہوگیا جس کو حق شفعہ تھا، وہ اس مکان کی خریداری سے انکار کرچکا تھا اب اس کو حق شفعہ نہیں۔	۱۹۱
فساد ضعیف بعد مجلس عقد بھی زائل ہوجائے تو عقد صحیح ہوجائے گا۔	۱۸۴	مشتری کو ایسے مکان سے اب بے دخل کرنا حرام ہے۔	۱۹۱
بہر صورت فساد متقرر ہوجانے کے بعد فسخ عقد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔	۱۸۴	ہمسایہ پر ظلم کی مذمت۔	۱۹۱
قدوم حجاج اور ہبوب ریاح کی تاجیل میں فرق کا بیان۔	۱۸۴	بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم۔	۱۹۱
مذکورہ بالا احکام کے جزئیات۔	۱۸۵	فصل پر غلہ خرید کر بیچنا یا مناسب موقعہ پر بازار بھاؤ بیچنا جائز ہے، ایسی بیع کو حرام کہنے والا شرع پر جرات کررہا ہے۔	۱۹۱
صحت بیع کی شرائط میں مبیع کا بائع کو ضرر دئے بغیر مقدور التسلیم ہونا ہے۔	۱۸۵	احتکار کا بیان۔	۱۹۲
غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے جو بیع فاسد ہوئی اس میں مشتری کے بیع فسخ کرنے سے پہلے بائع جب بھی قبضہ دلادے گا بیع صحیح ہوجائیگی اور مشتری کو بیع قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔	۱۸۶	بیع مکروہ کی چند صورتوں کا بیان۔	۱۹۲
خلقی اتصال اور عارضی میں فساد کے فرق کا بیان۔	۱۸۷	**باب بیع الفضولی**	
ایک اور فرق کا بیان۔	۱۸۷	میکہ کے زیور اور جہیز کا سامان عورت کی اجازت کے بغیر شوہر بیچے تو بیع فضولی ہوئی، عورت راضی نہ ہو تو مشتری پر اس کا پھیرنا واجب ہے۔	۱۹۳

مرض الموت میں کم قیمت پر سامان بیچا تو بیع جائز نہیں اور وارث کے ہاتھ تو برابر پر جائز نہیں۔	۱۹۴	اس مکان کی قیمت بطور خود بے اذن خالد ادا کردی تو زید متبرع ہوا اور خالد سے کچھ نہیں لے سکتا۔	۲۰۶
ایک غلط فتوے کے وجوہ خلل کا بیان اور مسئلہ کا صحیح حکم۔	۱۹۴	عمرو نے بھی قیمت میں بطور خود شرکت کی تو وہ بھی متبرع ہے اور زید نے مانگا ہو تو عمرو کا مطالبہ زید سے ہوگا نہ کہ خالد سے۔	۲۰۷
غیر کے جس دین کو ادا کرنے پر آدمی مجبور ہو بے اس کی اجازت کے بھی ادا کردیا تو ادا کنندہ اپنے اس فعل پر متبرع نہیں قرار دیا جائے گا۔	۱۹۷	اگر عقد کے وقت زید نے اپنا نام لیا ہو (اگرچہ مبیع نامہ میں خالد کا نام درج کرایا ہو) تو مکان زید کا ہوا۔	۲۰۷
زید نے ایک مکان خریدنے کے وقت یوں عقد کیا کہ اس کو میں دوسروں کے لئے خریدتا ہوں یہ بیع فضولی ہوئی اور اجازت سے قبل مرگیا تو بیع باطل ہوگئی۔	۲۰۰	عمرو کا پیسہ قیمت میں لگا ہو تب بھی عمرو کی ملک نہ ہوگا۔ حسب سابق یا تو تبرع یا زید پر قرض ہوگا۔	۲۰۷
قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو رد کرسکتا ہے۔	۲۰۱	عقد کے وقت عمرو زید دونوں کا نام لیا ہو تو برابر کے دونوں حصہ دار ہوئے اگرچہ عمرو نے کچھ پیسہ نہ دیا ہو۔	۲۰۸
فضولی نے بیع کو بطور تعاطی کسی دوسرے کے ہاتھ بیچا یہ دوسری بیع بھی فضولی ہوئی۔	۲۰۱	اس صورت میں زید نے خالد کو جو ہبہ کیا وہ باطل ہے۔	۲۰۸
فضولی نے خریدتے وقت یہ تشریح نہیں کی کہ کس کے لئے خرید رہا ہوں یا یہ کہا کہ اپنے لئے خرید رہا ہوں، تو مبیع کا فضولی مالک ہوگا۔	۲۰۱	مرض الموت میں وارث کے ہاتھ جائداد کی بیع بے اجازت دیگر وارثان باطل ہے ثلث یا کسی حصہ میں نافذ نہ ہوگی۔	۲۰۹
زید نے کوئی چیز خریدی اور اس کے بارے میں یہ اقرار کیا کہ یہ فلاں کی ہے تو وہ فلاں کی ہوگی، اور اس چیز کی قیمت فلاں پر واجب ہوگی۔	۲۰۱	عقد بیع نہ حصہ قرار دیا جاسکتا ہے نہ وقف۔	۲۰۹
زید نے اپنے روپے سے ایک مکان اپنے بھائی خالد کے لئے خریدا اور خالد کا قبضہ کرادیا، دس سال کے بعد زید کا دوسرا بھائی عمرو مدعی ہوا کہ اس میں میرا پیسہ لگا تھا۔	۲۰۵	مویشی خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔	۲۱۰
عقد بیع خالد کے نام ہوا تو عقد فضولی ہے اور قبضہ کے بعد وہ تمام وکمال خالد کی ملک ہے۔	۲۰۵	جو بیع مرض الموت میں کسی وارث کے نام کی گئی وصیت کے حکم میں ہے اور بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے۔	۲۱۱

دیگر ورثہ کی اجازت کاوقت مورث کی وفات سے متصل ہے نہ قبل نہ بعد۔	۲۱۲	پنچوں کے فیصلہ کے لئے طرفین سے رقم جمع کرانا باطل اور دونوں کی رقم کسی ایک کو دے دینامزید ظلم اور ایک فریق کو دوسرے کا یہ پیسہ لیناحرام۔	۲۱۸
مورث کی بیع کے وقت اس کی عورت حاملہ ہو تو اجازت متحقق ہونے کی کوئی صورت نہیں۔	۲۱۲	کسی کے کام کے لئے پنچوں کا اصرار اکراہ شرعی نہیں،ایسے اکراہ کی صورت میں مشتری نے بیع توڑی اور بائع نے قبول کی تو بیع کا اقالہ ہوگیا۔	۲۱۸
جنین پر اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کی ولایت نہیں۔	۲۱۳	بیعانہ کاواپس کرنا بھی اقالہ کی ایک صورت ہے۔	۲۱۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت پر آیت وحدیث سے سند۔(حاشیہ)	۲۱۳	**باب المرابحہ**	
حمل کی کوئی چیز ہبہ نہیں کی جاسکتی۔	۲۱۳	عقد مرابحہ ادھار بھی ہوسکتاہے البتہ فرض کی وجہ سے دام میں اضافہ مستحسن نہیں۔	۲۱۹
جنین ضرور مومن ہے۔	۲۱۳	عقد مرابحہ کی وہ تعریف جو متون میں مذکور ہے۔	۲۲۰
عقد فضولی کاعقد کے وقت کوئی مجیزنہ ہو تو عقد باطل ہوتا ہے۔	۲۱۴	تعریف مذکور میں لفظ عقد ثمن پر شراح کا تعریف کے جامع ومانع نہ ہونے سے اعتراض۔	۲۲۰
بیع کے انعقاد وبطلان میں اختلاف ہو تو مدعی انعقاد گواہ پیش کرے۔ گواہ نہ ہو تو مدعی بطلان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب صحت ومرض میں اختلاف ہو تومدعی مرض کا قول مذکورہ تفصیل کے ساتھ بقسم معتبر ہوگا جس پر قسم ہے وہ حلف سے انکار کرے تو خصم کا حق ثابت ہوگا۔	۲۱۵	درر کی تعریف جس میں ان دونوں لفظوں کے استعمال سے احتراز کیا گیاہے لیکن یہ بھی نقص سے خالی نہیں۔	۲۲۰
وارث کی بیع اپنے حصہ میں صحیح ہوگی جبکہ وارث کے ہاتھ نہ ہو۔	۲۱۵	علامہ بحر نے ایک جامع اور مانع تعریف کی کوشش کی لیکن وہ بھی سالم نہیں۔	۲۲۰
ایک ترکہ میں وارثوں کے حصص کی تقسیم۔	۲۱۶	علامہ بحر کی تعریف میں لفظ بمایتعین کی تصحیح سے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۲۲۲
باب الاقالہ		کفایہ،عنایہ،سعدی آفندی،جامع الرموز اور درمختار پر تطفل۔	۲۲۳
شیئ معین کے معین قیمت پر خریدنے کا وکیل مبیع کو نہ تو اپنے لئے خرید سکتاہے نہ دوسرے کے لئے،ہاں موکل کی فرمائش کے خلاف خریدا تو وکیل کی ملک ہوگا۔	۲۱۸		

مرابحہ میں مبیع سے متعلق مصنف کی تحقیق اور کلام ائمہ میں تطبیق۔	۲۲۴	بعد والی دونوں صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتا کر اس پر نفع لگائیں اور پہلی چار صورتوں میں بازار بھاؤ پر نفع لگائیں۔	۲۳۵
مرابحہ کی دو لازم شرطیں، اول مبیع کا متعین ہونا دوسری شرط ایسا ربوی مال نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا گیا ہو۔	۲۲۵	بیع سلم کے ذریعے نوٹ خریدا۔ تو جتنے میں لیا اتنے پر منافع زائد لے۔	۲۳۵
ہدایہ کی تعریف پر عنایہ کا اعتراض اور اس اعتراض پر مصنف کی گرفت۔	۲۲۸	نوٹ کو متعین کرکے خریدا تو اس کا مرابحہ بھی ہوسکتا ہے۔	۲۳۶
مرابحہ میں ثمن ثانی اول کے ہم جنس ہونا ضروری ہے ربح تو کسی جنس سے بھی ہوسکتا ہے۔	۲۳۰	نوٹ کی عام طور پر جس طرح بیع ہوتی ہے وہ متعین نہیں ہوتا، تو اس کا مرابحہ بھی جائز نہ ہوگا۔	۲۳۸
دینار و درہم باب مرابحہ میں جنس واحد سے ہے۔	۲۳۰	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتا۔	۲۳۸
بحر الرائق میں لفظ "مما یتعین" کے بعد غیر ربوی "قوبل بجنسہ" کے اضافہ کی ضرورت تھی۔	۲۳۳	اثمان معاوضات میں متعین نہیں ہوتے۔	۲۳۸
حسن شرنبلالی کے ایک اعتراض کا جواب۔	۲۳۳	امانات و تبرعات بعد تسلیم میں متعین ہوتے ہیں نذر میں متعین نہیں ہوتے۔	۲۳۸
نوٹ مال ربوی نہیں۔	۲۳۴	نوٹ کی بیع ابتداءً کم وبیش پر ہوسکتی ہے۔	۲۴۰
نوٹ بذاتہ ثمن نہیں مگر بذریعہ اصلاح اس کو ثمنیت عارض ہے۔	۲۳۴	مرابحہ کی صورت میں مشتری کو نوٹ کا دام اور منافع دونوں معلوم ہونا چاہیے ورنہ بعد جلسہ بیع عقد فاسد وحرام ہوگا۔	۲۴۰
مرابحہ میں مبیع کا ملک اول کے وقت اور بیع مرابحہ کے وقت دونوں وقت متعین ہونا ضروری ہے۔	۲۳۴	**باب التصرف فی المبیع والثمن**	
ثمن اصطلاحی کی ثمنیت متعاقدین کے باطل کردینے سے باطل ہوجاتی ہے اور وہ شے متعین ہوجاتی ہے۔	۲۳۴	بعض مہر نقد بعض کے بدلے میں زمین و مکان اور بعض کی قسط بندی جائز ہے۔	۲۴۳
نوٹ کو مرابحۃً بیچنا اس امر کی دلیل ہے کہ ثمنیت ختم کرکے اس کو مبیع متعین کررہے ہیں۔	۲۳۴	قرض مؤجل میں مدیون کا حق ہوتا ہے وہ وقت سے پہلے قرض ادا کرنا چاہے تو دائن قبول کرنے پر مجبور کیا جائیگا۔	۲۴۴
ہبہ، وصیت، ترکہ غصب کا تاوان امانت کے بعد تاوان کے ذریعہ حاصل ہونے والا ثمن خلقی بھی متعین ہوجاتا ہے تو نوٹ بدرجہ اولٰی متعین ہوگا اور اس کی بیع مرابحۃ جائز ہوگی۔	۲۳۵		

قضائے دین تو یہی ہے کہ جس کا مطالبہ ہے وہی چیز ادا کرے لیکن سلم اور صرف کے سوا باہمی تراضی سے دوسری چیز سے بھی معاوضہ ہوسکتا ہے۔	۲۴۴	دو ۲ دن کے لئے نکاح کیا وقت کی قید عقد میں ہے تو نکاح باطل اور دل میں ہے تو جائز ہے۔	۲۴۸
دین معجّل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں۔	۲۴۴	شفیع کے ڈر سے صاحب مکان نے اپنا مکان کسی کو ہبہ کیا، اور اس کا زرِ ثمن اس شخص نے صاحب مکان کو ہبہ کردیا شرعاً یہ ہبہ ہوا شفعہ نہیں چل سکے گا۔	۲۴۸
بازار کے بھاؤ سے مہر کے بدلے مکان دیتے وقت بازار بھاؤ معلوم ہونا ضروری ہے۔	۲۴۵	اگر کوئی شخص کسی کو مشاع ہبہ کرنا چاہے تو موہوب لہ کے ہاتھ بیع کردے اور ثمن معاف کردے۔	۲۴۹
بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوتی ہے۔	۲۴۵	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح اور علامہ شامی کی تائید۔	۲۴۹
بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوتے ہیں۔	۲۴۵	ثمن کا جُزء حصہ معاف کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ بقیہ ثمن پر بیع ہوئی اور کُل ثمن معاف کردیا تو بیع پورے ثمن پر صحیح ہوگی اور ثمن علیحدہ معاف ہوگا۔	۲۵۰
بیع فاسد کا فسخ واجب ہے۔	۲۴۵	جزئیے پر مختلف کتب فقہیہ سے استناد ان کتابوں کی سندی حیثیت اور مصنفین کے مرتبہ کا بیان۔	۲۵۱
مجلس عقد میں فساد کا ازالہ ہوجائے یعنی جہالت ثمن دور ہوجائے تو بیع صحیح ہوجاتی ہے۔	۲۴۵	صاحب درمختار سے علماء کبار سلفاً خلفاً استناد کرتے آئے ہیں۔	۲۵۱
ثمن کا اس طرح مجہول ہونا کہ وہ جہالت مفضی الی المنازعۃ ہو صحت بیع سے مانع ہے۔	۲۴۵	ذخیرہ ایک عمدہ اور مستند فتاوٰی ہے۔	۲۵۱
معلومیت ثمن شرائط صحت بیع میں سے ہے۔	۲۴۵	بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جلیل الشان کتاب ہے۔	۲۵۱
بائع مشتری سے اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں ثمن معاف کرسکتا ہے ثمن کے ابراء سے مبیع ہبہ نہیں ہوگا۔	۲۴۶	محیط کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے۔	۲۵۱
لفظ ثمن تحقق بیع کا مقتضی ہے۔	۲۴۶	علامہ شامی کی تائید وتوثیق۔	۲۵۳
اس مسئلہ پر حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث جمل سے استشہاد۔	۲۴۷	بے حواشی کے درمختار سے فتوٰی دینا جائز نہیں۔	۲۵۳
شرع مطہر میں عاقدین کے الفاظ کے معانی پر مدار کار ہے۔	۲۴۸		

بیع کے قبول سے قبل بائع زر ثمن معاف کردے تو عقد صحیح نہیں، عالمگیری کا یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔	۲۵۳	مفتی حقیقت پر فتوٰی دے گا قاضی ظاہر پر حکم کرے گا۔	۲۵۹
قاضی خاں رحمہ اللہ علیہ نے ایسی بیع کے جواز کو ترجیح دی ہے۔	۲۵۳	عاقدین کے صحت وفساد عقد میں اختلاف ہو تو قول مدعی صحت کا تسلیم ہوگا۔	۲۵۹
قاضی خاں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کسی قول پر اقتصار کرنا اس قول کے قوت کی دلیل ہے۔	۲۵۳	بائع فساد کا دعوٰی کرے اور مشتری صحت کا، تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا تناقض دعوٰی قابل تسلیم نہیں۔	۲۵۹
قاضی خان کا کسی قول کی دلیل دینا اس کی قوت کی دلیل ہے۔	۲۵۳	تکمیل بیع کے بعد زر ثمن پر قبضہ سے قبل بائع نے زر ثمن معاف کردیا تو معاف ہوگیا۔	۲۶۱
قاضی خاں کو رتبہ اجتہاد حاصل تھا۔	۲۵۳	بائع اپنی مرضی سے مبیع پر کچھ اضافہ کردے تو لینا جائز ہے۔	۲۶۱
قبول بیع سے پہلے زر ثمن ہبہ کیا تو بیع صحیح اور ہبہ باطل ہے۔	۲۵۶	بائع کافر ہو تو مسلمان کو زائد کا سوال نہ چاہئے کہ وہ احسان تصور کرے گا۔	۲۶۲
امر حادث میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا۔	۲۵۶	کٹوتی ناراضگی کی حالت میں حرام ہے۔	۲۶۳
ایک مسلمان کی نصرانیہ عورت نے دعوٰی کیا میں اپنے شوہر کی موت سے پہلے اسلام لائی اور وارثوں نے کہا بعد موت، تو وارثوں کا قول معتبر ہے کہ یہ اقرب وقت ہے۔	۲۵۶	مال جتنے کو پڑا بیوپاری کو اس سے زائد بتا کر بیچنا ناجائز ہے۔	۲۶۳
ہبہ زر ثمن قبل قبول بیع اور بعد قبول بیع میں اختلاف ہو تو بعد والوں کا قول معتبر ہوگا۔	۲۵۶	مشتری ثمن کی ادائیگی کے لئے مدت کا طالب ہو تو ثمن میں زیادتی بکراہت درست ہے۔	۲۶۳
عقد میں شرط فاسد کے بارے میں اختلاف ہو تو منکرین شرط کے قول کا اعتبار ہوگا۔	۲۵۷	بیوپاری کو مال بیچا اس کی رقم کھاتہ میں جمع نہ کی دو سال کے بعد وہ رقم بیوپاری نے اس شرط پر دی کہ اسے خیرات کردو اس رقم کا اپنی ہونا معلوم نہیں تو اس کا اپنے صرف میں لانا حرام ہے اور یقین ہو تو اپنے صرفہ میں لاسکتے ہیں لیکن خیرات کا وعدہ کرکے پھرنا وبال کا سبب ہے۔	۲۶۴
ثمن کے معافی کی شرط نفس عقد بیع میں ہو اور ماضی کے لفظ سے تو بیع فاسد نہ ہوگی، فساد مستقبل کے لفظ سے ہوتا ہے۔	۲۵۸	عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت۔	۲۶۵
عقد کی صحت اور عدم صحت سے بحث ہو تو روشن دلیل کے بغیر فساد ثابت نہ ہوگا، عمل صحت پر ہوگا۔	۲۵۸		

ادائے ثمن کے لئے اجل معین کی شرط اصل عقد میں ہو تب بھی مفسد عقد نہیں۔	۲۶۵	قرض ابتداءً تبرع ہے اور اس میں نیابت جائز نہیں۔	۲۷۱
سال کے اندر ادا کرنے کی شرط اجل معین کی شرط ہے، سال اور مہینہ اجل معین ہیں۔	۲۶۵	مذکورہ بالا صورت میں جب قرض نوکو پر ہوا اگر نوکر یہ روپیہ مالک کو دے دیتا تو یہ عقد جدید ہوا، اور مالک نوکر کا قرضدار ہوگا۔	۲۷۱
فتاوٰی خیریہ کی مسئلہ سے غیر متعلق تحریر کی توضیح اردو میں سال کے اندر اور سال تک دونوں کا حاصل ایک ہے۔	۲۶۶	نوکر یہ کہہ کر مہاجن سے روپیہ لایا کہ میرے مالک کو پچاس روپیہ قرض دے دو، مالک نے نوکر کو پچاس روپے مہاجن کو دینے کے لئے دئے، اس نے وہ روپیہ خود خرچ کردیا مالک نوکر سے پچاس روپے وصول کرکے مہاجن کو پچاس ادا کرے۔	۲۷۲
بائع اپنا سودا ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولٰی ہے۔	۲۶۷	نوکر مالک کے واسطے خود قرض کرکے لایا اور صورت مذکورہ بالا ہوئی تو مہاجن نوکر سے وصول کرے، مالک نے اپنا ادا کردیا۔	۲۷۳
باب القرض		بازار بھاؤ اناج ادھار دیا فصل کے وقت پچاس روپیہ کا اناج واپس کیا اگر عقد کے وقت اس کی شرط لگاتا ناجائز ہوتا ورنہ جائز۔	۲۷۳
پانچسو روپے پچیس روپے سالانہ زائد شرط لگانا حقیقی سود ہے۔	۲۶۹	ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے اور سود ہے۔	۲۷۳
سود خور شخص کا امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دہرائیں۔	۲۶۹	اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زر ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپے نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ زر ثمن کے بدلے لے لو بائع نے قبول کیا تو یہ جائز ہے۔	۲۷۳
مالک نے نوکر سے کسی سے قرض لانے کے لئے کہا اس نے کسی مہاجن سے قرض لے کر رسید خود لکھ دی، اگر قرض مانگتے وقت یہ کہا تھا میرے مالک کو قرض دے تو قرض مالک پر ہوا اور اپنے لئے مانگا تو نوکر پر ہوا۔	۲۷۰	مسئلہ شراء القرض من المستقرض۔	۲۷۴
استقراض کا وکیل بنانا جائز نہیں۔	۲۷۱	غلہ قرض لینے کے ایک تعامل کا حکم۔	۲۷۴
اقراض کا وکیل بنانا جائز ہے۔	۲۷۱	قرض کے ساتھ کوئی چیز کم قیمت کی بطور شرط قرض دار کے ہاتھ بیچی گئی تو حرام۔	۲۷۴

جو چیز عرفاً طے شدہ ہو وہ شرط لگانے کی طرح ہے قرض کے ساتھ بیع عقد میں مشروط نہ ہو تو بعض علماء اسے حلال اور بعض حرام فرماتے ہیں راجح قول یہی ہے۔	۲۷۵	قرض سے زائد کی کچھ جائز اور ناجائز صورتیں۔	۲۷۹
بیع بشرط القرض اور قرض بشرط البیع میں فرق۔	۲۷۵	کسی مبیع کا مشتری ایک اور مشتری لہ چند ہو سکتے ہیں۔	۲۷۹
جس قرض کے ذریعے قرض دینے والا کوئی منفعت حاصل کرے وہ ناجائز ہے۔	۲۷۵	مشترک مال سے ثمن ادا کرنے کے باوجود مبیع صرف ایک شخص کے لئے ہو سکتی ہے۔	۲۸۰
نوٹ کو کم وبیش پر بیچا جاسکتا ہے۔	۲۷۵	مورث کے دین کے بدلہ میں کسی ایک وارث نے مدیون کی کوئی جائداد خریدی اس کی چند صورتوں کے احکام کا بیان۔	۲۸۲
قرض کی وجہ سے کسی چیز کو زائد قیمت پر خریدنا مکروہ۔	۲۷۵	اگر بدلین مال ہوں تو ہر ایک من وجہ مبیع اور من وجہ ثمن ہے۔	۲۸۲
کاشتکار نے کھیت رہن رکھا تو رہن نہ ہوگا۔	۲۷۶	کسی غیر کی جائداد کو ثمن قرار دے کر کوئی چیز خریدی بیع تام ہو جائیگی۔	۲۸۳
رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جمع نہیں ہو سکتے۔	۲۷۶	مشترکہ دین جس کا سبب مشترک ہو ایک فریق نے مدیون سے اپنا حصہ وصول کر لیا تو دوسرے فریق کو اختیار ہے چاہے مدیون سے اپنا پورا حصہ وصول کرے یا دوسرے فریق کے وصول کردہ سے حصہ رسدی لے اور بقیہ مدیون سے وصول کرے۔	۲۸۴
ایسے کھیت کا مرتہن زمیندار سے کہہ کر لگان ادا کرے پیداوار اس کے لئے حلال ہوگی۔	۲۷۶	آج کل بہت سے یتیموں کا ولی کامل نہیں ہوتا۔	۲۸۴
خراب اناج اس شرط پر ادھار دینا کہ اس کے بدلہ اچھا زیادہ فصل پر لوں گا حرام ہے۔	۲۷۷	عقد فضولی کا حکم۔	۲۸۶
روپیہ دے کر اس کے بدلے فصل پر اناج لینا بیع سلم ہے جو اپنے شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۲۷۷	اختلاف ایجاب وقبول کا حکم۔	۲۸۶
فصل پر مبیع وصول نہ ہونے کی صورت میں راس المال سے زیادہ لینا حرام ہے۔	۲۷۷	تفریق صفقہ قبل تمام بیع کا حکم۔	۲۸۷
قرض دینے کے وقت زائد لوٹانے کی شرط سود ہے اور قرضدار کا ادائیگی کے وقت از خود زائد ادا کرنا جائز واحسان۔	۲۷۸	چند فقہی عبارتوں کے حوالے۔	۲۸۷
سود کی وعیدوں کے بیان کی احادیث۔	۲۷۸		

بیع سلم میں بائع مبیع نہ ادا کرسکے تو مشتری کو راس المال سے زائد لینا حرام ہے۔		دیگر مختلف الجنس متحد القدر اشیاء کے تبادلہ میں بدلین کا معلوم ومتعین ہونا ضروری ہے قبضہ ضروری نہیں۔	۲۹۲
باب الربٰو		رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چار چیزوں کو کیلی اور نقدین کو وزنی قرار دیا تو یہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی۔	۲۹۲
باب ربٰو میں اندازہ شرعی کیل وزن ہے۔	۲۹۱	دیگر اشیاء کے کیلی یا وزنی ہونے میں عرف کا اختیار ہوگا۔	۲۹۳
حلت وحرمت کے قاعدہ کلیہ کا بیان چار صورتوں میں۔	۲۹۱	سود کے زنا سے ۳۳ درجہ بدتر ہونے کی تین حدیثیں۔	۲۹۳
صورت اولٰی۔	۲۹۱	اس مضمون کی تین حدیثیں کہ سود کا ایک درم ۳۶ بار زنا کے گناہ کے برابر۔	۲۹۴
اتحاد قدر وجنس کی صورت میں کم وبیش اور ادھار سود ہے۔	۲۹۱	دس حدیثیں کہ سود کے ستر سے زیادہ گناہ جن میں ادنٰی گناہ ماں سے زنا کے برابر۔	۲۹۴
عدم برابری کی متعدد صورتوں کا بیان۔	۲۹۱	سود سے متعلق چار آدمیوں پر لعنت۔	۲۹۸
صورت ثانیہ۔	۲۹۲	ضرورت شرعی کا بیان اور چند مصنوعی ضرورتوں کی تفصیل۔	۲۹۹
جنس متحد ہو اور قدر متحد نہ ہو خواہ قدر معہود سے خارج ہو یا ان میں داخل ہو تو کمی بیشی جائز اور ادھار ناجائز۔	۲۹۲	قرض کی ادائیگی کے لئے کب سودی قرض لینا جائز ہے۔	۲۹۹
صورت ثالثہ۔	۲۹۲	حفظ نفس، تحصیل قوت، تحفظ عن الذلۃ والطعن ضرورت شرعیہ ہے۔	۳۰۰
قدر متحد ہو مگر جنس مختلف تو تفاضل جائز ادھار منع البتہ سونے چاندی کا استثناء ہے۔	۲۹۲	اپنی آبرو بچانے کے لئے ہجو گو شاعروں کو رشوت دینا جائز ہے۔	۳۰۰
صورت رابعہ۔	۲۹۲	شاعر کو دیا ہوا کون سا روپیہ رشوت ہے اور کون سا انعام ہے۔	۳۰۰
اختلاف قدر وجنس کی صورت میں تفاضل اور ادھار دونوں جائز ہے۔	۲۹۲	مفلس کو قرضخواہ کی طرف سے تقاضا کا خطرہ نہ ہو تو صرف مواخذہ آخرت کے خیال سے سودی قرض لینا حرام ہے۔	۳۰۱
نقدین کے تبادلہ میں قبضہ ضروری ہے۔	۲۹۲	ادائیگی قرض کے لئے اپنی جیسی کوشش کی اور ادا نہ ہوسکا تا آنکہ قرضدار مرگیا تو امید مغفرت ہے۔	۳۰۱

اس موضوع پر متعدد حدیثیں۔	۳۰۲	ممنوعہ رقم مدرسہ اسلامیہ میں بھی صرف کرنا منع ہے۔	۳۰۷
بے نمازی عورت سے صحبت پر وعید اور اس کو طلاق دینے کا حکم۔	۳۰۳	سود لینا کسی سے بھی جائز نہیں۔	۳۰۸
بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے اس کے مہر کا قرضدار ہو کر مرنا بہتر ہے۔	۳۰۳	حقیقۃً سود لینا یا سود لینے کا قصد کرنا حرام وگناہ ہے۔	۳۰۹
سودی کاروبار میں معاونت کرنا بھی گناہ ہے۔	۳۰۴	شربت بھی شراب سمجھ کر پینا حرام ہے۔	۳۰۹
سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور آئندہ نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ جو لیا ہے وہ واپس کرے۔	۳۰۴	اپنا حق جس کے وصولی پر قادر نہ ہو عقود فاسدہ کے ذریعہ وصول کرسکتا ہے تصحیح نیت البتہ ضروری ہے۔	۳۰۹
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔	۳۰۴	مالک اور غلام کے درمیان سود نہیں۔	۳۰۹
سود کے بارے میں چھ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۳۰۵	شرکت معاوضہ اور شرکت عنان کے شرکاء کے درمیان بھی سود نہیں۔	۳۰۹
مورث نے سو روپیہ دیا، وارث کو سود لینا حرام ہے۔	۳۰۶	مباح مال صاحب مال کی رضامندی سے عقود فاسدہ کے ذریعہ لے سکتا ہے۔	۳۱۰
اللہ تعالٰی نے تحریم سود کی آیت اترنے سے پہلے کے سود کو بھی وصول کرنا حرام ٹھہرایا۔	۳۰۶	مسئلہ دائرہ میں حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عمل سے استدلال۔	۳۱۰
سودی قرض کی ڈگری پر بھی شرح سود گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہوتی ہے، تو دونوں ہی طرح کا سود وصول کرنا حرام ہے۔	۳۰۶	اصل حکم حقائق پر ہے الفاظ پر نہیں۔	۳۱۰
پرامیسری نوٹوں کا سود اس لئے بھی وصول کرنا حرام ہے کہ اس کو گورنمنٹ مقرر کردہ کسی مصرف میں صرف کریگی۔	۳۰۷	ربٰو کی تعریف۔	۳۱۱
مال مباح یا اپنا حق عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی وصول کرسکتے ہیں۔	۳۰۷	کسی حلال معاملہ کو کسی نے حرام یقین کیا اور حرام سمجھ کر ہی اسے برتا تو وہ اللہ تعالٰی کا مجرم ہوا۔	۳۱۱
پرامیسری نوٹوں کو دوسرے کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں۔	۳۰۷	دور سے کسی کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر اس کو نظر بد سے دیکھا گنہگار ہوا۔	۳۱۱

بغیر کسی مصلحت کے کسی حلال چیز کا حرام نام رکھنا مکروہ ہے۔	۳۱۱	دارالحرب میں قدر اور ربا بالاتفاق حرام ہیں	۳۱۷
عورت کو ماں، بیٹی کہنا ظہار نہیں۔	۳۱۲	شرمگاہ حلال ہونے کا شرع نے ایک مخصوص طریقہ بتایا ہے۔	۳۱۷
مصلحت شرعی سے بیوی کو بہن کہنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے سند۔	۳۱۲	مال صاحب مال کی رضا سے حلال ہے۔	۳۱۷
کسی امر مباح کا حصول بھی مصلحت شرعی میں داخل ہے۔	۳۱۳	مسلمان جو دارالحرب میں گیا اس سے سود حرام ہے مسلم غیر مہاجر سے حلال ہے۔	۳۱۸
مسائل مولٰی والعبد وشرکائے عنان وغیرہ میں سود نہ ہونے کا معاملہ ماخوذ منہ کے حربی اور محل کا دارالحرب ہونے پر موقوف نہیں۔ ہاں حقیقی ربا کا منتفی ہونا اور قصد ربا کا نہ ہونا ضروری ہے۔	۳۱۳	احکام قضاء دارالحرب اور دارالبغاۃ میں نافذ نہیں جہاں حکم قضاء نہیں۔	۳۱۸
حربی کے مال میں ربا نہ ہونے کی شرط میں دارالحرب کی قید مستامن کے نکالنے کے لئے ہے، حربی مستامن کا مال دارالاسلام میں بھی حلال ہے۔	۳۱۴	قرضدار کو مال زکوۃ دے کر اپنا قرض مانگیں، نہ دے تو زبردستی چھین سکتے ہیں۔	۳۱۹
حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے اور مال اصحاب دیون ومظالم بقدر دیون ومظالم محظور نہیں۔	۳۱۴	مال مباح کا غصب وسرقہ جائز ہے۔	۳۱۹
مفتٰی بہ یہ ہے کہ مستحق اپنا حق بہرحال لے سکتا ہے جس حق کا مالک فوت ہوگیا اور کوئی وارث نہیں تو اس کو اپنی یا دوسرے کی ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں۔	۳۱۵	عقود فاسدہ اور غصب وسرقہ کا فرق۔	۳۱۹
ہمارے ائمہ پر جواز ربا کا قول غیر مقلدوں کا افتراء ہے۔	۳۱۶	قرض دیتے وقت زائد دینے کی شرط نہ ہو نہ لفظاً نہ عرفاً، تو زائد دینا جائز ہے۔	۳۲۰
دارالاسلام میں ربا کی حرمت شرف دار کی وجہ سے نہیں، مسئلہ کی مکمل تحقیق۔	۳۱۶	قرض سے زائد دینے پر حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استدلال۔	۳۲۰
اختلاف دار سے کوئی شے حرام سے حلال نہیں ہوتی۔	۳۱۶	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثوں سے استدلال۔	۳۲۰
مذہب معتمد میں کفار مخاطب بالفروع ہیں۔	۳۱۷	زائد قابل تقسیم ہو تو اس کو علیحدہ سے دینا چاہئے مخلوط رہے گا تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔	۳۲۱

صدقہ مشاع جائز ہے۔	۳۲۲	اتحاد قدر وجنس کی صورت میں تفاضل اور نسیئہ حرام ہونے پر مبیع متساوی بھی فائدے سے خالی نہیں اس کی چند مثالیں۔	۳۲۴
عام حالت میں سود ناجائز ضرورت شرعی کے وقت جائز ہے۔	۳۲۲	شرع مطہر نے دست بدست برابر برابر بیع کرنا واجب نہیں کیا بلکہ محض جائز قرار دیا ہے۔	۳۲۵
سود کسی کے ساتھ جائز نہیں	۳۲۲	سود قرار دے کر کسی سے لے حرام ہے۔	۳۲۵
دستاویز میں سود کی تحریر ناجائز اگرچہ نیت لینے کی نہ ہو۔	۳۲۲	غیر مسلم جو ذمی اور مستامن نہ ہو اپنی رضا سے کسی غدر کے بغیر عقود فاسدہ کے نام سے جو رقم دے اس کا لینا جائز ہے۔	۳۲۵
بیع کے وقت غلہ ادھار دیا اور ثمن متعین کردیا، بعد میں اس ثمن کا غلہ بازار بھاؤ سے زائد لیا، اگر زائد رضا سے بلا کسی جبر کے دیا تو حلال ورنہ حرام۔	۳۲۳	ہر شخص کی نیت خود اس کے لئے معتبر ہے نہ کہ دوسرے کے لئے۔	۳۲۵
سود ہر ایک سے حرام، اپنا کوئی حق کسی جائز حیلہ شرعی سے لینا اور بات ہے۔	۳۲۳	جس طرح بُرے کام سے بچنا ضروری ہے. برے نام سے بچنا بھی ضروری ہے۔	۳۲۵
سود کی تحریر میں اللہ تعالٰی نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ فلاں سے لینا حلال اور فلاں سے حرام بلکہ مطلقًا حرام فرمایا اور وہ مطلقًا حرام ہے کافر سے ہو یا مسلم سے۔	۳۲۳	باہمی رضامندی سے حرام حلال نہ ہوجائے گا۔	۳۲۶
بنک کے منافع کو سود سمجھ کرلینے کا حکم۔	۳۲۳	سود کی تعریف اور حکم۔	۳۲۶
دس روپے کا مال کسی کو دلوادیا اور گیارہ لینے کی شرط لگادی، سود ہوا۔	۳۲۴	پنواڑی کو قرض دے کر منافع میں پان کھاتے رہنا سود ہے۔	۳۲۶
قرض بیع سے علیحدہ ایک معاملہ ہے جس کو شرع شریف نے لوگوں کو احتیاج کی حکومت سے مشروع فرمایا۔	۳۲۴	کم وبیش پر نوٹ کی بیع ہندو مسلمان سب سے جائز ہے۔	۳۲۷
روپیہ قرض لینا جائز ہے۔	۳۲۴	نوٹ قرض دے کر زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے منع اور ہندو سے جائز، مگر وہ سود نہیں اور اس کو سود سمجھ کرلینا منع ہے۔	۳۲۷
غلہ قرض لینا جائز اور حدیث صحیح سے ثابت ہے۔	۳۲۴	شرعی مجبوری پر سودی قرض لے سکتے ہیں۔	۳۲۷
اموال ربویہ میں وصف کا اعتبار ساقط ہے۔	۳۲۴	کسی نے دس روپے قرض مانگے اس نے روپے کے بجائے اتنے کے گیہوں دے دئے اب اس سے زائد وصول کرنا سود ہے۔	۳۲۷

روپیہ قرض دے کر غلہ کی صورت میں ادائیگی کی شرط باطل ہے۔	۳۲۷	مبیع اور اس کے ساتھ شرط حرام ہے۔	۳۳۳
روپیہ دے کر غلہ کی خریداری کا معاملہ کیا یہ سلم ہوئی۔	۳۲۷	معاملہ باطل کو ایمانداری کا نام دینا حرام ہے۔	۳۳۳
جوئے کی ایک نئی صورت کا تفصیلی بیان اور اس کا شرعی حکم۔	۳۲۹	چٹھی کے ذریعہ مال کی فروخت جوا ہے۔	۳۳۴
نقل اشتہار متعلقہ صورت جُوا۔	۳۲۹	بنک میں جمع کی ہوئی رقم پر جو زائد پیسے ملتے ہیں اس کی صورت سود کی ہے، اس کو سود جان کر لینا حرام ہے، ہاں اپنا کوئی حق یا مال مباح سمجھے تو اس طرح وصول کرنا جائز ہے۔	۳۳۴
ترجمہ متعلقہ ٹکٹ۔	۳۲۹	نقد قرض دے کر اس کا غلہ وصول کرنے کی شرط باطل ہے۔	۳۳۴
جوئے کی تعریف۔	۳۳۰	بیع سلم کے طور پر پیشگی دے تو شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۳۳۴
اس قسم کا اعلان کہ ایک روپیہ میں ہم پانچ ٹکٹ بھیجیں گے ان ٹکٹوں کو پانچ روپے میں بیچ کر روپیہ ہم کو بھیج دو تو ہم فلاں سامان دیں گے، وعدہ ہے بیع نہیں ہے۔	۳۳۰	روپیہ قرض دے کر منافع میں آدھا ساجھا رکھنا سود ہے اور بطور مضاربت یہ معاملہ جائز ہے۔	۳۳۵
عقد بیع اور وعدہ میں بڑا فرق ہے۔	۳۳۰	سودی کاروبار پر قرآن وحدیث کی وعیدیں۔	۳۳۵
علماء نے صبی لایعقل کی یہ پہچان بتائی کہ مبیع لے کر پیسہ بھی واپس مانگے۔	۳۳۰	حالت سدھارنے کی نیت سے بھی یہ کاروبار حرام ہے۔	۳۳۵
خوف اور طمع انسان کو جدوجہد پر ابھارتے ہیں۔	۳۳۰	سودی لین دین میں دین ودنیا کی بربادی کا بیان۔	۳۳۵
اکل مال باطل اور ضرر وضرار کی تفصیل	۳۳۱	قرض خواہ کے ساتھ بطور بروصلہ کسی کرایہ کے معاملہ میں رعایت جائز ہے۔	۳۳۶
چٹھی بھی قمار کی ایک صورت ہے۔	۳۳۱	اختلاف جنس کی صورت میں تفاضل جائز ہے اور بطور بیع سلم ہو تو شرائط کے ساتھ اجل بھی جائز ہے۔	۳۳۷
قمار میں غش وضرار ہوتا ہے۔	۳۳۱	نرخ بازار سے کم پر ادھار بیچنا جائز ہے۔	۳۳۷
مسلمان کی بدخواہی اور ضرر رسانی پر احادیث وعید۔	۳۳۲	سود کو اضافہ کا نام دے دینے سے حرام ہونے سے نہ بچے گا۔	۳۳۷
مال کی تعریف۔	۳۳۲	سونے چاندی کے معاملہ میں جُزیا کل رقم ادھار رکھنا حرام ہے۔	۳۳۸

روپیہ اور پیسوں کے معاملہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے۔	۳۳۸	کافر کو دھوکا دینا جائز نہیں۔	۳۴۲
زید نے ایک روپے کی دو چونیاں اور آٹھ آنے پیسے مانگے تو ادھار حرام ہے۔	۳۳۸	مسلمانوں کے کواپریٹو بنک کا سودی کاروبار حرام ہے اور ایسے بنک کا ممبر بننا اعانت علی الاثم ہے۔	۳۴۳
روپیہ بھنانے کے معاملہ میں چاندی کی اٹھنیاں ہو تو طرفین کی فوری ادائیگی ضروری ہے۔	۳۳۸	سود لینا دینا ضرور برابر ہے لیکن ضرورت شرعیہ کے وقت دینے میں حرج نہیں۔	۳۴۳
پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے غیر مسلم لوگوں سے مال مباح سمجھ کر لینے میں حرج نہیں۔	۳۳۹	عوام کے افعال سے سند جہالت ہے۔	۳۴۳
پانچ روپے ماہوار منافع پر کوئی رقم لی، رقم کے بدلے مکان رہن رکھا، یہ معاملہ مسلمان سے ہو تو ناجائز وحرام ہے کہ سود لکھا تب بھی حقیقۃً سود ہے، اور اس رقم کو مکان مکفولہ کا کرایہ سمجھا تب بھی حرام کہ ایک مکان غیر مالک سے اپنا مکان کرایہ پر نہیں لے سکتا غیر مسلم ایسا منافع دے تو لینا جائز ہے۔	۳۴۰	ایسا شخص امامت کے لائق نہیں۔	۳۴۴
کوآپریٹو بنک بنا کر سود پر چلانا حرام ہے۔	۳۴۰	سود کسی قوم سے لینا جائز نہیں، البتہ مال مباح عقود فاسدہ سے حاصل کرنا جائز ہے۔	۳۴۴
سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہو سکتا۔	۳۴۰	مسلم بنک سے زائد رقم نہ اپنے لئے وصول کر سکتے ہیں نہ کسی انجمن کے لئے۔	۳۴۴
احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے۔	۳۴۰	جس میں صرف منافع سے واسطہ رہے نقصان کی ذمہ داری نہ ہو جائز نہیں۔	۳۴۴
سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، اور اس پر گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۳۴۱	کسی فرد واحد سے بھی یہ معاملہ حرام ہے۔	۳۴۴
سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہو تو ڈبل ملعون ہے۔	۳۴۱	سود کی متعدد صورتوں کا بیان۔	۳۴۵
حرام جان کر سود لینا دینا فسق وفجور اور حلال جان کر ایسا کرنا کفر وارتداد ہے۔	۳۴۱	ایک فقہی عبارت کا مطلب۔	۳۴۵
سود کو سود سمجھ کر کسی سے لیا حرام ہوا۔	۳۴۱	کیلی یا وزنی مبیع کو بائع نے مشتری یا اس کے وکیل کے سامنے ناپ تول دی تو دوبارہ ناپنے یا تولنے کی ضرورت نہیں۔	۳۴۵
مال مباح جو بلا غدر عقد فاسد کے ذریعہ حاصل ہوا حلال ہے۔	۳۴۱	مسلمان زمیندار کے ہندو کارندوں کو مسلمان کاشتکاروں سے مالگذاری کا سود وصول کرنا حرام اور زمیندار کا علم کے باوجود اس پر خاموش رہنا گناہ۔	۳۴۶

ہندو آسامیوں سے ایسا معاملہ کیا جاسکتاہے خواہ زمیندار خود کرے یا اس کے کارندے لیکن سود جان کر نہیں، مال مباح جان کر۔	۳۴۶	مرتد اور حربی سے عقود فاسدہ کا حکم۔	۳۴۹
زید نے لڑکی کی شادی یا بیوی کی فاتحہ کے لئے سودی قرض لیا، عمرو نے گروی رکھنے کے لئے زید کو زیور دے کر مدد کی، خالد جان بوجھ کر اس کام کے لئے زید کے ساتھ ہوا، بکر لاعلمی میں یہ معاملہ حرام ہوا، اور بکر کے علاوہ سب گنہ گار ہوئے، اور علم کے بعد بکر الگ نہ ہوا تو وہ بھی گنہ گار۔	۳۴۷	مال مباح کو عقد فاسد سے حاصل کرنے میں اگر بدنامی کا ڈر ہو کہ جاہل عوام سود خور مشہور کریں گے تو اس سے بچنا چاہئے۔	۳۴۹
گیہوں، جو، چنا سے آلو، شکر قند اور میووں کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے۔	۳۴۷	بُرے کام اور بڑے نام دونوں سے بچنا چاہئے۔	۳۴۹
گیہوں اور جو سے بقیہ کی جنس کے ساتھ قدر بھی مختلف ہیں۔	۳۴۷	عقود فاسدہ مع الحربی کی مزید چند صورتیں۔	۳۵۰
گیہوں گیہوں، جو جو میں تفاضل اور ادھار دونوں حرام، اور جنس میں اختلاف ہو تو تفاضل حلال اور ادھار حرام۔	۳۴۸	نوٹ کی بیع تفاضل ونسیہ ہر طرح ہر ایک سے جائز ہے۔	۳۵۰
معاملہ فاسدہ کی دو صورتیں۔	۳۴۸	جو نوٹ بائع نے فروخت کیا اگر مشتری نے بعینہٖ وہی نوٹ قیمت میں لوٹادیا تو بیع نہ ہوگی۔	۳۵۰
بوہرے رافضی مرتد ہیں۔	۳۴۸	سود حرام قطعی ہے اس کی آمدنی حرام اور خبیث محض ہے۔	۳۵۱
ہر مرتد کافر بلکہ کافروں کی بدتر قسم ہے۔	۳۴۸	اللہ تعالٰی پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔	۳۵۱
کفار ہندی ذمی ومستامن نہیں۔	۳۴۸	ربا زنا سے بدرجہا بدتر ہے۔	۳۵۱
ذمی اور مستامن کی تعریف۔	۳۴۸	ربا تہتر ۷۳ گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سے کمتر یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔	۳۵۱
کس کس کافر کا مال کس کس صورت میں مسلمان کو لینا جائز ہے۔	۳۴۸	فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مال حرام دیا گیا پھر وہ دینے والے کے لئے دعا کرے اور دینے والا آمین کہے دونوں تجدید اسلام اور تجدید نکاح کریں۔	۳۵۲
غدر اور بدعہدی مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے۔	۳۴۸	بیاج کی حرمت کا قائل ہوتے ہوتے بیاج لیا تو حرام ہی ہوگا۔	۳۵۲

بیاج کی آمدنی مسجد میں لگانا منع ہے۔	۳۵۲	ہنڈی میں غیر مسلموں سے بھی احتیاط برتی جائے۔	۳۵۶
مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔	۳۵۲	روپیہ قرض دے کر زائد کی شرط کی یہ سود ہے، نزول قرآن کے وقت یہی رائج تھا۔	۳۵۶
فقیر نے یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ اس نے مال حرام دیا اس کے لئے دعا کی تو وہ بھی تجدید اسلام کرے۔	۳۵۲	دس کا نوٹ سو کو بیچا یہ سود نہیں۔	۳۵۶
مال حرام کا حکم یہ ہے کہ اصل مالک کو واپس ہو، وہ نہ ملے تو فقیر کو دے دے بطور توبہ، نہ بطور احسان۔	۳۵۲	سود کے ابتلائے عام سے متعلق ایک سوال۔	۳۵۷
ملک بدلنے سے مال کا حکم بدل جاتا ہے۔	۳۵۲	احکام الٰہی کی وجہ دریافت کرنے کا کسی کو حق نہیں۔	۳۵۸
روپیہ قرض دے کر زائد لینا سود ہے۔	۳۵۳	رعایا آج ملکی قانون پر حرف گیری کی جرأت نہیں کرتے۔	۳۵۹
روپیہ کو ۱۷ آنہ میں بیچنا اور دام بعد میں لینا اس صورت میں جائز ہے کہ روپیہ اسی مجلس میں دے دیا ہو۔	۳۵۳	سود لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے۔	۳۵۹
ایک مہینہ سے کم کے لئے بیع سلم نہیں۔	۳۵۳	بضرورت شرعی سود لینا جائز ہے۔	۳۵۹
آج روپیہ دے کر بعد میں مبیع لینا بیع سلم ہے۔	۳۵۳	سود خوروں کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے، لیکن حرام اس وقت تک نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا بعینہٖ سود ہے۔	۳۵۹
سود کی ایک الجھی ہوئی صورت کا حکم۔	۳۵۵	آج کل کی بے قید تجارت میں وہی گرفتار ہوگا جو کل قیامت کی فکر سے بے نیاز ہوگا۔	۳۶۰
بلاوجہ شرعی آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا از روئے قرآن ممنوع ہے۔	۳۵۵	مسلمانوں کو کافروں کی آسائش کی طرف نگاہ نہ اٹھانے کا پہلے ہی حکم دیا گیا ہے۔	۳۶۰
قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے وہ سود ہے۔	۳۵۵	جس چیز کا بعینہٖ مال حرام ہونا معلوم نہ ہو چندہ میں لیا جاسکتا ہے۔	۳۶۰
سود کو اپنا حق بتانے سے توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح لازم ہے۔	۳۵۵	قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے بروصلہ کے طور پر زائد ادا کرنا سود نہیں ہے۔	۳۶۱
فصل پر غلہ خریدا کہ بیچ کر گراں بکے گا اس میں کوئی حرج نہیں۔	۳۵۶	یہاں غیر مسلموں سے مال مباح عقود فاسدہ سے حاصل کرنا جائز ہے۔	۳۶۲
جس روکنے سے شہر والوں پر تنگی ہو وہ منع ہے۔	۳۵۶	کمپنی کے حصص کی بیع شراء کا حکم۔	۳۶۲
ہندوستان دارالاسلام ہے البتہ یہاں کے غیر مسلم حربی ہیں ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔	۳۵۶	حصص شرعاً کوئی چیز نہیں، کمپنی میں جتنا روپیہ جمع کیا وہ جمع کرنے والے کی ملک میں ہیں اور ایسے روپوں کی بیع بیع صرف ہے جس میں تقابض بدلین ضروری ہے اور کمی بیشی حرام ہے۔	۳۶۲

حصص کے منافع کا سود حرام ہے۔	۳۶۲	ہندوستان دارالاسلام ہے۔	۳۶۸
جتنا روپیہ کمپنی میں جمع کیا یا اس کا جو مال ہو اس پر زکوۃ فرض ہے۔	۳۶۲	سود کے نام سے کسی سے کچھ لینا حرام ہے۔	۳۶۸
حرمت سود کی وعیدیں۔	۳۶۳	اہل حرب کا مال غیر معصوم ہے۔	۳۶۸
سود کے کاروبار میں شریک چار قسم کے آدمیوں پر لعنت ہے۔	۳۶۳	مال مباح کا عقود فاسدہ کے ذریعہ حاصل کرنا ربا نہیں ہے۔	۳۶۸
کسی کو اسراف اور فضول خرچی سے روکنے کے لئے اس سے لیا ہوا سود واپس نہ کرنا حرام ہے۔	۳۶۳	جو کافر دارالحرب میں ایمان لایا اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کی اس کا مال بھی غیر معصوم ہے۔	۳۶۸
غریبوں کی مدد کی خاطر بھی سودی کاروبار حرام ہے۔	۳۶۳	مستامن کافر ہی کیوں نہ ہو اس کا مال محفوظ ہے۔	۳۶۹
بیمہ سے متعلق سوال جو بیمہ کی چار صورتوں پر مشتمل ہے۔	۳۶۴	دارالاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال غیر محفوظ ہے۔	۳۶۹
بیمہ عقد شرعی نہیں، یہ جواہے۔ غیر مسلم کمپنی سے یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ کوئی غیر شرعی پابندی نہ ہو اور ہر طرح اپنا نفع ہو۔	۳۶۵	مسئلہ کی تصدیق عمل صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔	۳۶۹
غلہ بطور قرض بازار بھاؤ سے کم باہمی تراضی کے ساتھ بیچنا جائز ہے جبکہ نرخ وقیمت و وعدہ ادائے قیمت سب وقت بیع متعین کردئے جائیں۔	۳۶۶	مباح صورتوں میں سے کچھ صورتیں قانوناً جرم ہیں۔	۳۶۹
مذکورہ بالا بیع غلہ کے بدلہ کیا جائز نہ ہوگی۔	۳۶۶	ان سے بھی بچنا چاہئے۔	۳۶۹
بیع کے وقت قرض کا ذکر نہ ہوا، اور جو دام مشتری کے ذمہ آیا اس کے لئے عقد کے بعد یہ طے ہوا کہ زرِ ثمن کے بدلہ غلہ لے لیں گے، یہ جائز ہے۔	۳۶۶	کپڑے کو عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھنا گناہ ہے۔	۳۷۰
دارالاسلام کی تعریف۔	۳۶۷	بیمہ کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصہ سے سوال۔	۳۷۰
سود کسی سے حلال نہیں، سود خور، اس کا تمسک لکھنے والا، اس کی دلالی کرنے والا سب گنہگار ہے۔	۳۶۷	ایسے معاملات کے قبائح کا تفصیلی بیان۔	۳۷۱
حرام مال پر عقد و نقد دونوں جمع نہ ہوں تو حلال۔	۳۶۷	ایسے معاملات میں روپیہ لگانے کی چار صورتیں ممکن ہیں۔	۳۷۱
غلط کاروں سے خلاء ملاء نامناسب ہے۔	۳۶۸		

قرض وعاریت ان دونوں کاایک حکم ہے ان پر نفع حقیقی سود ہے۔	۳۷۱	کابلی مسلمان جو یہاں غیر مسلموں سے عقود فاسدہ کا معاملہ کرتے ہیں ان سے معاشرتی برتاؤ کاحکم۔	۳۸۱
بطور شرکت شرعًا اس میں نفع اور نقصان دونوں میں شرکت ضروری ہے، اوران معاملات میں صرف نفع میں شرکت ہوتی ہے۔	۳۷۱	سود خوروں سے مقاطعہ۔	۳۸۲
ہبہ کی ایک ناممکن صورت۔	۳۷۲	مستقرض سے انتفاع کی ایک صورت	۳۸۲
بنک کی زائد رقم کاحکم۔	۳۷۵	رہن اور اجارہ دونوں عقد منافی ہیں۔	۳۸۲
سیونگ بنک کی زائد رقم کاحکم۔	۳۷۶	شے واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال ہے۔	۳۸۲
بنک کے ایک معاملہ کاحکم۔	۳۷۷	مستقرض اپنی کسی جائداد سے مقرض کو فائدہ پہنچانا چاہے تو مقرض کو نوکر رکھ لے اور معمول سے زیادہ معاوضہ دے۔	۳۸۳
بنک میں کوئی مسلمان شریک ہو تو زائد رقم وصول کرنا منع ہے۔	۳۷۸	مستقرض سے انتفاع کی چند شرعی صورتیں۔	۳۸۳
بنک سے کئی بار قرض لیا، اس نے سود وصول کیا اب وہ زائد رقم دے تو اپنے حق کی وصولی سمجھ کرلے سکتا ہے۔	۳۷۸	مستقرض سے انتفاع کی چند جائز صورتیں۔	۳۸۴
سود کامال ملک خبیث ہے۔	۳۷۹	کسی نے سوروپے کانوٹ سوا سو میں ایک سال کے لئے بیچا عقد جائز ہوا چھ مہینہ بعد قیمت دے دے تو صرف ساڑھے بارہ لے سکتا ہے۔ زائد حرام ہوگا۔	۳۸۴
ملک خبیث اس کے اصل مالک کو وہ نہ ہو تو فقیر کو دینا ضروری ہے۔ خود کھانا حرام ہے۔	۳۷۹	نوٹ کے علاوہ کوئی چیز جس کو ادھار کی وجہ سے بازار بھاؤ سے زائد پر بیچا مشتری وقت سے پہلے دام ادا کردے تو گزشتہ ایام کی مقدار سے زائد حرام ہے۔	۳۷۵
ورثاء کو مال متعین کے بارے میں ملک خبیث ہونا معلوم ہو تو وہ بھی وہی کریں اور معلوم نہ ہو یا سب مخلوط ہوں تو ورثہ کے لئے جائز ہے۔	۳۷۹	قرضخواہ کے پاس قرضدار اپنی کوئی چیز امانت رکھے اور اس کی حفاظت ونگرانی کا ماہانہ کچھ مقرر کردے، مگر یہ خیال رہے کہ اجرت اس چیز کی قیمت سے زائد نہ ہونا چاہئے مستقرض سے انتفاع کی یہ بھی ایک صورت ہے۔	۳۸۵
علانیہ سود خوروں کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔	۳۸۰	وثیقہ رہن سود ہے۔ سود سے بچنے کے طریقے۔	۳۸۶
شادی اور زندگی کے بیمہ کی حرمت۔	۳۸۱	سود لینا حرام اور ضرورت شرعیہ کے وقت دینا معاف۔	۳۸۷

سود سے بچنے کی سبیل۔	۳۸۷	مال کا معنی۔	۳۹۸
گورنمنٹ قرض پر جو منافع دے سود سمجھ کر لینا جائز نہیں۔	۳۸۸	تقویم مالیت کو مستلزم ہے۔	۳۹۸
اہل تقوی کو اس سے بھی احتراز چاہئے کہ جاہل متہم نہ کریں۔	۳۸۹	کلام ائمہ میں نوٹ کا جزئیہ۔	۳۹۹
فصل پر بازار بھاؤ سے تین سیر زائد فی روپیہ کے حساب سے چنے کا معاملہ ہوا، روپیہ دے دیا، اب چنے کے بجائے زائد روپیہ لینا جائز نہیں۔	۳۸۹	گنگوہی صاحب کا رد۔	۳۹۹
قانونا کوئی قرض بے سود نہیں دیا جاسکتا نالش کے ذریعہ اصل مع سود وصول ہوا تو حکم شرعی یہ ہے کہ قرض خواہ اپنی اصل رقم لے کر باقی قرضدار کو واپس کرے۔	۳۹۰	نوٹ کی بھاری قیمتوں کا بیان۔	۴۰۲
جواب دیوبندی۔	۳۹۰	مکتوب کی مالیت نہیں ہے۔	۴۰۳
نالش کے اخراجات کے برابر سود سے وضع کرنے کے ایک دیوبندی فتوے کی تردید۔	۳۹۰	مال کی چار قسمیں اوران میں فقہی مباحث	۴۰۴
سود لینے پر وعیدیں۔	۳۹۱	قسم اول	۴۰۴
زید کا روپیہ کسی پر باقی تھا عمرو نے ضمانت لی، زید کے مطالبہ پر عمرو نے انکار کیا، زید نے قاضی کے یہاں دعوی کیا اب عمرو نے مہلت چاہی اس نے اس شرط پر مہلت دی کہ کچہری کی دوڑ دھوپ میں میرا جو خرچ ہوا عمرو ادا کرے اس نے ادا کردیا، پھر اصل قرض بھی دے دیا تو اب عمرو زید سے کچہری کی دوڑ دھوپ والا تاوان پانے کا حقدار ہے۔	۳۹۱	قسم دوم۔	۴۰۵
مسجد کی رقم سے پرامیسری نوٹوں کی خریداری کا حکم۔	۳۹۳	معروضہ علی الشامی	۴۰۵
○ **کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم** (کاغذ نوٹ کے بارے میں علماء مکہ مکرمہ کے بارہ سوالوں کا تحقیقی جواب)	۳۹۵	قسم سوم۔	۴۰۶
حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے نہ کہ مال کا تمسک ہے۔	۳۹۸	تطفل علی تنویر الابصار۔	۴۰۶
بارہ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۳۹۸	قسم چہارم۔	۴۰۸
نوٹ کی حقیقت۔	۳۹۸	نوٹ ایک متاع یعنی مال ہے سند نہیں کیونکہ ایک پرچہ کاغذ ہے۔	۴۰۸
نوٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔	۳۹۸	نوٹ اصطلاح میں ثمن ہے کیونکہ اس کے ساتھ ثمن جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔	۴۰۸
کاغذ مال متقوم ہے۔	۳۹۸		

جواب سوال اول۔	۴۰۹	قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہو گی۔	۴۱۵
جواب سوال دوم۔	۴۰۹	قنیہ جب قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہو گی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے۔	۴۱۵
نوٹ پر زکوۃ	۴۰۹	اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ کہ ناقل کا۔	۴۱۵
جواب سوال سوم۔	۴۱۰	نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو۔	۴۱۶
نوٹ مہر ہو سکتا ہے۔	۴۱۰	عبارات فقہاء میں لفظ کاغذۃ میں تاء وحدت لانے کا فائدہ۔	۴۱۷
جواب سوال چہارم۔	۴۱۰	دلیل نقلی سے فرع قنیہ کا رد۔	۴۱۷
نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا۔	۴۱۰	فرع قنیہ کا دلیل عقلی سے رد۔	۴۱۷
جواب سوال پنجم۔	۴۱۰	ملک ہند کی وسعت اور اس کے طول وعرض کی حدیں۔	۴۱۸
نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا۔	۴۱۰	عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔	۴۲۰
جواب سوال ششم۔	۴۱۱	بھیک مانگنا ذلت وحرام ہے۔	۴۲۰
نوٹ داموں سے بیچنا جائز ہے۔	۴۱۱	دوسروں کا مال چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔	۴۲۰
عمدہ فقہی مسائل ومباحث وتنقیحات۔	۴۱۱	بیع کی مشروعیت میں مکلّف محتاجوں کی بقا اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے۔	۴۲۱
مصنف کی تحقیق کہ صحت بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضرور نہیں۔	۴۱۲	مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔	۴۲۲
تقوم میں شیئ کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھا۔	۴۱۲	مسئلہ قنیہ کی ایک توجیہ۔	۴۲۲
مالیت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے۔	۴۱۳	جواب سوال ہفتم۔	۴۲۴
تنویر پر تطفل۔	۴۱۵	نوٹ کو متاع سے بدلنا مطلق ہے۔	۴۲۴
آداب مفتی کے بعض فوائد۔	۴۱۵	جواب سوال ہشتم۔	۴۲۴
قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔	۴۱۵		

نوٹ قرض دینا جائز ہے۔	۴۲۴	ایک عام قاعدہ جس پر باب ربا کے تمام مسائل کا مدار ہے۔	۴۴۵
جواب سوال نہم۔	۴۲۵	مولوی عبدالحٔی لکھنوی صاحب کی عادت۔	۴۴۶
روپیہ کے بدلے میں نوٹ قرض بیچنا جائز ہے۔	۴۲۵	مولانا لکھنوی کا رد ۱	۴۴۶
روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں کہ تقابض طرفین شرط ہو۔	۴۲۵	مولانا لکھنوی کا رد ۲	۴۴۷
بیع صرف کی تعریف	۴۲۵	مولانا لکھنوی کا رد ۳	۴۴۷
نوٹ اور پیسوں میں ثمن ہونا اصطلاح کے سبب سے عارض ہوا۔	۴۲۵	مولانا لکھنوی کا رد ۴	۴۴۷
دین کو دین سے بیچنا ممنوع ہے۔	۴۲۵	اموال ربویہ میں مالیت کی کمی بیشی جائز ہے۔	۴۴۸
اس امر کی تحقیق کہ فلوس کو نقدین سے بدلنا جبکہ ایک ادھار ہو جائز ہے۔اور قاری الہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ کی تصنیف۔	۴۲۹	لکھنوی صاحب کے شبہہ کے تین جواب۔	۴۴۸
اس معنی کی تضعیف جو علماء نے جامع صغیر کی عبارت سے سمجھا اورعلامہ شامی نے قاری الہدایہ کی اس سے تائید کی،اور ذخیرہ وبحر وغیرہ پر تطفل۔	۴۳۰	ایک درم کو ۱۲اشرفی بلکہ ہزار اشرفی کے بدلے بیچ سکتے ہیں۔	۴۴۹
تطفل ۲۔	۴۳۷	ایک شبہ کا بیان۔	۴۴۹
تطفل ۳۔	۴۳۸	ربوی کا اپنی جنس سے بدلنا جب کم والے نقد کے ساتھ اور کوئی چیز ہو مسئلہ اخری ہے۔	۴۴۹
معروضہ برعلامہ شامی ۱	۴۴۱	مالیت میں تفاضل کے ساتھ کراہت تنزیہی ہے۔	۴۵۰
معروضہ برعلامہ شامی ۲	۴۴۱	پہلا جواب۔	۴۵۲
علامہ قاری الہدایہ پر تطفلات۔	۴۴۱	دوسرا جواب۔	۴۵۲
جواب سوال دہم۔	۴۴۱	تیسرا جواب۔	۴۵۳
نوٹ میں سلم جائز ہے۔	۴۴۱	فتوٰی مطلقًا امام کے قول پر ہے۔	۴۵۵
اس مسئلہ کی تحقیق اورامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قول کی تنقیح۔	۴۴۱	چوتھا جواب۔	۴۵۵
فتح القدیر پر تطفل	۴۴۲	کراہت کے مختلف اطلاقات۔	۴۵۷
جواب سوال یازدہم۔	۴۴۵	اس امر کے دلائل کہ مالیت میں تفاضل مکروہ تحریمی نہیں ہے۔	۴۵۹
نوٹ کو کم اور زیادہ بیچنا جائز ہے۔	۴۴۵		

سود سے بچنے کی تدبیر ۱	۴۶۱	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی پانچویں دلیل۔	۴۷۲
سود سے بچنے کی تدبیر ۲	۴۶۱	مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور تنزیہی گناہ نہیں ہے۔	۴۷۳
سود سے بچنے کی تدبیر ۳	۴۶۲	فاضل لکھنوی کی لغزش کی طرف اشارہ۔	۴۷۳
سود سے بچنے کی تدبیر ۴	۴۶۳	مالیت میں تفاضل مکروہ تحریمی نہ ہونے کی چھٹی دلیل۔	۴۷۴
سود سے بچنے کی تدبیر ۵	۴۶۴	ایک پیسہ سو معین پیسہ کے بدلے میں بیچنا جائز ہے۔	۴۷۴
خانیہ پر تطفل۔	۴۶۴	مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ساتویں دلیل۔	۴۷۴
بیع عینہ کا بیان۔	۴۶۴	تطفل علی الفتح۔	۴۷۵
سود سے بچنے کی تدبیر ۶	۴۶۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی آٹھویں دلیل۔	۴۷۶
سود سے بچنے کی تدبیر ۷	۴۶۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی نویں دلیل۔	۴۷۶
بیع عینہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۴۶۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی دسویں دلیل۔	۴۷۶
علم اصول فقہ اور علم حدیث میں مرسل کی تعریفوں میں فرق ہے۔	۴۶۶	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا پہلا جواب۔	۴۷۷
حدیث عینہ کی پرکھ۔	۴۶۷	کسی چیز کا خود واجب ہونا اور بات ہے اور دوسری چیز کے لئے واجب ہونا اور بات ہے۔	۴۷۷
مجتہد کا کسی کو سند میں ذکر کرنا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔	۴۶۸	کبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں۔	۴۷۷
سب سے افضل کسب کون سا ہے۔	۴۶۹	دوسرا جواب۔	۴۷۷
خرید وفروخت میں کشش کرنا سنت ہے۔	۴۷۰	حدیث "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں" میں واجب سے کیا مراد ہے۔	۴۷۸
مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی دوسری دلیل۔	۴۷۱	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا تیسرا جواب۔	۴۷۹
مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں، اور اختلاف جنس کی صورت میں چاروں حلال ہیں۔	۴۷۱	دولت عثمانیہ کے واقعہ کا ذکر۔	۴۷۹
مالیت میں تفاضل کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی تیسری دلیل۔	۴۷۱	فاضل لکھنوی کا پانچواں رد۔	۴۸۲
چوتھی دلیل	۴۷۱		

فاضل لکھنوی پر مزید سات رد۔	۴۸۳	پہلا رد۔	۵۰۷
فاضل لکھنوی کے وہم کا تیرھواں عظیم رد۔	۴۸۴	عقود میں معانی کا اعتبار ہے۔	۵۰۷
اس امر کا بیان کہ مختلف نقد جب مالیت اور چلن میں برابر ہوں تو اختیار ہے جس میں چاہے قیمت ادا کرے اور اس میں یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی جنس یا قدر مختلف ہونے پر ان میں باہمی کمی بیشی پر بدلنا منع ہے۔	۴۸۶	ہدیہ میں زیادہ عوض دینا سنت ہے۔	۵۰۸
چودھواں رد اس امر کے بیان میں کہ فاضل لکھنوی کے قول پر لازم آتا ہے کہ سود حلال ہو۔	۴۹۰	ایک اونٹنی نذر کے بدلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ناقے عطا فرمائے۔	۵۰۸
پندرھواں رد۔	۴۹۱	عقد میں ایسی تصحیح بالاجماع باطل ہے جس سے اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہو۔	۵۰۹
جواب سوال دوازدہم۔	۴۹۳	بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا جائز نہیں۔	۵۰۹
دس روپے کا نوٹ بارہ کے بدلے سال بھر کے لئے وعدہ پر قسط بندی سے بیچنا جائز ہے سود نہیں ہے۔	۴۹۳	دوسرا رد۔	۵۰۹
قرض ادا کرتے وقت اپنی طرف سے زائد دینا۔	۴۹۴	تمسک ایک معین سے دوسرے معین کے لئے ہوتا ہے۔	۵۰۹
قرض لینے والے کا قرضخواہ سے قرض خرید لینا۔	۴۹۴	نوٹ بالیقین مال ہے اس کو تمسک کہنا اندھا پن ہے۔	۵۰۹
سود سے بچنے کی ترکیبیں۔	۴۹۴	تیسرا رد۔	۵۱۱
ایسی تدبیروں کا قرآن وحدیث سے ثبوت۔	۴۹۶	تمسک کے وجود وعدم پر دین کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا۔	۵۱۱
حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوی جس کا حوالہ مصنف نے جواب سوال یازدہم میں دیا۔	۵۰۲	حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اس کو محتال علیہ یا حویل کہتے ہیں۔	۵۱۴
کاسر السفیہ الواہم فی ابدال قرطاس الدراہم، ٥ الذیل المنوط لرسالۃ النوط (کاغذی نوٹ سے متعلق مولوی رشید گنگوہی اور مولانا عبدالحٔی لکھنوی کے فتووں کا تفصیلی رد)	۵۰۵	گیارھواں رد۔	۵۱۶
رد سفاہت۔	۵۰۶	بارھواں رد۔	۵۱۷
گنگوہی کے ایک فتوی کا رد۔	۵۰۷	پیسوں میں نیت تجارت کی ضرورت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو۔	۵۱۷

تیرھواں رد۔	۵۱۸	قیمتی و مثلی ایک نہیں ہوسکتے۔	۵۲۳
چودھواں رد۔	۵۱۸	متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔	۵۲۴
پندرھواں رد۔	۵۱۸	قبول ذی حق اور اتحاد جنس میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔	۵۲۵
سولھواں رد۔	۵۱۹	عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں۔	۵۲۵
سترھواں رد۔	۵۱۹	نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوتا بلکہ اتحاد قدر بھی لازم ہے۔	۵۲۷
اٹھارھواں رد۔	۵۱۹	نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے۔	۵۲۷
رد وہم۔	۵۲۰	الشجرۃ تنبی عن الثمرۃ	۵۲۸
فاضل لکھنوی پر ایک سو بیس رد۔	۵۲۰	ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں خلقی اور اصطلاحی۔	۵۲۸
مولوی لکھنوی صاحب ہر جواب کے شروع میں ھوالمصوب لکھتے ہیں جو تین وجوہ سے غیر صحیح ہے۔	۵۲۰	ثمن اصطلاحی کی نوعیں نوٹ۔ پیسے اور کوڑیاں ہیں ثمن خلقی ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں سونا اور چاندی۔	۵۲۸
مصوب اور تصویب کا لغوی معنٰی	۵۲۰	شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلف الاغراض ہوں۔	۵۲۸
منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے۔	۵۲۱	نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقۃ الاغراض ہیں۔	۵۲۸
ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعا فرق ہے۔	۵۲۱	نوع حقیقی کسی جنس کا عین نہیں ہوسکتا۔	۵۲۹
حکم شیئ میں ہونا جنس و قدر شیئ میں سے اتحاد نہیں۔	۵۲۲	تغیر لازم نافی عینیت ملزوم ہے۔	۵۲۹
نوٹ بداہۃ ثمن اصطلاحی ہے۔	۵۲۲	لطیفہ جلیلہ۔	۵۳۱
ثمن خلقی واصطلاحی متبائنین ہیں۔	۵۲۲	نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔	۵۳۴
متبائنین میں عینیت محال ہوتی ہے۔	۵۲۲	روپوں میں اور نوٹ میں قدر مشترک نہیں۔	۵۳۴
شرع مطہر عندیہ کا مذہب جنوں رواں نہیں رکھتی۔	۵۲۲	نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اسے ثمن اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔	۵۳۴
ثمن خلقی دو قسم ذہب وفضہ میں منحصر ہے۔	۵۲۲		

روپوں سے اندازہ قیمت نے نوٹ کو روپیہ نہیں کردیا ہر اصطلاحی کااندازہ خلقی سے ہی ہوتا ہے۔	۵۳۴	ادائے قرض تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔	۵۶۲
اصطلاح کی پیروی عاقدین پر لازم نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم وبیش کریں۔	۵۳۴	آج کل فتوٰی اس پر ہے کہ خلاف جنس پر بھی قدرت ہو تو اپنے آتے ہوئے حق کے بدلہ اس پر قبضہ جائز ہے۔	۵۶۲
علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔	۵۳۴	شے مبیعہ پر کسی کا حق نکلے تو مشتری قیمت واپس پانے کا مستحق ہے۔	۵۶۳
پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت علماء نے جائز فرمائی۔	۵۳۴	مشتری کا خریدی ہوئی زمیں پر جدید تعمیر کرلینا استحقاق کے منافی نہیں۔	۵۶۳
علماء نے ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔	۵۳۴	دوسرے کی زمین پر مکان تعمیر کرلینا صاحب تعمیر کو حکم ہوگا کہ اپنی تعمیر ہٹا کر زمین خالی کرے یا باہمی تراضی سے زمین والا تعمیر کا معاوضہ دے دے۔	۵۶۳
تنبیہ	۵۳۶	مشتری نے ایک بسوہ زمین بائع سے خریدی ناپنے پر زمین کم ثابت ہوئی، مشتری کو اختیار کہ اتنی ہی قیمت پر وہ ناقص زمین لے یا بیع توڑدے اور اپنی قیمت واپس لے نقصان کا معاوضہ نہیں ملے گا۔	۵۶۴
تسجیل جلیل۔	۵۳۶	ارض مبیعہ کا جز حصہ بطور استحقاق نکل جائے تو اتنے حصہ کی قیمت بائع سے وصول کرسکتا ہے۔	۵۶۵
فتوٰی مصنف علیہ الرحمۃ کے مؤیدات۔	۵۵۷	مسئلہ استحقاق مین زر ثمن کے بارے میں مثلی، قیمی، مذروع ومعدود سب برابر ہیں۔	۵۶۵
مؤید اول۔	۵۵۷	کپڑا قیمتی اور مذروع ہے۔	۵۶۵
مؤید دوم۔	۵۵۸	بیع میں حرجہ خرچہ بذمہ بائع لگانے کی شرط یا درخت مبیع ہو تو کچھ مدت تک باقی رکھنے کی شرط فاسد ہے۔	۵۶۶
مؤید سوم۔	۵۵۸	بیع فاسد کا حکم فسخ بیع ہے۔	۵۶۶
مؤید چہارم۔	۵۵۸	**باب بیع السلم**	
باب الاستحقاق		بیع سلم کی بارہ شرطیں ہیں کسی ایک کا فقدان اس عقد کو سود اور ناجائز بنادیتا ہے۔	۵۶۹
مہر ترکہ سے زیادہ ہو تو پورا ترکہ مہر میں محسوب ہوگا دیگر ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں۔	۵۶۲		

بیع سلم میں بھاؤ متعین نہیں کیا تو بیع جائز نہیں۔	۵۷۰	انعقاد عقد کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے مستقبل سے عقد نہیں منعقد ہوتا۔	۵۷۹
گنے کے رس کی بیع رس نکالے جانے سے پہلے بطور سلم بھی ناجائز ہے۔	۵۷۳	فصل پر جو نرخ ہو یہ عقد فاسد ہے۔	۵۷۹
بیع سلم میں وقت پر مبیع نہ دے سکا تو اس کے حساب سے زاید روپیہ لینا سود ہے۔	۵۷۴	صحت سلم کے لئے مبیع کی تعین مقدار ضروری ہے وہ بازار بھاؤ سے کم پڑے یا زیادہ۔	۵۷۹
بیع سلم میں بائع نے وقت پر کچھ دیا کچھ نہ دے سکا بقیہ کے لئے تفصیلی حکم۔	۵۷۵	دیں گے لیں گے کہنے سے عقد نہیں ہوتا، یہ صرف وعدہ ہے، وقت پر بائع کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۹
مبیع وقت پر منقطع ہوگیا تو مشتری کو صرف یہ اختیار ہے کہ راس المال واپس لے یا آئندہ فصل کے لئے مبیع کا انتظار کرے۔	۵۷۵	مبیع سلم کا ایک اور معاملہ	۵۸۰
متعاقدین میں سے کسی کو قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔	۵۷۵	ادھار کی ادھار سے بیع منع ہے۔	۵۸۰
بیع سلم میں ادائیگی کے وقت ہی اوصاف ملحوظ ہوں گے جن کا ذکر عقد کے وقت ہوا ہو۔	۵۷۵	راس المال سے زائد لینے کے بارے میں سوال۔	۵۸۱
اینٹ کی بیع سلم کا ذکر۔	۵۷۶	بیع سلم کے دو سوال۔	۵۸۱
پیسوں کی بیع سلم کی کچھ ناجائز صورتیں۔	۵۷۷	بیع سلم کی مختلف ناجائز قسموں کا حکم	۵۸۱
بیع سلم میں میعاد کی تعیین ضروری ہے۔	۵۷۷	بیع قبل القبضہ کی ایک صورت۔	۵۸۲
مبیع جیسا طے ہوا اس کے خلاف لینا جائز نہیں۔	۵۷۷	بیع سلم میں وقت پر بائع مبیع نہ دے سکے تو مشتری مبیع کی جنس کسی تیسرے کو ہبہ کرے اور بائع اس سے خرید کر مشتری کو دے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۵۸۳
سلم میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔	۵۷۷	ایکھ کی پود ظاہر ہونے فصل کے تیار ہونے بلکہ رس نکالے جانے کے وقت آئندہ سال کے رس کی بیع ناجائز ہے۔	۵۸۵
ایک ایسے معاملہ کا بیان جس میں قرض وسلم دونوں کا امکان ہے۔	۵۷۸	رس نکلنا شروع ہوگیا تو ایسے شخص کے ساتھ جس کے یہاں بھی رس نہیں نکلتا اس مدت میں جب تک رس نکلتا رہے گا بیع سلم جائز ہے۔	۵۸۵
بیع سلم کی شرائط سے متعلق۔	۵۷۸	ایک جگہ فصل ختم ہوگئی اور دوسری جگہ باقی ہے، اور وہ جگہ اتنی دور ہے کہ وہاں سے منگا کر دینے میں سخت مشکل ہو تو ایسی صورت میں بیع سلم جائز نہیں۔	۵۸۶
بارہ شرطوں میں سے کوئی ایک بھی رہ گئی سلم فاسد ہوجائے گی۔	۵۷۸		

بیع سلم کے ایک غلط معاملہ کا بیان۔	۵۸۶	بیع کی ایک فاسد صورت کا سوال۔	۵۹۴
ایک ایسی بیع کا بیان جو ابتداء وعدہ ہے اور انتہاء تعاطی ہے۔	۵۸۷	**باب الاستصناع**	
فصل پر غلبہ یا رس وغیرہ لینے کے لئے بالفاظ وعدہ پر جو پیسہ دیا ہے اس میں وہ قرض ہے جس کے ساتھ انتفاع کی شرط ہے۔	۵۸۸	استصناع میں بھی نقد وادھار ایک ہی صفقہ میں ناجائز ہے۔	۵۹۷
شرط فاسد سے قرض فاسد نہیں ہوتا لیکن اس طرح قرض دینا معصیت ہے۔	۵۸۸	عقد فاسد گناہ اور گناہ کا ازالہ فرض ہے۔	۵۹۷
المعروف کالمشروط۔	۵۸۹	استصناع کی تعریف اور اس کے فرائض۔	۵۹۷
معاملہ بالا کی ایک جائز صورت۔	۵۸۹	استصناع ایک مہینہ سے کم میں ہوگا زائد کی شرط لگادی جائے تو یہ عقد بیع سلم ہوجائے گا۔	۵۹۸
کسی قول میں دونوں طرف تصحیح ہو تو جس پر چاہو عمل کرو۔	۵۹۰	استصناع حقیقۃً بیع ہے۔	۵۹۹
بیع بشرط فاسد میں شرط مقارن عقد ہو تو فساد پیدا کرے گی۔	۵۹۱	استصناع میں معقود علیہ عین ہے عمل نہیں ہے۔	۵۹۹
بعد عقد کی شرط میں امام صاحب کے دو قول ہیں وعدہ کی وفاء پر قضاء جبر نہیں۔	۵۹۱	معدوم کبھی موجود کے حکم میں ہوجاتا ہے	۵۹۹
عقد بلاشرط ہوا اور شرط بطور وعدہ ہو تو وعدہ کی وفا پر جبر ہو سکتا ہے۔	۵۹۲	زید کے دوست نے سرمہ لگایا اور زید نے سرمہ بنانے والے کی ترغیب سے سرمہ لے کر بھیج دیا، سرمہ والا زید سے تقاضا کرسکتا ہے۔	۶۰۰
نفقہ کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین پر مساوی قدر وحیثیت کے ہوں اول بدل ہو کر ساقط ہوجاتے ہیں۔	۵۹۳	بیع میں حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور نکاح میں زوجین کی طرف۔	۶۰۰
منقول کی بیع قبضہ سے پہلے بائع کے ہاتھ فاسد ہے۔	۵۹۴	بائع کے کہنے سے خریدنا بائع کی طرف سے خریدنا نہیں ہوگا۔	۶۰۰
		باب الصرف	
		نوٹ کی کم وبیش بیع سے متعلق سوال۔	۶۰۱
		نوٹ ایک نوپیدا چیز ہے فقہاء مصنفین کے زمانہ میں اس کا وجود نہ تھا۔	۶۰۱

نظر فقہی میں نوٹ کم وبیش سے بیع جائز معلوم ہوتی ہے۔	۶۰۱	نوٹ کی کم وبیش میں بیع کا سوال۔	۶۰۵
حرمت ربا کی علت اتحاد قدر وجنس ہے۔	۶۰۱	عقد میں طے شدہ قیمت سے کچھ لینا جائز ہے۔ جبکہ تراضی طرفین سے ہو۔	۶۰۶
نوٹ مکیل ہے نہ موزون اور یہ چاندی کی بھی جنس نہیں اس لئے اس کی بیع میں اتحاد قدر وجنس مفقود ہے۔	۶۰۲	سونے اور چاندی کی بیع میں تقابض بدلین ضروری ہے۔	۶۰۷
ایک شبہ کا ازالہ۔	۶۰۲	ارزانی کے وقت روپیہ سے اشرفی خرید کر گرانی کے وقت زائد پر بیچنا جائز ہے۔	۶۰۷
نوٹ دراصل ثمن اصطلاحی ہے تو یہ حقیقۃً ثمن نہ ہوگا۔	۶۰۲	نوٹ کی بیع کم وبیش پر جائز ہے اور قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔	۶۰۷
نوٹ کی طرح پیسہ بھی ثمن اصطلاحی ہے۔	۶۰۲	روپیہ کو پیسہ کے عوض کم وبیش بیچنا جائز ہے ادھار میں کمی بیشی کرنا خلاف اولٰی ہے۔	۶۰۷
فلوس کی بیع کم وبیش جائز ہونے کا جزئیہ۔	۶۰۲	قرض دینے سے اعراض خلاف اولٰی ہے۔	۶۰۸
جو چیز اصطلاحی ثمن ہو متعاقدین کی اصطلاح جدید اس کو سامان قرار دے سکتی ہے۔	۶۰۲	بطور قرض دس کا نوٹ قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔	۶۰۸
قرض کے طور پر ننانوے دے کر سو لینا سود ہے۔	۶۰۳	بیع کی صورت میں کم وبیش، نقد وادھار ہر طرح جائز ہے۔	۶۰۸
ہنڈی کے عدم جواز کا سبب انتفاع امن طریق ہے۔	۶۰۳	نوٹ پر چاندی کا عین نہیں ورنہ دس کا نوٹ دس روپیہ میں بیچنا ربا ہوگا۔	۶۰۹
بقال کے پاس روپے رکھنا اسی انتفاع حفاظت کی وجہ سے ممنوع ہوا۔	۶۰۳	شرع نے ربا میں مالیت کا لحاظ نہیں رکھا ہے وزن اور کیل میں برابری کا حکم دیا ہے۔	۶۰۹
روپیہ کا پیسہ بھنانے میں تقابض بدلین شرط نہیں، روپیہ پر قبضہ کافی ہے۔	۶۰۴	نوٹ اگر عین چاندی ہو تو عین سونا نہ ہوگا اور نوٹ کی بیع ہونے کے ساتھ متفاضلاً جائز ہوگی۔	۶۰۹
ایک روپیہ کا پیسہ کئی بار کرکے لینے میں حرج نہیں ہے۔	۶۰۴	ایک روپیہ دو اشرفی کے بدلے بیچنا جائز ہے۔	۶۰۹
ایک روپیہ کے آدھے پیسے وصول کئے کہ ہبہ پیسہ کا چلن جاتا رہا بقیہ پیسہ میں بیع فاسد ہوگئی۔	۶۰۵	فتح القدیر کا جزئیہ ایک کاغذ ہزار روپے میں بیچ سکتے ہیں، چاندی کا روپیہ پیسوں سے، اور پیسے کا غلہ فصل پر بیع سلم ہے اس کی شرائط درکار ہے۔	۶۰۹
مذکورہ بالا سوال بزبان اردو۔	۶۰۵		

روپیہ اور فلوس میں اگر فلوس بھی کچھ چاندی کے ہوں تو ادھار ناجائز رہے گا۔	۶۱۰	بطور قرض دس کا نوٹ دے کر بارہ لینا حرام اور سود ہے۔	۶۱۳
نوٹ کی بیع کا سوال۔	۶۱۰	کافروں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ سود اور بیع میں کیا فرق ہے۔	۶۱۳
عرفی تعین اور ثمن اصطلاحی ہونا عاقدین پر کمی بیشی کو حرام نہیں کرتا۔	۶۱۱	نوٹ کی بیع کمی بیشی اور ادھار دونوں طرح جائز ہے البتہ بطور قرض دے کر زیادہ لینا حرام ہے۔	۶۱۳
پیسے اور روپے میں کمی بیشی حلال ہے۔	۶۱۱	استغراق بے قبضہ کچھ نہیں، اور قبضہ کے بعد رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔	۶۱۴
روپے اور اشرفی میں کمی بیشی حلال ہے۔	۶۱۱	ایک پیسہ کی دو پیسہ کے بدلے بیع کا بیان۔	۶۱۴
جس طرح عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپیہ سے کرنے سے وہ روپیہ یا چاندی نہیں ہوتا اسی طرح ثمن اصطلاحی بھی ہے۔	۶۱۱	نوٹ کی بیع کمی بیشی سے جائز البتہ قرض فروخت کرنا مکروہ ہے یہ بیع بھی شرط فاسدہ سے فاسد ہوگی۔	۶۱۶
اشرفی کا اندازہ بھی روپے سے کیا جاتا ہے۔	۶۱۱	نوٹ کی بیع کا حکم۔	۶۱۶
علت ربا اتحاد قدر وجنس ہے۔	۶۱۲	ایک روپیہ کے پیسے نصف آج اور نصف کل لینے کا حکم۔	۶۱۷
کمی بیشی حرام ہونے کی صورت میں وزن کی یکسانیت ضروری ہے مالیت کی نہیں۔	۶۱۲	ثمن کی بیع میں اختلاف جنس کی صورت میں ایک طرف قبضہ ضرور ہے۔	۶۱۷
چاندی سے چاندی کی بیع ردی اور جید نہیں دیکھا جائے گا۔	۶۱۲	تانبہ کے دو پیسے جن کا وزن کم وبیش ہو ان کا باہم تبادلہ جائز نہیں۔	۶۱۹
ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچ سکتے ہیں یہ نوٹ کا صریح جزئیہ ہے۔	۶۱۲	اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول اقرب الی الصواب ہے۔	۶۱۹
نوٹ چاندی کا عین ہو تو دس کا نوٹ دس روپیہ میں بیچنا ربا ہوگا کہ وزن میں غیر معمولی تفاوت ہے۔	۶۱۳	ایک دو پیسہ کی بیع کو حفنۃ اور حفنتین پر قیاس کرنا ضعیف ہے۔	۶۲۰
نوٹ بیک وقت چاندی اور سونے دونوں کا عین نہیں ہوسکتا۔	۶۱۳	زید نے عمرو کے ہاتھ نوٹ ادھار بیچا، نوٹ پر عمرو نے قبضہ کرلیا، پھر جب ادا کا وقت آیا عمرو نے لاکر زید ہی سے روپیہ لیا اور زید ہی کو ادا کردیا یہ جائز ہے۔	۶۲۰

ہاں جس نوٹ کو عمرو نے زید سے خریدا تھا بعینہٖ وہی لاکر زید سے کم روپیہ پر بدلا تو جائز نہیں۔	۶۲۰	کلابتوں میں سونے کا صرف رنگ ہوتا ہے اعتبار اس کا ہے کہ گلانے سے علیحدہ ہوجائے۔	۶۲۷
اس مسئلہ پر "الاثمان لاتتعین" سے شبہ اور اس کا جواب۔	۶۲۰	کلابتوں کو چاندی کے ساتھ بیچیں تو تماثل اور تقابض دونوں ضروری ہے۔	۶۲۸
یہاں بیع وشراء کی حرمت کا مدار "جس کا پہلے مالک تھا دوبارہ اسی کا عقد کرنا ہے"	۶۲۰	سونے سے کلابتوں بیچنے کی صورت میں تفاضل جائز اور تقابل فی الحال ضروری ہے۔	۶۲۸
نوٹ کو دوبارہ کم دام پر بیچنے کی حرمت کا مدار ربح مالم یضمن ہے۔	۶۲۲	چاندی کو مخلوط چاندی کے ساتھ بیچنے کا حکم۔	۶۲۸
ثمن خواہ خلقی ہو خواہ اصطلاحی عقود میں متعین نہیں ہوتے ملک میں متعین ہوتے ہیں۔	۶۲۲	اللہ تعالٰی جب گنہگاروں کا رزق نہیں بند کرتا تو شریعت پر عمل کرنے والوں کا رزق کیسے بند کرے گا۔	۶۲۹
ودیعت میں اسی روپیہ کا باقی رکھنا ضروری ہے۔	۶۲۲	کلابتوں کی جائز بیع کا آسان طریقہ۔	۶۲۹
زید نے عمرو کے ہاتھ ایک ہزار کا نوٹ گیارہ سو میں آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا، اور تمسک لکھوالیا پھر بکر کو وہ تمسک دے دیا کہ تم روپیہ وصول کرلو۔ زید نے بجائے گیارہ سو روپیہ کے گیارہ سو کے نوٹ دیئے، زید نے بکر کو اپنا وکیل بنایا ہو یا گیارہ سو کا بکر کو مالک بنادیا ہو تو جائز ہے۔ اور صرف قاصد بنایا ہو تو ناجائز ہے۔	۶۲۳	بیع صرف کی تعریف۔	۶۲۹
اور جواز کی صورت میں بعینہٖ وہی نوٹ سو ملاکر واپس کرنا بھی جائز۔	۶۲۳	خلقی وغیر خلقی اثمان کی بیع کے وقت ایک طرف سے قبضہ ضروری ہے۔	۶۲۹
کتب فقہ سے مسئلہ کی جزئیات۔	۶۲۳	عین کو دین کے بدلہ بیچا جاسکتا ہے۔	۶۳۱
حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی کے ایک وہم کا بیان۔	۶۲۵	اونٹ کو گیہوں یا روپے کے بدلے بیچا تو اس کے بجائے اور چیز بھی لے سکتے ہیں۔	۶۳۱
بحر کے کلام کی نفیس تقریر۔	۶۲۵	مہر، اجرۃ، ضمان، بدل خلع، عتق بمال، مورث، اور موصی بہ سب کا یہی حکم ہے۔	۶۳۱
مختصر کرخی کے کلام کی تفسیر وتوجیہ۔	۶۲۶	قیمت کو روپیہ سے بدلنے کی صورت میں پورا روپیہ ہی مجلس میں دینا ضروری ہے ورنہ ادھار کی بیع ادھار سے ہوجائے گی۔	۶۳۱
بیع الکائی بالکائی کی ایک صورت اور اس کے جواز کا پہلو۔	۶۲۷		

بیع فلوس بالدراہم بیع صرف نہیں ہے۔	۶۳۱	ہبہ سے بھی بیع تلجیہ کا ضرر ختم ہوسکتا ہے۔	۶۴۱
فلوس جب تک رائج ہوں ثمن اصطلاحی ہیں رواج ختم ہوجانے پر سامان کے حکم میں ہیں۔	۶۳۲	بیع تلجیہ کا ثبوت گواہی یا اقرار سے ہوجائے تو مشتری مبیع کا مالک نہ ہوگا۔	۶۴۱
روپیہ فلوس سے بدلیں تو احد البدلین کا قبضہ ضروری ہے۔	۶۳۳	**باب بیع الوفاء**	
مذکورہ بالا صورت میں ایک جانب سے تقابض کی شرط اکثر کا قول ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فرمان ہے۔	۶۳۵	بیع وفا حقیقت میں رہن ہے۔	۶۴۴
مبسوط اور جامع صغیر کی عبارتوں سے دفع تدافع۔	۶۳۶	ذی اعتبار اہل فتوی کے فتوی کے ظاہر ہوجانے کے بعد غیر مفتیون کے بلادلیل اختلاف کا اعتبار نہیں۔	۶۴۴
علامہ شامی پر تطفل۔	۶۳۶	بیع وفاء میں آٹھ قول ہیں اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ یہ رہن ہے۔	۶۴۴
مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔	۶۳۷	جو عرفاً معہود ہو وہ شرعاً معہود ہے۔	۶۴۵
کفل الفقیہ الفاہم کی تصدیق۔	۶۳۸	بیع وفاء کی تشریح۔	۶۴۵
باب بیع التلجیہ		بیع وفاء کا حکم۔	۶۴۵
بیع تلجیہ کی تعریف اور اس کا حکم۔	۶۳۹	بیع کب قطعی ہے اور کب بیع وفاء ہے اور ہر ایک کا حکم۔	۶۴۶
کبھی واقع بمعنی میقع بھی ہوتا ہے۔	۶۳۹	**باب متفرقات البیع**	
بیع موقوف متعاقدین یا عاقلہ کے انتقال سے باطل ہوجاتی ہے۔	۶۴۰	اسٹامپ کی بیع کراہت سے خالی نہیں۔	۶۴۹
بیع موقوف کو مالک کے ورثہ جائز نہیں کرسکتے۔	۶۴۰	جائدادِ مبیعہ کی آمدنی ناجائز ہے	۶۵۰
بیع تلجیہ میں دیانۃً مشتری کو چاہئے کہ اس بیع کا فرضی ہونا ظاہر کردے۔	۶۴۰	خدمت محضہ اور خدمت معلل بالغرض میں فرق کا بیان اور دونوں کا حکم۔	۶۵۰
ہبہ میں عدم مانع کی صورت میں اختیار رجوع ہوتا ہے۔	۶۴۰	وعدہ توڑنے پر آدمی گنہ گار ہوتا ہے مگر ایفائے وعدہ پر شرع کی جانب سے جبر نہیں۔	۶۵۰
		گھاتو کا حکم۔	۶۵۱

کتاب الکفالۃ		فتوٰی عرف پر ہوتا ہے۔	۶۵۶
"میں عمرو کا قرض ادا کروں گا" یہ وعدہ ہے اس سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔	۶۵۳	جو اہل زمانہ کو نہ جانے جاہل ہے۔	۶۵۶
قرضخواہ نے کہا عمرو بری ہوا میں تجھ سے لوں گا، اور کفیل خاموش رہا، اس سے بھی زیادہ سے زیادہ وعدہ ثابت ہوتا ہے۔	۶۵۳	"۱۸ تاریخ سے ضامن ہوں بھاگ گیا تو مطالبہ میں دوں گا" اگر ۱۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا مطالبہ دینا ہوگا۔	۶۵۶
کفالت کے لئے التزام کے الفاظ جیسے "کفلت و ضمنت، علی، الی" ضروری ہے۔	۶۵۴	دوبارہ مفصل سوال۔	۶۵۷
وعدہ جب تعلیق کی صورت میں ہو جیسے "زید نہ دے گا تو میں دوں گا" لازم ہوجاتا ہے۔	۶۵۴	"۱۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں" اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل نے قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حق نہ ۱۸ کے بعد نفس کی ضمانت باقی۔	۶۵۸
اصیل کو مطالبہ سے بری کرنا کفیل کو بری نہ کریگا ہاں اصل قرض سے بری کرتا تو کفیل مطالبہ سے بھی بری ہوجاتا۔	۶۵۵	کفیل نے کفالت بالمال میں مال یا زر مطالبہ کا ذکر نہ کیا صرف مطالبہ کا لفظ کہا تو مال دینا لازم نہیں۔	۶۵۹
کفالت قرضدار کے حکم یا اس کی رضا سے ہو تو کفیل اس سے رجوع کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔	۶۵۵	مطالبہ اور دین میں فرق ہے مطالبہ کے حقیقی معنی طلب اور تقاضا کے ہیں، مال تو معنی مجازی ہے۔	۶۵۹
کفالت بالنفس مع کفالت بالمال کا ایک سوال۔	۶۵۶	امام اعظم کے نزدیک جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجازی پر حمل جائز نہیں۔	۶۵۹
کسی نے یہ کہا "۱۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن ہوں" تو ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۱۸ تاریخ کے بعد بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے فلان تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت منتہی ہوگی۔	۶۵۶	مدعی علیہ بھاگ گیا تو مدعی کے مطالبہ کا میں ذمہ دار ہوں یہ مدعا علیہ سے قرض مانگنے کا وعدہ ہے اس کو کفالت بالمال سے علاقہ نہیں۔	۶۵۹
آج کل کا عرف یہ ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں اور ان دونوں صورتوں کا مطلب یہی لیتے ہیں کہ اس تاریخ کے بعد ضمانت ختم ہوگئی۔	۶۵۶	کفالت بالمال کی تعلیق صحیح ہے۔	۶۵۹
		اذا فات الشرط فات المشروط قاعدہ کلیہ ہے۔	۶۶۱

ظاہر الروایۃ کے مطابق کفالت میں جو ابتدائے غایت مذکور نہ ہو تو کفالت تاریخ مذکور کے بعد شروع ہوتی ہے۔	٦٦١	عقد کرنے والے، منت ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے سب کا کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔	٦٦٩
تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوتا۔ اور متبوع معدوم ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔	٦٦٣	ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر وسائر سے اصلا تعلق نہیں۔	٦٦٩
کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع ہو، ثانی سے برائت ہو تو اول بھی مرتفع ہوجاتی ہے۔	٦٦٣	صورت مسئولہ میں ایک حکم دیانت کا بھی ہے۔	٦٧٠
مجلس کفالت میں ایجاب وقبول دونوں ہونا رکن کفالت ہے، تو مکفول لہ کی غیر حاضری بھی کفالت کو باطل کردے گی۔	٦٦٤	کفالت بالمال کفالت بالنفس کے تابع ہو تو اصل کے ختم ہوتے ہی تابع بھی ختم ہوجائی گی۔	٦٧٠
مکفول لہ مجلس ایجاب میں نہ ہو مگر اطلاع کے بعد کفالت قبول کرے پھر بھی کفالت باطل ہے۔	٦٦٤	کفالت بالمال کے ایک فیصلہ کے بارے میں ایک سوال۔	٦٧٠
مکفول لہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔	٦٦٥	سات گواہوں میں ۲۰ وجوہ نقائص کا تفصیلی بیان۔	٦٧٣
محبوبی اور نسفی اصحاب ترجیح سے نہیں۔	٦٦٥	اس حکم کی گواہی نامقبول اور کفالت بالمال ساقط۔	٦٧٦
فتوٰی مختلف ہو تو عدم اختلاف زمانہ کی صورت میں فتوٰی امام کے قول پر ہوتا ہے۔	٦٦٥	شہادت اور دعوٰی میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔	٦٧٦
راجح سے عدول جائز نہیں۔	٦٦٦	ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔	٦٧٦
مکفول لہ مجلس ایجاب سے غائب ہو اور کوئی اس کی جانب سے قبول کرے تو یہ قبول مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	٦٦٦	کفالت کی ایک غیر شرعی صورت سے سوال۔	٦٧٧
صورت مسئولہ میں کفالت بالمال عدم قبول فی المجلس ایجاب کی وجہ سے باطل ہے۔	٦٦٧	کفالت بالمال شرعا جائز ہے۔	٦٧٧
کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہاء کے بعد کفالت ختم ہے۔	٦٦٧	کفالت بالمال کی تعریف۔	٦٧٧
مسئلہ مذکورہ پر نصوص کتب فقہیہ۔	٦٦٧	کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔	٦٧٧
ایک مہینہ، ایک مہینہ تک آج سے ایک مہینہ تک، یہ تینوں الفاظ ہم معنٰی ہیں۔	٦٦٨		

کفالت بالنفس کے الفاظ "کفلت بنفسہٖ علیّ. الی"۔	۶۷۷	کفالت کا مقتضی حجر عن التصرفات نہیں۔	۶۸۱
کفالت بالمال کے الفاظ "کفلت بمالك علیه بما یدرلك فی ہذا البیع"۔	۶۷۷	اگر اس طرح شرط کی کہ میں اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا تب بھی گھر کا بیچنا ضروری نہیں۔	۶۸۱
کسی جائداد کو مال میں مکفول کرنا کہ جائداد قبضہ مالک میں رہتی ہے، مگر مالک کو اس میں بیع وہبہ وغیرہ تصرفات سے روک دیتے ہیں تاکہ دائن اس سے اپنا مطالبہ وصول کرسکے، یہ سب غیر شرعی طریقہ ہے۔	۶۷۷	جائداد مکفولہ کا دعوی شرعا قابل سماعت نہیں۔	۶۸۱
شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے: کفالت اور رہن۔	۶۷۷	زید کی خواہش کے بغیر عمرو نے اس کی کفالت کی اور زر کفالت ادا کردیا تو زید سے وہ رقم پانے کا حقدار نہیں۔	۶۸۱
رہن کے لئے شے مرہون پر مرتہن کا قبضہ ضروری ہے۔	۶۷۷	کفالت میں کفیل مطلوب سے مطالبہ وصول کرنے کا تب مجاز ہوگا کہ اس کے کہنے سے کفالت کی ہو یا مجلس ایجاب میں اس نے رضا ظاہر کردی ہو ورنہ نہیں۔	۶۸۲
کفالت کے لئے آدمی کا ہونا ضروری ہے جائداد کفیل نہیں ہوسکتی۔	۶۷۸	اگر طالب و مطلوب دونوں موجود ہوں اور کفیل نے از خود کفالت کا ایجاب کیا، اگر پہلے مطلوب نے رضا ظاہر کی، مطالبہ وصول کرنے کا کفیل مجاز ہوگا اور طالب نے پہلے منظوری دے دی تو نہیں۔	۶۸۲
جائداد کا استغراق اکثر اپنے قرض میں ہوتا ہے کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا۔	۶۷۸	اوپر والا مسلک طرفین کا ہے، مفتٰی بہ قول پر کفالت صرف کفیل کے قول سے تام ہوجاتی ہے، البتہ رجوع مطالبہ کا حق مطلوب کے امر پر مبنی ہوگا۔	۶۸۳
جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔	۶۷۹	ایسی کفالت جس میں مکان مکفول کیا جائے مدیون کے امر سے ہو تب بھی کفیل کو رجوع کا حق نہیں۔	۶۸۵
ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعًا وہ عہد جو بندے اور خدا کے درمیان ہوا یا وہ وصف جس سے آدمی مکلّف ہو۔	۶۷۹	جو آدمی اس خیال سے کسی کو کچھ دے کہ یہ مجھ پر اس کا حق ہے تو خیال غلط ثابت ہونے پر اس کو واپس لے سکتا ہے۔	۶۸۵
کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔	۶۸۰	کفالت صحیح وشرعی بامر مدیون ہو، اور کفیل نے اس میں جائداد فرق ہونے سے بچانے کے لئے نقد سے مطالبہ پورا کردیا، تو مدیون سے مطالبہ لے سکتا ہے۔	۶۸۵
جائداد کے مکفول کرنے کا رد اور دلائل کی تفصیل۔	۶۸۰		

کفالت بالمال بلاشبہ شرعاً جائز ہے۔	۶۸۵	رہن دین واجب ظاہر میں ہوتی ہے۔	۶۸۹
ناجائز مطالبوں کی کفالت بھی صحیح ہے۔	۶۸۶	مدیون کی جائداد دین سے مستغرق ہو تب بھی مدیون اپنی جائداد میں تصرف سے شرعاً روکا نہیں جاسکتا۔	۶۹۰
دیہات کی رائجہ مستاجری ناجائز ہے مگر اس کی کفالت ہوسکتی ہے۔	۶۸۶	قاضی کے حجر کے بعد بھی اس کو تصرف کا حق رہتا ہے۔	۶۹۰
مطلوب کے حکم سے کفالت ہو تو کفیل ادا کے بعد مطلوب سے مطالبہ وصول کرسکتا ہے	۶۸۷	صاحبین کے حجر کے نزدیک "مدیون مستغرق فی الدین"	۶۹۰
جائداد کا دین میں مکفول کرنا شرعاً کچھ نہیں، ایسی جائداد کا ہبہ ہوسکتا ہے۔	۶۸۷	قضائے قاضی کے بعد بشرط اطلاع اپنے موجودہ اموال میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوگا۔	۶۹۰
مستغرق جائداد کے ہبہ میں یہ شرط لگانا کہ مطالبہ کی ادائیگی موہوب لہ کے ذمہ ہے شرط فاسد ہے، لیکن شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا۔	۶۸۷	جائداد مستغرقہ کے موہوب لہ کو یہ پابندی لگانا کہ جائداد پر جو تاوان آئے یہ ادا کرے شرط فاسد ہے، لیکن ہبہ پر اس سے اثر نہیں پڑے گا۔	۶۹۱
کفالت کی دو تعریفیں اور راجح کا بیان۔	۶۸۸	شرط مالایقتضیه العقد اور مایقضیه العقد کی تشریح۔	۶۹۱
مطالبہ موجود اور متوقع دونوں کی کفالت ہوسکتی ہے۔	۶۸۸	ہبہ، صدقہ، کفالت سب کا یہی حکم ہے۔	۶۹۲
بعض باتیں تعامل سے بھی جائز ہوجاتی ہیں۔	۶۸۸	جائداد مکفولہ پر شرعاً کوئی حق قائم نہیں ہوتا تو اس کو قبول کرنا امر محال کو قبول کرنا ہے۔	۶۹۳
کفالت میں مطالبہ ذمہ پر رہتا ہے، کفیل کی جائداد تلف ہوجائے تب بھی کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا۔	۶۸۹	ایسے امور مستقلاً قبول کرنے سے بھی لازم نہیں ہوتے۔	۶۹۳
رہن میں مطالبہ مرہون پر ہوتا ہے۔ وہ تلف ہو تو اتنا ہی دین ساقط ہوجائے گا۔	۶۸۹	دیہات کا ٹھیکہ جس میں زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ پر دی جاتی ہے، قطعاً باطل ہے۔	۶۹۳
شے مرہون کی قیمت قبضہ کے دن کی لگائی جائے گی۔	۶۸۹	ناجائز مطالبہ جس پر جبر ہو اس کی کفالت ہوسکتی ہے۔	۶۹۴

کفالت کا رکن ایجاب وقبول دونوں میں اور ان کا مجلس کفالت میں ہونا ضروری ہے۔	۶۹۴	حوالہ میں اصل قرضدار دین سے بری ہوجاتا ہے۔	۷۰۸
فتوٰی مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب ہے۔	۶۹۴	حوالہ کے بعد اصل قرضدار سے معافی نہیں ہوسکتی۔	۷۰۹
اجنبی کفالت قبول کرے تو مکفول لہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۶۹۵	حوالہ کے بعد اصل قرضدار اپنی کوئی چیز دین کے بدلے رہن رکھے صحیح نہیں۔	۷۱۰
خوشدامن کے نفقہ کا ذمہ ایک احسان کا وعدہ ہے جس پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۶۹۶	حوالہ کے بعد راہن رہن واپس لے لے گا۔	۷۱۰
ایسے وعدہ کی ضمانت بھی باطل ہے۔	۶۹۷	محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے مفلس مرجائے تو حوالہ باطل ہوکر دین اصل پر لوٹ آتا ہے اس قول کی تصحیح مروی ہے۔	۷۱۰
کفالت کی شرط ہے کہ مطالبہ اصل پر لازم ہو۔	۶۹۷	اپنے قرض کی وصولی کے لئے کسی کا وکیل بنانا، اور اس پر تصرف کا اختیار دینا جائز ہے۔	۷۱۲
اخلاقاً ایفائے وعدہ کرنا چاہئے۔	۶۹۷	حوالہ ادھار دام زیادہ لینے کا ملاجلا مسئلہ۔	۷۱۲
سوال کے اختلافات سے جواب میں اختلاف ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہے۔	۶۹۸	حوالہ اور بعض نقد ادھار اور بعض کا مسئلہ	۷۱۲
مفتی کو معلوم ہو کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے تو جواب نہ دے۔	۷۰۱	ہنڈی کی تعریف۔	۷۱۲
کتاب الحوالہ		ہنڈی کے بجائے نوٹ کی بیع پھر اس کے ثمن کا حوالہ ایک عمدہ طریقہ ہے جس سے ہنڈی کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔	۷۱۲
مہاجن سے سودی قرض مجبورا لیا اصل قرض کسی دوسرے مہاجن کو دے کر اپنا قرض اس مہاجن پر حوالہ کرنا جائز ہے۔	۷۰۳	خود عقد بیع میں قیمت فلاں شہر میں ادا کرنے کی شرط لگائی تو عقد فاسد ہوجائے گا۔	۷۱۴
معصیت سے بچنے کی جدوجہد کرنا لازم ہے۔	۷۰۵	ہنڈی کا معاملہ اہل حرب سے ہو تو جائز ہے۔	۷۱۵
حوالہ کی تعریف۔	۷۰۶		

فہرست ضمنی مسائل

فوائد حدیثیہ		حدیث "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں" میں واجب سے کیا مراد ہے۔	۴۷۸
حدیث کل قرض جر نفعا فھو حرام کی ایک مثال۔	۹۱	**احکام مسجد**	
اس مسئلہ پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جمل سے استشہاد۔	۲۴۷	مسجد کی آمدنی بڑھانے کے لئے کسی کی زمین زبردستی مسجد پر خریدی نہیں جاسکتی۔	۱۳۶
قرض سے زائد دینے پر حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استدلال	۳۲۰	بیاج کی آمدنی مسجد میں لگانا منع ہے۔	۳۵۲
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیثوں سے استدلال	۳۲۰	مسجد کی رقم سے پرامیسری نوٹوں کی خریداری کا حکم۔	۳۵۳
حدیث عینہ کی پرکھ۔	۴۶۷	**امامت**	
مجتہد کا کسی کو سند میں ذکر کرنا اس حدیث کی صحت کی دلیل ہے۔	۴۶۸	سود خور شخص کا امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے نماز پڑھ لی تو دہرائیں	۲۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

زکوٰۃ		جنین پر اللہ ورسول کے علاوہ کسی کی ولایت نہیں۔	۲۱۳
جتنا روپیہ کمپنی میں جمع کیا یا اس کا جو مال ہو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔	۳۶۲	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت پر آیت وحدیث سے سند۔	۲۱۳
نوٹ پر زکوٰۃ ہے۔	۴۰۹	آج کل بہت سے یتیموں کا ولی کامل نہیں ہوتا۔	۲۸۴
نکاح		**مہر**	
دو دن کے لئے نکاح کیا وقت کی قید عقد میں ہے تو نکاح باطل اور دل میں ہے تو جائز۔	۲۴۸	شوہر نے زوجہ کو مہر کے بدلہ جائداد دی یہ عقد تعبیر کے اعتبار سے تین طرح ہوسکتا ہے۔	۱۱۰
طلاق		مورث نے اپنے وارث کے حصہ کو جو مورث کی موت کے بعد اسے ملے گا ایک ایسی عورت کے مہر کے بدلہ میں لکھا جس کا نکاح ابھی وارث سے نہیں تو کیا حکم ہے۔	۱۲۰
بے نماز عورت سے صحبت پر وعید اور اس کو طلاق دینے کا حکم۔	۳۰۳	مہر کے عوض جائداد دینا ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۱۲۱
ولایت		مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو یہ مال ہی نہیں۔	۱۲۱
مرض الموت سے قبل آدمی کا اس کی ملک میں ہر تصرف نافذ ہوگا۔	۹۶	قبل از نکاح مہر کی ادائیگی سے شبہ اور اس کا جواب۔	۱۲۲
باپ کو نابالغ لڑکے کی ختنہ اور اس کے مال کے بیع وشراء کی ولایت حاصل ہے چچا اور ماں کو نہیں صرف مال کی حفاظت اور قبول ہبہ کا حق حاصل ہے۔	۹۹	آئندہ ملنے والی تنخواہ یا عطیہ منصب کو مہر کے عوض کیا تو یہ خود معدوم اور باطل ہے، اس کا ہبہ اور بیع دونوں باطل ہے۔	۱۲۳
زانی ولدالزنا کا ولی نہیں تو اس کا ولی بن کر بیع کے قبول کرنے کا بھی حق نہیں رکھتا۔	۱۵۱	بعض مہر نقد، بعض کے بدلے میں زمین ومکان اور بعض کی قسط بندی جائز ہے۔	۲۴۳
ماں، بھائی، چچا کو نابالغ پر ولایت مالیہ نہیں۔	۱۵۱	نوٹ مہر ہوسکتا ہے۔	۴۱۰

مہر ترکہ سے زیادہ ہوتو پورا ترکہ مہر میں محسوب ہوگا۔ دیگر ورثہ کا اس میں کوئی حق نہیں۔	۵۶۱	ہر بیع فاسد حرام وواجب الفسخ ہے۔	۱۶۰
ظہار		المبنی علی الباطل باطل۔	۱۶۳
عورت کو ماں، بیٹی کہنا ظہار نہیں۔	۳۱۲	الباطل لاحکم لہ۔	۱۶۳
فوائد اصولیہ		مصنف کی تحقیق کہ شرط انعقاد کا عدم مبطل عقد ہے اور جہالت بدلین کا مقتضی ہے۔	۱۸۴
ان عقود میں مقصود معنی ہے نہ کہ لفظ۔	۸۱	لفظ ثمن تحقق بیع کا مقتضی ہے۔	۲۴۶
احکام عرف وعادت میں خلاف کے احتمالات عقلیہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔	۸۲	شرع مطہر میں عاقدین کے الفاظ کے معانی پر مدارِ کار ہے۔	۲۴۸
حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں۔	۱۰۹	امر حادث میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا۔	۲۵۶
عقد جب اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا۔	۱۰۹	عقد کی صحت اور عدم صحت سے بحث ہو تو روشن دلیل کے بغیر فساد ثابت نہ ہوگا، عمل صحت پر ہوگا۔	۲۵۸
کم من یصح ضمنًا ولایصح قصدًا۔	۱۱۲	جو چیز عرفاً طے شدہ ہو وہ شرط لگانے کی طرح ہے۔	۲۷۵
المرء مواخذ باقرارہ۔	۱۱۸	رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۷۶
حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔	۱۲۲	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چار چیزوں کو کیلی اور نقدین کو وزنی قرار دیا تو یہ ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی۔	۲۹۲
الکتاب کالخطاب۔	۱۳۵	دیگر اشیاء کے کیلی یا وزنی ہونے میں عرف کا اختیار ہوگا۔	۲۹۳
ایجاب غائب عن المجلس کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا بلکہ باطل ہوجاتا ہے۔	۱۵۲	اصل حکم حقائق پر ہے الفاظ پر نہیں۔	۳۱۰
جس شرط میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو وہ شرط فاسد ہے۔	۱۶۰	کسی امر مباح کا حصول بھی مصلحتِ شرعی میں داخل ہے۔	۳۱۳
ہر شرط فاسد مفسد بیع ہے۔	۱۶۰	دارالاسلام میں ربا کی حرمت شرف دار کی وجہ سے نہیں مسئلہ کی مکمل تحقیق۔	۳۱۶

اختلاف دار سے کوئی شے حرام سے حلال نہیں ہوتی۔	۳۱۶	اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ کہ ناقل کا۔	۴۱۵
مذہب معتمد میں کفار مخاطب بالفروع ہیں۔	۳۱۷	نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو۔	۴۱۶
اموال ربویہ میں وصف کا اعتبار ساقط ہے۔	۳۲۴	بیع کی مشروعیت میں مکلّف محتاجوں کی بقااور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے۔	۴۲۱
ہر شخص کی نیت خود اس کے لئے معتبر ہے نہ کہ دوسرے کے لئے۔	۳۲۵	مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے۔	۴۲۲
باہمی رضامندی سے حرام حلال نہ ہوجائے گا۔	۳۴۰	ایک عام قاعدہ جس پر باب ربا کے تمام مسائل کامدار ہے۔	۴۴۵
احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے۔	۳۴۰	کراہت کے مختلف اطلاقات۔	۴۵۷
ملک بدلنے سے مال کا حکم بدل جاتا ہے۔	۳۵۲	اس امر کے دلائل کی مالیت میں تفاضل مکروہ تحریمی نہیں ہے۔	۴۵۹
دارالاسلام کی تعریف۔	۳۵۷	علم اصول فقہ اور علم حدیث میں مرسل کی تعریفوں میں فرق ہے۔	۴۶۶
ہندوستان دارالاسلام ہے۔	۳۵۸	مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ ہے اور تنزیہی گناہ نہیں۔	۴۷۳
رہن اور اجارہ دونوں عقد منافی ہیں۔	۳۸۲	کسی چیز کا خود واجب ہونا اور بات ہے اور دوسری چیز کے لئے واجب ہونا اور بات ہے۔	۴۷۷
شے واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال ہیں۔	۳۸۲	کبھی مستحب کو بھی واجب کہتے ہیں۔	۴۷۷
تقویم مالیت کو مستلزم ہے۔	۳۹۸	عقود میں معانی کا اعتبار ہے۔	۵۰۷
مکتوب کی مالیت نہیں ہے۔	۴۰۳	عقد میں ایسی تصحیح بالاجماع باطل ہے جس سے اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہو۔	۵۰۹
تقوّم میں شیئ کی موجودہ حالت دیکھی جاتی ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اصل میں کیا تھا۔	۴۱۲	تمسک ایک معین سے دوسرے معین کے لئے ہوتا ہے۔	۵۰۹
مالیت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ چیز ہر جگہ مال سمجھی جائے۔	۴۱۳	تمسک کے وجود وعدم پر دَین کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا۔	۵۱۱

حکم شے میں ہونا جنس وقدر شے میں شیئ سے اتحاد نہیں۔	۵۲۲	بیع بشرط فاسد میں شرط مقارن ہو تو فساد پیدا کرے گی۔	۵۹۱
ثمن خلقی واصطلاحی متبائنین ہیں۔	۵۲۲	معدوم کبھی موجود کے حکم میں ہو جاتا ہے۔	۵۹۹
متبائنین میں عینیت محال ہوتی ہے۔	۵۲۲	بیع میں حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور نکاح میں زوجین کی طرف۔	۶۰۰
قیمتی ومثلی ایک نہیں ہوسکتے۔	۵۲۳	عرفی تعین اور ثمن اصطلاحی ہوناعاقدین پر کمی وبیشی کو حرام نہیں کرتا۔	۶۱۱
متحد کا متحد متحد ہوتا ہے۔	۵۲۴	ایک دو پیسہ کی مبیع کو حفنۃ اور حفنتین پر قیاس کرنا ضعیف ہے۔	۶۲۰
عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں۔	۵۲۵	جو عرفاً معہود ہو وہ شرعاً معہود ہے۔	۶۴۵
الشجرۃ تنبیء عن الثمرۃ۔	۵۲۸	امام اعظم کے نزدیک جب تک معنی حقیقی بن سکیں مجازی پر حمل جائز نہیں۔	۶۵۹
تغیر لازم نافی عینیت ملزوم ہے۔	۵۲۹	اذافات الشرط فات المشروط قاعدہ کلیہ ہے۔	۶۶۱
نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔	۵۳۴	تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوتا، اور متبوع معدوم ہو تو تابع بھی متحقق نہیں ہوتا۔	۶۶۳
روپوں میں اور نوٹ میں قدر مشترک نہیں۔	۵۳۴	کفالت بالمال جب کفالت بالنفس کی تابع ہو ثانی سے برات ہو تو اول بھی مرتفع ہو جاتی ہے۔	۶۶۳
نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اسے ثمن اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔	۵۳۴	**افتاء ورسم المفتی**	
روپوں سے اندازہ قیمت نے نوٹ کو روپیہ نہیں کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی سے ہی ہوتا ہے۔	۵۳۴	ذخیرہ ایک عمدہ اور مستند فتاوی ہے۔	۲۵۱
اصطلاح کی پیروی عاقدین پر لازم نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم وبیش کریں۔	۵۳۴	بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جلیل الشان کتاب ہے۔	۲۵۱
شرط فاسد سے قرض فاسد نہیں ہوتا لیکن اس طرح قرض دینا معصیت ہے۔	۵۸۸	محیط کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے۔	۲۵۱
المعروف کالمشروط۔	۵۸۹	علامہ شامی کی تائید وتوثیق۔	۲۵۳
کسی قول میں دونوں طرف تصحیح ہو توجس پر چاہو عمل کرو۔	۵۹۰	بے حواشی کے در مختار سے فتوی دینا جائز نہیں۔	۲۵۳

قاضی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ کا کسی قول پر اقتصار کرنا اس قول کے قوت کی دلیل ہے۔	۲۵۳	عقد کرنے والے، منت ماننے والے، قسم کھانے والے او روقف کرنے والے سب کا کلام ان کے عرف پر محمول ہوگا۔	۶۶۹
مفتی حقیقت پر فتوی دے گا قاضی ظاہر پر حکم کرے گا۔	۲۵۹	فتوی مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب ہے۔	۶۹۴
عوام کے افعال سے سند جہالت ہے۔	۳۴۴	سوال کے اختلاف سے جواب میں اختلاف ہوتا ہے جس کی ذمہ داری سائل پر ہے۔	۶۹۸
آداب مفتی کے بعض فوائد۔	۴۱۵	مفتی کو معلوم ہو کہ سائل نے غلط سوال کیا ہے تو جواب نہ دے۔	۷۰۱
قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں۔	۴۱۵	**مناظرہ ورد بدمذہباں**	
قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی۔	۴۱۵	ہمارے ائمہ پر جوازِ ربا کا قول غیر مقلدوں کا افتراء ہے۔	۳۱۶
قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں اور کوئی نقل معتمد نہ پائی جائے۔	۴۱۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی آٹھویں دلیل	۴۷۶
فتوی مطلقاً امام کے قول پر ہے۔	۴۵۵	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی نویں دلیل	۴۷۶
ذی اعتبار اہل فتوی کے فتوی کے ظاہر ہوجانے کے بعد غیر مفتیوں کے بلادلیل اختلاف کا اعتبار نہیں۔	۶۴۴	مالیت میں تفاضل کے مکروہ نہ ہونے کی دسویں دلیل	۴۷۶
آج کل کا عرف یہ ہے کہ دونوں میں کچھ فرق نہیں اور ان دونوں صورتوں کا مطلب یہی لیتے ہیں کہ اس تاریخ کے بعد ضمانت ختم ہوگئی۔	۶۵۶	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا پہلا جواب۔	۴۷۷
فتوی عرف پر ہوتا ہے۔	۶۵۶	دوسرا جواب۔	۴۷۷
جو اہل زمانہ کو نہ جانے جاہل ہے۔	۶۶۵	شیخ عبدالحلیم کے کلام کا تیسرا جواب۔	۴۷۹
مکفول لہ کی غیبت کے مسئلہ میں فتوی طرفین کے قول پر ہے۔	۶۶۵	فاضل لکھنوی کا پانچواں رَد	۴۸۲
محبوبی اور نسفی اصحاب ترجیح سے نہیں۔	۶۶۵	فاضل لکھنوی پر مزید سات رَد	۴۸۳
فتوی مختلف ہو تو عدم اختلاف زمانہ کی صورت میں فتوی امام کے قول پر ہوتا ہے۔	۶۶۵	فاضل لکھنوی کے وہم کا تیرہواں عظیم رَد۔	۴۸۴
راجح سے عدول جائز نہیں۔	۶۶۶	چودھواں رَد اس امر کے بیان میں کہ فاضل لکھنوی کے قول پر لازم آتا ہے کہ سود حلال ہو۔	۴۹۰

پندرھواں رَد۔	۴۹۱	**لُغت**	
گنگوہی کے ایک فتوی کا رَد۔	۵۰۷	اردو میں سال کے اندر اور سال تک دونوں کا حاصل ایک ہے۔	۲۶۶
فاضل لکھنوی پر ایک سو بیس رَد۔	۵۲۰	مصوب اور تصویب کا لغوی معنی۔	۵۲۰
مولوی لکھنوی صاحب ہر جواب کے شروع میں ھوالمصوب لکھتے ہیں جو تین وجوہ سے غیر صحیح ہے۔	۵۲۰	دیں گے لیں گے کہنے سے عقد نہیں ہوتا، یہ صرف وعدہ ہے، وقت پر بائع کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۵۷۹
ایک غلط فتوے کے وجوہ خلل کا بیان اور مسئلہ کا صحیح حکم۔	۱۹۴	**فوائد فقہیہ**	
گنگوہی صاحب کا رَد۔	۳۹۹	شرع میں ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ درکار ہے۔	۸۱
دلیل نقلی سے فرع قنیہ کا رَد۔	۴۱۷	تعاطی مثل ایجاب و قبول لزوم بیع کا سبب ہوتی ہے۔	۸۱
فرع قنیہ کا دلیل عقلی سے رَد۔	۴۱۷	بیع میں مبیع اصل ہے، اس کے رَد سے بیع فسخ ہوجائے گی، ثمن کے رَد سے فسخ نہ ہوگی۔	۹۴
مولانا لکھنوی کا رَد۔	۴۴۶	ایجاب و قبول کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے۔	۹۵
لکھنوی صاحب کے شبہہ کے تین جواب۔	۴۴۸	وعدہ کوئی عقد نہیں۔	
فاضل لکھنوی کی لغزش کی طرف اشارہ۔	۴۷۳	اجازت لاحقہ کی ایک صورت۔	۱۰۷
منطق		حقوق کی بیع میں دو مذہب ہیں: صحت و فساد، اور دونوں باقوت ہیں۔	۱۱۱
قبول ذی حق اور اتحاد جنس میں عموم و خصوص من وجہ ہے۔	۵۲۵	حق مرور، حق شرب، حق تعلّی وغیرہ کی بیع اصالۃً جائز نہیں۔	۱۱۲
شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں۔	۵۲۸	جن کے نزدیک حقوق کی بیع جائز نہیں وہ بھی بطلان کو مضموم الیہ تک ساری نہیں مانتے۔	۱۱۲
نوٹ نوع حقیقی ہے جس کے سب افراد متفقۃ الاغراض ہیں۔	۵۲۸	حرمیتہ کو عبد اور غلام کے ساتھ ملایا تو بھی بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں۔	۱۱۲
نوع حقیقی کسی جنس کا عین نہیں ہوسکتا۔	۵۲۹	ادائے ثمن نہ شرائط صحت بیع میں داخل ہے نہ شرائط نفاذ بیع میں۔	۱۱۸

بیع مبادلہ مال بمال کا نام ہے۔	۱۲۱	خلقی اتصال اور عارضی میں فساد کے فرق کا بیان۔	۱۸۷
چوحدی میں اگر زمین کی مکسر پیمائش میں اختلاف تحریر ہوا تو بھی چوحدی کا اعتبار نہ ہوگا۔	۱۲۴	احتکار کی تعریف اور اس کا حکم۔	۱۸۹
مکسر پیمائش کے ساتھ ساتھ اگر یہ بھی تحریر ہو کہ فی گز اتنا تو اب چوحدی کا نہیں پیمائش کا اعتبار ہوگا۔	۱۲۴	عقد مرابحہ ادھار بھی ہوسکتا ہے البتہ قرض کی وجہ سے دام میں اضافہ مستحسن نہیں۔	۲۱۹
خریداری تین طرح ہوتی ہے۔	۱۳۲	عقد مرابحہ کی وہ تعریف جو متون میں مذکور ہے۔	۲۲۰
ایجاب وقبول کا معنی۔	۱۳۳	تعریف مذکور میں لفظ عقد ثمن پر شراح کا تعریف کے جامع ومانع نہ ہونے سے اعتراض۔	۲۲۰
ناجائز بیع کی تین قسمیں ہیں: باطل، فاسد، مکروہ تحریمی۔	۱۴۱	درر کی تعریف جس میں ان دونوں لفظوں کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے لیکن یہ بھی نقص سے خالی نہیں۔	۲۲۰
بیع باطل کی تعریف اور اس کی مثال۔	۱۴۲	علامہ بحر نے ایک جامع اور مانع تعریف کی کوشش کی لیکن وہ بھی سالم نہیں۔	۲۲۰
معدوم کی بیع ناجائز ہے۔	۱۵۵	مرابحہ میں مبیع سے متعلق مصنف کی تحقیق اور کلام ائمہ میں تطبیق۔	۲۲۴
مال کی تعریف۔	۱۵۷	دینار ودرہم باب مرابحہ میں جنس واحد سے ہے۔	۲۳۰
ربلو کی تعریف۔	۱۶۰	نوٹ بذاتہ ثمن نہیں مگر بذریعہ اصلاح اس کو ثمنیت عارض ہے۔	۲۳۴
پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں کرتی یہ قرض مردہ ہے۔	۱۶۶	ثمن اصطلاحی کی ثمنیت متعاقدین کے باطل کردینے سے باطل ہوجاتی ہے اور وہ شے متعین ہوجاتی ہے۔	۲۳۴
قرض مردہ کی تعریف۔	۱۶۷	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتا۔	۲۳۸
بیع باطل کی ایک جدید شکل کا بیان۔	۱۶۷	اثمان معاوضات میں متعین نہیں ہوتے۔	۲۳۸
صحت اور جواز میں فرق ہے ممکن ہے ایک چیز صحیح تو ہو لیکن حرام ہو۔	۱۷۰	امانات وتبرعات بعد تسلیم میں متعین ہوتے ہیں نذر میں متعین نہیں ہوتے۔	۲۳۸
حکم دیانت	۱۷۴	دین معجّل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں۔	۲۴۴
صلب عقد میں فساد ہو یا شرط انعقاد معدوم ہو دونوں صورتوں میں مجلس عقد میں اصلاح مفید صحت نہیں۔	۱۸۳		

بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوتی ہے۔	۲۴۵	سود کی تعریف اور حکم۔	۳۲۶
بیع فاسد کا فسخ واجب ہے۔	۲۴۵	جوئے کی تعریف۔	۳۳۰
معلومیت ثمن شرائط صحت بیع میں سے ہے۔	۲۴۵	عقد بیع اور وعدہ میں بڑا فرق ہے۔	۳۳۰
ثمن کے معافی کی شرط نفس عقد بیع میں ہو اور ماضی کے لفظ سے تو بیع فاسد نہ ہوگی، فساد مستقبل کے لفظ سے ہوتا ہے۔	۲۵۸	علماء نے صبی لایعقل کی یہ پہچان بتائی کہ مبیع لے کر پیسہ بھی واپس مانگے۔	۳۳۰
بیع بشرط القرض اور قرض بشرط البیع میں فرق۔	۲۷۵	مال کی تعریف۔	۳۳۲
کسی مبیع کا مشتری ایک اور مشتری لہ چند ہو سکتے ہیں۔	۲۷۹	معاملہ فاسدہ کی دو صورتیں۔	۳۴۸
مشترک مال سے ثمن ادا کرنے کے باوجود مبیع صرف ایک شخص کے لئے ہو سکتی ہے۔	۲۸۰	ذمی اور مستامن کی تعریف۔	۳۴۸
تفریق صفقہ قبل تمام بیع کا حکم۔	۲۸۷	ایک مہینہ سے کم کے لئے بیع سلم نہیں۔	۳۵۳
باب ربٰو میں اندازہ شرعی کیل و وزن ہے۔	۲۹۱	سود کی ایک الجھی ہوئی صورت کا حکم۔	۳۵۵
حلت و حرمت کے قاعدہ کلیہ کا بیان چار صورتوں میں۔	۲۹۱	کمپنی کے حصص کی بیع شراء کا حکم۔	۳۶۲
ضرورت شرعی کا بیان اور چند مصنوعی ضرورتوں کی تفصیل۔	۲۹۹	حقیقت نوٹ کا بیان اور یہ کہ وہ خود مال ہے نہ کہ مال کا تمسک ہے۔	۳۹۸
حفظ نفس، تحصیل قوت، تحفظ عن الذلۃ و الطعن ضرورت شرعیہ ہے۔	۳۰۰	نوٹ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے۔	۳۹۸
مالک اور غلام کے درمیان سود نہیں۔	۳۰۹	کاغذ مال متقوم ہے۔	۳۹۸
شرکت معاوضہ اور شرکت عنان کے شرکاء کے درمیان بھی سود نہیں۔	۳۰۹	مال کا معنی۔	۳۹۸
ربٰو کی تعریف۔	۳۱۱	مال کی چار قسمیں اور ان میں فقہی مباحث	۴۰۴
عقود فاسدہ اور غصب و سرقہ کا فرق۔	۳۱۹	نوٹ ایک متاع یعنی مال ہے سند نہیں کیونکہ ایک پرچہ کاغذ ہے۔	۴۰۸
قرض بیع سے علیحدہ ایک معاملہ ہے جس کو شرع شریف نے لوگوں کو احتیاج کی حکمت سے مشروع فرمایا۔	۳۲۴		

نوٹ اصطلاح میں ثمن ہے کیونکہ اس کے ساتھ ثمن جیسا معاملہ کیا جاتا ہے۔	۴۰۸	پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت علماء نے جائز فرمائی۔	۵۳۴
عمدہ فقہی مسائل ومباحث وتنقیحات۔	۴۱۱	علماء نے ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی۔	۵۳۴
مصنف کی تحقیق کہ صحت بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ کی قیمت ہونا کچھ ضرور نہیں۔	۴۱۲	کپڑا قیمتی اور مذروع ہے۔	۵۶۵
عبارات فقہاء میں لفظ "کاغذۃ" میں تاء وحدت لانے کا فائدہ۔	۴۱۷	بیع فاسد کا حکم فسخ بیع ہے۔	۵۶۶
روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں کہ تقابض طرفین شرط ہو۔	۴۲۵	انعقاد عقد کے لئے ماضی کا صیغہ ضروری ہے مستقبل سے عقد نہیں منعقد ہوتا۔	۵۷۹
بیع صرف کی تعریف	۴۲۵	ایک ایسی بیع کا بیان جو ابتداءً وعدہ ہے اور انتہاءً تعاطی ہے۔	۵۸۷
مقدار میں کمی بیشی کی چار صورتیں ہیں، اور اختلاف جنس کی صورت میں چاروں حلال ہیں۔	۴۷۱	منقول کی بیع قبضہ سے پہلے بائع کے ہاتھ فاسد ہے۔	۵۹۴
نوٹ بالیقین مال ہے اس کو تمسک کہنا اندھاپن ہے۔	۵۰۹	استصناع کی تعریف اور اس کے فرائض۔	۵۹۷
حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اس کو محتال علیہ یا حویل کہتے ہیں۔	۵۱۴	استصناع حقیقۃً بیع ہے۔	۵۹۹
ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعا فرق ہے۔	۵۲۱	بائع کے کہنے سے خریدنا بائع کی طرف سے خریدنا نہیں ہوگا۔	۶۰۰
نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے۔	۵۲۲	نظر فقہی میں نوٹ کم وبیش سے بیع جائز معلوم ہوتی ہے۔	۶۰۱
ثمن خلقی دو قسم ذہب وفضہ میں منحصر ہے۔	۵۲۲	حرمت ربا کی علت اتحاد قدر وجنس ہے۔	۶۰۱
نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوتا بلکہ اتحاد قدر بھی لازم ہے۔	۵۲۷	نوٹ کی طرح پیسہ بھی ثمن اصطلاحی ہے۔	۶۰۲
نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے۔	۵۲۷	بیع صرف کی تعریف۔	۶۲۹
ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں خلقی اور اصطلاحی۔	۵۲۸	خلقی وغیر خلقی اثمان کی بیع کے وقت ایک طرف سے قبضہ ضروری ہے۔	۶۲۹

عین کو دین کے بدلہ بیچا جاسکتا ہے۔	۶۳۱	ذمہ کے لغوی معنی عہد کے اور شرعاً وہ عہد جو بندے اور خدا کے درمیان ہوا یا وہ وصف جس سے آدمی مکلّف ہو۔	۶۷۹
مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی ہے۔	۶۳۷	کفالت میں پانچ امور کی تشریح۔	۶۸۰
بیع تلجیہ کی تعریف اور اس کا حکم۔	۶۳۹	کفالت کی دو تعریفیں اور راجح کا بیان۔	۶۸۸
خدمت محضہ اور خدمت معلل بالغرض میں فرق کا بیان اور دونوں کا حکم۔	۶۵۰	شرط مالا یقتضیہ العقد اور مایقتضیہ العقد کی تشریح۔	۶۹۱
کفالت کے لئے التزام کے الفاظ جیسے "کفلت و ضمنت، علی، الی" ضروری ہے۔	۶۵۴	ہبہ	
وعدہ جب تعلیق کی صورت میں ہو جیسے "زید نہ دے گا تو میں دوں گا" لازم ہو جاتا ہے۔	۶۵۴	مدیون کو دین کا ہبہ جائز اور غیر کو ناجائز، البتہ بطور قبضہ غیر کو ہبہ جائز ہے۔	۱۰۶
کفالت بالنفس میں عرف حال یہی ہے کہ تاریخ انتہاء کے بعد کفالت ختم ہے۔	۶۶۷	ہبہ میں رجوع کے حق سے دستبرداری صحیح نہیں، ہاں کچھ لے کر دست برداری ہو تو یہ ہبہ بالعوض قرار دیا جائے گا۔	۱۰۶
کفالت بالمال کی تعریف۔	۶۷۷	عاقد نے عین اور حق ایک ہی عقد میں جمع کیا تو یہ ہبہ بشرط العوض کی صورت میں ابتداءً ہبہ ہے اور عین کے ساتھ حق جمع کردینے میں ہبہ باطل نہ ہوگا۔ اور بقیہ دونوں صورتوں میں معنی بیع ہوگا اور بیع کا حکم مذہب مختار پر صحت و قبول ہے۔	۱۱۰
کفالت بالمال میں ایک ہی مطالبہ دائن اور کفیل دونوں پر ہوتا ہے۔	۶۷۷	زمین زبانی اپنے لئے خریدی بیع نامہ لڑکوں کے نام لکھایا، لڑکیوں کی نہ ہوئی، البتہ بیع نامہ ہبہ قرار دیا جائے گا اور مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ باطل ہوگا۔	۱۲۸
شرع نے توثیق دین کے دو طریقے مقرر فرمائے: کفالت اور رہن۔	۶۷۷	دین مہر کا عوض دینا واہب بالعوض ہے، جو فی الحقیقت بیع ہے اور صحت بیع کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔ ہبہ بعوض مہر مشروط بشرط الفاسد سے حاصل ہونے والے مکان کو کسی نے غصب کرلیا شوہر نے نالش کرکے اس پر قبضہ کرلیا تو مہر بعوض المہر والا عقد باطل ہوگیا اور شوہر اس کا مالک ہوگیا۔	۱۶۳
جانوروں پر کوئی ذمہ داری نہیں۔	۶۷۹	شوہر ہبہ جدید کے ذریعہ عورت کو دے تو عورت مالک ہوجائے گی اور اس کا مہر بھی شوہر کے ذمہ رہے گا اور پہلے والے عقد کے تحت لوٹائے تو عورت مالک نہ ہوگی۔	۱۶۴

حمل کی کوئی چیز ہبہ نہیں کی جاسکتی۔	۲۱۳	مدیون کی جائداد دین سے مستغرق ہو تب بھی مدیون اپنی جائداد میں تصرف سے شرعاً روکا نہیں جاسکتا۔	۶۹۰
شفیع کے ڈر سے صاحب مکان نے اپنا مکان کسی کو ہبہ کیا، اور اس کا زر ثمن اس شخص نے صاحب مکان کو ہبہ کردیا شرعاً یہ ہبہ ہوا شفعہ نہیں چل سکے گا۔	۲۴۸	قاضی کے حجر کے بعد بھی اس کو تصرف کا حق رہتا ہے۔	۶۹۰
اگر کوئی شخص کسی کو مشاع ہبہ کرنا چاہے تو موہوب لہ کے ہاتھ بیع کردے اور ثمن معاف کردے۔	۲۴۹	قضائے قاضی کے بعد بشرط اطلاع اپنے موجودہ اموال میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوگا۔	۶۹۰
قبول بیع سے پہلے زر ثمن ہبہ کیا تو بیع صحیح اور ہبہ باطل ہے۔	۲۵۶	**میراث**	
زائد قابل تقسیم ہو تو اس کو علیحدہ سے دینا چاہئے مخلوط رہے گا تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔	۳۲۱	میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی تقسیم پر مقدم ہوگی۔	۹۵
ہبہ کی ایک ناممکن صورت۔	۳۷۲	ایک جائداد کے وارثوں کے حصص کی شرعی تعیین اور تفصیل۔	۱۰۳
ہبہ میں عدم مانع کی صورت میں اختیار رجوع ہوتا ہے۔	۶۴۰	ایک ترکہ میں وارثوں کے حصص کی تقسیم۔	۲۱۶
ہبہ سے بھی بیع تلجیہ کا ضرر ختم ہوسکتا ہے۔	۶۴۱	ادائے قرض تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔	۵۶۲
جائداد کا دین میں مکفول کرنا شرعاً کچھ نہیں، ایسی جائداد کا ہبہ ہوسکتا ہے۔	۶۸۷	**وصیت**	
مستغرق جائداد کے ہبہ میں یہ شرط لگانا کہ مطالبہ کی ادائیگی موہوب لہ کے ذمہ ہے شرط فاسد ہے، لیکن شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا۔	۶۸۷	مرض الموت کے تصرفات غیر نافذ ہیں۔	۹۳
اکراہ		**اجارہ**	
کسی کام کے لئے پنچوں کا اصرار اکراہِ شرعی نہیں۔	۲۱۸	مالک اپنی ملک غیر مالک سے کرایہ پر نہیں لے سکتا۔	۹۰
حجر		اجارہ باطلہ کے ذریعہ رقم حاصل ہو غصب ہے۔ پوری رقم واپس کرنا ضروری ہے۔	۹۰

جن صورتوں میں میں زراعت بائع کی ہے مشتری چاہے تو بائع کو زمین خالی کرنا ہوگی، اور مشتری کی اجازت سے باقی رکھی تو مشتری حسب عرف کرایہ لے سکتا ہے۔	۱۲۰	یہ معاملہ حقیقۃً رہن کا ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے۔	۹۰
دیہات کی رائجہ مستاجری ناجائز ہے مگر اس کی کفالت ہوسکتی ہے۔	۶۸۶	بیع بالوفاء حقیقۃً رہن ہے۔	۹۱
دیہات کا ٹھیکہ جس میں زمین اجارہ مزارعاں میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ پر دی جاتی ہے، قطعاً باطل ہے۔	۶۹۳	راہن سے شے مرہونہ پر قبضہ نہ کرے تو رہن باطل ہے، اور قبضہ ہو تب بھی شیئ مرہونہ سے انتفاع حرام ہے۔	۹۱
زراعت		دین معدوم کے بدلے رہن لینا جائز نہیں۔	۱۲۲
اس امر کا تفصیلی بیان کہ بیع میں کب زمین کے تابع کھیتی ہے اور کب نہیں۔	۱۱۹	کاشتکار نے کھیت رہن رکھا تو رہن نہ ہوگا۔	۲۷۶
مزروعہ زمین کی بیع میں زراعت کا مالک مشتری ہوگا۔	۱۱۹	بیع وفا حقیقت میں رہن ہے۔	۶۴۴
وکالت		رہن کے لئے شے مرہون پر مرتہن کا قبضہ ضروری ہے۔	۶۷۷
زید نے مال خریدنے کے لئے ایک ایک شخص کو وکیل بنایا، اس پر قبضہ کرنے کے بعد زید کا اس مال کو اسی وکیل کے ہاتھ مرابحۃً بیچنا جائز ہے۔	۱۳۷	رہن میں مطالبہ مرہون پر ہوتا ہے۔ وہ تلف ہو تو اتنا ہی دین ساقط ہوجائے گا۔	۶۸۹
وکیل کو چیز کے متعین دام بتا کر کہنا اس سے کم زیادہ بیچو تو تم جانو ہم وہی متعینہ دام لیں گے اور اسمیں سے دو فیصدی تمھیں دلالی دیں گے، ایسا معاملہ وکیل اور موکل دونوں کے لئے ناجائز ہے۔	۱۷۲	شے مرہون کی قیمت قبضہ کے دن کی لگائی جائے گی۔	۶۸۹
شیئ معین کے معین قیمت پر خریدنے کا وکیل مبیع کو نہ تو اپنے لئے خرید سکتا ہے نہ دوسرے کے لئے، ہاں موکل کی فرمائش کے خلاف خریدا تو وکیل کی ملک ہوگا۔	۲۱۸	رہن دین واجب وظاہر میں ہوتی ہے۔	۶۸۹
استقراض کا وکیل بنانا جائز نہیں۔	۲۷۱	**غصب**	
اقراض کا وکیل بنانا جائز ہے۔	۲۷۱	کسی دوسرے کے مکان کو اپنی ملکیت ظاہر کرکے کسی کے ہاتھ بیچنا اور مشتری کو قبضہ دلانا غصب ہے۔	۸۲
رہن			

مغصوب کو غاصب کے علاوہ کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنے کا حکم۔	۸۲	اگر عاقدین بیع فاسد کو فسخ نہ کریں تو قاضی جبراً فسخ کردے۔	۱۶۰
آج کل کچہریوں میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے بیع غاصب کے حکم میں ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۱۰۴	قاضی نے غلط فیصلہ کیا تو دوسرا قاضی اس کو رد کرسکتا ہے۔	۲۰۱
بیع مغصوب میں بیع سے قبل کی ساری توفیر کا مغصوب منہ مالک ہوگا۔	۱۰۶	احکام قضاء دارالحرب اور دارالبغاۃ میں نافذ نہیں جہاں حکم قضاء نہیں۔	۳۱۸
مبیع کو بائع نے غصب کرلیا تب بھی بیع صحیح ہے اور مشتری کی ملک ثابت ہے۔	۱۱۷	دعوی	
غصب کی ایک صورت۔	۱۱۷	اجنبی محض کو دعوی کا اختیار نہیں ہوتا۔	۸۳
عقار کا غصب متحقق نہیں۔	۱۱۷	حالت صحت میں کسی وارث کے ہاتھ جائداد بیع کردی بیع صحیح ہوگئی دوسرے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں، ہاں زرثمن پانے یا معاف کرنے کا اقرار نہ کیا ہو تو بقیہ ورثاء زرثمن کا دعوی کرسکتے ہیں زرثمن کی عدم ادائیگی کا ثبوت قرائن سے نہ ہوگا۔	۱۱۷
شہادت		اراضی کے بیعنامہ میں جو چوحدی لکھائی گئی کل مشتری کی ہوئی، اگر چوحدی میں غلطی سے کسی دوسرے کی مملوکہ زمین آگئی تو اصل مالکوں کی چارہ جوئی کے بعد وہ حصہ واگزار کردیا جائے گا۔	۱۲۳
کسی شیئ کی ملکیت کے شرعی گواہ گزریں تو قبضہ حکماً قرار دیا جائے گا۔	۸۲	بائع ارض مبیعہ کے جز حصہ کو بیع سے خارج ہونے کا مدعی ہے۔ لیکن سالہاسال سے ارض مبیعہ پر مشتری کا تصرف دیکھ کر خاموش رہا تو بائع کا دعوی باطل قرار دیا جائے گا۔	۱۲۶
شہادت اور دعوی میں مطابقت ضروری ہے اختلاف کی صورت میں گواہی نامقبول ہوتی ہے۔	٦٧٦	بیع کے انعقاد وبطلان میں اختلاف ہو تو مدعی انعقاد گواہ پیش کرے۔ گواہ نہ ہو تو مدعی بطلان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا جب صحت ومرض میں اختلاف ہو تو مدعی مرض کا قول مذکورہ تفصیل کے ساتھ بقسم معتبر ہوگا جس پر قسم ہے وہ حلف سے انکار کرے تو خصم کا حق ثابت ہوگا۔	۲۱۵
قضاء			

ایک مسلمان کی نصرانیہ عورت نے دعوی کیا میں اپنے شوہر کی موت سے پہلے اسلام لائی اور وارثوں نے کہا بعد موت، تو وارثوں کا قول معتبر ہے کہ یہ اقرب وقت ہے۔	۲۵۶	روپیہ قرض دے کر منافع میں آدھا ساجھا رکھنا سود ہے اور بطور مضاربت یہ معاملہ جائز ہے۔	۳۳۵
عقد میں شرط فاسد کے بارے میں اختلاف ہو تو منکرین شرط کے قول کا اعتبار ہوگا۔	۲۵۷	**شرکت**	
عاقدین کے صحت وفساد عقد میں اختلاف ہو تو قول مدعی صحت کا تسلیم ہوگا۔	۲۵۹	بطور شرکت اس میں نفع اور نقصان دونوں میں شرکت ضروری ہے، اور ان معاملات میں صرف نفع میں شرکت ہوتی ہے۔	۳۷۱
بائع فساد کا دعوی کرے اور مشتری صحت کا، تو قسم کے ساتھ مشتری کا قول معتبر ہوگا تناقض دعوی قابل تسلیم نہیں۔	۲۵۹	**شفعہ**	
ظاہر مدعا علیہ کو مفید ہوتا ہے مدعی کو نہیں۔	۶۷۶	مکان کی زبانی بیع ہوگئی اور اس پر قبضہ مشتری ہوگیا جس کو حق شفعہ تھا، وہ اس مکان کی خریداری سے انکار کرچکا تھا اب اس کو حق شفعہ نہیں۔	۱۹۱
جائداد مکفولہ کا دعوی شرعا قابل سماعت نہیں۔	۶۸۱	ضمان وتاوان	
اقرار		مقبوض علی سوم الشراء ہلاک ہوجائے تو قابض سے تاوان وصول کرسکتے ہیں۔	۹۳
غاصب مالک کی ملکیت کا اقرار کرے تو مغصوب کی بیع صحیح ہے۔	۸۲	امین پر بلاتعدی وتقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔	۱۰۲
اقرار بینہ سے قوی حجت ہے۔	۸۲	بائع نے اگر مال مبیعہ کو دوسرے کے ہاتھ بیچ دیا تو سخت گنہ گار ہوا، مال دوسرے مشتری کے پاس موجود ہو تو مشتری اول اس کو واپس لے اور موجود نہ ہو تو اتنے مال کا تاوان اس وقت کے بازار کے بھاؤ سے مشتری بائع سے وصول کرے۔	۱۶۱
مضاربت		زید کا روپیہ کسی پر باقی تھا عمرو نے ضمانت لی، زید کے مطالبہ پر عمرو نے انکار کیا، زید نے قاضی کے یہاں دعوی کیا اب عمرو نے مہلت چاہی اس نے اس شرط پر مہلت دی کہ کچہری کی دوڑ دھوپ میں میرا جو خرچ ہوا عمرو ادا کرے اس نے ادا کردیا، پھر اصل قرض بھی دے دیا تو اب عمرو زید سے کچہری کی دوڑ دھوپ والا تاوان پانے کا حقدار ہے۔	۳۹۱

نوٹ کا تاوان نوٹ دیا جائے گا۔	۴۱۰	مشتری نے کل یا جز قیمت ادا کئے بغیر مبیع پر قبضہ کرلیا تو مبیع کا منافع اس کے لئے حلال ہے۔	۳۹
کسی نے یہ کہا "۱۸ تاریخ تک فلاں کا ضامن ہوں" توظاہر الروایہ یہ ہے کہ ۱۸ تاریخ کے بعد بھی ضمانت باقی ہے اور اگر فلاں تاریخ سے فلان تاریخ تک تو بعد والی تاریخ کو ضمانت منتہی ہوگی۔	۶۵۶	سود کی ملک خبیث ہے۔	۹۰
"۱۸ تاریخ سے ضامن ہوں بھاگ گیا تو مطالبہ میں دوں گا" اگر ۱۸ تاریخ کے اندر بھاگ گیا مطالبہ دینا ہوگا۔	۶۵۶	بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعانہ روک لینا ظلم ہے چاہے زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔	۹۴
"۱۸ تاریخ تک میں مدعا علیہ کا حاضر ضامن ہوں اگر بھاگ گئے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں" اور مطالبہ کی ضمانت کو مدعیہ یا مدعی کے وکیل نے قبول نہ کیا تو نہ مال کے مطالبہ کا حق نہ ۱۸ کے بعد نفس کی ضمانت باقی۔	۶۵۸	وفائے وعدہ پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔	۹۵
عقائد وکلام		نقد اور ادھار کے بھاؤ میں تفاوت حرام اور ناجائز نہیں۔	۹۷
جنین ضرور مومن ہے۔	۲۱۳	عوام کی جائداد کا سرکاری نیلام مالک کی اجازت سے (سابقہ یالاحقہ) ہو تو جائز۔	۱۰۷
شرع مطہر عندیہ کا مذہب جنوں روا نہیں رکھتی۔	۵۲۲	عقد موقوف میں اجازت سے قبل بیع میں مشتری کا تصرف حلال نہیں۔	۱۰۷
توبہ واستغفار		کوئی چیز جب عقد صحیح شرعی سے خریدی گئی تو بائع کا ثمن کو کار معصیت میں خرچ کرنے کا وبال مشتری پر نہیں، نہ بیع میں کوئی خلل واقع ہوگا۔	۱۰۸
سود سے توبہ کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ندامت اور آئندہ نہ لینے کے عزم کے ساتھ ساتھ جو لیا ہے وہ واپس کرے۔	۳۰۴	جو حقوق اصالۃً ثابت ہوں (جیسے موصی لہ بالحد، حق قصاص، حق نکاح، حق غلامی) انکا عوض لینا جائز ہے۔ ۱۱۱	
گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ ہو۔	۳۰۴	آڑھت میں مال جمع کرکے اس کی قیمت پیشگی آڑھت دار سے لینا کہ جب مال بکے گا حساب ہوگا حرام ہے۔ البتہ قرض آڑھت دار کی مرضی سے لے سکتا ہے۔	۱۲۶
حظر واباحت			

جھوٹ نہ بولے تو زیادہ دام کہہ کر گھٹانا یا دُگنی قیمت لینا جائز ہے۔	۱۳۹	معین چیز کے کسب حرام ہونے کا علم نہ ہو تو اسے کھا سکتے ہیں۔	۱۷۲
مردار کی کھال پکا کر یا سکھا کر بیچنا جائز ہے ورنہ حرام ہے۔	۱۶۱	بھائی کے بھاؤ پر بھاؤ بڑھانے کا حکم۔	۱۹۱
ہڈی پر چکنائی نہ ہو تو اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۱	فصل پر غلہ خرید کر بیچنا جائز ہے، ایسی بیع کو حرام کہنے والا شرع پر جرات کر رہا ہے۔	۱۹۱
سور کی کھال یا ہڈی کی کسی حال میں بیع جائز نہیں۔	۱۶۲	مویشی خانہ کے جانوروں کی خریداری کا حکم۔	۲۰۲
مال مسروقہ کو جان کر خریدنا حرام ہے۔	۱۶۵	پنچوں کے فیصلہ کے لئے طرفین سے رقم جمع کرانا باطل اور دونوں کی رقم کسی ایک کو دے دینا مزید ظلم اور ایک فریق کو دوسرے کا یہ پیسہ لینا حرام۔	۲۱۸
اپنی جگہ کسی دوسرے کو نوکر رکھوا کر اس کا پیسہ لینے سے بچنا چاہئے۔	۱۶۵	بیع فاسد میں عاقدین بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہ گار ہوتے ہیں۔	۲۴۵
نزول کی زمین کو سرکار سے خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔	۱۶۸	بائع اپنی مرضی سے مبیع پر کچھ اضافہ کردے تو لینا جائز ہے۔	۲۶۱
مردہ پھونکنے والوں کے ہاتھ لکڑی بیچنا جائز ہے اس کام میں اس کی اعانت کی نیت نہ کرے۔	۱۶۸	بائع کافر ہو تو مسلمان کو زائد کا سوال نہ چاہئے کہ وہ احسان تصور کرے گا۔	۲۶۲
بھنگ پینے والوں کے ہاتھ اس کی بیع ناجائز ہے البتہ دوا کے طور پر اس کی بیع جائز ہے۔	۱۶۸	کٹوتی ناراضگی کی حالت میں حرام ہے۔	۲۶۳
افیون کی بیع دواءً خارجی استعمال کے لئے جائز ہے اور کھانے کے لئے حرام ہے۔	۱۷۰	بائع اپنا سودا اور ادھار بازار بھاؤ سے زائد دے تو سود نہیں مشتری کی رضا سے جائز ہے، ہاں خلاف اولٰی ہے۔	۲۶۷
مردار کی بیع حرام ہے۔	۱۷۱	قرض کی وجہ سے کسی چیز کو زائد قیمت پر خریدنا مکروہ۔	۲۷۵
قبرستان کی بیع حرام بائع کو قیمت لینا حرام	۱۷۱	اپنی آبرو بچانے کے لئے ہجو گو شاعروں کو رشوت دینا جائز ہے۔	۳۰۰

مفلس کو قرض خواہ کی طرف سے تقاضا کا خطرہ نہ ہو تو صرف مواخذہ آخرت کے خیال سے سودی قرض لینا حرام ہے۔	۳۰۱	صدقہ مشاع جائز ہے۔	۳۲۲
مال مباح یا اپنا حق عقود فاسدہ کے ذریعہ بھی وصول کرسکتے ہیں۔	۳۰۷	جس طرح بُرے کام سے بچنا ضرور ہے برے نام سے بچنا بھی ضروری ہے۔	۳۲۵
ممنوعہ رقم مدرسہ اسلامیہ میں بھی صرف کرنا منع ہے۔	۳۰۷	کم وبیش پر نوٹ کی بیع ہندو مسلمان سب سے جائز ہے۔	۳۲۷
شربت بھی شراب سمجھ کر پینا حرام ہے۔	۳۰۹	شرعی مجبوری پر سودی قرض لے سکتے ہیں۔	۳۲۷
کسی حلال معاملہ کو کسی نے حرام یقین کیا اور حرام سمجھ کر ہی اسے برتا تو وہ اللہ تعالٰی کا مجرم ہوا۔	۳۱۱	معاملہ باطل کو ایمانداری کا نام دینا حرام ہے۔	۳۳۳
دور سے کسی کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر اس کو نظر بد سے دیکھا گنہگار ہوا۔	۳۱۱	پراویڈنٹ فنڈ میں کٹی ہوئی رقم پر جو زائد رقم بنام سود ملتی ہے غیر مسلم لوگوں سے مال مباح سمجھ کر لینے میں حرج نہیں۔	۳۳۹
بغیر کسی مصلحت کے کسی حلال چیز کا حرام نام رکھنا مکروہ ہے		کوآپریٹو بنک بنا کر سود پر چلانا حرام ہے۔	۳۴۰
مصلحت شرعی سے بیوی کو بہن کہنے کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فعل سے سند۔	۳۱۲	کافر کو دھوکا دینا جائز نہیں۔	۳۴۲
مفتٰی بہ یہ ہے کہ مستحق اپنا حق بہر حال لے سکتا ہے جنس حق سے خواہ خلاف جنس سے۔	۳۱۴	مسلمانوں کے کوآپریٹو بنک کا سودی کاروبار حرام ہے اور ایسے بنک کا ممبر بننا اعانت علی الاثم ہے۔	۳۴۳
دارالحرب میں غدر اور ربا بالاتفاق حرام ہیں	۳۱۷	مسلم بنک سے زائد رقم نہ اپنے لئے وصول کرسکتے ہیں نہ کسی انجمن کے لئے۔	۳۴۴
شرمگاہ حلال ہونے کا شرع نے ایک مخصوص طریقہ بتایا ہے۔	۳۱۷	جس میں صرف منافع سے واسطہ رہے نقصان کی ذمہ داری نہ ہو جائز نہیں۔	۳۴۴
مال صاحب مال کی رضا سے حلال ہے۔	۳۱۷	کس کس کافر کا مال کس کس صورت میں مسلمان کو لینا جائز ہے۔	۳۴۸
مال مباح کا غصب وسرقہ جائز ہے۔	۳۱۹	غدر اور بدعہدی مطلقًا ہر کافر سے بھی حرام ہے۔	۳۴۸
قرض دیتے وقت زائد دینے کی شرط نہ ہو تو لفظًا نہ عرفًا، تو زائد دینا جائز ہے۔	۳۲۰	مال مباح کو عقد فاسد سے حاصل کرنے میں اگر بدنامی کا ڈر ہو کہ جاہل عوام سود خور مشہور کریں گے تو اس سے بچنا چاہئے۔	۳۴۹

بُرے کام اور بڑے نام دونوں سے بچنا چاہئے۔	۳۴۹	بھیک مانگنا ذلت وحرام ہے۔	۴۲۰
نوٹ کی بیع تفاضل ونسیہ ہر طرح ہر ایک سے جائز ہے۔	۳۵۰	دوسروں کا مال چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے۔	۴۲۰
بلاوجہ شرعی آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا ازروئے قرآن ممنوع ہے۔	۳۵۵	منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہوتا ہے۔	۵۲۱
احکام الٰہی کی وجہ دریافت کرنے کا کسی کو حق نہیں۔	۳۵۸	وعدہ کی وفا پر قضاءً جبر نہیں۔	۵۹۱
سودخوروں کے یہاں کھانا نہ کھانا چاہئے، لیکن حرام اس وقت تک نہیں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کھانا بعینہٖ سود ہے۔	۳۵۹	عقد بلاشرط ہو اور شرط بطور وعدہ ہو تو وعدہ کی وفا پر جبر ہوسکتا ہے۔	۵۹۲
مسلمانوں کو کافروں کی آسائش کی طرف نگاہ نہ اٹھانے کا پہلے ہی حکم دیا گیا ہے۔	۳۶۰	نفقہ کے علاوہ تمام ایسے قرضے جو طرفین پر مساوی قدروحیثیت کے ہوں اول بدل ہو کر ساقط ہوجاتے ہیں۔	۵۹۳
جس چیز کا بعینہٖ مال حرام ہونا معلوم نہ ہو چندہ میں لیا جاسکتا ہے۔	۳۶۰	عقد فاسد گناہ اور گناہ کا ازالہ فرض ہے۔	۵۹۷
کسی کو اسراف اور فضول خرچی سے روکنے کے لئے اس سے لیا ہوا سود واپس نہ کرنا حرام ہے۔	۳۶۳	ارزانی کے وقت روپیہ سے اشرفی خرید کر گرانی کے وقت زائد پر بیچنا جائز ہے۔	۶۰۷
مسئلہ کی تصدیق عمل صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔	۳۶۹	نوٹ کی بیع کم وبیش پر جائز ہے اور قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔	۶۰۷
مباح صورتوں میں سے کچھ صورتیں قانوناً جرم ہیں۔	۳۶۹	قرض دینے سے اعراض خلاف اولٰی ہے۔	۶۰۸
ان سے بھی بچنا چاہئے۔	۳۶۹	بطور قرض دس کا نوٹ قرض دے کر ایک پیسہ زائد لینا حرام ہے۔	۶۱۳
کپڑے کو عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھنا گناہ ہے۔	۳۷۰	استغراق بے قبضہ کچھ نہیں، اور قبضہ کے بعد رہن ہے اس سے انتفاع حرام ہے۔	۶۱۴
ملک خبیث اس کے اصل مالک کو وہ نہ ہو تو فقیر کو دینا ضروری ہے۔ خود کھانا حرام ہے۔	۳۷۹	وعدہ توڑنے پر آدمی گنہگار ہوتا ہے مگر ایفائے وعدہ پر شرع کی جانب سے جبر نہیں۔	۶۵۰
ورثاء کو مال متعین کے بارے میں ملک خبیث ہونا معلوم ہو تو وہ بھی وہی کریں اور معلوم نہ ہو یا سب مخلوط ہوں تو ورثہ کے لئے جائز ہے۔	۳۷۹	کفالت بالمال شرعاً جائز ہے۔	۶۷۷
شادی اور زندگی کے بیمہ کی حرمت۔	۳۸۱	معصیت سے بچنے کی جدوجہد کرنا لازم ہے۔	۷۰۵

حِیَل		غیر مسلم جو ذمی اور مستامن نہ ہو اپنی رضا سے کسی غدر کے بغیر عقود فاسدہ کے نام سے جو رقم دے اس کا لینا جائز ہے۔	۳۲۵
بیع بالوفاء کو ختم کرنے کی مختلف شرعی صورتیں۔	۹۲	حرام جان کر سود لینا دینا فسق وفجور اور حلال جان کر ایسا کرنا کفر وارتداد ہے۔	۳۴۱
کچی کھیتی خریدنے کا حیلہ۔	۱۷۵	بوہرے رافضی مرتد ہیں۔	۳۴۸
مستقرض سے انتفاع کی ایک صورت	۳۸۲	ہر مرتد کافر بلکہ کافروں کی بدتر قسم ہے۔	۳۴۸
مستقرض اپنی کسی جائداد سے مقرض کو فائدہ پہنچانا چاہے تو مقرض کو نوکر رکھ لے اور معمول سے زیادہ معاوضہ دے۔	۳۸۳	کفار ہندی ذمی و مستامن نہیں۔	۳۴۸
مستقرض سے انتفاع کی چند جائز صورتیں۔	۳۸۳	مرتد اور حربی سے عقود فاسدہ کا حکم۔	۳۴۹
قرضخواہ کے پاس قرضدار اپنی کوئی چیز امانت رکھے اور اس کی حفاظت ونگرانی کا ماہانہ کچھ مقرر کردے، مگر یہ خیال رہے کہ اجرت اس چیز کی قیمت سے زائد نہ ہونا چاہئے مستقرض سے انتفاع کی یہ بھی ایک صورت ہے۔	۳۸۵	عقود فاسدہ مع الحربی کی مزید چند صورتیں۔	۳۵۰
وقفی رہن سود ہے۔ سود سے بچنے کے طریقے۔	۳۸۶	مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔	۳۵۲
سود سے بچنے کی تدبیر۔	۴۶۱	فقیر نے یہ معلوم ہوتے ہوئے کہ اس نے مال حرام دیا اس کے لئے دعا کی تو وہ بھی تجدید اسلام کرے۔	۳۵۲
سود سے بچنے کی ترکیبیں۔	۴۹۴	ہندوستان دار الاسلام ہے البتہ یہاں کے غیر مسلم حربی ہیں ان سے نفع حاصل کرنا جائز ہے۔	۳۵۶
ایسی تدبیروں کا قرآن وحدیث سے ثبوت۔	۴۹۶	اہل حرب کا مال غیر معصوم ہے۔	۳۶۸
کلابتوں کی جائز بیع کا آسان طریقہ۔	۶۲۹	جو کافر دار الحرب میں ایمان لایا اور دار الاسلام کی طرف ہجرت نہ کی اس کا مال بھی غیر معصوم ہے۔	۳۶۸
سِیَر		مستامن کافر ہی کیوں نہ ہو اس کا مال محفوظ ہے۔	۳۶۹
حربی کے مال میں ربا نہ ہونے کی شرط میں دار الحرب کی قید مستامن کے نکالنے کے لئے ہے، حربی مستامن کا مال دار الاسلام میں بھی حلال ہے۔	۳۱۴	دار الاسلام میں بھی حربی غیر مستامن کا مال غیر محفوظ ہے۔	۳۶۹

ایک اونٹنی نذر کے بدلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ناقے عطافرمائے۔	۵۰۸	ربا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سے کمتر یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔	۳۵۱
ترغیب وترہیب		حرمت سود کی وعیدیں۔	۳۶۳
زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والوں کی اخروی سزا کا بیان۔	۱۷۱	سود کے کاروبار میں شریک چار قسم کے آدمیوں پر لعنت ہے۔	۳۶۳
ہمسایہ پر ظلم کی مذمت۔	۱۹۱	سود کا مال ملک خبیث ہے۔	۳۷۹
سود کی وعیدوں کے بیان کی احادیث۔	۲۷۸	سود لینے پر وعیدیں۔	۳۹۱
سود کے زنا سے ۳۳ درجہ بدتر ہونے کی تین حدیثیں۔	۲۹۳	**حدود وتعزیر**	
اس مضمون کی تین حدیثیں کہ سود کا ایک درم ۳۶ بار زنا کے گناہ کے برابر۔	۲۹۴	علانیہ سود خوروں کا مقاطعہ کرنا چاہئے۔	۳۸۰
دس حدیثیں کہ سود کے ستر سے زیادہ گناہ جن میں ادنی گناہ ماں سے زنا کے برابر۔	۲۹۴	نوٹ کی چوری پر حاکم اسلام ہاتھ کاٹے گا۔	۴۱۰
سود سے متعلق چار آدمیوں پر لعنت۔	۲۹۸	**فضائل ومناقب**	
بے نمازی عورت کے ساتھ رہنے سے اس کے مہر کا قرضدار ہو کر مرنا بہتر ہے۔	۳۰۳	صاحب درمختار سے علماء کبار سلفا خلفا استناد کرتے آئے ہیں۔	۲۵۱
سودی کاروبار میں معاونت کرنا بھی گناہ ہے۔	۳۰۴	قاضی خاں کو رتبہ اجتہاد حاصل تھا۔	۲۵۳
مسلمان کی بدخواہی اور ضرر رسانی پر احادیث وعید۔	۳۳۲	اللہ تعالٰی پاک ہے اور پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔	۳۵۱
سودی کاروبار پر قرآن وحدیث کی وعیدیں۔	۳۳۵	سب سے افضل کسب کون سا ہے۔	۴۶۹
سودی لین دین میں دین ودنیا کی بربادی کا بیان۔	۳۳۵	**تاریخ وتذکرہ**	
سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے، اور اس پر گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۳۴۱	مولوی عبداللہ لکھنوی صاحب کی عادت۔	۴۴۶
سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہو تو ڈبل ملعون ہے۔	۳۴۱	دولت عثمانیہ کے واقعہ کا ذکر۔	۴۷۹
ربا زنا سے بدرجہا بدتر ہے۔	۳۵۱		

امانت		شامی کے قول کی توضیح	۱۷۴
بیع فضولی میں قیمت پر بائع کا قبضہ قبضہ امانت ہے۔	۱۰۲	عبارت فتح کی توجیہ اور شامی پر تطفل۔	۱۷۹
جس ودیعت کا مالک فوت ہوگیا اور کوئی وارث نہیں تو اس کو اپنی یا دوسرے کی ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں۔	۳۱۵	شامی پر دوسرا تطفل۔	۱۸۱
قمار		شامی پر تیسرا تطفل۔	۱۸۲
قمار کی ایک صورت اور اس کی حرمت کا بیان۔	۱۶۱	علامہ بحر کی تعریف میں لفظ بما یتعین کی تصحیح سے متعلق مصنف کی تحقیق۔	۲۲۲
روپیہ دے کر غلہ کی خریداری کا معاملہ کیا یہ سلم ہوئی۔	۳۲۷	کفایہ، عنایہ، سعدی آفندی، جامع الرموز اور درمختار پر تطفل۔	۲۲۳
جوئے کی ایک نئی صورت کا تفصیلی بیان اور اس کا شرعی حکم۔	۳۲۹	ہدایہ کی تعریف پر عنایہ کا اعتراض اور اس اعتراض پر مصنف کی گرفت۔	۲۲۸
چٹھی بھی قمار کی ایک صورت ہے۔	۳۳۱	بحرالرائق میں لفظ "ما یتعین" کے بعد "غیر ربوی قوبل بجنسہ" کے اضافہ کی ضرورت تھی۔	۲۳۳
قمار میں غش وضرار ہوتا ہے۔	۳۳۱	حسن شرنبلالی کے ایک اعتراض کا جواب۔	۲۳۳
چٹھی کے ذریعہ مال کی فروخت جوا ہے۔	۳۳۴	نوٹ مال ربوی نہیں۔	۲۳۴
بیمہ عقد شرعی نہیں، یہ جوا ہے۔ غیر مسلم کمپنی سے یہ معاملہ اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ کوئی غیر شرعی پابندی نہ ہو اور ہر طرح اپنا نفع ہو۔	۳۶۵	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح اور علامہ شامی کی تائید۔	۲۴۹
متفرقات		فتاوٰی خیریہ کی مسئلہ سے غیر متعلق تحریر کی توضیح	۲۶۶
بحر اور درر کے ایک جزیئے کی تضعیف۔	۹۷	خوف اور طمع انسان کو جدوجہد پر ابھارتے ہیں۔	۳۳۰
مال آنے جانے والی چیز ہے۔	۱۱۸	ایک فقہی عبارت کا مطلب۔	۳۴۵
خون، مردار اور مٹی اشیاء تو ہیں مگر مال نہیں ہے۔	۱۲۱	معروضہ علی الشامی	۴۰۵
بیع میں ملاوٹ کا علم تین طرح ہوتا ہے۔	۱۵۱	قسم سوم۔	۴۰۶
درر کی ایک عبارت کی توضیح اور شامی سے استشہاد۔	۱۵۷	تطفل علی تنویر الابصار۔	۴۰۶

تنویر پر تطفل۔	۴۱۵	فتح القدیر پر تطفل	۴۴۲
ملک ہند کی وسعت اور اس کے طول وعرض کی حدیں۔	۴۱۸	خانیہ پر تطفل۔	۴۶۴
عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔	۴۲۰	تطفل علی الفتح۔	۴۷۵
مسئلہ قنیہ کی ایک توجیہ۔	۴۲۲	حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی کے ایک وہم کا بیان۔	۶۲۵
اس معنی کی تضعیف جو علماء نے جامع صغیر کی عبارت سے سمجھا اور علامہ شامی نے قاری الہدایہ کی اس سے تائید کی، اور ذخیرہ وبحر وغیرہ پر تطفل۔	۴۳۰	بحر کے کلام کی نفیس تقریر۔	۶۲۵
معروضہ بر علامہ شامی ۱	۴۴۱	مختصر کرخی کے کلام کی تفسیر وتوجیہ۔	۶۲۶
معروضہ بر علامہ شامی ۲	۴۴۱	مبسوط اور جامع صغیر کی عبارتوں سے دفع تدافع۔	۶۳۶
علامہ قاری الہدایہ پر تطفلات۔	۴۴۱	علامہ شامی پر تطفل۔	۶۳۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

(خرید وفروخت کا بیان)

مسئلہ ۱:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کہا میں اپنا مکان بھیجتا ہوں، عمرو نے کہا میں خریدوں گا، دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پاگئی، زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے خرید کرلایا، اس صورت میں شرعاً بیع تمام ہوگئی یا ناتمام رہی؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

ہر چند صورت مستفسرہ میں الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغہ استقبال ہے اور یہاں درکار ماضی یا حال، لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار یوں یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت وقرار داد قیمت بیعانہ اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھہرتا ہے اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں معنی ہیں نہ کہ لفظ، اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً، اس لیے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی، گویا عاقدین زبان سے کچھ نہ کہیں کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر، اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے، جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو انھیں کی طرح موجب تمام بیع ہوگا۔

فی الهداية والمعنی هو المعتبر فی هٰذه العقود ولهذا ينعقد بالتعاطی	ہدایہ میں ہے کہ ان عقود میں معنی ہی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد

فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم۔	ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم (ت)

مسئلہ ۲: از ریاست رامپور محلّہ سبزی منڈی مرسلہ سید مقبول حسین صاحب وکیل ۲۱ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ایک مکان متروکہ چھوڑا، مسمّٰی عمرو اس کا پسر وارث مع الحصر مگر وہ نابالغ تھا دیگر شخص غیر وارث نے بہ زمانہ نابالغی مسمّٰی عمرو مکان مذکور کو اپنی ملکیت قرار دے کر بدست بکر بیع کردیا بکر نے قبضہ کرلیا، بعد بلوغ مسمّٰی عمرو نے بحالت غیر قابض مکان مذکور بدست خالد بیع کردیا خالد بذریعہ دستاویز بیعنامہ اقراری عمرو بنام بکر ونیز عمرو دعویدار تخلیہ ودخلیابی مکان مذکور ہے عمرو کو بیع کردینا تسلیم ہے اور دعوی سے اقبال ہے بکر قابض مکان بیع موسومہ خود کو حجت گردان کر منکر دعوی ہے اور مسئلہ شرعی مقدورالتسلیم کا عذر کرتا ہے، کیا صورت مذکورہ بالا میں مسئلہ مقدورالتسلیم شرعاً متعلق ہوسکے گا اور مسئلہ مذکور کے حقیقی معنی اور اس کی مثال بھی تحریر فرمائے تاکہ عام فہم ہوجائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے بکر وبائع بکر غاصب ہے جبکہ تو بیع عمرو بدست خالد صحیح وتام ونافذ واقع ہوئی مکان ملک خالد ہوگیا، خالد کا دعوی صحیح ہے بوجہ وجود بینہ عادلہ، عمرو کو حکماً قدرۃً علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت ونفاذ بیع کے لئے کافی ہے حقیقۃً مقدورالتسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں، غلام کو کسی کام کے لئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اسے بیع کردیا، بیع صحیح ہوگئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے، کبوتر ہلے ہوئے کہ صبح اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں، ان کی غیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجوع ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے یوں ہی جب بیّنہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرۃ حکمیہ حاصل، اور یہی بس ہے، اسی طرح اگر غاصب مقر غصب وملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح ونافذ ہوتی کہ اقرار بھی حق مقر میں مثل بیّنہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقوی، ولہٰذا اگر منکر بعد اقامت بیّنہ اقرار کردے حکم بربنائے اقرار ہوگا نہ کہ بربنائے بیّنہ، ہاں اگر وقت بیع عمرو نہ بکر مقر ملک عمرو تھا، نہ عمرو کے پاس بیّنہ شرعیہ، تو اب

---

[1] الہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴، ۲۵

ضرور مسئلہ اشتراط قدرۃ علی التسلیم عائدہ ہوگا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمرو کو نہ حقیقۃً قدرۃ التسلیم ہے نہ حکماً کہ بے اقرار ویبّنہ ڈگری ملنا ہرگز مظنون نہیں، تو یہ غلام آبق کی مانند ہوا جو سرکشی کرکے بھاگ گیا اور غائب ہے، مالک اگر اسے بیع کرے گا ہرگز صحیح نہ ہوگی، یونہی نیا کبوتر کہ اڑ گیا وہ ہلا ہوا نہیں کہ واپس مظنون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرۃ التسلیم مفقود ہے، اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعوی کا کوئی حق نہیں، قدرۃ التسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو[۲] قول ہیں، دونوں باقوت، **اول** یہ کہ وہ شرط انعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے، **دوم** شرط صحت بیع ہے، کہ بے اس کے بیع فاسد ہے، پہلے قول پر تو ظاہر ہے کہ نہ خالد مشتری ہے نہ عمرو بائع، اجنبی محض کو دعوی کا کیا اختیار، اور قول ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہ عدم قدرۃ التسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کردیتا ہے تو صحت بیع اس پر موقوف ہوئی کہ بکر مقر ہوجائے یا کوئی بیّنہ عادلہ ہاتھ آئے لہٰذا یہ بیع موقوف بھی ہوئی جیسے بیع مکروہ کہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفید ملک مشتری نہیں ہوتی تو بہر طور اس صورت میں خالد کے لئے مکان میں ملک نہیں، نہ اسے مکان پر دعوی پہنچے، عالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المغصوب من غیر المغاصب فھو موقوف ھوا لصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمہ، وان جھدو للمغصوب منہ بینہ فکذلك کذا فی الغیاثیۃ وان لم یکن لہ بیّنۃ ولم یسلمہ حتی ھلك انتقض البیع کذا فی الذخیرۃ[1]۔	مالک نے مغصوب کو غاصب کے غیر کے ہاتھ بیچا تو صحیح یہ ہے کہ وہ بیع موقوف ہوگئی، اگر غاصب نے اقرار کیا تو بیع تام ولازم ہوگئی، اگر اس نے انکار کیا اور مغصوب منہ کے پاس گواہ موجود ہیں تب بھی یہی حکم ہے یونہی غیاثیہ میں ہے اگر اس کے پاس گواہ موجود نہیں اور وہ مبیع کو مشتری کے حوالے نہ کرسکا حتی کہ مبیع ہلاک ہوگیا تو بیع ٹوٹ گئی یونہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

وقف بیع المالك المغصوب علی البیّنۃ او اقرار الغاصب[2]۔	مالک کا مغصوب کو فروخت کرنا غاصب کے اقرار یا گواہوں کے موجود ہونے پر موقوف ہوگا(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفصولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

خانیہ میں قبیل فصل شروط مفسدہ ہے:

باع المغصوب من غیر الغاصب ان کان الغاصب جاحدا یدعی انه له ولم یکن للمغصوب منه بینة لایجوز بیعه وان کان له بینة جاز بیعه [1]۔	مالک نے مغصوب کی بیع غیر غاصب کے ہاتھ کردی درانحالیکہ غاصب منکر غصب ہے اور اپنی ملکیت کا دعویدار ہے اور مغصوب منہ کے پاس گواہ بھی نہیں ہیں تو بیع جائز نہیں اور اگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو بیع جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع طیر فی الھواء لایرجع وان یطیر ویرجع صح [2]۔	ہواء میں اس پرندے کی بیع فاسد ہے جو واپس نہ آئے اور اگر وہ اڑتا ہے اور پھر واپس آجاتا ہے تو ہواء میں اس کی بیع جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح لان المعلوم عادۃ کالواقع وتجویز کونھا لاتعود او عروض عدم عودھا لایمنع جواز البیع کتجویز ھلاك المبیع قبل القبض ثم اذاعرض الھلاك انفسخ کذا ھنا اھ وفی النھر فیه نظر لان من شروط صحة البیع القدرۃ علی التسلیم عقبه ولذالم یجز بیع الاٰبق اھ قال ح فرق مابین الحمام و الاٰبق فان العادۃ لم تقض بعودہ	فتح میں فرمایا اس لئے کہ معلوم عادی واقع کی مثل ہے محض اس بات کا امکان کہ وہ(پرندے) واپس نہ آئیں گے یا عدم رجوع کا انھیں عارض ہوجانا جواز بیع سے مانع نہیں جیسا کہ قبضہ سے قبل ہلاک بیع کا امکان مانع بیع نہیں، پھر اگر مبیع کو ہلاکت عارض ہوگئی تو بیع فسخ ہو جائیگی، ایساہی یہاں بھی ہوگا، اھ اور نہر میں ہے کہ اس میں نظر ہے کیونکہ صحت بیع کی شرطوں میں سے ہے کہ بیع کے بعد تسلیم مبیع پر قدرت ہو، اسی لئے بھاگے ہوئے غلام کی بیع ناجائز ہے اھ، ح نے فرمایا کہ صاحب نہر نے کبوتر اور غلام میں فرق کیا ہے کہ عادت بھاگے ہوئے غلام کے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الباطل مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۲

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

غالبًا بخلاف الحمام، ومادعاہ من اشتراط القدرۃ علی التسلیم عقبہ ان ارادبہ القدرۃ حقیقۃ فھو ممنوع والا لاشترط حضور المبیع مجلس العقد واحد لایقول بہ، وان ارادبہ القدرۃ حکما کما ذکرہ بعد ھذا فما نحن فیہ کذالك لحکم العادۃ بعودہ اھ قلت وھو وجیہ فھو نظیر العبد المرسل فی حاجۃ المولی فانہ یجوز بیعہ وعللوہ بانہ مقدرو التسلیم وقت العقد حکما اذا الظاہر عودہ[1]۔	واپس آنے کا حکم غالبا نہیں کرتی بخلا کبوتر کے، اور بیع کے بعد بیع کے مقدور التسلیم ہونے کے اشتراط کا جو دعوی صاحب نہر نے کیا ہے اس سے مراد اگر وقت تسلیم حقیقتًا ہے تو یہ ممنوع ہے ورنہ مبیع کا مجلس عقد میں حاضر کرنا ضروری ہوگا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اگر حکما ہے جیسا کہ بعد خود انھوں نے ذکر کیا تو ہمارا زیر بحث مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کیونکہ عادت کبوتر کے لوٹ آنے کا حکم کرتی ہے اھ میں کہتاہوں یہ قوی ہے پس یہ اس غلام کی نظیر ہے جسے مالک کے کام کے لئے کہیں بھیجا گیا ہو کیونکہ اس کی بیع جائز ہے، اور فقہاء نے اس جواز کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ غلام بوقت بیع حکما مقدوا التسلیم ہے کیونکہ ظاہر اس کا لوٹ آنا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو باعہ (ای الأبق) ثم عاد وسلمۃ یتم البیع علی القول بفسادہ ورجحہ الکمال وقیل لایتم علی القول ببطلانہ من الروایۃ واختارہ فی الھدایۃ وغیرہا وبہ کان یفتی البلخی وغیرہ، بحر وابن کمال[2]۔	اگر بھاگے ہوئے غلام کو فروخت کیا پھر وہ لوٹ آیا اور اس کو مشتری کے حوالے کردیا تو اس قول کے مطابق بیع تام ہوجائے گی جس قول میں اس بیع کو فاسد قرار دیا گیا اور کمال نے اس کو ترجیح دی اور جس قول میں اس بیع کو باطل قرار دیا گیا اس کے مطابق بیع تمام نہ ہوگی اور یہی زیادہ ظاہر روایت ہے ہدایہ وغیرہ نے اس کو اختیار کیا اور بلخی وغیرہ اس پر ہی فتوی دیتے تھے، بحر، ابن کمال (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبہ اخذ جماعۃ من مشایخنا وبہ کان یفتی ابوعبداللہ البلخی وھکذا ذکر شیخ	اس کو اخذ کیا ہے ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور اس پر ابوعبداللہ بلخی فتوی دیتے تھے

[1] ردالمحتار، کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵

الاسلام [1]۔	شیخ الاسلام نے یونہی ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز غیاثیہ میں ہے: قالوا اوالمختار ھذا [2] (مشائخ نے فرمایا یہی مختار ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح والحق ان الاختلاف فیہ بناء علی الاختلاف فی انہ باطل اوفاسد وانك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا لان البیع قائم مع الفساد ومع البطلان لم یکن قائما بصفۃ البطلان بل معدوما، فوجہ البطلان عدم قدرۃ التسلیم، فوجہ البطلان عدم قدرۃ التسلیم، ووجہ الفساد قیام المالیۃ والملك، والوجہ عندی ان عدم القدرۃ علی التسلیم مفسد لامبطل [3]۔	فتح میں فرمایا: حق یہ ہے کہ اس میں اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہے کہ یہ بیع باطل ہے یا فاسد، اور بیشك تو جانتا ہے کہ ازالہ مفسد سے بیع فاسد صحیح ہوجاتی ہے کیونکہ فساد کے باوجود بیع قائم رہتی ہے جبکہ بطلان کے ساتھ بسبب صفتِ بطلان کے بیع قائم نہیں رہتی بلکہ معدوم ہوجاتی ہے، پس بطلان کی وجہ قدرت تسلیم کا نہ ہونا ہے جبکہ فساد کی وجہ سے مالیت وملك کا قیام ہے اور میرے نزدیك اس کی وجہ یہ ہے کہ تسلیم مبیع پر قادر نہ ہونا بیع کو فاسد کرنے والا ہے نہ کہ باطل کرنے والا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

وبہ اخذ الکرخی وجماعۃ من مشایخنا وھکذا ذکر القاضی الاسبیجابی فی شرحہ [4]۔	اور اسی کو اخذ کیا ہے کرخی اور ہمارے مشائخ کی ایک جماعت نے اور قاضی اسبیجابی نے اپنی شرح میں یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

نیز اسی سے بحوالہ غیاثیہ گزرا:

ھو موقوف ھو الصحیح [5] اھ وھو تصحیح	وہ موقوف ہے یہی صحیح ہے اھ اور وہ قول فساد

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١١٢

[2] الفتاوٰی الغیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ١٤٣

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب بیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیعروت ٤/ ١١٣

[4] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١١٢

[5] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١١١

للقول بالفساد کما بینا علی ھامشھا ولاغرو جمع الفساد والتوقف ففی ردالمحتار عن البحر ان بیع المکرہ فاسد موقوف [1] الخ وتمامہ فیہ وبہ یحصل الجمع بین قول الخانیۃ فی مسالتنا لایجوز بیعہ وقول غیرہ موقوف، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔	کی تصحیح ہے جیسا کہ ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کیا اور فساد و توقف کے جمع ہونے میں کوئی تعجب نہیں، پس ردالمحتار میں بحر کے حوالے سے ہے کہ مکرہ کی بیع فاسد موقوف ہے الخ اور اس کی مکمل بحث اس میں ہے اور اسی سے ہمارے مسئلہ میں خانیہ کے قول کہ بیع ناجائز ہے اور اس کے غیر کے قول کہ بیع موقوف ہے کے درمیان تطبیق حاصل ہوگئی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم (ت)

مسئلہ ۳: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شے کو فروخت کیا اس شرط پر کہ نصف روپیہ خریداری مال لیا اور نصف روپیہ وقت جانے مال کے کہ جو پہلی مرتبہ جائے گا ہم اپنا آدمی بھیج کر منگالیں گے، زید نے آدمی نہ بھیجا، خریدار نے وہ نصف روپیہ اپنے طور پر اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا، اب چونکہ نرخ اس مال کا بموجب فروخت حال کے دوچند ہوگیا لہٰذا زید کی اب یہ نیت ہے کہ یہ روپیہ جو نصف مال کی قیمت کا آیا ہے واپس کردے اور مال نہ دے، اور یہ بھی واضح ہو کہ جو مال زید سے لینا قرار پایا تھا وہ مال بھی نہ دیا اس سے کم قیمت کا دیا ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، اور جب بیع صحیح شرع واقع ہولے تو اس کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے رضامندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روا نہیں، نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہوچکا ٹوٹ سکتا ہے، زید پر لازم ہے کہ مال فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے، ہدایہ میں ہے:

اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع والاخیار لواحد منھما الا من عیب وعدم رویۃ [2]۔	جب ایجاب وقبول حاصل ہوجائے تو بیع لازم ہوجاتی ہے اور بائع ومشتری میں سے کسی کو فسخ کا خیار حاصل نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ مبیع میں کوئی عیب ظاہر ہوجائے یا مشتری نے بوقت بیع اس کو دیکھا نہ ہو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴

[2] الہدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۵

مال ناقص جو خلاف قرار داد زید نے بھیجا مشتری اسے واپس پہنچا کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے جب کہ مشتری سے کوئی امر مانع واپسی نہ ہوا ہو مثلاً اسے دیکھنے کے بعد وہ قول یا فعل جو اسی مال پر راضی ہو جانے کی دلیل ہو، درمختار میں ہے:

(لہ)ای للمشتری(ان یردہ اذا راٰہ)الا اذا حملہ البائع لبیت المشتری فلا یردہ اذا راٰہ الا اذا اعادہ الی البائع اشباہ(ویثبت الخیار)للرؤیۃ(مطلقاً غیر موقت)بمدۃ ھو الاصح، عنایۃ، لاطلاق النص مالم یوجد مبطلہ و ھو مبطل خیار الشرط مطلقاً ومفید الرضا بعد الرؤیۃ لاقبلھا، درر.[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کو یعنی مشتری کو اختیار ہے کہ بیع کو رد کردے جب مبیع کو دیکھے مگر جب بائع مبیع کو مشتری کے گھر اٹھالایا ہو تو اب مشتری نے اسے دیکھنے پر رد نہ کیا ہو، ہاں اگر مشتری نے مبیع کو بائع کی طرف لوٹا دیا تو رد ہو جائے گا__(اشباہ) اور خیار رؤیت مطلقاً ثابت ہوتا ہے کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں ہوتا یہی زیادہ صحیح ہے (عنایہ) کیونکہ نص میں اطلاق ہے جب تک مبطل خیار رؤیت نہ پایا جائے اور اس کا مبطل وہی ہے جو خیار شرط کا مبطل ہے مطلقاً یعنی قولی ہو یا فعلی، اور وہ فعل یا قول بھی مبطل ہے جو مفید رضا ہو جبکہ وہ رؤیت کے بعد پایا جائے نہ کہ رؤیت سے پہلے، درر اھ (مختصراً) واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴: مسئولہ عظیم الدین افسر مدرس مدرسہ مسعودیہ درگاہ شریف حضرت سید مسعود غازی صاحب سالار، بروز شنبہ، ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی اراضی کا بیع کامل کب ہوسکتا ہے جبکہ مشتری پورا زرثمن ادا کردے اگر مشتری پورا نہ ادا کرے تو تا ادائے زرثمن کے اس اراضی کا حاصلات مشتری کو حلال اور مباح ہے یا نہیں۔ اس صورت میں کہ اس نے زرثمن پورا ادا نہیں کیا بائع سے کچھ روپیہ زرسود کا مشتری نے زرثمن مجرا لیا ہے کچھ روپیہ مشتری بائع کو زائد زرثمن دینا ظاہر کرتا ہے حالانکہ بائع کہتا ہے کہ یہ روپیہ بوجہ اقراری مجھے دیا گیا ہے یا بطور خیرات، پس یہ روپیہ زرسود میں جو مشتری نے بائع سے لیا ہے وضع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

[1] الدر المختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴

الجواب:

بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے، چیز بائع کے ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے ہاں پہلے مشتری کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے، بائع کو اختیار ہے کہ جب تک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے لیکن اگراس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے مبیع اس کے قبضہ میں دے دی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں ملک مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں مشتری نے بائع سے جو سود لیا وہ حرام قطعی ہے، اور بداقراری کے معاوضہ میں کچھ روپیہ جرمانہ لینا بائع کو حرام ہے لیکن بائع یہ روپیہ اس سود میں مجرا لے سکتا ہے جو مشتری نے اس سے لیا تھا جبکہ اس کی مقدار سے زائد نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵: از شہر گونڈہ انجمن اسلامیہ مرسلہ جناب مرزا محمود بیگ صاحب وکیل وسکریٹری انجمن اسلامیہ گونڈہ ۳ رمضان ۱۳۳۲ھ

خدمت مبارک میں نقل دستاویزات مؤرخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء و ۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء بھیج کر مستدعی ہوں کہ براہ مہربانی مطلع فرمایئے کہ آیا دستاویزات جائز ہے بموجب دستاویزات مذکور الصدر کے انجمن اسلامیہ گونڈہ نے مکانات سید مقبول احمد وسید منظور احمد بیع بالخیار لئے ہیں اور قبضہ انجمن کا اس طور پر ہے کہ علیحدہ سرخط کرایہ نامہ لکھا لیا ہے اور کرایہ مبلغ (عہ/عہ ماہ بماہ) انجمن وصول کرتی آئی ہے جو کرایہ وصول ہوتا ہے ہو مصارف انجمن پر خرچ ہوتا ہے، آیا یہ رقم کرایہ شرعاً جائز ہے اور انجمن اس کو جائز طور پر صرف کرسکتی ہے؟

الجواب:

دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطل محض ہیں، دو برس کے لئے بیع بالخیار شریعت مطہر میں کہیں نہیں، کرایہ کہ الٹا مالکان مکان سے غیر مالکوں نے لیا سب حیلہ باطلہ اور نرا سود ہے انجمن پر فرض ہے کہ جتنا کرایہ اس وقت تک وصول کیا ہو مالکوں کو واپس دے یا اپنے دئے ہوئے قرض میں مجرا کرکے اتنی رسید مالکوں کو دے دے، حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔	ہر قرض جو منفعت کو کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

یہ صورت حقیقۃً رہن کی ہے خود بائعوں نے دوسری دستاویز میں اُسے جائداد مستغرقہ کہا اور میعاد دوسال اسے مکفول لکھا بس حقیقت اس قدر ہے باقی بیع کا بے معنی نام محض حیلہ خام ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے، **قال اللہ تعالٰی** "**فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ**"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ ت)

نیز مالکوں کا اپنی ملک غیر مالکوں سے کرایہ پر لینا شدید باطل ہے تو اس ماہوار کی اصل حقیقت سود ہے اور بنام اجارہ باطلہ لینا اتنا بھی اثر نہ دے گا جو سود مردود کی ملک خبیث سے ہوتا بلکہ مالکوں کو تمام و کمال واپس دینا فرض ہے **لعدم الملك فكان غصبا فوجب الرد والضمان هالكا** (ملک نہ ہونے کی وجہ سے لہٰذا وہ غصب ہوگا تو اس کا لوٹانا اور ہلاکت کی صورت میں ضمان واجب ہوگا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ٦ تا ١٦: از قصبہ رسیون محلّہ میر زادگان بمقام مسجد میر زادگان ضلع اناؤ مرسلہ قادر علی صاحب ١٦ جمادی الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل میں:

(١) بیع خیار کی تعریف کیا ہے؟

(٢) کیا شرائط اس میں ضروری ہیں اور انتہائے مدت اس کی کیا ہے؟

(٣) کیا بیع خیار میں شیئ مبیعہ پر فورا قبضہ ہونا چاہئے؟

(٤) اگر شیئ مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(٥) اگر شے پر قبضہ تو نہیں ہوا بلکہ روپیہ کا منافع جس حساب سے باہمی ٹھہرا تھا وہ ملا کیا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں؟

(٦) اگر بعد میعاد گزر جانے کے یہی مشتری بیع خیار طے شدہ منافع اپنا لیتا رہا جائداد پر قبضہ نہیں کیا تو یہ منافع سود ہوا یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز؟

(٧) کیا بائع اندر میعاد بیع خیار جائداد کو اسی شخص یا کسی غیر شخص سے بیع کرکے روپیہ واپس کرکے جائداد واپس لے سکتا ہے؟

(٨) کیا بعوض روپیہ واپس کرنے کے ایک جُزو اسی جائداد کا مشتری بیع خیار کو بیع قطع کرکے بقیہ اپنی جائداد واپس کرسکتا ہے؟

[1] القرآن الکریم ٢/ ٢٨٣

(٩) کیا مشتری بیع خیار بخوشی خاطر ایک جزو جائداد کا بائع کو واپس کرکے بقیہ جائداد کو بیع قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں کوئی ملزم شرعی ہوگا؟

(١٠) اگر بعد انقضائے میعاد متعینہ بیع خیار کوئی کاروائی فیما بین بائع و مشتری نہیں ہوئی بلکہ تین سال اور زائد تک وہی عملدرآمد یعنی وہی طے شدہ منافع اسی روپیہ کا لیتا رہا تو اس صورت میں یہ رقم وصول شدہ مشتری سود ہے اور مشتری سود خور ہوا یا نہیں اس کا استقرار تاریخ تحریر دستاویز سے ہوگا یا انقضائے میعاد کے بعد سے؟

(١١) اس قسم کی دستاویز مع خیار جس کا شیئ مبیعہ پر قبضہ نہیں ہوا صرف روپیہ کا منافع طے شدہ ملتا رہا، بعد ختم میعاد بھی کوئی کاروائی نہیں ہوئی تو اس شکل میں دستاویز بیع قطع لکھانا بہتر ہے یا بدستور وہی دستاویز بیع خیار قائم رکھنا؟

الجواب:

بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار ہے کہ بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں، یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور کم میں ایک دین یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں، اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور کردے وہ فسخ ہوجائے گی اور اگر مدت مقرر کردہ گزر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی مگر سائل نے بیع بالوفاء کو بیع بالخیار کہا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دوسال یا کم بیش باہم ایک مدت طے کرلی کہ اس مدت میں زید زرثمن نہ دے گا تو بیع قطعی ہوجائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ چیز قبضہ مشتری میں دے دیتے ہیں مشتری اس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے بذریعہ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح و معتمد مذہب میں بیع وفاء بیع نہیں رہن ہے مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة ھو ربٰو۔[1]	جو بھی قرض نفع دے وہ سود ہے (ت)

اور پورے بیباک یہ کرتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتت ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا کہ رہن بے قبضہ باطل ہے۔

[1] کنز العمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ١٥٥١٦ مؤسستہ الرسالہ بیروت ٦/ ٢٣٨

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا۔ت) یہ نفع جو اس پر ٹھہرا کھلا سود اور نرا حرام و مردود ہے۔

بالجملہ یہ بیع کسی صورت میں نہیں ہے، مشتری کا قبضہ نہ ہوا، جب تو اسے جائداد سے کوئی تعلق ہی نہیں، جتنا روپیہ دے ا ہے جب چاہے واپس لے سکتا ہے میعاد گزری ہو یا نہیں کہ بوجہ عدم رہن سادہ قرض رہ گیا اور قرض کے لئے شرعا کوئی میعاد نہیں، اگر مقرر بھی کی ہے اس کی پابندی نہیں اس دئے ہوئے روپیہ سے ایک حبہ زائد اس کو حرام ہے، نہ میعاد گزرنے پر اس جائداد میں اس کا کوئی حق ہے، اور اگر مشتری کا قبضہ ہوگیا ہے تو وہ رہن ہے مشتری کو اس سے نفع لینا حرام ہے، اور بائع ہر وقت روپیہ دے کر جائداد واپس لے سکتا ہے اگرچہ میعاد گزر گئی ہو، اور یہ بھی کرسکتا ہے کہ اسی جائداد کا کوئی حصہ باہمی رضامندی سے مشتری کے ہاتھ بیع قطعی بعوض دین کردے اور باقی جائداد واپس لے لے، رہا بائع یا مشتری کا دوسرا کے ہاتھ جائداد کا کل یا بعض بیچنا، اگر قبضہ مشتری نہیں ہوا ہے جب تو بائع کو اس کا اختیار کامل ہے کہ وہ اس کی ملک خالص ہے، اور مشتری کو اصلا اختیار نہیں کہ اسے جائداد سے کوئی تعلق نہیں، اور اگر قبضہ مشتری ہوگیا ہے تو اگر بائع بیچے تو یہ بیع مشتری کی اجازت پر موقوف رہے گی **کما ھو حکم بیع المرھون** (جیسا کہ مرہون کی بیع کا حکم ہے۔ت)

سوال اخیر کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نہ بیع ہے نہ رہن ہے قائم کس چیز کو رکھا جائے اور بیع قطعی کرنا نہ کرنا بائع کو اختیار ہے مشتری کو اپنے روپیہ کے سوا کوئی دعوی اس پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ سبزی منڈی بازار مرسلہ ولایت حسین صاحب مورخہ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

زید بکر کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ایک صاحب کو کپڑا کی ضرورت ہے اور اس کو کچھ کپڑا سلوانا بھی ہے، بکر سلائی کا کام بھی کرتا ہے، بکر نے تین دکانات پر سے مختلف قسم کے پارچہ مالکان مال سے ان کی قیمت طے کرکے زید کے ساتھ صاحب کے یہاں چلا گیا، زید نے یہ کہا کہ میں ان صاحب کو کپڑا دکھانے جاتا ہوں اور وہ کپڑے کو لے کر چلا گیا، بکر نہ وہ شخص ملا نہ کپڑا ملا، اب مالکان مال کو شرعا بکر سے اس پارچہ کی قیمت لینے کا حق ہے یا نہیں؟ **فقط**

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳

الجواب:

بیچنے والے اپنے کپڑوں کا تاوان بکر سے لے سکتے ہیں،

لان المقبوض علی سوم الشراء مضمون، واللہ تعالٰی اعلم	جس چیز پر بھاؤ طے کرنے کے لئے قبضہ کیا جائے وہ قابل ضمان ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں کسی وارث کو بیعنامہ اپنی جائداد کا مثل باغ یا اراضی وتالاب وغیرہا کے لکھ دیا اس کی موت کے بعد دوسرا وارث اگر فسخ بیع چاہے تو اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ اور بائع کو بوجہ خیار عیب یا رؤیت اختیار فسخ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع اگر مرض موت میں نہیں تو بعد لزوم وتکمیل بائع اور اس کے ورثاء کو کسی طرح اختیار فسخ نہیں اور خیار رؤیت خاص مشتری کے لئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی وجہ سے فسخ بیع کرسکے، پس خیار رؤیت مطلقاً اور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کے لئے خاص ہیں بائع کو ہرگز حاصل نہیں،

فی الدر المختار واذا وجدا لزم البیع بلا خیار الا لعیب اورؤیۃ [1]. فی الھدایۃ ومن باع مالم یرہ فلا خیار لہ و کان ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول اولا لہ الخیار اعتبارا بخیار العیب وخیار الشرط [2]. فی العنایۃ اعتبارا بخیار العیب فانہ لایختص بجانب المشتری بل اذا وجد البائع الثمن زیفا	درمختار ہے جب ایجاب وقبول دونوں پائے گئے تو بیع بلاخیار لازم ہوگئی سوائے خیار عیب اور رؤیت کے، ہدایہ میں ہے جس نے ایسی چیز کو بیچا جسے اس نے دیکھا نہیں تو اسے خیار رؤیت نہیں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پہلے کہا کرتے تھے کہ اسے خیار رؤیت ہے اور وہ اس کو خیار عیب اور خیار شرط پر قیاس کرتے تھے، عنایہ میں ہے کہ خیار عیب پر قیاس کرنا

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] الھدایہ کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۱۔۴۰

فھو بالخیار ان شاء جوز وان شاء ردہ کالمشتری اذا وجد المبیع معیبا لکن العقد لاینفسخ بردالثمن وینفسخ برد المبیع لانہ اصل دون الثمن[1] والعلم عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم۔	اس لئے درست ہے کہ وہ فقط مشتری کے ساتھ مختص نہیں بلکہ اگر بائع ثمنوں کو کھوٹا پایا تو اسے اختیار ہے چاہے تو جائز قرار دے دے اور چاہے تو رد کردے جیسا کہ مبیع کو معیوب پاکر مشتری کو اختیار ہوتا ہے لیکن ثمن کررد کرنے سے عقد فسخ نہیں ہوتا اور مبیع کو رد کرنے سے عقد فسخ ہوجاتا ہے کیونکہ مبیع اصل ہے نہ کہ ثمن، اور علم در حقیقت علم عطا فرمانے والے کے پاس ہے جو ہر چھپے راز کو جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاہدہ مابین زید وعمر کے قرار پایا اور زید نے عمرو کو عہ/ بیس روپے بطور بیعانہ کے دئے اب زید اپنی بدنیتی سے بلاقصور عمر کے معاہدہ مذکورہ سے منحرف ہوگیا تو اس صورت میں زید واپسی زر مذکور کا مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک واپس پائے گا، بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ۔ (ت)

ہاں اگر عقد بیع باہم تمام ہولیا تھا یعنی طرفین سے ایجاب وقبول واقع ہولیا اور کوئی موجب تنہا مشتری کے فسخ بیع کردینے کا نہ رہا، اب بلاوجہ شرعی زید مشتری عقد سے پھرتا ہے تو بیشک عمرو کو روا ہے کہ اس کا پھرنا نہ مانے اور بیع تمام شدہ کو تمام ولازم جانے، اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مبیع ملک زید اور ثمن حق عمرو، درمختار کے باب الاقالہ میں ہے:

من شرائطھا رضا المتعاقدین[3]۔	اقالہ کی شرطوں میں سے بائع ومشتری کا باہم رضامند ہونا ہے۔ (ت)

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۵۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[3] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳

یہ کبھی نہ ہوگا کہ بیع کو فسخ ہوجامان کر مبیع زید کو نہ دے اور اس کے روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرے، **ھل ھذا الا ظلم صریح** (کیا یہ ظلم صریح نہیں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت زینب کو بمواجہ چند عورات مستورات اور چند مردمان کرکے کچھ روپیہ اس وعدہ پر دیا کہ ہم فلاں مکان یا زمین اسی عورت زینب کا اس قدر تعداد روپیہ لیں گے اور بقدر عہ / بیس روپیہ مثل بیعانہ دئے ہیں اور اس عورت زینب نے اس روپیہ کو لے کر صرف مایحتاج کرلیا اور سب گواہان کے سامنے اقرار کردیا بعد اقرار کے کچھ دنوں بعد زینب فوت ہوگئی لہٰذا شرعاً بیع ہوئی یا نہیں؟ اور از روئے شرع شریف کے زید اپنا قبضہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

"لیں گے" صرف وعدہ ہے اور وعدہ کوئی عقد نہیں، نہ وفائے وعدہ پر خود وعدہ کرنے والے کو جبر کیا جاسکتا ہے **کما نص علیہ فی الھندیۃ**[1] **والخیریۃ وغیرہما من الکتب الفقھیۃ** (جیسا کہ ہندیہ اور خیریہ وغیرہ کتب فقہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) تو اس کی موت کے بعد وارثوں پر کیا جبر ممکن ہے پس زید کو قبضہ کرنے کا اصلاً اختیار نہیں وہ صرف ان روپوں کا مستحق رہا جو اس نے پیشگی دئے تھے ترکہ زینب سے قبل تقسیم ورثہ وصول کئے جائیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق حقوق ۲ بسوانسی کچھ کچوانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ (ماسہ مہ ۱۵۸) روپیہ کو اور بیع نامہ لکھ کر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچازاد بھائی کو (سامہ لعہ ۳۹۵) روپیہ کا بیعنامہ لکھ کر رجسٹری کرادی، اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیعنامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کے ڈر سے اور یہ حقیقت اصل میں وہی (ماصہ مہ ۱۵۸) کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے، اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ بستے ہیں، تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پاسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

بیع عقد لازم ہے بعد تمامی ہرگز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کردے جب

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع فی اجارۃ المستاجر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

وہ بدست بکر بیچ چکا بیعنامہ لکھ دیا اس پر اپنے دستخط کردئے، تو تمامی عقد میں اصلاً کوئی شبہ نہ رہا۔ رجسٹری نہ شرعاً ضرور یہ نہ اسے تکمیل عقد میں اصلاً کچھ دخل، بلکہ شرعاً تو صرف ایجاب وقبول کا نام بیع ہے اگرچہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے تو نہی تنہا بیعنامہ بطریق معروف ومعہود لکھ کر دستخط کرنا مشتری کا اسے قبول کرلینا بھی عقد تام وکافی ہے، اگرچہ زبانی الفاظ مقررہ خریدم و فروختم (میں نے خریدا، میں نے بیچا۔ ت) کا ذکر نہ آیا ہو۔ اشباہ میں ہے:

الکتابۃ یصح البیع بھا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریر سے بیع صحیح ہوجاتی ہے، ہدایہ میں ہے فرمایا تحریر کلام کی مثل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

المعنی ھوالمعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھوالصحیح لتحقق المراضاۃ[2]۔	ان عقود میں معنی کا اعتبار ہوتا ہے اسی لئے بڑھیا اور گھٹیا چیزوں میں بیع تعاطی منعقد ہوجاتی ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ باہمی رضامندی متحقق ہوتی ہے۔ (ت)

غرض حقیقت مذکورہ ملک زید سے خارج ہو کر ملک بکر میں داخل ہوگئی، زید بکر سے صرف (ماسہ مہ ۱۵۸) کا مطالبہ کرسکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی، بے اجازت بکر مردود ہے، بکر کو اپنی ملک میں دعوی شفعہ کی کوئی حاجت نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۲: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں، اب زید اپنا حق حقوق ایک زوجہ کے نام بیع کرتا ہے، تو زید کو اپنی حیات میں بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ بیع زید سے قبل مرض موت کے بحالت صحت نفس وثبات عقل واقع ہوئی تو قطعاً نافذ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ اور ایک بھتیجا وارث اور تین بسوہ جائداد متروکہ چھوڑ کر انتقال کیا زوجہ نے وہ کل حقیت اپنی طرف سے بدست خالد فروخت کی مگر وہ بیعنامہ سب ورثاء کی اطلاع سے لکھا گیا اور وہ سب بالغ ہیں اور سب نے اپنی گواہیاں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۔ ۲۴

اس بیعنامہ پر لکھیں اور یہ کہہ دا کہ یہ بیع صحیح ہے اس میں کچھ دعوی مبیع نہیں ہے کل زرثمن مشتری نے ادا کردیا اور سب ورثاء نے باہم تقسیم کرلیا، اب بعد نو دس برس کے ہمشیرہ زید مدعیہ ہے کہ یہ بیع میں نے نہیں کی فقط زوجہ زید نے بطور مالکانہ کل حقیت بیع کی حالانکہ وہ کل کی مستحق نہیں، اس صورت میں وہ بیع شرعاً صحیح ونافذ، اور دعوی مدعیہ ناحق وباطل قرار پائے گا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع صحیح ونافذ ہے اور دعوی مدعیہ محض ناحق وباطل کہ اگرچہ زوجہ زید کل حقیت کی مالک نہ تھی اور اس نے ساری جائداد اپنی طرف سے بیع کی مگر یہ جبکہ یہ امر باطلاع ورثاء دیگر واقع ہوا اور انھوں نے پسند رکھا اور انکار نہ کیا یہاں تک کہ زرثمن سے حصہ لیا اور وہ سب بالغ تھے تو اب وہ بیع ایسے ہی قرار پائے گی کہ گویا ان سب نے خود اپنا اپنا حصہ بیع کیا اور ثمن لیا اب کسی طرح سے انھیں محل دعوی واعتراض باقی نہیں

فی تنویر الابصار والدالمختار اخذ المالك الثمن اوطلبه من المشتری اجازة [1] اھ ملخصا واما ماوقع فی البحر ثم الدرر من البطلان ان باع الفضولی لنفسه موهم مخالف للفروع المذهبية ومضاد للظاهر الرواية کما حققه المولی خیرالملة والدین الرملی ثم العلامة الشامی افندی فلیتنبه، واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار اور درمختار میں ہے کہ مالک کا مشتری سے ثمن وصول کرلینا یا اس سے ثمن مانگنا اجازت بیع ہے اھ ملخصا، اور وہ جو بحر پھر درر میں آیا ہے کہ بیع باطل ہے اگر فضولی نے اپنے لئے بیع کی وہ وہم ہے اور فروع مذہبیہ کے مخالف اور ظاہر الروایہ کے خلاف ہے جیسا کہ حضرت مولانا خیرالدین رملی پھر علامہ شامی آفندی نے تحقیق فرمائی، پس اس سے باخبر ہونا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب غلہ بازار میں نقدوں ۱۶ سیر کا ہو تو قرضوں ۱۵ یا ۱۲ سیر کا بیچنا جائز ہے یاحرام یامکروہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ فعل اگرچہ نرخ بازار سے کیسا ہی تفاوت ہو حرام یاناجائز نہیں کہ وہ مشتری پر جبر نہیں کرتا

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

نہ اسے دھوکا دیتا ہے اور اپنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے، مشتری کو غرض ہو لے، نہ ہو نہ لے۔

فی ردالمحتار لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ [1]۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ خضروی و کریم اﷲ و محمد بشارت و شاہ محمد چار بھائیوں نے ایک جائداد بشمول ہمد گر پیدا کی اور تادم مرگ خورد نوش ان کا یکجا رہا، بعدہٗ خضری نے دو دختر فجو اور اجو اور ایک پسر محمد بخش جس کی وارث اس کی زوجہ امرین ہے، اور دوسری فجو جس کے ورثاء اس کے زوج کلو اور علی بخش و حسین بخش و سلیمن اولاد ہیں، اور شاہ محمد نے زوجہ نورن وابن محمد علی وبنت بلاقن اور کریم اﷲ نے زوجہ منگو اور ابن یاد علی اور امیرن منیرن، بگا، بنات اور محمد بشارت نے زوجہ چھوڑی، اور محب اﷲ وکلن پسران اور عمدہ دختر اپنے اپنے ورثاء چھوڑ کر وفات پائی، بعد ان کے انتقال کے ان سب وارثوں نے وہ جائداد مشترکی غیر منقسمہ ایک عقد میں ایک شخص کے ہاتھ بعوض آٹھ سو روپیہ کے بیع کی اور اسے قابض و متصرف کرادیا مگر کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمان وقت بیع نابالغ تھے کہ ان کی ماں کلو نے ولایۃً ان کی جانب سے بھی بیع کی اور یاد علی کی بی بی نے بے اجازت و اطلاع یاد علی باختیار خود حصہ اس کا مالکانہ بیچ ڈالا، اب یہ پانچوں وارث دعوٰی کرتے ہیں اور نقض بیع چاہتے ہیں پس اس صورت میں بیع مذکور صحیح و نافذ اور حصہ ان ورثاء کا انھیں واپس ملے گا یا نہیں؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر یاد علی سے بعد از علم بالبیع کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا کہ دال اجازت و تسلیم بیع پر تھا تو وہ بیع صحیح و نافذ ہوگئی، اور دعوٰی اس کا ہرگز نہ سنا جائے گا، اور جو قولاً و فعلاً کوئی امر ایسا نہ ہوا کہ اجازت پر دلالت کرے اگرچہ بعد خبر پہنچنے بیع کے چپ رہا، اور کچھ نہ کہا تو اس صورت میں دعوٰی اس کا مسموع اور بیع بقدر اس کے حصہ کے ناجائز مشتری حصہ اس کا واپس کرے اور مابقی بقدر اس ثمن کے کہ مقابل اس کے ہے مقبول رکھے خواہ اسے بھی بالعین رد کردے اور اپنا کل ثمن پھیر لے اور اگر جائداد اولاد صغار بیع کردی گئی تو یہ بیع ہرگز صحیح نہ ہوگی اور مشتری اس کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی بیع العینۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا مشتری اس جائداد میں سے کلن و علی حسین و حسین بخش و سلیمن کو بقدر ان کے حصص کے واپس کردے اور مابقی کی نسبت مختار ہے چاہے سب بیع ترک کردے اور کل ثمن واپس لے لے یا بیع نسبت مابقی کے قائم رکھے اور اس قدر حصہ ثمن کا کہ مقابل جائداد ردشدہ کے تھا پھیر لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

الجواب الثانی بالتفصیل: مال اولاد نابالغ میں ماں کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں سوا اس کے کہ حفظ ونگہبانی کرے یا ضروری چیزیں انھیں خرید دے۔

فی الاشباہ والنظائر لاولایۃ للام فی مال الصغیر الا الحفظ وشراء مالا بدمنہ للصغیر [1] اھ وفی فتاوی قاضیخاں من کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس للرجل ان یختن ولدہ الصغیر ویقبض لہ الھبہ ویشتری ویبیع ولایجوز ذٰلك لوصی العم الا انہ یقبض لہ الھبۃ وکذا الام [2] اھ ملخصاً۔	الاشباہ والنظائر میں ہے کہ نابالغ اولاد کے مال میں ماں کو سوائے حفاظت واشیاء ضروریہ کی خریداری کے کوئی ولایت حاصل نہیں اھ، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس، میں مذکور ہے کہ مرد کو اپنے نابالغ بیٹے کے ختنے کرنے، اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرنے اور اس کے لئے خرید وفروخت کا اختیار ہے اور چچا کے وصی کے لئے یہ جائز نہیں سوائے اس کہ اس کے لئے ہبہ پر قبضہ کرسکتا ہے اور یہی حکم ماں کا بھی ہے اھ (ت)

پس کلو نے کہ جائداد اور کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمن نابالغوں کی ان کی جانب سے بیچ ڈالی، بیع فضولی قرار پائے گی، اور اس سبب سے کہ حالت عقد کوئی مجیز یعنی قابل اجازت نہ تھا محض ناجائز و باطل ہوگی کہ اگر نابالغان مذکورین بعد از بلوغ اجازت دیتے تاہم صحیح نہ ہوتی کہ باطل کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی تصحیح غیر متصور۔

فی الدر المختار من فصل الفضولی کل تصرف صدر منہ ولہ مجیز ای لھذا التصرف من یقدر علی	درمختار میں فضولی میں ہے کہ جو تصرف فضولی سے صادر ہوا اور درانحالیکہ اس تصرف کے وقوع کے وقت کوئی ایسا شخص موجود ہو جو اس تصرف

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام المحارم ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۱۸۸

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیما یکرہ من النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۳

اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجیز له حالة العقد لاینعقد اصلا[1] اھ ملخصا، وفیه وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فلو صغیرا او مجنونا لم ینعقد اصلا کما فی الزواھر معزیا للحاوی[2] اھ۔	کی اجازت دے سکتا ہو تو اکا انعقاد اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور اگر بوقت تصرف فضولی کوئی ایسا اجازت دینے والا موجود نہ ہو تو یہ تصرف سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا اھ ملخصا۔ اسی میں ہے کہ مال غیر کی بیع موقوف ہوتی ہے اگر وہ غیر عاقل و بالغ ہو اور اگر وہ غیر نابالغ یا مجنون ہو تو بیع سرے سے منعقد نہ ہوگی جیسا کہ حاوی کی طرف منسوب کرتے ہوئے زواہر میں ہے اھ (ت)

پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد مبیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جائداد کہ متروکہ کہ شیخ خضری تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستتر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں کو واپس کردے اور (سہ ۴/۱۳ پے) زر ثمن ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کرلے اسی طرح حرمت زوجہ یاد علی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے بطریق مالکانہ بیچ ڈالا حسب حکم بدائع و بحر الرائق و اشباہ وظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل و غیر صالح اجازت ہے۔

فی الدرالمختار بیعه لنفسه باطل کما فی البحر والاشباه عن البدائع وعبارة الاشباه بیع الفضولی موقوف الا اذا باع لنفسه فباطل بدائع[3] اھ مع التلخیص بالتغیر وفیه ایضا وقف بیع مال الغیر ان باعه علی انه لما بلکه اما لوباعه علی انه لنفسه فالبیع باطل اھ[4] ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ فضولی کی اپنی ذات کے لئے بیع باطل ہے جیسا کہ بحوالہ بدائع، بحر اور اشباہ میں ہے اشباہ کی عبارت یوں ہے کہ فضولی کی بیع موقوف ہوتی ہے مگر جب وہ اپنی ذات کے لئے بیع کرے تو باطل ہوگی (بدائع اھ مع تلخیص و تغیر) اسی میں ہے کہ غیر کے مال کی بیع موقوف ہوتی ہے جبکہ یہ سمجھ کر بیچے کہ وہ مالک کے لئے ہے اور اگر اپنے لئے تو بیع باطل ہے اھ تلخیص۔ (ت)

مگر مولٰنا محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت فروع مذہب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا ٹھہرا کر بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱
[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱
[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱
[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

مستحق کو اختیار اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی۔

فی الدر المختار لکن ضعف المصنف الاولی (ای بطلان بیعه اذا باعه لنفسه) لمخالفتها لفروع المذهب لتصریحهم بان بیع الغاصب موقوف، وبان المبیع اذا استحق فللمستحق اجازته علی الظاهر مع ان البائع باع لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق مع انه توقف علی الاجازة [1] اه. فی غمز العیون البصائر شرح الاشباه والنظائر للعلامة الحموی تحت قوله بیع الفضولی موقوف الا فی ثلث فباطل اذا شرط الخیار فیه المالك وهی فی التلقیح وفیما اذا باع لنفسه وهی فی البدائع اه قوله وفیما اذا باع لنفسه یعنی لایتوقف علی اجازة المالك لانه لم ینعقد اصلا قال بعض الفضلاء ویشکل علیه ماقالوا من ان المبیع اذا استحق لاینفسخ العقد فی ظاهر الروایة بقضاء القاضی بالاستحقاق وللمستحق اجازته اه. ووجه اشکاله ان البائع باعه لنفسه لا للمالك الذی هو المستحق اه [2]۔	درمختار میں ہے مگر مصنف نے صورت اولٰی (یعنی فضولی کی اپنے لئے بیع باطل ہے) کو فروع مذہب کے مخالف ہونے کی وجہ سے ضعیف قرار دیا، کیونکہ ائمہ نے تصریح کی کہ غاصب کی بیع موقوف ہے اور یہ کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو ظاہر الروایت پر مستحق کو اجازت کا اختیار حاصل ہے باوجودیکہ بائع نے اپنے لئے بیع کی نہ کہ اس مالک کے لئے جو کہ مستحق ہے اس کے باوجود اس کی اجازت پر موقوف ہوگئی اھ، غمز عیون البصائر شرح اشباہ والنظائر تصنیف علامہ حموی میں ماتن کے اس قول "فضولی کی بیع موقوف ہے مگر تین صورتوں میں باطل ہے، جب مالک کے لئے اس میں شرط خیار رکھے اور یہ تلقیح میں ہے، اور ج ب وہ اپنے لئے بیچے اور یہ بدائع میں ہے اھ" کے تحت مذکور ہے، ماتن کا قول کہ جب فضولی اپنے لئے بیع کرے (تو باطل ہے) یعنی مالک کی اجازت پر موقوف نہ ہوگی کیونکہ وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوئی، بعض فضلاء نے کہا کہ اس پر مشائخ کے اس قول اشکال وارد ہوتا ہے کہ مبیع میں اگر استحقاق ثابت ہوجائے تو قاضی کے استحقاق کا فیصلہ کردینے کے باوجود بیع فسخ نہیں ہوتی اور مالک مستحق کو اسکی اجازت کا اختیار حاصل ہوتا ہے اھ، اشکال کی وجہ یہ ہے کہ بائع نے اپنی ذات کے لئے بیچا ہے

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] غمز العیون البصائر الفن الثالث کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۹

نہ کہ اس مالک کے لئے جو مستحق ہے اھ (ت)

پس اگر قبل اس دعوٰی کے یاد علی سے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعا اجازت بیع قرار پائے مثلا زر ثمن مشتری سے مانگا ہو یا اس کو ہبہ کردیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تو نے بُرا کیا یا اچھا کیا، **علی مذھب محمد وھو الاستحسان عالمگیری**[1] **وھوالمختار فتح القدیر** (مذہب محمد پر اور یہی استحسان ہے، عالمگیری، اور یہی مختار ہے، فتح القدیر۔ت) تواب یہ دعوٰی اس کا نہ سنا جائے گا اور اس کے حصہ میں بیع، نافذ ہوچکی اس کے سہم کا زر ثمن کہ (معہ) روپے ہیں اس کی زوجہ کے پاس امانت رہا بشرطیکہ بلا قصور اس کے پاس سے تلف نہ ہوگیا ہو اس سے وصول کرلے اور اگر زوجہ نے حفظ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف میں لائی اور کسی طرح تلف ہوگیا تو اس سے بھ نہیں لے سکتا کہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلا تقصیر فی الحفظ ضمان نہیں۔

فی الدرالمختار ای بیع الفضولی قبول الاجازۃ من المالك اذا کان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا الثمن لوکان عرضا وغیر العرض ملك للمجیز امانۃ فی ید الفضولی ملتقی، وان اخذ المالك الثمن اوطلبہ من المشتری یکون اجازۃ، عمادیۃ، وقولہ اسأت نھر بئس ماصنعت اواحسنت اواصبت علی المختار، فتح، وھبۃ الثمن من المشتری والتصدیق علیہ بہ اجازۃ[2] **اھ ملخصا۔**	در مختار میں اور فضولی کی بیع کا حکم مالک کی اجازت کو قبول کرنا ہے جبکہ بائع، مشتری اور مبیع قائم ہو اور اسی طرح ثمن بھی جبکہ بصورت سامان ہوں اور ثمن سامان نہ ہوں تو وہ مالک مجیز کی ملک ہیں اور فضولی کے قبضہ میں بطور امانت ہیں، ملتقی، اگر مالک ثمن وصول کرے یا مشتری سے ثمن طلب کرے تو یہ اجازت ہے، عمادیہ، اور مالک کا یہ کہنا کہ تو نے بُرا کیا، نہر، یا جو تو نے کیا برا ہے یا تو نے اچھا کیا یا تو نے درست کیا قول مختار کے مطابق، فتح القدیر، اور مشتری کو ثمن ہبہ کردینا یا اس پر صدقہ کردینا اجازت ہے اھ تلخیص (ت)

اور اگر قبل از دعوٰی کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہوا بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سن کر چپ رہا اور کچھ نہ کہا تو دعوٰی اس کا مسموع اور اسے اختیار استرداد حاصل کہ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعا اجازت نہیں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر فی احکام البیع الموقوف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

فی الفتاوی الهندیة بلغ المالك ان فضولیا باع مبلکه فسکت لایکون اجازة [1] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں مالک کو خبر پہنچی کہ فضولی نے تیری مملوک چیز فروخت کردی اور وہ خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی اھ (ت)

اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ مثل حصہ نابالغان یاد علی کا حصہ بھی یعنی چہارم جائداد کے چالیس سہام سے چودہ سہم یاد علی کو واپس کردے اور ثمن اس حصہ کا کہ (معہ) روپے ہے اس کی زوجہ سے وصول کرلے، رہا یہ کہ درصورت اولٰی بعد واپسی صرف نابالغان ودرصورت ثانیہ پس از ردہر دو سہم یاد علی ونابالغان جو باقی بچے اس کا کیا حکم ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ مبیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت یاد علی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ عوض باقی زر ثمن کے کہ پہلی تقدیر پر (لعہ عہ /۱۲) ہے اور دوسری تقدیر پر (لعہ للعہ /۱۲) ہے اپنے پاس رکھے یا کل مبیع سب بالغوں کو واپس کردے اور اپنے پورے آٹھ سوان سے وصول کرلے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں زید اور خالد اور زید کا بیٹا عمرو، عمرو پر کچہری انگریزی سے ایک معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سوروپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچہری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے بتفریق اس طرح نیلام ہوئے کہ ۲۷ رمضان ۱۳۰۱ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر ۲۷ صفر ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ نومبر ۸۴ء و ۱۷ اگہن (مگھر) سنہ ۹۲ فصلی کو ایک بسوہ پرھ ۴ جمادی الاولی ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء و ۲۱ پھاگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے، بعدہ، ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل ۱۸۸۵ء و ۲۴ بیساکھ ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد یعنی پانچوں بسوئے بنام خالد شریک سوم بیع کردئے، خالد نے باحتیاط بحکم شرع اصل مالک یعنی عمرو سے اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ پھاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں مضمون لکھ دی کہ یہ پانچوں بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال بخوشی جائز رکھا اور زر ثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے کہ ابتدائے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

ربیع ۱۲۹۲ تک جس قدر توفیر ان پانچوں بسوں کے ہوئی اس کی نسبت صریحا لکھ دیا کہ وہ توفیران پانچوں بسووں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خادم گندم دے ہبہ کئے خالد اس توفیر کو قبض ووصول کرے اور میں نے گندم مذکور کو خالد سے وصول پالی، اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس ہبہ سے رجوع کا اختیار باقی رہا، اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورت مذکورہ میں اس تمام توفیر کا استحقاق خالد خریدار کو ہے یا زید پدر عمرو کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پدر عمرو کسی طرح توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسوہ کی بابت سال تمام ۱۲۹۲ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اسی کو ملنا چاہئے۔

والفقه فی ذٰلك ان بیع من یزید الصادر من حكام الزمان لیس بیع المالك وهو ظاهر ولا باذنه فانهم لایسألونه ولایسترضونه بل ربما باعوا مایساوی الفا بمائة اواقل ولا باذن الشرع المطهر كما لایخفی علی من له ادنی مسكة فلا یسوغ تفریعه علی قول الصاحبین فی بیع القضاة مال المدیون كرها علیه ان ابی ولابیع المكره حتی یجعل فاسدا لان المالك لایتولی الایجاب بل ربما لایشهد العقد وانما هم یبیعون بانفسهم جبرا علیه فاذن لیس الا كبیع الغاصب ینعقد موقوفا علی اجازة المالك	اس میں فقہ یہ ہے کہ بولی لگا کر بیع (نیلامی) جیسا کہ آج کل کے حکمران کرتے ہیں وہ مالک کی طرف سے بیع نہیں اور یہ ظاہر ہے اور نہ مالک کی اجازت سے ہے کیونکہ حکمران نہ تو مالک سے پوچھتے ہیں اور نہ ہی اس کی رضا معلوم کرتے ہیں بلکہ بعض دفعہ تو ہزار کی مالیتی چیز سو یا اس سے بھی کم پر فروخت کردیتے ہیں، اور نہ ہی یہ بیع شرع مطہر کے اذن سے ہوتی ہے جیسا کہ شریعت سے ادنٰی سا تعلق رکھنے والے پر مخفی نہیں، اور یہ بیع مذکور کو بیع مکرہ اور مدیون کے انکار کے باوجود حکام کی طرف سے جبراً اس کے مال کو فروخت کرنے سے متعلق قول صاحبین پر متفرع کرکے بیع فاسد قرار دینے کی گنجائش نہیں کیونکہ یہاں ملک کی طرف سے ایجاب نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو مالک بوقت عقد حاضر ہی نہیں ہوتا بلکہ حکام اس پر جبر کرتے ہوئے از خود بیع کردیتے ہیں للذا یہ تو محض بیع غاصب کی مثل ہے جس کا انعقاد مالک کی اجازت پر

فان اجاز جاز والابطل فی الدرالمختار وقف بیع الغاصب علی اجازۃ المالك اھ [1] واذا کان الامر کذٰلك فلم یثبت الملك فی المبیع لهندۃ المشتریۃ من احکام فبیعها من خالد ایضا بیع الفضولی لعدم الملك واذن المالك فیتوقف ایضا علی اجازته.فی رد المحتار بیع المشتری من الغاصب موقوف [2] اھ فایما عقد منهما صادفته الاجازۃ نفذ بخصوصة.فی الحاشیة الشامیة عن جامع الفصولین عن المبسوط لوباعه المشتری من غاصب ثم وثم حتی تداولته الایدی فاجاز مالکه عقدا من العقود جاز ذٰلك العقد خاصة لتوقف کلها علی الاجازۃ فاذا اجاز عقدا منها جاز ذٰلك عقدا منها جاز ذٰلك خاصة [3] اھ وھٰهنا قد لحقت الاجازۃ العقد الاٰخر فنفذ وثبت	موقوف ہوتا ہے اگر اجازت دے دے تو نافذ ورنہ باطل ہوجائیگی، درمختار میں ہے کہ غاصب کی بیع اجازت مالک پر موقوف ہوتی اھ اور جب صورت حال یہ ہے تو حکام سے خریدنے والی ہندہ کی مبیع میں ملک ہی ثابت نہ ہوئی، چنانچہ اس کا خالد کے ہاتھ بیچنا بھی ملک اذن مالک کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع فضولی ہوا تو یہ بھی اجازت مالک پر موقوف ہوگا، ردالمحتار میں ہے کہ غاصب سے خریدار کی بیع موقوف ہوتی ہے اھ، تو ان دونوں عقدوں میں سے جس کو اجازت لاحق ہوگئی وہ بطور خاص نافذ ہوگیا۔ حاشیہ شامیہ بحوالہ مبسوط، جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر غاصب سے خریدنے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کیا اس نے آگے پھر اس نے آگے فروخت کردیا حتی کہ وہ کئی جگہ فروخت ہوا، اب مالک نے ان عقود میں سے کسی ایک عقد کی اجازت دے دی تو خاص وہ عقد نافذ ہوجائے گا کیونکہ یہ تمام عقود مالک کی اجازت پر موقوف تھے تو جس کی اجازت اس نے دی وہی بطور خاص نافذ ہوگیا اھ، اور یہاں (صورت مسئولہ میں) اجازت آخری عقد کو لاحق ہوئی وہ نافذ ہوگیا، چنانچہ

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

الملك لخالد فی المبیع و نمائه وغلاله منذ شری من الهندة.فی تنویر الابصار وشرحه کل مایحدث من البیع کالکسب والولد والعقر ولوقبل الاجازة یکون للمشتری لان الملك تم له من وقت الشراء بخلاف الغاصب [1] اھ واماما تحصل من المزارع قبل شراء خالد فلا حق لخالد فیه و لالهندة بل لعمر وخاصة لانه بدل منافع مبلکه المعد للاستغلال وهبة الدین ممن لیس علیه باطلة الا ان یسلط علی القبض، فی شرح العلائی اما تملیك الدین نم غیر من علیه الدین فان امره بقبضه صحت لرجوعها الی هبة العین [2] اھ وفی مسألتنا هذه قد وقع التسلیط کما ذکر فی السوال فصحت الهبة وصح التعویض.فی شرح التنویر عن الجواهر.لایصح الابراء عن الرجوع ولوصالحه

مبیع اور اس سے حاصل شدہ آمدنی میں اس دن سے خالد کی ملک ثابت ہوگئی جس دن اس نے ہندہ سے خریدا، تنویر الابصار اور اس کی شرح میں ہے کہ جو کچھ مبیع سے حاصل ہو جیسے کمائی، اولاد اور عقر، تو وہ مشتری کا ہے اگرچہ اجازت سے قبل ہو کیونکہ خریداری کے وقت سے ہی اس کو ملک تام حاصل ہوگئی، بخلاف غاصب کے اھ، اور جو کچھ خالد کی خریداری سے قبل کھیتوں سے حاصل ہوا اس میں خالد اور ہندہ کا کوئی حق نہیں بلکہ وہ خاص عمرو کا ہے کیونکہ یہ اس کی ایسی ملک کے منافع کا بدل ہے جو غلہ حاصل کرنے کے قبل ہے، اور دین کا ہبہ اس شخص کو جس پر دین نہیں باطل ہے سوائے اس کے کہ اس کو قبضہ کا اختیار دے دے شرح علائی میں ہے کہ ایسے شخص کو دین کا مالک بنایا جس پر دین نہیں، اب اگر صاحب دین نے مدیون کو دین پر قبضہ کا حکم دے دیا تو یہ ہبہ صحیح ہوگیا کیونکہ یہ (ہبہ دین) ہبہ عین کی طرف راجع ہوگا اھ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں چونکہ قبضہ کا اختیار دے دیا ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے لہذا ہبہ صحیح ہوگیا اور عوض دینا بھی درست ہوگیا شرح تنویر میں بحوالہ جواہر منقول ہے کہ کسی کو حق شرع رجوع سے بری کردینا صحیح نہیں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] درمختار کتاب الهبة کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

من حق الرجوع علی شیئ صح وکان عوضا عن الھبۃ[1] اھ۔	اور اگر حق رجوع کے عوض کسی شیئ پر صلح کرلی تو صحیح ہے اور یہ ہبہ کا عوض ہوجائے گا اھ (ت)

بالجملہ: جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے جو توفیر روز نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمرو کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہوگئی اب پانچوں بسوں کی توفیر سال ۱۲۹۲ فصلی میں سوا خالد کے کسی کا حق نہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

(مہر مولوی عبدالقادر صاح بدایونی) (مہر مولوی عبدالمقتدر صاحب بدایونی)

مسئلہ ۲۷: از ستارگنج ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ وجائداد منقولہ وغیرہ منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خرید نا جائز ہے یا ناجائز ہے اور اشیاء روبرو ہے **فقط**۔

الجواب:

جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقًا جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دے دے مثلًا سو روپے قرض تھے ایک سو دس میں نیلام ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دئے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا **فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ**[2] (کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی مثل ہے۔ت) اور جہاں یہ دونوں صورتیں ہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازت مالک پر موقوف رہے گا اگر جائز کردے جائز ہوجائے گا رد کردے باطل ہوجائے گا، اور جب تک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا،

فان العقد الموقوف لایفید الحل، کما نص علیہ فی ردالمحتار وغیرہ۔	کیونکہ بیع موقوف مفید حل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ یمس اس پر نص کی گئی ہے۔ (ت)

پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعًا اس کی اجازت کا اختیار ہے نہ دوسرے سے باطل ہوگا مثلًا نابالغ کا مال نصف قیمت کا نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجات دینے والا کوئی نہیں تو ایسا عقد موقوف نہ رہے گا ابتداء باطل ومردود ہوگا،

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۔۱۳۹

فان تصرف الفضولی حیث لامجیز باطل اصلا[1] کما نص علیہ فی الدر وغیرہ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ فضولی کا تصرف جہاں اس کی اجازت دینے کا اختیار رکھنے والا کوئی نہ ہو سرے سے باطل ہے جیسا کہ اس پر درو غیرہ میں نص کی گئی ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۱۱ذی الحجہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اس کا سود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد حاکم ہندہ جو فی الحال ہے نیلام بغرض ادائے دین وسود کرے تو اس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ جائز ہے تو بقدر زر اصل کے ہے یا بالکلیہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مشتری جب عقد صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کا کہ وہ اس زر ثمن کو اطاعت میں خرچ کرے گا یا معصیت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں،

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ"[2]	کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں آٹھائے گا۔ (ت)

زر ثمن کا **معاذاللہ** سود مس دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا تو مشتری سے کیا تعلق اور اس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دے گا، اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں، بہر حال مشتری اس الزام سے بیر ہے **لتخلل فعل فاعل مختار** (کہ درمیان میں فاعل مختار کا فعل ہے۔ت) ہاں اگر کوئی صورت خاصہ ایسی ہو کہ بائع سود وغیرہ مصارف حرام میں صرف کرنے کے لئے بیچتا ہے اور مشتری شراء سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فساد نیت کے باعث خود اپنے وپر الزام شرعی لے گا شمول ربا کا جواب تو یہ ہے کہ مگر یہاں محل نظر یہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعا جائز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

لَاتَاْكُلُوْۤااَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمھارے درمیان باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مال کرے یا باذن مالک ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وہ بیع فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کرنیوالا نہیں مثلا نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا کہ اسے تمام جہاں میں کوئی نافذ نہیں کرسکتا جب تو وہ بیع سرے سے باطل وبے اثر ہے اور خریدار حرام اور اگر نافذ کرنے والا ہے مثلا بالغ کا مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو عقد اس کی اجزت پر موقوف رہے گا، اگر رد کردیا باطل ہوگیا، اور اگر جائز کردیا نافذ ہوگیا، اور اجازت کی صورت میں ایک یہ بھی ہے کہ زرثمن قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلا پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو دس روپے کو نیلام ہوا پانسودائن کو گئے دس مالک کو دئے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کردینا ہوگا لان قبوله تنفيذ كما نصوا عليه (کیونکہ مالک کا قبول کرنا اس کی طرف سے نافذ کرنا متصور ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنے زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالت صحت مکان اور اپنی اسامی دے دی اور دستاویز میں دونوں چیزون کا ذکر لکھ کر داخل خارج کرادیا، بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہوگیا، زوجہ زید نے مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا، اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا چاہتا ہے کہ زید نے اسے لکھ دیا تھا اگر میں ادانہ کروں میری جائداد سے وصول کرلے، آیا یہ اقرار شرعا وا اور وہ دستاویز جس میں مکان کے ساتھ اسامی کا بھی ذکر ہے شرعا صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب عقد ہندہ مملوک عمرو ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیشک وہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوک عمرو ہوگیا، اب سوائے عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ کوئی قرضخواہ زید اس سے اپنا قرضہ وصول کرسکتا ہے، محل تامل وامر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقدہ واحدہ میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک ومعاوضہ نہیں، کلیہ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۸۸

بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا مگر وقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید وزوجہ زید واقع ہوا عام ازیں کہ صلح عن المہر ٹھہرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہبہ ہو تو بالعوض خواہ بشرط العوض اور یہ اختلاف سہ اختلاف عاقدین سے ناشئی ہوگا، بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملیک پھر ہندہ کی صحت بیع میں ہرگز مخل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ توابتداء ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری، اگرچہ انتہاء بدستیاری معاوضہ جانب بیع منقلب ہوجائے اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک وغیر صالح یکجا کی جائیں تو اس کا فساد اسی پر مقتصر رہتا اور اس قدر میں ہبہ قطعاً صحیح ہوجاتا ہے،

فی الاشباہ والنظائر من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام قال ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز [1] اھ۔	الاشباہ والنظائر میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال وحرام مجتمع ہوں تو حرام غالب ہوگا فرمایا کہ اسی میں سے ہبہ بھی ہے اور وہ شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا لہٰذا جائز کی طرف متعدی نہیں ہوگا اھ (ت)

اور صور باقیہ میں اگرچہ یہ عقد لباس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنی بیع وشراء ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان واسامی مبیع مہر ثمن،

اما فی الھبۃ بالعوض فظاھر واما فی الصلح فکما فی العالمگیریۃ عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم المبیع فمایصلح ثمنا فی البیع اومبیعا یصلح بدلا فی الصلح ومالا لا [2]۔	لیکن ہبہ بالعوض میں تو یہ ظاہر ہے اور صلح اس لئے جیسا کہ عالمگیریہ میں بحوالہ محیط آیا ہے کہ اگر صلح دین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں ثمن کا ہے اور اگر صلح عین پر واقع ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو بیع میں مبیع کا ہے چنانچہ جو چیز بیع میں ثمن یا مبیع بن سکتی ہے وہ صلح میں بدل بھی بن سکتی ہے اور جو بیع میں ثمن یا مبیع نہیں بن سکتی وہ بدل صلح بھی نہیں بن سکتی۔ (ت)

اب یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوضائف کے طرف مجر ہوگا وہاں ہرچند علماء کو اختلاف ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

اور یہ مبحث معرکۃ الآراء ہے مگر مرضی جماہیر فحول ونحاریر عدول صحت وقبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار وملاحظہ نظائر ان شاء اللہ تعالٰی اظہر، اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل وگراں ہے،

فی الدالمختار من الاشباہ المذہب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتبارہ وعلیه فیفتی بجواز النزول من الوظائف بمال [1] الخ قال العلامة السید احمد الطحطاوی فی حاشیته وقد تعارف ذٰلك الفقهاء عرفا قدیما رضیه العلماء والحکام الی ان قال عن ابی السعود عن السید احمد الحموی من بعض الفضلاء عن العلامة بدرالدین العینی ان النزول عن الوضائف صحیح قیاسا علی ترك المرأۃ قسمها لصاحبتها لان کل منهما مجرد اسقاط [2] الخ۔	درمختار میں بحوالہ اشباہ مذکور ہے کہ مذہب کہ عرف خاص کے عدم اعتبار کا ہے لیکن کثیر علماء نے اس کے اعتبار کرنے کا فتوی دیا اسی بنیاد پر مال کے بدلے وظائف سے دستبرداری کے جواز کا فتوی دیا گیا الخ علامہ سید احمد طحطاوی نے اپنے حاشیہ میں کہا کہ فقہاء نے اس کو عرف قدیم سمجھا اور علماء وحکام نے اس کو پسند کیا یہاں تک کہ علامہ طحطاوی نے کہا کہ ابوسعود نے بعض فضلاء کا قول بحوالہ علامہ بدرالدین عینی سید احمد حموی سے نقل کیا کہ وظائف سے دستبرداری صحیح ہے قیاس کرتے ہوئے عورت کے اپنی باری اپنی سوکن کے لئے چھوڑ دینے پر، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک محض اسقاط ہے، الخ (ت)

علامہ سید احمد حموی غمز عیون البصائر میں علامہ نورالدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط سرخسی پر اس مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظہار نقل کرکے فرماتے ہیں: فلیحفظ فانه نفیس جدا [3] (اس کو یاد رکھنا چاہئے کیونکہ یہ بہت عمدہ ہے۔ت)
خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی ردالمحتار میں کلام علامہ بیری شارح اشباہ سے اس کی تائید نقل اور حقوق موصی لہ بالخدمہ وقصاص ونکاح ورق کا حقوق شفعہ وقسم زوجہ وخیار مخیرہ فی النکاح سے بدیں وجہ کہ صور اولٰی میں حق اصالۃ ثابت ہے توان سے اعتیاض جائز

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴
[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۹
[3] غمز عیون البصائر القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۳۹

بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوت حق صرف بربنائے ضرر ہے جب صاحب حق اعتیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستقر نہ تھا راسا حق باطل ہوا یہ عوض کیسا فرق بیان کرکے فرماتے ہیں:

ولا یخفی ان صاحب الوظیفة ثبت له الحق فیه بتقریر القاضی علی وجه الاصالة لاعلی رفع الضرر (ینقل الی ماقال) وان کان الاظهر فیها ماقلنا[1]۔	اور مخفی نہ رہے کہ بیشک صاحب وظیفہ کے لئے حق قاضی کی تقریر سے بطور اصل ثابت ہوا نہ کہ رفع ضرر کے طور پر (نقل کرتے ہوئے یہاں تک کہا) اگرچہ اس میں زیادہ ظاہر وہی ہے جو ہم نے کہا۔ (ت)

اس تقدیر پر یہ تو وہ شبہہ کو صفقہ واحدہ میں صالح وغیر صالح کو جمع کیا راسا مقلوع اور اگر مذہب آخر اختیار کیجئے تاہم فقیہ پر روشن کہ کم من شیئ یصح ضمناً ولایصح قصدا (بہت سی اشیاء ضمناً صحیح ہوتی ہے اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں۔ت) آخر مرور وشرب و تعلی بھی تو حقوق مجردہ ہیں اگربہ تبعیات رقبات طریق ونہر وعلو ان کی بیع بالاتفاق جائز، یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ ولباس بھی ہے کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) پھر استقلال و تمحض کہا جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقاً باطل ہی مانی جائے، تاہم اس قدر تو یقینی کہ یہ بطلان مختلف فیہ ہے، پس صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زید نے صفقہ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف الصلاحیۃ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطلان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل، مگر اس کا فساد مضمون الیہ تک ساری نہیں ہوتا اس کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے، خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حل وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ کہ مانند حرومیۃ کہ اس کے بطلان سے بیع مکان بھی فاسد ٹھہرے،

فی الدرالمختار وقیدوا سرایة الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیه فیسری کجمع بین حر وعبد بخلاف الضعیف المختلف فیقتصر علی محله ولایتعداه کجمع بین عبد ومدبر[2] الخ وفی الشامیة	درمختار میں ہے کہ فقہاء نے بیع فاسد کے باب میں سرایت فساد کو فساد قوی متفق علیہ کے ساتھ مقید کیا تو وہ فاسد تمام عقد میں سرایت کرے گا جیسے آزاد اور غلام کو عقد واحد میں جمع کرنا بخلاف فساد ضعیف اختلاف کے کہ وہ اپنے محل پر بند رہتا ہے اور اس سے

[1] ردالمختار کتاب البیوع مطلب فی النزول عن الوظائف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵

[2] الدرالمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۷

الفساد غیر قوی لعدم الاتفاق علیه فلا یسری [1] ۔	تجاوز نہیں کرتا جیسے غلام اور مدبر کو عقد واحد میں جمع کرنا الخ اور شامی میں ہے کہ یہ فساد غیر قوی ہے کیونکہ اس پر اتفاق نہیں لہٰذا یہ سرایت نہیں کریگا (ت)

اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے بیع مکان میں فساد لازم آئے گا، نہ بطلان کہ وجہ فساد مسئلہ حرومیۃ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہوتا ہے اور بیع شروط فاسدہ سے سے فاسد ہو جاتی ہے نہ کہ باطل،

اقول: وان کانت تعبیرات العلماء فی ذٰلك لم ترد علی نسق واحد فمنهم وهم بالفساد ومنهم من عبر بالبطلان والفساد هو المراد لانهما لفظان متعاوران یرد کل واحد منهما مشرب صاحبه کما لایخفی علی الناظر فی کلمات القوم وقال القهستانی فی بیان الباطل کثیرا مایطلق الفاسد علیه وبالعکس [2] اھ۔ومن اقوی الدلیل علی ذٰلك کلام الامام الهمام فقیه النفس فخر الدین خان القاضی اذا قال فی الخانیة البیع انواع باطل وفاسد و موقوف ولازم ومکروه [3] ثم عقد فصلا فی البیع الباطل	**میں کہتاہوں** کہ اگرچہ اس میں علماء کی تعبیریں ایک طرز پر واقع نہیں ہوئیں، ان میں سے بعض نے اس کو فساد قرار دیا اور بعض نے بطلان سے تعبیر کیا جس سے مراد فساد ہی ہے کیونکہ ان دونوں لفظوں یعنی فساد و بطلان میں سے ہر ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے جیسا کہ کلمات قوم کو مد نظر رکھنے والے پر مخفی نہیں اور قہستانی نے باطل کے بیان میں کہا کہ بسا اوقات اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس بھی یعنی فاسد پر باطل کا اطلاق ہوتا ہے اھ اس پر قوی ترین دلیل امام ہمام فقیہ النفس فخر الدین خان قاضی کا کلام ہے کیونکہ انھوں نے فتاوٰی خانیہ میں فرمایا بیع کی کئی قسمیں ہیں باطل، فاسد، موقوف، لازم اور مکروہ پر بیع باطل کے بارے میں فصل قائم کی اور اس میں بیع باطل کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۵

[2] جامع الرموز کتاب البیوع فصل البیع الفاسد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

وذکر مسألۃ ثم قال باب البیع الفاسد المفسد للبیع انواع وھذا الباب یشتمل علی فضولی، الفصل الاول فی فساد البیع الجھالۃ احد البدلین وفیہ الجمع بین الموجود والمعدوم والجمع بین المال وغیر المال[1] اھ فھذا کما تری نص صریح لا یقبل صرفا ولا تاویلا قلت وبہ اوضح عمدۃ المذہب امامنا المجتہد سیدنا محمد فی المحیط و المبسوط وغیرہ فی غیرہما کما فی جامع الرموز والکفایۃ وعلیہ یدور کلام الامام البرھان الدین المرغینانی فی الھدایۃ والعلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والفاضل زین الدین المصری فی الاشباہ والسید احمد الحموی فی غمز العیون والعلامۃ نوح آفندی والفاضل سید احمد الطحطاوی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین فعلیہ المعول وبہ الاعتماد کما حققتہ فی فتاوی الملقبۃ بالعطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ خلافا لما فھم العلامۃ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی من وقوع لفظ البطلان فی

مسائل کو ذکر کیا، بعد ازاں بیع فاسد کا باب قائم کرکے فرمایا کہ مفسدات بیع متعدد قسموں کے ہیں اور یہ باب کئی فصلوں پر مشتمل ہے، پہلی قسم بدلین میں سے کسی ایک کی جہالت کی وجہ سے فساد بیع کے بارے میں ہے اور اس میں معدوم و موجود کو اور مال و غیر مال کو عقد واحد میں جمع کرنا داخل ہے الخ تو یہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے صریح نص ہے جو مجاز وتاویل کو قبول نہیں کرتی میں کہتاہوں اور اسی کو واضح فرمایا ہے عمدۃ المذہب امام مجتہد ہمارے سردار امام محمد نے محیط اور مبسوط میں اور دیگر ائمہ نے دوسری کتابوں میں جیسا کہ جامع الرموز اور کفایہ میں ہے، اور اسی پر دائر ہے امام برہان الدین مرغینانی کا کلام ہدایہ میں، امام علامہ محقق علی الاطلاق کا کلام فتح میں، فاضل زین الدین مصری کا کلام الاشباہ میں، سید احمد حموی کا کلام غمز العیون میں، اور اسی پر دائر ہے علامہ نوح آفندی اور فاضل سید احمد طحطاوی وغیرہ ائمہ کا کلام، اللہ تعالٰی ان تمام پر رحمت نازل فرمائے، پس اسی پر بھروسہ اور اعتماد ہے جیسا کہ اس کی تحقیق میں نے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" کے لقب سے ملقب فتاوی میں کردی ہے، برخلاف اس کے جو بعض کلمات قوم میں لفظ بطلان کے واقع ہونے سے علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۳۵

بعض کلمات القوم اواستظھرہ سیدی محمد اُمین الدین اُفندی اُمرا بالتامل فلا محیط الاالی المقام بعد ماا تضح وتحقق ومن ارادفعلی ایراد الدلیل۔	نے سمجھایا تامل کا حکم دے کہ سیدی محمد امین الدین آفندی نے احتیاط برتی، چنانچہ وضاحت و ثبوت کے بعد مقام تحقیق کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں اور جو اس کے خلاف کاارادہ کرے اس کے ذمے پر دلیل پیش کرنا ہے۔(ت)

اور مبیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہوجاتی ہے کما فی عامۃ الکتب (جیسا کہ عام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہٰذا انفاسخ واجب ہے، مگر اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی،

فی الدرالمختار بخلاف بیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ [1]۔	درمختار میں ہے بخلاف بیع فاسد کے کہ اس میں مشتری کو حلال نہیں اس عقد کے فساد کے سبب سے اور جس نے اس سے خریدا اسے حلال ہے بسبب اس کی صحت عقد کے، (ت)

پس بہرحال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے زید یا زوجہ زید یا قرضخواہان زید کا اس میں کچھ حق نہیں، نہ قرضہ زید اس سے کوئی وصول کرسکتا ہے ھذا ینبغی التحیق واللہ ولی التوفیق. واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ ہی توفیق کامالک ہے، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۳۰: از کمپ لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے ایک مہینہ گزر گیا، بعدہ، زید کے مکان میں آگ لگ گئی، درخت مذکور جل گیا، قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

بعد استفسار واضح ہوا کہ گھنڈ ساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بیچی جاتی ہے وہ انھیں کاٹ

---
[1] درمختار کتاب البیوع البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲ /۲۹

لیتے ہیں اور پیڑ بدستور قائم رہتا ہے، یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی پیڑ جل گیا، اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے۔

وانما حکم من حکم بالجواز مستنداالی التعامل اوان کان موضع القطع معلوما بالعرف کما فصلہ فی الدر وحواشیہ[1]۔	اور جس نے جواز کا حکم کیا اس نے تعامل کی بنیاد پر جواز کا حکم کیا یا اس بنیاد پر کہ از روئے عرف کاٹنے کی جگہ معلوم ہو جیسا کہ درر اور اس کے حواشی میں اس کی تفصیل ہے(ت)

جب شیئ مبیع قبل قبضہ مشتری دست بائع میں ہلاک ہو گئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھ وہ واپس دینی واجب،

فی درالمختار عن الفتح والدرالمنتقی لوھلك المبیع بفعل البائع اوبفعل المبیع اوبامر سماوی بطل البیع و یرجع بالثمن لومقبوضا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بحوالہ فتح اور درمنتقٰی ہے کہ اگر فعل مبیع یا فعل بائع یا کسی امر سماوی سے مبیع (بائع کے ہاتھ میں) ہلاک ہو جائے تو بیع باطل ہو جائے گی اور ثمنوں پر اگر بائع قبضہ کر چکا ہے تو لوٹائے جائیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۱: از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ بعوض دین مہر زوجہ کے ساتھ بیع کر دیا اور رجسٹری وغیرہ کی تکمیل کرادی، بعدہ، باجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہا پس بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیعنامہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع مذکور تام وکامل ہے اور زید کا رہنا بے اجازت عورت ہوتا تاہم اصلا تمامی بیع میں خلل نہ لاتا

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲

فان غایته الغصب والبیع اذا تم افاد الملك والملك بالغصب لایزول علی ان الغصب لایتحقق فی العقار و البیع لیس کالھبة حتی یشترط فیه القبض و التخلیة وھذا ظاھر جدا، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ غایت اس کی غصب اور بیع جب تام ہوجائے تو مفید ملک ہوتی ہے اور غصب سے ملک زائل نہیں ہوتی، علاوہ ازیں غصب غیر منقولہ اشیاء میں متحقق نہیں ہوتا اور بیع ہبہ کی مثل نہیں حتی کہ اس میں قبضہ اور فارغ کرنا شرط قرار دیا جاتا اور یہ خوب ظاہر ہے، واللہ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲: مرسلہ ابوالاشیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب ۱۱ محرم ۱۳۲۳ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا دو بھتیجے حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا بھتیجا اس لڑکی کا شوہر ہے لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے نااتفاقی ہے حتی کہ نان ونفقہ تک نہیں دیتے، زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد دوہزار روپیہ میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کردی لیکن قیمت جائداد تخمیناً چھ ہزار روپے ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کردیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روپیہ مشتریہ نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان ونفقہ بھی باپ کے ذمے تھا، ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے کہا کہ تیری حق تلفی مجھ سے ہوگئی تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں بعد میرے مرنے کے کیا دیں گے، اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں، اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوگیا، پس صورت مذکورہ میں اس جائداد وبیع کا کیا حکم ہے؟ آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا مع الدلیل و البرھان توجروا عندالحنان المنان** (دلیل وبرہان کے ساتھ بیان کرو احسان ومہربانی فرمانے والے سے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ بیع صحیح وتام ونافذ ہوگئی جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی،

کما ذکر لی السائل بلسانه وذلك لانه عقد صدر عن اھله فی محله فلا مرد له۔	جیسا کہ سائل نے مجھے زبانی بتایا اور یہ حکم اس لئے ہے کہ یہ ایک ایسا عقد ہے جو اہل سے صادر ہوکر محل میں واقع ہوا تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں۔(ت)

ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہٰذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام وکمال معاف کردے معاف ہو جائے گا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا **کما نص علی فی فتاوٰی الامام قاضی خاں وبینہ فی ردالمحتار وحققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ فتاوٰی امام قاضی خاں میں اس پر نص کی گئی اور ردالمحتار میں اس کو بیان کیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی۔ت) یہاں اگر معاف ثابت ہو فبہا اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعوٰی اسے نہ رہا **لان المرء مواخذ باقرارہ** (کیونکہ شخص اپنے اقرار سے پکڑا جاتا ہے۔ت) اور یہ قرائن کہ وہ کہاں سے دیتی اس کا نفقہ بھی تو باپ کے ذمہ تھا بینہ ابراء کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابل التفات نہیں،

لان المال غاد و رائح وقد یکون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل مایطلع علیہ الاخرون وعسی ان یکون لہا من حلی جہازہا وامتعۃ مایفی بذٰلک۔	کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے اور کبھی بعض لوگوں خصوصا عورتوں کے پاس کچھ پوشیدہ مال ہوتا ہے جس پر دوسرے لوگ بہت کم مطلع ہوتے ہیں، شاید اس عورت کے پاس جہیز کا کوئی زیور یا سامان ہو جس سے وہ ادائیگی کرتی ہو، (ت)

اور جب خود زید کا دعوٰی نہ سنا یا جاتا تو ورثاء کہ خلافۃً اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعوٰی کیونکر مقبول ہو سکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہو گئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ مؤکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو حق تلفی کیونکر ہوتی باقی براہ دیانت حق تلفی حکم قضاء میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہو گئی، بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا، ہاں ثمن کا دعوٰی ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: از پیگا مسئولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر وخود کاشت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم ریزی شدہ بھی تھی بایں شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے چھوڑ دینا ہوگی، عمرو نے اس شرط کو قبول کر لیا تھا اور اس اراضی کی اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا تھا کہ آیا کُل عمرو کا ہوگا یا نصف زید کا بھی؟ اب زید نصف پیداوار بھی اس اراضی کی جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کی ہر چیز میں نصف ٹھہرا ہے، عمرو کہتا ہے

میں نے اراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں، نہ حقوق کاشتکاری، پس حق زمینداری اس اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں اسامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا پچپرو وغیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمھاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دے کر نہ چھوٹوں گا، لہٰذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو؟ زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زراعت تیار شدہ تمام وکمال ملک عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جسے جانور اپنے لبوں کے زریعہ سے زمین سے لے سکے بھی اس پر زید کا دعوی بالاتفاق باطل تھا، ہاں اگر پیٹا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چر سکے نری رنگت ہی رنگت زمین پر ظاہر ہوئی ہوتی ایسی حالت میں زمین بیچی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملک زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور شرح المجمع ودرمختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملک عمرو رہتی، فتح القدیر میں اسی کو اوجہ ور سراج الوہاج میں صحیح فرمایا، اور اکثر کا رجحان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر میں تخم ریزی ہوئی ہے اسے دیکھا جائے گا کہ آیا ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل نہ گیا ہوگا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہوئی کہ بیج گل چکا تھا زمین کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلاف علماء ہے، بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی، اسی کو امام فضلی وصاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر درمختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابواللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختار یہ ہے کہ مطلقاً چاروں صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت، بیج گل گیا ہو یا نہیں، اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا مفاد ہے، **بالجملہ** ان تمام صورتوں میں زراعت ملک عمرو ہے، زید کا دعویٰ نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے کھیتی ظاہر تو ہوئی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زمین کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمروں کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کرا کر اپنا

حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے فوراخالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابل ورد نہ ہوئی ہو اگر برضائے زید باقی رکھی تو حسب دستور زید کو حق زمینداری یعنی جو اتنی زمین کی اس قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے، درمختار میں ہے:

(لایدخل الزرع فی بیع الارض بلا تسمیة)الااذا نبت ولاقیمة له فیدخل فی الاصح شرح المجمع، ویؤمر البائع بقطع الزرع وتسلیم الارض عند وجوب تسلیمها فلولم ینقد الثمن لم یؤمر به خانیة، وما فی الفصولین الزرع للبائع باجبر مثلها محمول علی ما اذا رضی المشتری نهر اھ[1] ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین کی بیع میں زراعت بغیر نام لئے داخل نہیں مگر جب کھیتی اُگی ہوئی ہو اور بے قیمت ہو تو بیع میں داخل ہوگی اصح قول کے مطابق (شرح المجمع)، بائع کو حکم دیا جائے گا کہ وہ کھیتی کو اکھاڑ کر زمین مشتری کے حوالے کرے جب زمین کی تسلیم واجب ہوچکی ہو اگر مشتری نے ثمن نقد نہ دئے ہوں تو بائع کو مذکورہ بالا حکم نہیں دیا جائے گا (خانیہ)، اور فصولین میں جو آیا ہے کہ کھیتی بائع کے لئے ہے زمین کی اُجرت مثلی کے ساتھ تو وہ اس صورت پر محمول ہے کہ مشتری اس پر راضی ہو، نہر اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۴ و ۳۵: از ریاست جاروہ، ڈونگر پور دروازہ مرسلہ ہدایت نور خان صاحب برادر نواب جاورہ، رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں:

(۱) زید وہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی منگنی پسر خود مسمّٰی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ چار آنہ ماہوار کہ بعد مایان بحصہ برخوردار بکر رسید سے بعد وفات ہمارے جو حصہ بکر میں پہنچیں گے اور ایک منزل مکان بحدود اربعہ بعوض مبلغ پنجاہ ہزار روپیہ از جملہ مہر ش کہ کفیل وضامن اس کے ہم ہیں مسماۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے اور اس پر قابض ومتصرف کردیا ہم نے مگر اس تحریر کے ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا، جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہوئی ورنہ دستخط قاضی وقت کے کہ جس نے نکاح پڑھایا اس پر ہوئے ہیں، نہ تاریخ یوم نکاح ہی، نہ منظور شدہ زوج ہی، پس ایسی حالت میں اگر زوجہ بکر

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مالایدخل فی البیع تبعا الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۹

اس تحریر کی رو سے زید وہندہ یا بکر پر دعوی کرے تو عندالشرع اس جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں ؟اور قبضہ بھی اس جائداد پر مسماۃ ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالتًا نہ وکالتًا دلایا گیا کیونکہ زید وہندہ ۱۹۰۲ء سے ابھی تک بقید حیات ہیں اسی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر خود قابض ومتصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعا اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں ؟

(۲) زید نے تنخواہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہر بیع وہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنے والی تنخواہ کا بیع وہبہ از روئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں ؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلا مطالبہ نہیں کر سکتی، ظاہر ہے کہ زید وہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد دینا ہے اور تملیک عین بالعوض، اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہو ابتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے۔

فی الدر المختار اما لو قال وہبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتہاءً[1]۔	درمختار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔(ت)

اور بیع مبادلہ مال بمال ہے کما فی الکنز والملتقی وغیرہما (جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور مال عین ہے یا دین، اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے نہ دین، تو اصلا مال ہی نہیں، تو اس کے عوض کسی شیئ کا دینا محض باطل ہے۔

وصار کالبیع بالدم او المیتۃ او التراب بل ادون لانہا اشیاء وان لم تکن اموالا وھذا لیس بشیئ اصلا۔	اور یہ خون یا مردار یا مٹی کے بدلے بیع کی مثل ہوگیا بلکہ اس سے بھی کمتر کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ مال تو نہیں مگر اشیاء تو ہیں جبکہ مہر قبل از نکاح تو شیئ ہی نہیں۔(ت)

انعقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے۔

فی فتح القدیر لایجوز تعجیلہ	فتح القدیر میں ہے کہ اس کی تعجیل جائز نہیں

[1] درمختار کتاب الھبتہ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

لانہ یکون قبل السبب [1]۔	کیونکہ اس طرح سبب پر اس کا مقدم ہونا لازم آئے گا۔(ت)

عنایہ میں ہے:

تقدیم الحکم علی السبب لایجوز [2]۔	حکم کو سبب پر مقدم کرنا جائز نہیں۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن لینا بھی جائز نہیں۔

فی الھندیۃ الرہن بدین معدوم فلا یصح اذحکمہ ثبوت یدالاستیفاء والاستیفاء یتلو الوجوب کذا فی الکافی [3]۔	ہندیہ میں ہے کہ معدوم دین کے بدلے رہن لینا صحیح نہیں کیونکہ رہن کا حکم یہ ہے کہ دین وصول کرنے کی قدرت حاصل رہے اور وصول کرنا وجوب کے بعد ہوتا ہے جیسا کہ کافی میں ہے(ت)

تو فی الحال اس کا ادا کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

ولا یرد ما اذا بعث الی المخطوبۃ اشیاء مھرا لھا فانھا تملکھا اذ تزوجت علیھا وذٰلک لان الملك انما یثبت فیما بعد التزوج والامھار اما قبلھا فلا ولذا تردھا ان ابت قائمۃ اوھالکۃ کمافی الدرالمختار وغیرہ [4] اما ھٰھنا فالتزوج انما وقع علی الدراھم ثم لم یکن بعد ذٰلك من الکفیلین تعویض وماتقدم لایجدی کما تقدم۔	اور اس پر ان اشیاء کا اعتراض وارد نہیں ہوتا جو کسی نے اپنی منگیتر کو بطور مہر بھیجیں کیونکہ ان اشیاء پر نکاح ہونے کی صورت میں وہ عورت ان کی مالک ہو جاتی ہے ______ اور یہ اس لئے کہ یہاں ان اشیاء میں ثبوت ملک نکاح اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہے نہ کہ اس سے پہلے اسی لئے عورت اگر نکاح سے انکاری ہو تو ان اشیاء کو واپس کرے گی چاہے وہ اشیاء موجود ہوں یا ضائع ہو گئی ہو جیسا کہ درو غیرہ میں ہے، مگر یہاں تو نکاح دراہم پر واقع ہوا پھر اس کے بعد دونوں کفیلو ں کی طرف سے عوض

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷
[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل ولیس فی الفصلان الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۷
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱
[4] درمختار کتاب النکاح باب المہر مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

دینا بھی نہیں پایا گیا اور جو کچھ ہوچکا وہ نفع نہیں دے گا جیسا کہ پہلے گزر گیا ہے۔(ت)

یہ حال تو مکان کا ہے، رہے وہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار، اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد اتنی توفیر کی ہو تو اس کا حال مثل حال مکان ہے کہ گزرا اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جوان کو کسی نوکری کی اجرت میں ملتی ہے تو اس کا حال حال مکان سے بدتر ہے کہ وہ خود ہنوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم ہوئی، اور اگر وہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب وجاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے کہ وہ خود ان کے اختیار ہی کی نہیں، بہر حال یہ معاوضہ باطل محض ہے اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق مطالبہ نہیں، دستاویز کہ زید وہندہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ انھوں مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعا صحیح ہے یا نہیں، نہ اس سے سائل کا سوال ہے لہٰذا اس سے بحث کی حاجت نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) آئندہ تنخواہ کی بیع وہبہ دونوں کو باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہوسکتا ہے نہ ہبہ، تنویر الابصار میں ہے: **بطل بیع المعدوم**[1] (معدوم کی بیع باطل ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ہبۃ ماسیتحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاہر[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اس سے معلوم ہوگیا کہ دو قریوں کی آمدنی سے حاصل شدہ شیئ کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ وہ خود واہب نے ابھی قبضہ نہیں کیا تو وہ اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے اور یہ ظاہر ہے اللہ خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۶: از ریاست رامپور محلّہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدالعلی خان مرحوم ۶ رجب ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی چوبیس درعہ جس کا طول جنوباً شمالاً چھ درعہ وعرض شرقاً غرباً چار درعہ اراضی مکسر مملوکہ خود جس کا طول شرقاً غرباً سولہ گز وعرض جنوباً شمالاً چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ کے بدست عمر بیع کرکے بیعنامہ تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حد شرعی بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازہ مکان

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

خالد تحریر ہوگیا حالانکہ دروازہ مکان خالد محکم و صحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکہ بائع تعدادی چھیانوے ۹۶ درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے، دروازہ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات صریح طور پر بھی غلط پچھیت مکان خالد دروازہ مکانات ہندہ تحریر ہوگیا حالانکہ پچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازہ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس غلطی تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش وعرض وطول اراضی مبیعہ کی صراحت وتعین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور اقرار یافتہ کے اس نو روپیہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہوسکتی ہے نہ کہ چھیانوے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محلّہ داران بھی داخل مبیعہ ہوا جاتا ہے جس کی بیع شرعاً جائز نہیں ہے پس صورت بالا شرعاً مبیعہ وہی چوبیش درعہ اراضی قرار پائے گی یا کہ کل قطعہ چھیانوے درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی وشمالی محلّہ داران۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بیعنامے اور عرضی دعوٰی وجواب ملاحظہ ہوئے، اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف صاف مکتوب ہیں، اور ان میں شرح ۶ گز کا کہیں ذکر نہیں، ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وارثۃً پہنچی بیع سمجھی جائے گی، حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہوگئے ہیں مالکوں کی چارہ جوئی پر واگذاشت ہوجائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کرسکتا نہ بیعناموں میں مقدار مبیع ۲۴ گز اور اس کا طول ۶ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہوسکتا ہے جبکہ فی گز ۶ کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں، درمختار میں ہے:

ان باع المذورع علی انه مائة ذراع اخذ المشتری الاقل بکل الثمن اوترك واخذ الاکثر بلا خیار للبائع لان الذرع وصف لتعیبه بالتبعیض ضد القدر والوصف لایقابله شیئ من الثمن الا اذا کان مقصودا بالتناول کما افادہ بقوله وان قال کل ذراع بدرہم	اگر مذروع کو اس شرط پر بیچا کہ مثلاً یہ سو گز ہے تو مشتری اقل کو پوری قیمت سے لے یا چھوڑدے اور اکثر بلاخیار بائع لے لے گا ذراع یعنی گز وصف ہے کیونکہ سالم نہ رکھنے پر وہ عیب قرار پاتا ہے یہ حکم کے مقابلے میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں ہوتا مگر جبکہ وصف تناول سے مقصود ہو جیسا کہ مصنف نے اپنے اس قول سے اس کو بیان فرمایا کہ اگر بائع

اخذ کل ذراع بدرھم اوفسخ[1] (ملتقطا)	نے یوں کہا کہ ہر گز ایک درہم کے بدلے میں ہے تو مشتری ہر گز درہم کے بدلے میں لے لے یا بیع فسخ کردے۔ (ملتقطا) (ت)

مگر شرع مطہر میں عقد معتبر وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان سے کہا کاغذ میں اس کے خلاف کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا، فتاوی خیریہ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب[2]۔	اعتبار اس کا ہے جو واقف نے زبان سے کہا، نہ اس کا جو کاتب نے لکھا۔ (ت)

تو اگر گواہان عادل سے ثابت ہوجائے کہ عقد زبانی میں فی گز ٦ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے ٢٤ گز (٩لعہ) روپے کو بیع ہوئی تو اگر ٢٤ گز مبیع کی تعیین سمت بھی ہوگئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعوی کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ٢٤ گز جانب غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیان بیع میں کہ عرضی دعوی میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی۔

لان الذراع انما یحل فی المعین فھو معین لکنہ مجھول الموضع لامشاع کما فی ردالمحتار[3]۔	اس لئے کہ زراع تو معین میں جاری ہوتا ہے اور مذروع معین ہے لیکن مجہول الموضع ہے نہ کہ غیر معین جیسا کہ ردالمحتار میں ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسد بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع من دار[4]۔	گھر کے سو گز میں سے دس گز کی بیع فاسد ہے۔ (ت)

ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کردی تھی تو بیع صحیح ہوگئی لان المجلس یجمع الکلمات (کیونکہ مجلس جامع کلمات ہوتی ہے۔ت) اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کرکے ایک طرف سے ٢٤ گز معین بائع نے مشتری کو دے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہوگئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٧ و ٨

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ١/ ١٤٠۔١٣٩

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ٤/ ٣٢۔٣١

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٨

وینبغی انقلابہ صحیحا لو فی المجلس ولو بعدہ فبیع بالمقاطی، نہر [1]۔	اور لائق ہے کہ بیع صحت کی طرف منقلب ہو جائے اگر تعیین مجلس عقد میں ہو اور اگر تعیین مجلس کے بعد ہو تو بیع بالتعاطی ہو گی۔ نہر (ت)

ان صورتوں میں بھی وہی ۲۴ گز معین ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع سے گواہ لینا اور ان کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲۷ گز میں مشتری ثانی کے تصرفات مدت دراز سے بائع نے دیکھ کر سکوت نہ کیا ہو، اور اگر ایسا ہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی وقت سے اس نے دالان اور کھپریل اور چبوترہ کل زمین میں بنوالیا اور بائعوں نے خود کھڑے ہو کر بنیاد وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہو گیا تو اس صورت میں دعوی بائع اصلا قابل سماعت نہ ہوگا۔

لما افتی بہ العلماء قطعا للتزویر والاطماع الفاسدۃ کما فی العقود الدریۃ [2] ومعین المفتی وغیرہما، واللہ تعالٰی اعلم۔	علماء کے اس فتوی کی وجہ سے جو انھوں نے دھوکہ دہی اور فاسد خواہشوں کو منقطع کرنے کے لئے دیا ہے جیسا کہ عقود الدریہ اور معین المفتی وغیرہ میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر مسئولہ جناب قمر الدین صاحب ۱۷صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آڑھت میں دے کر دکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اس سے روپیہ مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہو جائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کئے لیں گے، یہ روپیہ پیشگی دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اس پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت لیتا اور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہو جائے گا تو یہ حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] الدر المختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

مسئلہ ۳۸: مسئولہ نواب وزیر احمد خان صاحب بہاری پور بریلی ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا جائے کہ نفاذ اس بیع نامہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو قبضہ لینے اور داخل خارج کرنے کا مجاز بعد انقضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان اس مدت کے قبضہ لے کر داخل خارج کرائے گا تو اس مدت کا ماحصل توفیر زرِ ثمن کے علاوہ ادا کرنے کا مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو "بعت" لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں جملے اپنا اپنا عمل کرینگے، "بعت" کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہوگئی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد وحرام ہوئی ان دونوں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبراً فسخ کرادے گا، نہ مشتری مبیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن، اور اگر بائع کی رضا سے مشتری مبیع پر قبضہ کرلے تو بحکم جملہ اولٰی اس کا مالک ہوجائے گا، مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر واجب ہوگا کہ بیع فسخ کرے اور مبیع واپس کردے ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضائے مبیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کردے تو اگرچہ مشتری گنہگار ہوگا مگر اب وہ بیع نافذ ہوجائے گی اور اس کا فسخ نہ ہوسکے گا اور اب بھی مشتری اس سے مبیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو معاوضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلاً ایک شے ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ سے وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہزار ہی دینا آئیں گے بائع اس سے زائد نہیں لے سکتا یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی ہو اور اگر پہلے فروختم خریدم زبانی ہولئے تھے اور اس میں یہ عدم نفاذ تا مدت مذکورہ کی شرط تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ میں لکھی گئی ہو تو اس کا کچھ اعتبار نہیں بیع صحیح ونافذ ولازم ہوگئی فوراً وقت عقد اس کا نفاذ ہوگیا اسی وقت سے مشتری کو اختیار ہوگیا کہ زرِ ثمن جتنا باہم قرار پایا ہے دے کر مبیع پر قبضہ کرلے اگرچہ بائع کی رضا نہ ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی توفیر دینی آئے گی محض باطل ومردود ونامسموع ہے زرِ ثمن سے زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی، واللہ اعلم

مسئلہ ۳۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کرکے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے؟

الجواب:

بھاؤکے لئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت، سوااس چیز کے جو سفر حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دولڑکوں عمرووبکر کے نام سے بحصہ مساوی کیا اور اس کا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے ناموں سے ہے، ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ، بعد ازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک ربع اپنے بھائی خالد کو اس طرح دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھادیا تو بقیہ مکان میں عمرو وبکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شرع میں گفتگوئے خرید وفروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں، اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام نہ ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو بکر کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدا یا زبانی خریدم فروختم (میں خریدتا ہوں اور میں فروخت کرتا ہوں۔ت) میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا، پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھا یا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع بلا تقسیم ہے لہٰذا عمرو بکر اس کے مالک نہ ہوئے، بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازت زید پر موقوف رہی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہوگئی، چہارم مکان خالد کا ہوا تین ربع بدستور زید کے ہیں، ہاں اگر اصل خریداری زبانی ہی بنام عمرو بکر ہوئی یا زبانی خریدم فروختم کے الفاظ ان کے معنی اداہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ بنام عمرو بکر کردو، تو یہ بیع بنام عمرو بکر ہوئی، تام ہوگئی اور دونوں لڑکے کے باپ کا قبول کافی تھا، عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو اس کے نام بھی بیع تام ہوگئی، اور دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہوگئے، اب کہ اس کا ربع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصہ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا دو ثلث بکر کے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۱: از کمہر ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۸ عید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زانیہ نے زنا کے روپے سے کوئی چیز خریدی اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہوگا کہ اگراس چیز پر عقد ونقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خریدنا نہ چاہئے، مثلاًاس نے وہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہااس کے بدلے فلاں شے دے دے، اس نے دے دی، اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تواب وہ شیئ خبیث ہے **کماھو قول الامام الکرخی المفتی بہ کمافی التنویر وغیرہ** [1] (جیسا کہ امام کرخی کا مفتی بہ قول ہے جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: مسئولہ محمد حسین خان ولد امین خان ساکن ریاست رامپور محلّہ سٹن گنج ۷ جمادی الاولٰی یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی جھاؤسنگ نے اپنا حصہ ۸ بسوئے بیگہ ۶ بسوانسی ۱۳ کچوانسی ۱۳ اطنوانسی ۱۳ ننسوانسی کسر زائد یعنی بارھواں حصہ از کل ملک معافی لاخراجی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا ہے جس کا کہ وہ مالک وقابض تھا بالعوض مبلغ دوسواڑسٹھ روپے کے بدست تھان سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھان سنگ کا نہ ہوا اور جاؤسنگھ فوت ہوگیا جاؤسنگھ کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء اس پر قابض رہے بعد ازاں تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سوروپے کے بدست محمد حسین خاں بیع قطعی کردی، آیا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلاقبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور تھان سنگھ نے (مارمہ سہ) بابت قیمت اراضی جھاؤسنگھ کو دے دیئے ہیں **فقط**

الجواب:

جائز ہے تنویر الابصار میں ہے:

صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جس مال غیر منقولہ کے تلف ہونے کا خطرہ نہ ہو اس کو قبضہ میں لینے سے پہلے اس کی بیع جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۴۳: مسئولہ شوکت علی صاحب محلّہ شاہ آباد بریلی ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شیئ سربند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی التصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷

چار من معین ہے، زید نے خرید کی، بعد خریدنے کے جب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا، دیکھتے ہی فورا بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلا یا تو بقدر مال کے قیمت کردیا واپس لو۔ اس صورت میں بائع پر اس شیئ کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں۔ **بیتوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا بائع کو اختیار نہیں، ردالمحتار میں ہے:

اذا کان طعاما فی حب فاذا نصفه تبن یأخذه بنصفه الثمن لان الحب دعاء یکال فیه فصار المبیع حنطة مقدرة وشمل مااذا کان المسمی مشروطا بلفظ او بالعادة[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب ایک گھڑا طعام خریدا اور نصف اس میں بھوسہ نکل آیا تو اب مشتری اس کو آدھی قیمت کے بدلے لے گا کیونکہ گھڑا ایک ایسا برتن ہے جس سے کیل کیا جاتا ہے چنانچہ مبیع ایک معین مقدار میں گندم ہوگیا اور یہ ضابطہ ان دونوں صورتوں کو شامل ہوگا یعنی چاہے تو مسمّٰی لفظ مشروط ہو یا عادتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۴تا۴۵: مرسلہ حاجی مولابخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں اس کی کچھ نرخ ہو فروخت کردوں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کرسکتا ہے یا نہیں، اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عائد نہیں ہوتا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال کے خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دساور سے خرید کرلاؤ اور اس کو ہمارے نام روانہ کردو، اور پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خرید لو، اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہوجائے تو زید ذمہ دار ہے اور اگر نقصان کچھ ہوجائے گا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت کردیا اور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع وشرائط زید کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت ہی میں کوئی حرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰

دفعۃ بیچے خواہ متفرق یا اس سے قبل خواہ بعد، لان الملك مطلق للمتصرف مالم ینه الشرع (کیونکہ ملک تو مطلق تصرف کے لئے ہوتا ہے جب تک شرع منع نہ کرے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) معمولی خرچ جو حسب عادت تجار مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہ نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عام عادت تجار مال پر ڈالنے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

کل مایزید فی المبیع او فی قیمته یضم، درر، واعتمدا العینی وغیرہ عادۃ التجار بالضم ولایضم مایؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادۃ بضمه هذا هوا الاصل کما علمت فلیکن المعمول علیه کما یفیدہ کلام الکمال [1] اھ (ملتقطا)، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو چیز مبیع میں یا اس کی قیمت میں زیادہ ہو وہ ملائی جائے گی، درر، اور عینی وغیرہ نے تاجروں کے ملانے کی عادت پر اعتماد کیا ہے، اور نہیں ملایا جائے گا اس کو جو راستے میں ظلم سے لیا جاتا ہے مگر اس وقت ملایا جائے گا جب رواج میں اس کے ملانے کی عادت ہو یہی اصل ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے لہٰذا اسی پر اعتماد ہونا چاہئے جیسا کہ کمال کا کلام اس کا فائدہ دیتا ہے اھ (ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۶: از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پیرجی عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو حقیقی اب وام بھائی ہیں، والدین کی حیات میں زید جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتہً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے، لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دے دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، زید وعمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں اور زید وعمرو کے اہل وعیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ اٹھاتے ہیں، اور بچوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے ہیں یعنی اگر ایک بچے کو پانچ روپے دیں تو سب بچوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں، اور جو کوئی جائداد خرید کی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے، وہ جس کا نام چاہیں درج کرادیں، علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دوراندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائداد خرید کی اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرادی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائداد خرید کی، اس کی رجسٹری اپنے اور زید کے نام کرادی اور ان سب جائدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض وتصرف میں آتی رہی، خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی تمام وکمال آمدنی والدین کے قبض وتصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائداد خرید کی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور بعض کی زید وعمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد ہر دو کی اور جملہ آمدنی جائداد خرید کہ وہ والدین کے ہاتھ میں رہی، بعد انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے دو سال تک دونوں بھائی باتفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے، اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائداد ومنقولہ وغیرہ منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے ان کا آپس میں از روئے شرع شریف کیا حصہ ہوگا اور کے حصص پر کل جائداد کی تقسیم ہوگی؟ **بینوا بالکتاب و توجروا من ملك الوھاب** (کتاب اللہ سے بیان فرمائیں اور اللہ تعالٰی بہت زیادہ عطا کرنے والے بادشاہ سے اجر پائیں۔ت)

الجواب:

یہ مسئلہ بہت طویل الاذیال کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالٰی اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال کا جامع او رہر اشکال کا رافع ہو وباللہ التوفیق اس کے لئے دو بیان لکھیں:

بیان اول: اس کی تحقیق کہ جو جائدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کون سی بیع شرعا کس کے لئے واقع ہوئی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) خریداری تین طرح ہوتی ہے:

اول: بائع وطالب شرا میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت وتصفیہ ودیگر زوائد کی ہو کر بیعنامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب وقبول اشتریت فروختم خریدم یعنی بر کہے میں نے بیچی وہ کہے میں نے خریدی اصلا درمیان میں نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہ کتنے کو دوگے اس نے کہا اتنے کو یا اس نے کہا یہ چیزیں تمھارے یہاں بکاؤ ہے کہا ہے، کہا کیا قیمت ہے، کہا یہ، یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں، کہا بہتر، کہا یہ دوں گا، کہا اچھا تو کاغذ کر دو، یا اس نے کہا یہ چیز بکتی ہے تمھیں خریدنا ہو تو خرید لو، کہا لیتا ہوں، کہا تو اتنا دینا ہوگا، کہا دوں گا بیعنامہ لکھ دو، یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب وقبول نہیں یا قرارداد ہو کر بیعنامہ دے دیا جاتا ہے وہ بھی ایجاب وقبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کی شرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کرلیتے ہیں اور یہ حرام ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی۔

مالك واحمد وابوداؤد وابن ماجة عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع العُربان [1]۔	امام مالک، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیعانہ کی بیع سے منع فرمایا۔(ت)

درمختار میں ہے:

الایجاب والقبول عبارة عن کل لفظین ینبئان عن معنی التملك والتملیك ماضیین اوحالین اواحدهما ماض والاخر حال [2]۔	ایجاب وقبول ایسے دولفظوں کا نام ہے جو تملک وتملیک کے معنی کی خبر دیتے ہیں چاہے دونوں ماضی ہوں یا دونوں حال ہوں یا ایک ماضی اور ایک حال ہو۔(ت)

فتاوٰی امام بزازی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قال لقصاب کم من هذا اللحم بدرهم فقال منوین قال زن فاعطی درهما فاخذه فهو بیع جائز ولا یعید الوزن وان وزنه فوجده انقص رجع بقدره من الدرهم لامن اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی [3] اهفلم یجعل قوله کم بدرهم قال منوین قال زن بیعابل التعاطی	کسی نے قصاب کو کہا کہ یہ گوشت ایک درہم کا کتنا ہے، اس نے کہا دوسیر، اس شخص نے کہا تول دے، پھر ایک درہم قصاب کو دیا اور اس سے گوشت لے لیا تو یہ بیع جائز ہے دوبارہ وزن کرنا ضروری نہیں اور اگر وزن کرنے پر گوشت کو دوسیر سے کم پایا تو کمی کے برابر درہم میں سے واپس لے سکتا ہے گوشت میں سے نہیں لے سکتا کیونکہ بیع کا انعقاد اسی قدر پر ہوا جتنا اس نے دیا اھ، تو مشتری کے قول کہ ایک درہم کا کتنا

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۸-۱۳۹، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب بیع العربان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۹، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما دارالفکر بیروت ۲/ ۱۸۳

[2] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲-۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰

ولذا لم یکن له ان یطلب مانقص من الحم۔وفی الھندیة عن التتارخانیة عن الیتیمة عن الحسن بن علی انه سئل عن رجل ساوم وکیل البائع السلعة باثنین وعشرین دینارا وابی الوکیل الابخمسة و عشرین فقال المشتری اترك لی ھذہ الثلثة الدنانیر ورضی بذٰلك من غیر ان یوجد منه قول وھناك شھود علی انه رضی فطابت نفسه بذٰلك ھل یکون ذٰلك بیعا فقال ھذا القدر لیس ببیع الا ان یوجد الایجاب والقبول اومایقوم مقامھا من الفعل[1] اھ،وفیھا عن المحیط عن المجرد عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه اذا قال للحام کیف تبیع اللحم قال کل ثلثة ارطال بدرھم قال قداخذت منك زن الی ثم بدا للحام ان لایزن فله ذٰلك وان وزن فقبل قبض المشتری	گوشت ہے جواب میں قصاب کے قول دو سیر اور پھر مشتری کے قول کہ "تول دے" کو بیع نہیں بتایا گیا بلکہ تعاطی کو بیع قرار دیا گیا اسی لئے مشتری کو یہ حق نہیں کہ اتنا گوشت طلب کرے جتنا قصاب نے اسے کم دیا،اور ہندیہ میں بحوالہ تتارخانیہ فتاوٰی یتیمہ سے منقول ہے کہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے بائع کے وکیل سے کسی مال کا بائیس دینار بھاؤ لگایا وکیل نے کہا میں پچیس دینار سے کم پر نہیں دوں گا،مشتری نے کہا مجھے یہ تین دینار چھوڑدے اس پر وکیل راضی ہوگیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا اور اس کے رضامند ہونے پر وہاں گواہ موجود تھے تو کیا بیع ہے،توآپ نے جواب دیا محض اس قدر سے بیع نہیں ہوتی سوائے اس کے وہاں ایجاب وقبول یا اس کے قائم مقام کوئی فعل پایا جائے اھ اور اسی میں بحوالہ محیط مجرد سے منقول ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے قصاب کو کہا گوشت کیسے بیچتے ہو اس نے جواب دیا تین رطل ایک درہم کا،مشتری نے کہا میں نے تجھ سے لیا میرے لئے تول دے،پھر قصاب کی رائے ہوئی کہ وہ نہ تولے تو اس کو یہ حق ہے،اور اگر اس نے تول دیا،تو مشتری کے قبضہ کرنے سے پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۶

کل لکل واحد منهما الرجوع فان قبضة المشتری اوجعله البائع فی وعاء المشتری بامرة ثم البیع وعلیه درہم [1] اھ وفیها عن السراجیة قال الاخر بکم هذا الوقرمن الحطب فقال بکذا فقال سق الحمار فساقه لم یکن بیعا الا اذا سلم الحطب وانتقد الثمن [2] اھ **اقول:** وینتنی علی اشتراط الاعطاء من الجانبین فی التعاطی والصحیح الاکتفاء لواحد نص علیه محمد کما فی النهر [3] ۔	دونوں میں سے ہر ایک کو رجوع کا اختیار ہے اور اگر مشتری نے قبضہ کرلیا یا اس کے کہنے سے بائع نے اس کے برتن میں گوشت رکھ دیا تو بیع تام ہوگئی اور مشتری پر ایک درہم لازم ہوگیا اھ اور اسی میں سراجیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے لکڑی فروش کو کہا لکڑی کا یہ گٹھا کتنے کا ہے، اس نے کہا کہ اتنے کا، پھر مشتری نے کہا اپنا گدھا ہانکو، اس نے ہانک دیا، تو یہ بیع نہیں، مگر اس وقت بیع ہوجائیگی جب لکڑیاں سونپ کر ثمن وصول کرلے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ بیع تعاطی میں دونوں طرفوں پر قبضہ کرنے کے شرط ہونے پر مبنی ہے، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ فقط ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اس پر امام محمد نے نص فرمائی ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ (ت)

ان صورتوں میں وہ بیعنامہ ہی خود بیع ہوتا ہے اور اس کی تسلیم شراء کہ اسی میں لکھا جاتا ہے میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی، اشباہ وہندیہ میں ہے: **الکتاب کالخطاب** [4] (تحریر کلام کی طرح ہے۔ت) تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہوئی جس کا نام بیعنامہ میں ہے مثلاً خالد، پھر اگر اسی نے بیعنامہ لکھوادیا جب تو ظاہر ہے کہ بیع تام ونافذ ہے اور اگر دوسرے نے گفتگو کرکے اس کا نام لے کر اس کی بے اجازت کے کاغذ کردیا تو یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت خالد پر موقوف رہا اگرچہ زبانی گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلانہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلاً بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ اپنے لئے خریدنا چاہتا ہوں۔

وذٰلك لان ماجری بینهما من کلام لم یکن عقدا وانما البیع بالکتاب	اور یہ اس لئے ہے کہ جو کلام ان دونوں کے درمیان جاری ہوا وہ عقد نہیں بیع تو تحریر کے ذریعے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۰۔۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الیبوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب ثانی فصل اول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۹

وفیہ الاضافۃ الی خالد۔	ہوئی اور اس میں خالد کی طرف اضافت موجود ہے۔(ت)

پس اگر خالد جائز کردے گا شیئ مبیع کا خود مالک ہوگا اور رد کردے گا تو بیع باطل ہوجائے گی بہر حال اس کا مالک نہ ہوگا۔

لان البیع لم یکن منہ ومن کان منہ لم یقبلہ وھذا الحکم مع ظھورہ قدصرح بہ الفتاوٰی الاسعدیۃ و سیأتی عن الخانیۃ۔	کیونکہ بیع اس سے نہیں ہوئی اور جس سے بیع ہوئی اس نے اس کو قبول نہیں کیا اور اس حکم کے ظاہر ہونے کے باوجود فتاوٰی اسعدیہ میں اس کی تصریح کی گئی اور عنقریب خانیہ کے حوالے سے آرہا ہے۔(ت)

دوم: قبل تحریر بیعنامہ باہم عاقدین میں ایجاب وقبول واقع (جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔ت)

مسئلہ ۴۷: از شہر بریلی محلّہ بازوران ۲صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالت پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہ کر بسر کرتا رہتا ہے حال میں اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خرید کی، بوقت ابتداء تعمیر کام چند صاحبان اہل محلّہ بسبب رنجش وبرائے کسی خاص فساد کے اس شخص پر بہ جبر اس کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع کردے پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کردینے پر مجبور ہے یا نہیں؟

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ یہ زمین مانگتے ہیں بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلا کر مسجد میں اس کا کرایہ لگائیں، اگر صورت واقعہ یہ ہے تو مالک اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے بیع کرے اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ نقش علی ۲۸جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپے دے اور کہا تم مال خرید لاؤ، عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرادیا، بعد کو مال زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض بموجب شریعت کے

یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے نقد ہو خواہ قرض، اور کتنے ہیں نفع پر ہو سب روا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: از کانپور مسٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید وبکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد شرت روپیہ اور مال تقسیم ہوا، اپنی اپنی ملک پر قابض ہوگئے، پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا، زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقت خریداری کہہ دیا کہ اگر منظور ہو تو دو ورنہ روپیہ دے کر مال واپس لے لو، بکر نے مال دے دیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں؟ زید کو خطاوار کہنا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہو بیشک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدار ہوا سے اس وجہ سے خطاوار کہنے والا خطاوار ہے:

قال اللہ تعالٰی "لَآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر ہو تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۰: مسئولہ حاجی لعل خاں صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حیبن بی بی وصبیحن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال سوم، والدہ ماجدہ نے کچھ جائداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے، یہ دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائداد والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی، اگر دونوں جائداد والد صاحب کی ملک قرار پائیں تو والدہ کے سونے کے کڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائداد خرید کی وہ بذمہ والد صاحب دین واجب الادا ہے یا نہیں؟ ونیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جس کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کرکے تجارت میں شامل کردی گئی اس کا عوض والد صاحب کے ذمہ باقی ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب:

مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر اپنے لئے خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کرایا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے **لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ**[1] (اس لئے کہ خریداری جب مشتری پر نفاذ کے طور پر پائی جائے تو نافذ ہو جاتی ہے۔ت) پھر اس صورت میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دے دیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجازت تھا قرض تھا، بے اجازت تھا غصب تھا، بہرحال اس پر ضمان لازم ہے، یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا، سائل کے لفظ یہ ہیں کہ "کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپے سے" اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کر دیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو وہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یونہی ہوگا کہ وہ کہے کہ تیرا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد خریدتا ہوں، یوں اگر خریدی تو وہ جائداد ملک زوجہ ہوئی، یا یوں ہوگا کہ عورت کہے میرا مہر تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد لے دے، اور اس نے خریدی تو یوں بھی جائداد ملک زوجہ ہوگی اور قبضہ زوجہ پر شرط نہ ہوگا نہ اصل بائع سے عقد بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور ہوگا کہ خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کر دینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہوگی اور بیع میں قبضہ شرط ملک نہیں، یا یوں ہوگا کہ زوجہ نے اس سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خرید لو تو جائداد ملک شوہر ہوگی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاءً **ھبة الدین ممن علیه الدین** (مدیون کو دین کا اقتضاء ہبہ ہے۔ت) تھی اور یہ جائز ہے۔ اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے سے خریدنا کیونکر کہا جا سکتا ہے، سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی زر غیر سے شراء ہے جس کا حکم اوپر گزرا اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالت تملیک پائی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے، یوں ہی بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگائی گئیں اگر دلالت تملیک پائی گئی شوہر پر عوض نہیں اور اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریک تجارت ہوئی ورنہ ادنٰی متعین ہے یعنی قرض اور عوض لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ ہر ایک کا چار پیسے کی چیز کا دگنی یا تین گنی

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دونوں باتیں جائز ہیں جبکہ جھوٹ نہ بولے، فریب نہ دے، مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے، اور خرید پونے چار کو تھی، یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو، یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے، یہ صورتیں حرام ہیں اور نہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی، واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب البیع الفاسد والباطل

(باطل اور فاسد بیع کا بیان)

مسئلہ ۵۲: عـــہ

الجواب:

جائز ہے قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1] (اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال فرمایا۔ت) بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے، باطل وفاسد ومکروہ تحریمی، بحر الرائق میں ہے:

البیع النھی عنہ ثلثۃ باطل وفاسد ومکروہ تحریما[2] الخ. **اقول:** والمراد صورۃ البیع الحاصلۃ	جس بیع سے روکا گیا ہے وہ تین قسم پر ہے باطل، فاسد اور مکروہ تحریمی الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس بیع سے مراد بیع کی وہ صورت ہے

عـــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] البحر الرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۶۸

من بعت واشتریت اعم من ان تحقق معناہ الشرعی اولا وذٰلک لان الباطل لیس بیعا منھا عنہ عندنا لان الباطل لیس بیعا اصلا فکیف یکون بیعا منھا عنہ وقد تقرران النھی یقرر المشروعیۃ و بہ ذھبوا الی تقسیمھم البیع الی باطل وفاسد وصحیح ان لم یکن تقسیم البیع الصوری ففیہ مسامحۃ ظاہرۃ۔	جو یہ کہنے سے حاصل ہوتی ہے کہ میں نے بیچا اور میں نے خرید اعام ازیں کہ بیع کا شرعی معنی متحقق ہو یا نہ ہو، اور یہ توجیہ اس لئے کی گئی کہ بیع باطل ہمارے نزدیک ممنوع بیع نہیں کیونکہ وہ سرے سے بیع ہی نہیں تو وہ ممنوع بیع کیسے ہوسکتی ہے، اور تحقیق سے ثابت ہوچکا ہے کہ نہی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اس لئے فقہاء نے بیع کو باطل، فاسد اور صحیح کی طرف تقسیم کیا اگر اس سے مراد بیع صوری کی تقسیم نہ ہو تو یہ کھلی چشم پوشی ہے (ت)

باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد، مثل بیع وشراء مجنون کہ اس کا قول شرعا لاقول ہے تو اس کا بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہوسکے نہ قبول، اور خلل محل مثل بیع بالمیتۃ کہ میتہ مال نہیں، درمختار میں ہے:

کل ما اورث خللا فی رکن البیع فھو مبطل [1]۔	اور جو چیز بیع کے رکن میں خلل پیدا کرے وہ بیع کو باطل کرنے والی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوالایجاب والقبول بان کان من مجنون اوصبی لایعقل وکان علیہ ان یزید اوفی محلہ اعنی المبیع فان الخلل فیہ مبطل بان کان المبیع میتۃ اودما اوحرا اوخمرا کما فی ط عن البدائع [2] اھ **اقول:** الایجاب حدث لابدل من محل	وہ (رکن) ایجاب وقبول ہے بایں طور کہ مجنون کی طرف سے ہو یا نہ سمجھ بچے کی طرف سے ہو، اور ماتن پر لازم تھا کہ وہ محل یعنی مبیع میں خلل کے ذکر کا اضافہ کرتے کیونکہ مبیع میں خلل بھی مبطل بیع ہے بایں طور کہ مبیع مردار، خون، حر یا شراب ہو جیسا کہ ط میں بحوالہ بدائع ہے الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ ایجاب حدث ہے جس کے وجود کے لئے محل کا

---
[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۰

کالضرب لاوجود له بدون مضروب فاذا العدم المحل بتطرق الخلل وجب انعدام الرکنین لانعدام ما یتعلقان به الاتری ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج الهواء واشعة الضیاء وقال الاخر اشتریت لم یفهم هذا ایجاب ولا قبولا فی الشرع فکذا قول القائل بعتك هذا لحراواشتریت بهذ الدم اذا لا فاصل بعد انعدام المالیة والحاصل ان خلل المحل یوجب خلل الرکن فکان فیه معنی من ذکره نعم لو ذکر لکان اظهر واوضح۔	موجود ہونا ضروری ہے جیسا کہ ضرب کا وجود مضروب کے بغیر نہیں ہو سکتا، چنانچہ جب خلل کے پائے جانے کی وجہ سے محل معدوم ہونا واجب ہے بسبب ان کے متعلق کے معدوم ہونے کے، کیا نہیں دیکھتا ہے تو کہ جس شخص نے کہا میں نے تجھ پر آسمان کے ستارے، ہوا کی موجیں اور روشنی کی شعاعیں فروخت کیں، دوسرے نے کہا میں نے خریدیں، تو اس کی شرعاً ایجاب و قبول نہیں سمجھا گیا اور یونہی ہے کسی کا یہ کہنا کہ میں نے تجھ پر یہ آزاد شخص فروخت کیا اور دوسرے کا کہنا کہ میں نے اس کو خون کے بدلے میں خریدا کیونکہ مالیت کے منعدم ہونے اور محل کے منعدم ہونے میں کوئی فرق نہیں، خلاصہ یہ کہ محل کا خلل لازم کرتا ہے رکن خلل کو۔ تو گویا خلل رکن کے ذکر میں معنی کے اعتبار سے خلل مبیع بھی مذکور ہوا، ہاں اگر ماتن علیہ الرحمۃ اس کا ذکر کر دیتے تو زیادہ ظاہر اور زیادہ واضح ہو جاتا (ت)

اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں خلل ہو جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلاً شروط فاسدہ اگر رکن و محل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق، پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً بیع مقدور التسلیم نہیں یا مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مفہوم، اصل یہ کہ بیع شرعی میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب و قبول اس کے رکن اور مال متقوم محل اور اجل و قدرت تسلیم و شرط وغیرہا اوصاف اور انتقال ملک حکم واثر ہے اپنے وجود شرعی میں صرف رکن و محل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی ضرورت نہیں) جو خلل کہ ان میں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عندالشرع راسا بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع عـــہ

عـــہ: یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

مسئلہ ۵۳: از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدر آباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مہر میں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری قاعدہ یہ ہے کہ دعوی جب تک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہرگز مسموع نہیں ہوتا، اور بعد مسموع ہونے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسب دلخواہ ہو اس کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوی ہو تو (/۸) کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے (عـہ) تک (عص۔للعہ) تک (عہ۔للعہ) تک (للعہ ماصہ) تک (مئۓ ِ)، وعلی ہذا القیاس اور راس ممہور کے فروخت کرنے کے واسطے سرکار کی جانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کر سکتا ہے غیر کی مجال نہیں اور اس کے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نسأل الله هداية الحق والصواب اللهم اغفر (ہم اللہ تعالٰی سے حق اور درستگی کی ہدایت مانگتے ہیں اے اللہ! مغفرت فرما۔ت) یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں، اللہ عزوجل نے جواز تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی

قال تعالٰی عز من قائل " یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اے ایمان والو! نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہارے آپس کی رضامندی سے۔

حدیث میں جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل مال امرئ مسلم الا بطیب نفسه[2]۔ رواه الدارقطنی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کے جی کی خوشی سے، (اسے دارقطنی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحل لمسلم ان یأخذ عصا اخیه	مسلمان کو حلال نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۹۱ نشر السنہ ملتان ۳/ ۲۶

بغیر طیب نفس منه قال ذٰلك لشدة ماحرم الله من مال المسلم علی المسلم [1]۔ رواه ابن حبان فی صحیحه عن ابی حمید الساعدی رضی الله تعالٰی عنه۔	چھڑی بے اس کی مرضی کے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالٰی نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت حرام کیا ہے (اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی سے رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج کے لئے کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف کے میسر نہ ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا، ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی بلیتین اختار اھونھما [2] (جو شخص دو مصیبتوں میں مبتلا ہو وہ ان میں سے ہر کمتر کو اختیار کرے۔ت) صرف وخرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجئے بانٹ، یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنا حق لینے کا جبر نہ کیا تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسد رضا بیشک ہے اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز خرچ اختیار نہ کرتا مثلاً عمرو نے زید کا سو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں، زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا اور مال چھڑالیا یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیار خود دیے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہوجائیں گے کہ ہرگز برضائے خود نہ دئے، اختیار ورضا میں زمین وآسمان کا فرق ہے، اور عقود بیع وشراء وہبہ وامثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے فساد کو بس ہے۔

کما مر فی قوله تعالٰی "عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ" [3] وفی الحدیث الابطیب نفسه [4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں گزرا کہ کسی کا مال مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہارے درمیان باہمی رضامندی سے سودا ہو، اور حدیث میں گزرا کہ کسی مومن کی دلی خوشی کے بغیر اس کا مال لینا حلال نہیں۔(ت)

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول بیان احکام من ابتلی ببلیتین ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن حبان حدیث ۹ مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۱۷

ردالمحتار میں ہے:

نفی الرضٰی اعم من افساد الاختیار و الرضی بازاء الکراھۃ والاختیار بازاء الجبر ففی الاکراہ بحبس اوضرب لاشك فی وجوب الکراھۃ وعدم الرضی وان تحقق الاختیار الصحیح اذفسادہ انماھو بالتخریف باتلاف النفس اوالعضو [1]۔	رضاء کی نفی فساد اختیار سے عام ہے اور رضا کراہت کے مقابلے میں جبکہ اختیار جبر کے مقابلے میں آتا ہے، چنانچہ قید اور مار کے ذریعے اکراہ کی صورت میں کراہت وعدم رضا کے پائے جانے میں کوئی شک نہیں اگرچہ اختیار صحیح متحقق ہے کیونکہ فساد اختیار جان سے مار دینے یا عضو کے ضائع کردینے کی دھمکی دے حاصل ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الاکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضاء شرط لصحۃ ھذہ العقود وکذالصحۃ الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء [2]۔	اکراہ ملجی وغیر ملجی یعنی اکراہ تام وناقص رضا کو ختم کردیتے ہیں حالانکہ ان عقود کی صحت کے لئے رضا شرط ہے اور اسی طرح صحت اقرار کے لئے بھی رضا شرط ہے، اسی لئے اس کو فسخ کرنے اور جاری رکھنے کا حق حاصل ہوا ہے۔(ت)

بعینہٖ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا ہے کوئی شخص بلاوجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولہواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی نالش نہ سنی جائے تو آدمی یا تو اپنے حقوق واملاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم ناخداترس جس کے اس عزم پر آگاہ ہوجائیں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے گا ہی نہیں پھر ڈر کا ہے یا، رہی عاقبت، وہ کس نے دیکھی ہے خدا کا سامنا ہوگا ہوگا، آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں، یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے ان کیا کہنا، وہ تو پورے بے غم ہے یا بحالت قدرت بطور خود جبرا اپنے حقوق واپس کرلے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حکم کے نزدیک یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۰

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

جوابدی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماں آش در کاسہ غرض دنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے ورنہ زنہار دار القضاء کے دروازے تک بار نہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے تو حق یہی ہے کہ اپنا حق بے کوڑی خرچ ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے، تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہرگز بطیّب خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ اس کے بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکم قرآن وحدیث اسے مال حلال وطیب نہیں کہہ سکتے، ہاں اس قدر مسلم کہ بوجہ مرور زمان وعموم ابتلاء بہت لوگوں خصوصاً مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالباً ظاہر نہیں ہوتے مگر حاشا یہ طیب نفس ورضائے دلی نہیں بلکہ یہ بات وہی ہے کہ عادت ہوگئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد (اجتماع کی موت میں اپنی موت جشن رکھتی ہے۔ت) آخر اور رقموں میں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا وسلاطین اموال ومزارع پر باندھ دیتے ہیں اول اول چند روز ایک عام واویلا رہتا ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ زمانہ گزرا چلئے وہ رفتہ رفتہ ایک امور عادیہ میں داخل ہوگیا مگر دل کی خواہش ہرگز اس کی مساعد نہیں ہوجاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اسی کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہو جائے کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوی سن لیں گے پر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں، حاشا وکلا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلاوجہ اپنا خرچ کسے بھاتا ہے تو قطعاً عدم رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شراء بالکل شرائے مکروہ کی حالت میں ہے **وبعد اللتیا واللتی** (اور بحث وتمحیص کے بعد۔ت) عدم رضا وفقدان طیب نفس میں کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت کا بھاؤ کاٹ دے مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں بیچتے ہیں حاکم حکم دے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اسی صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع کو بیع پر جبر نہ کیا کہ اصلاً نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کردیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اندیشہ ہے تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوئی، اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں۔ درمختار میں ہے:

اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل	اگر حاکم نرخ مقرر کردے اور بائع کو ضرب حاکم کا ڈر ہے اگر وہ اس نرخ میں کمی کرے تو

للمشتری [1]۔	ایسی صورت میں مشتری کے لئے حلال نہیں۔(ت)

شرح نقایہ میں ہے:

لوسعر فباع للخوف لم یحل للمشتری لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل مال امری مسلم الابطیب نفس منہ [2]۔	اگر حاکم نے نرخ مقرر کردیا اور بائع اس کے خوف سے فروخت کیا تو مشتری کے لئے حلال نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کسی مسلمان کا مال اس کی دلی خوشی کے بغیر لینا حلال نہیں۔(ت)

اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کرے تو کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے تو اس شراء پر بھی رضا متحقق نہ ہوئی، فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو، اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

بالجملہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ جہاں تک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطابق حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا، ہاں بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھری والے کپڑا لیتے ہیں یا نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام کے لئے نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی، یا دائن کو یہ کاغذ درکا تھا مدیوں سے کہا میرے قرض لادے وہ لے آیا یہ خریداری بھی برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم تھا، یا اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی کے لئے اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگا یا خواہ کسی عزیز یا دوست یا محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت کی نہیں ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زر ثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب، اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیونکر

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲۴

جائے بعد ثبوت تراضی موثر نہیں، ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے، امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں ہے:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[1]۔	اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار کے بدلے میں فروخت کیا تو یہ جائز ہے مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کرچکا وباللہ التوفیق مگر ان صورتوں کا وقوع نادر ہے، انھیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی، اور اگر کوئی قناعت کرے اور جب تک ہو سکتا ہے البتہ ایک صورت عدم اکراہ کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ مظلوم نہیں خود ظالم ہیں توانھیں شراء پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی، مگر اور وجوہ معصیت پیدا ہوں گی کہ درحال سے خالی نہیں یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرالے گا کہ اس مشتری کا ایسا ارادہ ہے. برتقدیر ثانی سوء ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی، پھر تراشیدہ خیال معصیت مال کی بناء پر کیونکر مال مسلم کا استحلال کرسکتا ہے. برتقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے تو اس سے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کرنا ہوا جس طرح اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع ومعصیت،

قال عزوجل "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "[2]۔ واللہ الھادی ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور حد سے بڑھنے پر۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ٣٦ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٣٢٤

[2] القرآن الکریم ٥/ ٢

ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ مصنوعی جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ خریدار اسی بلد کا ہو، نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے اور زائد نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے، خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب ومغالطہ راہ نہ پائے تو اس کی تجارت جائز ہے، اخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اس میں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی، اور عدم جواز صرف بوجہ غش وفریب تھا، جب حال ظاہر ہے غش نہ ہوا، اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں کہ اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بائع وقت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے، اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت ومذہب امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مطلقًا جائز ہے خواہ کتنا ہی میل ہوا گرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا، درمختار میں ہے:

لاباس ببیع المغشوش اذا بین غشه اوکان ظاهرا یری وکذا قال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه فی حنطة خلط فیها الشعیر والشعیر یری لاباس ببیعه و ان طحنه لایبیع وقال الثانی فی رجل معه فضة نحاس لایبیعها حتی یبین [1]۔	ملاوٹ والی چیز کو فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب اس کی ملاوٹ کو بیان کردے یا ملاوٹ ایسی ظاہر ہو کہ دکھائی دیتی ہو اور یونہی فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسی گندم کے بارے میں جس میں جو ملے ہوئے ہوں اس طور پر کہ جو نظر آتے ہوں تو ایسی گندم کی بیع کوئی مضائقہ نہیں اور اگر اس مخلوط گندم کو پیس لیا تو مت بیچئے، اور امام ابویوسف نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے پاس تانبا ملی چاندی ہے کہ وہ اسے بتائے بغیر نہ بیچے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وان طحنه لایبیع ای	ماتن کا یہ فرمانا کہ جب اس نے مخلوط گندم کو پیس لیا

[1] درمختار باب المتفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

الاان یبین لانہ لایری[1] ۔	تومت بیچے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بیان کئے بغیر نہ بیچے کیونکہ اب اس میں ملاوٹ دکھائی نہیں دیتی۔ (ت)

بالجملہ: مدار کا ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو چنوں میں کسایا بجہت عرف واشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے دودھ کا معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۵۵: ۸ شوال ۱۳۰۸ھ از لکھنؤ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر منقسمہ کو صرف حق تلفی زوجہ منکوحہ ذی مہر اور ورثاء ذوی الفروض مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی کے بطن سے ہے بیع شرعی کرکے زرثمن اس کا ہبہ کردینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب وقبول زرثمن حقیت مبیعہ کا بحق مشتری ہبہ کردیا) ظاہر کرتا ہے تو درحالیکہ مشتری نابالغ ہے توہبہ کردینا زرثمن کا بحق مشتری عندالشرع قابل تقسیم ہے یانہیں اور یہ بیع شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع شرعا محض باطل وناجائز ہے، وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعا نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس کا باپ،

قال رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاہر الحجر[2] ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اولاد خاوند کے لئے ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ (ت)

توزید اس پر اصلا ولایت مالیہ نہیں رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو باپ دادا اور قاضی شرع اور ان کے اوصیاء کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ علاقہ نہ ہو، تنویر الابصار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم القاضی او	نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا، پھر دادا کا وصی پھر قاضی یا

[1] ردالمحتار باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶

وصیہ دون الام او وصیہا[1] (ملتقطا)	اس کا وصی، نہ کہ ماں یا اس کا وصی (ملتقطا) (ت)

اولا: زید کو اس نابالغ کے لئے جائداد اور اپنے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلا اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کسی کو نہیں۔ درمختار میں ہے:

ام و اخ لایملکان بیع العقار مطلقًا و لاشراء غیر طعام وکسوۃ[2]۔	نابالغ کی ماں اور اس کا بھائی نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو کسی طرح فروخت کرنے کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی انھیں طعام ولباس کے سوا کچھ خریدنے کا اختیار ہے۔ (ت)

ثانیا: وہ اس خریداری میں فضولی ہے لعدم ولایۃ ولاوصایۃ (ولایت او روصی نہ ہونے کی بناء پر۔ ت) اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب وقبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف سے فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے:

لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح وبیع وغیرہما بل یبطل الایجاب ولاتلحقہ الاجازۃ اتفاقا[3]۔	ایجاب مجلس سے غائب شخص کے قبول پر موقوف نہیں ہوتا تمام عقود میں جیسے نکاح اور بیع وغیرہ بلکہ وہ ایجاب باطل ہوجاتا ہے اور بالاتفاق اس کو اجازت لاحق نہیں ہوتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فاذا اوجب الحاضر وھو فضولی من جانب اومن الجانبین لایتوقف علی قبول الغائب بل یبطل وان قبل العاقد الحاضر بان یتکلم بکلامین کما یأتی[4]۔	جب حاضر ایجاب کیا اور آنحالیکہ وہ فضولی ہے ایک طرف سے یا دونوں طرفوں سے تو وہ ایجاب، غائب کے قبول پر موقوف نہیں رہے گا بلکہ باطل ہوجائے گا اگرچہ عاقد حاضر نے قبول کیا ہو بایں طور کہ دونوں کلاموں (ایجاب وقبول) سے تکلم کیا ہو جیسا کہ آرہا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۶

[4] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲۶

پس یہ بیع محض باطل و بے اثر ہے اور جائداد بدستور ملک زید پر باقی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: ۱۵رجب ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک درخت عمرو سے اس شرط پر خرید اکہ اس کا کٹوادینا عمرو کے ذمہ ہے اب عمرو اس کے کٹوانے میں حجت کرتا ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درخت کاٹنے کے لئے بیچا جائے اس کا کاٹنا شرعا مشتری کے ذمہ ہے **کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں اسے واضح کر چکے ہیں۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی البحر من الظھیریۃ اشتری شجرۃ للقلع یؤمر بقلعھا الخ[1]۔	بحر میں ظہریہ کے حوالے سے ہے کہ کسی شخص نے اکھاڑنے کے لئے درخت خریدا تو خریدار کو اسے اکھاڑنے کا حکم دیا جائے گا الخ (ت)

یہاں کہ برخلاف حکم شرع اس کے کٹوانے کی شرط ذمہ بائع لگائی گئی بیع فاسد ہوئی، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

یقطعھا المشتری فی الحال (ای اذا طلب البائع تفریغ ملکہ) وان شرط ترکھا فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی (وعلل فی البحر الفساد بانہ شرط لا یقتضیہ العقد وھو شغل ملك الغیر[2] اھ ملتقطا۔	مشتری اس درخت کو فی الحال کاٹے یعنی جب بائع اپنی ملکیت کی فراغت کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو زمین میں چھوڑے رکھنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہو گئی جیسا کہ کاٹنے کی ذمہ داری بائع پر عائد کرنے کی شرط لگانے سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، حاوی بحر۔ میں فساد کی علت یوں بیان فرمائی کہ یہ ایسی شرط ہے جس کا تقاضا عقد نہیں کرتا اور وہ شرط ملک غیر کو مشغول رکھنے کی ہے اھ ملتقطا (ت)

پس بائع و مشتری دونوں گنہگار ہوئے اور دونوں پر بحکم شرع واجب ہے کہ اپنے اس بیع

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۹، درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا الخ مجتبائی دہلی ۲ /۹

کو فسخ کریں ان میں جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضامندی کے کہہ دے میں نے اس بیع کو فسخ کو فسخ فوراً فسخ ہوجائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا چاہیں اور حاکم شرع کو خبر ہو تو وہ جبراً فسخ کردے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے، درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخه قبل القبض اوبعده ما دام المبیع بحاله اعداما للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ولذالایشترط فیه قضاء قاضی واذا اصر علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقاللشرع بزازیه[1]۔	بیع فاسد کو بائع ومشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے چاہے مبیع پر قبضہ سے پہلے ہو یا بعد، جب تک مبیع اپنے حال پر قائم ہے اور یہ فسخ فساد کو ختم کرنے کے لئے ہے کیونکہ یہ معصیت ہے۔ لہٰذا اس کا رفع واجب ہے، بحر، یہی وجہ ہے کہ اس میں قضاء قاضی کی شرط بھی نہیں اور اگر وہ اس بیع فاسد کے برقرار رکھنے پر اصرار کریں اور قاضی کو خبر ہوجائے تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں یعنی بائع ومشتری پر جبر کرکے فسخ کراسکتا ہے۔ بزازیہ اھ تلخیص (ت)

پھر جب اس بیع کو فسخ کرلیں اور باہم رضامندی ہو تو نئے سرے سے پھر بیع صحیح بغیر اس شرط مفسد کے کرسکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: ۴رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی قارورہ فی سیکڑہ دس آنے کے حساب سے خرید کر بمنافع فی صدی دو آنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو قاروری کے مبلغ چھ روپے وصول پاکر قاروریاں واسطے دینے عمرو کے اپنی دکان پر لاکر رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائے، عمرو نے جواب دیا کہ مجھ کو اس وقت فرصت نہیں ہے پیلی بھیت سے واپس آکر لوں گا، جب عمرو پیلی بھیت سے واپس آیا اس وقت قاروریاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو قاروری کے سو قاروری بوجہ نازکی کے ٹوٹی نکلیں تو اب اس سو قاروری شکستہ کی قیمت ۱۲ زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ اس وقت بیع نہ ہوئی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

نہ تھیں اس نے خرید کر دینا کہا اور قیمت فیصل کرلی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دوں گا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دے دئے یہ صورت بیع کی نہ ہوئی صرف ایک وعدہ قرار داد ہوا اور اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں نہیں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے۔

فی الدرالمختار من البیع الباطل وبیع مالیس فی مبلکه لبطلان بیع المعدوم وماله خطرالعدم لا بطریق السلم لانه علیه الصلوٰة والسلام نهی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم [1] اھ قال فی ردالمحتار المراد بیع ماسیبلکه قبل مبلکه له [2]۔	درمختار میں ہے کہ بیع باطل کے قبیلہ سے ہے اس چیز کی بیع جا بائع کی ملک میں نہ ہو کیونکہ معدوم چیز اور وہ چیز جس کے عدم کا خطرہ ہو اس کی بیع باطل ہے مگر بطور سلم ان کی بیع باطل نہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع سلم میں رخصت دی الخ ردالمحتار میں فرمایا کہ اس سے مراد اس چیز کی بیع ہے جو عنقریب اس کی ملک میں آئے گی اس کی ملک میں ہونے سے قبل۔ (ت) پس شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اس کی عمرو سے کچھ علاقہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۸: ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پھول پر انبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فرداپر وعدہ کیا مگر کل کی قیمت وعدہ پر ادا نہ کی، وعدہ کو فسخ کیا، بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام وناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع ومشتری دونوں پر اس سے دست کشی وتوبہ لازم ہے:

فی الدرالمختار باع ثمرة قبل الظهور لایصح	درمختار میں ہے کہ کسی نے پھل کو نمودار ہونے سے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

اتفاقاً[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	پہلے بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: مسئولہ محمد علی بخش ۹ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی! کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرتا ہوں اور یہ شرط ٹھہرتی ہے کہ جب اس کا جی چاہے اسی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلاعذر ان کو دے دوں گا، اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمائے۔

الجواب:

اندراج شرط مذکور الصدور بیعنامہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شروط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع میں فقط محمد یعقوب علی خاں

الجواب:

بیعنامہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعاً اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیزیں تین ہزار روپیہ کو بیچیں اور مشتری نے کہا میں نے قبول کیں، اور عقد ختم کردیا، اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم سمجھا تو بیع صحیح وجائز ہوگئی، مشتری جائداد اور بائع قیمت کا مالک ہوگیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ عــہ باہم یہ ٹھہرالیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خریدلینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا، پھر اگر بیعنامہ میں اس وثوق سے کہ کہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ وعدہ قرار داد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خریدلوں اسے میرے ہاتھ بیع میں عذر نہ ہوگا تو اس لکھے جانے سے بیع میں اصلاً حرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلاً ذکر نہ تھا بیعنامہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی کو جو صحیح واقع ہوا فاسد نہیں ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۰: از ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مٹی کی بیع وشراء میں کہ جائز ہے یا ناجائز؟

عــہ: یتعلق بہ مسئلۃ التحاق الشرط بعد العقد بالعقد وفیہا قولان مصححان ۱۲ منہ۔	عقد کے بعد شرط کو عقد کے ساتھ ملحق کرنے کا مسئلہ بھی اس سے متعلق ہے اور اس میں دو مصحح قول ہیں ۱۲ منہ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی ما یدخل فی البیع تبعاً الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے ہیں:

بطل بیع مالیس بمال. المال مایمیل الیه الطبع ویجری فیه البذل والمنع درر فخرج التراب ونحوه [1]۔	جو چیز مال نہیں اس کی بیع باطل ہے، اور مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور اس میں (بطور ہبہ وغیرہ) دینا اور (غیر کو اس میں تصرف سے) منع کرنا جاری ہوتا ہو (درر) چنانچہ مٹی وغیرہ اس تعریف سے خارج ہوگئی۔(ت)

اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پر بھنی میں مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل ومنع جاری ہے اور بیع وشراء بھی جاری ہے اور یوما فیوما اس کی قدر وقیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے، اس صورت میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کی بیع وشراء شرعاً جائز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مٹی کہ مال وصالح بیع نہیں، وہ تراب قلیل ہے جس میں بذل ومنع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک، ورنہ تراب کثیر خصوصاً بعد نقل بلاشبہہ مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعامل بلاد، مٹی کی گاڑھیا چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجوں کے ڈھیلوں کے لئے جگہ بکتی ہے، ردالمحتار میں اسی عبارت درمختار پر لکھا:

قوله فخرج التراب ای القلیل مادام فی محله والا فقد یعرض له بالنقل مایصیر به مالا معتبرا ومثله الماء [2]۔	ماتن کے اس قول کہ "مٹی تعریف مال سے خارج ہوگئی" کا مطلب یہ ہے کہ وہ مٹی قلیل ہو اور ابھی تک اپنی جگہ پر پڑی ہو ورنہ وہاں سے نقل کرلینے کے بعد وہ مال معتبر بن جاتی ہے۔ اور پانی بھی اسی کی مثل ہے۔(ت)

بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز، تو مناط وہی تحقق حد مال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۶۱: از پیلی بھیت محلہ پنجابیاں متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھ نے ایک روز قوم ہنود کے تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب فروش کی کہ جس نمونہ اور پیمائش کی لکڑی

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۱

بکر کو درکار ہوگی زید چرا کر اپنے مصارف بار برداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچادے گا اور بکر نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح (۱۰اعہ) زید کو ادا کریں گے اور اگر اس عرصہ میں نہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیں گے، چنانچہ زید نے حسب پیمائش فرمائش بکر کی لکڑی تیار کرکے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے حسب معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کرجائے، چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کرکے اپنا نشان اور ٹانچ لگا گیا اور زید نے اس پاس شدہ لکڑی کو اپنے مصارف بار برداری سے بکر کے مکان پر پہنچادیا اور بعد پہنچادینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کرلی اس مابین جب تک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آئے علاقہ بکر میں انتظاما تبدل و تغیر ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یوروپین سے قائم ہوا اس سے قیمت کا روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت ولعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی مستری کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا ہے ہنوز قیمت چوب کا روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے واپس لے جاؤ اور باقیماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح (۱۰اعہ) کی دی جائے گی کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالش محکمہ جات حکام زمانہ کی امداد سے شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کرکے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان پر پہنچا کر رسید حاصل کی ہے بشرح (ے) روپیہ کے مع خرچ محکمہ کے وصول کرکے یا حسب خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ (۱۰اعہ) کے وصول کرکے ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرا مصارف خرچ کرکے واپس لائے، بیان فرمائیں ثواب پائیں۔ **فقط**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوئی کہ یہ لکڑی وقت بیع معدوم وغیر مملوک بائع تھی اور ایسی چیز کہ بیع بے طریق سلم باطل محض ہے، درمختار میں ہے:

بطل بیع مالیس فی ملکه لبطلان بیع المعدوم و ماله خطر العدم الابطریق السلم	غیر مملوک کی بیع باطل ہے بسبب باطل ہونے اس چیز کی بیع کے جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو مگر بطور رسلم اس کی بیع باطل نہیں

لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع مالیس عندالانسان ورخص فی السلم[1]۔	اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہوا ور بیع سلم میں رخصت دی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لم ینعقد بیع المعدوم ومالہ خطر العدم کالحمل واللبن فی الضرع ولابیع مالیس مملوکالہ وان مبلکہ بعدہ الا السلم[2] الخ۔	اس چیز کی بیع منعقد نہیں ہوتی جو معدوم ہو یا اس کے معدوم ہونے کا خطرہ ہو جیسے حمل اور تھنوں کے اندر دودھ، اور نہیں منعقد اس چیز کی بیع جو بائع کی ملک میں نہ ہوا گرچہ بعد میں اس کا مالک بن جائے سوائے بیع سلم کے الخ (ت)

توزید وبکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بناء پر ایک دوسرے سے کچھ مطالبہ کرسکے، زید اپنی لکڑی تمام وکمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لے جائے، ہاں اب از سرنو اس مال موجودہ کی بیع برضائے باہمی جس قیمت پر ہو جائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہوسکے گا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از شاہجہان پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلّہ ہاتھی تھان ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر ازروئے تخمینہ واندازہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ (مہ بہ ۱۲/) ایک سومن بوزن خام بدست بکر کے اس شرط سے فروخت کیا اور فورا زر قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جائے گا تو فی من خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سومن خام پر ہوتے ہیں، بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹے کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو مع روپیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعامذہب حنفیّہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں، عنداللہ اجر وثواب ہوگا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

الجواب:

یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام، اور یہ دام جو اس کمی پر لئے جائیں نرے سود ہیں۔

فان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع ما لیس عندہ وعن بیع وشرط والربٰو ھو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایۃ[1] والمسائل واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو آدمی کے پاس نہ ہو اور بیع اور شرط سے منع فرمایا اور سود عقد سے ثابت ہونے والی اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو جیسا کہ ہدایہ میں ہے، اور یہ تمام مسائل واضح ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدایار خاں صاحب ۱صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام سالما، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ایک مسلمان شخص کے ہاتھ رس بیچا تھا بہ نرخ (صہ مہ ۱/) فیصدی من یہ شرط ٹھہری تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ (معہ سہ ۱/) کا دیں اور خدا یار کے اوپر ہمارا روپیہ باقی نکلے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو (مہ لہ ۱/) کا نرخ لیں، سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی، اب نرخ (معہ سہ ۱/) کا لینا سود تو نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہوں لہٰذا اب بھی تصدیعہ دیتا ہوں کہ مجھ کو صبح اس کی اطلاع ہو جائے۔ زیادہ نیاز خاکسار خدایار

تبینتہ اللہ بالتصدیق والاقرار

الجواب:

یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو[2] وجہ سے: **اولا:** اس شرط میں احداد العاقدین کی منفعت ہے،

وکل شرط کذا فاسد وکل شرط فاسد فھو یفسد البیع وکل بیع فاسد حرام واجب الفسخ علی کل من العاقدین فان لم یفسخا اثما جمیعا وفسخ القاضی بالجبر۔	ہر وہ شرط جو ایسی ہو فاسد ہے اور جو شرط فاسد ہو وہ بیع کو فاسد کر دیتی ہے اور ہر فاسد بیع حرام ہے جس کا فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے اگر وہ فسخ نہ کریں تو دونوں گنہگار ہوں گے اور قاضی جبرا اس بیع کو فسخ کرائے۔

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

ثانیا: اس میں جہالت قدر ثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ خدا جانے کس طرح واقع ہوگی ہارجیت بدی گئی ہے اور قمار بنص قطعی قرآن حرام ہے، **واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ (مالعہ لعہ/) لے کر ایک اقرار نامہ بدیں مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چٹے لکڑی پانچ اقساط میں دوں گا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چٹے لکڑی دی اور اقرار نامہ مذکور الصدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چٹہ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا، پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ تحریری لینے کا شرعا مستحق ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام وباطل ہوئی، عمرو پر لازم ہے کہ یہ ۲۵ چٹے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے (مالعہ لعہ/) عمرو کو پھیر دے اور اگر لکڑی موجود معین بیچی اور پھر اس میں سے ۱۱۵ چٹے مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دے دے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار ہوا اور عمرو اپنی لکڑی اس دوسرے مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۱۵ چٹے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے، بہرحال ہرجہ لینے کا کسی صورت میں اختیار نہیں، نہ وہ شرط اقرار نامہ اصلا قابل قبول۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردہ کا بیچنا جائز ہے یانہیں؟ اور ہڈی بیچنا جائز ہے یانہیں؟ بعض عالم کہتے ہیں جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباعت کرلی جائے تو بیچنا جائز ہے **لطھارتہ وحل الانتفاع** (بسبب اس کی طہارت کے اور حلال ہونے اس سے نفع حاصل کرنے کے۔ت) ورنہ حرام وباطل ہے **لانہ جزء میتۃ وبیع المیتۃ باطل** (اس لئے کہ وہ مردار کی جزء ہے اور مردار کی بیع باطل ہے۔ت) ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع جائز ہے **لما تقدم**

لان الحیاۃ لاتحلہ (اس وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے کیونکہ حیات اس میں سرایت نہیں کرتی۔ت) اوران احکام سے خنزیر مستثنٰی ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلاً خرید وفروخت یا کسی قسم کے انتفاع کے قابل نہیں لنجاسۃ عینھا (اس کے نجس عین ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۶: مرسلہ محمد بشیر الدین طالبعلم مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانسمنڈی کانپور ۲۹صفر ۱۳۳۰ھ

کوئی شخص زندہ گائے یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صاف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد دس بارہ آدمی مل کر تقسیم کرکے کھائیں اس صورت میں بیع کیسی ہے؟ اور گوشت کھانا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام۔

والوجہ ظاہر فھو کجذع فی سقف بل اشد قال فی الدر فی السراج لوسلم الصوف واللبن بعد العقد لم ینقلب صحیحا وکذا کل ما اتصالہ خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی وجہ ظاہر ہے تو وہ چھت میں لگی ہوئی شہتیر کی مانند ہے بلکہ اس سے بھی سخت تر، در میں فرمایا کہ سراج میں ہے اگر عقد کے بعد اون اور دودھ مشتری کو سونپ بھی دیا تب بھی بیع صحیح نہ ہوگی اور ایسے ہی ہے ہر وہ چیز جس کا اتصال پیدائشی طور پر ہے جیسے حیوان کی کھال، کھجور کی گٹھلی اور تربوز کا بیج، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۷ تا ۶۸: از جاورہ ملک مالوہ مسئولہ جناب سید مقبول عیسٰی صاحب ۱۴جمادی الآخر ۱۳۱۰ھ

(۱) مسماۃ زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کابین نامہ بھی اس مضمون کی لکھ دی کہ جو زینب کو بالعوض دین مہر مبلغ پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں لایا ہوں اور بالعوض اس دین مہر جو دو قطعے مکانات نصف نصف حصہ خود مع حدود اربعہ ہیں زینب کو دین مہر میں دے دیئے اور جو آئندہ جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ میں اپنے قوت بازو سے پیدا کروں گا اس کی مالک بھی عوض اس دین مہر کے منکوحہ رہے گی اور بشرط نااتفاقی جمیع جائداد منقولہ و

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

غیر منقولہ کی مالک منکوحہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش واقارب کا کسی طرح سے دعوی نہ ہوگا بعد ازاں ایک مدت کے زید نے اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ اپنے قوت بازو سے پیدا کی وہ بھی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ بموجب شرائط کابین نامہ زینب کو دے کر نصف قبضہ کرادیا، اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پاسکتی ہے یازید؟ اور جو شے دین مہر میں اس صورت سے دے دی جائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلاقبضہ ہو تو کیا حکم ہے؟

(۲) بعد دوچار برس کے منجملہ جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا، زید نے اپنے نام نالش کرکے قبضہ لیا اور زینب کو دیا یا نہ دیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کرکے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویدار زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے کہ اندریں صورت اس مکان کی مالک زینب ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض اور بیع میں قبضہ شرط نہیں۔

فی الدرالمختار لوقال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتہاءً [1]۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کیا ہے تو یہ ابتداء اور انتہاء بیع ہے۔(ت)

مگر یہ کابین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دیئے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ بھی بعوض دین مہر ملک زوجہ ہوا اور بحال نااتفاقی تمام وکمال کی مالک ہو، یہ دونوں شرطیں باطل ہیں، اس باطل کی بناء پر جو بعد کی جائداد زید نے زینب کو دی وہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرادیا ہو فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لاحکم لہ (اس لئے کہ جو باطل پر مبنی ہو وہ باطل ہوتا ہے اور باطل کا کوئی حکم نہیں۔ت) وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے، زید وزینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان زید کو واپس دئے جائیں مہر زینب کا ذمہ دار زید ہے جبکہ وہ مکان قبضہ وملک زینب میں ہنوز موجود ہیں اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ واوقف یا وصیت یا رہن کرچکی تو اب مکانوں کی واپسی نہ ہوگی

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

مگر مہر میں سے اتناہی ساقط ہو جتنے کی مالیت وہ مکان بر نرخ بازار ہوں باقی مہر ذمہ زید رہا،

(۲) اگر وہ مکان بعد کی جائداد میں تھاجب توظاہر ہے کہ زینب اس کی مالکہ ہی نہی تھی زید کااقرار اپنے اسی شرط کی بناء پر ہے اور باطل کی بناء پر جو اقرار ہو باطل ہے **کما فی الاشباہ والدر وغیرھما** (جیسا کہ اشباہ اور در وغیرہ میں ہے۔ت) اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھاجو وقت نکاح مہر میں دیئے تو ہم بیان کرچکے کہ وہ بیع فاسد واجب الفسخ تھی اور زینب کااسے کرایہ پر دینامانع فسخ تھا۔

فی الدرالمختار ان باعہ المشتری فاسدا بیعا صحیحا باتا لغیر بائعہ اووھبہ وسلم او وقفہ وقفا صحیحا الفاسد فی جمیع مامروا امتنع الفسخ لتعلق حق العبد بہ وکذا کل تصرف قولی غیر اجازۃ ونکاح [1]۔	درمختار میں ہے اگر بیع فاسد کے مشتری نے مبیع فاسد کو غیر بائع کے ہاتھ بیع صحیح تام کے ساتھ فروخت کردیایا ہبہ کرکے قبضہ دے دیایا وقف صحیح کے ساتھ وقف کردیایااسی کو کسی کے پاس رہن رکھ دیا یا کسی کے لئے اس مبیع فاسد کی وصیت کردی یا صدقہ کردیا توان تمام تصرفات مذکورہ میں وہ بیع فاسد نافذ ہوجائے گی اور فسخ ممتنع ہوجائے گا بسبب حق عبد کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے،اور یہی حکم ہے تمام تصرفات قولی کاسوائے اجارہ اور نکاح کے۔(ملتقطا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الاجارۃ تفسخ بالاعذار ورفع الفساد من الاعذار [2]۔	اس لئے کہ اجارہ عذروں کی وجہ سے فسخ ہوجاتاہے اور فسخ فساد بھی عذروں میں سے ایک عذر ہے۔(ت)

اب کہ زید نے اسے اپنی ملک ٹھہراکر دعوی کیااور ڈگری پائی،یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہوگیا مکان زید کوواپس آگیااور زینب کامہر اس پر رہاپھر زید اس اسے دے دینا اگر وہی بربنائے سابق ہو جب تو باطل وبے سود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فاسد تھی اب بعد فسخ باطل ہوگئی،ہاں اگر اس بناء پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کرکے زینب کو قابض کردیا ہو توزینب مالک ہوگئی جبکہ وہ نصف قطعہ مشاع نہ ہو،**واﷲ تعالٰی اعلم**۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۔۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۷

مسئلہ ۶۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

عمرو کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوئی کمہار ہمیشہ خرچ میں لاتا ہے، ہمیشہ کے لئے لوٹے گھڑے کمہار کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب:

یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے۔ نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی، نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی حاجت ہوگی، ہاں اگر یوں ہو کہ اتنی لکڑی کے عوض اتنے لوٹے، تو جائز ہوگا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰ تا ۷۱: مسئولہ حافظ محمد آمین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کرکے لایا اور اس نے اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہوچکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے پھر بھی اس کو خریدتا ہے تو اس کے لئے وہ خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خریدلے تو کیا حکم ہے؟ اور بعد خرید لینے کے معلوم ہوجائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے؟

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفاء دے کر حج بیت اللہ شریف کا جاتا ہے دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ تم استعفاء مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے اپنے مجھ کو قائم کردو اور مجھ سے پچاس روپے لے لو، تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کو اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ ملاک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو، اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر متشابہ ہیں اور احتراز اولٰی ہے، **انظر ردالمحتار من اول البیوع** (ردالمحتار میں کتاب البیوع کے شروع میں دیکھئے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۲: از قصبہ نیٹھور ضلع بجنور محلّہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پنشنر ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت پرامیسری نوٹ ۵ مسئلے دریافت کئے تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کے لئے ارسال کرتا ہوں اور نیٹھور کے مدرسہ اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں تحریر ہے کہ جو روپیہ ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اس کے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقر ہو یا مفلس یا منکر، مگر منکر کی صورت میں داین کے پاس اپنے قرض کی پکی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو تو ایسے قرض کی زکوۃ مالک کے ذمہ واجب ہے، مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے لے کر قبضہ کرے یا نہ کرے، اب عرض یہ ہے کہ پرامیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں مل سکتا جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو ملک جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گویا ایسا ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید لے اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے واپس لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا جب تک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہوں خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقررہ ملتا رہے گا اب براہ کرم و بندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمائے ۶ پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف پرامیسری نوٹ کی بابت ہے سیونگ بنک کا جواب نہیں چاہتا۔ زیادہ حد ادب!

حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے یہ سید صاحب بہت ہی شش وپنج میں مبتلا ہیں ان کی تسلی فرما دیجئے گا از راہ کرم۔ فقط

الجواب:

پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لے گا گورنمنٹ کے یہاں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائے گا، یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا، قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار سے، تو وہ قرض یقیناً مردہ ہے، اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیوں کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے، وہ بیع ناجائز و فاسد و حرام ہے، مگر جبکہ خریدار کو مدیون سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کرے، اشباہ میں ہے:

لایجوز بیع الدین ممن لیس علیہ الدین الا	غیر مدیون کے ہاتھ دین فروخت کرنا جائز نہیں مگر اس وقت جائز ہے جب اس کو

اذاسلطه علی قبضة[1]۔	قبضہ پر مسلط کرے۔(ت)

اور یہاں قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سود دیتی رہے گی، تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام روپیہ لینا حرام اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا۔ اور یہی معنی قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا اور انتفاع پر قدرت نہ ہو، لہٰذا حکم وہی ہے جو فتوی اول میں لکھا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۳: از ریاست رامپور محلّہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد ۱۲ع مرسلہ محمد عبدالقادر صفر ۱۳۳۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی ھذہ المسئلة (اس مسئلہ کے بارے میں تمہارا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ت)

زید نے نوآنے قیمت کے ایک ٹکٹ نو ۹/ آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا بعد ازاں سرکار نے اسی زید سے سوا روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دے دئے، بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوا روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا، بعد روپیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دو فی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دے دیا اب یہ معاملہ مطابق شرح شریعت کے جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کپڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل وحوالة الکتب** (دلائل و حوالہ کتب کے ساتھ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

یہ صورت شرعاً باطل وناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں تو رکن بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پر بھی کام آتی ہے، اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے اس کے کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈنا پڑیں اور یہ سلسلہ بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہوجائے، ہاں وہ کپڑا کہ اسے ملا وہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطور انعام دیا جاتا ہے تو وہ فی نفسہ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: مسئولہ محمد سلیمان شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۴۱

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲ /۲۱۳

زمین مکانات سے باہر گلیوں کوچوں میں ہے سب سرکار نے ضبط کرلی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کردیا ہے، اب اگر دوسرا پڑوسی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان بنالے، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ افتادہ زمین غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں "عادی الارض" عرف حال میں "سرکاری زمین" کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج نہیں ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مسئولہ وزیر احمد مدرس

مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں لان **المعصیۃ لاتقوم بعینھا** (کیونکہ معصیت اس کے عین کے ساتھ قائم نہیں ہوتی۔ ت) مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک مال بیچے اور دام لے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۶: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی مدرسہ منظر اسلام ۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ

الی اعلیحضرت سیدنا وسید اھل السنت والجماعت مجدد المائۃ الحاضرۃ مدظلھم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد لثم عتبتکم القدسیۃ ماتقول الشریعۃ الحنفیۃ الحنفاء فی ھذہ المسئلۃ ھل یجوز مبایعۃ الحشیش الذی یقال لہ فی الھندیۃ بھنگ	بخدمت جناب اعلحضرت، ہمارے اور اہلسنت وجماعت کے سردار، موجودہ صدی کے مجدد، جناب کا سایہ مقدس دراز ہو، آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت ہو، جناب والا کی پاکیزہ چوکھٹ کے بوسہ کے بعد گزارش ہے کہ شریعت مطہر حنفیّہ اس مسئلہ میں کیا فرماتی ہے کہ کیا حشیش جس کو ہندی میں بھنگ کہا جاتا ہے، کی بیع جائز ہے؟

الجواب:

یجوز للدواء وان ظن انہ یتعاطاہ للتفتیر لایحل البیع منہ	دوا کے لئے جائز ہے اور اگر گمان غالب ہو کہ وہ اس کو نشہ کے لئے استعمال کرے گا تو ایسے

لقیام المعصیة بہ بعینہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شخص کے ہاتھ بیع کرنا حلال نہیں کیونکہ معصیت بعینہٖ اس کے ساتھ قائم ہوتی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع قطعی کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچہری سے تجویز ہوجانے پر جزو ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہٰذا بیع باطل ہے، سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرار پاکر بھی مال ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد؟ اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہوسکتی ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہوسکتی ہے؟

الجواب:

حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دئے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت، درمختار میں ہے:

یسقط الخلع کل حق متعلق بذٰلك النکاح [1]۔	خلع ہر ایسے حق کو ساقط کردیتا ہے جو اس نکاح سے متعلق ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شمل المھر والنفقة المفروضة و الماضیة والکسوة کذٰلك [2]۔	یہ حکم شامل ہے مہر، نفقہ مقررہ، نفقہ گزشتہ اور اسی طرح لباس کو۔ (ت)

تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں پھر اگر حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برائت ہو تو بیع فاسد ہے لانہ شرط فاسد فیہ نفع احد العاقدین فیفسد البیع (کیونکہ یہ شرط فاسد ہے جس میں متعاقدین بائع و مشتری میں سے ایک کا نفع ہے لہٰذا بیع فاسد ہوگی۔ ت) اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت ہوجاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نصوا علیہ قاطبة (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۴۷

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الخلع دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۵

مسئلہ ۷۸: از دھامن گاؤں ضلع امراوتی، برار معرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ مسئولہ ضیاء الدین ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سودا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خرید تا ہے کہ اس وقت اس لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے، اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کئی سو عدد ہونا اگر اس قیمت معین پر لکڑی نہ دے گا تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لے لوں گا مہنگا ہو یا سستہ، اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کرلیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے سے لیتا ہے اس بیع پر شرط مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لے لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام و مثل ربٰو ہے **کما فی الدر المختار** وغیرہ (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از چوک لکھنو، مدرسہ فرقانیہ مرسلہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین در صحت بیع افیون و بنگ۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین افیون اور بھنگ کی صحت کے بارے میں؟ (ت)

الجواب:

صحت چیزے دیگر ست وجواز بمعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تا حد سکر حرام است فاما ہمچو خمر وخنزیر از تقوم برنیفتادہ است و چوں بیع بر مال متقوم مقدور التسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت در اینہا مطلق ست و گر برائے تداوی از بیرون بدن می خواہد میخواہد بمعنی حل نیز باشد و گر برائے معصیت میخواہد روانیست **قال تعالٰی** "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1] ۔ **واللہ**	صحت اور چیز ہے اور جواز بمعنی حل دوسری چیز، مذکورہ اشیاء یعنی افیون اور بھنگ جب نشہ کی حد تک پہنچ جائیں تو اگرچہ حرام ہیں مگر متقوم ہونے سے خارج نہیں ہوتیں، جیسے شراب اور خنزیر متقوم ہونے سے خارج ہوتے ہیں تو بیع مال متقوم مقدور التسلیم پر وارد ہو تو صحیح ہوتی ہے اگرچہ حرام ہو لہٰذا صحت تو ان میں مطلق ہے اور اگر بیرون بدن ان میں سے علاج معالجہ مطلوب ہو تو جواز بمعنی حل بھی ہوگا اور اگر معصیت کے لئے ان کی

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

تعالٰی اعلم۔	بیع مطلوب ہو تو جائز نہیں۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۰: از ضلع سلہپور موضع سگوڈاکخانہ سگو، مولوی محمد حیات بروز یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جوکہ جانور حلال مرجائے اس کو مسلمان بکری کرکے اپنی ضرورت پوری کرنی جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جو جانور مردار ہوگیا بغیر ذبح شرعی کے مرگیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۱: مسئولہ عبدالرحیم وخدابخش بریلی محلہ اعظم نگر ۱۵ جمادی الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضے میں تھا حکیم مظاہر الاسلام کے والد نے اس کو بہ کوشش اہل محلّہ کچہری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہر الاسلام رحیم بخش بہشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہر الاسلام نے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھا لیا کسی اہل محلّہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر نفع کے خیال سے خرید لیا، آیا یہ خرید وفروخت قبرستان جائز ہے یا حرام؟ اور اہل محلّہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دے کر چھڑائیں یا بغیر قیمت، اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ وپکڑ ہے یانہیں؟ اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ، اور اگر قیمت لیں تو مواخذہ شرعی ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فورًا فورًا بلا قیمت چھوڑ دے، اگر نہ چھوڑے گا تو روز قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اسے تکلیف دی جائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقوں تک کھودے اور پھر وہ کروڑہا کروڑ من پہاڑ اس کے گلہ میں طوق ڈالے جائیں، اس پر اگر ایک کوڑی قیمت لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے، اہل محلّہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلا قیمت اس کے قبضہ ظلم سے چھڑائیں اگر مجبور ہوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو یہ قیمت دے سکتے ہیں مگر اس کا لینا اسے سور کی مثل ہوگا اور خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی، کم یا زیادہ ہر طرح حرام قطعی ہے، ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہر الاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے، وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر قبرستان کو روک نہیں سکتا اسے فورا بلا قیمت واگزاشت کردے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا

نہ ملے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲تا۸۴: از سورت محلّہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز شنبہ بتاریخ ۶صفر المظفر ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ مسلمانوں میں دوفریق ہوگئے تھے اس پر سے شہر سورت میں سے دو تین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا اور جس کا قصور رہا پایا ان سے کہا کہ تم مقابل فریق سے اپنا قصور معاف کراؤ، توانھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی، بعد میں جو شخص سورت گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیرینی منگواہی اور مجلس میں تقسیم کردی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرینی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمھارے مکان کا پانی، کھانا اور شیرینی چار مذہب میں حرام ہے، تو کہنے والا گنہگار ہے یانہیں،

(۱) سورت میں لوگ اپنی بکری وکیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری ادا کردو، نفع ونقصان وکیل کے ذمہ اور دلالی کا روپیہ فی صدی دوروپیہ لے لو، یہ درست ہے یانہیں؟

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تو اس کے گھر کا کھانا درست ہے یانہیں؟

(۳) بے پڑھا فتوی دے دے کہ چار مذہب میں حرام تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہتاہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کردیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیج دو خواہ تم کم کو بیچو یا زیادہ کو، اور ان داموں میں سے دوروپیہ فیصدی اپنی دلالی کے لے لو، اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہ فریقین کو ناجائز ہے مؤکلوں کو بھی اور وکلاء کو بھی ایسی صورت میں اس شخص کا اعتراض بیجانہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرامابعینہ[1] **ھندیۃ عن الذخیرہ۔**	ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا ہمیں معلوم نہ ہو جائے، ہندیہ بحوالہ ذخیرہ۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

یعنی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اس کے کھانے پینے میں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہ حرام ہے، بے پڑھے کہ جو حکم شرعی سنا ہے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵: مسئولہ الہ داد خان صاحب محرر مدرسہ اہلسنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایک ہزار روپیہ یا کچھ کم وبیش کا دو سو یا تین سو روپے میں عمرو کے ہاتھ فروکت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عمرو سے ایک اقرار نامہ علیحدہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کردینا جس قیمت میں مجھ سے خریدا ہے، اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کر زید نے مقرر کردیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہو کر اسی بناء پر وہ بیع ہوسکتی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کرایہ ٹھہرا کر کرایہ پر رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر عقد بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرداد ہوئی تھی کہ یوں بیع کرینگے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے، ردالمحتار میں ہے:

اشار بقولہ بشرط الی انہ لابد من کونہ مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین **(تنبیہ)** فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا	ماتن نے اپنے قول "بشرط" سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کا عقد سے مقرن ہونا ضروری ہے اس لئے کہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی جائے تو ایک قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد سے ملحق ہوتی ہے اور ایک قول یہ ہے کہ ملحق نہیں ہوتی، اویہی زیاد صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے (تنبیہ) جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے عقد سے قبل کوئی شرط

لم یبطل العقد اھ قلت ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الهزل، وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقد البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة وغیرہا بانه یکون علی ماتواضعا اھ[1] (ملتقطا) مافی الشامی وکتبت علی قوله یکون علی ماتواضعا اذا تصادقا علی ان العقد مبنی علی تلك الموضعة کما قید به فی الخیریة والخلاصة **اقول**: وهذا فی القضاء، اما فی الدیانة فاذا علم الله تعالٰی منهما البناء وعلیها یکون وان تکاذبا من بعد[2] والله تعالٰی اعلم۔	فاسد لگائی پھر عقد کیا تو وہ عقد باطل نہ ہوگا الخ میں کہتاہوں کہ فاسد ہونا چاہئے اگر وہ دونوں اس پر متفق ہوں کہ عقد اسی شرط پر مبنی ہے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل میں اس کی تصریح کی خیر الدین رملی سے ان دو مردوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنھوں نے عقد سے پہلے بیع وفاء پر قرارداد کی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ بیع ان کی قرار داد پر مبنی ہوگی (شامی کے بیان کے آخر تک) میں نے شامی کے قول "**علی ماتواضعا**" پر لکھا کہ یہ حکم تب ہوگا جب وہ دونوں اس بات میں سچے ہوں کہ یہ عقد اس قرار داد پر مبنی ہے جیسا کہ خیریہ اور خلاصہ میں یہ قید لگائی گئی، میں کہتا ہوں کہ یہ حکم قضا میں ہے رہا دیانت میں تو جب اللہ تعالٰی کے علم میں ہے کہ انھوں نے عقد کی بناء اس قرادادپر کی ہے تو یہ عقد اسی پر مبنی ہوگا اگرچہ انھوں نے بعد میں جھوٹ کہا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۸۶: مسئولہ ننھے میاں صاحب شہر بریلی محلّہ سوداگران از کرتوالی، بروز شنبہ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کھیت اگر تیار ہوگیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰ـ۱۲۱

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

کھیتی قائم رکھی جائے گی، تو خرید وفروخت ناجائز ہے **بشرط مافیہ نفع عاقد بلا قضیۃ العقد** (اس چیز کی شرط لگانے کی وجہ سے جس میں کسی عاقد کا نفع ہے اور عقد اس کا تقاضا نہیں کرتا۔ت) اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے باقی رکھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت معاوہ زمین جس مین کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ کرایہ پر لے لے خریداری میں اس اجرت کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینہ کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے کو کھیت خریدے اور دو روپے کو زمین کرایہ پر لے، درمختار میں ہے:

والحیلۃ فی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومۃ یعلم فیھا الادراك بباقی الثمن [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کھیتی اور گھاس کے باقی رکھنے کا حیلہ یہ ہے کہ جو موجود ہو اس کو بعض ثمن کے مقابل میں خرید لے اور باقی ثمن کے عوض زمین کو ایک معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لے لے جس میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۷: از کسیراں کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ احمد علی ولد حکم محمد امیر ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خربوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے ہیں تو قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے، انبہ کی جنس فی روپیہ ایک صد آم، اور خربوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے، اور بعض اوقات جنس بقدر تول طے پاتی ہے اور اکثر بلاتعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمول وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہوجانے پر ہے۔ تو بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو شرعاً وہ کیا فصل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب:

بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے، اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں کہ خریدار اسی وقت توڑ لے، اور اگر یہ ٹھہرا کر پھل تیار ہونے تک

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی ما یدخل فی البیع تبعاً مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لگے رہیں گے تو یہ ناجائز وحرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ آم یا پانچ سیر خربوزہ یا کم وبیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں اتنے کو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کروں گا اور جو پھل پیدا ہوں گے ان میں سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نوسو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے جو قرار پاجائے، خربوزے، تربوز، ککڑی، بیگن کی جڑیں خریدے تاکہ جو پیدا ہوے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس زمین کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہوجائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے میں چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے لے، درمختار میں ہے:

من باع ثمرۃ بارزۃ اماقبل الظھور فلایصح اتفاقا ظھر صلاحھا اولا یصح فی ظاہر المذہب وصححه السرخسی، ویقطعها المشتری فی الحال جبرا علیه وان شرط ترکها علی الاشجار فسد البیع، والحیله ان یاخذ الشجرۃ معاملة علی ان له جزء من الف جزئ وان یشتری اصول الرطبة کالباذنجان و اشجار البطیخ والخیار لیکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض مدۃ معلومة یعلم فیها الادراك بباقی الثمن [1] مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے نمودار پھل بیچا چاہے اس کی صلاحیت ظاہر ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو تو اصح قول کے مطابق صحیح ہے اور اگر نمودار ہونے سے قبل پھل بیچا تو بالاتفاق صحیح نہیں، اور اگر کچھ پھل نمودار ہوا اور کچھ ابھی نمودار نہیں ہو تو ظاہر مذہب میں بیع صحیح نہیں سرخسی نے اس کو صحیح قرار دیا اور بیع کے بعد مشتری پھلوں کو فی الحال قطع کرے اس سلسلہ میں اس پر جبر کیا جائے گا اور اگر اس نے پھلوں کو درختوں پر چھوڑنے کی شرط لگائی تو بیع فاسد ہوگی اور اس میں حیلہ یہ ہے کہ مشتری بائع سے درخت بطور معاملہ لے کہ ہزار میں سے ایک جزء بائع کی ہوگی اور یہ کہ بینگن، تربوز اور ککڑی کی جڑیں خریدلے تاکہ نئے پیدا ہونے والے پھل مشتری کی ملک ہوں اور کھیتی اور گھاس میں موجود

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع تبعا مطبع مجتبائی دہلی ٢ /٩

بعض ثمن کے بدلے خرید لے اور باقی ثمن کے بدلے زمین کو مدت معینہ کے لئے کرایہ پر لے لے جس مدت میں کھیتی کا پکنا معلوم ہو۔ (ت)

مسئلہ ۸۸: ازکانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتا بگڈھی ۲۹ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

پس از سلام مسنون حضرت سید ولد آدم و سید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت والا ہے کہ خادم کو چند مسائل کے متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے زید نے اپنے مکان کہ عمرو سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت ہے یعنی بیع تو اس وقت کی اور قیمت کی تقدیر و تعیین بکر کی رائے پر موقوف کردی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد، پھر جبکہ بکر نے تخمینہ تین ماہ کے بعد قیمت معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اُٹھ گیا یا نہیں؟ اور کون سا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا معنی ہے، اور تقرر بیع کی کیا صورتیں ہیں، امید کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع فاسد ہے، عالمگیریہ میں ہے:

اما اشرائط الصحۃ فمنھا ان یکون البیع معلوما و الثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع شاۃ من ھذا القطیع و بیع الشیئ بیقمتہ وبحکم فلان[1]۔	بیع کے صحیح ہونے کی شرط میں سے یہ ہے کہ مبیع معلوم ہو اور ثمن معلوم ہو اس طور پر کہ جھگڑا نہ پیدا ہو چنانچہ ایسی مجہول چیز کی بیع صحیح نہیں جس سے جھگڑا پیدا نہ ہو، جیسے کہا جائے کہ اس گلہ میں سے ایک بکری کی بیع یا اس شے کی بیع اس کی قیمت کے ساتھ یا فلاں کے فیصلے کے مطابق بیع۔ (ت)

بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہوگیا اب نہیں اٹھ سکتا جب تک یہ بیع فسخ نہ کی جائے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی النھایۃ والفتح وغیرھما قال شمس الائمۃ الحلوانی وان علم بالرقم فی	نہایہ اور فتح وغیرہ میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا کہ اگرچہ مشتری کو مجلس کے اندر لکھی ہوئی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/۳

المجلس لاینقلب، ذٰلك العقد جائز اولكن ان كان البائع دائما على الرضافرضي به المشتري ينعقد بينهما عقد بالتراضي اھ وعبر في الفتح بالتعاطي والمراد واحد[1] اھ	قیمت معلوم ہوگی ____ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت) قیمت معلوم ہوگی ____ تو بھی عقد جائز نہیں ہوگا لیکن اگر بائع رضامندی پر قائم ہے اور مشتری بھی اس پر راضی ہوگیا تو دونوں کی باہمی رضامندی سے عقد ان کے درمیان منعقد ہوجائے گا الخ فتح میں اس کو تعاطی سے تعبیر کیا گیا اور مراد دونوں سے ایک ہی ہے اھ (ت)

اور لفظ فتح یہ ہیں:

وجواز اذا علم في المجلس بعقد اٰخر هو التعاطي كما قاله الحلواني[2] اھ **اقول**: وهذا التعيين ان التعاطي بعد عقد فاسد اذا وقع في المجلس لايحتاج الى سبقة متاركة ذٰلك الفاسد بخلافه بعد المجلس الاترى الى تقييده وبقوله اذا علم في المجلس والا فحصول البيع بعقد جديد لا يتوقف على كونه في المجلس الاول فقد حصل التوفيق وان استبعده الشامي و استظهر انهما روايتان اعني اشتراط المتاركة في التعاطي بعد الفاسد وعدمه فافهم وبالله التوفيق۔	مجلس میں معلوم ہوجانے پر اس کا جواز دوسرے عقد کے ساتھ ہے جو کہ تعاطی ہے جیسا کہ حلوانی نے فرمایا اھ میں کہتا ہوں یہ امر کی تعیین کے لئے ہے کہ بیشک تعاطی جب عقد فاسد کے بعد مجلس میں واقع ہو تو وہ پہلے اس عقد فاسد کے متارکہ کی محتاج نہیں ہوتی بخلاف مجلس کے بعد تعاطی کے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ فتح نے اپنے اس قول کے ذریعے قید لگائی کہ "جب اس کو مجلس میں معلوم ہو" ورنہ عقد جدید کے ساتھ بیع کا حصول اس بات پر موقف نہیں کہ وہ مجلس اول میں ہو تحقیق (مختلف عبارتوں میں) توفیق و تطبیق حاصل ہوگئی اگرچہ شامی نے اس کو بعید جانا اور احتیاط برتتے ہوئے کہا کہ بیشک یہ دو روایتیں ہیں یعنی عقد فاسد کے بعد تعاطی میں متارکہ کا شرط ہونا اور شرط نہ ہونا پس سمجھ اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

پھر شامی نے فرمایا:

وجزم بخلاف في الهندية اٰخر باب	ہندیہ میں باب المرابحہ کے آخر میں اس کے خلاف

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۷۴

المرابحة وذکر ان العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبه جزم فی الفتح هناك ایضا اھ[1]۔ **اقول اولا:** لقد ابعد الحجة فقد قال فی الهدایة من باب خیار الشرط انه اسقط المفسد قبل تقررہ فیعود جائزا کما اذا باع بالرقم واعلمه فی المجلس[2] اھ واقرہ الفتح و الشراح وقال فی الفتح صدر البیوع ممالا یجوز البیع به البیع بقیمته اوبما حل به اوبما ترید اوبما اشتراہ اوبمثل ما اشتری فلان لایجوز فان علم المشتری بالقدر فی المجلس فرضیه عاد جائزا اھ[3]۔ وقال فی البدائع لو قال بعت هذا العبد بقیمته فالبیع فاسد لان قیمته تختلف باختلاف المقومین فکان الثمن مجهولا وکذا اذا باع بحکم المشتری اوبحکم فلان	پر جزم کیا اور ذکر کیا کہ مجلس میں معلوم ہونے کو ابتداء عقد کی مانند بنایا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی طرح ہوجائے گا اور یہاں پر فتح نے بھی اسی پر جزم کیا اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) **اولا:** علامہ شامی دلیل سے دور ہوگئے تحقیق ہدایہ کے باب خیار الشرط میں فرمایا کہ بیشک بائع نے مفسد کو فساد کے مستحکم ہونے سے قبل ساقط کردیا تو بیع جائز ہوگئی جیسا کہ کسی نے لکھی ہوئی قیمت پر بیع کی اور مجلس کے اندر مشتری کو وہ قیمت بتادی الخ فتح اور شارحین نے اسے برقرار رکھا، فتح میں کتاب البیوع کے آغاز میں فرمایا جن چیزوں کے ساتھ بیع ناجائز ہے ان میں سے یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں یا اس چیز کے بدلے جس سے بیع حلال ہو یا بائع مشتری کو یہ کہے کہ جتنی قیمت تو چاہے اس کے بدلے میں بیچتاہوں یا کہے جتنے پر اس نے خریدا ہے اس کے بدلے میں یا کہے جتنے پر فلاں نے خریدا اس کی مثل قیمت کے بدلے میں، تو ان تمام صورتوں میں بیع ناجائز ہے پھر اگر مشتری کو مجلس کے اندر قیمت کی مقدار معلوم ہوگئی اور وہ اس پر رضامند ہوا تو بیع جائز ہوجائے گی الخ۔ بدائع نے فرمایا کہ اگر بائع نے کہا میں نے غلام اس کی قیمت کے عوض بیچا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[2] الھدایہ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۴

[3] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۷

لانه لایدری بما اذا یحکم فلان وجهالة الثمن تمنع صحة البیع فاذا علم ورضی به جاز البیع لان الجهالة قد زالت فی المجلس وله حکم حالة العقد فصار کانه کان معلوما عند العقد وان لم یعلم به حتی افترقا تقرر الفساد [1] اھ مختصرا وفیهما ایضا لابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ان جملة الثمن مجهولة حالة العقد جهالة مفضیة الی المنازعة فتوجب فساد العقد و عندنا اذا ارتفعت فی المجلس ینقلب العقد الی الجواز لان المجلس وان طال فله حکم ساعة العقد [2] اھ وفیها ایضا اذا شتری ثوبا برقمه ولم یعلم المشتری رقمه حتی فسد البیع ثم	تو بیع فاسد ہے کیونکہ مختلف قیمت لگانے والوں کے اعتبار سے اس غلام کی قیمت مختلف ہوگی تو اس طرح ثمن مجہول ہوگا اس طرح اگر غلام بیچا اس چیز کے بدلے میں جس کا فیصلہ مشتری یا فلاں شخص کرے گا تو بھی بیع فاسد ہوگی کیونکہ معلوم نہیں فلاں شخص کیا فیصلہ کریگا اور جہالت ثمن صحت بیع سے مانع ہے پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا اور وہ اس پر رضامند ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی کیونکہ جہالت مجلس کے اندر ہی زائل ہوگئی تو یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے گویا کہ عقد کے وقت معلوم تھا اور اگر ثمن کا علم نہ ہوا یہاں تک کہ بائع اور مشتری متفرق ہوگئے تو فساد مستحکم ہوگیا اھ مختصرا۔ اور اسی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول بھی ہے کہ اگر حالت عقد میں تمام ثمن اس طرح مجہول ہوں کہ جہالت جھگڑے تک پہنچائے تو یہ فساد عقد کا موجب بنے گی اور ہمارے نزدیک جب مجلس کے اندر جہالت رفع ہوجائے تو عقد جواز کی طرف پلٹ آتا ہے کیونکہ مجلس اگرچہ طویل ہو اس کا حکم ساعت عقد والا ہی ہوتا ہے اھ اور اسی میں یہ بھی ہے کہ جب کسی نے لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں کپڑا خریدا اور مشتری کو اس لکھی ہوئی قیمت کا علم نہیں ہے حتی کہ بیع فاسد ہوئی پھر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[2] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۹

علم رقمه فان علم قبل الافتراق واختار البیع جاز عندنا وان کان بعد الافتراق لایجوز بالاجماع[1] اھ۔	اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا اگرچہ تو یہ علم افتراق سے قبل ہوا اور اس نے بیع کو اختیار کرلیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر افتراق کے بعد اسے لکھی ہوئی قیمت کا علم ہوا تو بالاتفاق بیع جائز نہیں ہوگی الخ۔
وثانیا: تتبعت جمیع باب المرابحة من الھندیة فلم ارفیھا ماذکر من التعلیل لافی النسخة المصریة ولا فی الھندیة وانما قال فیھما اول باب المرابحة ان باعه بربح دہ یازدہ لایجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فیجوز وله(ای للمشتری)الخیار فاذا اختار العقد یلزمه احد عشر استحسانه وکذا لوباعه تولیة ولایعلم المشتری بکم یقوم علیه ولایجوز الا اذا علم الثمن فی المجلس فیجوز وله الخیار ھکذا فی محیط السرخسی[2] اھ وقال الاخر الباب من ولی رجلا شیئا بما قام علیه ولم یعلم المشتری بکم قام علیه فسد البیع فان اعلمه البائع	**وثانیا:** میں نے ہندیہ کا تمام باب مرابحہ تلاش کیا تعلیل مذکورہ میں نے اس میں نہیں دیکھی نہ مصری نسخے میں اور نہ ہندی نسخے میں، ہاں بیشک اس کے اندر باب مرابحہ کے شروع میں یہ فرمایا اگر کسی نے دو یازدہ یعنی دس کی چیز بطور نفع گیارہ کے بدلے میں فروخت کی تو جائز نہیں مگر جب مجلس میں ہی مشتری کو ثمن کا علم ہوگیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر اس نے عقد کو اختیار کیا تو بطور استحسان اس پر گیارہ لازم ہوں گے یونہی اگر وہ چیز بطور تولیہ بیچی اور مشتری نہیں جانتا کہ اسے کتنے میں پڑے گی تو بیع جائز نہیں مگر جب مجلس کے اندر اس کو ثمن معلوم ہوگئے تو جائز ہے اور مشتری کو اختیار ہوگا اس طرح محیط سرخسی میں ہے اھ اور باب کے آخر میں کہا کہ جس شخص نے کسی مرد پر بطور تولیہ کوئی شیئ اتنے میں بیچی جتنے میں بائع کو کتنے میں پڑی تو یہ فاسد ہوئی، پھر اگر بائع

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۰

فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی [1] اھ وقال قبیلہ عن الحاوی اذا باع الرجل المتاع بربح دہ یازدہ او ماشاکل ذٰلك فاذا علم المشتری بالثمن ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ،ان علم بالثمن قبل العقد فلیس لہ ان یرد [2] اھ **اقول**:والمراد العلم فی المجلس بدلیل ما تقدم وماتاخر۔ **وثالثا**: التعلیل المزکور کالمتناقض فان اٰخرہ یفید انہ بالعقد الاول واولہ انہ بعقد جدید۔	مجلس کے اندر مشتری کو بتادے تو بیع صحیح ہوگئی اور مشتری کو اختیار ہے اگر چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اسی طرح کافی میں ہے اھ اور اس سے تھوڑا پہلے حاوی کے حوالہ سے کہا کہ اگر کسی مرد نے کوئی سامان جو دس کا خریدا ہوا تھا گیارہ کے بدلے بیچا اس سے ملتی جلتی کوئی صورت اختیار کی پھر جب مشتری کو ثمن کا علم ہوا تو اس کا اختیار ہے چاہے تو لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے اور اگر مشتری کو عقد سے پہلے ثمن معلوم ہوں تو اسے رد کا اختیار نہ ہوگا الخ میں کہتا ہوں اس سے مراد مجلس کے اندر علم ہونا ہے اس دلیل کے ساتھ جو پہلے گزری اور جو اس کے بعد ہے۔ **وثالثا**: تعلیل مذکور متناقض کی مانند ہے اس لئے کہ اس کا آخر اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد اول کے ساتھ ہے اور اس کا اول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ وہ عقد جدید کے ساتھ ہے۔ (ت)

صلب عقد بدلین ہیں فتح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہول میں ہے: **صلب العقد بدلان** [3] (صلب عقد دونوں بدل ہیں (یعنی ثمن ومبیع) ۔ت) یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جب تک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس مجلس عقد میں اصلاح بھی کار آمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو۲ روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے، عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا۔ ہدایہ میں ہے:

لو باع الی ہذہ الاٰجال تراضیا باسقاط	اگر کسی نے ان اوقات مذکورہ کے وعدہ پر بیع کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

الاجل قبل ان یاخذ الناس فی الحصاد و الدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع، وقال زفر لا یجوز لانه وقع فاسدا فلاینقلب جائزا، ولنا ان الفساد للمنازعة وقد ارتفع قبل تقررہ وھذہ الجھالة فی شرط زائد لافی صلب العقد فیمکن اسقاطه بخلاف ما اذا باع الدرہم بالدرہمین ثم اسقطا الدرھم الزائد لان الفساد فی صلب العقد[1]۔	پھر بائع اور مشتری اس مدت کو ساقط کرنے پر رضامند ہوگئے قبل اس کے لوگ کھیتی کاٹنے یا اس کو گاہنے کا آغاز کریں اور قبل اس کے کہ حاجی لوگ آئیں تو بیع جائز ہوگئی، امام زفر نے کہا جائز نہیں ہوگی کیونکہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی لہٰذا جواز کی طرف نہیں پلٹے گی، اور ہماری دلیل یہ ہے کہ فساد تو جھگڑے کے ڈر سے تھا درانحالیکہ وہ فساد مستحکم ہونے سے پہلے ہی دور ہوگیا اور یہ جہالت صلب عقد میں نہیں بلکہ ایک زائد شرط میں واقع ہوئی جس کو ساقط کرنا ممکن ہے بخلاف اس کے کہ جب ایک درہم دو درہموں کے عوض بیچا پھر بائع اور مشتری دونوں نے زائد درہم کو ساقط کردیا تب بھی یہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہاں فساد صلب عقد میں ہے۔ (ت)

اور عدم شرط انعقاد کا فساد اس سے ملحق کیا گیا،

فان انعدامه یعدم العقد لا انه منعقد بصفة الفساد فیکمن اصلاحه فی المجلس۔	اس لئے کہ شرط کا معدوم ہونا عقد کو باطل کردیتا ہے ایسا نہیں کہ وہ عقد صفت فساد کے ساتھ منعقد ہوا کہ مجلس میں اس کی اصلاح ممکن ہو۔ (ت)

عنایہ امام کمال بابرتی محل مذکور میں ہے:

اعترض بانه اذا نکح بغیر شھود ثم اشھد بعد النکاح فانه لاینقلب جائزا ولیس الفساد فی صلب العقد واجیب بان الفساد فیه لعدم الشرط	اس پر اعتراض کیا گیا کہ اگر کوئی شخص بغیر گواہوں کے نکاح کرے پھر نکاح کے بعد اس پر گواہ قائم کردے تو وہ نکاح جواز کی طرف نہیں پلٹے گا حالانکہ اس صورت میں فساد صلب عقد میں نہیں، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہاں فلاں عدم شرط کی

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۴

فھو قوی کما لوکان فی صلب العقد الاتری ان من صلی بغیر طھارۃ ثم تطھر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ اھ [1] ملخصا۔	وجہ سے آیا ہے جو قوی ہے جیسا کہ صلب عقد میں فساد ہو تو قوی ہوتا ہے کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اگر کوئی شخص بلاطہارت نماز پڑھ لے پھر بعد میں طہارت کرلے تو اس کی نماز جواز کی طرف نہیں پلٹے گی اھ (ت)

اسی کے مثل فتح میں بھی ہے:

اقول: ویبتنی علی ان الشھود شرط الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاھر عامۃ کلماتھم وصرح فی الدر [2] وغیرہ انھم من شروط الصحۃ فیکون النکاح بلاشھود فاسدا لاباطلا واللہ تعالٰی اعلم. **ثم اقول:** بل الحق ان عدم شرط الانعقاد ومبطل لامفسد والکلام فی الفاسد فالسوال ساقط من اصلہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ گواہ نکاح میں شرط انعقاد ہیں اور کلمات فقہاء کاظاہر بھی اسی پر دلالت کرتا ہے اور در وغیرہ میں تصریح کی گئی کہ گواہ شرط صحت ہیں لہذا بغیر گواہوں کے نکاح فاسد ہوگا نہ کہ باطل، **واللہ تعالٰی اعلم۔ ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) بلکہ حق یہ ہے کہ شرط انعقاد کانہ پایا جاتا باطل کرنے والا ہے نہ کہ فاسد کرنے والا حالانکہ کلام فاسد ہونے میں ہے تو سرے سے سوال ہی ساقط ہے۔ (ت)

ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کاازالہ عقد کو صحیح کرسکے گا، بعد مجلس فساد متقرر ہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہ برسنے پر موجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر ہے جب تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرلے کہ بعد عمل انتہا ہے نہ کہ انتفاء جیسے حاجیوں کے آنے یا ہوائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط کو ساقط کردیا تو بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہوا، اور اگر حاجی آئے ہوائیں چلی گئی تو اب اسقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہوگیا بے فسخ عقد مرتفع نہ ہوگا، ہدایہ کی عبارت گزری، فتح القدیر میں عبارت مذکورہ پر ہے:

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶

تقییدہ بھذہ الأجال الاخراج نحو التأجیل بھبوب الریح ونزول المطر فانہ لواجل بھا ثم اسقطہ لایعود صحیحہ اتفاقا[1]۔	ماتن کا ان مدتوں کی قید لگانا ہواؤں کے چلنے اور بارش برسنے کی میعاد کو خارج کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ اگر ان کے ساتھ میعاد مقرر کی پھر اسے ساقط کردیا تب بھی بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوگی۔(ت)

شرح الطحطاوی للامام الاسبیجابی پھر حقائق شرح منظومہ نسفیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

البیع باجل مجھول لایجوز اجماعا سواء کانت الجھالۃ متقاربۃ کالحصاد والدیاس اومتقاربۃ الریح وقدوم واحد من سفرہ فان ابطل المشتری المتقارب قبل محلہ وقبل فسخ العقد انقلب البیع جائزا عندنا ولو مضت المدۃ قبل ابطال الاجل تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا،وان ابطل المشتری المتفاوت قبل التفرق ونقد الثمن انقلب جائزا عندنا ولوتفرقا قبل الابطال تاکد الفساد ولا ینقلب جائزا اجماعا[2] (مختصرا)	مدت مجہولہ کے ساتھ بیع بالاجماع ناجائز ہے چاہے جہالت متقاربہ ہو جیسے فصلوں کی کٹائی اور ان کو گاہنا،م یا جہالت متفاوتہ ہو جیسے ہواؤں کا چلنا اور کسی کا سفر سے واپس آنا،اگر مشتری نے جہالت متقاربہ والی میعاد کو متحکم ہونے اور فسخ عقد سے پہلے ختم کردیا تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوجائیگی اور اگر میعاد کو ختم کرنے سے پہلے مدت گزر گئی تو فساد پختہ ہوگیا اور بیع بالاجماع جائز نہ ہوگی،اور اگر مشتری نے جہالت متفاوتہ کو جدا ہونے سے قبل ختم کردیا اور ثمن ادا کردئے تو ہمارے نزدیک بیع جائز ہوگئی اور اگر جہالت کو ختم کرنے سے پہلے بائع اور مشتری ایک دوسرے سے جدا ہوگئے تو فساد متحکم ہوگیا اور اب بالاجماع جائز نہ ہوگی۔(مختصرا)(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

الاصل عندنا انہ ینظر الی الفساد فان کان قویا بان دخل فی صلب العقد وھو البدل والمبدل لایحتمل	ہمارے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ فساد کو دیکھا جائے گا اگر وہ قوی ہے یعنی صلب عقد میں ہے جو کہ بدل و مبدل ہے تو رفع مفسد کے ساتھ جائز ہونے کا

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

الجواز برفع المفسد کما قال زفر اذا باع عبدا بالف درہم ورطل من خمر فحط الخمر عن المشتری وان کان ضعیفا لم یدخل فی صلب العقد بل فی شرط جائز یحتمل برفع المفسد [1]۔	احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ امام زفر نے اس صورت کے بارے میں کہا کہ جب کوئی شخص ہزار درہم اور یک رطل شراب کے بدلے میں غلام فروخت کرے پھر مشتری سے شراب کو ساقط کردے اور اگر فساد وضعیف ہے یعنی صلب عقد میں داخل نہیں بلکہ شرط جائز میں پایا گیا تو اس صورت میں رفع مفسد کے ساتھ جواز عقد کا احتمال ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

منھا(ای من شرائط صحۃ البیع)ان یکون مقدور التسلیم من غیر ضرر یلحق البائع،فاذا باعاجذ عالہ فی سقف اواجرلہ فی حائط اوذرا عافی دیباج او کرباس لایجوز،فان نزعہ البائع اوقطعہ وسلمہ الی المشتری قبل ان یفسخ المشتری البیع جاز البیع حتی یجبر المشتری علی الاخذ لان المانع من الجواز ضرر البائع بالتسلیم فاذا سلم باختیارہ ورضاہ فقد زال المانع فجاز البیع ولزم،فرق بین ھذا وبین بیع الالیۃ فی الشاۃ الحیۃ والنوی فی التمروالزیت فی الزیتون والدقیق فی الحنطۃ والبزر فی البطیخ ونحو ھا انہ لا ینعقد اصلا حتی لو سلم لم یجزاولا صل المحفوظ ان لایمکن تسلیمہ الابضرریرجع الی قطع	صحت کی بیع کی شرائط میں سے یہ ہے کہ مبیع مقدور التسلیم ہو بغیر اس کے کہ بائع کو ضرر لاحق ہو،چنانچہ اگر کسی نے چھت میں لگی ہوئی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں یا ریشمی یا اونی کپڑے میں سے ایک گز فروخت کیا تو جائز نہیں پھر اگر بائع نے مبیع کو اکھاڑ یا ایا کاٹ دیا اور مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے پہلے مبیع مشتری کے حوالے کردیا تو بیع جائز ہوگئی یہاں تک کہ مشتری کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کو لے کیونکہ مانع جواز تو تسلیم کے سبب سے بائع کو لاحق ہونے والا ضرور تھا جبکہ بائع نے اپنی رضامندی اور اختیار سے تسلیم مبیع کردیا تو وہ مانع زائل ہوگیا اور بیع جائز اور لازم ہوگئی،فرق کیا گیا ہے درمیان مذکورہ صورت کے اور درمیان اس کے کہ زندہ دنبہ کی چکی، کھجور میں موجود گٹھلی زیتون میں موجود روغن، گندم میں موجود آٹا،تربوز میں موجود بیج اور اس طرح کی دیگر اشیاء فروخت کی جائیں کیونکہ ان میں سرے سے بیع منعقد ہی نہیں ہوتی یہاں تک اگر بائع مبیع کو مشتری کے حوالے بھی کردے تب بھی جائز نہ ہوگی اور اصل محفوظ یہ ہے کہ اگر

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واما شرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۶۸/۵

اتصال ثابت باصل الخلقة فبیعه باطل وما لایمکن تسلیمه الا بضرر یرجع الی قطع اتصال عارض فبیعه فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز ولقیاس علی هذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظهر الغنم لانه یمکن تسلیمه من غیر ضرر یلزمه بالحز الاانهم استحسنوا عدم الجواز للنص وهو ماروی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولان الجزء من اصله لایخلوعن الاضرار بالحیوان وموضع الجز فیمافوق ذٰلك غیر معلوم فتجری فیه النازعة فلایجوز [1] اھ ملتقطا **اقول:** فکان هذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقوله "جذ عاله فی مقف اوٰاجر له فی حائط" یحتمل المعین فلا فساد الامن جهة لزوم الضرر۔	تسلیم مبیع بائع کو ایسا ضرر پہنچے بغیر ممکن نہ ہو جو ضرر اصل خلقت سے ثابت شدہ اتصال کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع باطل ہوگی اور اگر تسلیم مبیع ایسے ضرر کے بغیر ممکن نہ ہو جو اتصال عارضی کے قطع کی طرف لوٹتا ہے تو بیع فاسد ہوگی مگر جب بائع اپنے اختیار سے قطع کرکے تسلیم مبیع کردے تو بیع جائز ہوجائیگی۔اور راس اصل پر قیاس کا تقاضا ہے کہ بکریوں کی پشت پر اگی ہوئی اون کی بیع جائز ہو کیونکہ اس میں تسلیم ممکن ہے بائع کو ضرور لاحق ہوئے بغیر جو بسبب اون کاٹنے کے لازم آتا ہے مگر فقہاء نے اس کے جائز نہ ہونے کو مستحسن قرار دیا اس نص کی وجہ سے جس کو سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا اور اس وجہ سے کہ اون کو جڑ سے کاٹنا حیوان کو ضرر پہنچانے سے خالی نہیں اور جڑ کے اوپر سے کاٹیں تو کاٹنے کی جگہ متعین نہیں لہٰذا اس میں جھگڑا پیدا ہوگا اس لئے ناجائز ہے الخ پس **میں کہتاہوں** کہ یہ مفسد کے دور نہ ہونے کے باب سے ہوگیا اور صاحب بدائع کا قول کہ "بائع نے چھت میں لگی شہتیر یا دیوار میں لگی ہوئی اینٹیں فروخت کیں" تو اس میں احتمال ہے کہ وہ شہتیر اور اینٹیں معین ہوں تو اس میں سوائے لزوم ضرر کے کسی اور جہت سے فساد نہ ہوگا۔(ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب البیوع فصل واماشرائط الصحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۶۷

بلکہ درمختار میں ہے:

(فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف) اما غیر المعین فلا ینقلب صحیحا ابن کمال (وذراع من ثوب یضرہ التبعیض) فلو قطع وسلم قبل فسخ المشتری عاد صحیحا ولو لم یضرہ القطع ککرباس جاز لانتفاء المانع[1]۔	چھت میں لگی ہوئی معین شہتیر کی بیع فاسد ہے رہی غیر معین تو اس کی بیع نہیں ہوسکتی (ابن کمال) اور جس کپڑے کو تبعیض نقصان دے اس میں سے ایک گز کی بیع فاسد ہے پھر اگر مشتری کے بیع کو فسخ کرنے سے قبل بائع نے اس کپڑے کو کاٹ کر مشتری کے سپرد کردیا تو بیع جائز ہوگئی اور اگر کاٹنا اس کو نقصان نہیں پہنچاتا تو مانع کے نہ ہونے کی وجہ سے بیع جائز ہے۔(ت)

مگر ردالمحتار میں ہے:

وھو ضعیف لانہ فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر الجھالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد وارتفعت الجھالۃ ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانہ یعود صحیحا[2] عـــہ	اور وہ ضعیف ہے کیونکہ غیر معین میں فساد بیع کی علت لزوم ضرر اور جہالت کو قرار دیا گیا تو جب بائع نے ضرر کو برداشت کرلیا اور مبیع مشتری کے سپرد کردیا تو مفسد زائل ہوگیا اور جہالت بھی جاتی رہی، یہی وجہ ہے کہ فتح میں اس پر جزم کیا گیا کہ بیع صحت کی طرف پلٹ آئے گی۔(ت)

عـــہ: جواب ناتمام ملا۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۸۔۹

باب البیع المکروہ
(بیع مکروہ کا بیان)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر ہو مکروہ وممنوع ہے، اور اگر غلہ دور سے خرید کرلائے اور بانتظار گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں،

فی العالمگیریة الاحتکار مکروہ وذلك ان یشتری ذلك یضر بالناس کذا فی الحاوی وان اشتری فی ذلك المصر وحبسه ولایضر باھل المصر لاباس به کذا فی التتارخانیة ناقلا عن التجنیس واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما الی المصر وحبسه و	عالمگیریہ میں ہے احتکار مکروہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ شہر میں غلہ خرید لے اور اس کو فروخت کرنے سے روک رکھے اور یہ روکنا لوگوں کے لئے نقصان دہ ہو یہ حاوی میں ہے اور شہر میں خرید کر اس کے بیچنے سے روکا مگر اس سے لوگوں کو ضرر نہیں پہنچتا تو کوئی حرج نہیں یونہی تاتارخانیہ میں تجنیس سے نقل کیا گیا ہے، اور اگر شہر کے قریب سے خریدا اور شہر میں اٹھالایا اور فروخت سے روک رکھا جبکہ

ذٰلك یضر باھله فھو مکروہ ھذا قول محمد وھو احدی الروایتین عن ابی یوسف وھو المختار ھکذا فی الغیاثیة وھو الصحیح ھکذا فی جواہر الاخلاطی، وفی الجامع الجوامع فان جلب من کان بعید واحتکر لم یمنع کذا فی التاتارخانیة [1]۔	اس سے شہر والوں کو ضرر پہنچتا ہے تو یہ مکروہ ہے یہ امام محمد علیہ الرحمۃ کا قول ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے بھی دوروایتوں میں سے ایک میں یہی آیا ہے، یہی مختار ہے، اسی طرح غیاثیہ میں ہے، اور یہی صحیح ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں مذکور ہے اور جامع الجوامع میں ہے کہ اگر کہیں دور سے اناج خرید کر کھینچ لایا اور شہر میں فروخت سے روک رکھا تو ممنوع نہیں، تتارخانیہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۰: از شہر کہنہ ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گیہوں خریدے فصل میں اور بقدر ضرورت اپنے اہل وعیال کے لئے رکھ لئے، اور باقیماندہ ماہ اساڑھ میں فروخت کردئے اس شکل میں زید مواخذہ دار ہوا یانہیں؟

الجواب:

بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گیہوں فصل پر خریدنے اور بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں زمانوں میں نرخ کا اختلاف معمولی طورپر ہمیشہ ہوتا ہے، ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ اور ماخوذ گناہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱ تا ۹۲: از بریلی محلّہ ذخیرہ جناب مقبول الرحمٰن خاں

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار پائی وہ معاملہ بیع طے ہوگیا اور قبضہ مکان پر مشتری کو بعد تحریر مسودہ بیعنامہ کردینے دستخط کے دے دیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیعنامہ تحریر ورجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی محلّہ کا جو پہلے خریداری سے انکار کرچکا تھا اب ایک سو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور قبضہ ہنوز اس شخص کا ہے جس سے پہلے بائعان کی گفتگو بیع کی طے ہوچکی ہے اور اس کے قبضہ میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے، ایسی صورت میں کون سی بیع شرعا جائز ہے اور جو بیع شرعی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع فصل فی الاحتکار نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۱۳

پر راضی نہ ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال واطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اس کو حق اہل محلّہ کے پڑوسی ہونے کا حاصل ہو گیا یا نہیں؟ اور اگر حاصل ہو گیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اس کو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دوسرے کا اب بیع سے تعرض کرنا، قیمت بڑھانا، اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے۔

فقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن سوم الرجل علی سوم اخیہ[1] **فضلا عن الصورۃ المذکورۃ فی السوال۔**	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے بھائی کے سودا پر سودا کرے چہ جائیکہ سوال میں مذکورہ صورت ہو۔ (ت)

مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا ظلم ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الظلم ظلمات یوم القیمۃ**[2]۔ ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائے گا۔

اور قرآن عظیم میں ظالموں پر لعنت فرمائی اور ہمسایہ ظلم اور بھی سخت اشد کبیرہ ہے، بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے شرعاً بیع ہو چکی رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعاً اصلاً ضرور نہیں، اور اس دوسرے شخص پر فرض ہے اس ظلم سے باز آجائے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۳: از چاندپور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عندالموقع بشرح نرخ بازار فروخت کر دیا جائے اس کا منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب:

صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہ حلال وجائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۱۱

[2] مسند احمد بن حنبل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۰۶

حرام کہتاہے، حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلہ خود خریدلے اور بند رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہو جائے، اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تونہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے، اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورت سوال میں ہے تو اصلا کراہت بھی نہیں۔ درمختار میں ہے:

کرہ احتکار قوۃ البشر والبھائم فی بلد یضر باھلہ فان لم یضر لم یکرہ [1]۔	انسانوں اور چوپایوں کی خوراک مہنگا بیچنے کی غرض سے ایسے شہر میں روک رکھنا مکروہ ہے جس کے باشندوں کو اس روکنے سے ضرر پہنچے اور اگر ضرر نہ ہو تو مکروہ نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اثم بانتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء للمسلمین [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مہنگائی اور قحط سالی کے انتظار میں غلہ کو روک رکھنے سے گنہگار ہوا کیونکہ اس میں مسلمانوں کے لئے بدخواہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴: از ضلع فریدپور مرسلہ حافظ عنایت علی وکفایت علی ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ

جناب مولانا احمد رضاخاں صاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف، احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم مبلغ بیس ۲۰ روپے کے ساڑھے نوسیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتاہے اور گندم کا نرخ بازار میں ساڑھے گیارہ سیر وبارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتاہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر وبارہ سیر فروخت کرکے اپنا کام نکال لیتاہے اور جو شخص گندم ادھار دیتاہے اس کے مکان پر گندم نہیں بازار سے خرید کردیتاہے، دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے مانگتاہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتاہے اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس لئے جائیں گے جیسا کچھ ارشاد فرمائیں۔

الجواب:

یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے، **کما فی الفتح وردالمحتار** (جیسا کہ فتح اور ردالمحتار میں ہے۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۶

باب بیع الفضولی

(فضولی کی بیع کے احکام)

مسئلہ ۹۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملا تھا بلااجازت ہندہ بیع کیا اور اپنے صرف میں لایا، آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیار مطالبہ حاصل ہے یا نہیں؟ اور زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز جو والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا ہے ملک ہندہ کی ہے یا زید کی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز کہ والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلاوجہ ملک ہندہ ہے زید کو اس میں کچھ حق نہیں۔

فی الدرالمختار جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده ان سلمها ذلك فی صحته بل تختص به، وبه يفتی [1]۔	درمختار میں ہے کہ باپ نے بیٹی کو جہز دیا اور بیٹی کے قبضہ میں دے دیا تو اب نہ تو وہ خود واپس لے سکتا ہے نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثاء واپس لے سکتے ہیں جب کہ اس نے یہ جہیز حالت صحت میں دیا ہو بلکہ اس جہیز کی ملکیت بیٹی کے ساتھ مختص ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

پس وہ بیع کہ زید نے کی بلااجازت ہندہ نافذ نہیں ہوسکتی، اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھر سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سوروپے کے قیمت کے تھے چھ سوروپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے، بعد پندرہ روز کے بعد ہندہ مرگئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالٰی ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ تو برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں

فی التلویح لوباع من احد الورثۃ عیناً من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلایجوز عند ابی حنیفۃ [1] اھ ملخصا **واللہ تعالٰی اعلم۔**	تلویح میں ہے اگر اشیاء ترکہ میں سے کوئی خاص شیئ کسی نے اپنے وراث کے ہاتھ برابر قیمت پر فروخت کی تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں ہے اھ ملخصا، **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۹۷:

مثلازید یک مکان بلااجازت عمروخریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت وزرثمن آں نیز خود دادہ اقرارہم کردہ ماند کہ ایں مکان عمروست بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان درسفر بود درانجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ واقرار مذکور در خواستند وزید بحکم حاکم تفویض وتسلیم	مثال کے طورپر زید نے ایک مکان اپنے بھائی عمرو کی اجازت کے بغیر خرید کر اس کا بیعنامہ عمرو کے نام لکھوادیا اور اس کا زرثمن بھی خود ہی دے کر اقرار کیا کہ یہ مکان عمرو کا ہے، بعد میں جب عمرو جو مکان کی خریداری کے وقت سفرپر تھا وہیں فوت ہوگیا تو عمرو کے وارثوں نے بیعنامہ اور اقرار مذکورہ کی وجہ سے حاکم کی مدد کے ذریعے زید سے مکان کا مطالبہ کیا اور زید حاکم کے حکم پر

[1] التلویح مع التوضیح فصل فی الامور المعترضۃ علی الاھلیۃ منہا المرض نورانی کتب خانہ قصہ خانی پشاور ص ۶۶۳

ایشاں کردپس الحال زید مستحق یافتن زرثمن کہ درعدالت دادن زید ثابت گردید از ورثاء عمرو ہست یا بوجہ اقرار بر ملکیت عمرو بسبب مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زرثمن مکان ازاں عمرو ست، **بینوا توجروا**	وہ مکان ان کے حوالے کردیا، توکیا اب زید وہ زرثمن عمرو کے وارثوں سے پانے کا حقدار ہے جس کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے یامکان مذکور پر عمرو کی ملکیت کااقرار کرنے کی وجہ سے اس بات کا بھی اقرار ہوگیا کہ مکان کہ زرثمن میں دیا گیا روپیہ بھی اسی عمرو کی طرف سے ہے، بیان کرو اجر پاؤگے۔(ت)

الجواب:

شرعا درصورت مسؤل فیہا زید مستحق یافتن زرثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از روثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است، واقرار زید بمکان برائے عمرو کہ ہمچوں صورت خرید درغیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمو عموما خصوص بحالیکہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بریک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقربہ کہ جزء تابع آں نباشد نمے شود وزرثمن کہ چیزے منفصل وعلیحدہ از مکان مقربہ است بجہت نبودن جزء مکان ومرکب نبودنش دراں تابع مکان نیست پس داخل دراقرار مکان عموما خصوص درحالیکہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریہ مقبوضہ ذات	صورت مسئولہ میں عمرو کے ورثاء کو مکان سپرد کرنے کے بعد زید ان سے وہ زرثمن حاصل کرنے کا شرعی طور پر مستحق ہے جس زرثمن کی زید کی طرف سے عدالت میں ادائیگی ثابت ہے، اور زید کا یہ اقرار کہ مکان عمرو کے لئے ہے جیسا کہ خریداری کی صورت میں عمرو کی عدم موجودگی میں اپنے پاس سے ثمن ادا کرنا بایں معنی کہ مکان کی خریداری عمرو کے لئے ہے اس بات کا اقرار عموما نہیں ہوسکتا کہ ثمن عمرو کی ملکیت تھے خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے اپنے پاس سے ثمنوں کی ادائیگی کا کہا بھی ہو (تو بدرجہ اولی ثمنوں کا ملک عمرو ہونا ثابت نہ ہوگا) کیونکہ ایک چیز کا اقرار کسی دوسری ایسی چیز کا اقرار نہیں ہوسکتا جو اس چیز سے منفصل ہو جس کا اقرار کیا گیا ہے اور اس کی تابع جزء نہ ہو، اور ثمن اس مکان سے منفصل اور علیحدہ چیز ہے جس مکان کا اقرار زید نے عمرو کے لئے کیا ہے لہذا اس مکان کی جزء نہ ہونے اور اس کے ساتھ مرکب نہ ہونے کی وجہ سے زرثمن مکان کے تابع نہیں چنانچہ بالعموم اقرار مکان میں داخل نہ ہوسکے گا

ولد واقرار بصندوق محمولہ متاع و اقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع ودواب کہ اقرار بولد جاریہ ومتاع صندوق ومتاع دار ودواب از ہمیں علت جامعہ یعنی از جہت نبودن ہر یکے ازاں جزو تابع مقربہ نمے شود در فتاوٰی قاضیخان نوشتہ **رجل فی یدیہ جاریۃ وولدہا فقال ان الجاریۃ لفلان لایدخل فیہ الولد** [1] الخ۔ ودر محیط نوشتہ (عبارت منقول بر ہامش در مختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا واگر نیک غور کردہ آید ہمیں مضموم یعنی داخل نبودن ثمن غیر مقربہ در اقرار مکان ولازم نبودنش بر مقران از ھدایہ وعینی وغیرہما بقیہ ماقربہ در عبارت **لزمہ اقرارہ مجھولہ کان ما اقربہ اومعلوما** [2] **والاقرار ملزم علی المقر ما اقربہ** [3]۔ واضح مے شود چوں ثمن غیر مقربہ داخل در اقرار مکان نمی تواند شد

خصوصا اس حال میں کہ جب زید نے یہ کہہ بھی دیا ہے کہ ثمن میں اپنے پاس دے رہا ہوں یہ ایسے ہی ہوگیا جیسے کوئی شخص اولاد والی مقبوضہ لونڈی کے بارے میں اقرار کرے یا اس صندوق کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان ہو یا ایسے گھر کے بارے میں اقرار کرے جس میں سامان اور چوپائے ہوں تو یہ اقرار لونڈی کی اولاد، صندوق میں رکھے ہوئے سامان اور گھر میں موجود سامان اور چوپایوں کو شامل نہ ہوگا اسی علت جامعہ کی وجہ سے یعنی اس وجہ سے کہ ان میں کوئی بھی ان چیزون کی جزء وتابع نہیں جن کے بارے میں اقرار کیا گیا، فتاوٰی قاضی خاں میں لکھا ہوا کہ ایک شخص کے قبضہ میں لونڈی اور اس کی اولاد ہو اور وہ کہے کہ یہ لونڈی فلاں شخص کی ہے تو لونڈی کی اولاد اس اقرار میں داخل نہ ہوگی الخ۔ اور محیط میں مرقوم ہے (عبارت برہامش درمختار ص ۴۸۲) انتہی ملتقطا اور اگر خوب غور کیا جائے تو یہی مضمون یعنی غیر اقرار شدہ ثمنوں کا اقرار مکان میں داخل نہ ہونا اور مکان کا اقرار کرنیوالوں پر ثمن کا لازم نہ ہونا ہدایہ اور عینی وغیرہ میں مذکور ماقربہ (جس کا اس نے اقرار کیا) کی قید سے حاصل ہوتا ہے جو قید انھوں نے ان عبارتوں میں لگائی کہ مقر پر اس کا اقرار لازم ہو جاتا ہے چاہے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی الاستثناء نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۳
[2] الہدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۲۹
[3] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاقرار المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمہ ۳/ ۷۷۴، فتح القدیر کتاب الاقرار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/

پس زید کہ مکان مذکور آں بلااجازت عمرو بنام او خریدہ زرِ ثمن آں از نزد خود بجہت مباشر بودن معاملہ خرید ومضطر بودن دراداۓ ثمن کہ دینے واجب الادا بود ببائع آں نمود ورثہ عمرو آں مکان را بعد حکم حاکم بر تسلیم زید در قبض خود درآوردند بے شبہہ زید مستحق یافتن زرِ ثمن ادا کردہ خود از ورثہ عمرو است واحتمال تطوع وتبرع در ہمچوں حالت اضطرار اداۓ ثمن مفقود کہ شرعاً مضطر باداۓ دین ذمگی کسے بہ نہجیکہ باشد ہرگز متطوع ومتبرع قرار دادہ نمی شود چنانچہ ازیں روایت معتبرہ شرح حموی ظاہر ست **لو قضی واحد من الورثۃ حق الغریم من مالہ علی ان لایرجع فی الترکۃ فالقاضی لاینقض القسمۃ بل یمضیھا اما اذا شرط الرجوع او سکت فالقسمۃ مردودۃ الا ان یقضوا حق الوارث الذی قضی حق الغریم من مالہ وھذا الجواب**

وہ شے جس کا اس نے اقرار کیا معلوم ہو یا مجہول، مقر پر لزوم اس کے اقرار کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جب غیر اقرار شدہ ثمن مکان کے اقرار میں داخل نہیں ہوسکتے تو پھر زید نے جو مکان عمرو کی اجازت کے بغیر اس کے نام پر خریدا اور زرِ ثمن اپنے پاس سے اس لئے بائع کو دیا کہ وہ خریداری کے معاملہ میں مباشر تھا اور ثمن جو کہ واجب الادا دین ہے کی ادائیگی میں مجبور تھا اور حکم حاکم کے بعد زید کی سپردگی سے عمرو کے ورثاء نے وہ مکان اپنے قبضہ میں لے لیا تو اب زید بلا شبہ عمرو کے ورثاء سے اس زرِ ثمن کو وصول کرنے کا مستحق ہے جو اس نے اپنے پاس سے ادا کیا ہے اور اس طرح کی اضطراری حالت میں ثمن کی ادائیگی میں تطوع و تبرع (بطور احسان ادا کرنا) کا احتمال موجود نہیں کیونکہ کسی کے ذمے لازم قرض کی ادائیگی میں اگر کوئی شخص کسی طرح مجبور ہو تو شرعی طور پر اس قرض ادا کرنے والے شخص کو تطوع و تبرع کرنے والا ہرگز قرار نہیں دیا جاتا، جیسا کہ شرح حموی کی اس معتبر روایت سے ظاہر ہے اگر کسی وارث نے اپنے مال سے کسی قرض خواہ کا حق ادا کردیا اس شرط پر کہ وہ ترکہ میں سے قرض کا رجوع نہیں کرے گا تو قاضی تقسیم کو نہیں توڑے گا بلکہ اس کو قائم رکھے گا اور اگر اس نے ترکہ سے رجوع کی

ظاہر فیما اذا شرط الرجوع مشکل فیما اذا سکت، وینبغی ان یجعل متوطعا اذااسکت و الجواب انہ لم یجعل متطوعا لانہ مضطر فی القضاء[1] انتھی۔ وبرائے ثبوت استحقاق زید بہ نسبت یافتن زر ثمن از ورثہ عمرو کہ مکان خریدہ زید رابعد حکم حاکم بہ تسلیم زید باوصف ثبوت ادائے ثمن ازاں زید بقبضہ ایشاں دررسیدہ ایں روایت ہدایہ وعنایہ ونتائج وغیرہ کنایت میکند وھی ھذہ ومن قال الاخر بعنی (منقول ھامش الدر من باب الفضولی) الا ان یسلمہ المشتری لہ ای الاان یسلمہ المشتری لہ العبد المشتری لاجلہ الیہ ویجوز ان یکون معناہ الاان یسلم فلانا العبد المشتری لاجلہ وفاعل یسلم ضمیر یعود الی المشتری بناء علی الروایتین بکسر الراء وفتحھا فیکون بیعا و علیہ العھدۃ ای علی	شرط لگائی یا خاموش رہا تو تقسیم مردود ہوگی تاوقتیکہ ورثاء اس وارث کا حق ادا کردیں جس نے قرضخواہ کا حق اپنے مال سے ادا کیا، یہ حکم شرط رجوع والی صورت میں ظاہر اور سکوت والی صورت میں شکل ہے چنانچہ خاموش رہنے کی صورت میں اس وارث کو متطوع قرار دینا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو متطوع اس لئے قرار نہیں دیا گیا کہ وہ قرض کی ادائیگی میں مجبور تھا انتھی، زید کا خریدا ہوا مکان حکم حاکم پر زید کے سپردگی کے بعد جب ورثاء عمرو کے قبضہ میں پہنچ گیا باوجودیکہ زید کی طرف سے زر ثمن کی ادائیگی ثابت ہے تو اب ورثاء عمرو سے زید کے زر ثمن کے مستحق ہونے کے ثبوت کے لئے ہدایہ، عنایہ اور نتائج کی یہ روایت کافی ہے جو کہ یہ ہے اور جس شخص نے دوسرے کو کہا کہ مجھ پر فروخت کر الخ (منقول از حاشیہ درمختار، باب الفضولی) مگر یہ کہ مشتری غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا یعنی سوائے اس کے بیع جائز نہ ہوگی کہ مشتری خریدا ہوا غلام اس کے حوالے کردے جس کے لئے اس نے خریدا اور ممکن ہے کہ معنٰی یوں ہو مگر اوقت بیع جائز ہوگی جب مشتری خریدا ہوا غلام اس فلاں کے سپرد کردے جس کی خاطر وہ غلام خریدا گیا اور یسلم کا فاعل ضمیر ہو جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے، یہ اختلاف دو روایتوں پر مبنی ہے مشتری کی راء پر کسرہ اور فتحہ

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القسمۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۹۵۔۹۴

فلان عهدة الاخذ بتسليم الثمن لانه صار مشتريا بالتعاطی کالفضولی اذااشتری لشخص ثم سلمه المشتری لاجله.[1] عناية الا ان يسلم المشتری له روی لفظ المشتری بروايتين بكسر الراء وفتحها فعلى الكسر يكون المشتری فاعلا ،وقوله له ای لاجله ويكون المفعول الثانی محذوفا وهو اليه.فالمعنى الا ان يسلم الفضولی العبد الذی اشتراه لاجل فلان اليه،وعلى الفتح يكون المشتری له مفعولا ثانيا بدون حرف الجر وحو فلان،ويكون الفاعل مضمرا يعود الى المشتری فالمعنى الا ان يسلم الفضولی العبد الى المشتری له وهو فلان،ثم ان هذا الاستثناء من قوله لم يكن [2] الخ(منقوله هامش الدر من الفضولی)الخ	کے ساتھ تو اس طرح یہ نئی بیع ہوگی اور اس کی یعنی فلاں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثمن ادا کرکے اس کو لے لے کیونکہ وہ تعاطی کے ساتھ مشتری ہوگیا ہے اس فضولی کی طرح جو کسی شخص کے لئے کچھ خریدے وہ چیز اس کے حوالے کردے جو اس کے لئے خریدی گئی (عنایہ) مگر یہ کہ مشتری وہ غلام اس کے حوالے کردے، لفظ مشتری دو طرح سے روایت کیا گیا راء کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ، کسرہ کی صورت میں مشتری فاعل ہوگا اور ماتن کا قول له کا بمعنی لاجله ہوگا اور مفعول ثانی محذوف ہوگا جو کہ الیه ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ فضولی (مشتری) وہ غلام جو فلاں کی وجہ سے اس نے خریدا وہ فلاں کے حوالے کردے،اور فتحہ کی صورت میں مشتری له بغیر حرف جر کے مفعول ثانی ہوگا اور مشتری له وہ فلاں ہی ہے اور یسلم کا فاعل وہ ضمیر ہوگی جو مشتری کی طرف لوٹتی ہے تو اس طرح عبارت مذکورہ کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ وہ فضولی (مشتری) غلام کو مشتری له (جس کے لئے خریدا گیا) کے حوالے کردے اور وہ یعنی مشتری له وہ فلاں ہی ہے، پھر یہ استثناء ماتن کے قول لم یکن الخ سے ہے (منقول از حاشیہ در

[1] العناية على ہامش فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكاله فی البيع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۵۱و۵۲

[2] نتائج الافكار وهی تكمله فتح القدير كتاب الوكالة باب الوكاله فی البيع والشراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر۷/ ۵۱و۵۲

نتائج، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ احکم المجیب المدعو بمحمد فقیر اللہ الغنی عفی عنہ ارسلہ الی سید مولٰنا شاہ علی باھتمام تام للتصدیق لمنتصف جمادی الاولی ۱۲۹۵ھ۔	باب الفضولی) نتائج، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم بہت مضبوط ہے، مجیب فقیر محمد فقیر اللہ نے اس کو سید مولٰنا شاہ علی کے پاس پورے اہتمام کے ساتھ تصدیق کے لئے ارسال کیا نصف جمادی الاولٰی ۱۲۹۵ھ (ت)
اقول: حاصل الجواب امران الاول انہ انما اقر بالدار دون الثمن وکان مضطر الی قضائہ فیرجع ولایجعل تبرعا، الثانی انہ لما سلم الدار الی ورثۃ عمرو صار بیعا مبتہ ابالتعاطی فکان عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن علیھم وانت تعلم ان بین الامرین تباینا وتنافیا وعندی الجواب لیس کما قال لان زیدا اما ان یکون قال عند الشراء اشتریتہ لفلان اوقال لی اولا ولا علی الاول کان فضولیا یتوقف نفاذ شرائہ علی اجازۃ من اشتری لہ وقد مات قبل ان یجیز فبطل واستبان ان المبیع للبائع و الثمن للفضولی المشتری الذی اداہ من عندہ، فلا شیئ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جواب کا حاصل دو امر ہیں: پہلا یہ کہ زید نے مکان کا اقرار کیا نہ کہ ثمن کا اور وہ ثمن کی ادائیگی میں مجبور تھا لہٰذا وہ رجوع کرے گا اور اس کو تبرع قرار نہیں دیا جائے گا، دوسرا امر یہ ہے کہ زید نے جب مکان ورثاء عمرو کے حوالے کر دیا اور یہ تعاطی کے ساتھ نئی بیع ہوئی تو اب ثمن ادا کرکے اس کو لینا عمرو کے ورثاء کی ذمہ داری ہے اور تو جانتا ہے کہ ان دونوں امروں میں مخالفت ومنافات ہے، اور میرے نزدیک اس کا جواب اس طرح نہیں جس طرح میرے مجیب نے کہا اس لئے کہ زید نے خریداری کے وقت یا تو یہ کہا ہے کہ میں نے یہ مکان فلاں کے لئے خریدا ہے یا یہ کہا کہ یہ میرے اپنے لئے ہوگا یا ایسا اس نے نہیں کیا، پہلی صورت میں وہ فضولی ہے اور اس کی خریداری کا نفاذ اس کی اجازت پر موقوف ہوگا جس کے لئے اس نے یہ مکان خریدا حالانکہ وہ اجازت سے قبل مرگیا ہے تو بیع باطل ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ مبیع بائع کی ملک اور ثمن اس فضولی مشتری کی ملک ہے جس نے اپنے پاس سے ادا کیا، چنانچہ

لعمرو ولالورثته وحکم الحاکم لهم لایعتبر بل یرد و یفسخ لانه قضی لهم بمال الغیر والاقرار باطل لانه اقرار بملك الغیر نعم ان انتقل الیه بعد بوجه من الوجوه اخذ باقراره فاذ ارفع الامر الی القاضی وجب ان یرد قضاؤه لظهور خطائه من جهة الشرع، وهذا التعاطی ایضا لایجوز ان یکون بیعا مبتداءً اذا لفضولی لاحق له فی المبیع وان کان کان بیع فضولی متوقفا علی اجازة البائع الاول، فان اجاز کان الثمن له لاللفضولی والا یسترد الدار من الورثة ویرد الثمن علی الفضولی، وعلی الثانیین نفذ الشراء علی الفضولی لعدم الاضافة، الی من اشتراها لاجله، ثم انه مواخذه باقراره وقد قضی القاضی للورثه بالدار محتجین بالاقرار ففیم یرجع علیهم بالثمن و ان ثبت عندا لقاضی انه انما شراه بثمنه	عمرو اور اس کے وارثوں کے لئے کچھ بھی نہیں اور ان کے حق میں حاکم نے ان کے لئے ملک غیر کا حکم کیا ہے اور اقرار باطل ہے کیونکہ یہ ملک غیر کا اقرار ہے، ہاں اگر اس کے بعد کسی طرح وہ مکان زید کی طرف منتقل ہو جائے تو وہ اس کے اقرار کے سبب سے لے لیا جائے گا، اور اگر یہ معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو اس پر پہلے فیصلے کو رد کر دینا واجب ہے کیونکہ شریعت کی جہت سے اس کی خطاء ظاہر ہو چکی ہے اور اس تعاطی کا نئی بیع ہونا بھی جائز نہیں کیونکہ فضولی کا مبیع میں کوئی حق نہیں اور اگر نئی ہوئی بھی تو ایسی بیع فضولی ہوگی جو بائع اول کی اجازت پر موقوف ہوگی اگر اس نے اجازت دے دی تو ثمن اس کے لئے ہوں گے نہ کے فضولی کے لئے، اور اگر اس نے بیع کو رد کر دیا تو مکان عمرو کے وارثوں سے واپس لے لیا جائے گا اور ثمن فضولی کو لوٹا دئے جائیں گے، دیگر دونوں صورتوں میں خریداری فضولی پر نافذ ہوئی کیونکہ اس نے اس شخص کی طرف اضافت نہیں کی جس کے لئے اس نے گھر خریدا پھر بسبب اس کے اقرار کے وہ ذمہ دار ہو گیا اور قاضی نے ورثاء عمرو کے حق میں فیصلہ دیا جو زید کے اقرار کو دلیل بنا رہے ہیں تو اب زید (فضولی) ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو پر کس وجہ سے رجوع کرے گا اور اگر قاضی کے ہاں ثابت

لما وقع عندالشراء فی محکمة القضاء ولم لم یستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذلیس معنی المؤاخذة بالاقرار ان یقضی بالمقربه للمقرله ویرجع المقر بالثمن بناء علی انه کان اشتراه اذ فی الاقرار لاینظر الی الواقع انما یواخذ الرجل بزعمه لاحتمال انه کان اشتراه ثم حدث سبب فصار ملکا للمقرله وان ادعی انه انما اقر بنا علی زعمه ان اشراءه لاینفذ علیه فهذه کلمة هو قائلها لاتقبل منه لما فی الاشباه اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل الا اذااقر بالطلاق اذا اقر به بناء علی ماافتی به المفتی [1]۔ ثم ظهر ان الحکم لیس کذلك فادعی الخطاء بناء علی هذا قبل وکذا ان ادعی ان اقراره کان تملیکا وہبة وبطلت لموت عمرو	ہوجائے کہ زید نے وہ مکان عمرو کے ثمن سے خریدا ہے تو اہل شرع خریداروں کے نزدیک یہ معاملہ محکمہ قضاء کے تحت داخل نہ ہوگا اگرچہ کسی کے شے مکان کا اقرار کرنا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ مکان اس کے ثمن سے خریدا گیا ہے کیونکہ کسی شخص کو اس کے اقرار کے سبب پکڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ اقرار والی شے کا فیصلہ اس شخص کے لئے کیا جائے جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے اور پھر اقرار کرنے والا اس بناء پر مقرلہ سے ثمن کے بارے میں رجوع کرے کہ اس اقرار کرنے والے نے یہ شے خریدی تھی اس لئے کہ اقرار میں واقع کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ اقرار کرنے والا اپنے گمان / قول کے سبب سے پکڑا جاتا ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اقار کرنے والے نے اس شیئ کو خریدا ہو پھر کوئی ایسا سبب پیدا ہوگیا ہو جس سے وہ شے مقرلہ کی ملکیت منتقل ہوگئی ہو، اور اگر اقرار کرنے والا یہ دعوٰی کرے کہ اس نے یہ شیئ (مقربہ اس خیال سے خریدی تھی کہ اس کی خریداری مجھ پر نافذ نہ ہوگی تو یہ محض اس کا ایک قول ہے جس کو قبول نہیں کیا جائے گا، اس دلیل کی وجہ سے جو اشباہ میں کہ ایک شخص نے کسی چیز کا اقرار کیا پھر اس میں خطاء کا

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱۔۲۰

قبل القبول والتسلیم فان الموت احد العاقدین یبطل الھبة اذا کان قبل التسلیم فقبل القبول ــــــف ـــــابی لم تقبل ایضاً صرح به فی الاشباہ ثم ھذا التسلیم الواقع بامر القاضی انما وقع علی حکم الاقرار لاعلی وجه البیع والتسلیم لایکون بیع التعاطی الااذا وقع علی جھته قال فی الدر فی باب الوکالة بالبیع والشراء لان التسلیم علی وجه البیع بیع بالتعاطی [1] الخ۔ وایضاً یعتمد البیع بالتراضی و ھھنا التسلیم بامر القاضی ولا رضاء بعد القضاء ھذا ماظھر لی من وجوہ الخلل فی الجواب فالحق فی الجواب ما	دعوٰی کیا تو یہ دعوٰی قبول نہیں کیا جائے گا سوائے طلاق کے کہ جب کسی شخص نے مفتی کے غلط فتوٰی کی بناء پر طلاق کا اقرار کرلیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے چنانچہ اس وجہ سے اس نے خطاء کا دعوی کیا تو قبول کرلیا جائے گا اور یہی حکم ہوگا کہ اگر زید نے دعوی کیا کہ اس کا اقرار تو تملیک اور ہبہ تھا اور وہ قبول و تسلیم سے عمرو کے فوت ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوگیا ہے کیونکہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جبکہ تسلیم سے پہلے موت واقع ہوئی ہے .... پھر قاضی کے حکم سے واقع ہونے والے یہ تسلیم بطور بیع نہیں بلکہ اقرار کی بنیاد پر ہے اور تسلیم جب تک بطور بیع نہ ہو وہ بیع تعاطی نہیں ہوسکتی در میں بیع و شراء کی وکالت کے باب میں ہے کہ بیشک بیع کے طور پر ہونے والی تسلیم بیع تعاطی ہے الخ۔ نیز بیع کی بنیاد تو باہمی رضامندی پر ہوتی ہے جبکہ یہاں قاضی کے حکم سے تسلیم ہوئی اور قضاء کے بعد رضا نہیں ہوتی، یہ مجیب کے جواب میں واقع ہونے والے خلل کی وجوہات تھیں جو میرے لئے ظاہر ہوئیں اور جواب میں حق وہ ہے جو

[1] درمختار کتاب الوکالة باب الوکالة بالبیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۶

ف: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

اقول: ان ثبت انه لم یکن اضاف الشراء الی عمرو حین اشتری ولو استکتب اسمه فی الصك بعد تمام العقد ووقوع الایجاب و القبول فلا شك ان الشراء ینفذ علیه فتصیر الدار ملکا له ثم یواخذه باقرارہ کما قضی القاضی ولا یمکنه الرجوع علی الورثة بالثمن وان تثبت الاضافة اذ ذاك کان شراء متوقفا ثم بطل لموت عمر وقبل الاجازة قال فی الدر فی حق بیع الفضولی لاتجوز اجازة وارثه لبطلان بموته[1] وکذا فی عامة الکتب فکذا شراءہ لاجرم ان قال فی الاشباہ الموقوف یبطل بموت الموقوف علی اجازته ولا یقوم الوارث لوارث مقامه الا فی القسمة کذا فی الولوالجیة[2] انتهی فلم یکن للورثة حق فی الدار ولا فی الثمن	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اگر ثابت ہوجائے کہ زید نے مکان خریدتے وقت خریداری کو عمرو کی طرف منسوب نہیں کیا اگرچہ ایجاب وقبول کے وقوع اور عقد کے انعقاد کے بعد بیعنامہ میں اس کا نام لکھوادیا ہے تو بیشک یہ شراء زید پر نافذ ہوگی اور مکان اس کی ملک ہوگا پھر اس کے اقرار کلی وجہ سے وہ مکان اس سے لے لیا جائے گا جیسا کہ قاضی نے فیصلہ کیا ہے اس صورت میں وہ ثمن کے بارے میں ورثاء عمرو سے رجوع نہیں کرسکتا اور اگر بوقت خریداری عمرو کی طرف نسبت کرنا ثابت ہوجائے تو یہ شراء موقوف ہوئی جوکہ عمرو کی قبول از اجازت موت کے سبب سے باطل ہوچکی، در میں فضولی کی بیع کے بارے میں فرمایا کہ اس کے وارث کی اجازت سے جائز نہ ہوگی کیونکہ وہ بیع اس (صاحب متاع) کی موت کی وجہ سے باطل ہوچکی ہے اور اسی طرح عام کتابوں میں ہے تو یقینا اسی طرح فضولی کی شراء کا حکم ہوگا، اشباہ میں کہا کہ موقوف بیع اس شخص کی موت سے باطل ہوتی ہے جس کی اجازت پر وہ موقوف تھی اور اس کا وارث اس کے قائم مقام نہیں ہوتا سوائے قسمت کے جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے انتہی، لہٰذا ورثاء عمرو کا نہ تو مکان میں کوئی حق ہے نہ ہی ثمن میں اور

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[2] الاشباہ والنظائر کتاب البیوع الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۰

فاذ ارفع الامرا الی القاضی وجب ان یرد قضاؤہ لما تبیین من خطائہ بحکم الشرع فان ادعی البائع ردت الدار الیہ والثمن الی المشتری ولا شیئ للورثۃ ھذا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔	جب قاضی کے پاس معاملہ لے جایا گیا تو اس کی قضا کو رد کرنا واجب ہے کیونکہ شرع کی جانب سے اس کی خطاء ظاہر ہوچکی ہے چنانچہ اگر بائع دعوٰی کرے تو مکان اس کو اور ثمن مشتری کو لوٹا دئے جائیں گے ورثاء عمرو کے لئے کوئی شیئ نہ ہوگی اسے خوب یاد رکھو واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۹۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے نام کہ وہ بھی بالغ تھا لکھادئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خاندان کے روبرو کہا کہ یہ مکان میں نے اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں ان کا کوئی مالک نہیں اور بعد خریداری خلاد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دے دی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی کی مرضی پر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کو زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے، ان مکانوں کے میں اور زوجہ وپسر ودختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کردہ ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلا نہ تھا اس صورت میں مالک مکانوں کا کون ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگر خریدتے وقت عقد بیع وشراء مالکان مکان وزید سے بنام خالد وقوع ہوا تھا تو شراء شرائے فضولی تھا اور اجازت خالد پر موقوف،

فی الدار المختار لو اضافہ (یعنی اضاف المشتری الفضولی الشراء الی غیرہ) بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال البائع بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرھا[1] اھ۔ فی ردالمحتار علی اجازۃ من شری لہ فان اجاز جازو عھدتہ علی المجیز لاعلی	درمختار میں ہے کہ اگر فضولی مشتری نے شراء کی نسبت کسی غیر کی بایں طور کہ یوں کہا یہ غلام فلاں کے لئے فروخت کر، بائع نے کہا میں نے فلاں کے لئے فروکت کیا، تو یہ شراء موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ۔ ردالمحتار میں ہے کہ اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوگی جس کے لئے فضولی نے خریداری کی اگر وہ اجازت

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

العاقد[1]۔	دے گا تو یہ شراء جائز ہو جائے گی اور اس کی ذمہ داری اجازت دینے والے پر ہو گی نہ کہ عاقدین پر۔(ت)

جبکہ خالد نے مکانات پر قبضہ کیا وہ شراء جائز و نافذ ہو گیا۔

کما ان قبض الثمن اجازۃ لبیع الفضولی فی الدار المختار اخذ المالك الثمن اجازۃ[2] اھ ملخصا ثم قال وافاد کلامہ جواز الاجازۃ بالفعل والقول[3] اھ۔	جیسا کہ ثمن پر قبضہ کرنا بیع فضولی کی اجازت ہوتا ہے درمختار میں ہے کہ مالک کا ثمن وصول کرنا اجازت ہے اھ ملخص، پھر کہا ماتن کا قول اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ اجازت قول وفعل دونوں سے جائز ہے۔اھ (ت)

اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خود بے اذن وامر خالد اپنے مال سے ادا کیا تو وہ اس امر میں تبرع واحسان کرنیوالا تھا اور یہ بات خود گفتگو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے خاص ملک خالد ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعوٰی نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن،

فی الفتاوی الخیریۃ اذا دفع دینا لحق الاخر باذنہ فلہ الرجوع علیہ ولایکون متبرعا للاذن حتی اذا لم یاذن لہ بہ کان متبرعا وبہ یعلم انہ اذا دفع مہر زوجتہ عنہ باذنہ اوثمن الجاریۃ التی امرہ بشرائھا یرجع علیہ بما دفع والحال ھذہ[4] اھ۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اگر کسی نے دوسرے کا قرض اس کی اجازت سے ادا کیا تو اس سے رجوع کر سکتا ہے اور متبرع نہ ہوگا کیونکہ اس کی اجازت سے ادائیگی کی ہے حتی کہ اگر مقروض نے اس کو ادائیگی قرض کا اذن نہ دیا ہوتا تو یہ احسان کرنے والا قرار پاتا(یعنی حق رجوع نہ رکھتا) اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے شوہر کے اذن سے اس کی طرف سے اس کی بیوی کا مہر ادا کردیا یا کسی کی لونڈی کی قیمت ادا کردی جس کی خریداری کا اس نے حکم دیا تھا تو ادا کرنے والا شوہر اور لونڈی کے مالک سے رجوع کر سکتا ہے اور صورت حال یہی ہے اھ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۴

رہا عمرو اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادائے ثمن میں صرف ہوا اور اس نے بھی مثل زید بطور خود دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرسکتا، اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید پر ہوگا اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعوٰی اسے نہیں پہنچتا۔

فانہ ان اقرض فانما اقرض زیدا فعلیہ العھدۃ لاعلی خالد کما لایخفی۔	اس لئے کہ اگر اس نے قرض دیا تھا تو یہ قرض زید کو دیا تھا اس پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے نہ کہ خالد پر، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور اگر عقد بیع وشراء بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقت خریداری مملوک زید ہوئے۔

لان الشراء اذا وجد نفاذا نفذ علی العاقد [1] کما نص علی فی الھدایۃ والدر المختار وعامۃ الاسفار فی الدر لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ [2] الخ۔	کیونکہ شراء نفاذ کی گنجائش پائے تو عائد پر نفاذ ہوجاتی ہے جیسا کہ اس پر ہدایہ اور عام کتابوں میں نص کی گئی ہے، در میں ہے کہ اگر کسی غیر کے لئے خریداری کی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ (ت)

اور عمرو کا روپیہ ادائے ثمن میں دیا بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے گا،

فی الفتاوی الخیریۃ لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذا لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب لانہ یحتمل القرض و الغصب [3]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ بیٹے کے یوں کہنے سے کہ میں نے گھر اپنے باپ کے مال سے خریدا ہے گھر باپ کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو اس لئے کہ اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ اس نے باپ کا مال غصب کیا ہو یا قرض کیا ہو۔ (ت)

پھر بعد خریداری جو افعال واقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعنام میں

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰، فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع فصل فی الفضولی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لکھا کر اسے سپرد کردے یہ صریح دلیل ہبہ ہے۔

فالهبة ایضا ینعقد بالتعاطی دل علیه فروع جمة فی المذہب وفی الدرالمختار اتخذ لولدہ اولتلمیذہ ثیابا ثم اراد دفعها لغیرہ لیس له ذٰلك مالك یبین وقت الاتخاذ انها عاریة [1] اھ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة وفی الذخیرة والتجنیس امرأة اشتری ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة [2]۔	چنانچہ ہبہ بھی تعاطی (باہمی لین دین) سے منعقد ہوجاتا ہے اس پر مذہب میں واقع کثیر فروع دلالت کرتی ہے، در مختار میں ہے کہ بیٹے یا شاگرد کے لئے کسی نے کپڑے بنائے پھر غیر کو دینے کا ارادہ کیا تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں جب تک کہ بنانے کے وقت یہ وضاحت نہ کردی ہو کہ یہ کپڑے عاریت ہیں اھ عقود الدریہ، فتاوٰی حامدیہ، ذخیرہ اور تجنیس میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بچے کے لئے جائداد خریدی تو شراء ماں کے لئے واقع ہوئی کیونکہ وہ بچے کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد بچے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی بن گئی۔ (ت)

پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تام ہوگئی اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہا اور زرِ ثمن میں اگر عمرو نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں، ہاں اگر نفس عقد زید وعمرو دونوں کے لئے واقع ہوتا مجلا بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونون کے ہاتھ بیچے، یہ کہتے ہم نے خریدے، یا عمرو زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی خریداری کا وکیل کردیتا توالبتہ وہ بحصہ مساوی زید وعمرو دونوں کے ملک ہوتے اگرچہ عمرو نے ثمن میں کچھ نہ دیا ہو اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا محض ناجائز رہتا،

لانه مایملك الاهبه مبلکه وهو مشاع ولایکفی سکوت عمرو حتی یجعل هبة لکل لان سکوت المالك یبیع الفضولی	کیونہ وہ تو صرف اپنی ملک کو ہبہ کرنے کا مالک ہے، اور اس کی ملک جزء غیر منقسم ہے جس کا ہب جائز نہیں) اور عمرو کا سکوت کافی نہیں کہ دونوں کا

[1] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة کتاب الوصایة عبدالغفار کتبخانہ قندہار افغانستان ۲/ ۳۳۷

لایکون رضا کمافی الاشباہ فکیف بالھبۃ [1]۔	ہبہ بنادیا جائے کیونکہ فضولی کی بیع کے وقت مالک کا سکوت اس کی رضا نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ میں ہے تو ہبہ میں ایسا کیسے ہوسکتا ہے (ت)

مسئلہ ۹۹: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالاحد صاحب ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بحالت مرض الموت ایک حقیت بحق وارث بیع کی بہ امورات خیر، تو یہ وقف رہا یا بیع؟ ایسی صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث میں بحق وارث رہ سکتی ہے یا نہیں؟ یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ؟ **فقط بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہوسکتا ہے نہ ہبہ ہوسکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی مرض میں ہے جسے شرعاً مرض الموت مانا جائے تو وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقاً ناجائز ہے نہ ثلث میں نافذ ہوسکتی ہے ہزارویں حصے میں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: از قصبہ فیروزآباد ضلع آگرہ مسئولہ سید بشارت علی وسرفراز علی سوداگران چوڑی ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر، قصبہ بہ قصبہ، گاؤں بگاؤں مویشی خانے مقرر کررکھے ہیں اس میں لاوارثی گائے بیل بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہے کہ جب مالک مویشی آئے گا اس وقت زرجرمانہ وزرخوراک وصول کرکے چھوڑ دیا جائے گا اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کردیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے یا نہیں؟ اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کرکے بقرہ عید پر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو ہو یا مسلمان پھر اس سے ایک اور شخص خرید کرکے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کرنے والے کو اس کا علم ہے کہ اس نے مویشی خانے میں سے نیلام میں خریدی ہے زید وعمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی جائز ہے اور بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقلیط میں ہے لہٰذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

الجواب:

جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں سب اسی کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اس میں کوئی اس کا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو، نہ اس کی قربانی ہوسکے، لقطہ کا حکم تشہیر ہے اس کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع، ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے نافذ ہوجائیگی جبکہ بائع و مشتری و بیع قائم ہوں، فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك ویشترط لصحۃ الاجازۃ قیام العاقدین و المعقود علیہ[1]۔	جب کسی شخص نے غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی اور اجازت کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے کہ عاقدین اور معقود علیہ قائم ہو۔(ت)

مسئلہ ١٠١: از بنارس محلّہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ خلیل الرحمٰن صاحب ٢٨ جمادی الاولٰی ١٣٢٢ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہو بیان فرمائیں، بینوا توجروا واضح ہو کہ مسمّی حشام جب بیمار ہوئے تو حالت بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا کہ زرثمن روبرو گواہوں کے مشتریاں مذکورہ نے ادا نہیں کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے مسمّٰی حشام ایسے نہ ہوئے کہ چارپائی سے اٹھ کر کام ضروری کرتے آخر بعد اکیس یوم کے قضا کرگئے، اور بعد قضا کرنے حشام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مرگئی، اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ کے لڑکا حشام کا پیدا ہوا، اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حشام بیمار ہوئیں اور بیماری کی حالت میں زوجہ حشام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز بعد زوجہ حشام بھی قضا کرگئیں **فقط**۔

لڑکا حشام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا، پھر وہ لڑکا بھی دو۲ مہینے بعد مرگیا، جب سب لوگ مرگئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حشام کے مسمّٰی یار محمد ہیں، تو یار محمد سے اور جس کے ہاتھ زوجہ حشام نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ١٥٢، فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ٢/ ٣٥١

مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی، مشتری نے کہا کہ ہم نے خریدا ہے اور یار محمد نے کہا کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں، غرضکہ جب جھگڑا زیادہ اہل محلّہ نے دیکھا تب پنچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمھارا جھگڑا طے کردیں گے، پنچ جمع ہوئے، مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ حشام بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہوگئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشام نے کہا کہ بیع کرنے کے بعد چچا اپنی چارپائی سے نہ اٹھے اور فوت ہوئے، اس بات میں پنچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے ہیں ان سے دریافت کرنا چاہئے تب دو ۲ آدمی پڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے، وہ لوگ آئے یعنی مسمّٰی الٰہی بخش و مسمّٰی جان محمد، دونوں گواہوں سے پوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے فقط۔

بیان الٰہی بخش گواہ کا یہ ہے: الٰہی بخش از روئے حلف بمقابلہ پنچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ وپیشاب کرتے تھے اور بیعنامہ لکھنے کے تخمینا ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کرگئے،

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے: مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیعنامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چاپائی کے کہیں جانہیں سکتے تھے، بیماری میں ضعف اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ وپیشاب کے مکان سے باہر نہیں جاسکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرتے تھے میں گاہ گاہ ان کی حالت کو جاتا رہتا تھا تو اسی چارپائی پر جھک کر حقہ بھی بھر لیتے تھے، اور اسی بیماری میں تخمینا ایک ماہ سے کمتر میں قضا کرگئے۔

الجواب:

بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث، بے اجازت وارث باطل ہے، فتاوٰی امام قاضیخاں وغیرہ میں ہے:

من البیع الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذلك المرض ولم یجز	موقوف بیوع میں سے ہے کہ جب مریض نے مرض موت میں اپنے مال میں سے جو معین چیز انے کسی وارث کے ہاتھ فروخت کی اب اگر وہ صحتیاب ہوگیا تو بیع جائز ہوجائے گی اور گر اسی بیماری میں مرگیا اور اس کے وارثوں نے

الورثۃ بطل البیع [1]۔	اس بیع کی اجازت بھی نہ دی تو بیع باطل ہو جائے گی۔(ت)

او وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات میں اجازت ورثہ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتھم فی حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق، اذالحق یثبت عندالموت [2]۔	مریض کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ اجازت ثبوت حق سے پہلے ہوئی اس لئے کہ واثوں کا حق تو مریض کی موت کے وقت ثابت ہوگا۔(ت)

اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہواکہ وقت موت یہ لڑکا بھی ایک وارث تھااور اگر بچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہوظاہر ہے کہ نہ توخوداس کی اجازت متصور نہ اس کی طرف سے کسی کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر اللہ عـــہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی

عـــہ: اللہ جل جلالہ کاولی ووالی جملہ عالم ہو ناظاہر اور اس کی خلافت سے حضور پر نور سید عالم خلیفہ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شیئ پر ہے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت فقیر قرآن عظیم وحدیث صحیح سے ثابت کرسکتاہے،آیت تو قول الٰہی عزوجل النبی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ" [3] جس میں ارشاد ہواکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ ولی ووالی ومختار وصاحب تصرف واقتدار ہیں،اور شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے اور یقینا کافر نہیں،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام [4]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت) (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

[2] الہدایہ کتاب الوصایہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

[4] صحیح البخاری کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱، صحیح مسلم کتاب القدر باب معنی کل مولود یودل علی الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۶

یاحاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں۔ ولوالجیہ پھر معین المفتی پھر غمز العیون القول فی الملک میں ہے:

لاولایۃ للاب علی الجنین [1]۔	جنین پر باپ کی ولایت حاصل نہیں۔ (ت)

ثالث میں ثانی سے ہے:

وفی التبیین ولاتصح الھبۃ للحمل لان الھبۃ من شرطھا القبول والقبض ولایتصور ذٰلک من الجنین ولایلی علیہ احدحتی	تبیین میں ہے: حمل کے لئے ہبہ درست نہیں کیونکہ قبول وقبضہ ہبہ کی شرائط میں سے ہے جبکہ جنین سے یہ متصور نہیں اور نہ ہی اس پر کسی کو ولایت حاصل ہے کہ وہ اس کی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اللہ سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

"فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَاؕ" [2]	اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا۔ (ت)

اہلسنت کے نزدیک ایمان وکفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مومن کے ولی ووالی ہیں، یہ ثبوت آیت سے ہوا اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ ورسولہ مولٰی من لامولی لہ [3]۔ رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ عن امیر المومنین الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ (ت)	جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی ووالی ومولٰی اللہ ورسول ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا اور ابن ماجہ نے اسے امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) ۱۲منہ غفرلہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

یقبض عنه فصار کالبیع قلت فقد افاد رحمه الله تعالٰی انه لاولایة لاحد علی الجنین اصلا وبه ظهر خطأ من افتی ان الوصی یملك التصرف فی المال الموقوف للحمل[1].	قبضہ کرے چنانچہ یہ بیع کی طرح ہوگیا، میں کہتا ہوں کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس بات کافائدہ دیا کہ بیشک جنین پر کسی کو کسی قسم کی ولایت بالکل حاصل نہیں تو اس سے اس شخص کی غلطی ظاہر ہو گئی جس نے یہ فتوی دیا کہ حمل کے لئے رکھے ہوئے مال میں وصی تصرف کرنے کامالک ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں منح الغفار سے ہے:

لاولایة للاب علی الجنین فضلا عن الوصی لقول الزیلعی ولایلی علی الحمل اھ[2]۔	باپ کو جنین پر ولایت حاصل نہیں تو وصی کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے بسبب زیلعی کے قول کے کہ اس کو حمل پر ولایت نہیں اھ (ت)

اور جو عقد جس وقت محتاج اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا کوئی نہ ہو وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

مالامجیزله حالة العقد لاینعقد اصلا بیانه صبی باع مثلا ثم بلغ قبل اجازة ولیة فاجازه بنفسه جاز لان له ولیا یجیزه حالة العقد بخلاف مالو طلق مثلا ثم بلغ فاجازه بنفسه لم یجز لانه وقت العقد لامجیز له فیبطل[3]۔	جس بیع کا بوقت عقد کوئی اجازت دینے والا نہ ہو وہ اصلا منعقد نہیں ہوتا اس کا بیان یہ ہے کہ نابالغ بچے نے بیع کی پھر ولی کی اجازت سے قبل بالغ ہوگیا اور بذات خود اس کی اجازت دے دی تو بیع جائز ہوگئی کیونکہ بوقت عقد اس بیع کی اجازت دینے والا اس کا ولی موجود تھا جو بیع کی اجازت دے سکتا تھا، بخلاف اس کے کہ اس نے نابالغی کی عمر میں طلاق دی پھر بالغ ہوکر بذات خود اس کی اجازت دی تو یہ طلاق جائز نہ ہوگی کیونکہ بوقت عقد اس کا کوئی اجازت دہندہ نہ تھا لہٰذا یہ باطل ہوگئی (ت)

توظاہر ہوا کہ صورت مستفسرہ میں یار محمد مومشتری کا اختلاف کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کی یا مرض الموت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۳۰

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

میں در حقیقت اس بیع کی انعقاد و بطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع شرعاً منعقد ہے اور یار محمد کہتا ہے منعقد نہیں بلکہ محض باطل و کالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان و انعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بحلف معتبر ہے جو قائل بطلان ہو، اشباہ والنظائر و درالمختار میں ہے:

اختلف المتبایعان فی الصحة والبطلان فالقول المدعی البطلان وفی الصحة و الفساد لمدعی الصحة الافی مسئلة فی اقالة [1]۔	بائع اور مشتری کا بیع کی صحت وبطلان میں اختلاف واقع ہو تو بطلان کا دعوی کرنے والے کا قول معتبر ہوگا اور اگر صحت وفساد میں اِختلاف ہو تو صحت کا دعوی کرنے ولا کا قول معتبر ہوگا سوائے اقالہ کے (ت)

اسی طرح جب صحت مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار اپنے مرض میں کیا یا صحت میں، تو قول اس کا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

لواقر لوارث ثم مات فقال المقرله اقرفی صحته وقال بقیة الورثة فی مرضه فالقول قول الورثة والبینة للمقرله وان لم یقم بینة وارادا استحلافهم له ذٰلك [2]۔	اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لئے کسی شے کا اقرار کیا پھر مرگیا اب مقرلہ، (جس کے لئے اقرار کیا گیا) کہتا ہے کہ یہ اقرار اس نے حالت صحت میں کیا جبکہ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ اس نے یہ اقرار مرض الموت میں کیا تو دیگر وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور گواہ پیش کرنا مقرلہ، کے ذمے ہے اگر وہ گواہ پیش نہ کرے اور دیگر وارثوں سے قسم لینا چاہے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی الانقروی ادعی بعض الورثة ان المورث وہبه شیئا معینا وقبضه فی صحته وقالت	انقروی میں ہے کسی وارث نے دعوی کیا کہ مورث نے اپنی کوئی معین شے اس کو ہبہ کی اور مورث کی حالت صحت میں اس وارث نے موہوب شیئ

[1] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴، اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمه داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

البقیة کان فی المرض فالقول لهم و ان اقاموا البینة فالبینة لمدعی الصحة [1]۔	پر قبضہ کرلیا تھا جبکہ باقی ورثاء کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مرض الموت میں ہوا تو باقی وارثوں کا قول معتبر ہوگا اور اگر وہ گواہ پیش کریں تو گواہ اس کے معتبر ہوں گے جو حالت صحت کا دعوی کرنیوالا ہے۔ (ت)

پس صورت سوال میں یار محمد کو حاجت گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ گواہان عادلہ ثقہ متقی سے ثابت کردے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کی یا اس بیع کے بعد وہ تندرست ہوگیا تھا، یا وہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم چاہے، اور یار محمد پنچوں کے سامنے قسم کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہوجائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ ودختر کے ہاتھ کی ضرور صحیح ونافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہوگئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص نہ تھی تو دونوں نصفانصف کی مالک ہوئیں، پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے، اب کہ زوجہ ہشام نے اپنے مرض میں کل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کردیا، اگر یہ مشتری بائعہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح ہوگئی جو ملک زوجہ مذکورہ تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہوا اور نصف دیگر ملک دختر سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجت نہ ہو، باقی دو ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حق برادر نو پیدا ہوا، اگر مادر وبرادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو، پھر جب لڑکا مرگیا اور یار محمد کے سوا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہوا اس قدر اسے واپس دے، اور گر مشتری گواہ نہ دے سکا یا گواہ عادل شرعی قابل قبول نہ تھے اور یار محمد نے پنچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کرلیا کہ ہشام نے یہ بیع اپنے مرض موت میں کی تو اس صورت میں وہ بیع باطل ہوئی، پھر بعد موت ہشام اگر اس کے وارث یہی زن وپسر ودختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے ۷/۲۴ ہوئے ان میں سے بشرط مذکور ایک ثلث یعنی ۷/۲ ۷ پھر زوجہ ہشام کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف ۲/۱۶ ۷ یعنی ۹/۲ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے مشتری باقی مکان بشرط مذکور یعنی مکان کے ۹ حصوں سے ۷ حصے یار محمد کو واپس دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۷

باب الاقالة

(بیع اقالہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از مراد آباد محلّہ باڑہ شاہ صفا مسئولہ حافظ عبدالمجید ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرو کی چھ سو پچیس ۶۲۵ روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خریدنے کے لئے طے کرائی، قیمت طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعنامہ عمرو کو دے کر رسید لکھوائی، رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کرالیا اور دعوی کردیا کہ جائداد تو میری اور تمھاری دونوں کی مشترک طے ہوئی، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، یہ قصہ پنچایت میں ڈالا گیا، پنچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع کرائے اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے گا اسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی، بکر نے سو روپے اٹھا لئے اور رسید لکھنی چاہی، ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلّہ والے جو زید سے بغض وعداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعنامہ عمرو کو واپس کردو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے، زید نے مجبوری رسید عمرو کو واپس کردی، اب بے اجازت زید آمدنی مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بکر کے اہل محلّہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمھارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمھاری رضامندی کی ضرورت ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شے معین خریدنے کا وکیل کیا اسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبت

زید میں اسے اپنے نفس کے لئے خریدے بلکہ اپنے نفس کے لئے خرید تاجب بھی زید موکل کے لئے ہو جب مخالفت نہ کی ہو،

ففی الدر المختار لووکلہ بشراء شیئ بعینہ لایشتریہ نفسہ ولولمؤکل اٰخر بالاولی عند غیبتہ حیث لم یکن مخالفا دفعاللضرر فلو اشتراہ بغیر العقود او بخلاف ماسمی المؤکل لہ من الثمن وقع الشراء للوکیل لمخالفتہ امرہ وینعزل فی ضمن المخالفۃ عینی [1]۔	درمختار میں ہے کسی نے کسی شخص کو کسی معین شے کی خریداری کا وکیل بنایا تو وکیل اس شے کو مؤکل کی غیر موجودگی میں اپنے لئے نہ خریدے اور دوسرے مؤکل کے لئے تو بدرجہ اولیٰ نہ خریدے تاکہ دھوکہ دہی نہ ہو، یہ حکم تب ہے جب وکیل امر مؤکل کی مخالفت نہ کرے، اور اگر وکیل نے اس شیئ کو غیر نقود سے خریدا اس ثمن کے خلاف خریدا جو مؤکل نے اس کو بتایا تھا تو یہ خریداری امر مؤکل کی مخالفت کی وجہ سے خود وکیل سے ہوگی اور اس مخالفت کے سبب سے وہ وکالت سے معزول ہو جائے گا۔ عینی (ت)

بکر نے کہ رسید بیعنامہ میں اپنا نام بھی لکھالیا ظلم وفریب وجہل وحماقت تھا، پنچوں نے جو فریقین سے پچاس جمع کرائے اور وہ بے معنی فیصلہ قرار دیا سخت باطل ومردود تھا وہ پچاس روپے بکر پر حرام ہیں اس پر فرض ہے کہ زید کو واپس کردے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"۔ [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے پر مت کھاؤ۔ (ت)

عبارت سوال سے زید پر اہل محلّہ بکر کی جانب سے کوئی اکراہ شرعی نہ ہونا نہیں نکلتا لوگوں کے اصرار سے عرفی مجبوری اکراہ شرعی نہیں اس صورت میں جبکہ زید نے بیعنامہ واپس کردیا اور عمرو نے قبول کرلیا بیع اگر نہ ہوئی تھی ہونے نہ پائی اور اگر ہو چکی تھی فسخ ہو گئی بہرحال زید کو اس جائداد سے کوئی تعلق نہ رہا اہل محلّہ بکر اگر مسجد کے لئے خریدیں برضائے عمرو خرید کرسکتے ہیں رضائے زید کی کچھ حاجت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

باب المرابحة

(بیع مرابحہ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

زید نے عمرو سے کہا کہ تم عہ/روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خرید نے تمھارے کے میں تم سے عہ اِایک روپیہ آنہ دے کر خرید لوں گا اور ایک ماہ میں دوں لگا کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بناء پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خرید تا ہے تو بہتر نہیں

لما فیہ من الاعراض عن مبرة الاقراض کما افادہ فی الفتح وردالمحتار وغیرھما من الاسفار، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی اور مروت سے اعراض ہے جیسا کہ اس کا فائدہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں نے دیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از کاٹھیاوار ر دھوراجی محلّہ سیاہی گراں مسئولہ حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب ۸ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے ہم **اولا:** عبارات کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالٰی اپنے تحقیق پھر صورت مسئولہ کا حکم **وباللہ التوفیق،**

فاعلم ان ائمتنا رحمهم الله تعالٰی عرفوا المرابحة فی المتون بانها نقل ماملکه بالعقد الاول بالثمن الاول مع زیادة ربح کما فی الهدایة [1]۔ واختصره فی الکنز فقال بیع بثمن سابق وزیادة [2] وکلام عامتهم تدور حول ذٰلك واعترضهم الشراح بانه منتقض طردا وعکسا واطالوا فیه بما افادوا احکام فروع وقد اجیب عن اکثر الایرادات بما یتم اولا کما بسطه فی العنایة والفتح وغیرها ولما کان منشأ اکثرها العقد والثمن ترکهما فی الدرر وقال بیع ماملکه بمثل ماقام علیه بزیادة۔[3] ولایسلم ایضا من بعض النقوض، ولسنا ههنا بصدد سردها مع مالها وعلیه، وقام	توجان لے کہ ہمارے ائمہ کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے متون میں مرابحہ کی تعریف یوں کی ہے کہ مرابحہ وہ بیع ہے کہ عقد اول کے ساتھ جس چیز کا مالک ہوا ہے اس کو ثمن اول مع کچھ نفع کی زیادتی کے دوسرے کو منتقل کرنا، جیساکہ ہدایہ میں ہے، کنز میں اس کو مختصر کرکے کہا کہ ثمن اول اور کچھ اضافے کے ساتھ فروخت کرنا، عام فقہاء کا کلام اسی تعریف کے گرد گھومتا ہے، شارحین نے اس پر اعتراض کیا کہ یہ تعریف جامع اور مانع نہیں انھوں نے اس میں طویل کلام کیا جو کئی فروعی احکام کا مفید ہے، اور تحقیق ان میں سے اکثر اعتراضوں کے تام یا غیر تام جوابات دئے گئے، جیساکہ عنایہ اور فتح وغیرہ میں اس کی تفصیل مذکور ہے، چونکہ اکثر اعتراضات کا منشا لفظ عقد اور لفظ ثمن ہے، چنانچہ درر میں ان دونوں کو چھوڑ کر یوں کہا جس چیز کا مالک ہوا ہے وہ چیز جتنے میں اس کو پڑی ہے اس کی مثل اور کچھ زیادہ کے ساتھ اس کو منتقل کرنا، یہ تعریف بھی بعض اعتراضات سے

Majlis of Dawateislami

---

[1] الهدایه کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۷۳

[2] کنز الدقائق باب التولیة والمرابحة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام باب المرابحة والتولیة میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

العلامة البحر فی البحر الرائق لیأتی بحد جامع مانع لا یرد علیه شیئ اصلا فاطال بالاستیعاب شروط الجواز ولم یتم ایضا کما ستعرفه ان شاء الله تعالٰی ووقع ههنا فی نسخته المطبوعة نقل ما مبلکه بغیر عقد الصلح والهبة بشرط عوض بما یتعین بعین ماقام علیه اوبمثله اوبرقمه [1] الخ،قال محشیه العلامة الشامی فی المنحة قوله بما یتعین متعلق بما مبلکه [2] اھ وهذا یفید انه کذٰلك بالباء فی نسخته وقد یجنح الی تاییده قول البحر تحت قول الماتن شرطهما(ای التولیة و المرابحة کون الثمن الاول مثلیا مانصه عبارة المجمع اولی وهی ولایصح ذٰلك حتی یکون العوض مثلیا اومملوکا للمشتری،	محفوظ نہیں اور ہم ان اعتراضات کی تفصیل ان کے مالہ ،اور ماعلیہ کے درپے نہیں ہیں،علامہ صاحب البحر اس بات پر کمربستہ ہوئے کہ وہ بحرالرائق میں ایسی جامع مانع تعریف لائیں گے جس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہوتا ہو،چنانچہ انھوں نے شروط جواز کا احاطہ کرنے پر طویل کلام کیامگر وہ بھی تام نہیں جیساکہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب تو جان لے گا،یہاں پر نسخہ مطبوعہ میں یوں واقع ہے کہ عقد صلح اور ہبہ بشرط عوض کے بغیر جس چیز کا متعین ثمن کے بدلے میں مالک ہوا ہے اس کو بعینہٖ اس ثمن کے بدلے میں جس میں اس کوپڑی یااس کی مثل کے بدلے میں یااس پر لکھی ہوئی قیمت کے بدلے میں منتقل کرناالخ اس کے محشٰی علامہ شامی نے منحہ میں فرمایا صاحب بحر کا قول "بمایتعین" اس کے قول "ما ملکه" سے متعلق ہے اھ اور یہ اس امر کا مفید ہے کہ محشٰی کے پیش نسخہ میں بھی عبارت اس طرح ہے یعنی "بما" پر باء کے ساتھ ،اوراس کی تائید کی طرف مائل ہے،ماتن کے قول "تولیہ ومرابحہ دونوں کے لئے ثمن اول کا مثلی ہونا شرط ہے" کے تحت وارد ہونے والا بحر کا قول جس میں اس نے نص کی کہ مجمع کی عبارت اولٰی ہے جو یہ ہے کہ تولیہ ومرابحہ صحیح نہیں ہوتا جب تک عوض مثلی یا مشتری کی

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

[2] منحة الخالق علی البحر الرائق باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

قال ولکن لابد من التقیید بالمعین للاحتراز عن الصرف فانہ لایجوز ان فیھما [1] اھ فانہ ھھنا فی بیان العوض فاوھم اشتراط ان یکون مبلکہ بمایتعین۔	ملکیت میں نہ ہو، صاحب بحر نے کہا کہ لیکن عبارت مجمع کے لئے معین کی قید ضروری ہے تاکہ بیع صرف سے احتراز ہو جائے کیونکہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم و دنانیر میں جائز نہیں اھ، کیونکہ اس عبارت میں یہ قید بیان عوض میں ہے لہٰذا اس سے وہم ہوتا ہے کہ وہ معین ثمن کے عوض مالک بنا ہو،
اقول: وھو ظاھر البطلان ولاقائل بہ احد من الناس والا لامتنعت المرابحۃ والتولیۃ فی البیاعات المطلقۃ عن اٰخرھا لکون الاثمان فیھا ممالا یتعین وقد قال الامام السمرقندی فی تحفۃ الفقہاء، وعنھا فی غایۃ البیان اذا باع شیئا مرابحۃ علی الثمن الاول، فلا یخلو اما ان یکون الثمن من ذوات الامثال کالدراہم و الدنانیر والمکیل والموزون والعدد المتقارب، اویکون من الاعداد المتفاوتۃ، مثل العبید والدروالثیاب والرمان و البطاطیخ وغیرھما اما اذا کان الثمن الاول مثلیا فباعہ مرابحۃ علی الثمن الاول وزیادۃ ربح فیجوز سواء کان الربح من جنس الثمن الاول اولم یکن بعد ان یکون شیئا مقدارا معلوما نحو الدرہم وثوب مشار الیہ اودینار [2] الخ،	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اس کا باطل ہونا ظاہر ہے اور نہ ہی لوگوں میں اس کا کوئی قائل ہے ورنہ مرابحہ وتولیہ تمام بیانات مطلقہ میں ممنوع ہو جائیں گی کیونکہ ان میں ثمن غیر معین ہوتے ہیں، امام سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں کہا اور اسی کے حوالے سے غایۃ البیان میں ہے کہ جب کسی نے ثمن اول پر کچھ نفع کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو وہ ثمن دو حال سے خالی نہیں کہ وہ ذوات الامثال میں سے ہے جیسے درہم، دینار، کیلی، وزنی اور عددی متقارب یا وہ عددی متفاوت میں سے ہے جیسے غلام، کپڑے، مکانات، تربوز اور انار وغیرہ، بہر حال اگر ثمن اول مثلی ہو اور اس نے ثمن اول پر کچھ نفع لگا کر بیع کی تو جائز ہے چاہے وہ نفع ثمن اول کی جنس سے ہو یا نہ ہو بعد اس کے وہ معین و معلوم شے ہو جیسے درہم اور ایسا کپڑا جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہو یا دینار الخ، میرے نزدیک درست بات یہ ہے کہ "**بمایتعین**"

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۸

[2] تحفۃ الفقہاء کتاب البیوع باب الاقالۃ والمرابحۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۰۶

فالصواب عندی ان الباء فی بما یتعین من خطاء النساخ وانما ھو ممایتیعن ای مامبلکه حال کونه من الاشیاء التی یتعین فی العقود فالتعین شرط فیما مبلکه وھوالذی یرید نقله مرابحة لافی عوضه وقال فی الکفایة"قوله نقل مامبلکه ای من السلع لانه اذا اشتری بالدراھم الدنانیر لایجوز بیع الدنانیر بعد ذٰلك مرابحة [1] اھ وقال فی العنایة بعد ذکر الایرادات علی حد المتن قیل فعلی ھذا الاولی ان یقال نقل مامبلکه من السلع بما قام عندہ [2] اھ و قال سعدی اٗفندی فی حاشیتھا المراد بما مامبلکه ھوالمملوك المعھود الذی کان الکلام الی ھنافیه اعنی السلع [3] اھ.قال فی جامع الرموز التولیة ان یشترط فی البیع ای بیع العرض احتراز عن الصرف فالتولیة والمرابحة لم تکونا فی بیع الدراہم ودنانیر کما	پر "با"کاتبوں کی غلطی سے ہے (دراصل) وہ "ممایتعین" ہے یعنی جس چیز کا وہ مالک ہوادرانحالیکہ وہ ان اشیاء میں سے ہو جو عقود میں متعین ہوتی ہیں چنانچہ تعین اس مملوکہ شے میں شرط ہے جس کو وہ بطور مرابحہ منتقل کرنا چاہتا ہے عوض میں تعین شرط نہیں۔اور کفایہ میں کہا کہ ماتن کا قول کہ منتقل کرنا اس چیز کو جس کا وہ مالک ہوا،اس چیز شے سامان مراد ہے کیونکہ اگر درہموں کے بدلے دنانیر خریدے تو اس کے بعد ان دیناروں کی بیع بطور مرابحۃ جائز نہیں اھ عنایہ میں متن پر وارد ہونے والے اعتراضات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا، کہا گیا ہے کہ اس بناء پر بہتر تھا کہ وہ یوں کہا جاتا کہ اس سامان کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوااس کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ اور سعدی آفندی نے اس کے حاشیہ میں کہا کہ اس چیز سے مراد جس کا وہ مالک ہوا وہی مملوک معہود ہے جس میں یہاں تک کلام ہو رہی ہے یعنی سامان اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑا اھ، جامع الرموز میں کہا تولیہ یہ ہے کہ شرط لگائی جائے بیع میں یعنی سامان کی بیع میں یہ بیع صرف سے احتراز ہے چنانچہ تولیہ ومرابحہ دونوں دراہم ودنانیر کی بیع میں نہیں ہوتے جیسا کہ

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] حاشیہ چلپی کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۳

فی الکفایة [1] اھ وقال فی الدرالمختار المرابحة بیع ماملکه من العروض بماقام علیه وبفضل اھ [2]۔	کفایہ میں ہے اھ درمختار میں کہا کہ مرابحہ یہ ہے کہ سامان مملوک کو اتنے کے بدلے جتنے میں اس کو پڑا ہے اور کچھ زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا اھ۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکیلا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا اشتری ذھبا بعشرة دراہم فباعه بربح درھم جاز کذا فی الحاوی [3]۔	اگر دس درہم کا سونا خریدا اور ایک درہم نفع کے ساتھ فروخت کردیا تو جائز ہے، ایسا ہی حاوی میں ہے۔(ت)

اسی میں محیط سے ہے:

اذا باع قلب فضة وزنه عشرة دراھم بدینار وتقابضا ثم باعه بربح درھم اوبربح نصف دینار جاز اما اذا باعه بربح نصف دینار فلانه یصیر بائعا قلب فضة وزنه عشرة دراھم بدینار ونصف وزنه عشرة دراھم بدینار ونصف دینار لان الجنس مختلف فلا یظھر الربح، واما اذا باع بربح درھم فما ذکر من الجواب ظاھر الروایة لانه یصیر بائعا للقلب بدینار ودرھم، وانه جازلانه یجعل بازاء الدرھم من القلب مثله والباقی من القلب بازاء الدینار، وعن	اگر دس درہم وزنی چاندی کا کنگن سونے کے ایک دینار کے بدلے میں خریدا پھر ایک درہم نفع پر (ایک دینار اور ایک درہم کے بدلے میں) یا نصف دینار نفع پر (یعنی ڈیڑھ دینار کے بدلے میں) فروخت کردیا تو جائز ہے، نصف دینار نفع پر بیچنا تو اس لئے جائز ہے کہ وہ چاندی کے ایک ایسے کنگن کو ڈیڑھ دینار میں فروخت کرنے والا ہے، جس کا وزن دس درہم ہے کیونکہ جنس مختلف ہے لہذا نفع ظاہر نہ ہوا، رہا ایک درہم نفع پر بیچنا تو حکم مذکور ظاہر الروایہ ہے کیونکہ ایک درہم کے عوض کنگن میں سے اس کی مثل یعنی ایک درہم ہوا اور

[1] جامع الرموز کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ /۵۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۳۰

ابی یوسف انہ لایجوز[1] الخ	باقی کنگن دینار کے عوض ہوگیا امام ابویوسف سے مروی ہے کہ یہ جائز نہیں الخ۔(ت)

نہ بیع کا صرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم، سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچنا، یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز، نہ صرف نہ ہونا مطلقاً جواز مرابحہ کو کافی، من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے، ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں۔ شرنبلالی علی الدرر میں ہے:

المثلی اذا غیبه الغاصب وقضی علیه بمثله مبلکه ولا یجوز له بیعه بأزید منه لکونه ربی[2]۔	غاصب نے مِثلی شے کو غائب کردیا، قاضی کی طرف سے اس پر اس کی مثل دینے کا فیصلہ صادر ہوا تو اب وہ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے لئے جائز نہیں کہ اس چیز کو اس سے زائد پر فروخت کرے کیونکہ یہ سود ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

لو اشتری مختوم حنطة بمختومی شعیر بغیر عینهما ثم تقابضا فلابأس بان یبیع الحنطة مرابحة، وکذلك کل صنف من المکیل والموزون بصنف اٰخر اھ[3]، افاد بمفهوم قوله بصنف اٰخر انه لو قوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحة وسنعطیك دلیله ان شاء الله تعالٰی۔	اگر کسی نے گندم کا ایک مختوم جو کے دو غیر معین مختوموں کے بدلے میں خریدا پھر باہمی قبضہ بھی کرلیا تو گندم کو بطور مرابحہ فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ایسے ہی ہر کیلی اور وزنی چیزوں کی ایک قسم کو دوسری قسم کے ساتھ بیچنے کا یہی حکم ہے اھ ہندیہ کے قول بصنف اٰخر(یعنی دوسری قسم کے ساتھ) کے مفہوم نے یہ فائدہ دیا کہ اگر جنس کا مقابلہ جنس سے ہو تو بیع مرابحہ ناجائز ہے، ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تجھے اس کی دلیل دیں گے۔(ت)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ جو شے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو۲ شرطیں ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل ثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱۔۲۳۰

[2] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیة درر الاحکام باب المرابحة والتولیة میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب لرابی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۱

شرط اول: وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہے نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو، ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں متعین نہیں ہوتے، ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سو دے دے، اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے، یہ نہیں کرسکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن ساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحہ وتولیہ ووضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر، یہاں اس شیئ کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اسی شیئ مملوک سابق پر وارد کا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شی ہے، وللذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحہ نہیں بیچ سکتے۔

کما نص علیه فی التبیین والفتح والعنایة والکفایة والبحر والنهر والظهیریة والخانیة وخزانة المفتین والهندیة وجامع الرموز وغیرهما وان نقل ط عن حاشیة سری الدین علی الزیلعی نقل عن البدائع انه یجوز [1]۔	جیسا کہ تبیین، فتح القدیر، عنایہ، کفایہ، بحر، نہر، ظہیریہ، خانیہ، خزانۃ المفتین، ہندیہ اور جامع الرموز میں اس پر نص کی گئی ہے اگرچہ ط نے تبیین کے حاشیہ سری الدین سے بحوالہ بدائع نقل کیا ہے کہ یہ جائز ہے۔(ت)

اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں، بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دے دیتا تو جائز تھا اور اب جو یہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یہ اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری، تو یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں آئی تھی وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اشتری دنانیر بدراهم ثم باع الدنانیر مرابحة لایجوز لان الدنانیر لاتتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول [2]۔	ایک شخص نے درہموں کے عوض دینار خریدے پھر ان دیناروں کو بطور مرابحہ بیچا تو یہ جائز نہیں کیونکہ دینار بیع متعین نہیں ہوا کرتے للذا عقد صرف میں جن دیناروں پر قبضہ کیا گیا بعینہٖ وہی بیع اول کا مبیع قرار نہ پائے۔(ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة دار المعرفة بیروت ۳/ ۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی الاجل نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۱

فتح القدیر میں ہے:

انما لم تجز المرابحة فی ذٰلك لان بدلی الصرف لا یتعینان فلم تکن عین ھذہ الدنانیر متعینة لتلزم مبیعا[1]۔	اس میں مرابحہ اسی لئے ناجائز ہے کہ بیع صرف کے بدلین متعین نہیں ہوتے تو بعینہ یہی دینار متعین نہ ہوئے کہ ان کا مبیع ہونا لازم ہوتا۔(ت)

اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃً بیچ سکتا ہے کہ وہ بیع میں متعین ہوگیا تو عقد سی مملوک اول پر واقع ہوگا۔

کما قدمناہ وبه ظھر ان مرادھم ھنا بالعرض والسلع کل مایتعین ولم من احد النقدین وبالصرف مالا یتین فیه البدل الذی حصل فی ملك من یرید بیعه مرابحة وان الاولی قول الفتح المراد نقل ماملکه مما ھو ببیع متعین بدلا له قوله بالثمن الاول فان کون مقابله ثمنا مطلقًا یفیدان ماملکه بالضرورة مبیع مطلقًا[2] اھ۔	جیساکہ ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں پر عرض اور سلع سے فقہاء کی مراد ہر وہ چیز ہے جو متعین ہوا گرچہ نقدین میں سے کوئی ایک ہو اور عقد صرف سے ان کی مراد وہ بیع ہے جس میں وہ بدل متعین نہ ہو جو اس شخص کی ملکیت میں حاصل ہو جو بطور مرابحہ اس کو بیچنے کا ارادہ کرے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ فتح کا قول اولٰی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس مبیع متعین کو منتقل کرنا جس کا وہ مالک ہوا ہے اس پر دلیل اس کا قول "ثمن اول" ہے اس لئے کہ اس کے مقابل ثمن مطلق ہونا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ جس چیز کا وہ مالک ہوا وہ ضروری طور پر مبیع مطلق ہے اھ (ت)

فھذا ھو تحقیق الشرط الاول (پس یہ ہے شرط اول کی تحقیق۔ت)

شرط دوم: وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی، یا گیہوں، گیہون، یا جو جو کو، عالمگیریہ میں ہے:

ان اشتری ذھبا بذھب اوفضة بفضة لم تجز مرابحة اصلا کذا فی التتارخانیة[3]۔	اگر سونے کو سونے کے بدلے یا چاندی کو چاندی کے بدلے خریدا تو اس میں مرابحہ بالکل جائز نہیں۔یہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثالث الفصل الثانی فی المرابحة نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۳۱

یہ شرط مرابحۃ وضیعہ اول کے اعتبار سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں اقول: وباللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی سے سود ہوجاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے، اب جو یہ اسے مرابحۃ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے، اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا کہ دونوں پورے برابر ہوں، کمی بیشی کیونکر ممکن عین ربٰو ہے، اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃ ہوئی، نہ جائز ہوسکتی ہے، مرابحۃ تو یہ تھی کہ جس عوض پر اسے پڑی ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے، یہاں عوض کی جنس بدل گئی،

وبه ظهر سقوط مااعترض به فی العنایة علی تعریف الهدایة و تبعه فی البحر اذ قال واللفظ للاکمل بالاختصار "اعترض علیه بانه مشتمل علی ابهام یجب عنه خلوا لتعریف لان قوله بالثمن الاول اما ان یراد به عین الثمن الاول اومثله لاسبیل لا الاول لان عین الثمن الاول صار ملکا للبائع الاول، ولا الی الثانی لانه لایخلوا ما ان یراد المثل من حیث الجنس او المقدار الاول لیس بشرط لما فی الایضاح والمحیط انه اذا باعه مرابحة فان کان مااشتراه به له مثل جاز سواء جعل الربح من جنس راس المال الدراهم من الدراهم اومن غیر الدراهم من الدنانیر اوعلی العکس اذاکان معلوما	اور اس سے اس اعتراض کا ساقط ہونا ظاہر ہوگیا جو ہدایہ کی تعریف پر عنایہ میں وارد کیا گیا اور بحر نے اس کی اتباع کی اختصار الفظ اکمل کے یہ ہیں کہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ تعریف، (تعریف ہدایہ) ابہام پر مشتمل ہے جس سے تعریف کا خالی ہونا واجب ہے اس لئے صاحب ہدایہ کے قول "ثمن اول" سے مراد ثمن اول کا عین ہے یا اس کی مثل، اول کی طرف کوئی راہ نہیں کیونکہ عین اول تو بائع اول کی ملک ہوگیا اور نہ ہی ثانی کی طرف کوئی راہ ہے کیونکہ ثانی (ثمن کی مثل) دو حال سے خالی نہیں یا تو اس سے مراد جنس کے اعتبار سے ثمن اول کا مثل ہونا ہے یا مقدار کے اعتبار سے جنس کے اعتبار سے مثلیت تو اس دلیل کی وجہ سے شرط نہیں جو ایضاح اور محیط میں ہے کہ جب اس نے بطور مرابحہ کسی چیز کی بیع کی اگر اس چیز کی مثل موجود ہے جس کے بدلے میں اس نے اس کو خریدا تھا تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے چاہے اس نے نفع راس المال یعنی دراہم کی جنس یعنی دراہم سے رکھا یا اس کے غیر بھی یعنی دیناروں سے رکھا ہو

یجوز به الشراء لان الکل ثمن والثانی یقتضی ان لایضم الی راس المال اجرة القصار والصباغ والطراز وغیرھا [1] الخ والاکمل وان اجاب عنه فانما اختار الشق الاخیر والبحر لم یرضه بل ردہ بما لایفید الایراد الا بعدا۔**اقول:** و العجب ان المعترض حصر والبطل جمیع الشقق فکیف یعترض بالابھام لم لا یحکم بالبطلان ثم العجب اشد العجب الاستناد بمانقل عن الایضاح والمحیط فانه لامساس له بالمدعی کمانبه علیه العلامة سعدی اُفندی حیث یقول"لایخفی علیك ان مانقله من ذینك الکتابین انمایدل علی عدم اشتراط مما ثلثة الربح لرأس المال جنسا لا علی عدم شرطیة مماثلة الثمن الثانی للاول فی الجنس [2] اھ.**اقول:**	یا اس کے برعکس صورت ہو (یعنی راس المال بجائے درھموں کے دینار ہوں) جب یہ معین ہو تو اس کے بدلے خریداری جائز ہے کیونکہ یہ سب ثمن ہیں اور اگر مقدار کے اعتبار سے مثلیت مراد ہو تو یہ مقتضی ہے اس امر کو کہ راس المال کے ساتھ دھوبی، رنگریز اور نقش ونگار وغیرہ کی اُجرت نہ ملائی جائے الخ اکمل نے اگرچہ اس کا جواب دیتے ہوئے آخری شق کو اختیار کیا مگر صاحب بحر اس پر راضی نہیں بلکہ اس کو رد کردیا جو کہ اعتراض میں بعد کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تعجب ہے معترض نے حصر کرتے ہوئے تمام شقوں کو باطل قرار دیا ہے تو اس پر ابہام کا اعتراض کیسے ہو ابطلان کا حکم کیوں نہیں لگایا گیا پھر شدید ترین تعجب اس استناد پر ہے جو ایضاح اور محیط سے منقول عبارت پر کیا گیا کیونکہ اس کا مدعا سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ علامہ سعدی آفندی نے یہ کہتے ہوئے اس پر تنبیہ فرمائی کہ اے مخاطب! تجھ پر پوشیدہ نہیں کہ اکمل نے ان دونوں کتابوں سے جو نقل کیا ہے وہ تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفع کا اعتبار جنس کے راس المال کی مثل ہونا شرط نہیں، اس بات پر وہ دلالت نہیں کرتا کہ ثمن ثانی کا باعتبار جنس کے ثمن اول کی مثل ہونا شرط نہیں اھ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں)

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

[2] حاشیہ سعدی آفندی علی ہامش فتح القدیر باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۲

ولانظر الی مایوھمه التصویر بالدراہم والدنانیر والتعلیل بان الکل ثمن فان الربح یجوز مطلقاً من ای جنس کان ثوبا اوعبدا اوارضا او غیر ذٰلك بعد ان یکون مقدارا معلوما کما قدمناہ عن العنایة عن التحفة ومثله فی عامة الکتب فھذا وجه۔ و **اقول ثانیا:** لئن قطعنا النظر عن ھذا لم یکن فیه مایمنع اشتراط المجانسة وینفیه فقد نصوا ان الدرھم والدینار جنس واحد فی بضع مواضع منھا المرابحة کما فی البحر والدر[1] وغیرھما۔ **اقول ثالثا:** وھوا لقول الفصل وھادم الاعتراض من الاصل اطبقت الکتب قاطبة ان شرط صحة المرابحة والتولیة کون العوض الی الثمن الاول مثلیا وعلله المعللون کالھدایة و الشروح ومنھا العنایة و التبیین والبحر وغیرھما واللفظ للعنایة بان مبناھما علی الاحتراز عن الخیانة و	دراہم ودنانیر سے صورت بیان کرنا جس وہم کو پیدا کرتا ہے علامہ آفندی کو ملحوظ ہے نہ ہی وہ تعلیل جو اکمل نے یہ کہہ کر بیان کی کہ یہ سب ثمن ہیں اس لئے کہ نفع تو مطلقاً جائز ہے چاہے کسی بھی جنس سے ہو یعنی چاہے کپڑا ہو یا غلام ہو یا زمین وغیرہ ہو بشرطیکہ وہ مقدار معین ہو جیسا کہ ہم عنایہ سے بحوالہ تحفۃ الفقہاء پہلے بیان کرچکے ہیں اور اس کی مثل عام کتابوں میں ہے یہ توجیہ ہے **اقول ثانیا:** (میں دوبارہ کہتا ہوں) اگر ہم اس سے قطع نظر کرلیں تو بھی اس میں ایسی کوئی چیز نہیں جو شرط مجانست سے مانع ونافی ہو، چنانچہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ چند جگہوں میں درہم اور دینار جنس واحد شمار ہوتے ہیں، ان میں سے مرابحہ بھی ہو، جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں ہے، **اقول ثالثا:** (میں سہ بارہ کہتا ہوں) جو قول فیصلہ کن اور اعتراض کو سرے سے منہدم کردینے والا ہے کہ تمام کتابیں اس پر متفق ہیں کہ تولیہ ومرابحہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ عوض یعنی ثمن اول مثلی ہو اور علت بیان کرنے والوں جیسے ہدایہ اور اس کی شروحات عنایہ، تبیین اور بحر وغیرہ نے اس کی علت یوں بیان کی، لفظ عنایہ کے ہیں کہ ان دونوں (تولیہ ومرابحہ) کی بناء خیانت اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶، بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۳

شبهها والاحتراز عن الخيانة في القيميات ان امكن، وقد لايمكن عن شبهها لان المشترى لا يشترى المبيع الابقيمة ماوقع فيه من الثمن اذ لايمكن دفع عينة حيث لم يملكه ولا دفع مثله اذ الفرض عدمه فتعيت القيمة وهى مجهولة تعرف بالخرص و الظن فيتمكن فيه شبهة الخيانة الااذا كان المشترى باعه مرابحة ممن ملك ذلك البدل من البائع الاول بسبب من الاسباب فانه يشتريه مرابحة بربح معلوم من دراهم او شيئ من المكيل والموزون الموصوف لاقتداره على الوفاء بما التزمه[1] اھ۔ **اقول**: ولاتنس ماقدمنا ان الربح سائغ مطلقًا ولو ثوبا كما نص عليه فى التحفة وقال فى التحفة وقال فى الفتح لوكان ماشتراه به وصل الى من يبيعه منه فرابحه عليه بربح	شبہ خیانت سے اجتناب پر ہے جبکہ قیمتی چیزوں میں اگرچہ خیانت سے اجتناب ممکن ہے مگر شبہ خیانت سے اجتناب کبھی ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مرابحہ میں مشتری مبیع کو اس قیمت کے بدلے ہی خرید سکتاہے جس میں ثمن واقع ہوا نہ کہ عین ثمن کے بدلے کیونکہ جب وہ اس کا مالک ہی نہیں تو اس کا دینا اس کے لیے ناممکن ہے اور نہ ہی مثل ثمن کے بدلے کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو قیمت ہی متعین ہوئی اور وہ مجہول ہے جو کہ ظن و تخمینہ سے پہچانی جاتی ہے لہٰذا اس میں شبہ خیانت پایا جاتاہے سوائے اس کے کہ جب مشتری اول مبیع کو اس شخص کے ہاتھ بطور مرابحہ بیچے جو اس بائع اول سے اس مبیع کے بدل کا کسی سبب سے مالک بن چکا ہے کیونکہ اس صورت میں مشتری ثانی اس مبیع کو دراہم یا کسی کیلی وزنی شے میں سے معین و معلوم نفع پر خرید رہاہے یہ اس لئے ہے کہ مشتری ثانی نے جس چیز کا التزام کیا ہے وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہے اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں) جو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اس کو مت بھولیں کہ نفع مطلقًا جاری ہوتاہے اگرچہ کپڑا ہو جیساکہ فتح میں کہاکہ اگر کسی طرح مبیع کے ثمن اس شخص کے پاس پہنچ جائیں جس کے ہاتھ اب یہ بیع بطور مرابحہ بیچ رہاہے اور

[1] العنایہ علی ہامش الفتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

معین کان یقول ابیعك مرابحة علی الثوب الذی بیدك وربح درهم او کر شعیرا وربح ھذا الثوب جاز اھ [1] فالقصر علی المکیل والموزون لامفهوم له ومن البین ان اشتراط مثلیة الثمن الاول یوجب المماثلة بینه وبین الثمن الثانی فی الجنس اذا لاه لعاد علی مقصوده بالنقص فان الشیئ ولومثلیا اذا بدل بخلاف جنسه خرج المثل من البین وآل الامر الی التقویم فهناك قلتم لایمکنه دفع مثله اذا الفرض عدمه وههنا نقول لایمکن دفعه مثله اذ الفرض ان البیع الثانی بخلاف جنسه وهذا کان شیئا واضحا فی غایة الوضوح فسبحان الذی اذ هل هؤلاء الاکابر من مثله ولاعصمة الا لکلام الله وکلام الرسول جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اس ثمن پر معین نفع لگائے مثلاً یوں کہے کہ میں یہ چیز بطور مرابحہ تجھ پر فروخت کرتاہوں اس کپڑے کے عوض جو تیرے قبضے میں ہے اور ایک درہم کے نفع پر یا ایک کُر جو کے نفع پر یا اس کپڑے کے نفع پر تو یہ بیع مرابحہ جائز ہے اھ چنانچہ نفع کے کیلی اور وزنی اشیاء میں اقتصار کا کوئی مفہوم نہیں، اور ظاہر ہے ثمن اول کے مثل ہونے کی شرط اس بات کو واجب کرتی ہے کہ ثمن اول اور ثمن ثانی کے درمیان جنس کے اعتبار سے مماثلت ہو اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہو تو یہ امر مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ کوئی شے اگرچہ مثلی ہو جب غیر جنس سے بدلی جائے تو مماثلت درمیان سے نکل جاتی ہے اور معاملہ قیمت لگانے کی طرف لوٹ آتا ہے، وہاں تم نے کہا کہ ثمن اول کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض اس کا عدم ہے تو یہاں ہم کہتے ہیں کہ اس کی مثل دینا ممکن نہیں کیونکہ مفروض یہ ہے کہ بیع ثانی اس کی جنس کے غیر بدلے میں ہے یہ انتہائی واضح چیز ہے، پاک ہے وہ جس نے ان اکابر کو اس جیسی ظاہر چیز بھلادی، خطا سے پاک تو صرف اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام ہے۔(ت)

اور ناجائز یوں ہوئی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالے سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض اول کے مثل ومساوی ہونا محض تخمین واندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی بناء کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہہ بھی حرام ہے پورا ٹھیک ثمن اول کا مساوی

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۲۴

بتا کر اس پر نفع باندھے، غیر جنس میں ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہٰذا مال ربوی جب اپنی جنس کے عوض کیا ہوا سے مرابحۃً بیچنا ناممکن و حرام ہے، یہ وہ شرط ثانی ضروری ولازمی وواجب تھی جس سے بحرالرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت واقع ہوئی،

وهذا ما وعدناك من قبل بان الحد الذى اتى به لم يتم ايضا وكان عليه ان يزيد بعض قوله "مما يتعين" غير ربوى قوبل بجنسه ثم العجب من العلامة المحقق ابى الاخلاص حسن الشرنبلالى رحمه الله تعالٰى اذا ورد على تعريف الدرر المذكور بيع ما ملكه بمثل ماقام عليه بزيادة مسئلة المثلى اذا غيبه الغاصب وضمن وملك ولا يرابح كما قدمنا عنه، قال ولا يرد على من قال بيع بمثل الثمن الاول[1]۔ **اقول:** صور بضمان الغصب فصدق ماقام عليه ولم يصدق الثمن ولو صور بربوى مبلكه بجنسه كبر ببر لعم الضمان والاثمان وورد على الكل بالسوية فهذا تحقيق الشرط الثانى وقد تفضل على المولٰى سبحانه وتعالٰى بهذا المباحث فاتقنها فانك لاتجده فى محل اٰخر ولله الحمد على تواتر الائه والصلٰوة والسلام على سيد انبيائه محمد واٰله واحبائه۔	یہ وہ ہے جس کا ہم نے آپ کے ساتھ پہلے وعدہ کیا تھا کہ جو تعریف علامہ بحر نے بیان کی ہے وہ بھی تام نہیں، ان پر لازم تھا کہ وہ اپنے قول "**مما يتعين**" کے بعد یہ الفاظ بڑھاتے "غير ربوى قوبل بجنسه" یعنی وہ چیز مال ربوی کا غیر ہو جس کا مقابلہ اس کی جنس سے کیا گیا ہو، پھر علامہ محقق ابو الخلاص حسن شرنبلالی رحمہ اللہ تعالٰی پر حیرت ہے کہ جب درر کی اس تعریف "وہ ملوک چیز کی بیع ہے اس کی مثل کے ساتھ جتنے میں اس کو پڑی مع کچھ زیادتی کے" پر اس مسئلہ کے ساتھ اعتراض وارد ہوا کہ غاصب دینے پر وہ اس شیئ کو غائب کردیا اور اس کا ضمان دینے پر وہ اس شیئ مغصوب کا مالک بن گیا اس کے باوجود وہ اس میں بیع مرابحہ نہیں کرسکتا جیسا کہ اس سے نقل کرچکے ہیں، تو علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی نے فرمایا کہ یہ اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتا جس نے تعریف میں یوں کہا کہ "بيع بمثل الثمن الاول" یعنی ثمن اول کی مثل کے بدلے بیع کرنا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ضمان غصب کے ساتھ صورت بیان کی گئی ہو جو "**ماقام عليه**" پر صادق اور ثمن پر صادق نہیں اگر ایسے مال ربوی کے ساتھ صورت بیان کی جاتی جس کا وہ اس کی

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درر الاحکام باب المرابحۃ والتولیۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۰

جنس کے بدلے میں مالک ہوا جیسے گندم کے بدلے گندم تو یہ صورت ضمان غصب اور ثمنوں کو شامل ہوتی اور سب پر اعتراض کا ورود برابر ہوتا۔ یہ شرط ثانی کی تحقیق ہے۔ بیشک مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مباحث جلیلہ کے سبب محمد پر فضل فرمایا اور توان کو محفوظ کر کہ انھیں تو دوسری جگہ نہیں پائے گا۔ ان مسلسل نعمتوں کے عطا ہونے پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور درود وسلام ہو نبیوں کے سردار محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی آل واحباب پر۔ (ت)

جب یہ اصل اصیل منقح ہولی اب جواب مسئلہ کی طرف چلئے **فاقول: وباللہ التوفیق** (تو میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) نوٹ میں شرط دوم تو خود موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں نہ وہ اور روپے یا اشرفی متحد الجنس۔ اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہٖ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اسے ثمنیت عارض ہے اور جب تک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اسے متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ متعین نہ ہوگا۔ اور اوپر معلوم ہولیا کہ یہاں تعین دونوں وقت درکار ہے ملک اول کے وقت اور اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی اس نفع پر بیچی۔ وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے کہ جب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کررہے ہیں ضرور اسے متعین کرلیا جس طرح پیسوں کی بیع سلم میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ **کفل الفقیہ الفاھم** میں ہے۔

وقلت فی الوفاقیة ان المسلم فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها مسلما فیها دلیل علی الابطال [1] اھ ای ابطال الاصطلاح علی الثمینة القاضیة بعدم التعیین وفی الهدایة فی الخلافیة لهما ان الثمینة فی حقهما باصطلاحهما	میں نے اتفاقی اور اجماعی مسئلہ میں کہا کہ مسلم فیہ کبھی ثمن نہیں ہوسکتا لہذا بائع اور مشتری کا پیسوں کو مسلم فیہ بنانے کا اقدام دلیل ابطال ہے اھ یعنی اصطلاح ثمنیت کا ابطال جو عدم تعیین کا تقاضا کرتی ہے اور ہدایہ میں اختلافی مسئلہ کے بارے میں شیخین کی دلیل یوں بیان کی کہ بائع اور مشتری کے حق میں ثمنیت ان دونوں کی

[1] کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر نوری کتب خانہ داتا دربار لاہور ص ۶۲۔۶۱، کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر منظمۃ الدعوۃ الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۷

فتبطل باصطلاحھما [1] اھ وقلت فیھا فی ہامش الکفل ان الحاجة الی تصحیح العقد تکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درہما ودینارین بدرہمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الرباء کتحققه فما الحامل علیه الاحاجة التصحیح و کم بله من نظیر [2]۔	اصطلاح کی وجہ سے ہے لہذا ان دونوں کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی۔اور میں نے اس مسئلہ اختلافیہ کے بارے میں کفل الفقیہ کے حاشیہ پر کہا ہے کہ عقد کو صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اس کا نفس عقد سے ناشی ہونا لازم نہیں جیسے کسی نے ایک درہم اور دو دینار کو دو درہموں اور ایک دینار کے عوض فروخت کیا۔تو جنس کو غیر جنس کی طرف پھیرتے ہوئے اس کو جواز پر محمول کریں گے باوجودیکہ خود ذات عقد جنس کا مقابلہ جنس سے کرنے سے انکار نہیں کرتی اور سود کا احتمال بھی حقیقت سود کی طرح ہے تو سوائے تصحیح عقد کی حاجت کے اس کا کوئی باعث نہیں اور اس کی متعدد نظیریں ہیں۔(ت)

اب نہ رہی مگر وقت میں نظر۔اگر یہ نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ وصیت یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دے دیا یا کسی کا اس کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہو کر تاوان دے کر بیچ لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ کرسکتا ہے کہ اب سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن اصطلاحی ہے،پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بتا کر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ سو روپے کا ہے میں نے تیرے ہاتھ اتنی روپے کے نفع پر بیچا اور پچھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتا کر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے ہاتھ بیع کیا،درمختار میں ہے:

المرابحة بیع ماملکه ولو بھبة او	مرابحہ اس چیز کی بیع ہے جس کا مالک بنا اگرچہ

[1] الہدایة کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۹۴

[2] کفل الفقیة الفاہم امام العاشر حاشیہ نوری کتب خانہ داتادربار لاہور ص ۶۲، کفل الفقیہ الفاہم امام العاشر منظمة الدعوة الاسلامیہ لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۸

ارث اووصیة اوغصب [1]۔	ہبہ، میراث، وصیت یا غصب کے سبب سے مالک بنا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

الغصب اذا ضمنه جازله بیعه مرابحة وتولیة علی ماضمن ومامبلکه بهبة اوارث اووصیة اذا قومه فله المرابحة علی القیمة اذا کان صادقا فی التقویم اھ ملتقطا۔ [2]	غصب کا جب تاوان دے دیا تو اب اس تاوان پر غصب کی بیع بطور مرابحہ یا بطور تولیہ جائز ہے اور جس چیز کا ہبہ، میراث یا وصیت کے ذریعے مالک بنا جب اس کی قیمت مقرر کرے تو اس قیمت پر اس مملوک چیز کی بیع مرابحہ کرسکتا ہے بشرطیکہ قیمت مقرر کرنے میں سچا ہو اھ التقاط (ت)

اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

تتعین ای الدراہم والدنانیر فی الامانات والهبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب [3]۔	امانتوں۔ ہبہ، صدقہ، شرکت، مضاربہ اور غصب میں دراہم ودنانیر متعین ہوجاتے ہیں (ت)

یونہی اگر یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا اس پر مرابحہ کرسکتا ہے مثلاً نوے روپے کے بدلے سو کی رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ پر خریدا یہ نوٹ معین ہوگیا لما قدمنا۔ (اس دلیل کی وجہ سے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ ت) اب نوے روپے اصل ثمن لگا کر اس پر نفع معین کرے سو روپے اصل قیمت کو ٹھہرا کر اس پر نفع لگانا حرام ہوگا یونہی اگر نوٹ اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہ اتنے کو بیچا کہ ایسی صریح تصریح سے ثمن اصطلاحی متعین ہوجاتا ہے تو جتنے کو لیا اتنے پر مرابحہ کرسکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہوگا جب تک عاقدین صاف تصریح نہ کریں کہ خاص اس کی ذات سے عقد بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵

[2] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۰۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹

صح البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین لانها اموال معلومة صارت ثمنا بالاصطلاح فجاز بها البیع ووجب فی الذمة کالدراھم والدنانیر وان عینها لاتتعیین لانها صارت ثمنا باصطلاح الناس وله ان یعطیه غیرہما لان الثمنیة لاتبطل بتعیینها لان التعیین یحتمل ان یکون لبیان قدر الواجب ووصفه کما فی الدراھم، ویجوز ان یکون لتعلیق الحکم بعینها فلا یبطل الاصطلاح بالمحتمل مالم یصرحا بابطاله بان یقولا اردنا به تعلیق الحکم بعینها فحینئذ یتعلق العقد بعینها بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسین باعیانهما حیث یتعین من غیر تصریح لانه لو لم یتعیین لفسد البیع علی مابینا من قبل فکان فیه ضرورة تحریا للجواز وھنا یجوز علی التقدیرین فلاحاجة الی ابطال اصطلاح الکافة [1]۔	رائج پیسوں کے ساتھ بیع جائز ہے اگرچہ متعین نہ ہوں کیونکہ وہ اموال معلومہ ہیں جو کہ اصطلاح کے سبب سے ثمن بنے ہیں تو ان کے ساتھ بیع جائز ہوگی اور یہ ذمہ پر ہونگے جیسا کہ دراہم ودنانیر کا حکم ہے اگر ان کو متعین کرے تب بھی یہ متعین نہ ہونگے کیونکہ یہ لوگوں کے اصطلاح سے ثمنم بنے ہیں اور تعیین کے باوجود اس کو دوسرے پیسے دینے کا اختیار ہے کیونکہ ان کی تعیین سے ثمنیت باطل نہیں ہوتی کیونکہ تعیین میں احتمال ہے کہ وہ واجب کی مقدار اور وصف کو بیان کرنے کے لئے ہو اور یہ بھی ممکن ہے حکم کو ان معین پیسوں کی ذات سے معین کرنے کے لئے ہو چنانچہ محض احتمال سے اصطلاح باطل نہیں ہوتی جب تک بائع اور مشتری اس کو باطل کرنے کی تصریح نہ کریں بایں طور کہ وہ یوں کہیں کہ ہم نے خاص انہی پیسوں سے حکم کو مطلق کرنے کا ارادہ کیا ہے اس وقت خاص ان ہی معین پیسوں سے عقد متعلق ہوگا بخلاف اس صورت کے جب کسی نے دو معین پیسوں کے عوض ایک پیسہ فروخت کیا کیونکہ یہاں بغیر تصریح کے وہ متعین ہوجائیں گے اس لئے کہ اگر اس صورت میں وہ متعین نہ ہوں تو بیع فاسد ہوگی اس وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کردی ہے تو اس میں تلاش جواز کی ضرورت ہوئی اور یہاں دونوں صورتوں میں بیع جائز ہوگی لہذا تمام کی اصطلاح کو باطل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الصرف المطبعة الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۱۴۳

ہاں بغیر اس تصریح کے جس طرح عام طور پر نوٹ کی خرید وفروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا بائع کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے اس کے بدلے اور کوئی نوٹ کا سو کا دے دے جبکہ چلن میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا، پھٹ گیا، تلف ہوگیا تو بیع باطل نہ ہوئی کہ خاص اس نوٹ کی ذات اسے متعین نہ تھی دوسرا دے دے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مرابحہ نہیں کرسکتا کہ وہ معین ہو کر اس کی ملکیت میں نہ آئے، کما بیناہ اٰنفا (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مرابحۃً نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے۔ اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لایتعین فی المھر ولوبعد الطلاق قبل الدخول فتردمثل نصفه ولذا لزمھا زکوٰته لونصابا حولیا عندھا[1] اھ۔ **اقول:** والوجه فیه ان المھر ایضا معاوضة والاثمان لایتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراء ھا من التبرعات وفیھا الھبة والصدقة ومن الامانات ومنھا المضاربة والشرکة والوکالة والودیعة کلھا بعد التسلیم اما قبله فلا مطالبة ولا استحقاق وانما النظر فی تعین النقود وعدمه من	ثمن مہر میں متعین نہیں ہوتے اگرچہ دخول سے قبل طلاق کے بعد ہوں تو اس صورت میں مطلقہ نصف مہر کی مثل واپس کرے گی اسی وجہ سے اس عورت پر اس مہر کی زکوٰۃ واجب ہے اگر وہ نصاب کے برابر ہوں اور سال بھر عورت کے پاس رہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) وجہ اس میں یہ ہے کہ مہر معاوضہ ہے اور ثمن معاوضوں میں متعین نہیں ہوتے جبکہ معاوضوں کے ماسوا یعنی تبرعات، امانات اور غصبات میں متعین ہوجاتے ہیں، ہبہ اور صدقہ تبرعات میں سے ہیں جبکہ مضاربت، شرکت، وکالت اور ودیعت امانات میں سے ہیں۔ ان سب میں تعین تسلیم کے بعد ہوتا رہاہے قبل از تسلیم تو اس صورت میں نہ مطالبہ نہ کوئی استحقاق، نقود کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۹، الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۵۹

هذه الجهة كما فی احكام النقد من الاشباه [1] **اقول:** ولذا لم تتعين فی النذر اذ ليس مطالب الا بما فيه قربة ولاقربة فی خصوص نقد او وقت اوفقير كما فی جامع الفصولين [2] من الفصل السابع عشر ومن الغصبيات ويلتحق بها المقبوض فی الصرف اذا فسد بالتفريق قبل قبض بدل و فی البيع اذا فسد علی ماهو الاصح لكونه واجب الرد وفی الدعوی اذا ادعی اٰخر مالافقضی له فقبض ثم اقر انه كان مبطلا فيها اما الدين المشترك اذا قبضه احدهما يؤمر برد حصة صاحبه من عين المقبوض۔ **اقول:** ان كان قبضه بحق فامين اولافغاصب فانحصر الامر فيما ابديت من الضابط والله الحمد اتقنه فانك لاتجده فی غير هذه	تعین اور عدم تعین میں نظر صرف اسی جہت (بعد از تسلیم) سے ہے جیسا کہ اشباہ کی فصل احکام النقد میں ہے۔ **اقول:** اسی لئے نقود نذر میں متعین نہیں ہوتے کیونکہ مطالبہ صرف اس چیز کا ہوتا ہے جس میں قربت ہو جبکہ نقد یا وقت یا فقیر کے خاص ہونے میں کوئی قربت نہیں جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۱۷ میں ہے، اور بیع صرف میں جس چیز پر قبضہ کیا جائے وہ غصبیات کے ساتھ ملحق ہو جاتی ہے جبکہ بدل صرف پر قبضہ کرنے سے پہلے تفریق کی وجہ سے عقد صرف فاسد ہو جائے، اور مذہب اصح کے مطابق بیع فاسد میں بھی غصب سے ملحق ہے کیونکہ اس کا رد کرنا واجب ہے اور یوں ہی دعوٰی میں ہے اگر کسی نے دوسرے پر کچھ مال کا دعوٰی کیا پھر فیصلہ کے حق میں ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد اس نے اقرار کیا کہ وہ اس دعوٰی میں باطل پر تھا یعنی جھوٹا تھا۔ رہا دین مشترک تو اگر اس پر دو شریکوں میں سے ایک نے قبضہ کرلیا تو اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ عین مقبوض میں سے اپنے شریک کا حصہ اس کو دے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اگر اس نے حق کے ساتھ قبضہ کیا تو امین ہے اور اگر ناحق قبضہ کیا ہے وغاصب ہے۔ چنانچہ جو ضابطہ میں نے بیان کیا ہے معاملہ اسی پر منحصر ہوا۔ اللہ تعالٰی

[1] الاشباہ والنظائر احکام النقد ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۹۔۱۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل السابع عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

السطور والحمد اللہ علی تواتر الائہ بالوفور۔	کے لئے ہی حمد ہے۔اسے محفوظ کرلو کہ اس کو توان سطور میں کے غیر میں نہ پائیگا۔اور مسلسل وافر نعمتوں کی عطا پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔(ت)

پھر جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے یہ معنٰی ہیں کہ ملک اول کے لحاظ سے نفع مقرر نہیں کرسکتا ابتدائے بیع بے لحاظ سابق کرے جسے مساومہ کہتے ہیں۔تو اختیار ہے جتنے کو چاہے بیچے اگرچہ دس کا نوٹ ہزار کو۔بحر میں ہے:

قید بقولہ لم یرابح لانہ یصح مساومۃ لان منع المرابحۃ انماھی للشبھۃ فی حق العباد لافی حق الشرع وتمامہ فی البنایۃ[1]۔	ماتن نے یہ قید لگائی کہ وہ بیع مرابحہ نہیں کرسکتا کیونکہ بیع مساومہ اس میں صحیح ہے اس لئے کہ مرابحہ کی ممانعت حقوق العباد میں شبہ کی وجہ سے ہے نہ کہ حق شرعی میں۔اس کی پوری بحث بنایہ میں ہے۔(ت)

اور جہاں مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ مشتری کو بھی اس کی رقم معلوم ہو اور جانے کہ مجموع یہ ہوا اور نہ اگر کسی ناخواندہ کے ہاتھ بیچا ہے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہے اس صورت میں اگر اسی جلسہ بیع میں اسے علم ہوگیا کہ یہ مثلاً سو روپے کا ہے اور مجھے ایک سو چھ روپے چار آنے میں دیا جاتا ہے تو بعد علم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم رہے یا انکار کردے اور اگر ختم جلسہ بیع تک اسے علم نہ ہو تو بیع فاسد وحرام و واجب الفسخ ہوگئی اگرچہ بعد کو اسے علم ہوجائے۔ردالمحتار میں ہے:

قال فی النھر لو کان البدل مثلیا فباعہ بہ وبعشرہ ای بعشر ذٰلك المثلی فان کان المشتری یعلم جملۃ ذٰلك صح والافان علم فی المجلس خیر والافسد[2]۔	نہر میں کہا کہ اگر بدل مثلی ہے اور اس نے اس مثلی بدل اور مزید اس کے عشر یعنی اس مثل کے دسویں حصہ کے عوض بیع کی،اس صورت میں اگر مشتری کو اس تمام کا علم ہے تو بیع صحیح ہے اور اگر علم نہیں تھا مگر اسی مجلس میں اس کو معلوم ہوگیا تو اسے اختیار ہے ورنہ فاسد ہوگی۔(ت)

[1] البحرالرائق کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المرابحۃ والتولیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۵۴

ہدایہ باب المرابحہ میں ہے:

اذ احصل العلم فی المجلس جعل کابتداء العقد وصار کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبعد الافتراق قد تقرر فلا یقبل الاصلاح ونظیرہ بیع الشیئ برقمه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب مشتری کو مجلس کے اندر ثمن کا علم ہوگیا تو اس کی ابتداء عقد کی طرح قرار دیا جائے گا اور یہ آخر مجلس تک قبول کو مؤخر کرنے کی مثل ہوگیا اور جدائی (تبدیلی مجلس) کے بعد اگر علم ہوا تو اب چونکہ فساد مستحکم ہوچکا ہے لہٰذا یہ بیع اصلاح کو قبول نہیں کرے گی اور اس کی نظیر کسی شے کو اس کی لکھی ہوئی قیمت کے عوض فروخت کرنا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] الهدایه کتاب البیوع باب المرابحة والتولیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۷۶۔۷۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب التصرف فی المبیع والثمن

(مبیع اور ثمن میں تصرف کرنے کا بیان)

مسئلہ ۱۰۵: از بڑودہ پائگاہ قام حالہ مرسلہ سیدہ میاں حالہ ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

قدوۃ العلماء عمدۃ الفضلاء اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر طلب کیا، خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت نقد مجھ سے وصول کرلے باقی روپیہ جو رہا مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے بھی باقی رہے قسط بقسط ماہ بماہ دیتا رہوں گا تیرا مہر بہر حال ادا کردوں گا۔ عورت اس بات پر راضی ہوئی، شرع شریف میں یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ مع مہر، سند کتاب عبارت عربی وترجمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائے گا اس کا صلہ آپ کو اللہ تعالٰی جل شانہ، عطا کرے گا فقط۔ راقم سید و میاں حالہ از بڑودہ۔

الجواب:

یہاں تین باتیں ہیں: [1] بعض مہر کا بالفعل زر نقد سے ادا کرنا۔ [2] بعض کے عوض مکان وزمین نرخ بازار پر دینا۔ باقی ماندہ کی قسط بندی ہونا، یہ تینوں امر شرعاً جائز ہیں۔ [1] اول تو خود ظاہر ہے اگرچہ شرعاً خواہ عرفاً مہر مؤجل عدت وطلاق یا ایسی اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلاً دس برس بعد دینا ٹھہرا تھا اس نے کُل یا بعض ابھی دے دیا عورت کو جبراً لینا ہوگا کہ اجل حق مدیون ہے۔ اور اسے

اس کے ساقط کرنے کا اختیار،

فی الزیلعی والخانیة والنهایة ثم الاشباہ ثم العقود الدریة الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حول الاجل یجبرا الطالب علی تسلیمه لان الاجل حق المدیون فله ان یسقطه[1]۔	زیلعی، خانیہ، نہایہ پھر اشباہ پھر عقود الدریہ میں ہے کہ مدیون اگر دین مؤجل کی ادائیگی اجل گزرنے سے پہلے کرے تو طالب (قرض خواہ) پر اس کی وصولی کے لئے جبر کیا جائے گا کیونکہ اجل مدیون کا حق ہے جسے ساقط کرنے کا اسے اختیار ہے۔(ت)

اور ثانی ۲ بھی جائز کہ اگرچہ اصل مقتضائے دین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دی جائے، مثلاً روپے کے روپے ہی ادا کئے جائیں، فی الاشباہ والدر وغیرہما الدیون تقضی بامثالها[2] (اشباہ اور درر وغیرہ میں ہے کہ قرضے ان کی مثل سے ادا کئے جائیں۔ت) مگر ماورائے سلم وصرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی روا کہ دین کا معاوضہ دوسری چیز کرلیں۔

فی ردالمحتار طالب مدیونه فبعث الیه شعیر اقدرا معلوما وقال خذہ بسعر البلد والسعر لهما معلوم کان بیعا[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ کسی نے اپنے مقروض سے قرضے کا مطالبہ کیا تو اس نے معین مقدار میں جو بھیجے اور کہا کہ شہر کے بھاؤ کے مطابق لے لو اگر شہر کا بھاؤ دونوں کو معلوم ہے تو بیع ہوگئی۔(ت)

اور ثالث ۳ کا بھی جواب واضح، اگرچہ اس وقت تک قسط بندی نہ تھی کہ برضامندی معجّل کو مؤجل، غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں۔ یعنی جس دین کی نسبت قرار پایا تھا کہ فوراً ادا کیا جائے گا پھر یہ ٹھہرالیں کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا یا اب تک قسطیں نہ تھیں اب قرار دے لیں کہ ماہانہ یا سالانہ قسط سے ادا ہوا کرے گا۔

فی الکنز صح تاجیل کل دین غیر القرض[4]، وفی الاشباہ الحال یقبل التأجیل	کنز میں ہے کہ قرض کے سوا ہر دین میں میعاد مقرر کرنا صحیح ہے، اور اشباہ میں ہے دین حالی تاجیل

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۸

[2] تتمہ فی الفروق من الاشباہ والنظائر مع الاشباہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲

[4] کنز الدقائق باب المرابحۃ والتولیۃ فصل صح بیع العقار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲۵

الاماقدمناہ[1] اھ یعنی ماذکر فی قولہ لیس فی الشرع دین لا یکون الا حالا الا راس مال السلم وبدل الصرف والقرض و الثمن بعد الاقالۃ ودین المیت وما اخذبہ الشفیع العقار[2]۔	کو قبول کرتا ہے سوائے اس کے جس کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اھ، اس سے مراد وہ ہے جس کا ذکر مصنف نے اپنے اس قول میں کیا کہ شرع میں کوئی دین ایسا نہیں جو فقط حالی ہو سوائے بیع سلم میں راس المال، بدل صرف، قرض، اقالہ کے بعد ثمن اور دین میت کے اور وہ جس کے بدلے شفیع نے جائداد لی۔(ت)

مگر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور ہے کہ نرخ بازار مرد وزن کا معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں، اس کے تعین کے ساتھ بیع واقع ہو کہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپے کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین ومکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی۔ وہ کہے میں نے قبول کی، یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہولے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع فاسد ہوجائے گی اور زن ومرد دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہونگے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ ایجاب وقبول میں نرخ بازار معلوم ہوجائے تو البتہ بیع صحیح ہوجائے گی۔ اور مشتریہ کو بعد علم قیمت اس شیئ کی لینے نہ لینے کا اختیار ہوگا مگر یہ امر موہوم ومشکل ہے لہٰذا پہلے ہی دریافت کرکے بیع بطریق مذکور کریں۔

فی الدر فسد بیع ماسکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمۃ[3] اھ ملخصا۔ وفی الھندیۃ اما اشرائط الصحۃ فمنھا ان یکون الثمن معلوما علما یمنع من المنازعہ فبیع المجھول جھالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع الشیئ	در میں ہے کہ جس بیع میں ثمن سے سکوت اختیار کیا وہ فاسد ہے جیسے کسی شے کی بیع اس کی قیمت کے بدلے میں اھ تلخیص، ہندیہ میں ہے کہ صحت بیع کی شرائط میں سے ثمن کا اس طرح معلوم ہونا ہے کہ جھگڑا پیدا نہ ہو لہٰذا مجہول کی بیع ایسی جہالت کے ساتھ جو جھگڑے کا باعث بنے صحیح نہیں جیسے کسی شیئ کو اس کی قیمت کے بدلے فروخت

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن الخ کراچی ۲/ ۲۱۲
[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

بقیمتہ اھ[1] مختصرا وفیھا من ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمہ البائع فی المجلس صح البیع وللمشری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذافی الکافی انتہی[2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کرنا اھ اختصار۔اور اسی میں ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کے ساتھ کسی شیئ کی تولیہ کی اتنے کے بدلے میں جتنے میں اس کو پڑی درانحالیکہ مشتری کو معلوم نہیں کہ بائع کو کتنے میں پڑی ہے تو بیع فاسد ہوگی، پھر اگر بائع نے مجلس کے اندر مشتری کو بتادیا تو بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتری کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے، یونہی کافی میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ دوسری مجلس میں بائع کا ثمن مشتری کو معاف کردے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اس معاف کرنے کے سبب وہ بیع بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں گے یا ہبہ ہوجائے گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اواس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کردے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل نہیں قرار پاسکتا کیونکہ ہبہ یا ابراء جو کچھ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ اس جائداد کا، اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کو متقضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کاہے کہ تھا جو معاف کیا گیا،

فی الفتاوی العالمگیریۃ اذا حط کل الثمن اووھبہ او ابرأہ عنہ فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق بأصل العقد وان کان بعد قبض الثمن صح الحط والھبۃ ولم یصح الابراء ھکذا فی المحیط[3]۔	فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا بری کردیا اگر قبضہ سے پہلے ایسا کیا توسب صورتیں درست ہیں مگر یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا او اگر ثمن پر قبضہ کے بعد ایسا کیا ہے تو گھٹانا اور ہبہ کرنا درست ہوگا مگر بری کرنا درست نہ ہوگا محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب المرابحۃ التولیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فتلاحق بی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا علی ناضح لنا قد اعیا فلا یکاد یسیر فقال لی ما لبعیرك قال قلت اعیٰ، قال فتخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فزجرہ ودعا لہ فما زال بین یدی الابل قد امھا یسیر فقال لی کیف تری بعیرك قال قلت بخیر قد اصابتہ برکتك قال افتبیعنیہ قال فاستحییت ولم یکن لنا ناضح غیرہ قال فلقلت نعم قال فبعنی قال فبعتہ ایاہ علی ان لی فقار ظھرہ حتی بلغ المدینۃ فلما قدم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ غدوت علیہ بالبعیر فاعطانی ثمنہ وردہ علی[1] (ملتقطا)۔	انہوں نے کہا کہ میں ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ گیا تو آپ مجھ سے آملے درانحالیکہ میں پانی لانے والے ایک انٹ پر سوار تھا جو تھک چکا تھا اور چلنے سے تقریبًا عاجز ہوگیا تھا۔ آپ نے مجھے فرمایا کہ تیرے اونٹ کو کیا ہوا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ تھک گیا ہے، آپ نے پیچھے مڑ کر اونٹ کو جھڑکا اور اس کے لئے دعا فرمائی تو وہ مسلسل تمام اونٹوں کے آگے چلنے لگا پھر سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اونٹ کو کیسا پاتے ہو؟ میں نے عرض کی کہ بہتر ہے اس کو آپ کی برکت پہنچی ہے، آپ نے فرمایا کیا تم اسکو میرے پاس فروخت کروگے تو میں نے انکار سے حیا کیا جبکہ ہمارے پاس اور اونٹ نہ تھا تو میں نے وہ اونٹ اس شرط پر آپ کے ہاتھ بیچ دیا کہ میں مدینہ منورہ تک اس کی پشت پر سواری کروں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں اونٹ لے کر آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اونٹ کے ثمن عطا فرمائے اور اونٹ بھی مجھے واپس کردیا (ملتقطا)۔ (ت)

دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا، یوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کردے اور ثمن بھی نہ لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجھاد باب الاستیذان الرجل الامام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۶، صحیح مسلم، کتاب المساقاۃ باب بیع البعیر و استثناء رکوبہ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۹

مسئلہ ۱۰۷: عـــہ

الجواب:

صورت مستفرہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

(۱) شرع مطہر میں عاقدین کی نیات قلبیہ واغراض باطنیہ پر بائے کار نہیں بلکہ جو لفظ انہوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے، صدہا مسائل شرع اس پر متفرع۔ اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں عزم قطعی ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے روز طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح ونافذ رہتا ہے پھر اسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے یا نہ دے۔ اور اگر عقد نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے،

بنایۃ للعلامۃ العینی کتاب النکاح فصل المحرمات، قال شیخنا زین الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعۃ المحرم اذخرج بالتوقیت فیہ اما اذاکان فی تعیین الزوج انہ لایقیم معہا الاسنۃ او شہرا اونحو ذٰلک ولم یشترط ذٰلک فانہ نکاح صحیح [1]۔	علامہ عینی کی تصنیف بنایہ کتاب النکاح، فصل محرمات میں ہے کہ ہمارے شیخ زین الدین عراقی نے جامع ترمذی کی شرح میں فرمایا کہ نکاح متعہ حرام ہے بشرطیکہ اس میں معین مدت کا اظہار کرے، اور اگر زوج نے محض اپنی نیت میں تعیین کی ہو کہ وہ اس عورت کو ایک سال یا ایک مہینہ وغیرہ مدت تک اپنی زوجیت میں رکھے گا لیکن بوقت نکاح شرط نہیں لگائی تو بیشک یہ نکاح صحیح یہ ہے۔ (ت)

علٰی ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کردے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کردے تو یہ ہبہ شرعًا ہبہ ہی رہے گا او شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ ان کی نیت مبادلہ مال بالمال تھی۔

عالمگیریہ مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۴۹:

یھب البائع الدار من المشتری ویشھد	بائع مکان مشتری کو ہبہ کردے اور اس پر گواہ

عـــہ: اصل میں سوال درج نہیں۔ جواب سے سوال کی صورت سمجھی جاسکتی ہے۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب النکاح فصل فی نکاح المحرمات المکتبۃ الامدادیہ مکہ مکرمہ ۲ /۶۷

علیه ثمن الشتری یهب الثمن من البائع ویشهد علیه وذکر فی حیل الاصل ثم المشتری یعوضه مقدار الثمن فاذا فعلا ذلك لاتجب الشفعة لان حق الشفعة یختص بالمعاوضات[1]۔	قائم کردے پھر مشتری ثمن بائع کو ہبہ کرے اور اس پر گواہ قائم کرے اور حیل اصل میں مذکور ہے کہ پھر مشتری اس پر ثمن کے برابر عوض مقرر کرے، جب بائع او مشتری نے ایسا کرلیا تو اب شفعہ ثابت نہیں ہوگا کیونکہ حق شفعہ تو معاوضات کے ساتھ مختص ہے۔(ت)

اسی طرح اگر کسی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہوجائیگا، تو علماء فرماتے ہیں اس مشاع کو اس کے ہاتھ بیع کرے ور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلاعوض بھی حاصل ہوجائے گی، اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعًا بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا، ردالمحتار حاشیہ در مختار مطبوعہ دارالاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ ص ۷۷۷:

(فائدة) من اراد ان یهب نصف دار مشاعا یبیع منه نصف الدار بثمن معلومه ثم یبریه عن الثمن بزازیة[2]۔	(فائدہ) جو آدھا مکان غیر منقسم ہبہ کرنا چاہے تو وہ آدھا مکان موہوب لہ کے ہاتھ بیچ کر ثمن سے اس کو بری کردے، بزازیہ۔ (ت)

مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورت مقدمہ بعینہٖ یہی جزئیہ خاص ہے جس کا حکم فقہاء نے بالتصریح فرمادیا کیونکہ اس کی عرضی دعوٰی کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھا لہذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) وکیل مدعیہ نے جو عبارت در مختار پیش کی کہ بطل حط الکل[3] (کل کا گھٹا دینا باطل ہے۔ت)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ردالمحتار میں اس کے معنی بیان فرمادئے کہ مراد یہ ہے کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ کہ یہ اصل عقد سے ملتحق نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائے گا کہ سرے سے عقد بلاثمن ہوا تھا تاکہ فساد لازم آئے یا بیع ہبہ ہوجائے۔ بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الحیل الفصل العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۸

عقد سے ملتحق ہو جاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کر دے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتداء پچھتّر کو بیچا تھا۔ شامی مطبوعہ استنبول ج ۴ ص ۲۵۹:

(قولہ)فبطل حط الکل ای بطل التحاقہ مع صحۃ العقدوسقوط الثمن عن المشتری خلافالماتوھمہ بعضھم من ان البیع یفسداخذا من تعلیل الزیلعی بقولہ لان الالتحاق فیہ یؤدی الی تبدیلہ لانہ ینقلب ھبۃ او بیع بلاثمن فیفسد وقد کان من قصدھما التجارۃ بعقد مشروع من کل وجہ فالالتحاق فیہ یؤدی الی تبدیلہ فلایلتحق بہ اھ فقولہ فلا یلتحق صریح فی ان الکلام فی الالتحاق وان قولہ فیفسد مفرع علی الالتحاق کما صرح بہ شرح الھدایۃ وقال فی الذخیرۃ اذا حط کل الثمن او وھب او ابرأعنہ فان کان قبل قبضہ صح الکل ولا یلتحق باصل العقد وفی البدائع من الشفعۃ ولو حط جمیع الثمن یاخذ الشفیع بجمیع الثمن ولا یسقط عنہ شیئ لان حط کل الثمن لایلتحق	قولہ یعنی ماتن کا قول کہ "کل کو گھٹا دینا باطل ہے" اس سے مراد یہ ہے کہ اس کو اصل عقد کے ساتھ لاحق کرنا باطل ہے اور باوجودیکہ عقد اور مشتری سے ثمن کا اسقاط دونوں صحیح ہیں، یہ حکم بعض لوگوں کے اس وہم کے خلاف ہے کہ بیع فاسد ہے، ان لوگوں نے زیلعی کی تعلیل سے استدلال کیا جو اس نے اپنے اس کلام میں بیان کی کہ یہ الحاق اصل عقد کی تبدیلی تک پہنچاتا ہے کیونکہ اس کے سبب سے بیع یا تو ہبہ بن جائے گی یا بیع بلا ثمن تو اس طرح وہ فاسد ہو جائے گی، حالانکہ ان دونوں کا ارادہ ایسے عقد کے ذریعے تجارت تھا جو ہر لحاظ سے مشروع ہو اور الحاق چونکہ اس میں تبدیلی کا موجب ہے لہٰذا یہ عقد کے ساتھ ملحق نہ ہوگا اھ اس کا قول "فلا یلتحق" صریح ہے اس بات میں کلام لاحق ہونے کے بارے میں ہے اور اس کا قول "فیفسد" اسی لحوق پر متفرع ہے جیسا کہ شرح ھدایہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے، اور ذخیرہ میں کہا کہ جب بائع تمام ثمن گھٹا دے یا ہبہ کرے یا مشتری کو ثمن سے بری کردے اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہے تو سب درست ہے اور یہ اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوگا۔ بدائع میں شفعہ کی بحث میں ہے کہ اگر بائع نے تمام ثمن گھٹا دیئے تو شفیع تمام ثمن کے بدلے لے سکتا ہے اس سے کچھ بھی ساقط نہ ہوگا کیونکہ تمام ثمنوں کا

باصل العقد لانه لو التحق لبطل البیع لانه یکون بیعا بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ زادفی المحیط لانه لاقی دینا قائما فی ذمته وتمامه فی فتاوی العلامة قاسم [1]۔	گھٹانا اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوتا اس لئے کہ اگر یہ لاحق ہو تو بیع باطل ہو جائے گی کیونکہ یہ بیع بلا ثمن بن جائے گی، چنانچہ شفیع کے حق میں کل ثمن کا گھٹانا صحیح نہیں البتہ مشتری کے حق میں صحیح ہے اور یہ اس کو ثمن سے بری کرنا ہوا اھ۔اور محیط میں زیادہ کیا کہ وہ اس دین کے مقابل ہوا جو اس کے ذمہ کے ساتھ قائم ہے،اس کی پوری بحث علامہ قاسم کے فتاوٰی میں ہے۔(ت)

ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملۃ والدین محمد بن عابدین آفندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تحقیق انیق ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل و مبرہن ہے اور وہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر نصوص صریحہ نقل فرمائیں جن سے صاحب درمختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً وخلفاً استناد کرتے آئے ہیں___ذخیرہ کہ ایک عمدہ مستند فتاوی ہے۔بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جس کی نسبت علماء فرماتے ہیں **هذا الکتاب جلیل الشان لم ارله نظیر فی کتبنا** (یہ عظیم الشان کتاب ہے جس کی نظیر ہماری کتابوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ت)، محیط جس کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے، فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الہمام، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زیلعی، شرح الہدایۃ اور ان کے سوا اور کتابوں میں بھی یہ مسئلہ یونہی لکھا ہے جیسا علامہ محقق نے تحقیق فرمایا، **مجمع الانہر** شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول جلد ۲ صفحہ ۷۵:

صح التصرف فی الثمن ببیع وهبة وتملیك ممن علیه بعوض وغیرعوض قبل قبضه.والحط منه ویثبت الحط فی الحال ویلتحق باصل العقد استنادا وفیه اشارة الی ان حط کل الثمن غیر ملتحق	ثمن میں قبض سے قبل تصرف صحیح ہے جیسے بیع،ہبہ،اور جس پر ثمن لازم ہے اس کو کچھ عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنانا،اور ثمن میں سے کچھ گھٹادینا،اور یہ گھٹانا فی الحال ثابت ہوتا ہے اور اصل عقد کی طرف منسوب ہو کر اس کے ساتھ لاحق ہوتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ تمام ثمن کا گھٹانا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

بالعقد اتفاقا[1] اھ ملتقطا۔	اصل عقد کے ساتھ بالاتفاق لاحق نہیں ہوتا اھ اختصار۔ (ت)

شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳۰:

صح التصرف فی الثمن والحط عنه، ای صح للمشتری القاء کل المبیع او بعضه عن البائع، وللبائع القاء کل الثمن او بعضه عن المشتری وان لم یبق المبیع ولم یقبض الثمن فصح ان یقول حططت کله او بعضه عنك اووهبته منك او ابرأتك عنه (الی قوله) وان لم یلتحق باصل العقد[2]۔	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا درست ہے یعنی مشتری کے لئے کل یا بعض مبیع بائع سے گھٹانا اور اسی طرح بائع کے لئے کل یا بعض ثمن مشتری سے ساقط کردینا درست ہے اگرچہ مبیع باقی نہ رہا ہو اور ثمن پر قبضہ نہ کیا ہو تو یہ کہنا صحیح ہوگا کہ میں نے تجھ سے کل یا بعض گھٹادیا یا میں نے تجھ کو اس سے بری کردیا (اس کے اس قول تک) اگرچہ یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع فصل ۱۳:

ولو وھب کل الثمن لایلتحق باصل العقد ولو وھب بعض الثمن یلتحق[3]۔	اگر کل ثمن ہبہ کردیے تو اصل عد کے ساتھ ملحق نہ ہونگے اور اگر بعض ثمن ہبہ کئے تو ملحق ہوجائیں گے۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸:

اذاحط کل الثمن اووھبه او ابرأه عنه فان کان ذلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد[4]۔	جب کسی نے کل ثمن گھٹادیئے یا ہبہ کردیے یا مشتری کو اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب صورتیں درست ہیں لیکن یہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہوگا۔ (ت)

اور ان سب کتابوں سے صاحب درمختار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی درمختار میں صدہا جگہ استناد کیا ہے

---

[1] مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر کتاب البیوع فصل فی بیان البیع قبل قبض المبیع، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۸۱۔۸۰

[2] شرح النقایه

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثالث عشر فی الثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۹۴

[4] فتاوٰی ہندیه کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

سوا فتاوٰی ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف درمختار سے متاخر ہے تو اب کالشّمس فی النصف النہار روشن ہوگیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ درمختار شامی کا کیا اعتبار، کتنی بے محل بات ہے، قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تحقیقات لائقہ اور تدقیقات فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہما میں دیکھی ہیں وہ ایسا لفظ ہرگز نہیں کہہ سکتا، اور علاوہ اس سے کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ درمختار ہر چند معتبر کتاب ہے مگر جب تک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتوٰی دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اس کی اکثر مقامات پر ایسی چیستاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے، ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے جب اس قدر اکابر ائمہ مستندین صاحب درمختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابق ہے تو اس لفظ کا کون سا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارت درمختار سے ظاہرًا جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور جماہیر ائمہ کی تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم اس کے مفاد کو دعوی مدعیہ سے کیا علاقہ، اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبہ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد و قابل فسخ ہے جیسا کہ دعوی مدعیہ ہے کاش یہ عبارت کہیں سے پیدا کی جاتی کہ **بطل البیع بحط الکل** (کل ثمن گھٹادینے سے بیع باطل ہوگئی۔ت) تو شاید قابل التفات ہوتی۔

(۴) وکیل مدعیہ نے جو عبارت عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبہ ثمن قبل قبول واقعہ ہوا تو عقد صحیح نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔

فتاوٰی خلاصہ کتاب البیوع فصل ۲:

فی مجموع النوازل رجل قال بعت منك ھذاالعبد بعشرۃ دراھم ووھبت منك العشرۃ وقال الاٰخر اشتریت لایصح البیع کما لو باع بدون الثمن، وفی النوازل الشراء جائز ولم تجز الھبۃ[1]۔	مجموع النوازل میں ہے ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ یہ غلام میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض بیچا اور میں نے تجھ دس درہم ہبہ کئے دوسرے نے جواب میں کہا کہ میں نے خریدا تو بیع صحیح نہ ہوگی جیسا کہ وہ بغیر ثمن کے بیچے، اور نوازل میں ہے کہ خریداری جائز ہے اور ہبہ ناجائز ہے۔(ت)

اور امام علامہ فقیہ النفس مالک التصحیح والترجیح فخر الملۃ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنے فتاوٰی میں روایت صحت پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل ہی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل و مبرہن کیا۔

قاضیخاں مطبوعہ العلوم جلد ۲ ص ۲۴۹ و ۳۴۴:

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۴

نظیرہ مالو قال بعتك ھذاالشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع،ولا یبرأ المشتری عن الثمن لان الثمن لا یجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب فلایصح[1]۔	اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز تمہارے ہاتھ دس درہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تیرے لئے دس درہم ہبہ کئے، پھر مشتری نے بیع کو قبول کرلیا تو بیع جائز ہے اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن تو قبول بیع کے بعد ہی واجب ہوتے ہیں، اگر اس نے قبول سے پہلے مشتری کو ثمن سے بری کیا تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوا لہٰذا صحیح نہ ہوگا۔(ت)

اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے۔ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ پنجم صفحہ ۶۵۲:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[2]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

طحطاوی حاشیہ درمختار مطبوعہ بولاق دارالسلطنت مصر جلد ۴ ص ۳۲۱:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[3]۔	اس پر اقتصار اس کے اعتماد پر دلالت کرتا ہے۔(ت)

اور یہ بھی تصریح فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل و مبرہن کرنا بھی اس کی ترجیح کی دلیل ہے، فتاوٰی حامدیہ مع التنقیح مطبوعہ مطبع سرکاری مصر جلد اول ص ۱۶:

التعلیل دلیل الترجیح [4] وفیھا ھوالمرجح اذ ھو المحلی بالتعلیل[5]۔	کسی کی علت بیان کرنا اس کی ترجیح کی دلیل ہے، اور اسی میں ہے کہ وہی راجح ہے کیونکہ وہ بیان دلیل سے مزین ہے(ت)

پس دو وجہ سے ثابت ہوا کہ امام قاضی خاں نے صحت بیع پر اعتماد فرمایا اور اسی کو ترجیح دی اب علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس امام اجل کا ارشاد زیادہ اعتبار و اعتماد کے لائق اور ان کی تصحیح و ترجیح فائق ہے کہ انہیں رتبہ اجتہاد حاصل تھا، حاشیہ جامع الفصولین للعلامہ خیر الدین الرملی

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[2] ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۲۱

[4] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

[5] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ کتاب النکاح حاجی عبدالغفار کتب خانہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۷

استاد صاحب الدر المختار:

علیك بما فی الخانیة فان قاضی خان اهل التصحیح الترجیح [1]۔	جو خانیہ میں ہے اس کو قبول کرنا تجھ پر لازم ہے کیونکہ امام قاضی خاں ترجیح و تصحیح والوں میں سے ہیں۔(ت)

تصحیح القدوری للعلامہ قاسم:

مایصححه قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیرہ لانه کان فقیه النفس [2]۔	جن اقوال کی تصحیح قاضی خان کردیں وہ مقدم ہوتے ہیں ان اقوال پر جن کی تصحیح دوسرے کریں کیونکہ امام قاضی خاں فقیہ النفس ہیں(ت)

حاشیہ سید احمد طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۲۵:

الذی یظهر اعتماد مافی الخانیة قولهم ان قاضی خان من اجل مایعتمد علی تصحیحاته [3]۔	جو خانیہ میں ہے اس پر اعتماد ظاہر ہے فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ قاضی خان ان جلیلہ القدر لوگوں میں سے ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(ت)

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر مطبوع مطبع مصطفائی دہلی ص ۲۷۵:

هذا القول صححه قاضی خان فینبغی اعتمادہ [4]۔	اس قول کو قاضی خان نے صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس پر اعتماد کرنا چاہئے۔(ت)

عقود الدریۃ مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۵۷:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیرہ [5]۔	جس کی تصحیح قاضی خان فرمادیں وہ اس پر مقدم ہے جس کی تصحیح کوئی دوسرا کرے۔(ت)

---

[1] الآلی الدریة فی الفوائد الخیریة حشیة جلیلة جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۴۶

[2] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفة بیروت ۲/۲۵

[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵

[5] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة کتاب الاجارات حاجی عبد الغفار و پسران تاجران کتب قندھار افغانستان ۲/۱۰۳

اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے، پس ثابت ہوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب والقبول واقع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی عالمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے، اسی کی جلد سوم ص ۷۴ پر بحوالہ خانیہ مرقوم:

لو قال بعت منك بكذا على ان حططت منك كذا او قال على ان وهبت لك كذا اجاز البيع[1]۔	اگر کسی نے کہا کہ میں تیرے ہاتھ اتنے کے عوض بیع کرتا ہوں اس شرط پر کہ میں تجھ سے اتنے گھٹاؤں گا یا کہا اس شرط پر کہ میں تیرے لئے اتنا ہبہ کروں گا تو بیع جائز ہے (ت)

بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محل استدلال نہیں رہا یہ کہ ہبہ بھی صحیح ہوا یا نہیں؟ یہ دعوی مدعیہ سے جدا بات ہے۔

(۵) بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصل اختلاف فریقین کا یہ ہوگا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقعہ ہوا یا بعد۔ اب یہ دیکھا چاہئے کہ ایسی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں اور جو بعدیت کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو۔ اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی صفحہ ۶۰:

الاصل اضافة الحادث الى اقرب اوقاته[2]۔	اصل یہ ہے کہ حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جائے۔ (ت)

فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں، تمثیلاً ایک عرض کیا جاتا ہے، ایک عورت نصرانیہ ایک مسلمان کے نکاح میں تھی، اس مسلمان کا انتقال ہوا عورت نے دار القضا میں آکر دعوی کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہنوز دم نہ نکلا تھا کہ میں اسلام لے آئی تھی مجھے اسکا ترکہ ملنا چاہئے، ورثہ نے کہا تو اس وقت مسلمان ہوئی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچتا، علماء فرماتے ہیں قول ورثہ کا معتبر رہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جب تک اول کا ثبوت بینہ سے نہ ہو۔ ہدایہ مطبع مصفائی جلد دوم ص ۱۳۲:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۴

لومات المسلم وله امرأة نصرانية فجاءت مسلمة بعد موته وقالت اسلمت قبل موته وقالت الورثه اسلمت بعد موته فالقول قولهم [1]۔	اگر کوئی مسلمان فوت ہوا اس حال میں کہ اس کی ایک نصرانی بیوی تھی جس اس کی موت کے بعد مسلمان تھی اور آئی اور کہا کہ میں اس کی موت سے پہلے اسلام لائی تھی جبکہ ورثاء میت کا کہنا ہے کہ یہ اسکی موت کے بعد اسلام لائی ہے تو ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

بنایۃ العلامۃ العینی میں ہے:

لان الاسلام حادث والحادث یضاف الی اقرب الاوقات [2]۔	ورثاء کا قول اس لئے معتبر ہے کہ اسلام حادث ہے اور حادث کی اضافت اس کے قریب ترین وقت کی طرف کی جاتی ہے۔ (ت)

تو یہاں بھی ثمن حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہبہ بعد تمامی بیع واقع ہوا، نہ مابین الایجاب والقبول۔

(۶) خود مسئلہ پیش کردہ مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہبہ بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے ورنہ نہیں، تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ مدعیہ وجود شرط مفسد کا دعوی کرتی ہے مدعا علیہم اس کا انکار کرتے ہیں اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اسکا معتبر ہے جو شرط فاسد کا انکار کرتی ہے۔ خانیہ مطبوعہ العلوم جلد دوم ص ۲۵۱ میں ہے:

لوادعی عبدافی یدرجل انه اشتراہ منه بألف درهم وقال البائع بعتك بألف دراهم و شرطت ان لاتبیع ولا تهب او ادعی المشتری ذلك وانكر البائع كان القول قول من ینكر الشرط الفاسد	اگر کسی شخص نے ایک غلام جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے کہ بارے میں دعوی کیا کہ میں نے اس سے یہ غلام ہار درہم کے عوض خریدا ہے، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ یہ غلام ہزار درہم کے عوض فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ تو اس کو نہ تو بیچے گا اور نہ ہبہ کرے، یا مشتری نے اس شرط کا دعوی کیا اور بائع نے اس کا انکار کیا

---

[1] الهدایة شرح البدایة کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

[2] البنایة فی شرح الهدایة کتاب ادب القاضی فصل فی قضاء بالمواریث المکتبة الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳/ ۳۰۴

والبینة بینة الاٰخر، وکذٰلك لو کان مکان الشرط الفاسد شرط الخمر والخنزیر [1]۔	تو اس کا قول معتبر ہوگا جو اس شرط فاسد کا منکر ہے اور گواہ دوسرے کے مقبول ہوں گے اور ایسا ہی حکم ہوگا اگر اس شرط فاسد کی جگہ خمر وخنزیر کی شرط ہو۔(ت)

(۷) یہ بھی تسلیم کیا کہ نفس ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی و مستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا تو ناجائز او بصیغہ ماضی تھا تو جائز، اور ظاہر ہے کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بعوض حقوق فرزندی معاف کیا۔ فتاوٰی قاضیخاں جلد ۲ ص ۲۳۹ میں ہے:

لو قال علی ان اھب لك من ثمنه کذا لایجوز، ولو قال بعت منك بکذا علی ان حططت عنك کذا وعلی ان وھبت لك کذا جاز البیع اھ ملخصا [2]۔	اگر کہا اس شرط پر تیرے ہاتھ بیع کی کہ تجھے اس کے ثمن سے اتنے ہبہ کروں گا تو بیع جائز نہ ہوگی وار اگر کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ کا تنے کو بیع کی اس شرط پر تجھ سے اتنا گھٹا دیا یا تجھے اتنا ہبہ کیا تو بیع جائز ہے اھ تلخیص۔(ت)

اور اسی طرح نوازل میں مذکور ہے اور اس سے خلاصہ میں یونہی نقل کیا اور خود عالمگیری مستند وکیل مدعیہ سای طرح روایت کرکے مقرر رکھا کما مر (جیسا کہ گزرا۔ت) اور سب میں بلا ذکر خلاف۔

(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت وعدم صحت سے سوال ہو تو اسے صحت پر حمل کیا جائیگا اور یہ مان لیا جائے گا کہ تمام شرائط صحت مجتمع تھیں تاوقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا۔ فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ تصنیف امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ صاحب درمختار مطبوعہ مطبع میری مصر دوم صفحہ ۹۴:

الاصل صحته ففی البزازیة لو سئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذ المطلق	اصل عقد کی صحت ہے چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ اگر صحت عقد کے بارے میں سوال کیا جائے تو اس بنیاد پر کہ اس میں تمام شرائط مجتمع تھیں

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع فاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فی الشروط المفسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۴

یحمل علی الکمال الخالی عن الموانع للصحۃ واللّٰہ اعلم [1] وفیھا جلد دوم ص۳۵: اذا رفع السوال ببیع مال باعہ ذوالمال جاز بلا مرأمع انہ کان مجنونا فلا احد یقول بانہ صح الشراء [2]۔ وفیھا النظر الی العمل بعبارۃ المکلف اولی من اھدارھا والحاقہ بالحیوانات وکلامہ بجوارھا واللہ تعالٰی اعلم [3]۔	اس کی صحت کا فتوی دیا جائیگا کیونکہ مطلق کو موانع صحت سے خالی کمال پر محمول کیا جاتا ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور اسی میں جلد دوم ص ۳۵ پر ہے: اگر ایسے مال کی بیع کے بارے میں سوال کیا جائے جس کو مال والے نے منعقد کیا ہے تو بلاشبہہ یہ جائز ہے اس کے باوجود کہ اگر وہ مجنون ہے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ خریداری درست ہے۔ اسی میں ہے کہ مکلّف کی عبارت کو قابل عمل بنانے پر نظر کرنا اس کو لغو قرار دینے اور مکلّف کو حیوانوں اور اس کے کلام کو حیوانوں کے ڈکارنے کے ساتھ لاحق کرنے سے اولٰی ہے، اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

ملاحظہ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے کہ اصل صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتوی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے منصب سے جدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولٰی واحق ہوگا، خصوصًا یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصد تملیک کا ہونا ظاہر، تو موانع صحت سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدیم میں صحت وفساد کی اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے۔ فتاوٰی قاضی خان جلد دوم ص۲۵۱:

اذا اختلف المتبائعان احدھما یدعی الصحۃ والاخر الفساد بشرط اسد اواجل فاسد کان القوقول مدعی الصحۃ والبینۃ بینۃ مدعی الفساد باتفاق الروایات، وان کان مدعی	جب بائع اور مشتری میں اختلاف ہوا ان میں سے ایک صحت عقد کا جبکہ دوسرا کسی شرط فاسد کی وجہ سے فساد عقد کا دعوی کرے تو قول صحت کے مدعی کا بہتر ہوگا اور گواہ فساد کے مدعی کے معتبر ہوں گے، اس پر تمام روایات میں اتفاق ہے۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الصلح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوکالۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۳۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۷۷

الفساد یدعی الفساد لمعنی فی صلب العقد بأن ادعی انه اشتراه بألف درہم ورطل من خمر والاٰخر یدعی البیع بألف درہم ،فیه روایتان عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی ظاہر الروایة القول قول من یدعی الصحة ایضاً والبینة بینة الاٰخر کما فی الوجه الاول وفی روایة القول قول من یدعی الفساد[1]۔	اگر فساد کا دعوی کرنے والا اصل عقد میں پائی جانیوالی کسی خرابی کے سبب سے فساد کا دعوی کرے مثلاً اگر وہ دعوی کرے کہ اس نے یہ شے ہزار درہم اور ایک رطل شراب کے عوض خریدی ہے جبکہ دوسرا دعوی کرے کہ اس نے ہزار درہم کے عوض فروخت کی، تو اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے دو روایتیں منقول ہےں، ظاہر الروایۃ میں ہے کہ قول مدعی صحت کا اور گواہی دوسرے کے معتبر ہیں جیساکہ پہلی صورت میں بیان ہوا، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فساد کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں نقل کیا جلد ۳ ص ۵۲۔ خلاص کتاب البیوع فصل ۴:

لو ادعی احدهما فساد العقد والاخر الصحة القول قول من یدعی الصحة[2] الخ۔	فتاوٰی صغری میں ہے اگر بائع اور مشتری میں سے ایک نے فساد عقد کا جبکہ دوسرے نے صحت عقد کیا دعوی کیا تو صحت کے مدعی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

قابل لحاظ ہے کہ جب اصل بائع دعوی فساد کرتا تو اس کا قول تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکر ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائق التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبہ ثمن بر سبیل اشتراط یا بلا اشتراط مابین الایجاب والقبول خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے، کیونکہ اس تقدیر پر مورث کا بیع وہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضی دعوی واظہار حلفی کے بالکل مناقض ہے، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مناقض دعوی قابل تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلامعارض ولائق قبول ہے **واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ جل مجدہ احکم**

مسئلہ ۱۰۸: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید نادر حسین صاحب ۵ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمی کے ہاتھ جس سے پسر ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زر ثمن کے سلمی پر اس بیع سے واجب ہوا تھا سلمی کو بخوشی

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد مطبع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۰

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹،۴۸

معاف کردیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہو کر رجسٹری ہوگئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجی سید سعادت علی صاحب ساکن رام پور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چنیں وچناں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وہاب میں نے بحالت صحت نفس و ثابت عقل بلا اکراہ واجبار بطوع ورغبت اپنی سے جمیع حقوق و مرافق بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ سلمٰی بیگم بنت سید نادر حسین صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسب خواہش میری سید سکندر شاہ پسر بطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے۔

اور مکان مبیعہ پر مشتریہ مذکورہ کو مثل اپنی ذات کے مالک و قابض کردیا میں نے، اور زر ثمن تمام کمال مشتریہ سے وصول پایا میں نے، یعنی ثمن اسکا بوجہ محبت فطری سید سکندر شاہ مذکور کے سلمٰی بیگم مشتریہ کو معاف کیا اور بخشا میں نے اب مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوٰی زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض بدلین واقع ہوا اب مجھ بائعہ کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جدابدہ میں بائعہ ہوں فقط، اس صورت میں یہ بیع شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی ردواعتراض ہے یا نہیں؟ اور یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں؟ اور ہندہ یا اسکے ورثہ کو اس معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافی دونوں میں صحیح وتام وکامل ہیں ہندہ خواہ اس کے کسی وارث قائم مقام کو نہ اس بیع و معافی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذاحط کل الثمن اووھبہ اوابرأہ عنہ فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل [1]۔	اگر پورا ثمن گھٹا دیا یا ہبہ کردیا یا اس سے بری کردیا اگر یہ ثمن پر قبضہ سے پہلے ہوا تو سب جائز ہے (ت)

نقایہ و شرح نقایہ میں ہے:

صح التصرف فی الثمن والحط عنہ ای صح للمشتری القاء کل	ثمن میں تصرف اور اس کو گھٹانا صحیح ہے یعنی مشتری کے لئے درست ہے کہ وہ بائع سے پورا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

المبیع او بعضه عن البائع وللبائع القاء کل الثمن او بعضه عن المشتری[1]۔	یا بعض مبیع ساقط کردے او بائع کیلئے درست ہے کہ وہ مشتری سے پورا یا بعض ثمن ساقط کردے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوحط جمیع الثمن صح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ[2] بتلخیص۔	اگر بائع نے پورا ثمن گھٹادیا تو مشری کے حق میں یہ صحیح ہوگا اور یہ **بائع کی** طرف سے مشتری کو ثمن سے بری کرنا قرار پائیگا اھ تلخیص (ت)

اشباہ والنظائر وغمز العیون میں ہے:

واللفظ له بخلاف الابراء فانه لارجوع فیه سواء وجد فیه مانع من موانع الرجوع فی الهبة اولا[3]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	لفظ غمز کے ہیں بخلاف ابراء کے کیونکہ اس میں رجوع کا حق نہیں کوئی رجوع سے مانع ہو، جیسے ہبہ یا منع نہ ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

بکر کمہار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا، کمہار دو چار لوٹے پر زیادہ کردیتا ہے، اور اگر مسجد کا نام نہ لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے۔ اور اگر بھاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے کیسا ہے؟

الجواب:

اگر وہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں، مگر کمہار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے مانگنا نہ چاہئے کہ گویا مسجد اور مسلمان پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] شرح النقایۃ

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[3] غمز عیون البصائر الفن الثالث ماافترق فیه الهبة والابراء ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

مسئلہ ۱۱۰: آمدہ از دکان حمیدہ اللہ وعبدالرحمن جفت فروش دہلی بازار فتح پوری ۹ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خریدتے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت دیتے ہیں اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کردیا گیا ہے اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ صورت ثانی اگر بائع کٹوتی سے راضی ہو تو کیا حکم اور اگر ناراض ہو تو کیا حکم؟ صورت ثالث یہ ہے کہ پیشہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتی ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا بتا کر نفع فی روپیہ لیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی، یہ امر جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناراضی کی حالت میں حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے۔(ت)

اور رضا سے ہو یا ناراضی سے، مال جتنے کو اسے پڑا اس سے زیادہ کو بتانا جائز نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از ریاست رام پور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

مبیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو بحسب اثمان وآجال مختلف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا ہے؟

الجواب:

درست ہے مع الکراہۃ اور اختلاف تراضی عاقدین پر۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از شہر محلہ عقب کوتوالی مرسلہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب

کلکتہ سے میں نے ایک بیوپاری کو (مالص عہ/) مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں درج کرنے سے رہ گیا قریب دوسال کے اس بیوپاری نے ہم سے اب کہا کہ قریب (مالص عہ/) کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہوئی ہے اور تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں، اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری، اس سے بہتر کہ روپیہ ہم سے لے مگر اس کو اپنے مصرف میں نہ لانا خدا کی راہ میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

وعدہ کرلیا کہ یہ رقم ہم خیرات کردیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات نہ کروگے تو تمہارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب:

اگر اس رقم کا واجبی ہونا معلوم نہیں جب تو اس کا اپنے تصرف میں لانا ہر گز جائز نہیں سب خیرات کردیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ ہماری یہ رقم اس پر آئی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگر وہ اس کا مال ہے اور اپنے صرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کرچکا ہے تو اس سے پھرنا سخت شامت کا موجب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اللہ تعالٰی نے ان کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب وہ اس کو ملیں گے اس سبب سے کہ انہوں نے خلاف ورزی کی اس وعدہ کی جو انہوں نے اللہ تعالٰی سے کیا تھا اور اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیمت مبلغ چار سو روپے کی فروخت کی اور ایک سو پچاس روپیہ کی بابت بیعانہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کردی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا، سوال یہ ہے کہ آیا شرعًا بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زر ثمن بکر کے ذمہ دین رہا یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے زر ثمن کے اور قرار داد مہلت ادائے ثمن بہر حال مفسد بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفسد ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کتاب بحر الرائق و فتاوٰی خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بجہالت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں، بحر الرائق میں ہے:

صح بثمن حال وباجل معلوم قید بعلم الاجل لان جہالتہ تفضی الی النزاع فالبائع	بیع ثمن حالی کے بدلے اور میعاد معلوم کے ساتھ صحیح ہے ماتن نے اجل کے ساتھ معلوم ہونے کی قید لگائی اس لئے کہ اجل کی جہالت جھگڑے کا

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

یطالبه فی مدة قریبة والمشتری یأباها فیفسد[1]۔	سبب بنتی ہے چنانچہ بائع قریبی مدت میں ثمن کا مطالبہ کرے گا اور مشتری اس سے انکار کریگا تو اس طرح فساد آئے گا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع آخر جملا باثنین و ثلاثین غرشا مؤجلة علیه الی ثلث خیارات کل خیار ثلث الثمن فطلع الاخیار ودفع له ثلثه ویطالبه بثلثیه قبل طلوع الخیارین مدعیا ان الاجل المذکور غیر صحیح وانه یستوجب کل الثمن عاجلا فالحکم فی ذٰلك (اجاب) البیع المذکور فاسد[2]۔	ایک ایسے شخص کے بارے میں کیا گیا جس نے دوسرے کے ہاتھ بتیس ۳۲ غرش (دو آنے کے برابر ایک سکہ) کے عوض اونٹ بیچا اور اس پر تین خیاروں تک اجل مقرر کی ہر خیار میں تہائی ثمن دے گا پس ایک خیار کے طلوع ہونے پر اس نے بائع کو ثمن کا ایک تہائی دے دیا اور بائع دوسرے دو خیاروں کے طلوع سے قبل ہی باقی دو تہائی ثمن کا مطالبہ کرتا ہے درانحالیکہ وہ اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ اجل مذکور درست نہیں اور اس بیع میں تمام ثمن معجّل طور پر لازم ہوتا ہے تو اس صورت میں کیا حکم ہے (توجواب دیا کہ) بیع مذکور فاسد ہے۔(ت)

اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل ہے اس کا کیا جواب ہے:

عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت

بقواعد شرعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیو ہے اس لئے کہ مدعی نے دعوی میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعانہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کردوں گا، پس وعدہ ادائے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسب دعوی مدعی قرار داد ہوا وہ بقید تاریخ معین مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہو سکتا ہے تو یہ بیع فاسد ہے فقط۔

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۳۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع تام و صحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرار داد مہلت ادائے ثمن کسی طرح مفسد بیع نہیں، نہ بعد تمامی عقد، **وان قلنا بالتحاقہ باصل العقد** (اگرچہ ہم اس کے اصل عقد کے ساتھ لاحق ہونے کا قول کریں۔ ت) نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لئے خود وہی عبارت بحر الرائق منقولہ تجویز کافی ہے کہ **صح بثمن حال وباجل معلوم**[1] (بیع درست ہے ثمن حالی کے ساتھ اور معلوم میعاد کے ساتھ۔ ت) اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا عرفاً لغتہً ہر طرح سال کے اندر اور ایک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شے معین ہے نہ کہ مجہول، اسی بحر الرائق میں اسی بحث میں ہے:

وفی السراج الوهاج الاٰجال علی ضربین معلومة و مجهولة فالمعلومة السنون والشهور والایام[2] **الخ۔**	السراج الوہاج میں مذکور ہے کہ میعادیں دو طرح کی ہیں، معلوم اور مجہول۔ معلوم میعادیں سال، مہینے اور دن ہیں الخ (ت)

آغاز وعدہ سے اختتام سال تک مشتری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تاجیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے **کما فی الهدایة وغیرہ** (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ ت) اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان تمام اجزاء کو شامل تو بائع ہر جز میں طلب کر سکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کر چکا تو جب تک سال کے اندر ہے اسے اختیار مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے **وقد لزم التاجیل من جهته فلا یقدر ان یطالبه** (تحقیق اس کی طرف سے میعاد لازم ہو چکی ہے اب وہ ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ ت) ہاں جب سال سے باہر جائے اس وقت اسے اختیار مطالبہ ہوگا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا پھر نزاع کہاں، اور خود عبارت بحر الرائق منقولہ تجویز سے ظاہر کہ اجل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو عبارت خیریہ کو یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شے معین نہیں بخلاف سال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: از اردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خان ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھاؤ

---

[1] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۷۹

[2] البحر الرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۸۰

بازاری ۲۰ ثار ہے اور لوگوں کو ۱۶ ثار کے حساب سے دیتا ہے اس قرض دینے میں سود تو نہیں ہوتا؟ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

یہ سود نہیں، نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو، اور اجل یعنی میعاد ادا معین کردی جائے،

قال اللہ تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو وہ تمہارے درمیان تجارت تمہاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

غرض یہ بیع بلا کراہت ہے، ہاں خلاف اولویت ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لاکراھۃ الاخلاف الاولی فان الاجل قابلہ قسط من الثمن[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اجل کے مقابل ثمن کا ایک حصہ ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب القرض

(قرض کا بیان)

مسئلہ ۱۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سو روپیہ اس شرط پر قرض لیا کہ پچیس روپے سالانہ منافع مقررہ بلا نقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کروگے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کردوں گا، جس شخص نے اس شرط کو قبول کرکے روپیہ دے دیا اس پر خود سود خوری کا حکم ہے یانہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یاناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قطعی سود اور یقینی حرام وگناہ کبیرہ خبیث ومردار ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃً فھو ربٰو [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھیرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ، **کما نص علیہ الامام الحلبی فی الغنیۃ** [2] (جیسا کہ اس پر امام حلبی نے غنیہ میں نص فرمائی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳-۵۱۴

مسئلہ ۱۱۶: ۵ شوال ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپلے مجھے کسی سے قرض لادے، ملازم ایک مہاجن سے پچاس وپے یہ کہہ کر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلاتصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے لکھ دیا بعدہ روپیہ آقا کو ادا کر دیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپنا دستخطی لکھ کر دے آیا ہوں، بعد چندے زید نے وہ (م ۵۰/) اس ملازم کو دے دیئے، بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ ملازم نے خود اپنے تصرف میں کرلیا اور ملازم سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا، اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا، اس صورت میں وہ (م ۵۰/) مکرر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں؟ اور یہ (م ۵۰/) کہ نوکر نے تصرف کرلئے اسے دینا آئیں گے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دے دے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے قرض مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھے پچاس روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی جامع الفصولین بعث رجلا یستقرضه فاقرضه فضاع فی یدہ فلو قال اقرض للمرسل ضمن مرسله، ولو قال اقرضنی للمرسل ضمن رسوله، و الحاصل ان التوکیل بالقراض جائز لابالاستقراض و الرسالة بالاستقراض تجوز، ولواخرج وکیل الاستقراض کلامه مخرج الرسالة یقع القرض للاٰمر،	جامع الفصولین میں ہے کسی نے ایک شخص کو قرض لینے کے لئے بھیجا اس نے قرض لیا اور اس کے ہاتھ سے ضائع ہوگیا، اگر اس نے قرض لیتے وقت یوں کہا کہ بھیجتنے والے کے لئے قرض دے تو بھیجنے والا ضامن ہوگا، اور اگر کہا کہ بھیجنے والے کے لئے مجھے قرض دے تو اب قاصد ضامن ہوگا۔ حاصل یہ کہ قرض دینے کے لئے وکیل بنانا جائز نہ کہ قرض لینے کے لئے، اور قرض لینے کے لئے قاصد بھیجنا جائز ہے، اور اگر قرض لینے کے وکیل نے بطور قاصد کلام کیا تو قرض آمر کے لئے ہوگا اور

ولو مخرج الوکالۃ بان اضافہ الی نفسہ یقع للوکیل ولہ منعہ عن آمرہ اھ۔ قلت والفرق انہ اضاف العقد الی الموکل بان قال ان فلان یطلب منك ان تقرضہ کذا صار رسولا و الرسول سفیر ومعبر بخلاف ما اذا اضافہ الی نفسہ بان قال اقرضنی کذا اوقال اقرضنی لفلان کذا فانہ یقع لنفسہ ویکون قولہ لفلان بمعنی لاجلہ۔ وقالو اانما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانہ توکیل بالتکدی وھو لایصح۔ قلت ووجھہ ان القرض صلۃ وتبرع ابتداء فیقع للمستقرض اذلا تصح النیابۃ فی ذلك فھو نوع من التکدی بمعنی الشحاذۃ ھذا ما ظھر لی اھ[1]۔	اگر ساس نے بطور وکیل کلام کیا بایں اس کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا تو اس صورت میں قرض خود وکیل کے لئے واقع ہوگا اور اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قرض آمر کو نہ دے اھ **میں کہتا ہوں** ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ جب اس نے عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ فلاں تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو اس کو قرض دے تو اس صورت میں وہ قاصد ہوگیا اور قاصد محض سفیر اور معبر ہوتا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب اس نے اپنی طرف نسبت کی اور کہا مجھے اتنا قرض دے یا کہ کہ مجھے فلاں کے لئے اتنا قرض دے تو یہ قرض خود اس کے لئے واقع ہوا اور اس کے قول "فلاں کے لئے" کا مطلب ہوگا کہ فلاں کی وجہ سے۔ اور علماء نے کہا کہ قرض لینے میں وکیل بنانا اس لئے صحیح نہیں کہ یہ گداگری میں وکیل بنانا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ قرض ابتداءً صلہ اور احسان ہے چنانچہ قرض مانگنے والے کے لئے واقع ہوگا کیونکہ اس میں نیابت درست نہیں تو اس طرح وہ تکد بمعنی گداگری کی ایک قسم ہوگا، یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اھ (ت)

پھر اس صور میں جبکہ نوکرنے وہ روپے جو حقیقۃً اس کی ملک ہوچکے تھے لاکر آقا کو دے دیے اور اس نے اپنے صرف میں کئے، اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض ووجوب تقاضا وادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمہ رہا۔

لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافتہ الی نفسہ وقد اعطی علی وجہ التقاضی	کیونکہ قرض لینا اپنی ذات کی طرف منسوب کرنے کی وجہ سے خادم پر نافذ ہوگیا اور اس باہمی رضامندی سے وجوب تقاضا کے طور پر اپنے آقا کو

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۵

دون الھبۃ وبالتراضی صار کفضولی شری مضیفا الی نفسہ حتی نفذ علیہ ثم اعطاہ من اشتری لہ واخذمنہ الثمن حیث لایکون ھذا اجازۃ للعقد السابق لان الاجازۃ انما تلحق الموقوف دون النافذ بل یکون عقدا جدیدا بینھما بالتعاطی[1] کما فی الھدایۃ والدر المختار وغیرھما من الاسفار وذٰلک لکون الدفع بجھۃ البیع دون الھبۃ۔	دے دیا نہ کہ ہبہ کے طور پر، تو اس طرح وہ نوکر اس فضولی کیہ طرح ہوگیا جس نے اپنی ذات کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی چیز خریدی یہاں تک کہ خریداری اس پر نافذ ہوگئی پھر وہ چیز نوکر نے اس شخص کو دے دی جس کے لئے اس نے خریدی اور اس سے ثمن وصول کرلئے، یہاں یہ عقد سابق کی اجازت نہ ہوگی اس لئے کہ اجازت تو عقد موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ نافذ کو، بلکہ یہ باہمی لین دین سے ان دونوں کے درمیان ایک نیا عقد ہوگا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ کتاب میں ہے، وریہ بطور بیع دینے کی وجہ سے ہے نہ کہ بطور ہبہ۔ (ت)

اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہنچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا،

لانہ مال ھلک قبل الوصول الی الطالب او الی وکیلہ فلا معنی للقضاء وبراءۃ الذمۃ۔	اس لئے کہ وہ مال طالب یا اس کے وکیل تک پہنچنے سے قبل ہی ہلاک ہوگیا تو اب قرض کی ادائیگی اور اس سے بری الذمہ ہونے کا کوئی معنی نہیں۔ (ت)

اب اگر واقع صورت اولیٰ تھی مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے کہ زید نے نوکر کو ادائے دین کے لئے دئے اور اس نے اپنے صرف میں کرلئے اس کا تصرف بیجا و حرام ہے اور نوکر پر اس تاوان لازم،

لکونہ امینا خان و اتلف وتعدی علیہ فیما تصرف فصار ضمینا بعد ان کان امینا۔	کیونکہ وہ امین تھا اس نے خیانت کی اور امانت میں بیجا تصرف کرکے زیادتی کی تو اب وہ ضامن ہے جبکہ اس سے قبل وہ امین تھا۔ (ت)

اور اس کا یہ عذر کہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا محض نامقبول کہ جب آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیچ میں لے لینے والا کون تھا، اور اگر واقع صورت ثانیہ تھی تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بربنائے مذکور اپنے

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۴۹

سمجھ کر اٹھالئے بجائے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید سے اسی کو ملنا چاہئے تھا **فکان دائنا ظفر بجنس حقه** (وہ ایسا قرضخواہ ہوا و اپنے حق کی جنس کو وصول کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ت) اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہوگیا **لانه استوفی ماکان له** (کیونکہ اس نے اپنا حق پورا وصول کرلیا۔ت) پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اگر نوکر یہ کہہ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے زید پر قائم اور زید کے پچاس روپے نوکر پر لازم، اور اگر یہ کہہ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے قرض دے، تو مہاجن کے پچاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پچاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہوگئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پچاس روپے کا مطالبہ ہے، پہلی صورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا، اور زید پر پہلی صورتمیں مہاجن کا مطالبہ ہے دوسری میں کسی کا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بھاؤ بکتا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکتا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید نے مول لیا۔

الجواب:

اگر زید نے بیچتے وقت شرط کرلی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لوں گا بلکہ روپیہ کے عوض فصل کے بھاؤ سے ناج لوں گا، تو یہ ناجائز ہے اور اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا اس نے کہا روپیہ تو میرے پس نہیں اس کا اناج لے لو، تو یہ جائز ہے جبکہ وہی ناج نہ ہو جو زید سے خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۸: از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلّہ سیاہی گراں مرسلہ جناب حاجی عیسٰی خان محمد صاحب رضوی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا، قرضدار نے اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے نوٹ دئے (وہی نہیں دیئے) تو جائز یا کیا؟ جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سود ہے ہاں اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور ادائے ثمن کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زرِ ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو روپے کے نوٹ

زر ثمن کے بدلے لے لو، اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دے دئے تو یہ جائز ہے **وھی مسئلة شراء القرض من المستقرض** (یہ مقروض سے قرض خریدنے کا مسئلہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: ازپکسرانواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جائز ہے،

عملا بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقًا وقد تعمل به الناس وشاع بینھم استقراض الحنطة وزنا، ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام ابویوسف کے قول پر عمل کرتے ہوئے کہ کیلی اور وزنی اشیاء میں مطلقًا عرف کا اعتبار ہے اور لوگوں کا اس پر عمل ہے اور گندم کو وزن کے اعتبار سے قرض لینا لوگوں میں رائج ہے، گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر بلند و عظمت والے معبود کی طرف سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ الف خان مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوار یاست کوٹہ راجپوتانہ بروز یکشنبہ ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ یک صد یا پانصد روپے کے قریبًا پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع کرنا شرعًا درست ہے کہ نہیں؟ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شیئ تجارت کو ہمارا روپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہا نوٹ کو بھی اصلی قیمت سے زیادہ ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

(۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شے زیادہ قیمت کو اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو تو بالاتفاق حرام ہے،

لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع و شرط[1]۔	کیونکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع ور شرط سے منع فرمایا ہے۔(ت)

خواہ یہ شرط نصاً ہو یا دلالۃً لان المعروف کالمشروط[2] (کیونکہ معروف، مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ت) اور اگر عقد قرض پہلے ہو اور یہ بیع اس میں نصّاً یا دلالۃً مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے، بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے والے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل قرض جر منفعۃ فھو ربو[3] (جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ت) لہٰذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے وار قرض کا نام ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو، اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کا نوٹ سو کو بیچے، اور دونوں صورتوں میں فرق وہی ہے جو قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال وار سود کو حرام کیا۔(ت)

مگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی۔

قال النبی صلی اللہ تعالٰی اعلم وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[5]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔(ت)

اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحالت قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولٰی نہیں، درمختار میں ہے:

شراء شیئ بثمن غال لحاجۃ القرض	کسی چیز کو حاجت قرض کی وجہ سے مہنگے داموں

---

[1] نصب الرایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا الریاض ۴/ ۱۷

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب المرابحہ والتولیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۳۴

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[5] نصب الرایہ لاحادیث الھدایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبہا الریاض ۴/ ۴

یجوزویکرہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	خرید ناجائز اور مکروہ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۲: از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب سوئلہ جناب شکور محمد صاحب خانساماں ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس، عرصہ دوسال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے کر واپس لے گا اور دوسال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کرکے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا، گیہوں اور مکا وغیرہ، توجو فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے، اور سرکاری لگان بھی ہم دیں گے جو اس کی باقی ہے، اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپے واپس دے کر اپنا کھیت واپس لے لے گا، اب ازراہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہوا؟ اگر بیاج ہوگیا تو نہ رکھوں اور اگر بیاج نہ ہوا ہو تو رکھ لوں۔ خوب اچھی طرح سمجھا کر تحریر کردو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہوگیا، اب آپ کیہ رائے پر ہے یہ معاملہ، اگر بیاج ہوگیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب:

یہ نہ شرعًا رہن ہے نہ کسی طرح سود رہنکے لئے ضرور یہ ہے کہ وہ شیئ رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو گیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتی، یہاں یہ دونوں صورتیں، ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکار کی ملک نہیں زمیندار کی ملک ہے اور زمیندار نے اسکے رہن کی اجازت نہ دی کہ اسکی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اجرت یعنی لگان لے گا **والرھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان** (رہن اور اجارہ دو ایسے عقد ہیں جو ایک دوسرے کے منافی ہیں آپس میں جمع نہیں ہوسکتے۔ت) تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کردے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان دوں گا وہ اجازت دے دے گا اب یہ کاشت اور اس کا محاصل سب بلاشبہہ حلال ہوگا، پہلے کاشت کار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد نہ لے تو یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

مسئلہ ۱۲۳ تا ۱۲۴: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اول: خراب اناج کھلانا اور فسل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال دوم: چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے فصل نہ ہوئی تو اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کرکے یعنی جب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگالینا جائز یا نہیں؟ فقط

الجواب:

(۱) اگر اس نے ناج ناقص کردیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرضدار نے اپنی خوشی سے عمدہ ناج دے دیا سای قدر جتنا قرض لیا تھا تو اس میں مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا، تو یہ ناجائز ہے،

لکونه خلاف حکم الشرع من ان الدیون تقضی بأمثالها ولم یجز التنقیص ایضا لان الشرط المساواة قدرا والجید والردی فیه سواء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ شرع کے اس حکم کے خلاف ہے کہ قرضوں کی ادائیگی ان کی مثل کے ساتھ ہوتی ہے اور کمی بھی جائز نہیں کیونکہ اس میں مقدار کے اعتبار سے مساوات شرط ہے، عمدہ اور گھٹیا اس میں برابر ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) ناج رپ روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انہیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے، تو نرا وعدہ ہے جس کا وفا کرنا ناج والے پر لازم نہیں اور اگر یوں ہے کہ اتنا ناج اس بھاؤ سے اتنے روپیہ کا خریدا تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہر حال جب وہ ناج نہ دے سکے تو اس قرار داد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی شے لینا قطعی حرام ہے،

لحدیث لاتأخذ الاسلمك او راس مالك [1]. واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	اس حدیث کی وجہ سے بیع سلم کی مبیع یا راس المال کے علاوہ مت لے، واللہ تعالٰی علم وعلمه اتم واحکم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹، تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعة الکبری بولاق مصر ۴/ ۱۱۸

مسئلہ ۱۲۵: از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ شیخ شان الٰہی ۱۵جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمرو کو دس روپے کانوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ روپے نقد ادا کرے تو اس پر سود کا اطلاق ہو سکتا ہے نہیں اور زید وعمرو گنہگار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوئی تھی تو بیشک سود وحرام قطعی وگناہ کبیرہ ہے، ایسا قرض دینے والا ملعون اور لینے والا بھی اسے کے مثل ملعون ہے اگر بے ضرورت شرعیہ قرض لیا ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربٰو [1]۔ رواہ الحارث ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھه الکریم۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ سُود ہے۔ (اسے حارث بن اسامہ نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ت)

متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اٰکل الربو مؤکله وکاتبه وشاھده [2]۔ رواہ احمد وابوداؤد و الترمذی وابن ماجة بسند صحیح عن ابی مسعود واحمد و النسائی بسند صحیح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنهما وھو عند مسلم عنه بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	اللہ کی لعنت سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہ پر۔ (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رویات کیا، اور امام احمد اور نسائی نے صحیح سند کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام احمد علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیامگر اس میں لفظ شاہد کے بدلے مانع صدقہ کے لفظ ہیں اور

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۳، سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی اکل الربا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷، جامع الترمذی کتاب البیوع باب ماجاء فی اٰکل الربو امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/ ۱۴۵

اٰکل الربٰو و مؤکلہ و کاتبہ و شاھدیہ و قال ھم سواء[1]۔	یہ امام مسلم کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کے کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا نوٹ ادا کیا جائے گا، پھر عمرو کے دل میں خیال آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احساناً بڑھا کر بارہ روپے دے دے تو یہ جائز واحسان ہے یا زید نے مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں، اگر نوٹ عمرو خرچ کرچکا تو بالاتفاق بال شبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسہ میں دے دئے جائیں ورنہ ناجائز ہوجائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دئے تو ہمارے امام اعظم وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے کہ عقد باطل ہے، زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے، ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے تصور وخیال میں نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین ودین میں فرق کریں اور بجائے مافی الید مافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں، درمختار میں ہے:

یملك المستقرض القرض بنفس القبض عندھما الامام ومحمد خلاف للثانی، فجاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراھم مقبوضۃ فلو تفرقا قبل قبضھا بطل لانہ افتراق عن دین بزازیۃ[2] اھ ملخصًا۔	مقروض محض قبضہ کرنے سے ان دونوں یعنی امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک قرض کا مالک ہوجاتا ہے، بخلاف امام ابو یوسف کے، لہٰذا (طرفین کے نزدیک) مقروض کا دراہم مقبوضہ کے بدلے میں قرض دہندہ سے قرض کو خرید ناجائز ہے اگر قرض موجود ہو اگر وہ دونوں شخص دراہم مذکورہ پر قبضہ سے قبل جدا ہوگئے تو یہ خریداری باطل ہوگی کیونکہ یہ دین سے جدا ہونا ہے، بزازیہ، اھ تلخیص۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربٰوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰۔ ۳۹

ردالمحتار میں ہے:

بیان ذلك انه تارة یشتری مافی ذمته للمقرض وتارة مافی یده ای عین مااستقرضه فان کان الاول ففی الذخیرة اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لابعقد صرف ولا سلم ،فان کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه مبلکه بالاستهلاك وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندهما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجو لانه لایملکه مالم یستهبلکه فلم یجب مثله فی ذمته.فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز اھ وهذا مافی الشرح وان کان الثانی ففی الذخیرة ایضا استقرض من رجل کراو قبضه ثمن اشتری ذلك الکر بعینه من المقرض لایجوز علی قولهما لانه ملکه بنفس القبض فیصیر مشتریا	اس کا بیان یہ ہے کہ مقروض کبھی تو اس چیز کو خریدتا ہے جو قرض دہندہ کے لئے اس کے ذمہ پر ہے اور کبھی بعینہٖ اس قرض کو خریدتا ہے جو اس کے قبضہ میں موجود ہے، اگر پہلی صورت ہو تو اس کے بارے میں ذخیرہ میں ہے کہ مقروض نے قرض دہندہ سے سو دینار کے عوض کر (غلہ) خریدا قرض دہندہ کے لئے مقروض کے ذمہ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ اس پر دین ہے جو کہ عقد صرف اور عقد سلم کے سبب سے نہیں ہے پھر اگر مقروض نے بوقت شراء قرض ہلاک کردیا ہے تو اس صورت میں سب نے جواز شراء کا قول کیا ہے کیونکہ وہ ہلاک کرنے کے سبب سے قرض کا مالک ہوگیا اور بلاخلاف اس کی مثل اس کے ذمے لازم ہے اور اگر بوقت شراء قرض مقروض کے پاس موجود ہے تو بھی طرفین کے نزدیک یہی حکم (جواز) ہے جبکہ امام ابویوسف کے قول پر مناسب ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ ان کے نزدیک جب تک وہ قرض کو ہلاک نہ کرے مالک نہیں ہوگا لہٰذا اس کی مثل مقروض کے ذمہ پر لازم نہ ہوگی اھ، یہ وہ ہے جو شرح میں ہے، اور اگر دوسری صورت میں ہے تو اس کے بارے میں بھی ذخیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے ایک کر قرض لیا پھر اس پر قبضہ کرکے بعینہٖ وہی کر اس مقروض نے قرض دہندہ سے خرید لیا تو طرفین کے قول پر جائز نہیں کیونکہ وہ مقروض محض قبضہ کرنے سے قرض کا مالک ہوچکا ہے

ملك نفسه اما على قول ابی یوسف فالکُر باق علی المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح[1]۔	تو اب وہ اپنی ہی ملک کا خریدار ہوگیا لیکن امام ابویوسف کے قول پر چونکہ وہ کر قرض دہندہ کی ملک پر باقی ہے، چنانچہ مقروض ملک غیر کا خریدار ہوا للذا یہ خریداری صحیح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی البزازیة من اٰخر الصرف اذاکان له علی اٰخر طعام او فلوس فاشتراه من علیه بدرہم وتفرقا قبل قبض الدراہم بطل وهذا مما یحفظ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ باب الصرف کے آخر میں ہے کہ اگر کسی کا دوسرے کے ذمے اناج یا پیسے لازم ہیں پھر مقروض نے اس سے کچھ دراہم کے بدلے وہ اناج یا پیسے خرید لئے اور دراہم پر قبضہ سے پہلے ہی یہ دونوں شخص متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہے، یہ بات قابل حفظ ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: ازالہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی برادر مولانا مفتی اسد اللہ خان صاحب مرحوم ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضہ یا فتنی مورثگے منجملہ سے بری کردیا، مطابق شرع مذہب اہل سنت وجماعت دیگر وارثان کو وارث مذکور اس جو خریدار جائداد مدیون ہے بقدر حصہ رسدی زر قرضہ یافتنی مورچ کے نقد دلایا جائے گا یا جائداد خریدہ وارث مذکور متروکہ متصور ہوکر دیگر وارثان کو بھی بقدر سہام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائیگا۔ بینوا مشرحا ومدللا مع سند الکتاب توجروا عند اللہ الملك العزیز الوهاب (تفصیل سے مدلل اور حوالہ کتب کے ساتھ بیان فرمائیں اللہ تعالٰی بادشاہ غالب بہت عطافرمانے والے کے ہاں اجر دئے جاؤگے۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے ان میں ہر ایک بقدر اپنے حصہ کے جائداد بعوض دین پالے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو او مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیانۃً اس سے بھی یہی امید کہ تنہا اپنے ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقع بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارت سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اسے مستلزم نہیں کہ مشتری لہ بھی تنہا وہی ہو، یوں ہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملک غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شرا مشترک یا غیر کے لئے ہو۔

فی الخیریة لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب [1]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ باپ کے مال سے کسی شیئ کو خریدنے سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔ (ت)

لہذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کام عاقدین مختلف واقع ہوا یعنی بائع نے اپنی براءت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتریہ نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی، مثلاً اس نے کہا میں نے یہ جائداد تم سب کے ہاتھ تمہارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوئی کہ ایجاب وقبول متخالف رہے،

فی البحر الرائق عن فروق الکرابیسی لو قال اشتریت لفلان بکذا و البائع یقول بعت منك بطل العقد فی اصح الروایتین والفرق انه خاطب المشتری والمشتری یسترد لغیره فلایکون جوابا فکان شطر العقد [2]۔	بحرالرائق میں فروق الکرابیسی سے منقول ہے کہ اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے کے عوض یہ شیئ فلاں کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کے لئے خریدی، اور بائع نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ فروخت کی، تو دو روایتوں میں سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق عقد باطل ہوگا، فرق یہ ہے کہ بائع نے مشتری کو مخاطب بنایا جبکہ مشتری اس کو غیر کی طرف لوٹانا چاہتا ہے تو یہ مشتری کا جواب نہ ہوا تو اس طرح یہ آدھا عقد ہوا (یعنی دو۲ میں سے صرف ایک رکن پایا گیا) (ت)

---

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب البیوع فصل فی القرض دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] بحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین اس پر قائم، صرف مشتری کہ بری کر چکا، اگر اس کا ابراء اس عقد سے جدا واقع ہوا یعنی دین بطور خود معاف کر دینا چاہا ہو، اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہوا اسی شرائے جائداد بعوض دین کی بناء پر دعوی سے اسے بری کیا ہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا **وقد اوضحناہ وفصلناہ فی المداینات من فتاوٰنا** (اس کی وضاحت وتفصیل ہم اپنے فتاوٰی میں مداینات کی بحث میں بیان کرچکے ہیں۔ت) اور اگر مشتری نے اپنے ہی لئے خریدی اور بائع نے بھی اس کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہوگئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں، ہاں زر ثمن میں اس دین کا محسوب ہونا ان کی اجازات جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا، جو اجازت دے گا اس کے حصہ دین سے بائع بری، اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ کے لئے لازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصہ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوئی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد، عقد تو بامشتری تام ونافذ ہو لیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف اس بناء پر کہ یہ من وجہ شراء ہے اور شراء مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہو جاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر غیر نافذ و موقوف، تو جہاں من کل وجہ شرا ہے اس کا مشتری پر نفاذ اوضح واجلی ہے،

فی البحر الرائق ان کان الثمن عرضا کان مملوکا للفضولی واجازۃ المالك اجازۃ نقد لا اجازۃ عقد لانہ لما کان العوض متعینا کان شراء من وجہ والشراء لایتوقف بل ینفذ علی المباشر ان وجد نفاذا، فیکون ملکا لہ وباجازۃ المالك لاینتقل الیہ، بل تاثیر اجازتہ فی النقد لافی العقد ثم یجب علی الفضولی مثل المبیع ان کان مثلیا والافقیمتہ الخ[1]۔	البحرالرائق میں ہے ثمن اگر سامان ہو تو فضولی کا مملوک ہوگا اور مالک کی اجازت اجازت نقد ہے نہ کہ اجازت عقد، کیونکہ عوض جب متعین ہے تو یہ من وجہ شراء ہے اور شراء موقوف نہیں ہوتی بلکہ مباشر پر نافذ ہو جاتی ہے اگر وہ نفاذ کی راہ پائے تو یہ مشتری کی ملک ہوا اور مالک کی اجازت سے ت یہ مشتری کی ملک ہوا اور الک کی اجازت سے یہ مالک کی طرف منتقل نہیں ہوگا بلکہ اس کی اجازت نقد میں اثر کرے گی نہ کہ عقد میں، پھر فضولی پر مبیع کی مثل واجب ہوگی اور اگر وہ مثلی ہے ورنہ اس کی قیمت واجب ہوگی الخ (ت)

[1] البحر الرائق کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۸

اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار ہے کہ اپنے تمام حصہ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصہ دین مشتری نے بذریعہ شراء وصول پایا اسے جمیع سہام پر تقسیم کرکے بقدر اپنے سہم کے روپے کا مطالبہ مشتری اور باقی کا مدیون سے رکھے، مثلاً نوے روپے دین تھے، اور زید، عمرو، بکر تین بیٹے وارث زشید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خرید لی تو اس نے اپنے تیس روپے پالئے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے مدیون سے لے خواہ ازانجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پالیا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے باقی بیس کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعوی نہیں کرسکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کرلے،

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدھما شیئا منه شارکه الاٰخر فیه ان شاء او اتبع الغریم۔ فلو اشتری بنصفه شیئا ضمنه شریکه الربع لقبضه النصف بالمقاصة او اتبع غریمه لبقاء حقه فی ذمته [1] اھ مختصرا وفی الھندیة ولو اشتری بنصیبه ثوبا فللشریك ان یضمنه نصف ثمن الثوب ولا سبیل له علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشرکة فی الثوب فذلك جائز کذا فی السراج الوھاج [2]۔	درمختار میں مذکور ہے دو شخصوں میں سبب واحد سے مشترک دین ہو جیسے دین موروث ہو اور ان دونوں میں سے ایک نے اگر کچھ دین مشترک وصول کرلیا تو دوسرا اگر چاہے تو اس میں شریک ہوجائے یا پھر مدیون کا پیچھا کرے، اور دونوں میں سے ایک شریک نے نصف دین کے بدلے مدیون سے کوئی چیز خریدی تو یہ خریدنے والا شریک دوسرے کو دین کے چوتھائی کا تاوان دے کیونکہ اس نے نصف دین پر قبضہ کیا ہے دین کے ثمن میں مجرا ہونے کے سبب سے یا پھر دوسرا شریک مدیون کا پیچھا کرے کیونکہ اس کا حق مدیون کے ذمے پر باقی ہے اھ مختصرا۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر ایک شریک نے اپنے حصے کے بدلے میں مدیون سے کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کو آدھے کپڑے کے ثمن کا ضامن ٹھہرائے اور کپڑے پر اس کا کوئی حق نہ ہوگا اور اگر وہ دونوں کپڑے کی شرکت پر متفق ہوجائیں تو یہ جائز ہے السراج الوہاج میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۳۳۷

اور اگر یہ عقد شراء سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مدیون نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دین مشتری نے کہامیں نے سب کی طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی، یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف عقد کے لئے بس ہے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو،

فی البزازیة والبحر وغیرہما الصحیح انه اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازته اھ[1] واما عدم التخالف فقد مناہ عن البحر عن الفروق ان الاصح عند التخالف البطلان قلت وھو مراد وجیز الکردری بقوله لو قال اشتریت لفلان وقالا بائع بعت منك الاصح عدم التوقف[2] اھ وقد عرض ھھنا وھم للعلامة الشامی فی ردالمحتار نبھنا علیه فیما علقنا علیه وباللّٰه التوفیق۔	بزازیہ اور بحر وغیرہ میں مذکور ہے صحیح یہ ہے کہ جب دو کلاموں میں سے صرف ایک میں عقد کی اضافت فلان کی طرف کی گئی ہو تو عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا، رہا مخالفت کا نہ ہونا تو ہم بحر سے بحوالہ فروق پہلے بیان کرچکے ہیں کہ بائع ومشتری کے کلاموں میں مخالفت کی صورت میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ عقد باطل ہوگا، میں کہتا ہوں کہ وجیز الکردری کے اس قول سے یہی مراد ہے کہ اگر مشتری نے کہامیں نے فلاں کے لئے خریدا اور بائع نے کہامیں نے تیرے ہاتھ بیچا تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ عقد موقوف نہیں ہوگا اھ یہاں پر علامہ شامی کو ردالمحتار میں ایک وہم عارض ہوا، ہم نے ردالمحتار پر اپنی تحریر کردہ تعلیقات میں اس پر تنبیہ کردی، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایةً یا ولایةً یا وکالۃً اس شراء کا اختیار رکھتا تھا جب تو ظاہر کہ عقد تمام وکمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانه تصرف من له التصرف فتم ونفذ من دون توقف (کیونکہ یہ اس کا تصرف ہے جس کو تصرف کا اختیار ہے تو بلاتوقف تام ونافذ ہوگیا۔ت) ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصد ایسا ہے جس پر کسی کو اس شراء کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آج کل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ، نہ دادا نہ ان کا وصی، نہ وصی الوصی، نہ ان بلاد میں قاضی شرع، نہ سلطان اسلام، اور ان کے سوا

[1] البحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹

[2] الفتاوٰی البزازیة علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۸۳

ماں بھائی چچا وغیرہ یتیم کے لئے جائداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرف اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے وعقد ایسا صادر ہو کہ وقت عقد جس کا مجیز نہیں ہو باطل ہوتا ہے،

فی الدر کل تصرف صدر منه وله مجیز ای من یقدر علی اجازته حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجیز له حالة العقد لاینعقد اصلا[1]۔	در میں مذکور ہے ہر وہ تصرف جو فضولی سے صادر ہوا اور عقد کے وقت اس کا کوئی مجیز یعنی کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس کی اجازت دے سکتا ہے تو اس عقد کا انعقاد اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جس تصرف کا بوقت عقد کوئی مجیز موجود نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔ (ت)

تو مشتری کا اس نابالغ کی طرف سے قبول، نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم، تو ایجاب سب کے لئے تھا اور قبول بعض کی طرف سے نہ پایا گیا، یا یوں کہئے کہ ایجاب کل مبیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا، بہر حال ایجاب وقبول مختلف ہو کر عقد راسًا باطل ہو گیا کل جائداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولٰی قائم،

فی ردالمحتار عن البحر الرائق الموجب اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق بقبول احدهما بائعا کان الموجب او مشتریا وعلی عکسه لم یجز القبول فی حصة احدهما[2] اھ وفیهما شرط العقد موافقة الایجاب للقبول فلو قبل غیر ما او جبه او بعضه او بغیر ما او جبه او بعضه لم ینعقد الا فی الشفعة[3] الخ۔	ردالمحتار میں البحر الرائق کے حوالے سے مذکور ہے کہ ایجاب کرنے والا اگر ایک ہو اور مخاطب متعدد ہوں تو تفریق جائز نہیں کہ ان دونوں میں سے ایک قبول کرے، چاہے ایجاب کرنے والا بائع ہو یا مشتری ہو، اور اگر اس کے برعکس ہو تو ان دونوں میں سے ایک کے حصہ میں قبول جائز نہیں اھ انہی دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ قبول کا ایجاب کے موافق ہونا شرط ہے بایں طور کہ مشتری اسی چیز کو قبول کرے جس کا بائع نے ایجاب کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کو قبول کرے یا جو ثمن بائع نے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۹، بحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۶۸۔۲۶۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵، بحرالرائق کتاب البیع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۵۸

ایجاب میں ذکر کیا مشتری اس کے غیر یا اس کے بعض کے بدلے قبول کرے تو سوائے شفعہ کے منعقد نہیں ہوا الخ۔(ت)
اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورچہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف نافذ، تو شرا بحق مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول نافز ہے نافذ ولازم باقی ورثہ کے لئے خود ان کی خواہ ان کے وصی یا وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دے گا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ھو شان عقد الفضولی (جیسا کہ عقد فضولی کی شان ہے۔ت) اب بحالت رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض مبیع رہی اور بعض مبیع سے نکل گئی اس میں اس پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہو سکتا،

اما التفریق فظاھر وکذا کونہ قبل التمام فکیف تتم صفقۃ موقوفۃ قبل الاجازۃ الاتری ان للمشتری لہ الرد بدون قضاء ولارضاء ولذاکان خیار الشرط مانعا تمامھا کما نص علیہ فی الفتح[1] وغیرہ. قال فی الدر المختار الاصل ان ردالبعض یوجب تفریق الصفقۃ وھو بعد التمام جائز لاقبلہ فخیار الشرط و الرؤیۃ یمنعان تمامھا وخیار العیب یمنعہ قبل القبض لابعدہ[2] الخ قلت والدین لازم بیعہ ممن	لیکن تفریق ظاہر ہے یونہی اس کا قبل از تمام ہونا کیونکہ اجازت پر موقوف عقد اجازت سے قبل کیسے تمام ہو سکتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس کے لئے خریداری ہو اس کو قضاء ورضاء کے بغیر ہی رد کا اختیار ہے، اسی لئے خیار شرط تمامیت صفقہ سے مانع ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں منصوص ہے۔ در مختار میں ہے اصل یہ ہے کہ بعض کو رد کرنا تفریق صفقہ کا موجب ہے اور وہ تمامیت صفقہ کے بعد جائز ہے نہ کہ اس سے پہلے، چنانچہ خیار شرط اور خیار رؤیت تمامیت صفقہ سے مانع ہیں جبکہ خیار عیب قبضہ سے پہلے مانع ہے قبضہ کے بعد مانع نہیں الخ **میں کہتا ہوں**

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۵۴۳، ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۷۰
[2] درمختار کتاب البیوع باب خیار الرؤیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵

ھو اصیل وفضولی الردمن شری لہ بل تحتمل الاجازۃ فلم یتحقق من البائع الرضی بتفریق الصفقۃ والرد معیبا بعیب الشرکۃ۔قال فی الھدایۃ اذا اشتری لرجلان غلاما علی انھما بالخیار فرضی احدھما فلیس لاٰخر ان یردہ۔لان المبیع خرج من ملکہ غیر معیب بعیب الشرکہ فلوردہ احدھما ردہ معیبا بہ وفیہ الزام ضرر زائد ولیس من ضرورۃ اثبات الخیار لھما الرضا برد احدھما لتصورا اجتماعھما علی الرد[1] اھ مختصرا وفی الدر المختار لیس لاحدھما الانفراد اجازۃ اورداختلافا لھما،مجمع[2]۔	لازم دین کو فروخت کرنا اس شخص سے جو اصیل ہے اور فضولی بھی، فضولی ہونے کی حیثیت سے جس کے لئے خریدا اس کو رد کرنے بلکہ جائز کرنے کا اکتیار ہے تو اندریں صورت بائع کی طرف سے سودے کے متفرق ہونے اور شرکت عیب کے ساتھ رد کرنے پر رضانہ پائی گئی، ہدایہ میں فرمایا کہ جب دو شخص نے ایک غلام خریدا اس شرط پر کہ دونوں کو خیار شرط حاصل ہوگا پھر ان میں سے ایک راضی ہوگیا تو دوسرے کو رد کرنے کا اختیار نہیں کیونکہ غلام مبیع بائع ملک سے اس حال میں نکلا تھا کہ اس میں عیب شرکت نہیں تھا، اب اگر دونوں میں سے ایک اس کو واپس کرے تو اس حال میں واپس کریگا کہ اس میں شرکت کا عیب موجود ہے اور اس میں بائع پر ضرر زائد لازم کرنا ہوا، اور بائع کی طرف سے ان دونوں کو خیار دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان میں سے ایک کے رد کرنے پر راضی ہو کیونکہ ان کے رد پر جمع ہونے کا احتمال موجود ہے اھ مختصر، درمختار میں ہے دونوں میں سے ایک کو انفرادی طور اجازت یا رد کا اختیار نہیں بخلاف صاحبین کے، مجمع۔(ت)

لہٰذا اسے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے خواہ اس ضرر تفریق کو گوارا کرکے جس نے رد کیا اس کا حصہ پھیرلے باقی میں بیع مقبول رکھے اس تقدیر پر جنہوں نے رد کیا انہیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے اپنے حصص دین کا مطالبہ

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۴۰۔۳۹

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳

مدیون سے رکھیں خواہ ان پانے والے شریکوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد بفعل مشتری خواہ ان کے یا ان کے اولیا یا اوصیا کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بمعاوضہ جائداد وصول پالیا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں سے کریں باقی کا اصل مدیون سے رکھیں کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ت) مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید وعمرو بعوض دین دو ثلث جائداد کے مالک ہوئے بکر نے کہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تیس پورے مدیون سے لے خواہ دس دس زید وعمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پاچکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون پر رکھے، **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۲۷: ازالہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعالی خدمت جناب مولٰنا المجد دام فضلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جو فتوٰی آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں، بسبب علالت طبیعت، میں استخراج عبارت مذکورہ من الکتب کی طرف متوجہ نہ ہوسکا اولڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں مجبورانہ خدمت گرامی بکمال تمنا ملتمس ہوں کو براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمایئے کہ عبارت عبارات مذکور کس باب وفصل میں ہیں ممنون منت ہوں گا، **والتسلیم!**

فی الدر المختار الدین المشترك بسبب متحد کدین موروث اذاقبض احدھما[1] **الخ (ملخصا) فی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریك ان یضمنہ**[2] **الخ۔**	در مختار میں ہے کہ دین مشترک جو سبب واحد کے ساتھ ہو جیسے دین موروث، پر دونوں میں سے ایک شریک جب قبضہ کرلے الخ ہندیہ میں ہے کہ جب ایک شرک نے مدیون سے اپنے حصہ کے بدلے میں کپڑا خریدا تو دوسرے شریک کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سے ضمان لے الخ (ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، عبارت در مختار **کتاب الصلح**

---

[1] الدر المختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشرکۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۳۷

فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات میں ہے والسلام۔

مسئلہ ۱۲۸: ۲۸ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے قرض لئے لیکن غلہ بہم نہ کرسکا تو دائن نے اس سے بجائے غلہ کے زر نقد بحساب نرخ بازار لے لیا تو یہ شرح بازار قرضہ پر جوافزود ہے آیا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز اور حرام قطعی اور نرا سود ہے،

فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو قرض نفع کھینچے سود ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

باب الرّبٰو

(سُود کا بیان)

مسئلہ ۱۲۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو باختیار اپنے خلاف بازار نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یا نہیں؟ مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چونے یا غلے کے عوض بیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے مال کو بہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر وعدہ پر بیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اندازہ شرعی جو دربارہ ربٰو معتبر ہے دو قسم ہے: کیل یعنی ناپ اور وزن بمعنی تول، اور حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں چار صورت میں بیان ہوتا ہے:

صورت اولٰی: جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے مثلاً دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی، اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے، مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا، تو ایسی دو۲ چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت صحیح ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً ان کا مقرر رہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو، اور اگر ایسی دو چیزیں ایک یا دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقرر میں برابر نہ کی گئیں، اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسری قسم کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا

یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربٰو قرار پائے گی۔

صورت ثانیہ: جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن، تنزیب تنزیب، گھوڑا گھوڑا کہ کیل و وزن سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی، کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شما رسے، یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج، جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا بکری کا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تل کر بکتے ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف اندازہ نہیں کہ شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک دونوں کا دین ہونا جائز نہیں۔

صورت ثالثہ: جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں، جیسے گیہوں جو کے ساتھ، یا لوہا تانبے کے ساتھ، تو یہاں بھی وہی حکم کہ تفاضل روا، اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انہیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا چونا زعفران وغیرہ ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں

صورت رابعہ: جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک، اب خواہ دونوں اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا، یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں، یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں، تو ایسی صورتوں میں تفاضل و نسیہ دونوں حلال ہیں۔

فائدہ: سونے چاندی کا ادھار ہونا یونہی دفعہ ہو سکتا ہے کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہو گئے وہ بیع جائز نہیں اور ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہو گئے بیع صحیح ہے اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔

فائدہ: چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے:

(۱) گیہوں **(۲)** جو **(۳)** چھوہارے **(۴)** نمک۔

یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انہیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے۔ اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نے وزنی فرمایا ہے: (۱) سونا (۲) چاندی __ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے، ان چیزوں کے سوابنائے کار عرف وعادت پر ہے، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج عـــہ۔

مسئلہ ۱۳۰: ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سود کاایک روپیہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے، یہ امر صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیشک صحیح ہے، اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں:

حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اکل درھما من ربٰو فھو مثل ثلث و ثلثین زنیۃ، ومن نبت لحمہ من السحت فالنار اولٰی بہ[1] رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ایک درہم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے (اس کو طبرانی نے معجم اوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث (۲و۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللہ من ثلثۃ وثلثین زنیۃ یزینھا فی الاسلام[2]۔ رواہ الطبرانی	بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے۔ (اس کو طبرانی نے

عـــہ: جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۹۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۵۴۱

[2] الدرالمنثور بحوالہ طبرانی تحت آیۃ ۲/ ۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/ ۳۶۷، الترغیب والترہیب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳ /۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الربا دارالکتاب بیروت ۴/ ۱۱۷

فی الکبیر عن عبداللہ بن مسعود ایضا عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	معجم کبیر میں عبداللہ بن مسعود سے نیز عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۴) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

درھم ربا یأکلہ الرجل وھو یعلم اشھد عنداللہ من ستۃ وثلثین زنیۃ [1]۔رواہ احمد بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ۔	سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالٰی کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہے ت(اس کو امام احمد نے سند صحیح کے ساتھ اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عنداللہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین زنیۃ یزنیھا الرجل [2]۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والبیھقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ تعالٰی کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے۔(اس کو ابن ابی الدنیا نے غیبت کی مذمت میں اور بیہقی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۶) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لدرھم ربا اشد جرما عنداللہ من سبع وثلثین زنیۃ [3]۔رواہ الحاکم فی الکنی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	بیشک سود کا ایک درہم اللہ عزوجل کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے۔(اس کو حاکم نے کنیتوں کے باب میں ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۷) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح	سود ستر گناہ ہے جن میں سب سے آسان تر اس شخص

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۳۳۰،مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ ذم الغیبۃ،والبیھقی باب الترھیب من الربا مصطفی البابی مصر ۳ /۷

[3] کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنی حدیث ۹۷۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۹

امه [1]، و فی روایة سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امه [2]، رواہ ابن ماجة وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابن جریر ورواہ البیھقی بسند لاباس به باللفظ الثانی کلھم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	کی طرح ہے جو اپنی ماں سے نکاح کرے۔ (اور ایک روایت میں ہے کہ سود کے ستر دروازے ہیں جن میں ادنٰی یہ ہے کہ وہ اپنی ماں پر پڑے۔ت) (اس کو ابن ماجہ اور ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابن جریر نے اور بیہقی نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں ساتھ لفظ ثانی کے تمام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث (۸) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا ابواب، الباب منه عدل سبعین حوبا ادناہ فجرة کاضطجاع الرجل مع امة [3]۔ رواہ ابن مندة وابونعیم عن الاسود بن وھب بن عبد مناف بن زھرة الزھری القرشی خال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ برابر ستر گناہ کے ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہونا (اس کو ابن مندہ اور ابونعیم نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماموں حضرت اسود بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ الزہری القرشی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۹) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا احد وسبعون بابا او قال ثلثة وسبعون حوبا ادناھا مثل اتیان الرجل امه [4]۔ رواہ عبدالرزاق عن رجل من الانصار	سود اکہتر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے جن میں سب سے ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی کا اپنی ماں سے جماع کرنا (اس کو امام عبدالرزاق نے انصار کے

[1] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ بحوالہ ابن مندہ ترجمہ ۱۷۲ اسود بن وہب دار صادر بیروت ۱/ ۴۶

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	ایک مرد سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

حدیث (۱۰) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا اثنان وسبعون بابا ادناها مثل اتیان الرجل امه[1]۔رواه الطبرانی فی الاوسط بسند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کم تر ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا (اس کو طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ معجم اوسط میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ابواب الربا اثنان وسبعون حوبا ادناها کالذی یاتی امه فی الاسلام [2]۔رواه الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا (اسی کو طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۲) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الربا ثلث وسبعون بابا ایسرها مثل ان ینکح الرجل امه[3] رواه الحاکم وقال صحیح علی شرطهما و البیهقی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے (اس کو حاکم نے روایت کیا اور فرمایا کہ یہ بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے اس کو سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الربا نیف وسبعون بابا اهونهن بابا مثل من اتی امه فی الاسلام	سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسا ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرنا

---

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۷۴

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن سلام حدیث ۹۷۵۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۰۵

[3] المستدرك کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷، شعب الایمان للبیهقی حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۹۴

ودرہم من ربا اشد من خمس و ثلثین زنیة [1]۔رواہ البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور سود کا ایک درم پینتیس زنا سے سخت تر ہے۔(اس کو بیہقی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۴) سیدنا امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا سبعون بابا اھونہا مثل نکاح الرجل امہ [2]۔رواہ ابن عساکر بسند صحیح۔	سود ستر دروازے ہیں ان میں آسان تر اپنی ماں سے زنا کے مثل ہیں۔(اس کو ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ت)

حدیث (۱۵) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الربا اثنان وسبعون حوبا اصغرھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا اشد من بضع وثلثین زنیة [3]۔رواہ ابن ابی الدنیا والبغوی وغیرہما وصدرہ عند عبدالرزاق بلفظ بضعة وسبعون [4]۔	سود بہتّر گناہ ہے سب سے چھوٹا بحالت اسلام اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کا ایک درہم کئی اوپر تیس زنا سے سخت تر ہے۔(اس کو ابن ابی الدنیا اور بغوی وغیرہ نے روایت کیا، اور امام عبدالرزاق کے ہاں لفظ بضع وسبعون کے ساتھ ہے۔ت)

حدیث (۱۶) سیدنا عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں:

الربا ثلث وسبعون حوبا ادناھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرہم من الربا کبضع وثلثین زنیة [5]۔	سود میں تہتّر گناہ ہیں سب سے کم ایسا جیسے اسلام میں اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا ایک درہم چند اور تیس زنا کی مانند ہے(اس کو

[1] الدر المنثور بحوالہ البیہقی فی الشعب تحت آیة ۲۷۹ منشورات قم ایران ۱/ ۳۶۵، الترغیب والترھیب بحوالہ البیہقی فی الشعب الترھیب من الربا حدیث ۱۶ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸

[2] المنتقی لابن الجارود عن ابی ہریرۃ حدیث ۶۳۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ص ۲۱۸

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا والبغوی حدیث ۱۲ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۳/ ۷، شرح السنة للبغوی باب وعید آکل الربا حدیث ۲۰۵۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۵۴

[4] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۶ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

[5] المصنف لعبد الرزاق باب ماجاء فی الربا حدیث ۱۵۳۴۴ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴

رواہ عبدالرزاق۔	امام عبدالرزاق نے روایت کیا۔ت)

حدیث (۱۷) کعب احبار فرماتے ہیں:

لان ازنی ثلثا وثلثین زنیة احب الی من ان اٰکل درھما ربا یعلم الله انی اکلته حین اکلته ربا[1]۔رواہ الامام احمد عنه بسند جید۔	بیشک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے زیادہ پسند ہے کہ سود کا ایک درہم کھاؤں جسے اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سود کھایا ہے۔(اس کو امام احمد نے سند جید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: ۲۷ رجب روز دوشنبہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روز مرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے چاہتا ہے کہ کچھ روپیہ سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے، پس یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اور جو شخص ایسے اصل روپیہ کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن الله اٰکل الربو وموکله وکاتبه وشاھدہ[2]۔رواہ احمد وابوداؤد	اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کی گواہی

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن حنظلہ دارالفکر بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷، سنن ابوداؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۱۷) (جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۶، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود دارالفکر بیروت ۱/ ۳۹۳ و ۴۰۲ و ۴۰۹ و ۴۵۳، مسند احمد بن حنبل عن علی کرم اللہ وجھه دارالفکر بیروت ۱/ ۸۳ و ۱۰۷ و ۱۳۳ و ۱۵۰، سنن النسائی کتاب الزینة نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۸۰

والترمذی وابن ماجة والطبرانی فی الکبیر وزادوھم یعلمون[1] کلھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه احمد والنسائی عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھه سند اھما صحیحان وبمعناہ عند مسلم فی صحیحه وزادو ھم سواء[2]۔	کرنیوالے پر (اس کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں یہ زیادہ کیا کہ وہ جانتے ہوں کہ یہ سود ہے ان تمام ائمہ نے اس کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام احمد اور نسائی کے نزدیک اس کی مثل سیدنا حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے مروی ہے اور ان دونوں کی سندیں صحیح ہیں اس کے ہم معنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ سب برابر ہیں۔ت)

مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ت) اسی لئے علماء فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے،

فی الاشباہ والنظائر وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3] اھ قال فی الغمز و ذلك نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا[4] اھ	الاشباہ والنظائر، قنیہ اور بغیہ میں ہے کہ محتاج کے لئے سود پر قرض لینا جائز ہے اھ غمز میں فرمایا اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً وہ دس دینار قرض لے اور قرض دہندہ کے لئے یومیہ کچھ نفع مقرر کرے اھ (ت)

اقول: محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ ہر گز جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا نو سو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو موجود ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لے کر بنایا یا سودوسو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننا چاہا پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگادئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچ کر روپیہ حاصل کرسکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا وعلی ہذا القیاس صدہا صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں توان میں حکم جواز نہیں ہوسکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر، باب ماجاء فی الرباء، دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ راچی ۲/ ۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

[4] غمز عیون البصائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وللہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی قرض لینے کی اجازت اسی وقت ہوسکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو، نہ کوئی پیشہ جانتا ہو، نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے دال روٹی اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پاسکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھروہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت قوت، رہا ادائے قرض کی نیت سے سودی قرض لینا، اگر جانتا ہے کہ اب ادانہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت وخواری علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادانہیں تو رخصت دی جائیگی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس وتحصیل قوت کی ضرورت تو خود ظاہر، اور ذلت [عہ] ومطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت مہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا، مثلاً شریر شاعر جو امراء کے پاس قصائد مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انہیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی روا نہیں، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت صریح حرام، بایںہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انہیں دینا دینے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے،

فی الدرالمختار لاباس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ (عبارۃ المجتبی لمن یخاف) والنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ (فقد روی الخطابی فی الغریب عن عکرمۃ مرسلا قال اتی شاعر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا بلال اقطع لسانہ عنی فاعطاہ اربعین درھما) ومن السحت مایاخذہ شاعر	درمختار میں ہے کہ جب کسی کو اپنے دین کے بارے میں خوف ہو تو اس کے لئے رشوت دینے میں کوئی حرج نہیں (مجتبٰی کی عبارت میں ہے جسے خوف ہو) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاعروں کو اور جن کی زبان درازی کا خوف ہوتا ان کو عطا فرماتے تھے (خطابی نے غریب میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً روایت کیا عکرمہ نے کہا کہ ایک شاعر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آیا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا اے بلال! اس کی زبان مجھ سے قطع کرو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کو چالیس درہم

عـــہ: ظاہر ہے کہ یہ ذلت پہنچے گی کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ۔

لشعر (لانه انما یدفع له عادة قطعاً للسانه فلو کان ممن یؤمن شرہ فالظاہر ان مایدفع له حلال بدلیل دفعه علیه السلام بردته للکعب لما امتدحه بقصیدته المشهورة تأمل[1]) اھ ملخصا مختلطا برد المحتار۔	دے دئے) حالانکہ شاعر جو کچھ شعر کی وجہ سے لیتا ہے وہ حرام ہے (کیونکہ عادتاً جو کچھ اس کو دیا جاتا ہے وہ اس کی زبان درازی روکنے کے لئے ہوتا ہے چنانچہ اگر کوئی شاعر ایسا ہو جس کے شر سے امن ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس کو جو کچھ دیا جائے وہ حلال ہے اس پر دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی چادر مبارک عطا فرمانا ہے جب حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آپ کی بارگاہ اقدس میں اپنا مشہور قصیدہ پیش کیا) اھ تلخیص باختلاط ردالمحتار (ت)

اور اگر اس مفلس قرضدار کی قرضخواہ کی طرف اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی اجازت مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو مہلت دے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَیْسَرَةٍؕ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر قرضدار تنگدست ہو تو اس کی کشادگی اور آسانی مہیا ہونے تک مہلت دو۔ (ت)

اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے ادا کی نیت رکھے مفلسی کو پروانہ معافی نہ ٹھہرالے کہ اب ہم سے کوئی کیا لے گا، جب ایسی سچی نیت رکھے گا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہو گئی نہ کرے گا تو اس سے زیادت شرع اسے تکلیف نہیں دیتی،

قال اللہ تعالٰی "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاؕ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی وسعت کے مطابق۔ (ت)

پھر اگر اسی حال پر مرگیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے کہ ارحم الراحمین جل جلالہ درگزر فرماکر

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا۔ حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداء ھا ادی اللہ عنه، و من اخذیرید اتلافھا اتلفه اللہ[1]۔اخرجه احمد و البخاری وابن ماجة عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو لوگوں کے مال بہ نیت ادا لے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے اور جو تلف کردینے کے ارادے سے لے اللہ تعالٰی اسے ہلاک کردے۔(امام احمد، بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من ادان دینا ینوی قضائه اداه اللہ یوم القیٰمة[2]۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر عن میمونة بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہا باسناد صحیح۔	جو کوئی دین لے کہ اسکے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے گا(طبرانی نے معجم کبیر میں سند صحیح کے ساتھ حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تخریج فرمائی۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں:

من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائه ثم مات قبل ان یقضیه فانا ولیه[3]۔رواہ احمد باسناد جید و ابو یعلی والطبرانی فی الاوسط عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	میرا جو امتی کسی دین کا بار اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کئے مرجائے تو میں اس کا ولی و کفیل کار ہوں (اس کو امام احمد نے اسناد جید کے ساتھ اور ابویعلی اور طبرانی نے معجم اوسط میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب من اخذ اموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳/ ۴۳۲ وحدیث ۷۲، ۷۳، ۲۴/ ۲۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن عائشه رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۷۴، ۱۵۴، المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۹۳۳۴ مکتبة المعارف الریاض ۱۰/ ۱۵۸

من تداین بدین وفی نفسه وفاؤہ ثم مات تجاوز الله عنه وارضی غریمه بماشاء [1]۔ الحدیث۔ رواہ الحاکم و بنحوہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو کسی دین کا معاملہ کرے اور دل میں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مرجائے تو اللہ تعالٰی اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کردے الحدیث (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اس کی مثل طبرانی نے معجم کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بیشک سودی قرض لینا جائز طریقہ ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ عورت اگر مارے سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق دے دے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالٰی سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی گردن پر ہو اس سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے،

فی الغنیة الزوج له ان یضرب زوجته علی ترك الصلوة وان لم تنتنه عن ترکها بالضرب یطلقها ولو لم یکن قادر اعلی مهرها ولان یلقی الله تعالٰی ومهرها فی ذمته خیرله من ان یطأ امرأة لاتصلی [2]۔	غنیہ میں ہے کہ شوہر کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز چھوڑنے پر مارے اور اگر مارنے کے باوجود وہ نماز چھوڑنے سے باز نہیں آتی تو طلاق دے دے اگرچہ اس کو مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ ہو کیونکہ اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملنا کہ اس کی بیوی کا مہر اسکے ذمہ پر ہو بہتر ہے اس سے کہ ایسی عورت سے صحبت کرے جو نماز نہیں پڑھتی۔(ت)

دیکھو عورت کا نماز نہ پڑھنا اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت وتنبیہ کسی طرح نہیں مانتی بایںہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا، تو سودی قرض لینا کہ جو خود اس کا گناہ ہے کیونکر گوارا کیا جائے گا اور قرضدار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہوگ اھذا کله ماظهر لی وارجوان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی (یہ سب وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا۔ت) رہی ضمانت وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعًا جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک مسلمان بھائی کی

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب البیوع باب من تداین بدین الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۳۲

[2] غنیة المستملی احکام المساجد مسائل شتی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۲۱

مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہو گی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: گناہ اور ظلم پر تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۲: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے اب گناہگار زیادہ کون ہے؟ وہ شخص جس نے سود پر دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے تو یہ توبہ اسکی قبول ہو گی یا نہیں؟ اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہو گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبور کہے سودی قرض لینا حرام ہے، اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث گناہ ہے، اور حدیث صحیح میں: **ھم سواء**[2] فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ہیں، اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزوجل سے آئندہ کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے، جو ایسا کرے گا اس کی توبہ بیشک قبول ہو گی "ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ"[3] (وہ وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ت) اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہو جائے گا **التائب من الذنب کمن لاذنب له**[4] (گناہ سے توبہ کرنے والا ایسے ہے جیسے اس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۱۳۳تا۱۳۸: از شاہجہان پور محلّہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ:

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مر گیا اب ورثا زید کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[4] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۵۴، سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳

(۲) زید نے روپیہ قرض سود پر دے کر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسب ضابطہ کچہری ۸ فیصدی سود تا ادائے روپیہ اور بھی ڈگری میں لکھا جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثاء اسکے دونوں قسم کا سود لے سکتے ہیں اور شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے پرامیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا تھا زید مرگیا ورثاء زید کو حسب ضابطہ کچہری اول سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے ورثاء نہ سود نوٹوں کا پاسکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کرسکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب تین ہزار روپیہ کے کچہری میں صرف ہوگا ورثاء زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کردیں یعنی گورنمنٹ سے لے کر پھر اسی کو واپس کردیں پس ورثاء زید تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلق ناجائز ہے؟

(۴) عمرو نے پرامیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرامیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فی صدی سالانہ سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے اور نرخ نوٹوں کا بھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے آجکل سو روپیہ کا پرامیسری نوٹ ایک سو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمرو بھی ایک لاکھ روپیہ کے پرامیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے یا نرخ سے دو روپیہ زیادہ نفع پر بیچ ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں؟

(۵) کسی شخص نے دوہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جس میں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود، وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعوض بارہ سو کے وہ ڈگری فروخت کرڈالے تو کیسا ہے؟

(۶) اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کل یا بعض لے کر مدرسہ اسلامیہ میں دے دی جائے تو شرعاً کیا اس کی حالت ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) حرام قطعی ہے،

قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ(۲۷۸) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ	مولا سبحانہ وتعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو تو خبر دار ہو جاؤ خدا اور رسول کے لڑنے سے یا اعلان کردو

مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ۚ "[1]	اللہ و رسول سے لڑائی کا۔

یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کارہ گیا تھا مسلمانوں نے خیال کیا یہ تو حرمت سے پیشتر ہے اسے لے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہا ہم میں خدا اور رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں، وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ **معاذاللہ** یہ بقیہ شقیہ کے سرے سے بعد تحریم الٰہی کے لینا دینا ٹھہرا، اور اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار اور اس کے رسول جلیل جبار جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کرلے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا اور رسول عزمجدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین** (اللہ کی پناہ جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ت) ورثہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث کی ملک اور اس کا ترکہ ہو یہ سود نا مسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے **واللہ الھادی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**. **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

(۲) کسی قسم کا نہیں لے سکتے، دونوں قطعی حرام ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: سود کے ستر، اور ایک حدیث میں بہتّر، اور دوسری میں تہتر دروازے ہیں، ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ[2]. الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون بابا ادناھا مثل اتیان الرجل	حاکم نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ سود کے تہتر دروازے ہیں ان میں سے سب سے ہلکا ایسے ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے زنا کرے۔ طبرانی نے معجم اوسط میں سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سے کمترین ایسے ہے جو کوئی مرد اپنی ماں سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹۔۲۷۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

امه[1]. ابن ماجة والبیهقی باسناد لاباس به واللفظ له عن ابی ہریرۃ رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الربا سبعون بابا ادناها کالذی یقع علی امه[2]۔	زنا کرے۔ ابن ماجہ اور بیہقی نے ایسی اسناد کے ساتھ اس کو روایت کیا جس میں کوئی حرج نہیں اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سود کے ستر دروازے ہیں ان میں سے کمتر ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

توجو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مانتا ہے تو ذرا گریبان میں منہ ڈال کر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستر ستر بار زنا کرنا، واللہ الهادی۔

(۳) سود لینا حرام قطعی وکبیرہ وعظیمہ ہے جس کا لینا کسی طرح روا نہیں ہوسکتا ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے،

وهذا مسألة جلیلة دقیقة لایتنبه الا بتوفیق اللّٰه تعالٰی وسنفصلها یوما ان شاء الملك العلام جل وعلا۔	یہ بڑی جلالت وعظمت کا حامل دقیق مسئلہ ہے سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس پر آگاہی نہیں ہوسکتی، ہم ان شاء اللہ تعالٰی کسی دن اس کو مفصل بیان کریں گے۔ (ت)

(۴و۵) زائد، برابر کم کسی مقدار کو اصلاً بیع نہیں کرسکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعاً باطل ہے۔ اشباہ میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولو باعه من الدین او وہبه جاز[3]۔ واللّٰه تعالٰی	دین کی بیع جائز نہیں اور اگر کوئی مدیون پر دین کو بیچے یا اس کو ہبہ کردے تو جائز ہے، واللہ تعالٰی

[1] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۱۴۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ / ۷۴

[2] سنن ابن ماجہ باب التغلیظ فی الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ / ۱۶۵، شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ / ۳۹۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲ / ۲۱۳

اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔	اعلم وحکمہ سبحانہ احکم (ت)

(۶) جوابات سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں، یہ قول کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

سود لینا نہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے،

لاطلاق قولہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[1] اما یؤخذ من الحربی فی دار الحرب فمال مباح لیس بربا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس ارشاد باری تعالٰی کے اطلاق کی وجہ سے کہ "اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا" لیکن جو کچھ دارالحرب میں حربی سے لیا جائے تو وہ مباح مال ہے سود نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۰: مرسلہ محمد عنایت حسین سررشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع بریلی ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بنئے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدرت نہ تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق کو وصول کرنے کے لئے اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ماہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے ہوئے میں مجرا سمجھتا جائے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے، اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے، اسی طرح بادشاہ یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگزاری یا اسٹام یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ پر لیا ہو جو شرعاً ناجائز یا حد شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنے ذاتی روپیہ یا عام مسلمانوں کے چندہ کا روپیہ شاہی بنک میں جمع کرکے حقدار مذکور اس سے نیت وصول حق کے ساتھ بے نیت سود حاصل کرے، اور پہلی صورت میں اسے اپنے صرف خاص اور چندہ کی صورت میں ان مصارف مسلمین میں جن کے لئے وہ چندہ وصول کیا گیا تھا صرف کردے تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اور اسے سود لینا کہیں گے یا کیا؟ بینوا توجروا۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

سود حرام قطعی وکبیرہ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روانہیں ہوسکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیت بھی معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال سہی پر یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا، اور جہاں نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت، تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) پس ریاست خواہ غیر ریاست جس شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہوسکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گواہ نہیں یا گواہ دیئے کچہری نہ مانی ڈسمس کردی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انہیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود، قاضی نے رشوت وغیرہما اور وہ دوسرے طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیرہ موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار تک جہاں تک اس کا حق ہے ذریعہ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد ونیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا، شرعاً جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی ربا و محرمات ہیں، نہ مجرد الفاظ بے معنی، ولہٰذا علماء فرماتے ہیں:

لاربابین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملك لمولاہ فلا یتحقق الربا[1] وکذا لاربابین شریکی المفاوضۃ وکذا العنان[2] کمافی الھدایۃ والدر وغیرہما من الاسفار الغر۔	مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں ہوتا کیونکہ غلام اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہو وہ مالک کی ملک ہوتا ہے لہٰذا سود متحقق نہیں ہوتا اسی طرح شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان کے دو شریکوں کے درمیان بھی سود نہیں ہوتا جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہ روشن کتابوں میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

[1] الہدایۃ باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

الاصل ان المستحق بجهة اذا وصل الی المستحق بجهة اخری اعتبر واصلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه[1]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز ایک جہت سے مستحق ہو جب وہ شخص مستحق کو پہنچے دوسری جہت سے تو وہ جہت مستحقہ سے واصل سمجھی جائے گی بشرطیکہ وہ مستحق علیہ کی طرف سے مستحق کو پہنچی ہو (ت)

یہاں تک کہ علماء نے تحصیل مال مباح جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلہ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہما جائز رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کی رضامندی سے برتا گیا یعنی غدر سے پاک وجدا ہو،

کما نصوا علیه فی ربا المستامن و مقامرة الاسیر فی ردالمحتار عن السیر الکبیر و شرحه اذا دخل المسلم دار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منهم اموالهم بطیب انفسهم بای وجه کان لانه انما اخذ المباح علی وجه عری عن الغدر فیکون طیبا له والاسیر و المستامن سواء حتی لو باعهم درهما بدرهمین او میتة بدراهم او اخذ مالا منهم بطریق القمار فذٰلك کله طیب له[2] اھ ملخصًا۔	جیسا کہ فقہاء نے مستامن کے سود اور قیدی کے جوا کے بارے میں اس پر نص فرمائی ہے، ردالمحتار میں سیر کبیر اور اس کی شرح کے حوالے سے مذکور ہے جب کوئی مسلمان امان لے کر دارالحرب میں داخل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ حربیوں کا مال ان کی رضامندی سے کسی بھی طریقے سے لے کیونکہ اس نے مال مباح ایسے طریقے سے لیا جو کہ دھوکہ سے خالی ہے لہٰذا یہ اس کے لئے حلال ہے، قیدی اور مستامن برابر ہیں، یہاں تک کہ اگر کسی نے ان پر دو درہموں کے عوض ایک درہم بیچا یا کچھ درہموں کے عوض مردار بیچا یا جوئے کے ذریعے ان کا مال لے لیا تو یہ سب اس کے لئے حلال ہے اھ تلخیص۔ (ت)

اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط باجازت حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعًا روا نہیں، دلیل واضح ہے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

کہ نام ناجائز امر جائز کو ناجائز نہیں کردیتا،

کما افادہ فی الفتح وغیرہ نقلاعن المبسوط مستدلالمذھبنافی ھذاالباب۔	جیسا کہ مبسوط سے نقل کرتے ہوئے فتح وغیرہ میں اس کا فائدہ دیا ہے اس باب میں ہمارے مذہب سے استدلال کرتے ہوئے۔(ت)

تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمّٰی کے باعث کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے،

ھذامایعرفہ کل فقیہ والمسئلۃ مسئلۃ الظفر المنصوص علیھافی الوھبانیۃ والقنیۃ والدروغیرہا۔	یہ وہ ہے جس کو ہر فقیہ جانتا ہے اور مسئلہ تو مسئلہ ظفر ہے جس پر وہبانیہ، قنیہ اور در وغیرہ میں نص کی گئی ہے(ت)

زیادت ایضاح مقام یہ ہے کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ کہ الفاظ پر، مثلاً اگر کوئی شخص زید سے اپنا آتا ہوا لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہوجائے گا یا دو قسم کے قرض ہوں ایک کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلارضا لے لیا کرے تو وہ بھی ہرگز ربا نہیں ہوسکتا اگرچہ بلفظ ربا تعبیر کرے کہ حقیقت ربا یعنی فضل خالی عن العوض مستحق بالعقد (وہ عوض جو ایسی زیادتی سے خالی ہو جس کا استحقاق بذریعہ عقد ہو۔ت) اس پر صادق نہیں، ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اسے حقیقت ربا سمجھے اور یہی جان کر اس کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سود لینے کا اس پر گناہ نہیں کہ جو اس نے لیا وہ سود عنداللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور اس کے حق میں معصیت جداگانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الٰہی کا خلاف ہی کررہا ہے، ولہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر بہ نگاہ بد اس کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانی خدا پر اقدام کررہا ہے، میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز میں ہے:

لو نظر انسان الی ثوب موضوع فی طاق علی ظن انہ امرأۃ اجنبیۃ فانہ یحرم علیہ[1]۔	اگر کسی انسان نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو اجنبی عورت سمجھ کر نظر بد سے دیکھا تو یہ اس کے لئے حرام ہے(ت)

اور جب یہ دونوں نہ ہوں تو رہا نرا نام، تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہو ولعب وہزل

---

[1] میزان الکبرٰی کتاب البیوع باب مایجوز بیعہ ومالایجوز مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

ہو مکروہ ہونا چاہئے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن کہنا کہ اس کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی،

"اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓیْٔ وَلَدْنَهُمْ ؕ"[1]	نہیں ہیں ان کی مائیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا۔(ت)

نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلاً کوئی مواخذہ کہ اس کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہو گئی،

ابوداؤد فی سننه عن ابی تمیمة الهجیمی ان رجلا قال لامرأته یااختی فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اختك هی فکره ذٰلك ونهی عنه[2]. قال فی الفتح الحدیث افاد کونه لیس ظهارا حیث لم یبین فیه حکما سوی الکراهة والنهی[3]۔	امام ابوداود نے اپنی سنن میں ابو تمیمہ ہجیمی سے روایت کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو کہا کہ اے میری بہن، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا یہ تیری بہن ہے، آپ نے اس کی اس بات کو ناپسند جانا اور اس سے منع فرمایا۔ فتح میں کہا کہ حدیث اس قول کے ظہار نہ ہونے کا فائدہ دیتی ہے کیونکہ اس میں ناپسندیدگی اور ممانعت کے سوا کوئی حکم بیان نہیں کیا گیا۔(ت)

ہاں صرف اتنی قباحت ہوگی کہ اس نے بے کسی ضرورت و مصلحت کے ایک جائز حلال شے کو حرام نام سے تعبیر کیا،

کما قال الله تعالٰی "وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ"[4]۔	جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک وہ بری بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔(ت)

پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی،

کقول سیدنا ابراهیم علٰی نبینا الکریم وعلیه وعلٰی سائر الانبیاء افضل الصلوٰة	جیسا کہ سیدتنا حضرت سارہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے بارے میں سیدنا حضرت ابراہیم کا فرمانا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] سنن ابوداود کتاب الطلاق باب فی الرجل یقول لامرأته یا اختی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] فتح القدیر باب الظہار مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۹۱

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

والتسلیم لسیدتنا سارۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا اختی[1]۔	کہ بیشک یہ میری بہن ہے، ہمارے نبی کریم، حضرت ابراہیم اور تمام انبیاء کرام پر بہترین درود وسلام ہو۔ (ت)

پھر علماء نے تو یہاں مصلحت اخذ مباح تک معتبر رکھی نہ کہ مصلحت احیائے حق وازالہ مظالم کے بالبداہۃ اس سے ازید واتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تاہم اس مال کے حل وطیب میں اصلاً شک نہیں،

کما علمت وقد انتظمہ اطلاق قولھم لاربا بین المولٰی وعبدہ ولا بین شریکی المفاوضۃ والعنان کما لا یخفی۔	جیسا کہ تو جان چکا ہے، اور تحقیق فقہاء کے اس قول کا اطلاق اس کو شامل ہے کہ مالک وغلام کے درمیان اور مفاوضہ و عنان کے دو شریکوں کے درمیان کوئی سود نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دارالحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی والشرکاء (جیسا کہ مالک اور شریکوں کے مسئلے اس پر گواہ ہیں۔ ت) صرف انتفائے حقیقت وقصد ربا، درکار ہے کہ اس کے بعد نہ عنداللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفت شرع پر اقدام، علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید دارالحرب ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ ثم ای فی دارالحرب قید بہ لانہ دخل دار نا بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا ط عن المسکین[2]۔	ماتن کا قول "وہاں یعنی دارالحرب، یہ قید اس لئے کہ اگر کوئی حربی ہمارے ملک میں امان لے کر داخل ہوا پھر کسی مسلمان نے اس کے ہاتھ ایک درہم دو درہموں کے عوض فروخت کیا تو بالاتفاق ناجائز ہے ط نے مسکین سے نقل کیا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاربا بین المسلم والحربی فی دارالحرب بخلاف المستامن منھم لان مالہ	مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں کوئی سود نہیں بخلاف حربی مستامن کے کیونکہ

[1] الدر المنثور بحوالہ ابویعلی عن ابی سعید تحت آیہ بل فعلہ کبیرھم منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۲۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۸

صار محظورا بعقد الامان اھ[1] ملخصا۔	عقد امان کی وجہ سے اس کا مال ممنوع ہوگیا اھ تلخیص (ت)

فتح القدیر میں مبسوط سے ہے:

اطلاق النصوص فی المال المحظور وانما یحرم علی المسلم اذاکان بطریق الغدر فاذالم یاخذ غدر فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ برضا، بخلاف المستامن منھم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا[2]۔	نصوص کا اطلاق ممنوع مال میں ہے حربی کا مال مسلمان پر صرف اس صورت میں حرام ہوتا ہے جب وہ دھوکے سے لے، چنانچہ جب اس نے دھوکہ کے بغیر لیا چاہے جس طریقے سے لیا ہو تو اس کے لئے حلال ہے بشرطیکہ اس حربی کی رضامندی سے لیا ہو۔ بخلاف حربی مستامن کے دارالاسلام میں کیونکہ اس کا مال امان کی وجہ سے ممنوع ہوگیا للذا اسکو اگر جائز طریقے کے علاوہ لیا ہو تو دھوکہ ہوگا۔ (ت)

بالجملہ حقیقت ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کما سمعت انفا (جیسا کہ تو نے ابھی سنا ہے۔ ت) اور مال اصحاب دیون و مظالم بقدر دیون و مظالم محظور اگر جنس حق سے ہو جیسا کہ اکثر صور مستفسرہ میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتی بہ لفساد الزمان،

درمختار میں ہے:

لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی وھو الاوسع[3]۔	صاحب حق کے لئے روا نہیں کہ اپنے حق کی جنس کا غیر لے جبکہ امام شافعی رحمۃ تعالٰی علیہ نے اس کو جائز قرار دیا اور اس میں زیادہ وسعت ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وجوزہ الشافعی قدمنافی کتاب الحجر ان عدم الجواز کان فی زمانھم اما الیوم فالفتوی علی الجواز اھ[4] وفیہ من کتاب الحجر	ماتن کا قول کہ "امام شافعی نے اس کو جائز قرار دیا" ہم اس کو کتاب الحجر میں بیان کرچکے ہیں کہ عدم جوازانکے زمانے میں تھا لیکن آج کل فتوٰی جواز پر ہے اھ، اور اسی میں کتاب الحجر

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۷

[2] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۷۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۳

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۱

عن العلامۃ الحموی عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الجمال الاشقر عن الامام الاخصب انہ قال فی شرح القدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتھم العقوق[1] اھ۔	میں علامہ حموی سے منقول ہے انہوں نے علامہ مقدسی سے انہوں نے اپنے دادا جمال اشقر سے انہوں نے امام اخصب سے نقل کیا انہوں نے شرح قدوری میں کہا کہ تحقیق غیر جنس سے حق لینے کا عدم جواز ان کے زمانے میں تھا حقوق میں ان کی پاسداری کی وجہ سے جبکہ آج کل فتوی جواز پر ہے جب کسی بھی مال سے لینے پر قادر ہو خصوصًا ہمارے شہروں میں بسبب ان کی دائمی نافرمانی کے اھ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

من لہ حظ فی بیت المال ظفر بما وجد لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ[2]۔	جس کا بیت المال میں حق ہو اور اس نے بیت المال کا مال پایا دیانت کے اعتبار سے اس کو لینا جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وللمودع صرف ودیعۃ مات ربھا ولاوارث لنفسہ او غیرہ من المصارف[3]۔	جس کے پاس ودیعت رکھی گئی ہے وہ ودیعت کو اپنی ذات یا دیگر مصارف میں صرف کر سکتا ہے جبکہ ودیعت رکھنے والا فوت ہوگیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عن شرح الوھبانیۃ عن البزازیۃ عن الامام الحلوانی لانہ لو اعطاھا لبیت المال لضاع لانھم	شرح وہبانیہ میں بحوالہ بزازیہ امام حلوانی سے منقول ہے، اس لئے کہ اگر اس نے ودیعت بیت المال کو دے دی تو وہ ضائع ہو جائیگی

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

لایصرفون مصارفہ فاذاکان من اھلہ صرفہ الی نفسہ وان لم یکن من المصارف صرفہ الی المصرف[1] اھ۔	کیونکہ بیت المال والے مصارف میں خرچ نہیں کرتے لہٰذا اگر وہ خود مصارف میں سے ہے تو اپنی ذات پر صرف کرے اور اگر وہ خود مصارف میں سے نہیں ہے تو کسی اور مصرف میں خرچ کرے اھ (ت)

ان تقریروں سے خوب روشن ہوگیا کہ حاش للہ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ہرگز کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افتراء ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز ہے وجہ یہ کہ وہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت و مصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبیر کیا ہو، ولہٰذا علماء ان مسائل میں لاربا (کوئی سود نہیں۔ت) فرماتے ہیں نہ لایحل الربا (سود حلال ہے۔ت) **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: اگرچہ ہمارے کلام سابق سے متبین ہوا کہ مسلم و حربی میں دارالحرب میں نفی ربا بربنائے انتفائے عصمت ووجود اباحت ہے نہ بربنائے انتفائے شرف دار مگر ہم تتمیم فائدہ کو اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں **فاقول: وباللہ التوفیق** (پس میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ت) اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دارالحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود، ولہٰذا وہاں غصب و ربا حلال و موجب ملک ہے تو بداہۃً باطل، احکام الٰہیہ دارٍ دون دارٍ (ایک ملک سوائے دوسرے ملک کے۔ت) پر موقوف نہیں، نہ اختلاف زمین کسی حرام شیئ کو حلال کرسکتا ہے،

فان العباد للہ والبلاد للہ والحکم للہ والملک للہ، "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ"[2]، وقال اللہ تعالٰی "وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	کیونکہ تمام بندے اور شہر اللہ تعالٰی کے ہیں، حکم اور بادشاہی اللہ تعالٰی کی ہے، برکت والا وہ ہے جس نے حق و باطل میں فرق کرنیوالی کتاب اپنے بندے پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام جہانوں کے لئے ڈرسنانے والا ہوجائے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جہاں کہیں تم ہو اپنے

[1] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

شَطْرَہٗ"[1] "وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ"[2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدا و طھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلاۃ فلیصل[3]۔	چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیرلو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنیوالی بنادیا گیا ہے چنانچہ میری امت کے کسی شخص پر جب نماز کا وقت ہوجائے تو نماز پڑھے (جہاں بھی ہو)۔(ت)

یہاں تک کہ مذہب معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں

حتی العبادات اداء واعتقادا فیعذبون علی ترک الاداء ایضا۔لقولہ تعالٰی قالوا لم نک من المصلین الی قولہ تعالٰی وکنا نکذب بیوم الدین[4]۔	یہاں تک کہ عبادات کی ادائیگی اور اعتقاد کے اعتبار سے چنانچہ ادائیگی چھوڑنے پر بھی ان کو عذاب دیا جائے گا بدلیل اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے کہ وہ کفار کہیں گے ہم نمازی نہیں تھے (اس لئے عذاب میں مبتلا ہیں) اللہ تعالٰی کے ارشاد" اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے "تک (ت)

آخر دارالحرب میں غدر بالاجماع حرام یونہی زنا لعدم جریان الاباحۃ فی الابضاع (کیونکہ شرمگاہوں میں اباحت جاری نہیں ہوتی۔ت) فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ منقول،

وبخلاف الزنا ان قیس علی الربا لان البضع لا یستباح بالاباحۃ بل بالطریق الخاص اما المال فیباح بطیب النفس بہ واباحتہ[5]۔	بخلاف زنا کے اگر اس کو سود پر قیاس کیا جائے کیونکہ فرج (شرمگاہ) اباحت سے مباح نہیں ہوتی بلکہ خاص طریقے (نکاح) سے، رہا مال تو وہ خوشدلی سے دینے کے سبب سے اور اباحت سے مباح ہوجاتا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱ و ۴/ ۹۱

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ باب اینما ادرکتك الصلوٰۃ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۳

[4] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۳ تا ۴۶

[5] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۷۸

ولہذا مسلم مستامن سے عقدر با قطعًا حرام اگرچہ شرف دار منتفی ہے **لوجود العصمة** (عصمت کے پائے جانے کی وجہ سے۔ت) اور مسلم غیر مہاجر سے حلال **لانعدام العصمة** (عصمت کے معدوم ہونے کی وجہ سے۔ت) در مختار میں ہے:

وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یھاجر کحربی فللمسلم الربٰو معه خلافا لهما لان ماله غیر معصوم فلو هاجر الینا ثم عاد الیهم فلا ربا اتفاقا، جوهرة[1]۔	جو شخص دارالحرب میں اسلام لایا اور ہجرت نہ کی اس کا حکم حربی والا ہے یعنی مسلمان اس سے سود لے سکتا ہے بخلاف صاحبین کے، کیونکہ اس کا مال معصوم نہیں، اگر وہ ہجرت کرکے ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آگیا پھر ان کی طرف یعنی دارالحرب میں لوٹ گیا تو اب بالاتفاق سود نہیں (یعنی سود جائز نہیں) جوہرہ (ت)

توہر زمین وبقعہ بالیقین محل جریان احکام الٰہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دارالحرب بلکہ دار البغی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت وحرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہو سکتی، ولہذا علماء نے جہاں حکم قضا کی نفی فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا،

فی الدر اداینه حربی او بعکسه او غصب احدهما صاحبه وخرجا الینا لم نقض لاحد بشیئ ویفتی المسلم برد المغصوب دیانة لاقضاء لانه غدر، وکذا الحکم فی حربیین فعلا ذٰلك ثم استامنا لما بینا اھ[2] ملخصا۔	درمختار میں ہے: حربی نے مستامن کو مدیون کیا یا اس کے برعکس یعنی مسلمان مستامن نے حربی کو مدیون کیا یا ان میں سے ایک نے دوسرے کا مال غصب کیا اور دونوں ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں نکل آئے تو ہم ان میں سے کسی کیلئے کسی شے کا حکم نہیں کرینگے اور مسلمان کو رد مغصوب کا فتوی دیا جائیگا دیانت کے اعتبار سے نہ کہ قضاء کے اعتبار سے، کیونکہ دین کی عدم ادائیگی دھوکہ ہے، اور یہی حکم ان دو حربیوں کا ہے جنہوں نے فعل مذکور کیا پھر (دارالاسلام میں داخل ہو کر) مستامن ہوگئے اسی دلیل کی وجہ سے جس کو ہم نے بیان کیا اھ تلخیص (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لان القضاء یستدعی الولایة ویعتمدها	کیونکہ قضاء ولایت کا تقاضا کرتی ہے اور اس پر

[1] درمختار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] درمختار باب المستامن مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۶

ولا ولایۃ وقت الادانۃ اصلا اذ لا قدرۃ للقاضی فیہ علی من ھو فی دار الحرب[1] الخ۔	اعتماد کرتی ہے جبکہ ادانت (مدیون بناتے) وقت کی ولایت تو یہاں بالکل نہیں کیونکہ اس میں قاضی کو اس شخص پر قدرت نہیں جو دار الحرب میں ہے الخ (ت)

پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہوسکتا اور دار الحرب میں کسی شے کی حلت فی نفسہ اس کی حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی، رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہر گز اس بناء پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان محرمات کی حقیقت عصمت و محظوریت پر مبنی کما نص علیہ فی المبسوط کما تقدم (جیسا کہ اس پر مبسوط میں نص کی گئی ہے جیسے گزر چکا ہے۔ت) اور وہ وہاں معدوم تو حقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں میں منتفی اگرچہ مجرد صورت و اسم باقی ہو اور حکم حقیقت پر ہے نہ کہ اسم و صورت پر کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور اگر یہ مقصود کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں مگر دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام و صورت ہی حرام، تاہم بالیقین باطل کہ بداہۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ کہ اسم بے مسمّٰی، ورنہ معاملہ مولٰی و عبد و شرکاء مفاوضہ و شرکاء عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود، ہر گز جائز نہ ہوتا، نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر و اخذ خفیۃ کی اجازت ہوتی کہ صورت غصب و سرقہ یقینا ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سابقہ میں گزرا اور صورت غصب کی حلت یہ ہے:

قال فی الدر وحیلۃ الجواز ان یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثم یاخذھا عن دینہ ولو امتنع المدیون مد یدہ واخذھا لکونہ ظفر بجنس حقہ[2]۔	در میں کہا جواز کا حیلہ یہ ہے کہ دائن اپنے فقیر مدیون کو اپنی زکوٰۃ دے پھر دین کے عوض اس سے وہی دی ہوئی زکوٰۃ لے لے اگر مدیون رکاوٹ ڈالے تو اسکا ہاتھ پکڑے اور جبراً لے لے کیونکہ یہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر کامیابی ہے۔ (ت)

وبالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی ایسے اسم بے مسمّٰی کو حرام نہیں فرماتی، تصریحات بے شمار سے واضح آشکار، تو مانحن فیہ میں تفرقہ بین دار و دار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔ یونہی صورت غصب و سرقہ و نام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد العلم و صورت محرم ہو تو غصب و سرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام کرنے لگا بلکہ غصب و سرقہ تو عقد فاسد سے اشد و اخبث ہیں کہ یہ بعد

[1] تبیین الحقائق باب المستامن المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۳/ ۲۶۶

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

قبض مفید ملک ہو جاتے ہیں اگرچہ بروجہ خبیث،اور وہ اصلاً مورث ملک نہیں،ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی (یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کہنہ **۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدت معینہ پر قرض لئے اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سود وغیرہ کا نہ ہوا بلکہ زید نے صاف کہہ دیا کہ بلاسودی لیتا ہوں اور وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کردیئے،تو یہ روپے جو زیادہ دیئے یہ سود میں داخل ہیں یا طریقہ سنت کا ہے یا مستحب ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ زیادہ دینا نہ لفظًا موعود نہ عادۃً معہود،تو معنی ربا یقینًا مفقود خصوصًا جبکہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود،بلکہ یہ صرف ایک نوع احسان وکرم ومروت ہے اور بیشک مستحب وثابت بہ سنت

لحدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم وعن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی [1] (ملخصا) ولحدیثھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سن من الابل فجاءہ یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدوا لہ الاسنا فوقھا	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا میرا آپ پر کچھ قرض تھا آپ نے وہ ادا فرمادیا اور کچھ زیادہ بھی مجھے عنایت فرمایا۔اور ان دونوں کی اس حدیث کی وجہ سے کہ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص کا نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک عمر کا اونٹ قرض تھا وہ شخص خدمت اقدس میں آیا اور قرض کا تقاضا کرنے لگا،حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیا کہ اس کو اونٹ دے دو،

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۲

فقال اعطوه فقال او فیتنی او فاك الله فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان خیارکم احسنکم قضاء [1] و لحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لوزان زن و ارجح [2] رواه احمد والاربعة وابن حبان والحاکم عن سوید بن قیس العبدی رضی الله تعالٰی عنه قال الترمذی حسن صحیح وقال الحاکم صحیح وهذا الوزان فی مکة و رواه الطبرانی فی الاوسط [3] وابو یعلی فی المسند وابن عساکر عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وهذا الوزان فی المدینة۔	تلاش کرنے پر اس کے اونٹ جیسا اونٹ نہ ملا مگر اس سے بہتر عمر کا اونٹ ملا، توآپ نے فرمایا کہ یہی اونٹ اس شخص کو دے دو، اس شخص نے کہا آپ نے مجھے بھر پور عطا فرمایا اللہ تعالٰی آپ کو بھر پور عطا فرمائے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرض کی ادائیگی میں تم سے بہتر ہے۔ اور اس حدیث کی وجہ سے جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وزن کرنیوالے سے فرمایا کہ وزن کر اور ترازو کو جھکا (یعنی قدرے زیادہ دے) اس کو امام احمد، سنن اربعہ، ابن حبان اور حاکم نے سوید بن قیس عبدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، امام ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ صحیح ہے اور یہ وزن کرنے والا مکہ مکرمہ میں تھا، اور اس کو طبرانی نے معجم اوسط میں، ابویعلٰی نے مسند میں اور ابن عساکر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور یہ وزن کرنے والا مدینہ منورہ میں تھا۔ (ت)

مگر محل اس کا وہاں ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دیئے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کرنے کے لائق نہیں یا قابل تقسیم ہو تو جدا کرکے دے، مثلاً دس آتے تھے وہ دے کر ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہوجائے گی، اور اگر قابل تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط و مشاع دی مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیئے دس آتے میں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہوگا نہ بکر اس زیادت کا مالک۔ عالمگیری میں ہے:

رجل دفع الی رجل تسعة دراهم وقال	ایک مرد نے دوسرے کو نو درہم دیئے اور کہا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب حسن القضاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سوید بن قیس رضی الله عنه دار الفکر بیروت ۴/ ۳۵۲، جامع الترمذی ابواب البیوع ۱/ ۱۵۶ والمستدرك کتاب البیوع ۲/ ۳۰

[3] المعجم الاوسط حدیث ۶۵۹۰ المکتبة المعارف الریاض ۷/ ۳۰۷

ثلثۃ قضاء من حقك وثلثۃ ہبۃ لك وثلثۃ صدقۃ فضاع الکل یضمن ثلثۃ الھبۃ لانھا ہبۃ فاسدۃ ولایضمن ثلثۃ الصدقۃ لان صدقۃ المشاع جائزۃ الا فی روایۃ کذا فی محیط السرخسی[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تین تیرے حق کی ادائیگی ہیں تین تیرے لئے ہبہ اور تین صدقہ ہیں، پھر سب ضائع ہوگئے تو ہبہ کے تین درہموں کا وہ ضامن ہوگا کیونکہ یہ فاسد ہبہ ہے اور صدقہ کے تین درہموں کا ضامن نہیں ہوگا کیونکہ صدقہ مشاع جائز ہے سوائے ایک روایت کے، محیط سرخسی میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲ تا ۱۴۴: از موضع دیورنیاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سود دینا مسلمان کو درست ہے یانہیں؟

(۲) ہنود سے سود لینادرست ہے یانہیں؟

(۳) دستاویز میں سود تحریر کرانا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یانہیں؟ بینواتوجروا۔

الجواب

(۱) ہرگزدرست نہیں مگرجب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سود دیئے چارہ نہ ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہندو مسلمان کسی سے درست نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از شہر کہنہ ۲۹جمادی اولٰی ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے اسامیان کو کچھ غلہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیا اور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کردیا گیا مگر اس وقت میں اسامی سے یہ امر طے نہ کیا گیا کہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلہ جو آئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائیگا، فصل پر وہ غلہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت ہوئی اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی،آیا یہ کارروائی جائز ہوئی یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کیا طریقہ برتا جائے اور کس نرخ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۹

سے غلہ لیا جائے کہ وہ جائز ہو؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہوا تھا، نہ بعد کو کسی جبر وتعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا دے دیا تو لینا جائز ہے ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۴۶: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

سود لینا قطعًا حرام ہے، اللہ عزوجل نے مطلقًا فرمایا:

"**وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**" [1]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

اس میں رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقًا حرام فرمایا، اور وہ مطلقًا ہی حرام ہے کافر سے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہوا یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷: از مارہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۱۶ھ

بنک سے سود لینا جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** [2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۸: ۸/جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عہ ۱۰ روپے کا مال اپنے روپیہ سے عمرو کو دلوادیا اور کہا کہ میں تم سے لہ عہ ۱۱/ لوں گا اس میں نفع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

نرا سود اور حرام ہے، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۹: ازاوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خان صاحب ۲۴/ شعبان ۱۳۱۵ھ

جب جنس و قدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ و فضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گیہوں ایک من گیہوں سے دست بدست بیچے تو اس تجارت میں بائع و مشتری کو کیا فائدہ ہوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گیہوں یا جو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے اس سے کہا کہ مجھ کو ایک من گیہوں وغیرہ بطریق ادھار دے دے میں تجھ کو چند روز میں دے دوں گا تو یہ بھی سود میں داخل ہوگیا اور یہ ضرورت ہر کس و ناکس کو پیش آتی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا، بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے روپیہ خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر و جنس دونوں موجود اور فضل و نسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی ہے اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ" [1] الآیۃ۔	اے ایمان والو! جب تم ایک مقررہ مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ (ت)

اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے ولہذا ان کا جید وردی یکساں ہے اور اختلاف اوصاف اختلاف اغراض وحاجات ناس کا باعث ہوسکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس اس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شیئ عمرو کے پاس ہے اسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یکساں برابر مبادلہ کرکے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معہذا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے منہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گیہوں جو اپنے پاس ہیں نہ کھائے گا اب اگر وہ ان گیہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدل لے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

تو قسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئے گا۔علاوہ بریں شرع نے دست بدست برابر بیع کرنا واجب تو نہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگر ان چیزوں کی باہم بیع کرنی ہو تو یوں کرو جسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب تو نہیں۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰: از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ نصارٰی سے بوجہ اہل کتاب ہونے کے بیاج لینا نادرست ہے،ایسے خیال والوں کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود مطلقاً حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ (ت)

ہاں جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر اور بد عہدی کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ بہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اسکے لئے اس کی نیت بہتر ہے نہ کہ دوسرے کی،**لکل امریئ مانوی** [2] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) پھر بھی جس طرح برے کام سے بچنا ضرور ہے۔برے نام سے بچنا بھی مناسب ہے **ایاك وبالسوء الظن** (بدگمانی سے بچ۔ت)ان تمام احکام میں مشرک ومجوسی وکتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی ومستامن ہوں نہ غدر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد مرسلہ محمد شیر علی خان مورخہ ۷ ذوالحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دو فریق کہ باہمی رضامندی پر سود (بیاج) کہاں تک جائز ہے یا نہیں،اور اگر نہیں تو کس صورت میں اور کیوں؟ مفصل تحریر فرمایئے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

الجواب:

اگر باہمی رضامندی سے سود جائز ہوسکے گا تو زنا بھی جائز ہوسکے گا اور سور بھی جائز ہوسکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے پر راضی ہو، اللہ ورسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل، صحیح حدیث میں ہے فرمایا کہ سود کھانا تہتر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ کیا باہمی رضامندی سے ماں کے ساتھ ۷۳ بار زنا جائز ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۲: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سود ہوجاتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ پیسہ اوپر سو لے گا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہذا سود حرام ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ اختر حسین طالبعلم ۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی پنواڑی یا سرمہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جب تک میرا روپیہ تمہارے ذمہ رہے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کردوگے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ اور نہیں تو جواز کی کون سی صورت ہے؟

الجواب:

یہ صورت خاص سود اور حرام ہے، سود کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴ تا ۱۵۵: از بریلی مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر ۲۷/شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو قرار پایا ہے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ یا کچھ زیور رکھ کر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے حرام قطعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھ کر نہ لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یونہی دینا بھی حرام جب تک سچی حقیقی مجبوری نہ ہو، زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھ کر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی، زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا، اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے لئے مانگ کر لیا ہے اور پاس کوئی ایسی چیز نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب ۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ما/ دوں گا اور خالد نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دوں گا، بکر نے کہا میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے تم دونوں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت (۱۰ما/) کا نرخ لے جاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا لے گئے اور فروخت کرکے دس دس روپے اپنے صرف میں لائے، اب زید کو فصل پر فی روپیہ (۱۵ما/) گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ (۱۲ما/) گندم نرخ بازار دیتے ہوئے یہ بیع جائز ہوئی یا نہیں؟ اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دوں گا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے، ڈھائی من گیہوں جو اس نے دیئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا تو اس میں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرالیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دیں تو یہ شرط باطل تھی، زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا تھا اور اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خان صاحب ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط سے کہ جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کرکے وہ پانچ روپیہ مع ان کے پانچ خریداروں کے

ناموں کے میرے پاس بھیج دے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا جبکہ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیج دیں گے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیج دوں گا اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہر ایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیج دے گا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے روپیہ اس کے پاس بھیج دیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے تھے غرضکہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچتے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا، تو ہر شخص کو گھڑی ایک روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہو جائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند و وثیقہ خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ اقرار نامہ ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ ومندرجہ اشتہار ملے گی، پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا؟ اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا عقد مثل توکیل و دلالی واخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں، اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے، اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع بطریق بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقا متفرقا ہوں یا اس معنی میں نہیں، پھر یہ بیع باندراج شرائط مذکورہ بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جائے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ہمرشتہ سوال ہذا ہے بینوا اللہ توجروا عند اللہ۔

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کی جاتی ہے: قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن واچ کمپنی کمرشیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ تم کو یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایمان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ فروخت کرو اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہوسکے، اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ کے جو تم نے فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجوگے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے تم مستحق ہوگے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوں گی ہم بھیجیں گے، شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جسکے ہاتھ تم نے ٹکٹ

فروخت کئے ہیں بھیجوگے۔ شرط دوسری ان میں سے ہر ایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کے واسطے کہ آیا تم نے ان شخصوں کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں۔ تیسری شرط وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انہوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجیں گے، اگر تم یا تمہارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کرسکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہوگے اگرچہ چار یا تین یا دو یا صرف ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالاکے فروخت ہوا ہو خوب غور کرلو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کرکے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالاکے اپنے آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی جیبی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہوگی ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کروگے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان، برما، سیلون میں جانچ کراکے اطمینان کرالو۔

ترجمہ اس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے: تیس روپیہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جن کو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت کرنا چاہئے بعدہ ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چک کے بھیجنا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ کے لفظ کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرار نامہ لکھا ہے، **فقط۔**

الجواب:

معاملہ مذکورہ محض حرام و قمار، ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ وانبار، بلکہ حراموں کا سلسلہ ناپیدا کنار، طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَ مَا یَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ لِتَصْغٰۤى اِلَیْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ملمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو (اور تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑ دے انہیں اور ان کے باندھنے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل

وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ "[1]	جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انہیں کمانا ہے۔

آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں، مثلاً صورت مسئولہ میں کوئی روپے اور کوئی گھڑی یا گہنا وغیرہ اور کوئی "خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ؕ "[2] (دنیا وآخرت میں اس نے گھاٹا پایا۔ت) کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا،

"قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ "[3]	اے نبی! تو ان لوگوں سے فرما کیا اللہ نے تمہیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔

یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افتراء ہی ہے،

"اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ "[4]	کیا ان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنہوں نے ان کو وہ دین گھڑ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان کے فریب سے بچائے، آمین! اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ ہے کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش وٹکٹ خراں ہر گز بیع وشرا وغیرہ کوئی عقد شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے، پر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی گھڑی یا گہنے وغیرہ کی خرید وفروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شیئ کی جنس ہی متعین، بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز ان چیزوں سے بھیجیں گے، یہ وعدہ ہے اور بیع عقد، اور وعدہ وعقد میں زمین وآسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ، سند تو خود مع قیمت واپس مانگتا ہے اور بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں علماء نے صبی **لایعقل البیع والشراء** (وہ بچہ جو بیع وشراء کی سمجھ نہیں رکھتا۔ت) کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے لگے **فیعلم انك لایعرف معنی المبادلۃ وما البیع الا المبادلۃ** (پس معلوم ہوگیا کہ وہ مبادلہ کا معنی نہیں جانتا اور بیع تو ہے ہی مبادلہ۔ت) ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتادیا کہ یہ مبیع نہیں ایک

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۳۔۱۱۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۱

اقراری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے کہ روپیہ دے کر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت گھر بیٹھے میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنیوالے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت منہ مانگے دام پے درپے آیا کرینگے نوکر دام لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام، مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کرینگے انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے خوف یا طمع، یہاں دونوں مجتمع ہوں گے، ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے پانچ احمق اور پھانسے چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نو گرفتار پانچ میں ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے اور پانچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جب تک سلسلہ چلا فبہا، گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا کیا گیا، ان ٹکٹ خروں کا گیا جنہوں نے روپے کو ہوا خریدی، ہمیں یوں بھی صدہا مفت بچ رہے، بہرحال اپنا احمق کہیں نہیں گیا تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں یہاں تک نری طمع تھی اب کہ روپیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہوگیا اور ہر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو، دوسرے سوکھے گھاٹ اتریں تو اتریں، یونہی یہ امید وبیم کا سلسلہ قمار ترقی پکڑے گا، اول کے دوچار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا یہی اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور مت کھاؤ۔ (ت)

یہی غرر وخطر وضرار وضرر میں پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے، یہ معاملہ چھٹی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار وگناہ میں پڑتا ہے اور یہاں ہر پہلا اپنے نفع کیلئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار وغش سب کچھ ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

لیس منا من غشنا۔[1] رواہ مسلم، احمد وابوداؤد و ابن ماجة والحاکم عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ضمیرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ میں سے نہیں (اس کو امام مسلم، احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور امام حاکم نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سیدنا حضرت ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

لیس منا من غش مسلما اوضرہ او ماکرہ[2] رواہ الامام الرافعی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔	ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے (اس کو امام رافعی نے سیدنا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا ہے۔ ت)

احادیث اس باب میں حد تواتر پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) حقیقت امر تو یہ تھی اور صورت الفاظ پر نظر کیجئے تو ٹکٹ کی خرید وفروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے میں کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے، کشف الکبیر و بحر الرائق ورد المحتار میں ہے:

المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجة[3]۔	مال سے مراد وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعتیں میلان کریں اور اس کو حاجت کے وقت کیلئے ذخیرہ کیا جاسکتا ہو۔ (ت)

اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلة مال

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰، مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۷، سنن ابو داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن علی حدیث ۹۵۰۲ موسسة الرسالہ بروت ۴/ ۶۰

[3] بحر الرائق کتاب البیوع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۶

بمال[1] کما فی الکنز والملتقی وغیرہما (اس لئے کہ بیع تو ایک مال کے بدلے دوسرا مال لینے کا نام ہے جیسا کہ کنز اور ملتقی وغیرہ میں ہے۔ت) اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل ہے،

وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع وشرط[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیع اور شرط سے منع فرمایا۔(ت)

تو عقد بوجوہ فاسد ہوا اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلہ غش و فساد وحرام، تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگر مستمر چلا، ادھر ایسے جو تمیں کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو پانچ ٹکٹ بکنے پر منتہی ہوگیا اور اس وعدہ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں، یہ ہر گز اسی اول کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجوہ خود فاسدہ اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے، غرض اس معاملہ حرام در حرام کے مفاسد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں، ایسے شدید گناہوں اختراعی راہوں کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام بلکہ تحسین حرام ہے **والعیاذ باللہ رب العٰلمین ہذا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۵۹: ازبدایوں سوتھنہ محلّہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

جناب مولٰنا و مقتدانا حامی سنت دامت برکاتہم، بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ سوالات مندرجہ ذیل کا جواب باصواب جو مطابق احکام شریعت ہو مرحمت فرمایئے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے:

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر دو شخصوں نے اپنا لعہ/ کا مملوکہ مال واسباب اتنے ہی حصص میں تقسیم کیا جس قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہوچکا اس کو ایک چٹھی دے دی گئی اور سب چٹھیاں جمع ہوجانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی لکھنے والے کو عہ/ کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور تیسرے کو صہ/ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸/ کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع

---

[1] ملتقی الابحر کتاب البیوع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۵

[2] نصب الرایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض الشیخ ۴/ ۱۷

موافق احکام شریعت ہے یا نہیں؟

(۲) ڈاک خانہ سرکاری کے سیونگ بنک میں یا دوسرے انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بہ شرح معینہ اس کو گورنمنٹ نے یا تاجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکام شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت قطعی حرام ہے اور نرا قمار اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) سود مطلقاً حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا تھا اس نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا غدر و بلا ارتکاب جرم برضامندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لے لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاوٰی فقیر میں ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: از بریلی محلّہ کنگھی ٹولہ مرسلہ محمد رضا علی ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے پچیس ما/ گندم لیں گے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کرلی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے پچیس (ما/) گیہوں لیں گے اور نرخ بازار پچیس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود اور سخت حرام ہے حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو۔[2]	جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اور اگر گیہوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

ادا کرلی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گیہوں ٹھہر جائیں ورنہ حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۱: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات

زید نے کچھ روپے قرض واسطے تجارت کے عمرو کو دئے اور آپس میں یہ ٹھہرالیا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اس میں سے نصف ہمارا اور نصف تمہارا، تو یہ سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سود اور حرام قطعی ہے، ہاں اگر روپیہ اسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفا نصف، تو یہ جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۲: از پٹیالہ مارواڑ محمد عبدالرحمٰن سوداگر چرم ۲۱/ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے سود کا لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) حدیث صحیح میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وقال ھم سواء[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی، اور قومی دنیوی حالت سنبھلنا بھی معلوم، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"**یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ**"[3]	اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح مسلم باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۶

جسے اللہ تباہ وبرباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے، اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی۔

مبادا دل آن فرومایہ شاد　　　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

(اس کمینے کا دل خوش نہ ہو جس نے دنیا کی خاطر دین کو برباد کیا۔ت)

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقینا تباہی وخسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے، مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے مالدار، انہیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی، اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع ہے یا کفار کا، سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو میں بہ جاتا ہے کیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں، نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں کچھ کا ذکر ہمارے فتاوٰی اور بہت کا ہمارے رسالہ نوٹ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے، مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے، اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان تینوں صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعًا حرام واستحقاق نار ہے، ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو ہم نے اس رسالہ میں لکھا تجار میں رائج ہوجائے تو بلاشبہہ سود لینے دینے کی آفت اٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے، **وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: از شہر بریلی محلّہ ملوک پور مسئولہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو تم چار سو روپیہ دے دو میں بقال کو ادا کردوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کرالو میں تم کو کرایہ میں کمی کردوں گا اس صورت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ہمیشہ کے لئے کمی کردے اور صاف صاف قرض میں تحریر کردیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائیگا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے میں احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: از ریودر براہ آبو مرسلہ ٹھیکیدار آنول موسی منشی صاحب ۱۴ / رجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً مکی ایک من دوماہ پہلے دی بعد میں دوماہ کے ایک من گندم لیتے ہیں، اس شرط سے لین دین یہاں کے مسلمان کرتے ہیں، یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایک ناج دوسرے ناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی جائز ہے اور ایک طرف سے اب دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم کے شرائط کا محتاج ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از جوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ / ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ بازار سہ پوئٹہ فی روپیہ است اکنوں شخصے بمیعاد تا ۳ سہ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار دو پوئٹہ فی روپیہ فروخت میکند آیا جائز است یا مکروہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ بازار کا بھاؤ تین پوئٹہ فی روپیہ ہے، اب ایک شخص تین ماہ یا زیادہ کی میعاد پر بازار کے بھاؤ سے کم دو پوئٹہ فی روپیہ کے حساب سے فروخت کرتا ہے، کیا شرعاً جائز ہے یا مکروہ؟ (ت)

الجواب:

جائز است۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** جائز ہے۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۶۶: از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علی خاں صاحب مورخہ ۱۶ / ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ساہوکار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑھت پر کرلے تو مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا نہ اسے سود ہونے سے بچالے گا، نہ حرمت میں فرق آئے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷تا۱۷۰: عبدالحکیم خان دکاندار محلّہ کٹکور ریاست رامپور

(۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲روپیہ تو بکر نے اسی وقت دے دئے ۱۲کا وعدہ کیا چنانچہ دوچار روز کے بعد وہ بھی دے دئے۔

(۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت دے دئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دے دیں۔

(۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دے کر پیسے مانگے، بکر نے ایک اٹھنی اس وقت دے دی باقی کے بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸/ کے پیسے دے دئے۔

(۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا، بکر نے کہا کہ اسوقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر لے لینا، بکر کو زید نے روپیہ دے دیا اور دو روز کے بعد باقی کے پیسے لے لئے، ان سب صورتوں میں کوئی صورت ربا کی ہے یا نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔

(۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دے دیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دے دئے اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی تو جائز ہے کہ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے **کما حققناہ فی کفل الفقیہ الفاھم** (جیسا کہ ہم نے **کفل الفقیہ الفاھم** میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور اگر زید ہی نے روپے کے ۸/ پیسے اور دو چونیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے **لاشتراط الصرف یدا بید** (کیونکہ بیع صرف میں ہاتھوں ہاتھ لینا شرط ہے۔ت)

(۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہوگیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔

(۴) یہ بھی بدلیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ ۱۷۱: از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خان صاحب پسنجر سپرنٹنڈنٹ ۹جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فدوی ریلوے میں بعہدہ پسنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے اور ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ سود کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہٰذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت کیا تھا وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتوٰی ہم لوگوں کے

واسطے قابل وثوق نہیں ہے لہٰذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اس میں کوئی تخصیص مسلم وکافر کی نہیں رکھی، مطلق ارشاد ہوا ہے "**وَحَرَّمَ الرِّبٰوا**"[1] (اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کردیا۔ت) تو اسے سود قرار دے کر لینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقًا اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا ناجائز ہے بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلاغدر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے چاہے کار خیر میں لگائے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: سائل حافظ محمد نور الحق محلّہ پنجابیاں پیلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی ومکرمی جناب مولانا احمد رضا خان صاحب دام مجدہ بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمّٰی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں کے دو لڑکیاں نابالغ اس نے چھوڑیں، اس کے مال میں چار سو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں ملا وہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے امانتًا اس سے اس وعدہ پر لیا کہ ہم تم کو پانچ روپیہ ماہوار اس روپیہ کا منافع دیتے رہیں گے، اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے بالعوض رہن کردیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چار سو روپے معرفت مسماۃ بنے بیگم ہمارے پاس امانتًا یا فتنہ ہر دو نابالغہ کے جمع ہوئے ہیں جو تابلوغ ہر دو نابالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ زر امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے منجانب ہمارے کہ مسماۃ کے پاس نہیں ہیں، لہٰذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ زر مذکورہ تابلوغ ہر دو مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سود بشرح فیصدی (۴ عہ /) ماہواری کے حساب سے نابالغان کو ماہ بماہ بلاعذر وحیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان زر مذکور کے ایک مکان مستغرق ومکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تابیباق زر مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے، اگر کریں تو ناجائز ہو، لہٰذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھ دیں کہ سند ہو۔

تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان اپنا روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چار سو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہوگیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان نابالغان کو یا اس کے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ماہوار سود دیا گیا ہے وہ بھی سمجھی ہوئی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار کرایہ مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہے لے لیں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ عنداللہ گنہگار تو نہ ہوں گی، اور یہ بھی امر قابل تحریر ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ اسے لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب:

وہ روپیہ ہر طرح سود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال میں جائز نہیں ہوسکتا ہے، سود لکھا گیا تو حرام ہے، منافع سمجھا تو سود ہے۔ مکان کا کرایہ جانا تو باطل ہے، مالک مکان غیر مالک سے کرایہ پر لے اس کے کوئی معنی نہیں بہر حال وہ سود ہے، ہاں اگر وہ جس شخص نے یہ روپیہ امانتاً لیا اور اس پر پانچ روپے ماہوار دینا مقرر کیا ہندو وغیر اقوام سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۳: از کتھیل ضلع کرنال مرسلہ فضل قدیر صاحب طالب علم مدرسہ اسلامیہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

گورنمنٹ کی نگرانی میں پنجاب و مدراس کے دیہات میں زرعی بنک کھولے جاتے ہیں زراعتی بنک کی غرض سے سود خوری نہیں ہوتی بلکہ سود خور مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے دس روپیہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسب ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں مگر قرض لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہر گز ہر گز نہیں دیا جاتا مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دے گا وہ رقم بحصہ رسد اس مقروض کے حصہ میں بھی آئے گی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہوجاتا ہے تو سود بہت کم یا بالکل موقوف کردیا جاتا ہے، یہ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

حرام، حرام، حرام قطعی یقینی حرام، دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہوسکتا، احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل نہیں سکتے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1]	اور اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانیوالے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنیوالوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں (ت)

یہاں تک کہ سود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو براہ شامت نفس اس کا ارتکاب کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالٰی، ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ بیع نوٹ کا اجراء کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلا دقت اس حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آج فکر کسے ہے اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ [2] (مگر وہی جس پر میرا رب رحم فرمائے، بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق وعبدالغفور خیاطان ۱۷/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل السنۃ والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصارٰی وہنود ورافضی وخارجی سے سود لے اور کفار مذکور کی رضا سے لے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت میں کسی مسلمان سے سود نہ لیا جائے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلاتاویل بلا خوف ملامت علمائے خاص وعام ارسال فرمایا جائے، فقط، بینوا توجروا۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا: "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [3] اللہ نے سود حرام کیا۔ اس میں تخصیص مسلم، کافر، سنی، بدمذہب کسی کی نہیں۔ سود لینا کسی سے حلال نہیں، جو حلال ہے وہ سود نہیں، اور جو سود ہے وہ حلال نہیں، کافر غیر ذمی کا مال بلا غدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھ کر لینا حلال ہے سود جان کر لینا حرام،

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

قصد معصیت خود معصیت ہے، مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خرید ااور قیمت دبالی یا دھوکا دے کر کھوٹے دام دئے یہ ناجائز ہے کہ خلاف معاہدہ ہوا،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! اپنے قول پورے کرو (ت)

اور اگر چاندی کا دو سو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپے ہوگئے باقی کافر کا مال بلاغدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی مستامن نہ ہو، اس کی تفصیل ہمارے فتوی ۱۳۱۱ھ میں ہے جو آپ کے خوف ملامت سے بیس سال پہلے لکھا گیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۶: از فتح آباد ضلع امر تسر تحصیل ترنتارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صابری و محمد اسمٰعیل چشتی صابری قادری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک بنک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہو اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ (عہ /) پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جائے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی فی ماہ (۱۲/) کے حساب سے مل جائے گا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہو اپنی حیثیت موجب (۱۲/) سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کرتا جائے، کہتے ہیں کہ یہ بنک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانوں کو نہیں ملتا ہماری مسجد کا امام بھی اس میں شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لوں گا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل ہنود کو دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت لینا دینا برابر ہے، میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہیں سکتا۔

(۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کرا کر سود لیتے ہیں وہ کیوں کھاتے ہیں وہ جائز ہے، ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

الجواب:

وہ بنک حرام قطعی ہے، اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے، اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں، صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ھم سواء[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔(ت)

توامام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ وحرام ہوا،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔(ت)

حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام[3]۔	جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی(ت)

اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اسکے ان سود خوروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل فاعل ہے ولہذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی، تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس پر اصرار حرام پر اصرار اور اعلانیہ فسق واستکبار ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم، پھر اگر بلاضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لے گا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعۃ باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ٢/ ٢٧

[2] القرآن الکریم ٥/ ٢

[3] المعجم الکبیر حدیث ٦١٩ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ١/ ٢٢٧، شعب الایمان حدیث ٧٦٧٥ دار الکتب العلمیۃ بیروت ٦/ ١٢٢

اور یہ لعنت کا دوسرا حصہ ملے گا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الٰہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت وضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنٰی ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنا فرمادئے ہیں،

قال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ"[1]، وقال تعالٰی "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا"[2]۔	اللہ نے فرمایا: اور ڈرو اللہ تعالٰی سے جس قدر تم استطاعت رکھتے ہو۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلّف نہیں بناتا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح[3]۔	محتاج کے لئے سودی قرض لینا جائز ہے۔ (ت)

مگر اس کو سند بنا کر سود خوروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الٰہی سے بچا سکتی ہے لہٰذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۷: از قصبہ بیلپور محلّہ درگاہ پرشاد از مکان فخر الدین صاحب رئیس وممبر چنگی مرسلہ حافظ شمس الدین ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟ اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے؟ مشرح بیان فرمایا جائے، کسی بنک میں روپیہ جمع کرکے ان سے سود وصول کرنا موجب اس کی شرح کے جائز ہے یا نہیں، یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کرکے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں، یا کوئی تجارت اس طرح کی کرے کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اس کو اتنے سیکڑہ کا سود دینگے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اس کو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنے والا سود جان کر نہ لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہوں وہ نفع حلال ہے یا نہیں؟

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے، بنک سے ہو یا تاجر سے جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دے کر اس پر کچھ نفع بڑھا لینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے، ان میں ایک کو دوسرے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

ادھار بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود کی ہیں اور جو شرعاً سود ہے، اس میں یہ نیت کرلینا کہ سود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے، ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود نہ ہو اگرچہ دینے والا اسے سود ہی سمجھ کر دے مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع کردیا اور اس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کرکے نہ لیا بلکہ یہ سمجھ کر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے تو اسمیں حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۸: ولو اشتری مکیلا کیلا حرم بیعہ واکلہ حتی یکیلہ (اگر کسی نے کیلی شے کیل کے طور پر خریدی تو جب تک کیل نہ کرے اس کی بیع اور اس کا کھانا حرام ہے۔ت) اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں اگر اسے ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کرلینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا تصرف ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ جمادی الآخر ۱۳۳۳ھ

حضور! ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹوار یا تہنیت اسامیوں سے سود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ اس سے اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہہ کر سود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ کیا کروگے تو تم سے اس کا سود لیا جائے گا، تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہوگا یا نہیں، اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع کرنا لازم ہوگا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہوجاتا ہے اور کوئی دقت اسے پیش نہیں آتی، سود کے خوف سے اسامی فوراً روپیہ وصول کردیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے کو نہیں دیتے اور جب وہ نالش کرتا ہے تو فوراً کچہری میں روپیہ اسی روز داخل کردیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کرواتے ہیں، ان پریشانیوں سے بچنے کی کوئی

صورت حضور عطافرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب:

اسامیان مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعًا حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصًا جب اپنے نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر، اور اگر اسامیان یہاں کے مشرکین ہیں کہ ذمی نہیں، نہ سلطنت اسلام سے مستامن، تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی، اس پر ہر مہینہ اتنا حرجہ لیا جائیگا **وتحقیق الکلام فی فتاوٰنا** (تحقیق کلام ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) اسے بھی سود سمجھ کر لینا جائز نہیں **لقولہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"**[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) بلکہ ان کی ایذارسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھ کرلے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی ۷/ جمادی الاخری ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت خرچ تجہیز و تکفین کے، خرچ فاتحہ وسویم نہیں رکھتا ہے یا زید اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور فرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ فرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا، عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کرکے تم اس فرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ، زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا، ایک دوست راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سن کر خاموش ہو رہا، زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کرکے روپیہ لائیں، خالد زید کے ہمراہ چلا، زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں، محمود بھی ہمراہ ہولیا، یہ تینوں شخص دکان مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کرکے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کاربرآری کی، کرسکتے تھے یا نہیں؟ میت کو ثواب پہنچا یا نہیں؟ یا اس لڑکی کی شادی میں کوئی نقص ہوا یا نہیں؟ اور ان چار اشخاص میں کون کون مرتکب عذاب کا ہوا؟

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

الجواب:

فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے، زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا، یونہی عمرو بھی جس نے اس حرام کے لئے زیور دیا، یونہی خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہہ کر اپنے ساتھ لیا، رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ ہوا مگر وہاں جاکر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال حرام لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱ تا ۱۸۲: ازجلالپور دھئی ڈاکخانہ خاص ضلع رائے بریلی مرسلہ منشی علی حسین خان پوسٹ ماسٹر ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) تبادلہ گیہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا ناجائز؟ رواج اعتبار ہند شکر قند وآلو و میوہ من حیث قدر وزنی ہے، اعتبار عند الفقہاء کیا ہے، گیہوں وغیرہ باعتبار فقہاء من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر ہے تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے؟

(۲) گیہوں کو گیہوں سے یا جو کو جو سے اور گیہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دے دے اور ربیع میں وصول کرے، کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) گیہوں جو، چنے سے آلو شکر قند، میووں کی خرید وفروخت کم بیش کو بلاشبہہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گیہوں اور جو سے قدر بھی یقینا مختلف، اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی، اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کمی بیشی کو مباح کرتا ہے،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب "بدلین" دو مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہے فروخت کرو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴ /۴

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جو کی جو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام، اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام، اور گیہوں کی جو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقاً حرام،

فان احدی العلتین من القدر والجنس تحرم النسئۃ واجتماعھما والتفاضل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دو علتوں یعنی قدر و جنس میں سے ایک علت کا وجود ادھار کو اور دونوں کا پایا جانا زیادتی کو حرام کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۳ تا ۱۸۴: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مسئولہ قاضی یعقوب محمد سب انسپکٹر پولیس ۸/ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ:

(۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد؟ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہندو کافر کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلاً ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گڑ اور شکر میں نقصان کی صورت نہیں ہوا کرتی ہے الا شاذ ونادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دو روپیہ فیصد ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دکان سے خواہ نقد یا سامان خوردنی لیتا رہوں گا، اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر اور عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور راس المال محفوظ سمجھ کر بعوض نفع حسب قرار داد و شرط باہمی اشیائے خوردنی و پوشیدنی لیتا رہے اور مابقے نفع کا حساب کرکے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہوگا تو سود ہوگا یا کیا؟

(۲) اسی طرح کافر کو اگر مال دو مہینہ کا وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بھی کھاتے میں لکھوالے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ فی صد (۸/ یا عہ/) ماہوار اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا بسند الکتاب وتوجروا عند اللہ یوم الحساب (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اللہ تعالٰی کی طرف سے یوم حساب کو اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بوہرے رافضی مرتد ہیں اور ہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم، یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام وجزیہ گزار ہو کر رہے، نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دارالاسلام میں آئے، اور جو کافر نہ ذمی ہو نہ مستامن سوا غدر و بدعہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے

نام سے ہو مسلمان کے لئے حلال ہے۔ **وقد فصلناہ فی فتوٰنا بما لامزید علیه** (ہم اس کو اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کرچکے ہیں جس پر مزید اضافہ کی گنجائش نہیں۔ت) ہدایہ وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

ان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم یکن فیه غدر[1]۔	کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہذا ان کا سوائے دھوکا کے جس طریقے سے بھی مسلمان نے لیا اس نے مال مباح لیا (ت)

دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں میں یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی نافہمی کے سبب ایسی صورتوں میں **معاذ اللہ** سود خور مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے کہ جیسے برے کام سے بچنا ہے یونہی برے نام سے بچنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۸۶: ازاودے پور میواڑ بڑا بازار مسئولہ چھیپا بخشاجی محمود ۸/رمضان ۱۳۳۹ھ

بعالی خدمت فیضد رجت، غوث دوران، قطب زمان، مجدد ہذا الاوان، حضرت مولٰنا الحاج مولوی مفتی احمد رضاخان صاحب مدظلہ العالی! **ماقولکم ایھا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالٰی** (اے علماء کرام، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کیا فرماتے ہیں۔ت)

(۱) کفار ہنود کو ہزار دوہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا، کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کردیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اسلئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے، جائز ہوگا ناجائز؟

(۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کرکے دئے گئے، وہ نوٹ تو اس کے کام میں آگئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

الجواب:

(۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے **لانھم غیر اھل ذمۃ ولامستامن** (کیونکہ نہ تو وہ ذمی ہیں نہ مستامن۔ت) مگر یہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ مال مباح۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور ہو جائز ہے،

لان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذما لامباحا اذالم یکن فیہ غدر کما فی الھدایۃ[1] وغیرہا۔	اس لئے کہ کفار کا مال دارالحرب میں مباح ہے لہٰذا جس طریقے سے بھی مسلمان نے اس کو لیا تو اس نے مباح مال لیا بشرطیکہ دھوکا بازی نہ ہو، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لوں گا تو حرام اور سود ہے،

لان کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے (ت)

اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو مہینہ بھر کے وعدہ پر بیچا تو حلال ہے،

قال صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو فروخت کرو (ت)

پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک نوٹ سو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ ہو جو اس نے بیچا تھا **لان شراء ماباع باقل ماباع قبل نقد الثمن لایجوز** (کیونکہ اپنی ہی فروخت کی ہوئی شے کو ثمن کی ادائیگی سے قبل اس ثمن سے کم پر خریدنا جس پر پہلے فروخت کی ناجائز ہے۔ت) ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کردیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس واپس آیا اور اب وہی نوٹ بائع کو دیتا ہے لینا جائز۔ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۷

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] نصب الرایہ لاحادیث الھدایۃ کتاب البیوع مکتبہ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

ولو خرج عن ملك المشتری ثم عاد الیه بحکم ملك جدید کاقالة او شراء او هبة او ارث فشراء البائع منه بالاقل جائز لان عاد الیه بما هو فسخ بخیار رؤیة او شرط قبل القبض او بعده بحر عن السراج [1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اگر مبیع مشتری کی ملک سے خارج ہوگیا پھر جدید سبب سے مشتری کے پاس لوٹا جیسے اقالہ، خریداری، ہبہ یا میراث کے طور پر۔ اب بائع کا اس سے پہلے ثمن سے کم پر خریدنا جائز ہے، اور اگر مبیع دوبارہ مشتری کی ملک میں خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے بیع کے فسخ ہونے پر واپس آیا چاہے قبضہ سے پہلے یا بعد، تو اب بائع کے لئے جائز نہیں کہ پہلے ثمن سے کم پر اس سے خریدے۔ بحر نے سراج سے روایت کیا۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۷: از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

شریعت عزا کا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سود لیتا رہے تو اس کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال وجائز ہے اور اس کے اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیا جارہا ہے آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج ہے۔

الجواب:

سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللّٰه طیب لایقبل الا طیبا [2]۔	بیشک اللہ پاک ہے، پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ (ت)

حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں ورنہ حرام خوری وحرام کاری میں کیا فرق ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ ربٰو تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے، بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا:

الربٰو ثلثة وسبعون بابا ایسرها	ربٰو تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۴

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

مثل ان ینکح الرجل امه [1]۔ رواہ الحاکم فی المستدرك بسند صحیح عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی ماں سے زنا کرے۔(اس کو امام حاکم نے مستدرک میں سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مال حرام دیا ہے اور اس کے لئے دعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور تجدید نکاح کریں۔ محیط وعالمگیریہ وجامع الفصولین وغیرہا میں ہے:

تصدق علی الفقیر شیئا من المال الحرام ویرجو الثواب کفر ولو علم به الفقیر ودعاله وامن المعطی کفرا [2]۔	کسی نے مال حرام میں سے کچھ فقیر پر صدقہ کیا اس حال میں کہ وہ اس سے ثواب کی امید کرتا ہے تو کافر ہوگیا اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال حرام ہے اس کے باوجود اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے اس پر آمین کہی تو دونوں کافر ہوگئے۔(ت)

زر حرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق بطور تبرع واحسان وخیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہذا دفع خبث وتکمیل توبہ کے کئے فقراء کو دینا ضرور ہوا اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں، ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول وقبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو مضائقہ نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس (حضرت بریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا) کیلئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] المستدرك علی الصحیحین کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۳۷

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[3] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

مسئلہ ۱۸۸: ازوروڈاکخانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبداللہ صاحب ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنے یاساڑے سولہ آنے ٹھہراکردوچارروز میں لیناکیساہے؟

الجواب:

روپیہ قرض دیااوریہ ٹھہرالیاکہ سواسولہ آنے لیں گے،یہ سود وحرام قطعی ہے اور اگرروپیہ سترہ آنے یاسولہ آنے کابرضائے مشتری بیچااورقیمت چاردن یادودن یادس برس بعد دینی ٹھہری تویہ جائزہے جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دے دیاگیاورنہ بیع باطل ہوجائے گی،

لکونہ افتراقا عن دین بدین ویکفی قبض احد الجانبین کماحققناہ فی کفل الفقیہ۔	کیونکہ افتراق ہے دین سے دین کے بدلے میں اورایک جانب سے قبضہ کاپایاجاناکافی ہے جیساکہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔(ت)

اوراگرروپے کے سترہ آنے یاسولہ آنے خریدے اورپیسے چاردن بعد دینے ٹھہرے تویہ ناجائزہے کہ یہ بیع سلم ہوئی اوربیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقررکرنی جائزنہیں **بہ یفتی زیلعی ودر وھو المعتمد بحر وھو المذھب نھر** (اسی پرزیلعی اور درفتوی دیتے ہیں اوریہی معتمد ہے(بحر)اوریہی مذہب ہے(نہر)۔ت)ہاں ایک مہنے یازیادہ کی مدت مقررکریں اورروپیہ اسی جلسہ میں دے دیں اورباقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں توجائزہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: ازشہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمدحسن خان صاحب ۲۳/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمروتجارت پارچہ کی کرتاہے،اس کاپارچہ کاروپیہ زید کے ذمہ چاہئے تھا،عرصہ جس کودوڈھائی برس کاہوگیاتھابلاسودی،عمرو سودنہیں کھاتاہے،عمروکوبے حدضرورت لاحق ہوئی،عمرونے زید سے طلب کیا،زیدنے انکارکیااوروعدہ چارماہ کاکیا،عمرونے کہاکہ اگرآپ اب مجھے نہ دوگے تومیری ذات رسوائی ہوگی تب کیانتیجہ ہوگا۔زید کابڑابھائی خالد تھااس سے سفارش کرائی تب زیدنے کہاکہ بکرجومیراعزیزہے اس سے میں نے ابھی تھوڑازمانہ ہوا۴۲۱ سوروپیہ دستاویزلکھ کرقرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے اداکردیاحسب معاہدہ بلاسودرسیدات آگئی ہیں دستاویزات انہی کے پاس ہیں،اگروہ دے دیں تورسیدیں واپس دے دوں دستاویزوہی پھر برقراررہے گی وہ تم کوروپیہ دے دیں عمروخالد کوہمراہ لے کربکرکے پاس گیابکرسے کہاوہ راضی نہ ہواتب عمرو نے کہا

آپ دو سو مجھے کم دے دیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے، میں ۲۶ سو لے کر ۲۸ سو کی رسید لکھنے کو تیار ہوں، یہ آپ کو فائدہ ہو جائیگا، بکر نے کہا تم کہیں اور اسے لے لو میں ضمانت کردوں گا۔ عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کے واسطے ۲۶ سو روپے دے دے وہ سو روپیہ سود کے طلب کرتا تھا، عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دے دیں ۲۵ سو روپے اور رسید ۲۸ سو کی لیں میری ضرورت بہت شدید ہے اور خوشامد درآمد کی، خالد نے کہا سنا بکر راضی ہوگیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھ دے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کروں گا اگر نہ دوں تو مع سود کے چار ماہ میں دوں گا، اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھ دیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہو تو پانچویں ماہ مجھ کو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا حق حاصل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی۔ چنانچہ زید نے رقعہ تاوانی باضابطہ لکھ دیا بکر کو، اور خط معاہدہ کا بھی، اور رسیدات واپس دے دیں، بکر نے عمرو کو ۲۵ سو دیا ۲۸ سو کی رسید لی، دو سو کمی کے کاٹے اور سود سو روپے، جملہ تین سو اور چودہ سو نقد زید کو دے دئے یا کسی سے دلادیئے، اس نے پورے چودہ سو نقد دئے بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸ سو کی رسید ۱۴ سو نقد، یوں ۴۲ سو ہوگئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں یہ سو روپے تو سود کے میں نے کاٹ دیئے مگر یہ دو سو روپے کمی والے محض ان کی وجہ سے کہ انہوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میری۔۔ بغیر اس کے ذلت ہے بمبوری کمی کرکے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا یہ معاوضہ ان کمی والے دو سو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھ کو ملے، جو دو سو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انہیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھ کو دیں، تین ماہ میں واپس ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھ کو جائز ہے زید نے وہ روپیہ حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دو سو ڈھائی روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تاوانی پانسو کا وصول کرلیا یعنی ۴۲ سو کے ۴۷ سو وصول کرلئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچ سو میں سے دو سو دیجئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو وہ مجھے ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہذا مجھ کو دو سو دیجئے گا، بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا، تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا اب بکر نے عمرو سے کہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا اور رسول سے مجھ کو وہ رقم دو سو کی تمہاری اور بلکہ سو روپے سود کے جو میں نے تم سے لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ دوں گا اور اگر مجھ کو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو تیار

ہوں، بکر کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو، دوستوں کو قرض بلا سود دیتا ہے۔اس سبب سے بکر دریافت کرتا ہے مرقومہ بالا صورتوں میں کون سی رقم مجھ کو جائز ہے یا کل ناجائز ہے؟ عنداللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا؟ اور کونسی رقم سود ہوگی اور کونسی سود نہ ہوگی یا کل سود ہوگی؟ اور عنداللہ میں گنہگار ہوں گا؟ عمرو شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم کے واپس پانے کا مستحق نہیں ہے یا کل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے؟

الجواب:

اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۫ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا(۲۹)" [1]۔	اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال بلاوجہ شرعی نہ کھاؤ ہاں تجارت میں آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے(ت)

بکر نے جو وہ پانسو زید سے لئے حرام اور قطعی سود ہیں اور یہ جو عمرو کو ۲۵ سو دیئے اور عمرو نے ۲۸ سو کی رسید لکھ دی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے، بکر پر فرض ہے کہ زید کے پانچسو واپس کرے اور عمرو سے صرف پچیس سولے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے، عمرو کا ان پانسو میں سے دو سو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال حرام ہے اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے، بہت سخت اشد کلمہ ہے، عمرو پر لازم ہے کہ توبہ تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از قصبہ چتوڑگڑہ میواڑ مرسلہ ڈاکٹر شیخ فضیلت حسین صاحب ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ می کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقت افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی تو سود پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعًا ممنوع ہے مگر

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے جس کی زکوۃ کے (ص عہ) سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کرکے صورت ترقی پیدانہ کرے توچند ہی سال میں ۲۵ روپیہ سالانہ ادا کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، بباعث ضعیفی بذات خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابل اعتبار، نہ شریک امانت دار، بلکہ جوملا دغا باز یا مکار، توزید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیوارات طلائی ونقرئی بطور رہن رکھ کر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع ٹھہرالے توشرعًا کیا قباحت ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے جیساکہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاوٰی میں ارشاد فرماتے ہیں یا بعض علماء دارالحرب توقرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو حربی سمجھ کر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں، بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملات کئے جائیں یا ہنڈوی لکھوا کر روپیہ دے کر فائدہ اٹھالے مثلاً (لعہ لعہ ۹۹) یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سوروپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھوالے میعاد مقرر شدہ پر سوروپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہنڈوی اسے واپس کردے کہ زکوۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل جلالہ نے ربا حرام فرمایا ہے اس میں ربا کی کیا تعریف ہے، زمانہ نزول آیہ شریفہ میں عربستان میں ربا کس قسم کے سود کو کہتے تھے، اسی طرح یہاں کے کافرومشرک سوداگر غلہ وغیرہ ارزانی میں خرید کر بند رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انہیں سے خریدنا پڑتا ہے، تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے توشرعًا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قدرتی طور پر ہے کہ غلہ فصل پر ارزاں اور بیچ پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بند رکھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی ہوجائے۔ ہندوستان بلاشبہہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں، جوکافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلام میں مستامن ہو بلا غدر وبدعہدی اس سے کوئی نفع حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروی اور ہنڈوی کا طریقہ صورت سود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع برے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر نوٹ کی بیع ہے دس کا نوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بیچنا جائز ہے تو دس کا نوٹ قرض دے اور پیسہ اوپر دس ٹھہرائے یہ سود ہے اور دس کا نوٹ سو کو بیچے یہ جائز ہے، اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے: "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[1] اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ سود

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کا یہی طریقہ عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا:

الربا فضل خال عن العوض مستحق بالعقد۔[1]	ربا اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور اس کا استحقاق عقد سے ہوا ہو۔ (ت)

یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت کے لے جانے کی شرط کی جائے جس کے مقابلہ میں شرعاً کوئی عوض نہ ہو، یہ زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیہ اتحاد و قدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ مفصل بیان چاہئے ہماری کتاب کفل الفقیہ الفاھم دیکھئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ عبداللہ احمد سوداگر امراؤتی برار شنبہ ۲۲/ شعبان ۱۳۳۴ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خوری کی سختی سے وعید فرمائی ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر و نواہی انسان کے لئے دارین میں سود مند ہیں اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے مگر مزید اطمینان کے لئے استفتا کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں، میرے ناقص خیال میں ہزار میں سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا، تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پائیں، یہ ایک قابل غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے دینا پڑتا ہے تو ان روپوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے اسلئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں، تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا شان نزول کیا ہے، ربا کے جواز و عدم جواز میں کیا راز مضمر ہے، اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے، مفصل تحریر فرماکر کمترین کو مطمئن فرمائیں، بغیر سود کے آجکل بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے، خاص کرکے ولایت کی تجارت کا دارومدار ہی سود پر ہے مثلاً بمبئی میں ولایت کی ہنڈوی کا بھاؤ آج پندرہ روپے ہے تو کل پونے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ، تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آج کل تجارت زیادہ تر غیر قوموں کے ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید و فروخت میں بغیر لئے دئے کے چل نہیں سکتا، تو اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مسلمان اعلٰی پیمانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوٰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۶، الھدایۃ باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰، ملتقی الابحر باب الربوٰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۷

پر تجارت نہ کریں صرف قوت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کرلیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کردی گئی تھی، آج کل تجارت میں بڑا نقص یہ بھی ہے کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے، تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شائد وہ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے، کافروں کے ذمہ جو سود عائد ہوتا وہ ان سے وصول کرکے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار کے متحمل نہیں ہوسکتے اور بے علمی کی وجہ سے اکثر مسلمانوں کے لڑکے آوارہ ہوجاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کرکے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہوجاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی امدادی فنڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہوجاتا ہے۔ سود خور اور سود دینے والے کے لئے اس قدر عتاب انگیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے، پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزار میں سے ایک بھی اس دقت سے بری نہیں کیا حال ہوگا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنک کھولے گئے ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے البتہ طبقہ علماء و مشائخ اس سے محترز ہے مگر جب وعظ نصیحت کے لئے نکلتے ہیں تو ان بیچاروں کو بھی سفر میں جن کے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے یا دینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا مشائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے ماسوا اس کے کہ مدرسوں اور دینی امورات کیلئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں سے شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو، مورخ خلکان نے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض لی تھی جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کرکے دی تھی تو اس زیادہ کی رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا؟ **فقط**

الجواب الملفوظ

سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن واحادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام ہوا اور اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو جواب عطا فرمائے، ایک عام اور ایک خاص عام تو یہ کہ:

"لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾"[1]	اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

"اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] "لَهُ الْحُکْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۸﴾"[2] "وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾ ؕ"[3]	اور سب سے سوال ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے، اور تمہیں اسی کی طرف پھرنا، کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کچھ کہ جب اللہ اور رسول کسی بات میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ ورسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔

اور خاص یہ کہ کافروں نے اعتراض کیا تھا "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ"[4] (بے شک بیع سود کی مثل ہے۔ت) تم جو خرید وفروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے، اس کا جواب ارشاد فرمایا:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[5]	اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو، حکم سب کو دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے، آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے کہ یہ بیجا ہے یہ کیوں ہے، یوں نہ چاہئے، یوں ہونا چاہئے تھا، جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون وچرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک الملوک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں، اور کس لئے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ سود لینا مطلقًا عمومًا قطعًا سخت کبیرہ ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی ومجبوری ہو تو جائز ہے، درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربٰو[6]۔	محتاج سود پر قرض لے سکتا ہے۔ (ت)

ہاں بلاضرورت جیسے بیٹی بیٹے کی شادی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے، سود خور کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام وناجائز نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہٖ سود ہے مثلًا ان گیہوں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا

---

[1] القرآن الکریم ٦/ ٥٧

[2] القرآن الکریم ٢٨/ ٨٨

[3] القرآن الکریم ٣٣/ ٣٦

[4] القرآن الکریم ٢/ ٢٧٥

[5] القرآن الکریم ٢/ ٢٧٥

[6] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول، القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ١/ ١٢٦

سود کے روپے سے اس طرح خریدی گئی ہے کہ اس پر عقد و نقد جمع ہوگئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دے دیا، جب تک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا حرام ہے نہ ممنوع۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد سے منقول ہے کہ ہم اسی (قول جواز) کو لیتے ہیں جب تک بعینہٖ کسی شے کا حرام ہونا معلوم نہ ہوجائے (ت)

تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض، ہاں تجارت حرام کے دروازے آج کل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو بیشک شرع مطہر نے ہمیشہ کیلئے بند کئے ہیں جو آج بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائے گا۔ دنیا مسلمان کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کس نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طریق تحصیل آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے، اے مسکین! تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے،

"یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۙ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ﴿ؕ۸۹﴾"[2]۔	جس دن نہ مال نفع دے گا نہ اولاد، مگر جو اللہ کے حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا۔

اے مسکین! تیرے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے:

ولاتمدن عینیك الی مامتعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربك خیر وابقی[3]۔	اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے کچھ مردوں و عورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہیں اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور تیرے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا۔

چندہ کا جواب اوپر آگیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہٖ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ ربا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے کہ عقد میں مشروط ہو اگرچہ شرط نصًا نہ ہو یا عرفًا ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۶ /۸۸ و۸۹

[3] القرآن الکریم ۲۰ /۱۳۱

ورنہ احسانًا قرار داد سے زائد دینانہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک پاجامہ خریدااور قیمت کی چاندی وزن کرنیوالے سے ارشاد فرمایا: زن وارجح[1] تول اور زیادہ دے۔ یہ احسان ہے، "مَاعَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ"[2]۔ (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت) پھر امام رازی پر کیا اعتراض ہے، سود لینا شرع نے مطلقًا حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے، قال تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[3] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر مدار اعمال نیت پر ہے اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن، بلاغدر و بدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع نہیں اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد و مدارس و مصارف یتامٰی میں بھی صرف ہوسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از مقام کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کٹڑوا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناٹراموے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح میں شیئر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹراموے یاریلوے یاکارخانہ پارچہ بافی یاآہن سازی یا کسی تجارت کے لئے قائم کی جاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کرکے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب کام کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے جو سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کرکے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا سود اصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ سے فروخت کردیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا ہے کہ آج

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی الرجحان فی الوزن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کہہ دیتا ہے کہ بیچ دو، تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے، یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ نہیں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دے دیتا ہے، یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے اپنے حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی شے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شیئ اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے ہیں البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے، اور اسے اسی وقت روپیہ مل بھی جاتا ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے حصص خرید نے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اس میں زکوۃ حصص کی قیمت پر لازم آتی ہے یا منافع پر؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب الملفوظ

ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام قطعی ہے، اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جس میں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے، پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے، غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعا کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعت جائزہ غیر ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوۃ لازم آئیگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از بہرائچ درگاہ شریف مسئولہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ، بروز پنجشنبہ ۲۲ صفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرع سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد بخیال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا، کل زر قرض اصل معہ سود زر ثمن جائداد میں مجرا لیا، پس سوال یہ ہے کہ خالد وعمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے، ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال ومباح ہے یا حرام وناجائز ہے اور خالد خیرات وصدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہو جانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا، یہ عذر اس کا کیسا ہے؟ جواب مع دلائل، مہربانی فرما کر تحریر فرمائیے **فقط۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[1]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کردو یعنی اللہ و رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔

خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے، حدیث میں فرمایا: "جس نے دانستہ ایک درہم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس ۳۶ بار اپنی ماں سے زنا کیا"۔ بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے **ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امه**[2] ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اٰکل الربٰو ومؤکله وکاتبه وشاہدیه وقال ھم سواء[3]۔	لعنت فرمائی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود لینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمرو مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے، اسراف اگر وہ کرے تو گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ ورسول سے لڑائی مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل ودین سے کیا علاقہ رکھتا ہے اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے، خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق کے لئے اجرت پر زنا کرائے کہ خیرات کرے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

کمطعمة الایتام من کدفرجھا لك الویل لاتزنی ولا تتصدقی[4]۔	جیسے وہ عورت کہ اپنی فرج کی کمائی سے یتیموں کو کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کر نہ خیرات دے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸۔۲۷۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دارالفکر بیروت ۲/ ۳۷

[3] صحیح مسلم کتاب المساقاة والمزارعة باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[4] ردالمحتار

بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالٰی سے ڈرتا اور حدود شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالٰی کے ہاتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خان ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

مصدر فیض و حسنات مکرم و معظم بندہ اعلیحضرت مولانا قبلہ دام ظلکم، السلام علیکم!

برادرم محمد عبدالعزیز نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا، آنجناب نے ناجائز کا فتوی دیا، مذکور فتوی کو انہوں نے میرے پاس بھیج دیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں۔ ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک و مختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا و آگ کے بیمہ کے، جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے، صورتیں اس کی متفرق ہیں:

۱ **پہلی صورت:** میں تمام عمر ایک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے مثلاً تیس سال کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑے گا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار دے دے گی مثلاً آج کسی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مر گیا تو بیمہ کی پوری رقم ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

۲ **دوسری صورت:** یہ ہے کہ معدود فی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم پوری ایک ہزار روپیہ دی جائیگی، یہ پہلی صورت سے اچھی ہے، چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے، مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال کی عمر تک کمپنی کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دی جائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مر گیا تو بیمے کی طرف سے اسکے وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ دی جائے گی۔

۳ **تیسری صورت:** کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچپیس سال یا ساٹھ سال یا باسٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکور اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس جدا ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال

کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایک ہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے، اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو فیس مذکورہ دینا ہوگا، اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایک ہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مرگیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔

چوتھی صورت: یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے، فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے اس کے بعد پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایک ہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ بیالیس روپیہ دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا، جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دے دیگی یعنی مبلغ ایک ہزار روپیہ، اس اثناء میں وہ مرگیا تو اس کے وارثوں کو پورا ایک ہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ سکا اور کمپنی سے روپیہ جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی، مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازاً اجملہ چار سو ہوا زیادہ ہوا یا کم ہوا اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کرا کر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے، تو فقط نصف رقم چار سو کی دو سو ۲۰۰ ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ گزرنے پر جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمناسبۃ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا پانچ سال تک فی دیتا رہا، اس کے بعد دے نہ سکا یا دینا نہ چاہا تو اس کو پاؤ رقم کی دئے کی رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکور روپیہ ۲۵۰ ملے گا یا بعد موت اس کے وارثوں کو ملے گا، بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے، یہ حساب بیمی اتارنے کے وقت کیا جاتا ہے اور بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا اور بیمہ کمپنی سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ سائل حنفی المذہب ہے لہٰذا فتوٰی بھی اسی مذہب پر ہو۔ **والسلام**

الجواب:

یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں، ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت سے مقید ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہٰذا اجازت نہیں **کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر** (جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں تحقیق فرمائی۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از موضع درؤ ضلع پیلی بھیت مرسلہ عبدالعزیز خان صاحب ۱۳/رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ نسیہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائیگی وقت خرمن گاہ جس طرح فی زمانہ زمیندار کیا کرتے ہیں مثلاً اسامی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کرکے دے دیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کرکے وقت بٹائی کے وصول کرلیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھاد کہتے ہیں آیا اس قسم کی بیع جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ نرخ و قیمت و وعدہ ادائے قیمت سب وقت بیع معین کردئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے، مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو مہینے کے وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں، اور اگر یہ ٹھہرا کہ غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا فصل پر ہو تو حرام اور سود ہے یونہی وقت خرمن گاہ کا وعدہ بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد و گناہ ہوگی، ہاں اگر نفس عقد میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔

فی الدر المختار لایصح البیع بثمن مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد للزرع والدیا س للحب والقطاف للعنب لانہا تتقدم وتتأخر ولو باع مطلقا عن ہذہ الأجال ثم اجل الثمن الدین الیہا صح التاجیل کما لو کفل الی ہذہ الاوقات لان الجہالۃ الیسیرۃ متحملۃ فی الدین والکفالۃ اھ[1] مختصرًا۔	درمختار میں ہے کہ بیع اس ثمن کے بدلے صحیح نہیں جس کی میعاد حاجیوں کے آنے یا کھیت کاٹنے یا غلہ گاہنے یا انگور توڑنے کے ساتھ مقرر کی گئی ہو کیونکہ یہ اوقات مقدم ومؤخر ہوتے رہتے ہیں ہاں اگر ان اوقات کا ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن دین کو ان اوقات کے ساتھ مؤجل کردیا تو مدت مقرر کرنا صحیح ہے جیسا کہ کوئی شخص اوقات مذکورہ تک ضامن بنے کیونکہ تھوڑی سی جہالت دین اور ضمانت میں قابل برداشت ہے اھ مختصرًا (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

پھر بہر حال یہ اس سے انہیں قرار یافتہ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقت خرمن جبر نہیں کرسکتا کہ اب اس وقت کے بھاؤ سے اتنے روپوں کا جو غلہ ہو وہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کرلی تھی کہ چالیس روپے زر ثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا اس کے حساب سے غلہ لیا جائیگا تو بیع فاسد وحرام ہو جائے گی۔

لفساد الشرط وصفقتین فی صفقۃ والافتراق عن دین بدین فی ماشرط من معاوضۃ الثمن بالحب مع جھالۃ قدر المبیع فی ھذہ المعاوضۃ	کیوں کہ اس میں فساد شرط،ایک سودے میں دو سودوں کا اجتماع اور جدا ہونا ہے دین سے دین کے بدلے میں اس چیز میں جو اس نے وقت خرمن پر معاوضہ ثمن کی شرط لگائی باوجودیکہ اس معاوضہ میں مبیع کی مقدار مجہول ہے (ت)

ہاں اگر فصل پر مشتری کہے میرے پاس روپیہ نہیں آج کے نرخ بازار سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے **کما نص علیہ العلماء وبیناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ اس پر علماء نے نص فرمائی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ت)

مسئلہ ۱۹۶: مرسلہ وحید الدین صاحب محلّہ اردو بازار بھاگلپور سٹی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں، ہندوستان میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں؟ جو شخص سود لیتا ہے یا سود تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گزاری کرتا ہو ایسے شخص کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہندوستان دارالاسلام ہے دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو، یا اب نہیں تو پہلے تھی،اور غیر مسلم بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ وعیدین واذان واقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک لخت اٹھادئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا،اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہو جائے گا،جب تک یہ تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سود خور اور تمسک لکھنے والا اور اس پر گواہی کرنیوالے سب ایک حکم میں ہیں [1] جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہٖ سود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کا روپیہ دکھا کر یا پہلے دے کر اسکے عوض کھانے کی چیز خریدی جب ناجائز ہے ورنہ ناجائز

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

نہیں مگر ایسے لوگوں سے اختلاط نامناسب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۷: از گودنا ڈاکخانہ یولگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مرسلہ منشی عبدالحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکورہ ۱۸/ شوال ۱۳۳۱ھ

مایقول السادۃ الفضلاء ھل یجوز اخذ الربا عن اھل الحرب فی الھند سواء کانوا ھنود ام نصرانیین او غیرہم ممن لاذمۃ لھم علینا۔	کیا فرماتے ہیں بزرگ فضلاء کہ کیا ہندوستان میں اہل حرب سے سود لینا جائز ہے؟ چاہے وہ ہندو ہوں یا نصرانی ہوں یا ان کے علاوہ جن کا ذمہ ہم پر لازم نہیں (یعنی ذمی نہیں)۔(ت)

الجواب:

الھند بحمدہ تعالٰی دارالاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام ومابقی علقۃ منھا تبقی دارالاسلام دار الاسلام لان الاسلام یعلو ولا یعلی [1] اما اخذ الربا فانہ لایجوز مطلقًا لاطلاق نصوص التحریم وماذکروا من جواز اخذ الفضل فی دارالحرب فلیس من باب الربا فی شیئ،لان الربا انما یکون فی مال معصوم ومال اھل دارالحرب غیر معصوم حتی من اسلم منھم ثمہ ولم یھاجر الینا فاخذ ذٰلك اخذ مال مباح لااخذ ربا،ولذا یقول المحققون لاربا فی دارالحرب لاانہ یجوز اخذ الربا فیھا	ہندوستان الحمدللہ دارالاسلام ہے کیونکہ اس میں بہت سے شعائر اسلامی باقی ہیں اور جب تک ان شعائر اسلامیہ کا تعلق باقی رہے دارالاسلام دارالاسلام ہی رہتا ہے اس لئے کہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔رہا سود کا لینا تو وہ نصوص تحریم کے اطلاق کی وجہ سے مطلقًا حرام ہے اور فقہاء کرام نے جو دارالحرب میں زیادہ لینے کے جواز کا ذکر کیا ہے وہ سود کے قبیلہ سے نہیں ہے کیونکہ سود مال معصوم میں ہوتا ہے اور اہل حرب کا مال معصوم نہیں یہاں تک کہ اگر اہل حرب میں سے کوئی شخص وہاں ہی مسلمان ہوا اور ہجرت کرکے ہماری طرف دارالاسلام میں نہیں آیا تو اس کا مال لینا مال مباح کا لینا ہے نہ کہ سود کا لینا۔اسی لئے محققین فرماتے ہیں کہ دارالحرب میں کوئی سود نہیں،یوں نہیں فرماتے کہ وہاں سود

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

كما يقولون لاربا بين السيد وعبده لاانه يجوز للسيد اخذ الربا من عبده، فانما اطلق عليه اسم الربا نظر االى الصورة، وانما الاحكام للحقائق وهذا الحكم يعم كل حربي غير مستامن ولو فی دار الاسلام لان المناط عدم العصمة وهو يشملهم جميعا، فلا يحرم علينا معهم الا الغدر، فاذا جاوزته و اخذت منهم مااخذت باسم ای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعة عليك فيه كما راهن الصديق الاكبر عليه الرضوان الاكبر كفار مكة فی غلبة الروم واخذ مالهم باذنه عليه وعلى اٰله افضل الصلٰوة والسلام، فانما جاز لعدم العصمة والالكان قمارا محرما، فهذا هوالاصل المطرد فی هذا الباب ومن اتقنه تيسر عليه استخراج الجزئيات وقد فصلنا القول فيه فی فتاوٰنا، نعم هنا دقيقتان يجب التنبه لهما ' الاولى ينبغی التحرز عن مواقف التهم ممن جاهر باخذ الفضل منهم

لیناجائز ہے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں کہ مالک اور اس کے غلام کے درمیان کوئی سود نہیں، نہ یہ کہ مالک کا غلام سے سود لینا جائز ہے، اس پر سود کا اطلاق محض صورت کے اعتبار سے ہے اور احکام تو حقائق کے لئے ہوتے ہیں (نہ کہ صورت کے لئے) اور یہ حکم مذکور ہر حربی غیر مستامن کو شامل ہے اگرچہ وہ دارالاسلام میں ہو کیونکہ اس حکم کا دار ومدار مال کے معصوم نہ ہونے پر ہے اور وہ (عدم عصمت) تمام غیر مستامن حربیوں کو شامل ہے چنانچہ ہم پر ان کے ساتھ سوائے دھوکا بازی کے کچھ حرام نہیں، اور جب تو دھوکا بازی سے اعراض کرتے ہوئے ان کا مال جس عقد کے نام سے چاہے لے تو بیشک تو نے مال مباح لیا اس میں تجھ پر کوئی مواخذہ نہیں جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے غلبہ روم کے بارے میں کفار مکہ سے شرط لگائی اور نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہ وسلم کی اجازت سے اس شرط پر کفار مکہ کا مال لے لیا کیونکہ ان کا مال معصوم نہیں ورنہ تو یہ جوا ہے جو کہ حرام ہے۔ اس باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے جس نے اس کو مستحکم کرلیا اس پر جزئیات کا استخراج آسان ہوگیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس پر مفصل گفتگو کی ہے ہاں یہاں دو باریک باتیں ہیں جن پر متنبہ ہونا ضروری ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تہمت کی جگہوں سے بچنا چاہئے۔ جس شخص نے اعلانیہ طور پر حربیوں سے زیادتی مال وصول کی اور

بالنیة الصحیحة المذکورة انما یاخذ حلالا ولکن یتهمه العوام باکل الربا فینبغی التحرز عنه لذوی الهیأت فی الدین و۲ الثانیة ان من الصور المباحة ما یکون جرمافی القانون ففی اقتحامه تعریض النفس للاذی والاذلال وهو لایجوز فیجب التحرز عن مثله وماعدا ذٰلك مباح سائغ لاحجر فیه، نعم من اخذ منهم الفضل ونوی اخذ الربافهو الذی قصد المعصیة ،وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی[1]، کمانصوا علیه فی من تعمد النظر من بعید الی ثوب موضوع فی الطاق ظنامنه انها امرأة اجنبیة حیث یاثم بما قصد وان کان النظر الی الثوب مباحافی نفسه وهو سبحانه وتعالٰی اعلم۔	نیت اس کی صحیح ہے جس کا ذکر ہوا تو بیشک وہ حلال مال لیتا ہے لیکن عوام اس پر سود کھانے کی تہمت لگائیں گے لہٰذا دینی اعتبار سے صاحب حیثیت لوگوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہئے دوسری بات یہ ہے کہ مباح صورتوں میں سے بعض قانونی طور پر جرم ہوتی ہیں ان میں ملوث ہونا اپنی ذات کو اذیت و ذلت کے لئے پیش کرنا ہے اور وہ ناجائز ہے، اس طرح کی صورتوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کا ماسوا مباح و جائز ہے اس میں کوئی ممانعت نہیں، ہاں جس نے حربیوں سے زیادہ مال بنیت سود لیا تو اس نے گناہ کا قصد کیا اور اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی، جیسا کہ فقہاء کرام نے اس شخص کے بارے میں اس پر نص کی ہے جس نے طاق میں رکھے ہوئے کپڑے کو دور سے غیر محرم عورت سمجھتے ہوئے قصداً اس کی طرف نظر کی کیونکہ اس نے اپنے قصد میں گناہ کیا اگرچہ کپڑے کو دیکھنا فی نفسہٖ مباح ہے۔(ت) وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۷۳ مسئولہ سید عزیز الرحمان　　۱۱/ رمضان ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (آپ کا کیا فرمان ہے اللہ آپ پر رحم کرے۔ت) ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر شائع تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے دونوں میں معاہدہ ہو جاتا تھا، اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس صورت کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے اور ملوں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ در حقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اس کو ملتا ہے وہ در حقیقت سود نہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر در حقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس کاروبار کا نفع ہے جو منقح ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منقح نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے، اس واسطے کہ جو شخص تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منقح کرکے لیا کرے خصوصًا اس زمانے میں جبکہ کروڑوں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکاء کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب وکتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور ریزر وفنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو در حقیقت ان شرکاء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس انداز کرنے ریزر وفنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے، علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیہ کریمہ "لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴿۲۷۹﴾"[1] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب:

یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں، کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا [۱]بغرض شرکت دیتا ہے یا [۲]بطور ہبہ یا [۳]عاریۃً یا [۴]قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس، شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل ونفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہو گیا، دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح (نفع) میں شرکت کب ہوئی۔ جوہرہ نیرہ وتنویر الابصار میں ہے:

الشرکۃ عبارۃ من عقد بین	تنویر وشرح مدقق علائی۔ شرکت نام ہے اصل و نفع میں دو شریک ہونیوالوں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

المتشارکین فی الاصل والربح، [1] تنویر و شرح مدقق علائی۔	کے درمیان عقد کا، تنویر و شرح مدقق علائی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

شرطها ای شرکة العقد عدم مایقطعها کشرط دراہم مسماۃ من الربح لاحدهما لانه قد لایربح غیر المسمی وحکمها الشرکة فی الربح [2]۔	شرکت عقد کی شرط اس چیز کا نہ پایا جانا ہے جو شرکت کو قطع کرے جیسے دو شریکوں میں سے ایک کے لئے نفع میں سے معین درہموں کی شرط کیونکہ کبھی ان معینہ درہموں کے علاوہ کوئی نفع ہی نہیں ہوتا اور شرکت عقد کا حکم نفع میں شرکت ہے۔ (ت)

اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوئی پھر اس میں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کیلئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت نہیں لوٹ ہے، شرکت کا مقتضٰی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کی قدر پڑے۔ ردالمحتار میں ہے:

ثم یقول فما کان من ربح فهو بینهما علی قدر رؤس اموالهما وماکان من وضیعة او تبعة فکذلک، ولا خلاف ان اشتراط الوضیعة بخلاف قدراس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر [3]۔	پھر کہے، جو بھی نفع ہوگا وہ دونوں کے درمیان ان کے سرمائے کی مقدار کے حساب سے ہوگا یوں ہی حکم نقصان کا بھی ہوگا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ سرمائے کی مقدار کے خلاف نقصان کی شرط لگانا باطل ہے اور نفع میں تفاوت کی شرط لگانا صحیح ہے اس کی دلیل ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب، اصل مقتضاء شرکت عدل و مساوات ہے۔ قال اللہ تعالٰی "فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ" [4]

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۱

[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۷

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: سب ترکہ کے تیسرے حصہ میں شریک ہیں۔ت) فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دو چند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایک ہزار لیں گے اور دو چند والوں کو صرف پانسو ملیں گے، آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا، یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں، اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض، عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا، اور عاریت میں شے بعینہٖ قائم رہتی ہے۔ درمختار میں ہے:

عاریۃ الثمنین قرض ضرورۃ استھلاك عینھا[1]۔	ثمنوں (سونے اور چاندی) کی عاریت قرض ہے کیونکہ اس میں عین کوہلاک کرنا لازم ہے۔(ت)

بہر حال یہاں نہیں مگر صورت قرض، اور اس پر نفع مقرر کیا گیا، یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[2]۔	قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔

قرآن کریم اس نفع منقح کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی "لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾"[3] (نہ تم ظلم کرو اور نہ ظلم کئے جاؤ۔ت) اور یہاں "تظلمون وتظلمون" دونوں ہیں، ان مذکور صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظلوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں نے دونے لئے، یہ ظالم ہیں اور وہ مظوم، اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دو چند ہی والوں کو چہار چند، یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم، اور اگر یہ حصے سرمایہ سے تھے تو ظلم اشد ہے، اور دونے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کی جائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا نہیں حصوں سے تجارت شروع ہوئی، مثلاً سواشخاص نے سو سو روپے ملا کر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس رپوے نفع منقح قرار پایا یہ صورت ظاہر کردے گی کہ وہ قرار داد ظلم وجبریت تھا یا محض جہل وحماقت۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پر دس دس کرکے کیسے بٹیں، کیا پانسو کہیں سے غصب کرکے ملائے جائیں گے یا پچاس ہی کو دے کر

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

پچاس کورے چھوڑ دئے جائیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے ور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں گے۔فرض کیجئے دوہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دئے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگادئے جائیں گے،اگر اسی میں لگائیں گے تو سب کی طرف سے یا بعض کی طرف سے ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف قرار داد عقد کیونکر ہوا۔لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دوہزار تو سب بیس بیس،اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں،اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت،اور یہی شرکت شرعیہ،اور وہ نفع منقح رجمًا بالغیب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا،بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے،خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفٰی ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مسئلہ ۱۹۹: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خان صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں،ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے اور آپ نہ کھائے اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کردیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلّت ہو کنواں لگوادے آیا وہ شخص ازروئے شرع شریف سود خوروں اور گناہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا،اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے لینی اور اس کو کنوئیں کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمائیں۔

الجواب:

سود لینا مطلقًا حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"،[1] وقال تعالٰی "وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ چھوڑ دو جو باقی رہا ہے سود سے (ت)

تو یہ شخص جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار ہوا،ہاں جبکہ وہ روپیہ برضامندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے یا اس سے لینے والوں کو کسی ضرر کے پہنچنے کا اندیشہ نہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

تو فقراء و غرباء اسے نہ یہ سمجھ کر کہ سود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم وقت حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب و حلال ہے یونہی اس سے بنوایا ہوا کنواں،

کما فصلناہ فی فتاوٰنا المسألة الظفر المنصوص علیه من الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔	جیسا کہ اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں مفصل بیان کیا ہے، یہ مسئلہ اپنے حق کو کسی طریقے سے حاصل کرلینے میں کامیابی کا مسئلہ ہے جس پر در وغیرہ کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)۔

واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم حکمه احکم

مسئلہ ۲۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا بلکہ میں نے منع کیا کہ سودی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہوگیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھ کو واپس دیا میں نے انکار کیا کہ میں سود نہ لوں گا، اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کرسکتے سود تم کسی محتاج کو دے دینا اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں؟ کیونکہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں، اس حالت میں محتاج کو دیں یا کیا کریں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرار داد کیا بلکہ صراحۃً منع کردیا، نہ اب سود لینا مقصود تو فقراء کو پہنچانے کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا غدر و عہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لے کر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے،

لان فیه الاحسان بالمساکین، "وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾"[1]، وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[2]، وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیه	کیونکہ اس میں مسکینوں پر احسان اور مستحقین کو ان کا حق پہنچانا ہے، اور اللہ تعالٰی احسان کرنیوالوں سے محبت فرماتا ہے، اور بیشک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۴

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدأ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1]۔ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کی اس نے نیت کی۔اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے بھائی کو نفع پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے بھائی کو نفع پہنچائے۔(اس کو امام مسلم نے سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۰۱: از میرگنج مرسلہ ابوالحسن صاحب ۶ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکار میں روپیہ جمع کرنا اور اس کو سود ۴/ فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود مطلقًا حرام ہے **قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** [2] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: حرام کیا ہے اللہ تعالٰی نے سود کو۔ت) ہاں اگر کسی کا اپنا مطالبہ واجبہ یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہو اور ویسے نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز، دینے والے کا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جب کہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز وواجبی ہے **واللہ یعلم السرواخفی** (اللہ تعالٰی رازوں اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ت) اس امر میں مسلم وغیرہ مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ" [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے بڑا (گناہ) ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب از میرٹھ لال کرتی ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بنک کو نوٹس دے دیا کہ میرا کل روپیہ دے دو۔بنک والوں نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۷

اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا، عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا، بنک والوں نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ ابھی نہیں دیتے اب بعد تمامی سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتداء سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملے گا لیکن عمرو قصد مصمم کرچکا ہے کہ نہ لونگا۔ اس صورت میں اسے کہنا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں حساب کرلو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اللهم لك الحمد (اے اللہ! تیرے لیے ہی حمد ہے۔ ت) شرع مطہر میں سود لینا مطلقاً اور بے ضرورت و مجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب بلا غدر و بے ارتکاب جرائم برضامندی ملتا ہو تو اسے نہ بہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں،

قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی،[1] وقد حققنا المسئلة بما لامزید علیه بتوفیق الله تعالٰی فی فتاوٰنا۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں اس انداز سے کردی ہے کہ اس پر اضافہ کی ضرورت نہیں۔ (ت)

دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود،

الاتری الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکل امرئ مانوی[2]، فقد جعل کلا ونیة و قال تعالٰی لایضرکم من ضل اذا اهتدیتم[3] وقال تعالٰی	کیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا کہ ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ تحقیق حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر شخص کو اس کی نیت کے ساتھ چھوڑ دیا، اور اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بداء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

"قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ "[1]	نے فرمایا تمہیں نقصان نہیں پہنچاتا وہ جو گمراہ ہوا جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے (میرے محبوب) آپ فرمادیں کہ ہر ایک اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔(ت)

مگر یہ اس صورت میں ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو، اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ جس قدر اسے زیادہ ملے گا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کرلے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد بار اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا پانسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دینگے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کے واپسی کی کرکے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلارضامندی کے دوسری طرح واپس نہ لے سکتا تھا، اور اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اسے یہ زیادت دیں گے تو اسے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا،

لانهم مامورون شرعا برد ما اخذ وامنهم الیهم و هم لایردون والمسلمون لایقدرون علی ان یستردوا فیکون هذا عونا لاخوانه۔	کیونکہ اہل حرب مسلمانوں سے لیا مال انہیں واپس کرنے کے مامور ہیں حالانکہ وہ واپس نہیں کرتے اور مسلمان ان سے واپس لینے کی طاقت نہیں رکھتے تو اس طرح اسکے بھائیوں کی مدد ہوگی۔(ت)

پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی واجب ہے کہ فقراء پر تصدق کردے،

لانه سبیل کل مال صالح لایعلم مستحقه کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ سبیل ہے ہر مال صالح میں جس کا مستحق معلوم نہ ہو جیسا کہ درمختار وغیرہ قابل اعتماد کتابوں میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۳: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں لوں گا اور نہ سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۸۴

الجواب:

سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خور کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہو جاتا ہے،

لان ھذا ھو حکم العقود الفاسدۃ وذھل الفاضل الشامی فی العقود الدریۃ۔	کیونکہ عقود فاسدہ کا یہی حکم ہے اور علامہ فاضل شامی سے عقود دریہ میں بھول ہوئی۔(ت)

مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انہیں واپس دے وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے، بہرحال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا تو وہ اب بھی سود کھارہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے،

لانہ لم یندم علی الماضی وما ترك فی الاتی ولم یمح الباقی فلم یوجد شیئ من ارکان التوبۃ۔	کیونکہ وہ گزشتہ پر نادم نہیں ہوا اور آئندہ کے لئے اس کو چھوڑا نہیں اور نہ ہی باقی کو مٹایا تو اس طرح ارکان توبہ میں سے کوئی بھی نہیں پایا گیا(ت)

وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا حرام لیا تھا تو انہیں پہنچادے اور اگر سب معلوم ہو کہ بعینہٖ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کردے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن سے لیا وہ بھی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے۔ درمختار میں ہے:

الحرمۃ تتعدد مع العلم بھا الافی حق الوارث وقیدہ فی الظھیریۃ بان لایعلم ارباب الاموال [1]۔	حرمت کا اگر علم ہو تو وہ منتقل ہوتی ہے سوائے وارث کے حق کے، اور ظہیریہ میں حق وارث کے ساتھ یہ قید لگائی کہ وہ وارث مال کے مالکوں کو نہ جانتا ہو (تب اس کے لئے حلال ہے)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم، والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ، وان کان مالا	حاصل یہ کہ اگر وارث مال کے اصل مالکوں کا علم رکھتا ہو تو ان کا مال انہیں لوٹانا اس پر واجب ہے ورنہ اگر اس مال کے بعینہٖ حرام ہونے کا اسے علم ہے تو اس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک کی طرف سے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

مختلطا مجتمعا من الحرام ولا یعلم اربابه ولا شیئا منه بعینه حل له حکما، والاحسن دیانة التنزه عنه [1]۔	نیت کرتے ہوئے صدقہ کرے اور اگر مال حرام حلال سے مخلوط ہے اور وہ وارث اس کے مالکوں کو نہیں جانتا، نہ ہی بعینہ اس کے حرام ہونے کا اس کو علم ہے تو وہ حکماً اس کے لئے حلال ہے مگر دیانت کے اعتبار سے اس سے بچنا ہی زیادہ بہتر ہے۔(ت)

نیز درمختار میں ہے:

ولا یبطل حق الفسخ (ای فی البیع الفاسد) بموت احدهما (ای احد العاقدین) فیخلفه الوارث به یفتی اھ [2] **اقول:** فافاد ان انتقال الملك فی الملك الخبیث لا یزیل الخبث ویجب علی الوارث فسخه فان لم یفعل اجبر القاضی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیع فاسد میں بائع یا مشتری کی موت کے سبب سے حق فسخ باطل نہیں ہوتا، چنانچہ مرنے والے کا وارث اس کا قائم مقام ہوگا اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کلام نے اس بات کا فائدہ دیا کہ ملک خبیث میں ملک کا منتقل ہونا خبث کو زائل نہیں کرتا لہذا وارث پر واجب ہے کہ بیع فاسد کو فسخ کرے اور اگر وہ ایسا نہ کرے تو قاضی اس پر جبر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۴: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸/ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خور کے ساتھ میل جول کرنا اور شادی اور پنچایت میں بلانا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب وبادلیل جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود خور کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے، باز نہ آئے، اس کے ساتھ میل جول نہ چاہئے اسے شادی وغیرہ میں نہ بلایا جائے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ	: اگر شیطان تجھے بھلادے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ مت بیٹھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۵: از ریاست کشن گڑھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول تھرڈ ماسٹر مسئولہ سید امانت علی صاحب ۷/ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

شادی وزندگی کا بیمہ کرنا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز ؟آپ کے شاد گرد رامپوری صاحب نے جو کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولنا مولوی احمد رضا خان صاحب سے دریافت کرلینا چاہئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ بافادہ اہل اسلام بصورت فتوٰی ارسال فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔اس بیمہ کا قانون بھی گورنر جنرل کی کونسل سے ۱۳۱۲ھ میں پاس ہوگیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔پراسپکٹس اردو سالانہ رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

الجواب:

یہ نرا قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دین اگر ملے بھی تو کمپنی بیوقوف نہیں کہ گرہ سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ وہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا،اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت کی نہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور مت کھاؤ۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۲۰۶: کابلی علاوہ مسلمانوں کے غیر قوم سے جو سود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا،ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا ہے ؟

الجواب:

یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از سید ایوب علی صاحب محلہ بہاولپور کا سگرہ،بریلی

زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہوگیا۔جب

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اہل محلّہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلّہ نے زید سے پوچھا جس کا اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرط سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھادی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئے گا میں زر سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ مکان میں دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی، اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلّہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا، ایسی صورت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خور ہے اس سے احتراز کیا جائے، اس سے میل جول ترک کیا جائے، اس کے بہانے جھوٹے ہیں، کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقینا سود ہے، اس نے سود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے، قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھانا ضرور ہو یہ سود خور کذابوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھالیا ہے لیں گے نہیں، ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ منہ میں لیا ہے نگلیں گے نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴/رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص چھ سو روپے قرض لیتا ہے اور جائداد روپیہ دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سو یا پچاس روپے مقرر کرتا ہے لفظ سود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں، قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے، الحاصل رہن صحیح ہوجائے اس کی شکل فرمادیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہوجائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ رہن نہیں ہوسکتا، گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ و رہن دو عقد منافی ہیں باہم جمع نہیں ہوسکتے، مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا **لاستحالۃ الانتفاع بدون القبض** (کیونکہ بغیر قبضہ کے نفع حاصل کرنا محال ہے۔ت) اور مرہون ہونا مرتہن کا قبضہ چاہے گا **لقولہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"**[1] (تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں، ہاں زید مستقرض عمرو مقروض سے روپیہ قرض لے لے اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

عمرو کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھ لے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس بیس پچاس چالیس جس قدر ماہواری مناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کردے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہوجائے **کیلا یخرج من اجارات الناس** (تاکہ لوگوں کے اجاروں سے خارج نہ ہوجائے۔ت) اس قدر اسے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کردیا کرے جب دین ادا ہوجائے زید عمرو کو موقوف کردے۔

فی الھندیۃ عن البزازیۃ استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ ازید من الاجارۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتأخرون فقیل یجوز بلا کراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ[1]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں بزازیہ کے حوالے سے مذکور ہے، مقروض کا کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو اجرت پر رکھنا جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہو جیسے چھری، کنگھی اور چمچہ کہ ہر ماہ اتنی اجرت دے گا، اس میں متاخرین ائمہ کا اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ بلا کراہت جائز ہے ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام جواز پر متفق ہوئے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۹/ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض، اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جائے اور سود نہ ہو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب:

علماء کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائیں ہیں ازانجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے ہاتھ کوئی مال مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زرِ ثمن کے زید کو دے دے بعدہ اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو وہی مال زید کے ہاتھ دو سو روپیہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

کو مثلاً بوعدہ ایک سال بیچے زید خرید لے اور اب اس زر ثمن کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھ دے اس صورت میں زید کی چیز زید کے پاس آگئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہوگئے عمرو اس رہن سے کچھ انتفاع نہ کرے ورنہ سود ہو جائے گا۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل له علی رجل عشرة دراہم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئاً بتلك العشرة ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام، ومثل ھذا مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه امر بذلك[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں وہ چاہتا ہے کہ ایک معینہ مدت تک یہ تیرہ درہم ہو جائیں۔ علماء نے فرمایا ہے وہ مقروض سے ان ہی دس درہم میں کوئی چیز خریدے اور مبیع پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز تیرہ درہم کے بدلے ایک سال کے ادھار پر مقروض کے ہاتھ فروخت کرے تو اس طرح سے حرام سے اجتناب ہو جائے گا، اور اسی کی مثل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ کے لینے والے کو سود دینے سے انکار ہے، کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور ہندو سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والے کو بلا کسی نفع کے دینا منظور نہیں ہے۔

الجواب:

اس کی بہت سی صورتیں ہیں، ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ بیچے، مثلاً سو روپے یہ لینا چاہتا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر، مثلاً ایک سو بارہ روپے کو بیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دے دے تو صرف ایک سو چھ لے، اس سے زیادہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع فصل فیما یکون فرارا عن الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

لینا حرام ہے یونہی اور کوئی چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے، درمختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الابقدر مامضی من الایام[1]۔	مقروض نے میعادی قرضہ میعاد سے پہلے ادا کردیا تو قرض دہندہ اس سے وہ نفع نہ لے جو ان کے درمیان طے پایا تھا مگر صرف اتنے دنوں کے حساب سے نفع لے سکتا ہے جتنے دن گزر چکے ہیں (ت)

دوسرے یہ کہ سو روپے اسے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس چیز کی حفاظت کر میں اس کی حفاظت پر ایک روپیہ یا ۴/ یا ۲/ یا دس روپے ماہوار جو ٹھہر جائے دوں گا مگر جو شے اسکے پاس رکھے اس کی قیمت اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

استیجار المستقرض المقرض علی حفظ عین متقومۃ قیمتہ ازید من الاجرۃ کالسکین والمشط و المعلقۃ کل شھر بکذا، اختلف فیہ الائمۃ المتاخرون فقیل یجوز بلاکراہۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ و الامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین علیا بادی وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ[2]۔	مقروض کسی ایسی قیمتی معین شیئ کی حفاظت کے لئے قرض دہندہ کو معین ماہانہ اجرت پر مقرر کرے جس شیئ کی قیمت اجرت سے زیادہ ہے مثلاً چاقو، کنگھی اور چمچ وغیرہ، تو اس میں متاخرین ائمہ کے درمیان اختلاف ہوا، بعض نے بلاکراہت جواز کا قول کیا ان میں امام محمد بن سلمہ، امام صاحب کامل مولانا حسام الدین علیا بادی، جلال الدین ابوالفتح محمد بن علی اور صاحب ہدایہ شامل ہیں، اور تحقیق جلیل القدر ائمہ کرام نے جواز پر اتفاق کیا ہے۔ (ت)

اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم نے کفل الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱: مسئولہ محمد حسین خان، بریلی شہر کہنہ ۱۳/ شوال المکرم

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب! بصد نیاز گزارش ہے کہ مجھ سے ایک

[1] درمختار باب مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۲۲

شخص قرضہ چاہتا ہے اور بالعوض اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھ کو روپے دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ روپیہ اللہ نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہو جانے پر امید ہے کہ اللہ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سود کھانا نہیں چاہتا ہوں، اب اس میں گزارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کردیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلاسود و بلارہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنا کوئی برتن مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تمہیں دی جائیگی یوں اس حفاظت کی اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا، اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر کو حفاظت کے لئے دے اور آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم و بیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی سے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکان کا کرایہ آپ پر، پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کو معاملہ برابر ہوگیا، نہ آپ اسے روپیہ دیں نہ وہ آپ کو، آپ اس کی چیز کی حفاظت کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زائد ادا کرتا رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: ۱۱ شعبان ۱۳۳۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بہاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان در ہر موضع و دہ بنک تجویز کردہ اند بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبر آں بنک نمودہ می گویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنایندہ نزد خود جمع سازید وازاں روپیہ خاصۃ داخل کنندہ را و بدیگرے رابوقت حاجت ولے قرض میعادی بسود یسیر دادہ باشید وعند المیعاد	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ ریاست بہاولپور کے حکام نے ہندوؤں کے قرض سے مسلمانوں کو رہائی دلانے کے لئے ہر بستی اور گاؤں میں بنک تجویز کیا ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ اس بستی کے چند معتبروں کو بنک کا ممبر ظاہر کرکے کہتے ہیں کہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق روپے بنک میں داخل کراکے اپنے پاس جمع رکھو، پھر انہیں خاص روپوں میں سے داخل کرنے والے کو یا دوسرے کو بوقت ضرورت تھوڑے سے سود پر میعادی قرض کے طور پر دیں اور

آں روپیہ مع سود از و وصول نمودہ بایں طرز دیگرے راہ و سپس اخیر رامی دہید از سود دادہ شما آن جائداد شما ترقی پذیرد و برآمدگی حاجات مسلماناں از مال خویش بسہولت گردد و ضرورت باستقراض از ہندوان نماند۔ پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد، چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام ماورند و مجبور، ازآں اگر حیلہ جواز فعل ایشاں ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عنداللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔	میعاد گزرنے پر وہ روپے سود سمیت اس سے واپس لیں اور پھر اسی طرح کسی دوسرے شخص کو اسی طریقے سے قرض دیں اسی طرح یکے بعد دیگرے حاجتمندوں کو سود پر قرض دیتے جائیں تاکہ تمہارے ادا کردہ سود سے تمہاری جائداد ترقی اختیار کرے اور مسلمانوں کی حاجات ان کے اپنے مال سے بآسانی پوری ہوں اور ہندوؤں سے قرض لینے کی ضرورت نہ پڑے۔ شرع شریف میں اس بنک کو روپیہ دینا اوراس سے لینا کیا حکم رکھتا ہے چونکہ اس معاملہ میں عام مسلمان حاکموں کی طرف سے ماموراور مجبور ہیں اس لئے اگران کے اس فعل کے جواز کی طرف کوئی اشارہ فرمایا جائے توامید ہے کہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور اور مخلوق کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہوں گے۔(ت)

الجواب:

ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع وکبیرہ وشدیدہ است وربا دادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ رارخصت کردہ اند فی الدر المختار **یجوز المحتاج الاستقراض بالربا**[1]. حاصل ایں بنک آنست کہ حرامے کہ ہندوان می خورند بباید تا مسلمانان خورند **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ** کارکنان ایں بنک اگر درد دین دارند صورتے مہیا است کہ بہ مقصد رسند واز حرام وارہند ہر کہ مثلاً صد روپیہ دام خواہد زرند ہند کاغذ زر کہ نوٹ نامند بدہند وآں ھم دام ندہند کہ بردام ہرچہ سودے گیرد ربا باشد	سود لینا بالاتفاق حرام قطعی اور سخت کبیرہ گناہ ہے اور سود دینے کی محتاج کو حاجت شرعیہ صحیحہ کے وقت اجازت دی گئی ہے۔ درمختار میں ہے کہ محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے، اس بنک کا حاصل یہ ہے کہ جو حرام ہندو کھاتے ہیں وہ حاصل ہوجائے تاکہ اس کو مسلمان کھائیں۔ گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے اس بنک کے کارکن اگر دین کا درد رکھتے ہیں توایک ایسی صورت مہیا ہے کہ وہ اپنے مقصد تک رسائی بھی حاصل کریں اور حرام سے خلاصی بھی پالیں، جو کوئی مثال کے طور پر سوروپیہ قرض چاہتا ہے اس کو زرنہ دیں بلکہ وہ کاغذ دیں جس کا نام نوٹ ہے

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

وحرام،فی الحدیث عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1] بلکہ نوٹ صدروپیہ بہر ر بجے کہ باہم تراضی شود بمیعاد واجل مسمّٰی بدست او فروشند مثلًا بیک صد و دہ روپیہ بوعدہ یک سال ایں ربح ربح بیع باشد و ربح بیع حلال است و ربح قرض حرام قال اللہ تعالٰی " اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ "[2] ایں مسئلہ را در کتاب کفل الفقیہ الفاہم ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ایم بایں وجہ ہم ربح حلال بدست آید وہم آں مستقرض بمراد خود برسد۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور وہ بھی بطور قرض مت دیں کیونکہ قرض پر جو بھی نفع لے گا وہ سود اور حرام ہوا۔حدیث میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔بلکہ سوروپے کا نوٹ اس نفع کے لئے جس پر دونوں باہم رضامند ہوں مدت مقررہ تک اس کے ہاتھ فروخت کریں مثلًا وہ سو کا نوٹ ایک سال کے لئے ایک سو دس روپے کے بدلے فروخت کریں تو اس طرح یہ نفع بیع کا نفع ہوگا اور بیع کا نفع حلال ہے جبکہ قرض کا نفع حرام۔اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کہا ان لوگوں نے کہ بیع تو سود کی طرح ہی ہے جبکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام۔اس مسئلہ کو ہم نے اپنی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" میں مکمل طور پر تفصیلی رنگ دیا ہے،اس طریقے سے حلال نفع بھی ہاتھ آئیگا اور وہ قرض لینے والا بھی اپنے مقصد کو حاصل کرلے گا۔(ت)

مسئلہ ۲۱۳: مرسلہ احمد خان صاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ ریذیڈنسی اودیپور میواڑ ۳ شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

سود کی نیت سے لینا جائز نہیں **لاطلاق قولہ وحرم الربٰو**[3] (کیونکہ اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد کہ "اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا" مطلق ہے۔ت) اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

اور شخص کا شرعًا کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلاشبہہ روا "**لانہ ظفر بجنس حقہ کما فی ردالمحتار وغیرہ**[1] (اس لئے کہ یہ اپنے حق کی جنس کو حاصل کرنے کی کامیابی ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) یونہی اگر بیت المال میں حقدار ہو تو اس میں لے سکتا ہے **کما فی ردالمحتار عن السید السمہودی وغیرہ** (جیسا کہ سید سمہودی وغیرہ سے ردالمحتار میں ہے۔ت) اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز مال برضائے مالک بلا غدر و بدعہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔ اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقوٰی خصوصًا مقتداء کو ان دو صورتوں خصوصًا اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں، حدیث میں ہے: **اتقوا مواضع التھم**[2] (تہمت کی جگہوں سے بچو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۱۴: از بریلی محلّہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی چنگی رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مراؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ یہ اس مراؤ سے ٹھہرالیا کہ چنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد بازار کے نرخ سے تم سے لئے جائیں گے، فصل کاٹنے پر مراؤ نے بجائے چنے کے جتنا روپیہ زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا، لہٰذا اب معلوم ہونے پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اسکی تعمیل بسر و چشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

ایسا عقد شرعًا ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مراؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر اسے ملا اسے واپس دینا ضرور نہیں البتہ، اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۲

[2] کشف الخفاء حدیث ۸۸ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱ /۴۵

مسئلہ ۲۱۵: از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکور ۲۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے عمرو کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً یا صراحۃً سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمرو نے ادائیگی روپیہ کا دوماہ کا کیا تھا، بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مروجہ گورنمنٹی کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور ضرورت کے وقت بیکار نہ ہو عمرو نے دوماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتی کہ قریب سال کے ہوگئے چونکہ میعاد رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمرو کی نالش کرنی پڑی تو اس نالش کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری عمرو پر مع سود کچہری مجاز سے ہوگئی اور عمرو نے اصل روپیہ مع سود داخل کچہری بھی کردیا تو اب عندالشرع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا نہ؟ اگر کل سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالش کے لینا جائز ہوگا یا نہ؟ اور روپیہ کچہری سے کل زید کو بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہوگا، اور اگر کچہری سے روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہوگا؟ اور بقدر اپنے خرچ کچہری کے نکال کر باقی کو صدقہ کردے یا اصل مالک کو واپس؟ مجموعہ فتاوٰی مولوی عبدالحی لکھنوی میں عدم جواز کا فتوٰی لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبّب ہے نہ مباشر، اور ضمان مباشر پر ہوتا نہ کہ مسبّب پر، جیسا کہ واقف فقہ پر مخفی نہیں، جواب مع حوالہ کتب ودلائل کے تحریر ہو۔

جواب دیوبندی

اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھ کر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمرو کو واپس کردینا چاہئے کیونکہ خرچہ مقدمہ کا مدعی علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارے میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ قول جو مولانا عبدالحی صاحب نے لکھا ہے، اور دوسرا یہ کہ بصورت تعنت مدعا علیہ اور بلا نالش کسی طرح وصول نہ ہوسکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر نالش کی ہے اور عمرو کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو مناسب نہیں کہ وہ عمرو مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۸/ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ

الجواب:

سود کا ایک حبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ ورسول کی لعنت ہے۔ صحیح حدیثوں

میں فرمایا:

الربٰا ثلثۃ وسبعون حوبا ایسر ھن کان یقع الرجل علٰی امہ[1]۔	سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جن میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

من اکل درھم ربا وھو یعلم کان کمن زنی بامہ ستا و ثلثین مرۃ[2]۔	جو دانستہ ایک درہم سود کھائے وہ اس کے مثل ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔ (ت)

ایک درہم تقریبًا یہاں کے ۴/۰ کے برابر ہوتا ہے جس کے اٹھارہ پیسے ہوئے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچہری سے بلا سود روپیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اس میں سے صرف اپنا زر اصل اٹھالے باقی تمام وکمال عمرو کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقًا حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو، اسے مختلف فیہ بتانا دیوبندی مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواب نہیں، خرچہ کہ اس سے کچہری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقًا لیا یا ظلمًا لیا، اگر حقًا لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا چاہتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلمًا لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر ظلم کرے، عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہوا مگر باطل، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۠(۱۸۸)"[3]۔	آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق مت کھاؤ اور اس کو حاکموں کے پاس اس نیت سے مت لے جاؤ کہ تم لوگوں کا کچھ مال جان بوجھ کر گناہ کے ساتھ کھا جاؤ۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

[1] المستدرک کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲ /۳۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۳۹۴

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۷۰۳ مکتبۃ المعارف الریاض ۳ /۳۳۰، الترغیب والترہیب الترہیب من الربا حدیث ۱۴ مصطفی البابی مصر ۳ /۷

[3] القرآن الکریم ۲ /۱۸۸

رجل کفل اٰخر عن زید بدین معلوم ثم طالبہ زید بہ والزمہ بہ لدی القاضی فطلب الرجل من زید ان یمھلہ بہ فابی الاان یدفع لہ الرجل قدر ماصرفہ فی کلفۃ الالزام فدفع لہ ثم دفع لہ المبلغ المکفول بہ ویرید الرجل مطالبۃ زید بما قبضہ زید منہ من کلفۃ الالزام فلہ ذٰلك [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دوسرے شخص کا معین قرض کے بارے میں زید کے پاس ضامن بنا، پھر زید نے ضامن شخص سے اس قرض کا مطالبہ کیا اور قاضی کے پاس اس پر اس کا لزوم ثابت کیا اب اس شخص (ضامن) نے زید سے مہلت مانگی تو زید نے اس وقت مہلت دینے سے انکار کردیا جب تک وہ زید کو اس مقدمہ پر کیا ہوا خرچہ نہ دے چنانچہ اس نے زید کو وہ خرچہ دے دیا، پھر وہ قرض بھی زید کو اس نے ادا کردیا جس کا وہ ضامن بنا تھا،اب وہ ضامن شخص چاہتا ہے کہ زید نے جو مقدمہ کا خرچ اس سے لیا تھا زید سے اس کا مطالبہ کرے تو اس کو ایسا کرنے کا حق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۶: از بمبئی دکان ایس کریم نمبر ۹ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ مسجد کے کرایہ کے روپے ورثاء واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے کے سبب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرامیسری نوٹیں خریدیں، جب مقدمہ ورثاء واقفہ اور متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے کورٹ سے (کننٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اس وقت محافظ مذکور کے پاس سے پرامیسری نوٹوں کا بیاج سالانہ سیکڑے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نوآنے نقد بابت کرایہ متولیان مسجد کو دیئے متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹیں کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک سو باسٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا، اکثر متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے یہ ٹھہراؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں اطمینان نہ ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کی وجہ سے ان کی قیمت کم ہوئی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور نوٹوں کی پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا، اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکورہ نوٹوں کو فروخت کرنے کے لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپیوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے اس وقت ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکورہ نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں ______ اس تاریخ تک مذکور نوٹوں کے بیاج کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکور محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکور محافظ گبر پارسی ہے) مذکور ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی، کیا متولیان مسجد مذکور بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کرنا شرعًا جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکورہ نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آج تک مذکور نوٹوں کا بیاج پورا دے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکور بیاج کی رقم کو مذکور نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکور نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کرسکتے ہیں؟ دیگر متولیان مسجد کو مذکور بیاج کے روپے مذکور محافظ سے مسجد کے لئے لینا یا ورثاء واقفہ کے شرعی حصہ میں بطور رضامندی باہمی کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ لہٰذا ازراہ ہمدردی ملی واحساس دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورت فتوٰی تحریر فرما کر مسلمانوں کو ورطہ گمراہی سے نجات دیں اور خداوند عالم سے دینی واخروی اجر حاصل فرمائیں وما علینا الا البلاغ خیر خواہ اسلام۔

الجواب:

سود حرام ہے قال اللہ تعالٰی "وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ت) مسجد اسے قبول نہیں کرسکتی،

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ طیب لایقبل الا طیبًا [2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی پاک ہے اور وہ قبول نہیں فرماتا مگر پاک کو۔(ت)

مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے، قیمت اگر گھٹ گئی تو گورنمنٹ نے کوئی مال مسجد کا نہ لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق نہیں۔ سود سمجھ کر لینے کا جواب تو یہ ہے، ہاں اگر نہ اسے سود سمجھیں

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۷۵

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلٰوۃ الاستسقاء باب الخروج من المظالم الخ دار صادر بیروت ۳/ ۳۴۶، صحیح مسلم کتاب الزکٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

نہ سود کہیں، نہ سود کے نام سے دفتر مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کہ گورنمنٹ اپنی خوشی سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعاً حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور دفتر مسجد میں بنام "رقم زائد از گورنمنٹ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیشک عملوں کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

رسالہ

کِفْلُ الفقیہِ الفاہِم فی احکامِ قِرطاسِ الدّراہِمِ ۱۳۲۴ھ

(کاغذی نوٹ کے احکام کے بارے میں سمجھدار فقیہ کا حصہ)

مسئلہ ۲۱۷:

ما قولکم دام طولکم فی ھذا القرطاس المسکوک المسمی بالنوط والسؤال عنہ فی مواضع **الاول** ھل ھو مال ام سند من قبیل الصک. **الثانی** ھل تجب فیہ الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیہ الحول ام لا. **الثالث** ھل یصح مھرا. **الرابع** ھل یجب القطع بسرقتہ من حرز. **الخامس** ھل یضمن بالاتلاف بمثلہ او بالدراہم. **السادس** ھل یجوز بیعہ بدراہم او دنانیر او فلوس. **السابع** اذا استبدل	آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے باب میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں، اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں، ۱**اول** کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند، ۲**دوم** جب وہ بقدر نصاب ہوا اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں، ۳**سوم** کیا اسے مہر مقرر سکتے ہیں، ۴**چہارم** اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں، ۵**پنجم** اگر اسے کوئی تلف کردے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہرے گا یا روپے، ۶**ششم** کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے، ۷**ہفتم** اگر مثلاً کسی کپڑے سے

بثوب مثلا یکون مقایضۃ او بیعا مطلقًا. **الثامن** ھل یجوز اقراضہ وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراہم، **التاسع** ھل یجوز بیعہ بدراہم نسیئۃ الی اجل معلوم، **العاشر** ھل یجوز السلم فیہ بان تعطی الدراہم علٰی نوط معلوم نوعا وصفۃ یؤدی بعد شھر مثلًا **الحادی عشر** ھل یجوز بیعہ بازید مما کتب فیہ من عدد الربابی کان یباع نوط عشرۃ باثنی عشر او عشرین او بانقص منہ کذلک. **الثانی عشر** ان جاز ھذا فھل یجوز اذا ارادزید استقراض عشرۃ ربابی من عمرو ان یقول عمرو لادراہم عندی ولکن ابیعک نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ ربیۃ منجمۃ الٰی سنۃ تؤدی کل شھر ربیۃ وھل ینھی عن ذلک لانہ احتیال فی الربا وان لم ینہ فما الفرق بینہ و بین الربا حتی یحل ھذا و یحرم ذٰلک مع ان المال وھو حصول الفضل واحد فیھما افیدونا الجواب توجروا یوم الحساب۔	اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (جس میں دونوں طرف متاع ہوتی ہے) [8] **ہشتم** کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے، [9] **نہم** کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں اس کا بیچنا جائز ہے، [10] **دہم** کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلًا ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا اور ایسا نوٹ لیا جائے گا، [11] **یازدہم** کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلًا دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یا اسی طرح اس سے کم، [12] **دوازدہم** اگر یہ جائز ہے کہ جب زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے تو میرے پاس نہیں ہیں ہاں میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے، کیا اس کو منع کیا جائے گا کہ یہ سود کا حیلہ ہے، اور اگر نہ منع کیا جائے تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا، ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمہیں اجر ملے۔

الجواب:

اللھم لک الحمد یا وھاب صل وسلم علی السید الاوّاب وعلٰی اٰلہٖ و	الٰہی ! تیرے ہی لئے حمد ہے، اے بہت عطافرمانیوالے ! درود وسلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانے والے ہیں اور ان کے

ازواجه والا صحاب اسئلك هداية الحق والصواب، اعلم وفقنی الله وایاك والصواب، وتولی هدای و هداك ان النوط من احدث الاشیاء واجدّھالن تجد له ذکرا ولا اثرا فی شیئ من مؤلفات العلماء حتی العلامة الشامی ومن ضاهاه من العلماء الماضین قریبا، ولکن الائمة شکرالله تعالٰی مساعیهم الجمیلة وافاض علینا من برکاتهم الجلیلة قد بینوا الملة الحنفیة بیانا شافیالیس دونه خفاء، وقد اُضت بحمد الله تعالٰی غراء بیضاء لیلها کنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا اتفصیلا، وذکر و اکلیات تنطبق علی ما لا یحصی من جزئیات، فالحوادث وان ابت النهایة لا تکاد تخرج عما افادونا من الدرایة ولن یخلو لوجود ان شاء الملك الودود عمن یقدره المولٰی سبحنه و تعالٰی علی استخراج تلك الخبایا و الاسترباح من تلك العطایا والمزایا نعم من الافهام بعید و قریب والانسان یخطی ویصیب، وما العلم الانور یقذفه الله فی قلب من یشاء من عباده، فلا حیلة الا التجاء الی توفیقه سبحٰنه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوکیل	آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے توفیق دے اور میری او رتیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید اور نو پیدا چیز ہے تو تالیفات علماء میں اس کا اصلاً نام ونشان نہ پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جن کا زمانہ ابھی قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ ان کی نیک کوششیں ٹھکانے لگائے اور ان کی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جس میں اصلا پوشیدگی نہیں تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اس کی رات بھی دن کی طرح ہے تو انہوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات جدا جدا دکھادی اور ایسے کلیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزئیوں پر منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونے والی باتیں اگر ختم ہونا نہیں مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی نہ ہوگا جسے اللہ تعالٰی ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید ہوتے ہیں اور بعضے قریب، اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب بھی، اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالٰی اپنے جس بندے کے چاہے قلب میں القافرماتا ہے تو سوا اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل کی توفیق وہدایت کی طرف التجا کی جائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت اچھا کام

وعلیه ثم علی رسوله التعویل، جل وعلا وتکرم وصلی الله تعالٰی علیه وسلم، **فاقول**: وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقیقة هذا القرطاس اتضحت الاحکام کلها من دون التباس، اما اصله فمعلوم انه قطعة کاغذ و الکاغذ مال متقوم و مازادته هذه السکة الارغبة للناس الیه وزیادة فی صلوح ادخاره للحاجات وهذا معنی المال ای مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره للحاجة کما فی البحر والشامی[1] وغیرهما، و معلوم ان الشرع لم یرد بحجر المسلم عن التصرف فی قطعة قرطاس کیفما کانت کما ورد به فی الخمر والخنزیر وهذا هو مناط التقوم کما فی ابن عابدین وفیه عن التلویح المال مامن شانه ان یدخر للانتفاع وقت الحاجة والتقویم یستلزم المالیة[2]، وفیه	بنانے والا اور اسی پر اور پھر اس کے رسول پر بھروسا، وہ بزرگی و بلندی و کرم والا، اور ان پر اس کے درود و سلام، **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں) اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا، آپ کا پہلا سوال آپ کے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ کی حقیقت معلوم ہوجائیگی تو سب احکام واضح ہوجائینگے جن میں کوئی شبہہ نہ رہے گا، اس کی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی کہ لوگوں کی رغبتیں اس طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے اٹھار کھنے کا زیادہ لائق ہوگیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کے لئے اٹھار کھنے کے قابل ہو، جیساکہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ وہ اپنے پارہ کاغذ میں جس طرح چاہے تصرف کرے جیساکہ شراب وخوک کے بارے میں نہی وارد ہوئی اور مال کے قیمت والے ہونے کا اسی پر مدار ہے جیساکہ ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے لئے اٹھار کھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے، اور اسی میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳

عن البحر عن الحاوی القدسی المال اسم لغیر الاٰدمی خلق لمصالح الاٰدمی وامکن احرازہ والتصرف فیہ علی وجہ الاختیار اھ[1] وقد قال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[2] اھ وھذہ ان حققت جزئیۃ النوط اتی بھا ھذا الامام قبل حدوثہ بخمسمائۃ سنۃ، فانہ ھوا لکاغذ الذی یباع بالف ولا غرو فکم من مثل ھذہ الکرامات لعلمائنا الکرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین، فلا ریب ان النوط بنفسہ مال متقوم یباع ویشتری ویوھب ویورث ویجری فیہ جمیعہ مایجری فی الاموال، **اقول:** ومن الظن بل من اردء الشکوک توھم انہ سند من قبیل الصکوک ای ان السلطنۃ التی تروج ھذہ القراطیس تستدین من اٰخذیھا الدراھم و تعطیھم ھذہ تذکرۃ لدیونھم و لمقادیرھا فاذا	بحوالہ بحرالرائق حاوی قدسی سے ہے، مال آدمی کے سوا ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں، اور بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی، اور اگر تحقیق کیجئے تو یہ بعینہٖ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اس کی پیدائش سے پانچسو برس پہلے فرمادیا کہ یہ وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ اچنبھا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علماء کرام سے بکثرت ثابت ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا وآخرت میں نفع پہنچائے، آمین! تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری ہوتی ہیں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے ان کے لینے والوں سے روپے قرض لیتی ہے اور یہ ان کے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت ان کو دیتی ہے تو جب وہ لوگ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

جاؤابها الى السلطنة قضتهم ديونهم واخذت قراطيسها وان اعطوها غير هم من الرعايا فهم يستدينون من اولئك الاخرين و يحيلونهم على السلطنة ويعطونهم تلك التذكرة علما على الاحالة كي يتوصلوا بها الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة المديونة لمديينهم وهكذا كلما تداولت الايدى تكررت الادانات والحوالات هذا معنى كونه سندا، وكل طفل عاقل يعلم ان هذه المعانى مما لايخطر ببال احد من المتعاملين بها و لايقصدون قط بهذا التداول ادانه ولا استدانة ولا حوالة ولا يذهب خاطر هم الى شيئ من ذلك اصلا ولاترى احدهم قط يذكر فى دفتر ديونه على الناس من اخذ الدراهم منه باعطاء النوط ولا يقول له مدة عمره انك استدنت منى كذا فاقضنى وخذتذكرتك منى ولا فى دفتر ديون الناس عليه من اخذهو الدراهم منه واعطاه النوط ولايذكر لاحد فيه حياته ولا عندمماته

سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر آئیں ______ سلطنت ان کے قرض ادا کردیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ ان دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور اپنا قرضہ سلطنت پر اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت کا کاغذ ان کو دے دیتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض ان پہلوں کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کرسکیں جو ان پہلوں کے مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے سند ہونے کے یہ معنی ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان باتوں میں سے کسی طرف ان کا خیال نہیں جاتا اور تو ان میں کبھی کسی کو نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اس کا نام لکھے جس نے نوٹ دے کر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے مجھ سے قرض لیا ہے، ادا کردے اور اپنی یادداشت مجھ سے لے لے اور جو اوروں کا اس پر دینا آتا ہے اس میں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جسے نوٹ دے کر اس نے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں

ان لفلان علی کذا فاقضوہ وخذوا تذکرتی منه والظلمة المهتکة المعتادة باکل الربا جهارا لایدینون احدا درهما الابربا یوضع علیه کل شهرمالم یقض و تراهم یاخذون النوط ویعطون الدراهم ولا یطلبون علیها فلسا واحدا لاعلی شهر ولا علی سنین ولو علموا انه ادانة لما ترکوه قطعا. فالحق انهم جمیعا انما یقصدون المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم قطعًا انه ملکه بالدراهم ومن اعطاہ یعلم قطعا انه اخرجه من ملکه بالدراهم وصاحبه یعدہ من ماله وکنزہ کالنقدین والفلوس ویدخرہ ویهبه ویوصی به ویتصدق فلا یفهمون الاالبیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدهم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]. فمن المتیقن الذی لایحرم یحوم حومة شبهة انه عند الناس مال	کہتا کہ فلاں کا مجھ پر اتنا آتا ہے اسے ادا کردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جب تک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ نوٹ لے کر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد، اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے، تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے اور وہ یقینا جانتا ہے کہ میں روپے دے کر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقینا جانتا ہے کہ میں نے روپے لے کر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑ کر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدیق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو ان کے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جس کے گرد شبہہ کو اصلاً بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے نزدیک

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل مافی المال جری اما ماتری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف، **فاقول:** قدمنا عن الفتح ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف و ذلك بالتراضی بین العاقدین فقط، فکیف اذا تراضی علیه امم من الناس وجعلو اھذه القطعات بھذه الاثمان اصطلاحا منھم علا ان الضرب السلطانی له قیمة عند الشرع ایضا، الاتری ان من سرق عشرة دراہم مضروبة قطع ومن سرق تبرا غیر مضروب وزنه قدر عشرة ولا تبلغ قیمة عشرة مضروبة لم یقطع کما نص علیه فی الهدایة[1] وغیرھا عامة کتب المذہب والفلوس المضروبة المقدرة بر بیة ان اخذت قدرھا وزن من النحاس لایساوی ربیة قطعا بل قد لایساوی نصفھا بل تری مثل ذٰلك فی الفضة فقد کانت فی قریب من الزمان فضة تساوی

قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اس کی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اس میں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اس کی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا، **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم فتح القدیر سے بیان کر آئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار کو بک سکتا ہے اور اس کے لئے صرف اتنا درکا ہے کہ بائع و مشتری دونوں راضی ہوں تو اس کا کیا کہنا جس پر گروہ کے گروہ راضی ہوں اور ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں، علاوہ بریں سکہ شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائے گا اور جو ایسی چاندی بے سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اس کی قیمت سکہ کے دس درہم تک نہ پہنچی اس کا ہاتھ نہ کٹے گا، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار پیسے جتنے آتے ہیں اگر تو ان کے وزن کا تانبا لے تو ہر گز ایک روپے کا نہ ہوگا بلکہ بعض وقت اٹھنی کا بھی نہ ہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی دیکھوگے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی ہمارے ملک میں ایک روپے کو

[1] الھدایة کتاب السرقة المکتبة العربیة کراچی ۲/ ۵۱۸

ربیتین وزنا بربیة واحدة فی بلادنا وکانت الجهلة یشترون ولا یعلمون مافیه من وبال الربا فاذا حصل بالضرب التضعیف فالضعف والا ضعاف سواء ومن الجلی عند کل من ورد ولو عابر سبیل مشرع الشرع الجلیل او منهل العقل السلیم ان الشیئ التافة جدا ربما یعرض له ما یجعله اعلی من الوف امثاله وربما اشتریت جاریة بما ئتی الف واکثر، ولا یرغب فی اخری بثلثین درهما مع ان الاوصاف لا قسط لها من الثمن حتی الاطراف مالم تصر مقصودة بالاتلاف فما هی الاثمن الذات زادته الاوصاف لزیادة الرغبات، ارأیتك ان کانت ورقة کاغذ فیها علم نفیس عجیب نادر غریب وکان رجل یطلبه ویعرف قدره فاشتراها بعشرة الاف هل فیه من خلاف کلا، بل حلال طیب بنص القراٰن والاجماع من دون نکیر ولا نزاع، قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَکُوۡنَ تِجَارَۃً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡکُمۡ"[1] فهذه العشرة الالاٰف ماهی ثمن المکتوب فانه لا مالیة له اصلا کما نص علیه فی الهدایة وسائر الکتب المعللة وهذا	بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکہ سے جب دو نا دون قیمت ہو گئی تو دو چند ہزار چند سب یکساں، اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے اگرچہ راہ چلتا ہوا، اس پر روشن ہے کہ ایک شیئ نہایت حقیر میں ایک وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا ہے اور بارہا ایک کنیز دولاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جب تک کہ بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے رغبتیں بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھا دیا بھلا بتا تو کہ ایک ورق کاغذ ہو جس میں ایک علم نفیس عجیب وغریب نادر ہو اور ایک شخص اس علم کا طلب گار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار میں خرید لے تو کیا کوئی اس میں خلاف ہے ہر گز نہیں بلکہ حلال طیب ہے اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار ومنازعت اجماع قائم ہے، رب عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا تمہارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

نصها ولا قطع فی سرقة المصحف و ان کان علیه حلیة لانه لامالیة له علی اعتبار المکتوب واحرازہ لا جله لا للجلد والاوراق والحلیة وانما ھی توابع.ولا فی الدفاتر کلها لان المقصود مافیها وذٰلك لیس بمال الادفاتر الحساب لان مافیها لایقصد بالاخذ فکان المقصود الکواغذ اھ [1] ملتقطا فتبین ان الورقة الواحدة ھی التی بلغ ثمنها لما فیها عشرة اٰلاف فای غرو فی بلوغ قیمة نوط عشرة او اکثر لاجل ما کتب فیه مما استجلب رغبات الناس الیه وای حجر من الشرع علیه وبالجملة فالمسألة اوضح من ان تحتاج الی ایضاح والی کم تبتغی المصباح وقد اسفر الاصباح. **ثم اقول:** بل حقیقة الامر ان الاموال کما فی البحر و غیرہ اربعة اقسام، اٰلاول ثمن بکل حال وھو النقدان	مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہو اس لئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اس کا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے کہ جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصًا، تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اسکی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اسکی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کون سی روک ہے، خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند یہ ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائے گا حالانکہ صبح روشن ہو گئی، **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے، اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی

[1] الهدایة کتاب السرقة باب مایقطع فیه ومالایقطع المکتبة العربیة بیروت ۲/ ۲۱-۵۲۰

فانھما اثمان ابدا صحبتھما الباء اولا وقوبلا بجنسھما اولا وعدھما العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منھما فانه بسبب ما اتصل به من الصنعة لم یبق ثمنا صریحا ولھذا یتعین فی العقد ومع ذٰلك بیعه صرف یشترط فیه مایشترط فی الصرف لانھما خلقا للثمنیة ولا تبدیل لخلق الله، و[۲] الثانی مبیع بکل حال کالثیاب والدواب فانھا وان صحبتھا الباء وقو بلت بما تشاء لا تثبت دینا فی الذمة وھذا ھو المعنی بالثمنیة فلا یرد ان فی المقایضة کلا من العرضین ثمن من وجه ھکذا وجه ابن عابدین جوابا عن ایراد العلامة الطحطاوی، **اقول:** وفیه ان المصوغ من الحجرین ایضا لایثبت دینا فی الذمة بل یتعین فی العقود کما تقدم عن البحر فان سلم ھذا ورد النقض علی ذٰلك فلیتأمل والاظھر عندی الجواب

ہے کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ انکے عوض کوئی چیز بیچی یا انکو کسی چیز کے عوض بیچنا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انہیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن کہ وہ اس گھڑت کے سبب جو ان میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے وللذا عقد بیع میں متعین ہو جائیں گے اور بایںہمہ ان کی بیع شرعًا صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہوں گے اس لئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے جیسے کپڑے، چوپائے کہ اگر ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہیں اور ان کا مبادلہ کسی شیئ کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہ ہوں گے، اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ (جس میں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اس میں دونوں متاع ایک وجہ سے ثمن ہیں، اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں یہ اعتراض ہے کہ چاندی سونے کی گھڑی ہوئی چیز مثلًا برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہوجاتے ہیں جیسا کہ بحر الرائق سے گزرا، تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا، فتامل، اور میرے نزدیک صاف جواب

بان کل سلعة فی المقایضة مبیع ایضاولا یمکن ان تصیر ثمنا محضا وان کان لها وجهة الی الثمنیة من حیث ان البیع لایقوم الابالبدلین بخلاف القسم الاٰتی فانه تارة یصیر ثمنا بحتا و اخری مبیعا خالصا فمعنی القسمین انه لا ینفك عنه کونه ثمنا او کونه مبیعا بشیئ من الاحوال وان اعتراه وجهة اخری ایضا فی بعض الحال ثم قوله کالثیاب ارسلها ارسالاواقره الشرح والحواشی والمراد المختلفة افرادها مالیة والاکانت من الثالث حیث امکن ضبطها بذکر جنس کقطن وکتان وصنعة کعمل الشام و مصر ورقة او غلظة وذرع طولا و عرضا ووزن ان بیعت به وبذا یجوز السلم فیها کما عرف فی محله و "الثالث ما لوصف فی ذاته ثمن تارة و مبیع اخری ولا **اقول:** کقول التنویر ثمن من وجه مبیع من وجه [1] لیعود حدیث المقایضة. **اقول:** وانما زدت لو صف فی ذاته احترازا عن قسم الرابع فانه	یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کا ایک رخ ثمنیت کی طرف بھی سہی اس لئے کہ بیع بغیر ثمن و مبیع دونوں کے نہیں ہوسکتی۔ بخلاف قسم آیندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور کبھی خالص مبیع، تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جدا نہ ہو اگرچہ بعض اوقات اسے دوسرا رخ بھی عارض ہو پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف نے اسے یونہی مطلق چھوڑا اور شرح وحواشی میں اسے برقرار رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہ ہوں، ورنہ تیسری قسم میں ہوں گے جبکہ ان کا ضبط ہوسکے ذکر جنس سے جیسے روئی اور کتان، یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام ومصر کا کام، یا پتلی اور دبیز ہونے سے یا طول و عرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں اور اسی بنا پر ان میں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم ہوچکا ہے۔ قسم سوم وہ جن کی ذات میں کوئی کاایسا وصف ہے جس کے سبب کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہو اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی بات پلٹ پڑے، **اقول:** (میں کہتا ہوں) میں نے یہ قید کہ اس کی ذات میں کوئی وصف ایسا ہو اس لئے بڑھادی کہ

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

ایضًا یصیر مرۃ ثمنا واخری لا،لا لوصف فی ذاته بل للاصطلاح وعدمه وهذه هی المثلیات فانها اما ان تقابل باحد النقدین او لا علی الاول مبیعات مطلقًا سواء دخلتها الباء اولا وتعینت اولا کقولك بعتك هذا الذهب بکُرّ برّ او بهذا الکر فالکر مبیع مطلقًا والبیع فی صورة التعیین مطلق وفی غیرہ سلم یشترط فیه شرائطه وعلی الثانی اما ان تدخلها الباء اولا علی الاول اثمان مطلقًا تعینت اولا کبعتك هذا الثوب بکر بر او بهذا الکر والبیع مطلق فی الوجهین والکر یثبت فی الذمة وعلی الثانی ان تعینت فاثمان کبعتك هذا الکر بهذا الثوب اولا فمبیعات کبعتك کرا بهذا العبد والبیع سلم بشروطه والحاصل ان المثلی ان قوبل بحجر فمبیع مطلقًا والا فان دخلته الباء فثمن مطلقًا والا فان تعین فثمن اولا

قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم اصطلاح کی بناپر۔اور یہ وہ اشیاء ہیں جن کو مثلی کہتے ہیں اب ان کا مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یا اور چیز سے: پہلی صورت میں مطلقًا مبیع ہیں چاہے خرید وفروخت میں ان کو عوض ٹھہرایا ہو یا سونے چاندی کو اور یہ شیئ مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے اور اگر غیر معین ہے تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہوں گے اور دوسری صورت میں ان کے عوض کوئی چیز بیچنا کہی یا ان کو کسی شے کے عوض بیچنا کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہوں گے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ پر لازم ہونگے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہ ہوں تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے بیچے اور بیع سلم ہے اس کے شرائط کے ساتھ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقًا مبیع ہے ورنہ اگر اس کے عوض بیچنا کہیں

فمبيع وهذا ايضاح ماحرر الشامي مع احسن ضبط لا يوجد فيه والرابع ما هو سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس فما دام يروج فكثمن والا عاد لاصله ولا شك ان المصطلحين اذا ارادوا ان يجعلوا سلعة ثمنا لا بد لهم ان يرجعوا في تقديرها الى الثمن الخلقي فان ما بالعرض لا يتقوم الا بما بالذات فيجعلون اربعة وستين من الفلوس الهندية او احدى وعشرين من الهللات العربية بربية وهكذا في غيرها وهم في ذلك بالخيار يصطلحون كيف يشاؤن اذ لا مشاحة في الاصطلاح، وقد كان قبل نحو عشرين سنة في الديار الهندية قسمان من الفلوس يروجان احدهما مضروب و الأخر قطعة نحاس مستطيلة الشكل نحو ضعف الفلس المضروب في الوزن وكان من المضروب اربعة وستون بربية لا تزيد ولا تنقص ومن الأخر يختلف السعر، وربما صار ثمانون منه بربية الى ان كسد ونفد فكل ذلك راجع الى الاصطلاح ولا حجر فيه من جهة الشرع الشريف اذا علمت هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه

تو مطلقاً ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو مبیع یہ اس کا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں، قسم چہارم وہ یہ کہ حقیقۃً کوئی متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جب تک چلتے ہیں ثمن ورنہ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انہیں ان کے اندازہ میں ثمن پیدائشی کی طرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں، اور اختیار ہے جیسے چاہیں اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں، ۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل پیسے سے قریب، دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴ سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم، اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے اور کبھی ایک روپے کے اسی ہو جاتے تھے یہاں تک کہ چلن نہ رہا اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اس میں شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہولیا تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے، اصل میں یہ ایک متاع ہے اس لئے کہ ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ثمن کا سا

يعامل به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه تقديرات ثمنية بالثمن الاصلى كما علمت، فهو اصطلاح لامضايقة فيه ولا يسأ ل له عن وجه و توجيه وقد تبين بهذا التقرير والحمد الله الفتاح القدير حقيقة النوط وانما سائر الاحكام بها منوط، فاذن لايعترى ان شاء الله تعالٰى فى ابانة شيئ من الاحكام اشكال والحمد لله المهيمن المتعال۔

اما السوال الاول: فقد بان الجواب مع المزيد ولا احتياج الى ان نزيد۔

واما الثانى

فاقول: نعم تجب فيه الزكٰوة بشروطها لما علمت انه مال متقوم بنفسه وليس سندا وتذكرة للدين حتى لايجب اداؤها مالم يقبض خمس نصاب ولا حاجة فيه الٰى نية التجارة لان الفتوى على ان الثمن المصطلح تجب فيه الزكٰوة مادام رائجا بل لا انفكاك له عن نية التجارة لانه لا ينتفع به الا بالمبادلة كما لايخفى فى فتاوٰى قارى الهداية الفتوى على وجوب الزكٰوة فى

معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اس پر مرقوم ہیں یہ اس کی ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیسا کہ معلوم ہوچکا تو یہ ایک اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اس کی وجہ توجیہ دریافت کی جائیگی، بحمد اللہ القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے تو ان شاء اللہ تعالٰی اب کوئی دشواری کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئے گی، اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

جواب سوال اول: مع شئے زائد واضح ہولیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں۔

جواب سوال دوم:

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کے ساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز ورسید قرض نہیں کہ جب تک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اسلئے کہ فتوٰی اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جب تک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلاً جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوٰی علامہ قاری الہدایۃ میں ہے فتوٰی اس پر ہے کہ پیسے جب تک رائج ہیں ان پر زکوٰۃ واجب

الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ماتساوی مائتی درہم من الفضة او عشرین مثقالا من الذہب اھ [1] و النوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسه او من احد النقدین باعتبار القیمة کا موال التجارۃ۔	جبکہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے نصاب یا قیمت لگا کر سونے چاندی سے ملایا جائے گا جیسا تجارتی مال کا حکم ہے۔
واما الثالث	**جواب سوال سوم:**
فاقول: نعم یصح مهرا لما علمت اذا کانت قیمته وقت العقد سبع مثاقیل من فضة فان اقل یتم کما فی العروض۔	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں وہ مہر ہوسکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔
واما الرابع	**جواب سوال چہارم:**
فاقول: یجب القطع بشروطه من تکلیف ونطق وبصر و حرز تام وغیرها اذا بلغت قیمته کلا یومی السرقة والقطع عشرۃ دراہم مضروبة جیادا وذلك کله لما بینا انه مال متقوم بنفسه۔	**فاقول:** (میں کہتا ہوں) نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو، گونگانہ ہو، اندھانہ ہو، نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو، اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کرآئے کہ وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔
واما الخامس	**جواب سوال پنجم:**
فاقول: نعم یضمن باتلاف بمثله ولا یجبر المتلف	**فاقول:** (میں کہتا ہوں ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کردے تو اسکے تاوان میں نوٹ

[1] فتاوٰی قارئ الهدایة

علی اداء الدراہم خاصة لان النوط عددی غیر متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربه. نعم اذا اختلف ولو اتحدت السلطنة فربما تختلف القیمة وذٰلك ان النوط الٰه آباد او الٰه آباد و کلکتة یروج فی ممالك الهند المشرقیة الشمالیة اکثر مما یروج نوط بمبئی و بالعکس ربما یشتری نوط مکانٍ فی اخر بنقص عدة آنات من رقمه المکتوب علیه فلا یعد احدهما مثل الاٰخر الا اذا استویا رواجا۔	ہی دینا آئے گا اور تلف کنندہ کو خاص روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلاً تفاوت نہیں سمجھا جاتا ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں ہاں ٹکسال جب مختلف ہو تو اگرچہ سلطنت ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے وبالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے کے برابر شمار نہ کیا جائے گا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔
واما السادس	**جواب سوال ششم**
فاقول: نعم یجوز نعم کما تعامله الناس فی عامة البلاد وقد علمت تحقیقه۔	**فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جیسا کہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اس کی تحقیق جان چکے۔
تنبیه: کنت قنعت فی الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررته فی الصدر فاذا نهیت الرسالة بلغنی عن بعض عــه الافاضل انه حفظه الله تعالٰی قال مذاکرة لامجادلة ان العلامة ابن عابدین ذکر فی رد المحتار تفریعا علی ان من شروط انعقاد البیع کون المعقود علیه مالا متقوما انه لم ینعقد بیع کسرة خبز لان ادنی القیمة التی تشترط	**تنبیہ:** میں نے جواب میں اسی پر اکتفاء کی تھی اس لئے کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گزری اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر جب میں رسالہ تمام کر چکا مجھے بعض علماء سلمہ اللہ تعالٰی سے خبر پہنچی کہ انہوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت

عــه: یعنی فاضل حامد احمد محمد جدادی سلمہ ۱۲۔

لجواز البیع فلس اھ [1] ومعلوم ان ھذا القدر من القرطاس لایساوی فلسا ای فیکون البیع باطلا غیر منعقد اصلا فضلا عن الحرمة والکراھة۔ **اقول:** و باللّٰه التوفیق ھذا قاله قبل ان یطالع رسالتی ولذٰلك وددت انه سلمه ربه طالعھا واطلع علی مافیھا والجواب ظاھر بملاحظة قوله لایساوی فلسا فبون بیّن بین لا یساوی ولم یکن یساوی لانه الاٰن یساوی مائة و الفا والنظر للحال لا للاصل الا تری ان بیع اوانی الخزف والطین کبارھا وصغارھا من الحب والجفنة الی نحو رأس الشیشة شائع ذائع بین عامة المسلمین ولم ینکرہ احد مع ان اصله تراب والتراب لیس بمال بل لو نظر للاصل لعادت مسألة الفلس المتمسك بھا علی نفسھا بالنقص لما علمت ان قطعة نحاس بوزن فلس لا تساوی فلسا قط بل لا تبلغ نصفه ایضا، و لذا اولعت المجازفون باصطناع قوالب کقالب دار الضرب

ہونا شرط ہے انتہی، اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں تو نوٹ کی بیع باطل ہونا چاہئے کہ اصلاً ہوئی ہی نہیں، حرام یا مکروہ ہونا تو درکنار، **اقول:** وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے) ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود ان کے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا اس لئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی، کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی مٹی کے برتن چھوٹے بڑے گولی اور کونڈے سے لے کر چلم تک ان کی بیع تمام مسلمانوں میں رائج ومعروف ہے اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا حالانکہ ان کی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقص ہوگا اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوچکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو ہر گز ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور اسلئے بیباکوں کو پیسہ ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بنا کر تانبا گلا کر اس میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵

يذيبون النحاس ويقلبونه فيها فيصير فلوسا و يربحون به ضعف ماخسروا ويقولون انه انفع من ضرب الربابي فبالنظر للاصل لايساوى الفلس نفسه فلسا فلايكون مالامتقوما فكيف يكون قيمة وثمنا ومن تأمل حديث ورقة علم الذى قدمنا علم ان الشيئ انما ينظر اليه بما هو عليه الأن لابما قد كان الاترى ان العالم معظم شرعا وعقلا وعرفا ولا نظر الى انه فى الاصل من الذين قال الله تعالٰى فيهم "وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ"[1] وما ذٰلك الا لانه بحدوث وصف فيه صار متقوما عند الله و عندالناس بعد ان لم يكن و كذٰلك ورقة العلم لما تجدد فيها من كتابة ذٰلك العلم و كذٰلك النوط لما حدث فيه بذاك الرقم و الطبع ما استجلب الرغبات اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع ويجرى فيه البذل والمنع ولا قيمة للايراد بانه لايمشى فى كل البلاد فان هذاليس من لوازم المالية عنداحد

ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہو سکتا ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ کہ حالت گزشتہ، کیا نہیں دیکھتے کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس میں ایک وصف ایسا پیدا ہو گیا جس کے سبب خالق و خلق سب کے نزدیک اس کو وہ عزت ہو گئی جو پہلے نہ تھی ایسے ہی وہ علم کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھ دیا گیا اور ایسے ہی نوٹ جس نے نفع کے باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچ دیا اور طبیعتیں اس کی طرف میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعتراض کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بل هذا هو حال اکثر العملة المضروبة الاتری ان الخمسات والعشرات والهللات الرائجة ھٰهنا لا تروج فی الهند اصلا وکذٰلك لاتمشی فلوس الهند هنا بخلاف النوط فان نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان لا یمنع المشی ولا یوجب الکساد بل قد اصطرفت انافی ذی الحجة هذا بهذا البلد الامین نوطا افرنجیا معلما برقم خمسمائة ربیة بثلثة وثلثین جنیها و خمس ربابی وهذا ثمنه سواء بسواء فالجنیهات بار بعمائة وخمس و تسعین وهی مع الخمس خمسمائة(ربیة)وقد قال فی الکفایة اوائل باب البیع الفاسد ان صفة المالیة للشیئ بتمول کل الناس او بتمول البعض [1] ایاه اھ ومثله فی فتح القدیر، وفی ردالمحتار عن البحر الرائق عن الکشف الکبیر المال مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة او بعضهم [2] اھ فتبین ان الفرع المذکور المتمسك به لا مساس له بما نحن فیه ولکن العبد الضعیف	نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اورہللے جو یہاں (عرب شریف میں) رائج ہے ہند میں اصلا نہیں چلتے اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے بخلاف نوٹ کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں، نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظّمہ) میں ایک انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے مل کر پورے پانسو ہوگئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد میں فرمایا کہ شیئ کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اسے مال بنائیں یا بعض انتہی، اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور ردالمحتار میں بحوالہ البحرالرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا بعض اسے مال بتائیں انتھی، توظاہر ہوگیا کہ وہ پیسہ کا مسئلہ جس سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا مگر بندۂ ضعیف

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

يحب ان يكشف الحجاب عن حاله ايضا كيلا يغتر به فی محل اٰخر مع مافيه من تحجير ما وسعه الشرع المطهر، **فاقول**: وبه استعين اصل الفرع للقنية فرد المحتار نقله عن البحر والبحر نقله عنها وتبعه تلميذه العلامة الغزی وبالغ حتی ادخله فی متنه فی متفرقات البيوع قبل الصرف مع خلو اصله اغنی الغرر والدرر عنه وقد رده شارحه العلامة العلائی الی القنية بل اعترف به المصنف نفسه فی شرحه منح الغفار فقال بعد ايراده متنا نقله فی القنية ايضا اھ[1] ای كما نقل المسألة قبله فيها وهی صح بيع خرء حمام كثير وهبته، والقنية مشهورة بضعف الرواية وصرحوا انها اذا خالفت المشاهير لم تقبل بل قد نصوا انها اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم يعضدها نقل معتمد من غيرها والعبرة بالمنقول عنه لا بالناقل وبكثرة

دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی کھول دے تاکہ کہیں دوسری جگہ اس سے دھوکا نہ کھائے باوصف اس دقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو تنگ کردیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا، **اقول**: وبہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں) اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے رد المحتار نے اسے بحر سے نقل کیا اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے ان کی متابعت کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے انتہی یعنی جیسے اس سے پہلے مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع وہبہ صحیح ہے اور قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علماء نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمائی ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت کرے تو مقبول نہ ہوگی جب تک اس کی تائید میں کوئی اور نقل معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا اور نقلوں

[1] منح الغفار شرح الدر المختار

النقول لاتندفع الغرابة اذالم یکن مستند ھم الاواحدا کما بینت کل ذلك فی کتابی فی اٰداب المفتی سمیتہ فصل القضاء فی رسم الافتاء وحکم فی الظھیریة استحباب القیام بعد سجود التلاوة مثل ماقبلہ ونقلہ مافی التتارخانیة والغنیة والمضمرات وعنھا فی البحر و مشی علیہ فی الدر وغیرہ ومع ذٰلك حکم فی البحر انہ غریب قال الشامی وجہ غرابتہ انہ انفرد بذکرہ صاحب الظھیریة ولذا عزہ من بعدہ الیھا فقط اھ [1] وانت تعلم ان فرع القنیة لم یرزق من النقول ھذا القدر ایضا ولا القنیة کالظھیریة فانی تغرب عنہ الغرابة ویالیتہ لم یکن الا غریبا فیکون کالشاذلکنہ کالمنکر لان کلتا الخالفتین نقد وقتہ مخالفة المشاھیر ومخالفة قواعد الشرع المنیر، اما الاولی فلقد کان ناھیك فیھا قول الفتح والشرنبلالی والطحطاوی ورد المحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار لو باع کاغذة بالف یجوز [2] وجزاھم اللہ الحسنی وزیادة	کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوئی جبکہ ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جو آداب مفتی میں لکھی جس کا نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا،اور ظہیریہ میں حکم فرمایا کہ سجدہ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور قنیہ اور مضمرات نے نقل کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے۔علامہ شامی نے فرمایا:اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اس کی طرف اسے نسبت کیا انتہی،اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع روشن کی بھی مخالفت پہلے مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالٰی انہیں بھلائی اور اس سے زیادہ

[1] ردالمحتار باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

على زيادة تاء الوحدة في كاغذة لكن ههنا شيئ اٰخر اجل واكبر لا يرد ولا يرام ولا يمس غبارہ الاوهام وهو اجماع ائمتنا جميعا في الروايات الظاهرة عنهم و اطباق متون المذهب و شروحه و فتاواه على جواز بيع تمرة بتمرتين و جوزة بجوزتين، وزاد في الفتح و الدر ابرة بابرتين [1] وكل احد يعلم ان ليس شيئ منها يسوى فلسا ففي بلادنا تكون عدة صالحة من التمر بفلس وهو ههنا ارخص وكذلك الجوز وهو ارخص في بلادنا وثمه تجد الابر بفلس من ثمان الى خمس وعشرين فهذه مخالفة بينة لجميع المشاهير بل لنصوص جميع ائمة المذهب والمحقق حيث اطلق و ان رجح رواية المعلى عن محمد بكراهة تمرة بتمرتين لكنه لاجل التفاضل لا لان تمرة لا يساوى فلسا فلو باع تمرة من

جزادے کہ انہوں نے کاغذ میں تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور چیز ہے نہایت جلیل و عظیم کہ نہ رد ہوسکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھاسکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ نے ان روایات میں جوان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے اور متون و شروح و فتاوٰی مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارہ دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور فتح القدیر و درمختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک سوئی، اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ایسے ہی اخروٹ اور ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں ملتی ہیں تو اس مسئلہ قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد سے امام معلٰی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہاروں کے بدلے ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک زیادتی کے سبب سے ہے نہ اس لئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا

[1] درمختار باب الربو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

البرنی بتمرۃ من الجنیب مثلا لم تمسہ روایۃ المعلی ولا ترجیح المحقق ثم الروایۃ ایضا لا تقول الا بالکراھۃ فاین البطلان و عدم الانعقاد الذی کنتم تدعون، و اما ۲ الثانیۃ **فاقول**: اکثر تعیش الفقراء فی مملکۃ الھند علی کبرھا واتساعھا(فان عمارتھا عرضا من ثمان درج شمالیۃ عن خط الاستواء الی خمس وثلثین درجۃ وطولا من ست و ستین درجۃ شرقیۃ عن قرینص الی اثنتین و تسعین درجۃ)انما ھو بالمبایعات باجزاء فلس نصف وربع وثمن وغیرھا فرب فقیر یشتری لادامہ شیئا من البقول بنصف فلس ویصب فیہ دھن الشیرج بنصف فلس والتوابل الثلث جمیعا بربع فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وکذالملح بربع فلس فیتھیؤلہ الادام فی فلسین الا ربعا ویأکلہ غداء وعشاء، و یشتری لسراجہ الدہن بنصف فلس یکفیہ من المساء الی قریب نصف اللیل وقربۃ کبیرۃ من الماء العذب بنصف فلس وقد کانت قبیل ھذا بثلث فلس وتجدعلبۃ الکبریت بنصف فلس ویشتری لعیالہ من الذفواکہ	نہیں ہوتا تو اگر مثلاً ایک چھوہارہ قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے بیچے تو اس سے نہ روایت معلٰی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو، پھر وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلاً منعقد نہ ہونا جس کا تمہیں دعوٰی تھا وہ کہاں گیا، رہی دوسری مخالفت **اقول**: (میں کہتا ہوں) ملک ہند کہ اس قدر کبیر و وسیع ہے (جس کا عرض خط استواء سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول گرینچ سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقراء کی معیشت اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے، اور یونہی چھدام کا نمک، تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہوجاتی ہے اور اسے صبح وشام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو، اور تھوڑا ہی زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں، اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے کو مل جائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے

الھند المشھورۃ عندالعرب باسم العنب بفتح العین وسکون النون وبالفارسیۃ انبۃ وبالھندیۃ اٰم جملۃ کثیرۃ بنصف فلس وکذا من الجامون ومن التمر الھندی بربع فلس، وان کان متعودا بالتامول والتتن فیکفیہ لیوم بلیۃ الوق بنصف فلس والفوفل والکات والتنباك الماکول کل بربع ربع فتنقضی حاجۃ یومہ فی فلس وربع وان کان یشرب الدخان فیکفیہ التتن بنصف فلس وامثال ذٰلك اشیاء کثیرۃ تباع باجزاء الفلس حتی الثمن ونصف الثمن ولو لا ذٰلك لضاق الامور وثقل علی اخفاء ذات الید بحیث لا یطیقون ولو ابطلنا تلك البیاعات الشائعۃ فی الاٰلف مولفۃ من المسلمین والزمنا ھم ان لایشتروا شیئا باقل من فلس قط مع ان حاجاتھم تندفع بالربع وبالثمن لکان ھذا من وضع الاصر علیھم وما جاءت ھذہ الشریعۃ السمحۃ السھلۃ الغراء الا برفعہ، وربما لایجدون ھذا القدر من الفلوس فان الادام الذی کان تھیأفی فلس واحد وثلثۃ ارباع فلس الا ان لایتأتی الافی ثمانیۃ فلوس والتامول التام فی فلس و ربع لایتم الافی اربعۃ فلوس وقس علیہ فاذا لم یجد لادامہ الافلسین والزمتموہ بثمانیۃ

مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب بفتح عین وسکون نون) کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم، بہت سے ایک دھیلے کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو، اور اگر پان تمباکو کا عادی ہے تو اسے ایک رات دن کیلئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائیگی اور اگر حقہ پیتا ہو تو دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصوں سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا نہ سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم باطل کردیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم وآسان شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے پیسے انہیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے میں تیار ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں تیار ہوگا، اور پان کہ سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور اسی پر قیاس کرو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد نہ پائے اور تم اس پر دو آنے لازم کرو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا

فماذا تأمرون ایکتفی بسف التدقیق او قضم خبز الشعیر وحدہ بدون ادام یصلحہ و یسیغہ ویعین علی ھضمہ، والمعتادون بالادام وھم الناس کلھم او جلھم لو اکتفوا بھذا لم یلائمھم واورث اسقاما فیھم فان ترك العادۃ عداوۃ مستفادۃ ام یتکفف و التکفف ذل وحرام ام یغصب وفی الغصب اشد الغضب و الانتقام ام یؤمر البیاعون والبقالون و السقاؤن ان یعطوہ جمیع حاجاتہ مجانا لانھا لا تساوی فلسا وما لا یساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمۃ لہ فھم کیف یرضون بھذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر، فلیعطو اکلا حوائجہ فتذہب متاجرھم بلا شیئ فاذن لا سبیل الا فتح باب البیع وقد فتحہ القراٰن بقولہ تعالٰی مطلقًا "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1] ،وقولہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[2] ،و

آٹا پھانکے یا جو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسانہ ہو کہ اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اس کے ہضم پر اعانت کرے اور جنہیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انہیں راس نہ آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کردے کہ عادت کا چھوڑنا خود اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھین لے اور چھیننے میں سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انہیں مفت دے دیں اور اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت، تو بیچنے والے اس پر کیونکر راضی ہونگے، اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک فقیر کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اس کی ضروریات مفت دیں تو ان کی تجارتیں یونہی جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ "حلال کی اللہ تعالٰی نے بیع"، اور اس ارشاد سے "مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا"، اور

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ما کان شرع البیع الا دفع تلك الشنائع ففی تحجیره وقد وسعه الله اعادة لها وعود علی مقصود الشرع بالنقض۔قال المحقق فی الفتح لولم یشرع البیع سببا للتملیك فی البدلین لاحتاج ان یؤخذعلی التغالب والمقاهرة او السؤال و الشحاذة او یصبر حتی یموت وفی کل منها مالایخفی من الفساد وفی الثانی من الذل والصغار ما لایقدر علیه کل احد ویزری بصاحبه فکان فی شرعیته بقاء المکلفین المحتاجین و دفع حاجاتهم علی النظام الحسن اھ[1] ومعلوم ان الشرع لم یحد فی هذا حدا انما احل البیع وهو مبادلة مال بمال الخ والمال کما مر مایمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لو قت الحاجة وهذا صادق قطعا علی ماقصصنا ممایساوی نصف فلس وربعه فایجاب ان لایکون الابفلس لایکون الاتحکما وزیادة فی الشرع فکیف یقبل ثم لعل لقائل ان یقول لم یات الشرع بتقدیر الفلس وهو مختلف باختلاف الزمان والمکان

بیع کا مشروع کرنا انہیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے واسع فرما چکا ہے انہیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا ہے، محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بنا کر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہاں تک کہ مر جائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت وخواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ ان کی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی، اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو، پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

ولا سبیل الی اعتبار کل فی محلة لماتقدم ان المالیة تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیه حرج والحرج مدفوع بالنص فافهم وقال فی الکفایة اول البیع الفاسد قد تثبت صفة التقوم بدون المالیة فان حبة من الحنطة لیست بمال حتی لایصح بیعها وان ابیح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول الناس ایاه اھ[1] ومثله فی الکشف الکبیر والبحر الرائق وردالمحتار وقال فی الفتح مکان حبة حبات ولم نر احدا منھم ذکر ان ما دون مایساوی فلسا لیس بمال وکان مبنی الفرع علی انه لم یکن فی زمنه ثمن دون الفلس او لم یجدہ فی تقدیرات الشرع فحکم بان مادونه لیس بشیئ کما حکم فی الاسرار بان مادون الحبة من الذھب والفضة لاقیمة له[2] کما نقل عنها فی الفتح لانھم لم یعرفوا	بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ وہیں کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت ہوجاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا میں سب سے چھوٹا پیسہ کون سا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج کو نص نے دفع فرمایا ہے فافھم اور بیشک کفایہ کے شروع باب باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت بغیر مالیت بھی ثابت ہوجاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل کرنا شرعًا جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتھی، اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے اور فتح القدیر میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ا یک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید اس مسئلہ قنیہ کی بناء اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے ان میں پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگادیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل فرمایا اس لئے کہ ان علماء نے چاندی سونے

[1] الکفایة مع فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۳

[2] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر باب الربا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۳۔۱۵۲

لها مقدارا دون الحبة وقد عرفت فی دیارنا الی ثمن حبة وقیمة ذهب یساوی ثمن حبة فی بلادنا الان فلسان ای نحو هللة واحدة ههنا وهو لا شك مال متقوم فکیف بما فوقه مما یساوی ربع حبة وکما حکم کثیرون بان مادون نصف صاع خارج عن المعیار فیجوز فیه التفاضل مع اتحاد الجنس وعلیه تتفرع مسألة حفنة بحفنتین وقدرده المحقق فی الفتح قائلا لا یسکن الخاطر الی هذا بل یجب بعد التعلیل بالقصد الی صیانة اموال الناس تحریم التفاحة بالتفاحتین والحفنة بالحفنتین اما ان کانت مکاییل اصغر منها کما فی دیارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصری فلا شك وکون الشرع لم یقدر بعض المقدرات الشرعیة فی الواجبات المالیة کالکفارات وصدقة الفطر باقل منه لا یستلزم اهدار التفاوت المتیقّن [1] الخ واقره فی البحر والنهر	کے لئے رتی سے کم کوئی اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آج کل ہمارے یہاں چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ھللہ کے قریب وہ بلا شبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی تک اور جیسے بہت علماء نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں دو لپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دو لپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں اندازے سے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقیناً معلوم ہے بے اثر کردیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر

[1] فتح القدیر باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۵۲-۱۵۳

والشرنبلالية والدر والحواشي وغيرها وهو حسن وجيه كذٰلك نقول هٰهنا يجب بعد تعريف المال بمامر ان يكون كل ماذكرنا ممالايساوى فلسا مالا متقوما اما ان كانت اثمان اصغر من فلس كما فى ديارنا من وضع ربع الفلس وثمن الفلس فلا شك، وكون الشرع لم يذكر مادون فلس لايستلزم اهدار المالية المتيقنة. فهذا ما عندى والعلم بالحق عند ربى والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

واما السابع

فاقول: قد اٰذناك انه ثمن اصطلاحى فاستبداله بالثوب لايكون مقايضة بل بيعا مطلقًا ولا يتعين النوط بل يلزم فى الذمة كالفلوس۔

واما الثامن

فاقول: نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلى ولا يقضى الا بالمثل لانه شان القرض بل كل دين لايقضى الا بمثله الا ان يتراضيا۔

اور شرنبلالیہ اور درمختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہونگے تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقینا معلوم ہے باطل کردی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال ہفتم

فاقول: (میں کہتا ہوں) ہم تمہیں بتاچکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا بلکہ پیسہ کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

جواب سوال ہشتم

فاقول: (پس میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزرچکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائے گا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

واما التاسع	جواب سوال نہم
فاقول: نعم یجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین و تحقیق ذٰلك ان بیع النوط بالدراھم کالفلوس بھا لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ماخلق للثمنیة بما خلق لھا[1] کما فسرہ بہ البحر والدروغیرھما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذٰلك وانما عرض لھا الثمنیة بالاصطلاح مادامت تروج والا فعروض وبعدم کونہ صرفا صرح فی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونھا اثمانا بالرواج لابد من قبض احد الجانبین و الاحرم لنھیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ والمسئلة منصوص علیھا فی مبسوط الامام محمد واعتمدہ فی المحیط [عـــہ] والحاوی والبزازیة والبحر والنھر	**فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچ کر جدا نہ ہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کی قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اسکی یہ تعریف بحر و در وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جب تک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہ ہونے کی ردالمحتار باب ربا میں بحر، اس میں ذخیرہ، اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی، ہاں اس لئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائے گا اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر

عـــہ: ای محیط الامام السرخسی انتھی منہ۔

[1] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرہا وھو مفاد کلام الاسبیجابی کمانقله الشامی عن الزین عنه، ففی الهندیة عن المبسوط اذااشتری الرجل فلو سا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جائز اھ [1] وفیها عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائة فلس بدرہم فقبض الدرہم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس اھ [2] وفیها عن محیط السرخسی نحوہ وفیها عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما بدراھم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین حکما لاغیر لایجوز سواء کان العقد صرفا اولم یکن بیانه فیما اذاکان له علیه فلوس او طعام فاشتری من علیه الفلوس او الطعام الفلوس اوالطعام بدراہم وتفرقا	اور فتاوٰی حانوتی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر ان سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خریدے روپے تو اس نے دے دئے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی، نیز عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اس کا قبضہ نہ ہوا یہاں تک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ بیع باطل نہ ہو اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اس کے بعد چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہو جائیگی اور اگر چلن رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لے گا انتہی، نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہاں تک کہ یہ عقد صرف نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقۃً قبضہ ہو کر جدا ہوگئے تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقۃً نہ ہو صرف ایک طرف کا حکمًا ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہ ہو، بیان اس کا یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر پیسہ یا غلہ آتا ہے انہی پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور روپے دینے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵۔۲۲۶

قبل نقد الدراہم کان العقد باطلا وھذا فصل یجب حفظه والناس عنه غافلون اھ [1] وفیھا عنھا اعطی رجلا درہما وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا و بنصفه درہما صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدرہم الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض فی حصة الدرہم وان لم یکن دفع الدرہم الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل [2] اھ وفیھا عنھا اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا ثم وجد فیھا فلسا لاینفق فردہ فاستبدله ففی ھذہ الصورة اذاکانت الفلوس ثمن متاع لایبطل العقد سواء کان المردود قلیلا اوکثیرا استبدل او لم یستبدل وان کانت الفلوس ثمن الدراہم مقبوضة فرد الذی لاینفق و استبدل اولم یستبدل فالعقد باق علی الصحة وکذلك لو وجد الکل فی ھذہ الصورة لاینفق وردھا و استبدل ویستبدل فالعقد باق علی الصحة وان لم تکن الدراہم مقبوضة ان وجد کل

سے پہلے جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی، اس مسئلہ کا یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی، اور اسی میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے اتنے پیسے دے دے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہوگئے تو پیسوں میں بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہوگئے تو اٹھنی اور پیسے سب میں باطل ہوگئی انتہی و نیز اسی میں اس سے ہے کوئی چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دے دئے اور دونوں جدا ہوگئے پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اس کے بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دئے تھوڑے پیسے تھے یا زیادہ، اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں، اور اگر وہ پیسے روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہوچکا تھا اس صورت میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دئے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے جب بھی بیع صحیح رہے گی، اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا تھا اگر سب پیسے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

الفلوس لاینفق فردھا بطل العقد فی قول ابی حنیفة استبدل فی مجلس الرداو لم یستبدل، وقالا ان استبدل فی مجلس الرد فھو صحیح علی حالہ وان لم یستبدل انتقض وان کان البعض لا ینفق فردھا فالقیاس ان ینتقض العقد بقدرہ لکن اباحنیفة رحمه الله تعالٰی استحسن فی القلیل اذاردہ واستبدل فی مجلس الرد ان لا ینقض العقد اصلا واختلفت الروایات عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی تحدید القلیل ففی روایة اذا زاد علی النصف فکثیر وما دونه قلیل وفی روایة النصف کثیر وفی روایة اذ زاد علی الثلث [1]اھ کلھا ملخصًا. وانما اکثر نا النقول عن الذخیرة لانه سیاتی عنھا نقل خلاف فی بیع فلس بفلسین فلیکن علی ذکر منك انه جزم فی مسألتنا ھذہ اعنی بیع الفلوس بالدراھم فی غیر موضع بالجواز ولم یلم ھٰھنا بذکر خلاف اصلا، وفی تنویر الابصار والدرالمختار باع فلوسا بمثلھا او بدراھم و بدنانیر	کھوٹے پائے اور واپس دئے تو بیع امام اعظم کے نزدیک باطل ہوگئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دئے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں بیع باطل ہوجائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استحساناً فرماتے ہیں کہ اگر واپس دئے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلاً نہ ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے روایتیں مختلف آئیں، ایک روایت میں ہے کہ نصف سے زائد کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل، اور ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف بھی زائد ہے، اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصًا۔ اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور تنویر الابصار و ردالمحتار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب البیوع الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۶-۲۲۵

فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلا قبض احدهما لم یجز اھ [1]۔وبالجملة فالمسئلة ظاهرة والنقول متوافرة وان خالفها العلامة قاری الهدایة فی فتاواه فشرط التقابض وحرم النسئة وهذا نصها(سئل) هل یجوز بیع مثقال من الذهب بقنطار من الفلوس نسئة ام لا(اجاب)لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذهب او فضة لان علماء نا نصوا علی انه لایجوز اسلام موزون فی موزون الا اذاکان الموزون المسلم فیه مبیعا کزعفران او غیره والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا [2] اھورده العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذهب بالفلوس نسئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احدالبدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله مالو باع فضة او ذهبا بفلوس	قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے انتہی،الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلین وافر ہیں اگرچہ علامہ قاریٔ الہدایہ نے اپنے فتاوٰی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال ہوا) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں؟(جواب دیا) کہ پیسے سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیچنا ناجائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بیچی جاتی ہوں (جیسے سونا چاندی تانبا) ان میں ایک کی دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر یعنی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہوگئے ہیں انتہی،اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کے عوض سونا اور ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا،جواب دیا کہ جائز ہے، اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے،پھر فرمایا اگر اسی طرح چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی قاری الہدایہ کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

كما فى البحر عن المحيط قال فلا يغتر بما فى فتاوٰى قارى الهداية [1] اھ واجاب عنه فى النهر بان مراده بالبيع السلم والفلوس لها شبه بالثمن ولا يصح السلم فى الاثمان ومن حيث انها عروض فى الاصل اكتفى بالقبض من احد الجانبين [2] ـ **اقول**:وهذا هو المستفاد من تعليله بان علمائنا نصوا على انه لا يجوز اسلام موزون فى موزون الخ لكن لم يقنع به العلامة ابن عابدين فى ردالمحتار واجاب بحمل مافى فتاوٰى قارى الهداية على مادل عليه كلام الجامع الصغير من اشتراط التقابض من الجانبين قال فلا يعترض عليه بما فى البزازية المحمول على مافى الاصل [3] يعنى المبسوط، و نقل قبيله عن البحر عن الذخيرة ان محمد اذكر مسئلة بيع فلس بفلسين باعيانهما فى صرف الاصل ولم يشترط التقابض و ذكر فى الجامع مايدل على انه	جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوٰی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی،اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پہلے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔**اقول**: (میں کہتا ہوں) یہی ان کی اس دلیل سے مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے بیچی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں اس پر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ قاری ہدایہ کا کلام اس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا تو اب اس مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الحانوتی کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

شرط فمنهم من لم یصحح الثانی لان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس به ومنهم من صححه لان الفلوس لها حکم العروض من وجه وحکم الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط التقابض للثانی [1] اھ **اقول**: وباللّٰه التوفیق ماجنح الیه الشامی تبعاً للبحر تبعاً للذخیرة من دلالة کلام الجامع الصغیر علی اشتراط التقابض فللعبد الضعیف فیه تأمل قوی وانی راجعت الجامع فوجدت نصه هکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیة او باع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضة ببیضتین او جوزة بجوزتین او فلسا بفلسین او تمرة بتمرتین یدا بید با عیانها یجوز وهو قول ابی یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی وقال محمد رحمة اللّٰه تعالٰی علیه لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرة بتمرتین [2] اھ۔

شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی، **اقول**: وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے) وہ جس کی طرف شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابویوسف سے اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالٰی عنہم، ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل چربی ایک رطل چکتی کو یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۴

[2] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال اویوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

كلامه الشريف قدس سره المنيف فمحل الاستناد انما هو قوله رحمه الله تعالٰی یدا بید لکن قد علم من مارس الفقه ان ہذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمهم الله تعالٰی فسروه فی الحدیث المعروف بالعینیة کما قال فی الهدایة ومعنی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یدا بید عینا بعین کذا رواه عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه[1] اھ کیف وقد قال اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواه مما یجری فیه الربا فانما یعتبر فیه التعیین کما فی الهدایة[2] وغیرها۔ وقال فی التنویر المعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف بلا شرط تقابض[3] قال فی الدر حتی لو باع بُرّا ببر بعینهما وتفرقا قبل القبض جاز اھ[4] فان

کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم، تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعین ہو جائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا انتہی، اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اس کے سوا اور صورتیں جن میں ربا جاری ہو سکتا ہے ان میں فقط تعین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضہ طرفین شرط نہیں، در مختار میں فرمایا یہاں تک کہ

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳۔۸۲
[2] الهدایة کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۲
[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱
[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

حمل قوله هذا فی العبارة التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذٰلك فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین وبیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین عند من یقول ان القید راجع للمسائل جمیعا کالنهر والدر وغیرهما[1] فان المسائل کلها مسوقة سیاقا واحدا لا سیما فی عبارة الجامع فان القید مذکور فیه بعد تمرة بتمرتین وانما ذکر فلسا بفلسین قبله، وهذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله علی اشتراط التعیین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیرا لقوله یدا بید والا لکان حشوا مستغنی عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فیه التعین وازید فذکره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدین صاحب الهدایة رحمه الله تعالٰی هذه المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدرالعینی فی البنایة) یجوز بیع البیضة	اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کردیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہوگئے تو جائز ہے انتہی، تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضہ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئے گا انکے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کی طرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور در مختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر بیان میں آئے ہیں خصوصًا عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں، تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لیں اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعیین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربوٰ المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳/ ۱۵۴

بالبیضتین والتمرۃ بالتمرتین والجوز بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانهما [1] اھ۔فظهر ظهور الشمس فی رابعۃ النهار ان لیس فی الجامع دلیل علی مافهم هٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغیر احتمالا اظهر وازهر لایردولا یرام ولا حجۃ فی المحتمل بخلاف عبارۃ الاصل فانها نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما سمعت فعلیه فلیکن التعویل والتوفیق بالله الملك الجلیل،ثم لا یخفی علیك ان هذ اکله کان مما شاۃ منامع العلامۃ الشامی والمقصود ابانۃ مفادا لجامع والا فالحق ان فتوی العلامۃ سراج الدین مابها حاجۃ الی حمل کلام الجامع علی اشتراط التقابض ولا عـــه۱ هو مدعاه ولا عـــه۲ علیه توقف لما ادعاه فانه	دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی، تو پہروں چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ جامع صغیر میں اس پر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو نہ اس کی طرف کوئی برا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضہ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے،اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے، پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ ان کی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوٰی علامہ قاری الہدایہ کو اس کی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضہ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ ان کا مدعی ہے اور نہ اس پر ان کا دعوی موقوف

عـــه۱: لانه سلمه سلما وانتم للصرف تصرفون اھ منه۔	عـــه۱: کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲منہ۔
عـــه۲:لان السلم لا یجوز فی الثمن سواء کان فیما یشرط فیه التقابض کثمن فی ثمن اولا کمبیع فی ثمن اھ منه۔	عـــه۲: کہ ثمن میں سلم اصلاً جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جس میں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں مبیع کی بدلی ۱۲منہ۔

[1] الهدایۃ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

انما حرم النسیئة وحرمتها لاتوجب عـــه۱ عینیة الجانبین ایضا فضلا عن التقابض الاتری ان بیع ثوب بدرهم حالا لیس بنسیئة ولا فیه العینیتان نعم ایجاب العینیة من الجانبین یوجب تحریم النسیئة لان التاجیل للترفیة فی التحصیل والعین متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع علی هذا الوجه لکان عـــه۲ له وجه وسلم من الاعتراض المذکور، واذن **اقول**: وباللّٰه التوفیق لایخفی علیك ان اشتراط العینیة من الجانبین فی الربویات وهی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیه فی سلم الفتح وغیره حیث قال انما یمنع ذٰلك فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسها والمعدود لیس منها اھ[1] کما قال فی البحر تحت

کہ وہ تو ادھار کو حرام بتارہے ہیں اور اس کی حرمت دونوں طرف عین ہونے کو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضہ طرفین، کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچنا نہ تو ادھار ہے نہ اس میں دونوں جانب عین، ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شیئ کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے، تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اس کی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی ہے۔ اور اب **میں کہتا ہوں** اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں آیا کہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی، جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں

عـــه۱: وانما کانت توجب لو کان انتفاء النسئة مستلزما لوجود العینین ولیس کذلك بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور اھ منه۔

عـــه۲: لکونه دلیلا علی الحکم الذی افتی

عـــه۱: واجب توجب کرتی کہ ادھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ۔ عـــه۲: کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا انہوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فتح القدیر باب البیع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۰۸

قول الکنز "وحلا بعدمهما" ای الفضل والنسأ عند انعدام القدر و الجنس فیجوز بیع ثوب هروی بمر ویین نسیئةً والجوز بالبیض نسیئة [1]. و قال تحت قوله "یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات"	جب دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہ ہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضہ طرفین اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به وهو عدم الجواز وان جاء من قبل الصرفیة دون السلمیه و من هذاالباب مافی الهندیة عن المحیط حیث ذکر مسائل شراء المستقرض الکر القرض من المقرض بمائة وانه یجوز اذا شری مافی ذمته و نقد الثمن فی المجلس والا لا لافتراقهما عن دین بدین ثم قال کذٰلك الجواب فی کل مکیل و موزون غیر الدراهم والفلوس اذاکان قرضا [2] اهـ فجعل الفلوس ما لا یجوز شراؤه دینا فی الذمة بثمن مفقود کما فی الحجرین والصحیح ماقدمنا عن الهندیة

فتوٰی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہو نہ کہ سلم کی جہت سے، اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے ولہٰذا جہاں انہوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اس قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سوروپے کو مول لے اور یہ وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے (نہ بعینہٖ وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے) اور قیمت اسی جلسے میں ادا کردی ہو ورنہ حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہوگئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہ حکم ہے سوائے روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی، تو پیسوں کو بھی روپوں، اشرفیوں کی طرف انہیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو ان کا خریدنا ناجائز ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ١٢٩/٦

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ٢٠٥/٣

بیانه ماذکره الاسبیجابی بقوله واذا تبایعا کیلیا بکیلی او وزنیا بوزنی کلاهما من جنس واحد او من جنسین مختلفین فان البیع لایجوز حتی یکون کلاهما عینا اضیف الیه العقد وهو حاضر او غائب بعد ان یکون موجودا فی مبلکه [1] الخ وانما عللوا وجوبها فی فلس بفلسین بان لو باع فلسا بعینه بفلسین بغیر عینهما امسك البائع الفلس المعین وطالبه بفلس اٰخر او سلم الفلس المعین وقبضه بعینه منه مع فلس اٰخر لاستحقاقه فلسین فی

کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہ ہوگی مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب، ہاں اس کی ملک میں موجود ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچے گا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے اس سے واپس لے کیونکہ مشتری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

عن الذخیرة ان المنع فی غیر الصرف مختص بما اذا لم یقبض شیئ من البدلین قبضًا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدهما حقیقةً جاز و مثله فی ردالمحتار عن الوجیز و بالجملة جعله صرفا صرف له عما نص علیه عامة الاصحاب فی غیر ما کتاب. واللّٰه تعالٰی اعلم۔

اگرچہ قیمت اسی جلسے میں ادا ہوجائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کرچکے کہ ماسوا صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃً قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ حکمًا مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہوجائے تو جائز ہے اور ایسا ہی ردالمحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسے صرف ٹھہرانا اس سے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علماء نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] بحر الرائق کتاب البیوع باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۳۰

ذمته فيرجع اليه عين ماله و يبقى الفلس الاٰخر خاليا عن العوض وكذا لوباع فلسين باعيانهما بفلس بغير عينه قبض المشترى الفلسين و دفع اليه احدهما مكان ما استوجب عليه فيبقى الاٰخر فضلا بلا عوض استحق بعقد البيع كما فى الفتح[1] ونحوه فى العناية وغيرها وهذه العلة لا جريان لها فى الدراهم بالفلوس نسيئة كما لايخفى فضلا من النوط بالدراهم فعبارة قارئ الهداية احسن محمل لها ماذكر فى النهر ويكون اذن مبنيا على رواية نادرة عن محمد رحمة الله تعالٰى عليه كما سيأتى و ان لم يسلم فهى فتوى من دون سند ولاتعلم عـــہ له سلفا فيها وهو لم يستند لنقل

کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہٖ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ بلا معاوضہ رہ گیا اور یونہی اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لے گا اور اس کے ذمہ جو ایک پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انہیں میں سے ایک پیسہ بائع کو پھیر دے گا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اس کے مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور ادھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے میں یہ علت جاری نہیں ہو سکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں، نہ کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنے میں، تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اس وقت وہ ایک روایت نادرہ پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے آئی اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتوٰی ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اس میں ان سے پہلے ان کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اس پر کسی نقل سے سند لائے

عـــہ: اى بالوجه الذى ذكر وان صرف الى الصرف فقد علمت ماله من الضعف الصرف اهمنه۔

یعنی اس طریقے سے جو انہوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کی طرف پھیر و تو تمہیں معلوم ہو چکا جو اس میں نرا ضعف ہے ۱۲ منہ۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۶۲

وماتجشم له الشامی فقد علمت حاله فکیف یعارض به ماتطابقت علیه کلمات اولٰئك الاجلة الکرام الذین قصصتهم علیك وامامهم فیها نص محمد فی الاصل فهو القول۔ **ثم اقول:** علا ان ما ذکر العلامة قاری الهدایة ذهولین صریحین عن مسائل المذهب [1]ذهول عما نص علیه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنیة الی العددیة و [2]ذهول عما نصّوا لبیبه ان ثمنیتها تبطل باصطلاح العاقدین وان بطلانها لایبطل الاصطلاح علی العددیة، وکل ذٰلك منصوص علیه فی الهدایة وغیره وهذا نصها ولهما ان الثمنیة فی حقهما تثبت باصطلاحهما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعیین ولا یعود وزنیا لبقاء الاصطلاح علی العدّ[1] اهـ وسنلقی علیك ان محمدا ایضا سلم فی السلم بطلان الثمنیة وانما انکره فی البیع لعدم الدلیل

اور وہ جو انکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اس کا حال معلوم ہوچکا تو اس سے کیونکر معارضہ ہوسکتا ہے اس حکم کا جس پر ان اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسماء گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اس میں ان کا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اس میں مسائل مذہب سے صاف دو ذہول ہیں [1] ایک ذہول تو اس سے جو ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے، اور [2] دوسرا ذہول اس سے جو علماء نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہو جاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی، ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابویوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ اوروں کو ان پر کچھ ولایت نہیں تو وہ اپنی اصطلاح میں اسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کئے سے معین ہوجائیں گے اور اس سے تول کی چیز نہ ہوجائیں گے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اھ اور عنقریب ہم تمہیں

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۸۳/۳

فهو مجمع عليه بين ائمتنا فاذن اسلام احد النقدين في الفلوس ليس سلما في ثمن ولا اسلام موزون في موزون بلا موزون في عددي متقارب مثمن ولا باس به باجماع علمائنا رحمهم الله تعالٰى، وبالجملة فالعبد الضعيف لايعلم لهذه الفتوى وجه صحة اصلا تأمل لعل لكلامه وجها لست احصله بفهمي السخيف ولعلي انا الاولٰى بالخطأ من هذا العلامة العريف رحمه الله تعالٰى، **ثم اقول:** ولئن سلمنا فلنا ان نقول ماذكر انما يتمشى في الفلوس اما النوط فليس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم يشملها المعيار كحفنة من حب وذرة من ذهب فمسئلتنا هذه سالمة عن الخلاف على كل حال والحمد لله ذي الجلال هكذا ينبغي التحقيق والله ولي التوفيق۔	بتائیں گے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کیا ہے تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، الحاصل بندہ ضعیف اس فتوٰی کے لئے اصلاً کوئی وجہ صحت نہیں جانتا، تامل کر، شاید ان کے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اسے نہیں سمجھتا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں۔ **ثم اقول:** (تو میں کہتا ہوں) اگر تسلیم بھی کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلاً وزن کی چیز نہیں اس لئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تو لے نہیں جاتے تو معیار انہیں شامل نہ ہوئی جیسے غلہ سے ایک ہتھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ، تو ہمارا یہ مسئلہ بہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

واما العاشر

فاقول: نعم یجوز السلم فی النوط و قد یقال لایجوز فانه ثمن و لاسلم فی الاثمان کما تقدم عن النھر والتحقیق ان ھذا انما یبتنی علی روایة نادرة عن محمد والا فالمنصوص علیه فی المتون جواز السلم فی الفلوس وانما لا یجوز فی الاثمان الخلقیة وھی النقدان لا غیر لعدم قدرة العاقدین علی ابطال ثمنیتھما بخلاف الاثمان الاصطلاحیة قال فی التنویر و الدر (یصح ای السلم فیما امکن ضبط صفته) کجودته و ردائته (ومعرفة قدره کمکیل و موزون و) خرج بقوله (مثمن) الدراھم و الدنانیر لانھما اثمان فلم یجز فیھا السلم خلافا لمالك (وعددی متقارب کجوز و بیض وفلس[1] الخ۔ قال ابن عابدین قوله وفلس الاولی وفلوس لانه مفرد لا اسم جنس، قیل

جواب سوال دہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گزرا، اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کے لئے پیدا کئے گئے ان میں جائز نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس، اس لئے کہ بائع و مشتری ان کی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف ان چیزوں کے جو اصطلاحًا ثمن قرار پائی ہیں۔ تنویر الابصار اور در مختار میں فرمایا سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جس کی صفت کا انضباط ہوسکے جیسے اس کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول کی چیز، اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ اس کے افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولٰی یہ ہے کہ پیسے کہیں اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے، اسم جنس نہیں،

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

وفیه خلاف محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاہر الروایة عنه کقولھما وبیان الفرق فی النھر وغیرہ اھ [1] فکان النھر انما ابداہ تاویلا لفتوٰی قاری الھدایة حتی یحصل له مستند ولو فی النوادر ولم یرد به تعویلا علیه،وفی الھدایة وکذا فی الفلوس عددا وقیل ھذا عند ابی حنیفة و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی وعند محمد لا یجوز لانھا اثمان ولھما ان الثمنیة فی حقھما باصطلاحھما فتبطل باصطلاحھما [2]۔قال فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا ھکذا ذکرہ محمد رحمه اللہ تعالٰی فی الجامع من غیر ذکر خلاف فکان ھذا ظاہر الروایة عنه وقیل بل ھذا قول ابی حنیفة وابی یوسف اما عندہ فلا یجوز بدلیل منعه ببیع الفلس بالفلسین فی باب الربٰو لانھا اثمان واذا کانت اثمانا لم یجز السلم فیھا لکن ظاہر الروایة	بعض نے کہا کہ اس مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول امام اعظم اور ابویوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوٰی قاری الہدایہ کی تاویل کے لئے ظاہر کی تاکہ اس کے لئے کوئی سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اس پر اعتماد کرنا نہ چاہا،اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے ان کی گنتی مقرر کرکے،اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح کی بناء پر ہے تو ان کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا،فتح القدیر میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے،اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا،تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ ہوئی،اور بعض نے کہا یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسہ سے بیچنا منع فرماتے ہیں کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۳

[2] الہدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۹۴

عنه الجواز و الفرق له بين البيع و السلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدما على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على الثمنية ويصح السلم فيها على الوجه الذی يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز وروده على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن الثمنية فلايجوز التفاضل فامتنع بيع الفلس بالفلسين[1] اھ **اقول:** لكن فی الفرق نظر فان محمدا لايقول بخروجها عن الثمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال فی الهداية يجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما عند ابی حنيفة وابی يوسف رحمهما الله تعالٰی وقال محمد رحمه الله تعالٰی لايجوز لان الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما واذا بقيت اثمانا لا تتعين فصار كما اذا كانا بغير اعيانهما وكبيع الدرهم بالدرهمين ولهما ان الثمنية فی حقهما تثبت باصطلاحهما[2] الٰی	امام محمد سے بھی جواز ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انہوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور ان کی بدلی اسی طور پر جائز ہے جس طرح ان میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر۔ بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اس کے ثمن ہونے پر متفق ہیں ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم وامام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے ان کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۹-۲۰۸

[2] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

اخر ماتقدم و قد اقرہ المحقق فی الفتح وقررہ علی هذا النهج فکیف یقول محمد ھھنا ان اقدامهما علی السلم ابطال منهما لاصطلاح الثمنیة الاان یقال ان هذا رجوع عن التعلیل الاول ولم یکن عن نص محمد وانما ابداہ المشایخ وظهر الاٰن بهذا الفرق ان الوجه لمحمد لم یکن ذٰلك بل هو ایضا قائل بان لهما ابطال الاصطلاح فی حقهما ولکن اذا ثبت هذا عنهما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها مسلما فیها دلیل علی الابطال ولم یثبت فی البیع اذلیس من ضرورته ان لایکون المبیع ثمنا فلم یثبت منهما ابطال البیوع وهذا التقریر علی هذاالوجه ربما یمیل الی ترجیح قول محمد فی البیع فافهم [عــه] واللّٰه تعالٰی اعلم۔

ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہوجائے گا اور جبکہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں ان کی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا ان کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہوجائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہوسکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام ان کی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں ان کا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی، اور یہ تقریر اس طرز پر کبھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے، تو غور کرو، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

عــه: یشیر الی الجواب بان الحاجة الی

یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح (باقی برصفحہ آئندہ)

واما الحادی عشر

فاقول: نعم یجوز بیعه بازید من رقمه بانقص منه کیفما تراضیا لم علمت ان تقدیرھا بھذا المقادیر انما حدث باصطلاح الناس وھما لاولایة للغیر علیھما کما تقدم عن الھدایة والفتح فلھما ان یقدرا بما شاءا من نقص وزیادة وقد تم الجواب بھذا القدر عند کل من له سلامة الفکر وقد افتیت به مرارا و افتی علیه ناس من کبار علماء الھند کالفاضل الکامل محمد ارشاد حسین الرامفوری رحمه الله تعالٰی

جواب سوال یازدہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع و مشتری پر ان کے غیر کی کوئی ولایت نہیں، جیسا کہ ہدایہ و فتح القدیر سے گزرا تو ان دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں اندازہ مقرر کرلیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اس کے نزدیک جواب اتنے ہی سے پورا ہوگیا اور میں نے بارہا اس پر فتوی دیا اور اکابر علمائے ہند سے متعدد عالموں کا یہی فتوی ہوا جیسے فاضل کامل مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تصحیح العقد یکفی قرینة علی ذٰلك ولایلزم کون ذٰلك ناشیا عن نفس ذات العقد کمن باع درھما ودینا رین بدرھمین ودینار یحمل علی الجواز صرف للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه الا حاجة التصحیح وکم له من نظیر اھ منه۔

کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کی خود ذات عقد کی طرف سے ناشئی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دواشرفیاں دو روپوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورت جواز پر حمل کرینگے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد کا باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں ۱۲ منہ۔

وغیرہ وما خالفنی فیھا الارجل عــہ من لکنؤ ممن یعد من الاعیان ویشار الیہ بالبنان ولم اطلع علی خلافہ الابعد موتہ لماطبعت وریقات باسم فتاواہ ولو راجعتہ فی حیاتہ لرجوت ان یرجع لان الرجل کان اذا عرف عرف واذا عرف انصرف فالاٰن ازیدك بیانا بعد بیان لایبقی ان شاء اللہ للحق الا القبول والاذعان۔ **فاقول اولا:** نص علماؤنا قاطبۃ ان علۃ حرمۃ الربا القدر المعھود بکیل اووزن مع الجنس فان وجداحرم الفضل والنسأ وان عدما حلاوان وجد احدھما حل الفضل و حرم النسأ وھذہ قاعدۃ غیر منخرمۃ وعلیھاتدور جمیع فروع الباب ومعلوم ان لااشتراك فی النوط والدراھم فی جنس ولاقدر اما الجنس فلان ھذا قرطاس و تلك فضۃ وما القدر فلان الدراھم

وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور ان کی طرف انگلیاں اٹھتیں اور مجھے ان کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر ان کی موت کے بعد جبکہ کچھ مختصر ورق ان کے فتاوٰی کے نام سے چھپے اور اگر میں ان کی زندگی میں اس بارے میں ان سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ رجوع کرلیتے کہ ان صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ لیتے تو واپس آتے اور اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے، **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) **اولًا:** ہمارے جمیع علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت وہ خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ، تو اگر قدر و جنس دونوں پائی جائیں تو بیشی اور ادھار دونوں حرام ہیں، اور اگر وہ دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں، اور اگر دونوں میں سے ایک پائی جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے، اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے کہ نوٹ اور روپوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں، جنس میں تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے نہیں کہ روپے تول کی

عــہ: یدعی المولوی عبدالحی اللکنوی اھ منہ۔

عــہ: جن کو مولوی عبدالحیٔ صاحب کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

موزونة ولا قدر للنوط اصلا لامکیل و لاموزون فیجب ان یحل الفضل والنسأ جمیعا فاذن لیس النوط من الاموال الربویة اصلا وسنزیدك تحقیق الامر فی ذٰلك عن قریب ان شاء اللہ تعالٰی۔ **وثانیًا**: قال فی ردالمحتار وغیرہ کلما حرم الفضل حرم النسأ ولا عکس وکلما حل النسأ حل الفضل ولا عکس[1] اھ وقد اقمنا البرھان القاطع فی جواب التاسع علی حل النسأ ھٰھنا فوجب حل الفضل وانتظر مایأتی **وثالثًا**: ھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذا اختلف ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم[2] رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ورابعًا**: ھذہ دلائل واضحة لاتخفی حتی علی الصبیان والاٰن اٰتیك بشیئ یکون لك فیه مجال تکلم بحسب عقلك ثم اکشف الحجاب لابانة الصواب، **فاقول**: ارأیتك ھل لیس من المعلوم عندك	چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی، تو واجب ہوا کہ بیشی او رادھار دونوں جائز ہوں، تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے مال ربا ہی سے نہیں اور ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے، **ثانیًا**: ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اھ، اور جہاں ادھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کرچکے ہیں کہ نوٹ میں ادھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو ــــ **ثالثًا**: یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرمارہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے، **رابعًا** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں، **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں) بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربوٰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۸۰۔۱۷۹

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربوٰ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۵

وعند کل من له عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیه من الناس بعشرة دراہم یجوز لکل احد ان یبیعه برضا المشتری بمائة او یعطیه بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذلك عن الشرع المطهر قال تعالٰی "اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[1]، وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذة بالف یجوز ولا یکره[2] وکل احد یعلم ان قطعة قرطاس لا تبلغ قیمته الفا ولا مائة ولا درھما واحدا قط فما ذلك الا لان القیمة والثمن متغایران ولا یجب علیھما التقید بھا فیما ثامنا بل لھما ان یقدر الثمن باضعاف القیمة او بجزء من مائة جزء لھا، فان قلت ھذا فی السلعة اما النوط فثمن اصطلاحا قلت اولا: فکان ماذا وقد ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح غیرھما لیس مکرھا لھما فضاع الفرق وضاء الحق وثانیا: ان سلمنا انھما	نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دے دے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہاری آپس کی رضامندی کا، اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہنچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک، تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع و مشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرار داد ہوا) بلکہ انہیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کرلیں یا اسکے سوویں حصہ پر، اب اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا **اولًا:** پھر کیا ہوا تو نے اصطلاحًا کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کردیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہوگیا **ثانیًا:** ہم نے نہ مانا

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

لایقدر ان علی ابطال الثمنیة فمن این لك ان الاثمان الاصطلاحیة لایمکن التغییر فیها عن التقدیر المصطلح الاتری ان فلوس ربیة متعینة بتعیین العرف ابدا فکل صبی عاقل یعقل ان ربیة بست عشرة آنة لابخمس عشرة ولا بسبع عشرة ثم هذا التعیین العرفی وکونهما اثمانا مصطلحة لایحرم علی العاقدین النقص والزیادة قال فی التنویر وشرحه للعلائی من اعطی صیر فیا درهما کبیرا فقال اعطنی به نصف درهم فلوسا ونصفا الاحبة صح ویکون النصف الاحبة بمثله وما بقی بالفلوس[1] اھ ولفظ الهدایة لوقال اعطنی بنصفه فلوسا وبنصفه نصفا الاحبة جاز[2] **وثالثًا**: اعل عن الثمن الاصطلاحی هذان حجران ثمنان خلقة ولا یقدر احد علی ابطال ثمنیتها وقد عقل کل من عقل ان الدینار یساوی ابدا عدة دراهم ولا یوجد دینار قط یقوم بدرهم واحد و مع ذلك نص ائمتنا	کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تو نے کہاں سے نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغییر جائز نہیں، کیا نہیں دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے، نہ پندرہ کا، نہ سترہ کا۔ پھر یہ عرفی تعین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع ومشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا۔ تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دے دے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض رہے گی اور باقی کے عوض پیسے انتہی، اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دے دو اور رتی کم اٹھنی تو جائز ہے **ثالثًا**: ثمن اصطلاحی سے اوپر چل یہ ہیں سونا چاندی کی ثمنیت باطل کرنے پر قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے اور ہر گز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور باوصف اس کے ہمارے ائمہ نے

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] الهدایة کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۱۲

ان بیع دینار بدرهم صحیح لاربا فیه وما ذلك الالان الجنس اذا اختلف حل التفاضل واختلاف جنس النوط والربابی مما لایجهله الامجنون قال فی الهدایة والدر وعامة الاسفار الغر صح بیع درہمین و دینار بدرہم و دینارین بصرف الجنس بخلاف جنسه وكذا بیع احد عشر درهما بعشرة دراہم و دینار [1] اھ، قال ابن عابدین فتكون العشرة بالعشرة والدرهم بالدینار [2] اھ فاذا صح بیع ربیة بجنیة قیمته بالعرف العام خمس عشرة ربیة ولم یكن ربا فكیف یكون بیع نوط مرقوم علیه رقم عشرة باثنتی عشرة ربیة ربا ما هذا الا بهت بحت فانقلت ماذكرتم من المسائل وان صح البیع فیها لكنه مكروه والمكروه ممنوع فلا یحل وان صح كذا هذا قال فی الهدایة لو تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب	تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپے کی بیچنا صحیح ہے اور اس میں اصلًا ربا نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی سبب نہیں کہ جب جنس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور روپوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا دو روپوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض بیچنا درست ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کردی جائے گی اسی طرح گیارہ روپوں کو دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی، ردالمحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے بدلے ہوجائیں گے اور گیارھویں روپے کے بدلے ایک اشرفی انتہی، تو جب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا، یہ تو نرا بہتان ہے، اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کیے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو، ایسے ہی یہاں ہے۔ ہدایہ میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸۔۹، الدرالمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۹

واحد هما اقل و مع اقلهما شیئ اٰخر تبلغ قیمته باقی الفضة جاز البیع من غیر کراهیة وان لم تبلغ فمع الکراهة وان لم یکن قیمة کالتراب لایجوز البیع لتحقق الربا اذا الزیادة لایقابلها عوض فیکون ربا اھ[1] واقره فی الفتح والشروح والبحر وردالمحتار وغیرها ومعلوم ان مطلق الکراهة ینصرف الی کراهة التحریم بل قال عبدالحلیم علی الدرر بعد نقل المسئلة واحالة تفصیلها علی الفتح مانصه "اذا عرفت هذا فما یتداول فی الدولة العثمانیة من بیع قرش واحد بثمانین درهما عثمانیا لم یجز لزیادة القرش ولو کان مع الدراهم نحو فلس جاز مع الکراهة فالواجب علی المحتاط تسویتهما وزنا او یکون قیمة ماکان مع الدراهم قدر قیمة الزیادة حتی یخلص عن عهدة الکراهة[2] اھ فقد صرح	سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ، اور اگر اس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا انتہی، اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہ میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبدالحلیم نے حاشیہ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہوچکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک ایک قرش اسی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وہ چیز جو روپوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کو ہو جس قدر قرش میں روپوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی، تو انہوں نے

[1] الهدایة کتاب البیوع باب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[2] حاشیة الدرر لعبد الحلیم

بالوجوب فکان فی خلافه کراھة تحریم وکفی بھا للتأثیم، **قلت:** جئت لك بتقریر الاعتراض بمالو ابدیته من نصك لعلك لم تقدر علی احسن منه الاٰن اسمع الجواب بتوفیق الوھاب عزجلاله **اما اولا:** فلانه این ذھب عنك فرق الخلق والاصطلاح فان مالیة الذھب وکونه اعز من اضعاف وزنه من الفضة امر خلقی لامدخل فیه لفرض احد وتقدیره ففی مقابلة دینار بدرھم ینقدح رجحان المالیة فی کل ذہن بخلاف النوط فان تقدیرہ بعشرۃ مثلا انما ھو مجرد اصطلاح من الناس والا فنفس القرطاس لا یساوی درھما ولو عشرۃ فان نظرت الی الاصل فبیع ماقدر بعشرۃ ایضا رجحان عظیم فی المالیة وان نظر الی الاصطلاح فاصطلاح غیر حاکم علی العاقدین کما اسمعناك نص الھدایة والفتح فاذا قدرہ الناس بعشرۃ وما ھو فی اصله الابفلس مثلاً فما المانع لھما ان یقدراہ باثنی عشر فصاعدا اوثمانیة فما دونھما فلا مساس لھٰذہ المسألة بما نحن فیه **واما ثانیا:** فلان کلامھم فی مقابلة الجنس بالجنس اذفیه یظھر الفضل الاتری الی قوله

وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کے لئے کراہت تحریم کافی ہے، **میں کہوں گا** کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کردی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کرسکتا اور اب وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب سن **اولاً:** پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض وقرار داد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی، بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا، تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ و فتح القدیر کا نص سنادیا تو جب لوگوں نے اسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع ومشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرالیں تو اس مسئلہ کو ہماری مبحث سے کوئی علاقہ نہیں، **ثانیاً:** ان کا کلام اس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے تو کیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا

تبایعا فضة بفضة او ذهبا بذهب واحدهما اقل[1] ولم یقل تبایعا فضة بذهب واحدهما اقل مالیة بالسعر المعهود فاذا قوبل الذهب بالذهب المساوی له ظهر الفضل وحینئذ یمیز العقل ان المضاف هل یبلغ مقدار هذاالفضل اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان مختلفان فانی یظهر الفضل، ومتی یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا هو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضة الخالی عن عوض شرط فی العقد، وعلمت ان الخلو فی المعاوضة لا یتحقق الاعند المقابلة بالجنس اھ[2]، وقد قال سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]، فهذا اطلاق منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو الشارع والیه المرجع والیه المفزع

جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے، اور یوں نہ فرمایا کہ سونے چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائیگی اور اس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہنچتی ہے یا نہیں، بخلاف اس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئے گی، فتح القدیر میں فرمایا: ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہوگیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شے کا اس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی۔ اور بیشک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ، تو

---

[1] الهدایه کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۰۹

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۵۱

[3] نصب الرایة لاحادیث الهدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیة لصاحبها الریاض ۴ /۴

فمن حجرہ بعدہ ماسوغہ فیرد علیہ ولا یسمع. **واما ثالثا:** فان الکراھۃ فیما اذا لم یبلغ المضموم قیمۃ الفضل انما اثرت عن محمد اما الامام الاعظم والھمام الاقدم وصاحب المذہب الاکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال فی الفتح بعد ذکر المسألۃ قیل لمحمد کیف تجدہ فی قلبك قال مثل الجبل ولم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل صرح فی الایضاح انہ لا باس بہ عند ابی حنیفۃ[1] اھو سیأتی فی مثلہ عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان عدم الکراھۃ ھو مذہب ابی حنیفۃ وابی یوسف معا رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لو باع الدرہم بالدرہم وفی احدھما فضل من حیث الوزن وفی الأخر فلوس جاز ولکن اکرہہ لان الناس یعتادون التعامل بمثل ھذا ویستعملونہ فیما لا یجوز، وقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لاباس بہ لانہ	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اس کا منع کرنا اسی پر رد کردیا جائے گا اور مسموع نہ ہوگا، **ثالثاً** جس حالت میں کم کے ساتھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہنچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ اس میں کچھ کراہت نہیں، فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کرکے فرمایا امام محمد سے عرض کی گئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں؟ فرمایا پہاڑ کی طرح گراں، اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی۔ اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاوٰی عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کے ساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہوجائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اسمیں کچھ حرج نہیں اور اس واسطے کہ اسے یوں

---

[1] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

امکن تصحیحه بان یجعل الفضل بازاء الفلوس[1] **وبالجملة** النقل عن الامام فاش مستفیض و معلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه ونحوه وقد فصلناه فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بما لامزید علیه، **واما رابعا** وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة عـــه لیست الا کراهة تنزیه

صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں کے مقابل ہو جائے، **بالجملہ** امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل وفتوی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے، جیسے کہ عمل درآمد مسلمانوں کا اس کے خلاف پر ہو گیا ہو، اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں ایسی مفصل بیان کی ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ **رابعًا** اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ ہے کہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے کراہت کے

عـــه: **اقول:** محمد وما ادرٰك ما محمد، محمد سید مسود محرر المذهب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی هو من کتب ظاهر الروایة اذا کانت هذه الدراهم صنوفا مختلفة منها ماثلثاها فضة ومنها ما ثلثاها صفر و منها نصفها فضة فلا باس ببیع احدها بالاٰخر متفاضلا یدا بید بصرف فضة هذا الی صفر ذٰلك وبالعکس کما لو باع صفرا و فضة بصفر وفضة ولا یجوز نسیئة لانه یجمعهما الوزن وهما ثمنان فیحرم النسأ واما اذا باع جنسا منها بذٰلك الجنس متفاضلا

اقول: (میں کہتا ہوں) محمد، اور تو نے کیا جانا کیا محمد، محمد سردار ہیں، سردار کئے گئے، مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے، وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایۃ میں سے ہے) فرماتے ہیں کہ جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو، کسی میں دو تہائی پیتل، کسی میں آدھوں آدھ چاندی، تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچنا قرار دیں گے اور اسکی چاندی اس کے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی، پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے، ہاں ادھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو ادھار حرام ہے۔ رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۱

ولا تغتر بالاطلاق فانھم ربما یطلقون	مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہاء بارہا اسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلو الفضۃ غالبۃ لایجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضۃ فلا یجوز الامثل بمثل ولو الصفر غالبا اوکانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه و یشترط کونه ید ابید [1] نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرۃ وقال وعلی ھذا قالوا اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحد باثنین یجوز یدا بیداھ [2]۔ **اقول:** واباحۃ التفاضل یشمل واحدا باثنین و بمائۃ وبالوف فلیکن واحد مما ثلثاہ صفر فی الوزن ثلثۃ ارباع ما نصفه فضۃ فیکون ثلثا ذاك و نصف ھذا مساویین فی الوزن وبیع واحد من ذاك بعشرۃ اٰلاف من ھذا یدا بید ولا بد من

اسی قسم کے روپوں سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی، اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باعیا نہا ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسے فتاوٰی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتھی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچنا ویسے ہی سو، ویسے ہی ہزاروں کو۔ اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اسکا آدھا تول میں برابر ہونگے اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ ضرور ہے کہ

(باقی بر صفحہ آیندہ)

[1] الجامع الکبیر

[2] فتاوٰی ذخیرۃ کتاب البیوع فصل ششم

ویریدون به ماهو اعم من التنزیه والتحریم وربما یطلقون ولا یریدون به الا کراهة تنزیه کما لایخفی من عاشر نفائس عرائس کلماتهم، وقد نصوا علیه فی غیر موضع قال فی ردالمحتار قبیل باب الشهید ماذکره غیره (ای غیر الامام الطحطاوی) من کراهة الوطء والقعود ای علی القبور الخ یرادبه کراهة التنزیه[عہ] فی غیر قضاء الحاجة وغایة	مطلق چھوڑتے ہیں اور اس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اس سے صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جس نے ان کے کلمات کی نفیس دلہنوں کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، اور علماء نے اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی ردالمحتار میں باب شہید جو قبروں پر پاؤں رکھنے اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے الخ قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں میں اس سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صرف الجنس الی خلافه فکانت عشرة آلاف من الفضة بواحد من الصفر وای ارباء فی المالیة ترید اکثر من هذا وهذا محرر المذهب محمد ناصا علی انه لاباس فوجب ان لاتکون الکراهة ان کانت الا کراهة تنزیه ولا کلام لاحد بعد نص صاحب المذهب فعلیك به وبالله التوفیق ۱۲منه۔

جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو بکے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا بیشی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہ ہو اور خود صاحب مذہب کی تصریح کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

عہ: هذا ما مال الیه هنا فالحق کراهة التحریم کما حققه فی رسالتی "الامر باحترام المقابر" وقد اعترف به

عہ: یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ (باقی برصفحہ آئندہ)

مافیه اطلاق الکراهة علی مایشمل المعنیین وهذا کثیر فی کلامهم ومنه قولهم مکروهات الصلٰوة اه[1]، بل قال فی الدر المختار فی فصل الاستنجاء تحت قول الماتن یکره للمرأة امساك صغیر لبول نحو القبلة الخ هذه تعم التحریمیة والتنزیهیة[2] اه وقال الشامی فی مکروهات الوضوء لیست الکراهة مصروفة الی التحریم مطلقاً[3] اه.وقال قبله بقلیل تحت قوله و مکروهه هو ضد المحبوب قد یطلق علی الحرام وعلی المکروه تحریما وعلی المکروه تنزیها ثم نقل عن البحر ان المکروه فی هذا الباب نوعان ما کره

اس متن میں یہ ہوا کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہاء کا مکروہات نماز فرمانا انتھی،بلکہ در مختار کی فصل استنجامیں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ فرمایا کہ کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتی،اور شامی نے مکروہات وضو میں فرمایا کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی انتی،اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی،اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر،پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

هذا المحقق اعنی الشامی فی کتابه هذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا علی ان المرور فی سکة حادثة فی المقابر حرام اه[4] منه ۱۲ منه۔

"الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ" میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجاء میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ قبروں میں جو نیا راستہ نکلا ہو اس میں چلنا حرام ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الطهارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰

[4] ردالمحتار کتاب الطهارة فصل فی الاستنجا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۹

تحریما وھو المحمل عند اطلاقھم الکراھۃ والمکروہ تنزیھا وکثیر ا مایطلقونہ کما فی شرح المنیۃ فحینئذ اذا ذکروا مکروھا فلا بد من النظر فی دلیلہ فان کان نھیا ظنیا یحکم بکراھۃ التحریم الا لصارف فان لم یکن نھیا بل مفید اللترک الغیر الجازم نھی تنزیھیۃ[1] اھملخصا۔

قلت: ومن الاخیر قول المتون کالتنویر وغیرہ یکرہ امامۃ عبد[2]، فی الدر تنزیھا[3]، قال ابن عابدین لقولہ فی الاصل امامۃ غیرہم احب الی بحر عن المجتبٰی والمعراج[4] اھ اذا علمت ھذا وجب الفحص عن الدلیل انہ الٰی ای الکراھتین یمیل کما افادہ البحر فی البحر فرأینا ھم یستدلون علی الکراھۃ المذکورۃ بوجھین لایفید شیئ منھما کراھۃ التحریم وانما

وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے، دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہاء کسی شیئ کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے، اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصًا، **میں کہتا ہوں** شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے، درمختار میں فرمایا تنزیہًا، شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا ان کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبٰی اور معراج سے ہے انتہی، جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا، اب ہم نے علماء کو دیکھا کہ اس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور ان میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی ان کی نہایت

---

[1] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۹

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

[4] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

قصارٰهما التنزيه قال فى العناية الكراهة اما لانه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة فى اخذ الزيادة بالحيلة واما لانه يفضى الى ان يالف الناس فيستعملوا ذٰلك فيما لايجوز[1] اھ ونقل فى الفتح عن الايضاح الوجه الثانى ثم قال وهكذا ذكر فى المحيط ايضا ثم قال وقيل انما كرهه لانهما باشرا الحيلة الى اخر[2] مامر فى الوجه الاول، وصاحب العناية بعد ذكر الوجهين عاد فحصر فى الوجه الاول حيث قال الكراهة انما هى للاحتيال لسقوط ربا الفضل[3] اھ وعليه اقتصر فى الكفاية قال انما كره لانه احتيال لسقوط الربالياً خذ الزيادة بالحيلة فيكره كبيع العينه فانه مكروه لهذا اھ[4]، وانت تعلم ان فى الوجه الثانى ترك مالا بأس به حذرا مما به باس فهو مقام الورع وترك الورع لايوجب كراهة تحريم وقد قال

صرف کراہت تنزیہ ہے۔ عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہوجائے گا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اسکے خوگر ہوجائینگے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کارروائی کرنے لگیں گے انتہی، فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی، پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا، پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انہوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں حصر کردیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اس سے زیادت ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی، اور اس پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی، اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی

---

[1] العناية على ہامش فتح القدير كتاب الصرف مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۲-۲۷۱

[2] فتح القدير كتاب الصرف مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

[3] العناية على ہامش فتح القدير كتاب الصرف مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۲

[4] الكفاية مع فتح القدير كتاب الصرف مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

یفضی الی ان یألفوہ فیستعملوہ فیما لا یجوز فافاد ان ھذا استعمالہ فیما یجوز انما کرہ خشیۃ التجاوز الی ما لا یجوز واما الوجہ الاول فابین واظھر فان الاحتیال لسقوط الربا فرار عنہ وھو غیر ممنوع بل الممنوع الوقوع فیہ وقد علم علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی عدۃ حیل لتحصیل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لھا الامام فقیہ النفس قاضی خان فی فتاواہ فصلا مستقلا فقال فصل فیما یکون فرارا عن الربا وقال فیہ رجل لہ علی رجل عشرۃ دراہم فارادان یجعلھا ثلثۃ عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلک العشرۃ ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثۃ عشر الی سنۃ فیقع التجوز عن الحرام ومثل ھذا مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذٰلک [1] اھ، ومثلہ فی البحر عن الخلاصۃ عن النوازل للامام الفقیہ ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی ثم قال فی الخانیۃ	اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اسکے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اسے برتنے لگیں تو صاف بتادیا کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہنچ جائیں، رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح وروشن ہے کہ رباساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو، اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے اپنے فتاوٰی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی، فرمایا کہ یہ فصل ہے ان باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز میں ہیں اور اس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک، علماء نے فرمایا کہ وہ مدیون سے ان دس کے عوض کوئی چیز خریدلے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا انتہی، اور اسی طرح بحرالرائق میں بحوالہ خلاصہ، نوازل امام فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے۔ پھر خانیہ میں **(دوسرا حیلہ)** یہ فرمایا

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

رجل طلب من رجل دراہم لیقرضه بدہ دوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك ھذا المتاع بمائة درہم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراہم ویأخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی ھذا المتاع بمائة وعشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درہم ویعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة وعشرون درھما والاوثق والاحوط ان یقول المستقرض للمقرض بعد ماقرر المعاملة كل مقالة و شرط كان بیننا فقد ترکته ثم یعقدان بیع المتاع اھ[1]۔ثم قال فان كان المتاع للمقرض ولیس للمستقرض شیئ ویریدان یقرضه عشرة بثلثة عشر الی اجل فان المقرض یبیع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ویسلم السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض یبیع السلعة من اجنبی بعشرة	ایک شخص نے دوسرے سے کچھ روپے قرض مانگے اس طور کہ دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے اور روپے اسے دے دے اور متاع پر قبضہ کر لے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایک سو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور اس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور قرض دینے والے کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں اور زیادہ اطمینان واحتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرار داد کرکے یوں کہہ دے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑدی پھر متاع کی خرید وفروخت کریں انتہی۔ **تیسرا حیلہ** یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اس سے وصول کرے تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس"

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

ویدفع السلعة الی الاجنبی ثم الاجنبیة یبیع السلعة من المقرض بعشرة ویأخذ بعشرة منه ویدفعها الی المستقرض فیبرأ الاجنبی من الثمن الذی کان علیه للمستقرض و تصل السلعة الی المقرض بعشرة و للمقرض علی المستقرض ثلثة عشر الی اجل اھ[1]. ثم قال **وحیلة اخری** ان یبیع المقرض سلعة بثلثة عشر الی اجل معلوم و یدفع السلعة الی المستقرض ثم یبیعه المستقرض من الاجنبی ثم ان المستقرض یقیل البیع مع الاجنبی قبل القبض اوبعده ثم یبیعها المستقرض من المقرض بعشرة و یأخذ العشرة فیحصل للمستقرض عشرة وعلیه للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة الی المقرض والمقرض وان صار مشتریا ماباع باقل مماباع قبل الثمن الا ان ذٰلك جائز لتخلل البیع الثانی وھو البیع الذی جری بین المستقرض والاجنبی[2] اھ. ثم قال **وحیلة اخری** ان

روپے کو بیچے اور وہ متاع اس اجنبی کو دے دے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اس سے دس روپے لے کر قرض لینے والے کو دے دے تو اجنبی پر جو قرض لینے والے کا دین تھا وہ اتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائیگی اور قرض لینے والے پر اس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے انتہی۔ **چوتھا حیلہ** یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور راس کے قبضہ میں دے دے اور قرض لینے والا اسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اس پر تیرہ لازم ہوں گے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اس سے کم کو خرید لی مگر یہاں یہ جائز ہے اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتھی۔ پھر **ایک حیلہ** یہ فرمایا کہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنو ۲/ ۴۰۷

يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل ويدفع السلعة الى المستقرض ثم ان المستقرض يبيعها من غيره باقل مما اشترى ثم ذٰلك الغير يبيعها من المقرض بما اشترى لتصل السلعة اليه بعينها ويأخذ الثمن ويدفعه الى المستقرض فيصل المستقرض الى القرض ويحصل الربح للمقرض اھ. اقول: هذه هى الحيلة الثالثة المارة قال "وهذه الحيلة هى العينة التى ذكرها محمد رحمه الله تعالٰى و مشايخ بلخ بيع العينة فى زماننا خير من البيوع التى تجرى فى اسواقنا وعن ابى يوسف رحمه الله تعالٰى انه قال العينة جائزة ماجورة وقال اجره لمكان الفرار من الحرام [1] اھ. **ثم قال** رجل له عشرة دراهم صحاح فاراد ان يبيعها باثنى عشر درهما مكسرة يجوز لانه ربا، فان ارادالحيلة يستقرض من المشترى اثنى عشرة درهما مكسرة ثم يقضيه عشرة جيادا ثم ان

قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ادھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دے دے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اسے پہنچ جائے اور اس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہوجائیگا انتہی، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا، امام قاضیخان نے فرمایا کہ اس حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آج کل رائج ہیں بہتر ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی۔ **پانچواں حیلہ** یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے پھوٹے ہوؤں سے بیچے تو جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو یہ چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے پھوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربا نولکشور لکھنؤ ۲ /۴۰۷

المقرض یبرئه من درھمین فیجوز ذلك اھ[1]. **ثم قال** ولوکان له علی رجل عشرة دراہم مکسرة الی اجل فلما حل الاجل جاء المدیون بتسعة صحاح فقال ھذہ التسعة بتلك العشرة لایجوز لانه ربا فان اراد الحیلة یأخذ التسعة بالتسعة ویبرئه عن الدرھم الباقی فان خاف المدیون ان لا یبرئه عن الدرہم الباقی یدفع الی صاحب الدین تسعة دراہم صحاحا وفلسا او شیئا یسیرا عوضا من الدرہم الباقی جاز ذلك و یقع الامن[2] اھ وفیها فوائد لاتخفی علیك و سنمر علیها فیما یأتی ان شاء اللہ تعالٰی وکفانا تشبیهه فی الوجه الاول ببیع العینة وقولهم فانه مکروہ لهذا و ذلك لانه لایکرہ الاتنزیها فکذا ھذا، ولا یهولنك قول محمد انه یجدہ مثل الجبل[3] فانه قال مثله بل اشد منه فی العینة وماثبت لها الا کراھة	اسے باقی دو روپے معاف کردے تو یہ جائز ہے، **چھٹا حیلہ** یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس روپے پھوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ ان دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ سود ہے، تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کردے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دے دے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہے گا انتہی اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں ان شاء اللہ ہم اوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علماء نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی، تو ایسے ہی یہ بھی اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انہوں نے ایسا ہی کہا بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۱

التنزیه قال فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن ابی یوسف العینة جائزة ماجور من عمل بها کذا فی مختار الفتاوی ہندیة وقال محمد هذا البیع فی قلبی کامثال الجبال ذمیم اخترعه أکلة الربا وقال علیه الصلٰوة والسلام اذا تبایعتم بالعین واتبعتم اذناب البقر ذللتم وظهر علیکم عدوکم .قال فی الفتح ولا کراهة فیه الاخلاف الاولٰی لما فیه من الاعراض من مبرة القرض اھ[1] واقرہ علیه فی البحر والنهر والدر و الشرنبلالیه و غیرہا وقال ایضا فی فتح القدیر قال ابویوسف لایکرہ هذا البیع لانه فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وحمدوا علی ذٰلك ولم یعدوہ من الربا اھ[2]. **اقول**:قول ابی یوسف فعله کثیر من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم مرسل اصولی فانه عندنا مالم یتصل سندہ مطلقًا

ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ، ردالمحتار میں طحطاوی اس میں عالمگیری اس میں مختار الفتوی اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنیوالے کو ثواب ملے گا،اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خوروں نے ایجاد کیا،اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کرو اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہوجاؤگے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولٰی کے،اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی۔اور اسے بحرالرائق اور نہرالفائق اور درمختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابویوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں اسلئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسے کیا اور اس کی تعریف کی اور اسے سود نہ ٹھہرایا انتہی، **اقول**: (میں کہتا ہوں) امام ابویوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کیا،اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۴

[2] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

والفرق بین انواعه وتسمیتها مرسلا ومنقطعا و مقطوعا ومعضلا مجرد اصطلاح من المحدثین لافادة مایقع فیه من الصور، اما الحکم فمتحد عندنا وھو القبول اذاکان من ثقة کما حققناه فی کتابنا منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین ١٣١٣ھ ونص علیه فی مسلم الثبوت وغیرہ وای ثقة او ثق ترید من ابی یوسف فاذاصح عن کثیر من الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم فعله ومدحه لایعدل عنه لان مذھب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنه تقلیدھم رضی اللہ تعالٰی عنهم وقد امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم باقتدائهم اما الحدیث اذا اتبایعتم بالعینة[1]، رواہ احمد وابوداؤد والبزار وابویعلی والبیهقی عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قال ابن حجر سندہ ضعیف وله عند احمد اسنادا خر امثل من ھذا اھ[2]۔

کی سند متصل نہ ہو اور اس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل ومنقطع ومقطوع ومعضل رکھنا یہ محدثین کی نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں، رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیساکہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اس کی تصریح فرمائی اور امام ابویوسف سے بڑھ کر تجھے اور کون ساثقہ درکار ہے، توجب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت ہوئی تو اس سے عدول نہ ہوگا اس لیے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالی عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا، رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید وفروخت کروگے اسے امام احمد وابوداؤد وبزار وابویعلٰی وبیہقی نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اس کی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی۔

[1] سنن ابوداؤد باب فی النهی عن العینه آفتاب عالم پریس لاہور ٢/ ١٣٤، مسند احمد بن حنبل مروی از عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ٢/ ٨٤، ٤٢

[2] منیران الاعتدال

وفی سندہ ابوعبدالرحمٰن الخراسانی اسحٰق بن اسید الانصاری، قال ابن ابی حاتم لیس بالمشہور وقال ابوحاتم لا یشتغل بہ وقال الذہبی جائز الحدیث[1] ثم اعادہ فی الکنی فعد الحدیث من مناکیرہ[2] وقال فی التقریب فیہ ضعف[3] اھ۔ وقد رمز الامام السیوطی فی الجامع الصغیر لحسنہ وجاء من طرق کثیرۃ عقد لہا البیہقی بابا فی سننہ وبین عللہا، **اقول**: وظاہر کلام الفتح ان محمدا احتج بھذا الحدیث فاذا ھو صحیح ولا شك لان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما افادہ المحقق حیث اطلق فی التحریر وغیرہ فی غیرہ وعلی کل فلیس فی الحدیث مایدل علی منعہ الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معہ واخذتم اذناب البقر[4] ای حرثتم	اور ابوداؤد کی سند میں ابوعبدالرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں، ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں، اور ابوحاتم نے کہا ان سے کام نہ رکھا جائے، اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں، پھر کنیتوں میں انہیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو ان کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی۔ بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں، اور بیشک امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث بہت سندوں سے آئی جن کیلئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں، **اقول**: کلام فتح القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس حدیث کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو وہ ضرور صحیح ہے اس لئے کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اس حدیث کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور ان کے غیر نے غیر میں افادہ فرمایا بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو

[1] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۷۳۷ اسحاق بن اسید دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴ و ۴/ ۵۴۷

[2] میزان الاعتدال فی نقد الرجال ترجمہ ۱۰۳۷۸ اسحاق بن اسید دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۵۴۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۴۲ اسحاق بن اسید دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۹

[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النہی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

وزرعتم کما فسرہ بہ فی الفتح قال لانھم حینئذ یترکون الجھاد وتألف النفس الجبن[1] اھ بل ھو فی نفس روایۃ بلفظ اخذتم اذناب البقر ورضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد[2] الحدیث و معلوم ان الزرع غیر منھی عنہ بل ھو افضل وجوہ الکسب بعد الجھاد عند الجمھور و قیل التجارۃ ثم الزراعۃ ثم الصناعۃ کما فی وجیز الکردری لاجرم لما احتج فی العنایۃ بالحدیث علی ذمہ قال العلامۃ سعدی اُفندی **اقول:** لوصح ذٰلک تکون الزراعۃ مذمومۃ ایضا اھ[3] ولم یعلل الکراھۃ فی الھدایۃ والتبیین و الدرر وغیرہا الا بالاعراض عن مبرۃ الاقراض زاد فی الھدایۃ مطاوعۃ لمذموم البخل[4]۔وانت تعلم ان الاعراض عن المبرۃ لاتوجب کراھۃ تحریم

یعنی کھیتی کرو زراعت میں پڑو جیسا کہ اس کی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی، فرمایا اس لئے کہ وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی کی عادی ہو جائے گی انتہی بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلوں کی دمیں پکڑو اور کشت کاری میں پڑ جاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک، اور معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب پیشوں سے افضل ہے، اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت، پھر زراعت، پھر حرفت، جیسا کہ وجیز کردری میں ہے۔ ولہٰذا جبکہ عنایہ میں اس حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے، علامہ سعدی آفندی نے فرمایا کہ **میں کہتا ہوں** اگر یہ دلیل صحیح ہو جائے تو زراعت بھی مذموم ہو جائے گی اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کی کراہت کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کی نیک سلوک سے روگردانی ہے، ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی کرکے، اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت تحریم کی

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] سنن ابوداؤد کتاب البیوع باب فی النھی عن العینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۴

[3] حاشیہ آفندی بہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[4] الھدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۴۔۱۲۳

ولذا قال فی الفتح لاباس فی ھذافان الاجل قابله قسط من الثمن والقرض غیر واجب علیه دائما بل ھو مندوب اھ[1] وقال فی العنایة الاعراض عن الاقراض لیس بمکروہ والبخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذالك والالکانت المرابحة مکروھة[2] اھ، **اقول:** بل لیست التجارة الاان تبغوافضلا من ربکم والمماکسة فی المبایعة مسنونة،وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم المغبون لامحمود ولا ماجور[3] رواہ اصحاب السنن عن الحسین بن علی والطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی والخطیب عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجوھھم الکرام،فغایة مافیه کراھة التنزیه والا فقد صح ان الصحابة فعلوہ وحمدوہ وفی حاشیة الفاضل عبدالحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمھما الله تعالٰی علی الدرر والمروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة مأجورة لمکان الفرار فیھا عن الحرام و	موجب نہیں، لہذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے **انتہی**، اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی، اقول: بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید وفروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے، اور بیشک نبی صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ماموری نہ ثواب، یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولی علی کرم الله تعالٰی وجوھھم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما الله تعالٰی حاشیہ درر میں لکھتے ہیں امام ابویوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦ /٣٢٤

[2] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦ /٣٢٣

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ٢٧٣٢ المکتبة الفیصلیة بیروت ٣ /٨٣

الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب ولانه فعله کثیر من الصحابة و حمدواذٰلك [1] اھ،وظاهر سیاقه ان جملة "والاحتیال للفرار عن الحرام مندوب" من کلام الامام ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ والله تعالیٰ اعلم،هذا احدالدلائل علیه والثانی:تصریحهم قاطبة ان القدر والجنس اذاعدم احدهما حل الفضل و معلوم قطعًا ان الدینار والدرهم او الدینار و الفلس لایتجانسان فیجب الحل فمن این تأتی کراهة التحریم،وتحقیقه ان للتفاضل اربع صور ۱الاول: ان یکون الاکثر مالیة هو الاکثر قدرًا و ۲الثانی: ان یکون اقل ولکن مالیة بعد زائدة بل اضعاف مضاعفة کالجنیة مع الربیة و ۳الثالث: ان یکون اقل الی حد تنقص مالیته ایضا البدل و ۴الرابع: ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وهم قاطبة قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل ولم یقیدوہ بشیئ من الصور اصلا فیعمها جمیعا ولو کانت ثم کراهة تحریم لم تحل الاصورة واحدة من الاربع وهی الرابعة ثم هنا وجه اٰخران یکون جنسان متحدی المالیة عند اتحادالقدر وهم قد حکموا بحل التفاضل	سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اسے کیااور اس کی تعریف فرمائی انتھی،اور ان کی روشن عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابویوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم،یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے،دلیل دوم: تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے اور یقینا معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئیگی،اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں: **اول**: یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو۔**دوسری**: یہ کہ اسکی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ بلکہ کئی گنا بڑھ کر،جیسے روپے کے ساتھ اشرفی۔ **تیسری**: یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اس کی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے،**چوتھی**: یہ کہ اسکی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہو جائیں،اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چاروں صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو ان کی مالیت بھی یکساں ہو اور علماء نے کمی بیشی

[1] حاشیة الدرر لعبد الحلیم کتاب البیوع

وهو يستلزم التفاضل فی المالية فوجب حله،و[3] الثالث: قوله صلی الله تعالٰی عليه وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم [1]،فمن ذالذی يعده معصية و مكروها تحريما مع اذن رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم فيه و[4] الرابع ماقدمنا انفا عن الخانية انه يدفع فلسا عوضا عن الدرہم فيجوز ذٰلك ويقع الامن ای امن بعد حصول المعصية،و[5] الخامس: ليس التفاضل بين درہم اودينار او فلس ودينار مثلا الابالمالية فان كان ذلك موجبا لكراهة التحريم لانه حصل لاحد العاقدين اكثر واربح مما حصل لاٰخر فاربی هذا عليه يجب ان يكون مساواة الجيد والردی وزنا مكروها تحريما اذاا ربی الجيد علی الرد بمالايتغابن فيه الناس كأن تكون ماليته ضعف ماليته او اضعافها لان موجبها المذكور حاصل هٰهنا ايضا قطعا،والشيئ لايتخلف عن موجبه مع ان المساواة هو المامور به شرعا وكذٰلك مازاد بالصناعة حتی صارت	حلال ہونے کا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اس کا حلال ہونا واجب ہوا، دلیل سوم: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے جو اسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی اجازت فرماچکے۔ دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاوٰی قاضی خان سے بیان کرآئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دے دے تو یہ جائز ہوجائے گا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے۔ دلیل پنجم: مثلاً اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی، تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بناء پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے سے غبن نہ کھائیں جیسے اس کی مالیت اس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقینا حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو

[1] نصب الراية لاحاديث الهداية كتاب البيوع المكتبة الاسلامية لصاحبها الحاج رياض الشيخ ۴/۴

قیمته اضعاف قیمة مایساویه وزنا من التبراو الدراہم یکون التساوی فیه موجب لما او جبتم به کراهة التحریم مع انه هو الواجب شرعا فاذن یکون الشرع قد اوجب ماهو معصیة فان المکروه تحریما منهی عنه وارتکابه اثم و معصیة وان کانت صغیرة کما نص علیه فی البحر والدر وغیرهما وبالاعتاد یصیر کبیرة ولا شك ان الشرع متعال عن ان یامر بمعصیة ویوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروه تنزیها فانه من المباح ولیس من المعصیة قطعا و ربما یتعمده الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام بیانا للجواز، وقد زلت قدم ذاك اللکنوی فی رسالته فی الدخان فجعل المکروه تنزیها من المعاصی والاصرار علیه من الکبائر وهذه مزلة فاحشة بینت عوارها فی رسالة مستقلة سمیتها "جمل مجلیة ان المکروه تنزیها لیس بمعصیة ۱۳۰ھ" والاعتذار بان الشرع اهدر اعتبار المالیة عند اتحاد الجنس لایجدی نفعا فان ذٰلك اول الکلام ان لوکان الاربا فی المالیة موجب المعصیة فی نظر الشرع فلم اهدر اعتبارها مع مافیه من ابطال مقصد نفسه اعنی الشرع وهو صیانة اموال

صناعی کے سبب بڑھائے یہاں تک کہ اسکی قیمت اس کے ہم وزن پتر یا روپوں سے کئی گنا ہوجائے تو اس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعًا واجب ہے تو اس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اس کا کرنا گناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحر الرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے کبیرہ ہوجائے گا، اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند وبالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے، بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقینا نہیں، کبھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اسے قصدًا کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہوجائے اور انہیں لکھنوی کا حُقّے کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرادیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام "**جمل مجلّیۃ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیة** ۱۳۰۴ھ" رکھا اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرمادیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرمادیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا

الناس وانما الاموال بالمالیة وفیه ایصال اکلة الربا الی قصدهم الفاسد فان غرضهم انما یتعلق بالمالیة فاذا اربوا فیها فقد فازوا بمرادهم ولا نظر لهم الی زیادة الوزن وقلته فتبین ان الاربا فی المالیة لانظر الیه للشرع ولایمکن ان یوجب کراهة تحریم اصلا وهو المقصود، و۶ السادس: طفحت المتون قاطبة بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادهم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لوباع فلسا بمائة علی التعیین جاز عندهما[1] ای عند الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما وای نص ترید انص من هذا علی حل التفاضل بالمالیة والحمدلله، نعم الحل قد یجامع کراهة التنزیه کما نصوا علیه، ۷ السابع: العینة المذکورة فانما مبناها علی التفاضل فی المالیة ولا یتقید بنحو عشرة باثنی عشر او ثلثة عشر کما فی الخانیة او خمسة عشر کما فی الفتح بل صورت بصورت الضعف ایضا قال فی الفتح من	مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اس میں سود خوروں کو ان کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ ان کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب انہوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف ان کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلاً نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلاً کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے۔ دلیل ششم: تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحرالرائق میں فرمایا کہ ان کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ اگر ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ، ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے جیسا کہ علماء نے تصریح فرمائی۔ دلیل ہفتم: عینہ مذکورہ کہ اسکی بناء ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے، اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کریں جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں بلکہ دو نادون کی صورت بھی اس میں بیان کی گئی ہے، فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت

[1] بحرالرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۲

صور العینة ان یبیع متاعه بالفین من المستقرض الی اجل ثم یبعث متوسطاً یشتریه لنفسه بالف حالة ویقبضه ثم یبیعه من البائع الاول بالف ثم یحیل المتوسط بائعه علی البائع الاول بالثمن الذی علیه وهو الف حالة فیدفعها الی المستقرض ویأخذ منه الفین عند الحلول [1] اھ واذجاز ضعف جازت الاضعاف۔ **اقول:** ولا یلزم المتوسط بل له ان یبیعه من المستقرض بالفین یبیعه المستقرض فی السوق بالف کیلا تعود العین الی المقرض فیکون مکروہاً تحریماً فی بحث المحقق وان کان فیه للکلام مجال فان شراء ماباع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم یذکروا فیه تأثیماً وقد تقدم عن فقیه النفس فی حیل الفرار عن الحرام وانی تتم الحیلة مع بقاء المعصیة لاجرم قال العلامة عبد الحلیم فی حواشی الدرر الظاہر کراهة تنزیه سواء	یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدپر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کرلے پھر یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دے دے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی، اور جب دونا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کی طرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی، اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہے اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علماء نے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گزر چکا جہاں انہوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہو، لاجرم علامہ عبدالحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٣٢٤

کان فی صورۃ عود کل المدفوع او بعضہ الی الدافع اولا تدبر[1]، و۸الثامن: شرطوا الجواز شراء الوصی مال الیتیم لنفسہ او بیعہ مال نفسہ لہ الخیریۃ للیتیم وجعلوھا فی العقار بالضعف وفی غیرہا بمثل ونصف[2] کما فی الخانیۃ والھندیہ وشرطوا الجواز بیعہ مال الیتیم من اجنبی ان لم تکن للصغیرہ حاجۃ الی ثمنہ ولا علی المیت دین لاوفاء لہ الابہ ان یبیعہ بضعف القیمۃ قال فی الھندیۃ عن محیط السرخسی وعلیہ الفتوی[3] فھذا تفاضل فی المالیۃ مأموربہ من جھۃ الشرع، و۹التاسع: ماتقدم عن الفتح وغیرہ من المعتمدات من قولہ لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[4] و۱۰العاشر: فی باب الربا من ردالمحتار عن الذخیرۃ اذادفع الحنطۃ الی خباز جملۃ واخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتما او سکینا من الخباز بالف من من	جو متاع دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کرآئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں، تدبر، دلیل ہشتم: وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علماء نے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فروخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقولہ میں دو چند رکھی اور منقولہ میں ڈیوڑھی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خان اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے، ہندیہ میں محیط سرخسی سے نقل کیا کہ اسی پر فتوٰی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے، دلیل نہم: وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں ___ دلیل دہم: ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکٹھے دے دئے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلا ہزار من روٹی

[1] حاشیۃ الدرر لعبد الحلیم

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷۶

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب السابع عشر فی بیع الاب الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷۶

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۲۴

الخبز مثلا[1] الخ واین یقع سکین من الف من من الخبز ونظائر ھذا الوسرد نا ھالم نستطع احصاء ھا و انما تنزلنا بعد السادس الی ھنا لان کلامھم فی المضموم الاقل مطلق من ان یکون من الاثمان او الاعیان ومن الاموال الربویۃ او من غیرہا فھذا غایۃ تحقیق المسألۃ، اما کلام الشیخ عبدالحلیم **فاقول: اولا**: لیس الوجوب للاحتیاط وجوب الشیئ فی نفسہ ولا شك ان ترك مالابأس بہ حذرا مما بہ باس من قبیل الاحتیاط فی الدین ولا یحصل ذٰلك الا بماذکر فکان من واجباتہ اذ الواجب للشیئ ھو الذی لا تحصل لہ الابہ **وثانیا**: ربما یطلق الواجب عرفا علی المندوب ومنہ قول الدر لاباس بہ ای بالتکبیر عقب العید لان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[2] اھ ونظرلہ الشامی فی موضع اٰخر بقولھم حقك واجب علی وفی کتاب	کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو ان کا احاطہ نہ کر سکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اتر آئے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علماء نے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے وہ ان کے کلام میں مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربا سے ہو یا نہیں تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے، رہا فاضل عبدالحلیم رومی کا کلام **اقول: اوّلاً**: حصول احتیاط کیلئے کسی شیئ کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اسی طور پر حاصل ہوگا جو انہوں نے ذکر کیا احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شے کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شے حاصل نہ ہو، **ثانیاً**: اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی، اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۶

[2] درمختار باب العیدین مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

ادب القاضی من الفتح تحت قولہ" ویشھد (ای القاضی) الجنازۃ ویعود المریض" ذکر حدیث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ان للمسلم علی اخیہ ست خصال واجبۃ ان ترك شیئا منہا فقد ترك حقا واجبا علیہ لاخیہ یسلم علیہ اذا لقیہ ویجیبہ اذا دعاہ ویشمتہ اذاعطس ویعودہ اذا مرض ویحضرہ اذا مات وینصحہ اذا استنصحہ ثم قال ولا بد من حمل الوجوب فیہ علی الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقہ الحادث فان ظاھرہ وجوب الابتداء بالسلام وکون الوجوب وجوب عین فی الجنازۃ فالمراد بہ امر ثابت علیہ اعم من ان یکون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ[1] ولا بد من الحمل علیہ لما اقمنا من الادلۃ وان ابیت الا حملہ علی ظاھرہ فھذا فھم من الشیخ عبدالحلیم لم یستند فیہ

فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد میں بخاری کی یہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑیگا جو اس کے لئے اس پر واجب تھا، ملاقات کے وقت اسے سلام کرے، اور وہ دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے اور، جب اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے "یر حمك اللہ" کہے، اور بیمار پڑے تو اسے پوچھنے جائے، اور اس کی موت میں حاضر ہو، اور اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے۔ پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اصل کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتداء بہ سلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی، اور عبارت عبدالحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کرچکے اور تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبدالحلیم

[1] فتح القدیر کتاب الادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۳

لنقل وفهمه غير حجة فى الشرع لاسيما عند قيام البراهين على خلافه. **وثالثًا:** ان لم يحمل على ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعةً تحدث فى الدولة العثمانية من تبديل الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة و يمنع بظهورها التعامل بالعتيقة و من ردائة العتيقة ان الدرهم الكبير الرومى وهو المسمى بالقرش يكون بمائة وعشرين درهما منها والدينار بمائتين واربعين فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش الى ثمانين من الجديدة والدينار الى مائة وعشرين فيقع بين الناس نزاع كثير فى ديونهم الواقعة فى زمن العتيقة قال فافتى اسلافنا من ساداتنا علماء قسطنطنية المحميّة بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة دين مائة وعشرين درهما يعطى المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا وبمقابلة مأتين واربعين دينارا او قرشين الى ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين فافتى بان يعطى قيمة العتيقة فى زمن العقد من الدينار مثلًا لكل	کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انہوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصًا جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں۔ **ثالثًا:** اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا، اس لئے کہ انہوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے، پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انہیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں اور ان نیؤں کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کر دیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹا پن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر، جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نیؤں سے اسی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی، تو لوگوں کا وہ لین دین جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے تو علمائے محرسہ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلوں سرداروں سے یہ فتوی دیا کہ تہائی دین اتار دیں، تو ایک سو بیس پرانے روپے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انہوں نے یہ فتوی دیا کہ زمانہ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلًا ہر

مائتين واربعين درهما يعطى دينارا ولم يجوز اعطاه درهما جيدا ولا قرشا وصرح بان فى المسلك السابق حقيقة الربا او شبهته [1]. ثم قال يقول العبد ان ما افتى به اولاصحيح ايضا مع ان فيه يسرا وتوسيع دائرة لاداء الدين اما صحته فان الدراهم العتيقة لما كانت رائجة كما يروج القرش والدينار من غير فرق بينهن تقرر ان دين المديون استقر فى ذمته على هذا التفصيل وصرف الدين الى ماقدربه فى الاداء من كل نوع اى نوع كان من العتيقة و القرش والدينار كما صرح الفقهاء بهذا فى صورة استواء رواج الاحادى و الثنائى والثلاثى فاذا منع تعاطى العتيقة و القرش والدينار كما صرح الفقهاء بهذا فى صورة استواء رواج الاحادى والثنائى والثلاثى فاذا منع تعاطى العتيقة وظهر الجديدة ورخص القرش و الدينار بالتنزيل الى ما سبق ذكره نزل الدين كذلك و فيه توسيع دائرة ويسر تام اذ يؤدى المديون من اى نوع قدر بخلاف ما افتى به ثانيًا اذقد لايكون للمديون دينار وقد لايجد وقد يكون الدين او الباقى غير بالغ الى قيمة الدينار فيعسر الاداء مع

دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبدالحلیم نے کہا کہ وہ جو پہلوں نے فتوی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت، اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہٖ ایسا ہی چلن تھا جیسے اشرفی اور قرش کا، تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین اسی تفصیل سے ٹھہرا اور دین کا حاصل اس طرف پھیرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی نوع میں سے ہو، پرانے روپے ہوں یا قرش یا اشرفی جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو، تو جب پرانوں کا چلن بند کردیا گیا اور نئے چلنے لگے اور قرش اور اشرفی کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی اتر جائے گا اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے اس لئے کہ مدیون جس نوعیت پر قدرت پائیگا اس میں سے ادا کریگا، بخلاف دوسرے فتوی کے، اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں ہوتی اور نہ اسے ملتی ہے، اور کبھی کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار

---

[1] حاشیۃ الدرر لعبدالحلیم

ان الاثمان الرائجة فی زمن العقد سوی العتیقة باقیة علی رواجها ولیس فیها کساد ولا منع سوی الترخیص بالنسبة الی الجیدة فمن این التکلیف للمدیون باداء الدین بالدینار فقط فظهر ان ماافتی به اولا صحیح علی وجه الیسر لا عسر فیه نعم لو سلم وجدان الربا اما حقیقة او حکما فی الاداء بالجدیدة او بالقرش بان لا مساواة بینهما وزنا اولا یعلم فانه یدفع بضم نحو فلس الی الجدیدة او القرش کما لایخفی [1] اھ ملخصًا، والمسئلة مذکورة فی الدر وغیرہ واختار العلائی ماافتی به سعدی افندی و هو الالزام بالذهب ومال ابن عابدین الی نحو مامال الیه عبدالحلیم وحاصله اولا منع ان اللازم علی ذمة المدیون عین العتیقة حتی یکون الاداء بالجدیدة او القرش مع عدم مساواتها للعتیقة وزنًا ربا بل الازم تلك المالیة المقدرة بای الثلثة شاء فاذا کسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقین	ہو گی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ سستا ہو گیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوٰی تھا صحیح اور آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں، ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکمًا یوں کہ دونوں کا وزن برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے روپے یا قرش کے ساتھ مثلًا ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں انتہی ملخصًا، اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی آفندی کا فتوٰی ہے کہ مدیون پر سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اس طرف میل کیا جس طرف شیخ عبدالحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں ربا ٹھہرے بلکہ اتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے

[1] حاشیة الدرر لعبدالحلیم

قلت وبه ظهران تعبير هم بتنزيل ثلث الدين مسامحة نظرا الى ظاہر التغير فی عدد الدراہم حيث يعطی من الجديدة ثمانين مكان مائة وعشرين والافلا تنزيل فی المالية اصلا و ثانيا ان سلم لزوم العتيقة عينا فيدفع بضم نحو فلس الى الجديدة اوالقرش وقد افتى هو به الناس و جعله يسرا تاما من دون عسر اتاما من دون عسر وای يسر بعد حصول كراهة التحريم فاذن لا محيد عما ذكرنا وبالله التوفيق وبالجملة ماكانت امثال هذه الشبهات لتذكر و تسطر لو لا ما فی جوابها من فوائد تظهر و تزهر ،**اقول**:وبه تبين والحمدلله ان ليس فيه اعنی فی بيع دينار بدرهم بل فلس فضلا عن بيع نوط عشرة باثنی عشر شبهة ربا ايضا فضلا عن الربا خلافا لما زعم اللكنوی اذ الشبهة فی المحرمات ملحقة باليقين كما نص عليه فی الهداية وغيرها فلو كانت لوجبت الحرمة فضلا عن كراهة التحريم وقد قامت الادلة ان لا كراهة تحريم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لاربا و لاشبهة هذا و انما جل

چاہے ادا کردے **اقول**: یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دین اتار دیا جائے مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی می جو ظاہر تغیر ہوا اس پر نظر فرما کر ایسا کہا کہ ایک سو بیس کی جگہ نئے اسی دے گا ورنہ مالیت میں اصلاً تغیر نہ ہوا، دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سودیوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش کے ساتھ مثلاً! ایک پیسہ ملا کردے اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتوٰی دیا اور اسے پوری آسانی بلادشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ان سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ ان کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے، **اقول**: الحمدللہ اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم، اور دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت، توظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ، یہ تو لیجئے اور آگے سنئے

ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہ ہے کہ نوٹ	مایتشبث بہ ھذا المانع ان النوط عــہ

عــہ: بل زعم ذاك اللكنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما یرید بیع مائة ربیة واخذ بدلھا لا بدل النوط، **اقول**: **اولا** لوکان الامر کما زعمت لما صح بیع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بیع مائة درھم افرنجی بمائة درھم افرنجی وھی لاتتفاوت فیما بینھما بشیئ فکان الاستبدال عبثا والشرع لایشرع العبث فی الاشباہ العقود تعتمد صحتھا الفائدة فما لم یفد لم یصح فلا یصح بیع درھم بدرھم اذا تساویا وزنا وصفة کما فی الذخیرة[1] اھ **وثانیا** قم یوما عن اریکتك واذھب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع نوطا من عمرو فاسأله ھل قلت له بعتك مائة ربیة فسیقول لا وانما قلت بعتك ھذا النوط، فاسأله ھل اردت ان تستبدل مائة ربیة لك بمائة ربیة لعمرو فسیقول لا وانما اردت استبدال

عــہ: بلکہ اس مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) **اولًا**: اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلًا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو روپے انگریزی سو روپے انگریزی کو بیچنا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ سو روپے دے کر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں فرماتی، اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتھی، **ثانیًا**: مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ میں نے تیرے ہاتھ سو روپے بیچے وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ میں نے تو یہ کہا کہ یہ نوٹ تیرے ہاتھ بیچا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے سو روپے عمرو کے سو روپیوں سے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۲۵

مغرق فی الربا بی کانه ھی من دون فرق	روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اور کچھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نوطی بربا بیة فاسأله هل اخذت ثمن ربابیك فیسقول لابل ثمن نوطی فاسأله هل تنقد له مائة ربیة من کیسك فسیقول لابل اعطیه نوطی فعند ذلك یتمیز لك النهار من اللیل، **وثالثًا**: لیتك تعرف المبیع من المعدوم فان البائع ربما لا تکون عنده الربا بی بل ولا ربیة واحدة وبیع المعدوم باطل وقد نهی عنه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، **ورابعًا**: من احتاج الی النوط لیر سله فی البوسطة فان ارساله فیها ایسر واقل مصروفا فباعه زید نوطه ثم اراده ان یعطیه مائة ربیة لایقبله المشتری ویقول انما اشتریت منك النوط وقد کانت الربا بی عندی فما کان یحوجنی الٰی شرائها منك وعند ذلك تعرف

بدلے، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ، بلکہ اپنا نوٹ اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا، اب اس سے پوچھئے کیا تو نے اپنے روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ، بلکہ اپنے نوٹ کی۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دے گا، وہ ابھی جواب دے گا کہ نہ بلکہ اسے اپنا نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے، **ثالثًا**: کاش آپ کو مبیع و معدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے سو روپے بیچنا مقصود ہوتے تو معدوم کی بیع کر رہا ہے، اور معدوم کی بیع باطل ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ **رابعًا**: جسے ڈاک میں بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اس کے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود میرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم (باقی اگلے صفحہ پر)

ولذا لایفرقون بینهما فی الاخذ والاعطاء	فرق نہیں اسی واسطے لوگ معاملات میں روپے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ان نسبة ذٰلك القصد الیهم فریة علیهم، **وخامسًا:** بائع النوط اذا قبض دراہم الثمن واراد ردها یعد هذا عندهم اقالة البیع لاتسلیماً للمبدل وهذا کله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحٰن الله من مبیع لم یعقد علیه ولا قصد الیه ولا نقد منه بل ان نقد لم یقبل ولم یعد نقد المبدل بل ربما لایکون عند من باع فهل سمعت بمثله مبیعاً فی الدنیا ولا عقد ولا نقد ولا قصد ولا وجد ولکن قلة الفهم و التدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو والعافیة، وبه علم بطلان ماقصد به التفرقة بین الفلوس و النوط بان من اشتری شیئا بربیة او استقرض ربیة واراد ان یعطی بدلها فلوس ربیة فالدائن والبائع بالخیار فی قبولها و

ہوجائیگا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افتراء ہے۔ **خامسًا:** نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لے کر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن وظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحان اللہ وہ سو روپے جو بیچنے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید وفروخت کا لفظ واقع ہو، نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا، نہ بائع نے وہ دئے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود، مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپیہ کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا (باقی اگلے صفحہ پر)

فی المعاملات فاذن کانھا عشر ربابی بیعت باثنی عشرۃ ربیۃ وھو ربا قطعا فھذاان لم یکن ربا فبشبھہ یلتحق بہ ویحرم۔ **اقول:** وباللہ التوفیق ھذا اردء واخنع ولا غرو اذ القوس فی ید غیر باریھا قد علم کل من ترعرع عن الصبا ولو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیۃ انما تقدر بالحقیقۃ بل النقود کلھا لھا تقدیر بالدراھم دنانیر کانت او غیرہا ولا بدلھا من نسبۃ الی الربابی فجنیہ بخمسۃ عشر وقطعۃ صغیرۃ بثمن ربیۃ واخری بالربع واخری بالنصف و ست عشر اٰنۃ بربیۃ و النوط الفلان بعشرۃ والفلان بمائۃ ھکذا واذا استوت رواجا ومالیۃ فاھل العرف لایفرقون

اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب سود سے لاحق ہو کر حرام ہو جائے گا۔ **اقول:** وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) یہ شبہہ تو اور بھی ردی اور بھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کمان انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کے لئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ، اور انہیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا، وعلٰی ھذا القیاس، اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لا یجبرہ علیہ القاضی بخلاف النوط و من این لہ ادعاء ھذا ومن قال بہ وسیأتیك و تحقیق الامر بعد اسطر و باللہ التوفیق اھ منہ۔

نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے، اور یہ ادعا انہوں نے کہاں سے نکالا اور کون اس کا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اس کا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ۔

بینهما فی الاخذ والاعطاء فی معاملاتهم فمن شری ثوبا بجنیة افرنجی وادی خمس عشر ربیة او بالعکس لا یعد هذا تبدیلا ولا تحویلا ولا ینکره البائع ولا غیره وکذا القطعة الصغیرة وثمانیة فلوسا افرنجیة لا یفرقون بینهما فی اخذ ولا اعطاء وکذا ربع الربیة وستة عشر فلسا ومن اشتری شیئا بنصف ربیة، فاما ان یودی النصف بعینه اوربیع ربیة او رابعة اثمانه او ربع وثمنین او ربعا وثمنا و ثمانیة فلوس او ثلثة اثمان وثمانیة فلوس او ربعا وستة عشر فلسا او ثمنا واربع وعشرین فلسا اوالکل بالفلوس اثنین و ثلثین فلسا الصور عـــه التسع جمیعا سواء عندهم و لا یفرقون بینهما اصلا لاستوائها جمیعا فی المالیة و الرواج ولیس هذا فی العرف فقط بل الشرع ایضا خیر المشتری ان یؤدی ایها شاء ولو امتنع البائع من قبول بعضها و اراد الزام المشتری باحد الوجوه کان تعنتا منه ولم یقبل، قال ابن عابدین	ان کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھیرنا اور نہ اس سے بائع انکار کرے گا نہ کوئی اور، یونہی دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا، یونہی چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو ۲ چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس ۳۲ پیسے، یہ نوکی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور ان میں اصلاً فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا ان میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجاہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو

عـــه: والان اذقد راج تفریق جدید یسمی انة صح اداء نصف ربیة بستة وثلثین وجها والکل سواء کما لا یخفی اهمنه۔

عـــه: اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس طرح ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲منہ۔

تحت قول المتن ینصرف مطلقه (ای مطلق الثمن) الی غالب نقد البلد وان اختلف النقود مالیة فسد العقد مع الاستواء فی رواجها[1] مانصه اما اذا اختلف رواجا مع اختلاف مالیتها او بدونه فیصح وینصرف الی الاروج وکذا یصح لو استوت مالیة ورواجا لکن یخیر المشتری بین ان یؤدی ایهما شاء، ومثل فی الهدایة مسئلة الاستواء فی المالیة والرواج بالثنائی و الثلاثی واعترضه الشراح بان مالیة الثلثة اکثر من الاثنین واجاب فی البحر بان المراد بالثنائی ماقطعتان منه بدرهم وبالثلاثی ماثلثة منه بدرهم، قلت وحاصله انه اذا اشتری بدرهم فله دفع درهم کامل او درهم مکسر قطعتین او ثلثة حیث تساوی الکل فی المالیة والرواج، ومثله فی زماننا الذهب یکون کاملا ونصفین واربعة ارباع وکلها سواء فی المالیة والرواج ومنه یعلم حکم ماتعورف فی زماننا	فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد ہو جائیگا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک سانہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہریگا یونہی اگر مالیت اور چلن دونوں یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے، اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے، اور بحرالرائق میں جواب دیا کہ ثنائی سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں، اور ثلاثی وہ جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں، میں کہتا ہوں اس کا حاصل یہ ہے کہ جب اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں۔ اسی طرح اشرفی ہمارے زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن یکساں ہیں، اور اسی سے معلوم ہوگیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے زمانے میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷

من الشراء بالقروش فان القرش فی الاصل قطعة مضروبة من الفضة تقوم باربعين قطعة من القطع المصرية المسماة فی مصر نصفا ثم ان انواع العلمة المضروبة فی امر تقوم بالقروش فمنها مایساوی عشرة قروش ومنها اقل ومنها اکثر فاذا اشتری بمائة قرش فالعادة انه یدفع ماارادامامن القروش اومما یساویها من بقیة انواع العلمة من ریال اوذهب ولا یفهم احدان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشًا بل هی او مایساویها من انواع العملة متساویة فی الرواج المختلفة فی المالیة ولا یردان صورة الاختلاف فی المالیة مع التساوی فی الرواج هی صورة الفساد لانه هنالم یحصل اختلاف مالیة الثمن حیث قدر بالقروش و انما یحصل الاختلاف اذالم یقدر بها کمالو اشتری بمائة ذهب وکان الذهب انواعا کلها رائجة مع اختلاف مالیتها فقدصار التقدیر بالقروش فی حکم ما اذا استوت فی المالیة والرواج وقد مران المشتری یخیر فی دفع ایهما شاء۔ قال فی البحر فلو طلب البائع احدهما للمشتری دفع غیره لان امتناع	شائع کی ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جس کو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے لئے سب کی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو ان میں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا کوئی زیادہ کا، تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے دے خواہ قرش ہی دے دیا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال یا گنی، اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت سے مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اس کی مالیت کے برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ مالیت مختلف ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی صورت ہے اسلئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اسکا اندازہ قرشوں سے کیا گیا، ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں، چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف، اور جب قرشوں سے اندازہ کرلیا یہ ایسا ہوگیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں، اور اوپر گزرچکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا اگر بائع ان میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو

البائع من قبول مادفعه المشتری ولا فضل تعنت[1] اھ(ملخصًا)وھذا کله واضح جلی وای تسویة وعدم تفرقة اعظم من ان یشتری المشتری بالقروش ثم یخیران یؤدی منھا او من الریا ل او من الذھب الکامل اومن التفاریق وان لم یقبل البائع کان متعنتاومع ھذا لا یتوھم عاقل ان القروش والریال والجنیة والتفاریق کلھا صارت جنسا واحدالایحل فیھا التفاضل اوان بعضھا مغرق فی بعض کانه ھو من دون فرق فالتفاضل ان لم یکن ربا فبشبھه یلحق به ویحرم مع نصھم قاطبة اجمعین ان عند اختلاف الجنس یحل التفاضل بل مع قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]،وقد قدمنا تحقیق مسئلة دینار بدرھم وان لیس ربا و لاشبھة ربا بمالا مزید علیه فاذاکان ھذا فی القروش والریال	مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بے جاہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہی۔اور یہ سب ظاہر روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ مشتری خریدے تو قرشوں کو، پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اس کی ریزگاری،اور بائع نہ مانے تو بے جاہٹ ٹھہرے، بایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہوگئے ان میں سے ایک دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا ان میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہٖ بلافرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہوجائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرمارہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعیں بدلیں تو جیسے چاہو بیچو،اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک روپے کو ایک اشرفی میں بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ،اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶

[2] نصب الرایة لاحادیث الھدایة کتاب البیوع المکتبة الاسلامیه،ریاض ۴/ ۴

والجنیة والتفاریق مع ان کلها اثمان خلقیة وکلها تشملها احدی علتی الربا وھو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربابی مع ان النوط لیس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدیر مالیته الا بالاصطلاح الغیر اللازم علی العاقدین ولا یشمله شیئ من علة الربا لا الجنس ولا القدر فالحکم ھٰھنا لایتأتی الامن احد ثلثة رفع عنهم القلم صبی ونائم ومجنون، نسأل اللّٰه العفو و العافیة ھو تحقیق الجواب فی ھذا الباب وارجو ان لا عطر بعد عروس ولکن یاھذا ان ابیت الاما تیت من ان النوط مغرق فی الربابی کانه ھی فانا اسئلك أبهذاالاغراق وعدم الافتراق صارالنوط حقیقة دراھم فضة او حکما بان اجری الشرع فی مبادلته بالدراھم ماھو حکم مبادلة الدراہم بالدراہم کما قلت کانها عشر ربابی بیعت باثنی عشر اولا ولا، علی الثالث ماھذہ الشقاشق الفارغة عن منشاء و معنی وعلی الاولین یعود الرباعلیك انت اذا بعت نوط عشرة بعشرة وذٰلك لان حکم الدراہم بالدراہم لم یکن فی الشرع التساوی فی	اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اس کا مالیت کا اندازہ بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع مشتری پر لازم نہیں اور اس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں، نہ جنس نہ قدر، تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن پر سے قلم شرع اٹھالیا گیا ہے، بچہ اور سوتا اور دیوانہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں، اس باب میں یہی تحقیق جواب ہے اور امید کرتا ہوں کہ دولھا کے بعد عطر نہیں ولیکن اے شخص! اگر تو کچھ نہ مانے سوا اپنی اسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوا یا حکمًا بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تونے کہا تھا کہ گویا وہ دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکمًا کسی طرح نہیں، تیسری تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں

المالية لاجماع الامة ان الجيد والردی ھٰهنا سواء وانما كان الحكم التساوی فی القدر فيجب عليك ان تضع النوط فی كفة والفضة من تفريق درهم اوغيره فی الكفة الاخری فلا تبيعه الابما ساواه وزنا ولا يكون ذٰلك الاقطعة صغيرة او قطعتين فان زدت عليه شيئا فقد اكلت الربا واحللت الربا وان زعمت ان الحكم السارى الى النوط من الربابی لاجل هذاالاغراق وعدم الافتراق هو التساوی فی المالية فهذا جهل منك عظيم يساوی هزلا ويتساوك هزلا فان التسوية فی المالية لم يكن حكم الربابی نفسها فكيف يسری منها الی شبهها ماليس فيها على ان النوط ان اتحد مع الربابی حقيقة او حكما لايتحد مع الذهب لامتناع الاتحاد بين نوعين متباينين فاذن ان بيع نوط عشرة باثنی عشرة جنيها لايلزم فيه مالزم ثمه لعدم الاتحاد فی الجنس حقيقة ولا حكمًا فحينئذ يرجع مآل فتواك الی ان من باع نوط عشرة باثنتی عشرة ربية فهذا حرام لانه حصل فضلا بلا عوض وان باعه باثنی عشر جنيها فهذا لاحرج عليه لانه لم يحصل فضلا يعتد به

برابر ہوں، تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے بلکہ حکم تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں نوٹ رکھے اور دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور کوئی چاندی بس اتنے ہی کو اسے بیچے جتنی چاندی وزن میں نوٹ کے برابر ہو اور یہ دوانی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی اور اگر اس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور سود حلال کیا اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرہ بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن سے لچک لچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے ان کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود ان میں نہیں، علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکمًا متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا کہ دو متباین نوعیں متحد نہیں ہوسکتیں تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکمًا اب تیرے فتوٰی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اسلئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اسلئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار

فسبحٰن اللہ من هذه الفتوی مادقها نظرا و احقها رعایة لمقصد الشرع الشریف من تحریم الربا وھو صیانة اموال الناس ولاحول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم و بالجملة کلام ھذا لامانع لایرجع الی اصل شرعی ولا برهان وما هو الاکلمة هو قائلها ما انزل اللہ بها من سلطٰن والحمد للہ وعلیه التکلان وھو المستعان۔

واما الثانی عشر

فاقول: نعم یجوز اذا قصدا البیع حقیقة دون القرض و ذلك لان البیع جائز والتفاضل جائز والتاجیل جائز کماحققنا کل ذٰلك وما التنجیم الانوع من التاجیل نعم ان اقرض نوط عشرة و شرط ان یرد المستقرض اثنتی عشرة ربیة او احدی عشرة او عشرة وقطعة مثلاحالا اوما لامنجما او غیر منجم فھذا حرام وربا قطعالانه قرض جرنفعا وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]، رواہ

کیاجائے تو سبحان اللہ اس فتوی کا کیا کہنا، کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کے جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خلاصہ یہ ہے کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب، وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اس پر کوئی دلیل نہ اتاری، سب خوبیاں خدا کو اور اسی پر بھروسا ہے اور اسی سے مدد کی طلب۔

جواب سوال دوازدہم

فاقول: (تو میں کہتا ہوں) ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ کہ قرض کا اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز، جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کرآئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے، ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس، اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلا قسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا، اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔ یہ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسة الرسالة بیروت ۶/ ۲۳۸

الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالٰی وجهه بخلاف ما اذااقرض ولم یشترط شیئا من الزیادة ولا کانت معهودة من تعاملهما لان المعروف کالمشروط ثم ان المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه تکرما زیادة ممتازة منحازة کیلا تکون هبة مشاع فیما یقسم فهذا جائز لابأس به بل هو من باب "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾"[1] و قد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح[2] وکذا اذا تقاضاه المقرض فلم یکن عنده النوط اولم یرده فوقع الصلح علی اثنتی عشرة ربیة عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراهم فی المجلس کیلا یکون افتراقا عن دین بدین فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضه مستهلکا وعند الطرفین مطلقا	حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے اگلے عمل درآمد سے زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احسانًا کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شے میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلہ کیا ہے سوا احسان کے۔ اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دی جاتی تھی) تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے۔ یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کردئے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

[2] سنن النسائی کتاب البیوع المکتبة السلفیه لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۶

وان کان باقیا عندہ اذالم یورد العقد علیہ،نعم ان کان موجودا واشتراہ بعینہ باثنی عشر او بعشرۃ او بماشاء فھذا باطل لایجوز عندھما خلافا لابی یوسف رضی ﷲ تعالٰی عنھم لانہ قد ملکہ بالاستقراض فکیف یشتری ملك نفسہ من غیرہ فی وجیز الکردری اذاکان لہ علی اٰخر طعام وفلوس فاشتراہ من علیہ بدراہم وتفرقا قبل قبض الدراہم بطل و ھذا مما یحفظ [1] اھ۔وفی ردالمحتار عن الذخیرۃ اشتری من المقرض الکرالذی لہ علیہ بمائۃ دینار جاز لانہ دین علیہ لابعقد صرف و لاسلم فان کان مستھلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانہ ملکہ بالاستھلاك وعلیہ مثلہ فی ذمتہ بلا خلاف وان کان قائما فکذلك عندھما وعلی قول ابی یوسف ینبغی ان لایجوز لانہ لایملکہ مالم یستھلکہ فلم یجب مثلہ

نوٹ کو روپیوں سے نہ خریدا بلکہ ذمہ پر قرض تھا اسے خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ اسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے جائز کہتے ہیں، باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس کامالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا،وجیز کردری میں ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون نے وہ دین اس سے روپیوں کو خرید لیا اور روپیوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو یہ بیع باطل ہوگئی اور یہ ان مسائل میں سے ہے جن کا یادرکھنا لازم ہے انتہی،اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے،پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اتنا غلہ واجب رہا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم وامام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابویوسف کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصرف نورانی کتب خانہ پشاور ٥/ ٦

فی ذمتہ فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمتہ فقد اضافہ الی معدوم فلا یجوز [1] اھ وفیہ عنہا استقرض من رجل کرا وقبضہ ثم اشتری ذٰلک الکر بعینہ من المقرض لایجوز علی قولہما لانہ ملکہ بنفس القبض فیصیر مشتریا ملک نفسہ اما علی قول ابی یوسف فالکر باق علی ملک المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملک غیرہ فیصح [2] اھ. اما الاحتیال لدفع الربا فقد اسمعناک فیہ مایکفی ویشفی وقد تقدم قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان العینۃ جائزۃ ما جور من عمل بہا قال واجرہ لمکان الفرار من الحرام [3] اھ وتقدم قولہ ان الصحابۃ فعلوا ذٰلک وحمدوہ [4] و تقدم قول الخانیۃ ان مثل ہذا	جب تک خرچ نہ کرلے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں، اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی للذا ناجائز ہوا انتہی، نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لے کر قبضہ کرلیا پھر بعینہٖ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے، ہاں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی انتہی، رہا دفع ربا کے لئے حیلہ کرنا اس میں ہم تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی وشافی ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا ارشاد گزرچکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی، اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابہ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ اور فتاوٰی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳
[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۳
[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۷
[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر بذٰلك اھ[1] فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ وفی البحر عن القنیۃ لاباس بالبیوع التی یفعلھا الناس للتحرز عن الربا ثم رقم اٰخر ھی مکروھۃ ذکر البقالی الکراھۃ من محمد وعندھما لاباس بہ قال الزرنجری خلاف محمد فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراہم لابأس بالاتفاق[2] اھ وکذٰلك حکی الاجماع الامام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیمہ وصح عن الصحابۃ فعلہ وتمدیحہ واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب واللہ الھادی الصواب۔ **اقول**:ثم ھذا ایضا فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضہ دراہم ویبیعہ شیئا یسیرا	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی، تو اب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بعد اور کون ہے، اور بحر الرائق میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعین جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انہوں نے کہا مکروہ ہے، امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام ابویوسف کے نزدیک ان میں کچھ حرج نہیں، امام شمس الدین زرنجری نے فرمایا امام محمد کے خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دے کر پھر ایسی بیع کرے اور اگر بیع کردی پھر روپے دئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی، اور اسی طرح امام شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع کی شرط نہ لگالی ہو، تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اس کی تعریف ثابت اور ہمارے اماموں کا اسکے جواز پر اجماع قائم، تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب فی بیع مال الربوٰ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۲۶

بثمن کثیر فیقبله لحاجة القرض ففی هذاان تقدم القرض قیل کره البیع لانه قرض جر نفعا وان تقدم البیع لم یکن به باس اتفاقا لانه بیع جر قرضا کما افاده الامام شمس الائمة الحلوانی وبه افتی کما فی ردالمحتار امامانحن فیه من مسألة النوط فبیع خالص لاقرض فیه اصلا لا بدأ ولا عودا فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولا شقاق وان شئت الزیادة فی امر الحیل فهذا ربنا تبارك وتعالٰی قائلا لعبده ایوب علیه الصلوٰة والسلام "خُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَ لَا تَحْنَثْ"[1] وهذا سیدنا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد علم المخلص من الربا وطریق الوصول الی المرام مع التحرز عن الحرام روی الشیخان عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال جاء بلال رضی الله تعالٰی عنه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بتمر برنی

تھوڑی سی چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اسے قبول کرے گا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوٰی دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اس میں قرض اصلاً نہیں، نہ ابتدا میں نہ بعد کو، تو اس کا بالاتفاق بلاخلاف وبلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق و مناسب ہے، اور اگر تو مسئلہ حیلہ، میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک وتعالٰی اپنے بندہ ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ انہوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہو جائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس خرمائے برنی

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

فقال لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من این ھذا،قال بلال کان عندنا تمرردی فبعت منہ صاعین بصاع فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوہ عین الربا عین الربا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اٰخر ثم اشتربہ [1] و ایضا لھما عنہ وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یارسول انا لناخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلث فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا [2]۔ **اقول:** اما کراھۃ من کرہ کمحمد فانما کان کما تقدم عن الفتح والایضاح	لائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اف خاص ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر۔ مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شیئ کے بدلے ان کو خریدو نیز بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک صاحب کو خیبر پر عامل صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب چھوہارے ایسے ہی ہیں، عرض کی نہیں خدا کی قسم یارسول اللہ! ہم اس میں ایک صاع دو صاع کو، دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں سے یہ چھوہارے خریدلو۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے امام محمد ان کا سمجھنا تو صرف اس بنا پر تھا جیسا کہ فتح القدیر و

[1] صحیح البخاری کتاب الوکالۃ باب اذا باع الوکیل شیئا فاسدا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۱، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا ارادبیع تمر بتمر خیر منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶

والمحیط کی لایألفه الناس فیقعوا فی المحظور وفی زماننا قد انعکست الامور وفشا الربا فی اهل الهند جهارا لایستحیون منه کانهم لایعدونه عیبا ولا عارا فمن نزلهم عن هذا البلاء العظیم والکبیرة الشدیدة الی بعض هذا الحیل الجائزة کبیع نوط عشرة باثنتی عشرة منجما وغیر ذٰلك مما تقدم عن الامام فقیه النفس فلا شك انه ناصح للمسلمین وما الدین الاالنصح لکل مسلم وهم ان جاهروا بالمعاصی فالاسلام باق بعد ولله الحمد، فاذاسمعوا ما یصلون به المرام مع النجاة عن الحرام فما لهم ان لایتوبوا فانهم غیر معاندین للشرع والاسلام، و قد قال مشایخ بلخ منهم محمد بن سلمة للتجار ان العینة التی جاءت فی الحدیث خیر من بیاعاتکم قال المحقق حیث اطلق وهو صحیح فلا شك ان البیع الفاسد بحکم الغصب المحرم فاین هو من بیع العینة الصحیح المختلف فی کراهته[1] اھ اما زعم الزاعم انه ان لم ینه عنه فما الفرق بینه وبین الربا مع حصول الفضل

الایضاح و محیط سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہو کر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے زمانے میں معاملہ الٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہوگیا کہ اس سے شرماتے نہیں، گویا وہ ان کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار، توجوان کو اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی کی طرف اتار لائے جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور حیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خاں سے گزرے تو کچھ شبہہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیر خواہی کا، اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کررہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد، توجب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمہاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فیھما اقول: ھذا اعتراض اوردہ المشرکون وقد تکفل الجواب عنه ربنا تبارك وتعالٰی فی القراٰن العظیم، "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]، الم یر المعترض انا انما احللنا الربح فی بیع جنسین متخالفین فان حرم ھذا لانسد باب البیاعات ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم انتھی الجواب بتوفیق الوھاب والحمدللہ اولًا واٰخرًا وباطنًا و ظاھرًا وسمیته "کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ" لیکون العلم علما علی عام التالیف، وقد ابتدأ فیه العبد الضعیف یوم السبت ثم عاودتنی الحمی یوم الاحد فانھیته ضحی یوم الاثنین لسبع بقین من المحرم الحرام ۱۳۲۴ھ وذٰلك فی بلد اللہ الحرام باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبداللہ بن شیخ الخطباء و سید الائمة العظماء العالم العامل الفاضل الکامل الزاھد الورع التقی النقی مجمع الفضائل و منبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظھما اللہ تعالٰی عن

دونوں میں حاصل ہوئی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک و تعالٰی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا، کافر بولے بیع بھی تو ایسے ہی ہے جیسے ربا، اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید و فروخت کا دروازہ ہی بند ہو جائے **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**، وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں، اور میں نے اس کا نام "کفل الفقیه الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" رکھا تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندہ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہروں چڑھے میں نے اسے تمام کیا، محرم شریف کی تئیس تاریخ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے (مکہ معظّمہ) میں ہوئی ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولانا شیخ عبداللہ ان کے صاحبزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم باعمل، فاضل کامل، زاہد، متورع، متقی، پاکیزہ، مجمع فضائل ومنبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کل ضیر ورزقهما من کل خیر و غفرلنا ذنوبنا وستر عیوبنا وخفف اثقالنا وحقق اٰمالنا ورزقنا العود بعد العود الیٰ هذا البیت الکریم وبیت الحبیب الرؤف الرحیم علیه وعلیٰ اٰله افضل الصلوٰة والتسلیم بقبوله ورضاه حتی یجعل اٰخر ذٰلك موتنا علی الایمان فی المدینة المنورة والدفن بالبقیع والفوز بشفاعة الشفیع الرفیع صلی الله تعالیٰ علیه وعلی اٰله وصحبه وبارك وکرم اٰمین والحمد لله رب العٰلمین۔ کتبـــــــــــــــــــــــــــــه عبده المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم	اور ہر بھلائی سے ان کو حصہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہماری عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف اپنے قبول و رضا کے ساتھ عَود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے، اللہ تعالیٰ ان پر درود وسلام بھیجے اور ان کی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم ان پر اتارے، آمین، والحمد لله رب العالمین۔ کتبـــــــــــــــــــــــــــــه عبده المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم

فتوٰی حامی سنت ماحی بدعت جناب مولٰنا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمہ اللہ

مسئلہ ۲۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آج کل رائج ہے ان کا خرید وفروخت زیادہ وکم پر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب هو الملهم للصواب

خرید وفروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شیئ کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اس کی

خرید وفروخت جائز ہے۔

قال فی الھدایة ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عندابی حنیفة وابی یوسف وقال محمد لا یجوز لان الثمنیة تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما واذا بقیت اثمانا لاتتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرہم بالدرھمین ولھما ان الثمنیة فی حقھما تثبت باصطلاحھما واذا بطلت الثمنیة تتعین بالتعین[1] اھ۔	ہدایہ میں فرمایا اور ایک پیسہ کی دو معین پیسوں سے امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بیع جائز ہے اور امام محمد نے فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ ان کی ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت تمام لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوئی تو ان دو بیع کرنے والوں کی اصطلاح سے باطل نہ ہوگی، اور جب یہ ثمنیت پر باقی ہیں تو متعین نہ ہوسکیں گے تو ایسے ہوئے جیسے غیر معین چیز ہو، اور ایک درہم کی بیع دو درہموں کے بدلے ہو، اور امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ دنوں کی ثمنیت ان خرید و فروخت کرنے والوں کی اصطلاح سے ہوگی کیونکہ غیر کو ان پر ولایت نہیں تو ان کی اصطلاح سے باطل ہوجائے گی توجب ثمنیت جاتی رہی تو اب متعین کرنے سے متعین ہوجائیں گے اھ (ت)

پس جبکہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید وفروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے۔

فی ردالمحتار فی باب العینة حتی لو باع کاغذة بالف یجوز ولایکرہ[2] انتھی۔	ردالمحتار کے باب العینہ میں ہے کہ، حتی اگر کاغذ کو ہزار روپے سے فروخت کرے جائز ہے اور کراہت نہیں ہے، انتہی۔ (ت)

واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ العبد المجیب محمد ریاست علی [مہر: محمد ریاست علی خاں]

الجواب صواب — احمدی — محمد ارشاد حسین حامد

الجواب صحیح — محمد اعجاز حسین

الجواب صحیح — کتبہ — حسین عفی عنہ

الجواب صواب — محمد حسن

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الکفالة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۷۹

البتہ بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط

العبد محمد عبدالقادر عفی عنہ

بلاشبہہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے

اور بیع وشراء مذکور جائز ہے فقط

العبدابوالقاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے۔

العبد محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب ھوالجواب

(محمد نظر علی)

الجواب صواب

محمد عبدالجلیل بن محمد عبدالحق خان

رسالہ

کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاھِمْ فِیْ اَبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ ۱۳۲۹ھ

(کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَۃِ النُّوْط ۱۳۲۹ھ

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

الحمدللہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ھ نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظّمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم، زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحٰی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا فتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہٖ تعالٰی گیارہویں مسئلہ میں اس کا وافی وشافی

رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے **وللہ الحمد**، یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم و بیش در کنار برابر کو بھی اس کی خرید و فروخت ناجائز کر چکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفا گھر تک پہنچائی **والحمد للہ**۔ حاجت نہ تھی کہ اب اس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادران دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور ان کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے س اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخ نام **کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم** ۱۳۲۹ھ رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے، اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ و بیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور درباره کم و بیش وہم ممانعت ہے **ھذا وباللہ التوفیق**۔

ردّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوٰی ص ۱۶۹ میں ہے "نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور گر گم ہو جائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ بیع ہوتا تو ہر گز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہو جائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدیں ان میں زکوۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہو گی، اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے[1] **فقط**"۔ اور جلد اول ص ۷۵ و ۷۶ میں ہے: "نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے[2] **فقط**"۔ جناب

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

[2] فتاوٰی رشیدیہ کتاب البیوع محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۴۱۸

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی، نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے اس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید وفروخت کو مطلقًا ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ۱۴۳ پر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ جو رجسٹری یا بیمہ کرادینا [1]" ۔اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید وفروخت تو میں حرام کرچکا ہوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کراکر مرسل ہوں ناچار ادھر ادھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا للذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑدی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے" [2]یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے سے اسے دئے وہ اگرچہ خریدم وفروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا ہو بھی قرض کا لین دین تھا،ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کہ سند باشد وعند الحاجۃ بکار آید (کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ت) اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑادیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اتار دئے تم اس سے وصول کرلینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول: **وباللہ التوفیق** (پس میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت)

اول: تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہاں بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے تڑا کر وہ عقد ان کے سر چپٹیو جو ان کے خواب وخیال میں نہیں، گنگوہ کے کردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمہیں خرید وفروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو، بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے، یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

[2] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے ہدایہ میں ہے: **العبرة فی العقود للمعانی** [1] (عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے، قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد، یہی مفہوم یہی مفاد، اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمہاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انہوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیعنہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کردی اس میں کیا حرج ہوا لہٰذا سود حلال طیب ہے **ولا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم**۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے،

رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فلانا اھدی الی ناقة فعوضته منہا ست بکرات [2]. **الحدیث۔**	اس کو امام احمد، ترمذی کاور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کرلیجئے ایسے حیلے حوالے کوے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے ان کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ۔ [3]	عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

[1] الہدایۃ کتاب البیع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل العجم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۳، مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۹۲

[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا:

تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیه لافی غیرہ [1]۔	عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں متعاقدین (بائع ومشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ اس محل کے غیر میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

التغییر لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف [2]۔	تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو۔ (ت)

فتح میں شرح میں فرمایا:

تغییر تصرفهما لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الی ان قال) فهذاہ احکام اجماعیة کلها دالة علی ان تغییر التصرف لایجوز وان کان یتوصل به الی تصحیحه [3]۔	عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیل اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کا ذریعہ بنتی ہو۔ (ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے: فیه تغییر وصفه لا اصله [4] (اس میں وصف عقد کی تبدیلی ہے نہ کہ اصل عقد کی۔ ت) عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا:

والجواب عن تغییر تصرفه ان یقال فیه تغییر وصف التصرف او اصله والاول مسلم ولا نسلم انه مانع عن الجواز والثانی ممنوع [5]۔	اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے۔ (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۶

[2] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸

[3] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۶۸

[4] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[5] العنایۃ علی الہدایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

ہدایہ میں ہے:

اذاشتری قلبا بعشرة وثوبا بعشرة ثم باعهما مرابحة لایجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانه یصیر تولیة فی القلب بصرف الربح کله الی الثوب[1]۔	کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خریدا پھر ان دونوں کو اکٹھا بطور مرابحہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف پھیرنے سے کنگن میں بیع تولیہ ہو جائیگی۔(ت)

فتح میں ہے:

امامسألة المرابحة فعدم الصرف لانه یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیة فی القلب۔[2]	لیکن مسئلہ مرابحہ میں عدم صرف اس لئے ہے کہ اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ کنگن میں بیع تولیہ ہو جاتی ہے(ت)

ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا کہ متعاقدین جو عقد کررہے ہیں وہ اگرچہ باطل وفاسد ہوا اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اسکی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز ہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی، تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کردینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی افیونی کی ریوڑی ہوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

دوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کرسکتے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کرلے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پر کہادے بلکہ زید وعمرو ودائم ومدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اس سے دام لے لے دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹-۱۰۸

[2] فتح القدیر کتاب الصرف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے **ولکن العمیان لایبصرون** (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ت)

سوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود وعدم پر دین کا وجود وعدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دین ثابت مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سونوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے۔ تو اب لازمے کہ وہ جب چاہے خزانے روپے کے سونوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرادئے، تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا ریزہ ریزہ ہوگئے یا چوری ہوگئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دئے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیونکہ دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی، اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کردے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم: یہیں سے آپ کے شبہہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک یا تلف کردینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزاروں کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں دس ہزار کا کردیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو اس کی تسکین کیلئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدہ سے اطمینان دلاتے ہیں۔ برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار یا بیکار ہو تو بنادیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ " بھلادنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے "[1] آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلاف شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم: سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض ودین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سوتک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انہیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کرکے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سؤر کھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جائیے امتحان کے لے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا اور جتنی اس اس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ونگی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ چکمہ دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم: زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو ۱۰۰ اور دوسو ۲۰۰ اور ہزار ۱۰۰۰ قرض لیتا رہے اس تمام مدت وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہوگئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دئے اسی وقت سے اس کا حساب بند ہوجائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرضہ دام دام وصول ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دئے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہاں بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم: فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہاں اور

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب سے پوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کاروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ کراپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا اس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہرًا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم: حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہوا اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا، اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل وبے اثر ہے اگرچہ اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں، لہذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا احال رجلا علی غریمه ولیس للمستحال له علی المحیل دین فهذه وکالة ولیست بحوالة کذا فی الخلاصة[1]۔	جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ سکالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

احال علیه مائة من من حنطة ولم یکن للمحیل علی المحتال علیه شیئ ولا للمحتال له علی المحیل فقبل المحتال علیه ذلك لا شیئ علیه کذا	کسی شخص نے دوسرے پر سو من گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کرنیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قول کرلیا تب بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

فی القنیة[1]۔	اس پر کوئی شیئ لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے(ت)

اب فرض کیجئے کہ اب بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آہ اپنی کہئے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کردیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کرو ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کرلو، تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

نہم: فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اسے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہوگئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ**، غرض یہ آپ نے وہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم: حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کرلینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہوسکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کرلیا تو اس کا دین اپنے سر لیا اگرچہ اکا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دین محتال کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مشائل شتیٰ نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۰۵

ادا کردے تو اسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دین ہبہ کردے یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

شرائطها انواع بعضها یرجع الی المحتال علیه ومنه رجاه وقبول الحوالة سواء کان علیه دین اولم یکن عند علمائنا رحمهم الله تعالٰی کذا فی المحیط اھ ملتقطا۔[1]	حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتال علیہ کی طرف لوٹتی ہیں جن میں سے محتال علیہ کی رضامندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، یہ ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، یوں ہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادی المحتال علیه الی المحتال له اووهبه له اوتصدق به علیه او مات المحتا له فورثه المحتال علیه یرجع فی ذلك کله علی المحیل ولو ابرأ المحتال له المحتال برئ ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصة واذا قال للمحتال علیه قد ترکته لك کان للمحتال علیه ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانة الفتاوٰی[2]۔	جب محتال علیہ، محتالہ لہ کو قرض ادا کردے یا محتال لہ وہ قرض محتال علیہ کو ہبہ کردے یا اس پر وہ قرض صدقہ کردے یا محتال لہ مرجائے اور محتال علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو وہ بری ہوگیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتال لہ نے محتال علیہ سے کہا کہ میں نے وہ قرض تیرے لئے چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المحتال له لو ابرأ المحال علیه لم یرجع	اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶۔۲۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الثانی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۸

علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالة ولو وہبه رجع ان لم یکن للمحیل علیه دین وتمامه فی البحر[1]۔	محتال علیہ محیل کی طرف رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محتال لہ نے قرض محتال علیہ کو ہبہ کردیا تو محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر قرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔(ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا ایک بنئے نے روپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقوع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کردیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کرچکی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دین گورنمنٹ کو نذر کردیا ہبہ کردیا ترک کردیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کرسکے اس سے آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، بحمد اللہ اس سفاہت کا بہت طرح رد ہوسکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ"[2] (یہ پورے دس ہیں۔ ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں وباللہ التوفیق۔

یازدہم: تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالاتا اوڑھئے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکئے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسائر محبوبان خدا جل وعلا کی تعظیم و محبت کا پہلو لئے ہوئے ہو اس میں اپنے حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ، اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ، کوا کھانا حلال بلکہ ثواب[3] (دیکھو جلد ۲ ص ۱۷۹) بکرے کے خصیے کھانا حلال[4] (دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کوا کالا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب چاہئے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۹۳

[4]

کراہت درکنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیر مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے[1] (دیکھو جلد اول ص ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد مولثہ بدعات توہین و تنقیص کی لائق ایسی ہی کمائی تھی ع

ہر شکم و لقمہ شایان او

(ہر پیٹ کو اس کی شان کے مطابق لقمہ چاہئے۔ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنو کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی، نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھن میں کون ساحصہ تعظیم و محبت محبوبان خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا وجہ تو بتائے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاح قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے، نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص ۱۲۶ سے ۱۳۲ تک سوجھئے۔

دوازدہم ١٢: پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکٰوۃ فی قیمتھا والافلا[2]۔	پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔(ت)

درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے:

اغلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الااذا کانت اثمانا رائجۃ[3]۔	جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائیگی جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وہ ثمن رائج ہوں۔(ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کامل باب احکام المساجد محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۵

شامی میں ہے:

ماکان ثمنا رائجا تجب زکاته سواء نوی التجارة اولا[1]۔	جو ثمن رائج ہو اس کی زکوۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے:

عین النقدین لایحتاج الٰی نیة التجارة وکذا ماکان ثمنا رائجا۔[2]	عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں کتب کثیرہ سے ہے:

ان غلب الغش فلیس کالفضة کالستوقة فینظر ان کانت رائجة اونوی التجارة اعتبرت قیمتھا فان بلغت نصابا وجبت فیھا الزکٰوة والا فلاء[3] ملخصًا۔	اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوی ہے ایک آدھ روایت ٹٹول میں آجانا اور محل و محمل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقہات نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقہات بحمداللہ نصیب دشمنان ہے۔ ان وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلًا:

(۱۳) نوٹ نقدین بتیا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے، اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے۔

(۱۴) تمسک کہ کہنا کہ اس پر زکوۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و وجود کو زکوۃ کے وجوب وعدم میں کچھ دخل۔

(۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا مبیع پر زکوۃ نہیں ہوتی۔ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحال نیت تجارت زکوۃ واجب مان چکے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۲

[3] بحرالرائق کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۲۸

(۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا، نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۱۷۳ پر خود فرماتے ہیں کہ "نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے"[1] اے سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خرید اکیسے جائے گا مگر حضرت کی ان عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع

ماعلی مثلہ یعد الخطاء

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ت)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔(ت)

(۱۸) آپ کی احباب دیں گے اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ" میں "نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا تمام جہاں کے فہم وارادہ کے خلاف کا یا پلٹ کرکے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے سات سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیئے، رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیئے اور اس میں کون سا رہا ہے، فتاوٰی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۱۷۳ میں گزرا:

فان ارادالحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درہما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرءہ عن درہمین فیجوز ذٰلك[2]۔	اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ درہم ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو بری کردے تو یہ جائز ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربٰو محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربو نولکشور لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۴۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا:

فان ارادہ الحیلة یاخذ التسعة بالتسعہ ویبرءہ عن الدرھم الباقی [1]۔	اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درہموں کے بدلے میں لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض) کو بری کردے۔ (ت)

اگر کہئے یہ قض بشرط ابراء عن البعض ہوا تو اولاً کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سو کا نوٹ لے کر سوا سو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا پھر اگر زیاد تمتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح ورواہے اور آپ کا حکم باطل و پادر ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو، ربا کہاں سے آیا۔

ثانیاً: قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہو تا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سود ہوا،

فافھم ان کنت تفھم لکنك تفھم انك لاتفھم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو سمجھ لے اگر تو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

ردّ وہم

بحمد اللہ تعالٰی مولوی صاحب لکھنوی کے رد مین کلا مشبع گزرا مسئلہ یازدہم خاص انہیں کے رد میں تھا بلکہ کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے یہاں غالباً ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی کی جلد دوم فتوی نمبر ۱۲۶: **قولہ ھو المصوب** [2] (وہ درست بنانے والا۔ ت)

اقول: (میں کہتا ہوں مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ **اولاً:** اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً: معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مصوب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیق صواب بخشے، تصویب بعد وقوع قول

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲/ ۴۰۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنوی، انڈیا ۲/ ۱۱۵

ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم۔

ثالثًا: اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے:

صوبہ قال لہ اصبت وراسہ خفضہ[1]۔	صوبہ کسی کو کہا کہ تونے ٹھیک بات کی، صوب راسہ اس نے سر جھکایا۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری[2]۔	صوبت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔(ت)

ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے:

التصویب خلاف التصعید و من قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ اھ[3] مختصرا۔	تصویب، تصعید کے خلاف ہے اور جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالٰی نے اس کا سر آگ میں جھکادیا اھ مختصراً (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی (جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے **ھو الھادی** (وہی ہدایت دینے والا ہے۔ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی کہ الٰہی! قائل کا سر نیچا کردے، الٰہی! اسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے **وباللہ التوفیق**۔

قولہ: نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے[4]۔

---

[1] القاموس المحیط فصل الصاد من باب الباء مصطفی الحلبی مصر ۱/ ۹۷

[2] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[3] تاج العروس فصل الصاد من باب الباء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۱

[4] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول اولاً: یونہی اکنیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً: اگر یہ مراد کہ اہل عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامہ اہل عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین وکافرین میں مشترک، اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اس کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تمول اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا کیا ثمن خلقی واصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً: حکم شیئ میں ہونا جنس وقدر شیئ میں شیئ سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث وجملہ کتب فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے[1]۔

اقول اولاً: ثمن اصطلاحی سے عنیت مثل اتحاد خاص وعام مسلم مگر وہ آپ کو مفید نہیں او ثمن خلقی یعنی زر وسیم سے عینیت مسلم نہیں، کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً: نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہل عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" سے مہجور۔

ثالثاً: اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کامذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکام ثمن نافذ فرمادے۔

رابعاً: ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب وفضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہ ایک نوع مستقل ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل، اسی طرح انواع مباینہ ومتباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص وعام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماع امت تفاضل حلال۔

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

قولہ: اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے[1]۔

اقول اوّلاً: اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کردے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہوجائے گا کہ عین کا عین ہے۔ اور لفظ اصل حشو ہے۔

ثانیاً: یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سنئے "لیتا ہے" سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلم اور اس سے وہم عینیت مدفوع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگایئے جب بھی **لایغنی من جوع** کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کر دے تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیس لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف نوٹ میں ادائے دراہم پر جب ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت و مثلی ایک نہیں سمجھے جاسکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت ادا کرنیوالا مخیّر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۱۸۵ سے ۱۹۰ تک دیکھئے۔

قولہ: اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پر ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اسکی قیمت لینا ہوتا ہے[2]۔

اقول: (۱۳ تا ۱۷) اسکے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴ میں گزرے، اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے ۴ صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹ پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے، سوم حقیر شیئ کسی وصت کے سبب اپنے ہزاورں سے امثال سے گراں ہوجاتی ہے۔ چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچوں رد صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹ پر کہ تقوم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ: اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے[1]۔

اقول اوّلاً: پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود حرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نار جحیم وعاب الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ وتواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً: آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دیئے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے ودائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے ہیں تو تانبا او سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدما بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً: پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایکدس اور ایک پانچ کا، یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعًا دو جنس متباین ہیں ولہذا باجماع امت وتواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شیئ واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

وجہ وہی تساوی رواج ومالی تھے جس کا بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔

رابعًا: حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق واتحاد جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہٰذا حیوان ہے کوا حیوان ہے لہٰذا ابیض ہے **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔**

خامسًا: یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہو جائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا ضرور ہوا کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف تغایر جنس کسی غرض ووجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انہیں صفحات میں بحرالرائق وردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا **وللہ الحمد۔**

سادسًا: طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر ورود عقد باین کر چکے ہیں اور یہ بلافصل اس کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اسکے عین جنس نقد بنادینے کی کوشش ہورہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا: میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا، دوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا: لطف یہ کہ دعوی تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی، اور اس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا تو دلیل مناقض دعوی ہے **فافھم** عـــہ (پس تو سمجھ)۔

عـــہ: اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذر خواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قولہ: بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت ان کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔

اقول اولاً: خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً: مشاہدہ کے خلاف یوں اعتبار نہ آئے تو اسکا عکس کردیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کرلیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً: مولوی صاحب چوکے، سو روپے کی مثال لاتے تو بات نظر عوام میں لگتی ہوئی ہوتی، واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار سو پیسے دینا چاہے تو دائن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی، چوانی، اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کردو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سو روپے دیئے ابھی دیکھے بلاعذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً: اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، نافی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ (۲/۰) کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے اشارہ میں ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا، مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعوی پر صریح مصادرہ ہے **کما لایخفی**، لہٰذا نہ قابل سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہر حال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ۔

روپے میں ہوگا خصوصًا اگر گنگوہی دھرم کچا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس بیس کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں،

قولہ: پیس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو[1]۔

اقول اولاً: اس "پس" کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزرا کہ قبول واتحاد جنس، عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یونہی عدم سے عدم پر، آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہذا یہ بیض ہے یہ دوسرا رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہذا حیوان نہیں۔

ثانیاً: آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیاً اس مناط کا یہاں تحقق پایہ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اس اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً: ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نرے اتحاد جنس سے تفاضل حرام نہیں ہوجاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ کے سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً: رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۷ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہو جائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آ گئی ہو[2]۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۷/۱

اقول اوّلاً: یہ دوسری "پس" اسی پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کردیا گیا **الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ** (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ت)

ثانیاً: بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے **ولکن لاتعلمون** (لیکن تم نہیں جانتے۔ت)

ثالثاً: روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعًا درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقینا جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وہ جس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول:** یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہی، خلقی، اصطلاحی، اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسین ہیں، سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں، ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے، اور سونے چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندلے کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہوسکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اودخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

رابعًا: جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہوسکتا ورنہ مباین باہم متحد ہوجائیں گے اور شیئ اپنے نفس کی مباین ہوگی ناچار ایک سے اتحاد مانئے گا اور وہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کررہے ہیں تو اشرفی سے یقینا متحد نہ ہوگا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوٰی ہوگا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸: قولہ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا[1]۔

اقول اوّلاً: اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ ان کے ہاتھ میں ہیں نہ ان کے اکثر کو معلوم، نہ ان کی طرف انہیں التفات بلکہ اکثر کو ان پر ایمان بھی نہیں تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قول اول میں گزرا۔

ثانیاً: جیسی عینیت آپ یہاں بتاسکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثاً: روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیونکہ درست ہوا۔

قولہ: باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا[1]۔

اقول اولاً: یہاں آکر اس تیسری "پس" کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ "پس" پسینہ تو سب پسائے پشیمنہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کرلیجئے کہ ہاں تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہو کر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلاً نہیں آخر اس بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شیئ ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیت ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثم خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں اپنے طور پر یقیناً سود حلال کر رہے ہیں کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیاً (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات[2] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت)

اقول: جناب گرامی نے صفحہ بر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت پر گزر جائے اصلاً سند کا نام نہ آئے لہٰذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی (اعمال کا دارمدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹۷

نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلا تفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم لہٰذا نوٹ میں تفاضل حرام، اس میں کبرٰی تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں، اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغری میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمائیے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم وزر کو سیم وزر سمجھتے ہوئے نیت کرلی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہوگیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول: نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں، بیع وشراء وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل وگناہ ہوتا ہے۔

قال تعالٰی "اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًاؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ(۲)" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت او بھی شنیع وناپاک تر ہے یوں ہی اگر بفرض غلط تسلیم کرلیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کرلی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہ سونا چاندی ہے تو ان کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا نہ اصطلاحی سے خلقی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہوگا، نہ خلق وآفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے۔ "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِؕ" [2] (اللہ تعالٰی کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ت) پھر فرمائیے حدیث کو یہاں کیا علاقہ ہوا۔ **قولہ ولکل امریئ مانوی** [3] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

[2] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

اقول: الحمدللہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں کہ اہل عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل ________ یہ مان لیں کہ دیدہ ودانستہ ان کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اسے سونا چاندی کردیا، تیسرا باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر **الحمدللہ** یہ حدیث بتارہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید وعمرو باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال جناب من! جب یہاں تفاضل کا مبنی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرماچکے ہیں کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہل عرف ہی کی اصطلاح ونیت نے اسے دس روپے کا کردیا اور ان کی اصطلاح ونیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انہیں اپنی جدا اصطلاح ونیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں: **لکل امرئ مانوی**[1] (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص کے حق میں اس کی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۹، ۱۵۸، ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵، ۱۶۵، ۱۶۴، ۱۳۴ ملاحظہ ہو، توجب زید وعمرو نے اپنے معاملہ میں اس اختیار کی بناء پر جو شرع مطہر نے ان کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کرکے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی، ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انہوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ **لکل امرئ مانوی**[2] (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑگئے۔

لطیفہ جلیلہ: یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب ے گل سرسبد بنایا اور آخر میں **ھذا سنح لی**[3] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤالوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤالوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

میں آیا مولوی صاحب کی انی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوی سے اخذ کی ہے تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوٰی مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انہوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں میں فتوٰی حامی سنت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوٰی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میر فتوٰی نمبر ۱۲۴ ہے، دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتوٰی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوٰی ہے جس میں انہوں نے فتوٰی فقیر کے بعض کلموں سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتارہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں **ماظھر لی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ہوا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں **ھذا ماسنح لی واللہ اعلم بالصواب**[1] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحنہ اللہ تعالٰی علیہ بہتر جانتا ہے۔ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوٰی میں بنام وہم لکھ کر رد کردی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی میرے فتوٰی میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا "مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریر دینا چاہئے"۔ دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اسی کو

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہوسکا،

اولاً: مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل، اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سنے میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔

ثانیاً: مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے" فرمایا "عین ثمن خلقی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں فقیر نے انہیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کردیا تھا" گویا بعینہٖ روپیہ ہے، گویا وہ سو روپے تھے"۔

ثالثاً: ولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کا رد سن چکے، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ " عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت لینی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سو روپے بیچنا اور روپیوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسخ لی فرمانا بجا ہے **لکل ساقطۃ لاقطۃ** (ہر گری پڑی شیئ کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت) اب جواب کی طرف چلئے، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا" مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے" (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۷ تک گزریں بیان کرکے لکھا" نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہٰذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلیقہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دو سو کا فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہوگئے یونہی اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں، باقی رہا عرف واصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی ہے یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خرید لیں صرف تراضی درکار ہے وبس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ[1] الخ۔	اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلا کراہت جائز ہے۔ الخ (ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہاء نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خرید نا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا" جب یہاں تک شرعًا جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحد نہ جنس واحد الی اٰخرہ"۔ یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہ اولیں قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائز ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمدللہ رب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے:

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) ان میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازہ قیمت نے اسے روپے نہ کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم وبیش کریں۔

(۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی۔

(۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے اولاًیکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اڑا کر بالکل کھویا، مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کردیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔

ثانیًا: ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفًا جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثًا: اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بیگھیوں میں پھیلایا اور بات اتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رد کیا کہ عرف نے اسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہو گا لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سو سے کیا اور سو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہو گئے اس کا جواب غائب۔

رابعًا: امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلم ٹھہر کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۳۴ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خامسًا: تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی روپے اشرفی کی کری مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری سن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اس کا لطف ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اٹھایئے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمدللہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلہ اکابر فضلاء کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ **قال ابوحنیفۃ کذا والحق کذا** (ابوحنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) "**استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل**(ابوحنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) "**ھھنا وھم اٰخر لصاحب الکتاب**" (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایان در کے غلامان غلام کے خاک پاکے زلہ رباؤں کے ادنٰی خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اس نے ادا کی ادا نہ کر سکیں پھر اس نے جو اس کے جواب دیئے ان سے عہدہ برآنہ ہوں، اس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا ایک ایک لفظ ایک حرف پر **ھھنا وھم اٰخر** (یہاں ایک اور وہم ہے۔ت) کا ویرا پڑا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم

من الثریا ابو حنیفه اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسر شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبٰی للغرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ت) کا بلا استحقاق محض ان کے فضل سے امید وار، بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرامت عالیہ کا اظہار ہے وبس، الٰہی! تیری بے شمار رضائیں ابو حنیفہ پر اور ان سب پر جو عقائد میں ان کے موافق ہو کر اعمال میں ان کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور ان کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روز قیام وعلٰی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود سلام ہو۔ت)

تنبیہ: اتنا ملحوظ رہے کہ میدان **بحمد اللہ تعالٰی** ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کے بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے، کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرالیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ جانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہر حال ہمیں ہر طرح نفع ہے **وللہ الحمد**۔

تسجیل جلیل: چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جایئے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوٰی کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے انکے جواب لکھے اور ان میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی، جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

سوال: ربا چیست؟ **جواب:** فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضہ مالیہ بلا عوض، در بحر الرائق آورد **ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص**	**سوال:** سود کیا ہے؟ **جواب:** مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلا عوض زیادتی۔ بحر الرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانس علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل والوزن[1]۔ انتھی۔	مراد ہے اور وہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل ووزن کے ساتھ، انتہی۔ (ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سود نہیں، بازار کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں، بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اس تقریر کو **والکل باطل** (اور سب باطل ہے۔ت) بنادیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہوسکتے، اور بفرض باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو کہ سو روپے بلا شبہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کررہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر دہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہر حال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچیے یہاں ربا آہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، **وھو المقصود** (اور وہی مقصود ہے۔ت)

قولہ: اور اگر اسمیں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہہ ربا باعث حرمت ہے[2]۔

اقول اولًا: یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولًا منقح کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیًا ادھر ادھر خواب جھانک لینا تھا کہ تصریحات ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵، ۹۴

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

کہ نوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین **شکر اللہ تعالٰی سعھیم** نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں ان میں کسی دلیل کا تنزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق، اس وقت آپ کا فرمانا قابل سماعت ہوتا اور خالی دعوی تو پادر ہوا

ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں سواسیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا، یونہی ایک سیب دو سیب کو، یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم، یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا، آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز ست یا نہ؟ **جواب:** جائز ست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست ست، در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ[1] انتہی۔	**سوال:** ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے میں یا ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یا نہیں؟ **جواب:** جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم، لہٰذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے حکم میں ہے۔ (ت)

ثالثاً: رسالہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ پر بحرالرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز، یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی، پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

رابعاً: آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انہیں اہل عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دار ومدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے، یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربوٰ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ "نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے"، اور فرمایا "سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے"، اور فرمایا "نوٹ سو روپے کا دیوے" اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتار کر، وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

۱۔ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سو اشرفیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۶۳۔

۲۔ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ص ۱۸۴، ۱۸۳، ۱۷۷۔

۳۔ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہہ ربا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

ان میں شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامسًا: بتصریح ائمہ یہاں شبہہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت، تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت، بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کررہے ہیں صراحۃً سود حلال کررہے ہیں۔

قولہ: علاوہ ازیں جو بیع و شرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہوجائیں اور کچھ نہ ہوگا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور پر ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا[1]۔

اقول اولًا: قصور معاف ع

مستی از بادہ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحرالرائق سے نقل کرچکے ہیں کہ مطلقًا زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہاں میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیًا: آپ کی "علاوہ ازیں" کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہہ ربا دونوں سے قطع نظر فرماکر

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۹۸۔۳۹۷

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمائیے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا، تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے پچیس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اسلئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ ان کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہوجائے وہ بیع کہ بلاشبہہ حلال تھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آیندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز وحرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثًا: صحفہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی وامام شمس الائمہ زرنجری وامام بکر خواہر زادہ و بحرالرائق وردالمحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابویوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلاکراہت جائز وحلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعًا: اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوٰی نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم ودنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہوجائے تب بھی درست ہے"[1]

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۱

اقول: یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲ / کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔ ت)۔ بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲/ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر ربا و شبہہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامساً: (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ ص ۱۷۰ سے ۱۷۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادساً: یہی چھ کیا ہزار حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہوں گے سردست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ وہ کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعاً: آپ خود اپنی ہی نہ کہئے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرما برابر کرکے بیچو"۔ اس پر عرض کی گئی کہ یارسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ دار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انہیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدراہم ثم ابتع بالدراہم جنیبا[1]۔	یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنیب) روپوں سے خرید لے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمه صورة لاتدخل فيه الربا مع حصول المقصود[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھا دی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

[1] المؤطا للامام محمد باب الربٰو فیما یکال ویؤزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۴۔ ۳۵۳

[2] التعلیق الممجد علی مؤطا محمد باب الربٰو فیما یکال ویؤزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۳

جناب من! اسی کا نام تو حیلہ شرعیہ ہے پھر اس سے حکم حلت نہ ہو سکنا کیا معنی، کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ بات بتارہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

ثامنًا: اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ابو سعید خدری وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی وہ حدیث [1] روایت فرمائی جو رسالہ کے ص ۱۹۵و۱۹۶ پر گزری اس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ:

اشار الیہ بما یجتنب عن الربا مع حصول المقصود [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس میں ربا سے بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے۔

سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا:

بھذا کلہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ و العامۃ من فقھائنا [3]۔	یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور ہمارے سب فقہاء کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔

رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے [4]۔

اقول اولا: یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا ممنوع ہوگا، حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہو۔

کلید در دوزخ ست آں نماز　　　　کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کی چابی ہے جس کو تو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے لمبا کرکے پڑھے)

ثانیًا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا، تمام

---

[1] الموطاللامام محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[2] التعلیق الممجد علی موطال محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[3] الموطاللامام محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

[4] التعلیق الممجد علی موطا محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

ائمہ مذہب اس پر عمل فرمارہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی "**والحق**" اگراس کے موافق ہے چشم ماروشن دل ماشاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ت) اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چننی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہل حق کے نزدیک بجوئے نیرزد" (ایک جو کے لائق بھی نہیں۔ت)

ثالثًا: آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیانیت ہو تو حیلہ جائز ہے اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیچ میں مبادلہ دراہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم خریدنی، بلکہ منظور انہیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام اعظم وامام محمد وجملہ ائمہ مذہب نے معاذاللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وہ تو حیلہ شرعیہ کو جائز فرمارہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت "حیلہ شرعیہ ہی کب ہوئی" بلکہ قصدًا شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی "**والحق**" کی الگ چنائی کا ہے پر چنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپیوں سے بیچ کر وہ قسم روپیوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہوجائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵و۱۹۶پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہوجائے، کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم وامام محمد وائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی [1] جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا للذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

[1] التعلیق الممجد علٰی مؤطا امام محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۷

تاسگا جانے دیجئے گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جناب من ! پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہو سکتا[1]۔

قولہ: تہذیب الایمان میں ہے[2]۔

اقول: مولوی صاحب ! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلٰی پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے ان کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل وبے قدر وبے وقعت زید وعمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے، اور اتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے، انہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الآثار، تہذیب النحو سنی تھی، معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوٰی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلٰی واعلم وافضل واکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرما لیتے تو جھگڑا چکتا۔

قولہ: انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ماشر عہا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کائدالشرعہ[3]۔	**قولہ:** بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالٰی نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کرنیوالا اسکے دین سے دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کرنیوالا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو، یہ وہی صورت ہوئی کہ بیچ میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے، اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں، شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اسکی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے، مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا رہے۔

اقول: تو کیا گناہ کیا، اس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر، شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو، وہی اس نے چاہا تو مقصد شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حرمت کدھر سے آئی۔

قوله فان مقصوده حصول الذی حرم الله بتلك الحیلة او اسقاط ما اوجبه[1] **انتهی۔**	**قوله** کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اوّلاً: حرام مراد لازم المحرمیۃ ہے جس سے حرمت کبھی جدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ بر تقدیر اول اسی لازم المحرمیۃ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول و فرار پہلے صورت پر حیلہ ہی کب ہوا، صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ بر تقدیر ثانی شکل کو وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہوجائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولٰی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً: دور کیوں جایئے خود اپنی سنئے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام، اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہوگیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہوجائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کرلیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ **نفع المفتی** میں دیکھئے:

الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی	حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یونہی برجندی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا عــہ فی الایقاد قلت الانتفاع بالجنس بالاستھلاك جائز کاراقہ الخمر و تخلیل الخمر وھذا کذلك فیجوز[1] اھ باختصار۔	میں کہا ہے اگر تو کہے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کرکے جائز ہے جیسے شراب کو بہادینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انہیں صورتوں جیسی ہے لہذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔ (ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا مگر یوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ: پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا[2]۔

اقول: عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقینا معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اسے بعینہٖ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر پکی چاندی کو بیچے اور سود نہ ہو حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے، خیر یہ تو پہلے معروض ہوچکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا وشبہہ ربا سے قطعی گزر گئے، "علاوہ ازیں" کہہ کر تو ان کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگانہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کر دیانۃً، قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّٰی ولفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم واثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً وشرعًا غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلاف دیانت ہے۔

قولہ: اسی وجہ سے کتب فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل مما باع وغیرہ ذلک (کسی چیز

عــہ: الاصوب بہ ۱۲۔

[1] نفع المفتی والسائل مایتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳۶

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

کواس سے کم پر خرید نا جتنے پر بیچا ہے وغیرہ ذلک۔ت) کی ممانعت مذکور ہے۔[1]

اقول اولا: الحمدللہ! اب توآپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز، حلال، روا، درست غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولٰی بھی ہے یا نہیں، ہمارے امام اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابویوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلاف اولٰی ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ و ۱۷۳ تا ۱۷۶ و ۱۷۸ و ۱۷۹، ۱۸۰ بلکہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابویوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولٰی۔

ثانیًا: وہ خلاف اولٰی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سؤر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ ۱۶۹و ۱۷۰، ۱۷۱ وغیرہا پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا در کنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انہیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بدخواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے، **والحمدللہ رب العٰلمین۔**

ثالثًا: شراء ماباع باقل مماباع عندالتحقیق ربح مالم یضمن (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا ضامن نہیں بنا۔ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہو جائے تو اس کی جائے مشتری پر اس کا اثر نہ ہو، ولہٰذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں **کما فی الدر وغیرہ** (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں **کما فی جمیع الکتب** (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ت) ہاں ثمن اول وثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی، یوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خرید لی، احتمال سقوط ساقط ہوگیا تو اس نے پانچ سودے کر اپنے وہ ہزار پکے کر لئے یوں شبہہ ربا آیا بہر حال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریة بالف درہم حالة اونسئة فقبضها ثم باعها من البائع بخمسمائة قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی.لان الثمن لم یدخل فی ضمانه فاذاوصل الیه المبیع ووقعت المقاصة بقی له فضل خمس مائة وذٰلك بلاعوض [1]۔	جس شخص نے ہزار درہم نقد یا ادھار کے بدلے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر پہلے ثمن کی ادائیگی سے قبل وہی لونڈی پانچ سو درہم کے بدلے بائع کے ہاتھ فروخت کردی، تو دوسری بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئے تو جب مبیع دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا اور پانچ سو درہم اس کے بدلے میں ہوگئے تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بچ گئے اور وہ بلاعوض ہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذی عقل من معنی النهی انه استربح مالیس فی ضمانه ونهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن ربح مالم یضمن وهذا لان الثمن لایدخل فی ضمانه قبل القبض [2]۔	وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز پر نفع سے منع فرمایا جو اس کے ضمان میں نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ہے:

وهذا احسن من تقریر قاضی خاں اعتبار الشبهة بان الالف	یہ قاضی خاں کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہ ربا کا اعتبار کرتے ہوئے انہوں نے کی بایں طور

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۳ /۶۰

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۷۷

وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتہی[1]۔	کہ ہزار درہم جو کہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہوسکتا تھا اس احتمال کی بناپر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پاکر واپس کردیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہوجاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔ انتہی۔ (ت)

رابعًا: وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہ ربا ہے آپ ربا و شبہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہ ربا ہے اس سے اس پر استناد کیونکر کرسکتے ہیں۔

خامسًا: آپ "اسی وجہ سے" کہہ کر دونوں مسئلوں میں علت حکم ایک بتارہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا۔ کیا **شراء ماباع باقل مماباع** (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ ت) بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز، **فافھم**

سادسًا: آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہ جائز ہے مثلا ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کردئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچسو کو خریدلی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے یہ جائز وحلال ہے۔ درمختار میں ہے:

فسد شراء ماباع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[2] اھ ملتقطا۔	اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادائیگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادائیگی کے بعد ہو تو جائز ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہر حال موجود، مولوی صاحب! مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بیخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۳

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قولہ: اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے[1]۔

اقول اولاً: احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶میں گزریں اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی،

ثانیاً: خود آیہ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰پر تلاوت ہوئی، فتاوٰی ذخیرہ، فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالٰی وخذ بیدك ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام عن یمینہ التی حلف لیضربن امرأتہ مائۃ عود وعامۃ المشایخ علی ان حکمھا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب[2]۔	اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو، حضرت ایوب نبی اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھائی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمایا (کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

قولہ: اگر یہ شبہ ہو کہ نوٹ ہر گاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہوسکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانھا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ[3] (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ت)

اقول اولاً: یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہ وہیں دفع

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحیل الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۹۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۸

ہو چکا، پھر "اگر یہ شبہہ ہو" کا محل کیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہو گیا بات وہی ہے کہ لے دے کر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی تو سہی عبارت تو وزنی ہو جائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کر دیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہیں نہیں۔

ثانیًا: ہاں ایک **لاسیما** یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت سے نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہو گی اور حرمت لازم۔

اقول: بجا ہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہو گیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثًا: حل کروں آپ مقاصد شرعیہ واغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت وفساد حلت وحرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ انکے نزدیک انہیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلا تقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض وتصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیچ کر ثمن اس کو معاف کر دے دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض ان میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد وحرام اور دوسری صحیح وحلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولٰی سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی موجب دخول نار، اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلا انکار، نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام ومقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القاء کرتا ہے انصاف کیجئے تو ایک ہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی ووافی ہے وللہ الحمد۔

رابعًا: ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناسی دیانت پرور ہیں۔ اسی جلد دوم کے فتوٰی نمبری ۷ ۹ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے "خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا بھی نقد خریدے تو مثلا سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعا کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے، اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعا کوئی قباحت نہیں، **صح الجواب واللہ اعلم۔ حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ** [1]، ذرا فرمائے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصا وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کردیا اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑدیا، پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے "**والاجل یقابلہ قسط من الثمن**" مگر ایک بات قطع ہونا لازم، اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر یہ حرام وفاسد ہے، فتح القدیر میں ہے:

لابد ان یکون الاجل معلوما لان جہالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذٰلک انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا وبالفین الی سنۃ فلجہالۃ الثمن [2]۔	میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے، رہا اس صورت کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی فروخت کی تو یہ جہالت ثمن کی وجہ سے (باطل) ہے۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۵۔ ۳۹۴

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۸۔ ۴۶۹

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد واجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل باع علی انہ بالنقد بکذا و بالنسئیة بکذا اوالی شھر بکذا اوالی شھرین بکذا لم یجز [1]۔	ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی، یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی (ت)

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کردیا، پھر بین المیعاد ثمن قبول کرلینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا، پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حق مشتری ہے، کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا، اشباہ میں ہے:

الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ ھکذا ذکر الزیلعی فی الکفالة وھی ایضا فی الخانیة والنھایة [2]۔	اگر مقروض میعادی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقروض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کردے، زیلعی نے باب الکفالہ میں یونہی ذکر کیا، اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے، اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہئے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پرکھنے کا ادعا رکھے، اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے۔ ت) اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مرادآبادی نے براہ خطاء صریح دودھ کے چچا کو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۸

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوی پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوادیں، فتوی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سجھائے سے سوجھیں اور دوسرا فتوی حرمت پر لکھا اور پہلے فتوی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ:

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کی در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد[1]۔	قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہوئے سرسری نظر سے مہر لگادی گئی۔(ت)

حلال وحرام خصوصا معاملہ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرات و بیباکی کا کھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار[2]۔	تم میں سے جو فتوی میں زیادہ بیباک ہیں وہ جھنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں(ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے "مگر بر اعتماد ایشاں" نے ان کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغہ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مہر نہ کی کوئی اور کر گیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے **نسأل اللہ العفو و العافیة** (ہم اللہ تعالی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ت)

قولہ: باقی رہا فتح القدیر کا **لو باع کاغذة بالف یجوز**[3] **انتھی** (اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے **انتھی**۔ت)

اقول: انتہی نہیں اس کے بعد **ولا یکرہ**[4] (اور مکروہ نہیں ہے۔ت) بھی ہے اور خود میرا

---

[1] فتاوی نذیریہ

[2] سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فتوی آپ کے پیش نظر ہے اس میں بھی منقول یعنی "کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلا کراہت بھی نہیں" اسے پردہ انتھی میں نہ چھپایئے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ "لایکرہ" مکروہ لگتا ہے تو محقق کی شان یہ تھی کہ اسے نقل کرکے رد فرماتے، آخر امام ابن ہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہوسکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الی آخرہ لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی "یجوز" تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتھی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی، یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ: پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمنی خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود ان زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ[1]۔

اقول اولاً: عینیت تو بارہا گھر تک پہنچادی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیئے اور اب فرمایئے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ وہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہوجائے۔ بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نو سو پچانوے اڑ گئے۔

ثانیاً: عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اس سے یکسر گزرچکے ہیں مہربانی فرماکر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنادیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتایئے۔

ثالثاً: صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے، ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور تاقیامت ہوتے رہیں گے، ان کے احکام اطلاقاتِ ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اس زمانے میں کب تھیں لہذا یہ ان کی مراد وزیر حکم نہیں۔

رابعاً: سنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لایئے گا جن کا بیچنا مقصود بنایئے گا، ایک محقق عالم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے، نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ماقدمت یداہ (بھول گیا وہ جو اسی کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ت)

خامسًا: جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ **یجوز ولایکرہ**[1] بلا کراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے۔ بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں "**نسی ماقدمت یداہ**" ہوگیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے "**لایکرہ**" چھوڑ کر انتی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتی پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہٖ تعالٰی ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا **وللہ الحمد**۔

قولہ: ھذا ماسنح لی[2] (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت)

اقول: ای من دون دلیل و مایلی لاخفی ولاجلی۔	**میں کہتا ہوں** بغیر دلیل خفی اور دلیل جلی ہے۔(ت)

قولہ: واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب[3] (اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ت)

اقول: ھو المصوب سے یہاں تک فتوی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز حجاب ہے،

"اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"[4]۔ اللھم ربنا ارض عنا بکرمك و منك ورأفة حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ووفقنا لتجارة لن تبور یا عزیز	مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل واحسان کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی ہو جا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸
[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸
[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یاغفور اٰمین والحمد ﷲ رب العلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی سیدالمرسلین محمد و اٰله وصحبه اجمعین اٰمین سبحنك اللھم وبحمدك اشھدان لا اله الاانت استغفرك واتوب الیك سبحن ربك رب العزۃ عما یصفون و سلم علی المرسلین و الحمد ﷲ رب العلمین۔	میں خسارہ نہ ہو اے عزت والے اے بخشنے والے! ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰی اور آپ کی تمام آل واصحاب پر اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتاہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں میں تجھ سے مغفرت طلب کرتاہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمدﷲ! کلام اپنے منتہٰی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلٰی کو تیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف واندیشہ لہذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلانہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ **ھذا ماظھر لی واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) پھر بفضل رب قدیر عزجلالہ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے:

مؤید اول: محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظّمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جداوی دواما بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضل وہاب عزجلالہ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ **کفل الفقیه** وہیں لکھ دیا، پہلا فتاوٰی ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہٖ تعالٰی پہروں کا خوض کامل جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سد راہ نہ ہوا، یہ نظر اولین کا پہلا مؤید تھا۔

مؤیدِ دوم: اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیر نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوض تام کیا اور نظر انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤیدِ سوم: مکہ معظّمہ کے اجلہ علمائے کرام ومفتیان عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھوا کر سنا اس کی نقلیں لیں اور **بحمد اللہ** سب نے یک زبان مدحیں کیں، جسے حضرت شیخ الائمہ والخطباء کبیر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میر داد حنفی حضرت عالم العلماء مفتی سابق وقاضی حال علامہ مولٰنا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہّ عبداللہ صدیق حفظھم اللہ تعالٰی، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت یہی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدہ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطور خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر ان سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے ان کو نہ انہوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیرہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیہّ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبداللہ بن عمر من ہذا البیان او لفظاً ہذا معناہ۔	شیخ جمال ابن عبداللہ ابن عمر اس بیان تک کیوں نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کہے۔ (ت)

حضرت مفتی اعظم مکہ معظّمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سند حدیث وفقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتی حنفیہّ تھے اس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہ نے علمائے ربانی کی جو شان ہے اس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرمادیا کہ "**العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللہ تعالٰی اعلم۔**" علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطانہ فرمایا، حنفیہّ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہّ نہایت کرم واکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی، ان تمام حضرات علماء کے مدائح وقبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، **والحمد للہ رب العلمین۔**

مؤیدِ چہارم: اب کہ **کفل الفقیہ** دوبارہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰی نظر پڑا اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہوجائے خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں غایت درجہ چھ ورق بس ہوں گے، مگر فیض قدیر سے اضافہ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جزء کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگانہ رکھا یہ بحمد اللہ تعالٰی اور بھی قوی تر مؤید عظیم ہوا۔ رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ذی رائے اثر ثابت ہوں یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کرکے ناکام رہیں واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے ہے آسمان فیض مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے **وللہ الحمد**، بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنٰی غلاموں کا پاسنگ ان کی خاک نعل کے برابر بھی منہ نہیں رکھتا۔ نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوٰی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جُہد المقل ہے یعنی ایک بے نوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش، اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اس کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات دلکشا اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہ عزوجل سب آثار قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

فان یك صوابا فمن اللہ تعالٰی وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان واللہ ورسولہ بریئان [1]۔ **واقول: کما قال ابونا اٰدم علی نبینا**	اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت) اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

[1] سنن ابو داؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۸

الکریم وعلیه افضل الصلوٰة والتسلیم اللهم انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما فی نفسی فاغفر لی ذنوبی وصلی الله تعالٰی علی سیدنا محمد واٰله وصحبه وابنه وحزبه وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخر دعوٰنا ان الحمدلله رب العلمین سبحنك اللهم وبحمدك اشهدان لااله الا انت استغفرك واتوب الیك قال الفقیر احمد رضا القادری البرکاتی البریلوی غفرالله تعالٰی له وحقق امله واصلح عمله والحمدلله والصلوٰة والسلام علی مصطفاه اٰخر کل کلام واوله اٰمین۔	(اللہ تعالٰی ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین درود و سلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما، اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار اور آقا محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے تو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور درود وسلام ہو اس کے منتخب نبی، (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول وآخر میں، آمین۔ (ت)

باب الاستحقاق
(استحقاق کا بیان)

مسئلہ ۲۲۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیازن اور ہمشیرہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پختہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑ کر انتقال کیا، نیاز بی بی کا ایک ہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا۔ نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پختہ بعوض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسب معمول صرف اپنا مالک و قابض و متصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلادیا بعدہ، بائعہ حج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وارثت تین ربع کا مکان پر دعوٰی کیا اور کچہری سے ڈگری پائی ایک ربع مشتری کے پاس رہا، نیاز بی بی حج سے واپس آکر انتقال کر گئی وارثان نیاز بی بی نے دعوٰی مہر کیا ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تو تین ربع مکان پختہ اور کل مکاں خام مہر میں نیلام ہوگئے اب وارثان نیاز بی بی ایک ربع پر باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کرلینا چاہتے ہیں، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعوٰی وارثان صحیح ہے یا باطل؟ اور تین ربع کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربع باقی ماندہ بھی اگر بحکم شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابل واپسی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نیاز بی بی نے جس کا مہر مال غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پوجو بذریعہ مہر

قبضہ کیا صحیح تھا اور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتوی ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہو چکی اور وہ بیع کہ اس نے بدست محمد وزیر کی صحیح ونافذ تھی نہ بنی کو اپنا دعوی وارثت پہنچا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثان نیاز بی بی دعوی مہر کرسکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پا چکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کرلینا بذریعہ مہری تھا تو اب دین اداشدہ کا دعوی کا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پا چکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کرچکی وہ تمام مالک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ نیاز بی بی ٹھہر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہو جائے۔

فی الشامی والطحطاوی عن شرح الکنز العلامۃ الحموی عن الامام العلامۃ علی المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان[1]۔	شامی اور طحطاوی میں علامہ حموی کی شرح کنز سے بحوالہ امام علامہ علی مقدسی منقول ہے، انہوں نے اپنے دادا اشقر سے بحوالہ شرح قدوری از امام اخصب ذکر کیا کہ خلاف جنس سے وصول کرنے کا عدم جواز مشائخ کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ لوگ حقوق میں باہم متفق تھے آج کل فتوی اس پر ہے کہ جب اپنے کی وصولی پر قادر ہو چاہے کسی بھی مال سے ہو تو وصول کرلینا جائز ہے۔(ت)

اور بالفرض اگر اس فتوی کو ماخوذ نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ بنی کی۔

فان الدین المحیط یمنع ملک الوارث[2]، کما فی الاشباہ وغیرہا	کیونکہ تمام مال کا احاطہ کرنے والا قرض وارث کی ملکیت سے مانع ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

تو بیع کہ نیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھہرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے

[1] ردالمحتار کتاب الحجر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۴

قطعاً مشتری زر ثمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ مبیع بھی اس سے لے لیں اور ثمن ادا کردہ بھی واپس نہ دیں پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دیئے جائے جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کرلیں۔

فی الخانیہ وغیرہا اشتری شیئا فاستحسن من یدہ رجع المشتری علی البائع بالثمن [1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خانیہ میں ہے کہ کسی نے کوئی شے خریدی پھر اس کے قبضہ میں اس شیئ میں استحقاق ثابت ہوگیا (تو وہ اس کے قبضہ سے نکل گئی) تو مشتری بائع سے ثمن واپس لے گا اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۱: از شہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسر نابالغ اور ایک دختر نابالغہ چھوڑی تھی منجملہ ان ورثاء کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کرکے فروخت کردیا، اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں اس اثناء میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر ومرمت جدید مذکورہ از روئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادائے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑلے جائے۔

الجواب:

اگر ثابت ہو کہ شرعا مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم کردیں گے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کرلے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت ومرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انہیں چھوڑدے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مسئولہ علی بہادر خاں صاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ "موازی (۷ اللعہ) پختہ اراضی نمبری (۴۲۴ معہ ۵)، (۴۳۵ معہ ۱۲)، بعوض چار سو روپے بدست زید

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فی الاستحقاق مطبع نولکشور لکھنو ۲/ ۳۷۸

بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم وشریک پیدا ہو ضمان ذمہ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط" بکر نے زر ثمن تمام وکمال وصول کر لیا مبیعہ پر مشتری کو قبضہ کرادیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکم ریاست کو معلوم ہوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف (۳للعہ) تھی ۱۴ بسوہ زائد پر اس نے دخل کیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہوگیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ (۱۷للعہ) بیچ ڈالی جس میں ۱۴ بسوہ زمین سرکاری ہے لہٰذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعہ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کرکے ضبط سرکار ہو باقی (۳للعہ) کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عملدرآمد ہوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہوگیا اب مشتری اس چودہ بسوہ خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعاً اسے اس کا حق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بکر ایک زمین (۱۷للعہ) بتا کر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام وکمال ملتی مگر پیمائش میں ۱۴ بسوہ خواہ بیگھوں کم آئی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا۔

لان المساحة وصف فی الممسوح ولم تصر مقصوده کان یقول کل ذراع بکذا فلم یقابلها الثمن	کیونکہ پیمائش وصف ہے اس چیز میں جس کی پیمائش کی جاتی ہے اور وہ مساحت مقصود نہیں ہوتی جیسے یوں کہے کہ ہر گز انتے کا ہے تو اس کے مقابل ثمن نہیں ہوتے۔(ت)

بلکہ اس پر کم پر مشتری کی رضا ظاہر نہ ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اس کو پوری قیمت پر قبول کر یا مبیع پھیر کر ثمن واپس لے لانه فات علیه وصف مرغوب فیه فیتخیر (کیونکہ اس پر پسندیدہ وصف فوت ہوگیا ہے لہٰذا اس کو اختیار ملے گا۔ت)

درمختار میں ہے:

ان باع صبرة علی انها مائة قفیز بمائة درہم وہی اقل اواکثر اخذ المشتری الاقل بحصته ان شاء او فسخ، وما زاد للبائع، وان باع المذروع علی انه مائة ذراع مثلا اخذ المشتری الاقل بکل	اگر ڈھیر بیچا اس شرط پر کہ یہ سو بوری ہے سو درہم کے بدلے میں، حالانکہ وہ ڈھیر سو بوری سے کم یا زیادہ ہے تو مشتری کو اختیار ہے کہ کمتر کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے لے یا بیع کو فسخ کردے، اور جو سو بوری سے زائد ہے وہ بائع کا ہے، اور اگر مذروع کو مثل سابق بیچا کہ یہ مثال کے طور پر سو گز ہے سو درہم کے بدلے میں تو مشتری کو اختیار ہوگا

الثمن واترك واخذ الاکثر بلاخیار للبائع [1] ۔	کہ وہ کمتر کو پورے ثمن کے عوض لے لے یا چھوڑ دے اور اکثر کو مشتری لے لے گا، بائع کو اس میں اختیار حاصل نہ ہوگا۔(ت)

مگر یہاں یہ صورت نہیں مبیع بتمامہ قبضہ میں رہ کر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ مبیع سے ایک قطعہ ملک ریاست قرار پاکر قبضہ سے نکل گیا، یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع سے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی و قیمی مذروع و معدود وغیرہا سب برابر ہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا کالثوب الواحد والعبد فاستحق بعضه قبل القبض اوبعده فللمشتری الخیار فی الباق ان شاء اخذه بالحصة وان اء ترك [2] الخ وعزاه للمحیط وظاہر ان الثوب قیمی مذروع قال فی ردالمحتار وان بع المذروع کثوب وارض در منتقی [3] اھ وقد حکم فی استحقاق بعضه باخذ الباق بالحصه۔	جب خریدی ہوئی چیز ایک ہو جیسے ایک کپڑا یا غلام، پھر قبضہ سے پہلے یا بعد اس کے بعض میں استحقاق ثابت ہوگیا تو مشتری کو اختیار ہے چاہے تو باقی کو اس کے حصہ کی قیمت کے بدلے میں لے لے اور اگر چاہے تو چھوڑ دے الخ اور اس کو محیط کی طرف منسوب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کپڑا قیمتی مذروع ہے، ردالمحتار میں کہا کہ اگر مذروع کو بیچا جیسے کپڑا اور زمین در منتقی اھ، بے شک اسکے بعض میں استحقاق ثابت ہونے کی صورت میں باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لینے کا حکم کیا گیا ہے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

استحق بعض المبیع فلم لو یمیز الابضرر کدار او کرم الارض وزوجی خف ومصراعی باب	بعض مبیع میں استحقاق ثابت ہوگیا تو (دیکھیں گے کہ) اگر وہ بلانقصان جدا نہیں ہوسکتا جیسے مکان، انگور کی بیل، زمین، موزوں کا جوڑا اور ایک

[1] درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۶۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۱

وفق یتخیر المشتری والا فلا. ثم لو اورث الاستحقاق عیبا فیما بقی یخیر المشتری کما مر ولولم یورث عیبا کثوبین استحق احدھما فالمشتری یاخذ الباقی بحصتہ بلا خیار [1]۔ ملتقطا	دروازے کے دوپٹ تو اس صورت میں مشتری کو اختیار ملے گا ورنہ نہیں، پھر اگر استحقاق باقی مبیع میں عیب پیدا کردے تو مشتری کو اختیار ملے گا جیسا کہ گزر چکا ہے اور اگر وہ عیب پیدا نہ کرے جیسے دو کپڑوں میں سے ایک میں استحقاق ثابت ہو جائے تو مشتری باقی کو اس کے حصے کی قیمت کے بدلے میں لے گا اس صورت میں اس کو اختیار نہیں ملے گا۔ ملتقطا۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے ۹۷/۱۴ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی ۵۷/۴۵ پائی، یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسدہ واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرائط فاسد مذکور ہیں مثلاً یہ کہ اگر جز کل اراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہرجہ وخرد چہ ذمہ بایعان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ف تک قطع کرکے اراضی مکشوف کردیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع متصور ہوں گے اس کے دعوی چوب درختان نہ رہے گا۔ بیعنامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا، درمختار میں ہے:

لوکتب فی الصك فما اتفق المشتری فیھا من نفقۃ اورم فیھا من مرمۃ فعلی البائع یفسد البیع [2]۔	اگر بیعنامہ میں لکھا گیا کہ جو کچھ مشتری مبیع پر خرچ کرے گا یا اس میں حرمت کرے گا وہ بائع کے ذمے ہوگا تو بیع فاسد ہو جائے گی۔ (ت)

تو بائع ومشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کردیں، زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے، اگر وہ دونوں نہ مانیں حاکم جبراً فسخ کردے۔ درمختار میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخہ	فساد کو ختم کرنے کے لئے قبضہ سے پہلے یا قبضہ

[1] جامع الفصولین الفصل السادس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰-۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۶

قبل القبض اوبعده مادام المبیع بحاله فی ید المشتری اعداماً للفساد لانه معصیة فیجب رفعها بحر ،و اذا اصر احدهما علی امساکه وعلم به القاضی فله فسخه جبرا علیهما حقاللشرع، بزازیة [1]۔	کے بعد جب تک مبیع مشتری کے پاس اپنے حال میں موجود ہے بیع فاسد کو فسخ کرنا بائع اور مشتری میں سے ہر ایک پر واجب ہے کیونکہ یہ معصیت ہے اس لئے اس کو دور کرنا واجب ہے بحر ،اور اگران میں سے کوئی ایک اس کو برقرار رکھنے پر اصرار کرے اور قاضی کو اس کا علم ہو تو وہ حق شرع کے لئے ان دونوں پر جبر کرتے ہوئے فسخ کرسکتا ہے، بزازیہ۔ (ت)

اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں صحیح بیع کرلیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب البیع السلم
(بیع سلم کا بیان)

مسئلہ ۲۲۳: از فیروز پور ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتوتی کا روپیہ پیشگی دے دیا اور ناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اسے بیع سلم کہتے ہیں، یہ بارہ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہو جائے گی:

(۱) اس شیئ کی جنس بیان کر دی جائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل، اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ میں لیں گے تو ناجائز ہے۔

(۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کر دی جائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج، اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی۔

(۳) اس کی صفت بیان کر دی جائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فرد یا کسیلے

(۴) اس کی مقدار معین کر دی جائے مثلاً اتنے من، اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل مقدار خود معلوم ہو جائیگی۔

اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو۔

(۵) میعاد معین کردی جائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا۔

(۶) اگر وہ چیز بار برداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لے جانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے، اس میں بیچنے والے کو اختیار ہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلّہ میں چاہے پہنچادے اور جو مکان بھی خاص کردیا تو وہی پہنچنا پڑے گا۔

(۷) ثمن کی بھی تعین ہوجائے مثلاً روپے یا اشرفی۔

(۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی۔

(۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔

(۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا ہوتے جیسے سونا، چاندی، روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر، چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدر آباد میں نوابی وانگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہیے۔

یہ دسوں ۱۰ باتیں خاص عقد ایجاب وقبول میں بیان کرنی ضروری ہیں، مثال اس کی یہ ہے کہ زید وعمر سے کہے میں نے تجھ سے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنسراج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے، وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھ سے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے وعدہ پر مراد آباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا، وہ کہے میں نے بیچا، یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آج کل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں۔

(۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کردیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کرکے ثمن دیئے بغیر متفرق ہوگئے تو بنا بنایا عقد فاسد وناجائز ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے آٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور

بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہو گئی عقد فاسد ہو گیا۔

(۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دیئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو ناجائز و گناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار بالتلفیق والاختصار، شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة(اجمالا والافالاربعة الاول منها تشترط فی کل من راس المال والمسلم فیه ثمانیة بالتفصیل، بحر)بیان جنس کبر او تمر، وبیان نوع کمسقی(ما سقته السماء، وفیه عن الخلاصة لایشترط بیان النوع ما لا نوع له وفیه عن المعراج انما یشترط بیان النوع فی رأس المال اذا کان فی البلد نقود مختلفه والا فلا)وصفة کجید اوردی، وقدر ککذا کیلا، واجل واقله شهر به یفتی، وقدر رأس المال ان تعلق العقد بمقدارہ (بان تنقسم اجزاء السلم فیه علی اجزاءہ فتح ای بان یقابل النصف	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں مخلوط عبارت بطور اختصار یوں ہے کہ بیع سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں سات ہیں جن کا عقد میں ذکر کیا جانا (یہ تعداد اجمالی ہے ورنہ پہلی چار شرطیں راس المال (ثمن) اور مسلم فیہ (مبیع) دونوں میں پائی جاتی ہیں تو اس طرح تفصیلا یہ چار کے بجائے آٹھ ہوئیں، بحر) (۱) مسلم فیہ کی جنس کا بیان جیسے گندم یا کھجور (۲) نوع کا بیان جیسے نہری پانی سے اس کو سیراب کیا گیا ہے یا بارش کے پانی سے سیراب ہوئی ہے اور اس میں خلاصہ سے منقول ہے کہ جسمیں کوئی نوع نہ ہو اس میں نوع کا بیان شرط نہیں اور اس میں معراج سے منقول ہے کہ راس المال میں نوع کا بیان کرنا شرط ہے جبکہ شہر میں مختلف نقود رائج ہوں ورنہ نہیں۔ (۳) مفسلم فیہ کی صفت کا بیان جیسے عمدہ یا ناقص (۴) مسلم فیہ کی مقدار کا بیان جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی (۵) مدت کا بیان اور سلم میں کم از کم مدت ایک ماہ ہے اسی پر فتوی ہے۔ (۶) راس المال کی مقدار کا بیان اگر عقد کا تعلق راس المال کی مقدار سے ہو بایں طور کہ مسلم فیہ کے اجزاء راس المال کے اجزاء پر منقسم ہوتے ہوں (فتح) اس تقسیم کی صورت یہ ہے

بالنصف والربع بالربع وھکذا وذٰلك انما یکون فی المثلی)، والسابع بیان مکان الایفاء للمسلم فیه فیماله حمل ومؤنة شرط الایفاء فی مدینة فکل محلاتھا سواء فیه حتی لو اوفاہ فی محلة منھا برئ ولیس له ان یطالبه فی محلة اخری بزازیة ولو عین مکانا تعین فی الاصح فتح، وبقی من الشروط قبض رأس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدانھما وان ناما او سارفرسخا او اکثر ولودخل لیخرج الدراھم ان تواری عن المسلم الیه بطل وان بحیث یراہ لاوھو شرط بقائه علی الصحة لاشرط انعقادہ بوصفھا فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلاقبض[1]۔	کہ نصف مسلم فیہ نصف راس المال کے بدلے میں اور چوتھائی چوتھائی کے بدلے میں ہو اسی طرح یہ سلسلہ چلتا جائے اور یہ صورت صرف مثلی چیزوں میں متحقق ہوسکتی ہے، (۷) اس جگہ کا بیان جہاں مسلم فیہ پہنچانا منظور ہے جبکہ مسلم فیہ میں باربرداری اور مشقت ہے، کسی شہر سے پہنچانے کی شرط لگائی تو اس شہر کے تمام محلے اس مسئلہ میں برابر ہیں اگر کسی محلّہ میں بائع نے مسلم فیہ کو پہنچادیا تو بری الذمہ ہوگیا مشتری کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے محلّہ میں پہنچانے کا مطالبہ کرے (بزازیہ) اور اگر کوئی مکان معین کردیا تو وہی معین ہوگا اصح مذہب پر (فتح) اور باقی رہا شرطوں میں سے راس المال پر قبضہ کرنا اگرچہ راس المال معین ہو، اور یہ قبضہ عاقدین کے بدنی طور پر جدا ہونے سے قبل شرط ہے اگرچہ وہ دونوں مجلس میں سوگئے ہوں یا ایک فرسخ یا اس سے کچھ زیادہ اکٹھے چلتے گئے ہوں (اس کے بعد قبضہ کیا ہو) اور اگر رب السلم (مشتری) درہم لینے گھر میں اس طرح داخل ہوا کہ مسلم الیہ (بائع) کی نظر سے اوجھل ہوگیا تو عقد باطل ہوگیا اور اگر وہ نظر آتا رہا تو عقد باطل نہیں ہوا اور راس المال پر مجلس میں قبضہ کرنا عقد سلم کے صحت پر باقی رہنے کی شرط ہے نہ کہ وصف صحت پر اس کے منعقد ہونے کی شرط ہے، تو بیع کا انعقاد صحیح ہوجائے گا پھر راس المال پر قبضہ کئے بغیر دونوں کے جدا ہونے سے باطل ہوجائے گی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایصح فی منقطع لایوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق[2]۔	ایسی چیز میں عقد سلم صحیح نہیں جو وقت عقد سے وقت استحقاق یعنی ختم میعاد تک بازار میں موجود نہ رہے۔ (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸، ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۲۰۶-۲۰۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

اسی میں ہے:

ولافی حنطة حدیثة قبل حدوثها لانها منقطعة فی الحال[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عقد سلم نئی گندم میں اسکے پیدا ہونے سے پہلے صحیح نہیں کیونکہ وہ فی الحال موجود نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۴: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گیہوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں کہ روپے دے اور بھاؤ معین نہ کیا بلکہ یہ ٹھہرا کہ فصل کا بھاؤ یا اس سے مثلاً دو سیر زائد لیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: محض ناجائز ہے جب تک مقدار معین نہ کردی جائے۔

فی الدرالمختار شرط صحته بیان جنس وقدر ککذا کیلا[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط جنس کو بیان کرنا اور مقدار کو بیان کرنا ہے جیسے کیل کے اعتبار سے اتنی ہے اھ تلخیص۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۵: از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی ایکھ کھڑی ہے اور اسے خرید لیا اور روپیہ دے دیا، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محض ناجائز ہے کہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعاد استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود ہیں، گھروں میں موجود ہونا کفایت نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز السلم حتی یکون المسلم فیه موجودا من حین العقد الی	جب تک مسلم فیہ وقت عقد سے لے کر وقت استحقاق تک مسلسل بازار میں موجود نہ رہے بیع سلم

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

حین المحل [1]۔	جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق وان کان فی البیوت کذا فی التبیین شرنبلالیہ ومثلہ فی الفتح والبحر والنھر [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نایاب ہونے کا معنی یہ ہے کہ چیز بازار میں موجود نہ ہو اگرچہ گھر میں موجود ہو تبیین شرنبلالیہ میں یونہی ہے اور اس کی مثل بحر، نہر اور فتح میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: ۸ رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرالیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع ومشتری اسی عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک حبہ لینا حرام اور سود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتاخذ الاسلمك او رأس مالك [3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس کرلے اس کے سوا کچھ نہ لے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۲۷: ۴ رمضان المبارک

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اسامیان کو بدنی پر روپیہ اور فی روپیہ ۲۰ ثار یا ۱۹ ثار گندم عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اسامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادا نہ کرسکا تو اسے زر قیمت غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز۔ یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جائے اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جائے تو آیا صاف

---

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۰۵

[3] درمختار باب السلم ۲/ ۴۹ و تبین الحقائق باب السلم ۴/ ۱۱۴

کراکر عمدہ لیا جائے یا جیسا پیدا ہوا ہے کس طور پر اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جائے تو کس شرح سے یعنی کہ زر قیمت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدنی مذکور لئے جائیں یا کہ بقیہ زر دادہ کے گندم بحساب بدنی لئے جائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

روپیہ دینے والے کو دو ہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کر دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلاً سو روپے پچاس من گیہوں پر دئے تھے پچیس من ملے تو باقی پچاس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کرلیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ سے اس کے دام کاٹے اور بدنی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کردیا یہ نرا سود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے۔

فی الدرالمختار لو انقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ راس مالہ [1] اھ وفیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال و لالرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع و شرکۃ ومرابحۃ و تولیۃ ولومن علیہ حتی لووھبہ منہ کان اقالۃ اذا قبل وفی الصغرٰی اقالۃ بعض السلم جائزۃ [2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ اگر مسلم فیہ استحقاق کے بعد نایاب ہوگئی تو رب السلم کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اس کے دستیاب ہونے کا انتظار کرے یا عقد فسخ کرکے راس المال واپس لے لے اھ، اور اسی میں ہے قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ تصرف جیسے بیع، شرکت، مرابحہ اور تولیہ جائز نہیں اگرچہ یہ تصرفات اسی شخص سے کئے جائیں جس پر راس المال یا مسلم فیہ ہے یہاں تک کہ اگر رب السلم نے مسلم الیہ کو مسلم فیہ ہبہ کردیا تو یہ اقالہ ہوگا جبکہ مسلم الیہ اسی کو قبول کرے اور صغرٰی میں ہے کہ بعض سلم کا اقالہ جائز ہے الخ (ت)

اور گیہوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تو عمدہ صاف ہی لے گا۔

فی الھندیۃ اسلم فی کندم نیکو او	ہندیہ میں ہے اگر کسی نے گندم میں عقد سلم کیا اور

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم ۲ /۴۹۔۴۸

قال نیك او قال سرہ یجوز هذا هو الصحیح والماخوذ به كذا فی الغیاثیة [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کہا گندم نیکو یا کہا نیک یا کہا سرہ یعنی کھری تو جائز ہے اور یہی صحیح اور مختار ہے، یوں غیاثیہ میں ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یانہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی، خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دوسو روپے اسے دے دئے یہ صورت شرعاً جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے جبکہ سانچا معین کردیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی۔

لانه منقطع فی الحال کحنطة جدیدہ قبل وجودها وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفته ومعرفة قدرہ کمکیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس و لبن واٰجر بملبن معین [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ فی الحال نایاب ہے جیسے نئی گندم کی بیع اس کے وجود سے قبل اور تنویر میں ہے کہ جس چیز کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کی پہچان ممکن ہو اس میں سلم جائز ہے جیسے کیلی چیز ایسی وزنی چیز جو مبیع ہو اور عددی متقارب اشیاء مثلاً اخروٹ، انڈے، پیسے اور معین سانچے کی بنی ہوئی کچی پکی اینٹیں، (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: ازآنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ۳۳ ٹکہ بلاتعیین وقت روز یاماہ کے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثامن عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

کٹوتری کرلے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے شرعا درست ہے یا نہیں اور اگر عمرو فلوس کے ہمراہ دونی یا چونی زید کو دے تو دونی یا چونی ہمراہ فلوس کے عمرو سے لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر عمرو باجازت زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ رائج الوقت خود فروخت کرکے زید کو نقد روپیہ بعوض فلوس دے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز وگناہ ہیں، بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کردی جائے جب یہاں تعین وقت نہ ہوا بیع حرام ہوگئی۔

فی الدرالمختار شروط صحته التی تذکر فی العقد بیان جنس ونوع وصفة وقدر واجل [1] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے عقد سلم کے صحیح ہونے کی وہ شرطیں جن کو عقد میں ذکر کیا جاتا ہے یہ ہیں: جنس، نوع، صفت، مقدار اور اجل کا بیان کرنا اھ تلخیص (ت)

پھر بیع سلم جس چیز کی ہو اسے بدل کر دوسری شے لینی جائز نہیں، تو کل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہا نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے۔

لقوله علیه الصلوٰة والسلام لاتأخذ الاسلمك او رأس مالك ای الاسلمك حال قیام العقد اور أس المال عند انفساخه فامتنع الاستبدال [2] اھ درمختار۔	کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سوائے اپنے مسلم (مسلم فیہ) یا راس المال کے کچھ مت لے یعنی اگر عقد قائم رہے تو مسلم فیہ اور اگر عقد فسخ ہوجائے تو راس المال لے لے، چنانچہ بدلے میں کوئی اور چیز لینا ممتنع ہو اھ درمختار (ت)

نہ یہ روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے تو عمرو کا باجازت زید خواہ بلااجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے،

فی الدالمختار لایجوز التصرف للمسلم الیه فی راس المال ولا لرب السلم	درمختار میں ہے کہ قبضہ سے پہلے مسلم الیہ کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فیہ

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۹

فی المسلم فیه قبل قبضه بنحو بیع وشرکة[1]۔	میں تصرف جیسے بیع اور شرکت ناجائز ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ میں کے مثلاً زید نے بکر کو دس رپے دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لوں گا خصوصی شرط مذکور زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ (۵ ما/) فروخت ہوتے تھے تو زید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یاناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دئے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گیہوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گیہوؤں کو قیمت قرار دے کر دئے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا اب جب گیہوں موجود ہوئے بکر اگر اس بھاؤ پر نہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کرسکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گیہوں کی بیع کرلی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں"اگر کرلی ہیں اور وہ متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو حلال (عہ) ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۱: از میرانپور کٹرہ ضلع شاہجہانپور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دے دئے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فروچنے دیں گے یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اس میں بارہ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ف ہمارے فتاوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز ہے اور اگر وہ آسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کمامر مرارا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے "تو بھی حلال ہے"

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸

فـــ: تفصیل کے لیئے جلد ہذا میں مسئلہ ۲۲۳ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۲۳۲: از موضع خورد مئوڈا کخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علیہ صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں جو نرخ ہوگا ہم فلاں غلہ لیں گے۔

الجواب:

فلاں غلہ لیں گے، یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہوسکتا اسے اختیار ہے کہ روپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے، اور اگر عقد بیع کیا تو یہ بیع سلم ہے اس کی بارہ ف شرطیں اگر جمع ہیں حلال ہیں ورنہ حرام، اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خریدا مطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۳: از شہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کردیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ یا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ (۱۰مار) کا تھا اور اس نے (۱۴ مار) فی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپیہ دے دیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم وبیش (۱۴مار) سے ہو لیکن وہ فی روپیہ (۱۴مار) کے حساب سے غلہ لے لے گا۔ بکر کہتا ہے کہ تو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرالیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلا شبہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے، ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھرلے

لقولہ تعالٰی " اِلَّآ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[1]	اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے، مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔ (ت)

اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام وکمال ادا نہ کردیا تو ضرور حرام وسود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو اور اگر خرید وفروختم (میں نے خریدا میں نے فروخت کیا۔ت) کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

ف: یہ بارہ شرطیں جلد ہٰذا کے مسئلہ ۲۲۳ کے تحت مندرج ہیں۔

کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دوں گا تو یہ نہ سود ہے نہ حرام، نہ اس کے لئے کسی وجہ شرط کی حاجت، نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے، اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۳۵: از گھٹنگاہ میوبند باغات ضلع جورہاٹ آسام مسئولہ عبید اللہ ۱۷رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) زید نے بکر کو دو روپے دئے اور غلہ کا دینا بروقت درو زراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان، اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دوچند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے دس بیگھ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کا روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بندوبست کیا کہ جب خزانہ کا روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد درو زراعت بیس روپے کرکے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دوچند ہوتا ہے۔ یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہولیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہو کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہو کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہذا صورت مذکور ناجائز وحرام ہوئی، درمختار میں ہے:

لایصح البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف لانہا تتقدم وتتاخر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فصل کاٹنے، گاہنے اور پھل چننے کی وجہ میعاد پر بیع کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں تقدم وتاخر ہوتا رہتا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے

لانہ بیع الکالئی بالکالئی وقد نہی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ ادھار کی ادھار سے بیع ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۷

[2] سنن الدارقطنی حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳ /۷۱

مسئلہ ۲۳۶: از موضع گھگورہ ڈاکخانہ سندر گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیر الدین صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید نے بکر کے پاس ۲۳ من پٹوا دینے کی شرط پر (معہ/) روپے لئے جب موسم پٹوا آیا تو بکر نے اپنے دئے ہوئے روپے کے عوض پٹوانا مانگا اس وقت پٹوا دینے سے مجبور ہوا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنے دو بیل فروخت کرنے پر آمادہ ہو گیا یہاں تک کہ ایک بیل کو فروخت کر دیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوئی اس بیل کی فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت کرنا چاہتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو، تب زید نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل ۴۵ روپے قیمت مقرر کرکے اور دیگر ایک بیل ۲۵ روپے قیمت کیے ہوئے بیل کو ۲۰ روپے مقرر کرکے پہلے خریدار سے واپس لاکر بکر کو دے دیا اور بکر نے رسید بھی لے لی اور زید نے ۲۰ روپے نقد بھی دئے تھے جبکہ زید نے دو بیل دئے اور (عہ ۲۰) بھی دئے تو اب مبلغ (صہ لہ) روپے ہوئے اصل سے (مہ عہ/) روپے زیادہ ہوتے ہیں اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوئی یا کہ نہیں اور اس زیادہ روپے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہوئے تھے مگر جبکہ وہ پٹوا دینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی (معہ ۷۰) روپے واپس لے ان کے عوض بیل لئے یہ حرام پندرہ روپے زیادہ لئے یہ حرام اور نرا سود۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتأخذ الاسلمك اور أس مالك [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوائے اس چیز کے جس میں تو نے عقد سلم کیا (مسلم فیہ) یا سوائے راس المال کے کچھ مت لے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷ و ۲۳۹: از کچھوچھہ شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلمہ ۹ صفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے بکر کو ایک من گیہوں وایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گیہوں تم کو بلا معاوضہ چیزے دیتا ہوں اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گیہوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس ثاء لوں گا۔

(۲) زید نے بکر کو ایک گنی دے کر کہاں کہ فلاں مہینہ میں دو نوٹ دس دس روپے کا لوں گا یا بیس روپیہ کے

[1] تبیین الحقائق کتاب البیوع باب السلم المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۱۱۱، درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹

پیسے لوں گا۔

(۳) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کردے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے، یہ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) ایک من گیہوں دینا نہ دینا کچھ ضرور نہیں جملہ شرائط بیع کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل تو تمثیل ہمارے فتوٰی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے۔

لان بیع معدوم لم یرد الشرع بجوازہ وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع مالیس عندہ[1]۔	کیونکہ یہ معدوم کی بیع ہے جس کے جواز پر شرع وارد نہیں ہوئی اور بتحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو۔ (ت)

اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گیہوں خریدے

قال اللہ عزوجل "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[2]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب بدلین مختلف نوعوں کے ہوں تو جیسے چاہو بیچو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ خاتما اوسکینا من الخباز بالف من الخبز[4]۔	ذخیرہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص (گندم اکٹھی دے کر اس کے بدلے میں) روٹیاں متفرق طور پر لینا چاہے تو گندم والے کو چاہئے کہ وہ انگوٹھی یا چھری ہزار روٹیوں کے بدلے میں روٹیاں پکانے والے کے ہاتھ فروخت کرے (پھر روٹیوں والا گندم والے کے

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[2] القرآن الکریم ۴ /۲۹

[3] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ الریاض ۴ /۴

[4] ردالمحتار باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۶

ہاتھ انگوٹھی یا چھری گندم کی مطلوبہ مقدار کے عوض بیچ کو گندم لے لے)۔(ت) غمز العیون والبصائر میں ہے:

جواز بیع المقرض من المستقرض ممایساوی طسو جابعشرۃ دنانیر فانہ علی وفاق الدلیل لانہ بیع موجود مملوك لہ بالقاضی[1]۔	قرض دینے والے کو قرض مانگنے والے کے ہاتھ دورتی برابر کوئی چیز دس دینار کے عوض فروخت کرنے کا جواز دلیل کے موافق ہے کیونکہ یہ اپنی موجود ملکیت کا قاضی کے حکم سے سودا ہے۔(ت)

یہ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو "بعت اشتریت فروختم خریدم" (میں نے بیچامیں نے خریدا۔ت) کہیں، لوں گا دوں گا عقد نہیں وعدہ ہے اوراس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کردیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی، تنویر الابصار و درمختار باب السلم میں ہے:

(یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون) خرج بقولہ (مثمن) الدراھم والدنانیر لانہا اثمان فلم یجز فیہا السلم (وعددی متقارب کجوزوبیض وفلس[2]	عقد سلم اس چیز میں صحیح ہے جس کی صفت کو ضبط کرنا اور اس کی مقدار کو پہچاننا ممکن ہو جیسے کیلی چیز اور ایسی وزنی چیز جو مثمن یعنی مبیع بنے، اس قید سے دراہم ودنانیر خارج ہوگئے کیونکہ وہ ثمن ہیں جن میں بیع سلم جائز نہیں، اور ایسی چیز جو عددی متقارب ہو جیسے اخروٹ، انڈے، اور پیسے (ت)

شرائط بیع سلم موجود ہوں اور ایجاب وقبول ہو لوں گا دوں گا کوئی چیز نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار (جیسا کہ ابھی درمختار کے حوالہ سے گزرا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۰: از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خاں صاحب ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر ربیع گزشتہ میں ولید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف

---

[1] غمز العیون البصائر الفن الاول بیان ان المعتبر العرف العام لا الخاص ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۷

موجودہ ہیں عمرو کو جس کا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمرو اگر یہ کرے کہ جس قدر گیہوں ولید کافر اور زید مسلمان کے ذمہ چاہیئے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کردے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمرو کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دے دے یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیہوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیہوں ثالث کو ہبہ کردے پھر بائع اسی ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈساری نے ایک موضع کا رس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خریدا اور روپیہ دے دیا پھر اس کھنڈساری نے اپنے رس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کردیا ۲۵ روپیہ کے حساب سے، اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا، پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا رس کوئی شخص خرید لے اور دوسرے کھنڈساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھ کو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے رس کا گڑ بنالو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ حساب سے مجھ کو ادا کردینا پہلے بائع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کردینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل توجروا عندالجلیل** (دلیل کے ساتھ بیان کریں جلال والے اللہ تعالٰی کے ہاں اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

پہلی دوسری تیسری یہ سب بیعیں ناجائز و حرام ہوئیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے، حدیث میں ہے:

نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع مالیس عنده[1] **اما ما رخص فی السلم فله شرائط منها عدم انقطاع المسلم فیه یوم العقد الی یوم الوعد**	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا جو بائع کے پاس موجود نہ ہو، بیع سلم میں جو رخصت دی گئی ہے تو اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسلم فیہ عقد والے دن سے لے کر وعدہ والے دن تک بازار سے منقطع نہ ہو۔(ت)

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

اور خاص تیسری بیع اگر رس کے باوجود پر بھی ہوئی تو ناجائز ہے۔

لان المشتری فاسد الایملك قبل القبض وبعدہ ایضالایرتفع الاثم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ بیع فاسد کے ساتھ خریدی ہوئی چیز مملوک نہیں بنتی قبضہ سے اور بعد بھی اس کاگناہ مرتفع نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسارواج رس نیشکر کے فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دے دیا آیا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وقت تیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ بموجب رس خریدا جائے تو بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز نہیں ہے تو ضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی بھی ہے یا نہیں کیونکہ زمانہ کارواج بہت مجبور کررہاہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ درختوں کے نمود پر جائز نہ نیشکر کی تیاری پر جائز نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہوجائے اور بکنے لگے اس آئندہ سال کے رس کی بیع کرلیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے عقد سے وقت قرار داد تک کسی وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اس وقت عقد منقطع تھا گنے کی تیاری سے رس بازار میں تو نہ آگیا جو شرط جواز متحقق ہو اور پچھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرارداد یعنی آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہوجائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کا ان سب صورتوں کے ناجائز وحرام ہونے پر اجماع ہے متون وشروح وفتاوٰی ان کی تحریر سے مالامال ہیں ہمیں خلاف مذہب فتوٰی دینے کی کسی طرح اجازت نہیں، ہاں اگر رس کہیں تیار ہوگیا کہیں ابھی ایکھ کھڑی ہے ایسے زمانہ میں جن کے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کرلینا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب مدت تک کا کیا جائے جس میں اس سال کا رس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے۔ بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

مایکتب فی وثیقۃ السلم من قولہ جدید عامہ مفسد لہ ای قبل وجود الجدید امابعد فیصح کمالا یخفی[1]۔	وہ جو عقد سلم کے وثیقہ میں لکھا جاتاہے کہ اس سال کی جدید (گندم) تو یہ جدید کے موجود ہونے سے مفسد عقد ہے لیکن اس کے موجود ہونے کے بعد صحیح ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۸، بحرالرائق کتاب البیع باب السلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۶۰

اور اس تیاری وغیر تیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی تیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کر سکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بعد عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایکھ ماری جائے یا رس پر کوئی افت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفقود ہے اور مثلا مصر یا برہما میں تیار ہو گیا تو ایسی تیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں، درمختار میں ہے:

لو انقطع فی اقلیم دون آخر لم یجز فی المنقطع [1]۔	اگر ایک ملک میں مسلم فیہ نایاب ہے دوسرے میں نہیں ہے تو جہاں نایاب ہے وہاں سلم جائز نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای المنقطع فیه لانه لایمکن احضارہ الابمشقة عظیمة فیعجز عن التسلیم، بحر [2]۔	یعنی جس ملک میں نایاب ہے کیونکہ سوائے سخت مشقت کے وہاں سے لانا ممکن نہیں لہذا تسلیم سے عجز لازم آئے گا۔ بحر۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آج کل دیکھنے میں آئیں ان کا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یا فتنی فلان بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۱۳۰۰ف جس کا پیداوار ۱۳۰۱ف میں ہوگا وقت تیار ہو جانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویز اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا، نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلا علاقہ نہیں، یہ تو ایک وعدہ واقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا یہ صورت فی نفسہٖ اصلا جواز کی تھی، اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرلے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دوں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں جس وقت دے گا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہو جائے گی اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرار داد کی حاجت ہوئی نہ کوئی شرط درکار، فقط اتنا چاہیے کہ دیتے وقت انہیں باہم معلوم ہو کہ اس بھاؤ پر دی گئی، فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب السلم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۰۵

سئل فی رجل استلم من اٰخر الفی قرش دینادوعدہ ان یعطیه بھازیتا بالسعر الواقع یوم کذا فلما جاء الیوم الموعود وکان سعر الزیت معلوما فیه ارسل یطلبه منه فارسل به زیتا ہل یکون بیعا بالسعر المعلوم یومئذ ام لایکون بیعا وللمدیون طلب الزیت (اجاب)نعم یکون بیعانافذ والحال ہذا کما صرح به مجمع الفتاوٰی والقنیة والمجتبٰی معزیاالی النصاب وقد افتی بذلك المرحوم صاحب منح الغفار (الی قوله)والاصل فی ذٰلك ان البیع عندنا یعقد بالتعاطی فافھم واللہ تعالٰی اعلم۔[1] ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه **اقول**:انما انعقد بالتعاطی لان الذی جری بینھما من قبل انما کان وعدا اما لوکان ذٰلك عقدا لماصح لعدم اجتماع شرائط السلم کمالا یخفی واذالم یصح ذٰلك لم یجز التعاطی المبنی علیه کماصرح به فی البحر والدر وغیرہما۔	اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جس نے دوسرے سے دوہزار (ترکی سکے) قرش بطور قرض وصول کئے اور وعدہ کیا کہ اس کے بدلے فلاں دن روغن زیتون دوں گا اس بھاؤ پر جو اس دن ہوگا، پھر جب وعدے کادن آگیا اور اس دن زیتوں کا بھاؤ معلوم تھا چنانچہ قرض دہندہ نے مدیون سے روغن زیتون مانگ بھیجا اور اس نے روغن زیتون بھیج دیا تو کیا یہ اس دن کے معلوم بھاؤ پر بیع ہوگی یا نہیں ہوگی اور مدیون کو روغن زیتون واپس مانگنے کا حق ہوگا؟ آپ نے جواب دیا ہاں بیع نافذ ہوگی اور حال یہی ہے جیسا کہ نصاب کی طرف منسوب کرتے ہوئے مجمع الفتاوی قنیہ اور مجتبٰی میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور تحقیق اسی پر مرحوم صاحب منح الغفار نے فتوی دیا، (اس کے اس قول تک کہ) اور اس میں اصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک تعاطی (باہمی لین دین) کے ساتھ بیع منعقد ہوجاتی ہے پس سمجھ اور اللہ تعالی بہتر جانتا ہے اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے اس پر یوں حاشیہ لکھا میں لکھتاہوں کہ تعاطی سے صرف اس لئے بیع منعقد ہوئی کہ جو گفتگو اس سے پہلے ان کے درمیان ہوچکی تھی وہ وعدہ تھا لیکن اگر وہ عقد ہوتا تو صحیح نہ ہوتا کیونکہ اس میں عقد سلم کے شرائط جمع نہیں ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں تو جب عقد صحیح نہیں تو تعاطی بھی جائز نہیں جس کی بناء پر اسی عقد پر ہے جیسا کہ بحر اور در وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریه کتاب البیع باب السلم دار المعرفة بیروت ١/٢٢٥

مگر یہاں اور دقت در پیش ہے یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا جس کے عوض کوئی شے دیگر لینا نہ قرار پایا تھا اس کے بعد مدیون نے بطور خود وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دین یہ شے دوں گا یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بناء پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہا اور وہ سود ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربا [1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے۔

علی مافی الدر ومتنه عن الخانیة القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منھا لا یبطله ولکنه یلغو شرط ردشیئ اٰخر .فلو استقرض الدراھم المکسورة علی ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا لو اقرضه طعاما بشرط ردہ فی مکان اٰخر وکان علیه مثل ماقبض [2] الخ	اس بنا پر جو در اور اس کے متن میں خانیہ سے منقول ہے کہ قرض جائز شرط کے ساتھ متعلق نہیں ہوتا تو فاسد شرط قرض کو باطل نہیں کرتی لیکن دوسری شے لوٹانے کی شرط ہو جاتی ہے چنانچہ اگر کسی نے پھوٹے درہم قرض لئے اس شرط پر کہ صحیح درہم واپس کرے گا تو یہ شرط باطل ہے اور یوں ہی اگر کسی کو اناج قرض دیا اس شرط پر کہ دوسرے شہر میں واپس لوٹائے گا اس صورت میں مقروض پر واجب ہے کہ جیسی چیز اس نے قرض لی تھی ویسی ہی واپس لوٹائے الخ۔ (ت)

مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے۔

فی الدر عن الخلاصة القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب به الی بلد کذا	در میں خلاصہ سے منقول ہے کہ شرط کرکے قرض دینا حرام ہے اور شرط لغو ہے جیسے کوئی شخص اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو فلاں شہر کی طرف

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

لیوفی دینه[1] الخ	لکھ دے تاکہ وہاں اس کا قرض ادا کیا جائے۔(ت)

اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر وآشکارہ ہوتا ہے۔

والمعهود عرفا کالمشروط لفظا فی ردالمحتار من اٰخر الحوالة عن الفتح عن الواقعات قالوا انما یحل ذٰلك عند عدم الشرط اذا لم یکن فیه عرف ظاهر فان کان یعرف ان ذٰلك یفعل کذلك فلا[2]۔	جو عرف میں معہود ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے لفظ شرط لگائی گئی ہو ردالمحتار میں باب الحوالہ کے آخر میں فتح سے بحوالہ واقعات منقول ہے فقہاء نے کہا ہے کہ عدم شرط کے وقت یہ قرض اس وقت حلال ہے جب اس میں (دوسرے شہر کی طرف لکھنے کا) عرف ظاہر نہ ہو چنانچہ اگر معروف ہے کہ وہ ایسا کرے گا تو حلال نہیں۔(ت)

غرض یوں بھی جواز حاصل نہ ہوا، ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کا رس خریدنا ہو اتنے روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کاشتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہے میں نے یہ شیئ تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی اس سے زائد کوئی رس وغیرہ کا ان لفظوں می نہ ہو پھر وہ شیئ مبیع اس کاشتکار کے قبضہ میں دے دے اور اس سے زر ثمن نہ لے جب وہ قابض ہوجائے اسی چیز کو اب کاشت کار اس بائع کے ہاتھ سو روپے پر بیع کردے، اور اس میں کوئی میعاد ادائے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اس وقت کاشتکار کو روپے دے کر شیئ مبیع لے لے، یہ مبیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کاروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہولے جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن مؤجل کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ ٹھہرا تھا تو یہ کاروائی گھنٹہ گزرنے سے پہلے ہولے وعلی ہذا القیاس، اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے حقیقۃً خرید وفروخت کا قصد کریں، فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشکار کو سو روپے مل گئے اور اس کے سو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے، جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں تیرا دین دیتا ہوں اگر نہ دوں گا تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہ اسی

[1] درمختار کتاب البیوع باب القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۶

مضمون کا اقرار نامہ لکھا جائے جیسا کہ کھنڈ ساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر نہ تو بیع سلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہوتا نہ قرض ہوا جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کاشتکار پر لازم ہوا بعدہ، اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرار داد ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے۔

فانہ لیس بشرط رأسا بل وعد مستأنف و قد قال فی ردالمحتار ذکر فی البحر انہ لو اخرجہ مخرج الوعد لم یفسد وصورتہ کما فی الولوالجیۃ قال اشترحتی ابنی الحوائط [1] اھ۔**قلت** والذی فی الھندیۃ عن الظھیریۃ اشتر بصیغۃ[2] الامر فاذا کان ھذا فی الوعد لمقارن فکیف فی المفارق فھذا یوجب الصحۃ اجماعا و لوسلم فالشرط المتأخر لایلتحق باصل العقد عندھما، وفی روایۃ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وفی اخری لہ یلتحق وقد صححتا فعند اختلاف التصحیح لك العمل بایتھما شئت لاسیما ماوافق علیہ الصاحبان رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع قال فی ردالمحتار قولہ ولا بیع بشرط اشار بقولہ	کیونکہ یہ سرے سے شرط ہی نہیں بلکہ نیا وعدہ ہے تحقیق، رد المحتار میں بحوالہ بحر فرمایا کہ اگر اس نے بطور وعدہ اس کو ذکر کیا تو بیع فاسد نہ ہوگی اور اس کی صورت جیسا کہ ولوالجیہ میں ہے یوں ہے کہ بائع نے کہا تو (انگور کے خوشے) خرید لے میں (باغ کی) دیواریں بنادوں گا اھ میں کہتا ہوں کہ ہندیہ میں بحوالہ ظہیریہ امر کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی "اشتر" (توخرید) یہ اس وعدے کے بارے میں ہے جو عقد سے مقترن ہو اگر اس سے جدا ہو تو کیسے بیع فاسد ہو سکتی ہے تو یہ صحت بیع کو بالاجماع ثابت کرتی ہے اور اگر تسلیم کرلیا جائے (کہ یہ شرط ہے) تو شرط مؤخر صاحبین کے نزدیک اصل عقد کے ساتھ لاحق نہیں ہوئی، اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ایک روایت یوں ہی ہے اور ان سے منقول دوسری روایت میں ہے کہ لاحق ہوتی ہے، تحقیق دونوں روایتوں کی تصحیح کی گئی ہے، اور جب تصحیحیں مختلف ہوجائیں تو تجھے اختیار ہے ان میں سے جس پر چاہے عمل کرے خصوصا وہ تصحیح جس پر صاحبین بھی امام اعظم سے متفق ہوں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، ردالمحتار

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

بشرط الی انه لابد من کونه مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفة وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین فی فصل ۳۹ لکن فی الاصل انه یلتحق عند ابی حنیفة وان کان الالحاق بعد الافترق عن المجلس وتمامه فی البحر قلت ہذہ الروایة الاخری عن ابی حنیفة وقد علمت تصحیح مقابلہا وہی ولھما ویؤیدہ ماقدمه المصنف تبعا للھدایة وغیرہا من انه لو باع مطلقًا عن ہذہ الاٰجال ثم اجل الثمن الیھا صح فانه فی حکم الشرط الفاسد کما اشرنا الیه ھناك[1] اھ۔	میں کہا کہ ماتن نے اپنے قول "ولا بیع بالشرط" میں لفظ بشرط سے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شرط کا عقد کے مقارن ہونا ضروری ہے کیونکہ شرط فاسد اگر عقد کے بعد لگائی گئی تو ایک قول یہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک عقد کو لاحق ہوگی اور ایک قول یہ ہے کہ لاحق نہیں ہوگی اور یہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین فصل ۳۹ میں ہے لیکن اصل میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک لاحق ہوگی اگرچہ اس کا الحاق مجلس سے عاقدین کے جدا ہونے کے بعد ہو اور اس کی پوری بحث بحر میں ہے۔ میں کہتا ہوں یہی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دوسری روایت ہے حالانکہ اس کے مقابل روایت کی تصحیح تو معلوم کرچکا ہے اور وہ صاحبین کا قول ہے اور اس کی تائید کرتا ہے وہ جو ہدایہ وغیرہ کی اتباع میں مصنف پہلے ذکر کرچکے ہیں وہ یہ کہ اگر کسی نے مذکورہ مدتوں کا عقد میں ذکر کئے بغیر بیع کی پھر ثمن کو ان میعادوں کے ساتھ مؤجل کردیا تو بیع صحیح ہے کیونکہ یہ شرط فاسد کے حکم میں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ اھ (ت)

اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلا اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رس نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے کا اس سے تقاضا کرسکتا ہے رس کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضاء جبر نہیں **کما نصوا علیه قاطبة** (جیسا کہ اس پر تمام فقہاء نے نص کی ہے۔ ت) اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں ایسی شکل کا وعدہ وعدہ لازمہ ہو جاتا ہے کہ اس کے ایفاء پر جبر پہنچتا ہے، جامع الفصولین میں ہے:

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد مطلب فی البیع بشرط فاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲۰

لوذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس [1]۔	اگر بائع اور مشتری نے بغیر شرط کے بیع کا ذکر کیا پھر بطور وعدہ شرط کا ذکر کیا تو بیع صحیح ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا کبھی ضروری ہوتا ہے لہٰذا لوگوں کی حاجت کے لئے اس کے پورا کرنے کو ضروری قرار دیا جائے گا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قد صرح علماؤنا بانهما لوذکرا البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد [2]۔	ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اگر بائع اور مشتری نے بیع کو بلاشرط ذکر کیا پھر بعد میں شرط کا ذکر وعدہ کے طور پر کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوبعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء به لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح کما فی الکافی والخانیة واقره خسرو هنا والمصنف فی باب الاکراه وابن المالك فی باب الاقالة الخ [3]۔	اگر عقد کے بعد شرط کا ذکر بطور وعدہ کیا تو بیع جائز ہے اور وعدہ کو پورا کرنا لازم ہے کیونکہ وعدوں کو پورا کرنا لوگوں کی حاجت کے پیش نظر کبھی لازم ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ خانیہ اور کافی میں ہے خسرو نے یہاں مصنف نے باب الاکراہ میں اور بن الملک نے باب الاقالہ میں اس کو برقرار رکھا الخ (ت)

بزازیہ میں ہے:

اذا قال معلقا بان قال ان لم یؤد فلان فانا ادفعه الیك ونحوه یکون کفالة لماعلم ان	اگر کوئی بطور تعلیق ضامن بنایا بایں صورت کہ کہا اگر فلان نے قرض کی ادائیگی نہ کی تو میں تجھے ادا کروں گا یا اس جیسی کوئی اور صورت کی تو یہ کفالت درست ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ جامع الفصولین باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۸، ۵۷

المواعید باکتساء صورالتعلیق تکون لازمۃ فان قولہ انا احج لایلزم لہ شیئ ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا احج یلزم الحج [1]۔	کیونکہ تجھے معلوم ہوچکا ہے کہ وعدے تعلیق کی صورت میں لازم ہوتے ہیں چنانچہ کسی کے یوں کہنے سے کہ میں حج کروں گا اس پر کچھ لازم نہیں ہوتا اور اگر یوں کہا کہ اگر میں گھر میں داخل ہوا تو حج کروں گا یعنی تعلیق کی تو اس صورت میں (دخول دار سے) اس پر حج لازم ہوگا (ت)

اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ وقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل، دستاویز تو لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدے پر بیچ کر قبضہ میں دے کر فورا خرید لے اور روپیہ دے دے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وہ وعدہ لے لے، اس الٹ پھیر میں نہ کچھ وقت و محنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الٰہی سے بچ کر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشے، آمین!

تنبیہ: یہ قیدیں جو ہم نے ذکر کیں کہ پہلی بیع میں ثمن مؤجل ہو دوسری میں معجّل اور دوسری میں بیع اور اس کے ثمن کا ادا کر دینا پہلے ثمن کے میعاد مثلاً گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہولے اور دوسری بیع کاشتکار کی طرف سے شیئ بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد ہو انھیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد وبیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کاشکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وہ عدہ ہوسکے اگر دونوں ثمن معجّل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں پر سے برابر ہو کر اتر جاتے، یونہی اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دے دینے کی کاروائی اس میعاد مقررہ سے پہلے نہ ہولیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پر معجّل ہوجاتا اور دونوں بری الذمہ ہوجاتے اب کہ کاشتکار کا دین اس پر معجّل ہوا اور اس کا دین اس پر ہنوز مؤجل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دے دئے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا۔

فی ردالمحتار عن الحلی عن البحر سائر الدیون ای ماسوی النفقۃ یقع التقاص فیہا تقاصا اولا بشرط	ردالمحتار میں حلی سے بحوالہ بحر منقول ہے کہ نفقہ کے سوا تمام قرضوں میں ادلہ بدلہ ہوسکتا ہے چاہے فریقین خود ایسا کریں یا نہ کریں بشرطیکہ دونوں طرف کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳

التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدہما جیدا وردیاً فلا بد من رضا صاحب الجید [1] وفی الاشباہ علیہ الف قرض فباع من مقرضہ شیئا بالف مؤجلۃ ثم حلت فی مرضہ وعلیہ دین تقع المقاصۃ [2] الخ قال فی غمز العیون انما قید بالحلول لانہا لو لم تحل تقع المقاصۃ لاختلاف الوصف کالجید مع الردی [3]۔	قرض باہم برابر ہو، اور اگر مختلف ہو مثلاً ایک طرف عمدہ اور دوسری طرف ردی ہو تو عمدہ والے کی رضامندی ضروری ہے، اور اشباہ میں ہے کہ ایک شخص پر ہزار روپے قرض ہے اس نے قرض دہندہ کے ہاتھ کوئی چیز ہزار روپے کے بدلے میں ادھار فروخت کردی پھر مقروض کے مرض الموت میں ادھار کی مدت پوری ہوگئی درانحالیکہ ابھی تک اس پر قرض موجود ہے تو اب یہ قرض ثمن مؤجل کا بدلہ ہو کر اتر جائے گا الخ، غمز العیون میں کہا کہ اس کو مدت کے پورے ہونے کے ساتھ مقید کیا گیا کیونکہ اگر مدت پوری نہ ہوئی تو ادلہ بدلہ نہ ہوگا کیونکہ وصف مختلف ہے جیسا کہ عمدہ اور ردی میں ہوتا ہے۔ (ت)

اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کے ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کردے گا تو بیع فاسد وناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمرو نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقولہ لے کر پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کردی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہذا قبضہ لازم ہے۔

فی الدرالمختار صح بیع عقار لایخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بائعہ (متعلق بقبض لاببیع لان بیعہ من بائعہ قبل قبضہ فاسد کمافی المنقول) ولا یصح	درمختار میں ہے غیر منقول جائداد کو اس کے بائع سے لے کر اپنے قبضہ میں کرنے سے پہلے فروخت کرنا صحیح ہے جبکہ اس جائداد کی ہلاکت کا خوف نہ ہو (من بائعہ کا تعلق قبض کے ساتھ ہے بیع کے ساتھ نہیں کیونکہ غیر منقول کو قبضہ سے پہلے اس کے بائع کے ہاتھ فروخت کرنا فاسد ہے جیسا کہ

[1] ردالمحتار

[2] الاشباہ والنظائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۴۷

[3] غمز عیون البصائر کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۴۷

اتفاقا بیع منقول قبل قبضہ ولو من بائعہ بخلاف ہبتہ واقراضہ ورھنہ واعارتہ من غیر بائعہ فانہ صحیح علی الاصح [1] اھ ملخصا مزیدا من ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مال منقول میں ہوتا ہے) اور مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے اگرچہ اس کے بائع کے ہاتھ ہو بالاتفاق صحیح نہیں بخلاف اس منقول کے غیر بائع کو ہبہ کرنے قرض دینے رہن رکھنے اور عاریت پر دینے کے کہ یہ اصح قول کے مطابق درست ہے۔ اھ تلخیص (مع ردالمحتار سے کچھ اضافہ کے)۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۳: ۲۹ شعبان ۱۳۳۳ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پورہ

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کرلہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ بال کی یہ شرط قرارداد ہوئی کہ شاہ نگر کے سے ایک روپیہ یا (۸/) کم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہوجاتی ہے اور جو روپیہ اس وقت بوقت تحریر لینا ٹھہرتا ہے وہ دے دیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا آخر اختتام پر کل مال کا حساب وکتاب ہوجاتا ہے اگر صورۃ مذکورہ جائز ہے وفبہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب:

نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل وبوجوہ ناجائز ہے اس وقت گنا بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ رس، اس کے جواز کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی خرید وفروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹے بھر کے وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دے دیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی شے سو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کردے اور یہ اسی وت سو روپیہ اس کے ادا کردے اب اس کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو نقد اسے پہنچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب وہ وعدہ کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اسے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے دس منٹ میں دوں گا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دوں گا اس کے دستاویز جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگئی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۷، ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب الاستصناع

(بیع استصناع کا بیان)

مسئلہ ۲۴۴: مسئولہ حافظ یعقوب خاں صاحب ۱۶ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھئی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کُرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیمت مبلغ ؎ کودوں گا اور جب تک تمھاری کُرسیاں تیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کُرسیاں مذکورہ بقیمت (للعہ عہ /) کو دوں گا، پس بڑھئی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کُرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار (للعہ عہ /) کو درجن لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بناپر نہ (للعہ عہ /) درجن کو لینا جائز نہ ؎ کو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض، ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کرکے اب یہ کُرسیاں بعقد جدید باہمی رضامندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں، وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہو گئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اس میں کوئی میعاد

مہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعاً جائز ہوتا ہے اور اس میں بیع سلم کی شرطیں مثلاً روپیہ پیشگی اس جلسہ میں دے دینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اس میں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادی جائے تو وہ عقد بعینہٖ بیع سلم ہوجاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہوگیا۔

فی رد المحتار عن البدائع من شروطه بیان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته وان یکون ممافیه تعامل وان لایکون مؤجلا والاکان سلما [1] الخ وفیه المراد بالاجل ماتقدم وهو شهر فما فوقه [2] الخ وفی الطحطاوی الاجل تارۃ یکون کاجل السلم بان کان شهرا فازید وهو عنده سلم من غیر تفصیل [3] الخ، وفی الهندیة ان ضرب الاجل صار مسلما (حتی لایجوز الابشرائط السلم) هذا اذا کان ضرب المدة علی وجه الاستمهال بان قال شهرا اوماشبه ذٰلك امااذا ذکر علی وجه الاستعجال بان قال علی ان تفرغ منه غدا اوبعد غد لایصیر سلما کذا فی الصغرٰی [4] اھ ملخصا۔	ردالمحتار میں بحوالہ بدائع ہے استصناع کی شرطوں میں سے یہ ہے کہ مصنوع (جو چیز بنوانا مطلوب ہے) کی جنس، نوع، صفت اور مقدار کو بیان کرنا اور یہ کہ اس میں لوگوں کا عرف جاری ہو اور یہ کہ اس کی کوئی میعاد مقرر نہ کی جائے ورنہ وہ عقد سلم ہوجائے گا الخ اور اسی میں ہے کہ میعاد سے مراد وہی ہے جس کا پہلے ذکر ہوچکا ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زیادہ الخ، طحطاوی میں ہے کہ میعاد کبھی سلم کی میعاد جیسی ہوتی ہے یعنی ایک ماہ یا اس سے زائد تو اس صورت میں بغیر کسی تفصیل کے یہ سلم ہے الخ، ہندیہ میں ہے کہ اگر میعاد مقرر کی تو یہ عقد سلم ہوگا جو کہ سلم کی شرطوں کے بغیر جائز نہیں) یہ اس وقت ہے جب بیان مدت مہلت طلب کرنے کے طور پر ہو مثلاً ایک ماہ یا اس کی مثل ذکر کیا اور اگر مدت کا بیان طلب عجلت کے طور پر ہو مثلاً کہا تجھ سے یہ چیز اس شرط پر بنواتا ہوں کہ تو کل یا پرسوں اس کو بناکر فارغ ہوجائیں تو یہ عقد سلم نہ ہوگا یہ صغرٰی میں ہے اھ تلخیص (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۲

[3] الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب البیوع باب السلم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۶

[4] فتاوٰی ہندیہ ابواب التاسع عشر فی القرض الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۰۸

یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یا زائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہوگیا اور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت، حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہٰذا عقد فاسد ہوگیا بلکہ عند التحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے۔

کما نص علیه فی المتون وصححه المحققون من الشراح ففی النقایة الاستصناع باجل سلم تعاملوا فیه او لا، وبلا اجل فیما یتعامل فیه بیع والمبیع العین لاالعمل اھ [1] ومثله فی الاصلاح والملتقی والتنویر وغیرها وفی الهدایة الصحیح انه یجوز بیعا لاعدة والمعدوم قد یعتبر موجودا حکما و المعقود علیه العین دون العمل هوالصحیح اھ مل [2] خصا ونحوه فی الایضاح والدر وغیرهما من الاسفار الغر و قد اوضحنا المقام مع ازالة الاوهام بتوفیق الملك العلام فیما علقناه علی ردالمحتار۔	جیسا کہ متون میں اس پر نص کی گئی اور محقق شارحین نے اس کی تصحیح فرمائی، چنانچہ نقایہ میں ہے استصناع میں اگر مدت مقرر کی جائے تو وہ سلم ہو جاتا ہے چاہے لوگوں کا عرف اس میں جاری ہو یا نہ ہو اور بغیر مدت مقرر کرنے کے اگر اس میں عرف جاری ہو وہ بیع ہے اور مبیع عین (مصنوع) ہے نہ کہ عمل اھ اور اصطلاح، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں اس کی مثل ہے، ہدایہ میں ہے کہ یہ بطور بیع جائز ہے نہ کہ بطور وعدہ اور معدوم کو کبھی حکمی طور پر موجود اعتبار کرلیا جاتا ہے اور معقود علیہ (مبیع) عین ہے نہ کہ عمل، اور یہی صحیح ہے اھ تصحیح، اور اسی کی مثل ہے ایضاح اور در وغیرہ روشن کتابوں میں اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ردالمحتار پر اپنی تعلیقات میں اس مقام کی وضاحت کرتے ہوئے تمام وہموں کا ازالہ کردیا ہے۔ (ت)

اور بیع ہرگز ایسی جہالت ثمن کا تحمل نہیں کرسکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ

فی الخلاصه رجل باع شیئا علی انه بالنقد بکذا وبالنسئة بکذا اوالی شهر بکذا اوالی شهرین بکذا لم یجز [3]۔	خلاصہ میں ہے ایک شخص نے کسی شیئ کی بیع اس طرح کی نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو جائز نہیں۔ (ت)

[1] مختصر الوقایة فی مسائل الهدایه کتاب البیع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۳

[2] الهدایه کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۲

[3] خلاصه الفتاوٰی کتاب البیوع فصل فی خامس الجنس الاول فیما یتعلق بالثمن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۶۰

تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائیگی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب، **ھذا ماظھر لی، واللہ تعالٰی اعلم** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۴۵: زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھ کو کحل الجواہر بھیج دو، زید عمرو کے دکان سے قرض خرید لایا، اور بعد دو ایک روز کے واپس کر دیا، اس کے یہاں جاکر اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی، غرض اس کے سامنے یعنی مالکان دکان کو دے دیا اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے، میاں ذراسی بات کے لئے پھر شرمندہ ہونا پڑا ہے، اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیج دیں گے تم کو قیمت، تم ان کو کحل الجواہر بھیج دو، پس بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لاکر بھیج دیا اپنے دوست کے پاس، سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور وصول کرسکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جس میں حقیقۃً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل سہی،

والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف النکاح فلیس فیه الامعبرا اوسفیرا کما صرحوا به فی عامة الکتب۔	بیوع میں حقوق وکیل کی طرف لوٹتے ہیں بخلاف نکاح کے کہ اس میں وکیل محض تعبیر کرنے والا سفیر ہوتا ہے، جیسا کہ فقہاء نے عام کتابوں میں اس کی تصریح کردی۔ (ت)

توکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقینا اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہوسکتا۔

فانه اشارة لااکراہ فالشراء انما وقع من زید برضاہ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم	کیونکہ یہ مشورہ ہے اکراہ نہیں ہے اور زید سے بیع اس کی رضامندی سے ہوئی ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے اور اس کا علم اتم و مستحکم ترین ہے۔ (ت)

باب الصرف

(بیع صرف کا بیان)

مسئلہ ۲۴۶: از شاہجہان پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو (۱۰۰) روپے کا نوٹ ننانوے (لعہ) کو خرید نا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جُزیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی پر ظاہر کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہو تو دونوں حلال۔

کما فی عامۃ الاسفار وفی تنویر الابصار علتہ القدر مع الجنس فان وجدا حرم الفضل والنساء وان	جیسا کہ عام کتابوں میں ہے، اور تنویر الابصار میں ہے کہ زیادتی کے حرام ہونے کی علت قدر مع الجنس ہے اور یہ دونوں موجود ہوں تو زیادتی اور ادھار

عدماحلا وان وجد احدهما حل الفضل وحرم النساء [1] ۔	دونوں حرام ہیں اور اگر ایک موجود ہو تو زیادتی حلال اور ادھار حرام ہے اور اگر دونوں معدوم ہو تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں۔(ت)

اور مانحن فیہ میں بالبداہۃ دونوں مفقود عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی، اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون، پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہئے، مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہوگیا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لین دین میں سوروپے کا نوٹ دینے اور سوروپیہ نقد دینے میں ہر گز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہ نہیں تو صورت مسئولہ میں حکم تحریم دیا چاہئے۔

اقول: جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس کا وہم کا ازالہ نہایت آسان، نوٹ کے ساتھ تو معاملہ اثمان برتا جانا اسے حقیقۃً ثمن یعنی احد النقدین نہ کردے گا غایت یہ کہ اثمان مصطلحہ سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں سلع وکالا ہیں مگر عرف واصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرالیا ہے جیسے پیسے یا بعض بلاد ہند میں کوڑیاں بھی، اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا زروسیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ سے کریں گے، اسی لئے پیسوں کی مالیت یونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سوروپے کا، فلاں دوسو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے یوں ہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سوروپے یا چاندی نہ ہوجائے گا، پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں نہ عاقدین اتباع عرف واصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انہوں نے ٹھہرادی یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں یہ اپنے معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سوروپے کی چیز ایک پیسے کو بیچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراضی درکار ہے، آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بہ تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علماء نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا، اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو یہ وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں

فی الدر المختار و من اعطی صیر فیا درہما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درہم فلوسا(بالنصف صفۃ نصف) ونصفا(من الفضۃ صغیرا) الاحبۃ صح(ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ وما بقی من الفلوس[1])	درمختار میں ہے کہ کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ مجھے نصف درہم کے عوض ایک چھوٹا درہم جو بڑے درہم کے نصف سے ایک حبہ کم ہو دے دے تو یہ بیع صحیح ہے اور چھوٹا درہم جو بڑے کے نصف سے ایک حبہ کم ہو وہ اپنے مثل کے مقابل ہو جائیگا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔(ت)

اور اسی میں ہے:

صح بیع درہمین ودینار بدرہم ودینارین لصرف الجنس بخلاف جنسہ[2]۔	دو درہم اور ایک دینار کی بیع ایک درہم اور دو دیناروں کے بدلے میں صحیح ہے کیونکہ ہر جنس کو اپنی جنس کے خلاف کے مقابل قرار دیا جائے گا۔(ت)

جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد، یہ حکم بیع وشراء کا ہے جہاں نفع وانتفاع شرعاً روا، البتہ قرض اس طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لے گا بے شک ممنوع ہوگا

فان کل قرض جر منفعۃ فہو ربو نطق بذلک الحدیث و الفقہ[3]۔	کیونکہ جو قرض نفع کو کھینچے وہ سود ہے حدیث اور فقہ اس پر ناطق ہیں(ت)

یہاں تک کہ علمانے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہنڈوی کو ناجائز ٹھہرایا کما ذکروہ اٰخر کتاب الحوالۃ (جیسا کہ فقہا نے اس کا ذکر کتاب الحوالہ کے آخر میں کیا ہے۔ت) اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پر روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسب حاجت وقتاً فوقتاً چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا

کما فی الکراہیۃ الہدایۃ وغیرہا قبیل مسائل متفرقۃ۔	جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں کتاب الکراہیۃ کے تحت مسائل متفرقہ سے تھوڑا پہلے مذکور ہے۔(ت)

حالانکہ یہ منفعتین کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکر درست ہوگا بیشک یہ امر مقصد شرع کے (کہ صیانت

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

اموال ناس ہے اور وہی علت تحریم ربا **کما فی الفتح** (جیسا کہ فتح میں ہے۔ت) بالکل خلاف ہے **ھذا ماظھر لی** (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیر آبادی ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چہ میفرمایند مسند آرایان شرع مبین و مولویان دین متین درباب کہ زید یک درم نزد بکر آورد گفت کہ این درم بر گیرد فلوس بدہ بکر منجملہ نرخ فلوس رائج الوقت زید راداد گفت کہ فلوسے چند بموجب نرخ کم اند باز آمد برگیرید آید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس برگرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نامشروع ست یا جائز وفلوسہائے باقی ماندہ از روئے شرع شریف ربٰو باشد یانہ؟ **بینوا توجروا بحوالہ کتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**	مسند شریعت پر جلوہ افروز ہونے والے دین متین کے علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ زید ایک درہم بکر کے پاس لایا اور کہا یہ درہم لے لو اور اس کے پیسے دے دو، بکر نے بازار کے نرخ کے مطابق رائج الوقت پیسے زید کو دیتے ہوئے کہا کچھ پیسے کم ہیں پھر کسی وقت آکر لے جانا، چنانچہ زید بعد میں کسی وقت آیا اور باقی پیسے لے لئے شریعت لطیفہ کی رو سے یہ عمل جائز ہے یا ناجائز؟ بقیہ پیسے جو بعد میں لئے گئے سود ہونگے یا نہیں؟ بحوالہ کتب بیان فرمائیں اور اجر پائیں، اللہ تعالٰی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اور وہی بہتر جانتا ہے۔(ت)

الجواب:

دربیع فلوس بدرہم برمذہب راجح تقابض شرط نیست ہمیں قبضہ یک جانب کافیست پس چوں زید درہم بہ بکر داد قبضہ از یک طرف متحقق شد، اگر زید آن دم یک پول ہم نگرفتے روابودے حالانکہ بعض آں وقت وبعض دیگر وقت دیگر گرفت وہنوز فلس رائج بودہ کاسد نشدہ ہم جائز ماند وہیچ احتمال ربٰو رانیافت **فی الھندیۃ عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن**	راجح مذہب کے مطابق پیسوں کی درہم کے ساتھ بیع میں دو طرفہ قبضہ شرط نہیں بلکہ صرف ایک طرف کا قبضہ کافی ہے لہٰذا جب زید نے بکر کو درہم دے دیا تو ایک طرف سے قبضہ متحقق ہوگیا، اگر زید اس وقت ایک پیسہ بھی نہ لیتا تب بھی جائز تھا حالانکہ یہاں تو کچھ پیسے اس وقت اور کچھ دوسرے وقت اس نے لئے اور دوسرے وقت تک وہ پیسے رائج تھے کھوٹے نہیں ہوئے تو یہ جائز ہے، اور سود کا اس میں کوئی احتمال نہیں، ہندیہ میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ایک شخص نے درہموں کے بدلے

ولم تکن الفلوس عند البائع بالبیع جائز اھ [1] وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائۃ فلس بدرہم فقبض الدرہم و قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولولم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس [2] اھ ملخصا واین مسئلہ رادر فتوائے دیگر ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ام۔واللہ تعالٰی اعلم۔	میں پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے جبکہ بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تھے تو یہ بیع جائز ہے اھ،اسی میں حاوی وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا اور مشتری نے پچاس پیسوں پر قبضہ کرلیا اب پیسے کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع فاسد ہوگئی اگروہ کھوٹے نہ ہوتے تو بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری کو باقی پیسے لینے کا حق ہوتا اھ تلخیص اس مسلہ کو میں نے دوسرے فتوی میں تمام تر تفصیل کا رنگ دیا ہے،اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۴۸: از پکسرانوالہ ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اسی وقت زید کو دے دئے اور کہا چار آنے اس وقت نہیں کل یا پرسوں دے دوں گا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یا ربا لازم آئے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کا قبضہ کافی ہے صورت مسطورہ میں کوئی ربا نہ ہوگا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۹: از کانپور گور کھپور دکان مرسلہ محمد حی صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مروجہ مبلغ یک صد روپیہ کا ہے اس کا خوردہ نوٹ لیا جائے کم بیش پر جائز ہے یا نہیں؟ خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سو روپے نقد کے مقابلہ میں سو روپے کا نوٹ لیا جائے یا اس پر کچھ بٹہ لے کر کمی بیشی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۲۵

الجواب

نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی بر ضامندی فریقین مطلقًا جائز ہے کہ وہ اموال ربویہ سے نہیں۔ ہاں سو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرالیا جائے کہ پیسہ اوپر سو لیں گے یہ سود اور حرام قطعی ہے، اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو تو ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاھم میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۰: از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیوپاری موتیوں کی خرید وفروخت کرتے ہیں سو روپیہ اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فی صد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم لینے دینے کا رواج ہے، آیا اس طرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید وفروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں

قال تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمہارے درمیان تجارت باہمی رضامندی سے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو، لہٰذا اگر ان روپوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جن کا نرخ اس وقت کمی بیشی ہوجاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیوں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کی جائیں تو یہ عمل شرعًا درست ہے کہ نہیں یا کہ۔ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیوں کا درست تو نہیں ہے جواب بطریق مذہب حنفی دیا جائے، آفرید گار عالم جزائے خیر عنایت فرمائے گا۔

بینوا توجروا

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

الجواب:

صورت مذکورہ سوال حرام ہے

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاھاء وھاء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مگر (یہ اس وقت جائز ہے) جب ہاتھوں ہاتھ ہو یعنی مجلس میں دونوں طرف سے قبضہ کرلیا جائے۔ (ت)

ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گرانی بیچیں یا باجازت اہل چندہ نوٹ خرید کر ادھار زیادہ کو بیچیں مگر عقد ہو جس میں ثمن ایک مدت معینہ کے بعد دینا قرار پائے، یہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور پیسہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ حرام ہے، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو [2]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم [4]۔	جب نوعیں مختلف ہوں تو جیسے چاہو بیع کرو۔ (ت) اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاھم" میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: از بیرم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یازدہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ کا جیسے سود کا شبہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع الشعیر بالشعیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[2] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] نصب الرایہ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/۴

الجواب:

صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور جو روپیہ اس وقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے، سود و حرام وگناہ نہیں، صرف مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولٰی ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں۔

فی فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما من الاسفار لا کراھة فیہ الاخلاف الاولی لما فیہ من الاعراض عن مبرة القرض [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتح القدیر اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ اس میں کراہت نہیں تاہم یہ خلاف اولٰی ہے کیونکہ اس میں یہ قرض دینے کے احسان سے اعراض ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۴: از بدایوں محلّہ سوتھنہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپے میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکشمت ادا کردے تو یہ بیع صحیح ہے اور سود تو نہیں ہے؟

(۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کرکے بکر کے ہاتھ (صہ عہ/) روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے **قال اللہ تعالٰی** **"وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"** [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے سود کو حرام کیا۔ ت) اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجّل خواہ مؤجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے **قال اللہ تعالٰی** **"وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"** [3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال کیا۔ ت) جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہورہا ہے تو

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سود ہے یہ اس کی محض نافہمی اور قواعد شرعی سے بیگانگی بہ استیلائے وہمی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہم جنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اجماع سے اختلاف جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بفرض غلط اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کا نوٹ دس کو بیچنا عین سود اور حرام مردود ہوگا، اموال ربویہ میں شرع نے مالیت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن وکیل میں برابری کا حکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ **جیدہ وردیہ سواء** (اس کا عمدہ اور ردی برابر ہیں۔ت) سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعاً ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک روپے کی بیچنی حلال ہوگی، حاشا بلکہ قطعاً سود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی کا قرار پاگیا تو ہرگز اس کا لحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھئے دونی چونی جو کچھ چڑھے بس اتنے کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سود کا وبال تو ظاہر ہوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہراکر جو لوگ دس کا نوٹ دس ہی کو بیچنا بتا رہے ہیں اب اپنے منہ آپ سود کو حلال کرتے اور بندگان خدا کو حرام کا راستہ سکھا رہے ہیں، جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کرلیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابر لازم ہے بہت اچھا، جب وہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہوسکے گا یا ایک ہی چیز یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقیناً سود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ درمختار وغیرہ کتب مذہب میں مصرح ہے **صرفاً للجنس الی خلاف الجنس**[1] (جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرتے ہوئے۔ت) یعنی یہ قرار دینگے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو۲ روپے دو۲ اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کرسکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح وغیر مردود۔

بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلاً دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کی کرامت ہے کہ حدوث نوٹ سے صدہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرماگئے۔ فتح القدیر میں فرمایا:

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[1]۔	یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلا کراہت بھی نہیں۔

اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بکتا کہاں تھا وہ یہی نوٹ کہ اب حادث ہوا اور علماء نے صدہا سال پیشتر اس کا حکم بتایا، یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اہل انصاف کو اسی قدر کافی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) غلہ کہ ابھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرالیا گیا اس میں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل و تمثیل سب بتکمیل فتاوٰی فقیر میں مذکور، اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کی مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہوجائے اور اگر سونا یا چاندی بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام، ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دے دینا صحیح ہے اور سود نہیں،

لما مر صرف الجنس الی خلاف الجنس[2] ای فیکون بالفضۃ مایساویہا وزنا من الدراہم وبالباق الباق، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ گزرا کہ جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرا جائیگا یعنی چاندی کے بدلے درہم میں سے اس وزن کے برابر ہوگا اور باقی باقی کے بدلے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵۵: از شہر کہنہ مرسلہ حمایت اللہ خاں صاحب ۲۹ رجب ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپے کا نوٹ دے کر بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[3]۔	اگر کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کی باہمی رضامندی کو نہیں روکتا، ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو برضائے مشتری سو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دے دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر یہ کہ ہو تمھارے درمیان تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔(ت)

نوٹ کا ثمن اصلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلاف جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بہ تعین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنہ آتے ہیں نہ پندرہ نہ سترہ، یہ عرفی تعیین اور اس کا ثمن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کر سکتا۔ علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے، درمختار میں ہے:

من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا ونصفا الا حبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ ومابقی بالفلوس[2]۔	کسی نے صراف کو ایک بڑا درہم دیتے ہوئے کہا کہ نصف درہم کے پیسے دے دو اور نصف درہم دے دو جس میں سے ایک حبہ کم تر ہو تو بیع صحیح ہوگی نصف درہم ایک حبہ کم اپنی مثل کے مقابل ہو جائے گا اور باقی پیسوں کے مقابل ہوگا۔ (ت)

نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے، مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے کہ اختلاف جنس کے بعد تفاضل جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ[3]۔	دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے بدلے فروخت کرنا صحیح ہے جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے۔(ت)

عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہو جاتیں اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[3] درمختار باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

پچیس کی پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے چونسٹھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یاچاندی کی جنس ہوجاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یایوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہوااور ربا نہ ٹھہرا تو دس کانوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہوجائیگا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کردیا تھا یونہی دس کا نوٹ کہنا کاغذ کو نقرہ نہ بنادے گا۔ عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علت ربا اتحاد وقدرو جنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعی کے باعث اپنے وزن سے دوچند قیمت کا ہوگیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کرکے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہوجائے گا یونہی عمدہ سونا پچیس روپے تولے والا خراب سونے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اس کا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گئی ہے، ہدایہ ودرمختار میں ہے:

لایجوز بیع الجید بالردی مما فیه الربا الا مثلا بمثل لاھدار التفاوت فی الوصف۔[1]	اموال ربویہ میں عمدہ کی بیع ردی کے ساتھ صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ برابر برابر ہوں کیونکہ یہاں وصف میں تفاوت معتبر نہیں (ت)

اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضروری ہے یا نہیں، اگر نہیں تو ربا کدھر سے آیا، ابھی فتح القدیر وردالمحتار وغیرہا سے تصریح گزری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جس میں نام کو کراہت تک نہیں، خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صدہا سال پیشتر تحریر فرماگئے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جس کا بیان مشرح گزرا اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب الٹا ربا تم پر وارد ہوگا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلو تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کا نوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھ کر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رو سے سود حلال کررہے ہیں اس سے بھی قطع نظر سہی نوٹ اگر عین

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۱

ہوگیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہوگا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہوجائے گی اور ابھی درمختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہرگز ربا نہیں۔ نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہوگا اب یہ عجیب حکم پیدا ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلاً سود نہیں، غرض ان لوگوں کی مخالفت اصلاً کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سروپا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرالینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جرمنفعۃ فھو ربا [1]۔ رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے، اس کو حارث بن ابواسامہ نے سیدنا امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

فقیر ان مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعونہ تعالٰی ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی انصاف کو یہی جملے بس ہیں مسلمان انھیں بغور وانصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والھادی وولی الایادی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی (عہ/) روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ (ع عہ/) روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ماہوار قسط کرکے بارہ مہینہ میں اس زرثمن کو

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

پورا کردے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کے لئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کردیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کرسکے۔ بینوا توجروا

الجواب:

جبکہ حقیقۃً بائع ومشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہو اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی، اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے جہال اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔

اور خالی استغراق بے قبضہ شرعا کوئی چیز نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ" [2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: پس رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت) اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلاً زید کو اس مکان میں رہنا یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: از مارہرہ مطہر ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفلس بالفلسین جائز یا ناجائز؟ زیادہ نیاز

الجواب:

راجح یہ کہ ناجائز ہے،

کما حققه المحقق علی الاطلاق فی الفتح واقرہ علیه من بعدہ من المحققین کالبحر والنھر والغزی و المقدسی و الشرنبلالی وفی الدر المختار حرم الکل محمد وصحح [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی تحقیق فرمائی اور بعد میں آنے والے محققین نے اس کو برقرار رکھا جیسے بحر، نہر، غزی مقدسی اور شرنبلالی، اور درمختار میں ہے کہ امام محمد نے سب کو حرام کہا اور اس قول کو صحیح قرار دیا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

مسئلہ ۲۵۷: از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع میں جائز ہے قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور حلال کیا ہے اللہ تعالٰی نے بیع کو۔ت) در مختار میں ہے:

صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس ومثلہ بیع کُرّبر وکر شعیر بکربر وکر شعیر وکذا بیع احد عشر درھما بعشرۃ دراھم ودینار[2]	جنس کو خلاف جنس کی طرف پھیرنے کی وجہ سے دو درہموں اور ایک دینار کو دو دیناروں اور ایک درہم کے عوض بیچنا صحیح ہے، اور اسی کی مثل ہے ایک بوری گندم اور ایک بوری جو کو دو بوری گندم اور دو بوری جو کے عوض فروخت کرنا اور اسی طرح گیارہ درہموں کو دس درہم اور ایک دینار کے عوض بیچنا۔(ت)

اور قرض میں حرام قال اللہ تعالٰی وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس نے سود کو حرام کیا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[4]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال اور اگر دس روپے قرض دئے اس شرط پر کہ دو سو چالیس یا ایک سو اکسٹھ ہی آنے لوں گا تو حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[4] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ مولوی احسان حسین ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بہ نیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچہری سے خرید کرکے دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو قرض فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک مدیون سے لے لینا مقرر کیا اور اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیا اور مدیون سے تمسک لکھا کہ شرط کرلیتے ہیں کہ سال بھر میں ادا نہ کروگے تو نالش کرکے مع خرچہ کے مدیون کی جائداد سے یا اس کے ضامن سے وصول کیا جائے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام وواجب الفسخ اور مدار اعمال کا نیت پر ہے،

"**وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ**ؕ" [1] (اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) جو فعل سود کی نیت سے کیا جائے قطعاً موجب گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہٖ ربا نہ اور قرض زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید وفروخت پر کمی بیشی بلاشبہہ جائز ہے **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۰: ۸ رمضان المعظم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا ایک سو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

نوٹ مثل اور اشیاء فروختنی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے بیع وشراء شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے، امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ۔[2]	اگر کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار درہم کے بدلے میں بیچا تو جائز ہے اور اس میں کراہت نہیں ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

ہاں یوں کہ سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرالیا کہ اس کے عوض ایک سو دس روپے کا نوٹ لوں گا یا سو روپے کا نوٹ ایک سو دس کو بیچا اور قرار داد کیا کہ یہ زر ثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار یہ صورتیں قطعی سود و حرام ہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔(ت)

اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا، دونوں ایک ہی سے ہیں، یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا:

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰواۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰواؕ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود اور ہے یہ کہ اللہ تعالٰی نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔(ت)

مسئلہ ۲۶۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دے دے اس نے ۸/ دئے اور کہا کہ ۸/ کل دوں گا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و در مختار و فتاوٰی بزازیہ و مبسوط و محیط و ذخیرہ و بحر الرائق و نہر الفائق و فتاوٰی علامہ حانوتی و فتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں جواز پر جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے **خروجا عن الخلاف** (اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ت) اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں **لجنوح عامۃ العلماء الی الجواز** (عام علماء کا جواز کی طرف بیان ہونے کی وجہ سے۔ت) تنویر الابصار میں ہے:

باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز[3] انتھی۔	کسی نے پیسے فروخت کئے اپنی مثل کے عوض یا درہموں یا دیناروں کے عوض، اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کی تو جائز ہے اور اگر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری دونوں جدا ہوگئے تو ناجائز ہے۔ انتھی۔(ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اشتری الرجل فلو سابدراہم و نقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز کذا فی المبسوط وروی الحسن عن ابی حنیفۃ اذا اشتری فلوسا بدراہم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الاٰخر دراہم ثم ان احدھما دفع و تفرقاجازوان لم ینقد واحد منھما حتی تفرقالم یجز کذا فی المحیط [1] اھ ملخصا۔	اگر کسی نے درہموں کے بدلے پیسے خریدے اور ثمن نقد ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہ تھے تو بیع جائز ہے یونہی مبسوط میں ہے،اور حسن نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے جبکہ نہ اس (بائع) کے پاس پیسے ہیں نہ دوسرے (مشتری) کے پاس درہم ہیں پھر اگر ان میں سے ایک نے ادائیگی کردی اور وہ جدا ہوگئے تو جائز اور اگر جدا ہونے تک دونوں میں سے کسی نے بھی ادائیگی نہ کی تو ناجائز ہے محیط میں یوں مذکور ہے اھ تلخیص۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لو اشتری مائۃ فلس بدرہم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ لو باع فضۃ اوذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الھدایۃ من انہ لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب اوفضۃ اھ قلت	حانوتی سے سونے کے پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہے تو جائز ہے اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور اگر کوئی پیسوں کے بدلے سونا یا چاندی بیچے تو اس کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ محیط کے حوالے سے بحر میں مذکور ہے اور فرمایا کہ جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے اس سے دھوکہ مت کھانا یعنی یہ کہ پیسوں کی سونے یا چاندی کے عوض ادھار بیع ناجائز ہے اھ میں کہتاہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الباب الثانی الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ٢٢٤

والجواب حمل مافی فتاوی قاری الهدایة علی مادل علیه کلام الجامع الصغیر من اشتراط التقابض فی الجانبین فلا یعترض علیه بما فی البزازیة المحمول علی مافی الاصل[1] الخ اھ ملخصاً۔	جواب یہ ہے کہ جو جو فتاوٰی قاری الہدایہ میں ہے وہ اس پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی ایک طرف سے قبضہ کرنا شرط ہے لہٰذا اس پر بزازیہ کی اس عبارت سے اعتراض نہیں کیا جائے گا جو کہ مبسوط کے بیان پر محمول ہے الخ تلخیص (ت)

اسی میں ہے:

لو باع فضة بفلوس فانه یشترط قبض احدا البدلین قبل الافتراق لاقبضهما کمافی البحر عن الذخیرة ونقل فی النهر عن فتاوی قاری الهدایة انه لایصح تاجیل احدهما ثم اجاب عنه[2] الخ۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی چاندی کو پیسوں کے عوض بیچے تو اس میں افتراق سے پہلے بدلین میں سے صرف ایک پر قبضہ شرط ہے دونوں پر قبضہ شرط نہیں جیسا کہ بحر میں بحوالہ ذخیرہ مذکور ہے، نہر میں فتاوٰی قاری الہدایہ سے منقول ہے کہ بدلین میں سے ایک کو مؤجل کرنا صحیح نہیں، پھر صاحب نہر نے اس کا جواب دیا۔ الخ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منصوری پیسے سے بدلنا اور کچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے،

کما ہو مذهب الامام محمد وهو الراجح والاقرب الی الصواب لتحقق العلة اعنی القدر والجنس ووجود التفاضل قطعا وورود الشرع بحرمته یقینا واما ما ذکر وامن حدیث التفرقة	جیسا کہ امام محمد کا مذہب ہے اور وہی راجح اور حق کے قریب ترین کیونکہ اس میں علت ربا یعنی قدر و جنس متحقق ہے اور قطعی طور پر تفاضل موجود ہے، اور اس کی یقینی حرمت پر شرع وارد ہے اور وہ جو فقہاء نے فرق والی بات ذکر کی ہے کہ اگر کوئی چیز

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۵

بین ما اذا دخل تحت المعیار فلا یجوز واما اذا لم یدخل کفنۃ بحفنتین وفلس بفلسین فیجوز فقد زیفہ العلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح [1] بما ترکن الیہ البصائر وتسکن لدیہ الخواطر فلیراجعہ من شاء، قال الشامی وقد نقل من بعدہ کلامہ ھذا و اقروہ علیہ کصاحب البحر والنھر والمنح والشرنبلالیۃ والمقدسی [2] انتھی قال العلائی وحرم الکل محمد و صححہ کما نقلہ الکمال [3] انتھی فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔	معیار کے تحت داخل ہو تو بیع ناجائز اور اگر نہ داخل ہو جیسے ایک مٹھی دو مٹھی کے بدلے میں اور ایک پیسہ دو پیسوں کے بدلے میں تو جائز ہے اس کا رد علامہ محقق علی الاطلاق نے فتح میں کیا ہے جس کی طرف نظریں مائل ہوتی ہیں اور دل سکون پاتے ہیں تو جو چاہے اس کی طرف رجوع کرے، شامی نے کہا کہ اس کے بعد والوں نے اس کا یہ کلام نقل کیا ہے اور انہوں نے اس کو برقرار رکھا ہے جیسے صاحب البحر، نہر، منح، شرنبلالیہ اور مقدسی (انتھی) علائی نے کہا امام محمد نے اس سب کو حرام کہا اور ان کے قول کی تصحیح کی گئی جیسا کہ کمال نے اس کو نقل کیا (انتھی) پس سمجھ، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳ تا ۲۶۵: از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے عوض زید سے روپے لے کر قبضہ کرلیا پھر روپے زید کو ادا کردئے یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھالیا پھر زید نے یہ تمسک بکر کو دے دیا کہ تم روپے وصول کرلو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بیچتا ہوں تم خریدار تلاش کردو، دلال عمرو کے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۱، فتح القدیر باب الربٰو مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۶۳۔۱۶۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۸۱

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۱

پاس آیا عمرو نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمرو سے تمسک لکھوالیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دے دیا اور نوٹ لاکر عمرو کو دے دیا، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(ا) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے،

لکونه شراء ماباع باقل مما باع فان قلت هو ثمن و الاثمان لاتتعین فی العقود فلا یحکم بانه یبیع ما شری قلت المناط ثمه ایراد العقد علی عین ما مبلکه سابقا وھذا منتف عند عدم التعین اماھھنا فالمناط ان یعود الیه عین مبلکه کما خرج قال فی التبیین فی تعلیل المسألة لان الثمن لم ید خل فی ضمان البائع قبل قبضه فاذا عادالیه عین ماله بالصفة التی خرج من مبلکه وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی له علیه فضل بلاعوض فکان ذٰلك ربح مالم یضمن وھو حرام بالنص اھ[1] وقال فی الفتح وھذا الان الثمن	کیونکہ یہ اپنی ہی فروخت کردہ شیئ کو اس قیمت سے کم پر خریدنا ہے جس پر اس نے فروخت کی تھی اور تو کہے کہ وہ ثمن ہے اور ثمن عقود میں متعین نہیں ہوتے چنانچہ یہ حکم نہیں لگایا جائے گا کہ وہ اسی چیز کو بیچ رہا ہے جس کو اس نے خریدا۔ **میں کہتاہوں** کہ وہاں دارومدار عقد کے بعینہٖ اس چیز پر وارد کرنے پر ہے جس کا وہ سابق عقد میں مالک ہوا اور وہ عدم تعین کے وقت منتفی ہے لیکن یہاں دارومدار اس پر ہے کہ اس کا مملوک بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آئے جیسے اس کی ملک سے خارج ہوا تھا، تبیین میں اس مسئلہ کی تعلیل یوں فرمائی کہ چونکہ ثمن قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اور جب اس کا مال بعینہٖ اس کے پاس لوٹ آیا اسی صفت کے ساتھ جس کے ساتھ اس کی ملک سے خارج ہوا تھا اور بعض ثمن بعض کا بدلہ ہوگئے تو اس کے لئے دوسرے پر کچھ زیادتی بلاعوض رہ گئی تو یہ نفع ہے اس چیز پر جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، اور یہ نص سے حرام ہے اھ، فتح میں کہا یہ حکم اس لئے ہے کہ ثمن

[1] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

لایدخل فی ضمانه قبل البقض فاذا عادالیه الملك الذی زال عنه بعینه وبقی له بعض الثمن فهو ربح حصل لا علی ضمانه من جهة من باعه [1] اھ ومثله فی سائر الکتب المعللة ومعلوم ان الاثمان لاسیما الاصطلاحیة وان لم تتعین فی العقود متعینة فی الملك قطعا فلیس للمودع ان یبدل دراہم الودیعة بدراہم من عنده فعود ماملك کما خرج ثابت قطعا وعلیه تدور رحی المنع کما علمت ھذا ماظھر لی وارجوان یکون صوابا ان شاء الله تعالٰی. والله تعالٰی واعلم۔	قبضہ سے پہلے بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتے پھر اس کی مملوک جواس کی ملکیت سے زائل ہوئی تھی بعینہٖ اس کی طرف لوٹ آئی اوراس کے بعض ثمن باقی رہے تو یہ ایسا نفع ہے جو اس چیز پر حاصل ہوا جو اس کی ضمان میں نہیں اور اس شخص کی طرف سے حاصل ہوا جس کو اس نے یہ چیز بیچی تھی اھ اور اس کی مثل تمام تعلیل بیان کرنے والی کتابوں میں ہے،اور یہ معلوم ہے کہ ثمن خصوصا اصطلاحی ثمن اگرچہ عقود میں متعین نہیں ہوتے مگر ملک میں قطعی طور پر متعین ہوتے ہیں لہٰذا جس کے پاس امانت کے طور پر درہم رکھے گئے ہوں وہ ان کو اپنے پاس سے دوسرے درہموں سے بدل نہیں سکتا چنانچہ مملوک کالوٹ کر آنا جیسا کہ وہ ملک سے خارج ہوا تھا قطعی طور پر ثابت ہوگیا اور ممانعت کی چکی اس پر گھومتی ہے جیساکہ تو جان چکا ہے یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوااور مجھے امید ہے کہ ان شاء الله تعالٰی یہ درست ہوگا،اور الله تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا ہو، غمز العیون میں ہے:

یفهم من فروع الواقعات الحسامیة ان لصاحب الدراہم الدین استبدال الدنانیر بها وعکسه وھو ظاہر وکثیر الوقوع وھی مسألة بیع الدین من المدیون [2]۔	فروع واقعات حسامیہ سے مفہوم ہوتا ہے دراہم کے قرض والے کو اختیار ہے کہ وہ اس کے بدلے دینار لے لے اور اسی طرح اس کا عکس،اور یہ ظاہر اور کثیر الوقوع ہے اور یہ دین کو مدیون کے ہاتھ بیچنے کا مسئلہ ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۷

[2] غمز العیون البصائر مع اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

اشباہ میں ہے:

فی وکالۃ الواقعات الحسامیۃ لوقال وھبت منك الدراھم التی علی فلان فاقبضھا منه فقبض مکانھا دنانیر جاز لانه صار الحق للموھوب له فیملك الاستبدال[1]۔	واقعات حسامیہ کے باب الوکالۃ میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کہا میں نے تجھے وہ درہم ہبہ کردئے جو میرے فلاں پر ہیں تو ان پر قبضہ کرلے، پھر اس نے دراہم کے بدلے دنانیر وصول کرلئے تو جائز ہے کیونکہ یہ موہوب لہ کا حق بن گیا لہٰذا وہ تبدیل کرسکتا ہے۔(ت)

نیز یہاں اگر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کریوں گیارہ سو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے، اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کردیا تھا جب تو ظاہر لان من باع لم یشرو من شری لم یبع (کیونکہ جس نے بیچا اس نے خریدا نہیں اور جس نے خریدا اس نے بیچا نہیں۔ت) اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادا نہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کرکے اس کے ذریعہ سے وہ چیز کم قیمت کو خریدے، ہاں اگر بکر وکیل نہ ہوتا صرف رسول ہوتا مثلاً زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمرو سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دے دے بکر آکر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس پر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سو کا نوٹ ملا کر بھیج دیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا رسول تو بیچ میں نرا ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوق بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یوں ہوا کہ عمرو سے اس نے خریدا اور اس سے زید نے لیا بیچ میں ایک بیع کا توسط ہو گیا لہٰذا زید کو لینا حلال ہوا، غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام ابوالحسن کرخی سے ہے:

ان وکل البائع من یشتریه باقل من الثمن الاول فاشتراه فالشراء جائز عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه وقال ابویوسف الشراء لازم للوکیل ولایلزم الاٰمر، وقال محمد للاٰمر بشراء	اگر بائع نے وکیل بنایا کہ وہ بائع کی فروخت کردہ چیز کو ثمن اول سے کم پر خریدے اور اس نے خرید لیا تو یہ خریداری امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ خریداری وکیل کے لئے لازم ہوگی آمر کے لئے لازم نہ ہوگی، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

[1] اشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۱۳

فاسد الی هنالفظ الکرخی وجه قول محمد انه امره بمالو باشره بنفسه یکون فاسدا ووجه قول ابی یوسف العقد له زیادة فساد بدلیل ابطال الجهاد فلم یجز التوکیل به ولابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ان الموکل فی المعنی مشتری من الوکیل قاصدا کما اذا اشتری من غیره [1]۔	نے فرمایا یہ خریداری فاسد ہے، یہاں تک کرخی کے لفظ ہیں، امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اس کام کا وکیل بنایا جس کو اگر یہ خود کرتا تو فاسد ہوتا، امام ابویوسف کے قول کی وجہ یہ ہے کہ عقد میں زیادہ فساد ہے اس دلیل کی وجہ سے کہ اس پر ابطال جہاد کی وعید حدیث میں آئی ہے لہٰذا اس کی توکیل جائز نہیں، اور امام ابوحنیفہ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مؤکل دراصل وکیل سے خریدتا ہے تو یہ ایسے ہی ہوگا جیسے وہ کسی غیر سے خریدے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو باع ثم وکل اٰخر حتی یشتری باقل جاز عنده [2]۔	اگر کسی نے کوئی چیز بیچی پھر کسی کو وکیل بنایا تاکہ وہ اس کو پہلے سے کم قیمت پر خریدے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو اشتراه الوکیل صح لانه ماباع ولا بیع له ولو باع الوکیل ثم اشتراه احدهما لایصح اما الوکیل فلانه باع واما المؤکل فلانه بیع له اھ مختصرا [3]۔	اگر وکیل نے اس کو خریدا تو درست ہے کیونکہ نہ تو وکیل نے اس چیز کو بیچا اور نہ ہی اس کے لئے بیچا گیا، اور اگر وکیل نے اس چیز کو بیچا پھر ان دونوں میں سے کسی ایک نے اس کو (ثمن اول سے کم پر) خریدا تو درست نہیں کیونکہ وکیل نے تو خود اسے بیچا اور مؤکل کے لئے وہ چیز بیچی گئی اھ اختصار (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لو اشتری وکیل البائع باقل من الثمن	اگر بائع کے وکیل نے ثمن اول سے کم پر خریدا تو

---

[1] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق بحوالہ مختصرا الکرخی باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

[3] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۵۵

الاول جاز عندہ خلافا لھما لان تصرف الوکیل عندہ یقع لنفسہ [1] الخ **اقول:** وبالجملۃ النقل فی المسألۃ فاش مستفیض فما وقع فی ردالمحتار لواشتروا بالوکالۃ عن البائع لایجوز لوکانوا اجانب عنہ کما فی قول المصنف اوبوکیلہ [2] اھ سھو عظیم یجب التجنب عنہ ومنشأہ ان المصنف قال فسد شراء ماباع بنفسہ اوبوکیلہ [3] الخ والظرف کان متعلقا بباع وحدہ وتوھم العلامۃ رحمہ اللہ تعالٰی تعلقہ بکلا لفظی الشراء وباع علی سبیل التنازع حیث قال قولہ بنفسہ اووکیلہ تنازع فیہ کل من شراء وباع الخ [4]، ثم نقل من البحر کلاما لایوھم مابتخیلہ اصلا انما فیہ منع شراء البائع	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے بخلاف صاحبین کے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک وکیل کا تصرف اپنی ذات کے لئے واقع ہوتا ہے اھ۔ **میں کہتاہوں** خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں نقل عام تواتر کے ساتھ ہے اور جو ردالمحتار میں واقع ہوا ہے کہ اگر بائع کے وکیل ہو کر انہوں نے خریدا تو ناجائز ہے اگرچہ وہ بائع سے اجنبی ہوں ____ جیسا کہ مصنف کے قول "اوبوکیلہ" میں ہے اھ یہ بہت بڑا سہو ہے جس سے بچنا واجب ہے، اس سہو کا منشا یہ ہے کہ مصنف نے کہا اس چیز کو خریدنا فاسد ہے جس کو بائع نے بذات خود بیچا یا اس کے وکیل نے بیچا الخ اس عبارت میں ظرف (جار مجرور) صرف "باع" سے متعلق تھا جبکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے وہم کیا کہ یہ بطور تنازع "باع" اور "شراء" دونوں لفظوں سے متعلق ہے اسی لئے علامہ نے فرمایا کہ شراء اور باع میں سے ہر ایک نے مصنف کے قول "بنفسہ اووکیلہ" میں تنازع کیا الخ اس کے بعد علامہ شامی نے بحر سے ایسا کلام نقل فرمایا جو علامہ شامی کے تخیل کا وہم تک نہیں رکھتا کیونکہ اس میں تو بائع

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۸
[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۵
[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶
[4] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

سواء باع لنفسه او لغیره ومن باع له وکیله وسواء کان شراء لنفسه او لغیره اما الذی لم یبع ولا بیع له فلا تعرض فیه لمنعه من الشراء اصلا سواء شری لنفسه او لغیره کوکیل البائع بالشراء اما مافی مختصرا لکرخی فی صدر الکلام المذکور لایجوز ان یشتری ذٰلك وکیل البائع فی قولهم جمیعا [1] (ملخصا) فمعناه وکیله بالبیع کما قدمناه عن التبیین وفیه لو وکل رجلا ببیع غیره فباع ثم اراد الوکیل ان یشتری باقل لنفسه او لغیره بامره لم یجز [2] اھ (ملخصا) ومثله فی الهندیة عن المحیط نعم وکیل البائع فی کلام الفتح المذکور بمعنی وکیله بالشراء فتثبت ولا تزل وبالله التوفیق والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کی خریداری کو ممنوع قرار دیا گیا ہے چاہے بائع نے بذات خود بیچا ہو یا اس کے وکیل نے اور چاہے اپنے لئے خریداری کرے یا غیر کے لئے لیکن وہ شخص جس نے نہ تو خود بیچا نہ ہی اس کے لئے اس چیز کو بیچا گیا اس کی خریداری کی ممانعت سے اس عبارت میں بالکل کوئی تعرض نہیں چاہے وہ اپنے لئے خریدے یا غیر کے لئے جیسے خریداری کے لئے مقرر کردہ وکیل اور وہ جو کلام مذکور کے شروع میں مختصر کرخی میں مذکور ہے کہ بائع کے وکیل کا اس چیز کو خریدنا تمام فقہاء کے قول میں ناجائز ہے اس کا معنی وہ وکیل جس کو بیع کے لئے مقرر کیا گیا تھا جیسا کہ تبیین کے حوالے سے ہم اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں، اسی میں ہے کہ کسی نے دوسرے کو کسی چیز کی بیع کا وکیل بنایا اور اس نے وہ چیز فروخت کردی پھر اسی وکیل کا ارادہ ہوا کہ اس چیز کو ثمن اول سے کمتر ثمن کے عوض اپنی ذات کے لئے یا کسی اور کے لئے اس کے حکم پر خریدے تو یہ ناجائز ہے اھ اور اس کی مثل ہندیہ میں بحوالہ محیط ہے، فتح کے کلام مذکور میں وکیل بائع سے مراد بائع کا وہ وکیل ہے جس کو خریداری کے لئے اس نے مقرر کیا چنانچہ ثابت قدم رہ مت ڈگمگا، اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے اور اللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) جائز ہے اگر عمرو نے کہا کہ خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اس جلسہ میں قبضہ کرلیا اس صورت میں عمرو کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دے دے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمرو سے کہا اور عمرو نے جواب دیا کہ میں نے خریدا یعنی عقد بیع وشراء یہیں ہولیا اور تمسک لکھ گیا بعدہ دلال نے نوٹ زید سے

---

[1] حاشیه الشلبی تبیین الحقائق بحواله مختصر الکرخی باب بیع الفاسد الطبعة الکبرٰی مصر ۴ /۵۴

[2] تبیین الحقائق باب البیع الفاسد المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۵۴

لا کر دیا تو حرام و باطل ہے کہ جلسہ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہوا نہ روپوں پر۔

فکان افتراقا عن دین بدین وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	تو یہ دین سے دین کے بدلے جدائی ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے بدلے بیع سے منع فرمایا ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۶۶: از بنارس محلّہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جزو شریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہٰذا کلابتوں مذکور حکماً چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزارہا بندہ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالا ناجائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دئے جائیں تو باب تجارت خصوصاً اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہوجائے گا نوبت فاقہ کشی کی پہنچے گی، بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب:

کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جدا نہ ہو سکتا ہے۔

فان ح تمویہ والتمویہ لاعبرۃ بہ لانہ مستھلك کما صرحوا بہ قاطبۃ وفی کافی الامام الحاکم الشھید اذا اشتری لجاما مموھا بفضۃ بدراھم اقل مما فیہ او اکثر فھو جائز لان التمویہ	کیونکہ اس صورت میں یہ سونے کا پانی چڑھانا ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ یہ ہلاک ہونے والی چیز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے امام حاکم شہید کی کافی میں مذکور ہے اگر کسی نے ایسا لگام خریدا جس پر چاندی کا پانی چڑھا یا گیا تھا کچھ درہموں کے بدلے میں جو اس چاندی سے کم

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳/ ۷۱

لایخلص الا تری انہ اذا اشتری الدار المموہۃ بالذہب بثمن مؤجل یجوز ذٰلك وان کان مافی سقوفھا من التمویۃ بالذہب اکثر من الذہب فی الثمن [1]۔	ہوں جس کا پانی لگام پر چڑھایا گیا یا اس سے زیادہ ہوں تو یہ بیع جائز ہے کیونکہ پانی چڑھانے میں مستعمل چاندی لگام سے الگ نہیں ہوسکتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر کوئی ثمن مؤجل کے بدلے ایسا مکان خریدے جس پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے تو یہ بیع جائز ہوگی اگرچہ پانی چڑھانے میں مستعمل سونا ثمن کے سونے سے زیادہ ہو اھ۔(ت)

مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اس میں قطعاً موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس صورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل و تقابض دونوں اور بحالت اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہو تاکہ اس میں سے ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہوجائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام و باطل ہے، اور تقابض یوں کہ اس مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اس کی قیمت پر قبضہ کرلے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل و حرام ہے درمختار میں ہے:

الاصل انہ متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزرکش بنقد من جنسہ شرط زیادۃ الثمن فلو مثلہ اواقل اوجھل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض [2] فقط۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب نقد کو غیر کے ساتھ ملا کر بیچا جائے جیسے مفضض اور مزرکش (جن چیزوں پر سونے یا چاندی کے پتر چڑھائے گئے ہوں تو اگر نقد مبیع کے ہم جنس نقد کے بدلے بیچا جائے تو ثمن کا زیادہ ہونا شرط ہے اگر برابر ہو یا ثمن اس سے کم ہو یا کمی بیشی مجہول ہو تو بیع باطل ہے اور اگر غیر جنس کے نقد کے بدلے میں بیچا جائے تو فقط تقابض (دو طرفہ قبضہ) شرط ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ کافی الحاکم کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

احکام الٰہیہ جل وعلا کے اتباع وامتثال سے ہر گز باب رزق مسدود نہیں ہوسکتا جبکہ وہ رب کریم رؤف رحیم احکام نفس وشیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازہ رزق بند نہیں کرتا ع

گناہ بیند وناں برقرار میدارد

(وہ گناہ دیکھتا ہے اور اس کے باوجود روزی برقرار رکھتا ہے۔ت)

تو اپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابل افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انہیں سیکھ لے تاکہ معصیت الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانونی میں جاری کیا اور قانون ربانی میں چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اس میں کوئی خامی نہ رہ جائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی دینی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اصلا حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح، کس طور پر فاسد، تو وجہ کیا کہ دو روپے **استغفر اللہ** بلکہ دو ۲ پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے دین کی پرواہ کیا ہے، یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہ عظیم سر پر لیا ہے، اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستور یوں ہی جاری رہے اور خالص حلال وطیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی، روپیہ، اشرفی، اٹھنی، چونی، دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچنا ہو اتنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلا سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ احاطہ فلاں رقمی صد روپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماثل شرط ہو، ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ نہ یہ بیع صرف ہے کہ قرضوں مطلقًا حرام ہوتا، بنائے کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صرف وہی کہ ثمن خلقی ثمن خلقی سے بیع کی جائے، یہ صرف سونا یا چاندی ہے وبس، ہاں ازانجا کہ فلوس ونوٹ اصطلاحا ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے **کیلا یلزم الافتراق عن دین بدین** (تاکہ دین کے بدلے میں دین سے جدا ہونا لازم نہ آئے۔ت) لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دے دیا اور پیسے پھر دئے جائیں گے تو مذہب راجح ومعتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہٖ یہی حال کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو، درمختار میں ہے:

الصرف شرعا بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیہ[1] **اھ ملخصًا**	صرف اصطلاح شرع میں ثمن کے بدلے ثمن کی بیع ہے یعنی جسے ثمنیت کے لئے پیدا کیا گیا اھ تلخیص۔

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵

وفی رد المحتار عن البحر عن الذخیرۃ فی مسألۃ بیع فلس بفلسین باعیانهما ان محمدا ذکر ها صرف الاصل ولم یشترط التقابض (وعلله من اعتمد من المشائخ) بان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس به[1] کما فیه عنه عنهما عنهم قلت وقد حققنا المسألۃ بتوفیق الله تعالٰی فی فتاوٰنا العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ بمایتعین الوقوف علیه فانه بحمده تعالٰی نفیس لهم قال ابن عابدین سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لواشتری مائۃ فلس بدرهم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله مالو باع فضۃ اوذهبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط[2] الخ۔	اور ردالمحتار میں ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض بیع کے مسئلہ کے ضمن میں بحوالہ بحر ذخیرہ سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد نے اس کو اصل کے باب الصرف میں ذکر کیا اور تقابض کو شرط قرار نہیں دیا، اور معتمد مشائخ نے اس کی تعلیل یوں بیان کی تعیین کے ساتھ تقابض تو صرف میں شرط ہے حالانکہ یہ صرف نہیں، جیسا کہ اس میں امام ابوحنیفہ، صاحبین اور ان تمام سے منقول ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) بے شک ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے فتاوٰی "العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ" میں اس انداز سے کردی ہے جس پر واقفیت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ بحمداللہ یہ ان کے لئے بہت عمدہ ہے، امام ابن عابدین نے کہا کہ حانوتی سے سونے کی پیسوں کے عوض ادھار بیع کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ جائز ہے بشرطیکہ بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرلیا گیا ہو اس دلیل کی وجہ سے جو بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی نے سو پیسے ایک درہم کے عوض خریدے تو صرف ایک طرف سے قبضہ کافی ہے اور فرمایا کہ اگر کسی نے پیسوں کے عوض سونا یا چاندی بیچا تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے بحر میں محیط کے حوالے سے یونہی منقول ہے۔ الخ (ت)

پھر لیتے وقت یہ ضرور نہ ہوگا کہ خاص پیسے یانوٹ ہی لیں بلکہ برضائے مشتری ان پیسوں یانوٹوں کے روپے بھی لے سکتے ہیں،

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

فانه بیع عین بدین کان علیه فیجوز برضاه وقد علمت انه لیس بصرف ولا سلم قال فی الدر المختار لوباع ابلا بدراہم اوبکرّ برجاز اخذ بدلهما شیئا اٰخر وکذا الحکم فی کل دین قبل قبضه کمهر واجرة و ضمان متلف وبدل خلع وعتق بمال وموروث و موصی به والحاصل جواز التصرف فی الاثمان و الدیون کلها قبل قبضها عینی سوی صرف وسلم فلا یجوز اخذ خلاف جنسه لفوات شرطه[1] اھ۔	کیونکہ عین کی اس دین کے بدلے میں بیع ہے جو بائع پر ہے تو اس کی رضامندی سے جائز ہے حالانکہ تو جان چکا ہے کہ یہ صرف اور سلم نہیں ہے، درمختار میں کہا گیا کہ اگر کسی نے درہموں کے بدلے یا ایک بوری گندم کے بدلے اونٹ بیچا تو ان دونوں کے بدلے کوئی اور شے بھی لے سکتا ہے اور یہی حکم ہے قبضہ سے پہلے دین کا، جیسے مہر، اجرت، ضائع شدہ شیئ کا تاوان، خلع کا بدل، مال کے بدلے آزاد کرنا، مال مورث اور وہ مال جس کی وصیت کی گئی ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تمام ثمنوں اور دینوں میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے (عینی) سوائے صرف اور سلم کے کہ ان میں خلاف جنس ثمن لینا ناجائز ہے بسبب فوت ہوجانے اس کی شرط کے اھ (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کردیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہوجائیگا۔

للافتراق عن الکالئی بالکالئی فی ردالمحتار قوله جاز اخذ بدلهما شیئا اٰخر لکن بشرط ان لایکون افتراقا بدین کما یاتی فی القرض[2] اھ وقال فی قرض الدر جاز شراء المستقرض القرض ولوقائما من المقرض بدراہم مقبوضة فلو تفرقا قبل قبضها بطل لانه افتراق عن دین بزازیة[3] فلیحفظ۔	دین کے بدلے دین کی بیع سے جدا ہونے کی وجہ سے ردالمحتار میں ہے کہ مصنف کا قول کہ ان دونوں کے بدلے کوئی شے لینا جائز ہے مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ دین کے ساتھ بائع اور مشتری میں جدائی نہ ہو جیسا کہ قرض کے باب میں آرہا ہے اھ اور در کے باب القرض میں فرمایا مستقرض کے لئے جائز ہے کہ قرض دہندہ سے درہم مقبوضہ کے عوض قرض کو خریدے اگر قائم ہو پھر اگر وہ دونوں ان دراہم مذکورہ پر قبضہ سے پہلے متفرق ہوگئے تو خریداری باطل ہوجائے گی کیونکہ یہ قرض سے افتراق ہے (بزازیہ) اس کو

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۸۔۳۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۶۶

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۹۔۴۰

	محفوظ کرلینا چاہئے۔(ت)

تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جو ان بائعوں میں جاری ہے صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے حلت ہوگئی اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلاوجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں، وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷: از بجنور در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب تلمیذ حضرت والاعلام قدس سرہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں؟ اور اگر صراف کو روپیہ دیا اس کے پاس کل روپیہ کے پیسے نہ تھے موجود دئے باقی کا وعدہ کردیا تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں؟ اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دی جائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماثل اور تقابض اور مختلف الجنسین میں تقابض ہے درصورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع الفلوس بالدراہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری۔

فان الصرف بیع ماخلق الثمنیۃ بماخلق لھا کما فسرہ بذٰلك فی البحر وتبعہ فی الدرالمختار [1] واقرہ الشامی وغیرہ و معلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لھاحکم الاثمان بالاصطلاح مادامت رائجۃ والافھی عروض کما فی اصل خلقتھا وبعدم کونہ صرفا صرح العلامۃ الشامی عن البحر وصاحب البحر عن الذخیرۃ عن المشائخ فی باب الربٰو من رد المحتار [2]۔	کیونکہ صرف تو خلقی ثمن کو خلقی ثمن کے عوض بیچنے کا نام ہے جیسا کہ اس کی تفسیر بیان کی بحر نے اور درمختار میں اس کی اتباع ہے اور شامی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا اور یہ بات معلوم ہے کہ پیسے ثمن خلقی نہیں انہیں تو جب تک وہ رائج ہیں اصطلاح میں ثمنوں کا حکم عارض ہے ورنہ تو یہ سامان ہیں جیسا کہ اصل خلقت میں تھے اور اسکے بیع صرف نہ ہونے کی تصریح علامہ شامی نے ردالمحتار کے باب الربٰو میں بحر کے حوالہ سے کی اور صاحب بحر نے بحوالہ ذخیرہ عن مشائخ نقل کیا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب الصرف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۹۲/۶، درمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۵۵/۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۸۴/۴

مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تاعین رواج ان کے لئے حکم اثمان ہے تو احد الجانبین میں قبض بالید ہونا ضروری ہے۔

والا لکان افتراقا عن دین بدین و قد نہی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالئ بالکالئ [1]۔	ورنہ یہ دین کے بدلے دین سے افتراق ہوگا حالانکہ رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ادھار کے بدلے ادھار کی بیع سے منع فرمایا ہے۔(ت)

اختلاف اسی میں ہے کہ آیا یہ قبضہ جانبین سے مشروط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت۔

وھم الاکثرون وعلیہ نص محمد فی المبسوط و اعتمدہ فی المحیط والحاوی والبزازیۃ والبحر الرائق والنھر الفائق وفتاوی الحانوتی وتنویر الابصار و الدر المختار والفتاوی الھندیۃ وغیرھا من متون المذھب وشروحہ و فتاوٰہ وھو مفاد کلام الامام الاسبیجابی کما نقلہ الشامی عن الزین عن الامام	اور وہ اکثر ہیں اسی پر امام محمد نے مبسوط میں نص فرمائی اور اسی پر اعتماد کیا گیا ہے محیط، حاوی، بزازیہ، البحر الرائق، النہر الفائق، فتاوٰی حانوتی، تنویر الابصار، درمختار اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہ مذہب کے متون، شروح اور فتاوٰی میں، اور یہی مفادہے امام اسیجابی کے کلام کا جیسا کہ اس کو شامی نے بحوالہ زین امام اعظم سے نقل کیا ہے۔(ت)

اور جس نے ثمنیت مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض شرط ٹھہرایا۔

کما افتی بہ العلامۃ قاری الھدایۃ واولہ الفاضل عمر بن نجیم بما یخرجہ عن الخلاف ونازعہ المحقق الشامی قائلا انہ محمول علی مادل علیہ کلام الامام محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین وکل ذٰلک مشرح فی ردالمحتار [2]	جیسا کہ اس پر فتوٰی دیا علامہ قاری الہدایہ نے اور فاضل عمر بن نجیم نے اس کی ایسی تاویل کی جو اس کو خلاف سے نکالتی ہے اور محقق شامی نے یہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ منازعت کی کہ اس کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا جس پر جامع صغیر میں امام محمد کا کلام دلالت کرتا ہے یعنی دونوں جانبوں سے تقابض شرط ہے اور اس تمام کی تفصیل ردالمحتار

[1] سنن الدارقطنی کتاب البیوع حدیث ۲۶۹ نشر السنۃ ملتان ۳ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربٰو دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۴

وغیرہ من الاسفار ،قال العبد الضعیف غفر اللّٰه تعالٰی له وما جنح الیه الفاضل الشامی سیدی محمد بن امین الدین اُفندی ابن عابدین رحمة اللّٰه تعالٰی علیه من دلالة کلام الجامع الصغیر علی ذٰلك الاشتراط فقد تبع فیه صاحب البحر والعلامة زین الدین عول علی ماوقع فی الذخیرة کما ھو ایضا مذکور فی الحاشیة الشامیة ولکن لی فیه تأمل بعد فانی راجعت الجامع فوجدت نصه ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیة اوباع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضة ببیضتین اوجوزة بجوزتین اوفلسا بفلسین اوتمرة بتمرتین یدا بید باعیانها یجوز وھو قول ابی یوسف رحمة اللّٰه تعالٰی علیه وقال محمد رحمة اللّٰه علیه لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرة بتمرتین[1] انتھی کلامه الشریف نفعنا اللّٰه تعالٰی ببرکاته فی الدنیا والاٰخرة اٰمین۔

وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے، یہ عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) کہتا ہے کہ جس معنی کی طرف علامہ سید محمد امین الدین آفندی ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی مائل ہوئے اس میں انہوں نے صاحب البحر کی پیروی کی اور علامہ زین الدین نے اس پر اعتماد کیا جو ذخیرہ میں واقع ہوا جیساکہ حاشیہ شامیہ میں بھی مذکور ہے لیکن ابھی تک مجھے اس میں تأمل ہے بیشک میں نے جامع صغیر کی طرف رجوع کیا تواس کی نص کو یوں پایا کہ محمد نے یعقوب سے اور اس نے ابوحنیفہ سے روایت کیا (رضی اللہ تعالٰی عنہم) کہ ایک شخص نے دو رطل پیٹ کی چربی ایک رطل الیہ کی چربی کے عوض یا دو رطل گوشت ایک رطل پیٹ کی چربی کے عوض بیچا یا ایک انڈہ دو انڈوں کے عوض یا ایک اخروٹ دو اخروٹوں کے عوض یا ایک پیسہ دو پیسوں کے عوض یا ایک چھوہارا دو چھوہاروں کے عوض فروخت کیا اس طور پر کہ ان تمام چیزوں کا لین دین ہاتھوں ہاتھ ہوا اور یہ تمام چیزیں معین تھیں تو یہ بیع ہے اور یہی قول امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا،او رامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ایک پیسے کی بیع دو پیسوں کے عوض ناجائز اور ایک چھوہارے کی بیع دو چھوہاروں کے عوض جائز ہے،امام صاحب کا کلام شریف ختم ہوا،اللہ تعالٰی ہمیں دنیاوآخرت

[1] الجامع الصغیر کتاب البیوع باب البیع فیما یکال او یوزن مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۹۷

فمحمل الاستنباط انما ہو قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یدا بید ولکن قد دری من مارس الفقہ ان ہذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علمائنا رحمہم اللہ تعالٰی فسروہ فی الحدیث معروف بالعینیۃ کما قال فی الہدایۃ ومعنی قولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام یدا بید عینا بعین کذا رواہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ [1] انتہی کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ماسواہ مما یجری فیہ الربٰوا فانما یعتبر فیہ التعین فان حمل قول ہذا فی العبارۃ التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منہ اشتراط ذٰلک فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرۃ بتمرتین و بیضۃ ببیضتین وجوزۃ بجوزتین فان المسائل کلہا مسوقۃ بسیاق واحد وہذا لم یقل بہ ائمتنا فوجب حملہ

میں اس کی برکات سے نفع عطا فرمائے آمین، تو محل استدلال امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "یدا بید" (ہاتھ ہاتھ) ہے لیکن فقہی مہارت والا جانتا ہے کہ بیشک یہ لفظ انگلیوں کے پوروں کے ساتھ قبضہ کرنے میں نص صریح نہیں کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے حدیث معروف میں اس کی تفسیر عینیت کے ساتھ فرمائی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "یدا بید" "عینا بعین" ہے، یونہی روایت فرمایا ہے اس کو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے، انتہی، اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا ہے کہ بے شک باہمی قبضہ تو فقط بیع صرف میں شرط ہے اس کے علاوہ جس میں ربا جاری ہوتا ہے وہاں فقط تعیین معتبر ہے، اگر ہماری ذکر کردہ عبارت میں اس کے قول کو تقابض (دو طرفہ قبضہ) پر محمول کیا جائے اور اس سے ایک پیسے کی دو پیسوں کے عوض بیع میں تقابض کا شرط ہونا اخذ کیا جائے تو پھر ایک کھجور کی دو کے عوض، ایک انڈے کی دو کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو کے عوض بیع میں بھی تقابض شرط ہوگا کیونکہ ان تمام مسائل کا سیاق ایک ہی ہے (لہذا حکم بھی ایک ہوگا) حالانکہ ہمارے ائمہ کرام اس کے قائل نہیں ہیں لہذا

[1] الہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۳۔۸۲

علی اشتراط التعین وکان قوله رضی الله تعالٰی عنه باعیانها تفسیر القوله یدا بید و الا لکان حشوا مستغنی عنه فان التقابض فیه التعیین مع شیئ زائد فذکرہ بعدہ خال عن الفوائد ولذا لما نقل الامام صاحب الهدایة هذہ المسئلة عن الجامع الصغیر اسقط عنها تلك الکلمة واقتصر علی ذکر العینیة حیث قال قال (ای محمد کما صرح به العلامة بدر العینی فی البنایة[1]) یجوز بیع البیضة بالبیضتین والتمرة بالتمرتین و الجوزة بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانها[2] انتهی. فلیس فی الجامع ان شاء الله تعالٰی دلیل علی ماذکر هٰؤلاء الاعلام وان کان فمع احتمال الغیر احتمالا بینا لایراد ولایرام بخلاف عبارة الاصل اعنی المبسوط فانها نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما ستری ان شاء الله تعالٰی فعلیه فلیکن التعویل والله تعالٰی ولی التوفیق ہذا ما سنح للعبد القاصر	اس کو اشتراط تعیین پر محمول کرنا واجب ہے اور امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول "باعیانها" ان کے قول "یدا بید" کی تفسیر ہوگا ورنہ یہ قول لغو اور بلاضرورت ہوگا کیونکہ تقابض میں تعیین کچھ اضافے سمیت موجود ہے تو پھر اس (تعیین) کو تقابض کے بعد ذکر کرنا فائدہ سے خالی ہوگا، یہی وجہ ہے کہ جب امام صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو جامع صغیر سے نقل کیا تو اس میں سے یہ کلمہ (یدا بید) ساقط کرکے فقط عینیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے یعنی امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ (بنایہ علامہ عینی) نے فرمایا کہ جائز ہے بیع ایک انڈے کی دو انڈوں کے عوض اور ایک کھجور کی دو کھجوروں کے عوض اور ایک اخروٹ کی دو اخروٹوں کے عوض اور ایک معین پیسے کی دو معین پیسوں کے عوض، انتہی، چنانچہ جامع صغیر میں تو ان شاء اللہ اس پر کوئی دلیل نہ ہوگی جو ان بزرگوں نے فرمایا اور اگر ہو بھی تب بھی غیر کا احتمال بین ہوتے ہوئے اس کا ارادہ نہیں کیا جائے گا، بخلاف اصل یعنی مبسوط کی عبارت کے کہ وہ تقابض کے شرط نہ ہونے پر نص ہے جیسا کہ عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی تو دیکھے گا چنانچہ اسی پر اعتماد کرنا چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی مالک توفیق ہے یہ وہ ہے جو اس قاصر بندے

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع باب الربو المکتبة الامدادیہ مکہ مکرمہ ۳/ ۱۵۴

[2] الهدایہ کتاب البیوع باب الربو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۳

فتامله فان وجدته حقا فعليك به والا فارم به الجدار۔	پر منکشف ہوا اس میں غور کر اگر تو اس کو حق پائے تو عمل کرنا تجھ پر لازم ہے ورنہ اس کو دیوار پر دے مار۔ (ت)

بالجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی، پس صورت مستفسرہ میں بیع بلاتردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم،

فی المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراہم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عندالبائع فالبیع جائز اھ [1] کذا فی الھندیۃ و فیھا عن الحاوی وغیرہ لواشتری مائۃ فلس بدرہم فقبض الدرہم و لم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا و لو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل البیع فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری مابقی من الفلوس [2] اھ ملتقطا، وفی التنویر وشرحہ باع فلوسا بمثلھا او بدراہم او بدنانیر فان نقد احدھما جازوان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز [3] اھ ومسئلۃ المقام یستدعی اکثر من ھذا وفیما ذکرنا کفایۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبسوط میں ہے کہ جب کسی نے درہموں کے عوض پیسے خریدے اور ثمن نقدا ادا کردئے مگر بائع کے پاس اس وقت پیسے موجود نہیں تو بیع جائز ہے اھ ہندیہ میں یونہی ہے، اسی میں حاوی وغیرہ سے منقول ہے اگر کسی نے ایک درہم کے عوض سو پیسے خریدے، بائع نے درہم پر قبضہ کرلیا مگر مشتری نے ابھی پیسوں پر قبضہ نہیں کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو قیاس کی رو سے بیع باطل نہیں ہوئی اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کیا تھا کہ وہ کھوٹے ہوگئے تو نصف میں بیع باطل ہوگئی اگر وہ کھوٹے نہ ہوتے بیع فاسد نہ ہوتی اور مشتری باقی پیسے لینے کا حقدار ہوتا اھ تلخیص، تنویر اور اس کی شرح میں ہے کہ کسی نے پیسوں کو ان کی مثل کے عوض یا درہموں کے عوض یا دیناروں کے عوض بیچا پس اگر دونوں میں سے ایک نے نقد ادائیگی کردی تو بیع جائز ہے اور اگر دونوں قبضہ کئے بغیر متفرق ہوگئے تو ناجائز ہے اھ اس مقام کا مسئلہ اس سے زیادہ تفصیل کا تقاضا کرتا ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] المبسوط للسرخسی کتاب البیوع باب البیع بالفلوس دار المعرفۃ بیروت الجزء الرابع عشر ص ۲۴، فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الصرف الفصل الثالث فی بیع الفلوس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۲۵

[3] درمختار کتاب البیوع باب الربٰو مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۲

مسئلہ ۲۶۸: از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھٹیچر اسٹریٹ مسئولہ عبدالکریم ابن قاسم ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم مجدد مائۃ حاضرہ، تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ آپ کی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولانا صاحب کے نام سے کسی دوسرے نے چھپوا کر شائع کر دئے ہیں اس بات کا بہت چرچا ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس طرح سے ہو سکتا ہے، ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے، مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دست مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ان پر عمل کریں اور شک دور ہو جائے اور جب تک آپ کی طرف سے جواب نہیں آئے گا وہاں تک لوگوں کو بحث بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب:

رسالہ **كفل الفقيه الفاهم** فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظّمہ میں وہاں کے ایک عالم جدہ نے فقیر سے اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا، مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو ضرور بھیج دو، ان کو بھیج دئے گئے، نوٹ کا مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کر دیا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

باب بیع التلجیة

(دکھلاوے کی بیع کا بیان)

مسئلہ ۲۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جس کا وہ مالک تھا بدست عمرو اپنی کسی مصلحت سے بلاوصول زرثمن فرضی طریق سے بیعنامہ تصدیق کرادیا اور قبضہ اپنا مبیعہ پر نہیں دیا ہے، اور عمرو کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کردوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اسی مکان کو ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یانہیں اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہوسکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہوسکتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

عمرو کو اگر اقرار وتسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی ہے جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہٰذا اگر عاقدین اسے جائز کردیں نافذ ہوجائیگی۔

فی الدر المختار انه بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار[1] الخ وفی ردالمحتار	درمختار میں ہے کہ وہ بیع منعقد ہے مگر لازم نہیں جیسے خیار کے ساتھ بیع الخ، اور ردالمحتار میں

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

انھما لواجازاہ جازوالباطل لاتلحقہ الاجازۃ [1] الخ و قولھم باطل ای سیبطل ان لم یجز کما حققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار۔	ہے کہ اگر عاقدین نے اس کی اجازت دے دی تو جائز ہوگی حالانکہ باطل کو اجازت لاحق نہیں ہوتی الخ اور فقہاء کا قول کہ وہ بیع باطل ہے اس کا معنی یہ ہے کہ عنقریب باطل ہوجائے گی اگر اس کی اجازت نہ دی گئی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی۔

فان البیع الموقوف یبطل بموت المالك بل والعاقد و ان لم یکن مالکا کالفضولی ولاتصح اجازۃ ورثتہ بعدہ فی الدرالمختار حکمہ قبول الاجازۃ اذاکان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا یشترط قیام صاحب المتاع ایضا فلا تجوز اجازۃ وارثہ لبطلانہ بموتہ [2]۔ (ملخصا)	کیونکہ موقوف بیع مالک کی موت سے باطل ہوجاتی ہے بلکہ عاقد اگرچہ وہ مالک نہ ہو اس کی موت سے بھی باطل ہوجاتی ہے جیسے فضولی کی موت سے، اور اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی اجازت سے بیع صحیح نہیں ہوتی، درمختار میں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ یہ اجازت کو قبول کرتی ہے جبکہ بائع مشتری اور مبیع قائم ہوں اور اسی طرح مالک کا قائم ہونا بھی شرط ہے چنانچہ اسکی موت سے بیع کے باطل ہوجانے کی وجہ سے اس کے وارث کی اجازت نہیں۔(ت)

تو عمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثان زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہ دیانت وامانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر ہوجائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کردے اور گواہ کرالے یا اقرار نامہ تصدیق کرادے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف بیع فرضی تھی یہ اظہار ہبہ محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ کے لئے شروط ہیں پھر جب تک موانع ہبہ سے کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ ہی اختیار کرے اس کی شکلیں اس طور پر کردے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲

بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1].	بیشک عملوں کا دارومدار تو نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

جس طرح نظر خلق میں وہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یونہی نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہوجائے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصہ دکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع فرضی کرکے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرادیا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد فرضی کے مالک مکان وحصہ دکان کا شرعاً ہوگا یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

فی الواقع اگر بینہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع فرضی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو،

فانہ بیع منعقد موقوف علی اجازتھما الموقوف لا یفید الملك بالقبض کما حققناہ فیما علقناہ فی رد المحتار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ بیع منعقد عاقدین کی اجازت پر موقوف ہے اور موقوف میں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس کی تحقیق کردی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

---

[1] صحیح بخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب بیع الوفاء

(بیع وفاء کا بیان)

مسئلہ ۲۷۱: از ریاست رامپور بزریہ ملاظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۸ جمادی الآخر ۱۳۱۴ھ

ما قولکم رحمکم الله ربکم فی جواز بیع الوفاء و الانتفاع بہ ھل ھو جائز اما لا، بینوا بادلۃ الکتاب توجروا من الوہاب فی یوم الحساب	آپ کا کیا ارشاد ہے اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے بیع الوفاء کے جواز اور اس سے نفع حاصل کرنے کے بارے میں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کتابوں کے حوالہ سے مدلل بیان فرمائیں، حساب والے دن بہت عطا فرمانے والے اللہ تعالٰی سے اجر دئے جاؤ گے۔(ت)

الجواب:

المسئلۃ طویلۃ الاذیال کثیرۃ الاقوال وسیعۃ المجال بعیدۃ المنال وقد فصلنا ھا بتوفیق الله تعالٰی فی بعض تحریر اتنا والذی تقررو	یہ مسئلہ لمبے دامنوں والا، بہت زیادہ اقوال والا اور وسیع مباحث والا ہے، اور ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنی بعض تحریروں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے اور وہ بات جو اس میں ثابت و

تحرر ان بیع الوفاء رھن لایزید علیه بشیئ ولا یخالفه فی شیئ قال العلامة خیر الدین رملی فی فتاواہ الذی علیه الاکثر انه رھن لا یفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیه مفسدة عظیمة و فتواك انه رھن وانا ایضا علی ذٰلك فالصواب ان نجمع الائمة ونتفق علی ھذا و نظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوٰنا وقد ظھر بین الناس ذٰلك فمن خالفنا فلیبرز نفسه ولیقم دلیله وفیه اقوال ثمانیة وعلی کونه رھنا اکثر الناس اھ[1] وفیھا ایضا بیع الوفاء رھن[2] الخ، وفی العقود الدریة من کتاب النکاح باب الولی بیع الوفاء منزل منزلة الرھن[3] الخ وفیھا من الرھن بیع الوفاء منزل منزلة الرھن کما صرحوا به[4] ثم ذکر نصوصا تدل علیه فاذن لایجوز لھذا الذی

ثابت شدہ ہے یہ ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے نہ اس سے کچھ زائد اور نہ ہی کسی شیئ میں اس کے مخالف ہے، علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ اکثر فقہاء اسی پر ہیں کہ یہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے جدا نہیں ہے سید امام کا قول ہے کہ میں نے امام ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی اور اس میں فساد عظیم ہے جبکہ آپ کا فتوی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی کا قائل ہوں تو بہتر ہے کہ ہم ائمہ کو جمع کرکے اس پر متفق کریں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں تو انہوں نے فرمایا کہ آج ہمارا فتوی معتبر اور لوگوں میں ظاہر ہے لہٰذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود کو سامنے لائے اور دلیل قائم کرے بیع الوفاء میں آٹھ اقوال ہیں اور اس کے رہن ہونے پر لوگوں کی اکثریت متفق ہے اھ اور یہ بھی اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن ہے الخ، عقود الدریۃ کتاب النکاح کے باب الولی میں ہے کہ بیع الوفاء بمنزلہ رہن کے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ بیع الوفاء رہن کے بمنزلہ ہے جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے پھر اس میں ایسی نصوص ذکر کی گئی ہیں جو اس کے رہن ہونے پر دلالت کرتی ہیں تو ایسی صورت میں اس

---

[1] فتاوٰی خیریه کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۵۔۲۶

[2] فتاوٰی خیریه کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۶

[3] العقود الدریة کتاب النکاح ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۱۸

[4] العقود الدریة کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

ہو مشتر صورۃ مرتھن معنی الانتفاع بمشریہ المرھون مطلقًا علی ما ھو الفتوی الاٰن للعلم بمقاصد اھل الزمان وقد علم شرعًا ان المعھود عرفًا کالمعھود شرطًا کما افادہ ھٰھنا العلامۃ السید الطحطاوی ثم العلامۃ السید الشامی فی حواشی الدر وقد افتیت بہ و ھو الحق الواضح جھارًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس شخص کے لئے جو بظاہر مشتری اور درحقیقت مرتہن ہے بالکل جائز نہیں کہ وہ اس خریدی ہوئی مرتہن شے سے نفع حاصل کرے اور اب اہل زمانہ کے مقاصد کو جانتے ہوئے اسی پر فتوی ہے، اور تحقیق یہ بات شرعًا معلوم ہے کہ جو چیز عرف میں طے شدہ ہو وہ ایسے ہی ہوتی ہے جیسے اس کی شرط لگائی گئی ہو جیسا کہ اس مقام پر علامہ سید طحطاوی نے پھر علامہ شامی نے در کے حواشی میں اس کا فائدہ دیا اور بیشک میں نے اسی پر فتوی دیا اور یہی واضح اور کھلا حق ہے، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی کچھ جائداد اس طرح پر لیا کہ عمرو جب روپیہ زید کا ادا کردے تو اپنی جائداد واپس لے اور جب تک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائداد کا لگان گورنمنٹی اسی جائداد سے ادا کرے اور جو روپیہ اس جائداد کا لگان گورنمنٹی سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے تصرف میں لاکر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ سود ہوگا یا نہیں؟ اگر سود ہوگا تو ان لوگوں کی نماز جو سود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت بیع بالوفاء کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے، حدیث میں فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربٰو[1]۔	جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے۔ (ت)

اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سود لینے یا دینے والے ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۳: از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلندشہر مرسلہ امیر حسن طالبعلم ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دکان عمرو کے ہاتھ

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶ /۲۳۸

بعوض سو۱۰۰ روپے کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع مشتری سے یہ وعدہ پختہ لے لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرِ ثمن پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تا واپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھاتے جانا، مشتری نے اس بات کو بطیّبِ خاطر پسند کرلیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تا واپسی مبیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا؟

الجواب:

اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں، بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز، ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام، یہ بیع صحیح بلا دغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرار داد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرار داد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرار داد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ، ردالمحتار میں ہے:

وفی جامع الفصولین ایضا لو ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع[1]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ اگر بیع کا ذکر بلا شرط کیا پھر شرط کو بطور وعدہ ذکر کیا تو بیع جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد اھ قلت وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الهزل کما سیأتی اٰخر البیوع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقدا البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح	جامع الفصولین میں یہ بھی ہے کہ اگر عاقدین نے عقد سے پہلے کوئی شرط فاسد لگائی پھر عقد کیا تو عقد باطل نہ ہوگا۔اھ **میں کہتا ہوں** کہ اگر وہ دونوں عقد کی بناء اس شرط فاسد پر کرنے پر متفق ہوئے تو عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ فقہاء نے بیع ہزل کے بارے میں تصریح کی ہے جیسا کہ عنقریب بیع کی بحث کے آخر میں آئے گا، علامہ خیر الدین رملی سے ان دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا گیا جنہوں نے عقد سے پہلے بیع الوفاء کی شرط ٹھہرائی پھر اس شرط سے خالی عقد کیا تو آپ نے

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۰۔۲۱

فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة وغیرہا بانه یکون علی ماتواضعا[1]. واللّٰه تعالٰی اعلم۔	وہی جواب دیا جس کی تصریح خلاصہ، فیض اور تتارخانیہ وغیرہ میں کی گئی ہے یعنی یہ بیع اس شرط پر ہوگی جو انھوں نے ٹھہرائی تھی، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مطلب فی الشرط الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب متفرقات البیع

(بیع کے متفرق احکام)

مسئلہ ۲۷۴: از موضع دیورنیاں: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اس میں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اس کی وصول پاکر پھر زید کے پاس امانت رکھ دی زید نے مہ عہ / ماہوار مقرر کردی، ہندہ نے کہا کہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو، کہا اسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائے اس کا جواب ہندہ نے دیا کہ جب اس کی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی، اس پر کہا کہ میں اپنے پاس سے یہ خدمت کرتا ہوں، ہندہ نے کہا یہ معلل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیا ہندہ کے لئے یہ رقم لینا ناجائز ہے یا جائز؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جائداد مبیعہ کی توفیر لینی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے اور بطور خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز، اور اس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اس قدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا روپیہ واپس لے لے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اس کا یہ کہنا بطور خدمت دیتا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے، اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز، اور ہندہ اسے اگر اپنے زر امانت میں مجرا کرکے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: مرسلہ مولوی احسان صاحب از مسجد جامع ۹رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جائے گا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجرانہ خاص آپ کو لکھا گیا ہے انتہی عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈوں پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں، جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر ان کے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کرگئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے، اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں؟ اور معہود کو حق مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور فیما بین تجاروں کے ہزاروں روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد واثق ہوتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا، فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

ان انجز وعدہ کان حسنا والافلا یلزم الوفاء بالمواعید [1] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اور اگر وعدہ کو پورا کرے تو بہتر ہے ورنہ وعدوں کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۵

مسئلہ ۲۷۷: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

اکثر لوگ ترکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کرکے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب:

جھگڑا کی اجازت نہیں، اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے، ہاں بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ دے دے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الکفالۃ

(ضامن بننے کا بیان)

مسئلہ ۲۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمرو کے ہے، زید نے کہا اسے میں ادا کر دوں گا، عمرو نے بھی اسے قبول کرلیا، بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا، اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید اس قرضہ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اس قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلیق بشرط لازم نہیں ہوتا، اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھ سے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا قال انچہ ترا بر فلان ست من بدہم فھذا وعد لا کفالۃ [1]۔	اگر کہا جو کچھ تمہارا افلاں پر لازم ہے وہ میں دوں گا تو یہ وعدہ ہے کفالہ نہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

اسی میں بنقل محیط فتاوٰی امام نسفی سے ہے:

من قال لغیرہ ان الدین الذی لك علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقضیه لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام نحو قوله کفلت ضمنت علی الی وکان الشیخ الامام ظھیر الدین الحسن بن علی المرغینانی یقول اذا اتی بھذہ الالفاظ منجز الا یکون کفالة واذا اتی بھا معلقا بان قال ان لم یؤد فلان مالك علیه فانا اودی فانا ادفع یصیر کفیلا[1]۔	کسی نے دوسرے سے کہا تیرا وہ قرض جو فلاں پر ہے وہ میں دوں گا میں تیرے سپرد کروں گا، میں ادا کروں گا، وہ کفیل نہیں بنے گا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ کہے جو التزام پر دلالت کرتا ہو مثلاً میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں، مجھ پر لازم ہے یا میرے ذمے ہے، امام ظہیر الدین حسن بن علی مرغینانی کہتے تھے اگر یہ الفاظ بطور تنجیز کہے تو کفیل نہ ہوگا اور اگر بطور تعلیق کہے مثلاً یوں کہے کہ تیرا جو دین فلاں پر ہے اگر اس نے نہ دیا تو میں ادا کروں گا یا میں دوں گا، تو کفیل ہو جائے گا۔ (ت)

ایسا ہی خزانۃ المفتین میں ہے اور اسی پر بزازیہ میں جزم فرمایا:

قائلا لما علم ان المواعید باکتساء صورة التعلیق تکون لازمة[2] اھ ونقله فی الحامدیة واقرہ فی العقود الدریة۔	یہ کہتے ہوئے، یہ بات معلوم ہے کہ وعدے جب تعلیق کی صورت اختیار کریں تو ان کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے اھ اس کو حامدیہ میں نقل کیا اور عقود دریہ میں برقرار رکھا۔ (ت)

ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کروں گا تو بلاشبہ بکر اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کرسکتا ہے اور بکر کا عمرو کو مطالبہ سے بری کردینا زید کو بری نہ کردے گا اگر البتہ عمرو کو قرضہ سے بری کردیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔

فی الدر المختار من القنیة طالب الدائن الکفیل فقال له اصبر حتی یجیئ الاصیل فقال لاتعلق	درمختار میں قنیہ سے منقول ہے کہ قرض دہندہ نے کفیل سے قرض کا مطالبہ کیا تو اس نے کہا کہ صبر کرو تاکہ اصیل آجائے اس پر قرض دہندہ نے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳

لی علیه انما تعلق علیك هل یبرأ اجاب نعم وقیل لا وهو المختار [1]۔	کہا میرا اس سے کوئی تعلق نہیں میرا تعلق تو تیرے ساتھ ہے، کیا اس صورت میں اصیل بری ہو جائے گا جواب دیا ہاں، اور ایک قول یہ ہے کہ بری نہیں ہوگا اور یہی مختار ہے۔(ت)

اور جبکہ وقت کفالت عمرو نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زر میں رجوع کر سکتا ہے گویہ کفالت بامر عمرو واقع نہ ہوئی

فی الدرالمختار ولو کفل بامره رجع علیه بما ادی وان بغیره لایرجع لتبرعه الااذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیة [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر مدیون کے امر سے کفیل بنا تو اس پر رجوع کر سکتا ہے اور اگر اس کے امر کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کر سکتا تبرع اور احسان کی وجہ سے مگر جب مجلس کے اندر مدیون نے اجازت دے دی تو رجوع کر سکتا ہے عمادیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹: از ریاست رامپور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

مطاع و مخدوم عالم جناب معظم و محترم زید افضالہ بصد ادب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدومنا جناب حافظ محمد عنایت اللہ صاحب سے سن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہو کر اپنا ماجرا عرض کروں لیکن "ارادة اللہ غالبة علی ارادة العباد" اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اس وقت حاضری سے مجبور کر دیا مجبوراً اپنے معتمد محمد رضا خاں صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجنا پڑا، ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک شخص کی حاضر ضمانت کرلی، ۱۸ فروری تک کے لئے جس کے الفاظ بعینہٖ سوال فتوٰی میں درج ہیں، ۱۸ فروری گزر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا، نہ مدعی نے اس مدت میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی، اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھ سے روپیہ طلب کرتا ہے اور شرعاً مدعی کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ "من" نہیں درج ہے لہٰذا بعد ۱۸ فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی، حضور والا! اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق یہ نیت خالص صرف ۱۸ فروری تک کے لئے ضمانت

---

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

کی تھی مخدومی جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے لکھا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کرسکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب ہیں، بنظر رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دریغ نہ فرمائیں گے تابعدار محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہٖ درج ذیل ہے جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ/ بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہٰذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ فروری سنہ حال تک کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ تاریخ مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء

الجواب:

مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجدھم بعد ادائے مراسم سنت ملتمس، فتوٰی نظر فقیر سے گزرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف ومقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب لازم، تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان. برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتا و لہٰذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوٰی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے، اسی لئے علماء نے فرمایا:

من لم یعرف اہل زمانہ فھو جاھل[1]۔	جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔(ت)

علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی وکافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں، ایک کفالۃ بالنفس یعنی حاضری ضامنی، وہ ۱۸ فروری تک موقت ہے اور اس روایت وعرف کی رو سے بعد ۱۸ کے ختم ہوگئی، دوسری کفالت بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اس میں اگر توقیت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے اگر ۱۸ فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے۔

فی الھدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقھا بشرط ملائم لھا مثل ان یکون شرطا لوجوب	ہدایہ میں مذکور ہے کہ کفالت کو اس کی مناسب شرط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے مثلاً وہ شرط وجوب حق

[1] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

الحق کقوله اذا استحق المبیع اولامکان الاستیفاء مثل قوله اذا قدم زید وھو مکفول عنه اولتعذر الاستیفاء مثل قوله اذا غاب من البلدۃ [1]۔	کے لئے ہو جیسے اسکا کہنا کہ جب مبیع میں استحقاق ثابت ہوجائے یا وہ شرط وصولی کے امکان کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ جب زید آجائے جبکہ وہ زید ہی مکفول عنہ ہو یا وہ شرط وصولی کے تعذر کے لئے ہو جیسے اس کا کہنا کہ وہ شہر سے غائب ہوگیا۔(ت)

اور یہ صاحب جو آپ کا لطف نامہ لائے ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار ہوگئے اگر یہ حق ہے تو شرط متحقق ہولی، پس اگر مطالبہ سے مراد زر دعوی تھا تو اس صورت میں فقیر کے نزدیک مال لازم ہوگیا اگرچہ بعد ۱۸ فروری کے کفالت نفس زائل ہوجائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال اس کی تابع وتاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہوگیا تو اب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یا طالب کی طرف سے معافی وگریچ

فی البزازیة کفل بنفسه علی ان المکفول عنه اذا غاب فالمال علیه فغاب المکفول عنھم ثم رجع وسلمه الی الداین لایبرأ لان المال بحلول المشروط لزمه فلا یبرأ بالاداء اوالابراء [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص کفیل بالنفس بنا اس شرط پر کہ اگر مکفول عنہ غائب ہوگیا تو مال اس (کفیل) کے ذمے ہے بعد ازاں مکفول عنہ غائب ہوگیا پھر لوٹ آیا اور کفیل نے اس کو دائن کے حوالہ کردیا تب بھی بری نہ ہوگا کیونکہ مشروط کے پائے جانے سے مال اس پر لازم ہوگیا تو اب ادائیگی یا صاحب حق کی طرف سے معافی کے بغیر بری نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۰: از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال غرہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمہ دیوانی میں الہ مامہ عہ/ کی نالش کی، حاکم نے بغرض امتحان زید سے حاضری ضامنی طلب کی، خالد نے ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ بآں عبارت

---

[1] الھدایة کتاب الکفالة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۸

[2] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه کتاب الکفالة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۸

لکھ دیا جو کہ محمدی بیگم نے دعوی ال ماصہ عہ/کابنا سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے، لہٰذا اقرار کرتا ہوں کہ ١٨ فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ١٨ تاریخ تک مدعاعلیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں، بنابراں یہ حاضر ضامنی لکھ دی کہ سند ہو، المرقوم ٦ فروری ١٨٩٩ء/ مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضر کی اور کفالت نامہ مذکور لکھا اور اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیروکار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے، خالد نے بمواجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھا جس پر سرشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھ دیا کہ مقر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہوا کہ ناظر مدعاعلیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ٦ فروری ١٨٩٩ء اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کراکر محکمہ مال میں چلے گئے مدعاعلیہ بھی بعد داخل ہوجانے ضمانت کے عدالت سے چلا گیا لہٰذا تعمیل سپردگی سے معذور ہوں ٦ فروری ١٨٩٩ء اس پر حکم لکھا گیا کہ شامل مسل ہو، فروری ١٨٩٩ء اس کے سوا نہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوا نہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ١٨ فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعاعلیہ کو کفیل سے طلب کیا نہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا، ١٨ فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعوی نامکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی۔ جب مدعاعلیہ نے دیکھا کہ ١٨ فروری خالد کے منشائے کفالت تھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہوگئی اور اس وت تک کوئی مطالبہ نہ ہوا اپنے نفس کو قید ضمانت سے فارغ پاکر شہر سے فرار کیا ایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعاعلیہ پر قابو نہ رہا بحیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیا اب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتا ہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ١٨ فروری تک میں ضامن ہوں ابتدائے مدت کا نام نہیں کہ اب سے یا آج سے یا فلاں تاریخ سے ١٨ تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منتہی نہ ہوگی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہٰذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتا ہے مدعیہ نے جو فتوٰی لکھوایا اس میں بطور تقدم بالحفظ یہ بھی ذکر کیا ہے کہ مدعاعلیہ ١٨ فروری سے پہلے فرار ہوگئے حالانکہ اس وقت تک کچہری میں اس کا کوئی ذکر نہ کیا نہ ہرگز ١٨ سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالا نے ١٨ کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ١٨ فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامنی مدعاعلیہ کا یا زر دعوی کا مطالبہ پہنچتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس بھی بعد ١٨ فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل و باطل، تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو[٢] ہیں

(۱) کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جو اس کفالت نامہ کا اصل مفاد و مقصود مراد ہے۔
(۲) کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگر مستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۱۸ تک مدعاعلیہ شہر سے نہ بھاگیں گے مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں
ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بطور بعونہٖ تعالٰی حکم شرع واضح ہو **وباللہ التوفیق۔**

کفالت بالمال کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا بوجوہ:

وجہ اول: خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے تو ہندہ کے دین یا مال یا زر دعوی یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ و دین میں فرق بدیہی ہے۔ بزازیہ میں فرمایا:

الکفالۃ فی اللغۃ الضم وذٰلك قد یکون فی المطالبۃ لا فی اصل الدین کما فی الوکیل مع المؤکل الدین للمؤکل و المطالبۃ للوکیل [1]۔	کفالہ لغت میں ملانے کو کہتے ہیں اور وہ کبھی مطالبہ میں ہوتا ہے اصل دین میں نہیں ہوتا جیسے مؤکل کے ساتھ وکیل کہ دین مؤکل کے لئے ہے اور مطالبہ وکیل کے لئے۔(ت)

اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب و تقاضا اصل زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی واردو میں بھی اس معنی حقیقی پر عام محاورات میں علی وجہ الاشتہار دائر وسائر، اگرچہ اردو میں مجازاً آتے ہوئے مال کو بھی کہتے ہوں، مطالبہ یعنی مال قابل مطالبہ مگر معنی حقیقی یقیناً معروف و مشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہوسکتا اور اصول فقہ میں مبرہن ہوچکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقاً اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جب تک معنی اصلی بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں تو حاصل کلام خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۱۸ تک شہر سے بھاگ گئے تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب و تقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس سے دے

فی الھندیۃ عن المحیط نوادر ابن سماعۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ رجل لہ علی رجل	ہندیہ میں محیط کے حوالہ سے نوادر ابن سماعہ میں منقول امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ ایک شخص کا دوسرے کے ذمے کچھ مال

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۲

مال فقال رجل للطالب ضمنت لك ماعلى فلان انا اقبضه منه وادفعه اليك قال ليس على ہذا ضمان المال ان يدفعه من عنده انما ہذا على ان يتقاضاه و يدفعه اليه وعلى ہذا معانى كلام الناس[1] اھ ونحوه فى الخلاصة وغيرہا۔	قرض تھا،ایک تیسرے شخص نے طالب قرض سے کہا جو تمھارا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں، میں اس سے وصول کروں گا اور تجھے دے دوں گا،امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس پر مال کا ضمان لازم نہ ہوگا کہ اپنے پاس سے دے بلکہ یہ مدیون سے طلب کرکے طالب کو دے گا اور انہی معانی پر لوگوں کا کلام جاری ہے اھ اور خلاصہ وغیرہ میں اسی کی مثل ہے۔ (ت)

امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

قال للطالب ضمنت لك ماعلى فلان ان اقبضه منه وادفعه اليك ليس بكفالة ومعناه ان يتقاضاه له ويدفع اليه اذا قبضه منه على ہذا معانى كلام الناس[2] ۔اھ	کسی شخص نے طالب دین سے کہا جو تیرا فلاں پر قرض ہے میں تیرے لئے اس کا ضامن ہوں کہ اس سے وصول کرکے تجھے دوں گا تو یہ کفالہ نہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مدیون سے مطالبہ کرے گا اور جب اس سے وصول کرلے گا تو طالب قرض کو دے دیگا اور یہی مطلب ہوتا ہے لوگوں کے کلام کا اھ (ت)

نیز اس میں اور فتاوٰی انقرویہ وغیرہ میں ہے:

قال رجل لصاحب المال من ضمان كردم و پذيرفتم كه باغ ويرا فروشم وايں مال بتودہم اوقال ضمنت ان اخذ المال من تركته واوفيك لاتصح الكفالة وان ضمن على ان يبيع مال نفسه ويوفيه هذا المقدار صح ويجبر على البيع وقضاء المقدار[3] ۔	کسی شخص نے صاحب مال سے کہا میں ضامن ہوں اور میں اس بات کو قبول کرتا ہوں کہ میں مدیون کے باغ کو فروخت کروں گا اور یہ مال تجھے دوں گا، یا یوں کہا کہ میں اس کے ترکہ سے مال لے کر تجھ کو دوں گا، تو کفالہ صحیح نہیں اور اگر وہ ضامن بنا اس طور پر کہ اپنا مال بیچ کر قرض کی مقدار طالب قرض کو دے گا تو کفالہ صحیح ہے چنانچہ اس کو مال بیچنے اور قرض کی مقدار طالب کو دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ٢٥٧

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ٦/ ٨

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ٦/ ١٥۔١٤

وجہ دوم: اگر بالفرض حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنی مجاز ہی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ تک بھاگنے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور **اذا فات الشرط فات المشروط اصل کلی صریح** (جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے، یہ واضح کلیہ ہے۔ت)

وجہ سوم: یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان وتسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرار دادہ باتوں سے مطالبہ مال کا کوئی استحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہو کر تاحصول برات ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلا کفالت نہ ہوگی بالجملہ ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ کے بعد ضمانت شروع ہوگی، فتاوٰی خانیہ وظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

الکفالۃ متی جعلت الی اجل فانما یصیر کفیلا بعد انقضاء الاجل[1]۔	کفالت جب کسی مدت تک ٹھہرائی جائے تو اس مدت کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

کفل بنفسہ الی شھر یصیر کفیلا بعد شھر ھو الاصح[2]۔	اگر ایک ماہ تک کسی کا کفیلِ نفس بنا تو ماہ کے گزرنے کے بعد کفیل بنے گا اور وہی صحیح ہے(ت)۔

خانیہ میں ہے:

رجل کفل بنفس رجل الی ثلثۃ ایام ذکر فی الاصل انہ یصیر کفیلا بعد الایام الثلثۃ وقال الفقیہ ابو جعفر یصیر کفیلا فی الحال قال وذکر الایام الثلثۃ لتاخیر المطالبۃ الی ثلثۃ ایام،	ایک شخص دوسرے کے نفس کا تین دن تک ضامن ہوا تو اصل میں مذکور ہے کہ تین دن گزرنے کے بعد کفیل بنے گا، اور فقیہ ابوجعفر نے کہا کہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور ایام ثلثہ کا ذکر تین دن تک مطالبہ کی تاخیر کے لئے ہے اور فقیہ ابو جعفر کے

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکفالۃ الباب الثانی قلمی نسخہ ۲/ ۵۹

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نولکشور لکھنو، ص ۱۲۹

وغیرہ من المشائخ اخذوا بظاہر الکتاب وقالوا لا یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت الایام الثلثة قبل تسلیم النفس یصیر کفیلا ابدا لا یخرج عن الکفالة مالم یسلم[1] اھ مختصرا	علاوہ بعض دوسرے مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا اور کہا فی الحال کفیل نہیں بنے گا پھر جب تین دن گزر گئے اور وہ مکفول لہ کے حوالے اس شخص کو نہ کرسکا جسکا ضامن بنا تھا تو اب ہمیشہ کے لئے کفیل بن جائے گا اور جب تک اس شخص کو مکفول لہ کے حوالہ نہ کرے گا کفالت سے خارج نہ ہوگا اھ مختصرا (ت)

علامہ انقروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرماکر وغیرہ من المشائخ اخذ وا بظاہر الکتاب[2] (اور اس کے علاوہ دیگر مشائخ نے ظاہر کتاب کو اختیار کیا۔ت) یہ تحریر فرمایا: فی السراجیة وہو الاصح وبہ یفتی کذا فی السادس من التاتارخانیة وکذا فی التتمة[3]۔ اور سراجیہ میں ہے کہ وہی اصح ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے تاتارخانیہ اور تتمہ میں یوں ہی ہے۔(ت) وجیز کردری میں ہے:

کفل الی شہر طالبہ بعد شہر ویصیر کفیلا فی الحال وبہ یفتی[4] اھ ملتقطا	ایک ماہ تک کفیل بنا تو ایک ماہ کے بعد اس کا مطالبہ کرے اور فی الحال وہ کفیل بن جائے گا اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے اھ التقاط (ت)

جامع الفصولین اواخر فصل ثلثین میں ہے:

لو اراد ان یکفل بنفسه ولا یصیر کفیلا فالحیلة علی ظاہر الروایة ان یقول کفلت بنفسه الی شہر علی ان ابرأہ بعدہ	اگر کوئی چاہے کہ دوسرے کا کفیل بالنفس اس طرح بنے کہ درحقیقت کفیل نہ بنے تو ظاہر الروایۃ پر اس کا حیلہ یہ ہے کہ یوں کہے میں اس کے نفس کا ایک ماہ تک کفیل بنتا ہوں اس شرط پر کہ بعد میں اس سے بری ہوجاؤں گا

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۳

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالة دار الاشاعة العربیة افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] حواشی انقرویہ فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالة دار الاشاعة العربیة افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیة کتاب الکفالة نوع فی الفاظ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴

فلایصیر کفیلا اصلاللحال فی الظاہر اذ فیه یصیر کفیلا بعدہ فلما شرط ان یبرأ بعدہ بطل اصلا [1]۔	تو وہ بالکل فی الحال ہی کفیل نہ بنے گا کیونکہ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایک ماہ کے بعد اس نے کفیل بننا تھا مگر جب یہ شرط لگائی کہ ایک ماہ بعد اس سے بری ہوجائیگا تو کفالت اصلا باطل ہوگئی۔(ت)

ہامش انقروی میں ہے:

وہذا الحیلة انما تمشی علی ماقال عامة المشائخ انه لایصیر کفیلا فی الحال وہو ظاہر الروایة علی ماقاله ابوجعفر [2]۔	اور یہ حیلہ اس بنیاد پر جاری ہے کہ جو عام مشائخ نے کہا وہ فی الحال کفیل نہ ہوگا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، جیساکہ امام ابوجعفر نے کہا۔(ت)

اور پر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالۃ بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہوئی، خالد نے لکھا ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہٰذا میں حاضر ضامن ہوں، حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعا بغرض توثیق وتاکید اصل کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا کما فی الدر المختار عـــہ نہ بحال عدم متبوع موجود ہو لہٰذا ایسی صورت میں جب کفیل کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بری ہوجاتا ہے، درمختار میں ہے:

ان قال ان لم اٰت به غدا فهو ضامن لما علیه من المال فلم یواف به مع قدرته علیه ضمن المال لانه علق الکفالة بالمال بشرط متعارف فصح ولایبرؤ	اگر کہا کہ اگر میں اس کو کل نہ لے کرآیا تواس پر جو مال ہے میں اس کا ضامن ہوں گا اب قدرت کے باوجود اس نے مطلوب کو حاضر نہ کیا تو کفیل اس مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اس نے کفالت بالمال کو ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا جو لوگوں میں

عـــہ: فی الاصل بیاض واظنه الدر المختار ۱۲۔	(اصل میں بیاض ہے اور میرے گمان میں یہاں درمختار ہے ۱۲۔ ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۷

[2] حواشی فتاوٰی انقروی کتاب الکفالۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱ /۳۱۷

عن کفالۃ النفس لعدم التنافی فلو ابرأہ عنھا فلم یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطہ [1] اھ باختصار	متعارف ہے، تو یہ صحیح ہے، اور وہ کفالت نفس سے بھی بری نہ ہوگا کیونکہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں اگر طالب نے اس کو کفالت نفس سے بری کردیا حالانکہ اس نے مطلوب کو حاضر نہیں کیا، تو اب شرط فوت ہوجانے کی وجہ سے مال اس کے ذمہ واجب نہ رہا اھ اختصار۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

شرطہ ھو بقاء الکفالۃ بالنفس [2]۔	اس کی شرط یہ ہے کہ کفالت نفس باقی رہے۔(ت)

توظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۸ فروری تک نہ کفالت بالنفس تھی نہ بالمال، تو اس فرار پر کہ حصول کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو الزام مال محض خیال محال۔

وجہ چہارم: اس سے بھی تنزل کیجئے اور بفرض غلط یہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال کفالت مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالت بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۸ کے محقق ہو کفالت بالمال اول تھی اور وہ اس کے حال ثبوت میں فرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیال اول سے زیادہ فاسد وباطل ہے، ہمارے امام اعظم وامام ثالث رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہو اور اسی مجلس میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطل محض وبے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہنچے اور وہ قبول بھی کرلے جب بھی اصلا مفید نہیں، مبسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے:

اذا کفل رجل لرجل والمکفول لہ غائب فھو باطل وقال ابویوسف اخرا ھو جائز [3]۔	اگر کوئی شخص دوسرے کے لئے کفیل بنا درانحالیکہ مکفول لہ غائب ہے تو یہ کفالت باطل ہے اور امام ابویوسف نے دوسرے قول میں فرمایا کہ وہ جائز ہے۔(ت)

قدوری وہدایہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ الابقبول المکفول لہ	مکفول لہ کے مجلس میں قبول کئے بغیر کفالت

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکفالۃ جنس آخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۶۵

فی المجلس [1]	صحیح نہیں ہوتی۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

اذاکان المکفول لہ غائبا فھی باطلۃ خلافا للثانی [2]۔	جب مکفول لہ غائب ہو تو کفالت باطل ہے بخلاف امام ثانی (ابویوسف) کے۔(ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں ہے:

لاتصح الکفالۃ بلاقبول الطالب [3]۔	طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔(ت)

تنویر میں ہے:

لاتصح (الکفالۃ) بلا قبول الطالب فی مجلس العقد [4]	مجلس عقد میں طالب کے قبول کئے بغیر کفالت صحیح نہیں۔(ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے: الفتوی علی قولھما [5] (فتوی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

واختارہ الشیخ قاسم حیث نقل اختیار ذٰلك عن اھل الترجیح کالمحبوبی والنسفی وغیرھما و اقرہ الرملی وظاھر الھدایۃ ترجیحہ لتاخیرہ دلیلھما و علیہ المتون [6] اھ ومن المتقرران الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی قول الامام	اور شیخ قاسم نے اس کو اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اہل ترجیح سے اس کا مختار ہونا نقل کیا جیسے محبوبی اور نسفی وغیرہ اور خیر الدین رملی نے اس کو برقرار رکھا۔اور ظاہر ہدایہ سے بھی اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ صاحب ہدایہ نے طرفین کی دلیل کو مؤخر کیا اور اسی پر متون وارد ہیں الخ اور یہ بات مسلم ہے کہ فتوی میں جب اختلاف ہو تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الہدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۲۱

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ نوع آخر نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۶

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[5] درمختار بحوالہ طرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[6] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۹

مالم یکن الاختلاف اختلاف الزمان و ان المتون مقدمة علی غیرہا فترجح من وجھین ولیس من العلم .العدول عن الراجح الی المرجوح کماقد تبین فی محلہ	کے قول کے طرف رجوع لازم ہوتا ہے جبکہ وہ اختلاف اختلاف زمانہ کی وجہ سے نہ ہو،اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ متون غیر متون پر مقدم ہیں تو دو وجھوں سے اس کو ترجیح ہو گئی اور راجح سے مرجوح کی طرف عدول کرنا علم نہیں جیسا کہ اپنے محل میں واضح ہو چکا ہے۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

اذا قال لقوم اشھدوا انی کفیل فلان بنفس فلان والمکفول بہ حاضر و الطالب غائب فالکفالة باطلة فان قبل انسان عنہ توقف علی اجازتہ [1]۔	جب کسی نے قوم سے کہا کہ گواہ ہو جاؤ میں فلاں کے لئے فلاں کے نفس کا کفیل ہوں درانحالیکہ مکفول بہ حاضر اور مکفول لہ غائب ہو تو کفالہ باطل ہے اگر کسی شخص نے مکفول لہ کی طرف سے قبول کیا تو اس کی اجازت پر موقوف ہوگا۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

رکنہا الایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد وہو قول ابی یوسف اولاحتی ان الکفالة لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ اوقبول الاجنبی عنہ فی المجلس العقد امااذا لم یوجد شیئ من ذلك فلا تقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح [2] اھ مختصرا	کفالہ کا رکن امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا پہلا قول بھی یہی ہے یہاں تک کہ اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہوتا چاہے مال کا کفیل ہے یا نفس کا جب تک کہ مجلس عقد میں مکفول لہ یا اس کی طرف سے کوئی اجنبی شخص قبول نہ کرے اور جب ان دونوں میں سے کسی کی طرف سے قبول نہ پایا گیا تو کفالہ مجلس سے خارج پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب (مکفول لہ) کو اس کی خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو صحیح نہ ہوگا اھ اختصار (ت)

یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کرلی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لینے

---

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۲۵۲

کی توکیل ثابت ہو تو نافذاً واقع ہوئی ورنہ اجازت ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلاً کسی سے واقع نہ ہوا اور اسے قرار دیا مستقلہ کہ طے کفالت بالنفس من۔۔(عہ)۔۔۔لاجرم کفالت مال باطل محض ہوگئی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی بالجملہ تحقیقاً والزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع ومدفوع ہی رہی کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم وافتا مناسب، خلاصہ وانقرویہ میں ہے:

قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس [1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

تتمہ وصغری وانقرویہ میں ہے:

ھوا شبہ بعرفنا ونفتی انہ اذا مضت المدۃ المذکور فالقاضی یخرجہ عن الکفالۃ [2]۔	وہ ہمارے عرف کے زیادہ مناسب ہے اور ہم فتوٰی دیتے ہیں کہ جب مدت مذکورہ گزر جائے تو قاضی اس کو کفالہ سے خارج کردے۔(ت)

ذخیرہ میں ہے:

قال وکان القاضی الامام اجل ابو علی النسفی یقول قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس اذا کفلوا الی مدۃ یفھمون بضرب المدۃ انھم یطالبون فی المدۃ لا بعدھا [3] الخ	قاضی امام الاجل ابو علی النسفی فرماتے تھے کہ امام ابویوسف کا قول لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ لوگ جب کسی مدت تک کفیل بنیں تو وہ بیان مدت سے ہی سمجھتے ہیں کہ مدت کے اندر ان سے مطالبہ کیا جائے گا نہ کہ اس کے بعد الخ۔(ت)

خانیہ میں ہے:

قال شمس الائمۃ الحلوانی فی قول ابی یوسف انہ یطالب الکفیل بتسلیم النفس فی	شمس الائمہ حلوانی نے کہا امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ کفیل سے تسلیم نفس کا مطالبہ تین دن کا

عـــــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

---

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[2] حواشی فتاوٰی انقرویہ کتاب الکفالۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۱/ ۳۱۷

[3] ردالمحتار بحوالہ ذخیرہ کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

الایام الثلثة ولایطالب بعدھا اشبه بعرف الناس [1]۔	اندر کیا جائے گا بعد میں نہیں لوگوں کے عرف کے زیادہ مناسب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال شمس الائمة الحلوانی کان القاضی الامام الاستاذ ابو علی النسفی یقول کان الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل یعجبه هذه الروایة وکان یقول لو قال بالفارسیة پذیرفتم تن فلاں را تاده روز یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت المدة لایبقی کفیلا ولوقال پذیرفتم تن فلاں راده روز یصیر کفیلا بعد عشرة ایام.و بعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرفتم تن فلاں راتاده روز ولم یسلم حتی مضت عشرة ایام یرفع الکفیل الامر الی القاضی حتی یخرجه عن الکفالة وبه کان یفتی الشیخ الامام الاجل ظهیرا لدین ویحکی ذٰلك عن جدی رحمهم الله تعالٰی [2]۔	شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا قاضی امام استاذ ابوعلی نسفی فرمایا کرتے تھے کہ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل اس روایت کو پسند کرتے اور کہتے تھے کہ اگر کسی نے فارسی میں کہا کہ میں نے دس روز تک فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ فی الحال کفیل بن جائے گا اور جب مدت گزر جائے گی تو دس دن کے بعد وہ بطور کفیل باقی نہ رہے گا، اور اگر کہا کہ میں نے دس روز فلاں کے بدن کو قبول کیا تو وہ دس دن کے بعد بھی کفیل رہے گا، اور بعض مشائخ نے کہا اگر کسی نے یوں کہا کہ میں نے فلاں کے بدن کو دس دن تک قبول کیا پھر دس دن گزر گئے اور اس نے مطلوب کو طالب کے حوالہ نہ کیا تو اب کفیل یہ مطالبہ قاضی کے پاس لے جائے گا تاکہ وہ اس کو کفالت سے خارج کردے، اسی پر شیخ امام اجل ظہیر الدین فتوی دیتے تھے اور میرے جدامجد سے بھی یہی منقول ہے اللہ تعالٰی اب سب پر رحم فرمائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وینبغی عدم الفرق بین الصور الثلث فی زماننا (ای ماذا قال شهرا	**میں کہتاہوں** ہمارے زمانے میں ان تینوں صورتوں میں فرق نہیں ہونا چاہئے (یعنی اگر کہے ایک مہینہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۸۳

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ۳ /۵۸۴

اوالیٰ شهر اومن اليوم الى شهر) كما هو قول ابی یوسف و الحسن لان الناس اليوم لايقصدون بذٰلك الا توقيت الكفالة بالمدة وانه لاكفالة بعدها وقد تقدم ان مبنى الفاظ الكفالة على العرف والعادة ان لفظ عندی للامانة وصار فی العرف للكفالة بقرينة الدين وقالوا ان كلام كل عاقدوناذرٍ وحالف و واقف يحمل على عرفه سواء وافق عرف اللغة اولا[1] الخ	یا ایک مہینے تک یا آج سے ایک مہینے تک) جیسا کہ امام ابویوسف اور حسن کا قول ہے کیونکہ آج کل لوگ اس سے سوائے کفالت کی توقیت بالمدۃ کے کچھ ارادہ نہیں کرتے اور یہ کہ اس مدت کے بعد کفالہ نہیں اور تحقیق گزرچکا ہے کہ کفالہ کے الفاظ کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے۔ بیشک لفظ "عندی" امانت کے لئے ہے مگر عرف مین دین کے قرینہ کے ساتھ کفالہ کے لئے ہوگیا، اور فقہاء نے کہا کہ ہر عقد کرنے والے، نذر ماننے والے، قسم کھانے والے اور وقف کرنے والے کا کلام اس کے عرف پر محمول ہوگا چاہے اس کا عرف لغت کے موافق ہو یا نہ ہو الخ (ت)

وانا اقول: (اور میں کہتاہوں) حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کوان واقعات سے اصلا تعلق نہیں ان میں بلاشبہہ روایت امام ابی یوسف ہی پر افتاء وحکم واجب ہے اور اس کاخلاف محض باطل، آخر اس قدر پر تو اجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقینا دس روز تک یا فلاں تاریخ تک کفیل ہونے سے یہی معنی مقصود مراد مفہوم ومفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تک موقت کی جاتی ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہرگز ایجاب نہ کیا مگر کفالت موقتہ ممدود کا، اب اگر بعد اس وقت وحد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وہ کفالت ہے جس کا ایجاب ہرگز نہ ہوا، اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے محقق ہونا بالاجماع باطل ہے توظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر سائر سے اصلا تعلق نہیں اور یہاں اس پر حکم سراسر مقاصد شرع سے جدا و ظلم ہوگا، ولہذا علامہ محقق نے فرمایا:

ماذكره الامام النسفی مبنی على ان المذكور ظاهر الرواية انما هو حيث لاعرف اذ لا وجه للحكم على المتعاقدين بمالم يقصد أفليس قضاء بخلاف	امام نسفی نے جو ذکر فرمایا وہ اس بات پر مبنی ہے کہ مذکور ظاہر الروایۃ وہاں ہے جہاں کوئی عرف نہ ہو کیونکہ متعاقدین پر ان کے مقصود کے خلاف حکم کی کوئی وجہ نہیں چنانچہ یہ ظاہر الروایۃ کے

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

ظاہر الروایۃ[1]۔	خلاف قضاء نہ ہوئی۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں قطعاً حکم یہی ہے کہ ۱۸فروری کے بعد کفالت نہ رہی، بالجملہ اسی مسئلہ میں حق ناصح یہ ہے کہ کفالت بالنفس تو ۱۸فروری کو جزماً حتماً ختم ہوگئی اوراس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۸فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہو اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پر بھی اصلا احتمال ہی نہیں، غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقینا زائل اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل یہ حکم قضا ہے، رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا، اور یہی مقصود مفہوم ہوا اور ۱۸سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عنداللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کرسکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ وعذر نہ کرے اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عنداللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے، **ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم** (یہی تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی مالک توفیق ہے اور وہ سبحنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۱: ازرام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دائنہ کے لئے ایک مدت معہودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف ومعنی مقصود ومفہوم بین الناس اس مدت کے گزرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبہ مدعیہ کا ذمہ دار ہوں، اب کہ مدت گزرگئی اور کفالت بالنفس ختم ہوچکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتہی ہوگئی یا وہ باقی رہے گی **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہوگئی کہ یہ اسی کی تاکید وتوثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی۔

کیف وان زوال الموقتۃ بمرور الوقت زوال من کل وجہ کالابراء فیعمل فی الاصل والفرع	کیسے کفالت بالمال ختم نہ ہوگی حالانکہ وقت گزرنے کے سبب سے کفالت موقتہ کا زوال ہر لحاظ سے اس کا زوال ہوتا ہے جیسے کہ بری کرنا لہٰذا وہ

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ مطلب فی الکفالۃ الموقتۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۵

جمیعا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ کما بینه فی الفتح وغیرہ۔	اصل وفروع دونوں میں عمل کرے گا بخلاف مطلوب کی موت کے کیونکہ اس کی وضع فسخ کے لئے نہیں ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔(ت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لوابراہ عنها فلم یواف به ولم یجب المال لفقد شرطه وهو بقاء الکفالة بالنفس [1]۔	اگر طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کردیا اور اس نے ادائیگی نہیں کی تو کفیل پر مال دینا واجب نہ ہوگا کیونکہ اس کی شرط یعنی کفالت نفس کی بقاء فوت ہوگئی ہے۔(ت)

حواشی ہدایہ میں ہے:

الکفالة بالنفس اذا سقطت وجب ان یسقط ما یترتب علیها من الکفالة بالمال لکونها کالتاکید لها ولیست بمقصودة ولهذا لوابرأ الکفیل الطالب عن الکفالة بالنفس قبل انقضاء المدة بطلت الکفالة بالمال [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جب کفالت بالنفس ساقط ہوجائے تو اس پر مرتب ہونے والی کفالۃ بالمال کا ساقط ہونا واجب ہے کیونکہ وہ تو کفالت نفس کی تاکید ہے مقصود نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر مدت گزرنے سے پہلے طالب نے کفیل کو کفالت نفس سے بری کردیا کفالت بالمال باطل ہوجائے گی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۲: از ریاست رامپور مسئولہ حاجی نوشہ علی وشید اعلی وچھنو ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

(زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجراء ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر وخالد وحامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلا تعین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضامنان اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کریں گے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شامل مسل ہو کر مدیون سپرد ضامنان کیا گیا ہر سہ ضامنان

[1] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۱، ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۹

[2] حواشی ہدایہ کتاب الکفالۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۵

اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں، یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضامنان ان کے مکانوں پر آویزاں ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوئی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گزر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضامنان نے مدیون کو میعاد مقررہ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفاء ضامنان سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی ونیلامی جائداد ضامنان زرڈگری وصول کرایا جائے اور ضامنان کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنہوں نے بحلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکمنامہ مجریہ عدالت پر ہم نے ضامنان کو اسی شہر میں جو ان کا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکم قرقی مال احد الضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسب قاعدہ عمل میں آئی ہے قرقی سے دوسرے روز ہر سہ ضامنان نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجہ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضامنان اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجراء حکم عدالت کی نہیں ہوئی بہ یوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بہ مجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کر دیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضامنان وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بہ مساکن خودہا موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضامنان نے حلف نامہ جات اقراری خودہا عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضامنان سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضامنان کو بری کر دیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضمان پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معین ومقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضامنان سے ہوئی ہے ضامنان کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اسی حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معین ومقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاع یابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کارروائیات کے مقابلہ میں ضامنان بذریعہ حلف نامجات تاریخ اجراء حکمنامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خودہا وموجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر وثابت کرتے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً عائد وقائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی بمجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کر دیا اور وہ جیل خانہ دیوانی

میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا یہ کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہوسکتے ہیں۔

الجواب:

دارالافتاء نے بیان سائل پر اکتفانہ کرکے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سال ۱۳ جمادی الاولیٰ کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جن میں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلاً مسموع نہیں لہٰذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) گمن خاں چپراسی مظہر نے بتاریخ ۱۸ دسمبر تین قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو شیدا علی و نوشہ خان چسپاں کردئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی مظہر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کرکے روپوش ہوگئے ہیں۔ ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں۔

(۲) جلن خان گواہ تعمیل نوٹس ۴ جنوری عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا مظہر اپنے کھیتوں پر جارہا تھا چھنو خان کے مکان پر شیدا علی نوشہ خاں کھڑے تھے مظہر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گمن خاں نے کاغذ کچہری کے چھنو خاں کے مکان پر وہ لگادئے مظہر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچہری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں

(۳) چھمن گواہ تعمیل نوٹس کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز مظہر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰، ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھٹن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کررہے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گمن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگارہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا۔

(۴) شرف الدین، عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھٹن خاں نوشہ ولد بنن خان بیٹھے کنوین کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کررہے تھے بس مظہر نے اتنا ہی دیکھا۔

(۵) لڈن خاں، کوئی ۱۹ دن ہوئے گمن خاں سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کئی آدمی تھے مذکوری نے کہا نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکوری نے نوشہ خاں ولد بنن خان کے گھر پر آواز دی کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں

گئے ہوں گے یا قلعہ کو، مذکوری نے سمن نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کر دیا مظہر چلا گیا

(٦) امجد حسین، چپراسی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ١٩ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر رہے تھے نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکوری نے نوشہ خان کے مکان پر سمن چسپاں کر دیا، مظہر چلا گیا۔ مظہر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہنچانتا ہے، یہ تمام شہادتیں بوجوہ کثیرہ محض ناکافی ہیں۔

اول: چپراسی ١٨ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھمن اور امجد حسین جمعہ کے دن ١٨ دسمبر کو شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

ثانی: یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوئیں، حسب بیان چپراسی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن ہوئے تھے، امجد حسین ١٩ دن کہتا ہے لڈن اور شرف الدین کوئی ١٩ دن، اور اظہار چھمن کے باضابطہ نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں، جلن خاں ١٨ یا ١٩ کہتا ہے، یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔

ثالث: شہادت علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو، اور یہی صحیح ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی المیت اوالغائب الی تسمیۃ الشھود اسم المیت والغائب وابیھا وجدھا وعلی قول ابی یوسف ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابدمنہ کذا فی البحر الرائق[1]۔	میت اور غائب پر گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ میت اور غائب کا نام ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ذکر کریں اور امام ابویوسف کے قول پر صرف باپ کا ذکر کافی ہے ذخیرہ میں یوں مذکور ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، یونہی بحر الرائق میں ہے۔ (ت)

یہاں بیان ولدیت درکنار جلن خان، چھنو و شیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خاں کی نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہے، نہ مشہور علیہم کو ان کے سامنے لاکر شناخت کرائی گئی ایسی مجہول گواہی ناقص و مختل ہے۔

رابع: چپراسی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادت الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ٣/ ٤٥٩

خامس: وہ بھی مجہول، کون گواہ کس کی زبانی

سادس: کہتاہے کہ عورات ضامنان نے کہا تھا چپراسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں

سابع: عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی، گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے۔

ثامن: جلن کا بیان کہ چھنو خان کی نسبت کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے

تاسع: وہ بھی مجہول

عاشر: لڈن خان ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے

حادی عشر: وہ بھی مجہولہ بلکہ بظاہر نابالغہ بھی

ثانی عشر: امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے

ثالث عشر: مجہول، نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا

رابع عشر: شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ دسمبر کو ضامن شہر میں تھے خامس عشران چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں، چپراسی کے بیان میں چار یعنی ۴، ۵، ۶، ۷، جلن خاں کے بیان میں چار ۲، ۳، ۸، ۹۔ چھمن کے بیان میں دو ۲، ۱، شرف الدین کے بیان میں دو ۱۴، ۲۔ لڈن خان کے بیان میں تین ۱۱، ۱۰، ۲۔ امجد حسین کے بیان میں پانچ ۱۳، ۱۲، ۳، ۲، ۱۔

ان سب سے قطع نظر کرکے ان میں ایک شہادت بھی موافق دعوی نہیں، سماعی و مجہول بیان چپراسی کی تائید میں جتنی گواہیاں گزریں سب مدعا کے اجنبی وبے علاقہ ہیں، مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھا یا مضمون نوٹس پر اطلاع پائی اور وقت اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسب شرائط مطالبہ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کون سا حرف ہے، دو دن پہلے ۱۶ دسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن وامجد حسین میں ہے اس سے تو خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اس قدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اس دن ضامن شہر میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت شید اعلی جنگل کو بھینس لے گیا چھنو خان کو سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں، نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون

نوٹس پر اطلاع ہونے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجوبا مستلزم ہے کہ پلٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو، جاتے وقت چھنوں خان بابو سے ملا، نوشہ خاں قلعہ میں گیا، شیدا علی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا، اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں، کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے، اور جب یہ یقینا ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعوی کب ہوئیں لہٰذا واجب الرد ہیں، **الشہادۃ ان وافقت الدعوی قبلت والالا** (شہادت اگر دعوی کے موافق ہو تو قبول کی جائے گی ورنہ نہیں۔ت) اگر یہ کہئے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی واطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو، ہوا ہو سے دعوی ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو قاعدہ مستمرہ فقہیہ ہے کہ **الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق** (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہے نہ استحقاق کے لئے۔ت) پھر کس بنا پر اسے استحقاق مال کی حجت بناسکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانت نفس وضمانت مال دونوں سے مطلقاً بری ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۳ تا ۲۸۶: از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انوار حسین صاحب بذریعہ مرزا نظر بیگ سابق نائب تحصیلدار بریلی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) نالش بربنائے کفالت بالمال یعنی اس بناء پر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں؟

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حقیت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا خواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دے دیا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا؟

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلاف معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر نہج پر روپیہ دائن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں؟ صورت کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجری میں لیا

اور عمرو نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کا رہ جائے اور وہ ادانہ کرے تو جائداد مکفولہ سے نیلام جائداد مالک موضع وصول کرلے مجھ کو نیلام جائیداد مکفولہ میں کوئی عذر نہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمرو مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقیماندہ ذمگی زید عمرو نے قبل نیلام مالک موضع کو دے دیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلاف دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) کفالت بالمال تو یقیناً جائز ہے مگر شرعاً اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمرو پر ہوا سے اپنے ذمہ پر لے یوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمرو وبکر دونوں کے ذمہ پر ہو، نقایہ میں ہے:

الکفالۃ اما بالنفس وینعقد بکفلت بنفسہ او علی اوالی واما بالمال فتصح وان جھل المکفول بہ اذ صح دینہ نحو کفلت بمالك علیہ او بما یدرکك فی ھذا البیع[1] (ملتقطا)	کفالت یا تو نفس کی ہوتی ہے اور وہ ان لفظوں سے منعقد ہوتی ہے کہ میں اس کے نفس کا کفیل بنا ہوں یا وہ میرے ذمے یا کفالت مال کی ہوتی ہے اور یہ مال مکفول کے مجہول ہونے کے باوجود صحیح ہوجاتی ہے جبکہ دین صحیح ہو مثلاً یوں کہے کہ جو تیرا مال فلاں پر ہے یا جو تجھے اس بیع میں حاصل ہوگا میں اس کا ضامن ہوں۔ (ملتقطا) (ت)

یہ جدید ومحدث طریقہ کہ جہاں میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائداد کسی کے مطالبہ میں کہ اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے، اور اس جائداد کو مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور باآنکہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اس میں تصرفات انتقالیہ بیع وہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس لینے کا اختیار بتاتے ہیں یہ سب محض بدعت واختراع فی الشریعۃ وہوس باطل ومردود ہے شرعاً اس جائداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا، نہ مالک اس بیع وہبہ سے ممنوع ہوسکتا ہے شرع مطہر نے توثیق دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں، کفالت ورہن، اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ (النقایہ) کتاب الکفالۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴-۱۲۳

کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شے نہیں قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ت) بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

وصف سبحنه وتعالٰی الرهن بکونه مقبوضه فیقتضی ان یکون القبض شرطا فیه صیانة لخبره تعالٰی عن الخلف ولانه عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسه کسائر التبرعات ولو تعاقد اعلی ان یکون الرهن فی ید صاحبه لایجوز الرهن حتی لو هلك فی یده ولایسقط الدین ولو اراد المرتهن ان یقبضه من یده لیحبسه رهنا لیس له ذٰلك[2]۔	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رھن کو مقبوض ہونے کے ساتھ موصوف فرمایا تو یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ قبضہ رھن میں شرط ہو تاکہ اللہ تعالٰی کی خبر خلاف واقع ہونے محفوظ رہے اور اس لئے بھی کہ یہ تبرع واحسان ہے لہٰذا باقی تبرعات کی طرح یہ خود مفید حکم نہ ہوگا، اور اگر وہ دونوں اس شرط پر عقد کرے کہ رہن مالک قبضہ میں رہے گا تو رہن جائز نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر وہ مالک کے قبضہ میں ہلاک ہوگیا تو دین ساقط نہ ہوگا، اور اگر مرتہن ارادہ کرے کہ وہ اس کو مالک کے قبضہ سے لے کر بطور رہن محبوس رکھے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں۔(ت)

یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے بھی باطل تر ہے کفالت بے کفیل محال اور س عقد مخترع میں نفس جائداد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد اکثر یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا کہ کفالت ہے۔

ضم الذمة الی الذمة[3] کما فی البدائع والهدایة وعامة الکتب۔	ایک ذمہ کو دوسرے ذمہ کے ساتھ ملانا جیسا کہ بدائع، ہدایہ اور عام کتابوں میں ہے۔(ت)

یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو، ولہٰذا شرح جامع الصغیر لشیخ الاسلام علی الاسیجابی پھر فصول استروشی پھر فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا قال المطلوب للطالب ان لم اوافك	جب مطلوب طالب سے کہے کہ اگر میں کل اپنے آپ کو

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۸۳
[2] بدائع الصنائع کتاب الرهن فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۳۵
[3] الهدایه کتاب الکفالة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۲

بنفسی غد افعلی المال الذی تدعی فلم یواف لا یلزمه شیئ[1]۔	تیرے پاس حاضر نہ کروں تو جس مال کا تو دعوی کر رہا ہے وہ مجھ پر لازم ہوگا پھر وہ پانے آپ کو حاضر نہ کرے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی لازم نہ ہوگا۔(ت)

اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی اپ اپنا ضامن نہیں ہو سکتا لاجرم جائداد کو ذمہ دار مانتے ہیں، اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدیون کے عوض جائداد مستغرق کرنے میں ولہذا جائداد ہی پر مطالبہ عائد مانتے ہیں اور اس میں مالک کے تصرفات انتقال ناجائز جانتے ہیں لیکن جائداد جماد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تو کوئی خاص ذمہ رکھتا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العجماء جبار[2] رواه مالك واحمد والستة عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جانوروں پر ضمان نہیں۔ اس کا مالک، امام احمد اور ائمہ ستہ نے سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

نہ کہ سنگ وخشت، جامع الرموز میں ہے:

الذمة لغة العهد وشرعا محل عهد جری بینه وبین الله تعالٰی یوم المیثاق اووصف صاربه الانسان مکلفا[3]۔	ذمہ لغت میں عہد کو کہتے ہیں اور شرع میں اس عہد کے محل کو کہتے ہیں جو یوم میثاق کو اللہ تعالٰی اس محل عہد کے درمیان جاری ہوا یا اس وصف کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ انسان مکلّف ہوا۔ (ت)

تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے:

الذمة وصف شرعی به الاهلیة لوجوب ماله وعلیه وفسرها فخر الاسلام	ذمہ میں وہ وصف شرعی ہے جس کے ساتھ مالہ، اور ماعلیہ کی اہلیت وجوب حاصل ہوتی ہے اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۷

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۲۰۳ و کتاب الدیات ۲/ ۱۰۲۱ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۲۸

[3] جامع الرموز کتاب الکفالۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۱۹۵

بالنفس والرقبة لها عهد [1] ۔	فخر الاسلام نے اس کی تفسیریوں کی کہ وہ نفس یا وہ رقبہ جس کے لئے عہد ہے۔(ت)

تو جائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو و واجب الابطال، مخترعین اسے مکفول کہتے ہیں یہ بھی ان کا اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بینا وایضا ـــــــــ یہاں پانچ چیزیں ہیں، کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ، مکفول بمعنی مضمون بہ تو ذمہ کفیل ہے کما تقدم اٰنفا من کتب المذھب (جیسا کہ مذہب کی کتب کے حوالہ سے ابھی گزرا ہے۔ت) اور کفالت دیون میں مکفول منہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین، در مختار میں ہے:

الدائن مکفول والمدیون مکفول عنه والنفس او المال مکفول به ومن لزمته المطالبة کفیل [2] ۔	دائن کو مکفول لہ، مدیون کو مکفول عنہ، نفس یا مال کو مکفول بہ اور جس پر مطالبہ لازم ہے اس کو کفیل کہتے ہیں۔(ت)

ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلّف کے لئے ہوتا ہے تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں، لاجرم کفیل ہے،، اور یہ باطل و مستحیل ہے، اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادت اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے۔

اقول اولاً: یہ بداہۃ غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم (جیسے پہلے گزرا۔ت)

ثانیاً: ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے، صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول نہیں کرتا، کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو، تو وہ کفیل کیونکہ ہوسکتا ہے جامع الفصولین پھر بحرالرائق اور فتاوٰی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین اور فتاوٰی نسفی پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے:

قال دینك الذی علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقبضه لایصیر کفیلا مالم یتکلم	کسی نے دوسرے کو کہا کہ تیرا جو فلاں پر دین ہے وہ میں تجھے دوں گا، میں تیرے حوالے کروں گا، میں اس کو وصول کروں گا، تو ان الفاظ کے

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۹

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

بلفظ یدل علی الالتزام [1]۔	ساتھ وہ کفیل نہ ہوگا جب تک کوئی ایسا لفظ نہ بولے جو التزام پر دلالت کرتا ہو۔(ت)

ثالثًا: خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی، جو شخص اپنے خواہ پرائے دین میں جائداد کا استغراق کردے اور دائن ڈگری پاکر مطالبہ میں اسے حبس کرانا چاہے ہر گز نہ سنیں گے، اور یہی جواب دیا جائے گا کہ جائداد ذمہ دار ہے، اس کی ذات ذمہ دار نہیں صاف تصریح ہوئی کہ وہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔

رابعًا: بالفرض اگر یوں ہی کہتا کہ تیرا دین عمرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہوں جب بھی جائداد بلا شبہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع وہبہ سے کوئی نہ روک سکتا، کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں **کما اوضحناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوی میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کہ کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زر کفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں، وجیز امام کردری پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

ضمن الفاعلی ان یؤدیھا من ثمن الدار ہذہ فلو یبیعا لاضمان علی الکفیل ولا یلزمہ بیع الدار [2]۔	کوئی شخص ہزار روپے کا ضامن بنا اس شرط پر کہ وہ اس گھر کے ثمن سے ہزار روپے ادا کرے گا پھر اس نے وہ گھر فروخت نہ کیا تو کفیل پر ضمان لازم نہیں اور نہ ہی گھر کو فروخت کرنا اس پر لازم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ کفالت واستغراق سراسر بطلان میں مستغرق و باطل وبے اثر وخلاف حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلا قائم نہیں ہوسکتا، اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات وجائداد دونوں آزاد۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ہر گز قابل سماعت نہیں ہم جواب سوال اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض تو باطل بنیاد پر دعوی بھی باطل اور دعوی باطلہ مسموع نہیں، نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۷

[2] بحر الرائق کتاب الکفالۃ الباب الثانی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۱۸

درمختار میں ہے:

(یسأل القاضی المدعی علیه)عن الدعوی فیقول انه ادعی علیك کذا فماذا تقول(بعد صحتها والا)تصدر صحیحة(لا)یسأل لعدم وجوب جوابه [1] والله تعالٰی اعلم۔	قاضی مدعاعلیہ سے دعوی کے بارے یوں سوال کرے گا اور کہے گا کہ اس شخص نے تجھ پر یہ دعوی کیا ہے تو اس کے بارے میں کیا کہتا ہے بشرطیکہ دعوی صحیح ہواور اگر دعوی صحیح طور پر دائر نہ ہو تو قاضی سوال نہیں کریگا کیونکہ اس کا جواب دینا مدعاعلیہ پر واجب نہیں، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ (ت)

(۳) ہم ثابت کر آئے کہ یہ کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہا نہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضا دی اگرچہ بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر کفول لہ پہلے رضا دے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلا استحقاق نہیں، ردالمحتار میں ہے:

لوکفل بامر المطلوب بشرط قوله عنی اوعلی انه علی رجع علیه بما ضمن وان ادی ارد أعینی وان بغیره لا یرجع لتبرعه الااذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیة [2] (ملتقطا)	اگر مطلوب کے امر سے کفیل بنا بشرطیکہ مطلوب نے کہا ہو کہ تو میری طرف سے ضامن بن یا اس شرط پر کہ وہ مجھ پر لازم الادا ہے تو ادا کردہ دین کے بارے میں مطلوب مطلوب کی طرف رجوع کرے گا اگرچہ اس نے مکفول بہ سے بدتر ادا کیا ہو (عینی) اور اگر مطلوب کے امر کے بغیر کفیل بنا ہو تو رجوع نہیں کرے گا، کیونکہ یہ اس کی طرف سے تبرع واحسان ہے، مگر جب مجلس کے اندر ہی مطلوب نے اس کو کفالت کی اجازت دے دی ہو تو رجوع کرسکتا ہے، (عمادیہ) (ملتقطا)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای قبل قبول الطالب فلو کفل بحضر تهما بلاامره فرضی	یعنی طالب کے قبول کرنے سے پہلے (مطلوب نے اجازت دی ہو) اگر وہ دونوں (طالب و

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

المطلوب اولا رجع ولو رضی الطالب اولا لالتمام العقد بہ فلا یتغیر قھستانی عن الخانیۃ وقد منھا ایضا عن السراج[1]۔	مطلوب) کی موجودگی میں بلاامر مطلوب کفیل بنا پھر مطلوب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو کفیل اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر طالب نے پہلے رضامندی ظاہر کردی تو رجوع نہیں کرسکتا کیونکہ طالب کی رضامندی کے ساتھ عقد تمام ہوگیا اب اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی (قہستانی بحوالہ خانیہ) ہم سراج کے حوالے سے بھی اس کا ذکر پہلے کرچکے ہیں۔(ت)

اقول: (میں کہتاہوں) ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عندالتحقیق قول طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبول طالب ناتمام مانتے ہیں قول مفتی بہ پر جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضانہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرعا واقع ہولیا تواب متغیر نہ ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

الکفالۃ رکنھا الایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسف اولا ثم رجع وقال تتم بالکفیل وحدہ کذا فی المحیط، ورضا الطالب لیس بشرط عندہ وھو الاصح کذا فی الکافی وھو الاظھر کذا فی فتح القدیر وفی البزازیۃ وعلیہ الفتوی کذا فی النھر الفائق، وھکذا فی البحر الرائق[2]۔	کفالت کارکن طرفین کے نزدیک ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف کا پہلا قول بھی یہی ہے پھر آپ نے اس سے رجوع کرتے ہوئے کہا کہ اکیلے کفیل سے ہی کفالت تام ہوجاتی ہے یونہی محیط میں ہے، اور طالب کی رضامندی شرط نہیں ہے، امام ابویوسف کے نزدیک اور وہی اصح ہے (کافی) اور ہی اظہر ہے (فتح القدیر) اور بزازیہ میں ہے کہ اس پر فتوی ہے، اسی طرح النہر الفائق اور البحرالرائق میں ہے۔(ت)

توثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جوامر وحکم مدیون کے بعد ہو ولہذا جملہ متون وعامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار کھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقی وغرر میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

وان کفل بلا امرہ لایرجع علیه وان جازھا بعد العلم [1] اھ وھذا باطلاقه یشمل العلم فی المجلس و بعدہ۔	اگر کوئی حکم مطلوب کے بغیر کفیل بنا تو وہ مطلوب کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ مطلوب نے علم ہونے پر کفالت کی اجازت دے دی ہو اھ یہ عبارت اپنے اطلاق کے ساتھ دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی مجلس کے اندر علم ہوا ہو یا بعد میں۔(ت)

کافی امام نسفی میں ہے:

شل ما اذا اکفل بغیر امرہ ثم اجازھا لان الکفالة لزمته ونفذت علیه غیر موجبة للرجوع فلا تنقلب موجبة له [2]۔	یہ حکم مطلوب کے بغیر کفیل بننے اور بعد میں مطلوب کے اجازت دینے کو شامل ہے کیونکہ کفالت اس حال میں لازم و نافذ ہوچکی ہے کہ وہ غیر موجب رجوع ہے لہذا اب موجب رجوع ہونے کی طرف منقلب نہیں ہوگی۔(ت)

اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل کفل عن رجل بمال بغیرہ امرہ ثم اجاز المکفول عنه الکفالة فادی الکفیل شیئا لایرجع علی المکفول عنه [3]۔	ایک شخص بغیر حکم مطلوب کے اس کی طرف سے کفیل بالمال بنا پھر مکفول عنہ یعنی مطلوب نے کفالت کی اجازت دے دی اور کفیل نے اس کی طرف سے قرض ادا کردیا تو مکفول عنہ کی طرف رجوع نہیں کریگا۔(ت)

بہر حال یہ حکم کفالت واقعیہ کا ہے یہاں کہ شرعا کفالت نہیں کچھ مہمل و باطل لفاظ ہیں جن کا نام کفالت واستغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعوی نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر کیا تھا مثلاً فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہوجا یا اس میں میری ضمانت کرلے، اور اسی نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو نہ کہا جب توظاہر ہے کہ یہ اس نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہوں نہ کہا جب توظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں، اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے قضائے دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار ملتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

---

[1] غرر الاحکام متن الدرر الحکام کتاب الکفالۃ مطبعہ احمد کامل مصر ٢/ ٣٠٢

[2] بحر الرائق کتاب الکفالۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ٦/ ٢٢٤

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الکفالۃ نولکشور لکھنؤ ٣/ ٥٨٧

ان کفل بامرہ رجع بما ادی علیہ لانہ قضی دینہ بامرہ[1]۔	اگر کوئی مکفول عنہ کے امر سے کفیل بنا تو اس کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ اس نے مکفول عنہ کا قرض اس کے حکم سے ادا کیا۔(ت)

ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا۔

ومن دفع شیئا ظانا انہ علیہ ولم یکن علیہ کان لہ ان یستردہ[2] کما فی العقود الدریۃ وغیرھا۔	اگر کسی نے دسرے کو یہ سمجھتے ہوئے کوئی شے دی کہ وہ دینا اس پر لازم ہے حالانکہ وہ لازم نہ تھی تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

مدیون پر اس کو کوئی دعوی نہیں پہنچتا، فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ ولیس بخلط لہ ادفع لایرجع الف درہم فدفع المامور لایرجع بہ علی الامر لکن یرجع بہ علی القابض لانہ لم یدفع الیہ علی وجہ یجوز دفعہ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص نے دوسرے کو جو اس کا شریک نہیں ہے کہا کہ فلاں کو ہزار روپے دے دو اور اس نے دے دئے تو آمر کی طرف رجوع نہیں کر سکتا البتہ قابض کی طرف رجوع کر سکتا ہے کیونکہ مامور نے اس کو ایسی وجہ سے ہزار روپے نہیں دئے جس وجہ سے دینے جائز ہوں اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔(ت)

(۴) اگر یہ کفالت صحیح وجائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمرو اس رقم کو زید سے واپس لے سکتا ہے نیلام نہ ہونے دیتا، اور روپیہ ادا کر دینا کوئی خلاف قضیہ کفالت نہیں بلکہ عین اس کا مقتضا ہے کفالت توثیق دین کے لئے ہوتی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائداد کفیل کے لئے، رہن کے تو عین سے حق مرتہن متعلق ہوتا ہے، ولہذا اس میں اور سب دائنوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے غرض یہی ہے کہ راہن سے دین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہو جائے پھر اگر دین کی میعاد

---

[1] الہدایہ کتاب الکفالہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۱۹

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ۱/ ۹۱ و کتاب الوقف ۱/ ۲۲۷ و کتاب المداینات ۲/ ۲۴۹ ارگ بازار قندہار افغانستان

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن بادائے دین بلاشک فک رہن کراسکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کرآئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعوی پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وارد حال بریلی

کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کرکے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدنیتی سے سرکاری روپیہ ادانہیں کیااور جائدا دمکفولہ کے نیلام کی درخواست دے دی عمرو نے مجبور ہو کر بعذر داری منجملہ (الہ ما مل ۰۲) زر ضمانت کہ بموجب پرتہ (ماسہ عہ) داخل سرکار کرکے جائداد مکفولہ اپنے نیلام سے واگزاشت کرالی اور عمرو کے نام عدالت دیونی میں زر ضمانت ادا کردہ (صماله /) کی بر بنائے ضمانت نامہ مصدقہ وداخلہ سرکاری کی نالش رجوع کردی زید مدعاعلیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ قانون مجریہ اور عملدرآمد ریاست یہ ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعاً جائز ہوسکتا ہے یا کیا؟ اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت درمختار:

ولو امر السلطان بعدم سماع الدعوی فلا تسمع الدعوی[1] الخ	اگر سلطان دعوی کی عدم سماعت کا حکم دے تو دعوی نہیں سنا جائے گا الخ۔ (ت) ممنوع ہے کیا؟

الجواب:

کفالت بالمال بلاشبہہ شرعاً جائز ہے مدعاعلیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو مستاجری رائجہ دیہات کا شرعاً ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں، درمختار میں ہے:

صح ضمان الخراج وکذا النوائب ولو بغی حق کجبایات زماننا فانها فی المطالبة کالدیون بل فوقها حتی لو اخذت	صحیح ہے ضمان اخراج کا اور اسی طرح نوائب (حکام کی طرف سے مقررہ کردہ اموال) کا اگرچہ وہ نوائب ناحق ہو۔ جیسے ہمارے زمانے کے مظالم سلطانی، کیونکہ یہ مطالبہ میں دیون کی مثل ہیں بلکہ اس سے

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۸۱/۲

من الاکار فله الرجوع علی مالك الارض و علیه الفتوی[1]۔	فوق ہیں یہاں تک کہ اگر کاشتکار سے ایسے اموال جبرا لئے جائیں تو وہ مالک زمین کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسی پر فتوی ہے۔(ت)

اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورت سوال میں ہے تو بلاشبہہ کفیل کو اصیل سے وصول کرنے کا اختیار ہے تنویر الابصار میں ہے:

لوکفل بامرہ رجع بما ادی وان بغیرہ لاولا یطالب کفیل بمال قبل ان یؤدی عنه[2] (ملتقط)	اگر کوئی مطلوب کے حکم سے کفیل بنا تو قرض ادا کرکے مطلوب کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اگر اس کے حکم کے بغیر کفیل بنا تو رجوع نہیں کرسکتا اور مطلوب کی طرف سے قرض ادا کرنے سے پہلے کفیل اس سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔(ملتقطا)۔(ت)

اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعوی کرکے زرمدخلہ وصول کرنے کا اختیار ہے تو اصل منشأ سوال کہ حکم شرع و قانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از مراد آباد محلّہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست پور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع و رہن و ہبہ نہیں کرسکتا زید نے اپنی جائداد کا جو ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھ دیا اور قبضہ موھوب لہ کا کرا دیا اور ہبہ نامہ میں یہ لکھ دیا کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موھوب لہ رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کرلیا تو یہ ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موھوب لہ اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہبہ جائز و نافذ تام ہوگیا لصدورھا عن اھلھا فی محلھا وقد تمت بلحوق القبض (کیونکہ وہ ہبہ کے اہل سے ہبہ کے محل میں صادر ہوا اور قبضہ لاحق ہونے کے ساتھ وہ تام ہوگیا۔ت) اور وہ کفالت اس کے لئے مانع نہیں ہوسکتی کہ جائداد کی کفالت اصلا کوئی چیز نہیں جب تک جائداد کسی دین موجود کے مقابل قبضہ دین میں نہ دی جائے تو جائداد جسے لوگ آج کل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعاً آزاد محض ہوتی ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردمختار شرح تنویر الابصار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴

مالک کو اس میں ہر گونہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہبہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل وبے اثر رہتی ہے اور موہوب لہ کا اس ہبہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطور خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہبہ قطعاً صحیح وتام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موہوب لہ دونوں مطالبہ ریاست بری وآزاد، توضیح مقام یہ ہے کہ شرح میں کفالت کے معنی ہیں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملادینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیسا کہ قول اصح ہے، ہدایہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

قیل ھی ضم الذمة الی الذمة فی المطالبة و قیل فی الدین والاول اصح [1] انتھی، اقول والمراد اعم عن مطالبة حاضرة کما علی مدیون او متوقعة کما فی ضمان الدرك وغیرہ ففی الھندیة عن محیط السرخسی لو قال لرجل مابایعت فلانا فھو علی جاز لانه اضاف الکفالة الی سبب وھو مبایعة والکفالة المضافة الی وقت فی المستقبل جائزة لتعامل الناس فی ذلك [2] اھ وفیھا عن الکافی یصح تعلیق الکفالة بالشروط کمالو قال مابایعت فلانا فعلی وما ذاب لك علیه فعلی وما غصبك فلان فعلی [3]۔	ایک قول یہ ہے کہ کفالت دین میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ مطالبہ میں ذمہ کو ذمہ کے ساتھ ملانا ہے اور قول اول زیادہ صحیح ہے انتہی میں کہتا ہوں مطالبہ سے مراد عام ہے چاہے حاضر ہو جیسے مدیون پر یا متوقع ہو جیسے ضمان درک وغیرہ میں، ہندیہ میں محیط سرخسی کے حوالے سے ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے کہا جو تم فلان پر بیچوں وہ مجھ پر لازم ہے تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ کفالہ کی سبب وجوب یعنی مبایعت کی طرف اضافت ہے اور وہ کفالہ جس کو مستقبل کے کسی وقت کی طرف منسوب کیا جائے جائز ہوتا ہے اس لئے کہ اس میں لوگوں کا تعامل جاری ہے اھ، اور اسی میں کافی سے منقول ہے کہ کفالہ کو شروط کے ساتھ معلق کرنا صحیح ہے جیسے کہا کہ جو تم فلاں کے ساتھ بیع کرو وہ مجھ پر لازم ہے اور تیرا جو حق اس پر ثابت ہو وہ مجھ پر لازم ہے اور جو فلاں نے تجھ سے غصب کیا وہ مجھ پر لازم ہے۔ (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۶

[3] فتاوی ہندیہ کتاب الکفالۃ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۷۱

اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمرو کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغرق کر دینا بے معنی ہے عمرو خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں، اور اگر نہیں تو وہ کون سا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہوا اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمرو پر ہوا نہ کہ جائداد پر ولہذا اگر کفیل کی کلی جائداد تلف ہو جائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئے گا مطالبہ ممکن ہوگا بخلاف رہن اس میں حق مرتہن خاص شے مرہون سے متعلق ہو جاتا ہے حتی کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو بقدر اس کی قیمت کے دین ساقط ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر روز قبضہ مرتہن مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شے مرہون اس کے پاس تلف ہو گئی تو کل دین جاتا رہا، ذخیرہ وہندیہ میں ہے:

اذا ھلك المرھون فی ید المرتھن او فی ید العدل ینظر الی قیمتہ یوم القبض والی الدین فان کانت قیمتہ مثل الدین سقط الدین بھلاکہ وان کانت قیمتہ اکثر من الدین سقط الدین وھو فی الفضل امین وان کانت قیمتہ اقل من من الدین سقط من الدین قدر قیمۃ الرھن ویرجع المرتھن علی الراھن بفضل الدین[1]۔	اگر مرہون شے مرتہن کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی یا عادل کے قبضہ میں ہلاک ہو گئی تو قبضہ والے دین اس شی کی قیمت اور قرض کو دیکھا جائے گا اگر اس شے کی قیمت قض کی مثل ہے تو قرض ساقط ہو جائے گا اور اگر قیمت زیادہ ہے تو قرض ساقط ہو جائے گا جو زائد ہے اس میں مرتہن امین ہوگا، اور قیمت قرض سے کم ہے مرہون کی قیمت کے برابر ساقط ہو جائے گا اور باقی قرض کے سلسلہ میں مرتہن راہن کی طرف رجوع کرے گا۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شے دائن کے قبضہ میں دے دی جائے اور دین موجود و متحقق ہو نہ کہ موہوم و متوقع،

قال اللہ تعالٰی "فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن قبضہ کیا ہوا۔ ت)

کافی وہندیہ میں ہے:

لایصح الرہن الابدین واجب ظاھرا وباطنا او ظاھرا، فامابدین معدوم فلایصح[3]۔	نہیں صحیح ہے رہن مگر دین واجب کے بدلے میں، چاہے ظاہر ہو یا باطن لیکن دین موہوم کے بدلے میں صحیح نہیں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۴۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرھن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۱

اس کفالت واستغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دی جاتی اور بارہا کوئی دین بالفصل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکہ اس کے حق میں محبوس ہو سکتی ہے۔اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجور وممنوع کردیں حالانکہ خود وہ مدیون بھی نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلا وجود ہی نہیں اور شرعا خود مدیون بھی، اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق ومحیط ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتی کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اگر قرضخواہ نالشی ہو (کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے) اور قاضی ان کی نالش قبول کرکے ممانعت کا حکم قطعی صادر کردے جب بھی وہ اصلاً ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہوجائے گا بیع کرے گا بک جائے گا، وقف کرے گا وقف ہوجائے گا، قرضخواہوں کو جو حق حبس وملازمت کا دیا گیا وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشئ ہیں کسی کے روکے نہ رکیں گے، اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہوسکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو محیط ہوجائے مگر کب؟ جبکہ بعد نالش قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کردے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ پائے اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی طرح سے ممنوع نہیں۔ محیط وعالمگیری میں ہے:

الحجر بسبب الدین ان یرکب الرجل دیون تستغرق امواله اوتزید علی مواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لایهب ماله ولا یتصدق به ولا یقربه لغریم آخر فالقاضی یحجر علی عندهما، وعند ابی حنیفة لا یحجر علیه ولا یعمل حجره حتی تصح منه هذا التصرفات کذا فی المحیط. ویصح هذا الحجر عندهما وان کان المحجور المدیون غائب ولکن یشترط علم	قرض کی وجہ سے تصرفات سے روک دینا اس طرح ہے کہ کسی شخص پر اتنے قرض ہوگئے جو اس کے تمام اموال کو محیط ہوگئے یا اس سے زیادہ ہوگئے اور قرضخواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ وہ اس پر پابندی لگائے تاکہ وہ اپنے مال کو نہ تو ہبہ کرے، نہ اس کو صدقہ کرے اور نہ ہی اس کے بارے میں کسی اور قرضخواہ کا اقرار کرے تو صاحبین کے نزدیک قاضی اس پر پابندی عائد کردے گا جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پابندی عائد نہیں کرے گا اور نہ اس پر پابندی نافذ ہوگی یہاں تک کہ اس کے تصرفات مذکورہ صحیح ہوں گے اور صاحبین کے نزدیک اس پر یہ پابندی صحیح ہوگی اگرچہ وہ مدیون جس پر پابندی لگائی گئی غائب ہو بشرطیکہ پابندی کے بعد اس کو

المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ بع الحجر قبل العلم به یکون صحیحا عندہما [1]۔	پابندی کا علم ہوجائے یہاں تک پابندی کے بعد اس کا علم ہونے سے پہلے جو تصرف اس نے کیا وہ صاحبین کے نزدیک صحیح ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

انما یحجر بعد الحکم لاقبله [2]۔	بیشک مدیون قاضی کے فیصلہ کے بعد ہی تصرفات سے پابند ہوگا اس سے پہلے نہیں۔(ت)

یہاں دین محیط ہونا درکنار یہ شخص خود مدیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی نہیں، نہ نالش نہ قضاء اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا، یہ محض باطل وبے اصل وبے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں تھا کہ زید پر مطالبہ ہو یا ہوگا، اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد مکفول کررہا ہے یہاں کون سادوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملایا گیا ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلا قابل التفات نہیں ہوسکتی، اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے، کہ آج کل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہوگئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں، پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائیداد دوسرے کو ہبہ کردینا قطعاً صحیح ونافذ تھا اور مکفول ہونے سے اس پر اصلا کوئی اثر نہ آسکتا تھا، رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے،

اولاً: شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلاشرط خود لازم ہوجاتی ہے نہ اس کے ملائم ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے، ایسی شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی خود باطل ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لایقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لاحدہما الخ [3]۔	فساد عقد میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو جس کا تقاضہ عقد نہیں کرتا اور نہ ہی وہ عقد کے ملائم ہے اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو الخ(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحجر مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۹۱۸

[3] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیه العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط و معنی کونه ملائما ان یؤکد موجب العقد کذا فی الذخیرة[1]۔	بحر میں کہا کہ شرط کے مقتضائے عقد ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ شرط ایسی ہو کہ شرط لگائے بغیر ہی عقد کے ساتھ واجب ہو اور اس کے ملائم ہونے کا معنی یہ ہے کہ وہ موجب عقد کی تاکید کرے، یوں ہی ذخیرہ میں ہے۔(ت)

تنویر البصار ودرمختار وردالمحتار میں ہے:

مایصح ولایبطل بالشرط الفاسد و یلغوا الشرط القرض والهبة والصدقة[2] الخ۔	وہ جو صحیح ہوتی ہے اور شرط فاسد کے ساتھ باطل نہیں ہوتی بلکہ خود شرط لغو ہوجاتی ہے وہ قرض، ہبہ اور صدقہ ہے۔ الخ۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

الهبه والصدقة والکتابة بشرط متعارف وغیر متعارف یصح ویبطل الشرط[3]۔	ہبہ، صدقہ اور کتابت شرط متعارف اور غیر متعارف کے ساتھ صحیح ہوجاتے ہیں اور شرط باطل ہوجاتی ہے۔(ت)

موہوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اس شرط کا پابند نہ کرے گا ورنہ شرط باطل نہ ہوئی بلکہ موثر ٹھہری حالانکہ باطل ولغو تھی، شرح اسبیجابی وفتاوٰی تاتارخانیہ وفتاوٰی عالمگیرہ میں ہے:

رجل وهب لرجل هبة اوتصدق علیه بصدقة علی ان یرد علی ثلثها اوربعها اوبعضها فالهبة جائزة ولایرد علیه ولایعوضه بشیئ[4]۔	کسی شخص نے دوسرے کو کوئی چیز ہبہ کی یا صدقہ دیا اس شرط پر کہ وہ اس کا تیسرا حصہ یا چوتھا حصہ یا بعض حصہ اس کو لوٹادے گا تو ہبہ جائز ہے اور موہوب لہ واہب کو واپس نہیں لوٹائے گا اور نہ ہی اسکے عوض کوئی شے دے گا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار باب السلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸، درمختار شرح تنویر الابصار باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبه الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

ثانیًا: اس سب سے قطع نظر ہو تو اس نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہو اپنے ذمہ لینا اور ہم سب ثابت کر آئے کہ ایسی صورت میں جائداد پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے ایک امر محال کو قبول کیا قبول نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات کو قبول کرتا تو باطل ہی ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہو جاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات و جائداد دونوں ایسے مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں کہ بلکہ اگر فرض کرلیں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود وہ مطالبہ کہ واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ) خود مستقل طور پر قبول کیا ہو تاجب بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل وبے اثر رہتی، ہم اگرچہ ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارہ مزارعان میں رہتی ہے اور توفیر ٹھیکہ میں دی جاتی ہے قطعہ باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاك الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج المؤظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا[1]۔	اجارہ جب اعیان کو قصداً ہلاک کرنے پر واقع ہو تو وہ باطل واقع ہوتا ہے چنانچہ اجارہ مذکورہ جب کھیتی سے انتفاع پر واقع نہیں ہوا بلکہ اخراج کی دونوں نوعوں یعنی مؤظف ومقاسمہ سے حاصل ہونے والی پیداوار لینے اور کچھ درختوں پر ہے بصورت رائج درہموں کے اس کی اجرت لینے پر واقع ہوا ہے اور یہ ہمارے ائمہ کے اجماع سے باطل ہے اور ہمارے علماء اس پر متفق ہیں کہ باطل کا کوئی حکم نہیں۔ (ت)

توجس سال جس قدر نشتت ہو اسی قدر تمام وکمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے گھر سے اس کا پورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت کے لئے رکھی جاتی ہے جب مستاجر سے پوری رقم مقررہ شدہ وصول نہ ہو اگر مستاجر خود نہ کھا گیا بلکہ فی الواقع کمی ہوئی تو اس سے پوری رقم لینی حرام ہے اور مطالبہ باطل، مگر از انجا کہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے، اور قانونی طور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵-۱۳۶

سے اس پر جبر پہنچتا ہے اور بزور کچہری حاصل کر لیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

مالیس بحق کالجبایات الموظفۃ فی زماننا علی الخیاط والصباغ وغیرھما للسلطانی فی کل یوم اوشھر فانما ظلم، اختلف المشائخ فی صحۃ الکفالۃ بھا کذا فی فتح القدیر، والفتوی علی الصحۃ کذا فی شرح الوقایہ، وممن یمیل الی الصحۃ الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الھدایۃ، وقال النسفی وشمس الائمہ قاضیخاں مثل قول فخر الاسلام لانھا فی حق توجہ المطالبۃ فوق سائر الدیون والعبرۃ فی باب الکفالۃ للمطالبۃ لانھا شرعت لالتزامھا ولھذا قلنا ان من قام بتوزیغ ھذہ النوائب بالقسط یؤجر وان کان الاٰخذ فی الاخذ ظالما کذا فی المعراج الدرایۃ[1]۔

وہ جو ناحق ہے جیسے ہمارے زمانے میں بادشاہ کے لئے درزی اور رنگساز وغیرہ پر یومیہ ماہانہ مقرر کردہ ٹیکس یہ ظلم ہے، ان کی کفالت صحیح ہونے کے بارے میں ہمارے مشائخ میں اختلاف ہے، فتح القدیر میں یوں ہی ہے اور فتوٰی صحیح ہونے پر ہے، شرح وقایہ میں یونہی ہے اور صحت کی طرف میلان کرنے والوں میں سے شیخ الاسلام علی البزدوی ہیں یونہی ہدایہ میں ہے نسفی، شمس الائمہ اور قاضی خاں نے فخر الاسلام کے قول کی مثل کہا کیونکہ یہ توجہ مطالبہ میں تمام دیون سے فوق ہے اور کفالہ کے باب میں اعتبار مطالبہ کا ہے کیونکہ یہ اس کے التزام کے لئے مشروع ہوا اسی وسطے ہم نے کہا کہ جو کوئی ان ٹیکسوں کی عادلانہ تقسیم کے لئے کم بستہ ہوا ماجور ہوگا اگرچہ لینے والا ان کو لینے میں ظالم ہو معراج الدرایہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تو اس مطالبہ مشتبہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجہ اولٰی صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت میں تنہا کفیل کے قبول والتزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہوجاتا جب تک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی، ولہٰذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہوجاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتوٰی یہاں مختلف ہے اور فتوٰی جب مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۱

کما نص علیہ فی البحر الرائق والخیریۃ و غیرہما و قد بیناہ فی النکاح من فتاوٰنا	جیسا کہ بحر الرائق اور خیریہ وغیرہ میں ہے اور اہم اس کو اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں بیان کرچکے ہیں۔(ت)

محیط وہندیہ میں ہے:

اما رکنہا فالا یجاب والقبول عند ابی حنیفۃ و محمد رحمہما اللہ تعالٰی وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اولاحتی ان الکفالۃ لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال اوبالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ او قبول اجنبی عنہ فی مجلس العقد اوخطاب المکفول لہ اوخطاب اجنبی عنہ اما اذا لم یوجد شیئ من ذٰلک فانہا لاتقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح[1]۔	امام ابوحنیفہ وامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے نزدیک کفالہ کا رکن ایجاب وقبول ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا پہلا قول بھی یہاں تک اکیلے کفیل سے کفالہ تام نہیں ہونا چاہئے وہ مال کی کفالت کرے یا نفس کی جب تک مکفول لہ یا اس کی جانب سے کسی اجنبی شخص کا قبول یا خطاب نہ پایا جائے اگر ان میں سے کچھ بھی نہ پایا گیا تو یہ ماورائے مجلس پر موقوف نہ ہوگا یہاں تک کہ اگر طالب تک خبر پہنچی اور اس نے قبول کرلیا تو کفالہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

منح الغفار میں امام طرطوسی ہے: الفتوی علی قولہما[2] (فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی الدرر والبزازیۃ وبقول الثانی یفتی و فی انفع الوسائل وغیرہ الفتوی علی قولہما[3]۔	درر اور بزازیہ میں ہے کہ امام ثانی (ابویوسف) کے قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے اور انفع الوسائل وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی طرفین کے قول پر ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت رئیس کی طرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہوسکتے کہ اس میں مطالبہ باطلہ ذمگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ ذمگی واہب کا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

[2] درمختار بحوالہ الطرطوسی کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واہب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضولی سے پایا گیا کفالت منعقد ہو کر اجازت ریاست پر موقوف رہی، محیط وہندیہ میں ہے:

قال اجنبی لغیرہ اکفل بنفس فلان اوبمال عن فلان لفلان فیقول ذٰلك الغیر کفلت تصح الکفالۃ و تقف علی ماوراء المجلس علی اجازۃ المکفول لہ و للکفیل ان یخرج عن الکفالۃ قبل ان یجیز الغائب کفالتہ[1]۔	اجنبی نے غیر سے کہا کہ تو فلاں کے نفس کا یا فلاں کے لئے فلاں کے مال کا کفیل بن جاؤں اور وہ غیر کہے کہ میں کفیل بن گیا تو کفالہ صحیح ہوگا اور مجلس کے بعد مکفول لہ، کی اجازت پر موقوف رہے گا اور کفیل کو اختیار ہوگا کہ مکفول لہ کے کفالہ کی اجازت دینے سے پہلے خود کو کفالہ سے خارج کرلے۔(ت)

مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے پھر یہ کفالت بے اثر رہی، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحانہ ولی التوفیق** (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: مرسلہ سید مقبول عیسٰی صاحب سادات نومحلّہ از ریاست جاورہ ملک مالوہ ۷ ۱۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے اس نے مسماۃ بنت پیاری سے مہر شرعی پر عقد برضامندی خود بہ اقرار کہ علاوہ نان ونفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خوردونوش کے تکلیف ہوگی تو میں ان کے خوردونوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لوں گا اور گھر میں صفر خورد ونوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری کانہ دوں توخدابخش ضامن جس کے اقرار نامہ ہذاپر دستخط ہیں دے گا اب مسماۃ پیاری کو خوردونوش واقعہ ہوئے تو جمعہ اور اس کا ضامن بالاصالہ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خوردونوش دینے سے حجت وحیلہ حوالہ کرتے ہیں، چنانچہ نقل دستاویز بھی بناپر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے ازروئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکفالۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۵۲

الجواب:

پیاری کا نفقہ شرعاً ذمہ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھ دینا کہ اگر میری خوشدامن کو کبھی خورد ونوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خورد ونوش کا بھی صرفہ اپنے پاس سے دوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا۔

فقد صرحوا قاطبة ان لاجبر علی المتبرع وقال الله تعالٰی "مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ"[1]۔	تحقیق تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی کہ احسان کرنے والے پر کوئی جبر نہیں ہوگا اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔(ت)

اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدا بخش جس نے ضمانت کی اور اقرار نامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرار نامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدا بخش ضامن ہوں مجھ کو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل وبے اثر ہوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا۔

کما ھو فی ردالمحتار عن البحر عن البدائع اما شرائط المکفول بہ فالاول ان یکون مضمونا علی الاصل الخ[2]۔	جیسا کہ ردالمحتار میں بحر سے بحوالہ بدائع منقول ہے کہ مکفول بہ کی شرطوں میں سے پہلی یہ کہ وہ اصل پر قابل ضمان ہو۔ الخ(ت)

درمختار میں ہے:

شرطھا فی الدین کونہ صحیحا لاضعیفا کبدل کتابة فمالیس دینا بالاولٰی نھر[3]۔	دین میں کفالہ کی شرط یہ ہے کہ وہ دین صحیح ہو ضعیف نہ ہو جیسے بدل کتابت اور جو دین ہی نہیں اسکی کفالت بدرجہ اولٰی صحیح نہیں نہر(ت)

البتہ جمعہ کے حق میں اولٰی یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پورا کرے **فان الوفاء من مکارم الاخلاق** (کیونکہ وعدہ کو پورا کرنا اعلٰی خلاق کریمانہ میں سے ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندر کی حال مقیم ریاست رام پور ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۲۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، بحضرت اقدس علامہ محقق وفہامہ مدقق فاضل بریلی فیضھم العالی

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الکفالة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] درمختار کتاب الکفالة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹

علی کافۃ المسلمین، السلام علیکم، بصد ادب حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطافرمائے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کیئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ بربنائے کفالت مستاجری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی مستاجری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہٰذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کیئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعاً ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا، عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتوی پیش کردہ مدعا علیہ صحیح ولائق پابندی ہیں پس ایسی حالت میں جبلہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخل سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعاً نہیں ہوسکتا اور دفعہ ۷۱، ۷۹، قانون حامدیہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے غیر متعلق ہے) چھمی نرائن مدعی ناکامیاب نے بناراضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتوی حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعاً جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کرکے جناب والا سے فتوی حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلاف واقعہ درج کیئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اس اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۷۹ آئین حامدی کا ہرگز نہیں ہے بلکہ دفعہ مذکور تابع دفعہ ۷۷، ۷۸ کے ہے، دفعہ ۷۷ کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد مستاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذرداری مابین میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہوجائے تو حسب منشا دفعہ ۷۹ بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذرداری بارجاع نالش کسی عدالت میں قابل سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگزاری کے عذردار مجازی دعوی ہرجہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہوسکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مستاجر کسی شخص کیی جائداد بلا اسکی مرضی کے خود مکفول کردے تو مالک جائداد بعد منظوری واگذاشت کی نالش نہیں کرسکتا بلکہ ہرجہ کی نالش کرسکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۷۹ آئین حامدیہ متعلق نہیں۔

(۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کرایا ہے کفالت نامہ

کی نقل شامل عرضداشت ہذا ہے اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ جائداد کو مکفول کرایا ہے،
(۳) تیسرا مضمون سوال میں یہ غلط ظاہر کیا ہے کہ زید کا یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعا ناجائز ہے مجھ مدعا علیہ کا ہرگز عذر نہیں ہے بلکہ میرا عذر یہ ہے کہ کسی مطالبہ کی بابت جائداد کو مکفول کرانا شرعا ناجائز ہے یعنی ضمانت میں جائداد کا استغراق کرانا شرعا ناجائز ہے۔
(۴) چوتھا مضمون سوال میں یہ بھی خلاف درج کیا ہے کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کی، یہ واقعہ بالکل غلط ہے، مفتی صاحب نے اس واقعہ کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا ہے اس غلط اور غیر مطابق سوال کی بنیاد پر حضور نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ کفالت بالمال شرعا ناجائز ہے لہذا حضور والا ! میں نقول ہر سہ فتوی حضور جو سادہ کاغذ پر ہے اور نقل فیصلہ جناب مفتی صاحب دیوانی اور نقل فتوی آخر جو باضابطہ عدالت سے حاصل کیا گیا ہے اور نقل اقرار نامہ کفالت اور قانون آئین حامدیہ معطوفہ عرضہ داشت ہذا درگاہ والا میں پیش کرکے امیدوار ہوں کہ حضور ہر سہ فتوی سابق وفتوی مابعد نظر ثانی فرماکر اور فیصلہ مفتی صاحب دیوانی اور نقل اقرار نامہ کفالت ودفعہ ۷۷ لغایت ۷۹ قانون مذکورہ ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمائیں کہ ہر سہ فتاوٰی سابق پیش کردہ انوار حسین مدعا علیہ مطابق نالش مدعی ہیں یا فتوٰی آخر پیش کردہ کچھمی نرائن مدعی متعلق مقدمہ ہے اور عذر مدعا علیہ کا شرعا قابل منظوری ہے یا عذر مدعی کا؟ زیادہ حد ادب

الجواب:

دارالافتادہ دارالقضاء نہیں یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی، صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے، سوال اخیر کے حضور احمد خاں رامپوری ملازم کچہری بریلی منصرم نقل نے پیش کیا (جسے اس سوال حال وملاحظہ تجویز مفتی صاحب ودیگر کاغذات مدخلہ سائل نے بتایا کہ ہندو مدعی کا سوال تھا اور اسی مقدمہ سے متعلق جس کی نسبت کئی سوال منشی سید انوار حسین مدعی رامپوری نے بوساطت مرزا نظیر بیگ صاحب سابق نائب تحصیلدار بریلی دارالافتاء میں پیش کئے اور ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ کو جواب دئے گئے تھے) اس میں یہ تھا کہ زید وعمرو سے درخواست ضمانت کی اور عمرو نے اس کی درخواست پر اس کی ضمانت کی اور زید کفالت بالمال کو ناجائز کہتا ہے اس میں حکم کیا ہے، اس کا جواب یہی تھا کہ کفالت بالمال یقینا صحیح ہے اور جبکہ کفیل حسب درخواست مکفول عنہ ضامن ہوا تو بلاشبہ مطالبہ زر ادا کردہ کرسکتا ہے اپنی جائداد سے دو لفظ سوال میں فضول تھا کہ جب عمرو زید کی درخواست پر ضامن ہوا یعنی اپنا ذمہ زید سے ضم کیا ضمانت مکمل ہوگئی خواہ زر نقد سے کی ہو یا جائداد سے یا صرف زبانی، تینوں طریقے رائج ہیں، اور اصل وہی ضم ذمہ ہے اس کے

بعد نہ زر نقد داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی خلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں، ہندو مدعی نے سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلا پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گزشتہ کی نسبت دارالافتاء سے فتوٰی جاچکا ہے نہ سوالات سابقہ وسوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصوصمت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علمائے کرام نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال ذکر ہو اسے صحت پر محمول کرکے جواب دیا جائے، وجیز امام کردری میں ہے:

لوسئل عن صحته یفتی بصحته حملا علی استیفاء الشرائط اذالمطلق یحمل علی الکمال الخالی عن موانع الصحة[1]۔	اگر کسی عقد کی صحت سے متعلق سوال کیا جائے تو تمام شرائط کے پائے جانے پر محمول کرتے ہوئے اس کی صحت کا فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ مطلق کو ایسے کمال پر محمولکیا جاتا ہے جو موانع صحت سے خالی ہو۔ (ت)

دو سوالوں میں ایسا اختلاف ہونے سے جواب مختلف ہوجانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا، فتاوٰی خیریہ میں ایسے ہی اختلاف سوال کے بارے میں کہ علامہ رملی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا:

لاشك فی ان المفتی انما یفتی بما الیه السائل ینھٰی[2]۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ مفتی اسی پر فتوٰی دیتا ہے جو خبر سائل اس کے پاس پہنچائے۔ (ت)

نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا:

السوال الاول لم یذکرلنا فیه ان الاجارہ وقعت علی تناول الخراج ونحوہ من الاعیاب ومسئلتنا فیه عن الاجارة مطلقًا فانصرفت الی تملك المنفعة وقسمنا الاحکام علی الصحیحة والفاسدة	پہلے سوال میں ہمارے لئے اس بات کا ذکر نہیں کیا گیا تھا کہ اجارہ اخراج یا اس کی مثلی اعیان کے حصول پر موقوف ہے بلکہ اجارہ مطلقہ کے بارے میں سوال کیا تھا تو وہ تملک منفعت کی طرف لوٹا اور ہم نے احکام کو دو قسموں یعنی صحیح اور فاسد پر تقسیم کیا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ البزازیہ کتاب الصلح دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۳، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الصلح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲۔۵۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوکالۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹

اما حیث کان الواقع انہا علی اتلاف الاعیان فھی باطلۃ[1]۔	مگر جب وہ اعیان کے اتلاف پر واقع ہوا ہے تو وہ باطل ہے۔(ت)

اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے:

قد یختلف الجواب باختلاف المرضوع المرفوع لاہل الفتوٰی فلا اعتراض علی المجیب فی الجواب[2]۔	کبھی فتوٰی پوچھنے والوں کو موضوع مرفوع میں اختلاف کی وجہ سے جواب مختلف ہوجاتاہے اس لئے اس جواب میں مجیب پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ایک چوتھے واقعہ پر ہے۔

قد استفتی فی ہذہ الحادثۃ بماہو مختلف الموضوع فی السوال فاختلف الجواب بسبب ذٰلک فلا یتوھم معارضۃ الافتاء فیہ[3]۔	تحقیق اسی حادثہ میں سوال میں مذکور موضوع سے مختلف صورت میں فتوٰی پوچھا گیا تھا لہذا اسی سبب سے جواب مختلف ہوا چنانچہ اس میں افتاء کے معارضہ کا وہم نہ کیا جائے۔(ت)

ان سب ارشاد شریفہ کاحاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کئے گئے تھے پچھلے سوال ان کی خلاف تھے لہذا جواب مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتوٰی دے گا جو اس کے سامنے پیش کیاجائے گا اس سے کوئی فتووں میں تعارض کا وہم نہ کرے، ہاں اگر اسی وقت معلوم ہوتا کہ یہ سوال مدعی اس مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کاخلاف واقع ہونا معلوم ہوجائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے۔ عقودالدریہ میں ہے:

اذاعلم المفتی حقیقۃ الامر ینبغی لہ ان لایکتب للسائل لئلایکون معینالہ علی الباطل[4]۔	جب مفتی کو معاملہ کی حقیت معلوم ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ (جھوٹے) سائل کے لئے فتوٰی نہ لکھے تاکہ وہ باطل پر اس کا مددگار نہ ہو۔(ت)

ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر ہے کہ سوال مدعی محض غلط وفریب ہے اس میں ضمانت اپنی جائداد

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۵۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[4] العقود الدریۃ فوائد فی آداب المفتی قبل کتاب الطہارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۳

سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمرو ضامن ہوا اور زیادت وثوق کو اپنی جائداد پیش کی جس کا حکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہ صحیح ہوگئی کہ ذکر جائداد نہ ہونا فضولی ہے بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ میں روشن کردیا گیا مدعی نے کفالت بالمال کو پوچھا اس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے، اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ اس کی غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمان شرع سمجھتے ہیں کہ مامکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جس کا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت المال باضافت الی الفاعل تھی یعنی خود مال وجائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعاً باطل ہے اور وہ قطعاً صحیح، لاجرم فتوی کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیا ہرگز متعلق مقدمہ نہیں، متعلق مقدمہ وہی فتاوٰی سابقہ مدخلہ مدعا علیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعا علیہ صحیح وواجب القبول۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتاب الحوالہ

(حوالہ کا بیان)

مسئلہ ۲۹۱: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میانسرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخر الحسن صاحب اوائل رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید سنی و حنفی المذہب ہے اور نسبت حرام و ناجائز ہونے لین دین سودی و جملہ کاروائی متعلقہ معاملہ سود کے اپنے ملت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے کہ اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت وحرمت معاملہ سودی مبلغ پانچ ہزار روپیہ بحساب ۱۲ فیصدی ماہواری سود زید نے مسمّٰی منو سنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار سود ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے ششماہی وہ زر سود شامل اصل ہو کر سود در سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سالا کا لیا جاوے گا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچ ہزار روپیہ زر اصل وچھ سو نواسی روپیہ ایک آنہ زر سود ڈیڑھ سال جملہ (صمہ سمالعہ لہ /) اصل و سود دے کر منو سنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لے لے مگر زید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف ایک ماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سود صرف (مہ سہ ۴./) ہوتے ہیں بجائے اس کے (سمالعہ لہ ۱/) دے کر (سمامہ ۱۲./) کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی

پریشانی کی کیفیت مسمیان محمود قوم سیدوبدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی، مسمّٰی محمود نے یہ صلاح دی کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یاتجارت کی جائے اور بعد انقضائے ایک سال وپانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کرکے اور منوسنگھ مہاجن کاقرضہ ادا کرکے دستاویز واپس کرلی جائے امید ہے کہ ٹھیکہ داری یاتجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان (سما۰۱۲ ؁) سے زائد منفعت حاصل ہوجائے گی مسمّٰی بدری پرشاد مہاجن یہ مشورہ دیتاہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یاتجارت قائم کرنے میں احتمال نفع ونقصان دونوں قسم کاہے نقصان کی صورت میں جائداد موجودکے جوظاہری ذریعہ ہے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دے تومبلغ پانچ ہزار زراصل اور (معہ ۰۴/ ؁)زرسودیکماہہ جملہ (صمہ معہ ۰/ ؁)جواس وقت آپ کے واجب الادا ہیں مجھ کو دے کر قرضہ کی اتروائی مجھ پر کرادیجئے اب منوسنگھ میرے ذمہ عائد ہوجائے گا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ (صمہ معہ ۰۴/ ؁)جوآپ سے ملیں گے اس کو سودی قرضہ میں لگاکر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ (صمہ سمالعہ ؁) پوراکرکے اور منوسنگھ کو دے کر دستاویز واپس کرلوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہوجائے گی اور جائداد موجودہ کابھی کچھ نقصان نہ ہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگاکہ آپ جس قدر دینے (سما ۰۱۲/ ؁) زرسود کے مواخذہ میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمّٰی بدری پرشاد مناسب اور موجب منفعت دینی ودنیوی معلوم ہوتی ہے لہٰذا استصواب ہے کہ مسمّٰی زید کو بروئے ملت حنفیّہ وشریعت غرامشورہ بدری پرشاد پر عمل کرناجائز ہے یااس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سودخوری مبتلا ہونا ہوگا، جواب تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیّہ بہت جلد ارقام فرمایاجائے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایاجائے کہ اگرزید کوصرف دوہزار روپیہ مل جائے اور موافق مشورہ بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دوہزار روپیہ کے قرضہ کی اُترائی بدری پرشاد پر کردی جائے تواس صورت میں وہی حکم ہوگاجو کل قرضہ کہ اُترائی میں ہوگا یااس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا؟

الجواب:

قرض تحویل کرادینے کی رائے بالکل خیر ہے زیداس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس خالص قرض کی نیت سے دے پانچ ہزار سے جتنازیادہ دیتاہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر پہلے ہندو سے کہہ کر اس کاقرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کرلے کہ دھوکانہ پائے یوں بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گاچالیس بچاس روپیہ جوزیادہ جائے گاوہ یوں ہوگا کہ قرض دیاتھا اور ماراگیا یاقرض دار پر چھوڑ دیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کافعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ لے تواس کاالزام زید پر نہیں

آسکتا ہے،

قال تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

انما المعصیة بفعل المستاجر وھو مختار فیه فقطع نسبته عنه [2]۔	بیشک گناہ تو مستاجر کے فعل سے ہے اور وہ مختار ہے (مکروہ نہیں) لہٰذا اس کی نسبت مالک مکان سے منقطع ہوگئی۔ (ت)

یوں ہی اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کرسکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۲: از خیر آباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

شریعت بے استعدادی کو مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی ہے لہٰذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہو کر نہایت ادب سے معافی کا مترصد ہوں استفتاء منسلک عریضہ ہذا والا حضور اقدس میں بھیجا تھا دیر رسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل رامپور بھی بھیجی تھی پیش گاہ والا سے جواز صورت مسئولہ کا حکم پاکر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی گئی تھی کہ۔

قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جاکمند

دو چار ہاتھ جبکہ لبِ بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ رامپور سے جواب خلاف حکم والا ملا، یہ امر میرے عرض کرنے کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر واصلاح کار میں بھی کچھ وساوس وابلیس آدم رو وموانع پیش آتے ہیں صاحب معاملہ کے خیالات وجوابات رامپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جب تک رامپور کی تردید میں براہین قاطعہ ودلائل مستحکم از روئے ملت حنفیّہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کرسکتا مجھ ہیچمدان کو بجز اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہٰذا نقل جوابات مرسلہ علمائے رامپور

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

ارسال خدمت کرکے گزارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے۔

پناہ جو بدرت آمدم بعجز و نیاز — کہ آستانِ تو حاجت روائے من باشد

(پناہ ڈھونڈتے ہوئے عجز و نیاز کے ساتھ تیرے دروازے پر آیا ہوں تاکہ تیرا آستانہ میرا حاجت روا بن جائے۔(ت)

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں، عریضہ ادب کمترین فخرالحسن عفاعنہ از خیرآباد ۱۹ شوال ۱۳۲۷ھ

(جواب علمائے ریاست رامپور)

الجواب:

واللہ سبحٰنہ موفق للصدق والصواب (اللہ سبحانہ، وتعالٰی سچائی اور درستگی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔ت) ایسی صورت میں زید کو بروئے ملت حنفیہ مشورہ بدری پرشاد عمل ناجائز وحرام ہے بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے سے مواخذہ سودخوری میں مبتلا ہوناہے، تفصیل یہ ہے کہ زید کا مبلغ (صمہ معہ) بدری پرشاد کو دے کے منوسنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردینے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ زید مبلغ (صمہ معہ۴؍۰۴) بدری پرشاد کو اس شرط پر قرض دے کہ وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ (صمہ سالعہ لہ ۱؍) ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پرشاد پر حوالہ کردے،

قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالۃ ھی نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1] انتہی۔	تنویر الابصار میں حوالہ کی تفسیر میں کہا کہ وہ دین کو محیل کے ذمہ سے محیل علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنا ہے انتہی۔ (ت)

تو بدری پرشاد کا (صمہ معہ۴؍۰۴) لے کے اور (سامہ۱۲؍۰) بڑھا کے (صمہ سالعہ لہ) ادا کرنا زید کو (سا۱۲؍۰) سود دینا ہے کیونکہ یہ (سامہ۱۲؍۰) جو بدری پرشاد زید کی طرف سے منور سنگھ کو ادا کرے گا یہ رقم کسی مال کے عوض میں ثابت نہیں ہوئی تو بالضرور زید کے (صمہ معہ۴؍۰۴) قرض دئے ہوئے روپوں کا نفع ہوگا،

وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام انتہی درمختار[2]، فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ	اشباہ میں ہے کہ جو قرض نفع کھینچے وہ سود ہے انتہی (درمختار) جواہر الفتاوی میں ہے کہ اگر وہ مشروط ہو تو ایسا قرض ہوگا جس میں نفع ہو اور

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۵

وھو ربًا انتھی شامی [1]۔قال فی الکفایۃ الربٰو فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لایقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال [2] انتھی۔	وہ سود ہے انتہی (شامی)، کفایہ میں کہا سود شرع میں اس مالی زیادتی کو کہتے ہیں جس کے مقابل کوئی عوض نہ ہو جبکہ یہ مالی معاوضات میں ہو انتہی (ت)

اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ توظاہر ہے کیونکہ (سالعہ۱/) جو منجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کرکے بدری پرشاد پر حوالہ کئے، غایت یہ ہے کہ زید نے خود نہیں دیئے دلوائے اور چونکہ بر تقدیر صرف دوہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دوہزار کے سود بھی بدری پرشاد اپنے پاس سے ادا کرے گا تو اس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت میں تھی لہذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں، ھذہ صورۃ الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

المجیب فقیہ الدین عفاعنہ

اصاب من اجاب — ذٰلك کذٰلك — ذلك کذالک

محمد معزاللہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور — محمد منور علی (مہر) — محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح والرای نجیح واللہ تعالٰی اعلم — الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب

محمد لطف اللہ مہر — ابوالافضال محمد فضل حق

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء: برضمیر معدلت پیرائے ارباب شریعت غرامخفی مبادکہ ایک سوال کے دوجواب متضاد موصول ہوئے یعنی حضرات دارالافتاء اہل سنت وجماعت بریلی نے جواز صورت مسئولہ کا حکم دے کر بنظر عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو ناجائز وحرام تحریر فرمایاہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا کچھ چارہ کار نہیں بتلایا حالانکہ بفحوائے الدین یسر پیرو ملت اسلام کے واسطے آسانی کا دروازہ کھول دیا گیاہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ ہر دو جوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں براہین قاطعہ

---

[1] ردالمحتار فصل فی القرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۴

[2] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربوٰ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۱۴۷

سے ثابت کی جائیں اور بعد قائم ہوجانے امر حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، بملاحظہ مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب اکرمکم **اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،**

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا اہالی دارالافتاء بعزم آرہ شاہ آباد جلسہ مدرسہ فیض الغربا پابرکاب ہیں اجمالی جواب فوری گزارش ہے کہ تکلیف انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا ہے مبادا تاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی اور تفصیل کردی جائے گی وباللہ التوفیق۔

مولٰنا آپ نے بنظر عجلت سوال وہاں ارسال فرمایا اگر یہ جواب لکھ کر بھیجتے تو ماموں تھا کہ ان صاحبوں کی نظر لغزش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الامن عَنَدَ وھواہ عَبَدَ (سوائے اس شخص کے جو عناد اختیار کرے اور اپنی نفسانی خواہش کی پرستش کرے۔ت) ان صاحبوں کا بڑا منشاء غلط یہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو مدیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کر رہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پرشاد منو سنگھ والے قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کرکے دستاویز واپس لے نیز لکھتے ہیں یہ (سامعہ ۱۲؍۰) بدری پرشاد زید کی طرف سے منو سنگھ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں (سالعہ ۱؍۱) منجانب زید منو سنگھ کو پہنچیں گے ان کے سارے خیالات کا منبع بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ کی اترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دَین سے بری ہوجاتا ہے دَین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہوجاتا ہے جس نے اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو جسے محتال ومحتال لہ کہتے ہیں دیتا ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

الحوالۃ نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ[1]۔	حوالہ محیل کے ذمہ سے دین کو محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل کرنے کا نام ہے۔(ت)

نہرالحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے: **ھو الصحیح**[2]

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ النہر الفائق نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۵

تنویر میں ہے:

برئ المحیل من الدین بالقبول[1]۔	محتال علیہ کی طرف سے قبول کے بعد محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے۔(ت)

فتح القدیر و در مختار میں ہے:

ھل توجب البرأۃ من الدین المصحح نعم[2]۔	کیا حوالہ دَین صحیح سے براءت کا موجب ہے، جواب ہاں۔ (ت)

محیط سرخسی و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اما احکامھا فمنھا برأۃ المحیل عن الدین[3]۔	حوالہ کے احکام میں سے ایک یہ ہے کہ محیل قرض سے بری ہو جاتا ہے۔(ت)

یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دَین بخش دے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دَین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی، اور اگر محتال علیہ کو معاف کردے معاف ہو جائے گا۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

فلو ابرأ المحتال المحیل عن الدین او وھبہ لہ لا یصح علیہ الفتوی[4]۔	اگر محیل کو محتال علیہ قرض سے بری کرے یا قرض اس کو ہبہ کرے تو صحیح نہیں، اسی پر فتوی ہے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اجماع علی ان المحتال لو ابرأ المحتال علیہ من الدین اووھبہ منہ صح ولو ابرأ المحال علیہ من الدین او وھبہ منہ صح ولو ابرأ المحیل اووھبہ لم یصح۔[5]	اس پر اجماع ہے کہ اگر محتال، محتال علیہ کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض سے بری کردے یا اس کو قرض ہبہ کردے تو صحیح ہے اور اگر محیل کو بری کیا یا اس کو قرض ہبہ کیا تو صحیح نہیں۔(ت)

---

[1] در مختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] در مختار بحوالہ فتح القدیر کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظھیریہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۹۶

[5] ردالمحتار کتاب الحوالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۸

وللہذا اب اگر اصل مدیون اس اترے ہوئے دَین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دَین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کا ہے کے عوض رکھتا ہے، کافی شرح وافی پھر عالمگیریہ میں ہے:

لواحال بدینه فرهن لایصح[1]	اگر محیل نے قرض پر کسی کا حوالہ کردیا پھر دائن کے پاس کچھ رہن رکھا تو صحیح نہیں۔(ت)

اور اگر پہلے سے اس دَین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے لے گا کہ اب دَین اس پر نہ رہا محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

اذا احال الراهن المرتهن بالدین علی غیره یسترد الرهن[2]۔	جب راہن نے مرتہن کا قرض کسی اور پر حوالہ کردیا تو اب رہن واپس لے سکتا ہے۔(ت)

حوالہ کے بعد دائن کو اصلًا اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دَین کا مطالبہ کرے، ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مکر جائے اور قسم کھالے اور محیل ومحتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مر جائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے، نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہو کر دَین پھر اصل مدیون پر عود کرتا ہے، عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دَین نہ رہا تھا، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام الزیلعی میں ہے:

لم یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقه فاذا توی علیه عاد الدین الی ذمة المحیل والتوی عندابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه احدالامرین اما ان یجحد المحتال علیه الحوالة ویحلف ولابینة للمحیل ولاللمحتال له اویموت مفلسا بان لم یترك مالا عینا لادینا ولا کفیلا[3]۔(ملخصا)	محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا مگر اس وقت کرسکتا ہے جب اس کا حق ہلاک ہوجائے، ہلاکت کی صورت میں دَین محیل کے ذمہ کی طرف لوٹ آتا ہے، اور ہلاکت کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دو صورتیں ہیں یا یہ کہ محتال علیہ حوالہ کا انکار کرے اور قسم کھا جائے جبکہ محیل اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہو کر مر جائے نہ کوئی عین چھوڑے نہ دَین اور نہ ہی کوئی کفیل۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الکافی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الحوالہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۷۳۔۱۷۲

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لایرجع المحتال علی المحیل الا بالتوی و ھو باحد امرین ان یجحد المحال علیه الحوالة و یحلف ولا بینة له او یموت مفلسا بغیر عین ودین وکفیل وقالا بهما وبان فلسه الحاکم[1]۔	ہلاکت کی صورت کے علاوہ محتال محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا اور ہلاکت دو میں سے ایک امر کے ساتھ ہوتی ہے یا محتال علیہ حوالہ کا انکار کرکے قسم کھاجائے اور محتال لہ کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس ہو کر مرجائے اور کوئی عین، دَین یا کفیل نہ چھوڑے، اور صاحبین نے کہا ان دو صورتوں سے بھی اور ہلاکت متحقق ہوتی اور حاکم کے اس (محتال علیہ) کو مفلس قرار دینے سے بھی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ظاھر کلامھم متونا وشروحا تصحیح قول الامام ونقل تصحیحه العلامة قاسم ولم ار من صحح قولهما[2]۔	متون وشروح میں فقہاء کے کلام سے ظاہر امام ابوحنیفہ کے قول کی تصحیح ہے اور علامہ قاسم نے امام صاحب کے قول کی تصحیح کو نقل کیا، میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے صاحبین کے قول کی تصحیح کی ہو (ت)

ان تصریحات و تصحیحات وھوا لصحیح وعلیہ الفتوی (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پرشاد زید کی طرف سے ادا کرے گا وہ سود زید کی طرف سے منوسنگھ کو دیا جائے گا کیسی فاحش غلطی ہے، سبحان اللہ! جب نہ یہ مدیون رہا نہ اس پر مطالبہ، نہ یہ دیتا ہے نہ دائن اب اس سے لے سکتا ہے تو یہ سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا، طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبارت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ دَین سے مشغول ہے یا اس کی طرف سے ادا کرے گا جس کے ذمہ پر دَین نہیں اور اس صورت میں زید کو سود خور ٹھہرانا اور بھی عجیب تر ہے، بفرض غلط ہوتا تو اتنا ہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیا کہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے، نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا، تفصیل کے لئے عرض کرچکا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو پھر گزارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۳

مسئلہ ۲۹۳تا۲۹۷: ازکاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کرکے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمہیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہوگی لے لوں گا، یہ جائز ہے یانہیں؟

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کانوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کانوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہہ دیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کرلو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یانہیں؟

(۳) زید نے ہزار کانوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کرلی کہ سو روپے نقد ابھی لوں گا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھالیا پھر زید نے بکر سے ہزار کانوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فوراً ادا کردیئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کردیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دے دیا، یہ جائز ہے یانہیں؟

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعاً ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہوجائے۔

الجواب:

(۱) جائز ہے **فانہ توکیل بالقبض وتسویغ للقرض** (کیونکہ یہ قبض کے لئے وکیل بنانا اور قرض دینا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جائز ہے، **لانہ حوالۃ ومقابلۃ الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کمافی فتح القدیر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیونکہ یہ حوالہ ہے اور اجل کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ ہے اور یہ سب جائز ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔(ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجّل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس وقدر یہ سب جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں، اس کا نام ہنڈی ہے، یہ ناجائز وگناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے متی کہتے ہیں وہ نِرا سود حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے

یہ مراد نہیں کہ قرض کہہ کر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہوا کہ اگر یہ روپیہ عمر کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہوجائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس روپے کا دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اس کے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا معہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض، اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربا[1]۔	قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

لہٰذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ ردالمحتار میں ہے:

صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعه الی دیقه وانما یدفعه قرضا لاامانة لیستفید به سقوط خطر الطریق وقیل ھی ان یقرض انسانا لیقضیه المستقرض فی بلد یریده المقرض لیستفید به سقوط خطر الطریق کفایة[2]۔	اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص تاجر کو کچھ مال قرض دے تاکہ وہی اس کے دوست کو دے دے تو بلاشبہ یہ مال اس کو بطور امانت نہیں بلکہ بطور قرض دیتا ہے اور اس سے راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے، اور ایک قول میں اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو قرض دے تاکہ مقروض وہی قرض اس شہر میں قرض دہندہ کو واپس کرے جس شہر میں وہ لینا چاہتا ہے تو اس سے وہ راستہ کے خطرہ کے سقوط کا فائدہ اٹھاتا ہے۔ (کفایہ)۔ (ت)

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کردے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۵۱۶ فصل فی لواحق کتاب الدین موسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سوکانوٹ ننانوے کو بیچیں خواہ ایک سو ایک کو۔ کما حققناہ فی کفل الفقیہ (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے کفل الفقیہ میں کردی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

باع بشرط ان یحیل علی المشتری بالثمن غریماله ای للبائع بطل ولو باع بشرط ان یحتال بالثمن صح لانه شرط ملائم کشرط الجودۃ بخلاف الاول[1]۔	اگر کسی نے کوئی چیز اس شرط پر فروخت کی ثمن کے بدلے میں بائع اپنے کسی قرضخواہ کا حوالہ مشتری پر کرے گا تو بیع باطل ہے اور اگر اس شرط پر بیع کی مشتری ثمن کا حوالہ کسی اور شخص پر کرے گا تو جائز ہے کیونکہ یہ شرط عقد کے مناسب و ملائم ہے جیسے کہ جودت کی شرط بخلاف پہلی صورت کے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لانه شرط ملائم لانه یؤکد موجب العقد اذا الحوالة فی العادۃ تکون علی الاملاء والاحسن قضاء فصار کشرط الجودۃ درر[2]۔	ماتن کا قول کہ بیشک یہ شرط عقد کے ملائم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ موجب عقد کو پکا کرتی ہے کیونکہ حوالہ عام طور پر صاحب ثروت اور بہتر ادائیگی کرنے والوں پر کیا جاتا ہے، تو یہ شرطِ جودت کی مثل ہوگیا، درر۔ (ت)

ہاں اس شرط پر بیچنا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا، یہ ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ومنه (ای الشروط الفاسدۃ المفسدۃ للبیع) ان یدفع الثمن فی بلد اٰخر او یھب البائع منه کذا بخلاف ان یحط من ثمنه کذا، لان الحط ملحق بما قبل العقد بحر[3] اھ مختصراً۔	بیع کو فاسد کرنے والی شروط فاسدہ میں سے یہ ہے کہ شرط لگائی جائے کہ مشتری کسی دوسرے شہر میں ثمن ادا کرے گا یا بائع ثمن میں سے اتنے مشتری کو ہبہ کرے گا، بخلاف اس کے کہ بائع ثمن سے اتنے گھٹائے گا کیونکہ گھٹانا عقد کے ماقبل کو لاحق ہوتا ہے، بحر اھ مختصراً (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰

[2] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۴-۹۵

[3] ردالمحتار باب بیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہو کر حرام میں وقوع نہ ہو جائے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۲۹۸: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ

زید نے پانچ سو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کئے کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کر دیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے، خالد ساہوکار نے روپے دینے سے انکار کیا للذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی، اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجا جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجا کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں، تجارت تو کتاب وسنت سے ثابت ہے، علاوہ اس کے تمام علماء ودانشمند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز ہے رکھا جائے گا تو مسلمانوں کو دوطرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے فقط۔

الجواب:

ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے متون میں ہے **السفنجۃ حرام** (ہنڈی حرام ہے۔ت) حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھو ربا**[1] (جو قرض نفع حاصل کرے وہ سود ہے۔ت) اور پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کیہ یہی مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلاغدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ:

سترھویں جلد کتاب الحوالہ پر ختم ہوئی،

اٹھارھویں جلد کا آغاز کتاب الشھادۃ سے ہوگا۔

---

[1] کنز العمال فصل فی لواحق کتاب الدین حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۸

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 5

اٹھارھویں جلد 6

فہرست مضامین مفصّل 9

فہرست ضمنی مسائل 65

کتاب الشھادۃ 93

(گواہی کا بیان) 93

کتاب القضاء والدعاوی 139

(قضاء اور دعوی کا بیان) 139

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ ۱۳۲۱ھ 255

(جھگڑا ختم کرنے کے لئے خالص ترین فیصلہ) 255

تنقیحات 356

بیانات متعلق سوال 379

اعتراضات مفتی 391

رسالہ الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ ۱۳۳۳ھ (شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ) 511

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃُ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ہجدہم ۱۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ہجدہم

تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ________ ۷۳۸

اشاعت ________ ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ / جولائی ۲۰۰۰ء

مطبع ________

ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

- پیش لفظ ۵
- فہرست مضامین مفصل ۹
- فہرست ضمنی مسائل ۶۵
- کتاب الشہادت ۹۳
- کتاب القضاء والدعاوی ۱۳۹

فہرست رسائل

- انصح الحکومة ۲۵۵
- الهبة الاحمدیة ۵۱۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامع نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جوادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ" سال کے مختصر عرصہ میں اٹھارھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب الزکوٰۃ، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ اور کتاب الکفالہ پر مشتمل سترہ ۱۷ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶

اٹھارھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہفتم مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارکپور اعظم گڑھ بھارت کے صفحہ ۲۹۱ سے آخر تک ۱۵۲ سوالوں کے جوابات اور ۷۳۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں اور سترھویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی

کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دو رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ (۱۳۲۱ھ)

شرکت اور میرث کے اُلجھے ہوئے ایک مسئلہ کا انتہائی شاندار فیصلہ

(۲) الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ (۱۳۳۳ھ)

دینی اور دنیاوی ولایت وحکومت کی مجتہدانہ تحقیق اور اس بارے میں ایک غلط فتوے کا رد بلیغ۔

O

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ
جولائی ۲۰۰۰ء

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الشهادة		آج کل جہالت شائع ہے اس لئے تمام شرائط شہادت کا اجتماع مشکل ہے۔	۹۴
شاہد کسے کہتے ہیں	۹۳	مشہود بہ زمین یادار ہو تو کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے۔	۹۵
فاسق کی گواہی مردود اور قبول کرنے والا گنہگار ہے۔	۹۳	جائداد غیر منقولہ کی تعیین اشارہ سے بھی ہوسکتی ہے۔	۹۵
شہادت کی تعریف اور اس کے قبول کی شرائط کا بیان۔	۹۳	صاحبین کے نزدیک گھر مشہور و متعین ہو تو صرف نام سے بھی شہادت ہوسکتی ہے۔	۹۵
شرائط شہادت کے اقسام کا سوال۔	۹۴	قاضی مطلق اور قاضی مقید کا بیان۔	۹۵
حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے۔	۹۴	مجتہد فیہ میں قاضی مطلق جس پہلو کا فیصلہ کرے نافذ ہوگا۔	۹۵
بے صحت دعوی شہادت خود ہرگز مسموع نہیں۔	۹۴	اگر گواہ کہیں کہ ہمیں حدود کا نام نہیں معلوم تو قاضی اپنے دو امین ان کے ساتھ لگادے گا کہ موقع پر اشارہ سے حدود متعین کردیں پھر اس کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا۔	۹۵
جو اپنے اہل زمانہ کو نہ جانے وہ جاہل ہے۔	۹۴	اشیائے مشہورہ کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف۔	۹۶

جامع الفصولین کی بحث۔	۹۶	گواہ جھوٹ بولے تو اس کی ہلاکت ہوگی۔	۱۰۱
قول منقول فی المذہب کے خلاف امام ابن ہمام کی بحث مقبول نہیں۔	۹۷	فیصلہ کے چھ اطراف کا ذکر۔	۱۰۲
امام ابن ہمام درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔	۹۷	گواہ کے لئے پابند نماز پابند جماعت ہونا ضروری ہے ورنہ گواہی تسلیم نہ کی جائے گی۔	۱۰۳
صاحب جامع الفصولین کی بحث کا منشاء اور ان کے قیاس مع الفارق کا اظہار اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۹۸	جاہل کی گواہی بھی نامقبول، جاہل فاسق ہوتا ہے۔	۱۰۳
ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے۔	۹۸	شرع میں عالم کی تعریف اور علم کی حد۔	۱۰۴
اصل دار بلا تعیین مقدار کوئی چیز نہیں جس کا قاضی حکم کرے۔	۹۸	نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں۔	۱۰۴
جائداد کی نزاع میں جائداد کی تعیین کے لئے کن کن چیزوں کا ذکر ضروری ہے۔	۹۸	بیان مدعا علیہم سے اقرار دعوٰی ثابت ہونے کے بعد گواہوں کے تزکیہ کی درخواست نامقبول ہے۔	۱۰۵
مشہود لہ اور علیہ کی بھی تعیین ضروری ہے۔	۹۹	گواہ پیش ہوئے اور مدعا علیہم نے اقرار کیا تو فیصلہ بربنائے اقرار ہوگا۔	۱۰۵
رفع اشتباہ کی صورت میں نام ولقب کافی ہے ورنہ باپ کا نام اور امام صاحب کے نزدیک دادا کا نام ضروری ہے۔	۹۹	قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا ہو تب بھی تزکیہ کی درخواست ناقابل قبول ہوگی۔	۱۰۵
عورت کے لئے شوہر کا نام کافی ہے۔	۹۹	مرور مدت مانع سوال تزکیہ نہیں۔	۱۰۶
مسئلہ کے جزئیات کا ذکر۔	۹۹	شوہر نے مہر کے عوض جائداد دی، عورت نے قبضہ کیا، گواہوں کے بیان سے یہ ثابت ہوا، اس کے بعد مہر کی مقدار کا جاننا ضروری نہیں۔	۱۰۷
لفظ اشہد بلفظ المضارع رکن شہادت ہے۔	۱۰۱	اس امر کا بیان کہ گواہوں کا مبیع کی قیمت بیان کرنا کہاں ضروری ہے اور کہاں ضروری نہیں۔	۱۰۷
شروع شہادت سے پہلے لفظ اشہد باللہ (قسم خدا کی میں سچ کہوں گا) کہلانا ہرگز کافی نہیں، یہ حلف ہے لفظ شہادت کا کلام شہادت پر داخل ہونا ضروری ہے۔	۱۰۱	حقوق کے ثبوت کے لئے دو عادل گواہ ضروری ہے۔	۱۰۸
گواہوں سے حلف لینا شرعا جائز نہیں۔	۱۰۱	نکاح کی گواہی سماع کی بنیاد پر بھی دی جاسکتی ہے۔	۱۰۹
		مرد و زن کا عرصہ دراز تک میاں بیوی کی طرح رہنا نکاح کی علامت مشتبہ سے ہے۔	۱۰۹

شوہر کااقرار بھی مثبت نکاح ہے۔	۱۱۰	کون کون چیز اصل وقف میں داخل ہے اور کون کون سی شرائط میں۔	۱۱۸
ہبہ بالعوض مشاع اور مشترکہ اشیاء بھی ہوسکتاہے یہ بیع کی طرح ہے۔	۱۱۰	وقف کی شہادت لوجہ اللہ ہے جس کے لئے دعوی ضروری نہیں اور ادائے شہادت میں تاخیر سے گواہ مردود الشہادۃ ہوجاتا ہے۔	۱۱۸
غلام اور آزاد کو ملاکر بیچا تو بیع باطل ہے۔	۱۱۰	شہادت حسبہ کا بیان۔	۱۱۸
اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملاکر بیچا تواس کے غلام میں بیع نافذ ہوگی۔	۱۱۰	قاضی مطلق فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرے تو فیصلہ نافذ ہے۔	۱۱۸
طلاق کے متعدد گواہوں کا بیان۔	۱۱۱	راشی، فاسق، پاگل، نابالغ، فاترالعقل کی گواہی مقبول نہیں۔	۱۲۰
طلاق میں سنی سنائی گواہی مقبول نہیں۔	۱۱۴	اندھے، مرتد، غلام، بچے، مجنون کی گواہی کاحکم۔	۱۲۱
ان دس چیزوں کا بیان جن میں شہادت کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری نہیں۔	۱۱۴	ڈاکٹر کی تجویز ظن وتخمین ہے، یہ شہادت نہیں، اس کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۱۲۲
کس کی گواہی کس کے حق میں مقبول نہیں۔	۱۱۴	اگر شاہد گواہی میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے تو گواہی رد کردی جائے گی۔	۱۲۲
طلاق کی گواہی صرف سن کردی تو مقبول نہیں۔	۱۱۵	گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا۔	۱۲۲
ایک مرد ایک عورت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۱۱۵	شہادت کے لئے اسلام شرط ہے غیر مسلم کی شہادت نامقبول ہے۔	۱۲۳
اس عورت کاحکم جو گواہی سے طلاق ثابت نہ کرسکی مگر شوہر نے حقیقۃً طلاق دی ہے۔	۱۱۵	زائد باتوں میں اختلاف سے شہادت پر اثر نہیں پڑتا۔	۱۲۴
اصل وقف میں شہادت سماعی مقبول ہے اور ضمناً ملکیت وقف کا ثبوت بھی ہوسکے گا۔	۱۱۶	ان باتوں کا بیان جو زائد میں آتی ہیں۔	۱۲۴
بہت سی باتیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً نہیں۔	۱۱۶	قاضی زائد باتوں کی بنیاد پر گواہوں کو متہم گردان سکتا ہے۔	۱۲۵
ضمناً ثابت ہونے والی چند چیزوں کی مثالیں۔	۱۱۶	شہادت طلاق میں کہاں تاخیر جائز ہے کہاں نہیں۔	۱۲۵

شہادت طلاق کی ادا میں تاخیر کی مختلف صورتیں۔	۱۲۵	عالم عادل حاکم کا حکم اس وقت قابل اپیل ہوتا ہے کہ اس کے حکم میں خطائے بین ہو۔	۱۳۲
ڈاڑھی خشخشی کرانے والا مردود الشہادت ہے۔	۱۲۶	حاکم عادل کے حکم کے صواب ہونے میں تردد ہو تب بھی اپیل مسموع نہیں۔	۱۳۲
ماں کی گواہی بیٹی کے حق میں نامعتبر ہے۔	۱۲۷	گواہوں پر حلف رکھنا باطل ہے۔	۱۳۳
نابالغ کی گواہی نامقبول ہے۔	۱۲۷	بادشاہ کا خلاف شرع حکم نافذ نہ ہوگا۔	۱۳۳
واقعۃً طلاق ہوگئی عورت گواہوں سے ثابت نہ کرسکی تو کیا حکم ہے۔	۱۲۷	گواہ کو حلف دلانا بعض علماء کے نزدیک قاضی مجتہد کی رائے پر موقوف ہے۔	۱۳۴
ایک غلط فیصلہ کا ابطال۔	۱۲۷	قسم کھانے کی علت صدق کے غلبہ ظن کا حصول ہے۔	۱۳۴
شوہر نے عورت پر دعوی کیا اس نے کہا یہ مجھے طلاق دے چکا ہے تو شرعا عورت مدعی ہے۔	۱۲۸	آج کل جھوٹی حلف عام ہوگئی۔	۱۳۵
صرف عورت کے بیان سے طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۱۲۸	گواہوں کے حلف دلانے کا قول مرجوع مخالف اجماع مذہب ہے۔	۱۳۵
دورجعی طلاق تک میاں بیوی کو ایک ساتھ رہنے کا حکم ہے۔	۱۲۸	قول مرجوع پر فیصلہ وفتوی جہل وخلاف اجماع ہے مدعی کا حلف مسلم نہیں۔	۱۳۵
طلاق کے وقت میں گواہوں کا اختلاف ہو تو یہ موجب رد نہیں۔	۱۲۹	قاضی نکاح پڑھانے کی گواہی دے تو نامقبول ہے۔	۱۳۶
آج کل عموما فیشن ایبل ہوٹلوں میں ملازمین کو شراب اور سور کے گوشت کا اہتمام کرنا ہوتا ہے یہ فسق ہے۔	۱۲۹	شوہر کے اقرار نکاح کے گواہ ہوں تو نکاح ثابت ہے۔	۱۳۶
فاسق شرعا گواہ نہیں ہوسکتا۔	۱۲۹	جن لوگوں کے پیشے علانیہ فسق کے ہوں جیسے دلال، وکلاء، ان کی گواہی نامقبول، اور ان کو کوئی اعزاز کا منصب دینا جائز نہیں۔	۱۳۷
باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔	۱۲۹	**کتاب القضاء والدعاوی**	
ایک گواہ سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۱۲۹	گواہی اور دعوی مطابقت نہ ہونے کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	۱۳۹
حکم اللہ ورسول کا ہے اس کے خلاف دنیا میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔	۱۳۱	وکالت نکاح مستلزم وقوع تزویج نہیں۔	۱۳۹

دعوٰی سے مطابقت نہ رکھنے والی شہادت محض مہمل ہوتی ہے۔	۱۴۰	دو حصہ داروں نے جائداد تقسیم کی تیسرے کا جائداد میں جز شائع تھا تقسیم توڑدی جائیگی۔	۱۵۷
تنہا عورتوں کی گواہی مثبت نکاح نہیں ہوسکتی۔	۱۴۰	ایک ترکہ کی تقسیم۔	۱۵۷
کوچہ غیر نافذہ میں انہیں لوگوں کا حق ہے جن کے دروازے قدیم سے اس کوچہ میں ہوں۔	۱۴۱	پہلی تنقیح۔	۱۵۷
ایسے راستہ میں تصرف کے لئے اس کے ہر ہر ساکن کی اجازت ضروری ہے۔	۱۴۲	دوسری تنقیح۔	۱۵۸
ایسے کوچہ میں اپنی حد سے اوپر نیا دروازہ قائم کرنا ظلم ہے۔	۱۴۲	شریک کے حصہ کی بیع فضولی کی بیع ہے اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۱۵۸
کوچہ غیر نافذہ کے تمام شرکاء دروازہ کے لئے راضی ہوگئے کہ ایک نے اپنا مکان بیچ دیا، نیا پڑوسی آیا وہ راضی نہیں تو دروازہ نہیں توڑا جاسکتا۔	۱۴۲	بیع کی خبر پاکر خاموش رہنا اجازت نہیں ہے۔	۱۵۸
جو کسی کی ایک بالشت زمین ظلمالے قیامت کے دن ساتویں طبق تک دھنسا جائے گا۔	۱۴۳	بیع موقوف کی اجازت مورث کی موت کے بعد وارث نہیں دے سکتے۔	۱۵۸
زید کی بہن عمرو کے نکاح میں، عمرو کی بہن زید کے نکاح میں، دونوں عورتوں کے مرنے کے بعد ان کے مہروں میں مقاصہ ہوگا۔	۱۴۴	تیسری تنقیح۔	۱۵۹
کسی جائداد میں کوئی شخص سالہا سال تصرف کرتا ہے اور ایک شخص سب دیکھتا اور سنتا ہے، اگر یہ دوسرا شخص اس جائداد پر دعوٰی کرے دعوٰی مسموع نہ ہوگا۔	۱۴۶	بیع فضولی بیع موقوف ہوتی ہے۔ مالک نے خود بیع توڑدی تو بیع موقوف باطل ہوگئی۔	۱۵۹
متعدد کتب فقہ سے مسئلہ کی توضیح۔	۱۴۶	بائع نے غلط فہمی سے ایک جائداد کو اپنا حصہ سمجھ کر بیچ دیا اور وہ واقعۃً اس کا حصہ نہ تھا، تو وہ بیع میں داخل نہ ہوگا۔	۱۵۹
مصنف کی تحقیق اور جزئیات مختلفہ کی جمع و تطبیق۔	۱۵۲	زید کی کسی چیز کو عمرو نے بیچا، زید کو اس عقد کے جائز کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس چیز پر زید کوئی دعوٰی کرے تو اس سے بیع کی اجازت کا حق ساقط نہ ہوگا۔	۱۶۰
جس مسئلہ میں مورث کا دعوٰی ہی مسموع نہیں اس کی موت کے بعد وارث کا دعوٰی بھی مقبول نہیں۔	۱۵۵	چوتھی تنقیح۔	۱۶۰
حقیت کے ایک سوال میں پانچ تنقیحیں۔	۱۵۶	پانچویں تنقیح۔	۱۶۰
تین حصہ داروں میں دو نے ایک کی رضا کے بغیر تقسیم کی، یہ تقسیم باطل ہے۔	۱۵۷		

شرکت ملک میں شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔	۱۶۰	باپ نے بیٹے کو کچھ دینے کے لئے کہا اور نہیں دیا تو باپ پر جبر نہیں ہوسکتا۔	۱۶۷
شرکت کی تعریف۔	۱۶۰	بیٹے نے باپ کی مزدوری کی، یہ جائز نہیں۔	۱۶۸
شیوع کی صورت میں مملوک کے ہر ذرے پر شریک کا حق ہوتا ہے۔	۱۶۱	میراث کا حق اللہ تعالٰی کا مقرر کردہ ہے اس کو نہ باپ باطل کرسکتا ہے نہ بیٹا رد کرسکتا ہے۔	۱۶۸
تنقیح کی روشنی میں جائداد کی حقیت کا فیصلہ۔	۱۶۱	باپ حالت صحت میں اپنی ملک زائل کردے تو حق وراثت ختم ہوجائے گا۔	۱۶۹
ہندوستان کا یہ عرف ہے کہ شوہر عورت کو زیور کا مالک نہیں کرتا۔	۱۶۳	وارث کو حق میراث سے محروم کرنیوالے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۱۶۹
زیور کے عورت کی ملک ہونے کے لئے شوہر کی جانب سے تصریح ضروری ہے۔	۱۶۳	دو بیویوں میں عدم مساوات پر وبال۔	۱۶۹
شوہر نے زیور کو مہر میں دینے کی تصریح کی تو مہر میں محسوب ہوگا۔ اور احسان اور ہبہ کے طور پر دیا تو محسوب نہ ہوگا۔	۱۶۳	چار دفعات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۱۶۹
شوہر نے زیور کا صرف مالک بنایا، جہت کی تصریح نہ کی، عورت مہر سے الگ کہتی ہے۔ اور دیگر ورثہ مہر میں دینے کا دعوی کرتے ہیں۔ تو ورثہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۶۴	جو شخص کسی قسم کا قہر وتسلط رکھتا ہو اس کو کسی قسم کا تحفہ اور دعوت خاصہ قبول کرنے کا اختیار نہیں۔	۱۷۰
عورت کے پاس شوہر نے کچھ بھیجا عورت اس کو تحفہ کہتی ہے اور شوہر مہر قرار دیتا ہے اور چیز سڑنے گلنے والی ہو تو شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۶۴	ان اشخاص کی تفصیل جو اصحاب قہر وتسلط میں آتے ہیں۔	۱۷۰
مذبذب کا بیان مسموع نہیں۔	۱۶۵	ماتحت اپنے افسروں کی دعوت قبول کرسکتا ہے جس پر اس کا دباؤ نہ ہو۔	۱۷۰
تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں۔	۱۶۵	ایسے شخص سے ہدیہ ودعوت بھی قبول کرسکتا ہے جو اس منصب سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ رکھتا تھا۔	۱۷۰
وارث کے لئے وصیت درست نہیں۔	۱۶۵	اپنے قریبی محارم کا ہدیہ قبول کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۱۷۰
لڑکا باپ کے عیال میں ہوا اور باپ کی اعانت کے طور پر جو کمائے وہ باپ کا ہے۔	۱۶۶	کام پڑنے کے وقت مذکورہ بالا اصحاب سے بھی ہدیہ ودعوت نہیں قبول کرسکتا۔	۱۷۱
لڑکے نے باپ کے عیال سے الگ ہو کر کمایا یا ذاتی مال سے کوئی تجارت کی، یا باپ کے کسب سے الگ کوئی کسب کیا یہ سب بیٹے کا ہوگا۔	۱۶۷		

دعوت نہ قبول کرنے کی علت تہمت رعایت ہے اس لئے دعوت کے بعد بھی رعایت نہ کرنے کی عادت سے دعوت جائز نہیں ہوسکتی۔	۱۷۱	اعلم علماء البلد عالم دین کی اتباع من حیث العلم اور من حیث الحکم ہر طرح واجب ہے۔	۱۷۷
منصب کی وجہ سے ہدیہ کی ممانعت کا حکم حدیث شریف میں ہے۔	۱۷۱	نکاح خواں قاضی جو گاؤں میں مقرر ہوئے ہیں یہ کچھ نہیں ہیں۔	۱۷۷
مذکورہ بالا مسائل کے نصوص فقہیہ	۱۷۱	جو شخص کسی دوسرے کے لئے اس کی اجازت کے بغیر اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کرے اس کا معاوضہ کسی سے نہیں لے سکتا۔	۱۷۸
اسلامی ریاستیں جو کفار کے غلبہ میں ہوں ان کے مسلمان والیوں کی طرف سے جو حکام مقدمات فیصل کرنے پر مقرر ہیں وہ شرعا قاضی ہیں اور انہیں جو جائز اختیار تفویض ہوں وہ اختیارات شرعی ہیں۔	۱۷۴	جو چیز عاریۃً دی یا اس کے عاریۃً دینے کا رواج ہو وہ باقی ہو تو لے سکتا ہے اور باقی نہ ہو تو کسی سے مطالبہ نہیں۔	۱۷۸
جاہل قاضی شرع ہوسکتا ہے۔	۱۷۵	عاریت کی چیز کسی نے خرچ کی یا تلف کردی اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے۔	۱۷۸
فاسق قاضی بنادیا جائے تو قاضی ہوجائے گا لیکن اس کا قاضی بنانا گناہ ہے۔	۱۷۵	بھائی کی کفن دفن میں جتنا بطریق سنت خرچ کیا وہ مجرا کرسکتا ہے۔	۱۷۸
فاسق کو بعض احکام شرع کے اجراء کا مجاز نہیں کیا اور جن کا مجاز کیا ان میں اتباع شرع سے نہ روکا تو ایسی تحقیق جائز ہے اور قضا متحقق ہے۔	۱۷۶	مسلمانوں پر کافر کو کوئی حکومت نہیں۔	۱۷۹
بعض احکام میں اتباع شرع سے روکا تب بھی قضا متحقق ہے۔ البتہ ایسی قضاء کا قبول کرنا حرام ہے۔	۱۷۶	مسلمانوں کا کافروں کے طریقے پر نکاح کرنا جائز نہیں۔	۱۷۹
مسلمانوں کے معاملہ میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے۔	۱۷۶	کافروں سے دینی کام میں مدد لینی جائز نہیں۔	۱۷۹
جہاں اسلامی ریاست نہ ہو وہاں تراضی اہل اسلام سے قاضی بنایا جاسکتا ہے۔	۱۷۶	جو مسلمان ایسے ناجائز کاموں کے طرفدار ہوں شرعا تعزیر کے مستحق ہیں اور ان پر توبہ لازم ہے۔	۱۷۹
ایسا بھی نہ ہو تو اعلم علماء بلد جو عالم دین ہو قاضی ہے۔	۱۷۷	صرف قبالہ سے شرعا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔	۱۸۰
		آج کل عام طور سے عرف یہی ہے کہ باپ بیٹے کو کوئی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو خرید کر قبالہ لڑکے کے نام کرادیتا ہے تو یہ لڑکے کا نام خریدا ہی نہ ہوئی ہبہ ہوا۔	۱۸۱

اگر ہبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہو ملک ثابت ہوگی قبضہ نہ ہو ملک ثابت نہ ہوگی۔	۱۸۱	جواب سوال اول۔	۱۸۴
کورٹ کا نیلام بیع شرعی نہیں۔	۱۸۱	عالم دین اعلم علمائے بلد خود قاضی ہوجاتا ہے۔	۱۸۶
اصل مالک کا اس مبیع پر راضی ہونا ضروری ہے۔	۱۸۱	مسلمانوں کا راضی ہوکر کسی کی طرف فیصلہ خصومات میں رجوع لانا اس کو قاضی بنادیتا ہے۔	۱۸۶
عورت کی زمین پر اس کی اجازت سے اس کے لئے مکان بنایا تو مکان عورت کا ہوگا خرچہ عورت پر قرض ہوگا۔	۱۸۲	چودہ امور میں دعوی کے بغیر گواہی مسموع ہے۔	۱۸۷
عورت کی اجازت کے بغیر اپنے لئے بنایا تو مکان بنانے والے کا ہوگا۔	۱۸۲	اعلم علماء البلد اور قاضی بتراضی المسلمین کا فیصلہ قضائے شرعی ہے۔	۱۸۸
اور عورت کی اجازت کے بغیر عورت کے لئے بنایا تو مکان عورت کا، اور شوہر متبرع قرار دیا جائے گا۔	۱۸۲	حکم اس کو کہتے ہیں جس کو طرفین فیصل مقرر کریں۔	۱۸۸
واہب اور موہوب لہ میں سے کوئی بھی قبضہ سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔	۱۸۲	حد، قود، دیت علی العاقلہ کے علاوہ حکم کا فیصلہ بھی قضائے قاضی کی طرح نافذ ہے۔	۱۸۸
عورت مہر مثل کے برابر یا کم کا دعوی کرے تو مہر مثل دیا جائے۔	۱۸۳	متارکہ بھی صرف قول سے ہوتا ہے اس لئے شوہر کا کوئی فعل متارکہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔	۱۸۸
مہر مثل زائد کا دعوی شوہر کی رضا یا گواہان شرعی کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔	۱۸۳	تفریق کا وکیل ہوسکتا ہے اور وکالت کو معلق کیا جاسکتا ہے تو ایسی وکالت کے نتیجہ میں عالم نے تفریق کردی تو متارکہ ہوگیا۔	۱۸۹
غیر معتبر گواہوں کا کچھ اعتبار نہیں۔	۱۸۳	فضولی نے حکم دیا فریقین نے راضی ہوکر نافذ کردیا، نافذ ہوگیا۔	۱۸۹
دو سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء۔	۱۸۳	مادر زن کے ساتھ زنا کا ایک بار بھی اقرار کرلینے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے۔ شوہر کا بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں۔	۱۹۰
سوال اول۔	۱۸۳	مقر اپنے اقرار سے رجوع کرے تو نامقبول ہے۔	۱۹۰
ایک شخص نے چند افراد کی موجودگی میں اپنی ساس سے زنا کا اقرار کیا بعد ازاں اس کا انکار کیا، اس کا شرعی حکم۔	۱۸۳	جواب سوال دوم۔	۱۹۱
سوال دوم۔	۱۸۴	اسلامی ریاستوں کے مسلمان امراء (اگرچہ ریاست پر کافروں کا تغلب ہو)،	۱۹۱

کسی عالم مستجمع شرائط صالح قضاء کو قاضی بنادیں تو وہ شرعاً بھی قاضی ہو جاتا ہے کسی مقدمے کے فریق اس کو معزول نہیں کرسکتے۔	۱۹۱	دین اگر ترکہ کو مستغرق نہ ہو تو وارث اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے۔	۱۹۴
مسلمان امیر نے جن جن امور میں قضاء کا اختیار دیا سب کا یہ مجاز ہوگا۔	۱۹۱	دین ادا کرنے سے قبل ترکہ میں اور میت کے دین میں مرہون جائداد میں ورثہ کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔	۱۹۵
کافر کے قاضی بنانے سے قاضی نہ ہوگا۔	۱۹۲	کسی وارث کا مورث کے دین سے حصہ رسدی ادا کرنا اس کے تصرفات کو جائز نہ کرے گا تاوقتیکہ کل دین ادا نہ ہو جائے۔	۱۹۵
جہاں کفار کا تغلب ہو وہاں مسلمانوں پر کسی کا قاضی بنانا واجب ہے۔	۱۹۲	ایک جائداد میں کوئی مالکانہ تصرف کرتا ہے دوسرے کو اس کی تملیک کرتا ہے، پھر ایک مدعی جو شہر میں موجود ہو ان حالات سے مطلع ہو دعوی کرے کہ یہ میری ملک ہے دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۱۹۷
کافر کے بنانے سے مسلمان حکم بھی نہیں ہوسکتا۔	۱۹۳	کسی جائداد میں غیر کو تصرفات کرتے ہوئے کسی کا چُپ رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی ملکیت کا صریح اقرار ہوگا۔	۱۹۷
ابتداءً اول بدل کے ذریعہ بیع ہو جاتی ہے لیکن جس چیز کا عقد بیع فاسد کے ذریعہ کیا اب اس کو تعاطی کے ذریعہ بیع نہیں کرسکتے۔	۱۹۳	مذکورہ مسئلہ کے بارے میں کتب ائمہ سے جزئیات متعددہ۔	۱۹۷
ایک عورت کو پوری جائداد مہر کے عوض بیع کردی دوسرے کو اس میں کوئی حق نہ پہنچے گا ہاں دوسری کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کیا تو مجرم ہوا۔	۱۹۴	شفعہ کے بارے میں ایک استفتاء۔	۲۰۰
مہر کے لئے فوراً یا تاخیر سے ادائیگی کی کوئی تصریح نہ ہو تو مدار وہاں کے عرف پر ہوگا۔	۱۹۴	جو دیوار کسی کے استعمال میں ہو بحکم ظاہر اسی کی ہے کسی نے کسی چیز کا دعوی کیا تو یہ دعوی اس امر کو تسلیم کرتا ہے کہ مدعا علیہ کا اس چیز پر قبضہ ہے۔	۲۰۱
ان بلاد کا عرف یہی ہے کہ موت یا تفریق کے بعد طلب کرتے ہیں تو اس سے قبل عورت کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۱۹۴	دعوی دلیل شرعی (گواہ) سے ثابت ہوتا ہے۔	۲۰۱
ورثہ میں سے کسی نے تبرعاً مورث کی طرف سے مہر ادا کردیا تو اس کو دوسرے ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں، اور تبرع نہ ہو تو وصول کرسکتا ہے اور اس کی ادائیگی کے لئے مورث کی جائداد کی بیع روک سکتا ہے۔	۱۹۴	بیع نامہ کی اطلاع پانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ سے آگاہ ہوا، نہ اس بنیاد پر اطلاع پانے والے پر کوئی الزام قائم کیا جاسکتا ہے۔	۲۰۲

ظاہر کا فائدہ مدعا علیہ کو پہنچتا ہے مدعی کو نہیں۔	۲۰۲	اور اس باب میں شاہد اور مدعی دونوں کا ایک حکم ہے۔	۲۰۷
کسی عقد بیع کا تسلیم کرنا الفاظ زائد کا تسلیم کرنا نہیں ہے۔	۲۰۲	مکانات کی بے پردگی کے مسائل۔	۲۰۸
چوحدی مبیع میں داخل نہیں۔	۲۰۲	انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقًا اختیار رکھتا ہے۔	۲۰۸
بیع نامہ پر گواہی کرنا بھی شیئ مبیعہ پر ملک کے دعوی سے مانع نہیں۔	۲۰۲	اپنے نقصانات کی وجہ سے پڑوسی کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روک نہیں سکتے۔	۲۰۸
کسی چیز کا بھاؤ کرنا اس کے ہبہ کی درخواست کرنا اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ہے، کسی دوسرے کی ملک ہونے کا اقرار نہیں ہے۔	۲۰۳	اپنی بے پردگی سے پڑوسی کو دروازہ اور جنگلہ رکھنے سے روک نہیں سکتے۔ خود اپنے پردے کا انتظام کریں۔	۲۰۸
یہ مسئلہ زیادات کا ہے جو ظاہر الروایہ سے ہے اور اکثر سے اسی کی تصحیح ہو رہی ہے۔	۲۰۳	احناف کے ائمہ خمسہ امام اعظم، ابویوسف، محمد بن حسن، زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی ہیں۔	۲۰۹
جو اکثر کا قول ہے اسی پر عمل ہے۔	۲۰۴	فتوی مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہوگا۔	۲۱۰
قاضی خان کی تصحیح دوسرے پر مقدم ہے۔	۲۰۵	جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں ہے۔	۲۱۰
قاضی کے فیصلہ کی بنیاد مدعی کی دلیل، اور مدعا علیہ کا اقرار یا انکار ہے۔	۲۰۵	متاخرین نے لاضرر ولاضرار پر فتوی دیا لیکن یہ بھی وہاں جہاں ضرر شدید ہو۔	۲۱۰
گاؤں کے لڑکے کو ہبہ کردیا تو اب اس کی آمدنی میں والدین کو دعوی کا حق نہیں، ہاں والدین پر بر واحسان موجب سعادت دارین ہے۔	۲۰۶	ضرر شدید میں مکان کا گرجانا، انتفاع کے لائق نہ رہنا کہ بالکل روشنی ختم ہوجائے وغیرہ۔	۲۱۱
تنگدست والدین کا نفقہ کشادہ دست لڑکے پر ہے۔	۲۰۶	جو خود اپنی دیوار گرا کر یا نیچی رکھ کر اپنا ضرر کرے وہ دوسرے کو اپنے پردہ کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔	۲۱۱
مدعی اپنے دعوی میں جائداد متنازعہ کی حدود میں ترمیم کرے اور اس کی صحیح توجیہ کرے، تو دعوی قبول ہوگا۔	۲۰۷		

لاضرر ولاضرار کالحاظ دونوں طرف ہونا چاہئے۔	۲۱۲	(۳) تعین ثمن مفقود ہے۔	۲۱۷
جائداد میں کسی کے تصرفات کو دیکھ کر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ جائداد میں ساکت رہنے والے کا حق نہیں ہے۔	۲۱۲	(۴) دعوی اور گواہی میں مطابقت نہیں۔	۲۱۷
مورث کے ترکہ کو متصرف کا دین مستغرق ہو تب بھی دعوی وراثت غیر مسموع ہوگا۔	۲۱۳	(۵) ایجاب وقبول مجلس واحدہ میں نہیں۔	۲۱۷
وارث دین ادا کرکے ترکہ چھڑا سکتا ہے۔	۲۱۴	(۶) ایک گواہ کی گواہی اپنے فعل پر ہے جو نامقبول ہے۔	۲۱۷
ترکہ کی تقسیم۔	۲۱۴	ضابطہ کی مخالفت۔	۲۱۷
استحقاق شیوع مقارن ہے ہبہ کو باطل کردے گا۔	۲۱۴	اسٹامپ سادہ غیر رجسٹرڈ جس کو گورنمنٹ قبول نہیں کرتی، عقلا:	
ادائیگی قرض کے دعوی کے ثبوت کے لئے قرضخواہ کا اقرار یا اقرار کے گواہ کافی ہیں۔	۲۱۵	(۱) بائع کی نہ تحریر نہ دستخط جبکہ وہ پڑھا لکھا ہے۔	۲۱۸
بھرپائی کے رسید دلیل شرعی نہیں۔	۲۱۵	(۲) گواہ عزیز واقارب میں نہیں۔	۲۱۸
مہمل دعوی پر شہادت فضولی ہے۔	۲۱۵	(۳) حدود جنوبی وشمالی مشکوک۔	۲۱۸
نفی پر گواہی نامقبول ہے۔	۲۱۵	(۴) مہر ضرور ہے مگر وہ محفوظ نہیں رہتی۔	۲۱۸
شرعا تحریر کا اعتبار نہیں۔	۲۱۵	اعلیحضرت کی تنقید۔	۲۱۸
دلائل شرعیہ عین ہیں: بینہ، اقرار، نکول۔	۲۱۵	مقدمہ اول وجہ شرعی کے چار نمبروں کا جواب۔	۲۱۸
ایک غلط تجویز کا سوال۔	۲۱۶	ثبوت بیع کے دو معنی ہیں: فی الواقع اور عندالقاضی، ایجاب وقبول پر موقوف صرف اول ہے۔	۲۱۸
کچہری کی تجویز کا خلاصہ۔	۲۱۶	تحقیق ایجاب وقبول کی مختلف صورتیں۔	۲۱۹
مدعیہ محمدی بیگم اپنا دعوی مندرجہ ذیل وجوہ سے ثابت نہ کرسکی شرعا:		عقود ومعاملات میں صرف معنی کا اعتبار ہے۔	۲۱۹
(۱) گواہ کئی وجہ سے مجروح ہیں۔	۲۱۷	دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم لکھ کر گواہیاں کراکر مشتری کو دینا اور اس کا لینا ایجاب وقبول کے لئے کافی ہے۔	۲۱۹
(۲) شرعا ایجاب وقبول نہیں پایا گیا۔	۲۱۷	والدین اپنے روپے سے جائداد خرید کر بیعنامہ اپنے بچوں کے نام لکھاتے ہیں یہ تملیک وہبہ ہے۔	۲۱۹
		مقدمہ دوم۔	۲۲۰

ثبوت عندالقاضی عقد کے گواہ اور اقرار عاقد کے گواہ دونوں طرح ہو جاتا ہے۔	۲۲۰	مقدمہ پنجم۔	۲۲۲
شرعًا کی وجہ خامس کا جواب۔	۲۲۰	کوئی شہادت حاکم نے مقدمہ کے ایک امر میں مقبول کی تو دوسرے امر میں رد نہیں کر سکتا۔	۲۲۲
ایک گواہ اقرار کا ہو اور ایک عقد کا، گواہی ثابت ہو گی۔	۲۲۰	فائدہ جلیلہ مہمہ۔	۲۲۳
شہادت اقرار کے بعد تفتیش عقد کی حاجت نہیں رہتی۔	۲۲۱	مقدمہ ششم۔	۲۲۳
مقدمہ سوم۔	۲۲۱	غیر ثقہ اہل شہادت ہے۔	۲۲۳
عقلًا کی وجہ اولًا کا جواب۔		شہادت فاسق مقبول نہ ہونے سے مراد۔	۲۲۳
کتاب کی تین قسم ہے:	۲۲۱	فاسق کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں البتہ قبول کرے تو صحیح ہو گی۔	۲۲۳
(۱) نامعلوم جیسے ہوا پانی پر لکھنا، یہ باطل ہے۔	۲۲۱	فاسق کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہے۔	۲۲۳
(۲) مرسوم طریقہ معہودہ پر لکھنا، یہ معتبر ہے۔	۲۲۱	فاسق کی قضاء اور شہادت دونوں صحیح ہے البتہ قاضی بنانے والا شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہوں گے۔	۲۲۴
(۳) معلوم غیر مرسوم معہودہ طریقہ پر نہ ہو،	۲۲۱	مقدمہ ہفتم۔	۲۲۴
یہ نیت یا دلیل نیت کے ساتھ معتبر ہے ورنہ نہیں۔	۲۲۱	زید نے مکان پر دعوی کیا میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو قابض کہتا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے، تو دونوں مدعی ہیں۔	۲۲۴
دلیل نیت کی صورتیں۔	۲۲۱	قابض کے حق میں ڈگری کی صورتیں۔	۲۲۴
املا یعنی عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے۔	۲۲۱	آٹھواں مقدمہ۔	۲۲۶
غیر مرسوم طور پر خود لکھے تو بے گواہ معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ معتبر ہے۔	۲۲۱	کسی گواہ کی گواہی کے بعد مدعی کا یہ کہنا کہ یہ جھوٹا ہے اور بیان سے پہلے جھوٹا کہنے میں فرق ہے۔	۲۲۶
مقدمہ چہارم۔	۲۲۲	دوسری قسم کی گواہ قبول ہوں گے۔	۲۲۶
بیع کی گفتگو دو معنوں میں مستعمل ہے: مشورہ بیع اور عقد بیع۔	۲۲۲	مدعی نے کہا میرے گواہ نہیں اور مدعی علیہ نے حلف اٹھائی اس کے بعد مدعی نے گواہ پیش کئے، قبول کئے جائیں گے۔	۲۲۶

تنقید وجوہ شرعی۔	۲۲۸	گواہوں کے تزکیہ کے بغیر ان کو فاسق کہنا صحیح نہیں۔اور یہاں فیس اسٹامپ جمع کرنے کے سلسلہ میں ان گواہوں پر اعتبار ہوچکا ہے تو بحکم مقدمہ پنجم شہادت بیع میں بھی اعتبار ہونا چاہئے۔	۲۳۱
بحث اول۔	۲۲۸	وجہ ضابطہ کی تنقید۔	۲۳۱
اقرار کے گواہوں کو ایجاب قبول کا گواہ قرار دیا گیا۔	۲۲۸	جب حسب قاعدہ سرکاری اس بیعنامہ کی اسٹامپ کچہری نے قبول کرلیا، تو اب اس کو کچہری کے ضابطہ کے اصول سے ناقابل قبول بنانا غلط ہے۔	۲۳۱
بحث دوم تنقید وجہ خامس۔	۲۲۸	بحث ہشتم وجوہ عقل کی تنقید۔	۲۳۱
صرف اپنے ہی فعل کی گواہی نہیں بلکہ بائع کے افعال کی بھی گواہی دی اس لئے یہ گواہی مقبول ہوگی۔	۲۲۸	اسٹامپ قبول کرنے کے لئے ان شہادتوں کو کس عقلی دلیل سے تسلیم کیا۔	۲۳۱
بحث سوم تنقید وجہ سادس۔	۲۲۹	رجسٹری فیس وصول کرنے کے بعد اس کے عدم قبول کا عذر غلط ہے۔	۲۳۱
اقرار بیع کے پانچ گواہ ہیں۔	۲۲۹	لکھنے سے زیادہ لکھانے کا اعتبار ہے۔	۲۳۱
بحث چہارم تنقید وجہ اول۔	۲۲۹	قبول شہادت میں زائد باتوں میں اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں۔	۲۳۱
حاکم کے پاس شہادت اقرار کے بعد ایجاب وقبول کے گواہی کی ضرورت نہیں۔	۲۲۹	فیصلہ تجویز غلط ہے، فیصلہ مدعیہ محمدی بیگم کے حق میں ہوا۔	۲۳۲
بحث پنجم وجہ چہارم کی تنقید۔	۲۲۹	استغراق جائداد بے قبضہ شرعاً ناجائز ہے۔	۲۳۲
جب مدعا علیہ کا بیان شہادت عقد ہے ہی نہیں، اور گواہ اقرار عقد کے ہیں، تو مدعیہ اور گواہوں کے بیان میں مخالفت نہیں۔	۲۲۹	رہن معہ قبضہ صحیح ہے لیکن اس سے مرتہن کا منافع اٹھانا جس کو رہن دخلی کہتے ہیں ناجائز ہے۔	۲۳۲
بحث ششم وجہ چہارم کی مزید تنقید۔	۲۲۹	معدوم جائداد کے لئے وعدہ بے معنٰی ہے مہر معجّل کے دعوٰی کا عورت کو ہر دم حق حاصل ہے۔	۲۳۲
مدعیہ اور گواہ کے بیان میں تخالف سے گواہ کے بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر مدعی کا بیان پہلے ہو۔	۲۲۹	ہر ہر وطی معقود علیہ ہے۔	۲۳۲
بحث ہفتم تنقید وجہ ہفتم۔	۲۳۰		

مہر معجّل ہے تو جائداد موجود عورت کو دے دے یا اس کے پاس بعوض مہر رہن رکھ دے اور جو باقی بچے اس کو آئندہ شوہر دے تو اس کی رضا سے لیتی جائے، نہ دے تو نالش کے ذریعہ نیلام کرائے، اور جو مقدار مہر سے زائد ہو اس کو واپس کردے۔	۲۳۲	قضا کو زمان ومکان، خصومت اور دیگر شرائط کے ساتھ مقید کرنا جائز ہے۔	۲۳۶
آج کل خلاف جنس پر قابو پائے تو اپنا حق وصول کرسکتا ہے۔	۲۳۲	باہر جانے کے لفظ سے فرار ثابت نہیں ہوتا۔	۲۳۶
جب کل مہر کے عوض جائداد ہبہ ہو کل مہر ساقط ہوگیا چاہے کتنا بھی ہو۔	۲۳۳	بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے۔	۲۳۷
ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۲۳۳	زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔	۲۳۷
مشتری کے لئے ثمن میں کچھ ملک باقی نہیں رہتی۔	۲۳۳	اقل متیقن ہوتا ہے۔	۲۳۷
جہاں مقاصہ ہو وہاں مقدار کا بیان بلکہ معلوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔	۲۳۳	مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح نہیں۔	۲۳۷
مسلمانوں پر کسی بھی معاملہ میں ہنود کی گواہی معتبر نہیں۔	۲۳۴	موت کے بعد ملک منتقل ہوجاتی ہے۔	۲۳۸
تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۲۳۴	دائن میت اور مدیون میت اگر میت کے وارث ہوں تو مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح ہے۔	۲۳۸
گواہی نہ ہونے کی صورت میں شوہر کی قسم کھلائی جائے، قسم کھاکر طلاق کا انکار کردے گا تو عورت کا دعوی رد ہوجائے گا اور قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوگی۔	۲۳۴	تحقیق مقام۔	۲۳۸
نصاب شہادت برائے طلاق۔	۲۳۵	میت کے مدیون پر میت کا وارث یا وصی دعوی کرسکتا ہے میت کا قرضدار نہیں۔	۲۳۸
زمانہ طلاق کے بارے میں گواہوں کا اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں۔	۲۳۵	میت پر دعوی ثابت کرنے کے لئے بھی وصی یا وارث کا حضور شروط ہے۔	۲۳۸
بادشاہ اسلام یا قاضی قضاۃ نے جسے قاضیوں کے مقرر کرنے کا حق ہے جس شخص کو جن قواعد وشرائط کے ساتھ حکم کیا، پوری ریاست کے لئے جو قواعد وضوابط بنائے ان کی پابندی متعلقہ افراد کے لئے ضروری ہے۔ عدم پابندی کی صورت میں فیصلہ کالعدم ہوگا۔	۲۳۵	میت کے مدیون پر دین اور خود میت پر دین اگر کسی اور طریقہ سے ثابت ہوجائے تو مدیون کے مدیون پر دعوی ہوسکے گا۔	۲۳۸

میت کے دو۲ لڑکے ہوں، ایک نے باپ پر اپنا ایک ہزار قرض بتایا اور اتنا ہی ترکہ ہے مگر کسی اجنبی پر قرض ہے موجود لڑکے کی گواہی اجنبی پر قبول ہوگی۔ قرضہ دوسرے لڑکے کے آنے کے بعد دلایا جائے گا۔	۲۳۹	المجهول لایعرف المجهول۔	۲۴۴
میت پر ایک وارث کی موجودگی میں قرض ثابت ہوا بقیہ ورثہ کے حق میں بھی ثابت ہوجائیگا۔	۲۴۰	فاسق یا مستور کی تعدیل صحیح نہیں۔	۲۴۴
ایک وارث نے میت کا قرضہ کسی پر ثابت کیا سب وارثوں کو حصہ ملے گا۔	۲۴۰	مزکی عادل نہ ملے تو جولوگ تزکیہ کرتے ہوں سب اس کی عدالت یا فسق میں متفق ہوں اور قاضی کو اطمینان قلب ہو کہ سچ کہتے ہیں تو قبول کرسکتا ہے۔	۲۴۴
میت کی ماں کے مہر میں سے میت کی بیوی کا کس جہت سے کتنا حصہ ہوگا۔	۲۴۰	متفقہ خبر اور قاضی کی تحری صدق، خبر متواتر کے منزلہ میں ہے۔	۲۴۴
فیصلہ دستاویز یا دستخط پر نہیں گواہی پر ہے۔	۲۴۲	طامع اور مفلس نہ ہونا، اور لوگوں سے اختلاط ہونا شرائط اولویت تزکیہ میں سے ہے۔	۲۴۵
کسی کا حق ہو تو چاہے اقرار نہ کرے پھر بھی دینا شرعاً ضروری ہے۔	۲۴۲	عارف اسباب جرح، عالم دین کو ترجیح دی جائیگی۔	۲۴۵
جھوٹے اقرار کی پابندی لازم نہیں۔	۲۴۲	وصف علم سب پر راجح ہے۔	۲۴۵
سوال اول۔	۲۴۲	جاہل کو اسباب جرح وتعدیل میں امتیاز دشوار ہے۔	۲۴۵
تزکیہ شہود سے متعلق سوال۔	۲۴۲	قاضی اپنے صوابدید کے موافق اجتماعی یا انفرادی گواہی لے سکتا ہے ہاں دو عورتوں کی گواہیاں ساتھ ساتھ ہوں گی۔	۲۴۵
سوال دوم۔	۲۴۳	آج کل کے وُکلا جس طرح جرح کرتے ہیں کہ کھیر کر سچ کو جھوٹا بناتے ہیں، یہ سخت ممنوع ہے۔	۲۴۶
مزکی خود عادل ہونا ضروری ہے مجہول الحال کسی کا تزکیہ نہیں کرسکتا۔	۲۴۳	شهادة علی الزیادة مردود ہے۔ مقبول ہونے کی یہ صورت ہے کہ مدعی دعوی اور شہادت میں تطبیق کردے۔	۲۴۷
مزکی کے عادل ہونے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے۔	۲۴۴	مسئلہ کے نصوص اور توفیق کی مثالیں۔	۲۴۷
کاذب فاسق کا تزکیہ صحیح نہیں۔	۲۴۴	مدعی جب کسی کے لئے ایک چیز کا اقرار کرچکا تو اس کا دعوی نہیں کرسکتا۔	۲۵۰

شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہوگی۔ آٹھ مسائل کا استثناء ہے۔	۲۵۰	تجویز تنقیح نمبر ۲	۲۶۲
بیعنامہ کا حکم۔	۲۵۲	رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا۔	۲۶۲
ایجاب وقبول ثقہ گواہوں سے ثابت ہوں یا بائع کا اقرار ثابت ہو تو بیع ثابت ہے رجسٹری ہو یا نہ ہو، ثمن دیا گیا ہو نہ دیا گیا ہو۔	۲۵۲	مرتہن رہن کو ہبہ نہیں کرسکتا۔	۲۶۲
اپنے حق مرور سے باہر کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ کھولنے میں اختلاف فتوی ہے معتمد اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جائز نہیں۔	۲۵۲	تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۳	۲۶۳
متون نقل مذہب کے لئے ہیں۔	۲۵۳	غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا صحیح نہیں۔	۲۶۳
قاضیخاں کی تصحیح سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔	۲۵۳	تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۴	۲۶۴
○ **انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ** (شرکت و میراث کے اُلجھے ہوئے ایک مسئلہ کا انتہائی شاندار فیصلہ)	۲۵۵	رہن مشاع فاسد ہے۔	۲۶۵
ان چیزوں کی فہرست جس کا فیصلہ مطلوب ہے۔	۲۵۶	رہن دخلی شرعا حرام ہے۔	۲۶۵
پانچ قطعہ مکانات کی تفصیل مع چوحدی۔	۲۵۶	رہن صحیح وفاسد کا حکم ایک ہے۔	۲۶۵
عرضی دعوی اور کارروائی مقدمہ کی تفصیل۔	۲۵۷	انتقال مرتہن کے بعد اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہوجاتے ہیں۔	۲۶۵
جواب دعوی۔	۲۵۷	راہن مرتہن کے مرنے سے رہن باطل نہیں ہوتا۔	۲۶۵
مدعاعلیہ نمبر ۲	۲۵۷	خریداری میں روپیہ والد کا ہونا ملک والد کو مستلزم نہیں۔	۲۶۶
تفصیل آمد وخرچ مجموعی۔	۲۵۸	لادعوی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلاشرط لادعوی ہے۔	۲۶۷
۷ قطعہ دستاویز متعلقہ جائداد۔	۲۵۸	کسی شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلا دلیل مقبول نہیں ہوسکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لئے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہوجاتا ہے۔	۲۶۷
کارروائی متعلق دستاویز۔	۲۵۸	کوئی مقر اپنے اقرار بدعوی سہو ولغزش پھر نہیں سکتا۔	۲۶۸
گیارہ تنقیحات۔	۲۶۰	تجویز تنقیح نمبر ۵	۲۶۸
تجویز تنقیح نمبرا	۲۶۰	تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۶	۲۶۹

شرکت کا علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں۔	۲۷۰	کسی کے مکان کا پانی پڑوسی کے مکان سے ہو کر بہتا رہا ہو تو اس پڑوسی کو اس پانی کے روکنے کا حق نہیں۔	۲۸۰
تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۷	۲۷۰	استحقاق کا ثبوت پڑوسی کے اقرار سے یا گواہان عادل سے ہوگا یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پڑوسی قسم کھاکے انکار کردے انکار ہوجائے گا۔	۲۸۰
تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۸	۲۷۰	پانی کا مدتوں سے بہنا یا گھر کے ڈھال کا ادھر ہونا ثبوت حق کے لئیے کافی نہیں ہے۔	۲۸۰
تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۹	۲۷۱	پڑوسی کو نالی بند کرنے کا حق نہیں۔	۲۸۱
کسی کے ساتھ نیکی پر ثواب کی امید ہے مگر استحقاق معاوضہ نہیں۔	۲۷۴	شوہر نے اپنا کوئی مکان بیوی کے مہر کے عوض بیچ کردیا، دوسری بیوی کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ اپنی ماں کے مہر کے عوض اس کو نیلام کراسکیں۔	۲۸۲
کوئی شخص نیک سلوک اور احسان کرکے جبرا عوض نہیں مانگ سکتا۔	۲۷۴	مذکورہ بالا مسئلہ پر پانچ وجوہ سے استدلال	۲۸۳
دوسرے کے امر کے بغیر اس کا قرضہ ادا کرنیوالا اس سے واپس نہ پائے گا۔	۲۷۴	وجہ اول۔	۲۸۳
تجویز متعلقہ تنقیح نمبر ۱۰	۲۷۴	بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں۔	۲۸۳
شرعا دو دائن مدیون کو تقسیم نہیں کرسکتے نہ غیر مدیون سے دین کا مبادلہ ممکن ہے۔	۲۷۵	بیع بالعوض اور ہبہ بشرط العوض کا فرق۔	۲۸۳
حکم۔	۲۷۵	ہبہ بشرط العوض المعین ابتداءً ہبہ اور انتہاءً بیع ہے۔	۲۸۳
دین مہر کے عوض جائداد دی گئی وہ مبیع ہوئی، عورت اپنی زندگی میں اس میں ہر قسم کے تصرفات کی مختار ہے۔	۲۷۸	وجہ ثانی۔	۲۸۴
معاوضہ مہر میں شوہر کے ورثہ کا کوئی دعوی نہیں۔	۲۷۸	جو چیز عورت کے قبضہ میں ہے وہ شوہر کے قبضہ میں مانی جائے گی، اس کا مطلب عورت کے قبضہ کی نفی نہیں۔	۲۸۴
تحکیم کا حکم، پنچ مقرر کرنے کے بعد حکم کے فیصلہ سے مکرنے پر حکم پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔	۲۷۹	مقبوض المقبوض مقبوض۔	۲۸۴
پہلے پنچوں کا فیصلہ حق ہو تو بعد والے اسی کو نافذ کریں، ورنہ حق فیصلہ کریں۔	۲۷۹	وجہ ثالث۔	۲۸۴
فیصلہ سے پہلے فریقین کو تحکیم باطل کرنے کا اختیار ہے فیصلہ کے بعد فیصلہ لازم ہوجاتا ہے۔	۲۷۹	قابض القابض قابض۔	۲۸۴

وجہ رابع۔	۲۸۴	گواہ کی موجودگی میں مدعا علیہم نہ تو خود قسم کھاسکتا ہے نہ مدعی قسم طلب کرسکتا ہے۔	۲۸۹
حدیث انت ومالک لابیک کا مطلب۔	۲۸۴	یمین اور بینہ دونوں قاضی کے سامنے ہونا ضروری ہے۔	۲۸۹
ترکہ ثبوت ملک ہے۔	۲۸۴	گواہ شہر میں موجود ہوں تو مدعی مدعا علیہ سے قسم کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔	۲۹۰
وجہ خامس۔	۲۸۵	غیبت کی مسافت کے سلسلہ میں مجتبٰی کی عبارت کی توضیح۔	۲۹۱
ہبہ بے قبضہ تمام نہیں۔	۲۸۵	چار سوالات پر مشتمل ایک مفصل استفتاء۔	۲۹۱
زوجیت مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۸۵	تحلیف کی ایک صورت کی توضیح۔	۲۹۱
امرأۃ مافی ید ہافی ید الزوج کا تعلق اس صورت سے ہے کہ عورت کوئی چیز اپنے پاس رکھتے ہوئے شوہر کو ہبہ کردے، تو ہبہ صحیح ہے۔	۲۸۵	تحلیف میں احتیاط یہی ہے کہ دعوی کے جزوکُل دونوں کو شریک کیا جائے۔	۲۹۴
زوجیت کے ثبوت کی چار صورتیں۔	۲۸۵	حلف دعوی پر لیا جاتا ہے جو چیزیں دعوی سے خارج ہیں ان پر نہیں۔	۲۹۴
صرف دستاویزوں سے زوجیت کا ثبوت نہ ہوگا۔	۲۸۶	یمین نہ تو دعوی فاسدہ پر مرتب ہوتی ہے نہ معدوم پر۔	۲۹۴
نکاح کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ اس وقت نکاح میں ہے۔	۲۸۶	گواہ بعض دعوی پر گواہی دے مقبول ہے۔	۲۹۴
وہ چار چیزیں جس میں سن کر گواہی دی جاسکتی ہے۔	۲۸۶	وزن قیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں۔	۲۹۵
والدین جہیز کے کسی سامان کو عاریت بتائیں تو بغیر شہادت یہ دعوی مسموع نہ ہوگا۔	۲۸۷	اشیاء غائبہ میں قیمت کا ذکر مدعٰی کی تعیین کے لئے ہوتا ہے۔	۲۹۵
شوہر کسی زیور کے بارے میں یہ دعوی کرے تو مسموع ہوگا۔	۲۸۷	فائدہ دعوی الزام ہے بواسطہ اقامت حجت۔	۲۹۵
تمادی کا عذر شرعا کوئی چیز نہیں۔	۲۸۸	مجہول میں الزام متحقق نہیں ہوتا۔	۲۹۵
مبیع کا معیب بہ عیب فاحش ہونے میں یا ہلاک ہونے کی صورت میں ثمن میں اختلاف ہو تو بائع کے گواہ وہ نہ ہوں تو مشتری کی قسم یا انکار پر فیصلہ ہوگا۔	۲۸۹	عین کی معرفت وصف سے نہیں ہوتی۔	۲۹۵

قیمت کی معرفت وصف سے ہوتی ہے۔	۲۹۵	حلف بروجہ صحیح تام نہ ہوئی، تو گو مدعا کے طلب پر قاضی نے دلائی ہو، دوبارہ صحیح طور پر قسم دلانا ضروری ہے۔	۳۰۲
مدعی غائب ہو تو جواہر اور ریشمی کپڑے میں وزن کا ذکر موتی میں اس کی گولائی روشنی اور وزن کا ذکر ضروری ہے۔	۲۹۵	متولی وقف، وصی اگر متعلقہ اشیاء میں کوئی عقد خود کریں تو انھیں قسم دلائی جاسکے گی ورنہ نہیں۔	۳۰۳
یمین اور بیع میں ذراع وصف ہے اور لغو ہے۔ دعوی اور شہادت میں اس کا اعتبار ہے۔	۲۹۶	جھوٹی گواہی کا کوئی کفارہ نہیں، آئندہ کے لئے کسی بات کی جھوٹی قسم کھانے کا کفارہ ہے۔	۳۰۴
کسی کلام مستقل میں کوئی قید ہو تو دوسرے کلام مستقل میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔	۲۹۷	جھوٹے گواہ کے بارے میں حدیث میں وعید شدید۔	۳۰۴
شہادت میں الفاظ قاطع ہونا چاہئے۔	۲۹۷	جہاں شہادت ناقابل اعتبار ہو مدعا علیہ کو قسم دلائی جائے گی۔	۳۰۴
حلف میں آج کل جو کچھ کہلایا جاتا ہے مثلاً واللہ اس باب میں جو کہوں گا حق کہوں گا یمین منعقدہ ہے اور مدعا علیہ پر یمین غموس لازم ہے۔	۲۹۸	حاکم تنہا قسم کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے۔ مدعی قسم طلب کرے تو قاضی مدعا علیہ پر قسم رکھے۔	۳۰۴
مطلق کا اقرار مقید کا اقرار نہیں۔	۲۹۹	شرعی قضاء کا طریقہ۔	۳۰۵
ایسی چیز پر تحلیف صحیح نہیں جس کے انکار سے مدعا علیہ پر دعوی کی ڈگری نہ دی جاسکے۔	۲۹۹	مسئلہ کی فقہی نصوص۔	۳۰۵
قسم اس بات پر دلائی تھی کہ کوئی چیز اس فہرست میں کہ بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم ہے مدعا علیہا کے پاس نہیں، نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد قبضہ مدعا علیہا میں آئی قسم دلاتے وقت خط کشیدہ ٹکڑا رہ گیا، تو تحلیف صحیح نہ ہوگی۔	۲۹۹	حقوق العباد میں دعوی شرط شہادت ہے۔	۳۰۷
مدعی کی طلب پر حلف لینا حاکم کا کام ہے خود مدعی حلف دلائے صحیح نہ ہوگی۔	۳۰۰	انتفاء شرط سے مشروط منتفی ہوجاتا ہے۔	۳۰۷
مدعی مال سے بری کرسکتا ہے حلف سے نہیں، یہ تو حاکم کا حق ہے۔	۳۰۰	ایک غلط فتوی کی تنقید۔	۳۰۸
مدعی اور حاکم دونوں مدعا علیہ کو حلف سے بری کریں تو بھی بری نہ ہوگا۔	۳۰۱	زید نے عمرو کے خلاف شکایت کی کہ اس نے مجھے دعوت نہیں دی عمرو نے کہا میں نے دعوت دی تھی۔ لوگوں نے عمرو سے قسم کھلائی، اس صورت میں نہ دعوی ہے نہ مدعی نہ مدعا علیہ نہ قسم کھلانے کی ضرورت۔	۳۰۸

مذکورہ بالا حلف کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم حلف کو نہیں جانتے تو کوئی جرم نہیں، قائل پر کفر وفسق کا فتوی جہالت۔	۳۰۸	اپنے اقرار پر آدمی کا مواخذہ ہوگا۔	۳۱۶
جاہل کو فتوی دینا حرام ہے۔	۳۰۹	مرض الموت کا ہبہ رضائے ورثہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۳۱۶
جو بے علم فتوی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔	۳۰۹	شرکت طاریہ مفر ہبہ نہیں۔	۳۱۶
من لم یعرف اهل زمانه فهو جاہل	۳۰۹	خریداری مشتری کی طرف سے قرار دینا ممکن ہو تو اسی پر نافذ ہوگی۔	۳۱۷
مدعی اور منکر کی شناخت علماء پر بھی مشکل ہے۔	۳۰۹	عام طور سے باپ بیٹے کے نام کوئی چیز خریدتا ہے تو مقصد ہبہ کرنا ہوتا ہے۔	۳۱۷
مسلمان پر معصیت کا حکم لگانے سے قبل تنقیح ضرور کرلینا چاہئے۔	۳۰۹	باپ نے بیٹے کے لئے اقرر کیا، اب کہتا ہے مصلحۃً ایسا کیا تھا، گواہی کے بعد باپ کا دعوی تسلیم ہوگا، قسم کے بعد بیٹے کا قول معتبر ہوگا، نکول کی صورت میں ڈگری باپ کی ہوگی۔	۳۱۷
اولاد کا والدین کے حقوق کا لحاظ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔	۳۱۰	ثبوت زوجیت کے ایک فیصلہ کی تنقید۔	۳۱۹
اطاعت والدین کے ترغیب کی ۸ حدیثیں	۳۱۰	صحت نکاح صحت توکیل پر موقوف نہیں۔	۳۲۰
ایک دلگداز حدیث شریف۔	۳۱۰	نکاح فضولی بھی جائز ہے۔ نفاذ البتہ طرفین کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۳۲۰
ایک بار کے اشعار سن کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا گریہ اور اس کے بیٹے کو زجر وتوبیخ۔	۳۱۳	نکاح فضولی پر فیصلہ کرنے کے لئے یہ ضروری تنقیح ہے کہ اجازت پائی گئی یا نہیں۔	۳۲۰
انت ومالك لابيك حکم دیانت ہے قضاء باپ اور بیٹے کی ملک جدا ہے۔	۳۱۴	بعد کی اجازت پہلے کی وکالت کے مثل ہے۔	۳۲۱
لڑکے کے مال میں مجبور باپ کے حقوق۔	۳۱۴	صحت شہادت کے لئے مشہود علیہ کو وقوعہ کے وقت پہچاننا ضروری ہے پہلے سے جان پہچان ضروری نہیں۔	۳۲۱
فقیر باپ اپنے مالدار لڑکے کے مال سے ضرورت بھر چرا سکتا ہے۔	۳۱۵	دو مرد اور ایک عورت کی شہادت کہ یہ فلاں عورت ہے اس وقت ضروری ہے کہ مقرہ نقاب میں ہو۔	۳۲۲
غائب کے مال سے زوجہ اور ابوین، اپنے حق کی جنس سے بغیر قضائے قاضی بھی لے سکتے ہیں۔	۳۱۵	گواہ مقرہ کو دیکھ کر گواہی دینا بیان کرے تو مقرہ کو دکھا کر اطمینان کرلینا چاہئے کہ یہ وہی عورت ہے۔	۳۲۲

اختلافات۔	۳۲۳	عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔	۳۲۹
جو امور اصل دعوٰی سے زائد ہوں ان کا اختلاف مخل شہادت نہیں۔	۳۲۳	ایک گواہ نے زید کے عمرو سے پوچھنے کا ذکر کیا دوسرا خاموش ہے۔ان بیانوں میں کوئی اختلاف نہیں۔	۳۳۰
غیر مضر اختلافات کی چھ مثالیں۔	۳۲۳	ایک گواہ نے کہا فلاں کو وکیل کیا، دوسرے نے اضافہ کیا کہ اس کے بعد معزول کیا یا وکالت کے حق میں گواہی مقبول عزل میں نہیں۔	۳۳۰
حکام شرع کو تنبیہ کہ آج کل جس طرح زبردستی گواہوں کا تضاد خواہ مخواہ نکالا جاتا ہے یہ زیادتی ہے۔اور اس سے مسلمانوں کے حقوق پر غلط اثر پڑتا ہے۔	۳۲۳	عدم ذکر اور ذکر عدم کا اختلاف قرآن عظیم میں بھی ہے دراصل یہ اختلاف ہے ہی نہیں۔	۳۳۰
مسئلہ دائرہ پر فقہی نصوص کچہریوں کی مذموم جرح پر سخت تنقید۔	۳۲۴	ایک اختلاف میں تطبیق۔	۳۳۱
جرح مدفوع ہے۔	۳۲۶	محاورہ زبان کی تحقیق۔	۳۳۲
قاضی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نادرہ کو ان کا مذہب بتانا غلط ہے۔	۳۲۷	قعدہ اولٰی میں امام کے بُھول کر کھڑے ہوجانے کا مسئلہ۔	۳۳۲
روایت نادرہ پر عمل صحیح نہیں۔	۳۲۷	ایک اور اختلاف کی تنقیح۔	۳۳۲
جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارا مذہب نہیں۔	۳۲۷	کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی و تعارف کو کہتے ہیں نہ فقط نام سن لینے کو۔	۳۳۲
قول مرجوع پر فتوٰی جہل اور خرق اجماع ہے۔	۳۲۷	کسی کا نام معلوم کرلینے کے لئے پہلے سے اس کو جاننا ضروری نہیں۔	۳۳۲
عمل اسی پر ہے جو اکثر کا قول ہے۔	۳۲۷	ایک اور اختلاف۔	۳۳۳
امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذہب پر فتوٰی دینا واجب ہے۔	۳۲۷	احتمال سے استدلال باطل ہوجاتا ہے۔	۳۳۳
قاضی جب اپنے مذہب کے قول معتمد کے خلاف فیصلہ کرے نافذ نہ ہوگا۔	۳۲۸	چھوہارے، بتاشے اور شیرینی کا اختلاف۔	۳۳۳
گواہوں کے مختلف بیان میں تطبیق۔	۳۲۹	مہر نکاح میں مقصود نہیں وہ تابع اور زائد ہے۔	۳۳۴
		نکاح کے وقت مہر نہ ہونے کی شرط لگائی، نکاح صحیح اور مہر مثل ثابت ہوگا۔	۳۳۴

گواہ اور مدعی میں مہر کی مقدار میں اختلاف نہ ہو تو نکاح دونوں میں سے جو کم ہو اس پر ہوگا۔	۳۳۴	نکاح نامہ کا حکم۔	۳۳۸
نکاح کے علاوہ دیگر عقود میں بدل میں اختلاف ہو تو دعوی رد کردیا جائے گا۔	۳۳۵	"ساتھ" اور "بعد آنے" میں اختلاف۔	۳۳۸
مہر کے اختلاف خواہ باہم گواہوں میں ہوں یا گواہ اور مدعی میں ہوں دعوی نکاح اور شہادتوں سے ثبوت نکاح کو مطلقاً کچھ ضرر نہیں دیتے۔	۳۳۵	"اور" عربی کے واؤ کا ترجمہ۔ یہ لفظ معیت، ترتیب، تراخی، تعقیب، سب سے خالی ہے۔	۳۳۸
نکاح کی دعوت دینے اور نہ دینے کا اختلاف۔	۳۳۶	فرعون اور قوم لوط میں تقریباً دو ہزار برس کا فاصلہ ہے۔	۳۳۸
دعوی بے اصل ہے یا فیصلہ۔	۳۳۶	قبلیت و معیت جمع نہیں ہوسکتیں۔	۳۳۸
۲۴، ۲۵ تاریخ کا فرق۔	۳۳۶	ایسے اختلافات سے شہادت باطل نہیں ہوتی۔	۳۳۸
عوام آنے والی رات کو دن کے تابع مانتے ہیں اور اہل اسلام گزشتہ رات کو، لیالی حج کا اس سے استثناء ہے۔	۳۳۶	ایک اور بے اثر اختلاف۔	۳۳۸
انگریزی تقویم میں بارہ بجے رات سے تاریخ بدلتی ہے۔	۳۳۶	دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دینا درست نہیں۔	۳۳۹
گواہی کا ایک اور خلل۔	۳۳۷	عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔	۳۳۹
نکاح کے ثبوت کے لئے نکاح پڑھانے والے کی گواہی معتبر نہیں۔	۳۳۷	دیگر اعتراضات۔	۳۳۹
مکان محلّہ سے خاص ہے۔	۳۳۷	مدعا علیہ کا نام شروع میں نہ بتانے اور بعد میں بتانے سے متعلق بحث۔	۳۳۹
مکان سے سوال کی نفی محلّہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی۔	۳۳۷	کچہریوں میں گواہ کا بیان قلم بند کرنے کا ضابطہ۔	۳۳۹
"اور کچھ نہ پوچھا" کچھ نہ پوچھا کا فرق۔	۳۳۷	بیان میں قلم بند نہ ہونے والی باتوں کا ذکر بعد میں ہی ہوگا۔	۳۳۹
نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں۔	۳۳۷	گواہ کوئی ضروری بات مجلس بدلنے کے بعد بھی پڑھوا سکتا ہے۔	۳۳۹
فعل مامور کی نسبت آمر کی طرف ہوتی ہے۔	۳۳۷	جو اضافے محل تہمت ہوں ان کو بھی مجلس شہادت ختم ہونے سے پہلے بڑھوا سکتا ہے۔	۳۴۰

منہ دیکھنے میں نام لینے سے زیادہ تعین ہے۔	۳۴۰	قاضی کو چاہئے کہ شہادت مکمل ہو تو فیصلہ کرے۔ مطلق ہو تو مقید کرے، ناقص ہو تو کامل کرائے، مجمل ہو تو مفسر کرائے۔	۳۴۵
ادائے شہادت کے لئے نام جاننا یا چہرہ دیکھنا ضروری ہے۔	۳۴۱	مدعی کو شرعی طریقہ پر دعوی کرنے کا ڈھنگ نہ ہو تو قاضی تعلیم کرائے گا۔	۳۴۵
وقت نکاح کی جہالت سے گواہی پر اثر نہیں پڑتا۔	۳۴۱	ناکح اور منکوحہ کے نام نہ لینے کا اعتراض ایک اور گواہی،	۳۴۶
شاہدین یا مدعی وشاہد کے بیان میں زمان و مکان کا اختلاف ہو تب بھی گواہی مقبول ہے تو تردد کی صورت میں بدرجہ اولٰی مقبول ہوگی۔	۳۴۱	چند امور کی گواہی میں کسی ایک امر میں گواہی مردود ہونے سے بقیہ امور میں مردود ہونا ضروری نہیں۔	۳۴۶
نامقبول شہادت کو سن کر وقت ضائع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۳۴۲	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح۔	۳۴۷
آدمی کی شہادت اپنے فعل پر نامقبول ہے۔	۳۴۲	جہالت مدعی علیہا کی ایک اور شہادت۔	۳۴۷
آج کل کی اصطلاح کا وکیل نکاح سفیر محض ہوتا ہے۔	۳۴۳	ایک اور لغو اعتراض۔	۳۴۷
مبلغ اپنے پیغام پہنچانے کا ذکر اپنی شہادت میں کرسکتا ہے۔	۳۴۳	دو مہینہ دس دن کو تین مہینہ کہنے پر اعتراض کا جواب۔	۳۴۹
تبلیغ اور فعل نفس کے فرق کی مثال۔	۳۴۳	کسی وقت کے جزء قلیل وکثیر کو پورا کہہ دینا عرب کا دستور ہے۔	۳۴۹
نکاح خواں قاضی ادائے شہادت سے قبل اپنے عہدے سے استعفاء دے چکا ہو تو اس کی شہادت غیر مسموع ہے۔	۳۴۳	قرائن	۳۵۰
عدم تعین تاریخ وماہ وسال، یا اسم منکوحہ و اسمائے گواہان، شہادت کی نامقبولیت کا سبب نہیں۔	۳۴۴	عدم دعوی کے قرائن کی تنقیح۔	۳۵۰
گواہوں نے کہا بڑی لڑکی مگر ہم اس کو جانتے نہیں تو گواہی مقبول ہے شوہر سے کہا جائے گا کہ اس امر کا ثبوت فراہم کردو کہ بڑی لڑکی یہی مدعا علیہا ہے۔	۳۴۴	صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن ہے۔	۳۵۰
		مشاہدہ اور ثابت بالشہادہ کا ایک حکم ہے۔	۳۵۰

مجرد تہمت سے شہادت رد نہیں ہوتی۔	۳۵۱	سینہ کا اُبھار، موئے زیر ناف کا اُگنا ڈاڑھی، آواز کا بوجھل ہونا مثبت بلوغ نہیں۔	۳۵۸
رامپور میں عورتوں کے رات میں پیدل گھومنے کا رواج ہے۔	۳۵۱	عارضہ مبہم لفظ ہے، شہادت میں گول بات مقبول نہیں۔	۳۵۸
مفتی وحاکم دونوں پر لازم ہے کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوٰی دیں خاص وہاں کے رسم ورواج پر لحاظ کریں۔	۳۵۱	فیصلہ ناقص وقبل از وقت ہے۔	۳۵۸
کسی جگہ کے اپنے رواج کے ساتھ دوسری جگہ کا رواج معارض نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ کیسا ہی عام کیوں نہ ہو۔	۳۵۱	اختیار قاضی سے متعلق دو سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء۔	۳۵۹
شخص مبحوث کے افعال وحرکات کے خلاف عام رسم ورواج پر حکم نہیں ہوسکتا۔	۳۵۱	خود مختار حاکم اسلام، رئیس مملکت یا باتفاق رعایا بنایا ہوا قاضی مطلق یا ان کا بنایا ہوا قاضی ماذون باستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کو فیصلہ کا حکم دے وہ فیصلہ قاضی شرع کا فیصلہ ہے ان کے نقص کا کسی کو اختیار نہیں۔	۳۵۹
عصمت جہاں کی عادت وحرکات کا شمہ بیان	۳۵۱	قاضی اپنے مذہب معتمد کے خلاف فیصلہ دے تو نافذ نہ ہوگا۔	۳۵۹
واقعہ کی قرین عقل تفصیل۔	۳۵۱	ایک غلط فیصلہ کی تنقید۔	۳۶۰
مدعیہ کے بیان کے کچھ گوشے۔	۳۵۲	شفیع کو جائداد کے بیع کے قابل بھروسہ خبر ملتے ہی یہ اعلان کرنا چاہئے کہ میں شفعہ کا طالب ہوں ذراسی تاخیر بھی شفعہ باطل کردے گی۔ اسی کو طلب مواثبت کہتے ہیں۔	۳۶۰
تنقیحات پر تنقید۔	۳۵۶	بائع یا مشتری یا جائداد کے پاس جاکر لوگوں کو گواہ بنانا بھی ضروری ہے کہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں، اس کو طلب اشہاد کہتے مواثبت کے بعد یہ بھی ضروری۔	۳۶۰
دوسری تیسری تنقیح فضول ان سے دعوٰی کے ثبوت وعدم ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔	۳۵۷	اگر کوئی شفیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد سے قبل خصومت کرے شفعہ باطل ہوگا۔	۳۶۰
اکراہ کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔	۳۵۷	طلب خصومت سے پیشتر کی طرف اسناد علم اور اسناد علم الی الماضی میں فرق ہے۔	۳۶۰
عدم کفایت کے ثبوت کا بار بذمہ مدعاعلیہا تھا۔	۳۵۷	شفیع کو طلب اشہاد سے قبل علم نہ ہوسکا تو یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور بینہ مشتری پر اور طلب اشہاد سے پہلے علم کا مقر ہو۔ اور طلب مواثبت کا مدعی تو بینہ شفیع پر۔	۳۶۱
اصل یہ ہے کہ مرد وعورت ایک دوسرے کے کفو ہیں۔	۳۵۷		

طلب خصومت کے وقت شفیع نے مواثبت اور اشہاد کا دعوی کیا اور مدعا علیہ گویائی کے باوجود خاموش رہا تو یہ بھی انکار قرار دیا جائے گا، مدعی سے گواہ طلب ہوں گے گواہوں نے طلب مواثبت واشہاد کے بارے میں دعوی مدعی کے خلاف بیان دیا دعوی رد ہوگا۔	۳۶۱	تناقض اور جزو متروک میں فرق ہے۔	۳۶۷
گواہ طلب مدعی کے وقت بائع اور مشتری دونوں کا رہنا بیان کرے۔ مگر ان کے پہچاننے سے انکار کرے تو گواہی مردود ہوگی۔	۳۶۲	مدعی نے پہلے مطلق دعوی کیا پھر اس کی تقیید کی سماعت مقید پر ہوگی۔	۳۶۸
شہادت کی تکمیل مدعی کا کام ہے۔ مدعا علیہ پر اس کی ذمہ داری نہیں۔	۳۶۲	تناقض وہ مبطل ہے جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہو۔	۳۶۸
جمہور حنفیہ کے نزدیک مستثنٰی حکم میں مسکوت عنہ کے ہوتا ہے۔	۳۶۳	فتاوی خلاصہ کے ایک جزیئے کی تشریح۔	۳۶۹
ایک جملہ استثنائیہ کی توضیح۔	۳۶۳	مصنوع زیور کی زکوۃ خلاف جنس دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا وزن کا نہیں۔	۳۷۰
گواہ کا اختلاف۔	۳۶۳	اختلاف گواہان کی تنقید۔	۳۷۰
مشہود بہا اگر موجود ہو تو اشارہ ورنہ نام، وہ بھی اس طرح کی تمیز وتعیین ہوجائے ضروری ہے۔	۳۶۳	ذکر اور عدم ذکر میں اختلاف نہیں۔	۳۷۰
آج کل کی گواہی کا ناقص طریقہ مروج ہے۔	۳۶۳	ایک گواہ کہے زید نے یہ کام کیا، دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا، ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔	۳۷۰
مشتری نے طلب مواثبت کا انکار کیا اس کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا اس کا بینہ مقبول نہ ہوگا بینہ شفیع پر ہوگا۔	۳۶۳	رقعہ وکاغذ میں بعض مواقع میں عام وخاص کی نسبت ہوتی ہے خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔	۳۷۱
طلب اشہاد کا انکار ہو تب بھی مشتری کی قسم ہے ہاں یہ اور شفیع دونوں بینہ پیش کریں تو شفیع کا بینہ اولٰی ہوگا۔	۳۶۴	کوئی آدمی کسی سے کچھ لکھوائے عرف عام میں فعل آمر کی طرف منسوب ہوگا۔	۳۷۱
جب شفیع کے گواہ خود ہی کہیں علم کے بعد فورا طلب مواثبت نہیں ہوئی شفعہ باطل ہوگا۔	۳۶۴	شہادت میں اس اختلاف کا اعتبار ہے جس کا اثر اصل پر ہو، فاضل اختلاف کا اعتبار نہیں۔	۳۷۱
تناقض دعوی جس کا ضرر بجانب مدعی ہے مانع صحت دعوی نہیں۔	۳۶۵		

ایک گواہ نے کہا مدعی کے ساتھ فلاں تھا دوسرے نے کہا نہیں۔ یہ اختلاف کچھ مضر نہیں۔	۳۷۲	فقہا جب یہ فرماتے ہیں کہ فلاں کا قول معتبر ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ قسم کے بعد۔	۳۷۷
نقض شہادت کے لئے جہالت وہ معتبر ہے جو طریق حکم کو مسدود کرے۔	۳۷۳	مدعی حلف نہ طلب کرے تو قاضی فیصلہ نہ کرے گا۔	۳۷۷
مرتہن نے زیور کی مقدار دو سو تولہ تسلیم کی، چاندی کا ہونے سے انکار کیا، شہادت صرف چاندی ہونے کی طلب کی جائے گی زیور کی تعداد کی تحقیق غیر ضروری ہے۔	۳۷۳	جو فیصلہ اصول شرع کے خلاف ہو، وہ فیصلہ ہی نہیں۔ نہ اسے منسوخ کرنے کی ضرورت۔	۳۷۷
شاہد نے مدعا علیہ پر مدعی کے کچھ پیسہ ہونے کی شہادت دی، تعداد نہ بتائی، گواہی ثابت ہے، تین پیسے دلائے جائیں گے۔	۳۷۴	طریق حکم۔	۳۷۸
عوام اس کو مدعی کہتے ہیں جو کچہری میں پہلے نالش کردے شرع میں بسااوقات اس کا الٹا ہوتا ہے، مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز دشوار کام ہے۔	۳۷۴	مرتہن نے مرہون تلف کردی تو قرض ساقط اور مرتہن سے فاضل کا تاوان دلایا جائے گا۔	۳۷۸
زید نے عمرو پر ہزار روپے کا دعوی کیا، عمرو نے کہا میں ادا کرچکا ہوں، عمرو مدعی ہوا، اور زید مدعا علیہ۔	۳۷۵	دو سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۳۷۸
عام طور سے زیور گروی رکھنے والے سو کا مال پچاس میں رکھتے ہیں مرتہن اس کو ۲۵ کا بتائے تو ظاہر کے خلاف ہے، اس سے گواہ مانگے جائیں گے۔	۳۷۵	سوال اول۔	۳۷۸
راہن زیور چاندی کا بتائے، مرتہن سلور کا، مرتہن کے گواہ نامقبول ہوئے، راہن نے نہ قسم کھائی نہ انکار کیا، تو فیصلہ کی راہ مسدود ہوگئی۔	۳۷۵	سوال دوم۔	۳۷۹
مدعی کے محض دعوی پر فیصلہ نہیں ہوگا مدعا علیہ سے قسم طلب کرنا ضروری ہے۔	۳۷۶	ہندہ اس امر کی دعویدار ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصہ فرائض دلایا جائے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر والدہ ہندہ نے مہر مجھے معاف کردیا ابراء مہر کی شہادت عندالعدالت کافی ومثبت نہ ہوئی اب عندالشرع عدالت کو کیا کرنا چاہئے۔	۳۷۹
مرتہن ظاہر کے خلاف دعوی کرے تو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا اور ہدایہ کے قول القول قول المرتہن کا صورت مسئلہ سے تعلق نہیں۔	۳۷۷		

بیانات شہود اربعہ متعلق سوال اول۔	۳۷۹	شاہد علی الشادۃ بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل گواہ یہ کہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں تو اس گواہی پر گواہ ہو جا۔	۳۸۳
بیان مرد اول کا۔	۳۷۹	گواہ نے ادائے شہادت کے لفظ اشہد یا اس کے ہم معنی لفظ نہ کہا تو شہادت نہ ہوگی خبر رہ جائے گی۔	۳۸۳
بیان دوسرے کا۔	۳۷۹	عورتوں اور مردوں کے بیان میں تخالف مقر ہو تو گواہی نامعتبر ہوگی۔	۳۸۴
بیان پہلی عورت کا۔	۳۷۹	مرض موت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے۔	۳۸۴
لڑکی نے اپنے باپ پر ماں کی مہر سے حصہ وراثت کا دعوی کیا، باپ نے ابراء مہر کا جواب دیا، طریق حکم کیا ہے۔	۳۸۰	سوال دوم کا جواب۔	۳۸۵
بیان دوسری عورت کا۔	۳۸۰	مدعی اثبات ابراء نہ کرسکے مدعا علیہ پر قسم ہے۔	۳۸۵
سوال اول کا جواب۔	۳۸۰	مدعا علیہ قسم سے انکار کرے تو ابراء ثابت، اور قسم کھالے تو دعوی ثابت۔	۳۸۵
بغیر مشاہدہ کے گواہی نامقبول ہے۔	۳۸۰	مہر کے دعوی میں مہر مثل سے کم یا برابر کا دعوی کیا اور زوج نے ابراء کا تو عدم ثبوت ابراء کی صورت میں مدعی کا دعوی بلا قسم ثابت ہوجائے گا۔	۳۸۵
دس معاملات میں سُن کر گواہی دے سکتے ہیں۔	۳۸۰	مہر مثل کے دعوی سے کم اور زائد ہونے کی مختلف صورتوں میں طریقہ فیصلہ کا بیان۔	۳۸۵
شہادت بالتسامع کی علت۔	۳۸۱	ہبہ کے تصفیہ کا ایک سوال، پہلی گواہی۔	۳۹۰
مہر نکاح کے تابع ہو کر ان امور سے ضرور ہے کہ اس کی گواہی سن کر دی جاسکتی ہے مگر مہر کی معافی ان میں سے نہیں۔	۳۸۱	دوسری گواہی، تیسری گواہی۔	۳۹۰
جن امور میں سن کر گواہی جائز ہے اگر گواہ ادائے شہادت کے وقت سماع کی تصریح کردے، شہادت نامقبول ہے قبضہ کی بناپر شہادت جائز لیکن ادائے شہادت کے وقت تصریح کی کہ قبضہ کی بناپر شہادت دیتا ہوں، تو مردود ہے۔	۳۸۱	اعتراضات مفتی (۱) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۲) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۳) قبضہ اور اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۴) اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۵) ہبہ میں ایجاب کے ساتھ قبول ضروری قبضہ قبول کے قائم مقام نہ ہوگا۔	۳۹۱

اعتراضات مفتی (٦) مدعاعلیہ کے شاہدوں کے بیان سے قبضہ واہب ثابت ہے۔	۳۹۲	اجیر اور مرتہن کا قبضہ مستقل ہے۔	۳۹۶
سوال دوم۔	۳۹۲	بے اجرت لوگوں کو مکان دے رکھا ہے اس مکان کو اپنے چھوٹے لڑکوں کو ہبہ کیا ہبہ صحیح ہے رہنے والوں کا تخلیہ ضروری نہیں۔	۳۹۶
جواب سوال اول۔	۳۹۳	عاقل کا کلام صحت پر محمول کیا جائے گا۔	۳۹۷
مسئلہ اولٰی کافی، کفایہ، تنویر، ہدایہ اور در میں یہ ہے کہ قبول ہبہ میں ایجاب کی طرح رکن ہے۔	۳۹۳	گواہ نے قبضہ دلانے کی گواہی دی مطلب قبضہ تامہ ہوگا۔	۳۹۸
حصر مختلف نہایہ درایہ عینی اور عام شروح میں ہے کہ قبول رکن ایجاب نہیں یہی قول امام ہے۔	۳۹۳	قبضہ دلایا کہنے کے بعد یہ کہنے کی ضرورت نہیں اپنا قبضہ ہٹا کر ہر چیز سے فارغ کرکے قبضہ دلادیا۔	۳۹۸
راجح معتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ قبول ہبہ رکن نہیں۔	۳۹۳	الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔	۳۹۸
تحقیق یہی ہے کہ ہبہ میں قبضہ سے ملک اور قبول دونوں ثابت ہوتے ہیں۔	۳۹۳	جزئیات فقہیہ۔	۳۹۸
قبضہ بلااذن یا بہ اذن اسی مجلس ہبہ میں ضروری نہیں۔ بعد کو بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے رد نہ ہو۔	۳۹۳	گواہ نے کہا یہ دونوں میاں بیوی ہیں نکاح کا ذکر نہیں کیا، گواہی مقبول ہے۔	۳۹۹
عمل ہمیشہ استحسان پر ہوتا ہے۔	۳۹۳	مسئلہ مسئولہ میں گواہیاں مکمل ہیں۔	۴۰۰
لفظ ناخذ اعاظم لفظ افتاء سے ہے۔	۳۹۴	موہوب لہ کا غیر واہب کے املاک واسباب سے خالی ہونا ضروری نہیں۔	۴۰۰
قبول ہبہ کے رکن نہ ہونے کی دلیل اور اس کی نظیر۔	۳۹۴	مرتہن، اجیر یا عاریۃً مقیم کے علاوہ کوئی مکان میں ہو وہ مکان کا قابض نہیں، نہ اس کے رہنے سے موہوب لہ کے قبضہ میں فرق آئے۔	۴۰۱
ترجیح مزید۔	۳۹۴	مفتی صاحب کے تیسرے اعتراض کا جواب اور گواہوں کی توثیق۔	۴۰۱
محیط کی توثیق اور بحر کی تضعیف۔	۳۹۵	مدت کا اختلاف اور اختلاف شہادت مضر نہیں۔	۴۰۲
واہب نے موہوبہ کو فارغ نہ کیا اور کہا کہ قبضہ دلایا، تو کذب ہوگا۔	۳۹۶	موہوب لہ کا ہبہ کے وقت ملک واہب سے خالی ہونا ضروری نہیں قبضہ کے وقت خلو ضروری ہے۔	۴۰۲
عاریت کا قبضہ بھی مالک ہی کا قبضہ ہے۔	۳۹۶	واہب زندگی بھر مکان موہوب لہ میں رہا، اس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ نہ ہوا، یہ نفی کی شہادت ہے جو نامقبول ہے۔	۳۰۲

یہ گواہی مقبول ہوگی کہ قبضہ کے وقت واہب کا سامان مکان موہوبہ میں تھا۔	۴۰۳	عالمگیری کی ایک روایت کا مصداق۔	۴۰۸
قبضہ تامہ کے بعد واہب زندگی بھر مکان موہوبہ میں غصبًا یا اجارۃً رہے ہبہ میں کچھ خلل نہیں۔	۴۰۳	غیر موزون پر موزون کا قیاس صحیح نہیں۔	۴۱۰
مدعی نے کہا میں نے یہ مکان تیرے باپ سے خریدا، مدعا علیہ جو قابض تھا اس نے اس امر کے گواہ پیش کئے، کہ میرا باپ زندگی بھر اس میں رہا، گواہی مقبول نہ ہوگی۔	۴۰۳	امانت استہلاک کے بعد غصب ہوجاتی ہے۔	۴۱۱
جواب سوال دوم۔	۴۰۴	ثبوت دعوی اور قضائے قاضی بینہ یا اقرار مدعا علیہ یا قسم یا نکول عن الحلف پر موقوف ہوتے ہیں۔	۴۱۲
مدعا علیہ نے ہبہ کا انکار کیا اور گواہ پیش کیا کہ اس جائداد پر ہمیشہ واہب کا قبضہ رہا یہ گواہ رد ہیں۔	۴۰۵	حکم کے چھ ارکان کا بیان۔	۴۱۲
مدعی گواہ نہ پیش کرسکا تو مدعا علیہ کو قسم دلائی جائے گی۔	۴۰۵	تحریر کا بھروسا نہیں۔ تو اس کی بنیاد پر پیمائش بیکار ہے۔	۴۱۳
مدعی نے اپنے دعوی میں زیور کی قیمت وزن اور صفت بتائی، گواہ نے وزن کا ذکر نہیں کیا، گواہی مقبول ہے یا نہیں۔	۴۰۵	مدعی علیہ سے گواہی لینا بیکار ہے۔	۴۱۳
مدعی کے تفصیل بتانے کا مقصد دعوی کی تعیین ہے، مجہول پر قضاء نہیں ہوتی۔	۴۰۶	تقسیم اور شرکت میں منافاۃ ہے۔	۴۱۴
جو چیز حاضر ہو اس کی تعیین کے لئے اشارہ کافی ہے، اگرچہ اوصاف غلط بیان کئے ہوں۔	۴۰۶	شہادت علی النفی کی ایک مثال۔	۴۱۴
غیر موجود میں ایسی تفصیل ضروری ہے کہ پوری تعیین بقدر امکان واحتیاج حاصل ہو۔	۴۰۷	شرع میں مدار معنی پر ہے اس کے مقابلہ میں صورت کا لحاظ نہیں۔	۴۱۴
چاندی اور سونے میں وزن ہی مقدار ہے اس لئے اس کے بیان کے بغیر چارہ نہیں۔	۴۰۷	میں نے ودیعت ادا کردی صورتًا دعوی ہے لیکن حقیقت میں انکار ودیعت ہے۔	۴۱۴
غصب اور رہن میں قدرے جہالت کا تحمل ہوتا ہے عاریت میں نہیں۔	۴۰۸	قدیم سلبی مفہوم ہے۔	۴۱۴
غصب اور رہن میں قیمت نہ بتائی گواہی مقبول ہے۔	۴۰۸	صورت مسئولہ میں تجویز کی تحریر کے باوجود فیصلہ نہیں ہوا۔	۴۱۴
		بغیر رکن کے وجود شیئ محال ہے۔	۴۱۴

جن مواقع میں حکام کے تصرفات حکم کا درجہ نہیں رکھتے دوسرے حکام اس کی سماعت کرسکتے ہیں۔	۴۱۵	سند دوم بابت نکاح۔	۴۲۴
ایسے معاملات کی بیس انواع کی طرف اشارہ۔	۴۱۵	نکاح کے گواہان کا بیان۔	۴۲۴
ایک جائداد کی تقسیم اور حقیت سے متعلق مختلف مقدمات اور فتوی کا جائزہ۔	۴۱۵	دربارہ درخواست ابتدائی حکم۔	۴۲۴
مورث کی دو بیبیاں ایک خاندانی اور ایک طوائف اور چار لڑکے دو خاندانی سے اور دو طوائف سے۔	۴۱۷	دربارہ دوران بندوبست درخواست داخل خارج بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور۔	۴۲۴
مورث کی جائداد کی تفصیل۔	۴۱۸	درخواست تقرر ثالثان۔	۴۲۷
روئداد کارروائی حق وراثت اور اس کی تقسیم کی۔	۴۱۹	منسوخی ثالثان کی عرضی۔	۴۲۷
مدعی علیہ کا بیان۔	۴۲۰	فریقین اور حکام مقدمہ کو ہدایات (جواب)	۴۲۸
چشتی قوم کا رواج۔	۴۲۰	حکم اللہ ورسول کے لئے ہے۔	۴۲۸
فریقین کے صلحنامہ کا خلاصہ۔	۴۲۰	تنقیدات مصنف۔	۴۲۹
بیان بدرالدین۔	۴۲۰	ثالثوں کا فیصلہ باطل ہے: (۱) یہ شرعاً ثالث بھی نہ تھے۔ (۲) ثالث ہوں تو بھی اس خاص فیصلہ کا ان کو حق نہ تھا (۳) ان کا فیصلہ باہمی اختلاف رائے کی وجہ سے نامعتبر ہے۔	۴۲۹
درخواست داخل وخارج تحصیل منچن آباد۔	۴۲۲	تین ثالثوں کا فیصلہ مخالف شرع ہے۔	۴۲۹
بیان اللہ بخش۔	۴۲۲	ثالثوں کے فیصلہ کے بطلان کی وجوہ۔	۴۳۰
پروانہ بنام پیش کار۔	۴۲۲	وجہ اول۔	۴۳۰
بیان بدرالدین وغیرہ۔	۴۲۳	ثالثی کے لئے فریقین کی فیصلہ کے وقت تک رضامندی ضروری ہے۔	۴۳۰
فتوی مولوی عبدالرحیم صاحب بابت ثبوت نسب۔	۴۲۳	وجہ دوم۔	۴۳۱
فتوی مولوی عطا محمد صاحب، نسب کا انکار صلحنامہ کے موافق جائداد کی حقیت کی تقسیم۔	۴۲۴	ثالث ایسا فیصلہ نہیں کرسکتے جس کا اثر نابالغوں کے حق تک پہنچے۔	۴۳۱
سند مولوی نورالدین بابت نکاح صدرالدین درنگ بھری۔	۴۲۴		

www.dawateislami.net

وجہ سوم۔	۴۳۱	رواج عام واجب العرض کا مطلب۔	۴۳۹
چند شخص ثالث ہوئے تو ان کا متفق علیہ حکم ہی نافذ ہوگا۔	۴۳۲	ساتواں اعتراض۔	۴۳۹
وکیل، وصی، ناظر، قاضی، سب کا یہی حکم ہے۔	۴۳۲	رواج عام کی تحریر سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔	۴۳۹
مذکورہ بالا حکم سے تین امور مستثنی ہیں۔	۴۳۴	آٹھواں اعتراض۔	۴۴۰
وجہ چہارم۔	۴۳۴	محاضرہ وسجلات کے سند ہونے کی بحث۔	۴۴۰
کاغذ اول رپورٹ پٹواری	۴۳۴	نواں اعتراض۔	۴۴۲
کاغذات سے نسب ثابت نہیں۔	۴۳۵	دسواں اعتراض۔	۴۴۳
بیان صرف ایک بھائی کا ہے دوسرے کا نہیں۔	۴۳۵	شیخ ابو العباس کے لفظ امناء کی توضیح	۴۴۳
دوسرا اعتراض۔	۴۳۵	گیارھواں اعتراض۔	۴۴۳
اس نے بھی بھائی ہونا تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ قبل نکاح کی اولاد مانا ہے۔	۴۳۵	کتاب القاضی الی القاضی کی تحقیق۔	۴۴۳
الولد للفراش وللعاھر الحجر۔	۴۳۵	بارھواں اعتراض۔	۴۴۵
تیسرا اعتراض۔	۴۳۵	رواج عام سے استناد کی مزید تنقید۔	۴۴۵
پٹواری کا بیان شہادت نہیں ہوسکتا۔	۴۳۵	تیرھواں اعتراض۔	۴۴۵
کاغذ دوم رواج عام۔	۴۳۵	مفتیوں کے فتوی کے موافق طلاق کا اقرار کیا۔	۴۴۶
چوتھا اعتراض۔	۴۳۵	بعد کو پتہ چلا فتوی غلط تھا طلاق نہیں پڑی۔	۴۴۶
کاغذ رواج عام میں اقرار مجہول ہے، اور یہ باطل ہے۔	۴۳۶	کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین۔	۴۴۶
مجہول مقرلہ قرائن سے تعین نہیں کی جاسکتی۔	۴۳۶	چودھواں اعتراض۔	۴۴۶
ظاہر اور قرینہ مدعی کو مفید نہیں۔	۴۳۸	دستاویز پر فیصلہ نہیں ہوسکتا۔	۴۴۷
پانچواں اعتراض۔	۴۳۸	پندرھواں اعتراض۔	۴۴۸
لفظ بیوہ کی تحقیق۔	۴۳۸	دواوین قضاء کے کون سے کاغذات قابل سند ہیں۔	۴۴۸
چھٹا اعتراض۔	۴۳۸	سولھواں اعتراض۔	۴۴۸

کن مقدمات میں دفتر قضاء کے احکام پر فیصلہ ہوگا۔	۴۴۸	اکیسواں اعتراض۔	۴۵۲
سترھواں اعتراض۔	۴۴۸	قضائے قاضی کو جس قید سے مقید کیا جائے اس کے ساتھ مقید ہوگی۔	۴۵۳
دفتر قضاء کے احکام کا حکم کتاب القاضی الی القاضی کا ہے جبکہ اس کے شرائط پائے جائیں۔	۴۴۸	فریقین نے اس شرط کے ساتھ حکم بتایا کہ وارثت ثابت ہو تو حصہ تقسیم ہو، تو وراثت ثابت ہوئے بغیر حکم کے اختیار سے خارج ہوگی۔	۴۵۴
اٹھارھواں اعتراض۔	۴۴۸	چوتھے کاغذ شجرہ نسب کی تنقید۔	۴۵۴
اصل صلحنامہ کی دیگر کمزوریاں۔	۴۴۸	بائیسواں اعتراض۔	۴۵۴
اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا۔	۴۴۹	کاغذ پنجم اظہار منحبن آباد۔	۴۵۵
اعتبار واقف کے لفظوں کا ہے نہ کہ کاتب کی تحریر کا۔	۴۴۹	تئیسواں اعتراض۔	۴۵۵
اعتبار اس کا ہے جو نفس الامر میں واقع ہوا ہے۔	۴۴۹	شرع مطہر نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلا لحاظ نہیں فرماتی۔	۴۵۵
الخط یشبہ الخط۔	۴۴۹	دفتر کا میدان اہلمد کی سبز چراگاہ ہے۔	۴۵۵
انیسواں اعتراض۔	۴۵۰	چوبیسواں اعتراض۔	۴۵۶
جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوگا۔	۴۵۰	فریقین کی رضامندی کے بعد حاکم کا یہ آرڈر کہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو، بے معنی ہے۔	۴۵۶
قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو مذہب امام کے خلاف ہو مسلم نہیں۔	۴۵۰	پچیسواں اعتراض۔	۴۵۶
بہ اخذ الکرخی کا لفظ مفتی بہ ہونے کی علامت نہیں۔	۴۵۰	چھبیسواں اعتراض۔	۴۵۶
ساکت کی طرف کوئی قول نہیں منسوب ہوتا۔	۴۵۱	کاغذ ششم، تحریر مولوی نورالدین	۴۵۷
بیسواں اعتراض۔	۴۵۱	ستائیسواں اعتراض۔	۴۵۷
ایسے رشتے کا اقرار جو اپنے غیر پر نسب لازم کرتا ہو شرعا بیحد ضعیف ہے۔	۴۵۱	تحریری ادائے شہادت کا رواج تو قانونی کچہریوں میں بھی نہیں۔	۴۵۷

اٹھائیسواں اعتراض۔	۴۵۷	ہفت اقلیم اور لاکھ روزے بھی یمین غموس کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔	۴۶۲
انتیسواں اعتراض۔	۴۵۸	اڑتیسواں اعتراض۔	۴۶۲
تیسواں اعتراض۔	۴۵۸	شہادت وخبر کا فرق۔	۴۶۲
صرف ایک شاہد کے بیان واقرار سے نکاح ثابت نہیں ہوتا۔	۴۵۸	انتالیسواں اعتراض۔	۴۶۳
اکتیسواں اعتراض۔	۴۵۸	شہادت میں لفظ اشہد امر تعبدی ہے اس پر دوسرے الفاظ کا قیاس جائز نہیں۔	۴۶۳
بتیسواں اعتراض۔	۴۵۹	کافر کی گواہی مسلمانوں کے خلاف مقبول نہیں۔	۴۶۳
سند ہفتم شہادات۔	۴۵۹	چالیسواں اعتراض۔	۴۶۴
تینتیسواں اعتراض۔	۴۵۹	لفظ "چند کس" نوتک بولا جاتا ہے۔	۴۶۴
شہادت میں لفظ اشہد یا اس کا ہم معنی ضروری ہے۔	۴۵۹	تواتر کی تحقیق۔	۴۶۴
شہادت میں لفظ شہادت رکن ہے۔	۴۶۰	اکتالیسواں اعتراض۔	۴۶۵
چونتیسواں اعتراض۔	۴۶۰	نفی پر بھی خبر متواتر مقبول ہے۔	۴۶۵
پینتیسواں اعتراض۔	۴۶۱	سات سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۴۶۶
چھتیسواں اعتراض۔	۴۶۱	حکم کے موافق شرع فیصلہ کو فریقین پر ماننا لازم ہے۔ اور خلاف شرع فیصلہ کی پابندی کسی پر نہیں۔	۴۶۷
لفظ اشہد کے تعیین کی کئی وجہیں ہیں قسم ان میں سے ایک وجہ ہے۔	۴۶۱	فیصلہ میں یہ شرط لگانا کہ جو حکم نہ مانے چار ہزار روپے فریق مخالف کو دے حرام وباطل ہے۔	۴۶۸
سینتیسواں اعتراض۔	۴۶۲	شہادت مدعی سے لی جاتی ہے اس کے ساتھ کسی خفیہ طریقہ پر بھی اطمینان کرلینے میں حرج نہیں۔	۴۶۸
کچہریوں میں جو حلف دلوایا جاتا ہے اس سے اشہد کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔	۴۶۲	رشوت دے کر فیصلہ لینا حرام ہے۔	۴۶۹
"خدا کی قسم سچ کہوں گا" یمین منعقدہ ہے۔	۴۶۲	فاسق حکم کا فیصلہ موافق شرع ہو تو مانا جائیگا۔	۴۶۹
یمین منقدہ میں کفارہ کی ادائیگی سے کام نکل سکتا ہے۔	۴۶۲		

قاضی اور حکم کا ذاتی فیصلہ حکم کے لئے کافی نہیں۔	۴۶۹	غیر دائن پرائے دائن کو مؤجل نہیں کرسکتا۔	۴۷۲
رشوت دینا اور لینا کب حرام ہے اور کب نہیں۔	۴۶۹	اگر دائن نے مدیون کو کہا کہ جا اور ہر مہینے مجھے اتنے پیسے دے دیا کر، تو یہ تاجیل نہ ہوئی۔	۴۷۲
رشوت دینے والے، لینے والے اور ان کے دلال پر اللہ تعالٰی کی لعنت۔	۴۷۰	ایک ایسی صورت جس میں بظاہر مدعی پر بینہ نہیں اور مدعا علیہ پر قسم نہیں۔	۴۷۳
حاکم کو قرض خواہ کی رضا کے بغیر از خود ادائیگی قرض کی قسط بندی جائز نہیں۔	۴۷۰	ایفائے وعدہ کا مسئلہ۔	۴۷۳
ثبوت دعوی کے بعد فوراً حکم موافق دعوی ضروری ہے تاخیر سے فسق اور عزل لازم ہوتا ہے۔	۴۷۰	وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہوسکتا۔	۴۷۴
حکم مذکور سے دو امر مستثنٰی ہیں۔	۴۷۰	نابالغوں کی ولایت سے متعلق ایک سوال۔	۴۷۴
ابطال تاجیل کی مختلف وجہیں۔	۴۷۰	باپ کے ہوتے ہوئے نہ دادا کو حق ولایت ہے نہ نانی کو۔	۴۷۴
قسط بندی ایک قسم اجل ہے۔	۴۷۱	شوہر نے عورت کے مہر سے انکار کیا اور لڑکے نابالغ ہیں تو قاضی نابالغوں پر جس کو وصی مقرر کرے وہ دعوی کرسکے گا اور اقرار ہو تو کسی کو اس پر دعوی کا حق نہیں۔	۴۷۴
اجل حق مدیون ہے۔	۴۷۱	باپ کو اپنی بیوی کے مہر سے انکار ہو اور بچے نابالغ ہوں باپ کو اس مقدمہ میں ہرگز نابالغوں کا ولی نہیں بنایا جاسکتا، قاضی کسی امین شفیق و مصلح کو وصی مقرر کرے۔	۴۷۵
قاضی صرف بینہ، اقرار یا نکول کی بنیاد پر قضا کرسکتا ہے۔	۴۷۱	وصی کے تقرر میں قاضی کی رائے کا اعتبار ہے۔	۴۷۶
بلاثبوت اثبات محض باطل و نامقبول ہے۔	۴۷۱	عورت مہر مثل سے زائد کا دعوی کرے اس کے گواہان قبول کئے جائیں گے۔	۴۷۷
دعوی شرط قضا ہے۔	۴۷۱	عورت مہر مثل سے کم کا دعوی کرے تو گواہ کی ضرورت نہیں ہاں شوہر ابرائے مہر کا مدعی ہو تو بجائے یمین کے عورت کے گواہ مقبول ہیں۔	۴۷۸
بلادعوی قضاء کرنے کا حکم کو اختیار نہیں۔	۴۷۱	قاضی کو عورت کا مہر مثل نہ معلوم ہو تو یا تو امین اشخاص کے ذریعہ اس کو معلوم کرے یا عورت سے اس پر گواہ طلب کرے۔	۴۷۸
قاضی وحاکم کو مشورہ ماننا کسی پر واجب نہیں۔	۴۷۱	درر الحکام اور عنایہ کی عبارتوں کی توضیح۔	۴۷۹
حر مکلّف پر جبر بلاوجہ شرعی باطل ہے۔	۴۷۲	مقر پر شہادت نہیں، چار مسئلوں کا استثناء ہے۔	۴۷۹

اقرار کے لئے مجلس قضا شرط نہیں۔	۴۸۰	کسی مکان پر ایک شخص مالکانہ تصرف کرتا رہا، دوسرا مدتوں دیکھتا رہا، اور خاموش رہا، اب ملکیت کا دعوی کرے نامسموع ہے۔	۴۸۶
مدعی نے گواہ پیش کئے، مدعا علیہ نے اقرار کرلیا تو فیصلہ گواہی کی بنیاد پر نہیں اقرار کی بنیاد پر ہوگا۔	۴۸۰	صدر یا امیر قوم کب اپنی رائے پر عمل کرے گا اور کب کمیٹی کی رائے کا پابند ہوگا۔	۴۸۸
شوہر ابراء کا مدعی ہو تو اس سے گواہ طلب کئے جائیں اور بصورت عدم گواہ عورت کو حلف دلایا جائے گا۔	۴۸۱	کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔	۴۸۸
اقرار برات اور اقرار مال میں گواہوں کے قبول اور عدم قبول کے اصول۔	۴۸۱	ہر عطائی کمال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے اور دوسروں کو انھیں کے واسطہ سے حاصل ہے۔	۴۸۹
حقوق العباد کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے۔	۴۸۲	مشورہ کے بعد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم یہ حضور کی خصوصیت نہیں ہے۔	۴۹۰
قرض دار نے قرض ادا کرنے کا دعوی کیا تو اس کو گواہ دینا ہوگا نہ کہ قسم کھائے، گواہ نہ دے تو قرضخواہ پر قسم ہے۔	۴۸۲	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مشورہ کرنا واجب تھا، یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔	۴۹۰
زید کے عمرو پر دو اشرفی عمرو نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا۔ یہ اقرار ہے اور عمرو ماخوذ ہوگا۔	۴۸۳	ہر حاکم مشورہ لے کر اپنی رائے پر عمل کرسکتا ہے اگرچہ تمام رائیوں کے خلاف ہو جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو۔	۴۹۰
اگر یہ کہا اچھا میں تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا، یہ وعدہ ہے۔	۴۸۳	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ کے محتاج نہ تھے ان کا مشورہ تعلیم امت وغیرہ فوائد کے لئے تھا۔	۴۹۰
اقرار اور وعدہ کا قاعدہ کلیہ۔	۴۸۳	صاحب رائے صائب اپنی رائے پر چلے اور دوسرے جو اس درجہ کے نہیں، وہ بھی اسی کی رائے پر چلیں۔	۴۹۱
دستاویز بلا شہادت نامقبول ہے۔	۴۸۴	خود فقیہ اور صاحب رائے نہیں تو افقہ اور اورع کی رائے پر چلے۔	۴۹۱
منصب میں میراث نہیں چلتی۔ اس میں چھوٹے بڑے کا بھی لحاظ نہیں جو اہل ہے اس کو دیا جائے، اہلیت میں سب مساوی ہوں تو دینے والے کی صوابدید پر ہے۔	۴۸۵		

اتبعوا السواد الاعظم کا حکم اعتقاد کے بارے میں ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے علاقہ نہیں۔	۴۹۲	حکم شرع مصرح بحکم واحد میں اسی کی اتباع ضروری ہے، چاہے صدر کی رائے ہو یا ارا کین کی کل کی ہو یا بعض کی یا کسی کی نہ ہو۔	۴۹۵
ہر مجتہد کا بعض مسئلہ جمہور کے خلاف ہے۔	۴۹۲	حکم شرعی مصرح بحکمین بلا ترجیح آراء یا بتصیح جانبین ہو، اس میں اختیار ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے۔	۴۹۵
ایسے مسائل کی فہرست۔	۴۹۲	جس حکم شرعی کی تصریح کتب میں نہیں اس کی چار صورتیں ہیں۔	۴۹۵
اجماع کے لئے ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے۔	۴۹۳	صدر وارا کین میں سے کوئی فقیہ نہیں تو سب کی رائے معطل اہل فقہ کی طرف رجوع کریں۔	۴۹۵
کسی مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے۔	۴۹۳	صرف صدر فقیہ ہے ایسی صورت میں سب پر لازم ہے کہ کتب میں غور وخوض کرنے کے بعد وہ جو رائے دے سب مانیں۔	۴۹۶
شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلا حجت نہیں ہوتا۔	۴۹۳	ارکان متفق ہوں تو صدر کی رائے کچھ نہیں، ارکان کی متفقہ رائے پر عمل ہو، اور اختلاف کی صورت میں افقہ کے قول پر عمل ہو۔	۴۹۶
مجتہد کا اپنی رائے چھوڑ کر دوسروں کی رائے پر عمل کرنا صحیح نہیں۔	۴۹۳	سب غیر افقہ ہوں تو کثرت رائے پر عمل کرے۔	۴۹۶
مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ حکم کی دو قسمیں ہیں: شرعی اور غیر شرعی۔	۴۹۴	مساوی الرائے اختلاف کریں اور کثرت رائے نہ بن سکے تو جس پر صدر کا دل جمے اس پر عمل کرے۔	۴۹۷
حکم شرعی وغیر شرعی کی تعریفیں اور مثالیں۔	۴۹۴	تطفل علی الفتح۔	۴۹۷
چاندی کو چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات شرعا لازم ہے۔	۴۹۴	قسم دوم میں تین صورتیں ہیں۔	۴۹۹
سونے کو چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات ضروری نہیں عاقدین کو کمی بیشی کا اختیار ہے۔	۴۹۴	ایسے امور جن میں شرعا اختیار ہے اور معاملہ وقف ہے تو شرط واقف سب پر مقدم ہے۔	۴۹۹
پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کے بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔	۴۹۴	شرط واقف نص شارع کی طرح واجب الاتباع ہے۔	۴۹۹
قسم اول یعنی حکم شرعی کی دو صورتیں ہیں۔	۴۹۴	امور اختیار یہ چندہ سے متعلق ہوں اور امر مالی ہو تو ان میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ضروری ہے۔	۴۹۹

امور مطلق اختیاری ہے صدر صاحب کی رائے نہیں اور ارکان اہل فن ہوں توان کی رائے مقدم ہے۔	۴۹۹	ترجیح بلا مرجح اور ترجیح مرجوح ناجائز ہے۔	۵۰۳
خود صدر صاحب کی رائے ہو تب بھی انسب یہی ہے کہ کثرت رائے پر عمل کرے۔	۴۹۹	ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج کا گھر ہے جس پر سایہ اس درخت ہی کا ہے بلاشبہ اس کے قطع میں پڑوسی کا اضرار ہے مگر ہر گز مالک اس سے ممنوع نہیں ہو سکتا۔	۵۰۳
من ابتلی بلیتین اختارا ھونھما۔	۵۰۰	ضرر بین کی چار شرطیں۔	۵۰۴
تنبیہ۔	۵۰۱	شرط اول گھر گرادے یا بالکلیہ قابل انتفاع نہ رکھے۔	۵۰۴
مسلمانوں کے کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع کی طرف سے ابتداء خواہ بوجہ عارضی کوئی تحدید نہ ہو۔	۵۰۱	حدیث "لاضرر ولا ضرار" عام مخصوص منہ البعض ہے۔	۵۰۴
حکم کے لئے علم وفہم کامل سے چارہ نہیں۔	۵۰۱	شرط دوم ضرر میں صاحب ملک کا فعل مستقل ہو، جار کے فعل کو اس میں دخل نہ ہو۔	۵۰۵
حق یہ ہے کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا۔	۵۰۱	شرط سوم وہ ضرر ثابت اور مستحق ہو محتمل اور متوقع نہ ہو۔	۵۰۶
جب ایک مکان شارع عام کے ایک جانب ہو اور دوسرا دوسری جانب، توان میں کسی کو دوسرے کے مکان سے بے پردگی کا دعوی غلط ہے۔	۵۰۲	شرط چہارم وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو۔	۵۰۶
اصل مذہب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی خاص ملک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، یہی ظاہر الروایۃ متعدد علماء کا مفتی بہ اور ائمہ حنفیّہ کا قول ہے۔	۵۰۲	اپنی دیوار میں چھت کے قریب روشندان رکھنے سے پڑوسی کو روکنے کا حق نہیں۔	۵۰۶
جب فتوی میں اختلاف ہو توظاہر الروایہ پر عمل ہوگا۔	۵۰۲	جب دروازے اور جنگلے سے نگاہ عورتوں کی قیام گاہ پر پڑے تو بند کرنے کا حکم دیا جائے گا۔	۵۰۶
متاخرین نے بطور استحسان دفع ضرر بین پر نگاہ رکھی۔	۵۰۳	جب ضرر ممکن التحرز ہو اور صاحب ملک بچاؤ کردے تو اس کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا نہیں جاسکتا۔	۵۰۹
ضرر بین سے متعلق مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق۔	۵۰۳	متعنت کا دعوی مسموع نہیں۔	۵۰۹
غیر فقیہ کا ضرر بین کے بارے میں گمان۔	۵۰۳	٥ **الھبة الاحمدیة فی الولایة الشرعیة والعرفیة** (دینی اور دنیاوی ولایت وحکومت کی مجتہدانہ تحقیق اور اس بارے میں ایک غلط فتوے کا رد بلیغ)۔	۵۱۱

دیوانی کا غیر مسلم جج قاضی شرع ہے یا نہیں اور وہ کسی کو اپنے ملک میں تصرف سے روک دے تو وہ مجبور ہوگا یا نہیں۔	۵۱۲	مقدمہ اولیٰ۔	۵۱۹
غلط جواب	۵۱۲	ولایت کے اقسام۔	۵۲۰
جاہل قاضی ہوسکتا ہے۔	۵۱۲	ولایت عرفیہ بادشاہوں کو حاصل ہے۔	۵۲۰
فاسق قاضی ہوسکتا ہے۔	۵۱۳	ولایت شرعیہ حقیقیہ اللہ تعالٰی کو اور عطا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو، پھر ان کی نیابت میں جس کو عام یا خاص جتنی آپ نے دی۔	۵۲۰
قضاء کا اصل منشاء۔	۵۱۴	آیہ کریمہ "اطیعوااللہ واطیعوا الرسول واولی الامرمنکم" میں تکرار "اطیعوا" کی حکمت۔	۵۲۰
قاضی کے لئے اجتہاد عدالۃ وغیرہ کی شرط شرط اولویت ہے۔	۵۱۴	مقدمہ دوم۔	۵۲۰
غلام کو قاضی بنایا وہ آزاد ہوگیا تو اس کی قضاء صحیح ہے۔	۵۱۵	ولایت عرفیہ اور شرعیہ کے گیارہ فرق۔	۵۲۱
کافر کو قاضی بنایا یا پھر وہ مسلمان ہوگیا تو اس کی قضا بحال ہے۔	۵۱۶	عرفیہ اور شرعیہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۵۲۱
رشوت لے کر فیصلہ کرے تو متاخرین کا فتوی ہے کہ قضا نافذ ہے۔	۵۱۶	باپ کے سامنے سلطان کو دربارہ نکاح ولایت شرعیہ حاصل نہیں ہوتی۔	۵۲۱
قاضی کو بادشاہ نے حق فیصلہ کرنے سے روکا تو قضاء حرام ہے۔	۵۱۷	ولایت خاصہ ولایت عامہ سے اقوی ہے۔	۵۲۱
کافر بادشاہ قاضی مقرر کرسکتا ہے؟	۵۱۷	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زوجین یا ان کے والدین کی مرضی کے خلاف نکاح کردیں نکاح نافذ ہے۔	۵۲۲
صحیح جواب از مصنف علیہ الرحمۃ۔	۵۱۹	دنیا میں ولایت عامہ ولایت خاصہ سے قوی تر ہے۔	۵۲۲
نص قرآنی کے خلاف اجتہاد بے اصل ہے۔	۵۱۹	ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں۔	۵۲۲
ولایت مجبرہ کی تعریف۔	۵۱۹	ولایت شرعیہ میں تنفیذ سے مراد ثابت اثبات معانی شرعیہ دینیہ ہے اگرچہ موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔	۵۲۲
تحقیق حق کے لئے چند تمہیدی مقدمات۔	۵۱۹		

مقدمہ سوم۔	۵۲۳	ذمی، غلام یا بچہ نے فیصلہ کیا پھر ذمی مسلمان ہوا، غلام آزاد ہوا، بچہ بالغ ہوا، فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔	۵۲۵
بادشاہوں کا مقصد صرف ولایت عرفیہ ہے۔	۵۲۳	ذمی کی گواہی مسلمان پر نہیں۔	۵۲۶
غیر مسلم بھی اس ولایت عرفیہ کا طالب بلکہ بہت دنوں سے مسلم بادشاہوں کا مطمح نظر بھی یہی ہے۔	۵۲۳	جو شہادت کا اہل ہے وہی قضاء کا اہل ہے۔	۵۲۶
انگریز گورنمنٹ نے بھی کسی کے دین میں مداخلت کا کبھی دعوٰی نہیں کیا۔	۵۲۳	اہلیت شہادت کے لئے جو شرائط ہیں وہی اہلیت قضاء کے لئے شرائط ہیں۔	۵۲۶
گورنمنٹ سود کی ڈگری دیتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنا روپیہ ادا کردو، یہ مطلب نہیں کہ سود حلال ہے۔	۵۲۳	صلاحیت قضاء کی شرائط۔	۵۲۷
مقدمہ چہارم۔	۵۲۴	قضاء اعظم الولایات اور شہادت ادنٰی الولایات ہے۔	۵۲۷
ولایت عرفیہ شرعا بھی عام ہے، ہندو مسلم کسی کی تخصیص نہیں۔	۵۲۴	جو ادنٰی الولایات کے اہل نہیں وہ بدرجہ اولٰی اعظم الولایات کے اہل نہیں۔	۵۲۷
اسلام نے ولایت دینیہ کو اہل اسلام کے ساتھ خاص فرمایا۔	۵۲۴	گیارہ کتابوں کی عبارت کا حوالہ۔	۵۲۸
ولایت عرفیہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے۔	۵۲۴	جو لوگ دار الحرب میں مسلمان ہوئے سلطان اسلام کو بھی ان پر ولایت نہیں۔	۵۲۸
شریعت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے۔	۵۲۴	اختلاف دارین قاطع ولایت ہے۔	۵۲۸
دو آیتوں کی تفسیر۔	۵۲۴	بہت سے امور میں خود سلطان اسلام کو مسلمانوں پر بھی ولایت نہیں۔	۵۲۸
قرآن مجید غلط تعبیر اور تقریر علی الغلط سے طاہر و منزہ ہے۔	۵۲۴	اشباہ پر تطفل۔	۵۲۹
ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا میں سبیل سے مراد سبیل دینی شرعی ہے۔	۵۲۴	وقف میں ناظر کے ہونے کا تصرف نافذ نہیں۔	۵۳۰
مسلمانوں پر کافر کی تقلید و تحکیم صحیح نہیں۔	۵۲۵	یتیم کے اولیاء کی موجودگی میں قاضی اور سلطان کا تصرف نافذ نہیں۔	۵۳۰
		تطفل علی الدر۔	۵۳۰

مقدمہ پنجم۔	۵۳۱	معاملات قسم دوم میں ولایت شرعیہ درکار ہے۔	۵۴۱
بہت سے معاملات میں مقصود صرف وجود شے ہوتا ہے اس کے لئے ولایت عرفی کافی ہے۔	۵۳۱	ان امور میں کسی خاص فرد کے لئے ولایت شرعی ثابت کرنے کے لئے خاص حکم شرعی کی ضرورت ہے۔	۵۴۱
ایسے امور جن میں معنٰی شرعی غیر موجود کا پیدا کرتا ہو اس کے لئے ولایت شرعیہ ہی درکار ہے۔	۵۳۲	ولایت شرعیہ کبھی فقیر مفلس کو بھی حاصل اور کہیں سلطان اسلام کو بھی حاصل نہیں۔	۵۴۱
متلاعنین جب تک اہلیت لعان پر باقی ہیں یا شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے وہ باہم نکاح نہیں کرسکتے۔	۵۳۲	مقدمہ ششم۔	۵۴۱
قاصرہ نے بالغ ہوتے ہی اپنے نفس کو اختیار کیا بے تفریق قاضی اپنے نکاح سے الگ نہ ہوگی۔	۵۳۳	تقلید قضاء فک حجر ہے اس میں بھی معاملات اور ولایت کی مذکورہ بالا صورتیں جاری ہوں گی۔	۵۴۱
اجنبیہ کے طلاق کو نکاح پر معلق کرنے والے کے بارے میں حنفی اور شافعی قاضی کے احکامات کا فرق۔	۵۳۴	قضائے دنیوی میں والی اور قاضی کسی کا مسلم ہونا ضروری نہیں دینی میں دونوں کا مسلم ہونا ضروری ہے۔	۵۴۱
وقف صحیح کی تفسیخ کے احکام وشرائط۔	۵۳۵	جہاں مسلمان والی نہ ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے میں سے ایک کو والی وقاضی مقرر کریں۔	۵۴۱
قاضی کن کن لوگوں کو مجبور کرسکتا ہے۔	۵۳۷	عدم صحۃ تقلد القضاء عن الکافر معتمد علیہ مسئلہ ہے۔	۵۴۳
حجر کی دو قسمیں۔	۵۳۷	قضائے دینی کے لئے پورے ملک کے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
بے وقوف پر حجر کے بارے میں اختلاف آئمہ بعض صورت سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حجر حسی ہوتا ہے جو مفتی لوگوں کو حیلہ باطلہ بتائے اس کو فتوی سے روکا جائے گا۔	۵۳۸	اسلامی ریاست کے مسلم والی قاضی مقرر کرسکتے ہیں۔	۵۴۳
طبیب جاہل کا بھی وہی حکم ہے۔	۵۳۸	نصب خلافت کے طریقے۔	۵۴۳
کنٹرول کا حکم شرعی۔	۵۳۸	متغلب بھی حاکم ہوسکتا ہے۔	۵۴۴
سرکاری نیلام میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۵۳۹	عبارت ہندیہ ومسکین کی توجیہ۔	۵۴۴

ایسے شہر جن پر کفار کی حکومت ہے دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارالاسلام ہیں۔	۵۴۶	قوم درزی کا کوئی دین نہیں وہ خود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔	۵۵۲
جن شہروں میں احکام کفر کا غلبہ نہ ہو بلاد اسلام ہیں۔	۵۴۶	۶۔ کافر اور غلام کی ولایت اہل اسلام پر نافذ نہیں۔	۵۵۲
حکومت کفار والے شہروں کی تین قسم اور تقلید قضاء کے بارے میں ان کا حکم۔	۵۴۷	۷۔ مفتی نے اپنے ہی کلام سے اپنے دعوی کی تردید کی۔	۵۵۳
جو ضرورتیں خاص قضائے دینی میں آتی ہیں اگر مسلمان قاضی نہ ہو تو مسلمان ایسے امور کے لئے قاضی شرع مقرر کریں۔	۵۴۷	۸۔ کافر کے لئے مطلق ولایت ثابت ہے مگر اس سے ولایت شرعیہ کا ثبوت نہ ہوگا۔ اور مطلق ولایت ثابت نہیں۔	۵۵۳
بغیر استطاعت دنیاوی حکومت قائم کرنے کا مسلمان کو حکم نہیں، بلکہ اپنے معاملات مالی اور دیوانی بھی اس طرح طے کرلیں تو بہت خوب ہے۔	۵۴۹	۹۔ قاضی کے فرض منصبی کی تحقیق۔	۵۵۳
شرعی امور کو شرعی طریقہ پر فیصل کرانے کے بعد اس کا اجراء کچہریوں سے کرایا جاسکتا ہے۔	۵۴۹	۱۰۔ علم واتقاء صحت قضاء کی شرط نہیں الویت کی شرط ہے، اسلام البتہ شرط صحت ہے۔	۵۵۴
سنی متدین عالم اپنے علاقہ کا قاضی شہر ہے۔	۵۴۹	۱۱۔ شرط اسلام اڑادینے پر عیسائی کی امامت صلوٰۃ سے معارضہ۔	۵۵۵
ولایت کے فتوی پر تیس تنقیدیں۔	۵۵۰	جمعہ میں فاسق کی اقتداء جائز ہے جبکہ جمعہ ایک جگہ ہوتا ہو۔	۵۵۵
۱۔ نصوص کا تعلق مسئلہ مسئولہ سے نہیں۔	۵۵۰	۱۲۔ ایک اور معارضہ جس کو وضو کے لئے پانی اور مٹی دونوں نہ ملے وہ کیا کرے۔	۵۵۶
۲۔ تعلق ہو تو نصوص تام نہیں۔	۵۵۰	۱۳۔ رشوت لے کر دئے ہوئے فیصلہ کا بطلان امر اجماعی نہیں۔	۵۵۶
۳۔ نونشیں غیر مسلم کے ذکر سے خالی نہیں۔	۵۵۰	۱۴۔ مختلف فیہ غیر مصرح مسئلہ میں ضرورتا کسی ایک جانب کے اختیار کرنے سے یہ لازم نہیں کہ بزعم خود ضرورت قرار دے کر نصوص قطعیہ کے خلاف کوئی حکم دیا جائے۔	۵۵۶
۴۔ نصوص میں جاہل سے مراد غیر مجتہد ہے۔	۵۵۱	۱۵۔ رشوت لے کر حق فیصلہ کے عدم نفاذ کا حکم امر خارج کی وجہ سے ہے۔	۵۵۶
۵۔ عبارت شامی مزعوم فتوی کے خلاف ہے۔	۵۵۱	راشی کے فیصلہ کے عدم نفاذ کی وجہ ہو جو ابن ہمام کی مخرجہ ہے لائق اعتماد نہیں۔	۵۵۶

عدم اخلاص سے نفی ثواب ہوگا کہ نفی صحت۔	۵۵۷	۲۴۔ اجتہاد کے لئے لیاقت درکار ہے۔	۵۶۱
مزدوری کی نیت سے نماز پڑھی فرض ساقط ہو جائے گا۔	۵۵۷	۲۵۔ نص قرآنی کے خلاف اجتہاد حرام ہے۔	۵۶۱
اب فتوٰی اسی پر ہے کہ امامت کی اجرت جائز ہے۔	۵۵۸	۲۶۔ مسئلہ کا کوئی جزئیہ مرجوحہ ہوتا بھی تو ظاہرالراویۃ کے خلاف مردود ہوتا۔	۵۶۱
مسئلہ قضاء بالرشوت پر نااہل قاضی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔	۵۵۸	۲۷۔ نفاذ قضاء غیر مسلم کا کوئی جزئیہ ہوتا بھی تو مسئلہ مذکورہ میں وہ حکم ہوتا جو انفع الوقف ہو نہ کہ قاطع وقف ہو۔	۵۶۲
۱۶۔ قضاء بہ رشوت میں متقدمین اور متاخرین کا اختلاف نہیں۔	۵۵۸	۲۸۔ خیر خواہان گزارش۔	۵۶۲
امام سرخسی وامام بزدوی کے سن ہائے وفات۔	۵۵۸	۲۹۔ غلط فتوے کا ازالہ مفتی اور مصدقین سب پر فرض ہے۔	۵۶۳
۱۷۔ قاضی رشوت کے فیصلہ کے نفاذ کی وجہ عدم وجدان قاضیان عدالت شامی کا قول ہے۔	۵۵۸	۳۰۔ موجودہ کچہریوں کے حجر کے بعد بھی جو وقف کیا وہ نافذ اور جائز ہے۔	۵۶۴
علامہ شامی کا سن وفات۔	۵۵۸	ناحق مسئلہ بتانے کا وبال مفتی کے سر ہے۔	۵۶۴
۱۸۔ زمانہ فخر الاسلام (۴۸۲ھ) میں عام طور سے قاضی عدل ہوتے ہیں۔	۵۵۹	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں بھی کوئی اپنی طاقت لسانی سے ناحق فیصلہ کرائے نافذ نہ ہوگا۔	۵۶۵
مفتی ابو مسعود کا سن وفات۔	۵۵۹	زمانہ خراب ہے مگر اللہ والے موجود ہیں اور نصیحت کارگر ہے۔	۵۶۵
۱۹۔ علامہ شامی پر تطفل۔	۵۵۹	حرام کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔	۵۶۶
۲۰۔ خیانت نقل۔	۵۵۹	شفعہ کے ایک معاملہ سے سوال۔	۵۶۶
۲۱۔ قضاۃ اسلام کے بارے میں امام جلال الدین بزدوی کی حیرت۔	۵۶۰	وجہ اول مدعٰی بہا کی تعیین نہ ہو تو دعوٰی رد ہے۔	۵۶۷
۲۲۔ قاضی نہ ہو تو کیا علاج ہے۔	۵۶۱	تعین کے دو طریقے ہیں: اشارہ اور بیان حدود۔	۵۶۷
۲۳۔ کتب مذہب میں مذکورہ جزئیہ کے خلاف قیاس کی گنجائش نہیں۔	۵۶۱	وجہ دوم متعلقات دعوٰی کی عدم تعین اور وعدہ نشان دہی ثبوت دعوٰی کے لئے کافی نہیں۔ تو خود مدعٰی بہ کی عدم تعین اور وعدہ نشان دہی بدرجہ اولٰی شہادتوں کے رد کی موجب ہوگی۔	۵۶۸

وجہ سوم مدعی علیہا کے گواہوں نے مدعا بہ کی تعیین کی اس شہادت کو مجہول کہنا غلط ہے۔	۵۶۸	تبدیلی نام اختلاف شہادت کے عیوب بھی مدعی کے گواہوں میں ہیں اور ان کی نشاندہی۔	۵۷۱
وجہ چہارم، مدعی علیہا کی گواہی میں مکان مدعی بہ نہیں اور مدعی کی گواہی میں ہے تو وہاں جہالت مضر نہ ہوگی اور یہاں مضر ہوگی۔	۵۶۸	اختلاف شہادت کا مرجع دو گواہوں میں سے ایک کا کذب ہے۔	۵۷۲
شفیع نے بیع کو صراحۃً تسلیم کیا ہو یا دلالۃً تسلیم کے لئے حدود مبیع کی تعین ضروری نہیں۔	۵۶۸	مشہود بہ کے علاوہ کا اختلاف قادح شہادت نہیں۔	۵۷۲
وجہ پنجم، شہادت میں گواہوں کو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کی تعین ضروری ہے۔	۵۶۹	کذب واکذاب میں فرق ہے۔	۵۷۲
مسئلہ مسئولہ میں مدعی اور مدعی علیہا دونوں کے گواہوں نے بغیر ان دونوں کی طرف اشارہ کئے گواہی دی ہے تو مردود ہوں گے تو دونوں کے گواہ۔	۵۶۹	مدعی نے ایک ہزار کا دعوی کیا اور گواہوں نے کہا پانچ سو دے دئے ہیں تو یہ مشہود بہ میں اختلاف ہے۔	۵۷۲
وجہ ششم، مدعی اور مدعی علیہا دونوں کے گواہوں نے ولایت ناقص بیان کی۔	۵۶۹	فتوی ثانیہ مدعی میں مدعی علیہا پر یہ الزام قائم ہوئے: ۱۔ عدم مطابقت دعوی والشہادۃ ۲۔ مدعی و گواہان میں اختلاف ۳۔ مدعی علیہا کا دعوی بابت تسلیم ۱۵ نومبر پایہ ثبوت کو نہ پہنچا۔	۵۷۳
نقل عبارت میں کوتاہی۔	۵۷۰	تنقید۔	۵۷۴
مشہود لہا یا علیہا عورت ہو اور نائب ہو تو صرف شوہر کا نام لیا کافی نہ ہوگا والد کا نام بھی لینا پڑے گا۔	۵۷۰	مدعی علیہا کا دعوی بابت تعین وقت نہیں تسلیم بعد العلم کا ہے تعین دعوی سے خارج ہے۔	۵۷۴
ایوب شاہ اور ایوب علی میں اختلاف کی تاویل ممکن ہے۔	۵۷۱	مشہود بہ قول محض ہو تو زمان و مکان کا اختلاف مضر نہیں۔	۵۷۴
مدن میاں اور ددن میاں کا اختلاف شدید نا قابل تاویل ہے۔	۵۷۱	شہادت کبھی بھی موجب نہیں ہوتی ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے۔	۵۷۵
وجہ ہفتم۔ مدعی نے جو فتوی پیش کیا اس میں عدم قبول شہادت کی جو چھ وجہیں پیش کی گئی ہیں سب کی سب خود مدعی کے گواہوں میں موجود ہیں۔	۵۷۱		

دعوی صرف مدعی کا قول ہوتا ہے اور شہادت اسی کی مخبر ہے۔	۵۷۵	قبضہ اقوی اسباب ملک سے ہے اس کی بنیاد پر ملکیت کی شہادت نہ مانی جائے تو باب شہادت مسدود ہوگا۔	۵۸۲
ایک گواہ نے کہا فلاں نے کوفہ میں اپنی عورت کو طلاق دی فلاں دن، اور دوسرے نے بصرہ میں کسی دوسرے دن طلاق دینے کی گواہی دی، اگر دونوں دنوں میں اتنا فاصلہ ہے کہ آدمی کوفہ سے بصرہ جاسکے شہادت مقبول ہے۔	۵۷۵	ایک گواہ بیع کی شہادت دیتا ہے اور دوسرا اقرار بیع کی گواہی مقبول ہے۔	۵۸۳
فتوی ثانی میں جو وجہ مدعی علیہا کے گواہ کے رد کی بتائی اسی سے مدعی کے گواہ بھی رد ہوگئے۔	۵۷۶	گواہوں نے یہ کہا "زید نے اپنے لڑکے کو یہ دکان دی" اور لڑکا عرصہ دراز سے اس میں تصرف کرتا رہا، تو دینا بمعنی ہبہ مانا جائے گا۔	۵۸۳
دعوی اور شہادت دونوں میں تخمیناً ذکر ہو تو مردود ہے۔	۵۷۶	بیعناموں کی چوحدی میں کسی چیز کو کسی کی ملک کہنا شہادت شرعی نہیں ہے۔	۵۸۴
وجہ ہشتم ثبوت شفعہ کے لئے دار ملاصق کا وقت بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع ثابت ہونا ضروری ہے۔	۵۷۷	بیع ناموں کے محرر اگر یہ گواہی دیں کہ یہ بیعنامے ہم نے لکھے حدود میں فلاں مکان کو فلاں کی ملکیت لکھا، یہ بھی شہادت نہیں۔	۵۸۴
صرف اتنی گواہی سے کام نہ چلے گا کہ یہ ملک شفیع ہے۔	۵۷۷	شاہد مستور الحال ہو اور حاکم کو شبہ گزرے تو وہ وجہ ملک سے تفتیش کرسکتا ہے۔	۵۸۴
دار مشہود بہا کے پاس گواہی گزرے تو اس کی طرف اشارہ غائب ہو تو چوحدی کا بیان ضروری ہے۔	۵۷۹	ایک گواہ نے کہا زید نے یہ مکان مولا بخش کے ہاتھ بیچا، دوسرا کہے مولا بخش نے اقرار کیا کہ یہ مکان میں نے زید سے خریدا، یہ ایک امر پر گواہی نہیں ہے۔ اس لئے مردود ہے۔	۵۸۴
ظاہر حال مدعی کو مفید نہیں۔	۵۸۰	اقرار اور دعوی کا فرق۔	۵۸۴
ترکہ کے ایک مسئلہ میں شہادتوں کی نوعیت سے سوال اور طریق حکم سے استفتاء۔	۵۸۰	واہب کے "دیا" کہنے اور شاہد کے "دیا" کہنے میں فرق ہے۔ قرائن قول معطی کے ساتھ ہوتے ہیں۔	۵۸۵
گواہ کسی جائداد کو کسی کی ملک بتائیں تو شہادت عندالشرع معتبر ہے۔ حاکم کو یہ پوچھنے کا حق نہیں کہ یہ جائداد اس کو کس ذریعہ سے ملی۔	۵۸۱	مبہم گواہی کے بارے میں قاضی استفسار کرسکتا ہے۔	۵۸۵

"حکم ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرے" اس جملہ کے دو۲ مطلب ہوسکتے ہیں۔	۵۸۵	مشترکہ راستہ کو اپنے گھر میں شامل کرنا ظلم ہے ایسے راستہ میں دروازہ اور کھڑکی لگانے کا وہاں کے باشندوں کو حق ہے۔	۵۹۱
ولایت شرعیہ کے خلاف حکم نافذ ہی نہیں اس کو توڑنے کے لئے اپیل کی ضرورت نہیں۔	۵۸۵	کوچہ سربستہ میں اپنے دروازہ سے اوپر دروازہ قائم نہیں کرسکتے۔	۵۹۲
نابالغ کو دینے کی نیت سے جو کچھ بنوایا نابالغ کی ملک ہوگیا۔	۵۸۶	ایک جائداد پر قبضہ غاصبانہ کا مقدمہ۔	۵۹۲
بالغہ کے لئے بنوایا تو جب تک اس کا قبضہ نہ کرادے ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔	۵۸۶	حجت شرعیہ بینہ، اقرار یا انکار ہے۔	۵۹۲
"میرے لئے نابالغی میں کچھ بنوایا تھا" مجہول ہونے کی وجہ سے یہ دعوی مردود ہوگا۔	۵۸۶	ظاہر دفعہ کی حجت ہوسکتا ہے استحقاق کی نہیں۔	۵۹۳
مورث کے موت کے بعد متعین سامان پر دعوی کہ نابالغی میں میرے لئے مورث نے بنوایا، مدعی معین سامانوں کا ہبہ گواہوں سے ثابت کرے یا ورثہ اقرار کریں تو دعوی مدعی کے حق میں ہوگا ثابت نہ کرسکے یا ورثہ انکار کریں اور گواہ نہ ہوں تو منکرین کو حلف دلایا جائے گا، حلف لے لیں تو دعوی رد، انکار کریں تو دعوی ثابت۔	۵۸۷	گواہی رد ہونے کے باوجود مدعی بہ کا جز حصہ مدعی کو دلانا فیصلہ شرعی نہیں۔	۵۹۳
رشوت لینے دینے والے دونوں جہنمی ہیں، کسی کا حق چھپانے یا اپنا نکالنے کے لئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے، اپنے سے اوپر ظلم دفع کرنے کو دیا جائے وہ رشوت نہیں۔	۵۸۷	مجہول شخص اور مجہول شے پر گواہی نامقبول۔	۵۹۵
غیر مسلموں کو پنچ بنانا حرام ہے۔	۵۸۸	شخص غائب کی تعیین کے لئے باپ اور دادا دونوں کا نام ضروری ہے۔	۵۹۵
مرد یا تو عورت کو اچھی طرح رکھے یا طلاق دے	۵۸۸	گواہ جب کسی امر کو متردد طور پر کہے تو اقل متعین کو نہیں مانا جائے گا گواہی رد ہوگی۔	۵۹۵
مدعی کے گواہ فسق یا عدم موافقت دعوی والشہادۃ کی وجہ سے مردود ہوتے ہیں۔	۵۸۹	بینہ نہ ہونے کی صورت میں طلب مدعی پر مدعا علیہ پر حلف متوجہ ہوتا ہے۔	۵۹۵
عدم شہادت کی صورت میں طلب مدعی پر مدعی علیہ پر حلف ہوگا۔	۵۸۹	منکر پر گواہ پیش کرنا نہیں ہے۔	۵۹۷
مفتی کے لئے جو چیزیں ضروری ہیں ان کا بیان۔	۵۹۰	ایک شخص اپنی ملک میں کتنی ہی اونچی دیوار اٹھائے پڑوسی کو ہوا اور دھوپ بند ہونے کی شکایت کا حق نہیں۔	۵۹۸
کسی چیز پر تصرف کرتے دیکھ کر خاموش رہا اور بعد میں دعوت وراثت کیا نا مسموع ہوگا۔	۵۹۱		

کسی کا اپنی ملک میں ایسا تصرف جس سے دوسرے کا مکان گرجائے یا روشنی بالکل بند ہوجائے ممنوع ہے۔	۵۹۹	نکاح فعل کے ساتھ ملحق ہے۔ اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے۔	۶۰۶
مسجد کی دیوار کے جز حصہ پر بھی کسی نے مکان بنایا ڈھا کر دیوار خالی کی جائے گی۔	۶۰۰	وکیل بالنکاح والخلع جب ایسے نکاح کے اثبات کی گواہی دیں تو مقبول نہیں۔	۶۰۷
مدعی کا مدعا علیہ سے خرچہ وصول کرنا شرعا جائز نہیں۔	۶۰۱	جملہ مستقلہ اور مربوطہ سے گواہی میں فرق پڑتا ہے۔	۶۰۷
باپ کا اپنے نابالغ بچہ کے مقدمہ میں کسی کو حاکم بنانا جائز ہے۔	۶۰۲	نکاح کی گواہی میں پڑھنے اور پڑھوانے میں کوئی فرق نہیں۔	۶۰۸
حکم کا فیصلہ خلاف شرع ہو تو ناقابل قبول ہے۔	۶۰۲	وکیل کی گواہی مطلقًا ناجائز نہیں بلکہ جب اپنا فعل بتاکر شہادت دے گا گواہی رد ہوگی۔	۶۰۸
ایک فیصلہ کی تصدیق اور ایک فتوٰی کی تغلیط۔	۶۰۲	جو گواہ گھڑی میں کچھ اور گھڑی میں کچھ اپنے کہے ہونے کی خود ہی تردید کرے قابل شہادت نہیں۔	۶۰۹
میں نے فلاں عورت کا نکاح فلاں سے کردیا ہے۔	۶۰۲	معاملہ مسئولہ میں نکاح فضولی بھی نہ ہوا۔	۶۰۹
یہ اپنے فعل کی گواہی ہے اور نامقبول ہے۔	۶۰۴	نکاح خواں کا رجسٹر کوئی شہادت نہیں ہے۔	۶۰۹
زید نے کہا اگر میں تم دونوں کو ماروں تو میری بیوی کو طلاق، اور مارا، تو یہ گواہی دے سکتے ہیں کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی، تفصیل بتادی تو گواہی مقبول نہ ہوگی۔	۶۰۴	نکاح فضولی بالکل باطل نہیں ہوتا بلکہ موقوف منعقد ہوتا ہے۔	۶۰۹
شہادت نکاح بیان نام مزوج وکیل وشہود کی محتاج نہیں۔	۶۰۵	فتوٰی رامپور پر دس تنقیدیں۔	۶۰۹
گواہ جب یہ بیان دے کہ عورت نے اندر سے نکاح کی اجازت دی، اندر اور عورتیں بھی تھیں۔ اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی۔	۶۰۵	کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں۔	۶۱۰
نکاح فضولی کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔	۶۰۵	جس نے بے علم فتوٰی دیا اس پر آسمان زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۶۱۲
جب شہادت میں شوہر کا ذکر مجمل ہو تو شہادت قبول نہ ہوگی۔	۶۰۵	کسی عورت کو بے پردہ بالقصد دیکھنا موجب فسق ہے۔	۶۱۳

دادی نے اپنے لڑکوں کو روپیہ دیا کہ اس سے اپنے نام مکان خرید لو، اب پوتی کا یہ کہنا ہے کہ دادی کی نیت یہ تھی کہ اس مکان میں میں اور میری والدہ رہیں اس لیے مکان ہمارا ہے۔ یہ دعوٰی غلط ہے اعتبار لفظ کا ہے نیت کا نہیں۔	۶۱۵	نصاب کے بعد گواہ اس وقت نہیں لئے جاتے جب ان کی گواہی سے دعوٰی ثابت ہو جائے ثبوت نہ ہو تو مزید گواہوں کا سننا قاضی پر فرض ہے۔	۶۲۱
میاں بیوی ایک ساتھ رہتے ہیں شوہر کل آمدنی لاکر بیوی کو دے دیتا ہے۔ عورت گھر کے تمام مصارف اسی سے پورے کرتی ہے۔ اس کو شرع میں تموین کہتے ہیں۔ اس صورت میں روپیہ کل شوہر کا ہی رہتا ہے۔	۶۱۵	عدم ثبوت قضاء نہیں۔	۶۲۱
رہائش مشترکہ نہ ہو اور شوہر اپنے عورت کے حصہ کا نفقہ اس کو الگ دے تو اس کی مالک عورت ہوگی۔ جو بچائے گی اس کا ہوگا۔	۶۱۵	ایسے قاضی کا حکم ماننا حرام ہے۔	۶۲۲
اولاد کے لئے جو نفقہ ہے وہ دفع حاجت کے لئے ہے تو اس میں جو بچا ملک شوہر پر رہے گا۔	۶۱۶	ایسا قاضی سزائے قتل کا مستحق ہے لیکن یہاں سزا دینے والا بادشاہ اسلام نہیں۔	۶۲۲
عورت اور دیگر محارم کے نفقہ کا فرق۔	۶۱۶	جب باپ نے طلاق کے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح پڑھایا، وہ دیوث ہے۔	۶۲۲
بحر الرائق کے سبقت قلمی کی تصحیح۔	۶۱۷	لڑکی بدستور اپنے شوہر کی بیوی ہے۔	۶۲۲
عورت اور بچوں کا نفقہ ایک ساتھ عورت کو دیا تو عورت اس کی مالک نہ ہوگی۔	۶۱۷	مدعی کے دعوٰی کے بغیر گواہی نہیں۔	۶۲۲
مشاع اور مجہول کا ہبہ صحیح نہیں۔	۶۱۸	نکاح خواں نے اپنے نکاح پڑھانے کی گواہی دی تو وہ مقبول نہیں۔	۶۲۳
عورت نے شوہر کو روپیہ دیا اور تقاضا نہیں کیا یہ دلیل تملیک نہیں۔	۶۱۸	زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ پیش کئے تو حد قذف کے لائق ہیں۔	۶۲۳
ساکت کی طرف قول منسوب نہیں کیا جاتا۔	۶۱۸	ہندوستان میں بادشاہ اسلام نہیں اس لئے حد قذف نافذ نہیں ہو سکتی۔	۶۲۳
لڑکی نے باپ سے کہا آپ نے میرے روپے سے مکان خریدا لہٰذا مکان میرا گواہوں سے روپیہ کی معینہ مقدار ثابت کردے گی تو باپ اتنے روپیہ کا مقروض ہوگا، مکان پھر بھی باپ کی ہی ملک رہے گا۔	۶۱۸	جو جھوٹے مشہور ہوں ان کی گواہی کبھی مقبول نہ ہوگی۔	۶۲۳
ایک بدطینت قاضی کی تلبیس پر سخت تنبیہ۔	۶۲۱	فاسق معلن کی امامت مکروہ ہے۔	۶۲۴

توبہ صادقہ سے ان کا حال بدل جائے تو ان کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔	۶۲۴	عداوت دنیویہ جب تک فسق وفجور کی طرف منجر نہ ہو شہادت قبول ہوگی۔	۶۳۷
ہبہ صرف زبان سے مکمل نہیں ہوتا۔	۶۲۴	عداوت دنیویہ کے سبب شہادت نہ قبول کرنا متاخرین کا مذہب ہے۔	۶۳۸
مردہ کو گواہ قرار دینے سے ہبہ ثابت نہ ہوگا۔	۶۲۴	صحیح اور معتمد یہ ہے کہ قبول ہے۔	۶۳۸
قابل تقسیم چیز کا ہبہ بلا تقسیم صحیح نہیں۔	۶۲۵	مصنف کی تحقیق کہ متاخرین بھی مطلقاً عداوت دنیوی کو عدم قبول کا سبب نہیں قرار دیتے۔	۶۳۹
احد المتعاقدین میں سے کوئی قبضہ سے پہلے مرجائے ہبہ باطل ہے۔	۶۲۵	طرفداری مطلقاً مانع قبول شہادت نہیں۔	۳۴۰
دعوی ہبہ اس بات کا اقرار ہے کہ موہوبہ واہب کی ملک ہے۔	۶۲۵	مخاصم کی شہادت قبول نہیں اس کا مطلب فریق مقدمہ ہے۔	۶۴۰
اسلام میں تسلیم ملک کے بعد تمادی کوئی چیز نہیں۔	۶۲۶	جب دوستی اس حد کی ہو کہ ایک دوسرے کے مال میں بے تکلف تصرف کریں تو گواہی قبول نہیں۔	۶۴۱
جب تعین تاریخ یوم ماہ موجود ہو تو ۲۶، ۲۷ دن ہوئے کہنے سے جہالت نہ ہوگی۔	۶۳۴	مقدمہ جب طویل ہوجائے تو پیروکار، بھائی، ابن عم کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔	۶۴۲
دعوی ملک میں تاریخ میں اختلاف ناقض شہادت ہے طلاق میں نہیں۔	۶۳۴	گواہوں میں اختلاف کی تطبیق۔	۶۴۲
کفالۃ، حوالہ، قذف، وصیت، رہن، دین، قرض، بیع وشراء، عتاق، وکالۃ، طلاق، اقرار، ابراء میں زمان ومکان میں اختلاف قبول شہادت میں مضر نہیں۔	۶۳۵	فعل کبھی مباشر کبھی آمر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔	۶۴۳
ترک اسلام وکلام مہاجرت ہے، مہاجرت اور عداوت میں عام وخاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۶۳۶	عدم ذکر ذکر عدم نہیں ایسے اختلاف خود قرآن میں ہیں۔	۶۴۴
عداوت دنیویہ کی مثالیں۔	۶۳۶	بعض وقت ظروف کی نسبت میں دو جہتیں ہوتی ہیں جن کو قرائن سے متعین کیا جاتا ہے۔	۶۴۴
مہاجرت کو عداوت دنیویہ سمجھنا غلط ہے یہ عداوت دینیہ بھی ہوسکتی ہے۔	۶۳۷	گواہوں کا بیان ایسا مختلف نہیں کہ تاویل نہ ہوسکے سب میں تطابق ممکن ہے۔	۶۴۵
		دعوی سے زائد باتوں کے اختلاف سے گواہی پر اثر نہیں پڑتا۔	۶۴۶

دعوی کے وقت قاضی کو دوسرا رنگ بتایا اور ادائے شہادت کے وقت دوسرا ایہ اختلاف بھی مضر نہیں۔	٦٤٦	جو فیصلہ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو باطل ہے۔	٦٥٥
مدعی اور مدعا علیہ کے کپڑوں یا سواری کے رنگ میں گواہوں نے اختلاف کیا، گواہی مقبول ہے۔	٦٤٧	روایت نادرہ کا حکم مطلقاً شبہہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ جب قاضی کو گواہی کے جھوٹ ہونے کا ظن ہو۔	٦٥٥
ایقاع طلاق کے الفاظ کے بارے میں گواہوں نے اختلاف کیا گواہی مقبول ہے۔	٦٤٨	امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں خیر القرون ختم ہوچکا تھا۔ کذب شائع اور عدم اعتماد عام ہوچکا تھا جھوٹ کا ابتلائے عام شہادتوں کو مطلقاً بے اعتبار نہیں کرے۔	٦٥٦
معمولی اختلاف سے شہادات غیر مقبول ہوں تو حقوق ضائع ہوں۔ ظالم اموال اور خروج پر دسترس پالیں۔	٦٤٩	چھ ہی مہینہ کے بعد واقعہ طلاق کو گواہوں شبہہ کا سبب بنانا بھی غلط ہے۔	٦٥٦
آج کل کچہریوں میں وکیلوں کے جرح کی مذمت	٦٤٩	مردوں کی سخت گیری کے لحاظ سے عورتوں کی سرکشی نادر ہے۔	٦٥٧
قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت نادرہ کو ان کا مذہب قرار دینا فقاہت کے خلاف ہے۔	٦٥٠	مردوں کے بنسبت عورتوں کو طلاق سخت ناگوار ہے۔	٦٥٧
مجرد تہمت وریب کی بناپر شہادت رد نہ کی جائی گی۔	٦٥٠	مردوں میں غصہ کے وقت طلاق کی وبا عام ہے۔	٦٥٧
جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں ہے۔	٦٥١	حلال وحرام کا مسئلہ ضرور محل احتیاط ہے لیکن طلاق میں دونوں طرف یکساں خطرہ ہے۔	٦٥٨
قول مرجوع پر قضاء وافتاء جہل اور خرق اجماع ہے۔	٦٥١	شہادت پر جہاں تک ممکن ہو صحت پر حمل کی جائے گی۔	٦٥٨
امام اعظم کے قول پر فتوٰی اور قضاء واجب ہے۔	٦٥١	کثرت شہادت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔	٦٥٨
نصوص فقہیہ	٦٥١	وثیقہ نویس ہزاروں دستاویز لکھتا ہے اور سب کا گواہ ہوتا ہے۔	٦٥٨
قاضی کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق فیصلہ کا حکم ہوا اس نے کسی دوسرے مذہب کے موافق حکم کیا معزول ہوگا۔	٦٥١	گورنمنٹ کی مخبری فسق ہے مگر متہم کو انکار ہو تو تنقیح ضروری ہے۔	٦٥٩
قول ضعیف قاضی مجتہد کے فیصلہ سے قوی ہو جاتا ہے۔	٦٥٥		

بیع بالوفاء کاایک مقدمہ	۶۵۹	۲۔ شہادت کے لئے گواہی دیتاہوں" کہنا ضروری ہے اخبار کے الفاظ سے گواہی صحیح نہیں۔	۶۷۳
تنقیحات۔	۶۵۹	قسم کھا کر کہا "تو میری عورت نہیں" طلاق واقع نہ ہوگی۔	۶۷۳
تجویز عدالت	۶۵۹	۳۔ لفظ اشہد یا شہادت میدہم یا گواہی دیتاہوں، کو شہادت سے متصل ہونا چاہئے ورنہ شہادت مقبول نہ ہوگی۔	۶۷۶
حکم	۶۵۹	قسم اور مقسم میں جو زیادتی تاکید کے لئے ہو وہ مضر نہیں۔	۶۷۶
بطلان دعوی کے دلائل	۶۶۹	قسم اور مقسم میں سکوت سے فاصلہ ہو تو قسم صحیح نہیں۔	۶۷۷
۱۔ وارث اور مورث شخص واحد کے مثل ہیں مورث کے اقرار کے خلاف وارث کا دعوی تناقض ہے اور یہ مبطل دعوی ہے۔	۶۶۹	شہود بہ اور لفظ اشہد میں فصل کی مثالیں۔	۶۷۸
۲۔ واپسی دستاویز کا مدعا علیہ کی ملک ہو صرف رسید پانے کا دعوی کرسکتاہے۔	۶۶۹	شریعت میں شہادت کسی دوسرے پر آنیوالے حق کی خبر ہے۔	۶۷۸
دستاویز کی ملک ہو تو دعوی میں کاغذ کی مقدار اور صفت بیان کرنا ضروری ہے۔	۶۷۰	مسئلہ شہادت بہت نازک ہے۔	۶۷۸
۳۔ بنیوں کو سود کے حساب میں کمال مہارت ہوتی ہے۔ دعوی میں حساب بہت گندہ ہے۔ اس لئے یہ قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی غلط ہے۔	۶۷۰	"یہ فلاں کی ملک ہے اور اس کا حق اس طرح گواہی نہیں دے سکتا" یہ کہنا ہوگا کہ اس کا حق ہے۔	۶۷۸
حساب کی غلطی کا بیان۔	۶۷۱	معین الحکام کی ایک عبارت کی توضیح، اور علامہ طرابلسی کی توضیح پر نظر۔	۶۷۹
مدعی کا ظاہر حال جس دعوی کی تکذیب کرے مقبول نہیں۔	۶۷۲	اس امر کی نصوص کہ حاکم نے کہا کس امر کی گواہی دیتے ہو، تو شاہد نے اپنے بیان میں لفظ اشہد نہ کہا تب بھی گواہی مقبول نہ ہوگی۔	۶۷۹
اقرار کے بعد خطا کا دعوی مردود ہے۔	۶۷۲	سوال جواب میں دہرایا ہوا مانا جاتاہے۔	۶۸۰
شہادتوں کا نقص۔	۶۷۲	مدعی نے دعوی میں ماضی کا لفظ استعمال کیا، دعوی مقبول نہیں اور گواہی میں ایسا کیا تو گواہی مقبول نہیں۔	۶۸۱
۱۔ حقوق عباد میں شہادت کی شرط صحت دعوی ہے۔	۶۷۲		

۴۔ موجود پر شہادت دی، تو مدعی، مدعا علیہ اور مدعوبہٖ کی طرف اشارہ ضروری ہے۔	۶۸۲	کسی چیز کے بارے میں دعوی کیا "میری ہے" پھر کہا وقف ہے، دعوی مسموع ہوگا۔	۶۸۸
غائب میں باپ کے ساتھ داداکانام بھی ضروری ہے۔	۶۸۲	قرآن عظیم میں یتیم کے مال کو اولیاء کا مال کہنا علت اصلاح ونگرانی ہے۔	۶۸۹
شاہد کاحاضر کو پہچاننا ضروری،	۶۸۳	قرآن عظیم نے حضرت خدیجہ الکبرٰی رضی اللہ عنہا کی مالداری کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مالداری کہا۔	۶۹۰
گواہ مدعی، مدعی علیہا اور مدعوبہٖ کا نام ونسب بیان کریں اور اس کو نہ پہچانیں، تو گواہی نامقبول ہے۔	۶۸۴	پردہ نشینوں کا روپیہ ان کے شوہروں کو ہی دیا جائے گا اور وہی رسید دیں گے۔	۶۹۰
۵۔ شہادت میں حاضر پر اشارہ کا مطلب ایسا لفظ ہے کہ حاضر کی طرف اس سے اشارہ ہو، اعضاء کا اشارہ جب کلام سے متعلق ہو تو یہ بھی کلام کے معنی ہو جاتا ہے۔	۶۸۴	خاص خاص گواہان مدعی پر الگ الگ تنقیدیں شاہدوں کے اٹھارہ اختلاف۔	۶۹۱
۶۔ متبنّٰی کی ولدیت گود لینے والے کی طرف کرنا ازروئے قرآن غلط ہے۔	۶۸۵	زمان ومکان میں اختلاف شہادت کو مضر نہیں مگر یہ کہ دونوں گواہ کہیں کہ ہم دونوں مدعی کے ساتھ ایک دن اور ایک ہی جگہ تھے۔	۶۹۲
شہادت میں تعریف کا مطلب معہود ذہنی نہیں ہوتا بلکہ الفاظ سے تعین ضروری ہے۔	۶۸۶	شہادت میں مجاز مقبول نہیں۔	۶۹۵
۷۔ دعوی یہ ہو کہ بیعنامہ اور کرایہ نامہ میں زوجہ کا نام فرضی ہے حقیقۃً یہ معاملہ شوہر سے ہے، اور گواہی میں نہ اپنے علم کا ذکر نہ مدعا علیہ کے اقرار کا گواہوں کا صرف یہ بیان کہ مدعی نے ہم سے کہا باطل اور مردود ہے۔	۶۸۶	جب گواہ قابل اطمینان نہ ہوں تو زائد باتوں میں اختلاف بھی مضر شہادت ہے۔	۶۹۶
زوجہ کی ملک کو اپنی طرف منسوب کرنا شائع وذائع ہے۔	۶۸۶	شاہد کے بیان میں تعارض۔	۶۹۶
میاں بیوی میں یہ انبساط ہی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنی زکوۃ نہیں دے سکتے۔	۶۸۷	شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو لکھی یادداشت پر گواہی باطل ہے۔	۶۹۶
وکیل موکل کی ملک کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے یہی حال تو نوکر کا آقا کی ملک میں ہے، وصی کا یتیم کی ملک میں متولی کا مال وقف میں ہے۔	۶۸۸	امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک تحریر سے گواہی اس وقت مقبول ہے کہ گواہ اس کا اظہار نہ کرے۔	۶۹۷
		جو علم مقدار فرض کفایہ نہ سیکھے فاسق مردود الشہادۃ ہے۔	۶۹۸

جب گواہوں کی حالت مشتبہ ہو تو تحری صدق ضروری ہے۔	۶۹۹	اصل واقعہ کو صحیح ماننا، اور صرف رجسٹری نہ ہونے سے اعتبار نہ کرنا غلط ہے۔	۷۰۶
وجوہ اشتباہ۔	۷۰۰	یہ کہنا کہ مرتہن نے شیئ مرہونہ کو کرایہ پر دیا لہٰذا کرایہ اور مرہون کے جملہ محاصل حق راہن نہیں غلط ہے۔	۷۰۶
تجویز اور فیصلہ پر تنقید۔	۷۰۱	صحیح حکم یہ ہے کہ مرتہن مرہون کو بے اجازت راہن کرایہ پر دے تو کرایہ مرتہن کی ملک خبیث ہے صدقہ کرے یا راہن کو دے۔	۷۰۶
دعوی صحیح نہیں تو آگے کی کارروائی بیکار ہے۔	۷۰۱	ایسی رقم کو اصل قرض میں مجرائی کے لائق قرار دینا صحیح نہیں ہے۔	۷۰۷
گواہی باطل ہو اور مدعا علیہ اقرار یا انکار کچھ نہ کرے تو طریقہ حکم مسدود ہے۔	۷۰۱	ساتویں تنقیح بحق مدعا علیہا ثابت ہے۔	۷۰۷
تنقیح نمبر ا گواہوں سے ثابت نہیں۔	۷۰۲	قبضہ مرتہن کا اقرار خود کشتی وارث مدعی نے کیا ہے۔	۷۰۸
رسید بہی ثابت نہیں۔	۷۰۲	نویں تنقیح بے فائدہ اور قابل قیام تھی ہی نہیں۔	۷۰۹
تجویز کا تناقص۔	۷۰۲	دوسرے کے پیسہ سے کوئی چیز خریدی بیع مشتری کے حق میں ثابت ہے۔	۷۰۹
رسید پر دستخط کرنا معاملہ کے سود ہونے کی دلیل نہیں بلکہ سود نہ ہونے کی دلیل ہے اور اس سے تنقیح ۲۔ ۳ باطل ہو جاتی ہے۔	۷۰۲	بقیہ تنقیحیں غیر متعلق اور غیر مفید ہیں۔	۷۱۰
تجویز کا شہادتوں کو رد اور تحریر یعنی رسید سے اس کی تائید ماننا باطل ہے۔	۷۰۳	حکم شرع یہ ہے کہ ججی کا فیصلہ باطل ہے اور مدعا علیہ و دعوی باطلہ مدعیان سے بری۔	۷۱۰
مجوز نے رسید بہی کی ایک اور بری غلطی ظاہر کی۔	۷۰۳	مشتری کہتا ہے آٹھ آنہ قیمت طے ہوئی تھی بائع نے ساڑھے چار روپیہ بتایا، ایسی صورت میں جو اپنا دعوی گواہوں سے ثابت کرے اسی کے حق میں فیصلہ ہوگا۔	۷۱۰
خط خط کے مشابہ ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں۔	۷۰۳	دونوں طرف گواہان عادل ہوں تو بائع کے گواہ معتبر ہوں گے۔	۷۱۰
مظنون در مظنون پر فیصلہ کی بنیاد غلط ہے۔	۷۰۵	دونوں گواہ پیش نہ کرسکیں تو مشتری سے قسم طلب ہوگی انکار پر بائع کے حق میں فیصلہ ہوگا اور قسم کھالے تو بائع سے بھی قسم لی جائیگی وہ انکار کرے تو فیصلہ بحق مشتری، اور وہ بھی انکار کرے تو بیع کے فسخ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔	۷۰۱
فیصلہ میں شہادت مردودہ پر اعتبار کیا۔	۷۰۶		

شفعہ کا ایک معاملہ	۷۱۱	وارثان بائع اگر اس مضمون کی گواہی پیش کریں مقبول ہوگی ورنہ نہیں کہ بعد بیع بائع اور مشتری دونوں نے اقرار کیا تھا کہ ہم نے بیع فرضی کیا۔	۷۱۵
دعوی تام وعام ہے۔	۷۱۲	مشتری بیع قطعی کا مدعی ہو اور مدعا علیہ بیع تلجئہ کا گواہ بائع پیش کرنا ہوں گے۔ مشتری کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۷۱۶
طلب شفعہ کی حکایت کو دعوی سمجھنے کی غلطی۔	۷۱۳	مشتری سے گواہ مانگنا اور ان سے بحث خلاف ضابطہ ہے۔	۷۱۶
تعین کی دو قسمیں۔	۷۱۳	تلجئہ کے مدعیوں کو صرف یہ گواہی پیش کرنا ہوگی کہ مشتری نے بعد بیع اس کے فرضی ہونے کا اقرار کیا۔	۷۱۶
مشاع اشیاء میں تعین سے مراد تعین مقدار ہے۔	۷۱۳	بائع اس مکان میں مرتے دم تک رہا، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشتری کا قبضہ نہ ہوا، یہ صحت بیع کے منافی نہیں۔	۷۲۰
مشاع کی بیع بالاجماع بیع جائز ہے۔	۷۱۳	بائع مرجائے تو گواہوں کا یہ کہنا کہ مکان بائع کا ہے غلط ہے، مردہ کسی چیز کا مالک نہیں۔ "مکان بائع کا تھا" یہ کہنے سے نہیں ثابت ہوتا کہ انہوں نے بیع نہیں کیا۔	۷۲۱
عرضی دعوی اور بیان شاہدین میں تطبیق کا بیان۔	۷۱۳	استصحاب حال کی گواہی حادث گواہی کے خلاف معتبر نہیں۔	۷۲۱
یہ اعتراض بے معنی ہے کہ مدعی نے عرضی دعوی میں طلب عندالمشتری کیا اور گواہ کے بیان میں طلب عندالمبیع بھی ہے۔	۷۱۳	بائع اور اس کی بیوی میں اختلاف ہونے سے بھی بیع کا فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔	۷۲۱
دس حصوں میں سے ایک کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہر حصہ میں سے ایک ایک حصہ۔	۷۱۴	بائع بیع کے فرضی ہونے کا اقرار کرے تو بھی فرضی نہیں قرار پائے گی۔	۷۲۲
قرآن شریف کی آیت بین احد من رسلہ کا مطلب بین احد واحد من رسلہ ہے۔	۷۱۴	بائع کا مبیع کے فرضی ہونے کا قول متناقض ہے اور تناقض دعوی مردود ہے۔	۷۲۲
جب مدعی کا حق شفعہ صرف بعض مبیع میں ہو تو شفعہ کے صفقہ میں تفریق جائز ہے۔	۷۱۴	مجمل گواہی معتبر نہیں۔	۷۲۳
مشتری بیع کی واقعیت کا مدعی ہے اور بائع کے وارثان فرضی ہوں گے، وارثوں سے گواہ مانگے جائیں گے، اور وہ گواہ پیش نہ کریں تو قسم سے مشتری کا قول معتبر ہوگا، قسم سے انکار کرے تو بیع فرضی ہونے کا حکم ہوگا۔	۷۱۵	فاسق معلن کی گواہی معتبر نہیں۔	۷۲۳

مستور کی گواہی جب تک دلائل صادقہ سے غلبہ ظن نہ ہو جائے مردود ہے۔	۷۲۳	مشاع کا رہن فاسد ہے مگر رہن میں صحیح وفاسد سب کا حکم ایک ہے۔	۷۲۸
قاضی کو گواہ کے کذب کا گمان غالب ہو یا کذب وصدق دونوں کا مساوی گمان ہو بیع باطل ہے۔	۷۲۳	راہن نے صرف رہن کا دعوی کیا تو دعوی مسموع نہیں اگرچہ گواہوں نے قبضہ کی بھی گواہی دی۔	۷۲۹
مدعاعلیہ کو گواہوں کی ضرورت نہیں۔	۷۲۴	راہن نے قبضہ کا بھی دعوی کیا لیکن قبضہ کے گواہ نہ پیش کرے گا تب بھی رہن ثابت نہ ہوگا۔	۷۳۰
مدعاعلیہ کے گواہوں پر فیصلہ کی تنقیدوں کا جواب۔	۷۲۴	مرہون پر مرتہن کے قبضہ سے پہلے راہن کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔	۷۳۰
مستورالحال ہونا مطلقاً مردود نہیں۔ اور فی مانحن فیہ میں طرفین کے گواہ مستورالحال ہیں۔	۷۲۴	صرف دستاویز میں قبضہ کا ذکر ہو اور گواہوں سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی تو بھی رہن ثابت نہیں۔	۷۳۰
قیمت زائد لکھوانا بیع کے فرضی ہونے کی دلیل نہیں رجسٹرار کے سامنے بیع ثمن ادانہ کرنا بھی بیع کے فرضی ہونے کی دلیل نہیں۔	۷۲۵	مہرعام قرضوں کی طرح ہے۔	۷۳۱
رجسٹرار کے سامنے زرثمن کی پیشگی ادائیگی بھی بیع کے فرضی ہونے کا ثبوت نہیں۔	۷۲۵	مکان کا پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک	۷۳۳
بائع کا رجسٹری آفس سے دستاویز چھڑانا بھی فرضیت بیع کی دلیل نہیں۔	۷۲۵	نابدان قدیم سے جدھر ہے اسی طرف بہانے کا حق حاصل ہے۔اس کے خلاف تصرف بیجا ہے۔	۷۳۳
فیصلہ نے دس گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا اس لئے کہ وہ سب ناقابل ذکر تھے اس سے فیصلہ پر اثر نہیں پڑتا۔	۷۲۶	وقف کے کرایہ دار کی بدنیتی ظاہر ہو تو قاضی جائداد اس کے ہاتھ سے نکال لے۔	۷۳۵
حکم شرعی فیصلہ قابل منسوخی ہے۔	۷۲۷	کرایہ بڑھ گیا اور وقف کی جائداد کا مستاجر کرایہ دینا نہ چاہے تو اجارہ فسخ کردیا جائے۔	۷۳۵
مورث کے ترکہ سے کس دین کی ادا مقدم ہے۔	۷۲۷	مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان قابل سماعت نہیں، نہ اس کے سبب خصومت کسی دوسرے کی طرف منتقل ہوسکتی ہے۔	۷۳۵
راہن نے مکان مرہونہ پر قبضہ کا دعوی گواہوں سے ثابت کردیا تو رہن ثابت ہوگی۔ اگر راہن کا اس مکان پر قبضہ ہو تو مرتہن کی طرف سے عاریۃً مانی جائے گی۔	۷۲۷	قاضی پر واجب ہے کہ مدعی جب دعوی ثابت کردے فیصلہ اس کے حق میں کردے مقدمہ مزید کارروائی کے لئے آگے بڑھانا جائز نہیں۔ ۷۳۵	
ایسی صورت میں راہن کا قبضہ سب قرضخواہوں پر مقدم ہوگا۔	۷۲۸		

دعوی اس کے خلاف ہوگا جس کا قبضہ ہو۔	۴۳۶	دستاویز حجت نہیں۔	۴۳۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		ایک دلگداز حدیث شریف۔	۳۱۰
آیہ کریمہ "اطیعواللّٰہ واطیعواالرسول و اولی الامرمنکم" میں تکرار "اطیعوا" کی حکمت۔	۵۲۰	**عقائد وکلام**	
دو آیتوں کی تفسیر۔	۵۲۴	حکم اللہ ورسول کا ہے اس کے خلاف دنیا میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔	۱۳۱
ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا میں سبیل سے مراد سبیل دینی ہے۔	۵۲۴	ہر عطائی کمال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے خاص ہے اور دوسروں کو انہیں کے واسطہ سے حاصل ہے۔	۴۸۹
قرآن شریف کی آیت بین احد من رسلہ کا مطلب بین احد واحد من رسلہ ہے۔	۷۱۴	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی مشورہ کے محتاج نہ تھے ان کا مشورہ تعلیم امت وغیرہ فوائد کے لیے تھا۔	۴۹۰
فوائد حدیثیہ		اتبعوا السواد الاعظم کا حکم اعتقاد کے بارے میں ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے علاقہ نہیں۔	۴۹۲
حدیث انت ومالك لابيك کا مطلب۔	۲۸۴	قوم درزی کا کوئی دین نہیں وہ خود اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔	۵۵۲

www.dawateislami.net

طہارت		**نکاح**	
ایک معارضہ جس کو وضو کے لئے پانی اور مٹی دونوں نہ ملے وہ کیا کرے۔	۵۵۶	نکاح کی گواہی سماع کی بنیاد پر بھی دی جاسکتی ہے۔	۱۰۹
نماز		مرد وزن کا عرصہ دراز تک میاں بیوی کی طرح رہنا نکاح کی علامت مشتبہ سے ہے۔	۱۰۹
قعدہ اولیٰ میں امام کے بھول کر کھڑے ہوجانے کا مسئلہ۔	۳۳۲	شوہر کا اقرار بھی مثبت نکاح ہے۔	۱۱۰
مزدوری کی نیت سے نماز پڑھی فرض ساقط ہوجائے گا۔	۵۵۷	قاضی نکاح پڑھانے کی گواہی دے تو نامقبول ہے۔	۱۲۶
احکام مسجد		شوہر کے اقرار نکاح کے گواہ ہوں تو نکاح ثابت ہے۔	۱۳۶
مسجد کی دیوار کے جز حصہ پر بھی کسی نے مکان بنایا ڈھا کر دیوار خالی کی جائے گی۔	۶۰۰	وکالت نکاح مستلزم وقوع تزویج نہیں۔	۱۳۹
امامت		تنہا عورتوں کی گواہی مثبت نکاح نہیں ہوسکتی۔	۱۴۰
جمعہ میں فاسق کی اقتداء جائز ہے جبکہ جمعہ ایک جگہ ہوتا ہو۔	۵۵۵	مسلمانوں کافروں کے طریقے پر نکاح کرنا جائز نہیں۔	۱۷۹
فاسق معلن کی امامت مکروہ ہے۔	۶۲۴	مادرزن کے ساتھ زنا کا ایک بار اقرار کرلینے سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، شوہر کا بار بار اقرار کرنا ضروری نہیں۔	۱۹۰
توبہ صادقہ سے ان کا حال بدل جائے تو ان کے پیچھے نماز جائز ہوگی۔	۶۲۴	صرف دستاویزوں سے زوجیت کا ثبوت نہ ہوگا۔	۲۸۶
زکوٰۃ		نکاح کا اقرار اس بات کا اقرار ہے کہ اس وقت نکاح میں ہے۔	۲۸۶
مصنوعی زیور کی زکوٰۃ خلاف جنس دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا وزن کا نہیں۔	۳۷۰	صورت نکاح صحت توکیل پر موقوف نہیں۔	۳۲۰
میاں بیوی میں یہ انبساط ہی ہے کہ ایک دوسرے کو اپنی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔	۶۸۷	نکاح فضولی بھی جائز ہے۔ نفاذ البتہ طرفین کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۳۲۰

مہر نکاح میں مقصودہ نہیں وہ تابع اور زائد ہے۔	۳۳۴	عورت مہر مثل کے برابر یا کم کا دعوی کرے تو مہر مثل دیا جائے۔	۱۸۳
نکاح نامہ کا حکم۔	۳۳۸	مہر مثل سے زائد کا دعوی شوہر کی رضا یا گواہان شرعی کے بغیر ثابت نہ ہوگا۔	۱۸۳
اکراہ کے ساتھ نکاح صحیح ہے۔	۳۵۷	ایک عورت کو پوری جائداد و مہر کے عوض بیع کردی دوسری کو اس میں کوئی حق نہ پہنچے گا ہاں دوسری کو محروم کرنے کی نیت سے ایسا کیا تو مجرم ہوا۔	۱۹۴
صرف ایک شاہد کے بیان واقرار سے نکاح ثابت نہیں ہوتا۔	۴۵۸	مہر کے لئے فورًا یا تاخیر سے ادائیگی کی کوئی تصریح نہ ہو تو مدار وہاں کے عرف پر ہوگا۔	۱۹۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زوجین یا ان کے والدین کی مرضی کے خلاف نکاح کردیں نکاح نافذ ہے۔	۵۲۲	مہر معجّل کے دعوی کو عورت کو ہر دم حق حاصل ہے۔	۲۳۲
نکاح فضولی کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے۔	۶۰۵	جب کل مہر کے عوض جائداد ہبہ ہو کل مہر ساقط ہوگیا چاہے کتنا بھی ہو۔	۲۳۳
نکاح فضولی بالکل باطل نہیں ہوتا بلکہ موقوف منعقد ہوتا ہے۔	۶۰۹	دین مہر کے عوض جو جائداد دی گئی وہ مبیع ہوئی عورت اپنی زندگی میں اس میں ہر قسم کے تصرفات کی مختار ہے۔	۲۷۸
جب باپ نے طلاق کے بغیر لڑکی کا دوسرا نکاح پڑھایا وہ دیوث ہے لڑکی بدستور اپنے شوہر کی بیوی ہے۔	۶۲۲	شوہر نے اپنا کوئی مکان بیوی کے مہر کے عوض بیع کردیا، دوسری بیوی کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ اپنی ماں کے مہر کے عوض اس کو نیلام کراسکیں۔	۲۸۲
مہر		نکاح کے وقت مہر نہ ہونے کی شرط لگائی نکاح صحیح اور مہر مثل ثابت ہوگا۔	۳۳۴
شوہر نے مہر کے عوض جائداد دی، عورت نے قبضہ کیا، گواہوں کے بیان سے یہ ثابت ہوا اس کے بعد مہر کے مقدار کا جاننا ضروری نہیں۔	۱۰۷	گواہ اور مدعی میں مہر کی مقدار میں اختلاف ہو تو نکاح دونوں میں سے جو کم ہو اس پر ہوگا۔	۳۳۴
زید کی بہن عمرو کے نکاح میں ہے۔ عمرو کی بہن زید کے نکاح میں، دونوں عورتوں کے مرنے کے بعد ان کے مہروں میں مقاصہ ہوگا۔	۱۴۴	مہر نکاح کے تابع ہو کر ان امور سے ضرور ہے کہ اس کی گواہی سن کردی جاسکتی ہے مگر مہر کی معافی ان میں سے نہیں۔	۳۸۱
شوہر نے زیور کا صرف مالک بنایا۔ جہت کی تصریح نہ کی، عورت مہر سے الگ کہتی ہے۔ اور دیگر ورثہ مہر میں دینے کا دعوی کرتے ہیں۔ تو ورثہ کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۶۴		

عورت مہر مثل سے کم کا دعوی کرے تو گواہ کی ضرورت نہیں، ہاں شوہر ابرائے مہر کا مدعی ہو تو بجائے یمین کے عورت کے گواہ مقبول ہیں۔	۴۷۸	ایک گواہ سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۱۲۹
مہر عام قرضوں کی طرح ہے۔	۴۳۱	متارکہ صرف قول سے ہوتا ہے اس لئے شوہر کا کوئی فعل متارکہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔	۱۸۸
طلاق		تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۲۳۴
طلاق کے متعدد گواہوں کا بیان۔	۱۱۱	نصاب شہادت برائے طلاق۔	۲۳۵
طلاق میں سنی سنائی گواہی مقبول نہیں۔	۱۱۴	زمانہ طلاق کے بارے میں گواہوں کا اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں۔	۲۳۵
طلاق کی گواہی صرف سن کر دی تو مقبول نہیں۔	۱۱۵	مفتیوں کے فتوی کے موافق طلاق کا اقرار کیا بعد کو پتہ چلا کہ فتوی غلط تھا اطلاع نہیں پڑی۔	۴۴۶
ایک مرد ایک عورت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔	۱۱۵	قاصرہ نے بالغ ہوتے ہی اپنے نفس کو اختیار کیا بے تفریق قاضی اپنے نکاح سے الگ نہ ہوگی۔	۵۳۳
اس عورت کا حکم جو گواہی سے طلاق ثابت نہ کرسکی مگر شوہر نے حقیقۃً طلاق دی ہے۔	۱۱۵	اجنبیہ کے طلاق کو نکاح پر معلق کرنے والے کے بارے میں حنفی اور شافعی قاضی کے احکامات کا فرق۔	۵۳۴
شہادت طلاق میں کہاں تاخیر جائز ہے اور کہاں نہیں۔	۱۲۵	قسم کھا کر "تو میری عورت نہیں" طلاق واقع نہ ہوگی۔	۶۷۳
شہادت طلاق کی ادا میں تاخیر کی مختلف صورتیں۔	۱۲۵	**نسب**	
واقعۃً طلاق ہوگئی عورت گواہوں سے ثابت نہ کرسکی تو کیا حکم ہے۔	۱۲۷	الولد للفراش وللعاھر الحجر۔	۴۳۵
صرف عورت کے بیان سے طلاق ثابت نہ ہوگی۔	۱۲۸	رواج عام کی تحریر سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔	۴۳۹
دور جعی طلاق تک میاں بیوی کو ایک ساتھ رہنے کا حکم۔	۱۲۸	جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوگا۔	۴۵۰
طلاق کے وقت میں گواہوں کا اختلاف ہو تو یہ موجب رد نہیں۔	۱۲۹	ایسے رشتے کا اقرار جو اپنے غیر پر نسب لازم کرتا ہو شرعا بیحد ضعیف ہے۔	۴۵۱

متبنّٰی کی ولدیت گود لینے والے کی طرف کرنا ازروئے قرآن غلط ہے۔	۶۸۵	جو مسلمان ایسے ناجائز کاموں کے طرفدار ہوں شرعاً تعزیر کے مستحق ہیں اور ان پر توبہ لازم ہے۔	۱۷۹
نفقہ		زنا کی تہمت لگائی اور گواہ نہ پیش کئے تو حد قذف کے لائق ہے۔	۶۲۳
تنگدست والدین کا نفقہ کشادہ دست لڑکے پر ہے۔	۲۰۶	ہندوستان میں بادشاہ اسلام نہیں اس لئے حد قذف نافذ نہیں ہوسکتی۔	۶۲۳
غائب کے مال سے زوجہ اور ابوین اپنے حق کی جنس سے بغیر قضائے قاضی بھی لے سکتے ہیں۔	۳۱۵	**سیر**	
میاں بیوی ایک ساتھ رہتے ہیں، شوہر کل آمدنی لاکر بیوی کو دے دیتا ہے۔ عورت گھر کے تمام مصارف اسی سے پورے کرتی ہے، اس کو شرع میں تموین کہتے ہیں، اس صورت میں روپیہ کل شوہر کا ہی رہتا ہے۔	۶۱۵	مسلمانوں پر کافر کو کوئی حکومت نہیں۔	۱۷۹
رہائش مشترکہ نہ ہو اور شوہر اپنے عورت کے حصہ کا نفقہ اس کو الگ دے تو اس کی مالک عورت ہوگی۔ جو بچائے گی اس کا ہوگا۔	۶۱۵	جہاں کفار کا تغلب ہو وہاں مسلمانوں پر کسی کا قاضی بنانا واجب ہے۔	۱۹۲
اولاد کے لئے جو نفقہ ہے وہ دفع حاجت کے لئے ہے تو اس میں جو بچا ملک شوہر پر رہے گا۔	۶۱۶	کافر کے بنانے سے مسلمان حکم بھی نہیں ہوسکتا۔	۱۹۳
عورت اور دیگر محارم کے نفقہ کا فرق۔	۶۱۶	ایسے شہر جن پر کفار کی حکومت ہے دارالحرب نہیں ہیں بلکہ دارالاسلام ہیں۔	۵۴۶
عورت اور بچوں کا نفقہ ایک ساتھ عورت کو دیا تو عورت اس کی مالک نہ ہوگی۔	۶۱۷	جن شہروں میں احکام کفر کا غلبہ نہ ہو بلاد اسلام ہیں۔	۵۴۶
معاشرت		کافر اور غلام کی ولایت اہل اسلام پر نافذ نہیں۔	۵۵۲
دو بیویوں میں عدم مساوات پر وبال۔	۱۶۹	**حجر**	
حدود و تعزیر		قاضی کن کن لوگوں کو مجبور کرسکتا ہے۔	۵۳۷

حجر کی دو قسمیں۔	۵۳۷	بیع کی خبر پا کر خاموش رہنا اجازت نہیں ہے۔	۱۵۷
بے وقوف پر حجر کے بارے اختلاف ائمہ موجودہ کچہریوں کے حجر کے بعد بھی نہ وقف کیا وہ نافذ اور جائز ہے۔	۵۶۴	بیع موقوف کی اجازت مورث کی موت کے بعد وارث نہیں دے سکتے۔	۱۵۷
شرکت		بیع فضولی بیع موقوف ہوتی ہے۔ مالک نے خود بیع توڑی تو بیع موقوف باطل ہوگئی۔	۱۵۹
شرکت ملک میں شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوتا ہے۔	۱۶۰	بائع نے غلط فہمی سے ایک جائداد کو اپنا حصہ سمجھ کر بیچ دیا اور وہ واقعۃً اس کا حصہ نہ تھا تو وہ بیع میں داخل نہ ہوگا۔	۱۵۹
شرکت ملک کی تعریف۔	۱۶۰	زید کی کسی چیز کو عمرو نے بیچا، زید کو اس عقد کے جائز کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس چیز پر زید کوئی دعوی کرے تو اس سے بیع کی اجازت کا حق ساقط نہ ہوگا۔	۱۶۰
شیوع کی صورت میں مملوک کے ہر ذرے پر شریک کا حق ہوتا ہے۔	۱۶۱	کورٹ کا نیلام بیع شرعی نہیں۔	۱۸۱
لڑکا باپ کے عیال میں ہو اور باپ کی اعانت کے طور پر جو کمائے وہ باپ کا ہے۔	۱۶۶	اصل مالک کا اس مبیع پر راضی ہونا ضروری ہے۔	۱۸۱
لڑکے نے باپ کے عیال سے الگ ہو کر کمایا یا ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا باپ کے کسب سے الگ کوئی کسب کیا یہ سب بیٹے کا ہوگا۔	۱۶۷	ابتداءً ادل بدل کے ذریعہ بیع ہوجاتی ہے لیکن جس چیز کا عقد بیع فاسد کے ذریعہ کیا اب اس کو تعاطی کے ذریعہ بیع نہیں کرسکتے۔	۱۹۳
شرکت کا علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں۔	۲۷۰	بیع نامہ کی اطلاع پانے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر ہر لفظ سے آگاہ ہوا نہ اس بنیاد پر اطلاع پانے والے پر کوئی الزام قائم کیا جاسکتا ہے۔	۲۰۲
بیع		کسی عقد بیع کا تسلیم کرنا الفاظ زائدہ کا تسلیم کرنا نہیں ہے۔	۲۰۲
غلام اور آزاد کو ملا کر بیچا تو بیع باطل ہے۔	۱۱۰	چودھری مبیع میں داخل نہیں۔	۲۰۲
اپنے غلام اور دوسرے غلام کو ملا کر بیچا تو اس کے غلام میں بیع نافذ ہوگی۔	۱۱۰	بیع نامہ پر گواہی کرنا بھی شیئ مبیعہ پر ملک کے دعوی سے مانع نہیں۔	۲۰۲
شریک کے حصہ کی بیع فضولی کی بیع ہے اس کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۱۵۷		

مشتری کے لئے ثمن میں کچھ ملک باقی نہیں رہتی۔	۲۳۳	بائع اس مکان میں مرتے دم تک رہا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشتری کا قبضہ نہ ہوا یہ صحت بیع کے منافی نہیں۔	۷۲۰
جہاں مقاصد ہوں وہاں مقدار کا بیان بلکہ معلوم ہونا بھی ضروری نہیں۔	۲۳۳	**وقف**	
بیعانہ کا حکم۔	۲۵۲	اصل وقف میں شہادت سماعی مقبول ہے اور ضمناً ملکیت وقف کا ثبوت بھی ہوسکے گا۔	۱۱۶
ایجاب وقبول ثقہ گواہوں سے ثابت ہو یا بائع کا اقرار ثابت ہو تو بیع ثابت ہے، رجسٹری ہو یا نہ ہو، ثمن دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو۔	۲۵۲	کون کون چیز اصل وقف میں داخل ہے اور کون کون سی شرائط میں۔	۱۱۸
خریداری میں روپیہ والد کا ہونا ملک والد کو مستلزم نہیں۔	۲۶۶	وقف کی شہادت لوجہ اللہ ہے جس کے لئے دعوٰی ضروری نہیں اور ادائے شہادت میں تاخیر سے گواہ مردود الشہادۃ ہوجاتا ہے۔	۱۱۸
مبیع کے معیب بہ عیب پر فاحش ہونے میں یا ہلاک ہونے کی صورت میں ثمن میں اختلاف ہو تو بائع کے گواہ وہ نہ ہوں تو مشتری کی قسم یا انکار پر فیصلہ ہوگا۔	۲۸۹	اعتبار واقف کے لفظوں کا ہے نہ کہ کاتب کی تحریر کا۔	۴۴۹
خریداری مشتری کی طرف سے قرار دینا ممکن ہو تو اسی پر نافذ ہوگی۔	۳۱۷	شرط واقف نص شارع کی طرح واجب الاتباع ہے۔	۴۹۹
چاندی کو چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات شرعاً لازم ہے۔	۴۹۴	وقف میں ناظر کے ہوتے قاضی کا تصرف نافذ نہیں۔	۵۳۰
سونے کو چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات ضروری نہیں عاقدین کو کمی بیشی کا اختیار ہے۔	۴۹۴	وقف صحیح کی تفسیخ کے احکام وشرائط۔	۵۳۵
پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کے بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔	۴۹۴	**وکالت**	
بیع بالوفاء کا ایک مقدمہ	۶۵۹	تفریق کا وکیل ہوسکتا ہے اور وکالت کو معلق کیا جاسکتا ہے تو ایسی وکالت کے نتیجہ میں عالم نے تفریق کردی تو متارکہ ہوگیا۔	۱۸۹
مشاع کی بیع بالاجماع جائز ہے۔	۷۱۳	گواہ جب یہ بیان دے کہ عورت نے اندر سے نکاح کی اجازت دی، اندر اور عورتیں بھی تھیں۔اس سے توکیل ثابت نہ ہوگی۔	۶۰۵

فتوٰی رامپور پر دس تنقیدیں۔	۶۰۵	امانت استہلاک کے بعد غصب ہوجاتی ہے۔	۴۱۱
کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں۔	۶۱۰	**عاریت**	
اقرار		جو چیز عاریۃً دی یا اس کے عاریۃ دینے کا رواج ہو وہ باقی ہو تو لے سکتا ہے اور باقی نہ ہو تو کسی سے مطالبہ نہیں۔	۱۷۸
گواہ پیش ہوئے اور مدعا علیہم نے اقرار کیا تو فیصلہ بربنائے اقرار ہوگا۔	۱۰۵	عاریت کی چیز کسی نے خرچ کی یا تلف کردی اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے۔	۱۷۸
ایک شخص نے چند افراد کی موجودگی میں اپنی ساس سے زنا کا اقرار کیا بعد ازاں اس کا انکار کیا، اس کا شرعی حکم۔	۱۸۳	والدین جہیز کے کسی سامان کو عاریت بتائیں تو بغیر شہادت یہ مسموع نہ ہوگا۔	۲۸۷
مقر اپنے اقرار سے رجوع کرے تو نامقبول ہے۔	۱۹۰	شوہر کسی زیور کے بارے میں دعوی کرے تو مسموع ہوگا۔	۲۸۷
کسی جائداد میں غیر کو تصرفات کرتے ہوئے کسی کا چُپ رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی ملکیت کا صریح اقرار ہوگا۔	۱۹۷	عاریت کا قبضہ بھی مالک ہی کا قبضہ ہے۔	۳۹۶
کسی چیز کا بھاؤ کرنا اس کے ہبہ کی درخواست کرنا اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ہے۔ کسی دوسرے کی ملک ہونے کا اقرار نہیں ہے۔	۲۰۳	غصب اور رہن میں قدرے جہالت کا تحمل ہوتا ہے عاریت میں نہیں۔	۴۰۸
جھوٹے اقرار کی پابندی لازم نہیں۔	۲۴۲	**ہبہ**	
کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی شہود لغزش پھر نہیں سکتا۔	۲۶۸	ہبہ بالعوض مشاع اور مشترک اشیاء بھی ہوسکتا ہے یہ بیع کی طرح ہے۔	۱۱۰
اپنے اقرار پر آدمی کا مواخذہ ہوگا۔	۳۱۶	ہندوستان کا یہ عرف ہے کہ شوہر عورت کو زیور کا مالک نہیں کرتا۔	۱۶۳
زید کے عمرو پر دو اشرفی، عمرو نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا۔ یہ اقرار ہے اور عمرو ماخوذ ہوگا۔	۴۸۳	زیور کے عورت کی ملک ہونے کے لئے شوہر کی جانب سے تصریح ضروری ہے۔	۱۶۳
اقرار کے بعد خطا کا دعوی مردود ہے۔	۶۷۲	شوہر نے زیور کو مہر میں دینے کی تصریح کی تو مہر میں محسوب ہوگا۔ اور احسان اور ہبہ کے طور پر دیا تو محسوب نہ ہوگا۔	۱۶۳
امانت			

آج کل عام طور سے عرف یہی ہے کہ باپ بیٹے کو کوئی جائداد ہبہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو خرید کر قبالہ لڑکے کے نام کرادیتا ہے تو یہ لڑکے کا نام خریدای نہ ہوئی ہبہ ہوا۔	۱۸۱	مرض موت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے۔	۳۸۴
اگر ہبہ پر موہوب لہ کا قبضہ ہو ملک ثابت ہوگی قبضہ نہ ہو ملک ثابت نہ ہوگی۔	۱۸۱	اعتراضات مفتی (۱) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۲) قبضہ ناقصہ اعتراضات مفتی (۳) قبضہ ناقصہ اور اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۴) اختلاف شہادت اعتراضات مفتی (۵) ہبہ میں ایجاب کے ساتھ قبول ضروری قبضہ قبول کے قائم مقام نہ ہوگا۔	۳۹۱
واہب اور موہوب لہ میں سے کوئی بھی قبضہ سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا۔	۱۸۲	راجح معتمد و مفتی بہ یہی ہے کہ قبول ہبہ رکن نہیں۔	۳۹۳
استحقاق شیوع مقارن ہے ہبہ کو باطل کردے گا۔	۲۱۴	تحقیق یہی ہے کہ ہبہ میں قبضہ سے ملک اور قبول دونوں ثابت ہوتے ہیں۔	۳۹۳
والدین اپنے روپے سے جائداد خرید کر بیعنامہ اپنے بچوں کے نام لکھاتے ہیں یہ تملیک وہبہ ہے۔	۲۱۹	قبضہ بلااذن یا بہ اذن اسی مجلس ہبہ میں ضروری نہیں۔ بعد کو بھی ہوسکتا ہے بشرطیکہ قبضہ سے پہلے رد نہ ہو۔	۳۹۳
ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے۔	۲۳۳	قبول ہبہ کے رکن نہ ہونے کی دلیل اور اس کی نظیر۔	۳۹۴
ہبہ بے قبضہ تمام نہیں۔	۲۸۵	واہب نے موہوبہ کو فارغ نہ کیا اور کہا کہ قبضہ دلادیا، تو کذب ہوگا۔	۳۹۶
زوجیت مانع رجوع ہبہ ہے۔	۲۸۵	بے اجرت لوگوں کو مکان دے رکھا ہے اس مکان کو اپنے چھوٹے لڑکوں کو ہبہ کیا ہبہ صحیح ہے رہنے والوں کا تخلیہ ضروری نہیں۔	۳۹۶
مرض الموت کا ہبہ رضائے ورثہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۳۱۶	موہوب لہ کا غیر واہب کے املاک و اسباب سے خالی ہونا ضروری نہیں۔	۴۰۰
شرکت طاریہ مفر ہبہ نہیں۔	۳۱۶	مرتہن، اجیر عاریۃً مقیمین کے علاوہ کوئی مکان میں ہو وہ مکان کا قابض نہیں۔ نہ اس کے رہنے سے موہوب لہ کے قبضہ میں فرق آئے۔	۴۰۱
عام طور سے باپ بیٹے کے نام کوئی چیز خریدتا ہے تو مقصد ہبہ کرنا ہوتا ہے۔	۳۱۷	موہوب لہ کا ہبہ کے وقت ملک واہب سے خالی ہونا ضروری نہیں قبضہ کے وقت خلو ضروری ہے۔	۴۰۲

قبضہ تامہ کے بعد واہب زندگی بھر مکان موہوبہ میں غصبًا یا اجارۃً رہے ہبہ میں کچھ خلل نہیں۔	۴۰۳	بیٹے نے باپ کی مزدوری کی یہ جائز نہیں۔	۱۶۸
گواہوں نے یہ کہا "زید نے اپنے لڑکے کو یہ دکان دی" اور لڑکا عرصہ دراز سے اس میں تصرف کرتا رہا تو دینا بمعنٰی ہبہ مانا جائے گا۔	۵۸۳	اجیر اور مرتہن کا قبضہ مستقل ہے۔	۳۹۲
نابالغ کو دینے کی نیت سے جو کچھ بنوایا نابالغ کی ملک ہوگیا۔	۵۸۶	اب فتوٰی اسی پر ہے کہ امامت کی اجرت جائز ہے۔	۵۵۸
بالغہ کے لئے بنوایا تو جب تک اس کا قبضہ نہ کرادے ہبہ صحیح نہیں ہوتا۔	۵۸۶	وقف کے کرایہ دار کی بدنیتی ظاہر ہو تو قاضی جائداد اس کے ہاتھ سے نکال لے۔	۷۳۵
مشاع اور مجہول کا ہبہ صحیح نہیں۔	۶۱۸	کرایہ بڑھ گیا اور وقف کی جائداد کا مستاجر کرایہ دینا نہ چاہے تو اجارہ فسخ کردیا جائے۔	۷۳۵
عورت نے شوہر کو روپیہ دیا اور تقاضا نہیں کیا یہ دلیل تملیک نہیں۔	۶۱۸	**شفعہ**	
ہبہ صرف زبان سے مکمل نہیں ہوتا۔	۶۲۴	شفعہ کے بارے میں ایک استفتاء۔	۲۰۰
مردہ کو گواہ قرار دینے سے ہبہ ثابت نہ ہوگا۔	۶۲۴	شفیع کو جائداد کے بیع کے قابل بھروسہ خبر ملتے ہی یہ اعلان کرنا چاہئے کہ میں شفعہ کا طالب ہوں ذرا سی تاخیر بھی شفعہ باطل کردے گی اسی کو طلب مواثبت کہتے ہیں۔	۳۶۰
قابل تقسیم چیز کا ہبہ بلا تقسیم صحیح نہیں۔	۶۲۵	بائع یا مشتری یا جائداد کے پاس جاکر لوگوں کو گواہ بنانا بھی ضروری ہے کہ میں شفعہ طلب کرتا ہوں، اس کو طلب اشہاد کہتے ہیں مواثبت کے بعد یہ بھی ضروری۔	۳۶۰
احد المتعاقدین میں سے کوئی قبضہ سے پہلے مرجائے ہبہ باطل ہے۔	۶۲۵	اگر کوئی شفیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد سے قبل خصومت کرے شفعہ باطل ہوگا۔	۳۶۰
دعوی ہبہ اس بات کا اقرار ہے کہ مدعوبہ واہب کی ملک ہے۔	۶۲۵	شفیع کو طلب اشہاد سے قبل علم نہ ہوسکا تو یمین کے ساتھ اس کا قول معتبر ہوگا اور بینہ مشتری پر، اور طلب اشہاد سے پہلے علم کا مقر ہو، اور طلب مواثبت کا مدعی تو بینہ شفیع پر۔	۳۶۱
اجارہ		طلب اشہاد کا انکار ہو تب بھی مشتری کی قسم ہے، ہاں یہ اور شفیع دونوں بینہ پیش کریں تو شفیع کا بینہ اولی ہوگا۔	۳۶۴

جب شفیع کے گواہ خود کہیں علم کے بعد فوراً طلب مواثبت نہیں ہوئی شفعہ باطل ہوگا۔	۳۶۴	رہن دخلی شرعاً حرام ہے۔	۲۶۵
شفعہ کے ایک معاملہ سے سوال	۵۶۶	رہن صحیح وفاسد کا حکم ایک ہے۔	۲۶۵
شفیع نے بیع کو صراحۃً تسلیم کیا ہو یا دلالۃً تسلیم کے لئے حدود مبیع کی تعیین ضروری نہیں۔	۵۶۸	انتقال مرتہن کے بعد اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہوجاتے ہیں۔	۲۶۵
شفعہ کا ایک معاملہ	۷۱۱	راہن مرتہن کے مرنے سے رہن باطل نہیں ہوتا۔	۲۶۵
جب مدعی کا حق شفعہ صرف بعض مبیع میں ہو تو شفعہ کے صفقہ میں تفریق جائز ہے۔	۷۱۴	راہن زیور چاندی کا بتائے، مرتہن سلور کا، مرتہن کے گواہ نامقبول ہوئے، راہن نے نہ قسم کھائی نہ انکار کیا، تو فیصلہ کی راہ مسدود ہوگئی۔	۳۷۵
قسمت		یہ کہنا کہ مرتہن نے شیئ مرہونہ کو کرایہ پر دیا لہٰذا کرایہ اور مرہون کے جملہ محاصل حق راہن نہیں غلط ہے۔	۴۰۶
تین حصہ داروں میں دو نے ایک کی رضا کے بغیر تقسیم کی، یہ تقسیم باطل ہے۔	۱۵۷	صحیح حکم یہ ہے کہ مرتہن مرہون کو بے اجازت راہن کرایہ پر دے تو کرایہ مرتہن کی ملک خبیث ہے صدقہ کرے یا راہن کو دے۔	۴۰۶
دو حصہ داروں نے جائداد تقسیم کی تیسرے کا جائداد میں جز شائع تھا تقسیم توڑ دی جائیگی۔	۱۵۷	راہن نے مکان مرہونہ پر قبضہ کا دعوی گواہوں سے ثابت کردیا تو رہن ثابت ہوگی۔ اگر راہن کا اس مکان پر قبضہ ہو تو مرتہن کی طرف سے عاریۃً مانی جائے گی۔	۴۲۷
رہن		مشاع کا رہن فاسد ہے مگر رہن میں صحیح وفاسد سب کا حکم ایک ہے۔	۴۲۸
رہن معہ قبضہ صحیح ہے لیکن اس سے مرتہن کا منافع اٹھانا جس کو رہن دخلی کہتے ہیں ناجائز ہے۔	۲۳۲	راہن نے صرف رہن کا دعوی کیا تو دعوی مسموع نہیں اگرچہ گواہوں نے قبضہ کی بھی گواہی دی۔	۴۲۹
رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا۔	۲۶۲	راہن نے قبضہ کا بھی دعوی کیا لیکن قبضہ کے گواہ نہ پیش کرے گا تب بھی رہن ثابت نہ ہوگا۔	۴۳۰
مرتہن رہن کو ہبہ نہیں کرسکتا۔	۲۶۲	مرہون پر مرتہن کے قبضہ سے پہلے راہن کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔	۴۳۰
رہن مشاع فاسد ہے۔	۲۶۵		

صرف دستاویز میں قبضہ کاذکر ہو اور گواہوں سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی تو بھی رہن ثابت نہیں۔	۲۳۰	حلف دعوی پر لیا جاتا ہے جو چیزیں دعوی سے خارج ہیں ان پر نہیں۔	۲۹۴
یمین		یمین نہ تو دعوی فاسدہ پر مرتب ہوتی ہے نہ معلوم پر۔	۲۹۴
گواہوں سے حلف لینا شرعاً جائز نہیں۔	۱۰۱	حلف میں آج کل جو کچھ کہلایا جاتا ہے مثلاً واللہ اس باب میں جو کہوں گا حق کہوں گا یمین منعقدہ ہے اور مدعا علیہ پر یمین غموس لازم ہے۔	۲۹۸
گواہوں پر حلف رکھنا باطل ہے۔	۱۳۳	ایسی چیز پر تحلیف صحیح نہیں جس کے انکار سے مدعا علیہ پر دعوی ڈگری نہ دی جاسکے۔	۲۹۹
گواہ کو حلف دلانا بعض علماء کے نزدیک قاضی مجتہد کی رائے پر موقوف ہے۔	۱۳۴	مدعی کی طلب پر حلف لینا حاکم کا کام ہے خود مدعی حلف دلائے صحیح نہ ہوگی۔	۳۰۰
قسم کھانے کی صدق کے غلبہ ظن کا حصول ہے۔	۱۳۴	مدعی مال سے بری کرسکتا ہے حلف سے بری کریں تو بھی نہ ہوگا۔	۳۰۱
آج کل جھوٹی حلف عام ہوگئی۔	۱۳۵	حلف بروجہ صحیح تام نہ ہوئی، تو گو مدعی کے طلب پر قاضی نے دلائی ہو، دوبارہ صحیح طور پر قسم دلانا ضروری ہے۔	۳۰۲
مدعی کا حلف مسلم نہیں۔	۱۳۵	متولی وقف وصی اگر متعلقہ اشیاء میں کوئی عقد خود کریں تو انھیں قسم دلائی جاسکے گی ورنہ نہیں۔	۳۰۳
گواہی نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو قسم کھلائی جائے، قسم کھاکر طلاق کا انکار کردے گا تو عورت کا دعوی رد ہوجائے گا اور قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوگی۔	۲۳۴	جھوٹی گواہی کا کوئی کفارہ نہیں، آئندہ کے لئے کسی بات کی جھوٹی قسم کھانے کا کفارہ ہے۔	۳۰۴
گواہ کی موجودگی میں مدعا علیہ نہ تو خود قسم کھاسکتا ہے نہ مدعی قسم طلب کرسکتا ہے۔	۲۸۹	جہاں شہادت ناقابل اعتبار ہو مدعا علیہ کو قسم دلائی جائے گی۔	۳۰۴
تحلیف کی ایک صورت کی توضیح۔	۲۹۳	حاکم تنہا قسم کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے۔ مدعی قسم طلب کرے تو قاضی مدعا علیہ پر قسم رکھے۔	۳۰۴
تحلیف میں احتیاط یہی ہے کہ دعوی کے جزو کل دونوں کو شریک کیا جائے۔	۲۹۴		

"خدا کی قسم سچ کہوں گا" یمین منعقدہ ہے۔	۴۶۲	باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔	۱۲۹
یمین منعقدہ میں کفارہ کی ادائیگی سے کام نکل سکتا ہے۔	۴۶۲	جن لوگوں کے پیشے علانیہ فسق کے ہوں جیسے دلال۔ وکلاء، ان کی گواہی نامقبول، اور ان کو کوئی عزاز کا منصب دینا جائز نہیں۔	۱۳۷
ہفت اقلیم اور لاکھ روزے بھی یمین غموس کا کفارہ نہیں ہو سکتے۔	۴۶۲	کوچہ غیر نافذہ میں انھیں لوگوں کا حق ہے جن کے دروازے قدیم سے اس کوچہ میں ہوں۔	۱۴۱
قسم اور مقسم میں جو زیادتی تاکید کے لئے ہو وہ مضر نہیں۔	۶۷۶	ایسے راستے میں تصرف کے لئے اس کے ہر ہر ساکن کی اجازت ضروری ہے۔	۱۴۲
قسم اور مقسم میں سکوت سے فاصلہ ہو تو قسم صحیح نہیں۔	۶۷۷	ایسے کوچہ میں اپنی حد سے اوپر نیا دروازہ قائم کرنا ظلم ہے۔	۱۴۲
حظر واباحت		کوچہ غیر نافذہ کے تمام شرکاء دروازہ کے لئے راضی ہوگئے کہ ایک نے اپنا مکان بیچ دیا، نیا پڑوسی آیا وہ راضی نہیں تو دروازہ نہیں توڑا جاسکتا۔	۱۴۲
گواہ کے لئے پابند نماز پابند جماعت ہونا ضروری ہے ورنہ گواہی تسلیم نہ کی جائے گی۔	۱۰۳	باپ نے بیٹے کو کچھ دینے کے لئے کہا اور نہیں دیا تو باپ پر جبر نہیں ہو سکتا۔	۱۶۷
جاہل کی گواہی بھی نامقبول، جاہل فاسق ہوتا ہے۔	۱۰۳	جو شخص کسی قسم کا قہر وتسلط رکھتا ہو اس کو کسی قسم کا تحفہ اور دعوت خاصہ قبول کرنے کا اختیار نہیں۔	۱۷۰
راشی، فاسق، پاگل نابالغ، فاتر العقل کی گواہی مقبول نہیں۔	۱۲۰	ماتحت اپنے افسر کی دعوت قبول کر سکتا ہے جس پر اس کا دباؤ نہ ہو۔	۱۷۰
شہادت کے لئے اسلام شرط ہے غیر مسلم کی شہادت نامقبول ہے۔	۱۲۳	ایسے شخص سے ہدیہ ودعوت بھی قبول کر سکتا ہے جو اس منصب سے پہلے بھی اس قسم کا معاملہ رکھتا تھا۔	۱۷۰
داڑھی خشخشی کرانے والا مردود الشہادت ہے	۱۲۶	اپنے قریبی محارم کا ہدیہ قبول کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۱۷۰
آجکل عموماً فیشن ایبل ہوٹلوں میں ملازمین کو شراب اور سور کے گوشت کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ یہ فسق ہے۔	۱۲۹	کام پڑنے کے وقت مذکورہ بالا اصحاب سے بھی ہدیہ ودعوت نہیں قبول کر سکتا۔	۱۷۱
فاسق شرعاً گواہ نہیں ہو سکتا۔	۱۲۹		

دعوت نہ قبول کرنے کی علت تہمت رعایت ہے اس لئے دعوت کے بعد بھی رعایت نہ کرنے کی عادت سے دعوت جائز نہیں ہوسکتی۔	۱۷۱	فقیر باپ اپنے مالدار لڑکے کے مال سے ضرورت بھر چرا سکتاہے۔	۳۱۵
کافروں سے دینی کام میں مدد لینی جائز نہیں۔	۱۷۹	نامقبول شہادت کوسن کر وقت ضائع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۳۴۲
مکانات کی بے پردگی کے مسائل۔	۲۰۸	رشوت دے کر فیصلہ لیناحرام ہے۔	۴۶۹
انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقًا اختیار رکھتاہے۔	۲۰۸	رشوت دینااور لینا کب حرام ہے اور کب نہیں۔	۴۶۹
اپنے نقصانات کی وجہ سے پڑوسی کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روک نہیں سکتے۔	۲۰۸	حر مکلّف پر جبر بلاوجہ شرعی باطل ہے۔	۴۷۲
اپنی بے پردگی سے پڑوسی کو دروازہ اور جنگلہ رکھنے سے روک نہیں سکتے۔خود اپنے پردے کاانتظام کریں۔	۲۰۸	ایفائے وعدہ کامسئلہ۔	۴۷۳
فاسق کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہے۔	۲۲۳	وعدہ کی وفاپر جبر نہیں ہوسکتا۔	۴۷۴
فاسق کی قضاء اور شہادت دونوں صحیح ہے۔البتہ قاضی بنانے والا شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہوں گے۔	۲۲۴	حقوق العباد کے معاملہ میں احتیاط لازم ہے۔	۴۸۲
استغراق جائداد بے قبضہ شرعاً ناجائز ہے۔	۲۳۲	اپنی دیوار میں چھت کے قریب روشندان رکھنے سے پڑوسی کو روکنے کا حق نہیں۔	۵۰۶
آج کل کے وکلاء جس طرح جرح کرتے ہیں کہ گھیر کر سچ کو جھوٹا بناتے ہیں، یہ سخت ممنوع ہے۔	۲۴۶	جب دروازے اور جنگلے سے نگاہ عورتوں کی قیامگاہ پر پڑے تو بند کرنے کا حکم دیا جائے گا۔	۵۰۶
اپنے حق مرور سے باہر کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ کھولنے میں اختلاف فتوٰی ہے، معتمد اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جائز نہیں۔	۲۵۲	جب ضرر ممکن التحرز ہو اور صاحب ملک بچاؤ کردے تو اس کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا نہیں جاسکتا۔	۵۰۹
کسی کے مکان کا پانی پڑوسی کے مکان سے ہو کر بہتا رہا ہو تو اس پڑوسی کو اس کے روکنے کا حق نہیں۔	۲۸۰	حرام کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔	۵۶۶
پڑوسی کو نالی بند کرنے کا حق نہیں۔	۲۸۱	رشوت لینے دینے والے دونوں جہنمی ہیں، کسی کا حق چھپانے یا اپنا نکالنے کے لئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اپنے اوپر سے ظلم دفع کرنے کو جو دیا جائے وہ رشوت نہیں۔	۵۸۷

غیر مسلموں کو پنچ بنانا حرام ہے۔	۵۸۸	**میراث**	
مشترکہ راستہ کو اپنے گھر میں شامل کرنا ظلم ہے ایسے راستہ میں دروازہ اور کھڑکی لگانے کا وہاں کے باشندوں کو حق ہے۔	۵۹۱	ایک ترکہ کی تقسیم۔	۱۵۷
کوچہ سربستہ میں اپنے دروازے سے اوپر دروازہ قائم نہیں کرسکتے۔	۵۹۲	میراث کا حق اللہ تعالٰی کا مقرر کردہ ہے اس کو نہ باپ باطل کرسکتا ہے نہ بیٹا رد کرسکتا ہے۔	۱۶۸
ایک شخص اپنی ملک میں کتنی ہی اونچی دیوار اٹھائے پڑوسی کو ہوا اور دھوپ بند ہونے کی شکایت کا حق نہیں۔	۵۹۸	باپ حالت صحت میں اپنی ملک زائل کردے تو حق وراثت ختم ہوجائے گا۔	۱۶۹
کسی کا اپنے ملک میں ایسا تصرف جس سے دوسرے کا مکان گرجائے یا روشنی بالکل بند ہوجائے ممنوع ہے۔	۵۹۹	دین اگر ترکہ کو مستغرق نہ ہو تو وارث اپنا حصہ بیع کرسکتا ہے۔	۱۹۴
مدعی کا مدعی علیہ سے خرچہ وصول کرنا شرعاً جائز نہیں۔	۶۰۱	دین ادا کرنے سے قبل ترکہ میں اور میت کے دین میں مرہون جائداد میں ورثہ کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔	۱۹۵
کسی عورت کو بے پردہ بالقصد دیکھنا موجب فسق ہے۔	۶۱۳	کسی وارث کا مورث کے دین سے حصہ رسدی ادا کرنا اس کے تصرفات کو جائز نہ کریگا تاوقتیکہ کل دین ادا نہ ہوجائے۔	۱۹۵
آج کل کچہریوں میں وکیلوں کے جرح کی مذمت۔	۶۴۹	وارث دین ادا کرکے ترکہ چھڑا سکتا ہے۔	۲۱۴
ناہدان قدیم سے جدھر ہے اسی طرف بہانے کا حق حاصل ہے، اس کے خلاف تصرف بیجا ہے۔	۷۳۳	ترکہ کی تقسیم۔	۲۱۴
وصیت		موت کے بعد ملک منتقل ہوجاتی ہے۔	۲۳۸
وارث کے لئے وصیت درست نہیں۔	۱۶۵	ایک وارث نے میت کا قرضہ کسی پر ثابت کیا سب وارثوں کو حصہ ملے گا۔	۲۴۰
		میت کی ماں کے مہر میں سے میت کی بیوی کا کس جہت سے کتنا ہوگا۔	۲۴۰

ایک جائداد کی تقسیم اور حقیت سے متعلق مختلف مقدمات اور فتاوٰی کا جائزہ۔	۴۱۵	لادعوی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلاشرط لادعوی ہے۔	۲۶۶
مورث کے ترکہ سے کس دین کی ادا مقدم ہے۔	۴۲۷	مقبوض المقبوض مقبوض۔	۲۸۴
فوائد اصولیہ		وجہ ثالث	۲۸۴
حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے۔	۹۴	قابض القابض قابض۔	۲۸۴
بے صحت دعوی شہادت ہرگز مسموع نہیں۔	۹۴	ترکہ ثبوت ملک ہے۔	۲۸۴
مجتہد فیہ میں قاضی مطلق جس پہلو کا فیصلہ کرے نافذ نہ ہوگا۔	۹۵	فائدہ دعوی الزام ہے بواسطہ اقامت حجت۔	۲۹۵
مرور مدت مانع سوال تزکیہ نہیں۔	۱۰۶	مجہول میں الزام متحقق نہیں ہوتا۔	۲۹۵
عالم عادل حاکم کا حکم اس وقت قابل اپیل ہوتا ہے کہ اس کے حکم میں خطائے بین ہو۔	۱۳۲	عین کی معرفت وصف سے نہیں ہوتی۔	۲۹۵
حاکم عادل کے حکم کے صواب ہونے میں تردد ہو تب بھی اپیل مسموع نہیں۔	۱۳۲	کسی کلام مستقل میں کوئی قید ہو تو دوسرے کلام مستقل میں اس کا اعتبار نہ ہوگا۔	۲۹۷
دعوی دلیل شرعی (گواہ) سے ثابت ہوتا ہے۔	۲۰۱	مطلق کا اقرار مقید کا اقرار نہیں۔	۲۹۹
ظاہر کا فائدہ مدعا علیہ کو پہنچتا ہے مدعی کو نہیں۔	۲۰۲	حقوق العباد میں دعوی شرط شہادت ہے۔	۳۰۷
ثبوت عندالقاضی عقد کے گواہ اور اقرار عاقد کے گواہ دونوں طرح ہوجاتا ہے۔	۲۲۰	انتفاء شرط سے مشروط منتفی ہوجاتا ہے۔	۳۰۷
زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی۔	۲۳۷	عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔	۳۲۹
اقل متیقن ہوتا ہے۔	۲۳۷	احتمال سے استدلال باطل ہوجاتا ہے۔	۳۳۳
مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح نہیں۔	۲۳۷	مکان محلّہ سے خاص ہے۔	۳۳۷
المجھول لایعرف المجھول۔	۲۴۴	مکان سے سوال کی نفی محلّہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی۔	۳۳۷
فاسق یا مستور کی تعدیل صحیح نہیں۔	۲۴۴	نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں۔	۳۳۷
		فعل مامور کی نسبت آمر کی طرف ہوتی ہے۔	۳۳۷

قبلیت و معیت جمع نہیں ہوسکتیں۔	۳۳۸	ظاہر اور قرینہ مدعی کو مفید نہیں۔	۴۳۸
دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دینا درست نہیں۔	۳۳۹	اعتبار اس کا ہے جو نفس الامر میں واقع ہوا ہے۔	۴۴۹
عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔	۳۳۹	الخط یشبہ الخط۔	۴۴۹
طلب خصومت سے پیشتر کی طرف اسناد علم اور اسناد علم الی الماضی میں فرق ہے۔	۳۶۰	ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا۔	۴۵۱
جمہور حنفیہ کے نزدیک مستثنٰی حکم میں مسکوت عنہ کے ہوتا ہے۔	۳۶۳	قضائے قاضی کو جس قید سے مقید کیا جائے اس کے ساتھ مقید ہوگی۔	۴۵۳
تناقض دعوی جس کا ضرر بجانب مدعی ہے مانع صحت دعوی نہیں۔	۳۶۵	نفی پر بھی خبر متواتر مقبول ہے۔	۴۶۵
تناقض اور جزو متروک میں فرق ہے۔	۳۶۷	بلا ثبوت اثبات محض باطل و نامقبول ہے۔	۴۷۱
تناقض وہ مبطل ہے جس سے کسی دوسرے کی حق تلفی ہو۔	۳۶۸	دعوی شرط قضاء ہے۔	۴۷۱
کوئی آدمی کسی سے کچھ لکھوائے عرف عام میں فعل آمر کی طرف منسوب ہوگا۔	۳۷۱	کسی چیز کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔	۴۸۸
عاقل کا کلام صحت پر محمول کیا جائے گا۔	۳۹۷	مشورہ کے بعد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم یہ حضور کی خصوصیت نہیں ہے۔	۴۹۰
الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ۔	۳۹۸	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مشورہ کرنا واجب تھا، یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔	۴۹۰
غیر موزون پر موزون کا قیاس صحیح نہیں۔	۴۱۰	ہر حاکم مشورہ لے کر اپنی رائے پر عمل کرسکتا ہے اگرچہ تمام رائیوں کے خلاف ہو جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو۔	۴۹۰
تقسیم اور شرکت میں منافاۃ ہے۔	۴۱۴	صاحب رائے صائب اپنی رائے پر چلے اور دوسرے جو اس درجہ کے نہیں۔ وہ بھی اس کی رائے پر چلیں۔	۴۹۱
شرع میں مدار معنٰی پر ہے اس کے مقابلہ میں صورت کا لحاظ نہیں۔	۴۱۴	خود فقیہ اور صاحب رائے نہیں تو افقہ اور اورع کی رائے پر چلے۔	۴۹۱
بغیر رکن کے وجود شیئ محال ہے۔	۴۱۴	ہر مجتہد کا بعض مسئلہ جمہور کے خلاف ہے۔	۴۹۲
مجہول مقرلہ قرائن سے تعین نہیں کی جاسکتی۔	۴۳۶	اجماع کے لئے ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے۔	۴۹۳

کس مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے۔	۴۹۳	نص قرآنی کے خلاف اجتہاد حرام ہے۔	۵۶۱
شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلا نہیں ہوتا۔	۴۹۳	مشہود بہ قول محض ہو تو زمان ومکان کا اختلاف مضر نہیں۔	۵۷۴
مجتہد کا اپنی رائے چھوڑ کر دوسروں کی رائے پر عمل کرنا صحیح نہیں۔	۴۹۳	شہادت کبھی بھی موجب نہیں ہوتی ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے۔	۵۷۵
حکم شرع مصرح بحکم واحد میں اسی کی اتباع ضروری ہے، چاہے صدر کی رائے ہو یا اراکین کی، کل کی ہو یا بعض، یا کسی کی نہ ہو۔	۴۹۵	ظاہر حال مدعی کو مفید نہیں۔	۵۸۰
حکم شرع مصرح بحکمین بلاترجیح آراء یا بتصحیح جانبین ہو، اس میں اختیار ہے کہ جس پر چاہے عمل کرے۔	۴۹۵	جملہ مستقلہ اور مربوط سے گواہی میں فرق پڑتا ہے۔	۶۰۷
من ابتلی بلیتین اختار اھونھما۔	۵۰۰	فعل کبھی مباشر کبھی آمر کی طرف منسوب ہوتا ہے۔	۶۴۳
حدیث لاضرر ولاضرار عام مخصوص منہ البعض ہے۔	۵۰۴	عدم ذکر ذکر عدم نہیں، ایسے اختلاف خود قرآن میں ہیں۔	۶۴۶
نص قرآنی کے خلاف اجتہاد بے اصل ہے۔	۵۱۹	قول ضعیف قاضی مجتہد کے فیصلہ سے قوی ہوجاتا ہے۔	۶۵۵
شریعت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے۔	۵۲۴	جو فیصلہ ظاہر الروایہ کے خلاف ہو باطل ہے۔	۶۵۵
ولایت شرعیہ کبھی فقیر مفلس کو بھی حاصل اور کہیں سلطان اسلام کو بھی حاصل نہیں۔	۵۴۱	مدعی کا ظاہر حال جس دعوی کی تکذیب کرے مقبول نہیں۔	۶۷۲
عدم صحۃ تقلد القضاء عن الکافر معتمد علیہ مسئلہ ہے۔	۵۴۳	سوال جواب میں دہرایا ہوا مانا جاتا ہے۔	۶۸۰
نصوص میں جاہل سے مراد غیر مجتہد ہے۔	۵۵۱	شہادت میں مجاز مقبول نہیں۔	۶۹۵
عدم اخلاص سے نفی ثواب ہوگا نہ نفی صحت۔	۵۵۷	استصحاب حال کی گواہی حادث گواہی کے خلاف معتبر نہیں۔	۷۲۱
مسئلہ قضاء بالرشوۃ پر نااہل قاضی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔	۵۵۸	مستور کی گواہی جب تک دلائل صادقہ سے غلبہ ظن نہ ہوجائے مردود ہے۔	۷۲۳
اجتہاد کے لئے لیاقت درکار ہے۔	۵۶۱	مکان کا پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک۔	۷۳۳

ولایت		افتاء ورسم المفتی	
نابالغوں کی ولایت سے متعلق ایک سوال۔	۴۷۴	قول منقول فی المذہب کے خلاف امام ابن ہمام کی بحث مقبول نہیں۔	۹۷
باپ کے ہوتے ہوئے نہ دادا کو حق ولایت ہے نہ نانی کو۔	۴۷۴	امام ابن ہمام درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے۔	۹۷
باپ کو اپنی بیوی کے مہر سے انکار ہو تو اور بچے نابالغ ہوں باپ کو اس مقدمہ میں ہرگز نابالغوں کا ولی نہیں بنایا جاسکتا۔ قاضی کسی امین مشفق و مصلح کو وصی مقرر کرے۔	۴۷۵	ڈاکٹر کی تجویز ظن و تخمین ہے، یہ شہادت نہیں۔ اس کی بنیاد پر کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۱۲۲
ولایت کے اقسام۔	۵۲۰	گواہوں کے حلف دلانے کا قول مرجوع مخالف اجماع مذہب ہے۔	۱۳۵
ولایت عرفیہ بادشاہوں کو حاصل ہے۔	۵۲۰	قول مرجوع پر فیصلہ وفتوٰی جہل وخلاف اجماع ہے۔	۱۳۵
ولایت عرفیہ اور شرعیہ کے گیارہ فرق۔	۵۲۱	مذبذب کا بیان مسموع نہیں۔	۱۶۵
باپ کے سامنے سلطان کو دربارہ نکاح ولایت شرعیہ حاصل نہیں ہوتی۔	۵۲۱	جو اکثر کا قول ہے اسی پر عمل ہے	۲۰۴
ولایت خاصہ ولایت عامہ سے اقوی ہے۔	۵۲۱	قاضیخان کی تصحیح دوسرے پر مقدم ہے۔	۲۰۵
بادشاہوں کا مقصد صرف ولایت عرفیہ ہے۔	۵۲۳	فتوٰی مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہوگا۔	۲۱۰
ولایت عرفیہ شرعاً بھی عام ہے ہندو مسلم کسی کی تخصیص نہیں۔	۵۲۴	جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں ہے۔	۲۱۰
اسلام نے ولایت دینیہ کو اہل اسلام کے ساتھ خاص فرمایا۔	۵۲۴	متون نقل مذہب کے لئے ہیں۔	۲۵۳
ولایت عرفیہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے۔	۵۲۴	قاضیخاں کی تصحیح سے عدول نہیں کرنا چاہئے۔	۲۵۳
جو لوگ دار الحرب میں مسلمان ہوئے سلطان اسلام کو بھی ان پر ولایت ہے۔	۵۲۸	ایک غلط فتوٰی کی تنقید۔	۳۰۸
اختلاف دارین بھی قاطع ولایت ہے۔	۵۲۸	مذکورہ بالا حلف کے بارے میں اگر کوئی یہ کہے کہ ہم حلف کو نہیں جانتے تو کوئی جرم نہیں، قائل پر کفر وفسق کا فتوٰی جہالت۔	۳۰۸
بہت سے امور میں خود سلطان اسلام کو مسلمانوں پر ولایت نہیں۔	۵۲۸	جاہل کو فتوٰی دینا حرام ہے۔	۳۰۹
یتیم کے اولیاء کی موجودگی میں قاضی اور سلطان کا تصرف نافذ نہیں۔	۵۳۰	جو بے علم فتوٰی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔	۳۰۹

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل۔	۳۰۹	لفظ ناخذ اعاظم لفظ افتاء سے ہے۔	۳۹۴
مدعی اور منکر کی شناخت علماء پر بھی مشکل ہے۔	۳۰۹	قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت جو مذہب امام کے خلاف ہو مسلم نہیں۔	۴۵۰
مسلمان پر معصیت کا حکم لگانے سے قبل تنقیح ضرور کرلینا چاہئے۔	۳۰۹	بہ اخذ الکرخی کا لفظ مفتی بہ ہونے کی علامت نہیں۔	۴۵۰
قاضی ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت نادرہ کو ان کا مذہب بتانا غلط ہے۔	۳۲۷	اصل مذہب یہ ہے کہ ہر شخص اپنی خاص ملک میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہے، یہی ظاہر الروایۃ متعدد علماء کا مفتی بہ اور ائمہ حنفیّہ کا قول ہے۔	۵۰۲
روایت نادرہ پر عمل کرنا صحیح نہیں۔	۳۲۷	جب فتوی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل ہوگا۔	۵۰۲
جو کچھ ظاہر الروایۃ کے خلاف ہے ہمارا مذہب نہیں۔	۳۲۷	متاخرین نے بطور استحسان دفع ضرر بین پر نگاہ رکھی۔	۵۰۳
قول مرجوع پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے۔	۳۲۷	راشی کے فیصلہ کے عدم نفاذ کی وجہ وہ جو ابن ہمام کی مخرجہ ہے لائق اعتماد نہیں۔	۵۵۶
عمل اسی پر ہے جو اکثر کا قول ہے۔	۳۲۷	غلط فتوے کا ازالہ مفتی اور مصدقین سب پر فرض ہے۔	۵۶۳
امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذہب پر فتوی دینا واجب ہے۔	۳۲۷	ناحق مسئلہ بتانے کا وبال مفتی کے سر ہے۔	۵۶۴
مفتی وحاکم دونوں پر لازم ہے کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوی دیں خاص وہاں کے رسم ورواج پر لحاظ کریں۔	۳۵۱	مفتی کے لئے جو چیزیں ضروری ہے ان کا بیان۔	۵۹۰
کسی جگہ کے اپنے رواج کے ساتھ دوسری جگہ کا رواج معارض نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ کیسا ہی عام کیوں نہ ہو۔	۳۵۱	جس نے بے علم فتوی دیا اس پر آسمان زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۶۱۲
شخص مبحوث کے افعال وحرکات کے خلاف عام رسم ورواج پر حکم نہیں ہوسکتا۔	۳۵۱	قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روایت نادرہ کو ان کا مذہب قرار دینا فقاہت کے خلاف ہے۔	۶۵۰
عمل ہمیشہ استحسان پر ہوتا ہے۔	۳۹۳		

جو کچھ ظاہر الروایہ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں ہے۔	۶۵۱	شہادت کی تعریف اور اس کے قبول کی شرائط کا بیان۔	۹۳
قول مرجوع پر قضاء وافتاء جہل اور خرق اجماع ہے۔	۶۵۱	جائداد غیر منقولہ کی تعیین اشارہ سے بھی ہوسکتی ہے۔	۹۵
امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے قول پر فتوٰی اور قضاء واجب ہے۔	۶۵۱	قاضی مطلق اور قاضی مقید کا بیان۔	۹۵
منطق		اشیاء مشہورہ کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف۔	۹۶
رقعہ وکاغذ میں بعض مواقع عام وخاص کی نسبت ہوتی ہے خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔	۳۷۱	رفع اشتباہ کی صورت میں نام ولقب کافی ہے ورنہ باپ کا نام اور امام صاحب کے نزدیک دادا کا نام ضروری ہے۔	۹۹
قدیم سلبی مفہوم ہے۔	۴۱۴	لفظ اشهد بلفظ المضارع رکن شہادت ہے۔	۱۰۱
عرفیہ اور شرعیہ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۵۲۱	فیصلہ کے چھ اطراف کا ذکر۔	۱۰۲
ترک سلام وکلام مہاجرت ہے مہاجر اور عداوت میں عام وخاص من وجہ کی نسبت ہے۔	۶۳۶	شرع میں عالم کی تعریف اور علم کی حد۔	۱۰۴
لغت		ان دس چیزوں کا بیان جن میں شہادت کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری ہے۔	۱۱۴
لفظ بیوہ کی تحقیق۔	۴۳۶	کس کی گواہی کس کے حق میں مقبول نہیں۔	۱۱۶
شیخ ابوالعباس کے لفظ امناء کی توضیح۔	۴۴۳	بہت سی باتیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً نہیں۔	۱۱۶
لفظ "چند کس" نو تک بولا جاتا ہے۔	۴۶۴	ضمناً ثابت ہونے والی چند چیزوں کی مثالیں۔	۱۱۶
فوائد فقہیہ		شہادت حسبہ کا بیان۔	۱۱۸
شاہد کسے کہتے ہیں	۹۳	گواہی اور دعوٰی میں مطابقت نہ ہونے کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	۱۳۹
		حقیت کے ایک سوال میں پانچ تنقیحیں۔	۱۵۶

جاہل قاضی شرع ہوسکتا ہے۔	۱۷۵	بیع بالعوض اور ہبہ بشرط العوض کا فرق۔	۲۸۳
صرف قبالہ سے شرعاً کوئی حکم نہیں ثابت ہوتا۔	۱۸۰	ہبہ بشرط العوض المعین ابتداء ہبہ اور انتہاء بیع ہے۔	۲۸۳
چودہ امور میں دعوی کے بغیر گواہی مسموع ہے۔	۱۸۷	زوجیت کے ثبوت کی چار صورتیں۔	۲۸۵
حکم اس کو کہتے ہیں جس کو طرفین فیصل مقرر کریں۔	۱۸۸	تمادی کا عذر شرعاً کوئی چیز نہیں۔	۲۸۸
متاخرین نے لاضرر ولاضرار پر فتوی دیا لیکن یہ بھی وہاں جہاں ضرر شدید ہو۔	۲۱۰	وزن قیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں۔	۲۹۵
لاضرر ولاضرار کا لحاظ دونوں طرف ہونا چاہئے۔	۲۱۲	اشیاء غائبہ میں قیمت کا ذکر مدعٰی کی تعیین کے لئے ہوتا ہے۔	۲۹۵
دلائل شرعیہ تین ہیں: بینہ، اقرار، نکول۔	۲۱۵	قیمت کی معرفت وصف سے ہوتی ہے۔	۲۹۵
عقود معاملات میں صرف معنی کا اعتبار ہے۔	۲۱۹	یمین اور بیع میں ذراع وصف ہے اور لغو ہے دعوی اور شہادت میں اس کا اعتبار ہے۔	۲۹۶
شہادت اقرار کے بعد تفتیش عقد کی حاجت نہیں رہتی۔	۲۲۱	شرعی قضاء کا طریقہ۔	۳۰۵
کتاب کی تین قسم ہے۔	۲۲۱	بعد کی اجازت پہلے کی وکالت کے مثل ہے۔	۳۲۱
دلیل نیت کی صورتیں	۲۲۱	ایک اختلاف میں تطبیق۔	۳۳۱
بیع کی گفتگو دو معنوں میں مستعمل ہے۔	۲۲۲	آدمی کی شہادت اپنے فعل پر نامقبول ہے۔	۳۳۱
غیر ثقہ اہل شہادت ہے۔	۲۲۳	آجکل کی اصطلاح کا وکیل نکاح سفیر محض ہوتا ہے۔	۳۴۳
حاکم کے پاس شہادت اقرار کے بعد ایجاب وقبول کے گواہی کی ضرورت نہیں۔	۲۲۹	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح۔	۳۴۷
ہر ہر وطی معقود علیہ ہے۔	۲۳۲	مشاہدہ اور ثابت بالشہادۃ کا ایک حکم ہے۔	۳۵۰
فیصلہ دستاویز یا دستخط پر نہیں گواہی پر ہے۔	۲۴۲	اصل یہ ہے کہ مرد عورت ایک دوسرے کے کفو ہیں۔	۳۵۷
بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں۔	۲۸۳	سینہ کا ابھار، موئے زیر ناف کا اگنا، ڈاڑھی، آواز کا بوجھل ہونا شرعاً مثبت بلوغ نہیں۔	۳۵۸

عوام اس کو مدعی کہتے ہیں جو کچہری میں پہلے نالش کرے، شرع میں بسا اوقات اس کا الٹا ہوتا ہے، مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز دشوار ہے۔	۳۷۴	اجل حق مدیون ہے۔	۴۷۱
فقہاء جب یہ فرماتے ہیں کہ فلاں کا قول معتبر ہے تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ قسم کے بعد۔	۳۷۷	ایک ایسی صورت جس میں بظاہر مدعی پر بینہ نہیں اور مدعا علیہ پر قسم نہیں۔	۴۷۳
دس معاملات میں سن کر گواہی دے سکتے ہیں۔	۳۸۰	اقرار اور وعدہ کا قاعدہ کلیہ۔	۴۸۳
شہادت بالتسامع کی علت۔	۳۸۰	مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ حکم کی دو قسمیں ہیں: شرعی اور غیر شرعی۔	۴۹۴
حکم کے چھ ارکان کا بیان۔	۴۱۲	حکم شرعی وغیر شرعی کی تعریفیں اور مثالیں۔	۴۹۴
ثالثی کے لئے فریقین کی فیصلہ کے وقت تک رضامندی ضروری ہے۔	۴۳۰	ضرر بین کی چار شرطیں۔	۵۰۴
چند شخص ثالث ہوئے توان کا متفق علیہ حکم ہی نافذ ہوگا۔	۴۳۲	ولایت مجبرہ کی تعریف۔	۵۱۹
وکیل، وصی، ناظر، قاضی، سب کا یہی حکم ہے۔	۴۳۲	قضاء اعظم الولایات اور شہادت ادنٰی الولایات ہے۔	۵۲۷
رواج عام واجب العرض کا مطلب۔	۴۳۹	تعین کے دو طریقے ہیں: اشارہ اور بیان حدود۔	۵۶۷
دستاویز پر فیصلہ نہیں ہو سکتا۔	۴۴۷	کذب واکذاب میں فرق ہے۔	۵۷۲
اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا۔	۴۴۹	دعوی صرف مدعی کا قول ہوتا ہے اور شہادت اسی کی مخبر۔	۵۷۵
شرع مطہر نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلا لحاظ نہیں فرماتی۔	۴۵۵	اقرار اور دعوی کا فرق۔	۵۸۴
ابطال تاجیل کی مختلف وجہیں۔	۴۷۰	واہب کے "دیا" کہنے اور شاہد کے "دیا" کہنے میں فرق ہے۔ قرائن قول معطی کے ساتھ ہوتے ہیں۔	۵۸۵
قسط بندی ایک قسم اجل ہے۔	۴۷۱	مجہول شخص اور مجہول شے پر گواہی نامقبول۔	۵۹۵
		شخص غائب کی تعیین کے لئے باپ اور دادا دونوں کا نام ضروری ہے۔	۵۹۵

اسلام میں تسلیم ملک کے بعد تمادی کوئی چیز نہیں۔	۶۲۶	خفیہ گناہ کی توبہ خفیہ اور علانیہ گناہ کی علانیہ۔	۵۶۴
کفالۃ، حوالہ، قذف، رہن، دین، قرض، بیع وشراء، عتاق، وکالۃ، طلاق، اقرار، ابراء میں زمان ومکان میں اختلاف قبول شہادت میں مضر نہیں۔	۶۳۵	جو علم مقدار فرض کفایہ نہ سیکھے فاسق مردود الشہادۃ ہے۔	۶۹۸
موجود پر شہادت دی تو مدعی مدعا علیہ اور مدعوبہ کی طرف اشارہ ضروری ہے۔	۶۸۲	**فضائل ومناقب**	
شاہد کا حاضر کو پہچاننا ضروری۔	۶۸۳	عارف اسباب جرح، عالم دین کو ترجیح دی جائے گی۔	۲۴۵
ضمان وتاوان		وصف علم سب پر راجح ہے۔	۲۴۵
مرتہن نے مرہون تلف کردی تو قرض ساقط اور مرتہن سے فاضل کا تاوان دلایا جائے گا۔	۴۷۸	قرآن مجید غلط تعبیر اور تقریر علی الغلط سے طاہر ومنزہ ہے۔	۵۲۴
ترغیب وترہیب		سنی متدین عالم اپنے علاقہ کا قاضی شہر ہے۔	۵۴۹
گواہ جھوٹ بولے تو اس کی ہلاکت ہوگی۔	۱۰۱	**تاریخ وتذکرہ**	
جو کسی کی ایک بالشت زمین ظلماً لے قیامت کے دن ساتویں طبق تک دھنسادیا جائے گا۔	۱۴۳	فرعون اور قوم لوط میں تقریباً دوہزار برس کا فاصلہ ہے۔	۳۳۸
وارث کو حق میراث سے محروم کرنے والے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۱۶۹	امام سرخسی وامام بزدوی کے سن ہائے وفات۔	۵۵۸
جھوٹے گواہ کے بارے میں حدیث میں وعید شدید۔	۳۰۴	علامہ شامی کا سن وفات۔	۵۵۸
اولاد کا والدین کے حقوق کا لحاظ نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے۔	۳۱۰	زمانہ فخر الاسلام (۴۸۲ھ) میں عام طور سے قاضی عدل ہوتے تھے۔	۵۵۹
اطاعت والدین کے ترغیب کی ۸ حدیثیں۔	۳۱۰	مفتی ابو مسعود کا سن وفات۔	۵۵۹
رشوت دینے والے، لینے والے اور ان کے دلال پر اللہ کی لعنت۔	۴۷۰	**قرض**	
		بھائی کے کفن دفن میں جتنا بطریق سنت خرچ کیا وہ مجرا کرسکتا ہے۔	۱۷۸

عورت کی زمین پر اس کی اجازت سے اسی کے لئے مکان بنایا تو مکان عورت کا ہوگا خرچہ عورت پر قرض ہوگا	۱۸۲	**اسماء الرجال**	
آج کل خلاف جنس پر قابو پائے تو اپنا حق وصول کرسکتا ہے	۲۳۲	احناف کے ائمہ خمسہ امام اعظم ابویوسف، محمد بن حسن، زفر اور حسن ابن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی ہیں۔	۲۰۹
میت کے مدیون پر میت کا وارث یا وصی دعوی کرسکتا ہے میت کا قرض دار نہیں۔	۲۳۸	**جرح وتعدیل**	
میت کے مدیون پر دین اور خود میت پر دین اگر کسی اور طریقہ سے ثابت ہوجائے تو مدیون کے مدیون پر دعوی ہوسکے گا۔	۲۳۸	سوال اول	۲۴۲
میت کے دو لڑکے ہوں۔ ایک نے باپ پر اپنا ایک ہزار قرض بتایا، اور اتنا ہی ترکہ سے مگر کسی اجنبی پر قرض ہے موجود لڑکے کی گواہی اجنبی پر قبول ہوگی۔ قرضہ دوسرے لڑکے کے آنے کے بعد دلایا جائے گا۔	۲۳۹	تزکیہ شہود سے متعلق سوال۔	۲۴۲
میت پر ایک وارث کی موجودگی میں قرض ثابت ہو بقیہ ورثہ کے حق میں بھی ثابت ہوجائے گا۔	۲۴۰	سوال دوم۔	۲۴۳
غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا صحیح نہیں۔	۲۶۳	مزکی کا خود عادل ہونا ضروری ہے مجہول الحال کسی کا تزکیہ نہیں کرسکتا۔	۲۴۳
شرعا دو دائن مدیون کو تقسیم نہیں کرسکتے نہ غیر مدیون سے دین کا مبادلہ ممکن ہے۔	۲۷۵	مزکی کے عادل ہونے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے۔	۲۴۴
حکم کو قرض خواہ کی رضا کے بغیر از خود ادائیگی قرض کی قسط بندی جائز نہیں۔	۴۷۰	کاذب فاسق کا تزکیہ صحیح نہیں۔	۲۴۴
غیر دائن پر اپنے دین کو مؤجل نہیں کرسکتا۔	۴۷۲	متفقہ خبر اور قاضی کی تحری صدق، خبر متواتر کے منزلہ میں ہے۔	۲۴۴
اگر دائن نے مدیون کو کہا کہ جا اور ہر مہینے مجھے اتنے پیسے دے دیا کر، تو یہ تاجیل نہ ہوئی۔	۴۷۲	طامع اور مفلس نہ ہونا، اور لوگوں سے اختلاط ہونا شرائط اور اولویت تزکیہ میں سے ہے۔	۲۴۵
قرضدار نے قرض ادا کرنے کا دعوی کیا تو اس کو گواہ دینا ہوگا نہ کہ قسم کھائے، گواہ نہ دے تو قرضخواہ پر قسم ہے۔	۴۸۲		

جاہل کو اسباب جرح وتعدیل میں امتیاز دشوار ہے۔	۲۴۵	چشتی قوم کا رواج۔	۴۲۰
توقیت و تقویم		مردوں کی سخت گیری کے لحاظ سے عورتوں کی سرکشی نادر ہے۔	۶۵۷
۲۴، ۲۵ تاریخ کا فرق۔	۳۳۶	مردوں کی بنسبت عورتوں کو طلاق سخت ناگوار ہے۔	۶۵۷
عوام آنے والی رات کو دن کے تابع مانتے ہیں اور اہل اسلام گزشتہ رات کو، لیالی حج کا اس سے استثناء ہے۔	۳۳۶	مردوں میں غصہ کے وقت طلاق کی وبا عام ہے۔	۶۵۷
انگریزی تقویم میں بارہ بجے رات سے تاریخ بدلتی ہے۔	۳۳۶	زوجہ کی ملک کو اپنی طرف منسوب کرنا شائع وذائع ہے۔	۶۵۷
زبان وبیان		لعان	
محاورہ زبان کی تحقیق۔	۳۳۲	متلاعنین جب تک اہلیت لعان پر باقی ہیں یا شوہر خود اپنی تکذیب کرے وہ باہم نکاح نہیں کرسکتے۔	۵۳۲
"اور کچھ نہ پوچھا" "کچھ نہ پوچھا" کا فرق۔	۳۳۷	سیاست	
"ساتھ" اور "بعد آنے" میں اختلاف۔	۳۳۸	قضائے دینی کے لئے پورے ملک کے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
"اور" عربی کے واؤ کا ترجمہ ہے، یہ لفظ معیت، ترتیب، تراخی، تعقیب سب سے خالی ہے۔	۳۳۸	اسلامی ریاست کے مسلم والی قاضی مقرر کرسکتے ہیں۔	۵۴۳
کسی وقت کے جزء قلیل وکثیر کو پورا کہہ دینا عرب کا دستور ہے۔	۳۴۹	نصب خلافت کے طریقے۔	۵۴۴
تہذیب وتمدن		متغلب بھی حاکم ہوسکتا ہے۔	۵۴۴
رامپور میں عورتوں کے رات میں پیدل گھومنے کا رواج ہے۔	۳۵۱	بغیر استطاعت دنیاوی حکومت قائم کرنے کا مسلمانوں کو حکم نہیں بلکہ اپنے معاملات مالی اور دیوانی بھی اس طرح طے کرلیں تو بہت خوب ہے۔	۵۴۹
عام طور سے زیور گروی رکھنے والے سو کا مال پچاس میں رکھتے ہیں، مرتہن اس کو ۲۵ کا بتائے ظاہر کے خلاف ہے، اس سے گواہ مانگے جائیں گے۔	۳۷۵		

بروصلہ		غیبت کی مسافت کے سلسلہ میں مجتبٰی کی عبارت کی توضیح۔	۲۹۱
جو شخص کسی دوسرے کے لئے اس کی اجازت کے بغیر اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کرے اس کا معاوضہ کسی سے نہیں لے سکتا۔	۱۶۸	ثبوت زوجیت کے ایک فیصلہ کی تنقید۔	۳۱۹
ورثہ میں سے کسی نے تبرعا مورث کی طرف سے مہر ادا کردیا تو اس کو دوسرے ورثہ سے مطالبہ کا حق نہیں، اور تبرع نہ ہو تو وصول کرسکتا ہے۔	۱۹۴	کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی وتعارف کو کہتے ہیں نہ کہ فقط نام سن لینے کو۔	۳۳۲
گاؤں کے لڑکے کو ہبہ کردیا تو اب اس کی آمدنی میں والدین کو دعوی کا حق نہیں، ہاں والدین پر بِرواحسان موجب سعادت دارین ہے۔	۲۰۶	چھوہارے، بتاشے اور شرینی کا اختلاف۔	۳۳۳
کسی کے ساتھ نیکی پر ثواب کی امید ہے مگر استحقاق معاوضہ نہیں۔	۲۷۴	منہ دیکھنے میں نام لینے سے زیادہ تعین ہے۔	۳۴۰
کوئی شخص نیک سلوک اور احسان کرکے جبرا عوض نہیں مانگ سکتا۔	۲۷۴	تبلیغ اور فعل نفس کے فرق کی مثال۔	۳۴۳
دوسرے کے امر کے بغیر اس کا قرضہ ادا کرنے والا اس سے واپس نہ پائے گا۔	۲۷۴	دو مہینہ دس دن کو تین مہینہ کہنے پر اعتراض کا جواب۔	۳۴۹
انت ومالك لابيك حکم دیانت ہے قضاء باپ اور بیٹے کی ملک جُدا ہے۔	۳۱۴	ایک جملہ استثنائیہ کی توضیح۔	۳۶۳
لڑکے کے مال میں مجبور باپ کے حقوق۔	۳۱۴	فتاوٰی خلاصہ کے ایک جزیئے کی تشریح۔	۳۶۹
متفرقات		محیط کی توثیق اور بحر کی تضعیف۔	۳۹۵
جامع الفصولین کی بحث۔	۹۶	عالمگیری کی ایک روایت کا مصداق۔	۴۰۸
صاحب جامع الفصولین کی بحث کا منشاء اور ان کے قیاس مع الفارق کا اظہار اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۹۸	درر الحکام اور عنایہ کی عبارتوں کی توضیح۔	۴۷۹
ایک غلط فیصلہ کا ابطال۔	۱۲۷	تطفل علی الفتح۔	۴۹۷
ان اشخاص کی تفصیل جو اصحاب قہر وتسلط میں آتے ہیں۔	۱۷۰		

اشباہ پر تطفل۔	۵۲۹	علامہ شامی پر تطفل۔	۵۵۹
تطفل علی الدر۔	۵۳۰	بحر الرائق کے سبقت قلمی۔	۶۱۷
عبارت ہندیہ ومسکین کی توجیہ۔	۵۴۴	معین الحکام کی ایک عبارت کی توضیح اور علامہ طرابلسی کی توضیح پر نظر۔	۶۷۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الشهادة

(گواہی کا بیان)

مسئلہ ۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

ازروئے شرع شریف کے شاہد کی کیا تعریف ہے اور کون سی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے بتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:

شاہد وہ جو مجلس قضا میں بلفظ اشھد یا گواہی میدہم (میں گواہی دیتا ہوں۔ت) یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے، اور قبول شہادت کے لئے شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یاد والا، انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے، اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو، اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنے والا گنہگار، اور تفصیل تام کتب فقہ میں ہے، درمختار میں ہے:

اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشهادة فی مجلس القاضی شرطها العقل الکامل والضبط والولایة فیشترط	کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے مجلس قاضی میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی خبر دینا (شہادت شرعی ہے) شہادت کی شرطیں یہ ہیں شاہد کا عاقل، بالغ صحیح یادداشت والا اور مدعا علیہ پر ولایت رکھنے والا

الاسلام لوالمدعی علیه مسلماً وعدم قرابة ولاد او زوجية اوعداوة دنيوية اودفع مغرم اوجر مغنم [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا چنانچہ اگر مدعا علیہ مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا (نیز یہ بھی شرط ہے کہ) شاہد کو مشہود لہ کے ساتھ ولادت یا زوجیت کے اعتبار سے قرابت حاصل نہ ہو اور نہ ہی کوئی دنیوی عداوت ہو، اور شاہد کو اس گواہی سے دفع تاوان یا حصول منفعت جیسی سہولت بھی حاصل نہ ہوتی ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲: از رامپور مرسلہ مولانا ظہور الحسن صاحب و مولوی ارشد علی صاحب ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال از حضرت مولونا مولوی احمد رضاخان صاحب، فتوی محررہ مولوی منور علی صاحب در بارہ مقدمہ فردوس بیگم مدعیہ میں جو جناب والا نے یہ لفظ تحریر فرماکر مہر کی ہے: اگر شہادت شہود مندرجہ سوال جامع شرائط شہادت ہے تو فیصلہ بحق مدعیہ ہونا چاہئے، آیا شرائط شہادت میں سے تعیین مشہود بہ ساتھ حدود بیان کرنے کے اگر مشہود بہ اراضی یا مکان ہو ہے یا نہیں؟ اور صرف مکان متنازعہ بول دینا بلا بیان حدود صحت شہادت کے واسطے کافی ہے یا نہیں؟ اور تعیین مشہود علیہ و مشہور لہ ساتھ ذکر اسم اب وجد کے اگر مشہورین میں سے نہ ہوں شرط شہادت ہے یا نہیں؟ اور لفظ **اشھد** شہادت کے لئے ضروری ہے یا نہیں؟ اگر یوں شہادت لی جاتی ہو کہ گواہ سے اول یوں حلف لیا **اشھد باللہ** سچ کہوں گا بعدہ اس سے دریافت کیا فلاں مقدمہ میں کیا جانتے ہو اس نے بیان شروع کردیا اور اس بیان میں اشھد یا شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہے نہ کہا تو یہ شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت کی بناپر اگر قاضی فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اور اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس فتوی پر اپنی تحریر جداگانہ لکھی ہے اور اس میں بحکم احتیاط جس کا لحاظ فتوی میں خصوصًا اس زمانہ شیوع جہل میں اہم ضروریات سے ہے صراحۃً یہ قید ذکر کی کہ دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں اور ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے اس میں تمام شرائط تحمل شہادت وجملہ شرائط ادائے شہادت وجمیع شرائط صحت دعوی سب کی طرف اشارہ تھا کہ حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے تو بے صحت دعوی شہادت ہرگز مسموع نہیں، فقیر کو معلوم تھا کہ جہل شائع ہے اور اجتماع شرائط کم متوقع **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل** [2]

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

(اور جو اپنے زمانہ والوں کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ت) لہٰذا تصریحًا بالقصد یہ قیود ذکر کردیں اور اس فتوی کی تصدیق و تصحیح پسند نہ کی۔ مشہود بہ جب عقار مثلًا ارض یا دار ہو تو شہادت میں کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے اس کے بغیر شہادت ہر گز قبول نہیں مگر یہ کہ شہود دار کے پاس حاضر ہو کر بمواجہہ مدعی ومدعا علیہ خود قاضی یا اس کے دو۲ امینوں کے سامنے اشارہ سے تعیین حدود کی حاجت نہیں **فان تعیین الحاضر بالاشارۃ** (کیونکہ حاضر شے کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے۔ت) یا اگر دار ایسی معروف ومشہور ہے کہ اس کا نام لینا ہی علم کو بس ہے تو صاحبین کے نزدیک تحدید ضرور نہیں امام اب بھی مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے مگر اگر قاضی کہ خاص مذہب امام یا مذہب مصحح پر قضا کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے قاضی کرنے والے نے اختیار دیا ہو وہ اگر ایسی مشہور دار میں بے تحدید قبول شہادت کرکے قضا کردے گا نافذ ہوجائے گی **لوقوعہ فی مجتھد فیہ** (بسبب واقع ہونے اس کے مجتہد فیہ میں۔ت) ورنہ باطل ہوگی **لکونہ معزولا فیہ کما فی البحر والاشباہ والدر وغیرھا** (کیونکہ اس میں وہ معزول ہے جیسا کہ بحر، اشباہ اور درو غیرہ میں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یشترط التحدید فی دعوی العقار کما یشترط فی الشھادۃ علیہ ولو کان العقار مشھورا خلافا لھما الا اذ عرف الشھود الدار بعینھا فلا یحتاج الی ذکر حدودھا۔[1]	عقار (غیر منقول جائداد) کے دعوی میں حدود کو بیان کرنا شرط ہے جیسا کہ اس پر گواہی میں بیان شرط ہے اگرچہ وہ عقار مشہور ہو بخلاف صاحبین کے مگر گواہان جب دار کو خصوصی طور پر پہچانتے ہوں تو بیان حدود کی حاجت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

شھدا بدار وقالا نعرف حدودہ اذا مشینا الیہ لکن لانعرف اسماء الحدود فان القاضی یقبل ذلك منھما اذا عدلا ویبعثھما مع المدعی والمدعی علیہ وامینین لہ لیقف الشھود علی	دو گواہوں نے کسی کے لئے دار کی گواہی دی اور کہا کہ ہم اگر گھر کی طرف جائیں تو اس کی حدوں کو پہچانتے ہیں مگر اس کی حدوں کے نام نہیں جانتے تو قاضی ان کی گواہی کو قبول کرے گا بشرطیکہ ان دونوں گواہوں کی تعدیل ہوگئی۔ قاضی دونوں گواہوں کو مدعی، مدعا علیہ اور اپنے دو امینوں کے ساتھ بھیجے گا تاکہ وہ گواہ

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۶۔۱۱۵

الحدود بحضرۃ امینی القاضی فاذا وقفا علیھا فقالا ھذہ حدود دار شھدنا بہ لھذا المدعی یرجعون الی القاضی ویشھد الامینان انھما وقفا وشھدا باسماء الحدود فحینئذ یقضی بالدار وکذا القریۃ والحانوت وجمیع الضیاعات[1]۔	قاضی کے امینوں کی موجودگی میں گھر کی حدوں کی شناخت کرائیں جب وہ گواہ گھر کی حدوں پر واقف ہوئے اور کہا کہ یہی حدیں ہیں اس گھر کی جس کی گواہی ہم نے اس مدعی کے لئے دی ہے، اب یہ قاضی کے پاس لوٹ آئیں گے اور دونوں امین اس بات کی گواہی دیں گے کہ ان گواہوں نے گھر اور اس کی حدوں پر ہم کو واقف کیا ہے تو قاضی اس گھر کا فیصلہ مدعی کے حق میں کردے گا اور یہی حکم ہے گاؤں، دکانوں اور تمام غیر منقول جائدادوں کا۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

فیہ رمز الی انہ یحدولو مشھورا وھذا عندہ خلافا لھما فلو لم یحد وقضی بصحۃ ذٰلك نفذ[2]۔	اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ مدعی کی جانب سے حدود کو بیان کیا جائے گا اگرچہ (حدود) مشہور ہو، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے۔بخلاف صاحبین کے، چنانچہ اگر بیان حدود کے بغیر قاضی نے صحت دعوی کا فیصلہ دے دیا تو (صاحبین کے نزدیک) نافذ ہوجائے گا۔(ت)

مگر صرف جامع الفصولین میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی کہ اگر شاہدین ملک متنازع فیہ کی شہادت دیں اور مدعی ومدعاعلیہ کا اتفاق ہو کہ جس دار کی انہوں نے شہادت دی ہے وہی متنازع فیہ ہے تو اصل دار میں شہادت قبول ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے اولا برمزف ش فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا **شھادتھم بالملك بلا ذکر الحدود لاتقبل**[3] (حدود کو بیان کئے بغیر ملکیت پر ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ت) پھر اپنی بحث ذکر کی کہ:

اقول: الغرض ھو التمیز عند القاضی، فینبغی ان یصح حکمہ بحسب ماتمیز	**میں کہتا ہوں** غرض تو یہ ہے کہ وہ (دار) قاضی کے نزدیک ممتاز ہوجائے لہٰذا اس کا فیصلہ ممتاز شے کی حد تک صحیح ہونا چاہئے، چنانچہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۲

[2] جامع الرموز کتاب الدعوٰی مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۴۶۷

[3] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۱

فلو شھدا بملك المتنازع فیه والخصمان تصادقا علی ان المشهود به هو المتنازع فیه، ینبغی ان تقبل الشهادة فی اصل الدار وان لم یذکرا الحدود لعدم الجهالة المفضیة الی النزاع فی اصل الدار فلو وقع النزاع فی حدوده بعد الحکم باصله فذلك الامر اٰخر تسمع فیه الخصومة براسه کما ان الجارین لوتنازعا فی حدود داریهما لافی اصلیهما یسلم لکل منهما اصل داره وتسمع الخصومة فی الحد، واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	اگر دو گواہوں نے متنازع فیہ گھر کے بارے میں کسی کی ملکیت کی گواہی دی اور مدعی اور مدعاعلیہ دونوں نے تصدیق کردی کہ متنازع فیہ گھر وہی ہے جس کے بارے میں شہادت دی گئی تو اصل گھر کے بارے میں ان کی گواہی مقبول ہونی چاہئے اگرچہ حدود کو انہوں نے بیان نہ کیا ہو کیونکہ یہاں ایسی جہالت معدوم ہے جو اصل گھر میں جھگڑے کا باعث بنے، اگر اصل گھر کے فیصلہ کے بعد اس کی حدوں میں نزاع واقع ہو تو یہ الگ معاملہ ہے جس میں نئے سرے سے خصومت مسموع ہوگی جیسا کہ دو پڑوسیوں میں ان کے گھروں کی حدود کے بارے میں نزاع واقع ہوا نہ کہ اصل گھروں کے بارے میں، تو ہر ایک کا اصل گھر اس کے حوالے کیا جائے گا اور اس کی حدوں کے بارے میں خصومت مسموع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ظاہر ہے کہ اعتبار منقول فی المذہب کا ہے نہ کہ بحث کا، حتی کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ منقول کے مقابل امام ابن ہمام کی ابحاث بھی مقبول نہیں حالانکہ وہ بالغ درجہ اجتہاد مانے جاتے ہیں۔ ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

قد قال تلمیذہ العلامة قاسم ان ابحاثه المخالفة للمذھب لاتعتبر فافھم۔[2]	ابن ہمام کے شاگرد علامہ قاسم نے کہا کہ ان کی جو ابحاث خلاف مذہب ہیں ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا، پس غور کرو۔(ت)

طحطاوی کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے:

النص ھو المتبع فلایعول علی	اتباع تو نص کی ہی کی جائے گی اس کے

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۰۲-۱۰۱

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الجنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۰۶

البحث معه[1]۔	ہوتے ہوئے بحث پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔(ت)

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) ظاہرًا ان کی نظر اس طرف گئی کہ ذکر حدود کی حاجت تمیز ذات مشہود بہ کے لئے ولہٰذا فرمایا کہ بعد تصادق خصمین اصل دار میں شہادت مقبول ہوجانی چاہئے حدود میں تنازع پڑے تو اس کا مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے، درر وغرر وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے:

ان قدرها لایصیر معلومًا الا بالتحدید[2]۔	گھر کی مقدار کا تعین اس کی حدوں کو بیان کئے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا۔(ت)

تو اصل دار بلا تعیین مقدار کیا چیز ہے جس کا قاضی حکم کرے یہ تو ایسا ہے کہ زید عمرو پر ہزار روپے کا دعوی کرے شہود شہادت دیں کہ اس کا اس پر کچھ آتا ہے کیا یہ گواہی اصل دین کے اثبات میں مقبول ہوجائے گی ہر گز نہیں،

ولم یقل به احد وبه ظهر الجواب عن قیاسه علی مسالة الجارین فان ثمه لم یختلفا فی اصل داریهما فالتسلیم لعدم النزاع علی جهة القضاء وانما یحتاج القاضی الی علم المقدار فیما یدعی به عنده فیرید القضاء به علی المنکر۔	اس کا قائل کوئی بھی نہیں اور اسی سے مسئلہ جارین پر اس کے قیاس کا جواب ظاہر ہوگیا کیونکہ وہاں دونوں پڑوسیوں میں ان کے اصل گھروں کے بارے میں اختلاف واقع نہیں ہوا چنانچہ وہاں قضاء کی جہت سے نزاع معدوم ہونے کی وجہ سے تسلیم متحقق ہوئی، بیشک قاضی اس بات کا محتاج ہے کہ اس گھر کی مقدار اسے معلوم ہو جس کا دعوی اس کے پاس کیا گیا ہے اور وہ منکر کے خلاف اس کا فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔(ت)

اگر ایسی شہادت مقبول ہو تو لازم کہ دعوی بھی بلا تعیین حدود قبول ہوجائے وہی وجہ وہاں بھی جاری ہے کہ اصل دین اس وقت حکم چاہتا ہے حدود میں نزاع پڑے تو یہ مقدمہ جدا ہولے گا حالانکہ یہ جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے، خود جامع الفصولین میں ہے:

لوادعی عقارا فلابد من ذکر بلدة	اگر عقار (غیر منقول) کا کہا تو اس شہر کا ذکر ضروری

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار المعرفۃ بیروت ۲ /۲۴۱

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۳۳۱

فیما المدعی ثم من ذکر المحلة ثم السکة ثم حدودہ فلو ذکر حدین لایکفی ولو ذکر الثلثة کفی وکل جواب عرفتہ فی الدعوی فھو الجواب فی الشھادة اھ[1] مختصرا۔	ہے جس میں مدعی ہے پھر محلّہ گلی اور عقار کی حدوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے، اگر اس نے دو حدوں کا ذکر کیا تو کافی نہیں اور اگر تین کا ذکر کیا تو کافی ہے اور جو حکم تو نے دعوی میں پہچانا وہی حکم شہادت میں ہے مختصراً۔ (ت)

بالجملہ نظر حاضر میں یہ بحث قابل اعتماد نہیں مشہود لہ وعلیہ کی تعیین ضرور ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں مقصود صرف رفع التباس ہے جس طرح ہو یہاں تک کہ اگر صرف نام یا تنہا لقب یا مجرد صفت ہی سے رفع اشتباہ ہو جائے بس ہے ورنہ ذکر نام و نام پدر بالاتفاق اور نام جد امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ضرور ہے اور یہی صحیح ہے ہاں اگر قاضی ماذون صرف نام و نام پدر پر قبول کرکے قضا کردے نافذ ہوجائے گی عورت کے لئے نام وزوجیت کافی ہے، درمختار میں ہے:

فلو قضی بلاذکر الجد نفذ فالمعتبر التعریف لا تکثیر الحروف حتی لو عرف باسمہ فقط او بلقبہ وحدہ کفی[2]۔	اگر دادا کا ذکر کئے بغیر قاضی نے قضا کردی تو نافذ ہوگی اس میں معتبر تو صرف پہچان کرانا ہے نہ کہ گفتگو میں زیادہ الفاظ استعمال کرنا یہاں تک کہ اگر محض نام سے اس کی پہچان ہو جائے یا تنہا لقب سے شناخت ہوجائے تو کافی ہے۔ (ت)

جامع الفصولین، ملتقط وفصول عمادیہ وہندیہ ومنح الغفار وتنقیح الحامدیہ میں ہے:

والحاصل ان المعتبر انما ھو حصول المعرفة وارتفاع الاشتراك[3]۔	خلاصہ یہ کہ اعتبار تو صرف شناخت کے حصول اور اشتراک واشتباہ کے خاتمے کا ہے (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

المعتبر ھو حصول المعرفة وارتفاع الالتباس بای شیئ کان[4]۔	اعتبار اس بات کا ہے کہ شناخت حاصل ہو جائے اور اشتباہ دور ہو جائے چاہے کسی بھی شے سے ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[4] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰

ردالمحتار میں ہے:

قوله او بلقبه وکذا بصفته کما افتی به فی الحامدیة فیمن یشهد ان المرأة التی قتلت فی سوق کذا فی یوم کذا فی وقت کذا قتلها فلان تقبل بلابیان اسمها و اسم ابیها حیث کانت معروفة لم یشارکها فی ذٰلك غیرها[1]۔	صاحب درمختار کا قول او بلقبہ (یا اس کے لقب سے شناخت ہوجائے) ایسا ہی حکم ہے اس کی صفت کے ساتھ شناخت کا، جیسا کہ فتاوٰی حامدیہ میں اس پر فتوٰی دیا گیا ہے اس شخص کے بارے میں جو گواہی دے کہ فلاں دن، فلاں وقت، فلاں بازار میں جو عورت قتل کی گئی اس کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس عورت اور اس کے باپ کا نام بیان کئے بغیر شہادت قبول کرلی جائے گی جبکہ وہ مقتولہ عورت مشہور ہو اور اس وصف میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہ ہو۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

قالوا فی ثبوت ھلال رمضان شهدوا انه شهد عند قاض مصر کذا شاهد ان برؤیة الهلال وقضی القاضی بها، ووجد استجماع شرائط الدعوٰی قضی القاضی بشهادتهما فانظروا حفظکم الله تعالٰی الی قولهم قاضی بلدة کذا ولم یذکروا اشتراط اسم ابیه وجده لانه لایلتبس بغیره اذ القاضی فی ذٰلك الوقت واحد لا اثنان کما هو المعلوم[2]	ہلال رمضان کے ثبوت کے بارے میں فقہاء نے کہا، گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے چاند دیکھنے کی شہادت دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ دیا اور تمام شرائط دعوٰی پائی گئیں تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کردے گا تو دیکھو اللہ تعالٰی تمہاری حفاظت فرمائے ان کے اس قول کی طرف کہ انہوں نے کہا "فلاں شہر کا قاضی" اور اس کے باپ اور دادا کے نام کو ذکر کرنے کی شرط کا تذکرہ انہوں نے نہیں کیا کیونکہ اس وقت شہر کا قاضی ایک ہی ہے نہ کہ دو جیسا کہ معلوم ہے۔(ت)

اشباہ میں ہے:

تکفی النسبة الی الزوج لان المقصود	عورت کی نسبت زوج کی طرف کرنا کافی ہے کیونکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

[2] العقود الدریۃ کتاب الشہادات ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

الاعلام[1] اھ۔	مقصود تو شناخت کرانا ہے اھ (ت)

لفظ اشھد قطعًا رکن شہادت ہے بے اس کے شہادت شہادت ہی نہیں قبول وعدم قبول تو دوسرا درجہ ہے، تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد لاغیر الی قولہ فتعین[2]۔	شہادت کا رکن لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) ہے نہ کہ اس کا غیر (ماتن کے قول فتعین تک)۔(ت)

انہیں میں ہے:

لزم فی الکل من المراتب الاربع لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع وکل مالا یشترط فیہ ھذا اللفظ کطھارۃ ماء ورؤیۃ ھلال فھو اخبار لاشھادۃ[3]۔	چاروں مراتب میں سے ہر ایک میں لفظ اشھد بصیغہ مضارع بالاجماع لازم ہے، اور جس جگہ یہ لفظ شرط نہیں جیسے پانی کی طہارت اور چاند کی رؤیت تو وہ خبر دینا ہے نہ کہ شہادت۔ (ت)

شروع شہادت سے پہلے یہ کہلوالینا کہ "اشھد باللہ" سچ کہوں گا، ہر گز کافی نہیں کہ وہ حلف ہے نہ کہ شہادت، اور "اشھد" کلام شہادت پر داخل ہونا لازم نہ کہ حلف پر، شاہدوں سے حلف لینا تو شرعًا جائز بھی نہیں کما فی الدر وغیرہ لانا امرنا باکرامھم (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے کیونکہ ہمیں گواہوں کے احترام کا حکم دیا گیا ہے۔ت) ظاہر ہے کہ حکام وشہود خصوم وتمام حضار ان الفاظ کو حلف ہی سمجھتے حلف ہی کہتے حلف ہی کی نیت کرتے ہیں اور رکن شہادت وہ اشھد ہے جو بمعنی خبر ہو نہ وہ کہ بمعنی حلف وقسم ہے، تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

رکنہا لفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم[4]۔	رکن شہادت لفظ اشھد ہے جبکہ خبر کی نیت سے ہو نہ کہ قسم کی نیت سے (ت)

اشھد باللہ سچ کہوں گا ایک قسم ہوگئی جس کا کفارہ بہت آسان ہے کلام شہادت پر اشھد داخل نہ ہوا جس میں غلط گوئی موجبِ ہلاکت ہوتی،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشھادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار الفن الثانی کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الشھادات نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کمانص علیه العلماء الکرام فی حکمة عدم تحلیف الشاهد و وضع هذا اللفظ عوضه ان شاهد الزورلما ارادا هلاك مال المشهود علیه عوض باهلاك ذاته بخلاف مالو حلف اذکان یسیرا علیه کفارته۔	جیسا کہ گواہوں سے حلف نہ لینے اور اس کے بجائے لفظ اشھد رکھنے کی حکمت کے بارے میں علماء کرام نے نص فرمائی ہے کہ جھوٹا گواہ جب مشہود علیہ کے مال کی ہلاکت کا ارادہ کرے تو اس کا بدلہ اسے ہلاکت ذات کی صورت میں ملتا ہے۔ بخلاف قسم کے گواہ پر اس کا کفارہ ادا کردینا آسان ہوتا ہے (ت)

غرض ایسی شہادت ہر گز شہادت نہیں اور اس پر جو قضا ہو اصلاً نافذ نہیں۔

لانتفاء احد اطراف القضاء وهو الطریق فان القاضی انما یقضی بالبینة اوالنکول اوالاقرار فاذا انعدمت انعدم القضاء۔	اطرافِ قضاء میں سے ایک یعنی طریق کے منتفی ہونے کی وجہ سے کیونکہ قاضی گواہوں یا انکار مدعا علیہ یا اقرار مدعی علیہ کے ذریعے ہی فیصلہ کرتا ہے جب یہ معدوم ہوں تو قضاء بھی معدوم ہوگی (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے: ومما نظمه ابن الغرس فی الفواکه البدریة (ابن الغرس نے فواکہ بدریہ میں نظم کیا۔ت)

اطراف کل قضیة حکمیة ستّ یلوح بعدها التحقیق
حکم ومحکوم به وله ومحکوم علیه وحاکم وطریق [1]

(ہر قضاء کے چھ اطراف ہوتے ہیں جن کے بعد تحقیق ظاہر ہوتی ہے: ۱حکم، ۲محکوم بہ، ۳محکوم لہ، ۴محکوم علیہ، ۵حاکم اور ۶طریق۔ت)

وبفقد واحد من اطراف القضیة یفقد الحکم وبذٰلك یعرف بطلان المحضر المذکور۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	اطراف قضاء میں سے ایک کے مفقود ہونے کی وجہ سے حکم مفقود ہوجاتا ہے اور اسی سے مذکورہ دستاویز کا بطلان بھی معلوم ہوجاتا ہے۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹

مسئلہ ۹: ۳ شوال ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو دوسرے ضلع سے اپنے مکان کو روانہ کیا، اثنائے راہ میں بکر بہ نیت فاسد بھگا کر اپنے یہاں لے گیا، زید نے نالش فرار کی، ہندہ نے بیان کیا زید مجھے جائداد لکھ دینے کو کہتا تھا میں نے نہ لکھی اس نے تین بار کہا میں نے تجھے طلاق دی اور شہادت میں اپنا حقیقی بھائی اور رشتہ کا چچا اور ایک عورت کے روٹی پکانے پر ہندہ کے یہاں نوکر ہے پیش کرتی ہے، اور یہ تینوں شخص جاہل وغیر پابند نماز ہیں، اس صورت میں طلاق ثابت ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

طلاق ونکاح ہم مسلمانوں کے شرعی ودینی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طور پر ہونا لازم جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر کیا گیا ہے، شریعت مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو **معاذ اللہ** حد درجہ کا فسق ہے تارک جماعت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی۔ عالمگیری میں ہے:

کل فرض له وقت معین کالصلوٰۃ والصوم اذا اخر من غیر عذر سقطت عدالته[1]۔	جس فرض کا وقت معین ہے جیسے نماز اور روزہ اگر کوئی بلاعذر اس میں تاخیر کرے تو اس کا عادل ہونا ساقط ہوجاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اذا ترک الرجل الصلوٰۃ استخفافا بالجماعۃ بان لا یستعظم تفویۃ الجماعۃ کما یفعله العوام او مجانۃ او فسقا لاتجوز شهادته[2]۔	اگر کوئی شخص بطور تحقیر باجماعت نماز نہ پڑھے بایں طور کہ جماعت کے فوت ہوجانے کو کوئی بڑی بات نہ سمجھے جیسا کہ عوام الناس کرتے ہیں یا بلاوجہ یا بطور فسق وفجور جماعت کو ترک کرے تو اس کی گواہی ناجائز ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا دوسری وجہ ان کی رد شہادت کی ہے، درمختار میں ہے:

لاتقبل شهادۃ الجاهل علی العالم لفسقه بترک مایجب تعلمه شرعًا	جاہل کی گواہی عالم کے خلاف قبول نہیں کی جائیگی کیونکہ جن احکام شرعیہ کا سیکھنا اس پر واجب ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۶

فحینئذ لاتقبل شھادتہ علی مثلہ ولاعلی غیرہ و للحاکم تعزیرہ علی ترکہ ذٰلك ثم قال والعالم من یستخرج المعنی من الترکیب کما یحق و ینبغی[1]۔	اس کو ترک کرنے کی وجہ سے وہ فاسق ہوگیا، تو اس صورت میں یعنی فاسق ہونے کی صورت میں تو اس کی گواہی نہ اپنے جیسے جاہل اور نہ ہی غیر جاہل پر قبول کی جائے گی، اور اس ترک تعلم پر حاکم اس کو بطور تعزیر سزادے سکتا ہے، پھر کہا کہ عالم وہ ہے جو تراکیب الفاظ سے معنی کا استخراج کرسکے جیسا کہ ثابت اور مناسب ہے۔ (ت)

پھر عورت میں تیسری وجہ اور ہے کہ وہ ہندہ کی نوکر ہے اور نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لاتقبل شھادۃ الاجیر الخاص لمستاجرہ مستانھۃ او مشاھرۃ اوالخادم[2] الخ۔	اجیر خاص (مزدور یانوکر) کی گواہی اپنے مستاجر کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی چاہے اجرت سالانہ ہو یا ماہانہ، یا اجیر خاص سے مراد خادم (تابع یا شاگرد خاص ہے)۔ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں طلاق ثابت نہیں زید ہندہ بدستور زوج وزوجہ مانے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴: از ریاست ٹونک محلّہ مئوخیل وزیر گنج مرسلہ حسن رضاخاں ۲۸/ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسماۃ ہندہ مدعیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس نے خسر ضامن مہر و نیز مدعاعلیہ ثانی ضامن چڑھاوا و جہیز پر تین دعوے عدالت شریعت میں پیش کئے۔ ثبوت ہر سہ دعوی میں ہشت مع قاضی شہادتین شرعیہ بمواجہہ مدعاعلیہم پیش ہوئیں کہ عدالت شرعی میں پذیرا و تسلیم ہوچکیں وحصر بھی فریقین سے کرچکی تھی و نیز مدعاعلیہم کے بیانات سے بھی اقرار ثابت ہے، ادخال ثبوت سے بعد پانچ ماہ کے ایک مدعاعلیہ نے درخواست خلاف شرع پیش کی کہ اب گواہان مدعیہ پر جرح ہے تزکیہ کرادیا جائے، وکیل مدعیہ نے بھی عرض بدیں خلاصہ پیش کی کہ اب جرح کرنا مدعاعلیہ کا اور درخواست تزکیہ کی شرعًا ناجائز ہے، پس تزکیہ ایسے وقت میں ایسے معاملہ دادوستد میں جس کا مذکورہ بالا ہو چکا ہے بعد پانچ ماہ کے درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

[2] درمختار کتاب الشھادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵۔۹۴

الجواب:

اگر بیان مدعا علیہم سے دعوی مدعیہ کا اقرار ثابت ہولیا جیساکہ سوال سے ظاہر ہے جب تو خود واضح کہ یہ درخواست جرح گواہان اصلاً قابل سماعت نہیں خود ان کا اقرار ان پر ڈگری ہونے کو کافی

فانہ حجۃ شرعیۃ یکفی للقضاء علی صاحبہ فکما ان المدعی لایکلف باقامۃ بینۃ بعد اقرار المدعا علیہ وکذٰلک لایکلف باثبات عدالتھم اذکل ذلک صار مستغنی عنہ بعدہ۔	اس لئے کہ اقرار حجت شرعیہ ہے جو اقرار کرنیوالے پر قضاء کے لئے کافی ہے، توجس طرح مدعا علیہ کے اقرار کے بعد مدعی گواہ پیش کرنے کا مکلّف نہیں بنایا جاتا اسی طرح وہ گواہوں کی عدالت ثابت کرنے کا مکلّف بھی نہیں بنایا جائے گا کیونکہ اقرار کے بعد ان تمام چیزوں کی حاجت نہیں رہتی۔(ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بعد اقامت بینہ مدعا علیہ نے اقرار کردیا تو اس پر ڈگری بوجہ اقرار ہوگی نہ کہ بوجہ بینہ۔

فی ردالمحتار عن البحر الرائق لواقر بعد البینۃ یقضی بہ لابھا[1]۔	البحرالرائق کے حوالے سے ردالمحتار میں مذکور ہے کہ اگرمدعا علیہ نے مدعی کی طرف سے گواہ پیش کرنے کے بعد اقرار کرلیا تو فیصلہ اقرار کی بنیاد پر ہوگا نہ کہ گواہوں کی بنیاد پر۔(ت)

تو اب گواہوں کی عدالت وعدم عدالت سے کیا بحث رہی بلکہ خود بوجہ اقرار مدعا علیہم پر ڈگری ثابت، اور اگر بروجہ کافی ان کے بیان سے ثابت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا یعنی اگر خود ان کی عدالت سے آگاہ تھا تو مزکی معتمد سے ان کے عدل جائز الشہادۃ ہونے کی تنقیح کرلی تھی یا نہیں، اگر کرچکا تھا تو اس حالت میں بھی یہ جرح مجرد کی درخواست ناقابل شنوائی ہے کہ بعد تزکیہ جرح مجرد پر گواہی گزری تو وہ بھی نامقبول ہے نہ کہ مدعا علیہ کا نرابیان۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل الشھادۃ علی جرح مجرد بعد التعدیل[2] (ملخصًا)	تزکیہ کے بعد جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں کی جائے گی (ملخصًا)۔(ت)

اور اگر ہنوز تزکیہ نہ ہوا تھا کہ مدعا علیہم نے یہ درخواست دی تو بلاشبہ قاضی پر واجب کہ یہ

[1] ردالمحتار کتاب الدعوی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۳

[2] درمختار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۷

درخواست سنے اور عدالت شہود کی تحقیقات کرے اگرچہ ادائے شہادت کو مہینے گزر چکے ہوں کہ مرورمدت مانع سوال تزکیہ نہیں اور مذہب مفتی بہ پر یہ تنقیح اس زمانہ میں مطلقًا لازم اور بعد طلب وطعن مدعاعلیہ تو بالاتفاق کی جائے گی، درمختار میں ہے:

لایسأل عن شاھد بلاطعن من الخصم الافی حدوقود وعندھما یسأل فی الکل ان جھل بحالھم، بحر، بہ یفتی [1]۔	حدود وقصاص کے علاوہ دیگر مقدمات میں مدعاعلیہ کی طرف سے طعن کے بغیر قاضی گواہوں کا حال دریافت نہ کرے، صاحبین کے نزدیک ہر صورت میں دریافت کرے جبکہ قاضی کو ان کا حال معلوم نہ ہو، بحر، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ یسأل ای وجوبا، قال فی البحر والحاصل انہ ان طعن الخصم سأل عنھم فی الکل والاسئل فی الحدود والقصاص وفی غیرہا محل الاختلاف [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "سوال کرے" یعنی قاضی پر گواہوں کا حال دریافت کرنا واجب ہے۔ بحر میں فرمایا خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مدعاعلیہ کی طرف سے طعن ہو تو تمام مقدمات میں گواہوں کا حال دریافت کرے ورنہ حدود وقصاص میں دریافت کرے جبکہ باقی مقدمات میں محل اختلاف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵: ۲۰/ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی زندگی وصحت میں بعوض دین مہر کے اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ قیمتی تخمینًا چارسوروپیہ کے دی اور قبضہ کرادیا، اب زید مرگیا ورثہ نے اپنے حصہ کا دعوی کیا اور کہا کہ یہ جائداد متروکہ ہے ہندہ نے بیان کیا میرا مہر پانچسوروپیہ کا تھا اور میرا خاوند زید بعوض دین مہر کے گواہوں کے روبرو مجھے قبضہ دے گیا ہے اور شہادت معتبر سے یعنی دو گواہوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے بعوض دین مہر کے ہندہ کو جائداد دی اور قبضہ کرادیا لیکن تعداد دین مہر کی یاد نہیں کہ کس قدر تھا تو اس صورت میں مہر ہندہ کا وہی سمجھا جائے گا جو زید اپنی زندگی میں دے مرا یا مہر مثل لازم آئے گا یا کم از کم مہر دس درہم سمجھا جائے گا اور ورثہ بھی اس جائداد میں حصہ پائیں گے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

الجواب:

جبکہ دو گواہان عادل شرعی شہادت شرعیہ کاملہ ادا کریں کہ ان کے سامنے یہ مال اور فلاں جائداد اس عورت کو اس کے فلاں شوہر نے بعوض دین مہر دی تو یہ گواہی کامل ہے عورت کی ملک بذریعہ خریداری بعوض مہر اس مال وجائداد میں ثابت ہو گئی، وارثوں کا دعوی ساقط ہوا گواہی میں بیان مقدار مہر کی کچھ حاجت نہ تھی کہ اس وجہ سے شہادت میں قصور سمجھا جائے نہ اب اس بحث کی کوئی ضرورت کہ مہر کتنا تھا یا کس قدر سمجھا جائے آخر وہ کتنا ہی تھا ذمہ زید سے ساقط ہوگیا اور اس کے بدلے یہ مال وجائداد ملک ہندہ میں آگیا۔ ردالمحتار میں ہے:

اشار الی انہما لو شھدا بالشراء ولم یبینا الثمن لم تقبل وتمامہ فی البحر وقال الخیر الرملی فی حاشیتہ علیہ المفہوم من کلامھم فی ھذا المواضع وغیرہ انہ فیما یحتاج فیہ الی القضاء بالثمن لابد من ذکرہ وذکر قدرہ وصفتہ ومالایحتاج فیہ الی القضاء بہ لاحاجۃ الی ذکرہ[1]۔	ماتن نے اشارہ کیا ہے اس بات کی طرف کہ گواہ اگر خریداری کی گواہی دیں اور ثمن نہ بیان کریں تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی، اس کا مکمل بحث بحر میں ہے، امام خیر الدین رملی نے اس کے حاشیہ میں فرمایا کہ اس مقام پر اور دیگر مقامات پر فقہاء کی کلام سے یہ مفہوم حاصل ہوتا ہے کہ یہ حکم مذکور تب ہے جب ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت ہو اس صورت میں ثمن، اس کی مقدار اور اس کی صفت کا ذکر ضروری ہے اور جہاں ثمن کے ذریعے قضاء کی حاجت نہیں وہاں ثمن کو ذکر کرنا ضروری نہیں۔ (ت)

اسی میں مبسوط سے ہے:

وان قالا اقر عندنا انہ باعھا منہ واستوفی الثمن ولم یسمیا الثمن فھو جائز لان الحاجۃ الی القضاء بالملک للمدعی دون القضاء بالعقد فقد انتھی حکم العقد باستیفاء الثمن[2]۔	اور اگر گواہوں نے کہا اس نے ہمارے پاس اقرار کیا کہ اس نے فلاں شخص کے ہاتھ گھر فروخت کیا اور ثمن وصول کرلیے گواہوں نے ثمن کو بیان نہیں کیا تو یہ جائز ہے کیونکہ یہاں حاجت ملک مدعی کی قضا کی ہے نہ کہ عقد کے بارے میں قضا کی تو بلاشبہ ثمن کی وصولی سے حکم عقد انتہاء کو پہنچ گیا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹۰

منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں کلام مذکور کے بعد فرمایا:

ولان الجھالۃ انما تؤثر لانھا تفضی الی منازعۃ مانعۃ من التسلیم والتسلم الاتری ان مالایحتاج الی قبضہ فجھالتہ لاتضر وھو المصالح عنہ بخلاف ما یحتاج الی قبضہ وھو المصالح علیہ فاذا اقر باستیفاء الثمن فلا حاجۃ ھنا الی تسلیم الثمن فجھالتہ لا تمنع القاضی من القضاء بحکم الاقرار[1] اھ ومن تامل ھذہ الکلمٰت ظھر لہ الحکم فی مسألتنا ھذہ ظھورا بینا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ بیشک جہالت یہاں مؤثر ہے کیونکہ وہ ایسے نزاع کا باعث ہے جو تسلیم وتسلم سے مانع ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ جہاں قبضہ کی حاجت نہ ہو اس کی جہالت مضر نہیں اور وہ مصالح عنہ ہے (جس شے پر نزاع واقع ہوا)، بخلاف اس چیز کے جس پر قبضہ کی حاجت ہے اور وہ مصالح علیہ ہے (جس شے پر صلح ہوئی)۔ اور جب بائع نے ثمن وصول کرلینے کا اقرار کرلیا تو یہاں تسلیم ثمن کی حاجت نہ رہی لہٰذا ثمن کی جہالت قاضی کو بوجہ اقرار قضاء سے مانع نہیں ہوگی اھ جو شخص ان کلمات میں غور کرے اس پر ہمارے زیر بحث مسئلہ کا حکم خوب واضح ہوجائیگا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت قوم طوائف بوجہ آشنائی کسی مرد کے پاس عرصہ دراز تک بغیر ہونے نکاح کے ہمخانہ اور ہم صحبت رہی اور پھر اس مرد نے بوجہ مذکور جو ہبہ نامہ جائداد مشترک کا بنام ہذا عوض دین مہر کے اس عورت کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا ہو کہ نکاح میرا ساتھ اس کے ہوگیا ہے تو یہ اقرار مرد کا بمقابلہ حقدار شرعی شخص ثالث کے شرعًا ثبوت ہونے نکاح کا کافی ہے یا نہیں؟ اور شہادت سماعی یا کسی شخص واحد کی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعًا شہادت کیسی اور کن آدمیوں کے واسطے ثابت ہونے نکاح کے جائز اور معتبر ہوگی؟ اور ایسا ہبہ نامہ بھی جائداد مشترک کا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شہادت شخص واحد کی ثبوت نکاح کے لئے کافی نہیں، دو مرد یا ایک مرد و دو عورت عادل ہونا چاہئے۔

فی الدر المختار ونصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان الحق مالا او	درمختار میں ہے: امور مذکورکے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادات ۷/ ۱۱۶

غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستلال صبی ولو للارث رجلان او رجل وامرأتان ولزم فی الکل لفظ اشھد لقبولھا والعدالۃ لوجوبہ[1] اھ ملخصًا۔	چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت اور بچے کا آواز نکالنا اگرچہ گواہی وراثت کے لئے ہو، اور تمام مراتب میں قبول شہادت کے لئے لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) لازم ہے اور وجوب قبول کے لئے شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے اھ تلخیص (ت)

اور شہادت سماعی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے جب گواہ یہ کہیں کہ یہ امر ہمارے نزدیک مشہور ہے۔

فیہ ایضا بل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیر ان یقولا شھدنا لانا سمعنا من الناس اما لو قالالم نعاین ذٰلک، ولکنہ اشتھر عندنا جازت فی الکل وصححہ شارح الوھبانیۃ وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم[2]۔	یہ بھی اسی میں ہے بلکہ عزمیہ (حاشیہ درر) میں خانیہ سے منقول ہے کہ تفسیر شہادت (بالتسامع) کا معنی یہ ہے کہ گواہ یوں کہیں ہم اس لئے شہادت دیتے ہیں کہ ہم نے لوگوں سے سنا ہے، لیکن اگر وہ یوں کہیں کہ ہم نے اس کا معائنہ نہیں کیا لیکن وہ ہمارے نزدیک مشہور ہے تو سب میں شہادت جائز ہے۔ شارح وہبانیہ وغیرہ نے اس کو صحیح قرار دیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور مرد وزن کا عرصہ دراز تک مثل زن وشوہمخانہ وہم صحبت رہنا عمدہ علامات مثبتہ نکاح سے ہے۔

فی فتاوی قاضی خان ولورأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزل وینبسط کل واحد منھما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشھد علی نکاحھما[3]، وفی الھدایۃ وکذالورأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشھد	فتاوٰی قاضیخان میں ہے اگر کسی نے ایک مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلف ہوتے دیکھا تو اس کے لئے حلال ہے کہ وہ ان دونوں کے نکاح کی گواہی دے۔ اور ہدایہ میں ہے کہ یوں اگر کسی نے ایک شخص کو مسند قضا پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ لوگ اس کے پاس مقدمات لارہے ہیں

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب النکاح فصل فی دعوی النکاح نولکشور لکھنو ۱/ ۱۸۵

علی کونہ قاضیا وکذا اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد الی الاٰخر انبساط الازواج[1]۔	توحلال ہے کہ وہ اس کے قاضی ہونے کی گواہی دے یوں اگر مرد اور عورت کو ایک گھر میں رہائش پذیر اور ایک دوسرے سے میاں بیوی کی طرح بے تکلفی کرتے دیکھا تو ان کے نکاح کی گواہی دے سکتا ہے(ت)

اور صرف اقرار مرد بھی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے بلکہ بعد اقرار کے منکر ہو اور عورت اس کی حیات میں یا بعد موت کے تصدیق نکاح کرے تاہم نکاح ثابت اور زن مستحق ارث ومہر ہے،

فی العالمگیریۃ رجل اقرانہ تزوج فلانۃ بالف درہم فی صحۃ او مرض ثم جحدہ وصدقتہ فی حیاتہ او بعد موتہ فھو جائز ولھا المیراث والمھر[2] الخ۔	عالمگیریہ میں ہے: اگر کسی مرد نے حالت مرض یا صحت میں اقرار کیا کہ اس نے فلاں عورت سے ہزار درہم کے عوض نکاح کیا ہے پھر اس اقرار سے انکار کیا حالانکہ عورت نے اس مرد کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی تصدیق کی تو نکاح جائز ہوگا اور عورت میراث اور مہر کی مستحق ہوگی الخ(ت)

اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے مشاع ومشترک ہونا موہوب کا اس کی صحت کو مضر نہیں بلکہ حصہ واہب میں ہبہ صحیح ونافذ رہے گا،

فی الدرالمختار اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء[3] وفیہ ایضا وبطل بیع قن ضم الی حر بخلاف قن ضم الی قن غیرہ فیصح بحصتہ فی عبدہ اھ[4] ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کہا میں نے یہ چیز اتنے کے بدلے تجھے ہبہ کی تو یہ ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے اور یہ بھی اسی میں ہے کہ اس غلام کی بیع باطل ہے جس کو آزاد کے ساتھ ملا کر فروخت کیا جائے بخلاف اس غلام کے جس کو دوسرے کے غلام کے ساتھ ملا کر بیچا جائے کیونکہ یہاں بائع کے حصہ کی بیع اس کے غلام میں صحیح ہوگی اھ التقاط، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] الھدایۃ کتاب الشھادت مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۰۶

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳

مسئلہ ۷: ازبیلپور مرسلہ قاضی فراست علی صاحب ۲۳/جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

مسماۃ کا بیان ہے کہ میرے نکاح کو تخمیناً اٹھارہ برس ہوئے مسمّٰی عبدالرحیم کے ساتھ ہوا، عرصہ دوڈھائی ماہ کا ہوا کہ میرے خاوند نے یہ دو مرتبہ کہا کہ تجھ کو طلاق ہے کہ جو تو اس بات کو صحیح نہ کرادے بعد اس کے چند شخصوں نے طرفین کو سمجھا کر جھگڑا دور کرادیا پھر دوبارہ کہ عرصہ بارہ روز کا ہوا صندوق مجھ سے میرے خاوند نے مانگا میں نے ان کو منع کیا وہ صندوق مجھ سے لیتے تھے اور میں نہیں دیتی تھی میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کرنہ گزارے، پھر مجھ سے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے تجھ کو طلاق ہے، اس وقت میاں محمد امین اور میری والدہ موجود تھیں اور زوجہ حسین بخش کہ میرے اور ان کے درمیان میں ایک دیوار ہے اس پر کھڑی ہوئی تھیں سوائے اسکے اور کوئی موجود نہ تھا محمد امین میرے ماموں کا لڑکا ہے اور یہ جھگڑا میری والدہ کے مکان میں ہوا فقط۔

بیان مسمّٰی عبدالرحیم شوہر مسماۃ کا یہ ہے کہ میرے نکاح کو عرصہ تخمیناً سترہ اٹھارہ برس کا ہوا، دس گیارہ ماہ سے میں اپنی خسرال میں ہوں میری خوشدامن نے کئی مرتبہ کہا کہ تم علیحدہ چلے جاؤ، پھر عرصہ بارہ روز کا ہوا میں نے کہا کہ میری چیز بست نکال کر باہر رکھ دو، میں نے صدوق کو ہاتھ لگایا تو ساس ہماری بولی کہ تجھ کو صندوق سے کیا تعلق ہے وہ تو اس کے باپ نے اس کو دیا ہے میرے کوئی نہیں ہے جو تمہارا مقابلہ کرے اتنے میں محمد امین دوڑ آیا اس نے کہا ہٹ جاؤ صندوق کو مت چھوؤ اچھا نہیں ہے تمہارے لئے میں نے کہا کہ کیا تم مجھے مارو گے تو کہا پٹ کر ذلیل ہو کر یہاں سے جاؤ گے، پھر میں نے گھر میں اپنے کہا کہ تو ہٹ جا، ماں ان کی بولی تو ہٹ جا تیرے چوٹ نہ لگ جائے، وہ ہٹ گئی اور چارپائی پر علیحدہ جا بیٹھی، پھر میں نے امین سے کہا کہ کھایا پیا تم کو حرام ہے اور طلاق ہے کہ جو تم اب مجھ کو نہ مارو، امین نے کہا کہ یہی بات ہے، پھر میں نے کہا یہی بات ہے کہ تجھ کو کھایا پیا حرام ہے اور طلاق کہ تم مجھ کو نہ مارو، چچی سے میں نے کہا کہ اب جو کچھ تم کو کرانا ہے کرواؤ، پھر انھوں نے کہا کہ ان کے بہنوئی قادر بخش کو اور بھائی محمد بخش کو اور بھائی محمد ظہور کو بلاوانھوں نے طلاق دی ہے میں کھڑا رہا اتنے میں کلن اپنے گھر میں سے آئے انہوں نے کہا کہ میں نے بھی سنا ہے یہاں تک آواز آرہا تھا کہ تم نے طلاق دی پھر میں نے کہا کہ اور کوئی الزام پکڑو کہ میں کھڑا ہوا ہوں لوگوں کو آنے دو، پھر میں نے کہا کہ کس کے سامنے طلاق دی مقابلہ میرا اور تمہارا اور چچی کا ہو رہا تھا یہ طوفان باندھنا اچھا نہیں ہے، اتنے میں قادر بخش پہلے آئے انہوں نے مجھ سے کہا کہ کیا واہیات مچائی ہے، میں نے کہا کچھ واہیات نہیں میں اپنی چیز علیحدہ کر رہا تھا، امین میرے مقابلہ کو آیا تو میں اس سے یہ لفظ کہہ رہا تھا انہوں نے اس کا طومار باندھا ہے اور لڑائی کے وقت حبو بہشتی

دروازہ پر کھڑے تھے اور حسین بخش مجھ کو بلانے کو گئے تھے اور جو بھی بلاتے رہے میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میری کوئی لڑائی اور جھگڑا نہیں ہے آتا ہوں کلن مجھ سے عداوت رکھتے ہیں اس کو چار آدمیوں سے دریافت کرلو فقط۔

بیان والدہ مسماۃ کا یہ ہے کہ میں اپنا کام کرتی تھی دونوں میاں بی بی میں صندوق پر جھگڑا ہو رہا تھا اس کے شوہر نے کہا کہ تجھ کو طلاق جو تو کچھ کر نگزارے، بعد اس کے اسی وقت تین مرتبہ یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے، اس وقت یہاں محمد امین موجود تھا اور حسین بخش کی زوجہ کو میں نے دیوار پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھا وہ کہتی تھی کہ میں دیوار پر کھڑی تھی اور میرے بھائی کلن کی زوجہ ایک لفظ سن کر آئیں فقط طلاق کا۔

بیان زوجہ حسین بخش کا یہ ہے کہ ان کے گھر میں دونوں میں بہت دیر سے رنج ہو رہا تھا مجھ کو یہ نہیں معلوم کہ کس بات پر ہو رہا تھا میں اس وقت دیوار پر کھڑی تھی صندوق دونوں کے ہاتھ میں تھا زوجہ یہ کہتی کہ صندوق نہ لے جاؤ یہیں کیونکر کھول کر دیکھ لو، اور خاوند اس کا یہ کہتا تھا کہ میں صندوق لیجاؤں گا، اسی پر اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی، اور اس وقت محمد امین اور والدہ مسماۃ کی موجود تھی فقط بقلم محمد یعقوب علی۔

العبد قاضی فراست علی بقلم خود یہ بیان کیا اور دوبارہ پوچھا گیا تو لفظ "میں" کی جگہ "تجھ" کو بیان کیا، میں نے زوجہ حسین بخش کو اول ہی مرتبہ جب سوال کیا کہ بیان کرو تو بجواب اس کے کہا کہ میں نے سنا اور یہ کہا کہ میں کم سنتی ہوں بقلم خود قاضی محمد فراست علی بقلم محمد یعقوب علی، تحریر تاریخ ۷/ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

بیان محمد امین کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ دونوں میں لڑائی ہونے لگی میں نے جا کر ان سے کہا آہستگی سے بات کرو جو تم کہو میں دلوادوں بعد اسکے صندوق پر چھینا جھپٹی ہونے لگی انہوں نے مارا اس کی ناک میں سے خون نکلا تو صندوق انکو دیدیا گیا پھر لوٹ پھیر ہونے لگی اسی صندوق پر انہوں نے یہ کہا کہ جو کچھ کرنہ گزارے تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھ کو طلاق ہے اس کے بعد میرے والد آگئے ان سے کہا کہ باہر جاؤ، وہاں پر میں تھا اور جو اس وقت کوئی موجود نہ تھا میری پھوپھی تھی اور پھوپھی کی لڑکی تھی فقط۔

بیان کلن پڑوسی کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ میں باہر سے اپنے گھر میں سنا کہ شور وغوغا بہت سے مچا ہوا تھا میرے گھر میں ذکر کیا کہ آج عبدالرحیم نے اپنے گھر میں بہت مارا میں نے کہا اس سے مجھے کیا ہے میں روٹی کھانے کو بیٹھ گیا صندوق کے لئے دونوں میں کھینچا تانی ہو رہی تھی میں نے اپنے گھر میں سنا کہ تجھے طلاق ہے کرنہ گزارے بعد کو تین مرتبہ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق بعد کو میں گیا میں نے کہا کہ اب

نکلو باہر ہو، انہوں نے کہا کہ مجھے مارو گے، میں نے کہا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔

بیان محمد بخش میرے مکان پر امین گئے اور کہا کہ پھوپھی نے تجھ کو بلایا ہے کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی دریافت کیا آن کرکے تو زبانی محمد امین کے اور ان کی والدہ یعنی مسماۃ کے، اور مسماۃ سے معلوم ہوا کہ طلاق دی اور کسی کی زبانی نہیں معلوم ہوا۔

بیان ظہورالدین میرے پاس پہلے پہلے واسطے بلانے کے امین آئے دوبارہ حسین بخش بلانے کو آئے بعد کو پھر امین آئے اور بیان کیا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں میں گیا تو یہ سب لوگ وہاں موجود تھے وہ دونوں ماں بیٹے مجھے کچھ کہنے لگے لیکن میں نے ان کو جھڑک دیا ان کا حال کچھ سنا نہیں یہ کہہ دیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا دو چار روز میں اور مکان لے کر جارہیں گے لیکن یہ لوگ جو اول میں مجھ کو بلانے آئے تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ طلاق دی ہے۔

بیان قادر بخش میں مسماۃ کے مکان پر گیا تو وہاں پر محمد امین نے اور عبدالرحیم کی خوشدامن نے کہا کہ عبدالرحیم نے طلاق دے دی میں وہاں خاموش بیٹھا رہا جس وقت کہ بھائی محمد بخش و ظہورالدین آئے تو انہوں نے کہا طلاق کا قصہ اچھا نہیں ہے تم اپنا کنارہ کرلو اور عرصہ چہار روز میں مکان لے لو یہاں سے سب چیز خوشی بخوشی اٹھالو۔

بیان شیخ ننھے یہ سب صاحب بیٹھے تھے محمد بخش و قادر بخش و ظہورالدین ان کے بھائی صاحب محمد بخش کہہ رہے تھے کہ اپنا مکان لے لو اور اپنی چیز بست نکال کرلے جاؤ۔

بیان حسین بخش گواہ عبدالرحیم میں یہاں شیخ ظہور الدین کے مکان میں کام کر رہا تھا جبو بہشتی نے مجھے آن کر کہا کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں مارا ہے تم جاکر بچادو، میں گیا کہا بھائی! یہاں آؤ بات سن جاؤ، یہ نہیں آئے میں لوٹ آیا، اس کے تھوڑی دیر میں نے یہ سنا کہ عبدالرحیم نے طلاق دی، میں نے طلاق کا لفظ اپنے بڑے لڑکے سے سنا اور راستہ میں امین مجھ کو ملے کہا بھائی شیخ ظہورالدین کو بلانے جاتا ہوں عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی ہے۔

بیان جبو بہشتی عبدالرحیم میں اور گھر میں لڑائی ہوتی تھی میں عبدالرحیم کو بلاتا رہا کہ عورتوں سے کیا لڑائی لڑتے ہو عبدالرحیم میرے بلانے سے نہیں آئے اور نہ میں نے کوئی لفظ طلاق کا سنا فقط۔

یہ بیانات میرے روبرو تحریر ہوئے العبد قاضی فراست علی بقلم خود

بعد سلام مسنون التماس ہے کاغذ ہذا واسطے طلب فتوٰی کے ارسال خدمت ہوتا ہے تصدیع خدمت ہے کہ کل مراتب مندرجہ بالا ملاحظہ فرما کر فتوٰی طلاق خواہ عدم طلاق کا تحریر فرما کر ابلاغ فرمایئے، عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے فقط۔ راقم قاضی محمد فراست علی از بیلپور

الجواب:

صورت مستفسرہ میں گواہیاں محض ناکافی ہیں ان سے طلاق ہر گز ثابت نہیں ہو سکتی ننھے وحبو کے بیان میں تو طلاق سننے کا ذکر ہی نہیں اور محمد بخش وظہور الدین وقادر بخش وحسین بخش اوروں کی زبانی سننا بیان کرتے ہیں اور طلاق ان چیزوں سے نہیں جن میں سنی سنائی پر گواہی مقبول ہوسکے۔ درمختار میں ہے:

لایشھد احد بمالم یعاینہ بالاجماع الا فی اعشرۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح والنسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی واصل الوقف، وقیل وشرائطہ علی المختار کمامر، فلہ الشھادۃ اذااخبرہ بھذہ الاشیاء من یثق الشاھد بہ من خبر جماعۃ لایتصور تواطؤھم علی الکذب بلا شرط عدالۃ او شھادۃ عدلین الافی الموت فیکفی العدل ولو انثی وھو المختار، ومن فی یدہ شیئ سوی رقیق یعبر عن نفسہ فلك ان تشھد انہ لہ ان وقع فی قلبك انہ مبلکہ والالا[1] (ملتقطا)۔	اور بغیر معائنہ کے کوئی شخص بالاجماع گواہی نہیں دے سکتا سوائے ان چیزوں کے عتق، امام ابویوسف کے نزدیک ولاء، اصح قول کے مطابق مہر، نسب، موت، نکاح، دخول، ولایت قاضی، اصل وقف اور کہا گیا کہ قول مختار کے مطابق شرائط وقف جیسا کہ گزرچکا ہے، توان دس اشیاء مذکورہ کی گواہی سن کر دینا بھی جائز ہے جبکہ شاہد کو ایسا شخص خبر دے جس پر شاہد اعتماد کرتا ہو، یعنی ایسی جماعت کی خبر سے شاہد کو تسامع حاصل ہو جس جماعت کا جھوٹ پر متفق ہونا متصور نہیں یہاں مخبرین کی عدالت شرط نہیں، یا دو عادل مردوں کی شہادت سے سوائے موت کے اس میں ایک ہی عادل کی خبر کافی ہے اگرچہ خبر دینے والی عورت ہو اور یہی مختار ہے اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی شیئ ہو سوائے اپنا حال بیان کرسکنے والے غلام کے تو تجھے اختیار ہے کہ تو قابض کے لئے اس مقبوض شیئ کی ملکیت کی گواہی دے بشرطیکہ تیرے دل میں یہ بات واقع ہو کہ یہ قابض کی ملک ہے ورنہ نہیں (ملتقطا)۔ (ت)

اور والدہ مسماۃ کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ مدعیہ کی ماں ہے اور ماں باپ، دادادادی، نانانانی کی گواہی بیٹے بیٹی، پوتے پوتی، نواسے نواسی کے لئے اور ان کی ان کے لئے مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

لاتقبل من الفرع لاصله وان علا وبالعکس للتهمة[1] (ملخصًا)	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل کے حق میں مقبول نہیں اگرچہ اصول اوپر تک چلے جائیں اور یونہی اس کے برعکس (یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہ ہوگی) (ملخصًا)۔ (ت)

کلن کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے گھر میں سے عبدالرحیم کو طلاق دیتے سنا اور آڑ میں سے سننے پر گواہی بعض صورتوں کے سوا ہرگز مقبول نہیں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے خصوصًا جب گواہ بیان کردے کہ میں نے آڑ میں سے سنا تو مطلقًا مردود ہے، درمختار میں ہے:

لایشهد علی محجب بسماعه منه الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیره لکن لو فسر لاتقبل درر الخ۔[2]	نہ گواہی دے اس شخص پر جو آڑ کے پیچھے پوشیدہ ہے اس کی آواز کو سن کر سوائے اس کے کہ ظاہر وواضح ہوجائے کہ اس مکان میں قائل کے علاوہ کوئی دوسرا موجود نہیں، لیکن اگر شاہد آڑ کی سماعت کو بیان کردے تو اس کی گواہی نہ ہوگی درر الخ (ت)

اب نہ رہے مگر محمد امین وزوجہ حسین بخش قطع نظر اس سے کہ ان کی شہادتوں میں کتنے خلل شرعی ہیں خصوصا زوجہ حسین بخش کا بیان مضطرب ہے اگر کوئی خلل نہ بھی ہوتا تو صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی، دو مرد عادل یا ایک مرد و دو عورتیں ثقہ درکار ہیں۔ درمختار میں ہے:

نصابها لغیره من الحقوق کنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان[3]۔ (ملتقطًا)	امور مذکورہ کے سوا دیگر حقوق میں نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے جیسے نکاح و طلاق وغیرہ میں (ملتقطا)۔ (ت)

مگر یہ ثبوت وعدم ثبوت قاضی ودیگر خلائق کے نزدیک واقع میں اگر عورت سچی ہے اس کے سامنے اسے تین طلاق دی ہیں تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے جدا ہوجائے پھر اگر جدا نہ ہوسکے تو وبال مرد پر ہے یہ الزام سے بری رہے گی جب تک اس کے پاس رہے ہاتھ لگانے پر سچے دل سے ناراض ہو اور اپنی حد قدرت تک اس سے بچنے میں ہمیشہ کوشش کرتی رہے **والمسئلة منصوص**

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲_۹۱

[3] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

علیہا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرھما من الاسفار (اس مسئلہ پر در مختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتابوں میں نص کی گئی ہے۔ت) اور اگر واقع میں بھی عورت جھوٹی ہے اور یہ حیلہ کرکے اس سے جدا ہوجائے گی تو عمر بھر گرفتار گناہ عظیم رہے گی اور معاذاللہ لعنت الٰہی ولعنت ملائکہ کی مستحق ہوگی کما تفیدہ صحاح الاحادیث (جیسا کہ احادیث صحیحہ اس کا فائدہ دیتی ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸: از ریاست رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور زید وعمرو میں ایک زمین کے بابت تخالف ہے، ہندہ کا قول ہے کہ یہ زمیں مملوک ومقبوض ہندہ ہے۔ زید وعمرو کہتے ہیں کہ یہ زمیں بکر کی تھی اس نے عرصہ تخمینا ۵۵ سال کا گزرا کہ واسطے قبرستان کے وقف کردی تھی مگر کسی کو اس کا متولی نہیں کیا تھا اور یہ زمین موروثی بکر کی ہے وقف وموروثی ہونے کی سماعی شہادت زید وعمرو کی ہے قابل تحقیق ودریافت یہ امر ہے کہ زید وعمرو کی صرف اس قدر سماعی شہادت سے کہ یہ زمین موروثی بکر کی ہے یہ زمین ملک بکر شرعاً قرار دی جائے گی یا نہیں؟ بعدہ زید وعمرو کی سماعی اس شہادت سے کہ وہ زمین بکر نے وقف کردی ہے شرعاً موقوفہ قرار دی جائے گی یا نہیں؟ جواب اس کا بحوالہ کتاب ومسائل مفتی بہ درج ہو، بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر زید وعمرو شرائط شہادت کے جامع اور ان کا بیان جملہ شرائط عامہ وخاصہ کو مستجمع واقع ہوا تو زمین متنازعہ فیہا کا قبرستان کے لئے وقف ہونا ثابت ہوجائے گا کہ اصل وقف میں شہادت سماعی ضرور مقبول ہے اور صحت وقف مالکیت واقف پر موقوف، تو قبل وقف زمین کا مملوک بکر ہونا ضمن ثبوت میں رنگِ ثبوت پائے گا اگرچہ ابتداء اثبات ملک کے لئے شہادت سماعی کافی نہیں،

وکم من شیئ یثبت ضمنا ولایثبت قصدا کاخبار مجوسی اتی بلحم ان فلانا المسلم ارسلہ الیك بھذا ھدیۃ لك فانہ یقبل قولہ فی المعاملات والھدایا منھا، ثم یثبت الحل ضمنا	بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں قصداً ثابت نہیں ہوتیں جیسے کسی شخص کے پاس کھانا لانے والے مجوسی کا خبر دینا کہ اس کو فلاں مسلمان نے یہ کھانا تیرے لئے بطور ہدیہ دے کر تیرے پاس بھیجا ہے، بیشک مجوسی کا قول معاملات میں مقبول ہوتا ہے اور تحائف بھیجنا معاملات میں سے ہے، پھر اس

وان کان قول الکافر لایقبل فی الدیانات ومنها الحل والحرمة اصلا ۔ثم رأیت بحمد الله التعلیل بعین هذا فی تبیین الحقائق للامام الزیلعی حیث قال رحمه الله تعالٰی عاین ملکا بحدوده ینسب الی فلان بن فلان الفلانی وهو لم یعرفه بوجهه ونسبه ثم جاء الذی نسب الیه الملك وادعی ان المحدود ملکه علی شخص حل له ان یشهد استحسانا لان النسب یثبت بالتسامع ،فصار المالك معلوما بالتسامع و الملك بالمعاینة ،ولولم یسمع مثل هذا الضاع حقوق الناس لان فیهم المحجوب ومن لایبرز اصلا و لا یتصور ان یراه متصرفا فیه ولیس هذا اثبات الملك بالتسامع وانما هو اثبات النسب بالتسامع وفی ضمنه اثبات الملك به وهو لایمتنع وانما یمتنع اثباته قصدا [1] ۔	کھانے کا حلال ہونا ضمناً ثابت ہوجائے گا اگرچہ امور دینیہ میں کافر کا قول بالکل مقبول نہیں ہوتا اور حلال وحرام ہونا امور دینیہ میں سے ہے، پھر میں نے بحمداللہ یہی تعلیل بعینہٖ علامہ زیلعی کی تبیین الحقائق میں دیکھی جہاں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ملک کو اس کی حدود کے ساتھ دیکھا کہ فلاں ابن فلاں کی طرف منسوب ہوتی ہے جبکہ اس نے مالک کو نہ تو چہرے سے پہچانا اور نہ ہی اس کے نسب کو جانا پھر وہ شخص آیا جس کی طرف ملک محدود کی نسبت کی جاتی ہے اور خاص اسی ملک محدود کے مالک ہونے کا دعوی کیا تو شاہد کو اس کی ملک پر گواہی دینا بطور استحسان حلال ہے کیونکہ نسب سماع سے ثابت ہوجاتا ہے لہٰذا مالک لوگوں سے سن کر اور ملک دیکھ کر معلوم ہوگیا، اور اگر اس طرح کی گواہی مسموع نہ ہو تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوجائیں گے کیونکہ لوگوں میں کچھ نقاب پوش ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں بالکل سامنے نہیں آتے تو ایسے شخص کو ملک میں تصرف کرتے ہوئے دیکھنا شاہد کے لئے متصور نہیں، اور یہ تسامع سے ملک کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ تو تسامع سے نسب کا اثبات ہے اور اس کے ساتھ ضمن میں ملک کا اثبات ہے اور یہ ممتنع نہیں، ممتنع تو قصداً تسامع سے ملک کا اثبات ہے۔(ت)

مسئلہ کتب میں دوار اور متون وشروح وفتاوٰی میں مستفیض وآشکار ہے، تنویر میں ہے:

تقبل فیه الشهادة بدون الدعوی و	وقف میں بلادعوی شہادت قبول کی جاتی ہے اور

[1] تبیین الحقائق کتاب الشهادة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۴/ ۲۱۷

الشهادة بالشهرة لاثبات اصله وان صرحوا به لا لشرائطه[1]۔	اصل وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی مقبول ہے اگرچہ گواہ اس کی صراحت کردیں اور شرائط وقف کے اثبات کے لئے شہرت کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی المنح کل مایتعلق بصحة الوقف ویتوقف علیه فهو من اصله ومالایتوقف علیه فهو من الشرائط[2]۔	منح میں ہے ہر وہ چیز جس کا تعلق صحت وقف کے ساتھ ہے اور وقف کی صحت اس پر موقوف ہے وہ اصل وقف سے ہے اور جس پر صحت وقف موقوف نہیں وہ شرائط وقف سے ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

بیان الجهة هو بیان المصرف ویأتی انه من الاصل لا من الشرائط فالمراد من الشرائط مایشرطه الواقف فی کتاب وقفه لاالشرائط التی یتوقف علیها صحة الوقف کالملك والافرازوالتسلیم عند القائل به و نحو ذٰلك مما مر اول الباب[3]۔	بیان جہت مصرف کا بیان ہے اور آگے آئے گا کہ وہ اصل وقف سے ہے نہ کہ شرائط سے، تو وہاں شرائط سے مراد وہ شرطیں ہیں جو واقف نے اپنے وقف نامے میں ذکر کی ہیں وہ شرطیں مراد نہیں جن پر صحت وقف موقوف ہے جیسے ملک، جدا کرنا اور تسلیم اس کے نزدیک جو اس کے شرط ہونے کا قائل ہے اور دیگر شرائط جو باب کے شروع میں گزر چکی ہیں۔(ت)

یہاں واجب اللحاظ بات یہ ہے کہ وقف پر شہادت شہادت لوجہ اللہ ہے جسے شہادت حسبہ کہتے ہیں اور شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی ادائے شہادت میں تاخیر کرے مثلاً وقف پر ناجائز قبضہ ناروا تصرفات دیکھا کرے اور خاموش رہے پھر کھڑا ہو اور گواہی دے کہ یہ وقف ہے تو اس کی شہادت مردود ہے کہ وہ اتنے دنوں باطل پر سکوت کرنے اور وقف پر ظلم روا رکھنے سے فاسق ہوگیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں تو اس کی شہادت کا ماننا ہی اس کی شہادت نہ ماننے کو مستلزم ہے ہاں اگر قاضی ایسی گواہی

---

[1] درمختار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۷۔۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[3] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۴

مان کر قضا کردے تو نافذ ہوجائے گی جبکہ اسے ایسی قضا کا اختیار ہو اور اگر مقید و پابند کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی صحیح و مفتی بہ کے موافق فیصلہ کرے تو ایسی شہادت کی بناء پر قضائے قاضی بھی مردود، اور فیصلہ واجب الرد ہے کہ خلاف تقیید میں وہ قاضی نہیں بلکہ احد من الرعایا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

شاھد الحسبة اذا اخرھا بغیر عذر لاتقبل لفسقه اشباہ من القنیة وقال ابن نجیم فی رسالة المؤلفة فیما تسمع فیه الشھادة حسبة ومقتضاہ ان الشاھد فی الوقف کذالک[1]۔	شاہد حسبہ (لوجہ اللہ شہادت دینے والا) اگر بلاعذر شہادت میں تاخیر کرے تو فسق کی وجہ سے اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی (اشباہ بحوالہ قنیہ)، ابن نجیم نے ان امور کے بارے میں جن میں شہادت حسبہ مسموع ہوتی ہے تالیف کردہ اپنے رسالے میں فرمایا کہ اس کا مقتضایہ ہے کہ وقف میں گواہی دینے والے کا حکم بھی ایسا ہی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذا باع زید عقارہ المعلوم من عمرو و تصرف به عمرو مدة مدیدة ورجلان معاینان مشاھدان لذلك كله ومطلعان علیه ویریدان الآن ان یشھدا حسبة بان العقار وقف كذا وقد اخرا شھادتھما بلاعذر شرعی ولاتاویل فھل حیث كان الامر كما ذكر لا تقبل شھادتھما **الجواب** شاھد الحسبة اذا اخر شھادته بلاعذر شرعی مع تمكنه من ادائھا لا تقبل شھادته كما فی الاشباہ وغیرھا[2]۔	**سوال:** کیا گیا کہ زید نے اپنی مشہور و معروف زمین عمرو کے ہاتھ فروخت کی اور عمرو عرصہ دراز تک اس میں تصرف کرتا رہا جبکہ دو مرد اس سب کچھ کو دیکھتے رہے اور اس پر مطلع رہے اب وہ دونوں لوجہ اللہ گواہی دینا چاہتے ہیں کہ یہ زمین وقف شدہ ہے اور ان دونوں نے بغیر کسی عذر شرعی اور بغیر کسی تاویل کے گواہی میں تاخیر کی تو کیا یہاں بھی معاملہ وہی ہے جو مذکور ہوا کہ ان دونوں کی گواہی قبول نہیں کیجائیگی، **جواب:** شاہد حسبہ اگر بلاعذر شرعی شہادت میں تاخیر کرے باوجودیکہ وہ اس کی ادائیگی پر قادر ہو تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(لوقضی بشھادة فاسق	اگر قاضی فاسق کی شہادت پر فیصلہ کردے تو

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارته دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۰۳

[2] العقود الدریة کتاب الشھادة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۴۶

نفذ)واثم فتح(الاان یمنع منه)ای من القضاء بشهادة الفاسق(الامام فلا)ینفذ لمامر انه یتأقت ویتقید بزمان و مکان وحادثة وقول معتمد حتی لاینفذ قضاؤہ باقوال ضعیفة[1]۔	نافذ ہوگا اور قاضی گنہگار ہوگا (فتح) لیکن اگر حاکم نے قاضی کو فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنے سے منع کیا تو نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کو مخصوص زمانے مخصوص جگہ، مخصوص حادثے اور معتمد قول پر فیصلہ کرنے کے ساتھ مقید کیا جاسکتا ہے یہاں تک کہ اقوال ضعیفہ کی بنیاد پر کیا ہوا اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت) ان سب امور کا لحاظ ضرور ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶۹ تا ۱۲۷۲: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵/شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اگر کچھ طمع ناجائز سے کوئی شخص شہادت دے تو اس کی شہادت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

(۲) جو شخص پابند صوم صلوٰۃ نہ ہو اور مسکرات کا پابند ہو ایسے شخص کی شہادت شرعاً مانی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) حواس سالم کے کیا علامات ہیں از روئے شرع شریف کے؟

(۴) شہادت شاہد کے واسطے عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس عمر سے کس عمر تک ناقابل شہادت مانا جاتا ہے؟

الجواب:

(۱) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد رشوت ہے، ایسی شہادت باطل محض مردود ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی فی النار[2]۔ رواہ الطبرانی فی الصغیر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنهما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا جہنمی ہیں اس کو طبرانی نے معجم صغیر میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱، المعجم الصغیر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۲۰۴۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۳/ ۲۹

(۲) ہر گز نہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو چھان بین کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) باتیں مطابق عقل کے ہوں کام عاقلانہ ہوں، کبھی عاقلوں کبھی پاگل کے سے قول فعل نہ کرے یہ تصرفات کے لئے ہے، اور اگر امثال شہادت وروایت وقضا وافتا کے لئے سلامت حواس مقصود ہو تو یہ بھی ضرور ہے کہ شاہد وراوی کی یاد صحیح ہو سخت بھولنے والا نہ ہو اور قاضی ومفتی کی فہم وفکر ٹھیک ہو۔ درمختار میں ہے:

الشهادة شرطها العقل الکامل والضبط [2]۔	شہادت کے لئے کامل عقل اور یادداشت شرط ہے۔ (ت)

اسی کی کتاب القضا میں ہے:

ینبغی ان یکون موثوقا به فی عفافه وعقله وصلاحه وفهمه وعلمه، ومثله فیما ذکر المفتی [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی معتمد علیہ ہونا چاہئے پاکدامنی، عقل وصلاح فہم اور علم میں۔ اور مذکورہ امور میں مفتی بھی قاضی کی مثل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۴) ادائے شہادت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ کی گواہی معتبر نہیں، نہ اتنا بوڑھا ہو کہ بوجہ پیرانہ سالی دماغ صحیح نہ رہا بات یاد نہ رہے کچھ کا کچھ کہے۔ درمختار میں ہے:

لاتقبل من اعمی مطلقاً ومرتد ومملوك وصبی ومغفل ومجنون الا ان یتحملا فی الرق والتمییز، وادیا بعد الحریة والبلوغ [4]۔	اندھے کی گواہی مطلقاً قبول نہیں کی جائے گی اور نہ ہی مرتد، غلام، بچے، غافل اور پاگل کی مگر جب غلام اور بچہ غلامی اور تمیز کی حالت میں تحمل شہادت کریں اور آزادی وبلوغ کے بعد شہادت ادا کریں تو قبول ہوگی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] درمختار کتب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳۔ ۷۲

[4] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

اسی میں ہے: شرائط الاداء الضبط[1] الخ (ادائے شہادت کی شرطوں میں سے یادداشت کا ہونا ہے الخ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: از رامپور محلّہ مسجد ملا فقیر اخون صاحب مرسلہ نثار اللہ خان ۲۱/شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم ڈاکٹر نے ایک سرٹیفکیٹ بلوغ عمر عمرو کو اس امر کا دیا ہے کہ عمرو کی اس وقت ۱۸، اور ۱۹ سال کے درمیان میں عمر معلوم ہوتی ہے میری رائے میں عمرو کے چہرہ وغیرہ سے اس کی عمر ایسی نہیں معلوم ہوتی اب مونچھوں کا آغاز ہوا ہے پس سرٹیفکیٹ ڈاکٹر جو بمنزلہ شہادت کے ہے ایسے زمانہ کی بابت جس میں ڈاکٹر نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض اپنے قیاس اور رائے سے اظہار عمر کرتا ہے ہیں نسبت اپنی رائے کے ظاہر کرتا ہے کہ رائے کی غلطی ممکن ہے تو ایسی صورت میں یہ شہادت قابل قبول عدالت ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

اسے شہادت سے کوئی تعلق نہیں، نہ اس پر شہادت کی تعریف صادق آتی ہے، یہ ایک رائے اور قیاس و تخمینہ ہے جس پر اسے خود وثوق نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال بتاتا ہے شہادت کی تو شان یہ ہے کہ اگر شاہد اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر گواہی دے اور اس میں فیما اعلم یا فیما احسب کا لفظ ملادے یعنی میرے خیال میں ایسا ہوا تھا یا میرے علم ویقین میں ایسا ہے تو گواہی رد کردی جائیگی کہ گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا، نہ کہ جہاں نہ علم نہ یقین بلکہ خود غلطی کا اقرار، درمختار جلد ۴ ص ۵۷۳:

حتی لو زاد فیما اعلم بطل للشک[2]۔	یہاں تک کہ اگر شاہد یہ لفظ بڑھادے کہ میرے علم میں ایسا ہے تو شک کی بنیاد پر گواہی باطل ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لو قال لفلان علی الف درھم فیما اعلم لایصح الاقرار ولو قال المعدل ھو عدل فیما اعلم	اگر کہے کہ میرے علم کے مطابق فلاں کے مجھ پر ہزار درہم ہیں تو یہ اقرار صحیح نہیں ہوگا، اور اگر تعدیل کرنیوالے نے کہا میرے علم کے مطابق وہ عادل

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لایکون تعدیلا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے تو یہ تعدیل نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴و۱۵: مسئولہ سراج الدین جج بہاولپور (پنجاب) ۱۵/شعبان المکرم شنبہ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بعالی خدمت جناب مولوی احمد رضاخان صاحب مدفیوضکم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا مسلمان مرد عورت کے نکاح اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے، حسب ذیل صورتوں میں کس طرح حکم دینا چاہئے:

(ا) ایک مسلم مرد کا نکاح ایک مسلمہ عورت کے ساتھ ہوا، گواہان ایجاب وقبول میں ایک گواہ یا دونوں گواہ غیر مسلم ہیں، آیا نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟

(ب) انعقاد نکاح کے وقت کی کئی شہادات ہیں لیکن غیر مسلم گواہ بروئے شہرت عامہ اس مسلم کا مسلمہ کے ساتھ نکاح سننا بیان کرتے ہیں، آیا ایسی صورت میں نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب: نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے، درمختار میں ہے:

شرط حضور شاہدین مسلمین لنکاح مسلمۃ [2]۔	مسلمان عورت کے نکاح کے لئے دو مسلمان گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے (ت)

نہ دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے، درمختار میں ہے:

الشھادۃ شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما [3]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے چنانچہ مدعی علیہ اگر مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔ (ت)

اور قاعدہ کلیہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح، طلاق، بیع، ہبہ، اجارہ، وصیت، جہاں بھر کے کسی معاملہ میں کافر کی شہادت اصلاً کسی طرح مسموع نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَلَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾" [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی کافروں کیلئے مومنوں پر ہر گز کوئی سبیل نہ بنائیگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۶۔۱۸۷

[3] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۴ / ۱۴۱

مسئلہ ۱۶: از ریاست رامپور مرسلہ جناب امداد حسین صاحب مورخہ ۳/جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بشیر نے اپنی زوجہ مسماۃ اکبری کی رخصت کا دعوٰی کچہری دیوانی میں مسماۃ اکبری اور اس کی دادی مسماۃ عجوبہ پر کہ جس نے مسماۃ اکبری کو روک لیا تھا کیا، مسماۃ اکبری نے باوجود اطلاع کچہری کے جواب دہی نہیں کی بلکہ سکوت کیا مسماۃ عجوبہ کچہری میں جوابدہ ہوئی اور منکر نکاح ہوئی، بشیر سے ثبوت نکاح طلب کیا گیا، اس نے پانچ گواہ پیش کئے تین گواہوں نے کہ جن کے نام عبدالعزیز، میرنجی، ننھے ہیں اس امر کی شہادت ادا کی مسماۃ اکبری نے ہمارے سامنے جھنا چودھری کو اپنے نکاح کے واسطے وکیل کیا، جھنا چودھری نے نکاح بشیر کے ساتھ پڑھوادیا نکاح ہوگیا اور چندہ میاں اور احسان ہر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ جھنا چودھری نے ہمارے سامنے مسماۃ اکبری بنت علی حسین کا نکاح بشیر ولد منا کے ساتھ پڑھوایا اور بشیر نے قبول کیا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ گواہان مذکور میں یہ اختلاف ہیں کہ ایک نے بیان کیا ہے کہ مسماۃ اکبری پستہ قد ہے دوسرے نے لانبا قد بیان کیا ہے ایک نے دالان میں ایک نے آنگن میں جو ملے ہوئے نکاح ہونا بیان کیا ہے، ایک نے عمر دس بارہ سال اور باقیوں نے عمر بیس اور پچیس سال بیان کی ہے، آیا ان اختلافات کی وجہ سے شہادت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اور باوجود سکوت مسماۃ اکبری اور مسماۃ عجوبہ نسبت عمر قابل قبول شرعًا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ باتیں زائد ہیں ان میں اختلاف سے شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ شہود ثقات وعدول وقابل قبول ہوں، اور اگر ایسے نہیں اور حاکم نے انہیں متہم سمجھا اور ایسے اختلافوں کی بنا پر ان کی شہادتیں رد کردیں تو اسے اس کا اختیار ہے۔ عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

فی نوادر ابن سماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا اتہمت الشھود فرقت بینھم ولاالتفت الٰی اختلافھم فی لبس الثیاب وعددمن کان معھم من الرجال والنساء ولاالی اختلاف المواضع بعد ان تکون الشھادۃ علی الاقوال، وان کان الشھادۃ	نوادر ابن سماعہ میں امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہیں کروں گا کہ ان کا لباس کیا تھا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو، اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا

علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشھادۃ قال ابو یوسف اذا اتھمتھم و رأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب ومن کان معھم، فاذا اختلفوا فی ذٰلک فھذا عندی اختلاف ابطل بہ الشھادۃ کذا فی المحیط[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اختلاف شہادت میں قرار پائے گا۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا کہ اگر گواہوں کے بارے میں میرے دل میں کوئی تہمت اور شک آئے اور میرا گمان ہو کہ یہ جھوٹے گواہ ہیں تو میں ان کو جدا جدا کروں گا اور ان سے لباس، جگہ اور ان کے ساتھ موجود افراد کے بارے میں پوچھوں گا اگر اس میں ان کے بیان مختلف ہوئے تو میرے نزدیک یہ گواہی میں اختلاف ہے جس کی بنیاد پر میں گواہی مسترد کردوں گا، محیط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از ملک بنگال معرفت محمد شجاعت علی خان طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

برائے شہادت طلاق نادانستی چیست؟ **بینوا توجروا۔**

شہادت طلاق میں تاخیر اور کوتاہی کا کیا حکم ہے؟ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

اگر طلاق رجعت است بتاخیر شہادت آثم نشود مگر آنکہ بداند کہ رجعت نکرد وعدت گزشت و باز بے نکاح تصرف میخواہد آنگاہ تاخیر روا نیست، ہمچناں اگر طلاق بائن است وبے تجدید نکاح دست از تصرف ندارد یا مغلظہ است، بے تحلیل بحبالہ نکاح آوردن خواہد ادائے شہادت بے دعوی ہیچ مدعی فرض ست واگر بے عذر تاخیر کند مردود الشہادۃ بود در اشباہ است شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ بلا عذر یفسق ولا تقبل شھادتہ[2]	اگر طلاق رجعی ہے تو گواہی میں تاخیر کرنے سے گنہگار نہ ہوگا مگر وہ شخص جو جانتا ہے کہ خاوند نے رجوع نہیں کیا اور عدت گزر چکی ہے اور وہ بغیر نکاح جدید اس عورت کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے تو اس صورت میں تاخیر شہادت جائز نہیں، اسی طرح طلاق بائن کی صورت میں اگر خاوند تجدید نکاح کے بغیر تصرف سے دستبردار نہیں ہوتا یا طلاق مغلظہ دی ہے اور حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کو نکاح میں لانا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں کسی مدعی کے دعوی کے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی فرض ہے اگر بلاعذر تاخیر کرے گا تو مردود الشہادۃ ہوجائیگا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۹۴

کما فی القنیۃ درقنیہ قولے آوردہ است کہ مدتش پنج روز ست وصواب آنست کہ مدار بر تاخیر از وقت حاجت ست کم باش یا بیش کما بینہ فی غمز العیون۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشباہ میں ہے کہ شاہد حسبہ (لوجہ اللہ گواہی دینے والا) اور بلاعذر گواہی میں تاخیر کرے تو فاسق ہو جانے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائیگی جیساکہ قنیہ میں ہے، ور قنیہ میں یہ قول مذکور ہے کہ اس تاخیر کی مدت پانچ دن ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حکم مذکور کا مدار بوقت ضرورت گواہی میں تاخیر پر ہے چاہے مدت کم ہو یا زیادہ، جیساکہ غمز العیون میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸: از ریاست رامپور کٹے باز خاں مسئولہ غلام حبیب خاں ۸ محرم ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد سات سوروپے میں بیچ کیااور واسطے اتلاف حق شفعہ بکر بیعنامہ میں بجائے سات سوروپے کے دوہزار لکھا لے گئے سات سوروپے نقد روبروئے رجسٹرار بائع کو دئے گئے اور نسبت تیرہ سوروپے قیمت غیر واقعی کے یہ تحریر کیا گیا کہ میں نے مشتری کو معاف کئے جس کا ثبوت بابت سات سوروپے قیمت واقعی کے بیانات گواہان بکر سے بھی ظاہر ہے۔ پس ایسی صورت میں شرعًا کیا ہونا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس میں تین شہادتیں ہیں اگران کے بیان شرائط کو جامع بھی ہوں توان میں دو باقرار خود داڑھی خشخاش کراتے ہیں اور یہ فسق ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں،

قال تعالٰی "ذَوَاعَدۡلٍ مِّنۡکُمۡ"[1] وقال تعالٰی "مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّھَدَآءِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم میں سے دو عادل گواہ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان میں سے جنہیں گواہوں میں سے تم پسند کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے (ت)

مسئلہ ۱۸تا۱۹: از رام پور محلّہ گنج مرسلہ محمد یونس صاحب ۹/ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ شرع متین میں کہ زید کی اور ہندہ کی آپس میں نااتفاقی ہوئی اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دو تین روز کے بعد ہندہ نے مشہور کیا کہ مجھے طلاق ہوگئی، زید نے پوچھا کیسے؟ جواب دیا عرصہ تین ماہ کا ہوا میں بوجہ شراب خوری پردہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ سامنے جب آؤں گی شراب چھوڑ دوگے، آخر ایک روز آیا اور یہ کہا کہ سامنے کردو میں قسم کھا چکا ہوں، دریافت کیا کیا قسم کھائی؟ تو یہ کہا شراب پیوں تو جورو کو طلاق ہے اور تین مرتبہ کہا، اور اس تین ماہ کے عرصہ میں سیکڑوں مرتبہ شراب پی اور تین ماہ تک ہندہ زید کے پاس رہی اور روز ماں باپ کے پاس جاتی رہی، اس تین ماہ کے عرصہ میں کچھ نہیں کہا، جب نااتفاقی ہوئی تو یہ بات مشہور کی، ہندہ سے دریافت کیا گیا تم تین ماہ تک زید کے پاس رہیں جب سے تم نے کیوں نہیں کہا، ہندہ جواب نہ دے سکی، ہندہ کی ماں نے کہا کہ اسے یاد نہ رہی، گواہ ایک ہندہ کی ماں اور ایک ہندہ کا بھتیجا عمر ۱۳ یا ۱۴ برس اور ایک لڑکا خدمت گار عمر دس سال ہے اور اس حالت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ اور زید قطعی انکار کرتا ہے نہ میں نے قسم کھائی ہے نہ میں اس بات سے خبردار ہوں۔

الجواب:

اگر یہی گواہ ہیں تو طلاق ثابت نہیں کہ نہ ماں کی گواہی بیٹی کے لئے معتبر نہ نابالغ کی گواہی مسموع، ہندہ کا بھتیجا بھی اگر نابالغ ہے جب تو ایک گواہ بھی نہ ہوا اور اگر وہ بالغ ہے تو ایک ہی گواہ ہوا، بہر حال ثبوت نہیں، مگر اللہ عزوجل ہر غیب کا جاننے والا ہے، اگر واقع میں اس شخص نے وہ کلمات کہے اور پھر شراب پی تو اللہ کے نزدیک ضرور عورت پر طلاق ہوگئی اور تین بار کہا تو بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اللہ تعالٰی سے ڈرے اور عورت سے جدا ہوجائے اگر وہ نہ مانے اور عورت کو تحقیق صحیح طور پر معلوم ہے کہ زید نے وہ کلمات تین بار کہنے کے بعد پھر شراب پی تو عورت پر فرض ہے کہ جیسے جانے اس سے دور بھاگے اسے اپنے اوپر قابو نہ دے، اگر ہندہ اپنی سی کوشش پوری کرے اور اس سے بھاگنے پر قدرت نہ پائے تو گناہ زید پر رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: ازدار جلنگ ملٹری کلب گھر مرسلہ شمس الدین بیرا ۲۵/ رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا صاحب حامی دین متین دام اقبالکم بعد ادائے آداب حضور والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں انجمن اسلامیہ دار جلنگ نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور کے دولت خانہ کا انصاف ہونا چاہئے انجمن نے زبردستی طلاق لکھ دیا اور میرے اوپر ڈگری کردیا نقل جو میں نے مانگی تو نقل کا مجھ سے پانچ روپیہ لیا از روئے شرع شریف انصاف فرمائیں۔

الجواب:

فیصلہ انجمن ملاحظہ ہوا، اس صورت میں ہرگز طلاق ثابت نہیں انجمن نے محض غلط و باطل وخلاف شرع

فیصلہ کیا۔

(۱) اس نے بنائے طلاق بیان زن پر رکھی شمس الدین نے اپنی زوجہ حسیبن پر انجمن میں درخواست دی تھی کہ اس کے افعال ایسے ہیں میرا انتظام کردیا جائے، عورت نے جواب میں طلاق دینا بیان کیا، مجوزوں نے فیصلہ میں لکھا مدعا علیہا کے بیان سے ثابت ہے کہ مدعی نے اپنی بی بی مدعا علیہا کے سامنے اور اختر علی آبدار و پیر محمد گواہان مدعا علیہا کے روبرو طلاق مختلف اوقات میں تین دفعہ دے دی ہے انجمن نے جسے مدعا علیہا کہا وہ شرع میں مدعیہ ہے کہ طلاق دئے جانے کا دعوی کرتی ہے آج تک کسی نے مدعی کے بیان کو اس کے لئے سند مانا ہے، خانگی مثل مشہور ہے: باطل است آنچہ مدعی گوید (باطل ہے وہ جو مدعی کہتا ہے۔ت) یہ بالکل شرع مطہر کے خلاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لویعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم[1]۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوی کے مطابق دیا جائے تو البتہ کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوی کردیں گے۔(ت)

(۲) اس بنائے باطل پر فیصلہ لکھا حکم شریعت ہے کہ جب طلاق کے متعلق ایک ذرا بھی ثبوت پہنچ جائے تو پھر کسی صورت میں بھی شریعت زن وشوہر کو باہم زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ محض غلط ہے شریعت نے ایک سے دو طلاق رجعی تک بلاتکلف زن وشوہر کو زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے۔ اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے:

"اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاکٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ"[2]۔	طلاق دو مرتبہ ہے پھر اچھے طریقے سے روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے(ت)

بلکہ تین طلاق میں بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں، صورت حلالہ میں ضرور اجازت ہے، قرآن عظیم میں ہے:

"فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰی تَنۡکِحَ زَوۡجًا غَیۡرَهٗ ؕ"[3]۔	پھر اگر تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس (خاوند سابق) کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

پھر یہاں تین طلاقوں کا ثبوت مان لینا بھی محض ناواقفی ہے دو گواہ اگر طلاق پر گواہی دیں اور وقت مختلف بتائیں تو اگرچہ یہ اختلاف طلاق میں کہ قول ہے موجب رد شہادت نہیں مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں کی مجموعہ شہادت سے ایک طلاق ثابت ہوگی نہ یہ کہ جداجدا دو طلاقیں ثابت ہوں گی اور تین گواہ ہوں تو تین طلاقیں ثابت ہو جائیں یہ نرا بے اصل ہے کہ ان میں سے جداجدا کسی طلاق پر نصاب شہادت کامل نہ ہوئی اور کوئی طلاق تنہا ایک کی گواہی سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ درمختار میں ہے:

نصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالا اوغیرہ کنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان [1]۔	حقوق مذکورہ کے سوادیگر حقوق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے چاہے وہ حق مال ہو یا غیر مال جیسے نکاح وطلاق (ت)

(۳) انجمن کے سامنے صرف دو گواہ گزرے ایک پیر محمد خدمتگار ہوٹل اوڈلینڈ دوسرا اختر علی اسی ہوٹل کا آبدار، خدمتگار ان ہوٹل جن کے متعلق شراب وخنزیر وغیرہما حرام ونجس اشیاء کا خرید نا بنانا پکانا کھلانا رہتا ہے ہرگز عادل شرعی نہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض یہ لوگ ثقہ بھی ہوں تو اختر علی خود حبیبین مدعیہ کا باپ ہے اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں مقبول نہیں تو پیر محمد اکیلا رہ گیا اور ایک کی گواہی مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

لاتقبل(ای الشهادة)من الفرع لاصله وبالعکس للتهمة [2]۔	تہمت کی وجہ سے فرع کی گواہی اصل اور اس کے برعکس یعنی اصل کی گواہی فرع کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ (ت)

بحر الرائق میں ولوالجیہ سے ہے:

تجوز شهادة الابن علی ابیه بطلاق امرأته اذالم تکن لامه اولضرتها لانها شهادة علی ابیه وان کان لامه او لضرتها لاتجوز لانها شهادة	بیٹے کی گواہی باپ کے خلاف کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے جائز ہے بشرطیکہ وہ گواہی اس کے بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں نہ ہو کیونکہ یہ گواہی باپ کے خلاف ہے (نہ کہ اس کے حق میں جو ناجائز ہے) اور اگر وہ

[1] درمختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] درمختار کتاب الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

لامہ[1] الخ وقد بسط الکلام ویظھر بھذا ان ھذا ھو اصح مایعتمد علیه لشھادۃ مسائل کثیرۃ منقولة عن الجامع الکبیر۔	گواہی بیٹے کی ماں یا اس کی سوکن کے حق میں ہو تو ناجائز ہے کیونکہ یہ شاہد کی شہادت اس کی ماں کے لئے ہوئی الخ۔ صاحب بحر نے اس پر مفصل کلام کیا اور اس سے ظاہر ہوا کہ یہی اصح اور شہادت کے بارے میں ان مسائل کثیرہ کے لئے معتمد علیہ ہے جو جامع کبیر سے منقول ہے۔(ت)

بالجملہ فیصلہ محض بے بنیاد ہے اور طلاق ہر گز ثابت نہ ہوگی ڈگری غلط دی گئی، ہاں اگر واقع میں شمس الدین نے حسینین کو تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اللہ عزوجل جانتا ہے ہر ظاہر وپوشیدہ کو۔ اللہ سے ڈرے اور حق نہ چھپائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱: ازریاست رامپور کوچہ لنگر خانہ مرسلہ سراج الدین صاحب آہنگر ۱۰/رجب مرجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اہل اسلام بیچ اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے جو بذات خود اپنے شوہر سے ناراض نہیں ہے اس کا باپ اس کے شوہر سے ناراض ہے اور اس کا باپ چاہتا ہے کہ شوہر اول سے چھڑا کر بجائے دیگر مالدار اس کا عقد کرادے۔ عورت اپنے باپ کے پاس اور اس کے قبضہ میں ہے اس کے باپ نے اس عورت کی طرف سے وکالتاً دعوی باطلہ اثبات طلاق کا عدالت میں دائر کردیا، اس مقدمہ میں بذات خود عورت کا بیان یا اظہار نہیں ہوا ہے، شوہر کو دینے طلاق سے قطعاً انکار ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہر گز ہر گز طلاق نہیں دی ہے، عورت کی طرف سے جو گواہان مسموع ہوئے ہیں وہ سب غیر ثقہ اور رشتہ دار اس کے باپ کے ہیں ان کی شہادت مصنوعی اور تعلیمی معلوم ہوتی ہے جس کے بابت عدالت نے جس کے روبروان کے اظہارات ہوئے ہیں تحریر کیا ہے کہ ان کے بیان میں وہم صدق بھی نہیں بلکہ گمان غالب کذب ہے، شوہر کے طرف سے جو گواہان بطلان دعوی طلاق میں پیش ہوئے ہیں وہ آدمی نیک ونمازی اور حاجی اور معززین اپنی قوم کے چودھری ہیں انہوں نے جو بیانات گفتگوئے صلح باہمی عورت اور اس کے پدر کی زبان کا بہت عرصہ بعد طلاق مبینہ کے لکھ لیا ہے اس سے وقوعہ طلاق غلط اور بے وجود ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے حاکم عدالت نے وقوعہ طلاق کو غیر ثابت قرار دیا ہے اب زوجہ کی طرف سے بناراضی اس حکم کے مرافعہ کیا گیا ہے ____________

[1] بحرالرائق کتاب الشہادات باب من تقبل شھادتہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۱۔۸۰

________ چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک حلت وحرمت کا ہے لہٰذا حاکم عدالت کو بحال رکھنا فیصلہ حاکم عدالت اول کا اولٰی ہے یا واقعہ طلاق کو حسب پیروکاران عورت ثابت قرار دینا اولٰی ہے شرعًا اولویت ہر دو امر سے کس میں ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اس مقدمہ میں نقول تجویزات ابتدائی واپیل نظر سے گزری جلیل القدر مفتی ذی علم مجوز اول نے اس بنا پر کہ گواہان طلاق عادل نہیں اور حاکم کو ان کی تحری صدق نہ ہوئی بلکہ وہم صدق بھی نہ ہوا اور ان کے کذب کا ظن غالب ہوا اور ایسے گواہوں میں تاوقتیکہ تحری صدق نہ ہو ان کی شہادت پر عمل حرام ہے اگر قاضی عمل کرے خود آثم وفاسق و مستحق عزل ہو گا دعوی طلاق باطل فرمادیا، محکمہ اپیل نے وہ حکم اس بنا پر منسوخ کیا کہ شہادتیں حلفیہ تھیں اور روبکار ریاست سے ثابت ہے کہ محض اس وجہ پر کہ گواہ مستور ہیں ان کی شہادت کو مسترد نہ کیا جائے گا کہ گواہ کا تزکیہ صرف بذریعہ حلف کافی ہے نیز اس کی یہ تائید پیش کی کہ پدر مدعیہ نے قسم ایسی بحوالہ قرآن شریف لرز کر کھائی کہ مدعا علیہ کچھ بول نہ سکا، یہ دونوں تجویزوں کا خلاصہ ہے، دارالافتاء شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت گار ہے حکم اللہ ورسول کے لئے ہے "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[1] (نہیں ہے حکم مگر اللہ کے لئے۔ت) کسی شخص کو جب کہ مسلمان ہو، رعیت ہو خواہ حاکم وافسر، والی ملک ہو خواہ سلطان ہفت کشور، حکم خدا ورسول کے حضور اصلاً مجال دم زدن نہیں، الاسلام گردن نہادن نہ کہ گردن کشیدن (اسلام گردن جھکانے کا نام ہے نہ کہ گردن کھینچنے کا۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ﴿ؕ۳۶﴾"[2]	کسی مسلمان مرد یا عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کوئی حکم فرمادیں تو انہیں اپنا ذاتی کوئی اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔

شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ شریعت ابدیہ غیر منسوخہ ہے قیامت تک جس کا کوئی حکم بدلا نہیں جاسکتا، سلطان بلکہ سلطان سے بھی بڑھ کر خلیفہ روئے زمین کو اصلاً اختیار نہیں کہ روبکار یا دستور العمل اس کے کسی حکم کے خلاف نافذ کریں، نہ ہرگز حکام کو حلال ہے کہ ایسے روبکار وغیرہ پر

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

عمل کریں، نہ ہرگز حاکمان مرافعہ کو جائز ہوسکتا ہے کہ ایسے کسی حکم کو برقرار رکھیں، مسلمان حاکم یا رئیس یا سلطان کیونکر ان سخت جانگزا وعیدوں کو سہو و محو کرسکتے ہیں، جو واحد قہار عزجلالہ نے قرآن عظیم میں "مَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ"[1] (جو اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے پر فیصلہ نہ کرے۔ت) پر فرمائی ہیں، شریعت مطہرہ کے حکم سے **اولا** مفتی محکمہ ابتدائی کا وہ حکم سرے سے قابل اپیل ہی نہ تھا محکمہ ججی پر لازم تھا اپیل سنتا ہی نہیں کہ وہ حکم ایک عام حاکم عالم عادل نے کیا تھا اور ایسے حکم کا مرافعہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس سے یقینا حکم میں خطائے بین واضح ظاہر واقع ہوئی ہو جس میں اصلاً جائے تردد نہیں یہاں تک کہ اگر اس کا حکم خطا ہونا محتمل و مشکوک ہو جب بھی اپیل مسموع نہیں کہ احتمال خطا ظہور خطا نہیں نہ کہ حکم صاف صواب مطابق شرع واقع ہو پھر اپیل کی جائے ایسی اپیل زنہار قابل سماعت نہیں، معین الحکام میں ہے:

القاضی نظرہ فی احکام غیرہ مختلف. فاما العالم العدل فلا یعترض لاحکامہ بوجہ قال ابو حامد علی القاضی ان لایتعرض لقضیۃ امضاھا الاول الاعلی وجہ التجویز لھا ان عرض فیھا عارض بوجہ خصومۃ، فاما علی وجہ الکشف لھا والتعقیب فلا وان سألہ الخصم ذٰلک، وھذا فیما جھل حالہ من احکامہ ھل وافق الحق اوخالفہ فھذا الوجہ الذی نفی عنہ الکشف والتعقیب الا ان یظھر لہ خطابین ظاھر لم یختلف فیہ وثبت ذٰلک عندہ فیردہ ویفسخہ عن المحکوم بہ علیہ[2]۔	قاضی کا دوسرے قاضی کے فیصلوں پر نظر کرنا مختلف فیہ ہے لیکن عالم عادل قاضی کے فیصلوں میں کسی طرح تعرض نہیں کیا جائیگا۔ ابو حامد نے کہا قاضی پر واجب ہے کہ وہ کسی ایسے فیصلہ کا تعرض نہ کرے جسے قاضی اول نافذ کرچکا ہے، ہاں اس فیصلہ کو جائز قرار دینے کے لئے تعرض کرے گا جبکہ بطور خصومت اس فیصلہ کو کوئی عارضہ لاحق ہو، لیکن بطور تفتیش و مواخذہ اس کا تعرض نہیں کرسکتا اگرچہ فریق مخالف اس کا مطالبہ کرے، اور یہ اس صورت میں ہے جب قاضی اول کے فیصلے کا حال مجہول ہو کہ وہ حق کے موافق ہے یا مخالف اور تفتیش و مواخذہ کی نفی کا تعلق بھی اسی صورت کے ساتھ ہے مگر جب قاضی اول کے فیصلہ میں کھلم کھلا خطا ہو جس میں کسی کو اختلاف نہ ہو اور قاضی ثانی کے ہاں وہ پایہ ثبوت کو پہنچ جائے تو وہ قاضی اول کے فیصلہ کو منسوخ اور محکوم بہ سے اسے رد کرسکتا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی نقض القاضی احکام غیرہ مصطفی البابی مصر ص ۳۰

اسی میں ہے:

قیام المحکوم علیه بطلب الحکم عنه ان کان قیامه علی القاضی العالم العادل لم تسمع دعواه[1]۔	محکوم علیہ اگر اپنے خلاف فیصلہ کی منسوخی کا مطالبہ کرے تو عالم عادل قاضی کے خلاف اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ (ت)

فواکہ بدریہ پھر غمز العیون قاعدہ اولٰی نوع ثانی میں ہے:

قضاء القاضی العدل لایتعقب ویحمل حاله علی السداد بخلاف غیره[2]۔	عادل قاضی کے فیصلہ پر مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور اس کے حال کو درستگی پر محمول کیا جائے گا بخلاف غیر عادل قاضی کے۔ (ت)

ثانیًا: گواہوں پر حلف رکھنا **اول:** تو خود ہی باطل ہے یہاں تک کہ ہمارے علمائے کرام نے فرمایا اگر سلطان قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے علماء پر فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ اے بادشاہ! وہ حکم نہ دے کہ نہ مانیں تو تیرا غضب ہو اور مانیں تو اللہ عزوجل کا غضب۔ اشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے:

وھذا نظم الدر، امر السلطان انما ینفذ اذا وافق الشرع والافلا، اشباہ من القاعدة الخامسة وفوائد شتی، فلو امر قضاته بتحلیف الشهود وجب علی العلماء ان ینصحوہ یقولوا له لاتکلف قضاتك الی امر یلزم منه سخطك او سخط الخالق تعالٰی[3]۔	یہ در کی عبارت ہے کہ امر سلطان اسی وقت نافذ ہوگا جب موافق شرع ہو ورنہ نہیں، اشباہ کے پانچویں قاعدے اور فوائد متفرقہ میں ہے کہ اگر سلطان اپنے قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے تو علماء پر واجب ہے کہ اس کو نصیحت کریں اور کہیں کہ تو اپنے قاضیوں کو ایسی چیز کا مکلّف مت بنا جس سے تیری (بصورت ترک) یا اللہ تعالٰی کی (بصورت عمل) ناراضگی لازم آئے۔ (ت)

ولہٰذا علامہ محقق علی مقدسی نے تہذیب کا کلام آئندہ نقل کرکے رد فرمایا۔ منحۃ الخالق

---

[1] معین الحکام کتاب القضاۃ فصل فی قیام المحکوم علیه بطلب فسخ الحکم عنه مصطفی البابی مصر ص ۳۴

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

میں ہے:

قال العلامة المقدسی بعد ذکر مافی التهذیب لا یخفی انه مخالف لما فی الکتب المعتمدة[1]۔	علامہ مقدسی نے تہذیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا مخفی نہ رہے کہ یہ کتب معتمدہ کی تصریحات کے مخالف ہے۔(ت)

دوم بعض متاخرین کہ برخلاف مذہب اس طرف گئے وہ اسے قاضی مجتہد کی رائے پر رکھتے ہیں اور اب صدہا سال سے کوئی قاضی مجتہد نہیں، ابوالسعود ازہری پھر طحطاوی علی الدر پھر ردالمحتار میں ہے:

نقل عن الصیرفیة جواز التحلیف وهو مقید بما اذا رأہ القاضی جائزا ای بان کان ذارأی اما اذا لم یکن له رأی فلا[2]۔	صیرفیہ سے منقول ہے کہ گواہوں سے حلف لینا جائز ہے، یہ جواز مقید ہے اس صورت کے ساتھ کہ قاضی اس کو جائز سمجھے جبکہ قاضی اہل رائے ہو اور اگر وہ اہل رائے نہ ہو تو حلف مذکور جائز نہ ہوگا۔(ت)

شامی میں ہے:

والمراد بالرأی الاجتهاد[3]۔	رائے سے مراد اجتہاد ہے۔(ت)

سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان بعض کا برخلاف مذہب اس طرف میل اس ضرورت سے تھا کہ حلف کے سبب حاکم کو ان کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو، بحر میں تہذیب قلانسی سے ہے:

فی زماننا لما تعذرت التزکیة بغلبة الفسق اختار القضاة کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشهود لغلبة الظن[4]۔	ہمارے زمانے میں چونکہ فسق کے غلبہ کی وجہ سے گواہوں کا تزکیہ متعذر ہوگیا ہے لہٰذا غلبہ ظن کے حصول کے لئے قاضیوں نے گواہوں سے حلف لینے کو اختیار کیا جیسا کہ ابن ابی لیلٰی کا مختار ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ ان متاخرین کے زمانے تک تھا جب تک جھوٹے حلف سے مستور لوگ پرہیز کرتے تھے

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

[4] بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۶۳

خصوصًا پرائے لئے، اور اس زمانے میں جھوٹے حلف ایک بات ہوگئے لاکھوں کی گنتی پر ہوں گے جو روپے دو روپے بلکہ اس سے بھی کم پر بلکہ نری خاطر دوستی یا فریق ثانی سے ادنٰی رنجش یا کسی خفیف بے معنی غرض کے لئے حلف کے پھکنے اڑاتے ہیں تو وہ ضرورت جس کے لئے مذہب سے عدول ہوتا ہو اصلًا مندفع نہیں، اب یہیں دیکھئے کہ یہ گواہیاں حلفی تھیں اور تجربہ کار دانا ذی علم مجوز کو غلبہ وظن صدق درکنار وہم صدق بھی نہ ہوا بلکہ غلبہ ظن کذب ہی رہا، ہر عاقل جانتا ہے کہ اب اگر صرف حلف گواہان کو قائم مقام تزکیہ مانا جائے تو ہزاراں ہزار دروازہ ظلم کھل جائیں لوگ چار چار آنے کے دو گواہ حلفی گزار کر مخلوق کی جائدادیں لے جائیں جوروئیں چھین لیں وہ فساد اٹھے جس کا بیان ناممکن ہو تو اب اس قول مرجوح بلکہ مخالف اجماع مذہب کے طرف میل باطل محض وخرق اجماع وجہل صرف تو تھا ہی کہ درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	قول مرجوح پر فیصلہ اور فتوٰی دینا جہل اور خلاف اجماع ہے۔ (ت)

فتح ابواب ظلم وقطع گردن مظلومان بھی ہوگا ولا یرضاہ من لہ عقل ودین (کوئی عاقل اور دیندار اس کو پسند نہیں کرتا۔ت) سائل اولیت پوچھتا ہے کہ فیصلہ اول بحال رکھنا اولٰی ہے یا طلاق ثابت قرار دینا، اولویت کیسی، حاکم مرافعہ اولٰی کہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اطاعت چاہے اور احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں اپنی حاضری وبازپرس سے ڈرے اس پر لازم فرض ہوگا کہ حکم ججی کو منسوخ اور فیصلہ اولٰی کو بحال کرے۔ رہی وہ تائید کہ پدر مدعیہ نے لرز کر حلف کیا اور مدعا علیہ نہ بولا ایسی بات ہے جسے نہ شرع سے تعلق نہ علم سے لگاؤ۔ پدر مدعیہ یہاں خود مدعی مخاصم ہے مدعی کا حلف اگر سن لیا جائے تو ہر جھوٹا جیتے اور حق وانصاف کے گلے کا تسمہ نہ لگا رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[2] رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔	اگر لوگوں کو ان کے دعوٰی کے سبب سے دیا جائے تو کچھ لوگ دوسروں کے خون اور مال کا دعوٰی کرینگے لیکن قسم مدعی علیہ پر ہے۔ اس کو شیخین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] درمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۴، صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالٰی ان الذین یشترون بعھد اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۵۳

ریاست اسلامی کے حکام پر لازم ہے کہ احکام اسلام ہی کا اتباع کریں اللہ تعالٰی توفیق دے، آمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲: مسئولہ ابو محمد یوسف حسین متعلّم مدرسہ اسلامیہ ساپور ۲۰ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور بھائی عمرو موجود ہیں، ہندہ نے جائداد کا دعوٰی کیا ہے، عمرو یہ ثابت کرتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا، ہندہ کی طرف سے نکح نے شہادت دی ہے کہ میں نے نکاح پڑھا ہے، اور ہندہ کی بہن فاطمہ نے بھی شہادت دی ہے کہ نکاح ہوا، شاہدین انکار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے ملازم ہیں، مگر بہت سے لوگ جن سے زید نے اپنے نکاح کا اقرار کیا ہے شہادت دیتے ہیں کہ ہم سے زید نے نکاح کا اقرار کیا ہے، ایسی صورت میں ہندہ مستحق جائداد ہے یا نہیں؟ فتح القدیر میں ایک صورت درج ہے جو تحریر کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی اقرار الزوج معتبر ہے:

واذاجحد احد الزوجین النکاح فاما اصلہ او شرطہ ففی اصلہ لوجحد الزوج فاقامت بینۃ بہ اوعلی اقرارہ قبلت ولایکون جحودہ طلاقا[1]۔ فتح القدیر ص۱۵اس ۱۳ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔	اگر زوجین میں سے کوئی اصل نکاح یا شرط نکاح کا انکار کردے تو اصل کی صورت میں اگر زوج منکر ہے اور زوجہ نے نکاح پر یا شوہر کے اقرار پر گواہ قائم کردئے تو ان کی گواہی قبول کرلی جائے گی اور شوہر کا انکار طلاق نہ ہوگا۔ (ت)

امید کہ جواب براہ کرم جلد مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:

نکاح پڑھانے والے کی گواہی مذکور معتبر نہیں لانھا شھادۃ علی فعل نفسہ وشھادۃ المرء علی فعل نفسہ لاتقبل[2] کما فی خزانۃ وغیرہا (کیونکہ یہ اپنے ہی فعل پر گواہی ہے اور کسی شخص کی گواہی اس کے اپنے فعل سے قبول نہیں کی جاتی جیسا کہ خزانہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور بہن تنہا شاہد ہے بلکہ نصف، البتہ اقرار زوج پر اگر دو شاہد قابل قبول گواہی دیتے ہیں تو کافی ہے کہ وارثان زوج قائم مقام زوج ہیں اور اقرار زوج زوج پر حجت اور اس کے لئے عبارت مذکور فتح القدیر کفایت۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشھادات فصل ومن الشھادۃ الباطلۃ الخ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۳

مسئلہ ۲۳: از احمد آباد گجرات محلّہ چھیپان پانچ پیپلی مکان چھیپان سلطان جی علی جی کوڑے والے مسئولہ پیرزادہ غلام نبی صاحب ۱۷/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ان دنوں شہر ناگور ضلع جودھپور مارواڑ میں ایک انجمن کمیٹی مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ کے نام سے مقرر ہوئی جس میں ممبران ومنتظمان بازار کے بیٹھنے والے مثل دکاندار کفن وخوشبوفروش برائے مردہ ودلال ہیں ان کی شہادت شرع شریف کے نزدیک مقبول یا باطل، اور ایسے اشخاص قابل ممبر مدرسہ ہوسکتے ہیں یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہمارے بلاد میں کوئی پیشہ ور صرف کفن فروشی پر قناعت نہیں کرتا بزاز کپڑا بیچتا ہے اسی سے کفن بھی لیا جاتا ہے اسی سے شادی کے کپڑے اسی سے روزانہ پہننے کے۔ یونہی کوئی خاص حنوط فروش بھی نہیں کافور وغیرہ عام کاموں کے لئے جن دکانوں سے ملتے ہیں انہیں سے اس کے لئے بھی حاصل کئے جاتے ہیں اس کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہاں دلال کا کام وکلاء کی طرح جھوٹ سچ ملانا ہے اور ان کی گواہی ضرور مردود، اور انہیں کسی جلسہ دینیہ کا منتظم بنانا نہ چاہئے۔ اسی طرح وکلاء مختار وغیرہم تمام ان لوگوں کو جن کے پیشے یا دیگر افعال علانیہ فسق ہوں جیسے داڑھی منڈانا وغیرہ۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لانہ فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیہم اہانتہ شرعا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ فاسق کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے جبکہ مسلمانوں پر ان کی توہین شرعًا واجب ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدیث فی الصلوٰۃ مطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

کتاب القضاء والدعاوی

(قضاء اور دعوٰی کا بیان)

مسئلہ ۲۴: از رام پور ۱۳/ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی، بعد وفات ہندہ کے زید اجنبی اپنے آپ کو شوہر ہندہ ظاہر کرتاہے اور ثبوت دعوٰی میں دو مرد اور دو عورتیں پیش کرتا ہے، مردوں کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے جو ہم سے پردہ کرتی تھی پردے کے اندر سے نکاح خواہ کو جو باہر بیٹھا تھا اجازت دی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھادو، مسماۃ مکان کے اندر اور ہم سب لوگ صحن میں باہر بیٹھے تھے، عورتوں کا بیان ہے کہ ہم مسماۃ ہندہ کے قریب بیٹھے تھے مسماۃ متوفیہ نے نکاح کا خود اقرار کیا تھا، اس صورت میں دعوٰی زید کا ثابت ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر گواہان مذکور کا بیان صرف اسی قدر ہے جو سائل نے تحریر کیا تو وہ شہادتیں محض ناکافی وبیکار ہیں قطع نظر بہت وجوہ خلل ونقصان کے دونوں مردوں کی گواہی اثبات زوجیت سے متعلق ہی نہیں، نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا نہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی زوجہ تھی بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہندہ نے فلاں کو اپنے نکاح کا وکیل کیا اس سے اگر ثابت ہوگی تو اس کی وکالت، اور وکالت مستلزم وقوع تزویج نہیں **کمالایخفی** (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) تو دعوائے مدعی وبیان گواہان اصلاً مطابق

نہیں، اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ایسی شہادت محض مہمل ہوتی ہے۔

فی الفتاوی الھندیۃ والخیریۃ وغیرہما الشہادۃ ان وافقت الدعوٰی قبلت والالا [1]۔	فتاوٰی ہندیہ وخیریہ وغیرہما میں ہے شہادت جب دعوٰی کے موافق ہو قبول ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

رہیں دونوں عورتیں ان کا بیان بھی اگر اور وجوہ سے سالم مان لیا جائے تو یوں نامقبول ہے کہ نصاب کامل نہیں تنہا عورتوں کی گواہی ہرگز مثبت نکاح نہیں ہوسکتی،

فی الدرالمختار نصابہا لغیرہا من الحقوق کنکاح رجلان اورجل وامرأتان ولم تقبل شہادۃ اربع بلا رجل اھ [2] ملخصًا، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے: شہادت کا نصاب حقوق وغیرہ مثلًا نکاح میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، اور مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہیں اھ ملخصًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا سا کوچہ غیر نافذہ چند قدم کی مسافت کا جس میں گنتی کے گھر ہیں، شارع عام سے مغرب کی طرف جاکر شمال پھر مغرب پھر شمال کو گیا اور سربستہ ہوگیا اس کوچہ کے سرے پر زید کا مکان واقع ہے جس کی شرقی دیوار میں شرق رویہ دروازہ شارع عام کے قریب ہے اور اس کے آگے چند گز کا صحن جس سے اترتے ہی شارع عام کا کنارہ ہے اس مکان کی جنوبی ومغربی دیواریں اس کوچہ غیر نافذہ میں ہیں زید نے دیوار جنوبی میں ایک جدید دروازہ کوچہ سربستہ کی طرف نکالا اور اس کے آگے خاص اس راستے کی زمین میں ایک سیڑھی دروازہ پر جانے کو بنائی بعض ساکنان کوچہ اس فعل پر ناراض ہیں آیا یہ دروازہ نکالنا اور سیڑھی بنانا اسے جائز تھا یا ناجائز، اور وہ اس فعل سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اس نے حق غیر میں ناحق تصرف کرکے ظلم کیا یا نہیں اور اس سیڑھی کا کھود ڈالنا اور دروازے کا بند کردینا شرعًا اس پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ایسے تصرف کے جائز ہونے کے لئے تمام ساکنان کوچہ کی رضامندی چاہئے یا اکثر کی رضا کافی ہے اگرچہ بعض ناراض ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع فی الاختلاف نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۴

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

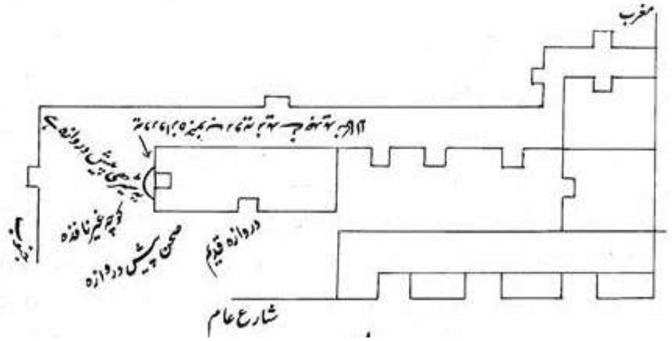

الجواب:

بیشک صورت مستفسرہ میں زید نے ظلم کیا اور سخت گناہ میں مبتلا ہوا، اس کی جنوبی دیوار سے ختم کوچہ تک جو راستہ گیا ہے وہ صرف ان لوگوں کا حق خاص ہے جو اندر رہتے ہیں زید کا اس میں کچھ دعوٰی نہیں اس کا حق مرور فقط اس کی شرقی دیوار سے اوپر اوپر یعنی شارع عام کی طرف ہے اس کے نیچے یعنی اپنے دروازہ وصحن دروازہ کی حد سے اندر اتر کر نیا دروازہ نکالنے کا اسے کوئی استحقاق نہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے:

رجل له دار فی سکة غیر نافذة لها باب اراد ان یفتح لها بابا اٰخر اسفل من بابها اختلفوا فیه والصحیح انه لیس له ذٰلک[1]۔	کسی شخص کا بند گلی میں مکان ہو اور اس کا دروازہ بھی اس میں ہو اگر وہ دوسرا دروازہ نچلی طرف کھولنا چاہے تو فقہائے کرام نے اس میں اختلاف کیا اور صحیح یہ ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے۔ (ت)

امام خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار اپنے فتاوٰی خیریہ میں یہ عبارت نقل کرکے فرماتے ہیں: **مثله فی کثیر من کتب المذهب**[2] (بہت سی کتب میں حکم ایسے ہی ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ونقل فی التتارخانیة عن الفتاوٰی العتابیة انه لیس له ذٰلك وعلیه الفتوی[3]۔	اور تاتارخانیہ میں فتاوٰی عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو یہ حق نہیں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الصلح باب فی الحیطان نولکشور لکھنؤ ۳/ ٦١١

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۰۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۰۳

اسی میں ہے:

المتون علی المنع وھو ظاہر الروایۃ کما صرح بہ فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیہ[1]۔	متون منع پر وارد ہیں اور یہی ظاہر روایت ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں اس کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

اور خاص راستے کی زمین میں سیڑھی بنانا اور زیادہ ظلم اشد وگناہ عظیم ہے جب دروازہ نکالنا ناجائز ہوا حالانکہ وہ اپنی دیوار میں ایک عمارت تھی راستے کی زمین اس میں نہ دبتی تھی تو خاص پرائے حق کی زمین میں تعمیر کیونکر حلال ہوسکتی ہے یہاں تک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر اس فعل سے اس کوچے والوں کا کوئی حرج بھی نہ ہو جب بھی ناجائز ہے، ہدایہ میں ہے:

لیس لاحد من اھل الدرب الذی لیس بنافذ ان یشرع کنیفا ولا میزابا الا باذنھم لانھا مملوکۃ لھم ولھذا وجبت الشفعۃ لھم علی کل حال فلا یجوز التصرف اضربھم اولم یضر الا باذنھم[2]۔	بند گلی والوں میں سے کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ بیت الخلاء یا پرنالہ گلی والوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالے کیونکہ یہ گلی ان سب کی مشترکہ ملکیت ہے اسی اشتراک کی بناپر ان سب کو ہر حال میں شفعہ کا حق ہے لہٰذا کوئی ضرر رساں تصرف ان کی مرضی کے بغیر وہاں جائز نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فی غیر النافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقا اضربھم اولا الا باذنھم[3]۔	بند کوچہ والوں میں سے کسی کو باقیوں کی اجازت کے بغیر ایسا تصرف کرنے کا مطلقاً حق نہیں جو ان کے لئے ضرر رساں ہو یا نہ ہو (ت)

اور اس قسم کا تصرف جائز ہونے کو ایک ایک ساکن کوچہ کی رضامندی درکار ہے اکثر کی رضا ہرگز کافی نہیں یہاں تک کہ اگر سو میں ایک بھی ناراض ہے تو ہرگز جواز نہیں حتی کہ اگر سب نے راضی ہو کر اجازت دے دی پھر ان میں ایک نے اپنا مکان بیچ ڈالا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ مزاحمت کرے اور ازالہ کرادے اگرچہ پہلے سب اہل کوچہ راضی ہوچکے تھے، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدیات فصل فی الحیطان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۳

[2] الھدایۃ کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۹۷

[3] درمختار کتاب الدیات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹۹

قوله الاباذنهم ای کلهم حتی المشتری من احدهم بعد الاذن لما فی الخانیة رجل احدث بناء او غرفة علی سکة غیر نافذة ورضی بها اهل السکة فجاء رجل من غیر اهلها واشتری دارا منها کان للمشتری ان یامر صاحب الغرفة برفعها اھ سائحانی [1]۔	ماتن کا قول "ان کی اجازت کے بغیر" یعنی سب کی اجازت حتی کہ اجازت کے بعد اگر کسی نے وہاں مکان خریدا تو اس کی اجازت بھی ضروری ہے، خانیہ میں ہے کسی نے بند کوچہ میں کوئی تعمیر یا کھڑکی بنائی اور کوچہ والوں نے رضامندی ظاہر کردی ہو تو باہر سے آئے ہوئے ایک آدمی نے اس کوچہ میں کوئی مکان خریدا تو خریدار کو اب حق ہے کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے اھ سائحانی (ت)

بالجملہ زید پر شرعاً واجب ہے کہ فوراً اس دروازے کو بند کرکے بطور قدیم دیوار کرلے اور سیڑھی کا نام ونشان باقی نہ رکھے ورنہ سخت وعید شدید کا مستحق ہوگا، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیٰمة الی سبع ارضین [2]۔	جو کسی قدر زمین ناحق لے لے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسادیا جائے گا۔

حکم بن حارث سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ من طریق المسلمین شبرا جاء یوم القیٰمة یحمله من سبع ارضین۔ اخرجه الضیاء والطبرانی [3] باسناد حسن۔	یعنی جو شخص مسلمانوں کے راستے میں سے ایک بالشت بھر دبالے قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبقے تک اٹھا کر اسکی گردن پر رکھی جائے گی اور اسی طرح خدا تعالٰی کے حضور حاضر ہوگا والعیاذ باللہ تعالٰی (اسے ضیاء اور طبرانی نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

زید کو چاہئے من دو من ڈھیلے گردن پر چنوا کر دیکھے اگر نہ اٹھ سکیں تو سمجھ لے کہ ساتوں طبقے کا اتنا بڑا ٹکڑا کیونکر اٹھا کر چلا جائے گا۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق عطا فرمائے۔ آمین! واللہ سبحانہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب مایحدثه الرجل فی الطریق وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸۱

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۳۱۷۲ المتکتبة الفیصلیة بیروت ۳/ ۲۱۵

وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی بڑے علم والا ہے اور اس جل مجدہ کا علم اتم واحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین متین زادھم اللہ شرفا اس صورت میں کہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان کی میر ارشد علی کے نکاح میں اور مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کی محمد عیوض علی خان کے نکاح میں تھی ہر دو زوج وزوجات نے بدون ادائے دین مہر کے وفات پائی اب ورثہ ہر دو زوجات دین مہران کا ان کے شوہروں کے متروکہ سے طلب کرتے ہیں ورثہ مسماۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خان فریق مقابل سے کہتے ہیں کہ دین مہر ہماری مورثہ کا تمہارے مورث پر اور تمہاری مورثہ کا ہمارے مورثہ پر ہے اول ان دونوں مہروں کا باہم معاوضہ اور مبادلہ کرلیا جائے بعد معاوضہ اور مبادلہ کے جس فریق کے جس قدر باقی نکلے وہ نقدًا ادا کی جائے اور جو نقدًا ادا نہ ہوسکے تو جائداد باقی دار سے مطالبہ کیا جائے، در جواب اس کے ورثہ مسماۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کہتے ہیں کہ جو جائداد محمد عیوض علی خان پر بعوض دین مہر اپنے موروثہ کی ہم نے قبضہ کرلیا ہے ہم وہی جائداد دیں گے اور مقابلہ اور معاوضہ دین بالدین نہیں کریں گے دریں صورت از روئے شرع شریف حق بجانب کس فریق کے ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس حالت میں مہر زر نقد ہے اور جائداد اس کی جنس سے نہیں پس ورثہ مہر النساء جائداد پر قابض ہونے سے بے رضائے ورثہ راحت النساء اس کے مالک نہ ہوگئے ہر دو مہر باہم مقاص ہو کر اگر ایک کا مہر زائد ہو ما بقے کی نسبت دوسری عورت کے ورثہ کو اختیار ہے خواہ زر نقد دین یا جائداد سے ادا کریں،

فی بحث الدین من الاشباہ والنظائر وایفاؤہ و استیفاؤہ لایکون الابطریق المقاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ [1] الخ وفی مبحث الملك منہ وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا [2] قال العلامۃ حموی	اشباہ ونظائر کے دین کے باب میں ہے کہ اس کا پورا لین دین سوائے ادل بدل کے جائز نہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں الخ، اور اس پر ملک العلماء کی بحث میں ہے وارث کو حق ہے کہ وہ قرضہ ادا کرکے ترکہ کی خلاصی کرائے اگرچہ وہ تمام ترکہ قرضے میں بند ہو۔ علامہ حموی نے اس پر

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۵

تحت قوله ولاینفذ بیع الوارث الترکة المستغرقة بالدین وانما یبیعه القاضی اقول: ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم [1] الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب و الیه تعالٰی المرجع والمآب۔	فرمایا: اور وارث کا ایسے ترکہ کو فروخت کرنا جو تمام کا تمام قرض میں بند ہے جائز نہیں اس کو صرف قاضی فروخت کرے گا۔ میں کہتا ہوں وارثوں کی موجودگی میں فروخت کرنا مناسب ہوگا کیونکہ ان کو حق ہے کہ وہ ترکہ کو روک لیں اور قرض خود ادا کریں الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیه تعالٰی المرجع والمآب۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے آپ کو بنت لیلٰی اور دختر زید کہا کہ اور تمام کاغذات میں اور دستاویزات میں ہمیشہ اپنا حسب یونہی لکھا اور زینب باوجود سکونت یک شہر ویک محلّہ وموافقت سالہا سال ہندہ کی کہ دونوں اسی حال پر سن رسیدہ ہوگئیں، اپنے آپ کو مجہول النسب کہتی اور کاغذات میں بنت نامعلوم لکھتی، اس بناء پر جب زینب نے سمجھا کہ اب موت قریب آئی اور میرے کوئی وارث شرعی نہیں چہارم نومبر ۱۸۶۸ء کو ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو اپنی کل جائداد کی وصیت اپنی دختر منی اور مختار سربراہ کار کے نام کردی اور لکھ دیا کہ یہی دونوں بعد میرے میری کل جائداد کے مالک وارث ہوں گے، اس وصیت وتکمیل وصیت کے چند عرصہ بعد زینب نے بتاریخ ۱۹ فروری ۱۸۷۰ء قضاء کی، اس کے انتقال کرتے ہی ایک شخص اجنبی نے براہ غصب اس تمام جائداد پر قبضہ کرلیا موصی لہا نے بربنائے وصیت دعوی کیا کہ بعد تنقیح تمام وہ وصیت بحکم شرع فتوائے علماء سے صحیح ونافذ وتام ولازم قرار پاکر ۱۱ جنوری ۱۸۷۲ء کو حکام وقت کے یہاں سے وہ جائداد موصی لہا کو مل گئی یہ سب واقعات ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو ہوئے لیکن کسی نے ترکہ زینب پر دعوی نہ کیا نہ اپنا کچھ استحقاق بتایا اور اس سے پہلے ماہ جون ۱۸۷۲ میں حکام وقت کی طرف سے جائداد کو لاوارثی قرار دے کر دعوی یہی ہوا کہ محکمہ بالا سے اسی بنا پر کہ پہلے سے کیوں نہ کہا تھا خارج ہوگیا، اس تحقیق وتنقیح اور لاوارثی ٹھہرانے اور دعوی دائر ہونے کے وقت بھی ہندہ اور اولاد ہندہ نے خبر نہ لی نہ اپنی وراثت کا ادعا کیا، جب موصی لہا کو جائداد ملی انہوں نے فوراً اس میں تصرفات مالکانہ شروع کردئے، نصف جائداد تو اسی وقت ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے عوض میں دی کہ اس نے اوروں کے ہاتھ بیچ کر سب برابر کردی، نصف باقیماندہ پر بلامنازعت منازع خود

---
[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث، القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیه کراچی ۲/ ۲۰۵

قابض ومتصرف رہی بلامزاحم اس کے تحصیل تشخیص کرتے اور اپنے صرف خاص میں لاتے اور ان سب امور پر بھی ہندہ واولاد ہندہ کو خوب اطلاع تھی کہ وہ سب اسی شہر میں حاضر موجود تھے نہ کہ غائب ومفقود، بلکہ اسی عرصہ میں موصی لہانے اس نصب باقیماندہ سے بھی چند دیہات بیچ ڈالے کہ اب معدود باقی ہیں اور جب سے مشتریان تصرفات مالکانہ کرتے ہیں ہندہ واولاد ہندہ نے تصرف بیع وانتقال کے وقت بھی کبھی دعوی نہ کیا یہاں تک کہ ۱۳/اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ہندہ فوت ہوگئی ورثہ ہندہ اس کے مرے پر بھی دوسال سے زیادہ تک محض ساکت رہے اب باغوائے بعض مردان ۱۹فروری ۱۸۸۲ کو موصی لہاپر بریں بنا دعوی دائر کیا کہ زینب موصیہ اور مدعیوں کی ماں ہندہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں ہندہ زینب کی وارث ہوئی اور ہم ہندہ کے ورثاء ہیں اور اظہار کرتے ہیں کہ ہندہ زینب کو اپنی بہن کہتی ہے اور شاید بعض دستاویزیں بتائیں کہ ان میں ہندہ بہن اور ہم ہمشیرزادہ لکھے گئے، آیا یہ دعوی ان کا شرعًا قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

دعوی مدعیان ہرگز قابل سماعت نہیں، نہ کوئی ٹکڑا جائداد کا موصی لہا سے انہیں دلایا جائے نہ اب اس وصیت کے نفاذ ولزوم میں کلام ہوسکے، ہندہ اور ورثائے ہندہ کا اس مدت مدید تک سکوت اور باوصف ان واقعات مختلفہ وگیرودار وکشمکش سالہاسال وتصرفات وبیع وانتقال کے مطلق تعرض نہ کرنا وقرینہ واضحہ ہے کہ یہ دعوی ان کا محض مکروتزویر وتلبیس وفریب ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرف مالکانہ کرتے رہے یا وہ بیع خواہ ہبہ خواہ اور طرح سے دوسرے کو تملیک کردے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی عاقل بالغ جو اسی شہر میں موجود اور ان حالات پر مطلع ہو اور اب تک ارجاع دعوی سے کوئی عذر معقول قابل قبول اسے مانع نہ ہو، دعوی کرنے لگے یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی جہت اور متصرف کے مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا۔

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ مزیدۃ علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل	سیدی محمد بن عبداللہ الغزی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتوی میں ہے آپ سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس کا ایک حویلی میں مکان ہے وہ اس میں تین سال سے زائد مدت سے رہائش پذیر چلا آرہا ہے اور وہ پڑوس والے کے علم اور اطلاع کے

المذکور یتصرف فی البیت المزبورۃ ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما وبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی انتھی[1]، وفی فتاوی الفاضل المحقق خیر الملۃ و الدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستۃ اذرع من ارض بیدالبائع وبنی بھا بناء و تصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویریدھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذٰلك ام لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری و رؤیۃ امہ لہ واطلاعھا علی الشراء المذکوروالتصرف المزبور مدۃ مدیدۃ ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ و الحال ماذکر اعلاہ لان علمائنا نصوافی متونھم و شروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولو کان اجنبیا	باوجود اس مکان میں گرانے بنانے کے تصرفات مدت مذکورہ میں کرتا چلاآرہا ہے، تو مدت مذکورہ میں تصرفات مذکورہ کے باوجود پڑوسی اس کے کل یا بعض مکان پر بعد میں دعوی کرے تو کیا یہ دعوی مسموع ہوگا یا نہیں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا نہیں سنا جائے گا، اسی پر فتوی ہے اھ، فاضل محقق الملۃ والدین الرملی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جس نے دوسرے شخص کی مقبوضہ زمین میں سے چھ گز زمین خریدی اور وہاں تعمیر کی اور تصرفات کئے پھر اس کے بعد ایک اور شخص نے اس خرید کردہ زمین میں سے ساڑھے تین قیراط پر دعوی کردیا کہ یہ حصہ مجھے میری ماں سے میراث میں ملا ہے اور وہ اس تعمیر کو گرانا چاہتا ہے حالانکہ اس کی ماں خریدار کی تعمیر اور تصرفات کو زندگی میں دیکھتی رہی ہے تو کیا اس دعوی کا اس کو حق ہے یا نہیں ____________ حالانکہ ماں کو اس زمین کی خرید و فروخت اور اس پر خریدار کے تصرفات کی اطلاع مدت بھر رہی، کیا یہ دعوی مسموع ہوگا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا جب کہ مذکورہ بالاحالات تھے، کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں تصریح کی ہے کہ خریدار کا مبیع چیز پر، فریق مخالف اگرچہ اجنبی ہو،

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

بنحوالبناء والغرس والزرع یمنعه من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لا تسمع دعواه ویجعل سکوته رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرار بانه ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیة الفقهاء رای غیره یبیع عروضا فقبضها المشتری وهو ساکت وترك منازعة، فهو اقرارمنه بانه ملك البائع انتهی[1]، وفیها سئل فی رجل تلقی بیتا عن والده وتصرف فیه کما کان والده من غیرمنازع ولامدافع مدة تنوف عن خمسین سنة والاٰن برزجماعة یدعون البیت لجدهم الاعلٰی، فهل تسمع دعوٰهم مع اطلاعهم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائهم وعدم مانع یمنعهم عن الدعوی، اجاب لاتسمع هذه الدعوی[2]،

کی اطلاع کی موجودگی میں، تعمیر، زراعت اور پودوں کی کاشت جیسے تصرفات کرنا اس فریق کے دعوی کے مسموع ہونے کے لئے مانع ہے، اور صاحب منظوم نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ ایسے دعوی کے نامسموع ہونے پر متفق ہیں اور جھوٹ، لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کے خاتمہ کے لئے مخالف فریق کے سکوت کو بیع پر رضامندی اور اس کی موجودگی اور عدم تنازع کو یہ اقرار تصور کیا جائے گا کہ زمین فروخت کرنیوالے کی ملکیت تھی، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھا اور خریدار نے قبضہ کیا تو بھی خاموش رہا اور کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ اس کا اقرار متصور ہوگا کہ یہ سامان فروخت کرنیوالے کی ملک ہے اھ، اور اس میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل کیا اور اس میں اسی طرح تصرف کرتا رہا جس طرح اس کا والد اس میں بغیر روک ٹوک پچاس سال سے زائد تک تصرف کرتا رہا اور اب ایک گروہ نے اپنا دعوی کرنا شروع کردیا کہ یہ مکان اس کے جداعلٰی کی ملک ہے تو کیا ان کی تصرفات مذکورہ پر اطلاع اور ان کے باپ کو اطلاع اور دعوی سے کوئی مانع نہ ہونے کی باوجود اب ان کا یہ دعوی مسموع ہوگا، تو جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۸۸ـ۸۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۵

وفیھا عن البزازیة علیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[1] وفی الولوالجیة ثم الخیریة والحامدیة و غیرہما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اخر رای الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاہد[2] انتہی، وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شہاب الدین احمد الحلبی المصری[3]، وفی الدر المختار اذاسکت الجار وقت البیع التسلیم و تصرف المشتری فیه زرعًا وبناءً فحینئذ لاتسمع دعواہ علی ماعلیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[4] انتہی، قال خاتمة المحققین مولانا السید محمد عابدین رحمة اللہ تعالٰی علیه فی الحاشیة قوله اذا سکت الجار وغیرہ من الاجانب بالاولٰی فتخصیص الجار بالذکر لانه مظنة انه فی حکم القریب و الزوجة، قوله وقت البیع والتسلیم ای

اسی میں ہے بزازیہ کے حوالہ سے کہ اسی پر فتوٰی ہے تاکہ فاسد لالچ وغیرہ کا خاتمہ ہوسکے، ولوالجیہ، پھر خیریہ اور حامدیہ وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا رہا اور دوسرا شخص اس زمین اور اس میں ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور کوئی دعوٰی نہ کیا اور فوت ہوگیا تو اس کے بعد اس کی اولاد کا اس زمین پر دعوٰی مسموع نہ ہوگا تو اس زمین کو قابض کے تصرف میں باقی رکھاجائیگا کیونکہ حال اس کا شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ اسی پر شیخ الاسلام شہاب الدین احمد حلبی مصری نے فتوٰی دیا ہے، درمختار میں ہے جب پڑوسی خرید وفروخت اور قبضہ دینے اور خریدار کے تعمیر وزراعت کے تصرفات کو دیکھتے ہوئے خاموش رہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اب اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا تاکہ فساد طمع کو ختم کیاجاسکے اھ، حاشیہ میں خاتم المحققین مولانا سید محمد عابدین رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ماتن کا قول جب پڑوسی خاموش رہے، تو دوسرے اجنبی لوگ بالاولٰی، پڑوسی کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا کہ قرب والصاق کی وجہ سے گمان دعوٰی کا مقام ہے، اس کا قول "قبضہ اور بیع کے وقت" یعنی جب ان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۵

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۹

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۷

وقت علمه بهما کما افاده کلام الرملی السابق وقد علمت ان البیع غیر قید بل مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی، قوله زرعا و بناء المراد به کل تصرف لایطلق الاللمالك فهما من قبل التمثیل، قوله لاتسمع دعواه ای دعوی الاجنبی ولوجارا، رملی [1] وفی الخیریة وقد کثر افتاء الحنفیة عن علماء مصر یتساوی الجار مع الاجنبی فی الحکم المذکور لاشتراکها فی العلم والعلة الموجبة بعدم سماع دعوی الجار بعد تصرف المشتری زرعا وبناء علی ماعلیه الفتوی قطع الاطماع الفاسدة سدباب التزویر والتلبیس وهذاالقدر مشترك بین الجارو الاجنبی [2] الخ۔ وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة ثم ان مافی الخلاصة والولوالجیة یدل علی ان البیع غیر قید بالنسبة الی الاجنبی ولو جارا بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی [3] الخ، وفیهما بعد نقل فتوی العلامة الغزی کما ذکرناها، فانظر کیف افتی بمنع سماعها من غیر القریب بمجرد	چیزوں کا پڑوسی کو علم ہوجائے جیساکہ رملی کے کلام سے معلوم ہوا، آپ کو معلوم ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں بلکہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع سے خاموشی اس کے دعوی سے مانع ہے، اس کا قول "زراعت وتعمیر" تو اس سے مراد ہر وہ تصرف جو صرف مالک ہی کرسکتا ہے ان دونوں کا ذکر بطور تمثیل ہے۔ اس کا قول "اس کا دعوی غیر مسموع ہوگا" سے مراد یہ ہے ہر اجنبی خواہ پڑوسی ہو، کا دعوی غیر مسموع ہوگا، بحوالہ رملی، اور خیریہ میں ہے: مصر کے حنفی علماء کے فتاوٰی میں اکثر طور پر پڑوسی کو اجنبی کے مساوی حکم دیا گیا ہے کیونکہ مشتری کے زراعت وتعمیر کے تصرفات پر اطلاع کے بعد دونوں علم اور عدم سماعت دعوی کی علت میں مساوی ہیں حالانکہ فتوی کی بنیاد فاسد لالچ اور جھوٹ اور دھوکہ کو ختم کرنا اور وہ دونوں میں مشترک ہے اجنبی ہو یا پڑوسی ہو، الخ، عقود الدریہ وتنقیح الفتاوی میں ہے، کہ، پھر خلاصہ اور ولوالجیہ کے بیان میں اس بات پر دلالت ہے کہ بیع کا ذکر بطور قید نہیں کسی بھی اجنبی کے لئے خواہ وہ پڑوسی ہو بلکہ صرف تصرف پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے الخ۔ ان دونوں کتب میں علامہ غزی کے فتوی کو جسے ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد، فرمایا: دیکھو انہوں نے پہلے بیع کا دعوی نہ ہونے اور پندرہ سال یازائد

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۶۰

[3] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

التصرف مع عدم سبق البیع وبدون مضی خمس عشرۃ سنۃ او اکثر[1]، وفیها لم یقیدوہ بمدۃ ولا بموت کما تری[2]، وفیها ولیس ایضا مبنیا علی المنع السلطانی کما فی المسئلۃ الاٰتیۃ (قال الفقیر المجیب یعنی مسئلۃ عدم سماع الدعوی خمس عشرۃ سنۃ وهو مثال للمنفی لا للنفی) ثم قال بل هو حکم اجتهادی نص علیه الفقهاء کما رأیت فاغتنم تحریر هذه المسئلۃ فانه مفردات هذا الکتاب والحمد لله المنعم الوهاب[3] انتهی، وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقه بیع[4] وفیه من کتاب القضاء اما دعوی الاجنبی ولو جارا فلابد فی منعها من السکوت بعد الاطلاع علی تصرف المشتری ولم یقیدوہ بمدۃ[5] الخ وفیه من اٰخر کتاب الوقف لیس لهذا مدۃ محدودۃ

عرصہ کے ذکر نہ ہونے کے باوجود کسی بھی اجنبی کے دعوی کے غیر مسموع ہونے کو کیسے ذکر فرمایا ہے، اس میں مذکور ہے کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کسی مدت یا موت سے فقہاء کرام نے مقید نہیں کیا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ یہ کسی حاکم کے منع پر نہیں ہے جیسا کہ آئندہ مسئلہ میں آرہا ہے، مجیب کہتا ہے کہ پندرہ سال کی مدت کا ذکر عدم سماع دعوی میں منفی کی مثال ہے نفی کی نہیں، پھر فرمایا: بلکہ اجتہادی حکم ہے جیسے کہ تم فقہاء کرام کی اس پر تصریح کو دیکھ رہے ہو، اس مسئلہ کے بیان کو غنیمت سمجھو کیونکہ یہ اس کتاب کے منفرد مسائل میں سے ہے، الحمد للہ المنعم الوہاب اھ، اور ردالمحتار کے مسائل مختلفہ میں ہے: مشتری کے تصرفات پر مطلقاً اطلاع دعوی کے مانع ہے اگرچہ پہلے بیع کی اطلاع نہ پائی ہو اور اسی کتاب میں کتاب القضاء سے ہے کہ مشتری کے تصرفات پر اطلاع کے وقت سکوت کرنا اگرچہ بیع کا علم پہلے نہ ہوا ہو اجنبی خواہ پڑوسی کے دعوی کے لئے مانع ہے، اسکو انہوں نے کسی مدت سے مقید نہیں کیا الخ، اور اسی میں کتاب الوقف کے آخر میں ہے کہ اس کے لئے کسی مدت کی حد نہیں ہے۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴
[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴
[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴
[4] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳
[5] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴

واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة اذا ترکت بلا عذر فذاك فی غیر ھذہ الصورة[1] الخ۔ قال الفقیر المجیب غفراللہ تعالٰی لہ وانما اکثرنا من النقول فی ھذہ المسئلة لان منھم من وضعھا فی البیع خاصة کالعلائی فی الدرالمختار والزاھدی فی الفتیة عـــہ وابن نجیم فی الاشباہ وآخرین فی آخرو منھم من قید تصرف المشتری بالزرع والبناء کالفاضل الدمشقی فی الدروالعلامة الغزی فی التنویر اوالغرس ونحوہ ایضا کالمحقق الرملی فی الفتاوٰی ومنھم صورھا بموت المتصرف ودعوی المدعی علی ورثة کما فی فتاوٰی الخلاصة ومنھم من قررھافی عکس ذٰلك اعنی موت غیر المتصرف ودعوی ورثتہ علی المتصرف علی مافی الولوالجیة ومنھم من ادرج فی التصویر سکوتہ ھذامدة تنوف عن کذاوکذاسنة کالخیریة وغیرہ ومنھم قصرالحکم علی الجارو	لیکن پندرہ سال کے بعد دعوٰی کا غیر مسموع ہونا جبکہ بلاعذر دعوٰی ترک کیا ہو، تو اس کا تعلق اس صورت سے نہیں ہے الخ۔ مجیب غفراللہ تعالٰی کہتا ہے ہم نے اس مسئلہ میں کثیر نقول اس لئے پیش کی ہیں کہ بعض نے اس مسئلہ کو بیع میں خاص کیا ہے جیسا کہ علامہ علائی نے درمختار میں اور علامہ زاہدی نے قنیہ اور ابن نجیم نے الاشباہ میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتب میں بیان کیا، اور بعض حضرات نے مشتری کے خاص تعمیر اور زراعت کے تصرفات میں اس کو وضع کیا جیسا کہ فاضل دمشقی نے در میں اور علامہ غزی نے تنویر اور بعض نے پودے لگانے کو بھی شامل کیا ہے جیسا کہ محقق رملی نے اپنے فتاوٰی میں اور بعض نے اسکی صورت تصرف کرنیوالے کی موت کے بعد اس کے وارثوں پر مدعی کے دعوٰی کو بنایا ہے جیسا کہ خلاصۃ الفتاوی میں، اور بعض نے اس کی صورت بالعکس بیان کی یعنی غیر قابض کی موت کے بعد اس کے وارثوں کا قابض متصرف پر دعوٰی، جیسا کہ ولوالجیہ میں اور بعض نے اس میں اجنبی کی خاموشی اتنے یا اتنے سال سے زائد کو صورت میں شامل کیا ہے جیسا کہ علامہ خیر الدین وغیرہ نے، اور بعض نے اس حکم کو صرف پڑوسی تک محدود کیا اور

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ انہ "قنیة" ۱۲ عبد۔	اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ قنیہ ہے ۱۲ عبد (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

لم یفصح انه فی غیرہ جار حتی اشتبه ذٰلك علی بعض الفضلا کالسید الحموی والشیخ صالح بن عبدالله الغزی الی ان دفعه العلامة الرملی فی ماسرد نامن جواھر نصوص الفتح ان کل ذٰلك محض تصویر للمسئلة وتقریر للاسئلة من دون حصر ولاقصر وان لاتقدیر بمدة ولاتقیید بموت ولا تخصیص بجوار ولابتصرف دون تصرف بعد ان کان ممالایطلق الا للملاك ولا امتناع عن السماع قطعا للاطماع الا للسکوت وترك النزاع مع الوقف والاطلاع علی تصرف واختراع ولئلا یشتبه مانحن فیه بمسئلة عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة فانها تعم ماذاوقع التصرف اولاحصل الاطلاع ام لا وھی مسئلة تلاحمت فیها الاٰراء والاحلام و تشاجرت الظنون والافهام ومن قال فیها بعدم السماع فانما بنی الامر علی النھی السلطانی ثم اضطربت کلماتھم فی مجاریها فمن تارك لها علی الاطلاق ومن مستثن لاشیاء ثم لم یتفقوا فی المستثنیات علی کلمة واحدة ومنھم من عمم باخراج کل مافیه عذر للمدعی وھو اجمع واصوب	یہ ذکر نہ کیا کہ غیر میں بھی یہ حکم جاری ہے حتی کہ بعض فضلاء کو اشتباہ ہوگیا جیسے سید حموی اور شیخ صالح بن عبداللہ الغزی حتی کہ علامہ رملی کو اس کا دفاع کرنا پڑا، اور ہم نے فتح کے نصوص کے جواہر ذکر کئے کہ یہ تمام بیانات مسئلہ کی محض صورتیں ہیں اور سوالات کی تقریر ہے اس میں کوئی حصر، مدت کی تحدید، موت کی قید، پڑوسی کی تخصیص نہیں ہے اور نہ ہی کسی تصرف کا تعین ہے سوائے اس کے کہ یہ تصرف مالکانہ ہو اور مشتری کے تصرفات واختراعات پر اطلاع کے بعد سکوت ہو اور نزاع نہ پایا جائے تو فساد ولالچ کو ختم کرنے کے لئے دعوی کی سماعت ممتنع ہوگی اور اس لئے بھی کثیر نقول ذکر کی ہیں تاکہ اس مسئلہ کا پندرہ سال کے بعد عدم سماع والے مسئلہ سے اشتباہ نہ رہے، کیونکہ اس مسئلہ کا دائرہ عام ہے مشتری کا تصرف ہو یا نہ ہو پھر اس کی اطلاع اجنبی کو ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اور اس مسئلہ میں آراء اور دلائل، ظنون اور افہام کا ٹکراؤ ہے جنہوں نے وہاں دعوی غیر مسموع کہا ہے انہوں نے سرکاری ممانعت کی بنا پر کہا ہے پھر سرکاری ممانعت کو جاری کرنے میں فقہاء کرام کے کلام میں اختلاف ہے بعض نے علی الاطلاق اس کو جاری مانا ہے اور بعض نے بعض وجوہ سے استثناء کیا ہے پھر مستثنیات میں کسی ضابطہ پر اتفاق نہ کیا بعض نے جہاں مدعی کا عذر ہو وہاں سرکاری حکم سے علی العموم استثناء مانا ہے یہی موقف جامع اور درست ہے

ثم عظم الاعتراف فی دعوی المیراث فقوم یسمعون واٰخرون یمنعون کما فصلہ الفاضل المحقق العلامۃ سیدی امین الدین الشامی فی العقود الدریۃ ومنسوۃ عـــہ وردامر الامارۃ مع استثنائھا واٰخرھی بدونہ کما ذکرہ ایضا فی ردالمحتار بخلاف مانحن فیہ فلا یقدر بمدۃ ولایبتنی علی نھی وانما ھی حکم من الفقھاء الکرام قطعا لمادۃ الزور والتلبیس کما قد سمعت وھذا مما یستوی فیہ دعوی الارث وغیرہ ولذا راٰیتھم مطلقین القول ھھنا من دون تخصیص ولا استثناء و لاجرم ان افتی بہ الرملی فی مسئلتین مسوقتین فی دعوی الارث کما قرأنا علیك فافھم و تثبت فان المقام مزلۃ الاقدام۔	پھر بڑی معرکہ آرائی میراث کے دعوی میں ہوئی بعض نے اس دعوی کو قابل سماعت قرار دیا اور بعض نے غیر مسموع قرار دیا جیسا کہ اس کی تفصیل فاضل محقق علامہ سیدی امین الدین شامی نے عقود الدریۃ میں فرمائی اس اختلاف کا منشاء اور وجہ امیر کا حکم ہونا ہے کہ یہ حکم قابل استثناء ہے یا نہیں، جیسا کہ یہ بھی ردالمحتار میں مذکور ہے، اس تفصیل کے برخلاف ہمارے زیر بحث مسئلہ میں تو نہ کوئی مدت مقررہ ہے اور نہ ہی یہ سرکاری حکم منع پر مبنی ہے بلکہ یہ فقہاء کرام کا اجتہادی حکم ہے جو کہ جھوٹ اور جعل سازی کے خاتمہ کے لئے ہے جیسا کہ آپ نے سنا، اور اس میں وراثت اور غیر وراثت کا دعوی مساوی ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں فقہاء نے مطلق قول فرمایا ہے جسے تم نے دیکھا ہے کہ وہ یہاں نہ تخصیص کرتے ہیں اور نہ ہی استثناء کرتے ہیں، بہرحال رملی نے دعوی وراثت کے دو مسئلوں میں یہی فتوی دیا ہے جیسا کہ ہم نے آپ کو بیان کیا ہے، سمجھو اور ثابت قدم رہو کیونکہ پھسلنے کا مقام ہے۔

پس صورت مستفسرہ میں جبکہ موصی لہما نے جائداد میں اس قدر تصرفات کئے نصف ملتے ہی دے ڈالی اور لینے والے نے اوروں کے ہاتھ بیچی ادھر وہ آئی گئی فیصل ہوئی ادھر جو باقی رہی اس میں موصی لہما تحصیل تشخیص کرتے رہے اور کچھ اس میں سے بھی جدا کی جس پر خریدار قابض متصرف ہوئے اس عرصہ تک یہ مدعی کیونکر اپنا حق چھوڑے بیٹھے رہے اور اپنی اس قدر جائداد کثیر کا زید وعمرو من وتو کے ہاتھوں میں لوٹ پھیر جبکہ دیکھا، اگر فی الواقع یہ صاحب حق ہوتے تو کیونکر اس قدر مدت تک صبر کرتے، آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ انہ منشؤہ وردامر الامارۃ مع استثنائھا ۱۲ "عبد"۔

محمد بن عبداللہ غزی قدس سرہ الشریف نے تو کچھ اوپر تین برس گزرنے میں دعوی نامسموع ٹھہرایا یہاں تو چھ سال سے اونچے ہوچکے، بالجملہ اگر ایسی حالت میں ہندہ زندہ ہوتی اور وہ خود دعوی کرتی تو اس کی بھی نہ سنی جاتی اب کہ اس کے مرنے کے بھی کئی سال بعد ان مدعیوں کو یاد آیا کہ ہندہ تو زینب کی بہن تھی اور ہم اس کے ہمشیرہ زاد اور وہ خواہر کہلائی جاتی، ان کی بات پر کوئی بھی التفات نہ کیا جائے گا اور جائداد بدستور موصی لہما کے قبضہ میں رکھی جائے گی۔

فی الفتاوی الخیریة فعلم بذلك ان الام لوكانت حية ثم ادعت بعد ذٰلك لاتسمع دعوٰها ومامنع المورث فی مثله منع الوارث بالاولٰی [1] وفی الحاشية الشامية من لاتسمع دعواه لمانع لاتسمع دعوی وارثه بعده كما فی البزازية وغيرها انتهی [2].والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے: تو اس سے معلوم ہوا کہ ماں اگر زندہ ہوتی پھر بعد میں دعوی کرتی تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور جہاں مورث کا دعوی مسموع نہ ہوگا تو وہاں وارث کا دعوی بطریق اولی نہ سنا جائے گا، اور حاشیہ شامی میں ہے: جب مانع کی وجہ سے کسی کا دعوی مسموع نہ ہو تو اس کے بعد اس کے وارث کا دعوی وہاں مسموع نہ ہوگا اھ جیساکہ بزازیہ وغیرہ میں ہے انتہی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸: ۲۲/ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسمیان وجیہ الدین وکریم الدین پسران نظام الدین مالک مشترک بحصہ مساوی ۱۰ بسوہ حقیت زمینداری موضع رچھا پرگنہ فرید پور کے تھے ۵/ اپریل ۱۸۴۹ء کو وجیہ الدین احد الشریک نے وفات پائی نجم النساء زوجہ صدق النساء مادر ونظام النسا ہمشیرہ حقیقی ذوی الفروض وکریم الدین برادر علاتی عصبہ، جملہ چار وارث شرعی چھوڑے، تاریخ ۱۵/ ماہ مذکور کو صدق النساء مادر وجیہ الدین فوت ہوئی اس کی وارث مسماۃ نظام النساء دختر ہوئی اور ۱۱/ ستمبر ۱۸۵۳ء کو کریم الدین نے قضا کی، مسماۃ بیگم زوجہ مسماۃ کنیز شیریں دختر ذوی الفروض ومسماۃ نظام النساء ہمشیرہ علاتی عصبہ وارث فوت ہوئے مگر تمام حقیت دیہہ مذکور پر قبضہ بطور خود بعوض دین مہر بیوگان مورثان کا رہا کہ ۱۸۷۳ء میں ۶ بسوہ حسب نالش نجم النساء کی تقسیماً علیحدہ ہوگئے اور ۵ بسوہ مسماۃ کنیز شیریں وبیگم نے بدست قربان علی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

فروخت کرڈالے اور ۱۸۷۶ء میں اول مسماۃ بیگم مری، اس کی وارث صرف مسماۃ کنیز شیریں دختر ہوئی، بعدہا مسماۃ نظام النساء اعلٰی درجہ کی حصہ دار اور جو بانتظار بیباقی دین مہر میں بیوگان کے قبضہ جائداد سے دست کش تھی فوت ہوئی، اس کے وارث محض عوض وکریم بخش نبیرگان ثناء اللہ عم حقیقی متوفیہ بحق عصوبت ہوئے دین مہر مسماۃ نجم النساء کا ۱۸۷۸ء میں اور دین مہر مسماۃ بیگم کا ۱۸۸۲ء تک آمدنی جائداد سے ادا ہوگیا باوجود بیباق ہوجانے دین مہر کے نجم النساء نے منجملہ ۵ بسوہ بدست مسماۃ بیگم زوجہ قربان علی مذکور اور بھاگی رتھ کے فروخت کرڈالے اور ۲ بسوہ تمسک موسومہ مولچند میں مکفول کی کہ وہ بسوات مکفولہ بعلت ڈگری مطالبہ مذکور تاریخ ۲۰/مارچ ۱۸۸۸ء کو بخریداری ممتاز حسین پسر قربان علی نیلام ہوگئی یکم اگست ۱۸۸۶ء کو محمد عوض وکریم بخش وارثان نظام النساء نے کل حق حقوق اپنا واقع ۱۰ بسوہ مذکور بدست مسماۃ الٰہی بیگم بیع کیا کہ بوجہ خریداری کے مشتریہ نے نالشات دیوانی میں دائر کرکے ڈگریات اثبات حق ودخل بقدر ۰۳/ بسوہ کے بمقابلہ مسماۃ نجم النساء ونیز مشتریان اس کی کے علیحدہ علیحدہ حصہ دار حاصل کیں، بعد اسکے مسماۃ کنیز شیریں مہاجرہ حسب اتفاق بریلی آئی، ممتاز حسین مدعا علیہ نے ایک مختار نامہ عام مسماۃ کنیز شیریں سے اپنے حقیقی بھائی عاشق علی کے نام تحریر کرالیا، چنانچہ عاشق علی مذکور نے بعد چلے جانے مسماۃ کنیز شیریں کے نالش منجانب کنیز شیریں بدیں بیان رجوع کی ہے کہ ۰۳ بسوہ ڈگری شدہ الٰہی بیگم پر بذریعہ وراثت وجیہ الدین کے مسماۃ کنیز شیریں کو رسدی حصہ ملے، مدعا علیہا کو یہ عذر ہے کہ ۱۰ بسوہ متروکہ مورثان میں مسماۃ نجم النساء کو ۱ بسوہ ۵ بسوانسی اور مسماۃ کنیز شیریں کو مع مسماۃ بیگم کے ۳ بسوہ ۷ بسوانسی اور محمد عوض وکریم بخش مدعا علیہا کو ۵ بسوہ ۷ بسوانسی پہنچے تو جملہ حصہ داران نے کل حقوق اپنے فروخت کرڈالے بقائم مقامی ان کے مشتریان مالک ہیں، اور بوجہ عدم شمول مسماۃ نظام النساء کے تقسیم ونیز بیع منجانب نجم النساء ونیز مسماۃ کنیز شیریں کے جہاں تک حصہ شرعی مشتریہ مدعا علیہا ہے کالعدم ہے اور بیع مستلزم تفریق حصص بائع ہے فقط بوجوہات معروضہ بالا کے شرعًا دعوی اجرائے توریث مدعیہ نسبت ۰۳ بسوہ مقبوضہ الٰہی بیگم مدعا علیہا کے قابل قبول ہے یانہیں اور عذر مدعا علیہا کس قدر قابل لحاظ ہے؟ بحوالہ کتب **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کنیز شیریں کا دعوی محض باطل وبے بنیاد ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں چند امور تنقیح طلب کا جن کا حکم معلوم ہونے کے بعد باذن اللہ تعالٰی خود ہی منکشف ہوجائے گا:

(۱) پانچ پانچ بسوہ کی تقسیم کہ نجم النساء نے کرائی صحیح ہے جس کے سبب ترکہ وجیہ الدین میں حصہ کنیز شیریں صرف اسی پٹی سے متعلق ہے جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھی یا باطل اور اس کا حق دونوں پٹیوں میں شائع۔

(۲) بائعان وغیر بائعان جملہ ورثہ کے حصص متروکات میں کس کس قدر ہیں۔
(۳) بیعین کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں ونیلام کنندگان نے کیں کہاں تک اثر رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہو کہ مشتریوں کے ہاتھ میں کتنی حقیتیں اثر بیع سے محفوظ و قابل دعوی وارثان ہیں۔
(۴) ان محفوظ حقیتوں میں رسدی حصے کے حساب سے کنیز شیریں والٰہی بیگم کا حق کس نسبت سے ہے۔
(۵) شرکت ملک میں ایک شریک کو دوسرے کے حق سے کتنا تعلق ہے، باقی رہا یہ کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں کیاحالت رکھتی ہیں اور مشتریوں کو بوجہ تفریق صفقہ کیا کیا اختیار حاصل اور اس کے سوا اور امور متعلقہ معاملہ سے تعرض نہ کروں گا کہ یہ باتیں اس مسئلہ میں زیر بحث نہیں۔اب بتوفیق اللہ تعالٰی ہر امر کا جواب لیجئے۔
تقسیم مذکور محض باطل وبے اثر ہے، **اولاً**: نظام النساء اس میں شریک نہ کی گئی، ہدایہ میں ہے:

ظھر شریك ثالث لھما والقسمۃ بدون رضاہ باطلۃ[1]۔	جب دو کے ساتھ تیسرا شریک ظاہر ہو جائے تو پھر اس کے بغیر تقسیم باطل قرار پائے گی۔(ت)

ثانیاً: ظاہر ہے کہ نظام النساء کا حق وجیہ الدین وکریم الدین دونوں کے ترکہ میں بروجہ شیوع تھا توالٰہی بیگم کہ بوجہ شراء اس کے ورثہ کے قائم مقام ہوئی دونوں حصص میں استحقاق شائع رکھتی ہے اور ایسا استحقاق بالاجماع باعث انتقاض تقسیم ہوتا ہے، عالمگیری میں ہے:

ان استحق جزء شائع من النصیبین انتقضت القسمۃ[2]۔	اگر دو حصوں کا استحقاق شائع جز یعنی ناقابل انقسام ہو تو وہ تقسیم ختم ہوجائے گی (ت)

پس ظاہر ہوا کہ یہ پٹیاں محض نامعتبر ہیں اور ترکہ میں وراثۃً خواہ شراءً جتنے حقدار ہیں سب کا حق بدستور مجموع ۱۰ بسوہ میں شائع یہاں تک کہ جو ذرہ زمین لیجئے اس میں سب کا استحقاق حصہ رسد میں ہے فان ھذا ھو معنی الشیوع کما نصوا علیہ قاطبۃ (کیونکہ شیوع کا معنی یہی ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے۔ت)
تفصیل حصص: وجیہ الدین جس کا ترکہ صورت مذکورہ میں ۹۶ سے منقسم ہو کر یوں بٹا:
نجم النساء: ۲۴، نظام النساء: ۶۷، کنیز شیریں: ۵ **کما یظھر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہے) اس کے پانچ بسوہ کی تقسیم یہ ہوئی: نجم النساء: ۱ بسوہ ۵ بسوانسی، نظام النساء: ۳ بسوہ ۹ بسوانسی 15-6/5 کچوانسی،

---
[1] الہدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹
[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب العاشر فی القسمۃ یستحق الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۲۵

کنیز شیریں: ۵بسوانسی ۴-۱/۶ کچوانسی۔

اور کریم الدین جس کا ترکہ آٹھ سے تقسیم پا کریوں پہنچا: بیگم: ۱، کنیز شیریں: ۴، نظام النساء: ۳
اس کے پانچ بسوہ یوں منقسم ہوئے:

بیگم: ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی، کنیز شیریں: ۲بسوہ ۱۰بسوانسی، نظام النساء: ۱بسوہ ۱۷ بسوانسی ۱۰کچوانسی۔ یہاں سے ظاہر ہے کہ ترکہ وجیہ الدین میں حصہ نظام انساء ۳بسوہ ۱۰بسوانسی گمان کرنا غلط تھا جس میں اس کے حق شرعی سے ۴-۱/۶ کچوانسی کی زیادتی اور کنیز شیریں کے حق میں اسی قدر کی کمی کی گئی۔ بیع ہر شخص کی اپنی ہی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور بیع ملک غیر بے اذن غیر، اجازت پر موقوف رہتی ہے اگر نہ جائز رکھے باطل ہوجائے فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اذاباع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک[1]۔	جب بغیر اجازت کسی کے مال کو فروخت کیا ہو تو ہمارے نزدیک وہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی (ت)

اور مجرد سکوت یعنی بیع کی خبر پانا اور خاموش رہنا اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے:

بلغ المالك ان فضولیا باع ملکه فسکت لایکون اجازۃ[2]۔	مالک کو اطلاع ملی کہ ایک اجنبی نے اس کی ملکیت فروخت کردی ہے مالک خاموش رہا تو یہ اجازت نہ ہوگی۔ (ت)

اور بعد موت مالک اس کے ورثہ جائز نہیں کرسکتے، فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذامات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث[3]۔	جب مالک فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کی اجازت سے بیع نافذ نہ ہوگی۔

بس نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں اگر نافذ ہوئیں تو صرف انہیں کے حصوں یعنی ۱بسوہ ۵بسوانسی ۱۲نسوانسی ۱۰کچوانسی ۲بسوا۱۰بسوانسی میں ہوئیں۔ عالمگیری میں ہے:

عبدبین رجلین غصبه احدھما	ایک عبد دو مالکوں کی مشترکہ ملک تھا ان میں

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۳

[3] فتاوٰی قاضیخان کتب البیع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

من صاحبه فباعه بالف درہم ودفعه الی المشتری جاز البیع فی حصته[1]۔	سے ایک نے غصب کرکے فروخت کردیا او مشتری سے ہزار درہم لے کر اس کو قبضہ دے دیا تو فروخت کرنیوالے کے اپنے حصہ میں بیع جائز ہوگی (ت)

اور بیع نیلام کا غیر نافذ ہونا تو اظہر من الشّمس کہ جب نجم النساء اپنا حصہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیچ چکی تھی تو اب جائداد میں اس کا کیا باقی تھا جو اس کے قرضہ میں نیلام کیا جاتا بہرحال نفاذ بیع انہیں تین حصوں یعنی مجموع ۱۰بسوہ سے ۴بسوہ ۷بسوانسی ۱۰کچوانسی تک محدود ہے باقی ۵بسوہ ۱۲بسوانسی ۱۰کچوانسی نفاذ بیع سے محفوظ ہیں، دونوں ترکوں میں حصہ نظام النساء کی محفوظی تو ظاہر خواہ بیعیں اس کی حیات میں ہوئیں یا بعد کہ بر تقدیر اول اس کے بے اجازت دئے انتقال کرنے اور بر تقدیر ثانی اس بیع نے جو مالکوں یعنی محمد عوض و کریم بخش نے بدست الٰہی بیگم کی اگلی سب بیعوں کو جہاں تک ان کے حصوں سے متعلق نہیں باطل کر دیا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی البزازیة من القاعدی طروالبات یبطل الموقوف اذاحدث لغیر من باشر الموقوف کما اذاباع المالك ماباعه الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی[2] اھملخصاً۔	بزازیہ میں قاعدی سے منقول ہے کہ قطعی فیصلے کا طاری ہونا موقوف بیع کو باطل کردیگا جب موقوف عمل کرنے والے کے غیر سے جدید بیع ہوجائے مثلاً فضولی نے جس چیز کو فروخت کیا اسی کو مالک نے کسی غیر فضولی کے پاس فروخت کردیا ہو اگرچہ یہ غیر وہی ہو جس کو فضولی نے فروخت کیا تھا اھ ملخصاً (ت)

تو مجموع ۱۰بسوہ سے ۵بسوہ ۷بسوانسی ۵-۶/۵ کچوانسی ملک الٰہی بیگم ہوئیں۔ رہی کنیز شیریں اس نے اور اس کی ماں بیگم نے اگرچہ اپنی مقدار حصص سے بہت زائد یعنی ۵بسوہ کی بیع کی مگر یہ بیع ان کے صرف انہی حصوں پر مقتصر رہی جو کہ ترکہ ذاتی کریم الدین سے انہیں ملی تھی نہ بدیں سبب کہ انہوں نے بعد تقسیم یہی پانچ بسوہ سے بیع کئے جو بالتعیین ترکہ کریم الدین فرض کرلئے گئے تھے کہ یہ فرض و تعین تو شرعاً محض بیہودہ وبے معنی تھی کما اسلفنا (جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔ت) بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں صرف انہی حصص کی بیع مقصود تھی اور اسی قدر پر عقد وارد کیا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) تو ۵بسوانسی ۴-۱/۶ کچوانسی کہ ترکہ وجیہ الدین سے انہیں پہنچیں ان کی بیع میں داخل نہ ہوئیں بلکہ غیر مالک یعنی نجم النساء خواہ نیلام کنندگان نے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۴۶

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۲

بے اذن مالکان بیچیں تو بیع اگر حیات بیگم میں واقع ہوئی تو بوجہ موت بلااجازت اس کے حصے یعنی ابسوانسی ۶/۵ کچوانسی میں باطل محض ہوگئی جسے کنیز شیریں بھی نافذ نہیں کرسکتی **کما قدمنا عن الھندیۃ** (جیسا کہ ہم پہلے ہندیہ سے نقل کرچکے ہیں۔ت) اور اس کے بعد ہوئی تو مثل حصہ کنیز شیریں اجازت کنیز شیریں پر موقوف رہی جس کی تنفیذ وابطال کا اختیار کنیز شیریں کو اب تک حاصل ہے۔

ولا تکون دعوٰھا مسقطۃ لخیارہا ومعینۃ لابطال البیع کما حققہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر شرح الھدایۃ۔	اس کا دعوی اس کے خیار کو ساقط کرے گا نہ بطلان بیع کے لئے معاون ہوگا جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر شرح ہدایہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔(ت)

بہر طور مجموع ۱۰ ابسوہ سے ۵ بسوانسی ۴-۶/۱ کچوانسی پر کنیز شیریں کو ہر طرح دعوی پہنچتا ہے۔

نسبت حصص: ہماری تقریر سے واضح ہوگیا کہ ۱۰ ابسوہ کس قدر حقیت کنیز شیریں والٰہی بیگم کے لئے محفوظ، اور اس میں ہر ایک کا حق کتنا ہے، اب ان دونوں کے حصوں میں نسبت دریافت کرنے کے لئے بغرض تیسیر طریق سب کسور کو کسر اصغر یعنی سدس ۶/۱ کچوانسی کا ہمجنس کیجئے تو حصہ الٰہی بیگم (۱۸۷۵ء) ہے اور نصیب کنیز شیریں ۶۲۵ یہ دونوں توافق بخمس خمس خمس بجزء من مائۃ وخمسۃ وعشرین رکھتے ہیں اول کا وفق ۱۰۳ دوم کا پانچ تو حصہ کنیز شیریں کو حق الٰہی بیگم سے وہی نسبت ہوئی جو پانچ کو ۱۰۳ سے ہوتی ہے اسی سے ہر جز و جائداد میں ان کا رسدی حصہ معلوم ہوجائے گا یعنی بوجہ بطلان تقسیم وبقائے شیوع جائداد محفوظ ۵ بسوہ ۱۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی کا جو ٹکڑا جو ذرہ جہاں کہیں ہوگا اسکے ۱۰۸ سہام سے ۵ سہم کنیز شیریں اور ۱۰۳ الٰہی بیگم کے ہیں۔

شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے محض اجنبی ہوتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شرکۃ ملك ان یتملك رجلان شیئا من غیر عقد الشرکۃ بینھما نحو ان یرثا مالا او یوھب لھما او یملکا بالشراء او الصدقۃ لایجوز لاحدھما ان یتصرف فی نصیب الاٰخر الا بامرہ وکل واحد منھما کالاجنبی فی نصیب صاحبہ ویجوز بیع احدھما نصیبہ بغیر اذنہ اھ ملتقطا۔[1]	شرکت ملک یہ ہے کہ دو شخص کسی ایک چیز کے عقد شرکت کے بغیر مالک ہوجائیں مثلاً دونوں ایک چیز کے وارث ہیں یا ایک چیز دونوں کو ہبہ ہوئی یا خریداری یا صدقہ کے ذریعہ ایک چیز کے مالک بنے، تو اس میں دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا اور اپنے حصہ میں دونوں ایک دوسرے سے اجنبی ہیں لہذا ہر ایک اپنے حصہ میں دوسرے کی اجازت کے بغیر تصرف کرسکتا ہے اھ ملتقطا (ت)

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۰۱

تنویر الابصار میں ہے:

شرکة ملك وهی ان یملك متعدد عینا اودینا بارث اوبیع اوغیرهما وکل اجنبی فی مال صاحبه الخ[1]۔	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد اشخاص عین یا دین میں وراثت یا بیع یا کسی اور طرح مشترکہ مالک ہوجائیں اور ہر ایک دوسرے کے حصہ میں اجنبی ہوگا الخ۔(ت)

توظاہر ہے کہ اگران میں ایک کسی غاصب پر دعوی کرکے اپنے مقدار حصہ میں اپنا اثبات ملک واستقرار حق کرائے تواس ثبوت واستقراء میں دوسرے شریک کاہر گز کوئی استحقاق نہیں آسکتا کہ جو سہام ایک کو پہنچتے ہیں دوسرے کااس میں کیا حق ہے اس کے لئے اس کے سہام جدا ہیں پس ایک کے تقرر حق میں مزاحم ہونا گویا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ تو اپنے سہام میں مجھے شریک کرلے اور اپنے خاص حق سے مجھے کچھ دے دے اس کے کوئی معنی نہیں، نہ ایسا دعوی قابل سماعت، ہاں اگر ایک شریک بے تقسیم شرعی ملک مشاع سے کسی معین ٹکڑے پر قبضہ کرلے تو بیشک دوسرے کااس پر دعوی پہنچتا ہے کہ جب شیوع ہے ہر ہر ذرہ میں دونوں کااستحقاق ہے۔

فلایقبض شیئا معینا الاوقد قبض ملك صاحبه مخلوطامع ملك نفسه کمانص علیه فی الکتب جمیعا۔	تو کسی معین چیز کا قبضہ دوسرے کے حصہ پر مخلوط قبضہ کے بغیر اپنے حصہ پر نہ ہوسکے گا جیسا کہ تمام کتب میں اس پر تصریح ہے۔(ت)

یاایک شریک جھوٹا دعوی کرکے اپنے حق سے زیادہ میں اپنے لئے اثبات ملک کرالے تو بھی دوسرے کی مزاحمت بجاہے کہ اس نے اس کے حق میں دست اندازی کی یدل علی کل ذٰلک فروع جمۃ مذکورۃ فی کتب المذھب (اس پر کتب مذہب میں مذکور کثیر فروعات دال ہیں۔ت) غرض ان دو صورتوں کے سوا مجرد اثبات ملک واستقرار حق میں دوسرے شریک کی مزاحمت محض بیہودہ ونامسموع ہے۔ جب یہ امور منقح ہولئے اور پر ظاہر کہ یہاں احتمال صحت دعوی کی صورت اولٰی یعنی قبض شے معین مفرز تو واقع نہ ہوئی کہ الٰہی بیگم نے ان ۳بسوہ ۱۰بسوانسی کا پٹی بانٹ کراگر کوئی مستقل قبضہ بالتعین نہ کیا تو صرف صورت ثانیہ یعنی حق سے زیادہ اثبات ملک کرالینے کا دیکھنا باقی رہا اگر یہ ۳بسوہ ۱۰بسوانسی حق الٰہی بیگم سے زائد ہیں تو بیشک کنیز شیریں کو صرف قدر زائد میں اختیار مزاحمت ہے ورنہ اصلاً نہیں، مگر ہم تحقیق کرآئے کہ ترکہ وجیہ الدین کو کریم الدین کی جدائی جو اس تقسیم باطل کاحاصل تھی محض غلط ہے بلکہ وہ ساری جائداد جس طرح حیات ہر دو برادر میں مختلط وغیر منقسم تھی اب تک بدستور

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

اسی حالت پر ہے تو صرف ان ۵ بسوں میں جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھے کنیز شیریں کا حق جاننا اور دوسری پٹی میں نہ ماننا محض غلطی ہے بلکہ حکم شیوع جو ٹکڑا جہاں کہیں ہے ہر ایک میں کنیز شیریں و الٰہی بیگم حصہ رسد شریک ہیں اب اگر اس فرضی جدائی کو اصلاً نظر سے ساقط کیجئے جب تو نہایت ظاہر کہ الٰہی بیگم نے اپنے حق سے بہت کم میں اثبات ملک کرایا حق اس کا ۵ بسوہ ۵-۶/۵ کچوانسی تھا اور ڈگری صرف ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کی حاصل کی پھر کنیز شیریں اس کے حق خاص میں سے کس چیز کا صلہ مانگتی ہے۔ اور اگر یہ خیال کیجئے کہ گو تقسیم شرعی نہیں مگر دو ٹکڑے جدا جدا ہو لئے جن میں ایک پر قربان علی دوسرے پر اس کی زوجہ و پسر قابض ہوئے اور الٰہی بیگم نے بھی صرف ایک فریق پر دعوی کیا، تو اس نظر سے بھی دعوی الٰہی بیگم اس کے حصہ رسد سے کم ہے کہ اس پٹی میں بعد استثنائے حصہ نجم النساء کہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیع ہوا ۳ بسوہ ۵ بسوانسی حق الٰہی بیگم و کنیز شیریں ہیں انہیں بلحاظ نسبت مذکورہ ۱۰۸ پر تقسیم کیجئے تو حاصل قسمت ۱۳-۹/۸ کچوانسی ہے جسے ۵ میں ضرب دینے سے ۳ بسوانسی ۹-۹/۴ کچوانسی ہوتی ہیں اسی قدر رسدی حصہ کنیز شیریں ہے اور باقی ۳ بسوہ ۱۱ بسوانسی ۱۰-۹/۵ کچوانسی حق الٰہی بیگم تھے جس میں اس نے تین بسوہ دس بسوانسی میں اپنی ملک ثابت کرائی تو کنیز شریں کے حق میں کون سی مزاحمت کے دعوی کنیز شیریں کا حاصل یہ ہے کہ اس قدر بھی تیری ملک نہیں یا اگرچہ تیری ملک ہے مگر اس میں سے کچھ مجھے واپس دے حالانکہ اس سے زائد اس کی ملک ہے اور ملک غیر پر دعوی کرنا محض بے معنی اور اگر ان سب تحقیقات نفیسہ سے قطع نظر کیجئے اور خواہی نخواہی مان ہی لیجئے کہ تقسیم مذکور صحیح تھی اور یہی ۵ بسوہ بالتعین ترکہ وجیہ الدین تھے اور خاص انہیں میں استحقاق کنیز شیریں ہے تاہم اس تقدیر باطل پر بھی دعوی کنیز شیریں کہ حصہ رسدی پاؤں کوئی معنی نہیں رکھتا رسدی حصہ کا تو یہ حاصل کہ جس قدر پر الٰہی بیگم نے ڈگری پائی یہ اور وہ ۵ بسوانسی کہ باقی رہیں دونوں ٹکڑوں میں الٰہی بیگم و کنیز شیریں اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہیں بحساب اربعہ متناسبہ اس مقدار ڈگری شدہ میں جو کچھ حصہ کنیز شیریں نکلے اب ملے باقی حصہ الٰہی بیگم ہو اور ۵ بسوانسی میں دونوں کا دعوی رہے حالانکہ اس تقدیر باطل پر الٰہی بیگم جس قدر ترکہ وجیہ الدین سے استحقاق رکھتی تھی اس سے ۴-۶/۱ کچوانسی زیادہ کی ڈگری پاچکی **کمایظھر مما اسلفنا بیانہ** (جیسا کہ ہمارے پہلے بیان سے ظاہر ہے۔ت) تو رسدی حصہ مانگنے کے کیا معنی، بلکہ قدر زائد یعنی ۴-۶/۱ کچوانسی کا دعوی کرنا تھا، غرض ساری غلطی کا منشا یہ ہے کہ کنیز شیریں یعنی اس کے مختار عام نے اثبات ملک و استقرار حق کرانے کو بالتعیین ایک پارہ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت پارۂ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے، پس بہ نہایت وضوح روشن ہوگیا کہ کنیز شیریں کا دعوی اصلاً وجہ صحت و قابلیت سماعت نہیں رکھتا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

مسئلہ ۲۹: ۲۳جمادی الاولٰی ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ذی مقدور تھا اس نے اپنی بیوی کو اپنی حیات میں زیور طلائی اور نقرئی بنادیا وہ اس کے مہر میں متصور کیا جائے گا یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

عرف عام وشائع ہمارے بلاد میں یہ ہے کہ عورتوں کا مالک کردینا نہیں ہوتا بلکہ شوہر ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے جب تک صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی جانب سے تملیک ظاہر نہ ہو۔

ومعلوم ان الدفع الیھن یحتمل التملیک والعاریۃ والعاریۃ اولی فھی الثابتۃ مالم یدل علی خلافھا۔	یہ واضح بات ہے کہ ان کو دینے میں تملیک اور عاریۃ دونوں احتمال ہیں تو جب تک عاریۃ کے خلاف دلیل موجود نہ ہو تو عاریۃ ہونا ثابت ہوگا۔(ت)

البتہ وہ استعمال میں عورتوں ہی کے رہتا ہے مگر اس سے ملک زناں ثابت نہیں ہوتی۔ بحر الرائق پھر ردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذلك دلیلا علی انہ ملکھا ذلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذلك مرارا۔[1]	خاوند کی خریدی ہوئی چیز سے فوائد حاصل کرنا اور اس پر خاوند کا راضی ہونا بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھے ہوئے ہیں، میں نے متعدد بار اس پر فتوی دیا ہے۔(ت)

پس اگر گواہان عادل شرعی سے عورت کو اس زیور کا مالک کردینا نہ ثابت ہو تو وہ بدستور ملک شوہر پر ہے اس کا متروکہ ٹھہر کر سب ورثہ پر حسب فرائض منقسم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے عورت کو اس زیور کا مالک کردیا تھا تو بیشک وہ تنہا عورت کی ملک ہے، اب اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کی تھی کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں تو اس قدر مہر سے مجرا ہوگا اور اگر مہر کے سوا اور کسی جہت کی تصریح کی تھی مثلاً کہا یہ زیور میں نے تجھے احساناً دیا یا ہبہ کیا تو ہرگز مہر میں محسوب نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عند الدفع غیر جھۃ المھر کقولہ شمع او حناثم قال انہ من المھر	خاوند نے بیوی کو کوئی چیز دیتے ہوئے مہر یا کوئی اور وجہ ذکر نہ کی مثلاً اس نے چراغ یا مہندی کے لئے کہا اور پھر کہا کہ یہ مہر کے طور پر دی ہے، تو

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

لم یقبل قنیة،لو قوعه ھدیة فلاینقلب مھرااھ ملخصًا۔[1]	خاوند کی بات نہ مانی جائیگی،قنیہ،کیونکہ وہ ہدیہ بن چکا ہے تو اب مہر میں تبدیل نہ ہوسکے گااھ ملخصًا(ت)

اور اگر صرف تملیک معلوم ہوئی اور یہ کچھ نہ ثابت ہوا کہ مہر میں دیا تھا یا مہر سے جدا اور زوجہ کو مہر سے الگ دینے کا دعوی ہے اور دیگر ورثہ مہر میں دینا بیان کرتے ہیں تو دیگر ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا جب تک عورت گواہان عادل سے نہ ثابت کرادے کہ مجھے مہر سے جدا اس کا مالک کیا وہ زیور مہر ہی ٹھہرے گا۔تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر المھر ولاغیرہ فقالت ھو ھدیة وقال ھو من المھر او عاریة فالقول له بیمینه والبینة لھا فی غیر المھیاء للاکل[2] اھ ملخصة۔	جب خاوند نے بیوی کو کوئی چیز بھیجی اور مہر وغیرہ کا کوئی ذکر نہ کیا تو بیوی کہتی ہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند کہتا ہے یہ مہر تھا یا عاریتًا تھا،تو خاوند کی بات قسم لے کر مان لی جائے گی اور عورت کی بات گواہی کے ساتھ مانی جائے گی،یہ صورت کھانے پینے والی چیزوں میں نہ ہوگی اھ ملخصًا(ت)

خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا بعث شیئا من جنس النقدین او مما لایستسارع الیه الفساد ثم اختلفا فقال الزوج انما بعثته لیحسب من المھر وقال ھو ھدیة ھل القول قوله ام قولھا اجاب القول قوله کما صرح به قاضیخان وغیرہ یعنی بیمینه معللا بانه الملك وھو اعرف بجھة التملیك[3] اھ ملخصا۔	سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو نقد درہم و دینار یا ایسی چیز جو جلد خراب نہ ہونے والی ہو،بھیجی،پھر دونوں کا اختلاف ہوا۔خاوند کہتا ہے کہ یہ مہر کے حساب میں تھی اور بیوی کہتی ہے کہ یہ ہدیہ ہے،تو کیا خاوند کی بات مانی جائے گیا یا بیوی کی؟تو جواب دیا کہ خاوند کی بات قسم لے کر مانی جائے گی جیسا کہ قاضیخان نے یہ تصریح کی ہے اس وجہ سے کہ خاوند دینے والا ہے تو وہی تملیک کی وجہ بہتر جانتا ہے اھ ملخصا(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳،ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب المہر دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹

الوارث لقیامہ مقام مورثہ فیصدق فی جھۃ التملیک، فصولین، ممایکون القول فیہ للمملك [1] اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث چونکہ مورث کے قائم مقام ہے اس لئے جہت تملیک کے بیان میں اس کی تصدیق کی جائے گی، جامع الفصولین، وہاں جہاں مالک بنانے والے کی بات مانی جاتی ہو اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: ۸/ شعبان ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مسماۃ ہندہ میری زوجہ نے مرتے وقت مجھے اپنا مہر بمواجہہ چار عورتوں کے معاف کردیا وارثان ہندہ نے جو ان عورتوں سے دریافت کیا ان میں سے دو نے محض انکار کیا، ایک کا بیان مذبذب رہا، چوتھی سے ابھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی، ایسی حالت میں شرع شریف ایسی گواہیوں پر معافی مہر کا حکم دیتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

نہ مذبذب بیان مسموع اذلاشھادۃ الاعن علم (کیونکہ شہادت بغیر علم نہیں ہوتی۔ت) نہ یہاں ایک کی گواہی معتبر اگرچہ مرد ہو لاشتراط العدد نصا (گواہوں کی تعداد مشروط ہونے پر نص ہے۔ت) نہ تنہا عورتوں کی شہادت مقبول اگرچہ دو چار ہوں کما نص علیہ القراٰن العزیز (جیسا کہ اس پر قرآن عزیز نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ وارث کے لئے مرض موت کی معافی بے اجازت دیگر ورثہ نافذ ہوسکے،

لانہ فی حکم الوصیۃ ولاوصیۃ لوارث الاان یجیزھا الورثۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وارث کے لئے وصیت نہیں مگر جہاں باقی ورثاء جائز تسلیم کرلیں، کیونکہ یہ معاملہ وصیت کے حکم میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۵/ شوال ۱۳۱۰ھ

حضرت من مولٰنا فیاض دارین جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب خاص مقیم بریلی زاداللہ فیضانہ۔ بعد السلام علیکم و تمنائے زیارت قدمین شریف کے التماس ہے کہ ایک صورت مسئلہ کی عرض کیا چاہتا ہے، جناب اس کے مقابلہ میں تحریر مسئلہ کی فرمائیں، ایک شخص کا ایک قبیلہ یعنی عورت زوجہ اور ایک اس زوجہ کا فرزند ہے س کے سوااس شخص کا دوسرا زوجہ ہے اس کا بھی ایک فرزند ہے اور دو دختر ہیں اس شخص نے بخاطر زوجہ ثانی کے اول قبیلہ کے فرزند کو محروم الارث کرنا چاہتا ہے اور اس کی والدہ کو اخراجات

[1] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۸و۱۹

دینے سے دست بردار ہے اور جس فرزنداول قبیلہ کو محروم کرنا چاہتا ہے بالغ اور جوان ہے ابتدا میں یہ اپنے باپ کے ساتھ کمانے میں بصورت تجارت کے شامل رہا اور پورا مددگار، پھر کچھ عرصہ علیحدہ ہوکر چند سال نوکری میں مصروف رہا بحالت نوکری اس کے باپ نے بہت خواہش سے نوکری سے جدا کردیا، وجہ اس کا یہ ہے کہ اس شخص کے باپ کے زراعت کا کام بہت ہے اور ماسوا اس کے تنازعات اس کے لوگوں کے ساتھ بہت رہتے ہیں، جب وہ نوکری سے بموجب خواہش باپ کے الگ ہوا تو مقابلہ بھی لوگوں سے کرتا رہا، غرض اس نے کل کارروائی باپ کی کو بخوبی انجام دیا، باپ الگ ایک جگہ دوسرے شہر میں دکانداری کرتا رہا، باپ نے پیداوار زمینداری سے جو زیر اہتمام اس فرزند کے تھا چہارم حصہ پیداوار کا بلاخرچہ (خرچہ اپنے ذمہ رکھ کر) دیتا گیا، کچھ عرصہ تک وفا کیا اب بالکل بپاس خاطر زوجہ دوسری کے اور اس زوجہ کے فرزندان اور دختران کے پہلے قبیلہ اور اس کے فرزند بالغ کو جواب دے دیا اور اپنی خدمات سے الگ کردیا، اب اس کے پاس کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ توفیق ہے کہ باہر جاکر تلاش نوکری کی کرے، باپ کے قبضہ میں دو قسم کی جائداد ہے ایک وہ جو جدی ہے دوسری وہ جو بشمولیت اس فرزند بالغ کے خود پیدا کیا ہے، اس کے بارہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ آیا فرزند بالغ کچھ لے سکتا ہے کہ نہیں؟ اور اگر باپ محروم کرنا چاہے تو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تجارت زراعت وغیرہا جس کام میں فرزند نے اپنے باپ کی اعانت ومددگاری کے طور پر کچھ کمایا وہ صرف ملک پدر ہے یعنی جب تک اس کا خورد ونوش ذمہ پدر تھا اور اپنا کوئی ذاتی مال وکسب جداگانہ نہ رکھتا تھا بلکہ اسے حرفت وکسب پدری میں جس طرح سعید بیٹے اپنے باپ کی اعانت کرتے اور اسے کام کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں اس کا معین ومددگار تھا تو جو کچھ ایسی وجہ وحالت میں کمایا سب باپ کا ہے جس میں بیٹے کے لئے کوئی حق ملک نہیں، فتاوٰی خیریہ پھر عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی امورہ واحواله فجمیع ماحصله بکدہ وتعبه فهو ملك خاص لابیه لاشیئ له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذٰلك لابیه معین حتی لوغرس	جب وہ والد کی عیال میں ہے اور والد کے معاونین میں سے ہے تو ایسی صورت میں والد کے امور اور احوال میں جو بھی اس کی محنت وکاوش سے حاصل ہوگا وہ خاص والد کی ملکیت ہوگا اس میں اس کے بیٹے کا مال نہ ہونے کی صورت میں کوئی ملکیت نہ ہوگی اگرچہ اس بیٹے کی محنت سے بہت سے اموال جمع ہوئے ہوں کیونکہ وہ اس میں والد کا معاون ہے

شجرۃ فی ھذہ الحالۃ فھی لابیہ نص علیہ علماؤنا رحمھم اللہ تعالٰی[1]۔	حتی کہ اگر وہ کوئی پودا لگائے تو اس حالت میں پودا والد کا ہوگا، اس پر ہمارے علماء کرام رحمھم اللہ تعالٰی نے تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

اور جو کچھ مال اس کے سوا پیدا کیا یعنی اس زمانہ میں کہ اس کا خورد ونوش باپ سے جدا تھا یا اپنے ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا کسب پدری سے الگ کوئی کسب خاص مستقل اپنا کیا جیسے صورت مستفسرہ میں نوکری کا روپیہ یہ اموال خاص بیٹے کے ٹھہریں گے، خیریہ وعقود میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجۃ وعیال لہ کسب مستقل حصل بسببہ اموالا ھل ھی لوالدہ اجاب ھی للابن حیث لہ کسب مستقل واما قول علمائنا یکون کلہ للاب فمشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعۃ وعدم مال سابق لھما وکون الابن فی عیال ابیہ فاذا عدم واحد منھا لایکون کسب الابن للاب وانظر الی ماعللوا بہ المسألۃ ان الابن اذا کان فی عیال الاب یکون معینا لہ فمدار الحکم علی ثبوت کونہ معینا لہ فیہ فاعلم ذلك[2] اھ ملخصًا۔	ایسے جوان شادی شدہ عیالدار بیٹے جس کا اپنا مستقل کاروبار ہے اور کاروبار میں اموال حاصل ہوئے، کے متعلق سوال ہوا کہ کیا یہ اموال اس بیٹے کی ملک ہوں گے یا والد کے ہوں گے، جواب دیا کہ بیٹے کی ملک ہیں جبکہ یہ بیٹے کا اپنا مستقل کاروبار ہے ہمارے علماء کرام کا یہ ارشاد کہ وہ تمام والد کا ہے ان کا یہ ارشاد چند شرطوں سے مشروط ہے جیسا کہ ان کی عبارات سے معلوم ہے ان شرائط میں سے بعض یہ ہیں کہ باپ بیٹے کا کام ایک ہو، بیٹے کا پہلے سے اپنا مال نہ ہو، بیٹا باپ کے عیال میں شامل ہو تو ان شرائط میں سے جب کوئی شرط مفقود ہو تو بیٹے کی کمائی والد کے لئے نہ ہوگی، مسئلہ کے بیان میں علماء کی ذکر کردہ علت پر غور کرنا چاہئے انہوں نے فرمایا: جب بیٹا باپ کی عیال میں شامل ہو اور اس کا معاون ہو تو حکم کا مدار اس پر ہے کہ وہ اس میں باپ کا معاون ہو، یہ معلوم ہونا ضروری ہے اھ ملخصا۔ (ت)

مگر جو چہارم حصہ پیداوار میں باپ نے اسے دینا کہا تھا اس کا دعوٰی اسے کسی حالت میں نہیں پہنچتا کہ اگر وہ کہنا محض بطور وعدہ واحسان تھا اور غالب یہی ہے جب تو پر ظاہر کہ لاجبر فی التبرع (تبرع میں جبر نہیں۔ت) اور اگر بروجہ معاوضہ محنت وعقد اجارہ تھا تو جہالت اجر وفساد اجارہ سے قطع نظر بیٹے کو

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی حاجی عبدالغفار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۷

اپنے کام کی اجرت باپ سے لینی جائز نہیں، نہ اس کی خدمت پر اجیر بن سکتا ہے کہ خدمت پدری طاعت الٰہی ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز، علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں کتاب الفرائض میں فرماتے ہیں:

الولد اذا اٰجر نفسه لوالده ليخدمه وكذا المرأة اجرت نفسها من زوجها لتخدمه لم يجز لان خدمتها تقع صلة للزوج فصارت مستحقة فلم تجز الاجارة [1] اه ملخصًا۔	جب بیٹے نے اپنے آپ کو والد کا یا بیوی نے اپنے آپ کو خاوند کا مزدور بنایا تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکیں تو یہ جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ خدمت خاوند کے لئے صلہ ہے لہٰذا وہ اس خدمت کا حقدار ہے تو اجارہ جائز نہ ہوگا اھ ملخصًا (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوی امام قاضیخان سے ہے:

الاب اذا استاجر ابنه البالغ فعمل الابن لا اجر له [2]۔	باپ جب اپنے بالغ بیٹے کو اجیر بنائے اور بیٹا کام کرے تو بیٹے کو اجرت نہ ملے گی۔ (ت)

رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے کہ میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انہیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کرجائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث ہوسکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہوسکتا بلکہ جبرًا دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا پھر دوسرا کیونکر ساقط کرسکتا ہے،

قال اللہ تعالٰی "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں اولاد کے متعلق وصیت فرماتا ہے بیٹے کو دو بیٹیوں کا حصہ ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷

[2] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ[1]۔	اگر وارث کہے میں نے اپنا حصہ چھوڑا تو اس سے اس کا حق باطل نہ ہوگا۔(ت)

غرض بالقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں، ہاں اگر حالت صحت میں اپنا مال اپنی ملک سے زائل کردے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کاہے میں جاری ہو مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کریگا عنداللہ گنہگار وماخوذ رہے گا۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ۔ رواہ ابن ماجۃ[2] عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔(اسے ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔(ت)

یونہی ایک زوجہ کے پیچھے دوسری کی خبر گیری نہ کرنی دوہرا گناہ اور بنص قرآن حرام قطعی ہے۔ حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاکانت عندہ امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیمۃ وشقہ ساقط[3]۔ رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس کے دو بیبیاں ہوں اور وہ انہیں برابر نہ رکھے قیامت کے دن اس حال پر آئے کہ اس کی ایک طرف کی کروٹ گری ہوئی ہو(اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مسئلہ ۳۲ تا ۳۵: ازبلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ سلھڑہ مرسلہ سید محمد زاہد صاحب ۴ جمادی الاٰخر ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(ا) زید کہ ایک علاقہ کا حاکم وقت کی جانب سے مہتمم مقرر ہے بذات خود حاکم نہیں ہے کہ کوئی حکم یا فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر جو اسی علاقہ میں رہتا ہے بغیر کسی خواہش ودباؤ کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد الخ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی التسویۃ بین الضرائر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۶

بموجب رواج یا اخلاق انسانی کے زید کی دعوت کرے یا کوئی تحفہ کسی قسم کا پیش کرے تو اس کا لینا داخل رشوت ہے یا نہیں اور جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) زید بحکم حاکم وقت کے تحقیقات کے واسطے اسی علاقہ میں جس کا وہ مہتمم ہے کسی فریق کے مکان پر جائے یا بصورت نہ ہونے فریق ثانی بمقابلہ حاکم کے تحقیقات بکر کو جائے اس وقت کھانا کھلانا بکر کا یا معمولی تحفہ پیش کرنا اور زید کو اس کا قبول کرنا داخل رشوت و ناجائز ہوگا یا جائز درحالیکہ بغیر خدمت گزاری بکر کے بھی زید کا طریق عمل یکساں ہے۔

(۳) بخلاف ہر دو دفعات کے اگر زید حاکم مختار و فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو زید کو اپنے حدود علاقہ کے اندر دعوت و تحفہ کا قبول کرنا کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

(۴) جس حالت میں زید کے طریق عمل سے بکر واقف ہو جائے کہ دعوت و تحفہ سے زید میرے حق میں کچھ رعایت نہ کرے گا اپنے طریق عمل پر پورا قائم رہے گا اور باوجود اس عمل کے نمبر او ۲ کا برتاؤ کرے تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

جو شخص بذات خود خواہ از جانب حاکم کسی طرح کا قہر و تسلط رکھتا ہو جس کے سبب لوگوں پر اس کا کچھ بھی دباؤ ہو اگرچہ وہ فی نفسہ ان پر جبر و تعدی نہ کرے دباؤ نہ ڈالے اگرچہ وہ کسی فیصلہ قطعی بلکہ غیر قطعی کا بھی مجاز نہ ہو جیسے کوتوال، تھانہ دار، جمعدار یا دہقانیوں کے لئے زمیندار مقدم پٹواری یہاں تک کہ پنچایتی قوموں یا پیشوں کے لئے ان کا چودھری، ان سب کو کسی قسم کے تحفہ لینے یا دعوت خاصہ (یعنی وہ دعوت کہ خاص اسی کی غرض سے کی گئی ہو کہ اگر یہ شریک نہ ہو تو دعوت ہی نہ ہو) قبول کرنے کی اصلاً اجازت نہیں مگر تین صورتوں میں، اول اپنے افسر سے جس پر اس کا دباؤ نہیں، نہ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ ہدیہ و دعوت اپنے معاملات میں رعایت کرانے کے لئے ہو۔ دوم ایسے شخص سے جو اس کے منصب سے پہلے بھی اسے ہدیہ دیتا یا دعوت کرتا تھا بشرطیکہ اب سے اسی مقدار پر ہے ورنہ زیادت روا نہ ہوگی مثلاً پہلے ہدیہ و دعوت میں جس قیمت کی چیز ہوتی تھی اب اس سے گراں قیمت پر تکلف ہوتی ہے یا تعداد میں بڑھ گئی یا جلد جلد ہونے لگی کہ ان سب صورتوں میں زیادت موجود اور جواز مفقود، مگر جبکہ اس شخص کا مال پہلے سے اس زیادت کے مناسب سب زائد ہوگیا ہو جس سے سمجھا جائے کہ یہ زیادت اس شخص کے منصب کے سبب نہیں بلکہ اپنی ثروت بڑھنے کے باعث ہے۔ سوم اپنے قریب محارم سے، جیسے ماں باپ اولاد بہن بھائی نہ چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹے کہ یہ محارم نہیں اگرچہ عرفاً انہیں بھی بھائی کہیں۔ محارم سے مطلقاً اجازت ظاہر عبارت قدوری پر ہے ورنہ امام سغناقی نے نہایہ

پھر امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اسے بھی صورت دوم ہی میں داخل فرمایا کہ محارم سے بھی ہدیہ ودعوت کا قبول اسی شرط سے مشروط کہ پیش از حصول منصب بھی وہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ برتتے ہوں مگر یہ کہ اسے یہ منصب ملنے سے پہلے وہ فقراتھے اب صاحب مال ہوگئے کہ اس تقدیر پر پیش از منصب عدم ہدیہ ودعوت بربنائے فقر سمجھا جائے گا اور فی الواقع اظہر من حیث الدلیل یہی نظر آتا ہے کہ جب باوصف قدرت پیش از منصب عدم یا قلّت وبعد منصب شروع یا کثرت بربنائے منصب ہی سمجھی جائے گی اس تقدیر پر صرف دو ہی صورتیں مستثنٰی رہیں پھر بہر حال جو صورت مستثنٰی ہوگی وہ اسی حال میں حکم جواز پاسکتی ہے جب اس وقت اس شخص کا کوئی کام اس سے متعلق نہیں ورنہ خاص کام پڑنے غرض متعلق ہونے کے وقت اصلاً اجازت نہیں خواہ وہ افسر ہو یا بھائی یا پہلے سے ہدیہ وغیرہا دینے والا بلکہ ایسے وقت عام دعوت میں شریک ہونا بھی نہ چاہئے نہ کہ خاص، پھر جہاں جہاں مانعت ہے اس کی بنا صرف تہمت واندیشہ رعایت پر ہے حقیقۃً وجود رعایت ضرور نہیں کہ اس کا اپنے عمل میں کچھ تغیر نہ کرنا یا اس کا اس کی عادت بے لوثی سے آگاہ ہونا مفید جواز ہوسکے۔ دنیا کے کام امید ہی پر چلتے ہیں، جب یہ دعوت وہدایا قبول کیا کرے گا تو ضرور خیال جائے گا کہ شاید اب کی بار کچھ اثر پڑے کہ مفت مال دینے کی تاثیر مجرب ومشاہد ہے اس بار نہ ہوئی اس بار ہوگی، اس بار نہ ہوئی پھر کبھی ہوگی، اور یہ حیلہ کہ اس کا ہدیہ ودعوت بربنائے اخلاق انسانیت ہے نہ بلحاظ منصب، اس کا رد حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماچکے ہیں، جب ایک صاحب کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرما کر بھیجا تھا انہوں نے اموال زکوٰۃ حاضر کئے اور کچھ مال جدا رکھے کہ یہ مجھے ملے ہیں فرمایا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھا ہوتا کہ اب کتنے تحفے ملتے ہیں یعنی یہ ہدایا صرف اسی منصب کی بنا پر ہیں اگر گھر بیٹھا ہوتا تو کون آکر دے جاتا، اس مسئلہ کی تفاصیل میں اگرچہ کلام بہت طویل ہے مگر یہاں جو کچھ مذکور ہوا بعونہ تعالٰی خلاصہ تنقیح وصالح تحویل ہے،

فی الدر المختار ویرد ھدیۃ التنکیر للتقلیل وھی ما یعطی بلاشرط اعانۃ بخلاف الرشوۃ الامن اربع السلطان والباشا وقریبہ المحرم او ممن جرت عادتہ بذٰلك بقدر عادتہ ولاخصومۃ لھما ویرد دعوۃ خاصۃ	درمختار میں ہے وہ ہدیہ کو رد کردے، ہدیہ کی تنکیر قلّت کے لئے، اور یہ وہ ہے کہ اس کو اعانت کی شرط کے بغیر دیا جائے بخلاف رشوت کہ اس میں اعانت کی شرط ہوتی ہے۔ قاضی صرف چار حضرات سے ہدیہ وصول کرسکتا ہے بادشاہ، گورنر، اپنے قریبی محارم، اور جس سے پہلے وصول کی عادت جاری تھی وہ بھی عادت کے مطابق، بشرطیکہ آخری دونوں کا

وھی التی لایتخذ ھا صاحبھا لو لاحضور القاضی ولا یجیب دعوۃ خصم ولو عامۃ للتھمۃ اھ[1] ملخصا، وفی ردالمحتار الاصل فی ذٰلك مافی البخاری عن ابی حمید الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا علی الصدقۃ فلما قدم قال ھذا لکم وھذا لی قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھلاجلس فی بیت ابیہ او بیت امہ فینظر ایھدی لہ ام لاوتعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ فتح، قال فی النھر الظاھر ان المراد بالعمل ولایۃ ناشئۃ عن الامام اونائبہ کالساعی والعاشر اھ قلت ومثلھم مشائخ القری و الحرف وغیرھم ممن لہ قھروتسلط علی من دونھم فانہ یھدی الیھم خوفامن شرھم اولیروج عندھم ورأیت فی حاشیۃ شرح المنھج للعلامۃ محمد الداودی الشافعی الفقیہ قال ع ش ومن العمال مشائخ	مقدمہ اس کے ہاں نہ ہو، اور وہ خاص دعوت کو رد کردے، خاص دعوت وہ ہے جس میں اگر قاضی نہ ہو تو دعوت نہ ہو، اور مقدمہ کے کسی فریق کی دعوت قبول نہ کرے اگرچہ یہ دعوت عام ہو کیونکہ مقام تہمت ہے اھ ملخصًا۔ اور ردالمحتار میں ہے: اس میں اصل یہ ہے کہ بخاری شریف میں ابوحمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو صدقہ پر عامل بنایا تو جب وہ واپس آیا تو اس نے صدقات پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ مال آپ کے بیت المال کا ہے اور یہ میرا ہے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ اپنے باپ یا ماں کے گھر بیٹھ کر کیوں نہیں دیکھتا کہ اس کو ہدیہ ملتا ہے یا نہیں، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان کردہ وجہ ایسے ہدیہ کی حرمت کی دلیل جو کسی عہدہ کی بناپر ملے، فتح۔ اور نہر میں فرمایا: ظاہر ہے کہ ولایت وعہدہ سے مراد یہ ہے کہ وہ امام یا نائب امام کی طرف سے سونپا گیا ہو جیسا کہ زکوٰۃ یا عشر وصول کرنے والا، اھ۔ **میں کہتا ہوں** اسی طرح دیہاتوں اور حرفتوں کے نگران وغیرہ جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان کے شر کا خوف یا ان سے طمع ہوتا ہے، میں نے علامہ محمد داؤدی شافعی فقیہ کی شرح منہج میں دیکھا ہے انہوں نے ع ش کے حوالہ سے فرمایا عاملین میں سے بازاروں، شہروں کے نگران اور

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۵۔۷۴

الاسواق والبلدان ومباشر الاوقاف وكل من يتعاطى امرا يتعلق بالمسلمن انتهى،وعبارة القلانسى ولا يقبل الهدية الا من ذى رحم محرم او وال مقدم عليه فى الرتبة ووجهه ان منع قبولها انما هو للخوف من مراعاته لاجلها وهوان راعى الملك ونائبه لم يراعه لاجلها قوله المحرم هذاالقيد لابدمنه ليخرج ابن العم نهر قوله ولاخصومة لهما قال فى البحر والحاصل ان من له خصومة لايقبلها مطلقا ومن لاخصومة له فان كان له عادة قبل القضاء قبل المعتاد والا لااه اى سواء كان محرما او غيره على مامر عن شيخ الاسلام،قال فى البحر فلوكان من عادته الدعوة فى كل شهر مرة فدعاه كل اسبوع بعد القضاء لايجيبه ولواتخذله طعاما اكثر من الاول لايجيبه الاان يكون ماله قد زاد كذافى التاتارخانية اه اهملتقطا[1]	اوقاف کے ذمہ دار اور تمام ایسے لوگ جن کو مسلمانوں کے امور سے متعلق کیا گیا ہو اھ،اور قلانسی کی عبارت یوں ہے کہ وہ صرف اپنے ذی رحم محرم یا اپنے سے بڑے مرتبہ والے کسی والی کا ہدیہ قبول کرسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدیہ قبول کرنے کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ہدیہ کی وجہ سے ہدیہ والے کی رعایت نہ کرے تو اگر وہ بادشاہ یا اس کے نائب کی رعایت کرے گا تو وہ اس کی رعایت نہ کرینگے،اور اگر کرے گا تو ہدیہ کی وجہ سے نہ کرے گا۔ماتن کا قول"محرم"تو یہ قید ضروری ہے تاکہ چچازاد اس اجازت سے خارج ہوجائے،نہر۔اور اس کا قول کی خصومت نہ ہو(یعنی ان کا مقدمہ نہ ہو)تو بحر میں فرمایا حاصل یہ کہ ان کا ہدیہ مطلقاً قبول نہ کرے اور جس کا مقدمہ نہ ہو تو اگر قضاء سے قبل اس سے ہدیہ وصول کرنے کی عادت تھی تو عادت سے زائد قبول کرنے کی ممانعت ہے،اگر وہ ایسا نہیں تو پھر قبول نہ کرے اھ،یعنی محرم ہو یا نہ ہو جیسا کہ شیخ الاسلام سے منقول گزار،بحر میں فرمایا:اگر قضا سے قبل ایک ماہ پر دعوت کی عادت تھی تو اب قضاء کے بعد ہر ہفتہ دعوت شروع کردی تو قبول نہ کرے اور اگر اب کھانا زیادہ پر تکلف ہو تو قبول نہ کرے،ہاں دعوت قبول کرنے والا پہلے سے زیادہ مالدار ہوگیا تو قبول کرے جیسا کہ تاتارخانیہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۰تا۳۱۲

وفی الھندیۃ یقبل الھدیۃ من الوالی الذی ولاہ ولوکان للخلیفۃ خصومۃ لم یقبل ھدیتہ الابعد الحکم کذافی العتابیۃ[1] اھ۔وفی فتح القدیر قال شیخ الاسلام قالواماذکر فی الضیافۃ فمحمول علی ماذاکان المحرم لم یجری بینھما الدعوۃ والمھاداۃ وصلۃ القرابۃ واحدث بعد القضاء ذٰلك فاذاکانت الحالۃ ھذہ فھو کالاجنبی سواء ومافی الھدیۃ محمول علی انہ کان جری بینھما المھاداۃ وصلۃ القرابۃ قبل القضاء فاذااھدی بعد القضاء لاباس بقبولہ انتھی فقد اٰل الحال الی انہ لافرق بین القریب والغریب فی الھدیۃ والضیافۃ[2] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں ہے اھ ملتقطا،اور ہندیہ میں ہے کہ قاضی اپنے والی کی دعوت قبول کرے جس نے اس کی تقرری کی ہے اور خلیفہ کا کوئی مقدمہ اس کے پاس ہو تو پھر فیصلہ کرنے کے بعد اس کی دعوت قبول کرے، جیسا کہ عتابیہ میں ہے اھ،اور فتح القدیر میں فرمایا: شیخ الاسلام نے فرمایا: فقہاء کرام نے کہا ہے کہ ضیافت کے متعلق جو مذکور ہے وہ اس بات پر محمول ہے کہ محرم کی عادت اگر پہلے سے ہدیہ، دعوت اور قرابت کا صلہ جاری نہ ہو اور اب قضاء کے بعد ہدیہ دے تو ایسی حالت میں وہ محرم اور اجنبی مساوی ہیں،اور جو ہدیہ سے متعلق مذکور ہے وہ پہلے سے جاری ہدیہ اور صلہ قرابت پر محمول ہے اگر یہ قضاء کے بعد بھی ہدیہ دے تو قبول کرنے میں قباحت نہیں ہے اھ تو حال کا مآل یہ ہوا کہ ضیافت اور ہدیہ کے معاملہ میں قریبی اور غیر قریبی کا کوئی فرق نہیں الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ یعقوب علی خاں ۱۳/رمضان مبارک ۱۳۱۱ھ

اکمل کامل وافضل افاضل مولانا احمد رضاخان صاحب بعد ابراز مراسم سلام مصدع خدمت ہے کہ اب بادشاہی اسلام کا ہندوستان میں نشان باقی نہیں اور جو بعض بعض ملک میں نواب اسلام ہیں وہ بھی اجرائے تمام احکام شرعی کے مجاز نہیں اور عہدہ قضاتوجب سے مفقود ہے برائے نام قاضی ہیں ملبوس علم سے مبرا اور ان میں بھی ثقہ چیدہ چیدہ، باوجود ان وجوہات کے وہ قاضی وحکام ہنود وغیرہ ولایت عامہ کا خاصہ رکھتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو قاضی شرع کسے قرار دیا جائے کہ اسے ولایت صبی وصبیہ کی ہو۔ زیادہ نیاز۔

الجواب:

اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعًا قاضی ہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب التاسع فی رزق القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۷۲

والی کی طرف سے جو اختیارات جائز انہیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیر غلبہ کفار ہوں۔

فی جامع الفصولین کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوزفیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامٰی لاستیلاء المسلم علیھم واماطاعۃ الکفرۃ فھی موادعۃ ومخادعۃ[1] الخ ویأتی تمامہ ونحوہ فی ردالمحتار عن التتارخانیۃ وعن معراج الدرایۃ عن المبسوط وعن شرح مسکین عن الاصل۔	جامع الفصولین میں ہے جس شہر میں کفار کی طرف سے مقرر کردہ مسلمان والی ہو تو وہاں جمعہ، عیدین، خراج وصول کرنا، قاضی حضرات کو مقرر کرنا اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کردینا جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا وہاں غلبہ ہے، رہا یہ کہ کفار کی اطاعت ہے تو یہ عارضی معاملہ اور دکھاوا ہے الخ اس کی مکمل بحث عنقریب آئے گی، اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ایسا ہی منقول ہے اور اس میں معراج الدرایہ بحوالہ مبسوط اور شرح مسکین بحوالہ اصل، سے بھی منقول ہے۔ (ت)

اور ان کا جاہل ہونا مذہب اصح پر منافی قضا نہیں کہ جاہل عالم سے فتوی لے کر کام کرسکتا ہے،

فی جامع الفصولین کونہ عالما او مجتھدا لیس بشرط[2]۔	جامع الفصولین میں ہے کہ قاضی کا عالم یا مجتہد ہونا شرط نہیں ہے۔ (ت)

یونہی غیر ثقہ بلکہ فاسق ہونا بھی، اگرچہ فاسق کو قاضی کرنا گناہ ہے،

فی الفتح والوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا فیحکم بفتوی غیرہ[3] اھ۔ وفی الدر المختار الفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادتہ بہ یفتی[4]۔	فتح میں ہے کہ صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو صاحب شوکت سلطان قاضی مقرر کردے اگرچہ وہ جاہل فاسق ہو اس کی قضا ہمارے ہاں نافذ ہوجائے گی یہی ظاہر مذہب ہے اور ایسی صورت میں وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر عمل کرے گا اھ، اور درمختار میں ہے فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضا کا اہل ہوگا لیکن لازم ہے کہ ایسے کو مقرر نہ کیا جائے اور مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا جیسا کہ ایسے کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہوگا، اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل بہ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱/ ۱۴

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء ومایتصل بہ المطبعۃ الازہریہ مصر ۱/ ۱۴

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

[4] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اسی طرح بعض احکام مثل حدود میں اجرائے حکم شرع سے ممنوع ہونا بھی کہ اگر یہ ممانعت یوں ہے کہ وہ مد جس میں شرع سے مخالفت کرتے ہیں اس قاضی کی حد سماعت ہی سے خارج رکھی اور اسے جن مقدمات کے سننے کے اختیار دیا ان میں اتباع شرع سے منع نہ کیا جب تو ظاہر کہ قضا ہر طرح صالح تخصیص ہے **کما نص علیہ فی الاشباہ وغیرہا** (جیسا کہ اس پر اشباہ وغیرہ میں تصریح ہے۔ت) اور اگر یوں کہ بعض امور مفوضہ میں مطابق شرع حکم دینے سے منع کیا تاہم قضا متحقق ہے اگرچہ ایسی جگہ اس کا اختیار کرنے والا فاسق ہے،

فی الدرالمختار یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافر اذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[1]۔	درمختار میں ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم اس کا قاضی مقرر کرنا جائز ہے اور اگر کافر ہو تو بھی جائز ہے اس کو مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ہاں اگر کافر قاضی کو حق کے فیصلوں سے منع کرے تو پھر اس کی طرف سے تقرری حرام ہوگی۔(ت)

ہاں مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے ہندو وغیرہ کفار کو مسلمان پر اصلاً ولایت نہیں ہوسکتی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی کافروں کو مسلمانوں پر کوئی ولایت نہ دے گا۔(ت)

غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح، اور جہاں اسلامی ریاست اصلاً نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لئے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے،

فی جامع الفصولین بعد مامر عنہ اولا، واما فی بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین[3] **الخ ونحوہ فیما مر معہ من الکتاب۔**	جامع الفصولین میں اولاً مذکور کے بعد ذکر کیا کہ لیکن وہ شہر جہاں کافر والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کی رضا واتفاق سے جمعہ، عیدین کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہوگا الخ اور ایسا ہی اس کے ساتھ کتاب میں بھی مذکور ہے۔(ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

اور اگر ایسا نہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالم دین وفقیہ ہو اور اگر وہاں چند علماء ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علم دین رکھتا ہو وہی حاکم شرع ووالی دین اسلام و قاضی وذوی اختیار شرعی ہے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں، یتیمان بے ولی پر وصی اس سے مقرر کرائیں نابالغان بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں ایسی حالت میں اس کی اطاعت من حیث العلم واجب ہونے کے علاوہ من حیث الحکم بھی واجب۔

فی الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة وفی العتابی اذاخلاالزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیھم و یصیرون ولاة فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائه فان کثروافالمتبع اعلمھم فان استووااقرع بینھم وقال السمھودی وھذامن حیث انعقاد الولایة الخاصة فلاینافی وجوب طاعة العلماء مطلقًا[1] الخ۔	حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے کہ عتابی میں ہے کہ جب سلطان اسلام سے زمانہ خالی ہو تو پھر امور علماء کے سپرد ہوں گے اور وہی والی قرار پائیں گے اور امت پر لازم ہوگا کہ ان کی طرف رجوع کریں اور ایک عالم پر اجتماع سب کے لئے دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے علماء کی اتباع کرے، اور اگر ایک علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو بڑے عالم کی اتباع ہوگی، تو اگر وہ سب مساوی ہوں تو ایک کو قرعہ اندازی کے ذریعہ متعین کریں۔ سمہودی نے فرمایا: یہ بیان ولایت خاصہ کے متعلق ہے تو علماء کی مطلقًا اطاعت کے وجوب کے منافی نہ ہوگا الخ۔ (ت)

رہے یہ نکاح خوانی کے قاضی جو گاؤں گاؤں مقرر ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں، نہ انہیں کچھ ولایت، **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷: یکم صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی شادی کی، بعد انتقال والدین کے، اپنے پاس سے رسومات شادی میں مثل زیور اور پارچہ وغیرہ میں صرف کیا، بعدہ اولاد ہونے میں صرف کیا، اور جب اس بھائی کا انتقال ہوا تو صرف تجہیز و تکفین اور چہلم وغیرہ کا کیا، پس اس صورت میں زوجہ اور دختر کے حصہ سے کس قدر ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ چھوٹا بھائی وقت شادی بالغ تھا، قریب بیس برس کے عمر ہوگی، اور اس کا اپنا کچھ

[1] الحدیقۃ الندیۃ النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/۳۵۱

مال نہ تھا، نہ بڑے بھائی نے مال مشترک سے اس کی شادی کا صرف کیا بلکہ خاص اپنا ذاتی مال اٹھایا اور اس صرف کی نہ چھوٹے بھائی نے درخواست کی تھی نہ بڑے نے اس سے اجازت لی، بلکہ بطور خود جیسے والدین اپنے بچوں اور ان کے نہ ہونے کی حالت میں بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کی شادیاں کرتے ہیں شادی کردی، پس صورت مستفسرہ میں بڑا بھائی ان مصارف کو کسی سے مجرا نہیں لے سکتا،

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ ولا مضطرا الیہ فانہ یعد متبرعا فلا یرجع بشیئ۔	کیونکہ جس نے غیر کے معاملہ میں اس کے حکم اور کسی مجبوری کے بغیر خرچ کیا تو وہ خرچہ بطور نیکی ہوگا لہٰذا اس خرچہ کی وصولی کے لئے رجوع نہ کرسکے گا۔(ت)

ہاں اگر رسم ورواج عام ظاہر سے کسی شیئ کی نسبت ثابت ہو کہ یہ چیز سامان شادی میں اس قوم میں محض بطور عاریت دی جاتی ہے دے ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو صرف اس شے کا استحقاق بڑے بھائی کو ہے اگر وہ شے موجود ہے لے لے اور تلف ہوگئی تو کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا فان العواری امانات لاتضمن الابالتعدی (کہ عاریتاً لی ہوئی چیزیں امانت ہوتی ہیں ضائع کئے بغیر ان کا ضمان نہ ہوگا۔ت) اور اگر چھوٹے بھائی یا اس کی زوجہ نے خود خرچ کردی تلف کرڈالی تو جس نے کی اس سے اس کا تاوان لے سکتا ہے، اسی طرح بھائی کے اولاد ہونے میں جو اٹھایا اس کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں جبکہ بنظر عرف صرف احسان وسلوک منظور ہوتا ہو، اور اگر عرف سے یہ ثابت ہو کہ اس تقریب میں جو کچھ بڑا بھائی چھوٹے کے یہاں دیتا ہے وہ بطور قرض ہوتا ہے کہ جب اس کے یہاں تقریب ہو تو اسے معاوضہ دینا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض ہے اس کا عوض ترکہ برادر سے پائے گا کما یستفاد ذٰلک من نص الفتاوی الخیریۃ (جیساکہ فتاوٰی خیریہ کی تصریح سے یہ مستفاد ہے۔ت) اور صورت مسئولہ میں جب کہ بڑا بھائی چھوٹے کا وارث ہے کہ زوجہ ودختر کے ساتھ بھائی بھی حصہ پاتا ہے تو جو کچھ اس نے چھوٹے بھائی کے کفن ودفن بقدر سنت میں لگایا اسی قدر مجرا لے سکتا ہے اس سے زائد جو کچھ فاتحہ وسوم وچہلم میں اٹھایا وہ بھی نرا احسان تھا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی فی فرائض حاشیۃ علی الدر المختار (جیساکہ علامہ طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں اس پر تصریح کی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۸: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب غرہ ۲ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام سابق میں قصبہ بڑوانی میں حاکم ہنود تھا اس کو بادشاہ اسلام نے مشرف باسلام کرکے عہدہ قضاء پر مقرر کیا تھا بعد معدود الایام کے وہ راہی سوئے جناں ہوا اس کی اولاد سے ورثہ مسلم نہ تھا اولاد ہنود اس کی اس کے قائم مقام ہوئی اور دفتر قضا بھی اس کے قبضہ میں رہا ان ایام میں

مسلمان وہاں کے مذہب سے واقف نہ تھے موافق حکم حکام ہنود نکاح ہوتا رہا اب جماعت اہل اسلام اپنا قاضی مسلم مقرر کیا چاہتی ہے، درست ہے یاکہ وہی حکام ہنود عہدہ قضاء پر قائم رہے اور چند ملازم مسلم اس کے طرفدار کس سزا کے مستحق ہیں، ان مسائل میں جو حکم مصدق بالتصدیق ہو بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہ اجمعین۔

الجواب:

شریعت مطہرہ میں مسلمانوں پر کوئی عہدہ حکومت کسی کافر کو دینا روا نہیں،

قال تعالٰی لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہر گز کافروں کو مومنین پر ولایت نہ دے گا۔ (ت)

نہ مسلمان کے نکاح بر طریقہ کفار کرنے روا ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطانوں کے راستوں کی پیروی نہ کرو۔ (ت)

نہ مسلمانوں کو دینی کام میں کافر سے مدد لی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرک [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہم کسی مشرک سے مدد نہ لیں گے۔ (ت)

جو مسلمان اس ہندو کے طرفدار اور مددگار ہیں شرعًا مستحق تعزیر وگنہگار ہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ" [4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مومن کفار کو اپنا دوست نہ بنائیں مومنین کے علاوہ۔ (ت)

ان پر اس ناجائز طرفداری سے توبہ لازم ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور عداوت میں ایک دوسرے سے تعاون مت کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد حدیث ۱۵۰۰۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۴

[5] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۳۹: ازبنارس کندیگر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب غرہ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند محمد کے چار پسر تھے: تاج محمد، لطف اللہ، کریم اللہ، عبدالواحد۔اور ایک دختر جان بی بی۔ چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اپنے روپے سے تاج محمد کے نام نیلام میں خریدکیا، کچھ روز بعد چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اور تھوڑی سی زمین تاج محمد مذکور اور لطف اللہ پسر ثانی کے نام اپنے روپے سے خرید کیا، بوقت خرید دونوں پسر بالغ تھے، چونکہ واقعہ ستر برس کا ہے لہٰذا یہ نہیں معلوم کہ الفاظ بیع وشراء کے کس کی جانب مضاف تھے لیکن قبالہ مکان وزمین چاند محمد نے تاج محمد ولطف اللہ کے نام کیا مگر قبضہ کسی کو نہ دیا کرایہ مکان ہمیشہ آپ لیتے رہے، بعد چند سال کے تاج محمد ایک پسر فیض اللہ کو چھوڑ کر اپنے والد وبرادران وخواہر کی حیات میں قضا کیا بعدہ چاند محمد نے دونوں مکان توڑ کر مع زمین کے اس پر مکان پختہ اپنے روپے خاص سے تیار کیا، بعد ازاں لطف اللہ نے انتقال کیا، غرض دونوں پسر جن کے نام مکان زمین خرید کی گئی انتقال کرگئے، بعدہ چاند محمد کو اتفاق سفر حج کا ہوا بوقت سفر حج کریم اللہ وعبدالواحد وغیرہ نے اپنے والد سے کہا کہ فیض اللہ تو مجوب ہوگئے لیکن ان کو کچھ دینا چاہئے بوجہ کہنے پسران کے چاند محمد نے کہا کہ فلاں مکان دیا جائے، چنانچہ سادہ کاغذ پر لکھ بھی دیا لیکن قبضہ نہ دیا چونکہ کاغذ گم ہوگیا لہٰذا مجبوری ہے ورنہ اس کے مضمون سے اطلاع دی جاتی، بعد واپسی سفر حج کے چاند محمد نے فیض اللہ مجوب اور ایک اپنے پسر عبدالواحد کو لے کر مکان تحریر میں قیام کیا، بعد ازاں چاند محمد کریم اللہ وعبدالواحد وجان بی بی کو چھوڑ کر انتقال کرگیا، اس وقت مکان مذکور میں فیض اللہ مجوب اور عبداللطیف مقیم ہیں، خلاصہ سوال یہ ہے کہ فیض اللہ اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا وہ مکان پائیں گے جو ان کے نام چاند محمد نے بوقت سفر حج کے لکھا تھا یا کچھ نہ پائیں گے، اگر مکان متنازع فیہ میں سے حصہ پائیں گے تو اس قدر مالیت دی جائے گی جو ان کے والد تاج محمد کے نام خرید ہوئی تھی یا جس قدر عمارت چاند محمد نے بعد انتقال تاج محمد کے بنوائی تھی سب فیض اللہ کو مع اس زمین سابق کے ملے گی، **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مجرد قبالہ کوئی حجت شرعیہ نہیں، نہ صرف اس کی بناء پر کچھ حکم ہوسکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کرسکتا ہے، فتاوٰی امام قاضی خاں واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ للرملی اما الثبوت بمجرد اظھار الحجۃ بلا بینۃ شرعیۃ فلاقائل بہ من ائمۃ الحنفیۃ المعتمد علی	رملی کے الفاظ ہیں: محض خط کو حجت ظاہر کرنا ثبوت کے لئے بغیر گواہی کے، تو ائمہ احناف میں سے جن کے قول پر اعتماد ہے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے

قولھم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی ھی البینۃ والاقرار والنکول وھذا لاتوقف فیہ لاحد[1]۔	کیونکہ خط محض تحریر ہے جو شرعی تین دلائل سے خارج ہے شرعی دلائل گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہیں، اس میں کسی کو توقف نہیں ہے۔(ت)

خصوصًا صورت مستفسرہ کا قبالہ تو بنظر عرف غالب بھی قابل لحاظ نہیں، ایسی صورت میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ باپ بطور خود خرید کر بغرض تخفیف خرچ وتقلیل مسافت قبالہ اولاد کے نام کرادیتا ہے مقصود اولاد کو تملیک کرنا ہوتا ہے نہ کہ فضولی بن کر کوئی عقد از جانب اولاد کرنا جس کا نفاذ اجازت اولاد بائعین پر موقوف ہے یعلم ذٰلک کل من عرف العرف الشائع بینھم (جو آپس کے مشہور عرف کو جانتا ہے اسے یہ معلوم ہے۔ت) ولہٰذا اس عقد کے بعد بائعین کو بلاتامل تحریر قبالہ وغیرہ تکمیلات عرفیہ کرادیتے ہیں اولاد کے منتظر نہیں رہتے۔ یہ قبالہ ان کے نام کرانا بحکم عرف جانب مشتری سے دلیل تملیک وہبہ ہوتا ہے، چاند محمد کا بعد تحریر قبالات مکانات پر اپنا قبضہ رکھنا شکست وریخت بنائے عمارت پختہ وغیرہا تصرفات مالکانہ کرتے رہنا فیض اللہ کو محجوب الارث مان کر اس کے لئے کسی جائداد لکھنے کی ذکر کرنا یہ سب معاملات دلیل واضح ہیں کہ وہ خریداریاں چاند محمد نے اسی عرف غالب کے طور پر کی تھیں اور ازانجا کہ تاج محمد ولطف اللہ پیش از قبضہ مکانات انتقال کرگئے وہ ہبہ عرفی باطل ہوگیا اور مکانات بدستور ملک چاند محمد پر رہے اگر بعقد شرعی اس کی ملک میں آگئے تھے، ورنہ اکثر یہ نیلام کہ ڈگریوں میں ہوا کرتے ہیں ہرگز بیع نافذ شرعی نہیں، نہ ان کے سبب وہ شے ملک مشتری میں داخل ہو جب تک اصل مالک اس بیع کو جائز ونافذ نہ کریں کما بیناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰینا (جیسا کہ اس کو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[2] اھ ملتقطا۔	عقد کرنے والے دونوں فریقوں میں سے ایک کی موت ہبہ میں رجوع کے لئے مانع ہے جب ہبہ پر قبضہ کے بعد موت واقع ہوئی ہو اور اگر قبضہ سے قبل موت واقع ہوئی تو ہبہ باطل ہوجائیگا اھ ملتقطا (ت)

پس فیض اللہ کا اس مکان میں اصلًا حق نہیں، ہاں اگر شہادت مقبولہ شرعیہ سے ثابت کرتا کہ خاص عقد بیع بنام تاج محمد واقع ہوا چاند محمد اس ایجاب وقبول میں محض فضولی تھا، پھر تاج محمد نے اس شراء فضولی کو جائز

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی ۲/ ۱۲، باب خلل المحاضر والسبحلات ۲/ ۱۹، کتاب الوقف ۱/ ۲۰۳و۲۲۸، کتاب الدعوی ۲/ ۷۴، اشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشھادۃ ۱/ ۳۳۸

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

کیا اور مالک مکان ہوا تو البتہ جو مکان ملک تاج محمد تھا اس سے بقدر اپنے سہم شرعی کے فیض اللہ کو ملتا اور اس کے عملہ قدیم کا تاوان بھی بقدر اپنے حصہ کے ترکہ چاند محمد سے پاتا جسے اس نے توڑ ڈالا تھا، مگر یہ عمارت پختہ کہ چاند محمد نے اپنے روپے سے بنائی اس میں فیض اللہ کا یوں بھی حق نہ ہوتا جب تک شہادت شرعیہ سے ثابت نہ کرتا کہ یہ تعمیر چاند محمد نے بطور خود تاج محمد ہی کے لئے بنائی یا تاج محمد نے اس سے درخواست کرکے بنوائی،

فی الدر عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها و النفقة دین علیها ولو لنفسه بلا اذنها فالعمارة له ولها بلا اذنها فالعمارة لها وهو متطوع فی البناء، ولو اختلفا فی الاذن وعدمه ولا بینة فالقول لمنکرہ بیمینه، وفی ان العمارة لها اوله فالقول له[1] اھ ملخصًا۔	در میں ہے اگر خاوند نے اپنے مال سے بیوی کا مکان تعمیر کیا اگر بیوی کی اجازت سے کیا تو مکان بیوی کا ہوگا خرچہ بیوی پر قرض ہوگا اور اگر بیوی کی اجازت کے بغیر اپنے لئے تعمیر کیا تو عمارت خاوند کی ہوگی، اگر بیوی کے لئے اس کی اجازت کے بغیر بنایا تو عمارت بیوی کی ہوگی اور تعمیر خاوند کی طرف سے مفت ہوگی، اور اگر اذن اور عدم اذن دونوں کا اختلاف ہو اور گواہی نہ ہو تو منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اور عمارت کی ملکیت میں اختلاف ہو کہ بیوی کا ہے یا خاوند کا ہے تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اھ ملخصًا (ت)

یوں ہی وہ مکان کہ وقت سفر حج چاند محمد نے فیض اللہ کو دیا اور قبضہ دینے سے پہلے انتقال کیا اس میں بھی فیض اللہ کا کوئی حق نہ رہا،

لما علمت ان موت احدهما قبل القبض یبطل الهبة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ تجھے معلوم ہے کہ قبضہ سے قبل ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰ تا ۴۱: ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے کہ میرا مہر پانسو روپیہ تھا اور گواہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہمارے سامنے ہوا لیکن مہر یاد نہیں تو ہندہ کو کس قدر مہر بموجب شرع شریف کے ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

(۲) ہندہ کہتی ہے کہ مہر میرا مبلغ پانسو روپیہ کا تھا اور گواہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے مہر پانسو روپے کا باندھا گیا تھا اور ہم گواہ تھے لیکن مجوزان گواہوں پر اطمینان نہیں کرتے ہیں تو بموجب شرع شریف کے کس قدر مہر ہونا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

الجواب:

(١) اگر یہ پانسو روپے ہندہ کا مہر مثل یا مہر مثل سے کم ہے تو پورے پانسو دلائے جائیں گے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں، اور اگر زیادہ ہے تو جتنا مہر مثل ہے اس قدر ضرور دلایا جائے، باقی زیادتی بے شہادت شرعی یا بے قبول زوج کے نہ دلائیں گے، فتاوٰی قاضیخان وعالمگیری میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلك الیھا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر نکاح مشہور ومعروف ہے تو مہر مثل تک بیوی کا دعوی قبول ہوگا اور اسے دے دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(٢) اگر وہ گواہ شرعًا قابل اطمینان نہیں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس صورت میں مہر مثل تک ہندہ کی بات بے گواہ مان لی جائے گی اس سے زیادتی مقبول نہ ہوگی جب تک شوہر یا اس کے وارث تسلیم نہ کریں یا عورت گواہان شرعی سے ثبوت نہ دے۔

مسئلہ ۴۲ تا ۴۳: از الہ آباد محلّہ دوندے پور مکان صوبہ دار مرحوم مرسلہ مولوی محمد عبید اللہ صاحب ١٣ جمادی الاولٰی ١٣١٣ھ

جامع الکمالات العلمیہ والعملیۃ حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ مخدوعی المعظم ومطاع مفخم والاشان جناب مولوی کا احمد رضا خان صاحب دام مجدہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ استفتاء پنجاب سے آیا ہے اصل مستفتی صاحب ذی علم کی عبارت بعینہا درج استفتاء ہے۔

سوال اول: چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے روبروئے چند اشخاص اقرار نمود کہ باوالدہ منکوحہ خود زنا نمودم بعد از چہار پنج ماہ مثلًا منکوحہ خود را درخانہ خود آوردو آباد شد ندگرفت مرد مان طعن کردند از اقرار سابق رجوع نمود حکومت ایں امر پیش عالم شہر برد شہود براقرار ش بحضور آں پیش قاضی شہادت ادا نمودند عالم موصوف بموجب شہادت حکم بحرمت آں منکوحہ کرد، براں حکم راضی شدہ ہموں وقت	**سوال اول:** کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے چند اشخاص کے روبرو یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کیا ہے، اس کے چند ماہ بعد وہ اپنی منکوحہ کو اپنے گھر لایا اور آباد کرلیا، لوگوں نے اس پر طعن کیا تو وہ اپنے سابقہ اقرار سے پھر گیا، یہ فیصلہ شہر کے عالم کے پاس گیا تو گواہوں نے اس کے اقرار پر قاضی کے سامنے شہادت دی تو عالم مذکور نے بموجب شہادت اس پر منکوحہ کے حرام ہونے کا حکم دیا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ٨۵٩

زوجہ خود را والد آں نمود واز خانہ بیروں کرد آیا در صورت مزبورہ منکوحہ برآں مقر حرام میشود یانہ وبعد گزشتن عدت نکاحش باشخص دیگر جائز یانہ؟ **بینوا توجروا**۔	تو وہ شخص اس حکم پر راضی ہوگیا اسی وقت اس نے زوجہ کو اس کے والد کے حوالے کردیا اور اپنے گھر سے نکال دیا، کیا مذکورہ صورت میں اقرار کرنے والے پر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے یانہیں؟ اور عدت گزارنے کے بعد وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یانہیں **بینوا توجروا**۔ (ت)

سوال دوم: ایک اور مسئلہ بھی جناب محرر تحریر دام مجدہم نے جناب والا سے دریافت فرمایا ہے اس کے سوال کو بھی انہیں کی عبارت سے عرض کرتا ہوں:

"مسئلہ دیگر از فاضل علامہ بریلوی دام فیضہم پرسش فرمایند کہ حاکمان وقت کہ مقدمہ برضائے فریقین حوالہ عالمے مے نمایند وازاں عالم استدعائے فیصلہ مے نمایند عالم موصوف دراں مقدمہ حکم قاضی دارد یا حکم ست واگر فریقین یا کہ یک فریق بلا امر حاکم آنرا معزول کند معزول می شود کہ بسبب حوالہ کردن حاکم وقت حکم قاضی گرفت بغیر عزل حاکم معزول نمی گردد بتفصیل جواب ایں سوالات از علامہ موصوف استدعا کنند"۔ **انتہت بالفاظہا**۔	"دوسرا مسئلہ علامہ فاضل بریلوی دام فیضہم سے پوچھیں کہ حاکمان وقت نے فریقین کی رضامندی سے مقدمہ ایک عالم کے سپرد کیا اور اس سے فیصلہ طلب کیا، تو عالم مذکور کو اس مقدمہ میں قاضی کی حیثیت حاصل ہوگی یا ثالث کی اور اگر دونوں یا ایک فریق حاکم کی اجازت کے بغیر اس کو معزول کردیں تو وہ معزول قرار پائے گا یا حاکم وقت کے سپرد کرنے کی وجہ سے اس کا حکم قاضی والا ہوگا کہ حاکم کے معزول کئے بغیر معزول نہ ہوگا، اس سوال کا جواب علامہ صاحب سے بالتفصیل حاصل کریں"۔ سائل کے الفاظ ختم۔ (ت)

الجواب:

(ا) سائل فاضل بعد استکشاف وانمودند کہ مراد بقاضی مذکور فی السوال ہماں عالم ست غیر او عالمے جید دراں بلدہ نیست اہالی بلدہ وقت حاجت بمرضی خود رجوع باومی نمایند آں اعلم اہل بلد گاہے فیصلہ نزاع مے نماید وگاہے جواب می دہد قاضی شرع آنجا کسے نیست مردمان شہر	وضاحت طلب کرنے کے بعد سائل نے یہ ظاہر کیا ہے کہ سوال میں مذکور قاضی سے مراد عالم ہے جس سے بڑا کوئی عالم شہر میں نہیں ہے شہر والے لوگ اپنی ضروریات پر اپنی مرضی سے اس عالم سے رجوع کرتے ہیں تو شہر کا یہ بڑا عالم کبھی تنازع میں فیصلہ سناتا ہے اور کبھی جواب دے دیتا ہے، اس شہر میں کوئی قاضی شرع

که شخصے مذکور روبروئے ایشاں چندیں بار بمجالس متفرقه اقرار زنا بمادر زنش کردو بازره انکار وجحود اقرار نورد حسب معمول ماجرا پیش عالم موصوف بردند و تصفیه ایں امر باستماع شهود خواستند آں کس نیز پیش عالم رفته گفت که اینان برمن دروغ بسته اند گاہے اقرار ایں کار نه کرده ام ازروئے شرع شریف فیصله ایں امر فرمایند اگر اقرار من بموجب شریعت ثابت شود زوجه مرااز من تفریق نمایند عالم موصوف باستدعائے اہالی بلد وآں مقر شهود را طلب نمود اقرار پیش مرد مان بسیار کرده بود مگر چار اشخاص را که نزد او معتبر بودند پیش خواند گواہان نزد عالم بحضور آں مقر بغیبت زنش ادائے شہادت کردند، بعد ثبوت عالم بثبوت اقرار زنا حرمت زن حکم کرد مقر را فرمود که زن را فی الحال حواله والدش کن والد منکوحه بمجلس حکم حاضر بود مقر تسلیم نمود و گفت اینک ہمچناں کنم مجلس برخاست مقر ہموں وقت زن را حواله پدرش نمود زوجه را دریں باب دخلے نه بود محض زوج واہالی بلده درخواست ایں فیصله نمودند لکن زوجه بریں قضاو حکم راضی گشت انتہی ودرسوال افزودند که اگر زن را دریں صورت بشخصے دیگر نکاح رواست بسبب تفریق عالم ست یا بسبب حوالت کردن زوج ومحکم رااختیار تفریق مثل قاضی ہست یا نے انتہی، درصورت مستفسره که بلاد بوجه استیلائے نامسلمانان از قاضی شرع خالی ست اگر ہمه از تصریح علماء کرام که درہیچو مقام

نہیں ہے وہ لوگ جن کے روبرو مذکور شخص نے مختلف مجلسوں میں متعدد بار اپنی منکوحہ کی والدہ سے زنا کا اقرار کیا بعد ازاں اس نے اپنے اقرار سے انکار کیا تو ان لوگوں نے حسب معمول ماجرا عالم موصوف کے ہاں پیش کیا اور گواہوں کی شہادت پر اس ماجرا کا فیصلہ طلب کیا اور وہ مذکور شخص بھی عالم کے پاس گیا اور کہا کہ ان لوگوں نے مجھ پر افتراء باندھا ہے میں نے اس کام کا اقرار نہیں کیا لہٰذا آپ ازروئے شرع شریف اس معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اگر بموجب شرع میرا اقرار ثابت ہوجائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردیں، تو عالم موصوف نے شہر والوں اور اس اقرار کرنے کے مطالبہ پر گواہ طلب کئے اگرچہ متعدد لوگوں کے سامنے اس نے اقرار کیا ہے مگر صرف چار گواہ جو عالم مذکور کے نزدیک معتبر تھے طلب کئے اور گواہوں نے اقرار کرنے والے کی موجودگی اور اس کی بیوی کی غیر موجودگی میں گواہی دی تو عالم مذکور نے اقرار کے ثابت ہوجانے پر اس شخص پر اس کی بیوی کے حرام ہونے کا فیصلہ فرمایا، اور مقر کو حکم دیا کہ عورت کو فوراً اس کے والد کے حوالے کردو جبکہ منکوحہ کا والد فیصلہ کی مجلس میں موجود تھا، مقر نے اس فیصلہ کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے ہی کروں گا، مجلس ختم ہوگئی، اور مقر نے اسی وقت عورت کو اس کے والد کے سپرد کردیا، عورت کا اس میں کوئی دخل نہ ہوا، اور محض شہر والوں اور خاوند کی درخواست پر یہ فیصلہ ہوا، لیکن بیوی نے اس فیصلہ کو راضی خوشی قبول کیا، وضاحت ختم ہوئی،

عالم دین کہ اعلم اہل بلد باشد قاضی و والی شرع میشود، فی النوع الثالث من الفصل الثانی من الباب الثانی من الحدیقة الندیة الطریقة المحمدیة للعلامة العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی عن الفتاوی العتابیة للامام الاجل ابی نصر احمد بن محمد بن عمر البخاری العتابی المتوفی ۵۸۶ھ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایة فالامور موکلة الی العلماء ویلزم الامة الرجوع الیھم ویصیرون ولاة فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم [1] الخ، قطع نظر کنیم تا رجوع مسلمین بلد بسوئے او در خصومات وترافع باو در قضا باو رضا بحکمش در فیصلہا	سوال میں انہوں نے یہ اضافہ کیا ہے اگر اس صورت میں عورت کو دوسرے شخص سے نکاح جائز ہو تو یہ جواز عالم کی تفریق سے ہوگا یا خاوند کی طرف سے بیوی کو اس کے والد کے سپرد کرنے کی وجہ سے ہوگا، اور کیا ثالث کو قاضی کی طرح تفریق کا اختیار ہے یا نہیں (اضافہ ختم ہوا) مسئولہ صورت میں حکم یہ ہے کہ جو علاقے کفار کے غلبے کی وجہ سے قاضی سے خالی ہوں تمام علماء کرام کی تصریح کے مطابق ایسے مقامات میں جو شہر کا بڑا عالم ہو وہ قاضی قرار پاتا ہے اور شرعًا والی بن جاتا ہے، طریقہ محمدیہ کی شرح حدیقہ ندیہ کی نوع ثالث کے باب ثانی کی فصل ثانی مصنفہ علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی (قدس سرہ القدسی) میں فتاوٰی عتابیہ مصنفہ امام اجل ابو نصر احمد بن محمد بن عمر بخاری عتابی متوفی ۵۸۶ھ کے حوالے سے منقول ہے کہ جب زمانہ شرعی سلطان سے خالی ہو تو امور علماء کے سپرد ہو جاتے ہیں اور امت پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان علماء کی طرف رجوع کرے اور یہ علماء والی بن جاتے ہیں تو جب تمام لوگوں کا ایک عالم پر اجتماع دشوار ہے تو ہر علاقہ اپنے علماء کی اتباع کرے اور اگر علاقہ میں علماء کثیر ہوں تو پھر سب سے بڑے عالم کی اتباع ہوگی اور اگر سب برابر ہوں تو قرعہ اندازی سے متعین کیا جائے الخ، اس سے قطع نظر شہر کے مسلمانوں کا اپنے تنازعات میں اس کی طرف رجوع کرکے فیصلے لینا اور اسکے فیصلوں کو

[1] الحدیقة الندیة النوع الثالث من الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

برائے قضائے شرعی او بسند ست کہ بہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید وتولیہ سلطان دین ست فی جمعۃ ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن المبسوط لوالولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ[1]۔وفی قضائہ عن التتار خانیۃ امابلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ قال وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین[2] اھ ای فی الفصل الاول منہ مثلہ بحروفہ وعنہ نقل فی البحر و اینجا شہادت شنودن وحکم نمودن راہیچ حاجت بتقدیم دعوی از جانب زن نبود زیراکہ حرمت فرج از حقوق رب العزۃ عزوعلاست و اثبات مصاہرت ازابواب شہادت حسبہ فی وقف ردالمحتار تحت قولہ والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشرۃ مانصہ وھی الوقف

رضامندی سے قبول کرنا یہ بھی اس عالم کی شرعی قضاء کے لئے خود سند ہے کیونکہ ایسی صورت میں مسلمانوں کا متفق ہونا سرکاری ولایت اور تقرری کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔ ردالمحتار کے جمعہ کے باب میں معراج الدرایہ سے بحوالہ مبسوط منقول ہے اگر والی کافر ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام اور قاضی کا تقرر جائز ہے وہ مسلمانوں کی رضامندی سے قاضی ہوجاتا ہے اھ،اسی کے باب القضاء میں تاتارخانیہ سے منقول ہے وہ علاقے جن پر کفار والی ہیں وہاں مسلمانوں کو جمعہ،عیدین قائم کرنا جائز ہے اور ان کا باہمی رضامندی سے مقرر کردہ قاضی، قاضی قرار پائے گا،فرمایا اس کو مسکین نے اپنی شرح میں مبسوط کی طرف منسوب کیاہے،اور جامع الفصولین میں بھی اس طرح ہے یعنی اس کی پہلی فصل میں انہی حروف کے ساتھ ایسے مذکور ہے اور اسی سے بحر میں منقول ہے،یہاں شہادت کی سماعت اور فیصلہ کرنے کے لئے عورت کی طرف سے دعوی کی حاجت نہیں ہے کیونکہ شرمگاہ کی حرمت حقوق اللہ میں سے ہے اور حرمت مصاہرت کا اثبات شہادت حسبہ (یعنی حقوق اللہ کے تحفظ کے لئے) کے باب سے ہے،ردالمحتار کے باب الوقف میں ماتن کے قول، وہ مقام جہاں حسبہ شہادت بغیر دعوی قبول ہوتی ہے وہ چودہ مقام ہیں،اس کی عبارت یوں ہے،وہ مقام،

---

[1] ردالمحتار باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰-۵۴۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

وطلاق الزوجة(الٰی قولہ)وحرمة المصاھرة [1] الخ پس حکم تفریق کہ از عالم مذکور صادر شد قضائے شرعی تام ونافذ وواجب الاتباع ست از ہموں وقت مدت عدت بشمار آید واگر ازیں ہم در گزریم وحضور پدرزن نیز از جانب اوبروجہ وکالت فی الخصومۃ درخواست حکم نبودہ باشد تابترافع خصمین معنی تحکیم پدید آمدے واورااختیار تفریق ہمچو قاضی بحکم تحکیم حاصل شدے فان الحکم لہ الحکم فی کل مالیس بحد ولا قود ولادیة علی عاقلة فی التنویر حکما رجلا فحکم بینھما ببینة اواقرار اونکول صح لوفی غیرحد وقود ودیة علی عاقلة [2]، ونیز زن را از خانہ برآوردن وحوالت بہ پدرش کردن کہ از زوج صادر شد ایں راہم بجائے متارکہ نتہیم جائیکہ زن مدخولہ باشد وشوئے چیزے از الفاظ متارکہ برزبان نیاورد ہمچناں دستش گرفتہ بدست پدر داد بناء علی ظاھر مافی البحر وغیرہ واللفظ لہ لاتحقق للمتارکة الابالقول ان کانت مدخولا بھا کقولہ تارکتك اوتارکتھا اوخلیت سبیلک،	وقف، طلاق زوجہ، اسکے قول، حرمت مصاہرت الخ، تو عالم مذکور کا حکم تفریق شرعی قضا کے طور تام اور نافذ اور واجب الاتباع ہے اور اسی وقت سے عدت شمار ہوگی، اگر ہم اس حیثیت کو درگزبھی کرلیں تو عورت کی طرف سے اس کے والد کا بطور وکیل مقدمہ حاضر ہونا بھی فیصلہ کا مطالبہ قرار پاکر دونوں فریقوں کی طرف سے مقدمہ کی پیشی سے عالم مذکور کے لئے ثالثی کا حکم ظاہر کرتا ہے جس سے بحثیت ثالث قاضی کی طرح اس کو تفریق کے فیصلہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے کیونکہ ثالث کو حدود، قصاص، دیت کے ماسوا فیصلہ کرنا جائز ہے۔ تنویر میں ہے کہ دونوں فریقوں نے ایک شخص کو ثالث بنایا تو اس نے گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار کی بناء پر فیصلہ کیا تو صحیح ہے بشرطیکہ حدود، قصاص اور عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہ ہواھ۔ نیز بیوی کو گھر سے نکال کر اس کے باپ کے سپرد کرنا خاوند کا یہ عمل متارکہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے جہاں پر بیوی مدخولہ ہو اور خاوند نے متارکہ کا لفظ زبان سے ادانہ کیا ہو، اور یوں ہی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس کے والد کے سپرد اس کو کردیا ہو، بحر وغیرہ کے ظاہر بیان کے مطابق۔ بحر کے الفاظ ہیں کہ متارکہ کا تحقق خاوند کے قول کے بغیر نہ ہوگا جبکہ بیوی مدخولہ ہو، مثلاً قول یوں ہو کہ میں نے تجھے

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجارتہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۰۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۲

اوخلیت سبیلہا اوخلیتہا [1] الخ وان کان لایبعدان یقوم الفعل الدال علیہ مقام القول وانما المراد نفی التحقق بمجرد الترك علی عزم ان لایعود کما یستبین بمقابلتہ بہ تاہم گفتن زوج مر عالم را کہ اگر اقرار من ثبوت یابد زن مرااز من جداکن توکیل بتفریق ست وتوکیل تعلیق رامے پذیرد فی بیوع ردالمحتار عن البزازیۃ تعلیق الوکالۃ بالشرط جائز [2]، پس تفریق عالم بحکم توکیل متارکہ از جانب شوئے شدو حکم فرقت وعدت وملک نفس بعد ازاں بروئے کار آمد واگر ازیں جملہ وجوہ پنجگانہ دامن نظر برچنیم وہمچناں گیریم کہ عالم بے قضاوبے تحکیم وبے توکیل برستم فضولی حکم تفریق نمودہ است نیز رنگ نفاذ یافت زیراکہ حکم فضولی نزد ماباطل نیست بلکہ بر تنفیذ متخاصمین موقوف اینجاکہ زن وشوہر ہر دو براں حکم راضی شدند وبراں بستہ تنفیذش کردند بنفاز انجامید وتسلیم لاحق ہمچو تحکیم سابق گردید کما نص علیہ فی ردالمحتار	چھوڑا، یا اس کو چھوڑا، یا میں نے تیرا راستہ کھول دیا، یا اس کا راستہ کھول دیا، کہے، الخ۔ اور اگر کوئی ایسا فعل جو قول کے قائم مقام بن سکتا ہو تو اس فعل کو قول پر دال قرار دینا بعید نہیں ہے۔ بحر کے قول میں صرف دوبارہ عود نہ کرنے کے عزم کے طور پر بیوی کو ترک کرنے پر متارکہ کا عدم تحقق مراد ہے جیسا کہ مقابلہ کے طور پر اس کو ذکر کرنے سے ظاہر ہو رہا ہے، تاہم خاوند کا عالم مذکور کو یہ کہنا اگر میرے اقرار کا ثبوت ہو جائے تو میری بیوی کو مجھ سے جدا کردو، یہ عالم کو اپنی طرف تفریق کا وکیل بنانا ہے جبکہ توکیل میں تعلیق ہو سکتی ہے، ردالمحتار کے بیوع کے باب میں بزازیہ سے منقول کہ توکیل کو کسی شرط سے معلق کرنا جائز ہے، پس اس صورت میں عالم کا تفریق کرنا خاوند کی طرف سے اس کو متارکہ کی توکیل کی بناء پر ہے، اس تفریق پر حکم فرقت، عدت اور بیوی کا خود مختار ہونا، مرتب ہو کر نافذ ہوا ہے، اگر ہم پانچ مذکورہ وجوہ سے صرف نظر کر بھی لیں (یہ قرار دیں کہ عالم مذکور نے بغیر قضاء، بغیر تحکیم (ثالثی) اور بغیر توکیل یہ تفریق کی ہے اور بطور فضولی یہ کارروائی کی ہے، تب بھی یہ تفریق نافذ ہو جائے گی کیونکہ ہمارے نزدیک فضولی کا عمل باطل قرار نہیں پاتا بلکہ فریقین کی تنفیذ پر موقوف رہتا ہے جبکہ یہاں مرد اور عورت دونوں نے

[1] بحر الرائق کتاب النکاح باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۳۰

عن الطحطاوی عن الھندیة عن المحیط، وفی البحر لو حکم بغیر رضاھمالم یجز الاان یجیزا بعد الحکم اھ[1] مختصرا وفیہ عن المحیط لوامر القاضی رجلا ان یحکم بین رجلین لم یجز اذالم یکن ماذونا بالاستخلاف الاان یجیزہ القاضی بعد الحکم اویتراضی علیہ الخصمان[2] اھ۔

بالجملہ کیفما کان فرقت میان ایں زن و شو حاصل شد و در فتوائے سابقہ روشن کردہ ایم کہ اقرار زنا بمادر زن مثبت حرمت مصاہرت ست و اصرار برآں نامشروط و رجوع ازاں نامقبول پس بعد عدت عناں زن ھم بدست زن باشد جزیں کس باہر کہ خواہد عقد زنا شوئی بندد۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

اس عالم کے عمل پر رضامندی ظاہر کردی ہے اور اس کے عمل کے نفاذ کو پختہ کردیا تو وہ عمل نافذ ہوگیا اگرچہ عالم کے عمل کے بعد راضی ہوئے لیکن بعد کا تسلیم کرنا بھی تحکیم سابق کی طرح ہے یعنی گویا انہوں نے اس کو پہلے ثالث بنایا اور تسلیم کرلیا جیسا کہ اس پر ردالمحتار میں طحطاوی سے بحوالہ ہندیہ تصریح منقول ہے کہ محیط میں ایسے ہے۔ اور بحر میں ہے اگر کسی نے فریقین کی اجازت کے بغیر ثالثی فیصلہ دیا تو جائز نہ ہوگا الا یہ کہ فریقین فیصلہ کے بعد اس کو تسلیم کرلیں اھ مختصرا۔ اور اسی میں محیط سے منقول ہے اگر قاضی نے کسی شخص کو فریقین میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا تو قاضی کا حکم جائز نہ ہوگا بشرطیکہ قاضی کو اپنا خلیفہ بنانے کی اجازت نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اس شخص کے فیصلہ کے بعد قاضی اس کی توثیق کردے یا فریقین اس شخص کے فیصلہ کو باہمی رضامندی سے تسلیم کرلیں، تو وہ فیصلہ نافذ ہوجائیگا اھ،

خلاصہ یہ کہ اس مرد و عورت کے درمیان متارکہ اور فرقت ہوچکی ہے، اور پہلے ہم اپنے فتوٰی میں واضح کرچکے ہیں کہ اپنی بیوی کی والدہ سے زنا کے اقرار سے حرمت مصاہرہ ثابت ہوجاتی ہے اور یہ کہ حرمت کے لئے اس اقرار پر اصرار کرنا شرط نہیں ہے اور اس اقرار سے رجوع بھی صحیح نہیں ہے، پس عدت گزرجانے کے بعد یہ عورت خود مختار ہے وہ اس مرد کے سوا جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۹

[2] بحر الرائق بحوالہ محیط کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۵

(۲) والیے کہ تفویض خصومتے بعالمے مستجمع شرائط صلوح للقضاء کند اگر او خود مسلمان ست ہمچو نوابان ریاستہائے اسلامیہ اگرچہ زیر دست سلطان کافر باشد سپردنش بلاریب معتبر بود وعالم در خصوص آں خصومت مثل قاضی شدہ کہ بعزل ہیچ یک از فریقین از قضا نرود زیرا کہ والی راچوں اختیار تقلید قضا در جملہ امورست در امرے خاص بالاولیٰ باشد والقضاء ممایختص بکل ما خصه المقلد کما نصوا علیه وفی جامع الفصولین والبحر والتتارخانیة والمبسوط والمعراج وغیرہا کل مصر فیه وال مسلم من جهة الکفار تجوز فیه (ولفظ الاخیر من یجوز له[1]) اقامة الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیهم[2] اھ وفی البحر عن المحیط الامام الذی استعمل القاضی امر رجلا ممن یجوز شهادته ان یحکم بین رجلین وھو

(۲) قضا کی اہلیت والی شرط کا جامع عالم ہو تو اس کو کسی والی نے کوئی مقدمہ سپرد کیا ہو اگر وہ والی خود مسلمان ہے جیسا کہ اسلامی ریاستوں کے نواب حضرات اگرچہ وہ کافر سلطان کے ماتحت ہیں تو یہ سپرد داری بلاشک معتبر ہوگی، اور اس خاص مقدمہ میں وہ عالم قاضی کی مثل ہوگا کہ فریقین میں سے کسی کے معزول کرنے سے وہ معزول نہ ہوگا کیونکہ جب ایسے والی کو جملہ اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار ہے تو خاص ایک اختیار والے قاضی کی تقرری کا اختیار بطریق اولیٰ ہوگا اور قضاء ان امور میں سے ہے کہ تقرری کرنے والے کی تخصیص کی وجہ سے خاص ہو جاتی ہے جیسا کہ اس پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔ جامع الفصولین، بحر، تاتارخانیہ، مبسوط اور معراج وغیرہ میں ہے وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی ہوں وہاں اقامت جمعہ، عیدین، خراج کی وصولی، قاضیوں کا تقرر اور یتیم لڑکیوں کا نکاح کرنا جائز ہے، آخری کے الفاظ میں (جن کو جائز ہے) کیونکہ ان پر مسلمان والی ہے اھ، بحر میں محیط سے منقول ہے کہ جو امام قاضی کی تقرری کرتا ہے وہ ایسے شخص کو فیصلہ کرنے کا حکم دے جو شہادت کی اہلیت رکھتا ہو تو جائز ہوگا اور وہ شخص

---

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایة باب الجمعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۰

[2] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۳ /۱۷۲، بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۱۴

بمنزلة القاضی المولی اھ[1] واگر مفوض کافرست مفوض الیه بتفویض او برمذہب معتمد مؤید بدلائل شرعیه وقواعد ملیه قاضی نشود ووجهه **اقول**: ان الکافر لایلی فکیف یولی قال تعالٰی "لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]، المولی بالفتح انما یستفید نفاذ القول من المولی بالکسر قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منه کما ھو فی بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الاٰن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم[3] اھ مختصرا، قال فی النهر ھذا ھوالذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد[4] اھ قال الشامی الاشارة بقوله وھذا الی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من کافر[5] الخ **اقول**:	قاضی کے قائم مقام ہوگا اھ، اور اگر تقرر کرنے والا خود کافر ہو تو شرعی دلائل اور دینی قواعد سے مؤید قول کے مطابق مقرر کردہ شخص قاضی نہ ہوگا، میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر خود مسلمانوں کا ولی نہیں تو دوسرے کو کیسے ولی بناسکتا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر راہ نہ دے گا۔ مولٰی (فتح کے ساتھ) کے قول کا نفاذ مولی (کسرہ کے ساتھ) سے مستفاد ہوتا ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا جب مسلمانوں کا نہ کوئی سلطان ہو نہ ہی کوئی ایسا والی جو قاضیوں کا تقرر کرسکے جیسا کہ مسلمانوں کے بعض علاقوں پر کفار کا غلبہ مغرب میں ہوا ہے مثلاً قرطبہ آج کل، تو مسلمانوں پر وہاں واجب ہے کہ وہ اپنے اتفاق سے کسی ایک پر راضی ہوجائیں اھ مختصراً۔ نہر میں فرمایا: اسی پر طبیعت مطمئن ہے لہٰذا اسی پر اعتماد چاہئے اھ، علامہ شامی نے فرمایا: ھذا کے ساتھ ان کا اشارہ فتح کے اس کلام کی طرف ہے جس میں کافر کی طرف سے تقرری قضا کو نادرست کہا گیا ہے الخ۔ **میں کہتا ہوں** کہ پہلے

[1] بحرالرائق کتاب القضاء باب التحکیم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

[4] ردالمحتار بحوالہ نہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[5] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

ویؤیدہ ماقد منافی مسألة الاولی عن المبسوط والمعراج وجامع الفصولین وغیرہا ثم رأیت العلامة البحرایدہ بہ فی البحرحیث قال بعد نقل کلام الکمال ویؤیدہ مافی جامع الفصولین[1] الخ،

وظاھرًا حکم نیز نشود اگر رفتن متخاصمین پیش او ہمیں بربنائے تفویض حاکم ست قال فی ردالمحتار فی البحر عن البزازیة قال بعض علمائنا اکثر قضاة عھد نافی بلادنا مصالحون لانھم تقلدواالقضاء بالرشوة ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیة واعترض بان الرفع لیس علی وجہ التحکیم بل علی اعتقاد انہ ماضی الحکم الاتری ان البیع ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمہ بیع باطل او فاسد وترتب علیہ التعاطی لاینعقد البیع لکونہ ترتب علی سبب اٰخر فکذاھنا[2] اھ باختصار آرے اگر خصمین برضائے خود

مسئلہ میں ہم نے جو مبسوط، معراج، جامع الفصولین وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے وہ اس کی تائید کرتا ہے پھر میں نے علامہ بحر کو اسی سے اس کی تائید بحر میں کرتے ہوئے دیکھا جہاں انہوں نے کمال کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کررہا ہے الخ۔ ظاہر یہ ہے کہ کافر کا مقرر کردہ قاضی ثالث بھی نہیں بن سکتا بشرطیکہ فریقین اس نظریہ سے اس کے ہاں پیش ہوں کہ یہ حاکم کا مقرر کردہ ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بحر میں بزازیہ سے منقول ہے کہ ہمارے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت سے قضاء حاصل کی ہے تو قاضی نہ ہوئے، تاہم اگر مقدمہ پیش ہو تو وہ ثالث کی حیثیت سے فیصلہ کرسکتے ہیں، اس پر اعتراض ہوا کہ ان کے ہاں مقدمہ بطور ثالث پیش نہیں ہوا بلکہ فریقین نے اس اعتقاد پر پیش کیا کہ وہ قاضی نافذ الحکم ہے، تو یہ فیصلہ درست نہ ہوگا، کیا دیکھتے نہیں کہ ابتداء بیع لین دین سے منعقد ہوجاتی ہے لیکن وہی بیع پہلے باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اب لین دین کے تبادلہ سے وہ بیع منعقد نہ ہوگی کیونکہ یہ دستی لین دین کا تبادلہ اب پہلے فاسد سبب پر مرتب ہے (تو یہاں بھی اگرچہ ابتداء ثالث ہوسکتا تھا لیکن اب فاسد عمل پر مرتب ہونے کی وجہ سے وہ ثالث قرار نہ پائیگا)

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸۔۳۴۷

سوئے او ترافع کنند حکم می شود وپیش از حکم بعزل ہر یکے متعزل گردد کما ھو حکم الحکم وھو ظاہر۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	اھ مختصرا۔ہاں اگر فریقین اپنی مرضی سے ثالث سمجھ کر اس کے ہاں پیشی کریں تو وہ ثالث ہوسکے گا اور فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کی معزولی سے معزول قرار پائے گا جیسا کہ ثالثی کا حکم و قانون ہے اور یہ واضح بات ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴: علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں، زید نے زوجہ اول کو کل جائداد اپنی بالعوض مہر بیع کردی اور قبضہ و دخل مثل نفس خاص اپنے کے کرادیا۔اب زوجہ ثانی کہتی ہے کہ میرا بھی مہرادا کرو ورنہ میں نالش کرکے نصف جائداد بالعوض اپنے مہر کے تقسیم کرالوں گی، آیا زوجہ ثانی تقسیم کرالینے نصف جائداکی مستحق ہے یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ ابھی مہر تجھ کو بذریعہ نالش وصول نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ طلاق نہ ہوجائے میں محنت مزدوری کرکے ادا کروں گا، آیا یہ قول زید کا درست ہے یاغلط؟

الجواب:

صورت مسئولہ میں جب زید نے وہ جائداد زوجہ اولٰی کے ہاتھ بیع کردی زوجہ ثانیہ کو اس سے نصف جائداد عوض مہر لینے کا اختیار نہیں اور دربارہ مہر جب شرط تعجیل وتاجیل سے عاری ہو اعتبار عرف کا ہے ان دیار کا عرف نہیں کہ قبل از فرق مہر ادا کیا جائے پس مطالبہ زوجہ ثانیہ محض نامسموع، البتہ اس کا مہر ذمہ زید واجب الادا ہے یہ حکم قضاءً صحیح ہے مگر دیانۃً اگر اس کا اس بیع سے زوجہ ثانیہ کو محروم رکھنا ہے تو اپنی اس نیت فاسد اور اس بیع پر کہ مبنی اس نیت پر ہے عنداللہ ماخوذ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ زید متوفی کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ کے مکفول تھا عمرو نے نالش انفکاک رہن باداۓ ایک سو تریسٹھ روپیہ دین مہر کے عدالت میں دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور بحکم عدالت کل دین مہر ہندہ کو عمرو نے ادا کردیا بعدہ ہندہ نے اپنا حصہ بدست حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا اب حسینی حصہ ہندہ کا چاہتی ہے اس صورت میں حسینی بلاادائے دین مہر اس کے جو کل عمرو نے ادا کردیا ہے حصہ ہندہ کا تقسیم کراسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ وہ ادا کرنا جانب عمرو سے بطریق تبرع نہ تھا اور یہ دین ترکہ سے کم ہے اور سوا اس کے میت پر اور دین نہیں، پس تصرف ہندہ کا اپنے حصہ میں بیع کے ساتھ صحیح ہوا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں مگر باوجود اس کے بوجہ تعلق حق دائن یا مرہون کے لئے محبوس رہے گا،اور دائن اگر

بیع کو جائز نہ رکھے تو بیع مذہب راجح پر نفاذ نہ پائے گی،

قال العلامة السید الطحطاوی فی حاشیة الدر من کتاب الفرائض حکم الترکة قبل قضاء الدیون کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثة فیھا ھذا اذا کانت الترکة اقل من الدین او مساویة له واما اذا کان فیھا زیادۃ علیه ففی نفوذ تصرفات الورثة وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون اھ عجم زادہ[عہ][1]۔	علامہ سید طحطاوی نے در کے حاشیہ میں کتاب الفرائض میں فرمایا: میت پر قرض کی ادائیگی سے قبل اس کا ترکہ قرض میں رہن کے حکم میں ہوگا تو اس ترکہ میں ورثاء کے تصرفات نافذ نہ ہوں گے جبکہ ترکہ قرض سے کم یا مساوی ہو لیکن اگر ترکہ قرض سے زائد ہو تو اس میں دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زائد میں ورثا کا تصرف نافذ ہوگا یہاں تک کہ مقدار دین باقی رہ جائے، دوسری یہ کہ ان کا تصرف نہ ہوگا مرہون چیز پر قیاس کی وجہ سے، دونوں صورتوں میں یہ دوسری زیادہ ظاہر ہے اھ عجم زادہ۔ (ت)

پس مشتریہ تاوقتیکہ ترکہ ایفا یا ابرا دین سے نہ ہو جائے حصہ ہندہ پر قبضہ نہیں کر سکتی اور صرف اس کا بقدر حصہ رسدی اپنے کے ادا کر دینا کافی نہ ہوگا جب تک کل دین ادا نہ ہو جائے،

کما ذکرنا من ان الدین ولو لم یکن محیطا یمنع نفاذ تصرفات الورثة۔	جیسے ہم نے ذکر کیا کہ دین اگرچہ وراثت کو محیط نہ ہو وہ ورثاء کے تصرفات کے نفاذ سے مانع ہے۔ (ت)

ہاں اگر دائن روا رکھے اور اس امر پر راضی ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ جس اس کے حق کے لئے تھا پس حسینی اس تقدیر پر قابض ہو سکتی ہے اور حصہ ہندہ کے عوض ان کے ثمن حق دائن میں محبوس رہیں گے کما ھو حکم المرھون المصرح به فی المتون (جیسا کہ متون میں مرہون چیز کا حکم تصریح شدہ ہے۔ ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں، چالیس برس کا عرصہ ہوا

عــــہ: لفظ عجم زادہ کے بعد اصل میں بیاض ہے۔

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۴ /۳۶۷

مسمّٰی زید فوت ہوا، بعد وفات شوہر بموجودگی دیگر ورثاء شرعی کل متروکہ زید پر مسماۃ ہندہ زوجہ بعوض دین مہر قابض ودخیل ومتصرف مالکانہ ہوئی اور تین لڑکیاں بھی زید کی تھیں، گو دین مہر کثیر التعداد تھا اور اس قدر جائداد مورث نہ تھی کہ مکتفی دین مہر کو ہو اور منجملہ جائداد متروکہ شوہری مسماۃ نے ایک قطعہ زمین بعد وفات شوہر بعوض مبلغ (صہ/) روپیہ رہن رکھا اور اس میں یہ لفظ تحریر ہے کہ مالکانہ قابض ودخیل ومتصرف ہوں اور اس فعل مالکانہ کو ورثہ تسلیم کرتے رہے اور بھی افعال مالکانہ بلا شرکت احدے ہوتے رہے، چنانچہ اس متروکہ شوہری سے اپنے بھتیجوں کو ایک مکان پختہ اراضی شوہری میں بنوایا اور بعلم وآگاہی واطلاع اور موجودگی ورثا ایک مدت تک تعمیر ہوتا رہا، کوئی مزاحم ومعترض نہ ہوا، اور یہ سب افعال ملکیتی تسلیم ہوتے رہے، اور لڑکیاں جو شوہر نے چھوڑی تھیں کبھی ہارج ومزاحم نہ ہوئیں، نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ معین ہوا، بالکلیہ زوجہ مالک و قابض ومتصرف رہی اور جمیع افعال ملکیت پر عملدرآمد ہوتا رہا کوئی مخالفت نہ کی، اور اس کے بعد بحیات مسماۃ ہندہ کے ہوتے رہے کسی لڑکی نے نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ طلب کیا، مجرد اپنی والدہ ہندہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور شفقت مادرانہ ہوتی رہی اب عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثاء میں سے دو لڑکیاں اور دو بھتیجے ہیں بموجب فرائض شریف کے دو دو لڑکیوں کے اور ایک ایک برادرزادہ کا حصہ ہوتا ہے اور ۶ سے مسئلہ قرار پاتا ہے چونکہ اب لڑکیوں نے کہ حصہ قلیل ہوا جاتا ہے اور برادرزادگان مستحق حصہ شرعی ہیں محض اتلاف حق کے لئے چالیس برس کے بعد یہ امر بیان ہوتا ہے کہ آج تک کبھی اس امر کا تذکرہ بھی نہیں آیا تھا کہ مسماۃ ہندہ کل ترکہ پر قابض بوجہ ترکہ ہو گئی ہوگی اور کبھی یہ حیلہ پیش ہوتا ہے کہ جنازہ اٹھتے وقت اکثر مہر معاف بھی ہو جاتا ہے، رواجًا معاف کر دیا ہوگا، اور کبھی یہ بیان کہ معاف کر دیا اس امر کا بیان کنندہ سوائے ان دو لڑکیوں متوفیہ کے کہ وہ خود اپنی کمی ترکہ کے سبب سے اور باغوائے اپنے اہل وعیال کے اس وقت بیان کرتی ہیں کبھی سابق بیان بھی نہیں کیا ابطال وکمی حق برادرزادگان مسماۃ متوفیہ کے لئے باوجود عملدرآمد ہونے افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ۲۵، ۳۰ سال تک اور اظہار قبضہ دین مہر اور عدم اظہار معافی مہر سوائے بیان سال حال مجرد بیان خیالی دو لڑکیوں کا بغیر علم وآگاہی دیگر بزرگان خاندان کے اور نہ ہونے کسی وثیقہ تحریری کے بلکہ برخلاف اس کے عمل درآمد ہوتا رہا اور کسی وارث نے یہ ذکر نہ کیا اور انتقالات تحریری اور زبانی مسماۃ ہندہ ہمیشہ مسلم کئے پس ایسی حالتوں میں یہ مہر معاف سمجھا جائے گا یا کیا؟ اور تقسیم ترکہ اب مسماۃ ہندہ کی ہوگی یا شوہر ہندہ کی قرار دینا چاہئے اور یہ عملدرآمد کیسا سمجھا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی دختران ہر گز قابل سماعت نہیں، نہ اب وہ ترکہ ترکہ شوہر ٹھہر سکے، نہ مجردان کے بیان سے مہر کی معافی سمجھی جائے اور بیان بھی کیسا مضطرب کہ کبھی تو بربنائے رواج یہ احتمالی حکم کہ جنازہ اٹھتے وقت مہر معاف ہو جاتا ہے یہاں بھی ہوگیا ہوگا، حالانکہ یہ کلیہ بھی غلط ہے، کوئی معاف کردیتا ہے کوئی نہیں کرتا، اور سب معاف کردیا کرتے تو کیا تھا، خاص ہندہ کی معافی ثابت ہونا چاہئے تھی اور کبھی کچھ سمجھ کر یہ قطعی دعوی کہ معاف کردیا اگر معاف کردیا تھا تو تم نے بربنائے مہر کل جائداد پر ہندہ کو کیوں قبضہ کرنے دیا تھا اور چوبیس پچیس برس تک اس کے تصرفات مالکانہ دیکھ کر کیوں خاموش رہیں اور اس کے انتقال پر بھی پندرہ سولہ برس کا سکوت کس کے لئے تھا یہ خاموشی چہل سالہ شرعًا قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی بربنائے زور و تلبیس و اتلاف حق برادر زادگان ہے، ہمارے ائمہ اصحاب متون و شروح و فتاوٰی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفات مالکانہ کرتا رہے یا بیع خواہ ہبہ خواہ کسی اور طرح دوسرے کو تملیک کرے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی جو اس شہر میں موجود ہو اور ان حالات پر مطلع ہو دعوی کرنے لگے کہ یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہر گز ہر گز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا،

فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی داریسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جاربجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ہدماوعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذاادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما و بناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لااجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی[1]، وفتاوی الامام	سیدی علامہ محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مرحوم مصنف تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ان سے ایسے شخص کے متعلق سوال ہوا جو ایک حویلی کے کمرہ میں عرصہ زائد از تین سال سے رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے کمرہ میں توڑ پھوڑ و مرمت کرتا رہا اس کا پڑوسی اس کے یہ تصرفات دیکھتا رہا تو اب اس پڑوسی کو مذکورہ تصرفات پر اطلاع کے باوجود اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے اور کیا اس کا دعوی قابل سماعت ہوگا یا نہیں؟ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا اس پر ہی فتوی ہے، اور امام علامہ

[1] العقود الدریۃ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

العلامة خیر الملة والدین الرملی سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستة اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکوران لہ ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکورارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلك ام لا، اجاب لاتسمع دعواہ لان علمائنا نصوافی متونھم وشروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضا للبیع قطعا للتزویر و الاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانہ ملك البائع[1] اھ ملخصا وفیھا ایضا سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیہ کما کان والدہ من غیر منازع ولا مدافع مدة تنوف	خیر الدین رملی کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے دوسرے سے چھ ذراع زمین خریدی جو کہ بائع کے قبضہ میں تھی جس کو خریدنے کے بعد خریدار نے اس پر تعمیر کی اور دیگر تصرفات کیے پھر بعد میں ایک اور شخص نے اس خریدار مذکور پر دعوٰی کردیا کہ مبیع زمین میں ساڑھے تین قیراط میری ملکیت ہے جو مجھے والدہ سے وراثت میں ملی ہے اور وہ تعمیر کو گرانے کا مطالبہ کررہا ہے حالانکہ مدعی کی والدہ خریدار کو تعمیر وغیرہ تصرفات کرتے ہوئے دیکھتی رہی ہے تو اس مدعی شخص کو اس دعوٰی کا حق ہے یا نہیں، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا کیونکہ ہمارے علماء نے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ مبیع میں خریدار کے تصرفات پر مخالف کو اطلاع ہونے کے باوجود کہ وہ تعمیر، پودے اور زراعت جیسے تصرفات کررہا ہے اتنی مدت خاموش رہنا اس کے دعوٰی کی سماعت کے لئے مانع ہے اگرچہ ایسا مدعی اجنبی کیوں نہ ہو۔ صاحب منظومہ نے فرمایا کہ ہمارے اساتذہ نے فرمایا ہے کہ ایسے شخص کا دعوٰی قابل سماعت نہ ہوگا اور اس کی خاموشی کو اس بیع پر رضامندی قرار دیا جائیگا تاکہ فریب لالچ، حیلہ سازی اور تلبیس کا دروازہ بند ہوسکے اور موجودگی کے باوجود اس کا منازعت نہ کرنا یہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ چیز بائع کی ملکیت تھی اھ ملخصا، اور اس میں یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے والد سے مکان حاصل

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفة بیروت ۲ /۸۷ و ۸۸

عن خمسین سنة والآن برز جماعة یدعون ان البیت لجدھم الاعلی فھل تسمع دعوٰھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور واطلاع اٰبائھم وعدم مانع یمنعھم من الدعوی، اجاب لا تسمع ھذہ الدعوی[1] وفیھا عن البزازیة علیه الفتوی قطعا للاطماع الفاسدة[2] وفی الولوالجیة ثم الخیریة ثم الحامدیة وغیرہما رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعدذٰلك دعوی ولدہ فتترك علی ید المتصرف لان الحال شاھد[3] وفی الخیریة وبه افتی شیخ الاسلام شھاب الدین احمد المصری[4]، وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی[5] و	کیا اور اپنے والد کی طرح اس میں بغیر رکاوٹ وممانعت تقریبًا پچاس سال کی مدت تک تصرفات کرتا رہا اور اب ایک جماعت نے دعوی شروع کردیا کہ یہ مکان ہمارے جداعلیٰ کا ہے تصرفات مذکورہ پر ان کو اور ان کے آباء کو اطلاع ہونے کے باوجود ان کا منع نہ کرنا حالانکہ رکاوٹ نہ تھی، تو کیا اس گروہ کا دعوی قابل سماعت ہے، توانہوں نے جواب میں فرمایا کہ یہ دعوی مسموع نہ ہوگا اور اس میں بزازیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے تاکہ طمع فاسد کا سد باب ہوسکے۔ ولوالجیہ پھر خیریہ پھر حامدیہ وغیرہا میں ہے کہ ایک شخص زمانہ بھر زمین میں تصرف کرتا ہے اور دوسرا شخص زمین اور اس میں تصرفات دیکھتا رہا اور کوئی دعوی نہ کیا اسی حال میں وہ فوت ہو گیا تو اب اس کے بیٹے کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا بلکہ زمین کو قابض کے پاس رہنے دیا جائے گا کیونکہ اس پر حال شاہد ہے، اور خیریہ میں ہے کہ شہاب الدین شیخ الاسلام احمد حلبی مصری نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ میں ہے کہ تصرفات پر اطلاع ہونا ہی دعوی کے لئے مانع ہے اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۹

[3] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۵

[4] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی الولوالجی کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۹

[5] العقود الدریہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

فیھا لم یقیدوہ بموت ولابمدۃ کما تری[1]. وفی ردالمحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع[2]. وفی الدرالمختار باع عقارا اوحیوانا اوثوبا وابنہ وامرأتہ اوغیرھما من اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن مثلاً انہ ملکہ لاتسمع دعواہ کذااطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویرو الحیل[3]عــہ۔	اس میں ہے کہ فقہاء نے اس حکم کو موت اور مدت سے مقید نہیں فرمایا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، اور ردالمحتار کے مسائل شتی میں ہے کہ اطلاع ہوجانے پر سکوت ہی دعوی کے لئے مانع ہوگا اگرچہ بیع نہ ہو___اور درمختار میں ہے ایک شخص نے زمین یا جانور یا کپڑا فروخت کیا جبکہ اس کا بیٹا یا بیوی یا دیگر اقارب حاضر تھے اور جانتے تھے پھر مثلاً بیٹے نے دعوی کردیا کہ فروخت شدہ چیز میری ہے تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اس کو کنز اور ملتقی میں یوں ہی مطلق ذکر کیا اور اس موقعہ پر سکوت کو اقرار کی طرح قرار دیا تاکہ حیلہ سازی اور فریب کاری کا سد باب ہوسکے۔ (ت)

مسئلہ ۴۷: از رامپور مرسلہ سید محمد منور علی صاحب تحصیلدار بھوپال ۲۲ شعبان معظم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپناایک مکان جس کا جارملاصق زید ہے غیبت زید میں جبکہ وہ اپنی نوکری پر بھوپال میں تھاعمروکے ہاتھ بیع کیااور بیعنامہ بعبارت معمولی لکھااس مکان کے جانب شمال جو دیوار مکان مبیع ومکان شفیع میں حد فاصل ہے اصل الفاظ بیع کے ذکر میں اس دیوار پر ایراد عقد کاکچھ تذکرہ نہیں، نہ تفصیل عملہ مبیعہ میں، بآنکہ ایک ایک چیز مفصلا لکھی ہے اس کا نام ہے، حدود مبیع جہاں لکھے ہیں وہاں زیر حد شمالی یہ لفظ ہیں (شمالی مکان میاں منور علی وپاکھ کلاں شامل میاں منور علی ودیوار سراسر ودخل مبیعہ ہذا) زید جب بھوپال سے آیااور بیع پر اطلاع پائی مدعی شفعہ ہوااور عرضی میں بنائے شفعہ ثابت کرنے کو یہ الفاظ لکھے (امراؤبیگم مدعاعلیہا بائعہ نے مکان مدعابہا

عــہ: اصل میں ایک صفحہ کی بیاض ہے شاید جواب مکمل دستیاب نہ ہوا۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۳

[3] درمختار مسائل شتّی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۶

معلومہ مقبوضہ اپنا عوض مبلغ ماصہ عہ / قیمت اصل بموجب بیعنامہ رجسٹری شدہ ۲۲/اگست ۱۸۸۹ء بغیبت مدعی بدست مدعا علیہ بیع صحیح شرعی کیا) دیوار مذکور جس پر ہمیشہ سے زید و مورث زید کا قبضہ تھا اور رہے مکان زید کی کھپریلیں اور ان کی ترکیبیں اس پر پڑی ہیں اور ہندہ وعمرو کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا، نہ ہے، نہ ان کے مکان کی کوئی کڑی یا ترک وغیرہ اس دیوار پر ہے، اب عمرو مدعی ہوا کہ یہ دیوار مکان مبیع ہندہ کی ہے اور میں بحکم بیع اس کا مالک ہوں زید سے دلادی جائے مگر کوئی ثبوت اس دیوار میں اپنی ملک کا نہ دے سکا سوا اس کے کہ زید نے دعوی شفعہ میں بوجہ عبارت مذکورہ امراؤبیگم نے اپنا مکان مقبوضہ بیع صحیح شرعی کیا اس بیعنامہ کو مسلم رکھا اور اس کے حوالہ دینے سے زید کا بیعنامہ دیکھنا ظاہر ہے اور اس میں دیوار مذکور بھی داخل بیع تھی تو زید کا بذریعہ شفعہ اسے طلب کرنا صریح اقرار ہوچکا کہ دیوار ملک عمرو مشتری ہے حالانکہ زید نے ہرگز بیعنامہ نہ دیکھا نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ وہ اس وقت اس شہر میں تھا اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے عرضی دعوی میں ذکر بیعنامہ کیا تھا۔ اس صورت میں علمائے شرع مطہر سے استفسار ہے کہ زید کا وہ الفاظ لکھنا دیوار ملک عمرو ہونے کا شرعًا اقرار قرار پائے گا یا نہیں؟ اور اس بناء پر عمرو کا استحقاق اس دیوار پر ثابت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی عمرو محض بے ثبوت ہے، نہ اس بناء پر دیوار اسے دلائی جاسکتی ہے **اولًا** جبکہ دیوار حسب تحریر سوال زید کے استعمال میں ہے اور عمرو وہندہ کا کوئی عملہ اس پر نہیں جس سے ان کا استعمال ثابت ہو تو بحکم ظاہر دیوار ملک خاص زید ہے۔ تنویر الابصار ودرمختار وغیرہما میں ہے:

الحائط لمن جذوعہ علیہ[1]۔	دیوار اس کی ہے جس کا اس پر شہتیر ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

ان لاحدھما علیہ جذوع ولاشیئ علیہ للاٰخر یقضی بہ لرب الجذوع لانہ مستعملہ[2]۔	ایک فریق کا اس پر شہتیر ہے اور دوسرے کا کچھ نہیں ہے تو دیوار کا فیصلہ شہتیر والے کے حق میں ہوگا کیونکہ وہ اس کو استعمال کررہا ہے۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۷

[2] معین الحکام الباب التاسع والاربعون مصطفی البابی مصر ص ۱۶۳

اور خود عمرو جبکہ تخلیہ دیوار کا نالشی ہوا تو اپنا خارج اور زید کا ذوالید و قابض ہونا تسلیم کرلیا بہر حال عمرو اس مقدمہ میں شرعًا مدعی ہے پس تاوقتیکہ ثبوت مقبول شرعی سے اپنا دعوی ملک منور نہ کرے مقبول نہیں ہوسکتا دعوی شفعہ میں زید کا حوالہ بیعنامہ دینا کون سی دلیل شرعی ہے کہ اس نے بیعنامہ دیکھا اور اس کا لفظ لفظ تسلیم کرلیا بیان سائل کہ اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے ذکر بیعنامہ کیا گیا ہر گز قابل التفات نہیں۔

ثانیًا اگر فرض کریں کہ بیان مذکور سائل بعید از قیاس نہ ہے تو غایت یہ کہ یہ ایک قرینہ ظاہرہ ہوگا اور ظاہر مدعی کو کام نہیں دیتا، نہ اس کی بناء پر ثبوت ملک ہوسکتا ہے۔ درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہیہ میں ہے:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق [1]۔	ظاہر دفع کی صلاحیت رکھتا ہے نہ کہ ثبوت استحقاق کی۔(ت)

ثالثًا: تسلیم ہی کیجئے کہ اس سے نہ صرف ظاہرًا بلکہ قطعًا ویقینًا زید کا بیعنامہ کو دیکھ کر دینا اور عبارت مذکورہ لکھنا ثابت ہے تاہم اس سے کس قدر ثبوت ہوا یہ کہ زید مکان مبیع کو مملوک و مقبوض ہندہ جانتا اور بیع کو صحیح مانتا اور بذریعہ شفعہ لینا چاہتا ہے اس سے اب کب زید کو انکار ہوا وہ اب بھی کہے گا کہ واقعی ہندہ نے اپنا ہی مکان مملوک و مقبوض بیع کیا اور یہ بیع صحیح بھی ہے اور میں بذریعہ شفعہ اس کا خواستگار بھی ہوا، رہی یہ دیوار، نہ یہ مملوک و مقبوض ہندہ تھی نہ اس پر بیع وارد ہوئی، نہ میں نے شفعہ میں مانگی، الفاظ عقد بیع میں مکان ہندہ کا ذکر ہے مکان ہندہ جس قدر تھا وہی ایجاب و قبول میں داخل ہوا، اسی کو بذریعہ شفعہ طلب کیا گیا ذکر حدود عقد بیع نہیں، نہ وہ حاکی ایجاب و قبول ہے، تو تسلیم صحت بیع سے تسلیم صحت جملہ الفاظ زائدہ مندرجہ بیعنامہ کیونکر لازم ہوسکتی ہے، علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیعنامہ پر خود اپنی گواہی لکھ کر مہر کردی تاہم یہ اسکا اقرار نہ قرار پائے گا کہ شے مبیع ملک بائع ہے میری ملک نہیں وہ اس گواہی کردینے کے بعد بھی مکان مبیع پر دعوی ملک کرسکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ سے صراحۃً اس کا خلاف نہ ثابت ہو۔ درمختار میں ہے:

یؤیدہ مسألۃ کتابتہ وختمہ علی صك البیع فانہ لیس باقرار	اس کی تائید اس مسئلہ سے ہوتی ہے فروختگی کی رسید پر گواہ کے دستخط اور مہر ہونے کے باوجود

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

بعدم ملکه[1]۔	یہ اس کے مالک نہ ہونے کا اقرار نہیں

رابعًا: ان سب سے قطع نظر کرکے مان ہی لیں کہ نفس عقد دیوار پر بھی وارد ہوا اور وہ بھی طلب شفعہ میں داخل تھی تاہم اس سے زید کا اس قدر اقرار حاصل ہوگا کہ یہ دیوار میری ملک نہیں، نہ یہ کہ عمرو کی ملک ہے ہمارے مذہب راجح میں کہ ظاہر الروایہ ہے اور اکثر تصحیحات ائمہ اسی جانب ہیں، اگر زید عمرو سے کوئی چیز مانگے کہ مجھے ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے یا میرے ہاتھ بیچ ڈال یا اس کے مثل اور اقوال، تو ان سے صرف اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ثابت ہوتا ہے عمرو کی ملک ہونے کا اقرار نہیں نکلتا زیادات وصغری وینابیع وعمادیہ وتتارخانیہ وسراجیہ ومنیہ ووہبانیہ وغیرہا میں اسی کی تصحیح کی، امام اجل قاضیخان نے افادہ فرمایا کہ یہ اقرار ہو بھی تو بحسب ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں تو مدعی اس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔ ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

الحاصل روایة الجامع ان الاستیام والاستیجار والاستعارة ونحوها اقرار بالملك للمساوم منه والمستاجر منه وروایة الزیادات انه لایکون ذلك اقرار بالملکیة وهو الصحیح کذا فی العمادیة وحکی فیها اتفاق الروایات علی انه لاملك للمساوم ونحوه فیه[2]۔	جامع الصغیر کی روایت کے مطابق سودا لگانا، اجارہ پر طلب کرنا اور عاریتًا مانگنا یہ قابض جس سے چیز لی یا مانگی جارہی ہے، کی ملکیت کا اقرار ہے اور زیادات کی روایت کے مطابق یہ اس کی ملکیت کا اقرار نہ ہوگا، یہی صحیح ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے اور اس میں مذکورہ صورت میں ملک نہ ہونے پر روایات کا اتفاق بیان کیا گیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال الانقروی والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات و انه ظاہر الروایة[3]۔	انقروی نے کہا کہ اکثریت کا مؤقف زیادات کی تصحیح ہے، اور یہ ظاہر الروایۃ میں ہے۔(ت)

انقرویہ میں ہے:

فی الصغری عین فی ید رجل	صغری میں ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کے قبضہ سے

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۳

[3] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۳

اقدم اٰخر علی الشراء منه یکون اقرارا بملکیة العین للبائع علی روایة الجامع وعلی روایة الزیادات لاوھو الصحیح اھ.وکذافی التاتارخانیة من الصغری والنا بیع وفی السراجیة الاقدام علی الاستیام لایکون اقرارا بملکیة ذلك لذی الید علی روایة الزیادات وعلی روایة الجامع یکون اقراراوالاول اصح وکذا فی المنیة فظھران فیه اختلاف التصحیح والاکثر علی تصحیح ما فی الزیادات وانه ظاھر الروایة وقال قاضیخان روی ھشام عن محمد ان المساومة اقرار منه له بالملك والصحیح ماذکر فی ظاھر الروایة انه اقرار من حیث الظاھر فلا یصلح حجة للاستحقاق اھ[1] مختصرًا۔	خرید نا چاہتا ہے تو یہ اس چیز پر بائع کی ملکیت کا اقرار ہے جامع کی روایت کے مطابق۔ جبکہ زیادات کی روایت کے مطابق ایسا نہیں اور یہی صحیح ہے اھ،اور تاتارخانیہ میں صغری اور ینابیع سے ایسے منقول ہے،اور سراجیہ میں ہے کہ کسی سے چیز کو خریدنے کا اقدام یہ قابض کی ملکیت کا اقرار نہیں ہے زیادات کی روایت پر جبکہ جامع کی روایت کے مطابق یہ اقرار ہے اوراول صحیح ہے،اور منیہ میں بھی ایسے ہی ہے تو ظاہر ہوا کہ اس مسئلہ کی تصحیح میں اختلاف ہے اور اکثریت زیادات کی تصحیح پر ہے اور یہ کہ ظاہر الروایت ہے،اور قاضی خان نے فرمایا کہ ہشام نے امام محمد سے روایت کیا ہے کہ خریدنے کا اقدام قابض کی ملکیت کا اقرار ہے،اور صحیح وہ ہے جو ظاہر الروایۃ میں ہے کہ یہ ظاہر میں اقرار ہے تو یہ ظاہری معاملہ استحقاق کے لئے حجت نہیں بن سکتا اھ مختصرًا(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

القاعدۃ ان العمل بما علیه الاکثر[2]۔	قاعدہ کے مطابق اکثریت کی رائے پر عمل ہے۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

قلت فیفتی به لترجحه بکونه ظاھر الروایة وان اختلف التصحیح[3]۔	**میں کہتا ہوں** کہ،تو اس پر فتوی دیا جائے کیونکہ اکثریت اور ظاہر الروایت کی وجہ سے یہی راجح ہے اگرچہ تصحیح میں اختلاف ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی انقرویه کتاب الدعوی الباب الثانی عشر دار الاشاعة العربیه قندھار افغانستان ۲/ ۱۴۸

[2] العقود الدریة مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحة حاجی عبدالغفار وپسران دار الاشاعة العربیه قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶،ردالمحتار باب صلٰوۃ المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۰

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۸

غمز عیون البصائر میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس [1]۔	علامہ قاسم کی قدوری میں ہے کہ اقوال میں سے جس کو قاضیخان صحیح قرار دیں وہ دوسروں کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ یہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کن علی ذکر مما قالوا لایعدل عن تصحیح قاضیخان فانہ فقیہ النفس [2]۔	تو فقہاء کے قول کے مطابق عمل کر جو کہتے ہیں قاضیخان کے قول سے اعراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں(ت)

تو یہ اقرار حق عمرو میں کچھ نافع نہ ہوا، مانا کہ دیوار حسب اقرار زید ملک زید نہیں مگر ملک عمرو ہونے کا اقرار بھی تو نہیں، تو مدعی بے بینہ عادلہ شرعیہ یا اقرار مدعا علیہ یا نکول محض اپنے زعم پر کوئی چیز کسی سے کیونکر لے سکتا ہے اور قاضی کیونکر دلا سکتا ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار او النکول [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۴۸: ۳/ شوال المکرم ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ کسی شخص کا گاؤں بلا قید آمدنی ہو یعنی جب پیداوار اچھا ہو آمدنی معقول ہو اور خراب تو کم اور یہ گاؤں اس کے والدین نے ایام نابالغی میں اس کے نام کیا بعد بلوغ باہم ایک پنچایت نامہ ۸۵ء میں بخیال زمانہ نازک ہوا پنچ نے والدین کے نام چھ سو روپے سالانہ اس کے گاؤں کی آمدنی سے دینا اس کے ذمہ قرار دے اور کوئی تفرق حصص والدین نہ کی بلکہ لکھا کہ یہ جملہ آمدنی بدست والد رہے گی وہ جس قدر چاہیں گے خود لیں گے اور جس قدر چاہیں گے اس کی والدہ کو دیں گے اس کا باپ ۸۶ء میں فوت ہوگیا اب اس کی ماں علیحدہ ہو کر پچاس روپے ماہوار کل بیٹے سے لینا چاہتی ہے تو شرعاً چھ سو روپے سالانہ سے کس قدر والدہ کو چاہئے کس قدر لڑکے کو؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] غمز عیون البصائر کتاب الاجارات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالفکر بیروت ۲/ ۶۷

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ گاؤں اس کے والد کا تھا اس نے اپنی زوجہ کو مہر میں دیا پھر زوجہ سے اس پسر نابالغ کے نام ہبہ کرالیا پھر بعد بلوغ اس بناء پر کہ آمدنی جائداد کا تحفظ چاہتے ہیں یہ پنچایت نامہ ہوا، والدہ صاحب مال وزیور ہے محتاج نفقہ نہیں، اس صورت میں لڑکا گاؤں کا مالک مستقل ہوگیا اور یہ پنچایت محض بے معنی تھی جس کی پابندی ہرگز لازم نہیں ہوسکتی کہ شرط حکم صحت دعوی ہے اور دعوی طلب حق، اور یہاں والدین کا کوئی حق جائداد وتوفیر میں نہ رہا تھا کہ ان کا دعوی صحیح ہوسکتا اور یہ پنچایت پنچایت ٹھہرتی، غایت یہ کہ اس کا قبول کرلینا لڑکے کی طرف سے ایک وعدہ قرار دیا جائے گا اور وعدہ کی وفا پر جبر نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لایلزمه الوفاء بالمواعید[1]۔	وعدوں کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔(ت)

ہاں ماں کی خدمت دارین کی سعادت ہے جس قدر ہو بہتر ہے یہ امر دیگر ہے اور انسان کی اپنی مرضی پر ہے جب حالت یہ ہے کہ ماں محتاج نفقہ نہیں ورنہ بقدر نفقہ دینا واجب۔ عالمگیری میں ہے:

یجبر الولد الموسر علی نفقة الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب اولم یقدرا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	والدین تنگ دست ہوں تو امیر بیٹے کو بہر صورت ان کے نفقہ پر مجبور کیا جائے گا، والدین مسلمان ہوں یا ذمی، وہ کسب پر قادر ہوں یا نہ ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: از ریاست رامپور بزریا ملاظریف گھر منشی عبدالرحمان خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خان ۱۳/ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان زید نے خریدا، وقت خرید کے حد رابع کوچہ تھا، جب زید نے دعوی بنام عمرو کیا تو اسی حد رابع میں جو بیعنامہ میں کوچہ نافذہ لکھا تھا بموجب حد مندرج بیعنامہ کوچہ نافذہ لکھا گیا عمرو نے بھی اس کو مان لیا دوران مقدمہ میں زید کو معلوم ہوا کہ قبل رجوع دعوی ہذا سے بکر نے کوچہ نافذہ کو بند کرلیا اپنا مکان بجائے حد مذکور بنالیا ہے زید نے ایک سوال پیش قاضی اسی مضمون کا باظہار اس کے کہ پہلے وقت شراکے کوچہ تھا قبل رجوع دعوی سے بکر نے اسی حد میں کوچہ بند کرکے اپنا مکان بنالیا ہے وقت رجوع دعوی کے میں نے نہ دیکھا تھا اب دیکھا تو تبدیل حد مذکور کی ہوگئی ہے بصورت مذکورہ توفیق

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

[2] کتاب الطلاق الباب السابع عشر الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۵۶۴

ہوگی یا نہیں اور اس توفیق سے دعوٰی زید قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

ہاں اور دعوٰی میں کچھ خلل نہ رہا،

فی جامع الفصولین برمز شیخ الاسلام شمس الائمۃ السرخسی ان الشاھد لواخطاء فی بعض الحد ثم تدارک واعاد الشھادۃ واصاب قبلت شھادتہ لو امکن التوفیق سواء تدارک فی المجلس اوفی مجلس اٰخر ومعنی امکان التوفیق ان یقول کان صاحب الحد فلانا الا انہ باع دارہ من فلان اٰخر وما علمنا بہ او یقول کان صاحب الحد بھذا الاسم الا انہ سمی بعد ذٰلک بھٰذا الاسم الاٰخر وما علمنا بہ وعلی ھذا القیاس فافھم ھذا اذا ترک الشاھد احد الحدود او غلط فیہ ولو ترک المدعی احد الحدود او غلط فیہ فحکمہ کالشاھد جملۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع الفصولین میں شیخ الاسلام سرخسی کی علامت دے کر کہا کہ اگر حد بندی کے بیان میں گواہ خطا کرے اور پھر خطا کا ازالہ کرکے شہادت دے اور درستی کردے تو یہ شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ دونوں بیانوں میں موافقت ہوسکے خطا کا ازالہ اسی مجلس میں کردے یا کسی دوسری مجلس میں کردے، موافقت کا معنی یوں کہ حد بندی والا فلاں ہے، کہہ کر، پھر کہے، مگر اس نے اپنا مکان دوسرے کو فروخت کیا جو فلاں ہے اور اس کا مجھے علم نہیں یوں کہ، حدود والے کا نام یہ ہے، پھر کہے، بعد میں اس کا یہ دوسرا نام بتایا گیا ہے اور مجھے علم نہیں ہے علٰی ہذا القیاس، اس کو سمجھو، یہ گواہ کے متعلق ہے کہ وہ حدود میں سے کسی حد کا ذکر چھوڑدے یا غلطی کرے تو اگر مدعی حد بندی کے بیان میں ایسا کرے تو اس کا حکم بعینہٖ گواہ کی طرح کا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۰: از ریاست رامپور مرسلہ منا بھائی ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

صورت یہ ہے کہ زید کے مکان کے بالاخانوں کے ایک ہی سمت اور سلسلے میں بہت دریچے ہیں جن میں سے دو[2] دریچے جدید ہیں اور باقی تمام قدیم، ہندہ کا مکان زید کے مکان کے مقابل کوئی ستر قدم کے فاصلے پر ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک وسیع شارع عام اور ایک کھنڈر واقع ہے۔

[1] جامع الفصولین الفصل السابع فی تحدید العقار الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۵

ہندہ نے اس بناء پر کہ اس کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے منجملہ تمام دریچوں کے پانچ دریچے بند کرادینے یا ان کے سامنے دیوار قائم کرادینے کی نالش دائر کردی ان پانچ دریچوں میں سے دو جدید ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور باقی قدیم چنانچہ فریقین کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے اور درحقیقت اس بے پردگی کا باعث یہ ہے کہ ہندہ کا ایک مکان جو مانع بے پردگی تھا باختیار ہندہ منہدم ہوگیا اور اب بے پردگی میں دریچہائے متنازع فیہا اور زید کے مکان کے دوسرے دریچے اور وہ لوگ جو بہ سواری اسپ وفیل وشتر وغیرہ شارع عام سے گزرتے ہیں سب برابر ہیں۔ زید ہندہ سے کہتا ہے کہ دریچے بند ہوجانے سے میرے ہزار ہا روپے کے مکانات غارت ہوجائیں گے اور تمہارا ہر طرح سے صرف دس بارہ گرہ دیوار بلند کرلینے سے پردہ ہوسکتا ہے اور اگر تمہیں بار ہو تو صرف بھی میں ہی دوں گا، اس صورت میں علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ آیا مطابق مذہب ائمہ حنفیّہ ہندہ زید کو اپنی ملک میں تصرف سے مانع ہوسکتی ہے اور ہندہ دریچے بند کرادینے کی مستحق ہے۔ جواب مدلل بنقل وروایات ہو۔ **واللہ لایضیع اجر المحسنین** (اللہ تعالٰی نیکی والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں دعوی ہندہ باطل ونامسموع ہے، ائمہ حنفیّہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومرجح ومصحح ومفتی بہ یہ ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقاً اختیار رکھتا ہے دوسرا اپنے کسی نفع نقصان کی وجہ سے مالک کو اپنی ملک خاص مستقل میں کسی تصرف سے منع نہیں کرسکتا، خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ مبسوط میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

ان کف عما یوذی جارہ فھو احسن، ولایجبر علی ذٰلك ولو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا او کوۃ لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی مبلکہ مایستر جھتہ[1]۔	اپنے پڑوسی کو تکلیف دہ امور نہ کرے تو اچھا ہے جبکہ اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر مکان والے نے مکان کے اوپر دروازہ یا کھڑکی کسی کے صحن کی طرف کھولی تو صحن والے کو منع کا حق نہیں ہے تاہم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی ملکیت میں عمارت بناکر اس کی کھڑکی کو بند کردے۔ (ت)

وجیز امام شمس الائمہ کردری میں ہے:

[1] فتح القدیر بحوالہ مبسوط لامام محمد کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الحیطان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۶۳

الامام ظہیر الدین کان یفتی بجواب الروایۃ[1]۔	امام ظہیر الدین اس روایت پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتاوٰی عن استاذنا انہ یفتی علی قول الامام[2]۔	انہوں نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا کہ ہمارے استاذ سے مروی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے اس قول پر فتوٰی دیا کرتے تھے۔(ت)

محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں: الوجہ لظاہر الروایۃ[3] (فتوٰی کی وجہ ظاہر الروایۃ ہے۔ت) شرح تنویر الابصار میں ہے:

جواب ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقًا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظہیر الدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبٰی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف ثمہ فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ[4]۔	ظاہر الروایۃ میں جواب کہ مطلقًا منع نہیں ہے، اسی پر ایک جماعت کا فتوٰی ہے، جیسا کہ امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد، اسی کو فتح میں ترجیح دی ہے، اور مجتبٰی کے باب القسمۃ میں ہے اور اس پر فتوٰی دیا جائے اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا فتووں میں اختلاف ہے جبکہ ظاہر روایت پر اعتماد چاہئے۔(ت)

بحر الرائق میں ہے:

ذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا مجھے یاد ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابوحنیفہ، ابویوسف، محمد، زفر اور حسن بن زیاد رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول ہے کہ اپنی ملکیت

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۴

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الحیطان نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۱۸

[3] فتح القدیر کتاب القضاء مسائل شتی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۶

زیاد رضی اللہ تعالٰی عنھم انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضربجارہ قال وھوالذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعاً لوالدی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	میں تصرف سے منع نہ کیا جائے اگرچہ پڑوسی کو اس سے تکلیف ہو، اور فرمایا مجھے یہی پسند ہے اسی پر اعتماد کرتا ہوں اور فتوٰی دیتا ہوں یہ اپنے والد شیخ الاسلام کی پیروی میں کرتا ہوں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ (ت)

اور فقہ کا قاعدہ مقرر ہے کہ جب فتوٰی مختلف ہو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہے اور اس سے عدول ناجائز، اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں،

صرح بکل ذٰلك فی الخیریۃ والبحر والدروردالمحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار وقد سردنا نصوصھم فی کتاب النکاح وغیرہ من فتاوٰنا۔	اس تمام کی تصریح خیریہ، بحر، در اور ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے، ان کی نصوص کو ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب النکاح میں جمع کردیا ہے۔ (ت)

متاخرین نے کہ برخلاف مذہب جملہ ائمہ مذہب بنظر "لاضرر ولاضرار فی الاسلام[2]" منع پر فتوٰی دیا صاف تصریح فرمائی کہ اس کا محل وہاں ہے کہ مالک کا وہ تصرف دوسرے کو ضرر شدید صریح پہنچاتا ہو جس کی وجہ سے اس کا مکان گرجائے یا اصلاً قابل انتفاع نہ رہے ورنہ بالاجماع ممانعت نہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

لایمنع الشخص من تصرفہ فی مبلکہ الااذاکان الضرر بیناً[3]۔	کسی شخص کو اپنی ملکیت میں تصرف سے منع نہ کیا جائیگا الایہ کہ اس سے واضح ضرر پیدا ہو۔ (ت)

بحر میں ہے:

صحح النسفی فی الحمام ان الضرر ان کان فاحشا یمنع والافلا والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من	امام نسفی نے تصحیح فرمائی ہے کہ اگر حمام کی وجہ سے فحش ضرر ہو تو منع کیا جائے ورنہ نہیں، حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں متاخرین کی غالب اکثریت

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

[2] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدث الرجل فی الطریق الخ مکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۵

المتاخرین الاستحسان فی اجناس ھذہ المسائل وافتی طائفۃ بجواب القیاس المروی واختار فی العمادیۃ المنع اذاکان الضرر بینا وظاہر الروایۃ خلافہ[1]۔	نے استحسان پر عمل کیا اور ایک گروہ نے قیاس کے مطابق جواب دیا ہے اور عمادیہ میں منع مذکور ہے جب ضرر واضح ہو، اور ظاہر روایت اس کے خلاف ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فتح القدیر سے ہے:

ترک القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضرر افاحشا وھو المراد بالبین وھو مایکون سببا للھدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو مایمنع الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ واختاروا الفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضررما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کماذکرناقریبا[2]۔	جہاں غیر کو اس کا ضرر فاحش پہنچے وہاں قیاس کو ترک کیا جائے گا اور واضح ضرر سے یہی مراد ہے کہ دوسرے کی عمارت کے انہدام کا سبب بنے یا انتفاع کلی طور پر ختم ہو جائے وہ یہ کہ حوائج اصلیہ مثلاً روشنی کو مکمل ختم کردے اسی پر فتوٰی ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کرنا وسیع ہو تو پھر انسان اپنی ملکیت میں تصرف وانتفاع سے محروم ہو جائیگا جیسا کہ قریب ذکر ہوا۔(ت)

یہاں اگر فرض کیا جائے کہ اب ہندہ کا ایسا ہی ضرر ہے جس کے سبب اس کا مکان اصلاً قابل انتفاع نہ رہا تو یہ ضرر دریچوں نے نہ پہنچایا کہ وہ تو قدیم سے ہیں اب تک ہندہ نے اپنے مکان سے کیونکر انتفاع کیا بلکہ یہ نقصان اس دیوار ہندہ کے انہدام سے پیدا ہوا جو حسب بیان سائل خود باختیار ہندہ منہدم ہوئی اور کوئی شخص خود اپنے لئے سبب ضرر پیدا کرکے دوسرے کا گریبان گیر نہیں ہوسکتا ورنہ کل کو ہندہ اپنی دیوار پردہ سے گزدو گز اور اتار کر شارع عام بند کرنے کی خواستگار ہوگی لوگوں کے گزرنے سے میری بے پردگی ہے، ایسے مہمل دعوے اگر سن لئے جائیں تو ایک عورت کہ محلّہ کے وسط میں رہتی ہو اہل محلّہ کی عافیت تنگ کرسکتی ہے اپنے کچے جھونپڑے کی چاروں دیواریں گراکر چار طرف کی نشست گاہوں پر دعوٰی کردے کہ ان سے میری بے پردگی ہے سب تیغا کرادی جائیں یا ان کے سامنے دیواریں کھنچوادی جائیں گراتے وقت کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وہ کہے گی میں اپنی ملک خاص میں تصرف کرتی ہوں تم کون، اور جب

---

[1] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

[2] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۱

گرا چکی تو اب لوگوں کی نشستگاہوں سے اس کا ضرر ظاہر ہے، انصافاً اس وقت مفتی کیا فتوی اور قاضی کیا حکم دے گا، کیا ہندہ کے اپنے پیدا کئے ہوئے ضرر کے سبب اس کا لایعنی دعوی سن لیا جائے گا یا اسی کو اپنا پردہ بدستور درست کر لینے کا حکم کردیا جائے گا خصوصاً جس حالت میں کہ زید محض تبرع واحسان یہ بھی کہتا ہے کہ میں اپنے صرف سے دیوار اونچی کردوں، پھر ہندہ کا نہ ماننا سوا تعنت وایذارسانی کے کس امر پر محمول ہوسکتا ہے **ولاضرر ولاضرار فی الاسلام**[1] (اسلام میں ضرررسانی جائز نہیں ہے۔ت) بالجملہ صورت مستفسرہ میں ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ عنہم کے اصل مذہب مفتی بہ پر تو دعوی ہندہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں، انصافاً مختار متاخرین بھی اس صورت سے بیگانہ ہے کہ اضرار جانب زید سے نہیں **فعلیك بترك الاعتساف والانصاف خیر الاوصاف** (کج روی کو ترک کرنا لازم ہے اور انصاف بہترین خوبی ہے۔ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۱: از ملک اپر برہما مانڈلہ زیجو بازار مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ ہندہ کے قبضہ میں چھوڑی، بعد ازیں انتقال کیا، اور اپنی بہن کا نواسہ عمرو اور زوجہ ہندہ کو چھوڑا بعد وفات زید کے جائداد متروکہ پر ہندہ قابض رہی، اب ہندہ نے وہ جائداد جو اس کے قبضہ میں تھی اس میں سے کچھ بنام خالد اپنے بھتیجے کو ہبہ کرکے دستاویز رجسٹری کرادی اور کچھ اپنی بہن زینب وفاطمہ اور کچھ کلثوم اپنی بہن متوفاۃ کی بیٹی کو اور دو بھتیجوں کو تقسیم کرکے ان کے نام رجسٹری کرادی، بعد اس کے ہندہ نے انتقال کیا، اب عمرو جائداد مذکورہ کا دعوی کرتا ہے شرعاً جائداد کس کو ملنا چاہئے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر عمرو عاقل بالغ اسی شہر میں موجود ہندہ کے ان تصرفات پر مطلع تھا اور دعوی نہ کیا اب بعد انتقال ہندہ مدعی ہوا تو یہ دعوی اصلاً قابل سماعت نہیں کہ ان تصرفوں پر مطلع ہو کر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ عمرو کا جائداد میں کوئی حق نہ تھا، خلاصہ میں ہے:

رجل تصرف فی ارض زمانا ورجل اٰخر یری تصرفه فیها ثم مات المتصرف ولم یدع الرجل	ایک شخص ایک زمانہ سے زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین میں اس کے تصرفات کو دیکھ رہا ہے پھر تصرف کرنے والا فوت ہوا تو اب وفات

[1] نصب الرایۃ کتاب الجنایات باب مایحدثہ الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴

حال حیاته لاتسمع دعواه بعد وفاته[1]۔	کے بعد دوسرے نے زمین پر دعوی کیاتو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا کیونکہ اس کی زندگی میں دوسرے نے دعوی نہ کیا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فی فتاوی المرحوم العلامة الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل له بیت فی دار یسکنه مدة تزید علی ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرف فی المدة المذکورة فھل اذاادعی البیت اوبعضه تسمع دعواه ام لا اجاب لاتسمع دعواه علی ماعلیه الفتوی[2]۔	علامہ غزی صاحب تنویر کے فتاوٰی میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص کا حویلی میں مکان ہے وہاں وہ تین سال سے زائد عرصہ رہائش پذیر ہے اور وہ اپنے مکان میں توڑ پھوڑ اور مرمت کاکام کرتا رہا اس کے پڑوس والا شخص اس کے ان تصرفات کو دیکھتا رہا اور مدت مذکورہ میں خاموش رہنے کے باوجود اب اس مکان کے کل یا بعض پر دعوی کرے تو اس کا دعوی مسموع ہوگا یا نہیں؟ تو جواب میں فرمایا کہ فتوی کے مطابق اب اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر اس وقت تک بچہ یا مجنون یا غائب تھا اب عاقل بالغ ہوا یا اطلاع پائی تو اگر ثابت ہو کہ زید کی جائداد قبضہ ہندہ میں بطور ہبہ یا بعوض دین مہر تھا جب بھی دعوی عمرو نا مقبول ہونا خود ظاہر، اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو دیکھیں گے کہ دین مہر ہندہ ترکہ کو مستغرق یعنی اس کی قیمت سے زائد مساوی ہے یا نہیں، اگر مستغرق ثابت ہو جب بھی عمرو کا اصل بنائے دعوی عن ملک بذریعہ وراثت حاصل ہی تھا کہ دین جب ترکہ کو محیط ہو تو وارث اس کے مالک نہیں ہوتے نہ وہ اسے لے سکتے ہیں کل جائداد ادائے دین میں صرف کی جائیگی، اشباہ میں ہے:

الدین المستغرق للترکة یمنع ملك الوارث[3]۔	میت پر قرضہ اس کے ترکہ کے برابر یا زائد ہو تو وارث کی ملکیت کے لئے مانع ہے(ت)

---

[1] العقود الدریة بحوالہ الخلاصہ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

[2] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۲۰۴

ہاں اگر عمرو کہے کہ میں تمام وکمال دین مہر اپنے پاس سے ادا کئے دیتا ہوں تو بیشک اسے اختیار ہوگا کہ دین ادا کرکے ترکہ چھڑالے۔ اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1]۔	وارث کو قرضہ ادا کرکے ترکہ کو حاصل کرلینے کا حق ہے اگرچہ وہ ترکہ قرضہ میں مستغرق ہو۔(ت)

اس صورت میں اور نیز جبکہ دین مستغرق نہ ہو بعد ادائے دین جو باقی بچے اس کے ثلث میں زید کی وصیت اگر اس نے کچھ کی ہو نافذ کرکے مابقے بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چار سہم ہو کر ایک سہم ہندہ اور تین سہام عمرو کو ملیں گے ان تقدیرات پر جن میں کل جائداد مملوک ہندہ نہ ٹھہری جتنے ہبہ ہندہ نے جس جس کے نام کئے سب باطل ہوجائیں گے چہارم حصہ جو ہندہ کو پہنچا اس کے وارثان شرعی پر حسب فرائض تقسیم ہوجائیگا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم حصوں کا استحقاق ابتداء سے مقارن ہو طاری نہ ہو تو تمام حصوں کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۲: از ریاست رامپور مرسلہ احمد خان صاحب ۶/ جمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی ہوا کہ میں نے آٹھ ہزار روپے یا فتنی عمرو کے میرے ذمے تھے عمرو کو پہنچادئے اور چند گواہ متفق اللفظ والمعنی حاکم کے حضور گزرائے جنہوں نے بالاتفاق رقم مذکور کی نسبت عمرو کے اقرار وصول کرنے پر شہادت دی زید نے اس رقم کی رسیدیں بھی پیش کیں جن کی تحریر سے بھی عمرو کو اقرار ہے، عمرو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان میں ایک رسید تین سو کی تو میں نے دی ہی نہیں اور دو رسیدیں ایک تین سو اور ایک دو سو چالیس کی زید نے چالاکی سے بڑھالی ہیں وہ سو اور یہ صرف چالیس کی میں نے دی تھی، اس مضمون پر عمرو نے چند گواہ دئے کہ یہ رسیدیں سو اور چالیس کی عمرو نے لکھی تھیں، اس صورت میں دفع دعوی زید کے لئے یہ گواہ مقبول ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں نہ عمرو کا یہ جواب مقبول نہ اس میں اس مضمون کی شہادت مسموع۔ شرع میں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

ایسی جگہ اقرار حجت شرعیہ ہے اوراس پر شہادت ثبوت دعوی کے لئے کافیہ وافیہ، جامع الفصولین فصل حادی عشر میں ہے:

لوادعی قضاء دینہ اشھدا انہ اقر باستیفائہ تقبل[1]۔	اگر مدعی نے قرض ادا کرنے کا دعوی کیا ہو دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ مدعی نے قرض وصول کرلینے کا اقرار کیا ہے، تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

بخلاف رسیدات کہ یہ کوئی حجت نہیں حاصل انکار عمرو یہ ہوگا کہ منجملہ آٹھ ہزار کے سات سو مجھے نہ ملے کہ اس قدر کی رسید میری لکھی ہوئی نہیں، ایسا فضول جواب بعد ثبوت اقرار کیا قابل التفات ہوسکتا ہے، بالفرض اگر ایک رسید کو بھی عمرو نہ مانتا یا اصلاً کوئی رسید ہوتی ہی نہیں تو ثبوت اقرار ثبوت ایصال کو بس تھا اور جب یہ جواب خود مہمل ہے تو اس پر شہادت بھی قطع نظر اس سے کہ معنی نفی پر شہادت ہے جس کا حاصل یہ کہ اتنے روپے نہ پہنچے خود فضول و مہمل ہے کہ یہ شہادت ایسی ہی چیز ہے جس کا وجود و عدم یکساں، تو بعد ثبوت حجت شرعیہ ایک امر غیر حجت میں خلل ہو بھی تو کیا۔ فتاوٰی قاضیخان واشباہ والنظائر وفتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للعلامۃ الرملی فی فتاوٰی المقرر عند علماء الحنفیۃ انہ لااعتبار بمجرد الخط ولاالتفات الیہ حجج الشرع ثلثۃ وھی البینۃ اوالاقرار اوالنکول کما صرح بہ فی الاقرار الخانیۃ[2]۔	فتاوٰی میں علامہ رملی کے الفاظ ہیں کہ علماء احناف کے ہاں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ محض خط کا کوئی کااعتبار ہے نہ وہ قابل توجہ ہے کیونکہ شرعی دلائل تین ہیں: گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں تصریح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار او النکول کما فی اقرار الخانیۃ وقد نقلہ الشیخ زین فی اشباھہ ونظائرہ فی	قاضی صرف حجت پر فیصلہ دے گا اور وہ صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے باب الاقرار میں ہے اور اس کو شیخ زین الدین نے اپنی اشباہ ونظائر میں کتاب القضاء کے شروع

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دارالفکر بیروت ۲/۱۲

اول کتاب القضاء [1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	میں ذکر کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۳: از ریاست رامپور محلّہ مدرسہ مولوی حکیم نجم الغنی خاں صاحب طبیب شفاخانہ فوجی ریاست رامپور ۱۶/رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یعقوب علی خاں نے اپنے برادر عینی عبدالغنی خاں اور ان کی زوجہ وپسر محمدی بیگم ونجم الغنی خاں پر حاکم شرع کے حضور نسبت مکان مسکونہ مدعا علیہم دعوی دخلیابی بریں بنادائر کیا کہ یہ مکان عبدالغنی خان نے ۱۹/مئی ۱۸۹۷ء کو علی محمد خان کے ہاتھ بیع کیا پھر یکم جون ۱۸۹۷ء کو اس سے کرایہ پر لیا بعدہ علی محمد خان مالک مشتری نے ۱۳/جولائی ۱۸۹۸ء کو میرے ہاتھ بیچا عبدالغنی خان اصالۃً اور انکی زوجہ وپسر بالتبع بذریعہ کرایہ قابض اب تخلیہ نہیں کرتے عبدالغنی خان نے دعوی مدعی قبول کیااور علی محمد خان نے بھی اس کی تصدیق کی محمد بیگم ونجم الغنی خان نے جواب دیا کہ دعوی بہ سازش عبدالغنی خاں برادر حقیقی مدعی دائر ہوا ہے عبدالغنی خاں نے یہ مکان یکم جنوری ۹۷ء کو مجھ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچ کر بیعنامہ مہری اپنا مرتب بگواہی گواہان کرکے مجھے حوالہ کردیااور زرثمن میرے مہر میں مجرا کیا مجھے مالک مستقل بناکر قابض کرادیا جب مجھے معلوم ہوا کہ بیعنامہ غیر مصدقہ رجسٹری ہے تو میرے اعتراض پر رجسٹری کرادینے کا وعدہ کیااور لطائف الحیل میں رکھا پھر کہہ دیا ہمارا تمہارا معاملہ زن وشو کا ہے تصدیق کی کیا ضرورت، پھر خارجًا اس بیع فرضی کی کارروائی کی، محمدی بیگم نے اپنے ثبوت میں بیعنامہ مذکور مہری عبدالغنی خان اور آٹھ مرد دو عورتیں گواہ پیش کئے حاکم مجوز نے حسب سرکلر مجریہ نواب خالد آشیاں کے جس کاغذ بے رجسٹری کے ثبوت پر وجہ وجیہہ گزر جائے تو اسے ثبوت میں لینے اور باضابطہ تحقیقات کرنے کی نسبت حکام بالا سے اجازت لے کر بعد تحقیقات فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لے کر مثل کاغذات مصدقہ سمجھا جائے حاکم مجوز نے بعد سماع ثبوت اجازت تحقیقات مزید حاصل کی پھر بعد مزید تحقیقات فیس اور تاوان لے لیا، یہ ثبوت و تحقیقات انہیں گواہان پیش کردہ محمدی بیگم سے ہوئے ان میں سید حشمت علی ویوسف علی خاں صاحبان شہود ایجاب وقبول ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالغنی خاں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم سے کہا یہ مکان میں نے تمہارے ہاتھ تین سو روپے کو بیچااور زرثمن تمہارے مہر میں مجرا کیا بیعنامہ دو چار روز میں لکھادوں گا محمدی بیگم نے کہا میں نے سید اشرف علی کاتب بیعنامہ اور شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں نثار علی شاہ عبدالرزاق خان پانچوں گواہان حاشیہ بیعنامہ ہیں، ان میں کاتب کا بیان ہے میں نے یہ بیعنامہ عبدالغنی خان کے کہنے سے لکھا، عبارت عبدالغنی خاں بتاتے گئے مہر اپنی انہوں نے اپنے ہاتھ سے لگائی، عبدالرزاق خان نے کہا میں مولوی عبدالغنی خان کے بیٹے سے ملنے گیا مولوی عبدالغنی خان نے مکان متنازعہ کا کاغذ نکالا اور کہا کہ یہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب القضاء دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹

میں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا ہے تم اس پر اپنی گواہی لکھ دو میں نے لکھ دی ان کے علاوہ باقر حسین ومنور بیگم وفرخندہ بیگم وفرزندہ بیگم نے شہادت دی۔ حاکم مجوز نے اس پر یہ تجویز صادر فرمائی کہ بیع بنام محمدی بیگم اس بیع نامہ سادہ سے ثابت نہیں، نہ شرعاً نہ ضابطۃً نہ عقلاً۔

شرعاً بدیں وجہ کہ مدار ثبوت بیع قولی مجلس واحد میں وجود ایجاب وقبول پر ہے عدالت نے خود اظہار محمدی بیگم لیا جس میں اس نے بیان کیا کہ یہ مکان شوہر مظہرہ نے بمعاوضہ سہ صد روپیہ منجملہ مہر مظہرہ بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا کاغذ بعد گفتگوئے بیع لکھا گیا گفتگوئے بیع یہ ہوئی تھی بائع نے کہا میں کاغذ بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، وقت گفتگوئے بیع اور لانے بیعنامہ کے کوئی نہ تھا صرف میرا خاوند اور میں تھی، اولاً صرف یہ کہنا بائع کا کہ بیعنامہ لکھوائے دیتا ہوں، وعدہ ہے نہ ایجاب، بالفرض ایجاب بھی ہوتا تو تعیین ثمن ایجاب وقبول میں ضرور ہے وہ یہاں مفقود۔ دوم گواہی یوسف علی خان وسید حشمت علی صریح زوری ومصنوعی خلاف بیان مدعا علیہا ہے یہ صاف صاف اپنے سامنے ایجاب وقبول ہونا بیان کرتے ہیں اور مدعا علیہا لکھا چکی کہ وقت گفتگوئے بیع کوئی نہ تھا اور گفتگوئے بیع وہ تھی، غلام محی الدین خان لکھاتا ہے بائع نے سقف مکان مبیعہ پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان بقیمت سہ صد روپیہ بدست محمدی بیگم بیچا ہے میں نے زیر سقف نزد محمدی بیگم آکر دریافت کیا تو مسماۃ نے کہا میں نے یہ مکان بقیمت سا/ خریدا ہے تم گواہی کردو، اگر عدالت کلام بائع کو جو بالائے سقف کہا ایجاب قرار دیتی ہے تو قبول مدعا علیہا نے زیر سقف ظاہر کیا ہے مجلس مغائر ہے اور وہ موجب بطلان وعدم انعقاد بیع ہے۔ شمس الدین خاں لکھاتا ہے بائع نے بالائے سقف کہا میں نے یہ مکان بدست محمدی بیگم فروخت کیا ہے تم بھی گواہی کردو، پھر مظہر محمدی بیگم کے پاس آیا اور مبارکی دی، محمدی بیگم نے کہا ہاں پرسوں میرے زوج نے یہ مکان میرے ہاتھ بیچا ہے اگر قول بائع کو ایجاب مان لیا جائے تو قبول ندارد کہ محمدی بیگم نے اپنے خریدنے سے خبر دی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ بیع پہلے ہوئی، شرف علی کاتب نے صرف کتابت بیعنامہ یعنی اپنے فعل پر گواہی دی ہے ایسی گواہی جائز نہیں۔ باقر حسین گواہ صرف اقرار کا ہے بوجہ واحد ہونے کے نصاب نہیں، علاوہ برآں جملہ گواہ رجال غیر ثقہ غیر معتمد ہیں کوئی قرینہ صداقت شہادت نہیں، نہ بیعنامہ رجسٹر، نہ بر کاغذ اشٹام، نہ محررہ بقلم بائع، نہ دستخط اس کے، نہ گواہی کسی اہل محلّہ کی۔ فرخندہ بیگم نواسی مدعا علیہا کی گواہی بحق نانی غیر مقبول کہے، نثار علی شاہ صریح نامقبول الشہادۃ کہ باقرار خود داڑھی مونچھ چودہ سال سے صفار کھتا ہے۔

ضابطۃً: اس بناء پر کہ اس زمانہ فتنہ میں بلحاظ سد باب زور سرکار نے دستور العمل مرتب فرمادیا ہے جس میں پیش از تقرر کونسل زیادہ دس روپے سے ہونا رجسٹری انتقالات قطعی جائداد غیر منقول لازمی تھا

زمانہ کونسل میں زائد از پنجاہ روپیہ لازمی رکھ کر بہت سے قیود اسٹامپ وغیرہ بڑھادئے گئے بلحاظ پابندی دستور العمل وجدید بیعنامہ سادہ عند العدالت ساقط الاعتبار ہے خاصۃً ایسے محل پر کہ حسب تحریر مدعا علیہا بائع آدم فریبی وجعلساز ہے، مانا کہ عدالت نے اسٹامپ وفیس لے لیا ہے مگر مقصود سوااس کے نہ تھا کہ عدالت انکشاف اصلیت معاملہ کرکے عذر کسی کا باقی نہ رکھے۔

عقلاً: حالت اشتباہی بیعنامہ ظاہر ہے بائع لکھا پڑھا آدمی ہے، نہ اس کے قلم کی تحریر، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ یا عزیز واقارب کی شہادت، نہ اسٹامپ، نہ وثائق نویس رجسٹری کا لکھا ہوا، حدود جنوبی وشمالی مشکوک، مہر عرفاً محفوظ نہیں رہتی جس کا دستیاب ہونا اہل خانہ کو دشوار ہو، جس حالت میں بیع مدعا علیہا ثبوت کو نہ پہنچی اس بناء پر اول مدعا علیہا کو کوئی منصب اعتراض کا بیعنامہ رجسٹری شدہ موسومہ مدعی وبائع مدعی پر نہیں۔ دوم ہر دو بیعنامہ مدخلہ مدعی رجسٹری شدہ وباضابطہ نہیں۔ سوم بائع کو ہر دو بیع مظہرہ مدعی مسلم ومقبول ہیں۔ لہٰذا حکم ہوا کہ فیصلہ بحق مدعی ہو کر خرچہ مدعی ذمہ محمدی بیگم ونجم الغنی خاں عائد ہو فقط۔ اب علمائے شرع سے استفسار ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم کیا ہے شہادات پیش کردہ محمدی بیگم بوجوہ مذکورہ مردود ہیں یا نہیں، شہود پر نہ کوئی جرح لی گئی نہ وہ مجروح ہیں، ایسی حالت میں انہیں بلاثبوت غیر ثقہ وغیر معتمد قرار دینا کیسا ہے۔ عبدالرزاق خاں کا ذکر تجویز میں اصلاً نہ فرمایا گیا جس کے ملاحظہ کے بعد باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں ثبوت بیع کیلئے خاص ایجاب وقبول پر شہادت گزرنا ضرور ہے یا اقرار بائع کا ثبوت بھی کافی، اور برتقدیر ثبوت اقرار یہاں فیصلہ شرعاً بحق یعقوب علی خاں ہونا چاہئے یا بحق محمدی بیگم؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ طالب حق یہاں چند امر ملحوظ رکھے کہ باذنہ تعالٰی وضوح حکم میں دقت نہ رہے،

اول: ثبوت بیع کے دو معنی ہیں: ثبوت فی نفسہ یعنی بیع فی الواقع کا موجود ومنعقد ہونا، اور ثبوت عند القاضی یعنی حاکم کے نزدیک اس کا پایہ ثبوت کو پہنچنا۔ ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجوہ ایجاب وقبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتا ہاں ایجاب وقبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً، صراحۃً ہوں یا دلالۃً عبارۃً ہوں یا اقتضاءً ہوں خطاباً یا کتابۃً، غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو کہ ان عقود میں معنی ہی اعتبار کا ہے زبانی تلفظ پر مدار نہیں، ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بیع جس طرح "**بعت اشتریت**" کہنے سے ہوجاتی ہے یونہی تحریر سے بھی کہ قلم بھی ایک زبان ہے۔ اشباہ

میں ہے:

الکتابة یصح البیع بھا قال فی الھدایة والکتاب کالخطاب[1]۔	تحریری بیع صحیح ہے جس کو ہدایہ نے بیان کیا، اور تحریر زبانی خطاب کی طرح ہے(ت)

ولہٰذا فرماتے ہیں تعاطی سے بھی ہوجاتی ہے جہاں نہ تقریر نہ تحریر، ایک تھان رکھا ہے۔ بزاز سے پوچھا قیمت کیا ہے؟ کہا دس روپے، اس نے روپے رکھ کر تھان اٹھالیا، اس نے روپے لے لئے بیع ہوگئی اگرچہ نہ بزاز نے فروختم کہا نہ اس نے خریدم۔ ہدایہ میں ہے:

المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود لھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاة[2]۔	ان عقود میں معنی معتبر ہوتا ہے لہٰذا دستی ادل بدل سے اعلٰی اور ادنٰی چیز میں بیع منعقد ہوجاتی ہے کیونکہ فریقین کی رضامندی پائی گئی ہے۔ (ت)

اور شک نہیں دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم و معہود لکھ کر گواہیاں کراکر مشتری کو حوالہ کرنا اور اس کا بخوشی لے لینا قطعًا دلیل تراضی ہے۔ عندالانصاف اسی قدر تحقق ایجاب وقبول کے لئے کافی ہے اگرچہ اس سے پہلے زبانی گفتگو صرف اسی قدر آئی ہو کہ اس نے کہا میں بیعنامہ تمہیں لکھوا کر دیتا ہوں، اس نے کہا آمین کہ یہاں تک اگرچہ صرف وعدو پسند تھا مگر بیعنامہ بطور مذکور لکھوا کر دینا لینا دلیل تراضی ہو کر ایجاب وقبول ہوگیا جس طرح شائع وذائع ہے کہ والدین کوئی جائداد اپنے روپے سے خرید کر بیعنامہ اپنے کسی بچے کے نام لکھواتے ہیں تمام عالم جانتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تملیک ہی ہوتی ہے اور وہ جائداد اسی بچے کی ٹھہرتی ہے اگرچہ زبان پر ہبہ کا حرف بھی نہ آیا۔ احکام الصغار استروشنی میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأة اشترت ضیعة لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لانھا تصیر واھبة والام تملك ذلك ویقع قبضھا عنه[3]۔	ایک عورت نے اپنے مال سے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی، یہ خریداری والدہ کی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریدار نہیں ہوسکتی اور یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی کیونکہ ماں کو ہبہ کا حق ہے اور پھر بیٹے کی طرف سے قبضہ لیا ہے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

[2] الھدایہ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۔۲۴

[3] احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین باب فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

دوم: ثبوت عند القاضی جس طرح شہادت اصل عقد سے ہوتا ہے یعنی گواہ کہیں ان دونوں نے ہمارے سامنے خریدم وفروختم کہا، یونہی شہادت اقرار سے بھی کہ گواہ کہیں ہمارے سامنے اس نے اقرار بیع کیا، جامع الفصولین فصل ۱۱ میں برمز "می" منتقی الامام الحاکم الشہید سے ہے:

ادعی بیعا وشہدا انہ اقر بالبیع تقبل[1]۔ (ملتقطا)	ایک شخص نے بیع کا دعوٰی کیا اور دو گواہوں نے اس کے بیع کے اقرار پر شہادت دی تو شہادت قبول ہوگی۔ (ملتقطا)۔ (ت)

یوں ہی شہادت مختلط سے بھی یعنی ایک گواہ عقد بیع پر شہادت دے اور دوسرا اقرار بیع پر، بیع ثابت ہوجائے گی، جامع الفصولین میں برمز فقط فتاوٰی امام قاضی ظہیر سے ہے:

فی البیع والاجارۃ والصلح لو شہد احدھما بعقد والاٰخر باقرارہ بہ لایضر[2]۔	بیع، اجارہ اور صلح کے معاملات میں ایک نے شہادت دی کہ عقد کیا ہے دوسرے نے اقرار کی شہادت دی تو یہ اختلاف مضر نہیں۔ (ت)

اسی میں برمز لبس مبسوط سے ہے:

ادعی شراء وشہد احدھما بہ والاٰخر انہ اقربہ تقبل[3]۔	مدعی نے خریداری کا دعوٰی کیا، ایک گواہ نے خریدنے کی اور دوسرے نے خرید کرنے کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں برمز لطائف الاشارات سے ہے:

شہد بنحو بیع والاٰخر باقرارہ بہ تقبل[4]۔	ایک نے بیع کی اور دوسرے نے اس بیع کے اقرار کی شہادت دی تو مقبول ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

ادعی الشراء وشہد احدھما ببیع	مدعی نے خریداری کا دعوٰی کیا، ایک نے فروخت

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۳

[3] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

[4] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۴

وشھد الاٰخر "کہ بائع از ومہ ثمنش طلب کرد "تقبل لان طلب الثمن اقرار منہ بالبیع[1]۔	کرنے اور دوسرے نے یہ شہادت دی کہ بائع نے اس مشتری سے قیمت طلب کی ہے شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قیمت طلب کرنا فروخت کرنے کا اقرار ہے۔(ت)

یہاں سے ثابت ہوا کہ شہادت اقرار کے بعد شہادت ایجاب وقبول کی اصلاً حاجت نہیں ولہذا تنہا اقرار کی گواہی کافی ہو جاتی ہے ولہذا ایک گواہ اقرار کے ساتھ ایجاب وقبول کی ایک ہی شہادت کافی ہے حالانکہ نفس عقد پر صورت اولیٰ میں شہادت اصلاً نہیں، اور صورت ثانیہ میں نصاب ناتمام اور جب شہادت اقرار کے ساتھ نفس عقد کی تفتیش ہی نہ رہی تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ اس کے ہوتے حاکم کو اس بحث کی کچھ گنجائش نہیں کہ مشتری کے لفظ تو معلوم ہی نہ ہوئے یا بیان اس مجلس میں نہ تھا یا اس کا کلام انشائے قبول نہ تھا اخبار تھا، یہ تحقیقات تو نفس ایجاب وقبول سے متعلق تھی جب شہادت اقرار بائع کی نسبت سے بیع ثابت ہو گئی الفاظ مشتری یا اتحاد وتعدد مجلس سے کیا بحث رہی۔

سوم: املا یعنی عبارت بتاتے جانا اور دوسرے سے لکھوانا اپنے لکھنے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے اقوی ہے، علماء فرماتے ہیں کتابت تین قسم ہے: ایک نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا، یہ محض باطل ہے دوسری مرسوم یعنی طریقہ معہودہ معروفہ پر لکھنا، جس طرح خطوط میں القاب وآداب سے آغاز یا تمسکات میں منکہ فلاں بن فلاں سے شروع، یہ ضرور معتبر ہے۔ تیسری معلوم غیر مرسوم جیسے کاغذ پر وہ تحریر کہ طریقہ معہودہ پر نہ ہو اس کے ساتھ جب تک نیت یا دلیل نیت نہ پائی جائے معتبر نہیں، دلیل نیت مثلاً لکھ کر گواہ کرنا یا عبارت بتا بتا کر دوسرے سے لکھوانا کہ قول راجح میں اس کے بعد گواہ کرنے کی حاجت نہیں تو ثابت ہوا کہ عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے کہ غیر مرسوم طور پر خود لکھے اور گواہ نہ کرے تو معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ کئے معتبر ہے۔ عقود الدریہ میں ہے:

فی الزیلعی والملتقی اٰخر الکتاب فی مسائل شتی قالوا الکتاب علی ثلث مراتب، مستبین مرسوم وھو ان یکون معنونا ای مصدرا بالعنوان وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الی فلان علی	زیلعی اور ملتقی مسائل شتی کے آخر میں ہے، فقہاء کرام نے فرمایا تحریر تین مراتب پر ہے، ایک یہ کہ واضح معنون ہو وہ یہ کہ اس کے شروع میں یہ عنوان ہو کہ فلاں سے فلاں کی طرف جیسا کہ چٹھی میں طریقہ مروجہ ہے، یہ چٹھی بالکل زبانی گفتگو

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

ماجرت بہ العادۃ فھذا کالنطق فلزم حجۃ، ومستبین غیر مرسوم کالکتابۃ علی الجدران واوراق الاشجار وعلی الکاغذ لاعلی الوجہ المعتاد فلایکون حجۃ الا بانضمام شیئ اٰخر الیہ کالنیۃ والاشھاد علیہ و الاملاء علی الغیر حتی یکتبہ لان الکتابۃ قد تکون للتجربۃ ونحوھا وبھذہ الاشیاء تتعین الجھۃ وقیل الاملاء بلااشھاد لایکون حجۃ والاول اظھر، و غیر مستبین کالکتابۃ علی الھواء والماء وھو بمنزلۃ کلام غیر مسموع ولایثبت بہ شیئ من الاحکام وان نوی اھ ومثلہ فی الھدایۃ وفتاوی قاضی خان[1]۔	کی طرح حجت ہے، دوسری واضح غیر معنون جیسا کہ کسی دیوار پر، درخت کے پتوں یا عام کاغذ پر غیر مروجہ طریقہ پر لکھی گئی ہو یہ کسی دوسری چیز کی مدد کے بغیر حجت نہ ہوگی مثلاً نیت یا گواہی یا دوسرے کو املاء کئے بغیر حجت نہ بنے گی کیونکہ ایسی تحریر کبھی تجربہ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا مذکور قرائن سے اس کی وجہ متعین ہوسکے گی، بعض نے کہا ہے کہ املاء کی صورت میں جب تک گواہی نہ ہو حجت نہ بنے گی لیکن اول قول درست اور اظہر ہے تیسری وہ کہ واضح نہ ہو جیساکہ ہوا اور پانی پر تحریر ہو تو اس کی حیثیت غیر مسموع کلام جیسی ہے اس سے کوئی حکم ثابت نہ ہوسکے گا اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ، ھدایہ اور فتاوی قاضی خان میں بھی ایسے ہی ہے۔ (ت)

چہارم: بیع نام ایجاب وقبول کا ہے اور وہ جب الفاظ میں ہو خود گفتگو ہے اور کسی شے کی گفتگو بمعنی اس چیز کی بات چیت اور مشورے اور قرار کے بھی مستعمل مثلاً کسی کے نکاح کا مشہور ہوا ہو تو اس سے کہیں آج تمہارے بیاہ کی گفتگو تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ ایجاب قبول ہوگیا بلکہ وہ مشورہ اور بات چیت مراد ہے تو لفظ گفتگوئے بیع دو معنی کو محتمل، اول اضافت بیانیہ یعنی وہ گفتگو کہ بیع ہے، اس تقدیر پر اس سے مقصود نفس ایجاب وقبول ہوگا۔ دوم اضافت لامیہ یعنی بیع کا مشورہ اور اس کی بات چیت، اس تقدیر پر ہرگز اس کے معنی ایجاب وقبول نہیں بلکہ پیش از عقد اس کے باب میں مکالمہ باہمی، وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

پنجم: جب کسی معاملے کے متعلق کوئی شہادت پیش ہو اور حاکم اسے ایک امر میں قبول کرلے تو اسی مقدمہ کے متعلق کسی دوسرے امر میں بھی اسے رد نہیں کرسکتا سوا بعض صورت استثناء کے،

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

نہ کہ خاص اسی امر میں کہ یہ تو حاکم کا صریح تناقض ہوگا۔ درمختار میں ہے:

الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ **قلت** وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ[1]۔	شہادت جب بعض حصہ میں باطل ہو تو کل میں باطل قرار پاتی ہے مگر ایک صورت میں کہ مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ غلام ہو تو دو نصرانیوں نے شہادت دی کہ دونوں مالکوں نے اسے آزاد کردیا ہے، یہ شہادت صرف نصرانی مالک کے حصہ میں مقبول ہے، **میں کہتا ہوں** کہ محشی نے ایسی مزید پانچ صورتوں کا اضافہ کیا ہے اور یہ بزازیہ کی طرف منسوب ہیں۔ (ت)

ردالمحتار وغیرہ میں ان صور استثناء کا مفصل بیان ہے جنھیں اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں،

اقول: واذا ثبت ان الشہادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل لزمہ انھا اذاقبلت فی البعض قبلت فی الکل والابطلت فی البعض فبطلت فی الکل مع انھا قد قبلت فی البعض ھذا خلف فاحفظہ فانہ فائدۃ جلیلۃ مھمۃ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جب ثابت ہے کہ بعض میں باطل کل میں باطل ہوجاتی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ شہادت بعض میں مقبول ہو تو کل میں مقبول ہوجائے ورنہ بعض میں باطل ہونے سے کل میں باطل ہوجائے گی حالانکہ بعض میں مقبول ہوچکی ہے تو کل میں باطل ہونا متحقق نہ ہوا، یہ مفروض کے خلاف ہے، اس کو محفوظ کرلو کیونکہ یہ فائدہ جلیلہ ہے۔ (ت)

ششم: غیر ثقہ اہل شہادت ہے اور شہادت فاسق مقبول نہ ہونے کے یہ معنی کہ اس کی شہادت کا قبول واجب نہیں، نہ یہ کہ صحیح ہی نہیں، یہاں تک کہ اگر حاکم صریح فاسقوں کی شہادت قبول کرلے تو وہ بھی مقبول ہوجائے گی اگرچہ حاکم اس قبول کے باعث آثم ہو۔ بحرالرائق ودرمختار میں ہے:

والنظم للدر باب القبول وعدمہ ای من یجب علی القاضی قبول شہادتہ ومن لایجب لامن یصح قبولھا اولایصح لصحۃ الفاسق مثلا کما حققہ المصنف تبعا لیعقوب باشا	الفاظ درکے ہیں، باب القبول وعدمہ، یعنی کس کی شہادت کو قبول کرنا قاضی پر واجب ہے اور کس کو قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ کس کو قبول کرنا صحیح ہے یا نہیں، کیونکہ مثلاً فاسق کی شہادت قبول کرنا صحیح ہے جیسا کہ مصنف نے یعقوب پاشا

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

وغیرہ[1]۔	وغیرہ کی اتباع میں محقق کیا ہے۔(ت)

درر وغرر میں ہے:

لو قبل القاضی وحکم بها کان اٰثما لکنه ینفذ وفی الفتاوی القاعدیة هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ[2]۔	اگر قاضی نے فاسق کی شہادت قبول کرکے فیصلہ دے دیا تو نافذ ہوجائے گا لیکن قاضی گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ تب ہوگا جب قاضی کو ظن غالب ہو کہ فاسق سچا ہے، یہ محفوظ کرنے کے قابل ہے۔(ت)

تنویر الابصار وجامع البحار وشرح علائی کتاب القضاء میں ہے:

اهله اهل الشهادة والفاسق اهلها فیکون اهله لکنه لایقلد وجوبا ویاثم مقلده کقابل شهادته، به یفتی وقیده فی القاعدیة بما اذا غلب علی ظنه صدقه فلیحفظ درر[3] اهملتقطا۔	قضاء کا اہل وہی ہے جو شہادت کا اہل ہو اور فاسق شہادت کا اہل ہے لہٰذا وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کو قضاء پر مقرر نہ کیا جائے اس کو قضاء پر مقرر کرنے والا گنہگار ہوگا، جیسا کہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہ گار ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، اور فتاوٰی قاعدیہ میں اس کو قاضی کے ظن غالب سے مقید کیا ہے کہ فاسق کی شہادت صدق پر مبنی ہے، اس کو محفوظ کرو، درر، اھ ملتقطا۔(ت)

ہفتم: اگر زید مثلاً کسی مکان پر دعوی کرے کہ یہ میرا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو مدعا علیہ جس کے قبضے میں وہ مکان ہے جواب دے کہ بلکہ مکان میرا ہے میں نے بکر مذکور سے خریدا ہے تو اس صورت میں وہ مدعا علیہ مدعی اور یہ مقدمہ باب دعوی الرجلین سے ہوجائے گا دونوں طرف سے شہادت مسموع ہوگی اور اب یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک نے اپنی خریداری کی تاریخ بیان کی ہے یا دونوں نے یا کسی نے نہیں، اور اگر دونوں نے بیان کی ہے تو تاریخ ذوالید کی مقدم ہے یعنی عمرو جس کے قبضے میں مکان ہے یا خارج کی یعنی زید جس کے قبضے میں نہیں ان سب صورتوں میں ڈگری صاحب قبضہ کی ہوگی مگر جبکہ خارج کی تاریخ مقدم ہو، غرض یہاں اول ترجیح تقدم تاریخ سے ہے کہ اس کے بعد قبضہ ہونے نہ ہونے پر بھی لحاظ نہیں ہوتا اس کے بعد ترجیح قبضے سے ہے کہ دوسرے کی تاریخ مقدم نہ ہو تو ہر طرح اسی کو ترجیح رہتی ہے۔ فتاوٰی

---

[1] درمختار کتاب الشہادۃ باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

[2] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب القضاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۴۰۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

عالمگیریہ میں ہے:

ان ادعیا الشراء من واحد وکانت العین فی ید احدھما فھی لذی الید سواء ارخ ام لم یؤرخ اذا ارخا و تاریخ الخارج اسبق فیقضی بھا للخارج کذا فی الکافی اھ ملتقطا۔[1]	اگر دو شخص ایک شخص سے کسی چیز کی خریداری کے مدعی ہوں تو جس کا قبضہ ہوگا وہی مالک قرار دیا جائے گا وہ تاریخ بیان کرے یا نہ کرے۔ برابر ہے اور دونوں نے تاریخ بیان کی تو غیر قابض مدعی کی تاریخ پہلے ہو غیر قابض کو مالک قرار دیا جائیگا، کافی میں یونہی ہے اھ ملتقطاً (ت)

فصول عمادی پھر فتاوٰی ہندیہ باب فیماتدفع بہ دعوی المدعی میں ہے:

اذا ادعی عینا فی یدی رجل انی اشتریتہ من فلاں منذ سبعۃ ایام وقال ذوالید لابل ھو ملکی اشتریتہ من ذٰلک الذی تدعی الشراء منہ منذ عشرۃ ایام وقام البینۃ یکون لاسبقھما تاریخا[2]۔	ایک شخص کسی چیز کے متعلق جو کہ دوسرے کے قبضہ میں ہے دعوی کیا کہ میں نے یہ چیز فلاں شخص سے ایک ہفتہ قبل خریدی ہے قابض نے کہا یہ غلط ہے بلکہ یہ چیز میری ملک ہے میں نے اسی فلاں شخص سے ایک عشرہ قبل خریدی ہے اور قابض نے اپنے دعوی پر گواہی پیش کردی تو یہ چیز پہلی تاریخ والے یعنی قابض کی ملک قرار دی جائے گی (ت)

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں محمدی بیگم کے مدعیہ ہوجانے پر بھی بحث کی گئی ہے حالانکہ یہ تو بہت واضح بات ہے جب اس نے اپنی خریداری کا دعوی کیا مدعیہ ہوجانے میں کیا شبہ رہا کما ذکرنا (جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں۔ت) علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر زید عمرو پر دعوی کرے کہ یہ مال جو اس کے قبض میں ہے میرا ہے، عمرو جواب دے کہ بلکہ بکر کا ہے اس نے ودیعۃً مجھے سپرد کیا ہے تو عمرو مدعی ہوگیا حالانکہ اس نے اپنی ملک کا دعوی بھی نہ کیا تو دعوی شراء میں مدعیہ نہ ہوجانے کے کیا معنی، جامع الفصولین فصل ۱۰ میں برمز فش فتاوٰی امام رشید الدین سے ہے:

اذا طلب المدعی یمین ذی الید انہ ودیعۃ لیس لہ ذلک لانہ جعل نفسہ مدعیا فی انہ ودیعۃ ولایمین	مدعی نے قابض سے قسم کا مطالبہ کیا کہ یہ چیز اس کے قبضہ میں بطور امانت ہے تو مدعی کو قابض سے قسم لینے کا حق نہیں کیونکہ قابض نے یہ ظاہر کرکے کہ میرے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوے الباب السادس فیما تدفع بہ دعوی المدعی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱

علی المدعی [1]۔	پاس یہ فلاں کی امانت ہے امانت کا مدعی بن گیا ہے جبکہ مدعی سے قسم کا مطالبہ درست نہیں ہے (ت)

ہشتم: فرق ہے اس میں کہ مدعی بعد صدور شہادت اپنے شہود کی نسبت اقرار کرے کہ انہوں نے جھوٹی گواہی دی یا یہ حاضر واقعہ نہ تھے کہ اس تقدیر پر وہ اپنے اقرار پر مواخذ ہوگا **کما افادہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما** (جیسا کہ بحر اور فتاوٰی شامی میں اس کا افادہ کیا ہے۔ت) اور اس میں کہ مدعی پیش از شہادت کہے میرا کوئی گواہ نہیں یا کہے میں جو شہادت لاؤں محض جھوٹی اور جعلی ہوگی یا کہے فلاں وفلاں جو کچھ گواہی میرے لئے دیں وہ جھوٹ ہے، اس کے بعد وہ گواہ پیش کرے اور فلاں فلاں اس کے واسطے شہادت دیں تو مذہب صحیح میں یہ شہادت مان لی جائے گی اور مدعی کے وہ پہلے اظہار واقرار اس کے قبول میں خلل انداز نہ ہوں گے کہ یہاں توفیق ممکن ہے انسان نسیان کے لئے ہے ممکن کہ مدعی کو اس وقت یہی یاد تھا کہ کوئی شخص حاضر واقعہ نہ تھا یا خاص فلاں وفلاں موجود نہ تھے لہٰذا اس وقت یہ اظہار کیا اور بعد کو یاد آیا اور گواہ حاضر لایا، درمختار میں ہے:

تقبل البینۃ لو اقامھا المدعی وان قال قبل الیمین لا بینۃ لی، سراج، خلافا لما فی شرح المجمع عن المحیط [2]۔	اگر مدعی نے مدعی علیہ کی قسم سے پہلے گواہی پیش کردی تو قبول کرلی جائے گی اگرچہ وہ قبل ازیں کہہ چکا ہو کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں، سراج۔ اور وہ جو کہ محیط سے شرح المجمع میں منقول ہے یہ اس کے خلاف ہے۔ (ت)

حاشیہ علامہ ابرساہیم حلبی پھر ردالمحتار میں ہے:

(قولہ خلافا لما فی شرح المجمع) لیس فیہ ماینافی ذٰلک بل حکی قولین [3]۔	اس کے قول (شرح المجمع کے خلاف) کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اس کے منافی ہے بلکہ انہوں نے دو قول نقل کئے ہیں۔ (ت)

تنویر الابصار وشرح مدقق دمشقی میں ہے:

(قال لا بینۃ لی وطلب یمینہ فحلفہ	ایک نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں لہٰذا مدعی علیہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۳

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸-۱۱۷

[3] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۴

القاضی ثم برھن)علی دعواہ بعد الیمین(قبل ذٰلک البرھان عند الامام(منه)وکذالو قال المدعی کل بینة اٰتی بھا فھی شھود زور،ثم برھن علی الحق قبل خانیة وبه جزم فی السراج کما مر(وقیل لا) یقبل والاصح القبول لجواز النسیان ثم التذکر کما فی الدرواقرہ المصنف [1] اھ مختصرا۔	سے قسم لی جائے،تو قاضی نے قسم لے لی،پھر مدعی نے گواہی پیش کردی تو اس کی گواہ قبول کی جائے گی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک،اور یونہی اگر مدعی نے کہا ہو کہ میں جو بھی گواہ پیش کرونگا وہ گواہ جھوٹے ہوں گے،پھر بعد میں مدعی نے اپنے حق میں گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی،خانیہ،اور اسی پر سراج میں جزم کیا ہے جیسا کہ گزرا ہے،بعض نے کہا یہ گواہی قبول نہ ہوگی،اور اصح یہ ہے کہ قبول ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بھول جانے کے بعد یاد آئی ہو یا پہلے علم نہ تھا اب گواہی کا علم ہوگیا ہو،جیسا کہ درر میں ہے،اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ مختصرا۔(ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

لان الشھادة تتعلق بالشھود ویجب علیھم اداؤھا ویاثم کاتمھا وھذاالقول منه لایثبت زور العدل لانه قبل الشھادة [2] الخ۔	کیونکہ گواہی کا تعلق گواہوں سے ہے اور ان پر شہادت کا ادا کرنا واجب اور گواہی چھپانے والا گنہگار ہے،مدعی کے کہنے سے وہ جھوٹے نہ ہوگئے کیونکہ مدعی کی یہ بات شہادت کی ادائیگی سے قبل ہے الخ۔(ت)

غرر میں ہے:لاصح القبول [3] (اصح قبول کرنا ہے۔ت) درر میں ہے:

لجواز ان یکون له بینة او شھادة فنسیھا ثم ذکرھا اوکان لایعلمھا ثم علمھا [4]۔	ہوسکتا ہے کہ فی الواقع گواہی تھی تو وہ بھول گیا اور اب یاد آگئی،یا علم نہ تھا اب معلوم ہوگیا(ت)

جامع الفصولین برمزفقط ہے:

وکذالوقال کل بینة اٰتی بھا	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۳/ ۳۰۰

[3] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷

[4] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام کتاب الدعوٰی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۷

فھی زور ثم اتی او قال کل شھادۃ یشھد لی فلان و فلان فھی کذب ثم شھدا[1]۔	یونہی اگر مدعی نے کہہ دیا کہ جو بھی شہادت پیش کروں وہ جھوٹی ہے یا یوں کہا فلان فلاں کی ہر شہادت میرے حق میں جھوٹ ہے اس کے گواہوں نے شہادت دی مقبول ہوگی۔(ت)

جب یہ مقدمات ثمانیہ ممہد ہولئے بفضلہٖ تعالیٰ حکم مسئلہ واضح ہوگیا اور چند مفید بحثوں نے رنگ انجلا پایا:

بحث اول: سید اشرف علی شمس الدین خاں، غلام محی الدین خاں، عبدالرزاق خاں، باقر حسین کی گواہی میں اصلاً کوئی غبار نہیں وہ صاف صاف شاہد اقرار عبدالغنی خاں ہیں نہ شاہدان مجلس ایجاب وقبول تو غلام محی الدین خاں و شمس الدین خاں کے بیانات پر یہ اعتراض کہ اگر کلام بائع کو ایجاب قرار دیں تو قبول اس مجلس میں نہیں یا محمدی بیگم کا بیان قبول نہیں اخبار ہے محض بے محل ہے، نہ ان شاہدوں نے دعوی کیا کہ ہم حاضر مجلس ایجاب وقبول تھے نہ ان کے بیان کئے ہوئے الفاظ حکایت ایجاب وقبول ہیں وہ صراحۃً اقرار عبدالغنی خاں بیان کررہے ہیں جن کے بعد محمدی بیگم کا کلام زیر سقف ہونا یا خبر محض ہونا یا اصلاً کچھ نہ ہونا کچھ بھی مضر نہیں، نہ اس پر لحاظ، **کما بیناہ فی الامر الثانی** (جیسا کہ اسے امر ثانی میں بیان کیا گیا ہے۔ت)

بحث دوم: سید اشرف علی نے صرف اپنے فعل پر شہادت ہرگز نہ دی بلکہ اس گواہی میں صراحۃً عبدالغنی خاں کا کتابت بیعنامہ کے لئے حکم کرنا اور خود عبارت بتاتے جانا اور اپنے ہاتھ سے مہر لگانا مذکور ہے، یہ افعال واقوال عبدالغنی خان کے ہیں یا سید اشرف علی کے، ان کے ساتھ اگر اپنا لکھنا بیان ہوا تو ان سب پر شہادت کیوں صرف اپنے فعل پر شہادت قرار پا گئی۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن النوادر عن الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا	ہندیہ میں محیط سے منقول کہ نوادر روایات میں سے امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ جب دو گواہ شہادت دیں کہ فلاں شخص نے ہمیں کہا کہ ہم فلاں کو یہ اطلاع دے دیں کہ اس نے اس کو وکیل بنایا ہے کہ اس کے غلام کو فروخت کردے تو ہم نے اس فلاں کو اطلاع پہنچادی یا گواہوں نے یہ شہادت دی کہ اس شخص

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۶

بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شھادتھما[1]۔	نے ہمیں کہا کہ ہم اسکی بیوی کو مطلع کردیں کہ اس نے اسے طلاق کا اختیار دیا ہے تو ہم نے اس کی بیوی کو مطلع کردیا ہے اور اس کی بیوی نے اپنے نفس کو طلاق دے دی ہے، تو یہ شہادت جائز ہوگی۔ (ت)

بحث سوم: ظاہر ہوا کہ باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں بلکہ اس کے پانچ گواہ ہیں اور ایسی جگہ یہ بحث کہ ثبوت بیع ایجاب وقبول بمجلس واحد سے ہوتا ہے معنی ثبوت میں تفرقہ نہ کرنے سے ناشی وثبوت فی نفسہ ہے ثبوت عند القاضی کے لئے صرف ثبوت اقرار کافی ہے۔

بحث چہارم: اظہار محمدی بیگم میں کہیں ایجاب وقبول کی نفی نہیں، نہ اس کے بیان مذکور تجویز میں کوئی لفظ حصر ہے کہ اس کے سوازن وشو میں دربارہ بیع کوئی کلام نہ آیا نہ باوصف شہادت اقرار حاکم کے حضور تذکرہ ایجاب وقبول آنا کچھ ضرور، محمدی بیگم نے وقوع عقد والفاظ ایجاب وقبول کو ان لفظوں میں ادا کردیا کہ یہ مکان شوہر نے بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا اور وہ گفتگوئے بیع جو اس نے بیان کی کہ میں بیعنامہ تمہیں لکھوائے دیتا ہوں، میں نے کہا آمین، بیان ایجاب وقبول نہ تھی بلکہ وہ گفتگو بمعنی قرار داد ومشورہ بیع تھی جیسا کہ صراحۃً اس کے لفظ سے ظاہر ہے اگر کہئے ممکن کہ اس کے مراد گفتگوئے بیع سے یہی ایجاب وقبول تو ہم کہیں گے ممکن کہ اس کی مراد وہی قرار داد ومشورہ ہو غیب پر حکم کردینا اور امر محتمل سے ایک معنی بطور خود سمجھ لینا کیونکر صحیح ہوا بلکہ جب لفظ صراحۃً مشورے ہی کے ہیں تو اسی پر حمل واضح، ہاں اگر اس کے کلام میں تصریح ہوتی کہ اس کے سوا بیع کوئی بیع کا کوئی مکالمہ عبدالغنی خاں نے مجھ سے نہ کیا تو یہ معنی ٹھیک ہوتے اور جب ایسا نہیں تو عقلاً ونقلاً احتمال قاطع استدلال۔

بحث پنجم: یہیں سے ظاہر ہوا کہ یوسف علی خاں وسید حشمت علی کے بیانوں کو اظہار محمدی بیگم سے اصلاً تنافی نہیں، وہ دو وقت کسی اور کے ہونے کا انکار کرتی ہے، وقت مشورہ اور وقت دادن بیعنامہ وقت ایجاب وقبول کسی کے موجود ہونے نہ ہونے کا اس کے اظہار میں کچھ ذکر نہیں اور یہ دونوں وقت ایجاب وقبول اپنا ہونا بیان کرتے ہیں وقت قرار داد ووقت عطائے بیعنامہ سے کچھ بحث نہیں تو منافات کہاں ہوئی اور ایسی محتمل بات پر مسلمانوں کی گواہی محض زوری وجعلی کیونکر ٹھہر سکی۔

بحث ششم: اگر فرض ہی کیجئے کہ گفتگوئے بیع سے محمدی بیگم کی مراد ایجاب وقبول ہی ہے جب بھی بربنائے مذہب صحیح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے اس کے اظہار سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۲

شاہدین ایجاب وقبول کی شہادت پر اصلاً آنچ نہیں آتی، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا اظہار سید حشمت علی ویوسف علی خاں بلکہ تمام شہود کے اظہار سے پہلے ہوا اور امر ہشتم میں واضح ہوچکا کہ اگر محمدی بیگم صراحۃً اپنے اظہار میں یوں لکھاتی کہ ایجاب وقبول کی جو شہادت دی محض جھوٹا ہے نری بناوٹ کرتا ہے اور اس کے بعد شہادت گزرتی اظہار مدعیہ یعنی محمدی بیگم سے اسے کچھ مضرت نہ تھی جب مردوں کے حق میں یہ قرار دیا جاتا ہے کہ مدعی بھول گیا تو عورات خصوصاً اس عمر میں زیادہ مستحق اس عذر کی ہیں خلاف مذہب مصحح امام مسلمانوں کی شہادت کو مصنوعی بتادینے کا کوئی حق نہ تھا۔

بحث ہفتم: ان ابحاث سے روشن ہوا کہ یہ سات شہادتیں فی نفسہا ہر غبار واعتراض سے پاک وصاف ہیں رہا شہود کو غیر ثقہ نامعتمد بتانا قطع نظر اس کہ اگر بے دلیل شرعی صرف اس بناپر ہو کہ ان کی تحقیقات نہ کی گئی تو یہ کمی خود حاکم کی طرف سے ہے حاکم پر واجب ہے کہ احوال شہود سے خود بروجہ کافی آگاہ نہ ہو تو خفیہ تحقیقات کرے جس سے معلوم ہو کہ ان کی شہادت قابل اعتبار شرع ہے یا نہیں، اگرچہ فریق ثانی کی طرف سے اس کی تحریک نہ بھی ہو بے تحقیقات کے جزافاً ثقہ غیر ثقہ کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں، درمختار میں ہے:

عندهما یسأل فی الکل اذا جهل بحالهم به یفتی[1]۔	صاحبین کے نزدیک قاضی جب گواہوں کے حالات کو نہ جانتا ہو تو اسے تمام قسم کے گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حق ہے، اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: یسأل ای وجوبا[2] (قاضی پر واجب ہے کہ معلومات حاصل کرے۔ت) منحۃ الخالق میں علامہ خیر رملی سے ہے:

مقتضاه ان القاضی یاثم بترك السوال[3]۔	اس کا مطلب یہ ہوا کہ معلومات حاصل نہ کرنے پر قاضی گنہگار ہوگا۔(ت)

بحر میں ہے:

فی السراجیة والفتوٰی علی انه یسأل فی السر[4]۔	اور سراجیہ میں ہے کہ فتوٰی یہ ہے کہ قاضی انکے متعلق خفیہ طریقہ سے معلومات حاصل کرے(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۲

[3] منحۃ الخالق علی البحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۶۳

[4] بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۴

یہاں محل نظریہ ہے کہ اسی بیعنامہ محمدی بیگم کے تحقیقات میں حاکم نے انہیں شہود کی شہادت پر اعتماد کیا اور اسی کی بناپر یہ پابندی سرکلر بیعنامہ کو ثابت مان کر فیس اسٹامپ وتاوان رجسٹری لیاتو اب انہیں شہادتوں کا اسی ثبوت میں معتبر ومردود بتانے کا کوئی محل نہ رہا جیسا کہ امر پنجم میں واضح ہوچکا وہ غیر ثقہ نہیں فرضًا کھلے فساق ہوتے جب حاکم خود انہیں قبول کرکے حکم کرچکا شہادت نافذ ہوگئی، امر ششم میں واضح ہوا کہ فاسق بھی اہل شہادت ہے پھر بعد قبول رد کے کیا معنی، سائل نے نہ عبارت سرکار پیش کی جس کی تعمیل پر حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی نقل نظر سے گزری کہ اس قبول وتنفیذ شہادت کا حال کما ینبغی منکشف ہوتا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ امر بہت قابل لحاظ ہے اور مخالفت ضابطہ کاجواب تواس سے بداہۃً واضح اگرچہ خدام شرع کو بحمد اللہ تعالٰی ضوابط شرع مطہر کے سوا کسی ضابطے سے بحث نہیں، جب خود صاحبان ضابطہ ہی نے وہ سرکلر جاری کیا اور اسی کے مطابق اب بعد ظہور وجہ وجیہ واجازت وحصول تحقیقات مزید وہ کاغذ مثل کاغذات رجسٹری ٹھہر گیا تو مخالفت ضابطہ کہاں رہی، فیس وتاوان رجسٹری لینے کے بعد بھی سادہ وساقط الاعتبار بتانا یعنی چہ، کیا سرکلر اس لئے وضع ہوا تھا کہ اسٹامپ کے دام رجسٹری کا تاوان سب کچھ لے لیجئے اور پھر کہہ دیجئے کہ کاغذ سادہ ہے ساقط الاعتبار ہے یہ کہنا تو پہلے ہی حاصل فیس وتاوان کس بات کے لئے اور اس میں کون سا رفع عذر ہوا جسے مقصود عدالت بتایا جاتا ہے کیا قبل ظہور وجہ وجیہ وتحقیقات مزید کاغذ سادہ کو سادہ کہا جاتا تو شکایت ہوتی اب کے بعد ان تمام مراتب کے فیس وتاوان لے کر مصدقہ بناکر سادہ ساقط الاعتبار کہہ دینے سے کوئی عذر باقی نہ رہا۔

بحث ہشتم: قرائن صدق شہادات کی یوں نفی کہ نہ بیعنامے پر رجسٹری، نہ کاغذ اسٹامپ کا، نہ بائع کے ہاتھ کا لکھا، نہ دستخط، نہ اہل محلّہ واقارب کی شہادت کہ انہیں سے بعض کے بے ثبوتی بیعنامہ کا دلیل عقلی بنایا گیا ہے اصلًا قابل التفات نہیں۔

اولًا: یہ اعتراض خود اپنے حکم پر ہے کہ انہیں شہادات کو ذریعہ ثبوت وجہ وجیہ مان کر فیس وتاوان لیا گیا۔

ثانیًا: رجسٹری واسٹامپ نہ ہونا اگر دلیل عقلی بطلان شہادات ہو تو انہیں کی بناپر فیس وتاوان لے کر کاغذ کو مصدقہ رجسٹری واسٹامی بنانا طرفہ دورکارنگ ہوگا کہ مصدقہ ماننا تو موقوف ہوا قبول شہادات پر قبول شہادات مصدقہ ہونے پر۔

ثالثًا: امر سوم میں واضح ہوچکا کہ اپنے لکھنے سے دوسرے پر املا قوی ہے۔

رابعًا: یہ سب زوائد وفضول باتیں ہیں شرع مطہر مس قبول شہادات کو وجودًا وعدمًا ان باتوں سے

علاقہ نہیں شہود اگر معتبر شرعی ہیں ان کی شہادت کا قبول واجب اگرچہ یہ امور سب منتفی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ یہ امور سب موجود ہوں، یہ سرسری نگاہ سے اتنے ابحاث ہیں، اور ہنوز بہت امور باقی ہیں کہ بخیال تطویل ترک کئے۔

بالجملہ تجویز بوجہ کثیرہ غیر صحیح ہے اور اس مسئلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ان سات شاہدوں میں دو گواہ بھی معتبر شرعی ہیں خواہ وہ صرف اقرار عبدالغنی خاں کے گواہ ہوں یا صرف ایجاب وقبول کے یا ایک اقرار کا ایک ایجاب وقبول کا، تو از انجا کہ یہاں محمدی بیگم دونوں وجوہ ترجیح کی جامع ہے تاریخ بیع بھی اسی کی پہلی ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے لہٰذا ہر طرح فیصلہ بحق محمدی بیگم ہونا لازم، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۴: ازرامپور ۱۸/رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل ومعجّل کے ساتھ زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجّل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو، تامقدار مہر معجّل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعًا صحیح ہے فھو المراد، ورنہ جو شرعًا قابل قبول قضاء ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعًا نافذ وجاری ہوں فقط

الجواب:

شرعًا استغراق جائداد بلاقبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل وبے معنی ہے، ہاں رہن مع قبضہ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی، مہر معجّل کا دعوی عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی لان کل وطاءۃ معقود علیہا (کیونکہ ہر وطی پر عقد ہے۔ت) تو جائداد موجود مہر میں دے دے یا عورت کے پاس رہن شرعی کردے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہی لیتی جائے نہ دے تو نالش وسوال امتناعی ونیلام سے کار برآری آج کل رائج ہے کہ جس میں دو صورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں، ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا **بناء علی ما افتی بہ الاٰن من اخذ الحق من خلاف الجنس** (اب موجودہ فتوی کی بناء پر صاحب حق اپنا حق خلاف جنس میں حاصل کرسکتا ہے۔ت)، دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا **فانہ یکون تنفیذ اللبیع کما نصوا علیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا** (تو یہ بیع کو نافذ کرنا قرار پائے گا جیسا کہ فقہاء کی اس پر تصریح ہے، اور جو اللہ تعالٰی سے ڈرے وہ اس لئے راستہ بنادیتا ہے۔ت)

مسئلہ ۵۵: مرسلہ محمد اللہ یار خان مقیم ریاست رامپور محلّہ بزریا ملاظریف گھر منشی عبدالرحمٰن مرحوم ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اوپر مہر تیس ہزار تیس اشرفی رائج الوقت عقد کیا اس کے بعد زید نے دو دکانیں مملوکہ اپنی بعوض کل دین مہر ہندہ کو ہبہ کردیں اور کاغذ ہبہ نامہ رجسٹری شدہ سرکاری بھی مسماۃ ہندہ نے برضا ورغبت بشہادت مردمان ثقات کے اپنے کل دین مہر کا ادا ہونا اور ایک حبہ زید کے ذمہ نہ رہنا قبول کرلیا یہاں تک کہ زید کی زندگی میں دس روپیہ ماہوار کرایہ دکانوں کا گیارہ برس آٹھ مہینے سے لیتی رہی اور اب زید مرگیا اب بھی لیتی ہے اور اپنی تمام عمرلے گی، اب سائل سوال کرتا ہے کہ زید نے ہبہ نامہ میں تفصیل تیس ہزار تیس اشرفی کی نہیں لکھی ہے اور جو قرار پایا تھا تو اب زید نے یوں لکھادیا کہ مسماۃ ہندہ کے کل دین مہر کے ادا ہونے کے بدلے یہ دکانیں مجھ زید نے لکھ دیں اب ایک حبہ میرے ذمہ دین مہر مسماۃ ہندہ کا دینا باقی نہ رہا، پس لفظ کل کے تحریر کرنے سے زید بری الذمہ ہوگیا یا نہیں، اب زید مرگیا، مسماۃ ہندہ نے دوہزار روپیہ کے بابت مہر کی پھر نالش کردی ہے، یہ دعوی مسماۃ ہندہ کو عدالت میں پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

دعوی مذکورہ محض باطل ونامسموع ہے، جب ہبہ کل مہر کے عوض ہندہ نے قبول کرلیا کل مہر بحکم مقاصہ ساقط ہوگیا اب اس میں سے کسی جز کا دعوی صریح ظلم ہے۔

فان الهبة بالعوض بيع ابتداء وانتهاء كما فی الدرالمختار[1] والمشتری لايبقی له ملك فی شیئ من الثمن وامثال المقام لاتحتاج الی التسمية بل ولاالی علم المقدار لعدم الحاجة الی التسليم والتسلم فی الهندية هذا بيع لايحتاج فيه الی التسليم وبيع ما لم يعلم البائع والمشتری مقداره.اذاكان لايحتاج فيه	تو بیشک ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً بیع ہے جیسا کہ درمختار میں ہے اور خریدار کی ادا کردہ ثمن میں ملکیت ختم ہوجائے گی، ایسے مقامات پر مبیع و بیع کا ذکر بلکہ مقدار مبیع کا علم بھی ضروری نہیں کیونکہ یہاں لینا دینا کچھ نہیں ہوتا، ہندیہ میں ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں کچھ سونپنے کی ضرورت ہے نہ ہی مبیع کی مقدار کا جاننا بائع یا مشتری کو ضروری ہے تو جس بیع میں سونپنا اور قبضہ دینا نہ ہو تو وہاں مقدار

[1] درمختار کتاب الهبہ باب الرجوع فی الهبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

الی التسلیم جائز الایری ان من اقرانه غصب من فلان شیئا اواقر ان فلانا اودعه شیئا ثم ان المقر اشتری ذٰلك الشیئ من المقرله جاز وان کان لا یعرفان مقدارہ۔ واللہ اعلم۔	کے علم کے بغیر بیع جائز ہے، کیا دیکھا نہیں کہ کوئی شخص اقرار کرے کہ میں نے فلاں کی چیز غصب کی ہے یا یہ اقرار کرے اس نے میرے پاس امانت رکھی پھر اقرار کرنیوالا مقرلہ سے وہ چیز خریدلے تو جائز ہے اگرچہ دونوں کو چیز کی مقدار کا علم نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۶: از لشکر گوالیار محلّہ یکہ مرسلہ محمد بخش ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس معاملے میں کہ مسماۃ حرہ نے اپنے شوہر پر اس بیان سے طلاق کا دعوی پیش کیا ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھ کو تین بار طلاق دی اور اس کو عرصہ دو مہینے کا ہوا اب ان چار عورتوں میں ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے اور دوسری عورت سوا یا ڈیڑھ سال کہتی ہے اور باقی دو عورتوں کی نسبت مسماۃ کا یہ بیان ہے کہ مجھ کو ان کی شہادت دلانا منظور نہیں، علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے، ان میں ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا قریب دو سال بیان کرتا ہے اور تین ہندو کوئی سوا برس کوئی ڈیڑھ برس اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو مہینے کا بتاتی ہے اور شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہے، پس اس صورت میں مسماۃ کا دعوی طلاق کا شہادت مذکورسے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مسلمانوں پر کسی معاملے میں ہنود کی گواہی اصلاً معتبر نہیں، نہ تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوسکے کم سے کم دو مسلمان مرد عاقل بالغ متقی پرہیزگار یا ایک مرد دو عورتیں سب مسلمان عاقل بالغ متقی پرہیزگار درکار ہیں، اگر ایسے گواہ نہیں تو شوہر سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھا کر طلاق ہونے سے انکار کردے دعوی حرہ رد ہوجائے گا اور اگر شوہر قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور اگر ویسے گواہ شرعی موجود ہیں تو دعوی طلاق آپ ہی ثابت ہے اور مدعیہ و گواہان اور نیز باہم گواہوں کا زمانہ طلاق میں اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں، درمختار میں ہے:

یشترط الاسلام لو المدعی علیه مسلما[1]۔	اگر مدعی علیہ مسلمان ہو تو گواہوں کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

اسی میں ہے:

ونصابها لنكاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان ولاتقبل شهادة اربع بلا رجل[1] اھ مختصرًا۔	نکاح وطلاق کے لئے نصاب شہادت دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، مرد کے بغیر چار عورتوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی اھ مختصرًا (ت)

عالمگیری میں ہے:

اختلفا فی الوقت اوالمکان فان کان المشهود به قولا محضا کالبیع والاجارة والطلاق والعتاق جازت شهادتهما[2] اھ ملخصا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں گواہوں کا وقت یا مکان میں اختلاف ہو اور شہادت والا معاملہ گفتگو سے متعلق ہو مثلاً بیع، اجارہ، طلاق اور عتاق، تو یہ شہادت جائز ہے اھ ملخصًا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷تا۵۸: از ریاست رامپور مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال ۱۹/ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جو ضوابط واحکام واسطے فیصلہ خصومات اور رجوع نالش کے خلیفہ یا قاضی وقت نے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی حاکم کو شرعًا لازم وواجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) زید نے اپنی تحریر میں یہ لکھا ہے کہ (عمرو شہر سے باہر گئے ہیں) از روئے احکام شرعی الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ثابت ہے یا نہیں بلکہ صرف معمولی طور پر جانا پایا جاتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) والی ملک حاکم اسلام یا اس کے یہاں کے افسر بالا دست مثل قاضی القضاۃ نے جسے اس نے لوگوں کو عہدہ قضا پر اپنے دستخطوں سے مقرر کردینے کا اختیار دیا ہو، بالجملہ جس کے نصب سے حاکم شرعًا حاکم ہوجاتا ہے اور بے رضائے فریقین فیصلہ کرنے کا اختیار پاتا ہے ایسے شخص نے جس کے نصب میں جو شرائط حکم قضا کے لئے لگائے ہوں یا سلطان خواہ اس کے ماذون مجاز نے جسے وضع ضوابط کا اختیار ہو جو ضابطے فیصلہ خصومات ورجوع مقدمات کے واسطے مقرر کئے ہوں ان کے پابندی صورت اولٰی میں اس خاص حاکم اور ثانیہ میں اس ریاست کے تمام حکام پر خواہی نخواہی ضرور ہے، ان کے خلاف جو فیصلہ

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۳/ ۸-۵۰۷

ہوگا سراسر مردود بے اثر ونا معتبر ہوگا جیسے کسی راہ چلے کا کوئی فیصلہ بطور خود کردینا۔ درمختار میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعھا لم ینفذ[1]۔	قضا کو مکان، زمان اور مقدمہ سے مختص کیا جاسکتا ہے حتی کہ اگر سلطان نے حکم دیا کہ پندرہ سال گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت نہ ہوگی تو کسی قاضی نے یہ سماعت کی تو فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

عزاہ فی الاشباہ الی الخلاصۃ وقال فی الفتح الولایۃ تقبل التقلید والتعلیق بالشرط[2]۔	اشباہ میں اس کو خلاصہ کی طرف منسوب کیا ہے اور فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط کے ساتھ مقید اور معلق ہوسکتی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فیکون القاضی معزولا عن سماعھا لما علمت من ان القضاء یتخصص[3]۔	قاضی اس کے سماعت سے بے اختیار ہوگا کیونکہ تمہیں معلوم ہے کہ قضا کو خاص کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر ان دو صورتوں کے سوا کسی قاضی غیر مجاز نے بے اذن والی بطور خود کچھ ضوابط مقرر کئے ہوں تو ان کی پابندی کسی پر لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(٢)** الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ہر گز ثابت نہیں، "باہر جانا" ترجمہ خروج کا ہے اور فرار کا ترجمہ "بھاگ جانا"۔ خروج سے "فرار" ہر گز لازم نہیں۔ اللہ عزوجل زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرماتا ہے:

"فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ"[4]۔	اپنی قوم پر محراب سے باہر آئے۔

اللہ تعالٰی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ"[5]۔	باہر جاؤ تو اپنا منہ کعبے کی طرف کرو۔

[1] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ٢/ ٨١

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ٤/ ٣٤٢

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ٤/ ٣٤٣

[4] القرآن الکریم ١٩/ ١١

[5] القرآن الکریم ٢/ ١٤٩

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرماتا ہے:

"اِنۡ كُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِهَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ"[1]	اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے تو کافروں سے دوستی نہ کرو۔

ظاہر ہے کہ بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے اور زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی، ہدایہ وغیرہا کتب مذہب میں جابجا ہے **الاقل ھو المتیقن** (قلیل یقینی امر ہوتا ہے لک۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از ریاست ٹونک محلّہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ظہور اللہ صاحب ۱۷/ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بلاوصول دین مہر خود، درنگی بکر زوج اپنے کے فوت ہوگئی اس نے ایک بکر زوج خود اور دو پسر ایک عمرو اور دوسرا زید وارث چھوڑے، بعد تخمیناً آٹھ سال کے عمرو بھی فوت ہوگیا اور اس نے ایک زوجہ اور دو پسر اور دو دختر وارث چھوڑے، اب زوجہ عمرو نسبت بکر خود کے اس طرح دعویدار ہوئی کہ میرا دین مہر میرے زوج عمرو کے ذمہ چاہئے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا مہر ذمہ بکر خسر میرے کے واجب ہے جس میں عمرو کا بھی حصہ ہے پس اس کے حصہ میں سے اول یہ دین مہر مجھ کو وصول کرایا جاکر ماںبقے اس کا مجھ کو اور دو پسر اور دو دختر اولاد عمرو پر موافق فرائض اللہ تقسیم کیا جائے، بجواب مطالبہ ہذا بکر پدر عمرو کو یہ عذر ہے کہ دعوی زوجہ عمرو کا دو طرح سے مجھ پر نہیں پہنچتا اولا تو یہ کہ زوجہ عمرو وارثہ ہندہ کی نہیں دوسرے بقول اس کے اس کا دین مہر اپنے زوج عمرو پر ہے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر مجھ بکر پر بقول اس کے باقی ہے تو گویا دعوی اس کا مدیون کے مدیون پر ہوا جو عند الشرع قابل سماعت نہیں بموجب اس روایت کے:

لواقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لایقبل ولایملك اخذ الدین[2] کذافی الخلاصۃ۔	اگر کسی نے اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی وہ قرض حاصل کرنے کا حقدار نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے(ت)

صورت مسئولہ میں اگر جواب بکر کا موافق کتاب کے ہے تو اس استفتاء پر مواہیر ثبت فرمائی جائیں اور اگر خلاف شرع بکر کا جواب ہے تو اس کا حکم مع روایت ذیل میں قلمبند فرمایا جاکر مواہیر ثبت فرمائی جائیں،

---

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

بینوا توجروا (بیان کرو اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زوجہ عمرو کا دعوی صحیح و مسموع اور بکر کے عذرات باطل و مدفوع ہیں، زوجہ عمرو ضرور وارثہ ہندہ نہیں مگر اب وہ دین بھی دین ہندہ نہیں **فان الموت ناقل للملک** (کیونکہ موت ملکیت کو منتقل کرتی ہے۔ت) بعد موت ہندہ بقدر حصہ عمرو دین عمرو ہوا اور زوجہ عمرو وارثہ عمرو بھی ہے اور دائنہ بھی مہر زوجہ وغیرہ دیون کہ ذمہ عمرو ہوں جبکہ محیط ترکہ نہ ہوں تو مابقے بعد انفاذ وصایا علی حسب الفرائض خود ملک ورثہ ہے جن میں زوجہ بھی ہے تو اس قدر میں بکر خود مدیون زوجہ عمرو ہے نہ مدیون مدیون اور قدر دیون مہر وغیرہ میں اگرچہ ترکہ ملک عمرو پر باقی رکھا جائے **لانصرافھا الی حاجۃ المیت** (میت کی اپنی حاجت کیلئے ترکہ منتقل ہونے کی وجہ سے) مگر دائن میت و مدیون میت جبکہ دونوں وارثان میت ہوں تو ایسے دائن کا ایسے مدیون مدیون پر دعوی قطعًا مسموع و مقبول ہے، عدم سماع یا عدم قضا اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں یا ان میں ایک میت سے اجنبی ہو۔ تحقیق مقام کہ یہ دائن میت کو مدیون میت پر دعوی کرکے وصول پاسکنے کے لئے دو باتوں کی حاجت ہے:

اولًا: میت کا دین اس پر ثابت کرے اور جب یہ میت سے اجنبی ہے اسے ملک میت مدیون میت پر ثابت کرنے کا کیا استحقاق ہے **فانہ لایصلح خصماعنہ** (کیونکہ وہ اس کا فریق بننے کا صلاحیت نہیں رکھتا) اس کے لئے میت کے وصی یا وارث کا دعوی درکار ہے۔

ثانیًا: اپنا دین میت پر ثابت کرے اور جب مدعا علیہ میت سے اجنبی ہے میت پر اثبات دین کے لئے اس کا حضور کافی نہیں **فانہ لایقدم خصماعنہ** (کیونکہ بطور فریق اسکی طرف سے پیش نہیں ہوسکتا) میت کا جو کوئی وصی یا وارث ہو تو میت پر دین ثابت کرنے کے لئے ان میں کسی کا حاضر ہونا ضرور ہے غرض عدم سماع کی وجہ عدم امکان ثابت ہے اگر دونوں امر کا ثبوت کسی طرح ہوجائے تو دعوی ضرور قابل قبول ہے ولہذا اگر دین دائن ذمہ میت نزد قاضی ثابت ہو اور مدیون میت مدیون میت ہونے کا اقرار کرے تو قاضی مدیون میت سے دائن میت کو دین دلادے گا، خلاصہ وہندیہ میں ہے:

لواقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لاتقبل ولایملك اخذ الدین منہ امااذا ثبت الدین فی ترکتہ عند القاضی واقر رجل عند القاضی ان	اگر اپنے مقروض کے مقروض پر گواہی پیش کی تو مقبول نہ ہوگی اور وہ قرض وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا، لیکن جب میت کے ترکہ میں قرض (کسی پر) قاضی کے ہاں ثابت ہوجائے اور قرضدار شخص یہ اقرار کرے

للمیت علیه دینا قدرہ کذا یأمرہ بالدفع الی رب الدین[1]۔	کہ مجھ پر میت کا قرض ہے جس کی مقدار یہ ہے تو قاضی اس کو ادائیگی کا حکم دے گا کہ میت پر جس کا قرض ہے اس کو دے دے۔(ت)

ولہٰذا اگر دائن میت وارث میت ہو اور مدیون میت اجنبی اور دوسرا وارث حاضر نہیں تو مدیون میت پر دین میت ثابت کرنے کے حق میں اس دائن وارث کا دعوی مسموع ہوگا اور بوجہ اول اس مدیون پر دین میت کی ڈگری کردینگے مگر بوجہ ثانی وہ دین اس مدعی کو ابھی نہ دلائیں گے کہ مدیون اجنبی ہے اور دوسرا وارث غائب۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

رجل مات وله ابنان احدهما غائب فادعی الحاضر ان له علی ابیه الف درهم دینا و لامال لمیت غیر الف درهم علی رجل فانی اقبل بینة الابن الحاضر فی اثبات الدین علی الاجنبی ولااسمع بینته علی ابیه بدینه ولااقضی له من الالف التی قضیت علی الاجنبی بشیئ فاوقف الالف حتی یجیئ الاخ کذافی المحیط[2]۔	ایک شخص فوت ہوا اس کے وارث دو بیٹے تھے جن میں سے ایک غائب ہے تو حاضر بیٹے نے اپنے باپ پر ایک ہزار درہم قرض کا دعوی کیا جبکہ میت (باپ) کا ایک غیر شخص پر ایک ہزار قرض کے بغیر کوئی ترکہ نہ ہو، تو اس صورت میں حاضر بیٹے کی گواہی کہ غیر شخص پر باپ کا قرض ہے، میں قبول کر لوں گا، اور اس کی اپنے باپ پر قرض کی گواہی کو نہ سنوں گا، اور نہ ہی غیر پر ثابت قرض میں سے حاضر بیٹے کو کچھ دلاؤں گا، اور میں غیر پر باپ کے ثابت شدہ قرض ہزار درہم کو موقوف رکھوں گا تاوقتیکہ اس کا غائب بھائی نہ آجائے، ایسے ہی محیط میں ہے۔(ت)

اور جب دائن ومدیون دونوں وارثان میت ہیں جس طرح یہاں بکر وزوجہ عمرو تو اب سماع وقبول کی تمام وجوہ متحقق ہیں زوجہ عمرو اپنی وراثت کے سبب بکر کے دین میت کا دعوی کرسکتی ہے اور وراثت بکر کے سبب اس کے موجہ میں میت پر اپنے دین کا دعوی۔ واقعات پھر جامع الفصولین میں ہے:

احدالورثة ینتصب خصما عن المورث فیما له وعلیه الخ[3]۔	ورثا میں سے ایک کو مورث کی طرف سے لین دین کے لئے فریق مقرر کیا جائے گا الخ(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب الخامس کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۹

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

خزانۃ المفتین میں ہے:

لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذا لوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل و یدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا[1] الخ۔	اگر کسی نے میت پر قرض کا دعوی کرکے ورثاء میں سے ایک کی موجودگی میں ثابت کردیا تو وہ قرض تمام ورثاء پر ثابت ہوجائے گا اور یونہی ورثاء میں سے ایک نے اپنے والد کا قرض کسی شخص پر ثابت کردیا اور گواہ بھی پیش کردئے تو یہ قرض تمام ورثاء کے حق میں ثابت ہوجائے گا اور ثابت کرنے والے موجود وارث کو غیر منقسم حصہ کے طور پر بطور حصہ اس کو دے دیا جائیگا الخ (ت)

لاجرم جامع الفصولین میں فتاوٰی امام رشید الدین سے نقل کیا:

لایملك الدائن اثبات الدین علی مدیون المیت ولا علی الموصی لہ ولو اثبت علی من یصح اثباتہ علیہ کوصی ووارث ثبت لہ حق الاستیفاء منھما ولوانکر وارثہ وجود ترکۃ بیدہ فللدائن اثباتھا لالواجنبیا فلا تقبل علیہ بینۃ الدائن اذلیس بخصم فی اثبات الملك للمیت[2]۔	میت کے قرضخواہ کو میت کے مقروض یا موصی لہ پر قرض ثابت کرنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسے شخص پر قرض ثابت کردیا جس پر اثبات سے وصی اور وارث کے لئے حق ثابت ہوجاتا ہے تو اس کو وصی اور وارث سے اپنا قرض وصول کرنے کا حق ہوگا اور اگر وارث میت کا ترکہ اپنے قبضہ میں ہونے سے انکار کردے تو قرض خواہ کو قبضہ کے اثبات کا حق ہوگا اگر اجنبی شخص انکار کرے تو اس کے خلاف قرض خواہ کی گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اجنبی میت کی ملکیت کے اثبات میں فرق نہیں ہے (ت)

پس صورت مسئولہ میں زوجہ عمرو کا دعوی ضرور صحیح ہے مگر مہر ہندہ سے جس قدر حصہ عمرو ہوا اس میں سے وہ مقدار کہ ترکہ عمرو سے خود حصہ بکر ہوئی چھوڑ کر باقی پر دعوی پہنچے گا،

لانھا لادعوی لھا ولا فی الذی لزوجھا وما کان لزوجھا قد سقط منہ ما ورثہ منہ ابوہ کما	کیونکہ اس میں خود بیوی کو اور نہ ہی اسکے خاوند کے حصہ میں دعوی ہے اور جو خاوند کا حصہ تھا اس میں سے والد جتنے کا وارث بنا ساقط ہوجائیگا

[1] خزانۃ المفتین کتاب الدعوٰی فصل دعوی المیراث قلمی نسخہ ۲/ ۸۲

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵

سقط اولاالربع من مهر هندة لصيرورته حق المديون بنفسه وهو الزوج۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس طرح اوّلاً اس میں سے چوتھائی حصہ ہندہ کے مہر کا ساقط ہوگیا ہے اس وجہ سے کہ وہ خود مدیون کا حق بن گیا اور وہ خود خاوند ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۰: از بریلی محلّہ گندہ نالہ مرسلہ ظہور حسن ۱۶/ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

زید وہندہ نے جو حقیقی بہن زید کی ہے خالد کو ایک دستاویز لکھ دی ہندہ کی طرف سے جو ناخواندہ ہے اور پردہ نشین ہے زید اس کے حقیقی بھائی نے دستخط کی بایں عبارت (ہندہ بقلم زید) اس دستاویز میں لکھا کہ زر مندرجہ دستاویز ہم نے وصول پالیا ایسا ہی زید نے لکھا بلا تفریق مقدار روپیہ کے اور دونوں نے جائداد غیر منقولہ مکفول کی وقت رجسٹری کے ہندہ نے اقرار تحریر دستاویز اور وصولیابی زر مندرجہ دستاویز سے اقرار کیا، اور چونکہ ہندہ ناخواندہ اور پردہ نشین ہے زید نے ہندہ کی طرف سے حسب بالا دستخط کردی اب خالد نے دونوں سے مطالبہ دستاویز کیا اور شناخت ہندہ کی اس کے دوسرے بھائی حقیقی اور بھتیجا نے کی کہ مسماۃ مقرہ ونویسندہ دستاویز ہندہ ہے جس نے اقرار کیا ہے خالد مطالبہ دستاویز کا دونوں مدیون سے کرتا ہے ہندہ یہ عذر کرتی ہے کہ میں نے روپیہ نہیں لیا اور دستاویز پر نہ میرے دستخط ہیں اور نہ نشانی ہے زید میرا بھائی میری دستخط کرنے کا مجاز نہ تھا اور ہندہ ایک نظیر ہائی کورٹ کی پیش کرتی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ صرف اقرار وصولیابی زر کافی نہیں ہے جب تک کہ مدیون کے دستخط یا نشانی نہ ہو۔

سوال: آیا اقرار تحریر دستاویز واقرار وصولیابی زر مندرجہ دستاویز جو سامنے مصدق دستاویز کے ہندہ نے کیا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو رائے حکام انگلشیہ ہائیکورٹ عدالت انگریزی کو بمقابلہ حکم شرعی کے فوقیت دی جائے گی یا نہیں اور ہندہ پر پابندی اپنے اقرار کی شرعاً لازم ہے اور یا یہ کہ پابندی حکم ہائیکورٹ کی اور دائن ومدیون یعنی دونوں فریق تابع شریعت اسلام ہیں اور کوئی فریق منکر شرع شریف کا نہیں ہے۔

الجواب:

حکم اللہ ورسول کے لیے ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[1] (حکم نہیں مگر اللہ کا۔ت) جب ہندہ منکر ہے تو شہادت عادلہ شرعیہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت ثقہ کی درکار ہے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

کہ ہندہ نے ہمارے سامنے روپیہ لیا ہمارے سامنے اقرار کیا فقط دستاویز اگرچہ خود ہندہ کے دستخط بقلم خود اس پر لکھے ہوتے یا اہلکار رجسٹری کی تحریر کہ میرے سامنے اقرار کیا اصلاً کافی نہیں۔ فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة ھی البینة او لاقرار اما الصك فلا یصلح حجة[1]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرسکتا ہے اور حجت، گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے اور رسید کسی طرح حجت نہیں بن سکتی۔ (ت)

رہا یہ کہ ہندہ کس چیز کی پابندی کرے ہندہ اپنے معاملہ کو خوب جانتی ہے اگر واقعی اس پر روپیہ عنداللہ چاہئے تو اسے انکار کرنا سخت حرام ہے اس پر فرض ہے کہ حق کو قبول کرے اور عنداللہ نہ چاہئے تو اگرچہ اس نے کسی دباؤ سے یا ناواقفی سے یا کسی وجہ سے اقرار غلط کردیا ہو اس کی پابندی اس پر اصلاً لازم نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱ تا ۶۲: از رامپور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ حافظ مولوی عنایت اللہ خاں صاحب ۱۶/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال اول: زید اور عمرو نوعیت طرز عمل تزکیہ شہود میں مختلف الاقوال ہیں، زید کہتا ہے کہ تین طرح سے قاضی شاہد کے چال چلن کے بابت تحقیق ودریافت کرسکتا ہے: رسول بھیج کر یا رقعہ مزکی کے نام بھیج کر یا خود قاضی موقع پر جاکر مصلیان مسجد محلّہ یا دیگر اشخاص اہل محلّہ سے، اور اس تیسری صورت میں قاضی پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو کہ وہ جانتا ہو مخصوص اسی سے دریافت حال شاہد کرے بلکہ نمازی صورت ہو شخص غیر معلوم سے بھی وہ دریافت حال کرسکتا ہے اور اس شخص مجہول الحال کے نام دریافت کرنے یا اس کا نام دفتر قضاء میں برائے علم آئندہ درج کرنے کی قاضی کو کوئی ضرورت نہیں ہے، یہ تحقیقات قاضی بر سر موقع قاضی کے اطمینان اور مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے لئے رائے قائم کرنے کو شرعاً کافی ہے **انتہی کلامہ** (عمرو کا یہ بیان ہے کہ شرعی اصول پر بقول صاحبین تزکیہ شہود کا دو طرح سے ہوسکتا ہے سرًا وعلانیةً جو کتاب الشہادۃ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ودیگر کتب فقہیہ میں بصراحت مذکور ہے، یہ بھی بیان عمرو کا ہے مزکی ایسا شخص ہو جو لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہو اور ان سے اختلاط رکھتا ہو اور بنفسہٖ عادل ہو، اور جرح وغیر جرح میں

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الدعوٰی والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

فرق کر سکتا ہو ناپجی اور مفلس نہ ہو۔ قاضی علی الخصوص ایسے ہی شخص کو جو بصفات مذکورہ متصف ہو مزکی مقرر کر سکتا ہے، پس اس امر میں دو قسم کی واقفیت ضرور ہے ایک بذاتہ علم قاضی بصفات منتسبہ الی المزکی۔ دوسرے اطلاع مزکی نسبت احوال شہود مطلوبۃ التزکیۃ بعد تشریح اقوال زید وعمرو مفتیان شرع شریف سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ ازروئے شرع زید کا قول صحیح اور قابل عمل ہے یا عمرو کا جواب صاف بحوالہ روایات مستندہ کتب فقہیہ عنایت ہو۔

سوال دوم: زید کا قول ہے کہ اگر کسی ضرورت سے قاضی برسر موقع تحقیقات کرے تو جو گواہ موقع پر جمع ہوں وہ علیحدہ بٹھلائے جائیں اور ان میں سے ایک ایک شخص کو قاضی اپنے روبرو طلب کرکے ضرور سوالات کرے۔ اور فریقین یا وکلاء فریقین کو بھی موقع سوالات وجرح کا دیا جاوے، سب اہل محلّہ کو ایک جلسہ میں ان سے قاضی کے دریافت حال کرنے میں یہ نقص ہے کہ سب لوگ حال مستفسرہ کو یک زبان ہو کر کہیں گے اور اس صورت میں اصلی واقعہ کا انکشاف قابل اطمینان نہ ہوگا بکر کہتا ہے کہ جیسا زید کہتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ قاضی ایک ہی جلسہ میں کل گواہان سے دریافت حال کرکے قلم بند کرکے قاضی کا ایسا کرنا خلاف شرع نہیں ہے۔ یہ تحقیقات قاضی کے اطمینان کے واسطے ہے، مفتیان شرع شریف سے یہ التماس ہے کہ ازروئے شرع مبارک زید کا قول قابل عمل ہے یا بکر کا؟ بحوالہ کتب وعبارت جواب عنایت ہو۔

الجواب:

(۱) زید کا قول باطل ہے، مزکی کا عادل ہونا ضروری ہے، مجہول الحال خود محتاج تزکیہ ہے وہ دوسرے کا تزکیہ کیا کر سکتا ہے۔

معین الحکام میں ہے:

ینبغی للقاضی ان یختار للمسألة عن الشھود من ھو اوثق الناس واورعھم دیانة واعظمھم درایة واکثرھم خبرة واعلمھم بالتمییز فطنة فیولیه المسألة لان القاضی مامور بالتفحص عن العدالة فیجب علیه المبالغة والاحتیاط فیه[1] اھ۔	گواہوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے قاضی ایسے حضرات کو مقرر کرے جو مناسب ترین دیانت میں متقی سمجھداری میں بڑے، خبرداری میں کثیر، اور پرکھنے کا زیادہ علم رکھتے ہوں تو ایسے لوگوں کو یہ معاملہ سپرد کرے کیونکہ قاضی گواہوں کے عدل کو معلوم کرنے کا پابند ہے، تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس معاملہ میں مبالغہ اور احتیاط سے کام لے اھ

[1] معین الحکام الفصل السادس فصل فی المسئلة عن الشھود مصطفی البابی مصر ص ۸۵و۸۶

ردالمحتار مسئلہ تعدیل الخصم للشہود بیان مذہب امام میں ہے:

تزکیۃ الکاذب الفاسق لاتصح[1]۔	جھوٹے اور فاسق کو گواہوں کا تزکیہ درست نہیں۔(ت)

نیز مذہب صاحبین میں ہے:

تصح ان کان من اھله(ای اھل التعدیل)بان کان عدلا[2]۔	تزکیہ کرنے والا اہل ہو تو صحیح ہے یعنی تزکیہ گواہوں کو عادل ثابت کرنا تب صحیح ہوگا جب وہ خود عادل ہو۔(ت)

ظاہر ہوا کہ مزکی میں عدالت باتفاق ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم شرط ہے، تہذیب پھر بحرالرائق پھر درمختار میں ہے:

المجھول لایعرف المجھول[3]۔	مجہول الحال کسی مجہول کو معلوم نہیں کرسکتا۔(ت)

خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان کان فاسقا او مستورا لایصح تعدیله[4]۔	مزکی اگر فاسق یا مستور الحال ہو تو اسے عادل قرار دینا صحیح نہیں۔(ت)

اگر شاہد کے ہمسایگان مسکن وبازار واہل محلّہ میں کوئی ثقہ نہ ملے نہ اس کے بارے میں کوئی تواتر صحیح شرعی ہو تو قاضی اہل محلّہ کے بیان پر دو شرط سے اعتماد کرسکتا ہے، ایک یہ کہ وہ سب بالاتفاق یکزبان ایک ہی بات کہتے ہوں سب اسے عادل کہیں یا سب مجروح ہی بتاتے ہوں، دوسرے یہ کہ قاضی کے قلب میں آئے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو اس وقت ان کا اتفاق مع اس تحری کے قائم مقام تواتر ہوجائے گا اور تواتر میں عدالت کی حاجت نہیں، نہ یہ کہ جس نمازی صورت محلے والے مجہول الحال سے چاہیں پوچھ لے اور یہی کافی ہو یہ محض افتراء زید ہے۔ محیط وعالمگیریہ میں ہے:

ان لم یجد فی جیرانه واھل سوقه من یصلح للتعدیل بل یسأل اھل محلته، وان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد فی ذٰلك علی تواتر الاخبار، و	اگر پڑوس اور بازاروں میں کسی کو تعدیل کا اہل نہ پائے تو پھر قاضی اہل محلّہ کے متعلق سوال واستفسار کرے اگر ان میں سے کسی کو بھی اہل نہ پائے تو پھر گواہوں کے متعلق متواتر خبروں پر اعتماد کرے

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادت احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الشہادت احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[3] درمختار بحوالہ البحر عن التہذیب کتاب الشہادت مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضیخان کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۷

كذٰلك اذا سأل جيرانه واهل محلته وهم غير ثقات فاتفقوا على تعديله او جرحه ووقع فی قلبه انهم صدقوا كان ذٰلك بمنزلة تواتر الاخبار [1]۔	اور یوں ہی جب گواہوں کے پڑوس اور اہل محلّہ سے پوچھا حالانکہ یہ تمام لوگ خود غیر ثقہ ہیں، اور وہ تمام گواہوں کو عادل بتاتے ہیں یا مجروح بتاتے ہیں تو قاضی اگر ان کو سچا سمجھتا ہے تو ان کے قول پر عمل کرلے یہ بھی متواتر خبروں کی طرح ہے (ت)

عمرو نے جو صفات مزکی میں بیان کیں قاضی کو مناسب ہے کہ ایسے ہی شخص کو مزکی مقرر کرے طامع و مفلس نہ ہونا اور لوگوں سے اختلاط شرائط اولویت ہیں جبکہ ان سے ارجح وصف مثل علم فقہ ان کے معارض نہ ہو مثلاً اور اس میں زیادہ حاجت ہے، گوشہ گزیں اپنے معتمدین سے پوچھ کر تزکیہ کرسکتا ہے اور جاہل کے اسباب جرح و تعدیل میں امتیاز دشوار۔ محیط وہندیہ میں ہے:

ينبغی للقاضی ان يختار للمسألة عن الشهود من كان عدلا صاحب خبرة بالناس و ان لايكون طماعا و ينبغی ان يكون فقيها يعرف اسباب الجرح و التعديل وان يكون غنيا وان وجد عالما فقيرا وغنيا ثقة غير عالم او عالما ثقة لايخالط الناس وثقة غير عالم يخالط الناس اختار العالم [2]۔ والله تعالٰی اعلم۔	قاضی کو مناسب ہے کہ گواہوں کی تعدیل کیلئے ایسے لوگوں کو مقرر کرے جو خود عادل او رخبردار ہوں اور وہ لالچی نہ ہوں، بہتر ہے کہ وہ فقہ والے ہوں تاکہ جرح و تعدیل کے اسباب کو پہچانتے ہوں اگر وہ غنی ہوں تو بہتر ہے اگر عالم فقیر ہو اور غنی ثقہ ہو اور عالم نہ ہو یا عالم ثقہ ہو لیکن لوگوں سے میل جول نہیں اور غیر عالم ثقہ ہے اور لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو ان حالات میں عالم کو ترجیح دے۔ والله تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) حق یہ کہ یہ امر رائے قاضی پر مفوض ہے اگر گواہوں پر کوئی بدگمانی ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ انہیں جدا جدا ادائے شہادت کا حکم دے مگر دو عورتوں کہ ان کی شہادت مل کر شرعاً بجائے شہادت واحدہ ہے ان میں تفریق نہیں **لقولہ تعالٰی**
"اَنۡ تَضِلَّ اِحۡدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحۡدٰىهُمَا الۡاُخۡرٰى ؕ" [3] (اللہ تعالٰی کے ارشاد کے مطابق کہ عورتوں میں سے ایک غلطی کرے تو دوسری یاد دلائے۔ ت) اور اگر قاضی کو اطمینان کافی ہو کہ یہ لوگ اہل صدق و

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادت الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۹
[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

دیانت ہیں ہر ایک اپنے علم کے مطابق شہادت دے گا نہ کہ دوسرے کی سنی سیکھی پر تو تفریق کی حاجت نہیں مگر اس زمانے میں ایسا اطمینان شاذ و نادر ہے۔ مبسوط امام محمد پھر محیط عالمگیریہ میں ہے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشھود فرق بینھم ولایسعه غیر ذٰلک[1]۔	قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو جدا جدا کرکے شہادت لے، اس کے علاوہ کوئی صورت نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

(ورجل وامرأتان) ولایفرق بینھما لقوله تعالٰی "فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰىؕ"[2]۔	ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تو عورتوں کو جدا جدا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ دونوں ایک دوسری کو یاد دلائیں (ت)

رہے وکلاء کے سوالات جرح جس کا حاصل چار طرف سے گھیر کر گھبرا لینا اور سچے کو خواہی نخواہی جھوٹا بنا چھوڑنا ہے یہ سخت بدعت شنیعہ مردودہ ہے اس سے احتراز فرض ہے کہ ہمیں اکرام شہود کا حکم ہے اور یہ خاص اہانت، خطیب وابن عساکر اور مالک نے اپنے جزء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

اکرموا الشھود فان اللہ یستخرج بھم الحقوق ویدفع بھم الظلم[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گواہوں کا احترام کرو کیونکہ ان کے ذریعے اللہ تعالٰی بندوں کے حقوق ظاہر فرماتا ہے اور ظلم کو دفع فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۳: از رامپور راج دوارہ مرسلہ عبدالرحمٰن خاں ۱۸/ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید و عمرو نے دعوی حصہ موروثی مکانات کا باستثنائے بعض عملہ مکانات کے دائر کیا اور گواہان نے بلا استثنائے عملہ کے مکانات بحیثیت موجودہ کو مملوکہ مورث قرار دیا پس یہ شہادت شہادت علی الزیادۃ ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ جب مدعی نے استثناء کیا اور لکھ دیا کہ فلاں عملہ فلاں کا ہے پس اس کا دعوی مدعی کرسکتا ہے یا نہیں۔ سوم یہ کہ شہادت شاہد کی جب بعض مدعا بہا میں مردود عندالقاضی قرار پائے تو باقی میں قابل قبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] تاریخ بغداد ترجمہ ۲۱۷۷ ابراہیم بن عبدالصمد دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۳۸، تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ احمد بن محمد الکلبی داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

الجواب:

اظہار سائل وملاحظہ فیصلہ متعلقہ مقدمہ سے واضح ہوا کہ مدعیان نے حصہ مکان مدعابہا بذریعہ وراثت سے بعض عملہ اس لئے استثناء کیا کہ وہ خود بنا کردہ مدعیان ہے اور بعض اسلئے کہ بعض مدعا علیہم نے بعد موت مورث بنوایا ہے اور اس کے ایک قطعہ سے ۱۲ گز زمین کو بھی استثناء کیا اس لئے کہ وہ خاص احد المدعیین ہے باقی بعد الاستثناء ملک مورثان قرار دے کر اس میں سے اپنے سہام کا دعوی کیا شہود نے جملۃ بلا استثناء مجموع مکان ملک مورثان ہونے کی شہادت دی یہ شہادت ضرور شہادت علی الزیادۃ ہے اور اصلاً قابل قبول نہیں، مدعیان بعض عملہ میں اپنا حق نہیں بتاتے کہ وہ معمول مدعا علیہم ہے اور شہود بلا استثناء جمیع اجزائے مکان میں ان کا حق ثابت کرتے ہیں شہادۃ علی الزیادۃ ہمیشہ مردود ہوتی ہے مگر جبکہ مدعی اپنے دعوی اور شہود کے بیان میں توفیق و تطبیق کردے مثلاً مدعی نے مکان سے ایک کوٹھری کا استثناء کیا تھا شہود نے بلا استثناء شہادت دی مدعی نے تطبیق کی کہ وہ کوٹھری بھی پہلے میری ہی تھی شاہدوں کو اسی وقت کا حال معلوم تھا بعد کو میں نے وہ کوٹھری بیچ ڈالی لہٰذا دعوی سے استثناء کردیا، یہاں بھی اگرچہ توفیق ممکن تھی کہ بعد موت مورث وہ مکان گر گیا اور بعض مدعا علیہم نے اپنے روپے سے تعمیر کیا مگر استحساناً مکان توفیق کافی نہیں بالفعل توفیق کردینا ضرور ہے اور وہ مدعیوں سے واقع نہ ہوا لہٰذا شہادت ناقابل قبول رہی بلکہ یہاں صرف زبانی دعوی توفیق بھی کافی نہ ہوتا اس پر گواہ دینے ضرور تھے کہ یہ توفیق ایسے امر سے تھی جو صرف ان کی زبان سے ادا ہو سکتا لہٰذا جب شہادت شرعیہ سے توفیق کا ثبوت نہ دیتے مقبول نہ ہوتی اور وہ اصلاً نہ ہوا تو شہادت مذکورہ ضرور مردود ہے، درمختار میں ہے:

الشھادۃ باکثر من المدعی باطلۃ بخلاف الاقل للاتفاق فیہ[1]۔	دعوی سے زائد شہادت باطل ہے جبکہ بالاتفاق دعوی سے کم ہو جائز ہے۔ (ت)

فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے:

المراد بالموافقۃ المطابقۃ او کون المشھود بہ اقل من المدعی بہ بخلاف ما اذا کان اکثر[2]۔	موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ شہادت مطابق ہو یا مدعٰی سے کم ہو بخلاف جبکہ زائد ہو (ت)

انہیں میں ہے:

من المخالفۃ المانعۃ ما اذا شھدت باکثر، ومن فروعھا دار فی	قبولیت کے لئے مانع وہ مخالفت ہے جو کہ شہادت دعوی سے زائد ہو، اور اس کی تفریعات میں ایک

[1] درمختار باب الاختلاف فی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

یدرجلین اقتسماھا وغاب احدھما فادعی رجل علی الحاضران له نصف ھذہ الدار مشاعا فشھدوا ان له النصف الذی فی ید الحاضر فھی باطلة لانھا باکثر من المدعی به ولوادعی دارا و استثنی طریق الدخول و حقوقھا ومرافقھا فشھدوا انھا له ولم یستثنوا شیئا لاتقبل،وکذالو استثنی بیتا ولم یستثنوہ الا اذا وافق فقال کنت بعت ذٰلك البیت منھا فتقبل[1]۔	یہ ہے کہ ایک مکان دو حضرات کے قبضہ میں ہے دونوں نے تقسیم کیا اور ایک غائب تھا تو اس نے موجود حاضر فریق پر دعوی کردیا میرا اس مکان میں غیر منقسم حصہ ہے تو گواہوں نے شہادت دیتے ہوئے کہ اس کا نصف وہ ہے جو حاضر موجود کے قبضہ میں ہے تو یہ شہادت باطل ہے کیونکہ مدعی سے زائد ہے(یوں ہی) دعوی مکان ہواور اس دعوی میں داخلہ کے راستہ او دیگر حقوق وسہولیات کا استثناء کیا تو گواہوں نے مکان کی شہادت اس کے حق میں دیتے ہوئے راستہ حقوق اور سہولیات کا استثناء نہ کیا،شہادت مقبول نہ ہوگی اور یونہی مدعی نے حویلی میں سے ایک کمرہ کا استثناء کیا اور گواہوں نے نہ کیا مگر مدعی ان کی موافقت میں کہہ دے کہ وہ کمرہ میں نے فروخت کردیا تھا تو قبول ہوگی۔(ت)

نیز بحر میں ہے:

والحاصل انھم اذاشھدوا باقل مما ادعی تقبل بلا توفیق وان کان باکثر لم تقبل الااذا وفق.فلوادعی الفافشھدا بالف وخمسمائة فقال المدعی کان لی علیه الف وخمسمائة الاانی ابرأته من خمس مائة او قال استوفیت منه خمس مائة ولم یعلم به الشھود تقبل وکذافی الالف والالفین ولایحتاج الی اثبات التوفیق	حاصل یہ کہ جب گواہوں نے دعوی سے کم چیز کی شہادت دی تو قبول ہوگی اور موافقت بنانے کی ضرورت نہ ہوگی او راگر زیادہ کی شہادت ہو تو پھر موافقت بنائے بغیر قبول نہ ہوگی مثلاً مدعی نے ہزار کا دعوی کیا گواہوں نے ڈیڑھ ہزار کی شہادت دی مدعی کہہ دے میرا قرضہ اس پر ڈیڑھ ہزار تھا لیکن میں نے اس کو پانچسو معاف کردئے یامیں نے پانچ صد پہلے وصول کرلئے یہ گواہوں کو معلوم نہیں ہوا،تو اب شہادت مقبول ہوگی،ہزار اور دو ہزار میں بھی ایسے ہوگا، موافق بنانے میں گواہی کی

[1] بحرالرائق بحوالہ فتح القدیر باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۰۳

بالبینة لان الشیئ انما یحتاج الی اثباته بالبینة اذا کان سببا لایتم بدونه ولا ینفرد باثباته کما اذا ادعی الملك بالشراء فشهد الشهود بالهبة فان ثمة یحتاج الی اثباته بالبینة. اماالابراء فیتم به وحده ولو اقربا لاستیفاء یصح اقراره ولا یحتاج الی اثباته لکن لابد من دعوی التوفیق هنا استحسانا والقیاس ان التوفیق اذاکان ممکنا یحمل علیه وان لم یدع التوفیق تصحیحا للشهادة وصیانة لکلامه وجه الاستحسان ان المخالفة بین الدعوی والشهادة ثابتة صورة فاذاکان التوفیق مرادا تزول المخالفة و ان لم یکن مرادا لاتزول بالشك فاذاادعی التوفیق ثبت التوفیق وزالت المخالفة وذکر الشیخ الامام المعروف بخواهر زاده ان محمدا شرط فی بعض المواضع دعوی التوفیق ولم یشترط فی البعض وذاك محمول علی ما اذا ادعی التوفیق اوذاك جواب القیاس فلابد من دعوی التوفیق[1]۔	ضرورت نہیں کیونکہ کسی چیز کو گواہی سے ثابت کرنے کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ وہ ایسا سبب ہو جس کے بغیر چیز تام نہ ہو اور وہ اکیلے ثابت نہ ہوسکے جیسا کہ مدعی نے خریداری کے ذریعے ملک کا دعوی کیا اور گواہوں نے ہبہ کے ذریعے ملک ثابت کی تو ایسی صورت میں اس کے اثبات کے لیے گواہی کی ضرورت ہے لیکن بری کرنا ایسی چیز ہے جو اکیلے بغیر سبب تام ہو جاتی ہے اور اگر وصولی کا اقرار کرتا ہے تو اقرار صحیح ہے اس کے اثبات کی ضرورت نہیں ہے تاہم اس کے ساتھ موافقت کا دعوی بطور استحسان ضروری ہے جبکہ قیاس میں یہی ہے کہ اگر توفیق ممکن ہو تو اس پر محمول کرینگے اگرچہ توفیق کا دعوی نہ بھی ہو تاکہ شہادت صحیح ہوسکے اور کلام غلط نہ ہوسکے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ دعوی اور شہادت میں صورتًا مخالفت ثابت ہے تو اگر توفیق مراد بنے تو مخالفت زائل ہوگی، اور اگر وہ مراد نہ ہو تو مخالفت زائل نہ ہوگی، مراد ہونے نہ ہونے میں شک کی وجہ سے مخالفت ختم نہ ہوگی تو جب موافقت کا دعوی ہوگا تو مخالفت ختم ہوجائے گی اور توفیق ثابت ہوجائے گی، اور شیخ امام المعروف خواہر زادہ نے ذکر فرمایا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے بعض جگہ پر موافقت کے دعوی کو بیان فرمایا ہے اور بعض جگہ اس کو بیان نہیں کیا اور اس کو دعوی موافقت پر محمول کیا جائے گا یا اس کو قیاس کا جواب قرار دیا جائیگا لہذا دعوی موافقت ضروری ہے۔

[1] بحر الرائق باب الاختلاف الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۱۰۴

مدعی جب ایک چیز کادوسرے کے لئے اقرار کرچکا اب اپنے لئے دعوی نہیں کرسکتا لاجل التناقض (تناقض کی وجہ سے۔ت) شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہے مگر آٹھ مسائل مذکورہ شروح اشباہ میں اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان کا محصل یہ کہ شہادت کو اگر دو چیزوں سے تعلق ہے ایک میں وہ نصاب کامل ہے دوسرے میں نہیں یا ایک میں تہمت سے دوری ہے دوسرے میں نہیں یا ایک پر شاہدوں کو ولایت شہادت ہے دوسرے پر نہیں تو جہاں نصاب کامل ولایت حاصل تہمت زائل ہے اتنے میں مقبول ہوگی دوسرے میں مردود۔ درمختار میں ہے:

الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الافی عبد بین مسلم ونصرانی فشھدنصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ. قلت وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ [1] اھ وراجع للسبع البواقی ردالمحتار وما علقنا علیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جب بعض چیز میں شہادت باطل ہو تو کل چیز میں باطل ہوجائے گی مگر ایک صورت میں کہ غلام مسلمان اور نصرانی کا مشترکہ ہو تو دو نصرانیوں نے گواہی دی کہ انہوں نے غلام آزاد کردیا ہے تو ان کی شہادت فقط نصرانی کے متعلق قبول ہوگی، اور اس کے محشی نے پانچ صورتوں کا اس پر اضافہ کیا ہے جن کو انہوں نے بزازیہ کی طرف منسوب کیا ہے اھ، اور باقی صورتوں کے لئے ردالمحتار اور اس پر ہمارے حاشیہ کی طرف رجوع کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۴: از رامپور مرسلہ نظام علی خان ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

فردوس بیگم مدعیہ کا دعوی ہے کہ مکان محدودہ مندرجہ عرضی دعوی سعیدی بیگم نے بدست مدعیہ عوضی اماصہ /کے بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۰ء بیع قطعی کیا مدعیہ نے بہ قبول بیع صہ / بیعانے کے مدعاعلیہامذکور کو دئے اور باقی روپے کا دینا یکم مارچ ۱۹۰۰ء کو وقت تصدیق وتکمیل بیعنامہ ٹھہرا بعدہ مہ عہ ۲/ مدعی علیہا نے بعد کو مدعیہ سے لے کر مطالبہ سرکاری میں ۲۰/فروری ۱۹۰۰ء کو داخل عدالت کئے، مدعی علیہا نے حسب وعدہ تکمیل بیعنامہ نہیں کرایا اور بلابزادی قیمت مکان مذکور بدست عباسی عباسی بیگم وغلام محمد خاں فروخت کرڈالا بدہانیدا ماصہ عہ ۱۴/ بقیہ زرثمن تکمیل وتصدیق بیعنامہ مدعاعلیہا سے کرادی جائے اور دخل مدعیہ کا مکان متنازعہ پر کرادیا جائے سعیدی بیگم مدعاعلیہا کو بیع کرنے مکان اور لینے صہ / بیعنامہ اور مہ عہ ۲/

[1] درمختار باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

مندرجہ دعوی سے قطعی انکار ہے منجانب مدعیہ جو گواہ ثبوت دعوی میں گزرے ہیں ان میں سے نظام علی خاں گواہ نے بیان کیاکہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا بوقت چار گھڑی دن رہے سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں مدعا علیہا نے مکان متنازعہ کہ متصل مکان مظہر کے ہے بدست فردوس بیگم مدعیہ ائما صہ/ کا بیع کیا مدعا علیہا نے کہامیں نے اماصہ/ کو فردوس بیگم کے ہاتھ مکان بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اسی وقت صہ/ بیعانہ کے بذریعہ بھورے میاں مدعیہ نے مدعا علیہا کو دیئے اور باقی روپے کے نسبت وقت رجسٹری دستاویز بمدت یک ماہ دینا قرار پایا تھا یہ واقعہ پہلی تاریخ انگریزی مہینے کے ہوا تھا اس کے کوئی ۲۵ دن کے بعد مدعا علیہا مذکور نے اپنے ماموں مسمّٰی ابراہیم خاں کو بمکان مظہر بھیجا مدعیہ اس وقت میرے مکان پر مہمان تھی ابراہیم خان نے مدعیہ سے میری معرفت کہلا بھیجا کہ سعیدی بیگم نے تم کو بلایا ہے چلو اور (☆☆۲/) بھی لے چلو کہ وہ عدالت میں بابت کورس داخل کرینگی چار پانچ دن میں بیعنامہ تصدیق ہوگا تو یہ (☆☆۲/صہ/) بیعانہ زر ثمن میں محسوب ہونگے چنانچہ فردوس بیگم گئی اور (☆☆۲/) لے گئی تھی مجھ کو اپنے بھانجے احمدینی عرف پیارے کے ہمراہ لے گئی تھیں چنانچہ بمواجہہ پیارے مدعیہ نے وہ (☆☆۲/) حسب الطلب سعیدی بیگم کو دے دئے اور مدعا علیہا نے داخل عدالت کردئے نشان دہی مکان متنازعہ کی کردوں گا، مولوی ارشد علی گواہ عرف بھورے میاں کا بیان ہے کہ مجھے تخمیناً یاد ہے کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا ہے کہ صبح کے وقت نظام علی خان میرے پاس آئے تھے کہ فردوسی بیگم کی طرف سے یا ہاجرہ فردوسی بیگم دونوں کی طرف سے اس قدر بھول گیا ہوں بیعنامہ مکان کا دینا چاہتا ہوں مظہر کو اول سے علم تھا کہ مکان کی یعنی مکان متنازعہ کی بیع ہوتی ہے چنانچہ بمکان سعیدی بیگم مظہر نظام علی خان علی احمد خاں گئے عورتیں اندر مکان کوٹھے میں ہوگئیں ہم جاکر چارپائیوں پر بیٹھ گئے مظہر نے آواز دے کر کہا کہ نظام علی خاں فردوسی بیگم کی طرف سے بیعنامہ دیا چاہتے ہیں چونکہ سعیدی بیگم اندر کوٹھے کے تھیں اور سعیدی بیگم کی بہن اور ماں بھی تھیں اس وجہ سے میں نے اپنے ذہن میں سعیدی بیگم سے مخاطب ہوکر کہا کہ مکان بیچتی ہو اندر سے آواز آئی بیچتی ہوں، یہ نہیں یاد کہ کس نے جواب دیا، میں نے اندر ہاتھ بڑھا کہ صہ دے دئے، نہیں معلوم کس نے اپنے ہاتھ میں بیعانہ لیا اور عورات اندر تھیں مگر مجھے معلوم نہیں کون تھیں، علی احمد خاں جس کی موجودگی وقت ایجاب وقبول نظام علی خاں گواہ نے بیان کی ہے وہ اپنے مکان میں نسبت ایجاب وقبول یا بیع مکان متنازعہ کچھ بیان نہیں کرتا، احمد نبی خاں گواہ مدعیہ لکھتا ہے کہ عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں نے مکان متنازعہ بدست فردوس بیگم مدعیہ بقیمت (ائما☆) بیچا تھا اور مدعا علیہا مذکور نے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان (ائما☆/) کو فردوس بیگم کے ہاتھ بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے

بھورے میاں کے ہاتھ سے سعیدی بیگم کو مدعیہ نے دئے تھے اور جس وقت علی احمد خاں و بھورے میاں آئے تھے تو سعیدی بیگم دالان میں بیٹھی رہی تھیں اور مدعیہ کوٹھری میں ہو گئی تھیں بھورے میاں کے سامنے گفتگو بیع وشراء کی ہو کر (صہ/) بیعانہ کے دئے گئے اور دو مرتبہ گفتگو بیع وشراء ہوئی تھی مدعیہ نے کہا تھا کہ بھورے میاں کے ہاتھ میں بیعانہ دلوادوں گی اور گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوال علمائے دین ومفتیان شرع متین سے یہ ہے کہ بیانات گواہان مندرجہ بالا سے بموجودگی اپنے وقت بیع وشراء کے درمیں متعاقدین ظاہر کرتے ہیں آیا بیع وشرا مکان متنازعہ کی باہم متعاقدین شرعًا واقع ہوگئی کہ قابل نفاذ ہے یا نہیں ہوئی، موافق مسائل شرعی کے حسبۃً للہ جواب عنایت فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نظام علی خاں واحمد نبی خاں عرف پیارے خاں گواہان مدعیہ کا بیان ذکر ایجاب وقبول متعاقدین پر بھی شامل ہے اور سعیدی بیگم کے اقرار بالبیع پر بھی ان دونوں سے جو بات ہوئی شہادت میں لئے جانے کے لئے کافی ہے بیعانہ وغیرہ امر فضول ہے جسے بیع سے کچھ تعلق نہیں، بھورے میاں گواہ مدعا علیہا کا بیان محض مختل مہمل ہے، دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے، باقی روداد مقدمہ مذکورہ سوال بھی مدعیہ کی مؤید ہے، میری رائے میں بصورت مذکورہ فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: ازرام پور بازار نصر اللہ خاں مرسلہ فدا علی خان صاحب ۱۳/ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان کے کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ جدید دوسرا عمرو کے حق مرور کی طرف منجانب اسفل جس طرف زید کے واسطے شرعًا حق مرور نہ تھا برآمد کیا ہے اور عمرو اس فتح باب کا مانع ہے پس وہ احداث شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور عمرو کو منع کرنا پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں قول معتمدہ وظاہر الروایۃ مفتی بہا واجب العمل یہی ہے کہ زید کو اس دروازہ جدید کا احداث جائز نہیں عمرو کو حق منع حاصل ہے،

فی ردالمحتار لو اراد فتح باب اسفل من بابه والسکة غیر نافذة	ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص بند گلی میں اپنے دروازہ سے نچلی جانب دروازہ یا کھڑکی کھولنا چاہے

يمنع منه وقيل لا.وفي كل من القولين اختلاف التصحيح والفتوى قال في الخيرية والمتون على المنع فليكن المعول عليه[1] اھ ورأيتني كتبت على هامشه مانصه فقد نقل في جامع الفصولين ان له ذلك مطلقًا وعليه الفتوى ونقل في الخيرية عن التتارخانية عن العتابية انه ليس له ذٰلك وعليه الفتوى وهو الذي صححه في الخانية قال في الخيرية ومثله في كثير من كتب المذهب قال وهو ظاهر الرواية كما صرح به في جامع الفصولين فليكن المعول عليه اھ قلت كيف لاوقد نصوا ان الفتوى متى اختلف رجح ظاهر الرواية كما في البحر الرائق وغيرها وصرحوا ان قاضي خان فقيه النفس لايعدل عن تصحيحه كما في غمز العيون وغيره واطبقوا ان التقديم للمتون لانها الموضوعة لنقل المذهب كما في الدر وغيره فقد ترجح بوجوه[2]. والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

تو اس کو منع کیا جائے اور بعض نے کہا منع نہ کیا جائے اور دونوں اقوال میں فتوٰی اور تصحیح کا اختلاف ہے، خیریہ میں کہا کہ متون منع پر وارد ہیں اور اس پر ہی اعتماد چاہئے اھ مجھے اس پر اپنا حاشیہ یاد ہے کہ جس کی عبارت یہ ہے کہ جامع الفصولین میں منقول ہے کہ اس کو مطلقًا یہ اختیار ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، اور خیریہ میں تاتارخانیہ سے اور وہاں عتابیہ سے منقول ہے کہ اس کو اختیار نہیں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اور اسی خانیہ میں ترجیح ہے خیریہ میں فرمایا کہ اکثر کتب میں اسی طرح ہے اور کہا یہ ظاہر الروایۃ ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے تو اس پر اعتماد چاہئے، میں کہتا ہوں یہ کیونکر نہ ہو کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ جب فتوٰی میں اختلاف ہو تو ظاہر الروایہ کو ترجیح ہوتی ہے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے، اور یہ بھی انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ چونکہ قاضی خان فقیہ النفس ہیں لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے گا جیسا کہ غمز العیون وغیرہ میں ہے، اور سب کا اتفاق ہے کہ متون کو اولیت ہے کیونکہ وہ مذہب کو بیان کرنے کے لئے وضع کئے گئے ہیں جیسا کہ در وغیرہ میں ہے تو یہ کئی وجوہ سے ترجیح یافتہ ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ ۱۳۲۱ھ

(جھگڑا ختم کرنے کے لئے خالص ترین فیصلہ)

مسئلہ ۶۶: فیصلہ نالش تجویز حکیم عبدالعزیز بیگ پنچ مقبول متخاصمین ازروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء

سید محمد افضل صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم ساکن بریلی متصل جامع مسجد بریلی مدعی سید محمد احسن صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم وسید افضال حسین صاحب ولد سید محمد افضل صاحب مذکور ساکنان محلّہ مذکورہ مدعا علیہما دعوی توفیر موضع جگت پور پرگنہ تحصیل وضلع بریلی محال زردو معافی واقع جگت پور مذکور محال سبز وسفید ومفروقہ واقعہ جگت پور محال سفید و کھنڈ سار موضع جگت پور مذکور مع منافع کھنڈ سار مذکور از اپریل ۱۸۹۸ء لغایت دسمبر ۱۹۰۲ء وبقایائے توفیر مذکور و کھنڈ سار مذکور ذمہ اسامیان بابت مدت مذکور لغایت مارچ ۱۹۰۳ء بصیغہ قرض دادنی داموو رداس وغیرہ و تقسیم پنچ قطعہ مکانات محدودہ ذیل واقعہ محلّہ مذکور وسرمایہ مکان محدود ذیل نمبرا بابت مدت مذکور واثاث البیت متروکہ پدری،

نمبر ۱	نمبر ۲	نمبر ۳	نمبر ۴	نمبر ۵
مکان مسکونہ شرقی غربی مکان ۲/ مکان ۲/ عبدالکریم خاں بدست فریقین جنوبی کوچہ نافذہ شمالی اراضی منسوبہ بنام سید احمد حسین ابن سید نثار الدین حسین	مکان مبیعہ محمد حسین وغیرہ بدست والدہ فریقین و اشخاص دیگر و مبیع باقی شرکاء بدست فریقین شرقی غربی مکان ۳/ مکان ۱/ جنوبی مکان سید اکرام علی ولد سید کرامت علی شمالی اراضی مذکور سید رضا حسین پربھودیال	مکان تین ربع مرہون سید غازی الدین بنام فریقین و یک ربع مبیع سید احمد حسین بنام سید امیر حسن و سید افضال پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ مدعا علیہ شرقی غربی مکان پربھودیال مکان ۲/ جنوبی شمالی مکان اراضی سید اکرام علی پربھودیال و سید کرامت علی و سید نظام علی	مکان مرہون عبدالکریم خاں نزد محمد احسن مدعا علیہ و پسران مدعی شرقی غربی مکان ۱/ شاہراہ جنوبی شمالی کوچہ نافذہ مکان ۵/ و مکان منسوبہ بنام مدار طوائف	مکان مبیعہ احمد حسین صاحب بنام سید محمد احسن و پسران مدعی شرقی غربی مکان احمد حسین شاہراہ معروف بنام مدار طوائف جنوبی شمالی مکان ۴/ مرور این مکان و مکان مدار طوائف مذکور

ہر سہ فریق مذکورین نے بروئے اقرار نامہ مورخہ ۵/ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴/فروری ۱۹۰۳ء کو واسطے تصفیہ نزاعات مسطورہ بالاکے برضائے خود ہاپنج مجاز وماذون مقرر کیا مقدمہ بحاضری ہر سہ فریق مذکورین ہمارے سامنے پیش ہوا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور نے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مسطور پر دعوی کیا کہ موضع جگت پور ومعافی ومفروقہ مذکوران اور کھنڈ سار موضع جگت پور مع جملہ اسباب بیل وغیرہ مثل کڑاہا آہنی وغیرہ میرے اور ان سید محمد احسن مدعا علیہ کے شرکت بالمناصفہ میں ہے اوائل ۱۸۹۸ء تک میں اور مدعا علیہ مذکور بشرکت اکجائی کام کرتے رہے اپریل ۱۸۹۸ء سے میں پیلی بھیت چلاگیاجب سے مجھے توفیرات مذکورہ ومنافع کھنڈ سار مذکور نہ ملی بروئے حساب مجھے ان سید محمد احسن مدعا علیہ سے دلائی جائے اور جو بقایا ذمہ اسامیان وغیرہ ہے بابت توفیر جگت پور معافی و مقروضہ کھنڈ سار جگت پور مذکورات ہو اس کے نصف میں میرے استقرار حق کا حکم کیا جائے اور اثاث البیت متروکہ والد جس کی فہرست پیش کرتا ہوں ان سید محمد احسن کے قبضہ میں ہے نصف اس سے مجھ کو دلایا جائے

مکانات محدودہ بالا میں بذریعہ وراثت پدری ومادری وبیع ورہن میرا اور ان سید محمد احسن کا بالمناصفہ چاہئے دستاویزوں میں سید افضال حسین وسید امیر حسن مرحوم پسران مدعی واختری بیگم زوجہ محمد احسن مذکور کا نام فرضی ہے سوامکان نمبر ا کے کہ اس میں اراضی کا کچھ حصہ خرید کردہ والد ہے اور زیادہ حصہ میری نانی صاحبہ ولایتی بیگم کے والد میر سید محمد صاحب کا خرید کردہ ہے ان کے تین وارث ہوئے: سید نثار الدین حسین پسر اور ولایتی بیگم ولالہ بیگم دختران، اس میں سے نانی صاحبہ ولایتی بیگم نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میری والدہ سردار بیگم کے نام لکھ دیا اور سید نثار الدین حسن صاحب نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میرے اور سید محمد احسن کے نام لکھا لالہ بیگم دختران کا جس قدر حصہ اراضی میں تھا اس کا ہبہ نامہ سید محمد احسن کے نام لکھا گیا اور تعمیر اس کی کل والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے کی ہے مکانات مذکورہ تقسیم یکجائی کردی جائیں کہ نزاع نہ رہے کمی بیشی بجائے قسمت روپیہ سے پوری کردی جائے مکان نمبر ۵ کرایہ پر رہا جس قدر زر کرایہ حاصل ہوا اس کا حساب ان سید محمد احسن سے لے کر میرا نصف ان سید محمد احسن سے مجھے دلایا جائے، سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ کھنڈ سار جگت پور تنہا میں نے کی ان سید محمد افضل کی اس میں کوئی شرکت نہیں مکان نمبر ا کا ہبہ نامہ میرے نام ہے اس کا تنہا مالک میں ہوں، مکان نمبر ۲ میں ان سید محمد افضل صاحب کی شرکت تسلیم ہے نیز یہ مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں مکان نمبر ۴ وہ میری خرید کئے اور بنائے ہوئے ہیں مگر نام افضال حسین وامیر حسن کا بھی درج ہے تقسیم مکانات یکجائی بروئے معاوضہ کمی بیشی جس طرح مجوز کی رائے میں مناسب ہو مجھے منظور ہے اثاث البیت متروکہ پدری جو میرے پاس ہے اس کا نصف ان سید محمد افضل صاحب کو دے دیا جائے اور جو کچھ ان سید محمد افضل صاحب کے پاس ہے اس کا نصف مجھے دلایا جائے، سید افضال حسین مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کل مکانات متنازعہ میرے دادا سید اکبر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے خریدے ہیں اور رہن لئے ہیں اور جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا، مکان نمبر ۴ میرے حصہ کے قدر میرا مرہونہ ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی صاحب رہن لیا، مکان نمبدر ۳ کی نسبت دونوں مدعا علیہما نے بیان کیا کہ یہ مکان سید امیر علی صاحب نے ہماری خالہ زاد بہن، پھوپھی قادری بیگم بنت سید نجم الدین احمد زوجہ سید وارث علی کو ہبہ کردیا تھا اس میں جگت پور کی کھنڈ سار ہوتی تھی اور اب بھی مکان خالی کرکے قبضہ نہ دلایا مگر چالیس روپیہ مجھ سید محمد احسن نے قادری بیگم مذکورہ کو دئے سید محمد احسن صاحب مذکور نے توفیر ومنافع کھنڈ سار وکرایہ مکان وبقایان مذکور ان کا حساب مطلوب من ابتدائے یکم نومبر ۱۸۹۸ء لغایت ۳۰/نومبر ۱۹۰۲ء جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اور قرضہ داموردراس ہم فریقین پر تمام وکمال بالمناصفہ تھا اور ہے اگرچہ پانچسو روپیہ کا رقعہ بنام داموردراس تنہا میرے نام سے تحریر ہوا سید محمد احسن اب اس سے انکار کرکے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، انصافاً بعد تحقیقات اس کا نصف بھی

ان سید محمد احسن صاحب پر ڈالا جائے۔

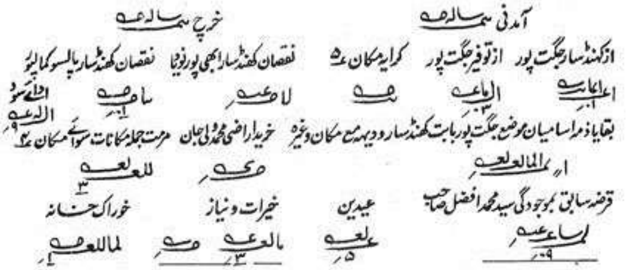

نیز سید محمد احسن صاحب نے بیان کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب اور تخمیناً دس پندرہ متفرق اس پانچ سال میں میرے پاس سے ان سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں جواسی گوشوارہ خرچ میں کہ پیش کیا گیا ہے مندرج ہیں فقط ہر حساب سید محمد افضل صاحب کو دکھایا گیا انہوں نے (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور (☆☆/) معرفت سید فرحت علی صاحب پانا قبول کیا اور باقی متفرق کو فرمایا مجھ کو یاد نہیں اور گوشوارہ مذکورہ کے رقوم کی نسبت سید محمد احسن صاحب سے حلف چاہا اور وجوہ خرچ میں عذر کیا کہ انصافاً جو اس میں میرے ذمہ ہونا چاہئے میرے یافتی سے مجرا ہو جائے باقی سے میں بری کیا جاؤں ان سید محمد احسن صاحب حسب الطلب جملہ رقوم آمد وخرچ گوشوارہ پر حلف کرلیا سید محمد احسن صاحب وسید افضال حسین صاحب مدعا علیہما مذکورین نے دفع دعوی سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور میں نسبت مکانات سات دستاویزیں مفصلہ ذیل سنداً پیش کیں:

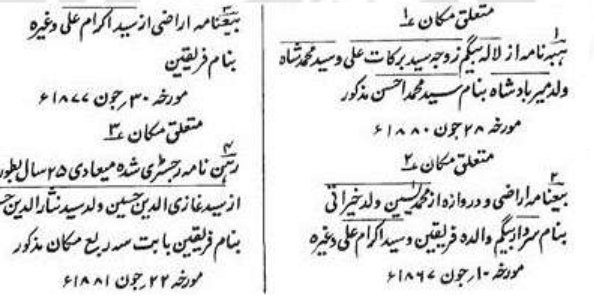
متعلق مکان ۱

۱ ہبہ نامہ از لالہ بیگم زوجہ سید برکات علی وسید محمد شاہ ولد میر بادشاہ بنام سید محمد احسن مذکور

مورخہ ۲۸ جون ۱۸۸۰ء

متعلق مکان ۲

۲ بیعنامہ اراضی و دروازہ از محمد حسین ولد خیراتی بنام سردار بیگم والدہ فریقین وسید اکرام علی وغیرہ

مورخہ ۱۰ جون ۱۸۶۷ء

۳ بیعنامہ اراضی از سید اکرام علی وغیرہ بنام فریقین

مورخہ ۳۰ جون ۱۸۷۷ء

متعلق مکان ۳

۴ رہن نامہ رجسٹری شدہ میعادی ۲۵ سال بطور بیع الوفاء از سید غازی الدین حسین ولد سید نثار الدین حسین بنام فریقین بابت سہ ربع مکان مذکور

مورخہ ۲۲ جون ۱۸۸۱ء

[5] بیعنامہ از سید احمد حسن ولد سید نثار الدین حسین بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین پسران سید محمد افضل مدعی واحمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن مدعا علیہ بابت کل ربع باقی مکان مذکور مورخہ ۱۰/جون ۱۸۸۴ء متعلق مکان نمبر ۴ [6] رہن نامہ بعوض (ما ☆) از عبدالکریم خاں کنبوہ نصف مکان بدست سید محمد احسن مذکور	ونصف بدست سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۴/جون ۱۸۹۴ء متعلق مکان نمبر ۵ بیعنامہ اراضی مع خشب وبناء [عہ] نصف بنام سید محمد احسن مذکور نصف بنام سید امیر حسن وسید افضال حسین مذکوران مورخہ ۱۰/نومبر ۱۸۸۴ء

یہ سب دستاویزیں سید محمد افضل مدعی کو دکھائی گئیں سید محمد افضل سید محمد مدعی نے ان کی تصدیق فرمائی مگر دستاویز نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ متعلقہ مکان نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں سید امیر حسین وسید افضال حسین واحمدی بیگم کے نام فرضی بتائے اور کہا کہ ایک ربع مکان نمبر ۳ واراضی مکان نمبر ۵ سید امیر علی صاحب والد فریقین نے خرید کیں اور مکان نمبر ۵ کی تعمیر بھی انہیں کی دستاویزوں میں اور ناموں کے اندراج سے ان کا مقصود ایک نہیں دونوں بھائیوں کو دینا تھا جسے مختلف صورتوں میں ظاہر کیا کبھی ہم دونوں بھائیوں کے نام درج فرمائے جیسے دستاویز نمبر ۳ و نمبر ۴ میں کبھی میری جگہ میرے بیٹوں کے جیسے دستاویز نمبر ۷ میں ولہذا نصف میں سید محمد احسن کا نام ہوا اور نصف میں میرے دونوں بیٹوں کا کہ حقیقتًا ہم دونوں بھائیوں کو بالمناصفہ کرنا مقصود تھا کبھی میری جگہ میرے بیٹوں سے اور سید محمد احسن کی جگہ ان کی زوجہ احمدی بیگم کا جیسا دستاویز نمبر ۵ میں دستاویز نمبر ۶ بعد انتقال والد صاحب مرحوم تحریر ہوئی اور اسی طریقہ جاریہ پر میری جگہ میرے بیٹوں کے نام لکھے گئے زر رہن خالص میرا اور سید محمد احسن کا تھا امیر حسن اور افضال حسین کا اس میں کچھ نہ تھا اس کی تعمیر میرے اور محمد احسن کے مشترک روپیہ سے ہوئی۔ مکان نمبر ا کی دستاویز ہبہ نامہ کل مکان مذکور سے متعلق نہیں لہذا واہبان نے خود حقوق کا لفظ لکھا ہے اس کے متعلق دو ہبہ نامہ اور ہیں ایک از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین دوسرا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین یہ دونوں کاغذ سید محمد احسن کے پاس ہیں اس مکان کی عمارت بھی والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے بنوائی ہے۔

عــــہ: اصل میں صاف پڑھا نہ گیا اندازہ سے بنادیا۔

تنقیحات ذیل قائم

(۱) آیا مکان نمبر ۱ میں بذریعہ ترکہ مادری یا تعمیر پدری یا ہبہ نامہ سید نثار الدین حسین بنام فریقین سید محمد افضل صاحب مدعی کا کون حق ہے؟

(۲) آیا مکان نمبر ۳ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم مذکور کو ہبہ کیا اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہے؟

(۳) آیا مکان نمبر ۳ و نمبر ۴ و نمبر ۵ میں سید افضال حسین ایک فریق مقدمہ کا کوئی حق ہے؟

(۴) ان تینوں مکانوں میں سید محمد افضل صاحب کو حق مرتہنی حاصل ہے، اگر ہے تو کس قدر؟

(۵) آیا کھنڈسار جگت پور خالس سید محمد احسن صاحب کی ہے سید محمد افضل صاحب کی اس میں شرکت نہیں؟

(۶) مدات خرچ پیش کردہ مدعا علیہا کیا کیا رقم ذمہ سید محمد افضل صاحب ہونا چاہئے؟

(۷) اثاث البیت متروکہ سید امیر علی صاحب مرحوم فریقین کے قبضہ میں کیا کیا ہے اور اس کی تقسیم کیونکر چاہئے؟

(۸) مکانات کی تقسیم یکجائی کس طرح ہونا مناسب ہے؟

(۹) آیا (صما ۵۰۰/) قرضہ دامودر داس بابت رقعہ محررہ سید محمد افضل تنہا ذمہ سید محمد افضل صاحب ہے اور باقی قرضہ فریقین پر کس قدر ہے؟

(۱۰) بقایا مندرجہ گوشوارہ مذکورہ میں سید محمد افضل صاحب کا حصہ کس قدر ہے؟

تجویز: (۱) مکان نمبر ۱ کی نسبت سید محمد افضل صاحب مدعی کا دعوی قطع نظر اس سے کہ محض غیر معین تھا مدعی مذکور نے کوئی شہادت خواہ کوئی دستاویز اپنے مفید پیش نہ کی سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کو کوئی ہبہ نامہ اس مکان کے کسی جز کا از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین یا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین لکھا جانا تسلیم ہے مدعی مذکور نے صرف اپنے ماموں سید محمد شاہ صاحب خلف سید میر بادشاہ صاحب کے بیان پر (کہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے ماموں اور خسر بھی ہیں) حصر رکھا۔ سید محمد شاہ صاحب مذکور بوجہ امراض معذور ہیں اور اس مکان نمبر ۱ میں اپنی دختر و داماد سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے پاس رہتے ہیں مجوز نے مکان مذکور میں جاکر ان کا اظہار لیا، سید محمد شاہ [عہ]

عــــہ: تحریر نمبر ۸ شامل مسل ہے ۱۲۔

صاحب مذکور نے بیان کیا کہ یہ مکان جس میں اس وقت موجود ہوں میرے نانا میر سید محمد صاحب کا تھا ان کے صرف تین وارث ہوئے: میری والدہ ولایتی بیگم اور خالہ لالہ بیگم اور ماموں سید نثار الدین حسین، ان ماموں صاحب نے اپنا حصہ یعنی نصف مکان مذکور اپنی دونوں بہنوں میری والدہ وخالہ کو ہبہ بلا تقسیم کردیا ان ماموں صاحب کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین نے اب تک کوئی تعرض نہ کیا میری تینوں بہنوں سردار بیگم والدہ سید محمد افضل وسید محمد احسن اور برکاتی بیگم وآبادی بیگم نے اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے وفات پائی، ولایتی بیگم مذکورکا میں تنہا وارث ہوں، بعد انتقال والدہ میں اور میری خالہ لالہ بیگم نصف نصف اس تمام مکان کے مالک ہوئے ہم دونوں مالکان مکان مذکور نے یہ مکان تمام وکمال ان سید محمد احسن کو ہبہ کردیا تعمیر کی نسبت کہا میں اس وقت یہاں نہ تھا میری والدہ زندہ تھیں یہ میرے علم میں نہیں کہ میری والدہ کے روپے سے بنا، یا سید امیر علی کے روپے سے تعمیر ہوا، ظاہر ہے کہ ان گواہ کے بیان میں کوئی لفظ مفید مدعی نہیں البتہ دستاویز مذکورہ کے تینوں فریق مقدمہ کے مصدقہ ومسلمہ ہیں اس میں سے دستاویز نمبر ۲ میں مکان نمبر ۲ کی حد غربی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے سردار بیگم زوجہ سید امیر علی کا نام لکھا ہے اور دستاویز نمبر ۶ میں مکان نمبر ۴ کی حد شرقی میں کہ یہی مکان نمبر ا ہے مکان محمد احسن مرتہن ومحمد افضل بیگ پر ایک قرینہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء تک یہ مکان نمبر ا سردار بیگم والدہ فریقین کی طرف منسوب تھا اور ۱۸۹۴ء میں فریقین کی طرف مضاف ہوا مگر قطع نظر اس سے کہ مجرد نسبت واضافت خواہی نخواہی دلیل ملک نہیں اور وہ بھی ایسی کہ مدعی کے ثبوت استحقاق میں بکار آمد ہو خود سید افضل صاحب مدعی نے اپنی نیک نیتی سے صاف اقرار کیا کہ ولایتی بیگم کا سردار بیگم یا سید نثار الدین حسین صاحب کا فریقین کو اپنے اپنے حصص واقعہ مکان مذکور ہبہ کرنا بلا تقسیم تھا اور اب تک کہ سردار بیگم وسید نثار الدین حسین کی وفات ہوچکی مکان بدستور نامقسم ہے غالبًا بیان مدعی نسبت ہبہ نامجات مذکورہ صحیح ہے اور انہیں کی بناء پر ۶۷ء تک مکان ملک سردار بیگم اور ۱۸۹۴ء میں مکان ملک فریقین تصور کیا جاتا ہو لیکن قابل قسمت شے میں ہبہ شرعًا ناجائز ہے اور جبکہ تقسیم سے پہلے موہوب لہ یا وارث انتقال کر جائے جیسا کہ بیان ہوا وہ ہبہ محض باطل وکالعدم ہوجاتا ہے عالمگیری جلد ۴ ص ۱۳۱:

لاتصح فی مشاع یقسم [1]۔	تقسیم سے قبل مشاع چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔ (ت)

درمختار صفحہ ۵۱۲:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۶

البیع موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	ہبہ کے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد میم سے مراد ہے اگر قبضہ سے پہلے ہو تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ (ت)

توان دونوں ہبہ کی نسبت کسی بحث وتفتیش کی حاجت نہیں کہ خود باقرار مدعی ان کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگرچہ بعینہٖ یہی وجہ اس مکان میں سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے حق کو بھی باطل کرے گی کہ جب مکان بالاتفاق موروثی اور ہنوز نامقسم ہے تو سید نثار الدین حسین صاحب کا اپنا حصہ اپنی بہنوں ولایتی بیگم ولالہ بیگم کو ہبہ کرنا باطل ہوا اور نصف میں ان کے بیٹوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق ملک رہا اور اب جو سید محمد شاہ صاحب ولالہ بیگم نے اپنی مشاع ونامقسم حصے سید محمد احسن صاحب کو بذریعہ ہبہ نامہ نمبر ایک ہبہ کئے یہ ہبہ بھی ناجائز ہوا اور لالہ بیگم کی وفات سے ان کے حصہ کا ہبہ محض باطل ہوکر ان کے بھتیجوں سید غازی الدین حسین وسید احمد حسین کا حق قرار پایا سید محمد شاہ صاحب زندہ ہیں اگر اپنا حصہ کہ ترکہ ولایتی بیگم سے انہیں پہنچا جدا تقسیم کراکر سید محمد احسن صاحب کو قبضہ دے دیں ہبہ صحیح ہوجائیگا ورنہ باطل، مگر ان وجوہ کا نفع ان اشخاص کی طرف راجع ہے جو فریقین مقدمہ نہیں اور اس ہبہ کے بطلان سے مدعی کو کوئی فائدہ نہیں کہ سردار بیگم والدہ مدعی کا اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے انتقال کرنا بالاتفاق ویقین ثابت ہے لہٰذا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور کا دعوٰی اس مکان نمبر ایک پر کسی وجہ سے قابل سماعت نہیں۔

(۲) تنقیح دوم کی نسبت اس قدر کہنا بس ہے کہ یہ ہبہ اگر ثابت بھی ہو تو محض بے معنی ہے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اولًا اپنے بیان میں عـــہ صاف تسلیم کیا کہ سید محمد افضل صاحب مدعی مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک میں بعدہ اظہار میں مدعا علیہا نے اس تمام مکان کا بنام قادری بیگم ہبہ ہونا ظاہر ہوکیا حسب طلب مدعا علیہا سید محمد افضل صاحب مدعی سے بھی اس ہبہ کی نسبت سوال ہوا انہوں نے اتنا اقرار کیا کہ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم سے کہا تھا کہ اگر تم یہاں رہو تو یہ مکان تمہیں دیتا ہوں مگر وہ نہ رہیں ان سب سے قطع نظر کیجئے بالفرض سید امیر علی صاحب مرحوم نے تمام مکان کے تین ربع نامنقسم ہنوز رہن ہیں اور رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا کہ اسے ہبہ کردینے کا اختیار ہو ایک ربع باقی اگر ملک سید امیر علی صاحب ہو بھی تو رہن مشاع ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی اور کا ہبہ باطل ہوگیا۔

عـــہ: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

(۳) تنقیح سوم ایک ظاہر بات تھی دستاویزات نمبر ۵ و نمبر ۶ و نمبر ۷ میں سید افضال حسین کا نام زمرہ مشتریان و مرتہنان میں موجود ہے دستاویز سب فریقوں کے مصدقہ مسلمہ ہیں سید محمد افضال حسین صاحب یا سید محمد احسن صاحب کا باوجود تسلیم صحت دستاویزات یہ ادعا کہ سید افضال حسین صاحب کا نام فرضی ہے بے ثبوت کافی ہرگز مسموع نہ ہوگا نہ دونوں فریق مذکور نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا مگر سید افضال حسین صاحب نے نیک نیتی سے اپنے اظہاروں میں صاف اقرار کردیا عہ کہ مکان نمبر ۴ عبدالکریم خان والا میرے چچا صاحب نے رہن لیا میرا اس میں کچھ روپیہ نہ تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ رہن نامہ میں سید افضال کا نام محض فرضی ہے اگر یہ کہئے کہ اصل دائن نے اپنا روپیہ راہن کو قرض دے کر سید افضال حسین کا نام اس غرض سے درج دستاویز کرایا کہ وہ دین ان کا قرار پائے اور ضرور عرف ورواج سے یہی ظاہر ہے۔بزرگ اپنے روپے سے کوئی عقد کرتے اور اپنے کسی خورد کا نام اسی غرض سے درج دستاویز کراتے ہیں کہ وہ ملک یا حق ان کے لئے قرار پائے مگر شرعًا یہ ارادہ رہن میں محض بے اثر ہے کہ یہ غیر مدیون کو دین کا ملک کرنا ہوگا اور وہ صحیح نہیں۔درمختار ص ۵۱۵:

تملیك الدین ممن لیس علیه باطل [1]۔	غیر مدیون کو دین کا مالک بنانا باطل ہے۔(ت)

نیز سید افضال حسین صاحب نے اپنے اس اظہار میں کہ اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے چچا سید محمد احسن صاحب کی طرف سے بذریعہ مختار نامہ عام ہے صاف اقرار فرمایا کہ مکان نمبر ۴ کی تمام بیع ورہن حقیقۃً سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے اپنے لئے بیع ورہن لئے اور اپنی طرف سے جس جس کو جس جس قدر کا مالک یا مستحق کرنا چاہا ان کا نام بیعنامہ ورہن نامہ میں درج کرادیا،اور واقعی عادات ناس سے معہود یہی ہے بائع سے گفتگوئے بیع وشراء خود کرتے ہیں ایجاب وقبول میں یہ لفظ نہیں ہوتے کہ بائع کہے کہ میں نے فلاں شے تیرے فلاں فلاں عزیز کے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے اپنے فلاں فلاں عزیزوں کی طرف سے قبول کی بلکہ گفتگو باہم ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد دستاویز میں اپنے جس عزیز کا نام چاہتے ہیں لکھوادیتے ہیں یہ بیع حقیقۃً خود انہیں اشخاص عاقدین کے لئے منعقد ہو کر دستاویز میں اندراج نام عزیزاں ان عزیزوں کے نام ہبہ ہوتا ہے۔ردالمحتار میں ہے:

عہ: تحریر نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب العلم فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵، کتاب الھبۃ الفصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

الاب اشترٰی لها فی صغرها او بعد ما کبرت وسلم الیها وذٰلك فی صحته ولا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة اھ[1] منح۔	باپ نے اپنی صحت وتندرستی میں بیٹی کے لئے کوئی چیز خرید کر اس کے قبضہ میں دے دی وہ چیز خاص بیٹی کے لئے ہوگی خواہ بالغہ ہو یا نابالغہ ہو دیگر ورثاء کا اس چیز پر کوئی حق نہ ہوگا۔اھ منح(ت)

عقود الدریہ جلد ۲ص ۲۸۱:

امرأة اشترت لولدها الصغیر بما لها علی ان لا ترجع بالثمن علی الولد جاز استحسانا وتکون مشتریة لنفسها ثم تصیر ھبة منها للصغیر[2]۔	کسی عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے کوئی چیز خریدی اس عہد پر کہ بیٹے سے رقم نہ لوں گی تو استحساناً جائز ہے اور وہ خریداری عورت کی اپنے لئے ہوگی پھر عورت کی طرف سے بیٹے کو ہبہ قرار پائے گی۔(ت)

اور جب حسب اقرار سید افضال حسین صاحب بیع مکان نمبر ۵ میں ان کا نام بذریعہ ہے اور ہبہ مشاع بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہر سہ مکانات مذکور نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین صاحب کا کوئی حق ملک ورہن اصلاً نہیں۔

(۴) مکان نمبر ۳ کی نسبت بالاتفاق اظہارات عــہ ہر سہ فریق ثابت ہوا کہ اس کی بیع ورہن نامہ سب حقیقۃً بنام سید امیر علی صاحب مرحوم تھی اندراج نام دیگراں اسی قاعدہ معہودہ بزرگان کی بناء پر تھا بالخصوص مدعا علیہ کا بیان کہ یہ تمام وکمال مکان سید امیر علی صاحب مرحوم نے فریقین کے خالہ زاد ہمشیر قادری بیگم کو ہبہ کردیا صراحۃً اس کے متروکہ امیر علی صاحب ہونے کا اقرار ہے۔ سید امیر علی نے انتقال فرمایا اور ان کے وارث یہی دو صاحبزادے سید محمد افضل صاحب وسید محمد احسن صاحب ہوئے تو مکان کے متروکہ مورث ہونے کا اقرار نصف مکان بذریعہ وراثت ملک سید محمد افضل صاحب ہونے کا اقرار ہوا لیکن یہ اقرار حق راہن پر کہ نہ حاضر ہے نہ فریق مقدمہ ہے مؤثر نہ ہوگا تو ایک ربع مکان مذکور باقرار

عــہ: تحریر نمبر او نمبر ۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

سید محمد احسن متروکہ سید امیر علی صاحب تین ربع مرہونہ سید امیر علی صاحب قرار پائیں گے یہ رہن اگرچہ بوجہ مشاع ہونے کے فاسد اور بوجہ دخلی ہونے کے شرعاً حرام ہے مگر تاوصول دین اس پر قبضہ رکھنے کا اختیار ضرور حاصل، اس بارے میں رہن صحیح وفاسد کا حکم ایک ہی ہے۔ عہ درمختار صفحہ ۶۱۶:

لایصح رہن مشاع مطلقًا ثم الصحیح انه فاسد۔[1]	غیر منقسم چیز کا رہن مطلقاً صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ وہ رہن فاسد ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے: ص ۶۲۸:

کل حکم عرف فی الرہن الصحیح فهو الحکم فی الرهن الفاسد کرهن المشاع[2] (ملخصًا)	جو حکم صحیح رہن کا ہے وہ حکم فاسد رہن، مثلاً غیر منقسم رہن چیز، کا ہے۔ (ت)

اور بعد انتقال مرتہن اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہو جاتے ہیں، درمختار ص ۶۲۳:

لایبطل الرہن بموت الراهن ولا بموت المرتهن ولا بموتهما و یبقی الرهن رهنا عند الورثة[3]۔	راہن یا مرتہن یا دونوں کی موت سے رہن باطل نہیں ہوتا بلکہ ان کے ورثاء میں رہن باقی رہے گا۔ (ت)

تو اس مکان کے تین ربع کی مرتہنی بنام فریقین اگرچہ حسب اقرار فریقین بطور اسم فرضی تھی مگر بعد انتقال مرتہن اصلی واقعی و حقیقی ہوگئی اور اس میں کسی فریق کو نزاع بھی نہیں ایک ربع باقی کے بیعنامہ میں تین نام مندرج ہوئے سید امیر حسن مرحوم و سید افضال حسین پسران مدعی واحمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ ان میں سید افضال حسین صاحب تو اپنے اقرار مذکور تنقیح سوم کے رو سے جدا ہوگئے لیکن ہر سہ فریق کا اتفاق سید امیر حسن واحمدی بیگم پر اثر نہیں ڈال سکتا کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اثر صرف مقر کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے ہم صدر تنقیح سوم میں بیان کر آئے کہ دستاویزات مصدقہ مسلمہ ہر سہ فریق میں ان کاموں کا اندراج دفع دعوی دیگران کے لئے بس ہے جب تک وہ بینہ سے ان اسماء کا فرضی ہونا ثابت کریں جس کا ثبوت اصلاً فریقین سے کسی نے نہ دیا تو اس ربع میں اقرارات کا اثر صرف ایک ثلث موسوم سید افضال حسین پر پڑے گا، اور وہ باقرار ہر سہ فریق متروکہ سید امیر علی صاحب قرار پاکر سید محمد افضل صاحب سید محمد احسن صاحب میں نصف نصف ہوا سید امیر حسن مرحوم واحمدی بیگم

عــــہ: تحریر نمبر ا و نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الرہن باب مایجوز ارتہانہ ومالایجوز مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرہن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

[3] درمختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

نہ فریق مقدمہ ہیں نہ ان کے ابطال حق پر فریقین سے کسی نے کوئی ثبوت دیا لہٰذا اس قدر میں کسی کا دعوٰی مسموع نہیں سید امیر حسن مرحوم کے وارث صرف ان کے والد سید محمد افضل صاحب مدعی ہیں تو اس ربع کا ایک ثلث کہ شرعًا ملک سید امیر حسن مرحوم تھا وراثۃً ملک سید محمد افضل صاحب ہوا سید محمد افضل صاحب کو بھی اگرچہ اقرار تھا کہ یہ مکان متروکہ پدری ہے جس کے روسے اگرچہ اقرارات ہر سہ فریق حق سید امیر حسن مرحوم پر موثر نہ ہوا مگر جب ثلث بدعوٰی ارث سید محمد افضل صاحب کو پہنچے سید محمد احسن صاحب ان کے اقرار پر مواخذہ کرکے اس ثلث میں نصف کے مدعی ہوسکتے تھے لیکن سید محمد احسن صاحب بعد اقرار مذکور ہر سہ فریق کے صراحۃً تحریر کرچکے کہ امیر حسن کے حق کی بابت گزارش ہے کہ روپیہ والد صاحب کا تھا اور اس سے بیع ورہن کیا گیا اگر شرعًا اس میں میرا حق ہے تو مجھ کو دعوٰی ہے اور نہیں ہے تو دعوٰی نہیں ہے فقط اور اوپر معلوم ہوتا ہے کہ شرعًا سید امیر حسن مرحوم کے حق میں سید محمد احسن کا کوئی حق نہیں، نہ خریداری میں روپیہ والد کا ہونا، ملک والد کو مستلزم۔ فتاوٰی خیریہ ص ۲۰۱:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[1]۔	والد کے مال سے خرید کردہ چیز ضروری نہیں کہ والد کے لئے ہو۔ (ت)

اور لادعوٰی کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلا شرط لادعوٰی ہے، درمختار ص ۴۰۷:

علقہ بامر کائن کان اعطیتہ شریکی ؏ فقد ابرأتك وقد اعطاہ صح[2]۔	برات کو معلق کیا کسی امر ماضی محقق پر جیسے طالب کا مدیون سے کہنا کہ اگر تو نے فلاں چیز میرے شریک کو دی تو میں نے تجھ کو بری الذمہ کیا حالانکہ مدیون وہ چیز اس کے شریک کو دے چکا تو یہ تعلیق صحیح ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۴۹:

لانہ علقہ بشرط کائن فتنجز۔[3]	کیونکہ اس نے پائی جانیوالی شرط پر معلق کیا ہے تو فورًا نافذ ہوگیا۔ (ت)

تو سید محمد افضل صاحب کا اقرار حصہ سید امیر حسن مرحوم کے بارے میں سید محمد احسن صاحب کے لادعوے

؏: شریکی کی جگہ اصل میں بیاض ہے۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ مکتبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

سے رد ہوگیا، اشباہ ص ۲۵۵ :

المقرلہ اذا ردالاقرار ثم عادالی التصدیق فلاشیئ لہ[1]۔	مقرلہ نے جب اقرار کو رد کردیا اور بعد میں اقرار کی تصدیق کردی تو بھی محروم رہے گا (ت)

ایضاً صفحہ ۲۵۳:

المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ[2] الخ۔	مقرلہ نے جب اقرار کرنے والے کو جھوٹا قرار دیا تو اقرار باطل ہوجائے گا الخ (ت)

تو یہ ثلث کہ ملک سید امیر حسن مرحوم تھا خاص ملک سید محمد افضل صاحب ہوا اور نصف اس ثلث اسمی سید افضال حسین صاحب کا ان کی ملک قرار پایا تھا مجموع ڈیڑھ ثلث یعنی اس رابع مبیع کا نصف مملوکہ سید محمد افضل صاحب ہوا مکان نمبر ۴ کی اگرچہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کا اپنے اظہار میں بیان کہ وہ میرا خرید کیا ہوا ہے صریح سہو ہے وہ مکان بیع نہیں رہن ہے مگر سید محمد احسن صاحب مذکور نے اپنے اظہار میں نیک نیتی سے تسلیم فرمالیا کہ اس مکان میں نصف ان کا حصہ ہے جو انہوں نے خواجہ محمد حسن صاحب کے قبضہ میں مع نصف مکان نمبر ۵ مستغرق کیا ہے انھوں نے اپنی تحریر عـــہ۱ میں صراحتاً اقرار کرلیا کہ یہ رہن کھنڈسار مشترک کی آمدنی سے لیا گیا اور تحریر کردیا کہ جب سید محمد افضل صاحب شریک کھنڈسار ہیں تو نصف ان کا اور نصف میرا ہے فقط، لاجرم یہ نصف بحق سید محمد افضل صاحب ہے، یہی حالت ہے اس کی نسبت اگرچہ بیان واظہار سید محمد احسن صاحب بہت مختلف واقع ہوئے مگر ہر شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلادلیل قابل قبول نہیں ہوسکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لیے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہوجاتا ہے سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں صاف فرمایا ہے کہ نصف مکان نمبر ۴ کے ساتھ مکان نمبر ۵ پھاٹک والا احمد حسین والا کہ اس کا بھی نصف میرا ہے اسی قرضہ خواجہ عـــہ۲ صاحب میں مستغرق ہے نیز سید محمد احسن صاحب کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے اپنے اظہار عـــہ۳ اور اپنے بیان عـــہ۴ دونوں میں صاف فرمایا ہے کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کہ

عـــہ۱: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی ہے۔ عـــہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔

عـــہ۳: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عـــہ۴: تحریر نمبر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

وہ تو سید امیر علی صاحب مرحوم کے بعد رہن لیا گیا باقی سب مکانات ان کے دادا سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے بیع ورہن لئے ہیں اور اپنی طرف سے جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس اس کا نام بیعنامہ اور رہن نامہ میں درج کرادیا، اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں فرمایا ہے کہ سید افضال حسین میرا مختار عام ہے اس مقدمہ دائرہ میں جو بیان سید محمد افضال حسین صاحب نے کئے مجھ کو قبول ومنظور ہیں اور سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر عـــہ۱ میں خود صاف لکھا کہ یہ بیع ورہن والد صاحب کے روپے سے تھے تو اپنے اگلے بیانوں کو صراحۃً رد فرمایا بالجملہ باقرار مدعاعلیہا ثابت ہوا، نیز اس کی تعمیر کی نسبت سید محمد احسن صاحب مجوز سے زبانی فرمادیا گیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کے روپے سے ہوئی اور یہ کہ اس وقت سوا اس کے ہماری کوئی آمدنی نہ تھی بعدہ اظہار میں اس عمارت کی نسبت بہت تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کچھ متفرق ہے مشترک کچھ خاص ان کے ثابت ہوتے ہیں اور تحریر فرمایا ہے پہلے جو میں نے مکان نمبر ۵ کی نسبت تعمیر عملہ کی مجوز صاحب سے عرض کیا تھا کہ کھنڈ سار جگت پور کی آمدنی سے کہ وہ میرا سہو تھا صحیح یہ عـــہ۲ ہے جو میں نے مفصل لکھا مگر کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی سہو ولغزش پھر نہیں سکتا، اشباہ ص ۲۵۴:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل [1]۔	جب کسی چیز کا اقرار کرکے پھر خطا کا دعوی کرے تو یہ دعوی قبول نہ ہوگا۔ (ت)

تو میں اس امر میں شک کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ تمام وکمال مکان نمبر ۵ بھی نصف ملک سید محمد افضل صاحب ہے اور اس پر ایک قرینہ واضحہ یہ بھی ہے کہ سید محمد احسن صاحب اپنے اظہار عـــہ۳ میں فرماتے ہیں کہ یہ مکان نمبر ۵ تمام وکمال میں نے اور سید محمد افضل نے بالمناصفہ دامودر داس کی دستاویز میں ہزار والی میں مستغرق کیا ہے۔

(۵) سید محمد احسن صاحب نے بکمال نیک نیتی اپنے بیان واظہار میں جابجا صاف تسلیم کرلیا کہ کھنڈ سار جگت پوران کی اور سید محمد افضل صاحب کی مشترک ہے خود ابتدائی بیان جس میں اس کھنڈ سار کو تنہا اپنی فرمایا ہے اسی کے آخر میں آمد وخرچ پیش کردہ سید افضال حسین کو صراحۃً لکھ دیا کہ میرا اور سید محمد افضل صاحب کا بشرکت ہے اس آمد میں آمدنی کھنڈ سار مذکور شامل ہے بلکہ حساب طلب بھی اس آمدنی کا ہوا تھا

عـــہ۱: تحریر نمبر ۲۲ شامل مسل ۱۲۔ عـــہ۲: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ عـــہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

جو فریقین کی مشترک ہے تواس میں آمدنی کھنڈ سار مذکور کا درج فرمانا ہے صراحۃً دلیل شرکت تھا نہ کہ جب بیان شرکت کی تصریح بھی کر دی نہ کہ جب تحریر میں صاف لکھ دیا کہ یہ کھنڈ سار میری اور سید محمد افضل صاحب کی شرکت میں ہے، لہٰذا مجموعہ آمدنی (☆☆☆/) سے نصف یعنی (☆☆☆) حق افضل صاحب ہیں۔

(٦) مدات خرچ میں اراضی محمد ولی جان فریقین کا مشترک ہونا اور اس کی قیمت کی (☆☆/) فریقین کے ذمے بالمناصفہ ہونا فریقین کو تسلیم ہے اور (☆☆) کہ قرضخواہ کو رقم خلاف شرع یعنی سود میں سید احسن صاحب کے ہاتھ سے گئی ان کے حلف کے بعد سید محمد افضل صاحب نے مشترک ہونا قبول کرلئے مرمت مکانات کی (☆☆) جن کی تفصیل فریقین سے کوئی نہ بتاسکا نہ ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ کہ کس قدر کس مکان کی مرمت میں صرف ہوا مکان نمبر ۴ کے سوا باقی چاروں مکانوں پر بحصہ مساوی قابل انقسام وہی مکان نمبر ا میں جب کہ سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق ثابت نہ ہوا اور سید محمد احسن صاحب اسے تنہا اپنی ملک بتاتے ہیں تو اس رقم کا ایک ربع (☆☆) پائی خاص سید محمد احسن صاحب پر اور باقی ربع کا نصف (☆☆☆) پائی ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوا عیدین و خیرات و نیاز وخوراک خانہ وغیرہ سب کی نسبت سید محمد احسن صاحب کو اپنے بیان تحریری [عہ۱] میں اقرار ہے کہ یہ بعد جانے سید محمد افضل صاحب کے خود سید محمد احسن صاحب نے صرف کئے البتہ کنبے داری کے خرچ شادی وغمی کو فریقین نے مشترک تسلیم کیا اس پر ہم مجوز نے سید محمد احسن صاحب سے اس رقم کی فہرست طلب کی مگر سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اس رقم کا حصہ ذمہ سید محمد افضل صاحب ڈالنے سے دستبرداری کی اور قبول فرمایا کہ یہ خفیف رقم بھی میرے ہی ذمے رکھی جائے کھنڈ سارا بھی پوڑنودیا کی نسبت خود محمد احسن صاحب اپنے تحریری [عہ۲] بیان میں اقرار فرماتے ہیں کہ وہ میں نے خود کی تھی محمد افضل کی کوئی شرکت نہیں تھی فقط نیز اپنے اظہار [عہ۳] میں اس کھنڈ سار بالی بور کمال پور سب کی نسبت تحریر فرماتے ہیں کہ سید محمد افضل صاحب کے پیلی بھیت جانے کے ایک دو سال بعد میں نے سید محمد افضل صاحب سے کوئی اجازت نہیں لی تھی تو یہاں سے ظاہر ہوا کہ ان میں سے کسی کھنڈ سار میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہ تھی نہ سید محمد افضل صاحب کو ان میں شرکت تسلیم ہے اور سید محمد احسن صاحب کا لکھنا کہ نہ سید محمد افضل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں ان کھنڈ ساروں میں شریک نہیں ہوں ان کو علم تھا کہ یہ کھنڈ ساریں کی گئی ہیں اور کسی کام کی بابت بھی کوئی خاص اجازت نہ لی جاتی تھی ہمیشہ ان کے شریک پیلی بھیت سے آیا کرتے اور یہ بھی آتے وہ سب خرچ اس کھنڈ ساری آمدنی سے ہوتا تھا فقط کچھ انہیں

عہ۱: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۳ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر ۱۹ شامل مسل ۱۲

مفید نہیں سید محمد افضل صاحب نے انہیں شرکت کی نفی نہ کی تو اقرار بھی نہ کیا اور علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں کھنڈساروں کی مخلوط آمدنی جن میں مشترک کھنڈسار جگت پور بھی تھی مہمانداری سے سید محمد افضل صاحب وغیرہ میں خرچ ہونا بھی ان کھنڈساروں میں دلیل شرکت نہیں جوان کے جانے کے سال دو سال بعد سید محمد احسن صاحب نے بطور خود بے اجازت لئے کیں، آخر خود سید محمد احسن صاحب صراحۃً لکھ چکے ہیں [عہ۱] کہ ابھی پوڑونودیا کی کھنڈساروں میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہیں اگرچہ دلائل موجب شرکت ہوتے تو ان میں بھی شرکت ثابت ہوئی جس سے خود مدعا علیہ کو انکار ہے توثابت ہوا کہ ان سب کھنڈساروں میں نقصانات سید محمد افضل صاحب پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں پس مدات خرچ میں صرف تین مدیں ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوئیں، نصف قیمت اراضی ولی محمد خان ونصف رقم ناجائز سود کہ قرض خواہ کو گئی و بابت مرمت مکان کل (☆☆ ۱۳/ ۲-۸/۵ کل صمالہ معہ ۲-۸/۵) پائی کہ نصف آمدنی ان کی یافتنی (☆☆☆۱۰/ ۲) پائی سے منہا ہو کر (☆☆۳/۳-۸) پائی رہے لیکن سید محمود حسن صاحب نے دعوٰی کیا کہ مبلغ (☆/) معرفت شیخ تصدق حسین اور (☆☆) معرفت سید فرصت علی اور تخمیناً دس پندرہ روپے متفرق سید محمد افضل صاحب کے پاس پہنچے جو اسی گوشوارہ خرچ میں مندرج ہیں پہلی دو رقموں کا سید محمد افضل صاحب نے اقرار کیا تو یہ (☆☆) اور مجرا ہو کر (☆☆☆) پائی سید محمد افضل کی یافتنی ذمہ سید محمد احسن صاحب پر رہے یہ حساب ظاہراً سید افضال حسین صاحب مختار عام سید محمد احسن صاحب بہت جلدی میں تحریر فرمایا ہے رقم خرچ رقم آمدنی کے برابر (☆☆☆) قائم کی اور تتمہ ندارد لکھ دیا اور مدات خرچ کی جو تفصیل فرمائی ان کا جوڑ صرف (☆☆) آتا ہے اسی روپے کا فرق ہے اور ایسی ہی سو روپے کی غلطی رقم بقایا میں ہے جس کا خود اقرار تحریر فرمایا مگر ازانجا کہ ذمہ مدعی ان تین مدوں کے سوا باقی سے بری ہے اس تحقیقات کی کچھ حاجت نہیں کہ یہ اسی (☆/) کی غلطی کہاں گئی۔

(۷) اثاث البیت کے دعوٰی سے فریقین نے دست [عہ۲] برداری لکھ دی۔

(۸) مکان نمبر ا میں تو کوئی سید محمد افضل صاحب کا ثابت نہ ہوا اور مکان نمبر ۴ فریقین کے پاس رہن ہے نمبر ۳ کے بھی تین ربع فریقین کے پاس رہن ہیں رہن مملوک مرتہن نہیں ہوتا اس مکان کا ربع اگرچہ مملوک ہے مگر بوجہ اختلاط رہن وہ یکجائی نہ ہوسکے گا تو صرف دو مکان قابل تقسیم یکجائی ہے مکان نمبر ۲ جس کا نصفاً نصف ہونا ابتداء سے مسلم [عہ۳] فریقین تھا اور مکان نمبر ۵ کے اب نصفا نصف ثابت ہوا ان دونوں مکانوں کا مفصل تخمینہ

عہ۱: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۵ و نمبر ۱۶ شامل مسل ۱۲۔ عہ۳: تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲۔

معتبر راجوں نے بمواجہ سید محمد احسن صاحب کیا مکان نمبر ۲ کی قیمت [عہ۱] (☆۱۹۰ /) قرار پائی اور مکان نمبر ۵ کی [عہ۲] (☆☆۴۴۹) یہاں اتفاقاً قرعہ برداری درکار تھی مگر سید محمد احسن صاحب نے کہا کہ مکان نمبر ۵ میرے والد کو بہت پسند تھا وہ اس میں سوتے تھے یہ مجھے مل جائے اور زیادت کا معاوضہ مجھ سے دلایا جائے سید محمد افضل صاحب پہلے فرما چکے تھے کہ جو مکان وہ پسند کرلیں لے لیں اور کمی بیشی کا معاوضہ ہوجائے بعد اس پسند کے بھی سید محمد افضل صاحب نے اسے منظور رکھا لہٰذا مکان نمبر ۲ خالص سید محمد افضل صاحب اور مکان نمبر ۵ خالص سید محمد احسن صاحب کا قرار پایا اور بابت کمی حصہ سید محمد افضل صاحب میں آئی (☆☆۸/) سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل صاحب کی واجب الادا ہوئی کہ رقم سابق سے مل کر مجموع (☆☆۸/۳/۲) پائی ہوئی۔

(۹) (صمار/) قرض دامودرداس کو سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں بکمال نیک نیتی صاف تسلیم فرمالیا کہ یہ قرضہ ان پر اور سید محمد افضل صاحب مشترکا ہے، باقی قرضہ کی نسبت تحقیقات درپیش تھی کہ ۶ / مئی ۱۹۰۳ء کو جناب سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے ایک درخواست بدیں مضمون پیش کی کہ مبلغ (☆☆۹/ ۵) پائی جو سید محمد افضل صاحب کی بھی ہیں ان کے قلم کی تحریر کی ہوئی ان کے تحویل میں باقی ہیں مجھ کو مجرا دلائی جائیں عریضہ شامل مسل فرمایا جائے، یہ دعوی جدید کئی مہینے بعد جناب سید محمد احسن صاحب کو یاد بیان تحریری مورخہ ۱۶/ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۶مارچ ۱۹۰۳ء میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا و لہٰذا اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم نہ ہوئی تھی نہ ایسے جدید دعوی کا کسی فریق کو اختیار تھا مگر جناب سید محمد احسن صاحب کے اصرار پر درخواست شامل مسل کی گئی اور سید محمد افضل صاحب سے جواب طلب ہوا انہوں نے اس رقم کے اپنے پاس رہنے سے صاف انکار کیا سید محمد احسن صاحب نے شہادتیں پیش کیں جن میں اس رقم کی نسبت سید محمد افضل صاحب کے پاس رہنا کسی شاہد نے اصلاً بیان نہ کیا بلکہ سید محمد حسین صاحب برادر عمہ زاد فریقین نے اتنا کہا یہ میں نے نہ سنا کہ محمد افضل اپنے ساتھ کچھ نہ لے گئے نہ میں نے سنا کہ کچھ روپیہ تحویل میں ہے یا محمد افضل لے گئے ہیں بلکہ یہ سنا کہ پیلی بھیت میں محمد افضل نے کچھ زیور گرو رکھا کچھ روپیہ مقبول حسین خاں نے دیا، مرزا ہدایت بیگ نے بیان کیا میں نے کبھی نہ سنا کہ کچھ روپیہ محمد افضل پیلی بھیت لے گئے نہ محمد احسن نے بیان کیا نہ کسی نے، یہ تو نا اتفاقی

عہ۱: تحریر نمبر ۱۲ شامل مسل ۱۲۔ عہ۲: تحریر نمبر ۱۱ شامل مسل ۱۲

بیان کیا، باقی گواہوں کے بیان میں اصلاً کچھ تذکرہ نہیں، سید محمد احسن صاحب نے یہ شہادتیں اس غرض سے پیش کیں کہ تمام آمدنی کی تحویل سید محمد افضل صاحب کے پاس ہونا ثابت کریں یہ شہادتیں اس امر کے اثبات میں بھی ناتمام ہیں سید مہدی حسن صاحب و سید ممتاز علی صاحب و مرزا ہدایت بیگ صرف شیرے کی آمدنی سید محمد افضل صاحب کے پاس آنا بیان کرتے ہیں، سید محمد احسن صاحب صاف کہتے ہیں کہ یہ میرے علم میں کچھ نہیں کہ تحویل ان دونوں بھائیوں میں کس کے پاس ہوتی تھی سید محمد افضل صاحب کے بھی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے دادنی و یافتنی کی رقمیں جدا جدا لکھتے آئے ہیں اور یافتنی کی مجموع رقوم کو تتمہ قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد مجرائی دادنی و تتمہ جو تحویل میں باقی نہیں قرار پاسکتا بارہ سو سے قدرے زائد ایک رقم اختر حسین خاں کے دادنی اور بارہ سوان سے یافتنی دونوں مدوں میں تھی یہ یافتنی ملا کر رقم تتمہ (☆☆) لکھی گئی تھی اس کے بعد کے حساب میں وہ رقم دادنی و یافتنی دونوں میں سے چھوڑ دی ہے اور یوں (☆☆) دادنی اور (☆☆۰۹/) یافتنی لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب. برابر ہے تتمہ کچھ نہیں ایسی رقم و تحویل میں باقی ٹھہرانا سخت عجیبہ ہے ولہٰذا آج تک سید محمد احسن صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہ فرمایا نہ وہ ان کے خیال میں تھا بلکہ بیان تحریر میں صراحۃً اس کے خلاف تحریر تھا کہ سید محمد افضل صاحب کو شاید بیس پچیس روپے گئے ہوں گے اگر یہ پندرہ سولہ سو کی رقم بھی پیلی بھیت جانے کے وقت ان کے پاس ہی ہوتی تو اتنی بڑی رقم کثیر چھوڑ کر صرف بیس پچیس روپے کے ذکر پر کیوں قناعت فرمائی جاتی اور وہ بھی لفظ شاید کے ساتھ، پھر اس درخواست کے دو روز بعد یعنی ۸/ مئی کو جو تفصیل قرضہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے پیش کی اس میں تو اس نزاع کو یک سر طے فرمادیا اور یہی ان کی نیک نیتی سے متوقع تھا اس کے آخر میں صراحۃً تحریر فرمایا کہ اس کے سوا کوئی مطالبہ سید محمد احسن صاحب وغیرہ کا ذمہ سید محمد افضل صاحب نہیں ہے سوائے (☆☆☆) کے کہ معرفت شیخ تصدق حسین صاحب و سید فرحت علی صاحب کے سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں، الحمدللہ کہ حق واضح فرمادیا، اس دعوی کے جواب میں ۱۱ مئی کو سید محمد افضل صاحب نے بھی ایک جدید دعوی (☆☆☆) کا پیش کیا محاسبات میں سید افضال حسین صاحب مختار عام نے یہ رقم نقد آمدنی کھنڈ سار کی بتائی تھی کہ آسامیوں سے علاوہ اسکے آئی تھی مگر شرائط پیش کردہ میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا، سید افضال حسین صاحب نے بعد استفسار بیان کیا کہ یہ رقم ادھر سے آئی ادھر گئی یعنی یافتنی میں آئی دادنی میں گئی لہٰذا قائم نہ کی گئی اس پر سید محمد افضل صاحب نے استفسار کیا کہ کس دادنی میں گئی انہوں نے خالص اپنے قرضے میں دی یا مشترک میں اس کا جواب ۱۲ / مئی کو سید محمد احسن صاحب نے لکھا کہ یہ رقم تحویل میں نہیں رہی بلکہ قرضے میں الٹ پھیر میں گئی صرف میرے ذمے پر تنہا قرضہ کوئی نہ تھا بلکہ مشترک قرضہ متعلق کھنڈ سار کے تھا اس میں گئی، شرعاً شریک کا حلفی بیان ایسے امور میں مقبول ہے اگرچہ اصلاً تفصیل نہ بتائے۔

درمختار صفحہ ۳۳۴:

سئل قاری الهدایة عمن طلب محاسبة شریکه فاجاب لانلزمه بالتفصیل ومثله المضارب والوصی والمتولی، نهر[1]۔	قاری الہدایہ سے سوال ہوا کہ کوئی شخص اپنے شریک سے حساب کا مطالبہ کرے تو جواب دیا کہ ہم تفصیلی حساب لازم نہیں کریں گے۔ اسی طرح مضارب، وصی اور متولی کا معاملہ ہے، نہر۔(ت)

توان سولہ سو کی طرح یہ دوہزار بھی ناقابل سماعت ہیں، اس جملہ معترضہ کے بعد اصل تنقیح بقیہ قرضہ کی طرف عطف عنان کریں (☆☆☆) کہ قرضے کے دکھائے گئے اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں فرمایا کہ وہی قرضہ اب تک چلاآتا ہے اس میں سے (☆صما) قرضہ دستاویز واقعہ دامودرداس تو یقینا اب تک چلاآتا ہے باقی رقوم کی تفصیل جو سید محمد احسن صاحب نے بابت ۱۳۰۶ھ فصلی جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے تھے اور اب بابت شرع ۱۳۱۰ھ فصلی اپنی بہی سے لکھائی اور وہ شامل مسل ہے، اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ اس قرضے میں ایک حبہ قرضہ سید فرحت علی صاحب کے کچھ باقی نہیں ۱۳۱۰ھ میں سب رقوم جدید ہیں سید فرحت علی صاحب کے ۱۳۰۶ھ میں (☆☆☆) لکھے تھے اور بابت ۱۳۱۰ھ میں (صمالہ) تحریر ہیں سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر میں ذکر فرمایا ہے کہ اب یہ (لہ ☆) بھی ادا ہوگئے ان کے فقط (صما) باقی ہیں تو دامودرداس کے (☆☆) اور سید فرحت علی صاحب کے (صما) جملہ (☆☆) نکال کر (☆☆☆۰۹/) سید محمد احسن صاحب نے ادا کئے اور یہ قرضہ مشترک تھا تو سید محمد احسن صاحب کا حاصل دعوی یہ ہوا کہ اس کا نصف یعنی (☆☆☆۰۴/) کہ سید محمد احسن صاحب نے از جانب سید محمد افضل صاحب ادا کئے ہیں سید محمد افضل صاحب سے ان کو دلائے جائیں قرضہ اگر بابت کھنڈسار مشترک ہوتا تو یہ امر دیکھنا کہ قرضہ مذکور سید محمد احسن صاحب نے کس مال سے ادا کیا اگر آمدنی مشترک کھنڈسار سے ادا ہوا تو کوئی وجہ مطالبہ نہیں کہ مشترک مال سے ادا ہوا اور اب سید محمد احسن صاحب کا وہ بیان مورخہ ۱۲/ مئی وارد ہوتا کہ (☆☆☆۰۱۳/) نقد آمدنی کھنڈسار اور ہوئے تھے جو قرضہ مشترکہ کے ادا میں گئے مگر سید محمد احسن صاحب اپنے بیان تحریری میں صاف لکھ چکے ہیں کہ یہ قرضہ سابق میں جبکہ خرچ ان کے یعنی سید محمد افضل صاحب کے تعلق تھا ہوا تھا بابت خرچ خانگی کے جو ان کے بہی سے ثابت ہے اور اخیر تحریر مورخہ ۸/جون ۱۹۰۳ء میں لکھا قرضہ (☆☆☆) میں (☆☆) قرضہ دامودرداس کے ہیں اور (☆☆۰۹/) جو دیگر صاحبان کا متفرق چاہئے یہ بات خرچ خانگی ہے کھنڈسار جگت پور میں کبھی نقصان نہ ہوا نہ اس کو اس سے کچھ

[1] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

تعلق ہے ان دونوں بیانوں سے صاف روشن ہوا کہ اس قرضہ کو عقد شرکت کے مال یعنی کھنڈسار سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ خانگی ہیں جو قرضہ دونوں صاحبوں پر تھا وہ سید محمد احسن صاحب نے ادا کیا ہے اب اگر اس کی ادا مال مشترک سے ہوئی (جیسا کہ اس بیان اخیر سے پتا چلتا ہے کہ کھنڈسار کسی وقت محتاج قرضہ نہ ہوئی تھی اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس (☆☆☆) کا قرضہ کھنڈسار کے ادا میں صرف ہونا غالبًا سہو بیان تھا) جب تو ظاہر ہے کہ سید محمد احسن صاحب کو اس قرضہ کی بابت کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا اور اگر فرض ہی کر لیا جائے کہ یہ قرض سید محمد احسن صاحب نے خاص اپنے مال سے خواہ کسی سے قرض لے کر ادا کیا تو یہ ایک قرض ہے کہ ایک بھائی پر آتا تھا دوسرے نے بطور خود ادا کر دیا بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور نیک سلوک پر ثواب کی امید ہے مگر معاوضہ ملنے کا استحقاق نہیں کہ کوئی شخص نیک سلوک واحسان کرکے عوض جبرًا نہیں مانگ سکتا ولہذا کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص دوسرے کا قرضہ بے اس کے امر کے ادا کر دے وہ اس سے واپس نہ پائے گا۔ عقود الدریہ جلد ۲ ص ۲۰۷:

المتبرع لایرجع بما تبرع به علی غیرہ کما لوقضی دین غیرہ بغیرہ امرہ[1]۔	غیر پر نیکی کرنے والا نیکی میں دی ہوئی چیز واپس نہ پائیگا جیسے غیر کی طرف سے اس کے امر کے بغیر قرض ادا کردے۔ (ت)

اسی طرح جامع الفصولین وغیرہ میں ہے، تو ثابت ہوا کہ سید محمد احسن صاحب کو کوئی مطالبہ بابت قرضہ سید محمد افضل پر نہیں پہنچتا دستاویز ورقعہ کا مطالبہ ہے تو دامودرداس کا ہے کا اور ان (صما/) کا نصب ہے تو سید فرحت علی صاحب کا ہے اس میں سید محمد افضل صاحب کو عذر بھی ہے کہ سید فرحت علی صاحب کے پانسو باقی ہیں کہ مجموع اڑھائی سو ہوں گے مگر اس کی تحقیقات کی یہاں ضرورت نہیں یہ دعوٰی سید محمد احسن صاحب کا نہیں اس میں مدعی ہوں تو سید فرحت علی صاحب ہونگے جن کو اس مقدمہ سے تعلق نہیں۔

(۱۰) سید محمد احسن صاحب نے بقایا ذمہ آسامیان (☆☆) لکھی ہے جو پہلے براہ سہو (☆☆) لکھی گئی اور بعد کو اس کی تصحیح فرمادی ہے اس رقم میں بقایا بابت مکان عبدالکریم خاں والا اور بقایا رس جگت پور ذمہ آسامیاں اور بقایا توفیر ذمہ آسامیاں دیہ شامل ہے اور اس کی اور تفصیل وہی ہے کہ اس میں اس قدر وصولی یعنی متوقع الوصول اور اس قدر غیر وصولی ہے جس کے وصول کی امید

[1] العقود الدریہ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۴۸

نہیں اور اپنے رقعہ مورخہ ۲۲/ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ میں اقرار فرمایا کہ بقایا رس سے تخمیناً (☆☆) کا رس اور وصول ہو گیا اور اس تخمینہ کو ان کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے بعد بہت محاسبات کے یوں ظاہر فرمایا کہ (☆☆) کا رس حقیقتاً وصول ہوا ہے تو اس قدر تو بقایا میں نہ رہا اور اسکا نصف (صما☆☆) ذمہ سید محمد احسن صاحب یا فتنی سید محمد افضل صاحب اور واجب الادا ہو کر اس وقت تک مجموع رقم ان کے ذمے (☆☆☆۷/ ۳-۳/ ۸) پائی ہوئی بقایا رقم (☆☆☆) کی نسبت اگرچہ محمد احسن صاحب کی یہ خواہش ہو کہ کمی وصولی کا کچھ کم کرکے باقی کی تنصیف کر دی جائے خواہ دستاویز میں بانٹ دی جائیں خواہ ایک سے دوسرے کو ان کا معاوضہ دلا کر جملہ بقایا ایک فریق کی کر دی جائے کہ اب کھنڈسار میں شرکت رکھنا منظور نہیں اور سید محمد افضل صاحب بھی قطعی شرکت پر راضی نہیں مگر تحصیل بقایا سے اپنے آپ کو معذور محض بتاتے ہیں کہ میں اسامیوں کو جانتا بھی نہیں ہمیشہ کام سید محمد احسن صاحب نے کیا اور اسامیان انہیں کے قبضے میں ہیں مجھے کچھ وصول نہ ہوسکے گا مگر شرعاً دودائن مدیون کو تقسیم نہیں کر سکتے نہ غیر مدیون سے دین وتبادلہ ممکن، لہٰذا اس بقایا کو خواہ وصولی ہو یا غیر وصولی بدستور اس کے حال پر چھوڑنا لازم اور جس فریق کو جس قدر ان میں سے وصول ہوتا جائے اس کا نصف دوسرے کو ادا کرنا واجب، البتہ اگر کسی مد میں بقایا اس قدر سے کم ثابت ہو جو سید محمد احسن صاحب نے بتائی ہے تو ظاہر ہوگا کہ اس قدر اوران کو وصولی ہو گیا تھا لہٰذا اس کمی کا نصف بحق سید محمد افضل صاحب ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا سید محمد احسن صاحب نے بقایا بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (☆☆۰۲/) لکھائی ہے کہ (☆☆) بعد کو وصول ہو کر (سما☆☆) رہے بعد کو یہ عذر کہ اس میں سہو ہوا ان میں (لہ☆☆) بابت خرید جائداد نیلام ہیں باقی اس جگت پور کے ہیں قابل رقم نہیں کہ وہ کاغذ حلفی تھا اور یہ رقم خرید نیلام ایک غیر وصولی رقم ہے جسے سید محمد احسن صاحب غیر وصولی نقصان میں ڈال چکے ہیں اور کوئی اقرار کنندہ آئندہ اپنے اقرار میں اپنی مفید غلطی و سہو بتانے کا مجاز نہیں خصوصاً اس حالت میں کہ یہ غلطی انھوں نے تقریباً دو مہینے بعد ظاہر کی حلفی کاغذ ۱۶/ذی الحجہ کو پیش کیا تھا اور یہ غلطی ۸/صفر کو بتائی ہے مع ہذا خواہ ان کی بہی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رقم اس میں بھی سہو ہوتی رہی بعد کو بڑھائی گئی ہے جو اوپر لکھے ہوئے جوڑ سے بڑھتی ہے اور اس کی تحریر بھی صاف جدا قلم وسیاہی سے نظر آتی ہے ۱۳۰۸ف اور ۱۳۰۹ف کا جمع خرچ بھی سید محمد احسن صاحب کے ملاحظہ سے یہ امر ظاہر ہے لہٰذا کسی طرح یہ استثناء قابل قبول نہیں اسی قطع شرکت کی غرض سے فریقین نے یہ بھی چاہا کہ کھنڈسار جگت پور کے کڑھاؤ (جس میں سید محمد افضل صاحب نے نو بیان کیا تھا اور سید محمد احسن صاحب نے سات تسلیم کئے) قیمت لگا کر ایک فریق کو دلا دئے جائیں سید محمد احسن صاحب نے ان کی مجموعی قیمت

(☆☆☆) تجویز کی اور لکھا کہ سید محمد افضل صاحب اس قدر قیمت میں خود لے لیں یا ہم کو دے دیں۔ سید محمد افضل صاحب نے خود لینا پسند کیا پس حصہ سید محمد احسن صاحب کے (☆☆) ان کی یافتنی مذکور سے کم ہو کر (☆☆☆۲ / ۳-۳/ ۸) پائی ان کے لئے محمد احسن صاحب پر رہے اور کڑھاؤ ساتوں سید محمد افضل صاحب کے ہوئے لہٰذا حسب ذیل حکم ہوا:

(۱) جملہ مکانات متنازعہ میں سید افضال حسین صاحب کا دعوی نہیں۔

(۲) مکان مسکونہ نمبر ۱ میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہیں۔

(۳) مکان نمبر ۳ کے تین ربع مبیع سے نصف ملک سید محمد افضل صاحب اور ایک ربع مرہون سے نصف ان کا مرہون ہے۔

(۴) مکان نمبر ۴ عبدالکریم خاں والا بالمناصفہ سید محمد افضل و محمد احسن صاحبان کے مرتہنی میں ہے۔

(۵) مکان نمبر ۱۵ احمد حسین خاں والا خالص ملک سید محمد احسن صاحب قرار پایا اس میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۶) مکان نمبر ۲ محمد بخش والا خالص ملک سید محمد افضل صاحب قرار پایا اس میں سید محمد احسن صاحب کا کوئی حق نہ رہا۔

(۷) اثاث میں کسی فریق کا دوسرے پر دعوی نہ رہا۔

(۸) بقایا بدیں تفصیل بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور (سما☆☆)، بابت توفیر ذمہ اسامیان دیہہ لغایت (۹۰ف ☆☆،) بقایا بابت مان پور وپر سا کھیڑا (☆☆۰۱۲/) مطالبہ مرتہنان بابت مکان مرہون عبدالکریم خان والا (☆☆) مجموع (☆☆) آخر ۱۳۰۹ف تک سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب کے بالمناصفہ ہیں ان میں جو کچھ جس فریق کو وصول ہوا اس کا نصف دوسرے کو ادا کرے اگر کسی مد میں اس مقدار سے کمی ظاہر ہو تو سید محمد احسن صاحب پر لازم ہوگا کہ اس کمی کا نصف سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں۔

(۹) کھنڈسار جگت پور میں شروع ۱۰ سے سید محمد افضل صاحب کی شرکت رہی اس کے ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے قرار پائے سید محمد احسن صاحب وہ ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے مکان پر پہنچوادیں، سید محمد افضل صاحب کرایہ و باربرداری ادا کرینگے۔

(۱۰) قرضہ دامودر داس بابت دستاویز (☆☆واقعہ صما/) دونوں فریق سید محمد افضل و سید محمد احسن صاحبان پر نصف نصف ہے اس کی وجہ سے جو کچھ بار یا مطالبہ آئے گا دونوں فریق پر بحصہ مساوی

ہوگا شروع ۱۳۰۶ھ ف تک جبکہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے ہیں جو رقم سید فرحت علی صاحب کی یافتنی ذمہ فریقین تھی اس میں سے بعد ادا آخر ۱۳۰۹ھ ف تک جو کچھ باقی رہا جو حسب بیان سید محمد احسن صاحب مجموع (صماء) روپے اور حسب بیان سید محمد افضل صاحب مجموعی دو سو (مال) یا ڈھائی سو (مال ☆) یہ قرضہ بھی پانسو کی مقدار تک جتنا ثابت ہو سید محمد افضل وسید محمد احسن صاحبان پر نصفا نصف ہے ان تینوں مدات مذکورہ کے سو باقی قرضے سے فریقین بری ہیں۔

(۱۱) آخر ۱۳۰۹ھ ف تک بابت جملہ حساب کتاب فریقین میں ایک کے دوسرے پر یافتنی محسوب ومجرا ہوکر ایک ہزار سات سو اٹھانوے روپے دو آنے تین پائی اور ایک پائی کے آٹھ حصوں سے تین حصے سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل کے یافتنی نکلے یہ سید محمد احسن صاحب رقم مذکور ان سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں ۱۳۱۰ھ فصلی کا حساب بابت توفیر دیہہ علیحدہ ہے فقط ۹/ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶/جون ۱۹۰۳ء

مسئلہ ۶۷: از پیلی بھیت محلّہ بھورے خاں مرسلہ امیر حسن خان صاحب ۲۲/ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اسلام و شرع متین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ محمد میر خان نے منجملہ ۱۰بسوہ ۱۳بسوانسی ۶کچوانسی ۱۳انوانسی ۷تنوانسی کے ۵بسوہ حقیت زمینداری موضع منڈریا پرگنہ پیلی بھیت وایک منزل مکان مسکونہ واقع پیلی بھیت قیمتی (معمہ ۲۰۰۰ /) اپنی زوجہ مسماۃ اشرف بیگم کو بالعوض دین مہر تعدادی (☆۵۰۰۰") روپے کے دے کر داخل خارج کراکر قبضہ مستقل دے دیا اس کے بعد محمد میر خاں ساڑھے چار برس زندہ رہے بعد انتقال محمد میر خاں کے جو ۵بسوہ ۱۳بسوانسی ۶کچوانسی ۱۳انسوانسی ۷تنوانسی ودیگر جائداد معافیات وغیرہا بنام محمد میر خان کے تھی اس میں سے حق چہارم مسماۃ اشرف بیگم کو ملا اور بقیہ ورثائے محمد میر خان پر تقسیم ہوگئی مسماۃ اشرف بیگم کل جائداد مذکورہ بالا پر ساڑھے انیس برس مالکانہ قابض ودخیل رہی بعد اس کے جائداد مذکور کو مسماۃ مذکور نے مختلف ایام میں اپنی حیات میں بدست امیر حسن خان بالعوض مبلغ (معہ ۲۰۰۰) روپے کے فروخت کرکے داخل خارج وغیرہ اپنی موجودگی میں بنام امیر حسن خان کرادیا وقت بیع سے اس وقت تک امیر حسن خان مشتری برابر قابض ودخیل ہے تحریر بیعنامہ سے ایک سال تک مسماۃ زندہ رہی اب انتقال مسماۃ کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا جس وقت مسماۃ نے جائداد بیع کی تھی اس وقت وارثان محمد میر خان عاقل وبالغ تھے اور اسی محلّہ کے ساکن بلکہ قریب مکان مبیعہ کے سکونت رکھتے تھے اور رکھتے ہیں اور جس وقت داخل خارج بنام امیر حسن خان مسماۃ نے کرایا تو اس کے اشتہار وغیرہ موضع میں آویزاں کیے گئے اور اسی موضع میں وارثان محمد میر خاں

کی حقیت علیحدہ تھی اور اب ہے کوئی عذر کسی قسم کا نہیں کیا بعد اس کے امیر حسن خان نے ۵ بسوانسی منجملہ ۵ بسوہ خرید کردہ اپنے کے ایک مسجد کے نام وقف کردیں، کسی نے کوئی عذر نہیں کیا ان سب کارروائیوں سے وارثان محمد میر خاں بخوبی آگاہ اور واقف تھے اب وارثان محمد میر خاں نے دعوٰی کیا ہے کہ یہ جائداد بالعوض دین مہر کے دی گئی مگر حین حیات یعنی مسماۃ اپنی حیات تک اس کی مالک تھی اور بعد وفات مسماۃ کے جائداد مذکور بالا وارثان محمد میر خاں کو پہنچی، آیا اس حالت میں یہ جائداد ورثائے شوہر مسماۃ کو شرعاً واپس ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد ہر گز ورثائے شوہر کو واپس نہیں ہوسکتی، نہ ان کا دعوٰی اصلاً سنا جائے گا کہ وہ صریح حیلہ وفریب ہے اور بعوض دین مہر جو کچھ جائداد دی جائے وہ بیع ہے اور بیع کا مشتری کے حین حیات تک ہونا کیا معنی، یہ محض مہمل و بیہودہ عذر ہے، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لاتسمع دعواه ویجعل سکوته رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرار بانه ملك البائع، وقال فی جامع الفتاوٰی وذکر فی منیة الفقهاء رأی غیره یبیع عروضا فقبضها المشتری وهو ساکت وترك منازعته فهو اقرار منه بانه ملك البائع انتهی [1]۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	صاحب منظومہ نے فرمایا ہمارے اساتذہ کا اتفاق ہے کہ اس کا دعوٰی مسموع نہ ہوگا اور اس کے سکوت کو بیع پر رضامندی قرار دیا جائے گا تاکہ جعل سازی اور لالچ، دھوکہ دہی اور حیلے ختم کئے جاسکیں اور اس کی موجودگی اور منازعت نہ کرنا اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ یہ بائع کی ملکیت تھا، اور جامع الفتاوٰی میں فرمایا اور منیۃ الفقہاء میں مذکور ہے کہ ایک شخص دوسرے کو سامان فروخت کرتے ہوئے دیکھ رہا ہو تو مشتری کے قبضہ کرنے پر وہ خاموش رہا اور منازعت نہ کی تو وہ اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بائع کی ملکیت ہے اھ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۸: ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو میں باہم نزاع تھی دونوں نے برضائے خود پنچایت کی پنچوں نے فیصلہ کردیا مگر انگریزی طور پر اس کا نفاذ نہ ہوا فریقین پھر متنازعہ کرتے رہے دوبارہ پھر پنچایت برضائے فریقین ہوئی نفاذ اس کا بھی قانونی طور پر نہ ہوا تھا لہٰذا فریقین کو گنجائش انحراف رہی یہاں تک کہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۸۔۸۷

نوبت کچہری میں نالش کی پہنچی اب پھر سہ بار پنچایت قرار پائی اس صورت میں ان پنچوں کو اگلے فیصلوں کی نسبت کیا کرنا چاہئے انہیں بحال رکھیں یا وہ منسوخ ہوگئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

کسی کو پنچ کرکے جب تک وہ فیصلہ نہ کرے ہر فریق کو اس کی پنچایت سے عدول کا اختیار ہوتا ہے مگر جب اس نے حکم کردیا اب وہ فریقین کو لازم ہوگیا اس سے پھرنے کا دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوتا قانونی نفاذ ہونا کچھ ضرور نہیں تو صرف بربنائے انحراف فریقین وہ فیصلے منسوخ نہیں ہوسکتے ان پنچوں کو چاہئے ان فیصلوں کو دیکھیں ان میں جو فیصلہ مطابق شریعت موافق مذہب حنفی ہو، پنچوں پر لازم ہے کہ اسے نافذ کریں بحال رکھیں کہ موافق شرع کا خلاف مخالف شرع ہوگا اور مخالف شرع فیصلہ دینے کا کسی کو اختیار نہیں، اور اگر دونوں فیصلے خلاف مذہب تھے تو پنچوں پر لازم ہے کہ انہیں کرکے موافق شرع فیصلہ کریں،

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ینفرد احدھما بنقض التحکیم بعد وقوعه (قبل الحکم) فان حکم لزمھما ولا یبطل حکمه بعزلھما لصدورہ عن ولایة شرعیة [1] اھ ملتقطا وفی ردالمحتار عن بحرالرائق لو رفع حکمه الی حکم اخرحکماہ بعد فالثانی کالقاضی یمضیه ان وافق رأیه والا ابطله [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ثالث کے فیصلہ سے قبل فریقین میں سے ہر ایک کو ثالثی ختم کرنے کا اختیار ہے اور ثالث نے فیصلہ سنادیا تو دونوں فریقوں پر لازم ہوجائیگا اور اب وہ حکم فریقین کے کالعدم کرنے سے باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ فیصلہ شرعی ولایت کی بنیاد پر صادر ہوا ہے اھ ملتقطا، اور ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ اگر فریقین ثالثی فیصلہ کو بعد میں اپنے بنائے ہوئے کسی دوسرے ثالث کے پاس پیش کریں تو وہ اس فیصلہ کو نافذ کرنے میں قاضی کی طرح ہوگا اگر اس کی رائے کے موافق ہو تو نافذ کردے ورنہ باطل کردے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲، ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۔۳۴۹

مسئلہ ۶۹: از جالندھر محلّہ راستہ دروازہ پھگواڑہ مرسلہ محمد احمد صاحب ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی آبادی سے سالہا پہلے عمرو کے گھر کا تمام برساتی پانی اور روزمرہ کا پانی چلاآیا ہے جب زید نے اس حویلی کو خریدااور از سرنو بنائی تو زید نے اپنے گھر میں سے عمرو کے پانی گزرنے کا حق ثابت کرکے اپنی دیوار میں ایک بدرو رکھ کر اپنے گھر کے صحن میں ایک پختہ نالی بناکر اس میں اپنا تمام پانی اور عمرو کے گھر کا تمام پانی ڈال کر باہر کو نکال دی جس کو عرصہ ۳۴ سال کا ہوچکاہے کہ عمرو کے گھر کا ہر ایک قسم کا پانی مثل دستور سابقہ زید کے گھر سے گزر کر شارع عام میں جاگرتا ہے، زید کی وفات کے بارہ سال بعد ماشکیوں کے بے وقت پانی دینے کی وجہ سے عمرو نے اپنے گھر میں ایک کنواں لگوالیاہے اب زید متوفی کی زوجہ سوائے برساتی پانی کے روزمرہ کے پانی کو بند کرتی ہے اور عمرو کی طرف سے پانی نکلنے کو کوئی راستہ نہیں بجز زید کی طرف سے،اور یہ بھی واضح ہو کہ زید نے حسن سلوک کی وجہ سے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری نہیں کیا بلکہ استحقاق پچھلا ثابت کرکے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری رکھا ہے،اب علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ حسب شریعت صورت مندرجہ بالا میں عمرو کو اپنے گھر کا پانی گزارنا زید متوفی کے گھر سے بلارضامندی زوجہ زید متوفی کے جائز ہے یانہیں؟ اور زید متوفی کی زوجہ بوجوہات بالا عمرو کے پانی کو شریعۃً بند کرسکتی ہے یانہیں؟ **بینوا بالصواب جزاکم اللہ تعالٰی یوم الحساب۔**

الجواب:

اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ عمرو کا ہر قسم کا پانی بارانی وغیر بارانی بالاستحقاق مکان زید سے گزر کر جاتا ہے توزوجہ زید کو عمرو کے کسی پانی کو روکنے کا ہرگز اختیار نہیں لان الحق لایرد والمسیل لایسد (کیونکہ حق رد نہیں ہوسکتا اور پانی کے بہاؤ کو روکا نہیں جاسکتا۔ت) یہاں زوجہ زید کو بھی عمرو کے مطلق استحقاق سے انکار نہیں، نزاع اس میں ہے کہ برسات کے سوا روزمرہ کے پانی بہانے کا بھی عمرو کو حق ہے یانہیں،اس کے لئے زمین عمرو کا ڈھال مکان زید کی طرف ہونا مکان زید میں عمرو کی طرف سے آنے والے پانی کے لئے بدرو ہونا اس کے ثبوت کو کافی نہیں کہ یہ استحقاق ہر قسم کے پانی کو عام ہے بلکہ اس کا ثبوت صرف تین طور پر ہے یاتو وارثان زید اقرار کریں کہ واقعی عمرو کو استحقاق عام حاصل ہے یا عمرو گواہان عادل سے اپنا عموم استحقاق ثابت کرادے یعنی گواہ شہادت دیں کہ عمرو کو ہر قسم کے پانی بہانے کا حق اس مکان میں حاصل ہے یا گواہی دیں کہ زید یا وارثان زید نے اس کے عموم استحقاق کا ہمارے سامنے اقرار کیا اور اگر فقط اتنی ہی گواہی دیں گے کہ ہم نے مدتوں سے عمرو کا ہر قسم کا مکان زید میں جاتے دیکھاتو اس سے کچھ ثابت نہ ہوگا۔

لانہ لایدل علی الاستحقاق لجواز ان	یہ استحقاق پر دلالت نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ زید کی

یکون برضازید ان یتصرف عمرو فی حق زید من دون ان یکون لعمرو فیہ حق یجبر علیہ۔	مرضی سے عمرو نے اس کے حق میں تصرف کیا ہوا اور وہ عمرو کی ملک نہ ہو جس پر مجبور کیا جاسکے۔(ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو زوجہ زید سے قسم لی جائے کہ عمرو کو غیر بارانی پانی اس مکان زید میں بہانے کا حق نہیں اگر وہ قسم کھانے سے حاکم کے حضور انکار کرے گی عمرو کا حق ثابت ہو جائے گا۔

فی الهندیة ادعی علی اٰخر حق المرور ورقبة الطریق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینة انه کان یمر فی هذه الدار لم یستحق بهذا شیئا کذافی الخلاصة[1] فان اقام البینة علی ان له حق المسیل وبینوا انه لماء المطر من هذاالمیزاب فهو لماء المطر ولیس له ان یسیل ماء الاغتسال والوضوء فیه وان بینوا انه لماء الاغتسال والوضوء فهو کذٰلك ولیس له ان یسیل ماء المطرفیه وان قالواله فیها حق مسیل ماء ولم یبینو الماء المطر او غیرہ صح والقول لرب الدار مع یمینه انه لماء المطراولماء الوضوء والغسالة کذافی محیط السرخسی[2]، ولو لم تکن للمدعی بینة اصلا استحلف صاحب الدار ویقضی فیه بالنکول کذافی الحاوی[3] ولو اراد اهل الداران یبنوا حائطالیسد وا مسیله لم یکن لهم ذلك کذافی البدائع[4] اھ ملتقطاواللّٰہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دوسرے پر دعوی کیا کہ مجھے یہاں سے گزرنے کا حق ہے حالانکہ راستہ مدعی علیہ کی حویلی میں ہے تو حویلی والے کی بات معتبر ہوگی اور اگر مدعی یہ گواہی بھی پیش کردے کہ وہ یہاں سے گزرتا تھا تو اس کا حق ثابت نہ ہوگا خلاصہ میں یوں ہے اگر وہ گواہی پیش کردے کہ مجھے یہاں سے پانی بہالیجانے کا حق ہے تو گواہوں نے اگر کہا کہ اس پرنالہ سے بارش کا پانی یہاں بہتا ہے تو صرف بارش کا ثابت ہوگا اس کو غسل ووضو کا پانی وہاں بہالیجانے کا حق نہ ہوگا اور اگر گواہوں نے غسل ووضو کے پانی کے متعلق بیان کیا تو بارش کا پانی گزارنے کا حق نہ ہوگا اور اگر انہوں نے مطلقاً پانی بہنے کی بات کی ہو بارش یا غسل وغیرہ کا ذکر نہ کیا تو بیان صحیح ہوگا جبکہ اس صورت میں حویلی والے کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی کہ وہ پانی بارش کا ہے یا غسالہ کا پانی ہے جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اگر مدعی کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو حویلی والے سے قسم لی جائیگی اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو اس پر فیصلہ دیا جائیگا، حاوی میں یوں ہے، اگر حویلی والے چاہیں کہ پانی روکنے کے لئے دیوار بنادیں تو ان کو یہ اختیار نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے اھ ملتقطاً واللّٰہ تعالٰی اعلم(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

مسئلہ ۷۰: از ریاست رام پور متصل مسجد جامع مرسلہ بیچے خان ۱۴ذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین سال کاہوا کہ مسمّٰی زید نے چند قطعہ مکانات واقع شہر رام پور بنام مسماۃ ہندہ زوجہ خود بعوض دین مہر بیع کرکے بیعنامہ بنام ہندہ تحریر کردیا اور حسب قاعدہ رجسٹری کرادی اور قبضہ بھی مکانات پر ہندہ کا کرادیا اور زید خود ایک موضع میں رہنے لگا بعد ازاں زید کی زوجہ متوفیہ اولٰی کے بطن سے جواولاد ہے اس نے بابت حق وحصہ شرعی منجملہ دین مہر یافتنی والدہ خود ذمگی زید کے زید پر کچہری میں نالش کرکے کچہری سے ڈگری حاصل کی اور ڈگری مذکور جاری کراکے صیغہ اجرائے ڈگری میں مکانات مذکورہ کو قرق کرایا، قاعدہ مروجہ کچہری یہ ہے کہ اگر کوئی جائداد صیغہ اجراء ڈگری میں قرق کی جائے اور کوئی شخص بربنائے قبضہ مستقلانہ اس کی بابت عذر کرے تو بشرط ثبوت قبضہ مستقلانہ عذر دار کی وہ جائداد قرقی سے واگزاشت ہوجاتی ہے،اب مسماۃ ہندہ نے نسبت قرقی مکانات اپنے کے کچہری میں عذر داری کی کہ یہ مکانات مملوکہ ومقبوضہ میرے ہیں، قرقی سے واگزاشت فرمائے جائیں ثبوت میں بیعنامہ اقراری زید اور بہت سے گواہان پیش کئے کہ جن کی شہادت سے مالک وقابض ہونا ہندہ کا بموجب بیعنامہ بذریعہ سکونت ومرمت مکانات ووصول کرایہ اور حسب اقرار زید کے ثابت ہے، سوالات جرح میں گواہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید گاؤں میں رہتا ہے، کبھی کبھی رامپور میں آتا ہے تو اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ اور اپنی اولاد کے پاس انہیں مکانات میں ٹھہرتا ہے دوچار روز رہ کر پھر گاؤں کو چلاجاتا ہے ڈگری داران حجت پیش کرتے ہیں کہ حسب روایات فقہ مندرجہ ذیل قبضہ ہندہ کا نہیں ہے شرعاً زوجہ مع متاع خود بقبضہ شوہر ہے لہٰذا مکانات بھی مقبوضہ شوہر ہیں **روایات:**

لان المرأۃ ومافی یدھا فی یدالزوج [1] ۱۲ بحر الرائق۔ وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لایجوز الااذا وھب الاب لطفلہ [2] **قلت** وکذا الدار المعارۃ والتی وھبتھا لزوجھا علی المذہب لان المرأۃ ومتاعھا فی یدالزوج فصحت التسلیم	کیونکہ عورت اور اس کے زیر قبضہ تمام خاوند کے قبضہ میں ہے، بحرالرائق۔اور اشباہ میں ہے کہ مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے مگر وہ کہ والد نے نابالغ لڑکے کے لئے کیا ہو،اور **میں کہتا ہوں** یوں ہی جب مکان عاریتاً ہو اور وہ مکان جو بیوی نے خاوند کو ہبہ کیا ہو،یہ مذہب ہے کیونکہ عورت اور سامان خاوند کے قبضہ میں ہے تو ہبہ پر قبضہ صحیح ہوجائیگا۔

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الھبۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۴۰

اذا وھب لرجل دارا والواھب ساکن فیھا لاتصح الھبۃ بخلاف ما اذا وھبت الزوجۃ لزوجھا وھی ساکنۃ فیھا لانھا ومافی یدھا فی یدہ[1] ۱۲ خزانۃ۔	اور جب ایک شخص نے اپنامکان دوسرے کو ہبہ کیا حالانکہ واہب خود اس میں رہائش پذیر ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔بخلاف جبکہ عورت اپنا رہائشی مکان خاوند کو ہبہ کرے تو صحیح ہے کیونکہ خود عورت اور اس کا سامان خاوند کے قبضہ میں ہے ۱۲ خزانہ (ت)

کیا روایات مذکورہ صورت مقدمہ مذکورہ سے متعلق ہیں اور از روئے روایات مذکورہ مکانات مقبوضہ ہندہ نہیں متصور ہوں گے؟ یا روایات مذکورہ معاملہ ہبہ سے متعلق ہیں جس میں قبضہ ضرور ہے اور اسی صورت سے متعلق ہیں کہ جہاں کوئی شہادت قبضہ کی نہ گزرے اس مقدمہ میں بیعنامہ اقرار شوہر اور شہادت قبضہ زوجہ زید کی موجود ہے، تو روایات مذکورہ اس مقدمہ سے غیر متعلق ہیں یا کیا؟ جوابات بحوالہ روایات معتبرہ تحریر فرمائیے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکانات مملوکہ ہندہ کا واگزاشت کرنا حاکم پر واجب ہے اور ان کا نیلام سخت حرام ڈگری داروں کی حجت محض باطل وصریح جہالت،

اوّلاً: جب بیع بنام ہندہ گواہوں سے ثابت ہے تو ملک ہندہ ثابت ہے اور قبضے کی بحث سرے سے لغو وبے معنی کہ بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں نفس عقد سے شے ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہوجاتی ہے اذا لم یکن توقف ولاخیار (جب بیع میں اختیار اور وقف نہ ہو۔ت) یہ تو صراحۃً بیعنامہ بعوض مہر تھا اگر ہبہ نامہ بعوض مہر ہوتا جب بھی قبضے کی اصلاً حاجت نہ تھی حالانکہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور وجہ یہ کہ ہبہ بالعوض (نہ بشرط العوض) اگرچہ صورۃً واسماً ہبہ ہے مگر نظراً بمعنی حقیقۃً وحکماً ہے تو محتاج قبضہ نہیں۔ درمختار میں ہے:

الھبۃ بشرط العوض المعین ھبۃ ابتداء فیشترط التقابض فی العوضین و یبطل بالشیوع بیع انتھاء فترد بالعیب وخیار الرؤیۃ وتوخذ	معین چیز کے عوض ہبہ ابتداءً ہبہ ہے اس لئے عوضین میں قبضہ شرط ہے اور غیر منقسم ہوجانے پر باطل ہوجائے گا اور یہ بشرط العوض ہبہ انتہاءً بیع ہے اس لئے عیب اور خیار الرؤیۃ کی بناء پر واپس

[1] خزانۃ المفتین کتاب الھبہ قلمی نسخہ ۲/ ۱۵۳

بالشفعة هذا اذا قال وهبتك على ان تعوضنى كذا اما لو قال وهبتك بكذا فهو بيع ابتداء وانتهاء[1] اھ اختصار۔	ہو سکتا ہے اور شفعہ کے دعوی پر لیا جاسکتا ہے یہ حکم اس صورت میں ہے کہ ہبہ دینے والا، کہے یہ چیز میں تمہیں فلاں چیز کے عوض ہبہ کرتا ہوں اور اس نے اگر یوں کہا ہو کہ میں تجھے ہبہ کرتا ہوں، تو یہ ابتداءً وانتہاءً بیع ہے اھ اختصار (ت)

ثانیاً: اگر بفرض باطل قبضہ کی حاجت بھی ہو تو جبکہ شہادت شرعیہ کافیہ سے قبضہ ہندہ رنگ ثبوت پائے اس پر ان عبارات سے ایراد محض جہل وعناد، مستدلوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علماء مافی یدھا فی یدہ فرمارہے ہیں یعنی جو کچھ عورت کے قبضے میں ہے وہ ازانجا کہ عورت خود قبضہ شوہر میں ہے بالواسطہ قبضہ شوہر میں ہے کہ "**مقبوض المقبوض مقبوض**" اس میں صراحۃً قبضہ زن کا اثبات اور اس کے ذریعہ سے قبضہ شوہر کا قرار داد ہے نہ کہ قبضہ زن کی راساً نفی۔ علماء نے "**مافی یدھا**" فرمایا ہے نہ کہ "**لیس فی یدھا**"۔

ثالثاً: ایسا ہو تو خود قبضہ شوہر بھی منتفی ہو جائے گا اور کلام اپنے مقصود پر نقض کرتا پلٹ آئے گا کہ قبضہ شوہر بواسطہ قبضہ زن مانا تھا بقیاس مساوات کے "**قابض القابض قابض**" جب سرے سے قبضہ زن منفی ہو جائیگا قبضہ شوہر کہ اس کے واسطے سے تھا کہاں سے آئیگا هل هذا الا جهل مبين (یہ کھلی جہالت ہے۔ت) تو خود یہی روایات کہ ڈگری داروں نے پیش کیں ان کا صریح رد ہیں۔

رابعاً: کلام علماء باب حدیث **انت ومالك لابيك**[2] سے ہے جیسے بیٹے کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ اور اس کا مال سب اس کے باپ کا ہے کوئی عاقل اس سے یہ وہم نہیں کرسکتا کہ بیٹے کی ملک کی نفی فرمائی ہے ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہوسکے، اور آیہ کریمہ "لِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ"[3] (ور میت کے ماں باپ ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا۔ت) کا **معاذاللہ** صاف انکار لازم آئے کہ ارث ترکہ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبت ملک جب ملک منتفی تو ارث کہاں، یونہی علماء کے اس کلام سے کہ زن ومقبوضات زن سب مقبوض شوہر ہیں قبضہ زن کے نفی کی طرف کسی ذی عقل کا گمان نہیں جاسکتا بلکہ وہ حقیقی بالذات ہے اور یہ حکمی بالواسطہ۔

---

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالٰی عنه دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

خامسًا: اگران عبارات کا یہی مطلب باطل قرار دیا جائے کہ عورت کا قبضہ سرے سے معدوم ہے اس کا ہاتھ شرعًا ہاتھ نہیں جیسے صبی لایعقل کا ہاتھ، تو تمام کتب مذہب متون و شروح وفتاوٰی سب کے اجماعی مسائل مردود و باطل ہوجائیں، کتب مذہب کا اجماع قطعی ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا نیز اجماع قطعی ہے کہ زوجیت مانع رجوع ہے شوہر نے اگر اپنی زوجہ کو کوئی شیئ ہبہ کی اور قبضہ کرادیا کہ تکمیل ہوگئی، اب اسے رجوع کا اختیار نہیں، مذہب کی جو کتاب اٹھالیجئے اس میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح پایئے، مگر اس مطلب باطل کی تقدیر پر ان دونوں میں ایک مسئلہ ضرور باطل ہے کہ جب عورت کا قبضہ شرعًا قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کے شوہر ہی کا قبضہ ہے تو اب وہ چیز جو شوہر نے ہبہ کرکے اس کے قبضہ میں دی ہبہ تمام اور عورت مالک ہوئی یا نہیں، اگر کہئے ہوئی تو پہلا مسئلہ باطل ہوا کہ یہ ہبہ بے قبضہ تمام وکامل ہوگیا، اور اگر کہئے نہ، تو دوسرا مسئلہ باطل ہوگیا کہ جب عورت کے لئے ہبہ ہو ہی نہیں سکتا تو رجوع ناجائز ماننا کیا معنی، غرض یہ ایسی بدیہی البطلان بات ہے جسے کوئی جاہل بھی گوارا نہ کرسکے، اور یہیں سے واضح ہوا کہ عبارات مذکورہ سوال کو صورت بیع سے متعلق ہونا درکنار وہ مطلقًا ہر صورت ہبہ سے بھی متعلق نہیں، آخر نہ دیکھا کہ ہبہ شوہر برائے زن میں ان کا اجراء محض باطل ہے بلکہ وہ صرف ہبہ زن برائے شوہر میں ہیں کہ یہاں موہوب کا متاع زن سے مشغول ہونا مانع تمام نہیں ہے کہ یہ شغل مانع قبضہ شوہر نہیں کہ زن و متاع زن سب مقبوض شوہر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۱:　　مرسلہ لال محمد صاحب احسن منزل مرزاپور　　۲۶/صفر ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کے مکان میں ہندہ عرصہ چالیس سال سے ہے زید نے لاولد ہندہ کو اپنے مکان میں چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے زمانہ حیات میں زید نے بذریعہ چند دستاویزات کے ہندہ کو اپنی زوجہ منکوحہ لکھا ہے اور اپنے جملہ جائداد میں سے بعض جائداد ایک جزو دین مہر کے دیا بھی ہے اب ہندہ کے دعوٰی زوجیت کے لئے بمقابلہ زید متوفی کے دوسرے شرعی ورثا کے جو منکر زوجیت ہندہ کے ہیں زید کی تحریر وتسلیم زوجیت ہندہ جو بذریعہ اس کے دستاویزات رجسٹری شدہ کے ہوئے، اگر ہندہ کو اپنے نکاح کے شہود وغیرہ نہ ملیں شرعًا ثبوت کافی ہے یا نہیں، اور ہندہ اس جائداد کے پانے کی جو زید نے اس کو بعوض ایک جزو دین مہر کے دی اور باقی حصہ دین مہر کے پانے کی باقی متروکہ زید سے مستحق ہے یا نہیں، اور زید کے متروکہ سے وراثتًا کس قدر حصہ ہندہ کا ہے؟ بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اگر ان دستاویزات پر گواہ شرعی موجود ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے لکھوائیں اور ہندہ کو اپنی زوجہ بتایا کہ ہمارے سامنے جز جائداد ہندہ کو مہر میں دیا تھا اقرار زید کے گواہ ہوں کہ وہ ہندہ کو اپنی زوجہ کہتا تھا یا کچھ نہ سہی وہ لوگ جو اس مدت مدید تک زید و ہندہ کو باہم ایک مکان میں مثل زن وشو رہتے دیکھا کئے اور وہ اس بناء پر شہادت شرعیہ دیں کہ ہندہ زوجہ زید ہے یا عام طور پر ہندہ کا زوجہ زید ہونا مشہور ہو بعض شاہدان شرعی اسی شہرت کے اعتماد پر زوجیت ہندہ کی گواہی دیں تو زوجیت ثابت ہو جائیگی اور خاص گواہان نکاح پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہندہ اپنا مہر وحصہ پانے کی مستحق ہوگی اور اس کا حصہ بعد ادائے مہر ودیگر دیون ووصایا چہارم متروکہ ہے اور اگر ان صورتوں میں کچھ نہ پائی جائے تو نری دستاویزیں اگرچہ ہزار رجسٹری شدہ ہوں بے شہادت معتبرہ کے کوئی چیز نہیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعت نکاحه فشهد احدهما انها امرأته والاخر انها کانت امرأته تقبل وکذالوشهد احدهما انه اقر انها امرأته والاخر انه اقر انها کانت امرأته لان الشهادة باقرارہ بنکاح کان شهادة باقرارہ بنکاح حالی[1]۔	عورت نے ایک مرد پر اپنے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرے نے کہا یہ اس کی بیوی تھی، تو یہ گواہی مقبول ہوگی، اسی طرح شہادت میں ایک گواہ کہے کہ مرد نے اقرار کیا ہے کہ یہ اس کی بیوی ہے، دوسرا گواہ کہے کہ اس نے اقرار کیا کہ یہ اس کی بیوی تھی، یہ گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ گزشتہ نکاح کی شہادت یہ موجودہ نکاح کی شہادت ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

الشهادة بالشهرة والتسامع تقبل فی اربعة اشیاء بالاجماع وهی النکاح والنسب والموت والقضاء کذافی محیط السرخسی[2]۔	شہرت اور سماع کی بناء پر چار چیزوں میں بالاجماع شہادت مقبول ہے وہ چار، نکاح، نسب، موت اور قضاء ہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجرد الحجة	محض خط اور محض رجسٹر پر بغیر حجت عمل نہ ہوگا کیونکہ

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۷

لما صرح به علماؤنا من عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل به [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ نہ خط پر اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۲: از پیلی بھیت محلّہ پنجابیاں مرسلہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ورثاء میں سے شوہر دعوٰی کرے کہ فلاں زیور میں نے اس کو کل یا جز بنواکر استعمال کے واسطے دیا تھااور اسی طرح سے اس کے والدین وغیرہ دعوٰی کریں کہ فلاں فلاں زیور اور دیگر اشیاء ہم نے اس کے جہیز میں دی تھیں اس کے استعمال کے واسطے، وہ ہم کو واپس ملنی چاہئیں، کیا یہ دعویدار اپنے دعوے کے موافق مستوجب واپسی کے ہو سکتے ہیں اور عنداللہ استحقاق واپسی ان کو حاصل ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیے ثواب پایئے۔

الجواب:

والدین کا دعوٰی کہ ہم نے فلاں شیئ جہیز میں عاریۃً دی تھی بے شہادت عادلہ مسموع نہیں کہ خلاف عرف ظاہر وناشی ہے، شوہر کا قول سن لیا جائیگا، جوزیور اس نے بنواکر دیا جب وہ تملیک کر دینے کا مقر نہیں تو بغیر شہادت عادلہ ملک ہندہ ثابت نہ ہوگی، لان الدافع ادری بجهة الدفع ولا عرف قاضیا ھٰهنا۔ کیونکہ دینے والا بہتر جانتا ہے کہ اس نے کس طرح دیا ہے جبکہ یہاں واضح عرف نہیں جس پر فیصلہ دیا جائے۔(ت) درمختار میں ہے:

جهز ابنته بجهاز وسلمها ذٰلك لیس له الاسترداد منها وبه یفتی والحیلة ان یشهد عند التسلیم الیها انه انما سلمه عاریة [2]۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	بیٹی کو جہیز دیا اور اس کو سونپ دیا تو اب والد کو واپسی کا حق نہیں ہے، فتوٰی اسی پر ہے، اور واپسی کا حیلہ یہ ہے جہیز دیتے ہوئے گواہ بنالے کہ میں نے یہ عاریتًا دیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

مسئلہ ۷۳: مرسلہ صفدر علی صاحب ۱۴/شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علماء ومفتیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع شراکت زید اور عمرو چلا آتا تھااور زید بوجہ نمبر داری اس پر قابض اور دخیل تھا زید نے بلااجازت عمرو کے ایک باغ جو واقعہ موضع مذکور تھافروخت کرکے قیمت اپنے تصرف میں لایااور عمرو کو بابت حصہ اس کے کچھ نہ دیا جواب عمرو نے تقسیم موضع مذکور کی کرائی تو یہ امر معلوم ہوا جب عمرو نے اپنے حصہ کا مطالبہ زید سے طلب کیا تو زید نے عذر تمادی کا پیش کیا، صورت ہذا میں حقوق عمرو کا عنداللہ ذمہ زید کے ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے ثواب پائے۔ت)

الجواب:

بیشک ہے اور عذر تمادی محض باطل ومہمل،

فی الاشباہ الحق لایسقط بتقادم الزمان [1]۔	اشباہ میں ہے کہ زمانہ قدیم ہوجانے پر حق ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

زید سخت گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا کہ عمرو کا حصہ بے اس کی اجازت کے بیچ کر کھا گیا،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ (ت)

اب دوسرا گناہ عظیم یہ جھوٹا عذر مردود پیش کرتا ہے اللہ عزوجل سے ڈرے اور روز قیامت کی سخت شدتیں نار دوزخ کے قہر عذاب اپنے سر نہ لے۔

مسئلہ ۷۴: ۱۰/ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے ایک شے ایک روپے کو خریدی، زید نے پوچھا یہ شیئ کتنے کو دوگے، اس نے کہا ایک روپے کو، مشتری اس کو خرید کے گھر لے آیا بطور قرض، دوسرے روز جب دام دینے گیا تو بائع نے کہا میاں! میں نے تو اس کے دو روپے کہے تھے، مشتری کو اس امر میں کہ بائع نے اس کے دریافت پر وقت بیع کے ایک روپیہ کہا ذرا بھی شک نہیں، اب شے مبیعہ یاہلاک ہوگئی ہے بلکہ نہیں معیب بعیب فاحش ہے زرثمن یا اصل مبیعہ کا کس طرح فیصلہ ہے بائع ومشتری دونوں نمازی اور ایکدوسرے کے نزدیک موتمن بھی ہیں۔ **بینوا توجروا بالروایۃ الصحیحۃ وھی لکم عندالحساب اجر وذخیرۃ** (بیان کرو اجر پاؤ، صحیح روایت سے ہو اور وہ تمہارے لئے روز حساب اجر اور ذخیرہ ہے۔ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ مبیع ہلاک یا معیب بعیب فاحش ہو گئی ہے تحالف نہیں بلکہ بائع سے گواہ لئے جائیں گے اگر اس نے بینہ شرعیہ سے ثابت کر دیا کہ دو روپے ثمن ٹھہرے تھے تو وہی دینے ہوں گے اور اگر نہ دے سکا تو مشتری سے قسم لی جائیگی، اگر اس نے حلف کرلیا کہ ایک ہی روپیہ قرار پایا تھا تو ایک ہی دینا آئے گا اور حلف سے نکول وانکار کیا تو دو روپے کی ڈگری کی جائیگی،

فی الدر المختار لاتحالف اذا اختلفا بعد هلاك المبیع اوخروجه عن مبلکه او تعیبه بما لایرد به وحلف المشتری [1]۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے مبیع کے ہلاک ہوجانے یا مشتری کی ملکیت سے نکل جانے کے بعد یا ایسے عیب پیدا ہونے کے بعد جس کی وجہ سے واپس نہ ہوسکے اختلاف ہو تو دونوں سے قسم جائز نہیں اور مشتری سے قسم لی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۵: از ہلدوانی مرسلہ منشی ولایت حسین صاحب ٹھیکہ دار ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس امر میں کہ زید نے اپنا مال بکر کے پاس امانت رکھا، جب بکر سے طلب کیا تو بکر نے مال دینے سے انکار کیا بوجہ مال نقد اور زیور ہونے سے زید نے حاکم وقت کے یہاں دعوٰی دائر کیا اور گواہان ثبوت حاکم کے روبرو حاضر کئے بکر بوجہ کرنے انکار کے قسم شرعی کھانے کو موجود ہے، جب ثبوت مدعی موجود ہووے تو بموجب حکم شرع شریف کے بکر قسم کھاسکتا ہے یا نہیں یا موجودگی شہادت مدعی کے فقط۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں اگر بکر بطور خود قسم کھانا چاہتا ہے تو محض نامسموع، اگر کھا بھی لے گا دعوٰی مدعی کو نقصان نہ پہنچے گا، اور اگر بکر سے زید قسم لیتا ہے تو اسے بھی اس کا اختیار نہیں اور اس حالت میں بھی یہ قسم ناقابل سماعت، قسم مدعا علیہ کا وقت جب ہے کہ مدعی نے شہادت مقبولہ نہ پیش کی ہو۔ درمختار میں ہے:

اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاض ویکون بریئًا فهو باطل لان الیمین	مقدمہ کے فریقین نے اتفاق کرلیا کہ کسی غیر قاضی کے سامنے قسم کھا کر بری ہوجائے تو یہ باطل ہے کہ فریق

[1] درمختار کتاب الدعوی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

حق القاضی مع طلب الخصم ولاعبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی [1]۔	مخالف کے مطالبہ پر قسم صرف قاضی کا حق ہے غیر قاضی کے پاس قسم یا قسم سے انکار کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الیمین کالخلف عن البینۃ فاذاجاء الاصل انتھی حکم الخلف [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قسم گویا گواہی کا خلف ہے تو جب اصل آجائے تو خلیفہ کا حکم ختم ہوجاتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۶: ازریاست رامپور مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۱۴/شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو پر بلاتحریر دستاویز بربنائے شہادت گواہان دس روپے کی نالش دائر کی اور تاریخ موعود پر گواہان ثبوت دعوی کو بذریعہ کچہری کے طلب کرایا اس تاریخ پر کسی وجہ سے سماعت بیان گواہان کی نہ ہوئی اور تاریخ دوسری کچہری نے واسطے حاضر کرنے انہیں گواہان ثبوت کے مقرر کئے اور عمرو مدعاعلیہ کو دعوی مدعی سے قطعی انکار ہے جب کہ تاریخ ثانی ادخال شہادت کے واسطے مقرر ہوئی تو مدعی نے اس تاریخ پر ایک درخواست کچہری میں پیش کی کہ مدعاعلیہ کا حلف لیاجائے گواہ اپنے سنوانا نہیں چاہتا، تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں مدعاعلیہ حلف اٹھانے پر مجبور کیاجاسکتا ہے یانہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

اگر گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعاعلیہ سے حلف نہیں لے سکتا بلکہ مدعی ہی سے گواہ لئے جائیں گے اور اگر دور ہیں تو حلف مانگ سکتا ہے،

فی الدرالمختار قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصرو طلب یمین خصمہ لم یحلف ولو غائبۃ عن المصر حلف وقدر فی المجتبٰی الغیبۃ بمدۃ	درمختار میں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر میں ہیں، اس کے بعد اس نے مدعٰی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قسم نہ لی جائیگی، ہاں اگر شہر میں موجود نہ ہوں تو قسم لے لی جائیگی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر، بعض نے فرمایا کہ گواہوں کا مسافت سفر تک غائب

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۸

السفر [1] اھ اقول: عبارۃ المجتبٰی علی مافی قرۃ العیون قال بینتی غائبۃ عن المصر حلف عند ابی حنیفۃ وقیل قدر الغیبۃ بمسیرۃ سفر اھ [2] وقد قالوا کما فی البحر وغیرہ ان لو بعد مکان القاضی بحیث ان حضر للشھادۃ لم یؤوہ اللیل الی اھلہ لم یلزمہ الحضور، فافھم، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہونا معیار ہے جیسا کہ مجتبٰی میں ہے۔ **میں کہتا ہوں** قرۃ العیون میں مجتبٰی کی عبارت یوں ہے مدعی نے کہا میرے گواہ شہر سے غائب ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قسم لی جائیگی، بعض نے فرمایا مسافت سفر پر ہونا گواہوں کا غائب ہونا مراد ہے اھ، حالانکہ فقہاء کرام نے فرمایا جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ اگر قاضی کا مقام اتنی دور ہے کہ گواہ شہادت کیلئے حاضر ہوں تو واپس رات گھر نہیں پہنچ سکتے تو ایسی صورت میں مدعی کو گواہوں کا حاضر کرنا لازم نہ ہوگا، اس کو سمجھو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: از ریاست رامپور مکان حافظ محمد عنایت اللہ خاں صاحب متصل مرزا شاہ ولی اللہ صاحب صاحبزادہ امجد علی خان صاحب ۱۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ میں عدالت سے جانب مدعا علیہ حسب درخواست مدعی حلف متوجہ ہوا اور حلف لینے کے لئے دوسرے محکمہ کے نام عدالت نے حکم دیا جس مضمون کے ساتھ واسطے لینے حلف کے ہدایت اور ایما ہوا وہ حسب یادداشت عدالت دیوانی معطوفہ سوال ہذا ہے محکمہ حلف گیرندہ نے ہر ہر چیز انکاری واقراری کی بابت جداجدا حلف لیا لیکن عدالت دیوانی کی یادداشت کے جواب میں جو یادداشت جوابی لکھی ہے وہ معطوفہ سوال ہذا ہے اور یہ امر بھی لائق اظہار ہے کہ جن الفاظ اور مضمون کے ساتھ حلف لیا گیا وہ حسب منشاء وکیل مدعی لیا گیا اب مدعی کو یہ عذر ہے کہ حسب منشاء تحریر عدالت حلف نہیں لیا گیا کیونکہ منشاء حکم عدالت کا یہ تھا کہ مدعا علیہا سے اس طرح پر حلف لیا جائے تاکہ اشیائے مندرجہ فرد میں سے کل یا جز ویعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اس قیمت اور اس وزن کی یا اس سے کم قیمت اور کم وزن کی بابت متروکہ ضیاالنساء بیگم کے مدعٰی علیہا کے پاس نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئے اور عدالت گیرندہ حلف نے مضمون انکاری کے ساتھ نہ قید متروکہ ضیاء النساء بیگم کی لگائی نہ حلف کل یا جز ویعنی اس قیمت اور وزن کے اشیاء پر جو مندرجہ فرد ہیں یا اس سے کم قیمت اور کم وزن پر لیا گیا لہٰذا امور ذیل کے بابت جواب مطلوب ہے:

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۵۰

اوّل: جو یادداشت عدالت گیرندہ حلف نے بجواب یادداشت عدالت دیوانی تحریر کی ہے اس سے پورے طور پر تعمیل حکم عدالت دیوانی ہوگئی یا نہیں۔

دوم: یادداشت عدالت دیوانی میں جو یہ مضمون تحریر ہے (کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن وقیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے اھ) اس کا منشا یہ ہے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن وقیمت مندرجہ فرد میں کل چیزیں یا بعض چیزیں اس قیمت اور وزن کی جو مندرجہ فرد ہیں مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعٰی علیہا کے قبضہ میں آئیں یا منشاء حکم عدالت یہ ہے کہ کل یا جزو اشیائے مندرجہ بہ تعداد قیمت مندرجہ یعنی اسی قیمت اور وزن کے اشیاء یا اس سے کم وزن اور قیمت کے اشیاء بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ مسماۃ مذکور کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئیں یعنی لفظ کل اور جزو کا اطلاق تعداد اشیاء پر ہے یعنی کل اور جزو اشیاء کا مراد ہے۔

سوم: یادداشت میں محکمہ گیرندہ حلف نے جو لفظ متروکہ ضیاء النساء بیگم تحریر نہیں کیا اس سے حلف کی تعمیل میں کوئی نقصان تو پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ پیشتر مدعا علیہا سے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لیا گیا ہے دوسرے اس محل پر نفی مطلق سے نفی مقید ہوگئی یا نہیں۔

چہارم: ایک مرتبہ جن الفاظ کے ساتھ وکیل مدعی نے جس کو حق حلف لینے کا حاصل تھا چاہا اسکے موافق حلف لیا گیا اب دوبارہ مدعی کو یا عدالت کو دوسرے طور پر پھر حق حلف لینے کا حاصل ہے یا نہیں۔

پنجم: اشیاء متدعویہ کے انکار پر حلف لیا جاتا ہے نہ غیر متدعویہ پر، پس یہ بات لائق دریافت ہے کہ جب مدعی نے ایک عدد زیور وغیرہ کے وزن اور قیمت کے ساتھ مقید کرکے دعوی کیا تو اس وزن اور قیمت سے کم مقدار اور وزن کے وہ شے متدعویہ قرار پائے گی یا نہیں۔

نقل یادداشت عدالت دیوانی بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ بنام امیر النساء بیگم بنت صاحبزادہ محمد باقر علی خاں زوجہ صاحبزادہ محمد ہادی علی خاں صاحب مرحوم مدعا علیہا ساکن محلّہ قریب گھیر عثمان خاں دعوی دہانیدگی حصہ فرائض از جائداد متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا نے نسبت جائداد مدعا علیہا اکثر کی نسبت انکار ترکہ ضیاء النساء بیگم سے کیا ہے اور مدعیہ نے نسبت جائداد منقولہ بحالت انکار حلف مدعا علیہا پر کیا ہے اور مدعا علیہا کو ادائے حلف میں انکار نہیں ہے اور فریقین اہل خاندان سے ہیں اس لئے تعمیل حلف کو نسل خاندان کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے لہٰذا بذریعہ یادداشت ہذا نقل حکم ونقل فرد اشیاء مرسل ہوکر گزارش ہے کہ کاغذات ہذا بنابر تعمیل حلف کو نسل خاندان میں ارسال

فرمائے جائیں کہ مدعا علیہا سے اسی طرح حلف لیا جائے کہ اشیائے مندرجہ فرد منسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئی اشیاء مندرجہ کی قیمت اور وزن اور تعداد اول مدعا علیہا کو سنا کر بمواجہہ وکلاء فریقین حلف لیا جائے۔ دستخط حاکم **نقل یادداشت محکمہ گیرندہ حلف** حسب صدور حکم اجلاس اعلیٰ مثبتہ ناصیہ یادداشت حاکم عدالت دیوانی ضلع بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ موسومہ امیر النساء بیگم مدعا علیہا بدعوی دہانیدگی سہ سہام منجملہ ۱۸ سہام مالیتی مبلغ (ماع صما) روپیہ از کل جائداد منقولہ متروکہ مسماۃ ضیاء النسابیگم واقع شہر رام پور قیمتی (صہ عؔ) روپیہ فہرست منسلکہ زیور و ظروف وغیرہ حرفاً حرفاً مدعا علیہا کو بمواجھہ وکلاء فریقین بشناخت صاحبزادہ فرخ طور خاں بہادر مدعیہ سنائے گئے اور قرآن شریف ہاتھ میں دیگر بموجب منشاء مضمون یادداشت عدالت دیوانی متوجہ بحلف کیا گیا مدعا علیہا نے ہر ایک عدد زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی مندرجہ فہرست معہ تعداد وزن و قیمت سن کر بحلف بیان کیا کہ کل اشیائے زیور طلائی و نقرئی و دیگر سامان نقرئی اس قیمت اور اس تعداد اور اس وزن کا میرے پاس نہیں ہے اور کل پارچہائے پوشیدنی قسم گوٹہ وغیرہ ہر ایک تفصیل وار سن کر بحلف کہا کہ میرے پاس اس تعداد اور اس قیمت کے نہیں ہیں جملہ سامان فروش تفصیل وار سن کر دو غلیچہ رنگ سیاہ قیمتی (ےعہ) روپیہ کی نسبت حلفاً کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن اس قیمت کے نہیں ہیں باقی کل قسم فرش کے بابت حلف مذہبی نسبت عدم موجودگی کیا سامان چوبی مفصلاً مدعا علیہا کو سنایا گیا منجملہ کل سامان کے بیس عدد چوکیاں چوب سار قیمتی مبلغ تیس روپے کی نسبت حلف سے انکار کیا اور دو پلنگ نواڑ کلاں قیمتی مبلغ بیس روپے کی نسبت مدعا علیہا نے بحلف کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن قیمت کا حال معلوم نہیں ما بقے کل سامان چوبی کی عدم موجودگی پر حلف لیا چونکہ کارروائی حلف کی بہ تعمیل حکم اجلاس اعلیٰ حسب منشاء عدالت دیوانی ہو گئی لہٰذا جملہ کاغذات ذریعہ یادداشت ہذا باجلاس اعلیٰ نواب مدار المہام صاحب بہادر مرسل ہیں فقط دستخط حاکم **بینوا توجروا**۔

الجواب:

کل یا جزء سے مراد یہی ہے کہ اشیائے مدعی بہا جمیع یا بعض نہ یہ کہ خود وہ اشیاء یا ان سے کم وزن و قیمت کی چیزیں خود عبارت حاکم دیوانی میں تفسیر موجود تھی کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد سے کل یا جز یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اور یہی طریقہ مقررہ استحلاف ہے کہ احتیاط بعض دعوی بھی شامل حلف کر لیتے ہیں۔

ہندیہ میں ہے:

یحلف باللہ ماھذا العین لفلان بن فلان ولاشیئ منہ یجمع بین الکل والبعض احتیاطا کذا فی المحیط [1]۔	حلف یوں دے گا خدا کی قسم یہ خاص چیز یا اس کا کچھ حصہ فلاں بن فلاں کا نہیں ہے قسم میں اس چیز کے کل اور بعض کو ذکر کرے احتیاطًا، محیط میں ایسے ہے۔(ت)

عامہ کتب میں تمام امثلہ دیکھی جائیں یہی بڑھاتے ہیں کہ ولاشیئ اٰخر اقل منہ قیمۃ و وزنا (نہ کسی اور چیز کو جو اس سے قیمت اور وزن میں کم ہے۔ت) اس میں یہ ہے کہ حلف دعوی پر لیا جاتا ہے نہ کہ امر خارج عن الدعوی پر۔ ہدایہ میں ہے:

وان عجز عن ذٰلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا [2]۔	مدعی اگر گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مخالف کی قسم کا مطالبہ کرے تو قسم لی جائے(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

ای ان عجز المدعی عن اقامۃ البینۃ وطلب یمین المدعی علیہ استحلفہ القاضی حینئذ علی دعواہ [3]۔	یعنی اگر مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو اس پر قاضی مدعی علیہ سے دعوی کے متعلق قسم لے(ت)

یمین دعوی صحیحہ کے سوا فاسدہ پر مترتب ہوتی نہیں، معدومہ پر کیونکر مترتب ہو سکتی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون فاسدتہا کذا فی الفصول العمادیۃ [4]۔	قسم صحیح دعووں پر جاری ہوگی فاسد دعووں پر نہ ہوگی، فصول العمادیہ میں یونہی ہے۔(ت)

اور بعض دعوی داخل دعوی ہے ولہٰذا اگر شاہدین یا ایک بعض دعوی پر شہادت دیں قدر بعض

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۷

[2] ہدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

[3] غایۃ البیان

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

میں قبول کرلیں گے۔ خانیہ میں ہے:

اذا ادعی کل الدار فشھد والہ بنصف الدار جازت شھادتھم و یقضی بالنصف من غیر توفیق [1]۔	مدعی نے کل مکان کا دعوی کیا تو گواہوں نے نصف مکان کی شہادت دی فیصلہ نصف مکان پر ہوگا بغیر موافقت پیدا کئے (ت)

بخلاف دیگر اشیاء مخالفۃ الوزن والقیمۃ کہ وہ غیر مدعی بہا ہیں اور وزن و قیمت میں کم ہونا بعضیت نہیں ہر عاقل جانتا ہے کہ مثلاً دو تولے سونے کے دو بالے قیمتی ساٹھ روپے اور دو بالے ایک تولے سونے کے تیس روپے قیمت کے ہوں، یہ بالے ان کے بعض وجز نہیں بلکہ غیر وجدا چیز ہیں، شیئ غیر حاضر میں ذکر وزن و قیمت اس کی تعریف و تعیین ہی کے لئے ہے تو اس کا غیر معین کا غیر ہے نہ جز۔ ہدایہ میں ہے:

لایقبل الدعوی حتی یذکر شیئا معلوما فی جنسه وقدرہ لان فائدۃ الدعوی الالزام بواسطۃ اقامۃ الحجۃ والالزام فی المجھول لایتحقق فان کان عینا فی ید المدعی علیه کلف احضارھا لیشیر الیھا بالدعوی وکذا فی الشھادۃ والاستحلاف لان الاعلام باقصی ما یمکن شرط وذٰلك بالاشارۃ فی المنقول، وان لم تکن حاضرۃ ذکر قیمتھا لیصیر المدعی معلوما لان العین لاتعرف بالوصف والقیمۃ تعرف به [2]۔	جنس اور قدر میں معلوم چیز کے ذکر کے بغیر دعوی قبول نہ ہوگا کیونکہ دعوی کا فائدہ حجت کے ذریعہ الزام قائم کرنا ہے اور مجہول کا الزام متحقق نہیں ہوسکتا اور اگر وہ چیز مدعٰی علیہ کے قبضہ میں ہو تو اس کو حاضر کرنے کا پابند بنایا جائے گا تاکہ مدعی اس کی طرف دعوی کرتے ہوئے اشارہ کرسکے، اور شہادت اور قسم میں بھی ایسے کیا جائے کیونکہ تمام مراحل میں ہر ممکن حد تک تعارف ضروری ہے اور یہ منقول چیز میں اشارہ سے ہی حاصل ہوسکتا ہے اگر وہ چیز حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت ذکر کرے تاکہ مدعا واضح ہوسکے کیونکہ خاص چیز کا تعارف اس کے وصف سے نہیں بلکہ اس کی قیمت سے ہوتا ہے (ت)

ہندیہ میں ہے:

اذاادعی جوھرا لابد من ذکر الوزن اذاکان غائبا وکان المدعی علیه	اگر کسی جوہری چیز کا دعوی ہو تو اس کے وزن کا ذکر ضروری ہے اگر وہ غائب ہو اور مدعا علیہ اس کے قبضہ

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشھادات باب من الشھادۃ التی یکذب المدعی مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۶

[2] الھدایہ کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۰

منکرا کون ذٰلك فی یدہ کذافی السراجیة وفی اللؤلؤ یذکر دورہ وضوءہ ووزنہ کذافی خزانة المفتین [1]۔	سے انکاری ہو، سراجیہ میں یوں ہے اور موتیوں کے دعوی میں اس کی گولائی، چمک اور وزن کو ذکر کرے جیسا کہ خزانۃ المفتین میں ہے (ت)

وجیز امام کردری نوع اخیر فصل خامس عشر من الدعوی میں ہے:

فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن اذالم یکن حاضرا وان حاضرا فلا لتفوت القیمة بتفاوت الوزن [2]۔	ریشمی کپڑے اور جواہر میں وزن کا ذکر شرط ہے جب حاضر نہ ہو اور اگر حاضر ہو تو ضروری نہیں کیونکہ وزن کے اختلاف سے قیمت میں اختلاف ہوتا ہے (ت)

اسی کی نوع مذکور میں ہے:

ذکر الوتار، ادعی زندنیجا طولہ بذرعان خوارزم کذا وشہد وابذلك کذٰلك بحضرة الزندنیجی فذرع فاذا ہو ازید اوانقص بطلت الشہادة والدعوی کما اذا خالف سن الدابة الدعوی او الشہادة وقولہم الذرع وصف فیلغوفی الحاضر ذٰلك فی الایمان والبیع لافی الدعوٰی والشہادة فانہما اذاشہدابوصف فظہر خلافہ لایقبل وذکر ایضا ادعی حدیدامشاراالیہ و ذکر انہ عشرة امناء فاذاہو عشرون او ثمانیة تقبل الدعوی والشہادة لان الوزن فی مشار الیہ لغوا [3] اھ قلت وقولاہ علی اختلافہما مجمعان	زندنیجا کا دعوی کیا اس کی پیائش خوارزمی گزوں سے بتائی کہ اتنی ہے اور گواہوں نے بھی یہی گواہی دی زندنیجی حاضر کی گئی اور پیائش کرنے پر مذکورہ پیائش سے کم یا زیادہ ہوئی تو دعوی اور شہادت دونوں باطل ہوجائیں گی جیسا کہ دعوی اور شہادت میں جانور کی عمر کا معاملہ ہے، باقی رہا فقہاء کا یہ ارشاد کہ پیائش وصف ہے تو حاضر میں اس کا ذکر لغو ہوتا ہے تو یہ ضابطہ قسم اور بیع میں ہے دعوی اور شہادت میں نہیں کیونکہ ان دونوں میں جب وصف کو ذکر کیا تو اس کا خلاف ظاہر ہونے پر مقبول نہ ہونگے، اور یہ بھی ذکر کیا کہ موجود لوہے پر اشارہ کرتے ہوئے دعوی کیا اور بتایا کہ اس کا وزن دس من ہے تو وہ بیس یا آٹھ من نکلا تو دعوی اور شہادت مقبول ہوگی کیونکہ مشار الیہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۲۵

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیہ کتاب الدعوی نوع من الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۲۱

علی اعتبار الوزن فی الغائب اما الاول فظاہر فانہ اذا اعتبر الوصف فی الحاضر فاعتبار العین فی الغیب اولی بدرجتین اماعرف فی موضعہ ان الذراع وصف و القدر عین واما الثانی فلان الالغاء للاشارۃ فاذا انتفی انتفی۔	میں وزن کا ذکر لغو ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) اس کے دونوں متخالف قول غائب چیز میں وزن کے اعتبار میں جمع ہوسکتے ہیں پس اول ظاہر ہے اس لئے کہ جب حاضر میں وصف کا اعتبار ہوگا تو غائب میں بطریق اولیٰ دو درجہ ہوگا کیا معلوم نہیں کہ ذراع وصف اور قدر عینی چیز ہے اور دوسرا اس لئے کہ لغو ہونا اشارہ کی وجہ سے ہے تو جب اشارہ معدوم ہوجائے تو لغو ہونا معدوم ہوجائیگا (ت)

غرض وکیل مدعیہ کا یہ عذر مسموع نہیں اب باقی امور کی طرف چلئے پیش از حلف جو مکالمہ محکمہ حلف گیرندہ وحالفہ میں آیا وہ نہ یادداشت میں مسطور نہ سوال میں مذکور جس پر بالخصوص رائے قائم کی جائے مگر ملاحظہ یادداشت محکمہ حلف سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ فرد اشیائے مدعی بہا بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم امیر النساء بیگم کو سنا کر اسے متوجہ حلف کیا گیا یعنی اس سے کہا گیا کہ ان اشیاء کی نسبت بحلف بیان کرو اس نے کلام مذکور یادداشت کہا جو ہر طرح سخن مستقل ہے اور اس میں ترکہ ضیاء النساء بیگم کا کہیں ذکر نہیں ہوسکتا تو عبارت حلف سے پیشتر کسی کلام میں ذکر متروکہ آجانا نفس حلف میں ذکر نہیں ہوسکتا جس نے ان معاملات میں علمائے کرام کی احتیاطیں دیکھی ہیں وہ اس کا ناکافی ہونا جانے گا جہاں آہستہ سے کسی لفظ کے بڑھا لینے کا احتمال پاتے ہیں وہاں اس کے قطع کی ہدایت فرماتے ہیں مثلاً شاہد کہے یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق یوں نہ مانیں گے کہ شاید حق کے بعد آہستہ سے نہیں کہہ لے بلکہ یوں کہلوائیں گے کہ اور اس کا حق ہے، یوں ہی مدعی سے، تو جہاں کچھ بڑھانے کی بھی حاجت نہیں صرف قطع نیت وصرف ارادت سے کام چلتا ہے وہاں کیونکر پسند کریں گے، ہندیہ میں ہے:

فی فتاوی النسفی ینبغی للشاہد ان یقول فی شہادتہ ایں عین ملک ایں مدعی است وحق وی است حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال المدعی فلاں چیز ملك من ست وحق من لایکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ	فتاوٰی نسفی میں ہے گواہ کو چاہئے کہ وہ اپنی شہادت میں یوں کہے یہ عین چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ نفی کے لاحق ہونے کا احتمال نہ رہے اور امام شیخ فخر الاسلام علی بزدوی فرماتے ہیں جب مدعی کہے یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہے اور میرا حق ہے، اور اپنے قول میں، فلاں کے قبضہ میں ناحق، کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے،

وبدست فلاں بناحق بدست فلاں بناحق است و کذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق بہ کلمۃ النفی قال الاحتیاط فی ھذا ولکن ھذا الاحتیاط فی موضع یطالب بالتسلیم کذافی الذخیرۃ[1]۔	اور اس قسم کے بیان میں، ایسا چاہئے تاکہ نفی کے احق ہونے کا احتمال نہ رہے، اور فرمایا احتیاط یہی ہے، لیکن یہ احتیاط وہاں ضروری ہے جہاں قبضہ لینے کا مطالبہ ہو، جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر پیشتر بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کرکے حلف لئے جانے کے یہ معنی ہوں کہ اول امیر النساء بیگم سے کہلوالیا گیا کہ وہ دربارہ متروکہ ضیاء النساء بیگم حلف سے کہے گی یاواللہ اس باب میں جو کہے گی حق کہے گی کماھو رائج فی زماننا (جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رائج ہے۔ت) تو یہ محض مردود و باطل ہے جو حلف شرع مطہر نے مدعا علیہ پر لازم کیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا کہ یہ دربارہ مستقل یمین منعقدہ ہے جس کا کفارہ بہت آسان اور یہاں مقصود وہ یمین ہے کہ اگر کاذب ہو تو غموس ہو جس کا انجام معاذاللہ ہلاکت ہے اور اس کے لئے کوئی کفارہ ہی نہیں، شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی صدر باب الاستحلاف میں ہے:

الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء ما اھلك من المال اھلاکا بازاء اھلاک[2]۔	جھوٹی قسم ہلاکت ہے، تومدعی علیہ جب مدعی کے حق کو ضائع کرتا ہے تو شریعت نے مدعی کے لئے جھوٹی قسم کو حق قرار دیا ہے تاکہ وہ مدعٰی علیہ کے لئے مال کو ہلاک کے عوض ہلاکت بن جائے(ت)

اسی طرح کافی ونتائج الافکار وغیرہا اسفار میں ہے کلام مذکور امیر النساء بیگم کا اولاً نفی مطلق ہونا محل نظر ہے پاس بمعنی ملک بھی مستعمل ہے کسی سے کوئی کتاب عاریۃً مانگے اور وہ اس کے کتب خانہ میں نہ ہو تو کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہیں اگرچہ دور رکھی ہے اول متروکہ ضیاء النساء بیگم سے مباین ہے اور دوم خاص من وجہ بہرحال اس کی نفی اس کی نفی کو مستلزم نہیں اور عموم ہی مانئے تاہم بے ضابطگی واضح، یہ استلزام نکتہ بعد الوقوع سہی مگر شرعاً یمین اس طور پر لینی چاہئے کہ نکول کرے تو دعوی کا بذل یااقرار ظاہر ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰ و ۴۶۱

[2] غایۃ البیان

یہاں ہر گز ایسا نہیں اگر بے تقید متروکہ مطلقاً قسم لیتے کہ فلاں فلاں اشیاء اس قیمت ووزن کی تیرے پاس نہیں وہ قسم کھانے سے انکار کرتی تو مطلق کا اقرار ہوتا جو مقید کا اقرار قرار نہ دیا جاسکتا تو نکول مہمل وفضول رہتا، جامع الفصولین میں ہے:

لایفید تحلیفہ لانہ لنکول ھو کاقرار[1]۔	اس کو قسم دینا مفید نہیں کیونکہ اس کے انکار پر وہ اقرار قرار پائے گا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

فائدۃ التحلیف القضاء بالنکول فاذالم یجز القضاء بالنکول عما ذکر فکیف یجوز التحلیف بہ لان التحلیف انما یقصد لنتیجتہ واذالم یقضی بالنکول فلا ینبغی الاشتغال بہ وکلام العقلاء یصان عن اللغو کما اشار لذلك فی البحر المنح اھ[2] باختصار	قسم کھلانے کا فائدہ انکار قسم پر فیصلہ کرنا مقصود ہے تو جہاں قسم کے انکار پر فیصلہ جائز نہ ہو قسم کھلانا کیونکر جائز ہوگا، کیونکہ مقصود نتیجہ خیز قسم ہے اور جب قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کیا جاسکے تو قسم کا شغل نہ کیا جائے حالانکہ عقلاء کے کلام کو لغو ہونے سے بچایا جاتا ہے جیسا کہ اسکی طرف بحر اور منح میں اشارہ ہے اھ باختصار (ت)

ان امور میں زیادہ نظر کی حاجت نہیں جبکہ بالبداہۃ آشکارا ہے کہ حلف مذکور محض ناکافی و مہمل واقع ہوا اور حکم حاکم دیوانی کی اصلاً تعمیل نہ ہوئی حاکم نے یادداشت میں صراحۃً یہ الفاظ لکھے تھے کہ کوئی چیز اس فہرست میں کے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم پاس مدعاعلیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعاعلیہا کے قبضے میں آئی اس دوسرے فقرے پر مطلق لحاظ نہ ہوا صرف پاس نہیں موجود نہیں پر حلف لیا گیا جس نے حلف کو محض ناقص و ناقابل قبول کردیا ممکن کہ بعد انتقال ضیاء النساء بیگم اشیائے دعوی کل یا بعض قبضہ امیر النساء بیگم میں آئی ہوں اور اب موجود نہ ہوں اب اس کے قبضے میں نہ ہوں صرف کردی ہوں تلف کردی ہوں ہبہ کردی ہوں تو قبضہ موجودہ ووجود فی الحال کی نفی سے کیا کام نکلا لاجرم حلف میں مدعیہ کے لئے نظر یکسر متروک ہوئی اور اس کے حق تلفی صاف محتمل رہی۔ جامع الفصولین میں ہے:

ذکر الخصاف فی دعوی الودیعۃ اذا لم تکن حاضرۃ یحلفہ باللہ مالہ ھذا المال الذی ادعاہ فی یدك ودیعۃ	خصاف نے ذکر کیا ہے کہ امانت کے دعوی میں اگر چیز حاضر نہ ہو تو مدعٰی علیہ سے یوں قسم لی جائے کہ خدا کی قسم وہ مال جو تیرے قبضہ میں بطور امانت ہونے

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[2] العقود الدریۃ تنقیح فتاوٰی حامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۹

ولاشیئ منه ولاله قبلك حق منه لانه متی اتلفه اودل انسانا علیه لم یکن فی یده فیکون علیه قیمته فلایکتفی بقوله فی یدك بل یضم الیه ولاله قبلك حق منه احتیاطا[1]۔	کا دعوی کرتا ہے وہ اس کا حق نہیں اور نہ اس میں سے کچھ اس کا حق ہے اور نہ ہی تیری طرف اس کا کوئی حق ہے کیونکہ جب اس نے امانت کو تلف کردیا ہو یا کسی اور کو دے دی اور اپنے قبضہ میں نہ ہو، تو اس صورت میں اس پر قیمت لازم ہوگی، تو تیرے قبضہ والی بات کافی نہ ہوگی بلکہ اس کے ساتھ، اور تیری طرف کوئی حق اس کے لئے نہیں ہے، شامل کرنا بطور احتیاط ضروری ہے۔(ت)

حلف دینا مدعی یا وکیل مدعی کا حق نہیں حق حاکم ہے حق مدعی حلف لینا یعنی طلب حلف ہے وبس، ولہذا اگر مدعی خود حاکم کے سامنے دار القضاء میں بطور خود مدعا علیہ کو حلف دے لے مقبول نہیں اگرچہ وہ حلف بروجہ کافی ہی دیا گیا ہو۔ عالمگیریہ میں ہے:

لوحلف بطلب المدعی یمینه بین یدی القاضی من غیر استحالف القاضی فهذا لیس بتحلیف لان التحلیف حق القاضی کذافی القنیة وهکذافی البحر الرائق[2]۔	اگر مدعی از خود قاضی کی موجودگی میں مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی کی طلب کے بغیر قسم کھلانا جائز نہیں کیونکہ قسم کا مطالبہ اور قسم کھلانا قاضی کا حق ہے قنیہ اور بحر الرائق میں یوں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

المدعی لواسقطه ای الیمین قصدا بان قال برئت من الحلف اوترکته علیه اووهبته لایصح وله التحلیف بخلاف البرائة عن المال لان التحلیف للحاکم، بزازیة[3]۔	مدعی نے اگر مدعی علیہ سے قسم کو ساقط کرتے ہوئے کہا میں نے تجھے قسم سے بری کیا، یا، تجھ سے قسم لینا میں نے ترک کیا یا میں نے تجھے یہ حق ہبہ کردیا تو مدعی کا قصداً قسم کو ساقط کرنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ قسم کھلانا قاضی وحاکم کا حق ہے، اس کے برخلاف اگر مدعی اس کو مال سے بری کردے تو جائز ہے۔ بزازیہ۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۰

الیمین حق القاضی مع طلب الخصم [1]۔	فریق مخالف کے مطالبہ پر قسم قاضی کا حق ہے(ت)

اسی میں ہے:

ونقل المصنف عن القنیۃ ان التحلیف حق القاضی فمالم یکن باستحلافہ لم یعتبر [2]۔	مصنف نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ قسم کھلانا قاضی کا حق ہے توجو قسم قاضی کی جانب سے نہ ہو وہ معتبر نہیں۔(ت)

تو ہدایت صاحب حق یعنی حاکم کے خلاف جو ناکافی و ناتمام حلف رکھا گیا اگرچہ خود وکیل مدعیہ یا مدعیہ نے آپ ہی رکھا ہو کیا معتبر ہوسکتا ہے بلکہ ناکافی حلف تو خود حاکم کا رکھا ہوا بھی مقبول نہیں اسے بیکار ٹھہرا کر دوبارہ حلف دینا ہوگا۔ محیط وجامع الفصولین و تبیین الحقائق وعالمگیریہ ودررالحکام ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

فی کل موضع وجبت الیمین فیہ علی البتات فحلف علی العلم (ولفظ جامع الفصولین عن المحیط فحلفہ القاضی علی العلم) لاتکون معتبرۃ حتی لایقضی علیہ بالنکول و لاتسقط الیمین عنہ [3]۔	جس مقام پر قطعیت پر قسم چاہئے تو وہاں علم کی قسم کھائی، (اور جامع الفصولین میں محیط سے منقول الفاظ یہ ہیں) تو قاضی نے وہاں اس سے علم کی قسم لی، تو یہ معتبر نہ ہوگی حتی کہ ایسی قسم کے انکار پر فیصلہ نہ کرسکے گا اور نہ ہی قسم ساقط ہوگی(ت)

وجیز امام کردری نوع ثالث فصل سابع کتاب القضاء میں ہے:

من لہ حق الحلف علی البتات اذاحلف القاضی خصمہ علی العلم یبقی لخصمہ حق البتات [4]۔	جہاں پر صاحب حق کو قطعیت پر قسم مطلوب ہو وہاں قاضی مدعٰی علیہ سے علم کی قسم لے تو دوسرے فریق یعنی مدعی کو قطعیت پر قسم کا حق باقی ہے۔(ت)

ان عبارات سے واضح کہ حلف جب فی نفسہٖ ناکافی ہو تو اگرچہ دونوں صاحب حق اعنی مدعی و قاضی کی مرضی مجتمع ہوجائے جب بھی مقبول و مسقط حلف نہ ہوگا اور بہ طلب مدعی دوبارہ حلف دینا لازم آئے گا۔

فافہم رتبواعدم اعتبارہ علی وقوعہ	جس طور قسم واجب تھی اس کے خلاف قسم پر فقہاء نے

---

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۶

[2] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التبیین کتاب الدعوٰی الباب الثالث الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۴، جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب القضاء فصل سابع نوع ثالث اسلامی کتب خانہ کراچی ۵ /۲۰۵

لاعلی الوجه الذی وجب لوکان بلا تحلیف القاضی لم یعتبر قط وان وقع علی الوجه الواجب کما سلف وکذا لوکان بلا طلب المدعی۔فی جامع الفصولین اواخر الفصل الخامس عشر عن فتاوی رشید الدین القاضی لو حلف بغیر طلب المدعی ثم طلب المدعی تحلیفه فله ان یحلفه ثانیا [1] اھ فعلم ان وقوعه لا علی الوجه الواجب مستقل بالرد وان وقع بطلب المدعی وتحلیف القاضی۔	عدم اعتبار کو مرتب کیا ہے کہ قاضی کی طرف سے قسم طلب کئے بغیر صحیح طور بھی قسم ہوئی تو ہرگز معتبر نہ ہوگی جیساکہ گزرا ہے اور یونہی اگر وہ قسم مدعی کے مطالبہ کے بغیر ہوئی ہو، جامع الفصولین کی پندرہویں فصل میں فتاوٰی رشید الدین سے منقول ہے کہ قاضی نے اگر مدعی کے مطالبہ کے بغیر قسم لے لی، اور اس کے بعد مدعی نے قسم کا مطالبہ کیا ہو تو اس کو دوبارہ قسم کھلانے کا حق ہوگا اھ، تو معلوم ہوا کہ واجبی طور کے خلاف ہونا یہ نااعتباری کی مستقل وجہ ہے اگرچہ یہ مدعی کے مطالبہ اور قاضی کے قسم لینے پر ہو۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں لازم کہ حاکم امیر النساء بیگم سے دوبارہ حلف تام شرعیہ بروجہ صحیح وکافی لے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ وجل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۷۸: از ریاست رام پور تھانہ حجیانے متصل زیارت نعیم شاہ صاحب مرسلہ سید چھٹن میاں صاحب غرہ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک منزل مکان اپنا وقف کرکے زید کو متولی اس کا کردیا، زید قابض مکان مذکور ہے، اب زید پر بکر نے دعوٰی ایک دیوار پچھیت وپاکھے مکان اپنے کا دائر کچہری کیا، زید نے بکر کی دیوار پچھیت وپاکھے سے انکار کیا، بکر نے حصر دعوٰی اپنے کا حلف زید پر کیا، زید کہتا ہے کہ میں مالک مکان موقوفہ نہیں ہوں مجھ پر شرعًا حلف متوجہ نہیں ہوتا ہے، پس دریافت کیا جاتا ہے کہ زید پر حلف شرعًا نسبت دعوٰی بکر آتا ہے یا بوجہ متولی اور غیر مالک مکان ہونے کے حلف متوجہ نہیں ہوتا۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع صورت مستفسرہ میں زید متولی پر حلف متوجہ نہیں متولی پر حلف صرف اس وقت میں آتا ہے جب خود اس پر کسی عقد کا دعوٰی کیا جائے مثلًا کوئی مدعی ہو کہ فلاں زمین وقفی اس نے میرے اجارے میں دی عقد تمام ہوگیا اور اب قبضہ نہیں دیتا یا اس کے مثل اور دعوٰی۔ تنویر الابصار میں ہے:

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس عشر اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۰۵

الوصی والمتولی وابوالصغیر یملك الاستحلاف ولا یحلف[1]۔	وصی، متولی، نابالغ کا باپ قسم لے سکتے ہیں اور ان سے قسم نہیں لی جاسکتی۔ (ت)

درمختار وتنویر الابصار وبحر الرائق میں ہے:

لایستحلف الاب فی مال الصبی ولا الوصی فی مال الیتیم ولا المتولی للمسجد والاوقاف الااذاادعی علیھم العقد[2]۔	والد سے نابالغ بیٹے کے مال سے متعلق ولی سے یتیم کے مال اور متولی سے مسجد واوقاف کے متعلق قسم نہ لی جائے گی ان سے قسم صرف اس صورت میں لی جائیگی جب ان پر کسی عقد کا دعوی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لایستحلف الاب اھ ای لوجنی الصبی جنایۃ فانکر ابوہ اووصیہ او ادعی احد جدار المسجد او الدار الموقوفۃ اوانہ انفق علی الوقف شیئا باذن المتولی السابق[3]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول کہ "باپ سے قسم نہ لی جائے گی الخ" یعنی بچے کی جنایت کا دعوی ہو اور باپ اس کا انکار کرے یا اس بچے کے لئے وصی ہو وہ انکار کرے یا کوئی متولی پر مسجد یا وقف شدہ مکان اور اس کی دیوار کا دعوی کرے یا یہ کہ اس نے پہلے متولی کی اجازت سے وقف پر اپنا مال خرچ کرنے کا دعوی کیا ہو تو ان پر قسم نہ ہوگی۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۹: از شہر مدرسہ اہل سنت مسئولہ مولوی عبدالرحیم متعلّم مدرسہ مذکور جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا بالقضائے الٰہی زید فوت ہوا والد زید خالد موجود ہے جو دادا عمرو کا ہوتا ہے اب بوجہ نزاع جائداد کے خالد دادا عمرو کا یہ قول ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوا تھا اور نیز قاضی جس نے نکاح پڑھایا تھا اس سے اس امر میں جھوٹ بلوانا چاہتا ہے کہ جھوٹی گواہی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۰۱، بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۹

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۹

دے دو کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا کفارہ ادا کر دیا جائے گا، آیا جائز ہے کہ قاضی نکاح کچہری میں کہہ دے کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا یا سچ بولے اور شہادت کاذبہ میں کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

جھوٹی قسم جو آئندہ کی بابت کھائی جائے اس کا کفارہ ہے اور جھوٹی گواہی کا کچھ کفارہ نہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جھوٹ گواہی دینے والا گواہی دینے کی جگہ سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالٰی اس کے لئے جہنم واجب کر دیتا ہے"۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: ازنباہٹرہ علاقہ ریاست ٹونک مرسلہ خدابخش ابراہیم ۳۰/ رمضان ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحکم شرع شریف میں دعوی کیا مبلغ (☆☆☆) کا مدعا علیہ نے (☆☆) کا اقرار کیا باقی رقم مذکور سے انکار کیا تو عدالت شریعت نے مدعی کے پاس سے ثبوت طلب کیا اس میں مدعی نے پانچ گواہ پیش کئے گواہ مذکور عدالت شریعت میں قابل التفات کے نہیں اس وجہ سے کہ گواہوں میں اختلاف بہت اور مجہول گواہی دینے سے عدالت شریعت نے گواہی نامنظور فرمائی اور از روئے حدیث شریف کے مدعا علیہ پر قسم کا حکم دیا وہ حدیث شریف یہ ہے:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر [1]۔	گواہی مدعی پر اور قسم منکر پر لازم ہے (ت)

آیا اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ گواہ پیش ہونے پر بھی مدعا علیہ پر بھی قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں، جواب استفتاء بحوالہ کتب وعبارت عنایت فرمائیں اس لئے کہ میرے مقدمہ کی پیشی ۴/ شوال ۱۳۳۸ھ ہے۔ براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب:

شہادت کے موجود ہوتے مدعی مدعا علیہ کا حلف طلب نہیں کر سکتا مگر شہادت وہ ہے کہ مفید مدعا ہے ورنہ نام شہادت ہے حقیقةً شہادت معدوم ہے ایسی صورت میں مدعا علیہ پر حلف عائد ہو سکتا ہے مگر حاکم بطور خود اس پر حلف نہیں رکھ سکتا بلکہ مدعی کا طلب کرنا شرط ہے وہ چاہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوٰی باب البینة علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲، صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتهن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ما جاء ان البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰

تو قاضی اس سے حلف لے اس لئے کہ حلف حق مدعی ہے جس طرح حلف لینا حق قاضی ہے بالجملہ جب مدعی شہادت اصلاً نہ دے یا جو گواہ پیش کرے ان سے ثبوت دعوی نہ ہو تو اگر مدعی مدعا علیہ کا حلف نہ مانگے مقدمہ خارج کردیا جائے،

لانه ادعی ولم ینور دعواه بالبینة والمدعی علیه منکر وهذا لایطلب حلفه فانسدت طرق القضاء۔	کیونکہ دعوی کرکے گواہی پیش نہ کرے اور مدعی علیہ منکر ہے مدعی اس سے قسم بھی طلب نہ کرے تو فیصلہ کے راستے بند ہوگئے۔(ت)

اور اگر مدعی حلف مانگے تو بطور خود مدعا علیہ پر قسم نہیں رکھ سکتا اگر رکھے گا اور وہ حلف سے انکار کردے یہ انکار معتبر نہ ہوگا کہ حلف لینا حق قاضی ہے حاکم بر طلب مدعی مدعا علیہ پر حلف رکھے اب اگر مدعا علیہ حلف سے انکار کردے تو دعوی ڈگری کیا جائے اور حلف کرلے تو ڈسمس۔ ہدایہ میں ہے:

اذاصحت الدعوٰی سأل القاضی المدعی علیه عنها لینکشف وجه الحکم فان اعترف قضی علیه بها،وان انکر سأل المدعی البینة لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الك بینة فقال لافقال لك یمینه سأل ورتب الیمین عما فقد البینة فلا بد من السوال لیمکنه الاستحلاف وان احضرها قضی بها لانتفاء التهمة عنها،وان عجز عن ذلك وطلب یمین خصمه استحلفه علیها لماروینا ولا بد من طلبه لان الیمین حقه الا تری انه کیف اضیف الیه بحرف اللام فلا بد	جب دعوی صحیح ہو تو قاضی مدعا علیہا سے دعوی کے متعلق سوال کرے تاکہ فیصلہ کا طریقہ واضح ہوسکے تو اگر مدعٰی علیہ دعوی کو مان لے تو اس کے خلاف دعوی کا فیصلہ کردے اور اگر وہ انکار کرے تو اب قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پس گواہی ہے تو اس نے کہا نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا اب تجھے مدعی علیہ کی قسم کا حق ہے پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی سے پوچھا اور قسم کو گواہی نہ ہونے پر مرتب فرمایا تو گواہی کا سوال ضروری ہے تاکہ موجود نہ ہونے پر قسم لی جاسکے،اور اگر مدعی نے گواہی پیش کردی تو قاضی اس پر فیصلہ کردے کیونکہ کوئی اعتراض نہ رہا اور اگر گواہی پیش کرنے سے معذور ہے اور وہ مدعی علیہ سے قسم طلب کرے تو قاضی قسم لے جیسا کہ ہم نے روایت کیا مدعی کا قسم طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اس کا حق ہے، دیکھا نہیں کہ

من طلبه [1] اھ فانظر الی قوله ان احضرھا قضی بھا فانما اراد البینة المثبتة للدعوی والیھا الاشارة فی قوله وان عجز عن ذٰلک، فمن اتی ببینة لم تفت فقد عجز عن اقامتھا علی دعواہ۔	حدیث کے الفاظ میں قسم کو مدعی کی طرف حرف لام سے مضاف کیا ہے تو مدعی کا طلب کرنا ضروری ہے، اھ مصنف کے قول "اگر گواہی پیش کردے تو فیصلہ دے دے" پر غور کرو، تو یہ گواہی صرف وہی ہو سکتی ہے جو دعوی کے لئے مثبت ہو اور ایسی ہی گواہی کے متعلق اشارہ فرمایا، اگر اس سے عاجز ہو، تو اگر مدعی گواہی پیش کرے جو مفید نہ ہو تو وہ اپنے دعوی پر گواہی سے عاجز ہوا (ت)

غایۃ البیان میں ہے:

اذاقال المدعی لی بینة حاضرة وطلب الیمین لم یستحلف عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه احتج بماروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه قال للمدعی الك بینة قال لا قال لك یمینه فالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رتب الیمین علی البینة فدل علی ان الیمین انما تکون حجة عند عدم البینة ولان الیمین الکاذبة مھلکة فالمدعی علیه متی اتوی حق المدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبة حقاله حتی تصیر مھلکة ایاہ بازاء ما اھلك من المال اھلاکا بازاء اھلاك وانما یستحق اتواء الحق علی المدعی اذالم تکن بینة فاما اذاکان له بینة لایتوی حقه بل	جب مدعی نے بتایا کہ میرے گواہ موجود ہیں، اس کے باوجود قسم کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک قاضی قسم نہ لے گا، ان کی دلیل، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مدعی سے یہ استفسار کہ کیا تیری گواہی ہے اس نے جواب میں عرض کیا نہیں ہے، تو اس کو فرمایا تجھے قسم کا حق ہے، تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قسم کو گواہی پر مرتب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ قسم تب حجت ہوگی جب گواہی نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ جھوٹی قسم ہلاکت ہے مدعٰی علیہ جب مدعی کا مال ضائع کرے تو شریعت نے مدعی کو اس کی جھوٹی قسم کا حق دیا ہے تاکہ جھوٹی قسم مدعی علیہ کے لئے ہلاکت بن جائے تاکہ مدعی کا مال ہلاک کرنے کے بدلے اس کو ہلاکت ملے، تو اس وجہ میں مدعٰی علیہ مدعی کے حق کو نقصان تب پہنچاسکے گا جب مدعی کے پاس گواہی نہ ہو تو جب تک گواہی ہے

[1] الھدایة کتاب الدعوٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۰۱

یمکنه اثبات حقه بالبینة فلا یجعل الیمین المهلکة حقاله فی هذه الحال لانه فی غیر وقته[1] اھ ومعلوم ان الاتواء حاصل مع بینة لم تثبت دعواہ فکانت کلا بینة بناءً علی ان البینة اذالم توافق الدعوی و منه الشهادة بالمجهول بقیت بلا دعوی والدعوی شرط الشهادة فی حقوق العباد وانتفاء الشرط انتفاء المشروط فظهرانه عجز من البینة فله طلب حلف المدعی علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا حق ضائع نہ کرسکے گا بلکہ مدعی اپنے حق کو گواہی کے ذریعے ثابت کرلے گا لہٰذا اس حال میں ہلاک کرنیوالی قسم مدعی کا حق نہ بنے گی کیونکہ وہ وقت نہیں ہے اھ اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی گواہی جو دعوی کو ثابت نہ کرسکے تو وہ کالعدم قرار پائے گی اس بناء پر کہ وہ گواہی دعوی کے موافق نہ ہوئی، اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شہادت مجہول ہو تو گویا دعوی ثابت نہ ہوا، حالانکہ شہادت کے لئے دعوی ضروری شرط ہے توجب شرط نہ ہوئی تو مشروط نہ ہوا، توظاہر ہوگیا کہ دعوی پر گواہی سے عاجز ہے تو اسے قسم طلب کرنے کا حق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر مسئولہ غلام رسول ۲۷/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک پنچایت قائم ہوئی اور ایک شخص پر ایک امر میں حلف قائم کیا اور سب پنچوں نے اسے منظور کیا اس شخص نے حلف سے بیان کیا وہ معاملہ فیصل ہوگیا بعد کو چند اشخاص نے پنچ سے علیحدہ ہو کر یہ کہا کہ حلف کو نہیں جانتے اور ہمارے یہاں حلف نہیں ہے ہم حلف کو نہیں جانتے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں یہ قول قائل کا کہ ہم حلف کو نہیں جانتے ہمارے یہاں حلف نہیں ہے اگر وہ شخص اہل اسلام سے ہے اور بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع ہے اور تکذیب کرتا ہے یا اہانت کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ حکم حدیث مشہور البینة للمدعی والیمین علی من انکر[2] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) سے ثابت ہے

---

[1] غایة البیان

[2] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذااختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأة تقتل اذاارتدت نشر السنة ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوی باب البینة علی المدعی الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

اور اجماع تمام امت مرحومہ کا اس پر ہے، ھذا صورت الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط

بیشک حلف حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ الجواب صحیح العبد المجیب محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ

العبد محمد ہدایت اللہ عفی عنہ محمد عبدالجبار خاں عفی عنہ مہر

الجواب:

سائل غلام رسول ترہ فروش پوری نے واقعہ بیان کیا کہ ان کی برادری کا کوئی شخص بدایوں سے آیا تھا حسب رواج قوم اسے دعوت دینی تھی، ایک برادر اسے دعوت دینے گیا وہ نہ ملا پھر پنچایت میں دعوت نہ دئے جانے کا شاکی ہوا اس پر اس برادر سے کہا گیا تم حلف سے کہہ دو کہ تم دعوت دینے گئے تھے اس نے حلف سے کہہ دیا اس پر چند اشخاص نے وہ لفظ کہے، نیز غلام رسول نے بیان کیا کہ وہ اور حافظ علاء الدین اور جماتین شخص مجیب کے پاس گئے اور واقعہ مذکورہ ہمارے سامنے حافظ مذکور نے مجیب سے کہا اور نشان انگوٹھا غلام رسول

انگوٹھے کا نشان جلد ۱۸ ص ۳۰۸

فتوٰی طلب کیا جس پر یہ جواب لکھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو یہاں ہر گز نہ کوئی شرعی دعوی تھا نہ کوئی مدعی نہ مدعا علیہ نہ کسی پر حلف عائد، اسے حدیث **البینة للمدعی والیمین علی من انکر**[1] (گواہی مدعی کو لازم اور قسم مدعی علیہ منکر پر ہے۔ت) کے تحت میں داخل کرنا صریح جہل و ظلم ہے، اور بفرض باطل اگر اس کا کہنا کہ میں دعوت دینے گیا تھا دعوی ہوتا تو منکر تو بدایوں والا تھا اس پر حلف آتا نہ کہ مدعی پر، یہ دوسری جہالت شدیدہ ہے، بلاشبہہ ایسا حلف شریعت میں نہیں اور اس نے ٹھیک کہا تو اس پر حکم گناہگاری و توبہ تیسری جہالت ہے اور سب سے سخت تراشدہ وہ کہ اس باطل محض کو معاذاللہ حکم شرع ٹھہرا کر اس کی تکذیب کے سبب مسلمان پر حکم کفر عائد کرنا، حالانکہ اگر عقل سے کام لینا ہو تو باطل محض کو حکم شرع قرار دینے ہی پر یہ کہنا لازم کہ یہ قرار دینے والا اگرچہ بوجہ جہالت و نادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع نہیں اور قصداً اللہ و رسول پر جھوٹی شریعت کا افتراء کرتا ہے تو حکم کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن باب اذا اختلف الراہن والمرتہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأة تقتل اذا ارتدت نشر السنة ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبری للبیہقی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

" اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "[1]	جھوٹ کا افتراء وہ لوگ کرتے ہیں جو مومن نہ ہوں (ت)

اور فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ "[2]	جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔(ت)

ظاہر صورت اولٰی ہے کہ بوجوہ جہالت ایسا کہا ہے جس پر "ھذا صورت الجواب" بتائے کشیدہ قرینہ ہے مگر یہ فقط اس قول باطل ہی کا گناہ نہیں جاہل کو فتوی دینا کس نے حلال کیا، حدیث میں ہے:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السمٰوت والارض[3] او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو بے علم فتوٰی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں (یا جس طرح حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت) والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور بالفرض اگر سائل کا بیان غلط ہے اور مجیب سے واقعہ بیان نہ کیا گیا جب بھی اتنے بیان سوال سے مجیب کا یہ ٹھہرالیناکہ ترہ فروشوں کی قومی پنچایت میں کوئی شرعی دعوی پیش ہوا اور یہ کہ انہوں نے منکر پر حلف رکھا جہالت ہے قومی پنچائتوں کو کون نہیں جانتا و من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاہل[4] (جو اہل زمانہ کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ت) اور مدعی و منکر کی شناخت ہزاروں جگہ علماء کو تو سخت دشوار ہوتی ہے نہ کہ جہال، مگر مجیب نے اپنے شہر کے ترہ فروشوں کو شاید امام مجتہد فرض کرلیا، مسلمان پر حکم معصیت بلکہ ایک وجہ پر حکم کفر لگانے کے لئے تنقیح ضرور تھی کہ کیا معاملہ کیسا حلف، مگر اسے تو وہ جانے جسے علم و دین سے حصہ عطا ہوا، بہرحال جواب رام پور جہل و ظلم ضرور، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۶: از عظیم آباد پٹنہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا اور شوہر اور ایک شیر خوار بچہ اور ایک نانی اور دو بھائی حقیقی چھوڑے، بعد وفات ہندہ آپس میں من حیث ترکہ پانے کے نزاع واقع ہوئی، ہندہ کے بھائیوں نے ہندہ کے شوہر سے دین مہر خالدہ اخت ہندہ کا جو قبل شوہر ہندہ کے نکاح میں تھی اور بعد لاولد فوت ہونے اس کے ہندہ نکاح میں

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳، الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷

[4] درمختار باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

آئی تھی اداکاری کا مطالبہ کیا اور چونکہ خالدہ اخت ہندہ کا دین مہر واقعی واجب الادا تھا تو جو حصہ ۸/ متروکہ کہ شوہر نے پایا وہ شوہر ہندہ نے محض دیانتداری سے بعوض دین مہر چھوڑ دیا، مگر ازانجا کہ برادراں ہندہ کی جس نے اپنا دین مہر معاف کر دیا تھا نیت صاف نہ تھی چہارم حصہ متروکہ ہندہ کو ابھی اسی دین مہر سابق میں ملاکر ہضم کرنا چاہا اور ہندہ کی نانی کو بھی نالش پر ابھارا تو شوہر ہندہ نے محض بغرض استحفاظ حصہ چہارم اپنے مصلحتًہ یہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہندہ نے مرض الموت مس اپنی کل جائداد اپنے شیر خوار بچہ کو ہبہ کر دی جس کا کوئی گواہ بجز شوہر ہندہ کے نہ تھا اور بعض مقامات میں بذریعہ تحریری شوہر ہندہ نے اس وقت تک ہبہ کا اقرار کیا کہ وہ ششم حصہ بھی خود اپنے مال سے اسم فرضی اپنے پسر کے خرید لیا اور زمن بعد برابر کاغذات وغیرہ پر خود اپنے اور اپنے شیر خوار لڑکے کی طرف سے بحیثیت ولایت کے دستخط کرتا رہا اور برابر وہ جائداد پسر ہندہ کے قبضہ میں حسب حصہ رسد کے رہی تاآنکہ وہ لڑکا عاقل و بالغ ہوا پھر اس کی شادی بھی ہوئی تو اب وہ لڑکا کل متروکہ اپنے مادر متوفیہ ہندہ پر دعوی کرتا ہے اور چہارم حصہ پدری اور اس حصہ پر جو اس کے باپ شوہر ہندہ نے اپنے پسر کے نام سے اسم فرضی ہندہ کی نانی سے خریدا تھا دونوں کو ہضم کرنا چاہتا ہے اور کچہری میں مقدمہ دائر کیا ہے اور اپنے پدر کے اقرار ہبہ کو جو مثل خریداری ششم حصہ کو وہ مصلحتًہ بیان کرتا رہا استدلال میں پیش کرتا ہے اور کسی حال میں باوجود فہمائش بلیغ منازعت سے باز نہیں آتا اور باپ کی تعظیم و تکریم تو درکنار ماں وپدر کو غلط اور لغو جانتا ہے اور حقوق پدر کا مطلق خیال نہیں کرتا تو ایسی صورت میں علمائے دین کا اس مصلحتی اقرار پدر متعلق ہبہ کے کیا ارشاد ہے اور اس پسر کے اس تکرار وفساد کو صحیح ودرست جانتے ہیں یا بالعکس؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اولاد کو حقوق پدری کا خیال نہ کرنا اس کے ساتھ تمرد و مخالفت سے پیش آنا اپنے لئے عذاب شدید نار وغضب رب قہار کا واجب کرتا ہے، اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرض کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کرو، انہیں ہُوں نہ کہو، ان سے اعزاز واکرام کا کلام کرو، ان کے لئے خاص محبت سے تذلل کا بازو بچھاؤ، ان کے لئے دعا کرو کہ الٰہی! ان پر رحم فرما جیسا انہوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ والدیوث و الرجلۃ من النساء [1]۔ رواہ	تین شخص ہیں کہ جنت میں نہ جائیں گے، ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت

[1] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۷، کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب البر والصلہ باب العقوق مطبع موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۷۲

النسائی والبزار باسنادین نظیفین والحاکم فی صحیحه المستدرك عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	(اس کو نسائی اور بزار نے صاف سندوں سے اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ مستدرک میں حضرت ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایقبل اللہ عزوجل منهم صرفا ولاعدلا عاق ومنان ومکذب بقدر[1]۔رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنة باسناد حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی نہ ان کے نفل قبول کرے نہ فرض: ماں باپ کو ایذا دینے والا اور صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا (اس کو ابن ابی عاصم نے سند حسن کے ساتھ کتاب السنۃ میں حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه[2]۔رواہ الطبرانی والحاکم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے۔ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے (اس کو طبرانی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد[3]۔ رواہ الترمذی و	اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ ناراضی والد کی ناراضی میں (اس کو ترمذی اور حاکم نے

[1] العلل المتناہیہ حدیث ۲۳۹ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۵۱، مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر الخ دار الکتاب بیروت ۷/ ۲۰۶

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۴۹۲ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۲۲۶، الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی والحاکم الحدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۷

[3] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۲، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۲

الحاکم بسند صحیح عن عبداللہ بن عمرو والبزار عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن عمرو اور بزار نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل الذنوب یوخر اللہ تعالٰی منہا ماشاء الی یوم القیمۃ الاعقوق الوالدین فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیات قبل الممات[1] رواہ الحاکم والاصبہانی والطبرانی فی الکبیر عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب گناہوں کی سزا اللہ تعالٰی چاہے تو قیامت کیلئے اٹھار کھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہنچاتا ہے (اس کو حاکم، اصبہانی اور طبرانی نے کبیر میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ماں کے لئے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی بیباکی کافر نعمتی ناپاکی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتعقن والدیك وان امراك ان یخرج من اھلك و مالک[2]۔ رواہ الامام احمد بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر۔	خبردار ماں باپ کی نافرمانی نہ کہ اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے جورو بچوں مال و متاع سب سے نکل جا (اس کو امام احمد نے ہمارے اصول پر صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے:

اطع والدیك وان اخرجاك من مالك ومن کل شیئ ھولک[3]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صالح کلاھما عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اپنے ماں باپ کا حکم مان اگرچہ وہ تجھے تیرے مال اور تیری سب چیزوں سے تجھے باہر کردیں (اسے طبرانی نے اوسط میں، اسے اور مذکورہ بالا حدیث (دونوں) کو معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اوناشکر، خدانا ترس! مال لایا کہاں سے، تیرا گوشت پوست استخوان سب تیرے ماں باپ

[1] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۵۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت معاذ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۷۹۵۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۴۶۰

کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **انت ومالك لابيك** (تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا)

یہ اس وقت ارشاد ہوا کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ! مال وعیال رکھتا ہوں اور میرے ماں باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں یعنی پھر میں اور میرے بال بچے کیا کھائیں گے، فرمایا: "تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا"

رواه ابن ماجة[1] **بسند صحيح عن جابر والطبرانی فی الكبير عن سمرة بن جندب وعبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنهم۔**	اس کو ابن ماجہ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر اور طبرانی نے کبیر میں حضرت سمرہ بن جندب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث میں ہے ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض رساں ہوئے:

ان ابيه يريد ان ياخذ ماله۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ادعه لی** انہیں ہمارے حضور میں حاضر لاؤ۔ جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا تمہارا بیٹا کیا کہتا ہے تم اس کا مال لینا چاہتے ہو، عرض کی حضور اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہی اس کی مہمانی اور اس کی قرابتی میں، یا میرا اور میرے بال بچوں کا خرچ، اتنے میں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی خود اس کے کان نے نہیں سنے یعنی ہنوز زبان تک نہ لایا، حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اپنے دل میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہ سنے وہ سناؤ۔ ان صاحب نے عرض کی: اللہ ہمیشہ حضور کے معجزات سے ہمارے دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتا ہے، پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے: ؎

غذوتك مولودا ومنتك يافعا — تعل بما اجنی عليك وتنهل

اذا ليلة ضافتك بالسقم لم ابت — لسقمك الا ساهر اتململُ

تخاف الردی نفسی عليك وانها لتعلم ان الموت حتم موكل

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۹۶۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۷ /۲۳۰

کانی انا المطروق دونك بالذی	طرقت بہ دونی فعینی تهمل
فلما بلغت السن والغایة التی	الیك مدی ما کنت فیك اومل
جعلت جزائی غلظة وفظاظة	کانك انت المنعم المتفضل
فلیتك اذلم ترع حق ابوتی	فعلت کما الجار المجاور یفعل
واولیتنی حق الجوار ولم تکن	علی بمالی دون مالك تبخل

میں نے تجھے غذا پہنچائی جب سے تو پیدا ہوا اور تیرا بار اٹھایا جب سے تو ننھا ہوا میری کمائی سے تو بار بار مکرر سیراب کیا جاتا، جب کوئی رات بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالانکہ اسے خوب معلوم تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلط کی گئی ہے میری آنکھیں یوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا تھا نہ تجھے، میں نے تجھے یوں پالا اور جب تو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام آئے گا تو تو نے میرا بدلہ سختی و درشت خوئی کیا گویا تیرا ہی مجھ پر فضل واحسان ہے، اے کاش جب تو نے حق پدری کالحاظ نہ کیا تھا تو ایسا ہی کرتا جیسا پاس کا ہمسایہ کرتا ہے ہمسایہ میں کا حق تو مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا ہی تھا بخل نہ کرتا۔ ان اشعار کو استماع فرما کر حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا:

اذهب انت ومالك لابیک [1]۔ رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر والبیهقی فی دلائل النبوۃ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جا تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے (اس کو طبرانی نے معجم صغیر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حکم سعادت تو یہ ہے مگر باینہمہ قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے۔ باپ اگر محتاج ہو تو بقدر حاجت بیٹے کے فاضل مال سے بے اس کی رضا واجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں اور یہ لینا بھی

---

[1] المعجم الصغیر للطبرانی باب من اسمہ محمد ترجمہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۶۳، دلائل النبوۃ للبیهقی باب ما جاء فی اخبارہ من قال فی نفسہ شعرًا الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۵-۳۰۴

کھانے پینے، پہننے، رہنے کے لئے، اور حاجت ہو تو خادم کے واسطے بھی، بیٹے کے روپے پیسے سونے چاندی ناج کپڑے یا قابل سکونت پدر مکان سے ہو، ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو انہیں اغراض ضروریہ کے لئے اس کے اور اموال سے جو خلاف جنس حاجت ہوں بحکم حاکم یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطور خود بھی لے سکتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت ہے اناج یا روپیہ نہ پایا تو کپڑے۔ برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو ناج وغیرہ بیچ کر بنا سکتا ہے نہ یہ کہ اس کی جائداد ہی سرے سے اپنی ٹھہرالے۔ درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر مایکفیہ ان ابی ولاقاضی ثمۃ والا اثم [1]۔	بتغنی للفقیر میں ہے کہ باپ اپنے بیٹے کے انکار پر اس کا اتنا مال چوری کرلے جتنا اس کو نفقہ کے لئے ضرورت ہے جبکہ وہاں قاضی نہ ہو ورنہ گنہگار ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سیأتی قریبا لو انفق الابوان ماعندھما للغائب من ما لہ علی انفسھما وھو من جنس النفقۃ لایضمنان لوجوب نفقۃ الابوین والزوجۃ قبل القضاء حتی لو ظفر بجنس حقہ فلہ اخذہ ولذافرضت فی مال الغائب بخلاف بقیۃ الاقارب ونحوہ فی المنح و الزیلعی وفی زکاۃ الجوھرۃ الدائن اذاظفر بجنس حقہ لہ اخذہ بلا قضاء ولارضاء وفی الفتح عند قولہ و یحلفھا باللہ ماعطاھا النفقۃ وفی کل موضع جازا القضاء بالدفع کان لھا ان تأخذ بغیر قضاء	عنقریب آئے گا کہ اگر غائب بیٹے کا مال پاس ہو تو والدین ضرورت نفقہ کے لئے اسے صرف کرلیں درانحالیکہ وہ مال جنس نفقہ ہو تو والدین ضامن نہ ہوں گے کیونکہ والدین اور بیوی کا نفقہ قضاء کے بغیر بھی واجب ہے لہٰذا وہ اپنے حق والی جنس پر قابو پالیں تو قبضہ کرسکتے ہیں، اسی وجہ سے غائب کے مال میں ان کا نفقہ بقدر ضرورت نافذ ہوتا ہے بخلاف باقی اقارب کے۔ اسی طرح کا بیان منح، زیلعی اور جوہرہ کے باب زکوۃ میں ہے، قرض خواہ اپنے حق والی جنس پر قابو پانے پر لے سکتا ہے خواہ رضا اور قضانہ ہو۔ اور فتح میں اس کے قول کہ "بیوی سے قاضی قسم لے گا کہ خاوند نے مجھے نفقہ نہیں دیا" کے تحت ہے جہاں قاضی کو بیوی کے لئے نفقہ نافذ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۴

من ماله شرعاً اھ فیقول المبتغی ولا قاضی ثمة محمول علی ما اذا کان یاخذہ من خلاف جنس النفقة، فلاحاجة فیھا الی القاضی وتمامه فی حاشیة الرحمتی وقد اطال واطاب[1]۔	کرنے کا اختیار ہے وہاں بیوی کو یہ جائز ہے کہ شرعاً وہ بغیر قضاء خاوند کے مال سے حاصل کرلے اھ، تو مبتغی کا یہ قول کہ "وہاں قاضی نہ ہو" یہ اس صورت پر محمول ہے جبکہ غیر جنس نفقہ سے لے، تو جنس نفقہ کی صورت میں قاضی کی ضرورت نہیں، یہ تمام بیان رحمتی کے حاشیہ میں ہے انہوں نے اچھی طوالت سے بیان کیا ہے۔(ت)

یہاں کہ شوہر ہندہ نے کل متروکہ اپنے پسر کے نام جانب ہندہ سے ہبہ بتایا اور اسی پر کارروائی کی وہ شرعاً اپنے اقرار پر مواخذ ہے اور اس کا دعوی کہ اس وقت اپنی چہارم بچانے کے لئے ایسا مصلحۃً محض غلط کہہ دیا تھا ہر گزیوں مسموع نہیں جب وہ خود اتنی مدت تک چہارم کے لئے جھوٹ ظاہر کرتے رہنے کا مقر ہے تو کیا اعتبار ہے کہ اس کے وہی بیانات ممتدہ سچے ہوں اور اب بیٹے کی حرکات کے باعث ناراض ہو کر اس کے اضرار کے لئے یہ اظہار کرتا ہو، غرض کوئی مقر صرف اپنے اقرار سے پھر کر نفع نہیں پاسکتا، مرض الموت کا ہبہ جبکہ وارث کے نام ہوا گرچہ تمام وکمال اجازت دے کر ورثہ پر موقوف رہتا ہے اور بعض نہ مانیں تو ان کے حق میں باطل ہوجاتا ہے مگر ماننے والے کے حق پر ضرور نافذ رہتا ہے اور یہ شیوع کہ بعد کو عارض ہوا تمامی ہبہ کو مضر نہیں ہوتا، تنویر میں ہے:

المانع شیوع مقارن لاطارئ[2]۔	غیر منقسم حصہ ہونا ابتداءً مانع ہے بعد والا طاری ہو تو مانع نہیں ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

لایمنع الشیوع صحة لاجازة[3]۔	غیر منقسم ہونا صحت اجازت کے لئے مانع نہیں ہے۔(ت)

تو وہ اجازت شوہر ہندہ اس کے اپنے حق چہارم پر ضرور اثر انداز ہوئی اور اسے محض دعوی چہارم پانے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ رہا نانی کا ششم کہ اس کے عدم تسلیم کے باعث محفوظ رہا تھا جبکہ اسے اپنے پسر کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۸-۶۷۷

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ

نام خریدا وہ بھی اس کا ہوگیا اگر اصل خریداری اسی کی طرف سے اسی کے نام سے ہوئی جب تو ظاہر ہے کہ ابتداءً لڑکا ہی اس کا مالک ہوا اور اگر خود خریدا اور بیعنامے میں لڑکے کا نام لکھا دیا تو اب یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ خریداری سے اصل مالک یہ خود ہوا،

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ[1] کما فی الدر وغیرہ۔	کیونکہ خریداری کا جب نفاذ مشتری (خریدار) پر ہو تو بیع نافذ ہوجائے گی، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے۔ (ت)

اور پھر لڑکے کے نام بیعنامہ لکھانا اس کی طرف سے پسر کو ہبہ ہوا لانہ دلالۃ التملیك وقد بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ یہ مالک بنانے پر دلالت ہے، اس کو ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) تاکہ وہم گزرے کہ جب ماورائے ششم کا بوجہ ہبہ ہندہ حسب اقرار شوہر ہوچکا اور یہ ششم بذریعہ شراء اس شخص کی ملک ہوا اور ہنوز منقسم ہے تو بیٹے کے نام لکھا دینا شیئ مشاع کا اپنے شریک کو ہبہ کرنا ہوا اور وہ علی المذہب المعتمد جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

تم بالقبض فی مقسوم ومشاع لایقسم الافی ما یقسم ولو لشریکه کما فی عامة الکتب فکان هو المذهب[2] الخ مختصرا۔	تقسیم شدہ اور ناقابل تقسیم کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجاتا ہے مگر اس غیر منقسم کا ہبہ جو قابل تقسیم ہو قبضہ سے تام نہ ہوگا اگرچہ یہ ہبہ شریک کو ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ عام کتب میں ہے تو وہی مذہب ہے الخ مختصراً (ت)

بلکہ جب وہ مال اس کے قبضہ میں پہنچا اور یہ اقرار کرچکا تھا کہ وہ تمام وکمال بذریعہ ہبہ ملک پسر ہے تو اپنے اسی اقرار پر مواخذ ہو کر یہ ششم بھی سپرد پسر کرنا ہوگا اور وہ بیعنامہ میں اس کا نام لکھانا اس کی تکمیل ٹھہرے گا، بالجملہ اقرار کے باعث اب یہ دعوی ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک وارث ثابت الوراثت کا دعوی صاف وآسان ہوتا۔ اب حکم یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر مہر ہندہ واقعی معاف ہوگیا اور اس کے بھائی اسے ناحق دباتے تھے اور اس کے کوئی ذریعہ تحفظ سوائے اس اقرار کے نہ تھا جسے اب وہ غلط و بربنائے مصلحت بتاتا ہے تو اولاً اس سے گواہ مانگے جائیں گے اگر گواہان شرعی سے ثبوت دے دے کہ یہ اقرار محض کاذب و فرضی تھا فبہا ورنہ بیٹے سے حلف لیا جائے کہ واللہ میرے باپ کا اقرار مذکور

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

سچا تھا اور فرضی نہ تھا اگر وہ حلف سے انکار کرے تو اس کے باپ کا دعوٰی ثابت مانا جائے گا اور حلف کرلے تو رد ہوجائے گا۔ در مختار میں ہے:

اقر رجل بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال المقربه قرض وبعضه ربا علیه فان اقام علی ذلك بینة تقبل وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیه[1]۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا دوسرے کیلئے اقرار کیا اور مدعی نے اس پر شہادت پیش کی پھر مقر نے کہا کہ اس مال میں سے کچھ قرض ہے اور کچھ سود ہے اس پر مقر نے گواہ پیش کردئے تو یہ گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ یہ بات پہلے اقرار کے مناقض ہے کیونکہ ہمیں علم ہے کہ وہ اس اقرار پر مجبور تھا، شرح وہبانیہ۔ (ت)

اسی میں ہے:

اقر ثم ادعی المقرانه کاذب فی الاقرار یحلف المقرله ان المقر لم یکن کاذبا فی اقراره عند الثانی وبه یفتی درر[2]۔	اقرار کرکے پھر کہتا ہے میں نے جھوٹا اقرار کیا ہے تو مقرلہ (جس کے حق میں اقرار کیا) سے قسم لی جائیگی کہ اقرار کرنیوالے نے سچا اقرار کیا ہے نہ کہ جھوٹا، یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جائے گا، درر۔ (ت)

یہ فیصلہ قضا ہے اور فیصلہ سعادت وہ تھا **انت ومالك لابیك**[3] تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ اپنے دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہے تو اسی فیصلہ پر سر رکھ دے کہ یہ فیصلہ اس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہے، اور مسلمان وہی ہے جو ان کا فیصلہ دل سے مان لے، اللہ عزوجل فرماتا ہے "تیرے رب کی قسم مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں اصلاً تنگی نہ پائیں گے اور قبول کرلیں مان کر"[4]۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل ترجمه عمرو بن شعیب دار الفکر بیروت ۲/ ۲۰۴

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

مسئلہ ۸۳: از ریاست رام پور محلّہ متصل دروازہ انگوری باغ مرسلہ علی رضاخان ۱۱محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں بعد ادائے آداب بزرگاں گزارش ہے کہ ہندہ شب کو اپنے باپ کے مکان سے نکل کر زید کے مکان پر آئی اور زید سے برضائے خود نکاح کرلیا، ہندہ کے باپ نے استغاثہ فراری دختر کا کیا، اور ہندہ بحکم سرکار اپنے باپ کے سپرد کردی گئی اور زید نے نالش مفتی کے یہاں کی، مفتی صاحب نے دعوی فسخ کردیا، عرضی دعوی اور جواب دعوی اور جواب وتنقیح عدالت وثبوت مدعی وصفائی مدعا علیہا واظہارات گواہان وفیصلہ عدالت سب کی نقلیں حاضر ملاحظہ ہیں اس ثبوت پر دعوی مفتی نے خارج کردیا ہے، اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ بعد ملاحظہ کاغذات حکم شرعی سے معزز فرمائیں۔ عرضی علی رضاخاں برادر حسن رضاخاں ساکن رام پور۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب اللہ عزوجل تبارک وتعالٰی احکم الحاکمین عزجلالہ نے خادمان علم سے عہد لیا ہے کہ جب تم سے کسی مسئلہ شرعیہ کا استفسار ہو بے رورعایت حق کا اظہار ہو ورنہ **معاذاللہ** مستحق لجام نار ہو، فیصلہ مع جملہ کاغذات مرسلہ نظر سے گزرا بنگاہ اولین واضح ہوا کہ معزز ذی علم مجوز کی نظر کو یہاں بوجوہ کثیر سخت لغزشوں کا سامنا ہوا محض نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا جو کسی طرح جائز نہ تھا، ذی علم مجوز نے بناء فیصلہ چند امور پر رکھی ہے:

(۱) ابطال مبنائے ثبوت دعوی

(۲) قرائن سے ظہور غلطی دعوی

مگر افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی وجہ قوانین شرع مطہر کی معیار مبارک پر صحیح نہ اتری تفصیل موجب تطویل لہٰذا مختصر وجوہ غلطی فیصلہ پر اقتصار کریں **وباللہ التوفیق۔**

بنائے دعوی

(۱) ذی علم مجوز نے اس دعوی کا اصلی مبنٰی اس امر کا ثابت ہونا قرار دیا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے حسن رضاخاں کے ساتھ اپنے نکاح کا وکیل بوستاں خاں کو کیا ہے کیونکہ بذریعہ ولی جائز کے نکاح ہونے کا دعوی نہیں ہے بلکہ بوستاں خاں شخص اجنب کے اور مدعا علیہا بوستاں خاں کی توکیل سے منکر ہے یہاں تک کہ فرمایا صحت نکاح موقوف توکیل ہے جب توکیل غیر ثابت ہے تو اگر نکاح ہو بھی گیا تو بوجہ عدم صحت توکیل کے نکاح ثابت نہیں، یہاں تمام کتب مذہب کی روشن تصریحوں سے سخت ذہول

واقع ہوا، صحت نکاح ہر گز تقدم توکیل پر موقوف نہیں، نہ ثبوت نکاح ثبوت توکیل سابق علی النکاح پر۔ اگر کوئی فضولی راہ چلتا محض بلا اجازت وبلا اطلاع ہندہ کا نکاح زید سے خواہ زید کی طرف سے فضولی ہو کر اس کا نکاح ہندہ سے کردے اور طرف ثانی یعنی پہلی صورت میں زید اور دوسری صورت میں ہندہ خود یا اس کا وکیل یا ولی یا اس کی طرف سے بھی کوئی راہ چلتا اسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے کے سنتے سمجھتے ہوں قبول کرلے نکاح ضرور صحیح ومنعقد ہوجائے گا جبکہ کوئی اس قابل ہو کہ اسے خبر پہنچے اور وہ اس فعل فضول کو روا رکھے تو جائز ہوسکے گا ہاں اس کا نفاذ خود منکوحہ یا ناکح یا دونوں یا ان کے اولیا کی اجازت پر موقوف رہے گا یعنی منکوحہ یا ناکح صرف ایک کی طرف سے کوئی فضولی تھا تو اس کی اپنی اجازت چاہئے اگر بالغ ہو ورنہ ولی کی اور دونوں کی طرف سے فضولیوں نے ایجاب وقبول کیا تو دونوں کی اپنی اجازت پر توقف ہوگا اگر بالغ ہوں یا اولیا کی اگر نابالغ ہوں یا ایک کی اپنی اور دوسرے کے ولی کی اگر ایک بالغ دوسرا نابالغ ہو بہر حال صحت نکاح میں شبہہ نہیں، ایسا نکاح اگر حاکم کے سامنے ثابت ہو تو ہرگز اس بناء پر رد نہ کرے گا کہ توکیل تو ہوئی ہی نہ تھی لہٰذا نکاح ثابت نہیں بلکہ اس وقت تنقیح اس کی لازم ہوگی کہ آیا اجازت پائی گئی یا نہیں، اگر بعد نکاح اجازت قولاً خواہ فعلاً کسی طرح ثابت ہو ضرور ثبوت نکاح کا حکم کرے گا ورنہ نہیں۔ در مختار فصل فضولی میں ہے:

کل تصرف صدر منه کبیع وتزویج وطلاق واعتاق وله مجیز حال وقوعه العقد موقوفا[1]۔	فضولی شخص کا ایسا تصرف کہ اس کے تصرف کے وقت کوئی جائز کرنے والا موجود ہو مثلاً بیع، نکاح کرنا، طلاق واعتقاق، تو یہ تصرفات موقوف طور پر منعقد ہوں گے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق[2]۔	موقوف تصرف صحیح اقسام میں سے ہے، یہ مشائخ کے دو طریقوں میں سے ایک ہے اور یہی حق ہے (ت)

فتاوٰی خیریہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]۔	بعد کی اجازت سابق وکالت کی طرح ہے۔(ت)

تو وکالت بوستاں خاں کو صحت نکاح کا موقوف علیہ اور ثبوت توکیل بوستاں خاں کو ثبوت دعوی کا اصل مبنی ماننا دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں۔

(۲) جلال خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم گواہان توکیل ہیں، ذی علم مجوز نے صحت دعوی کا دوسرا مبنی گواہوں کا مقرہ کو پہچاننا قرار دیا اور اس پر اعتراض کیا کہ جلال خاں کو عدم شناخت مقرہ کی تسلیم ہے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ عصمت جہاں بیگم پردہ نشین ہے جس وقت گواہی دریافت کرنے کے لئے میں گیا تھا اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہیں دیکھا تھا میں نے عصمت جہاں بیگم کو ایسے پہچانا کہ اس نے اپنا نام مجھے بتایا اور عورات نے بھی مجھ کو بتایا یہ شناخت کافی نہیں اول تو وہ عورات غیر معین ان کا نام گواہ نے نہ لیا کہ ان کی حیثیت کا اندازہ ہوتا نہ صراحت کی کہ کس طرح اس کو بتایا ان سے قطع نظر تعریف اناث بلاشمول مردے نیک اصلاً قابل قبول نہیں پس بوجہ عدم شناخت مقرہ شہادت جلال خاں کی کالعدم ہے، سروری بیگم وامجدی بیگم کی شہادتوں میں نقصان نہ بھی ہوں تو بلا شمول شہادت مرد حجت نہیں پس شناخت و توکیل دونوں مفقود ہیں، ذی علم معزز مجوز نے لحاظ نہ فرمایا کہ جلال خاں کو فی الحال عصمت جہاں بیگم کی شناخت نہ ہونی تسلیم ہے یا یہ کہ اس وقت سے پہلے نہ پہچانتا تھا گواہ کو وقت شہادت مشہود علیہ کا پہچاننا چاہئے یا پہلے سے جان پہچان ہونا ضروری ہے، جلال خاں نے یہ کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا یہ کہ اس وقت بھی میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا اور جب صراحۃً وہ اس وقت عصمت جہاں بیگم کو دیکھنا بیان کررہا ہے تو کسی مرد یا عورت کی تعریف کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی عورت بھی اس سے نہ کہتی کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے جب وقت اقرار اس نے خود اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اس کا منہ دیکھ کر پہچانی ہوئی عورت کے اقرار پر گواہ ہوا تو اس قدر صحت شہادت کے لئے یقیناً کافی ووافی تھا لاکھوں مردوں پر ایسی ہی شہادتیں تحمل کی جاتی ہیں کہ شاہدین نے اس وقت سے پہلے انہیں کبھی نہ دیکھا تھا کیا یہ شہادتیں مردود ہیں یا شاہدوں کو لازم ہے کہ کہیں سے اپنی جان پہچان سے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پکڑ کرلائیں اور پہلے انہیں دکھا کر مشہود علیہ کی تعریف کرالیں اس کے بعد تحمل شہادت کریں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں خود وہ عبارات کہ ذی علم مجوز نے فیصلہ کے ساتھ اپنی تجویز کی سند میں پیش کیں تجویز کی رد پر گواہ عادل ہیں کیا ذی علم مجوز نے درمختار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

اویری شخصہا ای القائلۃ مع شہادۃ	یا یہ کہنے والی عورت کہ میں فلانی بنت فلاں بن فلاں ہوں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

اثنتین بانها فلانة بنت فلان بن فلان[1]۔	اس پر اس کے ساتھ دو گواہ بھی ہوں، کے تشخص کو دیکھا جارہا ہو۔(ت)

کیااسکی شرح میں ردالمحتار کی یہ عبارت نقل نہ کی:

احترز برؤية شخصها عن رؤية وجهها قال فی جامع الفصولين حسرت عن وجهها وقالت انا فلانة بنت فلاں بن فلاں وهبت لزوجی مهری فلايحتاج الشهود الی شهادة عدلين انها فلانة بنت فلاں ما دامت حية اذيمكن للشاهد ان يشير اليها[2]۔	شخصیت کو دیکھنے کے قول نے چہرے کو دیکھنے سے بچادیا، جامع الفصولین میں فرمایا: عورت نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں نے اپنا مہر اپنے خاوند کو دیا تو گواہوں کو یہ کہنے والے دو عادل گواہوں کی ضرورت نہیں کہ وہ فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہے کیونکہ اس کی زندگی میں گواہ کو اشارہ سے بتانا ممکن ہے(ت)

کیاشامی کی یہ عبارت نقل نہ کی:

كذااذا وكلت بالتزويج فهو علی هذااه ای ان رأوهااو كانت وحدهافی البيت يجوز ان يشهدواعليها بالتوكيل[3]۔	یوں ہی جب عورت نے اپنے نکاح کے لئے وکیل بنایا اور عورت کو گواہ دیکھ سکتے ہوں یا وہ مکان میں اکیلی ہو تو گواہوں کواس کی وکالت پر شہادت جائز ہے۔(ت)

کیاان عبارتوں میں صاف تصریح نہ تھی کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورات کی تعریف اس وقت ضرور ہے جب مقرہ شاہد کے سامنے نقاب یا برقع میں ہو کہ اس کے قد و قامت و بدن و جسامت کا اندازہ کپڑوں میں چھپا نظر آتا ہے چہرہ نہیں دکھائی دیتا او اگر منہ کھول کر کہے کہ میں فلانہ بنت فلاں بن فلاں ہوں، تو جب تک عورت زندہ ہے گواہ کو اصلاً تعریف کی حاجت نہیں، غرض بربنائے عدم تعریف شہادت جلال خاں کا کالعدم قرار پانا اور اس کی بناء پر سروری بیگم و امجدی بیگم کی گواہیوں کا شہادت مرد سے خالی رہ جانا اور اس کی بناء پر توکیل بوستاں خاں کا ثابت نہ ہونا اور اسکی بناء پر دعوی نکاح کا بے ثبوت رہنا یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے، ہاں یہاں ضرور قصور رہا کہ شاہد جبکہ عصمت جہاں بیگم کو پہلے سے نہ پہچانتا تھا کہ وقت توکیل اسے دیکھ کر خود ہی پہچان لیتا اور وقت شہادت اپنے علم ذاتی سے گواہی دیتا کہ وہ عورت جس نے میرے سامنے توکیل کی عصمت جہاں بیگم

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۳

[3] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۲

ہی تھی بلکہ اس نے اسی وقت مقرہ کو دیکھا اور اسی کی زبانی یا اور عورات کے بیان سے بھی جانا تھا کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے تو احتمال تھا کہ واقع میں وہ کوئی اور عورت تھی جس نے بفریب اپنے آپ کو عصمت جہاں بیگم ظاہر کیا اس شبہ کے رفع کو حاکم پر لازم تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو وقت شہادت جلال خاں کے سامنے کرتا اور اس کا منہ کھلوا کر شاہد سے گواہی لیتا کہ یہ وہی عورت ہے جسے تونے وقت توکیل دیکھا تھا اگر جلال خاں شناخت کرتا تو اس کی گواہی کامل تھی ورنہ باطل، مگر یہ قصور شاہد کا نہیں، شاہد کا کیا زور تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو جو اس وقت اپنی توکیل سے منکر اور بر سر خلاف ہے بالجبر حاضر لاتا اور اس کا منہ کھول کر دیکھ کر گواہی دیتا یہ کام تو حاکم کا تھا جو متروک رہا اور محض بے ترتیب و نامکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا مجوز کا فرمانا کہ شناخت کرانا مقرہ کا گواہ مذکور کو شرط تھا جو متروک ہے نہایت حق و بجا ہے واقعی شناخت کرنا گواہ کا کام تھا وہ اس نے متروک نہ کیا کہ نہ وہ اس کے اختیار میں تھا نہ اس سے چاہا گیا ہاں شناخت کرنا حاکم کا کام تھا وہ ضرور متروک رہا مگر ترتیب مقدمہ میں مجوز کا خود قصور رکھنا اور اپنے فعل کا الزام گواہ کو دے کر بلاوجہ شہادت و دعوی رد فرمادینا ایک سخت تعجب انگیز بات ہے۔

(۳) اختلافات: ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب میں اختلاف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر اثر انداز ہے زائد و فضول باتیں کہ یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلافات ہزار ہوں اصلًا قابل لحاظ نہیں یہاں دعوی صرف اس قدر ہے کہ عصمت جہاں بیگم سے میرا نکاح ہوا ہے وہ مجھے دلادی جائے مہر وغیرہ کچھ زیر بحث نہیں تو شاہدوں یا شہود و دعوی میں مقدار مہر یا جنس مہر کا اختلاف اصل دعوی میں کچھ مخل نہیں، کیا اگر مہر میں دس اشرفیاں ٹھہری ہوں تو نکاح ہوگا بیس ٹھہری ہوں تو نہ ہوگا اور جب مہر در بارہ نکاح ایک امر زائد ہے تو محض بالائی لغو باتیں کہ بوستاں خاں کے جاتے وقت جلال خاں دروازہ میں کھڑا تھا یا اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا، عصمت جہاں بیگم نے تین بار اجازت دی یا ایک بار کہا تھا، جلال خاں نے عصمت جہاں بیگم سے سوال کیا یا اس نے خود بے سوال کہا تھا، عصمت جہاں بیگم نے شمسن بیگم کے کہنے پر بوستان خاں سے خطاب کیا یا وہ کہنے نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا، نکاح میں بتاشے بٹے تھے یا چھوہارے یا مٹھائی۔ محمد حسین خاں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا یا بعد وغیرہ وغیرہ لغویات کا کیا ذکر، میں بعونہ تعالٰی ان تمام امور پر تفصیلًا بحث کیا چاہتا ہوں یہاں اس عام و جامع مہم و نافع قاعدہ کو خوب سمجھ لیا جائے کہ فیصلوں میں بار بار ایسی بیکار بحثیں پیش آتی ہیں اور ان کے سبب مسلمانوں کے حقوق پر برا اثر پڑتا ہے، بہت ادب سے تاکیدی گزارش کی جاتی ہے کہ اسلامی عدالتیں توجہ تام سے ان احکام شرعیہ کو سنیں اور ان پر کار بند رہیں کہ حقوق مسلمین ضائع نہ ہوں صفر ۱۳۱۶ھ

میں اسی ریاست سے مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں کا فیصلہ بغرض استصواب یہاں آیا تھا اس میں بھی ایسے ہی زائد و لغو اختلافات کی بنا پر ذی علم مجوز نے دعوی مدعیہ رد فرمایا تھا جس کا جواب مظہر صواب بہ تفصیل تام یہاں سے بھیج دیا گیا انہیں جواہر زواہر چند کلمات کا التقاط پھر کیا جاتا ہے زائد و فضول و بیکار باتوں میں تفاوت اصلًا لائق التفات نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیه لایضر. اصله فی الجامع الصغیر اھ[1]۔	غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو اصل واقعہ کے ثبوت میں مضر نہیں ہے اس کی اصل جامع صغیر میں ہے اھ (ت)

جامع الفصولین کی فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لوسأل الشهود قبل الدعوی عن لون الدابة فقالوا کذا ثم عند الدعوی شهدا بخلاف ذٰلك اللون تقبل لانه سأل عما لایکلف الشاهد بیانه فاستوٰی ذکره وترکه ویخرج منه مسائل کثیرة[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا اور دعوی کے ساتھ گواہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو ان کی گواہی مقبول ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیزوں کا سوال کیا جن کے بیان کا شاہد پابند نہیں تھا تو ان چیزوں کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے اور اس قاعدہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہے۔ (ت)

خلاصہ اور ہندیہ میں ہے:

لو سأل القاضی الشهود عن لون الدابة و ذکروا ثم شهدوا عند الدعوی وذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیه لایضر[3]، کذا فی الخلاصة۔	اگر قاضی نے دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا انہوں نے کوئی بتایا اور دعوی کے ساتھ انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو دعوی مقبول ہوگا اور یہ تناقض غیر ضروری چیزوں میں ہے لہذا مضر نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ و بحر الرائق و ظہیریہ و عالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب	اگر گواہوں نے ان کپڑوں میں جو طالب، مطلوب

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیہ کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۰

اوالمطلوب او المرکب اوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انه یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ[1]۔	یاسواری پر تھے کہ متعلق مختلف بیان دیا، یا ایک نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا نہیں تھا تو امام محمد نے اصل (مبسوط) میں فرمایا کہ یہ شہادت جائز ہوگی باطل نہ ہوگی (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشھادۃ لو خالفت الدعوٰی بزیادۃ لایحتاج الی اثباتھا او بنقصان کذالك فان ذالك لایمنع قبولھا مثاله لو شھدا علی اقرارہ بمال فقال اقرفی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شھداولم یؤرخا والمدعی ارخ اوشھدا انه اقر فی بلد کذاوقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراہ او ذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان او قال المدعی اقر وھو راکب فرس او لابس عمامۃ وقال اقروھو راجل او راکب حمارا و لا بس قلنسوۃ واشباہ ذٰلك فانه لا یمنع القبول لان ہذہ الاشیاء لایحتاج الی اثباتھا فذکرہا والسکوت عنھا سواء کذا لو وقع مثلا ھذا التفوت فی الشھادتین لایضر[2]۔	انہوں نے فرمایا اگر دعوی سے زائد کسی ایسے امر میں جو دعوی کے اثبات میں ضروری نہیں یا یوں ہی کسی کمی جس سے دعوی میں کوئی اثر نہیں پڑتا، میں گواہوں نے اختلاف کیا تو اس سے دعوی کو قبول کرنے میں کوئی ممانعت نہیں، مثلاً گواہوں نے بیان دیا کہ فلاں نے میرے پاس مال کا اقرار کیا گواہوں نے کہا فلاں روز اس نے اقرار کیا حالانکہ مدعی نے دعوی میں کسی دن کو ذکر نہ کیا، یوں ہی گواہوں نے اقرار کی تاریخ بیان نہ کی جبکہ دعوی میں تاریخ کا ذکر ہے، یایوں کہ گواہوں نے کہافلاں شہر میں اقرار کیا جبکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا ہو یامدعی نے جگہ ذکر کی اور گواہوں نے جگہ کو ذکر نہ کیا، یامدعی نے دعوی میں ایک جگہ ذکر کی گواہوں نے دوسری جگہ کو ذکر کیا، یامدعی نے کہااس نے گھوڑے پر سواری یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا جبکہ گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری یاٹوپی پہنے اقرار کاذکر کیا، توایسے اختلاف سے دعوی کے مقبول ہونے میں ممانعت نہ ہوگی کیونکہ مذکورہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۱۳/۷

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الشھادات الثامن فی الاختلاف الخ دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/۹۵۔۳۹۴

اشیاء دعوی کے اثبات کے لئے ضروری نہیں ہیں اسلئے ان کا ذکر اور عدم ذکر برابر ہے یونہی ان چیزوں میں اگر گواہوں نے بھی اپنے بیانوں میں اختلاف کیا تو دعوی کے لئے مضر نہیں ہے (ت)

اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے ناموثر ہلکے آسان اختلافوں کو دستاویز بناکر شہادات متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلم کے صیغے نظر آئیں، کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں اختلاف ہوجانا درست نہیں بلکہ غالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آج کل کے وکلا نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضات نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سوسو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغواء وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفاء وارباب سلامت صدور اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہو یہ تو ان حضرت کے سخرہ ودستمال ہیں، جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں برائے تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راست باز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں ساز سچا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم [1]، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن کریم ہونے پر دھوکہ کھاتا ہے اور فاجر شخص شاطر ہونے کی بناء پر دھوکہ ساز ہوتا ہے۔ اس کو ابوداؤد ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلًا واقع نہ ہونا ہی تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق واعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی پرظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع، جامع الفصولین میں ہے:

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی حسن المعاشرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۴

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج و التضییق و تضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر و الحرج مدفوع شرعا[1]۔	ایسی صورتوں میں دعوی کا غیر مقبول ہونا، حرج اور تنگی اور کثیر حقوق کے ضیاع کا باعث ہوسکتا ہے حالانکہ ہمیں آسانی کا حکم ہے مشکل کا نہیں حالانکہ حرج شرعًا مدفوع ہے۔(ت)

روایت نادرہ ابی یوسف کو مذہب امام ابی یوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے، نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل کی اجازت، جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر ودر مختار وفتاوی صغری وفصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ ورد المحتار وفتاوی خلاصہ وکافی ولسان الحکام و معین الحکام وعقود دریہ ووجیز کردری وفتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہ کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے۔ برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو جماہیر کے خلاف امام کے خلاف ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا۔ ائمہ و علماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے، قول مرجوح پر افتاو قضا جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا، رد المحتار میں ہے:

قد صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر[2]۔	فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا(ت)

بحر الرائق میں ہے:

یجب علینا الافتاء بقول الامام[3]۔	ہم پر امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی ضروری ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انہ لایفتی و	ہمارے ہاں یہ بھی مسلم ہے کہ فتوٰی اور عمل صرف

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر فی الاختلاف بین الدعوی اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] ردالمحتار فصل فی البئر دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱

[3] بحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۷۰-۲۶۹

لایعمل الابقول الامام الاعظم اھ[1]۔	امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے قول پر ہوگا اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[2]۔	جو ظاہر روایت کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے (ت)

بحرالرائق میں ہے:

ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولالہ[3]۔	جو قول ظاہر روایت سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہوتا ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ امام صاحب کا قول نہیں رہتا۔ (ت)

تصحیح القدوری ودرمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[4]۔	فتوٰی اور حکم مرجوح قول پر جہالت اور اجماع کے خلاف ہے۔ (ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ[5]۔	ظاہر روایت جس کی تصحیح نہ ہوئی ہو کے خلاف فتوی دینا اور مرجوع عنہ پر فتوی دینا اس سے بھی زیادہ باطل ہے (ت)

تنویر وشرح علائی میں ہے:

لایخیر الااذاکان مجتھدا، بل المقلد (لایخیر اذالم یکن مجتھدا کذافی بعض النسخ) متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار	خیار نہیں ہوگا مگر جبکہ وہ مجتہد ہو بلکہ قاضی مقلد بھی جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف کرے تو جائز نہیں اس کا حکم نافذ نہ ہوگا اور کالعدم قرار پائے گا،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالفکر بیروت ۲ /۳۳

[2] ردالمحتار کتاب احیاء الموات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۸

[3] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۷۰

[4] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۵

[5] ردالمحتار خطبۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۵۱

للفتوٰی [1]۔	یہی فتوی کے لئے مختار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح [2]۔	قاضی، امام صاحب کے اصح اقوال پر حکم کا پابند ہے اگر غیر اصح پر حکم دیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

(۴) تفصیلی اختلافات کی طرف چلئے، جلال خاں کے بیان سے اس کا وقت آنے بوستاں خاں کے کھڑا ہونا بیرونی دروازہ میں پہلے سے اور مسماتوں کے بیان سے جلال خاں وکالے خاں کا ان کے پیچھے پیچھے آنا ثابت ہے یہاں اظہاروں کی عبارات پر قدرے بے غوری واقع ہوئی، جلال خاں کا بیان یہ ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گئے ہیں تو میں دروازہ اندرونی میں مکان کے اندر کھڑا تھا مجھ میں اور بوستاں خاں میں تخمیناً فاصلہ ۴ گز کا تھا اور امجدی بیگم سروری بیگم کہتی ہیں پھر محمد رضا خاں اور بوستاں خاں گھر میں آئے اور پیچھے پیچھے کالے خاں وجلال خاں بھی آئے، عورتیں ان گواہوں کے گھر میں آتے وقت کا حال بیان کرتی ہیں کہ آگے آگے بوستاں خاں اور پیچھے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے اور جلال خاں گھر میں داخل ہونے کے بعد اس وقت کا حال کہتا ہے جب بوستاں اندر مکان کے چبوترے پر گیا تھا، ان میں کیا اختلاف ہوا بوستاں خاں اور اس کے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے جلال خاں دروازہ اندرونی پر رک رہا بوستاں خاں چبوترہ پر گیا دونوں بیان صادق ہیں، ذی علم مجوز کی نظر نے اس لفظ میں لغزش فرمائی ہے کہ جلال خاں کے بیان سے وقت آنے بوستاں خاں کے، حالانکہ اس کا یہ بیان مکان کے اندر چبوترہ پر بوستاں خاں کے جانے کے وقت کا ہے، کہاں بوستاں خاں کا مکان میں آنا اور کہاں اس کا اندرونی مکان چبوترہ پر جانا۔

(۵) جلال خاں نے بیان کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم کیا کہتی ہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح پڑھوانے کے لئے بوستاں خاں کو دیا، مسماتان مذکور دریافت کرنا جلال خاں کا عصمت جہاں بیگم سے، بیان نہیں کرتیں، سروری بیگم وامجدی بیگم نے اگر عصمت جہاں بیگم سے جلال خاں کا دریافت کرنا بیان نہ کیا تو یہ بھی تو نہ کہا کہ جلال خاں نے دریافت نہ کیا، بے اس کے پوچھے خود ہی عصمت جہاں بیگم نے بتایا تھا، پھر یہ اختلاف کیا ہوا کیا عدم ذکر ذکر عدم ہوتا ہے، بھلا یہ تو لغو وفضول بات ہے خاص متعلق اصل معاملہ میں تصریح علماء ہے کہ شاہدین میں جب ایک ایک بات بیان کرے دوسرا نہ بیان کرے

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

تو جتنی بات میں دونوں متفق ہیں شہادت مقبول ہوگی اور جتنی بات صرف ایک کے بیان میں ہے وہ بوجہ عدم نصاب شہادت ثابت نہ ہوگی مثلاً زید وعمرو نے گواہی دی کہ بکر نے خالد کو وکیل کیا زید نے اپنی شہادت میں اتنا اور بڑھایا کہ پھر معزول کردیا عمرو نے عزل کا ذکر نہ کیا تو وکالت ثابت ہوجائے گی اور معزولی ثابت نہ ہوگی، فصول عمادیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو شهدا بالوكالة و زاد احدهما انه عزله جازت شهادتهما على الوكالة ولم تجز على العزل[1]۔	اگر گواہوں نے وکالت کی گواہی دی اور ایک نے یہ بات زائد کہی کہ وہ معزول ہوچکا ہے تو نفس وکالت پر دونوں کی شہادت مقبول ہوگی، معزول کی زائد بات معتبر نہ ہوگی۔(ت)

(۲) مسماتان مذکور کہتی ہیں عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ کلمات اجازت کہے جلال خاں تین مرتبہ اجازت دینا بیان نہیں کرتا، یہ بھی وہی عدم ذکر وذکر عدم میں فرق نہ کرنا ہے جلال خاں یہ بھی تو نہیں کہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ نہ کہا صرف ایک ہی بار کہا تھا، اس مقدمہ بگا بیگم بنام عباس علی خاں میں بھی اس قسم کے اختلافات تجویز فرمائے گئے تھے جنہیں فقیر نے اپنے فتوی میں لکھا، رب العزت جلا وعلا نے سورہ نمل میں فرمایا:

"يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۖ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰"[2]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آپ خوف نہ کریں میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا (ت)

اور سورہ قصص میں فرمایا:

"يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۖ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝۳۱"[3]	اے موسٰی (علیہ السلام)! آگے بڑھو خوف نہ کرو آپ بیشک امن والوں میں ہیں (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝۲۱"[4]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اسے عنقریب پہلی حالت پر پھیر دیں گے (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۷

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۲۱

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ لاتحف کے سواہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کیا معاذاللہ یہ قرآن مجید کا اختلاف ٹھہرے گا، ہماری رائے میں ایک بڑا اختلاف ذکر سے رہ گیا، اظہارات کی نقلیں کہ یہاں آئی ہیں ان میں سروری بیگم وامجدی بیگم کے بیان میں جتنی جگہ عصمت جہاں بیگم کا نام آیا ہے سب جگہ مع لفظ بیگم ہے اور جلال خاں کے بیان میں ایک جگہ لفظ بیگم نہیں تو ارشاد فرمانا تھا کہ عورتیں عصمت جہاں بیگم کہتی ہیں اور جلال خاں نے ایک جگہ بے لفظ بیگم کہا لہٰذا گواہیاں بوجہ اختلاف مردود ہیں۔

(۷) جلال خاں نے بیان کیا کہ جب بوستاں خاں اندر مکان کے گئے تو حسن رضاخاں کی ہمشیرہ سے کہا کہ تم اس عورت سے میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ تم خود اپنے منہ سے کہو، تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار الخ، مسماتوں نے یہ کہا ہے کہ بوستاں خاں نے میری بڑی نند سے کہا کہ بیگم اب لڑکی سے کہو کہ کیا کہتی ہے جو میں بھی سنوں، میری نند کہنے بھی نہ پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم میں نے حسن رضا کے ساتھ الخ۔ سارے اختلافوں میں یہ بڑا بھاری اختلاف ہے کہ ظاہرًا نفی واثبات کا فرق ہے، جلال خاں کہتا ہے شمسن بیگم کے کہنے پر عصمت جہاں بیگم نے کہا عورتیں کہتی ہیں شمسن بیگم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے کہہ دیا مگر انصاف کیجئے تو یہ اعتراض بھی مہمل ہے۔

اولًا: اظہار جلال خاں کی نقل جو یہاں آئی اس کی عبارت یہ ہے بوستاں خاں اندر مکان کے گئے حسن رضا کی ہمشیرہ سے جا کر کہا کہ تم میرے روبرو کہلوادو، چنانچہ انہوں نے اس عورت سے کہا کہ کہہ دو، تب اس عورت نے اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار کہہ دو، ایک چار حرفی کلمہ ہے، شمسن بیگم عصمت جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اس نے آہستہ سے کہا کہہ دو سروری بیگم وامجدی بیگم نے نہ سنا سروری بیگم کے بیان میں کہیں نہیں کہ وہ اس وقت شمسن بیگم یا عصمت جہاں بیگم کے پاس ہی زانوں سے زانو ملائے بیٹھی تھی اور خصوصًا امجدی بیگم نے تو صاف بیان کیا ہے کہ جوان عورت ہوں میرا تینوں سے پردہ ہے میں اس وقت اوٹ میں ہوگئی تھی دولائی اوڑھ کر اوٹ کرکے ذرا آڑ سے بیٹھی تھی خصوصًا ایسے وقت لوگوں کے کان دلہن کے بیان کی طرف لگے ہوتے ہیں بالائی لوگوں کے ایں وآں کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

ثانیًا: محتمل کہ ادھر تو شمسن بیگم نے اس سے کہا کہہ دو یا یہی کہ تم خود اپنے منہ سے کہو ادھر عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں سے خطاب شروع کردیا، دونوں بیان ایسے متصل معًا واقع ہوئے کہ سامع کو اشتباہ ہو کہ یہ عصمت جہاں بیگم نے بطور خود کہا یا شمسن بیگم کے کہنے سے کہا جلال خاں غیر آدمی اس نے حسب عادت زنان دوشیزہ نیک گمان کیا کہ شمسن بیگم کے کہنے ہی سے کہا ہوگا سروری بیگم عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے

وہ اپنی خالہ کے طلاقت لسانی سے خوب آگاہ تھی جس کا اظہار عصمت جہاں بیگم کے اظہاروں میں ہوا ہے جن کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آتا ہے اس نے جانا کہ اس کی چنچلی طبیعت کا گرم توسن کیا محتاج مہمیز ہوتا شمسن بیگم کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ اس نے توکیل کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا، ذرا غور سے سروری بیگم کے لفظ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتی کہ میری نند کچھ نہ بولی بلکہ کہتی ہے میری نند کہنے بھی نہیں پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا یعنی اس کا کہنا ختم نہ ہوا تھا کہ عصمت جہاں بیگم نے خطاب آغاز کیا، اہل زبان جانتے ہیں کہ کسی فعل کا ہو پانا اس کے تمام واختتام پر ہوتا ہے نہ کہ وسط وآغاز میں، مثلاً امام قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوا سیدھا نہ ہوا تھا کہ مقتدی نے تسبیح کی امام نے بعد سلام کہا تم نے بیجا بتایا تمہاری نماز نہ ہوئی کہ قعدہ اولیٰ سے کھڑے ہو کر عود کا محل نہیں تو مقتدی کہے گا آپ ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے بتایا یعنی قیام ہنوز تمام نہ ہوا تھا۔

(۸) مسماتوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بوستاں خاں کو لڑکی پہلے نہ جانتی تھی آگے بڑھ کر لکھا یا کہ اجازت دیتے وقت کہا بوستاں خاں بھائی تم کو وکیل کیا جب مدعا علیہا بوستاں خاں کو پہلے نہ جانتی تھی تو بوستاں خاں کا نام کیسے جانا کیونکہ مسماتوں نے کسی جگہ نہ لکھا، یا کہ کس نے اس کا نام بتایا تھا، یہ اعتراض بھی سخت حیرت انگیز ہے۔

اوّلاً: تو کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی وتعارف کو کہتے ہیں اجنبی آدمی جسے کبھی نہ دیکھا ہو اس وقت اس کا نام کسی کی زبان سے سن لینے سے یہ نہ کہا جائیگا کہ ہم اسے جانتے ہیں۔

ثانیاً: بالفرض کہا بھی جائے تو امجدی بیگم وسروری بیگم نے جاننے کی مطلقاً نفی کب کی وہ تو صاف کہہ رہی ہیں کہ پہلے سے نہ جانتی تھی کیا کسی کا نام معلوم کرنے کے لئے یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے سے اسے جانے ورنہ نام معلوم نہیں ہوسکتا، عورتوں کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی کہ عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں کا نام کس سے سنا، ایسے مواقع کے عام معمولی واقعات پر نظر فرمائی جاتی تو خود معلوم ہو جاتا کہ عصمت جہاں بیگم کو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا، ذی علم مجوز نے خود فرمایا ہے کہ بوستاں خاں اجنبی شخص تھا سروری بیگم کے اظہار میں ہے کہ جو مرد اس وقت مکان میں آئے جلسے کی نصف عورتوں کا ان سے پردہ تھا امجدی بیگم نے خود اپنا بیان کیا کہ میرا کوئی رشتہ بوستاں خاں سے نہیں ہمارے خاندان میں پردہ کا رواج ہے ایسے جلسے میں غیر مرد ہرگز بلا اطلاع نہیں جاتے ضرور اول سے کہا گیا کہ بوستاں خاں اذن لینے کو آتے ہیں اور جب وہ آیا اور اس نے شمسن بیگم سے کہا کہ بیگم میرے سامنے کہلوادو ضرور عصمت جہاں بیگم نے معلوم کیا کہ یہی بوستاں خاں ہے پھر نام معلوم کرنے کو بعید از عقل بتانا کیونکر قرین عقل ہوا۔

ثالثاً: واقعات رائجہ کو جانے دیجئے ذرا اظہارات جلال خاں وبوستاں خاں وامجدی بیگم وسروری بیگم پر

نظر فرمایئے یہ سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ بوستاں خاں کے گھر میں جانے سے پہلے عصمت جہاں بیگم سے بوستاں کے نام کی توکیل کرالی گئی تھی دوبارہ بوستاں خاں اپنے سامنے توکیل کرانے کو گھر میں گیا تو عصمت جہاں بیگم کو اس کے جانے سے پہلے ضرور اس کا نام معلوم ہوچکا تھا آگے جو بیباکی وبیحیائی کا اعتراض فرمایا ہے اس کا حال بعونہ تعالٰی ذکر قرائن میں آتا ہے۔

(۹) بوستاں خاں نے اول بیان کیا ہے کہ جب میں اندر گیا تو عصمت جہاں دالان پشت پھیرے بیٹھی تھی پھر آخر قول میں لکھایا کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ دیکھ سکتا تھا اور اوپر کے حصے پر گھونگھٹ تھا یہ دونوں قول متناقض ہیں جب پشت بیٹھی تھی تو نصف چہرہ دکھائی دینا محالات سے ہے،

اولاً: یہ محال سہی کیا پیٹھ پھیرے بیٹھنے والے کو وقت خطاب ادھر منہ کرنا بھی محال ہے بوستاں خاں نے اول بیان میں یہ کہا ہے کہ میں مکان میں گیا تو پشت پھیرے عصمت جہاں بیگم بیٹھی تھی، یہ نہیں کہا کہ اخیر تک وہ پشت ہی پھیرے بیٹھی تھی، آخر بیان میں یہ کہا ہے کہ وقت نکاح میں عصمت جہاں کو ناک کے نیچے سے دیکھا تھا نصف اوپر کی ناک پر گھونگھٹ تھا، یہ نہیں کہا کہ جس وقت میں مکان میں گیا اسی وقت عصمت جہاں کو اس طرح اپنے سامنے بیٹھا پایا پھر دونوں میں تنافی کیا ہوئی، یہاں جو نقل اظہار آئی اس کے الفاظ یہ تھے اور اگر بالفرض بیان آخر میں وہی لفظ ہوں کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ الخ جب بھی بات صریح ظاہر ہے وہ مکان میں جاتے وقت کا ابتدائی حال ہے اور یہ وقت خطاب پردہ وحجاب کا یہاں بھی یہ نہ کہا کہ جب میں گیا تو وہ ایسی بیٹھی تھی کہ میں نصف چہرہ الخ۔

ثانیاً: ممکن کہ عصمت جہاں بیگم اول تا آخر پشت پھیرے ہی بیٹھی رہی ہو مگر بیان میں یہ کہیں نہیں آیا کہ وہ دیوار سے ملی بیٹھی تھی وہ وسط دالان میں ہوگی بوستاں خاں مزید وثوق کے لئے خود اندر گیا تھا کہ میرے سامنے عصمت جہاں بیگم اقرار توکیل کرے اس نے اقرار سن لیا مگر سمجھا کہ مقرہ کی معرفت چہرہ چاہئے کہ طریق توثیق جو اس کا مقصود خاص تھا اس میں ہے لہٰذا وہ آگے بڑھا اور سامنے سے عصمت جہاں بیگم کو دیکھا، کیا یہ بھی محال ہے غرض مثبت اختلاف مستدل ہے اور احتمال قاطع استدلال ہے۔

(۱۰) شفیع حیدر خاں کی خاص متعلق معاملہ گواہی کو جس طرح محض بے علاقہ خیال فرمایا گیا اس کا ذکر تو بعونہ تعالٰی دیگر اعتراضات کے جواب میں آئے گا یہاں بھاری اختلاف یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلسے میں شریک ہی نہ تھا اس لئے کہ بوستاں خاں بعد نکاح کے تقسیم ہونا بتاشوں کا اور صاحبزادے نظام الدین خاں چھوہاروں کا اور یہ گواہ خلاف ان کے تقسیم ہونا شیرینی کا بیان کرتا ہے واقعی

شفیع حیدر خاں سے یہ بھاری غلطی ہوئی کہ اس نے بتاشوں کو شیرینی کہا اسے کیا معلوم تھا کہ بتاشے کھٹے ہوتے ہیں،

اولاً: ذی علم مجوز نے سنا ہوگا کہ حسب رسم قدیم نکاح میں چھوہارے ضرور ہوتے ہیں پھر کہیں ان کے ساتھ شکر بھی ہوتی ہے، کہیں بتاشے چھوٹے کہیں بڑے، کہیں اور قسم کی مٹھائی اور شیرینی کا لفظ ان سب کو عام ہے، یہاں اگر چھوہارے اور بتاشے تقسیم ہوئے اور ایک گواہ نے ایک شے دوسرے نے دوسری کا خاص نام تیسرے نے عام ذکر کیا، کیا گناہ ہوا!

ثانیاً: بعض لوگ نکاح ختم ہوتے ہی معًا اٹھ جاتے ہیں اور خرموں کی تقسیم معًا ہوتی ہے ممکن کہ نظام الدین خاں بھی فورًا اٹھ گیا ہو اسکے سامنے خرما ہی تقسیم ہوئے تھے بعد کو بتاشے بٹے، وہ اس نے نہ دیکھے کہ انہیں بیان کرتا، بوستاں خاں شفیع حیدر خاں نے خرموں کی تقسیم کا ذکر ضروری جانا کہ وہ تو عادةً تقسیم ہوتے ہی ہیں دوسری چیز جو تقسیم ہوئی اس کا بیان کیا اگرچہ وہ بھی محض بے ضرورت وزائد تھا۔

(۱۱) مہر میں بوستاں خاں نے قسم اشرفی نادر شاہی اور اس گواہ نے محمد شاہی بیان کی ہے حالانکہ شہادت ایک وقت اور جلسے کی ہے یہ دلیل ہے کہ گواہ مذکور شریک جلسہ نہ تھا۔

(۱۲) نیز گواہ نے تعداد اشرفی کی خلاف دعوی مدعی کے بیان کی ہے مدعی نے اپنے بیان میں دس لکھایا ہے گواہ نے بیس، پس یہ شہادت کالعدم ہے، تمام اختلافات میں یہی دو اصل معاملہ نکاح سے کچھ متعلق ہیں کہ مہر بدل نکاح ہے مگر اگر کتب فقہ پر نظر فرمائی جاتی تو ظاہر ہوتا کہ مہر نکاح میں مقصود نہیں وہ محض تابع وزائد ہے، یہاں تک کہ عقد نکاح میں اگر نفی مہر کی شرط کرلی جائے نکاح صحیح ہوجائے گا اور مہر مثل لازم آئے گا تو ایسی چیز جس کا سرے سے ہونا نہ ہونا ہی اصل نکاح پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اس کی کمی بیشی یا سکہ کے تفاوت سے کیا ضرر ہوسکتا ہے، لاجرم ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک گواہ ہزار روپے مہر بتائے اور دوسرا پندرہ سو، یا گواہ سو اشرفی مہر کہتے ہوں اور مدعی ڈیڑھ سو، یا مدعی ہزار دینار بتاتا ہو اور گواہ دو ہزار، سب صورتوں میں نکاح ثابت ہے، اور ان اختلافات سے گواہیوں یا دعوی پر کوئی برا اثر نہ پڑے گا۔ ہدایہ وکافی و تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

واللفظ لها فی النکاح یصح باقل المالین عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه سواء کانت الدعوی من الزوج اومن المرأة، ویستوی	الفاظ عالمگیری کے ہیں نکاح کے باب میں، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دو مذکور رقموں میں سے کم رقم پر نکاح درست قرار پائیگا دعوی مرد کا ہو یا عورت کا اس میں بڑی رقم کا

فیہ دعوی اقل المالین او اکثر ھما فی الصحیح[1]۔	دعوی ہو یا کم کا ہو کوئی فرق نہیں صحیح مذہب میں۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

اختلفا فی قدر البدل لاتقبل الا فی النکاح[2]۔	کسی بدل میں گواہوں کا اختلاف ہو تو نکاح کے علاوہ کسی اور معاملہ میں قبول نہ ہوگی(ت)

درمختار میں ہے:

شھد واحد بشراء عبد او کتابتہ علی الف وآخر بالف وخمس مائۃ ردت وصح النکاح بالف مطلقًا استحسانا[3] (ملتقطا)	گواہوں میں سے ایک نے عبد خریدنے یا اس کی کتابت میں ہزار اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کا ذکر کیا تو شہادت مردود ہوگی اور اگر نکاح میں یہ اختلاف ہو تو استحسانًا ایک ہزار پر شہادت قبول ہوگی (ملتقطا)۔(ت)

تبیین الحقائق پھر قرۃ العیون میں ہے:

ویستوی فیہ دعوی اقل المالین فی الصحیح لاتفاقھما فی الاصل وھو العقد فالاختلاف فی التبع لایوجب خللا فیہ[4]۔	کم مقدار میں دونوں کی گواہی متفق ہوپائیگی کیونکہ اس اصل مقدار میں دونوں متفق ہیں اور اصل سے زائد میں اختلاف خلل کا موجب نہیں ہے(ت)

جب کتب مذہب میں روشن تصریحیں تھیں کہ مہر کے اختلافات خواہ باہم گواہوں میں ہوں خواہ گواہ مدعی میں ہوں دعوی نکاح اور شہادتوں سے ثبوت نکاح کو مطلقًا کچھ ضرر نہیں دیتے یہی مذہب امام ہے یہی استحسان ہے یہی صحیح ہے تو حاکم یا مفتی کو اس سے عدول کیونکر حلال ہوا۔

(۱۳) حسن رضا خاں مدعی نے اپنے اظہار ۱۹/اکتوبر میں بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے نکاح میں اپنے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۶، الہدایۃ کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۸

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۹

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۲

پھوپھی زاد بھائی محمد حسین خاں کو شریک کیا تھا محمد حسین خاں گواہ اپنی شرکت جلسہ نکاح میں بیان نہیں کرتا اس گواہ کو بروز خانہ تلاشی زبانی والدہ مدعی کے نکاح کا علم ہوا جس سے بے اصلیت دعوی کی معلوم ہوتی ہے محمد حسین خاں کو گواہی وکالت یا عقد نکاح سے متعلق نہیں بلکہ وہ صرف عصمت جہاں بیگم کے جواب دعوی کی تکذیب کرتی ہے مگر سخت قابل افسوس یہ بات ہے کہ اظہار حسن خاں کی نقل جو یہاں آئی اس میں صاف یہ لفظ لکھے ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا میری شہر میں رشتہ داری ہے محمد حسین خاں میرے پھوپی زاد بھائی ہیں میں نے ان کو نہیں بلایا تھا اور محمد حسین خاں کی زوجہ کو بھی نہیں بلایا تھا میں نے بار بار بہ تکرار سائل سے دریافت کیا کہ اس نقل میں کوئی تفاوت تو نہ ہوا اس نے بوثوق تمام کہا کہ ایک حرف کا ہرگز فرق نہیں میں نے کئی بار کہا کہ فیصلے میں تو یہ لکھا ہے، سائل نے باصرار کہا کہ اظہار میں وہی تھا کہ نہیں بلایا فیصلے میں اس کا عکس نقل کیا ہے اب اس کو کیا کہا جائے میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں بے اصلی دعوی کی معلوم ہوتی ہے یا فیصلے کی۔

(۱۴) نکاح نامہ جو ثبوت میں پیش کیا گیا اس میں تاریخ نکاح ۲۵ اپریل ہے دعوی اس نکاح کی بابت ہے جس کا وقوع بقول مدعی ۲۴/اپریل کو ہوا ہے یہ وجہ بھی واسطے بے اصلیت دعوی کے ظاہر ہے۔ ذی علم مجوز نے نکاح نامہ کو وجہ ثبوت میں لیا اور بوجہ اختلاف تاریخ بے اصلی دعوی کے دلیل قرار دیا، یہاں اوگا جو فقہی مباحث ہیں خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں مگر اتنی بات تو عام فہم ہے کہ عوام رات کو روز گزشتہ کا تابع ٹھہراتے ہیں شب آئندہ کے بارہ بجے جو آنے والا ہوا سے آج دن میں کہیں گے کہ آج رات کے بارہ بجے آئے گا اور اہل علم باتباع شرع رات کو روز آئندہ کا تابع مانتے ہیں شب جمعہ اس رات کو کہیں گے جس کی صبح کو جمعہ ہو نہ کہ وہ جو بعدہ جمعہ آئی سوالیالی حج کے کہ وہ حج میں تابع روزہائے گزشتہ ہیں لہذا اگر دسویں شب میں طلوع صبح سے پہلے وقوف عرفہ کرلیا حج ہوگیا کہ وہ رات عرفہ ہی کی رات ہے یہ نکاح آدھی رات کو یا اس کے قریب اپریل کی پچیسویں شب میں ہوا جس کی صبح کو ۲۵ تھی مدعی نے عرف عام عوام کے طور پر ۲۴/اپریل کہی کہ رات تابع روز گزشتہ سمجھی نکاح نامہ میں ذی علم قاضی نے ۲۵ /اپریل لکھی کہ شب تابع روز آئندہ تھی۔

ثانیاً: جب انگریزی تاریخ انگریزی مہینہ تحریر میں آیا اور انگریزی میں تاریخ میں رات آدھی رات سے بدلتی ہے ولہذا ریل و تار کے دفاتر میں آدھی رات سے آدھی رات تک پورے ۲۴ گھنٹے شمار ہوتے ہیں فلاں ریل گاڑی ۱۴ بجے چلے گی یعنی دن کے دو بجے، یہ تار بیس بجے دیا گیا یعنی شام کے ۸ بجے۔ ممکن کہ نکاح کہ نکاح خواں نے ۱۲ بجے جانا سمجھ کر خیال کیا ہو کہ انگریزی تاریخ بدل گئی لہذا ۲۵/اپریل لکھی۔

(۱۵) نکاح نامہ میں سکونت مدعا علیہا کی محلّہ مدرسہ تحریر ہے قاضی نکاح خوان جس سے ترتیب و خانہ پری نقشہ کے متعلق ہے اس نے اپنی گواہی میں تحریر کرایا ہے کہ میں نے اس کی سکونت کی بابت دریافت

نہ کیا تھا پس بلا دریافت نقشہ میں سکونت اندراج یہ کارروائی برادر مدعی کی ہے جیسا کہ نکاح خوان نے بیان کیا ہے کہ یادداشت نکاح نامہ برادر حسن رضاخاں سے میں نے لکھائی تھی، **اولاً:** مقدمہ موجودہ میں نکاح خواں کی شہادت کہ اس عہدہ سے استعفا کے بعد اپنے فعل پر ہے حاکم کو اس کا لینا سننا ہی ممنوع تھا لانہ اشتغال بما لایصح کما سیأتی (کیونکہ یہ غیر صحیح کام میں مشغولیت ہے جیسا کہ آئیگا۔ت) اور جب وہ شہادت شرعًا کوئی چیز نہیں تو اس کے اختلاف سے دعوی پر اثر ڈالنا یعنی چہ۔

ثانیًا: قاضی کے اظہار میں یہ ہے کہ حسن رضاخاں کے بھائی سے کاغذ لکھوایا تھا میں نے یہ دریافت نہیں کیا کہ لڑکی کی عمر کس قدر ہے میں نے اور کچھ نہیں پوچھا کہ لڑکی کون سے مکاں میں رہتی ہے اور کوئی بات میں نے نہیں دریافت کی، یہاں اس دریافت کی نفی ہے کہ لڑکی کس مکان میں رہتی ہے، نہ اس دریافت کی کہ کس محلّہ میں رہتی ہے، ظاہر ہے کہ مکان محلّہ سے خاص ہے اس سے سوال کی نفی محلّہ سے سوال کی نفی نہیں کرسکتی جبکہ سوق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محلّہ سے سوال کیا کہ وہ کہتا ہے اور کچھ نہیں پوچھا اور کوئی بات دریافت نہ کی، یہ اور کا لفظ بڑھانا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ اسی قدر پوچھا اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اگر اس نے اتنا بھی نہ پوچھا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ اور کچھ نہ پوچھا بلکہ یوں کہتا کہ میں نے کچھ نہ پوچھا ان دونوں محاوروں کا فرق اہل زبان پر ظاہر ہے، رہا یہ کہ آخر کیا پوچھا اس کا پتہ مظہر نے ان لفظوں سے دیا کہ اس نے برادر حسن رضاخاں سے کاغذ لکھوایا تھا یعنی خانہ پری نقشہ کے لئے جتنی ضرورت ہے بس اسی قدر پوچھا اور محمد رضاخاں سے خانہ پری کو کہا اور کچھ نہ پوچھا کہ عمر کتنی ہے کس مکان میں رہتی ہے۔

ثالثًا: اندراج نقشہ کے لئے واقفیت درکار ہے خواہ بعد سوال ہو یا بلا سوال تو نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں وقت نکاح کی گفتگو دن میں لوگوں کے تذکرہ سے اس نے بے دریافت کے سن لیا ہوگا کہ عصمت جہاں بیگم محلّہ مدرسہ میں رہتی ہے بلکہ انصافًا تذکرہ مردمان کی بھی حاجت نہیں پیشہ نکاح خوانی والے کو اکثر اہل شہر سے واقفیت ہوجاتی ہے اور عصمت جہاں بیگم کا باپ خود ایک مشہور آدمی تھا اس کا نام اس وقت ضرور لیا گیا تھا کہ مسعود خاں کی بیٹی کا نکاح ہے جیسا کہ خود قاضی کے اظہار میں موجود ہے وہ جانتا تھا کہ مسعود خاں ساکن محلّہ مدرسہ ہے لہذا عصمت جہاں بیگم کی سکونت مدرسہ اسے بلادریافت معلوم ہوگئی۔ محمد رضاخاں نے جب بحکم قاضی خانہ پری کی جس کا قاضی کو اعتراف ہے تو وہ خود قاضی کی خانہ پری تھی اور یہ کارروائی قاضی کی کارروائی ہوئی نہ کہ محمد رضاخاں کی،

فان فعل المامور یرجع الی الاٰمر لاسیما فیما لاتتعلق الحقوق	کیونکہ مامور کا فعل آمر کی طرف راجع ہوتا ہے خصوصًا ان امور میں جہاں حقوق کا تعلق مامور سے نہیں ہوتا

بالمامور کماھٰھنا۔	جیسا کہ یہاں ہے۔(ت)

(۱۶) تعداد مہر مندرج نکاح نامہ اس کا جواب نمبر ۱۲ میں گزرا، نکاح نامہ اگر ہو تو ایک گواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور گواہ مدعی کے بیان میں اختلاف تعداد مہر دعوی نکاح کو اصلاً مضر نہیں **کماعلمت**۔

(۱۷) محمد حسین خاں نے اپنا آنا بمکان حسن رضا خاں بروز خانہ تلاشی بہمراہی اپنے پسر محمد حسن خاں کے بیان کیا ہے محمد حسین خاں لکھاتا ہے کہ میرے والد جب آئے تھے کہ اظہار ہوچکا تھا اپنے بعد آنا اپنے باپ کا بیان کیا ہے **اولاً:** محمد حسین خان کے بیان میں یہ ہے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اس میں ہمراہی کا لفظ کہیں نہیں لفظ (اور) حرف (و) کا ترجمہ ہے جس سے نہ معیت مفہوم ہو نہ ترتیب ہو نہ تراخی نہ تعقیب، صرف اشتراک پر دلیل ہے کما صرح بہ جمیع کتب الاصول (جیسا کہ تمام کتب اصول میں اس کی تصریح ہے۔ت) یہاں تو محمد حسین خاں نے اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے دو فعل جدا جدا ذکر کئے کہ میں آیا اور میرا لڑکا آیا، اگر ایک ہی فعل میں لفظ "اور" کے ساتھ جمع کرتا ہرگز معیت مفہوم نہ ہوتی، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۚ" [1]	فرعون آیا اور اس سے پہلے والے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے۔(ت)

ایک کلمہ جاء میں سب کو جمع فرمایا یہاں اس بیان کی کیا ضرورت کہ فرعون و قوم لوط میں تقریباً دو ہزار برس کا فاصلہ تھا کہ خود من قبلہ فرعون پر واؤ کے ساتھ معطوف ہے قبلیت و معیت کیونکر جمع ہوئیں۔

ثانیاً: بالفرض محمد حسین خاں یہی کہتا کہ میں اپنے لڑکے کے ساتھ آیا تھا اور محمد حسن خاں کہتا میرے بعد آئے تو اس اختلاف کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا، فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما کی عبارت نمبر ۳ میں گزری کہ

لو قال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشھادۃ [2]۔	ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی(ت)

ایک گواہ نے کہا ہمارے ساتھ فلاں تھا اور دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہیں تھا تو اصل میں ذکر فرمایا کہ یہ گواہی جائز ہے باطل نہ ہوگی(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶۹/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

(۱۸) جو واقعات محمد حسن خاں نے لکھائے محمد حسین خاں نہیں لکھاتا کیونکر لکھاتا حالانکہ وہ اظہار عصمت جہاں بیگم کے بعد آیا تھا جیسا کہ محمد حسن خاں نے بیان کیا محمد حسین خاں اگر وہ سب واقعات لکھاتا تو اس بیان محمد حسن کی تکذیب کہ اظہار ہو چکا تھا کچھ باقی تھا جب میرے والد آئے، یہ طرفہ بات ہے کہ دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دیا جاتا ہے، ـــــــ معہذا پر واضح ہو چکا کہ اگر دونوں معاً آتے اور ایک کچھ واقعات بیان کرتا کہ دوسرے کے بیان میں نہ آتے ہر گز اختلاف نہ تھا کہ عدم ذکر ذکر عدم نہیں، یہ تھے وہ تمام بے اصل و بے اثر اختلافات جن کی بناء پر ذی علم مجوز نے شہادتوں کو رد فرمادیا اب شہادات پر دیگر اعتراضات کی طرف چلئے۔

دیگر اعتراضات

(۱۹) جلال خاں نے تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا اس کا اظہار نسبت ایک عورت غیر معین کے قلمبندی ہوا ہے بعد پورا لکھا دینے اظہار کے اس نے کہا اور کچھ نہ لکھاؤں گا بعد سننے اظہار اور کرنے انکار کے اس نے بیان کیا کہ جس کا یہ نکاح ہوا تھا اس عورت نے اپنا نام عصمت جہاں بنت مولوی مسعود خاں بتایا تھا،

اوّلاً: یہاں جو نقل اظہار جلال خاں آئی اس میں شروع سے یہ لفظ ہیں، محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا یہ عورت عصمت جہاں بیگم حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح کرتی ہے تم گواہی دو۔ پھر یہ لفظ ہیں میں گھر میں اندر گیا تو والدہ حسن رضا خاں نے عصمت جہاں کو مجھ کو دکھادیا، تو کیونکر صحیح ہو کہ اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا۔

ثانیاً: کچہریوں کا ضابطہ یہ ہے کہ گواہ بیان کرتا ہے اور اہلکار لکھتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے کچھ الفاظ کا رہ جانا مستبعد نہیں ولہذا یہ امر لازم رکھا گیا ہے کہ اظہار لکھ کر گواہ کو سنالیا جائے کہ کہیں کچھ فرق کچھ کمی بیشی ہو تو صحیح ہو جائے اظہار اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بعد سنانے کے تطبیق ہو جائے اب اگر کچھ لفظ لکھنے سے رہ جائیں تو فرمایئے گواہ کیا کرے اگر سکوت کرتا ہے تو اظہار ناقص رہتا ہے بتاتا ہے تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ یہ تو بیان سننے کے بعد کہتا ہے اگر واقع ابتدائی اظہار جلال خاں میں وہ فقرے کہ ہم نے اوپر نقل کئے مکتوب نہیں تو ذی علم مجوز نے بہت مناسب تحریر فرمایا کہ اظہار ایک غیر معین عورت کی نسبت قلمبند ہوا ہے قلمبند یونہی ہوا ہوگا جس کی تصحیح جلال خاں نے سناتے وقت کردی۔

ثالثاً: یہی سہی کہ گواہ نے اولاً تمام اظہار میں عصمت جہاں بیگم کا نام نہ لیا مگر ابھی کہ مجلس اظہار ختم نہ ہوئی گواہ نے وہاں سے قدم نہ ہٹایا اگر ایک امر کہ اگلے بیان کے کسی حرف سے اصلاً مخالف نہ تھا زائد کیا کیا گناہ ہوا خصوصاً وہ بھی کہ شاہد کو اس کا بیان نہایت ضرور تھا، ادائے شہادت کہ اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا بے اس کے ناقص رہا جاتا تھا، بھلا یہاں تو ابھی مجلس نہ بدلی تھی شاہد وہاں سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا، علماء کرام یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر شاہد عدل مجلس شہادت بدلنے کے بعد دوسری مجلس میں آکر کہے کہ جس کے باب میں میں نے گواہی دی اس مدعی کا یہ نام ہے یا مدعا علیہا کا نام مجھ سے چھوٹ

گیا تھا اس کا یہ نام ہے جب بھی قبول کرلیں گے اور شہادت میں اصلاً نقص نہ جانیں گے کہ ان ناموں کا بیان سے رہ جانا کوئی محل تہمت نہیں اور اگر مجلس ہنوز نہ بدلی جب تو موضع شبہہ و تہمت کی تبدیلیں بھی قبول کرلیں گے مثلاً گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعا علیہا پر ہزار روپے آتے ہیں، ختم شہادت کے بعد کہا میں بھول گیا تھا پانسو آتے ہیں یا مجھے یاد نہ رہا تھا دو ہزار آتے ہیں ان تبدیلیوں سے قبول شہادت میں کچھ فرق نہ آئے گا جبکہ مجلس ہنوز نہ بدلی ہو اور شاہد شاہد شرعی ہو یہاں کہ نہ مجلس بدلی نہ شاہد نے کوئی تبدیلی کی صرف ایسی بات بیان کرتا ہے جس میں بتصریح علماء تہمت نہیں اور اس کا تدارک ادائے فریضہ شہادت کے لئے اس پر لازم تھا بعد سماع اظہار اس کے بڑھانے کو وجہ نقص قرار دینا اصلاً صحیح نہیں ہوسکتا، کافی و بحر الرائق وعنایہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

واللفظ لهذه ان کان عدلا قبلت شهادته فی غیر موضع الشبهة مثل ان یدع لفظة الشهادة او یترك ذکر اسم المدعی او المدعی علیه او الاشارة الی احدهما سواء کان فی مجلس القضاء اوفی غیره اما فی موضع شبهة التلبیس کما اذا شهد بالف ثم قال غلطت بل هی خمسمائة او بالعکس تقبل اذا قال فی المجلس، وبعد ماقام عن المجلس فلم تقبل[1] اھ باختصار۔	الفاظ عالمگیری کے ہیں، اگر گواہ عادل ہو تو موضع شبہہ کے غیر میں اس کی یہ شہادت کہ لفظ شہادۃ یا مدعی یا مدعی علیہ کا نام یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ چھوٹ گیا مقبول ہوگی خواہ مجلس قضاء ہو یا غیر ہو لیکن مقام شبہہ میں مثلاً پہلے اس نے ہزار کی شہادت دی اب کہتا ہے یہ غلطی ہوئی بلکہ پانچ سو ہے یا اس کا عکس کرتا ہے تو مجلس قضاء میں قبول کی جائیگی اور مجلس قضاء ختم ہونے کے بعد قبول نہ ہوگی اھ اختصاراً (ت)

رابعًا: بفرض غلط یہ بھی سہی کہ جلال خاں کا پچھلا الحاق نہ مانا جائے گا پھر کیا ہوا اسی قدر نا کہ عصمت جہاں بیگم کا نام اس نے نہ لیا مگر اس سے غیر معین عورت پر شہادت کہاں سے لازم آئی وہ صراحۃً کہہ رہا ہے کہ میں نے اس عورت کا منہ دیکھا تھا، نام سے تو وہ تعیین ہو بھی نہیں سکتی جو منہ دیکھنے سے ہوتی ہے تو وہ ضرور ایک معین عورت پر گواہی دے رہا ہے جو اس کی دیکھی ہوئی ہے ہاں مجوز کو معلوم نہ ہوا کہ عصمت جہاں بیگم ہی وہ عورت ہے جسے گواہ نے دیکھا اور اس پر گواہی ادا کی یا وہ کوئی اور عورت تھی ہم اوپر بیان کر آئے کہ اس کا چارہ کار مجوز کے ہاتھ میں تھا نہ کہ گواہ کے، مجوز نے عصمت جہاں بیگم کو کیوں نہ بلوایا شاہد کے سامنے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۳

اس کا منہ کیوں نہ کھلوایا کہ وہ شناخت کرتا عصمت جہاں بیگم اگر ذی عزت خاندان سے پردہ نشین مخدرہ تھی کہ کچہری میں اس کا آنا مناسب نہ تھا حاکم نے اپنے امین کے ساتھ جلال خاں کو عصمت جہاں بیگم کے مکان پر بھیج کر تکمیل شہادت کرائی ہوتی، خود شہادت کامل نہ ہونے دینا اور شاہد پر اعتراض کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالجملہ کچھ خاص اسم و نسب ہی کے ساتھ معرفت لازم نہیں بلکہ یا یہ ہو یا معرفت چہرہ۔ جامع الفصولین میں ہے:

المعرفة بالوجه او بالنسب لابد منها لاداء الشهادة[1]۔	شہادت کی ادائیگی میں چہرے یا نسب کی شناخت ضروری ہے (ت)

اس اظہار میں اگر قسم اول متروک تھی، ثانی مذکور تھی اور اس کی تکمیل بدست حاکم تھی **فافهم**۔

(۲۰) سروری بیگم و امجدی بیگم کی شہادتوں پر اعتراض فرمایا کہ مدت واقعہ کی بلاایراد حرف یا کے اس طرح بیان کی ہے کہ عرصہ سات آٹھ ماہ کا ہوا جو محمول دو مدت پر ہے ایسی شہادت بوجہ جہالت شرعًا قابل قبول نہیں، بلاایراد حرف یا کا ذکر تو بیکار ہے حرف یا کے ساتھ ہوتا جب بھی تعیین نہ ہوتا بلکہ جب تعیین نہ ہونا اور اظہر تھا مگر ذی علم مجوز نے اتنا خیال نہ فرمایا کہ ثبوت نکاح تعین زمان پر موقوف نہیں، نہ جہالت زمانہ اس کو مضر، تردد تردید سے آخر اسی قدر تو مفہوم ہوگا کہ گواہ کو تاریخ یاد نہیں پھر کیا حرج ہوا۔ علماء تو فرماتے ہیں اگر حاکم گواہ سے وقت پوچھے اور وہ صراحۃً اپنی بے علمی بیان کرے کچھ مضر نہیں کہ یہ لغو وزائد بات ہے جس کی تعیین کی ضرورت نہیں، وجیز کردری پھر قرۃ العیون میں ہے:

لوسألهما القاضی عن الزمان او المکان فقال لا نعلم تقبل لهما لم یکلفا به[2] اھ وفیها عن الدر المنتقی عن الفتح وغیره لایکلف الشاهد الی بیان الوقت والمکان[3] اھ **اقول:** وبون بین بین اختلافهما فی المکان او الزمان وبین تردد احدهما فی احدهما فان کلا	اگر قاضی جگہ یا زمانہ کے متعلق گواہوں سے سوال کرے اور وہ لاعلمی ظاہر کریں تو گواہی قبول ہوگی کیونکہ وہ اسکے پابند نہیں ہیں اھ۔ اسی میں الدرالمنتقی سے فتح وغیرہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ گواہ کو مکان یا زمان کے بیان کا پابند نہیں کیا جائے اھ، **میں کہتا ہوں** گواہوں کا زمان یا مکان کے بیان میں اختلاف اور دونوں میں سے ایک کا بیان میں تردد کرنا، ان دو صورتوں میں واضح فرق ہے، اختلاف کی

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۱

المختلفین قاطع بمقاله وباختلاف الزمان والمکان یختلف الفعل وما الحق به اما المردد فلم یقطع بشیئ فلم یکن الا کعدم البیان فلا خلف فلا محذور۔	صورت میں دونوں کی بات ایک دوسرے کی بات کیلئے قاطع ہے جبکہ تردد کرنیوالا دوسرے کی بات کا قاطع نہیں ہے تو یہ عدم بیان کی طرح ہے جس سے دوسرے کا خلاف نہ ہوا تو خرابی نہ ہوئی۔(ت)

(۲۱) بوستاں خان کی شہادت غیر معتبر کہ وکیل نکاح ہے بذریعہ وکالت خود عقد کرانا مدعاعلیہا کا بیان کیا ہے اور وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہونا جائز ہے۔ یہ اعتراض اگر کچھ اصلیت رکھتا تو نہ فقط شہادت بوستاں خاں بلکہ خود حاکم مجوز پر بھی تھا، بیان مدعی وتنقیحات مجوز سے ظاہر ہے کہ پیش از شہادت علم مجوز میں آچکا تھا کہ اسے وکیل بتایا گیا ہے اور یہ اپنی وکالت سے وقوع تزویج کی شہادت دے گا تو اسی وقت مجوز پر لازم تھا کہ اسے ہرگز شہود میں نہ لیں اور نہ اتنی طویل دیر تک سماع شہادت وجرح وغیرہ میں اپنا اور اس کا اور وکلائے فریقین کا وقت ضائع نہ فرمائیں کہ جو امر اصلاً صحیح نہیں اس سے اشتغال تضییع وقت کے علاوہ ممنوع وناجائز وگناہ ہے، قنیہ ودر مختار وغیرہما میں ہے:

تکرہ تحریما لانه اشتغال بما لا یصح[1]۔	مکروہ تحریمہ ہے کیونکہ یہ غیر صحیح امر میں اشتغال ہے۔(ت)

مگر بحمد اللہ نہ ذی علم مجوز کا وقت ضائع ہوا نہ گواہ کا، نہ اس سماع شہادت میں مجوز نے کوئی شرعی گناہ کیا کہ شرعاً بوستاں خاں کی شہادت اس مقدمہ میں ضرور قابل سماعت وقبول تھی وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو اس وقت ناجائز ہے کہ مشہود بہ یعنی امر مقصود بالشہادت خود اس وکیل کا فعل ہو کہ انسان کی شہادت اپنے فعل پر مقبول نہیں، خود عبارات منسلکہ فیصلہ میں قرۃ العیون سے ہے:

قوله والوکیل ای بالنکاح قوله لو باثبات النکاح ای لا تقبل باثبات النکاح لانها شهادة علی فعله[2]۔	اس کا قول، اور وکیل یعنی نکاح کا۔ اس کا قول اگر نکاح کے اثبات میں ہو، یعنی اثبات نکاح میں قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اپنے فعل پر شہادت ہے۔(ت)

نیز یہی علت در مختار سے نقل فرمائی مگر یہاں ایسا نہیں، یہاں فعل ومشہود بہ دو ہیں نکاح کی اجازت دینی

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۱۱

کہ عصمت جہاں بیگم کا فعل تھا اور تولی عقد یعنی ایجاب یا قبول کرنا کہ قاضی نکاح خوان کا فعل تھا ان دونوں میں بوستاں خاں کا کوئی فعل نہیں وہ بیچ میں صرف مبلغ اجازت تھا جیسا کہ ان بلاد کے عرف عام میں ہر وکیل نکاح کا حال ہے کہ نکاح پڑھوانا قاضی سے مقصود ہوتا ہے اور یہ وکیل صرف مبلّغ اجازت، نہ یہ کہ آپ تولی عقد کرے "**والمعهود عرفا کالمشروط لفظا کما نصوا علیه قاطبة**" (عرف میں معینہ چیز لفظوں میں مشروط کی طرح ہے جیسا کہ اس پر سب نے نص کی ہے۔ت) ولہٰذا ذی علم مجوز نے بھی عقد کرانا کہا نہ کہ عقد کرنا، اور مبلغ کی شہادت مقبول ہے اگرچہ وہ اپنا فعل تبلیغ بھی شہادت میں بیان کرے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

عن ابی یوسف فی النوادر اذا شهد شاهدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انه قد وکله ببیع عبده وقد اعلمناه او امرنا ان نبلغ امرأته انه جعل امرها بیدها فبلغناها وقد طلقت نفسها جازت شهادتهما ولو قال نشهد انه قال لنا خیرا امرأتی فخیرناها فاختارت نفسها لاتقبل شهادتهما کذا فی المحیط[1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے نوادر میں مروی ہے کہ جب کوئی گواہ یہ شہادت دے کہ مجھے فلاں نے حکم دیا ہے کہ ہم فلاں کو یہ بات پہنچادیں کہ اس نے اس فلاں کو بیع کا وکیل بنایا ہے او ہم نے اس تک وہ بات پہنچادی، یا یہ شہادت دی کہ ہمیں حکم دیا کہ ہم اس کی بیوی کو اطلاع دیں کہ اس نے طلاق کا اختیار اسے تفویض کیا ہے تو ہم نے بیوی کو اطلاع کردی ہے اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، یہ گواہی جائز ہے اور اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس نے ہمیں اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار سونپا ہے اور ہم نے اس کی بیوی کو اختیار دے دیا اور اس نے اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے تو یہ شہادت قبول نہ ہوگی، محیط میں ایسا ہی ہے۔(ت)

(۲۲) سید فضل علی شاہ قاضی نکاح خواں اگرچہ نیک آدمی اور بہت اچھا ہے لیکن شہادت بوجہ جہالت غیر مفید ہے کہ شہادت مذکور سے نہ تعین تاریخ ثابت ہے نہ مہینہ نہ اسمائے گوہان نہ وکالت نہ اسم منکوحہ جو شرط ہے اس مقدمہ میں، سید صاحب موصوف کی شہادت ضرور محض نامسموع ہے اور یہی وہ شہادت ہے جس کا سننا اور اس میں اپنا اور شاہد و وکلائے فریقین کا وقت ضائع کرنا مجوز کا ہرگز جائز نہ تھا کہ جب وہ پیش از شہادت ہرگز صحیح نہیں اور اس کا سننا سنانا سب ناجائز و تضییع وقت تھا۔ اس شہادت پر اعتراض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۶۲

یہ ہے نہ یہ کہ تعین تاریخ وماہ وذکر اسماء گواہان ووکالت سے خالی ہونے کے باعث بوجہ جہالت غیر مفید ہے شہادت نکاح میں ان اشیاء سے کسی کا ذکر اصلاً لازم نہیں، تاریخ وماہ کی نسبت عبارات نمبر ۲۰ میں گزریں اور وکالت واسمائے گواہان کا ذکر اس سے بھی زیادہ لغو وغیر ضروری، کیا ذی علم مجوز کسی کتاب سے ثبوت دے سکتے ہیں کہ شہادت نکاح جب تک اسماء گواہان و وکالت کا ذکر نہ ہو مردود ہے؟ ہر گز نہیں، رہا اسم منکوحہ اگرچہ قاضی صاحب نے عصمت جہاں بیگم کا نام زبانی نہ لیا صرف اتنا کہا کہ نام رجسٹر میں لکھا ہے مگر یہ ضرور کہا کہ مسعود خاں کی دختر نے اپنے نفس کا اختیار دیا مسعود خان کی دختر جو اپنے نفس کا اختیار دینے کے قابل ہو ایک یہی عصمت جہاں بیگم ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں بہت صغیر سن ہیں کہ کسی تصرف کی اجازت دینے کے قابل نہیں اور مقصود منکوحہ کا تعین ہے اگرچہ کسی طرح ہو کچھ نام لینے ہی کی ضرورت نہیں مثلاً گواہ گواہی دیں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کیا شہادت مقبول ہے یہاں تک کہ اگر گواہ یہ بھی کہیں کہ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ مدعا علیہا زید کی بڑی لڑکی ہے جب بھی گواہی مقبول ہوگی اور مدعی سے اس پر گواہ لئے جائیں گے کہ یہی مدعی علیہا اسکی دختر کلاں ہے،
عالمگیریہ میں ہے:

فی الخزانۃ قال زوج الکبری لکن لاندری الکبری یکلفہ باقامۃ البینۃ ان الکبری ھذہ[1]۔	خزانہ میں ہے کہ گواہوں نے بڑی لڑکی کا ذکر کیا اور ساتھ ہی کہا لیکن ہمیں بڑی لڑکی کا تعارف نہیں ہے تو گواہوں کو پابند کیا جائیگا کہ بیان کریں کہ بڑی لڑکی یہ ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

شھدا انہ زوج بنتہ منہ ولا نعرفھا بوجھھا فلو لم تکن لہ الابنت واحدۃ تقبل لزوال الجھالۃ[2]۔	گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اپنی لڑکی کا فلاں سے نکاح کیا ہے لیکن ہم لڑکی کو چہرہ سے نہیں پہچانتے تو اگر اس شخص کی ایک ہی لڑکی ہو تو شہادت قبول کی جائیگی کیونکہ جہالت نہ رہی (ت)

(۲۳) محمد جان کی شہادت ضرور لغو و مہمل ہے کہ وہ صراحۃً کہتا ہے میں نے نہ سنا کیا نام مسماۃ کا لیا تھا اور نام کے علاوہ بھی کوئی پتہ اصلاً نہیں بتایا مگر علی حسین کی گواہی اگرچہ لغو رہی کہ ناکح و منکوحہ کسی کا نام نشان نہیں لیکن انصافاً، وہ لغو رکھی گئی شاہد جب ایسی گول مجمل بات کہے تو حاکم کو حکم ہے کہ اس سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۳

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون فی دعوی النکاح الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۷

استفسار کرے تاکہ بات صاف ہوجائے ناتمام بات کہے تو اس سے پوچھے کہ بات پوری ہوجائے۔ معین الحکام میں ہے:

ینبغی ان یسھل اذن البینات ولا یمطلھم فاذا حضروا انسھم وقر بھم وبسطھم و سالھم عن شھادتھم فان کانت تامة قیدھا وان کانت ناقصة سألھم عن بقیتھا وان کانت مجملة سألھم عن تفسیرھا[1]۔	گواہوں کی اجازت کا معاملہ آسان بنانا مناسب ہے اس معاملہ میں گواہوں کو تاخیر میں مبتلا نہیں کرنا ہوگا جب وہ حاضر ہوجائیں تو قاضی ان کو انس، قرب اور فراخی دے کر ان سے شہادت لے اگر شہادت مکمل ہو تو نوٹ کرلے ورنہ ناقص ہو تو بقیہ امور پوچھے اور اگر شہادت مجمل ہو ان سے تفسیر پوچھے۔(ت)

اور یہ تلقین نہیں بلکہ نظر ہے جس کے لئے قاضی مقرر ہوا، اکثر ابنائے زمانہ جاہل ہیں وہ نہیں جانتے کہ شہادت میں شرعاً کیا کیا ضرور ہے اگر انہیں کے بیان پر چھوڑا جائے عام شہادتیں ناقص و ناتمام اتریں گی اور حقوق مسلمین ضائع ہوں گے ولہذا اگر حاکم جانے کہ مدعی دعوی بروجہ صحیح ادا نہ کرسکے گا تو اسے اجازت ہے مدعی کو دعوی کرنے کا طریق سکھادے ورنہ وہی حاصل ہوگا کہ صاحب حق حق سے محروم رہے گا، عالمگیریہ میں ہے:

رجل لایحسن الدعوی والخصومة فامر القاضی رجلین فعلماہ الدعوی الخصومة ثم شھدا علی تلك الدعوی جازت شھادتھما ان کانا عدلین ولاباس بذلك علی القاضی بل ھو جائز فیمن لایقدر علی الخصومة ولا یحسن الدعوی خصوصا علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کذا فی الظھیریة[2]۔	اگر کوئی شہادت یا بحث کا طریقہ نہیں جانتا قاضی دو آدمیوں کو حکم دے کہ وہ اس کو شہادت اور بحث سکھائیں پھر وہی دو شخص اگر اس دعوی کے گواہ ہوں تو ان کی شہادت جائز ہوگی بشرطیکہ وہ دونوں شخص عادل ہوں اس میں قاضی پر کوئی اعتراض نہ ہوگا بلکہ یہ جائز ہوگا جبکہ مدعی شخص دعوی اور بحث بہتر کرنے کی قدرت نہیں رکھتا خصوصاً امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

---

[1] معین الحکام الفصل السادس فی سیرتہ مع الخصوم مصطفی البابی مصر ص ۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۵

(۲۴) شفیع حیدر خاں کی شہادت پر اعتراض کہ وہ گواہ نہ توکیل کا ہے نہ شناخت کا، جو الفاظ نکاح کے بابت گواہی دی ہے اس میں نہ نام ناکح کا لیا نہ منکوحہ کا، سخت تعجب خیز ہے نقل اظہار کہ یہاں آئی اس کا شروع ان لفظوں سے ہے، عرصہ کم وبیش سات ماہ کا ہوا کہ حسن رضاخاں کا نکاح مسماۃ عصمت جہاں بیگم مولوی مسعود خاں کی بیٹی سے ہوا میرے روبرو میں اس جلسہ نکاح میں شریک تھا، اب اسے کیا کہا جائے یہ تو کھلا گواہ نکاح ہے اور ناکح ومنکوحہ دونوں کا نام لے رہا ہے، ہاں اخیر میں یہ لکھایا ہے کہ بوستاں خاں باہر آئے اور کہا کہ چندامیاں نکاح پڑھاؤ تب قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا بعد ایجاب وقبول نکاح پڑھایا، یہاں بیشک زوجین کا نام نہ لیا پھر کیا ضرور تھا جبکہ اول صراحۃً بتاچکا۔

(۲۵) نظام الدین خاں کی گواہی کا وہی حال ہے جو نمبر ۲۳ میں علی حسین کی نسبت گزرا۔

(۲۶) جلال خاں کا حصہ بیان بابت انعقاد نکاح اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں کہ جبکہ اس کی شہادت نسبت ثبوت توکیل جو اصل بنا وموقوف علیہ صحت دعوی ہے کالعدم ہے تو اس بارے میں اس کا حصہ بیان کیا معتبر ہوسکتا ہے،

اولاً: بیانات سابقہ میں واضح ہوگیا کہ نہ ثبوت توکیل موقوف علیہ صحت دعوی تھا نہ جلال کی گواہی نسبت توکیل کالعدم، دونوں باتیں غلط ہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر ایک حصہ بیان بوجہ عدم تعریف مقبول نہ ہو تو دوسرا حصہ بیان کہ امر جداگانہ کے متعلق ہے کیوں مردود ہونے لگا، نمبر ۵ میں فصول عمادیہ وفتاوٰی عالمگیریہ سے گزرا کہ ایک گواہ نے صرف وکالت پر گواہی دی دوسرے نے وکالت وعزل دونوں پر یعنی وکیل بھی کیا پھر معزول بھی کردیا تو دوسرے کی گواہی دربارہ عزل مردود ہے کہ نصاب تام نہیں اور دربارہ وکالت مقبول کہ اس پر نصاب کامل ہے، درمختار میں ہے:

شهدا بألف وقال احدهما قضى خمس مائة قبلت بالف الا اذا شهد معه اٰخر[1]۔	دونوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے پانچ سوادا کردئے ہیں تو ایک ہزار میں گواہی درست ہوگی مگر جب پانچ سو کی ادائیگی میں کوئی دوسرا ساتھ گواہی دے۔(ت)

دیکھو یہاں بھی ایک گواہ کا یہ حصہ شہادت کہ مدعی علیہ پر ہزار روپے آتے تھے مقبول ہوا اور دوسرا حصہ کہ ان میں سے پانچسو ادا کرچکا ہے نہ سنا گیا کتب فقہ میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی،

[1] درمختار کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

اماقول الدر الشهادة اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل [1] فقد حققنا فیما علقنا علی ردالمحتار ان معناه ان المشهود به الواحد لایقبل مرة ویرد اخری بل اذارد رد مطلقًا ابدا الااذاکان له تعلق بامرین وقام به وجه الرد نظر االی احدهمادون الاٰخر کما فی صور الاستثناء الثمان منها شرب الخمر الثابت بشهادة رجل وامرأتین یقبل فی حق العتق والطلاق المعلقین به لا فی حق الحد اذلا شهادة للنساء فی الحدود وهکذا فی البواقی ولیس المراد ان الشاهد بعدة امور فردت شهادته فی احدهما لا یختص به لانقدح فی الشاهد ردت فی الامور الباقیة ایضا فان هذا باطل قطعا[2] ثم ذکرت الفرعین المذکورین۔	لیکن در کا یہ قول کہ جب بعض شہادت باطل ہوئی تو کل باطل ہوجائے گی، تو اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں کردی ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ ایک مشہود بہ (جس بات کی شہادت دی جارہی ہو) کو ایک دفعہ رد کرنے پر دوبارہ قبول کرنا جائز نہیں، جب کردیا تو رد ہی ہوگا دوبارہ قبول کرنا جائز نہ ہوگا بشرطیکہ اس ایک مشہود بہ کا تعلق دو مختلف صورتوں سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق دو مختلف صورتوں سے ہے اور ایک صورت رد کی ہے دوسری نہیں ہے، جیسا کہ آٹھ استثناؤں میں سے ایک یہ کہ شراب خوری جب ایک مرد اور دو ۲ عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو تو یہ شہادت شراب خوری سے معلق کردہ امور عتق اور طلاق میں مقبول ہے اور یہی شہادت شراب خوری پر حد کے لئے مقبول نہ ہے کیونکہ حد میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں، یوں ہی باقی امور میں بھی۔ ردالمحتار کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ گواہ جب متعدد امور کی شہادت دے اور ایک میں شہادت اس کی خصوصیت کی بناء پر مردود ہوجائے تو باقی امور میں بھی شہادت مردود ہوجائے کیونکہ یہ بات قطعًا باطل ہے، پھر میں نے اس پر مذکور دو ۲ فرعیں ذکر کی ہیں۔ (ت)

(۲۷) محمد حسن خاں کی شہادت اس وجہ سے لغو ہے کہ اس تمام بیان میں کہیں تذکرہ نام مدعا علیہا کا نہیں، نہ کوئی ثبوت اس کی شناخت کا ہے بلکہ ایک حکایت ہے کہ کوٹھری میں سے جو آواز آرہی تھی اس کا اعادہ کیا ہے، یہ اعتراض بھی تمام شبہات پر نظر نہ فرمانے سے ناشی ہے،

اولاً: محمد حسن خاں نے جہاں یہ کہا ہے کہ ایک کوٹھری جس میں کواڑ نہیں ہیں پردہ پڑا تھا اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں اپنی خوشی سے آئی ہوں میری سوتیلی ماں سے ہمیشہ رنج رہتا تھا میرے والد مولوی مسعود خاں شہر میں نہیں ہیں حسن رضا کے ساتھ میرا بیڑا ابھی ہوچکا تھا اس وجہ سے میں یہاں چلی گئی اور ان سے آکر کہا میرا آج ہی نکاح کردو نہیں تو میں جیسے پہلے چلی گئی تھی ویسے ہی چلی جاؤں گی، وہاں یہ بھی کہا ہے کہ

---

[1] درمختار کتاب الشهادت باب قبول الشهادة وعدمه مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹۱

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پردہ سے منہ بھی نکالا تھا میں نے منہ بھی دیکھا تھا پھر ثبوت شناخت کی کیا ضرورت، یہاں بھی وہ مباحث پیش آئیں گے جو امر ۱۹ و ۲ میں نسبت شہادت جلال خاں گزرے محمد حسن خاں صرف کوٹھری کی آواز کا حاکی نہیں بلکہ آواز والی کو اسی وقت منہ دیکھ کر پہچانے ہوئے ہے۔

ثانیاً: دربارہ نام مدعا علیہا وہ بحث جو زیر امر ۲۲ گزری عائد ہے مولوی مسعود خاں کی بیٹی جو اس اظہار کے قابل ہو صرف عصمت جہاں بیگم ہے رفع جہالت کو اس قدر بس ہے اگرچہ نام نہ لیا گیا، یہ اور اس کو باپ کی گواہی ثبوت نکاح کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے بیان عصمت جہان بیگم کی تکذیب مقصود ہے کہ وہ برضائے خود آئی ہے نہ کہ دوسری طرح۔

(۲۸) محمد حسن خاں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تھانہ دار نے نہال الدین خاں او محمود خاں سے کہا تم نے اس کوٹھری میں یہ بھی دیکھ لیا کہ کوئی اور تو نہیں انہوں نے کہا اس میں ہماری ہی بھانجی ہے اور کوئی نہیں یہ قول بھی محمد حسن خاں کا غلط ہے اس لئے کہ مسماۃ نہال الدین کی بہن اور محمود خاں کی بھتیجی ہے نہ کہ بھانجی۔

اولاً: کسی امر عظیم میں اشغال کے وقت کی زبان ایک آدھ لفظ میں بہک جانا کچھ مستبعد نہیں ہوتا محمود خاں کے لئے اس واقعہ کا سخت امر عظیم ہونا باتفاق فریقین ثابت ہے فریق عصمت جہاں بیگم کے طور پر تو ظاہر حتی کہ ایک فیصلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسعود خاں اسی صدمہ سے دوران مقدمہ مرگیا محمود خان ان کا حقیقی بھائی ہے اگر بھتیجی کا بھانجی شدت صدمہ میں زبان سے نکل جائے کیا جائے تعجب ہے اور فریق حسن رضا خاں کے طور پر یوں کہ **معاذ اللہ** حقیقی بھتیجی نوجوان کنواری باپ کے یہاں سے بھاگ کر ایک شخص کے یہاں چلی گئی اور خود نکاح کرلیا اور باپ بالجبر بلانا چاہتا ہے تو چچا اور بھائی کے سامنے یہ صاف صاف اظہار میں تھانے دار کو کہہ رہی ہے میں نہیں جانتی کون سے پیڑ پر رہتے ہیں کس باغ کی مولی ہیں **عیاذاً باللہ** یہ کیا تھوڑے صدمہ کا مقام ہے، پھر اتنی زبان بہکنا کیا محال، اور جب یہ ممکن اور ضرور ممکن تو مجوز ذی علم نے کیونکر یقین کرلیا کہ یہ محمد حسن خاں کی غلطی ہے، کیا متحمل نہیں کہ محمود خاں ہی کی غلطی ہو اسی نے گھبراہٹ اور سخت رنج کی حالت میں بھانجی کہا محمد حسن خاں نے جو اس سے سنا وہی نقل کردیا اسے اپنی طرف سے تصرف کا کیا اختیار تھا مع ہذا کیا محال ہے کہ عصمت جہاں بیگم کی ماں محمود خاں کی رشتہ کی بہن ہو تو بھانجی کہنے میں کوئی غلطی بھی نہیں۔

ثانیاً: بالفرض اگر یہ لغزش محمد حسن خاں ہی نے کی تو کیا الزام ہے کیا یہاں عصمت جہاں بیگم کی نسبت وقرابت کا کوئی مقدمہ پیش تھا کہ بھتیجی کی جگہ بھانجی کہنے میں فرق پڑ گیا یا شاید خواہ مدعی کا اس کے بھانجے ہونے

میں کوئی نفع بھتیجی ہونے میں کوئی نقصان تھا پھر ایسے لغو وفضول امر سے جس کے لئے مقدمہ میں کوئی اثر نہیں اعتراض یعنی چہ۔

(۲۹) یہ بھی لغویت قول گواہ مذکور ہے کہ اس نے واقعہ کی مدت قطعی آٹھ ماہ کی بیان کی ہے اور بروئے حساب کہ تاریخ عقد ۲۴/اپریل ۱۹۰۴ء ہے تاروزادائے شہادت کہ ۴/دسمبر ۱۹۱۴ء ہے مدت سات ماہ نو دن ہوتے ہیں تو یہ شہادت متعلق کسی واقعہ مقابل کے ہے،

اولاً: سخت حیرت ہے کہ یہاں جو نقل اظہار آئی اس میں صاف یہ لفظ ہیں عرصہ تخمیناً آٹھ ماہ کا ہوا کہاں تخمیناً کہاں قطعاً۔

ثانیاً: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ"[1]	زمانہ حج چند ماہ معلوم ہیں۔

اشہر بصیغہ جمع فرمایا جس کا اقل تین ہے حالانکہ وہ صرف یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک دو مہینے دس دن اور امام شافعی کے نزدیک نہم تک دو مہینے نو دن ہیں۔ ردالمحتار میں علامہ مصطفٰی رحمتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے حاشیہ در مختار میں سے ہے:

اطلق اشهر فی قوله تعالٰی الحج اشهر معلومٰت علی شهرین وبعض الثالث[2]۔	اشہر جمع کا اطلاق، اللہ تعالٰی کے قول "اشهر معلومات" میں دوماہ اور ایک ماہ کے کچھ حصے پر کیا گیا ہے (ت)

جب دو مہینے نو دن کو تین مہینے کہنا جائز ٹھہرا تو سات مہینے نو دن کو آٹھ مہینے کہنے میں کیا گناہ ہوا، ہاں اگر محمد حسن خاں قید لگاتا کہ پورے آٹھ مہینے ہوئے یا بے کم وبیش یا کامل تو ضرور اعتراض کا محل تھا، معالم التنزیل میں ہے:

شوال وذوالقعدة وتسع من ذی الحجة وانما قال اشهر بلفظ الجمع لان العرب تسمی الوقت تاما بقلیله وکثیره فیقول اتیتك یوم الخمیس	شوال، ذوالقعدہ اور نو دن ذی الحجہ ہیں، اس کے باوجود اشہر جمع کا لفظ فرمایا، کیونکہ عرب لوگ کچھ وقت کا تمام وقت پر اطلاق کرتے ہیں، وہ کہتا ہے میں جمعرات کو تیرے پاس آیا حالانکہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

[2] ردالمحتار

وانما اتاہ فی ساعۃ منہ ویقولون زرتك العام وانما زارہ فی بعضہ اھ[1] مختصرًا۔	آنا صرف ایک ساعت میں ہوا، یوں ہی کہتے ہیں میں نے اس سال تیری زیارت کی حالانکہ زیارت کچھ حصہ میں کی ہے اھ مختصراً (ت)

ولہذا احتمال مجاز رفع کرنا چاہا قرآن عظیم نے قید کمال بڑھا کر "تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ"[2] (یہ دس کامل ہیں۔ت) فرمایا کشاف میں زیر قولہ تعالٰی حولین کاملین (دو سال کامل۔ت) لکھا توکید کقولہ تعالٰی:

تلك عشرۃ کاملۃ لانہ مما یتسامح فیہ فتقول اقمت عند فلان حولین ولم تستکملھما[3]۔	یہ دس کامل ہیں، کیونکہ یہ ان امور میں سے ہے جن میں تسامح سے کام لیا جاتا ہے، تو کہتا ہے میں نے فلاں کے پاس دو سال قیام کیا حالانکہ تو نے پورے دو سال نہ کیا۔ (ت)

شہادتوں پر دیگر اعتراضات کا بھی خاتمہ ہوگیا، اب قرائن سنئے:

قرائن: (۳۰) واقعہ حیرت خیز خلاف عقل ہے، عورت پردہ نشین ناکتخدا معزز نامی شخص کی بیٹی کا پاپیادہ تنہا شب میں بلا اعانت شخص دیگر کے محلّہ مدرسہ سے باغ انگوری تک آنا پھر خواہش نکاح کی کرنا اور بلا علم و شرکت اعزا و معززین محلّہ بوکالت اجنب نا آشنا و شہادت اشخاص غیر شناسا نکاح ہونا اصلا قابل باور ہونے کے نہیں اور اس سے پہلے توکیل بوستاں خاں کی نسبت فرمایا مدعا علیہا پردہ نشین شریف زادہ ہے اس بیباکی و بے حیائی کے ساتھ ایک شخص اجنب سے ایسے شرم کے وقت جو ذلیل ترین عورت بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتی بلحاظ رسم و رواج شرفاء اصلاً عقل سلیم اس کو باور نہیں کرسکتی یہ جملہ کارسازی مصلحتی و صنعتی ہے۔

اولاً: صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن۔ علماء فرماتے ہیں:

ان البینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔	البینۃ اپنے نام کی بناء پر واضح کرنے والا ہوتا ہے، شہادت سے ثابت شدہ چیز مشاہدہ سے ثابت شدہ کی طرح ہے (ت)

---

[1] معالم التنزیل علٰی ہامش تفیسر الخازن تحت آیۃ الحج اشھر المصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] الکشاف للزمخشری تحت آیۃ حولین کاملین انتشارات آفتاب قم ایران ۱/ ۷۰-۳۷۹

آدمی جس طرح آنکھوں دیکھی بات کو محض اس بنا پر رد نہیں کرسکتا کہ قرینہ اس کے خلاف ہے یوں ہی ثابت بالشادۃ کو، قرائن سے غایت درجہ اگر ہوگا تو یہ کہ بیان شہود میں ریب و تہمت پیدا ہو اور محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریب و تہمت کے سبب گواہیاں رد نہیں ہوسکتیں،

فی الهندیة عن المحیط عن الاصل القاضی وان کان یتهمهم فالشهادة لاترد بمجرد التهمة[1]۔	ہندیہ میں محیط سے اصل (مبسوط) کے حوالہ سے ہے کہ اگر قاضی گواہوں کو متہم بھی کرے تب بھی محض تہمت کی بناپر شہادت مردود نہ ہوگی (ت)

شریف زادیوں کا مکان سے جاکر باختیار خود نکاح کرلینا اگرچہ رسم عام نہیں مگر شرعاً ممنوع و حرام نہیں، اگر تلاش کیجئے تو رامپور ہی میں اس کی بیس نظیریں ملیں گی اور رات کو پیادہ گلی کوچوں پھرنا تو وہاں بکثرت شائع ہے جس طرح لکھنؤ میں۔ بریلی میں شریف خاندان اسے ضرور عیب سمجھتے ہیں مگر رام پور میں اگر یہ عیب ہے تو برائے گفتن ہے عملی طور پر اکثر خاندانوں میں عیب نہیں بلکہ وہاں بہت جگہ منگنی وغیرہ کی تقریبوں میں شب کو آپ ڈھول بجاتی ہوئی نکلنے کی رسم ہے ان میں کنواریاں بیاہیاں جوان بڑھیاں سب طرح کی ہوتی ہیں اور بعض بیباکیں تو مردانہ لباس پہن کر تینچے کی جوڑی لگا کر نکلتی سنی گئی ہیں یہاں تک مسموع ہوا کہ بعض اونچے گھروالیاں اسی وضع میں سڑک پر مقتول ملیں والعیاذ باللہ رب العلمین مفتی وحاکم دونوں پر لازم کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوی دیں خاص وہاں کے رسم و رواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ کیسا ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا۔

ثانیاً: رسم و رواج کے قرائن تو اس وقت ڈھونڈھئے کہ خود اصل شخص مبحوث عنہ کے افعال و اقوال، حرکات و اعمال پر اطلاع نہ ہو جب خود اس کی حالت معلوم، پھر دوسروں کے رواج سے اس پر حکم کیا معنی، یہاں دو باتیں حیرت خیز و تعجب انگیز اور عقل سلیم سے بعید سمجھی گئیں ایک تو عصمت جہاں بیگم کا پاپیادہ گھر سے تنہا چلا جانا، دوسرے اجنبی شخص بوستاں خاں سے بیباکانہ یہ گفتگو کہ بھائی بوستاں خان میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان دونوں باتوں کی زندہ نظیریں بدرجہا ان سے زائد خود عصمت جہاں بیگم کے افعال و اقوال میں موجود، یہی عصمت جہاں بیگم مدعاعلیہا یہی عورت پردہ نشین ناکتخدا یہی معزز نامی شخص کی بیٹی یہی نوجوان کنواری شریف زادی ابھی قریب زمانہ ہوا اس نکاح سے دو ہی مہینے پہلے اپنے مکان

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

سے بلا اطلاع غائب ہو کر اسٹیشن ریلوے رامپور تک جاچکی ہے اس کا بہنوئی پھوپھی زاد بہن کا شوہر تلاش کرتا گیا اور منا لایا، سید مراد علی سب انسپکٹر اسٹیشن رامپور نے لکھا ۲۵ فروری ۱۹۰۴ء میں زبانی ضامن شاہ خاں ولد عادل شاہ خاں کے معلوم ہوا کہ میری حقیقی سالی اچھن بیگم مکان سے ناخوش ہو کر چلی آئی ہے، زنانے کمرہ میں تلاش کرلی جائے، میں نے تلاش کرایا زنانہ کمرے میں موجود ملی، ہمراہ لے کر واپس مکان خود ہوا، سروری بیگم جس کے مکان پر نکاح ہوا عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے، اپنی بھانجی کے یہاں آنا آخر اسٹیشن تک پہنچنے سے کچھ کم ہی ہوگا، اچھن بیگم جس کا ذکر اظہار مذکور میں ہے یہی عصمت جہاں بیگم ہے جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ میرے چچا کبھی اچھی کہتے ہیں کبھی اچھن صاحب کبھی اچھن، ضامن شاہ خاں مذکور اسی کا بہنوئی ہے، جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ ضامن شاہ خاں میرے داماد جن کے باپ کا نام عادل شاہ خاں ہے عصمت جہاں بیگم کے اس خفیہ چلے جانے کے ذی علم مجوز جج ریاست نے بھی اپنے فیصلہ میں اخذ کیا اور اس سے عصمت جہاں بیگم کے باب میں وہ نتیجہ نکالا جسے فتوی میں ذکر کرنا مناسب نہیں، اس کا چند روز تک حسن رضا خاں کے مکان پر رہنا اس کے حقیقی بھائی کا وہیں اس سے ملنے کو جانا اور اس کے باپ کے بمبئی سے آنے تک اس کے حقیقی بھائی حقیقی چچا سب کا چپ رہنا استغاثہ درکنار اطلاع بھی نہ کرنا پھر بمبئی سے آنے کے بعد بھی کئی دن کی خاموشی ہو کر کارروائی چلنا اور عصمت جہاں بیگم کا بجبر پولیس حسن رضا خاں کے مکان سے نکلنا یہ واقعات تو ایسے ہیں جن میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں، ہاں فریقین اس میں مختلف ہیں کہ یہ جانا بجبر تھا یا بخوشی، عصمت جہاں بیگم جبر بتاتی ہے اور وہ شرعًا اس میں مدعی ہے بار ثبوت اس کے ذمے تھا اور وہ اس میں محض ناکام رہی، اس کے اور اس کے باپ اور اس کے گواہوں کے اظہار سب عجب عجب تناقضوں اور خلاف عقل وبعید از قیاس باتوں پر مشتمل ہیں جن کو دیکھ کر صاف مترشح ہوتا ہے کہ صنعتی و مصلحتی کہنا انہیں بیانوں کو شایاں ہے ان کے نقائض وقبائح کی تفصیل آسان تھی مگر اس کے ذکر سے حاجت تطویل نہیں کہ خود ذی علم مجوز نے ان پر اعتبار نہ کیا اور عصمت جہاں بیگم کا بالجبر اپنے باپ کے مکان سے لایا جانا مسلم نہ رکھا، آخر فیصلہ میں فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہا حسب رسم ورواج زمانہ اپنی بھانجی کے گھر کسی ضرورت سے گئی مگر جبر نہ مان کر بیان مدعی و گواہان مدعی مردود ہونے پر قرائن عقلیہ کی کوئی کافی شہادت نہیں، جب عصمت جہاں بیگم کا اس کے یہاں بخوشی جانا مسلم تو مدعی کا اس میں کیا نفع تھا کہ اس کارات کو پاپیادہ مردانہ لباس میں آنا بیان کرتا کیا اگر ڈولی میں آنا بتاتا تو ثبوت نکاح میں اشکال ہوتا نہیں نہیں بلکہ بظاہر اسی بیان میں شکل اشتباہ تھی جیسا کہ ذی علم مجوز کو واقع ہوا کہ اس کا یوں آنا بعید از عقل سمجھا تو خلاف واقع ایسی بات کہ اپنے دعوی میں شبہہ پیدا کرے بیان کرنا اور مطابق واقع صاف صاف

بے اشتباہ کو چھوڑ دینا اصلاً کوئی وجہ نہ رکھتا تھا۔لاجرم قرین قیاس یہی ہے کہ جیسا وہ کہتا ہے وہی واقع ہوااور اس نے اپنی دیانت خواہ سادگی سے بیان واقعہ میں کوئی تصنع نہ کیا جو گزرا تھا بے کم وبیش وہی بیان کردیا ورنہ وہ بناوٹ چاہتا تو اسے یہ کہنا بہت آسانیاں دیتا کہ عصمت جہاں بیگم ڈولی میں اپنی بھانجی کے پاس آئی اور نکاح کی خواستگار ہوئی، ہم نے دیوانی و ججی دونوں مقدموں کے کاغذات فریقین وگواہان فریقین کے اظہارات بتفصیل دیکھے اصلاً کسی حرف سے نہ تو عصمت جہاں بیگم کے دامن عصمت میں کوئی لوث والتباس نظر آتا ہے نہ بیان حسن رضاخاں میں کوئی امر بعید از قیاس، غیب کا علم عالم الغیب عزجلالہ کو ہے مگر روداد وں کا ملاحظہ بے رورعایت حالت واقعہ یہ بتاتا ہے کہ عصمت جہاں بیگم ضرور اپنے نام کی عصمت جہاں ہے حاشا اس پر کسی بدوضعی کا ثبوت نہیں مگر اس کی طبیعت خلقۃً خوش باش وآزادی پسند ولطیف وظریف واقع ہوئی ہے وہ صدموں کا تحمل درکنار محکومی ودست نگری سے بھی بیزار ہے حبیب النساء بیگم اس کی سوتیلی ماں ہے حسب عادت زنان بلکہ رواج عام ہر زمان اس عداوت کے رشتے سے عصمت جہاں بیگم کو اذیت پہنچتی تھی اور کچھ نہ ہو تو کم از کم وہ محض محکوم ودست نگر رکھی گئی تھی اس کی آزاد طبیعت اس قید وبند سے بھاگتی تھی جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں درپردہ شاکی ہے کہ میرے پاس روپیہ علیحدہ نہیں رہتا ہے پچاماں بھائی سے کہہ کر چیز منگا سکتی ہوں ایسی چیز جس کو میرا جی چاہے اور یہ لوگ منع کریں نہیں منگا سکتی ہوں،انہیں وجوہ سے وہ ایک بار تنگ آکر اسٹیشن تک فرار کرچکی اس بار پکڑی گئی اور پھر اس کو اسی قید کا سامنا ہوااور مظنون ہے کہ اب بوجہ فرار قید وتشدد میں اور اضافہ ہوا ہو،وہ وقت کی منتظر تھی اس کا باپ بمبئی گیا ادھر سوتیلی ماں کو ستانے کا زیادہ موقع ملا ہوگا ادھر اس نے اپنی آزادی قائم کرنے کا اچھا وقت پایا سوچی کہ اب کی بار بھی پہلا ہی سا فرار ہوا تو اسی طرح بیکار جائے گا وہ تدبیر کیجئے کہ ہمیشہ کو آزاد ہوجایئے۔ حسن رضاخاں سے اس کا بیڑا ہوچکا تھا جیسا کہ خود اس کی ماں نے اپنے ایک اظہار میں اقرار کیا ہے اسے سب کے ظاہر ڈولی منگا کر حسن رضاخاں کے یہاں جانے کا حسب رسم زمانہ کوئی موقع نہ تھا لہٰذا اس کا پاؤں ایک بار کھل چکا تھا رات آنے کی منتظر تھی اس کے یہاں معمولاً آٹھ یا نو بجے رات کو سوجاتے ہیں جیسا کہ خود اس نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے باپ گھر میں نہ تھا ماں بھائی نو بجے سوگئے اس نے دس بجے راہ مقصود لی اس کے بھائی نے سوتے وقت اچکن ٹوپی اتار کر رکھ دی تھی یہ سمجھی کہ چاندنی رات ہے کہ صفر کی آٹھویں شب تھی اور ابھی راستہ چل رہا ہے جیسا کہ خود اس کی طرف کے اظہاروں میں ہے کہ راہ میں اس کے چچا وغیرہ لوگ ملے تھے اپنے لباس میں کہیں پہچانی نہ جائے لہٰذا بھائی کی شکر گزاری کے ساتھ اس کی اچکن ٹوپی زیب بدن کی اور وہی ہوا جو وہ سمجھتی تھی کہ

اب کسی نے نہ پہچانا یہاں تک کہ وہ اپنی بھانجی کے گھر میں آگئی، یہاں کی عورتیں اجنبی جوان کو آتے دیکھ کر ضرور گھبرائی ہوں گی مگر یہ محل اس کے کھل جانے کا تھا اس کے اتنے کہنے پر کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم، وہ گھبراہٹ اب اس تعجب سے بدل گئی ہوگی کہ تم اس وقت اس وضع میں کہاں، اور اس کا اس نے وہی جواب دیا ہوگا جو اپنی خود مختاری کے اظہار میں کہہ چکی تھی کہ میری سوتیلی ماں مجھے زہر دئے دیتی ہے میرا نکاح کردو ورنہ پہلے کی طرح پھر چلی جاؤں گی وہ خوب سمجھ لی تھی کہ اس کی آزادی قائم کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو یہی نکاح ہے کہ اس کے بعد وہ لوگ مجبور ہوجائیں گے، شوہر کا گھر اسٹیشن کا کمرہ نہ ہوگا جہاں سے ضامن شاہ خاں پکڑلے جائیں اس نکاح کے لئے ضرور تھا کہ اس کے اعزہ واقارب واہل محلّہ نہ بلائے جائیں کہ یہ تو بالکل برعکس مراد ہوتا تو اس کو یہاں قرینہ بے اصل دعوی ٹھہرانا اصل مطلب سے غفلت پر مبنی ہے۔تلاشی کے وقت اچکن ٹوپی کا مدعی کے یہاں سے برآمدن ہونا بھی اسی کا مؤید ہے کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ لوگ ڈاکہ ڈالنے جائیں اور فقط روپے آٹھ آنے کے دو استعمالی کپڑے لے کر چلے آئیں پھر انہیں اپنے یہاں رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ کئی دن بعد تلاشی میں نکلیں حالانکہ کپڑا فوراً پہچانے جانے کی چیز ہے، لاجرم وہ اسی طرح آلئے جس طرح مدعی بیان کرتا ہے اور انہیں گھر میں رکھنے سے احتراز نہ کیا کہ خود پہننے والی ہی موجود تھی اور اس نے اپنی خوشی سے نکاح کیا تھا مدعی مطمئن تھا کہ فساد نہ اٹھے گا آخر کئی روز تک اس کے چچا، بھائی خاموش رہے۔ تھانے میں بھی خبر نہ کی بلکہ چچا اور بھائی اور بہنوئی خود یہاں آکر اس سے مل گئے جیسا کہ حبیب النساء بیگم و عصمت جہاں بیگم و نہال الدین خاں کے اظہار سے ثابت ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ محمد رضا خاں مجھ کو اندر مکان کے لے گئے تھے اور دوسرے اظہار میں یہ بھی لکھایا ہے کہ محمد رضا خاں نے لڑکی سے کہہ دیا تھا کہ تمہارے بھائی آتے ہیں، کیا جو کوئی بھگا کر لاتا ہے اس کے بھائی کو یوں مکان کے اندر لے جاتا ہے، آگے نہال الدین خاں کا کہنا کہ بعد لے جانے کے محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا کہ تم کیوں آئے ہو چلے جاؤ ہم تم کو ماریں گے، محض نامقبول ہے، ان لوگوں کو نامنظور ہوتا تو پہلے ہی مکان میں کیوں جانے دیتے، ہاں شاید اس نے اندر جاکر اپنی بہن کو کچھ بھکانا یا دھمکانا شروع کیا ہو، اس پر محمد رضا خاں نے ایسا کہا ہو، نیز مدعی کو اطمینان تھا کہ کسی نے فساد چاہا بھی تو عصمت جہاں بیگم جوان عورت خود مختار ہے، اس پر کسی کی ولایت جبر یہ نہیں وہ اپنی عصمت پر تہمت نہ رکھے گی، اور ہوا بھی ایسا ہی، وہاں جو اس کا اظہار ہوا ہے اس میں سارا واقعہ کہہ سنایا مگر جب بالجبر باپ کے یہاں بھیج دی گئی یہاں اسے پڑھایا ہوا سبق پڑھنا پڑا، اس سلسلہ وار قرین قیاس واقعہ کو دیکھ کر کچھ بھی اس کا تعجب نہیں رہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے کیونکر بوستاں خاں سے خطاب تو کیل

کیا ہوگا مگر زیادہ تعجب تو اس کا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے اظہارات جو اس نے اجنبی مردوں حکام وغیر ہم کے سامنے دھڑلے کی صفائی سے آٹھ دس صفحہ مطول پر لکھائے ہیں جن میں وہ عندلیب ہزار داستان بن کر چہکی ہے جن میں کہیں نہ تو اس کی تیوری پر میل آیا نہ اس کی آنکھ جھپکی نہ اس کی زبان بہکی ہے انہیں ملاحظہ فرما کر اتنی بات کو بعید از عقل سلیم کہا جاتا ہے کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمہیں اپنے نکاح کا وکیل کیا، ان اظہاروں کا دیکھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کمسن نوجوان پردہ نشین شریف زادی جسے غیر مردوں سے بات کرنے کا اتفاق تو بالائے طاق بقول اس کے یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے مکان کے دروازہ کے سامنے کس کا مکان ہے وہ اور خاص اہلکاران حکومت کے سامنے چالاک وکیلوں کے پیچ در پیچ جرحوں کے مقابل یہ کچھ طراریں دکھانا یوں صفائی سے نکل جانا سچ پوچھئے تو بعید از عقل سلیم اسے کہئے اس کے ابتدائی اظہار پر لچھے دار بیان کا تسلسل دیکھ کر وکلائے مدعی کو گمان ہوا تھا کہ شاید اس کے قانون دان باپ نے اسے اظہار لکھ کر دے دیا ہے جسے پڑھ کر سنا رہی ہے جس کا جواب اس نے وہ چمک کر دیا کہ کاغذ دیکھنے والے پر لعنت ہے، کتنا پہلو دار جواب ہے، معلوم نہیں اس کاغذ کو کہتی ہے جس کی نسبت وکیل مدعی نے شبہہ کیا یا اس کاغذ کو جس پر اظہار لکھا جارہا ہے اور وکیل وغیرہ کے پیش نظر ہے، خیر یہاں تو شبہہ صحیح تھا خواہ بے اصل، مگر جرحوں کے جواب تو وہ لکھوا کر نہ لاسکتی تھی وہاں اس کی تیز زبانیاں شیوا بیانیاں قابل تماشہ ہیں اس کے باپ کی نسبت کوتوال ریاست نے لکھایا ہے کہ تجربہ کار قانون دان مشہور ہے مگر موازنہ تو صاف کہہ رہا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کا اظہار اس کے باپ کے اظہار سے کہیں زیادہ چاق وباطمطراق ہے وہ ان اجنبی مردوں نہ صرف اجنبی بلکہ حاکمانہ اظہار لینے والوں اور مخالفانہ جرحیں کرنے والوں کے مجمع میں اپنی ظریف طبیعت کے رنگ کو بھی نہ بھولی زہر یا دھتورے کے لڈو جنہیں کھلا کر اسے اور اس کے سارے کو بیہوش کر دینا بتایا گیا ہے ان کی تعداد و وزن تخمینی سے وکلا نے سوال کیا تھا جس کا جواب لکھاتی ہے کتنے نہیں بتا سکتی نہ یہ بتا سکتی ہوں کہ پانچ تھے یا پانچ سے زیادہ تھے، آٹھ تھے یا آٹھ سے زیادہ تھے، تخمینہ سے بھی نہیں بتا سکتی کہ دس تھے یا اس سے زیادہ تھے، چار یا پانچ تخمیناً تھے، ان چار پانچ کا وزن نہیں بتا سکتی، نہ ایک لڈو کا وزن تخمیناً بتا سکتی ہوں کہ ماشہ بھر یا تولہ بھر یا چھٹانک بھر تھا یا سیر بھر تھا یا من بھر تھا۔ سوال تھا کہ ایک لڈو کتنے نوالوں میں کھالیتی تھیں، جواب دیا نہیں بتا سکتی، نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایک لڈو کے آٹھ یا دس یا بیس یا پچاس نوالے ہوتے تھے۔ سوال تھا کہ لڈو کھانے کے کتنی دیر بعد یہاں سے روانہ ہوئی، کہا تخمیناً بھی نہیں بتا سکتی۔ وکیل نے پوچھا ایک گھنٹے بعد یا ڈیڑھ گھنٹے بعد۔ کہا میں کچھ

نہیں کہہ سکتی سب گھنٹے بعد، پھر ایک سوال کے جواب میں کہا آنے میں اور کھانا کھانے کے وقت تک چار پانچ گھنٹے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتی مجھ کو متشابہ تھا، وکیل نے پوچھا متشابہ آپ کو کیوں تھا، اس پر بولی آپ نے لفظ "ہ" زیادہ کردیا مجھ کو کتاب سے بتلا دو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا، زہر کے لڈو کھانے کے آثار سے سوال ہوا، اس کا جواب دیتی ہے ہم کو یاد نہیں کہ کلیجے پر جلن تھی یا نہیں ہم کو یاد نہیں کہ پیٹ میں درد ہوا تھا یا نہیں، یہ بھی یاد نہیں کہ گلے میں سوزش ہوئی تھی یا نہیں، آئینہ ہمارے ہاتھ میں نہ تھا کہ میں دیکھتی کہ آنکھیں سرخ ہوگئی تھیں یا کیا، مجھے یاد نہیں کہ میرے گلے میں خشکی تھی یا نہیں، تین مہینے سے اونچا عرصہ ہوا۔ یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو پیاس تھی کہ نہیں، میں نہیں کہہ سکتی میرے سر میں درد ہوا یا نہیں، میں نہیں کہہ سکتی کہ چکا چوند ہوا یا نہیں، نہ میں نے پاگل دیکھا، نہ میں جانوں، نہ کودنا، اچھلنا، جنون لڑکھڑانا، پاؤں کا پھدکنا ناچنا، واہی تباہی، ہوا میں ہاتھ مارنا، ان سب باتوں کو میں نہیں جانتی، یہاں تک کہ لکھاتی ہے کسی مرد نے کہا پلنگ پر لیٹ جاؤ میں لیٹ گئی پلنگ پر لیٹنے کے بعد صبح تک ہوش نہ ہوا صبح کو اٹھی جب معلوم ہوا کہ مجھے خراب وبے عزت کیا پاجامے کی کلیوں پر خون لگا تھا یہ نہیں معلوم کس نے خراب کیا، جب تک مظہرہ ملزمان کے قبضہ میں رہی مظہرہ سے برابر کام حسن رضا خاں ڈرادھمکا کر کرتا رہا، کچہریوں کے اظہار اور وکلاء کی چھتاڑ میں بڑے بڑے مرد گھبرا جاتے ہیں نہ کہ عورت نہ کہ کمسن نہ کہ پردہ نشین نہ کہ ناکتخدا نہ کہ ایسے بھنورے کی پلی جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے دروازے کے سامنے کس کا مکان ہے نہ کہ ایسی گلفشانیاں یہ حرف گیریاں نہ کہ کلیوں کے خون تک کا صفائی سے بیان، یہ سب اس کی آزاد بیباک طبیعت کے چھچھے تھے، پھر اسے اتنا کہنا کیا محال تھا کہ بھائی بوستاں خاں! میں نے تمہیں وکیل نکاح کیا غرض یہاں مدعائے مدعی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں بلکہ قرائن بھی اس کی طرف ہیں۔

تنقیحات

فیصلے کے تمام اعتراضات متعلق دعوٰی وشہادات سے فروغ پایا اتنے مختصر لفظ تنقیحات کی نسبت بھی گذارش ہیں کہ ذی علم مجوز نے تین تنقیحیں کیں:

(۱) عصمت جہاں بیگم بالغہ کا نکاح اس کی رضا وتوکیل سے ہوا یا نکاح نہ ہوا اور وہ نابالغہ تھی اور حسن رضا خاں اس کا کفو نہ تھا۔

(۲) آیا پیش از نکاح بیڑا ہوا۔

(۳) آیا مدعا علیہا اپنے باپ کے گھر سے تنہا پیدل رات کو آئی یا بالجبر بھگالی گئی۔ پچھلی دو تنقیحوں پر تجویز

دی ہے کہ سوا محمد حسن خاں کے کوئی شہادت نسبت امر دوم نہ گزری شہادت مذکورہ صحیح ہوتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم تھی پس امر دوم بھی غیر ثابت ہے اور امر سوم بھی کوئی ثبوت سوا ایک حصہ بیان شفیع حیدر خاں کے پیش نہ ہوا وہ بھی غیر ثابت ہے اگر شہادت صحیح بھی گزرتی تو بوجہ عدم کفایت کالعدم ہوتی، ہماری رائے میں اولاً امر اخیر کی تنقیح قائم کرنی اور اس پر تجویز دینی ہی محض فضول تھی، اس محکمہ میں حسن رضاخاں کی طرف سے دعوی نکاح ورخصت تھا نہ کہ عصمت جہاں بیگم کی طرف سے دعوی جرم، توآنا بخوشی ہوا یا بالجبر اس کی بحث یہاں محض بیکار تھی، آنا درکنار خود نکاح اگر بالجبر ہو صحیح و نافذ ہے کہ نکاح و طلاق میں اکراہ ان کی صحت میں مخل نہیں۔ درمختار کتاب الاکراہ میں ہے:

صح نکاحه وطلاقه وعتقه [1] الخ۔	اس کا نکاح، طلاق اور عتق صحیح ہے الخ (ت)

ثانیًا: تنقیح دوم اس سے زیادہ عبث ولغو تھی کہ نکاح میں بیڑا ہونے نہ ہونے کو تو اصلاً دخل ہی نہیں کیا اگر بیڑا پہلے ہو جاتا تو نکاح صحیح وجائز تھا۔ نہ ہوتا تو نہ تھا پھر اسے معرض بحث میں لانا اور اس پر تجویز سنانا یعنی چہ۔

ثالثًا: ان دو بیکار تنقیحوں کی جگہ پہلی تنقیح کے ہی دو جز اخیر کو یعنی عصمت جہاں بیگم کا نابالغہ ہونا، حسن رضاخاں کا اس کے لئے کفو نہ ہونا مستقل تنقیحیں کرنا تھا کہ نفس حکم میں شرعًا ان باتوں کو دخل عظیم تھا مگر وہ ایک بے التفاتی کے ساتھ پہلی تنقیح میں ضمنًا ذکر کر دی گئیں اور مطلقًا ان کی نسبت تحریر فرمادیا کہ ثبوت ذمہ مدعی وتردید ذمہ مدعا علیہا، حالانکہ ان میں جزء اخیر یعنی عدم کفائت کا بار ثبوت ذمہ مدعا علیہا تھا وہ اس میں مدعیہ تھی کہ اصل کفاءت ہے لان الناس بنو اب وام (کیونکہ تمام لوگ باپ اور ماں کی اولاد ہیں۔ ت)

رابعًا: فیصلہ میں ان دونوں ضروری جزء تنقیح کی نسبت کسی تجویز کا ذکر نہیں عدم کفاءت کا تو کوئی ثبوت عصمت جہاں بیگم کی طرف سے نہ گزرا وہ قابل ثبوت تھی بلکہ وہ کاغذات دیکھنے میں آئے ہیں جن سے معاملہ عدم کفاءت بالعکس معلوم ہوتا ہے یعنی عصمت جہاں بیگم بہ نسبت حسن رضاخاں کے بہت کم قوم ہے اور ضرور ذی علم مجوز نے بھی اس کی یہ مہمل بات ناقابل التفات جانی اور خود اس کی طرف سے اس کی بحث سے مطلق سکوت نے ظاہر کر دیا کہ وہ صرف برائے گفتن کچھ الفاظ تھے جن کے نیچے معنی نہ تھی بلوغ کے بارے میں مسل میں نظیرن ومحبوبن دائیوں کے اظہار ہیں جن میں وہ لکھاتی ہیں کہ عصمت جہاں بیگم جس کو ہم نے

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ابھی دیکھا ہے عرصہ ڈھائی تین سال سے بالغ ہے مجوز نے سوال فرمایا کہ بلوغ کے آثار بتاؤ، اس پر جواب دیا کہ جوان عورت کی چھاتیاں پوری ہوتی ہیں چنانچہ اس کی چھاتیاں پوری ہیں عارضہ جو عورات کو ہوتا ہے وہ عارضہ بھی اس کو موجود ہے، اور اسی قسم کا ایک بیان بوستاں خاں نے اپنے اظہار میں کیا ہے وہ کہتا ہے علامات بلوغ کے میں نے دیکھے ہیں کیونکہ وہ میرے سامنے آئی تھی اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ وہ بالغ ہے وہ جسیم عورت تھی اور سینہ کی چوڑائی وغیرہ اور جسم اس کا معمولی عورت سے زیادہ تھا اور چھاتیاں اس کی مثل انار بڑے کے تھیں نکاح ہونے کے بعد دیکھی تھی یہاں اعتراض کو گنجائش تھی کہ جب ذی علم مجوز نے دائیوں کے اس بیان پر کہ وہ ڈھائی تین سال سے بالغہ ہے قناعت نہ کی تھی تو انہوں نے جو علامات بتائیں بدرجہ اولٰی قابل قناعت نہ تھیں پستان کا ابھار شرعًا مثبت بلوغ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانة ولااللحية واما نهود الثدى فذكر الحموى انه لايحكم به فى ظاهر الرواية وكذا ثقل الصوت كما فى شرح النظم الهاملى ابوالسعود وكذا شعر الساق والابط والشارب[1]۔	زیر ناف بالوں یا داڑھی اگنے کا اعتبار نہیں لیکن پستانوں کا ابھرنا، تو حموی نے ذکر کیا ہے کہ اس سے بلوغ کا حکم نہ کیا جائے گا ظاہر روایت میں، یوں آواز کا ثقل بھی جیسا کہ شرح نظم الہاملی ابوسعود میں ہے اور یوں ہی پنڈلی، بغل اور مونچھوں کے بال کا حکم ہے (ت)

اور عورتوں کا عارضہ نہیں معلوم انہوں نے حیض کو کہا یا کسی اور عارضہ نسائی کو، شہادت میں ایسی گول بات نہیں لی جاتی، تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس کا بالغہ ہونا ذی علم مجوز کو تسلیم ہے جب تو اس کی توکیل پر صحت نکاح کو موقوف فرمایا ورنہ نابالغہ کی توکیل وعدم توکیل یکساں ہے اور جب یہ دونوں بحثیں ذی علم مجوز کے نزدیک طے شدہ تھیں اور بیشک ثبوت نکاح وتوکیل پر کافی شہادتیں گزر گئیں، صرف شہادت توکیل میں اتنا قصور خود منجانب مجوز باقی رہا کہ عصمت جہاں بیگم کو جلال خاں کے سامنے لاکر منہ دکھا کر شناخت کرائی جاتی، اگر وہ شناخت کردیتا مقدمہ اس روش پر جو آج کل اسلامی ریاستوں اور خود رامپور میں شائع ہورہی ہے بہمہ وجوہ مکمل ہوجاتا اور فیصلہ بحق مدعی لازم تھا۔ بالجملہ فیصلہ ناتمام وناقص اور سراسر پیش از وقت ہے، اور جتنی وجوہ شہادات مدعی وثبوت دعوٰی پر اعتراض فرمائے ہیں سب بے اصل ہیں، مقدمہ اس تکمیل کا محتاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کے بعد فیصلہ بحق مدعی ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الحجر فصل ببلوغ الغلام بالاحتلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

مسئلہ ۸۴: از لاہور محلّہ بازار حکیماں مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳/ شعبان ۱۳۲۳ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ جس قاضی کو تقلید قضا از جانب سلطان وقت یا از جانب عام رعایا حاصل ہوا اور وہ از جانب مقلد خود ماذون بخلافت ونیابت بھی ہو وہ قاضی حاکم عدالت شریعت کو کسی مقدمہ خاص میں یہ تحریر لکھیں حال یہ کہ وہ حاکم عدالت شریعت بھی قاضی کے ماتحتوں میں سے ایک حاکم ہے (کہ اگر ہمشیرگان زید کا حصہ مال زید میں ہو تو بعد تحقیق دلایا جائے) اور بعد چند روز حاکم مذکور کو یہ تحریر بھیجے کہ فلاں مقدمہ کا فیصلہ بہت جلدی کرکے حکمنامہ بعجلت میرے حضور میں پیش کریں پس حاکم شریعت نے بعد تحقیقات شرعی باتفاق مفتیان عدالت کل عذرات مدعا علیہ دفع کرکے ہمشیرگان زید کو متروکہ زید میں ڈگری دلائی، اب یہ امر دریافت ہے کہ اس ڈگری دلانے کو حکم قاضی کہنا چاہئے یا کیا، اور اس حکم مجمع علیہ کو تاوقتیکہ خلاف کتاب اللہ وسنت مشہورہ واجماع نہ ہو خود حاکم شریعت مذکور یا قاضی دیگر اس کا نقض کرسکتا ہے شرعًا بعد ایک زمانہ کے یا نہیں، اور اگر حاکم مذکور نے حکم مذکور نقض کرکے خلاف حکم اول حکم دے دیا تو قابل اجراء شرعًا حکم اول رہے گا یا ثانی۔

سوال دوم: ایک شخص رئیس ریاست اسلام ہے جس کو عزل ونصب اہلکار وعمالان ریاست کا اختیار حاصل ہے اور اس کو قاضی ماذون بالخلافت بھی کہہ سکتے ہیں اس رئیس نے کسی ایسے شخص کو جو اس رئیس کا نائب فی التحریر ہے یہ حکم دیا کہ یہ شخص فلاں مقدمہ کا فیصلہ شرعی کردے اس حکم کے بعد اس نائب نے اس مقدمہ میں فیصلہ شرعی کردیا پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ نائب، رئیس کے اس حکم دینے کے بعد نیابت فی القضا کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس نائب کا حکم شرعی دیا ہوا بجائے حکم رئیس کے ہے یا نہیں؟ نقض اس حکم کا رئیس یا وہ خود نائب کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) والی ملک رئیس خود مختار حاکم اسلام یا بحال حسب روایات جامع الفصولین وتتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا اتفاق رعایا سے قاضی مطلق بنایا ہوا یا ان کا مقلد قاضی ماذون بالاستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کے فیصلہ کا حکم دے وہ فیصلہ فیصلہ قاضی شرع ہے کسی کو اس کے نقض کا اختیار نہیں مگر جبکہ اپنے مذہب معتمد مفتی بہ کے خلاف واقع ہوا ہو تو منقوض ہوگا بلکہ راسًا صحیح نہ ہوا اگرچہ خلاف اجماع نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[1]۔	قاضی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے صحیح ترین قول پر حکم کا مامور ہے اگر اس کے بغیر حکم کیا تو وہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

درمختار میں ہے:

لایخیر الا اذا کان مجتھدا بل المقلد متی خالف معتمد مذہبه لاینفذ حکمه وینقض ھوالمختار للفتوی کما بسطه المصنف فی فتاواہ وغیرہ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اختیار نہ ہوگا مگر مجتہد کو بلکہ مقلد جب اپنے قابل اعتماد مذہب کے خلاف حکم کرے گا تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوی کیلئے مختار ہے جیسا کہ مصنف وغیرہ نے اس کو اپنے فتاوٰی میں مبسوط کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) فی الواقع وہ حکم میں استجماع شرائط صحت منقوض نہیں ہوسکتا ہاں اگر خلاف مذہب معتمد ہو رد کردیا جائے گا اور نفاذ نہ پائے گا فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف ولو حکم لاینفذ [2]اھ مختصرا وتمامه فی فتاوٰنا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مقلد قاضی کو جائز نہیں کہ وہ ضعیف قول پر حکم دے اور اگر اس نے ایسا کیا تو نافذ نہ ہوگا اھ مختصراً،اور اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۶: از ریاست رام پور محلّہ ٹھوٹر مرسلہ محمد رفیق خاں ۱۱/شوال ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمقدمہ عبدالعلی خاں ولد محمد عمرخان بنام محمد رفیق خاں ولد محمد سعید خاں حاکم دیوانی نے یہ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مع نقول اظہارات گواہان فریقین حاضر ملاحظہ ہے یہ فیصلہ شرعاً صحیح وقابل بحالی ہے یا باطل وقابل منسوخی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے یہ فیصلہ محض مہمل ومختل واقع ہوا، عبدالعلی خاں نے وقت رجسٹری عندالبائع والمشتری طلب مواثبت واشہاد کا دعوی کیا رفیق خاں کا جو بیان مندرج فیصلہ ہے اس میں اس طلب کا نہ انکار نہ اقرار بلکہ جواب دعوی اس امر پر مبتنی ہے کہ مدعی کو قبل رجسٹری علم بالبیع ہوچکا اور اس نے نہ فقط تسلیم کیا بلکہ صراحۃً لینے سے انکار کردیا یہاں جو مسئلہ اسناد الی الماضی فیصلہ میں مذکور ہوا اور اس میں شفیع کا مدعی ہونا ذکر کیا اس مسئلہ کے فہم میں سخت لغزش واقع ہوئی طلب خصومت سے پیشتر کی طرف

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فتاوٰی علامہ قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

اسناد علم وہ اسناد الی الماضی نہیں کہ اس قدر سے تو شفیع کو چارہ نہیں، اگر عین وقت خصومت عند القاضی اپنا علم بالبیع بیان کرے اور شفعہ کامدعی باطل ہوجائے گا کہ اس نے طلب مواثبت واشہاد دونوں چھوڑ کر طلب خصومت سے آغاز کیا اور طلب واحد کو تینوں طلب کے قائم مقام کیا چاہتا ہے یہ باطل ومبطل شفعہ ہے **کما بینہ المولی خیر الدین الرملی فی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ**[1] (جیسا کہ اس کا آقا خیر الدین الرملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریۃ میں ذکر کیا ہے۔ت) بلکہ وہ اسناد الی ما قبل الاشہاد ہے اگر شفیع کہے کہ اشہاد سے پہلے مجھے علم نہ ہوا تھا تو یمین کے ساتھ مصدق ہوگا اور مشتری پر بینہ، اور اگر کہے کہ اس سے پہلے مجھے علم ہوا اور میں نے طلب مواثبت کی تو شفیع پر بینہ **کما حققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار** (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر یہاں یہ مسئلہ اصلاً زیر بحث نہیں کہ طلب مواثبت واشہاد عند البائع والمشتری کا اقرار انکار مدعا علیہ نے کچھ نہ کیا یہ سکوت ہے اور مذہب اصح میں سکوت بے آفت بھی انکار ہے، درمختار میں ہے:

لوسکت کان انکارا فتسمع البینۃ علیہ الا ان یکون اخرس، اختیار[2]۔	اگر خاموش ہوا تو انکار ہوگا جس پر گواہی سنی جائیگی لیکن اگر گونگا ہو تو پھر انکار نہیں، الاختیار۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وبہ افتیت لما ان الفتوٰی علی قول الثانی فیما یتعلق بالقضاء[3]۔	میں نے اسی پر فتوٰی دیا کیونکہ قضاء کے متعلق امام ابویوسف کے قول پر فتوٰی ہوتا ہے(ت)

تو صورت دائرہ میں مدعی علی حالہ مدعی رہا اور بار ثبوت اسی پر ہوا اور اتنا خود مجوز کو بھی تسلیم ہے اگرچہ اس کی وجہ دوسری سمجھی تو مدار مقدمہ بینہ مدعی سے ثبوت دعوی پر رہا اب اس کے گواہوں پر نظر ڈالئے تو ایک گواہی بھی اصلاً اس کے مفید نہیں، سید عطاء الحق ومحمد علی خان تو بالکل خلاف دعوی وخلاف واقع شہادت دے رہے ہیں زمین بے عمارت بیع ہوئی اور اسی پر شفیع نے دعوی کیا مکان مشتری نے بعد شراء بنایا اور یہ دونوں گواہ شفیع کی طلب اس لفظ سے بیان کررہے ہیں کہ مکان

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴

[2] درمختار کتاب الدعوی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[3] بحرالرائق کتاب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

محمد توفیق خاں نے جو لیا ہے میں نے اپنے شفعہ میں لیا اس مکان کا میں شفیع ہوں۔ فیاض خاں کہتا ہے کہ اسد علی خاں یعنی بائع نے کاغذ رجسٹرار کے سامنے پیش کیا رجسٹرار صاحب نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو عبدالعلی خاں نے کہا کہ رفیق خاں نے جو زمین بیچی ہے میں نے اپنے شفعہ میں لی، اور بیان کرتا ہے کہ کاغذ رجسٹرار صاحب نے اول سے آخر تک مدعی مدعا علیہ کو سنایا تھا یہاں طلب شفیع کو سنانے پر مرتب کرتا ہے اور سنانا اول سے آخر تک کہتا ہے تو مواثبت کا ثبوت درکنار ظاہرًا مواثبت فوت ہوئی غالبًا انہیں وجوہ سے ذی علم مجوز نے بھی ان تین گواہوں کو نظر انداز کیا اگرچہ نہایت قابل افسوس یہ بات ہے کہ یہ گواہان مدعی ہو کر خود ان کے مقر اور بیان مدعا علیہ کے موافق شہادت دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا قرین انصاف نہ تھا کچھ بیان اس کا عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی، رہے تین گواہ اور فیصلہ کا سارا دار ومدار انہیں پر ہے ان میں رجسٹرار صاحب کی گواہی تو محض کالعدم ہے وہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری کا موجود ہونا ضرور بیان کرتے ہیں مگر ان لفظوں کا نہ کہ ان کے مصداق کا۔ شہادت وہ ہے جو اپنے علم سے ناشی ہو اور وہ اتنا بھی نہیں کہتے کہ بائع ومشتری اگر میرے سامنے آئیں تو ان کو شناخت کرلوں گا بلکہ اسے بھی اس شرط پر مشروط کرتے ہیں کہ اگر یاد آگئے تو شناخت کرلوں گا پھر مدعی نے نہ ان سے شناخت کرانے کی کوشش کی نہ ظاہر ہوا کہ انہیں یاد آئے یا نہیں تو ایسی گواہی محض پادر ہوا ہے وقت رجسٹری نسبت حاضری تسلیم مشتری ہرگز اس کا اقرار نہیں کرتا کہ شفیع نے میرے سامنے طلب کی رجسٹری امر آنی نہیں امر ممتد زمانی ہے، اس ناقص گواہی کی تکمیل ذمہ مدعی تھی وکلائے مدعا علیہ پر کیا ضرور تھا کہ گواہی مدعی کے رفع نقصان کی درخواست کرتے تو فیصلہ کی یہ تحریر کہ رجسٹرار صاحب کی بابت نسبت شناخت عاقدین کے وکیل مدعا علیہ نے کوئی درخواست پیش نہیں کی اور سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے، نہایت عجیب ہے جب گواہی مخالف میں صریح نقص موجود ہے تو سکوت کیا تو سکوت اس بنا پر ہوگا کہ وہ خود ہی ناقص و نامکمل ہے ہمیں اس گفتگو کی کیا حاجت، نہ یہ کہ سکوت کیجئے تو ناقص کو کامل مان لیجئے یہ کون سا قاعدہ عقل یا نقل کا ہے، نہیں نہیں بلکہ یوں کہئے کہ گواہی محض نامکمل تھی اور اس کی تکمیل اپنے نفع کے لئے مدعی پر لازم تھی تو مدعی کا سکوت صاف دلیل ہے کہ وہ اس کی تکمیل سے عاجز تھا یا کم از کم اس کو مکمل کرنا نہ چاہا اور ناقابل اسناد رکھا بلکہ غور کیجئے تو غالبًا صاف ثابت ماننا پڑے کہ رجسٹرار صاحب کو نہ عاقدین یاد آئے نہ ان کی شناخت کرسکے، اظہارات سے ظاہر ہے کہ وہ بمواجہہ عاقدین لئے گئے متعدد گواہوں نے ان حاضرین کو اشارہ سے بتایا رجسٹرار صاحب اگر پہچان سکتے تو صاف کہتے کہ وہ دونوں یہ ہیں مولوی نعمت اللہ نے اتنا بھی نہ کہا کہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری موجود تھے صرف اس قدر کہا کہ یہ یاد نہیں کہ سوا ملازمین رجسٹری اور بائع ومشتری اور عبدالعلی خاں کے کوئی اور اس وقت تھا یا نہیں،

قطع نظر اس سے کہ یہاں بائع و مشتری مستثنٰی میں ہیں اور جمہور حنفیّہ کے نزدیک مستثنٰی سکوت عنہ ہوتا ہے اور سکوت بیان نہیں تو بائع و مشتری کی نسبت گواہ کو کچھ یاد ہونا اصلاً ثابت نہ ہوا یہاں جب گواہ نے یہ کہا کہ یاد نہیں کہ کوئی اور تھا یا نہیں، تو اس "یا نہیں" نے حکم کو مردود کردیا اور یہ استثناء حکم مردود سے ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مستثنٰے لوگوں کی نسبت احدالامرین یاد ہے، ہونا یا نہ ہونا، نہ یہ کہ خاص ہونا یاد ہے، اس کی توزیع یوں ہوسکتی ہے کہ ملازمین رجسٹری کی نسبت ہونا یاد ہو اور بائع و مشتری کی نسبت نہ ہونا پس دونوں مذہب پر یہ شہادت بالاتفاق مہمل و ناکافی ہے معہذا مولوی نعمت اللہ کا بیان صراحۃً مدعی و دیگر گواہان مدعی کی تکذیب کرتا ہے وہ لفظ طلب یہ بیان کرتا ہے کہ صاحبو تم گواہ رہنا کہ یہ بیعہ میں نے اپنے شفعہ میں لیا اور صاف تصریح کرتا ہے کہ یہ لفظ کہے تھے یعنی نقل بالمعنٰی نہیں نقل باللفظ ہے، اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ صریح حصر کردیا کہ یہی لفظ کہے تھے حالانکہ مدعی و دیگر گواہان سب کے بیان میں لفظ طلب ان کے غیر اور ان سے زائد ہیں، نیاز علی خاں کی گواہی اگر صاف بھی ہوتی تو ایک تنہا کیا قابل سماعت تھی مگر اس نے صرف عبدالعلی خاں کہا ہے مجرد اسم کے سوا کوئی تعیین تمیز کا بیان نہ کیا نہ وقت اظہار اس کو اشارہ سے بتایا یہ اعتراض نہ تنہا اس پر بلکہ باقی سب گواہوں پر بھی ہے فریقین میں کسی نہ کسی کی تعیین ہر ایک کے اظہار میں متروک ہوئی ہے اور شرعاً ایسی نامعین گواہی معتبر نہیں، ائمہ کرام تو حاضر پر اشارہ شرط بتاتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

یحتاج فی الشھادۃ علی الحاضر الی الاشارۃ الی المدعی علیہ والمدعی الخ[1]۔	کسی حاضر پر شہادت میں مدعی یا مدعی علیہ کی طرف اشارہ ضروری ہے الخ (ت)۔

اور آج کل عامیانہ روش میں جو توصیف بلفظ مدعی و مدعا علیہ پر قناعت کی جاتی ہے ان شہود نے یہ لفظ بھی بعض فریقین کی نسبت نہ کہے تو صرف نام کیا کافی ہوسکتا ہے عبدالعلی خاں ہزاروں ہیں بالجملہ گواہان مدعی میں اصلاً کوئی گواہی قابل التفات نہیں، تو یہاں اس مسئلہ سے استناد کہ بینہ مشتری سے بینہ شفیع اولٰی ہے محض باطل و بے معنی ہے پہلے بینہ ہو بھی تولے جب تو اولویت وعدم اولویت میں بحث کی جائے۔ علاوہ بریں روایات منقولہ فیصلہ اس صورت میں ہیں کہ جب یہ دعوٰی طلب کرے اور وہ انکار کہ اس کو علم ہوا اور طلب نہ کی فیصلہ میں درمختار سے منقول کیا:

انکر المشتری طلب المواثبۃ فانہ یحلف علی العلم وان انکر طلب	مشتری نے مواثبہ کے طلب سے انکار کیا تو علم کے متعلق حلف لیا جائے اور اگر گواہی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

الاشھاد حلف علی البینات ولو برھن فبینۃ الشفیع احق۔[1]	طلب سے انکار کرے تو بینہ پر حلف لیا جائے اور اگر بینہ پیش کریں تو شفیع کا بینہ اولٰی ہوگا۔(ت)

نیز نقل کیا:

مشتری میگوید کہ تو روز پنجشنبہ دانستہ وطلب نکردہ قول قول مشتری بود لانہ ینکر الطلب والبینۃ علی الشفیع۔[2]	مشتری کہتا ہے تو نے جمعرات جان لیا اور مطالبہ نہ کیا تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہ طلب کا منکر ہے اور بینہ شفیع پر ہے۔(ت)

نیز عالمگیری سے لکھا:

اقام المشتری بینۃ ان الشفیع علم بالبیع ولم یطلب الشفعۃ واقام الشفیع البینۃ انہ طلب حین علم فالبینۃ بینۃ الشفیع۔[3]	مشتری نے گواہی پیش کی کہ شفیع نے بیع کا علم ہونے کے باوجود شفعہ کا مطالبہ نہ کیا اور شفیع نے گواہی پیش کردی کہ اس نے علم ہوجانے پر شفعہ کا مطالبہ کیا ہے تو شفیع کی گواہی معتبر ہے۔(ت)

اسی طرح بقیہ عبارت میں تصویر مسئلہ دعوی طلب وانکار طلب میں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نفی مجرد پر گواہی مقبول نہیں فان البینات للاثبات کما اثبتہ الائمۃ الاثبات (توبیشک شہادت اثبات کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ ائمہ نے اسکو ثابت کرنا ہے) مگر یہاں مشتری یا اسکے گواہوں نے صرف انکار طلب پر قناعت نہ کی بلکہ صاف یہ کہا کہ بعد بیع شفیع کو اطلاع دی گئی اور اس نے لینے سے صریح انکار کیا یہ شہادت نفی نہیں شہادت اثبات ہے اور اس کی تاریخ مقدم ہے اور گواہان شفیع اس کے معارض نہیں ہوسکتی ان کا علم اس قدر کو محیط ہے جتنا شفیع سے وقت رجسٹری صادر ہوا انہوں نے ہرگز نہ کہا کہ اس سے پہلے شفیع نے لینے سے انکار نہ کیا تھا یا شفیع کو اس سے پہلے علم بالبیع نہ ہوا تھا اور نہ وہ ایسا کہہ سکتے تھے اور اگر کہتے تو مقبول نہ ہوتا کہ اب انکی شہادت شہادت

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

[2]

[3] فتاوی ہندیہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

علی النفی ہوتی وانما البینات للاثبات (حالانکہ گواہی اثبات کیلئے ہوتی ہے۔ت) یہاں اگرچہ کلام بروجہ دیگر ممکن مگر مقصود یہ ہے کہ روایات منقولہ فیصلہ یوں بھی صورت مقدمہ سے جدا ہیں نظر بروئداد ظاہر یہی ہے کہ واقع میں شفیع کو پہلے سے علم ہوچکا تھا اب کہ نگاہ عوام میں وقعت دعوی پیدا کرنے کے لئے اس کا منتظر رہا کہ جب بیعنامہ رجسٹری میں پیش ہو تو رجسٹرار کے سامنے طلب بجالائے تاکہ ایک قیمتی گواہ طلب کامل جائے ولہذا وہ خاص اسی دن اسی وقت محکمہ رجسٹری میں پہنچا جبکہ بیعنامہ رجسٹری ہونے کو تھا اگر اسے پہلے سے کچھ علم نہ تھا تو خالص اس دن تاریخ وقت کی تعیین کسی الہام کے ذریعہ سے ہوئی یا خواب سے اور خود اس کے گواہوں سے دو گواہ صاف بتارہے ہیں کہ پیش از طلب اسے علم ہولیا تھا، سید عطاء الحق نے کہا کہ عبدالعلی خاں قبل پیش ہونے بیعنامہ کے گھنٹہ بھر اول یہ کہہ گئے تھے کہ میں طلب شفعہ کروں گا، مشفوعہ کا کاغذ آج تصدیق ہوگا ایسی صریح باتوں کو جن سے خود گواہان مدعی بطلان شفعہ کی شہادت دے رہے ہیں نظر انداز کرنا بہت نامناسب تھا اس فیصلہ کے بطلان پر اور بھی وجوہ ہیں مگر جس قدر مذکور ہوا اظہار حق کے لئے ان شاء اللہ کافی و وافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر فتح محمد خاں مرسلہ سعید الرحمٰن خاں ۲۰ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین پیچ اس مسئلہ کے کہ مسمّٰی زید نے جو مسلمان ہے مسمّٰی بکر کے پاس جو ہندو ہے زیور نقرئی وزنی دوصد روپیہ بھر بالعوض ایک سوپندرہ روپیہ کے بشرح سود فیصدی دوروپیہ ماہوار رہن کیا، بکر نے جانچ وزن زیور کا کرکے نقرئی سمجھ کر رکھ لیا اور زرسود زید بکر کو ماہ بماہ ادا کرتا رہا، اب جو زید نے بکر پر عدالت میں دعوی انفکاک رہن بادائے ایک سوپندرہ روپیہ زر رہن کے کیا تو بکر یہ عذر کرتا ہے کہ وہ زیور مرہونہ نقرئی نہیں تھا بلکہ قسم جرمن سلور کا تھا جو نہایت کم قیمت جنس بمقابلہ نقرہ کے ہے مگر بکر نے کوئی شہادت اس بارہ میں پیش نہیں کی زید کی طرف سے جو گواہ گزرے ہیں وہ متفق اللفظ زیور کا نقرئی ہونا بیان کرتے ہیں البتہ تفصیل زیور میں کچھ اختلاف بیانی ہے جو اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں ہے کہ حسب دعوی زید زیور کا وزنی دوصد روپیہ ہونا مسلمہ بکر ہے۔ بکر کو صرف عذر قسم زیور یعنی نقرہ وجرمن سلور ہونے میں ہے عدالت نے بلا کسی شہادت کے قول مرتہن کو تسلیم کرکے فیصلہ دیا ہے جس کی نقل شامل استفتاء ہذا ہے اور زید نے بناراضی اس فیصلہ عدالت کے مرافعہ بعدالت بالادست کیا ہے نقل وجوہات اپیل بھی منسلکہ استفتاء ہذا ہے، بعد ملاحظہ فیصلہ عدالت ووجوہات اپیل حسبۃً للہ فتوٰی تحریر فرمایئے عدالت جو بحوالہ ایک روایت فقہ کی ہے صحیح ودرست ہے یا غیر صحیح اور قابل منسوخی ہے یہ ملحوظ فرمایا جائے کہ مرتہن ہندو اور راہن

مسلمان ہے اور حسب رواج بازار جو کوئی زیور رہن رکھتا ہے اول جانچ اس کی بخوبی کرلیتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس مالیت کا ہے، بوقت رہن مرتہن نے جانچ کرکے اور اس کو قسم نقرہ تسلیم کرکے رہن کیا تھا فقط۔

الجواب:

فیصلہ نظر سے گزرا، سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ باستثناء اتنی بات کے کہ ذی علم فاضل مجوز نے اس میں دو تنقیحیں قائم فرماکر تنقیح دوم خلاف مدعا علیہ تجویز فرمائی، باقی وہ سرتاپا باطل وخلاف شرع واقع ہوا، تنقیحیں یہ ہیں:

(۱) آیا مدعی نے زیور نقرہ مندرجہ عرض دعوی بعوض (ماصہ عہ/) مدعا علیہ کے پاس رہن رکھتا تھا کہ اب تک بہ قبضہ مدعا علیہ ہے، اب مدعی بہ ادائے (ماصہ عہ/) زیور طلب کرتا ہے باوجود اقرار فک نہیں کرتا ثبوت ذمہ مدعی۔

(۲) آیا زیور جرمن سلور کا تھا نقرہ کہہ کر مدعا علیہ کو دھوکا دے کر (ماصہ عہ/) لے لئے ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔ تنقیح اول کو فاضل مجوز نے تین وجہ سے خلاف مدعی فیصل کیا:

وجہ اول: جہالت شہادت کہ کسی شہادت سے تفصیل زیور مطابق عرضی دعوی بقید وزن وقیمت ثابت نہیں جس کا اظہار وتعین ضروری ہے۔

وجہ دوم: اختلاف باہمی شہود، او وہ دو ہیں:

(۱) پہلے گواہ نے مدعی کا دکان مدعا علیہ پر بہمراہی شفیع خاں آنا نہیں بیان کیا، گواہ نمبر ۲ نے دکان مدعا علیہ کا آنا بہمراہی شفیع خاں بیان کیا ہے، حالانکہ جلسہ واحد کے گواہ ہیں۔

(۲) گواہ نمبر ا نے ایک کاغذ مدعی کا لکھنا اور نمبر ۲ نے اس کے خلاف مدعا علیہ کا ایک رقعہ فارسی میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر مدعی کو دینا تحریر کرایا ہے حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا، نہ مدعی نے مدعا علیہ کا رقعہ لکھنا عرضی دعوی نہ اظہار میں لکھایا بلکہ مدعی نے اپنے اظہار میں ایک شخص غیر سے رقعہ لکھانا مدعا علیہ کا اقراری اپنا بیان کیا ہے حالانکہ توافق درمیان شہادت کے شرط ہے۔

وجہ سوم: تناقض دعوی کہ مدعی نے جو تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی اس کو مالیتی دو سو روپیہ تحریر کی اور جو وزن ہر عدد کا تحریر کیا از روئے میزان کل زیور (ماصہ۔عہ) بھر ہوتا ہے اور جو

بیان مدعی عدالت میں تحریر ہوا اس نے وزن زیور دو سو روپیہ بھر ہونا لکھایا ہے لغو بیانی مدعی بداہۃً واضح ہے کہ فی زمانناز یور نقرہ دو سو روپیہ بھر قیمتی دو سو روپے کا کسی عنوان نہیں ہو سکتا۔ یوہیں تنقیح دوم کو خلاف مدعا علیہ فیصل فرمایا اور تصریح کی کہ امر مذکور بحق مدعاعلیہ غیر ثابت ہے کہ اس قول کی کہ مدعی زیور جرمن سلور نقرئی ظاہر کرکے رہن رکھا کوئی شہادت منجانب مدعاعلیہ نہ گزری نہ مثل آمدہ فوجداری میں کوئی ثبوت قول مدعاعلیہ کا ہے اس وجہ سے کہ مسل مذکور بربنائے عدم پیروی خارج ہوئی ہے۔ تنقیحوں کی نسبت یہ تجویزیں دیکھ کر فرمایا لیکن چونکہ مدعاعلیہ کو اقبال ہے کہ مدعی زیور وزنی دو سو روپیہ بعوض (ماصہ عہ /) رہن رکھ کر روپیہ لے گیا مگر زیور مرہونہ جرمن سلور کا ہے اور مدعی کو دعوی ہے کہ میں نے زیور چاندی کا رکھا یعنی غیر اس کے جو عدالت میں مدعاعلیہ نے پیش کیا تو لائق تصفیہ یہ ہے کہ بصورت عدم ثبوت قول فریقین بحالت اقبال فریقین بصراحت مذکورہ کس کا قول لائق اعتبار ہے، مسئلہ یہ ہے کہ جس ایسے دعوی میں کہ راہن کہے میں نے زیور اس کا غیر رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے یہی رکھا ہے، قول مرتہن معتبر ہے کہ وہ قابض ہے (ترجمہ درمختار جلد رابع ص ۴۸۰) چونکہ نفس رہن و تعداد زر رہن میں اختلاف نہیں پس جبکہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، لیکن یہاں استدعامدعاعلیہ کی نسبت اخذ حلف مدعی کے نہیں تو قابل نفاذ حکم حسب قول مدعاعلیہ زیور مرہونہ یہی جرمن سلور کا رہا جو بادائے (ماصہ عہ /) دعوی مدعی لائق ڈگری ہے بنابراں حکم ہوا کہ دعوی مدعی واسطے دلائے جانے اسی زیور موجودہ کے بادائے (ماصہ عہ /) کے بحق مدعی ڈگری ہوا انتہی تمام تجویز و فیصلہ کا حاصل اس قدر ہے، اس میں تنقیح دوم خلاف مدعی علیہ تجویز ہونا ضرور حق و بجا ہے باقی تمام تجویز میں براہ بشریت غلطی ہوئی تنقیح اول کو خلاف مدعی تجویز فرمانے کی تینوں وجہیں محض ناکافی۔ **تناقض دعوی** جس کا ضرر خود جانب مدعی عائد ہو ہرگز مانع صحت دعوی نہیں، پہلے وہ زیور نقرہ وزنی مال (ماصہ عہ /) کا مدعی تھا پھر صرف وزنی مال بیان کیا اس میں اپنے ہی لئے (صہ۔ عہ /) بھر چاندی کی کمی کرلی اسے جزء متروک کہتے ہیں نہ کہ تناقض

جس کا حاصل یہ کہ اب اس کا دعوی صرف دو سو روپے بھر زیور نقرئی کی نسبت رہا زیادہ کا دعوی متروک ہوگیا نہ کہ تمام وکمال باطل ٹھہرا۔ جامع الفصولین جلد اول ص ۱۳۵ میں ہے:

التناقض علی نفسه لایمنع صحة الدعوی لانه ادعی اولا کل المال لنفسه ثم ادعی بعضه فقد ادعی انقص من الاول فتسمع[1]۔	اپنے معاملہ میں تناقض صحت دعوی کے لئے مانع نہیں ہے اس لئے کہ پہلے کل مال کا دعوی اپنے لئے کیا پھر بعض مال کا، تو یہ پہلے مال سے کم ہے تو قابل سماعت ہوگا۔ (ت)

ایضاً ص ۱۲۷:

ادعاہ مطلقاً فقال المدعی علیه فی دفعه انه کان ادعاہ بسبب فقال المدعی انا ادعیه الاٰن بذٰلك السبب وترکت دعوی الملك المطلق تسمع دعواہ ثانیا ویبطل الدفع[2]۔	کسی نے مطلقاً دعوی کیا تو مدعی علیہ نے دفاع میں کہا اس نے تو سبب سے متعلق دعوی کیا تھا اس پر مدعی نے کہا میں اسی سبب کے متعلق دعوی کررہا ہوں اور پہلا مطلق دعوی ترک کرتا ہوں تو سماعت دوبارہ ہوگی اور مدعی علیہ کا دفاع باطل ہوجائیگا۔ (ت)

ایضاً ص ۱۴۵:

ادعی علیه اربعة اشیاء سماھا فانکر فحلف ثم قال المدعی کنت اخذت الاثنین من الاربعة وبرھن علی الاثنین تقبل[3]۔	ایک نے دوسرے پر چار چیزوں کا دعوی کیا مدعا علیہ نے انکار کردیا اور قسم اٹھالی، پھر مدعی نے دعوی میں کہا کہ میں نے دو چیزیں چار میں سے لے لی تھیں اور باقیماندہ پر دو گواہ پیش کئے تو گواہی قبول ہوگی (ت)

ایضاً ص ۱۲۵:

التناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد[4]۔	تناقض اس وقت مانع ہوگا جب اس سے کسی کا کسی پر حق باطل ہوتا ہو۔ (ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳

[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۷

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۵

[4] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۵

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

ادعی علی آخر نصف دار معین ثم ادعی بعدذلك جمیع الدار لایسمع عــہ وعلی القلب یسمع[1]۔	ایک نے دوسرے پر کسی معین دار کے نصف کادعوی کیا پھر کل دار کا دعوی کردیا تو یہ دعوی قابل سماعت نہیں، گراس کا عکس ہو تو قابل سماعت ہوگا۔(ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۲۵۰:

لوادعی انھا له ورثھا من ابیه ثم ادعی ھو مع اٰخر انھماورثاھامن المیت و	کسی نے ایک حویلی کے متعلق دعوی کیا یہ میری ہے اور مجھے والد کی وراثت میں ملی ہے، پھراس نے

عــہ: والصواب انه یسمع فی الوجھین جمیعا الا اذاکان قال وقت دعوی النصف لاحق لی فیھا سوی النصف فحینئذ لاتسمع دعویاہ جمیعا کذافی المحیط[2] اھ ھندیة،
اقول: وذلك للتناقض الصریح بین قولیه وقد عادیدعی اکثر مما ادعی اولا فبطل القولان بخلاف مااذاادعی اولا جمیع الدار ثم ادعی نصفھا وقال لاحق لی فیھا سوی النصف حیث تقبل الدعوی الثانیة لانه من باب ترك بعض الدعوی و التناقض علی نفسه لایضر صحة الدعوی کما اسمعناك من جامع الفصولین ۱۲ منه۔

عــہ: درست یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں قابل سماعت ہے ہاں اگر نصف کے دعوی کے وقت یہ کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں تو اس صورت میں دونوں دعوے قابل سماعت نہ ہوں گے، جیسا کہ محیط میں ہے اھ ہندیہ۔ **میں کہتا ہوں** یہ اس لئے کہ اس صورت میں اس کے دونوں قول میں تناقض ظاہر ہے کہ پہلے دعوی کے مقابلہ میں دوسرے میں زیادہ کا مدعی ہے لہذا دونوں قول باطل ہوں گے اس کے برخلاف جب پہلے کل دار کا مدعی ہو اور بعد میں نصف کا، اور ساتھ ہی کہہ دیا ہو کہ باقی میں میرا حق نہیں ہے تو دوسرا قبول کیا جائے گا کیونکہ پہلے دعوی کے بعض کو اس نے ترک کردیا جبکہ اپنے حق میں تناقض صحت دعوی کو مضر نہیں ہے جیسا کہ قبل ازیں ہم نے آپ کو جامع الفصولین سے سنایا ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الدعوٰی الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷۰

اقاما البینۃ علٰی ذٰلك تقبل کذا فی الخلاصۃ[1]۔	کسی دوسرے کے اشتراک سے دعوی کیا کہ یہ حویلی ان دونوں کو میت سے وراثت میں ملی ہے اور اس پر انہوں نے گواہی پیش کردی تو گواہی مقبول ہوگی۔ خلاصہ میں اسی طرح ہے۔ (ت)

مدعی کی لغو بیانی کبھی ہر گز ثابت نہیں، چاندی کا نرخ کم ہونا اسے مستلزم نہیں کہ دو سو روپے کا قیمتی نہ ہو سکے، کیا صنعت کوئی چیز نہیں، کیا اس سے شے کی مالیت "اضعافا مضاعفہ" نہیں ہو جاتی دہلی کے سادہ کاری کے چھلے، انگوٹھیاں، نونگے، تعویذ، وزن میں حباب کے مثل ہوتے ہیں اور قیمت کس درجہ زیادہ۔ ولہٰذا شرعًا حکم ہے کہ ان کی زکوٰۃ خلاف جنس سے دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا نہ کہ وزن کا، معراج الدرایہ و نہر الفائق و ردالمحتار وغیرہا میں:

لہ ابریق فضۃ وزنہ مائتان وقیمتہ ثلثمائۃ[2]۔	کسی کا چاندی کا کوزہ جس کا وزن دو سو درہم ہے اور اس کی قیمت تین سو درہم ہے۔ (ت)

نیز جامع الرموز و شامی وغیرہما میں:

ابریق فضۃ وزنہ مائۃ درہم وقیمتہ بصناعتہ مائتان[3]۔	چاندی کا کوزہ وزن سو درہم اور اس کی بناوٹی قیمت دو سو درہم ہے۔ (ت)

وغیرہ ذلک تصریحات فقہائے کرام دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ سو روپے بھر زیور کی بھی قیمت دو سو روپے بلکہ زائد ہو سکتی ہے نہ کہ دو سو روپے بھر کی قیمت دو سو روپے ہونا محال ٹھہرے، **اختلاف گواہان** کی وجہ اول تو سخت عجیب ہے، شفیع خاں کا اس وقت ہمراہ مدعی ہونا اگر ایک گواہ نے بیان کیا تو دوسرے نے اس سے انکار تو نہ کیا کہ باہم اختلاف گمان کیا جائے اسے اصل مقدمہ سے کیا تعلق تھا جس کا بیان ہر گواہ پر لازم ہوتا ہے اور بفرض باطل اگر لازم ہوتا بھی تو دوسرے کا بیان بوجہ ترک امر ضروری ناقص ٹھہرتا اختلاف شہادت اس وقت بھی نہ کہہ سکتے کہ ذکر و عدم ذکر تخالف نہیں بلکہ ذکر و ذکر عدم، ہم بار ہا فیصلہات ریاست کے ایسے خود قرار دادہ اختلاف پر بحث کر چکے اور آیات قرآنیہ سنا چکے ہیں کہ ایک ہی قصے کے بیان میں رب عزوجل نے ایک جگہ ایک بات ذکر فرمائی دوسری جگہ ترک فرمائی کیا **معاذ اللہ** اسے قرآن عظیم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲ /۳۱۱، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰

کا اختلاف قرار دیا جائے گا حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

" اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ﴿۸۲﴾ "[1]	کیا قرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں کثیر اختلاف پاتے۔(ت)

اور اسکی تو لاکھوں مثالیں ملیں گی کہ بہت باتیں جو قرآن عظیم نے ذکر قصص میں ترک فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بیان فرمائیں، کیا یہ اللہ ورسول کا اختلاف بیان ٹھہرے گا والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اختلاف دوم کی بھی حالت اسی کے قریب ہے گواہ اول نے مدعی کا ایک کاغذ لکھنا بیان کرکے صاف کہہ دیا کہ یاد نہیں کس نے لکھا تھا تو وہ اس کے کلام میں ذکر تحریر کالعدم ہوگیا، ایک شخص کہے زید نے فلاں کام کیا دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا تو اس میں کیا اختلاف بیان ہوا، معہذا اگر اس کا وہی قول لیجئے کہ مدعی نے ایک کاغذ لکھا تو اس کے کلام میں یہ کہاں ہے کہ مدعا علیہ نے کچھ نہ لکھا اسکا ترک ذکر ہے نہ ذکر نفی اور گواہ دوم مدعا علیہ کا ایک رقعہ لکھنا بیان کرکے کہتا ہے اور کوئی رقعہ نہیں لکھا گیا تھا یہ بظاہر اس تقدیر پر کہ گواہ اول کے بیان میں مدعی کا کاغذ لکھنا بالجزم فرض کرلیں اختلاف مذکورہ فیصلہ سے زیادہ اختلاف موہوم ہوسکتا ہے کہ وہاں اثبات تھا اس میں نفی ہے مگر ذی علم فاضل مجوز نے اسے قلم انداز فرمایا اور وجوہ اختلاف میں نہ لیا اور ایسا ہی چاہئے تھا کہ یہاں اثبات ونفی ایک شیئ پر وارد نہیں جس سے اختلاف پیدا ہو عرف ناس سے آگاہ اول نے لفظ رقعہ نہ کہا کاغذ کہا وہ رقعہ سے عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ممکن کہ عام دوسرے فرد کے ضمن میں متحقق ہو یعنی مدعی نے کوئی رقعہ لکھا ہو بلکہ اور کوئی کاغذ مثل یادداشت فہرست زیور وغیرہ تحریر کیا ہو، اس میں کیا تناقض ہوا، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا معلوم نہیں کس بناپر ہے کیا مدعا علیہ کا زبانی انکار ہوا وہ مان لیا، یا اس کی نفی پر کوئی شہادت گزری حالانکہ ایسی نفی پر شہادت اصلاً مسموع نہیں۔ شخص غیر اور خود مدعا علیہ کے لکھنے میں کیا منافات ہے اگر اظہار گواہ دوم میں یہ لفظ کہ اپنے ہاتھ سے لکھانہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ لکھوانے کو لکھنا برابر عرف شائع ہے خود اسی فیصلہ میں مجوز نے فرمایا کہ مدعی نے تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی وزن ہر عدد کا تحریر کیا حالانکہ عرضی دعوی غالباً وکلاء لکھتے ہیں نہ کہ خود مدعی۔ اور اگر اظہار میں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے جب بھی کیا دونوں کا لکھنا جمع نہیں ہوسکتا۔ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود مسودہ کرکے جس کے متعلق ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۲

اسے دکھا کر پسند کراکر دوسرے سے صاف کرادیتا ہے خصوصًا وہ کہ بدخط ہو۔ کیا ممکن نہیں کہ اس نے جو لکھ کر دیا کہیں مشکوک تھا مدعی نے تبدیل چاہی اس نے دوسرے سے لکھوادیا اور اصل یہ ہے کہ ایسی فضول باتوں میں اختلاف پر نظر نامعتبر، اگر اس نے خود لکھا تو کیا فائدہ دوسرے سے لکھوایا تو کیا نقصان، مدعی نے لکھا تو کیا نفع، مدعی علیہ نے لکھا تو کیا ضرر، اور اگر دونوں نے لکھا یا کسی نے نہ لکھا تو اس سے معاملہ پر کیا اثر۔ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب وظاہر الروایۃ وقول امام ومعتمد جماہیر کتب مستندہ میں اختلاف صرف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر خلل انداز ہو، زائد وفضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوٰی میں خلل نہیں، یوں ہوں تو ضرر نہیں، محض نظر انداز ہیں ان میں اختلاف اصلًا قابل لحاظ نہیں، ہم نے اپنے فتاوٰی میں ریاست رامپور ہی کے ایک فیصلہ پر اس مسئلہ کے متعلق کتب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لے کر بحر الرائق وغیرہ کتب معتمدہ متأخرین تک بائیس کتابوں کی سند پیش کی ہے یہاں اسی قدر کافی کہ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہما میں تصریح ہے کہ:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر [1]۔	اگر غیر ضروری چیز میں تناقض ہو تو مضر نہیں ہے۔ (ت)

ذی علم مجوز نے تو ایک کا ہمراہی شفیع خاں بیان کرنا دوسرے کا اسے ذکر نہ کرنا اختلاف مضر قرار دیا اور فتاوٰی امام قاضی خاں و بحر الرائق وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں اور نص صریح امام محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تصریح ہے کہ اگر ایک نے کہا فلاں شخص اس وقت ساتھ تھا دوسرے نے صاف انکار کیا کہ وہ ساتھ نہ تھا جب بھی شہادت میں خلل نہیں کہ مطلب سے زیادہ باتوں میں اختلاف ناقابل التفات ہے، عبارت یہ ہے:

قال احدھما کان معنا فلان وقال الاٰخر لم یکن معنا فلان ذکر فی الاصل انہ یجوز ولاتبطل ھذہ الشھادۃ [2]۔	ایک نے کہا وہ فلاں ہمارے ساتھ تھا، دوسرے نے کہا ہمارے ساتھ نہ تھا، تو اصل میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ شہادت باطل نہ ہوگی۔ (ت)

جہالت شہادت بھی وہ مضر ہوتی ہے جس سے طریق حکم مسدود ہو ورنہ تصریح ائمہ ہے کہ مذہب اصح وارجح ومعتمد میں ہرگز مضر نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل ادعی فی دار رجل طریقا و	ایک شخص نے دوسرے کی حویلی میں اپنے راستہ کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اقام البینة فشھدا الشھود بان له طریقا فی ھذہ الدار جازت شھادتھم وان لم یجدوا الطریق لان الجھالة انما تمنع قبول الشھادة اذا تعذر القضاء بھا وھٰھنا لایتعذر فان عرض الباب العظمی یجعل حکما لمعرفة الطریق [1] اھ مختصرا۔	دعوی کیا اور اس پر گواہ پیش کئے تو گواہوں نے گواہی دے دی کہ اس حویلی میں اس کا راستہ ہے تو یہ شہادت جائز ہے اگر حویلی میں راستہ موجود نہیں پاتے، کیونکہ جہالت وہاں شہادت کی قبولیت میں مانع ہوتی ہے جب وہ قضا کو متعذر بنادے جبکہ یہاں متعذر نہیں ہے کیونکہ بڑے دروازے کی چوڑائی سے راستے کا فاصلہ معلوم ہوسکتا ہے اھ مختصراً۔(ت)

اسی میں ہے:

قدمت ماھو الاظھر الاشھر [2]۔	میں مشہور اور اظہر کو پہلے لاتا ہوں (ت)

طحطاوی وردالمحتار میں ہے:

قدمه قاضی خاں فکان ھو المعتمد [3]۔	قاضی نے اس مسئلے کو پہلے ذکر کیا ہے لہٰذا یہی قابل اعتماد ہے۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

الاصح ان ھذہ الشھادة مقبولة علی کل حال کذافی المحیط [4]۔	یہ شہادت بہر صورت مقبول ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

اور یہاں طریق حکم واضح ہے جسے عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالٰی ظاہر ہے کہ شہادت اس امر کے لئے درکار ہوتی ہے جس میں فریقین مختلف ہوں نہ کہ اس کے لئے جس میں اتفاق ہو ایک سو پندرہ روپے کے عوض زیور رہن رکھا جانا اور اس کا دو سو روپے بھر وزن میں ہونا مرتہن کو خود قبول ہے تو وزن پر شہادت کی اصلاً حاجت نہ تھی، اختلاف اس میں تھا کہ زیور چاندی کا تھا یا

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی باب الیمین رجل ادعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں مقدمة الکتاب نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰة باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

جرمن سلور کا،اس کی نسبت دونوں گواہوں نے بالاتفاق موافق دعوی شہادت ادا کی تو یہ بینہ اس اقرار مرتہن سے مل کر ثبوت دیتی ہے کہ چاندی کا زیور وزن میں دو سو روپے بھر (ما☆☆) کے عوض مرہون تھا اب طریق حکم میں کیا خفا ہے شہادتیں جب کہ موانع قبول نہ رکھیں مجوز پر لازم ہوا کہ دو سو روپے بھر نقرئی زیور (ما☆☆) لے کر راہن کو واپس دینا مرتہن پر لازم کرے اور اعداد زیور کا شہادت سے تحقیق نہ ہونا مانع حکم نہ ہوگا کہ جنس شیئ مدعی مع وزن وقدر زر رہن معلوم ہولی اسی قدر اس پر الزام حق کے لئے کافی ووافی ہے، معین الحکام ص ۱۴۴ میں ہے:

لو قالوا نشھد ان لہ علیہ دراہم لانعرف عددھا فھی ثلثۃ.وکذالو شھدواان علیہ دریھمات جعلت ثلثۃ ثم حلف علی شھادتھم لان الشھود قد بینوا بشھادتھم شیئا معلومًا وھی الدراہم ویحلف مع شھادتھم لجواز ان یکون اکثر من ذلک[1]۔	اگر گواہوں نے کہا ہم شہادت دیتے ہیں کہ اس کے دوسرے پر دراہم ہیں جن کی مقدار معلوم نہیں تو تین درہم کا حکم ہوگا اور یونہی اگر انہوں نے دراہم کی جگہ دریھمات کہا یعنی جمع کی تصغیر بتائی تو بھی تین ہی ہونگے، پھر قاضی اس شہادت کے ساتھ ساتھ مدعاعلیہ سے قسم لے گا (کہ اس سے زائد نہیں) کیونکہ گواہوں نے ایک معلوم چیز کی شہادت دی یعنی دراہم جس کی تعداد معلوم نہیں، قسم اس لئے لی جائے گی کہ ہوسکتا ہے تعداد تین سے زیادہ ہو، زائد کے انکار پر قسم ہوگی۔(ت)

دیکھو فقط اتنی شہادت پر کہ مدعاعلیہ پر مدعی کے کچھ روپے ہیں یا تھوڑے سے درم ہیں حالانکہ گواہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گنتی نہیں معلوم کہ کتنے روپے آتے ہیں شرع نے گواہی مقبول رکھی اور اقل درجہ یعنی تین روپے لازم کئے اور اسے ایک شے معلوم پر شہادت دینا فرمایا یعنی روپے جس سے فقط جنس مدعٰی بہ کا علم ہوا نہ کہ عدد وزن مجموع کا جس کے علم سے گواہوں نے صاف انکار کردیا، تو یہاں کہ شاہدوں نے جنس بھی بتائی کہ چاندی کا تھا اور مجموعی وزن بھی بتایا کہ دو سو روپے بھر تھا اور خود یہ مجموعی وزن فریقین کو تسلیم بھی ہے، یہ کیونکر شہادت مجہولہ قرار پاکر رد ہوسکتی ہے۔ غرض تنقیح اول کی تجویز سراسر غلط واقع ہوئی، اس کے بعد فیصلے میں اور سخت بھاری غلطیاں ہوئیں جن کا اندازہ بھی دشوار ہے، ذی علم فاضل مجوز نے یہاں مدعی اور مدعاعلیہ کی شناخت میں غور نہ کیا عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آکر نالشی ہو مطلقًا وہی مدعی ہے اور جواب دینے والا مدعاعلیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار بار

[1] معین الحکام الباب الحادی والعشرون مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۱۱۶

اس کا عکس ہو جاتا ہے جو نالش لے کر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے۔ ولہٰذا علماء فرماتے ہیں کہ مدعی اور مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم ودشوار کام ہے جس میں غور کامل حاکم پر فرض تام ہے مثلاً زید عمرو پر مدعی ہوا کہ اس پر میرے ہزار روپے قرض آتے ہیں، عمرو نے جواب دیا میں ادا کرچکا ہوں اب عمرو مدعی ہے کہ ادائے دین کا دعوی کرتا ہے اور زید مدعی علیہ کہ انکار کرتا ہے، ذی علم پر اس کے نظائر کا وفور مخفی نہیں یہاں جب کہ مرتہن نے دو سو روپے بھر وزن کا زیور رہن لے کر (☆☆) قرض دینے کا اقرار اور ہر شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیادار علی الخصوص دادستد والا ہندو ہرگز دو روپے کا مال رہن لے کر (ما☆☆) قرض نہ دے گا، ہندوؤں کا تو عام قاعدہ ہے کہ برابر قیمت کا زیور بھی ہرگز قبول نہیں کرتے جب تک مقدار دین سے ڈیوڑھا دونا نہ ہو، تو ظاہر یہی ہے کہ وہ زیور ضرور چاندی کا تھا اور ضرور (☆☆) سے زیادہ قیمت کا تھا جب تو ہندو نے اس پر (ما☆☆) دے دئے۔ اب اس کا یہ ادعا کہ راہن نے مجھے دھوکا دے کر جرمن سلور کا زیور چاندی کا بتاکر (☆☆) مجھ سے لے لئے محض خلاف ظاہر ہے جو بے شہادت صحیحہ ہرگز قابل قبول نہیں ورنہ ہر شخص ہمیشہ ایسے ہی دھوکے کا ادعا کرکے لوگوں کا مال ہضم کرلیا کرے کہ آج کل شہادتوں کا معیار شرع پر ٹھیک اترنا بہت دشوار ہے خصوصاً جہاں فضول وزوائد محض باتوں کے ذکر وعدم ذکر پر گواہیاں رد ہوتی ہوں تو معاملہ خود ان کی قسم پر آکر پڑے گا جو ایسے پیچ کریں انہیں قسم کھاتے کیا لگتا ہے اور اس فیصلہ موجودہ کا سا فیصلہ ہوا تو قسم کی بھی حاجت نہیں یوں ہی مال ہضم ہے، کیا شرع مطہر اسے گوارا کرسکتی ہے حاشا وکلا، سخت عجب ہے کہ فاضل مجوز کو خود معلوم تھا کہ جرمن سلور کا زیور بتانے میں مرتہن ہی شرعاً مدعی ہوگیا اور راہن اس بارہ میں مدعا علیہ ہے جب تو اس تنقیح دوم کا بار ثبوت مرتہن پر رکھا تھا، ثبوت مدعی پر ہوتا ہے یا منکر پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینة علی من ادعی والیمین علی من انکر[1]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ (ت)

تو قطعاً مانا کہ مرتہن مدعی ہے اور قطعاً جانا کہ اس کا ثبوت دینا اس پر ہے اور صاف تصریح فرمائی کہ وہ اصلاً ثبوت نہ دے سکا اور ظاہر ہے کہ راہن نے جرمن سلور ہونے کا اقرار نہ کیا نہ وہ اس پر قسم کھانے

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰، سنن الدار قطنی باب فی المرأة تقتل اذا ارتدت نشر السنة ملتان ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی کتاب الدعوٰی والبینات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

سے منکر ہوا تو بینہ اقرار نکول تینوں طریقے معدوم، اور محض اس مدعی یعنی مرتہن کے زبانی بیان جرمن سلور ہونا مقبول، یوں ہو تو لوگوں کے جان ومال ہلاک وتلف ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو یعطی الناس بدعوٰھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ[1]۔	لوگ اگر اپنے دعوی پر دے دئے جائیں تو لوگوں کے خون اور مال کا دعوی کر بیٹھیں ہاں یوں ہے کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ روایت درمختار کو اس سے علاقہ نہیں وہ وہاں ہے کہ مرتہن خلاف ظاہر کا مدعی نہ ہو تو آپ ہی اس کا قول معتبر ہوگا کہ وہ قابض ہے یہاں خود مجوز کو اعتراف ہے کہ مرتہن امر خلاف ظاہر کا مدعی ہے جب تو تنقیح دوم میں لکھا تھا کہ ثبوت ذمہ مدعا علیہ ہے، کیا جس کی بات ظاہر کے خلاف ہے، اگر ادعائے خلاف ظاہر کی حالت کو بھی یہ روایت شامل ہو تو بنیوں کی ایک ایک دیا سلائی لاکھ لاکھ روپے کی ہوجائے، زید نے کسی بنئے سے کچھ رہن رکھ کر لاکھ روپے قرض لئے جب وہ قرض ادا کرنے آئے بنیا دیا سلائی کی ایک ڈبیا دکھائے کہ یہ رہن رکھ کر لاکھ روپے مجھ سے لے گئے تھے مدیون گواہ پیش کرے ان میں کسی لفظ زائد وبیکار کے ذکر وترک کا اختلاف پڑجائے جس سے عام شہادتوں کا خالی ہونا سخت ہی دشوار ہے گواہیاں تو یوں رد ہوگئیں اور اب قول مرتہن کا معتبر ہے، حکم ہوجائے کہ راہن کو ڈگری دی گئ مگر کیسی، یوں کہ یہی دیا سلائی قابل نفاذ حکم ہے لاکھ روپے ادا کرکے دیا سلائی گھر کو لے جائے، اس صورت کو باطل مانئے تو کیوں، حالانکہ روایت درمختار کا اطلاق اسے بھی شامل ہے اس میں اسی قدر تو ہے کہ:

قال الراھن الرھن غیر ھذا وقال المرتھن بل ھذا ھو الذی رھنته عندی فالقول للمرتھن لانه القابض[2]۔	یعنی راہن نے کہا مرہون اور چیز تھی، مرتہن نے کہا بلکہ یہی تھی، تو قول راہن کا معتبر ہے کہ وہ قابض ہے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب الیمین علی المدعی علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۴

[2] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

اس سے لاکھ روپے اور دیا سلائی کی ڈبیہ کا مسئلہ کیونکر خارج کیجئے گا۔ رہن یہی تھی یا اور چیز تھی یہاں بھی صادق۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں جس میں مرتہن خلاف ظاہر ادعا کرے تو بعینہٖ یہی علت یہاں بھی ہے، مرتہن خلاف ظاہر ہی کا مدعی ہوا ہے جب تو اس تنقیح کا بار ثبوت اس پر تھا، لاجرم عالمگیریہ میں فرمایا:

الظاہر یکذبہ (ای المرتھن) فیما قال فلا یقبل قولہ اذا جحد الراھن ذٰلك كذا في المحيط [1]۔	ظاہر حال اس کو یعنی مرتہن کو جھوٹا قرار دیتا ہے لہٰذا اس کا قول معتبر نہ ہوگا جبکہ راہن اس کا انکار کررہا ہے محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ اس روایت غیر متعلقہ کے بھی خلاف کیا گیا روایت میں قول مرتہن کیلئے مانا ہے اور قول کسی کا معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے حلف لیا جائے گا اگر حلف کرے اس کا قول مقبول ہو، خود فاضل مجوز کو اقرار ہے کہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف، صورت دائرہ میں بے حلف ہی اسی کا قول معتبر ہوگیا اور اس کا عذر یہ تحریر فرمایا کہ مدعی نے اس کے حلف کی استدعا نہ کی، سبحان اللہ اگر مدعی گواہ نہ دے سکے اور حلف مدعا علیہ کی خود استدعا بھی نہ کرے کہ ان کچہریوں میں یہ معمول کالمنسوخ ہورہا ہے تو اب قاضی کو حکم ہے کہ بلا گواہ و بلا حلف خود بخود قول مدعا علیہ خلاف مدعی قبول کرکے فیصلہ دے دے، فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر و فتاوٰی خیریہ میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول [2]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرے گا اور وہ حجت گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

پھر لطف یہ کہ ساری بلا تو مدعی بیچارے کے سر پڑی کہ (☆☆) چہرہ دار دے کر دو روپے کا کھلونا لے لے اور نام یہ فرمایا گیا کہ مدعی کی ڈگری ہوئی۔ بالجملہ اس فیصلہ کا منسوخ کرنا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۴۲، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۱، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشھادات ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۳۳۸

لازم ہے بلکہ اسے تو منسوخ کرنا بھی کیا کہئے منسوخ تو وہ ہو جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو نہ یہ کہ تجویز کہ اصلاً کسی اصل شرعی، عقلی، عرفی سے لگاؤ نہیں رکھتی جس میں مرتہن کو کہ مدعی ہو لیا، مقبول القول مانا گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس کی نری زبان بلاحلف مقبول، نسأل اللہ العفو والعافیۃ انصافًا (ہم اللہ تعالٰی سے عفو و معافی کا سوال کرتے ہیں انصاف کے طور پر) یہاں طریق حکم یہ ہے کہ اگر گواہان راہن کی وہ دونوں شہادتیں بروجہ شرعی گزر چکی ہیں تو ان سے زیور نقرئی وزنی دو سو روپے بھر ہونا ضرور ثابت ہے۔ مرتہن پر لازم کیا جائے کہ چاندی کا زیور اتنے وزن کا پیش کرے اگر وہ لے آئے اور اسی تفصیل کے مطابق ہو جو راہن نے بیان کی فبہا، اور اگر راہن کہے کہ یہ وہ زیور نہیں تو اب روایت درمختار اس مسئلہ سے متعلق ہوگی راہن تفصیل پر گواہ نہ لایا تو مرتہن سے حلف لے، اگر وہ حلف کرے تو نقرئی دو سو روپے بھر کا زیور کہ مرتہن پیش کرے مرہون قرار پائے راہن (ماصہ عہ/) دے کر وہ چاندی کا زیور لے لے، اور اگر مرتہن زیور نقرہ سے منکر ہی رہے تو یہ ٹھہرے گا کہ زیور اس نے تلف کردیا ایک سو پندرہ روپے بھر کے عوض تو مرتہن کا دین ساقط ہوگیا باقی (پچاسی صہ لہ) روپے بھر چاندی راہن کو واپس دے۔ عالمگیری باب رہن الفضۃ بالفضۃ میں ہے:

یجوز رہن الدراہم والدنانیر فان رھنت بجنسھا فھلکت ھلکت بمثلھا من الدین وان اختلفا فی الجودۃ وھذا عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دراہم و دیناروں کا رہن رکھنا جائز ہے تو اگر یہ بجنسہا رہن رکھے گئے ہوں تو ہلاک ہوجانے پر ان کی مثل لازم ہوگی اگرچہ دونوں فریق جید اور ردی ہونے میں اختلاف بھی کریں اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں ہے۔ الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۸تا۸۹: ازریاست رام پور محلّہ گھیر مردان خاں مرسلہ ضیاء الدین صاحب ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

سوال اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ دعویدار مہر کی پدر اپنے سے بقدر حصہ فرائض کے ہے اور پدر اس کا ابراء دین مہر کا مجیب ہے ثبوت ابراء دین مہر میں دو مرد اور دو عورتیں پدر ہندہ نے گزرانے ہیں جن کا حرف بحرف بیان نقل کرکے گزارش ہے کہ بروایات فقہیہ بیان شہود مشمولہ فتوٰی ثبوت ابراء دین مہر میں کافی ہے یا نہیں؟

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الرہن الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۷۳

سوال دوم: ہندہ دعویدار اس امر کی ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصہ فرائض دلادیا جائے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر والدہ ہندہ نے مہر مجھے معاف کردیا ابراء مہر کی شہادت بھی پیش کی لیکن شہادت مذکور عندالعدالت کافی و مثبت نہ ہوئی ہندہ ثبوت تعداد مہر میں یہ کہتی ہے کہ مجھے ثبوت تعداد مہر کا اس وقت دینا تھا جب کہ مدعا علیہ یعنی بکر کمی بیشی تعداد مہر میں کلام کرتا بکر کو تعداد مستدعویہ سے اقرار و انکار نہیں بلکہ سکوت ہے صرف ابراء کا دعوی تھا جس کو ثابت نہ کرسکا، اب عندالشرع عدالت کو درصورت عدم ثبوت ابراء دین مہر ڈگری بحق مدعیہ باوجود نہ ثابت کرنے تعداد دین مہر کے دینی چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

بیانات متعلق سوال

بیان مرد اول کا: گواہی اللہ کے واسطے دیتا ہوں کہ میں بکر کے یہاں بیٹھا تھا کہ عمرو بغرض فاتحہ پڑھنے کے آئے بعد فاتحہ کے عمرو نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ بکر کی بی بی نے اپنا مہر بخش دیا یا نہیں میرے سامنے زید برادر بکر نے کہا کہ میرے اور کریم کے سامنے بخش دیا اور عمرو سے کہا کہ تم سب لوگ گواہ رہنا وقت ۱۲ بجے دن کے بعد کا تھا بکر کی بی بی کے مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز کا یہ ذکر ہے خوب یاد نہیں، سوال: عمرو نے دریافت کیا تھا کہ بکر کی بی بی نے مہر بخش دیا یا لڈن کی ماں نے؟ مجھے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا جس کے جواب میں زید نے کہا کہ مہر بخش دیا، زید نے اور بھی چند مرتبہ ہمارے روبرو بیان کیا کہ لڈن کی ماں نے مہر بخش دیا۔ سوال: بکر کی بی بی کے انتقال کو کس قدر مدت گزری؟ تخمیناً اٹھارہ بیس سال ہوئے۔ سوال **منجانب بکر:** کریم مسماۃ کے حقیقی بھائی تھے؟ جواب: میں جہاں تک خیال کرتا ہوں حقیقی تھے۔

بیان دوسرے مرد کا: اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں اللہ کے واسطے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں بعد مرنے محمد شفیع یعنی بکر کی بی بی کے میاں فیض اللہ شاہ کی بیٹی کی فاتحہ کو گیا تھا میں نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ کریم کی بہن، لڈن کی ماں نے مہر بکر کو بخش دیا زید اور کریم دونوں نے کہا لڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا اٹھارہ انیس سال کا عرصہ گزرا وقت دوپہر کا تھا یہ واقعہ مرنے سے دوسرے دن کا ہے۔

بیان عورت کا: عرصہ تخمیناً بیس سال کا گزرا کہ بکر کی بی بی نے اپنے خاوند بکر کو مہر بخش دیا تھا تین مرتبہ سوال کیا کہ کس کو بخشا، جواب دیا بکر کو سوال مہر کی تعداد معلوم نہیں تعداد مہر کی بابت اس وقت ذکر میرے سامنے نہیں ہوا زبیدہ بکر کی بی بی تھیں مہر بخشنے سے دو روز بعد انتقال ہوگیا دق میں مبتلا تھیں

دو گھڑی رات گئی تھی عورتیں تھیں، مرد کوئی نہیں، فقط ان کے بھائی موجود تھے، خالد نے منجانب بکر دریافت کیا کہ زید اس وقت کہاں تھے؟ کیا گھر میں موجود تھے؟

دوسری عورت کا بیان: گواہی دیتی ہوں اللہ کے واسطے میں بکر کے گھر ان کی بی بی کی دریافت حال کے واسطے گئی تھی بکر کی بیٹی نے ان سے کہا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجیو، دو گھڑی رات گئی تھی، کس قدر مرد تھے؟ کوئی نہیں صرف عورتیں تھیں، جس نے پہلے گواہی دی ہے یہ تھیں؟ کہا موجود تھی، مہر کے معاف کرنے سے دو روز بعد مر گئیں جس وقت مہر معاف کیا ہے اس وقت ہوش و حواس باقی تھے۔

الجواب:

(۱) بیانات شہود اربعہ نظر سے گزرے ان میں ایک بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس کی جانب کچھ بھی التفات کیا جائے محض مہمل و مختل ہیں۔ شہادت شہود و مشاہدہ و حضور معاینہ سے ہے دونوں مردوں میں کوئی خود اپنے سامنے زوجہ مدعا علیہ کا مہر معاف کرنا نہیں بیان کرتا بلکہ برادران زن و شو یا صرف برادر شوہر سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں اور معافی مہر ان مسائل استثناء سے نہیں جن میں سماعی بات پر شہادت دینی جائز ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لایجوز للشاھدان یشھد بشیئ لم یعاینه الا النسب والموت والنکاح والدخول و ولایة القاضی، و ھذا استحسان والقیاس ان لاتجوز لان الشھادة مشتقة من المشاھدة وذٰلك بالمعاینة ولم یحصل فصار کالبیع، وجه الاستحسان ان ھذہ الامور تختص بمعاینة اسبابھا خواص من الناس ویتعلق بھا احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیھا الشھادة بالتسامع	گواہوں کو جائز نہیں کہ بغیر دیکھے کوئی گواہی دیں ماسوائے نسب، موت، نکاح، دخول یعنی جماع اور قاضی کی ولایت کے، یہ استحسان ہے جبکہ قیاس یہ ہے کہ ان امور میں بھی جائز نہ ہو کیونکہ لفظ شہادت مشاہدہ سے مشتق ہے اور یہ معاینہ سے ہی ہوسکتا ہے جبکہ یہاں معاینہ نہیں ہے لہٰذا یہ امور بھی دیگر معاملات بیع وغیرہ کی طرح ہوتے ہیں، لیکن استحسان اس لئے کہ یہ امور اپنے اسباب کے معاینہ سے مختص ہوتے ہیں جن کا معاینہ خاص لوگ کرتے ہیں انہی اسباب کی بناء پر ان امور کے احکام زمانہ بھر باقی رہتے ہیں تو اگر ان میں سننے سنانے پر شہادت

ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام بخلاف البیع لانہ یسمعہ کل واحد[1]۔	قبول نہ کی جائے تو حرج اور احکام کی تعطیل تک معاملہ پہنچ جائے۔ بخلاف بیع وغیرہ امور کہ ان کو ہر ایک سنتا ہے۔ (ت)

بزازیہ میں کہ دربارہ مہر شہادت سماعی کی اجازت دی اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدار مہر پر حاضران جلسہ نکاح سے جماعت عظیم یا ثقہ عادل دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کے بیان سن کر گواہی دینی جائز ہے کہ جب نکاح پر شہادت بالتسامع روا ہوئی تو مہر بھی اس کا تابع ہے نہ یہ کہ سنی سنائی معافی مہر پر شہادت جائز ہو، علمانے مہر کو گنا ہے نہ کہ معافی مہر کو، اور ان دونوں میں فرق بدیہی ہے، درمختار میں ہے:

لایشھد احدبما لم یعاینه بالاجماع الافی عشرۃ منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح بزازیۃ[2] الخ۔	کوئی بھی بغیر معاینہ شہادت نہ دے گا بالاجماع، مگر صرف دس چیزوں میں جن میں عتق، ولاء اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں مہر بھی اصح قول کے مطابق شامل ہے، بزازیہ الخ۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

لان المھر تبع للنکاح ذکرہ عبدالبر[3]۔	کیونکہ مہر نکاح کے تابع ہے، اس کو امام عبدالبر نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

لانہ من توابع النکاح فکان کاصلہ[4]۔	کیونکہ یہ نکاح کے توابع میں سے ہے لہٰذا اس کا وہی حکم ہے جو اصل کا ہے۔ (ت)

جامع الفصولین میں ہے:

الشھادۃ بالسماع من الخارجین من بین جماعۃ حاضرین فی البیت عند النکاح	نکاح والے کمرے سے نکلنے والے لوگوں سے سن کر ہی یہ شہادت جائز ومقبول ہے کہ مہر اتنا ہے دوسرے

---

[1] الھدایۃ کتاب الشھادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشھادات دارالمعرفہ بیروت ۳/ ۲۳۶

[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشھادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۹

بان المهر کذا تقبل لا ممن سمع من غیرهم[1] (بالمعنی)۔	لوگوں سے سن کر یہ شہادت جائز نہیں، (بالمعنی) (ت)

بفرضِ باطل اگر یہاں شہادت بالسماع جائز بھی ہوتی تو جبکہ شاہدوں نے اپنی شہادت میں سماع ہونے کی تصریح کردی قابل قبول نہ رہی، ہدایہ میں ہے:

وینبغی ان یطلق اداء الشهادة ولا یفسر، اما اذا فسر للقاضی انه یشهد بالتسامع لم تقبل شهادته کما ان معاینة الید فی الاملاك مطلق للشهادة، ثم اذا فسر لاتقبل کذا هذا۔[2]	مناسب ہے کہ گواہ شہادت کو مطلق رکھیں اور تفسیر نہ کریں اور اگر قاضی کے ہاں تفسیر کردی کہ میں سن کر شہادت دے رہاہوں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی جیسا کہ قبضہ کا بیان املاک میں مطلق ہے پھر اگر کوئی اس کو بیان کردے کہ صرف قبضہ معلوم ہے ملکیت معلوم نہیں تو ملکیت میں یہ شہادت قبول نہ ہوگی، اسی طرح یہاں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان فسر الشاهد للقاضی ان شهادته بالتسامع او بمعاینة الید ردت علی الصحیح الا فی الوقف والموت[3]۔	اگر قاضی کے ہاں گواہ نے تفسیر کردی میری شہادت سماع یا قبضہ پر مبنی ہے تو رد کردی جائے گی صحیح قول پر، ماسوائے موت اور وقف کے۔ (ت)

ان دونوں شہادتوں کی حقیقت تو اس قدر ہے مگر شاہدین نے یہ چاہا کہ اپنی سماعی گواہی کو شہادۃ علی الشہادۃ کے دائرہ میں لے آئیں اور غالبًا اسی لئے بیان اصول میں یہ لفظ ذکر کئے کہ تم لوگ گواہ رہنا تاکہ شرط تحمیل کریں لیکن ان سے بہت باتیں رہ گئیں جن کے سبب یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور شہادت بدستور ناکارہ رہی،

اولاً: اصول یعنی برادران زن شو کا بیان شہادت نہیں، حکایت ہے کہ ان کے بیانوں میں "گواہی دیتا ہوں" کا لفظ نہیں تو یہ شہادت علی الحکایۃ ہوئی جس کا حاصل وہی شہادت بالتسامع ہے نہ کہ شہادۃ علی الشہادۃ۔ درمختار میں ہے:

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

[2] الهدایة کتاب الشهادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۸

[3] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲ و ۹۳

کیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع اشھد علی شھادتی انی اشھد بکذا[1]۔	اس کی کیفیت یہ ہے کہ اصل گواہ فرع کو خطاب کرتے ہوئے کہے کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں تو میری اس گواہی پر گواہ بن جا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ انی اشھد بکذا قید بقولہ اشھد لانہ بدونہ لا یسعہ ان یشھد علی شھادتہ[2]۔	اس کا قول "انی اشھد بکذا" یہ س کے قول "اشھد" کے لئے قید ہے کیونکہ اس قید کے بغیر وہ اپنی گواہی پر گواہ نہیں بنا سکتا۔(ت)

ہدایہ وطحطاوی میں ہے:

لابد ان یشھد عندہ کما یشھد عند القاضی لینقلہ الی مجلس القاضی وھو بالشین الثالثۃ[3]۔	اصل کے لئے ضروری ہے کہ فرع کے سامنے اس طرح شہادت دے جس طرح قاضی کے ہاں شہادت دیتا تاکہ فرع اسی کو مجلس قضاء میں نقل کرسکے اس طرح کے تیسرے شین یعنی اصل کی شہادت کو دہرائے(ت)

ثانیًا: اصل کا فرع سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میری شہادت کا شاہد رہنا، بردران زن و شو دونوں کے کلام میں شہادت پر اشہاد نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ تم سب لوگ گواہ رہنا یا یہ کہ اس بات پر گواہ رہنا یہ اس قدر کافی نہیں اور اس کی بناء پر جو شہادت علی الشہادت دی جائے مردود ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قید بقولہ اشھد علی شھادتی لانہ لو قال اشھد علیّ بذلك لم یجز لاحتمال ان یکون الاشھاد علی نفس الحق المشھود بہ فیکون امرا بالکذب وبعلی لانہ لو قال بشھادتی لم یجز لاحتمال ان یکون امرا بان یشھد	اشھد بشھادتی (میری شہادت پر شہادت دے) کے ساتھ اس لئے مقید کیا کیونکہ اگر اس کی بجائے بذلک (اس امر کی) کہے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس میں احتمال رہے گا کہ اصل واقعہ پر گواہ بنارہا ہے جو جھوٹ کہنے کا حکم قرار پائے گا، اور علی شھادتی (میری شہادت پر) سے مقید اس لئے

---

[1] درمختار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۰

[2] ردالمحتار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۹۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الشھادات باب الشھادۃ علی الشھادۃ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۲۵۹

مثل شہادتہ بالکذب[1]۔	کیا کہ اگر "علی" کی بجائے "لشہادتی" لام کے ساتھ دے تو جائز نہیں کیونکہ احتمال رہے گا کہ اس کی شہادت جیسی شہادت دے جو کہ جھوٹ کا حکم قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح حموی وطحطاوی وغیرہما میں ہے۔

ثالثًا: شاہد دوم کا بیان یہ ہے کہ زید اور کریم دونوں نے یہ کہا کہ لڈن کی ماں نے مہر معاف کردیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا۔ اس عبارت سے کچھ نہ کھلا اور یہ کہا کہ عطف "معاف کردیا" پر ہے یا "دونوں نے کہا" پر، بلکہ اول ہی قریب ہے، اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ عورت نے مہر معاف کیا اور لوگوں سے کہا کہ میری اس گواہی پر گواہ رہنا، تو شاہد دوم کا بیان اس ٹوٹے پھوٹے بیان تحمیل سے بھی خالی ہے۔

بالجملہ وہ شہادتیں محض نامسموع ہیں۔ رہیں عورتیں، اول تو وہ تنہا رہ گئیں اور تنہا دو عورتوں کی گواہی بالاجماع مقبول نہیں، پھر ان کے بیانوں میں خود جو تخالف اور مردوں کے بیان کی مخالفت ہے، اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان کی شہادت صاف کہہ رہی ہے کہ یہ معافی مرض الموت میں ہوئی عورت دق میں مبتلا تھی یہ اس کی عیادت کو گئی تھیں اخیر وقت کی حالت تھی بیٹی نے پوچھا مہر کی بابت کیا کہتی ہو، انہوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجو، دو روز کے بعد انتقال ہوگیا اور مرض الموت میں معافی وصیت ہے کہ وارث کیلئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

یعتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ، والمراد التصرف الذی ھو انشاء ویکون فیہ معنی التبرع وھبتہ ووصیتہ[2] اھ مختصرا۔	فوری نافذ ہونے والے معاملہ میں اس کے اجراء کا حال معتبر ہے اگر یہ صحت میں ہو تو تمام مال میں نافذ ہوگا ورنہ تو ثلث میں نافذ ہوگا اور مراد وہ تصرف ہے جو بطور انشاء ہو اور اس میں تبرع، ہبہ یا وصیت کا معنی ہو، اھ، مختصراً (ت)

طحطاوی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب الشہادۃ علی الشہادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۹۳

[2] درمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

والابراء والصدقة مثل ماذکر قهستانی[1]۔	اپنے حق سے کسی کو بری کرنا اور صدقہ بھی مذکور کی مثل ہوگا، قہستانی۔ (ت)

تو عورتوں کی شہادت بجائے نافع ہونے کے مدعی ابراء کو اور مضر ہے کہ وہ ابراء ہوا بھی تو ایسے وقت ہوا کہ بے اجازت مدعیہ مدعا علیہ کو مفید نہیں، کلام یہاں ہنوز اور باقی ہے مگر اس قدر بھی وضوح میں کافی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جبکہ بکر اثبات ابراء نہ کرسکا حاکم ہندہ سے حلف لے اگر وہ حلف سے انکار کرے ابراء ثابت ہوجائیگا اور دعوی مدعیہ رد کردیا جائیگا، اور اگر حلف کرلے تو دعوی ابراء باطل ہوگیا، اب ہندہ کا دعوی مہر باقی ہے حاکم نظر کرے کہ پچاس ہزار کا مہر جس کا ہندہ دعوی کرتی ہے آیا مادر ہندہ کے مہر مثل سے زائد تو نہیں، اگر زائد نہ ہو تو ہندہ ہر گز محتاج گواہان نہیں کہ مقدار مہر مثل تک زن و وارثان زن کا بیان بے حاجت شہادت مقبول ہے کہ بوجہ موافقت مہر مثل ان کا قول موافق ظاہر ہے اور جس کا قول موافق ظاہر ہو وہ مدعا علیہ ہے اور جو مدعا علیہ ہے بار ثبوت اس پر نہیں اس کے مخالف پر ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل یا اس کے ورثہ کا شاہد ہو یعنی ان کے دعوی سے مساوی یا زائد ہو اور مرد کمی کا دعوی کرے اور فریقین گواہ دے دیں تو عورت کے گواہ مسموع بھی نہ ہوں گے کہ شہادت اثبات خفی کے لئے ہے نہ کہ اظہار ظاہر کے واسطے، یہاں اگر بکر پچاس ہزار سے کم کسی مقدار کا تعین بتاتا تو وہ مدعی تھا اس سے گواہ مانگے جاتے اگر گواہان عادل سے مقدار اقل کا ثبوت دے دیتا تو ہندہ کو اسی قدر کا حصہ دلایا جاتا اور گواہ نہ دے سکتا تو ہندہ سے قسم لے کر اس کا دعوی ڈگری کردیا جاتا اس صورت میں پچاس ہزار کے گواہ نہ دے دیتی تو سن لئے جاتے کہ مدعی کی جانب گواہ نہ تھے اور اگر کوئی گواہ نہ دیتی اور قسم کھانے سے بھی انکار کرتی تو اسی مقدار اقل کا حصہ پاتی جس کا بکر مدعی ہوتا اب کہ بکر کمی کا دعوی بھی نہیں کرتا نہ اسے پچاس ہزار کے مقدار سے انکار ہے، تو بیان ہندہ کہ شہادت مہر مثل سے روشن ہے صاف بے مزاحم ہے اور اسے پوری ڈگری پانے کا استحقاق ہے، اور اگر مہر مثلا پچاس ہزار سے کم تھا تو اب ہندہ دربارہ زیادت ضرور مدعیہ ہوگی، اور بکر کا کہنا کہ مجھے تعداد مہر یاد نہیں ہر گز جواب کافی و صحیح نہیں اسے یوں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ حاکم اس سے سوال کرے آیا مہر پچاس ہزار کا بندھا تھا، اگر وہ کہے اتنا تھا تو کچھ کم کرکے پوچھے جو مقدار مہر مثل سے ہنوز زائد ہو اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو اور گھٹا کر دریافت کرے یہاں تک کہ مقدار مہر مثل تک پہنچے اگر وہ اس کی بھی نفی کرے تو حاکم اس سے قسم لے اگر وہ قسم

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۳۲۸/۴

کھالے اور ہندہ اپنے دعوی کے گواہ نہ دے سکے تو حاکم صرف بقدر حصہ مہر مثل کے ہندہ کو ڈگری دے مثلاً مہر مثل تیس ہزار ہے اور بکر نے اس کی بھی نفی کی اور قسم کھالی اور ہندہ نے پچاس ہزار کے گواہ نہ دئے تو ہندہ کو تیس ہزار کا حصہ دلایا جائے اور بکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پورے پچاس ہزار کا۔ اور اگر بکر سوال حاکم پر انکار اقرار کچھ نہ کرے یہی کہتا رہے کہ مجھے یاد نہیں تو حاکم اسے جبر کرے کہ مقدار مہر بتائے اگر نہ مانے قید کرے یہاں تک کہ کسی مقدار کی تعیین کا مقر ہو اب اگر یہی پچاس ہزار قبول کئے تو ہندہ پوری ڈگری پائے اور اب بھی اسے اثبات مقدار کی حاجت نہ رہی اور اگر کم مانے تو حاکم نظر کرے کہ جو مقدار اس نے مانی عورت کے مہر مثل سے تو کم نہیں اگر کم نہ ہو تو اب مہر مثل بکر کا شاہد ہوگا اور وہ خالص مدعا علیہ رہے گا اور بار ثبوت ہندہ پر آئے گا اگر گواہان عادل دے دے گی پورے دعوی کی ڈگری پائے گی اور اس صورت میں اگر بکر اقل کے گواہ بھی دے گا تو اسی وجہ سے جو اوپر جانب ہندہ میں مذکور ہوئی شاہدان ہندہ کے مقابل مسموع نہ ہونگے ہاں اگر ہندہ گواہ نہ لاسکی تو بکر کے گواہ سن لئے جائیں گے اور ہندہ مقدار اقل کا حصہ پائے گی اور دونوں گواہ نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر قسم کھالے تو مقدار اقل کا حصہ ہندہ کو دلایا جائے قسم سے انکار کرے تو پھر بے حاجت گواہان پورا دعوی ڈگری ہو اور اگر یہ مقدار کہ بکر نے مانی مہر مثل سے بھی کم ہے تو اب مہر مثل کسی کا شاہد نہیں اس لئے کہ دعوی بکر سے زائد اور دعوی ہندہ سے کم ہے اب ان میں جو گواہ دے دے گا اسی کا قول ثابت ہوگا اور دونوں گواہ دے دیں تو مہر مثل کے حصہ کی ڈگری دی جائے گی اور کوئی نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو ہندہ کا پورا دعوی ڈگری ہو اور قسم کھالے تو ہندہ سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو حصہ اقل دلایا جائے اور وہ بھی قسم کھالے تو مہر مثلا کے حصہ کی ڈگری ہو۔ یہ سب تفصیل اس صورت میں کہے کہ مادر ہندہ کا مہر مثل معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو تو حاکم کو اختیار ہے چاہے ہندہ سے پچاس ہزار کے گواہ طلب کرے چاہے اپنے معتمدوں کے ذریعہ سے عورت کا مہر مثل تحقیق کرکے کارروائی بالا عمل میں لائے۔ جامع الفصولین میں مختلفات امام ابی اللیث سے ہے:

ادعت الفامن مهر ها علی ورثة زوجها تصدق الی تمام مهر مثلها عندح لان مهر المثل یحکم عنده فمن شهد له فله القول [1]۔	اگر عورت نے خاوند کے ورثاء پر ایک ہزار مہر کا دعوی کیا تو مہر مثل کی مقدار تک عورت کی تصدیق کی جائیگی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں، کیونکہ ان کے ہاں مہر مثل فیصل ہوتا ہے، تو مہر مثل جس کی تائید کرے اس کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۹

اسی میں عدہ سے ہے:

ادعت مهرا علی وارث الزوج وانکر وارثه یوقف قدر مهر مثلها ویقول القاضی لورثه کان مهرها کذا ام اعلی من ذٰلك لو قال لا قال کان کذادون ماقاله فی المرة الاولی الی ان ینتهی الی مقدار مهر مثلها[1]۔	عورت نے خاوند کے وارث پر مہر کا دعوی کیا اور وارث انکار کرتا ہے تو مہر مثل معلوم کرکے قاضی وارث سے مہر مثل سے زائد مقدار وارث سے پوچھے گا کہ اس کا اتنا مہر ہے یا اس سے زائد ہے اگر وارث انکار کرے تو پھر قاضی پہلے سے کم مقدار پوچھے حتی کہ مہر مثل تک پہنچ کر وارث سے سوال ختم کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اختلفا فی قدره حال قیام النکاح فالقول لمن شهد له مهر المثل بیمینه وای اقام بینة قبلت سواء شهد مهر المثل له اولها اولا ولا، وان اقاما البینة فبینتها مقدمة ان شهد مهر المثل لها لان البینات لاثبات خلاف الظاہر وان کان مهر المثل بینهما تحالفا فان حلفا او برهنا قضی به وان برهن احدهما قبل برهانه لانه نوردعواه وموت احدهما کحیاتهما فی الحکم[2]۔	نکاح کی موجودگی میں خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا تو اس کی بات معتبر ہوگی جس کی تائید مہر مثل کریگا ساتھ قسم لیجائیگی، جس نے گواہ پیش کئے اسکی بات تو مقبول ہوگی خواہ مہر مثل اس کا یا بیوی یا دونوں کا موید بنے یا کسی کا نہ بنے اگر خاوند اور بیوی دونوں گواہی پیش کریں تو بیوی کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل مرد کی تائید کرے، اور مرد کی گواہی کو ترجیح ہوگی اگر مہر مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی سے ظاہر کا خلاف ثابت کیا جاتا ہے اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے اپنے اپنے دعوی پر قسم لی جائے گی، اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہی پیش کی تو قاضی مہر مثل پر فیصلہ کردے اور اگر صرف ایک نے اپنے دعوی پر گواہی پیش کی تو اسکی گواہی قبول کی جائے کیونکہ اس نے اپنے دعوی کو واضح کردیا اور دونوں میں سے ایک کی موت ہو تو دونوں کی حیات والا ہی حکم ہوگا۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۵۹

[2] درمختار کتاب النکاح باب المهر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳-۲۰۲

ردالمحتار میں ہے:

قوله لمن شهد له مهر المثل ای فیکون القول لها ان کان مهر مثلها کما قالت او اکثر ،وله ان کان کماقال اواقل وان کان بینهما ای اکثر مما قال واقل مما قالت ولابینة تحالفا ولزم مهر المثل کذا فی الملتقی وشرحه قوله وان کان ،هذا بیان لثالث الاقسام ،فانه اذا لم یقیما البینة او اقاماها قد یشهد مهر المثل له اولها او یکون بینهما فقدم بیان القسمین الاولین فی المسألتین ،وهذا بیان الثالث ،وقوله فان حلفا راجع الی المسألة الاولی وقوله اوبرهنا راجع الی الثانیة لکن کان علیه حذف قوله تحالفا لانه اذبرهنا لاتحلف ،قوله تحالفا فان نکلت المرأة وجب الف ، و اذا نکل یقضی بالفین ماعرف ان ایهما نکل لزمه دعوی الاخر اھ وصورة المسألة فیما اذاادعت الالفین وادعی هو الالف و کان مهر المثل الفا و خمسائة، قوله قضی به ای بمهر المثل اھ[1] مختصرا۔	ماتن کا قول" مہر مثل جس کی شہادت "یعنی بیوی کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اتنا ہو یا زائد ہو اور خاوند کی بات مانی جائے گی جب مہر مثل اس کے قول برابر ہو یا کم ہو،اگر دونوں کے درمیان ہو یعنی مرد کے دعوی سے زائد اور بیوی کے دعوی سے کم ہو،تو گواہی نہ ہونے کی صورت میں دونوں سے قسم ہوگی اور مہر مثل لازم ہوگا۔ ملتقی اور اس کی شرح میں یوں ہے ماتن کا قول "ان کان" یہ تیسری قسم کا بیان ہے، تین قسمیں یہ ہیں: (۱) دونوں نے گواہی پیش نہ کی (۲) یا دونوں نے پیش کی اور مہر مثل کسی ایک کی تائید کرے (۳) یا مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہو، تو ماتن نے پہلے دونوں مسئلوں میں پہلی دونوں قسموں کا بیان بتایا اور اب یہ تیسرے کا بیان ہے،اس کا قول "دونوں نے اگر قسم کھائی" یہ پہلے مسئلہ کا بیان اور اس کا قول "دونوں نے گواہی پیش کی" یہ دوسرے کا بیان ہے لیکن "دونوں قسم دیں" والے قول کو حذف کرنا مناسب تھا کیونکہ جب گواہی پیش کردیں تو قسم نہیں ہوگی،اس کا قول "دونوں قسم دیں" تو عورت قسم سے انکار کرے تو خاوند کا دعوی ہزار کا واجب ہوگا اور اگر خاوند قسم سے انکار کرے تو عورت کا دو ہزار فیصلہ کن ہوگا جیسا کہ معلوم ہوچکا کہ جب ایک قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی ثابت ہوجاتا ہے، یہاں مسئلہ کی صورت یہ ہے، عورت کا دعوی دوہزار، مرد کا ایک ہزار جبکہ مہر مثل ڈیڑھ ہزار ہو، اس کا قول "اس پر فیصلہ دے "یعنی مہر مثل پر، اھ مختصراً۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۶۱۔۶۲

فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعت مهرها علی وارث زوجها اکثر من مهر مثلها ان کان الوارث مقر بالنکاح یقول له القاضی أکان مهرها کذا اکثر من مهر مثلها فان قال الوارث لا، یقول القاضی أکان کذا یذکر مهر دون الاول لکنه اکثر من مهر مثلها ان قال لا، یقول له القاضی أکان کذا الی ان یاتی القاضی علی مقدار مهر المثل، فبعد ذٰلك اذا قال الوارث لا، الزمه القاضی مقدار مهر المثل ویحلفه علی الزیادة هذا اذا کان القاضی یعرف مقدار مهر مثلها فان کان لایعرف یأمر امناء بالسوال ممن یعلم او یکلفها اقامة البینة علی ما تدعی[1]۔	جب عورت خاوند کے وارث پر مہر مثل سے زائد مہر کا دعوٰی کرے تو اگر وارث نکاح کا اقرار کرتا ہے تو قاضی کو چاہئے کہ وہ مہر مثل سے زائد کا وارث سے اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو پھر پہلے سے کم کا اقرار کرائے اگر وہ انکار کرے تو اور نیچے آئے اور جب قاضی مہر مثل پر آجائے اور اس پر بھی وارث انکار کردے تو قاضی مہر مثل کو اس پر واجب کردے اور زیادہ سے انکار پر اس سے قسم لے، یہ جب ہے کہ قاضی مہر مثل معلوم کرچکا ہو اور اگر اسے مہر مثل کی مقدار معلوم نہیں تو قاضی کو چاہئے کہ وہ اہل کاروں کو حکم دے کہ وہ اس شخص سے پوچھیں جو اس عورت کے مہر مثل کی مقدار کو جانتا ہو، یا پھر عورت کو پابند بنائے کہ وہ اپنا مہر مثل ثابت کرنے کیلئے گواہ پیش کرے جو مقدار ثابت کریں(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

مات فادعت امرأته المسمی فقالت ورثته نعلم ان لك مهرا ولا نعلم قدره یجبرون علی البیان ومعنی الجبر ان یحبسوا حتی یقروا بمقدار المهر بقیام الورثة مقام الزوج[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خاوند فوت ہوا تو بیوی نے مقررہ مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ تیرا مہر ہے لیکن ہمیں مقدار کا علم نہیں تو ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ مقدار بتائیں، اور جبر کا مطلب یہ ہے کہ ان کو مہر کی مقدار کے اقرار تک محبوس کیا جائے، کیونکہ ورثاء خاوند کے قائم مقام ہیں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۰۶

[2] جامع الفصولین الفصل العشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۶۲

مسئلہ ۹۰ تا ۹۱: از ریاست جورہ ملک مالوہ محلّہ شاہ گنج ڈاکخانہ کہنہ مرسلہ حضرت سید مقبول عیسٰی میاں صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

سوال اول: کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص متمول وصاحب ازواج واولاد واملاک تھا اس کے انتقال کے بعد باہم بعد چند برس کے بابت تقسیم ایک مکان کے جس میں مرتے دم تک زید متوفی مع سب اولاد وازواج کے رہتا تھا اور اسی مکان میں انتقال کیا تکرار پیدا ہوئی تا اینکہ ایک پسر نے بقدر اپنے حصہ کے تقسیم کرا پانے نالش کی ایک سوتیلی بہن عذر دار جوابدہ ہوئی کہ یہ مکان میرے باپ زید نے اپنی زندگی میں میری ماں فرید بیگم کو ہبہ کیا ہے ہبہ نامہ ضائع ہوگیا اور قبضہ میری ماں کا وقت ہبہ ہوگیا اور بعد ماں کے میں قابض ہوں اور تین گواہ قبضہ کے پیش کئے جن کے بیان میں اختلاف کثیر ہے ایک کہتا ہے سات برس اور دوسرے کہتے ہیں بارہ تیرہ برس ہوئے اور پسر خواہندہ تقسیم کو ہبہ سے لاعلمی وانکار ہے اور گواہان پسر خواہندہ تقسیم کے بیان بمضمون واحد نسبت عدم ہبہ اور ہونے قبضہ جمیع ورثاء انتقال مورث سے آج تک مؤید دعوی خواندہ تقسیم ہے حالانکہ مکان مذکور میں دیگر ورثاء بھی اب تک سکونت رکھتے ہیں اور متدعی تقسیم کا بھی کسی قدر اسباب اس مکان کی ایک کوٹھری میں اب تک رکھا تھا پس ایسی صورت میں قبضہ مشکور میں ازروئے شرع شریف ہبہ بحق مادر دختر بقول دختر بطور جائز متصور ہوسکتی ہے یا حالات صورت قبضہ سے ہبہ ناجائز ہوئی۔ **بینوا توجروا فقط۔**

ملخص گواہی سید امیر شاہ: مکان متنازعہ کو رسول خاں مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کو ہبہ کیا ہے جس کو عرصہ بہت ہوا یعنی چھ سات سال کا ہوا ہبہ کی تکمیل میرے روبرو ہوئی اور اس وقت دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کا تنہا قبضہ کرادیا تھا اور دوسری زوجہ کو پٹھان ٹولی کے مکان میں بودوباش کرادی گئی تھی بعد نوشت ہبہ نامہ۔

ملخص گواہی سلطان ولد نذر محمد خاں: رسول خاں جمعدار نے اپنی حیات میں مکان متنازعہ کو صنوبر بیگم کو ہبہ کیا تھا ہبہ تحریری ہوا تھا اور جمعداری صاحب کے دستخط بھی ہوئے تھے ہبہ نامہ تحریر ہونے کے بعد قبضہ دلادیا گیا تھا جمعدار نے قبضہ دلانے سے اول جو کچھ ان کا مال واسباب تھا چوکی میں بھیج دیا تھا۔ مدعا علیہا نمبر ۱ کو مدعا علیہا نمبر ۲ نے اس مکان میں رکھا ہے خوشحال خاں مدعا علیہا نمبر ۲ ان کی والدہ کی اجازت سے رہتے ہیں مکان کو ہبہ ہوئے تیرہ سال ہوئے ہوں گے جمعدار نے اپنے مرنے سے چھ سات اول ہبہ نامہ لکھا تھا تاریخ یاد نہیں مکان متنازعہ کا کوئی حصہ مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا میرے سامنے علیحدہ کردیا تھا بعد کو ہم نے دستخط ہبہ نامہ پر کئے تھے۔

ملخص گواہی عبدالمجید خاں: مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جمعدار نے مکان متنازعہ ہبہ کردیا تھا اندازًا بارہ سال کا عرصہ ہوا جب ہبہ نامہ لکھا گیا تھا اس پر میری شہادت ہوئی تھی اس وقت مدعا علیہ نمبر ۲ کا قبضہ بھی مکان متنازعہ پر کرادیا تھا جمعدار نے اس مکان کو خالی کرکے اپنا کل اسباب دوسرے مکان میں رکھوادیا اور مستورات کو بھی اس مکان سے علیحدہ کردیا اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعاعلیہا کا قبضہ دلادیا ہے اور یہ مکان آپ کو دیا مدعا علیہ نمبر ۲ اس وقت موجود تھیں اور ان سے یہ سب جمعدار نے کہہ دیا تھا مدعاعلیہا کو ہبہ نامہ سپرد کردیا تھا مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعاعلیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھ کو معلوم نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ سوائے زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مدعاعلیہا نمبر ۲ اور کون کون مکان مذکور میں رہتا ہے مدعاعلیہا نمبر ۲ کو جب دستاویز سنائی گئی تو اس وقت مضمون سنا تھا مضمون ہبہ نامہ کا یہ یاد ہے کہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اور سب کو تو حصہ دے دیا ہے تم کو اب یہ مکان ہبہ کیا جاتا ہے تم قبضہ کرلو جمعدار نے اردو میں اپنا نام لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مکان متنازعہ میں کس کی اجازت سے رہتے ہیں آیا مدعاعلیہا نمبر ۲ نے اجازت دی ہے یا نہیں۔

اعتراضات مفتی

سید امیر شاہ کی شہادت: معاینہ قبضہ مدعاعلیہا نمبر ۲: اوپر مکان متنازعہ فیہ وقت ہبہ کرنے رسول خاں جمعدار کے مکان مذکورہ کو یوں بیان کیا ہے کہ دوسرے زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم کو تنہا قبضہ دلادیا ہے اور رسول خاں کے اسباب سے مکان کو خالی کرنا نہیں بیان کیا ہے اور نہ رسول خاں کا خود علیحدہ ہونا اس مکان سے بیان کیا ہے حالانکہ تمامیت قبضہ کے لیے واہب کے اسباب مقبوضہ جو اس مکان موہوبہ میں رکھا ہوا ہو اور خود ذات واہب سے اس مکان موہوبہ کا خالی ہونا ضروری ہے ہبہ میں وقت قبضہ کے۔ اور رسول خاں کا اسباب مقبوضہ اس مکان میں ہونا وقت ہبہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اور خود رہنا ان کا اس مکان میں سب کو ظاہر ہے اور بہرام خاں کی گواہی سے ثابت ہے کہ جمعدار مرنے تک اس مکان میں رہے، سید امیر شاہ کی گواہی ہوئی اوپر معاینہ قبضہ ناقصہ کے، لہٰذا انکی شہادت معتبر نہیں ہے۔

سلطان کی گواہی میں اوپر معاینہ قبضہ کے خود نکلنا رسول خاں کا مکان مذکورہ سے واسطے قبضہ دلانے کے بیان نہیں کیا اور یہ بیان کیا ہے کہ مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علیحدہ کردیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدعی کی والدہ کا سامان قبضہ دلانے کے وقت اس مکان میں رکھا تھا بعد کو علیحدہ کیا گیا اور قبضہ کے وقت مکان موہوبہ مدعی کی والدہ کے سامان مقبوضہ کے ساتھ مشغول تھا، تو یہ بیان بھی

قبضہ ناقصہ کا ہوا لہٰذا یہ گواہی بھی معتبر نہیں۔

عبدالحمید خاں کی گواہی جو اوپر معاینہ قبضہ کی ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ ذات رسول خاں سے خلو اس مکان کا نہیں بیان کیا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعاعلیہاکے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں، اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمجید خاں کو پورا علم مکان کے خالی ہونے کا نہ تھا تو یہ گواہی بھی قبضہ ناقصہ کی ہوئی۔ جائز ہے کہ اس مکان میں اور کوئی ہو سوائے موہوب لہاکے اس کے ہونے کے سبب سے قبضہ موہوب لہا کا تام نہ ہوا اور عبدالمجید خاں کی گواہی جو اقرار واہب پر ہے اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے مدعاعلیہا نمبر ۲ کو قبضہ دلادیا تو یہ گواہی اوپر اقرار قبضہ کے اور دونوں گواہوں سابق کی گواہی ہے اوپر معاینہ قبضہ کے اس اختلاف کے سبب سے یہ گواہی عبدالمجید خاں کی مقبول نہیں ہے۔ مثل اور خارجی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مدعاعلیہا اول اور ان کے شوہر بہرام خاں قدیم سے اس مکان میں رہتے ہیں اور اپنے اموال اور اسباب کے قابض اور متصرف ہیں اس مکان میں اب بھی قبل بھی قابض اور متصرف تھے اور مکان موہوب کا مشغول ہونا قبضہ موہوب لہاکے وقت ایسے اسباب کے ساتھ کہ موہوب لہاکے قبضہ میں نہ ہو دوسرے شخص کے قبضہ میں ہو مانع تمامیت قبضہ ہے اور کسی گواہ نے خلو مکان کا مدعاعلیہ نمبر ۱ اور اس کے شوہر اور دونوں کے اسباب سے بیان نہیں کیا اس صورت میں بھی مشاہدہ قبضہ ناقصہ کا ہوا کہ مانع ہے تمامیت قبضہ کا، مکان موہوب اگر قبل از ہبہ موہوب لہا کے قبضہ تامہ میں فرض کیا جائے تو انعقاد عقد ہبہ کے لیے صراحۃً قبول کرنا موہوب لہ کا ایجاب ہبہ کو چاہئے فقط قبضہ قائم مقام قبول نہ ہوگا اور عقد ہبہ منعقد نہ ہوگی اس صورت میں سب گواہوں نے یہ بیان کیا کہ رسول خاں نے ہمارے سامنے مکان متنازعہ کو مدعاعلیہا نمبر ۲ کو ہبہ کیا یہ تو ایجاب ہی ہے اور یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ مدعاعلیہا نمبر ۲ نے اس ہبہ کو قبول کیا یا نہیں، کیا تو ایجاب ہوئی بغیر قبول صریح کے، تو اس صورت میں عقد ہبہ منعقد نہ ہوا تو وہ مکان ہبہ کے سبب سے مملوک موہوب لہا کا نہ ہوا، گواہان مذکورہ کی گواہی کے نقصانات سے اور مدعی کے متعدد گواہوں کے بیان سے کہ جمعدار کے اکثر اہل وعیال اور زوجات اس مکان متنازعہ فیہ حین حیات رسول خاں اور بعد ممات رسول خاں سب مشترک رہتے تھے اور اس مکان میں سب قابض تھے اور قبضہ تامہ جو شرط ہبہ ہے وہ متحقق نہیں ہوا تھا مسماۃ صنوبر بیگم کے واسطے، لہٰذا میری رائے میں یہ آتا ہے کہ بابت مکان متنازعہ فیہ کا ہبہ مدعاعلیہا نمبر ۲ کو ثابت نہیں ہے۔ مکان مذکور میراث کے طور پر وارثان رسول خاں پر تقسیم کیا جائے فقط دستخط مولوی محمد جمل۔

سوال دوم: زید نے مکان کا ہبہ بنام مسماۃ آفریدہ بیگم اپنی ایک زوجہ کے منجملہ ازواج لکھا ہبہ نامہ

کی تحریر کے بعد مکان موہوبہ پر بدستور قبضہ واہب کاتاحیات واہب رہا یعنی واہب مع اپنے اطفال وازواج کے مع اس زوجہ کے جس کے نام ہبہ لکھامرتے وقت تک اس مکان میں رہا بعد وفات زید ورثائے زید بالاجمال وبالاشتراک اس مکان پر قابض رہے اب وقت درخواست ہونے تقسیم مکان کے باہم شرکا کے وہ ہبہ ظاہر ہو کر ازروئے شرع شریف جائز ہوگی یا ناجائز قرار پائے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

(ا) اس مقدمہ میں تحقیق حکم شرعی تنقیح چند مسائل پر موقوف **فنقول وباللّٰہ التوفیق** (تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ت)

مسئلہ اولٰی: ہمارے مشائخ مذاہب رحمہم اللہ تعالٰی کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثل ایجاب رکن ہبہ ہے یا نہیں،

مشی علی الاول فی الکافی والکفایۃ والتنویر والدروھبۃ الھدایۃ وقال الاتقانی انہ قول الامام علاء الدین فی تحفۃ الفقھاء ومشی علی الثانی فی الحصر والمختلف و النھایۃ والدرایۃ والعنایۃ و العینی و عامۃ الشروح قال الاتقانی انہ قول الامام شیخ الاسلام خواھر زادہ فی مبسوطہ وبہ جزم فی کتاب الایمان من الھدایۃ و الکرمانی والتاویلات ومحیط السرخسی۔	کافی، کفایہ، تنویر، در اور ہدایہ کے ہبہ میں اول کو اختیار کیا،او راتقانی نے کہا کہ تحفۃ الفقہاء میں امام علاء الدین نے یہی فرمایا ہے اور حصر، مختلف، نہایہ، درایہ، عنایہ، عینی اور عام شروح میں ثانی کو اختیار کیا۔اتقانی نے کہا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے مبسوط میں یہ فرمایااور اسی پر ہدایہ کے کتاب الایمان میں اور کرمانی اور تاویلات اور محیط سرخسی نے اعتماد کیا ہے۔(ت)

اور راجح ومعتمد ومفتی بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرط ثبوت ملک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہو اگرچہ بے اذن صریح واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ بعد مدت وہ اس قول کا قائم مقام ہوجائیگا قول حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہ شرط ثبوت ملک ہے اور وہی دلالت قبول بھی ہوجائے گا، رہا پیش از قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کا منافی یعنی رد وامتناع نہ پایا جائے، امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی نے بدائع میں تصریح فرمائی کہ رکنیت قبول قول امام زفر وقیاس ہے اور استحسان عدم رکنیت ہے[1]، اور معلوم ہے کہ عمل ہمیشہ استحسان پر ہے **الافی مسائل عدیدۃ لیست ھذہ**

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۵،فتح القدیر بحوالہ البدائع کتاب الھبہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

منها(مگر متعدد مسائل میں، جن میں سے یہ نہیں ہے۔ت) اور فتاوٰی قاضی خاں و نیز حاوی الفتاوٰی میں قبضۂ موہوب لہ بعد مجلس کو جب کہ باذن واہب ہو مثبت ملک ٹھہرایا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کردم نہ کہا ہو اور صراحۃً فرمایا: به ناخذ[1] (ہم یہی اختیار کرتے ہیں۔ت) یہ لفظ اعاظم الفاظ افتا سے ہے کما فی الدر وغیرها[2] (جیسا کہ درر وغیرہ میں ہے۔ت) قبضہ اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا:

لان الایجاب لفظ واللفظ عرض والعرض لایبقی زمانین فلایکن ارتباط القبول به الااذا تحقق فی مجلسه لان الشرع جعل المجلس جامعا للکلمات۔	کیونکہ ایجاب لفظ ہے اور لفظ عرض ہے اور عرض دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا لہٰذا قبول کا اس سے ربط نہ ہوگا مگر جبکہ وہ اسی مجلس میں متحقق ہو کیونکہ شریعت نے مجلس کو متفرقات کا جامع قرار دیا ہے۔(ت)

خود ہدایہ و در مختار وغیرہما عامہ کتب میں تصریح فرمائی کہ اگر زید نے قسم کھائی ہبہ نہ کروں گا پھر عمرو سے کہا یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی اور عمرو نے ہبہ قبول نہ کیا قسم ٹوٹ گئی کہ ہبہ فقط اس کے ایجاب سے متحقق ہوگیا اگرچہ عمرو نے قبول نہ کیا اور اگر قسم کھائی کہ نہ بیچے گا پھر عمرو سے کہا میں نے یہ شے تیرے ہاتھ بیچی اور عمرو نے قبول نہ کیا قسم نہ ٹوٹی کہ بیع بے ایجاب و قبول دونوں کے متحقق نہ ہوگی تو بے قبول مشتری بیچنا صادق نہ آیا۔ یہ تیسری وجہ اس قول کی ترجیح کی ہے کہ عام کتب معتمدہ حتی کہ ان میں بھی جو رکنیت کی تصریح کرتی تھیں یہ مسئلہ یونہی مسطور ہے جس سے عدم رکنیت روشن و منصور ہے،

اما تعلیل الکفایة والکافی الحنث فی الهبة بانه اتی بما هو مقدورها والیمین انما تنسحب علی ماهو فعله و لیس الا الایجاب فمنقوض بعدم الحنث فی البیع کمالایخفی فانه ثمه ایضا لایقدر	ہبہ کی حنث کی بحث میں کفایہ اور کافی کا یہ علت بیان کرنا کہ وہ اپنا مقدور ہی بجالاسکتا ہے جبکہ قسم اس کے فعل پر ہی مرتب ہوتی ہے اور صرف ایجاب ہی اس کا فعل ہے، یہ علت بیع میں عدم حنث کی وجہ سے سالم نہیں رہے گی جیسا کہ مخفی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ حاوی الفتاوی کتاب الهبه الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴ /۳۷۷، فتاوٰی قاضی خاں کتاب الهبة نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۹۶

[2] در مختار مقدمہ کتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۵

الا علی الایجاب ولا یحنث به فیه وفاقا[1]۔	نہیں، کیونکہ یہاں بھی وہ صرف ایجاب پر قادر ہے حالانکہ اس میں بالاتفاق ایجاب سے حنث نہیں ہے(ت)

نتائج الافکار میں ہے:

فی البدائع اما رکن الهبة فهو الایجاب من الواهب فاما القبول من الموهوب له فلیس برکن استحسانا والقیاس ان یکون رکنا وهو قول زفر وفی قول قال القبض ایضا رکن[2] الخ۔	بدائع میں ہے لیکن ہبہ میں رکن وہ واہب کا ایجاب ہے جبکہ موہوب لہ کا قبول کرنا استحسانًا رکن نہیں ہے حالانکہ قیاس اس کے رکن ہونے کا مقتضی ہے امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول میں ہے کہ قبضہ بھی رکن ہے الخ۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لو قال وهبت منك هذاالعبد والعبد حاضر فقبضه جازت الهبة وان لم یقل قبلت کذافی الملتقط،ولو کان العبد غائبا فقال له وهبت منك عبدی فلانا فاذهب واقبضه فقبضه جاز وان لم یقل قبلت وبه ناخذ کذافی الحاوی للفتاوٰی[3]۔	اگر کسی نے کہا میں نے تجھے یہ، عبد حاضر ہبہ کیا تو اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوجائیگا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کرنے کا قول نہ کیا ہو،ملتقط میں یوں ہے اور اگر عبد غائب ہوتو یوں کہا کہ میں نے اپنافلاں عبد تجھے ہبہ کیا تو جاکر قبضہ کرلے اس نے قبضہ کرلیا تو ہبہ جائز ہوگا اگرچہ موہب لہ نے "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو،ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے حاوی للفتاوٰی میں یونہی ہے۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی امام اجل قاضی خاں[4] میں ہے۔

اقول: وبما قررنا ظهر مافی	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم نے جو تقریر کی اس سے

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الهبه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار کتاب الهبه مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۸۰

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی فیما یجوز من الهبة ومالا یجوز نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[4] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الهبه نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

المحیط من انه لایشترط فی الھبة القبول وان استشکله فی البحر وذٰلك لانه ان ارید خصوص القبول بالقول فغیر لازم قطعا وان اکتفی بالقبول دلالة فاشتراط القبض مغن عنه فانه یدل علیه فلا یکون شرطا بحیاله نعم یشترط ان لایوجد منافیه کما اشرنا الیه۔	محیط میں بیان کردہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ہبہ میں قبول کرنا شرط نہیں ہے اگرچہ بحر میں اس پر اشکال کیا ہے، یہ اس لئے کہ اگر قبول سے مراد خاص زبانی قبول کا لفظ کہنا مراد ہو تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے اور اگر دلالۃً قبول کرنا مراد ہے تو قبضہ کی شرط اس کو کافی ہے کیونکہ قبضہ قبول کرنے پر دال ہے لہٰذا ہبہ میں قبول کرنا کسی طرح شرط نہ ہوگا، ہاں یہ شرط ضرور ہے کہ وہاں قبولیت کے منافی کوئی چیز نہ پائی جائے جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے۔(ت)

شرعاً وعقلاً وعرفاً جب تک مالک مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا مال اسباب رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہٰذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل وعیال مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایصح قوله اقبضها او سلمت اذاکان الواھب فیه او اھله او متاعه کذا فی التاتارخانیة[1]۔	جب واہب خود یا اس کے اہل وعیال یا اس کا سامان مکان میں موجود ہو تو واہب کا یہ کہنا کہ قبضہ کرلو میں نے سپرد کردیا، مکان کے قبضہ کیلئے صحیح نہ ہوگا، تاتارخانیہ میں یوں ہے(ت)

اسی طرح اگر کوئی شخص مالک کی اجازت سے عاریۃً یعنی بے اجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضہ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقلہ نہیں بلکہ قبضہ مالک ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر وتاکید کرے گا ولہٰذا اگر مکان جس میں بلا اجرت اور لوگوں کو سکونت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی ملک پسر ہوگیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضہ واہب ہے اور اپنے ولد صغیر کو ہبہ کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے، امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں:

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

لووھب من ابنه الصغیر دارا و الاب ساکنها ومتاعه فیها جازت الهبة، وملکها الابن بمجرد قوله وهبتها له لانها فی یده و سکناه ومتاعه فیها لاینافی یده بل یقررها فتکون هی فی قبضه وهو الشرط، ولوکان یسکنها غیره باجر لا یجوز لماذکرنا(ای فی الغاصب والمرتهن والمستاجران کل واحد منهم قابض لنفسه وعامل لنفسه بخلاف المودع لان یده ید المالک)وان کان بغیر اجر جازت الهبة وملکها الابن بمجرد العقد ذکره محمد رضی الله تعالٰی عنه فی المنتقی[1]۔	اگر باپ نے اپنے نابالغ بیٹے کو مکان ہبہ کیا حالانکہ باپ اس میں سکونت پذیر ہے یا باپ کاسامان اس میں موجود ہے تو ہبہ جائز ہوگااور یہ کہہ دینے سے کہ میں نے بیٹے کو یہ مکان ہبہ کیا بیٹا مالک ہوجائیگا کیونکہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ ہی کافی ہونے کی وجہ سے مکان میں باپ کی رہائش اور سامان قبضہ کے منافی نہیں ہے بلکہ یہ قبضہ کا ثبوت ہے لہٰذا یہ بیٹے کے قبضہ میں ہے یہی قبضہ شرط ہے اور اگر اس مکان میں باپ کا غیر کوئی کرایہ دار ہو تو یہ قبضہ ہبہ کے لئے صحیح نہ ہوگا،اس کی وجہ ہم نے ذکر کردی ہے یعنی غاصب،رہن لینے والے، اجرت پر لینے والے،کے بارے میں ذکر کیاکہ یہ لوگ اپنی ذات کے لئے قابض اور عامل ہوتے ہیں،اس کے بخلاف امانت پاس رکھنے والا،کہ اس کا قبضہ امانت کے طور پر مالک کا قبضہ قرار پاتا ہے،اور اگر باپ کے ہبہ کردہ مکان میں کوئی دوسرا بغیر کرایہ رہائش پذیر ہے تو مذکورہ صورت میں ہبہ جائز اور ہبہ کردینے سے نابالغ بیٹامالک قرار پائے گا۔امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کو منتقی میں ذکر فرمایا ہے(ت)

اور قبضہ دلانے کے معنی شرعًا وعقلًا وعرفًا یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھاکر اس کا قبضہ کرادیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس کا قبضہ کیونکر ہوگا کہ شیئ اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں آخر نہ دیکھاکہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے تجھے قابض کردیا صحیح نہ مانا اور کلام مدعی کا ہو خواہ شاہد خواہ کسی عاقل کا،وہ معنی صحیح ہی پر محمول ہوگا،جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے:

مطلق کلام العاقل او تصرفه یحمل علی الصحة بقضیة الاصل وکذا	عاقل کے کلام اور تصرف کو اصل قاعدہ کے مطابق صحت پر محمول کیاجائے گااور یوں ہی اس کی

[1] تبیین الحقائق کتاب الهبه المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۵ /۹۶،۹۵

الشهادة على هذا [1]۔	شہادت کو بھی۔(ت)

توگواہ جب شہادت دیں کہ واہب نے ہبہ کیا اور قبضہ کرادیا اس کے یہی معنی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کردیا اور اوپر معلوم ہوچکا کہ جب تک وہ خود یا اس کا اسباب یا اہل وعیال یا کوئی ساکن جو بلا اجر اس کی اجازت سے رہتا ہو مکان میں موجود ہے واہب کا قبضہ نہ اٹھا تو قبضہ دلانا صادق نہ ہوا حالانکہ شہود قبضہ دلانے کی گواہی دے رہے ہیں تو بالضرورت اس شہادت کے یہی معنی ہیں کہ تخلیہ تام ہولیا اور واہب و متاع واہب واہل وعیال واہب وغیرہم جملہ مذکورین جن کی بقاء قبضہ واہب کی بقا ہو اس وقت مکان میں نہ تھے بالجملہ قبضہ دلانے کی شہادت بعینہٖ تخلیہ وفراغ کی شہادت ہے جس کے بعد اس کے ذکر صریح کی اصلاً حاجت نہیں جس طرح حاکم کے حضور نکاح کی گواہی میں شہود کا اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں مدعی نے فلاں مدعا علیہا سے نکاح کیا تمام شرائط کی تفصیل کہ اس وقت دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں عاقل بالغ سامع فاہم موجود تھے اور مجلس واحد میں انہوں نے ایجاب وقبول سنے وغیر ذلک بیان کرنے کی حاجت نہیں لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ (کیونکہ جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے لوازمات سمیت ثابت ہوتی ہے۔ت) ولہٰذا شہادت ہبہ خواہ دعوی ہبہ کی تصویروں میں جہاں دیکھئے علماء کرام قدست اسرار ہم نے اسی قدر پر قناعت فرمایا ہے کہ ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا اس کے ساتھ یہ نہیں بڑھاتے کہ اور واہب خود بھی مکان سے الگ ہوگیا اور اپنا مال واسباب بھی نکال لیا اور اپنے اہل وعیال کو بھی جدا کردیا اور جو لوگ بلا اجارہ اجازۃً رہتے تھے ان کو بھی ہٹادیا اس کے بعد قبضہ کرایا، توجہ وہی ہے کہ یہ سارا بیان اتنے کہنے میں آگیا کہ قبضہ کرادیا جیسے جملہ شرائط نکاح اس لفظ میں آگئے کہ نکاح کیا جامع الفصولین آخر فصل ۱۱ میں ہے:

شهد احدهما كه ايں بخواست ايں زن را وشهد الاخر كه ايں زن خود را بايں داد تقبل [2]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عورت کو نکاح کی پیشکش کی ہے اور دوسرے نے یوں شہادت دی کہ عورت نے خود اپنے آپ کو اس کے نکاح میں دیا تو یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

قال هذه امرأتي او قال هذه منكوحتي وشهدوا انه كان تزوجها تقبل	مرد نے کہا یہ میری بیوی ہے، یا کہا میری منکوحہ ہے، اور گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس نے اس

[1] جامع الفصولین الفصل الاربعون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸

هذه الشهادة[1]۔	سے نکاح کیا تو یہ شہادت قبول ہوگی۔(ت)

بلکہ عالمگیری میں اسی سے ہے:

شهدوا انها امرأته وحلاله ولم يذكروا العقد المختار انه يجوز[2]۔	گواہوں نے کہا یہ اس کی بیوی ہے اور اس کے لئے حلال ہے، اور نکاح کا ذکر نہ کیا تو مختار مذہب ہے کہ یہ شہادت جائز ہے۔(ت)

خانیہ پھر ہندیہ ج ۳ص ۵۰۱ میں ہے:

ادعی دارا فی یدرجل انها له فجاء بشاهدین وشهدا ان فلانا وهبها له وقبضها منه وهو یملکها الخ[3]۔	کسی شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق ایک شخص نے دعوی کیا کہ یہ میرا ہے اور اس پر دو گواہ پیش کئے جنہوں نے شہادت دی کہ یہ مکان مدعی کو فلاں شخص نے ہبہ کیا اور اس نے اس سے قبضہ لیا تو مدعی مالک ہوگا الخ۔(ت)

ایضًا صفحہ ۵۱۱:

شهد احدهما ان المدعی اقرانه وهبه للذی فی یدیه وقبضه منه وشهد الاٰخر انه اقرانه نحله للذی فی یدیه وقبضه[4] (ای تقبل)	ایک گواہ نے کہا کہ مدعی نے اقرار کیا کہ قابض نے یہ مکان اسے ہبہ کیا ہے اور اس نے قبضہ لیا ہے جبکہ دوسرے گواہ نے کہ اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ اس نے یہ مکان قابض کو عطیہ دے کر قبضہ دیا ہے تو شہادت قبول کی جائیگی۔(ت)

ایضًا ج ۴ ص ۸۷:

ادعی الهبة مع القبض[5] الخ ایضا ادعی ان فلانا وهبها له وقبضها منه[6]	ہبہ مع قبضہ کا دعوی کیا الخ، نیز دعوی کیا کہ فلان نے اسے ہبہ کیا اور قبضہ اس نے لے لیا،

---

[1] خزانة المفتين كتاب الشهادات باب الاختلاف بين الدعوى والشهادة قلمی نسخہ ۲ /۱۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب السابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۰۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۱

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشهادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۵۱۱

[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷

[6] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۷

ایضادعوی الھبۃ والصدقۃ مع القبض فیھما مستویان[1]۔	نیز ہبہ اور صدقہ کے دعوی کے ساتھ قبضہ لینے کا دعوی ہو تو دونوں کا حکم مساوی ہے۔(ت)

فتاوٰی قاضی خاں:

دار فی یدرجل فاقام رجل البینۃ انہ اشتراھا من فلان غیر ذی الید بالف درہم وھو یملکھا ونقدہ الثمن واقام اٰخر البینۃان فلانا اٰخر وھبھا منہ و قبضھا[2]۔	ایک شخص کے مقبوضہ مکان کے متعلق دوسرے نے گواہ پیش کئے کہ یہ مکان میں نے قابض شخص کے غیر سے ہزار روپے کے عوض خریدا ہے جس کا وہ مالک ہے اور اس کی قیمت نقدادا کی ہے اور دوسرے ایک شخص نے اسی مکان کے متعلق گواہ پیش کئے کہ فلاں دوسرے شخص نے یہ مکان مجھے ہبہ کیا اور قبضہ دیا ہے(ت)

پس صورت مستفسرہ میں سید امیر شاہ عبدالمجید خاں کی شہادتیں کہ ہبہ ومعاینہ قبضہ کی ہیں قبضہ تامہ بتارہی ہیں اور ان پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتے کہ رسول خاں کی ذات ومتاع سے تخلیہ نہ بیان کیا بیشک بیان کیا کہ قبضہ دلانے کے خود یہی معنی ہیں، یونہی بہرام خاں اور اس کی زوجہ اور ان کے اسباب سے بھی تخلیہ اسی میں آگیا کہ جو باجازت مالک بلااجرت رہتا ہو اس کا قبضہ بھی قبضہ مالک ہے تو قبضہ دلانا اس سے تخلیہ کو مستلزم کما حققنا اٰنفا(جیسا کہ ابھی ہم نے تحقیق کی ہے۔ت) بلکہ زیادات صاحب محیط وفصول عمادی وبحر الرائق ومنح الغفار ودرمختار وعالمگیری وغیرہا معتمدات میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ غیر واہب کے ملک واسباب سے موہوب کا مشغول ہونا تمامی ہبہ کا سرے سے مانع ہی نہیں، فصول وہندیہ میں ہے:

اشتغال الموھوب یملك غیر الواھب ھل یمنع تمام الھبۃ ذکر صاحب المحیط فی الباب الاول من ھبۃ الزیادات انہ لایمنع[3]۔	کسی موہوب چیز کا واہب کے غیر کی ملکیت میں مصروف ہونا کیا ہبہ کے تمام ہونے سے مانع ہے، صاحب محیط نے زیادات کے ہبہ کے باب اول میں ذکر کیا کہ مانع نہیں ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۷

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الدعوی فصل فی دعوی الملك السبب نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الفصول العمادیۃ کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

درمختار میں ہے:

شغلہ بغیر ملک واھبہ لایمنع تمامھا[1]۔	واہب کی ملکیت کے غیر میں مصروف ہونا مانع نہیں ہے۔ (ت)

اور جب کہ کلام شاہد اس حکم سے کہ ہم بیان کرچکے جملہ موانع صحت ارتفاع پر محمول اور وقت قبضہ مجرد کسی شخص غیر موہوب لہ کا مکان میں موجود ہونا مانع تمامی قبضہ نہیں جب کہ نہ وہ قبضہ مستقلہ رکھتا ہو جیسے مرتہن ومستاجر، نہ اس کا قبضہ قبضہ مالک ہو جیسے اہل وعیال و مودع ومستعیر کہ مانع قبضہ غیر ہے نہ کہ مجرد وجود غیر، اور ہر شخص کہ مکان میں ایک ساعت کے لئے موجود ہو مکان کا قابض نہیں کہلاتا، کیا سائل کہ سوال کے لیے آنے یا نوکر یا ملاقات کے لیے آنے والا دوست وغیرھم قابضان مکان گنے جاتے ہیں، ہر گز نہیں، عبدالمجید خاں کا کہنا کہ اس وقت سوامدعا علیہا کے اور کوئی نہ تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں ہرگز شہادت قبضہ تامہ میں خلل انداز نہیں، ہاں اگر وہ یہ کہتا کہ اس وقت اور کسی کا بھی قبضہ ہو تو مجھے معلوم نہیں تو بیشک بیان اول کے منافی ہوتا۔ قبضہ صنوبر بیگم کی شہادت تو وہ صاف ادا کرچکا جس کے یہی معنی ہیں کہ اور کوئی قابض نہ تھا پھر کسی غیر قابض کا ہونا نہ ہونا اگر اسے معلوم نہ ہو، بلکہ پچاس اشخاص غیر قابضین کا ہونا معلوم ہو تو کیا ضرر ہے، کیا موہوب لہ کے قبضہ لیتے وقت اگر اس کے نوکر چاکر یا عزیز اقربا یا تحمل شہادت کے لئے بعض اہل محلّہ وغیرہم ساتھ ہوں تو قبضہ تامہ نہ ہوگا کس نے لازم کیا ہے کہ موہوب لہ اس وقت تنہا مکان میں چھوڑدیا جائے کوئی فرد بشر اس کے پاس نہ جانے پائے، اور جب یہ دونوں شہادتیں معاینہ قبضہ کی ہیں اور معاملہ ہبہ کا ہے تو مدت میں اختلاف کہ ایک چھ سات سال دوسرا بارہ سال بتاتا ہے کچھ مضر نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان اختلفوا فی عقد لایثبت حکمہ الابفعل القبض کالھبۃ والصدقۃ والرھن فان شھدوا علی معاینۃ القبض واختلفوا فی الایام والبلدان جازت شھادتھم فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھما ولو شھدوا علی	ایسا عقد جس میں قبضہ کے عمل کے بغیر حکم ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ ہبہ، صدقہ اور رہن تو اس میں اگر گواہوں نے قبضہ دیکھنے کی شہادت دی اور وقت اور مقام میں گواہوں کا اختلاف ہوا ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ شہادت قبول کی جائے گی اور گواہوں نے

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

اقرار الراھن والمتصدق والواھب بالقبض جازت الشھادۃ فی قولھم[1]۔	واہب، صدقہ کرنے والے اور راہن کے اس اقرار پر کہ قبضہ دے دیا تو بالاتفاق سب کے قول میں یہ شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

فتاوٰی صغرٰی میں ہے:

لو شھدا برھن واختلفا زمانہ اومکانہ وھما یشھدان علی معاینۃ القبض تقبل وکذا شراء وھبۃ وصدقۃ[2]۔	اگر دونوں گواہوں نے رہن رکھنے کی شہادت دی اور مکان وزمان میں اختلاف کیا تو قبضہ دیکھنے کی گواہی دی تو شہادت مقبول ہوگی اور یونہی خریداری، صدقہ اور ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دونوں شہادتیں ہبہ ہونا اور صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ ہوجانا بروجہ کافی بیان کررہی ہیں ان کے مقابل جانب مدعی کی شہادت کہ واہب کا اسباب مقبوضہ وقت ہبہ اس مکان میں تھا یہ تو اصلاً وارد نہیں کہ موہوب کا وقت ہبہ ملک واہب سے خلو ضرور نہیں وقت قبضہ موہوب لہ ضرور ہے اور وقت ہبہ وقت قبضہ سے مقدم ہے تو اس شہادت کو ان شہادات سے کچھ مس نہیں اور یہ شہادتیں کہ واہب تادم مرگ اس مکان میں رہا یا بہرام خاں اور اس کی زوجہ ہمیشہ سے اس میں رہتی ہیں، ان کا حاصل اگر ہے تو اتنا کہ تخلیہ نہ ہوا صنوبر بیگم کا قبضہ تامہ نہ ہوا تو یہ سب شہادتیں نفی پر ہیں اور نفی پر شہادت مقبول نہیں جب تک متواتر نہ ہو جسے شہر کا ہر چھوٹا بڑا ہر عالم جاہل جانتا ہو اور عام لوگوں کی گواہیاں اس پر گزر جائیں۔ فتاوٰی صغرٰی وجامع الفصولین ومعین الحکام میں ہے:

لاتقبل لانھا قامت علی النفی لان قولھما کان فی مکان کذا نفی معنی ولو کان اثباتا صورۃ اذ الغرض نفی ما قامت علیہ البینۃ الاولٰی[3]۔	شہادت قبول نہ کی جائیگی کیونکہ یہ نفی پر شہادت ہے کیونکہ گواہوں کا کہنا کہ فلاں مکان میں تھا، اگرچہ یہ صورۃً اثبات ہے مگر معنیً غرض یہ ہے کہ پہلی گواہی سے جو چیز ثابت ہوئی ہے اس کی نفی کی جائے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

[2] فتاوٰی صغرٰی

[3] جامع الفصولین بحوالہ فتاوٰی صغرٰی الفصل الثانی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲

عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے:

الاان تاتی العامة وتشهد بذلك فیؤخذ بشهادتهم[1]۔	مگر عام لوگ بتائیں تو اس پر لی گئی شہادت قبول ہوگی۔ (ت)

نیز ان دونوں میں ہے:

الاان تکون ظاہر امستفیضا یعرفه کل صغیر و کبیر وکل عالم وجاہل[2]۔	مگر ظاہر مشہور کہ ہر چھوٹا بڑا، عالم و جاہل اسے جانتا ہو۔ (ت)

اور یہاں مستفیض متواتر شہادتیں خاص اس امر پر گزرنی درکار تھیں کہ وقت قبضہ صنوبر بیگم رسول خاں یا اس کا اسباب اس مکان میں موجود تھا یا فلاں لوگوں کا قبضہ تھا ورنہ یہ مجمل بات کہ فلاں ہمیشہ سے اس میں رہتے ہیں یا مرتے دم تک رہے اصلاً کافی نہیں کہ ان شہادتوں کی بنا استصحاب حال پر ہوگی اور موہوب لہا کہ شہادتیں خاص اس وقت تخلیہ تامہ بتارہی ہیں تو وہ شہادات ان کے معارض نہیں ہوسکتیں کہ تخلیہ صرف ایک ساعت خفیفہ وقت قبضہ ضرور تھا اس کے بعد عمر بھر خود رسول خاں کا قبضہ باجازت صنوبر بیگم خواہ بلا اجازت عصباً رہے تو جو ملک کہ صنوبر بیگم کے لئے بعد ہبہ قبضہ تام سے ثابت ہولی زائل نہیں ہوسکتی کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) جامع الفصولین اواخر فصل عاشر میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریته من ابیك وبرھن ذوالید انه ملك ابیه الی یوم موته ومات وترکه میراثا لاتقبل بینته لانهم شهدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[3]۔	کسی نے ایک شخص کے مقبوضہ مکان پر دعوٰی کیا یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے جبکہ قابض کہتا اور شہادت پیش کرتا ہے کہ یہ موت تک میرے والد کی ملکیت رہا اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور ترکہ میراث چھوڑا ہے، تو قابض کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ سابقہ حال پر شہادت ہے جبکہ مدعی ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔ (ت)

اور جب کہ شہادتیں صنوبر بیگم کو بعد ہبہ قبضہ دلانا بیان کررہی ہیں تو قبول صنوبر بیگم اصلاً ضرور نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۶

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

شہادتوں میں اس کا عدم بیان درکنار اگر بیان عدم ہوتا جب بھی مضر نہ تھا کہ قبضہ جو مجلس ہبہ میں ہوا اگرچہ بے اذن واہب یا باذن واہب ہو اگرچہ مجلس ہبہ کے بعد وہ مطلقاً مثبت ملک موہوب لہ ہو اور یہی دلیل قبول ہے اگرچہ موہوب لہ نے صراحۃً قبول ہبہ نہ کیا ہو۔ شلبی علی التبیین میں امام قاضی خاں سے اور حاوی الفتاوٰی و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

وھذا نص الھندیۃ لو قال وھبت منك ھذا العبد والعبد حاضر فقبضه جازت الھبۃ وان لم یقل قبلت کذا فی الملتقط، ولو کان العبد غائبا فقال له وھبت منك عبدی فلانا فاذھب واقبضه فقبضه جاز وان قبلت وبه ناخذ کذا فی الحاوی للفتاوی[1]۔	یہ ہندیہ کی عبارت ہے، اگر کسی نے کہا یہ عبد میں نے تجھے ہبہ کیا، عبد حاضر تھا موہوب لہ نے اسی وقت عبد کو قبضہ میں لے لیا تو ہبہ صحیح ہوجائیگا اگرچہ زبانی "میں نے قبول کیا" نہ کہا ہو جیسا کہ ملتقط میں ہے، اور اگر عبد غائب اور کہا فلاں عبد میں نے تجھے ہبہ کیا جاکر قبضہ کرلو، پس اس نے قبضہ کرلیا تو اگرچہ زبانی قبول کرنے کی بات نہ کی ہو تو بھی ہبہ جائز ہے، ہمارا یہی مختار ہے، الحاوی للفتاوٰی میں یوں ہے۔ (ت)

اسی طرح امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اسے بہ ناخذ[2] (ہم اسے ہی اختیار کرتے ہیں۔ت) فرمایا، سوال میں بیان گواہان کا خلاصہ لکھا ممکن کہ پورا بیان دیکھنے سے کوئی اور بات پیدا ہو مگر جس قدر خلاصہ ہمارے سامنے پیش ہوا اس میں سید امیر شاہ وعبدالمجید خاں کی شہادتیں اعتراضات سے پاک ہیں اگر بیان کامل میں کوئی بات مضر شہادات نہیں اور یہ دو گواہیاں قابل قبول شرع اور بروجہ شرعی گزر گئی ہوں تو ضرور ہبہ مکان بحق صنوبر بیگم ثابت ہے اور مکان تقسیم سے بری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سائل کو تحریر ہبہ نامہ سے اعتراف ہے قبضہ موہوب لہ میں کلام ہے اور قاضی ریاست نے مدعیہ ہبہ و قبضہ کا دعوٰی سماعت کیا اور اس پر گواہ لئے جیسا کہ سوال اول سے ظاہر ہے اور ہم اس کے جواب میں واضح کر آئے کہ ان میں دو شہادتیں اگر بروجہ مقبول شرعی گزری ہوں تو ہبہ تام و ثابت ہے اور ساعت قبضہ موہوب لہا سے پہلے اور بعد آج تک اور دن کا اس میں رہنا بسنا قابض

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

ہونا مخل صحت ہبہ نہیں تو اس تقدیر پر اس سوال دوم کے لئے کوئی منشا باقی نہیں، ہاں اگر یہ گواہیاں شرعاً مخدوش و نامقبول ہوں تو ان گواہیوں پر کہ اب تک واہب کا قبضہ رہا اب بھی التفات نہ ہوگا کہ شہادت علی النفی معتبر نہیں بلکہ مدعیہ ہبہ کی درخواست پر خواہندہ تقسیم سے حلف لیا جائے گا کہ اس کے علم میں واہب نے کبھی موہوب لہا کو قبضہ نہ دلایا اگر وہ حلف سے انکار کرے گا ہبہ ثابت ہوجائے گا اور حلف کرے گا تو ہبہ غیر ثابت قرار پاکر مکان میں سے اس خواستگار تقسیم کا حصہ جدا کردیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از ریاست رامپور بنگلہ آزاد خاں مرسلہ مفتی لطف اللہ صاحب خلف مفتی محمد سعد اللہ صاحب ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۶ھ

بخدمت مبارک جناب مولانا مخدوم ومکرم ذی المجد والکرم جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دام مجد کم! بعد سلام مسنون التماس ہے کہ ایک شخص نے دعوی عاریت زیور کا کیا ہے اس میں صفت وزن اور قیمت کا اظہار کیا ہے شہود نے مطابق گواہی دی ہے لیکن وزن نہیں بیان کیا ہے اسی نقصان کے نظر سے شہادت مقبول نہیں ہوئی ہے مدعی عذر دار نے روایت ذیل فتاوٰی عالمگیری میں پیش کی ہے:

ان وقعت الدعوی فی عین غائب لایدری مکانہ بان ادعی رجل علی رجل انہ غصب منہ ثوبا او جاریۃ و لایدری انہ قائم او ھالك ان بین الجنس والصفۃ والقیمۃ فدعواہ مسموعۃ وبینتہ مقبولۃ[1]۔	اگر کسی ایسی چیز کے متعلق دعوی ہو جو غائب ہو اور معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے یوں کہ کسی نے دوسرے کے خلاف دعوی کیا کہ اس نے میرا کپڑا یا لونڈی غصب کر رکھی ہے معلوم نہیں کہ موجود ہے یا ضائع ہوگئی ہے اور مدعی نے اس پر شہادت میں جنس، صفت اور قیمت بیان کی ہو تو اس کا دعوی مسموع اور گواہی مقبول ہوگی۔(ت)

ظاہر ہے کہ روایت ہذا متعلق بہ غصب ہے کیا یہی حکم عاریت میں بھی جاری ہوسکتا ہے یعنی مثل غصب کے عاریت میں بھی اگر شہود وزن کا ذکر نہ کرینگے جب بھی شہادت مقبول ہوگی چونکہ نظر عالی نہایت وسیع ہے اور محققانہ مسلک ہے لہٰذا آپ کی خدمت باعظمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جائے، مقدمہ کی تاریخ ۱۱/ دسمبر ۱۹۰۸ء مقرر ہے، امید کہ ورود جواب سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

قبل میعاد شرف حاصل ہوگا۔

خاکسار نیاز مند دیرین از ریاست رام پور ۸/ دسمبر ۱۹۰۸ء

الجواب:

اللھم لك الحمد (یااللہ ! تمام حمدیں تیرے لئے ہیں۔ت) اصل مقصود دعوی و شہادت دونوں میں تعین مدعی بہ ہے کہ قضا ممکن ہو فان القضاء بمجھول غیر معقول (مجہول چیز کا فیصلہ عقل کے خلاف ہے۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا ای شرط جواز الدعوی معلومیة المال المدعی اذلایقضی بمجھول[1]۔	اس کی شرط یعنی دعوی کی شرط یہ ہے کہ وہ مال معلوم ہو جس کا دعوی کیا گیا ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ نہیں ہوتا۔(ت)

پھر جو شیئ حاضر ہو اس کی طرف اشارہ تعیین کے لئے کافی ہے۔جامع الفصولین میں ہے:

تسمع الدعوی بحضرته عند الاشارة الیه وحینئذ یستغن عن ذکر الاوصاف والوزن والنوع[2]۔	مدعٰی کے حاضر ہونے پر اس کی طرف اشارہ سے دعوی مسموع ہوگا اور اس صورت میں دعوی میں چیز کے اوصاف،وزن اور اس کی نوعیت بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔(ت)

اسی میں ہے:

لوکان عینا حاضرا لایشترط ذکر اوصافه[3]۔	اگر کسی موجود حاضر چیز سے متعلق دعوی ہو تو اس کے اوصاف کو ذکر کرنا شرط نہیں(ت)

یہاں تک کہ وزن بیان نہ کرنا درکنار اگر غلط و خلاف واقع بیان کیا ضرر نہ کرے گا لان التسمیة تلغو عن الاشارة (کیونکہ اشارہ کی وجہ سے اوصاف کا ذکر لغو ہوجاتا ہے۔ت) بزازیہ میں ہے:

ادعی حدیدا و ذکر انه عشرة امناء فاذا ھو عشرون او ثمانیة تقبل الدعوی	حاضر لوہے کو اشارہ کرکے دعوی کیا اور بیان کیا کہ یہ دس من ہے جبکہ وہ بیس من یا آٹھ من نکلا تو

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۵

[2] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۷

[3] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

والشہادۃ لان الوزن فی المشار الیہ لغو [1]۔	دعوی اور شہادت دونوں مقبول ہیں کیونکہ مشار الیہ چیز میں وزن کا بیان لغو ہوتا ہے۔(ت)

اور جو شیئ حاضر نہ ہو اس میں جنس وقدر، بالجملہ اس قدر اشیاء کا بیان ضروری ہے جن سے اس کی پوری تعیین بقدر امکان واحتیاج حاصل ہو، کنزالدقائق وتبیین الحقائق میں ہے:

(لایصح الدعوی حتی یذکر شیئا علم جنسہ وقدرہ) لان فائدتہا الالزام بواسطۃ الاشہاد ولا یتحقق الاشہاد ولاالزام فی المجہول فلایصح [2]۔	کوئی دعوی صحیح نہیں ہوتا جب تک شیئ کو ذکر کرکے اس کی جنس اور قدر کو بیان نہ کیا جائے کیونکہ دعوے کا مفاد گواہی کے ذریعے الزام ثابت کرنا ہے جبکہ الزام اور گواہی مجہول چیز میں متحقق نہیں ہوسکتے اس لئے دعوی صحیح نہ ہوگا۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

معلومیۃ المال المدعی ای ببیان جنسہ وقدرہ بالاجماع لان الغرض الزام المدعی علیہ عند اقامۃ البینۃ ولا الزام فیما لایعلم جنسہ وقدرہ [3]۔	جس مال کا دعوی ہو اس کا جنس اور مقدار بیان سے معلوم ہونا بالاجماع ضروری ہے کیونکہ غرض یہ ہے کہ مدعٰی علیہ کو گواہی کے وقت الزام دیا جائے جبکہ جنس اور قدر معلوم ہوئے بغیر الزام متحقق نہیں ہوگا۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں قدر وہی وزن ہے، جامع الفصولین میں ہے:

فی الذہب والفضۃ المقدر ہوالوزن [4]۔	سونے اور چاندی کے دعوی میں ضروری بیان وزن کا ہے۔(ت)

تو بیان وزن ضروری ہے اور بغیر اس کے دعوی ہو یا شہادت صحیح نہیں، بحرالرائق میں ہے:

اشار باشتراط معلومیۃ الجنس و	جنس اور قدر کے معلوم ہونے کی شرط میں انہوں

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الدعوٰی الفصل الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۲۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الدعوٰی المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۴ /۲۹۱

[3] قرۃ عیون الاخیار کتاب الدعوٰی مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۱۶

[4] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۷۵

القدر الی انہ لابد من بیان الوزن فی الموزونات[1]۔	نے اشارہ کیا ہے کہ وزنی چیز میں وزن کا بیان ضروری ہے۔ (ت)

عبارت عالمگیری سے اس مقدمہ میں استناد صحیح نہیں **اولاً** غصب وعاریت میں فرق ظاہر ہے کہ غصب ان مستثنٰی اشیاء سے جن کے دعوی میں قدرے جہالت تحمل کی جاتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

یستثنی من فساد الدعوی بالمجھول دعوی الرھن والغصب لما فی الخانیۃ معزیا الی رھن الاصل اذا شھدوا انہ رھن عندہ ثوبا ولم یسمواالثوب ولم یعرفوا عینہ جازت شھادتھم والقول للمرتھن فی ای ثوب کان وکذلك فی الغصب اھ فالدعوی بالاولی اھ بحر[2]۔	مجہول چیز کے دعوی کے حکم سے رہن اور غصب کا دعوی مستثنٰی ہے کیونکہ خانیہ میں اصل (مبسوط) کے رہن کے حوالہ سے ہے کہ جب گواہوں نے شہادت میں کہا کہ اس شخص نے فلاں کے پاس کپڑا رہن رکھا ہے اور کپڑے کا نام ذکر نہ کیا اور نہ ہی گواہ کپڑے کو جانتے ہیں تو یہ شہادت جائز ہوگی اور کپڑے کے تعین میں مرتہن کا قول معتبر ہوگا کہ وہ کون سا کپڑا ہے اور غصب میں بھی حکم یہی ہے اھ (شہادت میں جہالت جب قابل اعتبار ہے) تو یہاں دعوی میں بطریق اولٰی جائز ہوگی اھ بحر (ت)

ولہٰذا اس میں ذکر قیمت کی بھی حاجت نہیں، خود اسی عبارت عالمگیری میں کلام منقول سوال کے متصل ہی تھا،

وان لم یبین القیمۃ اشار فی عامۃ الکتب انہا مسموعۃ کذا فی الظھیریۃ[3]۔	دعوی میں اگر قیمت کا بیان نہ ہو تو عام کتب میں دعوی کے مسموع ہونے کا اشارہ ہے، جیسا کہ ظہیریہ میں ہے (ت)

ثانیاً: روایت مذکورہ کہ بعض ائمہ اس صورت پر محمول کرتے ہیں کہ مدعا علیہ غصب کا مقر ہو اور عامہ مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ یہ تخصیص نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک وہ قبول دعوی وشہادت صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۹۵

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۲۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵

حق حبس مدعا علیہ میں ہے یعنی تاکہ حاکم اسے حبس کرے کہ شیئ مدعی حاضر لائے نہ کہ ابتداءً اسی قدر شہادت پر ڈگری دی جائے۔ جامع الفصولین میں ہے:

لوادعی عینا غائبا لایعرف مکانہ بان ادعی انہ غصب منہ ثوبا او قنا ولایدری قیامہ او ھلاکہ فلو بین الجنس والصفۃ والقیمۃ تقبل دعواہ، ولولم یبین قیمتہ اشار فی عامۃ الکتب الی انہا تقبل فانہ ذکر فی کتاب الرہن لو ادعی انہ رھن عندہ ثوبا وھو ینکر تسمع دعواہ، وذکر فی کتاب الغصب ادعی انہ غصب منہ امۃ و برھن یسمع وبعض مشایخنا قالوا انما تسمع دعواہ لو ذکر القیمۃ وھذا ھو تاویل ماذکر فی الکتاب و قال فقیہ الاعمش رحمہ اللہ تاویل ماذکر فی الکتاب ان الشھود شھد واعلی اقرار المدعی علیہ بالغصب فثبت غصب القن باقرارہ فی حق الحبس والحکم جمیعا، وعامۃ المشایخ علی ان ھذہ الدعوٰی والبینۃ تقبل ولکن فی حق الحبس واطلاق م رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتاب یدل علیہ ومعنی الحبس	کسی ایسی موجود غائب چیز کا دعوی کیا جس کے مقام کا علم نہیں جیسا کہ کسی دوسرے پر کپڑے یا غلام کو غصب کرنے کا دعوی کیا اور کہا معلوم نہیں کہ وہ مغصوب قائم ہے یا ہلاک ہوگیا ہے، تو ایسی صورت میں اگر مدعی نے اس چیز کی جنس، صفت اور قیمت کو بیان کیا تو دعوی مقبول ہوگا اور اگر قیمت کا ذکر نہ کیا تو عام کتب میں مقبول ہونے کا اشارہ ہے، کیونکہ انہوں نے کتاب الرہن میں ذکر کیا کہ ایک نے اگر کپڑے کے رہن کا دعوی کیا تو مدعی علیہ نے انکار کیا تو مدعی کا دعوی مسموع ہوگا، اور انہوں نے کتاب العصب میں یوں ذکر کیا ہے ایک شخص نے دعوی کیا کہ فلاں نے میری لونڈی غصب کی ہے اور گواہ پیش کردئے تو یہ دعوی مسموع ہوگا اور بعض مشائخ نے ذکر کیا کہ اگر قیمت ذکر کی تو دعوی مسموع ہوگا یہ کتاب میں مذکور کی تاویل ہے اور فقیہ ابواعمش رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ کتاب العضب میں مذکور کی تاویل یہ ہے کہ گواہوں نے مدعٰی علیہ کے غصب کے اقرار پر شہادت دی ہو تو اقرار کی بناپر غلام کا غصب قید اور حکم دونوں میں ثابت ہوگا جبکہ عام مشائخ نے یوں ذکر کیا کہ یہ دعوی اور گواہی قبول ہوگی لیکن صرف حبس میں، جبکہ کتاب میں مصنف رحمہ اللہ تعالٰی کا مطلق بیان اس کی تائید پر دلالت کرتا ہے اور حبس کا معنٰی یہ ہے کہ مدعٰی علیہ

ان یحبسه حتی یحضره لیعید البینة علی عینه فلو قال لا اقدر علیه حبس قدر مالو قدر احضره ثم یقضی علیه بقیمته[1]۔	کو قید میں اس وقت تک رکھا جائے جب تک وہ غلام کو حاضر نہ کردے تاکہ حاضر ہوجانے پر گواہوں سے دوبارہ غلام کی تعیین پر شہادت لی جائے اگر اس دوران قیدی کہے کہ میں اس کو حاضر کرنے پر قادر نہیں ہوں تو اس وقت تک قید رکھا جائے کہ اگر قدرت ہوتی تو وہ ضرور حاضر کردیتا اس اندازے کے بعد تیسرے مرحلہ پر قاضی اس پر قیمت کا حکم دے گا(ت)

ثالثاً اگر ان سب سے قطع نظر ہو تو اس عبارت میں صورت ثوب وکنیز فرض کی ہے اور وہ موزونات سے نہیں ان میں جنس و صفت و قیمت ہی تعیین کرنے والے تھے اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ زیور میں بھی ذکر وزن ضروری نہ ہو حالانکہ وہ موزون ہے اور کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بیان قدر وکیل ووزن ضروری ہے کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ت) آخر نہ دیکھا کہ اگر دعوٰی ایسے ریشمیں کپڑے کا ہو جو وزن سے بکتا ہے بیان وزن لازم ہے، اسی عالمگیریہ میں ہے:

اذا ادعی دیباجا فان کان عینا یشترط الاشارة الیه وعند ذٰلك لاحاجة الی بیان الوزن وسائر اوصافه وان کان دینا ففیه اختلاف المشایخ هل یشترط ذکر الوزن فعامتهم یشترط وهو الصحیح ذخیره[2] اھ مختصرا۔	اگر دیباج کپڑے کا دعوٰی ہو تو اگر سامنے حاضر ہو تو اس کی طرف اشارہ کرنا دعوٰی میں شرط ہے اس صورت میں وزن اور دیگر اوصاف کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر وہ دیباج حاضر نہیں تو اس صورت میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ کیا وزن کا بیان ضروری ہے جبکہ تمام فقہاء نے اس کو شرط قرار دیا ہے اور یہی صحیح ہے، ذخیرہ، مختصراً۔(ت)

اسی میں ہے:

اذا ادعی جوہرا لابد من ذکر الوزن اذا کان غائبا وکان المدعی علیه منکرا کون ذلك فی یده کذا فی السراجیة[3]۔	جب جواہر کا دعوٰی ہو تو وزن کا ذکر ضروری ہے جب وہ جواہر غائب ہو اور مدعی علیہ اپنے قبضہ ہونے کا انکار کرتا ہو، سراجیہ میں یوں ہے۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۷

جامع الفصولین میں ہے:

فی دعوی الدیباج ھل یشترط ذکر الوزن الصحیح انہ یشترط وذکر فی "جف" انہ فی دعوی الدیباج والجوہر یشترط ذکر الوزن[1]۔	دیباج کے دعوی میں کیا وزن کا ذکر شرط ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ شرط ہے جامع الفتاوٰی میں ذکر کیا کہ دعوی دیباج اور جوہر میں وزن کا ذکر شرط ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ دعوی استرداد عاریت کا ہوا گر دعوی استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریۃً دیا تھا اس نے تلف کردیا تو اب یہ بعینہٖ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے کہ اوپر مذکور ہوا،

وذٰلك لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ امانتیں دخل اندازی کی بناء پر مضمون ہوجاتی ہیں اور امانت رکھنے والا غاصب قرار دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۹۳: از ریاست رامپور مرسلہ سید مسعود شاہ صاحب تحویلدار باورچی خانہ انگریزی ریاست رامپور ۶/ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی زید نے ایک منزل مکان منہدمہ (یعنی ہر چہار جانب دیوار ہائے شکستہ بقدر ساڑھے تین درعہ بلند موجود تھیں) چار سو پچیس درعہ اراضی مسمّٰی بکر سے خرید کرکے مکان پختہ تعمیر کیا اور پس پشت مکان نو تعمیر کے ۱۲ گرہ عریض اور سراسر طویل اراضی برائے آبچک چھوڑی۔ مسمّٰی عمرو نے جس کا مکان پس پشت پر سے جزو اراضی آبچک میں مداخلت ناجائز کیا اس کے تخلیہ کا زید نے عمرو پر دعوی کیا عمرو نے یہ جوابدہی کی اراضی مدعا بہ ملکیت مدعی نہیں بلکہ میری مملوکہ ہے اور دستاویز پر میری گواہی نہیں ہے مگر عمرو نے کوئی ثبوت اپنی ملکیت کا اور باطل ہونے دستاویز بیعنامہ کا پیش نہیں کیا عدالت نے جو پیمائش اراضی کی کرائی تو بموجب تعداد مندرجہ بیعنامہ کے اراضی مدعیہ آبچک مکان مدعی پائی گئی مگر عدالت نے دعوی مدعی کو اس بناء پر نامنظور فرمایا کہ اس مقدمہ میں شہادت بالبینہ یا اقبال یا نکول نہیں ہے جس پر مدار فیصلہ ہونا چاہئے زید نے شہادت دستاویز بیعنامہ کو کافی تصور کرکے شہادت بالبینہ پیش نہیں کیا ورنہ وہ بہت سی شہادتیں بالبینہ پیش کرسکتا تھا اور اب بھی پیش کرسکتا ہے اس صورت میں عدالت کو دعوی نامسموع فرمانا چاہئے تھا

[1] جامع الفصولین الفصل السادس اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۹

یا زید کو ہدایت واسطے پیش کرنے شہادت بالبینہ کے فرمانی لازم تھی؟ اور اب عدالت مرافعہ میں شہادت بالبینہ مدعی کہ جس کو اس نے عدالت ابتدائی میں پیش نہیں کیا ہے پیش کر سکتا ہے یا نہیں؟ جو واسطے حق رسی وانصاف کے ضروری ہے نقل فیصلہ ہمراہ اس استفتا کے پیش کی جاتی ہے۔

الجواب:

تجویز ملاحظہ ہوئی، ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ "ثبوت دعوی کا بینہ سے ہوتا ہے یا اقرار مدعا علیہ سے یا نکول عن الحلف سے یہاں ان تین وجوہ شرعیہ سے کوئی نہیں۔" بہت صحیح ہے مگر ساتھ ہی یہ لحاظ بھی ضرور تھا کہ جس طرح ثبوت دعوی بغیر ان تین کے نہیں ہو سکتا یوں ہی قضائے قاضی بھی بغیر ان تین اور چوتھی یمین کے ناممکن ہے ان تین سے کوئی ہو تو مدعی کو ڈگری دے اور ان کے بدلے مدعا علیہ کی یمین ہو تو ڈسمس (Dismiss) کرے اور چاروں نہ ہوں تو حاکم ڈگری، ڈسمس کچھ نہیں کر سکتا اصلاً فیصلہ نہیں دے سکتا اور دے گا تو وہ فیصلہ بھی باطل و نامسموع ہوگا کہ حکم کے چھ ارکان ہیں ان میں سے جو رکن مفقود ہو حکم باطل و مردود ہے ان چھ میں ایک طریق حکم ہے اور وہ حقوق العباد میں انہیں چار اشیاء میں منحصر، تو جہاں ان میں سے کچھ نہ ہو طریق مسدود اور فیصلہ غلط و مردود۔ درمختار میں ہے:

ارکانه ستة علی نظمه ابن الغرس بقوله۔ اطراف کل قضية حکمية ست يلوح بعدها التحقيق حکم ومحکوم به وله ومحکوم عليه وحاکم وطريق[1]	قاضی کے فیصلہ کے چھ رکن ہیں جن کو ابن الغرس نے اپنی نظم میں یوں بیان کیا۔ ہر فیصلہ کے معاملہ میں چھ پہلو ہیں جن کے بعد تحقیق واضح ہوگی حکم، محکوم بہ، محکوم لہ، محکوم علیہ، حاکم اور وجہ حکم

ردالمحتار میں ہے:

ای لاتکون محلا لثبوت حق المدعی فیها وعدمه الا بالاستجماع هذه الشروط الستة، والطریق فیما یرجع الی حقوق العباد المحضة عبارة عن الدعوی والحجة وهی اما البینة اوالاقرار اوالیمین اوالنکول عنه[2] اهملتقطا۔	یعنی کسی محل میں مدعی کے حق یا عدم حق کا ثبوت ان چھ شرطوں کے پائے جانے کے بغیر نہیں ہو سکتا اور خالص حقوق العباد میں فیصلے کا طریقہ، دعوی اور حجت یعنی گواہی یا اقرار یا قسم یا انکار قسم ہے، اھ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸-۲۹۷

فتاوٰی قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر فتاوٰی خیریہ میں ہے:

انما ینفذ القضاء عند شرائطه من الخصومة وغیرها فاذا لم توجد لم ینفذ[1]۔	کسی مقدمہ وغیرہ میں فیصلہ اپنی شرائط پائے جانے پر نافذ ہوگا، جب تمام شرائط نہ پائے جائیں تو نافذ نہ ہوگا(ت)

نیز فتاوٰی علامہ خیر الدین رملی میں ہے:

صرح فی البحر فی مواضع متعددة انه لایعمل بالتنافیذ الواقعة فی زماننا لعدم استیفائها الشرائط الحکمیة التی نص علیها ابن الغرس فی الفواکه البدریة بقوله حکم ومحکوم به وله ومحکوم علیه وحاکم وطریق[2]	بحر میں متعدد مواضع پر تصریح ہے کہ ہمارے زمانہ میں نافذ اکثر فیصلے قابل عمل نہیں کیونکہ ان میں فیصلہ کی تمام شرطیں جمع نہیں جن کو ابن الغرس نے فواکہ البدریہ میں یوں بیان کیا ہے: حکم، محکوم بہ، لہ و محکوم علیہ و حاکم و طریق۔

یہاں تین چیزوں یعنی بینہ، اقرار، نکول کا نہ ہونا خود مجوز کو تسلیم اور چوتھی یعنی یمین کا نہ ہونا بھی واضح۔ نہ مدعی نے طلب حلف کیا نہ حاکم نے مدعا علیہ سے حلف مانگا نہ مدعا علیہ نے حلف کیا تو بغیر اصلا کسی طریق شرعی کے مجوز کو فیصلہ کردینے کا کیا اختیار تھا ایسا ہی اختیار فرض کیا جائے تو دعوٰی پیش ہوتے ہی تحریر فرمادینا تھا کہ حکم ہوا کہ دعوٰی مدعی نامسموع ہو آخر اس پر یہی تو الزام ہوتا کہ بلاوجہ شرعی دعوٰی نامسموع کیا وہ الزام اب بھی حاصل ہے تو زمین پیمائش کرانے اور مدعا علیہ کے دس گواہ سننے سے سوا تطویل لاطائل کے کچھ مفاد نہ ہوا جب شرعًا بیعنامہ میں گزوں کی تعداد لکھی کوئی حجت شرعیہ نہ تھی اور فی الواقع وہ اصلًا حجت نہیں تو پیمائش کرانی محض فضول ہوئی، شرع مطہر نے گواہ مدعی پر رکھے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر تو مدعا علیہ یعنی منکر سے ثبوت انکار پر گواہ لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حدیث میں ارشاد ہوا:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر[3]۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر کے ذمہ ہے(ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب ادب القاضی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۲۴۔ ۲۳

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱ /۳۴۲ وجامع الترمذی ابواب الاحکام ۱ /۱۶۰ وسنن الدارقطنی نشر السنۃ ملتان ۴ /۲۱۸، نصب الرایہ کتاب الدعوٰی باب الیمین المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴ /۹۵

ہدایہ و بحر الرائق میں ہے:

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم البینة علی المدعی والیمین علی من انکر قسم و القسمة تنافی الشرکة[1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق، گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم انکار کرنے والے کے ذمہ، یہ تقسیم ہے اور تقسیم اشتراک کے منافی ہے۔ (ت)

پھر تجویز میں فرمانا کہ "ان کے اظہارات کے ملاحظہ سے ثابت ہے کہ دروازہ مدعا علیہ بدستور جائے قدیم پر ہے اور مدعی نے جو دیوار خود تعمیر کی ہے بجائے بنیاد قدیمی تعمیر کی ہے" صراحۃً شہادت علی النفی کا قبول کرنا ہے، دروازہ مدعا علیہ جائے قدیم پر ہونے کا اسی قدر حاصل کہ مدعا علیہ نے ملک مدعی میں کوئی تصرف نہ کیا، یونہی دیوار مدعی بجائے بنیاد قدیم تعمیر ہونے کا اسی قدر محصل کہ مدعی نے کوئی آنچ نہ چھوڑی جس میں مدعا علیہ تصرف کرتا، تو یہ صاف صاف نفی پر شہادتیں تھیں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ لفظ کا۔ ہدایہ وکافی و بحر وغیرہا میں ہے:

الاعتبار للمعانی دون الصور فان المودع اذاقال رددت الودیعة فالقول قوله مع الیمین وان کان مدعیا للرد صورة لانه ینکر الضمان[2]۔	معانی کا اعتبار ہے صورتوں کا نہیں، کیونکہ جب امانت رکھنے والا کہے کہ میں نے امانت واپس کردی ہے تو اس کی بات قسم کے ساتھ مان لی جائے گی اگرچہ صورتًا وہ واپس کرنے کا دعوی کررہا ہے، وجہ یہ ہے کہ واپسی کا دعوی کرکے اپنے ذمہ سے ضمان کا انکار کررہا ہے۔ (ت)

بلکہ یہاں معنیً وصورۃً ہر طرح نفی ہے کہ قدم خود مفہوم سلبی ہے یعنی حادث وجدید نہ ہونا۔ **بالجملہ** جس قدر کارروائی اس مقدمہ میں واقع ہوئی سب محض بیکار و بے اثر و بیگانہ و بے ثمر ہوئی۔ میں نہیں کہتا کہ غلط فیصلہ ہوا، یہ تو جب کہا جائے کہ فیصلہ ہوا ہو اور اس میں خطا ہو۔ یہاں تو سرے سے فیصلہ ہوا ہی نہیں، یہ تجویز جس کا نام عوام میں فیصلہ رکھا جائے ہرگز فیصلہ ہی نہیں، ایک کاغذ سادہ ہے کہ فیصلہ کے چھ رکن شرع مطہر نے مقرر فرمائے اور یہاں رکن ششم معدوم ہے اور بغیر رکن کے وجود شیئ محال جس کی تصریحیں ابھی کتب معتمدہ سے گزریں تو مقدمہ ہنوز روز اول پر ہے مدعی بلاشبہہ

---

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۴

[2] بحر الرائق بحوالہ الھدایہ کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۹۳

گواہ دے سکتا ہے اور ان کا سننا حاکم پر فرض ہے اگر وہ نہ سنے تو دوسرے محکمہ میں اس کے گواہ سنے جائیں۔ معین الحکام میں ہے:

المواضع التی تصرفات الحکام فیھا لیست بحکم ولغیر ھم من الحکام تغییرھا والنظر فیھا علی انواع کثیرۃ وانا اذکر عشرین نوعا[1] (الی ان قال) النوع التاسع التصرف فی انواع الحجاج بان یقول لااسمع البینۃ لانك حلفت قبلھا مع علمك بھا وقدرتك علی احجارھا فلغیرہ من الحکام ان یفعل ماترکہ[2]۔	وہ مقامات جہاں حکام کے تصرفات، حکم وفیصلہ نہیں بنتے اور دوسرے حکام کو ان میں تبدیل اور غور کا اختیار ہے، یہ کثیر اقسام ہیں اور میں بیس اقسام ذکر کررہاہوں، اور آگے فرمایا، نویں قسم، بحث کی انواع میں تصرف ہے، یوں کہ قاضی کہے کہ میں تیرے گواہوں کی شہادت نہ سنوں گا کیونکہ قبل ازیں تو گواہوں کے جاننے اور ان کو پیش کرنے پر قدرت کے باوجود قسم دے چکا ہے، تو اس حکم کو تبدیل کرنے کا دوسرے حکام کو اختیار ہے۔ (ت)

حاکم اپیل کو اختیار ہے کہ خود گواہ سنے اور مقدمہ حسب شرع ترتیب دے یا محکمہ ابتدائی کو واپس بھیجے کہ بعد تکمیل شرعی واسماع گواہان مدعی وہاں فیصل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴: از ریاست بہاولپور پنجاب تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سراج الدین مرسلہ پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمر الدین صاحب ذات چشتی ۱۳/ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدر الدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے دو نابالغ بیٹے اللہ بخش والٰہی بخش موجود تھے اور تیسرا جوان بیٹا اللہ دتا تھا صدر الدین نے وقت نکاح مذکور سے رنگ بھری کو مثل ازواج کے پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشہ حرام میں تھی، یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں ایک کی شادی بھی پیر موصوف نے کردی رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشہ حرام میں ہے صدر الدین مرحوم کے دو بیٹے زوجہ خاندانی مسماۃ نور سائن

---

[1] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۳۸

[2] معین الحکام الرکن السادس مصطفی البابی مصر ص ۴۰

سے تھے بدرالدین وسراج الدین پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاکپٹن شریف علاقہ انگریزی میں حسب تفصیل ذیل تھی:

علاقہ ریاست: واڑہ پیران کل، چک قمرالدین نمبر ۳۴۴ حصہ سوم، بلاڑہ پیر نبی بخش حصہ سوم، بلاڑہ صدرالدین کل۔

علاقہ انگریزی: واڑہ پیران کلاں، بلاڑہ پیران حصہ سوم، شیخوپورہ ملکیت ایک چاہ۔

صدرالدین نے ۱۳/شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱/مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اللہ بخش والٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دے کر ضلع منٹگمری میں بعض جائداد واقع علاقہ انگیزی کا داخل خارج چاہا، جون ۱۸۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وفریق دوم کے بیانات ہوئے جن میں بدرالدین نے ان کے پسران صدرالدین ہونے سے انکار اور انہوں نے اس کا اظہار کیا شیخ لطافت علی نائب تحصیلدار نے ۲۷ستمبر ۱۸۹۲ء کو ایک نقل رواج عام اقوام چشتی کے بناء پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدرالدین قرار دے کر اندراج نام کا حکم دیا بدرالدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدرالدین نے کسی دباؤ یا مصلحت سے راضی نامہ کرلیا جس میں کل جائداہر دو علاقہ کا ذکر ہے مگر جب مجوز نے بدرالدین کا بیان لیا تو اس نے صرف جائداد علاقہ انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا بیان کیا اور فریق دوم نے بھی اس کا یہ بیان سن کر تسلیم کیا اس بناء پر ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء کو وہ مقدمہ وہاں فیصل ہوگیا جائداد واقع علاقہ انگریزی کے ۲/ ۵ نام اللہ بخش والٰہی بخش اور ۵/۳ میں نام سراج الدین وبدرالدین مندرج ہوا، سراج الدین اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا، نہ وہ وہاں موجود تھا مگر بدرالدین نے اس اظہار سے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے میرا اس کا نفع نقصان مشترک ہے اس کی طرف سے راضی نامہ کرلیا، اس صلح نامہ کی بناء پر فریق ثانی نے یکم جون ۱۸۹۳ء کو جائداد واقع ریاست کے داخل خارج کی بھی درخواست تحصیل منچن آباد میں دی جس کی کارروائی ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوگی جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بدرالدین وسراج الدین نے ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء کو دعوی اللہ بخش والٰہی بخش تسلیم کیا اور ۳/ اکتوبر ۱۸۹۳ء کو کاردار نے حکم دیا کہ محکمہ بندوبست میں درخواست دے کر اندراج نام کرالیں لیکن انہوں نے کوئی درخواست نہ دی نہ اندراج نام ہوا اس وقت کا بندوبست جاری تھا بلکہ دسمبر ۱۸۹۲ء میں ختم ہوچکا تھا بجائے اس کے ۲۹/دسمبر ۱۸۹۸ء کو فریق ثانی نے پھر اسی تحصیل منچن آباد میں درخواست اندراج نام دی جو ۲۳/مارچ ۱۸۹۹ء کو بوجہ عدم پیروی خارج ہوئی جب ۱۹۰۶ء میں بندوبست جدید ہوا مدعیوں نے یہاں چارہ جوئی کی ۲۵/جون ۱۹۰۶ء کو داخل خارج منظور ہوکر ۶جنوری ۱۹۰۷ کو محکمہ مشیرت مال سے منسوخ ہوگیا ناچار ۲۷/مئی ۱۹۰۷ء کو مدعیان نے نظامت بہاولپور میں نالش دخلیابی

دائر کی جو شیخ حسین بخش صاحب ناظم کے یہاں سے ۳۱/مارچ ۱۹۰۸ء کو ڈسمس ہوئی مدعیان نے افسر مال کے یہاں اپیل کی ۱۹/ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو یہاں سے بربنائے فتوائے ثالثان کامیابی پائی جس کی حالت یہ ہے کہ بحکم مولوی عبدالمالک صاحب افسر مال فریقین نے ثالثی کی طرف رجوع کی، چار ذی علم ثالث قرار پائے مولوی عطا محمد صاحب مدرس پھوگا نوالہ، مولوی عبدالرحیم صاحب اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف مولوی اللہ بخش چک نادر شاہی، مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب۔ اور شرط تحریر ہوئی کہ اگر روداد مسل سے مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین ہونا شرعًا ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں نے اثبات کیا، افسر مال نے کثرت رائے پر فیصلہ دیا مدعا علیہم نے اخبئی میں نگرانی کی جس پر مولوی رحیم بخش صاحب رزیڈنٹ جوڈیشنل ممبر نے تحریر فرمایا کہ (جو عذرات واقعات پر ہیں ہم ان کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ڈگری بربنائے فیصلہ ثالثی ہوئی ہے) لہذا ہر دو فتوائے ثالثان وفیصلہ نظامت وفیصلہ افسر مال واظہارات گواہان فریقین وجملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصًا لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ تین ثالث صاحبوں کا پہلا فتوٰی اور ثالث چہارم کا فتوائے دوم ان میں کون سا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان کو ثابت النسب مانا ہے وہ شرعًا صحیح ہیں یا غلط، نیز ازروئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں، اور بالجملہ روداد مسل موجود سے بحکم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہئے یا ڈسمس، کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کے لئے واقع استثناء کا خلاصہ یہاں گزارش:

(۱) علاقہ آنروئے آب میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وغیرہا کا بیان رپورٹ حکم، آج زبانی بدرالدین پسر متوفی کے معلوم ہوا کہ مسمّٰی صدرالدین والد مظہر فوت ہوگیا، مظہر وسراج الدین ہر دو پسر وارث وقابض ہیں نیز ظاہر کیا حسب تفصیل ذیل والد مظہر رنگ بھری کنجنی کو لے کر اس جگہ واڑہ پیران سے چلا گیا اور دیہات پار علاقہ ریاست بہاولپور میں بہت عرصہ تک رہا کیونکہ اس وقت چچا ہمارا محمد بخش برادر خورد والد مظہر زندہ تھا اس کے خوف سے اپنے دیہہ میں نہ آیا ان دنوں میں یہ دو تولد ہیں، جب چچا ہمارا مر گیا تب نکاح اس کے ساتھ کیا اور اس جگہ آکر آباد ہوا یہ ہر دو بچھلگ والد مظہر کے ہیں اللہ بخش و الٰہی بخش نے ظاہر کیا کہ

والد ہمارے نے ہم کو بطور دوسرے فرزندان کے پرورش کی ہے کچھ فرق نہیں کیا، چاہتے ہیں کہ ہم چاروں کا نام بحصہ برابر درج کیا جائے لہٰذا کھاتہ ہذا بمراد حکم مناسب پیش کرتا ہوں، ۹/جون ۱۸۹۲ء عنایت اللہ پٹواری۔

(۲) رواج عام اقوام چشتی پرگنہ پاک پٹن ضلع منٹگمری کتاب جلد ۲، ۱۸۷۲ء موجودہ دفتر فارسی محافظ خانہ مندرجہ ص ۸۸ لغایت ۹۰، ہمراہ عورت کمین مثل کنجری و موچیانی و ترکھانی و مچھانی کے نکاح بموجب شرع شریف کے جائز ہے اگر کوئی صاحب جائداد ہمراہ ایسی عورت کے نکاح کرلے تو اولاد اس کی مثل عورت ہم کف کے مالک ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت بدون نکاح رہے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو ایسی اولاد حرام کی ہوتی ہے ان کو وراثت سے کچھ حصہ نہیں ملتا (نظائر) موضع واڑہ پیران مسمّٰی صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی۔

(۳) راضی نامہ مدخلہ کچہری اکسٹرا اسٹنٹ کمشنر ضلع منٹگمری مابانکہ بدرالدین و سراج الدین و اللہ بخش و الٰہی بخش پسران پیر صدر الدین ہیں حسب ذیل مواضعات واقع علاقہ انگریزی و واقع ریاست بہاولپور خاص ملکیت پیر صدر الدین صاحب والد مظہران کی ہے ہم فریقین کل جائداد زرعی پر وقت وفات والد صاحب سے قابض ہیں اس لئے ہم فریقین نے برضامندی خود آپس میں اس طرح تصفیہ کیا ہے کہ کل جائداد مندرجہ بالا علاقہ انگریزی و ریاست کے پانچ حصے کئے، تین حصے بدرالدین و سراج الدین کو دیں گے اور دو حصے کل جائداد زرعی سے اللہ بخش والٰہی بخش کو دیں گے۔ جس قدر زیادہ نصف سے بدرالدین و سراج الدین کو دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بسبب سرداری کے بڑے ہیں، سراج الدین اس وقت موجود نہیں اس کی طرف سے مجھ بدرالدین ذمہ دار ہے کہ وہ اور میں بدرالدین حقیقی بھائی ہیں ۲۵ فروری ۱۸۹۲ء

(۴) بیان بدرالدین و تصدیق مدعیان نسبت راضی نامہ مذکورہ، استفسار بدرالدین ولد صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۱۸۹۳ء صدر الدین متوفی ہمارے والد کی جائداد زرعی علاقہ تحصیل پاکپٹن میں حسب ذیل ہے، واڑہ پیران کلاں سالم بلاڑہ پیران سوم حصہ شیخوپور میں ایک چاہ کی اراضی، والد مرگیا جب سے میرا اور سراج الدین میرے اور برادر حقیقی اللہ بخش والٰہی بخش برادران سوتیلی والدہ ہماری کا قبضہ جائداد پر علی الحساب بہ سبب تنازع رہا ہے اب برضامندی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پانچ حصے کرکے تین پانچویں مجھے اور سراج الدین کو ملے اور دو پانچویں اللہ بخش والٰہی بخش کو، جو زیادہ حصہ نصف سے مجھے اور سراج الدین کو دیا ہے وہ بوجہ اس کے ہے کہ میں اور سراج الدین بڑے بھائی ہیں، سراج الدین پار ریاست میں ہے اور میرا اور اس کا نفع نقصان مشترکہ ہے لہٰذا میں اس کی جانب سے

ذمہ دار ہوں۔ بدر الدین بقلم خود۔ دستخط عزیز الدین اسٹنٹ کلکٹر درجہ اول۔ استفتاء اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین باقرار صالح ۲۵/ فروری ۹۳ء۔ بدر الدین برادر کلاں اپنے کا بیان ہم نے سنا یہ صحیح اور منظور ہے۔ اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود۔

(۵) شجرہ نسب و حقوق مالکان موضع واڑہ پیران کلاں تحصیل پاکپٹن ضلع منٹگمری مرتبہ ۱۸۹۴ء شیخ قریشی المعروف چشتی

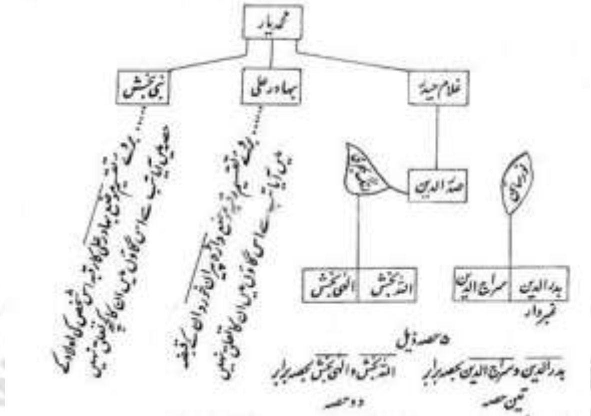

بموجب حکم ۲۵/فروری ۱۸۹۳ء حصص ملکیت برخلاف حصہ جدی کے رسمی قرار پائے۔

(۶) درخواست ابتدائی مشمولہ مسل نمبری ۲۳ موضع بلاڑہ صدر الدین تحصیل منچین آباد بابت داخل خارج مظہران برادر حقیقی وسراج الدین وبدر الدین برادران سوتیلے ہمارے کا راضی نامہ ہوا۔ نقل فیصلہ پیش کرکے ملتمس کہ موضع مذکور کا ۲/ ۵ حصہ ہمارے نام داخل خارج فرمایا جائے۔ یکم جون ۱۸۹۳ء العبد اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین، اللہ بخش بقلم خود۔ بیان سائل لیا جائے بمراد تکمیل مسل حوالہ قانون گو ہو۔ یکم جون ۱۸۹۳ء ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

(۷) بیان اللہ بخش مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ نام اپنا اللہ بخش باپ کا نام صدر الدین عمر تخمیناً (؛؛) سال حاضر آکر لکھوایا کہ مظہر اور الٰہی بخش برادر مظہر وبدر الدین وسراج الدین پسران شیخ صدر الدین ہر چہار وارث بحصہ برابر ہیں بدر الدین و سراج الدین نے ملکیت موضع بلاڑہ صدر الدین میں ہمارا نام درج نہیں کرایا اس باعث تکرار تھا برادری میں تصفیہ ہمارا ہوچکا ہے بموجب راضی نامہ ۲/ ۵ حصہ بنام مظہر والٰہی بخش داخل خارج فرمایا جائے، اللہ بخش بقلم خود۔ بعد تصدیق حکم ہوا کہ باجرائے پروانہ بدر الدین و سراج الدین والٰہی بخش بنابر قلمبندی بیان طلب کیا جائے۔ یکم جون ۱۸۹۳ء، آج مسل پیش ہوئی حکم ہوا کہ فریقین مقدمہ طلب ہو کر بیان ان کا قلمبند کیا جائے، ۱۳/جون ۹۳ سنہ مسل پیش ہوئی آج تک نہ فریقین مقدمہ حاضر ہوتے ہیں نہ رپورٹ پیشکار شامل مسل ہوئی لہٰذا حکم ہوا کہ مقرر پیشکار کو لکھا جائے کہ جلد مطلوبگان کو بھجوادیں، ۲۹/اگست ۱۸۹۳ء۔

(۸) پروانہ بنام پیشکار صادق پور مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ اندریں مقدمہ ۱۳جون کو طلبی فریقین بمراد قلمبندی بیانات کی گئی تھی، آج تک ان کی جانب سے نہ رپورٹ شامل مسل ہوئی نہ فریقین حاضر آئے ہیں لہٰذا مکرر قلمی ہے کہ آپ فی الفور فریقین کو بھجوادیں، ۲۹اگست ۱۸۹۳ء فریقین کو باخذ مچلکہ روانہ کارداری میں کیا جائے ۶/ ستمبر ۱۸۹۳ء حکم سے اطلاع پائی سراج الدین بیمار ہے بروقت صحتیابی اس کے حاضر ہوجائیں گے ۷ ستمبر ۱۸۹۳ء العبد بدر الدین العبد اللہ بخش، جناب عالی مطلوبگان کو ہدایت احضار کی گئی اور العبد کرائے گئے ہیں سراج الدین سخت بیمار ہے بعد شفا حاضر ہوگا ۸/ ستمبر ۱۸۹۳ء

(۹) بیان بدر الدین وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۲۳ واقع ۲۲/اگست ۱۸۹۳ء، سوال اللہ بخش والٰہی بخش پسران صدر الدین نے لکھوایا ہے کہ تم نے کل ملکیت صدر الدین کی محکمہ بندوبست میں اپنے نام درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمیر سے فیصلہ ہوچکا درج کاغذات موضع بلاڑہ صدر الدین کرالی ہے حالانکہ مظہران بھی وارث ہیں منٹگمری سے فیصلہ ہوچکا ہے کہ ۲/ ۵ حصہ ما مظہران اور ۳/۵ حصہ تمہارا اقرار پایا ہے نام مظہران درج کاغذات فرمایا جائے تم کو اس ایزادی میں کیا عذر ہے؟

(جواب) مظہران کو کسی طرح کا عذر اس ایزادی میں نہیں ۲/ ۵ حصہ میں نام اللہ بخش والٰہی بخش کا ایزاد فرمایا جائے، العبد بدر الدین بقلم خود، العبد سراج الدین چونکہ اس ایزادی میں فریقین کو کچھ عذر نہیں لیکن یہ مسل بصیغہ وراثت دائر ہے وراثت کا فیصلہ محکمہ بندوبست میں ہوچکا ہے فریقین کو ہدایت ہو کہ درخواست ایزدی نام گذران کر حسب ضابطہ ایزادی کرادیں مسل پیشی سے خارج ہو کر داخل دفتر ہو۔ مورخہ ۲۳/اکتوبر ۱۸۹۳ء۔ چونکہ یہ مسل ماہ اکتوبر میں داخل دفتر نہ ہوئی

اب داخل دفتر ہو ۲۳/نومبر ۱۸۹۳ء

(۱۰) سند مولوی نور الدین توگیروی نکاح خواں شیخ صدر الدین و رنگ بھری پیش کردہ مدعا علیہم برحکام واضح باد کہ بتاریخ ۱۲۸۶ ہجری مقدس ایں خادم الشرع عقد نکاح پیر صدر الدین چشتی ولد پیر غلام حیدر چشتی در موضع کلاچی روبروئے گواہان قمر الدین نمبر دار کلاچی واکبر علی ساکن کلاچی و مولوی غلام قادر ساکن جمن شاہ بارنگ بھری کنجری ولد نامعلوم بستہ اللہ بخش والٰہی بخش قبل ازیں نکاح پیدا بودند، تحریر ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ العبد نور الدین توگیروی گواہ شد غلام قادر ساکن جمن شاہ

(۱۱) سند مولوی مذکور پیش کردہ مدعیان، برعلماء وحکام واضح باد کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی رابطور نصیحت چند سال قبل از نکاح مشہورہ گفتہ کہ بارنگ بھری نکاح کردہ یا نے، صدر الدین گفت من خفیہ از برادری روبروئے دو کس گواہان مسماۃ مذکورہ نکاح کردہ بودم گفتم آریں شمار اکہ ایں کار بہتر کردہ۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم الشرع نور الدین توگیروی۔ حشمت علی اقرار المقر۔	مدعی حضرت کی پیش کردہ سند از مولوی مذکور علماء وحکام پر واضح ہو کہ صدر الدین ولد پیر غلام حیدر چشتی کو نکاح مذکورہ سے قبل چند سال بطور نصیحت کہا تھا کہ تم نے رنگ بھری سے نکاح کیا ہے یا نہیں کیا، صدر الدین نے جواب میں کہا میں نے برادری سے خفیہ دو گواہوں کی موجودگی میں مسماۃ مذکورہ سے نکاح کیا ہے تو میں نے کہا کہ تمہیں آفرین ہے کہ تم نے یہ کام بہت اچھا کیا۔ تحریر ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ خادم شرع نور الدین توگیروی وحشمت علی۔

(۱۲) بیان مولوی غلام قادر مسل نمبری افیصلہ ۶/ جولائی ۱۹۰۶ء تحصیل منچن آباد غلطی بندوبست باقرار صالح نام اپنا غلام قادر ولد مولوی جان محمد عمر (صہ) ال سکنہ جمن شاہ تحصیل پاکپتن، عرصہ تخمیناً اڑ تیس سال کا گزرا ہوگا کہ پیر صدر الدین کا نکاح اللہ بخش والٰہی بخش کی والدہ رنگ بھری سے مولوی نور الدین صاحب نے روبروئے مظہر، قمر دین، اکبر علی شاہ پڑھا تھا اس وقت اللہ بخش سات آٹھ سال کا تھا قرآن شریف مولوی صاحب مذکور سے پڑھا کرتا تھا الٰہی بخش تخمیناً چار سال کا تھا۔ یہ ہر دو شخص اللہ بخش الٰہی بخش اس نکاح سے پہلے موجود تھے جب بدر الدین و قاسم علی کو اس شہادت کی ضرورت پیش آئی کہ یہ دونوں لڑکے قبل از نکاح موجود تھے اور مولوی صاحب مذکور سے انہوں نے تحریر حاصل کی تو شہادت کے دستخط میں نے کردیئے میرے دستخط اس کاغذ پر موجود ہیں مظہر کو بھی حال معلوم ہے العبد مولوی غلام قادر۔

(۱۳) دربارہ درخواست ابتدائی مدعیان در تحصیل منچن آباد مشمول مسل نمبری ۴ گزارش ہے کہ ۱۵/ شوال ۱۸۹۲ء میں پیر صدر الدین پدر فریقین کا انتقال ہوگیا ہم چہار برادران کا بابت تقسیم ترکہ پدر تنازع ہو کر نالش کی نوبت پہنچی جو بتاریخ ۳/فروری ۱۸۹۳ء فیصلہ اکسٹرا اسسٹنٹ ضلع منٹگمری داخل خارج حسب ذیل املاک آنروئے آب وریاست بہاولپور بدر الدین و سراج الدین اللہ بخش والٰہی بخش ہو کر عملدرآمد ہوا ان املاک ریاست ہذا میں قبضہ ادائے مالگزاری (۲/ ۵) وکاشت پر داشت ۲/ ۵ حصہ موقع پر موجود ہے لہٰذا عارض کو ۲/ ۵ بلاڑہ بدر الدین بنام مظہران داخل خارج فرمایا جائے ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء اللہ بخش والٰہی بخش بقلم خود، بمراد تکمیل حوالہ قانون گوہوا ور بذریعہ پروانہ اسامیاں طلب کی جائیں، ۲۹ دسمبر ۱۸۹۸ء۔

(۱۴) حکم ظہری پرچہ کھتونی مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ آج مسل پیش ہوئی۔ پایا گیا کہ فریقین نے بعد دینے درخواست باوصف اجرائے احکامات کے پیروی نہیں کی حکم ہوا کہ مسل مقدمہ بعد پیروی خارج ہو ۲۳/ مارچ ۱۸۹۹ء۔

(۱۵) درخواست در بندوبست جدید۔ درخواست غلطی بندوبست، بموجب فیصلہ شیخ عزیز الدین کلکٹر ضلع منٹگمری، اگرچہ حقیقت پر از وقت وفات پدرم قبضہ مالگزار بموجب فیصلہ مذکور الصدر ہمارا چلا آتا ہے بموجہ غلطی بندوبست داخل خارج کاغذات سرکاری نہ ہوا چونکہ اب دوران بندوبست ہے لہٰذا مستدعی کہ داخل خارج ہمارے نام بموجب فیصلہ انگریزی وپرچہ مالگزاری ۲/ ۵ حصہ فرمایا جائے۔ نقل فیصلہ وپرچہ ملکیت شامل درخواست ہے، یکم جنوری ۱۹۰۶ء مستدعی اللہ بخش ولد پیر صدر الدین۔

(۱۶) بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور نام اپنا اللہ بخش ولد پیر صدر الدین ذات چشتی عمرو (عہ للعہ) سال بتا کر بیان کیا والد مظہر فوت ہوچکا ہے اس کے چار پسر تھے بدر الدین سراج الدین فوت ہوچکے ہیں غلطی بندوبست سے بعد فوت صدر الدین کے بدر الدین سراج الدین کا داخل خارج وراثت ہو کر عملدرآمد ہوگیا اور مظہر والٰہی بخش کے نام اندراج نہ ہوا ضلع انگریزی میں مقدمہ دائر ہوا جس سے یہ قرار پایا کہ ۲/ ۵ حصہ مظہر والٰہی بخش کے لئے جائیں جس کی نقل شامل درخواست ہے چاہتا ہوں ۲/ ۵ حصہ پر داخلخارج فرمایا جائے۔ اللہ بخش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۲/ جنوری ۱۹۰۶ء

(۱۷) درخواست تقرر ثالثان مشمولہ مسل ۱۶ امر جوعہ ۲۷/ اپریل ۱۹۰۸ء۔ کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی ورواجی چھوڑ دئے گئے ہیں لکھ دیتے ہیں کہ اگر موجودہ روئداد مسل سے مدعیان کا اولاد صحیح النسب ہونا پیر صدر الدین موصوف سے ثابت ہوجائے تو مجھ مدعاعلیہ کو واپسی جائداد سے

کچھ انکار نہ ہوگا اگر انکا شرعًا نسب ثابت نہ ہو تو پھر ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوائے ثالثان ناطق ہوگا اور ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا، ۱۸جون ۱۹۰۸ء، بمقام صادق پور روبرو افسر صاحب مال مولوی عبدالمالک۔ العبد بخش مدعی بقلم خود، العبد الٰہی بخش مدعی بقلم خود، العبد احمد شاہ مدعا علیہ بقلم خود۔ تحریر ہوا کہ مولوی صاحبان تمام موضع چک بھوگانوالہ میں جمع ہو کر بموجب روائداد مسل کے فتوی دیں۔ امور تنقیح بحث طلب یہ ہیں کہ آیا مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد صحیح النسب ہے یا نہیں۔ دوسرا اراضی نامہ مصدقہ ضلع منٹگمری کا شرعًا کیا اثر ہے۔ فیصلہ کثرت رائے ثالثان پر کیا جائے گا فتوی چار یوم کے اندر داخل ہو، ۱۸/جون ۱۹۰۸ء دستخط افسر مال۔

(۱۸) فتوی مولوی عبدالرحیم وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ مدعیان نے ایک صلحنامہ از جانب والد و چچا مدعا علیہما پیش کیا جس میں صریح لکھا ہے کہ مدعیان پیر صدر الدین کے بیٹے ہیں۔ علاوہ بریں معتبر شہادت سے ثابت ہے کہ پیر صدر الدین مورث مدعیان کو اپنا بیٹا تسلیم کرتا تھا بدر الدین وسراج الدین نے تحصیل میں بھی مدعیان کو اپنے بھائی پیر صدر الدین کے بیٹے قرار دے کر لکھوایا ہے کہ بیشک حسب مضمون صلحنامہ ریاست میں بھی ملکیت کا عملدرآمد ہونا چاہئے۔ علاقہ آنزوے آب میں بھی پٹواری کے سامنے سراج الدین و بدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں۔ رواج عام اقوام چشتی اور شجرہ نسب جو ضلع منٹگمری میں لکھا ہے مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد اور وارث لکھے ہیں اور اس پر پیر صدر الدین اور بعض شاہدان نفی نسب کے ثبوت نسب پر مواہیر موجود ہیں شہادت مدعا علیہما نفی پر مشتمل ہیں اور شہادت نفی مقبول نہیں ہوتے۔ پس بوجہ اقرار پیر صدر الدین بولدیت مدعیان اور تسلیم بدر الدین وسراج الدین اخوت مدعیان کو فتوی شرعی یہ ہے کہ مدعیان کا نسب پیر صدر الدین سے ثابت ہے۔

اذا اقر وارث واحد بوارث کمن ترك ابنا فاقر باخ لا یثبت نسبه عندهما وقال ابو یوسف یثبت وبه اخذ الکرخی لانه لما قبل فی المیراث قبل فی النسب وان کان اکثر من واحد بان کان رجلین	جب ایک وارث دوسرے کے وارث ہونے کا اقرار کرے جیسا کہ میت کا بیٹا اپنے بھائی کا اقرار کرے تو شیخین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بھائی کا نسب ثابت نہ ہوگا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ نسب ثابت ہوجائے گا اور امام کرخی نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ ایک کے اقرار سے جب وارث ہونا ثابت ہوجاتا ہے تو نسب میں اس کا قول تسلیم کیا جائے گا اور

اورجلا وامرأتین فصاعدایثبت النسب باقرار ھم بالاجماع لکمال النصاب و یستحق حظه من نصیب المقر [1] اھ حموی ۱۲ قرۃ العیون۔	ایک سے زائد ورثاء مثلاً دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کسی کے وارث ہونے کا اقرار کریں تو اس اقرار سے نسب بالاجماع ثابت ہو جائے گا کیونکہ شہادت کا نصاب کامل ہے اور اقرار کرنے والوں کے حصہ میں یہ بھی شریک ہوگا اھ ۱۲ حموی قرۃ العیون (ت)

مولوی نور الدین صاحب نکاح خوان کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح ثانی مدعیان موجود تھے اور دوسری تحریر میں ہے کہ نکاح مشہور سے پہلے پیر صدر الدین کا نکاح مخفی والدہ مدعیان کے ساتھ تھا ہر نکاح مخفی جو روبروئے گواہان کے ہو معلن ہو جاتا ہے اور شرعاً جائز نافذ ہے باپ نے جب اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ماں اس کی آزاد ہے تو یہ اقرار فرزندی اقرار ہوگا اس عورت کے منکوحہ ہونے پر۔ در مختار، طحطاوی، قنیہ ۱۲ نور الھدایہ العبد عبدالرحیم اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، اللہ بخش چک نادر شاہی، احقر العباد جمال الدین بقلم خود۔

(۱۹) فتوٰی مولوی عطا محمد مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعیان نے بابت اثبات نسب و وراثت تین امر پیش کئے، ایک شہادت، دوسرا اقرار پیر صدر الدین بذریعہ نقل رواج عام جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد موجودہ صدر الدین از رنگ بھری وارث ہوں گے اس رواج عام پر مہر صدر الدین بھی ہے گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں لیکن اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری و صدر الدین بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہٰذا ضرورۃً یہی تصور کئے جائیں گے، تیسرا صلحنامہ جس میں بدر الدین کی طرف سے اقرار صریح ہے لیکن اقرار سراج الدین نہیں ثابت ہوتا کہ سراج الدین موقع پر نہ تھا۔ ایسا ہی کسی اور جگہ مسل مقدمہ سے اقرار سراج الدین ثابت نہیں جس وقت تحصیلدار منچن آباد نے مخاطب ہو کر فرمایا تم کو اس ایزادی میں کوئی عذر ہے تو سراج الدین نے بیان کیا کہ کوئی عذر نہیں، اس سے تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ثابت ہوتا ہے نہ بحق ثبوت نسب جیسا کہ استفہام تحصیلدار وجواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن احقر کو بہ نسبت ہر ایک امر ان تینوں میں سے بحق ثبوت نسب اعتراض ہے۔ امر اول شہادت۔ رکن شہادت شرع شریف میں لفظ اشھد یا اس کا ہم معنی چنانچہ گواہی مید ہم ہے۔ در مختار:

---

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۹

رکنہا لفظ اشھد لاغیر لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذٰلک وان اخبربہ وھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین[1]۔	شہادت کا رکن لفظ شہادت ہے دوسرا کوئی لفظ رکن نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ کے معنی اور قسم اور حال کی خبر کو متضمن ہے گویا کہ گواہ نے یوں کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے اس واقعہ پر اطلاع پائی میں اس کی خبر دیتا ہوں کہ جبکہ یہ معانی کسی دوسرے لفظ میں نہیں پائے جاتے لہٰذا یہی لفظ شہادت متعین ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولایخلو عن معنی لتعبد اذلم ینقل غیرہ[2]۔	اور شہادت عبادت سے خالی نہیں جبکہ شارع کی طرف سے دوسرا کوئی لفظ اس عبارت میں منقول نہیں ہوا (ت)

تنویر الابصار:

لزم فی الکل لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع لقبولہا والعدالۃ لوجوبہ[3]۔	تمام گواہیوں میں اشھد کا لفظ مضارع بالاجماع لازم ہے قبولیت کے لئے اور گواہوں کی عدالت وجوب کی بناء پر ضروری ہے (ت)

قرۃ العیون میں ہے:

حتی لو قال اعلم او اتیقن لاتقبل شہادتہ لان النصوص ناطقۃ بلفظ الشہادۃ فلا یقوم غیرہا مقامہا[4]۔	حتی کہ اگر گواہ نے "میں جانتا ہوں" یا "یقین رکھتا ہوں" کہہ دیا تو قبول نہ ہوگا کیونکہ تمام نصوص لفظ الشادۃ کو بیان کررہی ہیں اس کی جگہ دوسرا لفظ قائم مقام نہ بنے گا (ت)

مولوی اسحٰق دہلوی کا غیر ضروری کہنا اشھد کو مخالف نصوص فقہاء وماثور ہے اور بس

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰
[2] ردالمحتار کتاب الشہادات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰
[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱
[4] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶

ظاہر ہے کہ شہادات مندرجہ مسل میں لفظ اشھد یا اس کے ہم معنی کا کہیں نام ونشان نہیں لہٰذا یہ شہادات قبول کرنا شرعاً ناجائز ہے۔امر ثانی اقرار صدر الدین مع نقل رواج عام میں یہ اعتراض ہے کہ دفاتر سلطانیہ سجلات محاضر کے امور مندرجہ تب حجت ہوتے ہیں کہ ان کے یا محافظ دفتروں کے ہاتھ محفوظ رہیں۔اگر فریقین مقدمہ یا اجنبی کے ہاتھ میں آجائیں تو حجت نہیں ہوتے۔شامی جلد ۴ ص ۳۲۱:

سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان محفوظاً عند الامناء بخلاف ماکان بید الخصم[1]۔	قاضی کے دفتری امور کے کاغذات جعل سازی سے عادۃ اس وقت محفوظ ہوتے ہیں جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہوں،بخلاف جب وہ مخالف فریق کے ہاتھ میں ہوں۔(ت)

چونکہ نقل رواج عام بذریعہ مدعیان پہنچی اور اصل سجل کا ملاحظہ نہ ہوا حجت شرعی نہ ہوگی۔امر ثالث صلحنامہ میں یہ اعتراض ہے کہ فقط اقرار بدر الدین بہ ثبوت نسب ثابت ہوتا ہے سراج الدین کا اقرار بہ نسب کسی جگہ سے ثابت نہیں،پس اقرار ایک بدر الدین بموجودگی سراج الدین مثبت نسب نہیں ہوسکتا۔تنویر الابصار:

لو اقر رجل بنسب فیه تحمیل علی غیرہ لا یصح الاقرار،ومن مات ابوہ فاقر باخ شارکه فی الارث ولم یثبت نسبه[2]۔(ملخصًا)	اگر ایک شخص کسی کے نسب کا اقرار کرے جس سے دوسرے کے حصہ پر زد پڑے تو یہ اقرار صحیح نہ مانا جائے گا،اگر کسی کا والد فوت ہوا اور اپنے بھائی کا اقرار کرے تو یہ بھائی اس کے ساتھ وراثت میں شریک ہوگا لیکن اس ایک کے اقرار سے والد سے نسب ثابت نہ ہوگا(ملخصا)۔(ت)

عبارت قرۃ العیون سے مطلب مولوی صاحبان ثابت نہیں،عبارت مذکورہ سے مقصود بیان اس صورت کا ہے کہ مقر وارث واحد ہو کہ اس کے ساتھ کوئی وارث نہ ہوا،اگر وارث دیگر ہو تو ثبوت نسب اقرار واحد شخص سے بموجب روایت امام ابویوسف بھی نہیں ہوسکتا۔خود قرۃ العیون کی اس سطر سے پہلے ملاحظہ فرمائیے:

قال فی البدائع ان الوارث لو کان کثیرا	بدائع میں فرمایا اگر ورثاء کثیر ہوں تو ایک کے کسی

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۸

فاقر واحد منهم باخ اٰخر ونحوه لایثبت نسبه ولا یرث معهم ولو اقرمنهم رجلان اورجل وامرأتان یثبت نسبه بالاتفاق، ولو کان الوارث واحدا فاقر به یثبت عند ابی یوسف خلافا لابی حنیفة ومحمد وبقول ابی یوسف اخذ الکرخی اھ وظاہر المتون علی ترجیح قولهما کما لایخفی اھ قرۃ العیون[1] ج ۲ص ۱۳۱۔	بھائی کے متعلق اقرار کرنے سے اس بھائی کی نسب ثابت نہ ہوگی اور باقی ورثاء کے حصوں میں شریک نہ ہوگا اور اگر ان ورثاء میں سے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اقرار کریں تو پھر بالاتفاق نسب ثابت ہوجائے گا اور اگر ایک ہی وارث اقرار کرے تو امام ابویوسف کے نزدیک نسب ثابت ہوگا بخلاف امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ، امام ابویوسف کے قول کو امام کرخی نے لیا ہے جبکہ ظاہر متون نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ قرۃ العیون جلد ۲ص ۱۳۱(ت)

چونکہ صورت مقدمہ میں بدر الدین کے ساتھ دوسرا وارث سراج الدین ہے تو اقرار بدر الدین اکیلے کا بموجب روایت امام ابویوسف بھی مثبت نسب نہ ہوگا، ہر دو تحریرات مولوی نور الدین قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان تحریرات سے نہیں جو شرعاً حجت ہو، باقی رہا اقرار بحق جائداد تو اقرار بدرالدین سے ضرور شرکت فی الوراثۃ اس کے حق میں ثابت ہے سراج الدین کا قول روبروئے تحصیلدار بظاہر تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ہے وبلحاظ استقلال کلام وعدم ضمیر راجع کلام مستانف ہوگی مبنی براقرار نہ ہوگی، بہر حال شرکت فی الوراثت در کل جائداد یا درحصہ بدر الدین بموجب ضمانت وثابت ہوگی اور بموجب صلحنامہ اقرار بدر الدین مستحق وراثت علی حسب صلحنامہ ہوں گے۔ خادم الشرع عطا محمد مدرس پھوگانوالا بقلم خود فقط۔

(۲۰) رپورٹ ثالثان مشمولہ مسل نمبر ۱۶۔ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے اور اب تحقیقات جدید کا موقع نہیں رہا کہ احمد شاہ مدعا علیہ نے محکمہ پریذیڈنٹی میں واسطے منسوخی ثالثان کے عرضی دی ہے اور بیان کیا ہے کہ مسل واسطے ملاحظہ کے محکمہ مذکور الصدر میں طلب کی گئی ہے اس واسطے تحقیقات جدید ملتوی کی گئی پھر جب حکم ہو تحقیقات کی جائیگی ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء العبد اللہ بخش چک نادر شاہی، العبد عطا محمد مدرس عربیہ پھوگانوالا، العبد عبدالرحیم اول مدرس عربیہ مہاران شریف۔

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۴۷

(۲۱) نقل عرضی منسوخی ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶ جناب عالی افسر صاحب مال نے من مدعا علیہ کو ثالث مقرر کرنے کو ارشاد فرمایا تھا لیکن سائل نے انکار کیا تھا اور اس میں رضامند نہیں تھا عدالت موصوف نے مجھ سے جبراً اقرار نامہ ثالثی داخل کرالیا ہے جس میں سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے سے رضامند نہیں تھا لہٰذا التماس ہے کہ تقرر ثالثی منسوخ فرمایا جائے اور جیسی کارروائی قبل از تقرر ثالثی تھی ویسی ہی جاری کی جائے ۲۱/ جون ۱۹۰۸ء فدوی احمد شاہ ولد سراج الدین بقلم خود۔
نقل حکم پریذیڈنٹ: مسل کا ملاحظہ کیا گیا درخواست تقرر ثالثان دستخطی شاکی ہے، ایک اعلیٰ افسر کی نسبت بدظنی کی کوئی وجہ ہے اس لئے ناقابل التفات قرار دے کر مسل بمراد کارروائی ضابطہ واپس جائے۔ دستخط پریذیڈنٹ صاحب۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (یااللہ! حق اور درستی عطا فرما۔ ت) قبل اس کے کہ ہم بتوفیق الٰہی یہاں حکم شرعی بیان کریں اتنی گزارش فریقین مقدمہ وحکام سب سے ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے ریاست مسلمانوں کی ہے، ابتداءً ہی ہر فریق پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا، حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہر کے موافق فیصلہ کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝" [1] **وقال تعالٰی** "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝" [2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اے نبی! تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنی باہمی نزاع میں تجھے حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تو حکم فرمائے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) کیا تونے انہیں نہ دیکھا جن کا دعوٰی ہے کہ وہ ایمان لائے قرآن مجید اور اگلی کتابوں پر، پھر یہ چاہتے ہیں کہ مخالفان خدا اور رسول کی بات پر فیصلہ رکھیں حالانکہ انہیں تو ان سے منکر ہونے کا حکم تھا اور شیطان چاہتا ہے انہیں دور کی گمراہی میں ڈال دے (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

وقال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۰۸)" [1]۔ وقال تعالٰی وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ(۴۷) " [2]۔ وقال تعالٰی "فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(۴۵) " [3]۔	(اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ یعنی ہر بات میں احکام اسلام ہی کی پیروی کرو اور شیطانی راہ کے پیچھے نہ جاؤ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا) وہی لوگ ظالم ہیں۔

اب کہ معاملہ ثالثی تک پہنچا اور اہل علم ثالث کئے گئے اور ان سے فتوٰی طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہر پر بنائے کار رہی ولہٰذا اقرار نامہ میں فریقین نے لکھ دیا تھا کہ "کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دئے گئے ہیں" اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ فتوائے ثالثان صحیح و مطابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں، اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم، قانونی یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلاً التفات نہیں، نہ یہ کہ **معاذاللہ** شرعی احکام کو تاویلات دور از کار کرکے قانون ورواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا، **واللہ الھادی**۔

اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف توجہ ہوتے ہیں وباللہ التوفیق، کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے مدار حکم رکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے، **ایک** یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے، نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار تھا نہ ان کا فیصلہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے۔

دوم: اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انہیں خاص اس فیصلہ کا اختیار نہ تھا جو انہوں نے دیا۔

سوم: اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نامعتبر ہے۔

چہارم: ان سب سے درگزریے اور نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تین ثالثوں نے کیا تو وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا ____ اب ان سب وجوہ کو بتوفیق اللہ تعالٰی بیان کرتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۵

وجہ اول: پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں، اگر ایک فریق بھی پنچ کے حکم دینے سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فوراً وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلاً نہ سنا جائیگا یہاں تک کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب و تکمیل مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت تجھ پر قائم ہو گئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تیرے ثالثی سے راضی نہیں، بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کرسکتا۔ درمختار جلد ۴ صفحہ ۵۲۰ میں ہے:

(ینفرد احدھما بنقضه) ای التحکیم بعد وقوعه[1]۔	ثالث بننے والے کے فیصلہ کو ایک فریق بھی رد کرسکتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار جلد ۴ صفحہ ۵۴۲ میں ہے:

لکل منھما عزله قبل الحکم[2]۔	ثالث کے فیصلہ سے قبل کوئی ایک فریق بھی ثالث کو معزول کرسکتا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۲۱ میں محیط سے ہے:

لو وجه الحکم القضاء علی احدھما یرید به ان الحکم قال لاحد الخصمین قامت عندی الحجة بما ادعی علیك من الحق ثم ان الذی توجه علیه الحکم عزله ثم حکم علیه بعد ذٰلك لاینفذ حکمه علیه[3]۔	اگر حکم کسی ایک فریق پر فیصلہ متوجہ کرے، سے مراد یہ ہے کہ حکم ایک فریق کو کہے کہ دعوی کرنیوالے کی حجت میں تجھ پر قائم سمجھتا ہوں کہ حق ہے پھر یہ فریق اس کو معزول کردے اور اس کے باوجود حکم اس فریق کے خلاف فیصلہ دے دے تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں کہ احمد شاہ نے قبل حکم ثالثان ثالثی سے اپنی ناراضی بذریعہ عرضی ظاہر کی ثالثی فوراً منسوخ ہو گئی اور ثالثوں کا فیصلہ ایسا ہی ہو گیا جیسے راہ چلتا کوئی اجنبی کچھ کہہ جائے اور اس کی نسبت یہ عذر کہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء باب التحکیم الباب الرابعون والعشرون نورانی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور ۳/ ۳۹۸

درخواست تقرر ثالثان احمد شاہ کی دستخطی ہے کچھ بکار آمد نہیں، احمد شاہ نے عرضی میں فقط یہی بیان نہ کیا کہ مجھ سے جبرًا تقرر ثالثان کرالیا ہے میں رضامند نہ تھا بلکہ صاف لکھ دیا ہے کہ "سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے رضامند نہ تھا" اس کا اس قدر لکھنا منسوخی ثالثی کے لئے کافی ہے پس ثالثی باطل محض ہوگئی اور یہ فیصلہ اصلًا قابل التفات نہیں۔

وجہ دوم: بالفرض اگر ثالثی باقی بھی رہتی تو ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعا علیہم میں ایک لڑکا خدا بخش نابالغ بھی ہے اور جب کہ فیصلہ بحق مدعیان دیا گیا تو اس کا ضرر اسے بھی پہنچے گا اور ثالثوں کو کوئی اختیار نہیں کہ ایسا فیصلہ دیں جس کا اثر نابالغ پر پڑے۔ رد المحتار میں جلد ۴ ص ۵۴۲ میں ہے:

لایصح حکمه بما فیه ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی[1]۔	نابالغ کے خلاف ضرر رساں فیصلہ حکم نہیں دے سکتا بخلاف قاضی کہ وہ ایسا کرسکتا ہے۔(ت)

اور وجہ اس کی ظاہر کہ ثالثی کا حاصل فریقین کا باہمی ایک صلح کرلینا ہے احمد شاہ کو کیا اختیار کہ ایسی صلح کرے جس سے اس کے نابالغ بھائی کو نقصان پہنچے۔ درمختار صفحہ ۳۵۳ میں ہے:

(التحکیم) صلح معنی فلا یصح تعلیقه ولا اضافته عند الثانی وعلیه الفتوی کما فی قضاء الخانیة[2]۔	تحکیم یعنی کسی کو ثالث بنانا معنًی صلح ہے لہٰذا اس کی تعلیق واضافت جائز نہیں، یہ امام ثانی یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوٰی ہے، جیسا کہ خانیہ کی قضا میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الدرر فانه تولیة صورة وصلح معنی اذ لا یصار الیه الا بتراضیهما لقطع الخصومة بینهما[3]۔	درر میں فرمایا: یہ صورتًا تولیت ہے اور معنًا صلح ہے کیونکہ اس سے دونوں فریقوں کی رضامندی سے ان کے جھگڑے کو ختم کرنا مطلوب ہوتا ہے۔(ت)

وجہ سوم: ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور خود فریقین نے تسلیم کیا کہ قانونی ورواجی باتیں سب بالائے طاق رکھی گئیں معاملہ صرف شریعت مطہرہ کے سپرد ہے اور یہی فرض تھا، اب شرع مطہر کا حکم سنئے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۹

[2] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸

ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کی جائے تو ان کا وہی حکم مسلم و قابل اعتبار ہوگا جو وہ سب باتفاق رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابل لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرت رائے پر نظر نہیں ہوسکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص کو سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی مجموعی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو بعینہٖ یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا مجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۱ میں ہے:

الشیئ المفوض الی اثنین لایملکه احدهما کالو کیلین والوصیین والناظرین والقاضیین والحکمین[1]۔	جو چیز دو کو تفویض کی جائے ایک واحد مالک نہ ہوگا جیسا کہ دو وکیل، دو وصی، دو منتظم دو قاضی اور دو ثالث۔ (ت)

ہدایہ جلد دوم ص ۱۳۲ میں ہے:

اذاوکل وکیلین فلیس لاحدهما ان یتصرف فیما وکلا به دون الاٰخر وهذا فی تصرف یحتاج فیه الی الرأی کالبیع والخلع وغیر ذلك لان الموکل رضی برأیهما لابرأی احدهما[2]۔	جب کسی نے دو وکیل بنائے تو جس معاملہ میں دونوں وکیل ہیں، ایک وکیل دوسرے کے بغیر اس میں تصرف نہیں کرسکتا، یہ ان امور میں ہے جن میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے جیسے بیع اور خلع وغیرہ، کیونکہ موکل دونوں کی رائے پر راضی ہے ایک کی رائے پر نہیں (ت)

اسی کے صفحہ ۵۶۷ میں ہے:

الولایة ثبتت بالتفویض فیراعی وصف التفویض وهو وصف الاجتماع اذهو شرط مفید[3]۔	ولایت تفویض سے ثابت ہوتی ہے لہذا تفویض کے وصف کی رعایت ضروری ہے اور یہ دونوں کی اجتماعی رائے کا وصف ہے (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶تا۱۸

[2] الھدایۃ کتاب الوکالۃ فصل فی تصرف الوکیلین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

[3] الھدایہ کتاب الوصایا باب الوصی ومایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۰

اسی کے صفحہ ۹۲ میں ہے:

لو حکما رجلین لا بد من اجتماعھما لانہ امر یحتاج فیہ الی الرأی[1]۔	اگر دونوں فریقوں نے دو ثالث بنائے تو دونوں کی اجتماعی ثالثی ضرور ہے کیونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں مشورہ کی ضرورت ہوتی ہے۔(ت)

ان عبارات میں دو کا ذکر صرف تصویر مسئلہ ہے قید حکم نہیں کہ دلیل مذکور ہدایہ دو اور دس سب کو شامل ہے، لاجرم ادب الاوصیاء ہامش جامع الفصولین جلد دوم صفحہ ۳۴۵ میں ہے:

فی الخانیۃ وغیرہا ان حکم ھذاالفصل انہ لایتمکن احد الوصیین اوالاوصیاء من التصرف بدون حضور رأی الباقی الافیما لابدمنہ اولا یکون فیہ مدخل للرأی وھو اشیاء معدودۃ[2] الخ۔	خانیہ وغیرہ میں ہے کہ اس معاملہ کا حکم یہ ہے کہ دو یا زیادہ وصی میں سے کسی ایک کو باقیوں کے بغیر تصرف کا حق نہیں مگر جب کوئی اہم مجبوری ہو یا معاملہ ایسا ہو جس میں مشورہ کی ضرورت نہ ہو جبکہ یہ چند امور ہی ہیں الخ۔(ت)

اسی کے صفحہ ۳۵۲ میں ہدایہ سے ہے:

اقر الوصیان بان معھما ثالثا یملك القاضی نصب الثلث معھما اعترافا بالعجز عن التصرف[3]۔	دو وصیوں نے اپنے ساتھ تیسرے وصی کا بھی اقرار کیا ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کو ان کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ ان دونوں نے تصرف سے اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ (ت)

یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الشہادۃ صفحہ ۱۰۹ میں ہے:

ونصھا الوصیان اذا اقران معھما ثالثا یملك القاضی نصب ثالث معھما لعجزھما عن التصرف باعترافھما[4]۔	اس کی عبارت یہ ہے دو وصیوں نے اقرار کیا کہ ان کے ساتھ تیسرا بھی ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ کسی تیسرے کو ان دونوں کے ساتھ مقرر کرے کیونکہ انہوں نے خود اپنے اعتراف سے تصرف سے عجز ظاہر کیا ہے۔(ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب القضاۃ باب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۴

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵

[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی تعدد الاوصیاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۳

[4] الہدایۃ کتاب الشھادات باب من یقبل شھادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۴

عنایہ ہامش الفتح ج ٦ ص ٤٦ میں ہے:

شهادتهما بثالث معهما اعتراف بعجزهما عن التصرف لعدم استقلالهما به[1]۔	اپنے ساتھ تیسرے کے بارے میں ان کی شہادت اس بات کااعتراف ہے کہ وہ تصرف میں عاجز ہیں کیونکہ وہ اس میں استقلال نہیں رکھتے۔(ت)

فتح القدیر جلد مذکور صفحہ ٤٧ میں ہے:

وصيا الميت لما شهدا بالثالث فقد اعترفا بعجز شرعي منهما عن التصرف الا ان يكون هو معهما[2]۔	میت کے دو وصی ہیں انہوں نے جب اعتراف کیا کہ ہمارے ساتھ تیسرا ہے تو انہوں نے اپنے شرعی عجز کا اظہار کردیا کہ تیسرے کے بغیر ہم تصرف نہیں کرسکتے۔(ت)

نیز اشباہ صفحہ ١٤٨ میں ہے:

ماثبت لجماعة فهو بينهم على سبيل الاشتراك الا في مسائل[3]۔الیٰ اٰخرہ وعد ثلثا ليس هذه منها۔	جو امر جماعت کے لئے ثابت ہو تو وہ پوری جماعت اس میں شریک ہوگی ماسوائے چند مسائل کے جن کا عدد تین ہے یہ مسئلہ ان میں سے نہیں۔(ت)

تو یہاں کہ اختلاف رائے واقع ہوا ثالثوں میں کسی کافیصلہ معتبر نہ رہا۔

وجہ چہارم: اگر یہ وجوہ کچھ بھی نہ ہوتے تو فیصلہ خود اصول شرعی کے بالکل خلاف ہوا ہے روئداد مسل اثبات نسب اللہ بخش والٰہی بخش میں شرعًا محض ناکافی ہے ثالثوں نے اسکے لئے سات چیزوں سے استناد کیا چھ ثبوت تحریری یعنی کاغذات نمبر ١، ٢، ٣، ٥، ٩، ١١ جن کا خلاصہ سوال میں گزرا اور ساتواں ثبوت زبانی یعنی شہادات مگر بہت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک بھی میزان شرع پر کامل وکافی نہیں۔

کاغذ اول رپورٹ پٹواری

(١) فتوائے ثالثان کا بیان کہ "پٹواری کے سامنے سراج الدین وبدرالدین نے مدعیان کو اپنے بھائی

---

[1] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشهادات باب من يقبل شهادته ومن لايقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٤٩٣

[2] فتح القدیر کتاب الشهادات باب من يقبل شهادته ومن لايقبل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ٦/ ٤٩٤

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ١/ ٢٤٤

لکھوائے ہیں" سخت عجب ہے اولًا وہ اگر ہے تو صرف بدرالدین کا بیان جس میں اظہار سراج الدین کا نام نہ نشان۔

(۲) اس کے کس لفظ کس حرف میں بدرالدین نے اللہ بخش والٰہی بخش کو اپنا بھائی کہا اس نے تو صاف اس کے خلاف یہ بیان کیا کہ وہ دونوں قبل از نکاح پیدا ہوئے ہیں اس سے اتنا بھی نہ کھلا کہ نطفہ پیر صدرالدین سے پیدا ہوئے۔ کنچنیاں جو بلا نکاح رکھی جاتی ہیں مقید نہیں ہوتیں کیا خبر ان کی اولاد کس سے ہے، نہ ہرگز اس بیان میں پیر بدرالدین نے معاذاللہ صراحۃً اپنے باپ کو زنا کی طرف نسبت کیا کنچنی کو لے کر چلا جانا گانا ناچ دیکھنے سننے کے لئے بھی ہوسکتا ہے کچھ زنا ہی ضرور نہیں، اور بفرض غلط اگر بدرالدین کی یہی مراد مانی جائے تو بھی ان کے بھائی ہونے کا اقرار کہاں ہوا، ایسی اولاد بے نکاح کو شرع اس صاحب نطفہ کی اولاد کب مانتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاھر الحجر [1]۔	بچہ اس کا جس کا نکاح ہے اور زانی کیلئے پتھر۔

(۳) بالفرض اس میں اگر سراج الدین کا بھی نام ہوتا اور بھائی ماننے کی صریح تصریح بھی کیا حجت ہوسکتا ہے کہ یہ نہ سراج الدین کا بیان ہے نہ بدرالدین کا، بلکہ ایک پٹواری کا قول ہے کہ انہوں نے ایسا بیان کیا جس کی عدالت بھی معلوم نہیں، کیا شرع میں کسی کا اقرار ایک شخص واحد مجہول العدالۃ کے بیان سے ثابت ہوسکتا ہے' ہرگز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے میں سے دو عادل گواہ بناؤ۔ (ت)

پٹواریوں کی سیکڑوں رپورٹیں اپنے تھوڑے سے فائدے کے لئے خلاف واقع گزرا کرتی ہیں ہر شخص جسے زمین داری سے تعلق رہا ہے اسے اپنے تجربے سے جانتا ہے میں نہیں کہتا کہ عنایت اللہ نے ایسا کیا مگر تحسین ظن اور چیز ہے اور حجت شرعیہ دوسری چیز۔

کاغذ دوم رواج عام

(۴) رواج کی نسبت ثالثوں کا فرمانا کہ اس میں مدعیوں کو پیر صدرالدین نے وارث لکھا ہے

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع وکتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۶ و ۳۸۳، مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دارالفکر و بیروت ۱/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

بہت سخت عجب ہے رواج عام کی عبارت سامنے موجود ہے اس میں نہ مدعیوں کا نام ہے نہ مدعیوں کی ماں کا نام صرف اس قدر ہے کہ "صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کرلیا ہے اولاد اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی" اس سے کیا ثابت ہوا کہ کون عورت اور کس کی اولاد یہ اقرار اگر ہے تو محض مجہول کے لئے ہے جس کی جہالت سخت فاحشہ ہے بیوہ عورت قوم پیرنی لاکھوں ہیں اور ایسے مجہول کے لئے اقرار بالاتفاق باطل ہے۔ ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ میں ہے:

جھالۃ المقربه لایمنع صحۃ الاقرار لان الحق قد یلزمه مجھولا بان اتلف مالایدری قیمته بخلاف الجھالۃ فی المقرله لان المجھول لایصح مستحقا[1]۔	جس چیز کا اقرار کیا جائے وہ مجہول ہو تو مانع اقرار نہیں کیونکہ حق مجہول ہوتے ہوئے بھی لازم ہوجاتا ہے یوں کہ اقرار کیا کہ چیز تلف کی ہے جس کی قیمت معلوم نہیں۔ بخلاف مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار کیا ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں بن سکتا۔(ت)

بحر الرائق جلد ہفتم ص ۲۷۲ میں ہے:

جھالۃ المقر له مانعۃ من صحته ان تفاحشت کل واحد من الناس علی کذا[2]۔	مقرلہ کی جہالت فاحشہ اقرار کی صحت کے لئے مانع ہے اس میں تمام لوگ شامل ہیں۔(ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد پنجم ص ۴ میں ہے:

لوکان المقربه مجھولا لایمنع صحۃ الاقرار بخلاف الجھالۃ فی المقرله سواء تفاحشت اولا لان المجھول لایصلح مستحقا ھکذا ذکر شمس الائمۃ وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطه والناطفی فی واقعاته انھا اذا تفاحشت لایجوز وان لم تتفاحش جاز[3]۔	اگر مقربہ یعنی جس چیز کا اقرار ہو، مجہول ہو تو وہ اقرار کی صحت کے لئے مانع نہیں۔ بخلاف مقرلہ کے خواہ یہ جہالت وسیع ہو یا نہ ہو کیونکہ مجہول شخص مستحق نہیں ہوسکتا، شمس الائمہ نے یوں ذکر کیا ہے جبکہ شیخ الاسلام نے اپنی مبسوط میں اور ناطفی نے اپنی واقعات میں فرمایا کہ اگر جہالت فحش ہو تو مانع ہے اور یہ جہالت کھلی نہ ہو تو اقرار جائز ہے۔(ت)

[1] الہدایہ کتاب الاقرار مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۳۰

[2] بحر الرائق کتاب الاقرار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۵۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاقرار المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۴

اسی طرح فتاوٰی عالمگیریہ جلد چہارم ص ۵۹ میں ہے: اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۴ میں ہے الاقرار للمجهول باطل[1] الخ (مجہول شخص کے لئے اقرار باطل ہے الخ۔ت) اس پر ثالث چہارم یعنی مولوی عطا محمد صاحب نے جو یہ خیال کیا کہ " گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں ہے لیکن چونکہ اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری وصدر الدین کی بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں، لہٰذا ضرورۃ یہی تصور کئے جائیں گے، میں اس کے لئے بھی شرع میں کوئی اصل نہیں پاتا، **اولاً**: کیا اگر کوئی اقرار کرے کہ ایک شخص ساکن ہندوستان کے ہزار روپے مجھ پر قرض آتے ہیں تو جو کوئی ہندوستانی اس پر دعویدار ہو کر کھڑا ہوگا ہم باور کرلیں گے کہ وہ یہی ہے جسکی نسبت اقرار کیا تھا نہیں بلکہ ضرور اسے ثبوت دینا ہوگا اس قدر شدید جہالت درکنار زید اگر کہے خالد کے مجھ پر سو روپے آتے ہیں پھر خالد نامی ایک شخص مدعی ہو کہ میں خالد ہوں میرے روپے آتے ہیں ہرگز اس قدر سے ثبوت دعوی نہ ہوگا اور مقر کا اس کے حق میں انکار کرنا حلف کے ساتھ مان لیا جائے گا۔ وجیز امام کردری پھر ردالمحتار میں جلد دوم صفحہ ۷۵۵ میں ہے:

اذا اقر بمال لمسمی فادعی رجل انه هو وانکر یصدق بالحلف ماله علی هذا المال[2]۔	جب ایک نے کسی مسمّٰی شخص کے حق میں مال کا اقرار کیا اور دوسرے نے دعوی کیا وہ مسمّٰی میں ہوں لیکن اقرار کرنے والا اس کا انکار کرتا ہے تو انکار کی قسم کے ساتھ تصدیق کی جائے گی مدعی کا اس پر یہ مال نہیں ہے۔ (ت)

توجب صراحۃً نام لے دینے سے بھی ثبوت نہ ہوگیا کہ ایک نام کے ہزاروں ہوتے ہیں تو اتنی سخت مجہول بات کہ بیوہ پیرنی کیا مفید ثبوت ہوسکتی ہے اگر کہئے یہاں ثبوت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ آخر رنگ بھری سے پیر صدر الدین نے نکاح کیا ہے اور وہ قوم کی پیرنی ہے یوں ہم نے سمجھ لیا وہ عورت یہی ہے، ہم کہیں گے کیا ثبوت ہے کہ تحریر رواج عام کے وقت رنگ بھری نکاح صدر الدین میں تھی اور ہو بھی تو غایت درجہ ایک قرینہ ہے جسے مفتی نے خود ظاہر کیا اور ہدایہ وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ:

الظاہر یصلح حجة للدفع	ظاہر حال دفاع کی دلیل ہوسکتا ہے۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

[2] ردالمحتار

لاللاستحقاق [1] ۔	استحقاق کی نہیں۔(ت)

یعنی ظاہر سے سند لانا مدعا علیہ کو مفید ہوسکتا ہے مدعی کو اصلاً مفید نہیں اور یہاں اللہ بخش والٰہی بخش مدعی ہیں تو ظاہر انہیں کیا بکار آمد ہوسکتا ہے اگر کہئے رواج عام کی تاریخ ۱۸۷۲ء اور نکاح کی تاریخ ۱۲۸۶ھ کہ مولوی نورالدین نکاح خوان نے اپنی تحریر میں لکھائی دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر رواج رنگ بھری نکاح پیر صدرالدین میں تھی تو اس کا جواب عنقریب آتا ہے کہ تحریر مولوی نورالدین اصلاً شہادت میں لئے جانے کے قابل نہیں نہ اس پر کوئی التفات ہوسکتا ہے اور یہ امر خود مفتی موصوف کو بھی مسلم ہے۔

(۵) ثانیًا: رواج عام کی عبارت تو یہ کہہ رہی ہے کہ وہ عورت جس کی نسبت اقرار تھا رنگ بھری نہ تھی کوئی اور تھی اس میں عورت کو بیوہ لکھا ہے اور بیوہ وہ جس کا شوہر مر گیا ہو، رنگ بھری کنچنی تھی پیر صدرالدین سے نکاح کے ہونے تک اسی اپنے پیشہ ناجائز میں تھی ایسی عورت کو بیوہ نہیں کہتے۔ حسن اتفاق سے ۱۵/ شعبان معظم ۱۳۲۷ روز چہار شنبہ کو فریق دوم شیخ اللہ بخش بھی منچین آباد سے ہمارے پاس آئے ہم نے اس خیال پر کہ شاید اہل پنجاب میں بیوہ کا کوئی اور محاورہ ہو فریق اول ان کے ہمراہی سے پہلے ہی دریافت کرلیا تھا مزید اطمینان کے لئے ان فریق دوم سے بھی استفسار کیا انہوں نے بھی جواب دیا کہ بیوہ اسی کو کہتے ہیں جس کا پہلا خاوند مر گیا ہو، ہم نے پوچھا تمہاری والدہ کا پیر صدرالدین سے پہلے کسی اور شخص سے نکاح ہوا تھا، کہا کوئی نہیں، تو صاف ظاہر ہوا کہ رواج عام کی تحریر رنگ بھری سے متعلق نہیں، اس کا جواب فریق دوم کو کچھ بن نہ آیا مگر احمد شاہ فریق اول کی طرف اشارہ کرکے کہا یہی بتادے کہ پیر صدرالدین نے اور کسی عورت سے نکاح کیا تھا، اس کا جواب ان کو دے دیا گیا کہ تم مدعی ہو تمہاری دلیل کی تصحیح تمہارے ذمہ ہے مدعا علیہ پر اس کا کوئی بار ثبوت نہیں، ہو گئی کوئی عورت بیوہ جس سے پیر صدرالدین نے نکاح کیا اور لاولد مر گئی ہو۔

(۶) فرض کیجئے کہ رواج عام میں رنگ بھری کا صاف نام اور پورا پتہ لکھا ہوتا پھر بھی کیا کام آتا، یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا کہ رنگ بھری کی جو اولاد ہو مطلقاً پیر صدرالدین کی وارث ہوگی اگرچہ نطفہ پیر صدرالدین سے نہ ہو، آخر رنگ بھری کا بیٹا اللہ دتا بھی تو ہے اسے کیوں نہیں وارث

---

[1] الہدایہ کتاب القضاء فصل فی القضاء بالمواریث مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷، ردالمحتار باب القسامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰۵

ٹھہراتے، تو بالضرورۃ مطلب یہ ہے کہ رنگ بھری کی جو اولاد نطفہ پیر صدر الدین سے ہو وہ پیر موصوف کی وارث ہوگی، اب یہ بیان ایک شرطیہ کی حیثیت میں آگیا جس سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ پیر صدر الدین کے رنگ بھری سے کوئی اولاد ہے بھی یا نہیں، اگر فرض کیجئے کہ رنگ بھری کے بچہ سرے سے ہوتا ہی نہیں جب بھی واجب العرض میں یہ لکھا سکتے تھے کہ نطفہ پیر صدر الدین سے اس کی اولاد پیر موصوف کی وارث ہوگی جس کا مطلب وہی ہوتا ہے کہ اگر ہو، اور اس میں سر یہ ہے کہ رواج عام وواجب العرض ایک قاعدہ و قانون وضع کرنا ہوتا ہے جس پر آئندہ جزئیات کی بنا ہو جیسا کہ خود صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۱۲ میں فرمایا کہ "یہ ایک رواج عام مثال قرار دی گئی جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے" اور ظاہر ہے کہ ایسی عام باتیں حکم شرطیہ میں ہوتی ہیں یعنی ایسا ہو تو یہ ہوگا نہ کہ کسی واقعہ کی خبر دینا کہ ایسا ہوگیا مثلاً در مختار جلد سوم صفحہ ۴۶۲ میں ہے:

مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا[1]۔	یعنی جو بات بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال و نکاح سب کو باطل کر دیتی ہے اور اس کی اولاد ولد الزنا ہے۔

اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سے کلمہ کفر صادر ہو خواہی نخواہی اس کے لئے کوئی منکوحہ و اولاد ہے بلکہ وہی مطلب ہے کہ اگر اس کے کوئی منکوحہ ہو تو نکاح جاتا رہے گا اگر اس سے بعد اس سے اولاد ہوگی تو ولد الزنا ہوگی بعینہٖ یہاں بھی یہی معنی ہیں۔ نظیر کے لئے بیان واقعہ تو وہ کہ پیر صدر الدین نے ایسی عورت سے نکاح کرلیا ہے پھر وہی قانونی حکم پر تفریع ہے کہ پیر صدر الدین سے اگر اس کے اولاد ہوئی تو وارث ہوگی ظاہر ہے کہ اس قدر محصل رواج تسلیم کرنے بھی کچھ ثابت نہ ہوا کہ اللہ بخش والٰہی بخش کس کے نطفہ سے ہیں، عبارت رواج عام بر تقدیر تصریح نام بھی اتنا بتاتی کہ اولاد رنگ بھری جو نطفہ پیر صدر الدین سے وارث ہوگی یہ کس نے بتایا کہ یہ دونوں نطفہ پیر صدر الدین سے ہیں تو تحریر رواج عام سے استناد محض بے معنی ہے۔

(۷) یہاں سخت استعجاب اس کا ہے کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۲ میں عبارت رواج عام سے ایک فقرہ یہ نقل ہوا ہے کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور یہی فقرہ لطافت علی صاحب تحصیلدار انگریزی کے فیصلہ میں ہے ہمارے سامنے رواج عام کی دو نقلیں باضابطہ موجود ہیں ایک ضلع منٹگمری سے

---

[1] درمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

آئی ہوئی اور دوسری ریاست سے لیکن دونوں میں اس فقرے کا اصلاً پتہ نہیں اب اصل عبارت رواج عام اگر فی الواقع اس فقرے سے خالی ہے جب تو امر ظاہر ہے ورنہ اس کا ہونا ان وجوہ کا سبب جو اوپر گزریں اور آئندہ آتی ہیں ثبوت نسب مدعیان میں توبکار آمد نہیں مگر ایسی تحریرات کے نامعتبر وساقط ہونے کے لیے جس کی بحث ہم ابھی کیا چاہتے ہیں ایک کافی نظیر قابل یا دداشت ہے۔

(۸) یہ سب اس وقت ہے کہ وہ نقل جو مدعیوں نے پیش کی شرعاً سند میں لے لینے کے قابل فرض کرلی جائے ورنہ درحقیقت وہ محض لاشیئ ہے، مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت ٹھیک ہے فی الواقع محاضرہ سجلات جہاں قابل اعتبار ہوتے بھی ہیں تو اسی قدر کہ حاکم مجوزاپنے دفتر پر جو اس کے حفظ میں اس کے مہر ونشان کے ساتھ زیر نگہبانی ہے اعتماد کرسکتا ہے مدعی مدعا علیہ جو کاغذ پیش کریں بے شہادت مقبولہ شرعیہ اصلاً قابل التفات نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۴۸۷ میں ہے:

الدیوان وضع لیکون حجۃ عند الحاجۃ فیجعل فی ید من لہ ولایۃ القضاء وما فی ید الخصم لایؤمن علیہ التغییر بزیادۃ او نقصان[1]۔	کاغذی ریکارڈ حاجت کے وقت دلیل بنانے کے لئے تیار کیا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کے قبضہ میں ہونا چاہئے جو قضاء کی ولایت والا ہو اور جو مخالف فریق کے قبضہ میں ہو وہ کمی بیشی سے محفوظ نہیں۔(ت)

نیز صفحہ مذکورہ میں ہے:

قال ابو العباس یجوز الرجوع فی الحکم الٰی دواوین من کان قبلہ من الامناء اھ ای لان سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان محفوظا عند الامناء، بخلاف ماکان بید الخصم[2]۔	ابو العباس نے فرمایا: سابق امین لوگوں کے ریکارڈ کی طرف کسی حکم میں رجوع کیا جاسکتا ہے اھ، یعنی اس لئے کہ قاضی کا دفتری ریکارڈ جعل سازی سے عادتاً محفوظ ہے جب وہ امین لوگوں کے پاس محفوظ ہو بخلاف جب وہ مخالف فریق کے قبضہ میں ہو۔(ت)

اسی کی جلد مذکور صفحہ ۵۴۹ میں ہے:

ویجب تقییدہ ایضا بما اذا کان	یہ قید بھی ضروری ہے کہ جب وہ ریکارڈ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

دفترہ محفوظا عندہ فلو کانت کتابتہ فیما علیہ فی دفتر خصمہ فالظاہر انہ لایعمل بہ خلاف لما بحثہ ط لان الخط مما یزور وکذا لوکان لہ کاتب والدفاتر عند الکاتب لاحتمال کون الکاتب کتب ذٰلک علیہ بلا علمہ[1]۔	پاس محفوظ ہو، تو اگر ایک کے خلاف تحریر ریکارڈ اس کے مخالف کے پاس ہو تو ظاہر یہ ہے کہ اس پر عمل نہ ہوگا۔ طحطاوی کی بحث اس کے خلاف ہے کیونکہ خط میں جعلسازی ہوسکتی ہے اور یوں ہی اگر قاضی کا کاتب ہو اور ریکارڈ کاتب کے پاس ہو تو احتمال ہے کہ کاتب نے قاضی کے علم کے بغیر دوسرے کے خلاف لکھ دیا ہو۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۷ میں ہے:

والخط یعتمد علیہ ولا یعمل بہ ولا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضیین لان القاضی لایقضی الابحجۃ وھی البینۃ والاقرار و النکول کمافی الاقرار الخانیۃ[2]۔	خط پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس پر عمل کیا جاسکتا ہے اور گزشتہ قاضیوں کے خط سے لکھا ہوا وقف نامہ قابل عمل نہیں کیونکہ فیصلہ حجت کی بناء پر ہی قاضی کرسکتا ہے اور شرعی حجت صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے جیساکہ خانیہ کی بحث اقرار میں ہے (ت)

بعینہٖ اسی طرح اشباہ والنظائر صفحہ ۲۰۵ میں ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۴ میں ہے:

انما الخلاف فیما اذاوجد القاضی شہادتہ فی دیوانہ او قضیتہ لان مایکون فی قنطرۃ فھو تحت ختمہ ویومن علیہ من الزیادۃ والنقصان فحصل لہ العلم بذلک، ولاکذٰلک الشہادۃ فی الصك لانہ فی ید غیرہ[3]۔	اختلاف صرف اس صورت میں ہے کہ جب قاضی ریکارڈ یا فیصلہ میں کسی شہادت کو پائے اور اگر ریکارڈ قاضی کے خاص مہر والے بکس میں ہو تو کمی بیشی سے محفوظ سمجھا جائے گا تو اس سے قاضی کو علم ہوجائیگا، کسی کاغذ پر لکھی ہوئی شہادت کا معاملہ ایسا نہیں کیونکہ وہ غیر کے تصرف میں ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۴

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب القضاء باب التحکم دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹

[3] الہدایۃ کتاب الشہادات فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

اسی طرح ردالمحتار جلد ۴ص ۵۸۰ میں ہے۔ فتح القدیر جلد ۵ص ۱۹میں ہے:

انی اری انہ اذاکان محفوظاً ماموناً علیہ من التغیر کان یکون تحت ختمہ فی خریطتہ المحفوظۃ عندہ ان یترجح العمل بھا بخلاف ماذاکان عند غیرہ لان الخط یشبہ الخط[1]۔	میری رائے ہے کہ یہ جب محفوظ اور تغیر سے اطمینان ہو کہ اس کے پاس محفوظ بیگ مہر زدہ میں ہو تو اس پر عمل کو ترجیح ہے بخلاف جبکہ وہ غیر کے پاس ہو، کیونکہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے (ت)

(۹) یہیں سے ظاہر ہوا کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۲۵ میں جو اس کاغذ کے اعتبار پر قول شیخ ابوالعباس سے استناد کیا بجائے خود نہیں شیخ ابوالعباس کے کلام میں کلرکوں یعنی کاتبوں محرروں کا ذکر نہیں بلکہ امناء فرمایا ہے اور اس سے مراد قضاۃ ہیں جس پر قبلہ کا لفظ دال ہے یعنی قاضی اپنے سے پہلے امناء کے دفتروں پر عمل کر سکتا ہے جب کہ وہ ان کے پاس محفوظ رہا ہو، ولہٰذا درمختار میں اس کے بعد خیریہ سے نقل کیا:

ان کان للوقف کتاب فی سجل القضاۃ وھو فی ایدیھم اتبع مافیہ استحسانا[2]۔	جب وقف کی کتاب قاضی کے ریکارڈ میں ہو اور اس کی نگرانی اور قبضہ میں ہو تو استحساناً اس کے مندرجات کی اتباع کی جائیگی (ت)

اور اگر امین سے عام بھی مراد ہو تو دفاتر زمانہ کچھ امنائے شرعیہ ہی کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ محافظ دفتر وغیرہم اکثر نا مسلم بھی ہوتے ہیں جو شرعاً کسی طرح امین نہیں ہو سکتے، نہ ان کی حفاظت پر اعتماد، نہ ان کے قول یا فعل پر اعتبار، یہی حالت نقل نویسوں اور قاریوں اور سامعون کی ہے اور جو کوئی کچہریوں کی کارروائی سے آگاہ ہے وہ ایسے کاغذات پر دستخط حکام کی بھی حقیقت جانتا ہے، کارکن لوگ عام ازیں کہ مسلم ہوں یا کافر، ثقہ ہوں یا فاسق، انہوں نے کام کیا اور کاغذات کا ایک انبار حاکموں کے سامنے دستخطوں کے لئے رکھ دیا، حاکم کو ایک اجمالی حالت کے سوا تفصیل پر بھی پوری اطلاع نہیں ہوتی، نہ کہ نقول کے ایک ایک حرف کا خود مقابلہ کرنا یہ تو قطعاً نہیں ہوتا، نہ وہ ایسے متفرقات کی طرف توجہ کی فرصت پا سکتے ہیں پھر دستخط حاکم ہونے نے کیا فائدہ دیا، اب یہیں دیکھئے

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات فصل فی کیفیۃ الاداء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۶۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

صاحب افسر مال عبارت رواج عام سے یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے" اور ہمارے سامنے دو نقلیں باضابطہ حاضر ہیں، ایک میں بھی ان لفظوں کا پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ نقول میں کمی بیشی ہو جاتی ہے اور وہ صالح اعتماد نہیں۔

(۱۰) علامہ شامی نے جہاں شیخ ابوالعباس کا یہ کلام نقل کیا اس کے متصل ہی یہ افادہ فرمایا کہ دفتر جب بروجہ کامل زیر نگہداشت حاکم محفوظ ہو اس کا اعتبار بھی صرف بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ مدید گزر چکا، شاہدوں کا انتقال ہوگیا، تازہ معاملہ ان میں داخل نہیں، وہ شرع کی اسی اصل کلی کے نیچے ہے کہ "**لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ**" (خط پر اعتماد اور عمل نہ کیا جائیگا۔ (ت) نرے کاغذ پر نہ اعتماد ہو نہ اس پر اعتماد ہو سکے، عبارت شیخ ابوالعباس کے متصل کلام فتاوٰی خیریہ جو ابھی ہم نے ذکر کیا نقل کرکے فرماتے ہیں:

والظاھر ان وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ مافیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذالایعتمد علیہ[1]۔	استحسان کی وجہ ظاہری طور پر یہ ہے کہ قدیم اوقاف اور اس جیسے امور کو زندہ رکھنے کے لئے ضرورت ہے۔ برخلاف جدید ریکارڈ کے کہ اس میں حقیقت پر اطلاع فریق کے اقرار یا گواہی سے ممکن ہے اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جائیگا۔ (ت)

(۱۱) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں ایسے کاغذات کو کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے مان کر معتبر ٹھہرانا چاہاہے، یہ فقرہ بہت قابل قدر ہے، ہم بخوبی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات جو کچہریوں سے آئیں کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے ٹھہرائے جائیں مگر اب یہ دیکھنا رہا کہ کتاب القاضی کن شرائط سے مقبول ہو سکتی ہے، تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھ کر ان گواہوں کو سنادے یا اس کا مضمون بتادے او خط بند کرکے ان کے سامنے سربمہر کردے، اور اول یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھ کر بھی ان شہود کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو۲ مردوں یا ایک مرد دو۲ عورتوں عادل کے خط سپرد کرکے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت دیں بغیر اس کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیج دیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر اس کی اور محکمہ قضا کی مہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کتاب الصوم میں ذکر کیں۔ درمختار میں ہے:

القاضی یکتب الی القاضی وان لم یحکم کتب الشھادۃ لیحکم المکتوب الیہ بھا علی رأیہ وقرأ الکتاب علیھم اواعلمھم بما فیہ وختم عندھم وسلم الیھم بعد کتابۃ عنوانہ وھوان یکتب فیہ اسمہ واسم المکتوب الیہ وشھرتھما واکتفی الثانی بان یشھد ھم انہ کتابہ وعلیہ الفتوی ولایقبل کتاب من محکم بل من قاض مولی من قبل الامام [1] (ملخصًا)۔	ایک قاضی اپنے فیصلہ کو نفاذ کیلئے دوسرے قاضی کی طرف بھیجے گا، اور فیصلہ نہ کیا ہو تو شہاد لکھ بھیجے گا تاکہ مکتوب الیہ قاضی شہادت پر اپنی رائے سے فیصلہ دے، بھیجتے وقت قاضی گواہوں کو خط سنائے گا یا اس کا مضمون بتا کر مہر لگائے گا، عنوان اور پتہ لکھ کر گواہوں کے سپرد کردے گا، چٹھی میں اپنا او مکتوب الیہ قاضی کا نام اور گواہوں کی شہادت قلمبند کرے گا جبکہ دوسرا (مکتوب الیہ) قاضی گواہوں سے شہادت لینے پر اکتفاء کرے گا کہ یہ فلاں قاضی کا خط ہے فتوٰی اسی پر ہے صرف باقاعدہ سرکاری قاضی کی چٹھی قبول ہوگی ثالث کی چٹھی قبول نہ ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

درروغرر میں ہے:

لایقلبہ ایضا الابشھادۃ رجلین اورجل وامرأتین لان الکتاب	مکتوب الیہ قاضی چٹھی کو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر قبول نہ کرے گا

[1] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۴۔ ۸۳

قد یزور اذ الخط یشبه الخط والخاتم یشبه الخاتم فلایثبت الابحجة تامة[1]۔	کیونکہ چٹھی میں جعل سازی ہو سکتی ہے بوجہ اس کے کہ خط خط کے اور مہر مہر کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا چٹھی کامل شہادت کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گی۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ کاغذات اصلاً ان شرائط پر نہیں آتے تو ان کا رد واجب ہوا اور ان کا قبول کرنا محض خلاف شریعت، نمبر ۱ کاغذات کے متعلق یہ بیان ہم نے ان چار نمبروں میں کئے ان تمام کاغذات کے رد کو کافی ووافی ہیں جن سے ثالثوں نے استناد کیا ہے لہٰذا ہمیں آئندہ کاغذات کے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہ ہوگی ان چار نمبروں کے بیانات سمجھ لینے والا بے تکلف جان سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کاغذ اس پیمانے پر نہیں جو شریعت مطہرہ میں درکار ہے تو وہ کاغذ بادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کی طرف کے جو کاغذ ہیں انہیں کی یہ حالت ہے بلکہ فریقین کے کاغذی ثبوت کی یہی کیفیت ہے کہ شریعت مطہرہ کے دربار میں وہ ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہیں، ہم اگر اپنے بیان میں کسی کاغذ سے استناد کریں گے تو وہ الزاماً ہوگا نہ کہ تحقیقاً۔

(۱۲) مجھے رواج عام کی نسبت زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ صرف افسر مال کے اس فقرہ نمبر ۱۲ کے متعلق کہ "اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کل مالکان کی موجودگی میں یہ واقعہ قلمبند ہوا اور اللہ بخش والٰہی بخش کا صحیح النسب ہونا امر محقق تھا اور کسی کو شک وشبہ نہیں تھا یہاں تک کہ یہ ایک رواج عام مثال قرار دئے گئے جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے، لطافت علی صاحب تحصیلدار کی ایک تحقیقات کا بیان کر دینا مناسب ہے وہ اپنے فیصلہ ۷/۲ ستمبر ۱۹۲۱ء فقرہ پنجم میں لکھتے ہیں کہ عام تحقیقات اور موقع سے ظاہر ہے کہ بدر الدین کو خصوصاً اور اقوام چشتی گردونواح کو عموماً بلحاظ اپنی شرافت کے یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پیرنی زادگان یعنی عذرداران کو جائداد میں حصہ دیا جائے"۔ اس تحقیقات کو بیان موصوف صاحب افسر مال سے ملا کر دیکھنا اس خیال کی ایک واضح راہ دیتا ہے کہ مدعیان وہ نہیں جن کی نسبت معززان قوم حصہ دار ہونے پر راضی ہو چکے اور خاندان کے لئے اسے ایک نظیر بنا چکے یہ وہی معززان قوم تو ہیں جن میں ان کو حصہ دئے جانے پر عام ناراضی ہے تو ضرور ہے کہ وہ مدعیان کو صرف پیرنی زادہ سمجھتے تھے نہ کہ پیرزادہ، اور رواج عام میں اس اولاد پیرنی کی نسبت رضامندی دی گئی ہے جو پیرزادہ یعنی نطفہ پیر صدر الدین سے ہو۔

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب القضاء باب کتاب القاضی میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۴

(۱۳) احمد شاہ کا اس کتاب پر اعتراض نہ کرنا جس سے صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۲۵ میں استناد کیا ہے بالبداہۃ اس بناء پر نہیں کہ وہ اپنے علم ویقین سے جانتا ہے کہ پیر صدر الدین نے یہ تحریر لکھی یا اس پر مہر کی وہ تحریر احمد شاہ کی ولادت سے بھی پہلے کی ہے اس کا سکوت اس عام غلطی کی بناء پر ہے جو آج کل لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے کاغذات کو جو کچہریوں سے بے شرائط کتاب القاضی الی القاضی آتے ہیں رواجًا و قانونًا مستند سمجھے جاتے ہیں اس کے ذہن میں بھی وہی رواج قانون تھا یہ شرعی مسئلہ کہ فتوی دینے والے عالموں اور فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی مخفی رہا، احمد شاہ اسے کیونکر جان سکتا تھا بلکہ اگر اسے معلوم بھی ہوتا جب بھی وہ کچہری میں ایسے اعتراض کا موقع نہ پاتا کہ قانونی بات کی مخالفت پر کیونکر کھڑا ہو سکتا تھا اب کہ بالاتفاق فریقین تمام رواجی و قانونی باتیں ترک کردی گئیں اور معاملہ شریعت مطہرہ کے سپرد ہوا وہ مبنی جس کی بناء پر احمد شاہ معترض نہ ہوا تھا زائل و باطل ہو گیا یہ تو اعتراض سے اس کا سکوت ہے اگر وہ اسی عام غلط فہمی پر بنا کرکے اس کاغذ کے مستند ہونے کی تصریح بھی کردیتا جب بھی وہ اقرار کہ بنائے باطل پر مبنی تھا شرعًا باطل ہوتا، جامع الفصولین و اشباہ والنظائر صفحہ ۱۱۹ میں ہے:

اقر بالطلاق بناء علی ما افتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع[1]۔	کسی شخص نے مفتی کے فتوی کی بناء پر طلاق کا اقرار کیا پھر واضح ہوا کہ طلاق کا وقوع نہیں ہوا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔(ت)

یہ بحث یاد رکھنے کی ہے کہ اور کاغذات کی نسبت بھی اگر احمد شاہ کے عدم اعتراض سے استناد ہو تو سب کا یہی جواب شافی وکافی ہے۔

کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین

(۱۴) یہ کاغذ مدعیوں کا سب سے زیادہ مابہ الاستناد ہے ہر محکمہ میں اپنے دعوی کی بناء اسی پر رکھی ہے اور عمومًا فیصلہ کرنے والوں نے بھی اسے کوئی بڑی چیز سمجھا یہاں تک کہ اگر خلاف بھی کیا تو نہ برنبائے اعتباری بلکہ اور وجوہ سے، اس سب کا منشا وہی ہے کہ آج کل ہندیوں کے ذہن میں رواج قانون کے باعث قانونی باتیں اصول مسلمہ کے طور پر جمی ہوئی ہیں اگرچہ شرع مطہر میں ان کی کچھ اصل نہ ہو مدعیان و قانونی حکام سے تعجب، عجب تو ان اہل علم سے ہے جن سے شرعی سوال ہوا اور شریعت کا حکم

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

دریافت کیا گیا اور ان سے جن کو شرعی فیصلہ کے لئے مقدمہ سپرد ہوا اور جن سے فریقین نے صاف کہہ دیا کہ قانونی رواجی باتیں چھوڑ دی گئیں محض احکام شرعیہ سے فیصلہ کرو تاہم ان صاحبوں نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے فتوی اور اپنے فیصلہ میں ایسی چیز معتبر مانی جو شرعًا محض بے بنیاد ہے ہم نمبر ۸ میں فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی خیریہ و اشباہ والنظائر سے لکھ آئے کہ قاضی صرف تین طور پر حکم دے سکتا ہے یا تو گواہان شرعی قائم ہوں یا مدعا علیہ دعوی تسلیم کرلے یا اس پر حلف رکھا جائے اور وہ قسم سے انکار کردے ان کے سوا نرا کاغذ کوئی چیز نہیں، نہ اس پر عمل ہوسکے۔ نیز فتاوٰی خیریہ جلد ۲ ص ۱۱ میں ہے:

المقرعند علماء الحنفية انه لااعتبار بمجرد الخط ولا التفات اليه اذحجج الشرع ثلاثة وهى البينة اوالاقرار والنکول کماصرح به فى اقرار الخانية فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات اليه الااذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعى اعنى باحدى الحجج الشرعية المشار اليها[1]۔	علماء احناف کے ہاں طے شدہ ہے کہ محض خط قابل التفات ہے اور نہ ہی قابل اعتبار ہے کیونکہ شرعی دلائل صرف تین ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار، جیسا کہ خانیہ نے اقرار کی بحث میں تصریح کی ہے لہٰذا محضر نامہ مذکور قابل اعتبار اور قابل التفات نہ ہوگا سوائے اس کے کہ اس کا مضمون شرعی طریقہ یعنی مذکور شرعی دلائل سے ثابت ہوجائے (ت)

نیز اسی کے صفحہ ۲۲ جلد ۲ میں ہے:

ابرز کتاب من السجل فوجد فيه کذا وکذا وليس الموجود فيه سوى خط فى ورق ليس من حجج الشرعى فى شيئ[2] (ملتقطا)	قاضی نے پہلے ریکارڈ میں سے چٹھی نکالی اس میں کوئی مضمون لکھا ورق پایا تو وہ شرعی دلیل کے بغیر حجت نہ بنے گا۔ (ملتقطا)۔ (ت)

جوہرہ نیرہ ج ۳ ص ۲۴۵ میں ہے:

ولا يقبل الکتاب الابشهادة رجلين اورجل وامرأتين لان الکتاب يشبه الکتاب فلايثبت الا بحجة	کوئی مکتوب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کے بغیر مقبول نہ ہوگا کیونکہ مکتوب دوسرے مکتوب کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا شرعی حجت

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات ۲/ ۲۴

تامة[1] اھ۔	کے بغیر پایہ ثبوت کو نہ پہنچے گا اھ (ت)

دیکھو کیسی صاف تصریحیں ہیں کہ ایسی جملہ تحریرات نرے کاغذ ہیں جن میں سیاہی سے نقش بنے ہوئے ہیں اور وہ شرع میں حجت ہونا درکنار اصلاً التفات کے قابل نہیں۔

(۱۵) دواوین قضاۃ یعنی دفتر حکام لیجئے تو ہم نمبر ۸،۹ میں ردالمحتار وہدایہ وفتح القدیر وخیریہ سے بیان کر آئے کہ دفتر حکام وہی معتبر ہے جو خاص ان کی حفاظت میں ان کے مہر ونشان کے نیچے ہو اور یہ کہ آج کل کے محافظ دفتری مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص نہیں نہ کہ ثقہ عادل کے ساتھ اور نہ کہ جو نقل فریق کے ہاتھ میں ہو ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

(۱۶) نمبر ۸ میں یہ بھی گزرا کہ دفتر حکام کا اعتبار بھی بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ دراز گزرا اور ان پر ثبوت شرعی نہیں مل سکتا جہاں کا معاملہ تازہ ہے حاکم خود اپنے دفتر پر کارروائی نہ کرے گا بلکہ انہیں طرق شرعیہ بینہ واقرار ونکول کی طرف رجوع ضروری ہوگی اس پر ردالمحتار کی عبارت گزری، نیز اسی میں ہے:

لابد من تقییدہ بتقادم العھد کما قلنا توفیقا بین کلامھم[2]۔	قدیم زمانہ کی قید ضروری ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے فقہاء کرام کے کلام میں تطبیق دیتے ہوئے۔ (ت)

(۱۷) خود صاحب افسر مال نے ان کاغذات کا بہت اچھا فیصلہ کردیا کہ انہیں کتاب القاضی الی القاضی کے باب سے سمجھا جائے واقعی کچہری سے آئی ہوئی نقلیں اگر محمول ہوسکتی ہیں تو اسی پر اور تمام کتب مذہب کا اتفاق ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بے شہادت عادلہ کاملہ ہرگز معتبر نہیں اگرچہ اس پر قاضی کے دستخط اور دارالقضاء کی مہر بھی ہو، اس پر عبارات کتب نمبر ۱۱ میں گزریں۔

(۱۸) بلکہ انصافاً صلحنامہ کی عبارت کتاب القاضی الی القاضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتی، شہادت ہونا نہ ہونا بالائے طاق، صلحنامہ نہ حاکم نے خود لکھا، نہ اسکے سامنے لکھا گیا، نہ مسل میں یہی بیان ہے کہ پیر بدرالدین نے حاکم کے سامنے اس کے لکھنے یا اس پر دستخط کرنے سے اقرار کیا بلکہ حاکم کے سامنے استفسار پر جو اس کا بیان ہونا ذکر کیا جاتا ہے اور جس پر فریق کی تصدیق بھی موجود ہے وہ بیان تحریر صلحنامہ سے قاصر ہے صلحنامہ میں کل جائداد ریاست وانگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا مذکور ہے اور بیان استفسار میں صرف جائداد وعلاقہ انگریزی ذکر ہے جسے شبہ کیا جاسکتا ہے کہ پیر بدرالدین نے قطع نزاع ورفع فساد

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب آداب القاضی مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۴۵

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۹

کے لئے جائداد علاقہ انگریزی میں مدعیوں کو دو خمس دینا گوارا کرلیا کہ وہ قلیل و کم حیثیت ہے. بڑا حصہ اس کا اور ریاست کی وافر جائداد اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کافی سمجھی، راضی نامہ میں کاتب نے خود فریق کی تحریک سے تمام جائداد ذکر کردیا ہو تو وہ کچھ مؤثر نہیں ہوسکتا ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا، فتاوٰی خیریہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ میں ہے:

العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لالما کتب الکاتب فمن عبارات علمائنا العبرۃ لماھو الواقع فی نفس الامر [1] اھ۔	واقف کے تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کی لکھائی کا جیسا کہ ہمارے علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ صرف نفس الامر میں واقعہ کا اعتبار ہے۔ (ت)

بدر الدین کا لکھا ہوا نام کوئی دلیل شرعی نہیں کہ اسی کے قلم سے ہے، نہ نشان خط ملنے کا کوئی اعتبار، ہدایہ و عالمگیری وغیرہا صدہا کتب مذہب میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط [2] (خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ ت) اس کی کچھ عبارتیں اوپر بھی گزریں، نیز اشباہ والنظائر صفحہ ۳۶۱ وغیرہا میں ہے:

فاستکتب وکان بین الخطین مشابھۃ ظاھرۃ دالۃ علی انھما خط کاتب واحد لایحکم علیہ بالمال فی الصحیح [3]۔	اس نے کچھ لکھوایا اور دو خطوں میں واضح مشابہت ہے کہ ایک ہی کاتب کے معلوم ہوتے ہیں تو مالی معاملات میں اس لکھائی پر فیصلہ نہ دیا جائے گا صحیح قول میں۔ (ت)

اور بالفرض دستخط اسی نے کئے جب بھی کچھ بعید نہیں کہ اس نے صرف جائداد انگریزی کی نسبت کہا اور کاتب نے عمداً یا غلطاً کل کی نسبت لکھ دیا اور اس نے اس اعتماد پر کہ جو میں نے کہا وہی لکھا ہوگا خاص نظر نہ کی اور دستخط کردئے ایسا ہونا کچھ دور نہیں۔ ہدایہ جلد دوم ص ۱۵۷ میں ہے:

اذا کتب کتاب الشراء علی وصی کتب کتاب الوصیۃ علی حدۃ وکتاب الشراء علی حدۃ لان ذٰلک احوط، ولو	کوئی شخص جب وصی کا تقرر کرکے اس کو خریداری کا اختیار لکھوانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ وصیت نامہ اور اس کا اختیار نامہ علیحدہ علیحدہ لکھوائے کیونکہ اس میں

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۰۔۱۳۹

[2] الھدایۃ کتاب الشھادۃ فصل مایتحملہ الشاہد علی ضربین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

کتب جملۃ عسی ان یکتب الشاہد شہادتہ فی اٰخرہ من غیر تفصیل فیصیر ذٰلک حملا علی الکذب[1]۔	احتیاط ہے، اگر دونوں کو اکٹھا لکھوایا تو ہوسکتا ہے کہ گواہ اپنی شہادت آخر میں بغیر تفصیل درج کرے جس کی بناپر وہ تحریر جھوٹ پر محمول ہوجائے۔(ت)

اسی کے ہامش پر کافی امام نسفی سے ہے:

کتب اشتری من فلان وصی فلان واشہد علیہ قوما وفیہم من لم یشہد علی الایصاء فربما یشہد بالکل فیکون حملالہ علی الکذب[2]۔	کاتب نے یوں لکھا کہ فلاں نے فلاں سے چیز خریدی اور کچھ لوگوں کی گواہی بھی لکھی اور ان گواہوں میں کوئی ایسا شخص بھی تھا جو وصیت کے وقت موجود نہ تھا تو ہوسکتا ہے کہ وہ خریداری کی شہادت میں وصیت کی شہادت بھی کہہ دے تو اس سے گواہ کو جھوٹ پر آمادہ کرنا لازم آتا ہے۔(ت)

کیا ہم علانیہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس نے مجوزکے سامنے صرف جائداد انگریزی کا اقرار کیا ہے تحریر صلحنامہ کے بعد حاکم کے سامنے بیان اس کی تصدیق و تحقیق کے لئے ہوتا ہے نہ یہ کہ فیصلہ تو قرار پایا ہو ایک ہزار پر اور بیان میں اقرار کرے پانچ سو کا پھر فریق بھی سن کر تصدیق کرے کہ یہ بیان صحیح ہے،

(۱۹) ان سب امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو اس کا حاصل کتنا، صرف اس قدر کہ پیر بدرالدین نے مدعیوں کو اپنا بھائی تسلیم کیا مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت صحیح ہے کہ جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوسکتا یہ اگرچہ خود اپنے اقرار پر ماخوذ ہو جبکہ اس پر قائم رہے مگر دوسروں پر اس کا اثر کچھ نہیں پڑسکتا امام ابویوسف کی روایت **اول:** تو خلاف مذہب امام اعظم مختار ہونی مسلم نہیں، نہ بہ اخذ الکرخی کہنے سے اس کا مفتی بہ ہونا ثابت، اور یہ ایک لفظ دیکھنا اور ظاہر المتون علی ترجیح قولہما چھوڑ دینا بس عجیب ہے۔

ثانیًا: وہ روایت صراحۃً اس صورت میں ہے کہ ایک ہی وارث ہو اور وہ دوسرے کی نسبت وراثت کا اقرار کرے اور دو یا زیادہ وارثوں میں سے ایک نے اقرار کیا تو بالاتفاق نسب ثابت نہ ہوگا، ثالثوں کی نظر نے یہاں کوتاہی کی، اسی قرۃ العیون کو اگر ایک ورق پہلے دیکھتے تو یہ دھوکا نہ ہوتا، وہ عبارت مولوی عطا محمد کے فیصلہ میں گزری، اور جامع الفصولین جلد ۲ صفحہ ۴۵

[1] الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی ومایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

[2] حواشی الہدایۃ مع الہدایہ کتاب الوصایا باب الوصی ومایملکہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۹۴

میں ہے:

الوارث لو واحدا فاقر بابن اخر للمیت لایثبت نسبہ من المیت خلافا لابی یوسف والشافعی واجمعوا انہ یشارکہ فی الارث لنا ان مجرد تحمیل النسب علی الغیر لایقبل کما لو اقر بہ فی حیاتہ او علی انسان اٰخر اوکان فی الورثۃ غیرہ[1] اھ	اگر ایک وارث نے میت کے لئے کسی اور بیٹے کا اقرار کیا تو اس کے ایک اقرار سے اس کا نسب میت سے ثابت نہ ہوگا اس میں امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کا خلاف ہے تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ مقرلہ وراثت میں شریک ہوگا ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر کی طرف نسب منسوب کرنا بغیر دلیل معتبر اور مقبول نہیں جیسا کہ زندہ شخص کی طرف یا دوسرے شخص کا نسب یا وارثوں میں کوئی دوسرا بھی ہو اھ (ت)

ملاحظہ مسل سے واضح ہے کہ اس اقرار میں پیر سراج الدین شریک نہ تھا بلکہ وہ اس تحریر کے وقت موجود بھی نہ تھا اس کی طرف سے اگر اس اقرار کا رد ثابت نہیں تو اس کی تسلیم کا بھی پتہ نہیں غایت درجہ سکوت ہے، اور شرع کا قاعدہ مقرر ہے کہ لاینسب الی ساکت قول (کسی ساکت کی طرف کوئی قول منسوب نہ ہوگا۔ت) جامع الفصولین واشباہ والنظائر وردالمحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے یعنی سکوت کرنے والے کو کسی بات کا قائل نہیں ٹھہرایا جاتا مستثنٰی صورتیں جو ان کتابوں اور ان کے شروح وحواشی میں ذکر کی ہیں یہ مسئلہ ان میں داخل نہیں۔ اظہار تحصیل منچن آباد سے جو صاحب افسر مال نے پیر سراج الدین کا بھی اس اقرار کو تسلیم کرنا نکالا ہے اس کا حال ان شاء اللہ عنقریب آتا ہے۔

(۲۰) شرع مطہر میں ایسے رشتے کا اقرار جس میں اپنے غیر پر نسب لازم کرنا ہو جیسے کسی کو اپنا بھائی بتانا کہ اس میں باپ پر نسب لازم کیا گیا خود اس مقر کے مال میں بھی اتنا ضعیف و کمزور مانا گیا ہے کہ جب تک کوئی دور کے رشتہ کا ضعیف سا ضعیف وارث موجود ہو بلکہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں صرف مولی الموالاۃ ہو اس وقت تک یہ شخص جس کے نسب کا اقرار کیا ہے خود مقر کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پاسکتا تمام کتب میں اس کی تصریح ہے ایسے واضح اور مشہور مسئلہ کو چھوڑ کر روایت امام ابویوسف کے وہ معنی قرار دینا اور اسے مفتی بہ ٹھہرانا سخت عجیب ہے، طحطاوی ج ۴ ص ۳۷۳ میں ہے:

ان کان للمقر وارث معلوم غیر الزوجین	اگر اقرار کرنے والے کے اپنے قریب بعید کوئی بھی

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۵

قریب او بعید فھو اولی بالمیراث من المقر لہ لانہ لما لم یثبت نسبہ منہ لایزاحم الوارث المعروف ولا مزاحمۃ اذاکان الوارث احد الزوجین وان لم یکن لہ وارث مزاحم استحق المقر لہ میراثہ لان للمقر ولایۃ التصرف فی مال نفسہ عدم الوارث[1]۔	زوجین کے علاوہ معروف وارث موجود ہوں تو مقرلہ کی نسبت وہ معروف وارث وراثت کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ جب مقرلہ کا نسب ثابت نہیں ہے تو وہ معروف ورثاء کے مقابل نہیں آسکتا، اور جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث ہو تو وہاں کوئی مزاحمت نہ ہوگی، اور اگر ان مقرلہ کے مقابل کوئی بھی معروف وارث نہ ہو تو پھر مقرلہ مقر کی وراثت کا حقدار ہے کیونکہ مقر کو اپنے مال میں تصرف کی ولایت ہے۔ (ت)

جامع الرموز صفحہ ۶۱۳ میں ہے:

ولو اقر رجل بنسب من غیر ولاد قریب بینھما کالاخ والعم والجد وابن الابن لایصح اقرارہ بالنسب[2]۔	اگر مقر (اقرار کرنیوالے) نے ولادت کے علاوہ کسی قریبی رشتہ کا اقرار کیا جیسے بھائی، چچا، دادا پوتا ہونے کا۔ تو یہ اقرار نسب صحیح نہ ہوگا۔ (ت)

ایضاح شرح اصلاح للعلامۃ ابن کمال پاشا قلمی ص ۴۲۶ میں ہے:

لایصح لما فیہ من تحمیل النسب علی غیر فلا یرث الاعند عدم وارث معروف قریبا کان او بعیدا[3]۔	صحیح اس لئے نہیں کہ اس میں غیر پر نسب ٹھونسنا ہے تو کسی قریب یا بعید معروف وارث کی عدم موجودگی میں ہی مقرلہ وارث ہوسکے گا

اگر ایک اس کے اقرار سے نسب ثابت ہوجاتا تو وارث قوی کا ضعیف تر وارث سے محروم کردینا کیا معنی رکھتا بلکہ واجب ہوتا کہ اس سے نیچے درجے کے جتنے ورثاء ہوں سب اس کے آگے محروم ہوں لیکن ایسا قطعًا نہیں تو ثابت ہوا کہ نسب ثابت نہ ہوا۔

(۲۱) ایسے نسب کا اقرار اگرچہ مقر کے مال پر نافذ ہو مگر یہ ایک فقہی فتوی ہے اور حکم یا قاضی کو مطلقًا اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورت میں جو حکم مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کردیں ان کا حکم اس حد

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۷۳

[2] جامع الرموز کتاب الاقرار مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۴۵۸

[3] ایضاح شرح اصلاح

تک محدود رہتا ہے جس قدر انہیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا ہے مثلاً تقلید قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکم قاضی ٹھہرے گا دوسرے دن کچھ نہیں، یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیار قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ اختیار نہیں رکھتا، یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انہیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ماوراء میں مثل اور رعایا کے ہے علٰی ہذا القیاس جو قید لگادی جائے اس کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذات خود والی نہیں بلکہ دوسرے کے ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہٖ یہی حال حکم کا ہے قاضی کی تولیت جانب فریقین سے تو فریقین ثالثوں کو جن شرائط کا پابند کرینگے اسی قدر انہیں اختیار فیصلہ ہوگا باقی میں وہ ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں، اشباہ ص ۲۲۳ میں ہے:

القضاء یجوز تخصیصه وتقییده بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة[1]۔	قضا کو کسی زمانہ، مکان اور بعض خصومات سے مقید اور مخصوص کرنا جائز ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔(ت)

درمختار جلد چہارم ص ۵۳ میں ہے:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان لعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ[2]۔	قضاء کو کسی زمانہ مکان اور خصومت سے مختص کرنا جائز ہے حتی کہ اگر سلطان نے پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے روک دیا ہو اور قاضی نے اس مقررہ مدت کے بعد سماعت کی تو نافذ نہ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار صفحہ مذکور میں ہے:

قال فی الفتح الولایة تقبل التقیید والتعلیق بالشرط کقوله اذا وصلت الی بلدة کذا فانت قاضیها و الاضافة کجعلتك قاضیا فی راس الشهر و	فتح میں فرمایا کہ ولایت شرط سے تعلیق وتقیید کو قبول کرسکتی ہے مثلاً سلطان کا یہ کہنا کہ جب تم فلاں شہر پہنچ جاؤ تو تم وہاں کے قاضی ہوجاؤ گے، اور اضافت ونسبت کو بھی قبول کرسکتی ہے کہ میں نے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱

والا ستثناء کجعلتك قاضیا الافی قضیة فلان ولا تنظر فی قضیة کذا[1]۔(ملخصًا)	تجھے فلاں ماہ کے شروع سے قاضی بنایا، اور ولایت استثناء کو بھی قبول کرسکتی ہے مثلاً یوں کہہ جائے کہ میں نے تجھے فلاں کیس کے ماسوا میں قاضی بنایا یوں کہ فلاں کیس کو زیر غور نہ لانا۔(ت)

نیز صفحہ ۵۳۱ میں ہے:

یکون القاضی معزولا عنها لما علمت ان القضاء یتخصص[2]۔	قاضی کی قضاء خاص ہوسکتی ہے اس لئے وہ اس تخصیص کی بناء پر معزول ہوتا ہے(ت)

درمختار صفحہ ۵۳۹ جلد ۴ میں ہے:

التحکیم تولیة الخصمین حاکما یحکم بینهما[3]۔	ثالثی دو فریقوں کا کسی کو حاکم بنانا کہ وہ ان دونوں میں فیصلہ کرے۔(ت)

یہاں فریقین نے اقرار نامہ ثالث میں یہ قید لگادی تھی کہ اگر ان کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو تو ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوٰی ثالثان ناطق ہوگا جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ نسب ثابت نہ ہو تو دربارہ وراثت انہیں حکم کا اختیار نہیں، ثالث چہارم نے کہ ثبوت نسب نہ مانا اور وراثت مال کی نسبت فیصلہ دیا معلوم نہیں یہ کس اختیار سے تھا یہیں سے ظاہر ہوا کہ صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں فیصلہ ثالث چہارم سے یہ استناد کہ اصل مطلب کی بات یعنی وراثت مال انہوں نے بھی مان لی ہے اسی قدر کافی ہے، ایک محض بے اثر چیز سے استناد ہے۔

کاغذ چہارم ۴ شجرہ نسب

(۲۲) شجرہ نسب جو منٹگمری سے آیا اس کی نسبت علاوہ ان اعتراضوں کے جو ایسے کاغذات کی نسبت مکرر گزر چکے اور ثابت کردیا گیا کہ وہ شرعاً استناد درکنار التفات کے بھی قابل نہیں یہ شجرہ حاکم کی کسی اپنی تحقیقات پر مبنی نہیں بلکہ اسی صلحنامہ بدر الدین پر اس کی بناء ہے اور ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کرآئے کہ وہ اپنی ذاتی نامعتبری کے علاوہ ثبوت نسب کے بارہ میں محض مہمل ہے تو یہ شجرہ کہ اس پر مبنی تھا

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲

[3] درمختار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۲

اسی کی طرح باطل و بے عمل ہے ہاں جائداد انگریزی میں بدرالدین کی طرف سے قطع نزاع کے لئے اس کے یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ " حصہ ملکیت برخلاف حصہ جدی کے " رسمی قرار پایا۔

کاغذ پنجم نمبر ۹ اظہار منچن آباد

(۲۳) کاغذات کے متعلق جو نفیس جلیل ابحاث شرعیہ ہم بار بار لکھ آئے اور ثابت کرآئے کہ شرع مطہر ایسے نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلاً لحاظ نہیں فرماتی وہی بحثیں اس کاغذ کے بھی مہمل وبیکار ہونے کے لئے کافی تھیں مگر اس کاغذ کی حالت نے ان عظیم بحثوں کی اور بھی تائید وتصدیق کردی اور خود ہی ایک واضح نظیر ہو زبان حال سے صاف بتادیا کہ دیکھو شرع مطہر حکیم ہے وہ ایسی وجوہ سے نری کاغذی بات کو نامعتبر فرماتی ہے یکم جون ۱۸۹۳ء کو اللہ بخش نے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی کاردار صاحب نے طلبی فریقین کا حکم دیا ۱۳/ جون کو پھر پیشی ہوئی اب مکرر حکم طلبی تحریر سہوا ۲۹/ اگست کو پیشی ہوئی اور کاردار صاحب نے لکھا کہ اب تک نہ فریقین آئے نہ کوئی رپورٹ پیش کار کی شامل ہوئی اب حکم تاکیدی طلبی کا بھیجا گیا ۶/ ستمبر کو باخذ مچلکہ طلبی ہوئی ۷/ ستمبر کو فریقین کی اطلاع یابی اور سراج الدین کی بیماری کا عذر تحریر ہوا ۸/ ستمبر کو پیش کار نے اسی مضمون کی رپورٹ تحصیل میں بھیجی ادھر تو یہ کارروائی ہورہی ہے ادھر ۲۲ اگست کو بدرالدین اور سراج الدین حاضر ہوگئے اظہار بھی دے گئے حکم بھی ہوچکا مقدمہ ختم چکا مقدمہ ختم بھی ہوگیا مسل داخل دفتر بھی ہوگئی اور ۲۹ اگست کو پھر کاردار صاحب شاکی ہیں کہ ۱۳ / جون سے اب تک کوئی نہیں آیا اس خواب پریشان کی کیا تعبیر کہی جائے ۲۲ سے ۲۹ تک ایسی مدت بھی تو طویل نہ گزری تھی کہ کاردار صاحب اور تمام اہل محکمہ کسی کو یاد نہ رہا کہ ابھی فریقین حاضر ہو کر اظہار دے چکے ہیں مقدمہ ختم ہوچکا ہے اب یہ دوبارہ پیشی کیسی اور مکرر طلبی کس لئے، او مچلکوں کی شدت کس بناپر، ناچار صاحب افسر مال کو بھی فقرہ ۱۰ میں تسلیم کرنا پڑا کہ اہلمد ایسی بدعنوانیاں بطور خود کرلیتے ہیں حاکم کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور احکام جاری کردیتے ہیں اور خود ہی حکم اخیر بھی لکھ دیتے ہیں کبھی یہ کہ داخل دفتر ہو کبھی یہ کہ بندوبست میں پیروی کرو اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ دفتر والوں سے سازش ہو کر بھی ایسی کارروائیوں ہوجاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ میدان اہلمدوں کی سبز چراگاہ ہے جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کون سی دلیل قائم ہے کہ یہ دوبارہ طلبی اور بار بار کی پیشیوں کے احکام بھی اہلمدوں کے بطور خود لکھے ہوئے ہیں اور ۲۲ / اگست کا اظہار و حکم ان کی سبز چراگاہ سے دور و محفوظ ہے حاکم دستخطوں کو دیکھا جائے تو وہ ان احکام پر بھی ہیں نہ نرے دستخط شرع میں کوئی حجت کہ سیکڑوں بن سکتے ہیں،

اوپر متعدد کتابوں سے اس کی تصریح گزری غرض دفتر والوں کو خود مختاریاں ماننے بغیر چارہ نہیں اور انہیں پیش خویش کچھ تحریروں سے خاص کرلینے اور فلاں کو ان سے محفوظ ماننے کی کوئی وجہ نہیں، یہی شناعتیں تو ہیں جن کے سبب شرع مطہر نے ان کا در باہی جلا دیا اور سبز چراگاہوں کا راستہ یک قلم بند فرمایا۔

(۲۴) پھر اس پر کاردار صاحب کا جو حکم بتایا جاتا ہے کتنے مزہ کا ہے ایک فریق داخل خارج کی درخواست کرتا ہے دوسرے کو کہتے ہو کہ وہ بلا عذر کررہا ہے پھر بندوبست میں درخواست دینے پر اسے ملتوی کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ اظہار اگر واقعی ہوتا تو کاردار صاحب فوراً حکم انتقال دیتے اور اسی کا موقع تھا جیسا کہ خود صاحب افسر مال کو فقرہ نمبر ۱۰ میں تسلیم ہے کہ "کاردار کو انتقال کا حکم دینا تھا" غرض یہ حکم اگرچہ فریقین راضی ہوں مگر انتقال ابھی نہ ہونا چاہئے بلکہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو ایک ایسا عجیب حکم ہے جس کی نظیر انہیں سبز چراگاہوں میں مل سکتی ہے جاہلوں تک میں تو مثل مشہور ہے کہ دودل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ لہذا اقرین قیاس یہی ہے کہ ۸/ ستمبر تک فریقین کی حاضری نہ ہوئی جیسا کہ مسل سے واضح ہے اور یہ ۲۲/ اگست کا اظہار اور بے معنی حکم اسی دفتری سازشوں او سبز چراگاہوں کی سیاہ کاری ہے۔

(۲۵) لطف یہ کہ بندوبست اس تاریخ سے پہلے کبھی کا ختم ہوچکا تھا اور کاردار صاحب یہ ہدایت کریں کہ بندوبست جاری ہے اس میں درخواست دو، دیکھو فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۴ پھر اگر یہاں تسلیم کیا جائے کہ بندوبست اس وقت جاری تو مدعیوں کا اس میں درخواست نہ دینا کیا معنی، بدرالدین وسراج الدین کی رضامندی کو وہ ایک بار آزما چکے تھے کہ بقول ان کے راضی نامہ کرکے کاربند نہ ہوئے اور ان کا اندراج نام نہ کرایا جس پر انہیں تحصیل میں عرضی دینی پڑی کیا انہوں نے نہ سنا تھا کہ آزمودہ را آزمودن جہل ست (آزمائے ہوئے کو آزمانا جہالت ہے۔ ت) اب دونوں بھائی اقرار لکھا چلے اور بندوبست جاری تھا تو مدعی ہرگز اپنا کام پختہ کرلینے سے نہ بیٹھتے، پھر خوبی یہ کہ جب چھ سال بعد بندوبست جدید میں غلطی کی اصلاح چاہی تو اس درخواست میں بھی مدعیوں نے اس اقرار وتسلیم ہر دو برادران کا کوئی ذکر نہ کیا بلکہ صلحنامہ منٹگمری ہی کو دستاویز بنایا اگر تحصیل منچین آباد میں دونوں بھائیوں نے یوں بلا عذر ان کے نام انتقال تسلیم کرلیا ہو تو سب سے زیادہ بنائے کار اسی پر رکھنی تھی نہ یہ کہ درخواست میں اس کا نام تک نہیں۔

(۲۶) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۱۰ میں اپنے یہاں کے محکموں کے سخت شاکی ہیں اور وہاں کے انتقالات کو بہت سنگلاخ دشوار گزار راہ بتاتے ہیں مگر سختیاں وہیں پیش آتی ہیں جہاں منازعت ہو مزاحمت ہو، کیا اس کی کوئی نظیر بتائی جاسکتی ہے کہ فریقین راضی نامہ کرلیں ایک فریق

اس کا اجرا چاہے دوسرا بلا عذر قبول کرلے بایںہمہ بار بار کی تحریکوں کے بعد سولہ سال تک معاملہ ہنوز روز اول رہے یہ اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر واقع ہو تو اس قدر ہوگا کہ پیر بدر الدین نے جھگڑا کاٹنے کے لئے علاقہ انگریزی کی تھوڑی جائداد سے چھوٹا حصہ رسمی طور کا جیسا مصالحتوں میں ہوتا ہے، نہ جدی حصہ جیسا برابر کے بھائیوں کو دیا جاتا ہے مدعیوں کو دینا گوارا کیا، پیر سراج الدین نے بھی اس پر سکوت کیا مگر ریاست کی جائداد نہ کبھی دینی چاہی نہ اس میں مزاحمت ترک کی نہ مدعیوں کے پاس کوئی کافی ثبوت تھا وہ ارادہ کرتے تھے اور بیٹھ رہتے تھے تحصیل منچن آباد میں درخواست دی اور حاضر نہ ہوئے، بقول مدعیان محکمہ بندوبست کی ہدایت ہوئی اور وہاں نہ گئے اس کے بعد تحصیل میں پھر درخواست دی اور پیروی کو نہ آئے یہ سب قرائن ان کے بے اصلی دعوی کے ہیں اور کچھ بھی قرینہ نہ ہوتا تو بار ثبوت ان کے ذمہ تھا جس سے وہ آج تک سبکدوش نہ ہوئے بالجملہ اس کاغذ پنجم کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے ثبوت میں اس کا نام لینا شرع تو شرع عقل عرفی سے بھی میل نہیں رکھتا۔

کاغذ ششم نمبر ۱۱ تحریری نور الدین

(۲۷) نرے کاغذ کی بے اعتباری تو دلائل قاہرہ سے بار بار ہم ثابت کر آئے مگر یہ کاغذ ایک شہادت ہے کوئی فیصلہ نہیں کسی کاغذ محکمہ کی نقل نہیں کوئی تمسک نہیں جن میں کاغذی ثبوت برخلاف اصول شرع آجکل قابل توجہ سمجھے گئے ہیں جو کسی واقعہ کی شہادت ادا کرنا چاہے وہ ایک پرچہ پر لکھ کر کسی فریق کو دے دے اور فریق اسے محکمہ میں پیش کرے کہ یہ فلاں کا بیان ہے جس کے ساتھ اتنی شہادت بھی نہ ہو کہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ کاغذ لکھا یہ دستخط اسی کے ہیں اس نے ہمارے سامنے کئے محض فریق کے زبانی بیان پر وہ کاغذ شہادت میں لے لیا جائے ایسا تو شاید قانون و رواج میں بھی نہ ہوگا شرع کا حکم تو پہلے ہی سن چکے کہ بجوئے نخرند۔

(۲۸) صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں مولوی نور الدین پیش کردہ مدعا علیہ کو یوں مشکوک ٹھہرایا کہ اس میں اہتمام کیا گیا ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھائی گئی حالانکہ فریق مقدمہ جسے رواجًا اپنی سند سمجھے اس میں رواجی استحکام کی کوشش کوئی منشاء شک نہیں ہوسکتی شاید اگر سادہ پرچہ پر لکھا ہوتا تو اس پر یہ شک ہوتا کہ کچے کاغذ کا کیا اعتبار، مگر انصافًا اگر شک جاتا ہے تو تحریر پیش کردہ مدعیان زیادہ محل ریب ہے نور الدین کی اپنے دل کی لکھی ہوئی اتنی ہی بات ہے جو اس نے تحریر اول میں لکھی کہ نکاح میں نے پڑھایا اور یہ دونوں وقت نکاح موجود تھے اگر اس وقت اس کے ذہن میں یہ ہوتا کہ میرے پڑھائے ہوئے نکاح

سے پہلے خفیہ نکاح ہو لیا تھا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتا یا کم از کم ایسا لفظ نہ لکھتا جو اس کے علم کے خلاف مدعیوں پر ناحق برا اثر ڈالتا مگر جب وہ تحریر دے چکا اور مدعیوں کو اس سے اپنا ضرر ظاہر ہوا تو تیسرے دن یہ دوسری تحریر پیدا کی گئی یا جس طرح ممکن ہوا ایک عاجز مولوی سے لی گئی۔

(۲۹) نرے کاغذی ثبوت ماننے والوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں تحریریں مولوی نور الدین کی ہیں او اس نے یا تو پہلی تحریر میں اخفائے حق کیا او مدعا علیہ کی خاطر یا کسی طمع سے مدعیوں کو ضرر پہنچانا چاہا یا دوسری تحریر میں خلاف حق بات بنائی اور مدعیوں کے لحاظ خواہ کسی لالچ سے مدعا علیہ کو نقصان رسانی چاہی بہر حال اس کی شہادت ساقط ہوگئی اور اس کی بات قابل التفات نہ رہی۔

(۳۰) بالجملہ مدعیوں کا یہ کاغذ پیش کرنا ان کو نافع تو کچھ نہ ہوا مگر ان کے ضرر کا دروازہ کھول گیا اسی کاغذ سے ظاہر ہوگیا کہ وہ اپنی ماں کے نکاح مشہور کے وقت اپنا موجود ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس لاعلاج مرض کا یوں مداوا چاہتے ہیں کہ نور الدین کہتا تھا کہ پیر صدر الدین نے کہا تھا کہ ایک نکاح خفیہ دو گواہوں کے سامنے پہلے ہو لیا تھا نکاح مشہور کے وقت ان کا موجود نہ ہونا تو یہ خود مان چکے، رہا یہ کہ پہلے کوئی خفیہ نکاح ہوا تھا اس کا ثبوت دینا ان پر عائد ہوا جس سے وہ آج تک عہدہ برآنہ ہوئے، عہدہ برآنہ ہونا درکنار اس کی طرف رخ بھی نہ کیا اور کیونکر رخ رکھتے، وہ جانتے تھے کہ اس کا چارہ ان کی قدرت میں نہیں، کیا فقط نور الدین کا بیان نکاح کو ثابت کردے گا کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ صرف ایک شاہد کے بیان اقرار سے نکاح ثابت ہو جائے تمام کتب اور خود قرآن عظیم میں تصریح ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے و مدعیان نہ نکاح مشہور سے پیدا ہوئے نہ نکاح خفیہ ثابت کرسکے پھر کس بنا پر وارث بن بیٹھے۔

(۳۱) فرض کیجئے کہ نکاح خفیہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کوئی مدت بیان میں نہ آئی کہ کب اور نکاح مشہور سے کتنا پہلے ہوا نور الدین نے صرف چند سال کہا جس کا صدق تین بلکہ اردو کا چند دو سال پر بھی ممکن، اور گواہ نکاح مولوی غلام قادر کا بیان ہے کہ نکاح مشہور کے وقت اللہ بخش آٹھ سال اور الٰہی بخش چار برس کا تھا غرض اس قدر میں شک نہیں کہ حالت مبہم ہے اور تحریر مولوی نور الدین سے کچھ نہیں ثابت ہو سکتا کہ ان کی ولادت بعد نکاح خفیہ ہوئی، نہ اقرار پیر صدر الدین میں اس کا کچھ تذکرہ، صدر الدین نے اتنا ہی تو کہا کہ پہلے نکاح خفیہ کر چکا ہو، یہ کب کہا کہ مدعی اسی نکاح خفیہ سے پیدا ہیں، مدعی درکنار اس نے نکاح خفیہ و مشہور کے بیچ میں اپنی کوئی اولاد ہونے کا اصلاً ذکر نہ کیا پھر خفیہ نکاح سے مدعیوں کا پیر صدر الدین کی اولاد ہونا کیونکر ثابت ہوا عجب ہے کہ صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ میں ایسے مہمل کاغذ کو جواب دندان شکن فرمایا جو انصافاً خود اپنے پیش کرنے والے ہی کو ضرر رساں ہے۔

(۳۲) ثالث صاحبان او صاحب افسر مال نے فقرہ نمبر ۹ و ۲۱ میں یہ تو لکھا کہ صحت نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں اس قدر سے اعلان ہو جاتا ہے، بیشک ہو جاتا ہے اور ضرور کافی ہیں مگر اس طرف کسی صاحب نے توجہ نہ فرمائی کہ دو گواہوں کے سامنے ہونے کا ثبوت بھی تو درکار ہے یا بلاثبوت رجمًا بالغیب مان لیا جائے گا کیا ان گواہوں نے خود آکر ثالثوں یا صاحب افسر مال کے سامنے شہادت دی، کیا انہوں نے اپنی شہادت پر دو شاہد عدل اپنے نائب کرکے بھیجے اور انہوں نے بمراعات شرائط شرعیہ شہادۃ علی الشہادۃ ادا کی یا کیا ہوا کچھ بھی نہ ہوا دو گواہ ہونے کا ثبوت کیا ہے پیر صدر الدین کا اقرار، ان کے اقرار کا ثبوت کا ہے؟ مولوی نور الدین کا بیان، ان کے بیان کا ثبوت کیا ہے؟ ایک کاغذ میں کچھ حرف لکھے ہوئے ہیں، اس کاغذ کا ثبوت کیا ہے؟ صرف مدعیوں کا بیان، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ نری مدعیوں کی زبان نکاح خفیہ کی گواہ ہے اور اسی کی بناء پر اسے مانا گیا ہے حالانکہ

باطل ست آنچہ مدعی گوید

(جو کچھ مدعی نے کہا ہے وہ باطل ہے۔ت)

ایسا ثبوت اگر مان لیا جائے تو نرے عرضی دعوی ہی پر کیوں نہ مدعیوں کو ڈگری دیا جایا کرے آخر وہ اس میں بھی تو کہا کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ہمارا بیان سچا ہے غرض اس کاغذ کا سند میں نام لینا بھی شرعًا عقلًا عرفًا کسی طرح کوئی معنی نہیں رکھتا۔ الحمدللہ تمام کاغذی سندوں کے جواب سے فراغ پایا اور واضح ہوگیا کہ ان میں ایک پرچہ بھی قابل استناد نہیں۔ اب امر ہفتم کی طرف چلئے۔

سند ہفتم شہادات

(۳۳) شہادتوں پر مولوی عطا محمد صاحب کا اعتراض بہت حق و بجا ہے فی الواقع شرع مطہر نے حقوق العباد میں لفظ اشہد یا اس کا ترجمہ کہ گواہی می دہم یا گواہی دیتا ہوں رکن شہادت قرار دیا ہے بغیر اس کے ہرگز شہادت متحقق نہیں ہوسکتی، خالی خبر ہوگی جو یہاں اصلًا قابل التفات نہیں، تمام کتب مذہب میں اس کی تصریح ہے، ہدایہ جلد دوم ص ۱۰۱ میں ہے:

ولابد فی ذٰلك كله من العدالة ولفظة الشهادة فان لم يذكر الشاهد لفظة الشهادة وقال اعلم او اتيقن لم تقبل شهادته[1]۔	ان سب میں عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے اگر گواہ نے لفظ شہادت نہ کہا اور میں جانتا ہوں یا مجھے یقین ہے کہا تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

[1] الہدایۃ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

اسی میں ہے:

امالفظة الشهادة فلان النصوص نطقت باشتراطها اذا الامر فيها بهذه اللفظة ولان فيها زيادة توكيد فان قوله اشهد من الفاظ اليمين (كقوله اشهد بالله) فكان الامتناع عن الكذب بهذه اللفظة اشد[1]۔	لفظ شہادت تو اس لئے کہ تمام نصوص نے اسکو شرط کہا ہے کیونکہ شہادت کا حکم اسی لفظ سے بیان ہوا ہے اور اس لئے کہ اس لفظ میں تاکید زیادہ ہے کیونکہ شاہد کا اشھد کہنا، یہ قسم کے الفاظ میں سے ہے (جیسے اشهد بالله قسم ہے) لہذا اس لفظ میں جھوٹ سے امتناع زیادہ قوی ہے۔ (ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۰۰ میں ہے:

وقد وقع الامر بلفظ الشهادة فی قوله تعالٰی واقيمو الشهادة لله وقوله عليه الصلوة والسلام اذا رأيت مثل الشمس فاشهد فلزم لذلك لفظ الشهادة[2]۔	اللہ تعالٰی کے ارشاد اقیمو الشهادة (شہادت قائم کرو) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد اذا رأيت مثل الشمس فاشهد (یعنی جب سورج کی مثل دیکھ لے تو شہادت دے) تو اس سے لفظ شہادت لازم ہوا کیونکہ یہاں لفظ شہادت سے حکم دیا گیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ جلد ۳ صفحہ ۴۵۰ میں ہے:

واما ركنها فلفظ اشهد بمعنى الخبر دون القسم هكذا فی التبيين[3]۔	لیکن شہادت کا رکن، تو لفظ اشهد بمعنی خبر ہے بمعنی قسم نہیں ہے، تبیین میں یونہی ہے (ت)

اسی طرح بحر الرائق جلد ہفتم ص ۶۱ میں ہے، درمختار وردالمحتار وقرۃ العیون کی عبارتیں فتوائے مولوی عطا محمد صاحب میں گزریں اور خود تکثیر عبارات کی کیا حاجت جبکہ علماء نے قرآن عظیم ہی کا نص اس پر ذکر فرمایا۔

(۳۴) صاحب افسر مال کا فقرہ نمبر ۲۵ میں اس ناممکن الجواب اعتراض پر یہ اعتذار پیش کرنا کہ فقہاء نے لفظ اشھد کی شرط تو ضرور لگائی مگر اس کی علت یہی ہے کہ اشھد میں معنی قسم ہیں تو معنی قسم جس لفظ سے پورے کرلئے جائیں شرط حاصل ہو جائے گی سخت عجیب ہے جس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ نماز

---

[1] الہدایۃ کتاب الشہادۃ مطبع یوسفی ۳/ ۱۵۵

[2] فتح القدیر کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۰

کے لئے شرع میں ہیئت تو ضرور مقرر ہے جس میں قیام ورکوع وسجود وقعود وغیرہا ارکان ہیں مگران سب سے مقصود تعظیم الٰہی ہے تو وہ جس طرح حاصل ہو نماز ادا ہوجائے گی کچھ ان ارکان کی ضرورنہیں، شہادت میں لفظ اشھد شرط نہیں بلکہ فقہاء نے اسے رکن شہادت لکھا ہے جیسا کہ تبیین الحقائق وبحرالرائق وعالمگیریہ سے گزرا اور کوئی شے بغیر اپنے رکن کے متحق نہیں ہوسکتی۔

(۳۵) سخت عجب یہ ہے کہ کتابیں صاف تصریحیں کررہی ہیں اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا، درمختار سے گزرا:

ھذہ المعانی مفقودۃ فی غیرہ فتعین [1]۔	یہ معنی اس کے غیر میں مفقود ہے تو یہ متعین ہے۔(ت)

اسی طرح بحرالرائق جلد ۷ ص۶۱ میں قرۃ العیون سے گزرا: لایقوم غیرھا مقامھا [2] (دوسرا اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا ہے۔ت) بحرالرائق جلد ۷ ص۶۸ میں ہے:

شرط لجمیع انواعھا لفظ اشھد بالمضارع فلا یقوم غیرہ مقامہ وقدمنا ان لفظھا رکن [3]۔	تمام اقسام شہادت میں لفظ اشھد مضارع ہے لہٰذا دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہوسکتا جبکہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہی لفظ رکن ہے۔(ت)

پھر اس کا مطلب یہ ٹھہرا کہ کچھ اس لفظ کی خصوصیت نہیں بالکل دن کو رات سے تفسیر کرنا ہوگا

(۳۶) یہ بھی محض غلط ہے کہ اس کی علت معنی قسم ہے بلکہ معانی کثیرہ کا اجتماع جن میں سے ایک معنی قسم بھی ہے، درمختار کی عبارت گزری:

لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال [4]۔	کہ مشاہدہ قسم اور حال کے معنی کو متضمن ہے۔(ت)

فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۱۱ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۶

[3] بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۶۲

[4] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

لفظۃ الشھادۃ اقوی فی افادۃ تاکید متعلقھا من غیرھا من الالفاظ کا علم و اتیقن لما فیھا من اقتضاء معنی المشاھدۃ والمعاینۃ التی مرجعھا الحس۔[1]	شہادت کا لفظ اپنے متعلق کی تاکید میں دوسرے ہم معنٰی الفاظ کی نسبت اقوی ہے جیسے کہ لفظ، میں جانتا ہوں مجھے یقین ہے، کہ مقابلہ میں، کیونکہ شہادت کا لفظ مشاہدہ اور معاینہ جس کا مرجع حس ہے، کو چاہتا ہے۔(ت)

بلکہ عالمگیری سے گزرا کہ اشھد بمعنی خبر رکن ہے نہ بمعنی قسم۔

(۳۷) یہ بھی ہرگز مسلم نہیں کہ کچہریوں میں حلف کے معنی پورے کرالئے جاتے ہیں کہیں یہ کہلوایا جاتا ہے سچ کہوں گا خدا میری مدد کرے، کہیں یوں کہ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ کہوں گا ان الفاظ کو یمین سے کچھ تعلق نہیں اور اگر وہی لفظ کہلوائے جائیں جو صاحب افسر مال نے لکھے کہ خدا کی قسم میں سچ کہوں گا تو یہ یمین منعقدہ ہوئی یعنی آئندہ کی نسبت جس کے خلاف کرنے پر پندرہ سیر گیہوں یا تین روزوں میں کام نکل سکتا ہے۔بخلاف اشھد کہ اس میں یمین غموس ہے کہ سلطنت ہفت اقلیم یا لاکھ روزے بھی اس کا کفارہ نہیں ہوسکتے تو اس میں اس کے معنی کا ادا ہوجانا کیونکر ممکن۔

(۳۸) دوسرا لفظ صاحب افسر مال نے یہ لکھا کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر شہادت دوں گا یہ بھی ایک وعدہ ہے جو کسی اشھد کے معنی پورے نہیں کرسکتا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ شہادت بلفظ مضارع بمعنی حال لازم ہے درمختار سے ابھی گزرا واخبار للحال[2] (حال کی خبر دینا ہے۔ت) ردالمحتار ج ۴ص ۳۷۵ میں ہے:

فلو قال شھدت لایجوز لان الماضی موضوع للاخبار عما وقع فیکون غیر مخبر فی الحال۔[3]	اگر اس نے "شھدت" بلفظ ماضی کہا تو ناجائز ہے کیونکہ ماضی گزشتہ واقعہ کی خبر کے لئے وضع کیا گیا ہے تو یہ ماضی، حال کی خبر نہ دے گا۔(ت)

جب صیغہ ماضی معتبر نہ ہوا جو یمین میں مثل صیغہ حال ہے حلفت باللہ اور احلف باللہ کا ایک ہی حکم ہے تو شہادت دوں گا صیغہ استقبال کیا حیثیت رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ قسم کھاؤں گا

---

[1] فتح القدیر کتاب الشہادات المکتبۃ النوریۃ الرضویہ سکھر ۶/ ۴۵۶

[2] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

کیا اس کہنے سے قسم ہو جاتی ہے یا جھوٹ سے باز رہ سکتا ہے۔

(۳۹) اور اصل حقیقت امر یہ ہے کہ تعین لفظ اشھد میں جو علتیں توجیہیں بیان میں آئیں از قبیل نکات و لطائف ہیں وہ ایک حکم تعبدی ہے یعنی شرع مطہر نے خاص اسی لفظ کو معین فرمادیا تو اب اس سے تجاوز جائز نہیں، ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۷۵ و بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۰۔۶۱ میں ہے:

اقتصر علیہ اتباعا للماثور ولایخلو عن معنی التعبد اذلم ینقل غیرہ [1]۔	اس نے اس پر اقتصار کیا، منقول وماثور کی پیروی کرتے ہوئے جبکہ یہ تعبد کے معنی سے خالی نہیں، اور اس کا غیر منقول نہیں۔(ت)

تو اس کی علت تلاش کرنا اور اس کا دوسری جگہ اجرا چاہنا سرے سے باطل ہوگیا، ان تقریرات سے آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہندہ کچہریوں میں جہاں لفظ اشھد نہیں کہلواتے اور ان بے معنی الفاظ مذکورہ یا ان کے امثال سے حلف لیتے ہیں وہ زنہار اصول شرع سے مطابقت نہیں کھاسکتا ہے، شیئ اگر اپنی ضد سے مکمل ہوسکتی ہو، دن کی اگرات سے تکمیل ہوسکتی ہو تو ان الفاظ میں اصول شرع کو مکمل سمجھ سکیں، انگریزی و ہندی کچہریوں میں مثبت سمجھے ہوئے دعوے اگر شرعاً غیر مثبت ٹھہریں تو کیا استحالہ ہے بلکہ اصول شرع کے اتباع نہ کرنے سے شرعاً ان کا غیر مثبت ہونا خود ہی لازم، نہ یہ کہ ان کو مثبت بنانے کے لئے اصول شرع تبدیل کردیئے جائیں، یہاں کی کچہریوں میں کفار کی گواہیاں مسلمانوں پر عموماً سنی جاتی ہے اور ان پر فیصلے ہوتے ہیں اور وہ دعوے مثبت ٹھہرائے جاتے ہیں اسے کون سے اصول شرع سے تطبیق دی جائے گی حالانکہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

"لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰہُ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾" [2]۔	اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔(ت)

خود صاحب افسر اپنے اسی فیصلہ فقرہ نمبر ۱۳ میں فرماتے ہیں: "قبضہ کی بابت ریلارام پیشکار اور غلام حیدر خاں پیشکار کی شہادت شامل مسل ہے اور ان کی شہادت سے ثابت ہے کہ قبضہ رہا پس دو معزز راہلکاروں کی شہادت معتبر شہادت ہے ہمارا فرض ہے کہ اس کو قبول کریں اور یقین کے ساتھ قبول کریں" حالانکہ شرع مطہر اسے حرام بتاتی ہے فاسق کی نسبت تو ارشاد ہوا:

"یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا اَنۡ تُصِیۡبُوۡا قَوۡمًا	اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو کہ کہیں کسی قوم کو بے جانے ایذا

[1] ردالمحتار بحوالہ البحرا لرائق کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝ "[1]	نہ دے بیٹھو پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ۔ (ت)

نہ کہ کفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔

(۴۰) صاحب افسر مال فقرہ نمبر ۸ میں اس شہادت مدعیان کو متواتر حقیقی بناتے ہیں کہ "یہ شہادت تواتر تک پہنچ چکی ہے جس کے خلاف ہونے کا احتمال نہیں" اور عجب یہ کہ مدعیوں کے تیس گواہ کے مقابل مدعا علیہ کے پینتالیس گواہوں کو لفظ "چند کس" سے تعبیر فرماتے ہیں جس کی انتہا نوتک ہے یہ مجمل جرح کہ وہ یا اجیر ہیں یا اس فریق کے جتھے والے، ہر طرف کے گواہوں پر ہو سکتی ہے جو ان میں معزز ہوئے ان پر طرفداری اور باقیوں کو اجورہ داری کا الزام لگا دینا کیا دشوار ہے، ان الزامات کی راہ تو شرع مطہر نے گواہوں میں عادل ہونے کی شرط لگا کر بند فرمائی تھی جب یہ شرط اٹھ گئی بلکہ گواہ کے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ رہی تو ہر گونہ الزام آسان ہے جس میں دونوں فریق کی حالت یکساں ہے بلکہ اس نوٹ کی بناء پر جو صاحب افسر مال نے اپنے آخر فیصلہ میں دیا جس میں مدعیوں کو اخلاقاً وعادۃً مدعا علیہ سے بہت بہتر بتایا اور مدعا علیہ کو چلباز کمینہ کا آدمی شریر وغیرہا الفاظ سخیف، سے یاد فرمایا احتمال طرفداری گواہان مدعیان کی طرف زیادہ قائم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خوش اخلاق ونکوسیر آدمی کا جتھا بھاری ہوتا ہے، مکار شریر چالباز سے لوگ نفرت کرتے ہیں اگرچہ لطافت علی صاحب تحصیلدار نے جو تحقیقات موقع لکھی وہ اس کا عکس ظاہر کرتے ہیں اور عمزز خاندان چشتیاں کو مدعیوں سے نفرت بتاتے ہیں بہر حال یہ زائد وخارج از بحث باتیں ہیں، کلام اس میں ہے کہ وہ تواتر جس میں خلاف کا احتمال بھی نہ رہے اس کے یہ معنی نہیں جسمیں فریقین کے انتخاب کو کوئی دخل ہو ہر فریق اپنی مرضی کے گواہ چھانٹ چھانٹ کر اسم نویسی کرائے یہ تیس بتائے وہ پینتالیس لے آئے بلکہ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے تمام لوگ چھوٹے بڑے عالم جاہل سب اس امر سے واقف ہوں، عام لوگ یک زبان و متفق اللسان ایک ہی بات کہیں۔ فتاوٰی عالمگیری جلد ۳ ص ۱۵۲ میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ:

ان تاتی العامة وتشهد بذلك فيؤخذ بشهادتهم كذا في الذخيرة[2]۔	اگر عام لوگ یہی بات کہیں اور یہی شہادت دیں تو یہ شہادت قبول کرلی جائے گی جیسا کہ ذخیرہ میں ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۴

نیز اسی کے صفحہ ۱۵۳ پر اس کی تشریح یوں فرمائی:

کونه ظاهرا مستفیضا یعرفه کل صغیر و کبیر وکل عالم و جاهل کذافی الذخیرة[1]۔	اس کے ظاہر مستفیض ہونے کی وجہ سے کہ اس کو ہر بڑا چھوٹا، عالم اور جاہل جانتا ہے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں، فہرست گواہان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ مدعی کے گواہ ہیں کچھ لوگ مدعا علیہ کے، ایک ہی بستی کہ کچھ لوگ ادھر کے شاہد ہیں کچھ لوگ ادھر کے، ایک بھائی ادھر کا گواہ تو دوسرا حقیقی بھائی دوسری طرف کا۔ بھانجا مدعیوں کا گواہ ہے تو ماموں مدعا علیہ کا۔ تواتر حقیقی کی صورت ہوتی تو معاملہ بدیہیات سے ہوجاتا کہ متواترات اقسام بدیہی سے ہیں اور بدیہی پر دلیل قائم کرنا بے معنی، تو صاحب افسر مال کو اپنا فیصلہ میں ۷ نمبر ابتدائی کے علاوہ کہ متعلق واقعات ہیں اکیس نمبر بحث کے کیوں لکھنے پڑتے یا ادھر تواتر ہوجاتا تو ہم کو ۲۱ کے مقابل ۴۲ نمبر لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی۔ بزازیہ اور قرۃ العیون ج ۴ ص ۶۰۰ میں ہے:

فی المحیط ان تواتر عندالناس وعلم الکل یقضی بفراغ ذمته لانه یلزم تکذیب الثابت بالضرورة والضروریات ممالم یدخلها شك[2] اھ۔	محیط میں ہے اگر لوگوں میں تواتر ہے اور سب جانتے ہیں تو اس کے ذمہ کی فراغت کا حکم کردیا جائے گا کیونکہ یہ بدیہی طور پر ثابت ہے اور اسے نہ ماننے پر ضروری معلوم شدہ کی تکذیب لازم آئے گی جبکہ ضروری بدیہی امور میں شک کا دخل نہیں ہوسکتا۔(ت)

(۴۱) اگر ۳۰ گواہ ہونے کے سبب شہادت مدعیان متواتر ہوگئی تو شہادت مدعا علیہ بدرجہ اولٰی متواتر ہوگی کہ اس کے ۴۵ گواہ ہیں اور اب وہ اعتراض جو ثالثوں اور مجوز نے فقرہ نمبر ۲۲ میں اس پر کیا کہ وہ شہادت نفی ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں باطل ہوجائے گا کہ شہادت جب متواتر ہو یقینا مقبول ہے اگرچہ نفی پر ہو۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی بزازیہ و اشباہ والنظائر صفحہ ۲۱۴ میں ہے: **تقبل بینة النفی المتواتر**[3] (نفی پر متواترات کو بطور دلیل قبول کیا جائیگا۔ت) درمختار جلد ۲ ص ۶۰۰ میں ہے:

شهادة النفی المتواتر مقبول[4]۔	متواتر نفی کو شہادت کے طور قبول کیا جائے گا۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۱۵

[2] قرۃ عیون الاخیار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۴۱

[3] الاشباہ والنظائر بحوالہ ظہیریہ وبزازیہ الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۲

[4] درمختار کتاب الشہادات باب الفضول عدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

(۴۲) بحمد اللہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ و بے اعتبار ہیں، روئداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی سخت محل افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات وشہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی، ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ نمبر ۲۰ گزارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے مظہران فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں،، یہاں ثالثوں نے روئداد مسل پر فیصلہ کرنے سے صاف صاف استعفا دے دیا یا باوصف اس کے بلا تحقیق جدید فیصلہ کیا اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسر مال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقہ کے تمام سر برآوردہ اشخاص اور چشتیوں کو طلب کیا مگر بے تحیقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روئداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا۔ دیکھو فیصلہ افسر فقرہ نمبر ۲۴، میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدر الدین ہو ثابت نہیں تمام کاغذات و شہادات موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز و قاصر ہیں، ان کا دعوی نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہہ حاصل، لہٰذا دعوی مدعیان باطل، یہاں اور ابحاث فقہیہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گزارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے۔ وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵ تا ۱۰۱: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خان صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں میں زر مہر کا جھگڑا ہے ان دونوں شخصوں نے اہل اسلام کے دو شخصوں کو پنچ اور ایک کو سر پنچ اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے باقاعدہ بنادیا، پنچان و سر پنچ صاحب نے بالاتفاق اپنی اور نیز اپنی جماعت کثیر اہل اسلام پابند صوم وصلوٰۃ سے ایک فیصلہ تجویز کردیا، فیصلہ سنانے کے قبل پنچان و سر پنچ و نیز دیگر شریک رائے اہل اسلام نے ہر دو فریق کو کہ جن کی جانب سے پنچ و سر پنچ بنائے گئے تھے یہ تجویز سنادی کہ جو فیصلہ ہم دو فریق کو سنادیں گے وہ تم دونوں کو بخوشی خاطر قبول و منظور ہوگا یا نہیں، اور اس فیصلہ میں خواہ کسی فریق کا کیسا ہی نقصان کثیر ہو وہ برداشت کرنا ہوگا ہر دو فریق نے نہایت رضامندی سے اس تجویز کو قبول اور منظور کا کیا اس کے بعد پنچان و سر پنچ صاحب نے بآواز بلند مجمع کثیر میں اس فیصلہ کو جو باہم نزاعی تھا سنایا ایک فرقہ نے اس کو منظور کرلیا اور ایک فرقہ نے اس کو نامنظور کیا، اب جس فرقہ نے اس کو نامنظور کیا تو ازروئے شرع شریف کے اس معاہدہ کی تکمیل جو بروقت فیصلہ سنانے کے ہر دو فریق سے منظور کرالی تھی اس پر عمل کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) دو شخصوں میں تبادلہ جائداد پر جھگڑا تھا ان دونوں شخصوں نے اس کے فیصلہ کے واسطے دو پنچ اور

ایک سرپنچ بنائے، پنچ وسرپنچ صاحبان نے دونوں شخصوں سے چار چار ہزار روپیہ جمع کرالیا اور ایک جماعت کثیر اہل اسلام کے روبرو حلف شرعی وخدا و رسول کو درمیان وکلام مجید درمیان کرکے یہ وعدہ ہردو شخصوں سے کرالیا کہ جو تم دونوں شخصوں میں سے ہمارا فیصلہ کیا ہوا نہ مانے گا ہم اس کا روپیہ ضرور دوسرے کو دے دیں گے ان دونوں شخصوں نے جن کی جائداد کا جھگڑا تھا اس بات کو قبول و منظور کرلیا اور پختہ عہد و پیمان شرعی کے ساتھ یہ کہہ دیا کہ اگر ہم میں سے جو کوئی فیصلہ کئے ہوئے کو نہ مانے اس کا روپیہ آپ دوسرے کو دینا، ہم کو یہ بات قبول و منظور ہے، اب پنچان وسرپنچ صاحبان نے اپنا فیصلہ کیا ہوا دونوں شخصوں کو سنایا، ایک نے منظور کرلیا اور ایک نے نہیں منظور کیا، جس نے کہ نہیں منظور کیا اس کا روپیہ حسب وعدہ نیز پنچ یا سرپنچ صاحبان کے دوسرے کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اگر کسی شخص کو پنچ یا سرپنچ کسی فیصلہ کے لیے بنایا جائے تو وہ صرف یکطرفیہ شہادت و ثبوت خفیہ پر اپنی تجویز لکھ سکتا ہے یا نہیں اور ایسی تجویز جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اگر پنچ سرپنچ نے ایک فریق سے جو بوجہ طمع ناجائز کے ساز واتفاق کرکے فریق دعوم کے خلاف فیصلہ دیا ہو تو ایسے شخصوں کا فیصلہ کیا ہوا ازروئے شرع جائز ہوگا یا ناجائز؟

(۵) اگر کوئی شخص قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائے اور پھر اس قسم کے خلاف کرے تو ایسا شخص قابل قاضی وحاکم بنانے کے ہے یا نہیں اور اس کا فیصلہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۶) حاکم وقاضی کو شہادت لینا باقاعدہ ضرور ہے یا نہیں یا صرف اس کا ذاتی علم فیصلہ کرنے کے واسطے جائز ہے یا ناجائز؟

(۷) ازروئے شرع شریف کے رشوت لینا کیسا گناہ ہے اور رشوت لینے والا حاکم و قاضی وشاہد معتبر ہے یا غیر معتبر، اس کا فیصلہ کیا ہوا قابل تسلیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر فیصلہ مطابق شرع ہو ہر فریق کو ماننا لازم ہے اور باطل وخلاف شرع ہو تو کسی پر اس کی پابندی نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: حکم صرف اللہ تعالٰی کا ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۶ / ۵۷

اور ماننے نہ ماننے پر کوئی خاص معاہدہ کرلیا ہو تو اس کی پابندی ضروری نہیں کہ ایک مہمل شرط ہے کوئی عقد شرعی نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: شرط اللہ احق واوثق [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی کی شرط کردہ زیادہ پختہ اور قوی حق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) وہ شرط حرام باطل تھی اور وہ روپیہ ہر ایک کو اس کا واپس دینا فرض اور دوسرے کو دینا حرام،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس میں ایک دوسرے کے مال کو باطل طور پر مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۳) شہادت شرع میں صرف مدعی سے لیجاتی ہے مدعا علیہ سے گواہ لینا کچھ ضرور نہیں اور گواہان قبول شرعی کے ساتھ اگر کسی خفیہ تحقیقات سے اطمینان کرلیا تو اس میں بھی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [3]۔ رواہ الدار قطنی والبیھقی وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال النووی سند البیھقی حسن وصحیح۔	گواہی مدعی کے ذمہ اور قسم منکر پر ہے۔ اس کو دار قطنی بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ امام نووی نے فرمایا: بیہقی کی سند حسن اور صحیح ہے۔ (ت)

ہاں اگر حاکم نے خلاف شرع ناجائز ہے بے ضابطہ کارروائی کی تو وہ جس حد کی ناجائز ہوگی اس کے قابل اس پر حکم ہوگا سائل نے کوئی تفصیل نہ بیان کی کہ صورت خاصہ کا حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد کچھ لے کر فیصلہ دینا ہے ایسا فیصلہ مطلقاً مردود

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب الرہن ۱/ ۳۴۲ و جامع الترمذی ابواب الاحکام ۱/ ۱۶۰ وسنن الدار قطنی ۴/ ۲۱۸، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی البینات دار الفکر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

وبے اعتبار ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

اجمعوا انه اذاارتشی لاینفذ قضاؤہ فیما ارتشی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقہاء نے اجماع کیا ہے کہ قاضی نے جس فیصلہ میں رشوت لی ہے وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۵) حلف کا حکم جواب سوال چہارم میں گزرا، اگر شرعًا اس قسم کا خلاف اسے کرنا چاہئے تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں اور وہ حاکم وقاضی بنائے جانے میں مخل نہیں اور اگر ناجائز تھا تو ایسے کو قاضی وحاکم نہ بنایا جائے اور اگر بنایا گیا تو اس کا فیصلہ اب بھی مانا جائے گا اگر مطابق شرع ہو، فتح القدیر میں ہے:

ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضائه بحق فلم لاینفذ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	قاضی کا فسق موجب عزل نہیں تو اس کی ولایت قائم اور فیصلہ حق ہے تو کیونکر نافذ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۶) فتوٰی اس پر ہے کہ قاضی وحاکم کا ذاتی علم فیصلہ کے واسطے کافی نہیں، نہ اسے اس پر فیصلہ دینا جائز، اشباہ میں ہے:

الفتوی علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے زمانہ میں آج فتوٰی یہ ہے کہ قاضی کے علم پر مبنی فیصلہ پر عمل جائز نہیں ہے جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۷) رشوت لینا مطلقًا گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرامخوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے، دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی طرح ظلم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحق اشد غضب وانتقام ہے،

فی وصایا الهندیة عن فتاوی الامام قاضیخاں ان بذل المال لاستخراج	ہندیہ کے وصایا میں امام قاضی خاں کے فتاوٰی سے منقول ہے کہ دوسرے پر اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الدعوٰی والبینات نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۶۰

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی المکتبة النوریة الرضویہ سکھر ۶/ ۳۵۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

حق له علی اٰخر رشوۃ وان بذل لدفع الظلم عن نفسه وما له لایکون رشوۃ اھ [1] والمسألة تحتاج الٰی زیادۃ تقریر وتحریر وتنقیح وتنقیر لاتفرغ له الاٰن وباللہ التوفیق۔	مال خرچ کرے تو رشوت ہے اور اگر اپنے پر ہونے والے ظلم یا اپنے مال پر ناجائز دخل کو ختم کرنے کے لئے مال خرچ کرے تو یہ رشوت نہ ہوگی اھ، اور یہ مسئلہ تقریر، چھان بین، تنقیح اور تحقیق کو چاہتا ہے جس کی فی الحال فرصت نہیں۔ وباللہ التوفیق (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما [2]۔ رواہ الامام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ کی لعنت رشوت دینے والے اور لینے والے اور ان کے دلال پر۔ اسے امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت) قاضی و شاہد کا مسئلہ جواب ششم و ہفتم میں گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲: از رامپور چوک حیدر علی خاں مرسلہ محمد ایاز صاحب ٹھیکیدار ۱۱/ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوی زر قرضہ اپنے کا بنام بکر دائر کیا حاکم نے ڈگری زر قرضہ بنام بکر صادر فرمایا مگر اپنی تجویز میں قسط بندی کردی، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا حاکم کو بدون رضامندی مدعی اختیار قسط بندی کا حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

حاکم کو نہ ہرگز اپنی طرف سے قسط بندی بے رضائے مدعی کردینے کا اختیار نہ اس کی اس قسط بندی کا کوئی اعتبار، بلکہ وہ ایک لغو بات محض ناقابل التفات ہے، حاکم کا فرض ہے کہ جب دعوی اس کے نزدیک ثابت ہوجائے فورًا مطابق دعوی حکم دے اگر تاخیر کرے گا فاسق و معزول و مستحق تعزیر ہوگا۔

الاولی لرجاء الصلح بین الاقارب الثانیة اذا استھل المدعی کما	مہلت دینا اقارب میں صلح ہے یا مدعی جب اس کا اظہار کرے، جیسا کہ الاشباہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۰
[2] مسند احمد ترجمہ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۷۹

فی الاشباہ[1] ولاحاجة الی استثناء ثالثة ذکرھا وھو ما اذاکان عندہ فیہ ریبة لان الکلام اذا اثبت الامر۔	میں ہے،اور تیسرے کے استثناء کی حاجت نہیں ہے اور وہ یہ کہ جب قاضی کو اس میں شک ہو، کیونکہ یہ کلام اس صورت میں ہے جب قاضی کے ہاں معاملہ ثابت ہو جائے۔(ت)

نہ کہ برخلاف دعوی اپنی طرف سے کوئی بات بڑھادے۔غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینة علی سبیل الفور فلو اخر اثم ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین[2]۔	قاضی پر لازم ہے کہ دعوی پر گواہی مل جانے پر اس کے مطابق فیصلہ فوراً کردے اگر تاخیر کریگا تو گنہگار ہوگا اور معزولی اور تعزیر کا مستحق ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

قسط بندی ایک قسم اجل ہے اور اجل حق مدیون ہے۔ہدایہ وخانیہ واشباہ وغیرہا میں ہے:

الأجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ[3]۔	مہلت مقروض ومدیون کا حق ہے تو اسی کو ساقط کرنے کا حق ہے۔(ت)

تو یہ مدیون کے لئے ایک ایسے حق کا ثابت کرنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہ تھا، نہ بینہ نہ اقرار نہ نکول، تو بلا ثبوت اچبات محض باطل ونامقبول، خانیہ واشباہ وخیریہ وغیرہا میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وھی البینة اوالاقرار او النکول[4]۔	قاضی صرف دلیل پر فیصلہ کرسکتا ہے اور وہ صرف گواہی، اقرار اور قسم سے انکار ہے۔(ت)

طرفہ یہ کہ ثبوت درکنار خود مدیون جس کے لئے حاکم نے یہ حق ثابت کرنا چاہا اس حق کا اپنے لئے مدعی نہ تھا مدعاعلیہ نے کب کہا تھا کہ یہ مطالبہ مجھ پر قسط بندی سے واجب ہے اور ظاہر ہے کہ دعوی شرط قضا ہے لادعوی خود قضاء کر بیٹھنے کا حاکم کو کیا اختیار ہے اور اگر مراد انشاء تنجیم ہو یعنی دین تو مؤجل باقساط نہ تھا مگر میں اس کی قسط بندی کرتا ہوں تو یہ منصب قضاء سے محض بیگانہ ایک مشورہ ہے جس کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں، نہ اسے پرائے مال پر کچھ اختیار ہے، نہ یہ کہ جبر پہنچتا ہے کہ مال تو تیرا واجب ہے مگر ابھی نہ لے، غایت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۶۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/۴۸

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاۃ والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۳۸

یہ کہ مدیون کو بزعم خود کم استطاعت سمجھا ہو مگر یہ سمجھ بھی محض بے اصل ہے، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دین ایک عقد بیع کا ثمن تھا اور ایسے حالت میں اسے بلا بینہ نا قابل ادا مان لینا صحیح نہیں۔ خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان الدین واجبًا بدلًا عما ھو مال کالقرض وثمن المبیع القول قول مدعی الیسار مروی ذٰلك عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعلیہ الفتوٰی لان قدرتہ کانت ثابتۃ بالمبدل فلا یقبل قولہ فی زوال تلك القدرۃ[1]۔	اگر وصولی کسی مالی بدل کی وجہ سے ضرورت ہو مثلاً قرض یا مبیع کا ثمن ہے تو قابل ادائیگی ہونے کی بات مانی جائے گی، یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اور اسی پر فتوی ہے کہ کیونکہ مبدل حاصل کرلینے سے مدیون کی قدرت ادائیگی ثابت ہے لہٰذا اس قدرت کے زوال کی بات نہ سنی جائیگی۔ (ت)

اس انشائے تاجیل کا حاصل اگر دائن کو منع کرنا ہے تو یکمشت اپنا دین نہ لے تو یہ حرمکلّف پر حجر بلا وجہ شرعی ہے اور وہ باطل ہے اور اگر اس کا حاصل مدیون سے یہ کہنا ہے کہ تو مثلاً مہینہ پیچھے اتنا ادا کیا کر، تو ایسا دائن خود کہے تو تاجیل نہ ہوگی اور جس وقت چاہے یکمشت لے سکے گا نہ کہ غیر دائن جسے دین سے کوئی تعلق نہیں پرائے دین کو مؤجل کردے۔ اشباہ میں ہے:

قال الدائن للمدیون اذھب واعطنی کل شھر کذا فلیس بتاجیل لانہ امر بالاعطاء[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر وصولی کرنے والا مدیون سے کہے کہ جا ماہانہ اتنی قسط دے دیا کر، تو یہ مہلت کا بیان نہیں ہے کیونکہ یہ ادائیگی کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از شہر بریلی محلّہ روہیلے ٹولہ مسئولہ جناب ملک اعجاز ولی خاں صاحب زید مجدہم ۱۱/ رمضان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بنام بکر بابت غلہ قیمتی (صہ۷/) بایں دعویدار ہے کہ میرا غلہ ناجائز طور پر لے لیا ہے دلایا جائے، بکر کو لینے غلہ سے اقبال ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میرا قرضہ بذمہ زید چاہیئے تھا میں نے یہ غلہ قیمتی (صہ۷/) مذکورہ بالا اپنے قرضہ میں لیا ہے اس قسم کا بیان بکر انکار دعوی مدعی ہے یا نہیں، وار زید ثبوت نہ پیش کرکے خواستگار حلف بکر کہے تو بکر پر شرعاً حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب یعنی قرآن کریم

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ قاضی خاں کتاب ادب القاضی الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۴۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱۳

سے بیان کیجئے روز حساب اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر دعوی زید یعنی غلہ لے لینے کا مقر اور اپنے قرضہ کا مدعی ہے یہاں نہ زید کے ذمہ کوئی ثبوت دینا رہا نہ بکر پر حلف آسکتا ہے،

لانه مقر و مدع وکلاهما لاحلف علیهما والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	کیونکہ یہ اقرار کرنے یا دعوی کرنے والا ہے جبکہ ان دونوں پر قسم نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ شاہ آباد ضلع ریاست رامپور مرسلہ قمر علی خاں عرف چنداخاں ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو وبکر نے چند دیہات سرکاری اجارہ پر لئے بعد کو باہم شرکاء میں تقسیم دیہات آپس میں ہوگئی جس کے حصہ میں جو دیہہ آیا وہ اس کی ادائے جمع سرکاری کا ذمہ دار رہا اقرار نامہ تقسیم لکھ کر تصدیق ہوگئی، اس اقرار نامہ میں زید نے یہ لکھا کہ میں ایک ہزار روپے کمی قرعہ یعنی توفیر کے بکر کو باقساط ادا کروں گا، اب بکر اس ایک ہزار روپے کا دعویدار ہے، زید عذر کرتا ہے کہ ایک رقم مبہم کا مجھ سے اقرار کرالیا ہے ہر شخص اپنے حصہ کے دیہات پر قابض ہے، یہ ہزار مجھ پر کیسے چاہئیں، جو دیہات مدعی کے لئے نامزد ہوئے وہ بقبضہ مدعی ہیں بعد تقسیم میرے قبضہ میں نہ آئے نہ ان کی توفیر مجھے ملی ان کی توفیر بکر مدعی پاتا ہے لہٰذا زر توفیر بذمہ مدعا علیہ کیسے چاہئے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً ایسا اقرار مقر پر لازم الوفاء ہے یا نہیں؟ نقل اقرار نامہ ہمرشتہ سوال ہے۔

الجواب:

ملاحظہ اقرار نامہ وبیان سائل سے واضح ہوا کہ یہ دیہات ریاست سے ان تین شخصوں نے مستاجرانہ لئے تھے ریاست نے زر منافع ۱۵ ہزار پیشگی ان سے لیا اس میں سے قریب نصف زید نے دے دیا اور بکر نے کہ ہندو ہے کچھ نہ دیا مگر ریاست زر مستاجری پر ضمانت لیتی ہے یہ کفالت تنہا جائداد بکر سے ہوئی لہٰذا اسے شریک کیا گیا وقت تقسیم)/ کا حصہ زید کا قرار پایا اور ۴/۔ /۴ کا باقی شریکوں کا۔ جو دیہات بکر کو دئے گئے ان کی چونی میں کہ بکر کو ملتی بقدر ایک ہزار روپے کی کمی تھی لہٰذا زید نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا، یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ اقرار شرعی نہ بکر کا زید پر کچھ آتا ہے نہ زید کہتا ہے کہ اس کا مجھ پر اتنا آتا ہے نہ کسی ثالث کا دین کہ بکر پر آتا ہو زید اسکی کفالت کرتا ہے محض ایک مہمل تحریر ہے جس کا حاصل ایک وعدہ بے معنی سے زائد نہیں ایسے وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہوسکتا نہ بکر کو اصلاً مطالبہ کا استحقاق ہے۔ ہندیہ واشباہ

وبزازیہ وغیرہما میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وعدہ وفائی پر جبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از رامپور محلّہ بارہ دری محمود خاں مسئولہ جناب عبداللہ خان صاحب　۲۹/جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ہندہ تین نابالغ لڑکے لڑکیوں کی نانی ہے اور زید ان نابالغ بچوں کا باپ ہے، سعیدہ ان نابالغ بچوں کی ماں، زوجہ فوت ہوگئی، ان نابالغ بچوں کی جائداد غیر منقولہ علاقہ انگریزی میں واقع ہے۔ ہندہ نے اس جائداد کی نگرانی وغیرہ کے لئے برضامندی زید سرٹیفکیٹ ولایت حاصل کرلیا ہے۔ اب ہندہ نے بولایت انہیں نابالغان اور باستدلال حصول سرٹیفکیٹ از علاقہ انگریزی زید پر نابالغان کی طرف سے مہر کی نالش کی ہے۔ زید نے عدالت ججی ریاست رامپور میں ان نابالغ بچوں کی ولی دوران مقدمہ ہونے کی درخواست کی ہے، اور بکر باپ زید کا یعنی دادا نابالغان درخواست کرتا ہے کہ شرعًا مجھے حق ولایت نابالغان حاصل ہے لہذا دوران مقدمہ کے لئے ولی نابالغان مقرر کردیا جاؤں۔ یہ تینوں درخواستیں متضاد ہیں۔ مفتیان شرع متین سے یہ دریافت طلب امر ہے کہ مسماۃ ہندہ جو سرٹیفکیٹ ولایت باجازت باپ نابالغان علاقہ انگریزی میں حاصل کرچکی اس کی ولایت ریاست ہذا کے مقدمات میں مقابل زید مدعاعلیہ قائم و برقرار رہے گی یا زید مدعاعلیہ ولی دوران مقدمہ ان نابالغ بچوں کا مقرر ہوسکتا ہے، یا بکر دادا ولی دوران مقدمہ مقرر ہوسکتا ہے اس کی نسبت دو صورتیں ہیں اگر زید ولی مقرر نہ ہو تب یہ ولی قائم ہوسکے گا یا زید کے ولی قائم ہونے کی حالت میں اس کو حق ولایت نابالغان حاصل ہے بصراحت روایات کتب فقہ جواب عنایت ہو۔ فقط المرقوم ۱۱ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ نانی کوئی شے ہے نہ وہ سرٹیفکیٹ کوئی چیز، نہ زید اپنی ولایت منتقل کرسکتا تھا نہ باپ کے ہوتے دادا کو استحقاق ولایت ہے۔ یہ کارروائیاں سب مہمل وبے معنی ہیں ہاں اگر زید پر سعیدہ کا مہر آتا ہو اور انکار کرے تو قاضی شرع اپنی طرف سے جسے چاہے نابالغوں پر وصی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحہ دارالقرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، العقود الدریۃ مسائل و فوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

کرے یہ وصی دعوی کرسکے گا، اور اگر زید مہر کا مقر ہے جب تو اس پر نابالغوں کی طرف سے دعوی مہر نانی کرے خواہ دادا خواہ کوئی اصلاً قابل سماعت نہیں۔ جامع الصغار فصل النکاح میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المهر فان اقر الزوج بالمهر لم یؤخذ منه لان الاب یملك حفظ مال صغیرہ وان انکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکارہ تظهر خیانته و عند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیر الی وصی غیرہ[1]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے اور خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اگر خاوند مہر کا اقرار کرتا ہے تو خاوند سے مہر وصول نہ کیا جائے کیونکہ اپنے نابالغ بچوں کے مال کا وہی محافظ ہے اور اگر خاوند اپنے ذمہ مہر کا انکار کرے تو قاضی بچوں کے حق میں کسی کو وصی بنا کر مہر ثابت کردے تو خاوند سے مہر وصول کرکے وصی کے سپرد کرے کیونکہ خاوند کے انکار سے اس کی خیانت واضح ہوگئی جبکہ خیانت کے ظاہر ہوجانے پر قاضی اختیار مل جاتا ہے کہ بچوں کا مال وصیہ کے سپرد کردے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶: از ریاست رامپور متصل اصطبل سرکاری عیدگاہ دروازہ مرسلہ حسن جہاں بیگم ۱۵/رجب ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نانی نابالغین نے نابالغین کی طرف سے برفاقت ابن زید نابالغان کے باپ پر نابالغین کی والدہ متوفیہ کے دین مہر کی نالش کی ہے اور زید دین مہر سے منکر ہے اور چاہتا ہے کہ میں ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جاؤں اور نیز والد زید بھی خواستگار ہے حالانکہ دادا کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور خوف تلف جائداد نابالغین کا پورا اندیشہ ہے اور نانی مشفقہ امینہ ہے اور مصلحہ ہے پس استفسار اس امر کا ہے کہ ان تینوں میں سے ولی دوران مقدمہ کون ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ زید مہر کا منکر ہے تو وہ اس مقدمہ میں ہرگز ولی نہیں ہوسکتا بلکہ حاکم پر لازم ہے کہ کسی دوسرے امین متدین کارگزار کو نابالغوں پر وصی کرے اگر دادا ٹھیک نہیں اور اس سے

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۴

ضرر نابالغان کااندیشہ ہےاور نانی امکینہ مصلحہ مشفقہ ہے تو وہی باپ دادا سے احق ہے ورنہ قاضی شرع جس کو مناسب جانے۔
جامع احکام الصغار میں ہے:

ماتت عن زوج واولاد صغار وعلی الزوج المهر فانکر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانکاره تظهر خیانته وعند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیرہ الی وصی غیرہ[1]۔	بیوی نے خاوند اور نابالغ بچے وارث چھوڑے او خاوند کے ذمہ مہر باقی ہے اور خاوند انکار کرتا ہے تو قاضی کسی کو وصی مقرر کرے جو مہر کو ثابت کرکے وصول کرے کیونکہ مہر کا انکار کرکے خاوند نے خیانت کردی جبکہ خیاسنت کے ظہور پر قاضی کو مال وصول کرکے کسی وصی کو دینے کا اکتیار مل جاتا ہے۔ (ت)

اسی عبارت سے واضح ہوا کہ اگر قاضی کے نزدیک ثابت ہوجائے کہ مہر آتا تھااور زید م، نکر کھوا تو نہ فقط اس مقدمہ یا مہر کے بارہ میں بلکہ تمام اموال نابالغان سے زید کی ولایت اٹھادی جائے گی **لظهور خیانته وانعدام صیانته فخرج عن امانته** (خیانت ظاہر ہونے اور حفاظت معدوم ہوجانے پر امانت سے محروم ہوگیا۔ت) اور جملہ اموال نابالگان نانی مصلحہ امینہ کو سپرد کئے جائیں گے یا جو رائے قاضی میں اصلح وانسب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: از ریاست رامپور محلّہ گھیر شرف الدین خاں متصل فیل خانہ کہنہ مسئولہ غلام جعفر خان صاحب ۱۸/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مدخولہ ہیا کو طلاق مغلظہ دی بعد ازاں منکوحہ زید بدیں بیان دعویدار ہوئی کہ بوقت عقد نکاح مبلغ سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی تعداد دین مہر مقرر ہوئے تھے اور یہ کل دین مہر بذمہ زید اس وقت تک واجب الادا ہے بناء بریں میرا کل دین مہر زید سے دلایا جائے زید مدعا علیہ مجیب ہوا کہ تعداد دین مہر یاد نہیں کہ بوقت عقد نکاح کس قدر مسمّٰی ہوا تھا مگر نکاح ہو اور مدعیہ نے کل دین مہر یا فتنی اپنا بزمانہ حلالت مدعا علیہ اللہ کے واسطے معاف وابرا کردیا مدعیہ نے چندع کس گواہ پیش کئے اور سب نے بیان کیا کہ بوقت عقد نکاح سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی دین مہر کے مقرر ہوئے تھے اور

[1] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین آداب الاوصیاء فصل النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۴

کسی گواہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ دین مہر اب تک بذمہ زید مدعا علیہ واجب الاداد ہے صرف گواہان مدعیہ نے اسی قدر بیان کیا کہ سوالاکھ روپے اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی وقت عقد نکاح کے دین مہر مقرر ہوا تھا تو ایسی حالت میں گواہی گوہان مدعیہ کے معتبر ہوں گی یا نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر مذکورہ کے مستحق ہوگی یا نہیں، اور اگر عورت ثبوت مہر پر گواہ پیش کرے اور مرد ابراء مہر پر گواہ پیش کرے تو شرعاً کس کے گواہ اولٰی بالقبول ہوتے ہیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں موافق روایت مفتٰی بہاکے شرعاً شہادت گواہان مدعیہ معتبر اور مقبول نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر کے مستحق نہیں،

قال فی درر الاحکام ناقلا عن العنایۃ ادعت المرأۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا و شھدوا بالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذالم تقبل شھادتھم علی الاصح[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم۔	درر الحکام میں عنایہ سے منقول ہے عورت نے خاوند پر مہر کے ہزار کا دعوی کیا کہ آج اس کے زمہ ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تونے اس میں کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہ پیش کئے جنہوں نے ہزار مہر کی گواہی دین اور بیان میں انہوں نے آج تک باقی ہونے کی بات نہ کی تو صحیح قول کے مطابق یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم العبد المجیب** محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ ارشاد العلوم (ت)

الجواب صحیح محمد عبدالغفار خاں، **الجواب صواب** ابوالافضال محمد فضل حق۔

فی الواقع صورت مسئولہ عنہ شہادت شہود مدعیہ ناکفی اور بروقت تعارض شہود اثبات مہر وابراء کے شہود ابراء اولی بالقبول ہیں۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم محمد منور العلی**

الجواب:

صورت مذکورہ میں گواہان زن کی شہادت دربارہ مقدار مہر مسمّٰی مقبول و معتبر ہے جس مقدار کا وہ دعوی کرتی ہے اگر اسکے مہر مثل سے زائد ہے تو ظاہر ہے کہ وہ دربارہ زیادت مدعیہ ہے اور یہ شہادت

---

[1] الدرر الحکام

اسکے دعوی کے مطابق گزری تو بحال استجماع شرائط معروفہ ضرور واجب القبول ہے،

لانہا نورت دعویہا بالبینۃ والبینۃ کا سمہا مبینۃ والثابت بشہادۃ عدلین کالثابت بمشاہدۃ العین۔	کیونکہ بیوی نے اپنا دعوی گواہوں سے واضح کردیا، اور بینہ اپنے نام کی طرح روشن کرنے والا ہوتا ہے اور دو گواہوں عادلوں کی شہادت سے ثابت شدہ چیز ایسے ہے جیسے آنکھ کے مشاہدہ سے ثابت ہوتی ہے۔(ت)

اور اگر مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے کجب بھی شہادت مفید و مقبول ہے اگرچہ عورت اس صورت میں صرف مدعا علیہا ہے کہ اگر گواہ نہ دیتی اسے حلف کرنا پڑتا اور ایسی جگہ حلف سے بچنے کے لئے مدعا علیہ کے گواہ مسموع ہیں، درر الاحکام باب المہر میں ہے:

ان اقامت بینۃ قبلت وان اقامہا الزوج قبلت ایضالان البینۃ تقبل لرد الیمین کما اذا اقامہ المودع بینۃ علی رد الودیعۃ الی المالك تقبل[1]۔	اگر بیوی نے گواہی پیش کردی تو مقبول ہوگی اگر خاوند نے پیش کی تو وہ بھی قبول ہوگی کیونکہ قسم کو رد کرنے کے لئے گواہی مقبول ہوگی ہے جیسے امین امانت مالک کو واپس کرنے پر شہادت پیش کرے تو قبول کی جائیگی۔(ت)

بلکہ اگر مہر مثل معلوم نہ ہو اور شوہر اس مقدار کو مہر مثل نہ مانے تو عورت کو آپ ہی گواہ دینے کی حاجت ہوئی کہ اتنا مہر تھا یہ وہی شہادت ہے جو اس سے شرع طلب فرماتی تو عدم قبول کی وجہ کیا ہے یا یہ گواہ دیتی کہ اس کا مہر مثل اس قدر یا اس سے زائد ہے، پھر اسے حلف کرنا پڑتا کہ اس قدر مہر مقرر ہوا تھا اس شہادت نے اس شہادت اور حلف دونوں سے غنی کردیا، بہر حال مفید و واجب القبول ہوئی، فتاوٰی امام قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ھذااذاکان القاضی یعرف مقدار مہر مثلہا فان کان لایعرف یأمر امناءہ بالسوال ممن یعلم او یکلفہا اقامۃ البینۃ علی ماتدعی[2]۔	یہ اس صورت میں جب قاضی مہر مثل کی مقدار جانتا ہو تو اگر اسے معلوم نہ ہو چاہئے کہ وہ اپنے قابل اعتماد عملہ کو کہے کہ وہ معلومات والوں کو پوچھیں یا قاضی عورت کو پابند کرے کہ وہ اپنے مہر مثل کے دعوی کو ثابت کرنے کے لئے گواہ پیش کرے۔(ت)

---

[1] درر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب النکاح باب المہر میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۷

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الدعوٰی والبینات فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹۵

درمختار میں ہے:

یشترط فی ثبوت مھر المثل اخبار رجلین اورجل وامرأتین ولفظ الشھادۃ فان لم یوجد شھود عدول فالقول للزوج بیمینہ[1]۔	مہر مثل ثابت کرنے کے لئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی اس میں لفظ شہادت شرط ہے اور اگر عادل گواہ نہ ملیں تو خاوند کا قول قسم لے کر تسلیم کیا جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

من تزوج امرأۃ ثم اختلفا فی المھر فالقول قول المرأۃ الی تمام مھر مثلھا[2]۔	اگر زوجین مہر میں اختلاف کریں تو مہر مثل کی حد تک بیوی کی بات معتبر ہے(ت)

عبارت منسوبہ دررالحکام وعنایہ کہ:

ادعت المراۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا ھذا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا وشھدوا بالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ علیہ الی یومنا ھذا لم تقبل شھادتھم علی الاصح[3]۔	عورت نے ہزار مہر کا دعوی کیا کہ یہ آج تک خاوند کے ذمہ واجب ہے اور خاوند کہتا ہے کہ تو نے کچھ سے مجھے بری کردیا ہے تو عورت نے گواہی پیش کی تو گواہوں نے ہزار کی گواہی دی اور آج تک ذمہ واجب ہونے کو بیان نہ کیا تو صحیح قول پر وہ گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

اگر ان میں اسی طرح ہو جب بھی مسئلہ دائرہ سے متعلق نہیں وہاں کلام اس صورت میں ہے کہ عورت جس مقدار مہر کا دعوی کرتی ہے شوہر کو وہ مقدار تسلیم ہے اور معافی کا مدعی ہے شہود نے اب تک مہر ذمہ شوہر پر واجب ہونے کا ذکر نہ کیا تو ان کی شہادت کو دعوی زوج سے تو کچھ مس نہ ہوا، رہی مقدار مہر زوج کو خود اس کا اقرار تھا اور مقر پر شہادت مسموع نہیں،

الافی اربع لیس ھذا منھا کما فی البحر بل فی کل موضع	مگر چار میں کہ یہ ان میں سے نہیں ہے جیسا کہ بحر میں ہے بلکہ ہر ایسے مقام میں جہاں اگر گواہی نہ ہو

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] الھدایہ کتاب النکاح باب المہر المکتبۃ العربیہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[3] الدرالحکام

یتوقع ضرر من غیر المقر لولاھا فیکون ھذا اصل کما فیہ ایضا **اقول**: والوجہ فیہ ان الاقرار حجۃ ملزمۃ بنفسہ من دون حاجۃ الی قضاء القاضی ولذا یصح فی غیر مجلس القضاء ونصوا ان القضاء علی المقر قضاء مجازا و الشھادۃ انما ھی یسمعھا القاضی فیلزم فاقامتھا علی المقر سعی فی تحصیل الحاصل وھو باطل بخلاف ما اذا افادت فائدۃ لم یفدھا الاقرار وھی التعدیۃ لان الاقرار حجۃ قاصرۃ[1]۔	تو وہاں غیر مقر کی طرف سے ضرر کا خطرہ ہو، تو یہ قاعدہ ہوگا جیسا کہ یہ بھی اسی میں ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں وجہ یہ ہے کہ اقرار ایسی حجت ہے جو معاملہ کو خود لازم کرتی ہے بغیر قاضی کی قضاء کے، اسی لئے یہ اقرار مجلس قضاء کے بغیر بھی صحیح ہوتا ہے او فقہاء نے نص کی ہے اقرار پر قاضی کی کارروائی کو مجازًا قضاء کہا جاتا ہے جبکہ شہادت کو قاضی سن کر حکم کو لازم کرتا ہے تو مقر پر گواہی کو پیش کرنا تحصیل حاصل ہے جو کہ باطل ہے۔ بخلاف اس صورت کے جس میں شہادت سے ایسا فائدہ حاصل ہو جو اقرار سے نہ ہوتا ہو اور وہ فائدہ حکم کو متعدی بنانا ہے کیونکہ اقرار ناقص حجت ہے (ت)

یہاں تک کہ بعد شہادت اگر مدعا علیہ اقرار کردے تو حاکم بربنائے اقرار حکم کرے گا نہ کہ بربنائے شہادت۔ بحرالرائق میں ہے:

لو برھن المدعی ثم اقر المدعی علیہ بالملك لہ یقضی لہ باقرار لا ببینۃ اذ البینۃ انما تقبل علی المنکر لا علی المقر انتھی[2] **اقول**: ووجھہ ظاھر لما قدمنا انہ لما اقر قبل القضاء لزم الحق من دون الزام فلم یبق مساغ لالزام والقضاء بالشھادۃ الزام۔	جب مدعی گواہی پیش کرچکا ہو اور اس کے بعد مدعا علیہ مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے تو قاضی اقرار کی بناء پر فیصلہ دے گا کیونکہ گواہی صرف منکر کے خلاف قبول کی جاتی ہے اقرار پر نہیں اھ۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس کی وجہ ظاہر ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے کہ جب قضاء سے قبل اقرار کردے گا تو حق خود بغیر الزام کے لازم ہوجائے گا تو اقرار کے بعد قاضی کی طرف سے لازم کرنے کا جواز نہیں رہتا جبکہ شہادت کی بناپر فیصلہ الزام ہوتا ہے۔ (ت)

[1] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

[2] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۰۳

اس وجہ سے وہاں شہادت زن نامقبول تھی بخلاف مسئلہ دائرہ کے یہاں شوہر اس مقدار مہر کا مقر نہیں تو گواہان سزن ضرور قابل قبول ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی قدر پر عورت کو ڈگری دی جائیگی بلکہ شوہر سے ابراء پر گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس نے گواہان شرعی سے ابراء ثابت کردیا اور عورت کی طرف سے اس کا کوئی دفع صحیح نہ پایا گیا یا وہ گواہ نہ دے سکا اور عورت کا حلف چاہا اور عورت نے حلف سے انکار کردیا تو ان دونوں صورتوں میں عورت کا مطالبہ رد کردیا جائے گا اور اگر عورت نے عدم ابراء پر حلف کرلیا تو اپنے پورے مطالبہ کی ڈگری پائے گی جس قدر اس نے شہادت سے ثابت کردیا اب وہ گواہی اس کے کام آئے گی۔ عقود الدریہ میں ہے:

بینۃ البرائۃ اولی من البینۃ علی المال ان لم یؤرخا او أرخ احدھما فقط او أرخا سواء، بینۃ المطلوب علی انك اقررت بالبراءۃ اولی من بینۃ الطالب علی انك اقررت بالمال بعد اقراری بالبراءۃ وبینۃ الطالب اولی ان قال انك اقررت بالمال بعد دعواك اقراری بالبراءۃ[1]۔	برائۃ پر گواہی مال پر گواہی سے اولٰی ہے جب دونوں فریق یا ایک فریق نے تاریخ نہ بیان کی ہو یا دونوں نے ایک ہی تاریخ نہ بیان کی ہو مطلوب شخص کی گواہی کہ تونے براءت کا اقرار کیا ہے اولٰی ہے طالب کی اس گواہی سے کہ تونے مال کا اقرار میرے براءت کے اقرار کے بعد کیا ہے اور طالب کی یہ گواہی اولٰی ہے کہ تونے مال کا اقرار اپنے اس دعوٰی کے بعد کیا کہ میں نے تیرے لئے براءت کا اقرار کیا ہے۔(ت)

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

بینۃ الابراء اولی من بینۃ ان لہ علیہ کذا فی الحال[2]۔	براءت کی گواہی اولٰی ہے اس گواہی سے کہ اس کے ذمہ فی الحال اتنا مال ہے(ت)

اسی میں وہیں ہے:

الاصل ان الموجب والمسقط اذا تعارضا یؤخر المسقط اذا السقط یکون بعد الوجوب[3]۔	قاعدہ یہ ہے کہ جب موجب اور مسقط کا مقابلہ ہوجائے تو مسقط کو مؤخر قرار دیا جائے گا کیونکہ سقوط بعد از وجوب ہوتا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الشہادۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۵۸

[2] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴۳

[3] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۴۷

یہاں سوال دوم کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ بینہ ابراء بینہ وجوب پر مرجح ہے اگرچہ گواہان زن یہ تصریح بھی کردیتے کہ آج تک مہر واجب الادا ہے۔

فانھم انما یقولون بالاستصحاب فمعناھا نفی الابراء والایفاء ولا شھادۃ علی النفی بل انما یرجع نفیھم الی علمھم وعدم العلم لیس علما بالعدم۔ واللہ وسبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کہ وہ استصحاب کا قول کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ ہوا کہ براءت اور ادائیگی نہ ہوئی ہے جبکہ کسی نفی پر شہادت جائز نہیں بلکہ انکی یہ بات ان کے علم کی نفی کی طرف راجع ہوتی ہے جبکہ علم نہ ہونا نہ ہونے کا علم نہیں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از رامپور محلّہ گنج از جانب سبزہ فروشاں معرفت سدن کنجڑا ۴ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اللہ دین کے ذمہ مسمّٰی بھورے چودھری کی دو اشرفیاں مبلغ تیس روپیہ کی واجب الادا ہیں جب اس نے طلب کیں تب جواب دیا کہ میں بھورے چودھر کو عبدالکریم اور نور محمد اور نسوہ کے سامنے دے چکا جب اس نے دریافت کیا تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے سامنے ہرگز تم نے نہیں دیں تم غلط کہتے ہو جب دیکھا کہ سب نے انکار کیا اور میرا جھوٹ کھلا تو اللہ دین نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے مبلغ تیس روپیہ بروقف حساب کتاب کے مجرا دوں گا اور یہ اقرار چند آدمیوں کے سامنے کیا کہ جس میں چھدا اور کلن اور اشخاص مذکورین موجود تھے پھر جب وقت حساب کا ہوا تو پھر انکار کردیا اور اس اقرار سے رجوع کیا اور قسم کا کر کہتا ہے کہ میں تو تینوں شخصوں مذکورین کے سامنے ادا کرچکا میں نہیں دوں گا، تو اب ایسی صورت میں جب اقرار گواہوں کے سامنے اشرفیوں کے تیس روپیہ ادا کرنے کی بابت کرچکا اور پھر انکار کیا تو یہ انکار بعد الاقرار معتبر ہوگا یا وہی اقرار مقدم کہ جس کا ثبوت گواہوں سے ہے قائم رہے گا اور اللہ دین کے ذمہ تیس روپیہ اشرفیوں کے بھورے چودھری کے واجب الادا ہوں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ امر دین ہے اور معاملہ حقوق العباد کا ہے احتیاط لازم ہے یہاں جو بھورے چودھری نے آکر بیان کیا اس میں یہ سوال تھا کہ اللہ دین قسم کھاتا ہے اس کی قسم معتبر ہے یا نہیں اور اس کا جواب دیا گیا تھا کہ جب وہ ادا کردینا بتاتا ہے کہ دین کا اقرار کرچکا اور ادا کا دعوی کیا تو اب وہ مدعی ہے اور چودھری مدعا علیہ۔ اور مدعی کی قسم معتبر نہیں بلکہ وہ گواہوں سے ثبوت دے کہ ادا کرچکا اگر ثبوت نہ دے سکے اور

چودھری کا حلف مانگے تو چودھری پر حلف آئے گا کہ مجھے ادا نہ کئے میرا مطالبہ اس پر اب تک ہے اگر چودھری قسم سے انکار کرے تو کچھ نہ پائے اور قسم کھالے تو ڈگری دیا جائے۔ رہے چودھری کے گواہ کہ تو نے نہیں دئے اصلاً معتبر نہیں کہ شہادت نفی ہے اور نفی پر گواہی مقبول نہیں اور یہاں یہ ٹھہرانا کہ گواہ کے ہوتے حلف کی ضرورت نہیں محض بے معنی ہے، نہ چودھری پر گواہ ہیں نہ اللہ دین پر حلف۔

وھذاکلہ ظاھر لمن لہ ادنی المام بخدمۃ الفقہ الشریف فلم یکن لیقع فیہ الارتیاب ولکن لاحول ولاقوۃ الابتوفیق العزیز الوھاب۔	یہ تمام ظاہر ہے اس شخص پر جس کو فقہ شریف کی خدمت میں ادنی حصہ بھی ہے تو اس میں شک نہیں ہونا چاہئے، لیکن اقدام اور قوت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہیں۔ (ت)

اس قدر صورت کا تو حکم یہ تھا اور سال میں اکثر عبارات سائلین اپنے فہم کے لائق بالمعنی نقل کرتے ہیں اور جہاں اختلاف لفظ سے حکم بدلتا ہے وہاں ان کے سبب دقت واقع ہوتی ہے اور حق رسی دشوار ہو جاتی ہے خصوصًا بہت خدا ناترس وکلائے مفتعلہ ساختہ الفاظ تعلیم کرتے ہیں جن سے کمی پوری ہو جائے اور یہ سخت مزلہ اقدام ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پس اگر شہادت عادلہ شرعیہ متفقہ سے ثابت ہوا کہ اللہ دین نے وہ لفظ کہے کہ اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا، یہ تو ضرور اقرار ہے کہ اسی زرمدعٰی کا دینا مانتا ہے اور اقرار کے بعد انکار مسموع نہیں، روپے دینا ہوں گے، اور اگر اتنا کہنا ثابت ہو کہ اچھا میں تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا تو اسے اقرار ٹھہرانا محل تامل ہے، ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ یہ کلام مبتداء ہے اور مجرا دوں گا وعدہ ہے اور وعدہ کہ کلام مبتدا میں ہو اقرار نہیں اور اچھا کہ بعد منازعت کہا معنی قبول عطا قطعاً للنزاع کا احتمال رکھتا ہے اور قبول عطا قبول وجوب نہیں اور اقرار قبول وجوب ہے اور اب زرمدعی کی طرف اشارہ اور مجرا دینا دادنی ہونا چاہتا ہے اور کلام مبتداء میں کوئی مال دادنی ماننا بھی اقرار نہیں فلیثبت فیہ۔ فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

الاصل فیہ ان الکلام اذاخرج علی وجہ الکنایۃ عن المال الذی ادعاہ المدعی یکون اقرارا، رجل قال لغیرہ اقض الالف التی لی علیك فقال ساعطیکھا اوغدا اعطیکھا اوفاتزنھا اوانتقدھا	قاعدہ یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ایسی کلام جس سے مدعی کے دعوی مال کا کنایہ بنتا ہو تو وہ اقرار ہوگا ایک شخص دوسرے کو کہے کہ وہ ہزار جو میرا تیرے ذمہ ہے اس کو ادا کر، تو وہ جواب میں کہے یہ دوں گا یا یہ کل دوں گا، یا ان کو وزن کر، یا انکو گنتی کر، تو یہ مدعی کی

کان اقرارا بالملک، ولو قال اتزن او انتقد لایکون اقرارا[1]۔	ملکیت کا اقرار ہوگا، اور اگر یوں کہے میں وزن کرتا ہوں یا گنتی کرتا ہوں تو یہ اقرار نہ ہوگا(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا قال مرا بفلان ده درم دادنی ست قال لایلزمه شئی مالم یقل هو علی اوفی رقبتی اوذمتی او هو دین واجب او حق لازم کذافی الظهیریة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے یوں کہا مجھے فلاں کے دس درہم دینے ہیں، تو اس سے کچھ لازم نہ ہوگا جب تک میرے ذمہ یا مجھ پر، یا میری گردن پر، یا وہ قرض واجب یا حق لازم، کے الفاظ نہ کہے، ظہیریہ میں یونہی ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۹: مسئولہ محمد عبدالقیوم صاحب زمیندار قادر پور پرگنہ سرونج ریاست دارالاسلام ٹونک ۲۳/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی تیرہ چودہ برس بعد ایک دستاویز جو کہ بحیثیت ہبہ کے ہے پیش کرتی ہے اور بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے اپنی حیات میں یہ دستاویز مجھے لکھ دی تھی اس پر ایک مفتی کے دستخط بھی ہیں لیکن باضابطہ اس کی تصدیق سرکاری دفتر میں نہیں ہوئی ہے نہ وہ اصل دستاویز یا اس کی نقل سرکاری دفتر میں رکھی گئی ہے البتہ مفی صاحب کے دستخط بحیثیت تصدیق کے ہیں ونیز اس جائداد کا جھگڑا بعد انتقال زید کے ہوا تھا لیکن اس وقت اس نے اس تحریر کو پیش نہیں کیا ایسی صورت میں وہ دستاویز مانی جانے کے قابل ہو سکتی ہے اور شریعت پاک اس تصدیق شدہ دستاویز ونیز متذکرہ کو جس کی نقل یا اصل سرکاری دفتر میں نہیں رکھی گئی ہے صحیح تسلیم فرماکر ہندہ کو فائدہ بخش سکتے ہیں۔ بیان کروتم اور اجر پاؤتم فقط۔

الجواب:

کوئی دستاویز ثبوت میں پیش نہیں کی جاسکتی جب تک اس کے ساتھ شہادت نہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں:

لایعمل بالکتاب لان الخط یشبه	لکھائی پر عمل واجب نہیں کیونکہ خط ایک دوسرے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاقرار فصل فیما یکون الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

الخط والخاتم یشبه الخاتم کما فی الاشباہ والهدایة والهندیة وغیرہا[1]۔	خط مہر کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر دوسری مہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ اشباہ، ہدایہ اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔(ت)

خصوصًا اس حالت میں کہ بعد موت جھگڑا بھی ہوا اور اس نے دستاویز پیش نہ کی اب اتنی برسوں کے بعد ظاہر کرتی ہے دستاویز درکنار ایسا دعوی ہی قابل سماعت نہیں،

به یفتی قطعا للتزویر والتلبیس کما فی الخیریة[2] والعقود الدریة وغیرہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسی پر فتوٰی ہے تاکہ جعلسازی اور تلبیس کا خاتمہ ہوسکے جیسا کہ خیریہ، عقود الدریہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ قاضی حسام الدین صاحب از تعلقہ رادیر ضلع مشرقی خاندیس ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

ایک شخص فوت ہوا اور اس کے تین لڑکے عاقل و بالغ ہیں اور لیاقت میں تینوں مساوی ہیں تو ایسی حالت میں قضاۃ کا کون مستحق ہے، خلف اکبر کا رتبہ وحق برادران خورد سے کم ہے یا زیادہ؟

الجواب:

کوئی منصب نہ میراث ہے، نہ بڑے چھوٹے پر موقوف، جو لائق تر ہو وہ کیا جائے، اور سب مساوی ہوں تو منصب دینے والا جسے چاہے دے دے، اور اگر ان سب سے کوئی اجنبی زیادہ لائق ہے تو وہی مستحق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: مرسلہ میاں جان شاہ خلیفہ وجانشین حضرت حاجی غلام احمد صاحب مرید میاں احمد علی شاہ صاحب سکینہ ریاست رامپور محلّہ بذریہ ہمت خاں ۱۸/ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید لاوارث نے اپنے مکان مملوکہ ومقبوضہ کی نسبت اپنے مریدوں سے ایک مرید بکر نامی کو جو دس سال کی عمر سے اس کی اطاعت وخدمت گزاری شبانہ روز بسر کرتا تھا خرقہ خلافت وتبرکات وغیرہ عطافرما کر اس کو اپنی سجادہ نشینی

---

[1] الاشباہ والنظائر مع غمز عیون البصائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، الہدایہ کتاب القاضی الی القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹ و ۱۵۷، فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۸

کی خدمت تفویض کی اور ساتھ ہی اس کو یہ وصیت کی کہ یہ مکان تجھ کو ہبہ کرتا ہوں میرے انتقال کے بعد تم اس مکان میں اپنی سکونت رکھ کر مکان مذکورہ میں میرا اور میرے پیر ومرشد نیز دیگر اولیاء و پیران عظام کی علی الدوام فاتحہ عرس بطریق فقراء اپنے اہتمام سے سال بسال کرتے رہنا، اور میرے مرید بغرض شرکت عرس بیر ونجات وغیرہ سے آئیں ان کو مکان مسطور میں مقیم کرکے ان کے خورد ونوش کا بھی انتظام کرنا اور جس طرح کہ میں اوراد واشغال وچلہ کشی وغیرہ خود کرتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو تلقین اور سلسلہ وطریقہ پیری ومریدی وغیرہ کی تعلیم دیتا رہتا ہوں یہی معمول رکھنا، اور زید نے بخیال کم استطاعتی وبے بضاعتی اپنے سجادہ نشین بکر کے مکان مذکور کی نسبت بیع کی ممانعت کرکے رہن کی اجازت دی، بعد اس وصیت کے زید نے مکان مذکورہ پر بکر کا قبضہ کامل طور سے کرادیا، بکر ایک تارک الدنیا فقیر ہے، وصیت پیر ومرشد کو بجان ودل قبول ومنظور کرلیا اور زید نے اس وصیت کے کئی سال بعد سفر آخرت اختیار کا بکر زید کی وصیت کے موافق زمانہ اٹھارہ سال سے مکان مذکور پر بلاشرکت غیرے قابض ومتصرف ہے اور جملہ خدمات کی بجاآوری میں مامور ومشغول ہے بلکہ بسبب انہدام مکان مذبور ونیز برائے سرانجام فاتحہ عرس بباعث تنگدستی مکان مسطور کو رہن کرکے حسب وصیت زید جمیع امورات مفوضہ کو بجالانا مقدم سمجھا ہے ان امور متذکرہ بالا کے اکثر وبیشتر لوگ واہل محلّہ بخوبی واقف وشاہد ہیں، اب ایک عمرو نامی شخص دینا دار جو اپنے کو متولی زید کے پیر ومرشد کے مزار کا قرار دیتا ہے بوجہ طمع نفسانی وبحرص مفاد دنیاوی اس وصیت زید کو اٹھارہ سال کے بعد کالعدم ظاہر کرکے یہ کہتا ہے کہ زید مجھ کو یہ وصیت کرگیا ہے کہ مکان مسطور فروخت کرکے میرے پیر ومرشد کے مزار کی مرمت وروشنی وغیرہ کرنا، پس صورت مذکورہ بالا میں مکان مقبوضہ اٹھارہ سالہ مواہبہ شرعًا قبضہ بکر سے علیحدہ ہو کر فروخت ہوسکتا ہے یا نہیں اور خواہش نفسانی عمرو دنیادار کی موافق شرع شریف کے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

سائل مظہر ہے کہ عمرو وہیں کا ساکن ہے اور مدت دراز سے زید کو اس مکان پر قبضہ کے تصرفات مالکانہ مثل ہدم وتعمیر وغیرہ کرتے دیکھ رہا ہے اور اب تک ساکت رہا اب ۱۸ سال کے بعد اس وصیت کا مدعی ہوا، پس صورت مستفسرہ میں عمرو کا دعوی اصلًا قابل سماعت نہیں۔ فتاوٰی امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ عزی تمرتاشی میں ہے:

سئل عن عجل له بیت فی داریسکنه مدة تزید علی ثلث سنوات	سوال ہوا ایسے شخص کے متعلق کہ ایک حویلی کے کمرہ میں تین سال سے زائد مدت سے مقیم ہے۔

وله جار بجانبه والرجل المذكور فى البيت متصرف فى البيت المزبور هدما وعمارة مع اطلاع جاره على تصرفه فى المدة فهل اذا ادعى البيت اوبعضه بعد ماذكر من تصرف الرجل المذكور فى البيت هدمًا وبناءً فى المدة المذكورة تسمع دعواه ام الاجاب، لاتسمع دعواه على ماعليه الفتوى[1]۔	اور شخص مذکور اس کمرہ میں ہر طرف کا تصرف گرانا، بنانا کرتا چلا آرہا ہے اس کے پڑوس میں دوسرا شخص ہے جو مذکورہ مدت سے اس کے تصرفات مذکور کو دیکھ رہا ہے، تو کیا اس پڑوسی کو اس کمرہ کے کل یا بعض پر دعوی کا حق ہے باوجودیکہ وہ سب کچھ تصرفات دیکھتا رہا ہو۔ جواب دیا کہ اس دعوی سماعت نہ ہوگی مفتی بہ قول کے مطابق (ت)

وجیز کردری میں ہے: عليه الفتوى قطعا للاطماع الفاسدة[2] (اس پر فتوٰی فاسد طمع کو ختم کرنے کے لئے ہے۔ت) رد المحتار میں ہے:

مجرد السكوت عند الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى، قوله زرعا وبناء المراد به كل تصرف لايطلق الاللمالك فهما من قبيل التمثل، قوله لاتسمع دعواه اى دعوى الاجنبى ولو جارا[3]۔	تصرفات مذکورہ پر اطلاع کے باوجود خاموشی دعوی کے لئے مانع ہے، ماتن کا قول "زراعت و تعمیر" سے مراد تمام ایسے تصرفات جو صرف مالک کے لئے جائز ہیں یہ دونوں بطور تمثیل ذکر کئے، اس کا قول اس کا دعوی نہ سنا جائے گا یعنی ہر اجنبی کا خواہ پڑوسی ہو۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

مجرد الاطلاع على التصرف مانع من الدعوى، ولم يقيدوه بمدة ولابموت، وليس مبنيا على المنع السلطانى بل هو حكم اجتهادى نص عليه الفقهاء[4] ملتقطا، والله تعالٰى اعلم۔	تصرفات پر اطلاع ہی دعوی سے مانع ہے کسی مدت یا موت کی قید کے بغیر یہ بات فقہاء نے ذکر ہے، یہ حکم سرکاری پابندی کی بناء پر نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس کو فقہاء نے بالاتفاق بیان کیا ہے ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] العقود الدریہ بحوالہ فتاوٰی غزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب النکاح الفصل التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۲۶

[3] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[4] العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

مسئلہ ۱۱۲: از انجمن نعمانیہ لاہور ۱۳/ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

امیر یا امام یا صدر قوم کو شرعًا مسلمانوں کا مشورہ لین کے بعد کثرت رائے کا اتباع لازمی ہے یا اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی رائے پر ع اور کاموں میں ان سے مشورہ ار جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ت) مل کرے خواہ وہ رائے کثرت رائے کے خلاف ہی ہو مثلًا انجمن یا مجلس کی صورت میں اس کے متعلقہ کاموں کے لئے ماتحت مجلسین ہر فن کے ماہرین کی بنادی گئی ہوں اور کل اس عام مجلس کا ایک صدر یا امام یا امیر بھی منظور کرلیا گیا ہو تو خاص فن کی مجلس کے فیصلہ کے خلاف صدر مجلس مذکور کو ان کی رائے حاصل کرلینے کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ ان کے فیصلہ کے خلاف حکم دے دے اور وہ قابل اتباع ہو یا نہیں، یعنی زید جو اس دعوی کا حامی ہے کہ صدر کو کثرت رائے کا اتباع لازمی نہیں وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں فخر کائنات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مثاہل پیش کرتا ہے کہ بعض اوقات صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ لینے کے بعد بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا اور کلام قدیم میں بھی انہیں الفاظ میں حکم آیا کہ:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ"[1]	اور کاموں میں ان سے مشورہ ار جو کسی بات کا ارادہ پکا کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ت)

یعنی اپنی عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار دے دیا زید یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل مجلسوں میں کثرت رائے کا اتباع ایک زمانہ حال کے غیر مذاہب کے رویہ کا اتباع ہے جو درحقیقت مضر ہوتا ہے مثلًا کثرت رائے آج کل کے ایسے مسلمان کی جو مذہبی اتباع میں نہایت کمزور ہوتے ہیں کسی شرع معاملہ میں بوجہ آرام طلبی و مصلحت زمانہ کے خلاف ہوجائے تو کیا اس شرعی مسئلہ کے خلاف کرنا جائز ہوجائے گا، عمرو بکر وغیرہ زید کے مقابل میں یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ خاصہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تھا بعد میں امت مرحومہ کو اتباع سواد اعظم کا حکم دیا گیا اور **من شذ شذ فی النار**[2] (جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔ت) کا وعید سنایا گیا اور **لاتجتمع امتی علی الضلالۃ**[3] (میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ت) کہ کسوٹی دی گئی اجماع ادلہ شرعی میں قرار پایا جس پر اہل سنت وجماع کے مذاہب

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵۔۱۱۶، الدرالمنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حدیث ۴۵۹ المکتبۃ الاسلامی بیروت ص ۱۹۰

اربعہ کی بنیاد ہے، نیز زید کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک امر کے متعلق اس کے اہل فن کی مجلسیں مقرر کردی گئی ہوں توان کا فیصلہ کیوں اجماع کا حکم نہ رکھے گا اور اس کے خلاف صدر کو عمل کرنے کا کیوں اختیار ہونا چاہئے کیونکہ صدر آخر ایک شخص ہے اس کو ایک مجلس کے متفقہ فیصلہ توڑ دینے کا اختیار دینا خالی از خطر نہیں ہوسکے گا اس کے مفسدہ اور مصلحت پر بھی نظر رہنا چاہئے۔براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعی بہت جلد مطلع فرمادیں۔

المستفتی
سلیم اللہ خاں جنرل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
تاج الدین احمد سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

المستفتی
نور بخش فنانشل سیکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور

الجواب:

دلیل کہ زید نے بیان کی، بجائے خود صحیح ہے۔ خصائص بے دلیل صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے، مواہب شریف میں ہے:

الخصائص لا تثبت الابدلیل صحیح قالہ فی شرح تقریب الاسانید [1]۔	خصائص صحیح دلیل کے بغیر ثابت نہیں ہوتے، یہ بات انہوں نے تقریب الاسانید کی شرح میں ذکر کی ہے۔(ت)

اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے، یوں تو ہر فضل عطائی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل و منبع و مبدء و مرجع ہر فضل ہیں ؎

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا　　فانما اتصلت من نورہ بہم [2]

انما مثلوا صفاتك للناس　　كما مثل النجوم الماء [3]

(جو معجزات مرسلین لائے ہیں وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے ان تک پہنچے وہ لوگوں کے لئے آپ کی صفات مظہر بنے جس طرح ستاروں کیلئے پانی مظہر بنتا ہے۔ت)

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۶۰۰

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۵۸۲

[3] المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ حرف الہمزہ دار المعرفت بیروت ۱ /۷۷

مگر حقائق عطایائے محمدیہ میں یہ فضل کہ بعد مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نہ گنا البتہ وجوب مشورہ کو خصائص والا سے شمار کیا کما فی انموذج اللبیب للامام السیوطی والمواھب للامام القسطلانی (جس طرح کہ امام سیوطی کی انموذج اللبیب اور امام قسطلانی کی مواہب میں ہے۔ت) بلکہ ہمارے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندوں کے خلاف ہو یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو محتاج مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام جہان سے غنی و بے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انہیں طریقہ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے تھا وہ خود فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ رحمۃ لامتی فمن استشار منھم لم یعدم رشدا ومن ترکھا لم یعدم غیا[1]۔رواہ ابن عدی والبیھقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	واضح ہو کہ اللہ تعالٰی اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی ہیں لیکن اللہ تعالٰی نے مشورہ کو میری امت کیلئے رحمت بنایا ہے تو جو مشورہ کرے گا وہ رہنمائی کو معدوم نہ پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ خطا کو معدوم نہ پائے گا۔اس کو ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

امام حسن بصری فرماتے ہیں:

قد علم اللہ انہ مابہ الیھم من حاجۃ، ولکنہ اراد ان یستن بہ من بعدہ[2] رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابن المنذر وابی حاتم والبیھقی۔	اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے مشورہ کی حاجت نہیں لیکن ارادہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی سنت جاری کی جائے، اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور ابن منذر، بیہقی اور ابوحاتم نے روایات کیا ہے۔ (ت)

[1] شعب الایمان للبیھقی حدیث ۷۵۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۷۶، درمنثور بحوالہ البیھقی وابن عدی وشاورھم فی الامر کے تحت مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۹۰

[2] المواہب الدنیہ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۰۱

امت کے لئے فائدہ مشورہ یہ ہے کہ تلاحق انظار وافکار سے بارہا وہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب رائے کی نظر میں نہ تھی س کا انتظار ہے اور بعد مشورہ بھی کوئی جدید امر کہ اپنی رائے میں ترمیم کرنا واضح نہ ہوا تو رائے روشن مشورہ بے ضیاء سے احق بالا تباع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استفت قلبك وان افتاك المفتون [1] رواہ البخاری و احمد فی التاریخ عن وابصة بن معبد الجهنی رضی الله تعالٰی عنه۔	اپنے دل سے فتوی لے اگرچہ مفتی حضرات تجھے فتوی دیں۔ اس کو بخاری نے تاریخ اور احمد نے حضرت وابصہ بن معبد جہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کے حق میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ذی رائے ہے تو اپنی ہی رائے کا اتباع کرے اگرچہ تمام رائے دہندہ خلاف پر ہوں اور غیر کے لئے بھی یہ ہے کہ جو ان میں اعلٰی وافقہ واورع ہے اس کی رائے پر چلے اگرچہ وہ اکیلا اور اس کے خلاف پر کثیر ہوں۔ معین الحکام میں ہے:

ان کان فی المصر قوم من اهل الفقه شاورهم لان الله تعالٰی امر رسوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بذٰلک، فان اتفقوا علی شیئ وکان رأیة کرأیهم فصل الحکم، وان اختلفوا نظر الی اقرب الاقوال من الحق وامضی ذٰلك وان کان من اهل الاجتهاد، ولا یعتبر السن ولا کثرة العدد لان الاصغر والواحد قد یوفق للصواب فی حادثة مالا یوفق الاکبر والجماعة [2]۔	اگر شہر میں اہل فقہ ہوں تو ان سے مشورہ کرے کیونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمایا ہے پس اگر ان کا کسی معاملہ پر اتفاق ہو اور اس کی رائے انکی رائے کے مطابق ہو تو حکم حاصل ہو گیا اور اگر ان کا اختلاف ہو تو اقرب الی الحق قول کو پاکر اس پر عمل کرے اگرچہ وہ اہل اجتہاد میں سے ہو، عمر اور عدد کی کثرت کا اعتبار نہیں کیونکہ کبھی کم عمر اور واحد شخص کسی حادثہ میں درستگی کو پالیتا جس کو بڑا اور جماعت نہیں پاتے (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ تخ حدیث ۲۹۳۴۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۵۰، مسند احمد بن حنبل مروی از وابصہ بن معبد المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۲۲۸

[2] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقتضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

اسی طرح محیط پھر ہندیہ میں ہے:

(وزاد)وینبغی ان یکون ھذاعلی قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ اما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی فتعتبر کثرة العدد ثم قال وان لم یکن القاضی من اھل الاجتھاد وقد وقع الاختلاف بین اھل الفقہ اخذ بقول من ھوافقہ واورع عندہ [1]۔	اور انہوں نے یہ زائد بات کی کہ یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہونا مناسب ہے لیکن امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر کثرت عدد کا اعتبار ہے، اور پھر فرمایا اگر قاضی اہل اجتہاد میں سے نہ ہو تو فقہاء کرام کے اختلاف کی صورت میں زیادہ فقیہ اور پرہیزگار کے قول کو اپنائے۔(ت)

نیز معین الحکام میں ہے:

وان اختلفواعلی الامیر فرأی بعضھم رأیا،ورأی بعضھم رأیا غیرہ لم یمل مع اکثرھم ولکن ینظر فیما اختلفوا فیہ،فمارأہ صوابا قضی بہ وانفذہ، و کذٰلك ینبغی للقاضی ان یفعل ذٰلك اختلف علیہ المشاورون من الفقھاء [2]۔	اگر مشورہ دینے والوں میں اختلاف ہو کسی کی رائے کچھ اور کسی کی رائے کچھ ہو تو اکثریت کی رائے پر عمل نہ کرے بلکہ غور کرکے درست رائے قائم کرے اور اس پر عمل کرتے ہوئے فیصلہ دے کر نافذ کردے، اور قاضی کو بھی یہی کرنا چاہئیے جب مشورہ دینے میں فقیہ لوگوں میں اختلاف پایا جائے۔(ت)

عمرو بکر وغیر ہما کے استدلال محض باطل ہیں اتباع سواد اعظم کا حکم اور من شذ شذ فی النار [3] (جو جدا ہوا وہ جہنم میں گیا۔ ت) کی وعید صرف در بارہ عقائد ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں، صحابہ کرام سے ائمہ اربعہ تک رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں، سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مطلقاً جمع زر کو حرام ٹھہرانا، ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نوم کو اصلاحدث نہ جاننا، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مسئلہ ربا، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ مدت رضاع، امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۱۴

[2] معین الحکام فصل فی جمع الفقہاء للنظر فی حکم القاضی مصطفی البابی مصر ص ۳۳

[3] مستدرك للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱ /۱۱۵

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ طہارت سؤر کلب و تعبد غسلات سبع، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مسئلہ نقض وضو بلحم جزور وغیرہ ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود شذ فی النار[1] (جو جدا ہو جہنم میں ڈالا گیا۔ت) کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۟" [2] (اس کو پھیر دیں گے جب وہ پھر، ہم اس کو جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ت) کا مستوجب ہوگا اور حدیث اجماع اور بھی بعید تر۔ اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا اور کسی مجلس کے فیصلہ کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے، شہر بھر کے فقہاء کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلاً حجت نہیں ہوتا، نہ کہ اراکین مجلس کا فیصلہ جن میں اکثر بے علم ہوتے ہیں بلکہ بہت جگہ کل۔ بدائع میں ہے:

ان اشکل علیه حکم الحادثة استعمل رأیه فی ذٰلك وعمل به والافضل ان یشاور اهل الفقه فان اختلفوا اخذ بما یؤدی الی الحق ظاهرا و ان اتفقوا علی رأی یخالف رأیه عمل برأی نفسه ایضا لکن لاینبغی ان یعجل الخ[3] (ملخصًا)	اگر کسی حادثہ میں مشکل پیش آئے اپنی رائے کو عمل میں لائے اور افضل یہ ہے کہ اس معاملہ میں اہل فقہ سے مشورہ کرے، اگر ان میں اختلاف ہو تو جو ظاہر طور پر حق کے قریب ہو اسے اختیار کرے اور اگر وہ اس کی رائے کے خلاف کسی رائے پر اتفاق کریں تو اس کو اپنی رائے کا ترک جائز نہیں لیکن عجلت مناسب نہیں الخ (ت)

محیط میں ہے:

اتفقوا علی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیهم لاینبغی ان یترك رأی نفسه[4]۔	اگر ان کا اتفاق قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو اپنی رائے ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ (ت)

معین الحکام میں ہے:

فاذا اجتمع فقهاء البلد علی شیئ	جب شہر کے فقہاء کا کسی رائے پر اتفاق ہو اور

[1] المستدرك للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

[3] بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۵

[4] محیط

وکان رأیه خلاف ذٰلك فلاینبغی ان یجعل بالحکم حتی یکتب فیه الی غیرهم ویشاورهم ثم ینظر الی احسن ذلك فیعمل به۔لان المشورة بالکتاب من الغائب بمنزلة المشورة بالخطاب من الحاضر۔فان خالف رأیه رأیهم قضی برأی نفسه۔لان رأیه اصوب عندہ ورأی غیر لیس بصواب[1]۔	قاضی کی رائے کے خلاف ہو تو قاضی کو جلد مناسب نہیں حتی کہ دوسروں سے خط وکتابت اور مشورہ کرے پھر ان آراء میں غور کرکے بہتر رائے کو عمل میں لائے کیونکہ خط وکتابت کے ذریعہ غائب شخص سے مشورہ ایسے ہی ہے جیسے خطاب کے ذریعہ حاضر شخص سے مشورہ ہے اس کے باوجود اگر اس کی رائے ان کی رائے سے مختلف ہو تو اپنی رائے پر عمل کرے اور فیصلہ دے کیونکہ اس کے لئے اپنی رائے پر عمل درست ہے اور دوسرے کی رائے اس کے ہاں درست نہیں ہے۔(ت)

یہ دلائل پر کلام تھا، رہا حکم **فاقول: وباللہ التوفیق**،اس میں تفصیل کثیر ہے، معاملہ دائرہ دو قسم ہے: شرعی یا اس کا غیر۔ یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہو اختیار مکلّف پر نہ چھوڑا گیا ہو، اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم فرمادی ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی، عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار روپیہ کو لیں دیں خواہ ایک پیسے کو،

لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذااختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کی وجہ سے کہ جب دو مختلف جنس ہوں تو پھر جیسے چاہو فروخت کرو۔(ت)

تو پونڈ کی قیمت پندرہ روپے ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔ **قسم اول** میں پھر دو۲ صورتیں ہیں، کتب میں اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم ہے جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلّف کو روا ہے ان میں جس چاہے عمل کرے، پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق علیہ ہو، یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتوٰی ایک ہی

---

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۸،۲۷

[2] نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ کتاب البیوع المکتبۃ اسلامیہ ریاض ۴/ ۴

جانب دیا گیا یا دوسرے جانب کی ترجیح ان وجوہ پر کہ خادم فقہ جانتا ہے ضعیف و مضمحل ہے بہر حال دوسرا قول نا قابل اخذ ہے،

فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع [1] درمختار عن تصحیح القدوری للعلامة قاسم۔	تو بالتحقیق فتوی اور فیصلہ مرجوح قول پر کرنا جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، یہ درمختار میں علامہ قاسم کی تصحیح القدوری کے حوالہ سے ہے۔(ت)

اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے صدر ہو یا رائے اراکین کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ لا حکم لاحد مع الشرع المطھر (شریعت مطہرہ کے مقابلہ میں کوئی حکم معتبر نہیں۔ت) اور دوسری صورت یہ کہ دونوں قول بلا ترجیح آراء ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتصق ہے کہ ایسی حالت میں مکلّف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔درمختار میں ہے:

فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألة قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما [2]۔	بحر وغیرہ وقف میں ہے، جب کسی مسئلہ میں دو مختلف قول ہوں اور وہ صحیح قرار دئے گئے ہوں تو ان میں ایک پر فتوی اور قضا جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب القضاء میں ہے:

ومثله یقال فی المقلدین فیما لم یصرحوا فی الکتب بترجیحه واعتماده [3]	کتب میں جس مسئلہ پر ترجیح نہ ہو تو دو مقلدوں کے متعلق یہی بات کہی جائے گی(ت)

اور جس کا حکم کتب میں نہیں تو اب چار صورتیں ہیں یا تو صدر واراکین سب فقیہ متفقہ صاحب نظر و تصرفات صحیحہ ہیں یا صرف صدر یا صرف اراکین کل یا بعض کوئی نہیں، بہر حال اس میں جو ایسا نہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر واراکین سب کی رائے امر شرعی میں مہمل و معطل ہے اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہل علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۰۳

اور اس کے ارشاد پر عمل کریں۔

قال اللہ تعالٰی "فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۝" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ (ت)

در مختار میں ہے:

ولا یخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ۔ [2]	ظنی نہیں حقیقی علم والوں سے وجود خالی نہیں علاوہ ازیں اگر خود تمیز نہ کرسکے تو براءت ذمہ کے لئے تمیز والوں کی طرف رجوع کرے۔ (ت)

اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور ارا کین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو حکم وہ کتب معتمدہ سے بعد غور کامل اور فحص بالغ سمجھا اس پر حکم دے رائے ارا کین کی کثرت بلکہ اجماع کا بھی اصلا لحاظ نہ کرے اور خود ارا کین کو روا نہیں کہ اس کا خلاف کریں کہ یہ علم کا مقابلہ جہل سے ہوگا اور وہ جہل مرکب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌؕ"۔ [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھ سے اس معاملہ میں کیوں بحث کرتے ہو جس کا تمھیں علم نہیں ہے (ت)

اور شکل سوم میں صدر کی رائے کوئی چیز نہیں پھر اگر ارا کین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے اور مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ و اورع سمجھے اس کا اتباع کرے کما قدمناہ عن المحیط و الھندیۃ (جیسا کہ ہم نے پہلے محیط اور ہندیہ سے بیان کیا ہے ت) سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے:

اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ بقول افقھھما بعد ان یکون اورعھما۔ [4]	جب کسی حادثہ میں دو مفتیوں میں اختلاف ہو تو ان میں افقہ اور پرہیزگار کے قول کو اختیار کرے (ت)

اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے فان مظنۃ

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۷

[2] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۳/ ۶۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

الاصابۃ فیھا اکثر عند من لایعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل (کیونکہ اکثریت کی رائے میں درستگی کا احتمال زیادہ ہے یہ چیز نہ جاننے والے کے لئے عنداللہ بڑا عذر ہے۔ت) اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً چار متفقہ ہیں دو ایک طرف دو ایک طرف، تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولٰی ہے۔ ورنہ مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے اور اب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہو جائے گی۔ معین الحکام میں ہے:

ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی لہ الجاھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولا یسعہ ان یتعدی الی غیرہ، وان کان فی المصر فقیھان کلاھما رضا یأخذ عنھما، فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھما وسعہ ان یاخذ بہ، فان کانوا ثلثۃ فقھاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولا یسعہ ان یتعدی الی قول الثالث۔[1]	حسن بن زیاد نے اپنی ادب القاضی میں ذکر کیا ہے کہ کوئی جاہل جب کسی فقیہ سے سوال کرے اور وہ اسے کسی ایک قول پر فتوی دے تو وہ اس فتوی کو اپنائے اور غیر کی طرف جانے کی اس کو اجازت نہیں۔ اگر شہر میں دو مساوی فقیہ ہوں تو دونوں سے چاہے رجوع کرے، اگر دونوں میں اختلاف ہو تو اسے چاہئے کہ غور کرے جس کی بات دل میں درست سمجھے اس کو اپنائے تو یہ جائز ہے اور اگر شہر میں تین فقیہ ہوں اور دو کی رائے متفق ہو تو ان کی بات کو اپنائے اور تیسرے کی طرف رجوع کی گنجائش اسے نہ ہو گی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح وعندی انہ لواخذ بقول الذی لایمیل الیہ قلبہ جاز لان ذلک المیل وعدمہ سواء[2] الخ۔ **اقول:** عارضہ ماذکر الامام الحسن بن زیاد وھو من ائمتنا المجتھدین	فتح میں کہا ہے کہ اگر اس قول کو اپنایا جس کی طرف قلبی میلان نہیں تو میرے نزدیک جائز ہے کیونکہ اس کا میلان اور عدم میلان برابر ہیں۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں امام حسن بن زیاد کا ذکر کردہ قول اس کے معارض ہے جبکہ وہ ہمارے امام اعظم

[1] معین الحکام الرکن الثانی من ارکان القضاء المقضی بہ مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۳

تلامذۃ امامنا الاعظم فالاخذبہ اولی من بحث المحقق۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مجتہد تلامذہ میں سے ایک امام ہیں تو محقق صاحب کے قول کے مقابلہ میں اس امام کے قول کو اپنانا بہتر ہے۔ (ت)

شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرت رائے خلاف پر نظر نہیں **کما قدمناہ عن معین الاحکام والمحیط والعالمگیریۃ** (جیسا کہ ہم پہلے معین الحکام، محیط اور عالمگیریہ سے اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ت) ہاں اگر ارا کین میں کوئی اس سے افقہ واعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تنزلزل آگیا تو روا ہے کہ اس افقہ کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے، یہ صورت بھی قسم دوم سے ملتحق ہو جائے گی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان اشار ذٰلك الرجل الی شیئ ورأی القاضی بخلاف رأیہ فالقاضی لایترك رأی نفسہ فان اھتم القاضی برأیہ لما ان ذٰلك الرجل افضل وافقہ عندہ لو قضی برأی ذٰلك الرجل ارجو ان یکون فی سعۃ من ذٰلك وان لم یھتم القاضی برأیہ لاینبغی لہ ان یترك رأی نفسہ[1]۔	اگر یہ شخص قاضی کو کسی چیز کا مشورہ دے اور قاضی کی رائے اس کے خلاف ہو تو قاضی اپنی رائے کو ترک نہ کرے اور اگر قاضی اپنی رائے کو اس بنا پر اہم نہ سمجھے کہ وہ شخص اس سے افقہ اور افضل ہے تو اس بنا پر اگر اس شخص کی رائے پر عمل کرلے تو مجھے امید ہے قاضی کو یہ گنجائش ہے اور اگر قاضی اس شخص کی رائے کو اہم نہیں سمجھتا تو اسے اپنی رائے کا ترک مناسب نہیں ہے۔ (ت)

درمختار میں ملتقط سے ہے:

قضی بما راٰہ صوابالابغیرہ الا ان یکون غیرہ اقوی فی الفقہ ووجوہ الاجتھاد فیجوز ترك رأیہ برأیہ[2]۔	اپنی رائے پر قاضی فیصلہ دے مگر جب غیر کی رائے کو فقہ اور وجوہ اجتہاد میں اقوی قرار دے تو اس کے مقابلہ میں اپنی رائے کا ترک قاضی کو جائز ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب آداب القاضی الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۳۱۴

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۲

لکن ھذا اذا اتھم رأی نفسہ ففی الھندیۃ عن المحیط ونقل ماذکرناہ بمعناہ۔[1]	لیکن یہ تب جائز ہے کہ اپنی رائے کو اس کے مقابلہ میں اہم نہ جانے، تو ہندیہ میں محیط سے معنًا وہ نقل کیا جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔(ت)

یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم: میں یعنی جہاں جہاں شرعًا اسے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہو اور یہ امر دائر شروط واقف میں داخل۔ اس صورت میں جو شرط واقف کا مقتضی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا ارا کین یا بعض کے موافق ہو یا سب کے خلاف کہ شرط واقف مثل نص شارع واجب الاتباع ہے **کما نصوا علیہ الافیما استثنی وھو مفصل فی الاشباہ والغمز وحواشی الدر وغیرھا** (جیسا کہ انہوں نے کا اس پر نص فرمائی ماسوائے ان استثنائی صورتوں کے جن کی تفصیل اشباہ غمز اور حواشی الدر وغیرہا میں ہے۔ت) دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امر دائر متعلق بمال، اس صورت میں چندہ دہندوں کی رائے کا اتباع ہے صدر وارا کین ان کے خلاف اجازت صرف مال کے مختار نہیں **لان المال فی ھذہ الصورۃ لایخرج عن ملك المعطین کما حققناہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا** (کیونکہ عطیہ دینے والوں کی ملکیت سے اس صورت میں مال خارج نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملتحق بقسم دوم ہوئی تھیں یونہیں قسم دوم سے یہ صورتیں راجع بہ قسم اول ہیں کہ معارض وقف وملك غیر ان میں جانب شرع سے تحدید ہوگئی تخییر نہ رہی۔ سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف ہو تو امر دائر کو کسی شرط واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امر دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذن عام ہو حقیقتًا یہی صورتیں قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی راء نہیں اور ارا کین جیسا کہ سوال میں ہے ماہر فن، جب تو ظاہر کہ وہاں سے اپنی رائے پر وثوق بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے ارا کین میں اسے کوئی شبہ ہے تو اور متدین ماہروں سے تفتیش کرکے اطمینان کرلے، بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرز عمل مناسب، یونہیں اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذی رائے ہے تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر ازانجا کسی طرف کوئی مطالبہ شرعی نہیں، بہر صورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی مناسب ہے کہ کثرت رائے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۳

پر عمل کرے کہ باعث وحشت و بددلی اراکین وبدانتظامی مجلس نہ ہو، علماء نے تشریع مشورہ و نزول کریمہ "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ"[1] کی ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے عـــہ۔ معالم میں ہے:

قال قتادة و مقاتل فان ساداة العرب کانوا اذالم تشاور فی الامر شق ذٰلك علیھم فامر الله تعالٰی نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان یشاورھم فان ذٰلك اعطف لھم واذھب لاضغانھم واطیب لنفوسھم[2]۔	حضرت قتادہ اور مقاتل نے فرمایا: عرب سرداروں سے جب مشورہ نہ ہوا تو ان کی یہ بات گراں گزری اس لئے اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے مشورہ کا حکم فرمایا کیونکہ اس سے ان پر شفقت کا اظہار اور ان کے دل کی خلش دور، اور ان کے نفوس مطمئن ہونے کا سامان ہوگا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ ابتداءً ترک مشورہ میں وہ ایحاش نہیں جو بعد مشورہ رائے اکثر پر عمل نہ کرنے میں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: بشروا ولا تنفروا[3] (خوشخبری دو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ت) ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت سے اعظم اور اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اشد ہو تو من ابتلی بلیتین اختار اھونھما[4] (جو دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو آسان کو اپنائے۔ت) پر عمل کرے۔

ھذا کله ماظھر لی اخذا من کلماتھم وارجو ان یکون منتھی المقال فی ھذا المقام وبالله التوفیق۔	یہ تمام بحث وہ ہے جو میں نے ان کے کلام سے ظاہر پا کر حاصل کی، تو مجھے امید ہے کہ اس مقام میں یہ بحث کی انتہا ہے، اور توفیق صرف اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ (ت)

عـــہ: اصل کی عبارت پڑھی نہ جاسکی پھر بھی مطلب میں خلل نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[2] معالم التنزیل علٰی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ وشاورھم فی الامر مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۳۹

[3] صحیح مسلم کتاب الجھاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲، صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[4] الاسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۵

تنبیہ: کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاط بلیغ و نظر غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جن میں شرع مطہر کی طرف سے ابتداءً خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو، اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہل زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پیدا ہو کر ایک تحدید شرعی نکل آئی تو حکم کے لئے علم و فہم کامل سے چارہ نہیں اور حق یہ کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے **بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: از ریاست رامپور محلہ پیپلا تالاب مرسلہ مولوی ہدایت الرسول صاحب ۲۰/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، عمرو نے پختہ مکان بنایا جس کا دروازہ شارع عام پر واقع ہوا، اس مکان پر بالاخانے بھی تعمیر کئے، ان بالاخانوں میں اسی شارع عام کی طرف چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی ضرورۃً رکھی ہیں، اسی سمت میں شارع عام سے فاصلہ پر بکر کا مکان واقع ہے، ان کھڑکیوں کی وجہ سے بکر کو اپنی بے پردگی کی شکایت واقع ہوئی اور اہل محلّہ سے کہا کہ ان کھڑکیوں کے سامنے آڑ کرا دینا چاہئے جس سے ہمارے مکان کا سامنا نہ رہے۔ عمرو نے اہل محلّہ کے کہنے سے ان روشندانوں پر جستی چادر سے ایسا سائبان ڈال دیا کہ سوا نیچے کی سڑک کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر روشندانوں میں لوہے کی سلاخیں لگا دیں اور اڑنگوں سے خوب مضبوط جڑوا دیا کہ کسی طرح وہ چادر اٹھ نہ سکے، اب بحالت موجودہ ان سے کسی کے مکان کا سامنا مطلقاً نہ رہا، یہ سب کچھ کرکے بکر کو دکھایا گیا جس کو اچھی طرح جانچ کر بکر نے اہل محلّہ کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی اور بتراضی طرفین وہ کھڑکی نما روشندان قائم ہو گئی جو عرصہ ۳ برس سے بدستور قائم ہیں فی الحال بکر نے ایک رنجش تازہ کی وجہ سے ان سہ سال قائم شدہ روشندانوں کی مسدودی کا دعوی اس بے اصل اور خلاف واقعہ اظہار پر کیا ہے کہ مذکورہ کھڑکیوں کے سائبان اٹھا کر اس کے مکان کی بے پردگی کی جاتی ہے حالانکہ وہ سائبان مطابق بیان بالا نہایت مضبوط جڑے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا ناممکن ہے، چنانچہ اس کا معائنہ حاکم عدالت کو بھی کرا دیا گیا ہے اور نیز اگر موجودہ استحکام سے اور کوئی زیادہ استحکامی حالت تجویز کی جائے تو عمرو اس کے لئے بھی تیار ہے۔ عرض یہ ہے کہ بکر اندر سے سائبان اٹھا کر جھانکنے کا وہم بے اصل رفع کرلے۔ اس واقعہ صحیحہ کو عرض کرکے امیدوار حکم شرعی کا ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جب صورت واقعہ یہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو اس صورت میں بکر کا دعوٰی باطل و نامسموع اور ہمارے ائمہ متقدمین و متاخرین کے اجماع سے مردود و مدفوع ہے، ہمارے جمیع ائمہ کرام رضی اللہ عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی ملک خاص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم آتا ہو، بہت اکابر نے اسی پر فتوٰی دیا۔ درمختار میں ہے:

ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقًا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظہیر الدین و ابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبٰی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف ثمہ فقال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ[1]۔	ظاہر روایت مطلقًا عدم منع پر ہے اسی پر ایک جماعت مثلًا امام ظہیر الدین، ابن شحنہ اور ان کے والد کا فتوٰی ہے اور فتح میں اسی کو ترجیح دی ہے اور مجتبٰی کی قسمت کی بحث میں "بہ یفتی یعنی اس پر فتوٰی ہے" فرمایا، اور مصنف نے اسی پر اعتماد کرتے ہوئے وہاں فرمایا کہ فتوٰی مختلف ہے اور مناسب یہی ہے کہ ظاہر روایت پر اعتماد کیا جائے۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد و زفر والحسن بن زیاد انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھو الذی امیل الیہ و اعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالٰی[2]۔	علامہ ابن شحنہ نے فرمایا کہ میری یاد میں ہے کہ ہمارے پانچوں ائمہ ابو حنیفہ، ابویوسف، محمد زفر اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے کہ کسی کو ذاتی ملکیت میں تصرف منع نہیں کیا جائے گا اگرچہ پڑوسی کو ضرر ہو۔ اور فرمایا اسی کی طرف میرا میلان ہے اور اعتماد ہے اور اپنے والد شیخ الاسلام کی اتباع میں میرا یہی فتوٰی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶

[2] بحرالرائق کتاب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳۳

محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: **والوجه لظاہر الروایة**[1] (معتبر وجہ ظاہر روایت کے لئے ہے۔ت) اور معلوم ہے کہ فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے۔

کما فی البحر والخیریة وردالمحتار وغیرہا عامة الاسفار۔	جیسا کہ بحر، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہا عام کتب میں ہے۔(ت)

اس تقدیر پر تو دعوٰی سرے سے بے بنیاد ہے مگر متاخرین نے بنظر مصلحت وحدیث:

لاضرر ولاضرار[2]۔ رواہ احمد عن عباس وابن ماجة عنه وعن عبادة رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن۔	ضرر رسانی جائز نہیں۔ اس کو احمد نے عباس سے اور ابن ماجہ نے ان سے اور عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسند حسن روایت کیا (ت)

بطور استحسان دفع ضرر بین پر نظر کی ہے **اقول:** غیر فقیہ اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ بین کے معنی ہیں ظاہر وواضح، تو کیسا ہی ضرر کسی حالت میں ہو جبکہ مخفی نہ ہو مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے باز رکھنے کا پروانہ ہے حالانکہ یہ محض وہم وسوئے فہم ہے۔ شرع مطہر نے ملک کی وضع اطلاق تصرف کے لئے فرمائی ہے مالک کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا کیا ضرر نہیں، اور حدیث فرماتی ہے: لاضرر ولاضرار[3] (ضرر رسانی جائز نہیں۔ت) تو کیا وجہ ہے کہ مطلقاً دوسرے کے ضرر کو خود مالک کے ضرر پر ترجیح دی جائے حالانکہ یہ ترجیح بلا مرجح بلکہ بارہا ترجیح مرجوح ہے کہ مالک صاحب حق ہے اور صورت یہ مفروض ہے کہ دوسرے کا اس ملک سے حق متعلق نہیں **کما فی السفل لرجل والعلو لاٰخر** (جیسے نچلا حصہ ایک کا ہو اور بالائی حصہ دوسرے کا۔ت) ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج کا گھر ہے جس پر سایہ اس درخت ہی کا ہے بلاشبہہ اس کے قطع میں جار کا اضرار ہے مگر ہرگز مالک اس سے ممنوع نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر وجامع الفصولین میں فرمایا:

واللفظ للجامع رجل له شجرة یستظل بها جارہ اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرر به جارہ اذرب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع	کسی شخص کا درخت ہو اور اس کا پڑوسی اس سے سایہ حاصل کرتا ہے اور مالک درخت اکھاڑنا چاہتا ہے تو پڑوسی کے ضرر کی وجہ سے مالک کو اکھاڑنے سے نہ روکا جائے گا، ہوسکتا ہے کہ درخت

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

بملکہ[1]	کا مالک اپنی ملکیت سے پڑوسی کو انتفاع سے روکنا چاہتا ہو۔ (ت)

خادم فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ ضرر بین متحقق ہوگا:

شرط اول: وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دار جار کو گرادے یا بالکل قابل انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل ہے اور حاجت اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔ محقق نے فتح میں فرمایا:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار لا شك انہ عام مخصوص للقطع بعدم امتناع کثیر من الضرر کالتعازیر والحدود ومواظبۃ طبخ ینتشر بہ دخان قد ینجس فی خصوص اماکن فیتضرر بہ جیران لایطبخون لفقرہم خصوصا اذاکان فیہم مریض یتضرر بہ وکما اریناك من التضرر بقطع الشجرۃ المملوکۃ للقاطع فلا بد ان یحمل علی خصوص من الضرر وھو مایؤدی الی ھدم بیت الجار ونحوہ من الضرر البین الفاحش والحاصل ان القیاس ان یفعل صاحب الملك مابدالہ مطلقًا لانہ یتصرف فی خالص مبلکہ وان کان یلحق الضرر بغیرہ لکن یترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررًا فاحشا، وھو المراد	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کاارشاد لاضرر ولاضرار (یعنی ضرر رسانی جائز نہیں) عام مخصوص البعض ہے کیونکہ بہت سے ضرر ایسے ہیں جن سے یقینا ممانعت نہیں ہے مثلا! تعزیرات اور حدود اور مسلسل آگ سے کچھ پکانا جس سے دھوئیں کا پھیلاؤ بعض جگہ گھٹن پیدا کرتا ہے تواس سے ایسے پڑوسیوں کو ضرر ہوتا ہے جو اپنے فقر کی وجہ سے کھانا نہیں پکاتے خصوصًا جبکہ پڑوسیوں میں مریض جسے اسکی وجہ سے ضرر پہنچتا ہو، جیساکہ ہم آپ کو مالک کا اپنے درخت کو کاٹنے پر ضرر بتارہے ہیں، تو ضروری ہے کہ مذکور حدیث میں ضرر سے خاص ضرر مراد لیا جائے اور وہ جس سے پڑوسی کے مکان گرنے کا خدشہ ہو، یا اس طرح کا جو کوئی واضح ضرر ہو۔ حاصل یہ ہے کہ قانون کے مطابق ملکیت والا اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرسکتا ہے کیونکہ وہ خالص اپنی ملکیت میں تصرف کررہا ہے اگرچہ اس سے دوسرے کو ضرر بھی ہو، تاہم یہ قیاس و قانون ایسی جگہ نافذ نہ ہوگا جہاں پڑوسی کو واضح طور پر ضرر پہنچتا ہو، یہی ضرر جس سے دوسرے کے مکان

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۶

بالبین وھو مایکون سببا للھدم وما یوھن البناء سبب له اویخرج عن الانتفاع بالکلیة وھو مایمنع من الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة، واختار واالفتوی علیه واما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب الانتفاع بملك الانسان کماذکرنا قریبا[1] (ملتقط)	گرنے یا کمزور ہونے کا خطرہ ہو، مراد ہے یاایسا ضرر کہ دوسرے کو اپنی ملکیت کے انتفاع سے بالکل محروم کردے وہ یہ کہ اس کو اپنی حوائج اصلیہ سے روک دے، مثلاً بالکل روشنی کاختم ہوجانا فقہاء کرام نے اسی پر فتوی کو مختار قرار دیا ہے لیکن یہ کہ ہر ضرر کو ممنوع قرار دینے تک توسیع تو انسان کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے محروم کردیگی جیسا کہ قریب ہی ہم نے ذکر کیا ہے (ملتقطا)۔(ت) اسی طرح عقود دریہ میں حواشی اشباہ علامہ بیری زادہ سے ہے۔

شرط دوم: اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعل جار کو اس میں دخل نہ ہو ورنہ اصلاً لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ اور مکان ہے اس کا سامنا ہے یا اس کی چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی ہو یہ ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا۔ تنقیح الحامدیہ میں ہے:

لزید طبقة فیھا طاقة قدیمة مقابلة لقصر ورواق حادثین فی دار جارہ عمر وفقام عمرو ویکلفه سد الطاقة زاعما انھا تشرف علی القصر والرواق المذکورین والحال انھما لیسا محل قرار نسائه و جلوسھن بل محله سفل الدار، فھل لیس له تکلیفه بذٰلك[2]۔	زید کے مکان کی دوسری منزل ہے جس میں قدیم کھڑکی ہے اور کھڑکی مقابل پڑوسی عمرو کی حویلی میں جدید برآمدہ اور باغیچہ ہے عمرو ضد کرکے کھڑکی کو بند کرانے پر اس خیال سے مجبور کرے کہ کھڑکی والا باغیچہ اور برآمدہ مذکورہ کو جھانکتا ہے حالانکہ وہ باغیچہ اور برآمدہ کی مستورات کی آرام گاہ اور نشستگاہ نہیں بلکہ مستورات کی اصل وہ جگہ مکان کی پست جگہ میں ہے تو ایسی صورت میں عمرو کو یہ حق نہیں کہ وہ کھڑکی والے کو بند کرنے پر مجبور کرے۔(ت)

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۶/ ۱۵۔۴۱۴

[2] العقود الدریہ کتاب القضاء باب الحبس مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

فتاوی امام فقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی پھر فتح القدیر و جامع الفصولین میں ہے:

واللفظ لہ لولا یقع بصرہ فی دار جارہ ولکن یقع بصرہ علیھم لوکانوا علی السطح لایمنعہ اذا استویا فی الضرر لانہ این کان یقع بصرہ علیھم یقع بصرھم علیھم ایضا فی السطح کذا[1]۔	لفظ جامع الفصولین کے ہیں، اگر مکان والے کی نظر پڑوسی کے گھر میں نہیں پڑتی لیکن اگر پڑوس والے چھت پر اور کھلی جگہ ہوں تو نظر پڑتی ہے تو ایسی صورت میں پڑوسی کو منع کرنے کا حق نہیں ہے جبکہ دونوں اس ضرر میں برابر ہیں کیونکہ جب ایک کی نظر پڑے گی تو دوسرے کی بھی ان پر نظر پڑے گی جب چھت پر ہوں گے۔(ت) اسی طرح وجیز کردری میں ہے۔

شرط سوم: وہ ضرر ثابت و متحقق ہو محتمل و متوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں تابدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو ہمسایہ کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشندان بند نہ کئے جائیں گے۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل لہ قاعۃ رفیعۃ البناء ملاصقۃ لدار جارہ ففتح فی اعلاھا بالقرب من سقفھا قمریتین للضوء فقط لیس فیھما اشراف علی حریم الجار الا بالصعود الیھما بسلم عال قام جارہ الاٰن یکلفہ سدھما بدون وجہ شرعی فھل یمنع الجار من ذٰلک، الجواب نعم[2]۔	ان سے ایک شخص کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا بڑا بلند مکان ہو اس کے ساتھ ملا ہوا پڑوسی کا مکان ہے تو بلند محل والے اس شخص نے روشنی کے لئے چھت کے قریب اپنے مکان میں دو روشندان پڑوسی کی طرف نکالے جبکہ ان روشندانوں سے پڑوس کے اہل خانہ کو جھانکنے کا کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے اس کے کہ بلند سیڑھی لگا کر ان سے جھانکا جائے تو اب پڑوسی ضد کرکے ان روشندانوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر بند کرائے تو کیا پڑوسی کو اس سے روکا جائیگا جواب دیا کہ ہاں پڑوسی کو اس مطالبہ سے منع کیا جائے گا۔(ت)

شرط چہارم: وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا ہے اس کے ازالہ کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ منع تصرف لازم نہ ہوگا۔ بحرالرائق میں کتاب الاستحسان امام ابوبکر رازی

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] العقود الدریہ کتاب القضا باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۳۰

سے ہے:

الدار اذاکانت مجاورۃ للدور فاراد صاحبھا ان یبنی فیھا تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی للطحین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلك یضر بجیرانه ضررا فاحشا لایمکن التحرز عنه، فانه یاتی منه الدخان الکثیر الشدید، و رحی الطحن ودق القصارین یوھم النباء بخلاف الحمام فانه لا یضر الا بالنداوۃ ویمکن التحرز عنه بان یبنی حائطا وبین جارہ وبخلاف التنور الصغیر المعتاد فی البیوت[1] ۔	ایک مکان دوسرے مکان سے ملا ہوا ہو تو ایک مکان والا اپنے مکان میں دائمی کاروباری تنور روٹیوں کے لئے یا آٹا پیسنے کے لئے چکی یا دھوبی گھاٹ بنائے تو جائز نہ ہوگا کیونکہ اس سے پڑوس کو کھلا ضرر ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ کثیر وشدید دھواں وہاں سے آئے گا اور چکی اور دھوبی گھاٹ سے پڑوس والے مکان کی عمارت کمزور ہوتی ہے اس کے برخلاف حمام ہو تو جائز ہے کیونکہ اس سے رطوبت کا نقصان ہے لیکن اس سے بچنا ممکن ہے کہ اپنے اور پڑوس کے درمیان دیوار بنادے، اسی طرح گھریلو تنور جو کہ عادتاً گھروں میں ہوتا ہے وہ بھی جائز ہے (ت)

جب یہ اصل منقح ہولی مسئلہ دائرہ کی طرف چلئے، یہ تو پہلے معلوم ہولیا کہ ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب مصحح مرجح پر تو دعوی بکر سرے سے بے بنیاد ہے اور بہت اکابر اس صورت کو فتوائے متاخرین سے بھی جدا مانتے ہیں اور اس پر وہی اصل حکم ائمہ جانتے ہیں کہ بالاخانے میں دروازہ ودریچہ نکالنے سے اصلاً منع نہ کیا جائے گا جس کی بے پردگی ہو وہ اپنا پردہ بنالے اپنی دیوار اونچی کرلے۔ امام عمادالدین نے فصول میں باآنکہ قول متاخرین اختیار کیا، اس مسئلہ میں عدم منع ہی کو موید فرمایا اور محقق علی الاطلاق نے اسے مقرر رکھا، فتح میں بعد نقل مسئلہ مذکور فتاوٰی امام سمرقندی میں فرمایا:

قال فی فصول العمادی وعلی قیاس المسألة المتقدمة وھی ان لایمنع صاحب الساحة من ان یفتح صاحب العلو کوۃ	فصول عمادی میں فرمایا: پہلے مسئلہ پر قیاس کے طور اور وہ یہ کہ صحن والا بالاخانے والے کو روشندان اور کھڑکی نکالنے سے منع نہیں کرسکتا

[1] بحر الرائق کتب القضاء مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۳۲، ۳۳

ینبغی ان یقال فی ھذہ لیس للجار حق المنع من الصعود وان کان بصرہ یقع فی دار جارہ، الاتری ان محمد ارحمہ اللہ تعالٰی لم یجعل لصاحب الساحۃ حق منع صاحب البناء عن فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحۃ[1]۔	اس بناء پر یہ حکم مناسب ہے کہ پڑوسی کو یہ حق نہیں کہ دوسرے کو اپنے مکان پر چڑھنے سے منع کرے اگرچہ چھت پر جانے سے پڑوسی کے گھر نظر پڑتی ہو، آپ دیکھتے نہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صحن والے کو حق نہیں دیا کہ وہ بالاخانہ والے کو کھڑکی نکالنے سے منع کرے حالانکہ ظاہر ہے کہ اوپر کھڑکی سے صحن میں نظر پڑتی ہے۔(ت)

کتاب الحیطان امام حسام شہید و بحر الرائق وخلاصہ ووجیز کردری وانقرویہ وغیرہا میں ہے:

لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا او کوۃ لایلی صاحب الساحۃ منعہ بل لہ ان یبنی مایستر جھتہ[2]۔	اگر عمارت والا اپنے بالاخانے سے کھڑکی یا دروازہ نکالے تو صحن والے کو حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی طرف کوئی پردہ لگائے(ت)

ارباب الفتوی میں ہے:

رجل وکل وکیلا عن زوجتہ باع لھا قطعۃ ارض لجارہ لہ ان یفتح طیاقا مطلۃ علی حوش الموکلۃ المذکورۃ ولیس لھا ان تمنعہ فان استضرت منہ تبنی جدارا فی ارضھا[3] اھ ملخصا۔	ایک شخص نے اپنی بیوی کی طرف سے وکیل بنایا تاکہ بیوی کی زمین کا کچھ حصہ پڑوسی کو فروخت کرے، اگر پڑوسی نے وہاں سے کھڑکی نکالی جس سے مؤکلہ عورت کی چار دیواری میں نظر پڑتی ہو تو عورت اسے منع کرنے کا حق نہیں رکھتی اگر وہ اس سے ضرر محسوس کرتی ہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی زمین میں پردہ کے لئے دیوار بنالے اھ(ت)

ان کے حکم سے بھی بکر کو کچھ اختیار دعوی نہیں۔ رہا قول مضمرات وغیرہا جس میں اس صورت کو داخل فتوائے متاخرین مانا اور بیشک ہمارے بلاد میں یہی اوفق وارفق ہے اس قول پر بھی بکر کو اصلاً راہ دعوی نہیں کہ جب ان پر جست کے سائبان جڑوادئے جن کے بعد صرف سڑک کا سامنا رہا تو ضرر کثیر فاحش درکنار

---

[1] فتح القدیر مسائل منثورۃ من کتاب القضاء مطبع نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۱۵

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب القضاء مسائل الحیطان ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۶۶، فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الحیطان الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۱۴

[3] ارباب الفتوی

سرے سے بکر کا ضرر ہی نہ رہا، اس قول میں یہ ہے کہ:

اذاكانت الكوة لنظر وكانت الساحة محل الجلوس للنساء يمنع وعليه الفتوى۔	اگر کھڑکی دیکھنے کی غرض سے بنائی اور پڑوسی عورتوں کی نشست گاہ صرف وہی صحن والا برآمدہ ہے تو اس صورت میں کھڑکی بنانے سے منع کیا جائے گا اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

یہاں وہ کہ نظر آتا ہے محل جلوس زنان نہیں سڑک ہے اور وہ کہ محل جلوس زنان ہے نظر نہیں آتا تو نہ دریچہ نظر ہوا نہ محل محل نساء۔ عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل له طبقة فی داره لها ثلاث شبابيك مطلات علی الشارع فقط قام رجل من اهل المحلة يعارضه فی اعادة الشبابيك المذكورة فهل ليس له معارضة فی ذلك الجواب نعم۔[1]	سوال ہوا کہ ایک شخص کی حویلی میں اس کا بالاخانہ ہے جس میں تین کھڑکیاں ہیں جن سے صرف سڑک پر نظر پڑتی ہے تو اہل محلّہ میں سے ایک شخص اٹھ کر مذکورہ کھڑکیوں پر اعتراض کرے تو کیا اس معترض کو حق اعتراض تو نہیں؟ الجواب ہاں اسے حق نہیں ہے۔ (ت)

بالجملہ صورت مسئولہ میں دعوی بکر ہمارے ائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین کسی کے قول پر اصلاً قابل سماعت نہیں نیز بیان مذکور سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اس کا انسداد چاہنا شرط چہارم سے مردود ہے کہ ضرر ممکن التحرز تھا اور اس کا چارہ کار عمرو نے کر دیا جسے حسب بیان سائل بکر نے بھی قبول کیا اور تین سال تک اس پر راضی رہا اور یہ گمان کہ اگرچہ سائبان قبضوں سے جڑدئے گئے مگر قبضے اکھڑ واسکتے ہیں اور ایسا کیا تو پھر بے پردگی ہوگی شرط سوم سے مردود ہے کھلے ہوئے طاقچے تک سیڑھی لگا کر چڑھ جانا آسان ہے یا جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دینا جب اس صورت کا احتمال قریب مسموع نہ ہوا یہ احتمال بعید کیونکر مسموع ہوسکے گا اور اگر ایسے مہمل احتمالات مان لئے جائیں تو دریچے مٹی یا چوکوں سے بند کردینا کیا نافع ہوگا جو مضبوط جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھاویگا کیا وہ مٹی کی چھاپ میں روزن نہیں کرسکتا یا ایک آدھ چوکا نہیں نکال سکتا بلکہ غالباً یہ اس سے آسان تر ہوگا تو دعوی انسداد محض تعنت ہوا اور متعنت کا دعوی مسموع نہیں ہوسکتا یہ تو حکم، رہا بکر کا وہم اس کا علاج اور نیز اس سے زیادہ استحکام کے سوال کا جواب وہی ہے جو

[1] العقود الدریہ کتاب القضاء، باب الحبس، مسائل شتی ارگ بازار قندھار ۱/ ۳۳۰

محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل میں باب قسمۃ الدار سے کچھ پہلے فرمایا:

لو فتح صاحب البناء فی علو بنائه بابا لم یکن لصاحب الساحه منعه ولصاحب الساحة ان یبنی فی ملکه ما یستر [1]۔	اگر عمارت والا اپنی عمارت کے بالائی حصہ میں دروازہ بنائے توصحن والے کو منع کا حق نہیں بلکہ اس کو چاہئے کہ وہ اپنی ملکیت میں پردے کاانتظام کرے۔(ت)

یعنی عمرو کو اجازت دی جائے کہ اپنے دریچوں پر سے سائبان بالکل اتار کر دریچے پورے کھول دے اور بکر سے کہا جائے کہ تو اپنے مکان کاپردہ بنالے کہ عمرو کواس پر اینٹیں نکال کر جھانکنے کا قابو نہ ہوگااور بے پردگی کاوہم جاتا رہے گااور اگراب بھی اندیشہ ہوکہ بکرنے اپنی دیوار اونچی کی تو عمرو اپنے ملکان کو سہ منزلہ کرکے اس میں دریچے نکالے گااور پھر بے پردگی ہوگی تو قاطع ہر گونہ وہم پر ہے کہ بکر اپنے صحن پر جست کی چادریں ڈال کر پاٹ لے کہ پھر عمرو تو عمرو آسمان کی نظر سے بھی تحفظ ہوجائے گا ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر بحوالہ الاصل قبیل باب قسمۃ الدار مسائل شتی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۴

رسالہ
الھبۃ الاحمدیۃ فی الولایۃ الشرعیۃ والعرفیۃ ۱۳۳۳ھ
(شرعی اور عرفی ولایت کے بارے میں احمدی ہبہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۴: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ۱۷/ جمادی الاخرہ ۱۳۳۳ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیارائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے، والتسلیم (نقل فتوی مطبوعہ[عہ] مستشار العلماء)

عہ: مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ۲۹/ جون جمع کردہ لطف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علی خاں جاگیر دار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکمًا مجور کردیا تھا، اس کے بعد انہوں نے وقفنامہ مورخہ ۲۵/ اگست ۱۹۰۸ء رجسٹری شدہ ۲۵/ ستمبر ۱۹۰۸ء لکھا، اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع مثبت احکام شرعیہ ہیں، اس کے ساتھ دوسرا فتوی اسی مستشار العلماء کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں مجور ہوگئے اور وقف باطل ہے ۱۲۔

سوال: کیافرماتے ہیں علمائے حنفیہّ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب: حنفیہّ مذہب کی روسے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اور اس کے فیصلے اسی طرح شرعًا قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

ثبوت: حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اس کا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم، حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو، پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے علم سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوی دینے کے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو۔ شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

فالصحیح ان اھلیة الاجتھاد شرط الاولیة فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمه الله وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرة علیه ولا قدرة دون العلم ولنا انه یمکنه ان یقضی بفتوی غیرہ ومقصود القضاء یحصل به وھو ایصال الحق الی مستحقه[1]۔ھدایة ج٦ص٣٦٠۔	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط اولٰی ہونے کی ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں قضاء کا معاملہ اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت اس پر نہیں ہوسکتی اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جاہل کو دوسرے کے فتوی پر عمل ممکن ہے اور قضاء کا مقصد اس سے حاصل ہوجاتا ہے اور وہ حقدار کو حق دینا ہے۔ ہدایہ ج٦ص٣٦٠(ت)

محقق شیخ ابن الہمام فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمة علی انه لاتصح ولایته کالشافعی	فاسق کی قضا میں اختلاف ہے اکثر ائمہ کرام کی رائے ہے کہ یہ صحیح نہیں مثلًا امام شافعی رحمہ اللہ

[1] الہدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

وغیرہ کما لاتقبل شھادتہ، وعن علمائنا الثلاثۃ فی النوادر مثلہ لکن الغزالی قال اجتماع ھذہ الشروط من العدالۃ والاجتھاد وغیرھما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتھد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا، فلو قلد الجاھل الفاسق صح ویحکم بفتوی غیرہ[1]۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۷۔	وغیرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں اسی طرح اس کی ولایت بھی صحیح نہیں ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کا نوادر میں یہی قول ہے لیکن غزالی نے فرمایا کہ عدالت، اجتہاد اور دیگر شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ عدل واجتہاد سے خالی ہے تو صحیح طور پر یہ ہے کہ صاحب شوکت سلطان جس کو بھی ولایت سونپ دے اس کی قضاء نافذ ہوگی اگرچہ وہ جاہل فسق ہو اور ہمارا ظاہر مذہب یہی ہے تو اگر وہ سلطان، جاہل فاسق کا تقرر کردے تو صحیح ہوگا اور وہ قاضی دوسرے کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ فتح القدیر جلد ۶ ص ۳۵۷۔ (ت)

نیز محقق موصوف فرماتے ہیں:

فالصحیح انھا لیست شرطا للولایۃ بل للاولویۃ، فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا، ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالک واحمد وقولھم روایۃ عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لایجوز ان یکون قاضیا ولکن المختار خلافہ علیہ قالوا القضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولاقدرۃ بدون العلم قلنا یمکنہ القضاء بفتوی غیرہ ومقصود القضاء و	تو صحیح یہ ہے کہ اجتہاد ولایت کی شرط نہیں ہے بلکہ اولٰی ہونے کی شرط ہے لیکن جاہل کا تقرر تو ہمارے نزدیک یہ صحیح ہے اور غیر کے فتوے پر فیصلے دے گا۔ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کا موقف اس کے خلاف ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہ قول مروی ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں اس پر نص فرمائی ہے کہ کوئی مقلد قاضی نہیں بن سکتا لیکن مختار اس کے خلاف ہے، ائمہ فرماتے ہیں کہ قضا کا منصب اس پر قدرت کا متقاضی ہے جبکہ علم کے بغیر قدرت نہیں ہوتی، ہمارا جواب یہ ہے کہ بے علم کو

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

ھو ایصال الحق الی مستحقه ورفع الظلم یحصل به فاشتراطه ضائع [1]۔ فتح القدیر جلد۶ص۳۵۹۔	دوسرے کے فتوٰی پر فیصلے دینا ممکن ہے جبکہ قضاء کا مقصد صرف مستحق کو عطا کرنا اور ظلم کا دفاع کرنا ہے اور وہ اس طریقہ سے حاصل ہوسکتا ہے، لہٰذا اجتہاد کی شرط بے مقصد ہے۔ فتح القدیر جلد۶ص۳۵۹(ت)

کتاب فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویکون من اھل الاجتھاد والصحیح ان اھلیة الاجتھاد شرط الاولویة کذا فی الھدایة حتی لو قلد جاھل وقضی ھذا الجاھل بفتوی غیرہ یجوز کذا فی الملتقط۔ [2] جلد۳ص۳۰۷	قاضی اہل اجتہاد سے ہو جبکہ صحیح یہ ہے کہ اجتہاد کی شرط صرف اولٰی ہونے کے لئے ہے۔ ہدایہ میں ایسے ہے حتی کہ اگر جاہل کا تقرر کیا گیا اور وہ دوسروں کے فتوٰی پر فیصلے دے تو جائز ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔ جلد۳ص۳۰۷(ت)

عبدالرحمن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں:

وفی الشمنی اجتماع ھذہ الشرائط من الاجتھاد والعدالة وغیرھما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتھد و العدل فالوجه تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذوشوکة وان کان جاھل فاسقا [3]۔ جلد۲ص۱۵۱۔	شمنی میں ہے کہ اجتہاد، عدالت وغیرہ کی شرائط کا جمع ہونا ہمارے زمانہ میں دشوار ہے کیونکہ یہ زمانہ اجتہاد اور عدل سے خالی ہے، تو صحیح وجہ یہ ہے کہ جس کو بھی صاحب شوکت سلطانی قاضی مقرر کردے اس کی قضاء نافذ ہوگی خواہ وہ فاسق جاہل ہی کیوں نہ ہو۔ (ت) جلد۲ص۱۵۱۔

علامہ ابن عابدین کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قوله والفاسق اھلھا سیأتی بیان الفسق والعدالة فی الشھادات وافصح بھذہ الجعلة دفعا للتوھم من	ماتن کا قول کہ فاسق قضا کا اہل ہے تو شہادات کے بیان میں فسق اور عدالت کی بحث آئے گی، ماتن نے یہ قول یہاں اس لئے بیان کیا تاکہ ان لوگوں کا

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۳۶۰-۳۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ کراچی ۳ /۳۰۷

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۵۱

قال ان الفاسق لیس باھل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لایؤمن علیہ لفسقہ وھو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی، قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصا فی ھذاالزمان اھ اقول: لو اعتبر ھذا لانسد باب القضاء خصوصا فی زماننا فلذاکان ماجری علیہ المصنف ھو الاصح کذا فی الخلاصۃ وھو اصح الاقاویل کمافی العمادیۃ نہر [1] ۔ جلد ۴ص ۳۳۰۔	توہم ختم ہو جو یہ کہتے ہیں کہ فاسق قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذا اس کی قضا صحیح نہیں ہے کیونکہ فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا یہ قول تینوں اماموں کا ہے جسے طحاوی نے اختیار کیا ہے، امام عینی نے فرمایا اس قول پر فتوی مناسب ہے خصوصًا موجودہ زمانہ میں، اھ، میں کہتا ہوں کہ اگر اس قول کا اعتبار کیا گیا تو پھر قضا کا دروازہ بند ہو جائے گا خصوصًا ہمارے اس زمانہ میں، لہٰذا مصنف جس قول پر قائم ہے وہی اصح ہے، خلاصہ میں ایسے ہے اور یہ سب سے اصح قول ہے جیسا کہ عمادیہ میں ہے، نہر۔ جلد ۴ص ۳۳۰ (ت)

نیز علامہ موصوف فرماتے ہیں:

قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اھ وھذا ترجیح لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لاینعزل بالردۃ خلافا لما مشی علیہ المصنف فی باب التحکیم من روایۃ عدم الصحۃ وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلك الولایۃ بلا حاجۃ الی تجدید بخلاف تولیۃ صبی فادرک، ولو قلد کافر فاسلم قال	بحر میں فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ کافر کا تقرر صحیح ہے اگرچہ اس کے کفر کی بناء پر مسلمان پر اس کی قضاء صحیح نہ ہوگی اھ، اور یہ اس روایت کی ترجیح قرار پائے گی جس میں کافر کی تولیت کو صحیح کہا گیا ہے یہ اس فتوٰی سے ماخوذ ہے جس میں یہ ہے کہ قاضی کے مرتد ہو جانے پر وہ معزول متصور نہ ہوگا، یہ مصنف کے عدم جواز والے موقف کے خلاف ہے جس کو انہوں نے تحکیم کے باب میں بیان کیا ہے اور فتح میں ہے کہ جب غلام کا تقرر ہوا ہو اور وہ آزاد ہو گیا تو اس پہلی تقرری پر ہی اس کی قضا جائز ہوگی نئی تقرری کی ضرورت نہیں اس کے برخلاف جب بچے کی تقرری ہوئی اس کے بعد وہ بالغ ہو جائے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

محمد هو علی قضائه فصار الکافر کالعبد والفرق ان کلامنهما له ولایة وبه مانع وبالعتق والاسلام یرتفع،اما الصبی فلا ولایة له اصلا[1]۔ردالمحتار جلد ۴صف ۳۲۹۔	اگر کافر کی تقرری ہوئی پھر وہ مسلمان ہوجائے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ وہ پہلی تقرری پر ہی قضاء کرے گا تو یوں کافر عبد کی طرح حکم پائے گا،اور ان دونوں اور بچے میں فرق یہ ہوگا کہ یہ دونوں ولایت کے اہل تھے لیکن ان کا کفر اور غلام ہونا عمل قضا سے مانع تھا اور اب وہ ختم ہوگیا ہے لیکن نابالغ ولایت کا اہل ہی نہیں تھا اس لئے بلوغ کے بعد دوبارہ تقرری ضروری ہے۔(ت)

نیز فرماتے ہیں:

فی الخانیة اجمعوا انه اذاارتشی لاینفذ قضاؤه فیما ارتشی فیه اه **قلت** حکایة الاجماع منقوضة بما اختاره البزدوی واستحسنه فی الفتح وینبغی اعتماده للضرورة فی هذا الزمان والابطلت جمیع القضایا الواقعة الاٰن لانه لاتخلو قضیة عن اخذالقاضی الرشوة المسماة بالمحصول قبل الحکم او بعده فیلزم تعطیل الاحکام وقدمر عن صاحب النهر فی ترجیح ان الفاسق اهل للقضاء انه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء فکذایقال ھٰهنا[2] ردالمحتار جلد۴ص ۳۳۵۔	خانیہ میں ہے کہ فقہاء نے بالاجماع فرمایا کہ قاضی نے جس کیس میں رشوت لی ہے اس میں اس کی قضاء نافذ نہ ہوگی، **میں کہتا ہوں** یہ اجماع امام بزدوی کے مختار اس قول سے جس کو فتح میں مستحسن قرار دیا اور (فی زمانہ ضرورت کی بناپر اس پر اعتماد مناسب ہے) سے ٹوٹ جائیگا ورنہ اجماع کے پیش نظر آج تمام فیصلے باطل ہوجائیں گے کیونکہ کوئی کیس بھی قاضی کے اس عنوان کی رشوت جس کو وہ محصول کہتے ہیں، سے خالی نہیں ہے جس کو وہ فیصلہ سے قبل یا بعد وصول کرلیتے ہیں اس تمام فیصلے کا معطل ہونا لازم آئے گا جبکہ صاحب نہر کی یہ روایت گزرچکی ہے جس میں انہوں نے فاسق کی اہلیت قضاء کو ترجیح دی اور کہا ہے کہ اگر عدالت کا اعتبار کیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا، یہاں یہی کہا جاسکتا ہے(ت)

علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمہ اللہ جن کے نزدیک جاہل کی قضاء درست نہیں ہے؛

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

فرماتے ہیں:

ولناان المقصود ایصال الحق الی المستحق وھو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ۔تبیین[1] الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶۔	ہماری دلیل یہ ہے کہ قضاء سے مقصود یہ ہے کہ مستحق کو اس کا حق دلایا جائے تو غیر کے فتوی پر عمل سے یہ حاصل ہو جاتا ہے۔ تبیین الحقائق ج ۴ ص ۱۷۶۔(ت)

شیخ الاسلام علاء الدین خفصکی عــــہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذاکان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم[2]۔ جلد ۴ ص ۳۳۹۔	مسکین وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان عادل ہو یا ظالم ہو بلکہ کافر بھی ہو تو اس کی طرف سے قاضی کی تقرری جائز ہے مگر وہ جب قاضی کو حق پر فیصلہ سے منع کرتا ہو تو پھر تقرری حرام ہوگی۔ جلد ۴ ص ۳۳۹۔(ت)

علامہ شامی کتاب ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

قولہ ولو کافرا فی التتارخانیۃ الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد[3]۔ ج ۴ ص ۳۳۹۔	ماتن کا قول "اگرچہ کافر ہو" تاتارخانیہ میں ہے کہ قاضی کی تقرری کرنے والے سلطان کیلئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے۔ ج ۴ ص ۳۳۹۔(ت)

روایت مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر ا و ۳ و ۸ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت ہے اور نہ مفتی پرہیزگار ہونے کی، اگر خود عالم ہو تو خیر، ورنہ دوسرے کے فتوی دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گا اور ظاہر ہے کہ ایسا کرنا طاقت کے ذریعہ ہو سکتا ہے جو بادشاہ وقت کا عطیہ ہوا، روایت نمبر ۵، ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور اتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کا ملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے، روایت نمبر ۶، ۸

عــــہ: صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲۔

[1] تبیین الحقائق کتاب القضاء المطبعۃ الکبری الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۱۷۶

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لیجائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۸ سے بالخصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہو باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اسلئے جائز اور نافذ مان لیا ہے کہ ایسا نہ کرنے میں فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقاء ہے، روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ قضاء کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے۔ روایت نمبر ۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے، جب روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہوگیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیزگاری کی شرط کو فقہاء متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے سے فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے گی کیونکہ گورنمنٹ کو تمام اہل مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لیے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ مشکل ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو منصب قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیزگار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے بھی ممکن ہے، لہٰذا اس ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی اصل غرض ایصال حق کے حاصل ہونے مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں، شرعاً یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی عدالت کا جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک تک محدود ہونا ضروری ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو۔

ھذا ما استقر علیہ رائی (یہ وہ ہے جس پر میری رائے ٹھہری۔ت) **واللہ بالصواب۔**

کتبہ العبد المذنب المفتی محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ

المجیب مصیب	**صح الجواب**	**الجواب صحیح**
احمد علی عفی عنہ	محمد حسن عفی عنہ	محمد اکرام الحق
الجواب صحیح	**الجواب نعم الجواب**	**الجواب صحیح**
محمد عمر خاں عفی عنہ	محمد یار عفی عنہ امام مسجد طلائی لاہور بقلمہ	غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب محمد عالم مدرس مدرسہ حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جاسکتا ہے۔

محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدرآباد دکن ساکن علی گڑھ ۱۹۹۲ء ۱۲/ مئی

الجواب صحیح محمد امانت اللہ غفراللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

اظنہ صحیحا ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امرا (میرے گمان میں صحیح ہے ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بعد کوئی صورت پیدا فرمادے۔ت) الفقیر محمد ابراہیم عفی عنہ نمبردار کرنال و قاضی تحصیل کرنال بقلم خود ۲۷ جون ۱۹۱۲ء

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم. الحمدللہ لاولی سواہ و الصلٰوۃ والسلام عدد العلم والکلم علی الاولی بالمومنین من انفسھم وعلٰی اٰلہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ اجمعین اٰمین!	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس کے سوا کوئی مددگار نہیں، اور کلمات کی تعداد برابر صلٰوۃ وسلام ہو اس ذات گرامی پر جو مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہے اور آپ کی آل واصحاب واولیاء اور جماعت سب پر، آمین! (ت)

مولٰنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث ذیل میں ارشاد فرمایا:

اذاوسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[1]۔ رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس وقت امور نااہلوں کے حوالے کئے جانے لگیں گے تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کو بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی ہیں اور اجتہاد بھی وہ جو آج تک ابوحنیفہ وشافعی درکنار ابوبکر صدیق وعمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہوسکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل بے اصل و محض جامع قیاس بے اساس، نسال اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تحقیق حق کے لئے تمہید چند مقامات سود مند،

فاقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

مقدمہ اولٰی: حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ہے تنفیذ القول علی غیرہ شاء اوابی (دوسرے پر اپنا قول نافذ کرنا

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

وہ مانے یانہ مانے۔ت) دو قسم ہے عرفیہ ودنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیان ملک کہا جاتا ہے، اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے وبس، جس کی حقیقت ذاتیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں ہے: "مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ"[1] (اللہ تعالٰی کے سوا ان کا کوئی ولی نہیں۔ت) اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"[2] (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مومنوں کی جانوں سے بھی ان کے قریب ہیں۔ت) اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں:

"وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ"[3]	مومن مرد یا عورت کسی کو اپنا اختیار نہیں ہے جب اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی معاملہ کا فیصلہ فرمادیں اور جو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی کا مرتکب ہوگا۔ (ت)

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریح وتفویض وانابت سے اسے ہے جسے انہوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار ظلی عطا فرمایا، ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ "الَّذِیْ بِیَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ"[4] (وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ت) اور کریمہ "وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِیْعُوْا"[5] (سنو اور اطاعت کرو۔ت) میں ہے اور ان انواع ثلثہ یعنی ذاتیہ وعطائیہ وظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"[6]۔ (اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولی الامر کی۔ت) **اقول:** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر **اطیعوا** مکرر آیا کہ ذاتیہ وعطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم کو اسی **اطیعوا** دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظل، اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

مقدمہ دوم: دونوں ولایتوں میں بحسب مناشی ونتائج ولوازم ومقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں:

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶
[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۶
[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶
[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷
[5] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶
[6] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلا سے حاصل ہوتی ہے اور شرعیہ بعطائے شرع۔
(۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی ودینی۔
(۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین۔
(۴) عرفیہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو، یہ نہ ہو، اور شرعیہ احکام تشریعیہ الٰہیہ کا، مثلاً کن مکن (یہ کرو یہ نہ کرو۔)
(۵) عرفیہ، تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ، معانی دینیہ کی۔
(۶) عرفیہ سے شیئ غیر موجود موجود ہوجاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل۔
(۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبٰی میں معتبر۔
(۸) عرفیہ کی نافرمانی قوانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت۔
(۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ کی ہر رعیت پر ہے مسلم ہو یا کافر، اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے۔
(۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ ہر بادشاہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں۔
(۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح کے سایہ میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ظلی عطیہ، یہ تمام مضامین اور ان دونوں ولایتوں میں عموم وخصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن، سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کرلیا اور زید راضی نہیں اس نے انکار کردیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہوجائیں گے، شیئ غیر موجود موجود ہوجائے گی یعنی عورت کہ پہلے قبضہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائے گا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزائے نافرمانی ہوگا، عورت مرجائیگی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا، پھر اگر بادشاہ تو مسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے گا اور اپنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا، یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہوجائیں گے مگر احکام تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت شرعی سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہونگے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو درباره نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاح فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے باطل ہوگیا،

لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من	کیونکہ خاص ولایت عام ولایت سے اقوی ہے

الولایة العامة[1] کما فی الاشباہ وغیرھا. اقول: یعنی الظلیة اما الاصلیة فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونه ولذالو زوج النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قاصرة رجل من قاصر رجل تم النکاح ولزم ولم یکن لابویھما خیرة اصلا بل کذٰلك لو زوج صلی الله تعالٰی علیه وسلم رجلا عاقلا بالغامن امرأة کذا بدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لھما الخیرة من انفسھما کما نصواعلیه وقد نطق به القرآن العزیز۔	جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، **اقول**: (میں کہتا ہوں) ولایت ظلیہ ایسے ہے لیکن ولایت اصلیہ، تو ظلیہ اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی بلکہ وہ اصلیہ کے مقابلہ میں کمزور ہوتی ہے اور اسی لئے اگر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی قاصرہ (نابالغہ و مجنونہ و لونڈی) کا نکاح کسی قاصر مرد سے کردیں تو ان کے والدین کو قطعًا کوئی اختیار نہ رہے گا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ نکاح لازم و نافذ ہوگا بلکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی عاقل بالغ مرد کا کسی عورت سے نکاح کردیں تو ایسے ہی لازم و نافذ ہوگا اور اس پر مرد و عورت کو اپنے بارے میں کوئی اختیار نہ ہوگا جیساکہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے اور قرآن پاک نے اسکو بیان کیا ہے (ت)

اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمرو سے کردیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکمًا اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا، عنداللہ اس تصرف کے تمام معانی شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لیے حلال نہ تھی حلال ہوگئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا، دوسرا اگر بے افتراق بموت وطلاق اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار و سزائے نار ہوگا، عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعًا بقدر حصہ مالک ہوگا، یہ تمام باتیں احکام تشریعیہ الٰہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کہ ولایت عرفیہ سے آتے اصلا حاصل نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کرسکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار، اور یہ نکاح کہ رائے سلطانی میں خلاف قانون تھا قانونًا باطل ہوچکا۔

لان الولایة العامة املك من الولایة الخاصة فی الدنیا۔	کیونکہ ولایت عامہ دنیا میں ولایت خاصہ سے زیادہ قوی ہے۔ (ت)

اسی قیاس پر صدہا صورتیں ہیں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرعیہ حاصل نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ ودینیہ ہے اگرچہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔

مقدمہ سوم: دونوں ولایتوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دوام واضح کرے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے ملک پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت مطمح نظر سلاطین ہے، اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی مخالفت قرار پاتی ہے، وہ یہی ولایت چاہتے ہیں کہ فوج ولشکر و تیغ و تبر کی لازم وملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے موسوم ہے، ولایت قسم دوم کسی نامسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ قصداً اتباع شرع سے ناشئی ہے نامسلم کو مذہب اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کا مقصد اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح ہے تو کوئی نامسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہوسکتی ہے ولایت قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں اور خود گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین و مذہب میں مداخلت ہے بلکہ اسکے خلاف ہمیشہ یہی اعلان کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین ومذہب میں دست اندازی نہیں اور یقیناً ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالٰی عقل معاش بروجہ کمال اور ملک داری کا سلیقہ عنایت فرمائے اسے یہی شایان ہے، حکام ورعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والی ملک ہے اس کا حکم یہاں نافذ ہے جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کردے رک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف مضر جانتی ہے، یہ وہی وجود وعدم شیئ کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی غیر موجودہ موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سود کی ڈگریاں دیتی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو شرعاً حلال جانیں یا ڈگری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو ازروئے شریعت اسلامی مباح جانیں، اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل حکم سے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو، جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو عین شریعت اسلامیہ مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلاً بحث، تو بلاشبہہ گورنمنٹ والی ملک ہی بننا چاہتی ہے اور وہ ضرور والی ملک باختیار ہے مگر کسی مذہب وملت کی والی دین بننا نہیں چاہتی نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا خود گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس

کے خلاف منشا واظہار ہے۔

مقدمہ چہارم: شریعت مطہرہ اسلامیہ علٰی صاحبہا وآلہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے آدمی والی ملک اور حاکم کو بادشاہ وقت ہو جاتا ہے اور عایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے، اسے مسلم نا مسلم کسی سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور شریعت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے:

قال اللہ تعالٰی "قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ٘" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ فرمادیجئے اے ملک کے مالک تو جسے چاہے ملک عطا فرمائے اور جس سے چاہے واپس لے لے۔ (ت)

اس **من تشاء** میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں، ولہذا قرآن مجید نے زمانہ یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام میں بادشاہ مصر کو جابجا بلفظ **ملک** تعبیر فرمایا:

"وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی" [2] "وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ" [3] "مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ" [4]۔	بادشاہ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ، بادشاہ کے دین میں بھائی کو پکڑنا جائز نہیں۔ (ت)

اور وہ غلط تعبیر سے پاک و منزّہ ہے، یوں ہی حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ "اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ" [5] (میں نے ایک عورت کو ان کا بادشاہ پایا۔ت) ذکر فرمایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر و مبرا ہے، تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والی ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے مگر مسلمان بر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہو جائے اور دینی حیثیت سے آخرت میں اس کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمہ حصر و تصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کا مجال تاویل وابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیہ کریمہ میں "اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا" [6] (تمہارا ولی اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور وہ لوگ جو ایمان لائے۔ت) اور اس آیہ کریمہ میں "وَ لَنْ یَّجْعَلَ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۴

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۲۳

[6] القرآن الکریم ۵/ ۵۵

اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا "[1] (اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ت) یہاں قطعًا وہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلاف مشاہدہ واشہاد ہے، قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے۔ حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے:

الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا "[2]۔	کافر اپنے مسلم بیٹے کا ولی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا (ت)

نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

تقلید الذمی لیحکم بین اھل الذمۃ صحیح لابین المسلمین وکذلك التحکیم[3]۔	ذمی کا تقرر ذمیوں میں فیصلہ کرنے کے لئے صحیح ہے مسلمانوں میں فیصلہ کرنے کے لئے نہیں اور ثالثی کا بھی یہی حکم ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لو حکما عبدا فاعتق اوصبیا فبلغ اوذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ[4]۔	اگر فریقین نے کسی غلام کو ثالث بنایا اب وہ آزاد ہوگیا نابالغ کو بنایا تو وہ بالغ ہوگیا، یا ذمی کو بنایا تو وہ مسلمان ہوگیا، پھر اس کے بعد وہ فیصلہ کریں تو نافذ نہ ہوگا۔(ت)

درمختار کتاب الشہادات میں ہے:

شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما[5]۔	شہادت کی شرط ولایت ہے اگرمدعا علیہ مسلمان ہو تو گواہ کا مسلمان ہونا شرط ہوگا۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۱۲

[3] ردالمحتار بحوالہ الھندیۃ عن النھایۃ کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۸، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء باب التحکیم دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۲۰۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء باب التحکیم مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۲

[5] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۹۰

اور کتاب القضایا میں ہے:

اهله اهل الشهادة وشرط اهليتها شرط اهليته فان كلا منهما من باب الولاية[1]۔	قاضی کی اہلیت وہی ہے جو شہادت کی اہلیت ہے اور شہادت کی اہلیت وہی ہوگی جو مدعا علیہ کی اہلیت ہوگی کیونکہ یہ دونوں امر ولایت سے متعلق ہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لاولاية لكافر على مسلم لقوله تعالٰی "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾"[2]۔	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔(ت)

اسی کی شہادات میں ہے:

لاتقبل شهادة الذمی علی المسلم لانه لا ولاية له بالاضافة اليه[3]۔	مسلم کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ اس کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔(ت)

مختصر امام قدوری میں ہے:

لاتصح ولاية القاضی حتی يجتمع فی المولّٰی شرائط الشهادة[4]۔	قاضی کی ولایت اس وقت تک صحیح نہ ہوگی جب تک کہ مولی میں شہادت کی شرائط پائی جائیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لان حكم القضاء يستقی من حكم الشهادة لان كل واحد منهما من باب الولاية فكل من كان اهلا للشهادة يكون اهلا للقضاء ومايشترط	کیونکہ قاضی کا فیصلہ شہادت کے حکم سے مستفاد ہوتا ہے کیونکہ یہ دونوں امراز قبیل ولایت ہیں تو جو شہادت کا اہل ہوگا وہی قضاء کا اہل ہوگا تو جو چیز شہادت کی اہلیت میں شرط ہے وہ قضاء

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] الہدایۃ کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء مطبع یوسفی لکھنؤ ۲ /۲۹۸

[3] الہدایۃ کتاب الشہادت باب من یقبل شہادتہ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۱۶۲

[4] المختصر للقدوری کتاب آداب القاضی مطبع مجیدی کانپور ص ۲۸۳

لاھلیۃ الشھادۃ یشترط لاھلیۃ القضاء [1]۔	کی اہلیت میں شرط ہوگی (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لاولایۃ للصبی والمجنون ولا المملوك ولا الکافر علی المسلم [2]۔	نابالغ، مجنون، غلام اور کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں۔ (ت)

بدائع ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے:

لاشھادۃ للکافر علی المسلم اصلا [3]۔	مسلم کے خلاف کافر کی شہادت معتبر نہیں (ت)

اسی میں ہے:

لاولایۃ للکافر علی المسلم لانہ لا میراث بینھما، ولان الکافر لیس من اھل الولایۃ علی المسلم لان الشرع قطع ولایۃ الکافر علی المسلمین قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾"، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاسلام یعلو ولا یعلی [4]۔الخ	کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں کیونکہ دونوں میں میراث نہیں، اور اس لئے کہ کافر کو مسلمان پر ولایت کی اہلیت نہیں ہے کیونکہ شریعت نے مسلمانوں پر کافر کی ولایت کو ختم کردیا ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا اللہ تعالٰی نے کافروں کو مومنوں پر ہرگز اختیار نہیں دیا۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا اسلام غالب ہوگا مغلوب نہیں الخ۔ (ت)

اسی میں ہے:

الصلاحیۃ للقضاء لھا شرائط منھا العقل والبلوغ والاسلام فلایجوز تقلید المجنون والصبی والکافر، لان القضاء من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات وھٰؤلاء لیست لھم اھلیۃ ادنی الولایات وھی	قضاء کی صلاحیت کے لئے چند شرائط ہیں ان میں سے عقل، بلوغ، اسلام ہے تو مجنون، نابالغ اور کافر کی تقرری جائز نہ ہوگی کیونکہ قضاء از قبیل ولایت ہے بلکہ اعظم ولایات میں سے ہے جبکہ ان لوگوں کو ولایت میں سے ادنٰی ولایت جو شہادت میں ہے

[1] الہدایہ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب النکاح فصل فی الاولیاء نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۶۳

[3] بدائع الصنائع کتاب الشھادت فصل واما الشرائط فی الاصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۶

[4] بدائع الصنائع کتاب النکاح فصل واما بیان شرائط الجواز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۳۹

الشھادۃ فلان لایکون لھم اھلیۃ اعلاھا اولٰی [1] ومن لا یصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃ [2] اھ ملتقطا۔	وہ بھی نہیں تو لازمًا اعلٰی ولایت کے وہ اہل بطریق اولٰی نہ ہوں گے اور جو قاضی کی صلاحیت نہیں رکھتا اس کی قضاء لازمًا جائز نہ ہوگی اھ ملتقطًا (ت)

یہ گیارہ کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری، فتاوٰی امام قاضی خاں، بدائع امام ملک العلماء، ہدایہ امام برہان الدین، نہایہ امام سغناقی، تنویر الابصار، درمختار، حلبی، طحطاوی، شامی، فتاوٰی عالمگیریہ۔ اور خود کثرت عبارات کی کیا حاجت بلا مبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطان اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دارالحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے۔

قال اللہ تعالٰی عزوجل "وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ یُہَاجِرُوۡا مَا لَکُمۡ مِّنۡ وَّلَایَتِہِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ حَتّٰی یُہَاجِرُوۡا ۚ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت نہ کی تمہیں ان سے کوئی ولایت نہیں حتی کہ وہ ہجرت کرلیں۔ (ت)

کتب فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں راجع ابواب نکاح الکافر والمستامن وغیر ذٰلک (نکاح کافر و مستامن وغیرہما کے ابواب کی طرف رجوع کرو۔ت) ہدایہ میں ہے:

اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث [4]۔	دارالاسلام و دارالحرب کا اختلاف ولایت کو ختم کردیتا ہے اس لئے آپس کا وارث ہونا ممنوع ہے۔ (ت)

توبحالت اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے، خود سلطان اسلام کو، خود اس کی ملک میں خود اسکی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعت مطہرہ نے ولایت شرعیہ نہ دی اس کی نظیر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضی اسلام کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبہ نہ ہو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل واما بیان من یصلح للقضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۳ و ۴

[2] بدائع الصنائع کتاب آداب القاضی فصل اما بیان من یفترض علیہ القبول الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۴

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۲

[4] الھدایہ کتاب الشھادات باب من یقبل شھادتہ ومن لایقبل مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۲

تو ذوی الارحام، اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبیۃ بنفسہ بشرط اسلام فی حق مسلمۃ فان لم تکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاۃ اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیہ فی منشورۃ[1]۔ (ملخصًا)	مسلمان لڑکی کے نکاح کی ولایت اس کے عصبہ بنفسہ کو حاصل ہوگی بشرطیکہ یہ مسلمان ہو، اور اگر عصبہ نہ ہو تو ولایت ماں کو پھر حقیقی بہن کو اور پھر ماں کی طرف سے اولاد کو اس کے بعد پھر ذوی الارحام پھر مولیٰ موالات کو حاصل ہوگی (مولیٰ موالات اسکو کہتے ہیں جس کے ہاتھ پر کوئی کافر مسلمان ہو) اھ در، پھر سلطان پھر قاضی جس کی سند قضاء میں تصریح کردی گئی ہو نکاح صغار کی ولایت پر، اس کو ولایت حاصل ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

ولھذا قالوا ان القاضی لایزوج الیتیم والیتیمۃ الاعند عدم ولی لھما فی النکاح ولوذارحم محرم عـــہ اوامًا اومعتقًا[2]۔	اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ قاضی یتیم لڑکے اور لڑکی کا نکاح نہیں کرسکتا مگر جب ان کا کوئی ولی نکاح موجود نہ ہو اگرچہ یہ ولی ذو محرم یا ماں یا آزاد کرنے والا ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

فلو زوج الابعد قیام الاقرب توقف علی اجازتہ[3]۔	اگر بعید شخص نے اقرب کی شہر میں موجودگی کے باوجود نکاح کردیا تو اقرب کی اجازت پر نکاح موقوف رہے گا۔ (ت)

عـــہ: **اقول:** قید المحرم لامفھوم لہ وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲ منہ غفرلہ۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں محرم کی قید فہم سے بالاتر ہے، اور مناسب تھا کہ ترتیب میں یوں عکس ہوتا کہ آزاد کرنے والا ماں سے اور ماں ذی محرم سے مقدم کرتے، کیونکہ ترتیب یوں ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴۔۱۹۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۱

[3] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۴

دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر اور اسکے ہوتے سلطان اسلام قاضی کا تصرف بے اثر۔ فتاوٰی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی الوقف مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ[1]۔	قاضی وقف میں تصرف کا مالک نہیں ہوگا جبکہ اس کا متولی موجود ہو اگرچہ متولی اسی قاضی کا مقرر کردہ ہو۔(ت)

فتاوٰی وبری پھر فتوی علامہ قاسم قطلوبغا پھر لسان الحکام میں ہے:

لاتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف[2]۔	وقف میں متولی کی ولایت کے خلاف سلطان کی ولایت مؤثر نہ ہوگی۔(ت)

تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال پھر اس کے ولی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ ہیں۔ قنیہ پھر اشباہ میں ہے:

لایملك القاضی التصرف فی مال الیتیم مع وجود وصیہ ولو کان منصوبہ[3]۔	وصی کی موجودگی میں یتیم کے مال میں قاضی تصرف کا مالک نہیں ہے اگرچہ یہ وصی اس نے ہی مقرر کیا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم جدہ الصحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم الوالی ثم القاضی عـــہ[4]	اس کا ولی باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی پھر حقیقی دادا پھر اس کا وصی پھر اس کے وصی کا وصی، پھر والی پھر قاضی۔(ت)

عـــہ: کان علیہ ان یقول والقاضی بالواؤ لانہ والوالی فی مرتبۃ واحدۃ ایہما تصرف جاز ۱۲ منہ غفرلہ۔	یوں کہنا لازم تھا، والقاضی، یعنی واؤ کے ساتھ، کیونکہ قاضی اور والی کا مرتبہ یہاں مساوی ہے دونوں میں سے جو بھی تصرف کرے جائز ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ فتاوٰی رشید الدین الفن الاول قاعدہ ۱۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۹۲

[2] لسان الحکام مع معین الحکام الفصل العاشر فی الوقف مصطفی البابی مصر ص ۲۹۶

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الوصایا ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۲۵

[4] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۰۳

لہٰذا حدیث میں ارشاد ہوا:

السلطان ولی من لا ولی لہ[1]۔	سلطان اس شخص کا ولی ہوگا جس کا کوئی ولی نہ ہو۔(ت)

شریعت مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہو اسے اتنا وسیع کردینا شریعت جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ان دونوں مقدمات سے واضح ہوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان پر مسلمان کے لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوی، تو کیا نہ کہا جائے گا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں پر تہمت، نسأل اللہ السلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ت)

مقدمہ پنجم: اوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجود شیئ ہوتا ہے کبھی حدوث حکم شرعی، قاضی کے یہاں جو مقدمات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسم اول کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمرات حسیہ مقصود ہے، مثلاً:

(۱) زید نے عمرو کی جائداد دبالی۔

(۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا۔

(۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا۔

(۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا۔

(۵) ترکہ میں حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا۔

(۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا۔

(۷) شوہر رخصت کرالایا اور نان نفقہ نہیں دیتا۔

(۸) طلاق بائن دے دی ہے اور نہیں چھوڑتا۔

(۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا۔

(۱۰) وقف میں ناجائز تصرف کررہا ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ تو خود موجود ہیں۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب الولی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۸۴، جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء لانکاح الابولی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۰

اوپر معلوم ہوا کہ اس تنفیذ کے لئے ولایت قسم دوم کی حاجت نہیں، نہ صرف وہ اس کے لئے کافی، بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت، اور تنہا وہی یہاں دادرسی کے لئے بس ہے۔ دوسرے وہ جن میں مسلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابت حضرت رسالت علی افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے پیدا کرنا ہو مثلاً:

(۱) جمعہ وعیدین میں کسی کو امام بنانا۔

(۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ، جمعہ وعیدین کی امامت نہیں کرسکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جب تک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں اذن سلطان ناممکن ہو بضرورت نصب عامہ مسلمین معتبر ہے کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ اس پر تنویر الابصار، درمختار اور عام کتب میں تصریح ہے۔ ت) تو لیاقت خطبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دینی ہے اور پیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں، اذن دیتے ہی ثابت و محقق ہو جائے گی اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار۔

(۳) زن و شو لعان کریں۔

(۴) عنین بعد مرافعہ و تاجیل یکسال و انقضائے اجل و طلب زن طلاق نہ دے تو دونوں صورتوں میں بہ نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منکوحہ غیر کو طلاق بائن دے دینا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جب تک از سر نو نکاح نہ کریں، اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کرسکتے جب تک مرد و زن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ درمختار میں ہے:

فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ[1]۔	اگر دونوں نے لعان کرلیا تو حاکم کی تفریق سے بائنہ ہو جائیگی اور قاضی کی تفریق سے قبل مرد و عورت ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

تکون الفرقۃ تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابویوسف ھو تحریم	طرفین کے نزدیک قاضی کی تفریق طلاق بائن ہوگی جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۲

مؤبد[1]۔	ابدی تحریم ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

سیأتی فی بابه انها حرمة مؤبد ماداما اهلا للعان فاذاخرجا عن اهلیة اللعان اواحد هما له ان ینکحها وکذالو اکذب نفسه حد وله ان ینکحها[2]۔	عنقریب متعلقہ باب میں آئے گا کہ یہ ابدی حرمت ہے جب تک مرد عورت لعان کے اہل ہیں اور جب دونوں یا ایک کی اہلیت لعان نہ رہے تو دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں،اور یونہی اگر مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا حد لگائی جائیگی اور اس کو جائز ہوگا کہ وہ عورت سے دوبارہ نکاح کرلے۔(ت)

درمختار باب العنین میں ہے:

بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها[3]۔	قاضی کی تفریق سے عورت بائنہ ہوجائے گی اگر مرد طلاق دینے سے انکار کرے یہ تفریق بیوی کے مطالبہ پر ہوگی۔ (ت)

(۵) قاصرہ نے بفور بلوغ اپنے نفس کو اختیار کیا نکاح سے نہ نکلی، شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے،ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا مگر بعد مرافعہ و تفریق قاضی عنداللہ حرام ہوجائے گی اور بے تجدید نکاح حلف نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملے گا، مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے:

یحل للزوج ان یطأها مالم یفرق القاضی بینهما[4]۔	قاضی جب تک دونوں میں تفریق نہ کرے خاوند کو وطی کرنا حلال ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یتوارثان فی هذا النکاح قبل ثبوت فسخه[5]۔	اس نکاح کے فسخ ہونے سے قبل دونوں ایک دوسرے کے وارث بنیں گے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب اللعان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۹

[2] الہدایہ

[3] درمختار کتاب الطلاق باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۳

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المبسوط کتاب النکاح الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۵-۸۶

[5] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۷

(۶) اپنے حکم سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کردینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کرلینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مرد نے پیش از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق، پھر نکاح کرلیا، زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انہیں باہم قربت حلال ہے، بعدہ عورت نے دعوٰی کردیا، حاکم حنفی المذہب نے صحت یمین و وقوع طلاق و بینونت زن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہوگئی ایسی کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی یہی فرمائیں گے کہ دونوں اجنبیہ و اجنبیہ ہیں بے نکاح جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے، اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عورت پر طلاق بائن ہوگئی **لوقوعۃ قبل الخلوۃ** (کیونکہ یہ طلاق قبل از دخول ہے۔ت) ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہوگئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح ہے اب مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوٰی کردیا قاضی نے بطلان یمین و عدم طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثابت ہوگئی ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج و زوجہ ہیں یہاں تک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کرچکا تھا اب اس پر بھی حکم حلت ہوگیا۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلثا فتزوجھا فخاصمتہ الی قاض شافعی وادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذٰلک، و لو وطئھا الزوج بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذافسخ لایحتاج الی تجدید العقد[1]۔	اگر کسی نے کہا میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس کو تین طلاق ہیں، تو اب اس سے نکاح کیا تو عورت نے کسی شافعی قاضی کے ہاں طلاق کا دعوٰی کیا تو اس قاضی نے (اپنے مذہب پر) فیصلہ دیا کہ یہ اس کی بیوی ہے اور یہ طلاق کچھ نہیں تو ایسی صورت میں وہ عورت خاوند کے لئے حلال ہوگی اور اگر خاوند نے اس عورت سے فسخ سے قبل وطی کرلی تو حلال ہوگی اور جب یمین و تعلیق فسخ ہوگئی تو اب تجدید نکاح کی حاجت نہیں۔(ت)

وجہ یہ کہ قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے سلطان و قاضی حضور کے نائب و حکم رساں ہیں اختلاف مجتہدین کو اٹھادیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہوگیا۔

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب التعلیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۶

(۷) قاصر و قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایت یعنی ولی " اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ "[1] (نبی مومنوں کی جانوں سے زیادہ تر ولی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ت) کی نیابت سے ان میں نکاح کرکے تمام دینی احکام مثلاً قربت کی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و متحقق کردینا **و قد تقدم نقلہ** (اس کی نقل گزرچکی ہے۔ت)

(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس و ثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دے دی تمام مفتی بہ مذاہب پر وقف صحیح و لازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوی کیا یا خود زید ہی نے درخواست فسخ دی اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاء زمانہ مقید ہے بلکہ خود امام مجتہد تھا جو اب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضاء کے لئے مقرر کیا تھا اگرچہ فتوی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقاً قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں تو ان شرائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقت بے رجسٹری کے زائل اور ملک زائل عنداللہ حاصل ہو جانا۔ درمختار میں ہے:

اطلق القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الوقف فباع صح، وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لو باعہ الواقف او بعضہ اورجع عنہ ووقفہ لجھۃ اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعہ فی محل الاجتھاد کما حققہ المصنف وافتی بہ تبعالشیخہ وقاری الھدایۃ والملا	اگر قاضی نے بے رجسٹری وقف کو اس کے وارث کے لئے فروخت کی اجازت دے دی اور فروخت کردیا تو یہ بیع صحیح ہوگی اور قاضی کا یہ حکم اس وقف بے رجسٹری کو باطل کرنا قرار پائے گا حتی کہ واقف نے خود اس کو یا اس کے بعض کو فروخت کردیا یا پہلے وقف سے رجوع کرکے کسی دوسرے عنوان سے دوبارہ وقف کردیا اور قاضی نے دوسرے عنوان کے وقف کو پہلے وقف سے قبل لازم کردیا تو دوسرے وقف کا حکم صحیح ہوگا کیونکہ قاضی کا یہ حکم محل اجتہاد میں واقع ہوا جیسا کہ مصنف نے

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۶

ابی السعود لکن حملہ فی النہر علی القاضی المجتہد اھ[1] وکتبت علیہ ما نصہ **اقول**: وکذلک القاضی المقلد المقلّد لیقضی بمذہب ابی حنیفۃ مطلقاً وکذا الماذون لہ ان یقضی بہ مطلقاً او بماشاء فی الخلافیات وھذا ظاہر جدا لانعدام المائع وھو کونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف[2]۔	اس کی تحقیق فرمائی اور اس پر اپنے شیخ کی اتباع اور قاری الہدایہ اور ملامسکین کی اتباع میں فتوی دیا، لیکن نہر میں اس کو انہوں نے مجتہد قاضی کی رائے پر محمول کیا اھ۔ میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے، **میں کہتا ہوں** کہ کسی بااختیار قاضی کا مقرر کردہ مقلد قاضی کہ وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے مذہب پر مطلقاً فیصلہ دے اور وہ قاضی جس کو مطلقاً اجازت ہے کہ خلافیات میں اپنی صوابدید پر فیصلہ دے، ان کا فیصلہ بھی ایسا ہی نافذ ہوگا، یہ بالکل ظاہر ہے کہ کیونکہ قاضی کے معزول ہونے والا ضعیف قول بھی یہاں نہیں ہے جو مانع بنے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو قضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ باطل لانہ لایصح الابالصحیح المفتی بہ فھو معزول بالنسبۃ الی القول الضعیف وماافتی بہ قاری الھدایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتہد[3]۔	اگر حنفی قاضی نے اس وقت کی بیع کی صحت کا حکم دیا تو اس کا حکم باطل ہوگا کیونکہ اس کے حکم کی صحت صرف صحیح مفتی بہ قول پر ہوگی، تو یہ قاضی ایک ضعیف قول کی بناء پر معزول قرار پائے گا اور جو قاری الہدایہ نے وقف کے حکم نامہ سے قبل بیع کے حکم کی صحت پر فتوی دیا ہے تو وہ اس بات پر محمول ہے کہ وہ قاضی مجتہد ہو۔(ت)

حلبی علی الدر پھر ابن عابدین میں ہے:

ومثل القاضی المجتہد من قلد مجتہدا ایراہ[4] اھ **اقول**:	مجتہد قاضی کی طرح ہے وہ قاضی جس کو اپنی رائے میں کوشاں کے طور پر مقرر کیا گیا ہے اھ اقول:

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۵

[2] جد المتار علی ردالمحتار

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۴

ای اذالم یکن مقیدا بالقضاء بالمفتی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھوظاہر والا کان رجوعا الی ماوقع الضرار منہ فانہ اذالم یصح القضاء بالمرجوح کیف یصح بتقلید مذہب اٰخر فرجع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق۔	(**میں کہتاہوں**) یعنی جب وہ مذہب حنفی میں مفتی بہ قول پر قضاء کا پابند نہ بنا یا گیا ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ کے قاضی۔اور یہ ظاہر بات ہے ورنہ ضرر والی چیز کی طرف رجوع کرنا لازم آئے گا، کیونکہ مرجوح قول پر قضاء صحیح نہ ہو تو دوسرے مذہب کی تقلید کیسے صحیح ہوگی، لہٰذا حاصل وہی ہے جو میں نے لکھاہے،اور توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

(۹) بعض حجر تو خود بحکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا ہر تصرف قولی،اور معتدہ وصبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے مجور ہونا کہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک مدیون کو بوجہ دین،اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کردینا، یہ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی طرح دو[۲] قسم ہے:

اول: حسی کہ ایک آدمی ایک فعل سے حکماً باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو۔

دوم: شرعی کہ اس کے سبب تصرف کا حکم شرعی مسدود ہوجائے،انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل وبے اثر ہو کر بہائم سے ملحق ہوجائے۔اور نتیجہ ولایت قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو اصلاً سلطان اسلام کو بھی نہیں۔ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل البالغ السفیہ وتصرفہ فی مالہ جائز وان کان مبذرا مفسدا یتلف مالہ وقال ابویوسف و محمد رحمہما اللہ تعالٰی یحجر علی السفیہ ویمنع من التصرف فی مالہ،لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان فی سلب ولایتہ اھدار	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ حر عاقل بالغ بیوقوف کو مجور (یعنی تصرفات سے روکنا) جائز نہیں ہے اور اس کا اپنے مال میں تصرف کرنا جائز ہے اگرچہ وہ فضول خرچی اور فاسد کرتے ہوئے مال کو تلف کردے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسے بیوقوف کو مجور قرار دینا اور مال تصرف کرنے سے روکنا جائز ہے،امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دلیل یہ ہے کہ اس کی ولایت کو ختم کرنا،اس کی آدمیت کو

آدميته والحاقة بالبهائم وهو اشد ضررا من التبذير فلا يتحمل الاعلى لدفع الادنى [1] اھ مختصرا وقد قدم قول الامام واخر دليله واجاب عن دليلهما وكذلك فعل فى الحجر بسبب الدين۔	معطل کرنا اور حیوانوں سے لاحق کرنا ہے اور یہ چیز اس کے لئے مال کی فضول خرچی سے زیادہ مضر ہے لہٰذا اس کے ادنی ضرر کو ختم کرنے کے لئے بڑے ضرر کو نہ اپنایا جائے گا اھ مختصراً، انہوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو مقدم ذکر کیا اور ان کی دلیل کو آخر میں لاکر صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل کا جواب دیا ور مصنف نے دین کے سبب مجوری کے عمل میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔(ت)

اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ کہ شرعی، مثلاً مفتی ماجن وطبیب جاہل ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعاً ان کے تصرفات صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے۔ درمختار میں ہے:

لايحجر على حر مكلف بسفه وفسق ودين وغفلة بل يمنع مفتٍ ماجن يعلم الحيل الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها او تسقط عنها الزكاة وطبيب جاهل ومكار مفلس [2]۔	حر مکلّف کو بیوقوفی، فسق، دین اور غفلت کی وجہ سے مجور نہ کیا جائے گا بلکہ ماجن مفتی جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہو مثلاً بیوی کو خاوند سے علیحدگی اختیار کرنے کے لئے مرتد ہونے اور اس سے زکوٰۃ ساقط کی تعلیم دینا، نیز جاہل طبیب اور مکار مفلس کو روک دیا جائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله بل يمنع اشاربه الى انه ليس المراد به حقيقة الحجر وهو المنع الشرعى الذى يمنع نفوذ التصرف لان المفتى لوافتى بعد الحجر واصاب جاز	ماتن کا قول "بلکہ منع کیا جائے" اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ ممانعت حقیقی پابندی نہیں بلکہ اس سے مراد شرعی ممانعت ہے جو تصرف کے نفاذ کو روکتی ہے کیونکہ اگر وہ مفتی حجر والی کارروائی کے بعد فتوٰی درست دے تو جائز ہے

---

[1] الهدایہ کتاب الحجر باب الحجر للفساد مطبع مجتبائی دہلی ۳/ ۵۲۔۳۵۱

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

وکذا الطبیب لو باع الادویۃ نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدرر عن البدائع[1]۔	اور یونہی وہ طبیب اگر دوا فروخت کرے تو یہ کارروائی نافذ ہوگی تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ منع محض حسی کارروائی ہے جیسا کہ درر میں بدائع سے نقل کیا گیا ہے (ت)

اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایام گرانی میں، یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو پہنچے شرعًا جائز ونافذ رہے گا آخرت میں مستحق عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ پر محض بخوف سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کیلئے عنداللہ حلال نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایسعر حاکم لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تسعروا فان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمۃ تعدیا فاحشا فیعسر بمشورۃ اھل الرأی، وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری[2] اھ ای اذا باع للخوف کما عبر للقھستانی فسقط نظر الشامی وتحقیقہ فی جدالممتار۔	حاکم بھاؤ مقرر نہ کرے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا فرمان ہے بھاؤ مقرر نہ کرو کیونکہ اللہ تعالٰی ہی بھاؤ بنانے والا ہے وہی تنگی، وہی وسعت وہی رزق دینے والا ہے مگر جب تجار قیمت میں فحش گرانی کریں تو پھر حاکم اہل الرائے سے مشورہ کے بعد بھاؤ مقرر کرے تو جائز ہے، اور اختیار میں ہے پھر جب حاکم بھاؤ مقرر کردے اور بائع کو حاکم کی سزا کا خوف ہو اگر اس نے مال کم بھاؤ پر دیا تو مشتری کو اس بھاؤ خرید نا جائز نہیں اھ یعنی جب بائع محض خوف کی وجہ سے (بغیر رضا) فروخت کرے تو مشتری کو جائز نہیں جیسا کہ قہستانی نے یہ تعبیر کی ہے، تو اب علامہ شامی کا اعتبار ساقط ہوگیا اور اس کی تحقیق جدالممتار میں ہے (ت)

(۱۰) بے اذن ورضائے مدیون اس کی جائداد زرڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسا بحکم سلطنت موجود ہوجائے گا، کلام اس میں ہے کہ شرعًا بھی وہ بیع صحیح ونافذ اور شیئ مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک صحیح شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کیلئے بھی

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۹۔۲۴۸

جائز نہیں مانتے، ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه لاحجر فی الدین لان فی الحجر اهدار اهلیته فلا یجوز لدفع ضرر خاص فان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم لانه تجارة لاعن تراض فیکون باطلا بالنص، وقالا اذا طلب غرماء المفلس، حجر القاضی علیه وباع ماله ان امتنع من بیعه، قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذلك کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بهما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا[1] اھ مختصرًا۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں دین میں کسی کو مجور نہ کروں گا کیونکہ حجر میں آدمی کی اہلیت معطل ہوتی ہے لہٰذا کسی ضرر خاص کو ختم کرنے کے لئے اہلیت کو ختم کرنا جائز نہیں ہے، اگر ایسے شخص کا مال ہو تو حاکم اس میں تصرف نہ کرے کیونکہ یہ اس کی رضا کے بغیر تجارت قرار پائیگی جو ناجائز اور بذریعہ نص باطل ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ اگر مطالبہ والے حضرات قاضی سے مطالبہ کریں کہ اس پر حجر (مالی تصرف میں پابندی) لگادے اور اس کے مال کو جبرًا فروخت کردے تو قاضی ایسا کرے، ہم امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی طرف سے کہتے ہیں مطالبہ والوں کا حق صرف دین کی ادائیگی ہے اور مطلوب کے مال کو فروخت کرنا یہ واحد طریقہ نہیں ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ اگر اس کے مال کی فروخت جائز ہو تو اس کو قید کرنا دوہرا ضرر ہوگا، ایک حق والوں کے حق میں تاخیر اور دوسرا مدیون کو سزا دینا، تو یہ ناجائز ہے اھ مختصرًا (ت)

عنایہ میں ہے:

لکنه (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع[2]۔	لیکن وہ یعنی قید کرنا بالاجماع مشروع ہے تو مال کا فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔ (ت)

صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احداث حکم جدید شرعی و تبدیل توقف بنفاذ و حرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم درکار ہے اور نیا حکم شرعی کہ اب تک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے

[1] الہدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۵۷۔۳۵۶

[2] العنایہ علی ہامش فتح القدیر کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸ /۲۰۷

عنداللہ صحیح ومقبول اور آخرت میں بکار آمد ہونے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعًا ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت شرعیہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا، نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان ہوئے، تو قسم دوم میں مطلقًا والیان ملک مراد لینا در کنار مطلقًا والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا درکنار کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجتراء، اور وہ پہلے تو سیع قطعًا شرع مطہر پر افترا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ: ان تمام تقریرات ومسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں کا ایک دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ سے شرع پر مبنی ہے، کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں، تو اس کے انکار کو انکار سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں، آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت شرعیہ نہ مانی اس سے ان کے سلطان و بادشاہ وحاکم وقت و والی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) **وباللہ التوفیق۔**

مقدمہ ششم: جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں، پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی جس کا بیان گزرا، یوں ہی تقلید قضا کہ فک حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں تقسیم حسی وشرعی یا دنیوی ودینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف منجانب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولی، کہ جس ملک میں جس مذہب وملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر قادر اور اس کا حکم وہاں نافذ، اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک، لازم القبول ہوگا، یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول کے لئے کافی ووافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی نافع آخرت کیلئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولٰی یا مقلد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن ثبوت گزرا، یونہی مولی یا مقلد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج وخزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب وعزل منتہی ہو اس کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضاء ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلد سے مستفاد، اور عدم مفید وجود نہیں ہوسکتا۔ فتح القدیر میں ہے:

اذالم یکن سلطان ولامن یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد	جب کوئی سلطان نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسا حاکم جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے جیسا کہ

المسلمین غلب علیھم الکفار، یجب علیھم ان یتفقوا علی واحد منھم یجعلو نہ والیا، فیولی قاضیا و یکون ھوالذی یقضی بینھم وکذا ینصبو الھم اماما یصلی بھم الجمعۃ[1]۔	مسلمانوں کے وہ علاقے جہاں کفار نے غلبہ پایا ہے تو وہاں کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے کسی ایک پر اتفاق کرکے اس کو والی قرار دیں تو وہ کسی کو قاضی مقرر کردے اور وہ لوگوں میں فیصلے کرے اور یونہی وہ مسلمان کسی کو جمعہ کا امام مقرر کریں جو جمعہ کی نماز پڑھائے۔(ت)

جامع الفصولین میں ہے:

کل مصرفیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذالخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم، واما فی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع و الاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم طلب وال مسلم[2]۔	ہر ایسا شہر جس میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان والی مقرر ہو اس شہر میں جمعہ وعیدین کا قیام خراج وصول کرنا، قاضی کی تقرری اور یتیم بچیوں کا نکاح جائز ہوگا کیونکہ اس طرح مسلمانوں کا ان پر غلبہ ثابت ہے اور لیکن وہ علاقے جہاں کفار ہی والی ہوں وہاں مسلمانوں کی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی ہی بااختیار قاضی ہوگا تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہوگا اور مسلم والی کے لئے جدوجہد ان پر واجب ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو فقد وال لغلبۃ کفار وجب علی المسلمین تعیین وال وامام للجمعۃ، فتح[3]۔	اگر غلبہ کفار کی بناپر مسلمان والی مفقود ہو تو مسلمانوں پر اپنے طور کسی قاضی اور جمعہ وعیدین کے امام کا تقرر واجب ہوگا، فتح(ت)

بعینہٖ اسی طرح معراج الدرایہ وتاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ ان کی عبارات

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

[2] جامع الفصولین الفصل الاول اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

بعونہ تعالٰی عنقریب آتی ہیں، نہرالفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا:

ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیہ فالیعتمد[1]۔	یہی وجہ ہے جس پر نفس مطمئن ہوتا ہے تو اس پر اعتماد چاہیے۔ (ت)

ابن عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا:

الاشارۃ بقولہ ھذا الی ماافادہ کلام الفتح من عدم صحۃ تقلد القضاء من کافر[2]۔	اس کے قول "ھذا" سے فتح کے کلام سے جو فائدہ حاصل ہوا کہ کافر کی طرف سے قاضی کی تقرری صحیح نہیں ہے، کی طرف اشارہ ہے (ت)

اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الاصل میں ہے کما سیأتی ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ ان شاء اللہ تعالٰی آگے آئے گا۔ت) یہ تمام نصوص صریحہ واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی بمعنی مذکور کے لئے مولی و مولٰی دونوں کا اسلام ضرور ہے۔ **اقول: وباللہ التوفیق** (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ہاں اس کے لیے بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے بادشاہ نامسلم کے زیر حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم و منظوری بادشاہ نامسلم ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدہ قضا دے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند ہوئی کہ اسے والی شہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی شہر صاحب فوج و خزانہ خود ایک اعلٰی درجہ کا قاضی ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم الوالی بالطریق الاولٰی[3]۔	پھر والی بطریق اولٰی۔ (ت)

شامی میں ہے:

ای ثبوت الولایۃ للوالی اولی لان القاضی یستمدھا منہ[4]۔	یعنی والی کے لئے ثبوت ولایت بطریق اولٰی ہوگی کیونکہ قاضی اس سے تقرر پاتا ہے (ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[4] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۱

اور پر ظاہر کہ اس کا تقرر بلا واسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ وسبب وقضاتقلد قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں، اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عرفیہ یعنی غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عندالشرع مانا ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعة معه من الاشراف والاعیان وبان ینفذ حکمه علی رعیته خوفا من قهره فان بویع ولم ینفذ فیهم حکمه لعجزه عن قهرهم لایصیر سلطانا، فاذاصار سلطانا بالمبایعة فجار ان کان له قهر وغلبة لاینعزل[1]۔	سلطان کی تقرری دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے ایک اشراف اور اعیان حکومت کی بیعت، اور دوسرا رعیت پر اس کے دبدبے کی بناپر اس کے حکم کا نافذ ہونا، تو اس کی بیعت ہوئی لیکن رعیت پر دبدبہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم نافذ نہ ہوسکا تو سلطان نہ بن سکے گا تو جب سلطان بن گیا اور اپنے دبدبے اور غلبہ کی بناپر ظلم کیا تو معزول نہ قرار پائے گا۔(ت)

فصول عمادیہ پھر ہندیہ میں ہے:

ذکر فی الفتاوی ایضا تجوز صلٰوة الجمعة خلف المتغلب الذی لامنشورله من الخلیفة اذاکانت سیرته فی رعیته سیرة الامراء یحکم فیمابین رعیته بحکم الولایة لان بهذا تثبت السلطنة فیتحقق الشرط[2]۔	فتاوٰی میں یہ بھی مذکور کہ ایسے سلطان کی اقتدا میں جمعہ جائز ہوگا جو خود غلبہ پاکر خلیفہ کی منظوری کے بغیر اقتدار پر فائز ہوگیا بشرطیکہ رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرچکا ہو وہ اپنی ولایت کی بناپر رعیت میں حکم نافذ کرچکا ہو کیونکہ اس سے سلطنت قائم ہوگئی تو شرط متحقق ہوگئی۔(ت)

خلاصہ پھر بحر الرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے:

المتغلب الذی لاعهدله ای لامنشور له ان کان سیرته فیمابین الرعیة	خلیفہ کی منظوری کے بغیر غلبہ پانے والے نے رعیت میں امراء کی سی سیرت قائم کرلی اور اپنی

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضرتہ[1]۔	ولایت کی بناء پر حکم تسلیم کرواچکا ہو اس کی موجودگی میں جمعہ قائم ہوسکے گا۔(ت)

غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقہ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام روئے زمین کے سلاطین اسلام ایسے ہی ہیں، اپنے استیلاہی کے باعث سلطان اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشاہ اس کی معین ہے نہ کہ مخل، رہا بوجہ منظوری سبب، اس کی قضاء کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں عبارت مسکین:

یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل او الجائر سواء کان کافرا او مسلما کذا فی الاصل[2]۔	قضاء کی تقرری سلطان عادل خواہ ظالم سے ہوگی اس کا مسلمان ہونا اور کافر ہونا برابر ہے اصل (مبسوط) میں یونہی ہے(ت)

اور عبارت ہندیہ:

ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	ملتقط میں ذکر کیا کہ سلطان میں اسلام شرط نہیں ہے یعنی جو سلطان قاضی کی تقرری کرے۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔(ت)

میں مراد ہیں اور اس پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا، اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام ہے، مبسوط کی عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول:

البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانھم لم یظھروا فیھا حکم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال	وہ بلاد جو کفار کے قبضے میں آئے ہیں وہ بلاد اسلام ہیں بلاد کفر نہیں ہیں کیونکہ کافر وہاں کفر کے احکام کو مسلط نہیں کرپائے بلکہ وہاں قاضی اور والی حضرات مسلمان ہیں وہ ایک ضرورت کے تحت یا ضرورت کے بغیر کفار کے ماتحت ہیں، وہ شہر جس میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳۸۔۵۳۷

[2] شرح الکنز لملا مسکین علی ہامش فتح المعین کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

من جهتهم يجوزله اقامة الجمع والاعياد والحد و تقليد القضاء لاستيلاء المسلم عليهم فلو الولاة كفارا يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما[1]۔	کفار کی طرف سے مقرر کردہ والی ہو تو جمعہ، عیدین اور حد کا قیام اور قاضیوں کا تقرر اسے جائز ہے کیونکہ مسلمانوں کا کفار پر غلبہ ہے، تو اگر والی کفار ہوں تو مسلمانوں کو جمعہ کا قیام جائز ہوگا اور مسلمان کی رضامندی سے قاضی ہو تو وہ باختیار قاضی ہوگا اور مسلمانوں پر مسلمان والی کے لئے کوشش لازم ہے۔ (ت)

اور ہندیہ نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا، تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضاء میں منقول ہے:

الاسلام ليس بشرط فيه اى فى السلطان الذى يقلد وبلاد الاسلام التى فى ايدى الكفرة لاشك انها بلاد الاسلام لابلاد الحرب لانهم لم يظهروا فيها حكم الكفر، والقضاة مسلمون والملوك الذين يطيعونهم عن ضرورة مسلمون ولو كانت عن غير ضرورة منهم ففساق وكل مصرفيه وال من جهتهم تجوز فيه اقامة الجمع والاعياد واخذ الخراج وتقليد القضاة و تزويج الايامى لاستيلاء المسلم عليه، واما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين اقامة الجمع و الاعياد ويصير القاضى	اسلام اس میں شرط نہیں یعنی اس سلطان میں جو قاضی کی تقرری کرتا ہے اور جو مسلمانوں کے علاقے کفار کے قبضے میں ہیں بیشک وہ بلاد اسلام ہیں نہ کہ بلاد حرب، کیونکہ کفار وہاں احکام کفر غالب نہیں کر پائے جبکہ وہاں قاضی مسلمان ہیں اور وہاں کے ملوک اگر کفار کے ماتحت ضرورت کی وجہ سے ہیں تو وہ مسلمان ہیں، اور اگر بغیر ضرورت ماتحت بنے ہوئے ہیں تو وہ فاسق ہیں اور وہ تمام شہر جن میں کفار کی طرف سے مسلمان والی مقرر ہیں وہاں جمعہ وعیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قاضیوں کا تقرر اور یتیم بچوں کا نکاح جائز ہے کیونکہ یہاں مسلمان کو ولایت حاصل ہے لیکن وہ بلاد جہاں کفار والی ہوں تو وہاں مسلمانوں کو جمعہ وعیدین کا قیام جائز ہے اور وہاں مسلمانوں کی

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۱۔۵۴۰

قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما منھم[1]۔	باہمی رضامندی سے مقرر شدہ قاضی بااختیار قاضی ہوجائے گا تو مسلمانوں کو لازم ہوگا کہ وہ کوئی اپنا مسلمان والی بنانے کے لئے کوشاں رہیں۔(ت)

ان نفیس وجلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں: ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان ہے مگر نا مسلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آج کل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں "اوبدونھا" اور تاتارخانیہ میں "ففساق" تک ہے۔ دوسرے وہ کہ ریاست بااختیار صاحب فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتوں میں "وکل مصر" سے "لاستیلا المسلم علیھم" تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام ازیں کہ بادشاہ نامسلم نے تنہا اپنا قبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو، جیسے رجواڑے۔ اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز تقلید قضائے شرعی دو صورت پیشیں سے خاص فرمایا، اور سوم میں بعینہٖ وہی جو فتح القدیر وجامع الفصولین سے گزرا، ارشاد کیا کہ اب قضائے شرعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضاء شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفریق حکم کے کیا معنے تھے اور عبارت امام محقق علی الطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ:

اذالم یکن من یجوز التقلید منه[2] الخ۔	جب کوئی ایسا نہ ہو جس کی طرف سے قاضی کی تقرری ہوسکے الخ۔(ت)

تو روشن ہوا کہ نامسلم سے تقلد قضاء شرعی انہیں دو صورت وساطت مولی مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم ہے، صورت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین وہندیہ کہ انہیں اصل وتاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے ہیں قطعًا ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی، ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس کے سبب بحر الرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارت مذکورہ فتح القدیر وجامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا:

فی فتح القدیر مایخالفه (واثر ما اسلفنا	فتح القدیر وہ ہے جو اسکے مخالف ہے (اور جو ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۸

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۶۵

ثم قال ویؤیدہ مافی جامع الفصولین (ونقل ما قدمنا)[1] ۔	پہلے بیان کیا اسکو نقل کیا پھر کہا جامع الفصولین کا بیان اس کی تائید کرتا ہے (اور ہمارے پہلے بیان کو نقل کیا) (ت)

یوں ہی درمختار نے قول مسکین ذکر کرکے کلام فتح سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلام فتح نقل فرماکر اسی پر اعتماد لازم بتایا، یہ سب کچھ کلام مسکین میں حوالہ کتاب الاصل دیکھنے پر ہوا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے، اس درجہ قوت عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر اعتماد نہ فرمایا مگر بحمد اللہ تعالٰی عبارت اصل یونہی ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب شبہات واوہام کا پردہ چاک کرکے حق کا چاند چمکادیا،

والحمدللہ رب العٰلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا توفیق کا مالک ہے (ت)

مقدمہ ہفتم: ایک صورت ضرور پیش آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اوپر واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت پڑتی ہے ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کو دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن کے لئے بغیر ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کرسکتے ہیں مگر بعض جگہ حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں، وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں، اس طریقہ پر ہو جو باجازت شرع احکام شرعیہ کا احداث کرسکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ حکم دیا کہ مسلمان اپنی ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کرلیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ قضائے شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ "[2] وقال اللہ تعالٰی " لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالٰی سے ڈرو۔ اور فرمایا: اللہ تعالٰی

[1] بحر الرائق کتاب القضاۃ فصل یجوز التقلید من شاء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۶

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ"[1]	صرف وسعت کے مطابق کسی کو تکلیف دیتا ہے۔(ت)

بلکہ وجوب درکنار، یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اس میں اثارت فتنہ ہے اور فتنہ جائز نہیں اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا اور یہ روا نہیں، مگر صورت اولٰی یعنی ان دینی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام وخطیب جمعہ وامام عیدین و تفریق لعان وعنین وتزویج قاصرین و قاصرات بلاولی وفسخ نکاح بخیار بلوغ وامثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہہ میسر ہے، گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی ودیوانی قسم اول بھی باہم طے کرلیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف ودادوش سے بچنے کے لئے باہمی پنچایت سے فیصل کرلیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے، مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گورنمنٹ کو اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو، دین تمہارا ہے، تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے کا حکم نفاذ بمعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کرلیجئے،اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہوجائیں گے، تکمیل نفاذ حسی کے لئے گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہوجائے گی،یوں دونوں مقصد دین ودنیا حاصل ہیں اور بفضلہٖ تعالٰی تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد ،بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ بطریقہ شرعیہ انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں ہر قطر وضلع میں جو عالم سنی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں کرلیں اور تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں، فتاوٰی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالٰی میں اسی ولایت شرعیہ کی نسبت ہے:

اذاخلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ، فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر	جب زمانہ باکفایت سلطان سے خالی ہو تو معاملات علماء کے سپرد ہوتے ہیں اور امت پر ان کی طرف رجوع لازم ہوتا ہے اور علماء والی بن جاتے ہیں،تو جب لوگوں کو ایک عالم کی طرف رجوع دشوار ہو تو ہر علاقہ اپنے اپنے عالم کی طرف

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

باتباع علمائه فان كثروا فالمتبع اعلمهم [1]۔	رجوع میں مستقل ہوگا، تو اگر علماء علاقہ میں کثیر ہوں تو بڑا عالم قابل اتباع ہوگا۔ (ت)

بحمد اللہ تعالٰی ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کردیا جس کے بعد کسی ذی فہم کو کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ رد کا مردود سے تعلق بتادینا اور بعض افاضات تازہ کا اضافہ کرنا انسب واولٰی۔

فاقول: وباللہ التوفیق (تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ت)

اول: کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے اسی سے سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی سرخی دے کر جو گیارہ عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو مقلد بالفتح اور اخیر کی دو مقلد بالکسر سے متعلق ہیں۔ ان دو کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انہیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی وبے فہمی ہے وہ صرف اس صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی مولی ہو اور بادشاہ نامسلم۔

دوم: بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہرگز تام نہ ہوتیں کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو نامسلم کے لئے جواز کیونکر ہوگیا، کیا قاضی مسلم و نامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی "اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ہم مسلمانوں کو مجرموں کی طرح کردیں، تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ (ت)

سوم: رہیں وہ نو، ان میں سے آٹھ میں نامسلم کا نام تک نہیں، پہلی تیسری، چوتھی، نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں میں فاسق اور دوسری، پانچویں میں جاہل وفاسق دونوں کا۔ کیا جاہل و فاسق مسلمان نہیں یا مسلم یا نامسلم شرعاً یکساں ہیں، جو حکم ان کے لئے شرع نے مانا ہوا ان پر قیاس کرکے نامسلم کے لیے بھی ثابت ہوجائے گا، کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں۔ "وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ" [3] (جو اللہ تعالٰی کی حدود سے تجاوز کرے۔ت) کا کیا حکم ہے۔

---

[1] الحدیقۃ الندیہ الخلق الخامس من الاخلاق الستین الخ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

چہارم: طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوی میں ہے:

الصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا[1]۔	صحیح یہ ہے کہ اجتہاد اولٰی ہونے کی شرط ہے تو لیکن جاہل کی تقرری (قضاء کے لئے) تو ہمارے نزدیک صحیح ہے۔(ت)

بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم اور خود یہ مفتی اور ان کے اساتذہ اور اساتذہ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابل تسلیم عقل سلیم ہے۔

پنجم: گیارہ" میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر وہ ایک باقیماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تا آخر سراسر مزعوم فتوی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال ہے مفید و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے، بحر الرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطان اسلام کسی نامسلم کو اپنے حکم سے قاضی کردے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائے، مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا:

لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ[2]۔	کافر کی قضاء حالت کفر میں مسلم پر صحیح نہیں ہے(ت)

اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کردے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی مسلمانوں پر اس کی قضاء قضائے شرعی ہے، صحت تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہو جائے گا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی، نیز قبل اسلام غیر مسلمین پر اس کی قضاء صحیح ہو جائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو، اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے:

تنبیہ: ظھر من کلامھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی	تنبیہ: فقہاء کے کلام سے شام کے علاقہ بلاد دروز میں مقرر قاضی کا حکم واضح ہوا کہ دروز

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

[2] بحر الرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۹، ردالمحتار بحوالہ البحر کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸-۹۹

القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منہما لایصح حکمہ علی المسلمین فان الدرزی لاملۃ لہ کالمنافق والزندیق وان سمی نفسہ مسلما وھذا کلہ بعد کونہ منصوبا من طرف السلطان اومامورہ بذلك والافالواقع انہ ینصبہ امیر تلك الناحیۃ ولاادری انہ ماذون لہ بذلك ام لاولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم[1]۔	یا نصرانی ہو تو اس کی قضاء مسلمانوں پر جائز نہیں کیونکہ دروزی کی کوئی ملت نہیں ہے جیسا کہ منافق اور زندیق کی ملت نہیں ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلائے، یہ تمام اس صورت میں ہے جب اس کو سلطان کی طرف سے مقرر کیا گیا ہو یا ایسے کو مقرر کرنے کا مامور ہو، اور اگر واقع یہ ہو کہ اس علاقہ کے کسی امیر کی طرف سے دروزی قاضی مقرر شدہ ہو اور معلوم نہیں کہ وہ امیر اس بات کا ماذون ہے یا نہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (ت)

ششم: یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا کافر وغلام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت ونفاذ سے مانع موجود ہے جب تک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہوگا انکی قضاء صحیح ونافذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقاً اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا:

لہ ولایۃ وبہ مانع وبالعتق والاسلام یرتفع[2]۔	اس کو ولایت ہوئی اور غلامی اور کفر اس کو مانع تھا اب عتق اور اسلام حاصل ہوجانے پر مانع ختم ہوگیا۔ (ت)

اور اس سے استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضاء مطلقاً قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمادئے تھے کہ:

لو قلد کافر القضاء فاسلم قال محمد ھو علی قضائہ فصار الکافر کالعبد[3]۔	اگر کفر کی حالت میں قاضی مقرر ہوا تو مسلمان ہوگیا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا وہ پہلی تقرری پر قاضی ہے تو یہ کافر غلام کی طرح ہوا۔ (ت)

اور عبد (غلام) میں فرمایا:

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹
[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷
[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

قلد عبد فعتق جاز ان یقضی بتلك الولایة من غیر حاجة الٰی تجدید [1]۔	عبد تھا جو قاضی مقرر ہوا اب وہ آزاد ہوگیا تو اس پہلی تقرری ولایت پر اس کی قضاء جائز ہو جائیگی نئی تقرری کی ضرورت نہ ہوگی۔(ت)

ہفتم: طرفہ تر یہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ع

خود گفتہ وخود نداند کہ چیست

(اپنے کہے ہوئے کو خود نہیں جانتا کہ کیا ہے۔ت)

تو اسکی بات جدا ہے۔

ہشتم: کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضاء کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابالغ بچوں پر۔ درمختار میں ہے:

للکافر ولایة علی کافر مثله اتفاقا [2]۔	کافر کو اپنے جیسے کافر پر ولایت بالاتفاق حاصل ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الکافر یجوز تقلیده القضاء لیحکم بین اهل الذمة [3]۔	اہل ذمہ میں فیصلے کے لئے کافر کو قاضی مقرر کرنا جائز ہے۔(ت)

مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم، اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص قطعیہ قرآن عظیم وتصریحات جملہ ائمہ وکتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں دس بیگانہ وبیکار اور ایک سراپا مخالف وضار، استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ **الشجرة تنبئی عن الثمرة** (درخت اپنے پھل کی اطلاع دیتا ہے۔ت)

نہم: روایت ۱، ۸، ۳ سے یہ نتیجہ نکالا کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کردے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی۔ اس سے مراد اگر صرف **تنفیذ** بمعنی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۷

[2] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

اول ہے تو حصر باطل، بلکہ اس کا فرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کردے قیامت کو ان کے لئے مواخذہ الٰہیہ سے نجات کی صورت کردے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھا کر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کردے۔ اور اگر مراد عام ہے تو یہ قسم دوم ہر گز صرف دنیوی طاقت کا کام نہیں اس کے لئے مولی و مولی دونوں کا اسلام لازم اگرچہ عالم و متقی ہونا ضرور نہ ہو جیسا کہ مقدمہ ششم میں گزرا۔

دہم: روایت ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیا کہ قاضی میں علم واتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی کہ ایسے قاضی کا ملنا سخت مشکل ہے، علم واتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا، اور اس پر یہ قیاس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا لہٰذا اسلام کی قید بھی اڑادی۔ خود اس فتوی کی روایت ۳، ۱، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولویت ہے نہ شرط صحت۔ یہی حال اتقا کا ہے، فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے:

کون القاضی عدلا لیس بشرط ایضا حتی قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنهم ان الفاسق یصلح ان یکون قاضیا و العدالة شرط الاولویة فی ظاهر الروایة۔[1]	قاضی کا عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتی کہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم نے فرمایا بے شک فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ عدالت اولٰی ہونے کی شرط ہے ظاہر الروایۃ میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

الفاسق اهل للقضاء حتی لو قلد یصح الا انه لاینبغی ان یقلد هذا هو ظاهر المذهب وعلیه مشایخنا رحمهم اللہ تعالٰی وقال الشافعی رحمة اللہ تعالٰی علیه الفاسق لایجوز قضائه[2]۔	فاسق قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے حتی کہ اگر وہ ہو جائے تو صحیح ہے مگر یہ مناسب نہیں کہ اس کی تقرری کی جائے، یہی ظاہر مذہب اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اس پر اعتماد کرتے ہیں البتہ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی قضاء درست نہیں ہے۔ (ت)

بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذا العدالة عندنا لیست بشرط لجواز	یونہی تقرری کے لئے عدالت شرط نہیں لیکن کمال

---

[1] غایۃ البیان

[2] الہدایۃ کتاب ادب القاضی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۲

التقلید لکنھا شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق و تنفذ قضایاہ اذالم یجاوز فیھا حدالشرط وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی شرط الجواز[1]۔	کے لئے یہ شرط ہے لہذا فاسق کی تقرری اور اس کی قضاء کا نفاذ جائز ہے جب اپنے فیصلوں میں اس نے شرع سے تجاوز نہ کیا ہو،اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں عدالت جواز قضاکے لئے شرط ہے۔(ت)

اور اسلام قطعًا شرط صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم و نصوص ائمہ سے گزرا اولویت کی شرطوں سے اگر در گزر کی گئی تو اس سے شرط صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علماء نے غیر اولٰی کو صحیح مانا ہے لہذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلاف اولٰی ویسا ہی باطل ایک ہی بات ہے۔

یازدہم: نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علماء نے بضرورت اس کراہت سے در گزر کی ہے،فتح القدیر میں ہے:

فی الدرایۃ قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لان فی غیرھا یجد اماما غیرہ اھ یعنی انہ فی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد اٰخر ولایأثم فی ذٰلک. ذکرہ فی الخلاصۃ وعلی ھذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من التحول حینئذٍ۔[2]	درایہ میں ہے کہ ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ فاسق کی اقتداء جمعہ کے بغیر مناسب نہیں کیونکہ جمعہ کے ماسوا نمازوں کے لئے امام دوسرا مل جاتا ہے یعنی غیر جمعہ میں گنجائش ہے کہ وہ دوسری مسجد میں چلا جائے تو گنہگار نہ ہوگا۔ اس کو خلاصہ میں بیان کیا تو اس وجہ کی بنا پر جمعہ میں بھی ایسے امام کی اقتداء مکروہ ہوگی جب جمعہ شہر میں متعدد جگہ ہوتا ہو جیسا کہ امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے اور وہی مفتٰی بہ قول ہے کیونکہ اس صورت میں بھی اسے دوسرے امام جمعہ کے لئے گنجائش ہے(ت)

لہذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۃ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں،جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں لاکھوں آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کرچکے ہوں تو اس فتوے کی رائے میں بضرورت ان پادری صاحب کو

---

[1] بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علماء نے بضرورت شرط اولویت سے در گزر کی تھی، یہ بضرورت شرط اسلام اڑادیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوازدہم: فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبہ، درمختار میں ہے:

یوخر ھا عندہ وقالا یتشبہ بالمصلین وجوبا ثم یعیدبہ یفتی والیہ صح رجوعہ[1]۔	امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مؤخر کرے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک نمازیوں سے تشبہ کرنا واجب ہے پھر بعد میں اعادہ کرے، اسی پر فتوٰی ہے، اور امام صاحب کا اس طرف رجوع صحیح ثابت ہے۔(ت)

بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے کے طور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان لی ہیں۔

سیزدہم: روایت ۸ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت منقولہ فتوی میں اس کا رد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے، اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی۔

چاردہم: مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں اسے اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بناکر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیہ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ کے خلاف چلئے، نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہوں اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن واجماع کی حجت بنالیجئے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

پانزدہم: بفرض باطل بطلان فیصلہ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ قطعًا اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب رشوت لے کر قضا کی، عمل اپنے لئے ہوا نہ کہ اللہ عزوجل کے لئے۔ فتح القدیر میں ہے:

حاصل امر الرشوۃ فیما اذا قضی	رشوت کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ حق فیصلہ میں

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۴

بحق ایجابها فسقه وقد فرض ان الفسق لایوجب العزل فولایته قائمة وقضاؤه بحق فلم لاینفذ وخصوص هذا الفسق غیر مؤثر و غایة ماوجه به انه اذا ارتشی عامل لنفسه یعنی والقضاء عمل لله تعالٰی[1]۔	رشوت لی تو اس کا حکم فسق ہے اور مفروض یہ ہے کہ وہ معزولی کا موجب نہیں تو اس کی ولایت قائم ہے تو اس کا حق فیصلہ کیوں نہ نافذ ہوگا اور یہ خاص فسق فیصلہ کے لئے مؤثر نہیں ہوگا، اور انتہائی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب قاضی رشوت لے گا تو گویا وہ اپنی ذات کے لئے عامل ہوا جبکہ قضاء کا عمل اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے ہوتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهر تبعاً للبحر وانت خبیر بان کون خصوص هذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظة کونه عملا لنفسه وبهذا یترجح مااختاره السرخسی[2] اھ۔	بحر کی اتباع میں نہر میں کہا تجھے علم ہے کہ اس خاص فسق کا غیر مؤثر ہونا ممنوع ہے بلکہ اپنے لئے عامل ہوجانے کے پیش نظریہ موثر ہوگا، اس اعتبار سے امام سرخسی کے مختار کو ترجیح حاصل ہوجائیگی اھ (ت)۔

اقول: یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا، واقعی اصلاً لائق اعتماد نہیں کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا، اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ کہ نفی صحت۔ ردالمحتار میں ہے:

الاخلاص شرط للثواب لاللصحة[3]۔	اخلاص ثواب کے لئے شرط ہے صحت عمل کے لئے نہیں۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائے گا اگرچہ ثواب نہ پائے گا، نہ اشرفی کا مستحق ہوگا۔ درمختار میں ہے:

قیل لشخص صل الظهر ولك دینار فصلی بهذه النیة ینبغی ان تجزئه ولا یستحق	ایک شخص کو کسی نے کہا تو ظہر کی نماز پڑھے تو تجھے دینار ملے گا، تو اس نے اس نیت سے نماز پڑھی تو مناسب حکم یہ ہے کہ اس کی نماز جائز قرار پائیگی

---

[1] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۸

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۸

الدینار[1]	اور دینار کا مستحق نہ ہوگا۔(ت)

اشباہ میں ہے:

اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ[2]۔	نماز کو جائز کہنا اس لئے جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ریاکاری واجب کے سقوط میں فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی، باقی رہا استحقاق دینار کا معاملہ تو وہ اس لئے کہ فرض کی ادائیگی عقد اجارہ کے تحت داخل نہیں ہوتی۔(ت)

بلکہ اب فتوٰی جواز اجرت امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ کہ عامل ﷲ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعاً صحیح ہے، بہر حال قضاء بہ رشوت میں جو کچھ خلل ہے امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے تو جہاں اہلیت شرعاً منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن۔

شانزدہم: یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ مذکورہ رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا، بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام فخر الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں مقدم ہیں، امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود ۵۰۰ھ یا حدود ۴۹۰ھ میں۔

ہفدہم: یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو فیصلہ کا دروازہ بند ہوگا، یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرھویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسی ۸۰ سال ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے۔

ہجدہم: یہ ضرورت زمانہ امام فخر الاسلام میں کیونکر ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابوسعود سے ہے:

لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاہرا وردالامر	جب ہمارے زمانے کے قاضی حضرات ظاہراً عدالت میں مساوی ہوں تو حکم ہے کہ علم، دیانت

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۶۴

بتقدیم الافضل فی العلم والدیانۃ والعدالۃ[1]۔	اور عدالت میں جو افضل ہو اس کو ترجیح دی جائے۔(ت)

اس پر اسی ردالمحتار میں ہے:

ھذا کان فی زمنہ وقد وجد التساوی فی عدمھا الاٰن فلینظر من یقدم[2]۔	یہ ان کے زمانہ میں تھا حالانکہ اب عدم عدالت میں سب مساوی ہیں تو اب ترجیح میں غور کرنا ہوگا۔(ت)

مفتی ابوالسعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے ۹۸۲ھ میں انتقال فرمایا، جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو ۵۰۰ برس پہلے تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے۔

نوزدہم: اپنے زمانے تیرھویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محل نظر ہے قضاۃ اگر محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لی جاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے تھے جب بھی حد رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ کہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دینا ہے اور رشوت کسی کا کام بنانے کے لئے لی جاتی ہے نہ کہ مطلق، یوں ہی اجرت، تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں۔

بستم: فتوے میں یہ عبارت علامہ شامی **فکذا یقال ھنا**[3] (یہاں بھی یوں کہا جائے گا۔ت) تک نقل کی اس کے متصل انہوں نے فرمایا: وانظر ماسنذکرہ فی اول باب التحکیم[4] اسے دیکھو جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے، اسے چھوڑ دیا، شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے:

تنبیہ: فی البحر عن البزازیۃ قال بعض علمائنا اکثر قضاۃ عھدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلدوا القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع القضیۃ واعترض بان	تنبیہ: بزازیہ سے بحر میں فرمایا، بعض علماء نے فرمایا ہے کہ ہمارے علاقہ کے اکثر قاضی حضرات اس زمانہ میں ثالث ہیں کیونکہ انہوں نے رشوت کے ذریعہ تقرری حاصل کی ہے ان کے ہاں مقدمہ پیش کرنے پر ان کا ثالثی فیصلہ قرار پائے گا اور یہ

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۰

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

[4] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یکون بالاشخاص والجبر فلا یکون حکما. الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لاینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا. ولهذا قال السلف القاضی النافذ حکمه اعزمن الکبریت الاحمراھ قال ط و بعض الشافعیة یعبرعنه لانه قاضی ضرورة اذ لایوجد قاض فیما علمناه من البلاد الاوھو راش و مرتش اھ وانظر ماقدمناه اول القضاء [1]۔	اعتراض کہ ان کے ہاں دعوی ثالثی کی بناپر نہیں ہوتا بلکہ اس اعتقاد پر کیا جاتا ہے کہ یہ فیصلہ لازم ہوگا اور ان کے ہاں مدعا علیہ کی حاضری عملہ کے ذریعہ اور جبرًا ہوتی ہے تو ثالث نہ ہوئے۔آپ دیکھتے نہیں کہ دستی تبادلہ سے ابتداءً بیع ہوجاتی لیکن جب پہلے یہ بیع باطل یا فاسد ہوچکی ہو تو اس کے بعد یہ دستی تبادلہ بیع نہیں بن سکتی کیونکہ اب یہ ایک اور سبب پر مرتب ہے تو یہاں بھی معاملہ ایسا ہے اور اسی وجہ سے سلف نے فرمایا کہ ایسا قاضی جس کا حکم نافذ ہوتا ہو بہت کم ہے اھ طحطاوی نے کہا اور بعض شافعی حضرات نے اس کو یوں تعبیر کیا ہے کہ یہ ضرورت کی بناء پر قاضی ہیں اس لئے کہ ہمارے معلومات میں تمام بلاد کے قاضی رشوت لینے اور دینے والے ہیں اھ،جو ہم نے قضاء کے باب کی ابتداء میں بیان کیا ہے اسے دیکھو۔(ت)

بست ویکم: بلکہ یہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی:

وفی الحامدیة عن جواھر الفتاوٰی قال شیخنا واما منا جمال الدین البزدوی انا متحیر فی ھذہ المسألة لااقدران اقول تنفذ احکامھم لما اری من التخلیط والجھل والجرائة فیھم، ولااقدران اقول لاتنفذ لان اھل زماننا کذٰلك فلو افتیت بالبطلان ادی الٰی ابطال الاحکام جمیعا یحکم	اور حامدیہ میں جواہر الفتاوٰی سے منقول ہے کہ ہمارے شیخ اور امام جمال الدین بزدوی نے فرمایا میں اس مسئلہ میں حیران ہوں، نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان کے حکم نافذ ہیں کیونکہ فیصلوں میں انکی جہالت، جرات اور خلط دیکھ رہا ہوں اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ نافذ نہیں ہیں کیونکہ ہمارے اہل زمانہ اسی طرح ہیں اگر میں باطل ہونے کا فتوی دوں تو اس سے تمام فیصلوں کا باطل ہونا لازم آتا ہے، اللہ تعالٰی ہی ہمارے اور زمانہ کے قاضیوں کے درمیان فیصلہ فرمائیگا

[1] ردالمحتار کتاب القضاء باب التحکیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۸۔۳۴۷

اللہ بیننا وبین قضاۃ زماننا افسدوا علینا دیننا و شریعۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یبق منھم الاالاسم والرسم اھ [1]۔	انہوں نے ہمارا دین اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت کو فاسد کیا اب ان میں دین و شریعت کا صرف نام ورسم باقی ہے اھ۔(ت)

سبحان اللہ! ائمہ کرام وعلمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یوں فرمائیں، بعض حیران ہوں کہ ان کو کیونکر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انہیں قاضی ضرورت ماننا جیسا کہ علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت احمر سے بھی زیادہ نادر ہے یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں فسبحن مقلب القلوب والابصار۔

بست ودوم: اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے، مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا، پھر زعم ضرورت کی کیا گنجائش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن و تبدیل شریعت واقع ہوئی والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

بست وسوم: جب خاص جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام نصوص کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی و قیاس بے معنی کے کیا معنی، اور ایسی جگہ ھذا ما استقر علیہ رائی (میری رائے اسی پر قائم ہوئی ہے۔ت) کی صدا لگانی کس نے مانی۔

بست وچہارم: بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی۔

بست وپنجم: اینہم بر علم تو نص قرآنی کے مقابل اجتہاد کیسا۔

بست وششم: بفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ و نصوص متواترہ تصریحات متظافرہ اور خود آیات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوی دینا حسب

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۰۴

تصریح علماء کرام جہل وخرق کا اجماع ہوتا، تصحیح القدوری پھر درمختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[1]۔	مرجوح قول پر فیصلہ اور فتوٰی جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے۔(ت)

جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ مہین۔

بست وہفتم: بفرض محال اگر مرجوح نہیں کوئی قول مساوی بھی گھڑلیا جاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روانہ ہوتا کہ مسائل مختلف فیہا میں فتوٰی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو، نہ اس پر کہ وقف کا انفی ہو **کما نصوا علیہ فی غیر ما کتاب** (جیسے کہ کثیر کتب میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی۔ت)

بست وہشتم: مفتی ومصدقین ومستفتی واہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾"[2]۔	اے نبی! خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ قف وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾"[3]	اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور اللہ کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں ہیں ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔

---

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۷،۱۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵-۱۳۶

ابوداؤد، ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:
ما اصر من استغفر[1] جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان الحق قدیم ولا یبطل الحق شیئ و مراجعۃ الحق خیر من التمادی فی الباطل[2]۔ رواہ الدار قطنی و البیھقی و ابن عساکر عن ابی العوام البصری۔	بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے (اس کو دار قطنی، بیہقی اور ابن عساکر نے ابو العوام البصری سے روایت کیا ہے۔ ت)

یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارسال فرمایا: خوشی و شادمانی ہے انہیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون[3] خطا کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے رواہ احمد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم وصححہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کو احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح کہہ کر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ت) حق کی طرف رجوع سے عار وسوسہ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرماچکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت تیار کر رکھی ہے، شیطان سمجھتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے۔

بست و نہم: یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا، کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑہ جہاں سے یہاں آیا، اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے، جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یوں ہی ان کا بطلان، ان سے رجوع ملک میں شائع کریں، اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے، خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے، حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات احادیث شتی من ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن الدار قطنی کتاب الاقضیہ والاحکام نشر السنۃ ملتان ۴/ ۲۰۷

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاعلمت سیئۃ فاحدث عندھا توبۃ السربالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ[1]۔رواہ الامام احمد فی الزھد و الطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جب تو گناہ کرے تو فورًا توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ۔(اس کو امام احمد نے زہد میں اور طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

افسوس کہ چھاپنے والے صاحب نے تمہید میں لکھا تھا "بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیّہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے" اور آخر میں لکھا تھا "یہ مضمون اہل اسلام ہند اور علمائے حنفیّہ کے روبروپیش کرنا ہے" ممکن کہ قریب مواضع دیوبند تھانہ بھون بھیجا اور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو، یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندہ خدا نے بھیجا اور اس کی صحت وبطلان سے استفتاء کیا اول ہی آجاتا تو مفتی و مصدقین پر حق جلد کھل جاتا۔ مانتا نہ مانتا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے،

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔	ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے اور اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہدایت فرماتا ہے۔(ت)

سیم: اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکمًا مجور و ممنوع التصرف کردئے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال، مظفر نگر، الہ آباد تین محکموں سے ۲۴/اگست لغایت ۷/ستمبر ۱۹۰۸ء صادر ہوچکے تھے، پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انہوں نے ۲۵/اگست ۱۹۰۸ء کو اپنی جائداد کا وقف نامہ لکھا اور ۲۵/ستمبر ۱۹۰۸ء کو اس پر رجسٹری ہوئی۔ احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے فک حجر متصور ہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی، بہر حال یہ قانونی بحث ہے، شریعت مطہرہ کے حکم میں بلاشبہہ وہ وقف صحیح ہو کر تام و نافذ و لازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہو کر خالص ملک الٰہی عزوجل ہوگئی، اور اب ان فتووں کی رُو سے ورثا وقف کو باطل کرکے اس پر مالکانہ قابض ہوگئے اس کا وبال عنداللہ مفتی و مصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات مالکانہ نسلًا بعد نسلٍ ہوا کرینگے ہمیشہ ان کا وبال مفتی و مصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچتا رہے گا

[1] الزہد للامام احمد بن حنبل ترجمہ الامام احمد بن حنبل الدیان للتراث قاہرہ مصر ص ۳۵

خود فتوے نے تسلیم کیا ہے کہ احکام قانونی شرعًا وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نامسلم تو نامسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطین اسلام اگر کوئی چیز زید کو برخلاف حکم شرع دلادیں وہ ہر گز اس کے لئے حلال نہ ہوجائے گی احکام سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے، سلاطین در کنار خود صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحوما اسمع فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ عن النار فلیأخذھا او لیترکھا[1]۔رواہ الائمۃ مالك واحمد و الستۃ عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	صاف ارشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا حق نہ ہو تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا گڑھا ہے چاہے اسے لے یا چھوڑ دے (اسکو امام مالک، احمد اور ائمہ صحاح ستہ نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

مفتی و مصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتش دوزخ کا ٹکڑا ورثہ کو دلایا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انہیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین (کاشتکاروں کا گناہ تجھی پر ہے۔ت) اللہ واحد قہار سے ڈریں اور "وَلَیَحۡمِلُنَّ اَثۡقَالَہُمۡ وَاَثۡقَالًا مَّعَ اَثۡقَالِہِمۡ ۫ وَلَیُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَمَّا کَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳﴾"[2] (اور وہ اپنا بوجھ اور اپنے بوجھ کے ساتھ مزید بوجھ اٹھائیں گے، اور ضرور ان سے قیامت کے روز ان کی افتراء بازی پر سوال ہوگا۔ت) کی جانگزا آفت سے پرہیز کریں۔ یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈر والے بندوں سے خالی نہیں اور نصیحت نفع دیتی ہے "وَّذَکِّرۡ فَاِنَّ الذِّکۡرٰی تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾"[3] (آپ یاد دہانی کرائیں تو بیشک یاد دہانی مومنوں کو نفع دے گی۔ت) ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے دوسروں کے بتانے میں آپ کے باطل

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴، صحیح البخاری کتاب الحیل و کتاب الاحکام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۰ و ۱۰۶۲، مؤطا امام مالک کتاب الاقضیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۳۲، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۳ و ۲۹۰ و ۳۰۸

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۱۳

[3] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۵

فتووں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر، مگر جب آپ حضرات خود ہی خوف خدا کرکے حق حکم ان پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقف خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور جب وہ رئیس جاگیر دار ہیں تو شائد اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر نہ ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ لاکھ جگہ بہتر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہوا گر خدا سے ڈرے اور اس مال کو چھوڑ دے حکام کو ہر گز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روز قیامت اللہ واحد وقہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور قلیل وذلیل و فانی مال چھوڑ کر جلیل وجزیل و باقی ثواب لیں۔ بہر حال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض خالص اسلامی عرض ہے۔ دیکھیں کون بندہ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی وثواب عقبٰی و ثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے، اللہ عزوجل توفیق دے۔

"فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾" [1] وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔	تو عنقریب یاد کروگے جو تمہیں کہہ رہا ہوں، میں اپنا معاملہ اللہ تعالٰی کے سپرد کرتا ہوں۔ تحقیق اللہ تعالٰی بندوں کو دیکھتا ہے، ہم کو اللہ تعالٰی کافی ہے۔ (ت)

وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین والحمدللہ رب العالمین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

مسئلہ ۱۱۵: از ریاست رامپور محلّہ لال قبر مرسلہ سید احمد حسن صاحب ۲۷ شوال المکرم ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ۱۵/ نومبر ۱۹۱۴ء کو ایک مکان خریدا، ۱۷/ جنوری ۱۹۱۵ء کو زید نے اس پر دعوی شفعہ کیا اور ۸/ جنوری کو علم بیع ہونا اور اسی وقت طلب مواثبات واشہاد بجالانا بیان کیا اور اس پر پانچ گواہ دیئے ہندہ نے سات گواہ تسلیم شفعہ کے پیش کئے حاکم نے ان گواہوں پر اعتماد فرماکر دعوی رد کردیا مدعی نے اپیل کی اور گواہان ہندہ پر بہت سی جرحیں نکالیں اور ان کے متعلق دو فتوے داخل کئے، سائل نے بریلی دارالافتاء سے

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۴۴

فتوٰی چاہااس پر فیصلہ واظہارات جملہ گواہان فریقین کی نقول باضابطہ لانے کا حکم ہوا، سائل نے نقول حاصل کیں اور حسب الحکم مع نقل ہر دو فتوائے مدخلہ مدعی حاضر دارالافتاء ہیں امید کہ بعد ملاحظہ حکم شرعی سے خالصًا لوجہ اللہ اطلاع عطا ہو۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب نقول مذکورہ مطلوبہ دارالافتاء مدخلہ سائل ملاحظہ ہوئیں باضابطہ نقلیں اس لئے طلب کی تھیں کہ تجربہ سے سائلوں کا خلاف روداد اظہار کرکے فتوٰی لینا ثابت ہولیا تھا جس میں سراسر اضاعت وقت دارالافتاء تھی، فیصلہ واظہارات کا ملاحظہ بنگاہ اولین بتاتا ہے کہ مدعی اپنے دعوٰی شفعہ کو بروجہ شرعی ثابت کرنے میں محض ناکام رہا، عند الشرع دعوٰی واجب الرد ہے جیسا کہ ذی علم فاضل مفتی نے کیا۔ تمام ابحاث کہ دونوں فتووں میں ظاہر کی گئیں ان پر فردًا فردًا نظر اور ہر باطل کا ابطال مستقل ایک وقت چاہتا تھا مگر ہر دو فتوے مدخلہ مدعی خود ہی رد دعوٰی کو کافی ووافی ہیں ان سے زیادہ ثبوت کی حاجت نہیں کہ وہ خود مسلمہ مدعی ہیں لہٰذا انہیں وجوہ مقبولہ مدعی ومفتیان مدعی سے بطلان دعوٰی ثابت کرکے صرف ایک وجہ شرعی اور اضافہ کریں جس کی طرف فیصلہ میں بھی توجہ مبذول نہ ہوئی۔

وجہ اول: پہلے فتوے میں گواہ ہندہ سید ابو القاسم پر یہ اعتراض ہے کہ اس کے بیان میں مدعی بہا کا تعین نہیں، مدعی بہا[عہ] یہاں مکان ہے اس کی تعیین کے دو طریقے ہیں: ایک نشان دہی، دوسرے بیان حدود۔ دونوں اس کے بیان میں نہیں، ایسی حالت میں گواہی کیونکر مقبول ہوسکتی ہے، اور اس پر قاضی خاں کی تین عبارتیں پیش کیں، سید ابو القاسم کے بیان میں وعدہ نشان دہی ہے کہ مکان کو موقع پر بتادوں گا۔ پانچوں گواہان مدعی نے بھی صرف وعدہ نشان دہی کیا ہے، جب وہ کافی نہیں تو مدعی کی پانچوں گواہیاں مدعا بہا سے خالی اور واجب الرد و نامقبول ہوئیں کہ ان میں نہ بیان حدود ہے نہ نشاندہی، بلکہ رحمت علی خاں نے صراحۃً کہا ہے مظہر حدیں مکان متنازعہ کی نہیں بتاسکتا، مظہر حدیں دیکھنے نہیں گیا تھا، گواہیوں میں وقت طلب شفعہ جانب مکان اشارہ مدعی کا بیان نہ گواہ کا اشارہ ہوا نہ بیان حدود۔ مدعی نے اس وقت اشارہ کیا ہو گواہ تو نہیں بتاتے کہ وہ کون سا مکان ہے جس کی طرف اشارہ کرکے طلب مواثبت کی تھی فتوٰی مدعی کو تسلیم ہے کہ اسکی

عہ: فتوے میں ہر جگہ یہ لفظ متدعویہ ہے کہ محض مہمل و بے معنٰی ہے ۱۲۔

تعیین کے دو ہی طریقے تھے: نشاندہی یا بیان حدود، اور وہ دونوں یہاں مفقود، لہذا پانچوں گواہیاں مردود۔

وجہ دوم: عجب یہ کہ گواہی ہندہ میں مکان خود مدعی بہ نہیں بلکہ اس کا دعوی تسلیم شفعہ کا ہے مکان صرف متعلقات دعوی سے ہے تو جہاں وعدہ نشاندہی کافی ہو کر صرف ایک شے متعلق دعوی کی تعیین نہ ہونے سے فتوائے مدعی نے شہادتوں کو نا ممکن القبول بنایا تو یہاں کہ خود مکان ہی مدعی بہ ہے وعدہ نشان دہی ناکافی ہو کر بیان گواہان میں اس کا عدم تعیین کیوں نہ ان تمام شہادات کو واجب الرد کرے گا۔

وجہ سوم: فتوے نے گواہان ہندہ محمد صدیق خاں، محمد سعید خاں، محمد علی خاں پر بھی یہی عدم تعیین مدعی بہ کا اعتراض کرکے فرمایا اس لئے شہادت ان کی بالمجہول شرعاً لغو و باطل ہے اور اس پر قاضی خاں اور عالمگیریہ کی عبارتیں پیش کیں۔ یہ سب سے عجیب تر ہے ان تینوں کے اظہار خود موقع پر ہوئے اور نقول میں ہر ایک کے ساتھ صاف تصریح ہے کہ نشاندہی کردی تو **اولاً:** ان کی شہادت کو بالمجہول کہنا کیسا صریح لغو و باطل ہے۔

ثانیاً: جب بالفعل نشاندہی بھی تعیین کو کافی نہ ہوئی تو پانچوں گواہان مدعی کے بیان میں کہ نشاندہی کا صرف وعدہ ہے سو درجہ زائد ان کی شہادت بالمجہول و لغو و باطل کرے گا۔

وجہ چہارم: وہی کہ گواہی مدعا علیہا میں مکان مدعی بہ نہیں جب یہاں نشاندہی کافی نہ ہوئی شہادات مدعی میں کہ خود مکان مدعی بہ ہے وعدہ کس درجہ باطل و ناکام ہوگا۔

تنبیہ: ان افادوں کے بعد دارالافتاء کو اس بحث کی طرف توجہ کی اصلاً حاجت نہیں کہ اس عدم تعیین کا جواب فیصلہ میں یہ فرمایا کہ تسلیم اسقاط ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور فتوے نے اس پر رد کیا کہ اس حالت میں ہے کہ اسقاط بالفاظ صریحہ ہوا ہو ورنہ تسلیم لغو بعد تسلیم اختیار دعوی حاصل، اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی، اگرچہ یہ جواب ہرگز صحیح نہیں۔

اولاً: وہ عبارت عالمگیری تسلیم دلالۃً میں ہے مثلاً خبر بیع سن کر خاموش رہنا اٹھ جانا یا مشتری سے مبیعہ کی خریداری یا ہبہ یا اجارہ کی خواہش، اور یہاں تسلیم ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے کہ اچھی بیگم نے مکان خرید لیا میں بہت خوش ہوا، اس کے لینے سے میں خوش ہوں، مناسب ہے، اچھا کیا، یہ دلالۃً تسلیم کی شق میں کیونکر جاسکتے ہیں۔

ثانیاً: دلالۃً تسلیم میں بھی صرف علم شفیع بالبیع درکار ہے نہ کہ تسلیم میں تعیین حدود جس پر

یہاں بحث ہے، خود اسی عبارت عالمگیری میں تسلیم صریح امایجری مجراہ میں فرمایا:

سواء علم بالبیع اولم یعلم ان کان بعد البیع[1]۔	بیع کے بعد ہو تو بیع کا علم ہو یا نہ ہو برابر ہے۔(ت)

اور دلالۃً میں فرمایا:

لایسقط حقه ثمه الابعد العلم[2]۔	وہاں حق ساقط نہ ہوگا مگر علم کے بعد۔(ت)

وجہ پنجم: فتوے نے گواہ ہندہ سید اچھے میاں کی شہادت پر یہ اعتراض کیا کہ تعیین و تعریف مدعی و مدعا علیہ کی کرنا گواہ پر ضروری ہے بلااس کے گواہی نامعقول ہے اور تعریف و تعیین بصورت موجودگی مدعی و مدعا علیہ وقت ادائے شہادت اشارہ سے چاہئے یہ یہاں مقصود ہے اوراس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی۔ گواہ کے لفظ یہ ہیں: "اس میں پیارے میاں صاحب مدعی حاضر عدالت نے فرمایا یہ مکان تم نے اچھی بیگم کے نام خریدا ہے مناسب ہے"۔ اگر مدعی کا نام اور یہ صفت کہ مدعی اور یہ وصف کہ حاضر عدالت ان تینوں کا اجتماع تعیین و تعریف کے لئے کافی نہیں بلکہ بوجہ حضور مدعی خاص اشارہ ہی لازم تھا تو مدعی کے پانچوں گواہوں میں بعینہٖ یہی حالت ہے ایک نے بھی مدعی کی طرف اشارہ نہ کیا سب نے پیارے میاں مدعی حاضر عدالت ہی کہا ہے یا برادر مدعی سید وزیر علی نے اتنا اور بڑھایا جن کو شجاعت علی کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ بحکم فتوائے مدخلہ مدعی پانچوں گواہان مدعی کی گواہیاں مردود ہیں۔

وجہ ششم: دوسرا اعتراض اسی گواہ پر عدم تعیین مدعا علیہا سے کیا کہ بصورت عدم موجودگی عام آدمی کی تعیین ولدیت وغیرہ سے چاہئے تھی وہ بھی متحقق ان کے بیان میں نہیں ہے لہٰذا شہادت ان کی شرعاً ہرگز قابل قبول نہیں اس پر بھی وہی عبارت عالمگیری سند ہے یہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ سید اچھے میاں نے صرف اچھی بیگم کہا اور گواہان مدعی سوائے سید وزیر علی کے بیان میں بھی اگرچہ اچھی بیگم کی ولدیت مذکور نہیں مگر خبر وطلب یعنی شاہ علی حیدر کے اخبار اور مدعی کے طلب شفعہ میں بیان زوجیت ہے مخبر نے کہا مکان مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے مول لیا الخ مدعی نے کہا جس قیمت کو یہ مکان مدن میاں کی بیوی اچھی بیگم نے مول لیا، فتوٰی میں یہ عبارت عالمگیری اس لفظ تک نقل فرمائی:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۸۲

یحتاج الی تسمیۃ الشھود اسم المیت واسم الغائب واسم ابیھما[1]۔	گواہوں کے نام اور میت اور غیر حاضر اور ان کی ولدیت کے نام ضروری ہیں۔(ت)

اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیان ولدیت ضرور ہے جس سے چاروں گواہان مذکورہ مدعی کے بیان بھی خالی ہیں مگر یہاں کارروائی اور ہے فتوے نے ناقص عبارت نقل کی اور اس کا تتمہ کہ مضر جملہ شاہدان مذکور مدعی تھا چھوڑ دیا اس کے بعد عبارت عالمگیری یوں ہے:

واسم جد ھما شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف وھکذا ذکر فی الشروط، ومن مشائخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللّٰہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللّٰہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ، والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذافی البحر الرائق[2]۔	یعنی غیر مشہور شخص کہ حاضر نہیں ضرور ہے کہ اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے دادا کا نام گواہ لیں امام خصاف نے تعریف کیلئے دادا کا ذکر شرط فرمایا ہے کہ ایسا ہی کتاب الشروط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دادا کا نام لینا ضروری ہونا حضرت سیدنا امام اعظم وامام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے، امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک باپ کا نام کافی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا نام لئے بغیر چارہ نہیں ایسا ہی بحر الرائق میں ہے۔

یہاں تک عالمگیری کی پوری عبارت تھی جس میں صرف باپ کے نام تک نقل فرما کر باقی چھوڑی اب اگر ولدیت کی حاجت نہ بھی ہو تو عبارت مذکورہ کا صاف ارشاد ہے کہ ایک تقیید کافی نہیں دو ضرور ہیں یہی ہمارے امام مذہب کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے تو ان گواہان مدعی نے کہ فقط مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے کہا ایک ہی تقیید ہوئی اور تعیین کے لئے ناکافی ہو کر صحیح مذہب امام اعظم میں شہادتیں مردود ہوئیں جب آدمی اور اس کے باپ کا نام کافی نہیں کہ دو تک شرکت نادر نہیں، ممکن کہ اور شخص بھی اس نام کا ہو جس کا باپ بھی اس کے باپ کا ہمنام ہو لہٰذا نام جد ضروری ہے عورت اور اس کے شوہر کا نام کیوں کافی ہونے لگا، یہاں بھی ممکن کہ اور عورت بھی اس نام کی ہو جس کا شوہر بھی اس کے شوہر کے ہمنام ہو، لہٰذا تقیید دیگر بھی ضروری ہے رہے سید وزیر علی، انہوں نے ضرور دو نام لئے شوہر کے ساتھ اچھی بیگم کے باپ کا نام ایوب شاہ بھی بتایا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

مگر افسوس کہ شوہر کا نام ودن میاں لیا اور شاہ حیدر علی کے بیان میں بھی یونہی کہا کہ مکان اچھی بیگم ودن میاں کی بی بی نے خرید لیا، یہ نام لینا نہ لینے سے بدرجہا بدتر ہوا، نہ لیا جاتا تو مدعاعلیہا میں ایک نوع جہالت رہی اور نام بدل دیا تو مدعاعلیہا خود بدل گئی کہ وہ اچھی بیگم بنت ایوب شاہ جو مدن میاں کی بی بی ہے یقیناً اس اچھی بیگم بنت ایوب شاہ کی غیر ہے جو اسی وقت میں ودن میاں کی بی بی ہو، اس کے بیان کو بھی یہی فتوائے مدخلہ مدعی کافی ہے، مدعاعلیہا کے گواہ محمد شاہ خاں کے بیان میں یہ جملہ واقع ہوا مظہر اچھی بیگم مدعاعلیہا کو جانتا ہے اس کے باپ کا نام ایوب علی ہے، اس پر فتوے نے اعتراض فرمایا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے ولدیت مدعاعلیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے اور اس پر عالمگیری کی سند دی، یونہی یہاں بھی سید وزیر علی کی نسبت کہا جائے گا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انہوں نے زوجیت مدعاعلیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ شاہد ہے اس کو خود تسلیم ہے لہٰذا اس کی گواہی کیونکر قبول ہو سکتی ہے، بلکہ انصافاً ایوب شاہ وایوب علی میں وہ تباین نہیں جو مدن میاں وودن میاں میں ہے ممکن کہ نام ایوب علی شاہ ہو اور اختصاراً کسی نے ایوب شاہ کہا کسی نے اخیر کا کلمہ تعظیمی کم کرکے ایوب علی، بخلاف مدن وودن کہ قطعاً دو متغائر نام ہیں بہر حال اسی وجہ ششم پر بھی پانچوں شہادات مدعی رد ہیں۔

وجہ ہفتم: مدعی کے فتوائے اولیٰ نے جملہ شہادات مدعی کو ان چھ وجوہ سے باطل کیا نہ یوں کہ مجموع پر چھ ہوں بلکہ ہر گواہی چھ وجہ سے مردود ہے، اب اس فتوے میں بعض شہادتوں پر دو اعتراض اور ہیں کہ وہ بھی مدعی کی بعض شہادات پر وارد ہیں یونہی بعض دیگر ابطال مدعی کے فتوائے دوم سے ہے یوں مل کر ان فتووں نے ساتویں وجہ سے جملہ شہادات مدعی باطل کی ہیں ان کا بیان سنئے:

اول: شہادت محمد شاہ خاں پر تبدیلی نام کا اعتراض کہ اس سے سخت تر شہادت سید وزیر علی پر وارد ہے:

دوم: شہادت منور حسین پر اس کا جز و بیان غلط ہونے سے اعتراض کہ اس نے کہا مجھے سمن وصول ہو گیا تھا حالانکہ واقع میں اس وقت تک وصول نہ ہوا تھا فتوے نے اس کی نسبت

کہا تھا کہ عدالت کو بھی تسلیم ہے ہم نے فیصلہ میں کہیں اس کی صریح تسلیم نہ پائی بلکہ جواب وہ دیا ہے کہ بر تقدیر وقوع بھی شہادت سے دفع مضرت کرے جس کا بیان عنقریب آتا ہے بہر حال یہ اعتراض گواہ مدعی احسان خاں بلکہ ننھے مرزا پر بھی ہے ان کے کلام میں بھی تناقض ہے ننھے مرزا نے کہا مظہر گل نور خاں کے چبوترہ پر قریب مکان متنازعہ بیٹھا ہوا تھا اس کو عرصہ کوئی ڈھائی مہینہ کا ہوا پھر کہا مظہر چبوترہ کے نیچے بیٹھا تھا اور آدمی چبوترہ پر تھے اسے اگر استدراک ہی کہئے تو احسان خاں نے اولاً کہا جب سے مظہر اس جلسہ میں آیا اور جب تک گیا مظہر سے کسی کی بات نہ ہوئی، بعد کو لکھا یا مظہر گل نور خاں سے باتیں کر رہا تھا یہ ضرور تناقض ہے اور تناقض میں کذب سے مفر نہیں کہ دونوں باتیں سچی نہیں ہو سکتیں، عالمگیری میں مبسوط سے ہے:

لم تقبل شہادتھما لانا نتیقن بکذب احدھما[1]۔	دونوں کی گواہی قبول نہ ہوگی دونوں میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا ہمیں یقین ہے۔(ت)

فیصلہ نے منور حسین خاں کی طرف سے وہ جواب دیا کہ وہی احسان خاں اور ننھے مرزا پر سے اس اعتراض کا جواب ہوتا یعنی یہ امر صلب شہادت سے خارج ہے اور شرعاً نقص غیر مشہود بہ مضر شہادت نہیں اور اس پر یہ عبارت شرح وقایہ تحریر فرمائی:

الاکذاب فی غیر المشھود بہ لایمنع القبول[2]۔	مشہود بہ کے غیر میں جھٹلانا قبولیت کے لیے مانع نہیں ہے۔(ت)

یہ عبارت اگرچہ چنداں متعلق نہ ہو کہ کلام کذب میں ہے نہ اکذاب میں بلکہ اس کے لیے یہ عبارت خلاصہ وہندیہ ہے کہ:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر[3]۔	غیر ضروری معاملہ میں تناقض مضر نہیں ہے۔(ت)

مگر فتوائے مدعی نے خود بھی کذب واکذاب میں فرق نہ کرکے اس کا یہ رد کیا کہ بصورت منسوب ہونے گواہ کے صریح جھوٹ کے ساتھ گواہی اس کا نامقبول ہے خواہ یہ لغو بیانی اس کی مشہود بہا سے خارج ہو یا نہ ہو اور اس پر عبارت عالمگیری پیش کی:

فی العیون، شھد الرجلان علی اٰخر	عیون میں ہے کہ دو گواہوں نے ایک شخص کے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشھادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

[2] شرح الوقایۃ کتاب الشھادات باب قبول الشھادۃ وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۶۹

[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

بالف وانه قد قضاه خمسمائة وقال الطالب لی علیه الف وما قضانی شیئا والشهود او هموا فی الشهادة علی القضاء تقبل شهادتهما ان عدلا ،ولو قال شهادتهم بالالف حق وبالقضاء باطل لاتقبل شهادتهما لانه نسبهما الی الفسق کذافی المحیط[1] (ملتقطا)	ذمہ ہزار کی گواہی دی اور کہا کہ پانصداس نے ادا کردئے ہیں جبکہ مدعی کہتا ہے کہ میرا اس کے ذمہ پورا ہزار ہے ابھی اس نے کچھ بھی ادا نہیں کیا اور گواہوں کو ادائیگی کے متعلق شہادت میں وہم ہوا ہے توان کی شہادت قبول ہوگی بشرطیکہ دونوں گواہوں کو عادل قرار دیا گیا ہو،اور اگر طالب یعنی مدعی نے کہاان گواہوں کی ہزار کے متعلق گواہی حق ہے اور ادائیگی کے متعلق شہادت باطل ہے تو گواہوں کی شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں اس نے گواہوں کی نسبت فسق ظاہر کیا ہے، محیط میں ایسے ہی ہے (ملتقطا۔(ت)

مگر نہ جانا کہ صورت عالمگیری کو یہاں سے کچھ علاقہ نہیں جب مدعی ہزار روپے کا مطالبہ بتاتا ہے اور گواہ کہتے ہیں ہزار تھے پانسو ادا ہوچکے ہیں تو وہ صراحۃً ہزار کے مطالبہ کو غلط اور صرف پانسو کا مطالبہ بتارہے ہیں اسے مشہود بہ سے خارج ماننا عجیب ہے۔

سوم: یہاں تک فتوائے اولٰی کے حرف حرف پر کلام ہولیا اب دوسرا سنئے:

فتوائے ثانیہ مدعی کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اولاً: مدعاعلیہ کا بیان تھا کہ ۱۵/نومبر یعنی تاریخ بیع ہی میں مدعی کو علم بیع ہوا، مدعی شریک مشورہ تھا، اس نے بعد البیع تسلیم کی ان میں پہلے دو فقرے کسی گواہ مدعاعلیہا نے بیان نہ کئے تو شہادت مطابق دعوی نہیں لہذا نامقبول، عینی میں ہے:

موافقة الشهادة للمدعی ان تتحد انواعا وکما و زمانا[2]۔	مدعی کے لئے شہادت کی موافقت یوں ہے کہ وہ نوع، مقدار اور زمانہ کے اعتبار سے متفق ہوں۔(ت)

ثانیاً گواہان مدعاعلیہا میں محمد سعید خاں، محمد صدیق علی خاں جن کی شہادت ۲۳/اپریل کو ہوئی اس وقت چار مہینے پہلے مدعی کا وہ قول بتاتے ہیں کہ مکان اچھی بیگم نے مول لیا، میں خوش ہوا، تو حساب سے اس قول کا وقت اواخر دسمبر آتا ہے اور منور حسین خاں، محمد شاہ خاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۹۵

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ للعینی کتاب الشہادات المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۳/ ۳۴۷

سید اچھے میاں شروع جنوری روز جمعہ کو مدعی کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں اور خود مدعاعلیہا ۱۵ نومبر ہی کو وقوع تسلیم بتاتی ہے اب بیان گواہان کو موجب تسلیم مانیے یا تسلیم گزشتہ کی خبر۔ بر تقدیر اول جبکہ حسب بیان مدعاعلیہا شفعہ ۱۵ نومبر کو تسلیم و ساقط ہوچکا تھا، پھر دسمبر و جنوری میں مکرر سقوط کیسا، **الساقط لایعود** (ساقط شدہ بحال نہیں ہوتا۔ت) بر تقدیر ثانی خبر کے لئے مخبر بہ کا ثبوت لازم، مخبر بہ قول مدعاعلیہا ہے بیان گواہان سے جس کا ثبوت نہیں لہٰذا یہ خبر تسلیم ثبت تسلیم نہیں۔

ثالثاً: مدعاعلیہا ۱۵ / نومبر کو تسلیم بتاتی ہے گواہ بعد کو، تو دونوں بیان متعارض ہو کر ساقط ہوں گے اور حق شفعہ جو طلبین سے مستقر ہوچکا ہے ثابت رہے گا۔ قاضیخاں میں ہے:

المدعی اذا اکذب الشھود فی ماشھدوالہ اوفی بعضہ لاتقبل شھادتھم [1]۔	مدعی جب گواہوں کو اپنے حق میں کل بیان یا بعض کو جھٹلادے تو شہادت قبول نہ ہوگی (ت)

یہ حاصل ہے تمام تطویل فتوائے ثانیہ کا، بلکہ زیادت ضبط وایضاح کے ساتھ، مگر افسوس کا محل ہے کہ اس میں ایک حرف بھی صحیح نہیں،

اولاً: مدعی علیہا کا دعوی تسلیم شفعہ بعد العلم بالبیع ہے اس کے سوا تعیین وقت نہ اس کے دعوی کا حقیقۃً جز ہے نہ مدار، نہ اس کے بیان کی حاجت نہ اس میں اختلاف سے مضرت، تسلیم یہاں بالقول ہوئی، اور قول قابل تکرر ہے، اور شہود ایک جلسہ خاصہ کا بیان نہیں کرتے بلکہ صراحۃً جدا جلسوں کا ذکر کرتے ہیں، قول محض میں اگر شہادتیں یا شہادت و دعوی دربارہ زمانہ ایسا اختلاف کریں اصلاً کچھ مضر نہیں، نہ ہر گز اسے شہادت و دعوی یا باہم دو شہادتوں کی عدم مطابقت کہہ سکیں، عالمگیری میں ہے:

ان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ و الطلاق والعتاق و الصلح والابراء، واختلفا فی البلدان او فی الشھود جازت شھادتھما ولا تبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فی الایام والبلدان الاان یقولا کنامع الطالب	جس چیز کی شہادت ہے وہ اگر خالص گفتگو ہے مثلاً بیع، اجارہ، طلاق، عتاق، صلح اور بری کرنا جن کا تعلق زبان سے ادائیگی کے ساتھ ہے، اور گواہوں نے ان امور میں علاقے یا مہینے کے بیان میں اختلاف کیا تو دونوں کی شہادت قبول ہوگی، اور دونوں گواہوں کا ایام، شہروں کا اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا، مگر اس صورت میں

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشھادت فصل فی تکذیب المدعی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۵۰

فی موضع واحد فی یوم واحد ثم اختلفا فی الایام و المواطن و البلدان فان اباحنیفة رضی اللہتعالٰی عنه قال انا اجیز الشهادة وعلیهم ان یحفظوا الشهادة دون الوقت وقال ابو یوسف رحمه الله تعالٰی الامر کما قال ابوحنیفة رضی اللہتعالٰی عنه فی القیاس وانا استحسن وابطل هذه الشهادة بالتهمة الاان یختلفا فی الساعتین من یوم واحد فیجوز کذا فی فتاوٰی قاضیخان [1] (ملتقطًا)	جب دونوں یہ کہہ چکے ہوں کہ ہم دونوں ایک جگہ ایک وقت میں طالب کے ہمراہ تھے پھر اس کے بعد ایام، مقامات اور شہروں کا اختلاف بیان کریں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں اس شہادت کو جائز قرار دوں گا کیونکہ گواہوں کے ذمہ اصل شہادت کو محفوظ کرنا ہے نہ کہ وقت کو، اور امام ابویوسف فرماتے ہیں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد قیاس کے مطابق ہے میں استحسان کرتا ہوں اور میں اس شہادت کو تہمت کی بناء پر باطل کہتا ہوں، ہاں اگر دونوں کا اختلاف صرف ایک دن میں مختلف گھنٹوں کے متعلق ہو تو شہادت جائز ہوگی، فتاوٰی قاضیخان میں یونہی ہے۔(ملتقطا)۔(ت)

ثانیًا: اعتراض دوم عجیب منطق ہے اس شہادت میں موجب و مخبر کی تردید کیسی، شہادت ہمیشہ مخبر ہی ہوتی ہے اس کی تعریف ہی میں اخبار بحق، داخل ہے اور مخبر بہ صرف قول مدعا علیہا ہونے سے ایراد اس سے بھی عجیب تر، مخبر بہ ہمیشہ دعوی ہوتا ہے اور دعوی ہمیشہ قول صرف مدعی۔ اسی کے اثبات کے لئے شہادت ہوتی ہے شہادت سے پہلے اس کا ثبوت درکار ہو تو شہادت لغو ہے کہ امر ثابت کیا محتاج اثبات ہے اور اگر یہ مقصود کہ اس کا دعوی اور ان کا بیان زمانًا مختلف ہے تو یہ وہی پہلا اعتراض ہے جس کا رد ہو چکا۔

ثالثًا: یہی حال تعارض کا ہے نفس تسلیم میں دعوائے مدعا علیہا و جملہ شاہدان مدعا علیہا متفق ہیں، اختلاف اگر ہے تو زمانہ کا، اور وہ قول محض میں مضر نہیں ہے۔ عالمگیری میں ہے:

شهدا ان فلانا طلق امرأته فشهد احدهما انه طلقها بالبصرة والاٰخر انه طلقها بالکوفة.لو شهدا بذٰلك فی یومین متفرقین من الایام	دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے ایک نے کہا بصرہ میں دوسرے نے کہا کوفہ میں دی ہے، اگر دونوں نے متفرق دنوں کی بات کی ہے جن میں کوئی شخص اپنی سواری

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الشهادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۸-۵۰۷

وبینھما قدر مایسیر الراکب من الکوفة الی مکة جازت شھادتھما [1] (ملتقطًا)	کے ذریعے ان دونوں شہروں میں سے ایک سے دوسرے میں پہنچ سکتا ہو مثلاً کوفہ سے مکہ تک ان دونوں میں جاسکتا ہے تو شہادت جائز ہوگی (ت)

یہ رد ہے اس تمام فتوائے ثانیہ کا، اور شفعہ بہ ثبوت طلبین مستقر ہولینے کا ردی حال ہمارے بیانات سابقہ ولاحقہ سے واضح۔ خیر یہ تو اس فتوے کی حالت تھی۔ کہنا یہ ہے کہ بفور علم بالبیع طلب مواثبت واشہاد بجالانا قطعًا ایسی چیز ہے کہ دوبارہ نہیں ہوسکتی کہ علم بالبیع متکرر نہیں ہوسکتا تو مدعی اور اس کے شاہدان کا بیان وقت میں بھی یقینا متفق چاہئے، اگر زمانہ اس کے زمانہ سے آگے پیچھے بتائیں تو شہادت و دعوی ضرور مختلف ہیں اور وہی عبارات ہدایہ و عینی کہ فتوائے ثانیہ نے رد شہادات مدعا علیہا کے لئے زعم کی تھیں، رد شہادات مدعی کو کافی ووافی ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ مدعی نے علم بالبیع اور بفور علم طلب کی تاریخ ۸/ جنوری بتائی اس کی گواہیاں ۲۰/ مارچ کو گزریں کہ اکہتر دن یا دو مہینے گیارہ دن کا فاصلہ ہے، لیکن سید گوہر علی کے بیان میں ہے کہ کوئی مہینہ سے کم کم ہوا ہوگا لہذا شہادت مخالف دعوی ومردود، رحمت علی خاں بالتعیین بلا تخمین کہتا ہے عرصہ دوڈھائی ماہ کا ہوا جس کے پچھتّر دن ہوئے، بیان مدعی سے چار دن زیادہ، احسان خان اگرچہ تخمینہ کرتا ہے مگر زائد کا، اور اس سے بھی زیادہ کی طرف بڑھتا ہے، وہ زائد دن میں تردد کرتا ہے کہ کوئی عرصہ تخمینًا ڈھائی پونے تین مہینے کا ہو یعنی پچھتّر ۷۵ یا بیاسی ۸۲ یا تراسی ۸۳ دن ہوئے اور مدعی کے قول سے اکہتر ہی ہیں تو دو گواہ وجوہ خاصہ سے فتوائے اولٰی نے رد کئے تھے تین فتوائے ثانیہ نے رد کئے، پانچوں رد ہوگئے بلکہ عندالتحقیق خود یہ فتوائے ثانیہ ہی پانچوں کو رد کردے گا، سید وزیر علی اور ننھے مرزا نے اگرچہ عرصہ تخمینا ڈھائی ماہ کا کہا جو بیان مدعی سے موافقت کو بھی متحمل ہے مگر امر محتمل شہادت میں نہیں لیا جاتا کہ احتمال جانب مخالفت کا بھی رہا اور موافقت دعوی کی شرط قبول شہادت تھی ثابت نہ ہوئی ولہذا اگر گواہ زمانہ مرور بیان کرے بوجہ جہالت مردود ہے، جہالت تخمینہ میں بھی موجود ہے، یہ متحقق نہ ہوا کہ یہ واقعہ آٹھ ہی جنوری کا ہے، ممکن ہے کہ قبل کا ہو، تو دعوی سے مطابقت کب ہوئی۔ عالمگیری میں ہے:

شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذاالمدعی علیہ دہ دوازدہ درم لاتقبل لمکان الجھالة، وکذٰلك اذاادعی دہ دوازدہ	گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے فلاں مدعا علیہ پر دس بارہ درہم ہیں، شہادت قبول نہ ہوگی اور یونہی جب مدعی نے اپنے دعوی میں دس بارہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

درہم لاتسمع دعواہ وکذٰلك اذاذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذاالوجہ بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لا تسمع دعواہ،وکذٰلك اذاذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجہ لا تقبل شھادتھم کذافی الذخیرۃ[1]۔	درم کہا تو دعوی قابل سماعت نہ ہوگا،اور یوں جب تاریخ کو دعوی میں اس انداز سے بیان کرتے ہوئے کہا دس بارہ سال سے اس چیز کا مالک ہوں تو سماعت نہ ہوگی اور یونہی گواہوں نے اگر تاریخ کو اسی انداز سے بیان کیا تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ذخیرہ میں ایسے ہی ہے۔

وجہ ہشتم: یہاں تک گواہان مدعی علیہا پر تمام اعتراضات کارد ہوگیا۔ہر دو فتوائے مدعی کا ایک ایک فقرہ مسترد ہوگیا اور روشن ہوا کہ وہ فتوے اگرچہ بظاہر تائید مدعی کے لئے ہیں حقیقۃً ابطال دعوی شفعہ کررہے ہیں ان سے ایک ایک گواہی مدعی سات سات وجہ سے مردود ہے۔اب ہم وہ وجہ ذکر کریں جس کا وعدہ کیا تھا،ثبوت شفعہ کے لئے لازم ہے کہ دار مشفوع بہا جس کے ذریعہ سے شفیع دعوی شفعہ کرے قبل بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع میں رہے کہ وقت بیع اس کی ملک شرط شفعہ ہے اور بعد بیع قبل حکم اس کا اپنی ملک سے اخراج دلیل اعراض ہے ولہٰذا اگر مشتری مشفوع بہا میں ملک شفیع تسلیم نہ کرے شفیع کی طرف سے اس مضمون کی شہادت لازم ہے کہ مشفوع بہا قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک ملک شفیع ہے ہمارے علم میں اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی،اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ مشفوع بہا ملک شفیع ہے کافی نہ ہوگا۔عالمگیریہ شرائط شفعہ میں ہے:

منہاملك الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بہا الشفعۃ[2]۔	شرائط میں سے شفعہ کرنے والے کی سودے کے وقت اس مکان کی ملکیت ہے جس کی بناء پر شفعہ کررہا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

یبطلہا بیع مایشفع بہ قبل القضاء	شفعہ کے فیصلہ سے قبل شفعہ کا سبب بننے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

بالشفعۃ مطلقا علم ببیعھا ام لا و کذا لو جعل ما یشفع بہ مسجدا [1]۔	والی زمین کو فروخت کرنا مطلقاً شفعہ کو باطل کردے گا اس کی بیع کا علم ہو یا نہ ہو اور یوں ہی اگر اس زمین کو مسجد بنادیا ہو (ت)

نیز درمختار میں ہے:

واذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربھا او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع انھا ملکہ سألہ عن الشراء [2] الخ۔	جب شفعہ والا مطالبہ کرے تو قاضی دوسرے فریق سے اس مکان کی ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کے سبب شفعہ کا دعوی کیا ہے اگر وہ فریق مدعی کی ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم سے متعلق قسم دینے سے انکار کردے یا مدعی اس کی اپنی ملکیت پر شہادت پیش کردے تو پھر قاضی اس مکان کے سودے کے متعلق سوال کرے الخ۔ (ت)

ردالمحتار میں زیر قولہ برھن الشفیع (شفعہ والا گواہ پیش کرے۔ت) محیط سے اور عالمگیری میں محیط وذخیرہ سے ہے:

فی الاجناس بین کیفیۃ الشھادۃ فقال ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا الدار وھی لہ الی ھذہ الساعۃ لانعلمھا خرجت عن ملکہ فلو قال ان ھذہ الدار لھذا الجار لایکفی [3]۔	اجناس میں شہادت کی کیفیت کے بیان میں ہے، تو فرمایا کہ گواہوں کو چاہئے کہ وہ یہ بیان کریں کہ مدعی فروخت شدہ مکان کے پڑوسی والے مکان کا اس مکان کی فروخت سے قبل تاحال مالک چلا آرہا ہے اور مدعی ہی مالک ہے اس کی ملکیت سے خارج ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ پڑوس کا یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہ ہوگا۔ (ت)

یہاں مشتریہ نے مشفوع بہا میں ملک مدعی تسلیم نہ کی تو مدعی پر اقامت بینہ بروجہ مذکور لازم تھی پانچ

---

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۹، ردالمحتار کتاب الشفعہ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۴۴

گواہوں میں سے تین نے تواس کا نام ہی نہ لیا، ننھے مرزا نے یوں کہا "مدعی جس مکان میں رہتا ہے وہ ملکیت سولہ. برس سترہ برس سے گویا کہ مدعی کی اب تک ہے" گویا کو شہادت سے کیا علاقہ۔ اور آگے چل کر اور بھی تخریب کردی کہ مظہر نے محلّہ میں مظفر شاہ کی زبانی سنا کہ مدعی کا مکان جس میں مدعی رہتا ہے ملک کی گواہی اور ایک شخص کی سماعی، ہاں صرف برادر مدعی سید وزیر علی نے کہا ہے کہ جس مکان کے ذریعہ سے مدعی نے مکان کے شفعہ کا دعوی کیا ہے وہ مکان قبل بیع سے اب تک ملک مدعی میں ہے یہ شہادت بھی باطل ہے،

اولاً: ملک مکان پر شہادت کے لئے ضرور ہے کہ یا مکان حاضر کی طرف اشارہ ہو جیسا ابھی عبارت عالمگیری سے گزرا کہ:

ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة[1]۔	بیشک یہ مکان جو فروخت شدہ مکان کے پڑوس میں ہے۔ (ت)

یا غائب ہے تو اس کے حدود کا بیان ہو، عالمگیریہ میں ہے:

فی الشھادة علی المحدود لا بد من ذکر الحدود کذا فی الخلاصة[2]۔	محدود چیز کے متعلق شہادت میں اس کے حدود کو بیان کرنا ضروری ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

یہاں دونوں مفقود، لہٰذا شہادت مردود۔

ثانیاً: یہ وہی گواہی ہے جس میں تبدیل نام واقع ہوئی ہے جس کا بیان وجہ ششم گزرا۔

ثالثاً: کچھ نہ ہو تو تنہا ایک کی گواہی ہے ملک ثابت نہیں ہو سکتی لہٰذا سرے سے بنائے شفعہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اور دعوی بے ثبوت رہا، رہا یہ کہ خود اسی مکان متنازعہ فیہ کے بیعنامہ اسمی مدعاعلیہا میں حد شمالی مکان مولوی شجاعت علی تحریر ہے اور بیعنامہ عاقدین پر حجت ہوتا ہے لہٰذا یہ مدعاعلیہا کی طرف سے مکان مشفوع بہ میں ملک مدعی کی تسلیم ہے ذی علم فاضل مفتی صاحب نے اسی بناء پر تنقیح بحق مدعی فیصل فرمائی مگر ہماری تقریر سابق سے واضح ہے کہ صرف وقت بیع مشفوع بہا میں ملک شفیع کافی نہیں بلکہ جب سے وقت حکم تک ملک مستمر درکار ہے بیعنامہ سے ثابت ہوا تو اتنا کہ وقت بیع مذکور مکان مشفوع بہ ملک مدعی تھا اس سے وقت طلب اول حسب بیان مدعی بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۴۸۵

ملک مدعی ثابت نہیں ہوتی، نہ کہ اب تک کہ بیع ۱۵/ نومبر کو ہوئی اور مدعی نے وقت طلب ۸/ جنوری بیان کیا، ممکن ہے کہ اس بیچ میں اس کی ملک سے نکل گیا ہو اور یہاں استصحاب یعنی اس وقت ملک ثابت تھی اور زوال معلوم نہیں تو اب تک ملک مانی جائے گی کافی نہیں کہ یہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت دفع ہے نہ کہ حجت استحقاق، اور شفیع کو منظور استحقاق ہے تو استصحاب بکار آمد نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الظاہر لایصلح للاستحقاق فلا بدمن ثبوت ملکہ بحجۃ لاستحقاق الشفعۃ[1]۔	ظاہر حال کسی استحقاق کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو ثبوت ملکیت کے لئے اس کے پاس شفعہ کے استحقاق کی دلیل کا ہونا ضروری ہے (ت)

اگر کہئے یہ تنقیح تو فیصلہ میں بحق مدعی فیصل ہو چکی تو اس کا جواب بھی فتوائے اولٰی مدخلہ مدعی دے گا کہ تجویز عدالت بلا دلیل وحجت ہے شرعًا ہرگز قابل نفاذ نہیں۔ اشباہ میں ہے:

والحکم اذاکان لادلیل علیہ لم ینفذ انتہی[2]۔	جب حکم کی دلیل نہ ہو تو وہ نافذ نہیں ہوتا انتہی (ت)

بالجملہ ہر وجہ ہر جہت ہر پہلو سے دعوی مدعی باطل اور شریعت مطہر کے حکم سے فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا لازم واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶ تا ۱۱۸: از ضلع بجنور قصبہ نگینہ محلّہ میر سرائے مسئولہ جلال الدین عطار بروز یکشنبہ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام سوالات مندرجہ ذیل میں:

(۱) حافظ جلال الدین و نظام الدین ولد مولا بخش بھائی علاتی ہیں ان کو ترکہ میں نزاع ہے، اول یہ کہ دو دکانیں جن میں ان کے والد نشست و برخاست کرتے تھے حافظ جلال الدین مدعی ہیں کہ یہ ملک والد صاحب مرحوم سے ہے، اور نظام الدین کہتا ہے کہ والد صاحب کی نہیں بلکہ والدہ صاحبہ کو یہ ملی ہیں حافظ جلال الدین اپنے مدعا کے ثبوت میں منجملہ شہادتوں کے ایک شہادت حدود سے کرتے ہیں یعنی ان دکانوں کی جن کے مکانات سے حدود ملتے ہیں ان کے بیعنامہ کے حدود میں ملک والد صاحب کہتے ہیں اور لکھنے والے والد صاحب کی ملک بتلاتے ہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شہادت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الاولٰی الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۳

باوجود اس کے کہ سبب ملک والد صاحب نہیں بیان کرتے عندالشرع معتبر ہے یا نہیں، اگر معتبر ہے تو ناشی حکم (اس امر کا کھوج لگانا اور جرح کرنا کہ تم کو کس ذریعہ سے ملک مولا بخش معلوم ہوئی، یا تم نے بیعنامہ دیکھا ہے یا تمہارے سامنے بیع ہوئی ہے) حق حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) اور نیز حافظ جلال الدین اپنے مدعا میں ایک شہادت یہ گزرانتا ہے کہ ایک شاہد یہ بیان کرتا ہے کہ ان دکانوں کا بیعنامہ میرے سامنے ہوا اور بائع نے میرے سامنے بیع کی، اور دوسرا شاہد بیان کرتا ہے کہ مشتری نے میرے سامنے اس کی بیع لینے کا اقرار کیا کہ میں نے فلاں سے یہ دکانیں خریدی ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شہادت عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟

(۳) حافظ جلال الدین کہتا ہے کہ ایک مکان والد صاحب نے مجھ کو ہبہ کیا تھا جس میں میں نے ان کی زندگی میں ہی چھپّر کا دالان بنالیا تھا اور تقریبًا اس میں بیس پچیس سال رہا، بعد میں مجھ کو اس میں تنگی ہوئی اور دوسری دکان کرایہ پر لے کر اس صورت سے رہنے لگا کہ مکان موہوبہ میں اپنا تصرف و قبضہ مالکانہ رہا، اس کے بعد والد صاحب نے دوسرے دکان جو دکان موہوبہ سابق کے بغل میں ایک جانب کو واقع اور ملکیت میں اپنی زوجہ یعنی میری سوتیلی مادر کے تھا مجھ کو ملا کردے دیا اور مادر صاحبہ سے بھی کہلادیا کہ میں نے دے دیا جیسا میرا بیٹا نظام الدین ہے ویسا ہی جلال الدین ہے چنانچہ میں نے اس دوسری دکان کو بھی لے کر اپنے والد اور مادر کی زندگی میں اپنی سابق دکان کے ساتھ ملحق کرلئے درمیان کی دیوار نکال دی اور اس کے سامنے ہی ایک دالان بنالیا، اب سوال یہ ہے کہ عندالشرع ان دونوں دکانوں کا میرے لئے ہبہ درست ہوا یا نہیں، اور میرے شاہد ان دونوں مکانوں کی بابت دینا والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ شہادت فقط دینے کی ہبہ پر محمول ہوگی یا عاریةً پر اور اس میں قاضی یا حکم کو شاہدان سے یہ حق دریافت کرنے کا حاصل ہے یا نہیں کہ دکان جلال الدین کو ہبہ دیا گیا تھا یا عاریةً۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب: وباللہ التوفیق

(۱) اگر شاہدان نے صرف اس پر اکتفاء کیا کہ یہ دکانیں مولا بخش کی ہیں اور سبب ملک نہ بیان کیا تو یہ شہادت منجملہ عندالشرع معتبر ہے اور دکانیں مولا بخش کی ہی مانی جائیں گی اور قاضی یا حکم

کو اس کا حق حاصل نہیں ہے کہ گواہان سے تفتیش کرے کہ تم کو کس سبب اور ذریعہ سے ملک فلاں ہونا ثابت ہوا،

ومن فی یدہ شیئ فلك ان تشهد انه له ان وقع فی قلبك ذٰلك والالا[1] الخ تنویر الابصار، وفی الهدایة ومن كان فی یدہ شیئ سوی العبد والامة وسعك ان تشهد انه له لان الید اقصی مایستدل به علی الملك اذھی مرجع الدلالة فی الاسباب كلها[2]، قال فی نهایة انه لا دلیل لمعرفة الملك فی حق الشاهد سوا الید لان اكثر مافی الباب ان یعاین اسباب الملك من الشراء ونحوہ الا ان الشراء انما یفید الملك اذاكان المبیع ملكا للبائع وذٰلك لایعرف الابالید فلو لم یجز اداء الشهادة بحكم الید لسد باب الشهادة حتی حل للقاضی ان یقضی بحكم الید كما یحل للشاهد[3] انتهی۔	اور اگر کوئی شیئ کسی کے قبضہ میں بطور ملکیت ہو، دل پر گزرے تو تجھے جائز ہے کہ اس چیز کی اس کے لئے شہادت دے ورنہ نہیں الخ تنویر الابصار۔ اور ہدایہ میں ہے غلام اور لونڈی کے علاوہ کوئی چیز کسی کے قبضہ میں ہو تو تجھے گنجائش ہے کہ تو یہ شہادت دے کہ یہ چیز اس کی ہے کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل کے لئے فیصلہ کن ہے کیونکہ یہ تمام اس باب میں دلالت کا مرجع ہے، نہایہ میں فرمایا: گواہ کے پاس ملکیت کی معرفت کے لئے قبضہ کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس باب میں اکثر طور نظر آنے والے اسباب خریداری وغیرہ ہیں لیکن خریداری بھی اس وقت مفید ملک ہے جب یہ معلوم ہو کہ مبیع بائع کی ملکیت تھا اور بائع کی ملکیت اس کے قبضہ سے ہی معلوم ہوسکتی ہے اور اگر قبضہ کی بناء ملکیت کی گواہی جائز نہ ہو تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہوجائے، حتی کہ قاضی کو جائز ہے کہ وہ قبضہ کی بناء پر ملکیت کا فیصلہ دے جس طرح گواہ کو یہ شہادت دینا جائز ہے اھ (ت)

(۲) یہ شہادت معتبر ہے۔

کمافی فوائد السمیة فی باب الاختلاف	جیسا کہ فوائد السمیہ کے اختلاف شہادت کے باب

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[2] الہدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۹

[3] النہایہ شرح الہدایہ

بالشھادۃ ناقلا علی صاحب الدرر ولو شھد احدھما ان فلانا باع منه و اٰخران فلانا اقربا لبیع منه تقبل الخ۔	میں صاحب درر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ اور گواہوں میں سے ایک نے شہادت دی کہ فلاں نے یہ چیز اس کو فروخت کی ہے، اور دوسرے نے شہادت دی کہ فلاں نے اس کے پاس فروخت کرنے کا اقرار کیا ہے، تو مقبول ہوگی الخ (ت)

(۳) حافظ جلال الدین کے لئے ان دونوں مکانوں کا ہبہ عندالشرع درست ہوگیا اور باپ کا دینا قرائن ہبہ اور تملیک کے موجود ہوتے ہوئے ہبہ ہی مانا جائے گا اور اتنی مدت دراز تک تصرف مالکانہ اور عدم تعرض والد کا واضح قرینہ تملیک ہے، لہٰذا شاہدین کی شہادت میں لفظ دینا ہبہ ہی پر محمول ہوگا عاریت پر نہیں ہوسکتا اور قاضی یا حکم کو شاہدین سے یہ استفسار کرنا کہ عاریۃً دیا تھا یا ہبۃً عندالشرع کوئی حق نہیں بلکہ یہ شہادت ہبہ ہی پر محمول ہوگی، ردالمحتار میں ہے:

وفی خزانة الفتاوی اذا دفع لابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للاب الااذادلت دلالة التملیك بیری الخ۔[1] وفی فوائد السمیة صحت بمثل قوله نحلت و وھبته کذاله جعلت، اما وھبت فانه صریح فیه واما نحلت وھی بمعنی اعطیت فلانه مستعمل فیه واما جعلت له فلان اللام للتملیک، واللہ اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا جس میں بیٹا باپ کی دی ہوئی اجازت سے تصرف کرتا ہو وہ مال باپ کا ہوگا مگر جب باپ کی طرف سے تملیک کا واضح قرینہ موجود ہو تو بیٹے کا تصور ہوگا، بیری الخ (ت) فوائد السمیہ میں ہے میں نے اس کو عطیہ دیا، اس کو ہبہ کیا۔ یونہی اس کے لئے کردیا، میں نے اسے ہبہ کیا۔ ان الفاظ سے ہبہ صحیح قرار پائیگا "**وھبت**" سے تو اس لئے کہ اس میں تملیک کی تصریح ہے "**نحلت**" سے اس لئے کہ یہ "**اعطیت**" (میں نے عطا کیا) کے معنی میں ہے کیونکہ یہ اسی معنی میں مستعمل ہے، لیکن "**جعلت له**" سے اس لئے کہ اس میں لام تملیک کے لئے ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، راقم بشیر احمد عفی عنہ۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

الجواب

(۱) بیعناموں کی حدود میں ملک فلاں لکھا ہونا حجت نہیں،

فان القاضی انما یقضی بالبینة اوالاقرار اوالنکول اما الکتاب فلیس من الحجة فی شیئ کما فی الخانیة والخیریة وغیرھما[1]۔	کیونکہ قاضی صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار پر فیصلہ دیتا ہے لیکن تحریر کوئی حجت نہیں ہے جیسا کہ خانیہ اور خیریہ میں ہے۔(ت)

اس کے ساتھ اگر کاتبان بیعنامہ کی زبانی شہادتیں یوں ہی کہ یہ بیعنامے ہم نے لکھے اور ان کے حدود میں فلاں مکان ملک فلاں لکھا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں کہ یہ شہادت ملک پر نہیں بلکہ اپنے ایک فعل پر ہے اور اگر وہ یوں گواہی دیتے ہیں کہ یہ مکان ملک مولا بخش ہے کہ حدود بیعنامہ میں اس کی ملک لکھا ہے تو یہ بھی اصلاً مسموع نہیں کہ کتابت صک غیر مقر پر حجت نہیں، ہاں اگر وہ مطلقاً یہ مکان ملک مولا بخش ہونے کی گواہی دیتے ہوں اور تحریر حدود کو اس کا متبع بتاتے ہوں تو گواہی مسموع ہے، اور اگر وہ عادل شرعی ہیں تو حکم یا قاضی کو اس جرح کا کوئی حق نہیں کہ تم نے کیونکر اس کی ملک جانی ہاں اگر مستور ہوں اور حکم کو شبہہ گزرے تو سوال کرے **والمسئلة توخذمن جامع الفصولین وغیرہ** (یہ مسئلہ جامع الفصولین وغیرہ سے لیا گیا ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) یہ شہادت اگر پوری تعیین بائع ومشتری کے ساتھ ہو بھی کہ ایک گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے یہ مکان زید بن بکر نے مولٰی بخش بن فلان بن فلاں کے ہاتھ بیع کیا، اور دوسرا گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے مولٰی بخش بن فلاں بن فلاں نے کہا کہ میں نے یہ مکان زید بن عمرو بن بکر سے خرید کیا جب بھی اصلاً مسموع نہیں کہ دونوں شہادتیں کسی امر واحد پر وارد نہیں، نہ کسی کا بیان کہ میں نے خرید کیا دوسرے پر حجت ہوسکے، اور اسے شہادت علی الاقرار سمجھنا محض بے معنی ہے کہ یہ کہنا کہ میں نے خرید کیا اقرار نہیں دعوی ہے، اقرار ودعوی میں زمین آسمان کا بل ہے، اقرار مقر پر کوئی حق لازم کرنا ہے بخلاف اس صورت کے کہ ایک گواہ گواہی دے کہ اس بائع نے میرے سامنے اس مشتری کے ہاتھ یہ چیز بیع کی، دوسرا گواہی دے کہ میرے سامنے اس بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ چیز اس مشتری کے ہاتھ بیع کی، یہ ضرور اقرار کی شہادت ہے اور دونوں شہادتوں سے واحد پر وارد کہ بیع میں صیغہ انشاء وصیغہ اقرار دونوں "**بعت**" ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] فتاوٰی خیریة کتاب القضاء باب خلل والمحاضر والسجلات دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹، ۲۳

(۳) فرق ہے اس میں کہ زید عمرو سے کہے کہ یہ مکان میں نے تجھے دیا اور اس میں کہ بکر گواہی دے یہ مکان زید نے عمرو کو دیا تھا دینا ہبۃً بھی ہوتا ہے عاریۃً بھی اجارۃً بھی، مدار قرائن پر رہتا ہے اگر دلالت تملیک پائی جائے ہبہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں، دلائل وقرائن قول معطی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں یہ جو حکایت کررہا ہے کہ زید نے دیا تھا اس کے ساتھ کون سا قرینہ مقترن ہے لہذا شہادت محض مہمل وناکافی ہے، ایسی مبہم بات میں قاضی استفسار کرسکتا ہے اور مدعی کو اس سے روکنے کا حق نہیں کہ اگر استفسار نہ ہوگا شہادت مبہم ہوکر لغو بیکار ہوجائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۹: از گوالیار محمود الحسن ہادی ۲/ذی الحجہ ۳۳ھ روز شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحماۃ الشرع المتین کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں کسی شخص قرار دادہ احد المتخاصمین کو حکم قرار دے دیں اور وہ حکم ولایت شرعیہ میں نہ فیصلہ کرے تو کیا شرعًا اس کی منسوخی کے واسطے **احد المتخاصمین باب القضاء** میں یا کسی دیگر طریقہ سے چارہ جوئی کرسکتا ہے؟

الجواب:

حکم کا ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرنا دو معنی رکھتا ہے، ایک یہ کہ اسے اس فیصلہ کی شرعًا ولایت نہ تھی عام ازیں کہ وہ خود اہل ولایت سے نہ تھا یا اس خاص فیصلہ کی اسے ولایت نہ تھی جیسے قود وحدود میں تحکیم جائز نہیں، دوسرے یہ کہ حکم کو فی نفسہ اور اس خاص مقدمہ کے اعتبار سے بھی ولایت شرعیہ تھی مگر اس نے اس ولایت کے حدود میں فیصلہ نہ کیا اس سے باہر گیا یعنی خلاف شرع حکم دیا بہر حال کچھ بھی معنی ہوں وہ فیصلہ مردود باطل ہے اور کسی طرح نافذ نہیں ہوسکتا منسوخ تو وہ کیا جائے جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو، ہاں اگر فریق ثانی نہ مانے تو اس کے اظہار بطلان کے لئے دار القضاء میں رجوع کی جائے اور قاضی پر واجب کہ اسے رد کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ محمد حسن صاحب تحصیلدار بجنور ۲۴/محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی برتن وغیرہ کے اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دینگے، وقتًا فوقتًا کسی کسی زیور کو جو تیار ہوکر آتے رہے اپنے اعزا واحباب کو یہ کہہ کر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے، منجملہ اشیا مسطور بالا بعض اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئے تھے، اور بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کون کون سے قبل از بلوغ تیار ہوئے تھے اور کون سے بعد بلوغ۔ بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زائد

ازیک سال زندہ رہے اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بہ بقبضہ مورث رہیں۔ مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا، اس صورت میں اشیاء متذکرہ بالا شرعاً متروکہ متوفی قابل ورثہ ہیں یا تنہا ملک دختر متصور ہوں گی اور مورث کی محض نیت ہبہ وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

کسی مال سے مالک کی ملک بے کسی دلیل ثابت واضح کے منتقل نہیں مانی جاسکتی۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں:

لاینزع شیئ من ید احد الابحق ثابت معروف۔	مشہور طور پر حق کے ثبوت کے بغیر کسی کے قبضہ سے چیز کو چھڑانا صحیح نہیں ہے۔ (ت)

یہ پہلے فتوٰی میں بیان ہولیا کہ اگر لڑکی نابالغہ تھی جو کچھ اس کی نیت سے بنوایا ملک دختر ہوگیا باپ کا اس نیت سے یہ تصرف ہی اس وقت قائم مقام ہبہ ہے اور باپ کا قبضہ ہی نابالغ کا قبضہ ہے ہبہ تام وکامل ہوگیا اور بالغہ تھی تو قبل تسلیم موت واہب سے ہبہ تھا بھی تو باطل، رہا یہ کہ بعض نامعلوم اشیاء قبل بلوغ اس کے لئے بنوائی تھیں اس کا ثبوت درکار، دختر اگر خود یونہی مجہول دعوٰی کرتی ہے کہ کچھ میری نابالغی میں بنوایا تھا تو دعوٰی ہی مسموع نہیں کہ دعوی مجہول نامقبول۔ درمختار میں ہے:

شرط جواز الدعوی معلومیۃ المال المدعی اذلایقضی بمجھول[1]۔	دعوٰی کے جواز کے لئے مال مدعٰی کا معلوم ہونا شرط ہے کیونکہ مجہول چیز کا فیصلہ درست نہیں۔ (ت)

اور اگر وہ معین اشیاء کا دعوٰی کرے مگر گواہ تعین نہ کریں تو گواہان نامسموع کہ شے مجہول پر شہادت مردود۔ عالمگیری میں ہے:

شرائطھا منھا مایرجع الی المشھود بہ وھو ان یکون بمعلوم فان کان بمجھول لاتقبل[2]۔	اس کی شرائط میں سے ایک یہ ہے جو مشہود بہ سے متعلق ہے کہ وہ معلوم ہو، تو اگر مجہول ہو تو شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۱

ہاں اگر دختر دعوٰی بالتعیین کرے اور گواہان اشیاء معینہ نہ دے سکے اور دیگر ورثہ پر حلف رکھے اور وہ حلف کرلیں دعوٰی رد ہوجائے گا اور حلف سے انکار کردیں تو دعوٰی ثابت ہوجائے گا__________اور وہ اشیاء بعینہٖ دختر کو دلادی جائیں گی **کما هو الحكم المعروف فی النکول** (جیسا کہ قسم کے انکار میں حکم معروف ہے۔ت) اور اگر صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اقرار کرتے ہیں کہ مورث نے بعض اشیاء اس دختر کی نابالغی میں اس کے لئے بنوائی تھیں تو جو جو شے معین کریں وہ ملک دختر ہوں گی ورنہ کچھ نہیں،

فان الهبة تمليك وتمليك المجهول لايجوز فالاقرار بهبة مجهولة لايجوز۔	کیونکہ ہبہ تملیک کا نام ہے جبکہ تملیک مجہول ناجائز ہے، تو مجہول چیز کے ہبہ کا اقرار جائز نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

قال لاخر انت فی حل مما اخذت لم يحل له الاخذ[1]۔	ایک نے دوسرے کو کہا کہ جو تونے لیا وہ تجھے حلال ہے تو اسکو وہ لینا حلال نہ ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

جهالة المقر به لاتضر الااذا بين سببا تضره الجهالة كبيع واجارة[2] **والله تعالٰی اعلم۔**	جس چیز کا اقرار کیا گیا اس کا مجہول ہونا مضر نہیں لیکن جب اقرار میں ایسے سبب کو بیان کرے جس میں جہالت مضر ہو جیسے بیع اور اجارہ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱:　ازرامپور محلّہ پل پختہ متصل زیارت بھورے میاں مسئولہ عبدالحکیم　۱۹صفر ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

رشوت کی تعریف اور اس کی وعید۔

الجواب:

رشوت کے لئے فرمایا:

الراشی والمرتشی کلاهما فی	رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتب الھبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

النار[1]۔	میں ہیں۔(ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ دینے والا مستحق رہے گا، کسی کا حق چھپانا اور اپنا حق نکالنے کیلئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے اوپر سے دفع ظلم کردیا جائے تو رشوت نہیں، ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: مسئولہ رحمت علی خاں از جے پور سالگانیر دروازہ جوہری بازار دکان عبدالرحمٰن وعبدالغنی خیاط ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی رحمت علی خان اور اس کی زوجہ مسماۃ آبادی بیگم کے باہمی نااتفاقی تھی چنانچہ مسماۃ کی جانب سے دعوی واپسی جہیز عدالت میں دائر ہو کر دس پانچ اشخاص اہل ہنود متخاصمین کی جانب سے پنچ مقرر ہوئے اور عدالت سے پنچان ہنود کے سپرد فیصلہ کے لئے کہا گیا، پنچان نے بجائے اس کے کہ مقدمہ واپسی جہیز میں فیصلہ دیتی یہ فیصلہ صادر کیا کہ رحمت علی خاں اپنی زوجہ کو نہ طلاق دے سکے اور نہ دوسری شادی کرسکے اور نان ونفقہ میں نصف جائداد مسماۃ کو دی جائے۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بروئے شرع شریف اس فیصلہ کی پابندی رحمت علی خاں پر لازم ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ فیصلہ محض مردود و باطل اور خلاف شرع و ناقابل قبول ہے،اس کا کوئی اثر فریقین میں سے کسی پر نہیں پڑسکتا،علاوہ بریں وہ پنچایت سرے سے مردود باطل ہے،

کمافی الهدایة والدر المختار و العالمگیریة وغیرہا عامة الکتب قال اللہ تعالٰی "وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا۠(۱۴۱)"[2]۔	جیسا کہ ہدایہ،درمختار اور عالمگیریہ وغیرہا عام کتب میں ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا(ت)

ہاں شرعًا رحمت علی خاں پر یہ فرض ہے کہ یا تو عورت کو اچھی طرح رکھے یا اچھی طرح طلاق دے دے،

قال تعالٰی "فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو بھلائی کے ساتھ پاس

[1] الترغیب والترہیب ۳/ ۱۸۰ مجمع الزوائد، باب فی الرشا ۴/ ۱۹۹۔ کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷ ۶/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

فَاَمْسِکُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ "[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	روک لو یا ان کو بھلائی کے ساتھ جدا کردو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۳: مسئولہ غلام گیلانی از شمس آباد کیمل پور ۱۸/شعبان ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ

مدعی بینہ آورد وامانزد قاضی بکسے وجہ مقبول نشد ندازوجہ فسق یاعدم توافق شہادات بادعوی یایک گواہ موافق بود دیگر مخالف مدعی دریں صور ایں بینہ راکالعدم تصور بدہ بر منکر حلف عائد خواہد شد یانہ فقط۔	مدعی نے گواہی پیش کی لیکن فاسق ہونے یا شہادت کے دعوی کے موافق نہ ہونے یا ایک گواہ موافق اور دوسرا مخالف میں سے کسی وجہ سے قاضی کے ہاں گواہی مقبول نہ ہوئی ان صورتوں میں مدعی نے گواہی کو کالعدم قرار دیا تو کیا منکر پر قسم عائد ہوگی یا نہیں، فقط۔(ت)

الجواب الملفوظ

پیداست کہ دریں صورت مدعی از اقامت بینہ عاجز ماند ہرچہ برسم گواہان پیش کنند بینہ نہ باشد بینہ آنست کہ ہمچو اسم خود بینہ باشد پس بطلب مدعی بلا شبہہ حلف بر مدعی علیہ عائد گردد۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ظاہر ہے کہ مدعی گواہی پیش کرنے سے عاجز رہا اس نے گواہی کے طور پر جن کو پیش کیا وہ بینہ نہ ہوئے، بینہ اپنے نام کی طرح واضح کرنے والا ہوتا ہے، پس مدعی کے مطالبہ پر مدعٰی علیہ پر قسم عائد ہوگی۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۴: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم ۱۷/ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ دوشنبہ

فتوٰی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علوم دینیہ میں ہونی چاہئے فقط۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۶۵

الجواب:

حدیث و تفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی اور نظر وافی اور فقہ کا کثیر مشغلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ شرط اعظم توفیق من اللہ، جوان شروط کا جامع وہ اس بحر ذخار میں شناوری کرسکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس کی خطا پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت بر کنار است۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: مسئولہ محمد سلیمان طالب علم مدرسہ فیض احمدی کانپور ۳۰/ محرم الحرام ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صاحب جائداد کے انتقال کے قریب اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ سے لوگوں نے کہا کہ زید کے انتقال کا وقت قریب ہے اپنا دین مہر زید کو معاف کردو تاکہ آخرت میں اس کو مواخذہ نہ ہو، مسماۃ ہندہ مذکور نے کہا کہ اگر میں اپنا مہر معاف کردوں تو زید کا بھائی بکر اس جائداد میں سے اپنا حصہ لے لے گا اور بقیہ جائداد مجھ کو اور میری دونوں لڑکیوں کو کافی نہ ہوگی اور ہم لوگ سخت تکلیف اٹھائیں گے، لوگوں نے کہا کہ تم معاف کردو اور ہم ذمہ داری کرتے ہیں کہ یہ جائداد تمہارے ہی قبضہ میں رہے گی اور بکر کو ہرگز قابض نہ ہونے دینگے، چنانچہ مسماۃ ہندہ نے جس قدر مہر کی قیمت جائداد سے زائد تھا اسی وقت زید کو معاف کردیا، بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور بعد انتقال زید کے جائداد زید پر قابض ہوئی اور اپنی باقی عمر اس پر مالکانہ تصرف کرتی رہی، چنانچہ دونوں لڑکیوں کی شادی کے وقت کچھ جائداد کو متفرق طور پر بقدر ضرورت بیچ ڈالا اور بکر برادر زید مرحوم کچھ نہیں بولا اور جب تک مسماۃ ہندہ زندہ رہی بکر نے کبھی کوئی دعوی کچہری میں اپنے حق پانے کا نہیں کیا اور نہ کبھی ہندہ سے کہا کہ میرا حق مجھ کو دے دو، البتہ اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا بھی اس جائدا میں حق ہے، اب ہندہ نے بعد وفات زید کے تخمیناً پندرہویں سال انتقال کیا اور بعد انتقال ہندہ کے بکر دعوی کرتا ہے کہ جائداد زید میں میرا حق میراث مجھ کو ملنا چاہئے اور منافع جائداد مذکور ہندہ کی دونوں لڑکیوں کو لینے نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ جب تک میرا حق مجھ کو نہ دوگی تم لوگوں کو لینے نہ دوں گا، اس صورت میں جائداد متروکہ زید میں سے کہ جس میں اس کی زوجہ ہندہ بعوض بقیہ مہر کے چودہ پندرہ برس قابض و متصرف مالکانہ رہی ہے شرعاً بکر کو حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا بالسند و الکتاب توجروا من رب الارباب** (سند اور کتاب سے بیان کیجئے، رب الارباب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بکر کا دعوی مدفوع اور اصلًا نا مسموع، شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد عبداللہ غزی تمر تاشی نے اپنے فتاوٰی میں تصریح فرمائی ہے کہ:

لا تسمع الدعوی بعد ثلث سنین قطعا للحیل و التزویر والاطماع الفاسدۃ[1] (ملتقطا)	حیلہ سازی، جھوٹ اور فاسد لالچ کے احتمال کی وجہ سے تین سال کے بعد دعوی قطعًا قابل سماعت نہ ہوگا (ملتقطا)۔ (ت)

اسی طرح خیریہ وعقود الدریہ ورد المحتار وغیرہا میں ہے، **والتفصیل فی فتاوٰنا** (اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: مرسلہ ناصر الدین خاں ساکن پیلی بھیت محلّہ بشیر خاں ۲/صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو کے دروازوں کے سامنے ایک اراضی چودہ فٹ چار انچ طویل اور پانچ فٹ نوانچ عریض بغرض مرور کے ہے، عرصہ پندرہ سولہ سال سے زید نے بجائے دروازہ کے کھڑکی کرلی اور اس سے آمدورفت جاری رکھی، پھر زید نے اس کو تقریبًا ایک سال تک بند رکھا اور اسی حالت میں اپنے مکان کا بیعنامہ مع جملہ حقوق داخلی وخارجی کے بکر کو کردیا اور اس بیعنامہ میں اس کھڑکی کا ذکر نہیں اور اس بیعنامہ میں دوسری کھڑکی کا بھی ذکر نہیں ہے جو اس مکان میں دوسری طرف لگی ہوئی ہے بکر نے مکان خریدنے کے بعد کھڑکی کھول لی جس کو تقریبًا تیرہ چودہ سال ہوئے اب عمرو نے اس اراضی کو اپنے گھر میں عرصہ تین ماہ سے ڈال لیا ہے اور ایک دروازہ جدید اراضی مرور میں لگایا ہے جو ملاحظہ نقشہ سے ظاہر ہوگا، آیا زید کو اپنی کھڑکی کھولنے کا حق تھا یا نہیں اور اگر حق حاصل تھا تو وہی حق مشتری بکر کو حاصل ہے یا نہیں اور عمرو اس اراضی کو اپنے مکان میں الحاق کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عمرو کو کوئی استحقاق اس زمین کے الحاق کا نہیں، یہ سراسر ظلم ہے اور اس سے باز آنا اس پر

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۴، العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳، فتاوٰی خیریۃ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۴۸

واجب اور بکر اس کھڑکی کے کھولنے کا اختیار رکھتا ہے مکان مع جمیع حقوق اس نے خرید ا ہے حقوق میں یہ مرور بھی ہے عمرو و بکر دونوں کو یکساں اس میں حق مرور حاصل ہے عمرو کا اس میں دیوار قائم کرنا تصرف باطل ہے اور اس کا انہدام لازم۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کے دخل کا کوئی حق نہیں۔ت) دروازہ جدید کہ عمرو نے نکالا ہے اس کے نکالنے کا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اندر کی جانب نہیں باہر کی طرف ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۷: مرسلہ اکبر خاں ساکن ریاست رامپور محلّہ جھنڈا بڑے پیر صاحب ۲۶/ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

مقدمہ عباسی بیگم زوجہ عنایت احمد خان وعنایت احمد خاں ولد عبدالرحیم خاں بنام کریم بخش ولد رحیم بخش، دعوی یہ کہ مدعا علیہ نے مدعیہ کی اراضی مرور ۱۲ گرہ عریض اور ۸ گز ۱۲ گرہ طویل دبا کر دیوار بنالی محکمہ دیوانی نے گواہان مدعی کا بیان ناقص و مجہول و باہم مختلف و نیز مخالف دعوی مان کر یکسر خارج کیا محکمہ ججی سے صرف چار گرہ کی ڈگری ہوئی کہ اس قدر میں مدعیہ کو مردہ نکالنے کی وسعت ہو جائے گی محکمہ عالیہ اپیل نے شہادت مدعیہ راجح ٹھہرا کر کل دعوی ڈگری فرمایا یہ تمام تجویزیں مع نقول باضابطہ گواہان فریقین دارالافتاء میں حاضر کرکے استدعا ہے کہ اس صورت میں جو حکم شرعی ہو ارشاد ہو۔**بینوا توجروا۔**

الجواب:

"اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ"[2] (حکم صرف اللہ تعالٰی ہی کا ہے۔ت) حکم اگر شریعت کے لئے ہے اور بیشک حکم شریعت ہی کے لئے ہے حکام اگر اس لئے مقرر ہوتے ہیں کہ مطابق شرع فیصلہ کریں اور بیشک وہ اسی لئے مقرر ہوتے ہیں اور یہی ان کا فرض ہے تو شریعت مطہرہ نے قاضی کے حضور ثبوت دعوی کے صرف تین طریقے رکھے ہیں: بینہ، اقرار، نکول اور جہاں تینوں معدوم ثبوت معدوم، اور قضاء بحق مدعی ناممکن۔ فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول[3]۔	قاضی صرف حجت کی بنا پر فیصلہ کرے گا اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے (ت)

[1] السنن الکبری للبیہقی کتاب الغصب باب لیس لعرق ظالم الخ دارصادر بیروت ۶/ ۹۹، صحیح البخاری کتاب الحرث ۱/ ۳۱۴ وسنن ابی داؤد کتاب الخراج ۲/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۷

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲، فتاوٰی خیریہ کتاب القاضی الی القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹ و ۵۱

محکمہ دیوانی نے شہادات مدعیہ کو مجروح کیا محکمہ ججی نے اول جروح کو مقبول رکھا کہ مفتی صاحب نے گواہان مدعی پر اعتبار نہیں کیا ہے حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد اپنی رائے کو فرمایا ہے ظاہرًا دیوار کا بڑا ہونا اگر معلوم ہو تو یہ مدعیہ کا نافع نہیں۔ائمہ دین ہدایہ وغیرہ عامہ کتب میں فرماتے ہیں:

الظاہر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق[1]۔	ظاہر حال دفاع کے لئے حجت بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔(ت)

یہ مصلحت کہ مدعیہ مردہ نکال سکے کوئی حجت شرعیہ تو شرعیہ عرفیہ بھی نہیں کوئی اپنی مصلحت کے لئے بلا ثبوت شرعی پر ایامال نہیں لے سکتا یہ فرمانا کہ گواہان ثبوت سے کم از کم جس قدر زمین کا ڈال لینا پایا جائے اس قدر تخلیہ کرادینا چاہئے حکم شریعت سے اصلاً مطابق نہیں جس کا بیان ابھی آتا ہے پھر فیصلہ خود بھی اس کے خلاف ہے ہمارے سامنے سات گواہان مدعی کے اظہار ہیں بشیر حسن خاں، رفیق محمد خاں، ممتاز الدین خاں، عطاء اللہ خاں مشتاق حسین خاں، ممتاز علی خاں، غفور حسن خان اور آٹھواں عاشق حسین خاں جس کا بیان نہ ہوا۔ان میں سے ممتاز الدین خاں نے تو کوئی مقدار بیان ہی نہ کی اور اس کی نسبت محکمہ عالیہ اپیل نے بھی اسی قدر لکھا کہ ممتاز الدین خاں کی شہادت مجہول ہو بھی تو اور بہت سی شہادت موجود ہے باقی کسی کے بیان میں دس گرہ سے کم عرض نہیں اور ڈگری صرف چار گرہ پر دی گئی جس سے صاف ظاہر کہ محکمہ ججی نے بھی وہ شہادتیں قبول نہ فرمائیں جیسا کہ ان کی بے اعتباری کو حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد ہونا فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ثابت دس گرہ ہو اور ڈگری چار گرہ کی۔لاجرم وہی لحاظ مصلحت ہوتی ہے کہ مردہ نکل سکے یہ ایک نیک صلاح ہے کہ کسی طرح حکم کی حد میں نہیں آسکتی، یہیں سے تجویز محکمہ عالیہ اپیل کے اس جملہ کا جواب واضح ہوگیا کہ ظاہر ہے کہ صاحب جج بہادر نے مدعیان کی شہادت کو مانا ہے محکمہ عالیہ نے خود جانب شہادات توجہ فرمائی محکمہ دیوانی کے اعتراضات میں بعض کے جواب دیئے بعض کے جواب سے اعراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اور بہت سی شہادت موجود ہے ان تمام اعتراض وجواب اور ان کے مالہ وماعلیہ پر بحث موجب طول ہے اور بیان حکم محکم شرع مطہر کے لئے اس کی حاجت نہیں، یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ محکمہ دیوانی نے شہادتوں کو ناقص ومختلف ومخالف دعوٰی فرمایا اور وہ بیشک ایسی ہی ہیں ان کے وجوہ

---

[1] درمختار کتاب القضاء مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۶، الہدایہ کتاب ادب القاضی مسائل شتی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

اختلال کثیر ووافر ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل۔ہم صرف اس قدر پر اقتصار کریں کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک شے معین اور ایک شخص معین پر شہادت نہ دی جس پر قضاء ممکن ہو لہٰذا یکسر مہمل ونا مسموع ہیں۔

بیان بشیر حسن خاں: کچھ نالہ تھا کچھ زمین ہے جوڑاؤ دونوں کا تخمیناً دس یا بارہ گرہ ہے اور وہ زمین آٹھ یا نو گز لمبی ہے پوٹھیا کریم بخش نے اپنے مکان میں داب لی ہے، کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم۔اراضی مذکور کریم بخش نے اپنے مکان میں اندر پونے تین برس ہوئے مظہر کے سامنے ڈالی ہے۔

بیان ممتاز الدین خاں: مدعی کی چوکھٹ کے برابر دو پوٹھے تھے، بائیں ہاتھ کا پوٹھا دس بارہ گرہ چوڑا ہے اس میں سے نکل کر مدعی کا پر نالہ آیا ہے مدعا علیہ ہیں وہ یا کیا جن کا نام اور ولدیت مظہر کو نہیں معلوم مظہر ان کو پہچانتا ہے ان کے مکان کی دیوار گرتی جاتی تھی اور وہ بڑھاتے جاتے تھے انہوں نے مذکور پوٹھا دبالیا۔

بیان رفیق محمد خاں: عباسی بیگم کی مملوکہ مقبوضہ زمین تخمیناً دس یا بارہ گرہ عرضاً اور طولاً تخمیناً آٹھ نو گز کریم بخش نے دبالی ہے، کریم بخش کے باپ کا نام یاد نہیں مظہر اس کو پہچانتا ہے۔

بیان عطاء اللہ خاں: عباسی بیگم کے مرور کی اراضی میں سے آٹھ گرہ اور چار گرہ نالی کی کل دس یا بارہ گرہ اراضی چوڑی اور نو یا پونے نو گز لمبی کریم بخش مدعا علیہ نے اپنے مکان میں ڈال کر دیوار بنالی ہے جس کی وجہ سے دکھن رخ کا پاکھا پھر کہا پوٹھا مدعیہ کے دوازے کا دیوار میں دب گیا ہے مذکور زمین عباسی بیگم اور ان کے شوہر عنایت احمد خاں کی ہمیشہ سے مملوکہ مقبوضہ چلی آئی ہے، کریم بخش مدعا علیہ کے باپ کا نام نہیں معلوم مظہر اس کو پہچانتا ہے،اراضی مذکور کو ڈالے ہوئے تخمیناً تین سال کا عرصہ ہوا،مدعا علیہ نے اراضی مذکور کو ایک وقت میں نہیں ڈالی تھوڑی تھوڑی ڈالی،آخری مرتبہ کو مدعا علیہ نے جو اراضی ڈالی ہے اس کو تین سال ہوئے۔

بیان مشتاق حسین خاں: کوئی عرصہ تین یا چار سال کا ہوا تخمیناً کریم بخش مدعا علیہ نے تین یا چار گرہ تخمیناً نالے اور سات یا آٹھ گرہ راستہ میں سے کل دس یا بارہ گرہ چوڑی اور آٹھ یا نو گز لمبی زمین ڈال کر دیوار بنالی ہے مذکورہ نالی اور زمین مملوکہ و مقبوضہ عنایت احمد خاں اور ان کی زوجہ عباسی بیگم مدعیان کی ہے کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، پہلی مرتبہ جو مظہر کے سامنے دیوار بنی اس کو تخمیناً چار برس کا عرصہ ہوا دوسری بار بننے کو تخمیناً سال بھر ہوا۔

بیان ممتاز علی خان: عرصہ تخمیناً تین چار برس کا ہوا کہ کریم بخش مدعا علیہ جس کے باپ کا نام نہیں معلوم، مظہر اس کو پہچانتا ہے، اس نے چار گرہ نالی کی زمین اور آٹھ گرہ راستہ کی زمین چوڑی اور نو یا آٹھ گز لمبی لے کر اپنے مکان میں ڈال لی ہے۔

بیان غفور حسن خاں: عرصہ تخمیناً تین چار سال کا ہوا کہ تین چار گرہ نالی کی زمین اور سات آٹھ گرہ راستہ کریم بخش نے اپنے مکان میں ڈال لیا، مظہر کریم بخش کی ولدیت نہیں جانتا کریم بخش کو پہچانتا ہے، جو زمین کریم بخش نے ڈال لی ہے یہ مولوی عنایت احمد خاں مدعی کے تصرف میں تھی۔ یہ ان تمام بیانوں کا خلاصہ ہے ان میں جو وجوہ اختلال ہیں خادم فقہ پر مخفی نہیں مگر یہ دو اہمال ان سب کو شامل ہیں کہ ان میں کسی نے نہ شخص معین پر شہادت دی ہے نہ شے معین پر،

اول: اس لئے کہ مدعا علیہ کی طرف نہ اشارہ کیا نہ ولدیت بتائی، ولدیت بتانی درکنار بالاتفاق سب نے ولدیت جاننے ہی سے انکار کیا ایسی شہادت مجہول اور محض ناقابل قبول۔ عالمگیریہ میں ہے:

شرط الخصاف ذکر الجد للتعریف و ھکذا ذکر فی الشروط، ومن مشایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرہ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منھا کذا فی البحر الرائق[1]۔	امام خصاف نے شناخت کے لئے جد کے ذکر کو شرط قرار دیا ہے اور شروط میں یوں ذکر فرمایا ہے، اور ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول ہے جبکہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر شناخت کے لئے باپ کا ذکر کافی ہے، ذخیرہ میں یوں ہے، اور صحیح یہ ہے کہ دادے کی طرف نسبت شناخت کے لئے ضروری ہے۔ بحر الرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

دوم: جس نے کہے متردد لفظ کہے دس یا بارہ، آٹھ یا نو گز یا پونے نو گز، تین یا چار گرہ، سات یا آٹھ گرہ، یہ نفس مشہود بہ میں جہالت و موجب رد و بطلان شہادت ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی جگہ کم سے کم مان لیں گے، نہیں بلکہ بالکل رد کردیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

اذا ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم و شھد الشھودان لھذا المدعی علی ھذا	جب کسی نے فارسی میں بارہ درم کا دعوٰی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

المدعی علیہ دہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ وکذلك اذا ادعی دہ دوازدہ درم لاتسمع دعواہ وکذالك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذاالوجہ بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ،وکذلك اذذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ھذا الوجہ لاتقبل شہادتہم کذافی الذخیرۃ[1]	مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں جہالت کی وجہ سے یہ شہادت مقبول نہ ہوگی،اور یوں ہی اگر مدعی نے دس بارہ درہم کا دعوی کیا تو اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا،اور یونہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ ذکر کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا شہادتیں سب مردود اور دعوی محض بے ثبوت وواجب الرد،اور فیصلہ مفتی صاحب لازم القبول،حکم شرعی یہ ہے اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: ۲۵/شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور نصیبہ نے اپنے ترکہ پدری کے تقسیم کا دعوی عمرو برادر خورد اور مسماۃ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر زید برادر کلاں کے نام دائر کچہری کیا۔زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر مدعا علیہا مجیب ہوئے کہ ترکہ مظہرہ مدعیات غلط اور غیر صحیح ہے جس قدر جز ہمارے مورث زید کا مملوکہ مقبوضہ چالیس سال کا ہے وہ مستثنٰی ہو کر جس قدر متروکہ پدر مدعیات ثابت کریں اس کے تقسیم میں کچھ عذر نہیں ہے عمرو برادر خورد مدعا علیہا بوجہ سازش مدعیات ضمنًا مقبل دعوی اور ظاہر ایک جزو کا بذریعہ خریدار مدعیات ومدعا علیہا نمبر ۲ونمبر ۳ کا دعویدار ہوا کچہری سے مطابق تنقیحات ہر ایک سے بقدر دعوی کے ثبوت وتردید طلب ہوا۔مدعیات نے ایک مرتبہ گواہ طلبی بذریعہ کچہری کراکر بعذر عدم تعمیل سمن ثبوت داخل کرنے سے گریز کیا مگر بذریعہ سمن طلبی گواہان کراکر تاریخ موعود پر گواہان حاضر کو ہدایت حاضری تاریخ ثانی بعذر عدم حاضری جملہ گواہان کچہری سے رخصت کرادیا۔سہ بارہ بذریعہ سمن جملہ گواہان حاضر کچہری کرائے گئے اور باوجود حاضری گواہان بہ کچہری بدیں مضمون درخواست پیش کی کہ گواہان کا اعتماد نہیں ہے لہٰذا جملہ مدعا علیہم مجیب سے حلف لے لیا جائے۔پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحالت موجودگی گواہان در مجلس قضامدعیات کا انحصار بحلف مدعا علیہم مجیب شرعًا صحیح ہے یا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

غیر صحیح، اور صورت مسئولہ میں مدعا علیہما مجیب پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں، دوسرے جبکہ مدعیات اپنے دعوی کو ثابت نہ کرسکیں تواب مدعا علیہا نمبر ۲ و نمبر ۳ کو اپنی جوابدہی کے موافق ثبوت دینے کی ضرورت باقی رہی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مدعیات کا مدعا علیہم سے حلف طلب کرنا صحیح نہیں نہ مدعا علیہم پر حلف متوجہ ہو۔ بحر الرائق میں ہے:

ان لم تکن للمدعی بینۃ حلف القاضی المدعی علیه بطلب المدعی لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للمدعی الك بینۃ قال لا فقال لك یمینه سأل ورتب الیمین علی فقدان البینۃ[1]۔	اگر مدعی کے پاس گواہ نہ ہوں تو پھر قاضی مدعی علیہ سے قسم کا حلف لے اگر مدعی طلب کرے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدعی کو فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں، اس نے کہا نہیں، فرمایا تجھے اس کی قسم لینی ہوگی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود سوال فرمایا اور مرتب فرمایا کہ قسم گواہ نہ ہونے پر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ثبوت الحق فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامۃ البینۃ بما رویناہ فلا یکون حقه دونه[2]۔	قسم کا حق گواہ پیش کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہوتا ہے اس حدیث کے سبب جو ہم نے روایت کی ہے تو اس عجز کے بغیر قسم کا حق نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو حاضرۃ فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقا[3]۔	اگر وہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہوں تو بالاتفاق قسم لینا جائز نہیں (ت)

جب مدعی اثبات دعوی سے عاجز ہو، منکر کو ثبوت دینے کی حاجت نہیں۔

---

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۰۳

[2] بحر الرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۱۰

[3] درمختار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۹

فان البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ گواہ پیش کرنا مدعی پر اور قسم مدعی علیہ پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹: از سہسرام، ضلع گیامدار دروازہ مرسلہ قادر بخش صاحب ۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک مسجد محلّہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اتر جانب کی دیوار اسے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اتر جانب ایک فرخانہ جھنجھری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی اس کو اپنی نو دیوار سے بند کردیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہوگئی ہے اب نمازیوں کو بسبب بند ہوجانے ہوا کے از حد تکلیف ہے اور جانب اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کرکے بنالیا ہے جو قریب دو انچ کے ہوگی مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ چڑھی ہوئی ہے اور ایک جانب پورب سے وہ ناگر معلوم عـــہ ہوتی ہے یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی بنی ہوئی ہے اس نے آج یہ نیا کام بنایا ہے، از روئے شرع شریف اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر کوئی شخص دیوار مسجد کے متصل اور اسی کی ہوا میں دیوار اٹھائے تو کتنی ہی بلند کرے اسے ممانعت نہ ہوگی کہ خاص اپنی ملک میں تصرف کررہا ہے اور مسجد کا کوئی ضرر نہیں، نمازیوں کے لئے ایک طرف کی ہوا رکنا کوئی ضرر نہیں جس کے سبب کسی شخص کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا جائے۔ جامع الفصولین میں ہے:

اراد ذو الساحۃ ان یبنی فیہا ویرفع بنائہ فقال ذو البناء انك تسد علی الریح والشمس فلا ادعك ترفع البناء فلہ منعہ لافی ظاہر الروایۃ لان ذا الساحۃ منعہ عن الانتفاع بملکہ ولم یتلف علیہ ملکا	خالی جگہ پر مالک تعمیر کرنا چاہتا ہے اور عمارت بلند کرتا ہے تو دوسری عمارت والا اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے تو ہوا اور دھوپ کو مجھ پر بند کررہا ہے اس لئے میں تجھے عمارت بلند نہ کرنے

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الرہن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، السنن الکبرٰی کتاب الدعوات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

ولامنفعة فلا یمنع کرجل له شجرة یستظل بها جارہ اراد قلعها لایمنع منه ولو تضرر به جارہ،اذ رب الشجرة بالقلع یمنعه عن الانتفاع بملکه [1]۔	دوں گا تو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے ظاہر روایت میں، کیونکہ یہ خالی جگہ والے کو اپنی ملکیت سے انتفاع سے منع کرنا ہے جبکہ عمارت والے کی ملکیت اور اس کے انتفاع میں نقصان نہیں لہذا جگہ والے کو عمارت بلند کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا، جیساکہ ایک آدمی کا درخت جس سے پڑوس والے کو سایہ حاصل ہوتا ہو درخت والے کو اس کے اکھاڑنے سے نہیں روکا جاسکتا حالانکہ پڑوسی کو اس سے ضرر ہے، کیونکہ درخت کا مالک اکھاڑ کر اپنی ملکیت سے دوسرے کے نفع کو روک رہا ہے۔(ت)

فتح القدیر وردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان القیاس فی جنس هذه المسائل ان یفعل المالك ما بداله مطلقًا لانه متصرف فی خالص مبلکه لکن ترك القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وهو المراد بالبین وهو مایکون سببا للهدم،اویخرج عن الانتفاع بالکلیة وهو ما یمنع الحوائج الاصلیة کسد الضوء بالکلیة واختار و الفتوی علیه فاما التوسع الی منع کل ضرر مافیسد باب انتفاع الانسان بمبلکه کماذکرنا قریبا [2]۔	اور حاصل یہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں قیاس یہ ہے کہ مالک اپنی ملکیت میں جو چاہے تصرف کرے کیونکہ وہ اپنی خالص ملک میں تصرف کررہا ہے لیکن بعض ایسے مقامات میں جہاں مالک کا تصرف دوسرے کے لئے فحش ضرر پیدا کرے وہاں یہ قیاس متروک ہوگا اور فحش ضرر سے ایسا تصرف ہی مراد ہے جو دوسرے کے مکان کے گرنے کا سبب ہو یا دوسرے کو اپنی ملکیت میں انتفاع سے مکمل طور پر محرورم کردے وہ یوں کہ اس کے حوائج اصلیہ کو ختم کردے مثلًا کلیۃً روشنی کا ختم کردینا اور اسی پر فتوٰی کو فقہاء نے پسند کیا ہے لیکن ہر قسم کے ضرر کی وجہ سے منع کو وسیع کرنا اس سے تو انسان کا اپنی ملکیت سے انتفاع کا دروازہ بند ہوجائے گا، جیساکہ قریب ہم ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

---

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۶

[2] فتح القدیر مسائل شتّٰی من کتاب القضاء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۱۵،ردالمحتار کتاب القضاء مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۶۱

جامع الفصولین میں ہے:

الضوء من الحوائج الاصلیة والشمس والریح من الحوائج الزائدة[1]۔	روشنی حوائج اصلیہ میں سے ہے اور دھوپ اور ہوا حوائج زائدہ میں سے ہے۔(ت)

البتہ اگر دیوار مسجد کا کوئی حصہ اگرچہ جو بھر اس کی دیوار نے دبالیا ہے تو اس جزء دیوار کا ازالہ وہدم لازم ہے، درمختار میں ہے:

یجب ھدمه ولو علی جدار المسجد[2]۔	اس کا گرانا واجب ہے اگرچہ مسجد کی دیوار پر ہو۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذاکان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمه[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب یہ حکم واقف میں ہے تو غیر میں کیسے نہ ہو، تو جس نے مسجد کی دیوار پر کمرہ بنایا اس کا گرانا واجب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۳۰: چاچڑاں ریاست بہاولپور تحصیل خاں پور مرسلہ مولوی محمد یار صاحب ۷/ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ

چہ فرمایند علماء دین اندریں صورت کہ زید در قطعہ اراضی بعد ثبوت استحقاق شفعہ با عمرو چنیں اظہار کرد مصرفہ اراضی راابراں قدر کہ صرف کردی ازیں جانب وصول کردہ ازیں قطعہ اراضی بیزار شو۔عمرو ازیں دعوی زید انحراف کلی ورزیدہ انکار قطعی نمود پس زید بعد ادائے فیس کہ شرط استماع دعوی ست دعوی خود بعرض عدالت کردہ پس از حصول مدعا درباره فیس ہذا کہ وقت عرضی دعوی ادائیش ساخت ازروئے قانون گورنمنٹی مطالبہ اش	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے لئے شفعہ اراضی کے استحقاق کے بعد عمرو خریدار سے کہا کہ تو نے جو کچھ اس میں پر صرفہ کیا ہے اتنا مجھ سے وصول کرکے زمین چھوڑدے۔عمرو نے زید کے دعوی کو تسلیم نہ کرتے ہوئے زید کے مطالبہ سے قطعی انکار کردیا تو زید نے فیس کورٹ وغیرہ ادا کرکے جو کہ دعوی کے لئے شرط تھی اپنا دعوی عدالت میں پیش کردیا زید نے اپنا مدعی عدالت سے حاصل کرلینے یعنی اپنے حق ڈگری ہوجانے کے بعد عمرو پر مقدمہ کی فیس کا دعوی کردیا جس کا گورنمنٹ کے

[1] جامع الفصولین الفصل الخامس والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۷

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[3] بحرالرائق کتاب الوقف فصل احکام المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۵۱

بر عمر و قائم نمود پس ایں چنیں مطالبہ فیس کہ جوازش منسوب بر رواج ست عند الشرع صحیح ست یا نہ۔ **بینوا توجروا**۔	قانون کے مطابق عمرو کو ادا کرنا لازم آتا ہے تو کیا ایسے مروج قانون کے مطابق زید کو عمرو سے یہ فیس وصول کرنا درست ہے یا نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**۔ (ت)

الجواب:

آنراکہ حکم شرع مطہر درکارست نزد شرع شریف خرچہ مدعی بر مدعٰی علیہ عائد نتواں شد گو مدعی محق باش اگر بے رضایش گیر د مدعا علیہ از وواپس تواں گرفت اگر ندہد مواخذہ و مطالبہ بر گردنش ماند در عقود الدریہ فرمود **رجل کفل آخر عند زید بدین معلوم ثم طلبہ زید بہ والزم بہ لدی القاضی. فطلب الرجل من زید ان یمھلہ بہ فابی الاان یدفع لہ الرجل قدر ماصرفہ فی کلفۃ الالزام فدفعہ لہ ثم دفع لہ المبلغ المکفول بہ ویرید الرجل مطالبۃ زید بماقبضہ زید منہ من کلفۃ الالزام فھل لہ ذلک** [1] **(الجواب) نعم حیث الحال ماذکر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	شرعی حکم یہ ہے کہ شرع شریف میں مدعی کا خرچہ مدعی علیہ پر عائد نہیں ہوتا اگرچہ مدعی حق پر ہو، اگر مدعی نے مدعی علیہ سے اس کی رضا مندی کے بغیر خرچہ وصول کرلیا ہو تو مدعٰی علیہ اس سے واپس لے سکتا ہے، اگر واپس نہ دے تو شرعاً مدعی کی گردن پر یہ مطالبہ و مواخذہ باقی رہے گا، عقود الدریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو زید کے دین معلوم کا کفیل بنایا، پھر زید نے کفیل سے مطالبہ کرتے ہوئے قاضی کے ہاں اس پر دین کی ادائیگی لازم کردی تو اس کفیل شخص نے زید کو مہلت کے لئے کہا تو زید نے مہلت دینے سے انکار کردیا مگر یہ کہا اگر تو قاضی کے ہاں دعوی الزام پر خرچ شدہ رقم ادا کردے تو تجھے مہلت دے دوں گا، اس پر کفیل شخص نے خرچہ کی رقم ادا کردی پھر مہلت کے مطابق وہ رقم جس کی کفالت تھی زید کو ادا کردی اس موقعہ پر کفیل نے زید سے مطالبہ کیا کہ مقدمہ کے خرچہ کی رقم جو تو نے وصول کی وہ مجھے واپس کردے، آیا اس واپسی کے مطالبہ کا کفیل شخص کو حق ہے، جواب دیا گیا مذکورہ حال پر حق حاصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱: از ریاست رامپور محلّہ محل موتی خاں ۲۷/ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنے نابالغ بچے بکر کے مقدمہ میں پنچوں کو حکم کردیا تو آیا باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور فیصلہ پنچایت قابل پابندی ہے یا نہیں؟

[1] العقود الدریۃ کتاب الکفالۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

الجواب:

باپ کا اپنے نابالغ کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلاف شرعی ہو جیسا کہ مقدمہ متعلقہ سوال میں ملاحظہ فیصلہ سے ظاہر ہوا تو وہ اصلاً قابل پابندی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲: از رامپور

چندا نے وحیدی پر دعوی حق زوجیت کا کیا، وحیدی کو زوجہ چندا ہونے سے انکار ہے، مدعی کی طرف سے جو گواہان گزرے ہیں ان میں سے احسان الحق واشتیاق احمد اپنے آپ کو گواہان نکاح قرار دیتے ہیں جن کے بیان شامل سوال ہذا ہیں مفتی صاحب دیوانی نے مدعا علیہ کا اجازت دینا قرار نہیں دیا ہے تجویز مفتی صاحب بھی ہمراہ سوال ہے بعض علمائے رامپور نے مفتی صاحب کے تجویز فیصلہ کے خلاف فتوٰی عہ دیا ہے اس

عہ: **نقل فتوٰی رامپور:** کیافرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی بیوی ہندہ کے رخصت کراپانے کی نالش عدالت میں بربنائے نقل رجسٹر نکاح خوان و گواہی گواہان دائر کی اور گواہان نے یہ بیان کیا کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور ہندہ نے ہم سے یہ کہا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھوادو اور ہم کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہم لوگ نکاح کے گواہ تھے اور غلام سرور وکیل تھے چنانچہ ہم نے وکیل سے کہہ دیا اور وکیل نے قاضی سے کہہ دیا قاضی نے نکاح پڑھا دیا اور بعض نکاح چھوہارے اور شیرینی تقسیم ہوئی اور ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح کے حسب رواج زمانہ رہی، پس ایسی حالت میں نکاح صحیح شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا یا کہ نکاح فضولی ہے بوجہ عدم اجازت ہندہ کے صحیح نہیں ہوا، **بینوا توجروا**

الجواب: **سبحانہ الموفق بالصدق والصواب** (وہ پاک ذات صدق وصواب کی توفیق دینے والی ہے۔ت) صورت مسئلہ میں نکاح صحیح وشرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہوگیا اس لئے کہ بیان گواہان سے معلوم ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ رواج نکاح ہوا اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا ہے تو اجازت ہندہ کی بعد نکاح کے ثابت ہے اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا، نکاح پڑھوانے کی یہ دلیل اس امر کی کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح کا ہوا اور بعد نکاح کے ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح کے ہے، اور برائے اجازت یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت قول سے ہی ہو بلکہ فعل سے بھی اجازت ہونا کافی ہے وہ یہاں متحقق ہے لہٰذا نکاح صحیح وشرعی زید کے ہندہ کا ہوجانا یقینی ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ویثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول و | فضولی کے نکاح کی اجازت قول اور فعل سے ثابت (باقی برصفحہ آئندہ)

کی نقل بھی حاضر کی جاتی ہے، اب علمائے محققین سے عرض ہے کہ آیا تجویز مفتی صاحب دیوانی صحیح ہے یا استفتاء۔ اور جزئیات فقہ کس رائے کے مثبت ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ گواہان مذکور سے مسماۃ وحیدی بیگم کا کوئی بھی رشتہ نہیں ہے جس سے کہ مابین گواہان مذکورین وحیدی بیگم کا نکاح ناجائز ہو پس گواہان مذکور ذی رحم محرم نہ ہونے کے باوجود اپنا بے پردہ ہونا بیان کرنا موجب فسق ہے یا نہیں؟ فاسق کی شہادت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، فیصلہ جناب مفتی صاحب واظہار ہر شش گواہ مدعی کی باضابطہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) **الفعل کذافی البحر الرائق**[1] **انتھی بقدر الحاجۃ ھذہ صورۃ الجواب، واللہ تعالٰی اعلم۔**

ہوجاتی ہے، ایسے ہی بحر الرائق میں ہے اھ بقدر حاجت یہ جواب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

العبد المجیب
محمد ہدایت اللہ غفرلہ
محمد عنایت اللہ ولد محمد ہدایت اللہ
العبد
محمد حسیب اللہ خاں ولد محمد عنایت اللہ خاں
برتقدیر صدق مقال نکاح ثابت ہے فقط
محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ
الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد فضل حق عفی عنہ
المجیب صحیح واللہ اعلم بالصواب
الراجی الی اللہ محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ
محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ الراجی الی اللہ
الجواب صحیح
مخدوم علی عفی عنہ
قد صح الجواب
محمد عبدالوہاب عفی عنہ
جواب صحیح ہے
احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ
الجواب صحیح
بندہ محمد مرتضی حسن عفی عنہ
ان النکاح صحیح ولا شریک لہ
قاسم علی عفی عنہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۹۹

نقلیں اور فتوائے رامپور ملاحظہ ہوئے تفصیل موجب تطویل اور فرصت قلیل اور سائل کو تعجیل، لہٰذا اجمالاً مدارک عالیہ فقہیہ کی طرف اشارت کریں وباللہ التوفیق، فتوائے رام پور محض باطل وبے شعور، عقل ونقل دونوں سے دور، اور حکم مفتی صاحب کہ دعوٰی نامسموع ضرور صحیح اور طریق حکم میں مسلک صحیح کی یہ تصریح۔ مدعی نے چھ گواہ پیش کئے:

(۱) عنایت احمد ولد عبدالرحیم خاں جس کی شہادت ہے کہ ۸/جون میں مظہر نے چندا مدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ پڑھایا۔ ذی علم مجوز نے ایک اسی گواہ کی تعدیل فرمائی ہے کہ بہت اچھے نہایت عمدہ آدمی ہیں باقی سب کو مستور لکھا ہے جو ان کی اصطلاح میں فاسق بلکہ کافر کو شامل، یہ گواہ کتنا ہی عمدہ ثقہ ہو مگر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے پڑھایا، لہٰذا اس کی شہادت مسموع نہیں، البتہ صرف نکاح ہونے کی گواہی دیتا اور اپنا نکاح پڑھانا نہ بیان کرتا تو سنی جاتی۔ فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی عالمگیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

اذا ادعت امرأۃ علی ورثۃ الزوج مهرها فانکرت الورثۃ نکاحها وکان الشاهد تولی تزویجها قال یشهد علی النکاح ولا یذکر العقد عن نفسه[1]۔	جب عورت نے خاوند کے ورثاء پر اپنے مہر کا دعوٰی کیا تو ورثاء نے اس کے نکاح کا انکار کردیا ہو جبکہ اس عورت کے نکاح کا گواہ خود اس کے نکاح کا ولی تھا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ گواہ نکاح کی شہادت دے اور یہ ذکر نہ کرے کہ میں نے اسکا نکاح پڑھا ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ وہندیہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

ان رجلا حلف بطلاق امرأته ثلثا ان ضرب هذین الرجلین فضربهما وسعهما ان یشهدا علیه بطلاق امرأته ثلثا ولا یخبران کیف کان وان اخبرا لاتقبل شهادتهما کذا فی التاتارخانیة[2]۔	اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ اگر میں ان دو مردوں کو ماروں تو میری بیوی کو تین طلاق تو اس نے دونوں کو مارا تو ان دونوں مردوں کو جائز ہے کہ وہ اس شخص پر بیوی کی تین طلاقوں کی شہادت دیں اور یہ نہ بتائیں کہ طلاق کیسے ہوئی، اور اگر طلاق کی وجہ بتائی تو شہادت قبول نہ ہوگی۔ تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

فتاوٰی بزازیہ وعالمگیریہ میں ہے:

شهدا على رجل انه قال ان مسست جسدكما فامرأته كذا او عبده حر و مس جسدنا لاتقبل ولو شهد انه قال ان مسست ثيابكما وفعل تقبل وفى فتاوى القاضى لواراد الشهود ان يشهدوا فى هذه المسائل يشهدون بالطلاق والعتاق مطلقا بلا بيان السبب[1]۔	دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ فلاں شخص نے کہا تھا کہ اگر میں تم دونوں کے جسم کو مس کروں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا عبد آزاد ہے جبکہ اس شخص نے ہمارے جسم کو مس کرلیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، اور اگر گواہوں نے اپنے جسم کے بجائے کپڑوں کا ذکر کرتے ہوئے شہادت دی اور کہا اس نے ایسا کرلیا ہے تو شہادت مقبول ہوگی، اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ اگر گواہ حضرات ان مسائل میں گواہی دینا چاہیں تو سبب بیان کئے بغیر مطلقاً طلاق وعتاق کی شہادت دیں۔ (ت)

(۲) یسین خاں ولد قسیم خاں یہ کہتا ہے عرصہ تخمیناً سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ مظہر چندا ولد کلن مدعی حاضر عدالت کے مکان پر گئے وحیدی بنت قمر الدین خاں نے زور سے آواز دی کہ چندا ولد کلن سے میرا نکاح پڑھوادو وحیدی نے گواہان کو اجازت دی گواہان نے نکاح پڑھوادیا فیصلہ میں اس پر ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ اس نے گواہوں کے نام ظاہر نہیں کئے کہ کس کو اجازت دی، مگر شہادت بالنکاح بیان نام مزوج ووکیل وشہود کی محتاج نہیں ایک یہ اعتراض ہے کہ وحیدی کی اجازت بذریعہ سماع آواز بیان کرتا ہے اور خود کہتا ہے کہ اندر اور عورتیں بھی تھیں، اس سے ثبوت توکیل میں خلل آیا نہ نفس انعقاد وعقد میں کہ بذریعہ فضولی بھی ممکن۔ ہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ چندا کی ولدیت غلط بیان کی، واقعہ اگر عبدالکریم کا عرف کلن نہ ہو تو یہ بھاری اعتراض ہے اور کچھ نہ ہو تو اس کی شہادت میں ذکر زوج مجمل ہے گواہان نے نکاح پڑھوادیا، کس سے پڑھوادیا اسی سے جس کی نسبت وحیدی نے اجازت دی تھی یا دوسرے سے، شہادت میں ایسی محتمل بات نہیں لی جاتی،

كما يشهد به من شاهد كلمات العلماء فى باب خلل المحاضر والسجلات وغير ذلك۔	جیسا کہ علمائے کرام کے مقالموں اور کاغذی ریکارڈ وغیرہ میں خلل سے متعلق کلام کا مشاہدہ کرنے والا گواہی دے گا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوی بزازیہ کتاب الشهادات الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۸۳

نیز اس کی شہادت میں ایک اور خلل بھی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۳) غلام صمدانی خاں ولد صاحبزادہ افتخار علی خان فیصلہ کہ اس پر یہ اعتراض ہیں اس نے وحیدی کا کوئی لفظ کہنا بیان نہ کیا نہ وکیل کا ذکر کیا۔ یہ وہی بات ہے کہ اس سے توکیل بے ثبوت ہوگی نہ کہ نفس انعقاد۔ اس شہادت میں پورا خلل یہ ہے کہ چندا مدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا قمر الدین خاں شاید وحیدی کے باپ ہیں ان کا نام ہے، اس شاید نے مشہود علیہا کو مشکوک و محتمل و مجہول کر دیا۔ شہادت و شاہد میں بین تنافی ہے۔

(۴) احسان الحق ولد غلام سرور، اس کا بیان ہے کہ عرصہ سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ چندا ولد کریم اللہ کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا، وحیدی نے مظہر کو اپنے نفس کا اختیار دیا اور اشتیاق احمد کو کہ میرا نکاح پڑھوا دو، مظہر نے چندا کے ساتھ پڑھوا دیا۔ غلام سرور وکیل سے مظہر نے کہہ دیا اور غلام سرور نے خود سن لیا، وکیل اور گواہان کے کہنے کے بموجب قاضی نے نکاح پڑھا دیا۔ نکاح ملحق بالافعال ہے کہ بے فعل تمام نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے اور ایسی جگہ قول مردود مثلاً سات یا ساڑھے سات مقبول نہیں۔ عالمگیریہ وخانیہ وغیرہما میں ہے:

ان کان المشہود بہ قولا لایتم الا بفعل کالنکاح واختلف الشہود فی المکان او الزمان او فی الانشاء والاقرار لاتقبل شہادتہم[1]۔	جس چیز کی گواہی دی جارہی ہے وہ ایسا قول ہو جو فعل وعمل سے تام ہو جیسے نکاح وغیرہ اور گواہوں کا مکان یا زمان یا انشاء اور اقرار میں اختلاف ہو تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔ (ت)

عالمگیریہ وذخیرہ میں ہے:

اذا ادعی دہ دوازدہ درہم لا تسمع دعواہ وکذٰلك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ہذہ الوجہ بان قال ایں عین ملك من ست ازدہ دوازدہ سال فانہ لاتسمع دعواہ وکذٰلك اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ہذا	جب دعوی دس بارہ درہم کا کرے تو وہ قابل سماعت نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ کو اس طرح ذکر کرے مثلاً یوں کہے یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملک ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا، اور یونہی اگر گواہوں نے شہادت میں مہینہ اور تاریخ کو اس طرح ذکر کیا

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

الوجه لاتقبل شهادتهم[1]۔	توان کی شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اس کی رد شہادت کی ایک وجہ وہ ہے جو شہادت یسین خاں میں بھی تھی دوسری اور بھاری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکیل بالنکاح بتاتا اور اپنے فعل سے کار نکاح تمامی کو پہنچنا بیان کرتا ہے ایسی شہادت مردود ہے۔ خلاصہ میں ہے:

الوکیلان بالنکاح اوالخلع اذاشهدا باثبات ذلك النکاح او ذلك الخلع لاتقبل[2]۔	نکاح یا خلع کے دو وکیل اگر اس نکاح یا خلع کے اثبات میں شہادت دیں تو مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

رجلان شهدا علی رجل انه قال لهما ان مسست جسدکما فعبدی هذا حرفشهدا انه مس جسدهما لایقبل لانهما شهدافی امرتم بهما بخلاف شهدا انه قال ان مسست ثیابکما وقد مس انه یقبل ویعتق الغلام لان الثیاب غیرهما[3]۔	دو مردوں نے ایک شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے کہا تھا اگر میں تمہارے جسم کو چھولوں تو میراغلام آزاد ہے، اور پھر شہادت دی کہ اس نے ہمارے جسم کو مس کیا ہے تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ انہوں نے ایسی چیز کی شہادت دی ہے جس کا اتمام خود ان سے ہوا ہے۔ بخلاف جب جسم کی بجائے اپنے کپڑوں کو چھونے کا ذکر کریں اور پھر اس کے مس کرلینے پر شہادت دیں تو مقبول ہوگی اور غلام آزاد قرار پائے گا کیونکہ ان کے کپڑے ان کا غیر ہیں۔(ت)

(۵) اشتیاق احمد ولد کریم اللہ برادر مدعی، اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں عرصہ تخمیناً ساڑھے سات ماہ کا ہوا قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام اس کا نکاح چندا ولد کریم اللہ کے ساتھ ہوا وحیدی نے مجھ سے اور احسان الحق سے کہا میں نکاح چندا کے ساتھ کرتی ہوں میرا نکاح کرادو میں اجازت دیتی ہوں، حافظ غلام سرور نے نکاح پڑھوایا ہمارے دو گواہیوں کے ساتھ، اس کے بیان میں یہ جملہ کہ قمر الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام مستقل جملہ ہے جس نے مابعد کے بیان نکاح کو اس

[1] فتاوی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

[3] خلاصۃ الفتاوی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۷۰

لفظ سے کہ گواہی دیتا ہوں، الگ کردیا کہ وہ بلا عطف مستقل جملہ منفعلہ ہے کہ اس کا نکاح الخ ہاں اگر یوں ہوتا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اتنا عرصہ ہوا کہ قمر الدین کی بیٹی کا جس کا نام وحیدی ہے چندا سے نکاح ہوا تو یہ جملہ گواہی دیتا ہوں کے تحت میں ہوتا اب محتمل رہ گیا کہ اس نے سب سے اشدو اعظم حلف گواہی دیتا ہوں صرف اتنے جملہ کی نسبت کہا کہ قمر الدین کی بیٹی کا وحیدی نام ہے، باقی بیان اس حلف اعظم سے جدا رکھا تو یہ نکاح پر شہادت نہ ہوئی، محتمل بیان شہادت میں نہیں لیا جاتا فیصلہ نے ان دونوں شہادتوں پر اختلاف سے اعتراض فرمایا کہ احسان الحق کہتا ہے میں نے نکاح پڑھوادیا، اشتیاق احمد کہتا ہے غلام سرور نے پڑھوادیا یہ کوئی اختلاف نہیں نکاح پڑھایا یعنی خود متولی عقد ہوا اور پڑھوایا یعنی دوسرے سے اور اس میں واسطہ وواسطہ در واسطہ سب یکساں ہیں، وحیدی نے ان دونوں سے کہا ان دونوں نے غلام سرور سے کہا غلام سرور نے نکاح خواں سے کہا تو نکاح خواں نے پڑھایا اور ان سب نے پڑھوایا، ہاں ان کے بیانوں میں اور اختلافات ہیں، احسان الحق کہتا ہے وحیدی نکاح سے اول بھی جایا آیا کرتی تھیں۔ اشتیاق احمد کہتا ہے اس سے اول نہیں آئی گئی تھیں، احسان الحق کہتا ہے نکاح خواں نے آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے، آواز آئی کہ بیوہ ہے، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا احسان اللہ کہتا ہے قاضی صاحب میرے بعد آئے تھے اشتیاق احمد کہتا ہے احسان الحق دس سے اول نہیں آئے تھے قاضی صاحب قریب دس بجے تشریف لائے تھے ہم نے ایسے زوائد پر التفات نہ کیا، فیصلہ نے دوسرا اعتراض یہ فرمایا کہ یہ دونوں وکیل بالنکاح ہیں اور وکیل بالنکاح کی شہادت ناجائز مطلقاً ناجائز نہیں، خلاصہ میں بعد عبارت مذکورہ اولٰگا ہے:

اما اذاشھد الوکیلان بالبیع انہ ملك المشتری او شھد الوکیلان بالنکاح انھا منکوحتہ یقبل فی الاجناس[1]۔	لیکن اگر بیع کے دو وکیلوں نے یہ شہادت دی کہ اس چیز کا خریدار مالک بن گیا ہے یا نکاح کے دو وکیلوں نے یہ شہادت کہ بطور فلاں کی منکوحہ ہے تو شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

بلکہ اس اعتراض کی تحقیق وہ ہے جو شاہد چہارم میں ہم نے ذکر کی۔ وکلائے نکاح کی ایسی گواہیاں ضرور مردود ہیں۔

(٦) سجاد علی خاں ولد منور علی خاں، اس کا بیان متناقض ہے کہتا ہے وحیدی نے اپنے نفس کا اختیار گواہوں کو دیا، گواہ چوکھٹ پر تھے وکیل چوکھٹ کے اندر تھا، جو الفاظ وحیدی نے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الشہادات الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۶۹

گواہان سے کہے مظہر کو یاد نہیں وہ الفاظ مظہر نے سنے بھی نہیں، پہلا فقرہ توکیل پر شہادت ہے اور پچھلا اس شہادت سے صاف برائت، نیز کہتا ہے وحیدی اور چندا کا رسم تھا اسی وجہ سے چندامدعی کے مکان پر نکاح ہوا یہ ان کے مکان میں جاتے تھے وہ ان کے مکان میں آتے تھے اس سے اول وحیدی کے آنے جانے کا حال مجھ کو معلوم نہیں، اس گواہ کو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کیا کہہ چکا تھا اور اب کیا کہتا ہے، ایسے مغفل کی کیا شہادت، اور ہوتی بھی تو وہ تنہا تھا ایک کی شہادت ان حقوق میں مسموع نہیں، فیصلہ نے اسی گواہ اور نکاح خواں عنایت احمد کی شہادتوں پر نکاح فضولی منعقد ہونا تسلیم فرمایا ہے اور ازاں کہ وحیدی کی اجازت در کنار اسے نفس نکاح سے انکار ہے، فرمایا پس یہ نکاح شرعاً باطل ہے، ہم ان دونوں شہادتوں کا حال بیان کرآئے تو ہرگز نکاح فضولی بھی ثابت نہیں اور بالفرض ثابت ہوتا تو نکاح فضولی ہرگز باطل نہیں بلکہ منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے وحیدی کا اس وقت نفس نکاح سے انکار بعد نکاح اجازت قولی یا فعلی کا کب مبطل ہوسکتا ہے ممکن کہ اس وقت سن کر جائز کیا ہو اب کسی نااتفاقی کے باعث سرے سے وقوع نکاح کی منکر ہوگئی تو دعوی نکاح ثابت کرنا تھا اور اجازت وحیدی کا مدعی سے ثبوت مانگنا کہ حق ظاہر ہو اور ہوا ہے تو حقدار کو پہنچے کہ قاضی کا نصب اسی ایصال حقوق وابطال عقوق کے لئے ہوتا ہے مگر ہم ثابت کرآئے کہ اصلاً وقوع نکاح ہی ثابت نہیں، نہ اصیل سے نہ وکیل سے نہ فضولی سے، نکاح خواں کا رجسٹر کوئی چیز نہیں، حروف صامت ہیں جن کی زبان ناطق وہی نکاح خواں جس کی شہادت یہاں اصلاً مسموع نہیں، اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار و النکول کمافی وقف الخانیۃ [1] ۔	لکھائی اور خط پر نہ اعتماد ہوگا نہ عمل، تو ماضی کے دور کے قاضی حضرات کے مکتوب وقف پر اب عمل نہ ہوگا کیونکہ کوئی قاضی حجت کے بغیر فیصلہ نہیں دے سکتا بلکہ حجت صرف گواہی، اقرار یا قسم سے انکار ہے جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔ (ت)

یہیں فتوائے رام پور کا بطلان واضح ہوا **اولاً:** اس نے انہیں نامقبول و نامسموع شہادتوں پر بنا کی کہ بیانات گواہان سے ثابت ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ ورواج

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

نکاح ہوا حالانکہ ہونے پر اصلاً ایک شہادت معتمدہ بھی نہیں جیسا کہ اوپر مفصلاً معلوم ہوا۔

ثانیًا: خود سمجھا کہ صرف اتنی بات دعوی مدعی مطالبہ رخصت کا اثبات نہ کرے گی لہذا اس میں یہ پیوند لگایا کہ اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا تو اجازت ہندہ بعد نکاح ثابت ہے اجازت کے لئے دو امر درکار تھے عورت کو اطلاع ہونا اور اس کا جائز رکھنا اول کے ثبوت کو یہ بے معنی دلیل گھڑی کہ اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح ہوا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہندہ کا وہاں ہونا ثابت ہو کہ کثیر لوگ نکاح کے لئے جمع ہونے سے اس کی اطلاع پر استدلال کیا جائے یہاں سرے سے جلسہ نکاح کا انعقاد ہی ثابت نہیں کہ شہادتیں سب مختل و مہمل ہیں۔

ثالثًا: نکاح خواں کہتا ہے نکاح میں ۱۵ یا ۲۰ آدمی سے کم نہ تھے، اشتیاق احمد کہتا ہے جلسہ نکاح میں ۲۵ یا ۳۰ آدمی ہوں گے، احسان الحق بھی یہی کہتا اور لفظ اندازًا اور اضافہ کرتا ہے، اسی طرح یسین خاں تخمینًا کہتا ہے، قطع نظر اس سے کہ یہ شہادتیں شرعًا مردود ہیں، ۱۵، ۲۰ یا ۲۵، ۳۰ کیا ایسا کثیر مجمع ہے جس کی اطلاع گھر کے اندر پہنچنی ضرور ہے خصوصًا اس حالت میں کہ نکاح خوان کہہ رہا ہے کسی عورت سے دریافت کا قاعدہ نہیں گواہان کے اعتبار پر نکاح پڑھوا دیا، کسی عورت سے کچھ دریافت نہ کیا۔ غلام صمدانی کہتا ہے نکاح رات کے ساڑھے دس بجے ہوا تھا جلسہ نکاح میں مظہر نو بجے پہنچا تھا، قاضی صاحب میرے سامنے آئے تھے، قاضی جی نے میرے سامنے عورتوں سے کچھ نہیں پوچھا، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے گواہوں سے دریافت کیا تھا انہوں نے کہا بیوہ ہیں اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا صرف ایک احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح خواں نے ہم سے بھی دریافت کیا اور آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے یہ مستوران ثقہ نہایت عمدہ آدمی کی تکذیب کرتا ہے اور نہ سہی تو اکیلا ہے اور نہ سہی تو آواز آئی سے کیا ثابت ہوا اور اس سے کیونکر معلوم ہوا کہ وحیدی کو اطلاع ہوئی۔

رابعًا: اطلاع درکنار سرے سے وحیدی کا اس مکان میں ہونا ہی ثابت نہیں اس کا وہاں آنا ایک تو احسان الحق و اشتیاق احمد نے بیان کیا یہ دونوں اپنے لئے مدعی تو کیل ہیں ان کو تو اس کے بیان کی ضرورت ہی لاحق تھی مگر کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال انکار موکل مسموع نہیں ہوسکتا۔ باطل ست انچہ مدعی گوید (مدعی جو کچھ کہتا ہے باطل ہے۔ ت) یسین خاں کہتا ہے وحیدی نے زور سے آواز دی کہ میرا نکاح پڑھوا دو۔ یہ اس کی تراش باقی سب گواہوں سے

جدا ہے پھر خود کہتا ہے کوٹھی میں اور بھی عورتیں تھیں اس نے تو آواز کا دروازہ بند کیا آگے کہتا ہے یہ نہیں بتا سکتا کہ کوٹھی میں کون کون عورتیں تھیں یہاں سے اس علم کا بھی سد باب ہوا کہ وحیدی تھی کیونکہ اس کا وہاں موجود ہونا جانا لاجرم سنی سنائی کسی کی بتائی یا محض جزافاً اڑائی۔ سجاد علی خاں صاف تر کہتا ہے کہ وحیدی پردہ نشین ہے مظہر سے پردہ ہے وحیدی کوٹھڑی میں تھی اول تو یہی نہیں معلوم کہ کہاں کی کوٹھری میں تھی پھر یہ کیونکر جانا کہ وہاں تھی یہی گواہ توکیل گواہان پر شہادت بھی دے رہا ہے اور اسی منہ میں کہتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے تک نہیں تو جس طرح کسی کی تعلیم سے توکیل پر گواہی دے دی یونہی وہاں وحیدی کے ہونے کے۔ کیا ایسے مہمل وبے سروپا بیانوں سے عورت کا وہاں موجود ہونا ثابت ہوسکتا ہے حاشا۔

خامسًا: طرفہ تر فتوی کا یہ قول ہے کہ ہندہ کا اجازت دینا نکاح کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم ہوا اجازت دینے کا حال تو اوپر معلوم ہوا کہ دو مدعیان توکیلی اور تیسری اس غیبی آواز پر شہادت اور چوتھی میں آواز تک نہیں یونہی ایمان بالغیب کے سوا کہیں اس کا پتہ نہیں، مگر لطف یہ ہے کہ جب ہندہ کا قبل عقد اجازت نکاح دینا ثابت ہے تو نکاح فضولی کب رہا جس کے لئے اجازت فعلی گھڑنے کو آپ یہ دردسر اٹھا رہے ہیں۔ سبحان اللہ! خود نکاح کی اجازت دینا مانئے اور اس سے صرف اتنا نتیجہ نکالئے کہ اسے نکاح کی خبر ہوئی، رہی اجازت وہ آگے فعل سے ہو رہے گی ایسے اجتماع ہوش وحواس کی حالت میں افتاد تصدیقات کی تکلیف اٹھانی نہ تھی مگر ہے یہ کہ خود سمجھا کہ جلسہ کا انعقاد اور آدمیوں کا اجتماع ہندہ کی اطلاع کو کافی نہیں، ناچار اجازت کا شقشقہ بڑھایا اگرچہ اس نے ساری تقریر کو عقل سے بیگانہ کر دکھایا۔

سادسًا: اب دعوی کے دوسرے شق کا ثبوت دینے کی طرف توجہ ہوئی کہ بعد نکاح ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح ہے لہذا نکاح صحیح شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہوجانا یقینی ہے، ہم بیان کر آئے کہ وحیدی کا وہاں جانا ہی ثابت نہیں نہ کہ دو ایک روز رہنا۔ اس شگوفے کا ذکر ان دو مدعیان وکالت کے سوا کسی کے بیان میں نہیں۔ یسین خاں نے اتنا کہا ہے کہ ہم نکاح کے بعد مدعی کے مکان پر وحیدی کو چھوڑ آئے تھے اس سے رہنا ثابت نہیں ہوتا، ہاں احسان الحق نے کہا ہے کہ بعد نکاح ایک آدھ روز وہاں رہی پھر اپنی والدہ کے گھر چلی آئی، اشتیاق احمد نے ایک یا ڈیڑھ دن اور بڑھایا کہ بعد نکاح کے ایک دو دن اسی مکان میں رہی، ظاہر ہے کہ رہنا وہاں ہونے کی فرع ہے اور وہاں ہونے کا اظہار یہ اپنے دعوی وکالت وگواہی نکاح کے لئے کر رہے ہیں جس میں وہ متہم ہیں۔

سابعًا: خود احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح ہونے کے بعد سب چلے گئے اس کے بعد دو ایک یا ایک آدھ روز وحیدی کے وہاں رہنے کا علم اسے کیونکر ہوا اپنا معاینہ بیان نہیں کرتا، نہ یہ ان مواقع میں ہے جن میں سماع پر شہادت روا ہو تو بیان بے ثبوت ہے یہی حال اشتیاق احمد کا ہے اگر وہ چندا ہی کے مکان میں نہ رہتا ہو۔

ثامنًا: اگر نکاح فضولی وحیدی کے مکان پر ہوتا اور وہ بعد علم نکاح حسب دستور رخصت ہو کر چندا کے یہاں جاتی تو یہ ضرور اجازت فعلی کی حد میں آسکتا، یہاں تو یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ نکاح چندا ہی کے مکان پر ہوا اور وحیدی کو اطلاع کا کوئی ثبوت نہیں معدود اشخاص کا باہر جمع ہونا اور اندر سے کچھ دریافت کرنا کیا موجب اطلاع زناں سے ہے اسی زخم نا مندمل کے بھرنے کو فتوائے رامپور نے وہ فقرہ اضافہ کیا جس نے اس فتوے کو نقل کے ساتھ عقل سے بھی بعید کردیا اور جب اس وقت اطلاع نہ ہوئی بعد نکاح معًا ہونی کیا ضرور، اور اس کا کیا ثبوت۔ ممکن کہ ایک آدھ یا دو ایک روز کے بعد ہی اسے خبر دی ہو جس پر وہ فورًا اپنی ماں کے یہاں چلی گئی۔

تاسعًا: منصب استحقاق سخت دشوار ہے اس میں شاید ولعل سے کام نہیں چلتا بلکہ احتمال دافع استحقاق و قاطع استدلال۔ شہادت میں کہاں ہے کہ یہ رہنا بالاختیار تھا ممکن کہ مجبورًا بطور حبس رہی ہو اگرچہ اسی قدر کہ وہ پردہ نشین تھی اور سواری نہ ملنے دی۔

عاشرًا: بالفرض باختیار ہی رہی مگر لڑنے جھگڑنے میں وقت گزارا اور چلی آئی اور اپنے نفس پر قدرت نہ دی تو اجازت فعلی کس گھر سے آئیگی، وہ پانچ ادعاء اطلاع پر تھے یہ پانچ اجازت پر "تلک عشرۃ کاملۃ" جن سے آفتاب کی طرح واضح ہوگیا کہ یہاں وحیدی کی طرف سے اجازت فعلی ماننا محض سفسطہ ہے اور وہ بھی اس جوش کے ساتھ کہ نکاح صحیح شرعی ہوجانا یقینی **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔ اسی لئے سوال میں یہ لفظ اضافہ کیا کہ ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح حسب رواج زمانہ رہی مگر اس لفظ حسب رواج زمانہ کا ان بیچارے دونوں مدعیان توکیل کے بیان میں بھی پتہ نہیں حتی المقدور اجازت فعلی بنانے کے لئے از پیش خویش اضافہ ہوا ہے، ناراض ہونے کی بات نہیں، اسلامی خیر خواہی کے لئے عرض ہے کہ اتنے علم و عقل والوں کو امور شرعیہ میں دخل دینا، فتوٰی لکھوانا، تصدیق کرنا شرعًا حرام حرام سخت کبیرہ ہے۔ ابن عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملٰئکۃ السماء والارض[1]۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**	جس نے بغیر علم کے فتوٰی دیا اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت۔ (ت)

[1] الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

احسان الحق واشتیاق احمد کا وحیدی سے پردہ نہ ہونا جبکہ سامنے آنا بے ستری کے طور پر ہو مثلاً سر کے بال یا گلے یا پیٹ یا بازو یا کلائی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے پہنے جن سے بدن چمکے اور یہ اس پر راضی ہوں، مانع نہ ہوں نگاہ پھیر نہ لیتے ہوں، ضرور ان کے لئے بھی موجب فسق ہے ورنہ نہیں عالمگیریہ میں ہے:

یقبل تعدیل المرأۃ لزوجھا وغیرہ اذا کانت امرأۃ برزۃ تخالط الناس وتعاملھم کذا فی محیط السرخسی[1]۔	عورت کا اپنے خاوند کو عادل قرار دینا مقبول ہوگا جبکہ یہ عورت باہر نکل کر لوگوں میں اختلاط اور ان سے معاملات کرتی ہو، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔(ت)

حدیث میں ہے:

النظرۃ الاولٰی لك والثانیۃ علیك[2]۔	پہلی نگاہ تجھے معاف ہے اور دوسری نگاہ پر تجھ پر گناہ ہے۔ (ت)

کلام کریم میں ہے:

لاتزر وازرۃ وزر اخری[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۳: از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات ومحمد نصرت شیر خان محرر دینیات ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ کی مالک میں ایک کھیت تھا اس کا فروخت کر دیا اس کے روپے سے ایک مکان خرید نے کا ارادہ کیا جب مکان تجویز ہوگیا اور قیمت کا معاملہ بائع سے طے ہوگیا اس وقت زید نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ اس مکان کا بیعنامہ آپ کے نام کرادوں یا جس کے نام ارشاد فرمائیں زید کی والدہ کے بجز زید کے اور کوئی فرزند ودختر نہ تھی اس وجہ سے زید کی والدہ نے فرمایا کہ تو ہی اپنے نام کرالے چنانچہ زید نے بموجب حکم اپنی والدہ کے اپنے نام مکان کا بیعنامہ کرالیا اور اس بیعنامہ کو عرصہ چالیس سال کا تخمیناً ہوا ہے اس وقت زید کی زوجہ اولٰی مع بعض اولاد کے موجود تھی اس مکان کے خریدنے کے پہلے اور بعد کو بھی زید نے چند جگہ اپنے خاندان میں کسی عورت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۲۸

[2] شرح معانی الآثار کتاب النکاح باب حلۃ النظر قبل التزوج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

سے عقد ثانی کا ارادہ بزمانہ حیات اپنی والدہ اور زوجہ کے پختہ طور سے کرلیا اور دونوں کو اس کا علم قطعی طور سے ہوا لیکن اس پر بھی زید کی والدہ نے زید سے یہ نہیں فرمایا کہ تو اس مکان کو اپنی زوجہ یا اپنی اولاد کے نام منتقل کردے بلکہ زید کی ماں نے اسی مکان میں سالہاسال تک سکونت فرما کر وفات پائی آخر دم تک کوئی بات اس مکان کی نسبت نہیں فرمائی، زید نے بعد وفات اپنی وجہ اولٰی کے تخمیناً عرصہ بیس سال کا ہوا ایک عورت سے نکاح کرلیا یہ اس مکان کو جس کو اس کی والدہ مرحومہ نے زید کے نام کرادیا تھا اسے زوجہ ثانیہ کے مہر میں دینا چاہتا ہے اور ایک دوسرا مکان جو اس مکان کے محاذ میں زید نے خریدا ہے اس کو اپنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے اولاد کو تبرعاً دینا چاہتا ہے اس حالت میں زید کی بڑی لڑکی خالدہ یہ دعوی کرتی ہے کہ جس مکان کو آپ مہر میں ہماری مادر صاحبہ کے دینا چاہتے ہیں وہ مکان ہماری والدہ مرحومہ کا اور ہمارا ہے کیونکہ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی دلی نیت یہ تھی ہماری والدہ صاحبہ اور ہم آپ کے ساتھ اس مکان میں رہیں اور ہماری دادی صاحبہ نے آپ کا نام بیعنامہ میں فرضی طور پر کرادیا تھا۔

دوسرا دعوی خالدہ کا یہ ہے کہ جب یہ مکان خریدا گیا تو صرف اس میں ایک کوٹھا بہت نیچا تھا اس کو آپ نے اونچا کرایا اور اس کے آگے سہ دری مرتب کرائی اور دروازہ مسقف بنوایا اور باسٹھ گز زمین پچاس روپے کو خرید کر آپ نے اس مکان میں شام کی یہ سب روپیہ آپ نے ہماری والدہ سے لیا اور وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا تھا کیونکہ جس قدر روپیہ آپ اپنی چالیس روپے کی تنخواہ میں سے بچا کر ماں بماہ ہم کو روانہ کرتے تھے وہ ہماری والدہ کے نان و نفقہ اور ہمارے اخراجات کا تھا علاوہ بریں ہماری والدہ صاحب مع ہمارے دوسرے تیسرے سال نانی صاحبہ کے گھر جاتی تھیں اور وہاں دو دو مہینے یا تین تین مہینے رہنا ہوتا تھا اور ہمارا سب کا کھانا نانی صاحبہ کے ذمہ ہوتا تھا اس عرصہ میں جس قدر روپیہ ماہواری آپ روانہ کرتے تھے وہ بچتا تھا وہ سب روپیہ ہماری والدی کا اور ہمارا تھا اس کے سوا ہمارے نانا صاحب کے مرید اور شاگرد نانا صاحب کے مکان پر آتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ یا ہم کو کچھ روپیہ دیتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ کا اور ہمارا ہوتا تھا۔

زید خالدہ کے اول دعوی ملکیت مکان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اصل مکان جبکہ میری والدہ مرحومہ نے اپنی ذاتی رضامندی سے میرے نام کرادیا تو اس کے بعد یہ کہنا سراسر فضول ہے کہ ان کی دلی نیت تمہاری ملک میں دینے کی نہ تھی اور آپ کا نام فرض تھا کیونکہ بیع وشراء میں باعتبار شریعت کے دلی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ظاہری الفاظ یا تحریر کا اعتبار ہوتا ہے، اور زید خالدہ کے دوسرے دعوی ملکیت روپے کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو کچھ تمہاری والدہ کے پاس پس انداز روپیہ تھا وہ میری ہی

کمائی کا روپیہ تھا اور جس وقت میں نے تمہاری والدہ سے زمین کے خریدنے اور دکان کے مول لینے کو یا مرمت مکان کو یا درمیانی دیوار بنانے کو روپیہ طلب کیا اس مرحومہ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ اس وقت آپ کا ذاتی روپیہ تو میرے پاس نہیں، ہاں میرا ذاتی روپیہ موجود ہے یا کسی کی امانت میرے پاس رکھی ہے اس وقت آپ لے کر اپنا کام چلالیں بعد کو بتدریج ادا کردیں، اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روپیہ میری کمائی کا پس انداز تھا جو میں نے اس مرحومہ سے لیا۔

دوسرا جواب شرعی طور پر یہ ہے کہ اس مرحومہ نے مرتے دم تک اس روپے کا نسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روپیہ آپ نے فلاں فلاں وقت مجھ سے لے کر مکان میں لگایا تھا وہ میرا ذاتی روپیہ تھا اس کو آپ نے مجھ کو واپس نہیں دیا اب آپ اس روپے کو میری طرف سے کسی مدرسہ اسلامیہ یا مسجد یا کسی اور کارخیر میں لگادیں تاکہ مجھ کو اس کا ثواب پہنچتا رہے، اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو روپیہ میں اس سے لیا میرا ہی مملوک تھا۔

اور تیسرا جواب زید کا یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ انہوں نے اپنا مملوک ہی روپیہ مجھ کو دیا تھا جب کہ آخر دم تک اس کو مجھ سے طلب نہ کیا اور نہ اس کی نسبت بوقت وفات مجھ کو کچھ وصیت کی تو وہ روپیہ انہوں نے مجھ کو بخش دیا اعنی وہ روپیہ مجھے واپس لینے کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اس روپیہ کا مجھ کو مالک بنادیا تھا، پس علمائے دین سے استفسار ہے کہ زید کی خالدہ بیٹی کے دونوں دعوی ازروئے شرع شریف حق ہیں یا زید کے جوابات حق ہیں؟

الجواب:

خالدہ کا پہلا دعوی محض باطل و نامسموع ہے اعتبار لفظ کا ہے نہ کہ محض نیت کا **فقد نصوا ان العبرۃ بما تلفظ لا بما نوی** (فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ لفظ کا اعتبار ہے نیت کا نہیں۔ ت) روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو[۲] صورتیں ہیں: ایک یہ کہ زن و شو و عیال ایک جگہ رہتے ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اٹھاتی ہے، اس صورت میں وہ روپیہ تمام و کمال ملک شوہر پر رہتا ہے، عورت کا خرچ بھی ملک شوہر پر ہوتا ہے، اسے شرع میں تموین کہتے ہیں، عقد نکاح کا اصل موجب یہی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے۔
دوسری صورت یہ کہ زن و شو جدا ہیں شوہر اسے نفقہ بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اسے جدا دیتا ہے، عام ازیں کہ وقت معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس روپے خاص بحکم قاضی خواہ بتراضی، یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے

خرچ کے لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے، اس صورت میں جو کچھ اسے دیا وہ ملک زن ہو گیا، اس میں سے جو کچھ بچے گا، خواہ عورت کی جز رسی سے یا یوں کہ وہ مہینوں اپنی ماں کے یہاں رہی اور مصارف ماں نے کئے بہر حال عورت ہی اس کی مالک ہے۔ بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

المفروضة او المدفوعة لها ملك لها فلها الاطعام منها والتصدق وفی الخانیة لو اکلت من مالها او من المسألة لها الرجوع علیه بالمفروض[1]۔	عورت کے لئے مقرر شدہ یا اس کو ادا شدہ کی وہ مالک ہے تو اس میں سے اس کو کھلانے اور صدقہ کرنے کا حق ہے، ور خانیہ میں ہے اگر عورت اپنے مال میں سے کچھ کھائے یا وصول کردہ سے مقرر شدہ کیلئے عورت خاوند سے رجوع کر سکتی ہے۔ (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں واقع صورت ثانیہ ہے کہ زید اسے خرچ بھیجا کرتا تھا تو چاہئے کہ عورت ہی اس کی مابلکہ ہو،

اقول: مگر یہاں ایک نکتہ اور ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے احتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی ملک ہو گیا اگر وہ نہ اٹھائے بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دے دیا اور اس کے پاس سے چوری نہ کریں اپنی حاجت دوسرے طور پر روا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمہ پدر نہیں، اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکم حاکم مقرر ہوا ہو جب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جب تک یہ خرچ نہ ہو جائے کہ پہلی حاجت دفع ہو گئی اور اگر اس نے دیا ان کے پاس سے چوری ہو گیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی ملک نہیں ملک پدر ہے کہ معلوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبۃً دے تو البتہ وہ مالک ہوں گے، ذخیرہ پھر بحر الرائق میں ہے:

فرق بین نفقة الزوجات وکسوتهن و بین نفقة المحارم وکسوتهم، فان فی الاقارب اذا مضی الوقت	بیویوں کے لئے نفقہ و لباس میں اور ذی محرم کیلئے نفقہ اور لباس میں فرق ہے کیونکہ اقارب کے نفقہ و لباس میں سے کچھ باقی ہو اور وقت گزر جائے

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۹، بحر الرائق کتاب الطلاق باب النفقة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۴

وبقی شیئ من الدراھم والکسوۃ فان القاضی لایقضی باخری فی الاحوال کلھا لانھا باعتبار الحاجۃ فی حقھم، وفی حق المرأۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولھذا اذا ضاعت النفقۃ او الکسوۃ من ایدیھم یفرض لھم اخری لما ذکرنا[1]۔	تو قاضی اس کے عوض کچھ اور کسی حالت میں دینے کا حکم نہیں کرسکتا کیونکہ ان کے لئے یہ خرچہ حاجت کے اعتبار سے ہوتا ہے اور بیویوں کے حق میں ان کو محبوس رکھے کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ان کے خرچہ میں سے اگر ان کے پاس ضائع ہوجائے تو قاضی اسکے عوض کے لئے حکم نافذ کرے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کردیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

النفقۃ فی حق القریب بقدر الحاجۃ والکفایۃ وفی حق الزوجۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولذا لومضی الوقت وبقی منھا شیئ یقضی باخری لھا لالہ وکذا لوضاعت[2]۔	قریبی کے حق میں نفقہ بقدر حاجت وکفایت ہوتا ہے اور زوجہ کے حق میں پابندی کا معاوضہ ہوتا ہے اس لئے بیوی کے حق میں سے کچھ بقایا ہو تو وقت گزر جانے کے باوجود مزید ادا کرنے کا حکم دے گا اور قریبی کے لئے ایسا نہیں ہے اور یونہی اگر ضائع ہوجائے۔(ت)

اسی پر حواشی فقیر غفرلہ میں ہے:

اقول: سبق قلمہ وصوابہ (وبعکسہ لوضاعت) ای یقضی باخری لہ لعدم اندفاع الحاجۃ لالھا لوصول العوض الیھا[3]۔	اقول: (میں کہتا ہوں) یہ قلم کی سبقت ہے، ورنہ درست اس کا عکس ہے، اگر ضائع ہوجائے یعنی قریبی کے لئے نفقہ ضائع ہوجائے تو قاضی اس کے لئے مزید کا حکم دے گا کیونکہ اس کی حاجت پورا کرنا ہے، بیوی کے لئے ایسا نہیں کیونکہ وہ عوض کے حقدار ہے جو اسے مل گیا ہے(ت)

یہاں سے خالدہ کے اس دعوی کا کہ جس قدر بچتا تھا ہمارا اور ہماری والدہ کا تھا اپنی نسبت بطلان تو ظاہر ہوگیا اس کی ماں کی نسبت بھی صحیح نہ رہا۔ سوال سے ظاہر ہے کہ زید تنہا عورت کے نفقہ اسے نہ بھیجتا تھا بلکہ مع اولاد، اور اس میں کوئی تفصیل نہ تھی کہ اتنا زوجہ کے لئے اتنا اولاد کے واسطے بلکہ مجملاً بغرض صرف

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق باب النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۲

[3] جدالممتار علی ردالمحتار

ارسال ہوتا تھا تو اسے عورت کے لئے تملیک نہیں کہہ سکتے کہ علاوہ شیوع مجہول القدر ہے مقصود یقینا یہ ہے کہ جتنا عورت کے صرف میں آئے وہ اٹھائے جتنا بچوں کے خرچ میں آئے ان پر صرف کرے نہ یہ کہ کہ عورت اور ہر بچے کو بحصہ مساوی مالک کیا اور جہالت قدر مبطل ہبہ ہے۔ بحر الرائق میں ہے:

یشترط فی صحۃ المشاع الذی لایحتمل القسمۃ ان یکون قدرا معلوما[1]۔	مشاع یعنی جو تقسیم نہ ہوسکے ایسی چیز کی ہبہ کی صحت کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کی قدر معلوم ہو۔(ت)

تو ثابت ہوا کہ وہ بھیجنا بھی تموین ہی تھا نہ کہ تملیک، لہٰذا جو کچھ بچا ملک زید ہی تھا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا ولی ہے۔ت) یہاں سے ظاہر ہوا کہ دوسرے دعوی خالدہ کے تین جواب جو زید س نے دئے اگرچہ ان میں دو پچھلے صحیح نہیں، زن و شو کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شرف و شرم والیاں اس میں تقاضائے دین پسند نہیں کرتیں تو نہ مانگنا یا وصیت نہ کرنا دلیل تملیک نہیں ولا ینسب الی ساکت قول (خاموش کی طرف بات منسوب نہیں ہوتی۔ت) مگر پہلا جواب کہ وہ میری ہی ملک تھا صحیح ہے، نہ اس طور پر کہ زید نے کہا، بلکہ جس طرح ہم نے تقریر کی۔ رہا خالدہ کا بیان کہ اس کے نانا کے مریدین و تلامذہ اسے اور اس کی ماں کو کچھ دیتے تھے اس کا ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ اس روپے میں سے اس کی ماں نے زید کو دیا اگر بتعین مقدار اسے شہود عدول سے ثابت کردے تو اس کا حاصل اس قدر ہوگا کہ زید اتنے روپے کا مدیون ہے، مکان پر خالدہ وغیرہ کسی کو دعوی نہیں پہنچتا کہ روپیہ قرض دیا ہے نہ کہ مکان کا کوئی حصہ مول لیا ہے والدیون تقضی بامثالہا (نقدی دین کی ادائیگی ہم مثل سے ہوتی ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2]۔	والد کے مال سے خریدی گئی چیز کو یہ لازم ہیں کہ وہ باپ کی ہوجائے۔(ت)

تعین و مقدار کی ضرورت یہ ہے کہ بے اس کے دعوی مسموع نہیں مثلاً خالدہ کہے اس میں کچھ روپیہ زر نذور کا تھا نہ سنا جائے گا، ہندیہ میں ہے:

لو کان المدعی بہ مجہولا فان القاضی	جس چیز کا دعوی ہے وہ اگر مجہول ہو تو قاضی اس

[1] بحر الرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

لایسمع دعواہ ھکذا فی النھایۃ[1]۔	دعوی کو نہ سنے گا، نہایہ میں ایسے ہی ہے۔(ت)

یہ حکم قضا ہے دیانۃً اگر زید جانتا ہو کہ اس میں زر نذر بھی تھا تو اس پر لازم ہے کہ واپس دے اور مقدار نہ معلوم ہو تو آسان طریقہ یہ ہے کہ جو مکان ان کو تبرعًا دینا چاہتا ہے اس روپے کے عوض میں دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۴ تا ۱۳۷: از دیوی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ میر غلام اول مدرس ۱۳ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے قاضی کو یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں ہوئی تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی، جو کچھ ہوا ہو، ہو لیا، اب قضا پر قضا نہیں ہوتی نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لئے جاسکتے حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک گواہ کی رائے پر فیصلہ کر دیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشا بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعہ یوں ہے ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر دوسرے گاؤں میں جا رہتا ہے وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کر دیتا ہے، شادی نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا اس کا گھر بار کھالیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہو جاتا ہے کہ نکاح ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہو جاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر لڑکی کے والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلا کر لڑکی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے لڑکی کا باپ کئی مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہوتے ہیں بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں کی مرضی تھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دے ان کی شہ وغیرہ سے وہ بغیر طلاق لئے نکاح کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے اس گاؤں کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو، پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا تھا جو اب فوت ہو گیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جائے خاوند لاہور ہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی نے پوچھا کہ کوئی گواہ موجود ہیں جواب ملا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲

کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مرگئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ گواہوں کی ضرورت نہیں صرف دو گواہ میرے پاس لے آؤ، اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دو گواہ کیوں مانگتا ہے، اس کی حکمت آگے ظاہر ہوجائے گی کہ منطق پڑھے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے، جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے طور پر بیان کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب وقبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی شروع کی تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناتا، اس نے کہا ناتا، قاضی جی کی چاندی ہوگئی، وہ چاہتا بھی یہی تھا، یہ سن کر بغیر مزید سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناتا کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ شادی نہیں ہوئی بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب وقبول ہوا ہے اس واسطے شادی کی مقابلہ میں میں نے ناتا کہا، مگر قاضی نے باور نہ کیا اور پھر کہا گیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے، قاضی نے کہا نصاب ہوچکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا چاہتا قاضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جاکر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کردیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے مسلمانوں میں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گردو نواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود تھے ان معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوادو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دو سو میل پر بیٹھا ہے قاضی بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے، عجب عجب عجب، پتہ کے گاؤں کے لفظ ناطہ ایک ایسا مل گیا ہے جو سب باتوں کو رد کردیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ اگر معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے پاس کیوں آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا، جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے کہ نصاب پورا ہوگیا، جب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کردیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید تحقیقات نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرادیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی میں دو گواہ پیش کردے جن میں سے ایک کہہ دے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوالے اور عورت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ جناب من! اب خوب تحقیق کرکے جواب سے سرفراز فرمادیں کیونکہ قاضی جی کی اس قضاء سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند

کی عورت بلاطلاق کیونکر دوسرے مرد پر حلال ہوگئی، اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتوی دیں:
(۱) عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم، آیا وہ اس قضا کو مان لیں جوان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہے بعض نکاح کے موقع پر موجود تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا۔
(۲) قاضی کے واسطے کیا حکم ہے جس نے دانستہ دو گواہ لئے گوان گواہوں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناتا کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کی شہادت پر جا کر اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس نے پوچھا تک نہیں۔
(۳) لڑکی کے والدین کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے نکاح پر نکاح بنوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ تم پہلے طلاق لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کر دیا۔
(۴) لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے جس کو اب تک لاہور سے رخصت ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

الجواب:

ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناتے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناتا ہی اصل نکاح ہے تو عورت کا منکوحہ غیر ہونا انہیں دونوں گواہوں سے ثابت ہو لیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا اور گواہوں کے سننے سے انکار اس کی خباثت قلبی تھی نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ نصاب سے ثبوت ہو جائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصدًا نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا اور خود زنا کا دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضاء نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خواں شرعًا قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے جیسے لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولوی صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس نے کون سی قضا کی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدم ثبوت کوئی قضا نہیں۔

(۱) اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔
(۲) قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے، حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاکی پر قتل تک کرسکتا ہے کہ ایسا شخص "یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا" [1] (زمین پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ت) میں داخل ہے۔
(۳) لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کردیا کلمہ کفر ہے کہ انہوں نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر (گناہ کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ت) ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے سے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔
(۴) لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہی اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواج مکرر کا دعوٰی کرکے لے سکتا ہے۔ معاذاللہ کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: ازرامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۵/ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر ایک نکاح خواں بغیر دعوٰی مدعی کے کہہ دے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلانے بیٹے کو کردیا ہے، مدعی نے بیٹے معلوم کے لئے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی کا ہے، آیا یہ شہادت قابل اعتبار ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

جب دعوٰی نہیں تو مدعی کیسا، اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرط شہادت نہیں اس نے اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں لانہ شھادۃ علی فعل نفسہ (کیونکہ یہ اپنے خلاف شہادت ہے۔ت) ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابل قبول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: از ضلع در بھنگہ مقام مدھوبنی محلّہ جولاہہ ٹولہ متصل جامع مسجد مرسلہ خاں محمد صاحب ۱۱/ محرام الحرام ۱۳۳۹ھ

نوری مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خاں محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس کی ماں کو اس کے پہلے شوہر نے طلاق نہیں دی تھی کہ اس کے والد نے اس سے نکاح کرلیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا اس لئے اس کے ماں باپ دونوں زانی اور یہ لوگ ولد الزنا ہوئے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند معزز اشخاص کے

---
[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۳

سامنے نوری سے ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ خاں محمد کے والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے، اتنے دن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے، خان محمد اور اس کے بھائی کی شادی خاندان میں کیوں کی؟ نوری نے کوئی گواہی پیش نہیں کی بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے ایسا کہا ہے، ہم سے قصور ہوا، اب ہم خان محمد اور اس کے بھائی کو ولد الزنا نہیں کہیں گے اور برابر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا بیان صحیح ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو خود ان لوگوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، ان لوگوں کی گواہی ہمیشہ مردود ہوگی یا نہیں، اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس برس نہ بولنے، خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے اور اسکی شادی بیاہ اپنے خاندان میں کرنے سے نوری اور اس کے ساتھی کس سزا کے مستحق ہیں او کس حکم کے قابل ہیں؟

الجواب:

ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ﴿۱۳﴾"[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب وہ گواہ پیش نہ کریں تو وہ اللہ تعالٰی کے ہاں جھوٹے ہیں۔ (ت)

اور وہ اس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "فَاجۡلِدُوۡهُمۡ ثَمٰنِيۡنَ جَلۡدَةً"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کو اسی کوڑے مارو۔ (ت)

گواہی کا وہ مردود ہونا کہ "وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ"[3] (اور ان کی گواہی کبھی نہ مانو۔ ت) اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے یہاں نہیں ہوسکتا البتہ وہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لئے ہے جبکہ وہ بار بار یہ جھوٹ بک چکے ہوں۔ عاجز آکر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف و مشہور ہوں کہ جھوٹ ان کی عادت ہو تو کبھی ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرلیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شہادتہ ابداوان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سہوا اوابتلی مرۃ ثم تاب کذافی البدائع۔[1]	جھوٹ میں مشہور شخص عادل نہیں ہے تو اس کی شہادت کبھی مقبول نہ ہوگی اگرچہ وہ توبہ بھی کرلے بخلاف اس شخص کے جو بھول کر جھوٹ میں مبتلا ہوا یا کبھی ایک مرتبہ جھوٹ بولا ہو پھر توبہ کرلے، تو اس کی شہادت قبول ہوگی، ایسے ہی بدائع میں ہے۔(ت)

ایسے لوگ فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نما مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا پھیرنا واجب ہے ہاں اگر توبہ کرلیں اور ان کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اس وقت ان کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جبکہ باقی شرائط جواز وحلت امامت کے جامع ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: ازپہی ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ واقع مسجد چھل گزی مولوی حمداللہ صاحب قادری محمودی ۲/ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہین علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ماموں عمرو پر اپنے نانا کے متروکہ سے جو عمرو کے قبضے میں ہے اپنی ماں متوفاۃ کے حق میراث کا دعوٰی کیا عمرو جواب دہ ہوا کہ یہ مال ۳۶ برس سے میرے قبضے میں ہے دعوٰی میں تمادی عارض ہے نیز تیری ماں نے اپنا حصہ میراث اپنی حیات میں مجھے ہبہ کردیا تھا جس کے گواہوں میں اب کوئی زندہ نہیں، زید کہتا ہے یہ مال تجارت کا ہے اب تک میرے نانا کا نام مندرج کاغذات رہا میں نے اور ماں نے تمہیں امین جانا اور بنظر تجارت ترقی کا خیال رہا، امید تھی کہ جب داخلخارج ہوگا حصہ مادری میں میرا نام درج کراؤگے ڈیڑھ سال سے تم نے داخلخارج کرایا اور صرف اپنا نام مندرج کرایا لہذا میں مدعی ہوا گواہان مردہ سے ثبوت ہبہ کیسے ہوسکتا ہے، نہ مال مشترک کا ہبہ صحیح نہ میراث میں تمادی مانع۔ نیز تمہارے دعوٰی میں تناقض ہے کہ ہبہ کا بھی ادعا کرتے ہو اور تمادی عذر بھی۔ اس صورت میں زید حق پر ہے یا عمرو؟ عبارات عربی کا اردو ترجمہ فرمادیا جائے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کا دعوٰی صحیح ومقبول ہے اور عمرو کے عذر باطل ومخذول۔ ہبہ صرف اس کی زبان سے کیسے ثابت ہوسکتا ہے، اموات کو گواہ قرار دینا عجب جہل بے مزہ ہے، ایسی شہادت بس ہو تو جو چاہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۸

جس کا مال چاہے چھین لے کہ تونے یا تیرے باپ نے مجھے ہبہ کردیا یا میرے ہاتھ بیچا اور ثمن پالیا تھا بیس پچیس معززین اس کے گواہ تھے جو سب مرچکے، اور بفرض باطل اگر ہبہ ہوتا بھی تو مال مشترک صالح قسمت قبل تقسیم ہبہ کرنا اگرچہ شریک کے لئے ہو محض ناتمام ہے جسے موت واہبہ قبل تسلیم نے باطل کردیا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

(لا) تتم بالقبض (فیما یقسم و) (لو) وہبہ (لشریکہ) لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب [1]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ کے بعد بھی ناتمام رہتا ہے اگرچہ اپنے شریک کو ہبہ کیا ہو کہ اس میں بلا تقسیم قبضہ کامل متصور ہی نہیں جیسا کہ عام کتب میں تصریح ہے تو یہی مذہب حنفی ہے۔

اسی میں ہے:

(والمیم موت احد العاقدین) بعد التقسیم فلو قبلہ بطل۔[2]	موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دینے کے بعد واہب یا موہوب لہ کا مرجانا ہبہ میں رجوع کا مانع ہے اور اگر قبضہ کاملہ سے پہلے ان میں سے کوئی مرجائے گا تو ہبہ سرے سے باطل ہوجائے گا۔

بلکہ اس کے دعوی ہبہ نے اسی کو ضرر دیا اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مال کو وہ متروکہ پدر مانتا اور اپنی بہن کا اس میں حق ارث جانتا ہے جب تو اپنے لئے ہبہ از جانب خواہر کا مدعی ہے اور اس صورت میں چھتیس نہیں سو برس گزر جائیں دعوی ساقط نہیں ہوسکتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو ومحدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریتہ من والدك وانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنہ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی، ھل یکون ذلك من باب الاقرار	سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر ایک زمین کا دعوی کیا کہ میری ملک ہے باپ کے ترکہ سے میں اس کا وارث ہوں عمرو نے جواب دیا کہ میں نے تیرے باپ سے خرید لی تھی اور چالیس برس سے زائد ہوئے کہ میں اس پر قابض ہوں اور تو ایک شہر میں میرے ساتھ ساکن اور بلا عذر ساکت ہے آیا اس صورت میں کیا عمرو مورث زید سے بذریعہ

[1] در مختار کتاب الهبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] در مختار کتاب الهبہ باب الرجوع فی الهبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بالتلقی من مورثیه فیحتاج الی بینة تشهد له بالشراء ولا ینفعه کونه واضعا یده علیه المدة المذکورة اجاب نعم دعوی ذلك التلقی عن ابی المودع ودعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بینة ینور بها دعواه ولا ینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور لیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیره اخذ باقراره ولو کان فی یده احقاما کثیرة لاتعد وھذا ممالایتوقف فیه[1]۔	شرا ملک حاصل کرنے کا مدعی ہوگا اور اسے اس انتقال پر گواہ دینے ہوں گے اور چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اور زید کا سلوک عمرو کو کچھ نفع نہ دے گا، جواب: فرمایا ہاں یہ عمرو کا دعوی ہے کہ مجھے دعوی ہے کہ مجھے تیرے مورث سے ملی ہے اور ارث زید سے ملنے کا اقرار تو اس کی ملک کی اوپر سے اقرار ہے اور اس کا دعوی کہ بذریعہ انتقال شرعی مجھے ملی تو اب عمرو اس پر گواہ دینے کا محتاج ہے کہ یہ مدعی ہوگیا اور ہر مدعی کو شہادت پیش کرنی لازم ہے جس سے اس کا دعوی ثابت ہو اور وہ چالیس برس سے زائد کا قبضہ اسے اقرار مذکور کے ساتھ کچھ بھی نافع نہیں، نہ یہ تمادی کے باب سے ہے بلکہ باب اقرار سے کہ ہر مقر اپنے اقرار پر ماخوذ ہے اگرچہ وہ شیئ بے شمار قرنوں جگھوں سے اس کے قبضہ میں ہو، یہ ایسی واضح بات ہے جس میں شبہہ کو دخل نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از ریاست رامپور موٹے کلن کی کنیان مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ خان صاحب ۲۰/ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ہندہ نے دعوی تفریق از زوجیت بجہت وقوع سہ طلاق مغلظہ بنام عباس عـــہ علی خان نے مجھ کو بتاریخ فلاں بہ دادن سہ طلاق مغلظہ حبالہ نکاح اپنے سے آزاد کیا عباس علی خاں کو دینے طلاق سے ہندہ کے انکار ہے اور

عـــہ: عباس علی خان بعدالت دیوانی محکمہ ابتدائی میں رجوع کیا اور دعوی اپنے میں بصراحت لکھا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

کہتا ہے کہ میں بتاریخ مذکورہ شہر میں موجود نہ تھا، ہندہ نے چار مرد مسمیان تفضل حسین خان وغلام ناصر خان وغلام محی الدین خان وکلن خان اور دو عورتیں مسماتان ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم بہ ثبوت وقوع طلاق پیش کئے، ان میں سے پانچ نے ہنگام ادائے شہادت بمواجہ خود عباس علی خان کا طلاق دینا عند العدالت بیان کیا اور ایک نے یعنی کلن خان نے ادائے شہادت اقراری کی اور نیز جانب ہندہ سے ہنگام تحقیقات محلّہ کے تین شخصوں نے اوپر موجودگی عباس علی خان کے شہر ہذا میں بتاریخ مذکورہ ادائے شہادت کی، عدالت نے دعوی ہندہ کو بے اصل اور شہادت شہود کو غیر مقبول قرار دے کر دعوی ہندہ کو نامسموع فرمایا اور وجوہ بے اصلیت دعوے اور نامقبولی شہادت شہود پیش کردہ ہندہ اپنے فیصلہ میں تحریر فرمائیں،

پہلی وجہ: نامقبولی شہادت وشہود کی ان الفاظ پر قائم کی کہ جملہ گواہوں نے بالاتفاق اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ اشہد باللہ گواہی دیتے ہیں کہ عرصہ چھبیس ستائیس دن کا ہوا کہ خالی کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ بدھ کا روز تھا آٹھ بجے دن کے تھے کہ عباس علی خان نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں یہ کہ جملہ گواہان رجال واناث مدعیہ مسموعہ عدالت نے دینا طلاق بمرور چھبیس ستائیس روز لکھایا ہے اور اس قسم کا بیان بیان زمان خواہ بدعوی ہو خواہ بشہادت بوجہ جہالت تاریخ شرعًا بموجب روایت ہذا کے نامقبول ہے،

ادعی بالفارسیة دوازدہ درہم وشہد الشہود ان لہذا المدعی علی ہذا المدعی علیہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ، وکذلك اذاادعی دہ دوازدہ درہم، لاتسمع دعواہ وکذلك اذا ذکرت التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں عین ملك من است از دہ دوازدہ سال فانہ لا تسمع دعواہ وکذلك اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم کذا فی الذخیرۃ. عالمگیریۃ[1]۔	فارسی میں دس گیارہ درہم کا دعوی کیا اور گواہوں نے گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعی علیہ پر دس بارہ درہم ہیں تو شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ مجہول ہے اور یوں ہی دس بارہ کا دعوی بھی مسموع نہ ہوگا اور یوں ہی اگر دعوی میں تاریخ مجہول ذکر کی یوں کہ یہ چیز دس بارہ سال سے میری ملکیت میں ہے تو بھی دعوی مسموع نہ ہوگا اور ایسے ہی اگر گواہوں نے اپنی شہادت میں ایسی تاریخ بیان کی تو ان کی شہادت مقبول نہ ہوگی، ذخیرہ میں یونہی ہے۔ عالمگیریہ (ت)

وجہ دوم: عدم مقبولی شہادت تفضل حسین خاں وغلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں پر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۲

قائم کی ان الفاظ پر جوان کے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں تفضل حسین خاں اپنے اظہاروں میں بیان کرتا ہے اس طلاق دینے کے بعد سے اب تک میری اور عباس علی خاں کی بات چیت نہیں ہے اور نہ سلام علیک بگاڑ ہے نہ میں بات چیت اور سلام علیک مدعا علیہ سے کرتا ہوں اور مدعا علیہ مجھے دیکھ کر منہ پھیر لیتا ہے۔ غلام ناصر خاں نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ مدعیہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر اس میں کوشش و طرفداری کریگا جو عزیز ہوتا ہے وہ طرفداری کرتا ہے مظہر مدعیہ کا عزیز ہے اس واسطے میں بھی طرفداری کروں گا، اس بیان پر عدالت نے یہ وجہ نامقبولی شہادت شہود قائم کی منجملہ گواہان تفضل حسین خان سے عداوت دنیوی مدعا علیہ ثابت ہے اور اثبات عداوت خود باقرار گواہ ظاہر ہے کہ وہ باظہار خود لکھاتا ہے کہ روز طلاق سے مظہر کا مدعا علیہ سے بگاڑ ہے نہ بات چیت ہے نہ سلام علیک، غلام ناصر خاں، غلام محی الدین خاں پیروکار مقدمہ اور مثل مدعیہ ہیں کہ ان دونوں نے بھی باظہار خود لکھایا ہے کہ اگر مدعیہ سے کسی کا تنازعہ ہو تو ہم کوشش و طرفداری مدعیہ کی کریں گے اور گواہی مخاصم مقدمہ اور عدوی دنیوی شرعاً بموجب روایت ہذا نامقبول ہے:

ولاشهادة عدو اذاكانت العداوة لاجل الدنيا لان العداوة لاجل الدنيا حرام فمن ارتكبها لايؤمن من التقول عليه [1] ۱۲عینی۔	دشمن کی شہادت قبول نہ ہوگی جب یہ دشمنی دنیاوی ہو کیونکہ دنیا کی خاطر دشمنی حرام ہے تو جس نے یہ ارتکاب کیا اس کے جھوٹ بولنے کا خطرہ رہتا ہے ۱۲ عینی (ت)

تیسری وجہ: عدم مقبول شہادت شہود یہ قائم کی کہ باہم شہادت شہود میں اختلاف ہیں وہ الفاظ کہ جن میں عدالت نے اختلاف ثابت کیا ہے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں کہ تفضل حسین خاں بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کو میں نے پرورش نہیں کیا میری بیوی نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے، اور غلام ناصر خاں نے کہا کہ تفضل حسین خاں نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں یہ اختلاف ہے کہ غلام ناصر خاں اپنے بیان میں لکھاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جو طلاق دی تو یوں کہا تھا کہ بگا میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اس کی طرف نسبت کرکے، اور غلام محی الدین خاں اور تفضل حسین خاں میں یہ اختلاف ہے کہ غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ مدعا علیہ جو آیا تھا تو امراؤ بیگم زوجہ تفضل حسین خاں کو سلام علیک کی تھی اور سب سے، اور تفضل حسین خاں کہتا ہے کہ نہیں کی تھی، اور بیان کرتا ہے کہ جس

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ

وقت مدعا علیہ آیا تھا تو میں دروازہ میں بلانے کو گیا تھا اور درمیان غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ غلام ناصر نے بیان کیا ہے کہ میں غلام محی الدین خاں سے پہلے چلا گیا تھا اور غلام محی الدین خاں کہتے ہیں کہ میں نے غلام ناصر خاں کو وہاں ہی چھوڑا تھا، ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم وکلن خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مسماتان کہتی ہیں کہ عباس علی خاں مدعا علیہ کے جانے کے بعد بگا بیگم نے دالان میں سے کہا تھا کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی اور دروازہ میں کچھ نہیں کہا تھا اور کلن خاں کہتے ہیں کہ مجھ سے بگا بیگم نے دروازہ میں دالان سے تین چار گز کے فاصلہ پر واقع ہے یہ مضمون کہا تھا کہ کلن خاں تم کو گواہی دینی ہوگی کہ عباس علی خاں نے تم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دے دی، ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم اپنے اظہار میں بیان کرتی ہیں کہ مدعیہ نے بجواب مدعا علیہ کے کہا کہ اب میں نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ لوگ جو پہلے مجھ کو ضمانت کرکے لے گئے تھے نہ آئیں گے، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ تو میری جورو نہ ہوئی ان لوگوں کی ہوئی، پھر طلاق دے دی، اور تفضل حسین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے کہا کہ ابھی لے جاؤں گا، بجواب مدعا علیہ نے کہا جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے اگر وہی آئینگے تو میں جاؤنگی، اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی، اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا میں نے نائن کو اور ڈولی بھی بھیجی تھی تو کیوں نہیں آئی، اس پر بگا بیگم نے کہا کہ مجھ کو جانے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کرکے لے گئے تھے وہی آکر لے جائیں گے تو میں جاؤں گی ان سوالات جرح وکلاء مدعا علیہ از گواہان مدعیہ سے اکثر اختلاف بگواہی گواہان مدعیہ اس قسم کے پائے گئے جو باعث بے اصلیت شہادت ونامقبولی عدالت پائے گئے گو یہ اختلافات بحالت ہونے گمان غالب صداقت دعوی وشہادت مانع قبول نہ تھی لیکن چونکہ مقدمہ ہذا حل وحرمت کا ہے اور عدالت ایسے محل پر کہ شادی فریقین کو صرف چھ سات ماہ گزرے ہیں کہ وصال میں انفصال سر پر آیا مدعا علیہ باوجود گوارہ نہ ہونے بود وباش سہ چار روزہ مدعیہ بخانہ والدین صرف انکار مدعیہ پر نہ آئی اپنے سے ہنوز بخانہ شوہر طلاق دے کر چلا گیا بہت شبہات واقع ہیں اس بناء پر بمذہب ابی یوسف وہ اختلافات بالضرورۃ اس زمانے میں کہ اکثر مخلوق نے پیشہ ادائے شہادت زور اختیار کرلیا ہے مانع قبول شہادت شہود ہیں بموجب روایت ہذا کے:

اذا ارتاب القاضی فی امر الشهود فرق بینهم ولایسعه غیر ذٰلك ویسألهم ایضا این کان هذا ومتی	جب قاضی کو گواہوں کے متعلق شک ہو تو ان کو علیحدہ علیحدہ کردے اس کے علاوہ قاضی کو اختیار نہیں ہے اور قاضی ہر ایک سے جگہ اور وقت کا

کان هذاویکون هذاالسوال بطریق الاحتیاط وان کان لایجب هذاعلی الشهود فی الاصل،فاذا فرقهم فان اختلفو افی ذٰلك اختلافا یفسد الشهادة ردها وان کان لایفسدها لایردها وان کان یتهمهم فالشهادة لاترد بمجرد التهمة فی نوادر ابن السماعة عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی قال ابوحنیفة اذا اتهمت الشهود فرقت بینهم ولاالتفت الی اختلافهم فی لبس الثیاب وعدد من کان معهم من الرجال والنساء ولا الی اختلافات المواضع بعد ان تکون الشهادة علی الاقوال وان کان الشهادة علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشهادة قال ابو یوسف اذا اتهمتهم ورأیت الریبة فظننت انهم شهود الزور افرق بینهم واسألهم عن المواضع والثیاب ومن کان معهم فاذا اختلفو افی ذٰلك فهٰذا عندی اختلاف ابطل به الشهادة کذافی المحیط[1] ۱۲۔

سوال کرے کہ واقعہ کب اور کہاں ہوا، یہ سوال بطور احتیاط ہوگا اگرچہ گواہوں پر یہ بیان کرنالازم نہیں ہے، توجدا کرنے پر جگہ اور وقت میں دونوں کا بیان ایسا مختلف ہو جس سے شہادت میں فساد ہو تو اس کو رد کردے اور وہ اختلاف ایسا ہو جس سے شہادت فاسد نہ ہوتی ہو تو رد نہ کرے اور اگر گواہوں میں اتفاق پایا جائے تو محض تہمت کی بناء پر رد نہ کرے، ابن السماعۃ کے نوادر میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے جب گواہوں پر تہمت پاؤں تو ان میں تفریق کردوں گا اور ایسے اختلاف کی طرف التفات نہ کرونگا کہ ان کا لباس کیا اور ان کے ساتھ کتنے مرد اور عورتیں تھیں اور نہ ہی جگہوں کے اختلاف کی طرف التفات کروں گا بشرطیکہ شہادت اقوال پر ہو اور اگر شہادت افعال پر ہو تو جگہوں کا اختلاف شہادت کا اختلاف قرار پائے گا، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب مجھے شک ہو اور میں یہ گمان کروں کہ گواہ جھوٹے ہیں تو میں دونوں کو ایکدوسرے سے جدا کرکے ان سے مواضع اور لباس کے کپڑوں اور واقعہ میں موجود مرد وعورتوں کی تعداد کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ ایسا اختلاف ہوگا جس کی بناء پر میں شہادت کو باطل قرار دوں گا، محیط میں یونہی ہے ۱۲۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

چہارم: یہ کہ معاملہ ہذااقسام دعاوی حلال وحرام سے ہے ایسے محل پر واجبات سے ہے کہ تاوقتیکہ گواہان ثقات ومعتمد سے وقوع طلاق متحقق نہ ہواوپر بیان مجرد ایسے اشخاص کے حکم تفریق بین الزوجین دینا بجزاس کے کہ اپنی جان کو ماخوذ بہ گناہ کیاجائے کوئی نتیجہ نہیں عدالت کی رائے میں کوئی گواہان میں سے ایسا نہیں کہ جس کی شہادت کے اطمینان پر حکم تفریق بین الزوجین دیا جائے اس لئے کہ غلام ناصر خاں مردمان گواہی پیشہ سے ہے اکثر مقدمات میں گواہیاں اس کے وقت تلاش موجود نکل سکتی ہیں اور صدہا مخبریان دروغ لوگوں پر کرنا شروع کی تھیں کہ عندالتحقیق سرکار اصل ان کی نہ نکلی گواہی مخبر بوجہ فسق قابل قبول نہیں، تفضل حسین خاں پیشتر ازیں بمقدمہ جعل سازی سزایاب ہوچکا ہے غلام محی الدین خاں عرف ننھے خان اور کلن خاں جن کا حال ہم کو نہیں معلوم تھا ان کا حال ہم نے خفیہ طور پر بذریعہ آدم معتبر و معتمد خود دریافت کرایا یہ ہر دو گواہ بھی عند الدریافت آدم معتمد ثقات اور مقبول الشہادۃ نہ پائے گئے بناء بر روایت شامی کے کہ جو ذکر کی جائے گی اور بعض گواہ ان میں سے مستور الحال ہیں اور بعض فاسق ہیں اور گواہی مستور وفاسق کی جب تک تحری صدق نہ ہو اور عدالت ظاہر نہ ہو قابل اعتماد نہیں۔

کما قال فی الدر الفاسق اھلھا فیکون اھله لکنه لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادته به یفتی وقیدہ فی القاعدیة بما اذا غلب ظنه صدقه فلیحفظ. درر[1] ومقتضی الدلیل ان لایحل ان یقضی بھا فان قضی جاز و نفذ اھ ومقتضاہ الاثم وظاہر قوله تعالٰی ان جاء کم فاسق بنبا فتبینوا انه لایحل قبولھا قبل	جیسے در میں فرمایا کہ فاسق شہادت کا اہل ہے تو وہ قضاء کا اہل ہے لیکن اس کا تقرر نہ کیا جائے یہ لازمی بات ہے اور اس کی تقرری منظور کرنیوالا گنہگار ہوگا جیسا کہ اس کی شہادت قبول کرنے والا گنہگار ہے اسی پر فتوی ہے، فتاوٰی قاعدیہ میں فاسق کے متعلق اہل قضاء وشہادت ہونے کو اس قید سے مقید کردیا کہ جب تقرر کرنیوالے کو فاسق کے صدق کا گمان ہو، اس کو محفوظ کرلو، درر۔ اور دلیل کا مقتضی یہ ہے کہ فاسق کو فیصلہ دینا حلال نہیں تو اگر اس نے کوئی فیصلہ کردیا تو جائز اور نافذ ہوگا اھ، اس کا

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

تعرف حاله وقولهم بوجوب السوال عن الشاہد سرا وعلانية طعن الخصم اولا فی سائر الحقوق علی قولهما المفتی به يقتضی الاثم بترکه لانه للتعريف عن حاله حتی لايقبل الفاسق وصرح ابن الکمال بان من قلد فاسقا ياثم واذا قبل القاضی شهادته ياثم [1] اھ وفی الفتاوی القاعدية هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما يحفظ اھ **قلت** والظاہر انه لاياثم ايضا لحصول التبيين المامور به فی النص تامل، قال ط فان لم يغلب علی ظن القاضی صدقه فان غلب کذبه عنده او تساويا فلا يقبلها ای لايصح قبولها	مقتضٰی یہ ہے کہ گناہ ہوگا، اور اللہ تعالٰی کے ارشاد ''اگر فاسق کوئی خبر دے تو اس کی وضاحت طلب کرو'' کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اس کی شہادت کا قبول کرنا اس کے حال کی تحقیق سے قبل حلال نہیں ہے جبکہ فقہاء کرام کا گواہ کے متعلق فرمانا کہ خفیہ طور پر اور اعلانیہ بھی اس کی تفتیش کی جائے فریق مخالف کا اس پر طعن ہو یا نہ ہو خواہ تمام حقوق میں ہو، صاحبین کے مفتی بہ قول کے مطابق تو فقہاء کرام کی اس بات کا تقاضا ہے یہ کام ترک کرنے پر گناہ ہوگا کیونکہ یہ کام گواہ سے متعلق معلومات کے لئے ہے حتی کہ فاسق ہو تو گواہی قبول نہ کی جائیگی اور ابن کمال نے تصریح کی ہے کہ جس نے فاسق کی تقرری کی وہ گناہگار ہوگا اور جب قاضی فاسق کی شہادت قبول کرے گا تو وہ گنہگار ہوگا۔ فتاوٰی قاعدیہ میں ہے یہ جب ہے کہ تقرری اور شہادت قبول کرنے والے نے فاسق کے صدق کا گمان کیا ہو، یہ بات محفوظ رکھنے کے قابل ہے اھ **قلت** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ گنہگار نہ ہوگا، کیونکہ نص میں بیان کردہ حکم کے مطابق تفتیش ہوچکی ہے، غور کرو۔ ط نے کہا اگر قاضی کو گواہ فاسق کے صدق پر غلبہ ظن نہ ہو خواہ اس کذب پر غلبہ ظن ہو یا اس کا صدق وکذب قاضی کے نزدیک مساوی ہو تو شہادت کو قبول نہ کرے یعنی قبول

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۹

اصلا هذا ما يعطيه المقام شامی[1] ۱۲، ولايقبل قول المستور فی ظاہر الروایۃ وعن ابی حنیفۃ انه يقبل قوله فيها جريا على مذہبه يجوز القضاء به وفی ظاہر الروایۃ هو والفاسق سواء حتی یعتبر فیهما اکثر الرای ۱۲ هدایة[2]، ولهذا جوز ابوحنيفة رحمه الله تعالٰی القضاء بشهادة المستور فيما يثبت بشبهات اذالم يطعن الخصم قال ولكن ماذكره فی الاستحسان اصح فی زماننا فان الغالب فی اهل الزمان الفسق فلا تعتمد رواية المستور مالم يتبين عدالته كما لا تعتمد شهادته فی القضاء قبل ان يظهر عدالته وفی ظاہر الروایة هو والفاسق سواء حتی یعتبر فیهما ای فی المستور والفاسق اكبر رأی فان كان غالب الرأی صدقهما يقبل قولهما والا فلا عینی[3] ۱۲۔

کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا، یہ مقام کی بحث ہے، شامی، اور مستور الحال کی بات ظاہر روایت کے مطابق قابل قبول نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اس کی بات قبول ہوگی جیسا کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے جب شہادت قبول ہوگی تو قضاء بھی جائز ہوگی اور جبکہ ظاہر الروایت میں مستور الحال اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں میں رائے کے غلبہ کا اعتبار ہے، ہدایہ۔ اور اس لئے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مستور الحال کی قضا کو ایسے معاملات میں جائز قرار دیا ہے جو شبہات کے باوجود مخالف فریق کے طعن نہ کرنے پر ثابت ہوجاتے ہیں، فرمایا، لیکن آپ نے استحسان میں جو فرمایا ہمارے زمانے میں وہ اصح قول ہے کیونکہ اس زمانہ میں فسق غالب ہے تو مستور الحال کا معاملہ جب تک حلف نہ ہوجائے اس پر اعتماد نہ کیا جائے گا جیسا کہ قضاء کے معاملہ میں اس کی شہادت پر اعتماد ظہور عدالت کے بغیر نہیں کیا جاتا ظاہر روایت میں اس کا اور فاسق کا حکم مساوی ہے حتی کہ ان دونوں کے متعلق غلبہ رائے میں ان کا صدق ہو تو ان کی بات مقبول ہوگی، ورنہ نہیں، عینی ۱۲۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۰

[2] الهدایة کتاب الکراهیة فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۲

[3] البنایة کتاب الکراهیة فصل فی الاکل والشرب المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴/ ۲۰۰

اور جن گواہوں کی نسبت عدالت نے نامقبول شہادت پر وجوہات قائم کئے ہیں اور فاسق اور مستور الحال لکھا ہے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ عدالت نے ان میں سے اکثر کی گواہی قبول کی ہے اور بعد اس کے کوئی امر ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا ہے کہ جس سے فاسق اور مستور الحال ہوگئے ہوں اور ان کی گواہی پر اعتماد نہ رہا ہو اور بابت تفضل حسین خاں کے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ جعل سازی میں سزایاب ہوچکا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ عدالت ماتحت نے اس پر جعل سازی قائم کی تھی حالانکہ وہ بری تھا اسی واسطے وہ مرافعہ میں بری ہوگیا اس کی سند اس کے پاس موجود ہے اور غلام ناصر خاں کو عدالت نے اپنے فیصلہ میں گواہی پیشہ اور مخبر قرار دیا ہے اور اس کو اس سے انکار ہے اور کہتا ہے کہ یہ امر بالکل بے ثبوت ہے اگر عدالت کے پاس کوئی ثبوت ہو بیان کرے۔ اب علمائے دیندار سے استفسار اس امر کا ہے کہ دعوی ہندہ کا ثابت ہے یا نہیں؟ اور شہادۃ شہود کافی ہے یا نہیں؟ اور عدالت نے جو وجوہات نامقبولی شہادت شہود بیان کئے ہیں صحیح ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر دو مرد یا ایک مرد دونوں عورتیں ثقہ عادل شرعیہ ہیں اور انہوں نے شہادت بروجہ شرع ادا کی تو دعوی طلاق ضرور ثابت ہے اور فیصلہ بحق مدعیہ کرنا واجب، عامہ وجوہ نامقبولی شہادات کہ فیصلہ میں مذکور ہوئیں اصلاً بے اصل و ناقابل قبول ہیں (جہالت تاریخ) شہود کے چھبیس[۲۶] ستائیس[۲۷] دن کہنے کو جہالت تاریخ قرار دینا **اولاً**: سخت عجب ہے جبکہ صراحۃً تعیین تاریخ ویوم وماہ سب کچھ ان کے کلام میں مذکور۔

ثانیاً: روایت منقولہ فیصلہ دعوی ملک میں ہے طلاق کا اس پر قیاس باطل و مہجور۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شاہد نے کہا آج طلاق دی دوسرے نے کہا کل، طلاق ثابت ہے اور شہادت متقبل، بحر الرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و درمختار وغیرہ میں ہے:

قال احدھما طلقھا الیوم والآخر انہ طلقھا امس یقع الطلاق[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بیوی کو آج طلاق دی ہے دوسرے نے کہا اس نے گزشتہ روز طلاق دی ہے تو طلاق ثابت ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی صغری و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ

[1] درمختار کتاب الوقف فصل فیمایتعلق بوقف الاولاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

وردالمحتار آخر الوقف میں ہے:

لو اختلف الشاھدان فی زمان او مکان او انشاء و اقرار او کان ھذا الاختلاف فی قول محض کبیع وطلاق و اقرار و ابراء لایمنع القبول[1]۔	اگر دونوں گواہوں کا اختلاف زمان، مکان، انشاء اور اقرار میں ہوا اور گواہی کا تعلق کلام والے معاملہ سے جیسے بیع، طلاق، اقرار اور بری کرنے سے ہو تو یہ اختلاف گواہی کی قبولیت سے مانع نہ ہوگا۔(ت)

خلاصہ وجامع الفصولین وبحر الرائق وانقرویہ میں ہے:

الاختلاف فی زمان او مکان او انشاء و اقرار فی القول المحض لایمنع قبولھا مطلقًا اھ مختصرین[2]۔	زمان، مکان یا انشاء واقرار کا محض کلام والے معاملہ میں یہ اختلاف شہادت کی قبولیت کیلئے مانع نہ ہوگا اھ مختصرین (ت)

کافی ولسان الحکام وبحر الرائق میں ہے:

اذا اختلف الشاھدان فی الزمان او المکان فی البیع و الشراء والطلاق والعتاق والوکالۃ والوصیۃ والرھن و الدین والقرض والبرائۃ والکفالۃ والحوالۃ والقذف تقبل[3]۔	بیع شراء، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، دین، قرض، برائت، کفالہ، حوالہ اور قذف میں جب گواہوں کا اختلاف زمانہ یا مکان میں ہو تو شہادت مقبول ہوگی۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد دار احیاء التراث لعربی بیروت ۳/ ۴۴۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشھادات الفصل الثامن دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۳

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوی انقرویۃ کتب الشھادات الفصل الثامن دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹، بحر الرائق کتب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳

[3] بحر الرائق کتب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، لسان الحکام الفصل الثالث فی الشھادات نوع فی الاختلاف فیہ الشھادۃ مصطفی البابی مصر ص ۲۴۷

معین الحکام میں ہے:

لو شھدا بالخلع او الکبیع او الھبۃ او الصدقۃ او الرھن او الصلح واختلفا فی المکان او الزمان قبلت [1]۔	اگر گواہی کا تعلق خلع، بیع، ہبہ، صدقہ، رہن یا صلح سے ہو اور دونوں گواہ مکان یا زمان میں اختلاف کریں تو شہادت مقبول ہوگی (ت)

جامع الفصولین وانقرویہ میں دربارہ اختلاف تاریخ ہے:

الاختلاف فی القول لایمنع [2]۔	قولی معاملہ میں تاریخ کا اختلاف گواہی کی مقبولیت کے لئے مانع نہیں ہے (ت)

(عداوت دنیویہ) تفضل حسین خاں کا مدعا علیہ سے ترک سلام وکلام **اولاً** مہاجرت ہے اور مہاجرت و عداوت میں عموم وخصوص من وجہ، باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست سے کسی بات پر کشیدہ ہو کر ترک سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی ولہانظائر فی عھد الصحابۃ بل وعھد النبوۃ مع قولہ تعالٰی "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ" (اللہ تعالٰی کے فرمان کہ "آپس میں رحم کرنے والے ہیں" کے باوجود صحابہ کرام بلکہ زمانہ نبوت میں اس کے نظائر موجود ہیں۔ت) تو عام کو ایک خاص پر بلادلیل حمل کردینا کیونکر صحیح، لاجرم شرح وہبانیہ للمصنف وللابن الشحنہ والشرنبلالی ولسان الحکام ودرمختار وغیرہا میں ہے:

مثال العداوۃ الدنیویۃ ان یشھد المقذوف علی القاذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع الطریق و المقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح وقد یتوھم بعض المفقھۃ والشھود ان کل من خاصم شخصا فی حق یصیر عداوۃ ولیس کذٰلک بل العداوۃ تثبت	دنیاوی عداوت کی مثال متہم ہونیوالے کی تہمت لگانے کے خلاف، ڈکیتی سے متاثر ہونیوالے کی ڈاکو کے خلاف، مقتول کے والی کی قاتل کے خلاف، مجروح ہونیوالے کی جارح کے خلاف شہادت ہے، بعض فقیہ بننے والے اور بعض گواہ لوگوں کا خیال ہے کہ ہر مخاصمت والے کی ایک دوسرے کے خلاف، عداوت قرار پاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں بلکہ عداوت کا ثبوت ان صورتوں

[1] معین الحکام الباب الثالث عشر مصطفی البابی مصر ص ۱۰۷

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۴، فتاوٰی انقرویۃ کتاب الشہادات الفصل الثامن دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۹۹

بنحو ماذکرت[1] اھ ملتقطا۔	کے سبب ہوتا ہے جیسے میں نے ذکر کی ہیں اھ ملتقطا (ت)

ثانیًا: مہاجرت کو عداوت ہی مانئے تو دنیویہ کا کیا ثبوت۔ مسلمان کے اقوال افعال کو مہما امکن محمل حسن پر اتارنا واجب کما نطقت بہ الاٰیات والاحادیث (جیسا کہ آیات واحادیث نے اسے بیان کیا ہے۔ت) کیا یہ مہاجرت اس بناء پر ناممکن کہ مدعا علیہ نے تین طلاقیں دفعۃً دیں اور یہ شرعًا حرام، تو بوجہ ارتکاب معصیت اس سے مہاجرت کی فیکون من الدین لا للدنیا و ھو لایمنع القبول کما نص الفحول (تو وہ دین کے متعلق ہوگی نہ کہ دنیوی، جبکہ یہ مانع نہیں ہے جیسا کہ بڑوں نے اس پر نص کی ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تقبل من عدو بسبب الدین لانھا من التدین[2]۔	دین کے سبب عداوت والے کی شہادت مقبول ہے کیونکہ یہ دین پسندی ہے۔(ت)

ثالثًا: دنیویہ ہی سہی مگر ہمارے تمام ائمہ کے اصل مذہب منصوص علیہ میں ہر عداوت دنیویہ مطلقًا مانع شہادت نہیں جب تک موجب فسق نہ ہو، منع مطلق امام شافعی کا مذہب ہے نہ کہ ہمارے ائمہ کا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وقت اختلاف ترجیح ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب کما فی البحر والدر والخیریۃ وردالمحتار وغیرہا من معتمدات الاسفار (جیسا کہ بحر، در، خیریہ، ردالمحتار وغیرہا قابل اعتماد کتب میں ہے۔ت) نہ کہ جہاں روایت وہی ہو وہاں غیر کی طرف کیونکر مصیر، ردالمحتار میں ہے:

بقی ھنا تحقیق و توفیق وھو انہ ذکر فی القنیۃ ان العداوۃ الدنیویۃ لاتمنع قبول الشھادۃ مالم یفسق بھا وانہ الصحیح وعلیہ الاعتماد وان مافی المحیط و الواقعات من ان شھادۃ العدو علی عدوہ لاتقبل اختیار المتاخرین والروایۃ	یہاں تحقیق اور توفیق باقی ہے وہ یہ کہ قنیہ میں مذکور ہے کہ عداوت دنیوی میں جب تک فاسق نہ ہوجائے اس کی شہادت قبول ہوگی، اور کہا کہ یہ صحیح ہے اور اس پر اعتماد ہے، جبکہ محیط اور واقعات میں یہ بیان ہے کہ دشمنی والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت قبول نہ ہوگی یہ متاخرین کا

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۴۴۔۲۴۳

[2] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

المنصوصة تخالفها وانه مذہب الشافعی، وقال ابوحنیفة رحمه الله تعالٰی تقبل اذاکان عدلا وفی المبسوط ان کانت دنیویة فهذا یوجب فسقه فلا تقبل شهادته اھ ملخصا، والحاصل ان فی المسألة قولین معتمدین احدهما عدم قبولها علی العدو وهذا اختیار المتاخرین وعلیه صاحب الکنز و الملتقی، ثانیهما انها تقبل الااذافسق بها واختاره ابن وهبان وابن الشحنة [1] اھ مختصرًا۔	مختار ہے حالانکہ منصوص روایت اس کے خلاف ہے، اور کہا کہ یہ امام شافعی کا مسلک ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ یہ شہادت قبول ہوگی جب وہ عادل ہو، اور مبسوط میں ہے کہ جب دنیوی عداوت ہو تو یہ موجب فسق ہے تو مقبول نہ ہوگی اھ ملخصًا، اور حاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں دو معتمد قول ہیں، ایک یہ کہ عدالت والوں کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت نامقبول ہے اور یہ متاخرین کا مختار ہے اور اسی پر صاحب کنز و ملتقی کا اعتماد ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ عداوت والوں کی شہادت مقبول ہے تاوقتیکہ وہ فاسق نہ ہو جائیں، اور اس کو ابن وہبان اور ابن شحنہ نے اختیار کیا ہے اھ مختصرًا (ت)

کنزالرؤس میں ہے:

شهادة العدو علی عدوہ لاتقبل لانه متهم وقال ابوحنیفة تقبل اذا کان عدلا قال استاذ نا وهو الصحیح و علیه الاعتماد لانه اذاکان عدلا تقبل شهادته وان کان بینهما عداوة بسبب امر الدنیا [2] اھ اثرہ فی البحرہ۔	عداوت والے کی ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہیں کیونکہ وہ محل تہمت ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جب عادل ہوں تو مقبول ہے، اور ہمارے استاد نے فرمایا یہی صحیح ہے اور اسی پر اعتماد ہے کیونکہ جب عادل ہو تو اس کی شہادت مقبول ہے اگرچہ ان میں دنیوی عداوت ہو اھ، اور بحر میں اسے نقل کیا ہے (ت)

شرح وہبانیہ ولسان الحکام میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۱

[2] بحر الرائق بحوالہ کنز الرؤس کتاب الشهادات باب من تقبل شهادته الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۶

شهادة العدو علی عدوه الصحيح انها تقبل سواء كانت العداوة دينية او دنيوية فانها لا تقدح فی العدالة[1]۔	صحیح یہ ہے کہ عداوت والے کی شہادت مقبول ہے خواہ یہ عداوت دینی ہو یا دنیوی، کیونکہ یہ عدالت کو متاثر نہیں کرتی۔ (ت)

رابعًا: وباللہ التوفیق، نظر تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقًا رنجش کو مسقط شہادت نہیں کہتے جب تک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقل ایمانی پر مستولی ہو کر عدالت انسان عادل پر غالب آجائے جس کے باعث بانکہ اس کی عدالت ثابت، یہاں جھوٹی گواہی دینے کا مظنہ پیدا ہوا اور اس شخص کے معاملہ خاص میں اس کے صدق وعدالت پر اطمینان نہ رہے، ان کی تعلیلات اس معنی پر شاہد عدل ہیں، خود فیصلہ میں امام عینی سے نقل کیا:

لا یؤمن من التقول علیه عـــہ۔	جھوٹ والے پہلو کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا (ت)

اسی طرح بحر الرائق ودر مختار وغیرہما میں ہے اور اب یہ مذہب منصوص سے چنداں بعید نہیں وہاں فسق حاضر وظاہر پر بنائے کار ہے یہاں فسق مظنون وخفی وارتفاع امان پر، اور اس کی نظیر اس کی ضد یعنی محبت ہے کہ وہ بھی جب اس درجہ تک بالغ ہو کہ یہ اس کے معاملہ میں متہم ہو جائے تو اس کے نفع میں اس کا قول مقبول نہیں اصل محبت بالاجماع مانع شہادت نہیں کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) یونہی اصل عداوت تو حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کردیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن اور اس کے غیر سب کے معاملہ میں مطلقًا مردود، اور اگر اس مرتبہ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکب فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عداوت کا پلہ عدالت پر غالب ہے تو غیر عدو کے بارے میں بالاتفاق مسموع، اور خاص عدو کے ضرر پر اختیار، متاخرین میں نامقبول، اور اگر ایسا نہیں تو مطلقًا اتفاقًا مقبول۔

هذا هو التحقيق الذی يعطيه كلامهم ويشده الدليل فعليه فليكن التعويل۔	تحقیق یہی ہے جو ان کے کلام سے حاصل ہوئی اور دلیل اس کی تائید کرتی ہے اس پر اعتماد چاہئے۔ (ت)

عـــہ: یہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی۔

[1] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۳

تو عند التحقیق مجرد اس اظہار تفضل حسین خاں سے عداوت بالغہ مان لینا کسی قول پر صحیح نہیں جب تک اس کی ترجیح جانب عدالت پر ثابت نہ کی جائے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق (تحقیق یوں چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

(طرفداری) غلام ناصر خاں کا کہنا جو کچھ کوشش اور پیروی ہوسکے گی کروں گا اگر اس بناء پر مانع قبول مانئے کہ جو کسی کام میں کوشش وپیروی کرے مطلقاً مردود و مثل نفس مخاصم ہے تو بداہۃً باطل کہ اس میں سرے سے شہادت کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے نفس شہادت ہی مشہود لہ کیلئے کوشش اور اس کے کام کی پیروی ہے **کما تشھد بہ اللام فی شھد لہ** (جیسا کہ "شھد لہ" کالام اس کی گواہی دیتا ہے۔ت) اور اگر اس بناء پر کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ خواہ مدعیہ حق پر ہو یا باطل پر، ہر طرح میں اسی کا ساتھ دوں گا، تو کلام میں ہر گز اس کا ذکر نہیں اور از پیش خویش معنی فاسد پر حمل کرکے جو اعتراض ہو وہ اپنے حمل پر ہے نہ کہ اصل قول پر، کیوں نہ کہئے کہ ہوسکنے سے اس کے کلام میں امکان شرعی مراد، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ [1]۔ رواہ الامام احمد ومسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی کو نفع دے تو دینا چاہئے (اسے امام احمد ومسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

جو معنی "ہوسکنے" کے یہاں ہیں وہی وہاں۔ لفظ طرفداری کلام غلام ناصر خان میں ہے بھی نہیں، کلام غلام محی الدین خاں میں ہے، عند الانصاف وہ بھی اسی قیاس پر ہے اس نے ہر گز نہ کہا کہ مدعیہ حق پر ہو یا ناحق پر، میں ہر طرح اس کا طرفدار ہوں گا، اور امر حق میں طرفداری نہ ممنوع نہ مانع قبول، ورنہ وہی سد باب شہادت لازم آئے۔ علماء جو مخاصم مقدمہ کی شہادت نامقبول بتاتے ہیں جسے مجوز فیصلہ نے ایک روایت محض بیگانہ پر محول کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود فریق مقدمہ ہو جیسے شریک یا وکیل یا نابالغ کا وصی، نہ یہ کہ مطلقاً معین کو مخاصم وفریق مقدمہ بنادیجئے، بدائع پھر ردالمحتار میں ہے:

شرط ادائھا ان لا یکون خصما	شہادت ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ اس معاملہ

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

فلاتقبل شہادۃ الوصی للیتیم والوکیل لموکلہ[1]۔	میں گواہ کی مخاصمت نہ ہو، تو وصی کی یتیم کے حق میں اور وکیل کی موکل کے حق میں شہادت مقبول نہ ہوگی۔(ت)

شرح وہبانیہ للمصنف ولسان الحکام وبحر الرائق میں ہے:

لو خاصم الشخص آخر فی حق لاتقبل شہادتہ علیہ فی ذٰلك الحق کالوکیل لاتقبل شہادتہ فیما ھو وکیل فیہ،والوصی لاتقبل شہادتہ فیما ھو وصی فیہ و الشریك لا تقبل شہادتہ فیما ھو شریك فیہ ونحو ذٰلک[2]۔	اگر کوئی کسی حق میں دوسرے سے مخاصم ہے تو اس حق میں ایک دوسرے کے خلاف شہادت مقبول نہ ہوگی، جیسا کہ وکیل کی شہادت اس کی وکالت والے معاملہ میں اور وصی کی جس معاملہ میں وہ وصی ہے اور شریک کی جس میں اس کی شرکت ہے، قبول نہ ہوگی۔(ت)

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ ایک دوست خالص اپنے سچے دلی دوست کا ضرور طرفدار ہوتا ہے خصوصًا حقیقی بھائی پھر باتفاق علما دوست وبرادر کی شہادت یقینا مقبول ومسموع ہے جب تک دوستی اس حد کو نہ پہنچے کہ ایک دوسرے کے مال میں نہ صرف زبانی بلکہ واقعی اپنے مال کی طرح جو چاہے بے تکلف تصرف کرے۔ معین الحکام وفتاوٰی تمرتاشی ودرمختار میں ہے:

اما الصدیق لصدیقہ فتقبل الااذاکانت الصداقۃ متناھیۃ بحیث یتصرف کل فی مال الآخر[3]۔	لیکن دوست کی دوست کے حق میں شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ وہ دوستی انتہائی جس میں وہ ایک دوسرے کے مال میں بلااجازت تصرف کرتے ہوں، نہ ہو۔(ت)

کنزوغیرہ عامہ متون میں ہے:

تقبل لاخیہ وعمہ وابویہ رضاعا وام امرأتہ وبنتہا و زوج بنتہ و	بھائی، چچا، والدین رضاعی، بیوی کی ماں، بیوی کی پہلی خاوند سے بیٹی، داماد، والد کی بیوی

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

[2] لسان الحکام الفصل الثالث مصطفی البابی مصر ص ۲۴۴

[3] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

امرأة ابنه وابیه[1]۔	اور والد کے بیٹے (علاتی بھائی) کے حق میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر گواہی مقدمہ میں مدعا علیہ سے لڑیں جھگڑیں شہادت کو ضرر نہیں جبکہ عادل ہوں اس سے زیادہ اور کیا طرف داری ہوگی۔ خزانۃ الفتاوٰی و بحر الرائق و در مختار میں ہے:

تخاصم الشهود والمدعی علیه تقبل لو عدولا[2]۔	مدعی علیہ اور گواہوں کی مخاصمت ہو تو گواہی مقبول ہے بشرطیکہ گواہ عادل ہوں۔ (ت)

تنبیہ: مسئلہ برادر تمام متون وعامہ شروح و فتاوٰی میں یونہی اطلاق وارسال پر ہے قنیہ میں اسے اس قید سے مقید کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ نے بہت طول کھینچا اور یہ بھائی اپنے بھائی کی حمایت میں برسوں سے اس مقدمہ کی پیروی و کوشش و مخاصمہ وکاوش میں رہا، اب اگر اس مقدمہ میں بھائی کیلئے گواہی دے گا مقبول نہ ہوگی کہ اس ممتد کارروائی نے گویا اسے مثل مخاصم کردیا، علامہ ابن وہبان نے نظم الفرائد میں اسے بلفظ قیل نقل کیا اور شرح میں قیاسًا فرمایا کہ باقی اقارب واجانب کا بھی یہی حکم ہو جبکہ برسوں پیروی مقدمہ کرچکے ہوں۔ بحر الرائق میں ہے:

فی القنیة امتدت الخصومة سنین ومع المدعی اخ وابن عم یخاصمان له مع المدعی علیه ثم شهدا له فی هذه الخصومة بعد هذه الخصومات لاتقبل شهادتهما اھ وذکر ابن وهبان وقیاس ذلك ان یطرد ذلك فی کل قرابة وصاحب تردد مع قرابته او صاحبه الی المدعی فی الخصومة سنین ویخاصم له	قنیہ میں ہے کئی سال تک مدعوی کی حمایت میں اس کا بھائی چچازاد، مدعٰی کے خلاف مخاصمت میں شریک ہیں پھر وہ بھائی اور چچازاد اسی مخاصمت کے مقدمہ میں مدعی کے حق میں گواہی دیں تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی اھ، ابن وہبان نے ذکر کیا ہے کہ یہ قاعدہ ہر قرابت میں جاری ہوگا اور اپنے قریبی کے تردد اور مدعی کی مصاحبت میں کوئی سال سے شامل ہے اور مدعی کے حق میں مدعی کے ساتھ

[1] کنز الدقائق کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۰

[2] بحر الرائق کتاب الشہادات باب من تقبل شہادتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳، درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

ومعہ علی المدعی ثم یشھد لہ بعد ذلك فانہ ینبغی ان لاتقبل والفقہ فیہ انہ لماطال التردد مع المخاصم والمخاصمۃ لہ مع المدعی علیہ صار بمنزلۃ الخصم للمدعی علیہ اھ[1]۔	مدعا علیہ کے خلاف مخاصمت کر رہا ہے پھر وہ مدعی کے حق میں اس تردد اور مخاصمت میں گواہی دے تو اسے قبول کرنا مناسب نہیں اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ جب مدعی کے حق میں مدعی علیہ کے خلاف طویل مدت شریک رہا تو وہ گویا خود مدعی علیہ کے خلاف مخاصم بن گیااھ۔(ت)

وہبانیہ میں ہے:۔

وقد قیل لابن العم والاخ لم یجز اذا خاصما معہ سنینا واخروا[2]

(چچازاد اور بھائی کے متعلق بیشک یہ کہا گیا ہے کہ جب مدعی کے حق میں کئی سال کے بعد تک وہ مدعا علیہ کے خلاف مخاصم رہے ہوں تو ان کی گواہی مدعی کے حق میں جائز نہیں ہے۔ت)

پر ظاہر کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں تو صرف اتنی بات پر شہود کو خصم ٹھہرادینا محض بے اصل ہے۔

(اختلافات) کہ بیان شہود میں پیدا کئے ان میں کوئی اصلًا صالح التفات نہیں۔

اولًا: تفضل حسین خاں نے اپنی بی بی کا پرورش کرنا بتایا غلام ناصر خاں نے تفضل حسین خاں کا یہ کیا اختلاف ہوا ممکن کہ تربیت مباشرۃً امراؤ بیگم نے کی اور مال ورضا جانب تفضل حسین خاں سے، تو بلحاظ مباشرت اس سے نفی اور بنظر مال واجازت اس کے لئے اثبات دونوں حق ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ"[3]۔ فتح الامیر الحصن ولم یفتح ھو بل العسکر کل صحیح کما قد علم فی محلہ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب آپ نے مارا آپ نے نہ مارا لیکن اللہ تعالٰی نے مارا۔ امیر نے قلعہ فتح کیا، اس نے فتح نہ کیا بلکہ لشکر نے فتح کیا یہ کلام ہر طرح صحیح ہے، جیسا کہ وہ اپنے محل میں معلوم ہے۔(ت)

ایسے امور کا صاحب خانہ کی طرف نسبت کرنا شائع وذائع ہے لانہ الاصل وعن رأیہ یصدر (کیونکہ

[1] بحر الرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۹۳

[2] الوہبانیۃ

[3] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

صاحب خانہ اصل اور صاحب رائے ہے۔ت) اور اختلاف غلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں کا ادعا سخت ہی تعجب خیز ہے کلام محی الدین میں بگا کو ندا کی نفی بھی تو نہیں صرف عدم ذکر ہے وہ ذکر عدم کیونکر ہوا، رب العزت جل وعلا نے سورہ نمل میں فرمایا:

"یٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝۱۰ "[1]	اے موسٰی علیہ وعلٰی نبینا الصلوٰۃ والسلام، مت خوف کرو، میں وہ ذات ہوں کہ میرے ہاں رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔ (ت)

اور سورہ قصص میں ہے:

"یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَ لَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝۳۱ "[2]	اے موسٰی علیہ السلام! آگے بڑھو اور خوف نہ کرو، آپ امن والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اور سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا:

"قَالَ خُذْهَا وَ لَا تَخَفْ ۫ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ۝۲۱ "[3]	فرمایا اسے پکڑو اور خوف نہ کرو ہم اس کو عنقریب پہلی حالت پر پھیریں گے۔ (ت)

ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ "لاتخف" کے سوا ہر جگہ نیا کلام نقل فرمایا ہے، کلن خاں اور ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیانوں میں اختلاف گمان کرنا محض قلّت تدبر سے ناشئی ہے، سائل سے استفسار پر واضح ہوا کہ کلن خاں غیر شخص ہے بگا بیگم اس سے چھپتی ہے وہ دالان میں تھی اور یہ دروازے میں۔ اب دونوں بیان صاف صاف حق و صحیح ہیں بے غوری کے باعث یہ گمان ہوا کہ دروازے کا لفظ دونوں کلام میں بگا بیگم سے متعلق ہے یعنی کلن خاں کہتا ہے بگا بیگم نے دروازے میں آکر مجھ سے کہا ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کہتی ہیں بگا بیگم نے دالان میں سے کہا دروازے میں کچھ نہ کہا حالانکہ حقیقۃً عورات کے بیان میں تو یہ لفظ بگا بیگم کی طرف ناظر ہے جس طرح مجوز نے سمجھا اور کلن خاں کے کلام میں خود کلن سے متعلق ہے یعنی میں دروازے میں تھا کہ بگا بیگم نے مجھ سے کہا ایسی، طرف متکلم و مخاطب دونوں کے لئے محتمل و مستعمل ہوتی ہے زید نے مجھ سے مسجد میں کہا اسکے یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ زید مسجد میں تھا جو اس نے مجھ سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۲۱

کہااور یہ بھی کہ میں مسجد میں تھا کہ اس نے کہا ولہٰذا قرائن سے ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں مثلاً قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں گالی نہ دوں گا، تواس کے معنی یہ ہیں کہ میں جس وقت مسجد میں ہوں گا تجھے گالی نہ دوں گا ولہٰذا اگر وہ شخص مسجد میں ہوا اور اس نے باہر سے گالی دی حانث نہ ہوگا، اور اگر قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں نہ ماروں گا تواس کے یہ معنی کہ جب تو مسجد میں ہوگا تجھے نہ ماروں گا ولہٰذا اگر وہ شخص بیرون مسجد ہے اور اس نے مسجد میں سے اسے مارا قسم نہ ٹوٹے گی۔ اشباہ میں ہے:

قال ان شتمته فی المسجد او رمیت الیه فشرط حنثه کون الفاعل فیه وان ضربته او جرحته او قتلته او رمیته کون المحل فیه[1]۔	اگر کسی نے کہا میں اسے مسجد میں گالی دوں یا مسجد سے اسے تیر ماروں، اس کی قسم ٹوٹنے کی شرط یہ ہے کہ فاعل مسجد میں ہو، اور اگر کہا میں اس کو ضرب لگاؤں یا زخمی کروں یا قتل کروں یا تیر ماروں تو پھر شرط یہ ہے کہ مفعول مسجد میں ہو۔ (ت)

ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم کے بیان میں احتمال اول مقصود ہے اور کلن خاں کے بیان میں دوم، ولہٰذا اس نے دالان و دروازہ کا فاصلہ بتایا کہ تین چار ہی گز ہے جس کے سبب بگا بیگم نے دالان میں سے جو بات کی میں نے دروازے میں سنی۔ یہ تو حق تحقیق ہے اور بالفرض اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور دونوں کلام میں طرف کو بگا بیگم ہی کے واسطے قرار دیجئے تاہم وہ دونوں بیان بداہۃً بگا بیگم کے دو کلاموں کے حکایت ہیں ایک میں کلن خان مخاطب تھا کہ تم کو گواہی دینا ہوگی دوسرے میں اور لوگ کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی وہ کلن خان سے کہا تھا یہ اس کے جانے کے بعد تو ایک کا دروازہ دوسرے کا دالان میں ہونا کیا محال ہے نہ ہر گز شرط شاہد ہے کہ اس تمام جلسے میں جس سے جو بات اصل امر سے زائد بھی کہی جائے اس سب کو اس کا علم محیط اور اس کے حفظ میں حاضر ہو، یہیں سے سلام علیک کہنے نہ کہنے کا جواب ظاہر، معہذا ممکن کہ تفضل حسین خان جب دروازے پر مدعا علیہ کو بلانے گیا اس نے اس سے سلام علیک نہ کی پھر یہ اس کے بعد مکان میں آیا اس نے سلام علیک کرتے نہ دیکھا اپنے عدم علم کی بناء پر نفی کی اور غلام محی الدین نے دیکھا لہٰذا اپنے علم کی بناء پر اثبات، ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم و تفضل حسین خاں و غلام محی الدین خاں کے بیان میں جو مکالمہ زن و شو کے حکایات ہیں ان کا حاصل کہیں مختلف و متنافی نہیں اسے اختلاف بتانے کے رد میں وہی تین آیتیں کہ ابھی تلاوت کی گئیں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الایمان ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۷۷

اور قرآن عظیم کے عامہ قصص اور تمام منقولہ بالمعنی و بزیادت و نقص رواۃ جن کے تو دہ تو دہ نظائر صحیح بخاری کے اور ابواب اور صحیح مسلم کے ایک ہی سیاق میں مل سکتے ہیں کافی ووافی۔ کوئی عاقل اسے اختلاف نہیں کہہ سکتا۔ رہا غلام ناصر خان و غلام محی الدین خاں کا اختلاف، ممکن کہ واقع میں غلام ناصر خاں پہلے چلا گیا ہو غلام محی الدین خاں نے اسے جاتے نہ دیکھا استصحابًا کہا وہیں چھوڑ آیا۔

ثانیًا: بالفرض اگر یہ سب اختلاف مسلم بھی ہوں تو زائد و فضول و لغو و بیکار باتوں میں تفاوت اصلًا لائق التفات نہیں بگا بیگم کو تفضل حسین خان نے پرورش کیا یا اس کی زوجہ نے مدعا علیہ نے طلاق دینے میں "اے بگا" کہا، یا بے ندا اس سے خطاب کیا، اس نے امراؤ بیگم وغیرہا سے سلام علیک کی یا نہ کی، غلام محی الدین خاں پہلے اٹھ گیا یا غلام ناصر خاں، بگا بیگم نے کلن خاں سے دروازے میں کچھ کہا یا نہیں، بجواب عباس علی خاں جب تک ضامن نہ آئیں، جانے سے انکار ان لفظوں سے ادا کیا یا ان سے ان میں کون سی بات کی نفی یا اثبات طلاق دینے نہ دینے سے تعلق یا معاملہ پر کچھ اثر رکھتی ہے تو ایسی مہملات پر نظر کے کوئی معنی نہیں۔ وجیز امام کردری میں ہے:

التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر. اصلہ فی الجامع الصغیر الخ[1]۔	غیر ضروری کے متعلق تناقض مضر نہیں، اس کی اصل جامع الصغیر میں ہے الخ (ت)

جامع الفصولین فصل ۱۱ میں ہے:

القاضی لو سأل الشھود قبل الدعوٰی عن لون الدابۃ فقالوا کذا ثم عند الدعوٰی شھدا بخلاف ذلك اللون تقبل لانہ سأل عما لایکلف الشاھد بیانہ فاستوی ذکرہ وترکہ ویخرج منہ مسائل کثیرۃ[2]۔	قاضی نے اگر دعوی سے قبل گواہوں سے جانور کا رنگ پوچھا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر قاضی نے دعوی کے موقعہ پر ان سے سوال کیا تو انہوں نے دوسرا رنگ بتایا یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ قاضی نے ان سے ایسی چیز کا سوال کیا جس کے بیان کے وہ پابند نہیں تو ایسی چیز کا ذکر کرنا نہ کرنا مساوی ہے اس ضابطہ سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوئی ہے۔ (ت)

خلاصہ وہندیہ میں ہے:

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۵۱

[2] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰

لو سأل القاضی الشھود عن لون الدابۃ وذکروا ثم شھدوا عند الدعوی وذکروا الصفۃ علی خلافہ تقبل والتناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر [1]۔	اگر قاضی نے گواہوں سے جانور کے رنگ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کوئی رنگ بتایا پھر دعوی کے موقعہ پر انہوں نے کوئی دوسرا رنگ بتایا تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ غیر ضروری چیز میں تناقض مضر نہیں ہے (ت)

خانیہ وبحر الرائق وظہیریہ وعالمگیریہ میں ہے:

لو اختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب والمطلوب او المرکب او قال احدھما کان معنا فلان وقال الآخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز لاتبطل ھذہ الشھادۃ [2]۔	اگر گواہوں نے طالب، مطلوب یا سواری کے جانور پر کپڑے میں اختلاف کیا یا ایک نے کہا فلاں ہمارے ساتھ تھا اور دوسرے نے کہا وہ ہمارے ساتھ نہ تھا اصل (مبسوط) میں مذکور ہے کہ یہ شہادت جائز ہے اور اسے باطل نہ کہا جائیگا۔ (ت)

فتاوٰی قاعدیہ وفتاوٰی انقرویہ میں ہے:

قال الشھادۃ لو خالفت الدعوٰی بزیادۃ لایحتاج الی اثباتھا او بنقصان کذٰلك فان ذٰلك لایمنع قبولھا مثالھا لو اشھدا علی اقرارہ بمال فقال لااقر فی یوم کذا والمدعی لم یذکر الیوم او شھدا ولم یؤرخا و المدعی ارخ، اوشھدا انہ اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذکراہ	فرمایا اگر شہادت کسی غیر ضروری یا نقصان کی وجہ سے دعوی سے مختلف ہوجائے تو گنجائش ہے کہ اس کی قبولیت سے انکار نہ کیا جائے مثلاً گواہوں نے ایک شخص کے اقرار بالمال کی شہادت دیتے ہوئے کہا اس نے فلاں روز اقرار کیا حالانکہ مدعی نے اس دن کا ذکر نہ کیا یا یوں کہ مدعی نے اپنے دعوی میں کوئی تاریخ ذکر کی اور گواہوں نے وہ تاریخ نہ ذکر کی یا یہ کہ گواہوں نے کسی شہر کا ذکر کیا حالانکہ مدعی نے کسی شہر کو ذکر نہ کیا یا یہ کہ مدعی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰

[2] بحر الرائق کتاب الشہادات باب الاختلاف فی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۳، فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۹

اوذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذٰلك المکان، او قال المدعی اقر وھو راکب فرس اولابس عمامۃ، و قالا اقروھو راجل اوراکب حمار او لابس قلنسوۃ و اشباہ ذٰلك فانہ لایمنع القبول لان ھذہ الاشیاء لا یحتاج الی اثباتھا فذکرھا والسکوت عنھا سواء وکذا لووقع مثل ھذا التفاوت بین الشھادتین لایضر[1]۔	نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے وہ جگہ ذکر نہ کی، یا یہ کہ مدعی نے جگہ کا ذکر کیا اور گواہوں نے کسی دوسری جگہ ذکر کیا یا یہ کہ مدعی نے دعوی میں کہا کہ گھوڑے پر سواری کی حالت میں اقرار کیا یا عمامہ پہنے ہوئے اقرار کیا اور گواہوں نے پیدل یا گدھے پر سواری کی حالت میں یا ٹوپی پہننے کی حالت وغیرہ کا، توان غیر ضروری امور میں اختلاف گواہی کی قبولیت کے لئے مانع نہ ہوگا، کیونکہ یہ چیزیں وہ ہیں جن کا اثبات ضروری نہیں ہے توان کا ذکر اور عدم ذکر مساوی ہے اور یونہی اگر اس قسم کا اختلاف دونوں گواہوں کی شہادت میں ہو تو مضر نہ ہوگا۔(ت)

بلکہ علماء تو معاملہ طلاق و عتاق میں نفس الفاظ ایقاع کے اختلاف لسانی کو نظر انداز کرتے ہیں ایک گواہ کہے زید نے اپنی زوجہ سے کہا انت طالق یا غلام سے انت حر، دوسرا کہے طلاق دادمت کہا، یا آزادت کردم، یا ایک کہے زید نے اس وقت عربی میں کلام کیا تھا، دوسرا کہے کہ فارسی میں، ان سب صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور طلاق و عتاق ثابت، پھر ان بالائی لغویات کا لحاظ یعنی چہ، درمختار میں ہے:

شھد احدھما انہ قال لعبدہ انت حر والاٰخر انہ قال آزادی تقبل[2]۔	اگر ایک نے شہادت دی کہ اس نے اپنے غلام کو "انت حر" (عربی) اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے غلام کو فارسی میں آزاد کہا گواہی قبول ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

شھد احدھما انہ اعتق بالعربی والاٰخر بالفارسی تقبل[3]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے غلام آزاد کرتے ہوئے عربی میں اور دوسرے نے شہادت میں کہا کہ اس نے فارسی میں کہا، شہادت مقبول ہوگی (ت)

---

[1] فتاوٰی انقرویہ بحوالہ الفتاوی القاعدیۃ کتاب الشھادات دارالاشاعۃ العربیہ قندھار ۱/ ۹۵۔۳۹۴

[2] درمختار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۹۸

[3] البحرالرائق کتاب الشھادات باب الاختلاف الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۱۔۱۱۰

اشباہ میں ہے:

شھد احدھما انہ اعتقہ بالعربیۃ والاٰخر بالفارسیۃ تقبل بخلاف الطلاق والاصح القبول فیھما[1]۔	ایک نے شہادت دی کہ اس نے عربی میں، اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے فارسی میں آزاد کہا، مقبول ہوگی بخلاف طلاق کے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عتاق وطلاق دونوں میں مقبول ہے۔ (ت)

ثالثًا: اصل شہادت میں اتفاق شافی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے مؤثر ہلکے آسان اختلافوں کو جنہیں معاملے سے کچھ تعلق نہ ہو دستاویز بناکر شہادت متفقہ کو رد کردینے کا اگر فتح باب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہوجائیں، ظالمین اموال وفروج پر دسترس پائیں، مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں، کچہریاں صرف اعانت ظلمہ کے صیغے نظر آئیں کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام، ایسی کسی بات میں ایک آدھ اختلاف ہوجانا نادر نہیں بلکہ کثیر وغالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلاء نے اتلاف حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضاۃ نے اس پر تقریر کی محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کردینے کے لئے صدہا سوالات فضول ومہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنہیں ذریعہ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغواو تضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفاوارباب سلامت صدر اور وہ لوگ جنہیں کچہریوں کا اتفاق کم ہوا کہ یہ تو ان حضرات کے سخرہ ودست مال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں براہ تاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راستباز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں کار سچا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم[2]۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مومن کریم ہونے کی بناء پر دھوکا کھاتا ہے اور فاجر شخص قابل ملامت ہونے کی وجہ سے دھوکا باز ہوتا ہے۔ اسے ابوداؤد، ترمذی اور حاکم نے جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الدعوٰی والشہادات ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۴۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۶۰

وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلاً واقع نہ ہونا ہے تعجب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق اعانت عقوق کے اور کیا قرار پاسکتا ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پر ظاہر کہ اس میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع۔ جامع الفصولین میں ہے:

عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج والتضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لابعسر والحرج مدفوع شرعا۔[1]	ایسی صورتوں میں قبول نہ کرنا حرج، تنگی اور بہت سے حقوق کے ضیاع کا سبب بنتا ہے جبکہ ہمیں یسر کا حکم ہے تنگی اور دشواری پیدا کرنے کا حکم نہیں نیز حرج شرعاً مدفوع ہے۔ (ت)

(روایت نادرہ ابی یوسف) کو مذہب امام ابویوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل و حکم کی اجازت۔ جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و در مختار و فتاوٰی صغری و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوٰی انقرویہ، ردالمحتار و فتاوٰی خلاصہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام و عقود الدریہ و وجیز کردری و فتاوٰی خانیہ و فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انہیں پر انحصار نہیں، عامہ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود، اور اس روایت کا مخالف ظاہر الروایت ہونا خود عبارت منقولہ فیصلہ سے ثابت فیصلہ سے جس قدر سائل نے نقل کیا وہ یہیں سے ہے کہ **اذا ارتاب القاضی** (جب قاضی کو شک ہو۔ (ت) حالانکہ اصل عبارت محیط ان الفاظ سے شروع ہے: **قال فی الاصل اذا ارتاب القاضی**[2] **الخ** (اصل (مبسوط) میں فرمایا جب قاضی شک میں مبتلا ہو الخ۔ ت) جس سے صاف ظاہر کہ محرر المذہب امام محمد نے کتاب الاصل میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے بے حکایت خلاف تصریح صاف فرمائی کہ شاہدوں کا زمان و مکان میں بھی اختلاف مطلقاً مضر شہادت نہیں جہاں ہے "ہے" یعنی افعال نہ طلاق و عتاق و بیع وامثالہا اقوال چہ جائے اختلاف ثیاب و مراکب و حضار واقعہ نساء و رجال، اور صاف یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مجرد تہمت وریب کی بناء پر شہادت رد نہ کی جائے گی، نیز اسی عبارت سے یہ بھی ثابت کہ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے برخلاف امام اعظم وہمام اقدم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المحیط کتاب ادب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

توجماہیر کے خلاف، امام کے خلاف، ظاہر الروایۃ کے خلاف، دلیل کے خلاف، بے تصحیح صریح وترجیح رجیح ائمہ افتاء ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا، ائمہ وعلماء کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کامذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوح پر افتاء وقضاء جہل وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا، لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا اور اگر والی مولی جس نے قاضی عہدہ قضا دیا تصریح کردی کہ مذہب امام یا قول مصحح پر عمل کرنا جیساکہ غالبًا یونہی ہوتا ہے جب تو ایسا فیصلہ قطعًا اجماعًا سرے ہی سے باطل ونامعتبر ومحض بے اثر جسے منسوخ کرنے کی بھی حاجت نہیں کہ قاضی اب ماورائے مذہب میں معزول ومثل احد من الناس ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قدصرحوابان العمل بماعلیه الاکثر[1]۔	فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

امدادالفتاح علامہ شرنبلالی میں ہے:

القاعدۃ العمل بماعلیه الاکثر[2]۔	قاعدہ ہے کہ عمل اکثریت کے موقف پر ہوگا۔ (ت)

شرح الاشباہ للعلامۃ البیری وعقودالدریہ میں ہے:

المقرر عند المشایخ انه متی اختلف فی مسألة فالعبرۃ بماقاله الاکثر[3]۔	مشائخ کے ہاں ثابت شدہ ہے کہ جب مسئلہ میں اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کا اعتبار ہوگا۔ (ت)

تنویر الابصار ودرمختار ومنیہ وسراجیہ وغیرہا میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفة علی الاطلاق[4]۔	مفتی کی طرح قاضی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو علی الاطلاق لے گا۔ (ت)

ثلثہ اخیرہ میں ہے: ھو الاصح[5] (وہی اصح ہے۔ت) بحرالرائق میں ہے: یجب علینا الافتاء

---

[1] ردالمحتار باب المیاہ قبل باب التیمم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۵۱

[2] العقود الدریہ بحوالہ الشرنبلالی مسائل وفوائد من الحظر والاباحۃ الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۶

[3] العقود الدریہ بحوالہ بیری مقدمۃ الکتاب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[5] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بقول الامام[1] (ہم پر امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی دینا واجب ہے۔ت) خیریہ میں ہے:

المقر ایضا عندنا انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم[2] الخ۔	ہمارے ہاں یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے بغیر نہ فتوی دیا جائے اور نہ عمل کیا جائے الخ (ت)

ردالمحتار میں صدر کتاب احیاء الموات میں ہے:

وذلك عجیب لما قالوا ان ماخالف ظاہر الروایۃ لیس مذہبا لاصحابنا[3]۔	یہ امر عجیب ہے کیونکہ ان فقہاء کرام نے فرمایا کہ جو ظاہر الروایۃ کے خلاف ہو وہ ہمارے اصحاب کا مذہب نہیں ہے۔(ت)

بحرالرائق کتاب القضاء میں ہے:

ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ لما قرروہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین مختلفین متساویین من مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[4]۔	جو ظاہر الروایت سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے کیونکہ انہوں نے اصول میں یہ امر ثابت شدہ قرار دیا ہے کہ مجتہد سے دو مساوی مختلف قول صادر ہونا ممکن نہیں اور جس قول سے رجوع کرلیا ہو تو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

خیریہ اواخر شہادات میں ہے:

ھذا ھو المذہب الذی لایعدل عنہ الی غیرہ وما سواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ وما خرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ[5]۔	مذہب یہی ہے جس سے غیر کی طرف عدول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے ماسوا روایات ظاہر الروایۃ سے خارج ہیں اور جو ظاہر الروایۃ سے خارج ہو وہ مرجوع عنہ ہے اور جو مرجوع عنہ ہو وہ مجتہد کا قول نہیں رہتا۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹-۷۰

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۳۳

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۸

[4] بحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

تصحیح القدوری و در مختار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع[1]۔	کوئی حکم یا فتوٰی مرجوح قول پر ہو تو وہ جہالت اور اجماع کے مخالف ہے۔ (ت)

حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واحمد مصری ومحمد شامی میں ہے:

اولی من هذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاهر الروایة اذالم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنه[2]۔	اس سے زیادہ باطل یہ ہے کہ فتوٰی دیناظاہر الروایۃ کے خلاف جس کی تصحیح نہ ہو، اور مرجوع عنہ قول پر فتوٰی دینا ہے۔ (ت)

تنویر وشرح علائی میں ہے:

لایخیر اذلم یکن مجتهد ابل المقلد متی خالف معتمد مذهبه لاینفذ حکمه وینقض هو المختار للفتوی کما بسطه المصنف فی فتاویه غیره[3]۔	مجتہد کے غیر کو اختیار نہ ہوگا بلکہ مقلد جب اپنے معتمد علیہ مذہب کے خلاف فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اور اس کو کالعدم قرار دیا جائے گا، یہی فتوٰی کیلئے مختار جیسا کہ مصنف نے اپنے دوسرے فتاوٰی میں اس کو بسط سے بیان کیا ہے۔ (ت)

انہیں میں ہے:

(قضی فی مجتهد فیه بخلاف رأیه) ای مذهبه، مجمع وابن کمال (لاینفذ مطلقًا) ناسیا او عامدًا عندهما والائمة الثلثة (وبه یفتی) مجمع وقایة وملتقی، وقیل بالنفاذ یفتی وفی شرح الوهبانیة للشرنبلالی قضی من لیس مجتهدا کحنفیة زماننا	قاضی نے مجتہد فیہ مسئلہ میں اپنی رائے یعنی اپنے مذہب کے خلاف، مجمع اور ابن کمال (مطلقًا نافذ نہ ہوگا) خواہ قصدًا ہو یا سہوًا، صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے ہاں (اسی پر فتوٰی ہے) مجمع وملتقٰی اور وقایہ، اور بعض نے کہا نفاذ پر فتوٰی ہے۔ علامہ شرنبلالی کی شرح وہبانیہ میں ہے ہمارے زمانہ کے حنفی قاضی کی طرح غیر مجتہد

[1] درمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

بخلاف مذہبه عامدا لاینفذ اتفاقا وکذا ناسیا عندھما، ولو قیدہ السلطان بصحیح مذہبه کزماننا تقید بلا خلاف لکونه معزولا عنه اھ وقد غیرت بیت الوھبانیة فقلت۔ ولو حکم القاضی بحکم مخالف لمذہبه ماصح اصلا یسطر[1]۔	نے اپنے مذہب کے خلاف قصداً فیصلہ دیا تو بالاتفاق نافذ نہ ہوگا، اور یوں ہی بھول کر دیا تو صاحبین کے ہاں وہ بھی نافذ نہ ہوگا، اور اگر سلطان نے قاضی کو اپنے مذہب کے صحیح پر فیصلہ کا پابند کیا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں پابند کیا جاتا ہے تو بغیر اختلاف وہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ قاضی کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اھ اور میں نے وہبانیہ کے شعر کو تبدیل کرتے ہوئے یوں کہاہے: اگر قاضی نے اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ دیا تو قطعًا صحیح نہ ہوگا یوں لکھا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں قبیل باب التحکیم ہے:

القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذاحکم بغیرہ لم یصح[2]۔	جو قاضی امام صاحب کے اقوال میں سے اصح قول پر فیصلہ کا پابند بنایا گیا ہو جب وہ اس کے غیر پر فیصلہ دے تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

فتح القدیر ہے:

اما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذہب ابی حنیفة فلا یملك المخالفة فیکون معزولا بالنسبة الی ذٰلك الحکم[3]۔	اگر مقرر کرنے والے نے قاضی کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کا پابند کیا ہو وہ مخالفت کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ وہ ایسے حکم کا مجاز نہ تھا۔(ت)

برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر غنیۃ ذوی الاحکام شرح درر الحکام میں ہے:

ھذا صریح الحق الذی یعض علیه بالنواجذ[4]۔	یہ صریح حق ہے جس کو دانتوں سے مضبوط پکڑنا چاہئے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۰

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۶

[3] فتح القدیر کتاب ادب القاضی فصل آخر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۹۷

[4] غنیة ذوی الاحکام شرح درر الاحکام کتاب القضاء میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۰

فتاویٰ علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے:

لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف لانہ لیس من اھل الترجیح فلا یعدل عن الصحیح الالقصد غیر جمیل ولو حکم لاینفذ لان قضائہ قضاء بغیر الحق لان الحق ھوالصحیح وما وقع من ان القول الضعیف یتقوی بالقضاء المراد بہ قضاء المجتھد کما بین فی موضعہ[1]۔	مقلد قاضی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ضعیف قول پر فیصلہ دے کیونکہ وہ اہل ترجیح میں سے نہیں ہے تو وہ صحیح قول سے عدول نہیں کرسکتا سوائے کسی غیر پسندیدہ وجہ کے، اگر اس نے ایسا فیصلہ دیا تو وہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا کیونکہ یہ فیصلہ ناحق ہے کیونکہ صحیح قول پر ہی حق ہے، اور یہ قول کہ ضعیف کو فیصلہ قوی بنادیتا ہے تو اس سے مراد مجتہد کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے مقام پر واضح کیا گیا۔ (ت)

فواکہ بدریہ علامہ ابن الغرس میں ہے:

واما المقلد المحض فلا یقضی الابما علیہ العمل والفتوی[2]۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اس پر فیصلہ دے سکتا ہے جس پر فتوی اور عمل ہو۔ (ت)

رسائل علامہ زین بن نجیم میں ہے:

اما القاضی المقلد فلیس لہ الحکم الا بالصحیح المفتی بہ فی مذہبہ ولا ینفذ قضاؤہ بالقول الضعیف[3] اھا ثر ھذہ الخمس جمیعا فی ردالمحتار۔	لیکن خالص مقلد تو وہ صرف اپنے مذہب کے صحیح مفتی بہ قول پر فیصلہ دے سکتا ہے ضعیف قول پر فیصلہ دے تو وہ نافذ نہ ہوگا اھ ان پانچوں عبارات کو ردالمحتار میں نقل کیا ہے۔ (ت)

ان روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ شہیرہ متوافرہ متظافرہ سے شمس وامس کی طرح واضح ہوا کہ مجوز نے اس روایت پر فیصلہ کرنے میں سراسر خلاف حکم کیا اس بناء پر فیصلہ واجب النقض بلکہ سرے سے باطل محض ہے یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ فیصلہ کو اس روایت نادرہ کے موافق فرض کرلیجئے ورنہ انصاف یہ کہ وہ اس کے بھی موافق نہیں، یہ روایت نادرہ مطلقًا ایسے اختلافات یسیرہ کو مانع شہادت ٹھہراتی بلکہ اس حالت میں جب قرائن صحیحہ وامارات صریحہ سے قاضی کو مرتبہ ظن حاصل ہو کہ یہ گواہ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں کہ اس میں صاف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ فتاویٰ قاسم بن قطلوبغا کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[2] ردالمحتار بحوالہ فواکہ بدریۃ ابن الغرس کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۳۵

[3] ردالمحتار بحوالہ رسائل ابن نجیم کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵

شرط مذکور:

اذااتهتهم ورأیت الریبة فظننت انهم شهود الزور [1]۔	جب میں ان کو متہم پاؤں اور مشکوک معاملہ دیکھوں تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں (ت)

صرف تہمت پر بھی قناعت نہ فرمائی بلکہ زیادہ کیا کہ میں ان میں ریب دیکھ لوں مجھے ان کی شاہد کذب ہونے پر گمان غالب حاصل ہو جائے یہاں مجوز نے ان تمام شہادات میں کیا ریب دیکھ لیا کس بنا پر ان کی یہ گواہی جھوٹ ہونے پر ظن ہاتھ آیا۔

(ریب وتہمت) اس بنا پر کہ اکثر مخلوق نے پیشہ شہادت زور اختیار کرلیا ہے محض بے اصل ہے شیوع کذب وعدم اعتماد خود زمانہ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کہ قرون خیر منقضی ہوچکے تھے، شہادت احادیث صحیحہ متحقق ہولیا تھا ولہذا صاحبین نے برخلاف مذہب صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہم ظاہر عدالت پر اطمینان نہ رکھا خفیہ وآشکارا تحقیق وتزکیہ لازم کیا علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ اختلاف اختلاف برہان نہیں اختلاف زمان ہے۔ درمختار میں ہے:

لا یسأل عن شاهد بلا طعن من الخصم الافی حد وقود وعندهما یسال فی الکل ان جهل بحالهم، بحر، سرا وعلنا، به یفتی وهو اختلاف زمان لانهما کانافی القرن الرابع ولو اکتفی بالسرجاز، مجمع، وبه یفتی، سراجیة [2]۔	قاضی فریق مخالف کے اعتراض کے بغیر گواہوں کی تفتیش نہ کرے ماسوائے قصاص اور حد کے، اور صاحبین کے نزدیک تمام مقدمات میں تفتیش کرسکتا ہے اگر قاضی گواہوں کے حال سے ناواقف ہو، بحر، خفیہ اور اعلانیہ بھی۔ اسی پر فتوٰی ہے اور یہ زمانہ کے اختلاف کا معاملہ ہے کیونکہ صاحبین قرن رابع میں تھے، اگر خفیہ تفتیش کرے تو بھی صحیح ہے، اسی پر فتوٰی ہے، سراجیہ (ت)

تو اس روایت میں یہ شیوع کذب کی عام بے اطمینانی قطعًا مراد نہیں ورنہ قید وشرط کی حاجت نہ تھی بلکہ بالخصوص ان گواہوں میں کوئی ریب واضح پیدا ہونا مقصود ہے ولہذا "**ورأیت الریب**" فرمایا، پھر ظاہر کہ اس عام احتمال بات سے ان شہود کے کاذب ہونے پر ظن نہیں ہوسکتا اور روایت میں صراحةً فرمایا **فظننت انهم شهود الزور** [3] (تو میں گمان کرتا ہوں کہ یہ گواہ جھوٹے ہیں۔ ت) شادی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القضاء الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

کے چھ سات مہینے بعد طلاق ہونا بھی کچھ موجب ریب نہیں جس طرح تین چار دن بھی والدین کے یہاں نہ چھوڑنے کو مجوزنے فرط محبت پر محمول کرکے اسے مبنائے ریب ٹھہرایا ہے، یوں ہی برابر کا احتمال یہ بھی موجود کہ یہ بربنائے خشونت وشدت وسخت گیری ہو جس کا خاتمہ تین طلاق پر ہوا، عورتیں مردوں کے ہاتھ میں قیدی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی النساء فانھن عوان بین ایدیکم [1]۔	اللہ سے ڈرواللہ سے ڈرو عورتوں کے حق میں کہ وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں۔

بدمزاج لوگ عورت کو دو دن بھی والدین کے یہاں بخوشی نہیں چھوڑتے نہ بربنائے کمال انس ومحبت بلکہ شدت وغلظت واظہار حکومت، بلکہ یہاں یہی احتمال زیادہ راجح تھا **اولاً: عورات کا ضعف** "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" [2] (مرد عورتوں پر قوی منتظم ہیں۔ت) سرکشی زناں بہ نسبت سخت گیری مرداں نادر ہے۔

ثانیاً: برخلاف معتاد جملہ بلاد اول بار بھی عورت کا بضمانت جانا تندمزاجی شوہر سے ترس شدید کا پتہ دے رہا ہے۔

ثالثاً: نام طلاق جس قدر عورتوں کو سخت شدید ناگوار ہے مردوں کو نہیں کہ اس میں انہیں اپنی بدنامی کا بھی زیادہ لحاظ ہوتا ہے، لوگ کیا کہیں گے، کیا سمجھیں گے، کیوں چھوڑدیا، اور اس کے ساتھ اپنے عیش باقی اور آنے والی عمر کا خیال کہ زنان ہند میں نکاح ثانی عار ہے۔ تو بے طلاق دیئے از پیش خویش جھوٹا مشغلہ بنانے اور اس پر مقدمہ لڑانے کی جرات نوکتخدا عورت سے بہت بعید اور سخت محل شبہات ہے، ہاں جاہل مرد جب جوش حکومت میں غضب پر آتے ہیں کبھی ایک طلاق پر نہیں رکتے بلکہ تین پر بھی اتفاقاً ٹھہرتے ہیں پھر جب غصہ اترتا اور نادم ہوتے ہیں لاعلاج مرض کا علاج ڈھونڈتے ہیں ایسا ہی خوف خدا ہوا تو صبر کر بیٹھے ورنہ انکار طلاق سہل نسخہ ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ ایسے ضعیف احتمالات مبنائے **ظننت انھم شھود الزور** (تجھے گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں۔ت) نہیں ہوسکتے تو صاف واضح ہوا کہ فیصلہ اس روایت کے بھی موافق نہیں محض اوہام پر مبنی ہے۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح دارالفکر بیروت ۵/ ۳۵۲، احیاء العلوم کتاب آداب النکاح الباب الثالث مطبعۃ المشھد القاہرہ ۲/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

(معاملہ حلال وحرام) ضرور محل احتیاط شدید ہے، مگر یہاں حلت وحرمت کا پلہ دونوں طرف یکساں اگر واقع میں طلاق نہ ہوئی اور مطلقہ ثلاث ٹھہرا کر اجازت نکاح ثانی دیں تو معاذ اللہ اجازت زنا ہے اور واقع میں ہو گئی اور بدستور زوجہ بنا کر قبضہ طلاق دہندہ میں رکھیں تو عیاذًا باللہ اجازت زنا ہے۔ دونوں طرفین کانٹے کی تول برابر ہیں، ہاں اتنا ضرور ہے کہ شوہر کی طرف وہ شبہات ہیں جو ابھی مذکور ہوئے اور مدعا علیہ کا کذب کچھ مستبعد نہیں کہ اس کا اپنا نفع ذاتی ہے خصوصًا عوام سے ایسے مواقع میں **کما قد علمت** (جیسا کہ آپ معلوم کر چکے۔ت) اور شہود کثیر و متعدد ہیں اور ان کا اپنا ذاتی معاملہ نہیں ایک خود غرض کا کاذب ہونا بہت مسلمانوں کے پرائے پیچھے اپنا دین بیچنے سے آسان ہے۔ غایۃ البیان میں ہے:

الشھادۃ تحمل علی الصحۃ ما امکن [1]۔	شہادت کو ممکن حد تک صحت پر محمول کیا جائے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

عندالمخالفۃ تعارض کلام المدعی والشاھد فما المرجح لصدق الشاھد ان الاصل فی الشھود العدالۃ لاسیما علی قول ابی یوسف ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی، ولایشترط عدالۃ المدعی لصحۃ دعواہ فرجحنا جانب الشھود عملا بالاصل [2] اھ کذا رأیتہ ماثورا عنھا فی بعض منقولاتی۔	مدعی کی بات اور گواہوں کے بیان میں تعارض ہو تو ہم گواہوں کی بات کو ترجیح دیں گے کیونکہ گواہوں میں عدالت اصل ہے خصوصًا امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے قول پر، جملہ مدعی کا صحت دعوی کے لئے عادل ہونا شرط نہیں ہے تو ہم اصل پر عمل کرتے ہوئے گواہوں کے موقف کو ترجیح دینگے اھ، میں نے اپنے بعض منقولات میں یوں مذکور پایا ہے۔(ت)

(جرح شہود) کثرت شہادت کوئی قدح شرعی نہیں، احکام الٰہیہ دو قسم ہیں: تکوینی و تشریعی کسی کے سامنے وقوع وقائع متعلق بہ اول ہے اور ان میں اس کی شہادت کا قبول متعلق بہ ثانی، کیا تکوین نے کوئی حد مقرر فرما دی ہے کہ اتنے سے زائد وقائع ایک شخص کے سامنے واقع نہ ہوں گے یا تشریع نے کوئی تحدید بتادی ہے کہ اتنے بار سے زیادہ شہادت شاہد مقبول نہ ہوگی، صکاک کو دیکھئے جس کا واقعی پیشہ ہی تحریر دستاویزات ہے سال میں سیکڑوں لکھتا اور وہ ہر ایک کا گواہ پھر مذہب صحیح میں

---

[1] غایۃ البیان

[2] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الشھادات باب الاختلاف فی الشھادۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۰۱

یہ کہ کثرت شہادت اس کی گواہی میں خلل انداز نہیں، خلاصہ وخزانۃ المفتین میں ہے:

شہادۃ الصکاکین تقبل علی الاصح [1]۔	وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے اصح قول کے مطابق۔(ت)

بزازیہ وانقرویہ میں ہے:

شہادۃ الصکاکین تقبل فی الصحیح [2]۔	صحیح قول کے مطابق وثیقہ نویس کی شہادت مقبول ہے(ت)

ذخیرہ وغیاثیہ وفتح القدیر وہندیہ میں ہے:

اما شہادۃ الصکاکین فالصحیح انہا تقبل اذاکان غالب حالھم الصلاح [3]۔	لیکن وثیقہ نویسوں کی شہادت، تو صحیح یہ ہے کہ مقبول ہے بشرطیکہ ان کا غالب حال درست ہو۔(ت)

مخبری بروجہ مذکور ضرور فسق ہے مگر غلام ناصر خاں کو اس سے انکار بحت ہے اور جرح تفضل حسین خاں کا جواب سوال میں مذکور، مجوز نے روایت مذکورہ شامی پر محول کرنے سے ننھے خاں کلن خاں کے فسق کی طرف اشارہ کیا مگر سبب نہ بتایا اور ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم مستورات کو شاید پردہ مستوری میں رکھا حالانکہ بعد تنقیح کے ذمہ قاضی لازم وضوح حال ممکن تھا۔ بالجملہ فیصلہ کے بیانات بالا محض باطل ومختل اور روایت نادرہ ضعیفہ پر بنائے حکم رکھنے سے فیصلہ خود ناجائز ومہمل۔ اور مدار حکم صرف اسی قدر پر ہے جو ابتداءً گزرا کہ ان میں کوئی بھی نصاب شہادت بروجہ کفایت موجود تو بلاشبہہ تین طلاقیں ثابت اور فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۴۲: از ریاست رام پور مرسلہ مولوی مفتی عبدالقادر خاں صاحب صدر الصدور ۱۴/صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سہ قطعہ مکانات وغیرہا پاس مسماۃ ہندہ بالعوض مبلغ (صمہ ۵۰۰ ؎) بیع بالوفاء کرکے مسماۃ کا قبضہ بعد تحریر وتصدیق کردینے دستاویز بیع بالوفاء نامہ،

[1] خزانۃ المفتین کتاب الشہادات قلمی نسخہ ۲/ ۱۰۷

[2] فتاوٰی انقریہ بحوالہ بزازیہ الفصل الاول دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۱/ ۳۷۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ والعنایۃ وفتح القدیر کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

کی معرفت عمر برادر مسماۃ ہندہ۔ بعد فراغ از اسباب خود مکانات مرہونہ پر کرادیا۔ من بعد مسماۃ ہندہ نے جائداد مرہونہ کرایہ پر مسمّٰی خالد کو ذریعہ کرایہ نامہ مصدقہ کے دے کر قبضہ کرایہ دار مسمّٰی مذکور کا جائداد مرہونہ پر کرادیا۔ چنانچہ روز رہن سے تخمیناً پندرہ سال تک مسمّٰی زید راہن برابر یہ صورت دیکھتا رہا اور عقد مذکور کی صحت کا مقر رہا بالآخر راہن مذکور نے انتقال کیا اور وقت فوت تک اس نے کسی قسم کا عذر نہیں کیا ہندہ نے بعد فوت راہن کچہری میں ولاپانے زر رہن کا دعوی کرنا چاہا اس ارادہ ہندہ سے ورثائے راہن مطلع ہوئے تو بطور پیش بندی ورثائے راہن خلاف مضمون دستاویز اور خلاف قول راہن بنام مرتہنہ و شوہر مرتہنہ اس بیان سے کچہری میں دعویدار ہوئے (کہ پدر مدعیان نے مبلغ (صمہ شرح سود ۱۳/۱۱/) پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد بکر (شوہر مرتہنہ) سے قرض لینا چاہا جس کو مسمّٰی بکر مذکور نے قبول و منظور کیا اور بوقت تکمیل معاہدہ دستاویز سودی کو اپنے حق میں تحریر کرانا خلاف شان ثقاہت سمجھ کر بجائے دستاویز تمسک کفالتی کے دستاویز بیع بالوفاء بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ (مرتہنہ) کا نام تحریر کرایا اور واسطے اخفاء لفظ سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت ایک دوسری دستاویز بنام نہاد کرایہ نامہ برادر راہن سے تحریر کرائی جس میں (للعہ للعہ /) رقم سود قرار یافتہ کو بلفظ کرایہ تحریر کرایا قبض و دخل مرتہنہ و شوہر مرتہنہ یا کرایہ دار مذکو رکا کبھی نہیں ہوا چنانچہ مبلغ (صمہ ☆☆) بابت سود بحساب (☆☆☆) ماہوار اور مبلغ (☆☆) منجملہ زر اصل ذریعہ ٹومہ نوشتہ (بکر) شوہر مرتہنہ من بعد (☆☆) بشرح سود (☆☆۳/) ماہوار بہ منہائی رقم سود (☆☆) مودی اصل کی پدر مدعیان نے (بکر) کو ادا کئے علاوہ (☆☆) مندرجہ بالا کے (☆☆) بابت سود بکر کے پاس پہنچی کل مقدار رقم ادا کردہ کی (☆☆) ہے بموجب شرع شریف معاملہ بیع بالوفا حکم رہن میں ہے اور رہن میں قبضہ لازمی ہے اور موافق مذہب اسلام سود کا لینا قطعاً ناجائز ہے اور رقم کرایہ بابت مرہونہ راہنان سے لینا بھی نادرست ہے اس لئے جس قدر رقم بنام نہاد کرایہ راہن سے وصول کی ہے وہ کل رقم لائق مجرائی و محسوبی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل کی واپسی کے مستحق ہم وارثان راہن ہیں لہٰذا اصل دستاویز بیع بالوفا و کرایہ نامہ بایفائے کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا یعنی (☆☆) تجویز انفکاک رہن و مبلغ (☆☆) زر فاضل مسماۃ ہندہ و بکر سے مدعیان کو دلائے جائیں بتردید دعوی مدعیان از جانب بکر شوہر مرتہنہ جواب دیا گیا کہ پدر مدعیان سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ مسماۃ ہندہ سے ہوا تھا حاصل فریق معاملہ مسماۃ مرتہنہ مذکورہ ہے زر ثمن بھی ملک اسی کا ہے من مدعا علیہ نے کوئی رقم کرایہ یا زر اصل وصول نہیں کی نہ رسیدات دیں، مدعیان کو بوجہ عروض تمادی شش سالہ حق دعوی حاصل نہیں ہے

پدر مدعیان اس کے حصہ دار تھے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعا علیہا نمبرا و ۲۔

(۶) جو رقم مدعا علیہا نمبرا نے مورث مدعیان سے بنام نہاد کرایہ وصول کی ہے وہ لائق محسوبی و مجرائی باصل زر رہن ہے اور زر فاضل قابل واپسی مدعیان ہے، ثبوت ذمہ مدعیان وتردید ذمہ مدعا علیہا نمبرا و ۲۔

(۷) دستاویز بیعنامہ برضا ورغبت مورث مدعیان بنام مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ) تحریر ہوئی ہے پس مدعیان کو اپنے مورث کے قول کے خلاف دعوی کرنے کا حق بمقابلہ مدعا علیہ نمبرا نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعا علیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھا اور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ودفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و ۲ وتردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ وخلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبرا و نمبر ۲ وتردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبرا کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبرا کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ نمبرا (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

بلہ مدعا علیہ نمبر ا نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و نمبر ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۸) دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۹) مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفاء کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعا علیہا نمبر ۲ ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہاو تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۰) مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفاء پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کا ہوگیا تھا اور مول چند کے پاس منجانب مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ۲ ہندہ تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۱) دعوی مدعیان کو دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری و دفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

(۱۲) جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ و خلاف قانون قابل ضبطی ہے، ثبوت ذمہ مدعا علیہا نمبر ا و نمبر ۲ و تردید ذمہ مدعیان، بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

تنقیح نمبر ا کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح نمبر ا کے گنیشی لال (زید راہن) مورث مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ (☆☆) کا بشرح سود (☆☆) ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی کفالت کیلئے دینا، بحق مدعیان ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۲ و ۳ در حقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت نیت میں ہوتا ہے اور نیت مذکورہ حالات ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ نمبر ا (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پیشکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات میں اس کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ

کے نام لکھانا عین مصلحت ہے اسی طرح سود کا لینا کسی مسلم اور خاص کر ذی علم شخص کو سراسر معیوب ہے لہٰذا رقم سود کا نام بدل کر کرایہ کا نام لکھانا ایک حیلہ ضرور ہے۔ دوسرے رقم (☆☆) کو خود وصول کرنا جس کی بابت آئندہ تصریح کی جائے گی) اور رقم کرایہ مندرجہ کتاب کا خود وصول کرکے اپنے دستخط کرنا اور مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا نام نہ لکھنا صاف طور پر اس نیت کو جو تنقیحات نمبر ۲و۳ کا ماحصل ہے ثابت کررہا ہے اس لئے میں ان دونوں تنقیحوں کو بحق مدعیان قرار دیتا ہوں۔

تنقیح نمبر۴ کے متعلق میری تجویز ہے کہ (محمد رضا خاں ومظہر حسین خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر۱ اور (☆☆) روبرو گواہان مذکور گنیشی لال (زید راہن) کا مدعا علیہ نمبر۱ کو دینا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور عبدالعزیز وسید عبدالعزیز کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) گواہان کی موجودگی میں دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبر۱ پہنچنا اور (عجائب الدین واحمد نبی خاں ولد مسیتا خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد روبرو گواہان مذکور دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (حیدر علی خاں وعبدالرحیم خاں) کی شہادت سے (☆☆) کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ مذکور اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (الطاف علی خاں ومحمد بشیر خاں وانور بیگ) کی شہادت سے (☆☆) کا پہلے پہنچنے کا اقرار اور (☆☆) کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (نجن ولد غلام محی الدین وحیدر حسین) کی شہادت سے (☆☆ ۳/۴) پائی کا پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ نمبر۱ اور (☆☆) کا بمواجہہ گواہان مذکور نقد دیا جانا (☆☆) پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا ثابت ہے مضمون شہادت مصرحہ بالا میں ثابت ہے کہ بعض حصہ کل رقم موصولہ کا اقرار اور بعض حصہ مشاہدہ گواہان (جنکے روبرو رقوم دی گئی ہیں ثابت ہوتا ہے جن رقوم کے اقرار کی شہادت ہے ان کی صداقت کا یہ قوی قرینہ ہے کہ دیگر شہادتیں اس کی بالترتیب تائید کرتی ہیں اور اس کے متعلق رسیدات مدعا علیہ مذکور مشمولہ کتاب رسیدات ہے جس کی بابت ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے) پیش ہوئی ہیں جو شہادت واقرار کی کامل تائید کرتی ہیں اس لئے اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں، لیکن منجملہ (☆☆) کل رقم موڈی بنام نہاد کرایہ کے (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہیں کی اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نمبر۱ کے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہیں دیں بوجہ نہ ہونے شہادت تحریری کے قابل منہائی جانتا ہوں جس کے منہا ہونے کے بعد (☆☆) باقی رہتے ہیں اس لئے باتفاق شہادت مدعیان و

تحریرات مدعا علیہ نمبرا (☆☆) کا پاس مدعا علیہ مذکور حسب اطمینان کچہری پہنچنا ثابت ہے ایصال رقوم مندرجہ بالا کے ثبوت میں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس کتاب میں سوائے رقم (☆☆) کے باقی جملہ رقوم درج ہیں جن کی وصول کے بابت مدعا علیہ کے دو قسم کے دستخط ہیں ایک بنام عبدالغافر خان دوسرا بنام دولہ خاں، جو دستخط بنام عبدالغافر خاں تحریر ہیں ان کے ثبوت میں مدعیان نے متعدد گواہان عہدہ داران متعلق شناخت تحریر خط و دستخط طلب کرائے ہیں اور واسطے مطابقت دستخطوں کے پندرہ قطعہ ثمن وغیرہ مجریہ کچہری دیوانی اور بیس قطعات اطلاع نامجات مجریہ کچہری فوجداری پیش کئے جن پر مدعا علیہ نمبرا کے مسلم دستخط ثبت ہیں شہادت عہدہ داران مذکور اور مطابقت و معائنہ دستخطہائے مثبتہ کاغذات مذکور دویم مثبت پشت ثمن ابتدائی مثل ہذا و دستخطہائے اطلاعیابی و نیز احکام کچہری میں باطمینان کچہری ثابت ہے کہ کتاب رسیدات پر جس قدر دستخط بنام عبدالغافر تحریر ہیں وہ یقیناً مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تحریر بھی اسی کے ہاتھ کی ہے جس جگہ دستخط بنام دولہ خاں تحریر ہیں ان کی طرز تحریر اور شان خط اور روشن قلم سے ثابت ہے کہ وہ بھی مدعا علیہ نمبر ا کے ہاتھ کی ہیں اور اکثر شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ مدعا علیہ نمبرا کا عرف دولہ خاں بھی ہے۔ واسطے ثبوت اور جانچ اس امر کے کہ دستخط مثبتہ کتاب رسیدات فی الواقع مدعا علیہ مذکور کی ہیں دو طریقے ہیں، ایک تو شہادت ایسے اشخاص کی جو مدعا علیہ مذکور کے دستخط پہچانتے ہیں، دوسرے مطابقت ان دستخطوں سے جو تحقیقی طور پر مدعا علیہ مذکور کی ہیں، پس دونوں طریقوں مصرحہ بالا سے کچہری کو اطمینان اس امر کا ہوگیا کہ دستخطہائے مثبتہ کتاب رسیدات یقیناً مدعا علیہ مذکور کے ہیں۔

فقرہ ثانی تنقیح نمبر ۴ رقم (☆☆) کی ادائیگی اور رقعہ کی تحریر کی بابت میری یہ رائے ہے کہ شہادت شیخ غفران و محمد علیجان سے (☆☆) کا پاس مدعا علیہ نمبرا پہنچنا ثابت ہے اور منشی فدا علی خاں پیشکار دیوانی اور منشی گوری سہائے ناظر فوجداری و منشی فیاض علی خاں پیشکار کچہری ججی بابو شمس الدین سب انسپکٹر پولیس وسید فرزند علی ناظر سیکرٹریٹ و منشی شکیل احمد اہلمد فوجداری و منشی سید احمد وکیل کی شہادت سے بخوبی ثابت ہے کہ رسید (☆☆) کی مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی اور اسی کے دستخط اس پر ثبت ہیں اس کے علاوہ دیگر دستخطہائے مدعا علیہ مذکور مثبتہ کاغذات ثمن واطلاعنامجات وپشت ثمن ونیز احکام کچہری کے معائنہ و مطابقت سے حسب اطمینان کچہری ثابت ہے کہ دستخط مثبتہ رقعہ (☆☆) کے اور تحریر خاص مدعا علیہ نمبرا کے ہاتھ کی اور اسی کی دستخطی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہیں رہا لیکن یہ رقم منجملہ زررہن

کے ہے اور رقعہ میں حوالہ (☆☆) زر رہن کا دیا گیا ہے لہذا بمنشاء ۹۲ دفعہ ۱۴ قانون رجسٹری ریاست کے رسید مذکور کا رجسٹری ہونا لازمی ہے اور چونکہ وہ رجسٹری نہیں کرائی گئی اس لئے بمنشاء دفعہ ۴۹ قانون رجسٹری مذکور ثبوت میں لینے کے قابل نہیں ہے بناء براں اس رقم (☆☆) کا ادا ہونا بوجہ نص قانونی کے غیر ثابت قرار دیا جاتا ہے۔

تنقیح نمبر ۵ یعنی جائداد مرہونہ کا موروثی مدعیان ہونا اور بحیات گنیشی لال مدعیان کا حصہ دار ہونا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے اس لئے اس تنقیح کو میں خلاف مدعیان فیصل کرتا ہوں۔

تنقیح نمبر ۶ کے بارہ میں میری یہ رائے ہے کہ جو رقم مدعا علیہ نمبر ۱ نے (بکر شوہر مرتہنہ) مورث مدعیان (زید راہن) سے بنام نہاد کرایہ وصولی کی ہے اور جس کے ایصال کو کچہری نے ثابت قرار دیا ہے بقدر (☆☆) حسب تصریحات صدر ہوتی ہے میرے نزدیک وہ رقم بوجوہ قابل مجرائی بہ زر اصل ہے، اول یہ کہ کچہری دیوانی سے یہ امر طے ہوچکا ہے کہ بیع بالوفاء بمذہب حنفی حکم رہن میں ہے اور شیئ مرہونہ کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بہ زر رہن ہے جیسا کہ نقول فیصلجات پیش کردہ مدعیان سے ثابت ہے، دوم یہ کہ شہادت اشرف علی خاں و دیگر گواہان سے امر ثابت ہے کہ کرایہ نامہ برضامندی واجازت گنیشی لال (زید راہن) لکھا گیا حتی کہ رقم کرایہ خود گنیشی لال نے وقتاً فوقتاً ادا کی جیسا کہ تجویز تنقیح نمبر ۴ سے ثابت ہے اس رضامندی واجازت راہن سے حسب فتوی مدرسہ اہلسنت بریلی پیش کردہ خود مدعا علیہا رہن باطل ہوگیا اور رقم زر رہن قرضہ خالص ہوگیا پس بلا اختلاف وہ رقم جو بنام نہاد کرایہ وصول ہوئی ہے وہ لائق مجرائی بہ زر رہن ہے، سویم یہ کہ حسب تصریح مندرجہ تجویز تنقیح نمبر ۱۰ قبضہ مرتہن ثابت نہیں ہوا تو اس صورت میں بھی قرضہ سادہ اور رقم مودی بنام نہاد کرایہ ضرور لائق محسوبی و مجرائی بہ زر اصل رہن ہے۔

تنقیح نمبر ۷ و ۸ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی پیش نہیں کیا گیا اس لئے وہ بحق مدعا علیہا غیر ثابت ہے۔

تنقیح نمبر ۹ کے متعلق صرف حافظ عثمان خاں نے شہادت دی ہے مگر وہ مثبت اس تنقیح کی نہیں ہے

تنقیح نمبر ۱۰ بوجوہ ذیل میرے نزدیک بحق مدعا علیہا نمبر ۲ ثابت نہیں ہے، **اول:** یہ کہ جس قدر گواہان جانب مدعا علیہا نمبر ۲ (ہندہ مرتہنہ) میں پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت سے پورے طور پر فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب و سامان راہن سے ثابت نہیں ہے اس لئے کہ کل گواہان مدعا علیہ نمبر ۲ بیان

کرتے ہیں کہ مکانات مذکور میں اوپر بھی درجات ہیں اور اوپر کے درجات میں ہم نہیں گئے، پس ظاہر ہے کہ جب اوپر کے درجوں میں ان گواہوں نے خود جاکر نہیں دیکھا تو ان گواہوں کی شہادت سے فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب وسامان راہن سے جو شرط ضروری قبضہ مرہونہ کی ہے کس طرح ثابت مانا جاسکتا ہے۔

ثانیًا: یہ کہ شہادت مذکور سے تعلق عمرو خاں قبضہ گیرندہ کا بھی نہیں ہوتا، چونکہ وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے اس کا یعنی واسطے حصول قبضہ کے موجود ہونا ضروری تھا۔

ثالثًا: اہم وجہ بے اثری قبضہ محمد عمرو خاں یہ ہے کہ بضمن تجویز تنقیح نمبر۹ اصل صاحب معاملہ ہونا مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا غیر ثابت ہے اور بضمن تجویز تنقیح نمبر۱ مابین مولوی عبدالغافر خاں و گنیشی لال کے معاہدہ ہونا ثابت ہے، ایسی حالت میں منجانب مدعا علیہ نمبر۲ محمد عمر خاں (عمر برادر مرتہنہ) کا قبضہ کب مفید ہوسکتا ہے۔

رابعًا: یہ کہ مدعیان نے نقل فیصلہ اجلاس عالیہ جوڈیشلی بمقدمہ جانی بیگم اپیلانٹ بنام نایاب بیگم رمپانڈنٹ مورخہ ۹ / دسمبر ۱۹۱۴ء میں اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اجازت دینا قبضہ کی ثابت نہیں ہے جو باتباع حکم موصوفہ مبطل رہن ہے، اس میں شک نہیں کہ فیصلہ موصوفہ میں یہ امر تجویز فرمایا گیا ہے کہ راہنہ کی اجازت قبضہ دینے کی مرتہنہ کو ثابت نہیں جو ضروری ہے اور اس مقدمہ میں مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) کا عمر خاں (عمر برادر ہندہ) کو قبضہ لینے کی اجازت لینا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے، پس بہ تقلید فیصلہ اجلاس اعلیٰ اگر اجازت راہنہ پر اجازت مرتہنہ قیاس کی جائے تو بلاشبہہ قبضہ زیر بحث میں اجازت مرتہنہ ثابت نہ ہونے سے رہن باطل ہوتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جب رہن میں اجازت قبضہ دینے کی امر ضروری ہے تو قبضہ کے لئے اجازت دینا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر مدار قبضہ مرتہنہ ہے۔

خامسًا: یہ کہ شہادت مدعا علیہا نمبر۲ (ہندہ مرتہنہ) میں نسبت ثبوت مکانات وخلو مکانات اختلاف بین ہے۔ تنقیح نمبر۱۱ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی یا نظر ایسی پیش نہیں ہوئی جس سے میں تنقیح مذکور کو ثابت قرار دوں میرے نزدیک اس مقدمہ میں دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ریاست اور دفعہ ۹۲ قانون شہادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تنقیح نمبر۱۲ بھی غیر ثابت ہے بلکہ تردید اس کی ثابت ہے کیونکہ رسید کرایہ کے لئے بمنشاء دفعہ ۱۴

قانون رجسٹری کے رجسٹری ہونا ضروری نہیں ہے البتہ ٹکٹ رسید کی ضرورت ہے چونکہ اس پر ٹکٹ رسید نہیں تھا اس کا تاوان ایک روپیہ وصول ہوگیا ہے، اس لئے بمنشاء مدب دفعہ ۵۲ قانون اسٹامپ ریاست قابل قبول ہے، اور حسب اعتراض مدعا علیہا لائق ضبطی و خلاف قانون و بے ضابطہ نہیں ہے، بوجوہات بالا حکم ہوا کہ دعوی مدعیان بتجویز انفکاک رہن بمجرائی کل زر مندرجہ بیعنامہ بالوفا وواپسی (☆☆) زر فاضل بواپسی دلائی جانی بیعنامہ بالوفاء و کرایہ نامہ اقراری مول چند بنام مدعا علیہا نمبر او ۲ ڈگری ہوا اور دعوی مدعیان واپسی (☆☆) کی خارج ہوا، لہٰذا اب سوالات مندرجہ تحت جواب طلب ہیں:

(۱) آیا وارث کو اپنے مورث کے اقرار کے خلاف ایسے ادعا کا حق شرعًا حاصل ہے یا نہیں؟

(۲) آیا قاضی کو بلا موجودگی بینہ واقرار ونکول کے محض اپنے قیاس کی بناء پر دستاویز مصدقہ سرکاری کے فرضیت کا حکم کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں اور ایسا حکم قابل بحالی ہے یا منسوخی؟

(۳) آیا شرعًا قاضی کو عمل بالخط بصورت انکار مدعا علیہ از تحریر خود **الخط یشبہ الخط**[1] (خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ت) کے خلاف جائز ہے یا نہیں؟ اور رسید پیش کردہ مدعی بصورت موجودہ جس کی بابت کوئی گواہ شہادت ادا نہیں کرتا ہے کہ ہمارے سامنے رسید لکھی گئی ہے صرف قیاسًا شناخت خط کے گواہ پیش ہوئے ہیں قابل قبول ہے یا نہیں؟

(۴) آیا بیع بالوفاء میں غیر بائع یعنی کرایہ دار سے بعد قبضہ شرعی جو روپیہ بذریعہ کرایہ وصول کیا جائے وہ زر اصل میں قابل مجرائی ہے یا نہیں؟

(۵) اگر خود بائع بالوفاء کا یہ ادعا ہو کہ میں نے فرضی کرایہ نامہ از غیر تحریر و تصدیق کرایا تھا در حقیقت کرایہ من بائع بالوفا نے ادا کیا ہے تو یہ صورت اجارہ باذن راہن کی ہے یا نہیں؟

(۶) آیا شہادت گواہان معمولی وغیر ثقہ مدعیان سے بمقابلہ مدعا علیہا مقر لہا دستاویزات و اقرارات گنیشی لال (زید راہن) کی فرضیت ثابت بھی ہو سکتی ہے اور ایسی فرضیت کی شرعًا کوئی سند ہے؟

(۷) آیا محض دو گواہوں کے (جس میں ایک سزا یافتہ ہے اور دوسرا گواہ جہاں ملازم ہے وہاں

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹

مدعی تحویلدار ہے) اور مدعی کا اس پر ہر وقت اثر ہے اس قدر بیان سے کہ گفتگوئے معاہدہ شوہر مرتہنہ اور بائع بالوفاء کے درمیان میں ہمارے سامنے (☆☆) قرض دینے کے متعلق ہوئی تھی تو ایسی صرف دو شہادتوں کی بنیاد پر کہ جو دستاویزات کی تصدیق ہونے سے بیشتر کی شہادت خلاف دستاویزات مصدقہ ادا کریں اور نہ اپنی موجودگی ہنگام تصدیق دستاویزات بیان کریں اور نہ مسماۃ ہندہ مشتریہ بیع بالوفاء کے کسی اقرار کے متعلق شہادت ادا کریں کچہری دستاویزات مصدقہ کو شرعاً فرضی قرار دے سکتی ہے اور مدعا علیہا نمبر ۲ (مشتریہ بیع بالوفا) کا حق شرعاً ضائع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی شہادت مدعا علیہا مذکور کی مقابلہ میں شرعاً کیا اثر رکھتی ہے؟ جس قدر گواہ منجانب مدعیان پیش ہوئے ہیں وہ سب مستور الحال اور غیر ثقہ ہیں کچہری نے کسی گواہ کی حیثیت تحت اظہار تحریر نہیں کی ہے کہ یہ گواہ کیسی حیثیت کا ہے حالانکہ حکم ریاست جاری و نافذ ہے کہ ہر گواہ کے ختم بیان پر کچہری کی جانب سے نوٹ حیثیت گواہ کا لکھا جائے کہ گواہ کچہری کے نزدیک کیسی قسم کا ہے آیا ثقہ یا غیر ثقہ یا مستور الحال ہے جس سے گواہ کی معتبری کا اندازہ ہوسکے۔ پس ایسی حالت میں شہادت گواہان مدعیان پر حاکم اپیل کو شرعاً کیا حکم دینا چاہئے؟

(۸) آیا مدعیان حسب قول خود بشرح سود ۱۳/ ۱۱ پائی سود فیصدی ماہوار رقم سود (☆☆) قرار داد ہونا بیان کرکے (☆☆) ماہوار میزان قائم کرکے ادائیگی بیان کرتے ہیں اور نیز گواہ بھی اسی طرح شہادت ادا کرتے ہیں لیکن بحساب ۱۳/ ۱۱ پائی فیصدی ماہوار کی رقم (☆☆☆☆) پر سود (☆☆) پائی ہوتا ہے تو ایسی تناقض عرضی دعوی و شہادت علی الزیادات پر کچہری مقدمہ کی ڈگری شرعاً کرسکتی ہے اور اگر کچہری ڈگری ایسی صورت میں صادر کرے تو وہ ڈگری شرعاً قابل بحالی ہے یا منسوخی؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اللھم لك الحمد یاوھاب اسئلك ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حمدیں تیرے لئے ہیں، اے عطا کرنے والے! میں تجھ سے حق اور ہدایت کی رہنمائی چاہتا ہوں۔ت) کلام طویل اور فرصت قلیل اور طبیعت علیل اور سائل کو تعجیل، لہٰذا چند مفید و کافی کلمات پر اقتصار اور انہیں کے ضمن میں جواب سوالات ضروریہ کا اظہار ہو وباللہ التوفیق سائل نے دارالافتا میں عرضی دعوی وبیان تحریر وفیصلہ وعبارت رسیدات مندرجہ بہی اور بیعنامہ وکرایہ نامہ اور مدعی کے بیس گواہان [1] موتی شاہ، [2] وزیر خاں، [3] محمد رضا خاں، [4] مظہر حسین، [5] عبدالعزیز، [6] سید عبدالعزیز۔

۷حافظ عجائب الدین خاں، ۸احمد خان ولد میاں خاں، ۹حیدر علی خاں، ۱۰عبدالرحیم خاں، ۱۱الطاف علی، ۱۲محمد بشیر، ۱۳انور بیگ، ۱۴نجن، ۱۵حیدر حسین، ۱۶اشرف علیخاں، ۱۷احمد خاں ولد عبدالنبی خاں، ۱۸نجف علی خان، ۱۹محمد غفران، ۲۰ولی خاں کے اظہارات کی نقول پیش کیں جبکہ رسیدات وبینات موتی شاہ وزیر خاں کی باضابطہ باقی سادہ، ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ نہ دعوی صحیح نہ شہادتیں نہ فیصلہ۔ منصب افتا شرع مطہر کا حکم بتانا ہے اور زمانہ حسب ارشاد حدیث وہ کہ معروف منکر ہے اور منکر معروف۔ اہل اسلام حکم شرع پر گردن رکھیں اگرچہ غلط رواج سے بیگانہ نظر آئے۔

دعوے:

دعوی تین وجہ سے باطل ہے:

اول: وارث و مورث مثل شخص واحد ہیں مورث کے اقرار ثابت کے خلاف وارث کا دعوی تناقض ہے اور غیر محل خفا میں تناقض مبطل دعوی۔ وجیز امام کردری پھر بحر الرائق جلد ہفتم ص ۳۹ پھر فتح اللہ المعین جد ۳ ص ۴۲ پھر طحطاوی علی الدر المختار جلد ۳ ص ۲۱۶ میں ہے:

اعلم ان التناقض کما یکون من متکلم واحد یکون عن متکلمین کمتکلم واحد حکما کوارث و مورث۔[1]	معلوم ہونا چاہئے کہ جس طرح تناقض ایک متکلم کے کلام میں ہوتا ہے اسی طرح ایسے دو متکلم حضرات کے کلاموں میں جو ایک متکلم کے حکم میں ہوں مثلاً وارث اور مورث دونوں کا کلام ایک متکلم کے حکم میں ہے (ت)

فتح المعین وطحطاوی صفحات مذکورہ میں اس کے بعد ہے:

وفی هذا دلالة ظاهرة علی مانقله الشیخ حسن (یعنی العلامة الشرنبلالی) فی رسالة الابراء عن فتاوٰی الشیخ الشلبی حیث حکی الاجماع علی ان دعوی الوارث لاتسمع فی شیئ لاتسمع فیه دعوی مورثه ان لوکان حیافادعی۔[2]	اور اس میں شیخ حسن یعنی علامہ شرنبلالی کی رسالہ الابراء میں شیخ شلبی کے فتاوٰی سے منقول کلام پر ظاہر دلالت ہے جہاں انہوں نے یہ اجماع ذکر کیا ہے کہ جہاں مورث اپنی زندگی میں کوئی دعوی کرتا تو اس کا دعوی وہاں مقبول نہ ہوتا وارث کا ایسا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا۔ (ت)

دوم: واپسی دستاویزات کے دعوی میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کاغذ دستاویز ملک مدعا علیہ ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء مسائل شتی دا المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب القضاء مسائل شتی دا المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۱۶

تو دعوی رأسا باطل، صرف رسید پانے کا دعوی کرسکتا ہے اگر نہ پائی ہو اور اگر ملک مدعی ہے تو ضرور ہے دعوی میں کاغذ کی مقدار اور اس کی صفت بیان کرے ورنہ دعوی بوجہ جہالت نامسموع، یہاں مدعیوں نے ان میں سے کچھ نہ بیان کیا لہذا دعوی مدفوع۔ حاوی زاہدی وقنیہ باب المداینات وعقود الدریہ جلد دوم صفحہ ۲۰۸:

طلب القبالۃ من رب الدین بعد القضاء فللمدیون طلبھا منھم ان کانت الکاغذۃ مملوکۃ لہ وان کانت مملوکۃ للدائن فلہ طلب وثیقۃ القضاء منہ ولابد فی صحۃ دعوی القبالۃ من بیان قدر الکاغذۃ وصفتھا و بیان قدر المال المکتوب فیھا[1]۔ (ملخصًا)	قرض کی ادائیگی کے بعد قرضخواہ سے دستاویزات طلب کرنا مقروض کا حق ہے بشرطیکہ وہ دستاویزات مقروض کی ملکیت ہوں، اور اگر وہ قرض خواہ کی ملک ہوں تو پھر مقروض کو صرف ادائیگی کی رسید کے مطالبہ کا حق ہے اور دستاویزات کے دعوی میں مدعی پر لازم ہے کہ وہ ان دستاویزات کی مقدار اور ان کی صفت اور ان میں درج شدہ مال کی مقدار کو بیان کرے (ملخصًا)۔ (ت)

ریاست رامپور میں علاقہ قدیم پر اسٹامپ کی قید بہت جدید ہے مگر ان دستاویزوں تک نہ تھی جب توظاہر اور تھی تو جب بھی اس قدر تعیین مدعی بہ کے لئے کافی نہیں کبھی کاغذ کم قیمت کا پیش ہوتا ہے جس پر تاوان لے کر رجسٹری کردیتے ہیں کبھی جتنی قیمت کا قانونًا چاہئے خزانے میں نہیں ہوتا تو دو قطعے دئے جاتے ہیں کبھی عبارت دستاویز قطعًا اسٹامپ پر پوری نہیں آتی سادہ ضمیمہ لگاتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اس نوعیت کی دستاویز پر اتنے کا اسٹامپ ہوگا، تعیین کاغذ نہیں کرسکتا بلکہ دعوی میں اس کا بیان ضرور ہے کہ کاغذ کس قیمت کا ہے، ایک قطعہ ہے یا دو، تنہا ہے یا مع ضمیمہ، ضمیمہ ہے تو کس مقدار وصفت کا ہے، یہاں ان میں سے کچھ مذکور نہیں لہذا دعوی مسموع نہیں۔

سوم: دعوی زر کے ساختہ پرداختہ ہونے پر ایک اور قرینہ واضحہ بھی ہے بنیوں کو حساب خصوصًا سود کے محاسبات میں کمال مشق ومہارت ہوتی ہے لیکن عرضی دعوی نیز شہود مدعی کے بیانوں پر حساب بہت گندا ہے **اولًا** مدعیوں نے پانچ ہزار پر شرح ماہوار فیصدی ۱۳/ ۱۱ پائی بتائی پھر سب نے ماہوار (☆☆) حالانکہ شرح مذکور سے پانچ ہزار پر (☆☆) ماہوار ہوتا ہے بنئے کا ہر مہینے

[1] العقود الدریۃ کتاب المداینات ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۰

سود میں آٹھ آنے ماہوار سے زیادہ دینا اور پندرہ برس تک اسی غلطی پر جمارہنا اور کبھی متنبہ نہ ہونا عادۃً معقول نہیں۔

ثانیاً: ۱۷/ دسمبر ۱ سنہ سے ختم ماہ تک پندرہ دن ہوتے ہیں مدعیوں نے ان کی بابت بائیس روپے رکھے اور یہی رسید میں دکھائے۔ دسمبر ۳۱ دن کا ہے اس کے ۱۵ دن کے شرح مذکور پر (☆☆) پائی ہوئے کہ اکیس روپے سے تین پیسے بھی زائد نہیں نہ کہ پورے بائیس اور اگر (☆☆) ہی شرح لیں تو ان پندرہ دن کے (☆☆) پائی ہوئے اب بھی بائیس روپے میں (۱۱/) سے زائد زیادہ گئے، کیا بنیا ۱۱ یا ۱۵ آنے سود کے حساب میں زیادہ دیگا۔

ثالثاً ایک ہزار زر اصل سے ادا ہونے کے بعد حسب شرح اقراری مدعیان (☆☆) ماہوار رہانہ کہ (☆☆) جو مدعیوں نے لکھا کہ ہر مہینے پر (۶ / ۷) پائی زائد ہے اور اگر چوالیس ہی روپے لیں (☆☆) پائی ہو اب بھی ۵/۳ کی زیادت ہے حساب میں اسے بھی غلطی کہیں گے اور مرورزمان سے اس کی مقدار روپوں کو پہنچے گی۔

رابعاً: یہ ہزار کی ادا ۳/ جنوری ۱۳ سنہ کو بتائی اور جب سے آخر اپریل ۱۵ سنہ تک (☆☆) پہنچنا کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴-۳۱/۲) کے حساب سے یہ رقم یکم جنوری سے پورے ۲۸ ماہ کی ہوئی حالانکہ ان کے زعم پر جنوری کے پہلے دو دن تک (☆☆) کی پوری رقم باقی تھی اس پر جنوری کے دو یوم کے (☆☆ ۱۲/۱۰-۳۰/۲۲) پائی ہوتے اور (☆☆) کے حساب سے صرف (☆ ۴/۴-۳۱/۲) پائی رہ گئے ساڑھے آٹھ آنے سے زیادتی کی کمی ہے، یہ سب اغلاط دعوے پر ہے شرح اقراری مدعیان ۱۷/ دسمبر ۱ سنہ سے آخر اپریل ۱۵ تک حساب یہ ہوا

ایام	روپے	آنے	پائی	ایام	روپے	آنے	پائی
۱۵ ایوم دسمبر ۱ سنہ بشرح ۱۰ پائی	۲۱	۰	۸ ۱۰/۳۱	۲۹ جنوری ۱۳ سنہ بشرح ۸ پائی	۳۲	۸	۹ ۱/۳۱
ازجنوری ۲ سنہ لغایۃ دسمبر ۱۲ سنہ گیارہ سال	۵۷۰	۱۰	۰	ازفروری ۱۳ سنہ لغایۃ اپریل ۱۵ سنہ ۲ سال ۳ ماہ	۹۳۹	۶	۰
یکم و دوم جنوری ۱۳ سنہ	۲	۱۲	۱۰ ۲۲/۳۱				
				مجموع	۱۵۶۶ R	۶ A	۴ ۲/۳۱ P

کل (☆☆) دینے تھے لیکن مدعی اور گواہ اور رسیدات سب (☆☆) دینا بتاتے ہیں محال عادی ہے کہ ہوشیار بنیا تیرہ چودہ برس غلطی میں پیچاں رہ کر ۹۷روپے ۱۴آنے (۳۱/۲۹-۷) پائی حساب سے زیادہ دے دے یہ ہرگز معقول نہیں اور ایسا دعوی کہ ظاہر حال مدعی جس کی تکذیب کرے مقبول نہیں۔ بحرالرائق میں ہے:

ان من شرط سماع الدعوی ان لایکذب المدعی ظاہر حالہ ثم رأیت ابن الغرس فی الفوائد الفقہیۃ (صرح بہ فقال) ومن شروط صحۃ الدعوی ان یکون المدعی بہ مما یحتمل الثبوت بان لایکون مستحیلا عقلا او عادۃ، فان الدعوی والحال ماذکر ظاہرۃ الکذب لان المستحیل العادی کالمستحیل العقلی[1]۔ (ملخصًا)	دعوی کے قابل سماعت ہونے کے لئے شرائط میں سے ہے کہ مدعی کا ظاہر حال اس دعوی کی تکذیب نہ کرتا ہو، پھر میں نے فوائد فقہیہ میں ابن الغرس کی تصریح دیکھی تو انہوں نے کہا کہ دعوی کی صحت کیلئے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جس چیز کا دعوی کیا ہو وہ قابل ثبوت بھی ہو یوں کہ وہ عقلًا یا عادۃً محال نہ ہو کیونکہ اگر دعوی ایسا ہو کہ ظاہرًا جھوٹ ہو تو قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ محال عادی محال عقلی کی طرح ہوتا ہے۔ (ملخصًا۔ ت)

غایت درجہ یہاں عذر خطا ہوگا یعنی مدعیوں نے براہ غلط اس شرح کا اقرار کیا مگر بعد اقرار ادعائے خطا مردود وبیکار۔ فتاوی قاضیخان واشباہ والنظائر وقنیہ ودرمختار وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

اقر بشیئ ثم ادعی الخطالم تقبل[2]۔	ایک چیز کا اقرار کرکے پھر اس کی خطا کی دعوی کرے تو قبول نہ ہوگا۔ (ت)

شہادات

ان شہادتوں کے بطلان پر کچھ وجوہ عامہ ہیں کہ ہر وجہ سب کو شامل، اور کچھ خاصہ کہ بعض سے خاص مگر ان سے بھی کوئی گواہی خالی نہیں لہٰذا وہ بھی وجہ عام ہیں، وجوہ عامہ سات ہیں:

اول: حقوق العباد میں صحت دعوی شرط شہادت ہے اگر دعوی صحیح نہیں اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلٰی درجہ وثوق کی ہو اصلًا مسموع نہیں اذفات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط فوت ہو جاتا ہے۔ ت) تنویر الابصار میں ہے:

---

[1] بحر الرائق کتاب الدعوٰی باب التحالف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۲۷

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولها[1]۔	حقوق العباد کے متعلق پہلے دعوی ہونا شہادت کی قبولیت کے لئے شرط ہے۔(ت)

اور ہم ثابت کرچکے کہ یہ دعوی صحیح نہیں لہٰذا تمام یہ اور ان کے سوااور جس قدر ہوں سب باطل۔

دوم: حقوق العباد میں شرط شہادت وہ لفظ ہے جو انشاء گواہی کے لئے ہو بلفظ اخبار کچھ بھی کہا جائے ہر گز قبول نہیں۔ معین الحکام میں ہے:

اعلم ان اداء الشهادة لایصح بالخبر البتة فالخبر کیف تصرف لایجوز الاعتماد علیه[2]۔	واضح ہو کہ خبر کے طور پر شہادت کی ادائیگی ہر گز صحیح نہیں کیونکہ خبر جیسی بھی ہو وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لابد من انشاء الاخبار عن الواقعة المشهود بها و الانشاء لیس بخبر فاذا قال الشاهد اشهد کان انشاء ولو قال شهدت لم یکن انشاء[3]۔	جس واقعہ کی شہادت دی جائے وہ بطریقہ انشاء ہو کیونکہ وہ خبر نہ ہوگی جب گواہ اشهد (گواہی دیتا ہوں) کہے تو یہ انشاء ہے اور اگر اس نے شهدت (میں نے شہادت دی ہے کہا تو انشاء نہ ہوگی۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایقع الانشاء باسم الفاعل نحو انا شاهد عندك بکذا فهذا لیس انشاء[4] ملخصًا۔	اسم فاعل کے صیغہ سے مثلًا "میں گواہی دینے والا ہوں" کہا تو یہ انشاء نہیں ہے، ملخصًا (ت)

گواہ پر قسم خلاف مذہب وخلاف شرع ہے بعض متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ بھی باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرات ہے اس سے قطع نظر ہو تو قسم مشہود بہ پر ہونی تھی مثلا خدا کی قسم اس زید پر اس عمرو کا اتنا روپیہ فلاں سبب سے آتا ہے یہاں اس کے خلاف تمام اظہاروں میں قسم شہادت دینے پر کھائی ہے کہ خدا کی قسم سچ گواہی دیتا ہوں اس نے "گواہی دیتا ہوں" کو انشائے شہادت نہ رکھا بلکہ اخبار کے لئے متعین کردیا کہ قسم داخل نہیں ہوتی مگر جملہ خبریہ پر، ولہٰذا اگر کہے خدا کی قسم تو میری زوجہ نہیں اگرچہ اس سے طلاق کی نیت کرے طلاق

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشهادات باب الاختلاف فی الشهادة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

[3] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

[4] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص۸۹

نہ ہوگی کہ طلاق انشاء ہے اور قسم نے اس جملے کو خاص خبریہ کردیا، درمختار میں ہے:

لست لك بزوج او لست لی بامرأة لو اکدہ بالقسم لاتطلق اتفاقا لان الیمین قرینۃ ارادۃ النفی[1]۔	میں تیرا خاوند نہیں ہوں یا تو میری بیوی نہیں ہے۔ اگر اس کلام کو قسم سے مؤکد کردیا تو بالاتفاق طلاق نہ ہوگی کیونکہ قسم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں نفی کا ارادہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان الیمین لتاکید مضمون الجملۃ الخبریۃ فلا یکون جوابہ الا اخبارا[2]۔	کیونکہ قسم جملہ خبریہ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے تو اس کا جواب صرف خبر ہوگا۔(ت)

سراج وہاج وعالمگیریہ میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لو قال واللہ ما انت لی بامرأة لایقع شیئ وان نوی[3]۔	سب نے اتفاق کیا ہے کہ اگر خاوند نے کہا خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے، تو ارادہ طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

واللہ ما انت لی بامرأة لایقع عند الکل وان نوی[4]۔	خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے کہا تو سب کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو۔(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

اذا قال واللہ ما انت لی بامرأة لایقع الطلاق وان نوی بالاتفاق لان الیمین علی النفی تتناول الماضی وھو کاذب فی ذالك فلا یقع بہ شیئ[5] (ملتقطا)۔	جب کہے خدا کی قسم تو میری بیوی نہیں ہے تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو یہ بالاتفاق ہے کیونکہ نفی پر قسم ماضی کو شامل ہے جبکہ یہ جھوٹ ہے تو اس سے کچھ نہ واقع ہوگا (ملتقطا)۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[4] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۵

[5] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما الکنایۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۷

تو ثابت ہوا کہ ان میں کوئی شہادت ہرگز شرعًا شہادت ہی نہیں سب افسانہ گوئی قصہ خوانی ہیں۔

سوم: اشھد، گواہی مید ہم، گواہی دیتا ہوں سب سے سخت تر قسم ہے اور مشہود بہ مقسم علیہ یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی۔ درمختار میں ہے:

رکنھا لفظ اشھد لاغیر لتضمنه معنی مشاهدة وقسم واخبار للحال فکانه یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذلك وان اخبربه وهذه المعانی مفقودة فی غیره فتعین[1]۔	اس کا رکن صرف اشھد کا لفظ ہے اور کچھ نہیں کیونکہ یہ لفظ مشاہدہ اور قسم اور حال کی خبر ہے گویا اس نے یوں کہا خدا کی قسم میں نے اس پر اطلاع پائی اور اس کی خبر دے رہا ہوں، جبکہ یہ معانی اس لفظ کے غیر میں مفقود ہیں، تو یہی متعین ہے۔(ت)

جامع الفصولین جلد اول ص ۱۲۱:

فی لفظ الشهادة من التاکید مالیس فی لفظ الخبر لانه یمین باللہ تعالٰی معنی[2]۔	لفظ شہادت میں جو تاکید ہے وہ خبر کے لفظ میں نہیں ہے کیونکہ اشھد معنًا اللہ تعالٰی کی قسم ہے۔(ت)

تبیین امام زیلعی ج ۴ ص ۲۱۰:

النصوص ناطقة بالاستشهاد فلا یقوم مقامها غیرها لما فیها من زیادة توکید لانها من الفاظ الیمین فیکون معنی الیمین ملاحظا فیها[3]۔	تمام نصوص شہادت کے مطالبہ پر ناطق ہیں تو کوئی دوسرا لفظ اس کے قائم مقام نہ ہوگا کیونکہ اس میں تاکید زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں قسم کا معنی ملحوظ ہے لہٰذا یہ قسم کے الفاظ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں فرمایا:

النصوص نطقت باشتراطها ولان فیها زیادة توکید فان قوله اشھد من الفاظ الیمین فکان الامتناع عن	تمام نصوص اس کی شرط پر ناطق ہیں اور اس لئے کہ اس میں تاکید زیادہ ہے تو اس کا اشھد کہنا قسم کے الفاظ میں سے ہے تو اس لفظ سے

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۰

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲۔۱۲۱

[3] تبیین الحقائق کتاب الشهادة المطبعة الکبری الامیریہ بولاق مصر ۴/ ۲۱۰

الکذب بھذہ اللفظۃ اشد [1]۔	کذب کا امتناع شدید ہے۔(ت)

اور قسم مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب ان میں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید ہے، تو قسم اس سے بے تعلق و بے اثر ہو جاتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال خدائے را و پیغمبر را پذیر فتم کہ فلاں کار نہ کنم لایکون یمینا لان قولہ پیغمبر را پذیر فتم لایکون یمینا فاذا تخلل بین ذکر اللہ تعالٰی وبین الشرط مالا یکون یمینا یصیر فاصلا فلایکون یمینا [2]۔	اگر یوں کہے میں خدا تعالٰی اور پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قبول کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ فلاں کام نہ کروں گا تو قسم نہ ہوگی کیونکہ پیغمبر کو قبول کرتا ہوں، کہنا قسم نہیں ہے تو جب اللہ تعالٰی اور شرط کے ذکر میں کوئی غیر قسم والے الفاظ فاصل بن جائیں تو قسم نہ ہوگی۔(ت)

انہیں میں ہے:

لو قال باللہ العظیم کہ بزرگتر از باللہ العظیم نیست کہ ایں کار نہ کنم یکون یمینا کما لو قال باللہ العظیم الاعظم و ھذہ الزیادات تکون للتاکید فلا یصیر فاصلا [3]۔	اگر کہا اللہ عظیم کی قسم، اللہ تعالٰی سے بزرگ تر کوئی نہیں، میں فلاں کام نہ کروں گا تو یہ قسم ہوگی کیونکہ یہ ایسے ہے جیسے کہ اللہ تعالٰی العظیم الاعظم کی قسم، تو یہ زیادتی عظمت کی تاکید ہے تو وہ فاصل نہ ہوگی۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی سمرقند و فتاوٰی خلاصہ میں ہے ردالمحتار میں ہے:

ویشترط عدم الفاصل من سکوت و نحوہ ففی الصیرفیۃ لو قال علی عھد اللہ وعھد الرسول لا افعل کذا لایصح لان عھد الرسول صار فاصلا اھ ای لانہ لیس قسما	سکوت اور ایسی دوسری چیز کا فاصل نہ بننا قسم میں شرط ہے تو صیرفیہ میں ہے اگر کہا اللہ تعالٰی کے عہد اور رسول کے عہد پر میں ایسا نہ کروں گا، یہ صحیح نہیں کیونکہ "رسول کا عہد" درمیان میں فاصل بن گیا ہے اھ یعنی یہ قسم نہیں ہے۔بخلاف

[1] الھدایہ کتاب الشھادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۸،۵۷

بخلاف عھداللہ[1]۔(ملتقطا)	عہد اللہ کے (ملتقطا)۔(ت)

خانیہ میں ہے:

رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفه فقال له قل بایزد قال بایزد قال که بروز آدینه بیائی قال بروز آدینه بیایم فلم یأت لایحنث علیه لانه لما قال له قل بایزد وسکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا[2]۔	ایک شخص کو سلطان نے پکڑ لیا اور اس سے قسم لیتے ہوئے سلطان نے کہا، تو کہہ کہ اللہ تعالٰی کی قسم، اس نے کہا اللہ کی قسم تو کل آئے گا، تو گرفتار ہونے والے نے کہا میں کل آؤں گا، وہ اگر نہ آئے تو اس پر وہ حانث نہ ہوگا، کیونکہ سلطان نے اس کو کہا تو کہہ اللہ کی قسم، پھر سلطان خاموش ہوا، تو یہ خاموشی فاصل بن گئی، تو قسم نہ ہوئی۔(ت)

اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے، اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثل سکوت ہے بلکہ اس سے زائد

کما فی البحر وقد عرفت المسائل فی الشفعة وخیار البکر۔	جیسا کہ بحر میں ہے جبکہ تو شفعہ اور باکرہ کے خیار کی بحث میں مسائل معلوم کرچکا ہے(ت)

اور ظاہر کہ مشہود بہ وہ چیز ہے جس کی نزاع ہے مدعی جس کا مدعی ہے مدعا علیہ جس کا منکر ہے مدعی جسے شہادت سے ثابت کیا چاہتا ہے ان تمام گواہیوں میں " گواہی دیتا ہوں۔"کے بعد اس کا ایک حرف نہیں، بالائی جملے ہیں۔ محمد رضا خاں گواہی دیتا ہوں سنہ ۸ میں مظہر جمعہ خاں کے یہاں ملازم تھا، مظہر حسین گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے مکان پر بیٹھا تھا، عبدالعزیز خاں گواہی دیتا ہوں نو سال ہوئے مظہر گنیشی کے مکان پر تھا، سید عبدالعزیز گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرارہا تھا، عجائب الدین خاں گواہی دیتا ہوں مئی کا مہینہ تھا میں دکان عطاری کرتا ہوں گنیشی کا آدمی دوا لینے نسخہ لایا، احمد خاں ولد میاں خاں گواہی دیتا ہوں مئی سنہ ۹ کو میں رام پور آیا تھا، حیدر علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے پاس چاول لینے گیا، عبدالرحیم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کو بلانے گیا ناظم صاحب نے بلوایا تھا، سید الطاف علی گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی دکان پر تھا، محمد بشیر خاں گواہی دیتا ہوں بعد

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الایمان نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۸۲

ظہر کے مظہر اپنے گھر کو جارہا تھا، انور بیگ گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کے یہاں بیٹھا تھا، نجم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر رگنا تھ پرشاد کا ملازم تھا، سید حیدر حسین گواہی دیتا ہوں میں خان بہادر کو بلانے گنیشی کے یہاں گیا، احمد خاں ولد عبدالغنی گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کے یہاں نوٹ تڑانے گیا، نجف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی بیٹھک میں تھا، محمد غفران گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر عبدالغافر خاں کے مکان پر تھا، اشرف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنے سال ہوئے دولھا صاحب اور ایک منشی جی گنیشی کی بیٹھک میں آئے، موتی شاہ گواہی دیتا ہوں منصور خاں نے میرے گھر آکر مجھ سے کہا میرا زیور گروی رکھادو۔ وزیر خاں گواہی دیتا ہوں اتنا زمانہ ہوا میرے ہاتھ میں چوٹ لگ گئی تھی۔

کیا یہی فقرے مابہ النزاع ہیں، کیا انہیں جملوں کا دعوی ہے کیا انہیں کو مدعی ثابت کرانا چاہتا ہے ہرگز نہیں، تو یہ قطعًا مشہود بہ نہیں، مشہود بہ وہ حق ہے جسے شاہد مشہود علیہ پر بتاتا ہے۔ شلبیہ علی الزیلعی میں بنایہ سے ہے:

فی الشرع الشھادۃ اخبار بحق لشخصٍ علٰی غیرہ عن مشاھدۃ[1] الخ۔	شریعت میں مشاہدہ کی بناء پر کسی حق کی خبر دینا کہ یہ فلاں کا غیر کے ذمہ ہے الخ (ت)

ظاہر ہے کہ یہ جملے وہ حق نہیں اور ان کا قسم یا تاکید قسم نہ ہونا بدیہی، تو شہادت و مشہود بہ یعنی قسم و مقسم علیہ میں فاصل اور قسم و شہادت کے مبطل ہیں۔ گواہی ان فقروں سے متصل ہوئی نہ کہ مقصود و مشہود سے، معاملہ شہادت و دعوی بس نازک ہے، ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر یوں دعوی کرے کہ یہ چیز میری ملک ہے اور میرا حق، یا گواہ شہادت دے کہ یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق، یہ دعوی و شہادت کافی نہ مانیں گے کہ ممکن ہے کہ میرا یا اس کا حق کہنے کے بعد آہستہ سے لفظ "نہیں" ملالے بلکہ یوں کہنا لازم کہ میرا یا اس کا حق ہے۔ فتاوٰی امام نسفی وفتاوی عالمگیریہ وغیرہم میں ہے:

ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادۃ ایں مدعی ست وحق وے ست حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق	گواہ کو چاہئے کہ وہ شہادت میں یوں کہے یہ اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق ہے تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے یعنی صرف "اس کا حق" ہے"

[1] حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الشہادات المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۴/ ۲۰۶

وے نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذاقال المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من، لایکتفی به وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قوله وبدست فلاں حق، بدست فلاں ناحق ست وکذٰلك فی نظائرہ حتی لایلحق به کلمة النفی[1]۔	نہ کہے، ایسا نہ ہو کہ حق کے ساتھ، نہ ہے، لاحق ہو جائے امام شیخ فخر الاسلام بزدوی فرماتے تھے کہ اگر گواہ نے یہ کہا فلاں چیز میری ملک ہے اور میرا حق، تو کافی نہ ہوگا، بلکہ، میرا حق ہے، کہے، اور فلان کا قبضہ ناحق کی بجائے، فلاں کا قبضہ ناحق ہے، یوں ہی اس کے نظائر میں، تاکہ اس کو نفی لاحق نہ ہوسکے۔ (ت)

جب اسے نہ مانا کہ کہیں چپکے سے لفظ "نفی" نہ بڑھالے تو یہاں تو کسی حرف کے بڑھانے گھٹانے کی حاجت ہی نہیں فقط نیت کافی ہے "گواہی دیتا ہوں" کو صرف ان فقروں سے متعلق کیا جو اس کے متصل ہیں باقی داستان گوئی کردی۔ معین الحکام میں ہے:

اذا قال الحاکم للشاھد بای شیئ تشھد؟ فقال حضرت عند فلان فسمعته یقرأ بکذا، او اشھدنی علی نفسه بکذا، او شھدت بینھما بصدور البیع اوغیر ذٰلك من العقود لایکون اداء شھادة، ولایجوز للحاکم الاعتماد علی شیئ من ذلک[2]۔	جب حاکم نے گواہ سے پوچھا تو کس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو اس نے کہا میں فلاں کے پاس حاضر تھا تو میں نے اسے فلاں چیز کا ذکر کرتے ہوئے سنا، یا اس نے مجھے اتنی چیز کا گواہ بنایا، یا کہا میں دونوں فریقوں کے درمیان بیع صادر ہونے کی گواہی دیتا ہوں یا اس کے علاوہ کسی سودے کی، تو یہ شہادت کی ادائیگی نہ ہوگی اور نہ ہی حاکم کو اس بیان پر اعتماد ہوگا۔ (ت)

ہمارے نزدیک اس کی بہتر تعلیل یہی ہے کہ "حضرت عند فلاں" شہادت مشہود بہ میں فاصل ہوگیا۔

ولامحل لان یقال لم یقل اشھد لان السوال معاد	یہ محل ایسا نہیں کہ اشھد نہ کہنے کو وجہ بنایا جائے کیونکہ (قاضی کا یہ کہنا تو کیا شہادت دیتا ہے)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۰، ۶۱

[2] معین الحکام الفصل الثامن مصطفی البابی مصر ص ۸۹

فی الجواب ولذالم یبنیه علیه العلامة الطرابلسی وانماعللہ بانه خبر عن ماض ویحتمل التغیر **اقول:** وفیه نظر ویردہ فروع جمة لاتحصر، قال فی جامع الفصولین(مش)لو شهدا انه کان مبلکه فکانما شهدا انه مبلکه فی الحال ولا یجوز للقاضی ان یقول امروز ملک وے دانید فعلی هذا لوادعی دینارا شهدا انه کان له علیه کذاوقال اورا ایں قدرزردرذمه ایں بود ینبغی ان تقبل کما فی العین وفی(ط)مایدل علی قبولها وفیه و کذالو شاهد احدهما انه مبلکه والآخر انه کان ملکه تقبل شهادتهما لاتفاقهما انه له فی الحال معنی لمامر وکذا الشهادة علی النکاح والاقراربه ففی(فش)ادعت نکاحه فشهد احدهما انه اقرانها امرأته والاُخرانه اقرانها کانت امرأته تقبل،لان الشهادة باقراره بنکاح کان شهادة باقراره بنکاح حالی لان ماثبت یبقی وکذالوادعی انها امرأتی اومنکوحتی وشهدا انه

سوال کا جواب میں اعادہ ہوتا ہے اسی لئے علامہ طرابلسی نے اس کو بنیاد نہیں بنایا اور وجہ یہ بتائی کہ یہ ماضی سے خبر ہے جو خلاف کا احتمال رکھتی ہے **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) ماضی والی وجہ قابل غور ہے بہت سے مسائل اسکو رد کرتے ہیں۔ جامع الفصولین میں فرمایا(مش) اگر دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ یہ اس کی ملکت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ فی الحال اس کی ملک ہے اور قاضی کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ، کیا آج ملک مانتے ہو، تو اس بنا پر اگر مدعی دینار کا دعوی کرے اور گواہ شہادت دیں کہ اس کا دین مدعی علیہ کے ذمے تھا یا یوں کہیں کہ اتنی مقدار زر اس کے ذمہ تھا گواہی قبول کی جائے گی جیساکہ عین چیز میں مقبول ہوگی، اور طحطاوی میں ذکر کردہ اس کی قبولیت پر دال ہے اور اس میں ہے اور یونہی اگر ایک گواہ نے کہا یہ اس کی ملک ہے، اور دوسرے نے کہا اس کی ملک تھی، دونوں کی شہادت قبول ہوگی کیونکہ معنًی دونوں کا اتفاق ہے کہ فی الحال ملک ہے جیساکہ گزرا، اور یونہی نکاح اور نکاح کے اقرار کی شہادت کا معاملہ ہے (فش) میں ہے کہ عورت نے ایک مرد سے نکاح کا دعوی کیا، ایک گواہ نے کہا کہ مرد نے اس کے بیوی ہونے کا اقرار کیا ہے اور دوسرے نے کہا کہ یہ اس کی بیوی تھی، تو شہادت مقبول ہوگی کیونکہ نکاح کے متعلق اقرار کی شہادت

كان تزوجها ولم يتعرضا للحال تقبل، ولوادعى انه كان لاتقبل لان اسناد المدعى يدل نفى الملك فى الحال اذلافائدة للمدعى فى الاسناد مع قيام ملكه فى الحال بخلاف الشاهدين لو اسندا ملكه الى الماضى لايدل على النفى فى الحال لانهما لايعرفان بقائه الا بالاستصحاب والشاهد قد يحترز عن الشهادة بماثبت باستصحاب الحال لعدم تيقنه بخلاف المالك لانه كما يعلم ثبوت ملكه يقينا يعلم بقائه يقينا، اھ[1] ببعض اختصار وفى الدر والغرر وتنوير الابصار والدرالمختار ادعى الملك فى الحال و شهد الشهود ان هذا العين كان ملكه تقبل لان ماثبت فى زمان يحكم ببقائه مالم يوجد

موجودہ نکاح کے اقرار کی شہادت ہے کیونکہ ثابت شدہ چیز باقی رہتی ہے، اور یوں ہی اگر مرد نے دعوی کیا کہ یہ میری بیوی ہے یا منکوحہ ہے اور دونوں گواہوں نے شہادت دی کہ اس نے اس عورت سے نکاح کیا تھا اور انہوں نے حال کو بیان نہ کیا تو شہادت مقبول ہوگی، اور اگر مدعی نے کہا ہو کہ نکاح تھا تو پھر یہ گواہی مقبول نہ ہوگی کیونکہ مدعی کا ماضی کی طرف منسوب کرنا دال ہے کہ فی الحال ملک نہیں کیونکہ فی الحال ملک ہو تو پھر ماضی کیطرف منسوب کرنا مدعی کو مفید نہیں ہے اس کے برخلاف گواہوں کا ماضی کی طرف منسوب کرنا حال کی نفی پر دال نہیں کیونکہ ان کو بقاکا علم صرف استصحاب سے ثابت شدہ چیز کی گواہی سے احتراز کرتا ہے کیونکہ وہ یقینی نہیں ہے جبکہ مالک خود اپنی ملکیت کے ثبوت کو جانتا ہے، اسی طرح وہ بقائے ملکیت بھی یقینی طور پر جانتا ہے۔ بعض اختصار کے ساتھ عبارت ختم ہوئی۔ درر، غرر، تنویر الابصار اور درمختار میں ہے اگر مدعی نے اپنی حالیہ ملکیت کا دعوی کیا اور گواہوں نے یہ شہادت دی کہ یہ چیز اس کی ملک تھی تو یہ شہادت مقبول ہوگی کیونکہ جب کوئی چیز ایک زمانہ میں ثابت ہو تو جب تک اس کے ثبوت کا زوال ثابت نہ ہو جائے اس وقت

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲

المزیل[1] اھ فالوجه فی تعلیله ماذکرنا وبالله التوفیق ولله الحمد، والله تعالٰی اعلم۔	تک اس کی بقاء کا حکم دیا جائے گا اھ، تو اس کی علت کی وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے اور تمام حمدیں اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ولی خاں کی گواہی بھی اس بحث کا عمل ہے مگر وہ اپنے فعل پر شہادت ہے اور خود مجوز نے اسے قبول نہ کیا لہذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں۔

چہارم: حاضر پر شہادت میں مدعی ومدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ ضرور ہے اور غائب ومیت کا نام ونسب بتانا جس میں سید نا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ذکر جد بھی لازم، اور اسی پر فتوٰی ہے مگر جب غناء ہے، ذخیرہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

یحتاج فی الشهادة علی الحاضر الی الاشارة الی المدعی علیه والمدعی یحتاج الی تسمیة الشهود اسم المیت والغائب وابیهما وجدهما[2]۔	حاضر شخص کے خلاف شہادت میں مدعی اور مدعی علیہ کی طرف اشارہ کی ضرورت ہے، اور گواہوں کا میت اور غیر حاضر اور ان کے والد اور دادا کا نام لینا ضروری ہے۔ (ت)

بحر میں ہے:

والصحیح ان النسبة الی الجد لابد منه[3]۔	صحیح یہی ہے کہ دادے کی طرف نسبت ضروری ہے۔ (ت)

شہادات تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

(هی) ان (علی حاضر یحتاج الشاهد الی الاشارة (الی) ثلثة مواضع اعنی (الخصمین والمشهود به لو عینا) لا دینا (وان علی	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو گواہ کو تین چیزوں کی طرف اشارہ کی ضرورت ہوگی، مدعی، مدعی علیہ اور مشہود بہ اگر وہ عین چیز ہو، نقد نہ ہو، اور اگر غائب کے خلاف ہو جیسے

[1] درمختار کتاب الدعوی باب دعوی الرجلین مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۹

[3] بحر الرائق باب الشہادۃ علی الشہادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۲۵

غائب) کمافی نقل الشهادة(او میت فلابد)لقبولها (من نسبته الی جده فلایکفی ذکر اسمه واسم ابیه و صناعته الا اذا کان یعرف بها لامحالة)بان لا یشارکه فی المصر غیره[1]۔	نقل شہادت کی صورت ہو، یا میت کے متعلق ہو تو اس وقت شہادت کی قبولیت کے لئے ان کو دادے کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے تو اس کا اور اس کے باپ اور پیشہ کا نام ذکر کرنا ناکافی نہیں ہے ہاں اگر ان کے ذکر سے لازمی طور پر معرفت ہو جائے مثلاً اس نام کا شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو۔(ت)

فتاوٰی ابن رشید الدین وجامع الفصولین میں ہے:

لوکانت الشهادة علی الحاضر یحتاج الشاهد الی ال اشارة الٰی ثلثة مواضع الی الخصمین والمشهودبه ولو علی غائب او میت فسماه ونسبه الی ابیه فقط لاتقبل حتی ینسبه الی جده[2]۔	شہادت اگر حاضر کے خلاف ہو تو تین چیزوں کی طرف اشارہ ضروری ہے، مدعی، مدعٰی علیہ اور مشہود بہ کی طرف۔اور غائب اور میت سے متعلق ہو تو ان کا نام اور ان کے باپ کا نام کافی نہ ہوگا بلکہ ان کے دادے کا نام ذکر کیا جائے تو شہادت قبول ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

اماالغائب فلابد من ذکر جده عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی وهو الصحیح والفتوٰی علی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی[3]۔	لیکن غائب شخص کے متعلق ہو تو اس کے دادے کا ذکر بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ضروری ہے یہی صحیح ہے اور فتوٰی امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔(ت)

اسی طرح عامہ کتب مذہب میں ہے اقول: سر اس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت میں شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ کہ شاهد علی الشاهد کما افاده العلامة ابن قاضی سماوة (جیسا کہ علامہ ابن سماوۃ نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔(ت) محیط پھر جامع الفصولین

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

[3] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۹

میں ہے:

یحتاج الی اداء الشهادة بمحضر منه فلابد من معرفته بوجه لیمکنه الشهادة علیه وعند غیبته او موته یحتاج الی الشهادة باسمه و نسبه فلا بد من معرفة اسمه ونسبه[1]۔	حاضر کے متعلق شہادت اس کے سامنے ضروری ہے تاکہ ضروری شناخت ہوسکے اور غیب ہونے کی صورت میں یا موت کی صورت میں اس کے نام اور اس کے نسب کو بیان کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ اس کے نام اور نسب کی ضروری معرفت ہوسکے۔(ت)

ولہٰذا اگر گواہ حاضر کا پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے۔ جامع الفصولین میں ہے:

شهدا علی امرأة باسمها ونسبها وهی حاضرة فقال القاضی للشهود هل تعرفون المدعی علیها فقالو الا لا تقبل شهادتهم[2]۔	دو گواہوں نے عورت کے خلاف شہادت دیتے ہوئے اس کا نام ونسب بیان کیا اور وہ موجود تھی، تو قاضی نے گواہوں سے پوچھا کہ تمہیں اس عورت کی شناخت ہوگئی ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں، تو ان گواہوں کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ (ت)

اور حاضری میں معرفت شاہد کا بتانے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ابھی اس فرع میں گزرا تو حاضر پر گواہی بے اشارہ قبول نہیں مدعی اور مدعاعلیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے اور یہ سب گواہیاں اس سے خالی ہیں مدعیوں کی طرف اشارہ اصلاً کسی میں نہیں۔

پنجم: یوں ہی مدعاعلیہ کی جانب سوائے شہادت وزیر خاں کہ محض مہمل بے معنی ہے کما یأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) بلکہ اس کا اشارہ بھی شہادت میں نہیں اس سے خارج وجدا ہے، اس نے یہ نہ کہا کہ یہ دولھا خاں آئے بلکہ "دولہا خاں صاحب پیشکار آئے" تو کلام میں اشارہ نہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہو شہادت کلام ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے، تو شہادت اشارہ سے خالی ہے جس طرح اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر اتنی طلاق اور تین انگلیاں

[1] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] جامع الفصولین الفصل التاسع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۔۱۲۰

اٹھائے تین طلاق ہو جائیں گی کہ اس اشارے سے کلام متعلق ہوا، بدائع ملک العلماء میں ہے:

کذا اذا اشار الی عدد الثلاث بان قال لھا انت طالق ھکذا یشیر بالابھام والسبابۃ والوسطی لان الاشارۃ متی تعلقت بھا العبارۃ نزلت منزلۃ الکلام اذا اقامت الاشارۃ مع تعلق العبارۃ بھا مقام الکلام صار کانہ قال انت طالق ثلثا[1]۔	یوں ہی جب تین عدد کا اشارہ کرتے ہوئے خاوند نے کہا تجھے یہ طلاق۔ انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان والی انگلی سے اشارہ کیا کیونکہ اشارہ کے ساتھ عبارت ہو تو اس اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا جاتا ہے، تو جب اشارہ عبارت سے متعلق ہو تو "تجھے تین طلاق" جیسی کلام کی طرح ہو جائیگا (ت)

ردالمحتار میں فتاوٰی امام قاضیخاں سے ہے:

قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانھا تطلق واحدۃ[2]۔	خاوند نے "تجھے طلاق" کے ساتھ تین انگلیوں کا اشارہ کیا اور تین طلاقوں کی نیت کی اور زبان سے اشارہ ذکر نہ کیا تو ایک طلاق ہو گی کیونکہ اشارہ کا تعلق عبارت سے نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر کہے "تجھ پر طلاق" اور تین انگلیاں اٹھائے دل میں بھی تین ہی کی نیت کرے ایک ہی طلاق پڑے گی کہ اس اشارے سے کلام کا تعلق نہ ہوا۔

ششم: گنیشی مردہ ہے اس کے نہ دادا کا نام اصلاً کسی نے لیا نہ باپ کا، بلکہ بعض نے صراحۃً اس کے باپ کا نام معلوم ہونے سے انکار کیا تو شہادتیں سب مختلف وپر قصور ہیں۔ ناظر یہاں تعجب کرے گا کہ سید عبدالعزیز نے شہادت اور محمد رضا خاں نے جواب جرح میں بتایا ہے کہ گنیشی کے باپ کا نام رام چندر ہے او ولی خاں نے شہادت میں کہا ہے عبدالغافر نے رسید لکھ دی میں نے کہا گنیشی کی ولدیت رامچندر لکھ دیجئے تو ان تین نے تو باپ کا نام بتایا مگر اس کا یہ تعجب دوسرے سخت استعجاب سے بدل جائے گا جب اسے معلوم ہوگا کہ گنیشی کا باپ رامچندر نہیں بلکہ لل مل ہے جیسا کہ خود اس نے اسی بیعنامہ بنام نوشان بیگم کے عنوان میں لکھا ہے وہ رامچندر کا متبنی تھا اور متبنی کو بیٹا بتانا قرآن عظیم کے خلاف ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل واما بیان صفۃ الواقع بھا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۰۔۱۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۸

قال تعالٰی "وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِی السَّبِیْلَ ۝۴ "[1] "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے تمہارے لئے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہ ٹھہرایا، یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے اصل باپوں کی طرف نسبت کرو، یہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔

تو یہ ان شاہدوں کا کذب ہوا اور قرآن عظیم کی مخالفت اور نہ بتانے سے الٹا بتانا بدتر، اور اگر بفرض باطل رامچندر ہی اس کا باپ ہوتا تو یہ نام سید عبدالعزیز نے شہادت میں یوں نہ لیا کہ گنیشی ابن فلاں شہادت دی ہو بلکہ ختم شہادت پر ایک مستقل جملہ کہا کہ گنیشی کے باپ کا نام رامچندر ہے اس میں بھی لفظ مذکور تک نہ کہا معلوم نہیں کون سے گنیشی کا باپ۔ یوہیں محمد رضا خاں نے ایسا ہی مستقل جملہ کہا بلکہ استدعا کی کہ یہ ولدیت لکھ دو، اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ واقع میں یہی ولدیت ہو، اس نے ہاتھی خانے کا تحویلدار بھی کہا مگر کہاں کا ہاتھی خانہ، یہ نہ بتایا، شہادت میں ذہنی تصورات سے کام نہیں چلتا کہ مقصود ہے تعریف، و تعریف تعریف ہے یعنی یہ بتانا کہ شاہد اسے پہنچانتا ہے، یہ تعریفیں الفاظ سے ہوں گی نہ کہ قائل کے مافی الذہن سے لہٰذا سب شہادتیں مہمل ہیں۔

ہفتم: عبدالغافر خاں پر دعوٰی عائد ہونے کی بنا اس پر ہے کہ بیعنامہ و کرایہ نامہ میں زوجہ عبدالغافر خاں کا نام فرضی ہو حقیقۃً یہ عقد عبدالغافر خاں سے ہوئے ہیں شہادتوں سے اس کا ثبوت دو ہی صورتوں میں منحصر، ایک یہ کہ گواہ اپنے ذاتی علم سے اس پر شہادت دیں، دوسرے یہ کہ ان کے سامنے عبدالغافر خاں نے زوجہ کا نام فرضی اور اپنا واقعی ہونے کا اقرار کیا ہو اس کی گواہی دیں، لیکن تمام شہادات ان دونوں وجہ سے خالی ہیں اپنا ذاتی علم تو کسی نے بیان نہ کیا بلکہ بعض مثل حیدر علی خاں و محمد بشیر وغیرہما نے اپنے علم کی صاف نفی کی ہے، اکثر نے گنیشی کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالغافر خاں سے پانچ ہزار قرض لئے اور اپنے مکان دکان رہن یا مکفول کئے ان کا کرایہ یا سود دیتا ہوں گنیشی یہاں بجائے مدعی ہے، باطل ست آنچہ مدعی گوید (باطل ہے جو کچھ مدعی کہتا ہے۔ت) اگر مدعی کے کہنے سے ثبوت ہوجائے تو گنیشی کا بیان تو گواہوں سے سنا مدعیوں کا بیان تو خود مجوز کے سامنے ہوا بس اس قدر

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

پر فیصلہ ہو جاتا شہادتوں کی کیا حاجت تھی، عبدالغافر خاں کا جو قول شاہدوں نے بیان کیا وہ پانچ قسم ہے:

(۱) محمد رضا خاں و مظہر حسین "بہت دن ہوگئے روپیہ کرایہ کا دو" کس کا کرایہ کاہے کا کرایہ، یہ محض مجمل و مہمل۔

(۲) محمد رضا و مظہر حسین "کرایہ ہمارا چاہئے" عبدالعزیز خاں "ہمارا کرایہ دلوایئے" احمد خاں ولد میاں خاں "ہمارا کئی مہینے کا کرایہ دلوایئے" حیدر علی خاں "ہمارا کرایہ بہت عرصہ سے نہ پہنچا" عبدالرحیم خاں "کرایہ کا روپیہ بہت دنوں سے نہیں دیا ہے ہم کو دو" سید الطاف علی "آپ نے ہمارا تین سال کا کرایہ ادا نہیں کیا ہے" محمد بشیر "ہمارا کرایہ بہت دنوں کا" انور بیگ "ہمارا کرایہ تین سال سے" حیدر حسین "کئی مہنے سے ہمارا کرایہ نہ دیا" ان میں اپنی طرف اضافت ہے مگر یہ نہیں کہ کس چیز کا کرایہ۔

(۳) سید عبدالعزیز "۸ مہینے کا مکان کا کرایہ دیجئے" یہ دوم کا عکس ہے کرایہ مکان کا بتایا اور اضافت نہیں۔

(۴) عجائب الدین خاں "کرایہ مکانوں کا جو میرا ہے تم نے نہ دیا" نجن "ہمارا سات مہینے کرایہ مکانوں کا" ان دو میں دونوں ہیں مگر مکان مبہم مکان انہیں میں منحصر نہیں جن کا معاملہ زوجہ عبدالغافر خاں سے ہوا ہے اس سے اتنا سمجھا گیا کہ عبدالغافر خاں نے کچھ اپنے مکان گنیشی کو کرائے پر دئے ان کا کرایہ مانگا۔

(۵) وہ الفاظ جن میں خاص غرض پر روشنی ڈالنی چاہی ہے، سید الطاف علی "ایک دن مُں نے مولوی عبدالغافر خاں سے دریافت کیا، فرمایا اگر جائداد رہن رکھ کر منافع لیا جائے خصوصًا ہنود سے سود تو جائز ہے" یہ مثل قسم اول ہے ایک عام بات بطور مسئلہ ہے خاص اپنا ذکر نہیں۔ محمد رضا خاں "یہ بھی وجہ ہے کہ ہمارے رہن میں خلل کرے گا" حیدر علی خاں "میں نے بیع الوفا کرالیا ہے بیع الوفا سے نفع اٹھانا جائز ہے" محمد بشیر "دکانیں اور گودام گنیشی کے میرے پاس رہن ہیں یہ اس کا کرایہ ہے" ان تین بیانوں میں ہرگز اس کا اقرار نہیں کہ زوجہ کا نام فرض ہے حقیقۃً معاملہ میرا ہے صرف اپنی طرف اضافت ہے مجرد اضافت دستاویز اقرار گنیشی و مصدقہ رجسٹری و مسلمہ فریقین کیونکر باطل کردے گی زوج و زوجہ میں ایسا ہی انبساط ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال کو بلا تکلف اپنی طرف اضافت کرتا ہے ولہذا ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا خود لینا۔ فتح القدیر میں ہے:

للاشتراك فی المنافع فكان الدافع الی	منافع میں اشتراک کی بناء پر ان کو دینا گویا

ھٰؤلاء کالدافع لنفسہ من وجہ[1]۔	خود کو دینا ہوا۔(ت)

وکیل خصومت، ملک موکل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے بلکہ ایک خدمتگار اپنے آقا کی ملک کو، بلکہ وصی مال یتیم کو بلکہ موقوف علیہ بلکہ متولی مال وقف کو، حالانکہ وقف خالص ملک الٰہی عزوجل ہے کسی مخلوق کا اصلاً مملوک نہیں، یہ سب یک گونہ بوجہ اختصاص انہیں اپنی جانب اضافت کرتے اور اپنی ملک کہتے ہیں تو شوہر نے معاملہ زوجہ کو اگر اپنا کہا کیا بعید کہا، بلکہ شرفاء میں قطعًا یہی معہود ہے عورت کا کوئی مطالبہ کسی اجنبی پر آتا ہو یا عورت نے رہن کیا ہو تو اجانب میں بیٹھ کر یہ نہ کہیں گے کہ ہماری بی بی کا اتنا روپیہ دے دو ہماری بی بی نے یہ رہن کیا ہے بلکہ یوں ہی کہ ہمارا اتنا دے دو ہم نے رہن لیا ہے۔ وجیز امام کردری میں ہے:

ادعی انہ وکیل عن فلان بالخصومۃ فیہ ثم ادعاہ لنفسہ لایقبل لان ماھو لہ لا یضیفہ الی غیرہ. بخلاف ما اذا ادعاہ لنفسہ ثم ادعی انہ وکیل لفلان بالخصومۃ لعدم المنافاۃ فان الوکیل بالخصومۃ قد یضیف الیٰ نفسہ یکون المطالبۃ لہ[2]۔	کسی نے کہا کہ میں فلاں کی طرف سے اس معاملہ کی جواب دہی کا وکیل ہوں پھر اسی چیز کو اپنی ملکیت ہونے کا دعوی کرے تو یہ مقبول نہ ہوگا کیونکہ اپنی چیز کو دوسرے کی طرف منسوب نہیں کیا جاتا، اسکے برعکس پہلے اپنی ملکیت کا دعوی کیا، پھر بعد میں یہ دعوی کرے کہ اس چیز کی جواب دہی کے لئے میں فلاں کی طرف سے وکیل ہوں تو جائز ہوگا، اس صورت میں منافات نہیں ہے کیونکہ وکیل بالخصوۃ کبھی چیز کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کو مطالبے کا حق ہے(ت)

اسی میں ہے:

ادعی علیہ انھا لہ ثم ادعی انھا وقف علیہ یسمع لصحۃ الاضافۃ بالاخصیۃ انتفاعا[3]۔	پہلے دعوی کیا کہ یہ میری ملکیت ہے، پھر دعوی کیا کہ یہ مجھ پر وقف کی گئی ہے تو دعوی مقبول اور قابل سماعت ہوگا کیونکہ اپنے لئے انتفاع کی خصوصیت کی بناء پر اپنی طرف منسوب کرسکتا ہے(ت)

خزانۃ المفتین میں ہے:

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ نوع التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۸

ادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	دعوی کیا یہ محدود جائداد میری ہے پھر دعوی کیا کہ یہ وقف ہے، تو صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اس وقف کی تولیت کی وجہ سے اپنی طرف منسوب کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہو سکتی ہے کیونکہ عادۃً متولی کو تصرف اور خصومیت کی ولایت ہوتی ہے اس کی بنا پر اس کی طرف منسوب ہوتی ہے۔(ت)

رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا"[2]۔	اپنے وہ مال جن کا اللہ تعالٰی نے تمہیں منتظم بنایا ہے بے سمجھ لوگوں کو نہ دو۔(ت)

امام سعید بن جبیر تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

هو مال الیتیم یکون عندك یقول لاتؤته ایاه و انفقه علیه منه حتی یبلغ وانما اضاف الی الاولیاء فقال اموالکم لانهم قوامها ومدبروها[3]۔	یہ یتیم کا مال ہے جو تیرے پاس ہے، اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ مال یتیم کو نہ دو اور اس پر خرچ کرو حتی کہ بالغ ہو جائے، اس مال کو اللہ تعالٰی نے اولیاء کی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ وہ اس کے نگران اور منتظم ہیں۔(ت)

یہی تفسیر عکرمہ سے منقول کما فی المعالم وغیرها (جیسا کہ معالم وغیرہ میں ہے۔ت) بلکہ رب العزت نے فرمایا: "وَوَجَدَكَ عَآىِٕلًا فَاَغْنٰی ۝۸"[4] (اور آپ کو محتاج پایا تو اس نے غنی کر دیا۔ت) یہ مال ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے جسے مولٰی تعالٰی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] خزانة المفتین کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف والشهادة علیه قلمی نسخہ ۱/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۴/ ۵ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۸

[4] القرآن الکریم ۹۳/ ۸

کامال فرمایا کہ غنا بمال غیر نہیں۔ محقق علی الاطلاق نے فتح میں فرمایا:

قال اللہ تعالٰی "وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ﴿۸﴾" ای بمال خدیجۃ وانما کان منہا ادخالہ علیہ الصلٰوۃ والسلام فی المنفعۃ علی وجہ الاباحۃ والتملیك احیانا[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپ کو اس نے محتاج پایا تو اس نے غنی کردیا، یعنی حضرت خدیجہ کے مال سے اور اس لئے کہ آپ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف سے ان کے مال میں دخل اختیار تھا، یہ اختیار آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مباح اور کبھی ملک کے طور پر تھا۔ (ت)

بالجملہ ان میں کوئی صرف مثبت دعوی نہیں، ہاں موتی شاہ ووزیر خاں کی کوشش مدعیوں کو قابل مشکوری تھی کہ وہ صراحۃً ساری گفتگو عبدالغافر خاں وگنیشی میں بتاتے ہیں ان کی مہمل ومتناقض گواہیوں کا حال آئندہ آتا ہے مگر انہوں نے نری ناتمام گفتگو پر خاتمہ کردیا وقوع عقد سے صراحۃً انکار کیا، موتی شاہ "میرے سامنے کچھ اور معاملہ نہیں ہوا لکھت پڑھت کچھ نہ ہوئی زبانی بات تھی" وزیر خاں "پھر مجھے کچھ نہیں معلوم، میرے سامنے کچھ دستاویز کی تکمیل نہ ہوئی" اشرف علی خاں "اس کاغذ کا لکھا جانا بتاتا ہے جس میں تصریحاً زوجہ عبدالغافر خاں کا نام ہے" عبدالغافر خاں کا گھر آنا اور روپیہ کچہری کو لے جانا بلکہ دستاویزیں اپنے نام چھڑانا کسی طرح زوجہ کا اسم فرضی ہونے کا شبہہ بھی نہیں دلاتا نہ کہ دلیل ہو۔ ولی خاں وغفران خاں ہزار روپے زراصل سے عبدالغافر خاں کو دئے جانے اور ان کی رسید لکھنے کے گواہ ہیں،

اوّلاً: ان دونوں کی گواہی خود مجوز نے نہ مانی اور اس ہزار کی ڈگری نہ دی۔

ثانیاً: تقریر سابق اس وہم کے دفع کو بس ہے، مخدرات کا روپیہ ان کے ازواج ہی کو دیا جائیگا اور وہی رسید دیں گے۔ احمد خاں ولد عبدالغنی خاں ونجف علی خاں اس مد کے گواہ ہیں کہ عبدالغافر خاں نے گنیشی سے گودام کا ایک حصہ پندرہ روپے ماہوار کرائے پر مانگا۔ ان گواہیوں نے تو روشن طور پر ثابت کردیا کہ یہ مکان عبدالغافر خاں سے بیع یا رہن نہ ہوئی ورنہ کرائے پر لینے نہ جاتا، غایت یہ کہ حسب زعم مدعیان خلاف اقرار صریح مورث قبضہ نہ ہوا تھا تو بذریعہ نالش قابض ہوجاتا نہ کہ ایک چیز کا پندرہ روپے مہینہ کرایہ دینا چاہتا، بالجملہ کوئی شہادت اس دعوی کا اثبات نہیں کرتی کہ اصل معاملہ

[1] فتح القدیر باب الزکٰوۃ باب من یجوز دفع الصدقۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

عبدالغافر خاں سے ہے ور زوجہ کا نام فرضی ہے بلکہ یہ دو شہادتیں اس کا رد ہیں۔ وجوہ خاصہ وجوہ عامہ کے بعد ان کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں، نہ وقت میں وسعت، مگر بعض کا تذکرہ کریں۔

(اختلاف شہادت ودعوٰی) اول: مدعی کہتا ہے قبض ودخل مدعا علیہما کا جائداد مرہونہ پر کبھی ایک منٹ کے لئے نہیں ہوا۔ محمد بشیر "قبضہ جائداد پر عبدالغافر خاں کا تھا اب تک گودام پر عبدالغافر خاں اور رام کنور کا ہے دونوں کے قفل پڑے ہیں عبدالغافر خاں کا کچھ غلہ وغیرہ گودام میں ہے مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ لینے سے قبضہ جائداد پر پیشتر ہوا تھا یا بعد، گودام پر اب تک قبضہ عبدالغافر خاں کا ہے اور گنیشی کا بھی قبضہ ہے" یعنی مردے کا۔

دوم: مدعی کہتا ہے اصل معاملہ عبدالغافر کان سے ہے، زوجہ کا نام فرضی، اور احمد خان ولد عبدالنبی خاں ونجف علی خان کی شہادتیں صراحۃً اس کا رد کررہی ہیں کما مر انفا۔

سوم: مدعی کہتا ہے حقیقۃً سود لیا اور اس کے اخفاء کے لئے کرایہ نامہ فرضی لکھوایا۔ انور بیگ "گنیشی نے لکھا کہ سود کی کارروائی فرض ہے گودام اور مکان میرا رہن ہے۔

چہارم: مدعی کہتا ہے بشرح سود (۱۳ / ۱۱) پائی سیکڑہ ماہواری موتی شاہ ۱۴ کا سود ٹھہراتا تھا۔

پنجم: حسب دعوائے مدعیان رسید بہی پیش کردہ میں صرف اس سود کی رقوم ہیں جو گنیشی نے مدعا علیہ کو دیا لیکن سید الطاف علی کا بیان ہے "میں نے گنیشی سے ریافت کیا یہ کتاب کس بابت ہے کہا میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے کچھ روپے قرض لئے تھے اس کے سود وغیرہ کا حساب ہے" گنیشی کا یہ "وغیرہ" دعوی مدعیان کا نقض ہے۔

ششم: یہ رسید بہی بھی شاید بنا کر پیش کی ہے وہ مدعیوں اور شاہدوں کی تکذیب کرتی ہے مدعیوں کا بیان ہے کہ "ابتدائے ۱۷/ دسمبر ۱ سنہ لغایۃ ۱۲ دسمبر (☆☆) بشرح (☆☆) ماہوار مدعا علیہ کو باخذ رسیدات نوشتہ نامبردہ ادا کی گئی، لیکن رسید بہی میں نومبر ۴ سنہ میں (☆☆☆☆) کی دو رقمیں درج ہیں تو آخر دسمبر ۱۲ سنہ تک (☆☆) پہنچی۔

(اختلاف شاہدان) ہفتم: بیان مدعیان کے سلسلے کو تمام گواہوں نے اول سے آخر تک نباہا ہے کہ ۱۵ یوم دسمبر ۱ سنہ کے (☆☆) پھر ختم ۱۲ سنہ تک ہر مہینے کے (☆☆) انہیں کے لحاظ سے اخیر رقم (☆☆) رکھی ہے اور شاہدوں کے مشاہدے سے جولائی ۶ سنہ تک پہنچی ہوئی (☆☆) حالانکہ رسید بہی سے یہ رقم (☆☆) ہے اور رقم اخیر (☆☆)۔

ہشتم: موتی شاہ و وزیر خاں دونوں ایک جلسے کے گواہ ہیں قول محض میں اختلاف زمان و مکان مضر نہیں اس لئے کہ وہ مکرر ہوسکتا ہے مگر یہ طویل تقریر اور ابتدائی مول تول کے دونوں نے بیان کئے عادۃً ہرگز دوبارہ نہیں ہوتے کہ ایک بار گنیشی عبدالغافر کان کو بلائے، عبدالغافر خان آپ نے مجھے بلایا تھا، گنیشی بلایا تھا مجھے پانچ ہزار روپے کی ضرورہے، عبدالغافر میں دوں گا میرا اطمینان کیا ہوگا، گنیشی زنانہ مکان گودام دکان ضمانت میں دوں گا اس روپے کا نفع کیا لیا جائیگا، دولھا خاں ڈیڑھ روپیہ کا قاعدہ رام پور میں ہے وہی لیا جائیگا، گنیشی آپ میرے مہربان ہیں کچھ کم کرکے کہہ دیجئے دولھا خان ایک روپیہ، گنیشی میں عرض کرتا ہوں اس کو منظور کرلینا (☆☆) ماہوار آپ لے لیا کریں، دولھا خاں ذرا چپ ہوئے پھر کہا یہ تو (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوتا ہے گنیشی اب آپ اسے ہی منظور کرلیں ہماری آپ کی محبت ہے، دولہا خان آپ کاغذ کی تکمیل کریں روپیہ تیار ہے دوں گا، پھر فریقین سو رہے اور ۲۱ دن بعد گنیشی پھر عبدالغافر خاں کو بلائے اور اول تا آخر سب وہی گفتگو پیش آئی فریقین اس پہلی گفتگو کو ایسا بھول جائیں کہ خواب فراموش ہوجائے اور از سر نو آغاز کریں مگر تمام سوال جواب وہی رہیں ترتیب تک نہ بدلے، وہی بلانے کی وجہ پوچھنی وہی پانچ ہزار کی ضرورت وہی اطمینان کا سوال وہی انہیں کفالتوں کا بیان وہی سود کا سوال وہی حسب قاعدہ شہر ڈیڑھ روپیہ وہی تخفیف چاہنا وہی اس پر ایک روپیہ پھر وہی کہ میری مانئے (☆☆) ماہوار اس پر وہی تامل اور وہی جواب کہ (۱۴/) سے بھی ایک پائی کم ہوا اور بالآخر وہی قبول کہ روپیہ تیار ہے کاغذ لکھواؤ اسے ہرگز عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو ضرور جلسہ واحدہ کے گواہ میں لیکن یہ انہیں کے بیان سے محال ہے، موتی شاہ کی شہادت ۹/ اکتوبر سنہ ۱۷ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے "عرصہ اس کو سولہ برس کا ہوا، توروز گفتگو ۳۱/ اکتوبر سنہ ۱ ہوا، وزیر خاں کی شہادت ۳۱ مارچ سنہ ۱۸ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے کہ سولہ برس پانچ مہینے ہوئے توروز گفتگو ۱۳۱ اکتوبر سنہ ۱ ہوا، ۹ و ۳۱ دونوں ایک ہوجائیں تو یہ شہادیں دائرہ امکان میں آئیں لیکن وہ محال تو یہ بھی باطل وواجب الاہمال۔ خانیہ و ہندیہ میں ہے:

لاتبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فیما بینھما فی الایام والبلدان الاان یقولا کنامع الطالب فی موضع واحد فی یوم واحد[1]۔	دونوں گواہوں کا زمانہ اور شہروں میں اختلاف شہادت کو باطل نہ کرے گا ماسوائے اس کے کہ وہ دونوں ایک جگہ ایک دن میں طالب کے ساتھ ہونے کی بات کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الثامن فی الاختلاف بین الشاہدین نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

مبسوط وعالمگیریہ میں ہے:

شهد احدهما انه طلقها یوم الجمعة بالبصرة والاٰخر انه طلقها فی ذٰلك الیوم بعینه بالکوفة لم تقبل شهادتهما لانا نتیقن بکذب احدهما فان الانسان فی یوم واحد لایکون بالبصرة والکوفة بخلاف ما اذا شهد احدهما انه طلقها بالکوفة والاٰخر انه طلقها بالبصرة ولم یوقتا وقتا فهناك الشهادة تقبل[1]۔	ایک گواہ نے کہا اس نے بصرہ میں جمعہ کے روز بیوی کو طلاق دی، اور دوسرے نے کہا کہ اس نے اسی جمعہ کے روز کوفہ میں طلاق دی تو دونوں کی یہ شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ ہمیں ان میں سے ایک کے جھوٹا ہونے کا یقین ہے کیونکہ ایک ہی روز میں انسان کوفہ اور بصرہ میں نہیں ہوتا اس کے برخلاف جب ایک نے کہا اس نے بصرہ میں اور دوسرے نے کہا کوفہ میں طلاق دی اور دونوں نے کوئی وقت نہ بتایا تو اس صورت میں شہادت مقبول ہوگی۔ (ت)

نہم: سید عبدالعزیز و عبدالعزیز خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں ان کے بیان میں شروع ستمبر ہے اس کے بیان میں ۳۰/ستمبر۔

دہم: سید عبدالعزیز کا بیان ہے مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرارہا تھا اتنے میں مولوی عبدالغافر خاں تشریف لائے گنیشی کے پاس، اور کہا پانچ مہینے کا مکان کا کرایہ دو سو بیس روپے دے دیجئے اس پر گنیشی نے رام کنور سے کہا کتاب حساب کی لے آؤ، وہ لے گئے، گنیشی نے مولوی عبدالغافر خاں کو کتاب دی، بعد مولوی عبدالغافر کے چلے جانے کے مجھ سے گنیشی نے کہا اس کتاب میں کیا لکھا ہے، تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آخر اگست ۸ سنہ تک کرایہ وصول ہوا یعنی پانچ ماہ کا مطالبہ آتے ہی کیا کتاب سے دیکھنے سے پہلے، لیکن عبدالعزیز خان کہتا ہے "عبدالغافر خان تشریف لائے اور گنیشی سے کہا ہمارا کرایہ دلوائیے، گنیشی نے کہا حساب کرلیجئے، اور رام کنور سے کہا کتاب لے آؤ، وہ کتاب حساب کی لائے، عبدالغافر نے دیکھ کر کہا پانچ مہینے کا ہمارا کرایہ بقدر دو سو بیس کے واجب ہے وہ دے دیجئے۔

یازدہم: عبدالعزیز خاں کہتا ہے "اس کے بعد گنیشی نے وہ کتاب ایک شخص کو جو گنیشی کے لڑکے کو پڑھارہا تھا بلاکر دکھائی، اس نے پڑھا، میرے کان تک آواز آئی" یہ شخص وہی سید عبدالعزیز ہیں" لیکن ان کا بیان ہے "اس وقت آٹھ سات آدمی تھے ایک مظہر اور عبدالغافر خاں مسلمان باقی ہندو"

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵۰۸

توان کو وہاں عبدالعزیز کے ہونے ہی سے انکار ہے۔

دوازدہم: حیدر علی و عبدالرحیم ایک جلسے کے گواہ ہیں حیدر علی خاں کا بیان ہے "عبدالغافر چلے گئے اس کے بعد گنیشی نے حساب کی کتاب مجھے دی اور کہا پڑھ کر سنا دیجئے کہ عبدالغافر خاں نے کیا لکھا ہے میں نے گنیشی سے پوچھا یہ کیسا روپیہ ہے کہاں مکان اور گودام رہن ہے اس کے سود کا ہے اس کے بعد میں چلا آیا چاولوں کے واسطے روپیہ دے کے۔ عبدالرحیم خاں کہتا ہے" عبدالغافر خاں جب چلے گئے گنیشی نے کتاب ایک آدمی کو جوان کے پاس بیٹھا تھا دکھائی کہ اسمیں کیا لکھا تھا اس نے سنایا پھر انہیں صاحب نے پوچھا یہ روپیہ کیسا عبدالغافر خاں کو دیا گنیشی نے کہا مکان اور گودام او دکان رہن ہے اس کا کرایہ ہے اس پر اس شخص نے کہا کرایہ بہت ہوگا گنیشی نے کہا (☆☆) ماہوار دیتا ہوں انہیں صاحب نے چلتے وقت گنیشی کو (☆☆) دئے کہ چاول بھجوادینا" ان اختلافوں کو جانے دیجئے **اولاً:** حیدر علی نے دو چیزیں بتائیں مکان اور گودام، اور عبدالرحیم نے دکان بھی بڑھائی۔

ثانیاً: گنیشی کا جواب حیدر علی نے یہ بتایا کہ سود کا ہے عبدالرحیم نے یہ کہ کرایہ ہے۔

ثالثاً: ایسا ہی اختلاف یہ ہے کہ حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے اپنے پسر سے کہا حساب کی بہی لے آؤ، وہ لے کر آیا او عبدالغافر خاں کو دی" عبدالرحیم خاں کہتا ہے" گنیشی کو دی"۔

رابعاً: حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے کہا پہلے کتنی رقم آپ کے پاس پہنچی" عبدالغافر خاں نے کہا" (☆☆) "اس پر گنیشی نے اپنے بیٹے سے کہا عبدالغافر خاں کو کرایہ کا روپیہ دو، کوٹھری سے لاکر (☆☆) دے دئے، عبدالرحیم خاں اس کا عکس بیان کرتا ہے کہ (☆☆) دے دئے پھر گنیشی نے کہا اس سے پہلے رقم کس قدر گئی ہے کہا (☆☆)۔

خامساً: تخالف شدید یہ ہے کہ عبدالرحیم کہتا ہے "اس شخص یعنی حیدر علی خاں نے کرایہ پوچھا گنیشی نے (☆☆) ماہوار بتایا، حیدر علی کاں کہتا ہے" تعداد ماہواری کرایہ کی مجھے گنیشی نے نہیں بتائی"۔

سیزدہم: محمد رضاں خاں کہتا ہے" عبدالغافر خان نے کتاب پر وصول ڈال دیا اور پڑھ کر سنایا کہ آخر مارچ ۸ ـــہ تک کا کرایہ معرفت مولچند کے وصول پایا" جس کا حاصل یہ کہ کرایہ کسی اور پر ہے اس نے مولچند کے ہاتھ بھیجا لیکن کتاب یعنی رسید بہی کی عبارت یہ ہے "آخر مارچ ۸ ـــہ تک کرایہ مولچند سے وصول ہوا۔"

چاردہم: سب شاہد (☆☆) ماہوار کے حساب پر چلے ہیں جس کے فیصدی (۱۴/ ۱۱، ۱۸/ ۲۴) پائی

ہوئے لیکن موتی شاہ کہتا ہے "۱۴/ کا سود ٹھہرا تھا" یہاں یا وجہ چہارم میں مجاز کا عذر کہ بقاعدہ رفع واسقاط موتی شاہ نے ۱۴/ ایک پائی کم یا زائد کو مجاز ۱۴/ کہا مقبول نہیں کہ شہادت میں مجاز نہیں لے سکتے۔ وجیز امام کردری جلد ۵ ص ۳۲۲ میں ہے:

الحکم لما اتصل بالشهادة وشرط فيها العلم مثل الشمس لم يتحمل فيها المجاز الذی يصح نفيه واما الدعوی فاخبار مجرد لايتصل به الحکم فاتسع فيه لدفع المناقضة عند الافصاح بالتوفيق[1]۔	حکم جب شہادت سے متصل ہو اور شہادت میں شرط ہے کہ واقعہ کا سورج کی طرح واضح علم ہو اور اس میں مجاز کا احتمال نہ ہو جس کی نفی کرنا پڑے لیکن دعوی تو وہ خالص خبر ہے جس میں فیصلہ نہیں ہو سکتا ہے تو اس میں وسعت ہے کہ تناقض کو ختم کرنے کے لئے موافقت کو ظاہر کیا جائے (ت)

پانزدہم: احمد خاں ولد میاں خاں اور عجائب الدین خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں احمد خاں مئی ۹ سنہ کا واقعہ بتاتا ہے کہ عبدالغافر خاں نے کہا کہ آٹھ مہینے کا کرایہ چاہئے جس کے (☆☆) ہوتے ہیں، گنیشی نے کہا اس سے پہلے کتنی رقم پہنچی، کہا (☆☆) حسب رسید بہی و شہادت سید عبدالعزیز اگست ۸ سنہ تک تھی جب سے ختم اپریل ۹ سنہ تک ۵ مہینے ہوتے ہیں تو اسی وقت تک کا کرایہ ہوا لیکن عجائب الدین خاں یہی شروع مئی ۹ سنہ لکھا کر کہتا ہے "مولوی عبدالغافر خاں نے جواب دیا (☆☆) اول پہنچی اور (☆☆) اب گنیشی نے پوچھا یہ سب کتنے ہوئے، عبدالغافر خاں نے کہا (☆☆) بابت کرایہ کے ہمارے پاس پہنچی اکتوبر تک کا" یہ اکتوبر ۸ سنہ کا ہے تو ستمبر ۸ سنہ سے اس تک دو ہی مہینے ہوئے اور ماہوار (☆☆) ٹھہرا اور ۹ سنہ کا ہے تو چودہ مہینے ہوئے اور ماہوار کچھ اوپر پچیس ہی رہے۔

شانزدہم: محمد رضا خاں و مظہر حسین ایک جلسے کے گواہ ہیں وہ گنیشی کا کہنا یہ بتاتا ہے "کل تم آنا تمہیں بھی روپیہ دوں گا" یہ کہتا ہے "کل ہم روپیہ پہنچادیں گے۔

ہفدہم: نجن وحیدر حسین ایک جلسہ کے گواہ ہیں نجن [عہ] کہتا ہے کہ کتاب اس وقت نہیں ملتی کل آکر آپ روپیہ لے لیں، سید حیدر حسین کا بیان ہے عبدالغافر خاں سے گنیشی نے کہا

عــــہ: خط کشیدہ عبارت اندازہ سے درست کی اصل میں پڑھی نہیں گئی۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی نوع فی التناقض نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۲

کتاب تلاش کرکے میں روپیہ خود بھیج دوں گا یا آپ آکر لے جائیں۔ نجم کہتا ہے عبدالغافر خاں نے کہا کاغذ پر آپ رسید لے لیں کل کچہری سے آؤں گا تو کتاب پر جب مل جائے گی دستخط کروں گا" حیدر حسین کا بیان ہے کہ کتاب کل میرے پاس بھیج دینا وصول لکھ دوں گا۔

ہیجدہم: احمد خان ولد میاں خان گنیشی کو کہتا ہے" گورے چٹے تھے" موتی شاہ کا بیان ہے"گندمی رنگ تھا"جب گواہوں کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جیسی یہاں ہے تو اس قسم کے اختلافات پر بھی نظر کی جاتی ہے محیط وہندیہ میں ہے:

قال ابویوسف اذرأیت الریبة فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب و من کان معھم فاذااختلفو افی ذٰلك اعندی اختلاف ابطل بہ الشھادة[1]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: جب شک کی بنا پر مجھے یہ گمان ہو کہ گواہ جھوٹے ہیں تو ان دونوں کو جدا کرکے ان سے جگہ اور لباس کے متعلق اور ان کے ساتھ موجود لوگوں کے متعلق سوال کروں گا اگر وہ ان امور میں اختلاف کریں تو میرے نزدیک یہ اختلاف ایسا ہے کہ میں شہادت کو باطل کردوں گا۔(ت)

(تناقض شاہد) نوزدہم: محمد رضاں خاں نے پہلے "معرفت مولچند" بتایا پھر کہا"ص۹ پر یہ عبارت لکھی تھی" مولچند سے وصول ہوا۔

بستم: موتی شاہ نے (☆☆) ماہوار بتایا پھر کہا ۱۴/ سود۔

بست ویکم: سید الطاف علی نے خود اپنی شہادت نقض کردی رقوم سابق ولاحق ومجموعی بیان کرکے کہا"میں نے اسکو نوٹ کرلیا تعداد رقم کی پرسوں میں نے دیکھی ہے اگر نہ دیکھتا تو اس وقت رقم کی شہادت نہ بیان کرسکتا" شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو اپنی لکھی یادداشت کی بناء پر گواہی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مطلقاً باطل ہے۔ متن تنویر میں ہے:

لایشھد من رأی خطه ولم یذکرھا[2]۔	جس نے خط دیکھا اور اس کا مضمون یاد نہ ہو تو وہ اس کی شہادت نہ دے۔(ت)

بزدوی وغیرہ نے اسی کو قول امام محمد بتایا تقویم میں اسی کو صحیح کہا، ردالمحتار میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب القضاء الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۴۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

فی البزدوی الصغیر اذااستیقن انه خطه وعلم انه لم یزد فیه شیئ بان کان مخبوأعنده وعلم بدلیل اٰخرانه لم یزد فیه لکن لایحفظ ماسمع فعندھما لا یسعه ان یشھد، وعند ابی یوسف یسعه وما قاله ابو یوسف ھو المعمول به وقال فی التقویم قولھما ھو الصحیح، جوہرۃ[1]۔	بزدوی صغیر میں ہے جب اس کو یقین ہو کہ یہ خط اس کا ہے اور یہ معلوم ہو کہ اس میں کوئی زیادہ نہیں کی گئی اور وہ خط اس کے پاس بند تھا اور دیگر دلائل سے بھی معلوم ہوا کہ اس میں کوئی زیادتی نہیں کی گئی لیکن خط کا سنا ہوا مضمون یاد نہیں رہا تو طرفین کے نزدیک اس صورت میں شہادت دینے کی گنجائش نہیں اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے ہاں اسے شہادت دینا جائز ہے، اور ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے جو فرمایا وہی معمول بہ ہے اور تقویم میں فرمایا کہ طرفین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول صحیح ہے جوہرہ (ت)

قول امام ثانی پر اگرچہ فتوٰی دیا گیا مگر وہ اس صورت میں ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنا لکھا دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں اس اظہار کے بعد بالاتفاق اس کی شہادت مقبول نہیں۔ بحرالرائق وطحطاوی علی الدرالمختار وعالمگیریہ میں ہے:

ثم الشاھد اذااعتمد علی خطه علی القول المفتی به وشھد فللقاضی ان یسأله ھل تشھدعن علم او عن خط ان قال عن علم قبله وان قال عن الخط لا[2]۔ (ملخصًا)	پھر گواہ کو جب اپنے خط پر اعتماد ہے کہ اسی کا ہے اور گواہی دی تو مفتٰی بہ قول میں جائز ہے، لیکن قاضی اس سے سوال کرے کہ تو اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہے یا خط کی بناء پر اگر وہ یہ کہے کہ اپنے علم کی بناء پر شہادت دے رہا ہوں، تو شہادت کو قبول کرلے، اور اگر وہ کہے کہ خط کی بنا پر دے رہا ہوں تو نہ قبول نہ کرے۔ (ملخصًا)۔ (ت)

تنبیہ: یہاں جو نقول سادہ اظہار محمد رضا خاں، مظہر حسین آئیں ان میں اظہار محمد رضا

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۳۶، بحرالرائق کتاب الشہادات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۷۲، فتاوی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۶

خاں میں سابق پہنچی ہوئی رقم (☆☆) لکھی ہے اور (☆☆) حال کی ملاکر (☆☆) یہ دعوی و دیگر شہادت ور سید بہی سب کے خلاف ہے اور اظہار مظہر حسین میں اوگا رقم سابق (☆☆) اور چند سطر کے بعد (☆☆) ہے یہ تناقض ہے اگران رقوم میں خطائے نقلی ہو تو یہ تین وجہیں اختلاف دعوی شہادت واختلاف شاہدیں وتناقض شاہد میں اور اضافہ ہوں گی۔

بست ودوم: (حالت گواہان) (۱) موتی شاہ (۲) غفران اقراری سزا یافتہ ہیں (۳) عجائب الدین خاں پتنگ ساز پتنگ فروش گواہی پیشہ ہے (۴) حیدر علی خاں گواہی پیشہ ہے (۵) احمد خاں ولد میاں خاں باجہ فروش ہے (۶) محمد رضا خاں (۷) مظہر حسین بنیوں کے یہاں سود کے تقاضے اور وصول کرکے لانے پر کم درجے کے نوکر ہیں (۸) عبدالعزیز خاں وثائق نویس ہیں، اور صحیح مسلم شریف میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ (ت)

(۹) ولی خاں (۱۰) عبدالرحیم خان (۱۱) اشرف علی خاں (۱۲) محمد بشیر (۱۳) مظہر حسین (۱۴) نجف علی خاں سب جاہل و ناخواندہ ہیں بلکہ اظہر یہ کہ ان میں اکثر یا سب اپنے ضروری فرائض سے آگاہ نہ ہوں اور جو اس قدر بھی فقہ نہ سیکھے اس کی شہادت مردود ہے۔ مجتبٰی شرح قدوری ونہر الفائق ودرمختار باب التعزیر میں ہے:

من ترک الاشتغال بالفقہ لاتقبل شہادتہ والمراد مایجب علیہ تعلمہ [2]۔	جس نے فقہ سے مشغولیت ختم کردی اسکی شہادت مقبول نہیں یعنی جس نے واجبی حد تک فقہ سے بھی تعلق نہ رکھا (ت)

(۱۵) سید الطاف علی (۱۶) عبدالرحیم خاں (۱۷) نجن (۱۸) اشرف علیخاں (۱۹) مظہر حسین (۲۰) نجف علی خاں (۲۱) وزیر خاں سب بلاسمن کچہری کے ناخواندہ مہمان ہیں عرف حال میں اہل حیثیت

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الربو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

اسے بے عزتی سمجھتے ہیں (۲۲) ولی خان درگاہ اس کے یہاں چار روپے کا ملازم ہے (۲۳) عبدالرحیم عبدالرحیم خاں ایک چپراسی ہے۔ (۲۴) محمد بشیر ایک مذکوری (۲۵) اشرف علی خاں (۲۶) نجف علی خاں دونوں گاڑی بان (۲۷) احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ۶ روپے کا فیلبان (۲۸) وزیر خاں یہ بھی ہاتھی بان ہے (۲۹و۳۰) جھا یہ دونوں فیلبانی پر نوکر ہیں اس کارخانے کا تحویلدار مدعی ہے اور وہی انہیں تنخواہ دیتا ہے۔

(تحری صدق) ایسی جگہ تحری صدق لازم تھی اس کی ۸ حالت سخت عجیب ہے مدعیوں نے پیش خویش ایک نہایت مرتب منتظم سلسلہ وصول کرایہ شہادتوں کا مسلسل کیا کہ ۷ا دسمبر/دسمبر ۱ سے چار برس ۷ ماہ تک تو گنیشی ایسا خود دہندرہا کہ مہینے کے مہینے (☆☆) دیتا رہا بلکہ بکمال فیاضی نومبر ۴ میں دوہرے دئے یہاں تک کا وصول اقرار عبدالغافر خاں سے رکھا آگے گنیشی کی یہ حالت ہے کہ تین تین برس گزر جائیں ایک پیسہ بے تقاضا نہیں دیتا مگر ہر تقاضے پر اگرچہ ہزاروں کا مطالبہ ہو روپیہ برابر تیار رکھتا ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ آج اتنی کمی ہے کل پوری کردوں گا پھر روپیہ تیار ہے تو مہینوں برسوں رکھ کیوں چھوڑتا ہے اور عبدالغافر خاں کو برسوں ماہ بماہ لیتا رہا اب مدتہائے مدت تک کیوں ساکت رہتا ہے اس کی حکمت وہ دونوں جانتے ہوں گے، پھر ہر تقاضے پر گنیشی کے مسلمان بیٹھے ہوتے ہیں نہ نوکر عــہ جن کا ہزارہا ہونا معتبر نہیں کہ نوکر کی کون سنتا ہے بلکہ اجنبی اگرچہ وہ جو نہ کبھی پہلے گئے نہ بعد کو۔ یہ اس لئے کہ مسلم پر کافر کی شہادت مقبول نہیں، پھر کئی دفعہ اس وقت دو سے کم مسلمان حاضر نہیں ہوتے کہ نصاب کامل رہے اور وہ ہر بار پہلے سے جا بیٹھتے یا عبدالغافر خاں کے ساتھ کہ سرے سے گفتگو سنیں اور ہر بار عبدالغافر خاں کو اٹھا کر اٹھتے ہیں کہ پوری گفتگو کے شاہد رہیں۔ برسوں کے متفرق جلسے ہیں کبھی اس انتظام میں فرق نہیں آیا، اب دنیا بھر کا قاعدہ ہے کہ جس حساب کے لئے کتاب موجود ہے اس پر رقم کا وصول دائن کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستخط کیا ہوا ہے اس میں ماضی کا اطمینان کافی ہے، اسے دہرانے کی کیا حاجت، اب جو دینا ہو اگر معلوم نہیں اس کا پوچھنا اور دے کر رسید لینا ہی ہوتا ہے مگر گنیشی ہر مطالبہ پر پوچھتا ہے کہ پہلے کتنا پہنچا رقم مال دے کر پھر پوچھتا ہے اب تک کل کتنا ہوا یہ اس لئے کہ ہر بار کے حاضرین کہ رقم حال کے شاہد معاینہ ہوں گے ہر رقم سابق کے شاہد اقرار ہو جائیں، پھر مجموعہ پوچھنے کی بھی حاجت ہے کہ رقم حال پر بھی اقرار ہو جائے، یوں ہر رقم سابق وسابق بر سابق سب کا ہر بار اقرار ہوتا رہا

عــہ: خط کشیدہ جملے اندازے سے بنائے گئے کہ جلد بندی میں کٹ گئے تھے۔ عبدالمنان۔

کہ افزوں کاسلسلہ منتظم رہے اور ہر رقم حال پر معاینہ بھی اقرار بھی اور (☆☆) رقم اخیر کے سواسب کی گواہ رسید بہی بھی پھر تحریر رسید بھی پڑھواکر سننا بعید نہیں، جاہل ناخواندہ کو ایسا ہی چاہئے کہ نوشتہ دائن پر اطمینان ہو مگر ہوشیار بنیا کسی اپنے قریب یا نوکر یا دوست ہندو پر اعتماد نہیں کرتا التزام کے ساتھ مسلمان ہی سے پڑھواتا ہے اگرچہ اس سے شناسائی نہ ہو، یہ اسی شہادت علم المسلم کے لئے ہے، پھر یہ حضرات اگرچہ اپنے ذاتی معاملات اگرچہ قریب کے بالکل بھولے ہوئے ہوں ہر بات کا جواب یاد نہیں سے ہو لیکن اس اصول کا معاملہ مدت تک پورا یاد رکھتے ہیں سابق کی رقم الگ، حال کی الگ، مجموعہ کی الگ، وقت الگ، پھر جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ روپیہ کیسا دیا اور بنیا سود بتاتا ہے یہ سوال جواب عبدالغافر خاں کے چلے جانے کے بعد ہی ہوتا ہے کسی نے اس کے سامنے نہ پوچھا یہ اسلئے کہ سامنے اگر عبدالغافر خاں اس کا رد کرتا بات بگڑتی اور اگر قبول کرا یا ساکت رہتا کہ وہ بھی قبول ہے تو اس کا خلاف ہوتا کہ تحفظ شان علم کے لئے اخفا چاہا، اہل انصاف دیکھیں ایسی ہوشیاری کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ ایک سلک میں منسلک کی ہوئی ترتیب وار گواہیاں کبھی سنی ہیں جن کی لائن چپراسی، مذکوری، فیلبان، گاڑی بان، باجہ فروش کنکیا ساز، محصلان سود، بنیوں کی خدمتی، چار چار چھ چھ روپے کے نوکر جاہل ناخواندے مل کر اس خوبصورتی سے بنا رہے ہیں، اس سے بڑھ کر تحری صدق اور کیا ہوگی اور اس پر پوری رجسٹری اس نے کردی کہ رقومات میں جو اغلاط مدعیوں سے واقع ہوئے سب گواہ اسی ڈگر پر چلے ہیں غلطی کے لئے کوئی معیار نہیں ہوتا مدعیوں سے غلطیاں ہوئی تھیں اور بالفرض سب شاہد بھی کرتے جدا جدا اغلاط ہوتے، کسی نے کہیں غلطی کی کسی نے کہیں، یہاں یہ نہیں بلکہ وہی غلطیاں انہیں مواقع پر ہیں جس کے ظاہر کہ سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں، لطف یہ کہ پان ہزار کب کے ادا ہوچکے اس کے بعد بنیاد برسوں نئی رقمیں خوشی خوشی دے رہا ہے یہاں تک کہ (☆☆) تقریباً تین ہزار روپے زیادہ پہنچاتا ہے ستمبر ۱۱ ؁ تک ہی پانچہزار سے (☆☆) زیادہ جاچکے تھے زر اصل سے ایک حبہ باقی نہ رہا تھا، مگر جنوری ۱۳ ؁ میں ایک ہزار منجملہ زر اصل بھیجتا ہے مگر اسے معلوم نہ تھا کہ نوشان بیگم کے نام اور مولچند کے کرایہ کی آڑ میں فرضی ہیں میرا اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے وہ سود لے رہے ہیں اور سود ناجائز ہے جو دیا جائے رقم اصل میں مجرا ہونا لازم ہے اب میں کا ہے ہزار بھیجتا ہوں اور ان کا بھی منجملہ کہتا ہوں اور کاہے پر اور رقمیں دئے چلا جاتا ہوں، اگر مدعیوں اور گواہوں کے بیان سچ ہوتے تو ضرور پانچ ہزار پہنچتے ہی بنیا ہاتھ روک لیتا، مدعا علیہ نہ مانتا تو کچہریوں کے دروزے کھلے تھے جو نالش اب ہوئی وہی کرتا اور دستاویزیں واپس لیتا اور ایک پیسہ زیادہ نہ دیتا مگر وہ عمر بھر غفلت میں لٹتا رہتا اور بحکم آنکہ پدر اگر نتواند پسر تمام کند یہ تمام تحقیقیں تدقیقیں پچھلی مت میں اپنے بیٹوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔

جو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کا باپ احمق تھا عقل ان کو ہے، یہ ہے دعوی اور یہ ہیں گواہیاں۔

تجویز وفیصلہ

اس کی نسبت کچھ کہنے کی حاجت نہیں **اولاً:** سرے سے دعوی ہی صحیح نہیں اور جب دعوی صحیح نہ ہو تو مدعا علیہ سے جواب بھی نہیں لیا جاتا، نہ کوئی کارروائی چلے، شہادتیں گزریں اور غیر صحیح دعوی کی ڈگری ہو یہ سراسر باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یسأل القاضی لامدعی علیه عن الدعوی بعد صحتها والاتصدر صحیحة لایسأل [1]۔	صحت دعوی کے بعد قاضی مدعا علیہ سے پوچھے اور اگر دعوی صحیح نہیں تو مدعا علیہ سے کچھ نہ پوچھے۔ (ت)

ثانیاً: گواہیاں باطل ہیں اور مدعا علیہ کا اقرار یا نکول نہ ہونا بدیہی تو قضا کی رہا مسدود اور حکم باطل ہیں۔ فتاوٰی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر میں ہے:

القاضی لایقضی الابالحجة وهی البینة اوالاقرار والنکول [2]۔	قاضی صرف حجت و دلیل کی بناء پر فیصہ دے سکتا ہے اور حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار۔ (ت)

بایںہمہ اجمالاً دو ایک حرف اس کے متعلق بھی لکھنا مناسب کہ تفصیل ایک مستقل رسالہ ہوگی، دو ۲ وجہیں یہ ہوئی۔

سوم: تنقیح نمبر ا کو بربنائے شہادت موتی شاہ و وزیر خاں بحق مدعیان ثابت ماننا صراحۃً باطل ہے، رد شہادات میں اس کا بیان مفصل گزرا۔

چہارم: تنقیح نمبر ۲ و نمبر ۳ کی نسبت رجو یز کو خود اقرار ہے کہ شہادت سے اس کا ثبوت نا ممکن ہے پھر محض اس بنا پر کہ مدعا علیہ مسلمان معزز ذی علم ہے ان کو بحق مدعیان مان لینا سراسر خلاف انصاف ہے یوں تو اہل علم و معززین پر کفار و فجار کے دعوی سود ہمیشہ بے شاہدت مسموع ہو جائیں گے زید کو ہزاروں روپے دے دیں اور خالد مسلمان ذی علم پر دعوی کردیں کہ زید اس کا علاقہ ارہے اصل میں سود خالد نے لیا اور مسلم و

---

[1] درمختار کتب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۶

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ الخانیہ الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

عالم ہونے کے سبب نام دوسرے کا کیا۔

پنجم: رسید بہی خود ہی ثابت نہیں،

اولاً: آئندہ اس کی تصریح کی جائے گی۔

ثانیاً: اس کے اختراعی ہونے پر ایک واضح قرینہ نومبر ۱۴ ؁ء میں دوبارہ (☆☆) کا اقرار ہے رسید بہی میں مذکور نہیں کہ یہ کس مہینے کا مطالبہ ہے کسی مہینے میں وصول ہونا اسی مہینے کے مطالبہ ہونے پر دلیل نہیں پہلے کا بھی ہوتا ہے پیشگی بھی ہوتا ہے اگر یہ رسیدات عبدالغافر خاں کی ہوتیں یوں مبہم و مجمل مکرر نہ ہوتیں۔

ثالثاً: رسید بھی انہیں اغلاط پر مرتب ہوئی ہے جو مدعیوں نے دعوے میں کیں جن کا بیان وجوہ ابطال دعوی میں گزرا اگر رسیدات واقعی ہوتیں حسب صحیح پر ہوتیں، اور بالفرض اگر مسلم ہو تو ہم وجہ ہفتم عام میں ثابت کرچکے کہ مطالبہ کو شوہر کا اپنے دستخط سے وصول کرنا بیجا نہیں۔

ششم: ایک ہزار کی رقم منجملہ زر اصل کو عبدالغافر سخاں کا وصول کرنا ماننا اور اس کی ڈگری نہ دینا تجویز کا صریح تناقص ہے اگر پہنچنا ثابت ہے تو حقدار کو حق سے محروم کار قضاء نہیں قاضی اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ حقدار کو حق دلائے، نہ اس لئے کہ حق مانے اور محروم کردے، اور اگر ثابت نہیں تو اس کے وصول کرنے سے استدلال کیا معنی۔

ہفتم: رسیدات پر دستخط کرنے اور ہزار کی رقم خود وصول کرنے کو تنقیحات ۲ و ۳ کے ماحصل کا مثبت ماننا الٹی منطق ہے بلکہ یہ ان کا صریح رد ہے کہ اس میں اس امر شنیع کی اپنی نسبت اعلان ہے جس کا اخفاء چاہا تھا، اگر واقعی یہ سود کی رقمیں ہوتیں عبدالغافر خاں جس طرح دستاویز میں الگ رہا ان وصولوں میں بھی خود نہ پڑتا مسماۃ کے بھائی وغیرہ کسی اور کا پردہ رکھتا۔ کیا فقط دستاویز میں نام ہونے سے اعلان ہوتا ہے جس پر گواہان حاشیہ یا اہل رجسٹری ہی واقف ہوتے اور یہ وسالہا سال تک بارہا علانیہ برملا مسلمانوں ہندوؤں سب کے سامنے وصول کرنا باعث اعلان نہیں، کیا گواہ نہیں کہ رہے ہیں کہ وہ اور دیکھنے والے ہندو تک متعجب ہوئے کہ یہ مسلمان ہو کر کیونکر سود لیتے ہیں نوٹ کرنے والوں نے اسے نوٹ کیا مولویوں کسے مسئلہ پوچھا ہاتھیوں پر بیٹھ کر تذکرہ کیا خود ایک ہندو نے اپنے نوکر سے نوٹ کرنے کو کہا اور ان سب سے زائد موتی شاہ و وزیر خاں کی شہادتیں ہیں کہ علانیہ سود کی گفتگو مول تول کرنا بتاتے ہیں موتی شاہ کہتا ہے "فریقین کی گفتگو میں آدمی ہندو مسلمان بہت تھے "وزیر خاں کہتا ہے" مسلمان زائد تھے ہندو کم تھے" موتی شاہ کہتا ہے "وقت گفتگو دن کے دس بجے

کا تھا،اس واقعہ کے یاد رکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ۱۴ کا سود ٹھہرا تھا حالانکہ مسلمان کبھی سود نہیں لیتے ہیں" جو ایسا بیباک ہوا سے اخفا کیا معنی، لہٰذا یہ تمام بیانات تصنیف شدہ ہیں۔

ہشتم: تنقیح ۴ کے متعلق جن شہادتوں اور ان کے بالترتیب بیانوں سے استدلال کیا ان کے بکثرت ابطال مباحث سابقہ میں گزرے حاجت اعادہ نہیں،اس تنقیح کا ایک حرف بھی بحق مدعیان ثابت نہیں مگر غنیمت ہے کہ تجویز نے ان تمام شہادتوں کو خود ہی ناکافی مانا کہ "اس رقم اقراری کے ایصال بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں" یعنی وہ نہ ہوتی تو میں ان گواہیوں کو نہ مانتا معلوم ہوا کہ سب گواہیاں ناکافی ہیں، شہادت تحریری کیا ہے وہی رسید بہی جس کی ردی حالت اوپر گزری اور پوری تفصیل بعونہ تعالیٰ آگے آتی ہے تو مؤید رہا نہ مؤید اور ثبوت تنقیح باطل و مسترد۔

نہم: ذی علم مجوز نے مدعیوں اور شاہدوں اور رسید بہی جن کے کاذب ہونے کی ایک اور دلیل ظاہر کی جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی فرمایا" منجملہ رقم مودی بنام کرایہ (☆☆) کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہ کی،اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہ دیں جو کتاب رسیدات مدعیان نے پیش کی اس میں سوائے رقم (☆☆) کے باقی رقوم درج ہیں" لیکن مدعیان و گواہان و رسید بہی صرف اخیر ۷ ماہ کی رقم (☆☆) کی رسید نہ دینی بتاتے ہیں تو بیان ذی علم مجوز کے مقابل سب جھوٹے ہیں، یہاں سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تجویز کس اعلیٰ درجہ بیداری مغزی پر ہے جس نے ان سب کے ایسے اغلاط پر مفید [عـــہ] روشنی ڈالی۔

دہم: رسیدات جن پر بلفظ عبد الغافر خان دستخط ہیں ان کے نوشتہ عبد الغافر ہونے کا یہ ثبوت کہ اتنے گواہوں نے ان دستخطوں کا خط پہچانا اور اتنے کاغذات کچہری کے دستخطوں سے دستخط ملے لہٰذا یقینا مدعا علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، محض خلاف شرع باطل ہے کتب مذہب میں تصریحات قاہرہ ہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے اور بن سکتا ہے اور یہ کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور یہ کہ قاضی اس پر فیصلہ نہیں دے سکتا بنانے والوں کا جسے تجربہ ہو اور وہ جانتا ہے کہ ایسا بنا لیتے ہیں کہ خود صاحب خط کو دیکھ کر اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ تمیز نہیں کر سکتا کہ میرا لکھا ہے یا دوسرے کا، پھر اوروں کی شناخت کیا چیز ہے۔ ہدایہ میں ہے: **الخط یشبہ الخط فلا یعتبر**[1] (خط ایک دوسرے

عـــہ: خط کشیدہ لفظ اندازہ سے بنایا گیا۔

[1] الهدایہ کتاب الشہادات مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۱۵۷

کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا معتبر نہیں۔ت) فتح القدیر میں ہے:

الخط لاینطق وھو متشابہ[1]۔	خط بولتا نہیں وہ متشابہ چیز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے: لایعمل بالخط[2] (خط پر عمل نہ ہوگا۔ت) فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط[3]۔	چونکہ خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا (ت)

نیز خانیہ میں ہے:

اخرج المدعی خطا باقرار المدعی علیہ بذلك فانکران یکون خطہ فاستکتب وکان بین الخطین مشابھۃ ظاہرۃ لایقضی بہ ھو الصحیح[4]۔	مدعی نے مدعا علیہ کے اقرار کا خط پیش کیا تو مدعا علیہ نے اپنا خط ہونے سے انکار کردیا تو قاضی مدعا علیہ سے تحریر لکھوائے اور دونوں تحریروں میں واضح مشابہت پائی جائے اس کے باوجود صحیح یہ ہے کہ قاضی اس خط پر فیصلہ نہ دے۔(ت)

اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ[5]۔	خط پر نہ اعتماد کیا جائے نہ عمل۔(ت)

کافی شرح وافی میں ہے:

الخط یشبہ الخط وقد یزور ویفتعل[6]۔	خط ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے۔(ت)

عینی علی الکنز میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلایلزم حجۃ لانہ	خط چونکہ ایک دوسرے کے مشابہ اور من گھڑت

---

[1] فتح القدیر

[2] درمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] فتاوٰی قاضی خان کتاب الدعوی والبینات باب الدعوی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۶۶

[5] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

[6] کافی شرح وافی

یحتمل التزویر [1]۔	ہوسکتا ہے لہٰذا حجت ہونا لازم نہ آئے گا۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الکتاب قدیزور ویفتعل والخط یشبه الخط و الخاتم یشبه الکاتم [2]،مختصرًا۔	مکتوب کبھی جھوٹا اور جعلی ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے مشابہ ہوتا ہے اور مہر ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہے، مختصرًا۔ (ت)

ظہیریہ وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری وردالمحتار میں ہے:

لایقضی بذٰلك عند المنازعة لان الخط مما یزور و یفتعل [3]۔	قاضی کسی نزاع میں مکتوب پر فیصلہ نہ دے کیونکہ خط جعلی ور من گھڑت ہوسکتا ہے۔(ت)

فتاوی امام ظہیر الدین مرغینانی وغمز العیون میں ہے:

العلة فی عدم العمل بالخط کونه ممایزور ویفتعل ای من شانه ذلك وکونه من شانه ذٰلك یقتضی عدم العمل به وعدم الاعتماد علیه وان لم یکن فی نفس الامر کما هو ظاہر [4]۔	خط پر عمل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جعلی اور منگھڑت ہوسکتا ہے اور جب وہ ایسا ہوسکتا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ اس پر عمل اور اعتماد نہ کیا جائے اگرچہ نفس الامر میں وہ ایسا نہ ہو جیسا کہ وہ ظاہر ہے۔(ت)

یازدہم: جن پر بلفظ دولھا خاں دستخط ہیں اور اکثر وہی ہیں ۶۳ رسیدوں میں صرف ۴ پر عبدالغفار خاں ہے اور ۵۹ پر دولھا خاں، ان کی نسبت اتنا بھی نہیں پہچاننے والوں نے شان خط پر گواہی دی یا کسی کاغذ کچہری پر یہ دستخط ملے یہاں صرف اس قدر سے کام لیا گیا کہ اس کی شان شان دستخط سابق سے ملتی ہے یعنی ظن در ظن قیاس در قیاس اور اس پر حکم یہ کہ "دستخط یقینا مدعا علیہ کے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون o

[1] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الشہادات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب القضاء فصل فی کتاب القاضی الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۔۱۶۵، فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

[3] ردالمحتار بحوالہ البیری کتاب القضاء باب کتاب القاضی الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۲

[4] غمز عیون البصائر بحوالہ الفتاوی الظہیریہ مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۹

دوازدہم: یہ کمی کہ مدعا علیہ کانام تو عبدالغافر خاں ہے اور ان میں دولھا خاں، اسے یوں پورا فرمایا کہ "اکثر شہادتوں سے ثابت کہ مدعا علیہ کا عرف دولھا خاں بھی ہے" شہادتوں کا ردی حال اوپر گزرا، اگر ان کے علاوہ اور شہادتیں مراد ہیں تو انہوں نے یہ شہادت دی کہ عبدالغافر خاں کو دولھا خاں بھی کہتے ہیں یا یہ کہ دولھا خاں جہاں لکھا اس سے یہی عبدالغافر خاں مراد ہیں، اور اگر یہی شہادتیں مراد تو سخت عجب۔ شہادتوں پر اعتماد بذریعہ شہادت تحریری یعنی رسیدات مذکورہ ہوا، اب ان رسیدات پر اعتماد ان شہادتوں سے ہو کھلا دَور ہے۔

سیزدہم: منجملہ زر اصل ایک ہزار کا عبدالغافر خاں کو پہنچنا ولی خاں و غفران کی شہادتوں سے (جن کا حال اوپر گزرا) ثابت ماننا اور رسید ورقعہ یقیناً تحریر عبدالغافر خاں جاننا مگر اس بنا پر کہ رقعہ بے رجسٹری ہے لہذا بموجب فلاں دفعہ قانون رجسٹری ریاست ثبوت میں لینے کے قابل نہیں اس کی ڈگری نہ دینا سخت عجب ہے بحکم دفعہ رقعہ ثبوت میں لیا جانا نہ سہی شہادتوں کا ثبوت کدھر گیا اگر شہادتیں قابل قبول نہ تھیں ان سے ثبوت ماننا کیا معنی اور مقبول تھیں تو ان پر عمل نہ کرنا یعنی چہ، یہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلاف ہے، ہاں یوں کہنا تھا کہ شہادتیں ان وجوہ سے (کہ ہم نے فتوٰی میں بیان کیں) باطل ہیں اور کوئی رقعہ بے شہادت نہیں لیا جاسکتا خصوصاً اس میں نقص قانونی بھی ہے لہا ہزار کا پہنچنا اصلاً ثابت نہیں تو بات صحیح ہوتی۔

چاردہم: تنقیح ۵ خود فیصلہ نے بحق مدعیان ثابت نہ مانی، تنقیح ۲ کو تین دلیلوں سے ثابت گمان کیا جن میں دو بے علاقہ محض ہیں اور ایک باطل، اول بیع وفا حکم رہن میں ہے اور مرہون کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بزر رہن ہے، حکم شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجازت راہن شخص ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہرگز وہ ملک راہن نہیں، ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تصدق کردے یا راہن کو دے دے اگر حق راہن ہوتا تصدق کا حکم کیونکر ہوسکتا۔ فتاوٰی قاضیخان و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

ان اٰجر المرتھن من اجنبی وکانت الاجارۃ بغیر اذن الراھن یکون الاجر للمرتھن یتصدق بہ[1]۔ (ملخصًا)	رہن لینے والے نے مکان کو رہن رکھنے والے کی اجازت کے بغیر کسی تیسرے شخص کو کرایہ پر دے دیا تو اجرت و کرایہ مرتہن (رہن لینے والے) کا ہوگا اور اس کو صدقہ کردے گا (ملخصًا)۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ قاضیخاں کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

وجیز کردری وحموی علی الاشباہ میں ہے:

اُجر المرتھن الرھن من اجنبی بلا اجازۃ الراھن فالغلۃ للمرتھن ویتصدق بھا عندالامام ومحمد کالغاصب یتصدق بالغلۃ و یردھا علی المالک [1] قلت ای ویطیب لہ لانہ نماء مبلکہ اخص الطرفین لانھا تطیب للمرتھن عند الامام الثانی رضی اللہ تعالٰی عنھم فلا یتصدق بشیئ۔	کسی رہن چیز کو مرہن نے راہن کی اجازت کے بغیر اجنبی شخص کو کرایہ پر دے دیا تو کرایہ کی آمدن مرتہن کی ہوگی اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ اسے صدقہ کردے گا۔ جیسا کہ غاصب مغصوبہ چیز کی آمدن کو صدقہ کرتا ہے یا مالک کو واپس ادا کرتا ہے اھ، میں کہتا ہوں یہ آمدن مالک کے لئے طیب ہے کیونکہ اس کی ملکیت کی آمدن ہے، مصنف نے طرفین رحمہا اللہ تعالٰی کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ آمدن مرتہن کے لئے طیب ہے لہذا صدقہ نہ کرے۔ (ت)

یہاں اگر ہے تو یہی صورت ہے اس میں زر کرایہ اصل میں مجرا کرنے کا حکم ایسا ہے کہ زید نے عمرو سے پانچ ہزار قرض لئے عمرو نے شخص ثالث بکر سے کچھ ناجائز رقمیں حاصل کیں اب زید کہے میرا قرض ادا ہوگیا کیونکہ تو ایک راہ چلنے سے ناجائز رقم لے چکا، کیا اس میں زید کو مجنوں نہ کہا جائے گا، اگر یہ وجہ اول اس صورت کو شامل تو حکم یقینا باطل، اور اگر یہ مراد کہ یہ اجارہ باذن راہن تھا لہذا وہ مالک اجرت ہوا، اور لی مرہن نے، تو زر اصل میں محسوب ہونی چاہئے، تو یہ وجہ نہ رہی بلکہ وجہ دوم ہوگئی، وجہ دوم یہی ہے کہ اجارہ باذن راہن تھا لہذا "رہن باطل اور کرایہ لائق مجرائی، یہ انہیں شہادات باطلہ اشرف علی وغیرہ پر مبنی ہے جن کے وجوہ بطلان روشن ہوگئیں اور جن کو خود مجوز نے ناکافی جانا جیسا کہ ابھی رد ۱۳ میں گزرا۔ سوم یہ کہ قبضہ مرتہن ثابت نہیں، اس کی بحث ابھی آتی ہے، قبضہ یقینا ثابت ہے، اور بالفرض نہ سہی تو اس سے کرایہ اصل میں کیوں مجرا ہونے لگا، غایت یہ کہ یہ غاصب ہو اور غاصب کہ مغصوب کو کرایہ پر دے مالک کرایہ خود غاصب ہوگا نہ کہ مغصوب منہ جیسا کہ ابھی گزرا، ہاں اجارہ باذن راہن ثابت ہونا درکار تھا تو یہ بھی وجہ دوم ہے کہ باطل ہے، بالجملہ اصلاً کوئی تنقیح بحق مدعیان ثبوت کا نام بھی نہیں رکھتی۔

پانزدہم: تنقیح ۷ بلاشبہہ بحق مدعیا علیہ ثابت ہے جس کا بیان ابطال دعوی کی وجہ اول

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ البزازیہ مع الاشباہ والنظائر .الفن الثالث کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳-۱۱۲

میں گزرا۔

شانزدہم: تنقیح ۸ قابل بحث نہیں، نہ اس کا ثبوت شرع کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر، تنقیح ۱۰ وہ قطعاً بحق مدعا علیہ ایسے قطعی ثبوت سے ثابت ہے کہ بکلائے حل نہیں سکتا تجویز میں اس پر ایک طویل بحث ہے کہ قبضہ مرتہنہ اس کی شہادتوں سے ثابت نہیں مگر یہ بحث محض بیہودہ و دور از کار ہے شہادتوں سے قبضہ مرتہنہ کا ثبوت نہ سہی بلکہ یہ فرض کرلیجئے کہ شہادتوں سے راہن کا مرتے دم تک ان مکانوں پر قابض رہنا ثابت ہو جب بھی قبضہ مرتہنہ یقینا ثابت ہے اور ورثۂ راہن کا اس سے انکار مسموع نہیں وہ قبضہ راہن عاریۃً باجازت مرتہنہ سمجھا جائیگا جو ہرگز رہن میں مخل نہیں، وجہ یہ کہ گنیشی صراحۃً بیعنامہ میں اقرار کرتا ہے کہ "بدست نوشان بیگم بیع کیا میں نے، اور زر ثمن تمام و کمال بعد صحت عقد بیع ایجاب و قبول طرفین کے مجھ بائع نے مشتریہ مذکورہ سے وصول پاکر قبض و دخل مشتریہ کیا مبیعہ مذکورہ پر کرادیا اور قبضہ ملکیت اپنی سے خارج کرلیا او مشتریہ نے بادائے کل زر ثمن مجھ بائع سے قبضہ مالکانہ اپنا مبیعہ مذکورہ پر کرلیا" بعد اس اقرار قطعی کے قبضہ مرتہنہ میں کلام کی گنجائش نہ رہی، نہ اسے کوئی شہادت دینے کی اصلاً حاجت، نہ شہادت سے ثابت نہ ہونا اس ے کچھ مضر، بلکہ قبضہ راہن ثابت ہو تو وہ بھی منجانب مرتہنہ ہے۔ جواہر الفتاوٰی امام کرمانی و عقود الدریہ علامہ شامی میں ہے:

رھن دارہ واعترف بالقبض الاانہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والاقباض یؤخذ باقرارہ[1]۔	کسی نے اپنا مکان رہن رکھا اور مرتہن کے قبضہ کا اعتراف کیا لیکن عملاً مرتہن کا قبضہ نہ ہوا تو دونوں نے جب قبضہ لینے اور دینے پر اتفاق کرلیا تو اب راہن کے اقرار کو لیا جائیگا۔ (ت)

نیز ہر دو کتاب مذکور میں ہے:

رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیہ حتی مات ثم اختلف المرتھن و ورثۃ الراھن انہ کان مقبوضا ام لا فان اقام المرتھن البینۃ علی اقرار الراھن بالرھن و	ایک شخص نے اپنا مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اپنی موت تک اس میں تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں مرتہن کے قبضہ میں ہونے نہ ہونے کا اختلاف ہوا اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار پر کہ اس نے رہن رکھا اور

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

التسلیم یحکم بصحۃ الرھن ودعوی فساد الرھن لاتقبل بظاہر ماکان فی ید الراھن لانہ لما حکم علیہ باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ [1]۔	مرتہن کو سونپ دیا ہے، گواہ پیش کردئے تو رہن کے صحیح ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا، اور ظاہرًا راہن کے قبضہ کی بناء پر فساد رہن کا حکم نہ ہوگا اس کے ظاہری قبضہ کو عاریۃً قبضہ پر محمول کیا جائیگا (ت)

غرض تجویز میں ۱۲ تنقیحیں ۶ جانب مدعا علیہا میں چار بیکار او ۲ یقینا بحق مدعا علیہا ثابت ہفتم بحق مدعا علیہ ودہم بحق مدعا علیہا۔

ہفدہم: تنقیح ۹ بے معنی ہے وہ قائم کرنے ہی کی نہ تھی جس کے ثبوت یا عدم سے کسی فریق کو کچھ نفع نہ ضرر، خصوصًا مدعا علیہا پر اس کا بار ثبوت رکھنا تو سخت عجیب تر۔ بیع مسماۃ کے نام ہوئی اس کے شوہر نے روپیہ اس کی طرف سے دیا۔ گنیشی نے زر ثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پانے کا اقرار لکھا اب اس بحث کا کیا محل رہا کہ روپیہ مسماۃ کی ملک تھا یا نہیں یہ دلیل ملک ہے جو خلاف کا مدعی ہو ثبوت اس کے ذمہ ہے نہ کہ مدعا علیہا پر، ورنہ تمام بیوع واجارات سخت دقت میں پڑ جائیں ہر مشتری اور ہر مستاجر پر یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو کہ روپیہ اس کی ملک تھا اور یہ لازم بھی کیوں ہو، بالفرض روپیہ اس کی ملک نہ تھا دوسرے کے روپے سے باجازت یا بلا اجازت اس نے خریدی تو اس سے شراء اس کا کیوں نہ رہا، قاعدہ شرعیہ ہے کہ:

الشراء اذا وجد نفاذا علی المشتری نفذ [2]، کما فی الدر المختار وغیرہ۔	خریداری جب خرید کرنے والے کے حق میں پائی جائے تو اس پر خریداری کا حکم دیا جائے گا، جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتہا من مال ابی اذلایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع	بیٹے کے اس کہنے پر کہ میں نے باپ کے مال سے خریدا ہے باپ کی ملکیت مکان پر ثابت نہ ہوگی کیونکہ باپ کے مال سے خریدنے پر یہ لازم نہیں آتا

---

[1] العقود الدریۃ بحوالہ جواہر الفتاوٰی کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰

للاب لانہ یحتمل القرض والغصب [1]۔	کہ بیع باپ کے لئے ہوئی کیونکہ باپ کے مال کو بطور قرض یا غصب استعمال کرنیکا احتمال موجود ہے۔(ت)

ہیجدہم: تنقیح ۱۱ و ۱۲ اشرعًا بیکار ہیں قانونی باتیں ہیں کہ ثابت ہوتیں تو مدعا علیہ کو قانونًا مفید تھیں، نہ ثابت ہوتیں تو اس کا کچھ ضرر نہیں، اب نہ رہی مگر تنقیح ۸، یہ قابل بحث نہیں نہ اسکا ثبوت شرعًا کچھ نافع مدعا علیہ تھا، نہ عدم ثبوت کچھ مضر۔ یہ پچاس وجوہ ہیں، تین سے دعوے باطل ہے، ۲۹ سے شہادتیں ۱۸ سے تجویز۔ اور انہیں کے ضمن میں مراتب سوال کا جواب مع زیادت کثیرہ آگیا اور حکم اخیر یہ ہے کہ فیصلہ ججی سراسر بے اصل وواجب الرد ہے اور مدعا علیہا دعوائے باطلہ مدعیان سے یکسر بری۔
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ حافظ محمود حسن صاحب ۲۳/رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

زید نے عمرو عطار کو ایک نسخہ دکھلایا کہ اس کی قیمت کیا ہے، اس نے کہا آٹھ آنے۔ زید نے کہا بنا دو آج تیار کردو، عطار نے کہا دو تین روز میں ہوگا، زید نے کہا تو مجھ کو بذریعہ پارسل بھیج دینا، پارسل جو بیرنگ آیا اس میں قیمت (☆☆) لکھی ہے محصول ۱۲/ بالجملہ اختلاف قیمت کے مقدار میں ہے، زید کہتا ہے ۸/ قیمت کہی گئی جس پر میں نے تیاری کے لئے حکم کیا، اور عمرو فرماتا ہے میں نے (☆☆) کہے تھے، پس قول عندالشرع کس کا معتبر ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو گواہان شرعی سے اپنا دعوی ثابت کردے اسی کے حق میں حکم کیا جائے گا، اور اگر دونوں طرف شہادت کافیہ ہو تو عمرو بائع کے گواہ معتبر ہونگے کہ وہ مثبت زیادت ہے اور اگر کوئی گواہان شرعی نہ دے سکے تو زید مشتری سے پہلے حلف لیا جائے واللہ میں نے عمرو سے (☆☆) کو یہ دوا نہ خریدی ۸/ کو خریدی تھی، اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کرے فیصلہ بحق بائع ہے اور، قسم کھالے تو اب بائع سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے یہ دوا زید کے ہاتھ ۸/ کو نہ بیچی (☆☆) کو بیچی تھی اگر بائع حلف سے انکار کرے فیصلہ بحق مشتری ہوا اور اگر وہ بھی قسم کھالے تو چیز واپس دی جائے اور باہم وہ دونوں مل کر بیع فسخ کرلیں یا حاکم درخواست پر فسخ کردے،

فی الدر المختار اختلف المتبایعان فی	درمختار میں ہے فروخت کرنے والے اور خریدار کے

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

قدر ثمن حکم لمن برہن وان برھنا فلمثبت الزیادۃ،وان عجز اولم یرض واحد منھما بدعوی الاٰخر تحالفا وبدئ بیمین المشتری لوبیع عین بدین ویقتصر علی النفی فی الاصح و فسخ القاضی البیع بطلب احدھما او طلبھما ولاینفسخ بالتحالف ولا بفسخ احدھما بل بفسخھما بحرومن نکل منھمالزمہ دعوی الاٰخر بالقضاء اھ[1] مختصرا وفی رد المحتار فی الزیادات یحلف البائع واللہ ماباعہ بالف ولقد باعہ بالفین ویحلف المشتری باللہ مااشتراہ بالفین ولقد اشتراہ بالف[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمیان طے پانے والی رقم میں اختلاف ہوگیا تو دونوں میں سے جو بھی گواہ پیش کردے اس کے حق میں حکم ہوگا،اور اگر دونوں نے گواہ پیش کردئے تو رقم میں زیادتی والے کے حق میں فیصلہ ہوگااور اگر دونوں گواہ نہ پیش کرسکیں اور کوئی بھی دوسرے کے حق میں دست بردار نہ ہو تو دونوں سے قسم لی جائے اور قسم میں پہل مشتری سے کی جائے جبکہ یہ بیع مال کی نقد کے بدلے ہو،اور قسم نفی پر کافی متصور ہوگی اصح قول کے مطابق اور ایک یا دونوں کے مطالبہ پر قاضی بیع کو فسخ کر دے،اور اگر دونوں قسم دیں تو اس سے بیع خود بخود فسخ نہ ہوگی،دونوں فریقوں میں سے ایک کے فسخ کرنے پر فسخ نہ ہوگی بلکہ دونوں کے اتفاق سے فسخ ہوگی،بحر اور دونوں میں سے کوئی قسم سے انکار کرے تو دوسرے کا دعوی قضاء لازم ہوجائیگا اھ مختصرً۔اور ردالمحتار میں ہے کہ زیادات میں فرمایا کہ بائع یوں قسم کھائے خدا کی قسم میں نے اسکوایک ہزار میں نہیں دو ہزار میں فروخت کیا ہے،اور مشتری یوں قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں نے دو ہزار میں نہیں خریدی میں نے تو ایک ہزار میں خریدی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۴: از ریاست رامپور گھیر شرف الدین خاں مرسلہ اسمٰعیل خاں ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ عرضی دعوی اور اظہار محمد نبی خاں اور محمد حسن شاہدین ہمرشتہ آیا شہادت دونوں گواہوں کا مطابق دعوی و مثبت دعوی ہے یا نہیں،اور دونوں شہادتیں باہم مطابق ہیں یا نہیں اور محمد نبی خاں کاایک جگہ یہ کہنا کہ مدعی نے کہاکہ ان پنج قطعات کو جس قیمت کو پرتہ سے

[1] درمختار کتاب الدعوٰی باب التحالف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التحالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۰

پڑے میں نے اپنے حق شفعہ میں لیااور مدعی عرض دعوی میں لکھاتا ہے کہ پنج میں سے جو سہام مبیعہ ازروئے پرتہ کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ لئے ہر دونوں بیان مخالف ہیں یا نہیں اور یہ خلاف بیانی محمد نبی خاں کی مبطل شہادت ہے یا نہیں، دوسرے محمد نبی خاں نے طلب شفعہ کرنا عندالمبیع اور موجودگی مشتری بیان کی ہے اور مدعی طلب عندالمشتری تحریر کرتا ہے آیا دونوں میں مخالفت ہے یا نہیں، اور محمد حسن کی شہادت خلاف اس سبب سے ہوسکتی ہے یا نہیں کہ بلحاظ اندراج عرضی دعوی مدعی کا طلب شفعہ کرنا نسبت سہام مبیعہ پنج قطعات مندرجہ میں سے دریافت ہوتا ہے اور شہادت محمد حسن سے بلحاظ خبر دینے علی گوہر خاں کے طلب شفعہ کرنا نسبت ایک غیر معین کے پنج قطعات مکانات سے معلوم ہوتا ہے اور نیز شہادت مذکور محمد حسن مجہول شہادت ہے اس کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حصہ کون سے قطعہ سے ہے یا ہر ایک قطعہ سے، اور نیز یہ اعتراض کہ شاہدین کا بیان باہم مختلف ہے محمد نبی خاں طلب شفعہ کرنا نسبت مجموعہ پنج قطعات مکانات کے اور محمد حسن خاں طلب شفعہ نسبت ایک حصہ کے بیان کرتا ہے شرعاعائد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **فقط۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپناایک سہم منجملہ دس سہام چھ قطعات مکانات سے جو اس کو وراثۃً پہنچا تھا بدست بکر بیع کیا عمرو نے نسبت پانچ مکانات کے کہ عمرو کا شفعہ انہیں پانچ قطعات میں تھا طلب مواثبت واشہاد کرکے دعوی دائر عدالت کیا، اب سوال یہ ہے کہ بوجہ تفریق صفقہ یہ دعوی جائز ہوگا یا ناجائز؟ **بینواتوجروا۔**

اور کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ مکان مذکورہ میں دسواں حصہ زید کا تھا وہ اس نے بدست بکر بیع کیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ بعض شاہد نے دسواں حصہ بیع کرنا بیان کیا اور بعض نے یہ کہا زید نے اپنے حصص چھ قطعہ مکانات سے گویا ہر ایک قطعوں میں دس دس سہام قرار دے کر ایک ایک سہم کا بیع کرنا اور طلب شفعہ کرنا بیان کیا یہ اختلاف موجب سقم شہادت ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

کاغذات نظر سے گزرے، ابحاث فقہی پر یہاں سے کچھ کہنا ہے مگر نہ تفصیل کی فرصت نہ تطویل کی ضرورت، لہٰذا چند اجمالی جملوں اشعاری اشاروں پر قناعت عرضی دعوی میں محمد اسمٰعیل خان بنام محمد اکبر خاں دعوی دہانید، ایک ایک سہام منجملہ دس دس سہام از پنج منزل مکانات مندرجہ بیع نامہ بحق شفعہ محدودات ذیل واقع رامپور گھیر شرف الدین خاں حسب مرسوم عام محاکم زمانہ دعوی تامہ واضحہ ہے جس میں نہ کوئی ابہام منافی صحت، نہ بیان شاہدین کو اس سے مخالفت، آگے بیان تفصیل میں یہ لفظ حکایات طلب میں

واقع ہوئے کہ پنج قطعہ مکانات میں سے جو سہام مبیعہ از روئے پرتے کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ خود لئے اسے وجہ مخالفت دعوی و شہادت ٹھہرایا ہے حالانکہ یہ دعوی نہیں حکایت الفاظ طلب ہے اور اس میں بھی جو ابہام واقع ہوا ایک ہی سطر بعد اسے واضح کردیا ہے کہ فدوی سہام مبیعہ پر پنج قطعات میں سے مدعا علیہ سے بدون قیمت اصلی از روئے پرتہ کے بحق شفعہ کے طلب کرتا ہے کھل گیا کہ پرتہ ناظر بقیمت ہے نہ کہ ناظر بہ سہام، مع ہذا یہاں ابہام سہام تعیین دعوی و طلب کے منافی ہی نہیں تعین دو قسم: تعین ذات کہ شیئ فی نفسہ محدود و مفرز و متمیز ہو، اور تعین قدر کہ اگرچہ مشاع و مخلوط ہے، مگر اس کی مقدار معلوم و معہود ہے۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ شے مشاع میں تعین دوم ہو سکتا ہے تعین اول بے دفع شیوع ناممکن ہے اور بیع صرف تعین ثانی چاہتی ہے، نہ تعین اول کہ بیع مشاع جائز بالاجماع، اور شفعہ مبیع پر اسی حیثیت موجودہ سے وارد ہوگا مفرز ہے تو مفرز اور مشاع ہے تو مشاع شیوع جب کہ مانع بیع نہیں، مانع طلب و دعوی شفعہ بھی نہیں **وکل ذٰلك واضح جلی عندکل طالب فضلا عن عالم** (یہ طالب علم پر واضح اور روشن ہے چہ جائیکہ جو فاضل ہو۔ت) مدعی نے از روئے پرتہ تو باعتبار ثمن کہا اور جو سہام کا ابہام بنظر ابہام ذات رکھا کہ مشاع ضرور مبہم الذات ہوتا ہے نہ کہ بنظر ابہام قدر بلکہ خود اس کا تعین لفظ مبیعہ سے بتادیا کہ بیع نہ ہوئی مگر معلوم القدر کی، پھر دعوی شہادت میں تخالف کدھر سے آیا، غایت یہ کہ شہود نے ابہام ذات کا جدا ذکر نہ کیا، نہ اس کی حاجت تھی کہ وہ شیوع سے مستفاد۔ اظہار محمد نبی خاں میں کہیں نہیں کہ مدعی نے مکانات مبیعہ کے پاس جاکر شفعہ طلب کیا بلکہ لکھا ہے کہ فوراً مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو (اشارہ مدعی نے کیا تھا) میں نے شفعہ لیا اس وقت عبدالرحمٰن خاں بھی موجود تھا اس کی موجودگی میں یہ سب گفتگو ہوئی تو صاف طلب عندالمشتری بتاتا ہے نہ کہ عند المبیع۔ کیا فقط اشارہ اگرچہ دور سے ہو عندیت ہے اس نے تو آگے چل کر اور صاف تر کہا ہے کہ اسمٰعیل خاں نے زیر درخت نیب سڑک پر کھڑے ہو کر طلب شفعہ کیا مکانات متنازعہ متفرق ہیں جہاں طلب شفعہ کیا تھا اس جگہ سے سب مکانات دکھتے تھے مدعی نے کل مکان کی جانب اشارہ کیا تھا اور بالفرض اس بیان سے طلب عندالمبیع بھی ثابت ہو تو کیا طلب عندالمشتری کی اس میں صریح تصریح نہیں پھر بیان مدعی و شاہد میں کیا تخالف ہوا۔ کیا مدعی کے کلام میں کوئی حرف طلب عندالمبیع سے انکار ہے یا طلب عندالمشتری بے طلب عندالمبیع یا دونوں اجتماع مسقط شفعہ ہے یا ذکر اول بے ذکر ثانی مخل دعوی ہے یا عندالمبیع طلب میں حق زیادہ ملتا عندالمشتری طلب میں کم ہو جاتا ہے پھر اسے شہادۃ علی الزیادۃ سے کیا علاقہ، یا عدم ذکر و ذکر عدم میں

فرق نہ کرنے کا منشا کیا ہے۔ شہادت محمد حسن پر جملہ اعتراضات اس کا تمام کلام نہ دیکھنے سے ناشی اس کی صدر عبارت یہ ہے: علی گوہر خاں نے کہا اکبر خاں نے دس حصوں سے ایک حصہ چھ قطعہ مکانات میں سے دولھا خاں کے ہاتھ بیچا ہے اس پر فوراً اسمٰعیل خاں نے کہا ان پنج قطعات مکانات میں سے (مکانات کی جانب اشارہ کیا) جس قیمت کو وہ پڑتے میں آئے میں نے شفعہ میں لیا ایک حصہ کہنے سے ضرور یہ معنی بھی محتمل کہ مجموع مکانات سے صرف ایک حصہ بیع ہوا اب نہیں معلوم کہ وہ حصہ کس مکان کا ہے تو اس خبر پر جو طلب ہوئی طلب مجہول ہوئی اور اب یہ یہاں بیان مدعی و بیان شاہد دیگر سب کے خلاف ہوا، مگر اتفاقاً اس عبارت سے یہ بھی محتمل کہ ہر مکان کے دس حصوں سے ایک ایک حصہ بیع ہو اور وہی مدعی نے طلب کیا ایک ایک میں سے ایک ایک کا حذف کردینا مستبعد نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ "[1] ای بین احد واحد۔	ہم رسولوں میں سے کسی ایک کا فرق نہیں کرتے یعنی اللہ تعالٰی کے رسولوں میں ہر ایک ایک میں فرق نہیں کرتے۔ (ت)

عبارت مظہر صرف اسی قدر ہوتی جب بھی اسے مخالف بیان مدعی و بیان گواہ آخر کہنا ٹھیک نہ تھا غایت یہ کہ بوجہ احتمال ناکافی ہوتی مگر محمد حسن خاں نے صرف اسی قدر بیان نہ کیا بلکہ آگے چل کر مطلب صراحۃً کھول دیا جس سے وہ احتمال اٹھ گیا اور کلام بلاشبہ بیان مدعی و شاہد آخر کے مطابق ہوگیا وہ کہتا ہے سوا ایک ایک سہام مبیعہ کے باقی جملہ مکانات میں سے نو نو سہام اسمٰعیل خان وغلام جعفر خان کے ہیں یہ دعوی اسمٰعیل خاں نے پنج قطعات میں سے ایک ایک سہام مبیعہ کا کیا ہے، ان تصریحات کے بعد اعتراضات ابہام و جہالت و مخالفت مدعی و مخالفت شاہد سب خلاف انصاف ہیں۔ شفعہ میں تفریق صفقہ مضر نہیں جبکہ مدعی کا حق صرف بعض مبیع میں ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

لو کان شفیعا لاحدھما یاخذ التی ھو شفیعھا اتفاقا لان الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ وعلی مالیست فیہ	اگر دو رقبوں میں سے ایک میں شفعہ رکھتا ہو تو بالاتفاق اس رقبہ کو ہی لے سکے گا جس میں اس کو شفعہ کا حق ہے، سودا اگرچہ ایک ہے مگر اس کا ایک حصہ شفعہ والا ہے اور دوسرا حصہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

فحکم بھا فیما تثبت فیه اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شفعہ والا نہیں ہے تو جس حصہ میں شفعہ ہے اس میں شفعہ کا حکم کیا جائے گا تاکہ بندے کا حق ادا ہوسکے۔ درر البحار اور شرح المجمع میں یونہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از ریاست رامپور جولوں والی املی مسئولہ سید محمد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹران اسپ دربریلی غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

علمائے کرام سے سوال ہے کہ جو اقرار نسبت بیع کسی شے کے محکمہ رجسٹری میں روبرو ایسے رجسٹرار کے جو فقیہ متقی اور قاضی شہر بھی ہو بمعہ گواہان حسب قاعدہ کرکے تصدیق کرادے، اس کے خلاف بعد اس کے انتقال کے اس کے ورثہ شرعًا یہ کہنے کے مجاز ہیں کہ وہ اقرار غیر صحیح اور فرضی تھا یانہیں، اور ان کا یہ قول شرعًا معتبر ہوگا یاکیا؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان کا قول معتبر نہیں بلکہ مشتری کہ بیع فرضی ہونے کا منکر ہے اس کا قول معتبر ہے، وارثان بائع کو گواہان شرعی عادل ثقہ سے ثبوت دینا ہوگا کہ بیع فرضی تھی اگر ثبوت دے دیں فبہا ورنہ مشتری سے حلف چاہیں تو اس سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھالے کہ بیع فرضی نہ تھی تو ورثاء کا دعوٰی فرضیت رد کردیا جائیگا اور بیع ثابت رہے گی، اور اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کردے تو بیع فرضی ثابت ہوگی اور مشتری کو مبیع پر دعوی نہ رہے گا۔ جامع الفصولین وطحطاوی وردالمحتار میں ہے:

اقرومات فقال ورثته انه اقر تلجئة حلف المقرله باللہ لقد اقرلك اقرارا صحیحا[2]۔	اقرار کرکے فوت ہوگیا تو اس کے وارثوں نے کہا کہ میت کا یہ اقرار فرضی تھا اس صورت میں مقرلہ یعنی جس کے حق میں اقرار ہے سے قاضی حلف لے کہ کیا تیرے حق میں اسکا اقرار صحیح تھا۔ (ت)

پھر ورثاء بائع اگر صرف اس مضمون کی گواہی دیں کہ قبل بیع بائع ومشتری میں قرار داد ہولیا تھا کہ ہم فرضی

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

بیع کرینگے تو یہ شہادت کافی نہیں کہ ممکن کہ اس قرار داد کے بعد پھر بیع قطعی پر راضی ہولئے ہوں، تو جب تک بعد بیع فریقین متفق نہ ہوں کہ بیع اسی قرار داد فرضی پر ہوئی صرف ایک فریق کے کہنے سے فرضی نہ مانی جائے گی۔ یونہی اگر یہ گواہی دیں کہ بعد بیع بائع نے کہا تھا کہ میں نے بیع فرضی کی تو یہ بھی کافی نہیں کہ خود بائع اگر موجود ہوتا اور یہ ادعا کرتا مسموع نہ ہوتا جب کہ مشتری اسے تسلیم نہ کرتا خصوصًا جب کہ پیش از بیع قرار داد فرضی کا ثبوت نہیں، ہاں اگر بعد بیع مشتری کے اقرار فرضیت کو گواہان ثقہ عادل سے ثابت کریں تو مشتری پر حجت ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدهما بیع التلجئة وانکر الأخر فالقول لمدعی الجد بیمینه ولو برهن احدهما قبل ولو برهن فالتلجئة [1]،	اگر ایک نے فرضی بیع کا دعوی کیا اور دوسرے نے فرض ہونے کا انکار کیا تو صحیح بیع کہنے والے کی بات اس سے قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور اگر دونوں میں سے ایک نے گواہی پیش کی تو قبول ہوگی اور اگر دونوں نے گواہی پیش کی تو پھر فرض کہنے والے کی گواہی معتبر ہوگی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله لو برهن احدهما الاظهر قول الخانیة لو برهن مدعی التلجئة قبل لان مدعی الجد لایحتاج الی برهان لان البرهان یثبت خلاف الظاہر [2]۔	اس کا قول کہ "اگر ایک گواہی پیش کرے تو قبول ہوگی" کا مطلب بقول خانیہ اظہر یہ ہے کہ وہ گواہی والا فرضی بیع کا مدعی ہو تو قبول ہوگی کیونکہ صحیح بیع کے مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں اس لئے کہ دلیل سے خلاف ظاہر کو ثابت کیا جاتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی المنار فان تواضعا علی الهزل باصل البیع واتفقا علی بناء العقد علی المواضعة یفسد	منار میں ہے کہ دونوں فریق اصل بیع کے فرضی ہونے پر متفق ہوئے اور دونوں سودے کے وقت بھی اسی فرض ہونے پر متفق رہے تو بیع

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

البیع فلا یملك بالقبض وان اتفقا علی الاعراض بان قالا بعد البیع اعرضنا وقت البیع عن الھزل الی الجد فالبیع صحیح والھزل باطل وان اختلف فی البناء علی المواضعۃ والاعراض عنھا فالعقد صحیح عندہ خلافا لھما فجعل صحۃ الایجاب اولٰی لانھا الاصل وھما اعتبر المواضعۃ الاان یوجد ماینا قضھا کما اذا اتفقا علی البناء [1] انتھی مختصرا۔ اقول: ولا یذھب عنك ان قولھما فی ما علم تقدم تواضعھما علی الھزل فالمواضعۃ الثابتۃ باتفاقھما لاتزول بادعاء احدھما الاعراض عندھما وھو الذی رجحہ المحقق فی التحریر بخلاف ما اذا عقدا عقدا ثم ادعی احدھما المواضعۃ فلا تقبل اتفاقا مالم یبرھن لانہ یسعی فی نقض ماتم من جھتہ [2] اھ من حاشیتنا علی ردالمحتار۔	فاسد ہوگی اور قبضہ کے باوجود مالک نہ ہوں گے اور اگر انہوں نے اپنے طے شدہ سے اعراض کرتے ہوئے سودے کے صحیح بیع کا ارادہ کرلیا اور دونوں نے بیع کے بعد کہا کہ ہم نے سودے کے وقت طے شدہ فرضی کے بجائے قطعی بیع کرلی تھی تو بیع صحیح ہوگی اور فرض ومذاق باطل قرار پائیگا، اور اگر اس معاملہ میں اختلاف ہوجائے کہ طے شدہ کی بجائے صحیح اور قطعی بیع کا ارادہ کیا تھا یا نہیں تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بیع صحیح قرار دی جائے گی، صاحبین کا اس میں خلاف ہے، امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیع کی صحت کو ترجیح دی کیونکہ بیع میں اصل صحت ہے، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے دونوں کے طے کردہ کو اس وقت تک معتبر قرار دیا جب تک اس کا منا قض نہ پایا جائے جس طرح کہ طے کردہ پر بنا کرنا پایا گیا ہے اھ مختصراً، میں کہتا ہوں یہ بات پیش نظر رہے کہ صاحبین رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک دونوں کا باتفاق طے کردہ فرضی منصوبہ ایک فریق کے اعراض سے ختم نہ ہوگا کیونکہ وہ دونوں کا طے کردہ ہے، اسی کو محقق صاحب نے تحریر میں ترجیح دی ہے اس کے برخلاف وہ صورت کہ دونوں نے مطلق سودا کرلیا، پھر ایک یہ کہے کہ ہم نے فرضی طے کیا تھا تو اسکی بات بالاتفاق قبول نہ کی جائیگی کیونکہ وہ اپنی تام کی ہوئی بیع کو ختم کرنا چاہتا ہے الایہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کرکے اس کو ثابت کردے۔ ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف

درمختار میں ہے:

اقر بمال فی صك واشهد علیه به ثم ادعی ان بعض هذا المال ربا علیه فان اقام علی ذٰلك بینة تقبل، وان کان متناقضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة وحرر شارحها الشرنبلالی انه لایفتی بهذا الفرع لانه لا عذر لمن اقر، غایته ان یقال بانه یحلف المقر له علی قول ابی یوسف المختار للفتوی فی هذه ونحوها[1] اھ **قلت** وبه جزم المصنف۔	ایک شخص نے رسید میں درج مال کا اقرار کیا اور اس پر گواہی پائی گئی پھر اقرار کرنیوالے نے دعوی کردیا کہ اس میں سے کچھ مال مجھ پر سود ہے اگر اس نے اس دعوی پر گواہ پیش کردئے تو یہ شہادت قبول کی جائیگی اگرچہ یہ دعوی اس کے اقرار سے مناقض ہے کیونکہ ہمیں واضح طور پر معلوم ہے کہ اس کو اس اقرار کے بغیر چارہ نہیں تھا شرح وہبانیہ میں جس کو اس کے شارح شرنبلالی نے تحریر کیا ہے کہ اس پر فتوی نہ دیا جائے کیونکہ اقرار کرنے والے کو کوئی عذر نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا ہے اس سے قسم لی جائے امام ابویوسف کے قول پر جو کہ اس جیسے مسئلہ میں فتوی کے لئے مختار ہے۔ **میں کہتا ہوں** اسی پر مصنف نے جزم فرمایا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے ہے:

فی دعوی التلجئة یدعی الوارث علی المقرله فعلاله وهو تواضعه مع المقر فی السر فلذا یحلف[2]۔ واﷲ تعالٰی اعلم۔	فرضی بیع کے دعوی میں مقرلہ کے خلاف وارثوں کا دعوی ہوجاتا ہے کہ اس نے اقرار کرنیوالے سے خفیہ سمجھوتہ کیا ہے اس لئے اس سے قسم لی جائیگی۔ واﷲ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶ تا ۱۴۹: از ریاست رامپور مرسلہ سید صاحب موصوف غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ

استفتاء بخدمت فضائل منزلت اعلیحضرت مولانا المولوی حافظ حاجی احمد رضاخاں صاحب عم فیضہم!

ہندہ نے بنام سعید النساء وغیرہ پانچ کس ورثاء زید دخلیابی مکان کو یوں دعوی کیا کہ ہندہ نے

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۸

مکان متنازعہ زید سے خرید اہے زید فوت ہوگیا ہے ورثاء زید مکان پر قابض ہیں، دخل دلایا جائے، مدعا علیہم کو بیعنامہ مکان مذکور کا تصدیق کرادینا تسلیم ہے مگر کہتے ہیں کہ بیع فرضی ہوئی تھی، زید نے سعید النساء اپنی زوجہ کے دین مہر اور نان نفقہ کے خوف سے بیعنامہ فرضی کردیا تھا زر ثمن کا دادوستد نہیں ہوا نہ مدعیہ کا قبضہ مکان متنازعہ پر ہوا، مدعیہ کی جانب سے پانچ مرد اور چار عورتوں نے قطعیت بیع اور زر ثمن ادا کرنے کی بابت شہادت دی ہے، مگر عدالت نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ صرف دو گواہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت خلاف قیاس ہے اور مستور ہونے کے سبب ناقابل التفات خلاف قیاس ہونے کی اور بھی وجوہ لکھی ہیں جو نقل فیصلہ میں مذکور ہیں یہ نقل فیصلہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے اب سوال یہ ہے:

(۱) بیع فرضی ہونے کے لئے شرعاً کچھ شرائط ہیں، محض اس قدر شہادت دلوادینے سے کہ عاقدین نے بیع کے بعد اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا بیع فرضی ثابت ہوجائیگی، جن جن گواہوں نے یہ شہادت دی ہے ان کو عدالت نے خود مستور الحال لکھا ہے لیکن بعض ان میں سے ایسے بھی ہیں جن کو اپنی سزایابی سابقہ اور بالفعل اپنی داڑھی منڈوانا تسلیم ہے۔

(۲) جو وجوہ شہادت مدعیہ کی نسبت عدالت نے خلاف قیاس ہونے کے لکھے ہیں کیا وہ شرعاً ایسے ہیں جن سے شہادت ناقابل تسلیم ہوجائے۔

(۳) کیا قاضی کا یہ فعل اس کے فیصلہ پر مؤثر ہوگا کہ بجائے چھ مرد اور چار عورتوں کے صرف دو کا پیش ہونا اپنے فیصلہ میں ظاہر کرے حالانکہ مسل میں سب کے بیان موجود ہیں۔

(۴) کیا ایسا فیصلہ حاکم مرافعہ کی عدالت میں شرعاً قابل بحالی ہوسکتا ہے؟

نقل فیصلہ اور نقول بیانات گواہان فریقین عدالت سے باقاعدہ حاصل کرکے پیش کئے جاتے ہیں جواب مرحمت ہو۔ والاجر عند اللہ۔

الجواب:

جواب سوال اول

فیصلہ واظہارات فریقین تمام وکمال ملاحظہ ہوئے تنقیحات فقہیہ کے اعتبار سے تو یہاں بہت کہنا ہے مگر بتوفیقہ تعالٰی چند مختصر افادات پر اقتصار کریں کہ بعونہ تعالٰی اظہار صواب وایضاح جواب کے لئے اسی قدر بس ہے۔

(۱) اس مقدمہ میں فریقین کو اتفاق ہے کہ زید یعنی سید صادق شاہ نے مکان متنازع فیہ کا

بیع نامہ اپنی بھاوج ہندہ یعنی فاطمہ بیگم کے نام کیا اور اس کی رجسٹری کرادی، حاکم شہر قاضی مفتی فقیہ متقی نے اسکی تصدیق فرمائی اختلاف جدو ہزل میں ہے یعنی آیا یہ بیع صحیح قطعی تھی یا محض نمائش فرضی، سعیدہ بیگم زوجہ وغیرہا پانچ کس ورثائے سید صادق شاہ فرضی بتاتے ہیں اور فاطمہ بیگم مشتریہ قطعیہ اس صورت میں شرعًا سعیدہ بیگم وغیرہا مدعی ہیں کہ ایک امر ظاہر الثبوت کا مٹانا چاہتے ہیں اور فاطمہ بیگم مدعا علیہا کہ اس کا بیان موافق ظاہر ہے لہذا بار ثبوت سعیدہ بیگم وغیرہا پر ہے فاطمہ کو اصلًا کسی گواہ کی حاجت نہیں اس کا صرف زبانی بیان قسم کے ساتھ معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

لو ادعی احدھما بیع التلجئة وانکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینه [1]۔	ایک فریق کا دعوی ہے کہ بیع فرضی ہے دوسرا منکر ہے تو صحیح بیع کے مدعی کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

مدعی الجد لایحتاج الی البرھان لان البرھان یثبت خلاف الظاہر [2]۔	قطعی ہونے کی مدعی کو دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ دلیل خلاف ظاہر کو ثابت کرتی ہے۔ (ت)

توفاطمہ بیگم پر بار ثبوت رکھنا اور اس کے گواہوں سے بحث اور ان پر اعتراض سب بلاوجہ وبیکار وخلاف ضابطہ فقہیہ ہے۔

(۲) ورثائے صادق شاہ کو بیع فرضی ثابت کرنے کے لئے صرف دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اس مضمون کے دینا کافی کہ بعد بیع نامہ فاطمہ بیگم نے ہمارے سامنے اقرار کیا کہ یہ بیع میرے نام فرضی ہوئی ہے، اس کے سوا نہ اور کچھ شرائط درکار، نہ اور کسی بیان سے ان کو نفع۔

اب ہم گواہان ورثہ پر نظر کرتے ہیں ان کی طرف سے بانکے میاں، چھٹن میاں، سید مجیب شاہ، حاجی محمد رضا خاں، شاہنواز خاں، نیاز احمد خاں، محمد یوسف خاں، بنا خاں، سید محمد شاہ نو مرد اور صغری وعجوبہ دو عورتیں، جملہ گیارہ گواہ پیش ہوئے، ان میں یوسف خاں کا بیان تو اتنا ہے کہ یہ مکان میاں صادق شاہ کا تھا وہ اس میں مرتے دم تک رہے، پچھلے فقرہ سے اگر ثابت ہے

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب الصرف مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۵

تو اتنا کہ فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا، پھر بیع کے لئے قبضہ کیا ضرور، بیع ہبہ نہیں کہ بے قبضہ تمام نہ ہو، اور پہلے فقرہ سے فاطمہ بیگم کو بھی انکار نہیں جب وہ صادق شاہ سے خریدنا بتاتی ہے تو خود مقر ہے کہ مکان صادق شاہ کا تھا پھر اس سے کیا ثابت ہوا، اس گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سننے میں آیا کہ انہوں نے بھاوج کے نام مکان کردیا یہ اگر سماع نہ ہوتا تو فاطمہ بیگم کا کچھ مؤید ہوتا، مشہود لہم یعنی ورثہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں، بناخاں اور سید محمد شاہ کی گواہیاں یہ ہیں کہ مکان متنازعہ میاں صادق شاہ کا ہے یہ صریح غلط و باطل ہے، سید صادق شاہ کا انتقال ہوگیا اور میت کسی شے کا مالک نہیں تو اب مکان ان کا کسی طرح نہیں، غرض "ہے" کہنا تو یوں باطل ہے اور "تھا" کہنے سے دم مرگ تک ان کی ملک رہنا ثابت نہیں کہ انتقال بیع کا منافی ہو، لہذا یہ تینوں شہادتیں محض مہمل ہیں بلکہ بالفرض اگر ان کے بیان یوں ہوتے کہ یہ مکان سید صادق شاہ کا تھا دم مرگ تک وہی اس کے مالک رہے اور وقت انتقال اسے اپنے وارثوں کے لئے میراث چھوڑا جب بھی مفید نہ ہوتے کہ اس شہادت کا مبنی استصحاب ہوتا یعنی ان کی ملک معلوم تھی اور انتقال تک بیع پر علم نہ ہوا لہذا اپنے علم کی بناپر تادم مرگ ان کی ملک کہا مشتریہ نے جب کہ بیع تامہ مصدقہ ومسلمہ فریقین سے انتقال ثابت کردیا وہ گواہیاں بے سود ہوگئیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

ادعی دارا انی اشتریته من ابیك و برھن ذوالید انه ملك ابیه الی یوم موته ومات وترکه میراثا لاتقبل بینته لانھم شھدوا باستصحاب الحال والمدعی اثبت الزوال[1]۔	ایک شخص نے یہ دعوی کیا کہ یہ مکان میں نے تیرے والد سے خریدا ہے اور قابض نے گواہ پیش کردئے کہ یہ مکان میرے والد کی موت تک اس کی ملک رہا ہے اور اس نے اپنی موت پر اس کو بطور میراث چھوڑا ہے تو قابض کی طرف سے یہ گواہی قبول نہ کی جائے گی کیونکہ گواہوں کی یہ شہادت استصحاب حال کی بناپر ہے جبکہ مدعی اس سابقہ ملکیت کے زوال کو ثابت کررہا ہے۔(ت)

نیاز احمد خاں فقط اتنا کہتا ہے اور وہ بھی اہل محلّہ سے سنا ہوا کہ صادق شاہ اور ان کی بی بی میں نااتفاقی تھی پھر اس سے کیا ہوا۔ حاجی محمد رضا خاں بھی نااتفاقی کا گواہ ہے اور یہ کہ جب بی بی کا نان نفقہ مقرر ہوا صادق شاہ نے نوکری چھوڑدی پھر اس سے بیع کیونکر فرض ہوگئی دنیا میں لاکھوں

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰

آدمی اپنی عورتوں سے ناراض ہوتے ہیں کیا اس سے ان کے تمام انتقالات فرضی ٹھہر جاتے ہیں۔ یہ پانچوں فیصلہ میں اصلاً قابل ذکر بھی نہ تھیں ہاں مذکور ہوتیں تو اس طرح کہ فلاں فلاں اظہار محض مہمل وبیکار ہیں۔

(۳) شاہنواز خاں نے بیعنامہ فرضی ہونے کی گواہی دی مگر اس طرح کہ مظہر سے صادق شاہ نے خود اقرار فرضی ہونے کا کیا تھا، اس سے ہرگز فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا، یہ تو اقرار بائع کا گواہ ہے، اگر خود صادق شاہ بعد تحریر وتصدیق بیعنامہ دعوی کرتا کہ میں نے تو محض فرضی بیع نامہ کردیا ہے کیا قابل سماعت ہوتا، ورنہ ہر شخص بیع کرکے پھر جائے اور اس کے فرضی کہہ دینے سے بیع فرضی ٹھہر جائے یہاں اقرار مشتری کا درکار تھا بائع کا اقرار اقرار نہیں بلکہ دعوی ہے کہ بے گواہان ہرگز مقبول نہیں بلکہ اکثر صورتوں میں اس کے گواہ بھی مسموع نہیں کہ بیع کرکے فرضیت کا ادعا تناقض ہے اور تناقض والے کا دعوی سنا نہیں جاتا۔ درمختار میں ہے: **لاعذر لمن اقر** [1] (اقرار کرنے والے کا عذر معتبر نہیں۔ ت) اشباہ وغیرہ میں ہے:

من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه [2]۔	جو شخص ایسی کارروائی کو ختم کرنے کی کوشش کرے جو اس کی طرف سے تام ہوئی ہے تو اس کی یہ کوشش مردود ہوگی۔ (ت)

لہٰذا یہ شہادت بھی ساقط محض ہے۔

(۴) اب رہے تین مرد اور دو عورتیں جن کے بیان میں فاطمہ بیگم کی طرف سے فرضی کا لفظ آیا ہے اگرچہ محض بے علاقہ اس کا حال یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی تو صرف ہوا پر ہے جسے انہوں نے محل تنازع سے اصلاً متعلق نہ کیا، پہلے اتنا تو کہا کہ یہ مکان صادق شاہ کا ہے اس کا حال اوپر سن چکے کہ یہ شہادت باطلہ بلکہ کاذبہ ہے اور قرینہ کی ہوتی جب بھی نامسموع تھی، آگے چل کر انہوں نے میاں بی بی اور ساس داماد کا جھگڑا بیان کرکے صرف اتنا کہا کہ صادق شاہ نے آکر فرضی کاغذ اپنی بھاوج فاطمہ بیگم کے نام کردیا، کس چیز کا کاغذ کردیا، کیا کاغذ کردیا، مکان یا دکان یا کچھ اسباب، یا کیا، فرضی بیع کردیا یا ہبہ یا رہن یا اجارہ یا کیا، اس کا کچھ پتا نہیں، پھر کہتی ہیں ہم نے فاطمہ بیگم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۰

[2] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشهادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

بوجہ اپنی بی بی کے ہمارے نام فرضی بیعنامہ کردیا ہے بیچا نہیں ہے یہاں سوال دوم کا جواب تو کھلا ہے کہ ہبہ رہن اجارہ نہیں بلکہ بیعنامہ کیا مگر سوال اول کا جواب اب بھی محض غائب، کچھ نہ کہا کہ مکان کا بیعنامہ کیا ہے یا دکان کا یا اسباب یا کاہے کا، ایسی گول ناصاف، مجمل، مہمل باتیں گواہی میں سن لینا کس شریعت کا حکم ہے حاشا وکلا۔ اس کے جواب میں اگر فاطمہ بیگم کہے کہ صغیری وعجوبہ سچ کہتی ہیں صادق شاہ نے ایک گھوڑے کا بیعنامہ فرضی میرے نام کردیا تھا بیچانہ تھا میں عورت ذات گھوڑا لے کر کیا کرتی میں نے اس بیعنامہ کا ان سے ذکر کیا تھا، تو یہ گواہ یا انہیں پیش کرنے والے ورثاء یا انہیں قبول فرمانے والے اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔

(۵) اب باقی مردوں کی سنئے ان میں چھٹن میاں علاوہ اور وجوہ کے خود کہتا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے جب سے داڑھی منڈاتا ہوں کبھی کھونٹی بھی آنے ہی نہیں دی تو باقرار خود فاسق معلن بلکہ فسق بالاعلان پر مصر ہے ایسے شخص کی گواہی اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہو مردود ہے پھر اس کا بیان بھی ساختہ ہونے کا شبہہ دلاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ ظاہر سے واضح ہے۔

(۶) رہ گئے بانکے میاں اور سید مجیب شاہ، ان دونوں نے اگرچہ بیعنامہ مکان فرضی ہونے نسبت فاطمہ بیگم کا اقرار بیان کیا مگر اول سے آخر تک سارے اظہار میں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا گھر یہاں تک کہ مکان متنازعہ کا بھی کہیں لفظ نہیں، ہاں بانکے میاں نے اتنا کہا ہے کہ نشاندہی محلّہ پر کرادونگا اور سید مجیب شاہ نے یہ کہ مکان بنادوں گا، دونوں نے بتایا یا نہیں، اور بتایا تو کیا بتایا، کیا لفظ کہے، وہ کہاں تک کافی تھے پھر ان دونوں گواہوں کو بھی ذی علم مجوز نے مستور لکھا ہے اور وہ فاسق معلن مصر کو بھی مستور لکھتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ مستور کس معنی پر ہیں اگر ویسے ہی مستور ہوئے جب تو ظاہر ہے اور اگر حقیقۃً مستور الحال ہوئے تو مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائل واضحہ سے اس کے صدق پر غلبہ ظن حاصل ہو اور یہاں انکے صدق پر کوئی دلیل مفید ظن بھی نہیں غلبہ ظن تو بڑی چیز ہے تجویز میں ان پر اعتماد کرنا تھا تو واجب ہوتا کہ ان کے صدق کے غلبہ ظن پر واضح دلائل قائم فرماتے مگر کوئی دلیل نہ دی محض ان کے بیان کا حوالہ دیا کہ ان کی شہادتوں سے فرضی ہونا بخوبی ثابت ہے یہ ہرگز قابل قبول نہیں بلکہ دلائل صدق درکنار ذی علم مجوز نے جو دلائل رد گواہان فاطمہ بیگم کے لئے تحریر فرمائے بعینہا ان گواہوں میں جاری ہیں، جیسا کہ عنقریب واضح ہوگا تو غایت یہ کہ دونوں شقیں محتمل ہوکر صدق وکذب مساوی رہے اور اس صورت میں شہادت مستورین ہرگز مقبول نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقه بان	اگر قاضی کو اس کی سچائی کا ظن غالب نہ ہو بلکہ اس کے

غلب کذب عنه او تساویا فلا یقبلها ای لایصح قبولها اصلا[1]۔	کذب کا ظن ہو یا دونوں پہلو مساوی جانتا ہو تو اس کی شہادت کو قبول نہ کرے یعنی اس کا قبول کرنا ہر گز صحیح نہیں ہے۔(ت)

لاجرم ظاہر ہوا کہ ورثائے بائع بیع فرضی ثابت نہ کرسکے اور اس مقدمہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا تھا اس کے علاوہ باقی سب بحثیں زائد و دور از کار ہیں۔

جواب سوال دوم

(۱) ہم اوپر ثابت کر آئے فاطمہ بیگم اس مقدمہ میں اصلاً محتاج گواہان نہیں، نہ اس کے گواہوں سے بحث کی حاجت خلاف قیاس درکنار اگر ان کی گواہیاں بدیہی البطلان ہوتیں مثلاً کہتے سو برس ہوئے یہ بیع ہوگئی یا کل ہوئی تھی جب بھی فاطمہ بیگم کو اس سے نقصان نہ تھا کہ اس کا دعوی بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین سے آپ ہی ثابت ہے۔

(۲) ذی علم مجوز نے ان کی شہادتیں قابل لحاظ نہ ہونے کی چھ وجہیں ذکر فرمائیں:

(۱) وہ مستور الحال ہیں

(۲) کل زر ثمن ایک مفلس کو قبل تحریر و تصدیق بیعنامہ گھر میں بیٹھ کر دیا گیا۔

(۳) مقر نے دستاویز اپنے نام چھڑائی۔

(۴) وصول ثمن کا اقرار کیا رجسٹرار کے سامنے نہ دیا گیا۔

(۵) فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا۔

(٦) مکان دونی قیمت کو بیچنا لکھا۔

ان میں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جس سے شہادتیں قابل لحاظ نہ ہوں یا حسب بیان فیصلہ بطلان دعوی مدعیہ بتائیں وجہ اول تو خود کوئی چیز نہیں، مستور الحال کی گواہی مطلقاً مردود ہے یا جب خلاف قیاس ہو بر تقدیر اول سعیدہ بیگم وغیرہ کے گواہوں کو بھی فیصلہ میں مستور فرمایا ہے ان کی گواہی کیوں نہ مردود ہوئی، اور بر تقدیر ثانی اس کے لئے وہ وجوہ درکار ہیں جس سے شہادت کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہو تو وجوہ آئندہ پر مدار کار رہا اور وجہ اول نے کچھ فائدہ نہ دیا، ہاں یہ کہ وہ ان کی متہم یعنی عادل کی گواہی اگرچہ خلاف قیاس ہو مقبول ہے نہ مستور کی تو مدار اسی خلاف قیاس ہونے کے ثبوت پر رہا اور وہ

---

[1] ردالمحتار

ثابت نہیں۔

(۳) وجہ ششم اگر قرینہ ہے تو ثمن مقدار واقعی سے زیادہ لکھنے کانہ اس کاکہ اصل بیع ہی فرضی ہے، زوجہ کے خوف سے بیع فرضی کرنے کو قیمت بڑھا کر لکھنا کیا ضرور تھا کیا اگر سو کا مال سو کو بیچنا لکھتا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوتا، ہاں اگر کسی شفیع کا خوف ہوتا تو اس کے سبب زیادہ قیمت لکھی جاتی ایسا زیادہ لکھنا رات دن حقیقی قطعی بیعوں میں ہوتا رہتا ہے تو یہ فرضیت بیع کا کیا قرینہ ہوئی۔

(۴) وجہ دوم عجیب ہے زر ثمن گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے دیا جانا بیان ہوا ہے نہ کہ تنہائی میں، پھر اس سے کیا شبہہ پڑسکتا ہے ان کو بناوٹ منظور ہوتی تو رجسٹرار کے سامنے دیتا اور زیادہ ان کے مقصود کا مؤید ہوتا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر دینا، بیع فرضی والے چالاک اکثر یہی طریقہ پسند کرتے ہیں کہ رجسٹری میں دیا اور گھر جاکر واپس لے لیا۔

(۵) وجہ چہارم بھی اسی دوم پر مبنی ہے جب روپیہ گواہوں کے سامنے پہلے مل چکا تو رجسٹرار کے سامنے اقرار کے سوا کیا ہوتا، نمائشی بناوٹ چاہتے تو رجسٹرار کے سامنے ہی دینے میں زیادہ تھی نہ کہ گھر میں۔ نمائش والا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں اعلان زیادہ ہو یا وہ جس میں کم ہو۔

(۶) وجہ سوم کی نسبت گزارش کہ دستاویز فاطمہ بیگم نے پیش کی ہے تو صادق شاہ نے چھڑا کو ضرور اسے سپرد کردی پھر اپنے نام چھڑانے نے فرضیت کا کیا ثبوت دیا، بلکہ انصافاً واقعیت کا پتہ دیا کہ فرضی نمائشی کارروائی تو رجسٹری تک ختم ہوگئی تھی اگر واقع میں بیع نہ ہوئی تھی تو دستاویز خود اپنے نام چھڑا کر فاطمہ بیگم کو دینے کی کیا حاجت تھی، فاطمہ بیگم ایک پردہ نشین شریف زادی بیوہ اور صادق شاہ کی بھاوج ہے بھائیوں میں اتحاد کی حالت میں ان کی زندگی میں ان کی زوجات کے ایسے کام جیٹھ دیور کردیا کرتے ہیں نہ کہ بعد بیوگی۔

(۷) وجہ پنجم اجنبی اشخاص میں کچھ شبہہ ڈالتی باہم اتحاد کی حالت میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ زید کو روپیہ درکار ہے بیع ہوگئی تصدیق وغیرہ سے تکمیل ہوگئی اطمینان کافی ہو لیا بائع کو مکان کی حاجت ہے مشتری اور مکان میں رہتا ہے تبرعاً خالی نہ کرایا پھر بیع و موت بائع میں ایسا کوئی طویل فاصلہ بھی نہیں، قبضہ لینا چاہا، اس نے فکر مکان میں آج کل کیا اتنے میں وہ بیمار ہوگیا انتقال کرگیا، اس میں پانچ چھ مہینے گزر جانا کیا دور از قیاس ہے جس کی بناء پر شہادت باطل کردی جائے اور بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین غلط قرار پائے۔

(۸) اب ہم ایک تقریر جامع بیان کرتے ہیں کہ سب وجوہ کو شامل ہو۔ وجہ ششم کو تو معلوم کرچکے کہ وہ وجوہ فرضیت میں نام لئے جانے کے بھی قابل نہیں، اور وجہ اول نہ خود وجہ ہے نہ گواہان فاطمہ بیگم کے ساتھ

خاص بلکہ وہی علت مستوری گواہان سعیدہ بیگم میں بھی موجود۔ بیچ کی چار وجہیں۔ نہیں بلکہ تین ہی کہ چہارم خود دوم پر مبنی ہے اب وجہ شبہہ اتنی رہی کہ روپیہ گھر میں بیٹھ کر دیا اور دستاویز مقر کے نام واگزاشت ہوئی اور مشتریہ نے قبضہ نہ لیا ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں عاقدین میں باہم ایسا اتحاد مانئے گا کہ ایک کو دوسرے پر کافی اطمینان ہے یا اجنبیت کہ ایک دوسرے پر مطمئن نہیں۔ شق ثانی خود گواہان سعیدہ بیگم وخود فیصلہ مجوز سے صریح البطلان ہے جب یہ ٹھہراتے ہو کہ واقع میں نہ بیع تھی نہ ثمن ملا، یونہی فرضی بیعنامہ اس کے نام لکھ دیا اس پر گواہیاں کرادیں اسے رجسٹری کرا کر پکا کردیا رجسٹرار کے سامنے روپیہ ملنے کا اقرار کردیا ہر طرح بائع نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو کیا یہ معاملہ بے اطمینان اجنبی کے ساتھ ہوسکتا ہے حاشا بلکہ اعلیٰ درجہ کا باہم اطمینان واتحاد چاہئے اور جب اس نہایت درجہ کا ان میں اتحاد مجوز وگواہان سعیدہ وسعیدہ وغیرہ سب کو خود مسلم ہے تو گھر میں بیٹھ کر روپیہ دینا یا دستاویز مقر کو ملنا یا مشتریہ کا قبضہ نہ لینا اس اعلیٰ اتحاد کی حالت میں کیا بعید از قیاس ہے۔ بالجملہ اتحاد ہو تو یہ کچھ بھی بعید از قیاس نہیں، اور بے اطمینانی ہو تو ایسے کے ہاتھ فرضی بیع کرکے رجسٹری کرادینا اور وصول ثمن کہہ دینا اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہے اور اس کے گواہ بھی مستور ہی ہیں تو ان وجوہ سے انہیں کیوں نہیں رد کیا جاتا۔

جواب سوال سوم

نظر ظاہر میں یہ اعتراض ہوسکتا کہ فیصلہ میں سعیدہ بیگم وغیرہا کے سب گواہوں کے بیان کا خلاصہ فرمایا گیا یہاں تک کہ وہ بھی جو محض بے علاقہ تھے اور فاطمہ بیگم کے اتنے گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا بلکہ صراحۃً تحریر فرمادیا کہ مدعیہ کی جانب سے صرف دو گواہ پیش ہوئے ہیں مگر نظر دقیق میں اس کی توجیہ قریب ممکن ہے، فاطمہ بی بی کی طرف سے دس گواہ پیش ہوئے چھ مرد ضامن شاہ غلام ناصر خاں قاسم خاں، محمد علی خاں، احمد شاہ خاں، عنبر شاہ خاں، اور چار عورتیں، اشرف بیگم، نازنین بیگم، آبادی انتظام بیگم۔ ان میں قاسم خاں تو محض اپنی ناواقفی بیان کرتا ہے اور کچھ شہادت نہ دی محمد علی خاں نے لوگوں کی زبانی سننا بتایا اور وہ بھی یوں کہ پہلے کہا بہن کے ہاتھ بیچ ڈالا، پھر کہا بیگم کے ہاتھ۔ احمد شاہ خاں کا اتنا بیان ہے کہ بھاوج کے نام بیعنامہ لکھ دیا اس سے کسے انکار ہے، یونہی عنبر شاہ خاں نے بائع کی زبانی سننا بیان کیا کہ میں نے یہ مکان بیگم سیدانی کے ہاتھ دو سو روپے کو بیچ ڈالا جس نے بیعنامہ رجسٹری کرادیا اس نے اگر اس گواہ کے سامنے اتنا کہا تو اس سے بیع کی قطعیت نہیں سمجھی جاتی، لہٰذا چاروں گواہ بیکار تھے صرف دو مرد اور چار عورتیں باقی رہیں ان کی گواہی ضرور عام مروج طور پر مفید فاطمہ بیگم واقع ہوئی ہے، ذی علم مجوز کی رائے میں دونوں مردوں کی گواہی مخدوش تھی تو باقی سب عورتیں رہ جائیں گی اور تنہا عورت کی شہادت مقبول

نہیں، لہٰذا ان کے ذکر کی حاجت نہ جانی اور صرف دو کے بیان پر اقتصار فرمایا ایسی کمی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

جواب سوال چہارم

فیصلہ قابل منسوخی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لطافت حسین نے شمس النساء سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹکے کا دینار سرخ پر جس کے سکہ وقت سے پانچ ہزار چھ سو بیس روپے ہوتے ہیں نکاح کیا، ۲۳ سال کے بعد اپنی ہمشیرہ مصاحب جان کے پاس ایک جزو مکان رہن رکھ کر دو ہزار دو سو اکتالیس روپے قرض لئے اور رہن نامہ میں لکھا کہ مکان اپنے قبضہ سے نکال کر قبضہ مرتہنہ میں دیا حالانکہ مکان ایک لحمہ کو بھی خالی نہ کیا، دو سال کے بعد لطافت حسین نے نومبر ۷۷ء میں دو سو کے قرضے اپنے ذمے چھوڑ کر وفات پائی، جائداد حسب رواج برادری کے متوفی کی اولاد ذکور نہ ہو تو زوجہ قابض و متصرف ہوتی ہے قبضہ شمس النساء میں آئی، اب مصاحب جان اپنے دین کے مدعی ہے اور زوجہ دین مہر کے مطالبہ میں اپنے قبضہ و رواج مذکور سے استناد کرتی ہے، اس صورت میں کس کا دین شرعاً مقدم رہے گا اور دین مہر کو دیگر دیون پر ترجیح ہے یا نہیں اور شمس النساء کے بربنائے رواج مذکور قبض و تصرف ہونا یا اس کا دین دین مصاحب جان سے پیشتر کا ہونا دعوی مصاحب جان کا مانع سماعت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر مصاحب جان نے رہن مع القبض کا دعوی کیا یعنی دعوی اس بیان سے واقع ہوا کہ وہ جزو مکان لطافت حسین نے میرے پاس رہن رکھا اور مجھے قبضہ دلا دیا تھا پھر ثبوت میں لطافت حسین کے اس اقرار قبضہ پر جو رہن نامہ مذکور ہے گواہ شرعی دے دے اگرچہ خاص قبضہ کا ثبوت نہ دے سکے تو اس کا دعوی بیشک ثابت ہے، رہن صحیح و تام و نافذ مانا جائے گا اور مکان پر اس کا قبضہ رہنا مرتہنہ کی طرف سے بطور عاریت خیال کریں گے۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں:

رہن دارہ واعترف بالقبض الا انہ لم یتصل بہ القبض فاذا تصادقا علی القبض والا قباض یؤخذ باقرارہ من رہن جواہر الفتاوی	مکان رہن رکھا اور قبضہ دینے کا اعتراف کیا مگر عملاً قبضہ نہ ہوا تو جب دونوں فریق قبضہ لینے اور دینے پر متفق ہیں تو راہن کے اقرار کو لیا جائے گا، ایک شخص نے مکان رہن رکھا اور خود راہن ہی اس میں

وفیھا من الباب الخامس رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیه حتی مات ثم اختلاف المرتھن وورثه الراہن انه کان مقبوضاً ام لافان اقام المرتھن البینة علی اقرار الراہن بالرھن والتسلیم یحکم بصحة الرھن ودعوی فك الرھن لا تقبل بظاھر ما کان فی ید الراہن لانه لما حکم علیه باقرارہ بالرھن حمل علی ان الید کانت ید العاریة اھ[1]۔	اپنی موت تک تصرف کرتا رہا پھر مرتہن اور راہن کے ورثاء میں قبضہ کے متعلق اختلاف ہو کہ مرتہن کا قبضہ تھا یا نہیں، اگر مرتہن نے راہن کے اس اقرار کہ اس نے رہن رکھا اور قبضہ دے دیا پر گواہ پیش کردئے تو اس رہن کی صحت کا حکم کیا جائیگا اور رہن کے قبضہ کی بنا پر فساد رہن کا دعوی درست نہ ہوگا کیونکہ جب اس کے اقرار کی بنا پر فیصلہ ہوا ہے تو اس کے قبضہ کو عاریتاً متصور کیا جائیگا اھ (ت)

پس رہن مرہون میں مصاحب جان کا استحقاق شمس النساء وغیرہا سب قرضخواہوں پر مقدم ہے پہلے اسی کا قرض اس سے ادا کریں گے اگر کچھ بچا مہر وغیرہ دیون کی طرف مصروف ہوگا ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا مات الراہن وعلیه دیون کثیرة کان المرتھن احق بالرہن کذا فی المحیط[2]۔	راہن نے اپنی موت پر اپنے ذمہ کثیر دیون (قرضے) چھوڑے تو مرتہن اس رہن کا حقدار ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

اسی میں ہے کہ:

فلیستوفی منه دینه فما فضل یکون لسائر الغرماء والورثة[3]۔	مرتہن اپنی رقوم وصول کرلے باقی زائد دوسرے حق داروں اور ورثاء کا ہوگا۔ (ت)

اور یہاں مرہون کا مشاع یعنی جزء غیر منقسم ہونا اس حکم کا مانع نہ ہوگا کہ رہن مشاع مذہب صحیح پر فاسد ہے اور رہن میں فاسد و صحیح کا حکم واحد ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح رھن مشاع لعدم کونه ممیزا	غیر منقسم چیز کا رہن صحیح نہیں کیونکہ رہن ممتاز نہیں ہے

[1] العقود الدریه کتاب الراہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] فتاوٰی ہندیه کتاب الرہن الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۵۶

[3] فتاوٰی ہندیه کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۳۳

ثم الصحیح انہ فاسد[1]۔	پھر صحیح قول پر یہ رہن فاسد ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

کل حکم عرف فی الرھن الصحیح فھو الحکم فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الاانہ فقد بعض شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد، ولکن بصفۃ الفساد کالفاسد من البیوع فمن مات ولہ غرماء فالمرتھن احق بہ کمافی الرھن الصحیح[2] اھ ملخصین۔	جو حکم صحیح رہن میں معلوم ہوا وہی حکم فاسد رہن میں جاری ہوگا جیساکہ عمادیہ میں ہے اور ہر وہ صورت جس میں رہن مال ہو اور اس کا مقابل مضمون چیز ہو مگر وہاں جواز کے بعض شرائط مفقود ہوں جیسے غیر منقسم کا جزء کا رہن رکھا جائے تو رہن منعقد ہوجائے گا کیونکہ انعقاد کی شرط پائی گئی ہے لیکن فاسد صفت کی وجہ سے بیع فاسد کی طرح ہوگی تو راہن اگر فوت ہوجائے اور کئی قرض خواہ ہوں تو مرتہن اس رہن کا زیادہ حقدار ہوگا جیساکہ صحیح رہن میں ہوتا ہے اھ دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔(ت)

اور اگر مصاحب جان نے صرف رہن کا دعوی کیا، نہ قبضہ پانے کا، تو دعوی رہن اصلاً مسموع نہ ہوگا اگرچہ اس کے گواہوں نے لطافت حسین کے اقرار مذکور بلکہ خود معاینہ قبضہ پر گواہی دی ہو۔ عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتھن الرھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم ولا تسمع البینۃ اذا اشھد وابمعاینۃ القبض او اقرار الراھن بہ لانھم شھدوا بشیئ زائد علی الدعوی لان	مرتہن اگر رہن بمع قبضہ کا دعوی کرے تو اس پر شہادت قبول کی جائے گی، اور اگر صرف رہن کا دعوی کرے تو اس پر شہادت مقبول نہ ہوگی کیونکہ محض عقد لازم نہیں ہوتا اور اگر گواہوں نے قبضہ کے معاینہ کی شہادت دی یا رہن کے اقرار کی کہ میں نے دیا ہے، کی شہادت دی تو یہ گواہی قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ یہ زائد چیز کی شہادت ہے

[1] درمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] درمختار کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۹

فرض المسئلة ان المرتهن لم یذکر القبض فی دعواه وایضا فان الصحة الدعوی شرط صحة الشهادة اه[1] ملخصًا۔	اس لئے کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ مرتہن نے اپنے دعوی میں قبضہ کو ذکر نہ کیا ہو اور نیز اس لئے کہ دعوی کا صحیح ہونا شہادت کی صحت کے لئے شرط ہے اھ ملخصا۔(ت)

اور اگر دعوی میں قبضہ پالینے کا ذکر تو کیا مگر حصول قبض یا لطافت حسین کے اقرار مذکور پر گواہ نہ دے سکے تو بھی اس کا استحقاق مرتہنانہ نہ ثابت ہوگا اور اب مکان کا خالی نہ کیا جانا بیشک اس کے دعوی رہن پر ضرر کا اثر ڈالے گا کہ رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔ ردالمحتار میں عنایہ سے ہے: القبض شرط تمام العقد[2] (رہن میں قبضہ عقد کے تمام ہونے کے لئے شرط ہے۔ت) تو قبل قبضہ مرتہن کا حق مرہون میں حاصل نہ ہوا۔ عالمگیریہ میں ہے:

مالم یقبضه المرتهن لایثبت حکم ید الرهن له[3]۔	جب تک مرتہن اس پر قبضہ نہ کرلے اس وقت تک رہن کو اس کا مقبوض نہیں قرار دیا جاسکتا(ت)

ولہذا راہن کو قبل تسلیم اختیار رہتا ہے کہ رہن سے رجوع کرجائے اور مرتہن کو مرہون پر قبضہ نہ دے۔ درمختار میں ہے:

ینعقد بایجاب و قبول حال کونه غیر لازم فللراهن تسلیمه والرجوع عنه کما فی الهبة[4]۔	رہن کا انعقاد ایجاب و قبول سے ہوتا ہے جب کہ وہ ابھی غیر لازم ہوتا ہے تو راہن کو ابھی حق ہے کہ وہ مرتہن کو سونپ دے یا رجوع کرلے جیسا کہ ہبہ کا حکم ہے۔(ت)

اور صرف دستاویز میں لطافت حسین کا اقرار مزبور لکھا ہونا ثبوت کے لئے کافی نہ ہوگا جب تک اس اقرار پر گواہان شرعی نہ پیش کرے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل مات مدیونا لغرماء	ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جو مقروض

---

[1] العقود الدریة کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

[2] ردالمحتار بحوالہ العنایة کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۹۲

[4] درمختار کتاب الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

متعددین وقد کان رہن بدین احدھم مشاعا واظھر المرتھن محضرا وفیه الحکم بصحته ولزومه ھل یختص المرتھن به فی وفاء دینه ام لااجاب المقر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذحجج الشرعیة ثلثة وھی البینة و الاقرار والنکول کما صرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیھا[1] (ملتقطا)	تھااس کے متعدد لوگ قرض خور تھے جبکہ ان میں سے ایک کا قرض غیر منقسم رہن کے بدلے میں تھا تو اس مرتہن نے محضر نامہ دکھایا جس میں رہن کی صحت اور اس کے لزوم کا حکم تھا تو کیا اس مرتہن کو حق ہے کہ رہن کو اپنے قرض کے عوض اپنے لئے مختص کرلے یا اس کو یہ حق نہیں، توجواب دیا کہ علمائے احناف کے ہاں یہ بات طے شدہ ہے کہ محض خط قابل اعتبار اور قابل التفات نہیں ہے کیونکہ شرعی حجت تین چیزیں ہیں: گواہی، اقرار اور قسم سے انکار جیسا کہ خانیہ میں اقرار کی بحث میں تصریح ہے لہٰذا مذکور محضر نامہ اعتبار و التفات کے قابل نہیں جب تک اس کے مضمون کو کسی شرعی دلیل سے ثابت نہ کردیا جائے (ملتقطا)۔(ت)

ان دونوں صورتوں میں مصاحب جان کا دین مثل باقی دیون کے سمجھا جائے گا اور اس کو استحقاق تقدم شمس النساء پر نہ ہوگا کہ ذریعہ تقدم استحقاق مرتہن ہی تھا اور وہ پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، مگر جس طرح شمس النساء پر ترجیح نہیں شمس النساء کو بھی اس پر کوئی تفصیل نہیں کہ آخر جائداد و مہر میں بھی رہن نہ تھی اور مصاحب جان کا دین بھی دین صحت سے ہے اور مہر کو کسی دین صحت پر تقدم نہیں کہ وہ بھی مثل سائر دیون کے ایک دین ہے، درمختار کے باب نکاح الرقیق میں ہے:

وسادت المرأۃ الغرماء فی مھر مثلھا[2]۔	بیوی اپنے مہر مثل کی حد تک دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیه تصریح بان المھر کسائر	اس میں یہ تصریح ہے کہ مہر بھی دوسرے

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲

[2] درمختار کتاب النکاح الرقیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۵

الدیون[1]۔	قرضوں کی طرح ہے۔(ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

سئل فی رجل مات عن زوجته وعلیه دیون لجماعة استدان فی صحته فهل تکون هی اسوة الغرماء اجاب نعم[2] اھ ملخصًا۔	ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے متعدد قرضخواہ چھوڑے اور فوت ہونے پر بیوی کا مہر بھی اسکے ذمہ تھا جبکہ دیگر قرضے اس نے زندگی اور صحت میں لئے تھے تو بیوی دیگر قرضخواہوں کے مساوی ہوگی یا نہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں مساوی ہوگی اھ ملخصا(ت)

نہ کسی دین کا پہلے ہونا دوسرے پر باعث رجحان ہوسکے، نہ ایک قرضخواہ کے بطور خود جائداد مدیون پر قبضہ کرلینا دوسرے دائنوں کا حق ساقط کرسکے، نہ برادری کا وہ اختراعی رواج حقوق شرعیہ کا مزاحم بن سکے۔ یہ سب امور واضحات جلیلہ ہیں جنہیں ادنی فہم وتمیز رکھنے والا آفتاب کے مثل ظاہر وروشن جانتا ہے۔ پس اس تقدیر پر تمام متروکہ سے بعد صرف تجہیز وتکفین مصاحب جان کا قرض اور شمس النساء کا مہر اور ان کے سوا اور جو دین ذمہ لطافت حسین ہو سب ایک ساتھ حصہ رسد ادا کئے جائیں گے ایک کو دوسرے پر ترجیح ہوگی مثلاً قرض کے لطافت حسین پر بس یہی دو دین ہیں اور جائداد ان کو کافی خواہ ان سے زائد ہے تو دونوں دائنہ پورا پورا اپنا اپنا دین وصول کرلیں ورنہ قیمت ترکہ کو ۷۸۶۱ سہام پر منقسم کرکے ۵۶۲۰ سہام شمس النساء اور ۲۲۴۱ سہام مصاحب جان کو دیں کہ دونوں اس نسبت سے اپنے اپنے حق کو پہنچیں۔ بالجملہ حق شمس النساء کو بجہت مہریت خواہ تقدم وقوع خواہ رواج برادری، اصلاً تقدم نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از شہر کہنہ بریلی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے سمت جنوب زیر دیوار خام پشتہ عرض میں ۱۴ گرہ قدیم الایام سے واسطے حفاظت دیوار کے بنا ہوا ہے اور اسی دیوار میں ایک سمت کو بدرو کہ جس میں ہمیشہ سے پانی پاخانے اور بارش مکان خود ومکان برادر خود کا نکلتا ہے۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ متصل پشتہ دیوار قدیم مذکورہ بالا کے اراضی افتادہ ہے جس پر ہمیشہ یہ گزرگاہ عام تھی عمرو نے

[1] ردالمحتار باب النکاح الرقیق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۷۵

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

اس کو اپنا مقبوضہ کرکے باغیچہ لگایا ہے اب عمرو نے تھوڑا حصہ پشتہ مذکور کا غیبت میں زید کے کاٹ ڈالا اور بقیہ پشتہ موجود ہے اس میں ایک درخت ناشپاتی کا عمرو نے پشتہ مذکور کھود کر نصب کیا ہے۔ صرف غرض عمرو کی ان تصرفات سے یہ ہے کہ پشتہ مذکور کھود کر بدرو مذکور بند کرکے ایک مکان دیوار زید سے ملا کر بنایا جائے، آیا یہ تصرفات مذکورہ عمرو کے جائز ہیں یا ناجائز، حق ہیں یا ناحق؟ اور پشتہ ملکیت زید میں داخل ہے یا نہیں؟ اور آب جاری بدرو کو عمرو بند کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک، عمرو جب تک گواہان عادل شرعی ثابت نہ کرے کہ زمین پشتہ اس کی ملک ہے اسے اس کا کھود ناجائز نہیں، اور جب کہ بدرو قدیم سے ہے اور مکان کا ڈھال اس طرف ہمیشہ سے، تو زید کے لئے اس زمین میں پانی بہانے کا حق حاصل ہے، عمرو کو ہرگز جائز نہیں کہ دیوار بنا کر بدرو بند کردے اور کسی طرح اسے پاٹ دے یا اجرائے آب سے منع کرے اس کے یہ سب تصرفات ناحق ہوں گے۔

فی الھندیۃ عن محیط الامام شمس الائمۃ السرخسی عن الامام الفقیۃ ابی اللیث عن مشائخنا قدست اسرارھم انھم استحسنوا ان المیزاب اذاکان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم ولیس بمحدث ان یجعل لہ حق التسییل[1] اھ وفیھا عن البدائع لواراداھل الداران یبنواحائطا لیسدوا مسیلہ اوارادوا ان ینقلو المیزاب من موضعہ او یرفعوہ او یسفلوہ لم یکن لھم ذلك ولو بنی اھل الدار بنالیسیل میزابہ	ہندیہ میں امام شمس الائمہ سرخسی سے انہوں نے امام فقیہ ابو اللیث سے انہوں نے ہمارے مشائخ قدست اسرارھم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے قدیم پرنالہ جس کا پانی دوسرے کی حویلی کی چھت پر گرتا ہے، اور واضح طور پر معلوم ہو کہ یہ پرنالہ قدیم ہے جدید نہیں ہے کے متعلق استحسان کے طور پر فرمایا کہ اس پرنالہ والے کو حق ہے کہ وہ اس کو بہاؤ کے لئے قائم رکھے اھ، اور اس میں بدائع سے منقول ہے کہ اگر حویلی والے اس پرنالہ کا پانی روکنے کے لیے دیوار بنانا چاہیں یا اس پرنالہ کو وہاں سے ہٹانا چاہیں یا اونچا نیچا کرنا چاہیں تو ان کو یہ اختیار نہیں ہوگا ہاں اگر حویلی والے کوئی ایسی عمارت بنائیں جس کا پرنالہ اس کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۴

علی ظھرہ لھم ذٰلك [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔	چھت پر گرے تو ان کو جائز ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست رامپور محلّہ شاہ شور مرسلہ جناب مولٰنا مولوی محمد سلامت اللہ صاحب ۲۳/ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان مع چند دکاکین منجملہ مکانات اپنے کے بتعیین ہر چہار حدود جس کے سمت شرق و سمت شمال میں دیگر مکانات واقف تحریر ہیں وقف کیا اور متولی اس کا بکر کو کردیا، بکر کی جانب سے کرایہ دار موقوفہ میں کرایہ پر رہتے ہیں اور بکر بوصولی زر کرایہ مصرف خیر کرتا ہے ایک جزو مکان منجملہ موقوفہ کے کرایہ پر عمرو کو بکر متولی نے بوساطت خالد کے دیا اس نے سات مہینے کا کرایہ ادا نہ کیا تو بکر نے دعوی تخلیہ کا کیا، عمرو منکر ہوا اور ظاہر کیا کہ زینب و کلثوم سے کرایہ پر لیا ہے، عدالت نے حکماً زینب و کلثوم کو بھی بکر متولی سے مدعا علیہا بنوایا۔ زینب و کلثوم کا بیان یہ ہے کہ یہ مکان متنازعہ متروکہ محسن پدر واقف کا ہے، بعد فوت محسن مذکور کے ایک زید اور دوسرا حسن پدر مایاں دو ابن اور مسماۃ ہندہ زوجہ سہ کس وارث مع الحصر رہے، اول حسن فوت ہوا اسکے وارث زید اخ، اور ہندہ ام و مایاں دو بنات پھر ہندہ فوت ہوئی زید پسر اس کا وارث رہا، شیئ متروکہ وقف مشاع ہوا کہ وہ کسی طرح جائز نہیں، اور عمرو ہمارا کرایہ دار ہے، بجواب اس کے متولی نے لکھا کہ مورث مدعا علیہا مقر بر ملکیت واقف رہا ہے اور مدعا علیہا کو بھی وقف اور دیگر مکانات واقف تسلیم ہیں، زینب و کلثوم سے ثبوت طلب ہوا مدعا علیہا نے ایک بیعنامہ اسمی محسن پیش کیا جو مدعی کو تسلیم نہیں ہے اور جو گواہ پیش کئے ہیں وہ سماعی ہیں۔ مدعی نے ثبوت تسلیم وقف و ملکیت وقف جو مکانات جانب شرق و شمال بعد فوت واقف کے وعزیز عم و وارث بالحصر واقف سے مدعا علیہا نے خریدی ہیں جس کے بیع نامہ کے حد غرب میں مکان موقوفہ تحریر ہے پیش کیا اور گواہ جن کو عدالت نے بھی ثقات تسلیم کیا ہے، بر ثبوت دادن مکان متنازعہ پر کرایہ بہ عمرو و اقرار حسن پدر مدعا علیہا بملکیت واقف قبل از وقف سماعت کرائے ہیں جس کے بیان سے ثبوت بخوبی ہے جب کہ مکانات ملحقہ موقوفہ مدعا علیہا نے بہ تسلیم ملک واقف و تسلیم وقف حسب صراحت صدر خریدے ہیں جن کا بیع نامہ متولی نے پیش کیا ہے اور گواہان متولی سے کرایہ پر دینا اور اقرار پدر مدعا علیہا بملک و وقف ثابت ہے اور کاغذ وقف جو مسلمہ مدعا علیہا ہے وہ بھی موجود ہے ایسی حالت میں عدالت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۰۶

بموجب مسائل شرعی بجواز تخلیہ مکان کا کرایہ دار سے کرائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو ومستاجر کی بدنیتی اور اس سے وقف کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ صاف ظاہر ہے یہاں تک کہ اس نے اپنے بیان سے یہ چاہا کہ سرے سے وقف ہی کو معدوم کرے، لاجرم حاکم پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً بلا توقف مکان اس سے خالی کراکر متوفی کو سپرد کرے اگرچہ ہنوز مدت اجارہ کتنی ہی باقی ہو کہ ایسی صورت میں فسخ اجارہ لازم ہے۔ **الاسعاف فی احکام الاوقاف** میں ہے:

لوتبین ان المستاجر یخاف منه علی رقبة الوقف یفسخ القاضی الاجارة ویخرجه من یده [1]۔	اگر مستاجر سے یہ خطرہ واضح ہو کہ وہ وقف جائداد کو نقصان پہنچائے گا تو قاضی اس اجارہ کو فسخ کردے اور اس کے قبضہ کو ختم کردے۔ (ت)

بلکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اجرت مثل زائد ہوجائے اور مستاجر کرایہ بڑھانے سے انکار کرے تو اجارہ فسخ کردیا جائیگا نہ کہ جب اصلاً کرایہ دینا ہی نہ چاہے۔ درمختار میں **قبیل مایجوز من الاجارۃ** ہے:

وان کانت لزیادة اجر المثل فالمختار قبولها فیفسخها المتوفی فان امتنع فالقاضی ثم یؤجرها من یزاد [2]۔	اگر زائد کرایہ ملتا ہو تو دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز اور مختار ہے، متولی پہلے اجارہ کو فسخ کردے اگر وہ نہ کرے تو قاضی فسخ کرکے زائد دینے والے کو اجارہ پر دے۔ (ت)

غرض یہاں حکم اس قدر تھا کہ اجارہ فسخ اور تخلیہ لازم، اس سے زائد جو کارروائیاں اس مقدمے میں ہوئیں کہ عمرو کے مجرد بیان پر زینب وکلثوم کو اس دعوی کا مدعا علیہ بنوایا گیا ان کا جواب داخل ہوا متولی سے اس کا رد لیا گیا سب محض لغو وفضول وبے معنی ہیں ان کی طرف توجہ اصلا روا نہ تھی، نہ ان کے سبب متولی کو ڈگری دینے میں ایک منٹ کی تاخیر حلال تھی، نہ ہے۔ مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان کہ میں نے فلاں سے اجارہ لیا ہے اصلاً قابل سماعت نہیں ہوتا، نہ اس کے سبب خصومت اس سے چھوڑ کر فلاں کی طرف متعدی ہوسکتی ہے بلکہ وہی مدعا علیہ رہتا ہے اور جب مدعی اس پر

---

[1] الاسعاف فی احکام الاوقاف

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

اقامت بینہ کردے جیسا کہ یہاں واقع ہوا فوراً مقدمہ اپنی نہایت کو پہنچتا اور حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ مدعی کو ڈگری دے۔ در مختار میں ہے:

قال ذوالید ھذا المدعی بہ منقولا کان او عقار اودعنیہ او اعارنیہ او اٰجرنیہ او رھننیہ زید الغائب وبرھن علی ماذکر، دفعت خصومۃ المدعی للملک المطلق[1] ۔(ملخصًا)	قابض نے کہا کہ مدعی جس چیز کا دعوی کر رہا ہے اس کو میرے پاس زید نے جو غیر حاضر ہے نے امانت رکھا یا کہے اس نے عاریتًا یا اجرت پر دیا یا رہن رکھا ہے وہ چیز منقولہ ہو یا غیر منقولہ، او مدعی نے گواہی پیش کی ہو تو اس چیز میں مدعی کا دعوی ملک مطلق کے طور پر ثابت رہے گا (ملخصًا)۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

وان لم یقم البینۃ فھو خصم فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط[2] ۔	اگرچہ مدعی گواہی پیش نہ کرے تب بھی ظاہر روایت کے مطابق وہ فریق ہوگا جیسا کہ ہمارے اصحاب سے مروی ہے، محیط میں یوں ہے (ت)

اس فلاں کو (کہ زینب وکلثوم ہیں) مدعا علیہ بنانا اور اس کے لئے مقدمے کو روکنا صراحۃً شرع مطہر کے خلاف وگناہ ہوا۔ غمز العیون میں ہے:

یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام البینۃ علی سبیل الفور فلو اخر اثم لترکہ الواجب و ھو قضاؤہ بھا ویعزل ویعزر کمافی جامع الفصولین[3] ۔	دعوی پر جب گواہی ہو گئی تو قاضی پر لازم ہے کہ وہ فوراً دعوی کے مطابق فیصلہ دے اگر وہ تاخیر کرے تو گنہگار ہوگا اور وہ قابل معزول وتعزیر ہوگا جیسا کہ جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

طرہ یہ کہ زینب وکلثوم اس دعوی تخلیہ کی مدعا علیہ بن نہیں سکتیں کہ مکان ان کے قبضہ میں نہیں، غیر قابض سے تخلیہ چاہنا کیا معنی، نہ غیر ذی الید پر غیر فعل کا دعوی ہو سکے۔ اشباہ میں ہے:

الدعوی علی غیر ذی الید لاتسمع	غیر قابض پر دعوی قابل سماعت نہ ہوگا الخ

[1] درمختار کتاب الدعوٰی فصل فی دفع الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۰

الا فی دعوی الغصب فی المنقول واما فی الدور والعقار فلا فرق کما فی الیتیمیة [1]۔	یہ کہ دعوی منقولہ چیز کے غصب کا ہو، لیکن مکانات اور پراپرٹی میں کسی طرح بھی قابل سماعت نہ ہوگا جیسا کہ یتیمیہ میں ہے۔(ت)

اور جب سرے سے زینب وکلثوم اس دعوی کے احاطے میں آہی نہ سکیں توان کا جواب ان کی گواہیاں اور جو کچھ کارروائیاں اس پر ہوئیں اس وجہ پر سب محض مہمل و پادر ہوا ہیں کہ دفع دعوی صحیحہ پر مرتب ہوتا ہے جب دعوی مفقود تو دفع مردود، **وھذا کلہ ظاھر غیر مستنکر ولا محجود** (یہ تمام بیان ظاہر ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا۔(ت)اس کے بعد ان خللوں پر بحث کی حاجت نہیں جو زینب وکلثوم کے لئے بے حاصل ثبوتوں میں واضح طور پر موجود ہیں اور اگر کچھ نہ ہوتا تو شہادت ملک کا سماعی ہوتا اور محض کاغذ بیع نامہ بے شہادت کافیہ سے استدلال کرنا ہی ان کے ردمز عومات کو بس تھا خصوصًا جبکہ انکے مورث کا اقرار ثابت ہے کہ مکان مذکور پیش از وقف ملک واقف نہ تھا، درمختار میں ہے:

لایشھد احد بما لم یعاینه بالاجماع الا فی عشرة [2] الخ ولیس ھذا منھا۔	بالاجماع بغیر دیکھے کوئی بھی شہادت نہیں دے سکتا ماسوائے دس چیزوں کے الخ۔اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

خانیہ وخیریہ وعقود الدریہ وغیرہ میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة ھی البینة او الاقرار واما الصك فلا یصلح حجة [3]۔	قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ دے گا اور حجت صرف شہادت، اقرار اور قسم سے انکار ہے لیکن رسید تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۸۹

[2] درمختار کتاب الشھادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۲

[3] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹، فتاوی خیریہ باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۹ و ۲۳، الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشھادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوقف فصل فی دعوٰی الوقف الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے:

ادعی ارثا فبرھن المدعی علیہ ان مورثہ اقر ان المدعی لیس لہ او ھو ملك المدعی علیہ کان دفعا[1]۔	ایک نے وراثت کا دعوی کیا تو مدعا علیہ نے گواہی پیش کردی کہ اس شخص کے مورث نے اقرار کیا تھا کہ یہ چیز میری نہیں ہے یا یہ کہ یہ چیز مدعا علیہ کی ملکیت ہے تو اس شہادت سے دعوی کا دفاع ہوجائے گا۔(ت)

کلام یہاں تطویل ہے اور اسی قدر میں کفایت۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔

نوٹ

اٹھارہویں جلد کتاب القضاء والدعوی پر ختم ہوئی

انیسویں جلد کا آغاز کتاب الوکالۃ سے ہوگا۔

[1] جامع الفصولین الفصل العاشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۰

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۱۹

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
انیسویں جلد 6
فہرست مضامین مفصّل 9
فہرست ضمنی مسائل 67
کتاب الوکالۃ (وکالت کا بیان) 93
کتاب الاقرار 97
(اقرار کا بیان) 97
کتاب الصلحِ (صلح کا بیان) 119
کتاب المضاربۃ 129
(مضاربت کا بیان) 129
کتاب الامانات 153
(امانت کا بیان) 153
کتاب العاریۃ 173
(عاریت کا بیان) 173
کتاب الھبۃ 179
(ہبہ کا بیان) 179
فتح الملیک فی حکم التملیک ۱۳۰۸ھ 243
(بادشاہ کا اظہار تملیک کے حکم میں) 243
تفصیل تحریر جائداد مولوی صاحب موصوف 280
کتابُ الاجارۃ 405
(اجارہ کا بیان) 405
اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری ۱۳۰۲ھ 541

(دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی) 541

کتاب المنٰی والدرر لمن عمد منی اٰرڈر ۱۳۱۱ھ 563

(خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا) 563

کتاب الاکراہ 609

(اکراہ کا بیان) 609

کتاب الحجر 615

(حجر کا بیان) 615

کتاب الغصب 643

(غصب کا بیان) 643

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوی الرِّضۡوِیَّۃ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۱۹

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب________________فتاوی رضویہ جلد ۱۹

تصنیف________________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ________________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح__________مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ

باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت________________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ________________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات________________۶۹۲

اشاعت________________ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ / فروری ۲۰۰۱ء

مطبع________________

ناشر________________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت________________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ______ ۵

○ کتاب الوکالۃ ______ ۹۳

○ کتاب الاقرار ______ ۹۷

○ کتاب الصلح ______ ۱۱۹

○ کتاب المضاربۃ ______ ۱۲۹

○ کتاب الامانات ______ ۱۵۳

○ کتاب العاریۃ ______ ۱۷۳

○ کتاب الہبۃ ______ ۱۷۹

○ کتاب الاجارۃ ______ ۴۰۵

○ کتاب الاکراہ ______ ۶۰۹

○ کتاب الحجر ______ ۶۱۵

کتاب الغصب ______ ۶۴۳

فہرست رسائل

○ فتح الملیک ______ ۲۴۳

○ اجود القری ______ ۵۴۱

○ المنی والدرر ______ ۵۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ" سال کے مختصر عرصہ میں انیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ اور کتاب القضاء والدعاوی پر مشتمل اٹھارہ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ _____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ _____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ _____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ _____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ _____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ _____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ _____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ _____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ _____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ _____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ _____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ _____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ _____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ _____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ _____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ _____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ _____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ _____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰

انیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے صفحہ ۲۵۵ تک ۲۹۶ سوالوں کے جوابات اور ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف

نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔ پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) فتح الملیک فی حکم التملیک (۱۳۰۸ھ)

ہبہ اور تملیک میں فرق کا بیان

(۲) اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری (۱۳۰۲ھ)

دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی

(۳) المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر (۱۳۱۱ھ)

منی آرڈر کی فیس کا شرعی حکم

ذیقعد ۱۴۲۱ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

فروری ۲۰۰۱ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الوکالۃ		وکیل مطلق جسے معاف کرنے کا اختیار ہو معاف کردہ کو وہ واپس لے سکتا ہے یا نہیں۔	٩٤
ایک شخص اصالۃً بائع اور وکالۃً مشتری ہو سکتا ہے یا نہیں۔	٩٣	وکیل مطلق کو اگر صراحۃً موکل نے معاف کرنے کی اجازت دی ہو تو وکیل اور موکل کوئی بھی واپسی کا مجاز نہیں، اور مبہم اجازت ہو تو موکل کے عدم رضا کی صورت میں معاف کردہ رقم لے سکتا ہے۔	٩٥
بیع میں ایک شخص عقد کے دونوں طرف کا متولی نہیں ہو سکتا۔	٩٤	وکل مطلق کے معاملات کامالک ہوتا ہے، طلاق، عتاق اور تبرعات کا نہیں۔	٩٥
عقد نکاح میں ایک شخص طرفین کا متولی ہو سکتا ہے۔	٩٤	پیشہ وکالت کا سوال۔	٩٥
صورت مسئولہ میں مال بائع کا گیا اور موکلوں کا روپیہ وکیل اپنی جیب سے ادا کرے۔	٩٤	مروجہ وکالت جس میں عموماً حق کو ناحق اور جھوٹ کا کاروبار ہوتا ہے ناجائز ہے۔	٩٥
وکیل بیع وشراء واجارہ اپنے ایسے رشتہ داروں سے بھی معاملہ نہیں کر سکتا جن کی شہادت اس کے حق میں قبول نہ ہو۔	٩٤	**کتاب الاقرار**	
موکل ایسی بیع کی اجازت دے چکا ہو تو جائز ہے مگر اپنی ذات کے لئے ایسی بیع کی اجازت دے دی ہو تب بھی بیع ناجائز ہے۔	٩٤	قاضی کے حضور کئے ہوئے اقرار سے انکار مردود ہوگا اور مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا۔	٩٧

قاضی کے حضور غلام کے ہبہ کرنے کا اقرار کیا تو اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا۔	۹۷	قرضدار کا حق مالیت میں ہے مال میں نہیں۔	۱۰۰
اقرار میں خطا کا دعوی مردود ہوگا۔	۹۷	بے تراضی جائداد کو قرضہ میں لینا ظلم ہے یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم الآیۃ سے مسئلہ پر استدلال۔	۱۰۰
اقرار مورث بشہادت معززین مقدار مہر حسب اقرار مورث بنابر اقرار مورث جائداد مقرلہ پر قبضہ سے "سوال"۔	۹۸	ہدایہ سے استدلال کی توثیق۔	۱۰۱
مرض الموت میں مورث کا اقرار بے تصدیق ورثہ مقبول نہیں۔	۹۸	قرضخواہ قرضدار کے مال سے خلاف جنس چیز بے رضا قرضدار نہیں لے سکتا۔	۱۰۱
مقدار مہر مثل تک کا اقرار مرض الموت میں بھی صحیح ہے۔	۹۸	خلاصۃ الفتاوٰی باب الوصایا کی عبارت سے غلط استدلال کی تردید۔	۱۰۱
ثبوت نکاح سے مہر مثل ثابت ہوجاتا ہے۔	۹۸	عبارت خلاصہ میں کاتب کی غلطی کی تصریح اور اس عبارت کی تصحیح۔	۱۰۲
مہر مثل تک عورت کا دعوی بلاگواہ ثابت ہے۔	۹۸	بیع العین فی حق المہر کے حق میں تصرفاتِ قاضی و وصی سے استدلال کا رد اور وجہ فرق کا بیان۔	۱۰۳
مسئلہ مسئولہ کا جزئیہ فتاوٰی خیریہ سے۔	۹۹	مسئلہ اطلاق بیع العین فی المہر میں صاحب خلاصہ کی عبارت کا صحیح محل۔	۱۰۳
زائد از مہر مثل میں گواہ یا تصدیق ورثہ کی ضرورت ہوگی۔	۹۹	صورت مسئولہ میں عورت کا مہر کے معاوضہ میں جائداد پر قبضہ کرنا غلط ہے، اور شوہر کے **قول جائداد غیر منقولہ** سے وصول کرنے کا مطلب قبضہ سمجھنا غلط ہے۔	۱۰۴
مسئلہ کی تصدیق خیریہ سے۔	۹۹	مسئلہ مذکورہ کے دلائل	۱۰۴
دین مال حقیقی نہیں مال حکمی ہے۔	۱۰۰	مورث مرض الموت میں اپنی جائداد کسی وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ نہ فروخت کرسکتا ہے نہ اس کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔	۱۰۴
دین کی ادا اس کے مثل مال سے ہی ہوسکتی ہے۔	۱۰۰	جامع الفصولین اور حدیث مبارک سے اس مسئلہ کا جزیہ دین غیر محیط الترکہ مانع ملک ورثہ نہیں۔	۱۰۵
دین اور عین میں تباین ہے۔	۱۰۰	دین محیط میں ورثہ کو اختیار ہے کہ قرض اپنے پاس سے ادا کریں اور ترکہ پر قابض ہوں۔	۱۰۵

دین مستغرق میں قاضی ترکہ کی جائداد تبھی فروخت کرسکتا ہے کہ دیگر ورثہ موجود رہیں۔	۱۰۵	وعدہ اور اقرار کافرق اور دونوں کا حکم۔	۱۱۱
امام اخصب کے فتوی الظفر بخلاف الجنس کا صحیح محل۔	۱۰۶	جائداد کا اپنے بیٹے کے لئے اقرار کرکے اس کی وفات کے بعد مکرنے کا سوال۔	۱۱۲
وصیت اور اقرار کا مشترکہ سوال۔	۱۰۶	مقر کا اپنے اقرار سے پھرنا شرعاً جائز نہیں۔	۱۱۲
مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ صحت اقرار کی مانع نہیں۔	۱۰۷	ہدایہ، اشباہ، درمختار وغیرہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۱۲
چھ چیزوں کے علاوہ مقرلہ کے انکار سے اقرار رد ہوجاتا ہے اور انکار کے بعد قبول صحیح نہیں۔	۱۰۷	باپ کو بیٹے کے ترکہ سے سدس ملے گا۔	۱۱۳
وصیت کے مسائل۔	۱۰۸	مشاع کا ہبہ باطل ہے۔	۱۱۳
حالت صحت میں کسی جائداد سے متعلق اقرار کا سوال۔	۱۰۸	شیوع مقارن اور شیوع طاری کے احکام میں فرق ہے۔	۱۱۳
حالت صحت میں شوہر کے لئے کسی جائداد کے اقرار کے بعد مقرہ کے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں۔	۱۰۸	اقرار سے پھرنے اور بیع نامہ کے عاقدین پر حجت ہونے اور نہ ہونے سے سوال۔	۱۱۳
مسئلہ کا جزئیہ عقود الدریہ سے۔	۱۰۸	بیع کے بعد ثبوت استحقاق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت ہے۔	۱۱۵
مسئلہ مسئولہ میں شوہر کے لئے حکم دیانت	۱۰۸	مقر اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتا۔	۱۱۵
خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، انقرویہ، ہندیہ وغیرہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۰۹	تحریر بیع نامہ عاقدین پر حجت ہے۔	۱۱۶
زمین کے عاریت پر دے کر واپس لینے اور زمین مستعار میں مستعیر کے اولتی نہ لگانے کے وعدہ سے متعلق سوال۔	۱۱۰	چوحدی میں مکان کی کسی دیوار کو تیسرے کی ملک دکھانا مشتری کا اس دیوار کے ملکِ غیر ہونے کا اقرار ہے۔	۱۱۶
عاریت دینے والے کو واپس لینے کا حق ہے۔ اور لینے والے پر لوٹانا واجب۔	۱۱۱	ذوالید کا جائداد مقبوضہ کے بارے میں یہ کہنے سے سوال کہ اس جائداد میں میرا حق نہیں۔	۱۱۶
مسئلہ کے نصوص قرآن واحادیث سے۔	۱۱۱	مدعی منازع کے مقابلہ میں اگر کوئی اقرار کرے تو صحیح ہے اور اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہے اور بلا کسی منازع کے یہ کہا تو اس کا قول لغو ہے۔	۱۱۶

عالمگیری سے جزئیہ کی تصدیق	۱۱۷	ورثہ کے درمیان تقسیم ترکہ پر صلح کی چند صورتوں کے حکم کا بیان۔	۱۲۲
مقر کے اقرار سے پھرنے کی صورت میں مقر قاضی کے روبرو اقرار صحیح ہونے کی قسم مقرلہ سے لے سکتا ہے۔	۱۱۷	ترکہ میں دین ہونے کی صورت میں صلح کا سوال۔	۱۲۳
صورتِ مسئولہ میں مقر مدعی اور مقرلہ مدعی علیہ ہے	۱۱۷	اگر ورثہ میں نابالغ ہوں تو اس طرح کی صلح جس سے ان کے حصہ شرعی پر اثر پڑے ناجائز ہے۔	۱۲۵
کتاب الصلح		دین اور جائداد دو علیحدہ الفاظ ہیں، ایک بول کر دوسرا مراد نہیں ہوسکتا۔	۱۲۵
متوفی نے ترکہ میں دین اور عین دونوں چھوڑا، وارثوں میں سے متوفی کے ایک بھائی نے صرف سوروپیہ لے کر ورثہ سے صلح کرلی، اس صلح اور ورثہ کے حصہ سے سوال۔	۱۱۹	ترکہ دین ہو تو صحت صلح کی شرط یہ ہے کہ دین کو صلح سے علیحدہ کیا جائے۔	۱۲۵
قرض خواہ اور قرضدار کے علاوہ دین کے بارے میں کسی سے صلح جائز نہیں۔	۱۱۹	غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا جائز نہیں۔	۱۲۶
مسئلہ کا جزئیہ درمختار سے۔	۱۲۰	صلح کا بعض حصہ باطل ہو تو بقیہ متضمنات بھی باطل ہوجائیں گے۔	۱۲۶
صاحب درمختار پر تطفل۔	۱۲۰	وہ ابراء جو صلح سے متعلق ہو بطلان صلح کے ساتھ باطل ہوجاتا ہے۔	۱۲۶
صورت مسئولہ میں فساد صلح کے لئے دین کی صلح میں داخلہ کی تنصیص ضروری نہیں، صرف دین کا صلح میں داخل ہونا کافی ہے اور صحت صلح کے لئے یہ تنصیص ضروری ہے کہ دین صلح میں داخل نہیں۔	۱۲۰	بطلان ابراء کی وجہ اشباہ اور غمز العیون کے دو اصول نہیں بلکہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔	۱۲۶
مسئلہ کے دونوں رخ کے لئے علی الترتیب شامی اور بزازیہ اور عالمگیری کے نصوص۔	۱۲۰	متضمن فاسد ہو تو متضمن فاسد ہوجاتا ہے۔	۱۲۶
ترکہ میں نقد ہو اور احد الشرکاء نے اپنے حصہ سے کم پر صلح کی تو یہ صلح ربا ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔	۱۲۱	دستاویزوں میں عادۃً جو ابراء اس کے اخیر میں تحریر ہوتا ہے وہ صلب عقد میں داخل نہیں ہوتا، اس لئے متضمن نہیں ہوگا۔	۱۲۶
مسئلہ کی شامی سے تائید۔	۱۲۲	اقرار سلب عقد میں نہ ہو تو صلح فاسد میں اقرار کے بعد دعوی جائز ہے۔	۱۲۷
مورث پر دین ہو تو صلح تخارج کی یہ صورت ہے کہ دین کی ذمہ داری ورثہ لے لیں۔	۱۲۲		

اقرار اور ابراء میں فرق ہے، اول تملیک اور ثانی اسقاط ہے، اس لئے دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ہوگا۔	۱۲۷	اسی طرح مضارب اپنی محنت کا کوئی معاوضہ مقررہ حصہ کے علاوہ نہیں طلب کرسکتا۔	۱۳۱
جو چیز فاسد پر مبنی ہو فاسد ہوگی۔	۱۲۷	ہندیہ، ہدایہ اور درمختار سے اس امر کے جزئیات کہ جس شرط سے منافع میں جہالت پیدا ہو وہ عقد مضاربت کو فاسد کردیتی ہے اور جو شرط ایسی نہیں ہے خود فاسد ہوجاتی ہے عقد صحیح رہے گا۔	۱۳۱
حموی شارح اشباہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ، جس پر صلح ہوئی اس سے ابراء اور تمام دعاوی و خصومات سے ابراء علیحدہ علیحدہ امر ہیں، اول کا حکم یہ ہے کہ صلح باطل ہوئی تو ابراء باطل، اور دوسرے کا حکم یہ ہے کہ صلح باطل ہو تب بھی ابراء صحیح ہے۔	۱۲۸	عقد مضاربت فاسد ہوجائے تو مضارب اجیر ہوجاتا ہے کام پر اُجرت مثل پائے گا۔	۱۳۲
صلح رضا عنداللہ بھی صلح ہے، اور مجبوری کی صلح کی تو عنداللہ حق باقی ہے۔	۱۲۸	مضاربت میں نفع معین سے سوال وجواب۔	۱۳۳
کتاب المضاربۃ		نفع عین کا ایک اور سوال وجواب۔	۱۳۳
عقد مضاربت ہنود کے ساتھ جائز ہے یانہیں۔	۱۲۹	عقد مضاربت میں نفع کے جز شائع کے تعین کا وقت جائے تجارت کی تعیین و تعمیم اور مصارف تجارت کی مقدار سے سوال۔	۱۳۴
ہندو مسلمان دونوں کے ساتھ جائز ہے مسلمان کے ساتھ اس عقد میں یہ شرط لگانا جائز نہیں کہ ہم نقصان کے ذمہ دار نہیں، اور یہاں غیر مسلم کے ساتھ جائز ہے۔	۱۲۹	نفع میں جز شائع کی تعیین عقد کے وقت ضروری ہے، جہالت کی صورت میں عقد فاسد ہوجاتا ہے۔	۱۳۴
عقد مضاربت میں مقدار معین پر معاملہ کرنے کا سوال تعین نفع پر معاملہ مضاربت حرام ہے۔	۱۲۹	درمختار اور ہندیہ سے مسئلہ کے جزئیات۔	۱۳۵
صاحب مال کو ایسا نفع لینا اور مضاربت کو دینا دونوں کے لئے حرام ہے۔	۱۳۰	عقد مطلق ہو تو مضارب تجارت میں آزاد ہے، اور بہتر یہی ہے۔	۱۳۵
مسئلہ کے جزئیات شامی، عالمگیری اور ہدایہ سے۔	۱۳۰	رب المال جگہ، شخص، وقت، جس کی قید لگادے گا مضارب پر اس کی پابندی ضروری ہوگی۔	۱۳۶
عقد مضاربت میں تاوان مضارب پر ڈالنے کا سوال۔	۱۳۱	رب المال کو مال کی خریداری سے قبل قید لگانے کا حق ہے مالک کی خریداری کے بعد نہیں۔	۱۳۶
مضاربت پر تاوان کی شرط فاسد ہے، رب المال مضارب سے تاوان نہیں وصول کرسکتا۔	۱۳۱		

مسئلہ کا جزئیہ درمختار سے۔	۱۳۶	اخراجات سفر مضارب اپنے پاس سے کرے تو معاوضہ پائے گا، اس صورت میں مال مضاربت تلف ہوگیا تو اس کا خرچ بھی گیا۔	۱۴۰
عقد مطلق میں مضارب کو کسی دوسرے کو مضاربت پر مال دینے کا حق نہیں، اور اجازت دی کہ تو جیسا چاہے کر، تو اختیار وسیع ہوگا اور اس کو یہ حق حاصل ہوگا۔	۱۳۶	عقد مضاربت میں جو رقم خرچ کے نام سے دی جاتی ہے وہ مال مضاربت میں شامل ہوتی ہے ہاں الگ رقم دے کر تصریح کرے کہ میں سفر خرچ کے لئے تبرعاً دے رہا ہوں تو خرچہ کو حساب میں نہ جوڑا جائے گا۔	۱۴۱
کسی کو قرض دینے کے لئے مالک کی صریح اجازت درکار ہے۔	۱۳۶	رب المال کو مقید کو مطلق کرنے کا ہر وقت اختیار ہے۔	۱۴۱
درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۶	منافع متعینہ کی قید سے سوال وجواب۔	۱۴۱
اس امر کی تفصیل کہ مضارب کو کون کون سے مصارف وصول کرنے کا حق ہے۔	۱۳۷	مال مضاربت سے اخراجات مختلفہ کا سوال۔	۱۴۲
درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۷	جو مصارف کارِ خیر میں صرف کئے گئے سب مضارب کے مال سے شمار ہوں گے۔	۱۴۲
اخراجات بقدر حاجت ملیں گے، حاجت سے زائد ناجائز، جس کا تاوان دینا ہوگا۔	۱۳۸	جس شہر میں مضاربت ہو وہاں رہ کر جو اپنے پر خرچ کیا وطن اصلی اور وطن اقامت میں جو اپنے پر خرچ کیا وہاں تک کے سفر کا خرچہ کہ شام تک گھر لوٹ آئے سب مضارب کے مال سے ہوں گے۔	۱۴۳
مضارب کے وطن میں رہ کر تجارت کرنے پر نفقہ پانے اور سفر خرچ کے مختلف مالوں سے ادا کرنے کی مختلف صورتوں کا سوال۔	۱۳۸	مضاربت فاسدہ ہو تو اجرت مثلی کے علاوہ کوئی صرفہ نہیں ملے گا۔	۱۴۳
مضارب وطن اصلی میں تجارت کرے تو اخراجات پانے کا مستحق نہیں، وطن اقامت میں عقد مضاربت کی اور وہیں تجارت کرنے لگا، تب بھی سفر خرچ نہیں پائے گا، ہاں دوبارہ تجارت کے لئے جائے گا تو پائے گا۔	۱۳۹	جائز اخراجات کی تفصیل جو مال مضاربت سے ادا کیا جائے گا۔	۱۴۳
بدائع، محیط، فتاوٰی ظہیریہ، بحرالرائق، شامی کے جزئیہ کی تصدیق۔	۱۳۹	جو اخراجات مال مضاربت پر ڈالے گئے ہیں اس سے ادا کئے جائیں اور جو مضارب پر وہ اس کے مال سے۔ اس کے پاس مال نہ ہو تو قرض دار ہوگا۔	۱۴۳
عقد مضاربت میں مال مضاربت کی مقدار کا متعین کرنا ضروری ہے۔	۱۴۰		

یہ سارے احکام اس صورت میں ہیں کہ مضارب نے مال مضاربت کو اپنے مال میں مخلوط نہ کیا ہو اور خلط کیا ہو تو اجازت صریحی یا عرفی حاصل رہی ہو۔	۱۴۳	منافع میں سے ایک آنہ فی روپیہ دینا یہ بھی جائز ہے اور مال مضاربت پر ایک آنہ فی روپیہ دینا سود ہے۔	۱۵۱
اگر اس کے خلاف خلط کیا ہو تو اجارہ فاسد ہوگا، اور تمام مصارف مضارب پر ڈالے جائیں گے کہ اس صورت میں وہ غاصب ہے۔	۱۴۴	**کتاب الامانات**	
اس سے جو منافع ہوا کل غاصب کا ہے، لیکن امام محمد کے نزدیک سب کو صدقہ کردینا چاہئے۔ البتہ منافع خلاف جنس سے ہو تو حلال ہے۔	۱۴۴	ظفر بجنس حقہ کا سوال۔	۱۵۳
مسائل کا جزئیہ شامی وغیرہ کتب سے۔	۱۴۴	قرضخواہ جب قرضدار کے پاس اپنے حق کی جنس سے کوئی چیز پائے اور معلوم ہو کہ دوسرے کی ہے تو اس کو لینا جائز نہیں، اور علم نہ ہو تو لے سکتا ہے۔	۱۵۳
تطفل علی الشامی۔	۱۴۴	قبضہ دلیل ملک ہے۔	۱۵۳
مصنف کی طرف سے خلط مال کا ضابطہ۔	۱۴۴	خلاف جنس کے لینے میں علماء کا اختلاف ہے۔	۱۵۴
خانیہ اور ہدایہ سے خلط کی صریح اور عرفی اجازت کی تشریح۔	۱۴۶	امین سے غاصب نے زبردستی چھین لیا تو امین ضامن نہیں، ورنہ امین اور غاصب دونوں ضامن ہیں، صاحب مال جس سے چاہے وصول کرے۔	۱۵۴
"اعمل برایک" کلماتِ اجازت میں سے ہے۔	۱۴۷	وکیل کے پاس پیسہ ضائع ہونے کا سوال۔	۱۵۴
وجیز کردری سے مال مضاربت کے مال مضارب سے خلط کی ایک صورت کا بیان۔	۱۴۸	وکیل کی تقصیر سے ضائع ہوا تو تاوان دینا ہوگا ورنہ نہیں۔	۱۵۵
بزازیہ کی ایک عبارت پر استدراک۔	۱۴۸	دلال کپڑا بھول گیا کہ کس دکان پر چھوڑا ضامن ہوگا۔	۱۵۵
مضاربت میں نفع کی تعین اور عدم تعین سے سوال۔	۱۵۱	درم اور دینار کی تھیلی گھر میں رکھ دینا، اس کی حفاظت نہیں۔	۱۵۵
جو جی میں آئے دے دینا اس طرح مضاربت جائز ہے۔	۱۵۱	کسی نے نوٹ تڑوانے کو دیا، راستہ میں گم ہوگیا، اگر اس کی کوتاہی کو دخل ہو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔	۱۵۵

عاریۃ کی چیز ضائع ہونے سے سوال۔	۱۵۵	چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر ہوتا ہے اس کی مرضی کے مصرف میں خرچ ہونے کے بعد جو باقی بچا اس کو واپس کیا جائے یا اس کی اجازت سے کسی اور مصرف خیر میں خرچ ہو۔	۱۶۱
عاریۃ لینے والے کی کوتاہی سے چیز ضائع ہو تو تاوان ہے، اور کوتاہی نہ ہو تو تاوان لینا حرام ہے اگرچہ معیر بخوشی دے۔	۱۵۵	متوفی نے چندہ کی رقم اپنے مصرف میں صرف کرڈالی اور اپنا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں لگادیا تو جو اپنی رقم خرچ کی اس میں متبرع ہوا اور چندہ دہندوں کا تاوان دے۔	۱۶۱
عاریت لینے اور دینے والوں نے پیشگی شرط کرلی کہ ضیاع کی صورت میں تاوان ہوگا تب بھی بلا تقصیر ضیاع پر تاوان لینا ناجائز ہے۔	۱۵۵	عورت ماں باپ کے پاس شوہر کا مال کب امانت رکھ سکتی ہے اور کب نہیں۔	۱۶۳
امانت کی حفاظت اور تقصیر کی ایک صورت کا بیان، اور ہندیہ اور عقود الدریہ سے جزئیہ کی تصدیق۔	۱۵۷	عام طور سے شوہر عورت کو پہننے کے لئے جو زیور دیتا ہے عاریۃ ہے، طلاق کی صورت میں اس کی واپسی کا شوہر حقدار ہے، عورت ضائع کرے تو اس پر تاوان ہے۔ شوہر نے عورت کو کوئی چیز امانۃً دی، ماں باپ اس کے ساتھ رہتے ہوں اور قابل بھروسہ ہوں تو ان کے حفظ میں دے سکتی ہے ورنہ نہیں۔	۱۶۳
اجیر کے پاس سے چیز کے ضائع ہونے میں کب تاوان ہے اور کب نہیں۔	۱۵۷	مالک غاصب اور غاصب غاصب دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان وصول کرے۔	۱۶۴
وکالت کے مال میں وکیل کے تصرفات سے سوال۔	۱۵۹	امین نے اپنی جیب میں امانت کی کوئی چیز رکھی اور کسی نے چرالی یہ امانت میں تقصیر نہیں، پھٹی جیب میں رکھی تو تقصیر ہے، ضائع ہونے پر تاوان دے۔	۱۶۴
موکل نے کسی پر تبرع اور احسان کے لئے مال دیا اور فاضل کی واپسی کی شرط لگادی تو بقیہ مال کی واپسی کا موکل حقدار ہے، متبرع یا اس کے وارثوں کا بقیہ مال میں کوئی حق نہیں۔	۱۶۰	کافر کا قرض مسلمان پر تھا، دینے کی نیت تھی کہ قرض خواہ مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، اس زمانہ میں ایسا مال لاوارث مال ہے، اور فقراء ومساکین اس کے مستحق یا مساجد ومدارس میں صرف کیا جائے یا قرضدار فقیر ہو تو خود لے لے، کافر کی طرف سے اس کا تصدق حرام اور اس سے اجر وثواب کی نیت کی تو کفر۔	۱۶۵
اس قسم کے مال کا حکم چندہ کا ہے۔	۱۶۱	زید کو کسی نے امانۃً کچھ روپے دیئے، زید اپنی طرف سے ماہ بماہ کچھ پیسے تبرعاً دیتا رہا، اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس روپیہ کو اجازت یا بغیر اجازت صرفہ میں لایا اور اس کی وجہ سے وہ ماہانہ دیا تو سود، اور تبرعاً دیا تو سود نہیں، مگر احتراز اولی، اور بے اجازت کی صورت میں غاصب بھی ہوگا۔	۱۶۵

انجمن، مسجد، مدرسہ کے مہتمم نے ادارہ کا روپیہ کسی کے پاس امانۃ رکھ دیا تو اس میں کسی قسم کا ردوبدل یا تصرف حرام و خیانت ہے، ہاں چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی صریح یا عرفی اجازت ہو تو حرج نہیں، مگر اب یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہوگا۔	۱۶۶	مدت عاریت میں عملہ اجاڑنے کے لئے مجبور کیا تو اُجڑنے میں عملہ کی جو قیمت ہوگئی اس کو عاریت دینے والا برداشت کرے۔	۱۷۴
امانت میں تصرف کا حکم اور تاوان کی صورت۔	۱۶۷	ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۷۴
واعظ کو جو روپیہ سفر خرچ کے لئے دیا اس کے ہاتھ میں امانت ہے جو اس مصرف کے علاوہ خرچ ہوا یا بچا اس کو واپس کرے۔	۱۶۸	عاریت اور امانت کی واپسی کب صحیح ہے کہ تاوان سے بری، اور کب نہیں، تاوان دینا ہوگا، واپسی میں اگر بیچ میں کوئی واسطہ ہو تو کب وہ ذمہ دار ہوگا، اور کب دونوں۔	۱۷۴
واپسی فیس اسی روپیہ سے ادا کی جائے گی۔	۱۶۸	غایۃ البیان اور تنویر الابصار سے مسائل کی تصدیق و توضیح۔	۱۷۴
امانت کے ضیاع کے حکم کا بیان۔	۱۷۱	**کتاب الھبۃ**	
کتاب العاریۃ		ہبہ بلاعوض میں تملیک وقبضہ اور موانع رجوع سے سوال۔	۱۷۹
عاریۃ کی زمین میں مکان بنایا، صاحب زمین کو مستعیر کے ہاتھ زمین بیچنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۱۷۳	مسائل کا جزئیہ تنویر الابصار سے۔	۱۸۰
عدم رضا کی صورت میں مستعیر اپنا عملہ اجاڑ لے یا زمین والے سے اُجڑے ہوئے کی قیمت لے لے۔	۱۷۳	ہبہ میں تملیک وقبضہ موہوب لہ کے بعد دوسرے کو ہبہ کرنے کا سوال۔	۱۸۰
اجاڑنے میں زمین کو نقصان ہونے کی صورت میں زمین والے کو اختیار ہوگا چاہے زمین کا نقصان برداشت کرے، چاہے عملہ کی قیمت ادا کرے۔	۱۷۴	موہوب لہ ثانی کے عدم قبضہ اور محاصل کے جز حصہ پر صلح اور اس سے مکرنے کا سوال۔	۱۸۰
		مالک اصلی جب موہوب لہ کو تملیک کردے اور اسے قبضہ دلادے تو شیئ موہوب اس کی ملک سے خارج ہو جاتی ہے، اس کا کسی دوسرے کو ہبہ کرنا موہوب لہ اول کی رضا پر موقوف ہوگا۔	۱۸۲

موہوب لہ اول زبان سے اجازت دے دے اور شیئ موہوب پر قبضہ نہ دے تو ہبہ تام نہ ہوگا۔	۱۸۲	موہوب لہ کو مشاع پر قبضہ بھی دلادیا تو اس کی ملک نہ ہوگی، نہ اس میں اس کے تصرفات نافذ ہوں گے۔	۱۹۰
اگر دونوں کو ہبہ کیا ہو تو تقسیم کرکے قبضہ دلانا ضروری ہے۔	۱۸۲	ایسے ہبہ میں خود واہب اور اس کے ورثہ کو رجوع کا اختیار رہتا ہے۔ قبضہ اور رشتہ اس کا مانع نہیں۔	۱۹۱
تنویر الابصار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۲	ہبہ صحیح بھی بے قبضہ کامل تمام نہیں ہوتا۔ اور بعد موت واہب اس میں وراثت جاری ہوگی۔	۱۹۱
ماں کا نابالغ کی جائداد ولایۃ ہبہ کرنے، اور لڑکے کے بالغ ہو کر اس کی تصدیق کرنے اور اسے برقرار رکھنے سے سوال۔	۱۸۵	ایسے ہبہ میں اگرچہ یہ تحریر ہو کہ مجھ کو اور میرے ورثہ کو اس میں کوئی حق نہ ہوگا بیکار ہے، ہبہ صحیح نہیں۔	۱۹۲
مال کے معاملہ میں ماں لڑکے کی ولی نہیں۔	۱۸۷	ہبہ بلاقبضہ میں واہب کو قبضہ دلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۱۹۲
ولی یعنی باپ کو بھی نابالغ کے مال سے ایک حبہ کسی کو دینے کا اختیار نہیں۔	۱۸۷	ہبہ میں جہاں رجوع جائز ہے اس سے مراد قبضہ کے بعد ہے۔	۱۹۲
نابالغی کے ایسے تصرفات کو صغیر بالغ ہو کر جائز کرے تو جائز نہیں۔	۱۸۸	رجوع کا حق شرعی ہے، واہب اپنے قول یا تحریر سے اسے باطل نہیں کرسکتا۔	۱۹۲
عقد فضولی میں مجیز عقد کا اجازت کا اہل ہونا ضروری ہے۔	۱۸۸	ایسی جائدادوں سے سوال، جس کو زید نے اپنے اور دیگر مختلف ناموں سے خریدا مگر زندگی بھر سب پر خود قابض اور متصرف رہا۔	۱۹۳
حالت بلوغ میں مجیز کی ایسی اجازت جو ابتداءً کی صلاحیت رکھے نافذ ہے۔	۱۸۸	زید نے جو جائداد اپنے نابالغ بچہ کے نام سے خریدی اس کا مالک لڑکا ہوگیا گو تصرف باپ کا رہا ہو۔	۱۹۴
جس ہبہ نامہ میں نسلاً بعد نسلٍ قابض ودخیل رہیں لکھا ہو وہ وصیت نہیں ہوسکتی۔	۱۸۸	نابالغ کی جائداد پر ولی کا قبضہ بربنائے ولایت ہے۔	۱۹۴
جائداد کی آمدنی کا ہبہ صحیح نہیں۔	۱۸۹	نابالغ کو ہبہ صرف عقد سے ہی مکمل ہوجاتا ہے،	۱۹۴
مشاع کا ہبہ صحیح نہیں۔	۱۸۹	باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ ہے۔	۱۹۴

بلوغ کے بعد لڑکے کا بے اختیار ہونا اس کے ملک کا مانع نہیں جیسے سعادت مند بیٹوں کو باپ کے قابض اور متصرف بنادینے سے جائداد اور مال باپ کی ملک سے نہیں نکلتا۔	۱۹۵	بخاری ومسلم وسنن اربعہ سے ممانعت کی حدیث کی تخریج۔	۱۹۹
"فع" فتاوی العصر کی طرف اشارہ ہے۔	۱۹۵	رجوع عن الہبہ سے سوال۔	۲۰۰
"ظم" امام ظہیر الدین مرغینانی کا رمز ہے۔	۱۹۵	جائداد موہوبہ مشاع قابل تقسیم ہو تو تقسیم کرکے قبضہ دلانا ضروری ہے۔	۲۰۰
"بخ" امام بکر خواہر زادہ کا اشارہ ہے۔	۱۹۵	فقیروں کو ہبہ صدقہ ہے، اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں۔	۲۰۰
نابالغ لڑکے کے نام جائداد خریدی اور بعد میں کہا کہ یہ جائداد میری ہے، لڑکے کے نام اسم فرضی تھا، باپ کا قول غلط، جائداد لڑکے کی ہوگی۔	۱۹۶	فقیروں کی تعریف اور ان کی تفصیل۔	۲۰۰
ایسی زمین جو زید نے نابالغ لڑکوں کے نام خریدی اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، ایسے ہی اس زمین میں بھی جو نابالغ نے بالغ ہوکر اپنے لڑکوں کے نام خریدی۔	۱۹۶	بھتیجے ذی محرم ہیں اور یہ رشتہ موانع رجوع میں سے ہے۔	۲۰۰
مشترک مال سے کسی نے اپنے نام جائداد خریدی اس کا مالک خریدار ہوگا، البتہ شرکاء کے حصہ کا تاوان اس پر لازم ہے۔	۱۹۶	موت احد العاقدین بھی مانع رجوع ہے۔	۲۰۱
ہبہ بلا قبضہ سے سوال۔	۱۹۷	درمختار اور قدوری سے مسائل کے جزیئے۔	۲۰۱
ہبہ بلا قبضہ باطل ہے۔	۱۹۷	مشاع کا ہبہ صحیح نہیں۔	۲۰۲
رجوع عن الہبہ کا سوال۔	۱۹۸	موہوب مشاع سے رجوع کے لئے کوئی شرط مانع نہیں۔	۲۰۲
موانع رجوع کی آٹھ شرطوں کا بیان۔	۱۹۸	طحاوی، قاضی خاں، ابن رستم وغیرہ سے حوالے۔	۲۰۲
ذی رحم محرم کی تفصیل۔	۱۹۸	اس مسئلے میں مصنف کی توضیح کہ موہوب لہ کل مالدار ہوں، یا بعض فقیر اور بعض مالدار، تو ان کے لئے ہبہ کا حکم اور ہے۔ اور جب کل فقیر ہوں تو ان کے لئے اور حکم ہے۔	۲۰۳
عدم موانع کی صورت میں رجوع کا حق واہب کو حاصل ہے اگرچہ ہبہ کو سو سال گزر گئے ہوں، ویسے رجوع عن الہبہ گناہ ہے	۱۹۸	درمختار کی ایک عبارت کی توضیح اور ایک شبہ کا جواب۔	۲۰۴
		عقود الدریہ سے اس توضیح کی تائید۔ (حاشیہ)	۲۰۴

ہبہ زبانی کاسوال وجواب اور فتاوٰی خیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ	۲۰۵	ایسی صورت میں مصلحتاً مجرد سکوت اجازت نہیں، اور بالفرض اجازت ہو تو اس کے لئے انشاء عقد ضروری ہے جو یہاں مفقود ہے۔	۲۱۱
ہبہ فضولی کی صحت سے سوال وجواب اور موانع رجوع کا بیان۔	۲۰۶	بالفرض ہبہ ہو بھی تو مشاع کی وجہ سے باطل ہے۔	۲۱۱
ہبہ مشاع کاسوال۔	۲۰۷	زید نے اپنے لڑکے اور بہو کو مرض الموت میں مکان اور دکان ہبہ کیا، اور لڑکا اپنی عورت کے حق میں راضی نہ تھا، اس میں ہبہ کا حکم جاری ہوگا یا ترکہ کا"سوال"	۲۱۲
شے مشترک قابل تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہرگز صحیح نہیں، اور شیئ موہوب مشترک پر موہوب لہ کا قبضہ بھی کچھ نہیں۔	۲۰۷	اگر شیئ موہوبہ قابل تقسیم تھی، اور زید نے تقسیم کرکے ہر ایک کو قبضہ نہ کرایا تو ہبہ باطل، اور بعد موت کل لڑکے کا، اور لڑکے کی موت پر تقدیم ماتقدم علی الارث کے بعد ربع زوجہ کا، بقیہ بھانجے کا کہ وہ اکیلا وارث ہے۔	۲۱۲
ایسے موہوب میں موہوب لہ کے تمام تصرفات باطل اور واہب کے تمام تصرفات نافذ ہیں۔	۲۰۷	دکان ناقابل تقسیم ہو اور زید نے اپنی زندگی میں زوجہ پسر کو اس پر قبضہ دلادیا ہو اور نصف دکان ترکہ زید کا ثلث ہو، یا اس سے کم، تو ہبہ صحیح ورنہ باطل، اور کل میں میراث جاری ہوگی۔	۲۱۳
شیوع کے اقسام اور ان کے احکام	۲۰۷	لڑکے کے نام مکان خریدنے سے سوال۔	۲۱۴
فقہ کی اور کتابوں سے مسئلہ کی تائید	۲۰۷	لڑکا اگر نابالغ تھا تو مکان اس کا ہوگیا اور اس کے مرنے کے بعد اسی کے وارثوں کو ملے گا۔	۲۱۴
ہبہ منقسمہ متروکہ کاسوال۔	۲۰۹	مسئلہ کی توضیح ہندیہ، احکام صغار ذخیرہ و تجنیس سے۔	۲۱۴
سرکاری کاغذات میں لڑکے کے نام اندراج پر باپ کی خوشی سے سوال۔	۲۱۰	اگر لڑکا بالغ تھا تو الفاظ عقد پر نظر کی جائے گی۔	۲۱۵
مالک کی تملیک کے بغیر کوئی چیز کسی کی نہیں ہوسکتی۔	۲۱۱	اگر ایجاب وقبول کسی میں نسبت لڑکے کی طرف ہو تو عقد فضولی ہوا۔ لڑکے نے اجازت دی تو اس کی ملک اور اس کے بعد اسی کے ورثہ کا۔ بے اجازت مرگیا تو باپ کا۔	۲۱۵
پٹواری کی تحریر ملکیت ثابتہ کی یادداشت ہے انشاء تملیک نہیں اور اس کی بنیاد پر کاغذات میں اندراج کا بھی یہی حال ہے۔	۲۱۱	اور اگر ایجاب وقبول میں لڑکے کی طرف اضافت نہ ہو، اور قبالہ میں اس کا نام ہو تو ملک باپ کی اور قبالہ اس کی طرف سے لڑکے کے لئے ہبہ جدید جس کی صحت کے لئے لڑکے کا قبضہ ضروری ہے۔	۲۱۶

ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری نہیں، ایسے قرائن جو تملیک پر دلالت کریں کافی ہیں۔	۲۱۷	ہندہ نے اپنے مرنے کے بعد زید پسر اور دوسرے فوت شدہ لڑکے سے دو پوتیاں اور دو پوتے چھوڑے زید کے چچا نے اپنے ایک بھتیجے کا نام جائداد ہندہ میں لکھوادیا قبضہ نہیں دلایا، تو شرعاً اس جائداد میں پوتوں پوتیوں کا حق ہے یا نہیں۔	۲۲۰
چھوٹے بچے کے لئے کپڑا بنوایا، بچہ مالک ہوگیا، بڑے کو سپرد کرنا ضروری ہے۔	۲۱۷	پوتوں کا وراثۃً کوئی حق نہیں، نام لکھوانا ہبہ ہے لیکن بے قبضہ یہ بھی صحیح نہیں۔	۲۲۰
واہب نے شے موہوب لہ کا قبضہ کرادیا تو واہب کے بھائی یا کسی رشتہ دار کا اس میں کوئی حق نہیں۔	۲۱۷	ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۲۱
ہبہ کے نتیجے میں موہوب لہ کی ملک ثابت ہوجاتی ہے۔	۲۱۸	شیئ موہوب کو موہوب لہ کو دینے سے انکار کرنا رجوع عن الہبہ نہیں قرار دیا جاسکتا۔	۲۲۱
احدالعاقدین کی موت بھی موانع رجوع میں سے ہے۔	۲۱۸	الفاظ ہبہ سے سوال۔	۲۲۱
ہبہ کی ایک صورت سے سوال۔	۲۱۸	زمین تعمیر کے لئے دینا عاریۃ ہے ہبہ نہیں ہے۔	۲۲۲
قبضہ نامہ کی تین شکلوں کا بیان۔	۲۱۹	زمین دینے والے کی ہوگی اور مکان اس پر بنابنانے والے کا، ایسی زمین میں میراث جاری ہوگی۔	۲۲۲
موہوب لہ بالغ لڑکا ہو تو اس کا قبضہ صحت ہبہ کے لئے ضروری ہے، اور نابالغ ہو تو باپ کا قبضہ کافی ہے۔	۲۱۹	خالہ کو ہبہ کے بعد واپس لینے کا حق نہیں۔	۲۲۲
قبضہ سے پہلے واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔	۲۱۹	ہبہ معدوم کا سوال۔	۲۲۲
جائداد مشترکہ بیوی کے نام لکھادی، ہبہ صحیح ہوا یا نہیں۔	۲۲۰	ہبہ معدوم باطل ہے۔	۲۲۳
رجسٹری آفس میں جائداد کسی کے نام لکھوانا ہبہ ہے۔	۲۲۰	زید نے کسی کو زمین تعمیر مکان کے لئے دی اس نے اپنے صرفہ سے مکان بنایا، مکان کس کا اور زمین کس کی۔	۲۲۳
قابل تقسیم جائداد کا بلاقسمت ہبہ صحیح ونافذ نہیں۔	۲۲۰	صورت مسئولہ میں اگر اس کے ساتھ تملیک کا کوئی لفظ نہ ملا ہو تو زمین عاریۃ ہوگی۔	۲۲۳
		مسئلہ کا جزئیہ عقود الدریہ سے۔	۲۲۳

لڑکا اپنا کسب باپ سے علیحدہ کرتا ہے تو اس کا مالک لڑکا ہے اور جو جائداد اس سے بنائی وہ لڑکے کی ملک ہے۔	۲۲۴	لڑکے کو ہبہ کرکے رجوع نہیں کرسکتا۔	۲۲۹
دوسرے کی زمین پر مکان بنانے کی صورت میں تصفیہ کی شرعی ترکیب:	۲۲۵	ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔	۲۳۰
(۱) بنانے والا اپنا ملبہ اکھیڑ لے جائے یا زمین والا جبراً اکھیڑ دے جبکہ زمین کو کوئی خاص ضرر نہ ہو۔	۲۲۵	مرض الموت کا ہبہ ثلث مال میں نافذ ہوتا ہے، ہبہ صحت کے لئے قبل موت قبضہ ضروری ہے۔	۲۳۰
(۲) زمین والا عملہ کی قیمت تعمیر کنندہ کو دے، یہ مالک کی رضا پر موقوف ہوگا۔	۲۲۵	موہوب لہا اگر زوجہ ہو تو وراثۃً ثمن ترکہ میں سے بھی پائے گی۔	۲۳۰
(۳) عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر ہو تو مالک کی رضا پر ہے اکھڑے ہوئے عملہ کا معاوضہ ادا کرے اور تعمیر باقی رہنے دے یا اپنے نقصان پر راضی ہوکر عملہ اکھڑوادے۔	۲۲۶	زید اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی زندگی میں برابر دے یا للذکر مثل حظ الانثیین۔	۲۳۱
مسئلہ کا جزئیہ طحاوی، خیریہ، ہندیہ اور تنویر الابصار سے۔	۲۲۶	اول مختار اور امام ابویوسف کا قول ہے اور ثانی جائز اور امام محمد کا قول ہے۔	۲۳۱
دمہ کی حالت میں ہبہ بعوض مہر صحیح ہے یا نہیں۔	۲۲۷	اگر ان میں کوئی فضل دینی رکھتا ہو تو اس کی ترجیح میں کوئی حرج نہیں۔	۲۳۱
مرض الموت کی تفسیر اور درمختار، بزازیہ اور قہستانی سے اس کی تصدیق۔	۲۲۷	عورت کی جانب سے مہر اور شوہر کی جانب سے اپنی کل املاک کے ہبہ کا سوال۔	۲۳۲
دمہ مرض الموت نہیں اور اس میں کیا ہوا ہبہ صحیح ہے۔	۲۲۸	مہر اور دیون کا ہبہ مجرد ایجاب سے تام ہوجاتا ہے قبول کی بھی ضرورت نہیں۔	۲۳۳
ہبہ بالعوض بلاقبضہ صحیح ہے اور یہ بیع کے حکم میں ہے۔	۲۲۸	شوہر نے املاک میں جن مشترکہ چیزوں کا ہبہ کیا بغیر تقسیم اور قبضہ کے صحیح نہیں اور واہب قبل قبضہ فوت ہوگیا تو ہبہ باطل۔	۲۳۳
پسر نابالغ کو ہبہ سے سوال۔	۲۲۹	زید کے خالص املاک میں جو چیزیں تھیں چاہے ودیعۃ ہو یا عاریۃ سب کا ہبہ صحیح، اور یہ قبضہ قبضہ ہبہ کے قائم مقام ہوگا۔	۲۳۴
نابالغ پسر کو ہبہ صرف ایجاب سے صحیح ہوجاتا ہے۔	۲۲۹	بہر تقدیر ترکہ کی تقسیم کی تفصیل۔	۲۳۶
باپ کا قبضہ نابالغ بچہ کا قبضہ ہے۔	۲۲۹	فضل دینی کی وجہ سے کسی ایک اولاد کی ترجیح کا سوال۔	۲۳۶

کسی نے اپنی ساری جائداد ایک ہی لڑکے کو دے دی تو صحیح اور نافذ ہے، البتہ وہ اپنے اس فعل میں گنہ گار ہوگا۔	۲۳۷	تنویر، حاشیہ طحطاوی سے جزئیہ کی تصدیق۔	۲۴۱
فضل دینی کی وجہ سے کسی اولاد کو ترجیح دینے میں نہ گناہ نہ مواخذہ شرعیہ۔	۲۳۷	**○ رسالہ فتح الملیک فی حکم التملیک**	۲۴۳
اس ترجیح کی وجہ سے یہ خیال کہ یہ فعل والد کا نہیں، یا وہ اس پر راضی نہ تھے، یا ان کے دماغ میں کچھ خلل تھا، بے بنیاد اور غلط ہے۔	۲۳۸	ہبہ اور تملیک میں کیا فرق ہے۔	۲۴۳
یہ خیال بھی غلط کہ آئندہ کوئی ارفضل دینی میں اس سے بھی بڑھ سکتا ہے۔	۲۳۸	تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے۔	۲۴۳
شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے۔	۲۳۸	تملیک اعیان ومنافع بعوض اور بلاعوض اور منجز اور مضاف الی مابعد الموت بیع، ہبہ، اجارہ، اعارہ اور وصایا سب کو شامل ہے۔ اور ہبہ تملیک العین بلاعوض کا نام ہے۔	۲۴۳
ترجیح کی صورت میں تمام ورثہ کے بالغ ہونے کی شرط بھی بے بنیاد ہے۔	۲۳۸	عرف میں تملیک کے نام سے ہبہ متبادر ہوتا ہے۔	۲۴۳
حیات مورث میں مورث ہی ساری جائداد کا مالک ہے۔	۲۳۸	امام سرخسی نے تملیک کو وضعاً مفید ہبہ بتایا۔	۲۴۴
مرض الموت میں غیر وارث کے نام ہبہ قطعاً جائز، اور وہ ہبہ ہی قرار پائے گا۔	۲۳۹	افادہ ملک کرنے والے الفاظ کی انواع سرگونہ کی تفصیل۔	۲۴۴
ہبہ صحیح ہونے کے لئے قبضہ ضروری ہے۔	۲۳۹	کلمات علماء میں اکثر تملیک سے ہبہ پر استدلال متداول ہے۔	۲۴۴
نابالغوں کے والد کا قبضہ انہیں کا قبضہ ہے۔	۲۴۰	عام سے خاص پر استدلال صحیح نہیں۔	۲۴۴
دو ہم جنس قبضے ایک دوسرے کے قائمقام ہوجاتے ہیں۔	۲۴۰	تملیک کو ہبہ قرار دینے پر قاضی خان، شرح اشباہ للبیری، شامی، نوازل، خیریہ، عقود الدریہ کے نصوص۔	۲۴۴
مرض الموت کا ہبہ دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت کا حکم رکھتا ہے اور ثلث میں نافذ ہوتا ہے۔	۲۴۰	مسئلہ کے خاص جزئیہ میں کلام علماء مختلف ہیں، بعض تملیک کو عین ہبہ قرار دیتے ہیں اور بعض قرینہ ضروری قرار دیتے ہیں۔	۲۴۷
وصیت کے ثلث ترکہ کے برابر اور کم وبیش ہونے کی صورت میں نفاذ کی تفصیل۔	۲۴۱	مصنف کی تحقیق کہ ان دونوں اقوال میں تطبیق ممکن ہے، مقام اخبار میں تملیک ہبہ سے عام ہے اور مقام انشاء عقد میں تملیک ہبہ ہے۔	۲۴۷

کلام علماء سے مسئلہ کی توضیح اوراس امر کا بیان کہ انشاء عقود میں اس بات پر قرینہ حالیہ موجود ہے کہ تملیک بلاعوض ہے۔	۲۴۸	کتب مذہب سے اس بات کی تائید کہ تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے۔	۲۵۱
مقام انشاء میں بھی جہاں خلاف پر قرینہ ہو تملیک سے ہبہ مراد نہیں لے سکتے۔	۲۴۸	تملیک عین بلاعوض ہبہ کے علاوہ کچھ ہوتا تو کتب فقہ میں اس کے لئے علیحدہ باب ہوتا۔	۲۵۱
امام خیر الدین رملی کی عبارت کی توضیح وتوجیہ۔	۲۴۹	عرف عام میں بھی تملیک عین بلاعوض کو ہبہ تسلیم کرتے ہیں۔	۲۵۲
تحریری تملیک نامہ قطعاً ہبہ نامہ ہے۔	۲۴۹	ہدایہ وغیرہ کتب فقہ میں ہبہ کے لئے قبضہ ضروری ہونے کی دلیل سے اس بات پر استدلال کہ تملیک عقد علیحدہ نہیں۔	۲۵۲
تملیک زبانی میں مدار کار قرینہ پر ہے، قرینہ حالیہ ہو یا مقالیہ۔	۲۵۰	مفتاح کے استدلال پر تنقید۔	۲۵۲
تملیک زبانی میں ہبہ کے خلاف قرینہ ہو تو ہبہ قرار نہیں دیں گے۔	۲۵۰	کسی کے لئے کسی چیز کی ملکیت کا اقرار کرنے سے اس کا دینا اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اخبار ہے، نہ یہ ایسے عقد کا انشاء جس کے لئے قبضہ ضروری نہیں۔	۲۵۳
اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔	۲۵۰	مسئلہ کی "در" سے تائید۔	۲۵۳
تملیک وہبہ کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے پر علامہ "ط" کے خیال کی تصحیح	۲۵۱	علماء کے اس قول سے تائید مزید کہ "جمیع مالی لزید" کو انہوں نے انشائے ہبہ قرار دیا۔	۲۵۳
مفتاح کے مصنف کا پتہ نہیں، نہ اس کا اندراج کتب مذہب میں ہے۔	۲۵۱	خلاصہ کلام یہ کہ تملیک اخبار ہونے کی حیثیت سے بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، اور انشائے عقد کی صورت میں صرف ہبہ ہے۔	۲۵۴
تملیک عین کی ہوگی یا منافع کی، اور بلاعوض ہوگی یا بعوض، یہ تقسیم عقلی اور حاصر ہے۔	۲۵۱	کسی چیز کے بارے میں یہ اقرار کرنا کہ میں فلاں سے اس کا مالک ہوں، اس بات کا اقرار ہے کہ اس نے اس کو ہبہ کیا، تو یہ قبضہ کا بھی اقرار ہے، اور یہ اقرار کہ فلاں نے مجھے ہبہ کیا، تو قبضہ کا اقرار نہ ہوا۔	۲۵۴
تملیک منافع نہ ہو تو تملیک عین ہے، اور بے عوض ہو تو ہبہ ہے، پس تملیک میں ہبہ داخل ہے۔	۲۵۱		

صاحب مفتاح کی عبارت کا تضاد اور اس سے ان کے استدلال کے ضعف کا اظہار۔	۲۵۵	یہ دونوں صورتیں ہبہ کی ہیں۔	۲۶۱
فیصلہ کہ صاحب مفتاح کی نقل سوء فہم کا نتیجہ ہے۔	۲۵۵	عرف میں بچوں کے نام خریدنا، تملیک بلاعوض ہے، شرع میں اسی کو ہبہ کہتے ہیں۔	۲۶۱
نابالغ لڑکے کے نام زمین خریدنے اور مکان بنانے کا سوال۔	۲۵۶	شامی اور عقود الدریہ سے مسئلہ کا حوالہ۔	۲۶۱
نابالغ کے لئے ہبہ میں ولی کا قبضہ کافی ہے۔	۲۵۷	ہبہ بعد قبضہ تمام ہوجاتا ہے۔	۲۶۲
ایسے اولیاء میں باپ، بھائی، چچا سب داخل ہیں۔	۲۵۷	موانع رجوع کا بیان۔	۲۶۲
نابالغ کے لئے تملیک کی مختلف صورتوں کا ذکر۔	۲۵۸	اپنے ایک لڑکے کو کل اختیار دینے سے سوال۔	۲۶۲
نابالغ کے لئے ہبہ کی نیت سے ہبہ نہیں ہوتا بلکہ تملیک کا ظاہر کرنا ضروری ہے۔	۲۵۸	یہ لفظ وکالت اور ہبہ دونوں کیلئے ہوسکتا ہے۔ جیسا قرینہ ہو ویسا ہی حکم ہوگا۔	۲۶۳
اظہار تملیک کی مختلف صورتوں کا بیان۔	۲۵۸	مسئلہ کا جزئیہ ردالمحتار سے۔	۲۶۳
لڑکے کی زمین میں اپنے مال سے مکان بنادینا تملیک نہیں۔	۲۵۹	ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری نہیں قرائن سے بھی ہبہ کا اثبات ہوجاتا ہے۔	۲۶۳
اجرت اجارہ کا وہی مالک ہوتا ہے جو اجارہ پر دے خواہ شیئ اجارہ دوسرے کی ہو۔	۲۵۹	وارث اپنے مال سے اگر مورث کی تجہیز وتکفین کرے تو وہ تبرع نہیں قرار دیا جائے گا، وہ ترکہ سے اتنا وصول کرسکتا ہے۔	۲۶۳
دوسرے کی جائداد اجارہ پر دے کر کرایہ وصول کیا تو کرایہ مالک کو لوٹائے یا فقیر پر تصدق کرے۔	۲۵۹	پیر نے مرید کو عاق کیا وہ عاق ہوا یا نہیں۔	۲۶۴
ایک لغزش کی طرف اشارہ۔	۲۶۰	مرشد کو اللہ واسطے زیور دے کر واپس لینا جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۴
مورث پر جو دین ہو اور اس کا مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے نہ ہو، تو وصیت کے بغیر وارثوں پر اس کی ادا ضروری نہیں۔	۲۶۰	واپس لئے ہوئے زیور کو دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر خرچ میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۴
مکان بنا کر کسی کو عطا کرنے، اور ماں باپ کا اولاد کے نام جائداد خریدنے کا سوال۔	۲۶۱	مرشد نے کل زیور اپنے صرفہ میں استعمال کیا تھا کچھ خیرات نہیں کیا، اس سے وہ مجرم ہوئے یا نہیں۔	۲۶۴

مرشد نے کہا تھا کہ میں تم سے بحکم رسول اللہ خرچ کرارہا ہوں، یہ جھوٹ ہو تو کیا حکم ہے۔	۲۶۵	بزازیہ اور عالمگیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۷۳
خرچ کراتے وقت اگر کسی خاص مصرف کی تعین نہ کی گئی ہو تو پیر کا اپنی ذات پر خرچ کرنا بھی فی سبیل اللہ ہے۔	۲۶۵	اس مقام پر عالمگیری کی نقل میں ابہام کا بیان۔	۲۷۴
حدیث وبحرالرائق اور درمختار سے اس بات کا ثبوت کہ غنی کے لئے صدقہ بھی کار ثواب ہے۔	۲۶۵	قاضی ابویوسف اور امام اعظم رحمہم اللہ تعالٰی کے اقوال میں ظاہری تضاد کا دفعیہ۔	۲۷۶
مالدار کو یہ کہہ کر دیا کہ آپ کو فی سبیل اللہ دیتا ہوں قبول کرلیں، اس نے قبضہ کرلیا تو مالک ہوگیا۔	۲۶۶	ہبہ مشاع کا سوال وجواب۔	۲۷۸
اعتبار دل کے ارادہ کا نہیں زبان کی تصریح کا ہے، دل میں وکالت ہو اور زبان سے ہبہ کے الفاظ کہے تو ہبہ ہوگیا۔	۲۶۶	تمامیت ہبہ کے بعد رجوع کا سوال وجواب۔	۲۷۹
وجیز، ظہیریہ، درمختار سے مسئلہ کی تائید۔	۲۶۶	ہبہ مشاع بلا تقسیم یا بلا قبضہ سے سوال وجواب۔	۲۷۹
موہوب لہ کا ہلاک موانع رجوع ہبہ سے ہے۔	۲۶۸	نابالغ کے ولی کا قبضہ نابالغ کا قبضہ ہے۔	۲۸۱
پیر نے صرف کے بعد اگر تاوان اس خیال سے دیا کہ اس کی واپسی مجھ پر ضروری ہے تو مرید اس کا مالک نہ ہوا اور اس پر پیر کو واپس لوٹانا ضروری ہے، اور اگر اپنی طرف سے ہبہ جدید کیا تو مرید مالک ہوگیا۔	۲۶۸	مسئلہ مسئولہ میں میراث کی تقسیم۔	۲۸۱
مسئلہ کا جزئیہ عقود الدریہ، درمختار اور جوہرہ سے بدگمانی ہر مسلمان پر حرام ہے، اور پیر پر بدگمانی اور شدید ہے۔	۲۷۰	تکمیل ہبہ کے بعد ذی رحم سے واپسی کا سوال وجواب۔	۲۸۱
مرید کے یہ کہنے سے کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا فسخ بیعت ہوگئی۔	۲۷۰	محتاج باپ اپنی اولاد کا مال اپنی ضرورت میں خرچ کرسکتا ہے۔	۲۸۱
پیر کے خلاف بدگمانی کرکے مرید تنبیہ شرعی کا مورد ہوا۔	۲۷۰	ہبہ بشرط ایصال ثواب کا سوال۔	۲۸۱
زرمشترک اور ہبہ مشاع بے تقسیم سے سوال وجواب۔	۲۷۱	مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتوٰی کی تغلیط۔	۲۸۲
زرمشترک اور ہبہ مشاع بے تقسیم سے سوال وجواب۔	۲۷۳	دو آدمی ایک شخص کو جائداد مشترکہ ہبہ کریں تو جائز ہے۔	۲۸۲
خدمت گزاری فضل دینی ہے اور اس بنیاد پر ترجیح باتفاق روایات جائز ہے۔	۲۷۳		

موہوب لہ پر قرآن خوانی ضروری نہیں۔	۲۸۳	مہر میں شوہر کے علاوہ ورثاء کا حصہ نصف یا تین ربع ہے۔	۲۸۵
ہبہ بشرط ایصال ثواب کو بیع قرار دینا باطل ہے۔	۲۸۳	خزانۃ المفتین، نہرالفائق، عقودالدریہ، جامع المضمرات اور عالمگیری سے مسئلہ کی جزئیات۔	۲۸۵
بیع کے لئے بدل کا مال ہونا ضروری ہے ایصال ثواب سرے سے مال ہی نہیں۔	۲۸۳	ظہورن کی زمین پر ان کے داماد عبدالوہاب خاں نے مشترکہ سامان سے دو دکانیں بنوائیں، ایک چھوٹی اور ایک بڑی، اور دکانوں کے اوپر اپنے صرف خاص سے بالاخانہ بنوایا، پھر ظہورن نے بڑی دکان کسی کو ہبہ کی اور عبدالوہاب نے چھوٹی دکان اور بالاخانہ کسی اور کو ہبہ کیا، ہبہ صحیح ہوا کہ نہیں۔	۲۸۶
شروط فاسدہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا، شرط ہی فاسد ہو جاتی ہے۔	۲۸۴	زمین ظہورن کی عملہ میں وہ اور داماد دونوں شریک اور بالاخانہ دونوں کا۔	۲۸۷
ہبہ کے عوض قرآن خوانی کی شرط فاسد ہے۔	۲۸۴	صورت مسئولہ میں ہبہ صحیح نہ ہونے کے وجوہ کی تفصیل، اور ہروجہ کی عقودالدریہ، ہندیہ، مفتی المستفتی، وجیز امام کردری، حاشیہ حامدیہ سے تائید۔	۲۸۷
اجارہ مراد لینا یوں باطل ہے کہ ہبہ نامہ میں اجارہ کا ذکر ہی نہیں۔	۲۸۴	حکم مسئلہ کا خلاصہ۔	۲۹۰
امور ثواب پر اجارہ کثیر علماء نے جائز رکھا ہے بہرصورت ایسے شخص کی امامت میں کوئی حرج نہیں۔	۲۸۴	نابالغوں کے ساتھ بالغ لڑکی کو ہبہ میں شریک کرنا ضروری ہے یا نہیں۔	۲۹۰
فاسق کی امامت کو نادرست کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کی امامت گناہ ہے۔	۲۸۴	اگر اس کے جہیز میں اتنا دے چکا جو نابالغوں کے حصہ کے برابر ہو تو شرکت ضروری نہیں۔	۲۹۱
موہوب لہ مذکور کو بطور ایفائے وعدہ ایصال ثواب کرتے رہنا چاہئے۔	۲۸۴	حدیث مبارک کل بینک نحلت مثل ھذا کا مطلب۔	۲۹۱
مرض الموت میں مہر معاف کرنے کا سوال۔	۲۸۵	شے موہوب میں استحقاق مانع ہبہ ہے یا نہیں، استحقاق مقارن مانع ہے اور استحقاق طاری مانع صحت نہیں۔	۲۹۱
مرض الموت میں مہر معاف کرنے کے لئے ورثاء کی رضامندی ضروری ہے، ان کی رضا کے بغیر معاف نہ ہوگا۔	۲۸۵	استحقاق مقارن اور استحقاق طاری کی تفصیل۔	۲۹۱
رضا کے لئے تمام وارثوں کا عاقل بالغ ہونا ضروری ہے۔	۲۸۵		

عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۹۲	تراضی یا قضاء قاضی سے ہبہ فسخ ہو سکتا ہے۔	۲۹۸
ایک شخص نے اپنی دو بیویوں کے حق میں تحریر لکھی کہ میری کل جائداد موجودہ اور آئندہ آدھی آدھی ان دونوں کی ہے، اس کے متعلق سوال۔	۲۹۲	صحت ہبہ کے لئے قبضہ ضروری ہے۔	۲۹۹
مصنف کی تحقیق کہ اس عبارت سے نہ اقرار ثابت نہ وصیت، صرف ہبہ ممکن ہے وہ بھی بوجوہ باطل ہے۔	۲۹۲	حکم مسئلہ کہ صورتِ مسئولہ میں لڑکے کے لئے ہبہ صحیح نہیں۔	۲۹۹
وجوہ بطلان کی توضیح۔	۲۹۳	ہبہ بلا قبضہ اور تخلیہ کے تحقق سے سوال۔	۲۹۹
وصیت مان کر بھی حکم مسئلہ کا بیان۔	۲۹۳	سوال میں اس امر کی کوشش کہ صورت مسئولہ میں تخلیہ متحقق ہے۔	۲۹۹
بحالت قرض جائداد منقولہ کا ہبہ صحیح ہے	۲۹۳	عدم تخلیہ کی بحث اور دلیل۔	۳۰۰
عالمگیری سے جزئیہ کی تخریج۔	۲۹۳	عدم تخلیہ کے دلائل کا جواب اور تخلیہ کا ابرام۔	۳۰۰
سند معافی کے ہبہ ہونے نہ ہونے، اور ہبہ بلا قبضہ سے سوال۔	۲۹۴	ملک ہندہ ان نقود میں بالکل ثابت نہیں۔	۳۰۹
معاف ہونا الفاظ ہبہ سے نہیں۔	۲۹۵	سائل کی اس دلیل پر تنقید کہ جہیز کی فہرست جب شوہر یا اس کے سرپرستوں کو دی گئی تو یہ قبول فضولی ہوا جو ہندہ کی رضا پر موقوف ہوگا، اور ہندہ کی رضا ظاہر ہے، لہٰذا ایجاب وقبول متحقق ہوا۔	۳۰۹
معافی کا تعلق عیون سے نہیں دیون سے ہے۔	۲۹۵	ہبہ کو موہوب لہ کی ملک ہونے کے لئے قبول شرط ہے، اور مجلس عقد میں قبضہ بلا اجازت اور بعدہ قبضہ بہ اجازت اس کے قائم مقام ہے۔	۳۱۰
درمختار، وجیز کردری اور عالمگیری سے سند مسئلہ۔	۲۹۵	صورت مسئولہ میں سائل کی اٹھائی ہوئی اور بحثیں بے فائدہ ہیں، ہاں تخلیہ کے ثبوت اور عدم ثبوت کی بحث مفید ہے۔	۳۱۰
عطا شدہ کا لفظ الفاظ ہبہ میں سے ہے۔	۲۹۶	تخلیہ قبضہ تام کے قائم مقام ہے۔	۳۱۰
اقطاع کا مطلب تملیک جائداد نہیں بلکہ محصول کی معافی ہے۔	۲۹۷	قاضی خان اپنی تحریر میں اس قول کو مقدم کرتے ہیں جو راجح اور اظہر ہے۔	۳۱۱
مال مقطوع میں وارثوں کا کوئی حق نہیں رہتا۔	۲۹۷	مصنف کا فیصلہ کہ سوال کی تحریر سے تخلیہ مطلوبہ ثابت نہیں۔	۳۱۱
والد کے حق میں ہبہ مکمل ہو جانے کے بعد واہب اس کو موہوب لہ کی اولاد کے حق میں منتقل نہیں کر سکتا۔	۲۹۸		

بحر الرائق، شامی، قاضی خان، عالمگیری سے تخلیہ مطلوبہ کی تحقیق۔	۳۱۱	سائل کی اس دلیل کا جواب کہ اقرار کو انشاء کے معنی میں نہ لیا جائے گا تو کلام لغو ہوگا۔	۳۱۷
"ش" اور "بحر" کے سہو کی طرف اشارہ۔	۳۱۲	صحت اقرار کے لئے مطلقاً کسی سبب کا وجود ضروری ہے کسی خاص سبب کا نہیں۔	۳۱۷
تخلیہ کے لئے ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو خذ یا کوئی ایسا لفظ کہے جو اس کے معنی ادا کرے۔	۳۱۲	مقر کے لئے اس کا بیان بھی ضروری نہیں۔	۳۱۸
قاضی خان کی تعریف تخلیہ کو اکثری بتانا غلط ہے۔	۳۱۲	ان استثنائی صورتوں کا بیان جہاں صحت اقرار کے لئے سبب صالح پر عمل کرنا ضروری ہے، اگر مقر نے اس کا بیان نہ کیا ہو۔	۳۱۸
قاضی خان، ظہیریہ، ہندیہ، بحر الرائق اور شامی سے اس امر کی تصریح کہ "اقبضہ" نہ کہا تو تخلیہ صحیح نہیں۔	۳۱۳	اقرار کے لئے یہ بھی ضروری نہیں کہ مقرلہ کی ملک مقر کی جانب سے ہو۔	۳۱۸
قاضی خاں، بحر الرائق، ذخیرہ، عالمگیری سے اس امر کی تصریح کہ یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ یہ چیز قبضہ کرلے۔	۳۱۳	اقرار کو اثبات اور انشاء ماننے کی صورت میں دور لازم آئے گا۔	۳۱۹
قاضی خان، اجناس، شرح المجمع، غمز العیون، بصائر، بحر الرائق میں اس کو ایک مستقل شرط شمار کیا۔ نہر الفائق، در مختار، ہندیہ، حاشیہ طحطاوی، شامی میں اس کو مقرر رکھا۔ امام ناطفی، ابن فرشتہ اور حموی نے تائید کی، قاضی خان نے اس کو امام اعظم کا قول بتایا۔	۳۱۳	تخلیہ کی شرط ثالث کا مفاد۔	۳۱۹
تخلیہ کی شرائط ثلٰثہ۔	۳۱۴	کتب فقہ سے مسئلہ کے جزئیات۔	۳۲۰
عبارات علماء میں جہاں مطلقاً تخلیہ مذکور ہے، یہ شرط ضرور ملحوظ ہے۔	۳۱۵	مسئلہ مسئولہ میں تخلیہ مکمل نہ ہونے کی تصریح اور بطلان ہبہ کا حکم۔	۳۲۰
نصوص صریحہ کے خلاف روایت شاذہ نامقبول اور روایت مطلقہ مقیدہ پر محمول۔	۳۱۶	القول بموجب العلۃ۔	۳۲۰
تسلیم حقیقی کی صورت میں البتہ خذ کہنا ضروری نہیں۔	۳۱۶	عدم تخلیہ کی تین دلیلیں۔	۳۲۱
لفظ ترا اور تراست کا فرق۔	۳۱۶	اصل مسئلہ اور اس کے متعلقات کا حکم اور مسائل کے جزئیات۔	۳۲۲
اقرار کو انشاء کے معنی میں لینا مجاز ہے جو بے ضرورت ممنوع ہے۔	۳۱۶	ہبہ بالعوض کے حیلہ کا سوال۔	۳۲۵

صورت مسئولہ میں ہبہ بالعوض باطل اور جائداد ترکہ ہے۔	۳۲۵	ہبہ اور وصیت دونوں ساتھ ساتھ ہوسکتے ہیں۔	۳۳۱
اپنی اولاد کے نام مرض الموت میں ہبہ بالعوض بیع ہے اور ایسی بیع بے اجازت ورثہ باطل ہے۔	۳۲۶	تنخواہ کا باطل، ملک خاص کا ہبہ صحیح،	۳۳۱
درمختار سے مرض الموت کی تشریح، اور عالمگیری سے مرض الموت کی بیع بدست ورثہ کا جزئیہ۔	۳۲۶	رجوع ہبہ کے لئے تراضی طرفین یا حکم قاضی ضروری ہے۔	۳۳۲
زرثمن کے ابراء یا ہبہ سے سوال۔	۳۲۷	ایک ایسی صورت کا سوال جس میں ہبہ بالعوض اور بیع دونوں کا احتمال ہے۔	۳۳۲
ابراء اور ہبہ کا فرق اشباہ سے اس کا جزئیہ۔	۳۲۸	لڑکے کے نام مکان بیع کیا تو باپ کو فسخ کا اختیار نہیں۔	۳۳۲
نابالغ اولاد کے نام جائداد خریدنے کا سوال۔	۳۲۸	لڑکے کو مکان ہبہ کرکے قبضہ تام دلادیا تو باپ کو رجوع کا حق نہیں،	۳۳۳
نابالغ کے نام سے ایجاب وقبول ہوا تو بیع اس کے نام واقع ہوئی، والد کا زرثمن دینا تبرع ہے۔	۳۲۸	محرمیت موانع رجوع سے ہے۔	۳۳۳
اگر معاملہ بیع میں بچوں کا نام نہ تھا تو بیع والد کے نام ہوئی، اور لڑکوں کا نام لکھوانا ان کے نام ہبہ ہوا۔	۳۲۹	دھوکہ سے رجوع کرلیا تو معاوضہ واپس کرنا ہوگا۔	۳۳۳
نابالغ اولاد کے لئے ہبہ میں قبول یا قبضہ اولاد کی ضرورت نہیں، اور اس صورت میں شیوع بھی مضر نہیں۔	۳۲۹	لڑکے کو مکان ہبہ کیا، سرکاری کاغذات میں نام درج کرایا، کرایہ نامہ لڑکے کے نام سے بناتارہا، جب ضرورت پڑی اس مکان کو اپنی جائداد سے خارج دکھایا، البتہ مکان کی آمدنی کا جز حصہ لڑکے سے لے کر گھر خرچ میں صرف کرتارہا، بعد وفات واہب لڑکوں کا بیان ہے کہ والد نے مصلحتًا یہ مکان اس لڑکے کے نام لکھا تھا مکان کس کا ہوا۔	۳۳۳
تنخواہ کے ہبہ، قبول ہبہ، ہبہ و وصیت مشترکہ، ایک ساتھ تنخواہ اور جائداد کا ہبہ ہبہ کی ہوئی شَے کا دوسرے کو ہبہ، ان امور سے سوال۔	۳۳۰	لڑکے کے نام رجسٹری کراکر داخل خارج کرادینا، اور لڑکے کا تصرف دلیل تملیک ہے۔	۳۳۴
تنخواہ آئندہ کا ہبہ باطل ہے۔	۳۳۰	حدیث مبارک "لویعطی الناس بدعوتھم" کی تقریر۔	۳۳۴
تمام وارثوں کا قبول ضروری نہیں، اپنا قبضہ ہٹاکر موہوب لہ کا قبضہ دلانا ضروری ہے۔	۳۳۱	تمامی ہبہ کے بعد والد کو رجوع کا حق نہیں۔	۳۳۴

دعوی بلا بینہ مقبول نہیں۔	۳۳۴	صورت مسئولہ میں ہبہ باطل ہے۔	۳۳۸
بلا تقسیم جائداد دولڑکوں کے نام ہبہ کرنے کا سوال۔	۳۳۵	(۱) مرض الموت کا ہبہ حکماً وصیت اور حقیقۃً ہبہ ہے اور قبضہ تام سے پہلے واہب کی موت سے باطل ہو جاتا ہے۔	۳۳۸
والد اپنی زندگی میں بعض اولاد کو ہبہ صحیح کردے تو وہ مالک ہو جائیں گے۔ البتہ دیگر وارثوں کو محروم کرنے کی وجہ سے یہ گنہگار ہوگا۔	۳۳۵	جائداد قابل قسمت کا دو شخصوں کو ہبہ مشاع ناجائز ہے۔	۳۳۹
نابالغ کا نفقہ اس کے مال سے ادا کیا جائے اور فقیر باپ بھی بقدر کفایت اس کے مال سے کھا سکتا ہے۔	۳۳۶	ہبہ مشاع میں تقسیم سے پہلے واہب کا انتقال مبطل ہبہ ہے۔	۳۳۹
فقیر میت کا کفن اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا۔	۳۳۶	(۲) نابالغ نواسی نانی کے قبضہ میں ہو تو صحت ہبہ کے لئے نانی کا قبضہ کافی ہے، ہاں اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے ہوئے اس کا قبضہ کافی نہیں۔	۳۳۹
ماں اپنی زندگی میں تمام اولاد کو برابر دے گی البتہ مرنے والے کا اس جائداد میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔	۳۳۶	(۳) جو بچہ ماں کی پرورش میں ہو اس کے ہبہ پر دادی کا قبضہ صحیح نہیں۔	۳۴۰
حصہ میں کمی بیشی دوسری اولاد کی رضا سے ہو سکتی ہے۔	۳۳۶	(۴) شے موہوب واہب کی ملک سے مشغول ہو تو ہبہ صحیح نہیں۔	۳۴۱
(۱) نابالغوں کے باپ کے ہوتے ہوئے نانی کا ولی بن کر قبضہ کرنا جائز ہے یا ناجائز۔	۳۳۷	(۵) دو موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ اس کے ہبہ کو مکمل کردیتا ہے۔	۳۴۱
(۲) پوتی کی ماں کی موجودگی میں دادی کی ولایت صحیح ہے یا نہیں۔	۳۳۷	مشترکہ چیز کے جز حصہ پر قبضہ قبضہ صحیح نہیں۔	۳۴۱
(۳) واہب کے مکان موہوبہ میں سکونت کرتے ہوئے موہوب لہ کا قبضہ تام ہوتا ہے یا نہیں۔	۳۳۷	ایک ایسی صورت کا سوال وجواب، جس میں ہبہ اور بیع دونوں کا احتمال ہو۔	۳۴۲
(۴) شیئ موہوب کے جز حصہ پر قبضہ تمامیت ہبہ کے لئے کافی ہے یا نہیں۔	۳۳۷	ہبہ میں موہوب کا واہب کے ملک میں مشغول ہونا تمامیتِ قبضہ کے منافی ہے۔	۳۴۳
(۵) شیئ موہوب کے جز حصہ پر واہب اور بقیہ پر کرایہ داروں کا قبضہ ہبہ میں مخل ہے یا نہیں۔	۳۳۸	نابالغوں کے نام بیع اور ہبہ کا احتمال رکھنے والی صورت سے سوال وجواب۔	۳۴۴

دو مکان دو لڑکوں کے نام ہبہ کیا دونوں قابل تقسیم ہوں تو ہبہ مشاع ہوا۔	۳۴۵	جس کو ترجیح دی گئی اگر کوئی فضل دینی رکھتا ہو تو حرج نہیں ورنہ ظلم ہے۔	۳۵۰
ہبہ مشاع میں اولاد کے صغیر وکبیر ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔	۳۴۵	یہ حکم دیانۃً ہے قضاءً بقیہ اولاد کو مطالبہ کا حق نہیں۔	۳۵۰
متولی جائداد موقوفہ اور وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہہ سکتا ہے اور اس سے وہ جائداد وقف یا ملک موکل ہونے سے نہیں نکلے گی۔	۳۴۵	ترکہ مشترکہ کے ہبہ سے سوال۔	۳۵۰
لڑکی کے والد نے مہر معاف کیا تو کب معاف ہوگا اور کب نہیں۔	۳۴۶	غیر قابل قسمت چیز میں اگر کسی شریک نے اپنا حصہ ہبہ کردیا تو ہبہ صحیح ہے۔	۳۵۱
برتن پر لڑکے کا نام کندہ کراکے کہنا یہ لڑکے کے ہیں، ہبہ ہوگا یا نہیں۔	۳۴۷	غیر قابل قسمت چیز کسی شریک نے پوری ہبہ کردی، اور شرکاء عاقل بالغ ہوں تو اپنے حصہ کا ہبہ ہوگیا، اور بقیہ کا اجازت پر موقوف رہا۔ اور نابالغ ہوں تو ہبہ باطل ہے۔	۳۵۱
ہبہ کے ایک سوال پر مصنف کی آٹھ تنقیحیں۔	۳۴۷	قابل قسمت شیئ کسی شریک نے پوری ہبہ کردی تو ہبہ فضولی کا حکم ہوگا (اور کوئی نابالغ ہو تو کل ہبہ باطل)۔	۳۵۱
بالغ لڑکا شیئ موہوب پر قبضہ کرے تو ہبہ تام ہے۔	۳۴۸	کوئی وارث کسی وارث کو اپنے اختیار سے محروم نہیں کرسکتا۔	۳۵۱
ہبہ بالجبر صحیح نہیں۔	۳۴۸	شوہر جو زیور یا لباس عورت کو دیتا ہے اس کا کیا حکم ہے۔	۳۵۲
لڑکی کے جہیز میں دینے کی نیت سے زیور بنوانے کا سوال۔	۳۴۸	جو استعمال کے لئے دیا وہ شوہر کی ملک ہے، اور جس میں تملیک ہو وہ ہبہ ہے، اور عورت کے قبضہ کے بعد اس کی ملک ہے۔	۳۵۲
خالی نیت وارادہ بلکہ اس کا اظہار بھی ہبہ نہیں۔	۳۴۸	زوجیت بھی موانع رجوع سے ہے۔	۳۵۲
لڑکی بالغ ہو تو زیور بنواکر الفاظ تملیک کہنا بھی بے قبضہ بے کار ہے۔	۳۴۹	شوہر نے عورت کے جہیز کے زیور میں فاضل سونا شامل کیا، یہ دلیل تملیک ہے۔	۳۵۲
نابالغ لڑکی کے لئے زیور بنواکر کہا کہ یہ اس کے لئے بنوایا یا اس کو مالک کیا تو ہبہ مکمل ہوگیا۔	۳۴۹	جہیز عورت کی ملک ہے۔	۳۵۲
زندگی میں اولاد کے درمیان ہبہ میں تفریق سے سوال۔	۳۵۰		

مشاع کی تعریف اور اس کی مختلف صورتیں۔	۳۵۲	ہبہ میں قبضہ صحیحہ کی تفصیل۔	۳۶۱
زوجہ کو تحفہ دینے سے متعلق سوال۔	۳۵۲	بعد قبضہ موانع رجوع کا بیان۔	۳۶۱
جو چیز تملیکاً دی اور موہوب لہ نے قبضہ کرلیا وہ اس کی ملک ہے، تملیک کا ثبوت صراحۃً اور دلالۃً ہر طرح ہوسکتا ہے۔	۳۵۳	نابالغ کے ہبہ کے لئے اس کا قبضہ ضروری نہیں۔	۳۶۱
ہبہ بلاقبضہ اور بعد قبضہ نیز ہبہ مشاع سے۔	۳۵۴	مسائل کے جزیئے در مختار، شامی اور جد الممتار سے۔	۳۶۱
متبنّٰی بنانا شرعاً کچھ نہیں۔	۳۵۵	ہبہ سے رجوع، براء عن العین اور تمادی کا سوال۔	۳۶۲
ہبہ کا ثبوت صرف تحریر سے ہی نہیں۔	۳۵۵	جواب بہاولپور۔	۳۶۳
ہبہ مشاع بلا تقسیم وقبضہ تام نہیں۔	۳۵۵	جواب دیوبند۔	۳۶۹
قبضہ سے پہلے احد المتعاقدین کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔	۳۵۵	سوال سے متعلق تفصیلات کہ اس علاقہ کے علماء حکم مسئلہ میں مختلف، دیوبند کا جواب مختصر اور مہمل ہے، مقدمہ کچہری میں پیش ہے، اور مرجع جواب آپ ہیں۔	۳۷۰
اولاد میں ترجیحی سلوک سے سوال۔	۳۵۶	مشاع قابل قسمت میں ہبہ باجماع علماء غیر نافذ ہے صرف امام شافعی کو اس سے اختلاف ہے البتہ امام صاحب کے نزدیک وقت قبضہ شیوع مانع عقد ہے، اور صاحبین کے نزدیک وقت عقد اور قبضہ دونوں ہوں تب۔	۳۷۱
بلاسبب شرعی ترجیح ظلم ہے، ہاں مالک کا تصرف قضاءً نافذ ہے۔	۳۵۶	اگر صرف وقت عقد شیوع ہو تو بالاتفاق عقد جائز ہے۔	۳۷۲
بعد موت لڑکی کا نصف اور لڑکے کا پورا، لیکن زندگی میں دونوں کو برابر دینے کا حکم۔	۳۵۶	عقد کے وقت شیوع نہ ہو قبضہ کے وقت ہو یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے نزدیک جائز، اس کی مثال۔	۳۷۲
کیا فاسق وفاجر لڑکے کو محروم الارث کیا جاسکتا ہے۔	۳۵۸	عقد اور قبضہ دونوں کے وقت شیوع ہو، یہ بالاتفاق جائز ہے۔	۳۷۳
ہبہ مشاع کا سوال وجواب۔	۳۵۸	مسئلہ دائرہ یہی تیسری صورت ہے اور ہبہ ناجائز میں رجوع کا حق ثابت ہے۔	۳۷۳
لاہور سے ایک شخص کا اعلٰی حضرت کے حضور اظہار عقیدت ونیاز مندی۔	۳۵۹	ظاہر الروایہ اور اصل مذہب بلکہ امام کا قول یہی ہے کہ ہبہ فاسد بعد قبضہ بھی مفید ملک نہیں، ایسے قبضہ کو مفید ملک خبیث ماننا بعض مشائخ کا قول ہے جس کا اعتبار نہیں۔	۳۷۳
رجوع عن الہبہ کا ایک سوال۔	۳۶۰		

شامی، حامدیہ، تاجیہ، جوہرہ اور بحر سے تائید مزید۔	۳۷۴	فتوٰی دیوبند کی تجہیل۔	۳۷۸
ایسے ہبہ میں موہوب لہ کا تصرف نافذ نہ ہوگا، اور واہب کو رجوع کا حق رہے گا۔	۳۷۴	تمادی کا مسئلہ بھی اس وقت ہے جب مدعا علیہ ملک مدعی کا منکر ہو، اقرار کی صورت میں تمادی نہیں۔	۳۷۹
جن لوگوں کے نزدیک ہبہ فاسد میں ملک خبیث حاصل ہوتی ہے، ان کے نزدیک بھی ایسے ہبہ میں واہب کو رجوع کا حق حاصل رہتا ہے اور موانع رجوع کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا۔	۳۷۵	قاضی کو ایسے مقدمات کی سماعت منع ہو تو امیر خود مقدمہ کی سماعت کرے۔	۳۸۲
ہبہ فاسد میں شے موہوب موجود ہو تو موہوب لہ کو اس کے رَد کا حکم ہے اور ہلاک کے بعد ضمان واجب ہوتی ہے۔	۳۷۵	عہد قضاء زمان، مکان اور خصوصیت کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے۔	۳۸۲
ردالمحتار سے مسئلہ کی مزید تائید۔	۳۷۵	امر سلطانی کے بعد مباح واجب ہوجاتا ہے۔ اپنی زندگی میں لڑکے کو کل جائداد ہبہ کردی تو عورت کا مہر کس کے ذمہ ہے۔	۳۸۳
اعیان سے ابراء قضاءً نافذ ہوتا ہے دیانۃً نہیں، اس کا مفاد یہ ہے کہ قاضی اس شیئ کے بارے میں برات کرنے والے کا دعوی نہیں سنے گا، نہ یہ کہ دیانۃً بھی اس کا حق ختم ہوگیا۔	۳۷۶	صحت ہبہ کے لئے تین شرط ہے: شیئ موہوب مشاع نہ ہو، عقد ہبہ متحقق ہو، شیئ موہوب پر موہوب لہ کا قبضہ صحیح ہو۔	۳۸۳
صورت مسئولہ میں ابراء ابتدائی نہیں، ہبہ فاسدہ کی بناء پر ابراء ہے تو یہ ابراء بھی فاسد ہے۔	۳۷۶	یہ ہوچکا ہو تو مہر یا کسی قرضہ کا مطالبہ بھی جائداد پر نہ ہوگا ورنہ وہ ترکہ ہوگا، اور وصیت اور قرض جاری کرنے کے بعد جو بچے اس میں میراث جاری ہوگی۔	۳۸۳
ابراء ابتدائی بھی شیئ مملوکہ غیر متنازعہ میں کالعدم ہے۔	۳۷۷	مرض الموت کے ہبہ کا سوال۔	۳۸۴
مسائل تمادی کا بیان۔	۳۷۸	مرض الموت کا ہبہ حقیقۃً ہبہ ہے لہٰذا غیر مشاع ہونا اور قبضہ شرط ہے، اور حکماً وصیت اس لئے ثلث سے زائد میں، ورثاء کی رضا ضروری ہے۔	۳۸۵
تمادی کا حکم بھی قضاءً ہے دیانۃً نہیں، یہ حکم "الحق لایسقط ولوتقادم الزمان" کے معارض نہیں ہوسکتا۔	۳۷۸	عالمگیری، قاضی خان وغیرہ سے سوال میں جو عبارتیں درج ہیں ان کا یہی مطلب ہے۔	۳۸۶

شوہر نے زمین عورت کے نام کردی اور اس پر عملہ بنادیا، کب زمین یا عملہ عورت کے لئے ہبہ ہوگا اور کب نہیں۔	۳۸۷	نابالغ پوتوں کے لئے ہبہ مشترک کا سوال۔	۳۹۱
عورت کو قبل نکاح کچھ دینے اور بعد نکاح دینے کا حکم، اور کب رجوع عن الہبہ کا حق ہے اور کب نہیں۔	۳۸۸	نابالغ پوتے فقیر ہوں تو ہبہ مشاع صحیح ہے، اور دادا کا قبضہ نابالغ پوتوں کا قبضہ ہے۔	۳۹۲
شیئ موہوب میں موہوب لہ کے تصرفات نافذ ہونے کا بیان۔	۳۸۹	دونوں یا کسی ایک کے غنی ہونے کی صورت میں شیوع کی وجہ سے امام اعظم کے نزدیک ہبہ باطل ہے۔	۳۹۲
عورت کو جائداد مہر کے عوض میں دے دی اس کی موت کے بعد اولاد ہونے کی صورت میں شوہر چہارم کا وارث ہوگا۔	۳۸۹	فتوٰی قول امام پر ہوتا ہے۔ تفصیل مصنف کے رسالہ اجلی الاعلام پر منقول۔	۳۹۳
ہبہ کی صحت اور عدم صحت کا سوال۔	۳۸۹	تجنیس سے تائید مزید۔	۳۹۳
ہبہ بلاقبضہ میں موہوب لہ شے موہوب کا مالک نہیں ہوتا۔	۳۹۰	معاملات میں قول امام ابویوسف پر فتوٰی ہونے کی بات صحیح نہیں۔	۳۹۳
ماں کے ترکہ میں ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا حصہ ایک ثلث ہے۔	۳۹۰	مسائل وقف میں ایسا کہا گیا مگر وہ بھی مطلق نہیں۔	۳۹۳
قبضہ صحیح اور غیر صحیح کا بیان، اور دونوں کا حکم۔	۳۹۰	اعطائے قاعدہ اور بیان واقعہ میں فرق ہے۔	۳۹۳
جس کا کوئی شرعی وارث نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے۔	۳۹۰	کھاتے میں کبھی رقم اپنے نام اور کبھی لڑکوں کے نام اور کبھی مشترکہ جمع کی اس کی ملکیت سے۔	۳۹۳
بہن نے بھائی کے لڑکے کو ہنسلی اور کھنڈوے دیئے، کب وہ صرف بیوی کی طرف سے ہوئے اور کب میاں بیوی میں مشترک۔	۳۹۱	جو رقم نابالغ لڑکے کے نام جمع کی وہ اس کی ہو گئی، اور جو رقمین بالغ کے نام بے قبضہ جمع کیں یا مشترگا بالغ نابالغ یادونوں نابالغ یادونوں بالغ کے نام جمع کیں سب زید کا ترکہ ہے۔	۳۹۴
بھائی نے بہن کو دو بھینسیں دیں، وہ صرف بہن کی ہوئیں، بہنوئی کا اس میں کچھ نہیں، اور میاں بیوی میں غایت انبساط کی وجہ سے اس کا کوئی حساب نہیں کہ کس نے کتنا چارہ دیا اور کس نے کتنا گھی اور دودھ کھایا۔	۳۹۱		

کوئی شخص اپنی ملک میں مستقل تصرف کا کب مجاز ہے اور کب نہیں۔	۳۹۴	امام شافعی، امام احمد، امام محمد، فاروق اعظم، مولا علی رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے بھی اس قسم کی روایت آئی۔	۴۱۰
مسئلہ کی پندرہ صورتوں کا بیان، حکم قضا اور دیانت کی تفصیل اور اختلاف ائمہ کی تشریح۔	۳۹۵	بعض علماء سے اسی قول پر اجماع نقل ہوا۔	۴۱۰
متعدد کتب فقہ سے مسائل کی جزئیات کا بیان۔	۳۹۶	قاضی شریح مولا علی کے قاضی تھے ہمیشہ اسی پر حکم دیتے، ہزارہا صحابہ مجلس میں ہوتے کوئی انکار نہ کرتا۔	۴۱۰
کتاب الاجارۃ		امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی روایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کی۔	۴۱۰
کاشتکار جس کا صرف زبانی استعفاء قانوناً معتبر نہ ہو، اور جس سے یہ مزید کہہ دیا ہو کہ تم کاشت کرو یا نہ کرو لگان دینا ہوگا، اگر صرف زبانی استعفاء دے کر کاشت چھوڑ دے لگان دینا ہوگا۔	۴۰۶	مزید ۱۰ متون اور فتاوٰی کا حوالہ۔	۴۱۱
یومیہ مزدوری اور ٹھیکہ کے کام میں جو کمی اور بیشی ہوتی ہے اس سے سوال۔	۴۰۶	۱۵ اماموں کا فتوی۔	۴۱۱
معتدل کام کرنے کا اعتبار ہے، سست کرے گا تو گنہ گار ہوگا، اور کام سے زائد جو پیسہ لیا وہ واپس کرے۔	۴۰۷	اسی کے راجح ہونے پر پندرہ کتب فقہ کا حوالہ۔	۴۱۱
مال حرام کے مصرف کا بیان۔	۴۰۷	یہی ہدایہ کا مقتضٰی، امام سے ظاہر الروایہ، عام معتبرات میں اسی پر فتوی، اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا۔	۴۱۱
اجیر کی حفاظت میں گم ہوئے مال کے تاوان کا سوال۔	۴۰۷	مذکورہ بالا حوالہ کی نقل اور سند۔	۴۱۱
صورت مسئولہ میں اجیر پر تاوان ڈالنا جائز نہیں۔ وقایہ، اصلاح، تنویر، نقایہ، ملتقی، کنز، غرر، منح الغفار، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، جامع الفصولین اور ہندیہ سے مسئلہ کا جزئیہ، اور یہ تصریح کہ اجیر مشترک امین ہے، اس کے قبضہ سے کوئی چیز بے اس کے فعل کے گم ہو گئی تو تاوان نہیں۔	۴۰۷	امام صاحب کے قول کے راجح ہونے کے وجوہ۔	۴۱۱
مال جب اجیر مشترک کے پاس سے بے اس کے فعل کے ضائع ہو جائے، اگرچہ اس سے احتراز ممکن ہو، اقوال علماء بیحد مختلف ہیں مگر امام اعظم کا قول ہے کہ تاوان واجب نہیں۔ قاضی شریح وغیرہ ائمہ کا یہی مذہب ہے۔	۴۰۸	مطلقاً اختلاف فتوی مستلزم تعادل اقوال وفتوی نہیں۔	۴۱۱
		ترجیح اولٰی، متون نے اس پر جزم کیا، اور متون فتاوٰی اور شروح پر مقدم ہیں۔	۴۱۴

بحر الرائق، شرح اشباہ بیری اور شامی سے مسئلہ کی تصریح۔	۴۱۴	اس زمانے کے لئے مصنف کے نزدیک یہ ایک عمدہ فیصلہ ہے۔	۴۱۸
دوسری ترجیح یہ قول امام ہے اور بلاضرورت وضعف حجت قول امام سے عدول جائز نہیں۔	۴۱۵	مولوی امیر احمد سہسوانی پر تعریض کہ ان کا اس قول کو غلط کہنا بغض وحسد ہے۔	۴۱۹
بحر الرائق اور فتاوٰی خیریہ سے مسئلہ کی تائید۔	۴۱۵	تعلیم قرآن مجید پر اُجرت کے جواز کا حکم اور سائل کی تائید وتصویب اور حاشیہ بحر سے اس کی تائید۔	۴۲۰
ترجیح ثالث، جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے۔	۴۱۶	معترض کی تجہیل اور اس پر زجر۔	۴۲۱
ترجیح رابع، اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے۔	۴۱۶	معلم قرآن کو للہ دینے کو حرام کہنا جہالت اور دین پر افتراء ہے۔	۴۲۱
ترجیح خامس، قول امام پر فتوٰی دینے والے ائمہ بالاتفاق ائمہ ترجیح وافتاء ہیں۔	۴۱۶	مسئلہ کا جواب ان احق ما اخذتم علیه اجرا کتاب الله سے استدلال۔	۴۲۲
قول صاحبین پر فتوٰی ابہام وانکار کے ساتھ ہوا۔	۴۱۷	زمینداروں کا اپنے علاقہ کے دریا اور تالابوں سے نصف نصف پر مچھلیاں پکڑوانا، مچھلیوں کو کسی کے ہاتھ فروخت کردینا، گاؤں کی گھاس کو اپنی مملوک سمجھ کر بیچنا، جس میں آسامیوں کو اعتراض نہیں ہوتا۔	۴۲۲
عینی شرح کنز، خلاصہ، بزازیہ سے اس ابہام کی تائید۔	۴۱۷	تالابوں سے مچھلیاں نصف پر شکار کروانا۔	۴۲۲
امام زیلعی ان ائمہ کے ہمسر نہیں جو قول امام پر فتوٰی دیتے ہیں۔	۴۱۷	مسئلہ کی تنقیح یہ تالاب زمینداروں نے اسی غرض کے لئے بنوائے ہیں یا نہیں۔	۴۲۳
امام فخر الدین اوزجندی کے صاحب ترجیح ہونے پر فتاوٰی خیریہ، تصحیح قدوری، غمز العیون، طحطاوی اور عقود الدریہ سے نقول۔	۴۱۷	تالاب اسی غرض سے بنوائے ہوں یا مچھلیاں آنے کے بعد انہوں نے ایسا بند باندھا ہو کہ مچھلیاں نکل نہ سکیں، ان دونوں صورتوں میں زمیندار مچھلیوں کے مالک ہیں۔	۴۲۳
اس مسئلہ میں متاخرین اصحاب فتوٰی کا قول، اگر اجیر صالح ہو تو تاوان نہیں، اور خائن ودغاباز ہے تو نصف پر صلح کریں۔	۴۱۸	اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہوں تو وہ مچھلیاں اباحتِ اصلی پر ہیں۔	۴۲۳
خیریہ، حامدیہ، منح الغفار اور طحطاویہ ومجمع الانہر سے اس کی تائید۔	۴۱۸		

شامی اور فتح القدیر سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۳	ایسی صورت میں مچھلیاں زمینداروں کی اور قیمت خریداروں کی، دونوں ایک دوسرے کو واپس کریں، اور اگر خریداروں نے مچھلیاں خرچ کردیں تو ان کی قیمت بازار بھاؤ سے ادا کریں، اور بیچ دی ہوں تو وہ بیع زمینداروں کی اجازت پر موقوف ہوگی، زمینداروں کو اختیار چاہے مچھلیاں واپس لیں چاہے یہ بیع فضولی جائز کریں۔	۴۲۷
جس صورت میں مچھلیوں کے مالک زمیندار ہوں، پکڑنے والوں کو ان کی محنت کی اجرت مثل ملے گی جو نصف مچھلیوں کی رقم سے زائد نہ ہوگی۔	۴۲۴	زمینداروں نے بیع جائز نہ کی تھی کہ مشتریان ثانی نے مچھلیاں خرید کردیں تو زمیندار دونوں مشتریوں میں سے جس سے چاہیں قیمت وصول کریں۔	۴۲۸
اباحت کی صورت میں اگر زمیندار نے وقت متعین کرکے ان کو اجیر رکھا ہو تو پکڑی ہوئی مچھلیاں سب زمیندار کی۔	۴۲۵	بیع باطل ہونے کی صورت میں عوام پر بڑی دقتیں لازم آتی ہیں۔	۴۲۸
اجیروں کو اُجرت مثل ملے گی، اور وقت متعین نہ کیا ہو تو مچھلیاں پکڑنے والوں کی ہوئیں، اور زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہوگا۔	۴۲۵	امام صاحب اور امام محمد سے ایک روایت یہ کہ بیع فاسد ہوتی ہے۔	۴۲۹
تنویر الابصار اور درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۲۵	یہی قاضی اسبیجابی اور دیگر اساتذہ امام سرخسی اور امام ابوالحسن کرخی کا مختار، امام ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی اور تنویر میں اسی کو مقدم رکھا۔	۴۲۹
ایسے تالابوں کی مچھلیاں بیچنا، یہاں بھی وہی تین صورتیں ہیں۔	۴۲۶	یہی من حیث الدلیل اظہر ہے اس قول پر عقد ناجائز وممنوع اور قابل رد لیکن مچھلیاں جب مشتریوں کے قبضہ میں آگئیں تو بیع صحیح ہوگئی۔	۴۲۹
تیسری صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی نہیں، ان کی بیع ناجائز اور وہ پکڑنے والوں کی ملک ہیں۔	۴۲۶	دونوں قول قوت پر ہیں، دونوں طرف اصحاب ترجیح وفتوی ہیں، پہلا قول من حیث الروایت اقوی، دوسرا من حیث الدرایت اجلی، اول پر دقتیں لازم اور ثانی پر سب مرتفع۔	۴۳۱
پہلی دو صورت میں کہ مچھلیاں زمینداروں کی ہیں اگر جال وغیرہ کے بغیر شکار ممکن تو بیع جائز ورنہ ناجائز، اور بطلان بیع میں ائمہ کا اختلاف ہے۔	۴۲۶	مسلمانوں پر آسانی کا حکم ہے لہذا دوسرا قول ہی انسب اور الیق ہے۔	۴۳۱
شیخ الاسلام ومشائخ بلخ اور اساتذہ امام سرخسی وغیرہ ایک جماعت کے مذہب پر یہ بیع باطل ہے، اور یہی امام ثلجی کا فتوی، یہی مختار ہدایہ، اور یہی ظاہر الروایہ۔	۴۲۶	(۲) بنجر زمین کی گھاس بیچنا، اگر زمینداروں نے وہ گھاس اگائی اور خودرو کی دیکھ دیکھ اور نگرانی کرائی تو گھاس اس کی اور بیع جائز، ورنہ وہ گھاس سب کے لئے مباح، اور جو قیمت لوگوں سے وصول کی واپس کریں۔	۴۳۲

بلاطلب نذرانہ رشد وہدایت کاسوال۔	۴۳۳	علمائے دین کی تحقیر کے احکام۔	۴۳۷
جو حقیقی شرک میں مبتلا ہو وہی شرک ہے۔	۴۳۳	ایام تعطیل کی تنخواہ کاسوال۔	۴۳۸
بدعت کی تعریف۔	۴۳۳	تعطیل معہودہ کی تنخواہ دی جائے گی۔	۴۳۸
واعظ میں کیا کیا صفات ہونے چاہئیں۔	۴۳۳	تعطیلات مشروط کی تنخواہ تو ملتی ہی ہے، غیر مشروط کی تنخواہ بھی ملنی چاہئے۔	۴۳۸
حقیقی واعظ اس زمانہ میں اولیاء میں سے ہے، اس کی خدمت اللہ ورسول کی خوشنودی کاذریعہ ہے۔	۴۳۳	بے اطلاع فسخ اجارہ جائز نہیں عذر ظاہر مبین کی صورت مستثنٰی ہے۔	۴۳۸
قبولیت تحفہ کی حدیث۔	۴۳۴	رقم اجارہ کی وصولی پر ملازم مقرر کیاتوملازم کے مصارف خوراک وتنخواہ کس پر ہیں، اور اگر مستاجروں سے بوقت اجارہ اس کی شرط کریں تو کیا حکم ہے۔	۴۳۹
وعظ کو طلب دنیا کاذریعہ بنانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔	۴۳۴	ایسے ملازموں کی تنخواہ مستاجروں سے نہیں وصول کرسکتے، ہاں ان لوگوں نے بطور مہمان انہیں کھانا کھلادیا تو حرج نہیں۔	۴۴۰
خلاصہ، تتارخانیہ اور عالمگیریہ سے مسئلہ کاجزئیہ۔	۴۳۴	حکم مباشر کی طرف منسوب ہوتا ہے مسبّب کی طرف نہیں۔	۴۴۰
بعض علماء نے وعظ پر اُجرت کو بھی بحکم ضرورت جائز رکھا۔	۴۳۵	قرضہ کی وصولی کے لئے مقدمہ کرناپڑا مدعی صرفہ کاحق نہیں۔	۴۴۰
بیشتر کتابوں میں صرف تعلیم قرآن کااستثناء ہے۔	۴۳۵	اجارہ میں ایسی شرط لگانے سے اجارہ فاسد ہوتا ہے۔	۴۴۰
مجمع، ملتقی اور درر البحار میں اذان، اقامت اور وعظ کااضافہ ہے۔	۴۳۵	حرام کی کمائی والوں کو مکان اجارہ پر دینا اور ان کے مال سے کرایہ وصول کرنا کیسا ہے۔	۴۴۰
یہ متاخرین مشائخ بلخ کے فتاوٰی کا مجموعہ ہے، علت سب کے نزدیک ضرورت ہے۔	۴۳۶	(ا) ایسوں کومکان یا کھیت اجارہ پر دینا جائز ہے کہ معصیت ان کا فعل ہے۔	۴۴۱
مسئلہ وعظ کاجزئیہ قاضی خان سے۔	۴۳۶	یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کا متفقہ ہوناچاہئے۔ کلمات علماء سے ایساہی ظاہر ہے۔	۴۴۱

شامی، بنایہ، نہایہ وکفایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۴۲	اسمٰعیل اور ابراہیم علیہ السلام کے عہد مبارک میں اللہ تعالٰی نے قمری مہینوں پر بنائے کار رکھنے کا حکم دیا۔	۴۴۸
ایسے شخص کو مکان اجارہ پر دینا دیانۃً منع ہے۔	۴۴۲	مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے سارے معاملات میں انہیں مہینوں کا اعتبار کریں۔	۴۴۹
(۲) ایسے مال کا بعینہٖ حرام ہونا معلوم ہو تو بطور حق یا عطیہ کسی طرح لینا جائز نہیں ورنہ فتوٰی یہ ہے کہ لینا جائز ہے۔	۴۴۳	حنفیوں کے نزدیک یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ عنین کی مدت مقرر کرنے مین کن مہینوں کا اعتبار ہوگا۔	۴۴۹
دونوں قسم کے مسائل کی عالمگیری، خانیہ، تنویر سے نصوص۔	۴۴۳	معاملات میں مدار عرف پر ہے، جب تک عام لوگ قمری کا اعتبار کریں مطلق کی صورت میں اسی پر محمول ہوگا۔	۴۴۹
متروکہ کی واصلات سے اپنا حصہ کب مانگ سکتا ہے اور کب نہیں۔	۴۴۴	اشباہ ونظائر سے اس کی نظیر۔	۴۴۹
تمادی کوئی چیز نہیں۔	۴۴۵	ابھی مدارس عربیہ میں شہور ہلالی ہی معتبر ہیں۔	۴۵۱
اپنا جائز حق کسی نام سے ملے لینا جائز ہے۔	۴۴۵	تعلیم دین پر اُجرت بضرورت تھی، اس کا یہ مطلب نہ تھا کہ استاذ کی تعظیم ختم ہوجاتی ہے۔	۴۵۱
اسامیوں سے اجرت مقررہ سے وصولی ناجائز ہے اور اس کا حکم رشوت کا ہے۔	۴۴۵	استاذ کا درجہ باپ سے اعلٰی ہے، شرنبلالی، غنیہ ذوی الاحکام، عین العلم، عالمگیری سے استاذ کے حق کا بیان۔	۴۵۱
معصیت کار کو مکان کرایہ پر دینے کا سوال وجواب۔	۴۴۶	دلال کب دلالی کا مستحق ہوگا اور کب نہیں۔	۴۵۳
اجارہ تدریس مطلقاً مہینہ کے نام سے مقرر ہوا، کون سا مہینہ مراد ہوگا۔	۴۴۷	اجرت آنے جانے اور دوادوش پر ہوتی ہے صرف زبانی بات چیت پر نہیں۔	۴۵۳
اللہ تعالٰی کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں چار محترم ہیں۔	۴۴۸	دلال کو دوادوش کا بھی اجر مثل ہی دیا جائے گا باہم زائد طے ہوا ہو تب بھی اور اجر مثل سے کم طے ہوا تو کم۔	۴۵۳
قرآن میں مہینوں سے مراد شہور ہلالیہ ہیں، معالم اور نسفی سے تائید۔	۴۴۸	اجیر خاص وقت اجارہ میں مستاجر کی اجازت کے بغیر دوسرا کام نہیں کرسکتا اور اجازت سے کیا تو مستاجر اتنے وقت کی اجرت وضع کرے گا۔	۴۵۴
عام مسلمان عمل درآمد میں ہلالی مہینوں کا لحاظ کرتے ہیں، شمسی ماہ مہینہ نہیں مہرینہ ہے۔	۴۴۸		

مزدور کی اجرت میں کمی کا سوال وجواب۔	۴۵۴	اجارہ میں شیوع طاری مفسد نہیں۔	۴۶۰
اللہ تعالٰی قیامت میں تین آدمیوں کی طرف سے خود مدعی ہوگا۔	۴۵۵	فسخ فاسد معلق بالشرط نفس عقد سے جداگانہ واقع ہو تو اجارہ فاسد نہیں ہوگا اور نفس عقد میں ہو تو اجارہ فاسد ہوتا ہے۔	۴۶۰
تخریج حدیث۔	۴۵۵	اجارہ اور بیع اس حکم میں مشترک ہیں کہ شرط فاسد سے فاسد ہوجاتے ہیں۔	۴۶۱
مستاجر کب دیہات کے ٹھیکہ کو فسخ کرسکتا ہے اور کب نہیں۔	۴۵۵	تعلیق خیار الفسخ بالشرط میں اختیار تین دن کا ہوگا مجہول یا مطلق اور زائد نہیں۔	۴۶۱
صورت مسئولہ میں یہ اجارہ ہی بوجوہ فاسد ہے جس کا فسخ طرفین پر لازم ہے۔	۴۵۶	ایسی تعلیق صلب عقد میں نہ ہو، مطلق مجلس عقد تک مفید اور خیار کی تین یوم پر زیادتی بھی جائز ہے۔	۴۶۲
وجہ اول، اس میں ضمانت مجہولہ کی شرط کی گئی ہے۔	۴۵۷	خلاصہ حکم یہ کہ اجارہ مذکور فی السوال فاسد ہے کہ ہر فریق پر اس کا فسخ کرنا لازم، وہ نہ کریں تو حاکم پر اس کا فسخ لازم۔	۴۶۲
وجہ دوم، کسی ضامن سے مجلس عقد میں قبول ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت غیر مجہولہ بھی مفسد اجارہ ہے۔	۴۵۷	شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہے اس کی سند کا سوال۔	۴۶۳
وجہ سوم، امانت سے مراد رہن ہو تو اس کی بھی عاقدین کے تفرق سے پہلے تعین نہ ہوئی، ایسی رہن کی شرط بھی مفسد اجارہ ہے۔	۴۵۷	اجارہ اور بیع کے اس معاملہ میں ایک ہونے کی نصوص فقہ کی ۱۶ کتابوں سے۔	۴۶۳
وجہ چہارم، شرائط کے انتفاع پر مستاجر کو اختیار فسخ کی شرط بھی معنیً خیار شرط ہے، اور خیار شرط صالح تعلیق نہیں۔	۴۵۸	مزید بارہ کتابوں کی عبارتیں۔	۴۶۵
شامی، بحرالرائق سے مسئلہ کے نصوص۔	۴۵۸	چاند مہینہ بھر میں آسمان کی ۲۸ منزلیں طے کرتا ہے۔	۴۶۵
تعلیق الفسخ بالشرط اور تعلیق خیار الفسخ بالشرط دو علیحدہ شکلیں ہیں۔	۴۵۹	علماء نے تصریح کی ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اجارہ کا حکم بیع کا ہی ہے۔	۴۶۵
تعلیق الفسخ بالشرط میں بھی یہ حکم نہیں کہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح ہے۔	۴۶۰	تصریح امام کردری سے نفس مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۶۶

فسخ اجارہ میں رضامندی فریقین کی ضرورت اجارہ صحیحہ میں ہوتی ہے فاسدہ میں نہیں۔	۴۶۷	باجرت انگریزی کے کپڑے سینا اور ایسی اجرت جائز ہے۔	۴۷۲
علماء کا یہی طریقہ رہا ہے کہ ایسے اجارہ کے ثبوت میں عبارتیں حکم فساد بیع کی نقل کرتے ہیں۔	۴۶۷	قاضی خاں کا جزئیہ۔	۴۷۲
اجارہ کی ایک مخصوص صورت سے سوال۔	۴۶۸	ایک زمین کا سال بھر کا کرایہ نامہ لکھا گیا مگر عدم تحفظ کی وجہ سے مستاجر نے سال کے اندر ہی اجارہ فسخ کردیا تو کب تک کا کرایہ لازم ہے۔	۴۷۳
صورت مذکورہ کے کثیر الاشکال ہونے کا بیان۔	۴۶۸	مال کی حفاظت نہ ہونا فسخ اجارہ کے لئے عذر صحیح ہے، اس کے لئے اجیر کی رضا ضروری نہیں۔	۴۷۳
اگر عقد میں صرف اجرت کہا تو اجارہ ہونا متعین مطلق کی نفی اور مطلق نفی میں فرق ہے۔	۴۶۹	شامی اور درمختار سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۴۷۴
صورت مسئولہ میں اجرت مطلق کی نفی ہے مطلقاً نفی نہیں کہ اجارہ کی نفی ہو۔	۴۶۹	عمارت مستاجرہ کی لپائی پوتائی، پرنالوں کی درستگی اور مرمت گھر والوں پر ہے۔	۴۷۴
اگر عقد میں اُجرت کے ساتھ ساتھ انعاماً بھی کہا تو اجارہ کا اثبات اور نفی دونوں ممکن۔	۴۶۹	مستاجر اگر عیب دیکھ کر راضی ہوا اور اسی حالت میں اجارہ کیا تو اس کو فسخ اجارہ کا حق نہیں۔	۴۷۴
ایسے مواقع میں اجرت کو بھی انعام سے تعبیر کرتے ہیں۔	۴۶۹	حق فسخ کی صورت میں مستاجر کو تنہا فسخ اجارہ کا حق ہے۔	۴۷۴
ضابطہ کلیہ، جس صورت میں اجارہ ہو یا انعام کہہ کر اجارہ مراد لیا ہو، شروط فاسدہ کی وجہ سے اجارہ فاسد اور طبیب کی اجرت مثل لازم ہوگی جو مسمّٰی سے زائد نہ ہوگی۔	۴۷۰	کسی کو مکان کرایہ پر دینے کا سوال وجواب۔	۴۷۵
جس صورت میں انعام مراد لیا ہو سرے سے اجارہ متحقق ہی نہیں، جس انعام کا ذکر میدان میں آیا وہ مریض پر تبرعاً ہوگیا۔	۴۷۰	سب رجسٹرار کی نوکری حرام ہے۔	۴۷۵
اس صورت میں اجارہ کی صراحۃً نفی ہے اس لئے عمل کے مقابلہ میں پیسہ ذکر کرنے سے اجارہ ثابت نہ ہوگا۔	۴۷۱	سب رجسٹراری میں سود کے قبالہ کی حفاظت بھی داخل بلکہ اغلب ہے اور یہ تعاون علی الاثم ہے۔	۴۷۶
صریح دلالت پر فوقیت رکھتا ہے۔	۴۷۱	سود کا کاروبار میں کھانے والے، کھلانے والے، گواہ اور کاتب پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۴۷۶
عالمگیری کے حوالہ سے مسئلہ کے تین جزئیے۔	۴۷۱	مختلف کتب احادیث سے حدیث کی تخریج۔	۴۷۶

کلام اللہ پڑھانے والے کو بلانیت معاوضہ ہدیہ دینا کیسا ہے۔	۴۷۷	تالاب کی زمین جو پانی میں ڈوبی ہے قابل اجارہ نہیں۔	۴۸۰
صورت مذکورہ میں اس کے اجرت نہ ہونے میں کلام نہیں۔	۴۷۷	تالاب اور حوض کو مچھلی کے شکار کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں۔	۴۸۰
ورع کا حکم یہ ہے کہ اگر پڑھانے سے قبل بھی وہ ایسے ہی تحفے دیتا رہتا تھا تو بلا دغدغہ ہدیہ خالصہ ہے، اور پہلے ایسا معاملہ نہ تھا تو بچنا اولٰی ہے۔	۴۷۸	اسی طرح ان کا اجارہ نرکل کاٹنے، لکڑی کاٹنے، زمین اور جانوروں کو پانی دینے اور چراگاہ کو چرنے کے لئے اجارہ پر دینا صحیح نہیں۔	۴۸۱
حضرت حمزہ زیات رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایک روایت۔	۴۷۸	کیا تالاب مچھلی کے شکار کے لئے دینا جائز ہے۔	۴۸۱
مقامِ ورع مقامِ تقوٰی سے بلند ہے۔	۴۷۸	جامع المضمرات میں عموم بلوی کی وجہ سے جواز کا فتوٰی دیا۔	۴۸۱
کھیت کو اس شرط پر اجارہ پر دینا کہ چار من دھان سالانہ مجھے دینا اجارہ فاسد ہے۔	۴۷۸	ایسے اجارہ میں طریقہ احتیاط۔	۴۸۱
غلہ کی متعین مقدار کی شرط لگانا شرط فاسد ہے، یہ شرط بھی فاسد ہے کہ پیدا نہ ہو تب بھی لوں گا۔	۴۷۸	ایک زمین کے "شرب" کی دوسری زمین کے ساتھ بیع جائز، اجارہ جائز نہیں۔	۴۸۲
اجارہ فاسدہ کا فریقین پر فسخ کرنا لازم ہوتا ہے۔	۴۷۹	بیع میں "شرب" من وجہ تابع ہے اور من وجہ اصل اور اجارہ میں صرف تابع ہے۔	۴۸۲
فسخ کے بعد زمین جتنے دنوں مستاجر کے قبضہ میں رہی اس کی اجرت مثل زمین والے کو ملے گی۔	۴۷۹	ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کی ذات کے ساتھ بیچا بھی نہیں جاسکتا۔	۴۸۲
ہندوستان میں بیج اور ہل بیل اور عمل مستاجر کا ہوتا ہے۔	۴۸۰	علامہ شامی کی لغزش قلم کا بیان۔	۴۸۳
تالاب کا پانی اجرت پر دینا حرام ہے۔	۴۸۰	جامع المضمرات میں شرب (آبپاشی) کے لئے نہر کے اجارہ کو جائز بتایا اور بزازیہ میں خود حق شرب کے اجارہ کو اس سے متعلق اراضی کے کرایہ کے ساتھ علامہ شامی کو غلط فہمی ہوئی کہ یہ دونوں حکم ایک ہی صورت مسئلہ کے ہیں اور دونوں جگہ نہر کے اجارہ کا ہی حکم بتایا ہے۔ مضمرات میں مطلقاً اور بزازیہ میں مقید بہ اجارہ ارض۔	۴۸۳
استہلاک عین پر اجارہ باطل ہے۔	۴۸۰	مصنف کی تحقیق کہ دونوں جگہ دو چیزوں کے اجارہ کا حکم دیا گیا ہے، جامع المضمرات میں نہر کے اجارہ کا، اور بزازیہ میں حق شرب کے اجارہ کا۔	۴۸۳

دعوٰی مصنف کے دلائل۔	۴۸۴	جواز کی تین صورتیں۔	۴۸۹
طاعات پر اجارہ سے سوال۔	۴۸۶	(۱) اس میں کوئی ایسا تصرف کرے کہ زمین کی حیثیت بڑھ جائے۔	۴۸۹
متاخرین نے جن عبادات پر اجارہ کو مستثنٰی کیا ہے ان کے علاوہ جملہ عبادات کا حکم وہی ہے کہ اجارہ ناجائز ہے۔	۴۸۶	(۲) زمین کے ساتھ ملا کر دوسری چیز بھی کرایہ پر دے۔	۴۸۹
ایصال ثواب اور میلاد خوانی انہیں طاعات میں سے ہے جن کا اجارہ ناجائز ہے۔	۴۸۶	(۳) پہلے کرایہ میں روپیہ طے ہوا تھا تو اب اس کی جنس بدل دے مثلًا اشرفیاں کرایہ مقرر کرلے۔	۴۸۹
علامہ شامی کے حاشیہ اور رسالہ شفاء العلیل کا ذکر اور علامہ طحطاوی کی مدح کا تذکرہ۔	۴۸۶	مکان سال بھر کے کرایہ پر لے کر درمیان میں اجارہ فسخ کرنے کا سوال۔	۴۸۹
جو عرفًا معہود ہو وہ قولًا مشروط ہی کی طرح ہے۔	۴۸۷	کرایہ میں اگر ایک ماہ کی تعیین تھی تو ایک ماہ کیلئے اور ایک سال کی تعیین تھی تو ایک سال کے لئے طے ہوگیا، زائد کرایہ مانگنا ظلم ہوگا۔	۴۹۰
زبان سے لینے دینے کا ذکر نہ ہو، اور وہاں اس کی رسم بھی نہ ہو تو پڑھوانے والے کے لئے بطور حسن سلوک دینے میں حرج نہیں۔	۴۸۷	درمیان میں فسخ کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں۔	۴۹۰
اور جہاں اس کا رواج ہو وہاں جواز کی یہ صورت ہے کہ پڑھنے والے صاف کہہ دیں کہ ہم کو معاوضہ نہیں لینا ہے اور پڑھوانے والے بھی انکار کردیں کہ دینا نہیں، اس کے بعد پڑھوانے والے بطورِ سلوک کچھ دیں تو حرج نہیں۔	۴۸۸	(۱) اصل یا وکیل مختار نے کنجی واپس لے کر فسخ قبول کرلیا ہو۔	۴۹۱
پڑھوانے والے ان کو اتنے وقت کے لئے مزدور رکھ لیں کہ ہم تمہیں اپنے کام کاج کے لئے مزدور رکھتے ہیں، اور وہ جب ان کے مزدور ہوگئے تو ان سے کسی اور کام کے بجائے تلاوت یا تقریر کرالیں۔	۴۸۸	(۲) اجارہ جاری رکھنے سے مستاجر کی جان یا مال کا صریح ضرر ہو۔	۴۹۱
ایک عقد میں رہن واجارہ جمع کرنا ناجائز ہے۔	۴۸۹	ان اعذار کے نہ ہونے کی صورت میں درمیان میں مستاجر کو فسخ کا اختیار نہیں، اور اجرت دینی ہوگی۔	۴۹۱
مستاجر اجرت کی زمین دوسرے کو اجرت پر دے سکتا ہے لیکن اس دوسرے سے طے شدہ کرایہ سے زائد لینا جائز نہیں۔	۴۸۹		

نئے مہینہ میں بھی اجارہ متحقق ہوجائے گا، اگر نئے مہینہ کا ایک دن اور ایک رات گزر چکی ہو۔	۴۹۲	تعلیم قرآن و تعلیم علوم دیگر، اذان واقامت کی اجرت جائز ہے۔	۴۹۵
کاشتکاری کی زمین کا رہن زمیندار کی اجازت سے جائز ہے۔	۴۹۲	زیارت قبر وایصال ثواب، میلاد پاک کی اجرت ناجائز ہے۔	۴۹۵
کاشتکار کا مرتہن کو زمین کی لگان کے عوض کاشت کی اجازت دینا، فضول کا عقد اجارہ ہوا، جو زمیندار کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۴۹۲	جو ناجائز ہے مشروط ہو یا معہود ہر طرح ناجائز ہے۔	۴۹۵
زمیندار نے اجازت دے دی تو رہن باطل ہو کر اجارہ کا معاملہ ہوگیا، اور اب یہی اصل کاشت کار ہوگیا، یہ خود بھی کاشت کرسکتاہے اور دوسرے کو بھی دے سکتاہے۔	۴۹۲	اگر پہلے سے طرفین میں یہ طے ہوجائے کہ کچھ لینا دینا نہیں، بعد میں صاحب خانہ بطور صلہ دے تو لینے میں حرج نہیں۔	۴۹۵
زمیندار نے اجازت نہ دی تو اجارہ باطل، اور اس زمین سے اس کو کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۴۹۳	صریح دلالت پر فوقیت رکھتاہے۔	۴۹۵
مستاجر نے سال بھر کے کرایہ کی بات کی اور دوسال کا کرایہ نامہ لکھوایا۔	۴۹۳	پڑھنے والوں کو اتنے ٹائم کے لئے مزدور رکھ لیں اور اب ان سے طاعات کروائیں تب بھی حرج نہیں۔	۴۹۶
عاقدین کے درمیان تحریر سے پہلے کی گفتگو کبھی اصل عقد ہوتی ہے اور کبھی اصل عقد کی تمہید۔	۴۹۳	جہاں لینے دینے کارواج نہ ہو یہ خالصاً لوجہ اللہ پڑھیں۔	۴۹۶
پہلی صورت میں عقد سال بھر کے لئے لازم ہوگیا، بدعہدی کی وجہ سے اسے توڑا نہیں جاسکتا۔	۴۹۴	اگر صاحب خانہ کچھ سلوک کرے تو مضائقہ نہیں۔	۴۹۶
بدعہدی فسق ہے۔	۴۹۴	قانون گوئی کی ملازمت سے سوال۔	۴۹۶
دوسری صورت میں عقد اجارہ ہی متحقق نہ ہوا تو اس کو مکان دینا کچھ ضروری نہیں۔	۴۹۴	قانون گو کے کام کی تفصیل۔	۴۹۶
عبادات کے اجارہ کے بارے میں سوال۔	۴۹۴	قانون گو کی آمدنی علاوہ تنخواہ (۱) پٹواریوں سے رعایت کے عوض (۲) تصدیق پٹہ جات کے وقت (۳) تحقیقات میں کسی ایک فریق سے (۴) زمیندار کے مقدم اور پردھانوں کی نذر۔	۴۹۷

اس آمدنی سے حج جائز ہے یا نہیں، نہیں تو جواز کا کوئی حیلہ۔	۴۹۷	یہود و نصارٰی آپس میں ایک دوسرے کو باطل کہتے ہیں اور دونوں سچ کہتے ہیں۔	۴۹۹
سوال میں جو کام درج کئے ہیں اس کی ملازمت جائز، اور نیتِ خیر باعث اجر ہے۔	۴۹۷	چند آدمیوں کی مشترک اراضی جن میں ایک نمبردار ہے، اراضی کا بندوبست اور وصول و تحصیل وہی کرتا ہے، ایک شخص کو اراضی ایک سال کے کرایہ پر دی، نوماہ کے بعد کرایہ دار کہتا ہے اراضی میں نے خالی کردی تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، اس کی معافی نمبردار کو حق ہے یا نہیں۔	۴۹۹
آمدنی کی جو زائد مدیں تحریر کی گئی ہیں سب رشوت اور حرام ہیں۔	۴۹۷	زمین کرایہ دار نے باختیار خود خالی چھوڑی، تو پورے سال کا کرایہ اس کے ذمہ واجب ہے۔	۴۹۹
بشرائط مذکور تنخواہ حلال تو اس سے حج جائز، اور آمدنی نمبر ۲ حرام تو اس سے کوئی جائز نہیں سوائے اس کے کہ جس سے لی گئی اسے لوٹادے، وہ نہ ہوں تو ورثاء ورنہ فقراء کو دیں۔	۴۹۷	اگر نمبردار کو شرکاء کی طرف سے صرف کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہو تو چھوڑے گا تو دیگر شرکاء کا تاوان دے۔	۴۹۹
قرض لے کر حج ادا کرے۔	۴۹۷	از خود تصرفات یہ خود کرتا ہو تو کرایہ کا مالک یہ خود ہوگا، بقیہ کا حصہ یہ ان کو دے یا فقیروں پر خرچ کرے۔	۴۹۹
طوائف کی حرام کمائی تعلیم قرآن کی اجرت میں لینے کا سوال وجواب۔	۴۹۸	سودی کاروبار کرنے والے کے یہاں نوکری، اور وکیل کے یہاں محرری کی نوکری سے سوال۔	۴۹۹
ایصال ثواب کے لئے ختمات اور تہلیل و تسبیح پر اجارہ کا سوال۔	۴۹۸	جس کے یہاں حلال اور حرام سبھی قسم کے کام ہوں اس کی ملازمت جائز ہے اور تنخواہ وغیرہ لینے میں حرج نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ خاص حرام مال سے دے رہا ہے۔	۵۰۰
تعلیم علوم دین، اذان واقامت وغیرہ بعض امور پر اجرت کے جواز کا علمائے متاخرین نے فتوٰی دیا ہے۔	۴۹۸	آج کل محرری کی نوکری میں خیر نہیں، ان کے یہاں اکثر معاملات ناحق ہوتے ہیں۔	۵۰۰
ایصال ثواب کے لئے ختم و تسبیح پر اجارہ ناجائز ہے۔	۴۹۸	شراب کے لئے دکان اجارہ پر دینا کیسا ہے۔	۵۰۱
دیوبندی ضرور کافر ہیں لیکن ان کی ہر بات غلط نہیں۔	۴۹۹		

اگرخاص شراب کی نیت نہ کرے مکان مطلقاً کرایہ پر دے، کرایہ دار اس میں جو چاہے کرے، تواس طرح کے کرایہ میں حرج نہیں، ہاں اگردکان ایسی جگہ ہو جہاں ایسی دکان سے پڑوسیوں کو ضرر پہنچے تواب ایسے کرایہ پر دینا ناجائز ہوگا۔	۵۰۱	رنڈیاں بعینہٖ حرام کمائی سے کرایہ دیں تولیناحرام ہے،اور حلال ذریعہ سے حاصل شدہ رقم دیں توجائز ہے۔	۵۰۴
فقہاء کے اس قول کامطلب یطیب الاجر وان کان السبب حراماً۔	۵۰۱	دعاکامعاوضہ لینے کاسوال وجواب۔	۵۰۴
بیمہ شرعاًجواہے۔	۵۰۲	مسلمان معمار کو تعمیر بتکدہ کی اجرت مکروہ ہے او رلینے والا مستحق سزانہیں۔	۵۰۴
بیمہ میں جتناروپیہ اس نے جمع کیاواپسی کے وقت صرف اتنے کی ہی سال کی زکوۃاس پرواجب ہے۔	۵۰۲	بٹائی پربکری دینا ناجائز ہےاور عدم جواز کی وجوہ۔	۵۰۵
امامت فی سبیل اللہ وبہ اجرت کاسوال۔	۵۰۲	ٹھیکہ پرچندہ کی وصولی کا اجارہ فاسد ہے اور اس کا فسخ کرنا ضروری،اور اگراسی طرح وصول کیا تواجرت مثل کا مستحق، زائد ادارے میں داخل کرے۔	۵۰۵
امامت دونوں طرح جائز ہےاوراول افضل ہے۔	۵۰۳	دینی مجالس کے ملازمین قواعد مقررہ کی خلاف ورزی کریں توان کی تنخواہ کاٹی جاسکتی ہے یانہیں۔	۵۰۵
اجرتِ تعلیم وامامت کاسوال وجواب۔	۵۰۳	اجیر خاص پروقت مقررہ میں تسلیم نفس ضروری ہے، تسلیم نفس کردے تو تنخواہ نہیں کاٹ سکتے ورنہ کاٹ سکتے ہیں۔	۵۰۶
کرایہ کی چیزوں کی اجرت نہ دینے اوراجارہ کی زمین میں جمع شدہ پانی کی مچھلیوں کی ملکیت کاسوال۔	۵۰۳	تسلیم نفس کی صورت اور عدم تسلیم کی تفصیل۔	۵۰۶
ایسی چیزوں کاکرایہ نہ دیناحرام ہے۔	۵۰۳	رخصت کے دنوں کی بے تسلیم نفس بھی تنخواہ ملے گی۔	۵۰۶
وہ مچھلی مباح ہے جو پکڑے اسی کی ہے۔	۵۰۳	عدم تسلیم نفس کے علاوہ کسی صورت میں کل یا بعض تنخواہ ضبط نہیں ہوسکتی۔	۵۰۶
اُجرت میں سے بجبر کارِخیر کے لئے چندہ وصول کرنے کاسوال۔	۵۰۳	تعزیر مال منسوخ وممنوع ہے۔	۵۰۶
جبر ناجائز ہے۔	۵۰۴	معدودے چند صورتوں کے علاوہ تعزیر کا حق قاضی کو ہے عوام کو نہیں۔	۵۰۶
رنڈیوں سے گھر کا کرایہ لینا کیساہے۔	۵۰۴	جب سے نوکری چھوڑکے چلاگیااس وقت سے تنخواہ ضبط کرسکتے ہیں، یہ قانون غلط ہے کہ مثلاًایک مہینہ پہلے سے اطلاع نہ دی تواتنے دن کی تنخواہ ضبط ہوگی۔	۵۰۶

غلط قواعد اگر نفس عقد میں شامل ہوں تو اجارہ ہی فاسد ہے، عاقدین مبتلائے گناہ اور دونوں پر اس کا فسخ واجب ہے۔	۵۰۷	سود لینا مطلقاً منع ہے، دینا معذوری سے ہو تو جائز۔	۵۱۵
فساد اجارہ کی صورت میں اگر کام کیا تو اجرت مثل کے مستحق ہوں گے جو مسمّٰی سے زائد ہو گی۔	۵۰۷	رخصت کی صورت میں وضع تنخواہ کا سوال۔	۵۱۵
در مختار، شامی، بزازیہ، بحر، شرح معانی الآثار، مجتبٰی، شرح ہدایہ عینی، فتح القدیر، فتاوٰی عثمانیہ اور احادیث سے مسائل کے جزئیات۔	۵۰۷	جتنے دن اور جتنے گھنٹے کام کیا اتنے کی تنخواہ ملے گی، جتنا کام نہ کیا تنخواہ نہ ملے گی۔	۵۱۶
بینک کے سودی کاروبار کی تفاصیل۔	۵۱۰	مشترکہ جائداد کے منافع سے سوال۔	۵۱۶
سودی کاروبار حرام ہے، سود کی کمی بیشی سے حلت وحرمت کے حکم میں تغیر نہیں ہو سکتا۔	۵۱۳	بھائیوں میں مشترکہ جائداد تمام بھائیوں کی ہے کوئی ایک بھائی اس کا مالک نہیں ہو سکتا۔	۵۱۶
سود کی حرمت پر قرآن عظیم کی دو آیات اور تین حدیثیں۔	۵۱۳	کسی جائداد کے منافع کا کسی ایک بھائی کے کام میں آنا اس جائداد کا ہبہ نہیں۔	۵۱۶
سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے ایک بار زنا کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔	۵۱۴	جائداد مشترکہ کا ہبہ بلا تقسیم کسی ایک شریک کے حق میں نہیں، ایسی صورت میں موہوب لہ کی موت سے ہبہ باطل ہو جاتا ہے۔	۵۱۶
سود سے بچنے کے طریقے۔	۵۱۴	مشترکہ کھیت کرایہ پر دیا گیا، سب شرکاء کی اجازت سے یا بغیر اجازت۔ بے اجازت تو کرایہ میں سے کرایہ پر دینے والے کے حصہ بھر اس کی ملک، اور بقیہ ملک خبیث، تو وہ بقیہ حصہ داروں کو دے یا فقراء پر صدقہ کرے، اول افضل ہے۔	۵۱۷
ملازمت کا اصولی حکم، جس میں ملازم کو خود حرام کام کرنا پڑے، ایسی ملازمت حرام ہے چاہے تنخواہ حلال مال سے ہی کیوں نہ دی جائے۔	۵۱۵	ملازم اور اجیر کے فرضی فرق سے سوال۔	۵۱۸
ملازمت میں حرام کام نہ کرنا پڑے تو ملازمت جائز، تنخواہ اگر حرام مال سے دے تو اس کا لینا ناجائز، اگر اس کو حرام مال سے بدل لیا یا حلال حرام مخلوط ہو گیا تو اس کا لینا جائز۔	۵۱۵	شرع میں اجیر کی دو قسمیں ہیں، اجیر خاص اور اجیر مشترک۔ اردو میں اجیر خاص کو ہی نوکر اور ملازم کہتے ہیں۔	۵۱۸

اجیر مشترک "پیشہ ور" کو کہتے ہیں جو کسی خاص آدمی کے نوکر نہیں ہوتے۔	۵۱۸	قواعدِ ملازمت کی خلاف ورزی پر اجرت کی رقم جائز ہے یا ناجائز۔	۵۲۱
اجیر خاص اور ملازم بھی اگر اس کے کام کا وقت متعین ہو، جیسے مدرسوں کی ملازمت، تو وہ اتنے ہی ٹائم کا ملازم ہے، اس کے بعد آزاد وخود مختار ہے۔	۵۱۸	جن جائز پابندیوں کی شرط تھی ان کے خلاف کرنا حرام ہے۔	۵۲۱
اسی طرح جو جس کام کا ملازم ہو اس سے وہی کام لیا جاسکتا ہے دوسرا نہیں، ہاں خدمتگار جو امور خانہ داری وغیرہ کے لئے ملازم ہوتا ہے وہ ہر قسم کی خدمت کرے گا۔	۵۱۸	بچے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا حرام ہے۔	۵۲۱
اجیر مشترک البتہ مقید نہیں کہ ان کا کام بکتا ہے، وقت نہیں بکتا، اس کے لئے یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے۔	۵۱۸	ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا حرام ہے۔	۵۲۱
اجیر خاص کام کے وقت انکار نہیں کرسکتا اور وقت دے اور کام نہ ہو تب بھی اُجرت پائے گا۔	۵۱۹	مشترکہ دکان جس کا جز سرمایہ سودی رقم ہو اس کی ملازمت اور ایسی رقم سے اعانت، مسجد مدرسہ کا سوال۔	۵۲۱
جو مسئلہ نہ جانتا ہو اسے کسی چیز پر حکم شرعی لگانا حرام ہے۔	۵۱۹	اگر کسی ناجائز کام کی پابندی ہو تو ملازمت ناجائز ورنہ جائز ہے۔	۵۲۲
ایسے ہوٹل کے لئے مکان کرایہ پر دینا کیسا ہے جس میں شراب اور سود کی فراہمی بھی ہوتی ہو، اور ایسی آمدنی سے چندہ دینا کیسا ہے۔	۵۱۹	اگر بعینہٖ سود والے روپیہ سے اعانت کرے تو علم کے بعد نہ لے، اور مخلوط ونامعلوم ہو تو لے لے۔	۵۲۲
ایسے ہوٹل کا کاروبار حرام ہے، حدیث شریف سے حرمت کا ثبوت۔	۵۱۹	جس کا مال حلال ہو اس کی اعانت قبول کرنا جائز ہے۔	۵۲۲
ایسے کام والوں کو مکان کرایہ پر دینے میں حرج نہیں جبکہ غرض مطلقاً کرایہ پر دینے کی ہو۔	۵۲۰	میرے مقدمہ کی پیروی اپنے پیسہ سے کرو مقدمہ جیتنے کے بعد جائداد ہم تم میں نصفانصف ہوگی۔	۵۲۲
ایسے کرایہ سے امور خیر ادا کئے جاسکتے ہیں۔	۵۲۰	یہ معاہدہ فاسد ہے، اور فریقین پر اس کا پورا کرنا لازم نہیں، پیروی کرنے والے کو اس کی اجرت مثل ملے گی، اور ایسا معاہدہ کرکے دونوں گنہگار ہوئے۔	۵۲۳
امامت، ختم کلام پاک اور دینی تعلیم سے اجرت سے متعلق سوال وجواب۔	۵۲۱	عقد فاسد کے ساتھ زمین اجارہ پرلی۔ اس زمین پر گورنمنٹ کی طرف سے مقدمہ ہوا، مستاجر نے مقدمہ بازی کے بعد وقت اجارہ سے پہلے زمین خالی کردی کیا حکم ہے۔	۵۲۳
ختم قرآن کی اُجرت ناجائز ہے۔	۵۲۱		

مقدمہ میں مستاجر نے جو خرچ کیا یا جو جرمانہ دیا مالکان سے اس کا لینا ظلم ہے۔	۵۲۴	اس کے جائز ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ میت والے اتنی دیر کے لئے حافظ کو اپنے کام کیلئے اجرت پر رکھ لیں، اور جب وہ پہنچیں تو ان سے اور کام کے بجائے تلاوت کا کام ہی لے لیں۔	۵۲۹
اجارہ فاسدہ کا فسخ کرنا طرفین پر ضروری تھا فسخ نہیں کیا تو جتنے دن زمین پر قبضہ رکھا اس کا کرایہ مثل دے جو مسمّٰی سے زائد نہ ہو۔	۵۲۵	ختم ملازمت کے بعد والی تعطیل کی تنخواہ سے سوال وجواب۔	۵۲۹
ہدایہ، تبیین الحقائق، خلاصہ وشامی سے مسئلہ کے نصوص۔	۵۲۵	واعظ یا حافظ کو تلاوت پر بطور بروصلہ کچھ دینے کا سوال وجواب۔	۵۲۹
کاشتکاری کے رہن رکھنے کا سوال۔	۵۲۷	مقدمہ کی فتحیابی کی دعا کرنے والے کو کچھ دینے کا سوال۔	۵۳۰
ایصال ثواب کے لئے بہ اُجرت کلام اللہ پڑھنے پڑھانے کا سوال۔	۵۲۸	پہلے سے کچھ دینے دلانے کا ذکر نہ ہو اور اس کا رواج بھی نہ ہو تو اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔	۵۳۰
ایصال ثواب کے لئے اجرت پر کلام اللہ پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز اور گناہ ہے، ایسی قرآن خوانی کا ثواب مُردوں کو نہیں پہنچتا۔	۵۲۸	کسی کی نماز اچھی لگی اس کو کچھ بطور بروصلہ دے دیا تو اس کے لینے میں کچھ حرج نہیں۔	۵۳۱
زبانی جتنا معاہدہ کریں تب بھی ناجائز، اور وہاں کا یہ عرف ہو تب بھی ناجائز۔	۵۲۸	دعائے فتحیابی اگر بطور اجارہ بھی ہو اور وقت اور مقدار دعاء مثلاً فلاں ختم، اور اجرت متعین کردیا ہو تو اس اجارہ میں بھی حرج نہیں کہ یہ تدبیر وعلاج ہے، ختم قرآن پر لینا نہیں۔	۵۳۱
عرف ہو اور زبانی بات نہ کریں تو ایک خباثت اور بڑھ گئی کہ اجرت مجہول ہے۔	۵۲۹	مسئلہ پر حدیث بخاری شریف سے استدلال، البتہ اتنا کہنے کے لئے اجرت ٹھہرانا کہ "یااللہ فلاں کا یہ کام ہوجائے" بے معنی ہے اور یہ اجارہ ہی نہیں۔	۵۳۱
جس حاوی میں یہ لکھا ہے کہ ۴۵ درم سے کم ختم قرآن کی اُجرت مقرر کرنا جائز نہیں، وہ حاوی زاہدی معتزلی ہے، حاوی قدسی نہیں، اور یہ حکم خلاف شرع ہے۔	۵۲۹	ہندیہ، خانیہ اور کبرٰی سے استشہاد۔	۵۳۲
جو حافظ اس کا پیشہ کرے فاسق معلن ہے۔	۵۲۹	پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں سوال۔	۵۳۳
		پراویڈنٹ فنڈ کی رقم دراصل ملازم کا جزوِ تنخواہ ہے، مگر اس کی وجہ سے اجارہ کا معاملہ فاسد ہوجاتا ہے۔	۵۳۳

جو جہالت بیع کو فاسد کرتی ہے وہی اجارہ کو فاسد کرتی ہے۔	۵۳۴	آج کل چونکہ لوگ زیادہ تر نشہ کے لئے ہی خریدتے ہیں لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔	۵۳۷
اختیار، خزانہ، سراجیہ سے جزئیہ۔	۵۳۴	اس کا ٹھیکہ گورنمنٹ کا فعل ہے تاجروں پر اس کا کوئی الزام نہیں۔	۵۳۷
پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں تنخواہ کا ایک جز مدت مجہولہ کے لئے ہوتا ہے۔	۵۳۴	مسجد کے پھول کا بتوں پر چڑھانے کیلئے کافروں کے ہاتھ ٹھیکہ دینا کیسا ہے۔	۵۳۸
اجارہ فاسدہ میں استیفائے منفعت کے بعد اجرتِ مثل واجب ہوتی ہے۔	۵۳۵	فی نفسہٖ ٹھیکہ حرام ہے، اور بتوں پر چڑھانے کی نیت ہو تو اور حرام۔ اور یہ سمجھ کر لیا جائے کہ غیر مسلم اپنی خوشی سے دے رہا ہے، اور پھول توڑنے کے لئے مسجد میں نہ جانا ہو تو جائز ہے۔	۵۳۸
سرکاری نوکری میں تنخواہ ہی اجرت مثل ہے۔	۵۳۵	وعظ پر اجرت لینے کا سوال۔	۵۳۸
ختم ملازمت کے بعد پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم کی جائز کمائی ہے۔	۵۳۵	طاعت پر اجرت لینا حرام ہے مگر زمانہ کی حالت دیکھ کر علماء نے پانچ چیزوں کا استثناء کیا۔	۵۳۹
گورنمنٹ سے زائد رقم سود سمجھ کر لینا حرام ہے۔	۵۳۶	فقیہ ابو اللیث کا فتوی۔	۵۳۹
ہاں علمائے دین یہ سمجھ کر گورنمنٹ سے اپنا حق پارہے ہیں چاہے گورنمنٹ اس کا کوئی نام رکھے، یا فقراء و مساکین یا کوئی دوسرا ان کی نیت سے اس کو وصول کرے تو یہ جائز ہے۔	۵۳۶	ججی، سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری سے سوال۔	۵۳۹
خزانہ اسلامی نہ ہو اور وہ انتظامات شرعیہ کا اہتمام نہ کرے تو بیت المال کے مستحقین (علماء دین و فقراء و یتامٰی) کو اپنی رضا سے گورنمنٹ جو رقم بھی دے تو اس کا نام وہ کچھ رکھے اپنا حق سمجھ کر لینا جائز ہے۔	۵۳۶	نوکری مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی، خدا اور رسول کے حکم کے خلاف جس میں کام کرنا پڑے ناجائز ہے۔	۵۳۹
در مختار سے جزئیہ۔	۵۳۶	ائمہ نے تیسری صدی ہجری کے لئے فرمایا من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر۔	۵۳۹
استیفائے حق کا مسئلہ عام مسلمانوں کے ساتھ متعلق ہے۔	۵۳۷	قرآن عظیم میں قاضیوں کے لئے ظالم، فاسق، کافر تین لفظ ارشاد ہوئے۔	۵۳۹
افیون اور بھنگ کی تجارت اور ٹھیکیداری سے سوال۔ ان کا خارجی استعمال اور قدر قلیل غیر مفتر کا داخلی استعمال جائز ہے۔ اس لئے اس کی تجارت بھی فی نفسہٖ ایسے لوگوں کے ساتھ جائز ہے۔	۵۳۷		

رجسٹری حکم تو نہیں لیکن اس میں بھی سود وغیرہ غلط امور کی شہادت ہوتی ہے۔	۵۳۹	دیہات کے ٹھیکہ کا سوال وجواب۔	۵۵۰
○ اجود القری لطالب الصحۃ فی اجارۃ القری۔	۵۴۱	دیہات کے ٹھیکہ کو حدود شرع میں کرنے کی ترکیب۔	۵۵۱
دیہات کی توفیر کے وصولی کا ٹھیکہ۔	۵۴۱	زبانی عقد کا شرع میں اعتبار ہے، اس کے خلاف پر تحریر کا کوئی اعتبار نہیں۔	۵۵۲
اصل معاملہ کی توضیح۔	۵۴۱	خیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۵۵۲
ایسا ٹھیکہ باطل ہے، ٹھیکہ دار نے جو محنت کی وصولی کا پائی پائی مالک کو ادا کرے، وصولی سے زائد ادا کرنا اس پر ضروری نہیں۔	۵۴۲	دیہات کا ٹھیکہ کا سوال وجواب۔	۵۵۳
ایسے ٹھیکہ میں ادائیگی اور وصولیابی کا حساب برابر کرنے کا طریقہ۔	۵۴۲	دیہات کا ٹھیکہ جائز ہونے کی ایک دوسری ترکیب۔	۵۵۳
اصل کلی، بیع اعیان کا عقد ہے، اور اجارہ منافع کا عقد ہے۔	۵۴۳	دیہات کے ٹھیکہ سے متعلق ایک مقدمہ کے بارے میں سوال۔	۵۵۴
استہلاک عین پر اجارہ باطل ہے۔	۵۴۳	دیہات کا ٹھیکہ باطل ہے۔	۵۵۵
کتب فقہاء سے ایسے چند اجاروں کی مثال۔	۵۴۳	فتاوٰی خیریہ، مغنی المستفتی، عقود الدریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۵۵۵
ٹھیکہ میں مزارعین سے جو وصول کرتے ہیں وہ عیون ہیں، اور زمیندار اسی کو اجارہ پر دے رہے ہیں۔	۵۴۴	دیہات کا ٹھیکہ اور وزن کشی کے ٹھیکہ سے سوال۔	۵۵۸
فتاوٰی خیریہ سے خاص مسئلہ کا جزئیہ۔	۵۴۴	دیہات کے ٹھیکہ کے جواز کی دو تدبیریں۔	۵۵۸
خیریہ اور دیگر کتب فقہ سے مزید جزئیات۔	۵۴۴	اس بات کا ٹھیکہ کہ سال بھر گاؤں کے راس وہی تولے، ناجائز ہے۔	۵۵۹
مزارعین کے اجارہ اور دیہات کے ٹھیکہ میں فرق ہے، اور فرق نہ ہو تب بھی جب شرع نے ایک کو حلال اور دوسرے کو حرام قرار دیا، تو ہمیں کیا مجال انکار۔	۵۴۸	اسٹیشن کا ٹھیکہ بھی ناجائز ہے۔	۵۵۹
دیہات کے ٹھیکہ کے رواج پڑنے کی وجہ۔	۵۴۹	دکانوں کے ٹھیکہ کا سوال منظوم۔	۵۵۹
امت مسلمہ کے لئے دعائے ہدایت۔	۵۴۹		

جواب منظوم کہ جتنے کرایہ پر زمین لی اس سے زائد پر دوسرے کو دینا جائز نہیں، ہاں جب اس میں اپنے تصرف سے کچھ اضافہ کرے تو جائز ہے۔	۵۶۰	منشاء غلط کا حل۔	۵۶۵
دیہات کے ایک ٹھیکہ کا بیان۔	۵۶۰	منی آرڈر میں ڈاکخانہ کو دو قسم کی رقم دی جاتی ہے۔	۵۶۵
سودی قرض کا سوال۔	۵۶۰	(۱) اصل رقم جو مرسل الیہ کو ملے۔	۵۶۵
سود کی حرمت کا بیان۔	۵۶۱	(۲) فیس جو پہنچانے کا محصول ہے ڈاکخانہ والے اگر مرسل الیہ کو بعینہٖ اصل رقم پہنچادیتے تو یہ خالص اجارہ ہوتا۔	۵۶۵
دیہات کا ٹھیکہ حرام اور اس کی کتنی آمدنی مالک کے لئے حلال اور کتنی حرام۔	۵۶۲	یوں ہی ڈاکخانہ والے کبھی اصل اور کبھی بدل پہنچاتے تو بھی یہ اجارہ ہی ہوتا۔	۵۶۵
○ **المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر**	۵۶۳	اس صورت میں ڈاکخانہ والے غاصب ہوتے، اور اجرت کے مستحق نہ ہوتے مگر مستاجر پر کوئی الزام نہ ہوتا۔	۵۶۵
فیس منی آرڈر کے بارے میں سوال۔	۵۶۳	مطلقًا اصل کا بدل پہنچانے کی وجہ سے اس میں قرض کا معنی بھی ہوا۔	۵۶۵
یہ اطلاع کہ مولوی رشید احمد گنگوہی نے اس کی حرمت کا فتوی چھاپا ہے۔	۵۶۳	اعتبار معانی کا ہے، تو جو معہود ہے وہی مذکور ہے۔	۵۶۵
فتوی مولوی رشید احمد پر تنقید۔	۵۶۴	ڈاک خانہ والوں کو فیس کی رقم اگر کسی کام کے عوض کے بغیر دی جاتی، یا کسی کام کے عوض دی جاتی، مگر وہ کام مقصود یا صالح عقد اجارہ نہ ہوتا، تو البتہ یہ معاملہ قرض ہوتا۔	۵۶۶
ڈاکخانہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور فیس منی آرڈر روپیہ مکتوب الیہ تک پہنچانے کا کرایہ۔	۵۶۴	فیس منی آرڈر کو طرفین میں سے کوئی بھی سود قرار نہیں دیتا، روپیہ پہنچانے اور رسید واپس لاکر دینے کا معاوضہ سمجھتا ہے۔	۵۶۶
اسی قسم کا ایک اور غلط فتوی کہ چاند کی شہادت بذریعہ تار جائز ہے۔	۵۶۴	ڈاکخانوں کی وضع ہی ایسے کاروبار کے لئے ہوئی ہے۔	۵۶۶
اس مسئلہ میں قیاس تحریر کیا گیا ہے۔	۵۶۴	شریعت میں حتی الامکان نظر اصلاح معاملات پر ہوتی ہے، نہ افساد پر۔	۵۶۶
مقیس اور مقیس علیہ میں فرق کا بیان۔	۵۶۴	نقود میں خلاف جنس تفاضل جائز ہونے سے مسئلہ کی تائید۔	۵۶۶
مسئلہ مسئولہ میں منشاء غلط، روپیہ کو قرض محض سمجھنا ہے۔	۵۶۵	فیس منی آرڈر کے اجرت اجارہ ہونے پر پہلی دلیل۔	۵۶۷

اصل رقم تلف ہونے سے تاوان لازم ہوتا ہے۔	۵۶۷	تحقیق مزید۔	۵۶۸
اس دلیل پر پہلی تنقید۔	۵۶۷	ڈاک خانہ اجیر مشترک ہے اور اجیر مشترک پر ضمان کی شرط لگادی جائے تو مسئلہ کی تین بلکہ چھ صورتیں ہیں، اور سب مصحح ومفتی بہا۔	۵۶۸
اجارہ میں بھی مختلف صورتوں میں ضمان واجب ہے۔	۵۶۷	فقہ کی تیس کتابوں سے اشکال ستہ کا بیان، ان کا حکم اور اس کے قائلین کی تفصیل۔	۵۶۸
دوسری تنقید۔	۵۶۷	مصنف کے نزدیک اس قول کی ترجیح کہ اجیر صالح ہو تو ضمان نہیں، مستور الحال ہو تو نصف ساقط اور نصف واجب، اگر امام یہ زمانہ پاتے تو یہی فتوی دیتے۔	۵۷۳
اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ اجارہ میں ضمان مطلقاً واجب نہیں ہوتی تب طلب زمان کی قید لگادینے سے اجارہ قرض سے کیوں بدل جائے گا۔	۵۶۷	ان چار اقوال مفتٰی بہ میں سے دو کی رو سے اجارہ میں ضمان جائز ہے۔	۵۷۴
ایک شبہہ اور اس کا جواب۔	۵۶۷	منی آرڈر کے معاملہ کو ہنڈوی پر قیاس کرکے ناجائز قرار دینا ایک نظر فقہی ہوتی۔	۵۷۵
تیسری تنقید۔	۵۶۷	دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہنڈوی والوں کی کوٹھیاں اجارہ پر روپیہ پہنچانے کے لئے نہیں، جبکہ ڈاکخانہ کی وضع اسی کے لئے ہے۔	۵۷۵
ہم اس کو اجارہ محض نہیں قرار دیتے بلکہ قرض بھی مانتے ہیں، تو یہ ضمان قرض ہونے کی وجہ سے اور فیس اجارہ ہونے کی وجہ سے۔	۵۶۷	شرط فاسد کی وجہ سے فیس منی آرڈر کے عدم جواز کا شبہہ اور اس کا جواب۔	۵۷۶
دوسری دلیل	۵۶۷	شرط فاسد کے مفسد اجارہ ہونے پر چند بحثیں۔	۵۷۶
اجارہ میں اسی رقم کا مرسل الیہ تک پہنچانا ضروری ہوتا ہے لیکن اس معاملہ میں طرفین میں سے کوئی اسے ضروری نہیں سمجھتا۔	۵۶۷	پہلی بحث۔	۵۷۶
اس دلیل پر منطقی تنقید۔	۵۶۷	شرط فاسد کہ بیع میں ہے، ہمارے ائمہ نے اجارہ کو اس پر قیاس کیا۔	۵۷۶
عقد میں جو چیز لازم ہو اگر عاقدین اس کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو وہ عقد مرتفع نہیں ہوتا۔	۵۶۷	حدیث شرط پر امام اعظم کی وجہ سے ابن قطان کی جرح اور اس جرح پر اعلیحضرت رحمہ اللہ کی کڑی تنقید۔	۵۷۷
برتقدیر صحت دلیل، دونوں دلیلوں کا تقاضا یہ ہوا کہ یہ عقد اجارہ محض نہیں، اور درحقیقت یہ عقد من وجہ اجارہ اور من وجہ قرض ہے، اس لئے دلیل مفید مدعا نہیں۔	۵۶۷		

بیع میں شرط فاسد سے بیع فاسد ہونے کی بات اس شرط کے ساتھ مقید ہے کہ ایسی شرط لگانا معہود نہ ہو۔	۵۷۸	صرف علمائے اسلام کے اجماع کی بھی دوسری صدی کے بعد کوئی راہ نہ رہی۔	۵۹۴
دوسری بحث۔	۵۷۹	فواتح الرحموت سے اس کی نقل۔	۵۹۴
اس عرف کا حضور کے زمانہ میں ہونا ضروری نہیں۔	۵۸۰	اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ علماء نے کسی مسئلہ میں عرف کا لحاظ کرنے کے لئے پورے عالم اسلام کے عرف کی تحقیق کی ہو۔	۵۹۴
منحۃ الخالق سے اس اعتراض کا جواب کہ کیا عرف حدیث رسول پر قاضی ہوسکتاہے۔	۵۸۱	اس امر میں علماء کی تصریح موجود ہے کہ ہر بلاد کے اکثر عام مسلمانوں کا عرف وہاں حکم لگانے کے لئے کافی ہے۔	۵۹۵
کتب فقہ وفتاوٰی کی متعدد عبارتوں سے مسئلہ کا ثبوت۔	۵۸۱	ابن ہمام، حاوی، خلاصہ، شامی، ظہیریہ، ہندیہ اور ابن نجیم کے حوالے۔	۵۹۶
ان تیس کتابوں کا نام جن سے عبارتیں نقل کیں۔	۵۹۱	اس امر کی مزید وضاحت کہ عرف سے مراد ہر علاقہ کے اکثر اہل اسلام کا عرف ہے۔	۵۹۶
ان تیس امور کی فہرست جن میں خلاف قیاس عرف کا اعتبار کیا گیا۔	۵۹۱	عرف چار قسم کا ہوتا ہے۔	۵۹۷
مزید ایسے امور کا اضافہ من جانب مصنف جو قیاس کے خلاف عرف سے جائز ہوئے۔	۵۹۲	(۱) عہد رسول کا عرف نص رسول کے حکم میں ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر ہے۔	۵۹۷
تیسری بحث۔	۵۹۲	اور نص مقدم کی ناسخ ہے۔	۵۹۷
کیا وہ عرف سارے جہان کے مسلمانوں کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۵۹۲	فصول بدائع سے اس امر کی تائید	۵۹۷
اصول ابن ہمام اور بحر الرائق سے حوالہ۔	۵۹۳	تقریر رسول کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے دو نص مقدم کی ناسخ ہیں۔	۵۹۷
جن مسائل میں علماء نے عرف کا لحاظ کیا انہیں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے عالم اسلام کا عرف نہ تھا۔	۵۹۳	شرح در، حاشیہ مختصر الاصول سے تائید۔	۵۹۸
تمام کیا جملہ بلاد مسلمین کے اکثر کا پتہ چلانا بھی محال کی طرح ہے۔	۵۹۳	(۲) عرف محیط اجماعی، یہ اجماع کے حکم میں ہے، یہ خبر احاد پر مقدم ہے۔	۵۹۹
واقعی مردم شماری عادۃً محال ہونے کی تشریح۔	۵۹۴		

اجماع کو خود تو ناسخ نہیں کہتے، لیکن یہ نص ناسخ کو ظاہر کرتا ہے۔	۵۹۹	علامہ شامی کے رسالہ نشرالعرف نے مسئلہ کو اس طرح منضبط نہیں کیا ہے مگر اسی رسالہ کے مطالعہ کی برکت سے یہ مسائل مصنف پر منکشف ہوئے۔	۶۰۶
مسلم اور فواتح الرحموت سے مسئلہ کی تائید۔	۵۹۹	جمیل اور بینہ کا ذکر۔	۶۰۶
(۳) عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم، یہ بھی حجت تام ہے۔	۵۹۹	**کتاب الاکراہ**	
ان احادیث کا بیان جن میں ایسے عرف کی حجت کا ثبوت ہے۔	۵۹۹	اکراہ معتبر عندالشرع اور غیر معتبر کی تعریف اور بیان احکام۔	۶۰۹
تیسرا عرف بھی حکم میں پہلے دونوں عرفوں کی طرح ہے۔	۶۰۰	زرثمن کی حوالگی کے بار ثبوت سے سوال۔	۶۰۹
ایسے متعدد مسائل سے اپنے قول کی تائید۔	۶۰۰	حبس و قتل کے داب سے بیع کی تو بیع مکروہ ہے اور فاسد ہے۔	۶۰۹
(۴) یہ وہ عرف ہے جس میں ہماری بحث ہے، یہ نص کے مقابل نہیں ہوسکتا، نص کو اس سے محدود کرسکتے ہیں، اور قیاس پر قاضی ہے۔	۶۰۲	قتل کی تخویف اعلیٰ درجہ کا اکراہ ہے۔	۶۱۰
اشباہ، قدوری، ہدایہ، کفایہ، غایۃ البیان، فتاوٰی صغرٰی کی نصوص ومسائل مختلفہ سے ثبوت۔	۶۰۳	حبس مدید بھی اکراہ میں داخل ہے۔	۶۱۰
عرف خاص کہ صرف ایک دو شہر کا عرف ہوا، اور عرف نادر کہ معدودین کا عرف ہو۔ یہ نامعتبر اور قیاس کے مقابل نہیں۔	۶۰۶	بیع وشراء واجارہ وفسخ میں اکرہ ملجی وغیر ملجی دونوں رضا کو معدوم کردیتے ہیں۔	۶۱۰
صورتِ حکم بتانے کے لئے جس میں کسی منصوص یا متعین کی مخالفت نہ ہو عرف مقبول ہے۔	۶۰۶	مکرہ کو فسخ یا امضاء کا اختیار ہوگا۔	۶۱۰
اعیان، نذر، اوقاف، وصایا میں عرف سے مراد یہ ہی عرف ہے۔	۶۰۶	زبردستی گھر روک کر عورت سے مہر معاف کرالیا تو معافی باطل ہے۔	۶۱۰
مصنف کی یہ تحقیق تمام کلمات علماء کی جامع اور ان کا خلاصہ ہے، اور اس کا پوری طرح بیان مصنف کی خصوصیت ہے۔	۶۰۶	بیع وشراء واجارہ اقرار کے حکم میں ہے اور باپ کی کوئی خصوصیت نہیں جو منع کی طاقت رکھے سب کا یہی حکم ہے۔	۶۱۰
		مسئلہ مذکورہ میں خیریہ، خلاصہ، بزازیہ اور تاتارخانیہ کا حوالہ۔	۶۱۱

تحقیق اکراہ کے لئے صورت اکراہ وقت فعل موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ تہدید سابق واندیشہ لاحق اور مکرہ اور مکرِہ کے قابو میں ہونا کافی ہے خیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۶۱۲	درمختار، شامی، عالمگیری، طحطاوی کی عبارات۔	۶۱۶
مکرِہ کے قابو سے نکل گیاہو تو صرف اس اندیشہ سے آئندہ قابو پاسکتاہے اکراہ نہیں ماناجائے گا۔	۶۱۲	فالج زدہ کو جبکہ وہ شطرنج کھیلے مجنون کہاجاسکتاہے یانہیں، اور ایسے شخص کے تصرفات سے سوال۔	۶۱۸
رجسٹری آفس میں زرِ ثمن نہ دیاگیا ہو تو مشتری کے ذمہ حوالگی ثمن کا بارِ ثبوت ہے۔	۶۱۳	فالج دماغی مرض ہے مگراس کو جنون لازم نہیں۔	۶۱۸
حجت شرعیہ تین ہیں: گواہی، اقرار، انکار۔	۶۱۳	تمام کتابوں میں لکھاہے کہ اگر یہ مرض سال بھر ممتد ہو تو مریض کا حکم تندرستوں کاہے، اوراس کے تمام تصرفات نافذ ہیں۔	۶۱۸
مکرَہ کااقرار باطل ہے۔	۶۱۳	شطرنج وغیرہ کھیلنا اختلال عقل نہیں بلکہ سلیم الحواسی کاکام ہے۔	۶۱۸
اگراقرار اور عتَہ شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو توقبالہ کی تقریر بحالت صحت نفس وثبات عقل غیر معتبر ہے۔	۶۱۳	شطرنج کھیلنا شان علم کے لائق نہیں، اور کسی کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے شرعاً اس کے تصرفات باطل نہیں ہوتے۔	۶۱۸
کتاب الحجر		امام شعبی شطرنج کھیلتے تھے مگر کوئی انہیں مخبوط الحواس نہیں کہتا۔	۶۱۸
ایسی عورت جس پر کبھی کبھی جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے وہ معتوہ ہے۔	۶۱۵	جاہلوں کو عالموں پر طعن و تشنیع روانہیں۔	۶۱۸
عورت معتوہ تبرعات جیسے ہبہ وغیرہ کی اہلیت نہیں رکھتی اور کسی امر میں اس کی شہادت مقبول نہیں۔	۶۱۵	ایک ایسے شخص سے سوال جو چارسال سے مرض فالج میں مبتلا ہے پہلے تمام اعضاء و حواس پر آفت تھی، پھر ہاتھ کھلے پھرپاؤں پھر زبان، اسی حالت میں حج کیا اور تمام تصرفات کرتے ہیں۔ اس دوران دو تین دفعہ غفلت اور بیخودی بھی طاری ہوئی۔	۶۱۹
افاقہ کاوقت معلوم نہ ہوتو یہ احکام دائمی ہیں۔	۶۱۶	مسلوب الحواس کی اعلیٰ قسم جنون اور ادنٰی قسم عتَہ ہے۔	۶۱۹
صرف باتوں سے افاقہ کاپتہ نہیں چلتاہے۔	۶۱۶	عتَہ میں تدبر کی خرابی، سمجھ کی عدم درستگی، باتوں کا بے تکاہونا داخل ہیں، ایسے شخص سے شرعی تکالیف مرتفع ہوجاتی ہے۔	۶۲۰
افاقہ کاوقت معلوم ہے تواس وقت اس کاحکم عقلاء کاہے۔	۶۱۶		

مذکورہ بالا امور نہ ہوں تو شرعاً مسلوب الحواسی ثابت نہیں اور نادر کا اعتبار نہیں۔	۶۲۰	حالت افاقہ کے تصرفات مثل تصرفات عقلاء ہیں۔ جبکہ اوقات افاقہ معروف ہوں۔	۶۲۵
مدہوش کے اکثر حال اقوال وافعال میں اختلال ضروری ہے۔	۶۲۰	سوال میں دائمی مسلوب الحواس بتایا گیا اور مہر مثل سے زائد باندھا گیا، اس کے صحت کی کوئی صورت نہیں، راساً باطل ہے۔	۶۲۵
حضرت ہشام کلبی کے تین نوادر کا ذکر۔	۶۲۱	اگر لڑکا کلی مخبوط الحواس نہ ہوتا تب بھی یہ نکاح باطل ہوتا کہ غبن فاحش کے ساتھ نکاح صرف اب وجد کا حق ہے۔	۶۲۵
اپنی عورت کے ساتھ زیادتی کی بنیاد پر شوہر مجور ہوسکتا ہے یانہیں۔	۶۲۱	ایسا عقد فضولی جس کا وقت عقد کوئی جائز کرنے والا نہ ہو باطل ہے۔	۶۲۶
یہ ظلم ہے مگر ظالم پر امام اعظم کے مسلک میں حجر نہیں۔	۶۲۲	غبن فاحش کے ساتھ بیع کا بھی یہی حکم ہے۔	۶۲۶
ایسے شخص کے حجر میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے۔	۶۲۲	ماں کی موت کی صورت میں صغیر مجور کی ولایت کا سوال۔	۶۲۶
عصبہ نہ ہوتو ولایت کس کو حاصل ہے۔	۶۲۳	سات سال سے زائد عمر کا بچہ باپ کے پاس رہے گا، اور اس کو جو ترکہ ماں سے ملا اس میں تصرف کا اختیار بھی اس کے باپ ہی کو رہے گا، جو حصہ متوفیہ کے والدین کو ملا ان کے تصرف میں رہے گا۔	۶۲۷
ولایت نکاح صرف ماں کو حاصل ہے، ماں پر کسی کو ولایت نہیں، یہ صرف ولی کو حاصل ہے اور کوئی ولی بھی نہ ہو تو دادا پر دادا بھی نہ ہو تو حاکم اسلام۔	۶۲۳	مخبوط الحواس چچا کی ولایت اس کے ماموؤں کو حاصل ہے یا بھتیجے کو۔	۶۲۸
بے عقل کے تصرفات راساً باطل ہیں۔	۶۲۳	جب مجبور وا پاہج بھائی ہے تو اس کو، ورنہ بھتیجے کو ولایت حاصل ہوگی، ماموؤں کو ولایت کا کوئی حق نہیں۔ یہ ولایت نکاح کا بیان ہوا۔	۶۲۹
جس کو قدرے تمیز حاصل ہو یا مسلوب الحواسی دائمی نہ ہو تو اس کے ایسے تصرفات جس میں نفع وضرر دونوں کا احتمال ہو، ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے۔	۶۲۳	ولایت مال باپ کے وصی، وہ نہ ہو تو وصی کے وصی کو حاصل ہوگی۔	۶۲۹
حاشیہ طحطاوی سے مسائل بالا کے نصوص۔	۶۲۴	وہ بھی نہ ہو تو دادا کو، پھر اسی کے وصی، پھر وصی کے وصی کو، اور کسی کو مال کی ولایت نہیں پہنچتی۔	۶۲۹

بلوغ کی حد سے سوال۔	۶۲۹	مجنون کی تعریف، مجنون کے احکام، مجنون کی ولایت، مجنون وصبی کے فرق، اور حالتِ جنون کی طلاق سے سوال۔	۶۳۴
لڑکے میں ۱۲برس اور لڑکی میں ۹برس، سوتے وقت احتلام ہونا، انزال، لڑکی میں حیض یا حاملہ ہونا، یا جماع سے لڑکے کا حاملہ کرنا، یہ سب بلوغ کی قطعی علامتیں ہیں۔	۶۳۰	مجنون کی شریعت میں کوئی علیحدہ تعریف نہیں، مجنون وہ ہے جس کو پاگل اور دیوانہ کہتے ہیں۔	۶۳۵
آثار بلوغ کے بغیر بھی اگر وہ اپنے کو بالغ کہیں اور ظاہر ان کی تکذیب نہ کرے تو بالغ ہیں۔	۶۳۰	مجنون کی ولایت عصبہ کو علیٰ ترتیب الارث والحجب ہے۔	۶۳۵
ڈاڑھی مونچھ نکلنے اور پستان کے ابھار کا اعتبار نہیں۔	۶۳۰	سات آدمیوں کو مال کی ولایت حاصل ہے۔	۶۳۵
درمختار، شامی اور عالمگیری سے مسئلہ کا حوالہ۔	۶۳۰	مجنون وصبی غیر عاقل کا ایک حکم ہے۔ صبی عاقل کا حکم علیحدہ ہے۔	۶۳۵
زید حالت صحت میں تبرعاً سکونت کے لئے مکان دینے کے بعد مجنون ہوگیا تو کیا حکم ہے۔	۶۳۲	مجنون کی طلاق کسی حال میں واقع نہیں ہوتی۔	۶۳۵
زید کے پاگل ہوتے ہی تبرع ختم، مکان زید کے ورثہ کو واپس کرے یا معقول کرایہ دے۔	۶۳۲	غیر صحیح الحواس کی غبن فاحش کے ساتھ کی ہوئی بیع کا سوال۔	۶۳۵
لڑکی کا کوئی اور ولی نہ ہو تو چچا ولی ہے، لیکن اس کی بدنیتی ثابت ہو تو ماں اس کا نکاح کرسکتی ہے۔	۶۳۲	معتوہ کی بیع بے اجازت ولی جائز نہیں۔	۶۳۶
ایسا مریض جس کے ہلاکت کا خوف غالب تھا بیع نامہ کے بعد چوتھے روز مرگیا، یہ تحریر مرض الموت کی ہے یا صحت کی۔	۶۳۲	اور غبن فاحش کے ساتھ مطلقاً باطل ہے۔	۶۳۶
مرض مزمن ہوجائے اور خوف ہلاکت نہ رہے تو مرض الموت نہیں۔	۶۳۲	معتوہ ماذون کی بیع جائز ہے۔	۶۳۷
مرض الموت میں کسی ایک وارث کے ہاتھ بلااجازت دیگر ورثہ بیع نافذ نہیں۔	۶۳۳	طلاق صبی سے متعلق سوال۔	۶۳۸
نیلام شدہ مکان کی ملکیت کا سوال۔	۶۳۴	صبی کی طلاق نہ خود واقع ہوتی ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے۔	۶۳۹
اگر نیلام شدہ مکان کی قیمت سے ایک پیسہ بھی مالکوں نے لے لیا ہو تو مکان نیلام لینے والے کا ہوگیا، ورنہ مکان شرعاً اصل مالکوں کی ملک ہے۔	۶۳۴		

بضرورت طلاق صبی کی صرف دو صورت ہے: (۱) عورت اسلام لائی، صبی عاقل پر اسلام پیش کیا گیا اس نے انکار کیا، قاضی نے تفریق کی، یہ شرعاً طلاق ہے۔	۶۳۹	غصب اور چند حرام اموال کے بارے میں یہ اختلاف کہ کب وہ غاصب وغیرہ کے لئے حلال اور کب حرام ہیں۔	۶۴۵
(۲) صبی آلہ بریدہ تھا، عورت نے قاضی کے یہاں دعوٰی کیا اس نے تفریق کی، یہ بھی شرعاً طلاق ہے۔	۶۳۹	سود، چوری، غصب اور جوئے کا روپیہ مطلقاً حرام قطعی ہے۔	۶۴۶
ایک تیسری صورت کہ صبی عاقل مرتد ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، یہ بعض کے نزدیک ایک طلاق اور صحیح یہ کہ فسخ ہے۔	۶۳۹	آج کل کی وکالت اور نوکری جس میں ناجائز کام کا ارتکاب کرنا پڑے اور معصیت کی اجرت حرام قطعی ہے۔	۶۴۶
اشباہ سے مسائل کے نصوص۔	۶۳۹	بے ضرورت سود دینا حرام ہے لیکن قرض جو لیا حلال اور اس سے جو منافع کمایا حلال ہے۔	۶۴۶
زید نے مکہ کے کسی رہنے والے کو ہر سال تیس روپے کی سبیل پلانے کا وکیل بنایا اور کئی سالوں کا بقایا چھوڑ کر مرگیا، ورثہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں۔	۶۴۰	حرام مال سے خریدی ہوئی چیزوں کی چھ شکلوں کا بیان اور ان سب کا حکم۔	۶۴۶
کتاب الغصب		شامی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۶۴۷
لڑکے کی کمائی والد نے امانت کہہ کر رکھی اور اپنے مصارف میں خرچ کردی تو تاوان دینا ہوگا، اور لڑکے کی رضا نہ تھی تو گنہگار بھی ہوا۔	۶۴۳	مذکورہ بالا صورتوں میں جن جن صورتوں میں خریدی ہوئی چیزیں حرام ہوں ان کا بسم اللہ پڑھ کر کھانا برا ہے کفر نہیں۔	۶۴۹
آیت قرآنی سے مسئلہ پر استدلال۔	۶۴۳	ان چیزوں کی حرمت ضروریات دین سے نہیں۔	۶۴۹
حدیث انت ومالک لابیک کی تاویل۔	۶۴۳	فتاوٰی علامہ طبری اور شرح فقہ اکبر سے حوالہ حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں۔	۶۴۹
فتح القدیر سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۶۴۴	مالک تک پہنچانا ممکن نہ ہو تو صدقہ باعث اجر ہے۔	۶۴۹
مسئلہ کا ایک استثناء، باپ محتاج ہو اور بیٹا غنی تو لڑکے کے مال سے بقدر نفقہ بے اطلاع ورضا لے سکتا ہے۔	۶۴۴	شرح فقہ اکبر سے مسئلہ کی سند۔	۶۵۰
اصحاب سنن اربعہ اور حاکم کی مروی ایک حدیث کی تنقید اور تطبیق۔	۶۴۴		

کسب زنا سود وغیرہ کے مال سے چٹائی، لوٹا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھنا حلال ہے یا حرام۔	۶۵۰	حرام مال سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ کل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔	۶۵۶
عقد ونقد مال حرام میں جمع ہوں تو خریدی ہوئی شیئ حرام ہے ورنہ امام کرخی کے قول کے مطابق حلال ہے اور یہی مفتٰی بہ ہے۔	۶۵۱	ایسے مال سے نیاز بزرگاں بھی جائز نہیں۔	۶۵۷
عقد ونقد کے مال حرام میں جمع ہونے کی صورت۔	۶۵۱	مسئلہ پر مصنف کا استدلال۔	۶۵۸
جوئے کا مال اپنی ضروریات میں صرف کیا۔ اب کیا کرے۔	۶۵۱	تفصیل مزید، ایسے مال کو کب اور کس نیت سے خیرات کرنا بلکہ بعض صورتوں میں کفر اور کب باعث اجر وثواب ہے۔	۶۵۸
توبہ کی ترکیب، جس کا جتنا مال ہے واپس کرے اگر یہ ممکن نہ ہو توان کے ورثہ کو دے، وہ بھی نہ ہوسکے تو مال والوں کی طرف سے محتاجوں کو دے دے۔	۶۵۲	یہ تفصیل اس تحریر کا خاصہ ہے۔	۶۵۸
عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ اور مسئلہ کی مزید توضیح۔	۶۵۲	اس مال سے حج کرنا ناجائز وگناہ لیکن کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، مگر ثواب نہ ملے گا۔	۶۵۹
مکروحیلہ سے لوگوں کا مال لینا یا غصب ہوگا یا رشوت، او ردونوں حرام ہے۔	۶۵۳	شامی سے جزئیہ کی تصریح۔	۶۵۹
مخلوقِ خدا کو ڈرانا یا اس کا انتظام اور حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔	۶۵۳	ان اموال کو بدل کر یعنی قرض لے کر اس سے امور خیر کرلیا اور یہ اموال قرض میں ادا کردیا تو اب یہ امور جائز اور باعث ثواب ہوں گے۔	۶۵۹
دھوبی نے کپڑا بدل دیا، جان کر لیا تو لینا حرام، اور لاعلمی میں لیا تو استعمال حرام۔	۶۵۴	اس مال کو ناجائز لینے اور مالک کو واپس نہ کرکے قرض ادا کرنے کا گناہ اس پر علیحدہ ہوگا۔	۶۶۰
خانیہ، ہندیہ، بزازیہ اور قرآن وحدیث سے مسئلہ کا ثبوت۔	۶۵۵	عالمگیری میں مذکور اس حیلہ پر ایک اعتراض اور اس کا جواب۔	۶۶۰
مسئلہ کے ایک استثناء کی تاویل۔	۶۵۵	زید کے ٹھیکیدار بکر نے عمرو کی جائداد کے محاصل زبردستی وصول کیے، عمرو کو کس سے مطالبہ کا حق ہے۔	۶۶۲
حرام مال کی زکوٰۃ ادا کرنے اور اسے امورِ خیر میں صرف کرنے کا سوال۔	۶۵۶	بکر کا آسامیون سے وہ محاصل وصول کرنا ظلم ہے مگر عمرو کا مطالبہ نہ زید پر ہے نہ بکر پر نہ آسامیوں پر ہے۔	۶۶۲

زید کی پرتی زمین میں بکر نے درخت لگائے، ان کامالک کون ہوگا۔	۶۶۳	زید کامطالبہ بکر پر تھا، زید مرگیا، مطالبہ ادانہ ہوا، پھر زید کاوارث بھی قضاء کرلیا، پھر بکر بھی مطالبہ اداکئے بغیر مرگیا۔ آخرت میں مطالبہ معاف کرنے کاحق کس کو ہے۔	۶۶۷
بکرنے زید کی زمین پراس کی حقیقی یاعرفی اجازت سے درخت لگائے تواول میں درخت زید کا ہوگا، اور ثانی میں بکر کااور زمین عاریت مانی جائے گی۔	۶۶۳	مظلوم کاظالم پر دوطرح کامطالبہ ہوتاہے، ایک مطالبہ ظلم اور ایک مطالبہ مال اول کاحق ہرحال میں مظلوم کو ہے اور ثانی اگر مردہ ہوگیا ہو توآخرت میں اس کے معافی کاحق بھی مظلوم کوہی ہے کہ مطالبہ مردہ میں وراثت نہیں چلتی ورنہ مطالبہ مال کاحق لڑکے کو ہے۔	۶۶۷
اگرلگاتے وقت بکرنے زید سے کہامیں اپنے لئے لگاتاہوں، زید کی اجازت کے خلاف تو یہ غصب ہوا، اس کاحکم ہوگاکہ اپنادرخت اکھاڑے، یہی حکم اس صورت کاہے کہ بلااذن لگایاہو، ہاں یہ کہہ کرلگایاہوکہ زید کے لئے لگاتاہوں، توزید کاہوگا۔	۶۶۳	ہندیہ، خانیہ وغیرہ سے مسئلہ کاجزئیہ۔	۶۶۸
مسجد کی زمین غصب کرنے والاشخص فاسق، فاجر، ظالم ہے۔	۶۶۳	مصنف کاخانیہ کی عبارت سے ایک فقہی استنباط کہ لاوارث مال کابیت المال وارث نہیں بلکہ وہ فیئ مسلمین ہے۔	۶۶۹
اس کی وعید میں بخاری، مسلم، احمد وطبرانی کی چارحدیثیں اور سب کی نفیس وضاحت۔	۶۶۳	کسی کی زمین پر قبضہ کرنے اور مظلوم کومارنے سے سوال۔	۶۶۹
تعزیر بالمال کاسوال۔	۶۶۵	حدیث شریف سے زمین غصب کرنے اور مسلمانوں کو ایذا دینے کی وعیدیں، ایسے لوگوں اوران کے معاونین کاحکم۔	۶۷۰
تعزیر بالمال منسوخ ہے اور تعزیر حاکم کاکام ہے عوام کانہیں۔ جرمانہ واپس کرنے کے بعد اپنی طرف سے مالک مسجد کو دے دے تو یہ جائز ہے۔	۶۶۶	ترکہ کے جز حصہ پر قبضہ اور اس کی عدم ادائیگی کے لئے چوری ہوجانے کے عذر کاسوال۔	۶۷۱
دوسرے کی چیز بے اجازت اٹھاکر رکھ لینے سے وہ ضائع ہوگئی توضائع کرنے والے پر تاوان ہوگا۔	۶۶۶	صورت مسئولہ میں ترکہ کی رقم واجب الاداہے اور چوری کاعذر نامسموع۔	۶۷۱
		ورثاء کی شرکت شرکتِ ملک ہوتی ہے اور ہرشریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی، بلاسبب ایک کودوسرے حصہ پر قبضہ کاحق نہیں۔	۶۷۱

صورت مسئولہ میں بے اذن قبضہ غصب جس کے ہلاک پر تاوان اور ابتداءً قبضہ باذن ہو، تو بعد طلب عدم ادائیگی تعدی اور تلف پر تاوان۔	٦٧٢	پہلی صورت میں اس کی دعوت میں حرج نہیں، اور دوسری صورت میں اس کی دعوت منع ہے، مگر یہ کہ اپنی ذاتی آمدنی سے کرے۔	٦٧٦
شکل ثانی پر جرم غصب عائد نہ ہونے سے اعتراض اور اس کا جواب، اور فتح اللہ المعین۔	٦٧٢	مسجد کی چٹائی قبر میں لگادینے والا شخص خاص اللہ تعالٰی کا مجرم اور گنہگار ہے، صدق دل سے توبہ اور ایسی ہی چٹائی مسجد میں دینا، اور فقراء ومساکین کی مواساۃ اس کا کفارہ ہے۔	٦٧٨
ہندیہ اور تاتارخانیہ سے جواب کی تائید۔	٦٧٣	دو بھائی باہم شرکت میں کام کرتے تھے، مال موروثی اور کمائی کا دونوں تھا، ایک بھائی مرگیا، دوسرا برس ہابرس جائداد پر قابض رہا۔ مرنے والے نے ورثہ اور قرض دونوں چھوڑا۔ تقسیم کیسے ہو اور قرض کا کیا حکم ہے۔	٦٧٩
ترکہ پر بزور قبضہ غصب ہے یا نہیں، ایسا مال مستحقین کو نہ دے کر دوسروں کو کھلانے اور کھانے والوں کا کیا حکم ہے، اور غصب کو چالاکی سمجھنے والوں پر کیا تعزیر ہے۔	٦٧٥	دونوں بھائیوں کی مشترکہ زمین سے جو منافع زندہ بھائی نے کمایا اس کے تاوان میں متوفی کی نابالغ لڑکیوں کے حصہ کا، عہد نابالغیت تک کا کرایہ ادا کرے جبکہ قرض ترکہ سے کم ہو۔ اور بقیہ وارثوں کے حصہ سے جو کمایا صدقہ کرے۔	٦٨٠
صورتِ مسئولہ میں ضرور جرم غصب عائد ہے ایسے مال کا کھانا کھلانا ضرور حرام اور باعث عذاب جہنم ہے۔	٦٧٥	والد کے ترکہ میں ایک بھائی کے ناجائز تقسیم وتصرف اور قبضہ سے سوال۔	٦٨٠
غصب کو حلال سمجھنا کفر ہے۔	٦٧٥	فاسقوں کے احکام اور وعیدیں۔	٦٨١
اگر دیگر ورثہ کی اجازت سے پورے ترکہ پر قبضہ ہے، اور سب کے اخراجات کی ادائیگی اور فاضل کی حفاظت پر بھی ان کی رضا ہے تو غصب نہیں۔	٦٧٦	دوسرے کی دیوار پر کڑی رکھنا اگر بے اجازت ہو تو غصب ہے۔ اور پہلے مالک نے اجازت دی تھی اور موجودہ مالک اجازت نہیں دیتا تو اب ہٹانا ضروری ہے۔	٦٨٢
اگر دیگر ورثہ کی اجازت نہ ہو اور اپنے تصرفات بھی ناحق کرتا ہو تو غاصب ہے مگر کافر نہیں کہ ضرورت دینی کا انکار کفر ہے۔	٦٧٦	غیر کی تقریباً ڈیڑھ گرہ زمین غصب کرلی، مغصوب منہ نے اپنی زمین بیچ ڈالی غاصب کس کا جوابدہ ہے مالک کا یا ملک ثانی کا۔	٦٨٢

زید کی دیوار میں عمرو کا طاق قدیم ایام سے تھا، اور دو کڑیاں بھی اس کی دیوار پر تھیں۔ طاق زید نے بند کر دیا اور عمرو کی دیوار میں دو الماری اور آتش خانہ بنوالیا، اور کہتا ہے کہ کڑیاں ہٹالو تو میں یہ چیزیں ہٹالوں گا، بلکہ دیوار بھی بڑھالی ہے، کیا حکم ہے۔	۶۸۳	چندہ امر مستحب ہے اس پر جبر نہیں ہوسکتا۔	۶۸۶
عاریت کی چیز کو ہر وقت واپس لینے کا حق عاریت دینے والے کو حاصل ہے۔	۶۸۳	متبرع پر جبر نہیں۔	۶۸۶
عالمگیری سے جزئیہ۔	۶۸۳	وعدہ کرنے والے پر ابقائے عہد کے لئے جبر نہیں۔	۶۸۶
مغصوب منہ کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ غاصب کے وارثوں سے زمین مغصوبہ کا جو حصہ موجود ہے وہ اور بیعہ کی جو قیمت روز غصب تھی اس کا تاوان، اور زمین کرایہ پر چلنے کیلئے تھی تو موجودہ کے آج تک کے محاصل غاصب کی جائداد سے وصول کریں۔ ورثائے غاصب کو اس سے منع کرنا حرام ہے۔	۶۸۴	تطوع کرنے کی فضیلت۔	۶۸۷
عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۶۸۵	غیر مسلم کا مال زبردستی کھانے کے متعلق سوال وجواب۔	۶۸۷
چندہ وصول کرنے والے کی سستی سے چیک کیش نہ ہوسکا اور بنک دیوالیہ ہوگیا، تو اس رقم کا ذمہ دار کون ہے، مالک کہ چندہ وصول کرنے والا۔	۶۸۶	زید نے اپنی جائداد کا جز حصہ بعوض مہر زوجہ کفو کے نام کیا، پھر میاں بیوی دونوں کی رضا سے وہ حصہ زوجہ کی اولاد کے نام لکھا گیا، قابض اس پر دوسری غیر کفو بیوی کی اولاد ہے یہ غصب اور ظلم ہے اور ان کا اس جائداد میں کوئی حصہ نہیں۔	۶۸۷
دیوالیہ بننا بنک والوں کا ظلم ہے۔	۶۸۶	شرکت کی چیز استعمال سے ضائع ہوجائے تو کس پر تاوان ہے۔	۶۸۹
سبب اور مباشر جمع ہوں تو نسبت مباشر کی طرف ہوگی۔	۶۸۶	مغصوب منہ غاصب کا مال پائے تو اپنے حق میں اس پر قبضہ کرسکتا ہے یا نہیں۔	۶۸۹
فعل کے صدور میں جب کسی فاعل مختار کا فعل درمیان میں آجائے تو پہلے کی نسبت منقطع ہوکر دوسرے کے ساتھ قائم ہوجائے گی۔	۶۸۶	امام حجرہ میں سامان بند کرکے گیا، کچھ لوگ کمرہ کھول کر اسباب اپنے استعمال میں لائے اگر وہ امام کا ذاتی سامان ہو تو یہ تصرفات حرام ہیں، اور مسجد کا سامان بھی ہو مگر امام کے لئے تھا تو بھی اس میں یہ تصرفات حرام ہوں گے۔	۶۸۹

وقف کا سامان مصرف کے خلاف استعمال کرنا حرام ہے۔	۶۸۹	کتب خانہ کے ملازم نے کچھ کتابیں نذر کیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے کتب خانہ کی کتابیں دی ہیں، تو وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، دینے والے کو واپس کردی جائیں، شبہہ کے بعد احتیاط بچنے میں ہے۔	۶۹۱
تعمیر چاہ کے لئے جمع شدہ رقم خازن نے بیت المال بنا کر اس سے قرض بانٹنا شروع کیا، کچھ لوگوں نے اس سے قرض لیا اس دوران بیت المال کو چندہ دیا بعد میں پھر بند کردیا، کیا ایسے خزانہ کا نام بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔	۶۹۰	غاصب الغاصب نے چیز غاصب کو واپس کردی ذمہ سے بری ہوگیا۔	۶۹۱
ایسے بیت المال کے مخالفین کو کلام اللہ کے مخالف کہنا کیسا ہے۔	۶۹۰	عامۃ الورود جگہ مثلًا سرائے سے کسی مسافر کا سامان گم ہوگیا سرائے کے مالک پر تاوان کی ذمہ داری نہیں۔ کسی شخص پر سرقہ کا نادیدہ حکم روا نہیں۔	۶۹۲
قوم اس روپیہ کا حساب اس خازن سے لے سکتی ہے یا نہیں۔	۶۹۰	عامۃ الورود جگہ میں رکھے ہوئے سامان کی ذمہ داری جگہ والے پر نہیں۔	۶۹۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		مسئلہ کاایک استثناء	۶۴۵
قرآن میں مہینوں سے مراد شہور ہلالیہ ہیں، معالم اور نسفی سے تائید۔	۴۴۸	**عقائد وکلام**	
فوائد حدیثیہ		جو حقیقی شرک میں مبتلا ہو وہی شرک ہے۔	۴۳۳
حدیث مبارک "کل بینک نحلت مثل هذا" کامطلب۔	۲۹۱	بدعت کی تعریف۔	۴۳۳
حدیث مبارک "لو یعطی الناس بدعوتهم" کی تقریر۔	۳۳۴	حرام مال کو صدقہ کرکے امیدِ ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں۔	۶۴۹
ان احادیث کا بیان جن میں ایسے عرف کی حجت کا ثبوت ہے۔	۵۹۹	غصب کو حلال سمجھنا کفر ہے۔	۶۷۵
حدیث "انت ومالک لابیک" کی تاویل۔	۶۴۳	اگر دیگر ورثہ کی اجازت نہ ہو اور اپنے تصرفات بھی ناحق کرتا ہو تو غاصب ہے مگر کافر نہیں کہ ضرورت دینی کا انکار کفر ہے۔	۶۷۶
اصحاب سنن اربعہ اور حاکم کی مروی ایک حدیث کی تنقید اور تطبیق۔	۶۴۴	**امامت**	
آیت قرآنی سے مسئلہ پر استدلال۔	۶۴۵	فاسق کی امامت کو نادرست کہنا صحیح نہیں، ہاں اس کی امامت گناہ ہے۔	۲۸۴

مرض الموت میں مہر معاف کرنے کے لئے ورثاء کی رضامندی ضروری ہے، ان کی رضا کے بغیر معاف نہ ہوگا۔	۲۸۵	**مہر**	
امامت فی سبیل اللہ وبہ اجرت کا سوال۔	۵۰۲	مقدار مہر مثل تک کا اقرار مرض الموت میں بھی صحیح ہے۔	۹۸
امامت دونوں طرح جائز ہے اور افضل اول ہے۔	۵۰۳	ثبوت نکاح سے مہر مثل ثابت ہو جاتا ہے۔	۹۸
اجرتِ تعلیم وامامت کا سوال وجواب۔	۵۰۳	لڑکی کے والد نے مہر معاف کیا تو کب معاف ہوگا اور کب نہیں۔	۳۴۶
زکوٰۃ		اپنی زندگی میں لڑکے کو کل جائداد ہبہ کردی تو عورت کا مہر کس کے ذمہ ہے۔	۳۸۳
حرام مال کی زکوٰۃ ادا کرنے اور اسے امورِ خیر میں صرف کرنے کا سوال۔	۶۵۶	زبردستی گھر روک کر عورت سے مہر معاف کرالیا تو معافی باطل ہے۔	۶۱۰
حرام مال سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی بلکہ کل مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔	۶۵۶	**طلاق**	
صدقہ وخیرات		مجنون کی طلاق کسی حال میں واقع نہیں ہوتی۔	۶۳۵
حدیث وبحر الرائق اور درمختار سے اس بات کا ثبوت کہ غنی کے لئے صدقہ بھی کارثواب ہے۔	۲۶۵	طلاق صبی سے متعلق سوال۔	۶۳۸
نکاح		صبی کی طلاق نہ خود واقع ہوتی ہے نہ اس کی طرف سے اس کا ولی طلاق دے سکتا ہے۔	۶۳۹
عقد نکاح میں شخص طرفین کا متولی ہوسکتا ہے۔	۹۴	بضرورت طلاق صبی کی صرف دو صورت ہے: (۱) عورت اسلام لائی، صبی عاقل پر اسلام پیش کیا گیا اس نے انکار کیا، قاضی نے تفریق کی، یہ شرعاً طلاق ہے۔	۶۳۹
اگر لڑکا کلی مخبوط الحواس نہ ہوتا تب بھی یہ نکاح باطل ہوتا کہ غبن فاحش کے ساتھ نکاح صرف اب وجد کا حق ہے۔	۶۲۵	(۲) صبی آلہ بریدہ تھا، عورت نے قاضی کے یہاں دعوی کیا اس نے تفریق کی، یہ بھی شرعاً طلاق ہے۔	۶۳۹
		ایک تیسری صورت کہ صبی عاقل مرتد ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی، یہ بعض کے نزدیک ایک طلاق اور صحیح یہ کہ فسخ ہے۔	۶۳۹

نفقہ		**حدود و تعزیر**	
مضارب وطن اصلی میں تجارت کرے تو اخراجات پانے کا مستحق نہیں، وطن اقامت میں عقد مضاربت کی اور وہیں تجارت کرنے لگا، تب بھی سفر خرچ نہیں پائے گا، ہاں دوبارہ تجارت کے لئے جائے گا تو پائے گا۔	۱۳۹	تعزیر مال منسوخ و ممنوع ہے۔	۵۰۶
اخراجات سفر مضارب اپنے پاس سے کرے تو معاوضہ پائے گا، اس صورت میں مال مضاربت تلف ہوگیا تو اس کا خرچ بھی گیا۔	۱۴۰	معدودے چند صورتوں کے علاوہ تعزیر کا حق قاضی کو ہے عوام کو نہیں۔	۵۰۶
جائز اخراجات کی تفصیل جو مال مضاربت سے ادا کیا جائے گا۔	۱۴۳	تعزیر بالمال کا سوال۔	۶۶۵
محتاج باپ اپنی اولاد کا مال اپنی ضرورت میں خرچ کرسکتا ہے۔	۲۸۱	تعزیر بالمال منسوخ ہے اور تعزیر حاکم کا کام ہے عوام کا نہیں۔ جرمانہ واپس کرنے کے بعد اپنی طرف سے مالک مسجد کو دے دے تو یہ جائز ہے۔	۶۶۶
نابالغ کا نفقہ اس کے مال سے ادا کیا جائے اور فقیر باپ بھی بقدر کفایت اس کے مال سے کھاسکتا ہے۔	۳۳۶	**سیر**	
فقیر میت کا کفن اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا۔	۳۳۶	علمائے دین کی تحقیر کے احکام۔	۴۳۷
باپ محتاج ہو اور بیٹا غنی تو لڑکے کے مال سے بقدر نفقہ بے اطلاع و رضا لے سکتا ہے۔	۶۴۴	یہود و نصارٰی آپس میں ایک دوسرے کو باطل کہتے ہیں اور دونوں سچ کہتے ہیں۔	۴۹۹
حضانت		**شرکت**	
سات سال سے زائد عمر کا بچہ باپ کے پاس رہے گا، اور اس کو جو ترکہ ماں سے ملا اس میں تصرف کا اختیار بھی اس کے باپ ہی کو رہے گا، جو حصہ متوفیہ کے والدین کو ملا ان کے تصرف میں رہے گا۔	۶۲۷	چند آدمیوں کی مشترک اراضی جن میں ایک نمبردار ہے، اراضی کا بندوبست اور وصول و تحصیل وہی کرتا ہے، ایک شخص کو اراضی ایک سال کے کرایہ پر دی، نوماہ کے بعد کرایہ دار کہتا ہے اراضی میں نے خالی کردی تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، اس کی معافی نمبردار کو حق ہے یا نہیں۔	۴۹۹

زمین کرایہ دار نے باختیار خود خالی چھوڑی، تو پورے سال کا کرایہ اس کے ذمہ واجب ہے۔	۴۹۹	ورثاء کی شرکت شرکتِ ملک ہوتی ہے اور ہر شریک دوسرے کے حصہ میں اجنبی، بلاسبب ایک کو دوسرے حصہ پر قبضہ کا حق نہیں۔	۶۷۱
اگر نمبردار کو شرکاء کی طرف سے صرف کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہو تو چھوڑے گا تو دیگر شرکاء کا تاوان دے۔	۴۹۹	**بیوع**	
از خود تصرفات یہ خود کرتا ہو تو کرایہ کا مالک یہ خود ہوگا، بقیہ کا حصہ یہ ان کو دے یا فقیروں پر خرچ کرے۔	۴۹۹	بیع میں ایک شخص عقد کے دونوں طرف کا متولی نہیں ہوسکتا۔	۹۴
جتنے دن اور جتنے گھنٹے کام کیا اتنے کی تنخواہ ملے گی، جتنا کام نہ کیا تنخواہ نہ ملے گی۔	۴۹۹	مورث مرض الموت میں اپنی جائداد کسی وارث کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ نہ فروخت کرسکتا ہے نہ اس کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔	۱۰۴
مشترکہ جائداد کے منافع سے سوال۔	۵۱۶	زید نے جو جائداد اپنے نابالغ بچہ کے نام سے خریدی اس کا مالک لڑکا ہوگیا گو تصرف باپ کا رہا ہو۔	۱۹۴
بھائیوں میں مشترکہ جائداد تمام بھائیوں کی ہے کوئی ایک بھائی اس کا مالک نہیں ہوسکتا۔	۵۱۶	اپنی اولاد کے نام مرض الموت میں ہبہ بالعوض بیع ہے اور ایسی بیع بے اجازت ورثہ باطل ہے۔	۳۲۶
کسی جائداد کے منافع کا کسی ایک بھائی کے کام میں آنا اس جائداد کا ہبہ نہیں۔	۵۱۶	نابالغ اولاد کے نام جائداد خریدنے کا سوال۔	۳۲۸
جائداد مشترکہ کا ہبہ بلا تقسیم کسی ایک شریک کے حق میں نہیں، ایسی صورت میں موہوب لہ کی موت سے ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔	۵۱۶	نابالغ کے نام سے ایجاب وقبول ہوا تو بیع اس کے نام واقع ہوئی، والد کا زرِ ثمن دینا تبرع ہے۔	۳۲۸
مشترکہ کھیت کرایہ پر دیا گیا، سب شرکاء کی اجازت سے یا بغیر اجازت۔ بے اجازت تو کرایہ میں سے کرایہ دینے والے کے حصہ بھر اس کی ملک، اور بقیہ ملک خبیث، تو وہ بقیہ حصہ داروں کو دے یا فقراء پر صدقہ کرے، اول افضل ہے۔	۵۱۷	اگر معاملہ بیع میں بچوں کا نام نہ تھا تو بیع والد کے نام ہوئی، اور لڑکوں کا نام لکھوانا ان کے نام ہبہ ہوا۔	۳۲۹
		لڑکے کے نام مکان بیع کیا تو باپ کو فسخ کا اختیار نہیں۔	۳۳۲

بنجر زمین کی گھاس بیچنا، اگر زمینداروں نے وہ گھاس اگائی اور خودرو کی دیکھ دیکھ اور نگرانی کرائی تو گھاس اس کی اور بیع جائز، ورنہ وہ گھاس سب کے لئے مباح، اور جو قیمت لوگوں سے وصول کی واپس کریں۔	۴۳۲	غیر صحیح الحواس کی غبن فاحش کے ساتھ کی ہوئی بیع کا سوال۔	۶۳۵
ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کی ذات کے ساتھ بیچا بھی نہیں جاسکتا۔	۴۸۲	معتوہ کی بیع بے اجازت ولی جائز نہیں۔ اور غبن فاحش کے ساتھ مطلقًا باطل ہے۔	۶۳۶
افیون اور بھنگ کی تجارت اور ٹھیکیداری سے سوال۔ ان کا خارجی استعمال اور قدر قلیل غیر مفتر کا داخلی استعمال جائز ہے۔ اس لئے اس کی تجارت بھی فی نفسہٖ ایسے لوگوں کے ساتھ جائز ہے۔	۵۳۷	معتوہ ماذون کی بیع جائز ہے۔	۶۳۷
آج کل چونکہ لوگ زیادہ تر نشہ کے لئے ہی خریدتے ہیں لہٰذا اس سے بچنا ہی چاہیے۔	۵۳۷	حرام مال سے خریدی ہوئی چیزوں کی چھ شکلوں کا بیان اور ان سب کا حکم۔	۶۴۶
زرِ ثمن کی حوالگی کے بار ثبوت سے سوال۔	۶۰۹	**سُود**	
حبس و قتل کے داب سے بیع کی تو بیع مکروہ ہے اور فاسد ہے۔	۶۰۹	منافع میں سے ایک آنہ فی روپیہ دینا یہ بھی جائز ہے اور مال مضاربت پر ایک آنہ فی روپیہ دینا سود ہے۔	۱۵۱
مکرِہ کے قابو سے نکل گیا ہو تو صرف اس اندیشہ سے آئندہ قابو پاسکتا ہے اکراہ نہیں مانا جائے گا۔	۶۱۲	سب رجسٹراری میں سود کے قبالہ کی حفاظت بھی داخل بلکہ اغلب ہے اور یہ تعاون علی الاثم ہے۔	۴۷۶
رجسٹری آفس میں زرِ ثمن نہ دیا گیا ہو تو مشتری کے ذمہ حوالگی ثمن کا بارِ ثبوت ہے۔	۶۱۳	سود کاروبار میں کھانے والے، کھلانے والے، گواہ اور کاتب پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۴۷۶
مرض الموت میں کسی ایک وارث کے ہاتھ بلااجازت دیگر ورثہ بیع نافذ نہیں۔	۶۳۳	سودی کاروبار حرام ہے، سود کی کمی بیشی سے حلت وحرمت کے حکم میں تغیر نہیں ہوسکتا۔	۵۱۳
نیلام شدہ مکان کی قیمت سے ایک پیسہ بھی مالکوں نے لے لیا ہو تو مکان نیلام لینے والے کا ہوگیا، ورنہ مکان شرعًا اصل مالکوں کی ملک ہے۔	۶۳۴	سود کی حرمت پر قرآن عظیم کی دو آیات اور تین حدیثیں۔	۵۱۳
		سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے ایک بار زنا کرنے کا گناہ ہوتا ہے۔	۵۱۴

سود لینا مطلقاً منع ہے، دینا معذوری سے ہو تو جائز۔	۵۱۵	کاشتکاری کی زمین کا رہن زمیندار کی اجازت سے جائز ہے۔	۴۹۲
سودی قرض کا سوال۔	۵۶۰	کاشتکار کا مرتہن کو زمین کی لگان کے عوض کاشت کی اجازت دینا، فضول کا عقد اجارہ ہوا، جو زمیندار کی اجازت پر موقوف ہوگا۔	۴۹۲
سود کی حرمت کا بیان۔	۵۶۱	زمیندار نے اجازت دے دی تو رہن باطل ہو کر اجارہ کا معاملہ ہوگیا، اور اب یہی اصل کاشت کار ہوگیا، یہ خود بھی کاشت کرسکتا ہے اور دوسرے کو بھی دے سکتا ہے۔	۴۹۲
فیس منی آرڈر کو طرفین میں سے کوئی بھی سود قرار نہیں دیتا، روپیہ پہنچانے اور رسید واپس لاکر دینے کا معاوضہ سمجھتا ہے۔	۵۶۶	زمیندار نے اجازت نہ دی تو اجارہ باطل، اور اس زمین سے اس کو کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۴۹۳
بے ضرورت سود دینا حرام ہے لیکن قرض جو لیا حلال اور اس سے جو منافع کمایا حلال ہے۔	۶۴۶	کاشتکاری کے رہن رکھنے کا سوال۔	۵۲۷
بیمہ		**شہادت**	
بیمہ شرعاً جوا ہے۔	۵۰۲	عورت معتوہ تبرعات جیسے ہبہ وغیرہ کی اہلیت نہیں رکھتی اور کسی امر میں اس کی شہادت مقبول نہیں۔	۶۱۵
بیمہ میں جتنا روپیہ اس نے جمع کیا واپسی کے وقت صرف اتنے کی ہی سال کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے۔	۵۰۲	**قضاء ودعوی**	
وقف		اقرار میں خطا کا دعوی مردود ہوگا۔	۹۷
کسب زنا سود وغیرہ کے مال سے چٹائی، لوٹا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھنا حلال ہے یا حرام۔	۶۵۰	مہر مثل تک عورت کا دعوی بلا گواہ ثابت ہے۔	۹۸
مسجد کی چٹائی قبر میں لگادینے والا شخص خاص اللہ تعالٰی کا مجرم اور گنہگار ہے، صدق دل سے توبہ اور ایسی ہی چٹائی مسجد میں دینا، اور فقراء ومساکین کی مواساۃ اس کا کفارہ ہے۔	۶۷۸	دین مستغرق میں قاضی ترکہ کی جائداد تبھی فروخت کرسکتا ہے کہ دیگر ورثہ موجود رہیں۔	۱۰۵
وقف کا سامان مصرف کے خلاف استعمال کرنا حرام ہے۔	۶۸۹	بیع کے بعد ثبوت استحقاق کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت ہے۔	۱۱۵
رہن		اقرار سلب عقد میں نہ ہو تو صلح فاسد میں اقرار کے بعد دعوی جائز ہے۔	۱۲۷

نابالغ لڑکے کے نام جائداد خریدی اور بعد میں کہا کہ یہ جائداد میری ہے، لڑکے کے نام اسم فرضی تھا، باپ کا قول غلط، جائداد لڑکے کی ہوگی۔	۱۹۶	مروجہ وکالت جس میں عموماً حق کو ناحق اور جھوٹ کا کاروبار ہوتا ہے ناجائز ہے۔	۹۵
دعوٰی بلابینہ مقبول نہیں۔	۳۳۴	مقر کا اپنے اقرار سے پھرنا شرعاً جائز نہیں۔	۱۱۲
اعیان سے ابراء قضاءً نافذ ہوتا ہے دیانۃً نہیں، اس کا مفاد یہ ہے کہ قاضی اس شیئ کے بارے میں برات کرنے والے کا دعوی نہیں سنے گا، نہ یہ کہ دیانۃً بھی اس کا حق ختم ہوگیا۔	۳۷۶	عقد مضاربت ہنود کے ساتھ جائز ہے یا نہیں۔	۱۲۹
تمادی کا مسئلہ بھی اس وقت ہے جب مدعا علیہ ملک مدعی کا منکر ہو، اقرار کی صورت میں تمادی نہیں۔	۳۷۹	تعین نفع پر معاملہ مضاربت حرام ہے۔	۱۲۹
قاضی کو ایسے مقدمات کی سماعت منع ہو تو امیر خود مقدمہ کی سماعت کرے۔	۳۸۲	صاحب مال کو ایسا نفع لینا اور مضاربت کو دینا دونوں کے لئے حرام ہے۔	۱۳۰
عہد قضاء زمان، مکان اور خصوصیت کے ساتھ خاص ہوسکتا ہے۔	۳۸۲	جو جی میں آئے دے دینا اس طرح مضاربت جائز ہے۔	۱۵۱
قرضہ کی وصولی کے لئے مقدمہ کرنا پڑا مدعی صرفہ کا حق نہیں۔	۴۴۰	چندہ چندہ دہندوں کی ملک پر ہوتا ہے اس کی مرضی کے مصرف میں خرچ ہونے کے بعد جو باقی بچا اس کو واپس کیا جائے یا اس کی اجازت سے کسی اور مصرف خیر میں خرچ ہو۔	۱۶۱
حظر واباحت		عورت ماں باپ کے پاس شوہر کا مال کب امانت رکھ سکتی ہے اور کب نہیں۔	۱۶۳
وکیل مطلق کو اگر صراحۃً موکل نے معاف کرنے کی اجازت دی ہو تو وکیل اور موکل کوئی بھی واپسی کا مجاز نہیں، اور مبہم اجازت ہو تو موکل کے عدم رضا کی صورت میں معاف کردہ رقم لے سکتا ہے۔	۹۵	زید کو کسی نے امانۃً کچھ روپے دیئے، زید اپنی طرف سے ماہ بماہ کچھ پیسے تبرعاً دیتا رہا، اس میں کوئی حرج نہیں، اور اس روپیہ کو اجازت یا بغیر اجازت صرفہ میں لایا اور اس کی وجہ سے وہ ماہانہ دیا تو سود، اور تبرعاً دیا تو سود نہیں، مگر احتراز اولٰی، اور بے اجازت کی صورت میں غاصب بھی ہوگا۔	۱۶۵

انجمن، مسجد، مدرسہ کے مہتمم نے ادارہ کا روپیہ کسی کے پاس امانۃً رکھ دیا تو اس میں کسی قسم کا ردوبدل یا تصرف حرام وخیانت ہے، ہاں چندہ دہندگان کی طرف سے اس کی صریح یا عرفی اجازت ہو تو حرج نہیں، مگر اب یہ امانت نہیں بلکہ قرض ہوگا۔	۱۶۶	بدگمانی ہر مسلمان پر حرام ہے، اور پیر پر بدگمانی اور شدید ہے۔	۲۷۰
واعظ کو جو روپیہ سفرخرچ کے لئے دیا اس کے ہاتھ میں امانت ہے جو اس مصرف کے علاوہ خرچ ہوا یا بچا اس کو واپس کرے۔	۱۶۸	خدمت گزاری فضل دینی ہے اور اس بنیاد پر ترجیح باتفاق روایات جائز ہے۔	۲۷۳
واپسی فیس اسی روپیہ سے ادا کی جائے گی۔	۱۶۸	امور ثواب پر اجارہ کثیر علماء نے جائز رکھا ہے۔	۲۸۴
ولی یعنی باپ کو بھی نابالغ کے مال سے ایک حبہ کسی کو دینے کا اختیار نہیں۔	۱۸۷	والد اپنی زندگی میں بعض اولاد کو ہبہ صحیح کردے تو وہ مالک ہوجائیں گے۔ البتہ دیگر وارثوں کو محروم کرنے کی وجہ سے یہ گنہگار ہوگا۔	۳۳۵
کسی نے اپنی ساری جائداد ایک ہی لڑکے کو دے دی تو صحیح اور نافذ ہے، البتہ وہ اپنے اس فعل میں گنہ گار ہوگا۔	۲۳۷	متبنّٰی بنانا شرعاً کچھ نہیں۔	۳۵۵
فضل دینی کی وجہ سے کسی اولاد کو ترجیح دینے میں نہ گناہ نہ مواخذہ شرعیہ۔	۲۳۷	اولاد میں ترجیحی سلوک سے سوال۔	۳۵۶
دوسرے کی جائداد اجارہ پر دے کر کرایہ وصول کیا تو کرایہ مالک کو لوٹائے یا فقیر پر تصدق کرے۔	۲۵۹	جس کا کوئی شرعی وارث نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے۔	۳۹۰
مرشد کو اللہ واسطے زیور دے کر واپس لینا جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۴	کوئی شخص اپنی ملک میں مستقل تصرف کا کب مجاز ہے اور کب نہیں۔	۳۹۴
واپس لئے ہوئے زیور کو دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر خرچ میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں۔	۲۶۴	مسئلہ کی پندرہ صورتوں کا بیان۔	۳۹۵
مرشد نے کل زیور اپنے صرفہ میں استعمال کیا تھا کچھ خیرات نہیں کیا اس سے وہ مجرم ہوئے یا نہیں۔	۲۶۴	مال حرام کے مصرف کا بیان۔	۴۰۷
		زمینداروں کا اپنے علاقہ کے دریا اور تالابوں سے نصف نصف پر مچھلیاں پکڑوانا، مچھلیوں کو کسی کے ہاتھ فروخت کردینا، گاؤں کی گھاس کو اپنی مملوک سمجھ کر بیچنا، جس میں آسامیوں کو اعتراض نہیں ہوتا۔	۴۲۲

بعض علماء نے وعظ پر اُجرت کو بھی بحکم ضرورت جائز رکھا۔	۴۳۵	تالاب اور حوض کو مچھلی کے شکار کے لئے اجارہ پر دینا جائز نہیں۔	۴۸۰
بیشتر کتابوں میں صرف تعلیم قرآن کا استثناء ہے۔	۴۳۵	طاعات پر اجارہ سے سوال۔	۴۸۶
تعطیل معہودہ کی تنخواہ دی جائے گی۔	۴۳۸	متاخرین نے جن عبادات پر اجارہ کو مستثنٰی کیا ہے ان کے علاوہ جملہ عبادات کا حکم وہی ہے کہ اجارہ ناجائز ہے۔	۴۸۶
حرام کی کمائی والوں کو مکان اجارہ پر دینا اور ان کے مال سے کرایہ وصول کرنا کیسا ہے۔	۴۴۰	ایصال ثواب اور میلاد خوانی انہیں طاعات میں سے ہے جن کا اجارہ ناجائز ہے۔	۴۸۶
اپنا جائز حق کسی نام سے ملے لینا جائز ہے۔	۴۴۵	زبان سے لینے دینے کا ذکر نہ ہو، اور وہاں اس کی رسم بھی نہ ہو تو پڑھوانے والے کے لئے بطور حسن سلوک دینے میں حرج نہیں۔	۴۸۷
اسامیوں سے اجرت مقررہ سے وصولی ناجائز ہے اور اس کا حکم رشوت کا ہے۔	۴۴۵	اور جہاں اس کا رواج ہو وہاں جواز کی یہ صورت ہے کہ پڑھنے والے صاف کہہ دیں کہ ہم کو معاوضہ نہیں لینا ہے اور پڑھوانے والے بھی انکار کردیں کہ دینا نہیں، اس کے بعد پڑھوانے والے بطورِ سلوک کچھ دیں تو حرج نہیں۔	۴۸۸
معصیت کار کو مکان کرایہ پر دینے کا سوال وجواب۔	۴۴۶	پڑھوانے والے ان کو اتنے وقت کے لئے مزدور رکھ لیں کہ ہم تمہیں اپنے کام کاج کے لئے مزدور رکھتے ہیں، اور وہ جب ان کے مزدور ہوگئے تو ان سے کسی اور کام کے بجائے تلاوت یا تقریر کرالیں۔	۴۸۸
باجرت انگریزوں کے کپڑے سینا اور ایسی اجرت جائز ہے۔	۴۷۲	ایک عقد میں رہن واجارہ جمع کرنا ناجائز ہے۔	۴۸۹
سب رجسٹراری کی نوکری حرام ہے۔	۴۷۵	مستاجر اجرت کی زمین دوسرے کو اجرت پر دے سکتا ہے لیکن اس دوسرے سے طے شدہ کرایہ سے زائد لینا جائز نہیں۔	۴۸۹
کلام اللہ پڑھانے والے کو بلانیت معاوضہ ہدیہ دینا کیسا ہے۔	۴۷۷	جواز کی تین صورتیں۔	۴۸۹
تالاب کا پانی اجرت پر دینا حرام ہے۔	۴۸۰	پہلی صورت میں عقد سال بھر کے لئے لازم ہوگیا، بدعہدی کی وجہ سے اسے توڑا نہیں جاسکتا۔	۴۹۴

تعلیم قرآن وتعلیم علوم دیگر، اذان واقامت کی اجرت جائز ہے۔	۴۹۵	جبر ناجائز ہے۔	۵۰۴
زیارت قبر وایصال ثواب، میلاد پاک کی اجرت ناجائز ہے۔	۴۹۵	رنڈیاں بعینہٖ حرام کمائی سے کرایہ دیں تو لینا حرام ہے، اور حلال ذریعہ سے حاصل شدہ رقم دیں تو جائز ہے۔	۵۰۴
اگر پہلے سے طرفین میں یہ طے ہوجائے کہ کچھ لینا دینا نہیں، بعد میں صاحب خانہ بطور صلہ دے تو لینے میں حرج نہیں۔	۴۹۵	دعا کا معاوضہ لینے کا سوال وجواب۔	۵۰۴
قانون گوئی کی ملازمت سے سوال۔	۴۹۶	مسلمان معمار کو تعمیر بتکدہ کی اجرت مکروہ ہے اور لینے والا مستحق سزا نہیں۔	۵۰۴
طوائف کی حرام کمائی تعلیم قرآن کی اجرت میں لینے کا سوال وجواب۔	۴۹۸	بٹائی پر بکری دینا ناجائز ہے اور عدم جواز کی وجوہ۔	۵۰۵
تعلیم علوم دین، اذان واقامت وغیرہ بعض امور پر اجرت کے جواز کا علمائے متاخرین نے فتوی دیا ہے۔	۴۹۸	دینی مجالس کے ملازمین قواعد مقررہ کی خلاف ورزی کریں تو ان کی تنخواہ کاٹی جاسکتی ہے یا نہیں۔	۵۰۵
ایصال ثواب کے لئے ختم وتسبیح پر اجارہ ناجائز ہے۔	۴۹۸	بینک کے سودی کاروبار سے سوال بینک کے سودی کاروبار کی تفاصیل۔	۵۱۰
جس کے یہاں حلال اور حرام سبھی قسم کے کام ہوں اس کی ملازمت جائز ہے اور تنخواہ وغیرہ لینے میں حرج نہیں جب تک یہ نہ معلوم ہو کہ خاص حرام مال سے دے رہا ہے۔	۵۰۰	اجیر خاص اور ملازم بھی اگر اس کے کام کا وقت متعین ہو، جیسے مدرسوں کی ملازمت، تو وہ اتنے ہی ٹائم کا ملازم ہے، اس کے بعد آزاد وخود مختار ہے۔	۵۱۸
آج کل محرری کی نوکری میں خیر نہیں، ان کے یہاں اکثر معاملات ناحق ہوتے ہیں۔	۵۰۰	ایسے ہوٹل کے لئے مکان کرایہ پر دینا کیسا ہے جس میں شراب اور سود کی فراہمی بھی ہوتی ہو، اور ایسی آمدنی سے چندہ دینا کیسا ہے۔	۵۱۹
شراب کے لئے دکان اجارہ پر دینا کیسا ہے۔	۵۰۱	امامت، ختم کلام پاک اور دینی تعلیم سے اجرت سے متعلق سوال وجواب۔	۵۲۱
اُجرت میں سے بجبر کارِ خیر کے لئے چندہ وصول کرنے کا سوال۔	۵۰۳	ختم قرآن کی اُجرت ناجائز ہے۔	۵۲۱

قواعدِ ملازمت کی خلاف ورزی پر اجرت کی رقم جائز ہے یا ناجائز۔	۵۲۱	خزانہ اسلامی نہ ہو اور وہ انتظامات شرعیہ کا اہتمام نہ کرے تو بیت المال کے مستحقین (علماء دین وفقراء ویتامٰی) کو اپنی رضا سے گورنمنٹ جو رقم بھی دے تو اس کا نام وہ کچھ رکھے اپنا حق سمجھ کر لینا جائز ہے۔	۵۳۶
بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا حرام ہے۔	۵۲۱	مسجد کے پھول کا بتوں پر چڑھانے کیلئے کافروں کے ہاتھ ٹھیکہ دینا کیسا ہے۔	۵۳۸
ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا حرام ہے۔	۵۲۱	فی نفسہٖ ٹھیکہ حرام ہے، اور بتوں پر چڑھانے کی نیت ہو تو اور حرام۔ اور یہ سمجھ کر لیا جائے کہ غیر مسلم اپنی خوشی سے دے رہا ہے، اور پھول توڑنے کے لئے مسجد میں نہ جانا ہو تو جائز ہے۔	۵۳۸
اگر کسی ناجائز کام کی پابندی ہو تو ملازمت ناجائز ورنہ جائز ہے۔	۵۲۲	وعظ پر اجرت لینے کا سوال۔	۵۳۸
جس کا مال حلال ہو اس کی اعانت قبول کرنا جائز ہے۔	۵۲۲	طاعت پر اجرت لینا حرام ہے مگر زمانہ کی حالت دیکھ کر علماء نے پانچ چیزوں کا استثناء کیا۔	۵۳۹
ایصال ثواب کے لئے اجرت پر کلام اللہ پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز اور گناہ ہے، ایسی قرآن خوانی کا ثواب مُردوں کو نہیں پہنچتا۔	۵۲۸	دیہات کا ٹھیکہ حرام اور اس کی کتنی آمدنی مالک کے لئے حلال اور کتنی حرام۔	۵۶۲
کسی کی نماز اچھی لگی اس کو کچھ بطور بر وصلہ دے دیا تو اس کے لینے میں کچھ حرج نہیں۔	۵۳۱	شطرنج کھیلنا شان علم کے لائق نہیں۔	۶۱۸
دعائے فتحیابی اگر بطور اجارہ بھی ہو اور وقت اور مقدار دعاء مثلاً فلاں ختم، اور اجرت متعین کردیا ہو تو اس اجارہ میں بھی حرج نہیں کہ یہ تدبیر وعلاج ہے، ختم قرآن پر لینا نہیں۔	۵۳۱	جاہلوں کو عالموں پر طعن وتشنیع روا نہیں، مطلقاً حرام قطعی ہے۔	۶۱۸
ختم ملازمت کے بعد پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم کی جائز کمائی ہے۔	۵۳۵	آج کل کی وکالت اور نوکری جس میں ناجائز کام کا ارتکاب کرنا پڑے اور معصیت کی اجرت حرام قطعی ہے۔	۶۴۶
گورنمنٹ سے زائد رقم سود سمجھ کر لینا حرام ہے۔	۵۳۶	جوئے کا مال اپنی ضروریات میں صرف کیا۔ اب کیا کرے۔	۶۵۱
ہاں علمائے دین یہ سمجھ کر گورنمنٹ سے اپنا حق پا رہے ہیں چاہے گورنمنٹ اس کا کوئی نام رکھے، یا فقراء ومساکین یا کوئی دوسرا ان کی نیت سے اس کو وصول کرے تو یہ جائز ہے۔	۵۳۶		

مکروحیلہ سے لوگوں کامال لینا یاغصب ہوگا یارشوت، اور دونوں حرام ہے۔	۶۵۳	مرض الموت کا ہبہ دیگرورثہ کی اجازت کے بغیر وصیت کا حکم رکھتاہے اور ثلث میں نافذ ہوتا ہے۔	۲۴۰
دھوبی نے کپڑا بدل دیا، جان کر لیا تولیناحرام، اور لاعلمی میں لیا تو استعمال۔	۶۵۴	وصیت کے ثلث ترکہ کے برابر اور کم وبیش ہونے کی صورت میں نفاذ کی تفصیل۔	۲۴۱
چندہ امر مستحب ہے اس پر جبر نہیں ہوسکتا۔	۶۸۶	مرض الموت کا ہبہ حقیقۃً ہبہ ہے لہذا غیر مشاع ہونا اور قبضہ شرط ہے، اور حکماً وصیت اس لئے ثلث سے زائد میں، ورثاء کی رضاضروری ہے۔	۳۸۵
متبرع پر جبر نہیں۔	۶۸۶	**میراث**	
وعدہ کرنے والے پر ابقائے عہد کے لئے جبر نہیں۔	۶۸۶	جامع الفصولین اور حدیث مبارک سے اس مسئلہ کا جزئیہ دین غیر محیط الترکہ مانع ملک ورثہ نہیں۔	۱۰۵
امام حجرہ میں سامان بند کرکے گیا، کچھ لوگ کمرہ کھول کر اسباب اپنے استعمال میں لائے اگروہ امام کا ذاتی سامان ہو تو یہ تصرفات حرام ہیں، اور مسجد کا سامان بھی ہو مگر امام کے لئے تھا تو بھی اس میں یہ تصرفات حرام ہوں گے۔	۶۸۹	دین محیط میں ورثہ کو اختیار ہے کہ قرض اپنے پاس سے ادا کریں اور ترکہ پر قابض ہوں۔	۱۰۵
کتب خانہ کے ملازم نے کچھ کتابیں نذر کیں، بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے کتب خانہ کی کتابیں دی ہیں، تو وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں، دینے والے کو واپس کردی جائیں، شبہہ کے بعد احتیاط بچنے میں ہے۔	۶۹۱	حالت صحت میں شوہر کے لئے کسی جائداد کے اقرار کے بعد مقرہ کے وارثوں کا جائداد میں کوئی حق نہیں۔	۱۰۸
وصیت		باپ کو بیٹے کے ترکہ سے سدس ملے گا۔	۱۱۳
وصیت اور اقرار کا مشترکہ سوال۔	۱۰۶	متوفی نے ترکہ میں دین اور عین دونوں چھوڑا، وارثوں میں سے متوفی کے ایک بھائی نے صرف سوروپیہ لے کر ورثہ سے صلح کرلی، اس صلح اور ورثہ کے حصہ سے سوال۔	۱۱۹
وصیت کے مسائل۔	۱۰۸	ترکہ میں نقد ہو اور احد الشرکاء نے اپنے حصہ سے کم پر صلح کی تو یہ صلح ربا ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔	۱۲۱
جس ہبہ نامہ میں نسلاً بعد نسلٍ قابض ودخیل رہیں لکھا ہو وہ وصیت نہیں ہوسکتی۔	۱۸۸		

ورثہ کے درمیان تقسیم ترکہ پر صلح کی چند صورتوں کے حکم کا بیان۔	۱۲۲	مہر میں شوہر کے علاوہ ورثاء کا حصہ نصف یا تین ربع ہے۔	۲۸۵
اگر ورثہ میں نابالغ ہوں تو اس طرح کی صلح جس سے ان کے حصہ شرعی پر اثر پڑے ناجائز ہے۔	۱۲۵	مال مقطوع میں وارثوں کا کوئی حق نہیں رہتا۔	۲۹۷
ہبہ صحیح بھی بے قبضہ کامل تمام نہیں ہوتا۔ اور بعد موت واہب اس میں وراثت جاری ہوگی۔	۱۹۱	کوئی وارث کسی وارث کو اپنے اختیار سے محروم نہیں کرسکتا۔	۳۵۱
ایسی زمین جو زید نے نابالغ لڑکوں کے نام خریدی اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، ایسے ہی اس زمین میں بھی جو نابالغ نے بالغ ہوکر اپنے لڑکوں کے نام خریدی۔	۱۹۲	بعد موت لڑکی کا نصف اور لڑکے کا پورا، لیکن زندگی میں دونوں کو برابر دینے کا حکم۔	۳۵۲
زید نے اپنے لڑکے اور بہو کو مرض الموت میں مکان اور دکان ہبہ کیا، اور لڑکا اپنی عورت کے حق میں راضی نہ تھا، اس میں ہبہ کا حکم جاری ہوگا یا ترکہ کا "سوال"	۲۱۲	کیا فاسق وفاجر لڑکے کو محروم الارث کیا جاسکتا ہے۔	۳۵۸
اگر شیئ موہوبہ قابل تقسیم تھی، اور زید نے تقسیم کرکے ہر ایک کو قبضہ نہ کرایا تو ہبہ باطل، اور بعد موت کل لڑکے کا، اور لڑکے کی موت پر تقدیم ماتقدم علی الارث کے بعد ربع زوجہ کا، بقیہ بھانجے کا کہ وہ اکیلا وارث ہے۔	۲۱۲	عورت کو جائداد مہر کے عوض میں دے دی اس کی موت کے بعد اولاد ہونے کی صورت میں شوہر چہارم کا وارث ہوگا۔	۳۸۹
دکان ناقابل تقسیم ہو اور زید نے اپنی زندگی میں زوجہ پسر کو اس پر قبضہ دلادیا ہو اور نصف دکان ترکہ زید کا ثلث ہو، یا اس سے کم، تو ہبہ صحیح ورنہ باطل، اور کل میں میراث جاری ہوگی۔	۲۱۳	ماں کے ترکہ میں ایک لڑکے کی موجودگی میں لڑکی کا حصہ ایک ثلث ہے۔	۳۹۰
پوتوں کا وراثۃً کوئی حق نہیں۔	۲۲۰	جو رقم نابالغ لڑکے کے نام جمع کی وہ اس کی ہوگئی، اور جو رقمیں بالغ کے نام بے قبضہ جمع کیں یا مشترکًا بالغ نابالغ یا دونوں نابالغ یا دونوں بالغ کے نام جمع کیں سب زید کا ترکہ ہے۔	۳۹۴
وارث اپنے مال سے اگر مورث کی تجہیز وتکفین کرے تو وہ تبرع نہیں قرار دیا جائے گا، وہ ترکہ سے اتنا وصول کرسکتا ہے۔	۲۶۳	مصنف کا خانیہ کی عبارت سے ایک فقہی استنباط کہ لاوارث مال کا بیت المال وارث نہیں بلکہ وہ فیئ مسلمین ہے۔	۶۶۹

اگر دیگر ورثہ کی اجازت سے پورے ترکہ پر قبضہ ہے، اور سب کے اخراجات کی ادائیگی اور فاضل کی حفاظت پر بھی ان کی رضا ہے توغصب نہیں۔	۶۷۶	شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے۔	۲۳۸
دو بھائی باہم شرکت میں کام کرتے تھے، مال موروثی اور کمائی کا دونوں تھا، ایک بھائی مرگیا، دوسرا برس ہابرس جائداد پر قابض رہا۔ مرنے والے نے ورثہ اور قرض دونوں چھوڑا۔ تقسیم کیسے ہو اور قرض کا کیا حکم ہے۔	۶۷۹	تملیک عام ہے اور ہبہ خاص ہے۔	۲۴۳
دونوں بھائیوں کی مشترکہ زمین سے جو منافع زندہ بھائی نے کمایا اس کے تاوان میں متوفی کی نابالغ لڑکیوں کے حصہ کا، عہد نابالغیت تک کا کرایہ ادا کرے جبکہ قرض ترکہ سے کم ہو۔ اور بقیہ وارثوں کے حصہ سے جو کمایا صدقہ کرے۔	۶۸۰	عام سے خاص پر استدلال صحیح نہیں۔	۲۴۴
والد کے ترکہ میں ایک بھائی کے ناجائز تقسیم وتصرف اور قبضہ سے سوال۔	۶۸۰	مقام انشاء میں بھی جہاں خلاف پر قرینہ ہو تملیک سے ہبہ مراد نہیں لے سکتے۔	۲۴۸
فوائد اصولیہ		اعتبار معانی کا ہے الفاظ کا نہیں۔	۲۵۰
دین اور عین میں تباین ہے۔	۱۰۰	تملیک عین کی ہوگی یا منافع کی، اور بلا بعوض ہوگی یا بعوض، یہ تقسیم عقلی اور حاصر ہے۔	۲۵۱
قرضدار کا حق مالیت میں ہے مال میں نہیں۔	۱۰۰	عرف عام میں بھی تملیک عین بلاعوض کو ہبہ تسلیم کرتے ہیں۔	۲۵۲
مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ صحت اقرار کی مانع نہیں۔	۱۰۷	قاضی ابویوسف اور امام اعظم رحمہم اللہ تعالٰی کے اقوال میں ظاہری تضاد کا دفعیہ۔	۲۷۶
متضمن فاسد ہو تو متضمن فاسد ہوجاتا ہے۔	۱۲۶	نصوص صریحہ کے خلاف روایت شاذہ نامقبول اور روایت مطلقہ مقیدہ پر محمول۔	۳۱۶
جو چیز فاسد پر مبنی ہو فاسد ہوگی۔	۱۲۷	اقرار کو انشاء کے معنی میں لینا مجاز ہے جو بے ضرورت ممنوع ہے۔	۳۱۶
رب المال کو مقید کو مطلق کرنے کا ہر وقت اختیار ہے۔	۱۳۱	صحت اقرار کے لئے مطلقاً کسی سبب کا وجود ضروری ہے کسی خاص سبب کا نہیں۔	۳۱۷
قبضہ دلیل ملک ہے۔	۱۵۳	القول بموجب العلۃ۔	۳۲۰
مالک کی تملیک کے بغیر کوئی چیز کسی کی نہیں ہوسکتی۔	۲۱۱	تمادی کا حکم بھی قضاءً ہے دیانۃً نہیں، یہ حکم "الحق لایسقط و لوتقادم الزمان" کے معارض نہیں ہوسکتا۔	۳۴۸

امر سلطانی کے بعد مباح واجب ہو جاتا ہے۔	۳۸۲	شریعت میں حتی الامکان نظر اصلاح معاملات پر ہوتی ہے، نہ افساد پر۔	۵۶۶
اعطائے قاعدہ اور بیان واقعہ میں فرق ہے۔	۳۹۳	عقد میں جو چیز لازم ہو اگر عاقدین اس کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو وہ عقد مرتفع نہیں ہوتا۔	۵۶۷
مطلقًا اختلاف فتوٰی مستلزم تعادل اقوال وفتوٰی نہیں۔	۴۱۱	شرط فاسد کے مفسد اجارہ ہونے پر چند بحثیں۔	۵۷۶
ترجیح اولٰی، متون نے اس پر جزم کیا، اور متون فتاوٰی اور شروح پر مقدم ہیں۔	۴۱۴	اس عرف کا حضور کے زمانہ میں ہونا ضروری نہیں۔	۵۸۰
حکم مباشر کی طرف منسوب ہوتا ہے مسبّب کی طرف نہیں۔	۴۴۰	منحۃ الخالق سے اس اعتراض کا جواب کہ کیا عرف حدیث رسول پر قاضی ہو سکتا ہے۔	۵۸۱
مطلق کی نفی اور مطلق نفی میں فرق ہے۔	۴۶۷	کیا وہ عرف سارے جہان کے مسلمانوں کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۵۹۲
صریح دلالت پر فوقیت رکھتا ہے۔	۴۷۱	جن مسائل میں علماء نے عرف کا لحاظ کیا انہیں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے عالم اسلام کا عرف نہ تھا۔	۵۹۳
جو عرفًا معہود ہو وہ قولًا مشروط ہی کی طرح ہے۔	۴۸۷	تمام کیا جملہ بلاد مسلمین کے اکثر کا پتہ چلانا بھی محال کی طرح ہے۔	۵۹۳
جو ناجائز ہے مشروط ہو یا معہود ہر طرح ناجائز ہے۔	۴۹۵	واقعی مردم شماری عادۃً محال ہونے کی تشریح۔	۵۹۴
صریح دلالت پر فوقیت رکھتا ہے۔	۴۹۵	صرف علمائے اسلام کے اجماع کی بھی دوسری صدی کے بعد کوئی راہ نہ رہی۔	۵۹۴
اصل کلی، بیع اعیان کا عقد ہے، اور اجارہ منافع کا عقد ہے۔	۵۴۲	اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ علماء نے کسی مسئلہ میں عرف کا لحاظ کرنے کے لئے پورے عالم اسلام کے عرف کی تحقیق کی ہو۔	۵۹۴
مقیس اور مقیس علیہ میں فرق کا بیان۔	۵۶۴	اس امر کی مزید وضاحت کہ عرف سے مراد ہر علاقہ کے اکثر اہل اسلام کا عرف ہے۔	۵۹۶
اعتبار معانی کا ہے، تو جو معہود ہے وہی مذکور ہے۔	۵۶۵		

عرف چار قسم کا ہوتا ہے۔	۵۹۷	باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ ہے۔	۱۹۴
تقریر رسول کی چار قسمیں ہیں، ان میں سے دو نص مقدم کی ناسخ ہیں۔	۵۹۷	نابالغ کے لئے ہبہ میں ولی کا قبضہ کافی ہے۔	۲۵۷
اجماع کو خود تو ناسخ نہیں کہتے، لیکن یہ نص ناسخ کو ظاہر کرتا ہے۔	۵۹۹	ایسے اولیاء میں باپ، بھائی، چچا سب داخل ہیں۔	۲۵۷
عرف خاص کہ صرف ایک دو شہر کا عرف ہوا، اور عرف نادر کہ معدودین کا عرف ہو۔ یہ نامعتبر اور قیاس کے مقابل نہیں۔	۶۰۶	نابالغوں کے باپ کے ہوتے ہوئے نانی کا ولی بن کر قبضہ کرنا جائز ہے یا ناجائز۔	۳۳۷
صورتِ حکم بتانے کے لئے جس میں کسی منصوص یا متعین کی مخالفت نہ ہو عرف مقبول ہے۔	۶۰۶	پوتی کی ماں کی موجودگی میں دادی کی ولایت صحیح ہے یا نہیں۔	۳۳۷
بیع وشراء واجارہ وفسخ میں اکرہ ملجی وغیر ملجی دونوں رضا کو معدوم کردیتے ہیں۔	۶۱۰	عصبہ نہ ہو تو ولایت کس کو حاصل ہے۔	۶۲۳
کسی کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے شرعاً اس کے تصرفات باطل نہیں ہوتے۔	۶۱۸	ولایت نکاح صرف ماں کو حاصل ہے، ماں پر کسی کو ولایت نہیں، یہ صرف ولی کو حاصل ہے اور کوئی ولی بھی نہ ہو تو دادا پر دادا بھی نہ ہو تو حاکم اسلام۔	۶۲۳
سبب اور مباشر جمع ہوں تو نسبت مباشر کی طرف ہوگی۔	۶۸۶	مخبوط الحواس چچا کی ولایت اس کے ماموؤں کو حاصل ہے یا بھتیجے کو۔	۶۲۸
فعل کے صدور میں جب کسی فاعل مختار کا فعل درمیان میں آجائے تو پہلے کی نسبت منقطع ہو کر دوسرے کے ساتھ قائم ہوجائے گی۔	۶۸۶	جب مجبور واپاہج بھائی ہے تو اس کو، ورنہ بھتیجے کو ولایت حاصل ہوگی، ماموؤں کو ولایت کا کوئی حق نہیں۔ یہ ولایت نکاح کا بیان ہوا۔	۶۲۹
ولایت		ولایت مال باپ کے وصی، وہ نہ ہو تو وصی کے وصی کو حاصل ہوگی۔	۶۲۹
مال کے معاملہ میں ماں لڑکے کی ولی نہیں۔	۱۸۷	وہ بھی نہ ہو تو دادا کو، پھر اسی کے وصی، پھر وصی کے وصی کو، اور کسی کو مال کی ولایت نہیں پہنچتی۔	۶۲۹
نابالغ کی جائداد پر ولی کا قبضہ بربنائے ولایت ہے۔	۱۹۴		

لڑکی کا کوئی اور ولی نہ ہو تو چچا ولی ہے، لیکن اس کی بدنیتی ثابت ہو تو ماں اس کا نکاح کرسکتی ہے۔	۶۳۲	قول امام پر فتوی دینے والے ائمہ بالاتفاق ائمہ ترجیح وافتاء ہیں۔	۴۱۶
مجنون کی ولایت عصبہ کو علٰی ترتیب الارث والحجب ہے۔	۶۳۵	جو مسئلہ نہ جانتا ہو اسے کسی چیز پر حکم شرعی لگانا حرام ہے۔	۵۱۹
سات آدمیوں کو ماں کی ولایت حاصل ہے۔	۶۳۵	**منطق**	
زید کا مطالبہ بکر پر تھا، زید مرگیا، مطالبہ ادانہ ہوا، پھر زید کا وارث بھی قضاء کرلیا، پھر بکر بھی مطالبہ ادا کئے بغیر مرگیا۔ آخرت میں مطالبہ معاف کرنے کا حق کس کو ہے۔	۶۶۷	اقرار کو اثبات اور انشاء ماننے کی صورت میں دور لازم آئے گا۔	۳۱۹
افتاء ورسم المفتی		**لغت**	
"فع" فتاوی العصر کی طرف اشارہ ہے۔	۱۹۵	لفظ ترا اور تراست کا فرق۔	۳۱۶
"ظم" امام ظہیر الدین مرغینانی کا رمز ہے۔	۱۹۵	**فوائد فقہیہ**	
"نخ" امام بکر خواہر زادہ کا اشارہ ہے۔	۱۹۵	وکیل مطلق معاملات کا مالک ہوتا ہے، طلاق، عتاق اور تبرعات کا نہیں۔	۹۵
قاضی خان اپنی تحریر میں اس قول کو مقدم کرتے ہیں جو راجح اور اظہر ہے۔	۳۱۱	دین مال حقیقی نہیں مال حکمی ہے۔	۱۰۰
فتوی قول امام پر ہوتا ہے۔ تفصیل مصنف کے رسالہ اجلی الاعلام پر منقول۔	۳۹۳	بیع العین فی حق المھر کے حق میں تصرفاتِ قاضی ووصی سے استدلال کا رد اور وجہ فرق کا بیان۔	۱۰۳
معاملات میں قول امام ابویوسف پر فتوی ہونے کی بات صحیح نہیں۔	۳۹۳	چھ چیزوں کے علاوہ مقرلہ کے انکار سے اقرار رد ہوجاتا ہے اور انکار کے بعد قبول صحیح نہیں۔	۱۰۷
متون فتاوی اور شروح پر مقدم ہیں۔	۴۱۴	مسئلہ کے نصوص قرآن واحادیث سے۔	۱۱۱
بلاضرورت وضعف حجت قول امام سے عدول جائز نہیں۔	۴۱۵	وعدہ اور اقرار کا فرق اور دونوں کا حکم۔	۱۱۱
		شیوع مقارن اور شیوع طاری کے احکام میں فرق ہے۔	۱۱۳

تحریر بیع نامہ عاقدین پر حجت ہے۔	۱۱۶	بھتیجے ذی محرم ہیں اور یہ رشتہ موانع رجوع میں سے ہے۔	۲۰۰
دستاویزوں میں عادۃً جو ابراء اس کے اخیر میں تحریر ہوتا ہے وہ صلب عقد میں داخل نہیں ہوتا، اس لئے متضمن نہیں ہوگا۔	۱۲۶	موت احد العاقدین بھی مانع رجوع ہے۔	۲۰۱
اقرار اور ابراء میں فرق ہے، اول تملیک اور ثانی اسقاط ہے، اس لئے دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ ہوگا۔	۱۲۷	اس مسئلے میں مصنف کی توضیح کہ موہوب لہ کل مالدار ہوں، یا بعض فقیر اور بعض مالدار، تو ان کے لئے ہبہ کا حکم اور ہے۔ اور جب کل فقیر ہوں تو ان کے لئے اور حکم ہے۔	۲۰۳
اس امر کی تفصیل کہ مضارب کو کون کون سے مصارف وصول کرنے کا حق ہے۔	۱۳۷	شیوع کے اقسام اور ان کے احکام	۲۰۷
مصنف کی طرف سے خلط مال کا ضابطہ۔	۱۴۴	پٹواری کی تحریر ملکیت ثابتہ کی یادداشت ہے انشاء تملیک نہیں اور اس کی بنیاد پر کاغذات میں اندراج کا بھی یہی حال ہے۔	۲۱۱
اعمل برایک کلمات اجازت میں سے ہے۔	۱۴۸	ہبہ کے لئے ایجاب وقبول ضروری نہیں، ایسے قرائن جو تملیک پر دلالت کریں کافی ہیں۔	۲۱۷
عقد فضولی میں مجیز عقد کا اجازت کا اہل ہونا ضروری ہے۔	۱۸۸	قبضہ نامہ کی تین شکلوں کا بیان۔	۲۱۹
حالت بلوغ میں مجیز کی ایسی اجازت جو ابتداء کی صلاحیت رکھے نافذ ہے۔	۱۸۸	زمین تعمیر کے لئے دینا عاریۃ ہے ہبہ نہیں ہے۔	۲۲۲
ہبہ بلاقبضہ میں واہب کو قبضہ دلانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔	۱۹۲	ہبہ معدوم باطل ہے۔	۲۲۳
ہبہ میں جہاں رجوع جائز ہے اس سے مراد قبضہ کے بعد ہے۔	۱۹۲	مرض الموت کی تفسیر اور درمختار، بزازیہ اور قہستانی سے اس کی تصدیق۔	۲۲۷
ہبہ بلاقبضہ باطل ہے۔	۱۹۷	ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا۔	۲۳۰
موانع رجوع کی آٹھ شرطوں کا بیان۔	۱۹۸	حیات مورث میں مورث ہی ساری جائداد کا مالک ہے۔	۲۳۸
ذی رحم محرم کی تفصیل۔	۱۹۸	عرف میں تملیک کے نام سے ہبہ متبادر ہوتا ہے۔	۲۴۳
فقیروں کو ہبہ صدقہ ہے، اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں۔	۲۰۰	امام سرخسی نے تملیک کو وضعاً مفید ہبہ بتایا۔	۲۴۴
فقیروں کی تعریف اور ان کی تفصیل۔	۲۰۰		

افادہ ملک کرنے والے الفاظ کی انواع سرگونہ کی تفصیل۔	۲۴۴	معاف ہونا الفاظ ہبہ سے نہیں۔	۲۹۵
کلمات علماء میں اکثر تملیک سے ہبہ پر استدلال متداول ہے۔	۲۴۴	معافی کا تعلق عیون سے نہیں دیون سے ہے۔	۲۹۵
مقام اخبار میں تملیک ہبہ سے عام ہے اور مقام انشاء عقود میں تملیک ہبہ ہے۔	۲۴۷	اقطاع کا مطلب تملیک جائداد نہیں بلکہ محصول کی معافی ہے۔	۲۹۷
تحریری تملیک نامہ قطعاً ہبہ نامہ ہے۔	۲۴۹	تخلیہ قبضہ تام کے قائم مقام ہے۔	۳۱۰
تملیک زبانی میں مدار کار قرینہ پر ہے، قرینہ حالیہ ہو یا مقالیہ۔	۲۵۰	تخلیہ کے لئے ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو خُذ یا کوئی ایسا لفظ کہے جو اس کے معنی ادا کرے۔	۳۱۲
تملیک وہبہ کو علیحدہ علیحدہ سمجھنے پر علامہ "ط" کے خیال کی تصحیح	۲۵۱	قاضی خان کی تعریف تخلیہ کو اکثری بتانا غلط ہے۔	۳۱۲
اظہار تملیک کی مختلف صورتوں کا بیان۔	۲۵۸	قاضی خان، ظہیریہ، ہندیہ، بحرالرائق اور شامی سے اس امر کی تصریح کہ "اقبضہ" نہ کہا تو تخلیہ صحیح نہیں۔	۳۱۳
ہبہ بعد قبضہ تمام ہوجاتا ہے۔	۲۶۲	تخلیہ کی شرائط ثلثہ۔	۳۱۴
موانع رجوع کا بیان۔	۲۶۲	ابراء اور ہبہ کا فرق اشباہ سے اس کا جزئیہ۔	۳۲۸
اعتبار دل کے ارادہ کا نہیں زبان کی تصریح کا ہے، دل میں وکالت ہو اور زبان سے ہبہ کے الفاظ کہے تو ہبہ ہوگیا۔	۲۶۶	تنخواہ آئندہ کا ہبہ باطل ہے۔	۳۳۰
ہبہ بشرط ایصال ثواب کو بیع قرار دینا باطل ہے۔	۲۸۳	ایک ایسی صورت کا سوال جس میں ہبہ بالعوض اور بیع دونوں کا احتمال ہے۔	۳۳۲
بیع کے لئے بدل کا مال ہونا ضروری ہے ایصال ثواب سرے سے مال ہی نہیں۔	۲۸۳	مشاع کی تعریف اور اس کی مختلف صورتیں۔	۳۵۲
شروط فاسدہ سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا، شرط ہی فاسد ہوجاتی ہے۔	۲۸۴	مسائل تمادی کا بیان۔	۳۷۸
استحقاق مقارن مانع ہبہ ہے اور استحقاق طاری مانع صحت نہیں۔	۲۹۱	حکم قضا اور دیانت کی تفصیل اور اختلاف ائمہ کی تشریح۔	۳۹۵
استحقاق مقارن اور استحقاق طاری کی تفصیل۔	۲۹۱	حنفیوں کے نزدیک یہ مسئلہ اختلافی ہے کہ عنین کی مدت مقرر کرنے میں کن مہینوں کا اعتبار ہوگا۔	۴۴۹

معاملات میں مدار عرف پر ہے، جب تک عام لوگ قمری کا اعتبار کریں مطلق کی صورت میں اسی پر محمول ہوگا۔	۴۴۹	شرع میں اجیر کی دو قسمیں ہیں، اجیر خاص اور اجیر مشترک۔ اردو میں اجیر خاص کو ہی نوکر اور ملازم کہتے ہیں۔	۵۱۸
دلال کب دلالی کا مستحق ہوگا اور کب نہیں۔	۴۵۳	اجیر مشترک "پیشہ ور" کو کہتے ہیں جو کسی خاص آدمی کے نوکر نہیں ہوتے۔	۵۱۸
اجرت آنے جانے اور دوادوش پر ہوتی ہے صرف زبانی بات چیت پر نہیں۔	۴۵۳	استیفائے حق کا مسئلہ عام مسلمانوں کے ساتھ متعلق ہے۔	۵۳۷
تعلیق الفسخ بالشرط اور تعلیق خیار الفسخ بالشرط دو علیحدہ شکلیں ہیں۔	۴۵۹	زبانی عقد کا شرع میں اعتبار ہے، اس کے خلاف پر تحریر کا کوئی اعتبار نہیں۔	۵۵۲
اجارہ اور بیع اس حکم میں مشترک ہیں کہ شرط فاسد سے فاسد ہوجاتے ہیں۔	۴۶۱	ڈاکخانہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور فیس منی آرڈر روپیہ مکتوب الیہ تک پہنچانے کا کرایہ۔	۵۶۴
بیع میں "شرب" من وجہ تابع ہے اور من وجہ اصل اور اجارہ میں صرف تابع ہے۔	۴۸۲	ڈاک خانہ اجیر مشترک ہے اور اجیر مشترک پر ضمان کی شرط لگادی جائے تو مسئلہ کی تین بلکہ چھ صورتیں ہیں، اور سب مصحح و مفتی بہا۔	۵۶۸
عاقدین کے درمیان تحریر سے پہلے کی گفتگو کبھی اصل عقد ہوتی ہے اور کبھی اصل عقد کی تمہید۔	۴۹۳	مصنف کے نزدیک اس قول کی ترجیح کہ اجیر صالح ہو تو ضمان نہیں، مستور الحال ہو تو نصف ساقط اور نصف واجب، اگر امام یہ زمانہ پاتے تو یہی فتوی دیتے۔	۵۷۳
قانون گو کے کام کی تفصیل۔	۴۹۶	ان تیس امور کی فہرست جن میں خلاف قیاس عرف کا اعتبار کیا گیا۔	۵۹۱
فقہاء کے اس قول کا مطلب یطیب الاجر وان کان السبب حراماً۔	۵۰۱	مزید ایسے امور کا اضافہ من جانب مصنف جو قیاس کے خلاف عرف سے جائز ہوئے۔	۵۹۲
رخصت کے دنوں کی بے تسلیم نفس بھی تنخواہ ملے گی۔	۵۰۶	اس امر میں علماء کی تصریح موجود ہے کہ ہر بلاد کے اکثر عام مسلمانوں کا عرف وہاں حکم لگانے کے لئے کافی ہے۔	۵۹۵
ملازم اور اجیر کے فرضی فرق سے سوال۔	۵۱۸		

اکراہ معتبر عندالشرع اور غیر معتبر کی تعریف اور بیان احکام۔	۶۰۹	آثار بلوغ کے بغیر بھی اگر وہ اپنے کو بالغ کہیں اور ظاہر ان کی تکذیب نہ کرے تو بالغ ہیں۔	۶۳۰
حجت شرعیہ تین ہیں: گواہی، اقرار، انکار۔	۶۱۳	داڑھی مونچھ نکلنے اور پستان کے ابھار کا اعتبار نہیں۔	۶۳۰
مکرَہ کا اقرار باطل ہے۔	۶۱۳	مجنون کی تعریف، مجنون کے احکام، مجنون کی ولایت، مجنون وصبی کے فرق، اور حالتِ جنون کی طلاق سے سوال۔	۶۳۴
اگر اقرار اور عتَہ شہادتِ شرعیہ سے ثابت ہو تو قبالہ کی تقریر بحالت صحت نفس وثبات عقل غیر معتبر ہے۔	۶۱۳	مجنون کی شریعت میں کوئی علیحدہ تعریف نہیں، مجنون وہ ہے جس کو پاگل اور دیوانہ کہتے ہیں۔	۶۳۵
ایسی عورت جس پر کبھی کبھی جنونی کیفیت طاری ہو جاتی ہے وہ معتوہ ہے۔	۶۱۵	**ضمان و تاوان**	
فالج دماغی مرض ہے مگر اس کو جنون لازم نہیں۔	۶۱۸	عقد مضاربت میں تاوان مضارب پر ڈالنے کا سوال۔	۱۳۱
تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر یہ مرض سال بھر ممتد ہو تو مریض کا حکم تندرستوں کا ہے، اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہیں۔	۶۱۸	مضاربت پر تاوان کی شرط فاسد ہے، رب المال مضارب سے تاوان نہیں وصول کر سکتا۔	۱۳۱
شطرنج وغیرہ کھیلنا اختلال عقل نہیں بلکہ سلیم الحواسی کا کام ہے۔	۶۱۸	امین سے غاصب نے زبردستی چھین لیا تو امین ضامن نہیں، ورنہ امین اور غاصب دونوں ضامن ہیں، صاحب مال جس سے چاہے وصول کرے۔	۱۵۴
مسلوب الحواس کی اعلیٰ قسم جنون اور ادنیٰ قسم عتَہ ہے۔	۶۱۹	وکیل کی تقصیر سے ضائع ہوا تو تاوان دینا ہوگا ورنہ نہیں۔	۱۵۵
مدہوش کے اکثر حال اقوال وافعال میں اختلال ضروری ہے۔	۶۲۰	دلال کپڑا بھول گیا کہ کس دکان پر چھوڑا ضامن ہوگا۔	۱۵۵
لڑکے میں ۱۲ برس اور لڑکی میں ۹ برس، سوتے وقت احتلام ہونا، انزال، لڑکی میں حیض یا حاملہ ہونا، یا جماع سے لڑکے کا حاملہ کرنا، یہ سب بلوغ کی قطعی علامتیں ہیں۔	۶۳۰	کسی نے نوٹ تڑوانے کو دیا، راستہ میں گم ہوگیا، اگر اس کی کوتاہی کو دخل ہو ضامن ہوگا ورنہ نہیں۔	۱۵۵

عاریۃ لینے والے کی کوتاہی سے چیز ضائع ہو تو تاوان ہے،اور کوتاہی نہ ہو تو تاوان لینا حرام ہے اگرچہ معیر بخوشی دے۔	۱۵۵	ہبہ فاسد میں شے موہوب موجود ہو تو موہوب لہ کو اس کے رَد کا حکم ہے اور ہلاک کے بعد ضمان واجب ہوتی ہے۔	۳۷۵
عاریت لینے اور دینے والوں نے پیشگی شرط کرلی کہ ضیاع کی صورت میں تاوان ہوگا تب بھی بلا تقصیر ضیاع پر تاوان لینا نا جائز ہے۔	۱۵۵	اجیر کی حفاظت میں گم ہوئے مال کے تاوان کا سوال۔	۴۰۷
اجیر کے پاس سے چیز کے ضائع ہونے میں کب تاوان ہے اور کب نہیں۔	۱۵۷	مال جب اجیر مشترک کے پاس سے بے اس کے فعل کے ضائع ہو جائے،اگرچہ اس سے احتراز ممکن ہو،اقوال علماء بیحد مختلف ہیں مگر امام اعظم کا قول ہے کہ تاوان واجب نہیں۔ قاضی شریح وغیرہ ۹ ائمہ کا یہی مذہب ہے۔	۴۰۸
متوفی نے چندہ کی رقم اپنے مصرف میں صرف کرڈالی اور اپنا روپیہ مسجد یا مدرسہ میں لگادیا تو جو اپنی رقم خرچ کی اس میں متبرع ہوا اور چندہ دہندوں کا تاوان دے۔	۱۶۱	اجارہ میں بھی مختلف صورتوں میں ضمان واجب ہے۔	۵۶۷
عام طور سے شوہر عورت کو پہننے کے لئے جو زیور دیتا ہے عاریۃ ہے،طلاق کی صورت میں اس کی واپسی کا شوہر حقدار ہے، عورت ضائع کرے تو اس پر تاوان ہے۔	۱۶۳	لڑکے کی کمائی والد نے امانت کہہ کر رکھی اور اپنے مصارف میں خرچ کردی تو تاوان دینا ہوگا،اور لڑکے کی رضا نہ تھی تو گنہ گار بھی ہوا۔	۶۴۳
مالک غاصب اور غاصب غاصب دونوں میں سے جس سے چاہے تاوان وصول کرے۔	۱۶۴	دوسرے کی چیز بے اجازت اٹھا کر رکھ لینے سے وہ ضائع ہو گئی تو ضائع کرنے والے پر تاوان ہوگا۔	۶۶۶
امانت میں تصرف کا حکم اور تاوان کی صورت۔	۱۶۷	صورت مسئولہ میں بے اذن قبضہ غصب جس کے ہلاک پر تاوان اور ابتداءً قبضہ باذن ہو،تو بعد طلب عدم ادائیگی تعدی اور تلف پر تاوان۔	۶۷۲
عاریت اور امانت کی واپسی کب صحیح ہے کہ تاوان سے بری،اور کب نہیں،تاوان دینا ہوگا۔	۱۷۴	مغصوب منہ کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ غاصب کے وارثوں سے زمین مغصوبہ کا جو حصہ موجود ہے وہ اور مبیعہ کی جو قیمت روز غصب تھی اس کا تاوان،اور زمین کرایہ پر چلنے کیلئے تھی تو موجودہ کے آج تک کے اور مبیعہ کے روز بیع تک کے محاصل غاصب کی جائداد سے وصول کریں۔ ورثائے غاصب کو اس سے منع کرنا حرام ہے۔	۶۸۴
مشترک مال سے کسی نے اپنے نام جائداد خریدی اس کا مالک خریدار ہوگا،البتہ شرکاء کے حصہ کا تاوان اس پر لازم ہے۔	۱۹۶		

شرکت کی چیز استعمال سے ضائع ہوجائے تو کس پر تاوان ہے۔	۶۸۹	اس کی وعید میں بخاری، مسلم، احمد وطبرانی کی چار حدیثیں اور سب کی نفیس وضاحت۔	۶۶۳
عامۃ الورود جگہ مثلاً سرائے سے کسی مسافر کا سامان گم ہوگیا سرائے کے مالک پر تاوان کی ذمہ داری نہیں۔	۶۹۲	حدیث شریف سے زمین غصب کرنے اور مسلمانوں کو ایذا دینے کی وعیدیں، ایسے لوگوں اوران کے معاونین کا حکم۔	۶۷۰
ترغیب وترہیب		فاسقوں کے احکام اور وعیدیں۔	۶۸۱
مرید کے یہ کہنے سے کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا فسخ بیعت ہوگئی۔	۲۷۰	تطوع کرنے کی فضیلت۔	۶۸۷
پیر کے خلاف بدگمانی کرکے مرید تنبیہ شرعی کا مورد ہوا۔	۲۷۰	**فضائل ومناقب**	
معلم قرآن کو اللہ دینے کو حرام کہنا جہالت اور دین پر افتراء ہے۔	۴۲۱	واعظ میں کیا کیا صفات ہونے چاہئیں۔	۴۳۳
وعظ کو طلب دنیا کا ذریعہ بنانے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔	۴۳۴	حقیقی واعظ اس زمانہ میں اولیاء میں سے ہے، اس کی خدمت اللہ ورسول کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔	۴۳۳
اللہ تعالٰی قیامت میں تین آدمیوں کی طرف سے خود مدعی ہوگا۔	۴۵۵	قبولیت تحفہ کی حدیث۔	۴۳۴
بدعہدی فسق ہے۔	۴۹۴	استاذ کا درجہ باپ سے اعلٰی ہے، شرنبلالی، غنیہ ذوی الاحکام، عین العلم، عالمگیری سے استاذ کے حق کا بیان۔	۴۵۱
قرآن عظیم میں قاضیوں کے لئے ظالم، فاسق، کافر تین لفظ ارشاد ہوئے۔	۵۳۹	مقامِ ورع مقامِ تقوٰی سے بلند ہے۔	۴۷۸
مخلوقِ خدا کو ڈرانا یا اس کا انتظام اور حیلہ کرنا بھی حرام ہے۔	۶۵۳	مصنف کی یہ تحقیق تمام کلمات علماء کی جامع اور ان کا خلاصہ ہے، اور اس کا پوری طرح بیان مصنف کی خصوصیت ہے۔	۶۰۶
مسجد کی زمین غصب کرنے والا شخص فاسق، فاجر، ظالم ہے۔	۶۶۳	علامہ شامی کے رسالہ نشر العرف نے مسئلہ کو اس طرح منضبط نہیں کیا ہے مگر اسی رسالہ کے مطالعہ کی برکت سے یہ مسائل مصنف پر منکشف ہوئے۔	۶۰۶

تاریخ وتذکرہ		قرضخواہ قرضدار کے مال سے خلاف جنس چیز بے رضا قرضدار نہیں لے سکتا۔	۱۰۱
مفتاح کے مصنف کا پتہ نہیں، نہ اس کا اندراج کتب مذہب میں ہے۔	۲۵۱	مورث پر دین ہو تو صلح تخارج کی یہ صورت ہے کہ دین کی ذمہ داری ورثہ لے لیں۔	۱۲۲
قاضی شریح مولا علی کے قاضی تھے ہمیشہ اسی پر حکم دیتے، ہزارہا صحابہ مجلس میں ہوتے کوئی انکار نہ کرتا۔	۴۱۰	ترکہ میں دین ہونے کی صورت میں صلح کا سوال۔	۱۲۳
اسمٰعیل اور ابراہیم علیہ السلام کے عہد مبارک میں اللہ تعالٰی نے قمری مہینوں پر بنائے کار رکھنے کا حکم دیا۔	۴۴۸	ترکہ دین ہو تو صحت صلح کی شرط یہ ہے کہ دین کو صلح سے علیحدہ کیا جائے۔	۱۲۵
ابھی مدارس عربیہ میں شہور ہلالی ہی معتبر ہیں۔	۴۵۱	غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا جائز نہیں۔	۱۲۶
علامہ شامی کے حاشیہ اور رسالہ شفاء العلیل کا ذکر اور علامی طحطاوی کی مدح کا تذکرہ۔	۴۸۶	ظفر بجنس حقہ کا سوال۔	۱۵۳
امام شعبی شطرنج کھیلتے تھے مگر کوئی انہیں مخبوط الحواس نہیں کہتا۔	۶۱۸	قرضخواہ جب قرضدار کے پاس اپنے حق کی جنس سے کوئی چیز پائے اور معلوم ہو کہ دوسرے کی ہے تو اس کو لینا جائز نہیں، اور علم نہ ہو تو لے سکتا ہے۔	۱۵۳
حضرت ہشام کلبی کے تین نوادر کا ذکر۔	۶۲۱	کافر کا قرض مسلمان پر تھا، دینے کی نیت تھی کہ قرض خواہ مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں، اس زمانہ میں ایسا مال لاوارث مال ہے، اور فقراء ومساکین اس کے مستحق یا مساجد ومدارس میں صرف کیا جائے یا قرضدار فقیر ہو تو خود لے لے، کافر کی طرف سے اس کا تصدق حرام اور اس سے اجر وثواب کی نیت کی تو کفر۔	۱۶۵
قرض		مورث پر جو دین ہو اور اس کا مطالبہ کرنے والا بندوں کی طرف سے نہ ہو، تو وصیت کے بغیر وارثوں پر اس کی ادا ضروری نہیں۔	۲۶۰
دین کی ادا اس کے مثل مال سے ہی ہو سکتی ہے۔	۱۰۰	ڈاک خانہ والوں کو فیس کی رقم اگر کسی کام کے عوض کے بغیر دی جاتی، یا کسی کام کے عوض دی جاتی، مگر وہ کام مقصود یا صالح عقد اجارہ نہ ہوتا، تو البتہ یہ معاملہ قرض ہوتا۔	۵۶۶
بے تراضی جائداد کو قرضہ میں لینا ظلم ہے یاایھا الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم الاٰیۃ سے مسئلہ پر استدلال۔	۱۰۰		

زید نے مکہ کے کسی رہنے والے کو ہر سال تیس روپے کی سبیل پلانے کا وکیل بنایا اور کئی سالوں کا بقایا چھوڑ کر مرگیا، ورثہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے یا نہیں۔	۶۴۰	سود سے بچنے کے طریقے۔	۵۱۴
اسماء الرجال		اس کے جائز ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ میت والے اتنی دیر کے لئے حافظ کو اپنے کام کیلئے اجرت پر رکھ لیں، اور جب وہ پہنچیں تو ان سے اور کام کے بجائے تلاوت کا کام ہی لے لیں۔	۵۲۹
امام زیلعی ان ائمہ کے ہمسر نہیں جو قول امام پر فتوی دیتے ہیں۔	۴۱۷	دیہات کے ٹھیکہ کو حدود شرع میں کرنے کی ترکیب۔	۵۵۱
امام فخر الدین اوزجندی کے صاحب ترجیح ہونے پر فتاوی خیریہ، تصحیح قدوری، غمز العیون، طحطاوی اور عقود الدریہ سے نقول۔	۴۱۷	دیہات کا ٹھیکہ جائز ہونے کی ایک دوسری ترکیب۔	۵۵۳
جس حاوی میں یہ لکھا ہے کہ ۴۵ درم سے کم ختم قرآن کی اُجرت مقرر کرنا جائز نہیں، وہ حاوی زاہدی معتزلی ہے، حاوی قدسی نہیں، اور یہ حکم خلاف شرع ہے۔	۵۲۹	دیہات کے ٹھیکہ کے جواز کی دو تدبیریں۔	۵۵۸
جرح وتعدیل		**مناظرہ ورَدِّ بدمذہباں**	
حدیث شرط پر امام اعظم کی وجہ سے ابن قطان کی جرح اور اس جرح پر اعلیحضرت رحمہ اللہ کی کڑی تنقید۔	۵۷۷	مفتاح کے استدلال پر تنقید۔	۲۵۲
قسم		صاحب مفتاح کی عبارت کا تضاد اور اس سے ان کے استدلال کے ضعف کا اظہار۔	۲۵۵
مقر کے اقرار سے پھرنے کی صورت میں مقر قاضی کے روبرو اقرار صحیح ہونے کی قسم مقرلہ سے لے سکتا ہے۔	۱۱۷	مولوی رشید احمد گنگوہی کے فتوی کی تغلیط۔	۲۸۲
حِیَل		فتوی دیوبند کی تجہیل۔	۳۷۸
ہبہ بالعوض کے حیلہ کا سوال۔	۳۲۵	مولوی امیر احمد سہسوانی پر تعریض۔	۴۱۸
پڑھنے والوں کو اتنے ٹائم کے لئے مزدور رکھ لیں اور اب ان سے طاعات کروائیں تب بھی حرج نہیں۔	۴۹۶		

معترض کی تجہیل اور اس پر زجر۔	۴۲۱	در مختار کی ایک عبارت کی توضیح اور ایک شبہہ کا جواب۔	۲۰۴
فتوٰی مولوی رشید احمد پر تنقید۔	۵۶۴	امام خیر الدین رملی کی عبارت کی توضیح وتوجیہ۔	۲۴۸
اسی قسم کا ایک اور غلط فتوٰی کہ چاند کی شہادت بذریعہ تار جائز ہے۔	۵۶۴	ایک لغزش کی طرف اشارہ۔	۲۶۰
متفرقات		پیر نے مرید کو عاق کیا وہ عاق ہوا یا نہیں۔	۲۶۴
عبارت خلاصہ میں کاتب کی غلطی کی تصریح اور اس عبارت کی تصحیح۔	۱۰۲	"ش" اور بحر کے سہو کی طرف اشارہ۔	۳۱۲
مسئلہ اطلاق بیع العین فی المصر میں صاحبِ خلاصہ کی عبارت کا صحیح محل۔	۱۰۳	اللہ تعالٰی کے نزدیک سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، ان میں چار محترم ہیں۔	۴۴۸
امام اخصب کے فتوی الظفر بخلاف الجنس کا صحیح محل۔	۱۰۶	عام مسلمان عمل درآمد میں ہلالی مہینہ کا لحاظ کرتے ہیں، شمسی ماہ مہینہ مہرینہ ہے۔	۴۴۸
صاحب درمختار پر تطفل۔	۱۲۰	چاند مہینہ بھر میں آسمان کی ۲۸ منزلیں طے کرتا ہے۔	۴۶۵
حموی شارح اشباہ کی ایک غلط فہمی کا ازالہ۔	۱۲۷	علامہ شامی کی لغزش قلم کا بیان۔	۴۸۳
تطفل علی الشامی۔	۱۴۴	تعمیر چاہ کے لئے جمع شدہ رقم خازن نے بیت المال بنا کر اس سے قرض بانٹنا شروع کیا، کچھ لوگوں نے اس سے قرض لیا اس دوران بیت المال کو چندہ دیا بعد میں پھر بند کردیا، کیا ایسے خزانہ کا نام بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں۔	۶۹۰
بزازیہ کی ایک عبارت پر استدراک۔	۱۴۸		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الوکالۃ

(وکالت کا بیان)

مسئلہ ۱: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار محلّہ گھوسیاں مرسلہ شیخ غلام احمد صاحب ۴رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

جناب مولٰنا! بعد تقدیم سلام عرض یہ ہے کہ اس مسئلہ کی ضرورت ہے جلد مشرف فرمائیں۔

بعض شخصوں نے کچھ روپے زید کو دئے کہ ان کی کتابیں دینیہ لے کر طالبعلموں کو دے دو۔ زید کے پاس خود وہ کتابیں دینیہ موجود تھیں اس نے اپنے پاس سے حسب نرخ بازار کتابیں لے کر طالبعلموں کو تقسیم کردیں اور وہ روپے اپنی کتابوں کی قیمت میں آپ رکھ لئے اور یہ سمجھا کہ میں نے یہ بیع اصالۃً اور خرید وکالۃً کی ہے اور مقتضائے حال سے قطعاً معلوم ہے کہ مالکوں کو ہرگز کچھ غرض اس سے متعلق نہ تھی کہ بازار ہی سے کتابیں خریدی جائیں اسی واسطے انھوں نے معاملہ میں یہ قید نہیں لگائی ان کا اصل مقصد تقسیم کتب سے تھا وہ زید نے بخوبی کردیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تقسیم کتب مالکوں کی طرف سے ہوگئی یا نہیں؟ اور اگر نہیں ہوئی تو اب کیا کیا جائے؟ کتابیں واپس نہیں ہوسکتیں، بالکل یاد نہیں رہا کہ وہ طالبعلم کون کون تھے، زیادہ زمانہ گزر گیا۔ اور مسئلہ میں شبہ اب پڑا اور وہ روپے بھی باقی نہیں رہے، **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید کو اصلاً یہ اختیار نہ تھا۔نہ وہ بیع ان روپیہ دینے والوں کے ہاتھ ہوئی۔

فان الواحد لایتولی طرفی العقد فی البیع وامثالہ بخلاف النکاح۔	کہ بیشک ایک ہی شخص بیع جیسے عوض کے معاملات میں خرید اور فروخت دونوں کا ولی نہیں بن سکتا بخلاف نکاح کہ اس میں بن سکتا ہے۔(ت)

تو یہ کتابیں اس کی اپنی گئیں روپے کے مالکوں کو ان کا روپیہ واپس کرے۔

فی الدر المختار لایعقد وکیل البیع والشراء والاجارۃ ونحوھا مع من ترد شہادتہ لہ الا اذا اطلق لہ المؤکل کبع ممن شئت فیجوز بمثل القیمۃ وفی السراجیۃ لوصرح بھم جاز اجماعا الا من نفسہ [1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار عن منح الغفار عن السراج الوھاج لو امرہ بالبیع من ھؤلاء فانہ یجوز اجماعا الا ان یبیعہ من نفسہ فلا یجوز قطعا وان صرح بہ الموکل اھ باختصار [2]۔واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے بیع شراء اور اجارہ ان جیسے معاملات کا وکیل ایسے لوگوں سے عقد نہیں کرسکتا جن کی شہادت اس کے حق میں مقبول نہیں مگر اس صورت میں جبکہ موکل نے اسے عام اختیار دیا ہو مثلاً یہ کہہ دے تو جس سے چاہے بیع کر،تو ایسی صورت میں وہ ان لوگوں سے بازاری قیمت پر عقد کرسکتا ہے اور سراجیہ میں ہے اگر موکل نے ایسے لوگوں سے عقد کی صراحتاً اجازت دی تو بالاجماع بیع جائز ہے لیکن خود اپنے لئے خرید نہیں کرسکتا اھ مختصراً۔اور ردمحتار میں ہے منح الغفار کے حوالہ سے السراج الوھاج سے منقول ہے کہ اگر موکل نے ایسے لوگوں سے بیع کا اختیار دیا ہو تو بالاجماع ان لوگوں سے بیع جائز ہے لیکن اپنی ذات کے لئے خریدنا تو یہ قطعاً جائز نہیں اگرچہ مؤکل نے اس کو صراحۃً یہ اجازت بھی دی ہو اھ مختصراً۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں وکیل مطلق اگر کسی کو کچھ معاف کردے اور اس کو اختیارات کامل معاف کردینے کے حاصل ہوں تو پھر وہ رقم معاف شدہ از روئے شرع شریف کے پانے کا مستحق

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۷

[2] ردالمحتار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۰۷

ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر صراحۃً معاف کردینے کی اجازت مؤکل نے دے دی تھی جب تو اس کا معاف کیا ہوا بعینہٖ موکل کا معاف کیا ہوا ہے جہاں خود اپنی معافی کو واپس نہیں لے سکتا وکیل کی معافی بھی واپس نہ ہوسکے گی اور شرعاً اس رقم کا مستحق نہ رہے گا، اگر صرف وکیل عام کیا یا کہہ دیا کہ اس کا جملہ ساختہ پرداختہ مثل میرے ذات کے ہے تو معاف کردینے کا وکیل کو اختیار نہ ہوگا، موکل اگر قبول نہ کرے تو رقم معاف کردہ لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الوکیل وکالۃ عامۃ مطلقۃ مفوضۃ انما یملك المعاوضات لاالطلاق والعتاق والتبرعات به یفتی[1] زواہر الجواہر، تنویر البصائر۔	واضح رہے کہ جس وکیل کو مطلق عام وکالت تفویض کی گئی ہو وہ صرف عوض والے معاملات میں مختار ہوگا، طلاق، عتاق اور تبرعات کا اختیار اسے نہ ہوگا، اسی پر فتوٰی دیا جائے، زواہر الجواہر، تنویر البصائر (ت)

اور بزازیہ میں ہے:

انت وکیل فی کل شیئ جائز امرك ملك الحفظ والبیع والشراء الا العتق والتبرع وعلیه الفتوی[2] اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تجھے ہر جائز معاملہ میں میری وکالت ہے۔ تو اس سے وکیل کو حفاظت، بیع اور شراء کا اختیار حاصل ہوگا، عتق اور تبرعات کا اختیار نہ ہوگا اور اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳: از دفتر محکمہ زراعت پنجاب لاہور مسئولہ محمد نصر اللہ صاحب ۲۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشتر وکالت از روئے شرع شریف جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وکالت جس طرح رائج ہے کہ حق کو ناحق، ناحق کو حق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ سچ

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوکالۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۶۰۔۴۵۹

بولنا چاہے تو کہتے ہیں اگر سچ کہو گے تو تمھارا مقدمہ سر سبز نہ ہوگا، جھوٹی گواہیاں دلواتے ہیں۔ جھوٹے حلف اٹھواتے ہیں۔ قطعی حرام ہے، اور ایسی ہی وکالت آج کل فروغ پا سکتی ہے، وہ جو کامل تحقیقات کے بعد جسے حق پر جان لے صرف اس کی وکالت کرے، محض بطور حق کرے، جھوٹ بولنے یا بلوانے سے پرہیز کرے اس کی وکالت اس زمانے میں اصلا نہیں چل سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الاقرار

(اقرار کا بیان)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک امر کا پیش قاضی اقرار کیا اور اس اقرار کا معترف تھا، اب اس امر سے انکار کرتا ہے، آیا یہ انکار اس کا معتبر ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید اپنے اقرار پر ماخوذ اور انکار اس کا مردود ہوگا،

فی العالمگیریۃ ان کان الواھب اقر بذلك عند القاضی والعبد فی یدہ اخذ باقرارہ [1] وفی الاشباہ والنظائر اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطألم تقبل کمافی الخانیۃ [2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	عالمگیری میں ہے اگر ہبہ کرنے والے نے یہ اقرار کیا حالانکہ غلام اس کے قبضہ میں ہے تو وہ اپنے اقرار کی بناء پر ماخوذ اور پابند ہوگا۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے جب کوئی کسی چیز کا اقرار کرلے پھر اقرار کے خطا ہونے کا دعوی کرے تو یہ دعوی مقبول نہ ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

مسئلہ ۵: از گورکھپور محلّہ گھوسی پورہ مرسلہ مولوی حکیم محمد عبداللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مرض موت میں بحضور ایک جماعت معززین زوجہ کے مہر کا اقرار کیا اور کہا کہ میرے ذمہ پچاس ہزار روپیہ دین مہر میری زوجہ کا واجب الادا ہے وہ اب تک مجھ سے ادا نہیں ہوا اب ادا ہونا اس کا ضروری ہے، لہٰذا میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتاہوں کہ وہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے، بعدہ زوجہ نے بناء برہدایت شوہر اپنے کل جائداد شوہری پر قبضہ اپنا کرلیا، بعدہ ورثہ مقر باہم مختلف ہوئے، اکثر نے اقرار اپنے مورث کا تسلیم کیا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ دعوی اقرار غلط ہے اور مہر زوجہ کا اس قدر نہیں بندھا تھا۔ اب استفسار یہ ہے کہ اقرار مورث جو کہ بشہادت معزز لوگوں کے ثابت ہے شرعا قابل اعتبار ہے یا نہیں، اور مقدار مہر مطابق اقرار مورث کے شرعا واجب الثبوت ہے یا نہیں، اور قبضہ زوجہ مقر کا بعوض دین مہر اپنے جائداد شوہری پر شرعا قابل نفاذ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ مرض موت میں وارث کے لئے اقرار بے تصدیق دیگر ورثہ معتبر نہیں۔

کما نصوا علیہ قاطبۃ وعللوہ بان حقھم تعلق بمالہ ففی تخصیص البعض بہ ابطال حق الباقین۔	جیسا کہ اس پر سب نے نص فرمائی ہے اور انہوں نے اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ تمام ورثاء کا حق میت کے تمام ترکہ سے متعلق ہے تو ترکہ سے کچھ ورثاء کی تخصیص میں باقی ورثاء کے حق کو باطل کرنا ہے (ت)

مگر جبکہ نکاح معروف ہو تو عورت کے لئے مہر مثل تک اقرار صحیح ومقبول ہے وجہ اس کی یہ کہ مہر مثل موجب اصلی نکاح ہے کما صرح فی الھدایۃ وغیرھا (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ ت) تو خود ثبوت نکاح اس کے اثبات میں کافی، فان الشیئ اذا ثبت ثبت باحکامہ (کیونکہ جب کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو وہ اپنے احکام سمیت ثابت ہوتی ہے۔ ت) ولہٰذا عورت کی بلابینہ اس مقدار تک تصدیق کی جاتی ہے۔

فی وصایا الخانیۃ رجل مات عن اولادہ الصغار وادعت المرأۃ مھرھا قالو ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مھر مثلھا یدفع ذلك	خانیہ کے وصایا میں ہے ایک شخص فوت ہوا نابالغ اولاد چھوڑی اور عورت نے ترکہ پر اپنے مہر کا دعوی کیا تو فقہاء کرام نے فرمایا اگر عورت سے میت کا نکاح معروف ومعلوم ہے تو عورت کا مہر مثل تک دعوی قبول کیا جائے گا اور اتنا مہر عورت کو

الیھا[1] اھ ملخصا۔	دے دیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

تو اس قدر میں مریض کی تصدیق اس کے اقرار سے کسی امر غیر ثابت کا ثابت کرنا نہیں بناء. بر اں واجب القبول ہوا۔ فتاوٰی امام خیر الدین رملی میں ہے:

سأل فیما اذا اقر بحضرۃ بینۃ شرعیۃ فی مرضہ بان فی ذمتہ لزوجتہ خمسۃ وعشرین دینارا ذھبا مھرا مؤجلا وصدقتہ فیہ وصدق علی ذٰلك بعد موتہ بعض ورثتہ وکذب البعض فھل الاقرار المذکور صحیح ام لا (اجاب) الاقرار بالمھر صحیح حیث کانت ممن یؤجل لھا مثل المقربہ کما صرح بہ فی جامع الفصولین وغیرہ معللا بقولہ اذ یقبل قولھا الی تمام مھر مثلھا بلا اقرار الزوج[2] اھ بتلخیص۔	ان سے سوال ہوا اس صورت کے متعلق کہ جب کوئی شخص اپنی مرض موت میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ اس کی بیوی کا اس کے ذمہ پچیس دینار سونا مہر مؤجل ہے اور بیوی اس اقرار کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی موت کے بعد اس کے بعض ورثاء بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ بعض ورثاء اس کو جھوٹ قرار دیتے ہیں تو کیا مذکورہ اقرار صحیح ہوگا یا نہیں، تو امام خیر الدین رملی نے جواب دیا کہ وہ عورت ایسی ہو کہ اس کے لئے اقرار میں بیان کردہ مہر کی مقدار مؤجل ہوتی ہے۔ تو مہر کا یہ اقرار صحیح ہے جیسا کہ جامع الفصولین وغیرہ میں اس کی تصدیق کرتے ہوئے یہ علت بیان فرمائی کہ خاوند کے اقرار کے بغیر بھی مہر مثل کی حد تک عورت کا قول قبول کیا جائے گا اھ ملخصا (ت)

پس اگر پچاس ہزار روپے عورت کے مہر مثل سے زائد نہیں تو اس پوری مقدار میں مریض کا اقرار مقبول ہوگا اور زائد ہیں تو صرف مقدار مہر مثل تک معتبر اور قدر زائد میں تصدیق ورثہ یا اقامت بینہ عادلہ شرعیہ کی حاجت ہوگی۔

فان البینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالشھادۃ کالثابت بالمشاھدۃ۔	کیونکہ بینہ اپنے عنوان کے مطابق واضح کرنے والا ہے اور شہادت کے ساتھ ثابت شدہ چیز گویا وہ مشاہدہ سے ثابت ہے۔ (ت)

خیریہ کے فتوٰی مذکورہ میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۰۰

والحاصل ان الاقرار لها بالدنانیر المذکورۃ مهرا صحیح حیث لا زیادۃ فیه علی مایؤجل لمثلها ولا یحتاج فیه الی تصدیق الورثۃ وان کان فیه زیادۃ لایصح بها الابه ویصح فیما هو مهر مثلها[1]۔	حاصل یہ کہ بیوی کے لئے مذکورہ دنانیر مہر کا اقرار تب صحیح ہوگا جب اس جیسی عورت کے مہر مؤجل کے برابر ہو زائد نہ ہو اور اس میں ورثاء کی تصدیق کی ضرورت نہیں، اور اگر اس سے زائد ہو تو پھر ورثائے کی تصدیق کے بغیر اقرار صحیح نہ ہوگا اور یہ بھی مہر مثل کی حد تک صحیح ہوگا۔

اس قدر سے سوال کہ دو امر کا جواب منکشف ہوگیا۔ رہا امر ثالث یعنی زوجہ کا جائداد مورث پر بعوض مہر بے رضائے ورثہ قبضہ کرلینا، واضح ہو کہ دین ایک مال حکمی ہے کہ ذمہ پر ثابت ہوتا ہے کما فی الحاوی القدسی (جیسا کہ الحاوی القدس میں ہے۔ ت) اور اس کی ادا اس کے مثل ہی سے ہوتی ہے،

فقد نصوا ان الدیون تقضٰی بامثالها کما فی الاشباہ وغیرها۔[2]	تو بیشک سب نے تصریح کی ہے کہ دیون کی ادائیگی اس کی مثل سے ہوگی جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور دین وعین محض متبائن ہیں نہ مثلین، ولہذا باجماع ائمہ حق دائن مالیت میں ہے نہ عین میں۔

نص علیه فی غیر موضع من الهدایۃ وغیرها عامۃ کتب المذهب منها فی اقرار المریض ان حق الغرماء تعلق بالمالیۃ لابالصورۃ[3] اھ۔	اس پر ہدایہ وغیرہ کتب مذہب میں متعدد مقامات پر نص ہے ان میں ایک مقام اقرار المریض میں ہے کہ حق کا مطالبہ کرنے والوں کا تعلق مالیت سے ہوتا ہے کسی معین مال کی صورت سے نہیں ہوتا اھ (ت)

تو بطور خود اخذ عین بعوض دین تجارت بے تراضی ہے کہ بنصوص قطعی قرآن عظیم ممنوع وناجائز۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ	ہمارے رب تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس کے مال کو ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاقرار دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۰۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الوکالۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۵

[3] الهدایۃ باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۴۰

تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ ۟"[1]	یہ کہ رضامندی پر مبنی تجارت ہو۔(ت)

ہدایہ میں بیع مال مدیون بے رضائے مدیون کی نسبت فرمایا:

انہ تجارۃ لاعن تراض فیکون باطلا بالنص[2]۔	کہ یہ رضامندی کے بغیر تجارت ہے تو اس کا باطل ہونا نص سے ثابت ہے۔(ت)

اسی لئے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دائن مال مدین عـــہ سے خلاف جنس دین بے رضائے مدیون، دین میں نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

ان کان دینہ دراہم ولہ عروض لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ جبرا[3] اھ ملتقطا۔	اگر اس پر دراہم قرض ہیں جبکہ اس کے اس موجود صرف سامان ہے تو قرض خواہ کو وہ سامان جبرا حاصل کرنا جائز نہیں اھ ملتقطا(ت)

اور عبارت وصایائے خلاصہ:

المرأۃ تاخذ مہرہا من الترکۃ من غیر رضا الورثۃ ان کانت الترکۃ دراھم او دنانیر وان کانت شیأا مما یحتاج الی البیع تبیع ماکان اصلح ویستوفیہ صداقتہا سواء کانت الوصیۃ من جہۃ زوجہا اولم تکن وتاخذ من غیر رضا الورثۃ[4]۔	اگر ترکہ میں دراہم یا دینار ہیں تو بیوی ترکہ سے اپنا مہر ورثاء کی رضامندی کے بغیر حاصل کرسکتی ہے اور اگر وہ ترکہ ایسا سامان ہے جس کی فروخت کرنے کی ضرورت ہے تو بیوی مناسب نقد پر فروخت کرے اور پنا مہر پورا کرلے خواہ خاوند کی طرف سے وصیت ہو یا نہ ہو، اور بیوی ورثاء کی رضاء کے بغیر حاصل کرے۔(ت)

کہ اس قبضہ کی تجویز جو مفید زوجہ خیال کی گئی ہر گز مفید نہیں بلکہ صاف خلاف پر نص ہے۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا العلہ مدیون۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] الھدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۶

[3] الھدایہ کتاب الحجر باب الحجر بسبب الدین مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۵۷

[4] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۴۱

الاترى انه رحمه الله تعالٰى خص اخذ العين بما اذا كانت التركة دراهم اودنانير وفى غيره انما اجازا لاستيفاء بالبيع لااخذ العين فى الدين ونص انه لابدفيه من البيع حيث قال وان كانت شيئا مما يحتاج الى البيع [1] الخ۔ فمعنى قوله وتأخذ الثانى تأخذ المهر من الثمن وان لم يرض الورثة بل اظن وارجو ان اكون فى ظنى صادقا ان "لا" سقطت من تاخذ الثانى من قلم الناسخ وانما العبارة "ولاتاخذ من غير رضا الورثة" اذبه يحسن المقابلة بين هذا وبين ماقدم من قوله "تاخذ من غير رضا الورثة ان كانت دراهم او دنانير" فالمعنى تبيع وتستوفى قهرا عليهم ولا تاخذ العين الابرضا هم فلتراجع نسخ الخلاصة فان النسخة التى عندى قد تقطعت اوراقها من هذا المقام ومن المحال ان

آپ دیکھ رہے ہیں کہ صاحب خلاصہ رحمہ اللہ تعالٰی نے تخصیص کی ہے کہ اگر ترکہ دراہم ودنیار ہیں تو عین ترکہ کولینا جائز ہے۔اور اگر ترکہ دراہم ودنانیر کا غیر ہو تو انہوں نے فروخت کرکے حق کی وصولی کو جائز کہا ہے نہ کہ اس عین سامان ترکہ کو فروخت کرنے کی ضرورت پر نص فرمائی ہے جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر کوئی ایسی چیز ہو جس کو فروخت کرنے کی ضرورت ہے الخ اور عبارت میں دوسرے "تاخذ" کا معنی یہ ہے کہ بیوی اس چیز کے ثمن سے مہر وصول کرے اگرچہ ورثاء کی رضانہ ہو بلکہ میرا ظن ہے اور مجھے امید ہے کہ میں اس ظن میں صادق ہوں، وہ یہ کہ یہاں "تاخذ" سے قبل "لا" نقل کرنے والے کے قلم سے ساقط ہوگیا ہے جبکہ اصل عبارت یوں تھی: ولاتاخذ من غیر رضا الورثۃ، یعنی ورثاء کی رضا کے بغیر نہ لے۔ کیونکہ یوں اس عبارت کا پہلی عبارت سے مقابلہ درست ہوجاتا ہے پہلی عبارت کہ اگر ترکہ دراہم ودینار ہو تو ورثاء کی رضا کے بغیر وصول کرلے تو اب دوسری عبارت کا معنی یہ ہوا کہ سامان کو فروخت کرے اور حق کو اس کے ثمن سے جبرا وصول کرے اور عین سامان کو ان کی مرضی کے بغیر نہ لے۔آپ خلاصہ کے مختلف نسخوں کی طرف مراجعت کریں میرے پاس جو نسخہ ہے اس مقام کے

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۲۴۱

یکون المرأة تاخذ العین من غیر رضاہم فانه علی هذا لایبقی الفرق بین النقد وغیره وهوانما فتح الکلام علی التفرقة فلو کان مراده هذا لقال"تاخذ الترکة فی مهرها ولو عروضا وعقارا وان لم یرض الورثة"۔ **وبالجملة** فهذا مما لا یرضٰی به فقیه ثم لاغرض لنا ههنا یتعلق بنقد مااطلق فی اجازة البیع"وان لم تکن وصیة من قبل زوجها"والا ففیه مجال نظر فانها اذا لم تکن وصیة کان بیعها بیع مال الغیر من دون اذن منه ولا من الشرع بخلاف بیع الوصی فانه مختار المالك وبیع القاضی عند الصاحبین فانه ماذون له من جهة الشرع دفعا للظلم وایصالا للحق الی المستحق واذا رأینا الامام الاجل فقیه النفس استاذ صاحب الخلاصة مولٰینا القاضی الامام فخر الدین رحمهما الله تعالٰی فرض المسئلة فی الخانیة	اوراق اس میں سے کٹے ہوئے ہیں،اور یہ بات محال ہے کہ بیوی ورثاء کی رضاکے بغیر عین سامان کو حاصل کرے کیونکہ اس صورت میں نقد اور غیر نقد کافرق نہ رہے گا حالانکہ صاحب خلاصہ نے یہ کلام دونوں میں فرق کے لئے جاری کیا ہے۔اگر ان کی مراد یہی ہوتی تو پھر کلام یوں ہونا چاہئے تھا:"ترکہ سے مہر وصول کرے اگرچہ سامان ہو یا جائداد ہو خواہ ورثاء راضی نہ بھی ہوں"خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس ظاہر عبارت پر کوئی فقیہ راضی نہ ہوگا پھر مطلق اجازت والی عبارت جس میں ہے اگرچہ خاوند کی وصیت نہ ہو،سے ہماری غرض کا تعلق نہیں ہے ورنہ یہاں اعتراض کی گنجائش موجود ہے،کیونکہ جب خاوند کی مہر کی ادائیگی کے متعلق وصیت نہیں ہے توپھر بیوی کاسامان کوفروخت کرنااور شرع کی اجازت کے بغیر فروخت لازم آتاہے بخلاف وصی کا ترکہ کے سامان کو فروخت کرناکہ اس میں وہ مالک کی طرف سے مختارہے،اور صاحبین کے نزدیک قاضی کے فروخت کرنے کا جواز بھی شرعی طورپر ماذون ہونے کی وجہ سے ہے تاکہ قاضی کے عمل سے ظلم ختم اور مستحق کو حق دیا جاسکے،اور جب ہم نے صاحب خلاصہ کے استاد امام اجل فقیہ النفس مولانا قاضی امام فخر الدین رحمہما اللہ تعالٰی کو دیکھاکہ انہوں نے اس مسئلہ کو خانیہ میں عورت کے وصی ہونے پر بیان فرمایا،جہاں انہوں نے خوب فائدہ مند کلام فرمایا(اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے)

فیما اذا کانت المرأۃ وصیۃ حیث افاد واجاد رحمہ الجواد میت اوصی الی امرأتہ وترک مالا وللمرأۃ علیہ مھر ھا ان ترک المیت صامتا عـــہ مثل مھرہ اکان لھا ان تبیع ماکان اصلح للبیع وتستوفی صداقھا من الثمن[1] اھ(ملخصا)۔	کہ ایک میت نے اپنی بیوی کو وصیت کی اور مال ترکہ چھوڑا جبکہ خود اس بیوی کا میت کے مال میں مہر باقی ہو تو اگر میت نے ترکہ میں صامت مال یعنی نقد وسامان چھوڑا جو مہر کی مثل ہو تو بیوی کو (وصی ہونے کی حیثیت سے) اختیار ہوگا کہ وہ مناسب مال کو فروخت کرے اور اپنا حق مہر اس سامان کے ثمن سے پورا کرلے اھ (ملخصا) (ت)

اور زید کا کہنا "میں اپنی زوجہ کو اختیار دیتا ہوں کہ دین مہر اپنا میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے وصول کرلے" ہرگز اس معنٰی میں نص نہ تھا جو زوجہ نے خواہی نخواہی قرار دے لئے، کہاں جائداد سے وصول کرنا اور کہاں عین جائداد اپنے دین میں لینا آخر علماء یہی عامہ کتب میں فرماتے ہیں کہ ترکہ سے پہلے میت کے دیون ادا کئے جائیں پھر ثلث مابقے سے وصایا، کیا اس کے یہ معنی کہ عین جائداد متروکہ دائنین وموصٰی لہم کو دے دی جائے جو معنی اداکے کلام علماء میں ہیں بعینہٖ وہی معنی وصول کرلینے کے کلام زید میں، مع ھذا عین بعوض دین دینا نہیں مگر بیع لکونہ مبادلۃ مال بمال (مال کا مال سے تبادلہ ہونے کی وجہ سے۔ (ت) اور مرض نہ بالفعل وارث کے ہاتھ بیع کرسکتا ہے جب تک باقی ورثہ اجازت نہ دیں۔ جامع الفصولین میں ہے:

اعطاھا بیتا عوض مھر مثلھا لم یجز اذا البیع من الوارث لم یجز فی المرض ولم بثمن المثل[2] (الا اذا اجاز وارثہ)	خاوند نے مرض موت میں بیوی کو مہر کے عوض مکان دیا تو جائز نہیں کیونکہ مرض موت میں کسی وارث کو بیع کردینا جائز ہے اگرچہ وہ بیع مساوی ثمن کے عوض ہو، ہاں اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی۔ (ت)

عـــہ: الصامت من المال الذھب والفضۃ والناطق ھو الحیوان (منجد)۔	صامت مال سے مراد ہونا چاندی اور ناطق سے مراد حیوانات ہیں (المنجد) (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۹

[2] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب النکاح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

نہ وارث کے لئے وصیت کا اختیار رکھتا ہے کہ فلاں شیئ اس کے ہاتھ بیع کی جائے یا یہ خود اپنے ہاتھ بیع کرلے الا لاوصیة لوارث الا ان یجیزھا الورثة (خبردار، وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر جب ورثاء جائز قرار دیں تو جائز ہوگی۔ت) بہر حال زید کا کلام بھی کچھ بکار آمد نہیں، بالجملہ اگر دین ترکہ کو محیط نہیں جب تو امر نہایت ظاہر کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا۔ اشباہ کے قول فی الدین میں ہے:

قدمنا انه لایمنع ملك الوارث للترکة ان لم یکن مستغرقا ویمنعه ان کان مستغرقا[1]۔	ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ جب ترکہ قرض میں مستغرق نہ ہو تو وارث کے مالک بننے کو مانع نہیں ہاں اگر ترکہ قرض میں مستغرق ہو تو اس کی ملکیت میں رکاوٹ بنے گا۔(ت)

تو زوجہ ملک ورثہ بے رضائے ورثہ کیونکر بطور خود بالجبر لے سکتی ہے اور اگر محیط ہے تاہم ورثہ شارعا اختیار رکھتے ہیں کہ دین اپنے پاس سے ادا کرکے ترکہ کو خالص کرلیں۔ اشباہ کے قول فی الملک میں ہے:

للوراث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2]۔	وارث کو قرض ادا کرکے ترکہ کو خلاص کرانا جائز ہے اگرچہ ترکہ قرض میں مستغرق ہو۔(ت)

تو ان کی بے رضا قبضہ کرلینے میں اس کے اس حق کا ابطال ہے اور یہ جائز نہیں۔ ولہذا علامہ حموی نے تصریح فرمائی کہ قاضی جب ترکہ کو دین محیط میں بیچے تو بیع بحضور ورثہ ہونا چاہئے کہ وہ حق استخلاص رکھتے ہیں۔

قال فی الاشباہ لاینفذ بیع الوارث الترکة المستغرقة بالدین وانما یبیعه القاضی[3] اھ فقال فی الغمز ینبغی ان یکون البیع بحضرة الورثة لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم[4] الخ۔	الاشباہ میں فرمایا کہ دین میں مستغرق ترکہ کو وارث کا فروخت کرنا جائز نہیں اور صرف قاضی اسے فروخت کرسکتا ہے اھ تو غمز العیون میں فرمایا مناسب ہے کہ قاضی کی بیع ورثاء کی موجودگی میں ہو کیونکہ ورثاء کو حق ہے کہ قرض میں اپنا مال دے کر ترکہ کو روک لیں۔(ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۵

[2] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] الاشباہ والنظائر القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

پس روشن ہوگیا کہ قبضہ زوجہ محض بے جاو بے معنی ہے،

وھھنا فتوی للاخصب ماانا بغافل عنھا ولا ناس لھا لکنھا محمولۃ عندی علی اموال خفیۃ یظفر بھا الدائن الآئس من الوصول الی حقہ دون الظاھرۃ و الاسترسال فی تحقیقہ یطول فلتضرب عنھا الذکر صفحا اقتداء بجمیع ائمتنا الاقدمین وجماھیر الاجلۃ المتأخرین حیث لاتیر لھا فی کلامھم عینا ولا اثرا ولا ذکرا ولا خبرا کیف وقد وقعت مخالفۃ للمذہب المجمع علیہ بین ائمتنا ومضادۃ لما اطبقت علیہ المتون قاطبۃ مع الشروح والفتاوی من کتب مذھبنا نعم لاباس بالمصیر الیھاعندی الضرورۃ دفعاللحرج وذٰلك انمایکون عندا الیأس مع القدرۃ علی الاستیفاء بالاخذ وقلمایجتمعان الا فی مال خفی کما لایخفی علی ذی فھم ذکی، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یہاں الاخصب کا فتوٰی ہے جس سے میں غافل نہیں اور بھولا بھی نہیں لیکن میرے نزدیک اس فتوٰی کا محمل وہ مخفی اموال ہیں جن پر وصولی سے مایوس قرضخواہ قابو پالے نہ کہ اموال ظاہرہ اس کی واضح تحقیق طویل ہے اس لئے متقدمین تمام ائمہ اور جلیل القدر جمہور متاخرین کی اقتداء میں اس سے پہلو تہی مناسب کیونکہ آپ ان کے کلام میں اس کا ذکر، حکایت اور خبر تک نہ پائیں گے، اور ہو بھی کیسے جبکہ یہ بات ہمارے ائمہ کے متفق علیہ مذھب کے مخالف اور تمام متون بمع شروح وفتاوٰی ہمارے مذھب کی کتب سے متضاد ہے، ہاں دفع حرج کے لئے ضرورت کے وقت اس کو اپنانے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ اس وقت جب وصولی سے مایوسی ہو اور اپنے حق کو حاصل کرنے پر قدرت بھی ہو، اور یہ دونوں باتیں اموال خفیہ کے بغیر بہت کم مجتمع ہوتی ہیں جیسا کہ ذکی فہم والے پر مخفی نہیں۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶: ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حسینی بیگم بریلوی نے بارادہ حج بیت اللہ شریف کو جاتے وقت بیس روپیہ اور ایک جگنو طلائی اور ایک زنجیر نقرئی بمبئی میں پاس جمیل النساء کے بایں شرط بطور امانت چھوڑی کہ جس وقت جو شے میں طلب کروں تم بھیج دینا۔ اور درصورت میرے مرجانے کے وہ بیت اللہ شریف میں خیرات کردینا۔ اس کے بعد مکہ معظّمہ پہنچ کر بیس روپے حسینی بیگم نے جمیل النساء سے منگوالئے اور جگنو اور زنجیر جمیل النساء کے پاس امانت رہا، اور زنجیر کی نسبت کہا تھا کہ یہ میری ایک نواسی کی ہے

سہوًا میرے ہاتھ چلی آئی ہے، اب حسینی بیگم کا مکہ شریف میں انتقال ہوگیا لہٰذا ازروئے شرع شریف کے جگنو اور زنجیر کا کیا کا جائے گا اور یہ بھی کہا تھا کہ میرے وارث کومت دینا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

یہاں دو چیزیں ہیں، زنجیر کا نواسی کے لئے اقرار اور جگنو کی نسبت کی خیرات کی وصیت سائل مظہر کی حسینی بیگم کی تین نواسیاں ہیں ان سے کہا گیا تو سب نے انکار کیا کہ وہ زنجیر ہماری نہیں پس صورت مستفسرہ میں اگرچہ برنبائے قول اصح کہ مقرلہ کی جہالت غیر فاحشہ مانع صحت اقرار نہیں کیا۔ **نص علیہ فی الھندیۃ من التبیین** (ہندیہ میں تبیین الحقائق کے حوالے سے اس پر تصریح فرمائی گئی ہے۔ت) اقرار مذکورہ صحیح واقع ہوا مگر جبکہ نواسیوں نے انکار کردیا رد ہوگیا۔ یہاں تک کہ اب نواسیاں تصدیق بھی کردیں تاہم معتبر نہ ہوگی۔

فی الدر المختار المقرلہ اذا کذب المقر بطل اقرارہ لما تقرر انہ یرتد بالرد الافی ست[1] الخ وفیہ لورد المقرلہ اقرارہ ثم قبل لایصح[2] الخ۔	درمختار میں ہے کہ مقرلہ جب مقر کو جھوٹا قرار دے تو مقر کا اقرار باطل قرار پاتا ہے کیونکہ ثابت شدہ امر ہے کہ مقر کا اقرار مقرلہ کے رد کرنے سے رد ہوجاتا ہے ماسوائے چھ امور کے الخ، اور اس میں یہ بھی ہے کہ جب مقرلہ اقرار کو رد کرکے پھر بعد میں اسے صحیح قرار دے تو یہ تصحیح جائز نہیں۔ الخ (ت)

پس وہ زنجیر تو بشرائط فرائض وارث حسینی بیگم کو ملے گی۔ رہا جگنو، اگر حسینی بیگم پر کوئی دین نہیں تو یہ کل متروکہ کی تہائی، اور دین ہے تو بعد ادائے دین جس قدر بچے اس کی تہائی سے زائد نہیں یا زائد ہے اور ورثہ وصیت جائز رکھتے ہیں جب تو کل جگنو تصدق کردیا جائے ورنہ اس کا اس قدر حصہ جو ثلث مال باقی بعد ادائے دین کے قدر ہو تصدق کریں باقی وارث کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷: از ریاست رامپور مرسلہ امیر احمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس معاملہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک مختار نامہ اس مضمون کا ایک شہر میں تصدیق کرایا کہ میں دوسرے شہر کو بوجہ پورے ہونے ایام حمل کے نہیں جاسکتی ہوں اور اس دوسرے شہر میں مجھ کو ایک اقرار نامہ اس مضمون کا تصدیق کرانا

---

[1] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۹

[2] درمختار کتاب الاقرار فصل فی مسائل شتّٰی ۲/ ۱۳۰

منظور ہے کہ میرے شوہر نے جو زمینداری اس شہر کی اپنے روپیہ سے خرید کر بیعنامہ اس کا میرے نام اسم فرضی کرایا ہے میں اقرار کرتی ہوں اور لکھے دیتی ہوں کہ وہ زمینداری میرے شوہر کی ہے۔ میرا شوہر اس زمیندزری کا اصلی مالک ہے لہٰذا بدرستی جمیع حواس خمسہ برضاو رغبت خود اپنی جانب سے فلاں مختار کو مختار خاص اپنا قرار دے کر اقرار کرتی ہوں کہ مختار خاص میرا میری جانب سے اقرار نامہ مضمون مندرجہ بالا کی تصدیق کرادے اور جملہ ساختہ وپرداختہ مختار مذکور کا مثل کردہ ذات خود قبول ومنظور ہے۔ پس بعد تصدیق ہونے مختار نامہ کے مختار نے دوسرے شہر میں جاکر اقرار نامہ تصدیق کرادیا اور مضمون اس اقرار نامہ کا مسماۃ کو دکھلادیا اور پڑھ کر سنادیا تھا۔ مسماۃ نے سن کر ثبت مہر کی اجازت دی تھی اور مسماۃ علیل نہیں تھی صحیح وسالم تھی بلکہ بہ سواری ڈولی محکمہ رجسٹری میں خود جاکر بزبان خود رجسٹر صدر سے مختار نامہ تصدیق کرایا تھا تکمیل ہونے مختار نامہ مذکور کے ایک روز بعد اولاد پیدا ہوئی تھی اور اولاد کے پیدا ہونے سے ایک ہفتہ بعد اولاد کے پیدا ہونے کی وجہ سے انتقال کیا کیونکہ بہت دشواری سے اولاد ہوئی تھی ہرگاہ بعد فوت مسماۃ مذکورہ وارثان مسماۃ دعوی باوجود ہونے دستاویز مصدقہ کے بوراثت حقیت مذکورہ بالا کا کرتے ہیں۔ اس صورت میں وہ کلمات کہ جو اقرار نامہ میں اسم فرضی کے ساتھ ملکیت شوہر اپنے کی از روئے عدالت تصدیق کرچکی ہے نسبت نہ ہونے دعوی کے تحریر ہیں واسطے بری ہونے شوہر مسماۃ کے دعوی وراثت سے کافی ہوں گے یا نہ ہوں گے۔ عنداللہ وعندالرسول نظر غور فرماکر عاجز مسکین امیر احمد پر بروایت صحیح جواب باصواب تحریر فرمائیں کہ موجب ثواب اجر عظیم کا ہوگا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے یہ اقرار اپنی صحت میں کیا تو اب شرعا کوئی دعوی وراثت وارثان زن کا جائداد میں مسموع نہیں ہوسکتا اگرچہ تصدیق اقرار نامہ مختار نے دوسرے شہر میں بحالت مرض الموت زن کی ہو کہ شرعا ملک شوہر ثابت ماننے کے لئے یہی لفظ کافی ووافی تھے جو عورت نے بحالت صحت اس مختار نامہ میں لکھے۔ عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اقرفی صحته لدی بینة شرعیة انه اشتری المبیع لاخته والثمن من مالها واسمه فی الصك عاریة وصدقته اخته علی ذٰلك فهل یعمل باقراره المزبور، الجواب نعم، سئل فی رجل اقر	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی تندرستی میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں یہ اقرار کرے کہ فلاں چیز میں نے اپنی بہن کے لئے اسی کی رقم سے خریدی ہے جبکہ رسید میں میرا نام عاریۃ ہے اور اس کی بہن نے اس بات کی تصدیق کردی ہو تو کیا اس کے مذکورہ اقرار پر عمل کیا جائے گا (تو انھوں نے جواب

فی صحته ان المبلغ المکتتب باسمه بذمة فلان بموجب صك لفلانة واسمه فی صك الدین عاریة فهل یکون اقراره المذکور صحیحا الجواب نعم [1] (ملخصا)	میں فرمایا) ہاں عمل ہوگا ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنی تندرستی میں اقرار کیا کہ میرے نام کی لکھی ہوئی رسید کہ اتنی رقم فلاں کے ذمہ ہے وہ رقم فلاں عورت کی ہے میرا نام رسید میں عاریۃ ہے تو کیا اس کا مذکور اقرار صحیح ہوگا؟ الجواب، ہاں صحیح ہے۔ (ملخصا) (ت)

شوہر جانتا ہے کہ واقع میں بھی یہ اقرار زن سچا ہے فی الحقیقۃ اس کا نام فرضی تھا جب تو عنداللہ بھی وہ اس جائداد کا مالک ہے اور ورثہ زن کا دعوٰی باطل، اور اگر اسے معلوم ہے کہ فی الواقع عورت ہی اس جائداد کی مالکہ تھی یہ اقرار اس نے غلط لکھ دیا اگرچہ اپنی صحت ونفاذ تصرف کی حالت میں برضا ورغبت ہی لکھا تو عنداللہ اس کے لئے اپنے حصہ سے زیادہ حلال نہیں اس پر فرض ہے کہ وارثان شرعی کا حصہ نہ روکے مگر بحالت اقرار مذکور قاضی وحاکم دعوٰی وارثان کو اصلا نہ سنے گا واقع کا علم اللہ عزوجل کو ہے۔ خانیہ وخلاصہ وبزازیہ وانقرویہ وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

اقر فی صحته وکمال عقله ان جمیع ماهو داخل منزله لامرأته غیر ماعلیه من الثیاب ثم مات الرجل وترك ابنا فادعی الابن ان ذٰلك ترکة ابیه قال ابو القاسم الصفار ان علمت المرأة ان جمیع مااقر به الزوج کان لها ببیع اوهبة کان لها ان تمنع عن الابن بحکم اقرار الزوج وان علمت انه لم یکن بینهما بیع ولاهبة لایصیر ملکا لها بهٰذا الاقرار [2]۔	ایک شخص نے اپنی تندرستی اور کامل عقل میں اقرار کیا کہ میرے لباس کے ماسوا میرے گھر میں موجود تمام سامان میری بیوی کی ملکیت ہے پھر اقرار کے بعد فوت ہوگیا اور اپنا ایک بیٹا چھوڑا جس نے دعوٰی کیا کہ گھر کا سامان میرے میرے والد کا ترکہ ہے اس پر ابوالقاسم صفار نے فرمایا کہ اگر بیوی اس یقین کا اظہار کرے کہ گھر کا تمام سامان بیع یا ہبہ کے طور میری ملکیت ہے تو بیوی کو حق ہوگا کہ خاوند کے اقرار کی بنا پر اس سامان کو بیٹے سے روک لے اور اگر وہ مذکورہ یقین کا اظہار نہ کرپائے تو پھر وہ خاوند کے مذکورہ اقرار کی بناء پر بیوی کی ملکیت نہ بنے گا۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۱۶، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاقرار الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۱۴۴، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاقرار الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۶۳

درمختار میں ہے:

لواقر کاذبا لم یحل له لان الاقرار لیس سببا للملك[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے حلال نہ ہوگا کیونکہ محض اقرار کسی کی ملکیت کا سبب نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸: از رام پور متصل شفاخانہ کلاں سرکاری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید وغیرہ نے کرایہ کی زمین میں مکان تعمیر کیا اور زمین آبچک نہیں چھوڑی، مسمّٰی عمرو جار کہ جس کے مکان کی زمین میں اولتی ٹپکتی مزاحم ومانع ہوا تو زید نے بمعیت مالک زمین میر محلّہ کہ جس کی زمین میں زید نے مکان تعمیر کیا تھا سات گرہ زمین واسطے آبچک بجہت عاریت کے استدعا کی چونکہ عمرو کی زمین زر خرید تھی اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ تعدادی ہفت گرہ زمین عمرو سے واسطے آبچک بجہت عاریت کے مستعار لی ہم نے، اور جس وقت عمرو یا وارثان عمرو چاہیں زمین آبچک مذکورہ رجوع کرکے بیدخل کردیں ہم مستعیران یا وارثان مستعیران دعوی ملکیت زمین و باحق آبچک یا بیدخل ہونے میں کوئی عذر وحیلہ کریں تو عندالشرع نامسموع وباطل ہوگا اور اقرار نامہ مع گواہی ومواہیر اہل ثقہ ومیر محلّہ یعنی مالک زمین مکان زید مذکور مثبت ہیں اور اقرر نامہ کو تخمیناً ساٹھ باسٹھ برس کا زمانہ گزرا ہوگا حتی کہ معیر ومستعیران فوت ہوگئے زمین کرایہ مذکورہ کہ جس میں زید وغیرہ نے مکان تعمیر کیا تھا وارثان زید نے اب وہ زمین خرید لی باوصف ہمسائیگی وجار کے بیعنامہ پر گواہی وارثان عمرو معیر مذکور نہیں ہے فی الحال وارثان مستعیر نے جو مکان منہدم ہوگیا ہے از سرِنو تعمیر کرنا چاہا تو وارثان معیر نے کہا کہ زمین آبچک بجہت عہ چھوڑ کے تعمیر کردیا اولتی ہمارے مکان کی طرف نہ ٹپکاؤ، تم کو خوب معلوم ہے کہ ہمارے مورث نے عاریت زمین آبچک تمہارے مورث کو دی تھی بنا اول سے بھی ہم کو بہت ضرر تھا اب بناء نو سے نہایت ضرر ہوگا اور پاخانہ کا راستہ تمام گھر کے آدمیوں کا ہے اور اولتی پاخانہ میں بیٹھنے سے سر پر گرتی ہے ہم آبچک مذکور کو رجوع کرتے ہیں اور ہمارا اس طرف مکان بنانے کا بھی ارادہ ہے وارثان مستعیر بمعائنہ اقرار نامہ مذکورہ بالا کے چند اشخاص کے روبرو اقبال واقرار کیا کہ ہم بموجب اقرار نامہ یعنی مورث مستعیر کی اولتی وارثان معیر

عــــہ: فی الاصل ھکذا اظنه پچھیت ای خلف الدار۔	اصل میں اسی طرح ہے میرے گمان میں یہ الفاظ پچھیت ہے یعنی گھر کے پیچھے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

کے مکان کی طرف نہ ٹپکائیں گے اور اپنا مکان بالکل پختہ بنادیں گے، بعد تیاری مکان وارثان مستعیر اغوائے بعض کسان اولتی طرف مکان وارثان معیر ٹپکانا چاہتے ہیں اور اپنے اقرار سے کہ چند آدمی ثقہ کے روبرو کیا تھا کہ اولتی طرف مکان وارثان معیر نہ ٹپکاوینگے اب منحرف ہوتے ہیں اقرار چند آدمیوں کے سامنے کرکے انکار کرنا مقبول ہے یا مردود۔ پس عندالشرع شریف دخل رجوع عاریت کا وارثان معیر کو حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب:

وارثان معیر کو بلاشبہ عاریت میں رجوع کا اختیار ہے اور وارثان مستعیر پر واپس دینا فرض ہے جبکہ عاریت ثابت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی حکم فرماتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں کے سپرد کردو۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تردھا[2]۔	ہاتھ نے جو لیا وہ اس کا ذمہ دار ہے جب تک واپس نہ کرے۔(ت)

باقی ان کا کہنا کہ اس طرف اولتی نہ ٹپکائیں گے اقرار نہیں وعدہ ہے اور وعدہ کے ایفاء پر حکماً جبر نہیں۔ اشباہ وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[3]۔	وعدہ کے ایفاء پر جبر نہیں۔(ت)

ہاں اگر تسلیم کیا ہو کہ واقعی یہ زمین زمان مورث سے ہمارے اور ہمارے مورث کے ہاتھ میں عاریت ہے اس کا مالک عمرو ہے تو یہ اقرار ہے اور اس سے پھرنا کسی طرح جائز نہیں، اگر بشہادت شرعیہ ان کا اقرار ثابت ہوگا وہ ضرور اس کی پابندی پر مجبور کئے جائیں گے۔ لان المرء مواخذ باقرارہ (کیونکہ اقرار کرنے والا اپنے اقرار پر ماخوذ ہوتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الصدقات باب العاریۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱ اور ۴۲، العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۱۰۹و۱۱۰: از بریلی شہر کہنہ مسئولہ صفدر علی و مبارک علی خاں ربیع الآخر ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں :

(۱) زید نے ۱۶اپریل ۱۸۱۸ میں ایک ہبہ نامہ بحق اپنے بیٹے عمرو کے کیا اور دستاویز میں یہ اقرار کیا کہ وہ مالک و مختار جائداد ہے ہبہ پورا موہوب لہ کو کردیا اور قابض ودخیل کرکے دخل اپنا مطلّقا اٹھالیا، لہٰذا اقرار یہ ہے کہ بعد تحریر ہبہ ھذا کے کچھ حق میرا یا قائم مقامان میرے کا اس جائداد موہوبہ میں جزءً وکلًا باقی نہیں رہا بعدہ ۲۱ جون ۱۹۱۲ء میں بعد انتقال عمرو پسر مذکور زید واہب نے دوسرا ہبہ نامہ اس ایک جزو جائداد موہوبہ کا اپنی مان کر اور ہبہ نامہ مذکور کو فرضی ٹھہرا کر بنام اپنے نبیرہ گان پسران متوفی کے کیا اس میں اقرار اول سے رجوع کیا کہ اس جزو جائداد کا میں مالک و قابض ہوں اور ہبہ نامہ اگرچہ بنام عمرو متوفی تحریر کا تھا مگر قبضہ نہں دیا اس لئے وہ انتقال شرعا باطل وکالعدم ہے، آیا یہ رجوع زید صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو عمرو نے ایک بیعنامہ چند مواضع کا بنام اپنے والد زید کے کیا جس کے متعلق ۱۱ جنوری ۱۹۰۸ء کو زید نے ایک اقرار نامہ بایں الفاظ تحریر کیا کہ بیعنامہ مذکور محض فرضی تھا اور س کے ذریعے سے کوئی انتقال ملکیت بحق میرے وقوع میں نہیں آیا اور کل جائداد مندرجہ بیعنامہ مذکور کا مالک و قابض واقعی میرا لڑکا عمرو ہے مجھے کوئی دعوی ملکیت نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگا پھر بعد وفات عمرو زید نے ایک ہبہ نامہ اپنے نبیرہ گان کے بوجہ مساوی بالاشتراک کیا اور اس میں بیعنامہ عمرو مورخہ ۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو اصلی واقعی مانا ہے لہٰذا اس صورت میں بیعنامہ عمرو فرضی متصور ہوگا یا واقعی وہ جائداد ورثائے عمرو کی ملک ٹھہرے گی یا ورثائے زید متوفی کی، اور یہ ہبہ زید کا مشاع ہونے کے بعث باطل ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ کوئی مقر اقرار کرکے اپنے اقرار سے پھر نہیں سکتا نہ اس کے خلاف اسکی بات تسلیم ہوسکے۔ ہدایہ و اشباہ ودرمختار وغیرہا عامہ اسفار میں ہے **لاعذر لمن اقر**[1] (اقرار کرنے والے کو عذر کا حق نہیں۔ت) دستاویز اول میں جبکہ صاف اقرار کیا کہ میں نے موہوب لہ کو قابض ودخیل کرکے اپنا دخل مطلّقا اٹھالیا تو اب بعد موت موہوب لہ یہ کہنا کہ میں نے قبضہ نہیں دیا تھا محض باطل ونامسموع ہے اور پہلی دستاویز ہبہ تام ونافذ وناقابل رجوع ہے۔ درمختار میں موانع رجوع

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے: الیم موت احد المتعاقدین [1] (م سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے۔ت) اسی میں ہے: القاف قرابته [2] (ق سے مراد اس کی قرابت ہے۔ت) یونہی جب اس بیع کی نسبت زید صحیح اقرار کرچکا کہ وہ محض فرضی تھی اور اس کے سبب مجھے کوئی ملک حاصل نہ ہوئی وہ بیعنامہ اس کے اقرار سے باطل ہوگیا اسے اس سے رجوع کا کچھ اختیار نہیں اور یہ ہبہ بنام نبیرگان کیا ہے محض باطل ہے کہ یہ جائداد بوجہ ظہور بطلان بیع ملک عمرو متوفی پسر زید ہے زید اس میں سے صرف سدس کا مالک ہے اور اس نے کل کا ہبہ کیا اور اس کا سدس منقسم الممتاز نہ تھا تو یہ مشاع ہوا اور اس سدس میں بھی تمام نہ ہوا اور انتقال زید بلا تقسیم وتسلیم سدس سے باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

الاستحقاق شیوع مقارن لاطارئ فیفسد الکل [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	استحقاق غیر منقسم قارن ہے بعد میں لاحق وطاری نہیں ہے تو کل کو فاسد کردے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ محمد علی خاں ومظہر حسین خان وسید ضیاء الحق ومسماۃ نجم النساء بیگم چار شخصوں نے **اولا** بتاریخ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء کو ایک جائداد کے دو سہام منجملہ سات سہام کے مسمّٰی امداد الرحمان باعث مشترکا بحصہ مساوی خریدے پھر ۱۶/اگست ۱۹۰۸ء کو اشخاص مذکورہ نے چار سہام اسی جائداد کے منجملہ سات سہام کے مسمّٰی عبدالرحمٰن بائع سے بحصہ مساوی مول لئے اور ایک سہم منجملہ سات سہام کے سید سکندر علی نے بلقیس بیگم سے ۱۳ اگست ۱۹۰۸ء کو خرید کیا پھر باہم ہر چہار مشتریان چھ سہام کے جو ذریعہ بیعنامہ ۱۱ مارچ ۱۹۰۸ء، ۱۶ اگست ۱۹۰۸ خریدی گئی تھی ایک تقسیم نامہ لکھا گیا جس میں ہر ایک شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام قائم ہو کر چار قطعہ معین ہوگئے جو محمد علی خاں ومظہر حسین خان وسید ضیاء الحق نے تو محکمہ رجسٹری میں تصدیق کرادیا لیکن مسماۃ [عـہ] احد الشرکاء نے تقسیم نامہ مذکورہ کسی وجہ

عـہ: اصل میں قلم ناسخ سے نجم النساء کا لفظ چھوٹ گیا ہے ۱۲۔

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[3] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

تصدیق نہیں کرایا جس کی وجہ سے ہر ایک شریک کا حصہ جدا جدا تقسیم نہ ہوسکا۔ بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں نے بعنامہ دوسہام کا منجملہ چار سہام فروخت شدہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء کے ایک شخص مسمّٰی فیض الرحمان سے بنام اپنے لکھالیا بعدہ، احمد علی خاں برادر محمد علی خاں مرگیا۔ اب محمد علی خاں یہ کہتا ہے کہ بیعنامہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ بابت چار سہام کے بنام چاروں مشتریان ناجائز ہوا۔ عبادالرحمٰن خان نے ہم کو دھوکا دے کر چار سہام کا بیعنامہ کیا ہے درحقیقت وہ مالک دو سہام کا تھا اس لئے میں ایک سہام کا ذریعہ شرا اور دو سہام کا ذریعہ ارث برادری کے مالک ہوں اور باقی تینوں شرکاء بھی ایک ایک سہم کے مالک ہیں ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کے مالک نہیں ہیں ہر سہ شرکاء بقیہ یہ کہتے ہیں کہ جب محمد علی خاں نے چار سہام بشرکت باقی تین مشتریان کے بحصہ مساوی خریدے تو اس خرید کے ذریعہ سے عبادالرحمٰن بائع کی ملکیت محمد علی خاں نے تسلیم کرلی اور سب شرکاء کا مساوی حصہ بھی تسلیم کرلیا اور یہ اقرار نامہ بھی ڈیڑھ ڈیڑھ سہام ہر ایک شریک کا تسلیم کرلیا اور ہر ایک شریک کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام کا اقرار کرلیا، اب ہر ایک شریک کے ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے محمد علی خاں کا انکار جائز نہیں ہے مظہر حسین خان احدالشرکاء نے جو نالش تقسیم ڈیڑھ سہام بنام بقیہ تین شریکوں کے عدالت دیوانی میں دائر کی تو محمد علی نے خاں احد الشریک نے وہی عذرات پیش کئے بالآخر عدالت دیوانی سے یہ تجویز فرمایا گیا بیعنامہ مصدقہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء اقراری عبادالرحمٰن میں خود محمد علی خاں مدعا علیہ زمرہ مشتریان میں داخل ہے اور شرعاً بیعنامہ عاقدین پر حجت ہے اس لئے وہ محمد علی خاں مذکور پر بھی حجت ہے پس جس طرح محمد علی خاں مدعا علیہ نے بذریعہ بیعنامہ عبادالرحمٰن بائع کی چار سہام مملوک ہونا تسلیم کیا اسی طرح ان چار سہام میں سے ہر ہر مشتری کی ملک بقدر ایک ایک سہم تسلیم کرلیا اور اب اس سے انحراف کا مدعا علیہ مذکور کو کوئی حق نہیں۔ انکار بعد الاقرار شرعاً معتبر (نہیں عــہ) ہے، اسی کے ساتھ تقسیم نامہ مصدقہ ۱۶اگست ۱۹۰۸ء مشمولہ مثل میں محمد علی خاں مذکور نے ہر ہر شریک کا ڈیڑھ ڈیڑھ سہام بالتصریح تسلیم کرلیا اب اس کا مدعی کو صرف ایک سہم کا مالک بتانا محض اتلاف حق پر مبنی ہے اس لئے دعوی مدعی نسبت دخلیابی ڈیڑھ سہام منجملہ سات سہام کے بذریعہ تقسیم وعلیحدگی حصہ مدعی از چار سہام مشترک بنام مدعا علیہم ڈگری ہو، خرچہ مدعی ذمہ محمد علی خان مدعا علیہ عائد ہو۔ بعد قائم وثابت ہوجانے ڈیڑھ سہام ہر ایک شرکاء اربعہ عدالت دیوانی کے فیصلہ سے پونے دو سال بعد محمد علی خاں احدالشریک نے ہر ایک شرکاء ثلثہ کا ایک ایک سہم اور اپنے تین سہام قائم کرکے نالش تقسیم خلاف بیعنامہ جات واقرار نامہ وفیصلہ عدالت دیوانی دائر کی اس لئے استفسار

عــہ: یہاں بھی قلم ناسخ سے لفظ معتبر "نہیں" چھوٹ گیا۔ ۱۲

امور ذیل کا مطلوب ہے:

(۱) انکار ملکیت کسی شخص کا بعد اقرار ملکیت شخص مذکور کے شرعًا جائز ہے یانہیں؟

(۲) بیعنامہ عاقدین پر شرعا حجت ہوتا ہے یانہیں؟

(۳) محمد علی خاں کو شرعا یہ حق حاصل ہے یانہیں کہ اس بیعنامہ کو جس میں وہ خود ہی مشتری ہے اور اقرار نامہ تقسیم کو جو بحق ہر سہ مشتریان وہ تحریر و تکمیل وتصدیق کراچکا ہے باطل وناجائز قرار دے کر ہر سہ مشتریان دیگر کی ملکیت ڈیڑھ ڈیڑھ سہام سے بعد اقرار کے انکار کرسکے۔

الجواب:

مدت ہوئی کہ یہ سوال آیا تھا اور سائلوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ جو فیاض الرحمٰن نے احمد علی خان کے نام بیع کیا آیا اس کا کوئی مقدمہ دار القضاء تک پہنچا اور بحکم قاضی وہ سہام ملک فیاض الرحمٰن قرار پاکر ملک احمد علی خاں ٹھہری یا یونہی خانگی طور پر محمد علی خاں نے اس بیع کو مان لیا مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا، اب ملاحظہ تجویز سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ استحقاق احمد علی خاں بذریعہ قضا ثابت نہ کیا گیا کہ محمد علی خاں شرعا مکذب ہوجاتا بلکہ اس نے بطور خود اپنے نفع کے لئے استحقاق تسلیم کرلیا اگر ایسا ہے تو تجویز کہ ذی علم مفتی صاحب نے دی بالکل حق وبجا ہے محمد علی خاں کو اپنے اقرار سے پھرنے کا کوئی اختیار نہیں۔

لاعذر لمن اقر[1] من سعی فی نقض ماتم من جهته فسعیه مردود علیه[2]۔	جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر قبول نہیں، جو شخص اپنی طرف سے تام کئے ہوئے معاملہ کو توڑنے کی سعی کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہوگی۔(ت)

اشباہ میں ہے:

اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطألم تقبل[3]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم	جب کسی چیز کا اقرار کرے پھر اس اقرار کو خطا قرار دے تو خطا قرار دینا قبول نہ ہوگا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۵۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰

مسئلہ ۱۲: ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بکر کے ہاتھ بیع کیااور قبضہ مبیعہ پر مشتری کا کرادیا اور بیعنامہ تصدیق ورجسٹری کرادیا، بیعنامہ میں مبیعہ کی حد غربی میں زید نے دیوار عمرو تسلیم کی بعد بیع وقبضہ بکر مشتری نے جب عمرو کی دیوار مذکور میں تصرفات ناجائز شروع کئے اور عمرو مانع آیا تب بکر نے زید بائع سے ایک اقرار نامہ بطور تصحیح نامہ اس مضمون سے لکھایا کہ (بیع کے وقت دیوار غربی کا مشترک ہونا تحریر سے رہ گیا تھا دیوار مذکور مکان مبیعہ ومکان عمرو میں مشترک ہے) سوال یہ ہے کہ بیعنامہ میں عمرو کی دیوار لکھنے سے اقرار نسبت وملکیت عمرو کی ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور بیعنامہ مذکور شرعاً عاقدین پر حجت ہے یا نہیں اور اقرار نامہ مابعد جو بطور تصحیح نامہ کے مرتب ہوا ہے اس سے کل دیوار مذکور کی بابت عمرو کا زوال ملکیت لازم آتا ہے یا نہیں اور شرعاً یہ انکار بعد الاقرار ہے یا نہیں؟

الجواب:

تحریر بیعنامہ عاقدیم پر حجت ہے اور اس سے پھرنے کا ان کو کچھ اختیار نہیں جس سے وہ شخص ثالث کو ضرر پہنچاسکیں، قاعدہ شرعیہ ہے:

المرء مواخذ باقرارہ ولا عذر لمن اقر [1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	اقرار کرنے والا شخص اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا اور اقرار کرنے والے کو عذر کا حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۳: از شہر بریلی محلّہ ملوکپور مسئولہ احمد حسین صاحب ۱۵ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ نے ایک قطعہ جائداد خریدی اور مسماۃ کے چار بیٹے تھے کچھ دنوں کے بعد وہ مسماۃ انتقال کرگئیں اور ان چاروں بھائیوں میں آپس میں مقدمہ داری ہوئی اسی جائداد پر جو کہ مسماۃ نے خریدی تھی، اس میں کسی وجہ سے ایک بھائی نے کچہری کے روبرو بیان کیا کہ میں اس جائداد میں حقدار نہیں ہوں میرا حق نہیں ہے، تو شرعاً یہ بیان اس کا لغو ہے یا جائز ہے وہ حقدار اس جائداد میں ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ اس میں حقدار نہ مانا جاتا **لا عذر لمن اقر** [2] (جس نے اقرار کیا اس کا کوئی عذر مقبول نہیں۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الاقرار داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵۶

اگر یہ قول کسی مدعی کے مقابل ہوتا، یہاں یہ صورت نہیں، سائل نے بیان کیا کہ چاروں بھائی اس مکان پر قابض تھے، ایک نے صرف اپنا حصہ تقسیم کرانے کا دعوی کیا تھا نہ کہ اوروں کے حصوں کا، اس کے جواب میں دوسرے نے کہا اس مکاں میں ہمارا حق نہیں یعنی چاروں بھائیوں کا نہیں تاکہ وہ تقسیم نہ کراسکے اس صورت میں اس کا یہ کہنا محض لغو ہے اور اس کا حق بدستور باقی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال ذوالید لیس هذا لی او لیس ملکی اولا حق لی او لیس لی فیه حق اوماکان لی اونحو ذٰلك ولا منازع حیثما قال ثم ادعی ذٰلك احد فقال ذوالید هو لی صح ذٰلك منه والقول قوله الخ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جب قابض خود کہے کہ یہ میری ملکیت نہیں یا میرا نہیں یا میرا حق نہیں یا میرا نہ ہے اس قسم کے الفاظ کہے، اور یہ الفاظ کہتے وقت کوئی دعویدار نہ بنا، پھر بعد میں ایک شخص نے اس چیز پر دعوی کیا تو اس کے جواب میں اب قابض کہے کہ چیزیں میری اپنی ہے تو قابض کی بات صحیح قرار پائے گی اور اس کی وضاحت مان لی جائیگی الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از مراد آباد محلہ کٹھگر پیچ مرسلہ سید شرافت حسین صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعوض مبلغ یکصد روپے کے اپنا حصہ واقعہ مکان بدست مسماۃ ہندہ رہن کیا۔ رہن نامہ میں بوقت تصدیق روبرو رجسٹرار صاحب (صہ معہ) نقد وصول پاکر مبلغ (صہ عہ/) کا رجسٹری سے پہلے وصول پانے کا اقرار کیا ہے، اسی تفصیل سے وصول زر رہن کی کیفیت عبارت تصدیق میں درج ہے ہندہ نے واپسی زر رہن کا دعوی کیا ہے۔ زید مدعاعلیہ نے جواب داخل کیا ہے کہ رہن نامہ فرضی ہے، وجہ تحریر کی یہ ہے کہ مدعاعلیہ کے خُسرال والے مُسر تھے کہ زید اپنا حصہ واقعہ مکان مذکور بحق اپنی زوجہ کے تحریر کردیں۔ اس اندیشہ کی وجہ سے بمشورت باہمی فرضی رہن نامہ بنام ہندہ تحریر کردیا گیا تھا (مہ لعہ/) جو رجسٹری میں بذریعہ عمرو وصول پائے تھے وہ روپیہ بیرون رجسٹری عمرو کو مدعاعلیہ نے واپس کردئے تھے اور دستاویز مذکورہ کے فرض ہونے کا مدعاعلیہ کو بس بیرون کچہری اقرار ہے اس پر کچہری نے صرف ایک تنقیح قائم کی ہے آیا مبلغ (صہ معہ/) منجملہ سو روپیہ زرہرن کے جو مدعاعلیہ کو ذریعہ عمرو روبرو رجسٹرار صاحب مدعیہ سے وصول ہوئے تھے وہ اسی وقت بیرون رجسٹری عمرو مذکور کو واپس دئے تھے ثبوت ذمہ مدعاعلیہ،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوٰی الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۶۴

تردید ذمہ مدعیہ، اور روبکار تنقیح مذکورہ میں یہ عبارت بھی درج ہے (مدعا علیہ بہ نسبت وصولیابی مبلغ (صہ عہ/) منجملہ زر رہن کے اقرار کاذبہ کرنا بیان کرتا ہے اس کی نسبت مدعا علیہ چاہے تو مدعیہ سے حلف لے سکتا ہے) سوال یہ ہے کہ بحالت مذکورہ مدعیہ پر شرعاً حلف عائد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہاں ہوسکتا ہے اب مدعا علیہ حقیقۃً مدعی اور مدعیہ مدعا علیہ ہے والیمین علی من انکر (قسم منکر پر ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اقر ثم ادعی المقرانہ کاذب فی الاقرار یحلف المقرلہ ان المقرلم یکن کاذبا فی اقرارہ عند الثانی وبہ یفتی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرار کرنے کے بعد اپنے اقرار میں جھوٹا ہونے کا دعوی کرے تو مقرلہ سے قسم لی جائے کہ قرار کرنے والا اپنے اقرار میں جھوٹا نہیں ہے۔ یہ حکم امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۳

کتاب الصلح

(صلح کا بیان)

مسئلہ ۱۵: ۱۸ جمادی الاآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلو نے دو زوجہ رینا و منی اور بطن منی سے دختر صغری اور دو بھائی چھٹن، عبداللہ۔ اور تین بہنیں چھوٹی، ملوکی، سینا۔ اور چودہ سو روپے نقد اور کچھ غلہ اور پونے دو سو روپے ایک شخص پر قرض چھوڑ کر انتقال کیا، عبداللہ نے مال متروکہ میں سے سو روپے نقد لے کر باقی وارثوں سے فیصلہ کرلیا کہ اب مجھے ترکہ سے کچھ تعلق نہیں۔ پھر ملوکی نے دو پسر امام بخش و یار محمد اور دو دختر کہ ان کا نام بھی رینا و منّی ہے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ کلو کا کس طرح منقسم ہوگا، اور کلو نے اپنا ایک بھتیجا بیٹا کرکے پالا تھا وہ بھی وارث ہوگا یا نہیں۔ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ فیصلہ کہ عبداللہ نے کیا دو وجہ سے باطل ہے،

اما اولا فلمکان الدین فی الترکۃ وقد صالح علی ان لا یکون لہ حق فی شیئ مما بقی فینتظم العین و الدین جمیعا والصلح عن دین	لیکن **اولاً** اس لئے کہ ترکہ میں قرض ہے اور اس نے صلح باقی تمام ترکہ سے لاتعلق پر کی ہے تو یہ موجود مال اور قرض دونوں کو شامل ہے جبکہ قرض پر قرضخواہ اور مقروض کے بغیر ہر ایک کی صلح

باطل الا بین الدائن ومدیونہ.فی الدار المختار بطل الصلح ان اخرج احد الورثۃ وفی الترکۃ دیون بشرط ان تکون الدین لبقیتھم لان تملیك الدین من غیر من علیہ الدین باطل [1] اھ **اقول**:ولا یقتصر الفساد علی التصریح بھٰذا الشرط کما یوھمہ ظاھر تقیید التنویر بل ھو ومایؤدی مؤداہ سواء فان المدار علی وقوع تملیك الدیون من غیر المدیون وھو حاصل فیما لوصالح بشیئ عن کل مابقی من الترکۃ کما قررنا ویرشدك الیہ ما فی ردالمحتار لوظھر فیھا دین ان کان الصلح وقع علی غیر الدین لایفسد وان وقع علی جمیع الترکۃ یفسد کما لو کان الدین ظاھرا وقت الصلح [2] اھ ملخصا.فقد جعل الصلح علی جمیع الترکۃ کالصلح بتصریح الشرط المذکور وبالجملۃ فالفساد لایتوقف علی التنصیص بادخال الدین فی الصلح بل الجواز متوقف علی الافصاح باخراجہ و لھذا قال البزازی کما فی الشامی ان کان مخرجا من الصلح لایفسد والا یفسد [3] اھ علق الصحۃ علی

باطل ہے،درمختار میں ہے جب ترکہ میں قرض شامل ہوں تو کسی ایک وارث کو بقیہ ترکہ سے لاتعلق کرکے باقی وارثوں کے لئے کرنے کی، صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے اھ،**اقول**:(میں کہتاہوں کہ) فساد کا انحصار اس تصریح کردہ شرط پر نہیں جیسا کہ تنویر الابصار کے قید کے بیان پر ظاہرا وہم ہوتا ہے بلکہ یہ اور جو اس کا ہم معنی ہو متساوی الحکم ہیں کیونکہ فساد کا دار ومدار غیر مقروض کو قرض کا مالک بنانا ہے اور وہ باقی وارثوں کو ترکہ کی کسی شیئ پر صلح میں حاصل ہے جیساکہ ہم نے تقریر کی ہے اور اس میں ردالمحتار کا بیان تیری رہنمائی کرے گا کہ اگر ترکہ میں دین معلوم ہے اور صلح دین کے غیر پر ہوئی تو فاسد نہ ہوگی،اور اگر تمام ترکہ پر صلح ہوئی تو فاسد ہوگی جیساکہ صلح کے وقت دین ظاہر ہونے پر وہ فاسد ہوتی ہے اھ ملخصا۔تو ردالمحتار نے جمیع ترکہ پر صلح کر شرط مذکور پر صریحا صلح جیسا قرار دیا خلاصہ یہ ہے کہ صراحتا قرض کو صلح میں شامل کرنے پر فساد موقوف نہیں بلکہ صلح کا جواز صراحتا قرض کو صلح سے خارج کرنے پر موقوف ہے جیساکہ فتاوٰی شامی میں البزازی کا قول ہے کہ قرض کو صلح سے خارج کیا تو صلح فاسد نہ ہوگی ورنہ فاسد ہوگی اھ،انہوں نے جواز کو صراحتا

---

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۳

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۳

الاخراج وعمم فی الباقی الفساد. ثم رأیت التصریح به فی الهندیة عن الظهیریة حیث قال ان کان فی الترکة دین علی الناس فصولحت (یعنی المرأة) علی الکل علی ان یکون نصیبها من الدین للورثة او صولحت عن الترکة ولم ینطقوا بشیئ اٰخر کان الصلح باطلا اھ[1]. **واما ثانیا:** فلان نصیب عبدالله من نقود الترکة اکثر مما صالح علیه وذٰلك لان حصته من الف و اربعمائة مثلا وهی سبعا لباقی بعد اخراج الفرضین مائة وخمسون درهما وانما اعطی مائة فکان البقیة شروا مائة وخمسین درهما وزیادة بمائة درهم وهذا هوالربا المحرم قال فی الدرالمختار اخرجت الورثة احدهم عن نقدین وغیرهما باحد النقدین لایصح الا ان یکون مااعطی له اکثر من حصته من ذٰلك الجنس تحرز عن الربا[2] اھ ملخصا، و هذ اظاهر اذا لم یکن للازواج مهر علی المورث فان	قرض کے خارج ہونے پر معلق فرمایا اور باقی تمام صورتوں کو فساد میں شامل فرمایا۔ پھر میں نے ظہریہ کے حوالہ سے ہندیہ میں اس پر تصریح دیکھی جہاں انہوں نے فرمایا کہ اگر ترکہ میں لوگوں پر قرض بھی شامل ہے اور بیوی سے یہ صلح ہوئی کہ باقی تمام ترکہ حتی کہ قرض میں بیوی کا حصہ یہ سب ورثاء کا ہوگا یا ورثاء نے بیوی کی باقی تمام ترکہ سے لاتعلّقی پر صلح اور اس سے زائد کوئی وضاحت نہ کی تو صلح باطل ہوگی اھ لیکن **ثانیًا:** اس لئے کہ عبداللہ کا نقد ترکہ میں صلح کی مقدار کے مقابلہ میں حصہ زیادہ بنتا ہے یہ اس لئے کہ مثلا چودہ سو نقد میں سے بیوی اور بیٹی کے دو فرض (حصے) نکالنے کے بعد عبداللہ کلا حصہ دوساتے جو کہ ڈیڑھ سو درہم ہیں جبکہ عبداللہ کو صرف ایک سو دیا گیا تو باقی ورثاء نے گویا ڈیڑھ سو اور کچھ زائد کو ایک سو درہم کے بدلہ میں خریدا اور یہ حرام وسود ہے۔ درمختار میں فرمایا کہ ورثاء نے ایک وارث کو سونا و چاندی (نقدین) اور دیگر ترکہ سے سونا یا چاندی میں سے ایک پر صلح کرکے خارج کیا تو یہ صلح صحیح نہ ہوگی مگر اس صورت میں جبکہ جس نقد پر صلح کی ہو اس میں اس کے حصہ سے زائد اس کو دیا گیا ہو تاکہ ربا سے بچاؤ ہوسکے اھ ملخصا۔ یہ بیان اس صورت میں ظاہر ہے کہ جب مورث کے ذمہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۶۹

[2] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

کان وکان بحیث یکون حصۃ عبداللّٰہ مما یبقی بعد اداء الدین اقل من مائۃ تکون الترکۃ مشغولۃ بالدین مانع بنفسہ عن صحۃ الصلح الا اذا عزل مقدار مابقی بہ و اجری الصلح فی مابقی، فی الشامیۃ عن البزازیۃ عن شمس الاسلام التخارج لایصح اذا کان علی المیت دین ای یطلبہ رب الدین لان حکم الشرع ان یکون الدین علی جمیع الورثۃ [1] اھ وقد کنت اوضحت معنی قولہ ای یطلبہ رب الدین فیما علقتہ علی ھوامش ردالمحتار ثم رأیت التصریح بعینہ فی الھندیۃ عن الظھیریۃ و نصھا ان کان علیہ دین فصولحت المرأۃ عن ثمنھا علی شیئ لا یجوز ھذا الصلح لان الدین فی الترکۃ وان قل یمنع جواز التصرف فان طلبوا الجواز فطریق ذٰلک ان یضمن الوارث دین المیت یشترط ان لایرجع فی الترکۃ او یضمن اجنبی بشرط براءۃ المیت اویؤدوا دین المیت من مال اٰخر ثم یصالحوھا	بیویوں کا مہر نہ ہو، اگر اس کے ذمہ مہر باقی ہو تو اب ترکہ میں سے یہ دین ادا کرنے کے بعد عبداللہ کا ترکہ میں حصہ ایک سو درہم سے کم ہو جائے تو بھی ترکہ کا دین میں مشغول ہونا صلح کی صحت سے مانع ہے الا یہ کہ قرض و دین کو منہا کرنے کے بعد مابقے پر صلح ہو تو جائز ہوگی۔ فتاوٰی شامیہ میں بزازیہ سے شمس الاسلام کے حوالے سے ہے کہ کسی وارث کو صلح کے طور پر وارثت سے خارج کرنا صحیح نہیں جبکہ میت پر کوئی دین ہو یعنی قرضخواہ کا مطالبہ ہو کیونکہ شرعی حکم یہ ہے کہ میت پر دین تمام ورثاء کے ذمہ ہوتا ہے اھ، حالانکہ میں نے ان کے قول کہ "قرض خواہ طالب ہو" کا معنی ردالمحتار پر اپنے حاشیہ میں واضح کر دیا تھا۔ پھر میں نے بعینہ اس کی تصریح ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالہ سے دیکھی جس کی عبارت یہ ہے اگر میت پر قرض ہو اور بیوی سے کسی چیز کے بدلے اس کے مہر کی رقم پر صلح کر لی گئی ہو یہ صلح جائز نہ ہوگی کیونکہ ترکہ پر قرض کم بھی ہو تو وہ تصرف کے جواز سے مانع ہے اور ورثاء جواز کے طالب ہوں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی وارث میت کے قرض کا ضامن بن جائے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس ضمان میں ترکہ سے کچھ نہ لے گا، یا کوئی اجنبی شخص اس شرط پر ضامن ہو جائے کہ ضمان سے میت بَری ہے یا ورثاء میت کا دَین اپنے کسی اور مال

[1] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

عن ثمنها او صداقها علی نحوما قلنا وان لم یضمن الوارث ولکن عزلوا عینا فیها لدین المیت وفاء ثم صالحوہا فی الباقی علی نحوما قلنا جاز اھ[1]۔	سے ادا کرکے پھر بیوی سے اس کی رقم کے بدلے صلح کرلیں جیسا کہ ہم نے بتایا اور اگر کوئی وارث ضامن نہ بنے لیکن پہلے عین ترکہ میں سے میت پر قرض کی مقدار علیحدہ کرلیں پھر باقی میں بیوی سے صلح کا عمل کریں جیسے ہم نے بتایا ہے، تو جائز ہے۔اھ (ت)

پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات اگر زنان کلو دونوں خواہ ایک کا مہریا اس کے سوا اور کچھ دین ذمہ کلو ہو تو پہلے ادا کریں جو بچے اس کے تہائی سے کلو کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کو ایک سو بارہ ۱۱۲ سہام پر تقسیم کریں سات ۷ کلو کی ہر زوجہ اور چھپن ۵۶ صغرٰی اور بارہ ۱۲ بارہ ۱۲ چھٹن وعبداللہ اور چھ ۶ چھ ۶ چھوٹی سینا اور دو دو امام بخش و یار محمد اور ایک ایک ۱ دختران ملو کی کو دیں اگر عبداللہ کو اس تقسیم میں سو روپے سے زیادہ پہنچیں تو اس کا حصہ پورا کردیں اور کم ملیں تو جتنا زیادہ پہنچ گیا ہے واپس لیں اور کلو کا بھتیجا جسے اس نے بیٹا کرکے پالا اصلا وارث نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زوجہ شہزادی بیگم اور نظام بیگم پدر حیدر علی دختر اعجاز فاطمہ وارث اور چار ہزار دو سو باون ۴۲۵۲ روپیہ نقد ایک مکان قیمتی ڈیڑھ ہزار روپیہ کا چھوڑ کر انتقال کرگیا شہزادی بیگم کا مہر پانچ ہزار روپے تھا اس کے سوا کوئی قرضہ زید پر نہ تھا اور نہ کچھ متروکہ زید ہے، باہم جملہ ورثاء مذکورین میں یہ فیصلہ وقرارداد ہوا کہ نظام بیگم وحیدر علی ساڑھے سات سو روپے لے لیں اور بقیہ زر نقد ومکان دختر وزوجہ کے حصص شرعی میں اور زوجہ کے مہر میں کردیں زوجہ بھی اس پر راضی ہوئی اب دعوی مہر نہ رہا، پس صورت مستفسرہ میں وہ مکان اور بقیہ روپیہ تین ہزار پانسو دو زوجہ دختر میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

زوجہ دختر کا مہر وحصتین کے عوض مکان وبقیہ زر پر راضی ہونا تین احتمال رکھتا ہے:

(۱) زوجہ مہر سے دست بردار ہوئی اور اس بقیہ کو اپنی اور دختر پر حسب وارثت تقسیم ہونے پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلح الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲۶۹/۴

رضا دی، اس صورت میں اس باقی کے ۵ سہام ہو کر ایک زوجہ اور چار دختر کو ملیں۔

(۲) یہ قرار پایا کہ اس بقیہ سے زوجہ اپنا کل مہر لے لے جو بچے زن و دختر میں وراثۃً تقسیم ہو اس صورت میں بقیہ سے پانچ ہزار مہر کے زوجہ لے گی اور دو ایک روپے کی جو مالیت بچی زن و دختر میں انھیں پانچ سہام پر تقسیم ہو جائیگی لیکن اس تقدیر پر دختر کا وقت فیصلہ بالغہ اور اس معنی پر راضی ہونا ضرور ہوگا۔

(۳) یہ ٹھہرا کہ باقی مذکور مہر وحصہ زوجہ وحصہ دختر سب پر حصہ رسد منقسم ہو، اس صورت میں مکان و زر بقیہ سب کے ۸۵۹۵ سہام ہو کر ۵۷۱۹ زوجہ کو ملیں اور ۲۸۷۶ دختر کو ملیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷: از ریاست رامپور پیش کردہ مفتی عبدالقادر خان صاحب حاکم ریاست ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کی دو زوجہ ہندہ اور زبیدہ تھیں۔ زبیدہ کا انتقال اس کی زندگی میں ہوگیا تھا مگر چند اولادیں اس کے بطن سے تھیں اور ہندہ اسکی بیوہ اب تک موجود ہے اور اس سے بھی چند اولادیں ہیں۔ زبیدہ اور ہندہ کی اولادوں میں بعض بالغ ہیں اور بعض نابالغ، پس بعد فوت زید کے اس کی بیوہ نے بوجہ نااتفاقی جملہ وارثان کے اپنے دین مہر کی نالش دائر کرکے عدالت سے متروکہ زید پر ڈگری حاصل کرلی، لیکن ابھی تک ڈگری کا اجراء نہیں ہوا تھا کہ جملہ وارثان میں اتفاق ہوگیا اور ہندہ نے ایک اقرار نامہ متروکہ زید کے بابت رجسٹری میں تصدیق کرادیا جس کی نقل شامل سوال ھذا ہے، اس کے بموجب عملدرآمد ہوگیا اور اپنے تین سہام میں سے ہندہ نے دو سہام بدست بکر کے بالعوض ڈھائی سو روپیہ کے رہن بھی کردیئے، اس کے ایک سال کے بعد اب ہندہ اسی متروکہ پر جس کے بابت اقرار نامہ تصدیق کرا کر رجسٹری کراچکی ہے اور عمل درآمد بھی ہوچکا ہے اپنی وہی ڈگری دین مہر کی جاری کرانا چاہتی ہے جس میں سراسر حق تلفی نابالغان متصور ہے اور خلاف اس اقرار نامہ کے اس متروکہ پر اس کا اثر پڑتا ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسے حالت میں ہندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ ڈگری جس کا تصفیہ کرچکی ہے جاری کرا کر اسی متروکہ کو نیلام کرکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

چند ہفتے ہوئے یہ سوال اور اس پر مجیبنا مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب کا لکھا ہوا جواب سائل نے پیش کیا اس کے ساتھ کوئی نقل اقرار نامہ نہ تھی عبارت سوال سے کہ اسی متروکہ کو نیلام کرکے نابالغان کی جائداد کو نقصان پہنچائے واضح تھا کہ متروکہ جائداد ہے سائل سے مقدار مہر ڈگری شدہ ومقدار جائداد متروکہ دریافت کی، اس نے بیان کی اس کے بیان کے حوالہ سے یہ عبارت اس جواب پر لکھ دی گئی۔

"بیان سائل سے معلوم ہوا کہ مہر کی ڈگری تین ہزار کی ہوئی اور جائداد و تقریباً چار ہزار کی ہے لہٰذا ہندہ کا تین سہام پر فیصلہ کرلینا حق نا بالغان پر کچھ برا اثر نہیں ڈالتا بلکہ ان کو مفید ہے لہٰذا صلح نافذ ہے اور اب ہندہ کو اس سے رجوع کرنے کا اختیار نہیں" واللہ تعالٰی اعلم۔

کاغذ فتوٰی میں جگہ نہ تھی یہ عبارت حاشیہ پر لکھی گئی، سائل نے کہا یہ کچہری میں پیش ہوگا، حسب دستور لکھ کر مہر ہو جاتی۔ کہا گیا نقل کرلاؤ نقل آئی جس میں سائل نے جواب نواب صاحب بھی باقی نہ رکھا سوال اور صرف یہاں کی تحریر نقل کردی، مہر کردی گئی۔ اب یہ سوال مع نقل تقسیم نامہ پیش ہوا جس میں مقدار مہر کا کوئی ذکر نہیں اور جائداد متروکہ تین ہزار کی مالیت بتائی ہے اور اس کے دیکھنے سے واضح ہوا کہ متروکہ صرف جائداد نہیں بلکہ پانسو روپیہ متوفی کا یافتنی ایک عورت کے ذمہ دین ہے وہ بھی شامل ترکہ ہے اور تقسیم میں یہ تحریر ہے کہ:

"باہم منمقرہ ودیگر وارثان اس طرح رضامند ہوگئے کہ کل متروکہ متوفی مالیتی تین ہزار پانچ سو روپے کی تقسیم اس طور پر ہوئی کہ زر ثمن پانسو روپے مذکور برائے صرف شادی وحیدن بیگم بنت متوفی بطنی زوجہ اولٰی کو دے گئے اور بقیہ تین ہزار دس سہام ہو کر تین سہام منمقرہ کے حصے میں آئے الٰی آخرہ۔"

باقی سات سہام میں دو سہام متوفی کے پسر کو دئے ہیں اور ایک ایک اس کی چار دختران موجودہ کو جن میں دو کہ بطن ہندہ مقرہ سے ہیں نا بالغہ ہیں اور یک سہام متوفی کی پانچویں دختر متوفیہ کے وارثوں کو ظاہر ہے کہ اس صلح سے ہر نا بالغہ کو اپنے حق سے کئی حصے زائد پہنچا تو صلح ان کے حق میں بہت نافع تھی اس کا حکم وہی تھا کہ نافذ ہے اور ہندہ کو رجوع کا اختیار نہیں اس لئے سوال میں ذکر دین نہ تھا بلکہ جائداد و نیلام کے الفاظ تھے کہ دین سے علاقہ نہیں رکھتے۔ ایسی صورت میں مفتی عقد صحیح ہی پر حمل کرے گا۔ در مختار میں ہے:

لو لم یذکر فی صك التخارج ان فی الترکة دینا ام لا فالصك صحیح وکذا لو لم یذکرہ فی الفتوی فیفتی بالصحة ویحمل علی وجود شرائطها. مجمع الفتاوٰی[1]۔	اگر لاتعلّقی کے صلح نامہ میں ترکہ میں قرض ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو صلح نامہ صحیح ہے اور یوں ہی اگر فتوٰی میں اس کا ذکر نہ ہو تو صحت کا فتوٰی ہوگا اور اس کو صحت کی شرائط کے وجود پر محمول کیا جائے گا۔ مجمع الفتاوٰی۔ (ت)

مگر اب ملاحظہ تقسیم نامہ سے ظاہر ہوا کہ ترکہ میں دین بھی ہے اور وہ صلح سے جدا نہ کیا گیا بلکہ یوں داخل کیا گیا کہ

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

احدالورثہ وحیدن بیگم کو اس کا مالک ٹھہرایا تو یہ غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا ہوا اور وہ باطل ہے تو صلح کا یہ حصہ باطل ہوا، اور جبکہ عقد واحد ہے تو اس کے بطلان نے بقیہ صلح کی طرف سرایت کی اور تمام صلح و تقسیم باطل ہو گئی، درمختار میں ہے:

بطل الصلح ان اخرج احد الورثة وفی الترکة دیون بشرط ان تکون الدیون لبقیتهم لان تملیك الدین من غیر من علیه الدین باطل[1]۔	ترکہ میں دین ہو تو کسی وارث کی لاتعلّقی کی صلح اس شرط پر دین باقی وارثوں کے حصہ میں ہیں تو یہ صلح باطل ہے کیونکہ مقروض کے غیر کو قرض کا مالک بنانا باطل ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم یتعدی البطلان الی الکل لان الصفقة واحدة[2]۔	پھر یہ بطلان تمام میں سرایت کرے گا کیونکہ معاملہ ایک ہے۔(ت)

اور جب صلح باطل ہوئی تو اس کی بناء پر جو باہمی ابراء ٹھہرا تھا کہ "بعد تقسیم مذکورہ بالا ایک وارث کو دوسرے کے حصہ سے کوئی تعلق نہ رہا اگر بعد تقسیم ایک شخص دوسرے پر دعوی کرے تو ناجائز ہوگا۔ یہ بھی باطل ہو گیا۔

لا لما فی الاشباہ اذا بطل الشیئ بطل مافی ضمنه وھو معنی قولهم اذا بطل المتضمن بالکسر بطل المتضمن بالفتح قالوا لوابراءہ اواقرله ضمن عقد فاسد فسد الابراء کما فی البزازیة[3] اھ لان ھٰذا الابراء یکتب فی الصك عادة بعد ماجرٰی بینهم الصلح فلم یثبت کونه فی صلب	الاشباہ میں مذکور کی وجہ سے نہیں کہ جب کوئی چیز باطل ہوتی ہے تو اس کے ضمن والے امور بھی باطل ہوتے ہیں، فقہاء کے قول کہ جب متضمن (کسرہ کے ساتھ) بطل ہو تو متضمن (فتح کے ساتھ) بھی باطل ہوتا ہے۔ انہوں نے فرمایا (اگر معاملہ میں فریقین نے معاہدہ کیا) کہ اگر اس کو مالک نے بری کردیا یا اس کے حق میں اقرار کیا تو یہ ضامن ہوگا، تو یہ عقد فاسد ہوگا، براءت بھی فاسد ہوگی جیسا کہ بزازیہ میں ہے اھ، کیونکہ ایسی براءت صلح نامہ میں عقد صلح

[1] درمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلح فصل فی التخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عقد الصلح حتی یکون متضمنا بالفتح ولا لما فی غمز العیون عن الزاہدی عن استاذہ بدیع الدین انه اختیار ان الاقرار وان لم یکن فی صلب عقد الصلح لکنه بناء علی الصلح الفاسد لایمنع الدعوٰی بعد ذٰلك [1] اھ لان حکم الاقرار لایجب ان یکون حکم الابراء فان الاقرار تملیك من وجه فیحتمل الارتفاع والابراء اسقاط والساقط لایعود بل لما فی الاشباہ من قولھم المبنی علی الفاسد فاسد [2] اھ حتی لو اقر بطلاق زوجته ظانا الوقوع بافتاء المفتی فتبیین عدمه لم یقع کما فی الاشباہ [3] والدر وغیرھما۔ **اقول:** و لایرد علیه مافی الحموی عن القنیة ان ابرأہ بعد الصلح عن جمیع دعواہ وخصوماته صحیح وان لم یحکم بصحة الصلح [4] اھ لان الابراء	کے بعد لکھنے کی عادت ہے تو صلب عقد میں اس کا پایا جانا ثابت نہ ہوگا تاکہ اس کے ضمن میں پائی جانے والی متضمن (بالفتح) ہوسکے، اور نہ ہی غمز العیون میں مذکور کی وجہ سے انہوں نے زاہدی سے ان کے استاد بدیع الدین کے حوالے سے ذکر کیا کہ ان کا مختار یہ ہے کہ اقرار اگرچہ عقد صلح کے صلب میں نہ ہو تو بھی بعد میں دعوی کے لئے مانع نہیں کیونکہ اس کی بناء فاسد صلح پر ہے اھ کیونکہ ضروری نہیں کہ جو اقرار کا حکم ہے وہ بَری کرنے کا حکم ہو، کیونکہ اقرار من وجہ تملیک ہے جو کہ ختم ہوسکتی ہے جبکہ ابراء وہ تو اسقاط کا نام ہے جو بحال نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اشباہ میں مذکور فقہاء کے اس قول کی وجہ سے کہ "فاسد پر مبنی چیز بھی فاسد ہوتی ہے" اھ حتی کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کی طلاق کا اقرار اس گمان پر کیا کہ مفتی کے فتوی سے فوطلاق ہوگئی جبکہ بعد میں واضح ہوگیا کہ ایسا نہیں ہے تو اس اقرار سے طلاق نہ ہوگی جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر حموی میں قنیہ کے حوالے سے مذکور بطور اعتراض وارد نہ ہوگا کہ صلح کے بعد اس کا تمام دعاوی اور خصومات سے بری کرنا صحیح ہے اگرچہ صلح کے صحیح ہونے کا حکم نہ دیا جائے گا اھ یہ اعتراض اس لئے

[1] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث قواعد وفوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[4] غمز عیون البصائر الفن الثالث قواعد فوائد شتی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۷۰

عن جمیع الدعاوی والخصومات شیئ زائد علی مفاد الصلح فانہ انما یقطع نزاعا خاصا لاکل خصومۃ بل اذا ادعی دارا ثم صالح مثلا علی نصفھا او قیمتہ فانما تجاوز عن نصف دعواہ لاعن جمیعھا لوصول بعضھا الیہ عینا او بدلا، واذاکان ھذا زائدًا علی قضیۃ الصلح کان کلاما مستقلا غیر مبتن علی الصلح فلا یضرہ بطلان الصلح ونظیرہ اذا زادفی الکلام علی قدر الجواب لم یجعل مجیب بل صار مبتدئا فلا یعاد السول فیہ کمانصوا علیہ۔	نہ ہوگا کہ تمام دعاوی اور خصومات سے ابراء صلح کے مفاد سے زائد چیز ہے کیونکہ صلح ایک خاص نزاع کو قطع کرتی ہے نہ کہ تمام خصومات کو بلکہ جب کوئی شخص پورے مکان کا دعوی کرکے پھر نصف مکان یا نصف کی قیمت پر صلح کرے تو اس نے صلح میں اپنے نصف دعوی سے اعراض کیا نہ کہ تمام دعوی سے، کیونکہ اس سے اس کو بعض عین یا اس کے بدل کو وصولی ہوئی، تو جب یہ ابراء صلح سے زائد امر ہے تو یہ ایک مستقل کلام ہوگا جو کہ صلح پر مبنی نہ ہوا تو اس لئے صلح کا بطلان اس ابراء کو مضر نہ ہوگا اس کی نظیر یہ ہے کہ جب کوئی کلام قدر جواب سے زائد ہو تو اس کلام والے کو مجیب نہیں بلکہ ایک مستقل ابتداء والا اقرار دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کلام میں سوال کا اعادہ متصور نہیں کیا جاتا جیسا کہ اس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے (ت)

لہٰذا صورت مستفسرہ میں ہندہ کو اجراء ڈگری سے کوئی مانع نہیں **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میرے فہم میں ہے جبکہ حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از رامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی۔ مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

جو کہ صلح ہے وہ واقع منازعہ حق انسان میں ہے یا حق خدائے تعالٰی میں بھی ہے؟

الجواب:

صلح اگر برضا ہے تو عنداللہ بھی ہو گئی اور دب کر ہے تو دنیا میں ہوئی آخرت میں مطالبہ باقی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب المضاربۃ

(مضاربت کا بیان)

مسئلہ ۱۹: از میران پور کٹرہ ضلع شاہجہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود کو روپیہ تجارت کے لئے دیا جائے اور اس طرح پر کہ وہ کہے کہ جو نفع ہو اس میں سے نصف نصف تقسیم کرلیں گے۔ اکثر اس طریقہ سے روپیہ دیا بھی تھا۔

الجواب:

یہ طریقہ مضاربت کا ہے۔ مسلمان کے ساتھ بھی جائز ہے۔ مگر اس پر نقصان کی شرط حرام ہے۔ اور ہندو کے ساتھ شرط نقصان بھی کرلینا جائز۔

لانہ من عقد فاسد وھم لیسوا اھل ذمۃ ولا مستامنین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عقد فاسد ہے اور یہ ہندو نہ تو ذمی ہیں اور نہ ہی مستامن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: از موضع مخدوم پور دیہہ ڈاکخانہ مخدوم پور گیا ضلع گیا مرسلہ سید مخدوم بخش صاحب حنفی ۲۹ شوال ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تجارت کرتا ہے دوسرے لوگوں کے روپے سے اس طریقہ پر کہ ہر سال بعد تمام اخراجات کے جو نفع ہوتا ہے اس میں سے ایک رُبع خود اجرت محنت

لیتاہے اور بقیہ تین رُبع میں جن لوگوں کا روپیہ ہے انہیں دیتاہے۔اگر یہ شخص شرکاء سے یہ معاہدہ کرے کہ اگر تم کو ہر سال ایک معین مقدار مثلا بارہ روپے فیصدی سے کم نفع ہوگا تو اس کمی کو ہم پورا کردیں گے اور اس سے زیادہ جو کچھ نفع ہو وہ بھی تمہارا ہے آیا اس معاہدے کے سبب سے نفع تجارت داخل ربا ہو جائے گا یا نہیں؟ امید کہ جواب باصواب مسئلہ کے بحوالہ کتب فقہیہ بقید ابواب وفصول وصفحہ ومطبع سرفراز فرمائیں گے۔ بینوا توجروا

الجواب:

یہ معاہدہ حرام ہے۔مال والے اور یہ تاجر سب گنہگار ہوں گے اگرچہ کبھی کمی نہ واقع ہو اور کمی جو یہ پوری کرے گا اس کا پورا کرنا اسے حرام ہے اور اس زیادت کا لینا ان مال والوں کو حرام و ربا ہے۔در مختار، صدر کتاب المضاربہ، جلد چہارم ورد المحتار مطبع قسطنطنیہ ص ۴۸۶ ذکر شرائط مفادات میں ہے:

وکون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرًا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد[1]۔	فریقین میں شائع ہونا (مقدار عین نہ ہونا) اگر کوئی مقدار معین ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم ہونا۔(ت)

ہندیہ کتاب المضاربۃ باب اول مطبع قاہرہ ملک مصر جلد چہارم ص ۲۸۷ میں ہے:

فان قال علی ان لك من الربح مائۃ درہم اوشرط مع النصف اوالثلث عشرۃ دراہم لاتصح المضاربۃ کذا فی محیط السرخسی[2]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا نفع میں ایک سو درہم تیرے ہونگے یا نصف یا ثلث کے ساتھ مزید دس درہم کی شرط لگائی تو مضاربت صحیح نہ ہوگی۔ محیط سرخسی میں ایسے ہے۔(ت)

ہدایہ کتاب البیوع باب الربا مطبع مصطفائی جلد دوم ص ۴۳ میں ہے:

الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخال عن عوض شرط فیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سود یہ ہے کہ عقد معاوضہ میں کسی فریق کے لئے ایسی زیادتی کی شرط ٹھہرانا جو عوض سے خالی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] در مختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۷-۱۴۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸۷

[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰

مسئلہ ۲۱الف: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تجارت بمضاربت بکر کے کی یعنی روپیہ زید کا تھا اور زید وبکر کے درمیان یہ اقرار پایا تھا کہ تجارت مذکور میں جو نفع ونقصان ہوگا تو بکر تیسرے حصہ کا نفع ونقصان اپنے ذمہ لے گا اور زید دو حصہ، چنانچہ تجارت مذکورہ میں چونکہ قبل آنے مال کے روپیہ زیادہ مال سے ازروئے تخمینہ کے مال والوں کے پاس پہنچ گیا تھا وقت وصول ہونے مال کے روپیہ پہنچے ہوئے سے مال کم آیا۔ اب جو روپیہ کہ باقی مال والوں کے ذمہ رہ گیا ہے تو اس صورت میں اگر وہ روپیہ وصول نہ ہوسکے تو زید بکر سے تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا ازروئے شریعت کے مستحق ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ایک عرصہ سے بکر بوجہ کوشش وصول کرنے روپیہ مذکور کے اپنی فکر معاش سے بھی معذور ہورہا ہے۔ کچھ اس کا بدلہ زید پر ہے یا نہیں؟

تیسرے بکر نے باجازت زید ان اشخاص پر نالش وصول کرنے روپیہ کی کی۔ روپیہ وصول نہ ہوا تو جو خرچہ نالش میں صرف ہوا زید بکر سے اس خرچہ کے بھی تیسرے حصہ کے نقصان لینے کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مضارب کے ذمہ نقصان کی شرط باطل ہے وہ اپنی تعدی ودست درازی وتضییع کے سوا کسی نقصان کا ذمہ دار نہیں جو نقصان واقع ہو سب صاحب مال کی طرف رہے گا، نہ مضاربت صحیحہ میں مضارب اپنی محنت وکوشش کا کوئی بدلہ صاحب مال سے پانے کا مستحق ہے اس کا بدلہ یہی ہے کہ نفع ہو تو حسب قرارداد اس میں شریک ہوگا۔ پس صورت مستفسرہ میں جو روپیہ وصول نہ ہوا یا نالش میں جو خرچہ ہوا زید اس کا کوئی حصہ بکر سے نہیں لے سکتا۔ اور جو محنت بکر پر پڑے وہ اس کا بدلہ زید سے نہیں لے پاسکتا۔ ہندیہ میں ہے:

اما الشروط الفاسدۃ فمنها ماتبطل المضاربۃ ومنها مالا تبطلها و تبطل بنفسها کذا فی النهایۃ قال القدوری فی کتابہ کل شرط یوجب جهالۃ الربح او قطع الشرکۃ فی الربح یوجب فساد المضاربۃ وما	فاسد شرطوں میں سے بعض مضاربت کو باطل کرتی ہیں اور بعض باطل نہیں کرتیں بلکہ یہ خود باطل ہوجاتی ہیں۔ نہایہ میں یوں ہے۔ قدوری نے کتاب المضاربہ میں فرمایا ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا نفع میں قطع شرکت کا باعث بنے۔ تو وہ مضاربت کو فاسد کرنے کا موجب بنے گی، اور

لا یوجب شیئا من ذٰلك لایوجب فسادھا نحوان یشترطا ان تکون الوضیعة علیھما کذا فی الذخیرة [1]۔	جو چیز ایسی چیز کا باعث نہ ہو تو مضاربت کو فاسد نہ کرے گی مثلا دونوں نے شرط لگائی کہ نقصان کو دونوں خود برداشت کریں گے جیسا کہ ذخیرہ میں ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

کل شرط یوجب جھالة فی الربح یفسدہ لاختلال مقصودہ وغیر ذٰلك من الشروط الفاسدة لایفسدھا ویبطل الشرط کاشتراط الوضیعة علی المضارب [2]۔	ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت کا موجب بنے وہ مضاربت کو فاسد کردے گی کیونکہ یہ مقصود میں اختلال ہے اور جو شرائط فاسدہ ایسی نہ ہوں وہ مضاربت کو فاسد نہ کریں گی بلکہ خود باطل ہو جائینگی مثلایہ شرط کہ نقصان مضارب پر ہوگا۔(ت)

عقود دریہ میں ہے:

سئل فیما اذا اخسر المضارب فھل یکون الخسران علی رب المال، الجواب نعم [3]۔	ان سے سوال ہوا کہ جب مضارب کو خسارہ ہوا ہو تو کیا رب المال خسارہ میں شریک ہوگا؟ الجواب: ہاں! (ت)

درمختار میں ہے:

المضاربة ایداع ابتداء وتوکیل مع العمل لتصرفة بامرہ وشرکة ان ربح وغصب ان خالف وان اجاز رب المال بعدہ واجارة فاسدة ان فسدت فلا ربح للمضارب حینئذ بل لہ اجر مثل عملہ [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مضاربت ابتداء میں امانت کی کارروائی ہے اور عمل کے بعد وکیل بنانے کا معاملہ بن جاتا ہے کیونکہ مضارب رب المال کے حکم سے اس کے مال میں تصرف کرتا ہے اور جب نفع حاصل ہو جائے تو شراکت بن جاتی ہے اور اگر مضارب خلاف ورزی کرے تو غصب بن جاتی ہے خواہ بعد میں رب المال اس کارروائی کو جائز بھی کردے۔ اور مضاربت فاسد ہو جائے تو اجارہ فاسدہ بن جاتا ہے۔ اس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربہ باب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۸۔۲۸۷

[2] الہدایہ کتاب المضاربہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۵۶

[3] العقود الدریة کتاب المضاربہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۷۲

[4] درمختار کتاب المضاربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۶

	صورت میں مضارب نفع کا حقدار نہ ہوگا بلکہ اپنے عمل کے مطابق اجرت کا حقدار ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۔ب: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص کے کارخانہ تجارت میں تھوڑے روپے دے کر شریک ہو جانا چاہتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ چھتیس روپے سال مجھ کو اس کے منافع میں سے دیا کرو اور اس سے زیادہ جو کچھ ہو تم لے لیا کرو بحق مضاربت، اور اگر کم ہو تو اس کے بھی تم متحمل ہو۔ شرعاً یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ناجائز اور گناہ ہے

لقطع الشرکۃ فی الربح ولالزام مانقص منه علی المضارب وکل ذٰلك شرط فاسد والاول مفسد ایضا کما نصوا علیه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نفع میں شرکت ختم ہوجانے کی بناء پر اور نقصان مضارب پر لازم کرنے کی بناء پر جبکہ دونوں صورتیں شرط فاسد ہیں۔ اور پہلی تو مضاربت کے لئے مفسد بھی ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲: ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ ایک سو پچاس روپیہ بکر کو بہ نیت تجارت دئے کیونکہ بکر میز کرسی کا تاجر تھا اس نے مبلغان مذکورہ کا ساٹھ من بیت خریدا اور سال تمام پر ساٹھ روپے منافع ہوئے لیکن بکر زید کو بایں حساب پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ اس عرصہ میں بیت بکر نے بھی خریدا اور کبھی نہیں خریدا لیکن ہمیشہ پانچ روپے ماہوار دیتا رہا۔ بعد ایک عرصہ کے بکر نے قضا کی۔ ایک وارث بکر نے وہ مبلغان مذکورہ اپنے ذمے لے کر موافق بکر کے پانچ روپے ماہوار دیئے، لیکن چند ماہ کے بعد وارث بکر نے یہ کہا کہ اس طرح روپیہ دینا ماہوار جائز نہیں۔ لہٰذا جو روپیہ ذمہ بکر کے تھا میں ادا کرتا ہوں چونکہ زید ایک ضعیف شخص ہے اور طاقت تجارت وغیرہ کی خود نہیں رکھتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہے کہ یہ روپیہ وارث بکر کے پاس باقی رہے یا شرع مطہر کوئی طریقہ اس ایسا ارشاد فرمائے کہ ہم کو موافق سابق کے یا اس سے کم وبیش ملے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک رقم تعین کردینا کہ نفع ہو یا نہ ہو، کم ہو یا زائد۔ ہر طرح اس قدر ماہوار دیں گے ضرور حرام ہے بلکہ وارث بکر زر زید کو تجارت میں لگائے زید نفع ونقصان دونوں کا متحمل رہے۔ نفع ہو تو جس قدر ہو

اتنا ہی زید کو دیا جائے اس سے زیادہ اصلانہ لے۔ یہ بھی اس صورت میں جبکہ وارث بکر محض احسانا اس کا روپیہ تجارت میں لگائے اور اس کے نفع میں اپنا حصہ نہ چاہے ورنہ جو باہم قرارداد ہو جائے اتنا حصہ نفع میں اپنا لے کر باقی زید کو دے **واللّٰہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳: کیا ارشاد ہے علمائے دین کا اس مسئلہ میں کہ رب المال اور مضارب میں وقت دینے مال کے نفع کی تعیین ہو جانی چاہیئے کہ مضارب نفع میں سے نصف لے گا یا ثلث وغیرہ یا بعد حصول نفع کے دونوں باہم تراضی سے طے کرلیں اگر بوقت مال دینے کے طے کریں تو اسی جلسہ میں ہو، اگر جلسہ بدل جائے تو حرج تو نہیں رب المال نے مضارب کو ایک شہر معین میں بھیجا اس نے وہاں جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہاں فروخت کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو اب اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ رب المال کے پاس واپس جانے یا دوسرے شہر میں جہاں مناسب جانے کام کرے۔ یا شہر معین میں فروخت کرتے کرتے مال بچ رہا تو ما بقے کو لوٹا لائے یا دوسری جگہ مناسب پر فروخت کردے۔ اگر رب المال وقت عقد کے توسیع کردے کہ جہاں مناسب سمجھے بیچے اور جو بات مفید دیکھے وہ کرے تو اس کے اختیارات وسیع ہو جائیں گے یا نہیں۔ رب المال کے ذمہ سفر خرچ وخورد ونوش مضارب کا ہے اس سے مراد طعام بقدر ضرورت ہے یا دیگر اشیاء بھی مثلاً اس کا جی چاہا فصل کی کوئی شیئ کھالی یا روٹی سالن کافی تھا کہ اس نے پلاؤ زردہ کھایا یا کسی مسکین کو خیرات میں کچھ دیا یا لباس کی ضرورت پر کپڑا خرید کر استعمال کیا مثلاً ٹوپی کافی ہو سکتی تھی کہ اس نے عمامہ خریدا یا اس کی حیثیت کے موافق ایک آنہ کی ٹوپی مناسب تھی کہ اس نے چار آنے کی خریدی۔

الجواب:

نفع میں جو حصہ شائعہ مضارب کا تعین نفس عقد میں ضرور ہے۔ اگر عقد بلا تعیین حصہ شائعہ کیا مثلاً تجھے مضارب کیا اس شرط پر کہ کچھ نفع مجھے دے دیا کرنا اس شرط پر کہ جتنا چاہوں اتنا نفع تجھے دیا کروں تو عقد فاسد وحرام ہے۔ بلکہ اگر یوں کہا کہ زید وعمر میں باہم جتنے نفع پر مضاربت ہوئی ہے اسی قدر پر میں نے تجھ سے مضاربت کی اور عاقدین میں ایک کو اس کی مقدار معلوم نہیں۔ عقد فاسد ہوگا اگرچہ دوسرے کو معلوم ہو، ہاں اسی جلسہ میں تعیین کرلیں یا علم ہو جائے تو جائز ہو جائے **لان المجلس یجمع الکلمات** (کیونکہ مجلس متفرق کلام کی جامع ہوتی ہے۔ت) تبدل جلسہ ہوتے ہی فساد متقرر اور گناہ مستقر ہو جائے گا و **المسائل کلها معلومة من الفقه** (یہ تمام مسائل فقہ میں واضح

ہیں۔ت) درمختار میں ہے:

شرطھا کون الربح بینھما شائعا فلو عین قدرا فسدت وکون نصیب کل منھما معلوما عند العقد [1]۔	مضاربت میں نفع غیر معین مقدار ہونا شرط ہے اور اگر کوئی معین مقدار طے ہوئی تو مضاربت فاسد ہوگی اور عقد کے وقت دونوں کا حصہ معلوم بھی شرط ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

دفع الی غیرہ الف درہم مضاربۃ علی مثل ما شرط فلان لفلان من الربح فان عَلِمَ رب المال والمضارب بما شرط فلان لفلان من الربح تجوز المضاربۃ وان لم یعلما لاتجوز وکذا اذا علم احدھما وجھل الاخر ھٰکذا فی المحیط، ولو دفع الیہ مضاربۃ علی ان یعطی المضارب رب المال ماشاء من الربح فھذہ مضاربۃ فاسدۃ کذا فی المبسوط [2]۔	کسی نے دوسرے کو ہزار درہم مضاربت کے طور پر دیا کہ جیسے جیسے فلاں فلاں نے آپس میں نفع شرط کیا اس شرط کے مطابق یہ عقد ہے تو اگر رب المال اور مضارب دونوں کو ان کی شرط معلوم تھی تو یہ مضاربت جائز ہوگی اور ان کو فلاں فلاں کی شرط معلوم نہ تھی تو جائز نہ ہوگی اور یونہی اگر ایک کو وہ شرط معلوم تھی اور دوسرے کو معلوم نہ تھی۔ محیط میں یوں ہے اور اگر دوسرے کو مضاربت کے لئے اس شرط پر مال دیا کہ مضارب جو چاہے نفع میں سے رب المال کو دے تو یہ مضاربت فاسد ہوگی جیسا کہ مبسوط میں ہے۔(ت)

مضارب جہاں مناسب جانے مال لے جاسکتا ہے اس میں اذن رب المال کی حاجت نہیں جبکہ رب المال اسے مقید نہ کردے۔ ہاں مقید کردے گا کہ اسی شہر یا خاص فلاں شہر ہی میں خرید وفروخت کرو یا صرف فلاں موسم میں یا خاص فلاں شخص یا اشخاص سے، یا خاص فلاں مال کی تجارت کرو تو مضارب اس کے اتباع کا پابند ہوجائیگا مخالفت کرے گا تو تاوان دے گا اگرچہ رب المال نے عقد مضاربت کے بعد یہ تقییدات کردی ہو۔ جب تک روپیہ بدستور باقی ہے ابھی مضارب نے اس سے مال نہ خریدا۔ خریداری کے بعد پھر رب المال مطلق ومقید نہیں کرسکتا۔ درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۶-۴۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۸۸

یملک المضارب فی المطلقة التی لم تقید بمکان او زمان اونوع(ای اوشخص ش)البیع بنقد ونسیئة متعارفة و الشراء والتوکیل بھما والسفر برا و بحرا لا تجاوز بلدا وسلعة اووقف اوشخص عینه المالك لان المضاربة تقبل التقیید المفید ولو بعد العقد مالم یصر المال عرضا لانه حینئذ لایملك عزله فلا یملك تخصیصه فان فعل ضمن بالمخالفة [1] اھ ملتقطا۔	مضاربہ مطلقہ جو کسی مکان، زمان، قسم (یا شخص ش) سے مقید نہ ہو تو اس میں مضارب کو ہر طرح بیع نقد، ادھار معروف اور خریدنے اور بیع وشراء میں وکیل بنانے اور بری و بحری سفر کرنے کا اختیار ہوگا اور اگر مالک نے علاقہ، سامان، وقف یا شخص کو معین کردیا تو مضارب اس پابندی سے تجاوز نہیں کرسکتا، کیونکہ مال کے سامان تجارت بننے سے قبل مضاربت مفید پابندی کے قابل ہے اگرچہ یہ پابندی عقد کے بعد لگائی ہو مگر مال جب سامان تجارت میں بدل جائے تو اس وقت پابندی موثر نہ ہوگی کیونکہ اس موقعہ پر مالک مضارب کو معزول کرنے کا اختیار نہیں رکھتا تو کسی تخصیص و پابندی کا مالک بھی نہ ہوگا۔ اگر مالک نے قیود کا پابند کیا ہو تو مضارب مخالفت کرنے پر مال کا ضامن ہوگا اھ ملتقطا (ت)

رب المال اگر مضارب کی رائے پر چھوڑ دے کہ جو مناسب جانے کرے تو ضرور اس کے بعض اختیارات وسیع ہوجائیں گے مثلا مطلق مضاربت میں اسے یہ اختیار نہ ہو تا کہ دوسرے کو اپنی طرف سے یہ مال مضاربت دے یا راس المال اپنے روپے میں ملالے اور جب رب المال نے یہ کہا کہ تیری رائے پر چھوڑا تو ان امور کا بھی مختار ہو جائیگا ہاں کسی کو روپیہ قرض دینا یا کسی سے قرض لینا اب بھی جائز نہ ہوگا جب کہ مالک صراحۃً اس کا اذن نہ دے۔ درمختار میں ہے:

لایملك المضاربة والشرکة والخلط بمال نفسه الا باذن او اِعۡمَل برایك اذ الشیئ لایتضمن مثله ولا الاقراض والا ستدانة وان قیل له اِعۡمَل برایك لانھما لیسا من صنیع التجار فلم یدخلا فی التعمیم مالم ینص المالك علیھما	مضارب مالک کی اجازت کے بغیر آگے مضاربہ، شرکت اور اپنے مال کے ساتھ خلط کرنے کا مالک نہ بنے گا۔ اجازت یا اپنی رائے سے عمل کر، کہہ دینے سے مالک بن سکے گا کیونکہ کوئی چیز اپنی مثل کو متضمن نہیں ہوتی اور اپنی رائے سے عمل کر۔ کہہ دینے کے باوجود مضارب قرض دینے

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۷

فیملکهما[1] (ملخصا)	اور ادھار دینے کا مجاز نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں عمل تجار کا طریقہ نہیں تو دی ہوئی تعمیم میں یہ چیزیں شامل نہ ہوں گی جب تک مالک ان دونوں کی تصریح نہ کردے۔ اگر ان کی تصریح کردی تو ان کا مجاز بنے گا (ملخصا)۔ (ت)

مضاربۃ صحیحہ میں جبکہ مضارب مال مضاربت لے کر بغرض مضاربت سفر کرے اگرچہ ایک ہی دن کا سفر ہو تو ایام سفر کا نفقہ، کھانا۔ پینا۔ پہننا، سواری، بچھونا، تکیہ، تیل، بتی، کپڑوں کی دھلائی، خط بنوائی، خدمت گزاری کی اُجرت، سواری کا دانہ، چارہ، سرا کی کوٹھری، چارپائی کا کرایہ، اور ان کے مثل ہر معمولی ودوامی حاجت حسب عادت تجار بقدر معروف مضارب پر ہوگی یہ خرچ مال پر ڈالا جائیگا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائے گا اور اگر نفع نہ ہوا تو یہ خرچ اصل مال پر پڑے گا اور مضارب اس کا کچھ عوض نہ دے گا۔ درمختار میں ہے:

واذا سافر ولو یومًا فطعامه وشرابه وکسوته ورکوبه ولو بکراء وکل مایحتاج فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر فنفقته فی ماله کدوائه علی الظاهر امااذا نوی الاقامة بمصر ولم یتخذه دارا فله النفقة ابن عــــه ملك ویاخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال ان کان ثمه ربح فلا شیئ علی المضارب[2] (ملخصا)	جب مضارب سفر کرے خواہ ایک دن کا ہو تو خوراک، شراب، لباس، سواری جب کرایہ کی ہو، اور تمام اخراجات جو تجار کی عادت معروفہ ہوں وہ سب مضاربت کے مال سے ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہو فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہو تو مضارب اجیر ہے نفقہ کا مستحق نہ ہوگا، اور اگر وہاں شہر میں ہی کام کیا تو اپنے مال سے نفقہ برداشت کریگا جیسا کہ علاج کی صوت میں ظاہر قول کی بناء پر خود کرے گا۔ اور سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت کی نیت کی لیکن مستقل وطن نہ بنایا تب بھی نفقہ مضاربہ پر ہوگا (ابن ملک) اور اگر مضاربت میں نفع حاصل ہوا اور مضارب نے راس المال (اصل مال) سے نفقہ کیا تو مالک اتنا خرچہ نفع سے وصول کرلے گا تو مضارب کے ذمہ کچھ نہ آئے گا۔ ملخصا (ت)

عــــه: لعل المراد منه عبداللطیف ابن عبدالعزیز الشهیر بابن ملک۔

[1] درمختار کتاب المضاربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۷

[2] درمختار فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۰

مگر بقدر معروف کی قید لگی ہوئی ہے روٹی سالن معروف تھا تو پلاؤ زردہ کی اجازت نہیں۔ٹوپی کی عادت ہے عمامہ نہیں لے سکتا ایک آنہ کی ٹوپی معتاد ہے دو آنہ کی نہ لے گا۔ فصل کے میوے، برف کی قلفیاں، مٹھائی کے دونے، سوڈے کی بوتلیں، یہ اپنی جیب خاص سے کھائے پیئے، مال مضاربت پر حوائج ڈالتے ہیں یہ حوائج نہیں۔اسی طرح کنگھی، سُرمہ، پھلیل، دوامال مضاربت سے نہ کرے گا۔عالمگیری میں ہے:

النفقة ھی مایصرف الی الحاجة الراتبة وھی الطعام والشراب والکسوة وفراش ینام علیه والرکوب و علف دابته،محیط السرخسی،وغسل ثیابه والدھن فی موضع یحتاج الیه واجرة الحمام والحلاق وانما یطلق فی جمیع ذٰلك بالمعروف حتی یضمن الفضل ان جاوزہ ھکذا فی الکافی،وروی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه سئل عن اللحم فقال کما کان یاکل، ذخیرة،واما الدواء والحجامة والکحل ونحو ذٰلك فی ماله خاصة دون مال المضاربة،ولو استاجرا جیرا یخدمه فی سفرہ احتسب بذٰلك علی المضاربة، مبسوط[1]،والله تعالٰی اعلم۔	نفقہ وہ عام حاجت کے مصارف ہیں اور وہ کھانا،پینا،لباس، بستر زیر استعمال، سواری، جانور کی خوراک ہے، محیط سرخسی، اور کپڑوں کی دھلائی، ضرورت کے مقام پر تیل، حجام کی اُجرت ان تمام امور کی معروف اجازت ہوگی حتی کہ اگر معروف مقدار سے زائد خرچ کیا تو ضامن ہوگا کافی میں یوں ہے،اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ان سے خوراک میں گوشت کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں جو کھانے کی اسے عادت ہو،ذخیرہ، لیکن ذاتی دوائی، سینگی لگانے اور سُرمہ وغیرہ جیسی چیزیں مضارب کے اپنے ذاتی مال سے ہونگی مضاربت سے نہ ہونگی،اور اگر سفر کے دوران خدمت کے لئے اجیر کرایہ پر رکھا تو یہ مضاربت کے حساب سے ہوگا، مبسوط،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴: از موضع سابق

جواب کی بعض عبارات کی تشریح مطلوب ہے:

(۱) جبکہ مضارب کو اختیار دے دیا کہ جہاں چاہے کام کر،اور اس نے شہر ہی میں فروخت کرنا شروع کیا اور مضارب فقیر ہے یعنی اپنے پاس سے خرچ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں اس کا نفقہ رب المال

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۱۲۔۳۱۳

کے ذمہ ہوگا یا نہیں **قال** یہ خرچ مال پر ڈالا جائے گا جو اسے مجرا دے کر بچا وہ نفع سمجھا جائیگا اقول اس کی دو صورتیں اس وقت خیال میں آتی ہیں ایک یہ کہ رب المال نے ایک مجمل رقم مضارب کو دی تھی اس نے اس میں سے اکثر کا مال خریدا اور قلیل اپنے خرچ کے واسطے رکھ لی، جب یہ خرچ ہو گئی مال کی آمدنی میں سے صرف میں لایا، دوسرے یہ کہ رب المال نے ایک رقم معین مال خریدنے کے واسطے دی، مضارب نے اس سب کا مال خریدا اور سفر خرچ وغیرہ اپنے گھر سے کیا۔ ان دو صورتوں میں تو بیشک مضارب مصارف مجرا کرکے نفع کی تقسیم کرے۔ تیسری صورت یہ کہ رب المال نے ایک رقم خاص واسطے خرید اموال کے معین کردی اور ایک رقم خاص واسطے نفع وسفر خرچ وغیرہ کے دے دی تو اب یہ مصارف مال مضاربت پر کیوں پڑیں گے۔ بلکہ اس رقم صرف میں سے بعد خرچ کے جتنا بچ رہے گا وہ واپس دینا ہوگا ہاں اگر رقم سب صرف میں آگئی اور کچھ زائد خرچ کرنے کی ضرورت ہوئی تو اب جو کچھ خرچ ہو وہ مال مضاربت پر پڑے روپیہ بدستور رہنے کی صورت میں جیسے اختیار مطلق کو مقید کرسکتا ہے یوں ہی مقید کو مطلق بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟ افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔

الجواب:

(۱) جب تک اپنے وطن میں ہوگا نفقہ نہ پائے گا اگرچہ خرید و فروخت وکار مضاربت کرتا رہے اگرچہ رب المال دوسری جگہ کا ساکن ہو اور وہیں اس سے عقد مضاربت کیا ہو، اسے سفر خرچ دیا جاتا ہے اور یہ جب تک وطن میں ہے مسافر نہیں۔ اسی طرح اگر اس کے غیر وطن میں رب المال نے اسے روپیہ دیا یہ وہاں بطور مسافرت گیا ہوا تھا تو فی الحال جب تک اس شہر میں ہے نفقہ نہ پائے گا اگرچہ کار مضاربت انجام دے کہ اس بار اس کا یہ سفر مضاربت کے لیے نہ تھا بلکہ قبل عقد مضاربت تھا، ہاں جب وہاں سے چلا جائے گا اور پھر بغرض مضاربت وہاں آئے گا تو سفر خرچ پائے گا کہ اب یہ سفر بغرض مضاربت ہے۔ بخلاف وطن مضارب کہ اگر جائے مضاربت سے سفر ہی کرکے خاص کار مضاربت ہی کے لئے اپنے وطن کو آئے جب تک وطن میں رہے گا نفقہ نہ ملے گا کہ وطن میں آدمی کسی طرح آئے مسافر نہیں رہ سکتا۔ بدائع ومحیط وفتاوٰی ظہیریہ وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

لو اخذ مالا بالکوفۃ وھو من اھل البصرۃ وکان قدم الکوفۃ مسافرا فلا نفقۃ لہ فی المال مادام فی الکوفۃ	اگر مضارب نے مالک سے کوفہ میں مال وصول کیا جبکہ مضارب بصرہ کا رہنے والا ہے وہ کوفہ میں بطور مسافر آیا تھا تو جب تک وہ کوفہ میں قیام پذیر رہے گا اس وقت تک مال مضاربت پر اس کا نفقہ نہ آئے گا

فاذاخرج منها مسافرا فله النفقة حتی یاتی البصرة لان خروجه لاجل المال ولاینفق من المال مادام بالبصرة لان البصرة وطن اصلی له فکانت اقامته فیه لاجل الوطن لا لاجل المال فاذا خرج من البصرة له وان ینفق ایضا ما اقام بالکوفة حتی یعود الی البصرة لان وطنه بالکوفة کان وطن اقامة یبطل بالسفر فاذا عاد الیها ولیس له بها وطن کانت اقامته فیها لاجل المال[1]۔	توجب وہاں سے سفر کرتے ہوئے نکلے گا تو بصرہ پہنچنے تک اس کا نفقہ ہوگا کیونکہ اس کا اب کوفہ سے نکلنا مضارب کے طور پر ہے اور پھر جب تک بصرہ میں رہے گا وہ خرچہ نہ پائے گا کیونکہ بصرہ اس کا وطن اصلی ہے تو یہاں اس کی اقامت وطن کی وجہ سے ہے مضاربت کے لئے نہیں۔ تواب اگر وہ بصرہ سے نکل کر کوفہ آیا تو واپس بصرہ پہنچنے تک نفقہ اس کا حق ہے کیونکہ پہلے کوفہ میں اس کا قیام وطن اقامت کے طور پر تھا تو وہاں سے سفر کرنے پر وہ وطن باطل ہوگیا تواب دوبارہ اس کا کوفہ آنا مضاربت کے لئے کیونکہ کوفہ اس کا وطن نہیں تو وہاں اس کا قیام صرف مال کے لئے ہے۔(ت)

(۲) مجمل رقم دینا بے معنی ہے مضاربت میں راس المال کا معلوم ہونا شرط ہے ورنہ عقد فاسد وگناہ ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

اما شرائطها الصحیحة فمنها ان یکون راس المال معلوما عند العقد حتی لایقعان فی المنازعة فی الثانی الخ[2]۔	مضاربت کے صحیح شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ عقد کے وقت راس المال کا معلوم ہونا ہے تاکہ بعد میں دونوں کا اختلاف نہ ہوالخ(ت)

(۳) مضارب اگر اپنے پاس سے خرچ کرے گا جب بھی مال مضاربت سے مجرا پائے گا مگر رب المال سے مجرا لینے کا حق نہیں رکھتا یہاں تک کہ اگر مال مضاربت تلف ہوجائے تو اس کا خرچ بھی گیا۔ رب المال سے اس کا مطالبہ نہ کرسکے گا۔ عالمگیری میں ہے:

ان انفق المضارب من مال نفسه اواستدان علی المضاربة	اگر مضارب نے اپنے ذاتی مال سے نفقہ لیا یا اس نے مضاربت کے معاملہ میں قرض لیا تو وہ اسے

[1] ردالمحتار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹۰

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب المضاربة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۸۶۔۲۸۵

رجع فی مال المضاربة بذٰلك ویبدأ براس المال ثم یثنی بالنفقة ثم یثلث بالربح وان هلك مال المضاربة لم یرجع علی رب المال بشیئ کذا فی الذخیرة[1]	مضاربت کے مال سے وصول کرے گا یہ مجرائی اولاراس المال سے پھر ثانیا نفقہ سے اور پھر ثالثا نفع سے ہوگی اور اگر مضاربت کا تمام مال ہلاک ہوجائے تو مضارب کچھ بھی رب المال سے وصول نہ کرسکے گا، ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

(۴) رقم خاص جو سفر خرچ کے لئے اسی عقد مضاربت کی بناء پر دی وہ مضاربت ہی میں شامل ہے، ہاں اگر جدا رقم دے کر تصریح کردی کہ میں تیرا سفر خرچ تبرعا اپنے پاس سے دیتاہوں، جو کچھ راس المال پر بڑھے گا وہ تمام وکمال نفع سمجھا جائے گا اور تواس سے جدا پائے گا تو یہ اس کا احسان ہے اسے اختیار ہے پھر اگروہ منع کردے تواس پر جبر نہیں مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ۔

(۵) مقید کو ہر وقت مطلق کرسکتاہے کہ منع رب المال ہی کے حق کے لئے تھا، صاحب حق کو اپنے حق سے در گزر کرنے کا اختیار ہے،

یاحق یاصاحب کل حق بغناك وفقرنا تجاوز عما لك من الحقوق علینا و بکرمك تحمل عنا ما لعبید فانك اکرم الاکرمین وصلی الله تعالٰی علٰی اکرم الخلق محمد واٰله الکرماء اجمعین اٰمین و الحمد لله رب العالمین، والله تعالٰی اعلم۔	یاذات حق، اے ہر حق کے مالک، اپنے غنا اور ہمارے فقر کے وسیلہ سے ہمارے ذمہ جو بھی تیرے حقوق ہیں معاف فرما، اور اپنے کرم کے ذریعہ اپنے بندوں کے حقوق کو ہم سے ختم فرما، کیونکہ تو تمام کریموں سے بڑا کریم ہے اور اللہ تعالٰی کی رحمتیں مخلوق کے بڑے کریم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی کرم والی سب آل پر، آمین، الحمد للہ رب العلمین، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: ازالہ آباد محلہ حمام حکیم سید قنبر علی صاحب ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے خالد کو جو کہ سوداگر ہے پانچ سو روپے بدیں معاہدہ قرض دیا کہ اس پانسو روپے سے خالد جو کاروبار تجارت مناسب جانے کرے اور جو منافعہ تجارت ہو اس میں سے صرف ایک آنہ فی روپیہ زید کو دے باقی کل رقم منافع خالد اپنے حق المحنت میں لے اور جو نقصان تجارت میں ہو اس میں بعد فہمید وحساب وکتاب زید صرف فی روپیہ کے حساب سے اصل میں مجرا دے گا، باقی کل تاوان خالد ادا کرے گا،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۱۳

ایسا معاہدہ داخل سود و ناجائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایسا معاہدہ بلاشبہ ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از پاٹن شمال گجرات مرسلہ عبدالقادر محمد فضل صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم نفع الانام بکم فی زید وعمرو اتفقا علی ان یتجرا بان یکون راس المال من زید وان یکون عمرو مضاربا وشرع عمرو فی العمل فانتخب التجارۃ بالربح اولا عقب الحساب بینھما اقتسما علی موجب شرطھما ثم اضاف ما نابہ من الربح علی مال زید واخذ فی اسباب التصرف وسار ینفق من مال الشرکۃ علی نفسہ ماکلہ ومشربہ وکسوتہ ویھب ویتصدق ویزور النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحج کل ذٰلک بغیر اذن شریکہ ولہ یظھر الربح بل لحق راس المال خسارۃ فھل یضمن عمرو ما انفق فی الوجوہ المذکورۃ حیث کان ذٰلک بغیر اذن الشریک یکون الضمان فی مالہ خاصۃ ام یکون دینا اذا بقی، افتونا ماجورین۔	آپ کا کیا ارشاد ہے (اللہ تعالٰی آپ کے ذریعہ مخلوق کو نفع دے) اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو نے تجارت کرنے پر بایں طور اتفاق کیا کہ اصل رقم زید کی ہوگی اور عمرو مضارب ہوگا، اور عمرو نے کام شروع کردیا تو اس نے تجارت میں نفع کمایا حساب کے بعد طے شدہ شرط کے مطابق دونوں نے نفع کو تسلیم کرلیا، پھر عمرو نے اپنے حاصل شدہ نفع کو زید کے مال (راس المال) میں شامل کردیا اور کاروباری ذرائع میں مشغول ہوگیا اور مشترکہ مال سے اپنے مصارف کھانے، پینے، لباس، ہبہ، صدقہ اور حج وزیارت پر صرف کیا اور یہ تمام اخراجات اپنے شریک کی اجازت کے بغیر کئے جبکہ نفع نہ ہوا بلکہ راس المال میں خسارہ ہوگیا، تو کیا مذکورہ مصارف پر اپنے شریک کی اجازت کے بغیر خرچ شدہ مال کا عمرو ضامن ہوگا اور یہ ضمان خاص عمرو کے اپنے مال سے ادا ہوگا یا بقایا ہونے کی صورت میں اس کے ذمہ دین ہوگا، اجر پاتے ہوئے ہمیں فتوٰی دیں۔ (ت)

الجواب:

کل ماانفق فی الھبات والصدقات والحج والزیارۃ الشریفۃ یحسب علیہ من مال	عمرو نے ہبہ، صدقہ، حج وزیارت پر جو کچھ صرف کیا وہ عمرو کے ذاتی مال سے شمار ہوگا اس میں سے

نفسه لاشیئ منه علی صاحبه وکذا ما انفق علی نفسه وهو مقیم بمصر المضاربة ای البلد الذی اخذ فیه المال مضاربة او بوطنه سواء کان مولده او اتخذه دارا،وکذا ماانفق فی الخروج الی موضع یغدوالیه ثم یروح ویبیت باهله وکذا جمیع النفقات علی الاطلاق ان کانت المضاربة فاسدة فانه لیس فیها للمضارب الاالاجر مثل عمله نعم اذا کانت صحیحة و خرج المضارب للتجارة الی حیث لایؤویه اللیل بمنزله وان قفل فنفقته بالمعروف طعامه وشرابه و لباسه وفراشه ورکوبه وخادمه ونفقة خادمه کل ذلك فی مال المضاربة حتی یؤب لاالزائد علی المعروف فانه مضمون علیه غیر ان عمرا اضاف الیه شیئا من مال نفسه فینقسم النفقات المعروفة علی کلا المالین بحسبهما فما اصاب مال المضاربة فذلك وما اصاب مال عمرو حسب علیه من مال نفسه وکل ماذکرنا انه یحسب علیه ان کفاه ماله فبها ومافضل وتعدی الی مال المضاربة یضمنه و هودین علیه یوخذ منه حیث لاربح،هذا کله اذا لم یخلط اوخلط و کان زید قال له ان اعمل فیه کما

کچھ بھی دوسرے ساتھی پر نہ ہوگا اور یونہی جو کچھ اس نے مضاربہ والے شہر یعنی جس شہر میں اس نے مضاربہ کا مال وصول کیا، یا اپنے وطن خواہ اس کا مولد ہو یا وہاں گھر بنالیا ہو، میں اپنی ذات پر خرچ کیا اور یونہی تمام اخراجات علی الاطلاق اگر مضاربہ فاسدہ ہو کیونکہ فساد کی صورت میں مضارب مثلی اجر کے بغیر کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا، ہاں جب مضاربہ صحیح ہو اور مضارب نے تجارت کی غرض سے ایسی جگہ سفر کیا جہاں سے وہ صبح وشام واپس اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا تو اس کا معروف نفقہ بطور خوراک ولباس، بستر، سواری، خادم، خادم کا نفقہ یہ سب مضاربت کے مال پر ہوگا حتی کہ واپس گھر پہنچ جائے، معروف سے زائد نفقہ نہ ہو کیونکہ زائد ہو تو اس پر اس کا ضمان لازم ہوگا، علاوہ ازیں عمرو نے اپنا مال چونکہ تجارت میں شامل کرلیا تو اب تمام معروف اخراجات دونوں مالوں پر علی الحساب منقسم ہوں گے جو مضاربت کے حصہ میں آیا وہ مضاربت پر اور اس کے اپنے مال کے حصہ آئے وہ اس پر ہوگا جو ہم نے ذکر کیا کہ حساب سے اخراجات اس کے مال پر، اگر اس کا مال ان اخراجات کو کفایت کرتا ہے فبہا ورنہ اخراجات زائد ہونے کی صورت میں جو مضاربت پر پڑے ہیں ان کا وہ ضامن ہوگا اور اس کے ذمہ وہ دین پر ہوں گے اور اس سے وصول کئے جائیں گے جبکہ نفع کا مال نہ ہو، یہ تمام بیان اس صورت میں ہے جبکہ اس نے اپنا ذاتی

تری اوکان الخلط هناك معروفا بین التجار اما اذا عری عن هذه الوجود ضمن مال زید تماما لانه استهلکه بالخلط بغیر اذن ولاعرف فعاد غاصبا بعد ماکان مضاربا فعلیه وضیعة وله ربحه ولایطهر له ربح مال المضاربة عندالامام ومحمد رضی الله تعالٰی عنهما فیتصدق به الا اذا اختلف الجنس فان الربح لایظهر الا عند اتحاده فی الدر المختار اذا سافر ولو یومًا (المراد ان لایمکنه المبیت فی منزله فان امکن ان یعود الیه فی لیلة فهو کالمصر لانفقة له بحر اھ شامی) فطعامه وشرابه وکسوته ورکوبه ولوبکراء وکل مایحتاجه فی عادة التجار بالمعروف فی مالها لو صحیحة لا فاسدة لانه اجیر فلا نفقة له وان عمل فی المصر سواء ولد فیه اواتخذه دار افنفقته فی ماله کدوائه. اما اذا نوی الا قامة بمصر ولم یتخذه دارافله	مال مضاربت کے مال میں خلط نہ کیا ہو یا اس نے خلط کردیا اور زید نے اسے کہہ رکھا تھا کہ اپنی رائے سے جو چاہو کرو یا وہاں تجار میں اس طرح خلط کرنا معروف ہے ورنہ اس کے بغیر خلط سے عمرو زید کے تمام مال کا ضامن ہوگا کیونکہ اجازت اور عرف کے بغیر خلط کرکے اس نے مضاربت کے مال کو ہلاک کردیا اور مضارب کی بجائے وہ غاصب بن گیا اب نفع ونقصان اس کا ہے اور مضاربت سے حاصل شدہ نفع اس کے لئے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک مال مضاربت کا نفع اس کے لئے پاک نہ ہوگا اور صدقہ کرے گا ہاں اگر نفع اور راس المال کی جنس مختلف تو پاک ہوگا، کیونکہ نفع اتحاد وجنس میں ظاہر ہوتا ہے۔ درمختار میں ہے جب مضارب سفر خواہ ایک دن کا کرے (اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا سفر ہو کہ واپس آکر رات گزارنا ممکن نہ ہو اگر رات گھر آنا ممکن ہو تو یہ اپنے شہر کی طرح ہوگا لہٰذا وہ نفقہ کا مستحق نہ ہوگا بحر، اھ شامی) تو کھانا، پینا، لباس سواری، اگر کرایہ کی ہو اور تجار میں معروف تمام اخراجات مضاربت پر ہوں گے بشرطیکہ مضاربت صحیح ہوگا فاسد نہ ہو کیونکہ فاسد ہونے کی صورت میں مضارب اجیر بن جاتا ہے اس کا نفقہ نہیں اور اگر اس نے اپنے وطن جس میں پیدا ہوا یا جس کو اس نے گھر بنالیا وہاں کے اخراجات اس کے اپنے مال سے ہوں گے جیسا کہ علاج معالجہ ذاتی ہوتا ہے، اگر سفر کے دوران کسی شہر میں اقامت

النفقة مالم یاخذ مالا(یعنی اما اذا کان قد اخذ مال المضاربة فی ذلك المصر فلا نفقة له مادام فیه ولا یخفی مافیه من الایجاز الملحق بالغاز اھ شامی. **اقول:** مثله لیس من الایجاز فی شیئ بل وقع من القلم اقتصار امخلا)ولو سافر بماله ومالها اوخلط باذن انفق بالحصة واذاقدم رد مابقی"مجمع" ویضمن الزائد علی المعروف.ویأخذ المالك قدر ما انفقه المضارب من راس المال(متعلق بانفق اھ ش) ان کان ثمة ربح فان استوفاه وفضل شیئ اقتسماه علی الشرط لان ما انفقه یجعل کالهالك والهالك یصرف الی الربح وان لم یظهر ربح فلا شیئ علی المضارب اھ(باختصارین)[1] وفیه لایملك الخلط بمال نفسه الا باذن اواعمل برأیك[2] اھ(باختصار)۔قال ش وهذا اذا لم یغلب التعارف بین التجار فی مثله کما

کی نیت ہو اور وہاں گھر نہ بنایا ہو تو وہاں نفقہ کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس شہر میں اس نے مال مضاربت وصول نہ کیا ہو یعنی اس شہر میں اگر مال وصول کیا تو وہاں بھی نفقہ کا استحقاق نہ ہوگا جب تک وہاں رہے گا،اس کلام میں جو ایجاز ہے مخفی نہیں اھ شامی،**اقول:** میں کہتا ہوں ایسا کلام کسی طرح ایجاز نہیں بلکہ یہ مخل قسم کا اقتصار قلم سے صادر ہوا)اگر مضارب نے مضاربت کے مال اور اپنے مال سمیت سفر کیا اور رب المال کی اجازت سے خلط کیا ہو تو خرچہ حصہ کے مطابق ہوگا جب واپس پہنچے تو بقیہ نفقہ واپس کرے،مجمع اور معروف سے زائد خرچہ کا ضامن ہوگا اور راس المال سے زائد خرچہ کو رب المال وصول کرے گا(راس المال کا تعلق انفق سے ہے اھ شامی)اگر اس میں نفع ہو تو اور خرچہ اس سے پورا کرلینے کے بعد کچھ بچا تو دونوں شرط کے مطابق تسلیم کرلیں کیونکہ خرچ شدہ کو ہلاک شدہ قرار دیا جاتا ہے اور ہلاک شدہ کو نفع کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اگر وہاں نفع نہ ہو تو مضارب پر کوئی ذمہ نہیں اھ(باختصارین)اوراسی میں ہے کہ مضارب کو اپنے مال کے ساتھ خلط کا اختیار نہیں الایہ کہ اجازت صریح ہو یا کہا گیا ہو"اپنی رائے سے عمل کر"اھ(باختصار)۔شامی نے فرمایا یہ جب ہے کہ وہاں تجار کا غالب عرف ایسانہ ہو جیسا کہ

[1] درمختار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۰،ردالمحتار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۹۱۔۴۹۰

[2] درمختار کتاب المضاربة فصل فی المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۴۷

فی التاتارخانیۃ اھ[1] ثم ذکر عنھا ما اذا دفع الی رجل الفا بالنصف ثم الفا اخری کذلك فخلط المضارب المالین[2] وفصل صورھا واحکامھا وھی ستۃ عشروجھا قد بسطھا فی الھندیۃ عن المحیط باوضح لما عـــہ نا۔ اقول: واستخرجت لھا ضابطۃ ھی ان الخلط اذا وقع علی مال لہ فیہ اذن ولو عرفا او ربح فیہ خاصۃ اولا ربح فی شیئ من مالی المضاربۃ لم یضمنہ والا ضمن تمت الضابطۃ ای اذا وقع علی مالیس لہ فیہ اذن ولا ربح یختص بہ ولا عدم ربح یعمھما بان ربح فی المال الاخر خاصۃ اوفیھما معا فانہ یضمنہ فان کان کلا المالین علی الوجہ الاول لم یضمن شیئا منھما او علی الثانی ضمنھما معا او احدھما علی الاول و

تاتارخانیہ میں ہے اھ پھر علامہ شامی نے تاتارخانیہ سے نقل کرتے ہوئے کہا کہ ایک شخص نے کسی کو نصف نفع کی شرط پر ہزار بطور مضاربت دیا پھر ایک اور ہزار اسی شرط پر دیا تو مضارب نے ان دونوں مالوں کو خلط کردیا، یہاں انہوں نے صورتوں اور ان کے احکام کی تفصیل بیان کی اور یہ سولہ وجوہ ہیں جن کو ہندیہ نے محیط کے حوالے سے مبسوط طور پر بیان کیا اور ہمارے بیان کردہ سے زیادہ واضح ہے۔ **میں کہتا ہوں** میں نے اس کے لئے ایک ضابطہ بنایا ہے وہ یہ کہ اگر خلط اس مال میں کیا جس میں یہ اجازت تھی اگرچہ عرفا ہو یا خاص طور پر اس مال میں ہی نفع ہوا یا مضاربت کے دونوں مالوں میں کوئی نفع نہ ہو تو ضامن نہ ہوگا ورنہ ضامن ہوگا، ضابطہ مکمل ہوا ورنہ ضامن ہوگا کا مطلب یہ ہے کہ خلط ایسے مال میں کیا جس میں یہ اجازت نہ تھی اور نہ ہی اس مال سے مختص نفع تھا اور نہ ہی دونوں مالوں کو شامل نفع ہو بلکہ یوں ہو کہ دوسرے مال سے مختص نفع ہو یا دونوں کو شامل نفع ہو تو ضامن ہوگا، اور اگر دونوں مال پہلی وجہ والے یعنی عدم ضمان والی صورت پر تھے تو دونوں کا کوئی ضمان نہیں یا دونوں دوسری وجہ پر تھے تو دونوں کا ضامن ہوگا، یا ایک مال

عـــہ: فی الاصل ھکذا العلہ مما بیناہ۔

اصل میں اسی طرح ہے غالبا یہ لفظ مما بیناہ ہے (ت)

[1] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

[2] ردالمحتار کتاب المضاربۃ فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۸۵

الاخر علی الثانی لم یضمن الاول وضمن الاخر، ھذا اذا خلط احد مالی زید بالاخر فکیف اذا خلط بمال نفسه وفی البحر لیس له ان یخلط مال المضاربة بماله و لامال غیره الا ان یقول له اعمل برأیك[1] اھ، وقال بعد ثلثة اوراق انما لایضمن لان رب المال قال له اعمل برأیك فیملك الخلط بخلاف مااذا لم یقل فانه لایکون شریکا بل یضمن کالغاصب[2] اھ، وفی الھدایة مایفعله المضارب انواع، نوع لایملکه بمطلق العقد ویملکه اذا قال له اعمل برأیك مثل خلط مال المضاربة بماله اومال غیره[3] اھ(باختصار) و فیھا انتظم قوله اعمل برأیك الخلط فلا یضمنه[4] اھ (باختصار) وفی العنایة اعمل برأیك یتناول الخلط فصار شریکا	پہلی وجہ پر اور دوسرا دوسری وجہ پر تھا تو پہلے میں ضامن نہ ہوگا، دوسرے میں ضامن ہوگا، یہ تمام صورتیں زید کے دونوں مالوں کو آپس میں خلط کرنے میں ہیں تو مضارب کے اپنے ذاتی مال کو اس میں خلط کرنے سے کیونکر نہ ہوں، بحر میں ہے مضارب کو جائز نہیں کہ مضاربہ کے مال کو اپنے مال یا غیر کے مال سے خلط کرے الایہ کہ اس کو "جو چاہے کر" کہہ کر عام اجازت دی گئی ہو اھ، اور تین ورق کے بعد فرمایا کہ ضامن نہ ہوگا کیونکہ رب المال نے اسے کہہ کر رکھا ہے کہ "جو چاہے کر" تو وہ خلط کا مالک ہوگا بخلاف جب یہ نہ کہا تو پھر خلط سے شریک نہ بنے گا بلکہ غاصب کی طرح ضامن ہوگا، اھ، ہدایہ میں ہے کہ مضارب کی کارروائی مختلف اقسام پر ہے بعض وہ جن کا عقد کے مطلق ہونے سے مالک بن جاتا ہے اور بعض وہ کہ "جو چاہے کر" کہنے سے ان کا مالک بن جاتا ہے مثلا مضاربت کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرنا اھ، اور ہدایہ میں ہی ہے کہ مالک کا "جو چاہے کر" کہنا خلط کو شامل ہے لہذا ضامن نہ ہوگا اھ (ملخصا) اور عنایہ میں ہے "جو چاہے کر" خلط کو شامل ہے تو خلط کرنے پر شریک بن جائیگا

[1] بحر الرائق کتاب المضاربة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۶۵-۲۶۴

[2] بحر الرائق کتاب المضاربة باب المضارب یضارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۷۱

[3] الھدایة کتاب المضاربة فصل فیما یفعله المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۵

[4] الھدایة کتاب المضاربة فصل فیما یفعله المضارب مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۶۸

فلم یکن غاصبا فلا یضمن [1] اھ(ملخصا)وثمہ قال فی الخانیۃ لیس لہ ان یخلط مال المضاربۃ بمالہ او مال غیرہ و لوکان رب المال قال لہ اعمل فیہ برأیك کان لہ ان یخلط [2] اھ(ملخصا)وفیھا لو لم یقل اعمل برأیك الا ان معاملۃ التجار فی تلك البلاد ان المضاربین یخلطون المال و لاینھا ھم رب المال قالوا ان غلب التعارف بینھم فی مثلہ نرجو ان لایضمن وتکون المضاربۃ بینھما علی العرف [3] اھ۔وفیھا وفی وجیز الکردری واللفظ لھا۔رجل دفع الی غیرہ مالا مضاربۃ ثم ان المضارب شارك رجلا اخر بدراہم من غیر مال المضاربۃ ثم اشتری المضارب وشریکہ عصیرا من شرکتھما ثم جاء المضارب بدقیق من المضاربۃ فاتخذ منہ ومن العصیر فلا یج ؏ قال ان اتخذ الفلایج باذن	غاصب نہ ہوگا تو ضمان نہ دے گا اھ (ملخصا)اور خانیہ کے اسی مقام پر فرمایا مضارب کو اختیار نہیں کہ وہ مضاربہ کے مال کو اپنے یا غیر کے مال میں خلط کرے،اور اگر رب المال نے اسے "جو چاہے کر" کہہ دیا تھا تو اس کو خلط کا اختیار ہوگا اھ (ملخصا)اور اسی میں ہے اگر مالک نے "جو چاہے کر" نہ کہا ہو مگر اس علاقہ کے تجار کا معاملہ یوں ہے کہ مضاربت والے لوگ مال کو خلط کرتے ہیں اس کے باوجود رب المال لوگ ان پر اعتراض نہیں کرتے۔فقہاء کرام نے فرمایا اگر اس معاملہ میں عرف غالب ہوچکا ہے تو ہمیں امید ہے کہ مضارب ضامن نہ ہوگا اور عرف کے مطابق مضاربت دونوں میں باقی رہے گی اھ۔خانیہ اور وجیز کردری میں ہے جبکہ عبارت خانیہ کی ہے کہ ایک شخص نے کسی کو مضاربۃ پر مال دیا پھر مضارب نے دوسرے شخص کو اس کے کچھ دراہم لے کر شریک بنالیا جبکہ یہ دراہم مضاربۃ میں شامل نہیں کئے پھر مضارب اور اس کے ہم شریک نے اپنی شراکت کے مال سے جوس خریدا پھر مضارب مضاربت کے مال سے آٹا لایا اور آٹے اور جوس سے پیڑے بنائے توفقہاء کرام نے فرمایا اگر یہ پیڑے شریک کی اجازت

؏: الذی فی البزازیۃ فلاتج بالتاء

بزازیہ میں جو مذکور ہے وہ فلاتج (ت کے (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب المضاربۃ فصل فیما یفعلہ المضارب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷-۶۳۶

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷-۶۳۶

الشریك ینظر الی قیمة الدقیق قبل ان تتخذ منه الفؤلا یج والی قیمة العصیر فما اصاب حصة الدقیق فھو علی المضاربة	سے بنے تو پیڑے بنانے سے قبل آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا اور یوں جوس کی قیمت کا بھی اندازہ کیا جائے تو جتنا حصہ آٹے کا بنے وہ مضاربہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الفوقانیة وذکر فیھا مانصه اعطاہ الفا وقال اعمل برأیك ثم اشتری المضارب مع شریکه عصیرا علی الشرکة فاتخذ المضارب من دقیق المضاربة و العصیرا لمشترك فلا تج باذن الشریك فالفلا تج علی المضاربة وضمن المضارب لشریکه قیمة العصیر ما یخصه [1] الخ وکتبت علیه مانصه اقول ھذا سبق قلم وانما ھو حکم ماذا فعل باذن رب المال دون الشریك کما سیذکرہ بقوله وان یاذن رب المال لاالشریك فالفلاتج علی المضاربة ویضمن حصة العصیر لشریکه [2] الخ اما حکم ھٰذا فما ذکر فی الخانیة انه ینظر الی قیمة الدقیق الخ ۱۲ منه غفرله۔

ساتھ ہے اور انہوں نے جو ذکر کیا عبارت یہ ہے مالک نے مضارب کو ہزار دے کر کہا "جو چاہے کر" پھر مضارب نے اپنے شریک سے مل کر جوس خرید اشراکت کے طور پر، تو مضارب نے مضاربہ کا آٹا اور شراکت کا جوس ملا کر شریک کی اجازت سے پیڑے بنائے، تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور مضارب جوس کی قیمت کے برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، اور میں نے اس پر حاشیہ لکھا جس کی عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں یہ قلم کی سبقت ہے حالانکہ یہ حکم صرف اس صورت میں ہے جب مضارب نے یہ کارروائی رب المال کی اجازت اور شریک کی اجازت کے بغیر کی ہو جیسا کہ وہ خود اس کو قریب ہی ذکر کریں گے اپنے اس قول میں، کہ اگر رب المال نے اجازت دی اور شریک نے نہ دی تو پیڑے مضاربہ میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ میں برابر شریک کو ضمان دے گا الخ، لیکن اس مذکور صورت کا حکم وہ ہے جو خانیہ نے ذکر کیا ہے کہ آٹے کی قیمت کا اندازہ کیا جائے گا الخ ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۸۶

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۸۶

وما اصاب حصة العصير فهو بين المضارب وبين الشريك لكن هذا اذا كان رب المال قال له اعمل فيه برأيك فان لم يكن قال ذٰلك وفعل المضارب ذٰلك بغير اذن الشريك فالفلايج تكون للمضارب وهو ضامن مثل الدقيق لرب المال ومثل حصة الشريك من العصير للشريك فان كان رب المال اذن له فی ذٰلك والشريك لم يأذن فالفلايج تكون للمضاربة والمضارب ضامن حصة شريكه من العصير وان كان الشريك اذن له بذٰلك ورب المال لم يأذن له فالفلايج تكون بينه وبين الشريك وهو ضامن لرب المال مثل الدقيق [1] اھ فلا ادری مافيها من قوله المضارب اذا سافر بمال المضاربة ومال نفسه توزع النفقة علی المالين سواء خلط المالين اولم يخلط او قال له رب المال اعمل فيه برأيك اولم يقل له ذٰلك و السفر و مادون السفر فی ذلك سواء اذاكان لايبيت فی اهله [2] اھ لانه هذا حكم المضاربة واذاخلط بغير اذن ضمن، و الضمان والمضاربة

ہوگا جو حصہ جوس کا ہے وہ مضارب اور اس کے شریک کا ہوگا، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب رب المال نے مضارب کو "جو چاہے کر" کہا ہو اور اگر اس نے یہ نہ کہا ہو اور مضارب نے یہ کارروائی اس کی اجازت کے بغیر کی ہو تو اس صورت میں پیڑے مضارب کے ہوں گے اور وہ آٹے کی مثل رب المال کا ضامن ہوگا، اور جوس کے حصہ کا شریک کو ضمان دے گا اور اگر رب المال کی اجازت تھی اور شریک کی اجازت نہ تھی تو پیڑے مضاربت میں شمار ہوں گے اور جوس کے حصہ کے برابر شریک کو ضمان دے گا، اور اجازت کا معاملہ بالعکس ہو تو پیڑے مضارب اور اس کے شریک کے ہوں گے اور آٹے برابر رب المال کو ضمان دیگا اھ، اور خانیہ میں جو یہ ہے کہ مضارب جب مضاربۃ اور ذاتی مال کے ہمراہ سفر کرے گا تو نفقہ دونوں مالوں پر منقسم ہوگا خواہ دونوں مالوں کو خلط کیا یا نہ کیا، رب المال نے اس کو "جو چاہے کر" کہا ہو یا نہ کہا ہو، حد سفر ہو یا کم ہو جب وہ رات کو واپس گھر نہ لوٹ سکتا ہو، الخ۔ یہ میری سمجھ سے بالا ہے کیونکہ یہ حکم تو مضاربت کا ہے حالانکہ اگر رب المال کی اجازت کے بغیر خلط کیا ہو تو ضامن ہوتا ہے جبکہ ضمان اور مضاربت اپنے حال

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب المضاربۃ فصل فیما یجوز للمضارب نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۳۸

لایجتمعان کما فی البزازیة[1] من نوع فی ھلاك مالھا فلیحرر وبقیة الاحکام واضحة دائرة فی الکتب کالخیریة والھندیة وغیرھما وذکرت غیر مرة فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پر جمع نہیں ہو سکتے جیسا کہ بزازیہ میں مضاربت کے مال کی ہلاکت کی نوعیت کے بیان میں ہے، اس کی تحقیق ہونی چاہئے، اور باقی احکام واضح ہیں اور کتب فقہ خیریہ، ہندیہ وغیرہما میں مذکور ہیں اور متعدد بار میں نے ان کو اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: از بازار جام تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مسئولہ محمد سعید صاحب ۱۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شرکت کرنا اس طرح سے روزگار میں کہ زید نے عمرو کو سو روپے دئے اور کہا کہ اس سے جو چاہو روزگار، جو چاہو کر، یا فلاں، لیکن مجھ کو دس ۱۰ روپے تم فیصدی دینا، یا یوں کہا کہ جو تیری طبیعت میں آئے وہ دینا یا آنہ روپیہ کا نفع تعین کردیا، آیا عمرو کو بیشی ہو کہ کمی، خالد کہتا ہے کہ تعین کرنا سود ہے۔ **فقط**

الجواب:

یہ کہ جو طبیعت میں آئے دینا، ناجائز ہے کہ تعین نہ ہوا اور یہ کہ دس فیصدی یا آنہ روپیہ دینا، اگر اس سے مراد ہے کہ جتنے روپے اس کو تجارت کے لئے دئے ہیں ان پر فیصدی دس یا فی روپیہ ایک آنہ مانگتا ہے تو حرام قطعی اور سود ہے اور اگر یہ مراد کہ جو نفع ہو اس میں سے سواں یا سولھواں حصہ دینا، تو یہ حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب المضاربۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۸۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الامانات

(امانت کا بیان)

مسئلہ ۲۸: ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یعقوب خاں کے مبلغ چھ ۶ روپے نیاز احمد کے ذمہ عرصہ کے چاہئے تھے، نیاز احمد کے پاس یعقوب خاں نے مبلغ بیس روپے دیکھ کر مبلغ چھ روپے اپنے لے لئے، نیاز احمد نے کہا کہ یہ روپے میرے نہیں ہیں عنایت اللہ کے ہیں، یہ کہنا نیاز احمد کا یعقوب خاں نے کچھ نہ سنا، روپے اپنے لے لئے، پھر عنایت اللہ یعقوب خان کے پاس آئے کہ روپے میرے تھے واپس کردو، یعقوب خان نے جواب دیا کہ میں نے نیاز احمد سے روپے لئے ہیں تم نیاز احمد سے طلب کرو مجھ سے کیا واسطہ، پس موافق شرع شریف کے یعقوب خاں کو روپے لینا جائز ہوئے یا نہیں اور عنایت اللہ اپنے روپے کا نیاز احمد سے تقاضا کرے یا یعقوب خان سے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر یعقوب خاں کو معلوم تھا یا ثابت ہوگیا تھا کہ فی الواقع یہ روپے نیاز احمد کے نہیں دوسرے شخص کے ہیں، تو لینا ناجائز وگناہ ہوا، ورنہ قبضہ دلیل ملک ہے، اور دائن جب مدیون کا مال اپنے حق کی جنس سے پائے اور وہ دین از قبیل قرض یا معجّل یا اجل گزشتہ ہو تو ہر طرح لے لینے کا اختیار رکھتا ہے۔

وذالك بالاجماع وانما النزاع فی خلاف الجنس کما فی الدر المختار[1] وغیرہ۔	یہ بالاجماع ہے اور اختلاف صرف جنس کے خلاف میں ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

رہا عنایت اللہ کا مطالبہ، اگر نیاز احمد نے یعقوب خاں کو خود روپے نہ دئے بلکہ یعقوب خاں نے بالجبر چھین لئے تو نیاز احمد سے مطالبہ نہیں یعقوب خان سے ہے فانه امین ولا ضمان علی الامین الا بالتعدی ولا تعدی من المقھور المغلوب (کیونکہ یہ امین ہے اور امین پر ضمان نہیں ہوتا ماسوائے تعدی کے جبکہ مجبور و مغلوب تعدی کرنے والا نہیں ہوتا۔ت) اور اگر یعقوب خاں کے مانگنے پر یا زبانی اصرار پر دے دئے اگرچہ کتناہی اصرار کیا ہو یا یعقوب خاں نے چھیننے چاہے یہ اگر چاہتا تو بچالیتا مگر نہ بچائے بلکہ دے دئے تو نیاز احمد و یعقوب خاں دونوں ضامن ہیں عنایت اللہ جس سے چاہے مطالبہ کرے فان الثانی غاصب بالاخذ والاول بالدفع وترك الحفظ (کیونکہ دوسرا لینے کی بناء پر غاصب اور پہلو دینے اور حفاظت نہ کرنے پر۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

ماقولکم دام فضلکم ایھا العلماء العظام والفقھاء الکرام زادکم اللہ تعالٰی تعظیما و تکریما لدیہ (اے علماء کرام اور فقہاء عظام! اللہ تعالٰی آپ کو اپنے دربار میں زیادہ تعظیم و تکریم دے، آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس صورت میں کہ مثلاً "زید کو ہندہ نے پانچ گنی فروخت کرنے کو دیں، زید نے وہ گنی لے کر اپنے پیسے کی تھیلی میں کہ چہار آنیاں اور دوآنیاں جس میں رکھی تھیں کپڑے میں باندھ کر رکھ دئے اور ہنوز ان گنیوں کو فروخت کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید مذکور کہتا ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دینے کو تھیلی مذکور میں نے صندوق سے نکال کر بالکل خالی کردی اور اُلٹ دی اور شخص مذکور کو روپیہ دے کر اس خالی تھیلی کو اسی صندوق میں ڈال دیا اور صندوق کو بند کرکے میں دوسرے کام میں مشغول ہوگیا اور ان گنیوں کا میں نے کچھ خیال نہ کیا، اور میں باہر صندوق کے ان کو بھول گیا۔ جب بعد چند روز کے ہندہ مجھ سے وہ گنیاں یا اس کے روپے طلب کرنے کو آئی تو میں نے تلاش گنیوں کی کی لیکن اب وہ گنیاں مجھے نہیں پاتی ہیں، اور مجھے نہیں یاد ہے کہ وہ گنیاں باہر رہ گئیں یا اور کوئی اٹھا لے گیا یا میرے کم خیالی سے اس روپیہ طلب کرنے والے کو دے دی، یہ مقولہ زید مذکور وکیل کا ہے، لہٰذا صورت مذکورہ مسئولۃ الصدر میں گنیاں مؤکلہ ہندہ مذکورہ کی جائینگی یا وکیل زید مذکور کے ذمہ ضمانت دینی لازم آئے گی، بینوا بیانا شافیا توجروا اجرکم اللہ اجرا وافیا (شافی بیان فرماؤ، اپنا اجر کامل اللہ تعالٰی سے پاؤ۔ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۵

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید پر ضمان لازم ہے کہ ضائع ہونا اس کی تقصیر سے ہے،

فی الهندیة رجل دفع الی دلال ثوبا لیبیعه ثم قال الدلال نسیت ولا ادری فی ای حانوت وضعت یکون ضامنا کذا فی فتاوٰی قاضیخان ولو قال وضعت بین یدی فی داری ثم قمت ونسیتها فضاعت ینظر ان کانت الودیعة مالا یحفظ فی عرصة الدار ولا تعد حرزاله کصرة الدراهم و الذهب ونحوهما یضمن والا فلا کذا فی محیط السرخسی [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ہے ایک شخص نے دلال کو فروخت کرنے کے لئے کپڑا دیا بعد میں دلال نے کہہ دیا کہ میں بھول گیا مجھے یاد نہیں کہ میں نے وہ کپڑا کس دکان میں رکھا ہے تو دلال ضامن ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے، اور اگر دلال نے یوں کہا کہ میں نے کپڑا اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھا پھر میں چلا گیا اور بھول گیا تو ضائع ہوگیا تو غور کیا جائے گا کہ وہ امانت ایسی ہے جس کی حفاظت کہا جاسکتا ہے، مثلا دراہم کی تھیلی اور سونے اور اس کی مثل چیز، تو ضامن ہوگا ورنہ نہیں، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے، اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۰: از کمپ بریلی لال کرتی مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک نوٹ بکر کو اس غرض سے دیا کہ اس کا روپیہ اپنے آقا کی دکان سے لے کر بھیج دینا اور بکر سے کوئی اُجرت کسی قسم کی نہیں ٹھہری تھی اور وہ نوٹ راستہ میں گر کر گم گیا ہے تو روپیہ اس کا بکر کے ذمہ ہوگا یا نہیں؟ اور نیز آقا سے اس کا تعلق ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

آقا سے اس کا کچھ تعلق نہیں، نہ بکر پر تاوان آسکتا ہے جبکہ اس نے اپنی بے احتیاطی سے نہ گمایا ہو **کما هو معلوم من حکم الامین** (جیسا کہ امین کے حکم سے معلوم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: مسئولہ کرامت خاں بریلی غرہ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زید سے کچھ زیور عاریت لئے اور وہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الودیعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۳۔۳۴۲

زیورات گم ہوگئے اب وہ اس کے بدلے میں بخوشی نیا زیور بنادینا چاہتے ہیں۔ وہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ وہ زیور بغیر اس شخص کے تقصیر کے گم ہوگئے تو اس کے بدلے میں اس سے کچھ لینا ہی ناجائز و تاوان ہے اور ناجائز بات میں کسی کی خوشی وناخوشی کو دخل نہیں۔ بہت لوگ سود بخوشی دیتے ہیں، پھر کیا اس کا لینا حلال ہوجائے گا۔

"اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾"[1] "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]	کیا جھوٹ اور گناہ سے لیتے ہو، آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ (ت)

لہٰذا علماء فرماتے ہیں اگر باہم شرط اقرار پائی ہو کہ جاتا رہا تو تاوان دیں گے تو یہ شرط بھی مردود و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

لاتضمن بالهلاك من غير تعد وشرط الضمان باطل[3] والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	تعدی کے بغیر ہلاک پر ضامن نہ ہوں گے اور ضمان کی شرط باطل ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۲: ۲۷ محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ کسی شخص نے کسی شخص کو کہا کہ تم مجھ کو پچاس روپیہ کی ہُنڈی منگادو، انہوں نے اقرار کیا کہ میں منگادوں گا، اس نے جاکر ان کے ملازم کو پچاس روپیہ دے دیا، ان کے ملازم نے یہ کہا کہ ہنڈی اس وقت نہیں ملی صبح کو لادوں گا، اس نے کہا کہ اچھا روپیہ تمھارے پاس رہے، اس نے کہا کہ میں نہیں رکھ سکتا ہوں کیونکہ دکان کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نہیں لے سکتا ہوں کیونکہ میں جن کے واسطے ہُنڈی منگاتا ہوں ان کا نام دفتر میں لکھ چکا۔ اس نے یعنی ملازم نے جاکر اپنے مالک کو روپیہ سپرد کردیا کہ میں صبح کہ ہنڈی لادوں گا مالک نے اپنے روپیہ کی صندوقچی میں وہ روپیہ رکھ دیا اور اس صندوقچی کو کھلا چھوڑ کر دکان بند کرکے چلا گیا۔ رات دکان قفل بے شکستہ کھلا پایا اور روپیہ جاتا رہا اور کسی چیز میں نقصان نہیں پہنچا اور رات کو

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

پہرہ والا پھرتا تھا انہوں نے دیکھا کہ دکان کا قفل کھلا ہوا ہے، اس نے چوکیدار سے دریافت کیا کہ اس دکان کا مالک کون ہے اور اس کا گھر کہاں پر ہے۔ ان کا گھر دور ہونے کی وجہ سے چوکیدار نے ملازم کا گھر بتادیا پہرہ والا نے ملازم سے کہا کہ تمھاری دکان کا قفل کھلا ہے، اس نے کہا کہ میں تو دکان بند کرکے آیا تھا۔ غرض کہ وہ ملازم پہرہ والا کے ساتھ آیا اور پہرہ والا نے پوچھا کہ کچھ مال وغیرہ تو نہیں گیا۔ پھر اس نے دکان بند کرنا چاہا، پہرہ والا نے منع کیا کہ جب تک کوتوالی میں یہ احوال نہ لکھالو بند نہ کرو، اس نے کوتوالی میں بھی لکھوادیا کہ دکان بے نقصان کھلا ہوا پایا اور صبح انہوں نے کہا کہ روپیہ جاتا رہا اور اکثر دکان کا ایسا اتفاق ہوا کہ دکان بند رہا روپیہ جاتا رہا اور اسی روز کی صبح کو مالک دکان نے دو ۲ ملازموں کو موقوف کیا، ایک ان میں روپیہ لے جانے والا تھا اور دوسرا اور کوئی تھا، بعد اس کے ہُنڈی کے روپیہ والے کو نہ ملازم نے اطلاع دی نہ مالک نے، کوئی بیس روز کے عرصہ کے بعد یہ عذر پیش کیا کہ روپیہ جاتا رہا اب اس صورت پر ازروئے شرع شریف کے روپیہ اس سے لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ روپیہ ملازم پر عائد ہوتا ہے اس سے تاوان لیا جاسکتا ہے کہ جب اس نے اس شب صراحۃً کہا کہ کچھ نہیں گیا تو یہ اقرار ہوا کہ زرِ امانت موجود ہے پھر بعد کو یہ دعوٰی کہ اس وقت روپیہ جاچکا تھا اگلے قول کا صریح خلاف ہے جو ہرگز مسموع نہ ہوگا۔ اور اگر اس کے بعد جانے کا دعوٰی کرے جب بھی اس پر تاوان لازم ہے کہ جب زرِ امانت اس وقت تک موجود تھا رات کے وقت ایسی حالت میں کہ بازار بند ہے، کھلی دکان چھوڑ کر کوتوالی کو چلا جانا حفاظت میں تقصیر ہے، ہاں اگر اس کا یہ بیان ہو کہ اس وقت تک روپیہ نہ گیا تھا اور وہ جب کوتوالی لکھوانے کے لئے گیا تو دکان کا مالک یا اور کوئی محافظ جو اس کا اور ملازم کا اجنبی نہ ہو بیٹھا رہا حفاظت کرتا رہا پھر اس نے دکان بند کردی اور اس کے بعد صبح تک میں کسی وقت جاتا رہا تو تاوان نہ آتا۔

فی الهندیة عن الفصول العمادیة اذا طلب الودیعة فقال اطلبها غدا ثم قال فی الغد ضاعت فانه یسئل ان قال ضاعت قبل قوله اطلبها غدا یضمن وان قال ضاعت بعده	ہندیہ میں فصول العمادیۃ کے حوالہ سے ہے جب مالک نے اپنی امانت طلب کی تو رکھنے والے نے کہا کل لینا، پھر کل کو کہا وہ ضائع ہوگئی ہے تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کب وہ ضائع ہوگئی ہے، اگر کہے میرے جواب کا کل لے جانا سے پہلے ضائع ہوئی تو ضامن

لا للتناقض فی الاول دون الثانی [1]۔وفیھا من التتارخانیة قال لفلان عندی الف درہم ودیعة ثم قال بعد ذلك قد ضاعت قبل اقراری فھو ضامن ولو قال کانت له عندی الف درہم وضاع فالقول قوله ولاضمان [2]۔وفی العقود الدریة عن الخلاصة والبزازیة یلزمه الضمان للتناقض لان قوله اطلبھا غدا اقرار منه انھا ماضاعت فاذا قال ضاعت کان تناقضا [3]۔وفی الھندیة عن الخانیة اذا سرقت الودیعة من دار المودع وباب الدار مفتوح والمودع غائب عن الدار قال محمد بن سلمة رحمه اللہ تعالٰی کان ضامنا وقال ابونصر رحمه اللہ تعالٰی اذا لم یکن اغلق الباب فسرق منه الودیعة لایضمن یعنی اذا کان فی الدار حافظ [4]۔وفیھا عن التاتارخانیة عن النھایة استحفظ المودع الودیعة فی بیته بغیرہ بأن ترك الودیعة والغیر فی بیته وخرج ھو بنفسه ضمن اھ [5]	ہوگا،اور اگر کہے اس سے بعد ضائع ہوئی تو ضامن نہ ہوگا کیونکہ پہلی صورت میں تناقض ہے اور دوسری صورت میں نہیں ہے اور اسی میں تاتارخانیہ سے ہے کہ اس نے کہا میرے پاس فلاں کے ہزار درہم امانت ہیں پھر اس کے بعد کہتا ہے وہ ضائع ہوگئے اور میرے اقرار سے قبل ضائع ہوئے تو وہ ضامن ہوگا اور اگر یوں کہا کہ فلاں کے میرے پاس ہزار امانت تھے جو ضائع ہوگئے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور ضمان نہ ہوگا،عقود الدریہ میں خلاصہ اور بزازیہ سے منقول ہے کہ تناقض کی صورت میں ضمان ہوگا کیونکہ اس کا کہنا مجھ سے کل لے لینا،یہ ضائع نہ ہونے کا اقرار ہے تو اب کہنا ضائع ہوگئے،دونوں باتوں میں تناقص ہے،اور ہندیۃ میں خانیہ سے منقول ہے کہ جب مودع (جس کے پاس امانت رکھی) کے گھر سے امانت چوری ہوگئی درانحالیکہ دروازہ کُھلا رہا اور مودع غائب تھا تو محمد بن سلمہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول یہ ہے کہ وہ ضامن ہوگا اور ابونصر رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب دروازہ کھلا رہتا ہو تو چوری ہونے پر ضامن نہ ہوگا،یعنی اس صورت میں کہ گھر پر محافظ موجود رہتا ہو،اور اسی میں تاتارخانیہ سے بحوالہ

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۵۲
[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۵۶
[3] العقود الدریة کتاب الودیعة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۷۴
[4] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۴۴
[5] فتاوٰی ہندیة کتاب الودیعة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۴۱

واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	نہایہ منقول ہے کہ گھر میں امانت کی حفاظت کے لئے دوسرے کو مقرر کیا اور پھر امانت اس کے سپرد کرکے خود چلاگیا تو ضامن ہوگا اھ ،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۳۳: ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بتقریب نیاز جناب پیران پیر غوث الاعظم دستگیر علیہ السلام عمرو سے دیگ کرایہ پر لی۔ وہ دیگ اسی شب کو زید کے مکان سے چوری ہوگئی، اب عمرو اس کی قیمت مانگتا ہے، بموجب حکم شرع شریف زید کو اس کی قیمت واجب الادا ہے یا نہیں؟ زید نے چوری جانے کے دیگ کی اطلاع سرکار میں کردی اور اس کی تحقیقات بھی ہوئی لیکن ابھی تک دیگ نہیں ملی، فقط

الجواب:

اگر زید نے دیگ حفاظت کے مکان میں رکھی ہے جہاں وہ اپنے برتن وغیرہ رکھتا ہے تو اس پر الزام نہیں اور اس سے تاوان لینا جرم ہے۔ ہاں اگر بے خیالی بے پروائی کی ہو غیر محفوظ مکان میں رکھی باہر چھوڑی ہو، تو اس صورت میں زید کو ضرور اس کی قیمت دینی آئے گی، اور "علیہ السلام" لفظ بالاستقلال حضرات انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے خاص ہے ان کے غیر کے لئے استقلالاً جائز نہیں۔ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: از بدایوں مسئولہ سید حسین علی صاحب بدایونی ۱۵ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ فقیر سید حسین کا جمع کیا ہوا پاس حاجی ذاکر علی صاحب کے موجود ہے جو بغرض اخراجات حج بیت اللہ شریف وبصورت بقائے حیات بنابر خورد ونوش بھائی مولوی سید اشفاق علی حقیقی چچا اہلیہ سید حسین مذکور بایں بیان جمع کیا گیا ہے کہ بھائی صاحب موصوف کو کسی قسم کی تاحیات تکلیف نہ ہو اگر ضرورت ہوگی تو میں سید حسین اور بھیجوں گا اور حسب بیان حاجی ذاکر علی صاحب کے سید حسین نے حاجی صاحب سے کہا کہ اگر خدانخواستہ سید اشفاق علی ممدوح کا انتقال ہوجائے اور زر مجتمعہ مذکور سے کچھ بچ رہے تو بچا ہوا روپیہ سید حسین مذکور کو دیا جائے، اس کے بعد سید اشفاق علی صاحب بہ ہمراہی حاجی ذاکر علی صاحب حج بیت اللہ شریف کو تشریف لے گئے اور تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب موصوف کے حاجی ذاکر علی صاحب اسی رقم مجتمعہ سے کرتے رہے بقضائے الٰہی بعد ادائے حج شریف

بتاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ بھائی سید اشفاق علی صاحب موصوف کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی تجہیز و تکفین وتدفین میں بھی جو کچھ صرف ہوا وہ بھی رقم مجتمعہ مذکور سے ہوا اس کے بعد حبہ حبہ اخراجات سید اشفاق علی صاحب مرحوم از یوم روانگی ہندوستان تا یوم تدفین سید اشفاق علی صاحب مجرا ہو کر پاس حاجی ذاکر علی صاحب حسب تحریر و بیان حاجی صاحب موصوف مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے باقی بچے وہ بھائی سید لیاقت علی صاحب نے واسطے دینے سید حسین مذکور کے حاجی صاحب موصوف سے طلب کیے، حاجی ذاکر علی صاحب نے فرمایا کہ یہ روپیہ مجھ کو سوائے سید حسین کسی کو نہیں دینا چاہئے وہ مجھ سے کہہ گئے ہیں سوائے میرے کسی کو نہ دیجئے گا میں ذاکر علی سوائے سید حسین مذکور کے کسی کو نہیں دوں گا، اس گفتگو میں کچھ طول ہوا کہ مولوی عزیز بخش صاحب بدایونی جنہوں نے بذریعہ ہجرت سکونت متصل مکہ معظّمہ میں کرلی ہے فرمایا جھگڑا مر گزمت کرو میں بھی بدایون کا رہنے والا ہوں اور اب یہاں رہتا ہوں بدایونی کی سخت ذلت ہوگی، نزاع تو صرف اس بات پر ہے کہ روپیہ سید حسین نے جمع کیا اور ان کو ملنا چاہئے سو آپ سید لیاقت علی صاحب اطمینان فرمائے، ابھی حاجی ذاکر علی صاحب کا مال فروخت نہیں ہوا جس وقت حاجی صاحب ممدوح کا مال فروخت ہوگیا میں عزیز بخش ذمہ دار ہوتا ہوں اور آپ سید لیاقت علی صاحب سے وعدہ کرتا ہوں کہ یہ مبلغ چار سو پچیس روپے دو آنے سید حسین مذکور کے نام سے دہلی والوں کی دکان پر جو یہاں ہے جمع کرادوں گا، ہندوستان میں یہ روپیہ سید حسین مذکور کو مل جائے گا، چنانچہ مطمئن ہو کر بھائی سید لیاقت علی صاحب مکہ معظّمہ سے بشوق دیدار روضہ مبارک حضور سرور کائنات علیہ الصلٰوۃ والتسلیمات روانہ مدینہ منورہ ہوگئے اور جو تحریر حضور والا کے پاس مرسلہ حاجی ذاکر علی صاحب موصوف معرفت حاجی عبدالرزاق صاحب آئی اس میں تحریر تھا کہ سید حسین مذکور کے جمع کیے ہوئے روپے میں سے بعد تمامی اخراجات سید اشفاق علی صاحب ذمہ حاجی ذاکر علی کے پاس (اماصہ عہ/۲) بچا ہے اور جمع ہے تحریر ہٰذا کی صداقت میں حاجی لیاقت علی شہادت دیتا ہوں کہ میں نے اپنا نام شروع تحریر میں بھی لکھ دیا ہے فقط راقم سید حسین قادری، دستخط گواہ بیان تحریر ہٰذا سید لیاقت علی ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

الجواب:

اگر بیان مذکور واقعی ہے تو اس روپیہ کا مستحق سوائے سید حسین کے کوئی نہیں ہے، وارثان سید اشفاق علی کا اس میں کچھ حق نہیں، حاجی ذاکر علی امین پر فرض ہے کہ بقیہ چار سو پچیس روپیہ دو آنہ تمام و کمال سید حسین کو ادا کرے، ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں یہ روپیہ سید حسین نے سید اشفاق علی کو قرض نہ دیا کہ بحال انتقال بقیہ کو واپسی کو کہا تھا۔ قرض ہوتا تو بہر حال تمام و کمال واپس ہونا لازم ہوتا

لاجرم یہ روپیہ ایک امر خیر میں اعانت کے لئے دیا جس طرح مصارف خیر کے چندے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وہ روپیہ ملک مالک پر رہتا ہے اور اس کی اجازت سے اسی مصرف خیر میں صرف ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر کچھ باقی بچے تو اسے واپس دینا یا اس کی اجازت و رضا سے کسی اور مصرف میں صرف کرنا لازم ہوتا ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

رجل مات فی مسجد قوم فقام احدہم وجمع الدراہم ففضل من ذلك شیئ ان عرف صاحب الفضل ردہ علیہ[1]۔	اگر کسی قوم کی مسجد میں مسافر فوت ہوگیا اور ایک شخص نے اس کے کفن کے چندہ سے کچھ دراہم جمع کئے اور کچھ بچ گئے تو اس کو معلوم ہے کہ بچے ہوئے دراہم فلاں کا چندہ ہے تو اس کو واپس کردے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان فضل شیئ رد للمتصدق[2]۔	اگر بچ جائیں تو جس کا چندہ ہوا سے واپس کرے۔(ت)

بلکہ جو کچھ سید اشفاق علی کی موت و تجہیز و تکفین میں صرف کیا اس کا بھی ضمان حاجی ذاکر علی پر لازم ہے کہ سید حسین نے صرف حیات سید اشفاق علی تک اجازت دی اور باقی کی واپسی کو کہا تھا بلکہ مولوی عزیز بخش کا جواب کہ حاجی ذاکر علی کا مال بک جائے تو دیں گے دلالت کررہا ہے کہ وہ مال حاجی مذکور نے خرچ کردیا جس کی نسبت بیان سائل ہے کہ بمبئی میں اس کا کُل مال حاجی ذاکر علی نے خرید لیا پھر اپنے پاس سے مصارف سید اشفاق علی میں صرف کیا اگر واقعہ یہ ہے جب تو سارا زر ضمانت جس قدر سپرد کیا تھا سب کا تاوان حاجی ذاکر علی پر حسین کے لئے لازم ہے پورا واپس دے اور جو کچھ مصارف حیات و وفات سید اشفاق علی میں اٹھایا وہ حاجی ذاکر علی صاحب کا تبرع و احسان تھا جس کے عوض وہ کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا، عالمگیری میں ہے:

رجل جمع مالا من الناس لینفقہ فی بناء المسجد فانفق من تلك الدراہم فی حاجتہ ثم رد بدلہا فی نفقۃ المسجد	ایک شخص نے لوگوں سے چندہ جمع کیا تاکہ مسجد تعمیر کی جائے تو اس نے چندہ کی کچھ رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرلی اور اس کے بدلے رقم چندہ میں دے دی

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلٰوۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

لایسعه ان یفعل ذٰلك فان فعل فان عرف صاحب ذٰلك المال رد علیه اوسأله تجدید الاذن فیه(الی قوله) لکن هذا یجب ان یکون فی رفع الوبال اما الضمان فواجب کذا فی الذخیرۃ[1]۔واللہ تعالٰی سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو یہ جائز نہیں۔اگر اس نے ایسا کیا تو وہ رقم دینے والے کو واپس کرے اگر اس کا علم ہو یا پھر اس سے دوبارہ مسجد میں صرف کی اجازت لے،اس کے آخر میں فرمایا لیکن یہ مذکور حکم گناہ کے وبال کو ختم کرنے کے لئے ہے تاہم ضمان تو وہ اس پر بہر صورت واجب ہے۔یوں ذخیرہ میں ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۵: مستفسرہ مظہر حسین بہاری پور بریلی رز دوشنبہ ۲۲رجب ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ کے پاس مبلغ پچیس عدد اشرفی بطور امانت کے رکھ دی تھی،بعد چند روز کے جب اس سے وہ اشرفی طلب کی تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں میں جاکر لادوں گی،یہ کہہ کر لینے کو گئی،جب اپنی ماں کے مکان سے واپس آئی تو کہا کہ میری والدہ نے کہا کہ وہ اشرفیاں تیرے باپ نے مجھ سے لے کر تیرے بھائی کے مقدمہ میں صرف کردی ہیں اور یہ کہا ہے کہ بہت جلدی ان کی فکر کردی جائے گی اطمینان رکھو،پھر دوبارہ چند روز کے بعد لینے کو گئی تو پندرہ یوم کے بعد واپس آئی تو جو زیور کہ خود پہنے ہوئے تھی اور اس کے خاوند کا بنوایا ہوا تھا قریب دو سو روپے کے وہ ہیں وہ اپنے والدین میں چھوڑ آئی،جب اس سے دریافت کیا کہ تو نے زیور کس کو دیا،تو کہا کہ ایک عورت قرابت کی ہے اور وہ شادی میں گئی ہے مجھ سے مانگ کرلے گئی،اس کے خاوند نے اس سے کہا کہ تو نے بلااجازت میری اپنا زیور بھی دے دیا اور اشرفیاں بھی دے دیں اور اکثر کام تو میری بلااجازت کرتی ہے تو میرے کام کی نہیں میں تم کو طلاق دیتاہوں یہ کہہ کر طلاق دے دی اور وہ عورت اپنے والدین میں مع اپنے اسباب کے چلی گئی تو اب وہ اشرفیاں کا روپیہ اور وہ زیور خاونداس کا کس سے پاسکتا ہے،آیا اس عورت یا اس کی ماں سے؟**بینواتوجروا**

الجواب:

زیور کا مطالبہ خاص عورت سے ہے اس کی ماں سے تعلق نہیں۔اشرفیوں کے بارے میں سائل نے بیان کیا کہ جب عورت سے مانگیں تو اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کے پاس رکھ دی ہیں اس پر

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثالث عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۰

زید ناراض ہوا کہ کیوں بے اجازت اسے دیں اور ماں باپ کے پاس دوسرے کی امانت رکھ دینے میں اکثر علماء کا اختلاف ہے، فتاوٰی قاضی خاں وفتاوٰی خلاصہ وغیرہما میں اس کا جواز اس شرط پر ہے کہ وہ اور یہ ایک ہی ساتھ رہتے ہوں ورنہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

الابوان کالاجنبی حتی یشترط کونہما فی عیالہ کذا فی الخلاصۃ[1]۔	امانت کی حفاظت کے معاملہ میں والدین اجنبی کے حکم میں ہیں جب تک کہ وہ اس کی عیال میں نہ ہوں عیال میں ہونا شرط ہے۔ یوں خلاصہ میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وتفسیر من فی عیالہ فی ھذا الحکم ان یساکن معہ سواء کان فی نفقتہ اولا کذا فی الفتاوٰی الصغرٰی و ھکذا فی فتاوی قاضی خاں[2]۔	اس حکم میں عیال کی تفسیر یہ ہے کہ جو لوگ اس کے ساتھ سکونت پذیر ہوں اس کے نفقہ میں شامل ہوں یا نہ ہوں فتاوٰی صغرٰی اور فتاوٰی قاضیخان میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اور علامہ مقدسی نے فتوٰی اس پر نقل کیا کہ اس کا ساتھ رہنا شرط نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

وفیہ ای فی المقدسی لایشترط فی الابوین کونہما فی عیالہ وبہ یفتٰی[3]۔	اس میں یعنی مقدسی میں ہے والدین کے معاملہ میں ان کا اس کی عیال میں ہونا شرط نہیں ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

مگر حقیقت امر یہ ہے کہ یہ امین جس کے پاس امانت رکھی اس کا اس مال کی نسبت قابل اطمینان ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے فقط اس امین کے ذاتی مال پر امین ہونا کافی نہیں کہ یہ امر باختلاف مالک مال بدلتا ہے مثلاً اکثر زنان زمانہ اپنی دختر کے مال میں ضرور قابل وثوق ہیں مگر اس سے داماد کے مال پر اطمینان ہونا لازم نہیں آتا بلکہ بارہا ماں بیٹی دونوں اس کے تلف میں ہم زبان ہوجاتی ہیں۔ ہندیہ میں ہے:

للمودع ان یدفع الودیعۃ الی من کان فی عیالہ کان المدفوع	مودع کو جائز ہے کہ امانت اپنے عیال کو سپرد کردے اور عیال میں سے بیوی یا اولاد یا والدین ہوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ / ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الایداع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۵۱

الیه زوجته او ولدہ او والدیه اذا لم یکن متهما یخاف منه علی الودیعة هکذا فی فتاوٰی قاضیخاں[1]۔	بشرطیکہ ان کے پاس امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے۔(ت)

لہٰذا عورت کا یہ فعل کہ اشرفیاں اپنی ماں کو دے آنا بتاتی ہے مسلم نہ ہوگا۔ عورت پر اشرفیوں کا تاوان ہے اگر معلوم ہو کہ واقعی اپنی ماں کو دے آئی تھی اور ماں نے اس کے باپ کو دیں اس نے مقدمہ میں صرف کیں، گو زید کو اختیار ہے کہ عورت یا اس کی ماں یا اس کے باپ جس سے چاہے اس کا تاوان لے۔

لانهما کغاصب الغاصب فللمالك ان یضمن من شاء، والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ دونوں غاصب کے غاصب کی طرح ہیں تو مالک کو اختیار ہے جس کو چاہے ضامن بنائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۶: مرسلہ عبدالرحیم وابوالفضل محمد مظہر از ضلع ہگلی وانمباڑی ۶ شعبان ۱۳۳۳ھ روز شنبہ

ایک شخص نے زید کو دو سو روپے دئے کہ اس کا سونا خرید کر زیور بنوادینا، اس نے سونا خرید کر جیب میں رکھا، سنار کو دینے جارہا تھا کہ جیب سے نکل گیا یا کسی نے جیب کترلی تو یہ نقصان کس کا ہوا۔

الجواب:

وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں۔ ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور وہ نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے **لانه متعد والمتعدی ضامن** (کیونکہ یہ تعدی کرنیوالا ہوا اور تعدی کرنیوالا ضامن ہوتا ہے) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب روز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کافر مرگیا اور کوئی وارث قریب و بعید نہ چھوڑا اور مسلمان اس کا مدیون قرض ادا کرنا چاہتا ہے اب وہ کس کو دے کیونکہ اگر اس کی طرف سے صدقہ کرتا ہے تو اس کو آخرت میں ملنے کی امید نہیں اور اگر اس کے مذہب کے مطابق مندر میں اس کی طرف سے صرف کردے یا مندر کے پجاری کو دے دے تو کفر کی اعانت ہوتی ہے۔ تو اب اس قرض سے کیونکر سبکدوش ہو؟

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۳۹

الجواب:

جبکہ اس کی نیت ادا کی تھی اور اس نے اپنی طرف سے کوئی عذر نہ کیا اور اس مال کا کوئی مستحق نہ رہا تو فقرائے مسلمین اس کے مستحق ہیں، اور یہ بایں معنی نہ ہوگا کہ کافر کی طرف سے تصدق کیا جائے یہ تو حرام ہے اور اگر اسے اجر وثواب سمجھے تو کفر ہے بلکہ اس معنی پر زور دیا جائے گا کہ کافر مر گیا اور وارث کوئی نہیں اور موت قاطع ملک ہے اور خلافت نہیں کہ اس کی طرف منتقل ہو تو اب یہ محض لاوارثی مال رہ گیا جو خالص ملک خدا ہے لہذا فقراء کو دیا جائے گا یا مساجد یا مصارف دینیہ میں صرف کیا جائے اور اگر فقیر ہے تو آگیا [عہ] فیصل ہوگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸: مسئولہ حافظ تعین صاحب ملوکپور بریلی روز یک شنبہ ۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کی بھاوج ہندہ نے دوہزار روپیہ جمع کردیا ہے زید دس روپے ماہوار اپنی بھاوج وہندہ کو دیتا ہے زید نے کئی مرتبہ ہندہ سے اجازت چاہی کہ روپیہ تجارت میں لگادے مگر ہندہ نے اس وجہ سے کہ تجارت میں روپیہ لگادینے سے ہر وقت نہیں مل سکتا ہے اجازت نہ دی، زید نے یہ روپیہ تجارت ہی میں لگادیا ہے مگر ہندہ اپنا روپیہ جس وقت طلب کرے زید دے سکتا ہے نفع زیادہ ہونے کی حالت میں دس روپے کے علاوہ بھی زید دیتا رہتا ہے مگر کبھی حساب کرکے روپیہ نہیں دیا۔ زید کا قصد ہے اگر اس کی بھاوج اپنا روپیہ لے لے تب بھی کچھ خدمت کرنے کا ہے، ایسی حالت میں یہ دس روپیہ ماہوار کیا سود ہوگا؟ اگر سود ہوگا تو بچنے کی کیا صورت ہے؟ **فقط**

الجواب:

جبکہ ہندہ نے تجارت کی اجازت نہ دی تو یہ مضاربت نہیں ہوسکتی۔ ہندہ نے اپنا روپیہ اس کے پاس جمع کیا تھا تو یہ قرض نہ تھا ودیعت تھا اس وقت تک زید اگر بطور خود اسے کچھ دیتا رہا تو وہ نہ قرض کا نفع تھا نہ کسی عقد معاوضہ میں زیادتی، لہذا سود نہیں ہوسکتا تھا بلکہ زید کی طرف سے ایک تبرع واحسان تھا، اب کہ زید نے بلااجازت ہندہ اسے تجارت میں لگادیا تو زید غاصب ہوگیا اس پر تاوان آیا اب وہ ہندہ کا مدیون ہوا اگرچہ اس دین کی وجہ سے دیتا ہے تو دینا اور لینا حرام اور سود ہے۔ اور اگر تصریح کردے کہ اس کی وجہ سے نہیں بلکہ خود ایک خدمت کرتا ہے اور اگر روپیہ ادا بھی ہوجائے گا تب بھی کرتا رہے گا تو سود نہیں مگر احتیاط اولٰی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

عہ: اصل میں اسی طرح ہے لیکن سیاق عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبارت یہ ہوگی کہ "اگر وہ خود فقیر ہے تو اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔

مسئلہ ۳۹: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶صفر ۱۳۳۵ھ

روپیہ مدرسہ اسلامیہ کا اگر کسی مسلمان سیٹھ کے یہاں پر امانت اس کے کاغذات میں جمع کردیا جائے اور وہ رقم بشمول اس کے دیگر کے صرف میں آگئی مگر کاغذات میں امانت ہی جمع ہے اور جب اس کے محافظ اس رقم کو طلب کریں تو فوراً دے سکتا ہے تو ایسا استعمال رقم مذکورہ میں سیٹھ مذکور پر شریعت میں کوئی گناہ تو نہیں ہے یا کہ اس رقم کو وہ سیٹھ علیحدہ شمار کرکے رکھ چھوڑے۔ بینوا توجروا

الجواب:

زر امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم ودنانیر متعین ہوتے ہیں اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا **والمسئلۃ منصوص علیہ فی الدر المختار وکثیر من الاسفار** (یہ مسئلہ درمختار اور بہت سی کتابوں میں منصوص ہے۔ت) مہتمان انجمن نے اگر صراحۃً بھی اجازت دے دی ہو کہ تم جب چاہنا صرف کرلینا پھر اس کا عوض دے دینا، جب بھی نہ سیٹھ کو تصرف جائز نہ مہتموں کو اجازت دینے کی اجازت تو مہتمم مالک نہیں۔ اور قرض تبرع ہے اور غیر مالک کو تبرع کا اختیار نہیں، ہاں چندہ دہندہ اجازت دے جائیں تو حرج نہیں، اس حالت میں جب سیٹھ تصرف کرے گا روپیہ امانت سے نکل کر اس پر قرض ہوجائے گا جو عندالطلب دینا آئے گا اگرچہ کوئی میعاد مقرر کردی ہو۔

فان التاجیل فی القرض باطل کما فی الدر المختار[1] وغیرہ۔	کیونکہ قرض میں ادائیگی کی مدت مقرر کرنا باطل ہے۔ جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۰: از جبلپور چھاؤنی مرسلہ عبدالوحید خان صاحب اسسٹنٹ ماسٹر اسکول لیس نائک نمبر ۳۴۳ پلاٹون نمبر ۸ کمپنی بی پلٹن (۹۱/۲) ۶ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کو چند قطعات نوٹ پانچ پانچ روپیہ کے اور دس دس روپیہ کے بطور امانت کے رکھنے کو دئے اور یہ بھی اجازت دے دی کہ تو اس امانت

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۹

میں سے حسب ضرورت اپنی خرچ کرسکتا ہے لیکن آئندہ ماہ میں یہ سب امانت مجھ کو واپس دینا ہوگی بکر نے وہ سب نوٹ اپنی جیب میں رکھ لئے حالانکہ سوائے اس امانت کے بکر کی جیب میں کچھ نوٹ یا نقدی بالکل نہیں تھی بکر بموجب اجازت زید کے ڈاکخانہ کو واسطے کرنے منی آرڈر اپنے مکان کو گیا اور اسی امانتی نوٹوں میں سے منی آرڈر اپنے مکان کو کیا، وہاں پر آدمیوں کا اژدحام زیادہ تھا یقینا کسی چور نے ایک نوٹ دس روپیہ والا جیب سے نکال کیا کیونکہ اسی وقت ڈاکخانہ پر ہی حساب کرنے سے معلوم ہوگیا کہ نوٹ چوری گیا، ایسی حالت میں بکر نوٹ مسروقہ کا تاوان کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ اور زید بکر سے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟ حالانکہ زید کو بھی یقین ہے کہ نوٹ ضرور چوری گیا۔

الجواب:

وہ روپیہ امانت تھا۔ اور زید نے بکر کو وقت حاجت صرف کرنے کی اجازت دی تھی تو جس قدر کا اس نے منی آرڈر اپنے گھر کو بھیجا وہ امانت سے نکل کر قرض ہوگیا اور جتنے نوٹ باقی رہے وہ بدستور امانت رہے ان میں سے جو نوٹ جاتا رہا اگر بکر کی بے احتیاطی سے گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے ورنہ ہرگز نہیں۔

مسئلہ ۴۱: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو ایک ضرورت سے بانکی پور جانا ہے۔ ۹ ربیع الاول شریف کو گیا سے اس کے پاس ایک شخص آیا اور ایک خط دیا جس کا مضمون یہ ہے کہ گریڈیہہ میں ۱۰، ۱۱ ربیع الاول کو وعظ و میلاد کا جلسہ ہے، متعدد علماء کے پاس خطوط گئے ہیں مگر کسی کے آنے کی امید نہیں، آپ ضرور تشریف لائے ورنہ ہماری سخت ذلت ہوگی، زید نے عذر کیا کہ مجھے مجبوری ہے میں جس کا نوکر ہوں وہ یہاں نہیں ہیں بغیر ان کی اجازت کے میں نہیں جاسکتا۔ اس پر عمرو نے رائے دی کہ وہ تو کوئی دور جگہ نہیں ہے۔ یہ صاحب وہاں جاکر اجازت لاسکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شخص وہاں گیا اور اجازت لے آیا۔ (عہ/) وہاں جانے آنے کا کرایہ یکہ کا ہوا، اس کے بعد ۹ بجے شب کی گاڑی سے دونوں روانہ ہو کر گیا پہنچے (عہ۸/) سہسرام سے گیا تک کرایہ ہوا۔ جب وہ شخص اجازت لینے کے لئے گیا تو زید نے ٹائم ٹیبل دیکھا معلوم ہوا کہ یہاں سے گریڈیہہ جانے کے لئے تین راستہ ہے۔ ایک براہ کیول۔ دوم براہ بانکی پور، سوم براہ آسنسول، زید نے خیال کیا کہ اچھا موقع ہے اسی ضمن میں بانکی پور ہوتے چلیں گے، گیا سے ۹ بجے دن کو ایک گاڑی چھوٹتی ہے جو براہ کیول ۸ بج کر ۴۴ منٹ شب کو گریڈیہہ پہنچتی ہے۔ زید نے گیا میں یہ رائے قائم کی اگر اس گاڑی سے

جاتاہوں تو ۹ بجے شب کو پہنچوں گا اس وقت میں تکان سفر کی وجہ سے آج تقریر نہ کرسکوں گا سوا اس کے کہ جو کچھ کہنا ہو کل کہوں مجھے ضرورت بانکی پور کی بھی ہے بہتر ہے کہ اس وقت ۷ بجے روانہ ہو جاؤں اور بانکی پور پہنچ کر دن بھر ٹھہروں پھر شب کی گاڑی سے روانہ ہو کر صبح گریڈیہہ پہنچوں پھر خیال کیا کہ شب کی گاڑی سے روانگی میں وہاں ۵ بجے صبح کو گاڑی پہنچے گی وہ وقت تکلیف کا ہے لوگ اسٹیشن تک آئیں یا نہ آئیں بہتر ہے کہ بانکی پور سے صبح کی گاڑی سے روانہ ہوں تاکہ وہاں ایک بجے پہنچتا ہوں۔ چنانچہ اسی مضمون کا تار ۱۲ کا وہاں دینے کو کہہ دیا کہ زید کل ایک بجے پہنچے گا اس کے بعد صبح ۷ بجے زید بانکی پور روانہ ہوا (عہ عہ ۱۵./) اس کو سفر خرچ دیا گیا اس کا مصمم قصد تھا کہ حسب قرارداد میں صبح کو ضرور روانہ ہو جاؤں گا مگر ایک ضرورت کی وجہ سے نہ جاسکا پھر بھی قصد کیا کہ ۱۰ بجے دن کو ایک گاڑی جاتی ہے اس سے جائیں جو وہاں ۸ بج کر ۲۴ منٹ کو پہنچے گی مگر جس کے یہاں جانا تھا نہ اس کا محلّہ معلوم نہ نام ہی معلوم ہے۔ تار کے اعتماد اور استقبال کے خیال پر زید نے یہ دریافت نہ کیا تھا، اب سخت پریشان ہوا کہ کیا کروں کہ اب آگے جانا مفت میں پریشانی اٹھانا ہے یا اگر منزل مقصود تک رسائی ہوگی تو تھکا ہوا ہوں تقریر نہ کرسکوں گا مفت میں بلانے والے کا روپیہ صرف کرنا ہے اسی ہیص بیص میں اس گاڑی کا وقت بھی نکل گیا اس لئے وہ واپس سہسرام آگیا اس (عہ عہ ۱۵./) میں سے (صہ ۲/) گیا سے بانکی پور اور بانکی پور سے سہسرام تک صرف ہوا اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں زید کو کس قدر روپیہ واپس کرنا ہوگا (لعہ ۱۳./) جو بچا ہے یا پورے (عہ عہ ۱۵./) یا (عہ_۴–./) جس میں کل خرچ اجازت لینے والے کا یکہ و تار و ٹکٹ تا سہسرام تا گیا و قلی کی اجرت ہے اور جو کچھ واپس دے گا اس کی فیس منی آرڈر کس پر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بانکی پور سے سہسرام تک واپسی میں جو صرف ہوا وہ ضرور ذمہ زید ہے کہ روپیہ اسے جس سفر کے لئے دیا گیا یہ وہ سفر نہیں بلکہ اس کا نقض ہے۔ اور موضع مقصود کی راہ معہور میں اگر بانکی پور نہیں پڑتا بلکہ اس میں پھر اور صرف زائد ہے جسے زید نے گیا سے اپنی حاجت کے لئے اختیار کیا تو قدر زیادت کا واپس دینا تو ہوگا ہی، اور اظہر یہ ہے کہ گیا سے بانکی پور تک کا کل کرایہ واپس دے کر یہ سفر اس کا اپنی غرض کے لئے تھا۔

ففی الدرالمختار من متفرقات البیوع المرأۃ اذا کفنت بلااذن الورثۃ	تو درمختار کے متفرقات البیوع میں ہے، بیوی نے ورثاء کی اجازت کے بغیر خاوند کو کفن دیا اور وہ

کفن مثله رجعت فی الترکة ولو اکثر لاترجع بشیئ قال رحمه الله تعالٰی ول قیل ترجع بقیمة کفن المثل لایبعد اھ [1] وفی وجیز الکردری لاترجع وان قیل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه [2] اھ.وفی الخلاصة لا ترجع بقدر کفن المثل ایضا فان قال قائل ترجع بقدر کفن المثل فله وجه اھ [3] وفی وصایا التنویر و الدر لو زاد الوصی علی کفن مثله فی العدد ضمن الزیادة وفی القیمة وقع الشراء له وحنیئذ ضمن مادفعه من مال الیتیم والوالجیة [4] اھ ۔وفی العقود الدریة فی معین المفتی اذا زاد فی عدد الکفن ضمن الزیادة فان زاد فی قیمة الکفن ضمن الکل کذا فی السراجیة	کفن بازاری قیمت کے مساوی تھا تو ترکہ سے اس کی قیمت واپس لے سکے گی،اور اگر بازاری قیمت سے زائد کیا تو کچھ بھی واپس نہ لے سکے گی،اور اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے انہوں نے فرمایا اگر کہا جائے کہ مثلی قیمت میں رجوع کرسکتی ہے تو بعید نہ ہوگا،اھ،اور وجیز الکردری میں ہے کہ زائد قیمت کی صورت میں رجوع نہیں کرسکتا اور اگر یہ کہا جائے کہ مثلی قیمت تک رجوع کرسکتا ہے تو اس کی وجہ ہوسکتی ہے اھ،اور خلاصہ میں ہے کہ مثلی کفن تک بھی رجوع نہیں کرسکتی اور اگر کوئی یہ کہے کہ مثلی کفن تک رجوع کرسکتی ہے تو اس کی وجہ ہے اھ، اور تنویر الابصار اور درمختار کے وصایا کے بیان میں ہے کہ اگر وصی نے کفن کی تعداد میں زیادتی کی تو زائد کا ضامن ہوگا اور یہ عدد مثلی کفن کی قیمت میں خرید ہوا تو خرید اس کی ہوگی اور اس وقت اس کی خرید میں یتیم کا جتنا مال خرچ ہو اس کا ضامن ہوگا،والوالجیہ اھ۔اور عقود الدریہ میں ہے کہ معین المفتی میں فرمایا اگر کفن کے عدد میں زیادتی کی ہو تو صرف زیادتی کا ضامن ہوگا اور اگر قیمت زائد دی ہو تو کل قیمت کا ضامن ہوگا،ایسے ہی سراجیہ میں ہے،

[1] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۲

[2] فتاوٰی بزازیه علی ہامش الفتاوٰی ہندیه کتاب الوصایا الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۹

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل الرابع مکتبہ حبیبہ کوئٹہ ۴/ ۴۳۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸

قلت وقد علله بانه اذا زادفی القیمة یکون مشتریا لنفسه وهو ضامن لمال المیت اھ نهج النجاۃ من الوصایا،ووجه کونه مشتریا لنفسه ان الوصی اذا زاد فی القیمة صار متعدیافی الزیادۃ وھی غیر متمیزۃ فیکون مشتریا لنفسه متبرعا فی تکفینه بخلاف ما اذا زادفی عدد الکفن فانه یضمن الزیادۃ فقط لانھا متمیزۃ[1]۔	میں کہتاہوں اس کی علت انہوں نے یہ بیان کی ہے کہ قیمت جب زائد دی تو وہ خریدار اپنے لئے ہوا اور میت کے مال کا ضامن ہوا،اھ نہج النجاۃ من الوصایا۔اس کے ذاتی خریدار بننے کی وجہ یہ ہے کہ وصی نے جب قیمت زائد دی تواس مقدار میں وہ متعدی ہوا جبکہ اس مقدار کا قیمت میں امتیاز نہیں تو تمام قیمت اس کی ذاتی خریداری میں صرف ہوئی،اوریہ کفن اس کی طرف سے بطور تبرع ہوگا،بخلاف کہ جب عدد میں زیادتی کرے توصرف زائد عدد کا ضامن ہوگا کیونکہ یہ زائد ممتاز ہے۔(ت)

واپسی کے یکوں اور قُلیوں کا کرایہ زید پر ہے۔یونہی گیاسے بانکی پور جانے میں جو یکہ اسٹیشن تک آیا اسٹیشن سے بانکی پور تک گیا یا قلی کو دیا ہو کہ یہ اس کا اپنا ذاتی سفر ہے سہسرام سے گیاتک جانا جبکہ موضع مقصود تک جانے میں بحال تھااور اس تک وہ موضع مقصود کی نیت سے گیااور ضرورت جومانع سفر و موجب رجوع ہوئی صحیح ضرورت و مجبوری تھی تو اتنا کرایہ واپس نہ دے گا ریل،یکہ، قلی، کسی کا کہ یہاں تک ان کے اذن سے ان کے کام میں صرف ہوا۔اور اگراپنا کوئی کام پیش آیا جو قطع سفر کے لئے عذر شرعی نہ ہوسکتا ہو اس کے لئے چھوڑ دیا تواس کے مناسب کوئی جزئیہ اس وقت خیال میں نہیں اور ظاہر یہ کہ اب بھی سہسرام سے گیاتک کا کرایہ واپس کرنا نہ ہوگا کہ جس وقت صرف ہوا جائز طور پر ہوااور وہ اجیر نہ تھا کہ کام نہ ہونے سے اجرت نہ پائے کہ اتمام سفر اس پر واجب نہ تھا تو قطع جائز سے وہ صرف کو جائز واقع ہوا ناجائز و مضمون نہ ہوجائے گا،یکہ جس پر بلانے والا اجازت لینے گیااور تارکہ اس نے دیا اگرچہ زید کے کہنے سے دیا،یہ زید پر نہیں،جتنا روپیہ واپس کرنا ہو اس کی فیس منی آرڈر اسی روپیہ سے دے کروہ اس کے ہاتھ میں امانت ہے اور رد امانت کو مؤنت امین پر نہیں۔عالمگیریہ میں ہے:

مؤنة رد الودیعة علی المالك لا علی المودع کذا فی السراجیة[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	امانت واپس کرنے کا خرچہ مالک پر ہے نہ کہ مودع پر، سراجیہ میں یوں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۶۲

مسئلہ ۴۲: خادم نعمت خاکی بوڑاہااز پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کسی سے ہم نے کوئی چیز لی کہ لاؤ ہم بطور امانت رکھیں گے اور پھر بعد کو دے دیں گے اس میں سے کچھ غائب ہو گئی اور وہ شخص دینے والا طلب بھی نہیں کرتا ہے اب اس کے لئے قیامت میں نہ دینے پر جوابدہ ہوں گے یا نہیں؟ ہاں اس شے پر اس کا پتہ نشان مرقوم ہے۔

الجواب:

اگر اس کی بے احتیاطی سے اس میں سے کچھ غائب ہو گیا تو اس پر اس کا تاوان لازم ہے بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا اور اگر اس نے پوری احتیاط کی اور وہ شے کُل یا بعض جاتی رہی تو اس پر الزام نہیں بلکہ اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۳: از شہر بانس منڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان سے دوسرے مسلمان کی شے گم ہو جائے تو اس چیز کے دام لینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ شیئ اس کے پاس امانت تھی اور اس نے پوری احتیاط کی اور اتفاقا گم ہو گئی تو اس کا تاوان لینا حرام ہے۔ اور اس کی بے احتیاطی سے گم ہوئی تو جائز ہے، اور اگر امانت محض نہ تھی مثلاً کوئی چیز خریدنی چاہی اور مول چکا کر اسے دکھانے کے لئے لے گیا اور وہ گم ہو گئی اس کے دام دے گا اگرچہ بے احتیاطی نہ کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب العاریۃ

(عاریت کا بیان)

مسئلہ ۴۴:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زمین بکر سے مول لی اور اسی زمین میں سے کچھ بکر کی باقی رہی، ایک مکان زید کی زمین میں برضامندی زید کے بکر نے بنالیا جو زمین باقی رہی وہ صحن بکر کا ہے، جب زید نے اپنی زمین کو طلب کیا تو بکر قیمت دیتا ہے زمین نہیں دیتا ہے زید اس کے مکان کی قیمت دینے پر امادہ ہے اور پنچ بھی چاہتے ہیں کہ زمین کی قیمت زید کو دلادی جائے۔اس مسئلہ کی بابت عرض کیا جاتا ہے زید اپنی زمین لینا چاہتا ہے قیمت نہیں لینا چاہتا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مذکورہ میں زید پر جبر نہیں ہوسکتا کہ وہ خواہی نخواہی اپنی زمین بیچ ڈالے اور قیمت لے لے پنچ اگر اس کا جبر اس پر کریں گے خلاف شرع اور ظلم ہوگا بلکہ حکم یہی ہے کہ زید کی زمین کو دے دی جائے، رہاوہ مکان کہ بکر نے برضائے زید زمین زید میں بنایا اگر اس کے عملہ اکھیڑ لینے میں زمین زید کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا تو بکر کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے اور زید کی زمین خالی کردے یا زید راضی ہو تو اپنا عملہ اس کے ہاتھ بیچ ڈالے اور اگر عملہ اکھیڑنے میں زمین کو ضرر پہنچے گا تو زید کو اختیار ہے کہ چاہے تو اپنے نقصان پر راضی ہو کر بکر کو جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ کر زمین خالی کردے یا نہ چاہے تو عملہ خود لے لے

اور اس کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے اکھڑنے کی حالت میں ہوتی ہو وہ بکر کو دے دے، جس حالت میں عملہ اکھڑوا دیا جائے جو نقصان اس اکھیڑنے سے عملے کو پہنچے زید پر اس کا کچھ تاوان نہیں مگر اس حالت میں کہ زید نے ایک مدت معین تک مکان بنانے کی اجازت دی ہو اور اس مدت کے گزرنے سے پہلے اکھڑوانا چاہے تو عملے کا نقصان دے گا۔ ہدایہ میں ہے:

اذا استعار ارضا لیبنی فیھا اولیغرس جاز وللمعیران یرجع فیھا و یکلفه قلع البناء والغرس ثم ان لم یکن وقت العاریة فلا ضمان علیه وان وقت ورجع قبل الوقت صح رجوعه ویکرہ وضمن المعیر مانقص البناء والغرس بالقلع وذکر الحاکم الشھید انه یضمن رب الارض للمستعیر قیمة غرسه وبنائه و یکونان له الاان یشاء المستعیر ان یرفعھما ولا یضمنه قیمتھما فیکون له ذلك لانه ملکه.قالوا اذا کان فی القلع ضرر بالارض فالخیار الی رب الارض لانه صاحب الاصل[1] اھ باختصار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تعمیر یا پودے لگانے کے لئے زمین عاریۃ لی تو جائز ہے تو عاریۃ دینے والے مالک کو واپس لینے کا اختیار ہوگا اور عمارت اور پودے کی مدت مقرر نہ کی ہو تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اور اگر وقت مقرر کیا تھا اور وقت سے پہلے اس نے رجوع کیا تو جوع صحیح ہے اور مکروہ ہے اور مکان و درخت اکھاڑنے کے نقصان کا ضامن ہوگا اور حاکم الشہید نے ذکر فرمایا کہ زمین کا مالک اس صورت میں مستعیر کی عمارت اور درختوں کی قیمت کا ضامن ہوگا اور یہ اس کی ملکیت قرار پائیں گے ہاں اگر مستعیر خود رکھنا چاہے تو اکھاڑ لے اور زمین والے کو ضامن نہ بنائے تو ایسا کرسکتا ہے کیونکہ وہ خود نقصان کا ذمہ دار بنا ہے فقہاء کرام نے فرمایا اگر ان کے اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو پھر اختیار زمین والے کو ہوگا کیونکہ وہ اصل کا مالک ہے، اھ، مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: از شہر محلّہ بہاری پور مرسلہ رضا علی صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک چادر جو منگنی لی تھی یعنی بطور عاریت

[1] الهدایہ کتاب العاریۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۰۔۲۷۹

چند روز کے لئے لی تھی اس کو زید نے بعد انقضائے مدت عاریت ایک امین آدمی کے ہاتھ چادر مذکور کو اصل مالک کے پاس بھجوادیا بعد کو معلوم ہوا کہ وہ چادر جو زید نے آمین کے ہاتھ بھجوادی تھی اصل مالک کو نہیں ملی اس پر زید نے امین اول سے پوچھا وہ چادر اصل مالک کو کیوں نہیں ملی، امین نے جواب دیا کہ میں اصل مالک کے مکان پر دے آیا ہوں اصل املک تو مجھ کو نہ ملا تھا اس کے مکان کے اندر سے ایک لڑکا چھوٹا نکلا تب میں نے اس سے اصل مالک کو پوچھ کر کہ گھر میں ہے۔اس کے ہاتھ وہ چادر بھجوادی ہے اس بیان پر مالک نے اپنے لڑکوں کو آمین کے روبرو پیش کیا کہ ان لڑکوں میں کس لڑکے کو دیا، میں نے سب لڑکوں کو دیکھ کر یہ کہا کلہ ان میں وہ لڑکا نہیں ہے جس کو میں نے چادر دی ہے اصل مالک تو کہتا ہے کہ چادر میرے پاس نہیں پہنچی، اور امین کہتا ہے کہ چادر میں دے آیا، اور امین کے پاس اس امر کا ثبوت محض ایک طالب علم بالغ کی شہادت ہے، اس صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ چادر کا شرعی فیصلہ کیا ہے یعنی اس کا تاوان امین پر ہے یا زید پر جس نے چادر عاریت لی تھی یا کسی پر نہیں۔ مالک کو صبر کرنا چاہئے۔

الجواب:

شخص متوسط جبکہ ایک چھوٹے لڑکے کو چادر دے آیا جسے یہ بھی نہ جانا کہ مالک چادر کا بیٹا ہے، نوکر ہے، اسی گھر میں رہتا بھی ہے، یا دوسرے جگہ سے آیا ہوا، یا راہ چلتا ہے، تو بیشک چادر ضائع کرنے کا اس پر الزام ہے، اور اس پر بہر حال تاوان لازم۔ اگر وہ چادر اشیائے نفیسہ میں سے تھی جب تو ضاہر کہ ایسی چیز خاص مالک کے ہاتھ دینے سے صحیح واپسی ہوتی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

ان ردالمستعیر الدابۃ مع عبدہ او اجیرہ مشاھرۃ او مع عبد ربھا او اجیرہ برئ بخلاف نفیس[1]۔ (ملخصا)	اگر مستعیر نے جانور اپنے غلام یا ماہانہ اجیر کے ہاتھ واپس کیا یا مالک کے غلام اور اجیر کے ہاتھ واپس دیا تو بَری ہوگا، بخلاف کسی نفیس چیز کے۔ (ملخصا) (ت)

اور اگر ایسی نہ بھی تھی تو غیر نفیس اشیاء کی واپسی بھی اس وقت معتبر ہے کہ اس کے غلام یا نوکر یا اہل وعیال میں سے کسی کو دے یا اس کے گھر میں حفاظت کی جگہ رکھ دے ناواقف انجان صغیر السن کو دے دینا کسی عاریت میں متعارف نہیں، غایۃ البیان میں ہے:

قال الحاکم الشھید فی الکافی ردالمستعیر الدابۃ فلم یجد صاحبھا	حاکم الشہید نے کافی میں فرمایا: مستعیر نے جانور واپس کیا تو مالک کو وہاں نہ پا کر حویلی میں

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العادیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فربطها فی دارصاحبها الی معلقها فضاعت قال هو ضامن لها فی القیاس ولکن استحسن ان الا اضمنه، الی هذا لفظ الحاکم ووجه القیاس انه لم یوجد الرد الی المالك وجه الاستحسان انه اتی بالتسلیم للمعتادبه بین الناس لان الناس یستعیرون الدواب فیردونها الی اصطبل المالک، والجیران یستعیرون الة البیوت ویردونها الی دار صاحبها ویسلمونها الی من فیه دون صاحب الدار فلو ردالی المالك كان المالك ایضا یحفظهابهذا المکان فقد اسقط عند المستعیر عـــه کلفة زائدة.فترك القیاس بالعاد ولهذا قال مشائخنا لوکانت العاریة عقد الجوهر لم یجز ان یردہا الا الی المعیر لان العادۃ لم تجر بطرحه فی الدار ولادفعه الی الغلام۔[1]	کھرلی پر باندھ دیا تو ضائع ہوگیا تو انہوں نے فرمایا قیاس میں تو ضامن ہوگا ولیکن میں استحسان کرتے ہوئے ضامن نہ بناؤں گا، یہاں تک حاکم کے الفاظ ہیں، قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کو جانور واپس نہیں پہنچا، اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت کے اعتبار سے واپس کردیا ہے کیونکہ لوگوں میں عادت ہے کہ جانوروں کو عاریۃً لے جاتے ہیں اور واپس مالک کے اصطبل میں چھوڑ جاتے ہیں اور پڑوسی حضرات گھر کے آلات مانگ کرلے جاتے ہیں اور مالک کے گھر واپس چھوڑ جاتے ہیں اور مالک کا غیر جو بھی گھر میں ہو اس کو دے جاتے ہیں اور اگر مالک کو دیا جائے تو بھی اسی مکان میں حفاظت کے طور پر رکھتا ہے تو گھر میں واپس کرنے پر مستعیر نے مالک کو مزید تکلیف سے بچایا، تو حاکم شہید نے قیاس کو عادت کی وجہ سے ترک کردیا، اس لئے ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر عاریہ جواہر کا ہار ہو تو پھر مالک کے بغیر کسی اور کو واپسی جائز نہیں کیونکہ ایسی چیز کے متعلق گھر میں چھوڑ جانے یا غلام کو دی جانے کی عادت جاری نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وذٰلك لان العبد صالح	یہ اس لئے کہ غلام حفاظت کا اہل ہے

عـــه: فی الاصل ھکذا اوظنه عنه	(اصل میں اسی طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق یہ لفظ "عنه" ہے۔ت)

[1] غایة البیان

للفظ عـــہ کالمربوط اذا ردھا الی المربط لایضمن کذا ھذا بخلاف ماذا ردھا الی ارض لان الارض لیست بصالحۃ للحفظ[1]۔	جیسا کہ اصطبل ہے تو جب اصطبل میں باندھ جائے تو ضیاع پر ضامن نہ ہوگا اور یہاں بھی ایسے ہے۔ بخلاف جب اس کی زمین پر چھوڑ جائے کیونکہ زمین حفاظت کی اہل نہیں ہے۔(ت)

رہا زید، اگر یہ متوط اس کا نوکر یا اس کی عیال میں تھا اور اس نے ایسی بے احتیاطی کو اسی سے نہ کہہ دیا تھا کہ مالک یا اس کا معتمد ملے نہ ملے کوئی بھی پاؤ پھینک کر چلے آنا بلکہ یہ بے احتیاطی اس متوسط نے خود کی تو زید پر کوئی تاوان نہیں اور اگر ختم مدت عاریت کے بعد اجنبی کے ہاتھی بھیجی تو بیشک یہ بھی زیر مطالبہ تاوان ہے یونہی اگر اس کے کہے سے وہ بے احتیاطی ہوئی اگرچہ وہ متوسط اس کا بیٹا یا نوکر ہی ہو، ان دونوں صورتوں میں مالک چادر کو اختیار ہے چاہے زید سے تاوان لے چاہے اس متوسط سے، تنویر الابصار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

بخلاف الردمع الاجنبی بان کانت العاریۃ موقتۃ فمضت مدتھا ثم بعثھا مع الاجنبی[2]	بخلاف جبکہ اجنبی کے ہاتھ واپس کرے اس طرح کہ عاریۃ مقرر وقت کے لئے ہو تو وقت گزر جانے پر عاریہ کو اجنبی کے ہاتھ بھیج دے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

ستورے عاریت خواست وکس فرستاد تا ازنزد معیر بیارد مامور ستور رادر راہ بر نشت وھلك یضمن المأمور ولا یرجع علی الامر اذا لم یکین مامور امن جھتہ وھذا اذاکانت تنقاد من غیر رکوب	کچھ پردے کسی سے مانگے اور یہ ایک شخص کو مالک کے پاس پردے لینے بھیج دیا تو اس شخص نے پردے راستہ میں رکھ دئے تو وہ ضائع ہوگئے تو مامور شخص ضامن ہوگا اور وہ ضمان میں آمر پر رجوع نہ کرے گا جبکہ مستعیر کی طرف سے یہ راستہ میں رکھنے پر مامور نہ تھا یہ صورت وہ ہے کہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا واظنہ للحفظ	(اصل میں اس طرح ہے اور میرے گمان کے مطابق لفظ "للحفظ" ہے۔ت)

[1] غایۃ البیان

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

فان کانت لانتقاد الا بالرکوب لایضمن کما فی الفصول العمادیة [1]۔واللہ تعالٰی اعلم	پردوں کو اٹھانے میں سواری کی ضرورت نہ ہو،اگر وہ ایسے ہیں کہ سواری کے بغیر منتقل نہیں ہو سکتے تو پھر مامور شخص ضامن نہ ہوگا،فصول العمادیہ میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الودیعۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۶۷

کتاب الھبة

(ہبہ کا بیان)

مسئلہ ۴۶: از ریاست رامپور محلّہ موتی خان مرسلہ طوطارام ۲۷ شوال ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی کل جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنے بھتیجے کے نام تملیک کرا کر اس کو مالک و قابض کرایہ اور دستاویز میں لکھ دیا کہ جائداد تملیک شدہ کو میں نے اپنی ملکیت سے خارج کردیا اور مجھے میرے کسی وارث کو اس میں دعوی نہ رہا، جس وقت زید نے یہ دستاویز لکھی تھی اس وقت سے اس کے مرنے کے وقت تک زید کی کوئی اولاد نہ ذکور یا اناث موجود نہ تھی بس چار بھتیجے اور ایک نواسہ تھا اب بعد وفات زید نواسہ دعوی کرتا ہے کہ دستاویز تملیک نامہ کے ذریعہ سے جو جائداد زید نے ایک بھتیجے کے نام منتقل کی تھی وہ قابل جواز ونفاذ کے نہیں اور وہ جائداد مندرجہ دستاویز تملیک نامہ ملکیت زید قرار دی جائے اور متروکہ قائم ہو کر اس میں وراثت جاری کی جائے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جب زید اپنی زندگی میں اس کو بذریعہ دستاویز تملیک منتقل کرگیا اور لکھ گیا کہ اس میں میری ملکیت باقی نہیں رہی تو وہ زید کی ملکیت قرار پاکر اس کا متروکہ قائم نہیں ہوگا نہ اس میں وراثت جاری ہوگی، شریعت اسلام کے بموجب ایسی صورت میں کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تملیک عین بلاعوض ہبہ ہے اور ہبہ بعد قبضہ تام پھر بعد موت احد العاقدین مطلقًا لازم اگرچہ

موہوب لہ اجنبی ہو اور بھتیجے کے نام تو فی الحال لازم، لہٰذا وہ جائداد بشرط قبضہ نامہ ملک موہوب لہ ہے۔ وارثان واہب کا اس پر دعوی باطل ہے۔

ولنا رسالۃ فی تحقیق ھذا المرام سمیناھا "فتح الملیك فی حکم التملیك" من اختلج فی صدرہ شیئ فلیطالعھا۔	اس مقصد کی تحقیق میں ہمارا ایک رسالہ ہے اس کا نام ہم نے "فتح الملیك فی حکم التملیك" رکھا ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کو شبہ ہو تو وہ اس رسالے کا مطالعہ کرے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

الھبۃ ھی تملیك العین مجانا[1]۔	ھبہ مفت میں عین چیز کا کسی کو مالک بنانا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے: وتتم بالقبض[2] (اور قبضہ دینے پر تام ہو جاتا ہے۔ ت) اسی میں ہے:

ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین والقرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ ولو ذمیا اومستامنا یرجع[3]۔ (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ھبہ کے دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کی موت اور قرابت ہونا، ھبہ میں رجوع (واپس لینے) کے لئے مانع ہے۔ تو اگر اپنے ذی محرم کو ھبہ کیا اگرچہ وہ محرم ذمی یا متامن ہو تو رجوع نہ کر سکے گا (باختصار)۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۴۷: از مارہرہ منورہ مرسلہ سید نا سید ابوالحسن نوری میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مالک اصلی نے اپنے پسر عمرو کو دو باغ دئے پھر بعد چند روز کے عمرو سے واپس لے کر بکر اور خالد پسر وعمرو کو دئے یعنی پہلے خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام عمرو کا قائم کرایا اور عمرو باذن واہب اس پر قابض ہوا اور محاصل اس کا لیتا رہا اور احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتا رہا پھر عمرو سے واپس کرکے یعنی عمرو کا خانہ ملکیت دفتر حاکم

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳-۱۶۱

سے علیحدہ کراکے بکر اور خالد کا نام اس خانہ میں قائم کرایا اور وہ باغ دونوں کو عطا کئے اور عمرو نے جو یہ فعل اس کی غیبت میں ہوا تھا وقت اپنی حاضری کے بطوع ورغبت جائز رکھا اور کچھ تعرض نہ کیا مگر اس کے محاصل پر عمرو بدستور متصرف رہا اور تمتع ہر نوع کا ان باغات سے اٹھاتا رہا، اور بکر وخالد نے بربنا اس انبساط واتحاد کے کہ انہیں عمرو کے ساتھ تھا اس امر کا تعرض عمرو سے نہ کیا اور پٹہ جات ان باغات کے بکر اور خالد کے نام سے ہوتے رہے، گاہے بکر پٹہ کر دیتا ہے گاہے خالد، گاہے دونوں کی طرف سے عمرو بقلم خود لکھ دیتا ہے، گاہے عمرو خود اپنے نام سے لکھ دیتا تھا، ان امور میں کبھی کوئی ایک دوسرے سے معترض نہ ہوتا، اور اسی طرح مختلف طور سے رسیدات پٹہ داروں کو بابت زراقساط محاصل ملا کرتے تھے، اگرچہ زراقساط صرف عمرو تحصیل کرتا اور اسی کے تصرف میں آتا، پھر بعد چند روز وقت بندوبست حال جو منجانب حکام ہوا بدستور خانہ ملکیت دفتر حاکم میں نام بکر وخالد قائم رہا یعنی انہیں دونوں کے نام سے زید مالک اصلی نے وہ بات دفتر بندوبست میں قائم کرائے اور اس امر کو عمرو نے بھی پھر بدستور جائز رکھا بلکہ خود تصدیق بھی دفتر میں اس امر کی کر دی کہ بکر وخالد ان باغات کے مالک ہیں مگر پھر بھی محاصل باغات وہی عمرو بدستور قدیم پاتا رہا اور باغات اسی کے زیر تصرف رہے اور بکر وخالد نے اسی اتحاد ویکجہتی کے سبب سے کوئی اعتراض پھر بھی اس امر پر نہیں کیا اور نہ معترض ہوئے، اور گاہے گاہے محاصل ایک باغ کا خالد بھی لیتا رہا اور گاہ گاہ ایک باغ میں خود بھی زراعت بطور شیر کرلیتا تھا مگر بکر نے کبھی نہ محاصل پایا اور نہ کبھی زراعت بطور شیر کی بلکہ خود ہی کبھی قصد بھی نہ کیا اور اگر اس امر کا کبھی ذکر بھی آیا تو عمرو نے جواب دیا مالک تم ہو مگر تمھیں چنداں حاجت نہیں ہے اور میرا خرچ زائد ہے اور معاش کم، یہ محاصل میری ہی تصرف میں رہنے دو، بکر نے اسے یکجہتی کی بنا پر منظور رکھا پھر بعد چند مدت کے بکر نے محاصل نصفی ان باغات کا لینا چاہا اور عمرو سے تعرض کیا تو عمرو مانع آیا غرض کہ بعد گفتگوئے بسیار عمرو نے یہ استدعا کی کہ بکر نصف سے ثلث لے لے یعنی کل میں جو نصف اس کا ہے اس میں وہ ثلث پر اقتصار کرے اور باقی اپنے طور پر خالد کے لئے چھوڑ دے، بکر نے بغرض قطع نزاع اپنے حق سے اس قدر نقصان گوارا کیا اور عمرو سے کہا ہم دونوں یعنی بکر وخالد کہ مالک باغات ہیں آپس میں فیصلہ کرلیں گے، چنانچہ اس امر پر باہم رضامند ہوکر تصفیہ ہوگیا یعنی درمیان بکر وخالد کے یہ صلح باستدعائے عمرو واقع ہوئی کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد فرزند عمرو کو چھوڑ دے، چنانچہ اس صلح کا اقرار نامہ بکر وخالد کی طرف سے بہ ثبت گواہی عمرو بنام ایک حکم ثالث کے تحریر ہوا اور ثالث نے بموجب اقرار نامہ فریقین فیصلہ لکھ دیا کہ ایک ثلث بکر لے لے اور دو ثلث خالد اور اسے بموجب سوالات داخل خارج حکام وقت کے یہاں گزر گئے اور بربنائے اس صلح کے فصل ربیع وخریف گزشتہ

کاایک ثلث بکر نے پایا، ہنوز معاملہ داخل خارج ختم ہوا تھا کہ پھر بعد چند روز کے عمرو مع خالد کے پسر اپنے کے اس سے اعراض کرکے بکر کو اخذ محاصل ثلث سے مانع آئے اور دربارہ داخل خارج کے عمرو نے سوال دے دیا کہ مالک اصل میں ہوں ہمیشہ سے محاصل پاتا رہا ہوں بکر کوئی چیز نہیں ہے اور خالد نام میرا خانہ ملکیت میں بجائے دونوں کے داخل ہوجائے اور اپنے بیٹے خالد کو راضی کرکے اس سے سوال دلادیا کہ واقع میں عمرو مالک ہے میں برائے نام ہوں چنانہ حکام وقت نے نام دونوں کا خانہ ملکیت سے اپنے دفتر میں سے خارج کرکے نام عمرو کا قائم کردیا، پس اس صورت میں بکر کا یہ سوال ہے کہ آیا حق میرا قائم رہا یا نہ رہا، اور اگر رہا تو کس حساب سے؟ آیا نصفی بموجب عطائے قدیم زید مورث اصلی یا ثلث بموجب صلح حال کے یا دونوں صورت کا حق نہ رہا۔ بینوا توجروا

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، جبکہ حضرت مالک اصلی نے وہ باغ عمرو کو عطا فرمادئے تھے اور عمرو نے ان پر قبضہ کامل پایا تھا کہ احداث واشجار وغیرہا ہر طرح کا تصرف کرتے اور اس کی تحصیل وتشخیص فرماتے رہے تو وہ باغ ملک مالک اصلی سے نکل کر ملک عمرو میں آئے اور اب مالک حقیقی عمرو قرار پائے بعدہ، جب غیبت عمرو میں مالک اول نے نام عمرو خانہ ملکیت سے خارج کرکے نام بکر وخالد داخل فرمایا اور وہ باغ انہیں عطا فرمادیئے تو یہ ہبہ ہبہ ملک غیر ٹھہرا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، پھر جب عمرو نے بعد حضور اس امر کو بطوع ورغبت جائز رکھا ہبہ اگرچہ صحیح ہوگیا ہو مگر اس کے تمامی، اور بکر وخالد کے ثبوت ملک محل کلام ہے اگر ہبہ ان دونوں حضرات کو مشاعا تھا یعنی ہر باغ دونوں صاحبوں کو مشترکہ عطا فرمایا گیا جب تو ناتمامی ہبہ وعدم ثبوت ملک موہوب لہا ظاہر ہے کہ واہب حقیقی یعنی عمرو نے اب تک تقسیم کرکے مجوزا ممیزًا تسلیم نہ کی۔

فی تنویر الابصار وتتم بالقبض فی یدہ محوز مقسوم ومشاع لایقسم لافیما یقسم فان قسمہ و سلمہ صح اھ[1] ملخصا، وقلت وھبۃ المشاع قیل فاسدۃ فیثبت بھا الملك	تنویر الابصار میں ہے ہبہ ایسے قبضہ سے تام ہوتا ہے جو تقسیم ہو کر محفوظ ہوجائے، اور غیر منقسم جس کی تقسیم کی ضرورت نہیں ہے اور وہ غیر منقسیم ہے جس کی تقسیم کرنی ہو وہ قبضہ سے تام نہ ہوگا ہاں اگر اس کی تقسیم کردی اور قبضہ میں دے دیا تو صحیح ہے اھ ملخصًا، میں کہتا ہوں مشاع یعنی

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

للموھب لہ اذا قبضہ کذلك شائعا لکن ملکا خبیثا واجب الرد قائما والضمان ھالکا وبہ افتی البعض، والحق انہ لایثبت بھا الملك اصلاما لم یسلم مقسوما ھو الصحیح المعتمد کما حققہ فی ردالمحتار وبہ افتی الجم الغفیر وھو ظاہر الروایۃ عن ائمتنا الثلثۃ فعلیہ التعویل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر منقسم کا ھبہ بعض کے نزدیک فاسدہ ہے لہٰذا اس پر قبضہ سے موہوب لہ کی ملکیت ثابت ہوجائیگی جبکہ اس نے اسی مشاعی حالت میں قبضہ کیا ہو تاہم یہ ملکیت خبیثہ ہوگی موجود رہنے کی صورت میں واجب الرد اور ہلاک ہونے کی صورت میں قابل ضمان ہوگی، اسی قول پر بعض نے فتوٰی دیا ہے جبکہ حق یہ ہے اس پر قبضہ سے ملکیت ہر گز ثابت نہ ہوگی جب تک اس کو تقسیم کرکے نہ دیا جائے یہی صحیح اور قابل اعتماد ہے جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تحقیق فرمائی اور اسی پر جم غفیر نے فتوٰی دیا ہے اور ہمارے تینوں ائمہ کرام سے یہی ظاہر الروایت ہے تو اسی پر اعتماد ہے۔ (ت)

اور اگر ایک ایک باغ ہر موہوب لہ کو جداگانہ دیا گیا تھا تاہم اس قدر تقریر سوال سے ظاہر کہ جس طرح وہ باغ اس ھبہ سے پہلے قبض وتصرف عمرو میں تھے یونہی بعد ھبہ رہے اور آج تک عمرو نے اپنا ہاتھ ان پر سے نہ اٹھایا اور کسی دن بکر وخالد کے قبضہ میں تسلیم نہ کیا اگرچہ رسید وپٹہ جات گاہے بکر وخالد بھی اپنی طرف سے تحریر فرمایا کرتے رہے ہوں کہ جب تک عمرو کا رفع ید اور قبضہ حضرات موہولہما میں تسلیم ثابت نہ ہو ھبہ ہر گز تمام اور تملک موہوب لہما ثابت نہیں ہوسکتا۔

فی الھندیۃ ومنھا ان یکون الموہوب مقبوضا حتی لا یثبت الملك للموہوب لہ قبل القبض[1] انتہی ومثلہ فی الھدایۃ وغیرھا۔	ہندیہ میں ہے ایک صورت ان میں سے یہ ہے کہ موہوب کسی کے قبضہ میں ہو تو اس پر موہوب لہ کی ملکیت نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کرلے اھ، اس کی مثل ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

مانا کہ کسی وقت حضرات موہوب لہما یا ان میں سے ایک کا وضع یہ ثابت بھی ہوجائے مگر عمرو کا رفع ید ہر گز پایہ ثبوت تک نہیں پہنچتا، اور یہ شرط اول ہے۔

الاتری لو وھب دارا وسلمھا حتی وضع الموھوب لہ یدہ علیھا	آپ دیکھیں کہ اگر مکان ھبہ کیا اور سونپ بھی دیا اور موہوب لہ نے قبضہ میں لے لیا حالانکہ مکان ابھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۴

وکانت الدار مشغولة بمتاع الواهب لم تتم الهبة لعدم الرتفاع ید الواهب فلم یکمل القبض وفی ردالمحتار ان کان الموهوب مشغولا بحق الواهب لم یجز کما اذا ووهب السرج علی الدابة لان استعمال السرج انما یکون للدابة فکانت للواهب علیه ید مستعملة فتوجب نقصانا فی القبض [1]۔	واہب کے سامان میں مشغول ہے تو ہبہ تام نہ ہوگا کیونکہ واہب کا قبضہ ابھی ختم نہیں ہوا، تو موہوب لہ کا قبضہ تام نہ ہوا، ردالمحتار میں ہے اگر موہوب ابھی واہب کے حق میں مشغول ہے تو جائز ہوگا مثلا کوئی شخص گھوڑے پر لگی کاٹھی کسی کو ہبہ کرے کیونکہ کاٹھی کا استعمال جانور پر ہوتا ہے تو واہب کا ابھی قبضہ باقی اور زیر استعمال ہے تو اس سے قبضہ میں ابھی نقص باقی ہے۔(ت)

بالجملہ عمرو جب تک اپنا قبضہ بالکلیہ اٹھا کر موہوب لہما کو قبض کامل نہ کرادے ہبہ ہر گز تمام نہ ہوگا اور موہوب ملک عمرو سے باہر نہ آئے گا، اسی طرح عمرو کا متعدد پیرایوں میں ملکیت بکر و خالد کا اقرار دیانۃ کچھ مفید نہیں کہ یہ اقرار صرف بربنائے ہبہ ہے کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور بہ سبب ناتمامی یہ ہبہ شرعا مثبت ملک نہ ہوا تو عنداللہ اقرار غلط کہ شرعا وجہ صحت نہیں رکھتا اثبات ملک کے لئے کافی نہ ہوگا۔

فی الدرالمختار لواقر کاذبا لم یحل له لان الاقرار لیس سبب للملك نعم لو سلمه برضاه کان ابتداء هبة وهو الاوجه [2]۔بزازیة اھ.فی حاشیة الطحطاویة قوله لم یحل له ای لایجوز له اخذه جبرادیانة کاقراره لامرأته بجمیع مافی منزله ولیس لها علیه شیئ [3] انتهی،واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر مالک کسی کے لئے ہبہ کا جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کے لئے وہ حلال نہیں ہوگا کیونکہ اقرار دوسرے کی ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر بعد میں اپنی رضا سے اس کو قبضہ دے دے تو یہ نیا ہبہ ہوگا، یہی وجہ قابل اعتبار ہے.بزازیہ حاشیہ طحطاوی میں ہے ماتن کا قول "مقرلہ کے لئے حلال نہیں" یعنی اس کو دیانۃ جبرا قبضہ کا حق نہیں ہے۔ جیسے کوئی شخص گھر کے تمام سامان کو بیوی کے حق میں اقرار کرے حالانکہ بیوی کا کوئی حق خاوند کے ذمہ نہیں ہے، اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۷

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاقرار دار المعرفة بیروت ۳/ ۳۲۷

مسئلہ ۴۸: از بڑودہ مرسلہ جناب نواب سید نور الدین حسن خاں بہادر ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حمیدہ نے اپنے بیٹے محمود بن حمید کی شادی رشیدہ بنت سعید سے کی اور ۲۷ محرم الحرام ۱۲۷۸ھ کو محمود کی طرف سے بدعوی ولایت ایک دستاویز میں جائداد اور موروثی محمود کا تملیک نامہ بنام رشیدہ مع دیگر چند شروط لکھ دیا، جب محمود بالغ ہوا ۲۵ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ کو اس نے دستاویز نوشتہ حمیدہ کی تسلیم وقبول کے ساتھ از سر نو ایک وثیقہ اُنھیں شروط پر متضمن تحریر کیا جس کے عنوان میں خلاصہ عبارت یہ ہے:

"اقرار صحیح شعی می تمایم بریں معنی کہ والدہ ماجدہ عقد بمن بار شیدہ بنت سعید بستہ ودستاویز از طرف منمقروکالۃ نوشتہ داد وراں حین بحد بلوغ نہ رسیدہ بودم اکنوں دستاویز مذکور را مسلم وقبول داشتہ باز اصالۃ شروط چند نوشتہ میدہم"۔	میں صحیح شرعی اقرار کرتا ہوں کہ میری والدہ ماجدہ نے میرا نکاح رشیدہ بنت سعید سے کیا اور مجھ مقر کی طرف سے وکالۃ انھوں نے ایک دستاویز لکھ کردی جبکہ میں ابھی بلوغ کی حد کو نہ پہنچا تھا، اب اس دستاویز مذکورہ کو تسلیم اور قبول کرتا ہوں نیز اصالۃ چند شرائط لکھ کردے رہا ہوں۔ (ت)

پھر شرط میں خلاصہ مضمون ان الفاظ سے ہے:

"از آمدنی موضع پوناگاؤں وغیرہ واقع بندر سورت بعد اخراج سہم شرعی والدہ صاحبہ کہ ثمن است باقی انچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ بمن می رسد مالکش مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطنا بعد بطن است از روز عقد نکاح از آمدن حصہ موروثیم مسماۃ مذکورہ در قبض وتصرف خود درآردو دراں من مقرو وارثانم رادعوی وحقے نیست ونماندہ است"۔	سُورت بندرگاہ میں واقع موضع پوناگاؤں وغیرہ کی آمدنی سے اپنی والدہ کے شرعی حصہ جو کہ آٹھواں ہے کو نکال کر باقی اپنے موروثی جاگیر کے حصہ مبلغ پانچ ہزار اندازا جو مجھے آتا ہے اس کی مالک مسماۃ رشیدہ مع اولاد بطن در بطن ہے میرے موروثی حصہ کی آمدن پر مسماۃ مذکورہ نکاح کے روز سے قابض اور متصرف ہے اور اس میں مجھ مقر اور میرے ورثاء کا کوئی دعوی اور حق نہیں ہے اور نہ باقی ہے۔ (ت)

بعدہ، یکم جولائی ۱۸۶۹ء کو اسی شرط کی توثیق وتاکید کے لئے دوسری تحریر جداگانہ لکھی جس کی تلخیص ان کلمات سے ہے:

"از شرائط مذکورہ ایں یک شرط علیحدہ نوشتہ میدہم	مذکورہ شرائط میں سے ایک علیحدہ شرط لکھ کردے رہا ہوں

کہ در دیہات جاگیر موروثی محدودہ ذیل کہ شرعاً از ترکہ پدری خالصابہ منمقر رسیدہ منجملہ آں مبلغ چہار ہزار روپیہ منمقر اہل خانہ خود مسماۃ رشیدہ بنت سعد را بطوع ورغبت بلااکراہ واجبار بطنا بعد بطن ونسلا بعد نسل علی سبیل الدوام والاستمرار ملک گردانیدم چوں وہیوٹ ومختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است وحصہ داراں دیگر کہ دریں جاگیر شریک اند باوشاں زر نقد موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا ہموارہ می رسانم ہمیں طور اند آمدنی مملوکہ واہل خانہ خود مثل دیگر حصہ داراں بہ اہل خناہ موصوفہ واولادش ہمیشہ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ بلاعذر وتکرار خواہم رسانید اگر از جانب منمقر مسماۃ مذکورہ در وصول حق خود کہ معین ومقرر کردہ شود فتورے وتہاونے بیند پس اوشاں را اختیار کل ست بہ نہجیکہ خواہندہ از منمقر حق خود بگیرند ومسماۃ مذکورہ را در صورت زر مذکور اختیار کلی ست منمقر وورثائم را درآں حقے ودخلے ودعوی ونزاعے نیست ونماندہ ایں چند کلمہ بطریق اقرار نامہ و وثیقہ وتملیک نامہ نوشتہ شد کہ عندالحاجۃ سند باشد۔	کہ دیہات میں موروثی جاگیر جس کی حدود ذیل ہیں میں سے جو مجھے شرعی طور پر والد کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہے اس میں سے مبلغ چار ہزار روپیہ کا میں مقر اپنے اہل خانہ مسماۃ رشیدہ بنت سعید کو اپنی خوشی اور رغبت سے بلاجبر واکراہ بطن در بطن نسلا بعد نسل دائمی اور استمرار کے طور پر مالک بناتا ہوں جس طرح قدیم ایام سے اپنے کھاتہ اور مختاری جو میرے قبضہ میں ہے اور اس جاگیر میں دیگر حصہ دار شریک حضرات کو مساوی نقد زر کے موافق حصہ پہنچاتا ہوں اسی طرح اپنی مملوکہ اور اپنے اہل خانہ کے دوسرے حصہ داروں کی طرح موصوفہ اہل خانہ اور اس کی اولاد کو ہمیشہ بلاعذر وتکرار حصہ پہنچاتا رہوں گا اگر من مقر کی طرف سے معین ومقرر حصہ کی وصولی میں مسماۃ مذکورہ کوئی کوتاہی اور سستی دیکھے تو اس پر اس کو کلی اختیار ہوگا کہ جس طرح چاہے مجھ مقر سے اپنا حق وصول کرے اور مسماۃ مذکورہ کو زر مذکور کے صرف میں کلی اختیار ہے من مقر اور میرے ورثاء کو اس میں کوئی دخل، حق، دعوی اور نزاع نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ یہ چند کلمات بطور اقرار نامہ وثیقہ اور تملیک نامہ لکھا ہے کہ عندالضرورت سند رہے (ت)

اور یہ جائداد جس کا ان دستاویزوں میں تذکرہ ہے محمود ودیگر ورثائے حمیدہ میں مشترکہ وغیرہ منقسم ہے اب شرع مطہر سے استفسار ہے کہ یہ تحریرات شرعاً مقبول ہوبکار آمد ہے یا نہیں اور ان کی رو سے رشیدہ اس جائداد یا اس کی آمدنی کی مالک ہوئی یا نہیں اور یہ عقد کہ محمود سے بہ تکرار واقع ہوا بدیں لحاظ کہ اس کی والدہ نے جائداد موروثی کا تملیک نامہ لکھا تھا اور اس نے اسے منظور ومسلم رکھا اور خود اس کی تحریروں کے بعض الفاظ سے رشیدہ کو خاص حصہ جاگیر کا مالک کرنا نکلتا ہے (اصل رقبہ دیہات کی تملیک ہے یا بلحاظ دیگر

الفاظ تحریر اول وتصریحات تحریر دوم) صرف آمدنی وزر توفیر کا دینا اور عطا کرنا ہے اور اس عقد کو ھبہ کہا جائیگا اور اسی کے شرائط اس کی صحت میں درکار ہوں گے (یا اس خیال سے کہ محمود نے صرف رشیدہ ہی کو مالک نہ کیا بلکہ بطنا بعد بطن ونسلا بعد نسل اس کی اولاد کے نام بھی تملیک کی) وصیت قرار پائے گا و بہر تقدیر شرعاً صحیح رہے گا یا باطل۔ اگر باطل ٹھہرے تو محمود کے یہ الفاظ (کہ من مقر و وارثانم را در آں دخلے وحقے ونزاعے نیست ونماندہ) اس کے یا اس کے ورثہ کے حق کو زائل کریں گے یا نہیں؟ اور ان تحریرات کا شرعاً کیا نام ہے؟ ھبہ نامہ یا اقرار نامہ یا تملیک یا کچھ اور؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب ان انت العزیز الوھاب، یہ تو ظاہر ہے کہ ابتداءً حمیدہ والدہ محمودہ کا بنام رشیدہ جائداد محمود نابالغ کا تملیک نامہ لکھ دینا کوئی شے نہ تھا کہ نہ ماں دربارہ مالی ولی نہ خود ولی تھی کہ باپ کو مال صغیر سے ایک ذرہ کسی کو ڈالنے کا اختیار نہیں۔

فی الدرالمختار ولیه ابوہ دون الام فی المال اھ[1] ملخصاً۔ وفیه من الھبة لایجوز ان یھب شیئا من مال طفله ولو بعوض لانھا تبرع ابتداءً[2] اھ۔	درمختار میں ہے کہ مال میں نابالغ کا ولی اس کا باپ ہے ماں ہے اھ ملخصاً، اور اسی میں ھبہ کے متعلق ہے والدہ کو حق نہیں کہ وہ بچے کے مال سے کوئی چیز ہبہ کرے خواہ بالعوض کیوں نہ ہو کیونکہ ھبہ ابتداءً تبرع ہوتا ہے۔ اھ (ت)

تو وہ عقد محض باطل واقع ہوا یہاں تک کہ خود محمود کے بعد بلوغ جائز ومسلم رکھنے سے بھی اس کی اصلاح ممکن نہیں،

لانه عقد فضولی صدر ولامجیز، فی حجر العقود الدریة عن جامع الفصولین لو طلق الصبی امرأته او وھب ماله او عقد عقدا ما لو فعله ولیه فی صباہ	کیونکہ یہ فضولی کا عقد ہے جس کا جائز کرنے والا کوئی نہیں، اور عقود الدریۃ کے باب الحجر میں جامع الفصولین سے منقول ہے کہ اگر بچہ بیوی کو طلاق دے یا کوئی ھبہ کرے یا کوئی ایسا عقد کرے کہ اگر وہ عقد اس کا ولی اس کے بچپن میں

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

لم یجز علیه فهذه کلها باطلة، وان اجازها الصبی بعد بلوغه لم تجز لانه لا مجیز لها وقت العقد فلم تتوقف علی الاجازة الااذاکان لفظ اجازته بعد البلوغ مایصلح لابتداء العقد فیصح ابتداء لااجازة کقوله اوقعت ذٰلك الطلاق فیقع لانه یصلح للابتداء [1] اھ ملتقطا۔	کرتا تو بچے پر لاگو نہ ہوتا، تو بچے کے یہ تمام امور باطل ہیں۔ اور بلوغ کے بعد اگر وہ ان امور کو جائز کرے تو بھی جائز نہ ہوں گے کیونکہ عقد کے وقت ان کو جائز کرنے والا کوئی نہ تھا لہٰذا وہ اجازت پر موقوف نہ ہوئے، ہاں اگر بلوغ کے بعد ایسے لفظ سے جائز کرے جس سے ابتداء عقد ہوسکے تو ابتداء عقد کے طور پر یہ صحیح ہوجائے گی تاہم اجازت نہ کہیں گے، مثلاً بلوغ کے بعد یوں کہے میں نے وہ طلاق واقع کی۔ تو طلاق اب ہوگئی کیونکہ یہ لفظ ابتدائے طلاق کی صلاحیت رکھتا ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ محمود کا بعد بلوغ دستاویز نوشتہ حمیدہ کو مسلم مقبول رکھنا بھی محض مہمل وبے سود اور شرعاً نامقبول ومردود، اب اس نے جو خود ابتداء دوبار تملیک نامہ لکھا وہ عبارتیں صراحۃً نص ہیں کہ محمود نے صرف زرآمدنی وتوفیر رشیدہ کو دینا چاہا اصل رقبہ جائداد کی ھبہ وتملیک کا ان میں کہیں ذکر نہیں، تحریر اول میں کہ ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوا "آنچہ کہ حصہ جاگیر موروثیم بمن میرسد مالکش رشیدہ است" وہاں بھی حصہ سے مراد صرف حصہ توفیر ہے کہ اس سے پہلے تصریحاً لفظ آمدنی مذکور اور یہاں بھی باندازہ مبلغ پنج ہزار روپیہ کا لفظ اسی طرف ناظر، اور یہ عقد وصیت تو کس طرح نہیں ہوسکتا کہ وصیت میں فی الحال مالک نہیں کیا جاتا۔

لانها تملیك مضاف الی ما بعد الموت کما فی التنویر وغیرها [2]۔	کیونکہ یہ تملیک مابعد الموت کی طرف منسوب ہوتی ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور عبارات زید صریح ہیں کہ رشیدہ فی الحال مالک ٹھہرائی گئی کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) نہ یہ ممکن کہ بلحاظ لفظ نسلا بعد نسل جو لوگ نسل رشیدہ سے بعد کو پیدا ہوں ان کے حق میں وصیت قرار دی جائے کہ وہ وقت عقد معدوم تھی اور معدوم کے لئے وصیت باطل،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الحجر حاجی عبدالغفار وپسران تاجران کتب قندہار ۲/ ۱۶۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

فی الدر المختار شرائطھا کون الموصی اھلا للتملیك و کون الموصٰی لہ حیاوقتھا [1] اھملخصاً۔	درمختار میں ہے اس کی شرائط میں ہے کہ وصیت کرنے والا اس تملیک کا اہل ہو،اور وصیت کے وقت جس کے لئے وصیت کی ہے وہ زندہ ہو اھ ملخصاً (ت)

تولاجرم ھبہ ہی ہوگا،اور یوں ھبہ کرنا کہ اس گاؤں کی آمدنی جو ہوا کرے گی میں نے تجھے ھبہ کی،شرعاً صحیح نہیں،

فی الفتاوی الخیریة بھذا عُلِمَ عدم صحة ھبة ما سیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسه لم یقبضه بعد فکیف یملکه وھذا ظاہر اھ [2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کو دونوں قریوں سے حاصل کرے گا اس کا ھبہ صحیح نہیں کیونکہ ھبہ کرنے والا ابھی تک خود اس پر قابض نہیں تو دوسرے کو کیسے مالک بنائے گا،یہ ظاہر بات ہے۔اھ (ت)

اور اگر بالفرض اصل جائداد ہی کا ھبہ ہوتا جب بھی نرا باطل تھا کہ وہ جائداد حسب بیان سائل مشاع وغیر منقسم ہے اور اسی طرح عــــہ مشیر ہے محمود کا وہ بیان کہ چوں وہیوٹ و مختاری آں از قدیم الایام بقبضہ من است اھ کہ بٹے بانٹ کے بعد تو ہر ایک شریک حصہ کا مختار ہوجاتا ہے اور ھبہ مشاع مذھب صحیح پر محض باطل،

فی الفتاوٰی الخیریة(سئل)فی رجل وھب ابناله بالغا نصف مایملک(اجاب)الھبة باطلة عند ابی حنیفة رحمة اللہ تعالٰی قال فی مشتمل الاحکام نقلا عن تتمة الفتاوی،ان ھبة	فتاوٰی خیریہ میں ہے ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے اپنے بالغ بیٹے کو اپنی نصف ملکیت ھبہ کی ہے تو جواب دیا کہ یہ ھبہ باطل ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اور مشتمل الاحکام میں انہوں نے تتمۃ الفتاوٰی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ

عــــہ:فی الاصل ھکذا واظنه اسی طرف،بدر۔

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

المشاع باطلة وھو الصحیح انتھی [1] اھ۔	غیر منقسم حصہ کا ھبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے انتہی اھ (ت)

اسی لئے اگر موہوب لہ، اسی حالت سے قبضہ بھی پالے تاہم وہ اس کا مالک نہیں ہو جاتا نہ اس کے تصرفات اس میں رواہوں اور واھب کے تصرف سراسر نافذ رہتے ہیں،

کما صرح به فی تنویر الابصار مغنی المستفتی و الفتاوی التاجیة والمبتغی والجوھرة والبحر الرائق و نقله الامام الزیلعی [2] عن الامام الھمام ابی جعفر الطحاوی و الامام فخر الملة والدین قاضیخان و الامام ابن رستم وفی نور العین عن الوجیز نص علیه محمد فی المبسوط وھو قول ابی یوسف ومذھب ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه فی القھستانی ھو الصحیح، وعن المضمرات ھو المختار وکذا صححه فی العمادیة [3]، قال فی ردالمحتار فحیث علمت انه ظاھر الروایة وانه نص علیه محمد رحمه الله تعالٰی ورووہ عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ظھر انه الذی علیه العمل [4] الخ وتمامه فیه۔	جیساکہ اس کی تصریح تنویر الابصار، مغنی المستفتی فتاوٰی تاجیہ، المتبغی، جوہرہ اور بحر الرائق میں ہے اور اس کو امام زیلعی نے امام ہمام ابو جعفر طحطاوی اور امام فخر الملۃ والدین قاضیخان اور امام ابن رستم سے نقل کیا، اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں اس پر نص فرمائی ہے اور یہی امام ابو یوسف کا قول اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور قہستانی میں ہے کہ یہی صحیح ہے اور مضمرات میں اس کا مختار ہونا منقول ہے اور ایسے ہی عمادیہ میں اس کی تصحیح کی ہے، ردالمحتار میں فرمایا جہاں تک میرا علم ہے یہ ظاہر الروایۃ ہے اور بیشک اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے نص فرمائی ہے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے اس کو روایت کیا ہے تو ظاہر ہوا کہ اسی پر عمل ہے الخ اس کا مکمل بیان ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۴

[3] ردالمحتار بحوالہ نور العین کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[4] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

بلکہ اس قدر تو بالاجماع ثابت ہے کہ اس قسم کے ھبہ میں خود واھب اور اس کے بعد ورثہ کو اختیار رجوع رہتا ہے اگرچہ موہوب لہ کا قبضہ ہوگیا ہو اگرچہ ھبہ زوجہ یا ذورحم محرم کے نام ہو باوجودیہ کہ زوجیت ورحم موانع رجوع سے ہیں،

فی الخیریۃ اجمع الکل علی ان للواھب استردادہا من الموہو لہ ولوکان ذا رحم محرم من الواھب لہ ولو کان ذا رحم محرم من الواھب وکما یکون للواھب الرجوع فیہا یکون الوارثۃ بعد موتہ[1] اھ ملتقطا۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ اس پر اس کا اجماع ہے کہ واھب کو موہوب لہ، سے واپس لینے کا حق ہے اگرچہ وہ واھب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح واھب کو رجوع کا حق ہے ایسے ہی اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو حق ہے اھ ملتقطا (ت)

اور اگر صورت مستفسرہ میں شیوع نہ بھی پایا جائے (جیسا کہ محمود کا لفظ "خالصا بمن مقرر شدہ" اور لفظ "موافق حصہ ہائے مقسومہ آنہا" اس کا ایہام کرتا ہے) تاہم ھبہ محض ناتمام ہے اور رشیدہ کی ملک اس میں ہرگز ثابت نہ ہوگی کہ ان دستاویزوں کی عبارت خود صریح نص ہے کہ محمود نے رشیدہ کو جائداد پر قبضہ نہ دلایا بلکہ صراحۃً قبضہ دینے سے انکار کیا حیث قال چوں وہیوٹ ومختاری آں الی قولہ ہمیں طور از آمدنی مملوکہ اہل خانہ خود الخ" اور ھبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

فی الدر المختار تتم الھبۃ بالقبض الکامل[2] اھ۔	درمختار میں ہے مکمل قبضہ کے بعد ھبہ تام ہوتا ہے اھ۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر ھبہ صحیحہ میں واھب بے قبضہ دئے مرجائے تو ھبہ باطل ہوتا ہے اور فرائض اللہ پر تقسیم پاتی ہے۔

فی موانع الرجوع من شرح التنویر والمیم عــہ موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبل بطل[3]۔	شرح تنویر الابصار میں، رجوع سے موانع، میں ذکر کیا "م" فریقین میں سے سونپ دینے کے بعد کسی کی موت ہو اور موت اس سے پہلے ہو تو پھر باطل ہے۔ (ت)

عــہ: اشارۃ فی قول صاحب التنویر "دمع خزقہ۔ عبدالمنان۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

[2] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

غرض جہاں تک نگاہ کی جائے اس عقد کے لئے کوئی وجہ صحت نہیں، نہ جائداد کا ھبہ ٹھیک آتا ہے نہ توفیر کا، نہ وصیت نہ کوئی صورت، پھر محمود کے یہ الفاظ "کہ منمقر وورا ثانم را" الخ کیا کام دے سکتے ہیں، آخر جس بنا پر اس نے یہ الفاظ لکھے تھے جب راسا وہی منعدم ہے تو یہ جو اس پر مبنی تھے خود منعدم ہوگئے، بھلا یہ عقد تو شرعا کچھ اصل ہی نہیں رکھتا خاص ھبہ صحیحہ میں شرع مطہر کا حکم ہے کہ جب تک موہوب لہ کا قبضہ نہ ہو جائے واھب کو ہر وقت نہ دینے کا اختیار ہے اور اس پر قبضہ دلانے کا جبر نہیں ہوسکتا،

لانہ متبرع والمتبرع لاجبر علیہ فی الدر المختار صح الرجوع فیہا بعد القبض اما قبلہ فلم تتم الھبۃ [1] اھ ای والرجوع انما یکون عن شیئ وقع وتم وقبل (عـــہ) التمام دفع لارفع۔	کیونکہ وہ متبرع (بھلائی کے طور پر مفت دینے والا) ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوسکتا۔ درمختار میں ہے ھبہ میں قبضہ دینے کے بعد رجوع صحیح ہے جبکہ قبضہ سے قبل تو ھبہ تام ہی نہیں ہے اھ یعنی شیئ کے وقوع اور تام ہونے کے بعد رجوع ہوتا ہے جبکہ تام ہونے سے قبل دفاع ہوتا ہے رفع نہیں ہوتا۔ (ت)

اور کوئی شخص اپنی کسی تحریر خواہ تقریر سے احکام شرع مطہر کو نہیں بدل سکتا۔ دیکھو جہاں موانع نہ ہوں تو شرع نے واجب کو بعد قبضہ بھی رجوع کا اختیار دیا اگرچہ وہ ہزار بار کہے میں نے اپنا حق رجوع ساقط کیا، مجھے رجوع کا اختیار نہ رہا اگر رجوع کروں تو نامقبول ہو کچھ مسموع نہیں۔ اور حق رجوع بدستور باقی۔

فی فتاوٰی الامام قاضیخان رجل وھب لرجل شیئا ثم قال الواھب اسقطت حقی فی الرجوع لایسقط حقہ [2] اھو مثلہ فی البزازیۃ وغیرھا۔	امام قاضی خان کے فتاوٰی میں ہے ایک شخص دوسرے کو ھبہ کرکے کہے میں نے اس سے رجوع کا ساقط کردیا ہے تو اس کا یہ حق ساقط نہ ہوگا اھ اور اسی طرح بزازیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور جب اس کے کہنے سے خود اُس کا حق زائل نہیں ہوتا تو ورثہ کو نزاع و دعوی سے کون مانع ہوسکتا ہے فان الرجل اقدر علی نفسہ منہ علی غیرہ کما لایخفی (کیونکہ دوسرے کی نسبت انسان کو اپنی ذات پر قدرت زیادہ ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں خلاصہ حکم یہ ہے کہ محمود و حمیدہ کی یہ سب دستاویزیں محض لغو و مہمل و

عـــہ: لیس فی الاصل الواو قبل قبل ولابد منہ ۱۲ عبدالمنان	(اصل میں قبل سے پہلے واؤ نہیں ہے حالانکہ یہاں واؤ ضروری ہے)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبہ فصل فی الرجوع فی الھبہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۰۴

بیکار ہیں اور اس کاغذ کا نام شرع میں کچھ نہیں کہ جب شرعا یہ کوئی عقد ہی نہ ہوا تو اس کا نام کیا رکھا جائے اور رشیدہ اور اس کی اولاد کو ان تحریرات کی رو سے مطلق کسی طرح کا استحقاق نہ اصل جائداد میں حاصل ہوا نہ زر توفیر میں، نہ انھیں دعوٰی کرنا شرعا جائز بلکہ حرام وممنوع، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۹: ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے بحالت نوکری سرکاری اپنے بیٹے بکر کے نام جو کہ اس وقت محض نابالغ تھا اپنے روپیہ سے کچھ جائداد خریدی اور کچھ جائداد اپنی بی بی منکوحہ کے نام خریدی اور اس وقت ایک بیٹی بالغ بھی تھی اس کے نام نہیں خریدی پھر زید کے ایک اور لڑکا پیدا ہوا اس کے نام بھی کچھ جائداد خریدی مگر وہ لڑکا بحالت نابالغی ہی میں فوت ہوگیا جب اس فوت شدہ لڑکے کے نابالغ کی جائداد کے کرایہ دار کو بیدخل عدالت سے زید نے کرایا تو عدالت میں زید نے بیان کیا کہ جائداد میری ہے اور میرے روپیہ سے خریدی گئی ہے لڑکے کا نام اسم فرض تھا، جب زید نوکری سے علیحدہ ہو کر اپنے مکان پر رہا تو اس وقت زید کی دو اور لڑکیاں بھی نابالغ تھیں ان کے نام بھی جائداد نہیں خریدی اس وقت اپنے نام جائداد خریدی اور کچھ بیٹے بکر کے نام سے بھی (جو کہ اس وقت قریب بلوغ کے تھا) خریدی مگر زید کل جائداد کی آمدنی جو اپنے نام اور بکر کے نام اور بیٹے متوفی کے نام اور اپنی بی بی کے نام تھی از خود وصول کرتا تھا اور اپنے تحت اور اختیار میں رکھتا تھا کسی کو اس میں مداخلت نہ تھی اور زید کی زندگی میں بکر کو جو کہ اس وقت بالغ تھا یہ اختیار نہ تھا کہ جائداد یا جائداد کی آمدنی سے کچھ کسی صرف روٹی کپڑے سے جیسا کہ دنیا میں باپ بیٹوں کو کھلاتے ہیں کھاتے اور پہنتے گو زید نے بکر کی شادی بھی کردی تھی مگر اس حالت میں بھی بکر کو آمدنی جائداد سے کچھ سروکار نہ تھا جو جائداد بکر کے نام سے خریدی تھی اس کے نالشات کی پیروی میں بکر ہمراہ زید کے جایا کرتا تھا کہ بکر کے نام سے ہوتی تھی چنانچہ زید کی زندگی میں حالت مذکورہ بالا رہی، جب زید نے وفات پائی تو اس وقت یہ کل جائداد اور اسباب اور نقدی بکر اور والدہ بکر کے پاس رہی اور بکر تحصیل آمدنی کرنے لگا، جب والدہ بکر نے بھی انتقال کیا تو سب جائداد وجنس ونقد بکر کے ہاتھ آئی اس وقت سے آج تک بکر قابض ومتصرف ہے، بکر نے اب کل جائداد کی آمدنی کی توفیر اور اس روپیہ سے جو کہ زید چھوڑ کر مرا اور جائداد اپنے نام اور اپنے دو بیٹوں کے نام خریدی، اب اگر تقسیم جائداد کی ہو اور بہنیں اپنا حصہ طلب کریں تو از روئے شرع شریف آیا کل جائداد میں سے جو کہ بکر کے نام پہلے تھی اور اب بکر نے زید کے روپیہ اور کُل جائداد کی آمدنی کی توفیر سے اپنے نام اور اپنے بیٹے کے نام سے خریدی تھی حصہ مل سکتا ہے یا صرف اُس

جائداد میں سے جو کہ زی کے نام اور زید کی بی بی کے نام اور عمرو متوفی کے نام تھی مل سکتا ہے، لہٰذا التماس ہے کہ فتوٰی بموجب حکم خدا اور رسول دیا جائے تاکہ اس پر عملدرآمد کیا جائے۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، وہ جائداد کہ زید نابالغ بیٹے بکر کے نام بدفعات اپنے روپیہ سے خریدی خاص ملک بکر کی ہے جس میں دیگر وارثان زید کا اصلاً کچھ حق نہیں، عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ میں ہے:

فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملیك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ[1] اھ مافی العقود **اقول**:فشراء الاب باسم الولد یقع رأسا للولد لان الاب یملك ذٰلك فالولد ملك العقار ابتداءً والاب متبرع باداء الثمن حیث لم یظھر قصد الرجوع۔	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے، عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی زمین اپنے مال سے خریدی تو یہ خریداری ماں کی اپنی ہوگی کیونکہ وہ نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کی مالک نہیں، تو یہ زمین بیٹے کی ہوگی کیونکہ ماں نے اسے ھبہ کیا ہے عقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی، **اقول**: (میں کہتاہوں) تو باپ کی ایسی خریداری ابتداء سے بیٹے کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ہی ہوگی کیونکہ باپ کو نابالغ بیٹے کے لئے خریداری کا اختیار ہے اور باپ رقم کی ادائیگی میں بیٹے کے حق میں متبرع ہوگا کیونکہ اس نے رجوع کا اظہار نہیں کیا۔(ت)

اور جائداد کا تاحیات زید قبضہ بکر میں نہ آنا کچھ مضر نہیں کہ اول تو زید کی ملک برنائے ھبہ نہیں بلکہ برنبائے خرید پدر ہے **کما علمت اٰنفا** (جیسا کہ تونے ابھی جانا۔ت) اور ملک بذریعہ شراء قبضہ پر موقوف نہیں اور بالفرض ھبہ ہی ٹھہرائے تو قبضہ پدر بعینہٖ قبضہ پسر نابالغ ہے، مجمع الانہر میں ہے:

ھبۃ الاب لطفلہ تتم بالعقد لانہ فی قبض الاب فینوب عن قبض الصغیر	نابالغ بچے کے لئے باپ کا ھبہ صرف عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے کیونکہ وہ ھبہ باپ کے قبضہ میں بیٹے کے نائب ہونے کی حیثیت سے ہے

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

لانہ ولیہ[1]۔	کیونکہ یہ اس کا ولی ہے۔(ت)

اور آمدنی جائداد سے بکر کو سروکار نہ ہونا بھی ملک بکر کے منافی نہیں نابالغ کی خود اپنی جائداد خاص غیر عطائے پدر ہوتی ہے تو اس پر اور اس کی آمدنی پر بھی باپ ہی کا تصرف واختیار ہوتا نابالغ کو اس سے بھی کچھ سروکار نہ ہوتا اور بعد بلوغ بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ جو جائدادیں لوگ اپنے بیٹوں کو لکھ دیتے اور تکمیل ھبہ کے لئے بھی قبضہ کرادیتے ہیں بلکہ درپردہ بیع صحیح شرعی وھبہ ثمن تملیک بلاعوض کی تکمیل کرتے ہیں ان پر بھی تاحیات آباء ان مالکان واقعی کا کچھ اختیار اور باپ کی دست نگری کے ساتھ روٹی کپڑے کے سوا کسی چیز سے سروکار نہیں ہوتا اور اتفاقاً جو حیات پدر میں اپنا مستقل اختیار رکھنا چاہتا ہے بدوضع وآوارہ ناسعادت مند گنا جاتا ہے، نظیر اس کی اس کا عکس ہے کہ جب بیٹے لائق وہوشیار وقابل کار ہوتے اور باپ اپنا فارغ البال رہنا چاہتے ہیں تمام املاک پدر قبضہ وتصرف ابناء میں رہتے ہیں۔مالکوں کو روٹی کپڑے کے سوا کچھ تعلق نہیں ہوتا جبکہ اس سے بیٹوں کا مالک ہونا لازم نہیں آتا اس سے باپ کا مالک ہونا ہی سمجھا جائے گا بلکہ بدرجہ اولٰی کہ بیٹوں کا قبضہ نہ ہونا تو کراہت قلبی سے بھی ہوسکتا ہے کہ دل میں قبضہ پدر سے راضی نہ ہو مگر لحاظ کے باعث مانع نہیں آتے خصوصاً نابالغ کہ اس کی رضا بھی کوئی شے نہیں بخلاف آباء کہ ان کی املاک پر تصرفات ابناء ان کی رضاہی سے ہوتے ہیں باوجود اس کے یہ قبضہ واختیار وتصرف واقتدار دلیل ملک نہیں ہوتا،

کما فی الخیریۃ وفی القنیۃ فع(ای فتاوی العصر للامام علی السندی)عن(ای الامام عمر النسفی) امر اولادہ ان یقسموا ارضہ التی فی ناحیۃ کذا بینھم ففعلوا لایثبت الملك لھم،ظم(ای الامام ظھیر الدین المرغینانی)مثلہ بخ(ای الامام بکر خواھر زادہ)قال لولدہ تصرف ھذہ الارض فاخذ یتصرفھا	جیسا کہ فتاوٰی خیریہ میں ہے،اور قنیہ میں"فع"یعنی فتاوٰی العصر امام علی سندی عن یعنی امام عمر نسفی،باپ نے بیٹوں سے کہا کہ فلاں علاقہ میں واقع میری زمین کو آپس میں تقسیم کرلو،انہوں نے ایسا کیا تو بیٹوں کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔"ظم"یعنی امام ظہیر الدین المرغینانی،اس کی مثل"بخ"یعنی امام بکر خواہر زادہ،ایک شخص نے اپنے بیٹے سے کہا اس زمین میں تصرف کرلو،تو بیٹے نے تصرف شروع

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

لاتصیر ملکالہ[1]۔	کردیا اس سے بیٹے کی ملکیت نہ بنے گی۔(ت)

یوہیں زید کا جائداد عمرو پسر دوم کی نسبت اس کی مرگ کے بعد یہ ظاہر کرنا کہ جائداد میری ہے میرے روپیہ سے خریدی گئی، عمرو کا نام فرضی تھا کچھ مضرت نہیں کرتا کہ اول تو یہ صرف اس کا زبانی دعوی تھا ملک عمرو شرعا ثابت ہوئی صرف اس کے اسم فرضی بتانے سے کیونکر زائل ہوسکتی تھی، نہ اس کے روپیہ سے خریدا جانا اس کے ملک پر دلیل تھا جبکہ صراحۃ اس نے پسر نابالغ کے نام خریدی، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب[2]۔	باپ کے مال سے خریداری کرنے سے لازم نہیں کہ وہ مبیع باپ کی ملک ہو۔(ت)

اور بالفرض ہو بھی تو اس سے بکر کا نام بھی فرض ہونا لازم نہیں۔ تو بلاوجہ دلیل شرعی سے کیونکہ عدول ہوسکتا ہے، پس لاجرم یہ جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام خریدیں ہرگز محل توریث نہیں۔ اسی طرح وہ بھی جو بکر نے اپنے یا اپنے نابالغ بیٹوں کے نام مول لیں اگرچہ قیمت زر مشترک سے ادا کی ہو،

فان الشراء متی وجد نفاذا علی عاقد نفذ کما فی الھدایۃ والدرالمختار[3] وغیرھا من الاسفار۔	کیونکہ خریداری جب خریدار پر نافذ ہو تو وہ نافذ ہی قرار پائے گی، جیسا کہ ہدایہ، درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی[4]۔	بیٹے کے یہ کہنے سے کہ میں نے یہ گھر باپ کے مال سے خریدا ہے، باپ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔(ت)

غایت یہ کہ اگر ثابت ہوجائے کہ زر ثمن مال مشترک سے دیا گیا تو باقی ورثاء کا اس قدر روپیہ بقدر اپنے اپنے حصص کے بکر پر قرض رہے گا جس کے مطالبہ کے وہ مستحق ہیں نہ کہ جائداد کا کوئی پارہ ان کی ملک ٹھہرے، ردالمحتار میں ہے:

[1] القینۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الھبہ باب فی الفاظ التی ضیعقد بھاالھبۃ کلکتہ بھارت ص ۲۱۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الوکالۃ فصل لا یعقد وکیل البیع الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۰۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۱۹

ما اشتراہ احدہم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصۃ شرکائۃ من ثمنہ اذا دفعہ من المال المشترک[1]۔	ان میں سے جو بھی اپنی ذات کے لئے خریدے گا وہ اسی کی ہوگی، اور اس کے شرکاء حضرات اتنے ثمن کا اس کو ضامن بنائیں بشرطیکہ اس نے مشترکہ مال سے ادائیگی کی ہو۔(ت)

پس ثابت ہوا کہ زید نے جو نقد روپیہ چھوڑا یا زید عمرو وزوجہ زید کے نام جو جائدادیں تھیں پس وہی متروکہ زید وزوجہ زید ہیں باقی جائدادیں کہ زید نے بکر کے نام یا بکر نے خود اپنے نام یا اپنے بیٹوں کے نام خریدیں ملک بکر وپسران بکر ہیں جن میں باقی ورثہ زید کا کوئی حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: ۶صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ جائداد موروثی اور خود خرید مقبوضہ مملوکہ اپنے کے بنظر حق تلفی دیگر ورثاء شرعی کے نصف جائداد بطریق سازاور مصلحت وقت اپنی زوجہ مدخولہ نو مسلم شیعہ کے نام تاحین حیات اس کے ھبہ کردی اور اختیار انتقال اور قبضہ جائداد موہوبہ پر موہوب الیہا کو نہ دیا اور تحصیل وتشخیص ومصارف ضروری وغیر ضروری اپنے اختیار میں رکھی اور یہ شرط ھبہ نامہ میں لکھی کہ بالعوض حق الخدمت یہ جائداد ھبہ کی جاتی ہے تاحین حیات اپنے موہوب الیہا مالک اس جائداکی گردانی جائے اس کے بعد دختر متوفیہ کی اولاد کہ محجوب الارث ہے مالک ہوگی اور وہ شیعہ مذھب ہے، بعد تملیک ھبہ نامہ کے زید نے ایک جزء موہوبہ کا بیع کرڈالا اور بقیہ موہوبہ کو بشمول جز منجملہ نصف جائداد وغیرہ موہوبہ کے اپنی اور زوجہ مدخولہ کی طرف سے اس نواسہ شیعہ محجوب الارث کے نام بلاکسی استحقاق ھبہ مکرر کیا اور تاحین حیات اپنے خود قابض ومتصرف رہا اور مرگیا، ایسی صورت میں یہ ھبہ شرعا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں ھبہ محض باطل وبے اثر ہیں اور جائداد میں اس عورت خواہ نواسے کا کوئی استحقاق بذریعہ ھبہ نہیں بلکہ تمام وکمال وہ جائداد خاص متروکہ زید قرار پاکر بحکم فرائض اس کے وارثوں پر تقسیم کی جائے گی یہاں بطلان ھبہ کے لئے اگر اور کوئی وجہ نہ ہو تو اسی قدر بس ہے کہ حیات واھب میں قبضہ نہ ملا، عالمگیریہ میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

لایثبت الملك للموہوب له قبل القبض [1]۔	قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت نہ ہوگی (ت)

درمختار میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	"م"فریقین میں سے کسی ایک کی سونپ دینے کے بعد موت ہو اور سونپنے سے پہلے ہو تو ھبہ باطل ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۱: ۳ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ! بعد تسلیم نیاز کے گزارش ہے اگر زید نے عمرو کو کوئی چیز ھبہ بلاعوض کی اور اس کو دس بارہ برس کا عرصہ بھی گزر گیا وہ جب سے قابض ودخیل ہے تو زید اس کو واپس کرسکتا ہے یا نہیں؟فقط راقم خاکسار عزیز اللہ۔

الجواب:

اگر ۱وہ شخص اس کا ذی رحم محرم نہیں یعنی نسب کے رو سے ان میں باہم وہ رشتہ نہیں جو ہمیشہ ہمیشہ حرمت نکاح کا موجب ہوتا ہے جیسے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، بھائی، بہن، بھتیجا، بھتیجی، بھانجا، بھانجی، ۲نہ یہ واہب وموہوب لہ وقت ھبہ باہم زوج وزوجہ تھے، ۳نہ موہوب لہ وقت ہبہ فقیر تھا، ۴نہ اب تک موہوب لہ اس ھبہ کے عوض میں کوئی چیز یہ جتا کر واہب کو دے چکا ہے کہ یہ تیرے ہبہ کا معاوضہ ہے، ۵نہ اس عین شیئ موہوب میں کوئی ایسی زیادت موہوب لہ کے پاس حاصل ہوئی اور اب تک باقی ہے جس سے قیمت بڑھ جائے جیسے زمین میں عمارت یا پیڑ یا کپڑے میں رنگ یا جاندار میں فربہی یا کنیز میں حُسن یا اسے کوئی صنعت یا علم آجانا تو ان سب شرائط کے ساتھ ۶جب تک وہ شے موہوب اس موہب لہ کی ملک میں باقی و۷ قائم اور ۸واہب وموہوب لہ دونوں زندہ ہیں اگرچہ ھبہ کو سو برس گزر چکے ہوں واپس لینے کا اختیار ہے بایں معنی کہ یا تو موہوب لہ خود واپسی پر راضی ہوجائے یا یہ بحکم حاکم شرع واپس کرالے ورنہ آپ جبراً لے لینے کا کسی غیر حاکم شرعی کے حکم سے واپس کرانے کا اصلا اختیار نہیں یونہی اگر ان آٹھ شرطوں میں سے کوئی بھی کم ہے تو واپسی کا مطلقاً اختیار نہ ہوگا، پھر یہاں اختیار کا صرف اتنا حاصل کہ واپسی صحیح

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ہو جائے گی لیکن گناہ ہر طرح ہوگا کہ دے کر پھیر ناشرعاً منع ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی مثال ایسی فرمائی جیسے کتا قے کرکے چاٹ لیتا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی والمسائل کلھا مبسوطۃ فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (اللہ تعالٰی کی پناہ، اور یہ تمام مسائل درمختار وغیرہ کتب میں بسط سے مذکور ہیں۔ت) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالقلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء [1]، رویاہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ہبہ دے کر رجوع کرنے والا اپنی قے میں عود کرنے والے کتے کی طرح ہے۔بُری مثال ہمارے شایان شان نہیں، دونوں نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

سنن اربعہ میں ہے حضور اقدس سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعطی العطیۃ ثم یرجع فیھا کمثل الکلب أکل حتی اذا شبع قاء ثم عاد فی قیئہ [2]، رواہ عن ابن عمر و ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم وصححہ الترمذی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس شخص کی مثال جو عطیہ دے کر پھر اس میں رجوع کرتا ہے اس کتے کی طرح ہے جو سیر ہو کر کھاتا ہے پھر سیر ہو جانے پر قے کرتا ہے اور قے میں رجوع کرتا ہے یعنی چاٹتا ہے۔ انہوں نے اس کو ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی تصحیح کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/ ۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/ ۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی کراھیۃ الرجوع من الھبۃ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵، صحیح البخاری کتاب الھبۃ ۱/ ۳۵۷ و کتاب الحیل ۲/ ۱۰۳۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الھبات باب تحریم الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶

I.T. Majlis of Dawateislami

مسئلہ ۵۲: ۴ ربیع الثانی ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ایک بھائی حقیقی اور تین حقیقی بھتیجوں کو ایک مکان ہبہ بلاعوض کیااور بیعنامہ رجسٹری کراکر ان کے حوالے کیا جس کو عرصہ دس بارہ برس کا گزر گیا کہ یوم ہبہ سے وہ ہر طرح اب تک اس پر قابض اور دخیل ہیں اور مرمت اور شکست وریخت وغیرہ سب انہیں کے اختیار اور ہاتھ سے ہوتے رہے اور اس درمیان تین بھتیجوں میں سے دو نے قضا کی ان کی جگہ ان کی اولاد خورد سال اور ان کی بیویاں قائم وقابض ہوئیں، اب زید ہبہ کو فسخ کیا چاہتا ہے تو اب اس کو واپس لینے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید نے وہ مکان تقسیم کرکے ہر موہوب لہ کو ایک محدود و معین وممتاز ٹکڑے پر جداجدا قبضہ کامبلکہ کرادیا تھا یا وہ مکان کوئی چھوٹی سی دکان یا کوٹھری تھا کہ قابلیت تقسیم نہ رکھتا تھا یا چاروں موہوب او وقت ہبہ فقیر تھے (اور فقر کے معنی بالغوں کے لئے یہ ہیں کہ مال بقدر نصاب کے خود مالک نہ ہوں اگرچہ ان کے والدین غنی یعنی مالک نصاب ہوں اور نابالغ کے فقر میں یہ بھی شرط ہے کہ اس کا غنی باپ زندہ موجود نہ ہو، اگر ماں غنیہ ہو کر بچہ اپنے باپ کی زندگی میں اس کے غنا سے غنی قرار پاتا ہے یہاں تک کہ اسے زکوۃ وصدقہ واجبہ دینا روانہیں اور ماں کے غنا سے غنی نہیں ٹھہرتا) ان صورتوں میں وہ ہبہ قطعاً صحیح وتام ونافذ ولازم ہوگیا جس میں رجوع کا زید کو ہرگز اختیار نہیں کہ موہوب لہم فقیر ہیں تو ہبہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع نہیں۔ ورنہ وہ سب واہب کے ذی رحم محرم ہیں اور ایسی قرابت میں ہبہ سے رجوع ناجائز، خصوصاً بھتیجوں کے حصہ میں تو رجوع سے ایک اور مانع بھی پیش آیا یعنی موہوب لہم کا مرجانا کہ جواز رجوع کے لئے زندگی عاقدین میں شرط ہے۔

فی الدر المختار تتم الهبة بالقبض الكامل فی محوز مقسوم ومشاع لا يبقى منتفعا به بعد ان يقسم كبيت وحمام صغيرين لانها لاتتم بالقبض فيما يقسم لعدم تصور القبض الكامل فان قسمه وسلمه صح لزوال المانع وهب	درمختار میں ہے کامل قبضہ سے ہبہ تام ہوتا ہے اس میں جو تقسیم ہو کر محفوظ چیز اور ایسی غیر منقسم چیز جو تقسیم ہو کر محفوظ اور قابل انتفاع نہ رہے جیسے چھوٹا کمرہ اور چھوٹا حمام، کیونکہ قابل تقسیم چیز میں قبضہ تام نہیں ہوتا اس لئے کہ کامل قبضہ متصور نہیں ہوسکتا، ہاں اگر قابل تقسیم کو تقسیم کرکے سونپا تو صحیح ہے کیونکہ مانع زائل ہوگیا،

اثنان دارًا لواحد صح وبعکسہ لا لشیوع فیما یحتمل القسمۃ واذا تصدق بعشرۃ دراھم اووھبھا الفقیرین صح لان الھبۃ للفقیر صدقہ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ تعالٰی وہو واحد فلا شیوع، ویمنع الرجوع فیھا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم و القرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نیسا لا یرجع [1] اھملتقطا وفی ردالمحتار عن التتارخانیۃ عن المضمرات لوقال وھبت منکما ھذہ الدار والموھوب لھما فقیران صحت الھبۃ بالاجماع اھ [2]۔ وفی مختصر القدوری لایصح الرجوع فی الصدقۃ بعد القبض اھ [3]۔	دو حضرات نے ایک مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو صحیح ہے۔اگر عکس ہو یعنی ایک نے دو کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ قابل تقسیم غیر منقسم ہوا،اور اگر دس درہم صدقہ کئے یا دو فقیروں کو ہبہ کئے صحیح ہے کیونکہ فقیر کو ہبہ بھی صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کے لئے ہوتا ہے اور وہ ایک ہی ذات ہے، تو غیر منقسم ہونا نہ پایا گیا،اور فریقین سے ایک کا سونپ دینے کے بعد فوت ہوجانا اور قرابت رجوع کے لئے مانع ہے تو اگر اپنے کسی نسبی ذی رحم محرم کو ہبہ کیا تو رجوع نہ کرے گا اھ ملتقطا،اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے مضمرات کے حوالہ سے منقول ہے اگر کہا کہ میں تم دونوں کو یہ مکان ہبہ کرتا ہوں حالانکہ موہوب لہ دونوں فقیر ہیں تو ہبہ صحیح ہے بالاجماع اھ اور مختصر القدوری میں ہے قبضہ کے بعد صدقہ میں رجوع صحیح نہیں اھ۔(ت)

اور اگر وہ مکان بڑا یعنی قابل تقسیم تھا اور زید نے مشاعا چاروں کو ہبہ کیا اور تقسیم کرکے خاص خاص معین حصوں پر جدا جدا قابض نہ کردیا اور موہوب لہم سب یا بعض اس وقت غنی بمعنی مذکور تھے (یعنی ان میں کوئی بذات خود مالک نصاب تھا یا ان میں کسی نابالغ کا باپ مالک نصاب زندہ موجود تھا) تو رجوع وواپسی درکنار یہ ہبہ صحیح ومعتمد وظاہر الروایۃ پر سرے سے مفید ملک واقع نہ ہوا مکان بدستور ملک زید پر باقی ہے جس میں موہوب لہم خواہ ان کے ورثہ کا کوئی حق نہیں ان پر لازم ہے کہ سارا مکان زید کو واپس دیں اور زید قطعاً اختیار رکھتا ہے کہ جس وقت چاہے بے ان کی رضامندی کے بطور خود قبضہ کرلے جس سے نہ ان کی قرابت منع کرسکے نہ بعض عاقدین کا مرجانا کہ مکان ان کی ملک میں

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹تا ۱۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

[3] مختصر القدوری کتاب الھبۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۱۵۷

ایا ہی نہ تھا جو شرائط رجوع دیکھے جائیں بلکہ بعض علماء کو ہبہ مشاع کو فاسد اور بعد قبضہ ناقصہ مفید ملک خبیث مانتے ہیں ان کے نزدیک بھی اس کا رد واجب، اور واہب کو ہمیشہ اختیار رجوع رہتا ہے جس سے قرابت خواہ موت احد العاقدین وغیرہما کوئی مانع اصلاً منع نہیں کرسکتا۔ بہرحال اس صورت میں ان لوگوں کا قبضہ اگرچہ سالہا سال ہے محض ناجائز وبے اثر کہ تقادم مدت سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح هبة المشاع الذی یحتمل القسمة کالدار و الارض ولوصدق الوارث علی صدورها من المورث ولا تفید الملك فی ظاهر الروایة قال الزیلعی ولوسلمه شائعا لایملکه حتی لاینفذ تصرفه فیه فیکون مضمونا علیه وینفذ فیه تصرف الواهب ذکره الطحاوی و قاضی خاں وروی عن ابن رستم مثله و ذکر عصام انها تفید الملك وبه اخذ بعض المشائخ انتهی، ومع فادتها للملك عند هذا البعض اجمع الکل علی ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو کان ذارحم محرم من الواهب وکما یکون للواهب الرجوع فیها یکون لوارثه بعد موته لکونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك[1] اھ ملخصا۔	قابل تقسیم چیز کا مشاعی طورپر (غیر منقسم) ہبہ صحیح نہیں، جیسے مکان اور زمین اگرچہ موروث کے مرنے کے بعد اس کے وراث تصدیق بھی کردیں کہ مورث نے یہ ہبہ کیا تھا، اور ظاہر الروایۃ میں یہ ہبہ مفید ملک نہیں ہے، امام زیلعی نے فرمایا اگر بطور شیوع ہبہ کیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا حتی کہ اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا تو وہ مضمون بنے گا جبکہ واہب تصرف کرے تو نافذ ہوگا یہ طحاوی اور قاضیخاں نے ذکر کیا ہے، ابن رستم سے یہی منقول ہے جبکہ عصام نے ذکر کیا کہ مفید ملک ہوگا، اسی کو بعض نے لیا ہے اھ، ان بعض حضرات کے مفید ملک ہونے کے باوجود سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر واہب واپس لینا چاہے تو لے سکتا ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، اور جس طرح خود واہب رجوع کرسکتا ہے اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء بھی رجوع کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ قابل رد ہے اور ہلاک ہوجائے تو اس کا ضمان دیا جائے گا اھ ملخصا۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبہ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

قہستانی میں ہے:

وکمالا یمنع الرجوع فی الھبۃ الفاسدۃ القرابۃ فکذا غیرھا من الموانع [1] اھ۔ **اقول:** فقد ظھر الجواب اذا کانوا جمیعا اغنیاء وکذا اذا کان بعضھم غنیا و البعض فیقر لان الشیوع انما لایعمل فی الصدقۃ اذا تصدق بالکل فقیرین اوفقراء لکون المراد بالکل ح ھو وجہ الواحد الاحد الفرد جل جلالہ کما مر عن الدرالمختار [2]۔ امااذاکان بعضہ ھبۃ لغنی فلم یکن المراد بکلہ وجھہ تعالٰی فتحقق المعنی المانع عن افادۃ الملك الاتری الی ماصرح بہ فی تنویر الابصار و شرحہ الدرالمختار من ان الصدقۃ کالھبۃ بجامع التبرع وح لاتصح غیرمقبوضۃ ولا فی مشاع یقسم [3] اھ قال فی البحر فان قلت تقدم ان الصدقۃ لفقیرین جائزۃ فیمایحتمل القسمۃ بقولہ وصح تصدق عشرۃ لفقیرین قلت المراد ھھنا	جس طرح قرابت فاسدہ ہبہ کو واپس لینے میں مانع نہیں اسی طرح دیگر امور بھی مانع نہیں اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں) تو جواب واضح ہوگیا کہ صدقہ کی صورت میں سب غنی ہوں یا بعض غنی اور بعض فقیر ہوں تو رجوع صحیح نہیں ہے کیونکہ شیوع صدقہ میں موثر نہیں اسی لئے جب کل دو ۲ یا کئی فقیروں پر صدقہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ صدقہ واحد احد جل جلالہ کے لئے ہوتا ہے جیسا کہ درمختار سے گزرا اور اگر اس کُل کا بعض حصہ کسی غنی کو ہبہ کیا تو صحیح نہیں کیونکہ اب کل اللہ وحدہ کے لئے نہ ہوا تو صحیح معتمد مذہب کے مطابق مفید ملک ہونے سے مانع پایا گیا۔ آپ نے دیکھا تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار نے جو تصریح کی کہ صدقہ ہبہ کی طرح تبرع کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے تو مفید ملک نہ ہونے کی صورت میں غیر مقبوض اور قابل تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ، بحر میں فرمایا اگر اعتراض ہو کہ پہلے یہ گزرا کہ قابل تقسیم غیر منقسم چیز کا صدقہ دو ۲ فقیروں کو جائز ہے جو اس عبارت میں بیان کیا کہ دس دراہم دو ۲ فقیروں کو جائز ہے تو میں جواب دیتا ہوں

[1] جامع الرموز

[2] درمختار کتاب البھۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۶

من المشاع ان یھب بعضه لواحد فقط فح ھو مشاع یحتمل القسمة بخلاف الفقیرین فانه لا شیوع کما تقدم [1] اھ فما نحن فیه عین عــــه تلك الصورة المصرح	کہ یہاں مشاع سے مراد یہ ہے کہ ایک چیز کا بعض ایک کو دیا جائے تو یہ مشاع قابل تقسیم ہے بخلاف جب دو فقیروں کو ہبہ کیا جائے تو شیوع نہ ہوگا، جیساکہ گزرا ہے اھ تو ہماری زیر بحث صورت بعینہٖ یہی ہے۔

عــــه: ثم رأیت بحمد الله تعالٰی نفس الجزئیة فی العقود الدریة حیث قال وجه صحتها اذا کانت لفقیرین ما صرحوا به من ان الصدقة یراد بها وجه الله تعالٰی وھو واحد فلا شیوع والا فقد صرحوا فی المتون ایضا بان الصدقة کالھبة لاتصف فی مشاع یقسم ای بان انه لووھب داره مثلا التی تحتمل القسمة من غنیین لایصح للشیوع خلافا لھما لو تصدق بھا علی فقیرین یصح اتفاقا لما مر ولووھب نصفھا لواحد وتصدق به علی فقیر واحد لم یصح لتحقق الشیوع [2] اھ ھکذا ھو بالواؤ فی و تصدق فی النسخة المطبوعة ببولاق مصر ۱۲۷۳ھ من الھجرة المطھرة۔ والله تعالٰی اعلم۔

پھر میں نے بحمد اللہ تعالٰی بعینہٖ یہ جزئیہ العقود الدریۃ میں دیکھا جہاں انہوں نے فرمایا، اس کی صحت دو فقیروں کی صورت میں ان کی تصریح کے مطابق یہ ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالٰی کی رضا مطلوب ہے اور وہ ذات واحد احد ہے تو شیوع نہ ہوا، ورنہ تو خود فقہائے نے متون میں تصریح فرمائی ہے کہ صدقہ ہبہ کی طرح قابل تقسیم شیوع میں صحیح نہیں کہ ایک چیز کا بعض حصہ ایک کو صدقہ کرے، الحاصل اگر ایک مکان جو قابل تقسیم ہے دو غنی حضرات کو ہبہ کیا تو شیوع کی وجہ سے صحیح نہیں، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، جبکہ یہ مکان دو فقیروں کو صدقہ کیا تو بالاجماع جائز ہے جیساکہ گزرا ہے، اور اگر اس مکان کا بعض غیر منقسم حصہ ایک فقیر کو صدقہ دیا اور بعض حصہ دوسرے ایک کو ہبہ کیا تو صحیح نہ ہوگا کیونکہ شیوع پایا گیا، (بولاق مصر کے مطبوعہ ۱۲۷۳ھ کے نسخے میں "وتصدق" ہے، تصدق سے قبل واؤ ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] بحر الرائق کتاب الھبۃ فصل بمنزلہ مسائل شتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۹۷

[2] العقود الدریۃ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۷

ببطلانها اعنی التصدق بالبعض وابقاء البعض علی ملك نفسه فان الهبة فی حصة الاغنیاء لما لم تفد شیئا للشیوع بقیت تلك الحصة علی ملك الواهب فلم یکن الا تصدقا بالبعض وابقاء للبعض الباق فلم یصح ای لم یفد ملکا للفقیر ایضا وبه تبین ان لیس هذا رجوعا فی الصدقة حتی لاتجوز بعد القبض فان الرجوع انما هو بعد ثبوت الملك للفقیر وههنا لاملك فلا رجوع فلا منع هکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	جس کے بطلان کی تصریح ہے یعنی ایک چیز کے بعض کو صدقہ کرنا اور بعض کو اپنی ذاتی ملک میں رکھنا کیونکہ اغنیاء کے حصے کا ہبہ جب شیوع کی وجہ سے مفید ملک نہ ہوا تو وہ حصہ واہب کی اپنی ملک میں رہا تو یہ صرف بعض کا صدقہ اور بعض کا اپنی ملک میں باقی رکھنا ہوا تو صحیح نہ ہوگا، یعنی فقیر کی ملکیت کے لئے بھی مفید نہ ہوا تو واضح ہوگیا کہ مذکورہ صورت میں صدقہ میں رجوع نہ بنا حتی کہ بعد قبضہ بھی ناجائز ہے، اور رجوع تب ہوتا کہ فقیر کی ملکیت پہلے ثابت ہوتی جبکہ یہاں فقیر کی ملکیت ثابت نہ ہوئی، تو ملک نہیں ہوئی تو رجوع بھی نہ ہوا تو ممنوع صورت نہ ہوئی، جب توفیق ساتھ دے تو تحقیق یوں چاہئے، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۵۳: ۲۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان خرید کر اپنی دختر ہندہ عاقلہ بالغہ کو ہبہ کامل مع قبضہ کردیا، زید خود دوسرے مکان میں رہتا تھا اس مکان موہوب میں ہندہ ہبہ سالہا سال سے رہا کی اور رہتی ہے مگر زید نے اس ہبہ کی کوئی دستاویز نہ لکھی، ہاں کل عزیز اور چند ورثاء اور تمام اہل محلّہ اس ہبہ سے اگاہ ہیں اور گواہی دینے کو موجود ہیں اس صورت میں وہ ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا نہیں اور مکان ہندہ دختر زید ہے یا ملک زید قرار پاکر اس کے ترکہ میں تقسیم ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان خالص ملک ہندہ دختر زید ہے جس میں زید کا اصلا کوئی استحقاق نہیں۔ نہ وہ زید کا ترکہ قرار پاسکے کہ شریعت مطہرہ میں ہبہ وغیرہ تمام عقود صرف زبان سے ہیں تحریر کوئی ایسی چیز نہیں کہ اس کے بغیر کسی عقد کو ناتمام وغیر مکمل تصور کیا جائے

فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

اما اشترط کونه یکتب فی حجة ویقید فی سجلات فلیس بلازم شرعا ومخالف للموضوع الشرعی فان اللفظ بانفرادہ کاف فی صحة ذٰلك شرعا والزیادۃ لا یحتاج الیها [1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن شرط لگانا کہ اشٹام لکھا جائے اور رجسٹروں میں درج کیا تو شرعاً یہ ضروری نہیں، اور شرعی وضع کے خلاف ہے کیونکہ اکیلا لفظ ہی اس کی صحت کے لئے کافی ہے اور زیادہ کی ضرورت نہیں اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے ایک اراضی اپنے بیٹے کے نام خریدی، بعد ایک مدت کے وہ زمین ایک طبیب کو ہبہ کی پسر زید اصل مالک زمین نے کہ عاقل بالغ تھا اس فعل کو جائز رکھا اور کہا مجھے منظور ہے چنانچہ وہ طبیب ایک مدت تک برضائے واہب ومالک اس زمین پر قابض ودخیل رہا، اب بعد انتقال زید وپسر زید نبیرہ زید اس زمین کو واپس لینا چاہتا ہے، آیا وہ اسے واپس لے سکتا ہے؟ اور اس واپس لینے کا اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگرچہ زید کا ہبہ ہبہ فضولی تھا مگر جب اصل مالک نے اس کی اجازت دی اور موہوب لہ نے برضائے مالک قبضہ پالیا تو وہ زمین اس طبیب کی ملک تام ہوگئی اب کہ مالک نے انتقال کیا اصلاً حق رجوع کسی کو نہ رہا نبیرہ زید کا ارادہ واپسی محض مہمل ہے اسے خواہ کسی کو اس زمین کو واپس لینے کا اصلاً اختیار نہیں۔ درمختار میں ہے:

باب موانع الرجوع یجمعها حروف دمع خزقة و المیم موت احد المتعاقدین اھ [2] ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع کو یہ حروف جامع ہیں دمع خزقہ، اور "م" سے مراد عاقدین میں سے ایک کی موت ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۵۵: ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بعد انتقال مورث اعلیٰ کے ترکہ مشترکہ سے جزو عمرو کو زبانی دیا یا بخشا یا کل حصہ خالد اور ولید کو بذریعہ تحریر ہبہ کیا اور جزو یا کل غیر منقسم پر قبضہ دیا، بعد اس کے دیگر شرکاء اور زید میں بابت ترکہ مشترکہ غیر منقسم مورث اعلیٰ کے نزاع ہو کر تقسیم جائداد ہوئی، زید مذکور نے ازروئے تقسیم اپنا وہ حصہ کہ جس کا جزو یا کل ہبہ کرچکا تھا پایا اس کُل کو بیع کردیا صورت مذکورہ بالا میں دہندگی اور بخشندگی اور ہبہ زبانی و تحریری جائز اور قابل نفاذ ہے یانہیں؟ بیان کرو تم اجر پاؤ تم۔

الجواب:

شے مشترکہ صالح تقسیم کا ہبہ قبل تقسیم ہرگز صحیح نہیں اور اگریوں ہی مشاعا یعنی بے تقسیم موہوب لہ کو قبضہ بھی دے دیا جائے تاہم وہ شیئ بدستور ملک واہب پر رہتی ہے موہوب لہ کا اصلا کوئی استحقاق اس میں ثابت نہیں ہوتا، نہ وہ ہرگز بذریعہ ہبہ اس کا مالک ہوسکے جب تک واہب تقسیم کرکے خاص جزء موہوب معین محدود وممتاز جداگانہ پر قبضہ کاملہ نہ دے، یہاں تک کہ ایسے قبضہ ناقصہ کے بعد بھی اگر موہوب لہ اس شیئ میں بیع وغیرہ کوئی تصرف کرے محض باطل و ناقابل نفاذ ہے اور واہب کے سب تصرفات جیسے قبل ہبہ نافذ تھے اب بھی بدستور تام و نافذ ہیں۔ یہی حق و صحیح معتمد ہے اور اسی پر تعویل واعتماد لازم، پھر یہ شیوع چاہے یوں ہو کہ سرے سے خود واہب کی جائداد میں ایک حصہ غیر منقسم کا مالک ہے یہی حصہ کل یا بعض قبل تقسیم ہبہ کیا یا یہ تواس کل چیز کا مالک تھا مگر ہبہ اس میں سے ایک جزو غیر منقسم کا کیا یا ہبہ بھی کل کا کیا مگر دو شخصوں کو دیا اور ہر موہوب لہ کا حصہ جدا وممتاز کرکے قبضہ نہ دلایا، تینوں صورتوں کا وہی حکم ہے کہ ہبہ محض ناتمام اور ایسے قبضہ کے بعد بھی موہوب لہ کو اصلا ملک حاصل نہیں، تنویر الابصار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض فی محوز مقسوم و مشاع لایقسم لافیما یقسم ولو لشریکہ فان قسمہ وسلمہ صح ولو سلمہ شائعا لایملکہ فلاینفذ تصرفہ فیہ [1] اھ ملتقطاً۔	مقسوم محفوظ اور ناقابل تقسیم مشاعی چیز کا ہبہ قبضہ سے تام ہوتا ہے جبکہ مشاع قابل تقسیم ہو تو اگرچہ شریک کو ہی ہبہ کیا وہ صحیح نہ ہوگا، ہاں اگر تقسیم کردیا اور قبضہ دے دیا تو صحیح ہوگا، اور مشاع کو ہی سونپ دیا تو موہوب لہ مالک نہ ہوگا لہٰذا اس کا تصرف اس میں نافذ نہ ہوگا اھ ملتقطا(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا۔[1]	اگر دو حضرات نے ایک مکان ایک ہی شخص کو ہبہ کیا صحیح ہے اگر عکس کیا تو صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[۲] فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال فی [۳] مشتمل الاحکام نقلا عن [۴] تتمۃ الفتاوی ان ہبۃ المشاع باطلۃ وھو الصحیح[2]۔	مشتمل الاحکام میں تتمۃ الفتاوی سے منقول ہے کہ مشاع چیز کا ہبہ باطل ہے، یہی صحیح ہے۔(ت)

[۵] ردالمحتار میں ہے:

ولو سلمہ شائعا قال فی الفتاوی الخیریۃ لا تفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال [۶] الزیلعی ولو سلمہ شائعا لا یملکہ حتی لاینفذ تصرف فیہ فیکون مضمونا علیہ و ینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ [۷] الطحاوی و [۸] قاضیخان و روی عن ابن [۹] رستم مثلہ وافتی بہ فی [۱۰] الحامدیۃ و [۱۱] التاجیۃ وبہ جزم فی [۱۲] الجوھرۃ والبحر و [۱۳] نقل عن [۱۴] المتبغی انہ لو باعہ الموھوب لہ یصح وفی [۱۵] نور العین عن [۱۶] الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض و لا یثبت الملك فیھا الاعند اداء العوض، نص علیہ محمد فی [۱۷] المبسوط	اگر مشاع کا قبضہ دیا خیریہ میں فرمایا کہ وہ ظاہر الروایۃ میں مفید ملک نہ ہوگا، امام زیلعی نے فرمایا، اگر مشاع پر قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا، لہٰذا اس کا تصرف بھی صحیح نہ ہوگا اگر کیا تو ضمان دے گا، اس میں واہب کا تصرف نافذ رہے گا، یہ طحاوی اور قاضیخان نے ذکر کیا ہے اور ابن قاسم سے ایسی ہی روایت ہے اور اسی پر حامدیہ اور تاجیہ میں فتوی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم فرمایا ہے، اور المتبغی سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ نے اس کو فروخت کیا تو جائز نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ باعث ضمان ہوگا اس پر موہوب لہ کی ملکیت عوض ادا کئے بغیر ثابت نہ ہوگی اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۳

وھو قال ۸ابی یوسف وذکر قبلہ ہبۃ المشاع فیما یقسم لا تفید الملك عند ۹ابی حنیفۃ و ۲۰فی القھستانی ھو المختار کما فی ۲۱المضمرات وہو الصحیح فحیث علمت انہ ظاہر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد و رووہ عن ابی حنیفۃ ظہر انہ الذی علیہ العمل ونص فی الاصل انہ لووہب نصف دارہ عن اٰخروسلمھا الیہ فباعھا الموھوب لہ لم یجز دل انہ لایملك حیث ابطل البیع بعد القبض ونص فی الفتاوٰی انہ ھو المختار [1] اھ ملخصاً۔	اور یہی امام ابویوسف کا قول ہے، اس سے قبل ذکر فرمایا کہ مشاع جو قابل تقسیم ہو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک وہ مفید ملک نہ ہوگا اور قہستانی میں فرمایا یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے یہی صحیح ہے اور میرے علم کے مطابق یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی نص ہے اسی کو انہوں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، تو واضح ہوا کہ اسی پر عمل ہے، اور مبسوط میں نص فرمائی ہے کہ اگر کسی کو نصف مکان ہبہ کیا اور سونپ دیا اور موہوب لہ نے اسے فروخت کردیا تو یہ کارروائی جائز ہوگی یہ کلام دال ہے کہ موہوب لہ اس کا مالک نہ ہوا کیونکہ انہوں نے قبضہ کے باوجود بیع کو باطل کہا ہے، اور فتاوٰی میں منصوص ہے کہ یہی مختار ہے اھ ملخصا۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں زید نے جو اپنے حصہ کا ایک جز عمرو کو دیا یا خالد وولید کو کل حصہ ہبہ کیا دونوں حالتوں میں یہ نہ صرف ایک وجہ سے مشاع بلکہ ہر طرح مشاع در مشاع تھا عمرو کو دینے میں یوں کہ اصل حصہ زید ہی ہنوز مشاع تھا پھر اس مشاع میں کا ایک جز غیر منقسم عمرو کو بخشا اور خالد وولید کے نام ہبہ میں یوں کہ ایک تو اصل حصہ مشاع دوسرے دو شخصوں کو بے تقسیم دینا، پس بہرحال حکم یہی ہے کہ یہ سب ہبہ تحریری ہوں خواہ زبانی محض باطل وبے اثر ہوئے اور عمرو وخالد وولید کو کوئی استحقاق اس موہوب میں نہ ملا اور بیع کہ زید نے کی بے تامل صحیح ونافذ وتام وکامل ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی نصف جائداد کا اپنے پسر متوفی کی زوجہ کو اپنی حیات وصحت میں مالک کردیا اور وہ جائداد جب ہی منقسم ہوگئی کہ بہو نے حیات زید میں اس پر قبضہ کاملہ پالیا اور بعد زید بھی بدستور پچاس برس بلکہ زائد تک اس پر قابض رہی اب عورت

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

نے اپنا بھائی چھوڑ کر انتقال کیا زید کے دوسرے پسر کی اولاد اس جائداد میں دعوی کرتے ہیں اس صورت میں دعوی ان کا قابل سماعت ہے یا وہ صرف حق وارثان عورت ہے اور اولاد پسر زید کا اس میں کچھ حق نہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ نصف جائداد کہ زید نے اپنی بہو کو دی اس کی مالک مستقل بہو ہو گئی وارثان زید کا اس میں کچھ حق نہ رہا، نہ ان کا دعوی مسموع ہو سکتا ہے، وہ صرف حق وارثان عورت ہے

فان التملیك ان كان بیعا فظاهر وان كان ہبة فقد تمت بالتقسیم والقبض و لزمت بالموت۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ تملیک بطور بیع ہو تو ظاہر ہے اور اگر بطور ہبہ ہو تو تقسیم اور قبضہ دینے سے تام ہو گیا اور موت سے لازم ہو گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: ۲۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ چودہ برس کا ہوا مسماۃ ہندہ نے انتقال کیا، اور بعد اپنے دو بیٹے نام کلاں کا زید اور نام ثانی بکر تھا، اور بکر کا خالد نام ایک لڑکا بعمر دس سال تھا چھوڑا، جائداد متروکہ ہندہ میں بموجب ادخال فوتی نامہ پٹواری دیہہ محکمہ نظامت میں بجائے ہندہ زید پسر اور بجائے بکر خالد پوتا کا نام درج ہو لیا بکر نے بخیال مصلحت خاص بغرض حفظ جائداد کہ وہ مقروض تھا اور اپنا نام لکھوانے میں خوف تلف ہونے اس جائداد کا تھا اس وقت سکوت اختیار کیا اور کوئی لفظ تملیک نہ کہا اور نہ تملیک منظور تھی نہ کوئی تحریر مثل ہبہ نامہ یا بیعنامہ (مثل دیگر جائداد کہ اپنے روپے سے خالد کو اور اس کی ماں کو بذریعہ خرید وہبہ کے لکھ چکا) اس حقیت کی کی، اور نہ اس وقت تک باجود بالغ ہونے کے خالد کو اس جائداد پر قبضہ دیا بخلاف دیگر جائداد کے جو دینا منظور تھی اس پر قابض ودخیل کر دیا اور اس حقیت میں بطور فرضی نام درج رہا بکر کارکن اور قابض متصرف مالکانہ اس حقیت کا اس وقت تک ہے، اب خالد یعنی پسر بکر اس پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے اور بکر چاہتا ہے کہ نام خالد کا محکمہ موصوف سے خارج ہو کر ترکہ مادری پر میرا نام درج ہو، لہذا بموجب شرع شریف بکر مستحق درج کرانے نام اپنے کا ہے یا نہیں اور بموجودگی پسر کے پوتا کو ترکہ دادی پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

محکمہ مال میں نام خالد کا اندراج جس کی بنا تحریر پٹواری پر تھی کوئی چیز نہیں کہ پٹواری خواہ

حکام مال ایک کے مال کا مالک دوسرے کو نہیں کرسکتے جبکہ جائداد ترکہ ہندہ والدہ بکر تھی بلاشبہہ زید وبکر بحکم وراثت اس کے مالک ہوئے اور خالد کو کوئی استحقاق ابتدائی نہ ملا کہ بیٹے کے ہوتے پوتے کا کچھ حق نہیں، اب جو حصہ ملک بکر ہوا دوسرا بے اس کے تملیک کے کیونکر اس کا مالک ہوسکتا ہے،

فی ردالمحتار عن الکرمانی لان ملك الانسان لا ینقل الی الغیر بدون تملیکه[1]۔	ردالمحتار میں کرمانی سے منقول ہے کہ تملیک کئے بغیر کسی کی ملکیت دوسرے کو منتقل نہ ہوگی۔(ت)

اور تملیک کی یہاں دو ہی صورتیں متصور، یا تو مالک آپ انشاء وایجاب ہبہ کرے یا دوسرا شخص یعنی فضولی اس کی چیز کو ہبہ کرے اور یہ اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردے یہاں تک کہ جو کچھ بکر سے صادر ہوا وہ محض سکوت ہے، اور پر ظاہر کہ سکوت خود تو کسی عقد کا ایجاب ہو نہیں سکتا کہ ایجاب کلام اول ہے اور سکوت ترک کلام، اور یہاں اسے اجازت قرار دینے کی بھی کوئی سبیل نہیں کہ اجازت کے لئے کوئی عقد فضولی ہونا تو درکار ہے جسے جائز کیا جائے اور بداہۃً واضح کہ صیغہ مال والوں کا خانہ ملکیت میں کسی کا نام لکھنا کوئی انشائے ہبہ نہیں ہوتا وہ تو صرف ایک یادداشت مالکیت ثابتہ ہے، نہ احداث ملک جدید، تو یہاں سرے سے کوئی عقد فضولی پایا ہی نہ گیا کہ سکوت بکر کو اس کی اجازت قرار دیں قطع نظر اس سے کہ مجرد سکوت مطلقاً دلیل اجازت ہو بھی سکتا ہے یا نہیں خصوصاً وہ بھی ایسا کہ محض ایک مصلحت کی بنا پر ہو، پس ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کوئی صورت تملیک متحقق نہ ہوئی اور حقیت بدستور بکر ہے، خالد کا دعوٰی اصلاً قابل سماعت نہیں۔ پھر اس تقریر کی حاجت بھی اس حالت میں ہے کہ وفات ہندہ کے بعد زید وبکر کا حصہ جدا جدا منقسم ہوگیا ہو اس کے بعد بجائے بکر حصہ بکر میں نام خالد مندرج ہوا اور اگر قبل از تقسیم یونہی جائداد متروکہ غیر منقسمہ میں اندراج نام خالد ہوا (جیسا کہ ظاہر یہی ہے کہ فوتی نامہ بعد فوت معًا داخل ہوتا ہے نہ جب جائداد کا ورثہ میں بٹے بانٹ ہوجائے) جب تو خالد کے لئے ملک ثابت نہ ہونا کسی بیان کا محتاج ہی نہیں اگرچہ نہ پٹواری بلکہ خود بکر نے نہ بلحاظ مصلحت بلکہ خاص بقید تملیک ہی خالد کا نام درج کرایا ہو کہ اس حالت میں یہ اگر ہوگا تو غایت درجہ ہبہ مشاع ہوگا اور ہبہ مشاع اصلاً مفید ملک نہیں اگرچہ اپنے بیٹے کے لئے ہو جب تک واہب تقسیم کرکے موہوب لہ کو قبضہ کاملہ نہ دے یہاں کہ اب تک قبضہ نہ ہوا ملک خالد کے کوئی معنی نہیں۔ فتاوٰی خیریہ وعقود الدریہ میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

المشاع فیما یحتمل القسمة وھو ما یجبر القاضی فیه الابی عن القسمة عند طلب الشریك لھا لا تفید الملك الموھوب له فی المختار مطلقا شریکا کان او غیرہ ابنا اوغیرہ[1] الخ۔	قابل تقسیم مشاع یعنی قاضی شریک کے مطالبہ پر اس منکر کو تقسیم پر مجبور کرے تو مختار قول میں ایسا مشاع موہوب لہ کی ملک نہ بنے گا، یہ حکم عام ہے شریک ہو یا غیر ہو، بیٹا ہو یا غیر ہو، الخ۔ (ت)

مجموعہ علامہ انقروی میں ہے:

فی المنتقی وھب نصف بیته لابنه الصغیر لم یجز مالم یقسمه ویبین ماوھب له من فتاوی التمرتاشی فی اٰخر کتاب الھبة[2] اھ. واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم	منتقی میں ہے اگر کسی نے اپنے نابالغ بیٹے کو نصف مکان ہبہ کیا تو تقسیم کرکے دیئے اور واضح کئے بغیر صحیح نہ ہوگا، یہ فتاوٰی تمرتاشی کی کتاب الھبہ کے آخر سے منقول ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے حالت مرض الموت میں اپنی جائداد یعنی ایک دکان اور ایک مکان اپنے پسر عمرو کو اور اس کی زوجہ کو نصف نصف ہبہ بلا تقسیم کردی اس وجہ سے کہ زوجین میں نااتفاقی رہتی تھی بعد کو عمرو مذکور تابمرگ پورا کرایہ دکان مذکور کالیتا رہا اور تقسیم پر راضی نہ رہا اور اب عمرو نے وفات پائی ایک زوجہ اور ایک ہمشیر زادہ وارث چھوڑے اب ترکہ عمرو کا کیونکر تقسیم ہوگا یعنی دکان اور مکان پورا پورا عمرو کا سمجھا جائے گا یا نصف نصف؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ زید نے مکان ودکان دو شخصوں کو نصف نصف ہبہ کئے اور تقسیم کرکے ہر ایک کو جدا جدا قبضہ نہ دلایا یہاں تک کہ مرگیا، تو مکان کا ہبہ تو یقینا باطل ہوا، یونہی دکان کا بھی، اگر وہ بعد تقسیم قابل انتفاع ہو یعنی اتنی گنجائش رکھتی ہو کہ اس کے دو حصے جدا کردئے جائیں تو ہر حصہ

[1] العقود الدریۃ کتاب الھبہ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۹۱

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبہ دار الاشاعت العربیہ قندہار ارگ بازار افغانستان ۲ /۲۸۴

تنہا بکار آمد رہے اس صورت میں وہ مکان ودکان ترکہ زید رہے اور بعد زید اگر اس کا کوئی وارث سوا عمرو کے نہ تھا تو بشرط تقدیم دین ووصیت وہ دونوں صرف عمرو کے ملک ہوئے زوجہ عمرو کا ان میں کچھ حق نہ تھا اب کہ عمرو مرا اگر اس کے وارث سے یہی دو شخص ہیں تو بعد ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا چار حصے کرکے ایک سہم زوجہ عمرو اور تین سہم ہمشیر زادہ عمرو کو دیں، اور اگر دکان ایسی کوتاہ وتنگ ہے کہ تقسیم کے بعد ہر حصہ جدا قابل انتفاع نہ رہے تو مکان کا ہبہ تو باطل تھا اس کی حالت تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی مگر دکان کا ہبہ ناجائز نہ ہوا، اب دیکھا جائے گا کہ زید نے اپنی حیات میں زوجہ عمرو کو اس دکان پر قبضہ کرادیا تھا یا نہیں، اگر نہیں تو ہبہ پھر باطل ہوگیا۔

کما فی الدر المختار ان موت احد المتعاقدین قبل التسلیمات مبطل الھبة [1] ملخصاً۔	جیسا کہ درمختار میں ہے کہ فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ سے پہلے ہو تو وہ ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ (ملخصا) (ت)

اور اگر قبضہ کرادیا تھا تو اس نصف دکان کو اندازہ کیا جائے زید کا جس قدر ترکہ بعد ادائے دیون باقی رہا یہ نصف اس کل ترکہ کے ثلث سے زائد تو نہیں۔ اگر زائد نہیں تو ہبہ نصف بنام زوجہ عمرو صحیح وتام ولازم ہوگیا۔ یہ نصف دکان خاص ملک زوجہ ہے اور نصف باقی ومکان ودیگر متروکات کا وہی حال ہے جو اوپر گزرا، اور اگر ثلث سے زائد ہے تو ازانجا کہ عمرو اس تقسیم پر راضی نہ تھا ثلث سے زائد کی مقدار میں ہبہ رد ہوگیا۔

فان الھبة فی مرض الموت فی حکم الوصیة من جھة التوقف علی اجازة الوارث فیما زاد علی الثلث وان لم تکن وصیة فی الحقیقة حتی بطلت فی المشاع وعند عدم القبض کما بینه فی ردالمحتار [2]۔	کیونکہ مرض الموت میں تہائی ترکہ سے زائد ہبہ کیا تو وہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہونے میں وصیت کے حکم میں ہے اگرچہ حقیقتاً وصیت نہ بھی ہو حتی کہ وہ مشاع ہونے اور قبضہ نہ ہونے پر باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کو ردالمحتار میں بیان فرمایا ہے۔ (ت)

اس تقدیر پر صرف بقدر ثلث متروکہ کے جتنا حصہ اس نصف دکان کا ہو وہی ملک زوجہ

---

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

از روئے ہبہ ہے باقی دکان ومکان وغیر ہما بدستور سابق تقسیم ہوں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: از بنارس محلّہ کندیگر ٹولہ شفاخانہ مسجد بی راجی مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاب ونیز از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب ۱۴رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہے علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الی یوم الدین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین بیٹے تھے، عمرو، بکر، خالد، زید نے عمرو کے نام سے ایک مکان خرید کیا اور قبالہ وغیرہ امور متعلقہ بیع بھی سب اسی کے نام سے کئے، بعد اس کے عمرو اپنے باپ زید اور برادران خالد وبکر کی حیات میں قضا کر گیا تو اب عمرو کے بال بچے اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر عمرو اس وقت نابالغ تھا تو ہر طرح وہ مکان ملک عمرو ہوگیا، عمرو کے ورثہ پر حسب فرائض شرعیہ منقسم ہوگا،

فانہ ان وجدت اضافۃ العقد الی عمرو وقع الشراء لہ والاب یملکہ فملکہ عمرو ابتداء والا وقع الشراء لزید ثم جعلہ باسم عمرو صار ہبۃ منہ بحکم العرف واستغنت عن القبض لان ہبۃ الاب لولدہ الصغیر تتم بمجرد الایجاب وفی الہندیۃ عن القنیۃ اشتری ثوبا فقطعہ لولدہ الصغیر صار واہبا بالقطع مسلما الیہ قبل الخیاطۃ ولو قال اشتریت ہذا لہ صار ملکا لہ [1] اھ ملخصا، وفی	کیونکہ اگر مکان کی خریداری عمرو کی طرف منسوب کی گئی تھی تو عمرو کے لئے وہی ہوئی جبکہ باپ اس کارروائی کا مختار ہے، تو اس مکان کا عمرو ابتداء مالک بنا ورنہ خریداری باپ زید کی ہوئی پھر اس نے عمرو بیٹے کے نام کی تو یہ باپ کی طرف سے عرف کے لحاظ سے ہبہ ہوا اور اس ہبہ میں قبضہ دینے کی ضرورت نہیں کیونکہ نابالغ بیٹے کو ہبہ کردینے سے ہی تام ہوجاتا ہے، ہندیہ میں قنیہ سے مروی ہے کسی نے کپڑا خرید کر نابالغ بیٹے کے لئے اسے کاٹ دیا تو وہ واہب بن گیا اور بیٹے کو سونپا گیا اگرچہ ابھی سلایا نہ ہو، اور اگر باپ کہہ دے کہ میں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹا مالک ہوگیا اھ ملخصا۔ اور علامہ استروشنی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

احکام الصغار للعلامۃ الاستروشنی عن الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضعیۃ للولد لانھا تصیر واہبۃ والام تملك ذٰلك ویقع قبضھا عنہ[1]۔	کے احکام الصغار میں ذخیرہ اور تجنیس سے منقول ہے عورت نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے زمین خریدی تو یہ خریداری اس عورت کی اپنی ذات کے لئے ہوگی اور زمین بیٹے کی ملک ہوگی کیونکہ اس نے بیٹے کو ہبہ کردی جبکہ ماں کو یہ اختیار حاصل ہے تو ماں کا قبضہ بیٹے کے لئے ہوگا (ت)

اور اگر بالغ تھا تو زید مشتری اور بائع مکان کے باہم عقد بیع وشراء میں جو لفظ زبان پر آئے ان پر نظر کی جائے گی اگر ان میں عمرو کی طرف اضافت عقد تھی مثلاً بائع نے کہا یہ مکان میں نے تیرے بیٹے عمرو کے ہاتھ بیچا زید نے کہا میں نے اس کے لئے خریدا یا اس کے جواب میں اتنا ہی کہا کہ میں نے خریدا یا زید نے کہا یہ مکان میں نے اپنے بیٹے عمرو کے لئے خرید کیا، بائع نے کہا میں نے عمرو کے ہاتھ بیچا، یا اسی قدر کہا کہ میں نے بیچا،

فان الاضافۃ فی احد الکلامین کافیۃ اذا لم یوجد فی الاخر خلافھا کما صححہ فی وجیز الکردری وحققناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار خلافا لما فھم العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تعالٰی وصورۃ الخلاف ان تقع الاضافۃ فی احد الشطرین الی احد وفی الاخر کان قال اشتریت لفلان فقال بعت منك حیث یبطل العقد فی الاصح لانہ خاطب المشتری فردہ لغیرہ فلایکون جوابا فما بقی الابشرط واحد افادہ فی فروق الکرابیسی	عقد کرنے والے فریقین میں سے ایک کے کلام میں اضافت ہو تو کافی ہے بشرطیکہ دوسرے کا کلام اس کے منافی نہ ہو جیسا کہ وجیز کردری میں اس کی تصحیح ہے اور ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار کے حاشیہ میں کی ہے جبکہ علامہ شامی کا فہم اس کے خلاف ہے حالانکہ خلاف کی صورت یہ ہے کہ ایجاب قبول میں سے ایک میں اضافت ایک کی طرف ہو اور دوسرے میں دوسرے شخص کی طرف اضافت ہو مثلاً خریدار کہے میں نے یہ چیز فلاں کے لئے خریدی تو اس کے جواب میں بائع یوں کہے یہ چیز میں نے تجھے فروخت کی، تو صحیح ترین قول میں یہ عقد باطل ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو خطاب کرکے عقد دوسرے کی طرف پھیر دیا

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۷

کمانقلہ عنہا فی البحر [1]۔	تو مشتری کے ایجاب کے مطابق جواب نہ ہوا تو یہ عقد صرف ایک طرف ہوا، اس کا افادہ الکرابیسی کے فروق میں ہے۔ جیسا کہ اس کو وہاں سے بحر میں نقل کیا۔ (ت)

تواس صورت میں یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت عمرو پر موقوف رہا، اگر اس نے اجازت دی مکان ابتداء ملک عمرو ہوا اور اسی کے ورثہ پر تقسیم ہوگا اور اگر پیش از اجازت مر گیا بیع باطل ہو کر مکان ملک بائع پر رہا۔

فی الدر المختار لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ توقف بزازیہ وغیرہا[2] اھ مختصرا وفی البزازیۃ الصحیح وانہ اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف علی اجازتہ [3] اھ وفی الدر لاتجوز اجازۃ وارثہ لبطلانہ بموتہ [4] اھ۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے غیر کے لئے خریدا تو خریدار پر نافذ ہوگی بشرطیکہ اس کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا اگر خرید کو غیر کی طرف منسوب کرتے ہوئے عقد کیا تو اس غیر کی اجازت پر عقد موقوف ہوگا، بزازیہ اھ مختصرا، اور بزازیہ میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ جب فریقین میں سے کسی ایک کے کلام میں غیر کی طرف اضافت ہو گئی تو اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور درمختار میں ہے یہ موقوف عقد اس غیر کی موت کے بعد اس کے وراث کی اجازت سے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کی موت سے یہ اختیار ختم ہوگیا اھ۔ (ت)

اور اگر لفظوں میں عمرو کی طرف اضافت نہ تھی اگرچہ قبالہ میں عمرو ہی کے ہاتھ بیچنا لکھا ہو

(فان العبرۃ بما تلفظ بہ لا بما کتباہ) کما نص علیہ فی الخیریۃ [5]۔	فریقین نے جو تلفظ کیا اس کا اعتبار ہوگا ان کے لکھے کا اعتبار نہ ہوگا جیسا کہ اس پر خیریہ میں نص کی ہے۔ (ت)

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل فی بیع الفضولی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۹، رد المحتار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷

[2] درمختار کتاب البیوع فصل فی بیع الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب البیوع الفصل العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۹۱

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۹-۱۴۰

تو یہ شراء زید کے لئے واقع اور زید ہی اس کا مالک ہوا اب بعد اس کے جبکہ تحریر قبالہ وغیرہا کارروائیاں بنام عمرو کرائیں تو یہ بحکم عرف شائع کی طرف سے عمرو کے لئے ہبہ ہوا،

فان مثل ھذا یدل دلالۃ واضحۃ علی التملیک وھی المثبتۃ للھبۃ فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک [1] الخ فی احکام الصغار ان المعتبر فی الباب التعارف وفی العرف یرادبہ البر والصلۃ [2]۔ الخ۔	کیونکہ اس جیسی صورت کی تملیک پر واضح دلالت ہے اور اسی سے ہبہ کا ثبوت ہوتا ہے، ردالمحتار میں ہے کہ ایجاب وقبول کا تلفظ ضروری نہیں بلکہ ایسے قرائن کا وجود کافی ہے جو تملیک پر دال ہو الخ۔ اور احکام الصغار میں ہے کہ اس باب میں تعارف معتبر ہے اور عرف میں ہبہ سے بھلائی اور صلہ مراد ہوتا ہے۔ الخ (ت)

پس اگر عمرو نے بربنائے ہبہ قبضہ کاملہ پالیا تھا تو مکان ملک عمرو ہوگیا اس کے ورثہ پر تقسیم ہوگا ورنہ ملک زید پر باقی ہے وارثان عمرو کا اس میں کچھ حق نہیں۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ اتخذ لولدہ الصغیر ثوبا یملکہ وکذا الکبیر بالتسلیم [3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں بزازیہ کے حوالہ سے ہے نابالغ بیٹے کے لئے کپڑا لیا تو بیٹا مالک ہوجائے گا اور یوں بالغ کے لئے بشرطیکہ اس کو سونپ دیا ہو اھ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۰: از بڑوچ ملک مالوہ علاقہ دربار ٹونک مرسلہ سید محمد شاہ صاحب ۳۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلو بی بی مورث اعلٰی نے بذریعہ ہبہ نامہ اپنی جائداد مملوکہ ومقبوضہ میر جعفر علی داماد خود کے قبضہ میں دے دی اور مسماۃ بگو بی بی دختر کلو بی بی مورث اعلی سے مسماۃ کنیز بانو ایک لڑکی از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئی اور وہ مسمّٰی نجیب شاہ کے عقد میں دی گئی اور بحیات میر جعفر علی وکلو بی بی مورث اعلٰی کے بگو بی بی وکنیز بانو لاولد ہر دونوں کا انتقال ہوگیا، میر جعفر علی حیات رہے ان کی دوسری زوجہ مسماۃ حاکم بی بی سے دو لڑکی کنیز فاطمہ وکنیز صغرٰی

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

از نطفہ میر جعفر علی پیدا ہوئیں اور بذریعہ اس ہبہ نامہ کے کہ جو کلوبی بی نے بنام میر جعفر علی کیا تھا جائداد موہوبہ ومقبوضہ میر جعفر علی پر کہ جس کو عرصہ ۵۵ سال کا ہوا بلکہ زائد قابض ومتصرف ہیں اور بموجب اسی ہبہ نامہ کے احکام منظوری ریاست شرع شریف یعنی مفتی محکمہ قضا سے استخلاصہ صادر ہوئی کہ ہبہ نامہ نوشہ کلوبی بی موسومہ میر جعفر علی صحیح ودرست ہے بموجب اس کے قبضہ کنیز فاطمہ وکنیز صغری دختران میر جعفر علی موحوم کا رہے۔اب بعد مرور عرصہ مذکور کے مسمّٰی امام شاہ برادر نجیب شاہ نے کہ نجیب شاہ شوہر کنیز بانو دختر میر جعفر علی مرحوم کا ہے عدالت شرع شریف میں دعوی دائر کیا کہ مسماۃ کنیز بانو نواسی کلوبی بی مورث اعلیٰ میرے بھائی نجیب شاہ کے عقد میں تھی اسی وجہ سے جائداد متروکہ میر جعفر علی کے جو کلوبی بی سے بذریعہ ہبہ نامہ ان کے قبضہ میں ہے مجھ کو ملنا چاہئے دختران میر جعفر علی کا قبضہ فسخ فرمایا جائے،پس اندریں صورت جائداد موہوبہ کلوبی بی بنام میر جعفر علی عند الشرع کس کو پہنچ سکتی ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

وہ جائداد بذریعہ ہبہ صحیحہ تامہ ملک جعفر علی ہو گئی کلوبی بی یا اس کے ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا امام شاہ کا دعوی محض باطل ونامسموع ہے،عالمگیریہ میں ہے:

اما حکمها فثبوت الملك للموهوب له[1]۔	لیکن اس کا حکم یہ ہے کہ موہوب لہ کے لئے ملکیت کا فائدہ دیتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

اما العوارض المانعة من الرجوع فمنها موت الواهب کذا فی البدائع[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رجوع سے موانع میں ایک یہ ہے کہ واہب فوت ہو جائے، جیسا کہ بدائع میں ہے اھ ملخصا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۱: از بیجناتھ پارہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بیجناتھ پارہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ایک عورت نے انتقال کیا اور ایک لڑکا چھوڑا اس کے خاوند نے جب دوسرے نکاح کا

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۸۶

قصد کیا تو عورت متوفیہ کی ماں مانع ہوئی کہ پہلے میری بیٹی کا مہر دے دو بعد میں نکاح کرو چنانچہ اس شخص نے بروقت نکاح اپنے لڑکے کے نام جائداد لکھ دی یا صرف اقرار ہی کیا اور بیان کیا کہ آئندہ جو کچھ از نقد یا جائداد حاصل کروں گا وہ اس عورت اور اس کی اولاد کا حق ہوگا، اس شخص نے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہونے کے بعد انتقال کیا اور اس عورت ثانی نے بھی انتقال کیا اب ایک لڑکا پہلی بی بی کا ہے جس کے قبضہ میں کُل جائداد ہے اور ایک لڑکا اور ایک لڑکی دوسری بی بی سے ہیں جن کے پاس کچھ نہیں ہے، یہ اولاد ثانی اس ورثہ سے جو پہلے لڑکے کے تصرفات میں ہے کچھ پاسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تمامی ہبہ کے لئے واہب کا موہوب لہ کو شے موہوب پر قبضہ کاملہ دلانا شرط ہے قبضہ کاملہ کے یہ معنی کہ وہ جائداد یا تو وقت ہبہ ہی مشاع نہ ہو (یعنی کسی اور شخص کی ملک سے مخلوط نہ ہو جیسے دیہات میں بغیر پٹہ بانٹ کے کچھ بسوے یا مکانات میں بغیر تقسیم جدائی کے کچھ سہام) اور واہب اس تمام کو موہوب لہ کے قبضہ میں دے دے، یا مشاع ہو تو اس قابل نہ ہو کہ اسے دوسرے کی ملک سے جدا ممتاز کرلیں تو قابل انتفاع رہے جیسے ایک چھوٹی سی دکان دو شخصوں میں مشترک کہ آدھی الگ کرتے ہیں تو بیکار ہوئی جاتی ہے ایسی چیز کا بلا تقسیم قبضہ دلادینا بھی کافی وکامل سمجھا جاتا ہے، یا مشاع قابل تقسیم بھی ہو تو واہب اپنی زندگی میں جدا و منقسم کرکے قبضہ دے دے کہ اب مشاع نہ رہی۔ یہ تینوں صورتیں قبضہ کاملہ کی ہیں۔ اور پسر موہوب لہ اگر وقت ہبہ بالغ ہو تو خود اس کا اپنا قبضہ شرط ہے ورنہ باپ کا قبضہ اسی کا قبضہ ہے **کل ذٰلك مصرح بہ فی الکتب الفقھیة عن اٰخرہا** (یہ تمام بحث کتب فقہ میں تصریح شدہ ہے۔ ت) پس صورت مستفسرہ میں اگر شخص مذکور نے وہ جائداد اپنے پسر کو تحریری خواہ زبانی ہبہ کردی اور بشرائط ومعانی مذکورہ پسر کو قبضہ کاملہ دلادیا تو وہ جائداد خاص اس پسر کی ملک ہوگئی دیگر ورثہ کا اس میں استحقاق نہ رہا، اور اگر ہبہ نہ تھا نرا اقرار ہی اقرار تھا کہ اسے دے دوں گا، یا ہبہ زبانی خواہ تحریری کیا مگر قبضہ نہ دیا تو وہ قبضہ کاملہ نہ تھا اگرچہ پسر نے بعد موت پدر قبضہ کاملہ کرلیا ہو تو ان صورتوں میں وہ جائداد بدستور ملک پدر پر باقی رہی تمام ورثہ حسب فرائض اس سے حصہ پائیں گے **فان موت الواہب قبل التسلیم یبطل الہبة کما فی الدر المختار**[1] (کیونکہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے جیسا کہ درمختار

---

[1] درمختار کتاب الہبہ باب الرجوع فی الہبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

میں ہے۔ت)

مسئلہ ۶۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد قابل قسمت بشرکت اور تین شخصوں کے روپے سے خرید کرکے بلا تقسیم اپنی زوجہ کے نام لکھادی اور اس کی زندگی تک وہ جائداد منقسم نہ ہوئی اب بعد وفات اس کی مالک اس جائداد کی فقط زوجہ مذکورہ ہے یا مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر تقسیم ہوجائیگی۔**بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ جائداد مثل اس کے اور ترکہ کے سب ورثہ پر منقسم ہوجائے گی اور صرف زوجہ مذکورہ اس کی مالک نہیں ہوسکتی کہ یہ نام لکھادینا ہبہ جائداد صالح قسمت کا بلا تقسیم صحیح ونافذ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ملک دو بیٹوں پر منقسم تھی، ایک پٹی ہندہ اور ایک اس کے پسر زید کی تھی، ہندہ نے زید پسر اور اس کے ایک بیٹا کہ سامنے فوت ہوا تھا دو پوتے اور دو پوتیاں چھوڑ کر انتقال کیا زید نے ہندہ کی بیٹی میں صرف اپنے بھتیجے عمرو کے نام جس کی عمر قریب ۲۳، ۲۴ سال کی تھی لکھوادیا مگر اب تک اسے قبضہ نہ دیا، دونوں پٹیاں زید کے قبضہ میں ہیں۔وہ پٹی بھتیجے کو دینا نہیں چاہتا، اس صورت میں ترکہ ہندہ مکان وملک وغیرہ کا مالک کون ہے اور پوتے پوتیوں کو بھی اس میں کچھ حق ہے یا نہیں؟ اور عمرو اس نام لکھوادینے سے اس پٹی کا مالک ہوگیا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وادائے دیون ونفاذ وصایا کل متروکہ ہندہ کا مالک صرف اس کا بیٹا زید ہے اور نام لکھادینا اگرچہ دلیل تملیک ہے اور یہ تملیک ہبہ ہے مگر ہبہ بے قبضہ کے تمام نہیں ہوتا، نہ بغیر اس کے موہوب لہ کو ملک حاصل ہو ایسی [ع] کہ زید نے اپنے بھتیجے کو قبضہ نہ دلادیا وہ پٹی بھی بدستور زید کی ملک ہے عمرو اس سے

[ع]: اصل میں اسی طرح ہے شاید قلم ناسخ سے لفظ "ایسی" کے بعد "صورت میں" چھوٹ گیا ۱۲۔

جبراً نہیں لے سکتا، ہدایہ میں ہے:

القبض لابدمنه لثبوت الملك لانه عقد تبرع وفی الاثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئًا لم یتبرع به وهو التسلیم فلا یصح ولان القبض تصرف فی ملك الواهب اذ مبلکه قبل القبض باق [1] اھ قلت ومن هٰهنا ظهران امتناعه عن التسلیم ؏ لیس فی شیئ من الرجوع فان الرجوع فیه بعد القبض اماقبله فلم تتم الهبة۔	ہبہ میں ملکیت کے ثبوت کے لئے قبضہ ضروری ہے کیونکہ یہ مفت عطیہ کا عقد ہے جبکہ قبضہ سے قبل موہوب لہ کی ملکیت ثابت کرنا تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کو لازم کرنا جس کا ابھی اس نے تبرع نہیں کیا اور یہ قبضہ دینا تبرع ہے تو قبل قبضہ درست نہ ہوا، دوسری وجہ یہ ہے قبضہ دینے سے قبل واہب کی ملکیت ابھی باقی ہے تو قبضہ سے قبل اس کی ملکیت میں تصرف لازم آئے گا اھ، میں کہتاہوں، یہاں سے واضح ہوگیا کہ واہب کا قبضہ نہ دینا ہبہ سے رجوع نہ کہلائے گا کیونکہ ہبہ میں رجوع قبضہ دینے کے بعد ہوسکتا ہے اس سے قبل تو ہبہ تام نہیں ہوا۔ (ت) اور اب اگر عمرو بغیر اجازت زید کے خود قبضہ کرلے گا اصلا بکار آمد نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں زید وہندہ دونوں حیات، ان کے تین بیٹے: احمد ومحمد وحامد۔ احمد مختار عام، محمد روزگار پیشہ، حامد نابالغ۔ محمد سرمایہ روزگار اپنا معرفت زید وہندہ بالاشتراک صرف کرتا رہا زید نے منجملہ اپنی جائداد کے ایک اراضی افتادہ واسطے تعمیر مکان کے محمد کو دے دی اس نے منجملہ اپنے سرمایہ روزگار کے جو اس کے پاس جمع تھا اور اپنی زوجہ اور ماموں سے کچھ روپیہ اور چوب قرض لے کر مکان پختہ تعمیر کرایا اور یوم تعمیر سے آج تک اس پر قابض ہے اور کسی قدر چوب متفرقہ تعمیر ہذا زید منجملہ تین باغات مملوکہ اپنے کے ایک قطعہ باغ ازروئے تقسیم بلالحاظ کم وبیش محمد کو دیں کہ وہ صرف تعمیر ہوئے

؏: فی الاصل بیاض بین لفظ التسلیم ولفظ فی شیئ ولفظ "کان" مرقوم بین فان الرجوع ۱۲	یہاں اصل میں لفظ "تسلیم" اور لفظ "فی شیئ" کے درمیان بیاض ہے اور لفظ "فان الرجوع کے درمیان "کان" لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۔ (ت)

[1] الہدایۃ کتاب الہبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۸۲ـ۲۸۱

عندالضرورت واسطے انجام تعمیر مکان مذکورہ معرفت زید کسی قدر روپیہ قرض لیا گیا کہ محمد نے بعد تعمیر اپنے سرمایہ روزگار سے زید کو دے دیا اب زید چاہتا ہے کہ مکان مذکور احمد و محمد و حامد سب کو تقسیم کردے یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تعمیر مکان کے لئے زمین دینا ہبہ نہیں، اگر زید نے زمین دیتے وقت کوئی لفظ ایسا جو شرعاً مفید ہبہ ہو نہ کہا تو صرف عاریت اور زمین بدستور ملک زید ہے اسے اختیار جسے چاہے تقسیم کردے ہاں عمارت کسی پر تقسیم نہیں ہوسکتی کہ وہ خاص ملک محمد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فاطمہ نے کہ زید کی خالہ ہے ایک باغ زید کو ہبہ کیا اور قابض کرادیا، آیا یہ ہبہ صحیح اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا یا نہیں؟ اور فاطمہ اب اسے واپس لے سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر وجود سائر شرائط ہبہ اگر فاطمہ نے باغ سے اپنا قبضہ بالکل اٹھالیا اور زید کو قابض کرادیا تو ہبہ صحیح ہے اور وہ باغ زید کا قرار پائے گا اور فاطمہ کو اس وجہ سے کہ وہ زید کی خالہ ہے رجوع ہبہ سے صحیح نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی نے زید کے دیہات جاگیر ضبط کرکے کچھ روپیہ سالانہ مقرر کردیا کہ بعد انتقال زید حسب فرائض منقسم ہوتا رہا منجملہ اس کے ستاسی روپیہ سالانہ ہندہ پاتی تھی، اس نے اپنے انتقال سے ۲۵ دن پہلے اپنا روزینہ اپنے نواسے کو ہبہ کیا اور بنام موہوب لہ اس کے منتقل ہوجانے کی درخواست دی، ہندہ کا بھتیجا یعنی اس کے چچازاد بھائی کا بیٹا کہ اس کے سوا اور کوئی وارث نہیں، اس روپیہ کا دعوی کررہا ہے، آیا اس صورت میں وہ ہبہ صحیح و نافذ اور بھتیجا کا دعوی باطل و ناجائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ باطل وبے اثر اور برادر زادہ دہندہ کا دعوی صحیح ومعتبر، اولاً اس ہبہ کا یہ محصل کہ وہاں سے جو روزینہ جب جب آوے اس کا مالک موہوب لہ ہے، اور وہ روزینہ ہندہ بالفعل موجود نہیں۔ اور ہبہ معدوم و باطل ہے۔ (جواب نامکمل ملا)

مسئلہ ۶۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کے تین بیٹے، عمرو، بکر، خالد، بکر نے ایک اراضی افتادہ مقبوضہ مملوکہ زید میں حسب اجازت زید اپنے سرمایہ روزگار سے ایک مکان پختہ تعمیر کرایا اور کچھ روپیہ اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا کسی قدر روپیہ بطور قرض زید نے بھی دیا کہ بکر نے اسے ادا کردیا، اگر زید مکان معمرہ بکر کو عمرو وخالد پر ہی تقسیم کرنا چاہے تو بکر مستحق پانے سرمایہ ذاتی اور اس روپیہ کے جو اس نے اپنی زوجہ اور ماموں سے قرض لے کر لگایا ہے عمرو وخالد سے ہے یا نہیں اور وہ اراضی ہبہ ہوئی تھی یا نہیں؟ اور اگر ہبہ تھی تو زید کا رجوع تعمیر مکان وقبضہ بکر کے بعد صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

باپ کا اپنے بیٹے کو ایک زمین افتادہ تعمیر مکان کے لئے بتادینا تنہا مثبت ہبہ نہیں تاوقتیکہ اس کے ساتھ الفاظ ہبہ سے کوئی لفظ نہ پایا جائے مثلاً یہ زمین نے تجھے دے دی یا ہبہ کی یا تمھیں اس کا مالک کیا یا یہ زمین تیری ہے **وامثال ذٰلك مما یدل علی تملیك العین بلاعوض** (اس کی مثل اور الفاظ جو بغیر عوض تملیک پر دلالت کریں۔ت) پس اگر ان الفاظ سے کوئی لفظ پایا گیا تو بیشک صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا زید کو رجوع کا اختیار نہیں۔ نہ وہ اس مکان کو عمرو وخالد پر تقسیم کرسکتا ہے ورنہ بعد اجازت تعمیر سے صرف عاریت ثابت ہوگی زمین بدستور مملوک زید ہے بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جب وہ اسی کی مملوک ہے تو نفس زمین میں اسے ہر طرح کے تصرف مالکانہ کا اختیار ہے جسے چاہے دے سکتا ہے جو چاہے کرسکتا ہے اور جبکہ بکر کسب ومعاش مستقل رکھتا تھا تو جو عمارت اس نے اپنے زر خالص سے بنائی اس کا وہی مالک ہے زید کا اس میں کچھ حق ملک نہیں صورت سوال کہ زید کا کچھ روپیہ بغرض تعمیر بکر کو قرض دینا پھر اس سے وصول کرنا نص صریح ہے کہ زید بھی اس عمارت کے مملوک بکر ہونے پر متفق ہے۔

فی العقود الدریۃ من کتاب العاریۃ	العقود الدریۃ میں کتاب العاریۃ کے بیان میں

سئل فی رجل بنی بماله لنفسه قصرا فی دار ابیه باذنه ثم مات ابوه عنه وعن ورثة غیرہ فهل یکون القصر لبانیه ویکون کالمستعیر الجواب نعم کما صرح بذٰلك فی حاشیة الاشباہ من الوقف عند قوله کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہ فهو لما لکها اھ ومسئلة العمارۃ کثیرۃ ذکرہا فی الفصول العمادیة والفصولین وغیرہا وعبارۃ المحشی بعد قوله ویکون کالمستعیر فیکلف قلعه متی شاء انتهی [1]۔	مذکور ہے، ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنے باپ کی اجازت سے اس کی زمین پر اپنے مال سے اپنے لئے محل بنایا پھر باپ اس سمیت دیگر ورثاء کو چھوڑ کر فوت ہوگیا تو یہ محل اس بانی کا ہوگیا اور گویا باپ سے زمین عاریۃً لینے والا ہوا، الجواب، ہاں۔ جیسا کہ اس کی تصریح الاشباہ کے وقف میں اس قول سے ہے جس نے غیر کی زمین میں تعمیر کی تو وہ زمین کے مالک کے اختیار میں ہوگی اھ جبکہ عمارت کا مسئلہ کثیر الوقوع ہے، فصول عمادیہ وفصولین وغیرہما میں مذکور ہے اور ماتن کے قول یکون "کالمستعیر" گویا عاریۃ لینے والا ہوا، کے بعد محشی کی یہ عبارت ہے تو اس بیٹے کو مکان اکھاڑ لینے کا مکلّف بنائے گا جب مالک چاہے اھ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر الدین میں ہے:

سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموالا. اجاب هی للابن حیث کان له کسب مستقل بنفسه واما قول علمائنا اب وابن یکتسبان فی صنعة واحدۃ ولم یکن لهما شیئ ثم اجتمع لهما مال یکون کله للاب	ان سے بالغ شادی شدہ وعیال والے بیٹے کے متعلق سوال ہوا کہ اس کا اپنا مستقل کام وکسب ہے جس سے اس نے کثیر مال حاصل کیا (تو وہ خود مالک ہوگا) انہوں نے جواب میں فرمایا، ہاں یہ اموال بیٹے کے ہیں کیونکہ اپنا مستقل کام وکسب ہے لیکن ہمارے علماء کا یہ ارشاد ہے باپ اور بیٹا دونوں ایک صنعت میں مل کام کرتے ہیں اور ابتداء میں ان دونوں کا کوئی مال نہ تھا پھر دونوں مالدار ہوگئے تو تمام مال باپ کا قرار پائے گا

[1] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب العادیة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/۸۸

اذا کان الابن فی عیالہ فھو مشروط کما یعلم من عبارتھم بشروط منھا اتحاد الصنعۃ [1] الخ اھ ملتقطا۔	یہ اس صورت میں ہے جب بیٹا اپنے باپ کی عیال میں شامل ہو یہ شرط فقہاء کی عبارت میں معلوم شدہ ہے جہاں انہوں نے فرمایا ان شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ صنعت میں اتحاد ہو، الخ، اھ ملتقطا (ت)

پس اس صورت میں زمین زید کی اور عمارت بکر کی زید کو اختیار ہے جس وقت چاہے بکر پر جبر کرے کہ اپنا عملہ اکھیڑ لے جائے اور زمین خالی کردے

کما مر من العقود عن العلامۃ السید الحموی من قولہ یکلف قلعہ متی شاء [2]۔	جیسا کہ عقود میں علامہ سید حموی سے منقول گزرا، اس کا یہ قول کہ مالک جب چاہے اس کو اکھاڑنے کا مکلّف بنائے گا۔ (ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو کوئی ضرر فاحش نہ پہنچے تو بکر خود بھی اپنا عملہ اکھیڑ لینے کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ زید نہ کہے،

فی حاشیۃ الطحطاوی عن شرح الکنز الزیلعی ایتھما طلب القلع اجیب [3]۔	طحطاوی کے حاشیہ میں کنز الدقائق کی شرح امام زیلعی سے منقول ہے کہ جب بھی اکھاڑنے کا مطالبہ کرے تو ماننا ہوگا۔ (ت)

اور ان دونوں صورتوں میں یعنی زید جبرا اکھڑوادے یا بکر خود اکھیڑ لے جائے زید کو عملہ کی قیمت یا اکھیڑنے سے جو اس میں نقصان آئے اس کا تاوان کچھ نہ دینا پڑے گا۔

فی الھندیۃ عن البدائع اذا استعار من اٰخر ارضا لیبنی فیھا اویغرس فیھا ثم بدا للمالك ان یخرجہ فلہ ذٰلك سواء کانت العاریۃ مطلقۃ اوموقتۃ غیر انھا	ہندیہ میں بدائع سے منقول ہے جب کسی سے زمین عاریۃً لی تاکہ اس پر عمارت بنائے یا پودے لگائے تو بعد میں مالک کو زمین خالی کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تو وہ خالی کراسکتا ہے خواہ عاریہ مطلقہ ہو یا مقررہ وقت کے لئے ہو،

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲ /۵۸

[2] العقود الدریۃ کتاب العاریۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۸۸

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۳۸۸

ان کانت مطلقۃ لہ ان یجبر المستعیر علی قلع الغرس ونقض البناء واذا قلع ونقض لایضمن المعیر شیئا من قیمۃ الغرس البناء [1] اھ۔	ہاں اگر مطلقہ ہو تو مالک کو جبر امکان اور درخت اکھاڑنے کا حق ہے اگر عمارت اور درخت اکھاڑ دئے تو مالک پر کوئی ضمان نہ ہوگا اھ (ت)

طحطاوی میں ہے:

ولایضمن مانقص من البناء والغرس لعدم الغرور عند عدم التوقیت افادہ الزیلعی [2]۔	عاریۃ دینے والا مالک عمارت اور درختوں کے نقصان کا ضامن ہوگا، کیونکہ مقررہ وقت تک عاریۃ نہ ہونے کی وجہ سے عمارت اور درخت باقی رکھنے کا جواز نہیں امام زیلعی نے یہ افادہ فرمایا ہے۔(ت)

اور اگر بکر چاہے کہ میں عملہ برقرار رہنے دوں اور زید مجھے قیمت دے دے تو یہ امر رضامندی زید پر موقوف رہے گا اس پر بکر کو جبر نہیں پہنچتا۔

فی الھندیۃ فان طلب المستعیر ان یضمن المعیر قیمۃ البناء والغرس مقلوعا فانہ لایجبر علی ذٰلک ویکلفہ علی القلع [3]۔	ہندیہ میں ہے اگر مستعیر چاہے کہ مالک عمارت اور درختوں کے ملبے کی قیمت برابر ضمان دے تو اس پر مالک کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اس کو بہر حال عمارت اور درخت اکھاڑنے ہوں گے۔(ت)

اور اگر قلع بنا سے زمین کو ضرر بین پہنچے تو بکر خود اختیار قلع نہیں رکھتا بلکہ اب اختیار زید کو ہے چاہے اپنے نقصان زمین پر راضی ہو اور بکر پر جبر کرے کہ عملہ اکھیڑ لے جائے یا عملہ کو اپنی ملک کرلے اور بکر کو بنائے مقلوعہ کی قیمت دے یعنی یہ عملہ اگر اکھیڑ کر بیچا جائے تو اس حالت میں خریدار اس کے کیا دام لگائیں گے، اسی قدر حوالہ زید کرے باقی زید کی لاگت کا کچھ اعتبار نہیں، نہ وہ زوجہ اور ماموں کے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب العاریۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۰

اس قرض کا مطالبہ زید خواہ عمرو وخالد سے کرسکتا ہے کہ مدیون یہ ہے نہ وہ۔

فی تنویر الابصار لو اعار ارضا للبناء والغرس صح ولہ ان یرجع متی شاء ویکلفہ قلعھما الا اذا کان فیہ مضرۃ بالارض فیترکان بالقیمۃ مقلوعین [1]۔	تنویر الابصار میں ہے اگر عمارت اور درخت لگانے کے لئے زمین عاریۃ دی تو صحیح ہے اور اس کو جب چاہے واپس لینے کا حق ہے اور وہ مستعیر کو اکھاڑنے کا پابند بناسکے گا ہاں اگر عمارت ودرخت اکھاڑنے میں زمین کو نقصان ہو تو دونوں باہمی رضامندی سے ملبہ کی قیمت پر زمین پر ان کو باقی رکھ سکتے ہیں۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

وان رضی رب الارض بالنقص قلعھما ولا یجبر علی الضمان [2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مالک زمین کے نقصان پر راضی ہے تو مستعیر کو اکھاڑنے ہوں گے، مالک کو ملبہ کی قیمت برابر ضمان پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو عرصہ دس بارہ سال سے عارضہ دمہ کا تھا کبھی شدت ہوجاتی کبھی کم ہوجاتا، سوا اس کے کوئی اور مرض نہ تھا، نہ زید صاحب فراش ہوا بلکہ مثل تندرستوں کے چلتا پھرتا، اسی حالت میں اس نے کل جائداد اپنی ہندہ اپنی زوجہ کو بعوض اس کے مہر کے بحالت ثبات ہوش وحواس کے ہبہ کی اور بغیر قابض کرائے دوسرے روز انتقال کیا، اس صورت میں یہ ہبہ صحیح ونافذ ہوگا یا نہیں۔ اور ایسی ہبہ میں قبضہ مشروط ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض موت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صاحب فراش ہونا ضرور، تجرید میں اسی مذہب کو معتمد قرار دیا اور مختار یہ ہے کہ اس مرض کا قاتل ہونا چاہئے کہ مبتلا اس کا غالبانہ بچتا ہو جب تک خوف موت غالب رہے مرض موت ہے اگرچہ مثل تندرستوں کے چلے پھرے،

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب العاریۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۸۸

فی الدرالمختار مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسه وعلیه اعتمد فی التجرید،بزازیة،والمختار انه ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش،قهستانی عن ہبة الذخیرۃ[1]۔	درمختار میں مرض الموت کی تفسیر میں فرمایا گیا(کہ موت سے قبل)اپنی ضروری بنیادی حوائج کے لئے گھر سے نکل نہ سکے، تجرید میں اسی پر اعتماد کیا ہے،بزازیہ،قہستانی نے ذخیرہ کے باب الھبہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ مختار یہ ہے کوئی ایسا عارضہ جس سے غالبا موت واقع ہوجاتی ہو اگرچہ صاحب فراش نہ ہوا ہو۔(ت)

صورت مسئولہ میں جبکہ زید صاحب فراش نہ تھااور دمہ مرض قاتلہ سے نہیں بلکہ غالب اس میں سلامت ہے تو یہ مرض اس کا باتفاق تفسیرین مرض موت نہ قرار پائے گا علی الخصوص جبکہ اسے عرصہ دس بارہ برس کا گزر چکا تھا۔

فی الدرالمختار وھبة مقعد ومفلوج واشل ومسلول من کل ماله ان طالت مدته سنة ولم یخف موته منه والا تطل وخیف موته فمن ثلثه لانها امراض مزمنة لاقاتلة[2] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے کہ جڑا ہوا ہو، مفلوج ہو، شَل ہو،اور مرض سل والا ہو تو یہ امراض ایک سال طویل ہوں اور موت کا اندیشہ نہ ہو توان کا ہبہ کیا ہوا ان کے کل مال سے ادا ہوگا اور اگر یہ امراض طویل نہ ہوں موت کا اندیشہ ہو تو اس حال میں ان کا ہبہ تہائی مال سے ادا ہوگا کیونکہ یہ امراض لاچار کرتے ہیں فوری مہلک نہیں ہیں۔(ت)

پس یہ ہبہ بلا شبہہ صحیح و نافذ ہوگا اور قبضہ نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ ہبہ بالعوض حقیقۃً بیع ہے اور بیع میں قبضہ غیر مشروط،

فی الدرالمختار لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتهاء[3] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے اگر کسی نے ہبہ کرتے ہوئے کہا فلاں چیز کے عوض تجھے ہبہ کیا تو اول آخر وہ بیع قرار پائے گا اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[3] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

مسئلہ ۶۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان جو بلاشرکت غیرے اس کا مملوک تھا اپنے پسر نابالغ کو ہبہ کیااور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اس مکان میں بطور مالکانہ سکونت رکھوں گااور بلوغ پسر تک اس کی مرمت میرے ذمہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھ دیا۔آیااس صورت میں ہبہ تمام وکامل ہوگیا یا بوجہ اس کے کہ زید نے مکان خالی نہ کیا اور سکونت ومرمت کی شرطیں لگائیں فاسد وناجائز رہا۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہبہ صحیح ونافذ تام وکامل ہوگیازید کااصلاحق مالکانہ اس میں نہ رہا،پسر زید مالک مستقل ہوگیا۔یہاں تک کہ خود بھی اب اس ہبہ کے نقض وابطال پر قادر نہیں فان البنوۃ من موانع الرجوع [عہ] (کیونکہ بیٹا ہونا موانع رجوع سے شمار ہوتاہے)اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسر نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہوجاتاہے باپ کاقبضہ بعینہٖ پسر کا قبضہ قرار پاتاہے سکونت پدر تمامی ہبہ کے منافی نہیں ہوتی۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار ہبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد(ای الایجاب فقط)لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب [1] اھ ملتقطا۔	تنویر الابصار،درمختار اور ردالمحتار میں ہے جس کو نابالغ پر ولایت حاصل ہے تو اس کا بچے کو عقد ہبہ ہی ہبہ کو تام کردیتاہے یعنی صرف ایجاب ہی کافی ہے کیونکہ ولی کاقبضہ بچے کی نیابت سے ہے۔اور قاعدہ یہ ہے کہ ایساعقد جس میں ایک شخص ہی فریقین کے قائم ہوسکتاہے اس میں اس کاایجاب ہی کافی ہے۔اھ ملتقطا(ت)

درمختار میں اشباہ سے ہے:

ہبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب	کسی مشغول چیز کاہبہ صحیح نہیں الایہ کہ باپ نابالغ

عـــہ: لفظ "رجوع" اندازہ سے بنایا گیا اصل میں بیاض ہے۔

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰،ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

الاب لطفلہ[1]۔	بچے کو ہبہ کرے۔(ت)

اور سکونت و مرمت کی شرطیں اگرچہ بیجا ہیں مگر ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرطیں فاسد و بے اثر ٹھہرتی ہیں۔ درمختار میں ہے:

وحکمہا انہا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فہبۃ عبد علی ان یعتقہ تصح وتبطل الشرط[2] اھ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا لہٰذا غلام کو ہبہ کرتے ہوئے شرط لگانا کہ موہوب لہ اسے آزاد کرے گا، صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۷: (نوٹ: اصل میں بیاض ہے، سوال دستیاب نہ ہوسکا)

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر قبضہ مال موہوب پر قبل موت واہب کے ہوگیا تو ہبہ تمام ہے مگر ثلث مال میں صحیح ہوگا کہ ہبہ مرض موت میں ہوا پس ثلث مال موہوب لہا کو ملے گا اور دو ثلث ورثہ کو، اور اگر قبضہ بعد موت واہب کے ہوا تو ہبہ باطل ہے کل مال ورثہ واہب کو ملے گا۔

قال فی العالمگیریۃ قال فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت فجازت من الثلث واذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[3]۔	عالمگیری میں فرمایا کہ مبسوط میں ہے کہ مریض کا ہبہ اور اس کا صدقہ جائز نہیں الایہ کہ موہوب لہ کو وہ قبضہ دے دے، اگر قبضہ دیا تو تہائی مال سے شمار ہوگا اور اگر یہ واہب مریض قبضہ دینے سے قبل فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائیگا (ت)

پھر اگر زوجیت موہوب لہا کی ثابت ہوگئی تو وہ اور زوجہ اولٰی ثمن حق ورثہ میں خواہ دو ثلث ہو یا کل شریک ہیں ورنہ عـــہ ثمن بتمامہ زوجہ اولٰی کا ہے اور ما بقے اس کی اولاد کا اور موہوب لہا کو وارثوں

عـــہ: فی الاصل "ورثہ" وھوزلۃ من قلم الناسخ ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

کے حصہ میں سے کچھ نہ ملے گا البتہ بر تقدیر ثبوت ہبہ ثلث مال بوجہ ہبہ کے لے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۱: از مراد آباد ۱۸ شعبان ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو دختر اور دو پسر ہیں وہ چاہتا ہے کہ اپنا مال اپنی زندگی میں بحالت صحت نفس ان چاروں کو عطا کرے۔ آیا برابر تقسیم کرے یا بطور فرائض "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ"[1] (مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مذہب مفتی بہ پر افضل یہی ہے کہ بیٹوں بیٹیوں سب کو برابر دے، یہی قول امام ابویوسف کا ہے اور "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ"[2] (مرد کو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔ت) دینا بھی جیسا کہ قول امام محمد رحمہ اللہ کا ہے ممنوع و ناجائز نہیں اگرچہ ترک اولٰی ہے۔ ردالمحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے ہے:

الفتوی علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکر والانثی افضل من التثلیث الذی ہو قول محمد[3]۔	فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے کہ مرد اور عورت کو نصف نصف دینا، مرد کو دو اور عورت کو ایک، تین حصے بنانے سے بہتر ہے اور یہ تین حصے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے (ت)

حاشیہ طحطاوی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

الافضل فی ہبۃ البنت والابن التثلیث کالمیراث و عند الثانی التنصیف وھو المختار[4]۔	بیٹی اور بیٹے کو ہبہ دینے میں تین حصے میراث کے طور پر افضل ہے۔ اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک نصف نصف دینا افضل ہے اور یہی مختار ہے۔ (ت)

بالجملہ خلاف افضلیت میں ہے اور مذہب مختار پر اولٰی تسویہ، ہاں اگر بعض اولاد فضل دینی میں بعض سے زائد ہو تو اس کی ترجیح میں اصلا باک نہیں۔ علامہ طحطاوی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارلمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجة کما فی المنح والنھدیة اما عند عدم التساوی کما اذا کان احدھم مشتغلا بالعلم لابالکسب لاباس ان یفضله علی غیرہ کما فی الملتقط ای ولایکرہ وفی المنح روی عن الامام انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درجہ میں برابر ہونے کی صورت میں مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے لیکن مساوی نہ ہوں مثلاً ایک علم دین میں مشغول ہے اور کسب نہیں کرتا تو اس کو دوسروں پر فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے یعنی مکروہ نہیں ہے۔ اور منح میں ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ جب دین میں فضیلت رکھتا ہو تو اس کو فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۲:

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ مسماۃ ہندہ بحضور گواہان از زید خود گفت کہ من تمام مہر خویش بشما بخشیدم زید قبول ساخت بعد ازاں زید از ہندہ زوجہ خویش گفت کہ انچہ شے من است بشما بخشیدم ودادم ہندہ گفت کہ من گرفتم جملہ شاہدان کلام طرفین مذکورہ شنیدہ رفتند وکدام کاغذ از جانب ہندہ وزید تحریر نہ گشت بعدہ زید بگذاشتن عمرو برادر خود وہندہ زوجہ متروکہ مشترکہ فیما بین خواہر زادہ وبرادر زادہ وبیوہ برادر خورد وبرادر حقیقی مذکور فوت ساخت زاں بعد ہندہ فوت شد اوپس مرگ خودو	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسماۃ ہندہ نے گواہوں کی موجودگی میں اپنے خاوند زید کو کہا، میں تمھیں اپنا تمام مہر بخشتی ہوں، زید نے یہ بات قبول کرلی، اس کے بعد زید نے اپنی بیوی ہندہ کو کہا کہ جو کچھ میرا حق ہے میں تمھیں بخش دیتا ہوں۔ اس کے جواب میں ہندہ نے کہا میں نے لے لیا، تمام گواہوں نے فریقین کا یہ کلام سنا اور چلے گئے، اور زید اور ہندہ کی طرف سے کوئی تحریر نہ ہوئی، اس کے بعد زید فوت ہوا اور اس نے اپنے پیچھے اپنا بھائی عمرو اور ہندہ بیوی چھوڑے اور جو ترکہ چھوڑا وہ برادر زادہ خواہر زادہ، چھوٹے بھائی کی بیوہ اور بھائی حقیقی مذکور میں مشترکہ تھا

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۳/ ۲۹۹

خواہر ودو برادر، گزاشت پس دادن زید شے خویش مشترکہ رابمسماۃ ہندہ زوجہ عندالشرع صحیح است یانہ وبخشیدن مہر ہندہ بمسمی زید شوہر صحیح یا غیر صحیح وترکہ زید برکدام کس بموجب فرائض ہبہ تقسیم خواہد شد وترکہ ہندہ برکدام کدام، تقسیم خواہد شد، **بینواتوجروا**	پھر اس کے بعد ہندہ فوت ہوگئی اس نے اپنے پیچھے دو بہنیں اور دو بھائی چھوڑے، تو کیا زید کا اپنا مشترکہ مال اپنی بیوہ ہندہ کو دینا شرعاً صحیح ہے یانہیں اور کیا ہندہ کا اپنے شوہر زید کو اپنا مہر بخش دینا صحیح ہے یانہیں، اور زید کا ترکہ کن لوگوں میں بطور وارثت تقسیم ہوگا اور ہندہ کا ترکہ کن کن پر تقسیم ہوگا **بینواتوجروا (ت)**

الجواب:

شرع مطہر ما اسلامیان رزقنا اللہ اتباعہ ہیچ عقدے وفسخے راموقوف بہ تحریر نداشتہ است پس ہندہ کہ مہر خود رابزید بخشید در صحت ونفاذ ایں سخنے نیست تنہا ایجاب ہندہ اینجا بسندمی بود اگر زید ردنہ کردے فکیف کہ تنصیص بر قبول نمود **فی تنویر الابصار ہبۃ الدین ممن علیہ الدین وابراءہ عنہ یتم من غیر قبول** [1]۔ وہبہ زید دراملاک مشاعہ مشترکہ غیر منقسمہ کہ زید بے آنکہ آنہارا تقسیم وافراز کردہ بقبض ہندہ سپاردہ مرو، وہندہ برانہا دست نیافت باطل شد وہبہ ہیچ وجہ ہندہ رااختیار تملک آنہا نماند **فی الدر المختار فی ذکر موانع الرجوع والمیم**	ہم مسلمانوں کی شریعت مطہرہ (اللہ تعالٰی ہمیں اس کی اتباع نصیب فرمائے) نے کوئی عقد یا فسخ تحریر پر موقوف نہ چھوڑا، پس ہندہ نے اپنی صحت میں مہر زید کو بخشا تو اس ہبہ کا نفاذ بلا شبہ ہوگیا، اس میں ہندہ کی طرف سے صرف ایجاب کافی تھا بشرطیکہ زید نے اس کو رد نہ کیا ہو، تو جب زید نے قبول کرنے کی تصریح کردی تو کیا شُبہ ہوسکتا ہے، تنویر الابصار میں کہ جس پر دین ہو اس کو دین ہبہ کرنا اور بری کردینا قبول کے بغیر تام ہوجاتا ہے اور زید نے اپنا مشترکہ مشاع مال بغیر تقسیم کئے اور جُدا کئے ہبہ کیا اور جدا شدہ ہندہ کے قبضہ میں نہ آیا، اور وہ فوت ہوگیا، لہٰذا وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی صورت میں ہندہ کی ملکیت اس پر ثابت نہ ہوئی، درمختار میں رجوع کے موانع میں مذکور ہے "میم" سے مراد قبضہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل[1]۔ ودر عالمگیریہ از کتاب الاصل می آورد اذا مات الواہب قبل التسلیم بطلت[2] سائل از ہمیں قدرے پرسد اما تمام حکم و حق انصاف دریں جا آنست کہ زید ہبہ اش رابر ہمیں اشیائے مشاعہ مقصور نگزاشتہ بود بلکہ ہر انچہ ازان دے باشد ہمہ را ہبہ نمود وایں چنیں ہبہ شرعا رواست وبعد قبضہ تام ونافذ ومفید ملک شد فی الخانیۃ لوقال جمیع مالی او جمیع ماملك لفلان فهو هبة لایجوز الا بالتسلیم[3]، وعادت آنچناں ست کہ چیز از املاک خالصہ شوہر مانند نقود عروض لباس واثاث وزیور وظروف وغیرہا امتعہ ورقمش از جانب شوہر بدست زناں بر سبیل ودیعت یا اباحت می باشد ودر ہمچوں مقام اگر ہبہ واقع شود حاجت بقبض جدید نمی افتد فان قبض الودیعة و الاباحة کل واحد منهما قبض غیر مضمون

ہو جانے کے بعد فریقین میں سے ایک کا فوت ہو جانا اور اگر قبضہ سے پہلے فوت ہو تو ہبہ باطل ہوگا۔اور عالمگیری میں مبسوط کے حوالہ سے مذکور ہے جب ہبہ کرنیوالا قبضہ دینے سے قبل فوت ہوجائے ہبہ باطل ہوجاتاہے،سائل کا سوال اسی قدر تھا،لیکن مکمل حکم اور پوراانصاف اس میں یوں ہے کہ زید نے اپناہبہ صرف مشترکہ مشاع تک محدود نہ رکھابلکہ اس نے اپنی ہر چیز کو ہبہ میں شامل کردیا جبکہ ایسا ہبہ شرعا جائز ہے اور قبضہ دینے پر تام اور نافذ ہوکر مفید ملک ہوجاتا ہے،خانیہ میں ہے اگر کسی نے کہا میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کے لئے ہے تو ہبہ ہوگا جو صرف قبضہ دینے پر جائز ہوگا،اور عادتاً شوہر کی طرف سے بیوی کے پاس امانت یا اباحت کے طور پر بیوی کے پاس بہت سا سامان مثلا نقد،لباس،اثاثہ،زیور،برتن،وغیرہا ہوتاہے۔ایسی صورت میں اگر خاوند ان چیزوں کا ہبہ بیوی کو کرے تو بیوی کو جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ امانت اور اباحت کا قبضہ غیر مضمون ہوتاہے اور ہبہ کا قبضہ بھی ایسا ہے تو یہ قبضہ ایک دوسرے کے قائم مقام

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الهبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۰

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاقرار نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۱۶

I.T. Majlis of Dawateislami

وکذٰلك قبض الهبة فینوب احدهما عن الاخر من دون حاجة الی قبض جدید قال فی التنویر وشرحه الدر وملك بالقبول بلاقبض جدید لو الموهوب فی یدالموهوب له ولو بقبض اوامانة لانه ح عامل لنفسه والاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدهما عن الاخر واذا تغایر اناب الاعلی عن الادنیٰ [1]. پس ازیں قسم اشیاء ہرچہ کہ بدست ہندہ بود بمجرد ایجاب و قبول از دائرہ ملک زید بحوزہ تملک ہندہ انتقال نمود ہمچنیں اگر زید درحیات خودش چیزے بقبض کامل ہندہ داد یا ہندہ باذن او خواہ در مجلس ہبہ بلااذن وے ہر چیزے قبضہ تامہ کرد آنہمہ مملوک ہندہ گردید وانچہ مطلقا بے قبض مشاع باشد خواہ مفرز درآنہا ہبہ باطل شد کما ثبت من انها لا تفید الملك الا بالقبض وتبطل بموت احدهما قبل التسلیم وگمان بزند کہ چوں عقد واحد در بعض معقود علیہ کہ اشیائے غیر مقبوضہ است بود بطلان گرفت درباقی نیز ازحلہ صحت

ہوجاتا ہے جدید قبضہ کی ضرورت نہیں ہوتی، تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ صرف قبول کرنے سے مالک ہوجائے گا جدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی جب وہ چیز پہلے ہی موہوب لہ کے قبضہ میں ہو اگرچہ وہ قبضہ بطور قابض یا امانت ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ اس میں اس نے خود اپنے لئے عمل کرنا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ دونوں قبضے ہم جنس ہوں یا ایک قوی اور ایک ادنی ہو، تو ہم جنس ایک دوسرے اور اقوی ادنی کے قائم مقام ہوجاتا ہے، پس ازیں قسم اشیاء جو ہندہ کے قبضہ میں اس وقت تھیں وہ سب محض ایجاب وقبول کرلینے پر زید کی ملکیت سے نکل کر ہندہ کی ملکیت ہوگئیں اور یونہی وہ چیزیں جن کا زید نے اپنی زندگی میں ہندہ کو مکمل قبضہ دے دیا خود ہندہ نے اس کی اجازت سے مجلس ہبہ یا اس کے بعد جس چیز کو قبضہ میں مکمل لے لیا بلکہ بلااجازت بھی قبضہ سے وہ مالک ہوگئی لیکن وہ مال مشاع غیر منقسم خواہ منقسم ہو قبضہ نہ دیا ہو ان سب میں ہبہ باطل ہوگیا جیسا کہ ثابت ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر مفید ملک نہیں ہوتا اور قبضہ دینے سے قبل ایک فریق کے فوت ہوجانے سے باطل ہوجاتا ہے۔ اور یہ خیال کرنا کہ ایک عقد کی بعض غیر مقبوضہ اشیاء میں ہبہ باطل ہوجانے پر تمام اشیاء میں باطل

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

عاری وعاطل باشد زیراکہ ہبہ ہمچو بیع نیست وبشرط فاسد فساد نمی پزیرد فی الاشباہ من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام ومنھا الھبۃ وھی لاتبطل بالشرط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز [1] اھ متروکہ زید بر تقدیم عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم کالدین و الوصیۃ برچار سہم انقسام یافتہ سہمے بزن وسہ برادرے رسد و ترکہ ہندہ از موہوبہ زید و حصہ ترکہ زید وغیرہا انچہ کہ شرعا ملک ہندہ قرار یابد بشرائط مذکورہ شش پارہ شد پنج عـــہ برادر دوبخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہوجائے گا یہ گمان درست نہیں ہے کیونکہ ہبہ بیع کی طرح نہیں ہے کہ فاسد شرط سے فاسد ہوجائے، الاشباہ میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ حلال وحرام جمع ہوجائیں تو حرام کو غلبہ ہوتاہے اور ان میں سے ایک ہبہ ہے کہ یہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا لہذا فاسد شرط جائز پر اثرانداز نہ ہوگی اھ باقی رہا معاملہ ورثاء میں تقسیم کا وراثت سے موانع نہ ہونے، دوسرا وارث بھی نہ ہونے کی صورت میں اور پیشگی حق مثلاً قرض اور وصیت کی ادائیگی کے بعد زید کا ترکہ چار حصوں میں منقسم ہوگا، ایک حصہ بیوی کو، باقی تین حصے بھائی کو ملیں گے، اور ہندہ کا ترکہ جو کہ زید کا ہبہ کردہ اس کے قبضہ میں آیا اور جو اس کو زید کی وارثت میں ملا وغیرہ جو بھی اس کی ملکیت شرعی طور پر ہے وہ بھی مذکور شرائط سے چھ حصوں میں منقسم ہوگا دو دو حصے فی بھائی اور ایک ایک حصہ فی بہن ملے گا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرایک دستاویز میں ابومحمد وفاطمہ کااپنی ایک جائداد مشترکہ بنام اپنے تین بیٹوں احمد وحامد بالغان و محمود نابالغ کے اس طورپر لکھاکہ نصف جائداد بنام احمد پسر کبیر کے جو فضل دینی میں اور اولاد سے زائد ہے اور نصف باقی بنام حامد و محمود کے

عـــہ: قدزل قلم الناسخ الصواب بہر برادر دوبخش وبہر خواہر بخشے خواہد رسید ۱۲ عبدالمنان۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۹

ابو محمد نے وفات پائی، فاطمہ زندہ ہے ان کا ان امور میں شریک ہونا اور دستاویز لکھوانا اور اس تقسیم متفاوت پر راضی ہونا یقینا ثابت ہے، اسی طرح حامد بالغ کا بھی اپنے برادر کلاں احمد کی ترجیح پر راضی ہونا یقینی، آیا ایسی صورت میں بعد انتقال ابو محمد کے صرف اس وجہ پر بیٹوں کے دینے میں باہم فرق کیا گیا اگر وہ خود دیتا تو برابر دیتا یہ گمان ہوسکتا ہے کہ یہ فعل ابو محمد کا نہیں یا اس نے دستاویز نہ لکھوائی یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا یا اس کا فعل مانا بھی جائے تو اس بنا پر گمان کرسکیں کہ اس کی عقل میں اختلال تھا ورنہ تفاوت نہ کرتا یا ایسا نہیں ہے۔اور اولاد میں کسی کو بوجہ فضل دینی کے ترجیح دی جائے تو شرعاً جائز، اور یہ تصرف نافذ ہے۔ یا اس خیال سے کہ بعض اولاد نابالغ ہیں یا کیا معلوم بقیہ اولاد سے آیندہ کوئی اور شخص فضل میں زیادہ ہوجائے اجازت نہ دیں گے۔بینوا توجروا

الجواب:

نفاذ کے لئے تو اگر کوئی شخص غیر مجور اپنی ساری جائداد ایک ہی بیٹے کو دے دے اور باقی اولاد کو کچھ نہ دے تو یہ تصرف بھی قطعاً صحیح و نافذ ہے اگرچہ عنداللہ گنہگار ہو گا گناہگاری کو عدم نفاذ تصرف سے کچھ علاقہ نہیں، درمختار میں ہے:

ولو وہب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم [1]۔	اگر اپنی صحت میں تمام مال بیٹے کو ہبہ کردیا تو جائز ہے اور گنہگار ہوگا۔(ت)

اور اگر فضل دینی کے سبب بعض اولاد کو ترجیح دی جائے تو یہ بلا کراہت جائز ہے اس میں عنداللہ بھی کچھ مواخذہ نہیں،

فی الخانیۃ روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذا کان التفضیل لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان کانا سواء یکرہ [2]۔	خانیہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اگر اس کو دینی فضیلت حاصل ہو تو اس کو زیادہ دینے میں حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں پھر ایک کو زائد دینا مکروہ ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

[1] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۵

لوکان الولد مشتغلا بالعلم لابالکسب فلا بأس بہ ان یفضلہ علی غیرہ کذا فی الملتقط[1]۔	اگر کوئی بیٹا علم دین میں مشغول ہونے کی وجہ سے کسب نہیں کرتا تواس کو دوسروں سے زائد دینے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ ملتقط میں ہے۔(ت)

اور جب یہ تفاوت شرعا جائز ہے اور صورت مسئولہ میں جس بیٹے کو ترجیح دی گئی حسب بیان سائل فضل دینی میں زیادہ ہے تو اس بناپر کیونکر گمان ہوسکتاہے کہ وہ فعل ابو محمد کانہ تھا یا وہ اس تفاوت پر راضی نہ تھا، یا تھاتواس کی عقل میں کچھ اختلال تھاہم بتصریح علماء نقل کرآئے کہ تمام اولاد کو محروم کرکے کل مال ایک کو دے دینا بھی صحیح ونافذ ہے پھر جب شرع ایسے مکروہ تصرف کو جس میں عنداللہ مواخذہ ہے صحیح وتمام مانتی ہے اور اس قسم کے خیالات کو گنجائش نہیں دیتی تو یہ تصرف جس میں کسی طرح حرج شرعی نہیں کیونکر مورد ان خیال کا ہوسکتاہے اسی طرح یہ احتمال بھی کہ ممکن ہے کہ آئندہ بعض اولاد باقین سے کوئی شخص فضل دینی میں اس پر بڑھ جائے تواس وقت اس کے فضل پر خیال کرکے کیونکر اسے ترجیح دیں ہر گز ٹھیک نہیں کہ شرع مطہر حالت موجودہ پر حکم دیتی ہے آخر علم غیب خدا کو ہے ایسے ہی خطرات کو جگہ دی جائے تو علماء کے اس حکم کا کوئی محل نہ ملے کہ جب اس مسئلہ پر عمل کرکے ایک ولد کو زیادہ دینا چاہیں فورا یہ احتمال قائم ہوسکتاہے کہ کیا معلوم آئندہ باقین میں سے اس سے کوئی بڑھ جائے، علماء نے کہ ترجیح افضل کی اجازت دی ہے حکم مطابق رکھاہے کسی کے بلوغ وعدم بلوغ کی قید نہیں لگائی ہر گز کوئی شخص کسی ایک کتاب میں بھی نہیں دکھا سکتاکہ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ جب بقیہ اولاد میں کوئی بالغ ہو اور وجہ اس کی نہایت ظاہر کہ حیات مورث میں ورثاء اس کی جائداد کے مالک نہیں ہوجاتے جوایک کو زیادہ دینا نابالغ کے مال میں تصرف ٹھہرے ہر شخص اپنی صحت میں اپنے مال کا مختار ہے اگر کسی اجنبی کو دے دے تو کون ہاتھ روک سکتاہے علی الخصوص فاطمہ کا کہ زندہ وموجود ہے اس تفاوت پر راضی ہونا بالکل ایسے خیالات کو دفع کرتاہے کہ یہی علت بعینہٖ وہاں موجود ہے اب کیا یہ گمان کرسکتے ہیں کہ فاطمہ اس فعل پر راضی نہیں یاراضی ہے تواس کی عقل میں کچھ اختلال ہے، اور جب یہاں ایسا خیال نہیں کرسکتے اور باوجود یہ کہ ماؤں کو اولاد صغر کی محبت سب سے زیادہ ہوتی ہے وہ اس تفاوت پر بوجہ احمد کے فضل دینی کے صریح رضامند ہے توابو محمد کی رضامندی بدرجہ اولٰی قابل تسلیم ہوسکتی ہے اور حامد پسر بالغ کا اپنے برادر کلاں کی ترجیح

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

پر رضامند ہونا اور زیادہ مؤید کہ وہ تو خاص معاملہ اس کی ذات کا تھا، جب اس نے اپنے بھائی کے فضل دینی کا خیال کیا تو اگر باپ تفاوت کرے تو کون سا محل تعجب ہوسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۴: نوٹ: اصل میں سوال منقول نہیں ۱۲۔

الجواب:

ہبہ مرض الموت میں جب غیر وارث کے نام ہو تو قطعاً صحیح وجائز ہے اور وہ حقیقۃً ہبہ ہی قرار پائے گا اور اسی کے شرائط اس میں معتبر ہوں گے نہ یہ کہ دراصل وصیت ٹھہر جائے۔

فی رد المحتار عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضیخان وغیرہ ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما[1] اھ وفیہ ایضاً عن تبیین الامام الزیلعی حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لا حقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت و ھذہ التصرفات منجزۃ فی الحال[2] اھ۔	ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے مکی سے انہوں نے امام قاضیخان وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ مریض کا ہبہ کرنا حقیقتاً ہبہ ہے اور حکماً وصیت ہے اھ اور اسی میں تبیین الحقائق امام زیلعی سے ہے کہ اس کا حکم وصیت والا ہے کہ تہائی حصہ میں نافذ ہوگا، اور حقیقتاً وصیت نہیں کیونکہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور ہبہ کے تصرفات فوراً نافذ ہوجاتے ہیں۔ اھ (ت)

اور ہبہ کے لئے حیات واہب میں موہوب لہ کا قبضہ ہونا ضرور ہے ورنہ باطل ہوجاتا ہے

فی الدرالمختار ان عــہ موت احد العاقدین قبل التسلیم مبطل للھبۃ[3]۔	درمختار میں ہے کہ قبضہ دینے سے قبل فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے۔ (ت)

عــہ: فی الاصل بیاض لکنا نقلنا ھذہ العبارۃ اعتماداً علی داب المصنف فی نقل ھذہ العبارۃ فی مثل ھذا المقام۔	اصل میں بیاض ہے لیکن ہم نے اس جیسے مقام میں اس عبارت کو نقل کرنے میں مصنف کے طریقہ پر اعتماد کرتے ہوئے اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

مگر صورت مسئولہ میں جبکہ موہوب لہما نابالغ ہیں توان کے باپ کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے۔

فی الدرالمختار ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو احد اربعة الاب ثم وصیه[1] الخ۔	درمختار میں ہے اگر نابالغ کو اجنبی شخص ہبہ کرے تو اس کے ولی کے قبضہ سے تام ہوجاتا ہے اور چار ولیوں میں سے ایک باپ پھر وصی ہے الخ (ت)

اور پیش از ہبہ فرزند ہندہ جواز جانب ہندہ ان دیہات ودکانات پر قبضہ رکھتا تھا اسی قبضہ کا باقی ہونا اس قبضہ ہبہ کے لئے کافی ہے۔

لان کل واحد قبض امانة فکانا من جنس واحد وفی الدرالمختار الاصل ان القبضین اذا تجانسا ناب احدہما عن الاٰخر اھ[2] وفی ردالمحتار قوله عن الاٰخر کما اذا کان عندہ ودیعة فاعارھا صاحبها له فان کلا منهما قبض امانة فناب احدہما عن الاٰخر اھ[3]۔	کیونکہ ان سب پر قبضہ بطور امانت ہے تو ایک جنس کا ہوا اور درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ جب دونوں قبضے ایک جنس ہوں تو ایک دوسرے کے قائم مقام ہوجاتا ہے اھ اور ردالمحتار میں ہے اس کا قول کہ دوسرے کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے پہلے اس کے پاس بطور امانت تھا پھر اس نے عاریۃً لیا، تو دونوں ایک جیسی امانت کے طور پر ہیں، تو یہ ایک دوسرے کے قائم مقام ہوئے۔ (ت)

از سر نو قبضہ جداگانہ حاصل کرنے کی حاجت نہیں۔

فی تنویر الابصار ملك بلاقبض جدید لو الموهوب فی ید الموهوب له[4] اھ۔	تنویر الابصار میں ہے ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں پہلے ہو تو جدید قبضہ کے بغیر مالک ہوجائے گا اھ (ت)

البتہ یہ ہبہ مرض الموت میں ہونے کی وجہ سے اس بات میں حکم وصیت پیدا کرگیا کہ بلااجازت ورثہ فقط ایک ثلث میں نافذ ہوگا۔

فی تنویر الابصار ھبته کوصیة فیعتبر	تنویر الابصار میں ہے اس کا ہبہ وصیت کی

---

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] ردالمحتار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

من الثلث [1] اھ۔	طرح ہے لہٰذا تہائی حصہ میں معتبر ہوگا اھ (ت)

اور اس کے یہ معنٰی ہیں کہ اگر موصی پر کوئی قرض نہیں تو اس کے کل اشیائے متروکہ منقولہ وغیر منقولہ کو ملا کر ان سب کا ثلث نکالیں گے اور اگر کچھ قرض ہے قلیل خواہ کثیر کتنا ہی ہو تو اسے مجرا دے کر باقی تمام متروکہ کا ثلث نکالیں گے اس مقدار سے موصی کی ساری وصیتیں نافذ کریں گے پس اگر یہ مقدار اور وصایا برابر ہوں فبہا، اور اگر یہ زائد اور وصایا کم ہوں جب بھی ہر موصی لہ کو پورا پورا بقدر ادائے وصیت کے دیں گے نہ یہ کہ عـــہ ثلث کامل انہیں دے دیں گے اگرچہ ان کی وصیتیں کم سے ہی پوری ہوجائیں وھذا واضح جدا (یہ بہت واضح ہے۔ت) اور اگر وصیتیں زائد اور مقدار ثلث کم ہوں تو بلااجازت ورثہ تہائی سے زیادہ انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ اسی قدر کو تمام موصٰی لہم پر بحساب ان کے وصایا کے حصہ رسد تقسیم کردیں گے۔

فی تنویر الابصار ہبتہ کوصیۃ ویزاحم اصحاب الوصایا فی الضرب [2] الخ ملخصا فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار ای الموھوب لہ یضرب فی الثلث مع اصحاب الوصایا فان وفی بالثلث بالجمیع والا تخاصموا فیہ ویعتبر فی القسمۃ قدر مالکل من الثلث [3] اھ ملخصا، قلت ومما قررت ظھر لك المجیب	تنویر الابصار میں ہے ہبہ وصیت کی طرح ہے، تو وہ نفاذ میں وصیت والے دوسرے حضرات کے لحاظ سے ہوگا الخ ملخصا، اور درمختار پر طحطاوی کے حاشیہ میں ہے یعنی موہوب لہ دوسرے اصحاب وصایا کے ساتھ تہائی حصہ میں شریک ہوگا اگر وہ سب وصیت والے اور موہوب لہ تہائی حصہ میں پورا ہوجائیں تو بہتر، ورنہ تہائی میں ایک دوسرے کے مقابل ہوں گے اور تہائی میں سے ہر ایک اپنا حصہ کے مطابق تقسیم پائیگا اھ ملخصا، **میں کہتا ہوں** میں نے جو تقریر کی ہے اس سے

عـــہ: خط کشیدہ عبارت اندازے سے درست کی گئی ۱۲ عبدالمنان۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا باب الفن فی المرض دار المعرفۃ بیروت ۴ /۳۲۹

الاول اخطأ فی ایجاب القبض الجدید الموصیٰ لھما بثلث المال مطلقا واما المجیب الثانی فقد اخطأ خطأً من وجوہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہوا کہ پہلے مجیب نے جدید قبضہ کو واجب کرنے میں خطا کی ہے کہ دونوں تہائی حصہ والوں کے لئے مطلقاً یہ بات کہہ دی لیکن دوسرے مجیب نے بہت سی خطائیں کی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فتح الملیک فی حکم التملیک ۱۳۰۸ھ

(بادشاہ کا اظہار تملیک کے حکم میں)

مسئلہ ۷۵: نزدیک علمائے حنفیہ ایدہم اللہ تعالٰی کے ہبہ و تملیک میں کیا فرق ہے اور جو احکام ہبہ مشاع اور ہبہ مرض الموت اور ہبہ غیر مقبوض کے ہیں وہی بحالت ہائے مذکورہ تملیک سے بھی متعلق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان ومنافع وبعوض وبے عوض ومنجز ومضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رو سے بیع وہبہ واجارہ واعارہ ووصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلاعوض کا نام ہے۔

فی الدر المختار الھبۃ تملیک العین مجانا[1] اھ ملخصا۔	در مختار میں ہے ہبہ مفت میں کسی چیز کا مالک بنانا ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مگر عرف میں ان لفظوں سے کہ میں نے ایک شے کا تجھے مالک کیا، یا اس چیز کے تجھے تملیک کی ظاہرًا ہبہ

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

ہی متبادر ہوتا ہے حتی کہ امام اجل شمس الائمہ رخسی رحمہ اللہ تعالٰی نے محیط میں اسے ان الفاظ سے گنا جو بحسب وضع افادہ ہبہ کرتے ہیں۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اما الالفاظ التی تقع وبها الهبة فانواع ثلثة نوع تقع به الهبة وضعا ونوع تقع به الهبة كناية وعرفا ونوع يحتمل الهبة والعارية مستويا اما الاول فكقوله وهبت هذا الشيئ لك اوملكته منك[1] الخ۔	لیکن جن الفاظ سے ہبہ ہوتا ہے وہ تین قسم ہیں۔ایک قسم وہ ہیں جن سے ہبہ کا وقوع وضعا ہوتا ہے اور ایک قسم وہ ہے جن سے کنایۃ اور عرفا ہبہ ہوتا ہے اور ایک قسم وہ جن سے ہبہ اور عاریۃ دونوں مساوی طور پر واقع ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کی مثال "میں نے یہ چیز تجھے ہبہ کی" یا یہ کہنا "میں نے تجھے اس کامالک بنایا" الخ (ت)

ولہٰذا کلمات علماء میں اکثر جگہ تملیک سے ہبہ پر استدلال پایا جاتا ہے مع ظهور ان الاستدلال بالعام على الخاص باطل لجواز وجوده فی ضمن فرد اُخر (باوجود ظاہر ہونے کہ عام سے خاص پر استدلال باطل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عام کا وجود کسی دوسرے میں پایا جائے۔ت) امام علامہ فقیہ النفس قاضی خان فرماتے ہیں:

رجل غرس كرما وله ابن صغرى فقال جعلته لابنی فلان يكون هبة لان الجعل عبارة عن التمليك[2]۔	ایک شخص نے انگور کے پودے لگائے اس کا نابالغ بیٹا ہے، تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو اپنے فلاں بیٹے کے لئے کیا تو ہبہ ہوگا کیونکہ بنانا اور کرنا تملیک کا معنی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

ان قال جعلته باسم ابنی يكون هبة ظاهرا لان الناس يريدون بهذا التمليك والهبة[3]۔	کسی نے کہا میں نے یہ بیٹے کے نام سے بنایا تو ظاہراً یہ ہبہ ہوگا، کیونکہ لوگ اس سے تملیک اور ہبہ مراد لیتے ہیں۔ (ت)

اور علامہ بیری شارح اشباہ والنظائر فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۶۹۷

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۶۹۷

فی خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنه مالا فتصرف فیه الابن یکون للاب الا ان دلت دلالۃ التملیک [1]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں ہے اگر کسی نے بیٹے کو مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کیا تو یہ مال باپ کا ہوگا الایہ کہ کوئی دلالت تملیک پر پائی جائے۔(ت)

محقق شامی فرماتے ہیں:

قلت فقد اذادان التلفظ بالایجاب و القبول لا یشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک [2] اھ۔	**میں کہتاہوں** کہ اس عبارت نے فائدہ دیا کہ اس میں ایجاب وقبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دلالت کرنے والے قرائن کافی ہوتے ہیں۔(ت)

فقیہ علامہ نوازل میں تصریح فرماتے ہیں جو لفظ تملیک رقبہ پر دال وہبہ ہے۔

فی الدر المختار اللفظ ان انبأ عن تملك الرقبة فهبة اوالمنافع فعارية اواحتمل اعتبر النية. نوازل [3]۔	درمختار میں ہے اگر الفاظ غلام پر تملک کی خبر دیں تو ہبہ ہوگا، اگر الفاظ منافع پر دال ہوں تو عاریۃ ہوگا اور لفظ محتمل فیہ ہو تو قائل کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ نوازل (ت)

درباب افتا جابجا علامہ خیر الملۃ والدین رملی وغیرہ علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے سوال تملیک پر ہبہ کا جواب عطا فرمایا اور اس پر مشاع وغیرہ کے وہی احکام جاری کئے اور تملیک نامہ کو صریحا ہبہ نامہ ٹھہرایا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فیما اذا ملك زوجته نصف جمل و نصف بقرة و نصف غراس زیتون تملیکا شرعیا بایجاب منه و قبول منها و قبضت الزوجة وتسلمت ثم مات الزوج ویرید وارثه ان یجعل المملکات	ان سے سوال ہوا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو نصف اونٹ، نصف بیل، نصف باغ زیتون کا شرعی تملیک کے طور پر مالک بنائے باقاعدہ ایجاب و قبول ہو اور بیوی قبضہ کرلے پھر وہ خاوند فوت ہوجائے اور ورثاء چاہیں کہ ان تمام تملیک بنائی ہوئی چیزوں کو

[1] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ بیری کتاب الہبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۰۸

[3] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۵۹/۲

میراثابینه وبین الزوجة اجاب هی ملك للزوجة بالتملیك علی الوجه المذکور وهبة المشاع الذی لا یحتمل القسمة صحیحة والجمل والبقرة ممالایمکن قسمة الواحد منها فصحت فیها الهبة المذکورة[1] اھ ملتقطا۔	بیوی سمیت تمام ورثاء کے لئے وراثت بنالیں، توجواب دیا کہ مذکورہ تملیک کی بناپر بیوی کو ملک ہیں جبکہ ناقابل تقسیم مشاع کا ہبہ صحیح ہوتا ہے اور اونٹ اور بیل قابل تقسیم نہیں ہیں۔ توان کا ہبہ صحیح ہوا۔ اھ ملتقطا(ت)

اسی میں ہے:

سئل فی رجل اشهد علی نفسه انه ملك اولاد ابنه و سماهم فی حجة جمیع الستة قراریط فی الدارین الفلانیتین اجاب الحنفی لایری جواز الهبة المشاع[2] اهملخصا۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے یہ اقرار کیا کہ میں نے اپنے پوتوں کو مالک بنایا اور فلاں دو مکانوں میں چھ قراریط سب کی حجت میں پوتوں کا نام لیا، توجواب دیا کہ حنفی حضرات قابل تقسیم مشاع کا ہبہ جائز نہیں مانتے اھ ملخصا(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فیما اذاکان لزید ابنان واملاك تقبل القسمة و حصة فی مشاع تقبل القسمة فملك جمیع ذٰلك من ابنیه المذکورین سویة بینهما من غیر قسمة وکتب ذٰلك صك ویرید زید الرجوع عن التملیك فهل له ذٰلك الجواب نعم هبة واحد من اثنین لایصح[3] اھ بالالتقاط۔	ان سے سوال ہوا کہ زید کے دو بیٹے ہیں اور کچھ املاک قابل تقسیم ہیں اور ایک مشاع چیز میں اس کا حصہ بھی ہے تو اپنی ملکیت ان تمام چیزوں کا دونوں بیٹوں کو مالک بنادیا جبکہ دونوں کو مساوی طور پر بغیر تقسیم حصہ دار بنایا اور رسید بھی لکھ دی اور اب زید اس ہبہ سے رجوع کرنا چاہتا ہے توکیا اسے یہ حق ہے، الجواب ہاں حق ہے کیونکہ ایک کا دو حضرات کو ہبہ مشترکہ بغیر تقسیم صحیح نہیں اھ ملتقطا(ت)

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۰

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

[3] العقود الدریة کتاب الهبة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۵

لیکن محل غور اس قدر ہے کہ مسئلہ خاص جزء میں ظاہر اکلمات علماء مختلف سے نظر آتے ہیں بعض نے وہی تصریح فرمائی کہ عقد تملیک عین ہبہ ہے اور بعض بنظر عموم لفظ تعیین ہبہ کے لئے قرینہ کی حاجت اور در صورت انعدام قرینہ تملیک کو ناجائز وغیر صحیح مانتے ہیں،

فی ردالمحتار لو قال ملکتك هذا الثوب مثلا فان قامت قرینة علی الهبة صحت والا فلا لان التملیك اعم منها لصدقه علی المبیع والوصیة والا جارة وغیرها انظر ما کتبناه فی اٰخر الهبة الحامدیة وفی الاکازروفی انها هبة[1] اھ	ردالمحتار میں ہے اگر کہا میں نے تجھے اس کپڑے کا مالک بنایا، مثلاً اگر ہبہ پر قرینہ ہو تو صحیح ہے ورنہ نہیں، کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے اس لئے کہ تملیک مبیع، وصیت، اجارہ وغیرہ پر بھی صادق آتی ہے۔ ہم نے حامدیہ میں ہبہ کے آخر میں جو لکھا ہے اسے دیکھو اور زرونی میں ہے کہ یہ ہبہ ہے اھ (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ، بتصریح علماء مَہما اَمکن دفع تخالف و تحصیل توفیق لازم اور وجہ تطبیق کی تقریر علی الخصوص جب بے تکلف ہو متعین و متحتم، اصل وضع میں تملیک کا عموم کسے نہیں معلوم اور بے قیام قرینہ احد الافراد کی تعیین کسی کا قول نہیں اور جس طرح یہ باتیں متفق علیہ ہی یونہی یہ بھی متقین کہ خاص جہت لفظ سے قرینہ کا ناشی ہونا ضروری نہیں بلکہ قرینہ حالیہ بھی کافی ہے۔

وقد سمعت ما قال العلامة البیری و المحقق الشامی رحمهما الله تعالٰی۔	تو نے علامہ بیری اور محقق شامی رحمہما اللہ تعالٰی کا کلام سن لیا۔ (ت)

اب جو ہم دیکھتے ہیں تو مقام اخبار میں بیشک لفظ تملیک بیع وہبہ ووصیت وغیرہا سب جگہ بولا جاتا ہے عام ازیں کہ وہ اخبار اپنے نفس سے ہو یا غیر سے، مثلاً زید نے ایک مکان عمرو کے ہاتھ بیع کیا تو اب وہ کہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں مکان عمرو کی ملک کردیا بکر و خالد کہہ سکتے ہیں زید نے خود کو اپنے مکان کا مالک کیا عمرو کہہ سکتا ہے کہ مکان زید بتملیک زید میری ملک میں آیا اور سامع ان لفظوں سے ہر گز سوا نقل ملک کے کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ یہ امر بعوض واقع ہوا یا بلا عوض، اور مکان ملک عمرو میں بیعا آیا یا ہبۃً، عموم تملیک کا یہ صاف اثر واضح ہے مگر خاص انشائے عقد ایجاب وقبول کے وقت جب ان لفظوں پر اقتصار ہوگا یعنی میں نے تجھے فلاں شے کا مالک کیا عمرو کہے میں نے قبول کیا، تو بیشک متفاہم عرف میں اس سے ہبہ ہی

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

متبادر ہوگا جب تک کوئی قرینہ اس کے خلاف پر قائم نہ ہو اور فارق یہ ہے کہ عقد واقع سے خبر دینے میں اس کے متعلقات کا استیفاء واستقصا ضرور نہیں بخلاف ایقاع عقد کے کہ اگر اسے بیع منظور ہوتی ثمن کا ذکر لاتا وصیت چاہتا تو بعد موت کے تصریح کرتا اجارہ اعارہ مقصود ہوتا تو عقد کو خاص اس شیئ کی طرف اضافت نہ کرتا بلکہ منافع کا نام لیتا یا ایسی عبارت بولتا جس سے تملیک منافع مفہوم ہوتی اخر دیکھو اصل وضع کے اعتبار سے ان لفظوں میں بھی کہ یہ شیئ میں نے اپنے بیٹے کے لئے کردی یا بنام اُو کردم بعینہٖ وہی احتمالات پیدا ہیں جو لفظ تملیک میں نکلتے ہیں مگر ائمہ نے تصریح فرمائی کہ یہ ہبہ ہے۔

کما اسلفنا من الخانیۃ وقد نقلہ عنہا العلامۃ الغزی فی المنح وغیرہ فی غیرھا مذعنین لہا۔	جیسا کہ ہم نے پہلے خانیہ سے نقل کیا ہے اور خانیہ سے علامہ غزی نے منح میں اور دوسروں نے اپنی کتب میں اس پر اعتماد کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔(ت)

بلکہ امام فقیہ النفس نے **جعلتہ لابنی**[1] کے ہبہ ٹھہرانے کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ جعل بمعنی تملیک ہے تو جب تک باقتضائے مقام تمام احتمالات منقطع ہو کر ملکت بمعنی وہبت نہ رہے گا جعلت کا بمعنی ملکت ہونا کیا فائدہ بخشے گا **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ت) پس اُن بعض کا یہ فرمانا کہ ارادہ ہبہ کے لئے قرینہ درکار ہے نہایت بجا و درست، بیشک کوئی عام اپنے فرد میں بلا قرینہ معین نہیں ہو سکتا، مگر یہاں طرز گفتگو خود ہی ہبہ کا قرینہ ہے **کما بیننا** (جیسا کہ بیان کیا ہے۔ت) ہاں مثلاً ایسی صورت میں کہ زید و عمرو باہم کسی شے کے خرید و فروخت پر گفتگو کرتے ہوں اب زید کہے وہ شے میں نے تیری ہی ملک میں دی یا تجھے اس کا مالک کیا ہبہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی باہمی حالت تملیک بلا عوض پر قرینہ نہیں ہو سکتی، نہ بیع درست ہو کہ وہ مبادلہ مال بمال ہے اور یہاں مال دوم کا نام نہیں ناچار عقد کو غیر صحیح مانیں گے، اور وہ بعض جو تملیک کو ہبہ فرماتے ہیں اس صورت میں فرماتے ہیں جب کوئی ایسی حالت واقع نہ ہو پس تمام کلمات ایک ہی طرف راجع اور سارا اختلاف بحمد اللہ مرتفع۔

قلت ومن ھٰھنا ظھر انہ لایتعلق بما نحن فیہ مافی اٰخر العقود الدریۃ	**میں کہتا ہوں** یہاں سے ظاہر ہوا کہ جو عقود الدریہ کے آخر میں ہے وہ ہماری بحث سے خارج

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الہبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۷

مما نصه قال المؤلف کتبت علی صورۃ دعوی ما صورته حیث بین اقرارہ انه بجهة التملیك فدعوی التملیك لاتسمع لما قاله الخیرا لرملی رحمه الله تعالٰی ناقلا عن جامع الفصولین فی خلل المحاضر والسجلات برمز التتمة عرض علی محضر کتب فیه ملکه تملیکا صحیحا ولم یبین انه ملکه بعوض اوبلا عوض قال اجبت انه لاتصح الدعوی ثم رمز لشروط عــہ الحاکم اکتفی به فی مثل هذا بقوله وهب له هبة صحیحة و قبضها ولکن ماافاد فی التتمة اجود واقرب الی الاحتیاط [1] اھ فان هذا نقل واخبار لا عقد وایجاب کما لایخفی هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	ہے جس کی عبارت یہ ہے مؤلف نے فرمایا میں نے دعوی کی صورت پر لکھا، کہ صورت کیا ہے جہاں اس نے اپنا اقرار کیا ہے کہ یہ تملیک کے طور پر ہے اگر یہی ہے تو تملیک کے دعوی کی مانند یہ قابل سماعت نہیں ہے اس کی وجہ وہ جو خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی نے جامع الفصولین کی ماحضرات اور سجلات میں خلل والی بحث سے تتمہ کے عنوان میں نقل کیا ہے کہ مجھ پر ایک محضر نامہ پیش کیا گیا جس میں لکھا تھا اس کو صحیح تملیک کے ساتھ مالک بنایا اور یہ نہ بیان کیا عوض کے ساتھ یا بلا عوض مالک بنایا تو فرماتے ہیں میں نے جواب دیا کہ دعوی صحیح نہیں ہے۔ پھر انہوں نے شروط الحاکم میں صرف اس صورت پر اکتفا فرمایا، جیسے کوئی لکھے اس کو صحیح ہبہ کرکے دے دیا، لیکن انہوں نے تتمہ میں جو فائدہ دیا وہ بہتر اور احتیاط سے اقرب ہے اھ کیونکہ یہ حکایت اور اخبار ہیں۔ عقد اور ایجاب نہیں ہیں۔ جیسا کہ مخفی نہیں۔ تحقیق یوں چاہئے، اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔(ت)

یہ ساری بحث تملیک زبانی ہے دستاویز تملیک نامہ تو قطعاً تمام اقوال پر ہبہ نامہ ہے جس میں کسی طرح نزاع کا احتمال نہیں کہ بالیقین اس کا لکھنے والا تملیک عین بلا عوض کا قصد کرتا ہے اور بالتعین یہی اس سے سمجھا جاتا ہے وصیت وغیرہا احتمالات کی بُو بھی نہیں آتی یہاں تک کہ اگر کوئی شخص ایسی دستاویز لکھ کر کہے میں نے تو اس سے عقد بیع کا قصد کیا ہے تو کوئی اس کی تصدیق

عــہ: اسم کتاب ۱۲ عبدالمنان۔

[1] العقود الدریة کتاب الھبة ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۰۰

نہ کرے گا اور سب کے نزدیک وہ بات بدلنے والا ٹھہرے گا تو اس کے ہبہ ہونے میں کوئی شک نہیں تملیک زبانی میں مدار کا قرینہ پر ہے اگر کوئی قرینہ قائم ہو جو معنی ہبہ سے ابا کرے تو اسے ہبہ نہ ٹھہرائیں گے اور دستاویز تملیک نامہ قطعاً ہبہ اور جو عقد ہبہ ٹھہرے گا تمام احکام ہبہ متعلقات شیوع وقبضہ ومرض وغیرہ سب بدستور اس میں جاری ہوں گے **فان العبرۃ للمعنی کما فی الھدایۃ وغیرھا** (کیونکہ معنی کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) یہ ہے جو کلمات علماء کرام سے منقح ہوا اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مبائن اور اس کے احکام ہبہ سے علیحدہ ہیں اصلا قابل تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہرہ اس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے۔

وما وقع ھٰھنا من العلامۃ ط رحمہ اللہ تعالٰی حیث قال قال السید الحموی اعلم ان التملیك یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض واذا عری عن القبض و التسلیم اختلف العلماء فیه فقیل یجوز وقیل لا یجوز قیاسا علی الھبۃ واکثر المشائخ علی انه یجوز بدون التسلیم وانه غیر الھبۃ لان التملیك والھبۃ شیئان اسما وحکما اما الاسم فظاھر واما حکما فلان لو وھب الثمار علی رؤس الاشجار لاتجوز ولواقر بالتملیك یجوز فثبت ان التملیك یصح بدون التسلیم وانه غیر الھبۃ وعلیه الفتوی وعمل الناس و موت المقر بمنزلۃ التسلیم بالاتفاق کذا	اس مقام پر علامہ طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی سے جو وقوع پذیر ہوا جہاں انہوں نے فرمایا کہ سید حموی نے فرمایا: جاننا چاہئے کہ تملیک ہبہ کے معنٰی میں ہوتی ہے اور قبضہ سے تام ہوتی ہے اور جب یہ قبضہ اور تسلیم سے خالی ہو تو پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے ہبہ پر قیاس کی وجہ سے اور اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ بغیر قبضہ دیئے جائز ہے اور تملیک ہبہ سے جدا چیز ہے کیونکہ تملیک اور ہبہ دو علیحدہ چیزیں حکم اور نام کے اعتبار سے نام کے لحاظ سے ظاہر ہے حکم کے اعتبار سے اس لئے کہ اگر کوئی درختوں پر پھل کو ہبہ کرے تو ناجائز ہے اور اگر تملیک کے طور پر کسی کے لئے اقرار کرے تو جائز ہے تو ثابت ہوا کہ تملیک بغیر قبضہ دئے صحیح ہے اور ہبہ کا غیر ہے اور اسی پر فتوٰی ہے اور لوگوں کا عمل بھی اور اقرار کرنے والے کی موت بمنزلہ قبضہ ہے اھ مفتاح میں

فی الفتاح [1] انتھی، **فاقول:** نقل مجھول لامعقول ولا مقبول اما لجھل فلان المفتاح لیس من الکتب المتداولۃ ولاالشھیرۃ و لاعلم من ھو مصنفہ وما درجتہ فی کتب المذھب، واما انہ غیرمعقول فلان التملیک حالا امالعین اوللمنافع وکل امابعوض اومجانا ھذا تقسم حاصر عقلی لاامکان لخروج قسم عنہ ومعلوم بداھۃ ان ھذاالشیئ الذی لیس تملیک المنافع وتملیک العین بعوض فاذن لیس الاتملیک العین حالا مجانا وما ھوا الا الھبۃ وفسرت فی المتون وقال قاضی زادہ فی تنائج الافکار الھبۃ فی الشریعۃ تملیک المال بلاعوض کذا فی عامۃ الشروح بل المتون [2]، وما عھد من الشرع المطھر ما ھو عقد یکون تملیک العین فی الحال بلاعوض ولا یکون ھبۃ ولوکان لوجب ان یعقد لہ کتاب او باب او فصل اواقل شیئ فی کتب المذہب کما عقدت الکتب البیع و الھبۃ والعاریۃ والاجارۃ	یوں ہے اھ، **فاقول:** (تومیں کہتاہوں۔ت) یہ نقل مجہول، غیر مقبول اور غیر معقول ہے۔ مجہول اسی لئے کہ مفتاح مشہور اور متداول کتب میں نہیں ہے اور یہ معلوم نہیں کہ اس کا مصنف کون ہے اور کتب مذہب میں اس کا کیا مقام ہے غیر معقول اسی لئے کہ مذکورہ تملیک عین چیز کی ہوگی یامنافع کی ہوگی پھر ہر صورت عوض کے بدلے یا بلاعوض ہوگی یہ تقسیم عقلی طور پر چار صورتوں کو حاصر ہے اور اس سے خارج کسی قسم کا احتمال نہیں ہے اور بداہۃً معلوم ہے کہ یہ چیز جو منافع اور عین چیز کی تملیک بالعوض نہیں تو لامحالہ پھر صرف تملیک العین مفت میں ہوگی تو اسی کا نام ہبہ ہے اور متون میں اسی کی یہی تفسیر کی گئی ہے۔ قاضی زادہ نے نتائج الافکار میں فرمایا: شریعت میں ہبہ مال کی بلاعوض تملیک کو کہتے ہیں۔ یونہی عام شروح میں مذکور ہے بلکہ تمام متون میں ہے، شرع شریف سے کوئی ایسا عقد معلوم نہیں ہوا جس میں موقعہ پر بلاعوض عین چیز کا مالک بنانا ہو اور وہ ہبہ نہ ہوگا اگر کوئی اور چیز ہوتی تو کتب فقہ میں اس کے لئے کوئی کتاب، باب یا فصل یا اور کوئی اس سے کم عنوان ضرور قائم کیا جاتا جیساکہ کتب میں بیع، ہبہ، عاریہ اور اجارہ وغیرہ کے لئے

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۹

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الھبۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۷/ ۴۷۹

لکن نری کتب المذہب عن اٰخرھا خالیة عن اونی ایماء الی ذٰلك فاذن ھو عقد غیرہ معھود من الشرع بل ولامعروف فی عرف الناس قاطبة فانك لواخبرت احدا ان زید املك دارہ من عمرو مجانا فی الحال لم یفھم منه احد الاالھبة ولایخطر ببال صبی عاقل ولا عالم فاضل شیئ غیرھا وقد علل فی الھدایة وغیرھا عامة الکتب المعللة اشتراط القبض فی الھبة بانه عقد تبرع وفی اثبات الملك قبل القبض الزام المتبرع شیئالم یتبرع به وہو التسلیم فلایصح[1] اھ والتمسك بمسئلة الاقرار اول دلیل علی ان ھذا الکلام لم یصدر عن فقه فانه انما المرء مواخذ باقرارہ الاتری ان لولم یملکه اصلا واقراخذ باقرارہ فھل یستدل به علی ان التملیك یصح من دون ایجاب من المملك اصلا ثم لاشك	عنوان قائم ہیں لیکن ہم اول تا آخر تمام کتب مذہب کو دیکھ رہے ہیں کہ تمام کی تمام اس عنوان سے خالی بلکہ اس کی طرف کسی ادنٰی اشارہ تک سے خالی ہیں تو معلوم ہوا کہ نری تملیک شرع میں کوئی عقد نہیں ہے بلکہ لوگوں کے عرف تک میں کہیں موجود نہیں، کیونکہ اگر تو خبر دے کہ زید نے مفت میں عمرو کو مکان کا مالک بنادے تو اس سے ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ یہ ہبہ ہے اور کسی بچے اور عالم فاضل تک کے دل میں ہبہ کے علاوہ کوئی چیز نہ کھٹکے گی،اور ہدایہ اور تمام ان کتب میں جو علل کو بیان کرتی ہیں انہوں نے ہبہ میں قبضہ کی شرط کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ چونکہ یہ تبرع کا عقد ہے اور قبضہ سے قبل ملک کے ثبوت میں تبرع کرنے والے پر ایسی چیز کا الزام ہوگا جس کا اس نے تبرع نہیں کیا اور وہ تبرع سونپ دینے کا نام ہے(جو ابھی واقع نہیں ہوا) لہٰذا قبضہ سے قبل ملک صحیح نہ ہوگی اھ،اور اقرار کے مسئلہ سے اس کا استدلال کرنا یہی اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ اس کا یہ کلام سمجھ کے بغیر صادر ہوا ہے کیونکہ یہ تو صرف کسی کا اپنے اقرار میں ماخوذ ہونے کی بات ہے آپ غور کریں کہ اگر کوئی شخص قطعاً کسی کو مالک نہ بنائے اس کے باوجود وہ اقرار کرے تو اپنے اقرار میں ماخوذ ہوگا تو کیا اس اقرار سے یہ استدلال کیا جائے گا کہ مالک بنانے والے کی

[1] الھدایة کتاب الھبة مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۸۱

ان لو اقر بالبیع جاز فھل یستدل بہ علی ان البیع یتم من جانب البائع وحدہ لانہ لیس ھٰھنا شیئ من جانب المشتری بل السرالذی غفل عنہ ھذا المستدل ان الاقرار اخبار من وجہ کما انہ انشاء من وجہ فلشبہ الاخبار یواخذ بامثال الاقرار لا لانہ انشاء عقد لایحتاج الی القبض الا تری انہ لو اقر لغیرہ بنصف دارہ مشاعا صح کما فی الدر[1] وغیرہ وماذلک الا لشبہ الاخبار ولوکان انشاء لم یصح کما نصوا مع وجوب الصحۃ علی وھم ھذا الواھم وتقدم فی الاقرار متناوشرحا جمیع مالی اوماملکہ لہ ھبۃ لااقرار فلا بد من التسلیم بخلاف الاقرار[2] اھ فقد افادان لام التملیک	طرف سے ایجاب کے بغیر ہی تملیک صحیح ہو جاتی ہے (ہر گز نہیں) پھر اس میں بھی شک نہیں کہ اگر کوئی بیع کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہے تو کیا اس سے بھی یہ استدلال کیا جاسکے گا کہ بیع کا انعقاد صرف اکیلے بائع کی طرف تام ہوگا کیونکہ اس میں مشتری کے کسی عمل کا ذکر نہیں (جبکہ ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ نکتہ جس سے یہ استدلال والا غافل ہے وہ یہ ہے کہ اقرار من وجہ خبر ہے جیسا کہ وہ من وجہ انشاء ہے تو خبر والے پہلو کے اعتبار سے اقرار کی وجہ سے وہ ماخوذ ہوتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ یہ عقد کا انشاء ہے جس میں قبضہ کی ضرورت نہیں ہے تو آپ دیکھیں کہ اگر وہ غیر کے لئے اپنے نصف مکان کا مشاع کے طور پر اقرار کرے تو صحیح ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے تو یہ صرف اس لئے کہ اس میں خبر کا شبہ ہے حالانکہ اگر اس کو انشاء کہا جائے تو صحیح نہ ہوگا جیسا کہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے حالانکہ مذکور اقرار کی صحت اس شخص کے ہاں مسلمہ ہے اور پہلے گزرا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ اقرار کرے کہ میرا تمام مال یا جس چیز کا میں مالک ہوں وہ فلاں کی ہے تمام متون اور شروح میں اس اقرار کو ہبہ قرار دیا ہے اس کو اقرار نہیں کہا، تو اس میں قبضہ

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[2] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۱

يفيد الهبة ويشترط التسليم وان عدم اشتراطه فی الاقرار جاء من جهة انه اخبار من وجه لا ان ھٰھنا عقدا لایحتاج الی التسلیم والنکتة فیه ان التملیك یعم البیع والھبة فاذا اقر بانه ملك الثمار وھی علی الاشجار صرف الامر الی البیع مواخذة له باقراره وتصحیحا للکلام مھما امکن بخلاف ما اقر بھبتھا فانه قد صرح بما لایتم مشغولا فلم یفد وکذلك فی کل شیئ اذا اقر بانی قد ملکته من فلان قبل ولم یبحث عن القبض و الشغل وغیرھا لان الاقرار بالتملیك اقرار بخروجه عن ملکه الی ملك المقر له و لایتم ذٰلك فی التبرعات لا بالقبض للمقر له فالاقرار به اقرار بالھبة وبالاقباض معا بخلاف مالو اقرانی وھبته فان صدور الھبة من الواھب

دینا ضروری ہے۔بخلاف اقرار کے اھ تو اس مسئلہ نے فائدہ ظاہر کیا کہ اقرار میں لام تملیک کے لئے ہے جو ہبہ کا فائدہ دیتا ہے اور تسلیم کو شرط بناتا ہے اور اقرار بنانے کی صورت میں تسلیم کا واجب نہ ہونا اس وجہ سے ہوا کہ من وجہ خبر ہے اس لئے نہیں کہ اقرار ایک عقد ہے جس میں تسلیم وقبضہ دینا ضروری نہیں ہے اس میں نکتہ یہ ہے تملیک کا عنوان بیع اور ہبہ دونوں کو شامل ہے، توجب اس نے یہ اقرار کیا کہ "درختوں پر پھل کا مالک بنایا" تو اس کو بیع کی طرف پھیرا جائے گا تاکہ اس کو اپنے اقرار میں ماخوذ کیا جائے اور کلام کو حتی الامکان صحیح بنایا جائے۔بخلاف اس صورت کے کہ وہ ہبہ کا اقرار کرے تو اس کا کلام درست نہ ہوگا کیونکہ وہ پھل اس کے درختوں کے ساتھ مشغول ہے اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کے متعلق وہ یہ اقرار کرے کہ میں نے اس کا فلاں کو مالک بنایا اور قبضہ اور مشغول ہونے نہ ہونے کا ذکر نہ ہو تو یہ اقرار قبول کرلیا جائے گا کیونکہ تملیک کا اقرار اس بات کا اعتراف ہے کہ میں نے یہ چیز اپنی ملکیت سے نکال کر مقرلہ کی ملکیت میں دے دی اور تبرعات میں یہ معاملہ اس وقت تک تام اور درست نہیں ہوتا جب تک قبضہ مقرلہ کے لئے نہ مانا جائے تو لازما یہ اقرار ہبہ مع قبضہ ماننا ہوگا۔بخلاف جبکہ وہ ہبہ کا اقرار کرے اور یوں کہے میں نے یہ چیز اس کو ہبہ کی ہے اور

لایستلزم الاقباض فلا یکون اقرار بحصول الملك للموہوب لہ ھذا ھو الفرق بین الاقرارین لاماز عم ان التملیك لایحتاج الی القبض ولو لا ذکرہ من الدلیل لِاَیْقَنَّا ان ھذا النقل والفتوٰی مکذوب علی المشائخ ولکن باستدلالہ تبین ان الخطأ فی الفھم وقد قدمنا نصوصا قاضیۃ بان التملیك ھٰھنا ھو الھبۃ وقد اعترف بہ ھٰذا الناقل فی صدر کلامہ ان التملیك یکون فی معنی الھبۃ ویتم بالقبض فاذا کان تمامہ بالقبض فکیف یجوز بدون التسلیم ثم العجب اشد العجب ان الاختلاف کان فی انہ لو قال ملکتك ھذا الشیئ ھل یکون ھبۃ ام لایصح اصلا لان التملیك اعم کما قدمنا من ردالمحتار والاٰن جاءتنا الفتوی بانہ صحیح مطلقا حتی بلاقبض ھل ھذا الاعجب عجاب، وقد اسمعناك نص التتمہ وجامع الفصولین والخیر الرملی و	تملیک کا لفظ کہا یہ تو اقرار قبضہ کو مستلزم نہیں کیونکہ واہب کی طرف سے ہبہ کے صدور کو یہ لازم نہیں تو ہبہ کے اقرار سے موہوب لہ کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی، تملیک اور ہبہ کے اقراروں میں یہ فرق ہے نہ یہ کہ تملیک میں قبضہ کی ضرورت نہیں جیسے اس نے گمان کرلیا، اگر یہ اس دلیل کو ذکر نہ کرتا تو ہم یقین کرلیتے کہ نقل اور فتوٰی مشائخ کی طرف غلط منسوب ہے لیکن مسئلہ اقرار سے اس کے استدلال نے واضح کردیا کہ خطأ اس کے فہم کی ہے جبکہ نقل اور فتوٰی صحیح ہے حالانکہ ہم پہلے نصوص کے ذریعہ واضح کرچکے ہیں کہ یہاں تملیک سے مراد ہبہ ہے جبکہ یہ ناقل بھی اپنے کلام کی ابتداء میں اعتراف کرچکا ہے کہ تملیک ہبہ کے معنی میں ہوتی ہے اور وہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو جب یہ قبضہ سے تام ہوتی ہے تو پھر تسلیم کے بغیر کیسے جائز ہوگی، پھر انتہائی تعجب کی بات یہ ہے کہ اختلاف یہ بیان کیا کہ اگر کوئی یوں کہے "میں نے تجھے اس چیز کا مالک بنایا" تو یہ ہبہ ہوگا یا سرے سے کلام صحیح نہ ہوگا اور ہبہ نہ ہوگا کیونکہ تملیک ہبہ سے عام ہے جیسا کہ ہم ردالمحتار سے بھی ثابت کرچکے ہیں تو اب انہوں نے فتوٰی ظاہر کردیا کہ یہ مطلقًا صحیح ہے خواہ قبضہ بھی نہ ہو، تو یہ عجائب سے عجیب تر ہے، ہم نے آپ کو تتمہ کی نص اور جامع الفصولین، خیر الدین رملی اور عقود الدریہ سے بتایا کہ وہ

العقود الدرية ان المحضر المکتوب فیه ملکه تملیکا صحیحاً فاسد غیر مقبول لان وجه التملیك فیه مجهول ومن قبله قبله حملاله علی الهبة و الاٰن صار مقبولا لان عقد جدید، مخترع لم یعهد فی شرع و لا عرف ومن هٰهنا عرف ان قوله موت المقر بمنزلة التسلیم بالاتفاق[1] خرق الاجماع الناطق بان موت احد المتعاقدین قبل التسلیم مبطل فالحق ان هذا النقل المجهول غیر المعقول مما لایحل الاعتماد علیه بل لایسوغ الالتفات الیه وبالله العصمة والتوفیق۔ والله تعالٰی اعلم۔	محضر نامہ جس میں لکھا تھا "اس کا صحیح تملیک کے ساتھ اس کو مالک بنایا" کہ یہ تحریر فاسد ہے اور غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں تملیک کی وجہ مجہول ہے اور جس نے اس تحریر کو مقبول مانا تو اس نے اس کو ہبہ پر محمول کرکے مانا ہے اور اب انہوں نے اس کو مقبول مانا تو اس لئے کہ یہ جدید اور من گھڑت عقد ہے جس کا شرع اور عرف میں کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس سے واضح ہوگیا کہ طحطاوی کا کہنا کہ مقر کی موت بمنزلہ تسلیم ہے بالاتفاق یہ بالکل اجماع کے منافی بات ہے کیونکہ تسلیم سے قبل بالاجماع فریقین میں سے ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے تو ثابت ہوا کہ یہ نقل مجہول غیر معقول ہے جس پر اعتماد جائز نہیں، بلکہ یہ التفات کے قابل بھی نہیں، توفیق اور حفاظت اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۶: از بنارس مسجد چوک کہنہ مرسلہ محمد سلیمان و محمد صاحبان ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اس مسئلہ میں کہ خالد کے پانچ پسر اور تین دختر ہیں۔ پسروں میں زید سب سے بڑا ہے، زید کی نابالغی اور حالت طالب علمی میں جس وقت کہ اس کو کسی قسم کی آمدنی نہ تھی، خالد نے اپنے خاص روپے سے ایک زمین پرتی زید کے نام خریدی اور اپنے ہی خاص روپے سے ایک مکان اس زمین پر تعمیر کرایا اور کرایا پر دیا، خالد کرایہ خود تحصیل کرتا تھا اور ضرورت کے وقت مکان کی مرمت کرتا تھا، ۱۴ برس بعد خرید مکان مذکور خالد نے کل جائدا منقولہ وغیر منقولہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام ہبہ کردی مگر وہ مکان جو زید کے نام خریدا تھا ہبہ نامہ میں مندرج نہیں کیا ہبہ نامہ سے حفاظت جائداد منظور تھی، ہبہ نامہ کے لکھنے کے بعد تین برس تک خالد زندہ رہا، مگر جائداد پر جس کو

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۰۹

وہ ہندہ کے نام ہبہ کرچکا تھا خود اس طرح پر قابض رہا جیسا کہ وہ تحریر ہبہ نامہ کے قبل تھا، خالد کے انتقال کے بعد سے زید کا قبضہ اس مکان پر جو اس کے نام سے اس کے پدر خالد نے خریدا تھا شروع ہوا خالد کی حیات میں گو زید بالغ تھا نوکر سرکار تھا اور صاحب اولاد تھا مگر اس کا قبضہ اس مکان پر نہ تھا زید جب تک زندہ رہا اس مکان کا کرایہ تحصیل کرتا رہا اس کی مرمت بھی کرتا تھا اور دو بار اس کو رہن بھی رکھا تھا اس کی بیوہ سلیمہ بعد زید کے انتقال کے اسی طور سے جیسا کہ اس کا شوہر تھا برابر اب تک قابض ہے، اب وارثان خالد وہندہ میں نزاع درپیش ہے موافق شرع شریف مکان مذکور زید کا ہے یا خالد کا، تا ایں دم جائداد خالد وہندہ کی تقسیم نہیں ہوئی ہے اور جو صورت زید وسلیمہ کے وقت تھی اس وقت تک قائم ہے کوئی تعمیر جدید نہیں ہوئی اگر مکان مذکور زید کا قرار نہ پایا تو جو آمدنی اس کو اور اس کی بیوی سلیمہ کو اس مکان سے آج تک ہوئی ہے واپس کی جائے گی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ زمین کہ خالد نے اپنے پسر نابالغ زید کے نام خریدی فوراً ملک زید ہوگئی، تاحیات خالد اس پر قبضہ زید نہ ہونا کچھ مضر نہیں کہ باپ جو چیز اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرے اس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اس کا قبضہ قرار پاتا ہے۔

فی ردالمحتار عن المنح عن الولوالجیۃ ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا وذلک فی صحتہ فلا سبیل للورثۃ علیہ ویکون للبنت خاصۃ [1]۔	ردالمحتار میں منح سے انہوں نے ولوالجیہ سے نقل فرمایا کہ اگر باپ نے بالغہ بیٹی کے لئے کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور وہ خاص اس بیٹی کی ہوگی۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ اوید	نابالغ کا ولی وہ ہے جو نابالغ کو اپنے عیال میں داخل کرے خواہ باپ کی عدم موجودگی میں بھائی ہو یا چچا ہو، تو اس کا اس نابالغ کو ہبہ عقد سے ہی تام ہوجاتا ہے جب موہوب چیز معلوم اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس نے کسی کے پاس امانت رکھی ہو

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ[1]۔	کیونکہ ولی کا قبضہ نابالغ کے قائم مقام ہے۔(ت)

اسی طرح وہ عمارت کہ اس زمین پر خالد نے اپنے روپے سے بنائی اگر ظاہر کردیا تھا کہ یہ عمارت میں اپنے پسر نابالغ زید کے لئے بناتا ہوں یا بننے کے بعد کہہ دیا کہ یہ عمارت میں نے اس کے لئے بنائی یا بنانے کے بعد مکان کا عقد اجارہ زید کی طرف سے کیا کرایہ دار سے کہا میں نے یہ مکان اپنے پسر زید کا تجھے اتنے کرایہ پر دیا یا کرایہ نامہ زید کے نام لکھوایا کہ یہ بھی عرفاً مرتفع تملیک اور قرینہ کافی ہے یا زید سمجھ وال تھا اس نے درخواست کی کہ اس زمین میں میرا مکان بنادو خالد نے قبول کیا اور اس بناپر بنایا غرض کسی طرح دلیل تملیک ظاہر ہوئی تو وہ عمارت بھی ملک زید ہوگئی اور سارا مکان اسی کا قرار پایا۔

فی ردالمحتار التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیک[2] الخ وفی جامع الصغار للاستروشنی المعتبر فی الباب التعارف[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں ایجاب وقبول ضروری نہیں بلکہ اس کی تملیک پر دال قرائن ہی کافی ہیں۔ الخ، اور جامع الصغار میں ہے اس باب میں تعارف معتبر ہے۔(ت)

ہاں اگر کوئی دلیل تملیک نہ پائی گئی خالد نے اس کا زید کے لئے ہونا اصلاً ظاہر نہ کیا تو نفس عمارت مالک خالد پر رہی کہ اپنے بچہ کے لئے ہبہ بھی صرف نیت سے تمام نہیں ہوتا جب تک اسے ظاہر نہ کرے، نہ بے اظہار نیت پر علم کا کوئی ذریعہ ہے،

فی ردالمحتار تحت قول الدرالمار "تتم بالعقد" ھذا اذا اعلمہ اواشھد علیہ والاشھاد للتحرز عن الجحود بعد موتہ والاعلام لازم لانہ بمنزلۃ القبض بزازیۃ[4]۔	درمختار کے مذکور قول کے تحت ردالمحتار میں ہے کہ عقد کے ساتھ تام ہوجاتا ہے یہ اس وقت جبکہ ولی اس کو بتادے یا گواہ بنالے اور گواہی اس لئے تاکہ اس کی موت کے بعد انکار نہ ہوسکے اور اطلاع دینا ضروری ہے کیونکہ یہ بمنزلہ قبضہ کے ہے، بزازیہ۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[3] جامع الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/ ۱۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۲

صرف اس قدر کہ یہ عمارت زمین مملوکہ زید میں خالد نے بنائی دلیل تملیک ہونے کے لئے کافی نہیں جبکہ تعمیر زید نے خاص اپنے مال سے کی،

کمافی ردالمحتار عن جامع الفصولین عن العُدۃ(عہ) کل من بنی فی دار غیرہ بامرہ فالبناء لاٰمرہ ولو لنفسہ بلاامرہ فھو لہ[1] الخ	جیسا کہ ردالمحتار میں جامع الفصولین کے حوالہ سے عدہ سے منقول ہے جو کسی کی زمین میں مالک کے حکم سے عمارت بنائے تو عمارت مالک کی ہوگی اور اگر مالک کی اجازت کے بغیر اپنے لئے بنائی تو بنانے والے کی ہوگی الخ (ت)

اگر واقع یہ صورت ثانیہ ہے تو زمین ملک زید اور عمارت بعد انتقال خالد زید اور دیگر ورثاء میں مشترکہ ٹھہرے گی مگر آمدنی جو زید وسلیمہ نے حاصل کی باقی شرکاء اس کے واپس لینے کا دعوی نہیں کرسکتے کہ عقد اجارہ میں جو شخص کسی شیئ کو کرایہ پر چلاتا ہے اجرت کا مالک وہی ہوتا ہے اگرچہ وہ شے ملک غیر ہی ہو، ہاں اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہوتی ہے یا تو ملک غیر کی اُجرت اس مالک کو واپس دے اور یہی بہتر ہے یا محتاجوں پر تصدق کردے کہ اس کے حق میں وہ ملک خبیث ہے مگر جبکہ شرعًا مالک شے مالک اجرت نہیں اور اس اجارہ دینے والے پر خاص مالک ہی کو واپس کرنا واجب نہیں بلکہ تصدق کا بھی اختیار رکھتا ہے تو مالک اس پر واپسی کا دعوی نہیں کرسکتا، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل اٰجر محدودات مملوکۃ مشترکۃ و تناول اجرتھا مدۃ سنین والاٰن الشرکاء یطالبونہ بحصتھم منھا ھل یحکم القاضی علیہ بھالھم ام لا حیث لم یکن ذٰلك بوکالۃ سابقۃ علی	ان سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے چند محدود اشیاء جو کہ اس کی ملکیت میں دوسروں کی مشترکہ اشیاء تھیں وہ اس نے اجرت پر دے کر کئی سال ان کی اجرت کھاتا رہا اور اب اس کے شرکاء اس سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں، تو کیا قاضی اس پر شرکاء حصہ کی ادائیگی لازم کرے گا یا نہیں جبکہ اس کی یہ

عـــہ: ھی رمز تصنیف او مصنف ۱۲ عبدالمنان۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

العقد ولااجازۃ لاحقۃ بعدہ اجاب لایقضی علیہ لھم بحصتہ منھا لان المنافع لاتتقوم الابالعقد وھو صادر منہ بلا وکالۃ سابقۃ ولا اجازۃ لاحقۃ فملکھا الشریك العاقد لکن ملکہ فی غیر ملکہ ملك خبیث فیجب علیہ التصدق بہ اودفعہ لشرکائہ خروجا من الاثم والثانی افضل لخروجہ من الخلاف ایضا واللہ تعالٰی اعلم [1] اھ **قلت** وھھنا مزلۃ تنبھت علیھا بتوفیق المولی تبارك وتعالٰی فیما علقت علی العقود الدریۃ من کتاب الشرکۃ وللہ الحمد والمنۃ۔	کارروائی نہ وکالت سابقہ سے تھی اور نہ ہی اجازت لاحقہ سے ہوئی انہوں نے جواب دیا کہ قاضی کو یہ اختیار نہیں کیونکہ اجارہ کے منافع صرف عقد کے ذریعہ ہی قیمتی بنتے ہیں جبکہ عقد اس کا ہے اور بغیر وکالت سابقہ اور اجازت لاحقہ کے ہوا ہے تو ان منافع کا مالک صرف عقد کرنے والا ہی بنے گا تاہم یہ اس کی ملک خبیث ہوگی تو اس پر لازم ہے کہ اس اجرت کو صدقہ کرے یا پھر اپنے شرکاء حضرات کو دے دے، آخری صورت بہتر ہے تاکہ خلاف سے بھی بچ جائے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ **میں کہتا ہوں** یہاں ایک خطاء ہے اس پر میں نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے عقود الدریہ پر اپنے حاشیہ میں تنبیہ کردی ہے۔(ت)

پھر یہ حکم وجوب بھی سلیمہ زندہ پر اُس آمدنی کے باب میں ہے جو اس نے خود حاصل کی اور جس قدر زید حاصل کرگیا اس کے بعد اس کے وارثوں پر نہ دیگر شرکاء کو بقدر حصص واپس دینا لازم رہا نہ تصدق کرنا مگر یہ کہ زید اس کی وصیت کرگیا ہو،

فان کل دین علی المیت لامطالب بہ من جھۃ العباد لا یلزم الورثۃ اداؤہ الابالایصاء کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام والحمدللہ ولی الانعام، واللہ	کیونکہ میت کے ذمہ ایسا دین جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے نہ ہو اس کا ورثاء پر ادا کرنا میت کی وصیت کے بغیر لازم نہیں ہے جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص ہے، اس مقام کو یوں سمجھنا چاہئے، اور سب تعریفیں انعام کے مالک اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، واللہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل جدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۷۷: ازبری پورہ پرگنہ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ مناخاں ۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں، عرصہ پندرہ سال کا ہوا کہ زید نے بکر ایک پسر بالغ کے نام جائداد اپنے روپے سے خرید کردی، بعد خریداری اور جملہ تکمیل داخل خارج وغیرہ کرادینے کے بکر نے دو تین سال بعد اپنی زوجہ کے نام بعوض دین مہر بیع کردی، پانچ سال کے بعد زوجہ بکر نے ایک غیر کے ہاتھ بیچ ڈالی پھر اسی زرِ ثمن سے اپنے شوہر بکر کی معرفت کچھ حقیت خریدی یہ سب باتیں زید کی حیات تک رہیں اور ان جملہ انتقالات کے وقت وارثان زید سے کوئی مزاحم نہ ہوا اسی طرح زید نے بکر کو ایک مکان تعمیر کراکر عطا کیا اور قبضہ وغیرہ دے کر علیحدہ کردیا ورثہ زید آج تک نسبت جائداد ومکان مذکور مزاحم نہ ہوئے انتقال زید کو تین برس گزرے اب ورثائے زید خواستگار ترکہ جائداد ومکان ہیں، اس صورت میں یہ دعوی ان کا صحیح ہے یا نا مسموع؟ بینوا توجروا

الجواب:

مکان بناکر کسی کو عطا کردینا اور ماں باپ کا کوئی شے اپنے روپے سے اولاد کے نام خرید دینا دونوں ہبہ ہیں اول ظاہر ہے اور ثانی یوں کہ عرفاً اس سے تملیک ہی مقصود ہوتی ہے اور تملیک بلاعوض ہبہ ہے، ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے:

ان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا اوبعد ماکبرت و سلم الیھا وذلك فی صحتہ فلاسبیل للورثۃ علیہ و یکون للبنت خاصۃ[1]۔	اگر باپ نے نابالغہ کے لئے یا بالغہ کے لئے بشرطیکہ بالغہ کو قبضہ دیا ہو کوئی چیز اپنی صحت میں خریدی تو ورثاء کا اس چیز میں کوئی حق نہیں ہے وہ خاص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

عقود الدریہ میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے:

امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا تکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر واھبۃ[2]۔	اگر ماں نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے کوئی چیز خریدی تو وہ چیز بیٹے کی ہوگی کیونکہ وہ ماں کی طرف سے اس کو ہبہ ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۳۳۷

اور ہبہ بعد قبضہ تمام ہو جاتا ہے شے موہوب ملک واہب سے نکل کر ملک موہوب لہ میں داخل ہو جاتی ہے واہب وورثان واہب کی ملک و وراثت اس میں نہیں رہتی خصوصا جبکہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم مثلاً بیٹا، بھائی، بھتیجا ہو خصوصا جبکہ شیئ موہوب موہوب لہ نے دوسرے کے نام منتقل کردی خصوصا جبکہ واہب کا انتقال ہو چکا کہ ان میں سے ہر صورت ہبہ کو لازم کردیتی ہے جس کے سبب اس میں رجوع کا بھی امکان نہیں رہتا نہ کہ جہاں اتنے وجوہ جمع ہوں، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد المتعاقدین بعد التسلیم وخروج الھبۃ من الملك الموھوب له و قرابۃ ذی رحم محرم[1] اھ ملتقطا۔	ہبہ میں رجوع سے فریقین میں سے کسی کی موت مانع ہے بشرطیکہ ہبہ پر قبضہ دے دیا ہو اور موہوب لہ کی ملکیت سے موہوب کا خارج ہو جانا اور قرابت ذی رحم محرم بھی رجوع سے مانع ہے اھ ملخصا۔ (ت)

پس صورت مسئولہ میں اس مکان وجائداد پر وارثان زید کا دعوی محض باطل و ناقابل سماعت ہے خصوصا بعد اس کے کہ سالہا سال تصرفات انتقال دیکھتے اور سکوت کرتے رہے کما نصوا علیہ وبیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے اور اسے ہم نے اپنے فتوی میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۸: ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بیٹے ایک زید سے علیحدہ کاروبار کرتا تھا اور ایک زید کے ساتھ بشرکت جب زید ضعیف ہوا کل کام اور اسباب تجارت اس شریک بیٹے کو حوالہ کیا اور کل اختیارات نیک وبد دے کر مالک کردیا اور تاحیات زید اس کا خورد ونوش اسی بیٹے کے متعلق رہا اور اس نے تجہیز و تکفین کی اس صورت میں بیٹے کا اس مال میں حق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل خود مظہر کہ اس بیٹے کی شرکت ایسی نہ تھی کہ کچھ مال یا روپیہ اس کا ہو مال سب

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۳۔۱۶۱

باپ کا تھا یہ اس کا کام کرتا اور اس کے ساتھ رہتا تھا، اب زید کے وہ الفاظ قابل لحاظ ہیں جن سے اس نے اس پسر کو کل اختیارات دے کر مالک کر دیا اگر خود ان الفاظ یا دیگر قرائن واضحہ سے تملیک کل مال واسباب تجارت مفہوم تھی تو ضرور یہی بیٹا اس تمام مال کا مالک ہو گیا کہ ہبہ پایا گیا اور قبضہ خود ظاہر، اور اگر تصرفات تاجرانہ کا مالک کر دینا تھا کہ سب سیاہ وسپید تیرے اختیار ہے خرید وفروخت لین دین کا تو مالک ہے اس سے زیادہ اصل مالک کی تملیک پر کوئی دلیل نہ تھی تو اس قدر سے صرف وکالت حاصل ہوگی مال کی ملک نہ ہوگی۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للعلامۃ بیری زادہ عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالافتصرف فیہ الا بن یکون للاب الااذا دلت دلالۃ التملیك اھ(قال الشامی)قلت فقد افادان التلفظ بالایجاب والقبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالۃ علی التملیك کمن دفع لفقیر شیئا وقبضہ ولم یتلفظ واحد منھما بشیئ وکذا یقع فی الھدیۃ ونحوہا فاحفظہ ومثلہ ما یدفعہ لزوجتہ اوغیرہا[1]۔اھ	ردالمحتار میں الاشباہ کے حاشیہ علامہ بیری زادہ سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب بیٹے کو مال دیا تو بیٹے نے اس میں تصرف کرلیا تو مال باپ کا ہوگا، ہاں اگر وہاں بیٹے کے لئے تملیک پر کوئی قرینہ ہو تو بیٹے کا ہوگا اھ علامہ شامی نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب قبول شرط نہیں بلکہ تملیک پر دال قرائن کافی ہیں، جیسے کہ کوئی شخص فقیر کو کوئی چیز دے اور فقیر قبضہ کرلے، اور دونوں میں سے کوئی بھی کوئی بات نہ کرے ہدیہ وغیرہ میں بھی یہی حکم ہے، اس کو محفوظ کرلو، اور اسی کی مثل ہے جب اپنی بیوی وغیرہ کو کچھ دے دے اھ (ت)

اس تقدیر پر دوسرا بیٹا بھی اس مال میں برابر کا حقدار ہے اس پسر نے جو کچھ تجہیز وتکفین بقدر مسنون میں صرف کیا اتنا ترکہ سے لے سکتا ہے،

لکونہ وارثا والوارث لایجعل متبرعا فیہ کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس کے وارث ہونے کی بناء پر کیونکہ اس میں وارث کے لئے تبرع نہیں شمار ہوتا جیسا کہ درمختار وغیرہ کتب میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مسئلہ ۷۹: از جالندھر محلّہ راستہ مرسلہ منشی محمد احمد صاحب ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک شخص ملازم جب عرصہ سہ سال میں مرشد سے سلوک باطنی نقشبندیہ مجددیہ طے کرچکا تو ایک روز مرشد نے اس سے کہا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حکم ہوا کہ اس سے کوئی ایسی چیز اللہ واسطے خرچ کرائی جائے کہ جو اس کے دل کو چبھے، صبح کو مرشد نے اس ارشاد عالی کے بموجب اس سے کہا کہ تو ایک تنخواہ وغیرہ اللہ واسطے خرچ کر، وہ مرید گھر میں جاکر ایک زیور طلائی لے آیا جس کی قیمت مبلغ (معہ ۸/) تھی اور اس کی تنخواہ مبلغ (صہ سہ) روپیہ تھی اس نے مرشد سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں، تو مرشد نے کہا ایک تنخواہ کا حکم ہوا ہے زیور کا نہیں، اس نے کہا اگر میں اس کو بازار میں فروخت کروں تو مجھ کو شرم آتی ہے اب میں لاچکا ہوں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، مرشد نے وہ زیور بدیں اصرار منظور کرلیا اور وہ زیور مرشد نے اپنے گھر کے خرچ میں صرف کرلیا اور اس میں سے کچھ اللہ واسطے خرچ نہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد اس کو دستار خلافت بھی دے دی گئی، تھوڑی مدت کے بعد اس نے مرشد سے کہا کہ مجھ کو یقین نہیں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہو اور نیز آپ نے اُس میں سے کچھ اللہ واسطے خیرات نہیں کی اس واسطے میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا ہے میرا زیور وہ آپ واپس کردو، اس پر مرشد نے اس کے بدلے زیور دوسرا سیم وطلائی گھر سے اس کو دے دیا اور مرید نے یہ عبارت ایک پرچہ کاغذ پر اپنے قلم سے لکھ دی جو کہ میں نے پیر کو یہ زیور اللہ واسطے دیا تھا مجھ کو اس کے دینے کی برداشت نہیں ہوئی اب میں نے ان سے واپس لے لیا اور اس بزرگ نے اس کو عاق بھی کردیا ہے۔

(۱) آیا اب یہ مرید عاق ہوا بھی یا نہیں، اور بصورت عقوق اس پر کوئی تنبیہ شرعی وارد ہوتی ہے یا نہیں؟

(۲) اللہ واسطے وہ زیور دے کر واپس لینا درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر وہ زیور ایک جگہ اللہ واسطے دے کر پھر وہاں سے واپس لے کر دوسری جگہ اللہ واسطے یا اپنے گھر میں صرف کرسکتا ہے یا نہیں، اگر کرسکتا ہے تو پہلے سے واپس کرنے کے گناہ سے بَری ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) مرشد نے اس مال سے کچھ اللہ واسطے نہیں دیا آیا مرشد اس میں خطاوار ہے یا نہیں؟

(۵) اگر مرشد کی اس میں خطا ہے تو مرید اس مال کے واپس کرنے کا حقدار ہے یا نہیں؟

(۶) اگر بالفرض مرشد کو جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا اپنے طمع نفسانی کے واسطے جھوٹ کہہ دیا اور مرید وہ زیور اللہ واسطے دے چکا آیا اس صورت میں وہ مرید اگر زیور واپس لے تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پیر و مرید کے جو کمالات سوال میں مذکور ان میں کہیں نہیں کہ پیر نے اس سے کہا ہو کہ وہ چیز میں تجھ سے اجنبی مساکین پر تقسیم کرنے کو لیتا ہوں یا اجانب پر تقسیم کا مجھے حکم ہوا ہے نہ مرید کے کلام میں کہیں اس کی تصریح پیر نے اتنا کہا کہ اللہ کے واسطے خرچ کرائی جائے، یہ پیرو متعلقین پیر واجانب سب کو شامل ہے، پیر کی خدمت جو کچھ پیر ہونے کے سبب کی جائے وہ بھی اللہ ہی کے لئے خرچ ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جو چیزیں بارگاہ عرش جاہ حضور پر نور سلطان دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نذر حاضر لاتے کیا اس سے بہتر کوئی خرچ اللہ عزوجل کے لئے متصور ہے حالانکہ حضور غنی مغنی اغنی العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلامان آزاد شدہ تک اصلا محل صدقہ نہیں بخلاف اغنیائے دنیا کہ من وجہ محل صدقہ ہیں۔ صحیحین کی حدیث تصدق اللیلۃ علی غنی [1] (رات کے وقت غنی پر صدقہ کیا گیا۔ت) مشہور ومعروف ہے، ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

الصدقۃ تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم [2]۔	صدقہ کبھی غنی کے لئے بھی ہوتا اگرچہ بعض کے نزدیک وہ ہبہ سے مجاز ہوتا۔(ت)

بحرالرائق میں ذخیرہ سے ہے:

فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر [3]۔	غنی پر صدقہ قربت ہے جو کہ فقیر پر صدقہ سے قربت میں کم ہے۔(ت)

یہاں تک تو لفظ عام تھے آگے چیز دیتے وقت جو ایجاب وقبول پیر ومرید میں واقع ہوئے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب اذ تصدق علی غنی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ثبوت اجر المتصدق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷

[3] بحرالرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۸۷ و ۱۸۸

ان کے صاف لفظ یہ ہیں کہ مرید نے پیر سے کہا میں آپ کو یہ زیور اللہ واسطے دیتا ہوں آپ منظور فرمالیں آپ اللہ واسطے یہی قبول فرمالیں، پیر نے باصرار منظور کرلیا، یہ صراحۃً پیر کو دینا ہوا اور پیر ہی اس کا مالک ہوگیا اور اس کا اپنے گھر میں خرچ کردینا جائز ہوا اگرچہ وہ اور اس کے اہل اغنیاء ہی ہوں وہ اس میں کسی طرح خطاوار نہیں ٹھہر سکتا، بالفرض اگر اس وقت مرید کے دل میں یہی تھا کہ میں اجانب کے بانٹنے کو دیتا ہوں اور پیر کو وکیل تقسیم کرتا ہوں تاہم جبکہ اس نے صریح الفاظ ہبہ ایجاب کیا پیر سے اسی کی منظوری پر مصر ہوا اس نے منظور کرلیا تو انعقاد ہبہ میں کوئی شک نہیں ہوسکتا عقود میں نظر معانی مدلولہ پر ہے نہ کہ مجرد خیالات باطنیہ پر، وجیز امام کردری کتاب الاجارہ فصل ثانی میں ہے:

ارادا ستیجار کرم اودار فدفع الذھب الی المالك ثم قال له گرو کردی ملکت ذابکذا فقال کردم فھذا رھن لا اجارۃ لان المتعبر اللفظ لا العزم [1]۔	ایک شخص انگور کے درخت یا مکان کرایہ پر حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس نے مالک کو دینار دے کر کہا تو یہ گروی کردیا اس رقم کے عوض، تو مالک نے کہا میں نے گروی کردیا تو یہ رہن ہوگا اجارہ نہ ہوگا کیونکہ عقد میں الفاظ کا اعتبار ہے عزم کا اعتبار نہیں۔(ت)

یہاں تک کہ اگر زید بیٹے کے لئے عمرو کی بیٹی مانگنے آیا عمرو نے کہا میں نے اپنی دختر نکاح میں دی، زید نے کہا میں نے قبول کی، زید سے نکاح ہوگیا، جبکہ اس سے نکاح ہوسکتا ہو کہ ایجاب وقبول میں پسر زید کا کوئی ذکر نہ آیا اگرچہ خیال یہی تھا کہ بیٹے کے لئے قبول کروں۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لو قال ابو الصغیر لابی الصغیر زوجت ابنتی ولم یزد علیه شیئا فقال ابو الصغیر قبلت یقع النکاح للاب ھو الصحیح ویجب ان یحتاط فیه فیقول قبلت	نابالغہ کے باپ نے نابالغ کے والد کو کہا میں نے اپنی بیٹی نکاح کرکے دے دی، اس سے زائد کچھ نہ کہا، اس نے جواب میں نابالغ لڑکے کے والد نے کہا میں نے قبول کیا، تو یہ نکاح نابالغ کے والد سے ہوگا، یہی صحیح ہے، لہٰذا اس معاملہ میں احتیاط ضروری ہے اسے کہنا چاہئے تھا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲۲/۵

لابنی [1]۔	میں نے اپنے بیٹے کے لئے قبول کی۔(ت)

التجنیس والمزید پھر فتح القدیر پھر شامیہ میں ہے:

رجل خطب لابنه الصغیر امرأة فلما اجتمعا للعقد قال اب المرأة لاب الزوج دادم بزنی ایں دختر رابہزار درم فقال اب الزوج پذیر فتم یجوز النکاح علی الاب وان جری بینهما مقدمات النکاح للابن هو المختار لان الاب اضافه الی نفسه وهذا امر یجب ان یحتاط فیه [2]۔	ایک شخص نے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے ایک عورت سے منگنی کی، جب نکاح کی مجلس ہوئی تو عورت کے باپ نے لڑکے کے باپ کو کہا میں نے بیوی بنا کر یہ لڑکی ہزار درہم کے بدلے میں دی، جواب میں لڑکے کے باپ نے کہا میں نے قبول کی، تو یہ نکاح باپ سے ہوگا اگرچہ پہلے تمام مقدمات بیٹے کے نکاح کے لئے تھے، یہی مختار ہے کیونکہ لڑکے کے باپ نے قبولیت اپنی طرف منسوب کی، اور ایسا معاملہ ہے جس میں احتیاط ضروری ہے۔(ت)

یوہیں اگر دوسرے کے لئے کوئی چیز خریدی مگر ایجاب وقبول میں اس کی طرف اضافت نہ ہوئی شراء اسی عاقد پر نافذ ہو جائے گا اور یہی مالک مبیع قرار پائے گا جبکہ اس پر نفاذ کی گنجائش ہو، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیه الا اذا کان المشتری صبیا او محجورا علیه ہذا اذا لم یضفه الفضولی الی غیرہ فلو اضافه بان قال بع ہذا العمل لفلان فقال البائع بعته لفلان توقف بزازیة وغیرها [3]	فضولی شخص نے کسی کے لئے کوئی چیز خریدی تو اگر یہ فضولی نابالغ یا مجور علیہ یعنی خود خرید وفروخت سے ممنوع نہ ہو تو یہ عقد خریداری اس کی اپنے لیے ہوگی بشرطیکہ اس نے خریداری غیر کی طرف منسوب نہ کی ہو اور اگر خریداری کو غیر کی طرف منسوب کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کر تو بائع نے کہا میں نے یہ چیز فلاں کے لئے فروخت کی تو پھر یہ فلاں کی اجازت پر موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[2] فتح القدیر کتاب النکاح مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۰۳، ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۵

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

اور جب پیر اس زیور کا مالک ہوگیا اور صرف کرلیا تو اب اس سے رجوع وواپسی کا اصلا کوئی اختیار اس دینے والے کو نہ رہا،

فان ہلاك الموهوب من موانع الرجوع[1] کما نصوا علیه فی جمیع الکتب۔	کیونکہ موہوب چیز کی ہلاکت رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ اس پر تمام کتب میں فقہاء نے نص فرمائی ہے۔(ت)

پیر کا اس کے مانگنے پر اس کے معاوضہ میں اور زیور اپنے پاس سے دے دینا اگر اس بنا پر ہو کہ اس نے سمجھا کہ جب دینے والا مجھ سے واپس مانگتا ہے تو شرعا اس کا عوض دینا مجھ پر لازم جب تو یہ دینا محض باطل ہوا مرید کو اس زیور کا لینا حرام ہے نہ اسے خیرات کرسکتا ہے نہ اپنے صرف میں لاسکتا ہے بلکہ اس پر لازم کہ وہ زیور پیر کو واپس دے اور اگر خرچ کرلیا تو اس کا تاوان دے کر اس تقدیر پر پیر کا یہ زیور دینا ایک غلط فہمی پر مبنی تھا کہ یہاں عوض دینا مجھ پر شرعًا لازم ہے حالانکہ شرعا ہرگز لزوم نہ تھا تو یہ زیور کسی عقد شرعی کے ذریعہ سے ملک مرید نہ ہوا اور بدستور ملک پیر پر باقی رہا اس کا ایسا فہم معتبر نہیں۔ عقود الدریہ کتاب الشرکۃ میں ہے:

تبین ان مادفعه من ذلك بناء علی ظن انه واجب علیه ومن دفع شیئا لیس بواجب علیه فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض کما فی شرح النظم الوہبانی وغیرہ من المعتبرات[2]۔	تو واضح ہوا کہ اس نے جو دیا تو اس بنا پر دیا کہ یہ اس پر واجب تھا، اور اگر کوئی شخص ایسی چیز دے جس کا دینا اس پر واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے الایہ کہ اس نے بطور ہبہ دی ہو اور قابض سے ہلاک ہوچکی ہو جیسا کہ نظم وھبانی کی شرح وغیرہ معتبر کتب میں ہے۔(ت)

خیریہ کتاب الوقف میں ہے:

یرجع به قائما ویضمن بدله مستهلکا لانه مادفعه علی وجه الهبة وانما دفعه علی انه حق	موجود ہو تو رجوع کرے اگر اس نے ہلاک کردی ہو تو ضمان لے، کیونکہ اس نے ہبہ کے طور پر نہیں دی بلکہ اس لئے دی کہ جس کو دی گئی ہے اس کا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۱/ ۹۱

المدفوع الیه وہذا اصح الوجوه ففی شرح النظم الوہبانی لشیخ الاسلام عبد البر ان من دفع شیئا لیس بواجب فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلکه القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه دینا فبان خلافه یرجع بمادعی ولو کان قد استهلکه رجع ببدله[1] اھ۔	یہ حق ہے یہی تمام وجوہ میں بہتر ہے شیخ الاسلام عبدالبر کی شرح نظم وہبانی میں ہے کہ جس نے کوئی چیز دی حالانکہ اس پر اس کا دینا واجب نہ تھا تو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس صورت کے کہ بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے ہلاک کردی ہو اھ اور فقہاء نے تصریح فرمائی کہ جو اس گمان پر دے کہ اس پر یہ دینا واجب ہے اور پھر اس کا خلاف معلوم ہوا تو اپنے دئے ہوئے میں رجوع کرسکتا ہے اور اگر لینے والے نے ہلاک کردی ہو تو اس کا بدل وصول کرے اھ (ت)

ہاں اگر اس گمان سے نہ دیا بلکہ دیدہ دانستہ اپنی خوشی سے اپنا زیور اس کے عوض میں ہبہ کردیا اگرچہ یہ ہبہ اسی بنا پر واقع ہوا ہو کہ ایسے اوچھے کا احسان نہ رکھنا چاہئے تو اس صورت میں مرید اس زیور کا مالک ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

(اتفقا)الواہب والموہوب له(علی الرجوع فی موضع لایصح)رجوعه من المواضع السبعة السابقة(کالهبة لقرابته جاز)هذا الاتفاق منهما، جوہرة[2]۔	ایسی صورتیں جن میں رجوع صحیح نہ ہو مذکورہ سات صورتوں میں سے کسی میں رجوع پر واہب اور موہوب لہ دونوں اتفاق کرلیں (مثلاً قریبی ذی محرم کو ہبہ) تو یہ اتفاق جائز ہے، جوہرہ (ت)

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے:

ویکون الرجوع فی العوض بالتراد وفی الهلاك برد البدل[3]۔	عوض میں رجوع واپس لینے سے ہوگا اور ہلاکت کی صورت میں بدل لینے سے ہوگا۔ (ت)

اب اسے اختیار ہوگا جو چاہے کرے۔

فانه انما ھلکه ملکه بهبة	کیونکہ اس نے ابتدائی طور پر ہبہ والی ملکیت کو

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۰

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۰۶

مبتدءۃ کما افادہ الدر[1] عن المجتبٰی فلیس عین ما انفق للہ ولا بدلہ حقیقۃ فیفعل بہ مایشاء۔	ہلاک کیا ہے جیسا کہ اس کا افادہ مجتبٰی سے درمختار میں منقول کیا ہے، تو عین وہ چیز نہیں جو اس نے اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے دی ہے حالانکہ اس کی کوئی حقیقت ضروری ہے لہٰذا جو چاہے کرے۔(ت)

اور جہاں بیعت وارادت بروجہ صحیح ومعتبر واقع ہو وہاں ایسی صورت میں مرید کے لئے سعادت اسی میں ہے کہ وہ زیور شیخ کو واپس کرے اور اپنی تقصیرات شدیدہ وجرائم عدیدہ کا عفو چاہے اس کا یہ خیال کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا نہ فرمایا پیر نے دل سے بناکر معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کردیا محض بدگمانی ہے جو ہر مسلمان پر حرام نہ کہ پیر ومرشد پر خصوصاً اگر لفظ اسی قدر ہیں جو سوال میں مذکور تو اس کے انکار کا تو کوئی احتمال ہی نہیں، بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیروں کو مطابق شرع مطہر اپنے مریدوں کی تربیت کے لئے حکم دیا اور صحیح حدیث میں ارشاد فرمایا:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ[2]۔	تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال ہوگا(ت)

اور بیشک شرع مطہر کا حکم ہے کہ ایسی چیز راہ خدا میں صرف کرو جو دل میں جسے جسے عزیز رکھتے ہو۔

قال اللہ عزوجل "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ"[3]۔	اللہ عزوجل نے فرمایا: جب تک محبوب چیز خرچ نہ کروگے بھلائی کو ہرگز نہ پاؤگے۔(ت)

جہاں ارادت صحیحہ معتبرہ ہو وہاں شک نہیں کہ مرید کا اتنا ہی کہنا کہ میرا اعتقاد آپ سے فسخ ہوگیا اس کے فسخ بیعت اور عاق ہوجانے کے لئے بس ہے نہ کہ اور کلمات شدیدہ مزید برآں اور اس صورت میں وہ ضرور تنبیہ شرعی کا مورد ہوگا کہ وہ سخت محسن کش وبے ادب ہوا عام مسلمانوں میں کسی متنفس کی ایذا بلاوجہ شرعی حرام ہے نہ کہ پیر کی ایذا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] صحیح البخاری باب الجمعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۹۲

ومن اذانی فقد اذی اللہ [1]۔	ایذادی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۰: ازفرید پور مرسلہ شیخ نبی بخش صاحب جمعدار ۲۲رجب ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو دو بھائیوں نے اپنا مشترکہ روپیہ گیارہ سوایک شخص کو قرض دیا اور اس کی ایک جائداد رہن دخلی لی دستاویز میں برادر زید نے بجائے زید، زید کے نابالغ بیٹے بکر کا نام درج کرایا اور بعد رجسٹری دستاویز وہ کل روپیہ راہن کو دے دیا گیا بعدہ زمانہ نابالغی بکر میں ایک اور جائداد دونوں بھائیوں نے اپنے مشترکہ روپے سے رہن دخلی لی اور اس دستاویز میں بجائے عمرو اس کے بیٹے کا اور بجائے زید اس کے دو نابالغ بیٹوں بکر اور خالد کا نام درج ہوا اور بعد رجسٹری کل زر قرض چار ہزار روپے راہن کو دے دئے یہ جائداد رہن دخلی لے کر خود مالک کو بطور اجارہ داری اور فصل بفصل زر اجارہ یہ مرتہن پاتے رہے کئی برس کے بعد بکر نے ایک بیٹا نابالغ ولید اور ایک زوجہ چھوڑ کر انتقال کیا زید نے بعد انتقال پسر ایک باغ اپنے روپے سے خریدا اور بیعنامہ بنام اپنے نابالغ پوتے ولید کو لکھوایا پھر ولید نے بحال نابالغی ماں اور دادا کو وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زید نے اس باغ کے داخل خارج میں صرف اپنی بہو کا نام درج کرایا، اب وہ دعوی کرتی ہے کہ وہ دونوں روپے جن سے وہ جائدادیں رہن لیں ان میں سے زر اسامی بکر اور یہ باغ میرا ہے کہ ان دستاویزوں میں بکر کا نام لکھوا دینے سے ان روپوں کی تملیک بکر کو ہوگئی اور اب بذریعہ دین مہر وہ میرے حق میں ہے اور اس باغ کے داخل خارج میں میرا نام درج کرانے سے یہ میری ملک ہوگیا، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت واقعہ اگر یونہی ہے کہ وہ روپے زید وعمرو کے مشترک تھے اور یونہی یکجائی طور پر مدیون کو دئے گئے تو ان میں بہو کا دعوی اصلا مسموع نہیں جبکہ وہ روپے زید کی ملک تھی تو بکر کے نام ان کا انتقال یونہی ہوسکتا ہے کہ زید بکر کو ہبہ کرکے مالک کردیتا دستاویز رہن دخلی میں اگر بکر کا نام خود زید ہی لکھا تھا اور بالفرض اس سے تملیک وہ ہبہ سمجھا جاتا جب بھی یہ ہبہ جائز نہیں۔

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

بکر اگرچہ نابالغ تھا مگر زر مشترک کا ہبہ بے تقسیم نہیں ہوسکتا اور یہاں بے جدائی و تقسیم یکجائی طور پر مدیونوں کو دے دئے گئے کہ وہ روپے ان کی ملک میں داخل ہوگئے اور ہبہ باطل ہو کر بکر و مستحقان بکر کا کچھ حق نہ رہا، اور چار ہزار والے عقد میں ایک قول پر دوسرا نقص اور ہے کہ یہ حصہ زید کا زید کے دو بیٹوں کے نام بلا تقسیم لکھا گیا تو مشاع در مشاع ہوا، بہر حال ان روپوں میں بہو کا کچھ حق نہیں، فتاوٰی انقرویہ میں ہے:

فی المنتقٰی وہب نصف بیتہ لابنہ الصغیر لم یجز مالم یقسمہ ویبین ماوہب لہ من فتاوٰی التمر تاشی فی اٰخر کتاب الھبۃ[1]۔	منتقٰی میں فتاوٰی تمر تاشی کی کتاب الھبۃ کے آخر سے ہے اگر اپنے نابالغ بیٹے کو اپنا نصف مکان ہبہ کیا تو جب تک تقسیم کرکے جدا نہ کردے جائز نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

لو تصدق بدارہ علی ولدین لہ صغیرین او کبیرین او احدہما صغیر والاٰخر کبیر لم یجزو کذا لو تصدق علیہما بکیس فیہ الف درہم وقبضاہ لم یجز، خزانۃ الاکمل فی الھبۃ عن المجرد[2]۔	اگر کسی نے دو نابالغ یا ایک یا دو بالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ بیٹوں کو اپنا مکان مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو جائز نہ ہوگا اور یونہی ان کو ایک تھیلی ہبہ کی جس میں ہزار درہم تھے اور دونوں کو قبضہ بھی دے دیا ہو تو جائز نہ ہوگا، یہ خزانۃ الاکمل کے ہبہ میں مجرد سے منقول ہے۔(ت)

بلکہ جس قدر روپیہ زید نے ان ایام میں رہن میں بنام اجارہ پایا ہے زید پر فرض ہے کہ اسے اصل میں مجرا دے اگر کل آگیا تو اب ایک پیسہ لینا حرام ہے اور اگر کچھ باقی ہے تو اسی قدر زید کا حق رہا، اور اگر زید پر فرض ہے کہ اتنا مدیون کو واپس دے، اسی طرح دوسری جائداد جو رہن دخلی لی اس سے بھی اب تک جو وصول ہوا زید کے لئے خیر اسی میں ہے کہ اسے سب کو زر اصل میں محسوب جانے، رہا باغ وہ اپنے نابالغ پوتے کے لئے خریدا

[1] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۴

[2] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دار الاشاعۃ العربیۃ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۳

پوتے کی ملک ہوگیا اس کے مرنے کے بعد ایک ثلث زید کی بہو کا ہوا اور دو ثلث باغ زید کا، زید نے جو کاغذ داخل خارج میں صرف بہو کا نام لکھا دیا یہ اگر دلیل ہبہ وتملیک بھی قرار دیں جب بھی معتبر و صحیح نہیں کہ ہبہ مشاع بے تقسیم باطل ہے۔ در مختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولو وہبہ لشریکہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز پر قبضہ دینے سے بھی ہبہ تام نہ ہوگا خواہ اس میں شرکت والے کو ہبہ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر کہنہ ۲۲ ذیعقدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکی اور تین لڑکے ہیں ان میں ایک لڑکا زید کا خدمت گزار زیادہ تر ہے اور دو لڑکے فراخی سے بسر کرتے ہیں تنگ دست نہیں ہیں اس صورت میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنے خدمت گزار لڑکے کو نصف اپنی ملکیت کا دوں اور نصف بقیہ دونوں لڑکوں اور لڑکی کو بحصہ مساوی دے دوں۔ یہ بلا حق تلفی کے جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جبکہ یہ لڑکا باپ کا خدمت گزار زیادہ ہے تو ان دو پر ایک طرح کا فضل دینی رکھتا ہے اگر اور کوئی وجہ اس کے منافی نہ ہو تو ایسی صورت میں باتفاق روایات اس کو ترجیح دینے میں مضائقہ نہیں جبکہ دوسروں کو ضرر پہنچانے کی نیت نہ ہو۔ بزازیہ میں ہے:

لوخص بعض اولادہ لزیادۃ رُشد لاباس بہ وان کانا سواء لایفعلہ[2]۔	اگر اولاد میں سے بعض کو اس کی نیکی کی بناء پر زیادہ دینے میں خصوصیت برتے تو کوئی حرج نہیں ہے اور سب مساوی ہوں تو پھر امتیاز نہ برتے۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

لووھب رجل شیئا لاولادہ فی الصحۃ وارادہ تفضیل البعض علی البعض	اگر کوئی شخص صحت وتندرستی میں اپنی اولاد کو ہبہ دے اور اس میں وہ بعض کو دوسروں پر فضیلت

[1] درمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

فی ذٰلك لاروایة لهذا فی الاصل عن اصحابنا.وروی عن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی انه لاباس به اذا کان التفضیل لزیادة فضل له فی الدین،وان کانا سواء یکره روی المعلی عن ابی یوسف رحمهما الله تعالٰی انه لاباس به اذا لم یقصد به الاضرار وان قصد به الاضرار سوی بینهم یعطی الابنة مثل مایعطی للابن وعلیه الفتوی هکذا فی فتاوی قاضیخاں وهو المختار کذا فی الظهیریة [1] اھ.**اقول:** وقع هٰهنا فی النقل عن الخانیة اختصار مخل اوهم.تعلق الافتاء بروایة ابی یوسف نظرا الی مامر عن الامام ولیس کذالك وانما هو لروایته بالنظر الی المروی عن محمد من التثلیث رضی الله تعالٰی عنهم جمیعا. و اصل عبارة الخانیة بعد قول مثل مایعطی للابن هکذا و قال محمد رحمه الله تعالٰی یعطی للذکر ضعف ما یعطی للانثی و

دے تو اس میں ہمارے اصحاب سے مبسوط میں کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا گیا ہے کہ اس میں اس وقت کوئی حرج نہیں جبکہ دینی فضیلت کی وجہ سے زیادہ دے اور اگر تمام مساوی ہوں تو یہ مکروہ ہے،اور معلٰی نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا ہے کہ اس میں دوسروں کو ضرر دینا مقصود نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں،اور اگر دوسروں کو ضرر مقصو ہو تو پھر ایسا نہ کرے اور سب کو مساوی دے اور بیٹی کو بیٹے کے مساوی دے، اسی پر فتوٰی ہے اور فتاوٰی قاضیخاں میں اسی طرح ہے اور یہی مختار ہے، ظہریہ میں یونہی ہے اھ،**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں خانیہ کی نقل میں خلل انداز اختصار کردیا ہے اور فتوٰی کا تعلق امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے کردیا امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذکور قول کے مقابلہ میں،حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مقابلہ میں ہے جس میں انہوں نے بیٹے اور بیٹی کے لئے تین حصوں کا قول کیا ہے،اور خانیہ کی اصل عبارت یوں ہے،جو کہ امام یوسف کے بیٹی اور بیٹے کے لئے مساوات والے قول کے بعد ہے،امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دیا جائے اور

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

الفتوی علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالٰی اھ[1] قال العلامة الشامی نقلا عن العلامة الخیر الرملی مانصه ای علی قول ابی یوسف من ان التنصیف بین الذکرو الانثی افضل من التثلیث الذی هو قول محمد[2] اھ، وقال فی البزازیة الافضل فی هبة الابن والبنت التثلیث کالمیراث ومنه الثانی التنصیف وهو المختار[3] اھ،وقال العلامة الطحطاوی فی حاشیة الدریکرہ ذٰلك عند تساویهم فی الدرجة کما فی المنح والهندیة[4] الخ .فانظر کیف عزا الکراہة الی الهندیة فقد علم ان الفتوی لیست ناظرة الی قول ابی یوسف بالنظر الی ما روی عن الامام والا لما ساغ ان یعزوالیها مانصت فیه ان الفتوی علی خلافه وہذا ہو الصواب فلیتنبه، **ثم اقول**:وبالله التوفیق	فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے،علامہ شامی نے علامہ خیر الدین رملی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے،یعنی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر لڑکے لڑکی کو برابر دینا ان پر تین حصے بنانے کی بجائے افضل ہے اور تین حصے بنانا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ،اور بزازیہ میں ہے بیٹی اور بیٹے کو ہبہ میں تین حصے کرنا بہتر ہے، اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک دو حصوں میں (برابر) دینا بہتر ہے اور یہی مختار ہے اھ،اور علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیہ میں فرمایا درجہ میں مساوی اولاد میں کسی کو زیادہ دینا مکروہ ہے جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے الخ، غور فرمائیں انہوں نے کس طرح کراہت کو ہندیہ کی طرف منسوب کیا،تو واضح ہوگیا کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مقابلہ میں نہیں ہے ورنہ ہندیہ کی طرف ایسی چیز کا منسوب کرنا جس کے خلاف اس نے فتوٰی ہونے کی تصریح کی ہے درست نہ ہوتا، یہی درست بات ہے خبردار رہو،**ثم اقول**:(پھر میں کہتا ہوں) اور توفیق

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الهبة فصل فی هبة الوالدلولدہ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۔۷۰۵

[2] درمختار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه کتاب الهبة الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

[4] حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الهبة دارالمعرفة بیروت ۳/ ۳۹۹

یترا ای لی ان لاخلف بین ما عن الامامین الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما فان تفضیل احد الولدین لا تحقق لہ الابتنقیص الاخر والتنقیص اضرار اذ لیس المراد بہ ایصال سوءٍ الیہ فی دینہ اونفسہ او بدنہ او عرضہ اوملکہ ولاالتنقیص من حق لہ ثابت فانہ لاحق للورثۃ فی صحۃ المورث فلم یرد بہ الا حجبہ حجب نقصان اوحرمان وہذا لازم التفضیل لاانفکاک لہ عنہ۔بیدان القصد اولا و بالذات قد یتعلق بتفضیل ھذا دون تنقیص ذلك وقد یکون بالعکس فانك اذا اعطیت احدہما ازید لانہ اطوع لك وابر بك فانما مطمح نظرك فی ہذا صلتہ بمقابلۃ ماوقع منہ لاتنقیص غیرہ وان لزمہ لزوما کلیا واذا کنت غضبان علی احدہما فاعطیت الاخر ازید کیلا یصل الیہ الا القلیل فانما ملمح بصرك فی ہذا اضرارہ بما اساء الیك لاتفضیل غیرہ قصدا اولیا کما لا یخفی،ثم التفضیل لابدلہ من حامل علیہ وداع الیہ فان العاقل	اللہ سے ہے، مجھ پر واضح ہوا کہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی دونوں اماموں کے قول میں کوئی اختلاف نہیں، کیونکہ دو بیٹوں میں سے ایک کو زیادہ دینا دوسرے کو کم دینے کے بغیر متحقق نہیں اور کم دینا ہی ضرر دینا ہوا، کیونکہ یہاں دین یا بدن یا عزت یا ملک میں تکلیف دینا مراد نہیں ہے اور نہ اس کے لئے ثابت شدہ حق کو کم کرنا مراد ہے کیونکہ اولاد کا باپ کی صحت میں کوئی حق نہیں تو یہاں صرف ایک کا دوسرے کے لیے نقصان یا محرومی کا باعث بننا ہے اور یہ بات دوسرے پر فضیلت دینے کو لازم ہے،اس سے جدا نہیں ہو سکتی،ہاں یہ بات ضرور ہے کہ کبھی مقصود بالذات ایک کو صرف فضیلت دینا ہوتا ہے دوسرے کی تنقیص پیش نظر نہیں ہوتی۔اور کبھی معاملہ بالعکس ہوتا ہے کیونکہ جب تو ایک کو اس لئے زیادہ دے کہ وہ تیرا زیادہ مطیع اور خدمت گار ہے تو اس میں تیرا مطمح نظر صرف اس کو صلہ دینا ہے دوسرے کی تنقیص مقصود نہیں ہوتی اگرچہ یہ لازم ضرور ہے اور تو جب ایک پر ناراض ہو کر دوسرے کو اس لئے زیادہ دے کہ پہلے کو کم ملے تو اس میں تیری نظر یہ ہے کہ اس کو نالائقی کی سزا ملے دوسرے کو فضیلت مقصود بالذات نہیں ہوتی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، پھر تفضیل کا کوئی باعث اور داعی ضرور ہوتا ہے کیونکہ عاقل کا کوئی فعل غرض کے بغیر نہیں ہوتا۔

لایقصد الفعل الالغرض صحیح فان رجح ولا مرجح لم یکن المقصود ترجیحه لعدم مایدعو الیه بل تنقیص غیرہ و ھو قصد الاضرار والداعی ان کان امرا دنیویا لااثرله فی الدین فالشرع لایعتبرہ و یجعله کلاداع واذاکان امرادینیا فھو المقصد الصحیح المعتبر وبقصدہ یخرج الانسان عن قصد الاضرار کماقد تقرر فظھران مآل الکلامین واحد و ان کلامھما کالشرح لصاحبھا وانمالم یقید فیماروی عن الامام بان لایقصد الاضرار کان الکلام فیه مفروض فیما قصد تفضیل بعض فبین مایصح منه ومالابل یؤل قصد اضرار ثم الذی یظھران مسئلة التثلیث اوالتسویة بین الابن والبنت مسئلة علی حدۃ لامتفرعة علی قصد الاضرار الاتری الی ما اسمعناك عن نص البزازیة ولذالما اوھم عبارۃ الدر ذاك التفریع عقبه العلامة السید الطحطاوی لعبارۃ البزازیة وقال فانت تری نص البزازیة خالیا عن قصد الاضرار[1] اھ۔	کیونکہ مرجح کے بغیر ترجیح ہو تو پھر ترجیح مقصود نہ ہوگی بلکہ دوسرے کی تنقیص مراد ہوگی تو ضرر رسانی ہوگی۔اور اگر داعی ترجیح کوئی دنیاوی امر ہو جس کا دین میں کوئی اثر نہ ہو تو شریعت اس کا اعتبار نہیں کرتی اور اس داعی کو کالعدم قرار دیتی ہے،اور اگر کوئی ایسا دینی معاملہ ہو جو شرعًا مقصود و مطلوب ہو تو انسان اس کا قصد کرکے ضرر کے قصد سے بچ جاتا ہے جیسا کہ ثابت ہے تو معلوم ہوا دونوں امام شیخین کی کلام کا نتیجہ ایک ہے اور دونوں ایک دوسرے کی شرح قرار پاتی ہیں۔ اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کہ وہ کلام میں ضرر کے قصد کی قید نہیں بتائی کیونکہ ان کے کلام میں ایک کی فضیلت مفروض ہے جس کی صحت اور عدم صحت بیان ہورہی ہے بلکہ یہ کلام ضرر رسانی کی طرف عائد ہے،پھر بیٹی اور بیٹے میں تین حصے یا برابری کا مسئلہ علیحدہ مسئلہ ہے یہ ضرر رسانی کے قصد پر متفرع نہیں ہے تو نے دیکھ لیا جو ہم نے تجھے بزازیہ کی نص سنائی ہے اسی لئے جب درمختار کی عبارت نے یہ وہم پیدا کیا تو علامہ طحطاوی نے اس کے بعد بزازیہ کی عبارت ذکر کردی جس کا مقصد یہ ہے کہ تو بزازیہ کی عبارت کو ضرر رسانی کی قید سے خالی پارہا ہے اھ۔اس تقریر سے معلوم ہوا کہ صحت کی

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۰

فتحرر مما تقرر ان العدل بین الابن والبنت فی حال الصحة عند الامام الثالث هو التثلیث وعند الامام الثانی التنصیف وعلیه الفتوی والکلام فی الافضیلة و الکل جائز والعدل بین بنین اوبنات هو التسویة بالاجماع ولایجوز العدول عنه فی ابن لافی بنت اصلا لو قصد الاضرار اولا بالذات الا ان یکون فاسقا کما افادہ فی الخلاصة والبزازیة وخزانة المفتین و الهندیة وغیرها وان قصد التفضیل فان الفضل دینی جائز ولم یکرہ والا کرہ لِاَوّله عــــہ الی قصد الاضرار وہذا ماظهر لی والعلم بالحق عند عالم الغیوب و الاسرار، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	حالت میں بیٹی اور بیٹے کے درمیان عدل تیسرے امام (محمد) رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تین حصے بنانے میں ہے، اور امام ثانی یعنی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک برابر دینے میں ہے اور اسی پر فتوٰی ہے حالانکہ یہ کلام افضیلت میں ہے جبکہ جواز دونوں صورتوں میں ہے بالاجماع بیٹوں اور بیٹیوں میں عدل بہرحال برابر دینے میں ہے کسی لڑکے یا لڑکی کو ضرر رسانی قصداً و بالذات جائز نہیں سوائے اس کے کہ وہ فاسق ہو جیسا کہ اس کا افادہ بزازیہ خزانۃ المفتین اور ہندیہ وغیرہ کے بیان نے دیا ہے اور اگر فضیلت دینا چاہے تو کسی دینی فضیلت کی بناء پر جائز ہے مکروہ نہیں ہے ورنہ مکروہ ہے کیونکہ یہ ضرر رسانی کی طرف رجوع ہوگا، مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے حقیقی علم غیوب واسرار کے عالم کے پاس ہے، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۲: از پیلی بھیت مرسلہ مولانا مولوی وصی احمد صاحب غرہ رجب ۱۳۱۸ھ

ایک شخص نے اپنی جائداد مشترکہ برضامندی اپنے اور اپنے شرکاء کے اپنے عزیزوں کو تقسیم کردی، یہ تقسیم بموجب شرع شریف کے صحیح ہے یا نہیں اور بقدر تقسیم کے وہ جائداد واپس کرنا چاہے تو واپس ہونا اس کا نادرست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر شرکاء سے تقسیم کراکر اپنا حصہ جدانہ کرالیا یا جن عزیزوں کو دی ان کا حصہ جدا تقسیم نہ کردیا اور وہ شے اس قابل تھی کہ بعد تقسیم لائق انتفاع رہتی جب تو یہ تقسیم سرے سے باطل ہے

عــــہ: الاول ھوالرجوع (منجد)

اور اگر اپنا حصہ جدا کرکے حصص شرکاء بھی جدا جدا کردے یا وہ شیئ صالح قسمت نہ تھی تو تقسیم میں خلل نہیں ہے اب اگر عزیزوں کا ہنوز قبضہ نہ ہوا تو اس تقسیم سے اسے رجوع کا اختیار ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور اگر قبضہ ہوگیا اور وہ عزیز اس کے محارم ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی، بھتیجے، بھانجے تو واپس لینا ممکن اور غیر محارم ہیں اور موانع سبعہ رجوع سے اور کوئی مانع بھی متحقق نہیں توان کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کرسکتا ہے مگر گناہ گار ہوگا کہ دے کر پھرنا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: از رچھا ضلع بریلی تھانہ بہیڑی ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ء

کیا حکم ہے اس صورت میں کہ باپ نے اپنے بیٹوں کو جدا کردیا اور جو کچھ جائداد تھی وہ سب کچھ تقسیم کردی اب بعد مدت کے باپ یہ چاہتا ہے کہ جو کچھ مال لڑکوں کو دیا ہے وہ سب واپس لے لے اور لڑکوں کو تہی دست چھوڑ دے، اب فرمایئے کہ عندالشرع یہ امر جائز ہے یا نہیں؟ اور ابھی کسی لڑکے کا نکاح نہیں ہوا تو یہ حق ذمہ باپ کے ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر جائداد جدا جدا کرکے ہر لڑکے کو قبضہ دلادیا تو وہ اس کے مالک مستقل ہوگئے ان سے واپس لینے کا باپ کو اختیار نہیں، نہ ان کا نکاح کرنا اس پر لازم اول لڑکوں کے نکاح میں شرعی مصارف کچھ نہیں اور جو ہوں تو جبکہ وہ مال رکھتے ہیں انہیں کے مال سے کئے جائیں، اور اگر تقسیم جدا جدا کرکے قبضہ نہ دلایا اور وہ مال قابل قسمت تھا تو بدستور باپ کے ملک باقی ہے اسے لے لینے کا اختیار ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی محمد حسن صاحب نے اپنی زندگی میں بحیات اپنی بی بی منکوحہ مسماۃ منیر النساء کل جائداد ۱۸۸۷ء میں دو[۲] بیٹیوں اور ایک نواسہ اور ایک نواسی کو دی اور کاغذ لکھ دیئے صرف رجسٹری کرائی رہی، زوجہ مولوی صاحب موصوف نے وقت قضا اپنا مہر معاف نہ کیا بعد لکھنے اور دینے جائداد کے بحیات زوجہ مذکورہ اور جائداد خریدی جو کسی کو نہ لکھی، ۱۸۹۱ء میں مولوی صاحب نے قضاء کی، دو[۲] دختر جن کو جائداد تحریر کی اور وہی نواسہ، نواسی، اور حقیقی بہن چھوڑی، ترکہ بموجب فرائض ہر سہ وارثان یعنی دو[۲] دختر اور ایک بہن کو کس طرح تقسیم ہوگا بموجب تحریر کاغذات ہوگا قبضہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی حیات میں کسی کو نہ دیا بعد کو وہ لوگ بموجب تحریر قابض رہے، بعد

تحریر کاغذات سواد و بسوے کسری زائد مولوی صاحب نے اور خریدی جو کسی کے نہ لکھے، زوجہ مولوی صاحب کے دو بیٹیاں اور ایک بہن وقت وفات زندہ موجود ہیں۔

تفصیل تحریر جائداد مولوی صاحب موصوف

مسماۃ بی بی جان دختر کلاں ۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳ کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نودیا، ایک مکان پختہ مشرق رویہ واقع محلّہ خواجہ قطب ونصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ ہان رائے۔

مسماۃ غفور النساء دختر خورد ۵ بسوہ ۱۰ بسوانسی ۳ کچوانسی ۴ تنوانسی کسی زائد زمینداری موضع نو دیا، ایک مکان پختہ واقع نالا ونصف قطعہ اراضی اڈا واقع بریلی کٹرہ مان رائے۔

یہ حقیقت مولوی صاحب نے پہلے ہی بنام غفور النساء خرید کی تھی وہ حصے میں مجرا کی، غفور النساء اس وقت نا کتخدا نابالغہ تھی۔

قمر الدین نواسہ یک بسوہ موضع راجو پور و مکان مسکون واقع کٹرہ مان رائے،

مسماۃ چھمن نواسی یک دکان واقع بازار کٹرہ مان رائے۔

الجواب:

یہ جس قدر ہبہ مولوی صاحب مرحوم نے اپنی صاحبزادیوں اور ایک صاحبزادی کو کئے ہیں سوا اس مکان کے جو غفور النساء کے نام اس کی نابالغی میں خریدا سب شرعاً باطل و بے اثر ہیں جو جائدادیں مشاع و مشترک بلا تقسیم ہبہ کیں اور انہیں میں وہ نصف قطعہ اراضی اڈا داخل ہے جو نصف مشاعاً بنام غفور النساء خریدا تھا، یہ سب تو بوجہ مشاع ہونے کے باطل ہیں اور جو جداگانہ و مسلم تھیں جیسے مکانات دکان کہ بی بی جان و غفورن و چھمن کو ایک ایک پورا دیا گیا ان کا ہبہ یوں باطل ہوا کہ موہوب لہم نے حیات مولوی صاحب مرحوم میں قبضہ نہ پایا، بعد کا قبضہ شرعاً بکار آمد نہیں، درمختار میں موانع الرجوع میں ہے:

المیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبله بطل الهبة [1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کی موت ہے اور قبضہ سے قبل موت ہو جائے تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

وہ مکان کہ غفور النساء بیگم کے نام اس کی نابالغی میں خریدا از انجا کہ مسلم بھی تھا اور نابالغ کے ہبہ میں باپ کا قبضہ نابالغ کا قبضہ قرار پاتا ہے اس کا ہبہ صحیح و تمام ہو گیا، پس صرف وہ ایک مکان بحق غفور النساء مسلم رہے گا اور باقی تمام جائداد مکتوبہ موہوبہ وغیر موہوبہ سب یکساں حالت میں ترکہ مولوی صاحب مرحوم قرار پائے گی اس میں سے اولاً دین مہر ادا کیا جائے گا یوں کہ مہر سے ایک چہارم خود بحق مولوی صاحب ساقط ہو کر باقی تین ربع مہر کے نو حصوں پر تقسیم ہوں گے چار چار حصے ہر دختر اور ایک حصہ زوجہ کی بہن کو ملے گا اس سے فارغ ہو کر جو جائداد بچے مولوی صاحب مرحوم کی دونوں بیٹیوں اور ہمشیرہ مولوی صاحب پر بحصہ مساوی تقسیم ہو جائے گی، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: ۲۸ شعبان المعظم ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان بنام ہندہ اپنی دختر کے ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تھا کہ اب تک قابضہ ہے اب زید نے بدست عمرو وہی مکان بیع کر دیا، کیا یہ بیع صحیح و نافذ و جائز ہے، **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ بیع صحیح و نافذ نہیں بعد تکمیل ہبہ زید کو اپنی بیٹی سے رجوع کا اصلا اختیار نہیں۔

فان القرابة من موانع الرجوع علی مانص علیه فی جمیع الکتب [1]۔	کیونکہ قرابت رجوع کے موانع میں سے ہے تمام کتب میں اس پر نص موجود ہے۔(ت)

ہندہ کو اختیار ہے کہ اس بیع کو رد کردے تو محض باطل ہو جائے گی اور چاہے تو قبول کرے اس وقت یہ بیع نافذ ہو جائے گی، اور قیمت جو کچھ ٹھہری ہے خود ہندہ پائے گی زید کو اس سے کچھ تعلق نہ ہوگا کہ ہبہ دلانے سے کامل ہو گیا اب مکان کا مالک زید نہیں ہندہ ہے، ہاں اگر زید محتاج حاجتمند ہو اپنی ضرورت کے لئے اس مال کو بیچنا چاہے تو اس کا اختیار باپ کو اولاد کے خود اپنے ذاتی مال میں بھی ہے مگر بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں یہ صورت نہیں، زید کو کوئی ضرورت نہیں صرف دختر سے لے کر پسر کو دینا چاہتا ہے اس کا ہرگز اختیار نہیں، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶: از ٹھریا موہن پور مرسلہ حافظ عبدالرب خان یکم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ ایک شخص حافظ قرآن بالعوض پڑھنے قران کے

---

[1] درمختار کتاب الہبة باب الرجوع فی الہبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

کچھ جائداد مسماتوں زمیندار سے ہبہ کرائی، واہبان نے ہبہ نامہ میں یہ شرط درج کرائی ہے کہ موہوب لہ کو تاحیات ہماری قرآن مجید اب وجد مرحوم کو پڑھنا ہوگا مگر یہ شرط نہیں ڈالی گئی کہ دو یا ایک پارہ دو یا ایک ختم پڑھے وہی حافظ امامت کرتا ہے تمام گاؤں کی، آیا اس شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نادرست، ایک مسماۃ ان واہبان میں سے فوت ہوگئی ہے اور غیر شخص مردہ یا زندہ کو اگر حافظ قرآن پڑھ کر ثواب بخشیں پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور واہبان کے مرنے پر حافظ قرآن رہا اس شرط سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟ نقل ہبہ نامہ کی اس خط میں حضور ملاحظہ فرمائیں، فقط پہلے اس مسئلہ کا سوال گنگوہ کو بھیجا تھا وہاں سے جواب آیا تھا کہ اس کی امامت نادرست ہے، دوبارہ پھر سوال کیا گیا کہ اب کس طرح پر حافظ مذکور کی امامت درست ہو سکتی ہے، اس کا جواب یہ آیا جس کی نقل بعینہٖ یہ ہے۔

الجواب:

اس امام کی توبہ یہی ہے کہ وہ زمین واہب کو واپس کردے، واہب مرگیا ہو تو اس کے وارثوں کو لوٹادے، پھر اس کو ایصال ثواب کا اختیار ہے لوجہ اللہ ایصال ثواب روح میت کو کرے یا نہ کرے، اگر وہ زمین واپس کردے اور اپنے فعل پر نادم ہو تو پھر اس کی امامت میں مضائقہ نہیں ہے، فقط، **واللہ تعالٰی اعلم**۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ رشید احمد ۱۳۰۱ھ

اصل مسئلہ گنگوہ کا بھی مرسل خدمت ہے جو حکم ہو مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب:

ملاحظہ ہبہ نامہ سے ظاہر ہوا کہ یہ زمین جو ہیبت خان زمیندار ٹھریا کی زوجہ و دختر نے کہ باہم اس کی زمینداری میں شریک تھیں موہوب لہ کو ہبہ کی تین نمبر مستقل جداگانہ غیر مشاع ہیں، وہ نمبر تو خود ہی جدا تھے اور تیسرے کی نسبت بیان سائل سے معلوم ہوا کہ وہ ایک نمبر مملوک واہبات سے ایک ٹکڑا تھا جسے واہبات نے کھائی کھدوا کر علیحدہ کردیا اور ہر سہ نمبر موہوب پر موہوب لہ کو قبضہ کاملہ دے دیا، پس صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ صحیح وتام ونافذ ہوگیا کہ موہوب کا دو واہبوں میں مشترک ہونا مانع صحت ہبہ نہیں، درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع[1]۔	دو حضرات نے ایک مکان کسی ایک کو ہبہ کیا تو صحیح ہے شیوع نہ ہونے کی وجہ سے (ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور خلاصہ عبارت ہبہ نامہ یہ ہے: "اراضی نمبران مندرجہ ذیل مع درختان بنام حافظ عبداللہ خاں بالعوض خواندن قرآن شریف عزیز خاں دادا وہیبت خاں والد کے ہبہ کی، اور بخشی ہم نے موہوب کو تاحیات ہماری قرآن شریف واسطے مورثان موصوفان کے پڑھنا ہوگا، لہٰذا یہ ہبہ نامہ لکھ دیا کہ سند ہو۔" ظاہر ہے کہ واہبات وموہوب لہ نے اسے ہبہ ہی کہا اور یہی سمجھا اور ہبہ ہی کا ارادہ کیا بعوض قرآن خوانی کہہ دینے سے وہ عقد ہبہ سے نکل کر بیع نہیں ہوسکتا کہ باطل ٹھہرے اور موہوب لہ پر اس کا واپس دینا لازم ہو اور نہ اس کی امامت میں مضائقہ، قرآن خوانی کوئی مال نہیں، ہبہ بالعوض اس وقت بیع ہوتا ہے کہ بعوض کسی مال کے ہو ولہٰذا قرۃ العیون میں زیر قول شارح **اما لو قال وهبت بكذا فهو بيع** (لیکن اگر یوں کہا تجھے اتنے کے عوض ہبہ کیا تو بیع ہوگئی۔ت) لکھا:

لان الباء للمقابلة والمال المقابل بالمال بیع[1]۔	کیونکہ یہاں باء مقابلہ کے لئے ہے مال بمقابلہ مال بیع ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وبحر الرائق واشباہ والنظائر وغایۃ البیان وغیرہا شروح ہدایا وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ ہبہ بالعوض کا بیع ہونا بوجہ عبرت معانی ہے، اور پُر ظاہر کہ معنی بیع اس وقت متحقق ہوں گے کہ مقابلہ مال بمال ہو تو بے تحقیق معنی خواہ اسے ابطال تصرف عاقد واہمال کلام عاقل کے لئے بیع کی طرف پھیر لے جانا اور لفظ کہ عاقد نے بولے اپنے صحیح سلم سے بلاوجہ توڑ کر معنی ناممکن کی طرف ڈھالنا محض مہمل بے معنی ہے، حالانکہ قاعدہ شرع **اعمال الکلام اولی من اہمالہ**[2] (کسی کلام کو بالمعنی بنانا اس کو مہمل بنانے سے بہتر ہے۔ت) نہ کہ عکس:

وقد حققنا فیما علقنا علی ہامش قرۃ العیون وغمز العیون من ہذا المقام ان مثل الہبۃ ہبۃ صحیحۃ لا بیع باطل بما یتعین المراجعۃ الیہ فارجع	ہم نے اس کی تحقیق قرۃ العیون اور غمز العیون پر اس مقام کے حاشیہ پر کی ہے کہ ہبہ کی مثل، صحیح ہبہ ہوتا ہے وہ باطل بیع نہیں، ہماری تحقیق قابل مراجعت ہے اس کی طرف

[1] قرۃ عیون الاخیار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۷۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ التاسعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۶۸

الیہ ان شئت وباللہ التوفیق۔	رجوع کر اگر تو چاہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔(ت)

تو اس عوض کا حاصل نہ رہا مگر ایک شرط فاسد، اور ظاہر ہے کہ ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے تو ہرگز موہوب لہ پر لازم نہیں کہ وہ زمین واپس کرے، نہ اس کی وجہ سے اس کی امامت میں کوئی نقصان ہے کہ اس نے مال حرام نہ لیا کوئی عقد جائز نہ کیا ہاں اتنا ہوا کہ اس احسان کے عوض یہ شرط قبول کرلی کہ تاحیات واہبات ان کے مورثوں کو ایصال ثواب کروں گا، یہ کوئی محظور شرعی نہیں بلکہ احسان کے عوض احسان کرنا شرع پسند فرماتی ہے

قال اللہ تعالٰی "هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾"[1] و لئن فرض انہ ارتکب الاجارۃ عن التلاوۃ للمیت مع انہ لاعین لہا ہٰھنا ولا اثر ولا ذکر ولا خبر فالمحقق و ان کان بطلانہا ولکن کثیر من العلماء صرحوا بجوازہا وبہ نص فی السراجیۃ و الھندیۃ والدر المختار و غیرہا فمن اتبع امثال ہٰؤلاء کیف یحکم علیہ بمنع امامتہ لاسیما الحکم "بنادرست" الذی ہو بمعنی لا تصح فان غایتہ الاثم فان فرض فسقا فامامۃ الفاسق و ان کرھت عندالتحقیق تحریما، صحیحۃ قطعا ولکن مفاسد الجھل اخنی	اللہ تعالٰی نے فرمایا: احسان کا بدلہ احسان ہے، اور اگر فرض کیا جائے کہ میت کے لیے تلاوت پر اجارہ ہے حالانکہ نہ یہ معین ہے اور نہ یہاں حکایت، نہ اس کا ذکر اور نہ اس کی کوئی خبر ہے، تو اگرچہ تحقیق یہ ہے کہ یہ باطل ہے لیکن بہت سے علماء کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے اور اسی پر سراجیہ، ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں نص فرمائی ہے تو جو شخص ان فقہاء کرام کی اتباع میں ایسا کرے تو اس پر یہ حکم کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی امامت ناجائز ہے خصوصا "نادرست" کے لفظ سے حکم لگانا جس کا معنی "لاتصح" ہے غلط ہے جبکہ زیادہ سے زیادہ اگر ہے تو وہ گناہ ہے اور اگر اس کو فسق بھی کہا جائے تو اگرچہ فاسق کی امامت تحقیق میں مکروہ تحریمہ ہے لیکن صحیح ضرور ہے، لیکن جہالت کے مفاسد کثیر ترین اور قابل نفرت

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۶۰

نسأل اللہ العافیۃ۔	ہیں، ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کے طالب ہیں۔(ت)

مسلمان زندہ یا مردہ جسے چاہیں تلاوت قرآن وغیرہ جس نیک کام کا ثواب چاہیں پہنچا سکتے ہیں، بفضلہ تعالٰی پہنچتا ہے اور اسے نفع دیتا ہے، حافظ قرآن پر اس شرط کی پابندی نہ حیات واہبات میں واجب ہے نہ ان کے بعد،

کما تقدم ان الشرط فی الھبۃ ھو الذی یبطل والباطل لاعمل لہ۔	کیونکہ پہلے گزرا ہے ہبہ میں فاسد شرط خود باطل ہو جاتی ہے اور باطل شرط کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔(ت)

مگر ایفائے وعدہ اور احسان بعوض احسان کے طور پر اسے مناسب ہے کہ جب تک یہ دوسری واہبہ زندہ ہے ان موروثوں کو جتنا چاہے پڑھ کر بخشا رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۷: ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو اپنا دین مہر معاف کردیا، اب زید بری ہوگیا یا یہ معافی وصیت متصور ہو کر زید دو ثلث کے ادا کا عنداللہ مواخذہ دار رہے گا اگرچہ ورثہ دنیا میں شرم سے نہ مانگیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرض الموت میں اپنا دین دائن کو ہبہ یا معاف کرنا حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے کہ ثلث وغیرہ کسی حصے میں نافذ نہیں ہوسکتی۔ پس صورت مسئولہ میں اگر کل وارث عاقل بالغ ہوں اور اس معافی مہر کو جائز رکھیں معاف ہوجائیگا، اور بعض اجازت دیں تو بقدر انہیں کے حصہ کے ساقط ہوگا اور کوئی اجازت نہ دیں تو دیگر ورثاء کا حصہ کہ نصف یا تین ربع مہر ہے تمام وکمال واجب الادا رہے گا، عورت کا معاف کرنا کچھ معتبر نہ ہوگا، خزانۃ المفتین وہندیہ میں ہے:

مریضۃ قالت لزوجھا ان مت من مرضی ھذا فمھری علیك صدقۃ اوفانت فی حل من مھری فماتت من ذٰلك المرض فقولھا باطل والمھر علی الزوج[1]۔	مریضہ بیوی نے خاوند کو کہا اگر میں اس مرض میں فوت ہوجاؤں تو میرا مہر تجھ پر صدقہ ہے، یا کہے "تو مہر سے آزاد ہے" تو وہ اس مرض میں فوت ہوگئی تو بیوی کا یہ قول باطل ہوگا اور مہر خاوند کے ذمہ لازم رہے گا۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الھبۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۸

نہر الفائق وعقود الدریہ میں مسئلہ مذکورہ خانیہ سے نقل کرکے فرمایا:

وکان ینبغی ان یقال ان اجازت الورثة تصح لان المانع من صحة الوصیة کونه وارثا[1]۔	مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے اگر باقی ورثاء جائز کردیں تو صحیح ہے کیونکہ وصیت کے موانع میں سے وارث ہونا بھی ہے۔(ت)

جامع المضمرات شرح قدوری وعالمگیریہ میں ہے:

مریضة وهبت صداقها من زوجها ان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة[2] اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مریضہ نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کیااور وہ مرض الموت کی مریضہ ہے تو یہ ہبہ ورثاء کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں اھ مختصرا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۸: ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ظہورن نے اپنی ایک دکان کی تعمیر عملہ کے نسبت اپنے داماد عبدالوہاب خان کواجازت دی کہ اسے تم اپنے روپے سے درست کرلو جو کچھ کرایہ تمہارے عملے کی وجہ سے بڑھ جائے گا وہ تم لیا کرنا، عبدالوہاب خاں نے اس ایک دکان کو دو دکانیں کردیا بڑی اور چھوٹی، دکان کا پہلا عملہ جو تھا اس میں سے کڑیاں بیکار نکل گئیں، عبدالوہاب خاں نے کڑیاں اپنے ہی پاس سے ڈالیں مگر اینٹیں اگلی اور اپنے پاس سے نئی ملا کر دونوں دکانیں بنائیں، یہ تعیین نہیں ہوسکتی کہ کس دکان میں کتنی اینٹ پہلی اور کتنی نئی ہے، پھر عبدالوہاب خاں نے دونوں دکانوں پر خاص اپنے روپے سے بالاخانہ بنایا۔اب ان دکانوں کا کرایہ دس روپے ماہوار ہو گیا پہلے پانچ روپے تھا، حسب قرارداد ظہورن اور عبدالوہاب خاں پانچ روپے ماہوار لیتے رہے، یہ تمام عملہ عبدالوہاب خان نے ظہورن کی اجازت سے اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا،۱۸۹۸ء میں اس دکان کا ہبہ نامہ ظہورن وعبدالوہاب خاں کی طرف سے اس کی دختر اور اس کی زوجہ آبادی کے نام بایں تفصیل لکھا گیا کہ بڑی دکان ظہورن کی طرف سے اور چھوٹی دکان اور بالاخانہ عبدالوہاب خاں کی طرف سے آبادی کے نام ہبہ ہوا، آبادی نے وصیت کی کہ جو کچھ میری ملک ہے اس کا مالک میرا خاوند ہے،

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۳۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ المضمرات کتاب الهبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

پھر اس نے انتقال کیا، شوہر اور ماں باپ اور دو۲ بیٹیاں وارث چھوڑے، باپ نے اس جائداد کو یوں تقسیم کیا کہ بڑی دکان نصف نصف دونوں نواسیوں کو دی اور چھوٹی دکان میں سے آدھی نواسی کے بیٹے کو اور آدھی اپنے دور کے رشتہ کو، اور بالاخانہ کی نسبت یہ لکھا کہ جیتے جی میں مالک اور میرے بعد میرا داماد مالک، اس کے بعد اس کی لڑکیاں مالک، سوال یہ ہے کہ تقسیم مذکورہ بالا اور یہ تحریر ٹھیک ہوئی یا نہیں اور عبدالوہاب خاں نے اپنا روپیہ جو دکانوں اور بالاخانے کی تعمیر میں صرف کیا تو ان میں عبد الوہاب کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مسئولہ میں عبدالوہاب خان نے جو عملہ اپنے روپے سے اپنے لئے بنایا خاص ملک عبدالوہاب خان ہوا، بالاخانہ کہ تمام و کمال زر عبدالوہاب خاں سے بنا کل عبدالوہاب خاں کا ہے اور دونوں دکانوں میں کڑیاں بھی انھیں کی ہیں اور چنائی کہ مشترکہ اینٹوں سے ہوئی ظہورن اور عبدالوہاب خان کی حصہ رسد مشترکہ ہے، اگر کمی بیشی معلوم ہوسکے مثلاً دو تہائی اینٹیں ظہورن کی ہیں اور ایک تہائی عبدالوہاب خان کی، یا بالعکس، جب تو اسی حساب سے، ورنہ نصفا نصف مشترک رہے گی۔

کما هو الطریق حیث لا علم بالتفاضل کما نصوا علیه فی غیر ما مسئلة من الشرکة وغیرها۔	جیسا کہ یہ طریقہ ہے جہاں زائد کا علم نہ ہو فقہاء کرام نے شرکت وغیرہ کے کئی مسائل میں یہ تصریح فرمائی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

لو عمر لنفسه بلا اذنها فالعمارة له و یکون غاصبا للعرصة[1]۔	اگر عورت کی زمین پر اس نے عمارت بغیر اجازت بنائی تو عمارت بنانے والے کی ہے اور خالی زمین کا غاصب قرار پائے گا۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

فلو باذنها تکون عاریة[2]۔	تو اگر اجازت سے تعمیر کی تو زمین عاریۃ ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر مسائل شتی دار المعرفة بیروت ۴/ ۳۵۹

قولہ فالعمارۃ لہ ھذا لو الاٰلۃ کلھا لہ فلو بعضھا لہ وبعضھا لھا فھی بینھما ط عن المقدسی [1]۔	ماتن کا قول کہ "عمارت، بنانے والے کی ہوگی" یہ تب ہے جب تعمیر کا سارا سامان اس کا ہو، تو اگر کچھ اس کا اور کچھ عورت کا ہو تو عمارت مشترکہ ہوگی یہ طحطاوی میں مقدسی سے منقول ہے۔(ت)

ہبہ نامہ کہ ظہورن اور عبدالوہاب خاں نے آبادی کے نام کیا محض باطل ہوگیا، دونوں دکانوں کے عملے تو یوں ہبہ نہ ہوئے کہ ہر عملہ ظہورن وعبدالوہاب خاں دونوں میں مشترکہ تھا عملہ کا دونوں کی طرف سے ہبہ ہونا چاہئے تھا، اور ہوا ایک ایک کی طرف سے، تو ہر عملے میں دوسرے کا حصہ بے ہبہ رہا، اور وہ مشاع قابل تقسیم ہے، اور ایسی شے کا ہبہ بلا تقسیم باطل ہے، اور زمینیں یوں ہبہ نہ ہوئیں کہ چھوٹی دکان کی زمین مابلکہ زمین یعنی ظہورن نے ہبہ ہی نہ کی، عبدالوہاب خاں جس کی طرف سے اس کا ہبہ لکھا گیا مالک زمین نہ تھا اور بڑی دکان کی زمین اگرچہ ظہورن نے ہبہ کی مگر اس پر مشترکہ عملہ قائم ہے جس کا ہبہ صحیح نہ ہوا او موہوب جب غیر موہوب سے یوں متصل ہو تو ہبہ مثل ہبہ مشاع منقسم باطل ہوجاتا ہے بعینہٖ اسی دلیل سے بالاخانے کا ہبہ بھی اگرچہ مالک یعنی عبدالوہاب خاں نے کیا باطل ہوا کہ وہ بھی باقی رکھنے کے لئے ہبہ ہوا تھا نہ یوں آبادی عملہ توڑ کر اینٹ کڑی تختے پر قبضہ کرلے، یوں ہوتا تو بالاخانہ کا ہبہ صحیح ہوجاتا جبکہ آبادی باذن عبدالوہاب خاں اسے توڑ کر عملے پر قبضہ کرلیتی مگر نہ وہ توڑا گیا نہ یہ مقصود تھا اور اسے غیر موہوب سے اتصال تھا، لہٰذا وہ بھی باطل ہوگیا، عقود الدریہ میں ہے:

ھبۃ البناء دون الارض لاتصح الا اذاسلطہ الواھب علی نقضہ [2]۔	زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ صحیح نہیں الّا یہ کہ واہب اس کو اکھاڑنے پر لگادے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

وھب زرعافی ارض اوثمرا فی شجر اوحلیۃ فی سیف او بناء فی دار اوقفیزا من صبرۃ وامرہ بالحصاد والجزاز، والنزع والنقض	کھیت کے فصل یا پھل درخت پر یا تلوار میں جڑا ہوا سونا چاندی یا حویلی میں کوئی عمارت یا کھلیان میں سے قفیز غلہ ہبہ کیا اور فصل کاٹنے، پھل کو توڑنے، تلوار سے جدا کرنا، عمارت کو

[1] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[2] العقود الدریۃ کتاب الہبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

والکیل وفعل صح استحسانا ویجعل کانه وهبه بعد الجزاز والحصاد ونحوهما وان لم یأذن له بالقبض و فعل ضمن کذا فی الکافی[1]۔	اکھاڑنے اور کھلیان سے قفیر کے کیل کرنے کا حکم دے دیا اور موہوب لہ نے عمل کرلیا تو استحساناً ہبہ صحیح ہے اور یوں سمجھا جائے گا گویا کہ اس نے کاٹنے اور توڑنے وغیرہ کے بعد ہبہ کیا، اور اگر واہب مذکورہ نے کارروائی کی اجازت نہ دی ہو اور موہوب لہ خود مذکورہ کارروائی کرے گا تو وہ ضامن ہوگا، کافی میں یوں ہے۔ (ت)

مغنی المستفتی میں ہے:

افتی جد جدی المرحوم عماد الدین عن سوال رفع الیه وصورته فیما اذا کان لزید عمارة قائمة فی ارض الغیر فملك زید العمارة المزبورة لزوجته و لم یأذن لها بنقض العمارة فهل یکون التملیك غیر صحیح ام لا الجواب نعم یکون التملیك غیر صحیح کتبه الفقیر عماد الدین عفی عنه[2]۔	میرے پر دادا عماد الدین مرحوم نے فتوی دیا جب ان کو یہ سوال پیش کیا گیا کہ صورت یہ تھی کہ زید کی غیر کی زمین پر عمارت تھی جو اس نے اپنی زوجہ کی ملک کردی اور بیوی کو عمارت کا ملبہ اکھاڑنے کی اجازت نہ دی تو کیا تملیک صحیح ہوگی، یا نہیں؟ الجواب ہاں یہ تملیک صحیح نہ ہوگی، کتبہ فقیر عماد الدین عفی عنہ۔ (ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

وهب ارضا فیها زرع او نخیل او نخلا علیه تمرا و وهب الزرع بدون الارض او النخل بلا ارض او نخلا بدون التمر لایجوز لان الموهوب متصل بغیر اتصال خلقة مع امکان القطع	کسی نے ایسی زمین کا ہبہ کیا جس پر فصل یا کھجور کا درخت تھا یا کھجور کے درخت جن پر پھل تھا کا ہبہ کیا، یا اس کا عکس یعنی فصل یا کھجور کا درخت بغیر زمین یا پھل بغیر درخت کا ہبہ کیا تو ناجائز ہوگا کیونکہ موہوب چیز غیر چیز کے ساتھ پیدائشی طور پر متصل ہے حالانکہ جدا کرنے کا امکان موجود ہے۔

---
[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] العقود الدریۃ بحوالہ مغنی المستفتی کتاب الھبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۳

فقبض احدھما غیر ممکن فیما لہ الاتصال فیکون بمنزلۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ [1]۔	تو ایسی صورت میں موہوب پر قبضہ ناممکن ہے تو یہ مشاع چیز جو قابل تقسیم ہو، کی طرح ہے۔ (ت)

عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

لان کل واحد منھما متصل بصاحبہ اتصال جزء بجزء فصار بمنزلۃ ھبۃ المشاع فیمایحتمل القسمۃ [2]۔	کیونکہ ہر ایک کا جز سے جز کا اتصال ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوگا۔ (ت)

حاشیہ العلامۃ الحامدیۃ میں ہے:

والعمارۃ من ھذا القبیل [3] وتمامہ فیہ وقد افاد و اجاد واوضح المرام وازاح الاوھام فان المسألۃ قد طغت فیھا اقلام وزلت فیھا اقدام والعبد الضعیف حرر فیھا الکلام علی ھامش التنقیح باحسن نظام وباللہ العصمۃ وبہ الاعتصام۔	اور عمارت بھی اسی قبیل سے ہے اور مکمل بیان اس میں ہے، اور اس نے خوب افادہ کیا اور مقصد کو واضح اور اوہام کا ازالہ کر دیا، کیونکہ یہ مسئلہ ہے جس میں بہت سے قلم غلط راستے پر چل نکلے اور کئی قدم پھسل گئے اور عبد ضعیف نے تنقیح کے حاشیہ پر اس میں اچھے انداز پر کلام کیا ہے (ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ دونوں دکانیں بدستور ملک مالکان پر ہیں دونوں کی زمینیں پوری اور چنائی کا دوسرا حصہ اور سارا بالاخانہ عبدالوہاب خان کا ہے آبادی کی وصیت یا اس کے باپ کی تقسیم کچھ قابل لحاظ نہیں سب مہمل و باطل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۹: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

نثار احمد مکان مسکن رابہ بچگان خورد سال ہبہ می کند الایک دختر کلاں کہ نکاحش کردہ آمد نام اوہم شامل کردن لازم ست یانہ	نثار احمد اپنی سکونت والا مکان نابالغ بچوں کو ہبہ کرنا چاہتا ہے اس کی ایک لڑکی شادی شدہ بالغ ہے اس کو بھی شامل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۹۔۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[3] العقود الدریہ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۴

ایں سہ بچگان از تمتع دنیاوی بہرہ نیافتہ اند وآں یکے متمتع شدہ۔	یہ تین نابالغ بچے دنیاوی سامان سے فائدہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں اور صرف وہ بالغ لڑکی اس کی اہل ہے۔(ت)

الجواب:

ہرچہ بیکے ازیں اطفال رسد اگر قیمتش برانچے بجہیز دختر کلاں دادہ شد زیادت واضح ندارد نام اوشامل کردن ضرور نیست لحصول ما ارشد الیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بینك نحلت مثل ہذا [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ان نابالغ بچوں کو جو حصہ ملتاہے اگر وہ شادی شدہ لڑکی کے جہیز سے واضح طور زائد نہ ہو تو اس لڑکی کو شامل کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کہ "کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو اتنی مقدار ہبہ کیا ہے" پر عمل ہوگیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ عبدالوحید صاحب ۱۳ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر شے موہوبہ کے ایک جز پر استحقاق ثابت ہو تو بہ نسبت شکل کے کیاحکم ہوگااور یہ ہبہ باطل ہوگا یاکیا؟

الجواب:

استحقاق کے یہ معنی کہ ثابت ہو کہ شیئ موہوب تمام وکمال ملک واہب نہ تھی بلکہ اس کاایک جز ملک مدعی نکلامدعی نے دعوی کیااور ثبوت دیااور وہ جز نکل گیاتو باقی میں بھی ہبہ باطل ہوجائے گاکہ ثابت ہوا کہ اول ہی سے ایک جز مشاع ہبہ ہوا تھاکہ ملک غیر کو ہبہ کردینے کاواہب کو کچھ اختیار نہ تھا، پھر یہ اسی حالت میں ہے کہ شے موہوب قابل قسمت ہے ورنہ بعد استحقاق باقی کاہبہ تام رہے گاکہ ناقابل قسمت کے ہبہ کو شیوع منع نہیں کرتا،اور اگر شیئ موہوب تمام وکمال بملک واہب تھی ہبہ میں ابتداء شیوع نہ تھا بعد کو کسی عارض کے سبب اس کاایک جز ہبہ سے نکل گیا،مثلا واہب نے بتراضی یا قضائے قاضی نصف موہوب میں رجوع کرلی،یا ہبہ اجنبی کے ہاتھ تھا اور شیئ موہوب ثلث مال واہب سے زائد تھی،ورثہ نے اجازت نہ دی، ثلث سے جس قدر زیادت تھی ہبہ سے خارج ہوگئی یا موہوب لہ وارث تھادیگر ورثہ سے بعض نے اجازت دی بعض نے نہ دی کہ نہ دینے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۲۶۸/۴، سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵

والوں کے حصے کے قدر جز موہوب سے آزاد ہو گیا توان صورتوں میں باقی کا ہبہ باطل نہ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے:

المفسد ھو الشیوع المقارن لا الشیوع الطاری[1]۔	ہبہ کا مفسد وہ شیوع ہے جو ہبہ کو مقارن ہو اور جو بعد میں لاحق ہو وہ شیوع مفسد نہیں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایمنع الشیوع صحۃ لاجازتہ[2]۔	شیوع اجازت کی صحت کو مانع نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۱: از لاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو منکوحہ میں سے ایک سے جب اس شخص نے نکاح کیا، اس کو ایک قبالہ نکاح لکھ کر دیا جس میں چند مدات ہیں، منجملہ ان کے ایک مدیہ ہے جس کی عبارت (چھٹی یہ کہ جو کچھ مال واسباب میری ملک ہے اور ہوگا اس سے بھی سوائے مضمون مرقومہ بالا کے نصف دختر عموی صاحب مرحوم کا اور نصف اہلیہ اول میری کا ہے) اور اس قبالہ پر حاکم وقت کے دستخط ثبت کرادئے، پس اب بعد مرنے اس شخص قبالہ نویس کے منکوحہ اس شخص کی باستدلال اس عبارت مندرجہ قبالہ کے جس پر دستخط حاکم ثبت ہیں اس شخص متوفی کے تمام اموال وجائداد متوفی پر دعوی کرے اور تقسیم اس کی بنام ہر دو منکوحہ متوفی کے چاہے اور اولاد متوفی کو محروم الارث قرار دے تو شرعًا وہ جائداد ہر دو منکوحہ پر بموجب عبارت مذکورہ کے تقسیم ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اور اولاد اس شخص متوفی کی محروم الارث رہ سکتی ہے یا نہیں فقط بینوا توجروا۔

الجواب:

تحریر قبالہ مذکورہ محض بے اثر ہے، وہ مال اس کی بنا پر تنہا دونوں زوجہ میں تقسیم نہیں ہو سکتا، نہ اولاد اس سے محروم ہو سکتی ہے۔

لانہ لیس باقرار لاضافتہ الملک الی نفسہ، ولا وصیۃ لعدم الاضافۃ الی بعد الموت مع کونہ فی الصحۃ	کیونکہ یہ اقرار نہیں اس لئے کہ اس نے ملکیت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور وصیت بھی نہیں کیونکہ اپنی موت کے بعد کی طرف منسوب نہیں باوجودیکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الہبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

فان کان فھبتہ مایوجد وھی باطلۃ وھبۃ الموجود مشاعا وقد بطلت بموت الواھب قبل التسلیم ولئن کانت وصیتہ لما نفذت للمرأتین الا اجازۃ بقیۃ الورثاء کمالایخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ صحت مند بھی ہے اور ہو بھی تو بعد میں موجود ہونے والی چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ باطل ہے اور موجود چیز کا مشاع حالت میں ہے جو کہ قبضہ دینے سے قبل وفات سے باطل ہوگیا اور اگر وصیت ہو تو دونوں عورتوں کے لئے باقی ورثاء کی اجازت کے بغیر نافذ نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۲: از مراد آباد محلّہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۴۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مقروض ہے، اس نے بحالت قرضدار ہونے کے اپنی جائداد غیر منقولہ کا ہبہ نامہ اپنے پسر بکر کے نام لکھ کر قبض دخل جائداد موہوبہ پر موہوب لہ کا کرادیا، کیا شرعاً ایسی حالت میں ہبہ مذکورہ جائز ہے یا ناجائز؟ دائن اپنے مطالبہ جائداد موہوبہ سے مواخذہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب تک دین کے عوض کوئی شیئ دائن کے پاس رہن نہ ہو دائن کا مطالبہ صرف ذات مدیون یعنی اس کے ذمہ پر ہوتا ہے نہ کہ اس کے کسی مال معین پر تو ہبہ بوجہ قبضہ تام وکامل بلکہ محرومیت موہوب لہ لازم ہوگیا جس کا فسخ غیر ممکن ہے صرف تمامی ہبہ اس جائداد کو متورضہ عـــہ دائن سے بری کرنے کے لئے بس تھی کہ ملک منتقل ہوگئی، اب وہ شے ملک مدیون نہیں جس سے دائن اپنا دین وصول کرسکے نہ کہ اس صورت میں کہ عقد بوجہ امتناع رجوع ناقابل فسخ رہا، فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

رکب الرجل دیون تستغرق اموالہ فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیہ حتی لایھب مالہ ولا یتصدق بہ فالقاضی یحجر علیہ عندھما ویعمل حجرہ حتی لاتصح ھبتہ	ایک شخص پر اتنے قرضے ہوگئے کہ اس کا تمام مال قرضوں میں گھر گیا اور قرضخواہ حضرات نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ اس کو ہبہ اور تصدق سے روک دیا جائے اور قاضی نے اس پر پابندی لگادی تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور یہ

عـــہ: فی الاصل ھکذا اظنہ مواخذہ ۱۲ عبدالمنان۔

ولاصدقته بعد ذٰلك لكن يشترط علم المحجور عليه حتى ان كل تصرف باشره قبل العلم به يكون صحيحًا[1] (ملخصا)	پابندی مؤثر ہوگی کہ وہ اپنے مال کو ہبہ یا صدقہ نہ کرسکے گا بشرطیکہ اس کو قاضی کی طرف سے پابندی کا علم ہو چکا ہو، لہٰذا علم سے قبل اس نے اپنے مال میں جو بھی تصرف کیا جائز ہوگا۔ (ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

رجل له ضيعه تساوى عشرين الف درہم وعليه ديون فوقف الضيعة وشرط صرف غلاتها الى نفسه قصدا منه الى المماطلة وشهد الشهود على افلاسه جاز الوقف والشهادة فان فضل عن قوته شيئ من ہذه الغلات فللغرماء ان ياخذوا ذٰلك منه كذا فى المضمرات[2] والله تعالٰى اعلم۔	ایک شخص بیس ہزار درہم کے مساوی زمین کامالک ہے اور اس پر قرضے ہیں تواس نے قرض کی ادائیگی میں تاخیر کے لئے اپنی زمین وقف کرکے اس کی آمدنی کو اپنی ذات کے لئے مختص کرلیا، اور گواہوں نے اس کے مفلس ہونے کی شہادت دی، تو وقف اور شہادت جائز ہوگی اور زمین کی آمدنی میں سے اس کے خرچہ سے اگر کچھ بچے گا تو قرض خواہ لیں گے، مضمرات میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۳: از اندور ملک مالوہ چھاؤنی نواب غفور خان مرسلہ حکیم محمد اکمل خاں صاحب یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ محمد اعظم خاں کو رئیس وقت نے ایک سند ملک بھوٹ کی تاحین حیات عطا کی، محمد اعظم خاں نے مصلحتا بطور اسم فرض کے ایک عرضی رئیس کی اجات میں پیش کی کہ اس ملک کی سند میرے فرزند افضل خاں کے نام نسلا بعد نسل عطا ہوجائے، چنانچہ حسب استدعا محمد اعظم خاں کے افضل خاں کا قبضہ کبھی اور کسی وقت میں ایک آن واحد کے واسطے بھی نہیں ہوا، اور ہمیشہ قبضہ اور تصرف وصول واصلات وٹھیکہ وغیرہ وغیرہ جملہ قسم کا نظم ونسق محمد اعظم خان کرتے رہے اور سند میں بھی رئیس وقت نے یہ لفظ تحریر کئے کہ "بقبض وتصرف میں مغرئی الیہ واگزارند"

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۸۹

اس سے مراد خاص محمد اعظم خاں ہیں کہ افضل خاں، اسی عرصہ میں محمد افضل خاں کا انتقال ہوگیا، اور افضل خاں کی دو بیبیاں اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا باقی ہے، محمد افضل خاں اپنے والد اعظم خاں کی حیات میں فوت ہوئے، اسی باعث ورثائے افضل خاں سب محروم الارث ہوگئے اور بدستور قدیم محمد اعظم خاں قابض اور مالک اور متصرف رہے، ایسی حالت میں اولاد افضل خاں مرحوم یا ان کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ افضل خاں کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کچھ بھی نہیں، اور افضل خاں اور ان کی بیوی بچہ کی پرورش محمد اعظم خاں پدر افضل خاں کرتے رہے، اور افضل خاں کا انتقال اپنے والد محمد اعظم خان کی حیات میں ہوگیا، تو ایسی صورت میں اس ملک بھوٹ میں افضل خاں مرحوم کی بیوی بچے مستحق ہوسکتے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس سوال کے ساتھ تحریر ونقول کہ سائل نے مرسل کیں ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ زوجہ محمد افضل خاں نے بدعوی وراثت شوہر اس بناء پر کہ تبدیل سند سے محمد افضل خان اس زمین کا مالک ہوگیا تھا اس پر دعوی ملک کیا ہے، یہ دعوی شرعًا محض باطل وبیجا ہے، سند ثانی بنام محمد افضل خاں میں از جانب ریاست کوئی لفظ مفید معنی ہبہ وتملیک نہیں، نہ ہبہ کرنا نہ عطا ہونا، نہ مالک بتانا نہ اور کوئی لفظ کہ ان کا مرادف ہو، صرف اتنے الفاظ میں کہ

اراضی مذکورہ از حضور بہ محمد افضل خاں خلف معزی الیہ نسلا بعد نسل بشرط لوازم اطاعت وفرمانبرداری معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانستہ بقبض و تصرف معزی الیہ واگزارند۔	مذکور اراضی درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خاں کے لئے سرکار کی طرف سے نسلا بعد نسل بشرط اطاعت وفرمانبرداری معاف ہوئی، لازم ہوا کہ مذکورہ اراضی سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم قرار دی گئی درخواست دہندہ کے قبضہ و تصرف میں آزاد چھوڑیں۔ (ت)

معاف ہونا کوئی الفاظ ہبہ سے نہیں بلکہ عین سے اس کا تعلق ہی صحیح نہیں، معافی مطالبہ ودیون سے متعلق ہوتی ہے کہ اس کا حاصل ابرا ہے، اور اعیان سے ابرا باطل، درمختار میں ہے: الابراء عن الاعیان باطل[1] (اعیان اشیاء سے بری کرنا باطل ہے۔ (ت) اشباہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۲

اختص الدین باحکام منھا صحۃ الابراء عنہ فلا یصح الابراء عن الاعیان [1]۔	دین کے کچھ احکام مخصوص ہیں ان میں سے ایک اس سے بری کرنا ہے لہٰذا اعیان سے ابراء جائز نہ ہوگا۔(ت)

وجیز کردری میں ہے:

لایقبل لعدم صحۃ الابراء عن الاعیان [2]۔	قبول نہ ہوگا کیونکہ اعیان سے ابراء صحیح نہیں ہے۔(ت)

بخلاف سند بنام حکیم محمد اعظم خاں کہ اس میں لفظ "عطاشد" ہے اور یہ خاص ہبہ کے لئے موضوع ہے۔عالمگیری میں ہے:

الفاظ الھبۃ انواع نوع تقع بہ الھبۃ وضعا کقولہ وھبت ھذا الشیئ لك او ملکتہ منك اواعطیتك فھذا کلہ ھبۃ اھ مختصرا [3]۔	ہبہ کے الفاظ مختلف ہیں،ایک قسم وہ ہے جس سے وضعا ہبہ واقع ہو جاتا ہے وہ یہ الفاظ ہیں"یہ شیئ میں نے تجھے ہبہ کی،تجھے مالک بنایا تجھے دے دی"یہ سب ہبہ کے الفاظ ہیں اھ مختصرًا(ت)

سند بنام محمد افضل خاں میں بھی بنام محمد اعظم خاں کا ذکر ہے کہ

سابق ازیں بحکم محمد اعظم خاں از حضور عطاشدہ بود،	قبل ازیں سرکار نے محمد اعظم کو عطا کی۔(ت)

اور افضل خاں کو عطا ہونے کی درخواست از جانب محمد اعظم خاں میں اگرچہ مذکور ہے کہ

حالا عرضی معزی الیہ باستدعائے تبادل سند سابق وعطاشدن آن بنام محمد افضل خاں پسر خود موصول ملاحظہ گردید۔	پہلی سند کو تبدیل کرنے اور درخواست دہندہ کے بیٹے محمد افضل خان کے نام عطا کرنے کی عرضی موصول ہوئی،ملاحظہ ہوئی،(ت)

مگر حکم میں لفظا"عطا"نہیں اسی قدر ہے کہ

چوں حضور را پرورش وپرداخت حکیم صاحب معزی الیہ منظور لہٰذا اراضی مذکور از حضور بہ	جب سرکار کو پرورش واختیار درخواست دہندہ حکیم صاحب کے لئے منظور ہے لہٰذا مذکورہ اراضی

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۔۲۱۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الدعوی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

محمد افضل خاں معاف شد۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی۔(ت)

اس کا حاصل اگر ٹھہرتا تو معافی محصول نہ کہ تملیک رقبہ، کما ھو شان الاقطاع علی المعنی المشھور (جیسا کہ مشہور معنی میں جاگیر عطیہ کرنے کی شان ہے۔ت) نہر الفائق پھر درمختار میں ہے:

الاقطاعات من اراضی بیت المال اذ حاصلھا ان الرقبة لبیت المال والخراج له[1]۔	بیت المال کی اراضی عطیہ کرنے کا حاصل یہ ہے کہ ملکیت بیت المال کی ہوگی اور آمدن اس کی ہوگی۔(ت)

اور بالفرض یہ صورت یہاں ہوتی تو بعد انتقال نواب خلد آشیاں مرحوم و مغفور ختم ہوجاتی خود افضل خاں کا کوئی حق نہ رہتا نہ کہ ان کے ورثاء کا، ردالمحتار میں ہے:

ھل تصیر لاولاد المقطع له عملا بقول السلطان ولا ولادہ فانه بمعنی ان مات عن اولاد فلاولادہ من بعدہ فھو تعلیق معنی والجواب انھا لا تکون لاولادہ لبطلان التعلیق المذکور بموت السلطان المعلق قال فی الاشباہ لومات المعلق بطل التقریر اھ مختصرا[2]	کیا جس کو عطیہ کیا گیا ہے حاکم کی طرف، "اور اس کی اولاد کے لئے" کہہ دینے سے اس کی اولاد ہوجائے گی کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ عطیہ لینے والے کی موت کے بعد اگر اس کی اولاد ہو تو اولاد کی ہوگی۔ تو یہ معنی تعلیق ہے، الجواب یہ اولاد کے لئے نہ ہوگی کیونکہ معلق کرنے والے حاکم کی موت سے یہ تعلیق باطل ہوجائیگی، اشباہ میں فرمایا: اگر تصدیق کرنے والا فوت ہوجائے تو اس کا یہ معلق حکم باطل ہوجائے گا اھ مختصراً (ت)

اور بالفرض اولاد کا حق رہتا بھی، جب بھی زوجہ محمد افضل خان کے لئے کوئی حق نہ ہوتا کہ سند میں نسلاً بعد نسل ہے اور زوجہ نسل شوہر سے نہیں، اور اگر فرض کیجئے کہ ایسی سند والیان ملک کے عرف حال میں مطلقاً تملیک رقبہ زمین سمجھی جاتی ہے اگرچہ "عطا شد" کے عوض "معاف شد" ہی لکھا گیا ہو جس کی بناء پر سند ثانی کو محمد افضل خاں کے لئے ہبہ وتملیک زمین قرار دیا جائے کہ زوجہ و اولاد سب ورثہ کا استحقاق قائم کرسکیں، تو اس صورت میں بھی تمام وارثان افضل خاں کا محض نامستحق ہونا واضح وروشن ہے کہ زمین پہلے حکیم محمد اعظم خاں کو ہبہ ہوچکی اور حین حیات تک ہونا کچھ منافی نہیں کہ جو چیز کسی کو

[1] درمختار کتاب الجہاد باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

اس کی حیات تک ہبہ کی جائے وہ ہمیشہ کے لئے ہبہ ہو گئی، اور حین حیات کی شرط شرعاً باطل وبے اثر ہے، درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمر له و لورثته بعده لبطلان الشرط[1]	عمر بھر کا ہبہ جائز ہے اور موہوب معمرلہ کی ملک ہوگا اور اس کے بعد اس کے وارث مالک ہونگے کیونکہ رد کی شرط باطل ہے۔(ت)

اور وہ ہبہ قبضہ محمد اعظم خاں سے تام وکامل ونافذ ہولیا، اب ریاست کو کیا اختیار رہا کہ پر ایامال دوبارہ کسی اور کو ہبہ کردے، اس کی تصحیح کی دو ہی صورتیں موہوم ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ محمد اعظم خاں کی عرضی کہ "حسب استدعا تابعدار کے اس ملک بھوٹ کی دوسری سند میرے فرزند محمد افضل خاں کے نام نسلاً وبعد نسل عطافرمائی جائے" اسے گویا محمد اعظم خاں کی طرف سے اس زمین کا رئیس کو واپس دینا اور اپنے بیٹے کے نام ہبہ جدید کی درخواست کرنا قرار دیں، اور ہبہ جب باہمی تراضی یا قضائے قاضی سے واہب کو واپس ہو تو وہ دوسرے سے فسخ ہبہ ہے، نہ کہ موہوب لہ کی طرف سے واہب کو ہبہ، ولہذا واہب کا قبضہ اس پر شرط نہیں، درمختار میں ہے:

اذا رجع بقضاء اورضاء کان فسخا لعقد الهبة من الاصل لاهبة للواهب فلهذا لايشترط فيه قبض الواهب[2]	جب قضا یا رضا سے ہبہ میں رجوع ہو تو یہ فسخ عقد ہبہ ہوگا نہ کہ واہب کو ہبہ ہوگا لہٰذا واہب کا قبضہ کرنا شرط نہیں ہوگا۔ (ت)

مگر عرضی مذکور کا ملاحظہ صراحۃً اس معنی سے اباء کرتا ہے اس میں عبارت مذکور کے متصل ہے "ورنہ میں سند عطیہ سابقہ حضور اپنے ہمراہ لایا ہوں واپس پیش کردوں بدستور سابق ملک مذکور شریک خالصہ فرمائی جائے" اس سے صاف ظاہر کہ وہ اس وقت اپنا ہبہ واپس نہیں کرتا بلکہ اس درخواست کے قبول نہ ہونے پر واپسی ہبہ کہہ رہا ہے، دوسرے یہ کہ اس درخواست کو محمد اعظم خاں کی طرف سے توکیل بالہبۃ قرار دیجئے گویا وہ اپنے پسر کو خود اپنی طرف سے ہبہ کرتا اور ریاست کو اس ہبہ کا اختیار دیتا ہے، یہ معنی بھی نہ اس درخواست سے ظاہر نہ سند ثانی سے، جس میں لفظ یہ ہیں کہ

از حضور بہ محمد افضل خان معاف شد لازم کہ اراضی مذکور را از حضور معاف ومرفوع القلم دانند۔	سرکار کی طرف سے محمد افضل خاں کو معاف ہوئی تو اراضی مذکورہ کو سرکار کی طرف سے معاف اور مرفوع القلم لازم سمجھیں۔(ت)

[1] درمختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اور بالفرض ان دونوں میں سے کوئی صورت ہی قرار دیجئے، جبکہ محمد افضل خاں نے اس پر ایک آن کو قبضہ نہ پایا اس کے نام ہبہ خواہ جانب ریاست سے مانیں خواہ طرف پدر سے، بہر حال باطل محض ہوگیا۔ بر تقدیر اول تو ظاہر ہے اور بر تقدیر ثانی یوں کہ سائل نے اپنے خط میں اظہار کیا کہ محمد افضل خاں اس تبدیل سند کے وقت بالغ وصاحب اولاد تھا تو قبضہ پدر اس کا قبضہ نہیں ہوسکتا لاجرم اس کے نام ہبہ باطل ہوگیا، درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد قبضہ دینے کے بعد فریقین میں سے کسی کا فوت ہو جانا ہے اور قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

بالجملہ کسی صورت کسی پہلو محمد افضل خاں یا اس کے کسی وارث کا اس زمین پر دعوی نہیں پہنچ سکتا وہ اس میں سے کسی ذرہ کے مالک نہیں، یہاں بعض ابحاث فقہیہ اور ہیں جن کو سوال سے تعلق نہیں، لہٰذا ان کا ذکر مطوی رہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۴: مرسلہ مولوی عبداللہ خاں صاحب قصبہ بتیا ضلع چمپارن محلّہ گنج اول ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی ہندہ بالغہ کی شادی کی اور نکاح کے وقت میں بطور جہیز مع دیگر اثاث بیت ایک ہزار روپیہ بھی دیا، دینے کی صورت یہ تھی کہ زید نے مجلس نکاح میں اشیاء دادہ شدہ کو بنام ہندہ بحضور اصہار وشوہر ہندہ کے نامزد کیا، اور ایک فہرست اشیاء مذکورہ کی لکھ کر جو مشتمل بہ ایجاب بھی تھی ہندہ کے حوالے کی، چونکہ ہندہ تاحین حیات زید مرحوم اپنے والد مرحوم کے ہم ماکل وہم مشرب عـــہ رہی، اور وہ اس کے کل مصارف کہئے اس لئے بوجہ عدم ضرورت ہندہ نے نقود مذکورہ کو قبضہ خاص میں نہیں لایا بلکہ تازندگی زید مرحوم، زید مرحوم کے پاس رکھ چھوڑا، بعد انتقال زید ہندہ کو جب ضرورت پڑی اس کو خرچ کیا، زید مرحوم نے نقود مذکور کو الگ ایک تھیلی میں وقت نکاح سے رکھ لیا تھا، اور اس سے کوئی نفع ذاتی نہیں

عـــہ: اصل میں قلم ناسخ سے ایک لفظ چھوٹ گیا ہے۔ ۱۲

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اٹھایا تھا، جب کبھی الماری کھولتے تھے تو تھیلی مذکورہ کی طرف اشارہ کرکے فرماتے تھے ہندہ سے مخاصب ہو کر کہ یہ تیرا روپیہ ہے، اور بسا دفعہ یوں فرماتے تھے کہ تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے، اور بسا دفعہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہندہ کا روپیہ میرے پاس بے فائدہ رکھا ہوا ہے امانت میں، ہم کو ڈر ہے کہ ضائع نہ ہو اور اسکی وجہ سے میرا مواخذہ نہ ہو، یہ حقیقت حال ہے اب ارشاد فرمائے کہ تخلیہ مذکورہ سے یعنی قول زید مرحوم سے بعد کھولنے صندوق کے یہ تیرا روپیہ ہے ہبہ تمام ہوا یا نہیں؟ کیونکہ دینا بطور جہیز کے ہبہ ہی کا محتمل ہے، اگر اس تخلیہ سے ہبہ تمام ہوا اور یہ کہ تخلیہ معتبرہ کی کیا تعریف ہے **حتی ینظر ان التعریف یصدق علی ھذا الصورۃ** (تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس صورت پر تعریف صادق آتی ہے۔ت) اور اگر یہ ہبہ تمام نہیں اور تخلیہ مذکورہ تخلیہ معتبرہ نہیں تو عدم اعتبار کی کیا دلیل ہے، اور یہاں کون شرط اعتبار کا منفی ہے۔

وھکذا ارشدونی فی الاقرار من حین اعتبار وعدمہ اذقول زید رحمہ اللہ۔	یوں مجھے ارشاد فرماؤ اقرار کے متعلق کب معتبر ہے اور کب نہیں، کیونکہ زید رحمہ اللہ کا قول: (ت)

"تیرا روپیہ میرے پاس امانت ہے"

ظاھرہ اقرار بالامانۃ فھل یصح ھذا اقرار ام ھو باطل وکان زید المقر عارفا معنی الامانۃ عالما فقیھا ارجومنکم ان تنبھونی بجواب یروی العطشان و یذھب بالظمان اذھی مسئلۃ اختلف فیھا اراء الاقران و ما اتی احد بشیئ یزیل الخلجان والاٰن اریدان اسعکم ماوقع بینھم حتی ترشدونی بسلیمۃ من سقیمۃ اجاب بعضھم بان الھبۃ لیست بصحیحۃ کما صرح بہ الکتب	اس کا ظاہر امانت کا اقرار ہے، کیا یہ اقرار صحیح ہے یا باطل ہے جبکہ اقرار کرنے ولا زید عالم فقیہ ہونے کی وجہ سے امانت کا معنی جانتا تھا، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے جواب سے وہ تبنیہ فرمائیں گے جو پیاسے کو سیراب کردے اور پریشانی کو دور کردے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم زبان لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں اور کسی نے کوئی چیز نہ بتائی جو خلجان کو ختم کردے، اب میں چاہتا ہوں کہ ان کی آراء آپ کو سناؤ تاکہ آپ صحیح اور غلط کی مجھے رہنمائی فرمائیں، بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ صحیح نہیں جیسا کہ کتب فقہ نے یہ تصریح کی ہے اور بعض نے

الفقهیه واجاب بعضهم بأن الهبة قد تمت لوجود شرطها وشرطها اما الایجاب فظاهر واما القبول فلو جوده من الاصهار فی مجلس النکاح واجازة موهوب لها فیصح کما فی الفضولی ولوجوده من الموهوب لها بنفسها بعد ببلوغ الکتاب الیها ای الفهرست المذکور المشتمل علی الایجاب والموهوب وشرط العقد یتوقف علی الغائب اذا کان بکتابة اوبارسال و اما شرط تمامها وهوا القبض فهو قد یکون حقیقیا و قد یکون حکمیا وههنا وان لم یتحقق الاول لکن الثانی متحقق ذا الشرط فی اعتبار القبض الحکمی المعبر عنه بالتخلة ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن عن قبضه المخلی له بعد ان یصدر من المخلی بالکسر قول اوفعل یدل علی اجازة القبض وقد تحقق فیما نحن فیه هذان الامران اما الثانی ای القول والفعل الدال علی الاجازة فکما مر فی تحریر السوال من قول الواهب یہ تیرا روپیہ ہے بعد فتح الصندوق مشیرا الی الدراهم

یہ جواب دیا کہ یہ ہبہ تام ہوچکا ہے شرط پائے جانے کی جوہ سے شرط ایجاب وقبول ہے، ایجاب کا وقوع توظاہر ہے لیکن قبول تو وہ سسرال نے مجلس نکاح میں کرلیا اور لڑکی نے اس کی ان کو اجازت دے دی، تو قبول کرنا صحیح ہوگیا جیسا کہ فضولی کا معاملہ ہوتا ہے، نیز خود لڑکی کی طرف سے اس کو لکھی ہوئی فہرست مل جانے کے بعد قبول ہوگیا کیونکہ وہ فہرست ایجاب پر مشتمل تھی اور موہوب چیز بھی اس میں درج تھی اور عقد کی شرط غائب کے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے جبکہ وہ بطور تحریر یا ارسال ہو، لیکن اس ہبہ کے تام ہونے کی شرط قبضہ ہونا ہے، اور یہ قبضہ کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی ہوتا ہے جبکہ یہاں حکمی صورت میں قبضہ پایا گیا ہے کیونکہ حکمی قبضہ تخلیہ سے ہوتا ہے کہ چیز اس انداز سے موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کے کسی قول یا فعل کی دلالت اجازت قبضہ پر پائی جائے اور موہوب لہ جس کے لئے تخلیہ ہوا کو قبضہ کرنا ممکن ہو، اور زیر بحث صورت میں یہ سب کچھ پایا گیا ثانی یعنی حکمی قبضہ کہ قول یا فعل اجازت پر دلالت کرے، یہ بات سوال کی تحریر میں موجود ہے کہ واہب نے صندوقچی کھول کر موہوب دراہم جو علیحدہ تھیلی میں بندھے ہوئے تھے، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ تیرا روپیہ ہے، کیونکہ اس کی اس بات کا مقصد صرف یہی تھا کہ لڑکی قبضہ کرے جیسا کہ مدعی اور مدعا علیہ دونوں فریقوں کو

الموهوبة المشدودة فی خریطة منفردة ممتازة اذا ما کان مقصوده بهذا القول الا اجازة القبض کما هو المسلم عند الفریقین من المدعی والمدعا علیه وکذا الاول ای التمکن وکون الموهوب بحیث یتمکن من قبضه الموهوب له اذالمانع والحائل وهو القفل وغیره من اللوح الذی هومدخل الصندووق وبابه قدارتفع وقت الاجازة ولان القائل الواهب هھنا مما یمتنع ان یتوهم فی شانه انه قال ذٰلك هازلا بل یجب ان یتیقن بکونه باذلا لما مرمن انه کان عالما تقیا مقتدا لاهل هذه الاطراف وایضا ہذا ان الامران مسلمان عند الفریقین فهما مستفتیان عن الدلیل والبیان۔	یہ بات مسلم ہے اور یوں ہی پہلا عمل یعنی لڑکی کا قبضہ پر تمکن کہ موہوب اس طرح ہو کہ موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے تو یہ متحقق ہو چکا کیونکہ واہب کا تالا کھول کر صندوق والماری کو کھلا رکھنا قبضہ کے لئے رکاوٹ اور مانع کو دور کرنا اجازت پر دال ہے اور واہب کی اس بات کو مذاق پر محمول کرنا ممکن نہیں بلکہ جیساکہ سوال میں گزراکہ وہ عالم متقی اور اہل علاقہ کا مقتداء ہے تو یقین کرنا ہوگا کہ وہ حقیقا دے رہا ہے نیز یہ باتیں دونوں فریقوں کو مسلم ہیں اس لئے بھی ان پر دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔(ت)

یعنی جو ورثہ موجود تھے ور عاقل بالغ تھے وقت حیات زید مرحوم کے وے تسلیم کرتے ہیں اس امر کا کہ زید مرحوم بارہا کہا کرتے تھے مذکورہ کو،اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر ہندہ نقد مذکورہ موہوب لہ کے قبض کرتی تو اس کے والد مرحوم ہو گز منع نہ کرتے۔

الا انها لم تقبض قبل موته لعدم الحاجة بها وقت حیاته وانما قبضت بعد موته ووقت القبض لم یزاحمها احد من الورثة لتسلیهم ذین الامرین و کونه تلك النقود ملکه خاص الهندة وانما شرعت المنازعة والمزاحمة وقت طلب الهندة	تاہم لڑکی نے والد کی زندگی میں عدم ضرورت کی بناء پر قبضہ نہ کیا اور اس کی موت کے بعد جب قبضہ کیا تو کسی وارث نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ وہ دونوں چیزوں کو تسلیم کئے ہوئے ہیں اور یہ بھی تسلیم کئے ہوئے ہیں کہ یہ نقد خاص ہندہ کی ملکیت ہے اور ورثاء کی طرف سے جھگڑا اور مزاحمت اس وقت شروع ہوا جب

حصتها من الترکة معترضین علیها بقیة الورثة بان ماقبضت من النقود ہو محسوب من حصتك من الترکة والهندة تقول فی جوابهم بان النقود قد جهزئی بها ابی فهولا یحسب من حصتی من الترکة بل یجب ان تکون لی حصه غیرها والدلیل الثانی علی تمام الهبة بالقبض الحکمی والتخلیة المذکورة اقرا زید بالامانة کمامرمن انه ربما یبقی ویقول ان دراهم الهندة امانة عندی واخاف من ضیاعها وبیان دلالته ان المقرکان عارفا معنی الهبة واحکامها ومعنی الامانة واحکامها لما مر من فقاهته واتقائه و لیس من اصطلاح الفقهاء ولا غیر هم الاطلاق علی مال نفسه بانه امانة لزید مثلا فدل الاقرار بالامانة علی ان التخلیة المذکورة تخلیة معتبرة لاباعتبار المقر فقط بل باعتبار الشرع ایضا اذا الشرع ماحصر التخلیة فی امثلة معدودة محصورة حتی تنعدم بانعدامها بل مبناه عندالشرع علی ان یکون المخلی عنه بحیث یتمکن من قبضة المخلی له بعد اجازة المخلی بالکسر وهو امر عام لایمکن انحصار نعم یختلف باختلاف الموادو	ہندہ نے والد کے ترکہ میں اپنا حصہ طلب کیا تو انھوں نے یہ اعتراض کیا کہ تو نے جو نقد وصول کیا ہے وہ ترکہ کا حصہ ہے جواب میں ہندہ کہتی ہے کہ وہ نقد والد نے مجھے جہیز میں دیا ہے، لہٰذا وہ ترکہ میں شمار نہیں ہے بلکہ ترکہ میں میرا حصہ الگ ہے حکمی قبضہ اور تخلیہ سے ہبہ کے تام ہونے پر دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ زید کا اقرار تھا کہ یہ ہندہ کی امانت ہے اور کبھی روتا اور کہتا کہ یہ روپیہ میرے پاس ہندہ کی امانت ہے اور مجھے اس کے ضائع ہونے کا ڈر ہے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، یہ دلالت اس لئے واضح ہے کہ زید ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام سے بخوبی آگاہ تھا کیونکہ وہ متقی عالم تھا جیسا کہ گزرا فقہاء کرام وغیرہ کی اصطلاح میں مثلا زید کے اپنے مال کو امانت نہیں کہا جاتا تو اس کے اقرار امانت کی یہ دلالت ہوئی کہ مذکورہ تخلیہ محض مقر کے اعتبار سے معتبر نہیں، بلکہ شریعت نے تخلیہ کا چند مثالوں میں حصر نہیں کیا تاکہ ان کے معدوم ہونے سے تخلیہ معدوم ہوجائے بلکہ شریعت نے اس کا مبنٰی یہ قرار دیا کہ چیز اس انداز میں موجود ہو کہ تخلیہ کرنیوالے واہب کی اجازت کے بعد قبضہ کرنیوالے کو کوئی رکاوٹ نہ ہو، یہ مفہوم عام ہے جو کسی خاص صورت میں منحصر نہیں ہے۔ہاں مواد اور تخلیہ دینے والوں کے اختلاف سے تخلیہ مختلف

اختلاف المخلین وقد مران التمکن و الاجازة ھٰھنا مسلم ومدلل تم ماقال البعض الاخرة،ومقولة السائل فی توجیه من قال بعدم التمام۔اقول: وباللّٰه التوفیق قول من قال بعدم اعتبار التخلیة المذکورة من قول زید یه تیرا روپیه ہے بعد فتح الصندوق کما مر بتمامه اعتصم بقول القاضیخان حیث قال (والتخلیة ان یخلی بین الموهوب له ویقول له اقبضه[1]) اذ فیه تصریح علی ان التخلیة انما تعتبرا ذا ایدت بالامر بالقبض وقول زید یه تیرا روپیه ہے لیس امرا بالقبض بل فیه اخبار عن کون تلك النقود ملکا للهندةلکونه جملة خبریة فان استدل بهذا القول علی تمام الهبة و ثبوت الملك فی النقود یلزم الدور کما لایخفی اذا لیس للملك وجه اٰخر غیر الهبة ولما بطل استدلاله بقول زید یه تیرا روپیه ہے الخ لم یبق لتمام الهبة وجه اٰخر غیر الاقرار بالامانة مع کون زید عارفا معنی الامانة واحکامها	ہو جاتا ہے اور یہ گزرا کہ قبضہ پر تمکن اور اجازت یہاں مسلم امر ہے، دوسرے بعض کا قول مکمل ہوا اور جس نے کہا یہ ہبہ تام نہیں ہے اس کی توجیہ میں سائل کا قول، اقول: میں کہتا ہوں اللہ کی توفیق سے، زید کے صندوق کھولنے اور یہ کہنے کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس تمام واقعہ پر جس نے کہا یہ تخلیہ معتبر نہیں ہے اس نے قاضی خاں کے اس قول کو دلیل بنایا جہاں انہوں نے فرمایا: التخلیہ یہ ہے کہ موہوب چیز اور موہوب لہ میں تخلیہ کردے اور کہہ دے کہ تو قبضہ کرلے، کیونکہ اس قول میں یہ تصریح ہے کہ تخلیہ تب معتبر ہوگا جب وہ قبضہ کے حکم سے مؤید ہو، اور زید کا لڑکی کو کہنا کہ یہ تیرا روپیہ ہے اس پر قبضہ کا حکم نہیں ہے بلکہ ان نقود پر ہندہ کی ملکیت کی خبر دینا ہے کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے، اگر اس قول کو ہبہ کے تام ہونے اور ہندہ کی ملکیت کے ثبوت کے لئے دلیل بنایا جائے تو دور لازم آئے گا جیسا کہ مخفی نہیں ہے کیونکہ ان نقود میں ہندہ کی ملکیت کی ہبہ کے بغیر کوئی دلیل نہیں ہے تو جب زید کے قول کہ "یہ تیرا روپیہ ہے" سے استدلال باطل ہوگیا تو اب ہبہ کے تام ہونے پر ہبہ اور اس کے احکام اور امانت اور اس کے احکام

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الهبة فصل فی هبة المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۰

وھذا الاقرار ایضاً غیر صالح للاستدلال بہ علی تمام الھبۃ وثبوت الملك فی النقود للھندۃ اما عدم صلاحیتہ للاول فظاھر اذا لامانۃ لاتقتضی کونھا لھبۃ لخصوصھا انما تقتضی کونھا ملکا للمودع بالکسر فالدال عام والمدلول خاص واما الثانی فلان الاقرار اخبار وحکایۃ موقوف علی المحکی عنہ والمخبر عنہ ھو کون المقربہ ملکا للمقرلہ قبل الاقرار فلو استدل بہ علی ثبوت الملك فیھا قبلہ لزم الدور، ولیس الاقرار سببا للملك حتی تثبت بہ الملك من غیر نظر الی الحکایۃ ولان الاقرار انما یعتبرا اذا ادعی المقرلہ الاقرار وبین سببا للملك غیرہ اذا الدعوی الذی علی الاقرار من غیر بیان سبب الملك باطل کما لایخفی وھو معنی قول صاحب الدر المختار ولاتسمع دعواہ بشیئ بناء علی الاقرار [1]۔ والجواب علی ماادی الیہ نظری، واللہ اعلم	پر مطلع ہونے کے باوجود زید کا اقرار بالامانت کرنا ہی دلیل رہ گئی ہے حالانکہ یہ اقرار اتمام ہبہ اور ہندہ کے لئے ان نقود کی ملکیت کے ثبوت پر دلیل نہیں، اول یعنی امانت کا دلیل کے لئے صالح نہ ہونا ظاہر ہے کیونکہ امانت کا ہبہ ہونا لازمی تقاضا نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا صرف یہ ہے کہ وہ چیز امانت رکھنے والے کی ملکیت ہے تو دال عام اور مدلول خاص ہے، اور ثانی یعنی نقود پر ہندہ کی ملکیت، اس لئے دلیل بننے کی صالح نہیں کہ یہ اقرار خبر اور حکایت ہے جو محکی عنہ اور مخبر عنہ پر موقوف ہے اور محکی عنہ اقرار سے قبل نقود کا ہندہ کی ملکیت ہونا ہے تو اگر اس خبر کو اقرار سے قبل ملکیت پر دلیل بنایا جائے تو دور لازم آئے گا نیز خود اقرار ملکیت کا سبب نہیں تو حکایت سے قطع نظر بھی اس سے ملکیت ثابت نہیں ہوگی اور اس لئے بھی کہ اقرار کا اعتبار تب ہوتا ہے جب مقرلہ اقرار کا دعوی کرے اور اقرار کے علاوہ کوئی ملکیت کا سبب بیان کئے بغیر باطل ہوتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور درمختار کے قول کہ وہ دعوی جو صرف اقرار پر مبنی ہو مسموع نہ ہوگا، کا یہی معنی ہے الجواب جہاں تک میری نظر ہے، اور اللہ تعالٰی ہی درستی کو

[1] درمختار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

بالصواب ان تعریف القاضیخاں اکثری لاحصری و لایشترط فی جمیع افراد التخلیۃ الامر بالقبض بل امدارھا علی ان یکون المخلی عنہ بحیث یتمکن من قبضہ بعد اجازۃ المخلی بالقول او بدلالۃ الحال ویدل علی ھذا اطلاقات القاضیخاں ایضا جلد ۲ صف ۳۹۴ حیث قال البائع اذا خلی بین المبیع وبین المشتری بحیث یتمکن المشتری من قبضہ یصیر المشتری قابضا للمبیع [1] ففیہ تصریح ان الامر بالقبض غیر مشروط فیھا ولا قائل بالفرق بین التخلیۃ فی البیع والھبۃ حتی یقال بالاشتراط فیھا دونہ ولان عبارۃ القاضیخاں قبیل ھذا ص ۳۹۴ شاھدۃ بمساوات التخلیتین، وایضًا لایدل علی الاشتراط مفھوم التخلیۃ ولا اصطلاحھم ولا لما ذھلوا عنہ اکثر من ان یحصی، وایضا لا یمکن الانکار لاحد عن التخلیۃ مع عدم الامر فیما اذا عدد المشتری الثمن عند	بہتر جانتا ہے کہ بیشک قاضی خاں کی تعریف اکثری ہے حصری نہیں ہے تخلیہ کے تمام افراد میں قبضہ کا حکم کرنا شرط نہیں بلکہ تخلیہ کا دارومدار اس بات پر ہے کہ تخلیہ دینے والے کی اجازت قولی یا حالی کے بعد چیز اس طرح موجود ہو کہ مشتری یا موہوب لہ کو اس پر قبضہ کا تمکن حاصل ہوجائے، اس پر خود قاضی خاں کے اپنے اطلاقات دال ہیں انہوں نے جلد ۲ ص ۳۹۴ میں فرمایا کہ بائع نے جب مبیع چیز اور مشتری کے مابین تخلیہ یوں کردیا کہ مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری کو مبیع پر قابض قرار دیا جائے گا تو اس میں تصریح ہے کہ قبضہ کا حکم شرط نہیں ہے جبکہ بیع اور ہبہ میں تخلیہ کے اعتبار سے فرق کا کوئی قابل نہیں ہے، تاکہ یہ کہا جاسکے کہ ہبہ کے تخلیہ میں شرط ہے اور بیع میں شرط نہیں اور اور اس لئے بھی کہ اس سے تھوڑا پہلے صفحہ ۳۹۴ پر قاضی خاں نے اپنی عبارت میں دونوں تخلیوں کو مساوی قرار دیا ہے، نیز تخلیہ کا مفہوم اور فقہاء کی اصطلاح اشتراط پر دال نہیں ہے ورنہ فقہاء کبھی اس کو نظرانداز نہ فرماتے حالانکہ ان کی بے شمار تصریحات اس کے ذکر سے خالی ہیں، نیز جب مشتری ثمن کے دراہم کو مبیع کے پاس گنتی کرے اور بائع کو قبضہ کرنے کا نہ کہے تو کسی کو

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

المبیع ولم یقل له اقبضه وبهذا اندفع الدور ایضا اذ الاخبار یعنی قوله یہ تیرا روپیہ ہے لیس علی حقیقته حتی یقتضی ثبوت المخبر عنه وهو الملك والحال انه موقوف علی هذا القول اذ لیس له وجه اٰخر غیر الهبة اذفی حمله علی الاخبار یلزم الغاء الکلام و الواجب حمله اذا صدر عن عاقل بالغ علی معنی یصح فحمل علی الانشاء واجازة القبض وهوشائع فی محاورات الهند کقولهم پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، کھانا حاضر ہے، حین کون هذا الاشیاء موضوة لدی المخاطب فهم لا یریدون بهذا الاخبارات حقیقتها والایلزم الالغاء بل مقصودهم اجازة التناول منها کما لایخفی علی اللبیب فلو کا المراد من قول زید المرحوم یہ تیرا روپیہ ہے اجازة التناول والقبض لا یلزم المحذور ایضا وبه یصح الکلام ویتم المقصود من تمام الهبة بالتخلیة والقبض الحکمی، وظهر وجه الاستدلال بالقول الاول بقی الاقرار بالامانة هل هوصالح للاستدلال به ام الابل الاستدلال مستلزم للدور

بھی اس تخلیہ کے معتبر ہونے سے نکار نہیں ہے، اس بیان سے دور بھی ختم ہوگیا کیونکہ والد کا یہ کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" یہ خبر اپنے حقیقی معنی پر نہیں ہے تاکہ وہ مخبر عنہ یعنی سابقہ ملکیت کا ثبوت چاہے حالانکہ حالیہ ملکیت اس قول (یہ تیرا روپیہ ہے) پر موقوف ہے کیونکہ اس ملکیت کی ہبہ کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ تو جب اس قول کو خبر پر محمول کیا جائے تو کلام کا لغو ہونا لازم آتا ہے جبکہ عاقل بالغ کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنا واجب ہے، تو ایسے قول کو انشاء اور قبضہ کی اجازت پر محمول کرنا ہندوستان کے محاورات میں عام استعمال ہے، مثلاً وہ جب کہتے ہیں پان حاضر ہے، حقہ حاضر ہے، یا کھانا حاضر ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب یہ چیزیں مخاطب کے سامنے رکھی ہوئی ہوتی ہیں وہ اس سے خبر کا حقیقی معنی مراد نہیں لیتے ورنہ کلام کا لغو ہونا لازم آئے گا بلکہ ان کی مراد اس کو کھانے کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ یہ عقلمند پر مخفی نہیں ہے تو اگر زید مرحوم کے قول "یہ تیرا روپیہ ہے" سے بھی یہی معنی مراد لیا جائے تو کوئی خرابی نہ ہوگی جبکہ اس سے کلام صحیح ہوتا ہے اور ہبہ کے تام ہونے کا مقصد بھی تخلیہ اور حکمی اجازت قبضہ سے حاصل ہوتا ہے تو ظاہر ہوا کہ وجہ استدلال پہلا امر یعنی ہندہ کی ملکیت ہونا ہے، باقی رہا یہ معاملہ کہ امانت کا اقرار وجہ استدلال بن سکتا ہے یا نہیں بن سکتا بلکہ یہ استدلال دور کو

کما قال المعترض، **اقول:** وباللّٰہ التوفیق مدار الاعتراض علی ان الاقرار باطل لانہ یتوقف علی وجود المخبر عنہ وھو ثبوت الملك فلو استدل بہ علی تمام الھبۃ وثبوت الملك یلزم الدور محصل الجواب ان اشتراط نفوذ الاقرار ببیان سبب الملك غیر الاقرار مسلم لکن لا یجب بیانہ الا اذا رجع المقرعن اقرارہ واما اذا کان مصرا علی اقرارہ فان بین فبھا وان لم یبین حتی مات علی اقرارہ لایبطل اقرارہ عند احد بل یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لایلزم الالغاء والسبب الصالح للاقرار ھٰھنا موجود وھو الھبۃ مع التخلیۃ والھبۃ مع التخلیۃ والھبۃ وتمامھا لیستا موقوفتین علی الاقرار حتی یلزم الدور کما زعم المعترض بل ھما قد ثبتا بدلیل قدمر بیانہ فالاقرار وان کان باعتبار ذاتہ موقوفا علی تمام الھبۃ لکن باعتبار لازمہ وھو

مستلزم ہے جیسا کہ معترض نے کہا ہے، اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ اعتراض کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یہ اقرار باطل ہے کیونکہ یہ مخبر عنہ اور محکی عنہ پر موقوف ہے اور وہ محکی عنہ پہلے سے ملکیت کا ثبوت ہے تو اگر اس قول سے ملکیت ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کی جائے اور ہبہ کا تام ہونا ثابت کیا جائے تو دور لازم آئے گا، تو اس کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اقرار کے نافذ ہونے کے لئے اس اقرار کے علاوہ کسی اور سبب کا بیان ضروری ہے، جو ملکیت کا باعث ہو، یہ بات مسلمہ ہے لیکن اس کا بیان صرف اس قت ضروری ہے جب مقر اپنے اقرار سے منحرف ہو______ لیکن اگر وہ اپنے اقرار پر قائم ہے تو بیان کردے تو بہتر ورنہ وہ اپنے اس اقرار پر فوت ہوجائے تو کسی کے ہاں وہ اقرار باطل نہ ہوگا بلکہ اس اقرار کو صحیح محمل پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ کلام کا لغو ہونا لازم نہ آئے، اور یہاں صحیح سبب موجود ہے اور وہ ہبہ مع تخلیہ ہے جبکہ ہبہ اور اس کا تام ہونا اقرار پر موقوف نہیں ہے، تاکہ دور لازم آئے جیسا کہ معترض کا خیال ہے، بلکہ ہبہ اور اسکا تمام ہونا یہ دونوں مذکورہ دلیل سے ثابت ہیں تو اقرار اگرچہ اپنی حقیقت میں ہبہ کے تام ہونے پر موقوف ہے لیکن وہ اپنے لازم جو کہ صحیح سبب پر محمول کرنا ہے، کے اعتبار سے مذکورہ صورت

وجوب حملہ علی سبب صالح یقتضی ان یحکم بتمام الھبۃ فی الصورۃ المذکورۃ بشرطھا وشطرھا المذکورین، ولھذا حکمنا بان الاقرار ایضا دلیل علی تمام الھبۃ فقط ارجو منکم ان ترشدونی بصواب الجواب وتدقیق یؤمن بہ ویتیقن بہ اولوا الالباب۔	میں ہبہ کے تام کے حکم کو اس کی شرط اور رکن سمیت چاہتا ہے اور اسی لئے ہم نے حکم لگادیا کہ اقرار بھی ہبہ کے تام ہونے کی دلیل ہے فقط (مذکورہ صورت حال کی روشنی میں) مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ صحیح جواب کی رہنمائی فرمائیں گے اور ایسی تحقیق فرمائیں گے جس پر اصحاب علم وفہم کو یقین وتصدیق ہوجائے۔(ت)

(العبد عبداللہ خاں عفی عنہ از ضلع چمپارن قصبہ بتیا محلّہ گنج اول)

الجواب:

اَللّٰھُمَّ لَكَ الْحَمْدُ (یااللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں۔ت) صورت مشروحہ سوال سے ہندہ کے لئے ان نقود میں ملک اصلا ثابت نہیں۔

اولًا: سائل نے زید کا مجلس عقد میں شوہر واصہار کے سامنے بعض اشیاء نامزد ہندہ کرنا بیان کیا مگر شوہر وغیرہ کے قبول کا کوئی ذکر نہیں کہ قبول فضولی سمجھ کر اجازت ہندہ پر موقوف رکھیں، نہ بعدہ کوئی اجازت ہندہ مذکورہ فہرست مطلقًا تعریف ایجاب بالکتاب میں داخل خصوصا جبکہ تذکرہ ماوقع علیہ الانشاء ہونہ انشاء، **والاول ھو المعھود المتعارف فی امثال الفھارس** (فہرستوں جیسی چیز میں امر اول معلوم ومتعارف ہے۔ت) نہ وہ لفظ ہی سوال میں مسطور جو زید نے فہرست میں لکھے کہ ان پر نظر ہو، نہ یہی معلوم کہ ہندہ خواندہ ہے، فہرست اس نے خود پڑھی یا کسی نے اس کے جملہ الفاظ مندرجہ پڑھ کر سنائے، یایوں ہی اجمالا اسے کاغذ دے دیا کہ یہ تمھارے جہیز کی فہرست ہے، نہ یہی مذکور کہ ہندہ سے کوئی قول یا فعل کہ قبول یا اجازت فضولی پر صادر ہوا یا نہیں،

واذلا اثر لبیان شیئ منھا فی السوال فکیف یسوغ الحمل فی الجواب علی احد الجوانب من دون علم و یحکم بتحقق الشطرین تحکما بوجود القبول من الحضار ثم اجازۃ من المرأۃ	سوال میں مذکورہ شقوں کا بیان اور نشاندہی نہیں ہے تو جواب کو کسی ایک شق پر علم کے بغیر کیسے محمول کیا جائے اور کیسے حاضرین کے حکمی قبولیت کے وجود سے ہبہ کے دونوں رکن (ایجاب وقبول) کے پائے جانے پر حکم کیا جائے اور پھر عورت کی

او وجودہ منھا بعد بلوغ الکتاب مع عدم العلم بما فی الکتاب ایضا بمجرد السکوت فلا ینسب الی ساکت قول،ام باختیار من عند انفسنا احد الشقوق و لیس ھذا شان الجواب انما قصارہ فی امثال الصور التردید۔	اجازت اور اجازت کا وجود لکھے ہوئے کاغذ کی وصولی کے بعد باوجودیکہ اس میں لکھی ہوئی چیز کا بھی علم نہیں محض اس کے سکوت سے ثابت کرنا تو اس کی طرف کسی قول کا منسوب کرنا نہ ہوگا یا ہم خود اپنی طرف سے کوئی ایک شق متعین کرلیں،تو یہ جواب نہ ہوگا اب سوائے اس کے کہ سوال کی ایسی صورت کے جواب میں اگر مگر سے کام لیا جائے کوئی چارہ نہیں ہے۔(ت)

بالجملہ قبول کو شطر عقد مان کر مقدار مافی السوال پر حکم انعقاد رجم بالغیب وخرط القتاد۔

نعم ہو علی علی الاصح شرط ثبوت الملك واذن یقوم مقامہ القبض فی المجلس ولو بلااذن الواہب اوبعدہ لو باذنہ کما حققناہ فی فتاوٰنا وحینئذٍ یرجع الامر الی المباحث الاٰتیة فی تحقق التخلیة ویلغوا السعی فی تحقیقة بفرضہ من فضولی فی المجلس اواحالة الایجاب علی ما فی الکتاب لیتوقف الشطر علی ماوراء المجلس۔	ہاں قبول کرنا صحیح قول کے مطابق ثبوت ملکیت کی شرط ہے اوراس صورت میں ثبوت ملک سے قائم مقام قبضہ ہوسکتا ہے مجلس میں ہو تو بلااجازت بھی ہوسکتا ہے ورنہ مجلس کے بعد اجازت سے، جیساکہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اوراس صورت میں تخلیہ کی تحقیق میں آئندہ مباحث کی طرف راجع ہونا ہوگا جبکہ اس صورت میں فضولی سے مجلس میں قبولیت یاایجاب کو لکھی ہوئی فہرست کی طرف منسوب کرکے ماورائے مجلس شطر (رکن) کے پائے جانے کی کوشش لغو ہے۔(ت)

ثانیاً ہاں ہبہ صحیحہ میں مذہب صحیح پر تخلیہ مثل قبض بالبراجم ہے۔

جزم بہ فی متن التنویر ونص فی الدرر ثم الدر[1] انہ المختار قلت وقد اشار فی بیوع الاشباہ الی ضعف خلافہ وقدمہ فی ھبة الخانیة علی قول	اس پر تنویر کے متن میں جزم فرمایا درر اور درمختار میں نص فرمائی اور مختار قرار دیا، میں کہتا ہوں اور اشباہ کی کتاب البیوع میں اس کے خلاف پر ضعف کا اشارہ کیا اور خانیہ کے کتاب الھبة میں اس کو مخالف قول پر مقدم ذکر کیا ہے

[1] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الخلاف وہوانما یقدم الاظہر الاشہر وبہ جزم الامام شمس الائمۃ الحلوانی ولم یمل الی ذکر الخلاف کمافی بیوع الخاقانیۃ	جبکہ خانیہ اظہر واشہر کو مقدم ذکر کرتاہے اور اسی پر شمس الائمہ حلوانی نے جزم کیااور مخالف قول کو ذکر تک نہ کیاجیسا کہ خاقانیہ کے بیوع کے باب میں ہے۔(ت)

مگر یہاں اعتبار تخلیہ کے لئے جو تمکن قبض شرط ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ شیئ موہوب موہوب لہ سے اس قدر قریب ہو کہ یہ ہاتھ بڑھائے تواس تک پہنچ جائے اٹھ کر اس کے پاس جانے کی حاجت نہ ہو فقط الماری اور صندوق کا کُھلا ہونا ہر گز کافی نہیں۔ بحرالرائق وردالمحتار میں ہے:

لواشتری ثوبا فامرہ البائع بقبضہ فلم یقبضہ حتی اخذہ انسان ان کان حین امرہ بقبضہ امکنہ من غیر قیام صح التسلیم وان کان لایمکنہ الابقیام لایصح[1]۔	اگر کسی نے کپڑاخریدا تو بائع نے اس کو قبضہ کرنے کاحکم دیا، ابھی وہ قبضہ کرنہ پایاتھاکہ دوسرے شخص نے وہ کپڑا پکڑ لیا، اگر قبضہ کے حکم کے وقت مشتری کواس کپڑے پر قبضہ کے لئے قیام کے بغیر قدرت تھی تو بائع کا یہ حکم تسلیم کے قائم مقام ہوگااور قیام کے بغیر قبضہ پر قدرت نہ تھی توتسلیم صحیح نہ ہوگا۔(ت)

فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

ان کان حین امرہ البائع بالقبض امکنہ ان یمد یدہ ویقبض من غیر قیام صح التسلیم والافلا[2]۔	جب بائع نے اس کو قبضہ کاحکم دیااس وقت اس کو ہاتھ بڑھاکر بغیر قیام قبضہ پر قدرت تھی توتسلیم صحیح ہے ورنہ نہیں۔(ت)

یہاں سائل نے کچھ بیان نہ کیاکہ الماری کھولتے وقت ہندہ کتنے فاصلہ پر ہوتی تھی، نہ اس نے کہاکہ کبھی زید نے اس وقت ہندہ کو بلاکراتناپاس بٹھاکر یہ الفاظ کہے کہ ہندہ ہاتھ بڑھاتی توروپوں کی تھیلی ہاتھ میں آجاتی توشرط تخلیہ کا تحقق سوال سے ظاہر نہیں بلکہ ظاہر عدم ہے کہ ایسا ہوا ہوتا تواس کابیان ترک نہ کرتا،

لمایترائی من کلام عن الاستقصاء	کیونکہ پوراواقعہ بیان کرنے اور ہبہ کوتام

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیمایدخل فی البیع الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۷

فی بیان الواقعۃ وتفریغ الوسع فی الاتیان بکل ماظنہ مؤید التمام الھبۃ۔	قرار دینے کی کوشش میں پوری مساعی کا ہر ممکن صرف کرنا اس کی کلام میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔(ت)

نہ فریقین کا اتفاق کہ واہب ایسا کہا کرتا تھا یا ہندہ قبضہ کرتی تو کہہ سکتے ہیں کہ نہ روکتا اس شرط تمکن کے وجود پر اتفاق ہے ایسا کہنا یا نہ روکنا واہب کے قول وحال ہیں اور جو تمکن کہ یہاں شرط ہے یعنی شے موہوب سے اس قدر قریب ہونا وہ موہوب لہ کا وصف ہے، تو نہ اس کا وجود اس کے وجود کو مستلزم، نہ اس کی تسلیم، بہرحال قدر مافی السوال پر ثبوت تخلیہ کا حکم صحیح نہیں۔

فکان حقہ ان یرددا ذاتر دد وھھنا سھو فی بعض الصور وقع فی ش تبعا للبحر اوضحناہ وازحناہ فیما علقنا علیہ وباللّٰہ التوفیق ثم ہو ایضالا یتعلق بما فی الباب قد نص انہ یشترط فی نحو ثوب کونہ بحیث لومد یدہ تصل الیہ ولا شك ان الدراہم فی ذٰلك مثل الثیاب۔	حق یہ تھا کہ تردد کی صورت میں تردد کا اظہار کیا جاتا، اور یہاں بعض صورتوں کے بیان میں شامی کو بحر کی پیروی میں سہو ہوا ہے اس کو ہم نے اس پر حاشیہ میں واضح کیا اور اس کا ازالہ بھی کیا ہے، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، پھر وہ بھی اس باب سے متعلق نہیں ہے، انھوں نے یہ نص کی ہے کہ کپڑے جیسے معاملہ میں یہ شرط ہے کہ کپڑا یوں ہو کہ اگر ہاتھ بڑھائے تو ہاتھ اس تک پہنچ جائے تو شک نہیں کہ دراہم اس معاملہ میں کپڑے کی مانند ہیں۔(ت)

ثالثًا: تحقق تخلیہ کے لئے صرف تمکن قبضہ فی الحال ہرگز کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ مخلی مخلی لہ کو قبضہ کا حکم کرے، مثلًا "خذہ" یا "اقبضہ" کہے یا "خلیت لك عنہ" یا اس کے مثل جو اس معنی کو ادا کرے۔

کلام یہاں طویل الذیل ہے اور محل اجمال میں چند جملے وافی، **واللہ الموفق**

(ا) امام اجل فقیہ النفس قاضیخاں رحمہ اللہ تعالٰی نے تخلیہ کی تعریف ہی میں امر بالقبض ماخوذ فرمایا، **کما ھو منقول فی السؤال وجعل الحد اکثریا لاحصریا تحویل لاتاویل** (جیسا کہ سوال میں منقول ہے۔ اور قاضی خاں کی تعریف کو اکثری قرار دینا ان کی کلام کو تبدیل کرنا ہے یہ اس کی تاویل نہیں ہے۔ت)

(۲) امام اجل ممدوح ودیگر اجلہ نے صراحۃ عدم امر مذکور کی حالت میں عدم صحت تخلیہ پر نص فرمایا، فتاوٰی قاضیخاں وفتاوٰی ظہیریہ وفتاوٰی ہندیہ وبحر الرائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

واللفظ للخانیۃ ان دفع الیہ المفتاح ولم یقل خلیت بینك وبین الدار فاقبضہ لم یکن ذٰلك قبضا[1]۔	خانیہ کے الفاظ میں۔ اگر اس نے چابی دے دی اور یہ نہ کہا کہ میں نے تیرے اور گھر کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے تو یہ قبضہ نہ ہوگا(ت)

محیط پھر عالمگیریہ میں ہے:

اذالم یقل اقبضہ فانما القبض ان ینقلہ[2]۔	جب قبضہ کرلے نہ کہا تو پھر وہاں سے منتقل کرنا ہی قبضہ قرار دپائے گا۔(ت)

توکلام امام قاضیخاں کو عدم اشتراط پر حمل کرنا خود ان کی تصریح صریح کے خلاف ہوگا

(۳) امام اجل موصوف ودیگر اکابر یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ مطلقًا امر بالقبض بھی کافی نہیں بلکہ خاص وہ امر بالقبض درکار ہے جو اس شیئ کی طرف مضاف ہو، مثلا ہبہ یا بیع کرکے کہا لے لے یا قبضہ کرلے، تخلیہ نہ ہوا جب تک یوں نہ کہے کہ یہ چیز لے لے یا اس پر قبضہ کرلے، فتاوٰی قاضی خاں وبحر الرائق وفتاوٰی ذخیرہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لو قال "خذ" لایکون قبضا ولو "خذہ" فھو قبض اذاکان یصل الی اخذہ ویراہ[3]۔	اگر کہا "پکڑلے" تو قبضہ نہ ہوگا، اور یہ کہا کہ "اس کو پکڑلے" تو قبضہ ہوگا بشرطیکہ چیز کو ہاتھ پہنچ جائے اور اس کو نظر آئے۔(ت)

(۴) امام اجل مذکور کے فتاوٰی اور کتاب الاجناس وشرح المجمع لابن ملک وغمز العیون والبصائر وبحر الرائق وغیرہا میں تخلیہ کی شرائط شمار کیں اور ان میں قول مذکور کو ایک مستقل شرط گنا۔ اور نہر الفائق ودر مختار وفتاوٰی ہندیہ وحاشیہ طحطاویہ وردالمحتار وغیرہا میں اسے مقرر رکھا۔ امام ناطفی وابن فرشتہ وسید حموی کی عبارت یہ ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶

التخلیة بین المبیع والمشتری یکون قبضًا بشروط احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع، و الثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یتمکن من اخذہ بلامانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق غیرہ اھ[1] باختصار	مبیع چیز اور مشتری کے درمیان تخلیہ چند شرائط کے ساتھ قبضہ بن جاتا ہے ایک یہ کہ بائع یوں کہے "میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کیا" دوسری یہ کہ مبیع مشتری کے پاس اس طرح ہو کہ بغیر رکاوٹ اسی کو پکڑ سکے، اور تیسری شرط یہ کہ مبیع فارغ ہو اور کسی کے حق میں مشغول نہ ہو، اھ اختصار۔ (ت)

شرط کا اکثری ہونا کیا معنی، اور امام اجل موصوف نے تو صراحۃً اسے ارشادات عالیہ امام الائمہ صاحب المذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل کیا:

حیث قال قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه التخلیة بین المبیع و المشتری تکون قبضا بشرائط ثٰلثة احدھا ان یقول البائع خلیت بینك وبین المبیع فاقبضه ویقول المشتری قد قبضت، والثانی ان یکون المبیع بحضرۃ المشتری بحیث یصل الی اخذہ من غیر مانع، والثالث ان یکون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق الغیر[2] الخ	جہاں انھوں نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ تین شرائط کے ساتھ قبضہ قرار پاتا ہے، ایک یہ کہ وہ مشتری کو کہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے تو قبضہ کرلے، اور مشتری جواب میں کہے میں نے قبضہ کیا، دوسری یہ کہ مبیع اس طرح مشتری کے سامنے ہو کہ بغیر رکاوٹ اس کو لے سکے، اور تیسری یہ کہ مبیع فارغ ہو کسی کے حق میں مشغول نہ ہو الخ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۷

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیع باب فی تنقیح المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۵

کان ابوحنیفه یقول القبض ان یقول خلیت بینك وبین المبیع فاقبضه ویقول المشتری وهو عند البائع قبضته[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تخلیہ کے ساتھ قبضہ یہ ہے کہ میں نے تیرے اور مبیع کے درمیان تخلیہ کردیا ہے اس کو لے لو، اور مشتری بائع کی موجودگی میں کہے میں نے قبضہ کیا۔(ت)

بالجملہ نقول اس مسئلہ میں متظافر ہیں اور سب سے اعظم یہ کہ وہ خود صاحب المذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا منصوص ہے: فایاك ان تتوهم ممافی الدر تبعا للنهر انها من زیادات الناطفی۔ درمختار میں نہر کی پیروی میں جو کہا کہ یہ ناطق کے زیادات میں سے ہے، اس وہم سے بچ کر رہنا۔(ت)

(۵) یہیں سے ظاہر کہ عبارات علماء میں جہاں تخلیہ مذکور ہے یہ شرط منظور ہے۔

فان الشیئ اذا اثبت ثبت بلوازمه و من قال رجل صلی فلیس علیه ان یقول بطاهر فی طاهر علی طاهر ناویا مستقبلا مکبرا فقد تضمن الکل قوله صلی، فلا تظن امثال قول الخانیة البائع اذا خلی بحیث یتمکن المشتری من قبضه یصیر قابضا[2] انها خالیة عن هذ الشرط فضلا عن کونها صرائح فی انه لیس بشرط۔	جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے تمام لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے، اور جو شخص کسی کے متعلق کہے کہ "فلاں نے نماز پڑھی ہے" تو اس کو یہ کہنے کی ضرورت نہیں، پاک حالت، پاک پانی، پاک جگہ، نیت کے ساتھ، قبلہ کی طرف اور تکبیر کہہ کر، کیونکہ نماز کا ذکر ہی ان سب کو متضمن ہے، لہذا خانیہ کے قول کہ "بائع جب تخلیہ کردے اس انداز میں مشتری کو قبضہ پر تمکن حاصل ہوجائے تو مشتری قابض قرار پائے گا" سے تجھے یہ گمان نہ ہو کہ یہ اس شرط سے خالی ہے چہ جائیکہ تو عدم شرط پر اس کو تصریح قرار دے۔(ت)

[1] بحرالرائق کتاب البیع یدخل البناء والمفاتیم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب البیع باب فی قبض المبیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۹۴

(۶) نصوص صریحہ مذہب وخود صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خلاف اگر کوئی روایت شاذہ پائی جاتی نامقبول ہوتی نہ کہ روایت مطلقہ کہ مخالف بھی نہ ٹھہرتی بلکہ اسی مقید پر محمول ہوتی۔

لانہ متفق علیہ فی کلمات العلماء وانما الخلاف فی نصوص الشارع کما فی ردالمحتار وغیرہ من المعتمدات	کیونکہ یہ تمام علماء کے کلام میں متفق علیہ ہے صرف شارع کی نصوص میں خلاف ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔(ت)

نہ کہ بے استناد روایت محض ذہنی حکایت کہ وہ کیا قابل التفات وعنایت،

فالمشتری ان عدالثمن فی ید البائع اوذیلہ اوحجرہ لم یحتج البتۃ الی قولہ خذہ ونحوہ لان الحقیقی غنی عن شرائط الحکمی وان عدہ علی الارض بین یدی نفسہ فلایسلم انہ تخلیۃ مالم یقلہ اوینقلہ۔	جب مشتری نے رقم بائع کے ہاتھ یا جھولی یا دامن میں گنتی کرکے ڈالی تواب اس کو یہ کہنے کی ضرورت ہرگز نہیں کہ "تو پکڑلے" کیونکہ حقیقی قبضہ کے بعد حکمی شرائط کی ضرورت نہیں ہے۔ہاں اگر مشتری اپنے سامنے زمین پر گن کر رکھ دے تو یہ تسلیم نہ ہوگا کہ یہ تخلیہ ہے جب تک پکڑ نہ لے،نہ کہہ دے یا وہاں سے مشتری اٹھا نہ لے۔(ت)

(۷) زید کا کہنا "یہ تیرا روپیہ ہے" صراحۃً اقرار ہے، فتاوٰی قاضیخان وفتاوٰی بزازیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لو قال لاٰخر "ایں چیز ترا" فھو ھبۃ یشترط فیھا القبض ولو قال "تراست" فاقرار[1]۔	اگر دوسرے کو کہا کہ یہ چیز تجھ کو توھبۃ ہوگا اور اس میں قبضہ شرط ہوگا اور اگر کہا کہ یہ چیز تیری ہے تو اقرار ہوگا۔(ت)

تو اس سے انشائے اجازت قبض مراد لینا محض مجاز،اور مجاز بے ضرورت ممنوع ونامُجاز اور ضرورت معدوم،تو تخلیہ کی پہلی شرط تمکن قبض کا تو وجود معلوم نہ تھا،اس دوسری شرط یعنی امر بالقبض کا عدم معلوم،

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۵

وحدیث الالغاء لایستحق الاصغاء فان الاقرار لم یعرعن حکمه من ان المقر مؤاخذ به قضاء ان لم یثبت بطلانه حیث یصیر مکذبا شرعا فاین التعطیل حتی یجوز التجوز والتحویل اماانه لایقوم بافادة الملك للمقرله فهذا عین حکمه ولو کان فیه الغاوه لانمحی الاقرار من صفحة الدنیا لان لالغاء اذن یلزم حکمه وحکم الشیئ لازمه له فالالغاء یلزم الاقرار وماکان الغاؤه لازم وجوده فوجوده عدم وبعبارة اوضح لوجوب حمل کل اقرار علی انشاء محضر کی یفید الملك والایلغوالاقرار غیرالانشاء فتبطل راساوانعدام۔

ان کی لغو کرنے والی بات قابل التفات نہیں ہے، کیونکہ اقرار جب تک شرعاً جھوٹا ہو کر باطل نہ قرار دیا جائے تو اس وقت تک وہ اپنے حکم جو کہ مقر کا اپنے اقرار میں قضاءً ماخوذ ہونا ہے، سے خالی نہیں ہوتا تو یہاں وہ کب معطل ہے کہ مجاز کی طرف پھر ناجائز ہو اور یہ کہ وہ مقرلہ کے لئے ملکیت کا فائدہ نہیں دیتا (تو غلط ہے) کیونکہ یہی تو اقرار کا حکم ہے اور اگر یہی لغو قرار پائے تو پھر دنیا میں اقرار کا وجود نہ رہے گا کیونکہ اس طرح الغاء حکم کو لازم ہوگا اور حکم خود شیئ کو لازم ہے تو یوں الغاء خود اقرار کو لازم ہوگا اور جس چیز کو الغاء لازم الوجود تو اس کا وجود معدوم قرار پائے گا اور آسان عبارت میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر اقرار کو انشاء محض پر محمول کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ملکیت کے لئے مفید ہو اور لغو نہ ہو جبکہ اقرار انشاء نہیں ہوسکتا تو اقرار سرے سے باطل ہوگا اور ختم ہوجائے گا۔(ت)

(۸) کفانا المؤنة مامرنی مباحث السؤال نفسها ان اقراره یجب ان یحمل علی سبب صالح حتی لایلزم الالغاء فقد علم ان حمله علی تقدم سبب مامصحح للاقرار یکفی لاعماله ویندفع الالغاء ومعلوم نه یبقی به علی حقیقته فالعدول الی المجاز فرار عن الالغاء ممالاوجه اصلا۔

اور خود اس نے ہمیں سوال کی مباحث کی تکلیف سے فارغ کردیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب کردیا جب اس نے کہہ دیا کہ اقرار کو کسی مناسب سبب پر محمول کرنا ضرورت ہے جو اقرار کو صحیح کرے یہ بات اقرار کی صحت وعمل کے لئے کافی ہے اور لغو نہ ہوگا تو ظاہر ہوگیا کہ اقرار اپنے حقیقی معنی پر ہے تو اب الغاء سے بچنے کے لئے مجاز کی طرف عدول کی کوشش بلاجواز ہے۔(ت)

(۹) بل الاقرار بشیئ انه لفلان

بلکہ کسی چیز کے متعلق اقرار کہ یہ فلاں کی ہے

انما ینبئ عن ملك مطلق له فیه قبل الاقرار فلا یحتاج الی ابانة سبب اصلا فضلا عن ان یُلزم المقرفی حیاته ببیان سبب صالح هذا لم یقول به احد وانما قالوا ان الاتری ان مدعی الملك المطلق و شاهدیه یکلفون بین السبب فکیف المقر الامااستثنٰی مما الظاهر فیه بطلان الاقرار کالاقرار لحمل فمشیئ محمد علی الاصل ای یحمل علی سبب صالح من دون بیان والزمابیانه کارث اووصیة، بخلافه الرضیع وان لم یبین شیئا بل بین مالا یصلح له کاقراض وبیع الکل کما فی الاشباہ والتنویر وغیرهما۔

تو یہ اقرار بتاتا ہے کہ چیز فلاں کی ملکیت مطلقہ قبل از اقرار ہے تو کسی سبب کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی چہ جائیکہ مقر پر لازم کردیا جائے کہ وہ اپنی زندگی میں اس اقرار کے مناسب سبب کو بیان کرے، حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور انھوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہر مقر اپنے اقرار میں ماخوذ ہوتا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ملکیت مطلقہ کا مدعی اور اسکے گواہ کسی سبب کو بیان کرنے کے پابند نہیں ہوتے تو مقر کیسے پابند ہوسکتا ہے ہاں وہ صورت اس بحث سے خارج ہے جو ظاہرا باطل قرار بنے مثلا کوئی شخص ایسے بچے کے لئے اقرار کرے جو ابھی حمل میں ہے تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی اس اقرار کو اپنے اصل پر محمول کرتے ہوئے مناسب سبب کو بیان کرنا ضروری نہیں قرار دیتے جبکہ شیخین رحمہما اللہ تعالٰی اس کو بیان کرنا ضروری قرار دیتے ہیں مثلا وصیت یا وراثت میں سے کسی کو بیان کرے۔ بخلاف دودھ پینے والے بچے کے لئے اقرار ہو تو اس کے مناسب کوئی سبب نہ ہو تو بھی بیان کرنا ضروری نہیں مثلا اس کے لئے قرض یا اس کے لئے کل مال کی بیع کا اقرار کردے، جیسا کہ الاشباہ اور تنویر وغیرہما میں ہے۔ (ت)

(۱۰) بل لادلالة للاقرار علی ان ملك المقرلة المخبر عنه فی الاقرار کان مستفادا من المقر الاتری

بلکہ اقرار میں مقرلہ کی ملکیت پر دلالت ہی نہیں کہ مقرلہ اس کی خبر دے رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسلم اگرچہ شراب کا مالک نہیں ہوتا اس

ان المسلم یصح اقرارہ بخمر کما فی الدرر والبحر و التنویر وغیرھا حتی یؤمر بتسلیمھا کما فی ش و لا یصح کونہ ملکالھا کما فی الھدایۃ۔	کے باوجود اگر وہ کسی کے لئے شراب کا اقرار کرے جیسا کہ درر، بحر اور تنویر وغیرہا میں ہے کہ اس کااقرار صحیح ہے، اورشامی میں ہے کہ اس کو ادائیگی کاحکم دیا جائے گا، مسلمان کے لئے شراب کی ملکیت کا صحیح نہ ہونا ہدایہ میں مذکور ہے۔(ت)
(۱۱)ولوتنزلنا فانما یکفی تصور سبب ماولیس علی احد تعیینہ بل لیس لاحد غیر المقر لان المجمل لابیینہ الامن اجمل فظھر ان الاستدلال علی تمام الھبۃ المذکورۃ باقرارہ بالامانۃ لاتمام لہ اصلا۔	اوراگر تنزل کے طورپر تسلیم بھی کرلیں توصرف کسی سبب کا تصور ہی کافی ہوگا مقر کے علاوہ کسی کو بھی اس کی تعیین اور بیان کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ مجمل کو صرف اجمال بولنے والا ہی بیان کرسکتاہے تو واضح ہوگیاکہ ہبہ کے تام ہونے پر اس کے اقرار بالامانت کو دلیل بنانا قطعاً درست نہیں ہے۔(ت)
(۱۲)اذالامر کما وصفنا ان الاقرار لیس دلیلا انیاعلی تمام الھبۃ فلو کان دلیلا لکان لمیا والاقرار اظھار لااثبات فلو جعل اثباتاالداروالامناص۔	جب معاملہ وہ ہے جو ہم نے بیان کیا ہے توپھر اقرار ہبہ کے تام ہونے پردلیل انی نہ ہوگا اگرہوگ اتو دلیل لمی ہوگا یعنی اقرار محض ثبوت نہیں کہ اظہار ہوتاہے اثبات نہیں بنتا۔ہاں اگر اثبات قرادیا جائے توناچار دور لازم آئیگا۔(ت)

رابعًا تخلیہ کی شرط ثالث سے مستفاد بلکہ حقیقۃ لفظ تخلیہ کا مفادیہ ہے کہ تخلیہ کرنے والااسے اپنے قبضہ سے خالی کردے کہ شے جب تک خود اس کے قبضہ میں ہے تخلیہ کہاں ہوا۔ولہذا بحرالرائق نے تصور تخلیہ میں اس شیئ کا زمین پر رکھا ہونا ماخوذ کیا، ولہذا اگر گھوڑا بیچا اور بائع اس کی یال تھامے ہوئے مشتری سے کہہ رہاہے کہ گھوڑے پر قبضہ کرمیں اس کی یال تیرے ہی لئے تھامے ہوئے ہوں کہ بھاگ نہ جائے اور تو قابو میں کرلے اور مشتری پاس کھڑاہے کہ قبضہ کرسکتاہے مگر وہ اپنا ہاتھ نہ رکھنے پایا تھاکہ گھوڑا چھوٹ کر گم ہوگیا، بائع کے مال سے گیاکہ قبل قبض ہلاک ہواتو بآنکہ مشتری قبضہ پر فی الحال قادر تھااور بائع صاف حکم قبضہ کررہاتھا۔

مگر تخلیہ صحیح نہ ہوا کہ گھوڑا دست بائع میں تھا

فی البحر الرائق وان کان غلاما اوجاریة فقال له المشتری تعال معی اوامش فخطی معه فهو قبض و کذا لوارسله فی حاجته، وفی الثواب ان اخذه بیده او خلی بینه وبینه وهو موضوع علی الارض فقال خلیت وبینك وبینه فاقبضه فقال قبضته فهو قبض [1]، وفی الذخیرة ثم الهندیة ان کانت الرمکة فی ید البائع و لم تصل الیها ید المشتری فقال البائع للمشتری قد خلیت بینها وبینك فاقبضها فانی انما امسکها لك فانفلتت من ید البائع قبل ان یقبض المشتری وهو یقدر علی اخذها من البائع وضبطها کان الهلاك علی البائع [2] اھ (ملخصا) ومثله فی الخانیة وتمامه تحقیقه فیما علقنا علی ردالمحتار۔

بحر الرائق میں ہے اگر غلام یا لونڈی ہو اور مشتری اس کو اپنے ساتھ چلنے کو کہے اور وہ ساتھ چل پڑے تو مشتری قابض قرار پائے گا اور یوں ہی اگر اس غلام کو مشتری نے اپنے کام کے لئے بھیج دیا اور کپڑے کی صورت اگر مشتری کے ہاتھ میں دے دیا یا بائع نے اس کو اپنے اور مشتری کے درمیان زمین پر رکھ دیا اور کہا میں نے تیرے لئے تخلیہ کردیا ہے قبضہ کرلے، اور مشتری نے کہا میں نے قبضہ کرلیا تو قبضہ ہوجائے گا اور ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے کہ گھوڑی بائع کے قبضہ میں ہے اور مشتری کے ہاتھ سے دور ہے اور بائع کہہ دے کہ میں نے تیرے لئے اس کو پکڑ رکھا ہے میں نے تیرے اور اس کے درمیان تخلیہ کردیا پکڑلے تو قبل از قبضہ اس موقعہ پر اگر وہ گھوڑی بائع کے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے تو اگرچہ مشتری بائع سے لے کر قابو کرنے پر قادر بھی تھا تو بھی نقصان بائع پر ہوگا اھ (ملخصا) یہ تمام بحث خانیہ میں ہے اور مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ (ت)

اور بداہۃً ظاہر ہے کہ جو چیز اپنے صندوق میں رکھی ہے اور صندوق اپنی الماری میں ہے اور مالک نے آپ انھیں کھولا اور صندوق بدستور الماری میں رکھا ہے اور وہ خود انھیں کھولے ہوئے بیٹھا ہے تو قطعاً اسی کا قبضہ ہے، پھر تخلیہ کہا متحقق ہوا کہ روپیہ اصل قبضہ مالک سے ایک وقت بھی خالی نہ ہوا بخلاف اس کے کہ صندوق کھول کر صندوق ہندہ کے ہاتھ میں دے دیتا کما فی

[1] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۳۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۸

المحیط السرخسی والتنویر والھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ محیط سرخسی، تنویر اور ہندیہ وغیرہا میں ہے۔ت) کہ اب صندوق ومافیہ پر زید کا قبضہ نہ رہتا اور کھلے ہونے کے سبب ہندہ کو قبضہ زر پر فی الحال تمکن ہوتا مگر یہاں ایسا نہ ہوا تو تخلیہ نہ ہوا تو قبضہ حقیقی یا حکمی اصلا نہ ہوا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور قبل قبضہ موت واہب سے ہبہ باطل محض ہوگیا،

فی الدرالمختار من موانع الرجوع والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل [1]۔	درمختار میں رجوع کے موانع کی بحث میں ہے میم سے مراد کسی کا قبضہ دینے کے فوت ہونا ہے اور قبضہ سے قبل ہو تو ہبہ باطل ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ زید جبکہ حسب تحریر سوال عالم وعارف باحکام فقہیہ تھا تو اس کا علم ہی بتارہا ہے کہ اسے تکمیل ہبہ منظور نہ تھی، وہ جانتا تھا کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا اور قبضہ ایک آن کو نہ دیا، حسب تصریح سوال وقت نکاح سے ہی اس روپے کو اپنی گرہ اپنے صندوق اپنی الماری میں محبوس رکھا وہ جانتا تھا کہ اگر میں ہندہ کا قبضہ حقیقی نہیں کراتا تو کم از کم تخلیہ تو ضرور ہے اور وہ یونہی ہوگا کہ میں روپیہ صندوق سے نکال کر ہندہ کے نہایت قریب زمین پر رکھ اسے حکم قبضہ دوں مگر اس نے کبھی روپے کو ہوا نہ دی، صندوق میں سے روپیہ درکنار الماری میں سے صندوق بھی نہ نکالا یہ تو سو بار کہا کہ یہ روپیہ تیرا ہے تیری امانت ہے اور یہ ایک بار بھی نہ کہا کہ میں تخلیہ کرتا ہوں تو قبضہ کرلے، تو بحال علم وفقاہت شرائط لازمہ متحقق نہ ہونے دینا صریح دلیل ہے کہ وہ قصداً تکمیل ہبہ سے باز رہا۔

فماذکر من ان کونہ عالما فاضلا یقتضی کونہ باذلا لاھازلا یعارضہ صریحا ان علمہ ذٰلک ھو القاضی بکونہ عاضلا مع ان الاول لیس الاتحسین ظن بتخمین وھذا علی تقدیر معرفتہ باحکم مثبت امتناعہ بیقین۔	اس کا یہ کہنا کہ وہ عالم فاضل ہے اس لئے اس کا یہ عمل دینے کے لئے ہوگا مذاق نہ ہوگا، اس کو صریح معارض ہے کہ عالم فاضل ہونے کے باوجود اس کا یہ عمل فیصلہ کرتا ہے کہ اس نے قصداً تکمیل ہبہ نہ کی، حالانکہ پہلا احتمال (دینے کا ارادہ) صرف اندازے کی بنا پر حُسنِ ظن کا اظہار ہے جبکہ اس کا معارض احکام سے واقف ہونے کی تقدیر پر ہبہ نہ دینے کا یقینی ثبوت ہے۔(ت)

اور اس پر دوسری روشن دلیل اس کا بار بار رونا اور خوف ضیاع بیان کرنا ہے عاقل جس چیز سے

---
[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

ڈرتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے نہ کہ اس پر مُصر رہے، ہندہ نے اس سے کس دن کہا تھا کہ میرا روپیہ آپ امانت رکھیں اور کہا بھی تھا تو یہ اس کی تسلیم پر مجبور کیوں ہوا اور مجبور بھی تھا تو ہندہ کو ایک لمحہ کے لئے قبضہ دلا کر پھر اپنے پاس امانت رکھ لینا دشوار تھا مگر اس نے کبھی قبضہ نہ دیا تو یقیناً وہ کسی طرح قبضہ دینا نہ چاہتا تھا اور اس پر کوئی ایسا اندیشہ رکھتا تھا جو اس خوف امانت پر غالب تھا جس سے بچنے کو وہ اندیشہ گوارا کیا خواہ وہ خوف یہ ہو کہ ہندہ پھر واپس نہ دے گی اور وہ یا اس کا شوہر روپیہ ضائع کردیں گے، بیجا خرچ کرڈالیں گے خواہ کوئی اور وجہ ہو، بہر حال قبضہ دینے سے امتناع واضح ہے، پھر تمامی ہبہ کیا معنی، تیسری اور واضح دلیل یہ ہے کہ اگر وہ واقعی جانتا کہ اس روپیہ پر ہندہ کی ملک تام ہوچکی ہے اور میرے پاس امانتاً ہے پھر اپنے پاس رہنے میں اندیشہ مواخذہ لیا تھا جسے خیال کرکے رویا کرتا تو قطعاً ہندہ کا روپیہ ہندہ کے حوالے کرتا کہ عالم تو عالم ہر عاقل کو اپنے دین کی احتیاط پرائے مال کی احتیاط پر غالب ہوتی ہے، اپنی آخرت کا مواخذہ پرائی دنیا کے نقصان سے زیادہ گراں ہوتا ہے تو صاف ثابت ہے تو کسی مصلحت خاصہ کے باعث جسے وہ خود ہی خوب جانتا ہوگا۔ اس کا اظہار ہبہ محض نمائش ودل دہی ہندہ کے لئے تھا، یہ کلام بضرورت جواب مذکور ہوا ورنہ شرعاً جب کسی عقد کی ناتمامی ثابت ہو تو حال عاقد پر مجرد حسن ظن باعث تبدیلی احکام نہیں ہوسکتا، ہمارے نزدیک الزامات مذکورہ سے یہ آسان ہے کہ یہاں بعض احکام سے زید کا ذہول مان لیجئے کہ یہ چنداں دشوار نہیں وہ اپنے گمان میں یہی جانتا تھا کہ صرف فتح صندوق سے تخلیہ ہولیا اور ہبہ تمام ہوگیا، جیساکہ اس کے بعد بعض ذی علم محبیوں کو عارض ہوا مگر وہ گمان خلاف تحقیق تھا تو حجت نہ رہا اذ لاعبرۃ بالظن البین خطؤہ (ایسے گمان کا اعتبار نہیں جس کا خطا ہونا واضح ہو۔ ت)

بالجملہ ہبہ مذکورہ محض باطل ہے، البتہ زید کا اقرار بار بار حاصل ہے مگر اقرار مفید ملک نہیں، ولہٰذا اگر مقر غلط اقرار کرے مقرلہ کو شیئ مقربہ لینا حرام ہے ولہٰذا اگر محض بربنائے اقرار دعوی ملک کرے قضاء بھی مردود وناکام ہے، اور یہاں جبکہ فریقین متفق ہیں کہ مالک زر زید ہی تھا اور ہندہ کی طرف انتقال ملک کا کوئی سبب سوا اس ہبہ باطلہ کے نہ ہوا تو یقیناً وہ اقرار باطل تھا اور اقرار باطل کچھ اثر نہیں رکھتا، تو اب نہ ہبہ رہا نہ اقرار، اور روپیہ ملک ہندہ سے برکنار

فی تنویر الابصار لاتسمع دعواہ علیہ بشیئ بناء علی الاقرار[1]. فی الدرالمختار حتی لو قرکاذبا لم یحل لہ لان الاقرار	تنویر الابصار میں ہے کسی کے اقرار کی بناء پر اس پر کچھ بھی دعوی قابل سماعت نہ ہوگا، درمختار میں ہے حتی کہ اگر جھوٹا اقرار کرے تو مقرلہ کو اس سے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاقرار مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۰

لیس سببا للملك نعم لو سلمه برضاه کان ابتداء هبة وهو الاوجه بزازیة [1] اھ.وفی الاشباه اقر بالطلاق بناء علی ماافتی به المفتی ثم تبین عدم الموقوع فانه لایقع کما فی جامع الفصولین والقنیة [2] اھ.وفیها ایضًا الاقرار بشیئ محل باطل وعلی هذا افتیت ببطلان اقرار انسان بقدر من السهام لوارث وهوا زید من الفریضة الشرعیة لکونه محالاشرعا مثلامات عن ابن وبنت فاقر الابن ان الترکة بینهما نصفان [3] اه باختصار،وفی غمز العیون یؤخذ من هذا ان الرجل اذ ااقر لزوجته بنفقة مدة ماضیة هی فیها ناشزة اومن غیر سبق قضاء اوارضاء وهی معترفة بذٰلك	لینا جائز نہیں کیونکہ اقرار ملکیت کا سبب نہیں ہے ہاں اگر مقر اپنی رضامندی پر دے دے تو یہ دینا ابتداء ہبہ قرار دیا جائے گا اوریہی زیادہ مناسب ہے،بزازیہ۔اھ،الاشباہ میں ہے کسی مفتی کے فتوی کی بناء پر خاوند نے طلاق کا اقرار کیا پھر معلوم ہوا کہ اس فتوی کی وجہ سے طلاق نہ ہوئی ہے تو اقرار سے طلاق نہ واقع ہوگی،جیساکہ جامع الفصولین اور قنیہ میں ہے،اھ،اور اس میں یہ بھی ہے کہ کسی محال چیز کا اقرار کیا تو باطل ہوگا، اسی وجہ سے میں نے فتوی دیا کہ اگر کوئی شخص دوسرے وارث کے لئے وراثت کے حصہ کا اقرار کرے اور وہ حصہ شرعی حصہ سے زائد ہو تو ایسا اقرار باطل ہوگا کیونکہ یہ زائد شرعا محال ہے،اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص بیٹا اور بیٹی وارث چھوڑ کر فوت ہوا اور بیٹے نے یہ اقرار کیا کہ ترکہ ہم دونوں بہن بھائی میں نصف نصف ہے اھ مختصرًا،اور غمز العیون میں ہے اس سے یہ ماخوذ ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے لئے گزشتہ اس کے نافرمانی کے دور کے نفقہ یا ایسے گزشتہ وقت کے نفقہ جس کا قاضی نے فیصلہ نہیں کیا اور نہ ہی دینے پر راضی تھا اقرار کیا

[1] درمختار کتاب الاقرار مجتبائی دہلی ۲ /۱۳۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۵

فاقرارہ باطل لکونه محالا شرعا [1] الخ **اقول**: وھو ماخوذ عن العلامة شیخ الاسلام ابی عبدالله محمد بن عبد الله الغزی کما رأیته منقولا عندی فی حاشیة الاشباہ للعلامة السید الشریف محمد بن محمد الحسینی اُفندی الشھیر بزیرك زادہ من رجال القرن العاشر قال وقد افتیت اخذا من قول العلامة الغزی بان اقرار ام الولد لمولاھا بدین لزمھا له بطریق شرعی باطل وان کتب به وثیقة لعدم تصور دین للمولی علی ام ولدہ اذ الملك له فیه کامل والمملوك لایکون علیه دین لما بلکه والله تعالٰی اعلم۔ [2] اھ وھو المراد ھھنا یقول الحموی قال بعض الفضلاء وقد افتیت اخذ امن ذٰلك بان اقرار ام الولد [3] الی اٰخر ماقدمنا۔	اور بیوی بھی گزشتہ ایسے نفقہ کی معترف ہو کہ واقعی نافرمانی یا بلا فیصلہ قاضی یہ نفقہ ہے تو خاوند کا یہ اقرار باطل ہوگا کیونکہ ایسا نفقہ شرعا محال ہے الخ **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ شیخ الاسلام علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی سے ماخوذ ہے، جیسا کہ میں نے علامہ سید شریف محمد بن محمد الحسینی افندی المعروف زیرک زادہ جو کہ دسویں صدی کے عالم ہیں کے حاشیہ الاشباہ میں دیکھا انھوں نے فرمایا کہ میں نے علامہ غزی کے قول سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ جب ام الولد اپنے مالک کے حق میں اقرار کرے کہ میرے ذمہ شرعی حق کے طور پر اس کا قرض ہے تو یہ اقرار باطل ہے اگرچہ مالک نے وثیقہ بھی لکھ رکھا ہو کیونکہ ام الولد پر مالک کے قرض کا تصور نہیں ہوسکتا اس لئے کہ ام الولد پر مالک کی مکمل ملکیت ہے جبکہ مملوک پر اپنے مالک کا دین نہیں ہوسکتا واللہ تعالٰی اعلم اھ اور اس مقام پر حموی کے قول کے "بعض فضلاء نے فرمایا کہ میں نے اس سے اخذ کرتے ہوئے یہ فتوٰی دیا کہ ام الولد کا مالک کے حق میں قرض کا اقرار باطل ہے" سے حوالہ مذکورہ مراد ہے۔(ت)

الحمدللہ ایضاح مسئلہ کے لئے اسی قدر کافی ہے باقی تخلیہ کی تحقیق تعریف و تنقیح شرائط و

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

ابانت مرام وازاحت اوہام و تفضیل فروع وجزئیات و تمیز المرجوع والرجیح من الروایت فقیر غفرلہ المولی القدیر کے حواشی متعلقہ ردالمحتار میں ہے وباللہ التوفیق والحمدللہ رب العالمین و صلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین (اٰمین) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۵: مرسلہ جناب قاضی فرزند صاحب رئیس گیا ۱۵رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ صاحب جائداد کثیر بیمار ہوئی کہ ان کو اور ان کے شوہر ثانی کومایوسی ہوگئی اور تمام اطباء ڈاکٹروں نے جو معالج تھے بالاتفاق کہا کہ مرض مہلک ہے اس سے نجات مشکل ہے، حالت یہ تھی کہ اکثر وہ مریضہ غشی میں رہتی تھی اور اٹھنا بیٹھنا بغیر اعانت غیر کے نہیں ہوسکتا تھا اور کھانا پینا معمولی موقوف ہوگیا تھا، یہی حالت بلکہ اس سے زیادہ ردی آخر موت تک رہی، شوہر ثانی نے شوہر اول کی اولاد کی حق تلفی کی غرض سے اپنے نابالغ بیٹے کے نام مسماۃ سے اسی مرض میں جائداد کا کثیر حصہ جس کی لاکھوں روپیہ قیمت ہوتی ہے بعوض ایک جلد قرآن شریف اور انگشتری طلائی کے ہبہ نامہ بالعوض لکھوادیا اور اس وثیقہ کے استحکام کے واسطے شوہر اول کی اولاد میں سے صرف ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو بھی بقیہ جائداد میں کچھ حصہ بعوض ایک دلائل الخیرت اور ریک پنجسورہ شریف کے مسماۃ سے اس مرض مذکور میں ہبہ بالعوض لکھوادیا اور بقیہ تین لڑکیاں اولاد شوہر اول کو محروم کردیا، اب مسماۃ نے اسی مرض مذکورہ میں تقریباً ایک مہینہ کے اند تعمیل وثائق کے انتقال کیا، اب یہ تینوں لڑکیاں آپ حضرات کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض التجا کرتی ہیں کہ کیا ایسی کوئی صورت مطابق شرع شریف کے نکل سکتی ہے کہ ہم لوگ اپنے حق کو پہنچیں اور صورت وحیلہ مردود و باطل ہوجائے، اس کا جواب شافی بحوالہ کتب وعبارات لکھا جائے اللہ تعالٰی آپ حضرات کو اجر عظیم عطافرمائے گ، مسماۃ مرحومہ مرض مذکورہ میں اندازا تین چار مہینہ مبتلا رہی اور کاروائی مذکورہ بالا کے ایک مہینہ کے بعد انتقال کرگئی فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس ہبہ بالعوض کی کاروائی مطلقاً باطل ومردود ہے، وہ تمام جائداد جس قدر ایک لڑکے کے نام ہبہ بالعوض کی اور جو شوہر اول کے دو بچوں کے نام لکھنے سے باقی رہی وہ تمام وکمال ترکہ مسماۃ ہے اور حسب فرائض اللہ اس کی سب اولاد پر جو دونوں شوہروں سے ہے بعد

اخراج چہارم کے کہ حصہ زوج ثانی ہے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"[1] (لڑکوں کے واسطے لڑکیوں سے دگنا ہے۔ت) تقسیم ہو گی، مسماۃ کی صورت مرض کہ سوال میں مذکور ہوئی باتفاق علماء مرض الموت ہے کہ روز بروز خوف ہلاک غالب بھی تھا اور نشست وبرخاست سے معذور بھی تھی اور ایک سال مرض ممتد بھی نہ رہا اور اسی میں موت عارض ہوئی، تو یہ ہبہ مرض الموت میں تھا اور اپنی اولاد کے نام تھا اور ہبہ بالعوض ابتداء وانتہاء ہر طرح بیع ہے اور بیع کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ ہوا اگرچہ برابر قیمت پر ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ومردود ہے، نہ کہ ایسی بیع لاکھوں روپے کا مال آٹھ دس روپے کو یہ تو بالاجماع باطل ہے، درمختار میں ہے:

من غالب حالہ الھلاك بمرض اوغیرہ بان اضناہ مرض عجزبہ عن اقامۃ مصالحۃ خارج البیت ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد وعجز السوق عن الاتیان الی دکانہ، وفی حقھا ان تعجز من مصالحھا داخلہ کما فی البزازیہ، ومفادہ انھا لوقدرت علی نحوالطبخ دون صعود السطح لم تکن مریضۃ قال فی النھر وھو الظاھر قلت وفی اٰخر وصایا المجتبی المرض المعتبر المضنی المبیع لصلٰوتہ قاعدہ و المقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ولم یقعدہ فی الفراش کالصحیح ثم رمز "شح" حد	جس شخص کا غالب حال یہ ہو کہ وہ مرض وغیرہ سے ہلاک ہوجائے گا یوں کہ وہ مرض سے اتنا لاغر ہوگیا کہ گھر سے باہر اپنے ضروری امور کو بجانہیں لاسکتا۔ مرض الموت کے حال کا یہ صحیح بیان ہے، مثلاً کوئی عالم فقیہ مسجد میں جانے سے عاجز ہوجائے یا دکاندار اپنی دکان پر جانے سے عاجز ہوجائے اور عورت گھر میں داخلی ضرورت سے عاجز ہوجائے، جیساکہ بزازیہ میں ہے عورت کے عجز کا معیار یہ ہو کہ اگر کھانا پکانے پر قادر ہو اور چھت پر جانے کی قدرت نہ ہو تو مریضہ شمار نہ ہو گی، نہر میں فرمایا یہی ظاہر ہے، میں کہتا ہوں المجتبٰی کے وصایا کے آخر میں ہے کمزور کردینے والا مرض جس میں کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے، جُڑا ہوا مفلوج او سیل والا لمبی مہلت پالے اور بستر میں پابند نہ ہوجائے تو اس کو صحت مند جیسا شمار کیا جائے گا پھر انھوں نے "شح" کی رمز سے فرمایا لمبی مہلت

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

التطاول سنه ھا انتہٰی وفی القنیة المفلوج والمسلول والمقعد مادام یزداد کالمریض اھ۔[1] وفیه امالو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداءً وانتھاءً [2] اھ وفیه وقف بیع المریض لوارثه علی اجازۃ الباقی ولو مثلا القیمة [3] اھ مزیدا من ردالمحتار۔	کی حد ایک سال ہے اور قنیہ میں ہے مفلوج سل زدہ اور جڑا ہوا اگر ان کا مرض بڑھ رہا ہو تو مریض کی طرح شمار ہوں گے اھ اور اسی میں ہے اگر مریض کہے میں نے تجھے فلاں کے بدلہ میں ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع قرار پائے گی اھ، اور اسی میں ہے مریض کا اپنے وارث کو کوئی چیز فروخت کرنا باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگا (اگرچہ مثلی قیمت پر فروخت کیا ہو اھ) یہ ردالمحتار کا اضافہ ہے۔ (ت)

خانیہ وعالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع [4] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی چیز اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو فروخت کرے پھر تندرست ہوگیا تو بیع صحیح ہوگی اور اسی مرض میں فوت ہوجائے گی اور باقی ورثاء جائز نہ کریں تو بیع باطل ہوگی اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۶: از ریاست رامپور محلّہ کوچہ قاضی مرسلہ سید ولایت حسین وکیل ۳ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد بدست عمرو بقیمت دوہزار روپے کے بیع کرکے بیعنامہ میں یہ لکھ دیا کہ سات سو روپے میں نے وصول پائے اور تیرہ سو روپے منجملہ اس کے مشتری کو معاف کردئے تو یہ صورت ہبہ زر ثمن کی ہے یا نہیں؟ اور زید بائع کو حق رجوع عن الہبہ شرعاً حاصل ہے یا نہیں؟

[1] درمختار کتاب الطلاق باب الطلاق المریض مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

[2] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲، ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۴

الجواب:

اگر بیع واقع ہونے کے بعد بیعنامہ میں تیرہ سو کی معافی لکھی تو یہ صورت ہبہ ثمن کی نہیں بلکہ ابراء کی ہے اور ابراء میں شرعاً حق رجوع نہیں۔ اشباہ میں ہے:

مافترق فیہ الھبۃ ولاابراء لہ الرجوع فیھا عند عدم المانع بخلافہ مطلقا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہبہ اور ابراء میں فرق یہ ہے کہ ہبہ میں مانع نہ ہونے کی صورت میں رجوع (واپس لینا) جائز ہے، ابراء اس کے خلاف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۷: از دیوبند ضلع سہارنپور محلّہ مسجد کمال مرسلہ قاسم حسین صاحب تحصیلدار ۱۵ محرم شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد اپنے دو لڑکوں نابالغ کے نام خرید کی، بروقت خریداری جائداد کے جس کے نام جائداد خریدی کی گئی اور ایک لڑکی موجود تھی سوائے اولاد مذکورۃ الصدر کے اس وقت اور کوئی اولاد نہیں تھی، بعد ازاں زید مذکور کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور پیدا ہوئی۔ اب جائداد سے وہ لڑکی جو اس وقت بوقت خرید کے موجود تھی اور وہ لڑکا اور لڑکی جو بعد خرید کے پیدا ہوئے شرعاً حصہ پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ دونوں نابالغ جن کے نام ان کے باپ نے جائداد خریدی اس جائداد کے مالک مستقل ہوگئے، جو لڑکی اس وقت موجود تھی یا جو لڑکا لڑکی بعد کو پیدا ہوئے ان کا اس میں کچھ حق نہیں کہ اگر اصل ایجاب و قبول بیع انھیں لڑکوں کے نام ہوا جب تو ظاہر ہے کہ جائداد بائع نے ان لڑکوں کے ہاتھ بیع کی اگرچہ زر ثمن ان کی طرف سے باپ نے ادا کیا جو اس کا تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہ وہ لے سکتا ہے نہ اس کے دیگر ورثہ، اور باپ کو اپنے نابالغ بچوں کے نام ایسی خریداری کا مطلقاً اختیار ہے۔

فلاینفذ الشراء علیہ حتی یجعل واھبا کالام اذا شرت بمالھا لولدہا الصغیر	باپ پر خریداری عائد نہ ہو بلکہ بچے کو ہبہ کرنے والا ہوگا جیسا کہ ماں اگر نابالغ کے لئے اپنے مال سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۴۸

تصیر مشریۃ لنفسھا واھبۃ من ولدھا لعدم ولایتھا کما من العقود الدریۃ[1] وغیرھا۔	کوئی چیز خریدے اور اقرار کرے میں نے اپنے مال سے خریدی ہے تو خریداری ماں کی ہوگی اور نابالغ کے لئے وہ چیز ہبہ قرار پائے گی کیونکہ ماں کی نابالغ بچے کے لئے خریداری کی ولایت نہیں ہے جیسا کہ عقود الدریہ وغیرہ میں ہے(ت)

اور اگر اصل خریداری میں لڑکوں کے نام نہ تھا اگرچہ بعد کو بیعنامہ میں ان کا نام لکھا دیا تو تو ابتداءً مالک جائداد زید ہوا۔ پھر بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھانا ان کے انکے عـــہ سے ہبہ ہوا اور باپ جو اپنے نابالغ بچہ کے نام ہبہ کرے وہ ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہو جاتا ہے۔ نہ قبول نابالغ کی حاجت نہ دو کے نام بلا تقسیم ہبہ ہونا مضر کہ قبضہ والد یعنی خود واہب کا کافی وکامل بلاشیوع ہے، درمختار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع وبعکسہ لکبیرین لاعندہ للشیوع فیما یحتمل القسمۃ[2]۔	دوافراد نے ایک شخص کو مکان کا ہبہ کیا تو جائز ہے کیونکہ اس میں شیوع نہیں ہے اور عکس کی صورت میں کہ ایک شخص دو بالغ افراد کو ایک مکان دے تو جائز نہیں امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، کیونکہ اس صورت میں شیوع ہے قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

افاد انھا للصغیرین تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدھما وحیث اتحد ولیھما فلاشیوع فی قبضہ ویؤیدہ قول الخانیۃ[3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	عکس والی صورت سے ظاہر ہوا کہ دو نابالغوں کو دے تو صحیح ہوگا کیونکہ دونوں میں سے کسی کو سبقت میں ترجیح نہ ہوئی اور ان کے لئے ایک ولی قبضہ کرے گا تو قبضہ تقسیم نہ ہوگا اور شیوع نہ ہوا۔ اور خانیہ کا قول اس کی تائید کرتا ہے، الخ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عـــہ: فی الاصل ھکذا، لعل الصواب "نام"۔

---

[1] العقود الدریۃ باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

مسئلہ ۹۸تا۱۰۲: از ریاست جاورہ مکان ہیڈماسٹر مرسلہ صاحبزادہ محمد صالح خاں ولد محمد یونس خاں ۲۳ربیع الاول ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین:

(۱) محمد یوسف خاں صاحب کو وظیفہ رئیس جاورہ سے ماہ بماہ ملتا تھااس تنخواہ کو تقسیم کرکے جملہ وارثوں کے نام ہبہ کردئے اور ایک ہبہ نامہ لکھ دیااور تاحیات واہب مذکور تنخواہ پر قابض ومتصرف رہے اور جملہ موہوب لہم اور زوجگان کو اپنے شامل رکھا، تنخواہ کا قبضہ کسی وارث کو نہیں کرایا تو ایسے قسم کا ہبہ نامہ بموجب کتاب ردالمحتار صفحہ ورق ۴۹۳ و ۴۹۴ کے بموجب ہبہ جائز ہے یاناجائز ہے؟

(۲) اسی قدر واہب نے حویلیاں زوجگان کو ہبہ کیں اور ہبہ نامہ میں قبضہ کالفظ یا منعقد (عہ) جلسہ ہبہ کے وقت جملہ وارثوں موہوب لہم سے ایجاب قبول نہیں کرایااور نہ آپ واہب اس وقت اس سے دستبردار ہوااور شامل موہوب لہم رہا، ایسے قسم کا ہبہ وہبہ نامہ بموجوب درمختار بغیر قبضہ دئے ہوئے عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟

(۳) ہبہ نامہ دستاویز واہب نے خود ایک وصیت نامہ بھی مندرج کیا، جب تین جز فرضی اور یہ فرض شامل مندرجہ ہبہ نامہ ہوئے ایسے قسم کا ہبہ نامہ جائز ہے یاناجائز؟

(۴) تنخواہ جو بھی تھی یہ قسم فرائض سے نہیں ہے ملک غیر کا ہبہ کرادینااور اس پر فرائض تین چیزوں کو ملاکر ہبہ کردیناواہب کا سات دو قسموں میں پس ایسی قسم کاہبہ وہبہ نامہ عندالشرع جائز ہے یاناجائز؟

(۵) کوئی شخص کسی شخص کواپنی چیز ہبہ کردے اور اس موہوب لہ کو خبر بھی نہ ہو بغیر اس کی رضاوبغیر اس کی اجازت کے، اور نہ اس کو عوض دیا ہو، اس موہوب لہ کو چیز ہبہ کی ہوئی کو دوسروں کو ہبہ کردے ایسی قسم کاہبہ جائز ہے اور دستاویز واہب جائز ہے یاناجائز؟

الجواب:

(۱) تنخواہ آئندہ کاہبہ باطل ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ماسیتحصل من حصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ	اس سے معلوم ہوا کہ جو دوقریوں سے حاصل شدہ ہو اس کا بطریق اولٰی ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ ابھی واہب نے خود قبضہ نہیں کیاتو وہ دوسرے کو کیسے

عـــہ: سوال کایہ فقرہ ناتمام ہے ہبہ نامہ میں ذکر قبضہ لازم نہیں ۱۲ فقیر احمد رضاخاں قادری غفرلہ۔

وھذا ظاھر [1] واللہ تعالٰی اعلم	مالک بنائے گا، یہ ظاہر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲) جملہ وارثوں سے ایجاب وقبول کرانا کچھ ضرور نہیں، ہاں واہب کا اپنا قبضہ تمام وکمال اٹھا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضرور ہے اگر ذرا دیر کو بھی تاحیات ایسانہ کیا ہبہ موت واہب قبل قبضہ زوجات سے باطل ہوگیا، اشباہ ودرمختار میں ہے:

ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ [2]۔	دوسرے کے حق میں مشغول چیز کا ہبہ جائز نہیں الایہ کہ والد اپنے نابالغ بچے کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔(ت)

مگر یہ ہبہ اگر دین مہر کے عوض کیا ہے تو صحیح ہوگیا اور قبضہ کی حاجت نہیں کہ ہبہ بالعوض بیع ہے۔ درمختار میں ہے:

لوقال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر یوں کہا میں نے تجھے فلاں چیز کے بدلے ہبہ کیا تو یہ اول آخر بیع ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) ہبہ نامہ میں وصیت نامہ شامل کرنے سے ہبہ باطل نہیں ہوتا۔ سوال بہت گول ومہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) تنخواہ کا جواب اوپر گزر چکا کہ وہ ہبہ نہیں ہوسکتی نہ ملک غیر کا ہبہ کرنا نافذ ہو جب تک وہ اسے جائز نہ کردے، مگر ایسی اشیاء کے ساتھ اپنی ملک خاص کا ہبہ کردینا ملک خاص کے ہبہ کو ضرر نہ دے گا جبکہ وہ چیز جدا منقسم ہو اس غیر ملک کے ساتھ مخلوط ومشاع نہ ہو

لان الھبۃ لا تفسد بالشرائط الفاسدۃ بخلاف البیع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہبہ فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا بخلاف بیع کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۵) جو چیز کسی کو ہبہ کردی اور قبضہ دے دیا اور ہبہ تام ہوگیا وہ شے موہوب لہ کی ملک ہوگئی، اب جو اس دوسرے شخص کو ہبہ کرتا ہے یہ پہلے ہبہ سے رجوع ہے اگر موانع رجوع سے کوئی شیئ پائی جاتی ہو مثلاً جسے ہبہ کیا وہ اپنی زوجہ یا اپنا عزیز محرم مثل پسر یا برادر وغیرہ ہے، جب تو ظاہر ہے کہ اسے رجوع کا کچھ اختیار نہیں۔ وہ ہبہ اسی موہوب لہ کی اجازت پر موقوف رہے گا۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

[2] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

اگر جائز کردے گا جائز ہوجائے گا۔ رد کردے گا باطل ہوجائے گا اور اگر موانع رجوع نہ ہو جب بھی رجوع کا خود بخود اختیار نہیں ہوتا بلکہ یا تو موہوب لہ کی مرضی سے ہبہ واپس کرلے یا نالش کرکے بحکم حاکم رجوع کرے۔ اس کے بعد دوسرے کو ہبہ کرسکتا ہے، بغیر اس کے وہی ملک غیر کا ہبہ ہے۔ درمختار میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم۔[1]	دونوں فریقوں کی باہمی رضامندی یا حکم حاکم کے بغیر رجوع صحیح نہیں ہے۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز ھبۃ مال الغیر بغیر اذنہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	غیر کے مال کا ہبہ اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از مقام کبیر کلاں ڈاکخانہ خاص علاقہ ڈبائی ضلع بلند شہر مرسلہ عطاء اللہ ٹھیکدار ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ والد نے اپنے فرزند کو اپنے گھر سے نکالا اور کچھ حقیت اپنے فرزند کے نہیں رکھی، فرزند بحکم اپنے والد کے گھر سے نکل کر اجنبی مکان میں سکونت پذیر ہوا۔ بعد اس کے ان کے والد مقروض ہوئے اور اپنے اسی فرزند سے کہا کہ تم میرا قرضہ ادا کردو اور میں اس کے عوض میں ایک قطعہ زمین واسطے مکان کے تمھارے نام لکھتا ہوں، چنانچہ ولد نے اپنے والد کا قرضہ ادا کرکے اس زمین کی رجسٹری کرالی، اب اس کے والد نے مکان کے واپس لینے کی درخواست عدالت میں دی ہے کہ میں نے اپنے فرزند کو مکان عاریتا دیا تھا ملکیت کے طور پر نہیں دیا تھا، اگر والد نے اپنا مکان واپس کرالیں تو ولد کو بحکم شرع مجاز ہے کہ اپنے والد سے ثمن واپس لیں یا نہیں، یا اس قاعدہ میں ہوگا کہ والد فرزند کے مال کا مالک ہے۔

الجواب:

اگر وہ مکان اس شخص نے اپنے ولد کے نام بیع کیا جب تو ظاہر ہے کہ اسے فسخ بیع کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واپس لے گا تو ثمن واپس دینا پڑے گا اور اگر ہبہ کیا اور قبضہ تامہ دلادیا جب

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۴

بھی وہ مکان ملک ولد ہوگیا اور والد کو اس میں رجوع کا اصلا اختیار نہ رہافان **المحرمیۃ تمنع الرجوع** (کیونکہ محرم ہونا رجوع کے لئے مانع ہے۔ت) پھر اگر کسی دھوکے سے رجوع کرلی توظاہر ہے کہ ولد نے جو اس کے کہنے سے اس کا قرضہ ادا کیا یہ ادا کرنا تبرعانہ تھا کہ اس کے صلہ میں زمین دینا قرار پایا تھا۔جب زمین واپس ہوجائے گی بلاشبہ ولد کو اپنا روپیہ واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از شہر کانپور محلّہ پریڈ مرسلہ محمد ابراہیم مسیح صدیقی ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے منجملہ اپنی جائداد غیر منقولہ کے ایک مکان اپنے پسر عمرو کو دے دیا اس طرح پر کہ دفاتر سرکاری میں درخواست دے کہ زید نے اپنا نام رجسٹر مکانات میں خانہ ملکیت سے خارج کراکے اپنے پسر عمرو کا نام داخل کرادیا بعدہ کرایہ نامہ مکان مذکور جو درمیان کرایہ داران اور عمرو کے تحریر وتصدیق ہوتے رہے ان کا کرایہ ناموں پر دستخط بحیثیت مالک کے ثبت ہوا کئے،اور زید اپنی شہادت گواہ شد لکھ کر تحریر کرتا رہا۔رسید کرایہ کی عمرو کے دستخط اور نام سے دی جاتی تھی اور نالشان کرایہ داران پر صرف عمرو کی جانب سے ہوتی رہیں اور محصول سرکاری بھی از نام خزانہ سرکاری میں جمع ہوا کرتا ہے اور چند مرتبہ جب زید نے اپنی مملوکہ ومقبوضہ جائداد کی فرد مرتب کرکے داخل سرکار یا عدالت کی ہے تو اس میں بھی اس مکان موہوبہ کو اپنی ملک درج وظاہر نہیں کیا مگر محاصل مکان مذکور یعنی کرایہ مکان موہوبہ سے کبھی بقدر ربع کبھی ثلث اور کبھی نصف زید مذکور عمرو سے واسطے مصارف خوردونوش اپنے واپنے اہل وعیال کے جس میں عمرو پسر زید بھی شامل شریک تھا لے لیا کرتا تھا۔اور عمرو مذکور بلاعذر بخوشی تمام بہ تعمیل حکم اپنے پدر یعنی زید کے جس قدر روپیہ وہ طلب کرتا تھا دے دیا کرتا تھا۔اس قسم کے عملدرآمد کے سولہ برس کے بعد زید نے وفات پائی،خالدہ وحامدہ دختران زید کا یہ بیان ہے کہ زید نے کسی مصلحت سے یہ مکان عمرو پسر کے نام درج رجسٹر سرکاری کراکے قبضہ عمرو کو دے دیا تھا۔اور زید کا یہ قول بھی بیان کرتی ہیں کہ اس نے بارہاظاہر کیا کہ اس نے یہ مکان عمرو کی ملک نہیں کردیا ہے،زید کے اس قول کے شاہد بجز دختران مذکور زید کے جو وارث اور مستحق متروکہ زید کے بنی ہیں اور کوئی نہیں ہے،پس ایسی صورت میں ازروئے شرع شریف فقہ حنفی یہ مکان موہوبہ تنہاملک عمرو متصور ہوگا اور اس کا مالک صرف عمرو قرار پائے گا،یا یہ مکان بھی متروکہ زید متصور ہوکے جملہ وارثان پر قابل تقسیم ہوگا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مکان تنہاملک عمرو ہے زید یا دیگر وارثان زید کا اس میں کچھ حق

نہیں داخل خارج کرادینااور وہ کارروائیاں کہ سوال میں مذکور ہیں قطعاً دلیل تملیک ہیں، اور ثبوت ہبہ کے لئے کافی ووافی ہیں۔
ردالمحتار میں ہے:

اذا دفع لابنه مالافتصرف فیه الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالة التملیک، بیری، **قلت** فقد افاد ان التلفظ بالایجاب و القبول لایشترط بل تکفی القرائن الدالة علی التملیک [1] اھ مافی الشامی قلت و مثل مافی بیری فی احکام الصغار وفی الباب السادس من الهندیة کلیهما عن الملتقط۔	جب بیٹے کو مال دیا اور اس نے تصرف کیا تو وہ مال باپ کا ہوگا ہاں یہ کہ کوئی قرینہ ایسا ہو جو تملیک پر دلالت کرے تو بیٹا مالک ہوگا۔ بیری، میں کہتا ہوں، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہبہ میں ایجاب وقبول لفظا ضروری نہیں بلکہ تملیک کا کوئی قرینہ کافی ہے۔شامی کا بیان ختم ہوا، **میں کہتاہوں** مثل بیری کے احکام الصغار اور ہندیہ کے چھٹے باب کا بیان ملتقط سے منقول ہے۔(ت)

زید کا عمرو سے روپیہ مانگنا اور عمرو کا دینا کچھ منافی تملیک نہیں ہوسکتا جیسے عمرو ابتداءً مالک مکان ہوتا اور باپ کو اس کے مانگنے پر بلکہ بے مانگے اس کا کرایہ دیا کرتا، اور حامدہ وخالدہ کا وہ بیان محض دعوی ہے اور کوئی دعوی بلا دلیل مقبول نہیں ہوسکتا۔
حدیث میں ہے:

لویعطی الناس بدعوٰھم لذهبوا بدماء الناس و اموالهم ولکن البینة علی من یدعی [2]	محض دعوی کی بناء پر لوگوں کو دیا جائے تو لوگ عوام کا مال اور جان لوٹ لیں گے لیکن مدعی پر گواہ پیش کرنا لازم ہے۔ (ت)

بلکہ بعد ثبوت تملیک اگر زید کا انکار ثابت بھی ہوجائے تو اصلانہ مفید نہ قابل اعتبار کہ بعد تمامی ہبہ، ہبہ للولد سے والد کو رجوع کا اختیار نہیں لان المحرمیة مانعة (کیونکہ محرم ہونا مانع ہے۔ت) نہ بعد عقد کوئی بلابینہ اس کے فرضی ہونے کا دعوی کرسکتا ہے۔

لان من سعی فی نقض ماتم من جهة فسعیة مردود علیه	جو شخص اپنے تام کئے ہوئے کو توڑنے کی کوشش کرے تو اس کی یہ سعی مردود ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

[2] کنز العمال بحوالہ ق عن ابن عباس حدیث ۱۵۲۹۶ و ۱۵۲۹۷ موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۱۹۰

کما فی الاشباہ[1] والدر وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ اشباہ اور درمختار وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی زوجہ سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا بالغ موجود ہیں اور زوجہ اولٰی نے قضاء کی، زید نے نکاح ثانی کیا، اس سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں، زید نے زوجہ ثانیہ کے نام ایک مکان پختہ کلاں مسکونہ لکھ دیا۔ اولاد زوجہ ثانیہ کی دو لڑکیاں بالغ جن کی شادی ہوگئی اپنے گھروں پر موجود ہیں۔ اور دو لڑکے ایک سات برس کا اور دوسرا پانچ برس کا نابالغ ہیں زید ان دونوں نابالغوں کو اپنی کل جائداد بقیہ لکھتا ہے۔ زید کا کچھ مال یا نقد سوائے اس جائداد کے باقی نہ رہے گا، اس صورت میں زید کی خدمت اور نابالغوں کی پرورش کون کرے گا اور کس چیز سے ان کا خرچ کیا جائے گا اور تجہیز وتکفین کون کرے گا، کون حصہ پائے گا۔ اور کون خدمت گزار بنے گا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر وہ اپنی جائداد بلاتقسیم ان دونوں کے نام ہبہ کردے گا جب تو ہبہ ہی صحیح نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے:

لو وھب اثنان دارا الواحد صح وبعکسہ لا[2]۔	اگر دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو صحیح ہے اور اس کا عکس صحیح نہیں ہے۔ (ت)

اور اگر تقسیم کرکے ہبہ کرے گا یا بعد ہبہ تقسیم کردے گا تو بلاتقسیم ان کے نام بیع کرے گا تو ان صورتوں میں وہ لڑکے ضرور مالک ہوجائیں گے مگر زید دیگر ورثہ کو محروم کرنے کے سبب گنہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[3]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا۔

پھر اگر زید اس بلائے عظیم کو اوڑھ لے تو بچوں کے خورد ونوش سے سوال کے کوئی معنی نہیں۔ وہ بچے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۷۰

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ادارہ احیاء سنۃ النبویہ سرگودھا ص ۱۹۸

مالک جائداد ہو جائیں گے ان کے مصارف ان کے مال سے ہوں گے جسے ان کا باپ ولایۃً صرف کرے گا اور زید کہ اب فقیر ہو گیا وہ بھی بقدر کفایت اپنا کھانا پہننا اس سے کر سکے گا۔

قال تعالٰی "مَنۡ اِسۡرَافًا وَّبِدَارًا اَنۡ یَّکۡبَرُوۡا ؕ وَ مَنۡ کَانَ غَنِیًّا فَلۡیَسۡتَعۡفِفۡ ۚ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو ولی فقیر ہو وہ بھلائی کے طور کھائے اور جو غنی ہو تو وہ عفت اختیار کرے۔(ت)

رہا اس کا کفن دفن وہ اس کے مالدار وارثوں پر ہوگا،

لان کفن المیت علی من کانت نفقتہ علیہ اعتبار الکسوۃ الممات وسکناہ بکسوۃ الحیات وسکناہ کما فی ردالمحتار وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ میت کا کفن اس شخص کے ذمہ ہے جو اس کے نفقہ کا ذمہ دار تھا، مردوں کی سکونت ولباس کہ زندوں کے سکنہ ولباس پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم ہے، جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ مسماۃ زینب اپنا مکان اپنی اولاد پر ایک عرصہ سے اپنی زندگی میں تقسیم کرنا چاہتی ہے، اور اس کے وارث حسب ذیل تھے: ایک لڑکی ہندہ اور زید، بکر، عمرو تین لڑکے، جن میں سے ہندہ نے انتقال کیا اور قبل انتقال اس نے کہا کہ میرا حصہ میرے بھائی عمرو کو ملنا چاہئے، اور مسماۃ زینب اصل مالکہ مکان ابھی زندہ ہے اور وہ خود چاہتی ہے کہ ہندہ کا حصہ عمرو کو دیا جائے۔ تو ایسی حالت میں کتنا زید کتنا بکر کتنا عمرو کو حصہ ملنا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تینوں کو برابر ملنا چاہئے، ہندہ کا کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کی وصیت کا کچھ اثر، ہاں اگر زید وبکر راضی ہو تو جتنا حصہ چاہیں ہندہ کا قرار دے کر عمرو کو زیادہ دے دیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷ تا ۱۱۲: از رامپور گھیر نجو خاں مرسلہ حافظ قرۃ العین صاحب امام مسجد ۲۴ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مسماۃ عمر تخمیناً ۸۸ سال ساکنہ میرٹھ جو عرصہ سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶

بعوارض مختلفہ بیمار تھی اور محض لاولد اور صاحب جائداد منقولہ وغیر منقولہ تخمینا پندرہ سولہ ہزار روپے کے انتقال سے قبل تخمینا دوماہ بعارضہ پیچش واسہال مبتلا ہو کر اس میں انتقال ہوگیا، ایک اس کی حقیقی بہن یعنی متوفیہ کی میرٹھ میں اس کے پاس رہا کرتی تھی اور ایک بہن اور ایک بھائی حقیقی شہر رامپور میں رہتے ہیں، اس بہن نے جو میرٹھ میں رہتی ہے بطمع مال واسباب وجائداد رامپور والے بھائی بہن کو اس مرض موت وانتقال سے خبر نہ کی، اور ایک ہبہ نامہ متوفیہ کی طرف سے اس حالت مرض میں جان کر کہ یہ جانبر نہ ہوسکے گی اپنی ایک پوتی اور ایک نواسی کہ ہر دو نابالغ ہیں ہبہ نامہ تحریر کرا کر اپنے میل کے دو آدمیوں سے کہ وہ محض اجنبی تھے اور کوئی رشتہ نہیں رکھتے تھے رشتہ دار متوفیہ کا بنا کر بغرض شہادت ذریعہ کمیشن گھر بلا کر تصدیق کرادیا اور ہبہ نامہ میں ایک مکان مسکونہ کہ جو اس متوفیہ کا تھا اور تادم مرگ اسی مکان میں مع مال واسباب رہی اور ایک مکان مع چہار دکاکیں کہ جو تحت میں پشت پر واقع ہیں اور انھیں کی چھت پر مکان بنا ہوا ہے اور ان دکانوں میں ایک مدت سے کرایہ دار متوفیہ کی طرف سے چلے آتے ہیں۔ اس سب جائداد جزو کل کا ایک ہبہ نامہ مشاع دونوں نابالغوں کے نام مالیت پانچ ہزار روپیہ قرار دے کر بولایت اپنے اس بہن نے جو پاس متوفیہ کے رہا کرتی تھی تصدیق کرادیا، بشہادت انھیں اشخاص کے جن کو رشتہ دار متوفیہ کا بنایا تھا اور خود سب جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر بعد وفات اپنی بہن کے قابض بن بیٹھی، دوسرے روز مرنے سے متوفیہ کے چند اشخاص کہ جو بتقریب شادی سرکار والی ریاست رامپور کے آئے تھے ان سے خبر متوفیہ کے بھائی کو معلوم ہوئی، بھائی بمجرد سننے خبر فوت بہن کے تیسرے روز سوم کے وہاں پہنچا تو یہ کارروائی دیکھی اور سنی کہ ہبہ نامہ لکھا گیا، اور ہم دونوں بہن بھائی کی حق تلفی میں کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا پس علمائے دین سے اب [1]سوال یہ ہے کہ یہ ہبہ مشاع جائز ہے یا ناجائز؟ اور [2]نانی نے نابالغوں کی طرف سے ولی بن کر قبضہ کیا باوجودیکہ باپ نابالغہ کا وہیں میرٹھ میں موجود ہے یہ قبضہ کرلینا نانی کا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

[3]سوم یہ کہ پوتی اس کی رامپور میں اپنی ماں کی پرورش میں ہے بغیر اطلاع وبلااجازت پوتی اور ہونے ماں کے قبضہ دادی کا صحیح یا نہیں؟

[4]**چہارم** یہ کہ وہ متوفیہ اپنے مکان مسکونہ میں تادم حیات مع مال واسباب اپنے کے رہی، تادم مرگ خالی نہیں گیا، اس صورت میں قبضہ ہوگیا یا نہیں؟

[5]**پنجم** یہ کہ بعض جائداد موہوبہ پر اگر قبضہ ہوجائے اور بعض پر نہ ہو تو موجب نقصان ہبہ ہے یا نہیں؟

۶ششم: یہ کہ اگر مکان مسکونہ میں متوفیہ تادم حیات خود رہی بعد تحریر ہبہ نامہ کے اور باقی مکان دکاکیں میں اسی متوفیہ کے کرایہ دار تھے اور کوئی امر جدید جو موجب قبضہ ہوتا تاحیات متوفیہ عمل میں نہیں آیا تو موجب بطلان ہبہ ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ ہبہ جزءً وکُلا تمام وکمال باطل وبے اثر محض ہے وہ سب جائداد متروکہ عورت ہے اس کے وارثوں پر حسب فرائض تقسیم ہوگی بہن کی پوتی نواسی اس میں سے اس عقد وتحریر کی بناء پر ایک حبہ نہیں پاسکتیں، نہ ازروئے ہبہ، نہ بروئے وصیت کہ مرض الموت کا ہبہ اگرچہ حکماً وصیت ہے، حقیقۃً ہبہ ہے اگر موہوب لہ کے قبضہ تامہ شرعیہ سے پہلے واہب کا انتقال ہوجائے باطل محض ہوجاتاہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

قال فی الاصل ولاتجوز هبة المریض ولاصدقته الامقبوضة فاذا قبضت جازت من الثلث واذا مات الواهب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم ان هبة المریض هبة عقد اولیست بوصیة واعتبارها من الثلث ماکانت لانها وصیة معنی لان حق الورثة یتعلق بمال المریض وقد تبرع بالهبة فیلزم تبرعه بقدر ماجعل الشرع له وهو الثلث واذا کان هذا التصرف هبة عقدا شرط له سائر شرائط الهبة ومن جملة شرائطها قبض الموهوب له قبل موت الواهب[1]۔	اصل میں فرمایا ہے مریض کا ہبہ یا صدقہ صرف وہی صحیح ہوگا جس پر اس نے قبضہ دے دیا ہو تو جب قبضہ دے دیا تو اس کے تہائی مال سے جائز ہوگا اور اگر وہ قبضہ دینے سے پہلے فوت ہوگیا تو ہبہ باطل ہوجائے گا یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کا ہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور اس میں تہائی مال تک جتنا بھی اس کا اعتبار ہے اس لئے ہے کہ وہ معنیً وصیت ہے اس لئے کہ اس کے مال سے ورثاء کا تعلق ہے اور ہبہ کرکے تبرع کیا ہے تو تبرع میں اتنا ہی دیا جاسکتا ہے جتنا شریعت نے اس کو حق دیا ہے اور وہ تہائی حصہ ہے اور جب مریض کا یہ تصرف عقد کے لحاظ سے ہبہ ہے تو اس میں ہبہ کے شرائط معتبر ہوں گے جبکہ اس کے جملہ شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے قبل موہوب لہ کا قبضہ ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة باب العاشر فی هبة المریض نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۰

یہاں جبکہ جائداد قابل قسمت ہے اور دو شخصوں کو بلا تقسیم ہبہ کی گئی ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے۔ تنویر میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا[1]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مکان دیا تو صحیح ہے اور اس کا عکس ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

للشیوع فیما یحتمل القسمۃ[2]	قابل تقسیم چیز میں شیوع کی وجہ سے (ت)

اور جبکہ تسلیم بالتقسیم سے پہلے واھبہ نے انتقال کیا ہبہ بالاجماع باطل ہوگیا

ای علی مذہبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ واشار بالاجماع الی ارتفاع النزاع فی ان ھبۃ المشاع فاسدۃ تفید الملك بالقبض ام باطلۃ فلا تفید اصلا وذلك لان الموت قبل التسلیم مبطل اتفاقا ولو ھبۃ صحیحۃ فضلا عن فاسدۃ۔	یعنی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر اور اجماع کا اشارہ اس لئے کیا کہ مشاع چیز کا ہبہ فاسد ہو تو قبضہ کے ساتھ مفید ملک ہوگا یا وہ باطل ہو تو ملکیت کے لئے اصلا مفید نہ ہوگا اس بات میں نزاع ختم ہوگیا۔ یہ اس لئے ہے کہ قبضہ دینے سے قبل واہب کی موت ہبہ کو بالاجماع باطل کردیتی ہے اگرچہ ہبہ صحیح ہو تو فاسد کا ذکر ہی کیا رہا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم ولو قبلہ بطل[3]۔	میم سے فریقین میں سے ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد مراد ہے اور موت قبل از تسلم ہو تو باطل ہوجائے گا۔ (ت)

سوال اول کا جواب ہوگیا بلکہ یہاں اسی قدر کافی تھا۔

دوم[۲] نابالغہ نواسی اگر نانی کے پاس رہتی تھی نانی کے قبضہ میں تھی تو جو ہبہ اس کے لئے ہوا

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبہ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

نانی کا اس پر قبضہ جائز و موجب تمامی ہبہ تھا، اگر ہبہ مشاع نہ ہوتا تو اس صورت میں باپ کا اسی شہر میں موجود ہونا نانی کے قبضہ کا مانع نہیں۔ یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی، ہاں اگر نواسی اس کے قبضہ میں نہ ہو تو باپ کے ہوتے نانی وغیرہ کسی کا قبضہ جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

ان وھب له اجنبی تتم بقبض ولیه وھو الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه وان لم یکن فی حجرھم وعند عدمھم تتم بقبض من یعوله کعمه واجنبی لو فی حجر ھما والالا بفوات الولایة لکن فی البرجندی اختلف فیما لوقبض من یعوله والاب حاضر فقیل لا یجوز والصحیح ھو الجواز[1]۔	اگر نابالغ کو اجنبی نے ہبہ دیا تو اس کے ولی کے قبضہ سے ہبہ تام ہوجائے گا ولی ترتیب وار، باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی اگر بچہ ان کے پاس نہ ہو اور مذکور لوگ نہ ہوں پھر جس نے بچے کو اپنا عیال بنایا بشرطیکہ بچہ ان کے پاس ہو مثلاً چچا اور کوئی اجنبی کہ اس کے قبضہ سے بچے کے لئے ہبہ تام ہوگا اگر مؤخر الذکر لوگوں کے پاس بچہ نہ ہو تو ان کا قبضہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں ان کو ولایت نہیں ہے۔ لیکن برجندی میں ہے کہ عیال میں لینے والا بچے کے والد کی موجودگی میں قبضہ کرے تو اختلاف ہے۔ بعض نے کہا جائز نہیں اور صحیح یہ ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

اختلف المشائخ فیه والصحیح الجواز ھٰکذا فی فتاوی قاضی خاں وبه یفتی ھٰکذا فی الفتاوی الصغری[2]۔	اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور صحیح یہ کہ جائز ہے، فتاوٰی قاضی خاں میں یونہی ہے اور فتاوٰی صغرٰی میں ہے کہ اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

سوم ۳: پوتی کہ ماں کی پرورش میں ہے اس کے ہبہ پر دادی کا قبضہ جائز نہیں اگرچہ اسی شہر میں ہو کما تقدم عن الدر[3] من قوله والالا لفوات الولایة (جیسا کہ درمختار میں گزرا کہ عیال میں ہو تو جائز ورنہ نہیں کیونکہ ولایت نہ پائی گئی۔ ت)

---

[1] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۳

[3] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

چہارم[4] اس صورت میں قبضہ نہ ہوا، درمختار میں ہے:

الموھوب ان مشغولا یملك الواھب منع تمامھا[1]۔	کہ موہوب جب ملک واہب میں مشغول ہو تو تمامی ہبہ سے مانع ہوتا ہے۔(ت)

پنجم[5] دو[2] موہوب چیزوں میں ایک پر قبضہ تامہ مستقلہ اگر بغیر دوسرے پر قبضہ کے ہوجائے تو جس پر قبضہ ہوا اس کا ہبہ تمام ہوگیا، اور اگر دو شخصوں کو ہبہ مشاع تھا یا ایک شے دوسرے کی جز یا اس سے مثل جز متصل یا مشغول ہے تو اس پر قبضہ نہیں۔ عالمگیریہ میں ہے:

لووھب دارافیھا متاع الواھب وسلم الدار الیه اوسلمھا مع المتاع لم تصح، ولووھب المتاع دون الدار وخلی بینه وبینه صح وان وھب له الدار والمتاع جمیعا وخلی بینه وبینھا صح فیھما جمیعا وان فرق فی التسلیم نحو ان یھب احدھما وسلم ثم وھب الاٰخر وسلم ان قدم ھبة الدار لاتصح وفی المتاع تصح وان قدم ھبة المتاع فالھبة صحیحة فیھما جمیعا ولو وھب الارض دون الزرع او الزرع دون الارض وخلی لم تصح فی الوجھین لان کل واحد منھما متصل لصاحبه اتصال جزء بجزء فصار بمنزلة ھبة المشاع فیمایحتمل القسمة، ولو وھب	اگر ایسے مکان کا ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان موجود ہے اور مکان یا مکان مع سامان کا قبضہ دیا تو صحیح نہ ہوگا۔ اور اگر سامان صرف ہبہ کیا اور واہب نے سامان کا تخلیہ موہوب لہ کو کردیا تو ہبہ صحیح ہوگا۔ اور اگر مکان مع سامان ہبہ کیا اور تخلیہ کردیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا اور مکان اور سامان کا ہبہ معًا نہ کیا بلکہ یکے بعد دیگرے کیا تو اگر پہلے مکان ہبہ کیا اور قبضہ دے دیا تو مکان میں ناجائز اور سامان میں جائز ہوگا اور اگر پہلے سامان ہبہ کرکے اس کا قبضہ دے دیا تو دونوں کا ہبہ صحیح ہوگا ـــــــ اگر زمین کا بغیر فصل یا فصل کا بغیر زمین ہبہ کیا اور قبضہ کے لئے تخلیہ کردیا ہو تو دونوں صورتوں میں ہبہ صحیح نہ ہوگا کیونکہ زمین اور اس پر فصل کا اتصال جزئیت والا ہے تو یہ قابل تقسیم مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہے اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ ہبہ کیا

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۰۹

کل واحد منهما علیحدة ان جمع فی التسلیم جازت فیهما وان فرق لاتجوز فیهما ایهما قدم کذا فی السراج الوہاج [1] (ملخصا)	اور قبضہ دونوں کا معًا دیا تو دونوں کا ہبہ جائز ہوگا اور قبضہ علیحدہ علیحدہ دیا دونوں کا ہبہ درست نہ ہوگا خواہ دونوں میں جس کو چاہے مقدم موخر کرے، سراج الوہاج میں یوں ہے۔(ملخصا)(ت)

ششم ہاں اس صورت میں قبضہ نہ ہوا اور قبل قبضہ موت موجب بطلان ہبہ ہے۔ در مختار اور ردالمحتار میں ہے:

فی الاشباہ هبة المشغول لاتجوز الااذا وهب الاب لطفله دارا والاب ساکنها ولو وهب طفله دارا یسکن فیها قوم بغیر اجر جاز ویصیر قابضا لابنه لالوکان باجر [2] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔	الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ ناجائز ہے الایہ کہ باپ اپنے نابالغ بیٹے کو ہبہ کرکے خود سکون پذیر بھی ہو تو جائز ہے، اگر نابالغ بیٹے کو باپ نے مکان ہبہ کیا جبکہ اس میں کوئی غیر سکون پذیر ہے اگر یہ سکونت پہلے سے بغیر اجارہ ہے تو ہبہ جائز ہوگا باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہو جائے گا۔ اور غیر کی وہ سکونت اجارہ کے طور پر ہے تو ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۳: از کانپور مرسلہ کریم احمد معرفت عم او نبی احمد سوداگر عطر بازار کلاں بریلی ۹ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ذاتی روپے سے ایک قطعہ مکان اپنی اہلیہ کے نام خرید کیا تھا اور بیعنامہ اپنی بی بی کے نام لکھوایا نہ اپنے نام سے بعد خریداری مکان زید اور اس کی بی بی نے ایک ساتھ مکان مذکور کے بالاخانہ پر سکونت اختیار کی اور مکان مذکورہ کے کل حصہ زیریں میں زید کا تجارتی مال ہمیشہ رہا کیا اور اب تک موجود ہے۔ خریداری مکان سے عرصہ تین سال کے بعد ہاؤس ٹیکس جاری ہوا رجسٹر ہاؤس ٹیکس کے خانہ ملکیت میں زید نے اپنا نام خود درج کرایا اور ٹیکس کا روپیہ بھی تاحین حیات خود ادا کرتا رہا۔ اور مرمت مکان بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب لثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۰

[2] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹، ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۰

اپنے صرفہ ذاتی سے خود کرتا رہا۔اب زید کا انتقال ہوگیا، بموجب حکم شرع شریف کے وہ مکان مملوکہ خاص زوجہ زید کا ہوگا یا یہ کہ زید کے سب ورثہ میں مشترک ہوگا؟**بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے وقت ایجاب وقبول بیع بنام زوجہ کرائی مثلاً بائع سے کہا یہ مکان میں نے اپنی بی بی کے نام خرید ا بائع نے کہا میں نے تیری بی بی کے ہاتھ بیچا جب تو اس مکان کی مالک زوجہ ہوئی جبکہ زوجہ نے وہ بیع اپنے نام جائز رکھی، درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضافہ بان قال بع لفلان فقال بعتہ لفلان توقف، بزازیہ وغیرھا[1]۔	اگر غیر کے لئے کوئی چیز خریدی اور خریداری کو غیر کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ خریدار کی ہوگی، اگر یہ کہہ کر غیر کی طرف منسوب کی کہ یہ چیز فلاں کے لئے بیع کر اور جواب میں دوسرا کہے میں نے یہ فلاں کے لئے بیع کی، تو اس غیر کی اجازت پر موقوف رہے گی، بزازیہ وغیرہا(ت)

اور اگر زید نے خریداری زوجہ کے نام نہ کی پھر بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھا دیا تو مالک زید ہوا اور بیعنامہ میں زوجہ کا نام لکھانا زوجہ کے لئے ہبہ کہ بے قبضہ تمام نہیں ہوسکتا، اور جبکہ زید خود بھی اس مکان میں رہا اور اپنا اسباب رکھا اور کبھی خالی کرکے زوجہ کو قبضہ نہ دیا یہاں تک کہ مرگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا، مکان ملک زید ہے حسب فرائض ورثائے زید پر منقسم ہوگا۔درمختار میں ہے:

تتم الھبۃ بالقبض الکامل ولو الموھوب شاغلا لملک الواھب لامشغولا بہ[2]۔	ہبہ کامل قبضہ سے تام ہوتا ہے اگرچہ موہوب شاغل بملک واہب ہو اور اگر موہوب چیز واہب کی ملک میں مشغول ہے تو تام نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[3]. واللہ تعالٰی اعلم۔	"م" سے مراد فریقین میں سے ایک کی موت بعد قبضہ ہے اور اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

مسئلہ ۱۱۴: از کانپور مچھلی بازار آوردہ محمد شریف صاحب ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی حیات میں جو جائداد غیر منقولہ خرید کی وہ کچھ اپنے نام سے اور کچھ اپنے دو پسران نابالغ کے نام سے خرید کی اور ہمیشہ ہر دو جائداد پر بکر قابض رہااور اس کی آمدنی کرایہ بھی بکر اپنے تصرف میں لایا، بکر نے جو جائداد نابالغ لڑکوں کے نام سے بیعنامہ کرائی تھی اس کی از سر نو تعمیر ومرمت بکر نے اپنے روپے سے کی، جیسے اپنی جائداد کی کرتا تھا، کوئی حساب علیحدہ نابالغان کے نام جائداد کا نہیں رکھا۔ بکر تجارت پیشہ تھااور اس کی تجارت کا مقام کلکتہ میں تھااور جائداد دوسرے مقام میں تھی، بکر نے انتظام جائداد غیر منقولہ کل وصولیت کرایہ ومرمت واز سر نو تعمیر جن لوگوں کے سپرد کیا تھا ان کو بھی بکر کی کوئی ہدایت ایسی نہ تھی کہ ہر دو جائداد کی مرمت وکرایہ وغیرہ کا حساب علیحدہ رکھا جائے، کچھ کرایہ دار از نام نابالغان والی جائداد کے ایسے ہیں جن کا بکر سے تجارتی کاروبار تھا، ہمیشہ ان لوگوں نے کرایہ وآمد مال بکر کا ایک ہی ساتھ میں بکر کے نام سے جمع کیا یعنی اپنے بہی کھاتہ میں لکھااور اس کا روپیہ بھی بکر ہی کو دیااور بکر نے کبھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بکر نے ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء میں دو یادداشتیں بطور چٹھا کے بنائیں اور اس میں کل جائداد اپنی اور جو دو لڑکوں کے نام ہے اس کی قیمت لکھی، اور جو روپیہ نقد از قسم نوٹ وغیرہ تھے وہ لکھے اور لینا دینا جو لوگوں کے ذمہ تھا وہ لکھا، بکر ۱۹۱۱ء میں بیمار ہو کر شروع ۱۹۱۲ء میں قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اور اپنے وارثان چند لڑکے اور لڑکیاں اور زوجہ کو چھوڑا، اب بحکم شرع شریف وہ جائداد جوان دو پسروں کے نام ہے وہ کل وارثان پر تقسیم ہوگی یا اس کے وہی دو پسران مالک رہے؟ فقط

الجواب:

بکر نے اگرچہ جائداد خریدی مگر آپ خرید کر اپنے دو۲ بچوں کے نام بیعنامہ کرانا اس کی طرف سے ان کے لئے ہبہ ہے، منح الغفار وردالمحتار میں ہے:

اشتری لھا فی صغرھا اوبعد ماکبرت وسلم الیھا و ذٰلك فی صحته فلاسبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة[1]۔	بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے کوئی چیز والد نے خرید کر قبضہ دے دیا اور والد نے یہ عمل اپنی صحت و تندرستی میں کیا تو ورثاء کا اس چیز پر کوئی دخل نہ ہوگا وہ خالص بیٹی کی ہوگی۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

سائل نے زبانی اظہار کیا کہ وہ جائداد بچوں کے نام خریدی دو مکان ہیں ہر ایک بڑا اور قابل تقسیم ہے اور ہر ایک میں دونوں لڑکے بلا تقسیم شریک رکھے گئے ہیں، ایسا ہے تو یہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع باطل ہے۔ جب بکر بلا تقسیم بے قبضہ تقسیم دینے کے مر گیا ہبہ معدوم محض ہوگیا۔ اور ان مکانوں میں بچوں کا کوئی حق سوائے وراثت نہ رہا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبعکسہ لا[1]۔	اگر دو افراد نے اپنا مکان ایک شخص کو ہبہ کیا تو یہ صحیح ہے اگر اس کا عکس ہو تو صحیح نہیں۔ (ت)

ردالمحتار میں علامہ خیر رملی سے ہے:

لافرق بین ان یکون کبیرین اوصغیرین اواحدھما کبیرا والاٰخر صغیرا[2]۔	دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ دوسرا نابالغ ان سب صورتوں میں کوئی فرق نہیں۔ (ت)

درمختار موانع رجوع میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل۔[3]	"م" سے مراد "فریقین میں سے ایک کی بعد از قبضہ موت ہے" اگر قبضہ سے قبل موت ہو تو ہبہ باطل ہو جائے گا۔ (ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ زبانی خریداری میں بچوں کا نام نہ لیا اپنے لئے یا مطلق خریدا اور بیعنامہ میں بچوں کا نام لکھا دیا کہ اس صورت میں ملک بکر کی ہوئی اور ان کے نام کرادینا بکر کی طرف سے ان کو ہبہ اور عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے، ہاں اگر یہ صورت ہوئی ہو کہ نفس گفتگوئے خریداری میں بچوں کے نام خریدا مثلاً بائع سے کہا کہ یہ مکان اتنی قیمت پر میرے ان دو بچوں کے ہاتھ بیع کردے، اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کئے، اس نے کہا میں نے ان کی طرف سے قبول کئے، تو اس صورت میں اصل بیع ان دونوں کے نام ہوئی اور وہی اصالۃً ان مکانوں کے مالک ہوئے، زرِ ثمن کہ بکر نے اپنے پاس سے ادا کیا وہ تبرع واحسان ہوا جس کا معاوضہ نہیں، اس تقدیر پر بیشک دونوں مکان ملک نابالغان ہیں اور تمام کاروبار وکاغذات حساب وکتاب میں بکر کا ان کو اپنی ملک سے جدا نہ شمار کرنا کچھ مضر نہیں کہ بحکم ولایت اسے اس کا

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

[3] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اختیار تھا یہاں تک کہ متولی وقف کو بوجہ ولایت ہی اپنی ملک سے تعبیر کرتا ہے وکیل ملک موکل کو اپنی ملک کہتا ہے۔
عالمگیریہ میں ہے:

لوادعی المحدود لنفسه ثم ادعی انه وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الوقفیة بسبب التولیة یحتمل التوفیق لان فی العادة یضاف الیه باعتبار ولایة التصرف والخصومة[1]۔	اگر محدود زمین پر اپنا دعوی کیا اور پھر بعد میں اس زمین کے وقف ہونے کا دعوی کیا تواس صورت کا صحیح جواب یہ ہے کہ اگر اپنی تولیت میں وقف کا دعوی کیا تو دونوں دعووں میں موافقت ہوسکتی ہے کیونکہ عادتاً وقف تصرف اور خصومت میں متولی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر فرض کیجئے کہ اس سے بکر کی مراد ان مکانوں کا خود مالک بننا ہی تھا، جب اصل گفتگوئے بیع لڑکوں کے نام ہوئی ان کی ملک ثابت ہوگئی، پھر بکر اسے اپنے نام کیونکر منتقل کرسکتا ہے، اس صورت میں مکان وراثت سے بری ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۵: مستفسرہ عبداللہ صاحب بہاری بروز چہارم شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکے کی شادی ہوئی، قریب عمر ۹، ۱۰ برس کے تھی، نکاح کی اجازت لڑکی کے والد نے دی اور اس برات میں آپس میں نزاع ہوگئی، نکاح دو دن نہیں ہوا، تیسرے دن وقت ۱۰ بجے دن کے نکاح ہوا، بعد مغرب ۸ بجے رات کو رخصت لڑکی کو کرکے ۹ بجے واپس چلی گئی، بعد دو سال کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، بروقت جنازہ تیار ہونے کے لڑکی کے باپ نے مہر معاف کیا، اب جو مال یعنی زیور جو لڑکے کے والد نے شادی میں چڑھایا تھا وہ طلب کرتا ہے تو لڑکی کا والد کہتا ہے کہ میرا مہر دوجب دوں گا، اب اس حالت میں جائز ہے یا نہیں؟ شرع سے جو حکم ہو وہ تحریر ہوجائے۔

الجواب:

اگر لڑکی نابالغہ تھی اور باپ نے مہر معاف کیا تو یہ معافی محض باطل ہے اور مہر کا اپنی دختر کے لئے اسے مطالبہ پہنچتا ہے، یونہی اگر وقت معافی مہر دختر بالغہ تھی اور باپ نے اس کی اجازت کے بغیر معاف کیا بعد معافی عورت نے اسے جائز کہا، جب بھی مہر معاف نہ ہوا اور مطالبہ صحیح ہے ہاں اگر وقتِ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۳۱

معافی دختر بالغہ تھی اور اس کی اجازت سے باپ نے معاف کیا یا بعد کو اس نے یہ معافی منظور کرلی تو مہر معاف ہوگیا اب اس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اب اس کے لئے چڑھاوا روک سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۶: از شاہجہان پور محلّہ باڑوزئی مرسلہ جناب عبدالغنی صاحب ۱۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

زید نے اپنے حین حیات وصحت ذات وثبات عقل میں چند ظروف مسی وغیرہ پر اپنے بیٹے عمرو کا نام کندہ کرادیئے اور ظاہر کیا کہ یہ عمرو کے واسطے ہیں، چند مدت کے بعد زید مرگیا، اب وہ ظروف وغیرہ جن پر نام کندہ کئے ہوئے ہیں آیا مال متروکہ مشترکہ میں شامل ہوکر سب وارثوں میں تقسیم ہونگے یا وہ ظروف مستثنٰی کرکے تقسیم ہوگی؟

الجواب:

اگر عمرو وقت ہبہ نابالغ تھا ہبہ تمام ہوگیا اور وہ ظروف ملک عمرو ہونگے، ترکہ میں شامل نہ ہوں گے، یونہی اگر عمرو بالغ تھا اور زید نے وہ برتن خالی کرکے اس کے قبضہ میں دے دئے جب بھی وہ متروکہ نہیں، ملک عمرو ہیں، ہاں اگر اس وقت عمرو بالغ تھا اور زید نے ان ظروف کو عمرو کے قبضہ تامہ میں نہ دیا یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا تو وہ ہبہ باطل ہوگیا۔ ظروف مثل باقی متروکات ورثہ پر تقسیم ہوں گے، **والمسائل مشھورۃ وفی عامۃ الکتب مسطورۃ** (اور یہ مسائل مشہور ہیں اور عام کتب میں موجود ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷: از چندوسی ضلع مرادآباد، سرتاج علی خاں طالب علم درجہ نہم (ایس۔ایس۔ایم) ہائی اسکول چندوسی ۴ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

ایک مسماۃ نے اپنا چھٹا حصہ جو کہ شرعًا اسکے بیٹے کے ترکہ میں سے اس کی موجودگی میں مرجانے کی وجہ سے نکلتا تھا یہ صحت نفس وثبات عقل اپنے یتیم پوتوں اور بیوہ بہو پر از راہ شفقت بخشش کیا اور قبضہ مالکانہ بھی دلادیا، اب اس کا بیٹا یعنی اس کے پوتوں کا چچا اس چھٹا حصہ کو مانگتا ہے اور مسماۃ کے انتقال کو عرصہ ۴ برس کا ہوا، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرع نے اس حق درحق کی میعاد کتنی مقرر کی ہے یعنی کتنے دنوں تک یہ حق لیا جاسکتا ہے؟

الجواب:

سائل نے کچھ بیان نہ کیا کہ اس کا چھٹا حصہ کیا[۱] ہے اور[۲] اس کا چھٹا حصہ کہ عورت کو پہنچا تھا پوتوں اور بہو پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ میں جتنا ٹکڑا پڑے قابل انتفاع رہے گا یا نہیں، اور

[۳]عورت نے اس کے جدا جدا ٹکڑے کرکے ہر موہوب لہ کو الگ الگ قابض کرایا یا مجموعی حالت میں ان سب کو ہبہ کیا، اور [۴]وہ پوتے بالغ ہیں یا بعض یا سب نابالغ، اور [۵]جو نابالغ ہیں کسی کی پرورش میں ہیں۔ اور [۶]ان کی طرف سے کس نے قبضہ کیا، اور [۷]وہ بہو اور پوتے سب صاحب نصاب ہیں یعنی ان میں ہر ایک چھپن روپے یا زیادہ کے مال کا مالک ہے، یا بعض صاحب نصاب ہیں بعض فقیر یا سب فقراء، اور یہ چھٹا حصہ کہ اس نے ہبہ کیا باقی جائداد میں ملا ہوا تھا یا الگ الگ کرلیا تھا، ان تمام باتوں پر جدا احکام ہوں جن کی تفصیل میں طول ہے اور سائل کی غرض صرف ایک صورت سے متعلق ہوگی، لہٰذا ان آٹھوں باتوں کا جواب مفصل بیان لکھنے پر اس خاص صورت کا جو حکم ہو بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: از شہر کہنہ مسئولہ سید نور اللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ ۹ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ

(زید نے اپنے بیٹے بکر کے نام ایک مکان لکھا) بکر سے بحالت مرض الموت بکر کے اس کو رنج دے کر طوعًا و کرہًا بکر کے نام کا مکان زید نے اپنی دوسری زوجہ غیر کفو کے نام لکھادیا، کیا یہ ہبہ جائز ہے یا فاسد؟

الجواب:

اگر بکر کے نام کا ہبہ صحیح اور قبضہ خالصہ سے تام ہوگیا تھا تو یہ ہبہ بے رضائے مالک ہوا باطل ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹: از بجنور مرسلہ مولوی محسن علی خاں صاحب منصف ۱۰ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے زیور نقرئی وطلائی اور ظروف دیگر وسامان اس نیت وارادہ سے تیار کرایا کہ وہ اپنی دختر نا کتخدا کے عقد نکاح کے بعد رخصت کے وقت جہیز میں دے گا، چنانچہ بعض لوگوں کو یہ سامان دکھلا کر یہی بیان بھی کیا مگر قبل اس کے کہ نوبت عقد ورخصت دختر مذکور کی پہنچے اس نے قضا کی ایسی حالت میں وہ زیور ظروف وسامان ترکہ متوفی قرار پائے یا دختر مذکور تنہا اس کی مالک و مستحق سمجھی جائے۔

الجواب:

کوئی تملیک محض نیت وارادہ سے نہیں ہوسکتی نہ مجرد اظہار ارادہ کہ میں نے اس لئے بنوائے یا یہ مال فلاں کو دوں گا کوئی اثر ملک پیدا کرسکے۔ اصلاح وایضاح میں ہے:

الھبۃ ھی فی الشرع تملیك مال للحال بلاعوض[1]۔	شرع میں فی الحال مال کا بغیر عوض کے لئے مالک بنانا ہبہ کہلاتا ہے۔ (ت)

---

[1] اصلاح وایضاح

بلکہ اگر دختر اس جہیز کے تیار کراتے وقت بالغہ تھی یعنی اسے حیض آلیا تھا یا پندرہ سال کامل کی عمر ہوچکی تھی اور جہیز بنواکر اس کے باپ نے صریح الفاظ تملیک بھی کہہ دئے ہوں، مثلاً میں نے اپنی دختر فلانہ کو اس مال کا مالک کیا، جب بھی از انجا کہ قبضہ دینے سے پہلے اس شخص کا انتقال ہوگیا کہ جہیز پر قبضہ وقت رخصت دیا جاتا ہے۔ یہاں ابھی عقد بھی نہ ہوا تھا وہ ہبہ باطل محض ہوگیا، بہر حال وہ مال تمام وکمال متروکہ متوفی ہے، ہاں اگر لڑکی اس وقت نابالغہ تھی یعنی نہ اسے آثار بلوغ پیدا ہوئے تھے نہ پورے پندرہ برس کی عمر ہوئی تھی اور اس نے اس کے واسطے جہیز بنوایا یا کہا میں نے اسے اس کا مالک کیا، یا یہ اس کا ہے۔ یا اتنا ہی کہا کہ یہ میں نے اس کے لئے بنوایا ہے۔ تو ضرور کل مال یا اس میں سے جس خاص شیئ کی نسبت یہ لفظ صادر ہوئے تھے ملک دختر ہے اگرچہ قبضہ دختر نہ ہوا کہ نابالغ کے لئے باپ کا قبضہ کافی ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اشتری ثوبا فقطعه لولده الصغیر صار واهبا بالقطع مسلما الیه قبل الخیاطة ولو کان کبیرا لم یصر مسلما الیه الابعد الخیاطة والتسلیم ولو قال اشتریت هذا له صار ملکاله کذا فی القنیة [1]۔	کپڑا خرید کر کاٹا اور نابالغ بیٹے کو سلے بغیر دے دیا تو ہبہ ہوگیا اور اگر بالغ بیٹے کے لئے ایسا کیا تو سلائی اور قبضہ دئے بغیر ہبہ نہ ہوگا اور اگر کہا میں نے بیٹے کے لئے خریدا ہے تو بیٹے کی ملک ہوجائے گا قنیہ میں یوں ہے۔ (ت)

فتاوٰی ولوالجیہ پھر منح الغفار پھر ردالمحتار اور ینابیع پھر ہندیہ میں ہے:

واللفظ للشامی جهز الاب ابنته ثم بقیة الورثة یطلبون القسمة منها فان کان الاب اشتری لها فی صغرها اوبعد ما کبرت وسلم الیها وذٰلك فی صحته فلا سبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	الفاظ شامی کے ہیں:- والد نے بیٹی کو جہیز دیا اور والد کی وفات کے بعد باقی ورثاء اس جہیز میں حصہ کے طالب ہوئے تو اگر والد نے اپنی صحت میں بیٹی نابالغ یا بالغ کے لئے خرید کر قبضہ دے دیا تھا تو ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اور وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب، تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ حیبن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش مرحوم بروز پنجشنبہ ۲ صفر ۱۳۳۴ھ

سوال اول: امیر بخش مرحوم نے بحالت حیات کسی مصلحت سے ایک لڑکے مسمّٰی اصغر حسین کو جدا کردیا اور تجارتی مال کا پانچواں حصہ ان کو دے دیا اور چار حصہ یعنی بقیہ کل مال بلاتقسیم اپنے قبضہ میں رکھا اور چار لڑکیاں جو دو محل سے موجود تھیں ان کو کچھ نہیں دیا، آیا ایسی تقسیم شرعًا درست ہے؟ اور باپ کے مال میں کیا لڑکیاں شرعاحقدار نہیں ہیں؟

الجواب:

ایک لڑکے کو پانچواں حصہ دینا باقی بیٹیوں کو نہ دینا اگر اس وجہ سے ہو کہ وہ لڑکا اوروں پر فضل دینی رکھتا ہے تو حرج نہیں **کمافی الدرالمختار والعالمگیریۃ** (جیسا کہ درمختار اور عالمگیریہ میں ہے۔ت) ورنہ حدیث میں اسے ظلم فرمایا:

اکل بنیك نحلت مثل ھذا قال لاقال لاتشھدنی علی جور[1]۔	کیا تونے تمام بیٹوں کو اس کی مثل عطیہ دیا ہے عرض کی نہیں یارسول اللہ تو آپ نے فرمایا: مجھے ظلم پر گواہ نہ بنا۔(ت)

مگر یہ امر دیانۃً ہے، قضاءً باقی اولاد اس پر دعوی نہیں کرسکتی **لان الملك مطلق للتصرف** (کیونکہ ملکیت تصرف کی آزادی دیتی ہے۔ت) نہ اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ امیر بخش نے بیٹیوں کو محروم کرنا چاہا ہے کہ اس نے اور بیٹوں کو بھی نہ دیا نہ کل مال اصغر حسین کو دے دیا کہ اوروں کا حرمان مفہوم ہو **واللہ تعالٰی اعلم**۔

ایضًا سوال چہارم

مورث کے مشترکہ ترکہ کو اگر قبل تقسیم کے بعض وارث بلااسترضائے دیگر ورثہ کے کلًا یا جزءً کسی غیر کو ہبہ کردیں تو یہ ہبہ شرعا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو کیا ہمارے بھائیوں پر واجب نہیں ہے کہ اس غلط تقسیم کو مسترد کرکے دوبارہ فرائض کے مطابق ترکہ تقسیم کردیں اور جس کا جس قدر حصہ رسدی ہو اس کو پہنچادیں۔

---

[1] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر دارالفکر بیروت ۴/ ۲۶۸

الجواب:

مال مشترک اگر غیر قابل قسمت ہے اور اس نے صرف اپنا حصہ ہبہ کیا تو صحیح و نافذ ہوگیا، باقی ورثاء اپنا حصہ اس میں سے لے سکتے ہیں اور اگر وہ کل شیئ مشترک ہے اور ایک شریک نے کسی کو ہبہ کردی تو اس کے اپنے حصہ میں ہبہ نافذ ہوگیا اور دوسرے شرکاء کے حصوں کا ہبہ ان کی اجازت پر موقوف رہا، اگر وہ عاقل بالغ ہوں ورنہ باطل،

لانہ عقد صدر من فضولی ولا مجیز لہ وقت العقد۔	کیونکہ یہ عقد فضولی سے صادر ہوا جبکہ عقد کے وقت اس کو جائز قرار دینے والا کوئی نہ تھا۔(ت)

اور اگر وہ شے قابل قسمت ہے اور اس نے اپنا حصہ قبل تقسیم ہبہ کیا تو وہ ہبہ محض بے اثر ہے کہ قبضہ سے بھی مفید نہ ہوگا مگر اس کا فسخ اس پر لازم نہیں، اسے جائز ہے کہ بعد تقسیم اپنے حصہ پر موہوب لہ کو قبضہ دے دے اور تکمیل ہبہ کردے، اس کا استرداد واہب کا حق ہے نہ کہ واہب پر حق، ہاں دوسروں کے حصوں میں مزاحمت نہ کرنا اس پر واجب اور اگر شے قابل قسمت ہے اور اس نے کل ہبہ کردی تو یہ وہی ہبہ فضولی کی صورت ہے، اور اگر بقیہ شرکاء سب عاقل بالغ ہوں اور جائز کردیں تو جائز ہوجائے گا۔

کمالو وھب اثنان دارا من واحد جاز کما فی الدر وغیرہ[1]	جیسے دو افراد ایک شخص کو اپنا مکان ہبہ کریں تو جائز ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر اس میں ایک شخص بھی اجازت سے دست کش یا غیر مکلّف ہوگا تو اس کل میں ہبہ باطل ہے یعنی بے اثر و نامفید ملک، بہر حال کسی صورت میں بھائی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ بہنوں کو محروم کردیں، ان کا مال بے اجازت کے کسی کو دے دیں،

قال تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از سنبھل محلّہ کوٹ شرقی ضلع مراد آباد مسئولہ محمد جمیل صاحب ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ روز دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو زیور یا لباس وقت عقد یا بعد عقد زوج اپنی زوجہ کو استعمال کے واسطے دے وہ امانت شمار ہوگا یا ہبہ؟ اور ان دونوں صورتوں

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

میں واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور نیز وہ زیور کہ جو زوجہ کے باپ کے یہاں کا تھا اور شوہر نے اپنے پاس سے کچھ اور چاندی یا سونا ڈال کر بڑھادیا ہو اس کا کیا حکم ہے آیا ہبہ ہے یا امانت؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو کچھ شوہر نے استعمال کے لئے دیا وہ ملک شوہر ہے مگر یہ کہ دلالت تملیک پائی جائے خواہ لفظاً یا عرفاً، اور عورت کا قبضہ ہوجائے تو اب وہ ملک زوجہ ہوجائے گا اور اب اسے کبھی واپس نہیں لے سکتا **لان الزوجیة من موانع الرجوع** (کیونکہ زوجیت موانع رجوع میں سے ہے۔ت) جہیز میں جو زیور وغیرہ عورت کو ملتا ہے وہ یقیناً ملک زن ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة لاحق لاحد فیه[1]۔	ہر ایک کو معلوم ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا حق نہیں ہے۔(ت)

اس نے جو کچھ اور اس میں ڈلوا کر بڑھوادیا ظاہراً اس سے مقصود مالک کردینا ہی ہوتا ہے اگر یوں ہو اور قبضہ تامہ پایا جائے تو ملک زوجہ ہوجائے گا ورنہ نہیں **فان الظاهر حجة للدفع لا للاستحقاق**[2] (ظاہر دفاع کے لئے حجت ہوتا ہے استحقاق کے لئے نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۳: مشاع کی تعریف کیا ہے؟ **فقط**

الجواب:

ایک شیئ دو یا چند اشخاص کو بلا تقسیم ہبہ کی جائے اگرچہ حصے نامزد کردے جائیں کہ نصف نصف یا ایک کو ثلث اور دوسرے کو دو ثلث یا اپنی ملک کا کوئی حصہ غیر معینہ غیر ممتازہ مثلاً نصف، ثلث، ربع، وغیرہ کسی شخص کو ہبہ کرے یا اپنی پوری ملک ہبہ کرے مگر یہ خود کسی شے کے ویسے ہی غیر معین حصے نصف وغیرہ کا مالک ہو، یہ سب ہبہ مشاع ہیں پھر اگر وہ چیز ناقابل تقسیم ہے تو جائز۔ ورنہ نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: مرسلہ محمد نجم الدین صاحب محلّہ رفعت پورہ مراد آباد ۱۶ صفر ۱۳۳۵ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بقضائے الٰہی اچانک فوت ہوگیا اور وہ ایک دولتمند شخص تھا اور اس نے جائداد

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب النفقه داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

منقولہ وغیر منقولہ چھوڑی اور کل پانچ وارث چھوڑے دو دختران اور ایک پسر اور ایک والدہ اور ایک زوجہ ثانی لاولد جو اس کے عقد میں قریب آٹھ برس کے تھی، متوفی مذکور نے نکاح کے وقت کچھ زیور تیار کراکر زوجہ مذکور کو دیا تھا وہ اس کے قبضہ میں ہے، اس کے علاوہ اور زیور بھی تیار کراکر وقتاً فوقتاً زوجہ مذکورہ کو دیتا رہا جو زوجہ مذکورہ کے قبضہ وتصرف میں ہے اور وہ اس کی زکوۃ بھی ادا کرتی ہے پھر پندرہ سو روپے نقد واسطے زیور تیار کرانے کے زوجہ مذکورہ کو دئے تھے جو اس کے قبضہ میں ہے، لیکن تعمیر مکان کی ضرورت سے بطور قرض کے متوفی مذکور نے زوجہ مذکورہ سے لئے تھے، اور کلکتہ جاکر ایک ہزار روپے کا نوٹ معرفت حاجی محمد خلیل کے زوجہ مذکورہ کے پاس بھیج دیا، پانسو روپے منجملہ اس کے باقی رہ گئے، نیز زوجہ مذکورہ اپنے والدین کے یہاں جب مراد آباد آتی تھی اور اس کے عزیز واقارب سے اس کو نقد ملتا تھا اس کا پارچہ وبرتن وغیرہ خرید کرلے جاتی تھی جو اس کے تصرف میں ہے، نیز نقد وزیور کے علاوہ متوفی مذکور زوجہ مذکورہ کو اکثر اشیاء لاکر دیتا رہتا تھا اور اپنی دختران وپسر کو اس کے علاوہ دیتا رہتا تھا۔

پس صورت مذکورہ میں جو اسباب ونقد زیور وغیرہ متوفی مذکور نے اپنی حیات میں زوجہ مذکورہ کو دیا ہے اور اب تک اس کے قبضہ وتصرف میں ہے وہ ترکہ متوفی سے علیحدہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زیور خواہ نقد خواہ کسی قسم کا مال جو زید اپنی زوجہ کو بطور تملیک دیتا تھا اس کی مالک زوجہ ہے، وہ ترکہ نہیں ہوسکتا۔ تملیک ثابت ہونا درکار ہے خواہ صراحۃً یا دلالۃً بغیر اس کے دعوی ملک مسموع نہیں، مثلاً اگر وہ پندرہ سو روپے قرض کہہ کر مانگے تو ضرور ثابت ہوا کہ ملک کردئے تھے، یوہیں اگر اس کی عادت سے ثابت ہو کہ ان لوگوں کو ایسا دینا بطور تملیک ہی کرتا تھا یہی لوگ اس کے مالک سمجھے جاتے تھے تو بیٹی بیٹے زوجہ جس کو جو دیا وہ اس کا مالک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۵: از سہارنپور محلّہ قاضی مرسلہ ریاضت احمد صدیقی ۱۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مرگئی اور اس نے ایک دختر اور ایک برادر حقیقی دو ۲ وارث چھوڑے، متوفیہ کے بھائی نے اپنا شرعی حصہ جو اس کو بہن سے پہنچا تھا اپنی بھانجی کو دے دیا اور اس کے نام پر داخل خارج بھی کاغذات سرکاری میں کرایا اب چند سال کے بعد ناراض ہوکر اس دی ہوئی جائداد واسباب کو واپس لینا چاہتا ہے۔ کیا شرعاً اس اسباب وجائداد کو واپس لینے کا بھانجی سے حق حاصل ہے کہ جس کا اپنی خوشی ورضامندی سے

مالک بنادیا ہو۔

الجواب:

اگراس نے اپنا حصہ جداجدا تقسیم کراکر ہبہ کیااور بھانجی کو قبضہ دے دیا یا ہبہ کے بعد تقسیم کرکے حصہ منقسمہ پر قبضہ دے دیا یا وہ مشترک جائداد قابل تقسیم نہ تھی اگر دوحصے کئے جاتے تو ہر حصہ قابل انتفاع نہ رہتا، جیسے کوئی کوٹھری یا چھوٹی دکان توان صورتوں میں بعد قبضہ دختر ہبہ تمام ہوگیا اور ماموں کو اس سے واپس لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر شیئ قابل قسمت تھی اور بلا تقسیم ہبہ کیا اور اب تک تقسیم کرکے قبضہ نہ دیا تو ہبہ تمام نہ ہوا، اور مالک بنانا ہبہ نہیں عـــہ اسے واپس لے سکتا ہے۔

درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبه لشریکه لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان ھو المذھب[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تام نہیں ہوتا اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو کیونکہ اس پر کامل قبضہ کا تصور نہیں ہوسکتا جیسا کہ عام کتب میں ہے لہٰذا یہی مذہب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۲۶: از قصبہ کھورٹی ضلع ساگر قسمت جبل پور ممالک متوسط مرسلہ ابراہیم ولد قمر علی ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

ابراہیم کے والد قمر علی تین بھائی حقیقی تھے، منجملہ ہر سہ بھائیوں کے ایک لاولد تھے جن کا نام نعمان حسن تھا، میرے چچا یعنی نعمان حسن نے نکاح ایک بیوہ عورت سے کیا جس کے ہمراہ لڑکا آیا۔لڑکے کی عمراس وقت ۵ سال کی تھی۔

آپ کو تکلیف دیتاہوں کہ جو کاغذات نقل یعنی فیصلہ کچہری شرع شریف ہوا ہے وہ خدمت میں آنجناب کی ارسال ہے بہ نظر ترحّم کاغذات کو ملاحظہ فرماکر اطلاع دیجئے گا آیا وہ جائداد کا مستحق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نعمان حسن نے اس لڑکے کو متبنی نہیں کیا تھا اور اس نے کچہری میں یہی بیان کیا کہ نعمان حسن نے مجھے متبنی کیا، کاغذات متبنی کرنے کے موجود نہیں ہیں جو ہبہ نامہ پیش کیا گیا ہے وہ مصنوعی بناہوا ہے، نہ تو اس میں کوئی گواہ ہے اور نہ حاکم وقت کے دستخط ہیں، نہ تاریخ ہے، غلام عباس متبنی فوت ہوچکا ہے، اور زوجہ نعمان حسن بھی فوت ہوچکی ہے۔

عـــہ: اصل میں "ہبہ نہیں" کالفظ قلم ناسخ سے چھوٹ گیا۔

[1] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

الجواب: شریعت میں متبنٰی کوئی چیز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ"[1]۔ وقال تعالٰی "لِكَیْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآىِٕهِمْ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھارے نرے دعووں نے ان کو تمھارے بیٹے نہ بنادیا۔(ت) اللہ تعالٰی نے فرمایا: تاکہ مومنین پر ان کی بیویوں کے دعاوی میں حرج نہ ہو۔(ت)

نرا کاغذ اگرچہ اس میں تاریخ و تحریر گواہان و دستخط حاکم بھی ہوں شرعًا اصلًا کوئی چیز نہیں اور محض اس کی بناء پر ہبہ ماننا باطل اور ایسا فیصلہ محض خلاف شرع۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ فلایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ الخطوط القضاۃ الماضین لان القاضی لایقضی الابالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار او النکول کمافی وقف الخانیۃ[3]۔	خط پر نہ اعتماد ہے نہ اس پر عمل کیا جائے گا لہذا وقف نامہ جس پر گزشتہ قاضیوں کے خطوط ہیں قابل عمل نہ ہوگا، کیونکہ قاضی صرف حجت کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے اور حجت صرف گواہی یا اقرار یا قسم سے انکار ہے، جیسا کہ خانیہ کے وقف میں ہے۔(ت)

عجب تر یہ ہے کہ مفتی صاحب حاکم سرونج نے فیصلہ میں حکم یہ لکھا کہ "باغ و زمین متدعویہ کے تین حصے مساوی کئے جائیں، تیسرا حصہ ہبہ غلام عباس کو دلایا جائے" جبکہ وہ باغ و زمین اب تک مشترک غیر منقسم تھی اور نعمان حسن بلا تقسیم مرگیا تو اگر غلام عباس کو واقعی ہبہ ہوا تھا تو باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

والمیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[4]۔	میم سے "فریقین میں سے ایک کی قبضہ کے بعد موت" مراد ہے، اور اگر قبضہ سے پہلے موت ہو تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۳۸

[4] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

بہر حال فیصلہ غلط ہوا غلام عباس کا اس باغ وزمین میں حق نہیں، وہ صرف وارثان شرعی کا حق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: از شہر کہنہ گھیر جعفر خان مسئولہ حکیم عرفان علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کو جو اس کی مملوکہ ومقبوضہ ہے اور اس پر متصرف ہے اور تنہا مالک بلاشرکت غیرے ہے باختیار جائز ومالکانہ اس جائداد کو بلااکراہ واجبار اپنی خواہش سے بنظر دور اندیشی ورفع شر اس امر کے کہ بعد میری وفات کے کسی قسم کا میری اولاد یعنی ایک بیٹا اور ایک بیٹی کے درمیان نزاع اور مخالفت نہ ہو تقسیم کیا اس طور سے ایک حصہ تھوڑی مقدار کا لڑکی کو دیا اور زیادہ مقدار کا لڑکے کو دیا اس وجہ سے کہ لڑکی بالغ ہے اور اس کی شادی بھی ہو گئی ہے او وہ خوشحال حالت میں ہے اور اس کے حصہ کی جائداد پر کوئی خرچ کا بار بھی نہیں پڑے گا، اور لڑکا نابالغ ہے اور اس کی پرورش وتعلیم وشادی سب خرچ اس کا بھی اسی جائداد پر پڑنے والا ہے اور نیز حسن سلوک شادی وغمی کا خرچ حسب رواج اس کا بار بھی لڑکے ہی کی جائداد پر ہے اور اپنا اور اپنی زوجہ کا بھی خرچ ماہانہ مقرر کرکے سب لڑکے ہی کے حصہ پر رکھا، تو اب ایسی صورت میں یہ فعل اس کا یعنی تقسیم کرنا جائداد کا بلحاظ حصہ پورا ہونے نہ ہونے فرائض کے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحیح بایں معنی کہ وہ کاروائی چل جائے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص اپنے تمام وارثوں کا بے خطا بے سبب نان شبینہ کے لئے محتاج چھوڑ کر اپنی تمام املاک کسی راہ چلتے کو دے دے اور اگر یہ مراد کہ ایسی کاروائی کرنی عنداللہ اسے جائز ہے یا اس پر مؤاخذہ ہوگا تو جواب یہ ہے کہ جن مہمل وجوہ پر زید نے ایک قلیل جز بیٹی کو دیا اور باقی تمام جائداد کثیر بیٹے کو دی، یہ ضرور عنداللہ ناجائز ہے اور زید گنہگار اور بیٹی کے حق میں گرفتار ہوا شرع مطہر نے بعد موت بیٹی کا ایک اور بیٹے کے دو حصے رکھے ہیں لیکن زندگی میں تقسیم کرے تو حکم ہے کہ پسر ودختر دونوں کو برابر برابر دے قصداً بلاوجہ شرعی بیٹی کو نقصان دینا جائز نہیں۔ درمختار میں ہے:

فی الخانیۃ لاباس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا اذا لم یقصد بہ	خانیہ میں ہے: محبت میں بعض اولاد کو بعض پر فضیلت میں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ دل کا عمل ہے اور یونہی عطیات میں بھی بشرطیکہ کسی کو

الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی [1]۔	ضرور پہنچانا مقصود نہ ہو، اور یہ بات پیش نظر ہو تو پھر سب کو مساوی دے اور لڑکی کو لڑکے کے برابر دے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اسی پر فتوٰی ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

یکرہ ذٰلك عند تساویھم فی الدرجۃ کما فی المنح و الھندیۃ [2]۔	عطیہ میں فضیلت مکروہ ہے جب اولاد درجہ میں مساوی ہو، جیسا کہ منح اور ہندیہ میں ہے۔(ت)

لڑکی کا بالغہ ہونا اس کا کوئی جُرم نہ تھا، نہ شادی ہوجانا اس کی خطا تھی، اور اپنے گھر سے خوشحال ہونا زید کی بخشش نہیں جسے اپنی جائداد دینے میں مجرا لے اور لڑکی کا خرچ اور پر ہونا اور لڑکے پر اور کا خرچ ہونا شریعت زید سے زیادہ جانتی ہے پھر حکم دونوں کو برابر دینے کا فرمایا، اور یہ عذر کہ اپنا اور اپنی زوجہ کا خرچ لڑکے پر رکھا ہے بے معنی ہے اسے حکم شرع ماننا تھا تو دونوں کو برابر دیتا اور اپنا زوجہ کا خرچ دونوں پر یکساں رکھتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از شہر مرسلہ شیخ علی جان صاحب محلّہ بھوڑ معرفت حمید اللہ صاحب ۲۶ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شخصے املاک نقد وجنس منقولہ خویش باولاد ذکور واناث حسب قواعد شریعت نفقہ کردن می خواہد ویک پسر خود را ازیں تقسیم ارث محروم ساختہ عاق کردہ می شمرد کہ از اطاعت وفرمانبرداری انحراف ورزیدہ واز تعمیل احکام شرعیہ روگردانیدہ بفسق وفجور منہمک شدہ۔ پس از شریعت اجازت	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی تمام منقولہ وغیر منقولہ اور نقد املاک کو اپنی اولاد نرینہ ومؤنث میں شرعی قواعد کے مطابق نفقہ کے طور پر دینا چاہتا ہے اور ایک بیٹا جو کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے انحراف اور شرعی حکم کی تعمیل سے روگردانی کرتا ہے اور فسق وفجور میں منہمک ہے، پس شریعت اجازت

[1] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الھبۃ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۳۹۹

می دہد کہ آں فرزند عاق کردہ ازیں ارث چیزے ندہم و او را محجوب الارث شمرد واز املاک خویش جوے ندہم روز جزا در مواخذہ او مارا گرفت خواہد شد یانہ از اقوال فقہائے احناف جواب شافی عنایت فرمایند۔	دیتی ہے کہ اس بیٹے کو عاق کرکے اپنی وراثت سے کچھ نہ دوں اور اس کو محروم از وراثت قرار دوں اور اپنی املاک سے جو تک نہ دوں، روز جزا اس میں ہمارا مؤاخذہ اور گرفت ہوگی یا نہ؟ فقہائے احناف کے اقوال سے شافی جواب عنایت فرمائیں (ت)

الجواب:

اگر فی الواقع او فاسق وفاجر است پدر را میرسد کہ او را محروم دارد، کما فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر. واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	اگر فی الواقع وہ فاسق وفاجر ہے تو باپ کو حق ہے کہ اس کو محروم رکھے جیسا کہ درمختار وغیرہ روشن کتب میں ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۹: مرسلہ مولوی محمد علیم الدین از شہر کانپور مدرسہ دار العلوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زندگی میں اپنی زمین مزروعہ (۴۵ بیگھ) کے تین حصے کرکے ایک حصہ بڑے لڑکے کو اور ایک حصہ چھوٹے لڑکے کو دے دیا اور ایک حصہ اپنے واسطے رکھا اور دونوں لڑکوں سے کہہ دیا کہ میرے حصے کو میرے مرنے کے بعد برابر تقسیم کرلینا بعد چند روز کے زید نے اپنا حصہ بڑے لڑکے کو ہبہ کردیا، یہ ہبہ شرعا ہوا یا نہیں؟ درصورت صحت چھوٹا لڑکا مجاز فسخ ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر وہ زمین نامقسم ہے اور بلا تقسیم ایک ایک ثلث دونوں بیٹوں کو دیئے پھر اپنا ثلث بھی ایک کو دے دیا، تو یہ دونوں ہبہ باطل وبے اثر محض ہیں جب تک زید اپنی زندگی میں تقسیم کرکے ہر بیٹے کو اس کے منقسم حصے پر جداگانہ قبضہ نہ دے، اور اگر بیٹوں کو بلا تقسیم دو ثلث میں شریک کیا تھا اور اپنا حصہ جداگانہ منقسم رکھا تھا اور اب یہ ثلث بڑے بیٹے کو دے کہ قابض کردیا تو پہلا ہبہ باطل ہے جب تک زید اس ٹکڑے کا دو حصے جدا جدا کرکے ہر بیٹے کو قبضہ نہ دے لیکن اس تیسرے ثلث کا ہبہ بڑے بیٹے کے نام بوجہ تقسیم صحیح وتام ہوگیا اس تہائی کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا اور وہ دو تہائی اب تک زید کی ملک ہیں، ہاں اگر وہ دونوں حصے جدا جدا بانٹ کرکے ہر بیٹے کو اس کے حصہ پر قبضہ دے دیا تھا پھر اپنا تہائی بڑے بیٹے کو دے کر قابض کردیا تھا توان دو ثلث کا بڑا بیٹا مالک ہوگیا، اپنے ثلث کا چھوٹا بیٹا مالک رہا۔

اس صورت میں چھوٹا بیٹا فسخ کرانے کا مجاز نہیں، اور پہلی دو صورتوں میں فسخ کی حاجت ہی نہیں کہ ہنوز ہبہ ہی تام نہ ہوا، **والمسألة دوارة متونا وشروحا وفتاوٰی** (یہ مسئلہ متون، شروح اور فتاوٰی میں دائر ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۰: از بزم حنفیّہ لاہور مرسلہ محمد عبدالحمید صاحب سیکریٹری بزم مذکور ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۷ھ

بحضرت فیض درجت، عظیم البرکت، فاضل کبیر کامل نحریر، امام العلماء المحققین، مقدام الفضلاء المدققین، عالم عظیم الشان، اعیلحضرت، مولانا المکرم، ذوالمجد والکرم، مولانا، مولوی، حاجی، صوفی، حافظ، مفتی محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہم، السلام علیکم وعلی من لدیکم، مزاج مقدس!

آج یہ فقیر بارشاد فیض رشاد فرمان واجب الاذعان سیدی وآقائی مولٰنا المحترم ذواللطف والکرم حضرت مولوی محمد اکرام الدین البخاری خطیب وامام مسجد وزیر خاں خدمت میں اعلیحضرت دام فیضہم کے چند سطور بتاکید مولٰنا ممدوح تحریر کرتا کہ اعلیحضرت اس مسئلہ متنازعہ کو بہ تشریح تامہ وتفصیل کاملہ صاف وشستہ مبسوط تحریر فرماکر متنازعین کے شکوک کو بدلائل واضحہ رفع فرمادیں گے اور مولٰنا ممدوح نے یہ فرمایا کہ اس مسئلہ کی مختلف صور کی مرجح ومفتی بہ اشکال کے اظہار کا حق صرف اعلیحضرت کے قلم فصیح رقم کو حاصل ہے اور اس پر بہ اثبات حکم محکم فریقین متنازعین کے قلوب میں نورانی جوہر محبت بھرنے گوہر ڈال دینے نااتفاقی وکشیدگی کے توہمات کو نکال دینے کا اعلیحضرت ہی کو شرف حاصل ہے پس ارشاد مولٰنا ممدوح معروض بخدمت حق اقدس ہوں کہ جس ہبہ وتملیک کی رجسٹری بذریعہ گورنمنٹ ہوچکی ہے اور وہ برائے ملاحظہ حضرت بلفظہٖ ناقل رجسٹری ہبہ شدہ ارسال خدمت ہے کہ بعد وفات موہوب لہ کے واہب نے بھی زندہ رہ کر اس موہوبہ مکان کو واپس نہ کیا اور وہ موہوب لہ کی اولاد کے قبضہ میں ہی رہا، اب واہب کے مرجانے کے بعد [عہ] ہمشیرہ دعوی دخلیابی کا کرکے موہوب لہ کے پسماندگان بیوہ و یتامٰی سے موہوبہ مکان کو بعد گزرجانے ۲۷ برس ہبہ شدہ کا رجوع کرانا چاہتی ہے بحالیکہ ہبہ وتملیک کردینے کے بعد واہب نے اگرچہ موہوب لہ کا وہ باپ تھا علیحدہ کرایہ نامہ تحریر کردیا اور واپس نہ کرایا اور بطور کرایہ دار اسی میں سکونت کرتا رہا اور ۶ برس تک زندہ رہا۔ اب مفصل صورت سوال حسب ذیل ہے۔

زید	عمرو	بکر	ہندہ
(نظر محمد)	(جان محمد)	(خیر محمد)	

عــــہ: لفظ "بعد" قلم ناسخ سے چھوٹ گیا، عبدالمنان اعظمی

زید نے اپنی حین حیات میں بلا کراہ واجبار برضامندی خود اپنا ایک مکان زر خریدہ خود اپنے بیٹے خورد نامی عمرو (جان محمد) کے نام ہبہ تملیک بشرائط چندے رجسٹری کردیا جس کا خود واہب بدیں الفاظ مقر ہے کہ:

(۱) مکان موہوبہ ملکیت عمرو ہے۔

(۲) عمرو کو ہر طرح کا حق حاصل ہے کہ میری حیات میں اور بعد ممات کے اس مکان کو بیع ورہن کر کرا سکتا ہے۔

(۳) مکان مذکور میں میرا یا میرے دیگر کسی لواحق کا حق خاخدشہ ہرگز نہیں، مکان مذکور میرا ذاتی ملکیت ہے جو عمرو کے نام ہبہ کردیا ہے کہ اب اصل مالک وہی ہے۔

(۴) زید کی حین حیات میں اس کا بیٹا عمرو فوت ہوگیا اور دوسرا بیٹا بکر زندہ رہا اور عمرو کا باپ زید عرصہ ۶ سال بعد وفات عمرو زندہ رہا اور موہوب شدہ مکان کو زید واہب نے اپنی حین حیات میں بھی واپس نہیں لیا بلکہ زید کی موجودگی میں بھی وہ مکان صرف عمرو کی اولاد و بیوہ کے قبضہ میں رہا اور وہی اس کے کرایہ وغیرہ کو حاصل کرتے رہے، پھر زید یعنی اصل واہب فوت ہوگیا، موجودگان از زید اصل واہب متوفی، بکر (خیر محمد) ہندہ، بکر جو واہب متوفی کا بڑا بیٹا ہے اور ہندہ جو واہب کی بیٹی ہے اور موہوب لہ متوفی کے یہ ہر دو موجودہ حقیقی ہیں اور ہندہ موہوب لہ متوفی کی اولاد کی پھوپھی ہے زندہ موجود ہیں۔

(۵) بکر کا بیان ہے کہ جو کچھ میرا باپ زید میرے حقیقی بھائی عمرو کے نام مکان مذکور ہبہ وتملیک کرچکا ہے اور نیز اس نے بعد وفات عمرو کے اس ہبہ وتملیک کو واپس نہیں لیا، لہٰذا یہ ساختہ پرداختہ میرے باپ زید متوفی کا مجھ کو منظور و مقبول ہے، یہ مکان ملکیت عمرو کا ہوچکا ہے اس کے بعد اس کی اولاد وارث ہے۔

(۶) عمرو کی بہن ہندہ یہ دعوٰی کرتی ہے کہ یہ ہبہ وتملیک رجوع ہوسکتا ہے اور اس ہبہ شدہ مکان کو عمرو کی اولاد کے قبضہ میں جائز گردانتی ہے۔

پس مندرجہ بالا صورت متنازعہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ہبہ جو تملیک بنام عمرو ہوچکا ہے اور جس کو خود واہب زید نے بعد فوتگی عمرو موہوب لہ کے واپس لینے کا ارادہ ہی نہ کیا اب موہوب لہ اور واہب کے فوت ہوجانے کے بعد جس کو ۱۲ برس سے زیادہ گزر گئے اجبار قابل رجوع ہے یا نہیں (اجبارا) اور ان صورتوں میں شریعت مطہرہ کو کیا حکم ہے پس اس اہم

اولاً: موہوب لہ واہب کا بیٹا ہے اور ذی رحم محرم سے رجوع کا خود واہب کو بھی اختیار نہیں،

ثانیاً: موہوب لہ مر گیا،

ثالثاً: واہب بھی گزر گیا اور اس میں ہر ایک کی موت مانع رجوع ہے تو اب رجوع ناممکن ہے اور وہ شرط قبضہ تخلیہ اس صورت میں ہے کہ موہوب لہ وقت ہبہ بالغ ہو، اور اگر نابالغ تھا تو باپ نے جس وقت ہبہ نامہ لکھ دیا اس سے پہلے جس وقت زبانی کہا میں نے ہبہ کیا معاً ہبہ کرتے ہی بیٹا مالک ہو گیا اگرچہ باپ نے ایک آن کو مکان نہ خالی کیا نہ قبضہ دیا کہ اس صورت میں باپ کا قبضہ ہی بیٹے کا قبضہ ہے اور رجوع ناممکن، درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیہا موت احد العاقدین بعد التسلیم والقرابۃ فلو وھب الذی رحم محرم منہ نسبا لا یرجع[1] (ملخصاً)	قبضہ دینے کے بعد کسی فریقین کی موت اور قرابت رجوع سے مانع ہے تو اگر کسی محرم کو ھبہ کیا رجوع نہ ہوگا (ملخصا)۔ (ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان الموہوب ان مشغولا بملك الواهب منع تمامها وان شاغلا لا وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لاتجوز الا اذا وھب الاب لطفلہ[2] (ملخصاً)	ضابطہ یہ ہے موہوب چیز اگر واہب کی ملک میں مشغول ہو تو ہبہ کے تام ہونے سے مانع ہے اگر وہ شاغل ہو تو مانع نہ ہوگا۔ اور الاشباہ میں ہے مشغول چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں۔ ہاں اگر والد اپنے طفل کو ہبہ کرے تو جائز ہے۔ (ملخصا) (ت)

---

[1] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱ تا ۱۶۲

[2] درمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

ردالمحتار میں ہے:

کان وھبہ دار والاب ساکنھا اولہ فیھا متاع لانھا مشغولۃ بمتاع القابض و ھو مخالف لما فی الخانیۃ فقد جزم اولا بانہ لاتجوز ثم قال وعن ابی حنیفۃ فی المجرد تجوز ویصیر قابضا لابنہ[1]۔	مثلاً یہ کہ والد ایسے مکان کا ہبہ کرے کہ خود اس میں سکونت پذیر ہو یا سامان بھی رکھتا ہو کیونکہ یہ قابض کے حق میں مشغول ہے یہ بات خانیہ کے بیان کے خلاف ہے، تو شک نہیں کہ پہلے انھوں نے عدم جواز کا جزم کیا اور پھر کہا امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ خالی مکان ہو تو جائز ہے اور اپنے طفل کے لئے قابض قرار پائے گا۔(ت)

اس پر حاشیہ فقیر جدالممتار میں ہے،

اقول: جزم فی وجیز الکردری والولوالجیۃ والذخیرۃ وغیرھا باطلاق الجواز وفی الھندیۃ عن العتابیۃ الماخوذ بہ وعلیہ الفتوی وفیھا عن السراجیۃ علیہ الفتوی وفی الحموی عن الوالوالجیۃ علیہ الفتوٰی وعن البزازیۃ تجوز وعلیہ الفتوٰی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں کہتا ہوں وجیز الکردری ولوالجیہ اور ذخیرہ وغیرہا میں مطلق جواز پر جزم کیا اور ہندیہ میں عتابیہ سے منقول ہے کہ یہی ماخوذ اور اسی پر فتوی ہے اور ہندیہ میں ہی سراجیہ سے منقول ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور حموی میں ولوالجیہ سے ہے کہ اسی پر فتوی ہے اور بزازیہ سے منقول ہے کہ جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۱: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدھو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

مع دو جواب بغرض تصحیح: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بروہی ومسماۃ بھرائی کل متروکہ "سماء" متوفی مورث پر بروئے وراثت وغیرہ قابض ومتصرف رہے فوتیدگی مسماۃ بھرائی پر جس کو عرصہ ۱۶ سال کا گزر گیا ہے مسمّٰی بروہی بدستور قابض رہا بعد فوت ہونے بروہی کے

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۰

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

پسر اس کا الٰہی بخش بھی بدستور قابض رہا، مسماۃ شرم خاتون بنت مسماۃ متوفی کو جو حق وراثت اپنے والدین سے بروئے شرع شریف آتا تھا لیکن قبضہ الٰہی بخش میں پہلے سے تھا پھر اس کو ہبہ کرکے قبضہ سابقہ اس کے کو بحال رکھا اور اقرار ہبہ کا اسٹام گورنمنٹی پر بھی لکھ دے کر براءت دعوی اپنے کی بالفاظ ذیل ظاہر کی (کہ بعد دخل نہیں ہے ونہ ہوگا) اب عرصہ تین سال سے الٰہی بخش فوت ہے اور پسر ان کے جندوڈہ وغیرہ قابض و متصرف ہیں مسماۃ شرم خاتون مدعیہ اپنے حصہ وراثت پر کسی وقت میں قابض و متصرف نہیں رہی جس کو تخمینا عرصہ چالیس سال کا گزر گیا ہے بلکہ تصرف مالکانہ باپ مدعا علیہ و دادا اس کے کا جائداد متدعویہ پر باوجود قرب جواری ورشتہ داری کے دیکھتی رہ کر ساکت رہی اب مدعیہ بعد عرصہ طویل کے حصہ موہوبہ خود مقبوضہ مدعا علیہ کو بعد فوتیدگی اصل موہوب لہ کے بعد از ہبہ مشاع استرجاعا واپس لینا چاہتی ہے، کیا باوجود قبضہ قدیم کے اس کو بعذر مذکور دیانۃ حق رجوع ہوسکتا ہے اور باوجود اطلاع علی التصرف وابراء عن الدعوی و مرور میعاد سماعت دعوی شرع اقدس میں قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے یانہ؟

جواب بہاول پور

ہبہ مشاع کا شریک وغیر شریک کہ قدیم سے ائمہ دین میں اختلافی ہے۔ صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما جواز وصحت اس کے قائل ہیں اور امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فساد کے (روایت)

هبة المشاع فيما يحتمل القسمة من رجلين اومن جماعة صحيحة عندهما وفاسدة عند الامام وليست بباطلة حتى تفيد الملك بالقبض كذا فی جواہر الاخلاطی[1] (بعد سطر) هبة المشاع فيما يتمل القسمة لايجوز سواء كانت من شريكه اومن غير شريكه ولو قبضها هل تفيد الملك ذكر حسام الدين فی كتاب الواقعات	مشاع چیز کو جب دو افراد یا جماعت کو ہبہ کرے صاحبین کے نزدیک صحیح ہے اور امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک فاسد ہے اور باطل نہیں حتی کہ قبضہ ہوجانے پر ملک کے لئے مفید ہوگا یوں جواہر اخلاطی میں ہے (اور ایک سطر بعد فرمایا کہ) قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ خواہ شریک یا غیر شریک کو ہو اور قبضہ دے دیا تو مفید ملک ہوگا یانہیں، حسام الدین نے کتاب الواقعات میں ذکر کیا کہ مختار

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

ان المختار انه لاتفید الملك وذکر فی موضع اٰخر انه تفید الملك ملکافاسدا وبه یفتی کذا فی السراجیة [1]۔	یہ ہے کہ مفید ملک نہ ہوگا،اور دوسرے مقام میں ذکر کیا ملکیت فاسدہ کا فائدہ دے گا،اور اسی پر فتوی ہے جیسا کہ سراجیہ میں ہے۔(ت)

(عالمگیریہ جلد ثالث ص ۳۷۱)اور صاحب در مختار نے مذہب صاحبین کو ترجیح دی ہے(بروایت ذیل):

ولو سلمه شائعا لایملکه فلاینفذ تصرفه فیه اھ لکن فیھا عن الفصولین الھبة الفاسدة تفید الملك بالقبض وبه یفتی ومثله فی البزازیة علی خلاف ماصححه فی العمادیة لکن لفظ الفتوی اٰکد من لفظ الصحیح کما بسطه المصنف [2] قوله لکن لفظ الفتوی استدراك علی مایستفید من قوله ماصححه فی العمادیة من ان القولین سواء حیث کان لفظ الفتوی اٰکد فیکون العمل علی مافی الفصول والبزازیة لانه قال وبه یفتی وھو اٰکد فی الصحیح [3] اھ۔	اگر شائع حالت میں قبضہ رہا تو مالک نہ ہوگا تو اس کا تصرف نہ نافذ ہوگا اھ لیکن اسی میں فصولین سے منقول ہے کہ فاسد ہبہ پر قبضہ ملک کا فائدہ دیتا ہے اور اسی پر فتوی ہے اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے جو کہ عمادیہ کی تصحیح کے خلاف ہے، لیکن فتوی کا لفظ زیادہ مؤکد ہے صحیح کے مقابلہ میں جیسا کہ مصنف نے اپنے قول کو مبسوط ذکر کیا کہ لفظ فتوی عمادیہ کے قول تصحیح سے مستفاد پر استدراک ہے کہ دونوں قول مساوی ہوں تو فتوی والا قول زیادہ قوی ہوتا ہے، تو عمل فصولین اور بزازیہ کے بیان پر ہوگا کیونکہ ان میں فتوی کا ذکر ہے اور اسی پر فتوی کا لفظ زیادہ قوی ہے صحیح مذہب میں اھ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی کتاب الھبة ص ۳۴۴)بہر کیف ہبہ مشاع کا مسئلہ اختلافی ہے کوئی اہل فہم اس کا اتفاق میں نہیں ڈال سکتا لیکن فی الواقع پہلے سے قبضہ موہوب لہ کا بطور امانت کے ہے(بروایت ذیل):

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبة الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[2] درمختار کتاب الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[3] قرۃ عیون الاخیار(تکملہ ردالمحتار)کتاب الھبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

اقول: بیانه ان الترکة فی ید احد الورثة امانة فاذا انکرها او منعها صار غاصبا[1]	میں کہتا ہوں اس کا بیان یہ ہے کہ ترکہ کسی ایک وارث کے قبضہ میں ہو تو وہ امانت ہے اگر وہ اس سے انکار کردے یا نہ تو غاصب ہو جائیگا۔ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۷۵ سطر ۱۸ فصل التخارج) اور قبضہ امین موہوب لہ کے لئے تجدید قبض کی ضرورت نہیں تو ہبہ صحیح وتام ہوگیا (روایت):

وملك بالقبول بلاقبض جدید لوالموهوب فی ید الموهوب ولو قبض او امانة لانه عامل لنفسه[2]۔	اگر موہوب چیز موہوب لہ کے قبضہ میں ہو تو قبول کرنے سے قبضہ جدید کے بغیر مالک ہو جائے گا اگرچہ بطور قبضہ سابق ہو یا بطور امانت ہو کیونکہ قبول کا عمل اپنے لئے ہی ہوگا۔ (ت)

(درمختار کتاب الہبہ) اور مدعیہ جب تصرف مدعا علیہ پر مطلع رہ کر ساکت رہی ہے اور ابراء عن الدعوی بھی لکھ دیا ہے اور میعاد سماعت دعوی کا بھی گزر گیا ہے تو قضاء دعوی اس کا قابل سماعت نہیں (بروایت ذیل):

وفی الحامدیة عن الولوالجیة رجل تصرف زمانا فی الارض ورجل اٰخر رأى الارض والتصرف ولم یدع و مات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولده تترك علی ید التصرف لان الحال شاهد[3] (وبعد اسطر) واذا کان المدعی ناظر او مطلعا علی تصرف المدعی علیه الی ان مات المدعی علیه لاتسمع الدعوی	حامدیہ میں ولوالجیہ سے منقول ہے، ایک شخص زمانہ سے ایک زمین میں تصرف کررہا ہے اور دوسرا شخص زمین اور تصرف کو دیکھ رہا ہے اور کوئی دعوی کئے بغیر فوت ہوگیا تو اس کی اولاد کا دعوی اس میں مسموع نہ ہوگا اور وہ تصرف کرنے والے کے قبضہ میں رہے کیونکہ حال شاہد ہے (اور چند سطروں بعد فرمایا) جب مدعی، مدعی علیہ کے تصرف پر مطلع اور دیکھ رہا ہو حتی کہ مدعی علیہ اپنے تصرف پر فوت ہوا تو اب اس کے ورثاء پر مدعی کا دعوی

[1] قرۃ عیون الاخیار (تکملہ ردالمحتار) کتاب الصلح فصل فی التخارج داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۸۵

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الدعوی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

علی ورثة کما مرعن الخلاصة[1] (و بعد سطر)والظاھر ان الموت لیس بقید وانہ لاتقدیر بمدة مع الاطلاع علی التصرف لما ذکرہ المصنف والشارح فی مسائل شتی اٰخر الکتاب(وبعد اسطر)اقول:وعلی ھذا الوادعی علی اخردارا مثلا وکان المدعی علیہ متصرفا فیھا ھدما وبناء او مدة ثلثین سنة وسواء وبناء او مدة ثلثین سنة وسواء فیہ الوقف و الملك ولوبلانھی سلطانی اوخمس عشر سنة ولابلاھدم وبناء فیھما، والمدعی مطلع علی التصرف فی الصور الثلاث مشاھد لہ فی بلدة واحدة ولم یدع ولم یمنعہ من الدعوی مانع الشرعی لاتسمع دعواہ علیہ[2].اما الاول فلا طلاعہ علی تصرفہ ھدما وبناء وسکوتہ وھو مانع من الدعوی المدة المذبورة وسکوتہ وھو دلیل علی عدم الحق لہ ولان صحة الدعوی شرط لصحة القضاء و المنع منہ حکم اجتھادی کما علمت واما الثالث فلمنع من السلطان

مسموع نہ ہوگا جیسا کہ خلاصہ کے حوالے سے گزرا،(اور ایک سطر بعد فرمایا)اور ظاہر یہ ہے کہ موت شرط نہیں اور مطلع رہنے کی مدت کا تعین بھی نہیں ہے، یہ مصنف اور شارح نے مسائل شتی آخرالکتاب میں ذکر کیا ہے(اور چند سطر بعد فرمایا)میں کتاہوں اس بناء پر اگر کوئی دوسرے پر مکان کا دعوی کرے حالانکہ مدعی علیہ اس مکان میں تیس سال سے گرانے بنانے جیسا تصرف کرتا رہا، خواہ یہ مکان وقف ہو یا ملک اگرچہ حکمران کی ممانعت نہ ہو، یا پندرہ سال تک تصرف گرانے بنانے والا نہ بھی ہو اور مدعی یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اس شہر میں ہونے کے باوجود نہ دعوی کرتے نہ ہی دعوی سے کوئی شرعی مانع ہو تو اب مدعی کا اس مکان پر دعوی مسموع نہ ہوگا،ان تینوں صورتوں میں سے پہلی صورت میں اس لئے کہ وہ گرانے بنانے والے تصرف پر مطلع ہونے کی باوجود خاموش رہا یہ چیز دعوی سے مانع ہو گئی جیسا کہ تو معلوم کرچکا، لیکن دوسری صورت میں اس لئے کہ مذکورہ مدت تک دعوی سے خاموشی اس بات کی دلیل ہے کہ اس مکان میں اس کا حق نہیں ہے،اور اس لئے بھی کہ دعوی کا صحیح ہونا صحت قضا کے لئے شرط ہے اور دعوی سے باز رہنا اجتہادی معاملہ ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا اور تیسری صورت میں

[1] قرة عیون الاخیار تکملہ کتاب الدعوٰی التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

[2] قرة عیون الاخیار تکملہ کتاب الدعوٰی التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷

نصرالرحمٰن قضاۃ فی سائر ممالکه عن سماعها بعد خمس عشر سنة اذا کان ترکها بغیر عذر شرعی فی الملك[1]۔ تکملہ شامی جلد اول باب التحالف ص ۳۴۷ سطر ۲	اس لئے کہ حکمران کی پندرہ سال کے بعد سماعت کی ممانعت اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کے تمام حکومتی علاقہ کے قاضیوں کے لئے رحمت ہے خصوصا کوئی عذر نہ ہونے کی صورت میں یہ تاخیر ہو۔(ت)
واماالابراء من دعوی العین فجائز کما فی الدرر وھوان یقول برئت عنها اوعن خصوصی فیها او عن دعوای ھذہ الدار لاتسمع دعواہ ولا بینة[2]۔ تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۰ سطر ۳۱ کتاب الصلح۔	لیکن کسی معین چیز کے دعوی میں بری کردینا جائز ہے جیسا کہ درر میں ہے، اور ابراء یہ ہے کہہ دے کہ میں نے بری کردیا یا اس مکان کے جھگڑے سے یا اپنے دعوی سے میں نے بری کردیا، تو اب اس کا دعوی اور گواہی قابل سماعت نہ ہوگی۔(ت)
فی البزازیة عن المحیط لوابراء احد الورثة الباقیة ثم ادعی الترکة وانکر لاتسمع دعواہ[3]۔ تنقیح حامدیہ جلد ثانی ص ۵۴ سطر ۹ کتاب الاقرار۔	کتاب الصلح میں بزازیہ سے بحوالہ محیط منقول ہے، کہ اگر ایک وارث باقی وارثوں کو بری کرکے پھر بعد میں ترکہ پر دعوی کرے تو مسموع نہ ہوگا (ت)
فی البزازیة ابراء عن الدعاوی ثم ادعی علیه ارثان عن ابیه ان کان مات ابوہ قبل الابراء لاتصح الدعوی[4]۔ عقود الدریہ فی تنقیح الحامدیہ جلد ثانی کتاب الدعوٰی۔	بزازیہ میں ہے کہ اگر کہا میں اپنے دعووں سے بری کرتا ہوں، پھر اس نے دوسرے پر والد کی وراثت کا دعوی کردیا، تو اگر بری کرنے سے قبل والد فوت ہوا تو دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت

[1] قرة عیون الاخیار تکمله ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب التخالف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۷۔۴۸

[2] قرة عیون الاخیار تکمله ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۲

[3] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیه کتاب الاقرار ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۵۴

[4] العقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیه کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۳

وکذٰلك لو قال وھبت الذی لی علیہ من مالی فھو بریئ من ذٰلك [1]۔	اور یوں ہی اگر کہا میں نے اس پر اپنا مال اس کو ہبہ کیا تو بری ہو جائے گا۔ (ت)

عالمگیریہ جلد ثالث کتاب الاقرار ص ۵۸۴ اور مدعا علیہ کا قبضہ قدیم سے بطور امانت یا غصب کے جب ثابت ہے تو شرعا مدعیہ کو کسی طرح حق رجوع حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ رجوع بعد التسلیم کے واسطے قضا یا رضا شرط ہے (بروایت ذیل):

وبعد التسلیم لیس لہ حق الرجوع فی ذی الرحم المحرم وفیما سوی ذٰلك لہ حق الرجوع الاان بعد التسلم لاینفرد الواھب بالرجوع بل یحتاج فیہ الی القضاء اوالرضاء [2]۔	قبضہ دینے کے بعد محرم سے واپس لینے کا اس کو حق نہ ہوگا، اور غیر محرم سے واپسی کا حق ہے مگر قبضہ دینے کے بعد واہب کو خود واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا بلکہ قضاء یا باہمی رضامندی ضروری ہوگی۔ (ت)

تکملہ شامی جلد ثانی ص ۳۵۸ سطر، باب الرجوع فی الہبہ، صورت مسئولہ میں رضا مدعا علیہ کی تو ہے نہیں اور صحت قضا کے واسطے صحت دعوی شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جاتی کمامر، پس بوجوہات قویہ بالامدعیۃ کو نہ حق رجوع حاصل ہے اور نہ دعوی اس کا قابل سماعت ہے خاص کر سلطنت انگلشیہ میں میعاد سماعت ۱۲ سال مقرر ہے اور بناء نہی سلطانی پر سماع دعوی زائد المیعاد قضاء تو نافذ نہیں قبضہ مدعا علیہ کا اگر وفات مسماۃ بہرائی سے فرض کیا جائے تب بھی دعوی مدعیہ زائد المیعاد ہے کیونکہ وفات اس کی کو ۱۶ سال گزر گئے ہیں اور ہبہ نامہ مرقومہ اگرچہ ظاہرا ہبہ مشاع ہے مگر حقیقت میں ابراء ہے (بروایت ذیل):

وحاصل ان الابراء المتعلق بالاعیان امّا ان یکون عن دعواھا وہو صحیح مطلقا وان تعلق بنفسھا فان کانت مغصوبۃ ھالکۃ صح	اسی کا حاصل یہ ہے کہ معین موجود چیز سے متعلق بری کرنا، یہ اس پر دعوی ہے، براءت میں تو وہ مطلقا صحیح ہے، اور اگر نفس چیز معین سے براءت کا تعلق ہو تو اگرچہ وہ چیز مغصوب ہلاک شدہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاقرار الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۲۰۴

[2] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۲۴

ایضاکالدین وان کانت قائمة فھی بمعنی البراءة عنھا عن ضمانھا لو ھلکت وتصیر بعد البراءة من عینھا کالامة اتضمن الابالتعدی علیھا و ان کانت العین امانة فالبراءة لاتصح دیانة بمعنی انه اذا ظفر بھا مالکھا اخذھا وتصح قضاءً فلایسمع القاضی دعواہ بعد ابراء ھذا ملخص مااستفید من ھذا المقام[1]۔	ہے تو دین کی طرح اس کی براءت صحیح ہے اور وہ چیز موجود ہو تو پھر اس چیز سے براءت کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہلاک ہوجائے تو اس کے ضمان سے براءت ہے اور اس موجود سے برائت کے بعد تو پھر وہ چیز امانت کی طرح ہوگی تو ہلاک کئے بغیر ضمان نہ دے گا، اور وہ چیز امانت پر ہو تو براءت دیانۃً صحیح نہ ہوگی اس معنی سے کہ اگر مالک اس چیز پر قابو پالے تو حاصل کرسکتا ہے۔ لیکن قضاءً یہ براءت صحیح ہوگی تو برائت کے بعد قاضی اس کے دعوی کو نہ سنے گا، اس مقام میں حاصل شدہ فائدہ کا یہ خلاصہ ہے۔ (ت)

(تکملہ شامی جلد ثانی ص ۱۸۳ سطر ۵ کتاب الصلح) ہبہ نامہ میں اگرچہ لفظ براءت کا صریح نہیں مگر لفظ ہبہ سے بھی براءت ہوسکتی ہے کمامر عن العالمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ سے گزرا۔ت) خصوصا لفظ مندرجہ ہبہ نامہ (کہ کوئی دعوی و دخل نہیں ہے اور نہ ہوگا) نص صریح براءت عن الدعوی پر ہے جو بالاتفاق صحیح ہے، لہٰذا شرعاقبضہ مالکانہ مدعاعلیہ رکھ کر دعوی مدعیہ کا قضاء قابل اخراج ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب دیوبند

اقول: قال فی الدرالمختار لاتتم بالقبض فیما یقسم ولووھبه لشریکه اولاجنبی لعدم تصور القبض الکامل کما فی عامة الکتب فکان ھوا لمذھب الخ ولو سلمه شائعا لایملکه[2] الخ درمختار، وفی ردالمحتار	**میں کہتا ہوں** درمختار میں فرمایا: قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ دینے سے تام نہ ہوگا خواہ شریک کو ہبہ کیا یا اجنبی کو، کیونکہ اس میں کامل قبضہ کا تصور نہیں جیسا کہ عام کتب میں ہے، تو یہی مذہب ہے الخ اور اگر مشاع کا قبضہ دیا تو موہوب لہ مالک نہ بنے گا الخ درمختار، اور

[1] قرۃ عیون الاخیار تکملہ ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۶۴

[2] درمختار کتاب الھبۃ مجتبائی دہلی ۲ /۱۵۹

وکما یکون للواھب الرجوع فیھا یکون الوارثۃ بعد موتہ [1] الخ فھذا یفیدان للواھب استردادہ من ورثۃ الموھوب لہ وایضا لحق لایسقط بتقادم الزمان کما حققہ المحقق الشامی [2] فی مسائل شتی من اٰخر الکتاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتب عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ	ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح خود واہب کو رجوع کا حق ہے اسی طرح اس کی موت کے بعد اس کے وارثوں کو حق ہے الخ، اس سے یہ فائدہ ہوا کہ واہب کو موہوب لہ کی موت کے بعد اس کے وارثوں سے واپس لینے کا حق ہے اور نیز کوئی حق پرانا زمانہ ہونے کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ جیسا کہ کتاب کے آخر میں علامہ شامی نے مسائل شتی میں اس کی تحقیق فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب، کتبہ عزیز الرحمان عفی عنہ ۲۰ رجب ۱۳۲۷ھ (ت)

باسمہٖ تعالٰی

از ابوالمنظور محمد غوث بخش مقیم بیت العلم والحکم پر وچڑان موضع کوٹلہ مدہو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خانپور۔

بعالی خدمت اسم درجت مدراء سجال العلوم علی العمود حضرت مولٰنا ومخدومنا قبلہ آمال وآمال خیار عباداللہ المتعال حضرت احمد رضا خاں صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج شریف عنصر لطیف

خدمت میں ضروری عرض ہے توجہ سے سن کر جواب بتدقیق وغور تمام بعجلت عطا فرمائیں ایک استفتاء متعلق ہبہ مشاع وطلاق صبی بمعہ ٹکٹ کچھ عرصہ سے خدمت میں بھیجا تھا، مولٰنا امجد علی صاحب اعظمی کے خط سے معلوم ہوا کہ نہیں ملا، پس حسب الایماء ان کے دوسری نقل ارسال ہے کرم نوازی من! عدالت ڈسٹرکٹ ججی خانپور میں دعوی عن الھبہ کا گزرا ہے کہ جس کا رجوع شرع مقدس کی طرف ہے علماء علاقہ ہذا آپس میں مختلف ہیں، حضرت اعلٰی کی خدمت اقدس میں فتوی مع الجواب ارسال ہے۔ براہ کرم بخشی وحسبۃ للہ بامعان نظر فتوی مرسلہ پر دستخط ومہر بالشمولیت جماعت علمائے کرام ثبت فرمادیں بمعہ مزید تائید جواب اس کے کہ واقعات صورت حال از کتاب القضاء مخالف دعوی وغیرہ وغیرہ رجوع عن الھبہ سے مانع ہے، اپنی ذات باحسنات سے اضافہ فرمادیں، جناب والا ایک نقل دیوبند بھی ارسال کی گئی تھی

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳، ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

مگر مفتی دیوبند نے بڑی بے غوری سے جواب مختصر لکھ کر استفتاء واپس کردیا ہے جس پر بڑی حیرت دامنگیر ہے کہ یہ کیا جواب ہے کہ کتاب القضاء مخالف ومخالف دعوی وغیرہ پر کچھ بھی غور وتوجہ نہیں کی، مرکز فتاوٰی جناب اقدس میں التجا ہے کہ بجنسہٖ استفتار جس پر مفتی دیوبند کا جواب ہے غور فرمار بجلدی جواب مفصل بحوالہ صفحہ کتاب وغیرہ معزز فرمائیں اور چند پیشی پہلے گزر گئی ہیں فقط، ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ /۱۱ مئی ۱۹۱۹ء

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، یہاں چند امور پر لحاظ ضرور جن سے انکشاف جواب وظہور صواب ہو، **وباللہ التوفیق**۔

اولاً: ے صالح قسمت میں ہبہ مشاع باجماع ائمہ حنفیہ غیر نافذ ہے، صاحبین وغیرہما کسی کو خلاف نہیں، امام شافعی کا خلاف ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ بدائع امام ملک العلماء جلد ششم ص ۱۱۹:

لاتجوز ھبۃ المشاع فیمایقسم وھذا عندنا وعند الشافعی تجوز[1]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ ہمارے نزدیک جائز نہیں اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔ (ت)

ہدایہ ج ۲ ص ۲۱۲:

لاتجوز الھبۃ فیما یقسم الامجوزۃ مقسومۃ وقال الشافعی یجوز[2]۔	قابل تقسیم چیز کا ہبہ تقسیم شدہ ہوئے بغیر جائز نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا جائز ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق جلد ۵ ص ۹۳:

لاتجوز فی مشاع یقسم وقال الشافعی تجوز[3]۔	قابل تقسیم مشاع چیز کا ہبہ جائز نہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا جائز ہے۔ (ت)

ہاں اختلاف اس میں ہے کہ صرف وقت قبضہ وجود شیوع مانع جواز ہبہ ہے یا جبکہ وقت عقد بھی ہو اول قول امام ہے اور ثانی قول صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہم اور قول ہمیشہ قول امام ہے کما حققناہ فی اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام (جیسا کہ ہم نے اس پر تحقیق "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے۔ ت) بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۲:

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الھبۃ فصل فاما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۱۹

[2] الھدایۃ کتاب الھبۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۸۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الھبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۳

ابو حنیفۃ یعتبر الشیوع عند القبض وھما یعتبرانہ عند العقد والقبض وھما جوزاھا لانہ لم یوجد الشیاع فی الحالین بل وجد احدھما دون الاٰخر[1]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبضہ کے وقت شیوع کا اعتبار کرتے ہیں اور صاحبین عقد اور قبضہ دونوں میں اعتبار کرتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کا دو افراد کو قابل تقسیم چیز کا ہبہ کرنا جائز نہیں کرتے کیونکہ قبضہ میں شیوع پایا جائے گا۔اور صاحبین اس کو جائز فرماتے ہیں کیونکہ عقد اور قبضہ میں شیوع نہیں ہے،بلکہ صرف قبضہ میں شیوع ہے عقد میں نہیں۔(ت)

بالجملہ اگر شیوع صرف وقت عقد ہو نہ وقت قبض جیسے دو شخص اپنا مکان مشترک جس میں تیسرا شریک نہیں شخص واحد کو ہبہ کرکے ایک سابقہ قبضہ دے دیں یہ صورت بالاجماع جائز ہے، کنز وتنویر وعامہ متون میں ہے:**وھب اثنان دار الواحد صح**[2] (دو افراد نے ایک شخص کو مکان ہبہ کیا تو جائز ہے۔ت) اور اگر صرف وقت قبض ہو نہ وقت عقد جیسے ایک شخص اپنا مسلم مکان دو کو ہبہ کرے یہ امام کے نزدیک ناجائز اور صاحبین کے جائز، متون میں بعد عبارت مذکورہ ہے،**لاعکسہ**[3] (اس کا عکس نہیں ہے۔ت) تبیین وغیرہ شروح میں ہے:**ھذا عندہ وقالا یجوز**[4] (یہ امام صاحب کے نزدیک ہے۔صاحبین فرماتے ہیں جائز ہے۔ت) اور اگر عقد و قبض دونوں میں شیوع ہو جیسے ایک شخص کسی مکان یا گاؤں میں اپنا غیر منقسم حصہ کسی کو ہبہ کرے یا ایک مکان کے دو شریک ہیں ایک اپنا حصہ زید کو دوسرا عمرو کو ہبہ کریں اگرچہ معاً ہبہ کیا اور معاً قبضہ دیا ہو، یہ صورتیں بالاجماع ناجائز ہیں، تبیین ج ۵ ص ۹۷:

الاتری ان رجلین لووھبا رجلین علی ان نصیب احدھما لاحدھما بعینہ ونصیب الاٰخر للاخر لایجوز الاجماع[5]۔	آپ دیکھیں گے کہ دو حضرات اگر دو اشخاص کو اس طرح ہبہ کریں کہ ایک کا حصہ ایک کو اور دوسرے کا حصہ دوسرے کو معین طور پر ملے تو بالاتفاق جائز نہیں۔(ت)

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبۃ فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۲۱

[2] درمختار کتاب الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۱

[3] کنزالدقائق کتاب الہبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۰۹

[4] تبیین الحقائق کتاب الہبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۶

[5] تبیین الحقائق کتاب الہبۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵ /۹۷

عالمگیریہ جلد ۴ ص ۳۷۸ ذخیرہ سے:

الشیوع من الطرفین فیما یحتمل القسمۃ مانع عن جواز الھبۃ بالاجماع [1]۔	دونوں طرف سے شیوع ہو تو وہ قابل تقسیم ہونے کی وجہ سے بالاتفاق جواز ہبہ کے لئے مانع ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ سوال صورت ثالثہ ہے کہ صالح قسمت میں غیر منقسم ہبہ کیا ہے تو باجماع امام وصاحبین ناجائز ہے۔

ثانیاً: روایت ظاہرہ اصل مذہب میں ہمارے ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک ہبہ مشاع کہ ناجائز ہے اور بعد قبض بھی مفید ملک نہیں ہوتا بلکہ شے بدستور ملک واہب پر رہتی ہے ہاں بعض مشایخ کے نزدیک ملک فاسد خبیث حاصل ہوجاتی ہے، اسے بھی خلاف امام وصاحبین سے کچھ علاقہ نہیں، بعض مشائخ کا خلاف ہے اور صحیح ومعتمد اول کہ وہی قول امام بلکہ قول ائمہ ثلثہ اور وہی ظاہر الروایہ مصححہ ومرجحہ ہے تو اس سے عدول جائز نہیں اگرچہ بعض اس کے خلاف کو بہ یفتی (اسی پر فتوٰی ہے۔ت) کہیں، فتاوٰی خیریہ میں ج ۲ ص ۱۰۱:

لاتصح ھبۃ المشاع الذی یحتمل القسمۃ ولو صدق الوارث علی صدورھا من المورث فیہ لان تصدیقہ لا یصیر الفاسد صحیحا وکما لاتصح ھبتہ من الاجنبی لاتصح من الشریك کما فی اغلب الکتب ولاعبرۃ بمن شذ بمخالفتھم ولاتفید الملك فی ظاھر الروایۃ قال الزیلعی لو سلمہ شائعا لایملکہ حتی لاینفذ تصرفہ فیہ فیکون مضمونا علیہ وینفذ فیہ تصرف الواھب ذکرہ الطحاوی وقاضی خاں وروی عن ابن رستم مثلہ وذکر عصام	قابل تقسیم مشاع چیز ہو تو ھبہ صحیح نہ ہوگا اگرچہ وارث تصدیق کرے کہ مورث نے یہ ہبہ کیا ہے کیونکہ اس کی تصدیق فاسد کو صحیح نہیں بناسکتی اور جس طرح اجنبی کے لئے صحیح نہیں ہے اس طرح شریک کے لئے بھی صحیح نہیں جیساکہ عام کتب میں ہے اور جو ان کی مخالفت میں اکیلا ہو تو اس کا اعتبار نہیں اور ظاہر روایت میں یہ مفید ملک نہ ہوگا، زیلعی نے فرمایا اگر شیوع کی حالت میں قبضہ دیا تو ملک نہ بنے اس لئے اگر تصرف کرے تو نافذ نہ ہوگا اور موہوب لہ کو ضمان دینا ہوگا۔ واہب کا تصرف اس میں نافذ رہے گا، یہ طحطاوی اور قاضیخاں نے ذکر فرمایا ہے اور ابن رستم سے اس طرح روایت ہے اور عصام نے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۷۸

انہاتفید الملك وبہ اخذ بعض المشائخ [1] انتہی،	ذکر کیا ہے کہ یہ مفید ملک ہوگا، اور بعض مشائخ نے اس کو اپنایا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے فتوٰی مذکورہ علامہ خیر الدین رملی کو ہبہ مشاع مفید ملک موہوب لہ نہیں ذکر کرکے فرمایا ج ۴ ص ۵۱۱:

وافتی بہ فی الحامدیۃ ایضا والتاجیۃ وبہ جزم فی الجوہرۃ والبحر ونقل عن المبتغی بالغین المعجمۃ انہ لو باعہ الوھوب لہ لا یصح وفی نور العین عن الوجیز الھبۃ الفاسدۃ مضمونۃ بالقبض ولایثبت الملك فیھا الاعند اداء العوض نص علیہ محمد فی المبسوط و ھو قول ابی یوسف اھ وذکر قبلہ ھبۃ المشاع فیمایقسم لاتفید الملك عند ابی حنیفۃ وفی القھستانی لاتفید الملك وھوالمختار کما فی المضمرات وھذا مروی عند ابی حنیفۃ وھوالصحیح اھ فحیث علمت انہ ظاھر الروایۃ وانہ نص علیہ محمد و رووہ عن ابی حنیفۃ ظھر انہ الذی علیہ العمل وان صرح بان المفتی بہ خلافہ [2]۔	اس پر حامدیہ وتاجیہ نے بھی فتوٰی دیا ہے اور اسی پر جوہرہ اور بحر میں جزم کیا ہے، اور مبتغی (غین کے ساتھ) سے منقول ہے کہ اگر موہوب لہ کے نے اسے فروخت کردیا تو صحیح نہ ہوگا اور نور العین میں وجیز سے منقول کہ فاسد ہبہ قبضہ کی وجہ سے مضمون ہوگا اور اس میں ملکیت عوض کی ادائیگی کے بغیر ثابت نہ ہوگی، اس پر امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں نص فرمائی ہے اور یہی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اھ اور اس سے قبل ذکر فرمایا کہ قابل تقسیم مشاع کا ہبہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مفید ملک نہیں ہے، اور قہستانی میں ہے کہ وہ مفید ملک نہیں ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ مضمرات میں ہے اور یہ امام صاحب سے مروی ہے اور وہی صحیح ہے اھ) تو جب معلوم ہوگیا کہ یہ ظاہر الروایت ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی اس پر نص ہے اور انھوں نے یہ امام صاحب سے روایت کیا ہے تو یہ صحیح ہے اگرچہ تصریح کی گئی ہو کہ اس کے خلاف پر فتوٰی ہے۔(ت)

ثالثًا: بعض کے نزدیک اگرچہ مفید ملک ہو مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ واہب کو اس پر دعوٰی نہ رہا۔ نہیں نہیں بلکہ اسے دعوٰی

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الہبۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الہبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۵۱۱

پہنچتا ہے اور بالاجماع رجوع کرسکتا ہے اگرچہ یہ ہبہ ذورحم محرم کو کیا ہو حالانکہ وہ مانع رجوع ہے اور جس طرح واہب کو دعوی پہنچتا ہے اگر وہ مرجائے اس کا وارث دعوی کرسکتا ہے حالانکہ موت احدالعاقدین بھی مانع رجوع ہے اور اگر شیئ موہوب، موہوب لہ کے پاس تلف ہوجائے اس کا تاوان واہب کو دے حالانکہ موہوب بھی مانع رجوع ہے اور وجہ وہی ہے کہ ان بعض کے نزدیک بھی یہ ملک صحیح نہیں بلکہ خبیث ہے اور عقد فاسد وواجب الرد ہے، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ بعد عبارت مذکورہ:

ومع افادتها الملك عندهذا البعض اجمع الكل على ان للواهب استردادها من الموهوب له ولو كان ذارحم محرم من الواهب قال فى جامع الفصولين رامز الفتاوٰى الفضى ثم اذا هلكت افتيت بالرجوع للواهب هبة فاسدة لذى رحم محرم منه اذا الفاسدة مضمونة على مامرة ذاكانت مضمونة بالقيمة بعد الهلاك كانت مستحققة الرد قبل الهلاك انتهى وكما يكون للواهب الرجوع فيها يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد وتضمن بعد الهلاك كالبيع الفاسد اذا مات احد المتبايعين فلورثته نقضه لانه مستحق الرد و مضمون بالهلاك[1]۔	اس کے باوجود کہ بعض کے نزدیک یہ ہبہ مفید ملک ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وھب کو اس میں رجوع کا حق ہے اگرچہ موہوب لہ واہب کا ذی رحم محرم ہو، جامع الفصولین میں فتاوٰی فضلی کی رمز سے فرمایا کہ پھر اگر ہلاک ہوجائے تو میں نے فتوی دیا کہ محرم کو فاسد ہبہ دینے ہیں واہب کو رجوع کا حق ہے کیونکہ فاسد ہبہ مضمون ہوتا ہے جیسا کہ گزرا تو جب ہلاک ہوجانے پر قیمت برابر ضمان ہے تو ہلاک ہونے سے قبل واپس لینے کا حق ہے اھ اور جیسے واہب کو رجوع کا حق ہے تو اس کی موت کے بعد اس کے ورثاء کو رجوع کا حق ہوگا کیونکہ وہ قابل واپسی ہے او ایسا ہوجانے پر اس کا ضمان دینا ہوگا جیسا کہ فاسد بیع میں کوئی فریق فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو بیع ختم کرنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ قابل واپسی ہے اور ہلاک ہوجانے پر مضمون ہے۔(ت)

ولہذا ردالمحتار ص ۷۸۱ میں بعد عبارت مذکورہ بحال تنزل بقول دیگر اس کا محض نامفید ہونا یوں ظاہر فرمایا:

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۱۱۲

ولاسیما انه یکون ملکا خبیثا کما یأتی ویکون مضمونا کما علمته فلم یجد نفعا للموهوب له فاغتنمه [1]۔	خصوصا خبیث ملکیت ہو جیسا کہ عنقریب آئیگا اور مضمون ہو جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے، تو وہ موہوب لہ کو مفید نہیں ہے، اسے غنیمت سمجھو۔(ت)

رابعا مسئلہ ابراء عن الاعیان اگر یہاں سے متعلق ہوتا تو اس کا اثر صرف قضا پر تھا دیانۃ اپنی مملوکہ عین سے سو بار ابراء کرے ملک زائل نہ ہوگی اور جب ملے لے سکے گا، درمختار اوائل الصلح۔

قولهم الابراء عن الاعیان بطل معناه لم یصر ملکا للمدعی علیه ولذا لو ظفر بتلك الاعیان حل له اخذها لکن لاتسمع دعواه فی الحکم [2]۔	ان کا فرمانا کہ عین موجود چیز سے بری کرنا باطل ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گا لہٰذا دینے والا اگر قابو پا کر اسے لے تو لینا جائز ہوگا لیکن قاضی کے ہاں اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار ج ۴ ص ۴۷۷:

نقل الحموی عن حواشی صدر الشریعة للحفید معنی قولنا البرأة عن الاعیان لاتصح ان العین لا تصیر ملکا للمدعی علیه لاان یبقی المدعی علی دعواه الخ ابوالسعود وهذا اوضح مما هنا قال السائحانی و الاحسن ان یقال الابراء عن الاعیان باطل دیانة لاقضاء [3]۔	حموی نے صدر الشریعۃ کے پوتے کے لئے حواشی سے نقل کیا، اعیان اشیاء سے براءت صحیح نہیں ہمارے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ عین چیز مدعی علیہ کی ملک نہ بنے گی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مدعی کا دعوی قائم ہے الخ ابوالسعود نے کہا یہاں پر سائحانی نے جو فرمایا اس سے یہ زیادہ واضح ہے اور یہ کہنا زیادہ بہتر ہے کہ اعیان اشیاء سے بری کرنا دیانۃ باطل ہے قضاء باطل نہیں۔(ت)

مگر صورت مسئولہ میں کوئی ابراء ابتداء نہیں بلکہ اس ہبہ ناجائز پر مبنی ہے جس پر اس کی یہ عبارت شاہد ہے کہ بعد الیوم سے مظہرہ وورثائے مظہرہ کا بابت کل حصص یعنی جمیع جائداد کے کوئی دعوی ودخل نہیں ورنہ ہوگا،

---

[1] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

[2] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۲

[3] ردالمحتار کتاب الصلح داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۷۵

یہ وہی عبارت ہے جو بیعنامہ کے آخر میں لوگوں نے معمول کرلی ہے کہ آج سے میرا مبیع اور مشتری کا زر ثمن میں کوئی دعوی نہ رہا، یہ اسی بیع پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ کوئی ابرائے ابتدائی اگر بیع باطل ثابت ہو تو بلاشبہ مبیع و ثمن واپس دیئے جائیں گے، اور وہ الفاظ کہ دعوی نہ رہا کچھ خلل انداز نہ ہوگا، بعینہٖ یہی حالت یہاں سے اس ہبہ کی بناء پر کہہ رہی ہے کہ آج سے کوئی دعوی نہیں جب وہ ہبہ شرعاً ناجائز ہے ان الفاظ کا بھی کچھ اثر نہیں، عقود الدریہ ج ۲ ص ۵۹:

اذا جری الصلح بین المتداعین وکتب الصك وفیه ابراء کل واحد منها صاحبه عن الدعوٰی ثم ظهران الصلح وقع باطلا بفتوی الائمة فاراد المدعی ان یدعی ماادعی لاتصح دعواه للابراء السابق والمختار ان تسمع لان هذا ابراء فی ضمن صلح فاسد فلا یعمل مجمع الفتاوٰی [1]۔	جب دونوں مدعی حضرات آپس میں صلح کرکے صلحنامہ لکھ دیں جس میں ہر ایک نے دوسرے کو بری کردینا لکھ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ ائمہ کرام کے فتوی کی رو سے صلح باطل ہے تو اب ایک مدعی اپنے دعوی کو بحال کرے تو یہ درست نہ ہوگا کیونکہ پہلے برات کرچکا ہے اور مختار یہ ہے کہ اس کا دعوی قابل سماعت نہ ہوگا کیونکہ یہ ابراء صلح فاسد کے ضمن میں ہے لہٰذا وہ معتبر نہ ہوگی، مجمع الفتاوٰی (ت)

فتاوٰی امام قاضیخان ج ۲ ص ۲۳۸، جامع احکام الصغار ص ۱۰۷:

لاتحرم هوالصحیح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء و انما اقر بالسبب الذی تصادقا علیه وذٰلك السبب باطل [2]۔	دوبارہ دعوی حرام نہیں ہے کیونکہ پہلا اقرار صلح کے اس سبب پر جس پر دونوں نے اتفاق کیا تھا اور وہ باطل ہوچکا ہے۔ (ت)

خامساً بفرض غلط اگر یہ ابتدائی ابراء بھی ہوتا تو اس چیز کی نسبت ہے کہ اس وقت تک اس کی ملک ہے جو خود معلوم اور بعد الیوم کی قید سے مفہوم اور نہ کسی منازعت میں ہے نہ کسی خاص کے نام تو محض باطل و بے اثر ہے، عقود الدریہ ج ۲ ص ۴۵:

وفی العمادیة قال ذوالید لیس هذا لی اولیس ملکی اولاحق لی فیه اونحوذٰلك	عمادیہ میں ہے قابض نے کہا یہ میرا نہیں، یا میری ملک نہیں۔ یا میرا حق نہیں، یا اور ایسے

[1] العقود الدریة کتاب الصلح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۷۰

[2] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین مسائل الطلاق نورانی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰۷

ولامنازع له حنیئذ ثم ادعاہ احد فقال ذوالید ھو لی فالقول له لان الاقرار بمجهول باطل والتناقض انما یمنع اذا تضمن ابطال حق علی احد اھ ومثله فی الفیض وخزانة المفتین [1] ۔	الفاظ کہے جبکہ اس وقت کسی نے تعرض نہ کیا پھر کسی نے اس مقبوضہ چیز پر دعوی کردیا تو اس کے جواب میں اس نے کہا یہ میری چیز ہے تو اس کا یہ کہنا معتبر ہوگا کیونکہ پہلا اقرار تھا جو باطل ہے۔اور تناقض تب ہوتا کہ وہ کسی کے لئے حق کا اقرار کرتا اھ اوراس کی مثل فیض اور خزانۃ المفتین میں بھی ہے۔(ت)

سادسًا: ایک شخص دوسرے کو مدت تک کسی شے میں مالکانہ تصرف کرتے دیکھے اور بلاعذر ساکت رہے پھر کہنے لگے کہ یہ تو میری ملک ہے علماء کرام نے قطع تزویر وحیل کے لئے اس کا دعوی ناممسوع رکھا ہے اور یہ حکم فقہی ہے،نہ بربنائے منع سلطانی۔اس کی بعض عبارات فتاوی بہاولپور میں ہیں اور کثیر ووافر ہمارے فتاوی میں یہ حکم دیانۃ نہیں محض قضاء ہے کہ نظر بظاہر حال ممانعت فرمائی **کما نصوا علیه** (جیسا کہ اس پر نص کی گئی ہے۔ت) سائل نے سوال ہی میں اس کا اشعار کردیا تھا کہ باوجود اطلاع علی التصرف قضاء دعوی اس کا قابل سماعت ہے نہ، مجیب نے تصریح کردی تھی کہ صحت قضاء کے لئے دعوی شرط ہے،اور وہ یہاں نہیں دعوی قضاء قابل اخراج ہے،اور یہ عبارت کہ **الحق لایسقط بتقادم الزمان** [2] (زمانہ گزر جانے پر حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) حکم دیانت ہے تو اس کے مقابل اسے پیش کرنا فتوی دیوبند کی حماقت ہے ان محقق شامی نے جن کے مسائل شتی آخر الکتاب کا حوالہ دیا اس جگہ فرمادیا تھا۔ج ۵ ص ۴۲۶:

ثم اعلم ان عدم سماعها لیس مبینا علی بطلان الحق حتی یردان هذا قول مهجور لانه لیس ذلك حکما ببطلان الحق وانما هو امتناع من القضاة عن سماعها خوفا من التزویر	پھر معلوم ہونا چاہئے کہ اس کا عدم اسماع کسی حق کے بطلان پر مبنی نہیں تاکہ اعتراض ہوسکے کہ اس کا یہ دوسرا قول مہجور ہے کیونکہ یہ کسی حق کے بطلان کا حکم نہ تھا بلکہ یہ تو قاضیوں کا ترکہ سماع اس خوف کی بناء پر تھا کہ من گھڑت معاملہ ہوسکتا ہے۔

[1] العقود الدریة کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۳

[2] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴،ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

ولدلالۃ الحال کمادل علیہ التعلیل والافقد قالوا ان الحق لایسقط بالتقادم کما فی قضاء الاشباہ فلا تسمع الدعوٰی فی ھذا المسائل مع بقاء الحق الاخر ولذالواقربہ الخصم یلزمہ[1]۔	اور حال کی دلالت کی وجہ سے جیسا کہ اس کی بیان کردہ علت سے معلوم ہوتا ہے ورنہ تو زمانہ گزرنے کے وجہ سے کوئی حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ الاشباہ کی بحث قضاء میں ہے، تو ان مسائل میں دوسرے کے حق کے باوجود دعوی مسموع نہ ہوگا۔ اسی لئے اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہو جائیگا۔ (ت)

یہاں علامہ شامی نے الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) جواب دینے کے لئے نقل فرمایا ہے اس کی کوئی تحقیق نہ کی، تحقیق اسی کی لکھی ہے کہ اس صورت میں دعوی مسموع نہیں اور یہ اس پر الحق لایسقط بالتقادم (زمانہ گزر جانے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ت) وارد نہیں، یہ سب کچھ دیکھ کر شامی کا الٹا حوالہ دینا جس سے وہ جواب دے چکے اسی کو پیش کرنا اور ان کے سر دھرنا عجیب جہالت ہے بلکہ جواب صحیح ی ہے کہ یہ مسئلہ صورت مسئولہ سے متعلق نہیں جہاں مدعی علیہ کا اقرار موجود ہو، اگر سو برس بھی گزر جائیں مانع دعوی نہیں۔ یہاں اس مال کا متروکہ سماء او شرم خاتون کا وارث سماد ہونا امر مسلم ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں، پھر الٰہی بخش کا شرم خاتون سے ہبہ نامہ لکھوانا صراحۃً ملک شرم خاتون کا اقرار ہے تو مسئلہ مذکور یہاں سے اصلا متعلق نہیں، فتاوٰی خیریہ ج ۲ ص ۷۳:

سئل فیما ادعی زید علی عمر و محدودا انہ ملکہ ورثہ عن والدہ فاجابہ المدعی علیہ انی اشتریت من والدك بکذا اوانی ذوید علیہ من مدۃ تزید علی اربعین سنۃ وانت مقیم معی فی بلدۃ ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوی ھل یکون ذلك من باب الاقرار بالتلقی من مورثہ فیحتاج الی بینۃ تشھد لہ بالشراء ولاینفعہ	ان سے سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر دعوی کیا کہ یہ محدود رقبہ میرے والد کی وراثت میں میری ملک ہے تو مدعٰی علیہ نے جواب میں کہا میں نے یہ رقبہ اتنے میں تیرے والد سے خریدا ہے اور چالیس سال سے زائد عرصہ میرے قبضہ میں چلا آرہا ہے اور تو شہر میں میرے پاس مقیم اور عذر کے بغیر تو خاموش رہا اور دعوی نہ کیا، تو کیا مدعی علیہ کا یہ جواب مدعی کے مورث سے خرید کے ثبوت کے لئے گواہی کی ضرورت ہوگی اور مدت مذکورہ سے اس کا قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا۔

[1] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۳۔۴۷۴

كونه واضعايده عليه المدة المذكورة و لاتكون الحادثة من باب الدعاوى التى مر عليها خمس عشرة سنة اجاب نعم دعوى تلقى الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوى الانتقال منه اليه فيحتاج المدعى عليه الى بينة وصار المدعى عليه مدعيا ولاينفعه وضع اليد المدة المذكورة مع الاقرار المذكور وليس من باب ترك الدعوٰى بل من باب المؤاخذة بالاقرار ومن اقر بشيئ لغيره اخذ باقراره ولو كان فى يده احقابا كثيرة لاتعد وهذا مما لايتوقف فيه [1]. والله تعالٰی اعلم۔	اور یہ پندرہ سال پرانے کیس سے متعلق دعوی کے باب سے نہ ہوگا جواب دیا، ہاں مدعٰی علیہ کا یہ دعوی کہ میں نے تیرے مورث سے خریدا ہے، یہ مورث سے حصول کا اقرار ہے اور اس سے اپنے لئے منتقل ہونے کا دعوی بنتا ہے تو اس پر مدعٰی علیہ کو گواہی کی ضرورت ہوگیا ور اس بناء پر مدعی علیہ مدعی بن جائے گا، اور مذکورہ اقرار کی وجہ سے اس کا چالیس سالہ قبضہ اس کو مفید نہ ہوگا، اور یہ معاملہ پندرہ سالہ پرانے کیس والا نہیں بلکہ یہ اقرار پر مؤاخذہ کے باب سے ہوگا جبکہ دوسرے کی چیز کا اقرار کرنے والا اپنے اقرار کی بناء پر پابند ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا قبضہ زمانوں سے ہو شمار نہ ہوگا اور یہ ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی توقف نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

عقود الدریہ ج ۲ ص ۷:

اذا ادعى اخوات زيد عليه بحصتهن من دار ابيهن المتوفى من خمس عشرة سنة وهو معترف بان الدار مخلفة لهم عن ابيهم تسمع الدعوٰى عليه لو طالت المدة كما افتى بذٰلك العلامة ابو السعود العمادى [2]۔	جب زید کی بہنوں نے اس پر دعوی کیا کہ اس مکان میں پندرہ سال قبل فوت شدہ ہمارے والد کی ورثت کے طور پر ہمارا حق ہے اور زید اعتراف کرتا ہے کہ یہ مکان والد کی وراثت میں ہے تو اس کی بہنوں کا دعوی قابل سماعت ہوگا اگرچہ لمبی مدت گزر چکی ہو، جیسا کہ علامہ ابوالسعود عمادی نے یہ فتوی دیا۔ (ت)

ایضًا صفحہ ۴۶:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۸۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۶

فی البزازیۃ عن المحیط لو ابراء احد الورثۃ الباقی ثم ادعی الترکۃ وانکر لاتسمع دعواہ وان اقروا بالترکۃ امروا بالرد علیہ[1]۔	بزازیہ میں محیط سے منقول ہے اگر ایک وارث نے باقی ورثاء کو بری کردیا اور پھر بعد میں اس نے ترکہ کا دعوی کردیا اور باقی ورثاء انکار کردیں تو اس کا دعوی مسموع نہ ہوگا اور ورثاء اقرار کریں تو ان کو ترکہ واپس کرنے کا حکم ہوگا۔(ت)

ابھی ردالمحتار سے گزرا: **لواقربہ الخصم یلزمہ**[2] (اگر فریق مخالف اس کا اقرار کرے اس کو لازم ہوجائے گا۔ت)

سابعًا: ان بیانات سے روشن ہوا کہ دعوی شرم خاتون شرعا دیانۃ اور قضاء ہر طرح مسموع ہے، اب رہا نہی سلطانی کا شبہ، اگر قانون ریاست بہاولپور میں مسئلہ تمادی جب تو ظاہر کہ وہاں کے قضاۃ ہرگز ممنوع عن السماع نہیں اور اگر ہے لیکن بحال وجود اقرار مدعی علیہ موثر نہیں جیسا کہ حکم شرعی ہے جب بھی اسے یہاں سے تعلق نہیں کما تقدم۔ ردالمحتار جلد ۴ ص ۳۱ ۵:

نقل فی الحامدیۃ فتوی ترکیۃ عن المولی ابی السعود وتعریبہا اذا اترکت دعوی الارث بلاعذر شرعی خمس عشرۃ سنۃ فھل لاتسمع الجواب لاتسمع الا اذا اعترف الخصم بالحق ونقل مثلہ شیخ مشائخنا الترکمانی عن فتاوی علی اُفندی مفتی الروم ونقل مثلہ ایضا شیخ مشائخنا السائحانی عن فتاوی عبد اللہ افندی مفتی الروم[3]۔	حامدیہ میں مولٰی ابی السعود کا ترکی فتوی نقل کیا ہے جس کا عربی ترجمہ یہ ہے جب شرعی عذر کے بغیر پندرہ سال تک وراثت کا دعوی نہ کیا ہو تو کیا اب قابل سماعت نہ ہوگا۔ الجواب، فریقین مخالف کے اعتراف کے بغیر قابل سماعت نہ ہوگا، اسی کی مثل مفتی روم علی آفندی کا فتوی ہمارے مشائخ کے شیخ ترکمانی سے نقل کیا ہے اور مفتی روم عبداللہ آفندی کا فتوی ہمارے مشائخ کے شیخ سائحانی نے بھی اس کی مثل نقل کیا ہے۔(ت)

[1] العقود الدریہ کتاب الاقرار ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۵۴

[2] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۷۴

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۲۳

ایضًا ص ۵۳۲:

عدم سماع القاضی لها انما ہو عند انکار الخصم فلو اعترف تسمع [1]۔	قاضی کا دعوی نہ سننا صرف اس صورت میں ہوگا جب فریق مخالف انکار کرے وہ اگر اعتراف کرے تو دعوی سنا جائے گا۔ (ت)

اور اگر وہاں مطلقًا ممانعت ہے کہ مثلاً ۱۲ سال کے بعد کوئی دعوی نہ سنا جائے گا اگرچہ مدعا علیہ کا اقرار موجود ہو تو البتہ وہاں کے قاضی نہ سن سکیں گے کہ وہ قدر تولیت سے زائد میں معزول وکاحد من الناس ہیں مگر خود رئیس پر فرض ہوگا کہ آپ سنے یا کسی کو سننے کی اجازت دے کہ حق ضائع نہ ہو، درمختار قبیل التحکیم:

القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومة حتی لو امر السلطان بعد سماع الدعوٰی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ [2]۔	زمان، مکان اور واقعہ کی وجہ سے قضا کا تخصص ہو سکتا ہے حتی کہ اگر حاکم پندرہ سال بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی کی کاروائی کے باوجود نافذ ہوگا۔ (ت)

خیریہ ج ۲ ص ۱۰۲ شامی ج ۴ ص ۴۸۱:

لانه معزول عنه بتخصیصه فالتحق فیه بالرعیة نص علیه ذٰلك علمائنا رحمهم الله تعالٰی [3]۔	کیونکہ قاضی اس میں بے اختیار ہو جاتا ہے تو رعیت ہو جانے کی بناء پر قاضی پابند ہو جاتا ہے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

غمز العیون ص ۲۲۳:

یجب علیه عدم سماعها لان امر السلطان یصیر المباح واجبا ولکن یجب السلطان ان یسمعها	قاضی پر سماعت نہ کرنا لازم ہو جاتا ہے کیونکہ حاکم کے حکم سے مباح چیز واجب ہو جاتی ہے تاہم حکم پر لازم ہے کہ خود سماعت کرے۔

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی المحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی المحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبة دارالمعرفة بیروت ۲ /۱۱۲

کذا فی معین الفتوی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	معین المفتی میں یوں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۲: از موضع گھرپیا تحصیل وڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ مسماۃ افضل بیگم ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی نیاز علی کی بیوی منکوحہ قضائے الٰہی سے وفات ہوئی، اس نے اپنا ایک بیٹا محمد ولی خان چھوڑا، جب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں نے دوسری بیوی کرنا چاہی تو قبل زوجہ ثانیہ کے کرنے سے نیاز علی خان نے اپنی کل جائداد اپنے لڑکے محمد ولی خاں کے نام اسٹام پر تحریر کرادی اور اس کے بعد نکاح ثانی افضل بیگم کے ساتھ کیا لیکن وقت نکاح نیاز علی خان نے یہ امر افضل بیگم سے پوشیدہ بھی نہیں رکھا تھا، صاف ظاہر کردیا تھا کہ جائداد جو کچھ ہے وہ محمد ولی خاں کے نام تحریر ہے میرے پاس صرف ہاتھ پیر ہے تمہارا دل چاہے نکاح کرو یا مت کرو۔ لیکن افضل بیگم نے نکاح کرنا اسی حالت میں قبول کیا اور نکاح ہوگیا، اب کچھ عرصہ کے بعد نیاز علی خاں فوت ہوگیا ہے تو اب مسماۃ افضل بیگم نے لڑکے محمد ولی خاں سے اپنا مہر چاہنے کی خواہش کی بلکہ دعوی کچہری میں داخل کردیا اور محمد ولی خاں وہ اسٹام جو قبل نکاح نیاز علی تحریر کرچکا ہے اس کو پیش کرتا ہے کہ جائداد میری ہے نیاز علی خاں کی نہیں کہ میں مہر ادا سکوں، فریقین نے اس امر کو پنچائت پر قبول کیا ہے، پنچ فیصلہ خلاف حکم شرع شریف نہیں کرنا چاہتی، اس لئے خلاصہ معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ بحالت مذکورہ بالا افضل بیگم اپنا دین مہر محمد ولی خاں پسر نیاز علی خاں متوفی سے پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ مطابق حکم شرع شریف خلاصہ احکام سے آگہی بخش جائے، دیگر یہ بھی کہے کہ تحریر اسٹام سے اور نیاز علی خاں کے فوت ہونے تک کمی بیشی اس جائداد کی ہوئی ہے، اس میں جو مناسب ہو تحریر فرمایا جائے۔

الجواب:

اگر جائداد کسی کی شرکت میں نہ تھی خالص نیاز علی کی تھی اور اس نے بیٹے کے نام لکھ کر اپنے قبضہ سے بالکل خالی کرکے بیٹے کا قبضہ کرادیا تھا تو وہ کل جائداد محمد ولی کی ہوگئی، افضل بیگم کا اس پر دعوی باطل ہے، اور اگر اس میں کوئی جائداد دوسرے کی شرکت میں تھی کہ نیاز علی کا حصہ جدا تقسیم شدہ ممتاز نہ تھا یا کسی جائداد سے اپنا قبضہ نہ اٹھایا مثلاً مکان تھا بیٹے کا نام اسٹامپ میں کرادیا اور خود ایک آن کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے اسباب سے خالی نہ کیا یا نام کرادیا اور بیٹے کا قبضہ نیاز علی کی زندگی تک نہ ہوا، تو ان صورتوں میں ایسی جائدادیں نیاز علی ہی کی ملک ہیں اور افضل بیگم کا دعوی مہر ان پر بجا ہے اس کا مہر اور

---

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادت الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۶۹

پہلی بی بی کا مہر باقی ہو تو وہ بھی اور جو کچھ نیاز علی پر دین ہو وہ سب ایسی جائدادوں سے پہلے ادا کیا جائے گا اگر کچھ نہ بچے گا ان جائدادوں سے محمد ولی کچھ نہ پائے گا، اور جو جائداد تینوں شرطوں کے ساتھ محمد ولی کو نیاز علی کی زندگی میں مل چکی وہ محمد ولی کی ہے اس پر کسی کا دعوی نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از فرید آباد ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور مرسلہ نور احمد افریدی سجادہ نشین فرید آباد ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی واحد بخش نے مرنے سے ایک ماہ پہلے بحالت بیماری بدرستی ہوش حواس و سلامتی عقل برضا و رغبت خود بروئے گواہان کہا کہ میری کل جائداد کا مالک قابض میرا پتر حقیقی مسمّٰی غلام احمد ہے اور اس نے قبول کرکے ایک ماہ تک اس کی حیات میں حسب قولش ایسا ہی کیا کہ مالک قابض متصرف جائداد پر اور بخانہ اش مقیم رہا ہے، اراضیات کی کلبہ رانی کاشت برداشت وتدارک آبادی وغیرہ بھی کرتا رہا ہے، ایک ماہ کے بعد واحد بخش فوت ہوا اور خرچ اخراج تجہیز وتکفین تدفین وغیرہ مناسب اسی نے کی ہیں تیسرے روز قل خوانی پر حسب قول متوفی سب برادری وغیرہ نے دستار بندی اسی غلام احمد کی کرائی ہے کیونکہ واحد بخش کی اولاد نرینہ یہی تھی اسی لئے مرنے سے ایک ماہ پیشتر برضائے خود غلام احمد کو مالک قابض متصرف بناکر دارالبقا کو چلا گیا ہے بلکہ یہ بھی اس وقت اس نے کہا تھا کہ میری ہر دو دختران کی شادی کرانے کا بھی یہی مالک ہے، واحد بخش کے اہل وراثت حسب ذیل موجود ہیں ذوی الفروض سے دو زوجہ مسماۃ غلام فاطمہ وجاملاور دو دختران مسماۃ خیران و امیران اور اقرب العصبات سے چار بنو عم مسمیان غلام احمد مذکور واحد بخش خدا بخش غلام رسول موجود ہیں، بعد توفیت واحد بخش کے دو ماہ دیگر بھی یعنی کل تین ماہ تک برضائے کل مالک قابض و متصرف رہا ہے، پھر غلام فاطمہ جو اس کی درونی ناخواہ تھی اس کو گھر سے نکال دیا ہے اور ایسا نہیں چاہئے الاقبضہ غلام احمد کا اراضیات پر تاحال بدستور موجود ہے خیران کا نکاح مسمّٰی لعل سے اور امیران کا نکاح غلام احمد مذکور سے شرعی طور پر ہوچکا ہے پس اب شرعا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ قول واحد بخش کا غلام احمد کے لئے ہبہ ہوسکتا ہے یا کیونکر، فتاوٰی قاضیخان میں ہے:

رجل قال جمیع ماملکہ لفلان یکون ہبۃ حتی لا یجوز بدون القبض[1]۔	ایک شخص نے "میری تمام مملوکہ فلاں کے لئے ہے" کہا تو ہبہ قرار پائے گا حتی کہ قبضہ کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۶

اور فتاوٰی عالمگیریہ مترجم جلد سوم میں ہے کہا: **وھبت ھذا الشیئ لك او ملکته منك** یعنی یہ شے تجھے ہبہ کی یا تجھے اس کا مالک کیا اور **جعلته لك او ھذالك** یا میں نے تیرے واسطے کردی یا یہ شے تیرے واسطے ہے **او اعطیتك او نحلتك** یا میں نے تجھے عطا کی یا **نحله دی فھذا کله ھبة** (یہ تمام صورتیں ہبہ کی ہیں۔ت)[1]

اور نیز فتاوٰی عالمگیری مترجم مذکور میں ہے "کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ مریض کا ہبہ یا صدقہ جائز نہیں ہے مگر جبکہ اس پر قبضہ ہوجائے اور جب قبضہ ہوگیا تو تہائی مال سے جائز ہے اور اگر سپرد کرنے سے پہلے واہب مرگیا تو ہبہ باطل ہوگیا"[2]۔

اور جاننا چاہئے کہ مریض کا ہبہ کرنا قصداً ہبہ ہے وصیت نہیں ہے اور تہائی مال اس کا اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں ہے کہ وہ وصیت ہے بلکہ اس واسطے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال سے متعلق ہوتا ہے اور اس نے ہبہ کردینے میں احسان کیا تو اس کا احسان اس قدر مال سے ٹھہرایا جائے گا جتنا شرع نے اس کے واسطے قرار دیا ہے یعنی ایک تہائی اور جب یہ تصرف عقد ہبہ ٹھہرا یا گیا تو جو شرائط ہبہ کے ہیں وہ مرعی ہونگے۔ اور از انجملہ ایک شرط یہ ہے کہ واہب کے مرنے سے پہلے موہوب لہ اس پر قبضہ کرلے، یہ محیط میں ہے اور درمختار میں ہے:

یمنع الرجوع فیھا حروف دمع خزقه[3]۔	ہبہ سے رجوع کرنے سے یہ حروف "دمع خزقہ" بین الورثہ شرعاً منقسم ہونگی

پس ان عباراتِ کتب معتبرہ سے کیا استخراج ہوسکتا ہے اور کس طور حصص بطور ہبہ یا وراثت فیما بین الورثہ شرعاً منقسم ہونگی۔

الجواب:

مرض الموت میں ہبہ اگرچہ حقیقۃً ہبہ ہے فلہذا قبضہ شرط ہے اور مایقسم میں مشاع ناجائز مگر حکماً وصیت ہے ولہذا بے اجازت ورثہ ثلث سے زائد میں نافذ نہیں اور وارث کے لئے بے اجازت

[1] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبة باب اول حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ مترجم کتاب الھبة باب دہم حامد اینڈ کمپنی لاہور ۷/ ۱۲۲

[3] درمختار باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دیگر ورثہ باطل۔عالمگیری میں تاتارخانیہ سے ہے:

وهب الرجل فی مرضه غلاما لابنه ولابنه علی هذا الغلام دین فان صح فهو جائز وان مات فصار للورثة عاد دینه[1]۔	ایک شخص نے اپنی مرض موت میں اپنے بیٹے کو غلام ہبہ کیا جبکہ اس بیٹے کا غلام پر دین تھا اگر صحیح ہوجائے تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہوجائے تو غلام واپس اس کے ورثاء کی ملکیت بن جائے گا اور بیٹے کا غلام پر قرض بحال ہوجائے گا۔(ت)

اسی میں جامع المضمرات سے ہے:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان کانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة[2]۔	مریضہ نے خاوند کو اپنا مہر ہبہ کیا اگر مرض الموت میں ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

عبارات مذکورہ سوال کا بھی یہی مطلب ہے دوماہ بعد تک برضاء کل قابض متصرف رہنے سے اگر یہ مراد ہے کہ بقیہ ورثہ نے اس کے نام اس ہبہ کو جائز کردیا اور اس پر اپنی رضا کی تصریح کردی تو بلاشبہ غلام احمد مالک مستقل ہوگیا جبکہ باقی سب ورثہ عاقل بالغ اہل اجازت ہوں اور اب ان کو اس اجازت سے رجوع کا اختیار نہیں، اور اگر ان کے مجرد سکوت وعدم منازعت کو رضا قرار دیا ہے تو اتنی قلیل مدت تک سکوت دلیل رضا نہیں ان میں کل یا بعض جو اجازت نہ دے چکا ہو منازعت کرسکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۴: از شہر بریلی ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ڈیڑھ سو روپیہ کی ڈیڑھ سو گز زمین خرید کر اپنی عورت کے نام کردی اس پر عملہ بھی شوہر نے بنوایا، بیاہتا عورت فوت ہوگئی، اس کی اولاد ایک لڑکا ایک لڑکی جن کے تمامی حقوق سے ادا کرچکا، اب دوسری شادی کرلی ہے اس سے دو لڑکے ہیں اب وہ شخص چاہتا ہے کہ میری زندگی میں فیصلہ ہوجائے تاکہ بعد میرے مرنے کے جھگڑا نہ ہو تو آیا پہلی عورت کی جو اولاد ہے ایک لڑکا ایک لڑکی ان کو اس جائداد سے کیا پہنچتا ہے اور جو دوسری عورت سے دو لڑکے ہیں ان کو اس جائداد سے کیا حق پہنچتا ہے، تعداد جائداد کی ایک ہزار روپیہ ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

الجواب:

پہلی عورت کا مہر اور وہ زمین کہ اس کے نام کردی تھی جبکہ اسے پورا قبضہ دے دیا ہو اور وہ عملہ بھی جبکہ اسی کے لئے بنا ہو اس عورت کے وارثوں کا ہے جن میں شوہر بھی اور عورت کے پسر و دختر، اور اگر مادر پدر ہوں تو وہ بھی، اور اگر وہ زمین عورت کے نام نہ خریدی نہ خود خرید کر اسے دے کر اس کا پورا قبضہ کرایا تو زمین شوہر کی ہے اور عملہ بھی اسی کا ہے،

لان ان وھب البناء قبل ان یبنی فھبة معدوم او بعدہ فھبة متصل وہی کھبة مشاع کما اوضحہ فی العقود الدریة [1] وبیناہ علی ہامشھا وفی الخیر الرملی علی جامع الفصولین شجر او بناء فی ارض الاٰخر وھبہ لمن الارض بیدہ لاتجوز الھبة [2] اھ وفی الدرر تجوز ھبة البناء دون العرصة اذا اذن الواھب فی نقضہ [3]۔	کیونکہ اگر تعمیر سے قبل عمارت کا ہبہ ہو تو یہ مقدوم چیز کا ہبہ ہوا اور اگر تعمیر کے بعد ہبہ کیا تو یہ اپنی ملکیت سے متصل چیز کا ہبہ ہوگا جو کہ مشاع چیز کے ہبہ کی طرح ہوا جیسا کہ عقود الدریہ میں اس کی وضاحت کی ہے اور ہم نے اس کے حاشیہ پر بیان کردیا ہے اور جامع الفصولین پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں ہے دوسرے کی زمین میں اس کے درخت یا عمارت ہوں اور وہ اس کو زمین کے قابض کو ہبہ کردے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا اھ درر میں ہے کہ اگر واہب اکھاڑ لے جانے کی اجازت دے دے تو زمین کے بغیر عمارت کا ہبہ جائز ہوگا۔ (ت)

پہلی صورت میں کہ زمین عورت کی تھی عملہ اس کا ہونے نہ ہونے کے لئے یہ معلوم ہونا درکار ہے کہ عملہ شوہر نے بطور خود بنایا، اور کیا کہہ کر بنایا کہ اپنے لئے بناتا ہوں یا عورت کے لئے یا کچھ نہ کہا یا عورت کے کہنے سے بنایا اور عورت نے کیا کہا یہ کہ میرے لئے بنالے، یا کچھ نہ کہا، اور بنانے کے لئے روپیہ عورت نے دیا یا شوہر کا تھا عورت نے دیا تو کیا کہہ کر دیا۔

---

[1] العقود الدریہ کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۵۔۹۴

[2] العقود الدریہ بحوالہ الرملی کتاب الھبۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۹۴، اللاآلی الدریۃ الفوائد الخیریہ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸

[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الھبۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۱

بہر حال وہ کل مکان یا صرف عملہ اور زمین کا حصہ یا دونوں کا حصہ جو کچھ ملک شوہر ٹھہرے اور ایسے ہی اس کے اور املاک ان میں اسی کی حیات میں کسی کا دعوی نہیں، ہاں وہی تقسیم کرنا چاہئے تو چاروں بیٹے بیٹی کو برابر دینا چاہئے۔ پہلے جوان کے خرچ خوراک یا تعلیم یا شادی میں لگا چکا وہ اس حصے میں مجرا نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۵: از بمبئی ڈاکخانہ نمبر ۹ ائسکریم ہوٹل مسئولہ مولوی احمد مختار صاحب ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منگنی کے وقت کچھ زیور وغیرہ اس عورت کے لئے دیا جس کے ساتھ اس کی منگنی قرار پائی، چند ماہ بعد عقد نکاح کے لئے آیا تو کچھ کپڑے بھی پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد سی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے پیش کئے بعد ازاں اس کا عقد اسی عورت کے ساتھ ہوگیا زیور اور کپڑوں کا اس عورت کو جماعت کے سامنے مالک بنادیا تھا اب کچھ عرصہ بعد اس نے عورت کو طلاق دے دی اور زیور کپڑے جو چڑھائے تھے وہ سب چھین لئے، پس یہ واپسی جائز ہے یا نہیں، اکثر کتب فقہیہ میں ہے کہ قبل از عقد جو کچھ دیا ہے اس کی واپسی کا شوہر کو اختیار ہے بعد از عقد جو چاہے وہ نہیں لے سکتا۔

الجواب:

فی الواقع بعد نکاح جو کچھ تملیکا دیا اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور قبل نکاح جو کچھ دیا اسے بے مرضی زن واپس لینا گناہ ہے اور خود چھین لینے کا ہرگز اختیار نہیں بلکہ عورت نہ دے، نالش کرکے بحکم قاضی لے سکتا ہے اور گنہگار اس میں بھی ہوگا کہ صحیح حدیث میں فرمایا:

العائد فی ھبتہ کالکلب یعود فی قیئہ لیس لنا مثل السوء[1]۔	یعنی بُری مثال مسلمان کے شایاں نہیں دے کر لینے والا کتے کی طرح ہے کہ قے کرکے پھر چاٹ لیتا ہے۔

درمختار میں دربارہ موانع رجوع ہے:

والزوجیۃ وقت الھبۃ فلو وھب لامرأۃ ثم نکحھا رجع ولو وھب لامرأتہ لا[2]۔	ہبہ کے وقت منکوحہ بیوی ہونا، لہٰذا اگر کسی عورت کو ھبہ کرکے بعد میں اس سے نکاح کیا تو ہبہ میں رجوع کرسکے گا اور اگر بیوی کو ہبہ کیا رجوع نہ کرسکے گا۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الحیل باب فی الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۲

[2] درمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

اسی میں ہے:

لایصح الرجوع الابتراضیھما اوبحکم الحاکم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	باہمی رضامندی سے یا حاکم کے حکم سے ہی رجوع صحیح ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۶: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ اسٹیٹ محلّہ افیم کاکانٹہ برمکان محمد حیات صاحب انجنیر مسئولہ نیاز الحسن صاحب ۶ جمادی الاخری ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں موافق مذہب حنفی کے کہ زید کے دولڑکے ہیں بکر وعمرو، اب زید نے اپنی جائداد عمرو کو ہبہ کرکے اس پر عمرو کا قبضہ کرادیا اور بعد وفات زید کے عمرو نے جائداد موہوبہ اپنی زوجہ مسماۃ امیرن کو بالعوض مہر بخشش کردی اور بعد وفات امیرن کے عمرو نے اپنے بھائی بکر کو ایک خط لکھا جس میں یہ لکھا ہے کہ جائداد مذکورہ کے تم مالک ہو اور عمرو کے امیرن کے بطن سے دولڑکے ہیں خالد وناصر اب بکر مدعی ہے کہ جائداد کا مالک میں ہوں، اور خالد وناصر مدعی ہیں کہ مالک ہم ہیں، شرعا مالک ووارث کون قرار دیا جاسکتا ہے۔

الجواب:

جب زید نے عمرو کو ہبہ کرکے قابض کردیا اور عمرو نے امیرن کے مہر میں دے دی امیرن مالک ہوگئی، عمرو کو کوئی اختیار نہ رہا کہ اپنے بھائی کو اس کا مالک کردے، جائداد بقدر حصہ خالد وناصر کی ہے، ہاں چہارم عمرو کو حصہ شوہری میں ملی اسے اپنے بھائی کو یا جسے چاہے ہبہ کرسکتا ہے مگر ابھی نہیں بلکہ بعد تقسیم اپنا چہارم الگ متمیز کراکر ہبہ کرسکے گا ورنہ اس کا ہبہ بھی باطل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: از رائے بریلی یونانی دواخانہ کبیر گنج مسئولہ محمد عظیم عطار ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے جو اس کے ذاتی دو مکان تھے اور اس کی ایک لڑکی اور ایک لڑکا تھا، منجملہ دو قطعہ مکان کے ایک مکان خورد لڑکی کو اور مکان کلاں لڑکے نرینہ مع کل اسباب وغیرہ کے اپنی حیات میں ہبہ کرکے رجسٹری کرادی اور یہ الفاظ بھی رجسٹری میں تحریر کئے کہ چونکہ لڑکی مؤنث اور داماد میری خدمت گزاری کرتے ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں اور حق شرع بھی قریب قریب اسی کے ہوتا بخیال دور اندیشی واقع متنازع آئندہ کے ہبہ کرتی ہوں اور قبضہ بھی دیتی ہوں لیکن بوجہ جھگڑا فساد کے کچھ عرصہ تک قیام کرکے لڑکی اپنے دوسرے ذاتی مکان میں اٹھ گئی اور نیز برادران نے زبردستی جبر

[1] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۴

کرکے مؤنث سے ایک ہبہ نامہ بھائی کو لکھوالیا اور (عہ/) خرچ رجسٹری وغیرہ برادران نے دلوادیا بوجوہ اب تک لڑکی خاموش رہی، لیکن اب وہ مکان لینا چاہتی ہے آیا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ لڑکی عرصہ تک اس مکان پر قابض رہی اور ماں بھی اس مکان میں رہتی رہی۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ماں اگر اسی مکان میں رہتی رہی اور تھوڑی دیر کے لئے بھی اپنی ذات اور اپنے کل اسباب سے بالکل خالی کرکے لڑکی کو قابض نہ کردیا تھا جب تو لڑکی کے نام وہ ہبہ ہی صحیح نہ ہوا، ہندہ اگر زندہ ہے تو اپنے مکان کی وہ خود مالک ہے، اور اگر مرچکی ہے تو لڑکی اس مکان میں سے تہائی لے سکتی ہے، اور اگر ہندہ نے مکان بالکل خالی کرکے پورا قبضہ لڑکی کو دے دیا تھا وہ اس کی مالک ہوگئی پھر اہل برادری کے اصرار سے بغیر شرعی مجبوری کے اس نے بھائی کے نام ہبہ کردیا اور اپنی ذات اور اسباب سے بالکل خالی کرکے بھائی کو قبضہ دے دیا تو بھائی مالک ہوگیا اب لڑکی کو اس سے واپس لینے کا کوئی اختیار نہیں اور اگر واقعی اس کو مجبور شرعی کرکے بالجبر ہبہ نامہ لکھوایا یا لڑکی نے کچھ دیر کے لئے بھی مکان اپنی ذات اور بالکل اپنے اسباب سے خالی کرکے بھائی کو قبضہ نہ دیا تو لڑکی اس مکان کی مالک ہے جب چاہے بھائی سے واپس لے سکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۸: از میرٹھ سٹی ضلع جودھپور مسئولہ فخر الدین شاہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نہ اولاد ہے نہ بھائی حقیقی، نہ بیٹا ہے، وہ اگر اپنا ورثہ مال یتیم کو دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کا کوئی وارث شرعی نہ ہو وہ اپنا کل مال یتیم کو دے سکتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۳۹: از سنبھل محلّہ دیپا سرائے ضلع مرادآباد مرسلہ حافظ عبدالرؤف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے لڑکے لڑکا پیدا ہوا، زید کی ہمشیرہ ہندہ نے بوجہ خوشی زید کے لڑکا پیدا ہونے کے زید کے لڑکے کو موافق رواج کے ہنسلی کھنڈوے چڑھائے جن کی قیمت ۶ روپے تھی، زید اپنی بہن ہندہ کو اپنے لڑکے کی پیدائش کی خوشی ہنسلی کھنڈوے کے صلہ میں دو بھینسیں دیں، ایک بھینس ہندہ نے فروخت کرکے اس کی قیمت سے اپنے شوہر کے روپے میں ملاکر غلہ کی تجارت کی اور نفع ہوا، دوسری بھینس کا بچہ ہندہ نے اپنے گھر رکھا اور بھینس کو بیچ کر کچھ اور روپیہ شوہر کے روپیوں میں سے ملاکر اور بھینس شوہر سے خرید والی جو اب مع بچہ کے موجود ہے، غرض فی الحال دو بھینسیں اور

ایک بچہ موجود ہے، مگر گوت یعنی چارہ وغیرہ کا خرچ بھینسوں کا شوہر کے ذمہ رہا، بلا کسی شرط کے اور گھی دودھ وغیرہ میاں بی بی دونوں کے تصرف میں ہوتا رہا۔ اور یہ معلوم نہیں ہنسلی کھنڈوے ہندہ کے روپیہ کے تھے یا شوہر کے داموں سے بنوائے گئے تھے، صورت مسئولہ میں اس مال تجارت مع نفع اور ان تینوں جانوروں کا مالک شوہر ہوگا یا ہندہ؟

الجواب:

وہ خریداری ہندہ نے اگر اپنے لئے کی ہے، مالک صرف ہندہ ہے اگرچہ قیمت میں شوہر کا روپیہ بھی شریک ہے، پھر روپیہ اگر شوہر نے ھبۃً دیا فبہا ورنہ اس قدر روپیہ ہندہ سے واپس لے سکتا ہے، اور اگر قیمت میں شوہر کا روپیہ شامل کرنے سے اس شے میں شرکت مراد تھی تو وہ مال زن و شوہر دونوں میں مشترک ہے، زوج زوجہ میں انبساط کامل ہونے کے سبب یہ نہ دیکھا جائے گا کہ چارہ کس نے دیا اور دودھ دہی کس کے کام آیا، ہنسلی کڑے کسی کے روپیہ سے ہوں، وہ بھینسیں کہ بھائی نے بہن کو دیں بہن کی ملک ہوئیں، بہنوئی کا کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: از سیتاپور محلّہ عالم نگر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ عبدالقادر صاحب طالب علم ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کچھ جائداد کو بعد انتقال اپنے لڑکے کے اس کے دو۲ صغیر بچوں کے نام ہبہ کرکے تاحیات بحیثیت متولی قابض رہا، بعد وفات واہب عمرو مدعی ابنیت زید دعوی فسخ ہبہ وعدم جواز بنا بر مشاعیت موہوب وعدم قبضہ بذات خود صغیرین کرتا ہے سوال یہ ہے کہ اگر شخص نے اپنی جائداد بلا تقسیم و تفریق حصص بینھما مسلم دو موضع جس میں واہب نے اپنا کسی قسم کا کچھ قبضہ وشرکت باقی نہیں رکھی، ہبہ کرکے بحیثیت متولی، کیونکہ یہ یتیم بچے اس کی پرورش میں تھے قابض رہے، یہ ہبہ جائز ہے یا ناجائز بالاتفاق یا باختلاف، اور فتوی کس کے قول پر ہے، اور قبضہ واہب منجانب صغیرین ان کا قبضہ برائے جواز ہبہ متصور ہوگا یا نہیں؟ اور قول مشہور ہے کہ وقت اختلاف ائمہ ثلثہ معاملات میں قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی مفتی بہ ہوتا ہے اس کی کیا اصل ہے؟ بوضاحت مع حوالہ کتب جواب باصواب سے مشرف وممتاز فرمایئے گا۔

الجواب:

اگر وہ دونوں بچے فقیر تھے اپنے باپ یا اور کسی سے ارثا یا ھبۃً کسی مال بقدر نصاب کے مالک نہ تھے تو یہ جائداد کہ دادا نے بعد وفات پسر انھیں مشترکا ہبہ کی اور اپنا کوئی حصہ اس میں نہ رکھا یہ ہبہ

بلاشبہ صحیح وتام ولازم ہوگیا، نہ مشاع ہونا اس کی صحت کو مضر، نہ موہوب لھما کا قبضہ ہونا اس کی تمامی کو ضرور کہ جب وہ دونوں مالک نصاب نہ تھے تو ان کے لئے ہبہ صدقہ ہوا اور ایسا شیوع صحت صدقہ کا مانع نہیں اور جبکہ وہ یتیم ونابالغ ہیں تو دادا کا قبضہ بعینہٖ ان کا قبضہ ہے، ہبہ کرتے ہی تام ولازم ہوگیا، درمختار میں ہے:

(او وھبھا لفقیرین صح)لان الھبۃ للفقیر صدقۃ والصدقۃ یراد بھا وجہ اللہ وھو واحد فلا شیوع [1]	(یا مشاع چیز دو فقیروں کو ہبہ کرے تو صحیح ہے) کیونکہ فقیر کو ہبہ کرنا صدقہ ہوتا ہے اور صدقہ اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے جبکہ وہ وحدہ لاشریك ہے، تو شیوع نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد لو الموھوب معلوما وکان فی یدہ او فی ید مودعہ لان قبض الولی ینوب عنہ والاصل ان کل عقد یتولاہ الواحد یکتفی فیہ بالایجاب [2]۔	اور بچے کے والی کا بچے کو ہبہ کرنا عقد سے تام ہوجاتا ہے بشرطیکہ موہوب چیز معلوم ہو اور ولی کے قبضہ میں ہو یا اس کی امانت والے کے قبضہ میں ہو، کیونکہ ولی کا قبضہ بچے کے قبضہ کے قائم مقام ہوگا، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ ایسا عقد جس میں ایک شخص فریقین کی طرف سے ولی بن سکتا ہو تو ایسے عقد میں صرف ایجاب کافی ہوا ہے)(ت)

ہاں اگر وہ دونوں یتیم یا ایک غنی ومالک نصاب تھا تو سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ صحیح نہ ہوا اور موت واہب سے باطل ہوگیا، تنویر الابصار میں ہے:

وھب اثنان دارا لواحد صح وبقلبہ لا [3]۔	دو افراد نے ایک شخص کو مشاع چیز ہبہ کی تو جائز ہے اور اگر عکس ہو تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] درمختار، کتاب الھبۃ، مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اطلق ذٰلك فافادانه لافرق بين ان يكون كبيرين اوصغيرين اواحدهما كبيرا والاخر صغيرا وفی الاولين خلافهما [1]۔	اس کو مطلق بیان کیا تو اس کا فائدہ یہ ہے کہ موہوب لہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ یا ایک بالغ اور ایک نابالغ ہو پہلی دو صورتوں میں صاحبین کا خلاف ہے۔(ت)

اور فتوٰی ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے

كما حققناه فی رسالتنا اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام	جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ "اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقا علی قول الامام" میں کی ہے(ت)

امام اجل برہان الملۃ والدین صاحب ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان يفتی بقول ابی حنيفة بكل حال [2]۔	میرے نزدیک واجب ہے کہ ہر حال میں فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر دیا جائے۔(ت)

یہ کہیں نہیں ہے کہ معاملات میں فتوٰی قول امام ابی یوسف پر ہے، ہاں مسائل وقف وقضا میں ایسا کہا گیا وہ بھی نہ کلیہ ہے نہ اعطائے قاعدہ کہ ائمہ ترجیح کا فتوٰی دیکھو یا نہ دیکھو مسائل کتاب القضاوکتاب الوقف میں قول ابی یوسف پر فتوٰی سمجھ لو ایسا نہیں بلکہ بلحاظ کثرت بیان واقع ہے ان دونوں کتابوں کے خلافیات میں مشائخ نے بہت جگہ قول ابی یوسف اختیار کیا ہے یہ فتوٰی انھیں مواضع پر مقتصر رہے گا، كما افاده فی ردالمحتار ولا يمتری فيه من له ممارثة بالفقة (جیسا کہ افادہ ردالمحتار میں کیا اور جس کو فقہ میں ممارثت ہے وہ اس میں شک نہ کریگا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱: از شہر کانپور محلّہ انور گنج مرسلہ سید محمد باقر حسین پسر سید علی حسین خاں بہادر مرحوم ۱۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے کاروبار کے بہی کھاتے میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۴

[2] التجنیس والمزید

بدفعات وبتواریخ سنہ وسال مختلف کبھی اپنے بڑے بیٹے اور کبھی چھوٹے بیٹے اور کبھی مشترکہ دونوں تینوں کے ناموں سے بھی کھاتہ جات میں اکثر رسومات مثل نقد یا آمدنی کمیشن یا منافع تجارت وغیرہ کو بمد جمع اندراج کرتا رہتا تھا اور بعد اندراج جملہ رقومات کو اپنے قبضہ تصرف میں رکھتا تھا چونکہ اسی درمیان میں زید دو[۲] لڑکے اور دو[۲] لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کرگیا لہٰذا اب جس قدر مال ومتاع ہے اس میں سے نمبر او نمبر ۲ و نمبر ۳ کے ناموں سے جو رقومات بمد جمع اندراج بہی کھاتہ جات ہیں تو کیا وہ رقومات جن کے ناموں سے زید نے اندراج بہی کھاتہ جات کئے ہیں وہ انھیں کی خاص سمجھی جائیں گی جبکہ ان رقومات پر متوفی خود ہی قابض ودخیل تھا اور اپنے کاروبار می ں لگائے ہوئے تھا ورنہ خاص ان رقومات کا کوئی منافع علیحدہ کرتا تھا، یا جملہ رقومات شرعاً زید کے کل ورثہ کا حق ترکہ قرار پائے گا۔

الجواب:

ان میں اگر اس کا کوئی بیٹا اس وقت نابالغ تھا تو اس کے نام سے جو رقم مندرج کی وہ اس بیٹے کی ٹھہرے گی باقی جو رقم کسی بالغ کے نام مندرج کیں اور اسے قبضہ نہ دیا، یا دو کے نام مشترکا درج کیں خواہ دونوں بالغ ہوں یا نابالغ، یا ایک بالغ ہو اور ایک نابالغ ان چاروں صورتوں میں وہ اندراج بے اثر محض ہے، اور ایسی جملہ رقوم متروکہ زید ہے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: مرسلہ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب علی گڑھ کالج ۲۴ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی کوئی اولاد صلبی نہیں ہے ایک دختر زادی ہے ایک زوجہ، ونیز علاتی بھائی ہیں، وہ شخص عاقل بالغ ہے وہ اپنی جائداد دختر زادی کے نام بوجہ محبت ذاتی کے، اور زوجہ کے نام بوجہ خدمات اور ادائے حقوق زوجیت کے منتقل کرنا چاہتا ہے، یہ شخص اس قسم کے تصرفات کا مستقل طور پر مجاز ہے یا نہیں؟

دوسرے یہ کہ دوسرے ورثاء اس کے حین حیات اس کاروائی میں کسی قسم کے عذر اور مزاحمت کرنے کے مجاز ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شخص مذکور کو شرعاً اختیار ہے، اپنی جائداد اپنی بی بی اور نواسی کو خواہ جسے چاہے دے دے اس کے بھائی وغیر ہم کسی کو اصلاً حق مزاحمت نہیں، اگر مزاحمت کریں باطل ونامسموع محض ہے، ملک ایک اختصاص حکمی ہے کہ انسان کو اس کے مال میں اطلاق تصرف کا ثمرہ دیتا ہے کسی مالک کا اسکی ملک میں تصرف ممنوع النفاذ ہونا دو ہی طور پر معقول ہے، یا تو اس کی اہلیت میں قصور ہو

جیسے مجنون یا صبی لایعقل کہ ان کے تصرفات مطلقاً باطل یا معتوہ یا صبی عاقل کہ ان کے تصرفات ضارہ باطل اور دائر بین النفع والضرر اجازت ولی پر موقوف قول صاحبین پر سفیہ بھی اسی کے ساتھ ملتحق ہے وہ کہ اپنا مال فضول ولغو باتوں میں برباد کرے گا امام محمد کے نزدیک بنفس سفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک بعد حجر حاکم وھوالراجح۔ یا اہلیت تو کاملہ ہے مگر حق غیر متعلق ہے یہ حق اگر بعینہٖ اس شے سے متعلق ہے جس میں تصرف کرنا چاہتا ہے جب تو منع نفاذ ظاہر ہے،[۵] جیسے راہن شے مرہون میں بے اذن مرتہن تصرف نہیں کرسکتا، یا[۶] مواجر شے مواجر میں بے اذن مستاجر جب تک رہن واجارہ باقی ہیں،[۷] بخلاف رعایت کہ وہ محض اس کی طرف سے تبرع ہے حق مستعیر اس سے متلق نہیں اور اگر عین شیئ سے تعلق حق نہ ہو تو منع نفاذ حجر حاکم پر موقوف ہے مثلاً زید مدیون ہے اور دین اس کے جائداد کو مستغرق ہے، تو[۸] قبل حکم حجر اگر وہ اپنی جائداد کسی کو ہبہ کردے، یقیناً یہ تصرف نافذ ہوجائے گا کہ دین عین سے متعلق نہ تھا، بلکہ اس کے ذمہ پر ہاں اگر دائنوں نے درخواست دی کہ ہم کو اندیشہ ہے کہ یہ جائداد تلف کردے گا تو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک اب بھی اسے تصرف سے منع نہ کیا جائے گا کہ وہ مالک ہے اپنی ملک میں جو چاہے تصرف کرے اس خیال سے کہ شائد تلف کردے دائنوں کا ضرر محتمل ہے، اور اسے ممنوع التصرف کردینے میں اسے اہلیت سے خارج اور بہائم سے ملتحق کردینا اس کا شدید ضرر حاضر ہے، ایک ضرر خفیف موہوم سے بچنے کے لئے دوسرے کو بالفعل ضرر شدید پہنچانا منتقضائے عدل وحکمت نہیں، مگر صاحبین بنظر فساد زمانہ حاکم کو اس صورت میں اجازت حجر دیتے ہیں یعنی اس کے ممنوع التصرف ہونے کا حکم کردے، اس حکم سے پہلے وہ بالاجماع ممنوع التصرف نہ ہوگا۔ اور[۱۰] امام کے نزدیک بعد حکم حاکم بھی، بلکہ یہ حکم ہی باطل ہوگا اسی تعلق حق غیر سے "صورت مرض الموت ہے کہ مریض کے دو ثلث مال سے شرعاً حق ورثہ بایں معنی متعلق ہوجاتا ہے کہ وہ نہ اسے ہبہ کرسکتا ہے نہ کسی ایک وارث کے ہاتھ بیع،[۱۲] اگرچہ ثمن مثل کو ہو،[۱۳] اور اگر کسی نے حالت مرض میں ایک وارث یا اجنبی کو اپنا کچھ مال یا کل ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا اور پھر وہ اچھا ہوگیا اگرچہ چندروز کے بعد مرگیا، تو اب وہ تصرف بالاجماع صحیح ونافذ ہوگیا، تنہا موہوب لہ اس مال کا مالک قرار پائے گا اور ورثہ کو اس پر کچھ دعوی نہ پہنچے گا، کہ دو ثلث مال سے ان کے حق کا تعلق بحال مرض الموت تھا جب وہ اچھا ہوگیا ظاہر ہوا کہ وہ مرض الموت نہ تھا،[۱۴] اور تندرست کر اختیار ہے کہ اپنا کل مال ایک وارث خواہ راہ چلتے کو دے دے کوئی اس سے مزاحمت نہیں کرسکتا نہ کوئی حاکم ایسا دعوی سن سکتا ہے نہ اس کے ممانعت کا حکم دے سکتا ہے، اواگر دے گا تو بالاجماع باطل ہوگا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک حق عاقل بالغ پر حجر ہوسکتا ہی نہیں اگرچہ سفیہ ہو اگرچہ مدیون ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے طور پر

حجر ہے تو بوجہ سفہ یا دین اور یہاں دونوں مفقود تو حجر محض باطل و مردود، یہ حکم قضا ہے، رہا حکم دیانت اس کا تعلق آخرت سے ہے قاضی اس میں دست اندازی نہیں کر سکتا اور دیانۃ بھی بعض ورثہ کو محروم کرنا اس حالت میں منع ہے جبکہ محض بلاوجہ شرعی ہو، اگر ایسا کرے گا گنہ گار ہوگا، حدیث میں فرمایا: "جو اپنے وارث کے میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمائے گا" **والعیاذ باللہ**۔ (رواہ ابن ماجه[1] وغیرہ)

ورنہ اگر[۱۵] وہ وارث مسرف ہے کہ مال فضول تباہ و برباد کرے گا یا فاسق ہے کہ مال ملنے سے اس کے فسق و فجور کو مدد پہنچے گی یا بدمذہب ہے کہ فسق عقیدہ فسق عمل سے بدتر ہے اور اسے مال ملنے سے دین پر احتمال ضرر ہے تو ان صورتوں میں دیانۃ بھی وہ ایسے وارثوں کو محروم کر سکتا ہے۔

بہر حال کچھ بھی ہو کوئی دوسرا اس کے تصرف میں رکاوٹ نہیں کر سکتا، نہ کسی مدعی کو دعوی پہنچتا ہے نہ کسی حاکم کو حکم کہ وہ اپنے خاص ملک میں متصرف ہے[۱۶] ان کہ نہ ملک ہے نہ حق پھر مزاحمت کیا معنی، بشیر بن الخصاصیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادہ نعمان رضی اللہ تعالٰی کو ایک غلام ہبہ کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت انور میں حاضر ہوئے کہ ان کی ماں رضی اللہ تعالٰی عنہا چاہتی ہیں کہ حضور اس پر گواہ ہو جائیں ارشاد فرمایا: **اکل بنیك نحلت مثل ھذا** کیا تم نے سب بیٹوں کو ایسا ہی ہبہ کیا ہے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: **لا تشھدنی علی جور**[2] مجھے جور پر گواہ نہ کر، یہ حکم دیانت کی طرف اشارہ تھا اسے قضا سے کوئی تعلق نہیں کہ نہ کوئی مدعی تھا نہ تنازع اور[۱۸] قضا بے خصم حاضر ناممکن ہے۔ بالجملہ اس کارروائی پر کسی کو اختیار دعوی و مزاحمت اصلاً نہیں ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ الاشباہ ص ۲۶۳:

قال فی الفتح القدیر الملك قدرۃ یثبتھا الشارع ابتداء علی التصرف فخرج نحو الوکیل اھ وینبغی ان یقال	فتح القدیر میں ہے: ملک ایسی قدرت ہے جس کو شارع نے ابتداء تصرف کے لئے ثابت کیا ہو تو اس سے وکیل خارج ہو گیا اھ "بغیر مانع"

[1] سنن ابن ماجه ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن النسائی کتاب النحل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۵، مسند احمد بن حنبل حدیث نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۸

الالمانع کالمحجور علیه فانه مالك ولا قدرة له علی التصرف والمبیع المنقول مملوك للمشتری ولاقدرة له علی بیعه قبل قبضه وعرفه فی الحاوی القدسی بانه الاختصاص الحاجز وانه حکم الاستیلاء[1]۔	کی قید لگانا مناسب ہے جیسا کہ مجور شخص کہ مالک ہے لیکن تصرف کی قدرت نہیں، اور وہ مبیع جو منقولہ چیز ہو تو مشتری اس کا مالک ہوتا ہے لیکن قبضہ سے قبل فروخت کا تصرف نہیں کرسکتا اور حاوی قدسی میں اس کی تعریف یوں ہے وہ ایسا اختصاص ہے جو دوسرے کے دخل کو روک سکتا ہے اور وہ غالب کردیتا ہے۔(ت)

جوہرہ نیرہ جلد اول:

و۲ لایجوز تصرف المجنون المغلوب علی عقله بحال والصبی والمجنون لایصح عقودهما ولا اقرارهما لانه لاقول لهما اماالنفع المحض فیصح منهما مباشرته مثل قبول الهبة والصدقة[2]۔	مجنون مغلوب العقل اور بچے کا تصرف جائز نہیں اور ان دونوں کا عقد صحیح نہیں ہے اور نہ ہی ان کا اقرار صحیح ہے کیونکہ ان کا قول معتبر نہیں ہے لیکن خالص نفع والے معاملہ کو اپنانا ان کو جائز مثلاً ہبہ اور صدقہ کو قبول کرنا۔(ت)

درمختار جلد ۵ ص ۱۲۸:

و۳ تصرف الصبی والمعتوه الذی یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام صح بلااذن وان ضارا کالطلاق لا وان اذن وماتردد توقف[3] (اختصار)۔	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کو سمجھتے ہوں اگر ان کا تصرف خالص فائدہ مند رہے جیسا اسلام قبول کرنا تو پھر ان دونوں کا تصرف صحیح ہے اور ان کے لئے وہ مضر ہو تو ولی کی اجازت سے بھی جائز نہیں اور اگر نفع ونقصان دونوں کا احتمال ہو تو اجازت ولی پر موقوف ہوگا۔ مضر کی مثال طلاق ہے۔(اختصار)(ت)

۴ بدائع ج ۷ ص ۱۶۹:

واختلف ابویوسف ومحمد فی السفیه	بیوقوف کے متعلق امام ابویوسف اور امام محمد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الحجر مکتبہ امدایہ ملتان ۱/ ۹۳۔۲۹۲

[3] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

قال ابو یوسف لایصیر محجورا الابحجر القاضی و قال محمد ینحجر بنفس السفه[1] (باختصار)	رحمھما اللہ تعالٰی کاآپس میں اختلاف ہے، امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں وہ مجور نہ بنے گا مگر قاضی مجور بنائے تو مجور ہوگا۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں کہ سفاہت وبیوقوفی پائے جانے سے خود بخود مجور قرار پائے گا (باختصار)۔ (ت)

۵ ردالمحتار میں ہے:

وظاھر کلامھم ترجیحه علی قول محمد[2]۔	فقہاء کاظاہر قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ترجیح میں ہے۔ (ت)

۶و۷ انقرویہ جلد ۲ ص ۲۸۲:

بخلاف ما اذاکان فی ید الغاصب اوفی ید المرتھن اوفی ید المستاجر حیث لاتجوز الھبة لعدم قبضه لان کل واحد منھم قابض لنفسه وعامل لنفسه[3]۔	جب چیز غاصب یا مرتہن یا مستاجر کے قبضہ میں ہو تو اس کا ہبہ ان کا جائز نہیں کیونکہ موہوب لہ کا قبضہ نیا نہیں بلکہ پہلا قبضہ ہے جو ان کو اپنے حق کی وجہ سے ہے نیز وہ ہبہ کا قبضہ کریں بھی تو خود اپنے لئے عامل قرار پائیں گے۔ (ت)

ایضًا ص ۲۸۲:

ومالو کانت باعارة لعدم اللزوم، بزازیة، فی الجنس الثالث فی ھبة الصغیر[4]۔	اور لیکن عاریۃ قبضہ ہو تو جائز ہوگا کیونکہ اس میں لزوم نہیں ہے، بزازیہ کی تیسری جنس نابالغ کے ہبہ کے بیان میں ہے۔ (ت)

۸ ہندیہ میں ہے:

یرکب الرجل دیون تستغرق امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی	ایک شخص پر اتنا قرض ہوگیا جس میں اس کا تمام مال مستغرق ہوگیا تو قرض خواہوں نے قاضی سے مطالبہ کیا کہ مقروض پر پابندی عائد کردے تاکہ

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۳

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲

[4] فتاوٰی انقرویہ کتاب الھبۃ دارالاشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۲۸۲

لایھب مالہ ولایتصدق بہ فالقاضی یحجر علیہ عندھما ویعمل حجرہ حتی لا تصح ھبتہ ولاصدقۃ بعد ذٰلک لکن یشترط علم المحجور علیہ بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ قبل العلم بہ یکون صحیحا[1] (باختصار)۔	وہ ہبہ یا صدقہ نہ کرے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک قاضی اس پر پابندی نافذ کردے تو وہ مؤثر ہوگی حتی کہ اس کا ہبہ اور صدقہ صحیح نہ ہوگا بشرطیکہ اس کو پابندی کا علم ہوجائے لہٰذا اگر علم سے پہلے اس نے کوئی تصرف کیا تو صحیح ہوگا۔ (ت)

۹ ایضًا:

وقال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لاحجر علی السفیہ اذاکان حوا بالغاعاقلا والسفیہ خفیف العقل الجاھل بالامور الذی لاتمیزلہ العامل بخلاف موجب الشرع وانمالم یحجر علیہ اند ابی حنیفہ لانہ مخاطب عاقل ولان فی سلب ولایتہ اھدار آدمیتہ و الحاقہ بالبھائم وذٰلک اشد علیہ من التبذیر فلا یحتمل الاعلی لدفع الادنی[2]۔	اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بیوقوف کو پابند نہ کروں گا بشرطیکہ وہ آزاد عاقل بالغ ہو، اور امام صاحب کے نزدیک یہ حکم اس لئے ہے کہ وہ عاقل مخاطب ہے اور اس لئے کہ اس پابندی سے اس کی ولایت ختم ہوجانے سے اس کی آدمیت کو ضائع کرنا اور اس کو حیوانات سے ملحق کرنا لازم آتا ہے اور یہ چیز اس کی فضول خرچی سے زیادہ شدید ہے لہٰذا ادنی کی وجہ سے اعلی سزا کا احتمال نہیں ہوگا اور سفیہ خفیف العقل امور سے ناواقف معاملات کی تمیز نہ رکھنے اور شریعت کے خلاف عمل کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ (ت)

۱۰ بدائع جلد ۷ ص ۱۶۹:

ولو حجر القاضی علی السفیہ ونحوہ لم ینفذ حجرہ عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی حتی لو تصرف بعد	اگر قاضی سفیہ کو تصرف سے روک دے تو پابندی نافذ نہ ہوگی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اگر قاضی کی پابندی کے بعد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۶۱

الحجر ینفذ تصرفہ عندہ[1]۔	وہ شخص کوئی تصرف کرے تو اس کا تصرف نافذ قرار پائے گا۔(ت)

۱۱ ہدایہ میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ[2] (باختصار)۔	اور ہبہ تہائی مال سے زائد جائز نہیں کیونکہ وہ ورثاء کا حق ہے(باختصار)۔(ت)

۱۲ نتائج الافکار جلد ۸ ص ۴۲۱ میں ہے:

واوضحہ صاحب الکافی بان قال ولانہ انعقد سبب زوال املاکہ عنہ الی غیرہ لان المرض سبب الموت وبالموت یزول ملکہ لاستغنائہ عنہ ولو تحقق السبب لزال من کل وجہ فاذا انعقدت ثبت ضرب حق[3] اھ۔	اور اس کو صاحب الکافی نے مزید واضح فرمایا کہ مریض کے املاک کا دوسروں کو منتقل ہونے کا سبب پایا گیا ہے اس لئے کہ یہ مرض موت کا سبب ہے اور موت سے اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے۔ کیونکہ وہ ملک سے مستغنی ہوجاتا ہے اور جب یہ سبب پایا جائے تو مکمل طور پر اس کی ملک زائل ہوجاتی ہے اور جب سبب متحقق ہوگیا تو ایک طرح سے ورثاہ کا حق ہوگیا۔اھ (ت)

۱۳ درمختار جلد ۴ ص ۶۱۵ میں ہے:

ووقف بیع المریض لوارثہ علی اجازۃ الباقی[4]۔	مریض کی اپنے وارث سے بیع باقی ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

۱۴ ردالمحتار میں ہے:

ای ولو بمثل القیمۃ وھذا عندہ[5]۔	یعنی اگرچہ وہ بیع مثلی قیمت پر ہو اور یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحجر والحبس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۱۶۹

[2] الہدایہ کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] نتائج الافکار تکملہ فتح القدیر کتاب الوصایا باب فی صفۃ الوصیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۶

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱و۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

[15] عالمگیری ج ۳ ص ۵۲:

ومن الموقوف اذا مَا بَاعَ المریض فی مرض الموت من وارثه عینا من اعیان ماله ان صح جاز بیعه وان مات من ذٰلك المرض ولم تجز الورثة بطل البیع [1]۔	بیع موقوف کی ایک صورت یہ ہے کہ جب مریض اپنی مرض الموت میں اپنے وارث کو اپنے مال میں سے کسی عین چیز کی بیع کرے اگر تندرست ہو جائے تو بیع جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہو جائے اور باقی ورثاء اجازت نہ دیں تو باطل ہو جائے گی۔(ت)

[16] عالمگیری ج ۴ ص ۱۴۱:

مریضة وهبت صداقها من زوجها فان برئت من مرضها صح وان ماتت من ذٰلك المریض فان كانت مریضة غیر مرض الموت فكذلك الجواب وان كانت مریضة مرض الموت لایصح الا باجازة الورثة [2]۔	مریضہ نے اپنے خاوند کو مہر ہبہ کیا اور اگر وہ تندرست ہو گئی تو جائز ہے اور اگر اس مرض میں فوت ہو جائے تو وہ مرض اگر موت کا باعث نہ ہو تو پھر بھی یہی حکم ہے اگر وہ مرض الموت ہو تو ورثاء کی اجازت کے بغیر ہبہ صحیح نہ ہوگا۔(ت)

[17] بحر ج ۷ ص ۳۱۴:

وان وهب ماله كله لواحد جاز قضاء وهو اٰثم كذا فی المحیط [3]۔	اگر کسی نے اپنا تمام مال ایک شخص کو ہبہ کر دیا تو قضاء جائز ہے جبکہ وہ گنہ گار ہوگا، محیط میں یوں ہے۔(ت)

[18] ابوالسعود ج ۲ ص ۲۲۱:

ولووهب ماله كله لواحد جازقضاء واٰثم والمختار التسویة بین الذكر	اگر ایک ہی کو تمام مال ہبہ کر دیا تو صحیح ہے اور گنہ گار ہوگا، اور مختار یہی ہے کہ مرد و عورت کو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۲

[3] بحر الرائق کتاب الهبة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۸۸

والانثی فی الھبة [1]۔وفی الخانیة لاباس بتفضیل بعض الاولاد علی البعض فی المحبة لان المحبة عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد به الاضرار وان قصدہ یسوی بینھم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیه الفتوٰی ولووھب فی صحته کل المال للولد جازواثم انتھت [2](ملخصا)	مساوی ہبہ دے،اور خانیہ میں ہے اولاد میں سے بعض کو محبت میں فضیلت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے اویوں ہی عطیہ میں بشرطیکہ کسی دوسرے کو ضرر پہنچانا مقصود نہ ہو،اگر ضرر کی صورت ہو تو پھر لڑکی اور لڑکے کو مساوی دے،یہ امام ابویوسف کا مذہب ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔اور اگر تمام مال بیٹے کو دینی صحت میں دے دے تو جائز ہے مگر گنہگار ہوگا(ت)

۹خلاصۃ الفتاوٰی:

ولواعطی بعض ولدہ شیئا دون البعض لزیادة رشدہ لاباس به وان کان سواء لاینبغی ان یفضل ولوکان ولدہ فاسقا فارادان یصرف بماله الی وجوہ الخیر ویحرمه عن المیراث ھذا خیر من ترکه لان فیه اعانة علی المعصیة ولو کان ولدہ فاسقا لایعطی له اکثر من قوته انتھت [3]وان کان بعض اولادہ مشتغلا بالعلم دون الکسب لاباس بان یفضله علی غیرہ وعلی جواب المتأخرین لاباس بان یعطی من اولادہ من	اگر اولاد میں سے بعض کو دے اور بعض کو نہ دے اگر زیادہ نیک ہونے پر ایسا کیا تو کوئی حرج نہیں اور اگر تمام مساوی ہوں تو ایسانہ کرے،اگر بیٹا فاسق ہو تو چاہے کہ اپنا تمام مال خیرات میں کردے اور فاسق کو محروم رکھے تو مال کو باقی رکھنے کے بجائے یہ بہتر ہے کیونکہ مال ترکہ چھوڑنے میں فاسق کی معصیت میں اعانت ہوگی اور اگر بیٹا فاسق ہوتو اس کو وقت کی خوراک سے زیادہ نہ دے،اھ اور اولاد میں سے بعض علم میں مشغول ہوں اور کسب نہ کریں تو اسکو دوسروں پر فضیلت دینے میں حرج نہیں ہے،اور متاخرین کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں کہ جو

[1] فتح المعین علی شرح الکنز لملا مسکین کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۲۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الھبۃ فصل فی ھبۃ الوالد لولدہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۵۔۷۰۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۴۰۰

کان عالما متادبا ولا یعطی منھم من کان فاسقا فاجرا ولو کان ولدھا فاسقا فاراد صرف مالہ فی الخیر فحرمانہ ھذا خیر من ترکہ لانہ فیہ اعانۃ علی المعصیۃ۔	عالم اور تربیت والا ہو اس کو دے اور جو فاسق فاجر ہو اس کو نہ دے، اور اگر بیٹا فاسق ہو اور چاہے کہ تمام مال خیر میں صرف کردے تو اس طرح فاسق کو محروم کرنا بہتر ہے کیونکہ ترکہ چھوڑنے میں معصیت میں اعانت ہوگی۔(ت)

۲۰ غنیہ ص ۵۱۴ میں ہے:

المبتدع فاسق من حیث الاعتقاد وھو اشد من الفسق من حیث العمل [1]۔	بدعقیدہ شخص اعتقادی فاسق ہے اور یہ عمل فسق سے زیادہ شدید ہے۔(ت)

۲۱ تنویر الابصار جلد ۴ ص ۴۴۵ میں ہے:

الدعوی ھی قول مقبول یقصد بہ طلب حق قبل غیرہ اودفعہ عن حق نفسہ [2]۔	دعوی، ایسا مقبول قول ہے جس کے ذریعہ غیر سے اپنا حق طلب کیا جائے یا اپنے حق کا دفاع کیا جائے۔(ت)

۲۱ تنویر الابصار ج ۴ ص ۴۵۹:

القضاء ھو فصل الخصومات وقطع المنازعات [3]۔	قضاء، منازعات کا فیصلہ اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا نام ہے۔ (ت)

۲۲ درمختار ج ۴ ص ۵۰۲ و ۵۰۳ تحت قول الماتن اذا رفع الیہ حکم قاض نفذہ (جب اس کو قاضی کا فیصلہ مل جائے تو نافذ کرے۔ت) فرمایا:

بعد دعوی صحیحۃ من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء [4]۔	ایک فریق کا صحیح دعوی مخالف حاضر فریق پر ہو ورنہ وہ فتوی ہوگا۔(ت)

۲۳ ردالمحتار میں ہے:

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الدعوٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۱۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۱

[4] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷۸

قال فی البحر اول کتاب القضاء فان فقد ھذا الشرط لم یکن حکما وانما ھو افتاء صریح بہ امام السرخسی[1]۔	بحر کی کتاب القضاء کے ابتداء میں فرمایا اگر یہ شرط مقصود ہوجائے تو یہ فیصلہ اور حکم نہ ہوگا وہ صرف افتاء ہوگا، امام سرخسی نے اس کی تصریح کی ہے۔(ت)

۲۴ درمختار صفحہ ۳۷۴ و ۴۷۴:

فی ایمان البزازیۃ المفتی یفتی بالدیانۃ والقاضی یقضی بالظاھر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بزازیہ کی کتاب الایمان میں ہے مفتی دیانت پر فتوی دے گا اور قاضی ظاہر پر فیصلہ کرے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۶

[2] درمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

کتاب الاجارۃ

(اجارہ کا بیان)

مسئلہ ۱۴۳: از کرتولی مرسلہ حضرت مولوی رضاخاں صاحب یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

بحضور میاں بھائی دام ظلھم العالی بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمین الٰہی آمین!

صورت مسئولہ یہ ہے کہ بیع ۲۵ف میں بعد اختتام کار ربیع فصل سے خالی زمین کرکے چند کاشتکاران مرزاپور ساکن ضلع سلن نگر نے زبانی استعفا دیا جس میں سے ایک شخص نے مجھ سے خود کہا کہ میں نہیں کروں گا بجواب اس کے میں نے کہا کہ توہم سے ناتہ توڑ رہا ہے دو روپیہ فارغخطانہ کے دے دے، اس نے وہ بھی دے دئے، قاعدہ یہ ہے کہ تاوقتیکہ زمیندار کاشتکار کو بے دخل نہ کرائے یا وہ استعفا باضابطہ مقررہ نہ دے اس وقت تک نام کاشتکار خارج نہیں ہوسکتا، اور کاشتکار بلااخراج نام بصورت مداخلت زمیندار اگر چاہے تو دعوی مال اور فوجداری میں کرسکتا ہے ۲۶ف کے شروع میں سب کو دوبارہ اطلاع دی گئی کہ چاہے زمین کرو یا پڑی رکھو لگان دینا ہوگا۔ اس پر بھی انھوں نے زمین کاشت کرنے کا اقرار کیا، نہ کاشت کی، ۲۶ خریف موجود ے۲ کی نالش کردی گئی آج ان مقدمات کی تاریخ ہے کل حضور کے اقبال سے چار قطعہ نالشات (مالعہ عہ/) روپیہ ملازم کو دئے گئے اور (لہ/) انشاء اللہ العزیز انھیں دوچار یوم میں اور ملیں گے، یہ روپیہ مجھ کو جائز ہے یا نہیں، بنظر احتیاط ناکارہ غلام دو عدد بہیلیاں قیمت (۱۴/) کو ہر شخص کو اس کا روپیہ اس کے ہاتھ میں دے کر اور یہ کہہ کر ہم اپنا معاملہ پاک کرنا چاہتے ہیں

نصف بھیل تمھارے ہاتھ فروخت کرتے ہیں تم اس کو (للعہ) پر خرید کرتے ہو سب نے بخوشی اپنے مطالبہ میں قبول کیااور عمل بیع واقع ہوگیا، یہ کاشتکار رئیس کھیڑہ کی زمینداری میں آباد ہیں، ان سات کس مدعا علیھم کے ہمراہ ایک کارندہ یا تھنپت زمیندار اور ایک اس کا رفیق تھا، یہ صورت میں نے حضور میں اس بناء پر پیش کی کہ بجز اس کے کہ پٹواری مطیع اور نالشات دائر ہیں اور زیادہ دباؤ کی صورت نہیں، بیع خوشی سے عمل میں آئی کاشتکار سب کفار ہیں۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

جان برادر بلکہ از جان ہزار جابہتر مولوی محمد رضاخاں سلمہ الرحمٰن وحفظہ فی کل آن آمین! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جبکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب تک زمیندار بے دخل نہ کرائے یا کاشتکار باضابطہ استعفانہ دے زبانی استعفا کاشت چھوڑنا نہیں سمجھا جاتا یہاں تک کہ زمیندار مداخلت کرے تو اس پر مال وفوجداری دونوں میں دعوی ہوسکے، اور یہ قاعدہ خود ان کاشتکاروں کے علم میں بھی ہے اور باضابطہ استعفانہ دیا تو ثابت ہوا کہ وہ اجارہ زمیں سے دستبردار نہ ہوئے، اگر ہونا چاہتے باضابطہ استعفادیتے، پھر بھی اس میں شبہ رہتا کہ زبانی تو چھوڑ چکے تھے اگرچہ قانوناً ان کا دعوی باقی رہتا مگر جب تم نے شروع سال میں یہ صاف کہہ دیا کہ لگان بہر حال دینا ہوگا۔ اور انھوں نے سکوت کیا اگرچہ کاشت بھی نہ کی، تو یہ دوبارہ قبول اجارہ ہوگا اور لگان ان پر لازم آئی، یہ روپیہ **بحمداللہ** تمھیں بروجہ حلال ملا، اس کے بعد اس احتیاط کی حاجت بھی نہ تھی، اب کہ کرلی گئی وہ روپے اس بیع کے ہوگئے، لگان ان پر بدستور رہتا، مگر ظاہراً تم نے روپے لگان میں لے کر پھر ان کے ہاتھ میں دے کر بیع کی بھیلی لگان میں لے لینے سے لگان ادا ہوگیا، اور وہ بھی مطالبہ سے بری ہوگئے، بہر حال یہ روپیہ تمھارے لئے بفضلہٖ تعالٰی حلال طیب ہے، مولٰی عزوجل اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں دین ودنیا میں تمھارا اقبال دن دونا رات سوایا کرتا رہے۔ آمین!

مسئلہ ۱۴۴: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ محمد ظہور صاحب ۱۰ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مزدوری کرتا ہے، دن روزہ کی مزدوری میں جب کام کرتا ہے تو بدرجہ کمی اور ٹھیکہ میں جب کرتا ہے تو کوشش اس امر کی کرتا ہے کہ زیادہ ہو ایسی صورت میں اس کی روزی کیسی ہوئی؟

الجواب:

کام کی تین حالتیں ہیں: سست، معتدل، نہایت تیز، اگر مزدوری میں سستی کے ساتھ کام کرتا ہے گنہگار ہے اور اس پر پوری مزدوری لینا حرام، اتنے کام کے لائق جتنی اجرت ہے لے، اس سے جو کچھ زیادہ ملا مستاجر کو واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، ان کا بھی پتہ نہ چلے تو مسلمان محتاج پر تصدق کرے اپنے صرف میں لانا یا غیر صدقہ میں اسے صرف کرنا حرام ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں بھی کاہلی سے سستی کرتا ہو، اور اگر مزدوری میں متعدل کام کرتا ہے مزدوری حلال ہے اگرچہ ٹھیکے کے کام میں حد سے زیادہ مشقت اٹھا کر زیادہ کام کرتا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک تاجر ایک اجیر پیشہ ور کو معتبر و متدین سمجھ کر سالہا سال اُجرت پر کام بنانے کے لئے دیا وہ کاریگر ہمیشہ بہ دیانت تمام کام بنایا کیا، کبھی اس سے تقصیر واقع نہ ہوئی اب برسوں کے بعد ایک مال اس کی حفاظت سے گم ہوگیا، اس صورت میں اُس اجیر پر تاوان ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے،

فی الوقایہ لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیہ الضمان وبہ یفتی [1]. وفی الاصلاح والتنویر [2] بلفظہ وفی النقایۃ کذٰلك الا قولہ وبہ یفتی [3] وفی الملتقی المتاع فی یدہ امانۃ لایضمن ان ھلك وان شرط ضمانہ	وقایہ میں ہے، اجیر کے قبضے سے گم شدہ چیز پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی لگائی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور اصلاح اور تنویر میں یہی الفاظ ہیں اور نقایہ میں یونہی ہے سوائے "بہ یفتی" کے۔ اور ملتقٰی میں ہے اس کے قبضہ میں مال امانت ہے، ہلاک ہوجانے پر وہ ضامن نہ ہوگا اگرچہ ضمان کی شرط بھی ہو۔

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارۃ باب من الاجارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[3] مختصر الوقایۃ فی مسائل الھدایہ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

بہ یفتی [1]، وفی الکنز المتاع فی یدہ غیر مضمون بالھلاك [2]، وفی الغرر لایضمن ماھلك فی یدہ وان شرط علیہ الضمان [3] اھ وفی منح الغفار قد جعل الفتوی علیہ فی کثیر من المعتبرات وبہ جزم اصحاب المتون فکان ھو المذھب [4]، وفی الخانیۃ المختار فی اجیر المشترك قول ابی حنیفۃ [5] وفیھا قال الفقیہ ابو اللیث علی قول ابی حنیفۃ لایضمن وبہ ناخذ و الفتوٰی علی قول ابی حنیفۃ [6] اھ، وفی الخلاصۃ من جنس القصار القاضی الامام یفتی بقول ابی حنیفۃ قال وانا افتی بہ [7] وفی التاتارخانیۃ عن الابانۃ اخذ الفقیہ ابو اللیث فی ھذہ المسئلۃ بقول	اسی پر فتوٰی ہے اور کنز میں ہے اس کے قبضہ میں مال ہلاک ہوجائے تو مضمون نہیں ہے، اور غرر میں ہے اس کے قبضہ میں ہلاک ہونے پر ضمان نہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو، اھ اور منح الغفار میں ہے کثیر معتبر کتب میں اسی پر فتوٰی ہے اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا ہے تو یہی مذہب ہے اور خانیہ میں ہے مشترک اجیر کے متعلق مختار امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے اور اسی میں ہے کہ فقیہ ابواللیث نے فرمایا: امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر وہ ضامن نہ ہوگا۔ ہمارا یہی مختار ہے، اور فتوٰی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر ہے۔ اھ ملخصا۔ اور خلاصہ کی جنس القصار میں ہے امام قاضی خاں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیتے ہیں، اور انھوں نے فرمایا میں اسی پر فتوٰی دیتا ہوں۔ اور تاتارخانیہ میں الابانۃ سے منقول ہے کہ فقیہ ابواللیث نے اس مسئلہ

[1] ملتقی الابحر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد موسسۃ الرسالۃ بیروت ۲ /۱۶۴

[2] کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب فی بیان احکام ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۹

[3] الدارلحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارہ باب من الاجارہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۵

[4] منح الغفار

[5] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنو ۳ /۴۴۱

[6] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارۃ باب الاجارہ الفاسدۃ نولکشور لکھنو ۳ /۴۴۴

[7] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳ /۱۳۶

ابی حنیفه وبه افتی [1] وفی الانقروية قال القاضی فخر الدین الفتوی علی انه لایضمن تاتارخانیه [2]. اھ وفی البزازیة نوع القضاء القاضی افتی بقول الامام [3] اھ. فیها قال فی العون اخترت قول الامام [4] اھ. وفیها لو شرط الضمان علی المشترك ان هلکت قیل یضمن اجماعا والفتوی علی انه لااثرله واشتراطه وعدمه سواء لانه امین [5]. اھ. وفیها بُعَیْدَہ. فی مسئلة لایضمن وبه یفتی [6] اھ وفی الجامع الفصولین قال وفیها علیه قول البزازی ث [7] (الفقیه الامام ابواللیث) به ناخذ قال ھذ (صاحب الذخیرة). وفی الهندیة اوائل الفصل الاول فی	میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول لیا ہے اور اسی پر فتوٰی دیا ہے، اور انقرویہ میں ہے قاضی فخر الدین نے فرمایا فتوٰی یہ ہے کہ وہ ضامن نہ ہوگا، تاتارخانیہ اھ، اور بزازیہ کی نوع القضاء میں ہے قاضیخاں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا ہے اھ، اور اس میں یہ بھی ہے انھوں نے العون میں فرمایا میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو اختیار کیا ہے اھ اور اسی میں ہے اگر مشترک اجیر پر شرط ضمان لگائی تو بعض نے کہا بالاتفاق ضامن ہوگا، اور فتوٰی یہ ہے کہ اس شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ امین ہے اھ، اور اسی میں ایک مسئلہ میں تھوڑا بعد فرمایا ضامن نہ ہوگا اسی پر فتوٰی دیا جائے گا اھ اور جامع الفصولین میں فرمایا اور اس میں اس پر بزازی کا "ث" یعنی فقیہ ابواللیث کا قول ہم نے یہی اختیار کیا ہے اور "ھذ" کہا یعنی صاحب ذخیرہ نے، ہندیہ میں اجیر مشترک کی بحث کی ابتداء میں ہے

[1] الفتاوٰی التاتارخانیه

[2] فتاوٰی انقرویه کتاب الاجاره باب فی ضمان الاجیر المشترك دار الاشاعة العربیه قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۵

[3] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[4] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۸

[5] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[6] فتاوٰی بزازیه علی ہامش فتاوٰی ہندیه الفصل السادس نوع فی القصار نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۸۸

[7] جامع الفصولین

الاجیر المشترك قال فخر الدین وعلیه الفتوٰی وبه ناخذ اھ [1] وفیھا اواخر الفصل المذکور ایضاً عن الکبری الفتوی علی انه لاتضمن الاجیر المشترك الامّاتلف بصنعه [2]۔	فخر الدین نے فرمایا اسی پر فتوٰی ہے اور ہم نے اسی کو لیا ہے اھ اور اسی میں فصل مذکور کے آخر میں کہا کہ فتاوٰی کبرٰی میں بھی ہے کہ مشترک اجیر ضامن نہ ہوگا مگر جبکہ وہ خود سامان کو ہلاک کرے۔(ت)

اگرچہ مسئلہ تضمین اجیر مشترک میں جبکہ مال بے اس کے فعل کے کسی ایسے سے ضائع ہوجائے جس سے احتراز ممکن تھا اقوال وفتاوٰی سخت مختلف ہے، مگر ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر صورت مذکورہ میں مطلقًا تاوان نہیں اور یہی مذہب ہے امام ہمام ۱قاضی شریح و ۲امام عطا و ۳امام طاؤس و ۴امام مجاہد و ۵امام ابراہیم نخعی و ۶امام حماد بن ابی سلیمان استاذ امامنا الاعظم وغیرہم اکابر تابعین اور ۷امام زفر و ۸امام حسن بن زیاد وغیرہم ائمہ دین کا، اور ایک قول میں ۹امام شافعی نے بھی ایسا فرمایا اور وہ ایک روایت ہے ۱۰امام احمد سے بلکہ کہا گیا ۱۱امام محمد سے بھی اس کے مثل منقول ہوا، اور حضرت امیر المومنین ۱۲عمر فاروق اعظم اور ۱۳امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنھما سے بھی ایک روایت یونہی وارد ہوئی بلکہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے قول ضمان چھوڑ کر اس طرف رجوع فرمائی بلکہ بعض علماء نے فرمایا یہ قول محل اجماع میں ہے، امام اجل شریح رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سرکار مرتضوی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے قاضی تھے ہزارہا صحابہ تابعین کے حضور ہمیشہ یہی حکم دیتے اور کوئی انکار نہ فرماتا کہ خود حضور پرنور حکم عدل خبیر محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث وارد، اور بعینہٖ یہی حکم حضور والا علیہ افضل الصلٰوۃ والثناء سے مروی اور انھیں تک ہی سب غایتوں کی غایت اور وہی ہیں سب نہایتوں کی نہایت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(ابوحنیفة)عن بشر الکرنی عن محمد بن علی عن ابیه عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنه ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لاضمان علی قصار ولا صباغ [3]۔	ابوحنیفہ بشر الکوفی سے اور وہ اپنے والد سے انھوں نے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وایت کیا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: دھوبی اور رنگریز پر ضمان نہیں۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الثامن والعشرون الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۱۱

[3] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۹

اور اسی پر جزم فرمایا: [۱۴]ملتقی و [۱۵]وقایہ و [۱۶]نقایہ و [۱۷]غرر وآاصلاح و [۱۹]تنویر وغیرھا متون میں اور یہی مقتضٰی ہے اطلاق [۲۰]قدوری و [۲۱]ہدایہ و [۲۲]کنز و [۲۳]مجمع وغیرہا متون کا، غرض عامہ متون اسی پر ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا امام فقیہ [۲۴]ابواللیث سمرقندی اور امام اجل [۲۵]قاضیخاں اور [۲۶]امام ظہیر الدین مرغینانی اور [۲۷]امام افتخار الدین طاہر صاحب خلاصہ وغیرہم اکابر معتمدین نے، بلکہ امام اجل ظہیر اول اس کے قائل نہ تھے بعدہ اس طرف رجوع لائے اور اسی کو راجح ومختار ومعتمد ومفتٰی بہ ٹھہرایا، [۲۸]مضمرات و [۲۹]ذخیرہ و [۳۰]ابانہ و [۳۱]عون و [۳۲]تاتارخانیہ وفتاوٰی کبرٰی و [۳۳]فتاوٰی بزازیہ و [۳۴]محیط ووقایہ وملتقٰی واصلاح وتتمہ و [۳۵]تنویر و [۳۶]منح و [۳۷]درر وغیرہا جمہور ائمہ کے تصانیف معتمدہ میں، اور اس کی ترجیح مقتضٰی [۳۸]ہدایہ کا ہے اور یہی امام سے ظاہر الروایۃ ہے۔ عام معتبرات میں اسی پر فتوٰی دیا، اور اصحاب متون نے اسی پر جزم کیا، تو یہی مذہب ٹھہرا، ذرا چشم انصاف اس مذہب مذہب کی سطوت وشوکت ملاحظہ کرے۔

اما ان شریحا یقول به (فمحمد) فی الاثار عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراہیم ان شریحا لم یضمن اجیرا قط [1]۔(قلت) وارسله الامام فی المسند عن النخعی، واما عطاء وطاؤس فعزاہ الیهما فی الخلاصة والخیریة وغیرهما، والی مجاهد ایضا فی الخلاصة والی ابراهیم فی الحاشیة الطحطاویة علی الدر المختار والی حماد فی غایة البیان عن مختصر الامام الکرخی، والی زفر والحسن فیها والایضاح وفی الهندیة ومجمع الانهر واما انه قول الشافعی وروایة عن احمد فیستفاد من شرح	لیکن بیشک قاضی شریح اس کے قائل ہیں، تو امام محمد نے آثار میں امام ابوحنیفہ انھوں نے حماد انھوں نے ابراہیم سے روایت کیا کہ قاضی شریح نے کبھی اجیر کو ضامن نہ بنایا، **قلت** (میں کہتا ہوں) اور اس کو امام ابوحنیفہ نے مسند میں بطور ارسال ابراہیم نخعی روایت کیا امام طاؤس اور عطاء ان دونوں کی طرف خلاصہ اور خیریہ وغیرہما منسوب کیا اور مجاہد کی طرف بھی خلاصہ میں اور ابراہیم کی طرف درمختار پر حاشیہ طحطاوی میں اور حماد کی طرف غایۃ البیان میں مختصر الامام الکرخی سے منقول اور امام زفر وامام حسن کی طرف غایۃ البیان، ایضاح، ہندیہ اور مجمع الانہر میں منسوب ہے۔ لیکن امام شافعی کا قول ہے اور امام محمد سے ایک روایت ہے تو یہ نسفی کے متن

[1] کتاب الآثار لامام محمد رحمه الله باب ضمان الاجیر المشترك حدیث ۷۸۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۷۳

العینی علی متن النسفی، وقد ذکر الاتقانی انه الاصح عندهم نقل ذٰلك عن وجیزهم، وحکایته محمد ذکر ها الامام قاضیخاں فی فتاواه، واما روایة عن عمرو علی رضی الله تعالٰی عنهما فالطوری فی شرح الکنز والسید احمد فی حاشیة الدر۔ (قلت) ورأیت فی مسند الامام (ابو حنیفة) عن یونس بن محمد عن ابی جعفر محمد بن علی عن امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه انه کان لایضمن القصار والصباغ [1] (واخری) زادفیها والاالحائك [2] واما رجوع علی ان هذا فالطحطاوی عن الاتقانی عن شرح الکافی، (قلت) ای للامام شیخ الاسلام الاسبیجابی وقد رأیته فی غایة البیان نقلا عنه واشار الیه المولی بحر العلوم فی فواتح الرحموت واما حلوله محل الاجماع فالاتقانی ایضا حیث قال کان حکم شریح بحضرة الصحابة والتابعین من	پر عینی کی شرح سے مستفاد ہے اور اتقانی نے ذکر کیا کہ ان کے ہاں اصح ہے یہ بات انھوں نے ان کی وجیز سے نقل کی ہے، اور امام محمد سے اس نقل کو امام قاضیخاں نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے لیکن حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنھما سے روایت کو توطوری نے کنز کی شرح اور سید احمد نے حاشیہ در مختار میں ان دونوں سے روایت کیا۔ **قلت (میں کہتا ہوں)** میں نے مسند امام ابو حنیفہ میں یونس بن محمد انھوں نے ابو جعفر محمد بن علی انھوں نے امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے دھوبی اور رنگریز اور دوسری روایت میں حجام کا ذکر بھی ہے کہ آپ ان سے ضمان نہ لیا کرتے تھے، لیکن حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس طرف رجوع کرنا تو اس کو طحطاوی نے اتقانی کے حوالہ سے شرح کافی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) یعنی امام الشیخ الاسلام اسبیجابی کی شرح سے، اور بیشک میں نے اس کو غایۃ البیان میں ان سے منقول پایا اور بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں اس کی طرف صرف اشارہ کیا ہے لیکن اس کا مرتبہ اجماع میں ہونا تو اتقانی نے بھی کہا ہے جہاں انھوں نے بیان کیا کہ قاضی شریح کا فیصلہ صحابہ اور تابعین کی موجودگی میں ان کی

[1] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۵۰

[2] جامع المسانید الباب الثالث عشر دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۵۰

غیر نکیر فحل محل الاجماع [1] اھ۔**قلت** فیه ان لا تکیر علی القضاۃ فی الاجتهادیات فالسکوت فی امثال المقام لایدل علی الوفاق ونقل الاتقانی نفسه فقال قال شرح شیخ الاسلام الاسبیجابی فی شرح الکافی قبیل باب الرجل یستصنع الشیئ کانت المسئلة مختلفا فیها بین الصحابة والتابیعن فابوحنیفة رجح اقوال البعض علی البعض [2]اھ واما انصوص الملتقی والوقایة والنقایة والاصلاح والکنز الغرر والتنویر والمنح والتاتارخانیة و البزازیة وفتوی ابی اللیث وقاضیخان وابن عبدالرشید وصاحب الذخیرة والابانة والعون فقد سمعت کل ذٰلك واما مجمع البحار فعزالیه فی ردالمحتار اثری الفتوی وعن الامام الظهیری فی الخلاصة والخیریة و العلمگیریة والعمدۃ والعمادیة والمنح وغیرها، و رجوعه الی هذافیها الا الخبریة وعن المضمرات و الذخیرة ایضا فی شرح النقایة وعن التتمة والمحیط فی الایضاح شرح الاصلاح فی حاشیة الطحطاوی ورد المحتار، واما ان ترجیحه مقتضی صنیع الهدایة فلتقدیمه القول

طرف سے کسی انکار کے بغیر ہوا ہے تو یہ اجماع کے مرتبہ میں ہوا اھ، **میں کہتاہوں** اس میں یہ اعتراض ہے کہ اجتہادات میں قاضیوں پر اعتراض نہیں ہوا کرتالہٰذا ایسے مقام میں سکوت تائید پر دال نہیں ہوگا جبکہ خود اتقانی نے نقل کیا ہے اور کہاکہ شیخ الاسلام اسبیجابی نے شرح کافی میں پیشگی آرڈر پر شیئ بنوانے کے باب سے تھوڑاپہلے ذکر کیا ہے کہ اجیر کے ضمان کا مسئلہ صحابہ اور تابعین کے دور میں مختلف فیہ رہا ہے تو امام ابو حنیفہ نے ان کے اقوال میں بعض کو ترجیح دی ہے اھ۔لیکن ملتقی، وقایہ، نقایہ، اصلاح، کنز، غرر، تنویر، منح، تاتارخانیہ، اور بزازیہ کی نصوص اور ابواللیث قاضیخاں، ابن عبدالرشید، صاحب ذخیرہ، ابانۃ، اور عون کے فتاوٰی توآپ سن چکے ہیں، لیکن مجمع البحار تواس کی طرف ردالمحتار میں فتوی منسوب کیا ہے، اور امام ظہیری سے خلاصہ، خیریہ، عالمگیریہ، عمدہ، عمادیہ اور منح وغیرہ میں نقل موجود ہے، اور ان کا اس طرح رجوع کرنا خیریہ کے علاوہ تمام مذکورہ کتب میں موجود ہے اور مضمرات اور ذخیرہ سے بھی شرح نقایہ میں منقول ہے اور تتمہ اور محیط سے ایضاح شرح اصلاح اور حاشیہ طحطاوی اور ردالمحتار میں منقول ہے، اور لیکن اس کی ترجیح تو یہ ہدایہ کی عادت کہ بطور قول مقدم کرنا

---

[1] حاشیہ الطحطاوی بحوالہ اتقانی کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۵

[2] غایۃ البیان

وتاخیرہ الدلیل واما انہا ھی ظاھر الروایۃ عن الامام فالشامی وغیرہ فی العقود الدریۃ وغیرھا وامام الجزم بہ فی المتون والافتاء بہ فی عامۃ المعتنبرات حتی کان ھو المذہب فقد سمعت نص المولٰی ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ التمرتاشی وتبعہ افندی شیخی زادہ و المدقق الحصکفی، واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس کی دلیل کو مؤخر کرنے کا مقتضی ہے، لیکن یہ کہ امام سے یہ ظاہر روایت ہے تو یہ شامی وغیرہ کی عقود الدریۃ وغیرہ میں ہے، لیکن اس پر متون اور فتوی کا جزم تو یہ عام کتب میں موجود ہے حتی کہ اس کو مذہب کہا ہے، آپ اس پر ابو عبداللہ تمرتاشی کی نص سن چکے ہیں اور شیخی زادہ اور مدقق حصکفی نے ان کی اتباع کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

بالجملہ مذہب امام غایت درجہ قوت وجلالت وثبات ومتانت پر واقع ہے، **بحیث لاتزعزع جوانبہ صیحۃ صائح ولا تزلزل ارکانہ صولۃ صائل وانا اقول: وللہ التوفیق** (ایسے کہ اس کے اطراف کو کسی کی چیخ نے متاثر نہ کیا اور نہ ہی اس کے ستونوں کو کسی طاقتور کی طاقت نے جنبش دی، اور میں کہتا ہوں حالانکہ توفیق اللہ تعالٰی ہی سے ہے۔ت)

ممارس فن جب بہ نگان امعان ہمارے اس تلخیص عبارت وتحسین اشارت پر نظر کریں تو **انشاء اللہ تعالٰی** اس پر مہر نیمروز ماہ نیم ماہ کی روش روشن وبین ہوگا کہ یہاں مذہب امام رضی اللہ تعالٰی عنہ بوجوہ کثیرہ اور اقوال پر جو اس کے مخالف ومنافی ہیں ترجیح واضح رکھتا ہے۔ اگرچہ وہ بھی مذیل بالافتاء والتصحیح ہوں کہ مطلقاً اختلاف فتوی مستلزم تعادل واستواء نہیں۔

اوّلاً: عامہ متون نے اس پر جزم کیا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متون شروح اور شروح فتاوی پر مقدم ہیں **وھذا یعرفہ کل من لہ معرفۃ فی الفقہ** (اس کو فقہ کی معرفت والا ہر ایک جانتا ہے۔ت) علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

اذا اختلف المتصحیح والفتوی فالعمل بما وافق اطلاق المتون اولٰی[1]۔	جب تصحیح اور فتوی میں اختلاف پایا جائے تو پھر متون کی موافقت میں عمل اولٰی ہے۔(ت)

علامہ بیری شرح اشباہ میں غیر مذہب امام پر بعض جگہ فتوی دیا جانا ذکر کرکے کہتے ہیں:

ینبغی ان یکون ھذا عند عدم ذکر اھل المتون للتصحیح والافالحکم بما فی المتون	یہ اس وقت مناسب ہے جب متون میں تصحیح کا ذکر نہ ہو ورنہ حکم وہی ہوگا جو متون نے بیان کیا

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب فی قضاء الفوائت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۶

کمالایخفی لانھاصارت متواترہ[1]۔	جیساکہ مخفی نہیں کیونکہ ایسے میں وہ حکم متواتر ہو جاتا ہے۔(ت)

محقق شامی آفندی حاشیہ در میں بحث تخییر مفتی وقت اختلاف میں لکھتے ہیں:

اقول: وینبغی تقیید التخییر ایضابما اذا لم یکن احدالقولین فی المتون لما قدمناہ انفا عن البیری ولما فی قضاء الفوائت من البحر من انہ اذا اختلف التصحیح والفتوٰی فالعمل بما وافق المتون اولی[2]۔	میں کہتاہوں اور مفتی کے اختیار پر یہ پابندی بھی مناسب ہے کہ جب متون می کوئی قول نہ ہو تو پھر اسے اختیار ہے جیساکہ ابھی ہم نے بیری سے نقل کیا ہے اور بحر کے قضاء الفوائت سے نقل کی وجہ سے کہ جب تصحیح اور فتاوی میں اختلاف پایا جائے تو متون کے موافق عمل بہتر ہے۔(ت)

ثانیًا: یہ قول" قول امام ہےاور ہم قول امام سے عدول نہیں کرتے جب تک کوئی ضرورت یا ضعف حجت نہ ہو اور یہاں ضعف کیسا، جو قوت وشہرت ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ قول امام نہ ترک کیا جائے اگرچہ مشائخ دوسرے قول پر فتوٰی دیں چہ جائے آنکہ جمہور اکابر کا فتوٰی اسی طرف ہو۔ پھر اسے مہجور کیا جائے۔ بحر الرائق میں ہے:

بھذا ظھر انہ لایفتی ولایعمل الابقول الامام الاعظم ولایعدل عنہ الی قولھما اوقول احدھما اوغیرھما الالضرورۃ من ضعف دلیل اوتعامل بخلافہ کالمزارعۃ وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولھما[3]۔	اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوی دیا جائے گا اور عمل کیا جائے گا اور صاحبین رحمہما اللہ یا ان میں سے ایک یا کسی غیر کے قول کی طرف عدول نہ کیا جائے گا الا یہ کہ پیش کردہ دلیل کمزور ہو یا تعامل اس کے خلاف ہو مثلاً مزارعت کا تعامل ورنہ مطلقاً فتوٰی امام صاحب کے قول پر ہوگا اگرچہ مشائخ تصریح بھی کردیں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہیں۔(ت)

اسی طرح علامہ فہامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں ذکر فرمایا:

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح البیری مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴

واولہ المقرر عندنا انہ لایفتی الخ واٰخرہ لانہ صاحب المذھب والامام المقدم [1]۔	پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں مسلمہ امر ہے کہ فتوٰی اور عمل امام صاحب کے قول پر ہی ہوگا،اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ ہی صاحب مذہب اور اول امام بھی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وکذا لایتخیر(ای المفتی فی الافتاء بماشاء عند اختلاف الفتیا)لوکان احدھما قول الامام والاخر قول غیرہ لانہ لماتعارض التصحیحان تساقطا فرجعنا الی الاصل وھو تقدیم قول الامام [2] الخ۔	یونہی مختار نہ ہوگا(یعنی فتاوٰی میں اختلاف کے موقعہ پر مفتی کو اپنی مرضی کا فتوٰی دینے کا اختیار نہیں) جبکہ ایک امام صاحب کا قول ہو اور مقابلہ میں کسی میں دونوں قول ہو، کیونکہ تعارض کی صورت میں دونوں قول ساقط ہوجاتے ہیں تو ہم اصل کی طرف راجع ہوں گے اور وہ امام کے قول کا مقدم ہونا ہے الخ۔(ت)

ثالثًا: جمہور صحابہ وتابعین کا یہی قول ہے یہاں تک کہ قریب اجماع کہا گیا:

ولاشك ان قول الجمھور الذین منھم امامناخیرلنا من بعض لیس ھومنھم۔	اس میں شک نہیں جمہور جن میں ہمارے امام بھی ہوں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں ان لوگوں کے مقابلہ میں جمہور میں شامل نہ ہوں۔(ت)

رابعًا: خود حضور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس بارہ میں حدیث مروی ہے.بخلاف اور مذاہب کے کہ وہاں حدیث مرفوع کا نام بھی سننے میں نہ آیا۔

خامسًا: قول امام پر فتوٰی دینے والے اجلہ ائمہ مالکان ازمہ ترجیح وافتاء معروفین بالاتفاق مشارالیھم بالبنان ہیں جیسے امام ابواللیث سمرقندی وامام محقق برہان الدین مرغینانی وامام ظہیر الدین مرغینانی وامام افتخار الملۃ والدین طاہر بن بخاری وغیرہم من الجلۃ الاکابر رحمۃاللہ تعالٰی علیہم اجمعین.بخلاف مذہب صاحبین کہ اس پر فتوٰی غالبا بالفاظ نقارت وابہام منقول ہوا۔من الناس من افتی بقولھما [3] (بعض لوگوں نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا ہے۔ت) دوسری جگہ ہے:قول بعضھم بہ یفتی [4] (بعض نے یہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشھادات دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳

[2] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۹

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۹

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارات باب ضمان الاجیر دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

فتوٰی دیا ہے۔ت) شرح کنز میں ہے: **بہ یفتی بعضھم**[1] (اسی پر بعض نے فتوٰی دیا ہے۔ت) خلاصہ وبزازیہ میں ہے: **بعض العلماء اخذوا بقولھما**[2] (بعض علماء نے صاحبین کا قول لیا ہے۔ت) شاید یہی وجوہ ہیں کہ جس قدر کتابیں اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں یہ توبکثرت ہے کہ صرف قول امام پر فتوٰی نقل کیا اور قول صاحبین کو ترجیح سے معرٰی رکھا اور اس کا عکس ہر گز نہ فرمایا جس سے ظاہر کہ علماء قول صاحبین پر مطمئن نہیں رہے تبیین کا حکم **بقولھما یفتی**[3] (صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا جائے گا۔ت) سوا ن اکابر اساطین مذہب اور فاضل زیلعی میں جو فرق ہے کسے معلوم نہیں۔

سادسًا: جمہور کا فتوٰی اسی طرف ہے،

لما مران قد جعل الفتوی علیه فی عامة المعتبرات۔	جیسا کہ گزرا کہ عام معتبر کتب میں اس پر فتوٰی جاری ہوا۔ (ت)

اور قول جمہور ہمیشہ منصور وغیر مہجور۔

الشامی عن الحاوی القدسی ان اختلفوا یوخذ بقول الاکثرین ثم الاکثرین مما اعتمد علیه الکبار المعروفون منهم کابی حفص وابی جعفر وابی اللیث و الطحاوی وغیر هم ممن یعتمد علیه[4]۔	علامہ شامی نے حاوی قدسی سے نقل کیا کہ اگر فقہاء کا اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کو لیا جائے گا پھر اکثریت ان لوگوں کی جن پر مشہور اکابر نے اعتماد کیا ہو ان میں جیسا کہ ابو حفص، ابو جعفر، ابواللیث اور طحاوی وغیرہم معتمد علیہ لوگ ہیں۔ (ت)

سابعًا: اس قول پر فتوٰی دینے والے ایک امام علامہ فخر الملۃ والدین حسن بن منصور اوزجندی ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور یہ امام فارس میدان ترجیح وتصحیح ہیں جن کی نسبت علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، ان کے فتوٰی سے عدول نہ کیا جائے، علامہ خیر الدین رملی حاشیہ جامع الفصولین میں فرماتے ہیں:

علیك بما فی الخانیة فان قاضیخان من اهل التصحیح والترجیح[5]۔	خانیہ کا بیان کردہ تجھ پر لازم ہے کیونکہ قاضیخاں اہل تصحیح وترجیح میں سے ہیں (ت)

---

[1] رمز الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۵۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۸

[5] اللآلی الدریۃ فی الفوائد الخیریۃ حاشیہ جامع الفصولین الفصل الثامن عشر اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۶

علامہ قاسم تصحیح القدوری میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضیخاں من الاقوال یکون مقدما علی مایصححه غیر لانه کان فقیه النفس[1]۔	قاضیخاں کا تصحیح کردہ قول دوسرے کی تصحیح پر مقدم ہے کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔(ت)

سید احمد حموی غمز العیون میں اسے نقل کرکے مقرر رکھتے ہیں، فاضل سید احمد طحطاوی حاشیہ در مختار میں لکھتے ہیں:

الذی یظهر اعتماد فی الخانیة لقولهم ان قاضیخان من اجل من یعتمد علی تصحیحاته[2]۔	قاضیخاں کے بیان پر اعتماد کی وجہ فقہاء کا یہ فرمان ہے کہ قاضیخاں جلیل الشان وہ شخص ہیں جن کی تصحیحات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔(ت)

فاضل محمد امین ابن عابدین عقود الدریہ میں فرماتے ہیں:

مایصححه قاضی خان مقدم علی مایصححه غیرہ[3]۔	قاضی خاں کی تصحیح شدہ غیر کی تصحیح شدہ پر مقدم ہے۔(ت)

اب تو بحمداللہ عرش تحقیق مستقر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں قول امام بلا شبہ امام الاقوال واقوی الاقوال ہے جس سے بلا ضرورت ہرگز تجاوز نہ چاہئے، یہ تواصل مذہب پر بحث تھی، اگر بنظر تغیر زمان آرائے علمائے خلف پر نظر کیجئے تو یہاں جماعت کثیرہ ائمہ متاخرین کا قول قوی باشوکت مرجح مصحح مفتی بہ یہ ہے کہ اگر اجیر مرد صالح ومتدین ہے تو ضمان نہیں، اور خائن دغاباز ہے تو ہے اور مستور الحال ہے تو نصف قیمت پر صلح کرلیں، صاحب محیط نے فوائد میں اس پر جزم فرمایا:

کمافی الخیریة[4] عن جامع الفصولین۔	جیسا کہ خیریہ میں جامع الفصولین سے منقول ہے۔(ت)

بہت بعد متاخرین نے اس پر فتوی دیا، کما فی الحامدیة (جیسا کہ حامدیہ میں ہے۔ت) بلکہ علامہ حامد آفندی فرماتے ہیں فقیہین جلیلین ابو جعفر وابو اللیث نے بھی اسی کو اختیار فرمایا اور فرماتے ہیں یہ قول

---

[1] غمز عیون البصائر بحوالہ تصحیح القدوری الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۵

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۰۳

[4] فتاوی خیریہ کتاب الاجارہ باب ضمان الاجیر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۱

سب سے اولیٰ اور اسلم ہے [1] اور یہی فتوٰی ہے امام جلال الدین زاہدون کا، **کما فی المنح الغفار والطحطاویة** [2] (جیسا کہ منح الغفار اور طحطاوی میں ہے۔ت) علامہ خیر الدرین رملی استاد صاحب در مختار، علامہ سید اسعد مدنی مفتی مدینہ منورہ تلمیذ صاحب مجمع الانہر اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں: **مااحسن التفصیل الاخیر** [3] (آخری تفصیل کیا ہی اچھی ہے۔ت) فاضل شامی فرماتے ہیں:

قد اختلف الافتاء وقد سمعت مافی الخیریة [4]۔	فتوے مختلف ہیں جبکہ آپ نے خیریہ کا بیان سن لیا ہے۔(ت)

اور فی الواقع یہ اس اعلیٰ درجہ نفاست ومتانت واحتیاط رزانت ومراعات جانبین وحفظ مذہب ولحاظ زمانہ پر وقع اور تمام خوبیوں کا جامع ہے کہ خواہی نخواہی قلوب اس خاطر جھک جائیں اور تشتت اقوال وفتاوٰی کے پریشان کئے ہوئے ذہن سے سنتے سکون و اطمینان پائیں، ہم امید کرتے ہیں کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے اور اس قول کو ان کے حضور عرض کیا جاتا بیشک پسند فرماتے، اس قول پر بھی **مانحن فیه** (زیر بحث مسئلہ) میں ضمان لینا جائز نہیں کہ سائل تصریح کرتا ہے کہ وہ پیشہ ور معتبر دیانتدار ہے سالہاسال سے کام کرتارہا کبھی اس سے کوئی خیانت ماحفظ میں غفلت واقع نہ ہوئی برسوں کے بعد اتفاقاً اس کے پاس سے یہ مال گم ہوگیا، یوں توآدمی کے پاس اپنا مال باوجود حفظ تام واحتیاط کامل ضائع وہلاک ہوجاتا ہے، پھر یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ اپنے مال میں خائن ہے۔

بالجملہ جہاں تک نظر فقہی کی مجال ہے صورت مستفسرہ میں ضمان نہ آنا ہی اقوی الاقوال ہے:

ولئن تتنزلنا فلاشك فی شدة قوته وانه من احسن ما افتی به فلایمکن حجر المفتی عن الافتاء به ابدا فیاخیبة عــہ **من حکم علیه بالغلط**	اگر بطور تنزل مان بھی لیں پھر بھی اس کی قوت میں شک نہیں اور وہ فتوٰی کے لئے نہایت احسن ہے تو کسی وقت بھی مفتی اس پر فتوٰی سے باز نہ رہے، خسارہ ہے اس شخص کو جس نے اس پر غلط ہونے کا

عــہ: مولوی امیر احمد سہسوانی۔

[1] العقود الدریة کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۴۲۔۱۱۳

[2] حاشیة الطحطاوی کتاب الاجارة باب ضمان الاجیر دار المعرفة بیروت ۴/ ۳۶

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیة کتاب الاجارۃ المطبعة الخیریة مصر ۲/ ۲۷۶

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱

بغیاً وحسداً وکیف یسوغ ذلك مع اختلاف الفتیاً هنالك ولکن الحسد حسك من تعلق به هلك و فیما ذکرنا عبرة لمن اعتبر وتذکرة لمن ارادان یتذکر وهو جملة یسیرة من مباحث کثیرة فلئن قنع فقیه مقنع والافعندنا بحمدالله افواج من الکلام فی میدان هذا المقام فیها العدود والعدة والباس والشدة فلئن لم ینته فسیری ان شاء الله تعالٰی شوارق تحقیقات زهرت فبهرت عینو المنافقین و بوارق تدقیقات سطحت فقطعت قلوب العارضین و قوله وانا متبری من الحول والقوة اذلاحول ولاقوة الابالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علی سیدنا و مولٰنامحمد واٰله وصحابه اجمعین اٰمین!

حکم لگایا ہے حسد اور بغاوت کرتے ہوئے فتاوٰی کے اختلاف کے باوجود اس کی کیا گنجائش ہے، لیکن حسد ایسی مرض ہے جس کو لاحق ہوجائے ہلاک کردیتی ہے اور جو کچھ ہم نے ذکر کردیا ہے اس میں سوچ والے کے لئے عبرت ہے اور نصیحت حاصل کرنے والے کے لئے اس میں تذکرہ ہے اور یہ کثیر مباحث کا آسان خلاصہ ہے اگر فہم والا اس پر قناعت کرلے تو یہ کافی ہوگا۔ ورنہ بحمد اللہ تعالٰی ہمارے پاس اس مقام میں کلام کا ذخیرہ ہے اس میں تعداد، تیاری، سختی اور شدت سب کچھ ہے اگر باز نہ آئے تو ان شاء اللہ وہ ایسی روشن تحقیقات کو دیکھے گا جو رونق افروز ہوکر منافقین کی آنکھوں کو پریشان کردیں گی اور ایسی چمک دار تدقیقات کو بھی جو پھیل کر معاوضہ کرنے والوں کے دلوں کو کاٹ دیں گی اور اس کی بات کو ختم کردیں گی اور میں اس حول اور قوۃ سے برات رکھتا ہوں کیونکہ حول اور قوۃ اللہ تعالٰی عظیم وبلند کے سوا کسی سے نہیں ہے وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین آمین! (ت)

مسئلہ ۱۴۶: جناب مولوی صاحب! قبلہ وکعبہ وہ جہان سلامت! بعد آداب وتسلیمات کے فدوی خدمت مبارک میں یوں عرض کرتا ہے کہ کمترین پہلے پیشہ معماری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا پھر منشی ثناء اللہ صاحب نے ایک مدرسہ تکیہ میں واسطے تعلیم القرآن مجید کے تعمیر کرادیا اس میں انھوں نے مجھ کو واسطے تعلیم اطفال کے مقرر کیا اس طرح کہ تم للہ لڑکوں کو قرآن پڑھاؤ اور ہم تمھارے اہل عیال کے خورد ونوش کے واسطے مبلغ چار روپیہ ماہوار للہ دیا کریں گے، میں اس امر کو قبول ومنظور کرکے پڑھاتا رہا، اسی تنخواہ پر قانع رہا کسی لڑکے سے کچھ

طلب نہ کیا، دو سال تو منشی صاحب تنخواہ برابر دیتے رہے بعد کو انھوں نے موقوف کردیا، چونکہ اور کوئی میری معاش نہ تھی مجبورا مکتب کو بدستور قائم رکھا، اور درس دیتا رہا، لیکن کسی شاگرد سے کچھ ماہوار متعین نہ کیا کہ مواخذہ آخرت نہ ہو، ہاں جو کسی نے دے دیا سو لے لیا اور جس نے نہ دیا اس سے طلب نہ کیا، اب لڑکے بہت قلیل رہ گئے ہیں ان میں سے بھی بعض دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے جس میں کوئی (۱۲/) ماہوار کا حساب ہوجاتا ہے نوبت فاقہ کی بھی پہنچ جاتی ہے، اس پر قناعت کرکے شکر الٰہی بجالاتا ہوں، اب مجھ پر ایک شخص نے یہ اعتراض کیا کہ جو کچھ لڑکوں سے مجھ کو ملتا ہے ہر طرح حرام ہے خواہ وہ اجرت سمجھ کردیں یا بطور عند اللہ۔

پس اس مسئلہ کو آپ سب صاحب سے دریافت کرتا ہوں آیا یہ مال حلال ہے یا حرام؟ براہ خدا اس کا جواب مزین بمہر کرکے عنایت ہو کہ تردد رفع ہو اور وہ معترض حدیث کا قائل ہے فقہ کا نہیں۔

الجواب:

سائل پر شرعا کوئی الزام نہیں اور جو کچھ اسے ماہوار مل جاتا ہے حلال طیب ہے، اور کیفیت مذکورہ سوال سے اس کے نہایت صبر استقلال وطلب وجہ حلال وخوف مولٰی ذوالجلال پر دال ہے، **جزاہ اللہ تعالٰی خیرا** بلکہ اگر وہ سب پڑھنے والوں سے اپنا ماہوار مقرر کرلے جب بھی جائز ہے اور مذہب مفتٰی بہ پر اصلا مضائقہ نہیں۔

فی حاشیۃ البحر الرائق للعلامہ خیرالدین الرملی فی کتاب الوقف المفتی بہ جوا زالاخذ استحسانا علی تعلیم القراٰن[1] الخ ومثلہ فی کثیر من الکتب۔	بحر الرائق پر خیر الدین رملی کے حاشیہ میں کتاب الوقف کی بحث میں ہے کہ تعلیم القرآن پر اجرت لینا مفتی بہ قول پر جائز ہے الخ ایسی عبارت کثیر کتب میں موجود ہے۔ (ت)

معترض کا اعتراض محض بیجا ہے اور اس کا یہ کہنا کہ للہ سمجھ کر دیتے ہیں جب بھی حرام ہے۔ شریعت مطہرہ پر کھلا ہوا افتراء اگر پڑھنے والوں نے اپنے تنگدست استاذ کی لوجہ اللہ خدمت کی کیا گناہ ہوا، اور استاد کو اس کا لینا کیونکر حرام ٹھہرا، یہ محض جہالت و تعصب ہے، اللہ جل وعلا فرماتا ہے:

"لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا	اپنی زبانوں پر جاری جھوٹ والا قول نہ کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالٰی پر

[1] منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۲۲۸

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ"[1]	جھوٹ افتراء بناؤ، بیشک وہ لوگ جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء بناتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے (ت)

اور اس سے بڑھ کر اس کا جہل مرکب یہ ہے کہ مسائل شرح سے انکار رکھتا ہے، سبحان اللہ جہالت کی یہ حالت اور فقہاء سے نفرت، بیشک ایسے ہی لوگ حدیث سے احکام سمجھنے کے قابل ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون o خیر اگر وہ حدیث ہی مانگیں تو خاص بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان احق مااخذ تم علیہ اجرا کتاب اللہ[2]۔	یعنی قرآن مجید سب چیزوں سے زیادہ اس لائق ہے کہ تم اس پر اجرت لو۔

امام علامہ مناوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تیسیر شرح جامع صغیر حدیثی میں اس حدیث کی شرح لکھتے ہیں:

فاخذ الاجرۃ علی تعلیمہ جائز[3] الخ۔	یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قرآن پڑھانے پر اُجرت لینا جائز ہے۔ الخ (ت)

معترض پر فرض ہے کہ ان جہالتوں سے باز آئے اور مسائل شرع میں بے علم وفہم زبان کھولنے سے توبہ کرے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی جل جلالہ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷تا۱۴۹: مرسلہ حاجی الہ یار خاں صاحب ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناز میندار اپنے اپنے گاؤں کے تالابوں یا جھیلوں یا دریا سے جو اپنے گاؤں کی حد میں ہوتا ہے مچھلیاں پکڑواتے ہیں اور نصف حق زمین داری سے آپ لیتے ہیں اور نصف پکڑنے والے کو دیتے ہیں، اور زمیندار تالاب یا جھیلوں یا دریا کو اپنا مملوکہ جانتے ہیں اور تالاب وغیرہ سے بغیر جال کے مچھلیاں پکڑنے پر قادر نہیں ہیں، ۲او رکبھی ایسا ہوتا ہے کہ مچھلیاں ان تالابوں یا جھیلوں کی فروخت کرڈالتے ہیں یعنی کھار وغیرہ، وتالاب مول لے لیتے ہیں جس قدر مچھلیاں اس میں ہوتی ہیں وہ جال وغیرہ سے شکار کرکے لے جاتے ہیں، جابجا گاؤں میں اس کا رواج ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشروط فی الرقیتہ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی تحت حدیث ان حق ما اخذ علیہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۰۹

اور کسی اسامی کو اس میں کچھ عذر بھی نہیں ہوتا، (۳) اور گھاس بھی گاؤں کی زمیندار فروخت کرتا ہے، اس کو بھی اپنا مملوکہ سمجھ رہا ہے، اور رواج بھی ہے، اس میں بھی کسی دوسرے گاؤں وغیرہ کی رعایا کو کچھ عذر نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ خود خرید لیتے ہیں یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ یہ سوال تین مسئلوں پر شامل ہے:

مسئلہ اولٰی: زمینداروں کا اپنے دیہات کے تالابوں سے مچھلیاں نصف پر صید کرانا۔

اقول: وباللہ التوفیق اس کے جواب میں اول تنقیح اس امر کی ضرور ہے کہ آیا وہ مچھلیاں زمینداروں کی مملوک ہیں یا نہیں، اس بارے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر زمینداروں نے وہ تالاب اس غرض کے لئے مہیا کئے ہیں کہ برسات کے پانی جو ندیوں سے مچھلیاں بہا کر لائیں ان میں فراہم ہو کر ہمارے ملک میں آئیں تو بلاشبہ جو مچھلیاں ان میں جمع ہوں گی ان زمینداروں کی ملک خاص ہوں گی، اور اگر تالاب اس لئے مہیا نہ کئے مگر جب پانی بہا کر لایا انھوں نے ان کی روک کرلی، کوئی مینڈھا وغیرہ ایسا باندھ دیا کہ اب مچھلیاں بہاؤ میں نہ نکل جائیں تو بھی وہ مچھلیوں کے مالک ہوگئے، ان دونوں صورتوں میں کسی کو بلااذن زمینداران ان مچھلیوں کا پکڑنا اور اپنے تصرف میں لانا جائز نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی صید کرے تو زمیندار کہ شرعًا اس کا مالک ہے ایک ایک مچھلی اس سے واپس لے سکتا ہے اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا، نہ تالاب انھوں نے اس غرض کے لئے مہیا کئے نہ بعد مچھلیاں آنے کے ان کی روک کی، تو البتہ وہ مچھلیاں اپنی اباحت اصلیہ پر باقی ہیں کہ انھیں جو پکڑے گا مالک ہوجائے گا، اور زمیندار کو اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا کہ وہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں، ردالمحتار وفتح القدیر وغیرہما میں ہے:

اذا دخل السمك فی خطیرۃ فاما ان یعدھا لذلك اولا ففی الاول یملکه ولیس لاحد اخذہ ثم ان امکن اخذہ بلاحیلة جاز بیعه لانه مملوك مقدور التسلیم والالم یجز لعدم القدرۃ علی التسلیم، و	جب مچھلی تالاب میں آجائے تو اگر جال اسی غرض سے لگایا گیا تھا تو مچھلی کا مالک ہوجائے گا، اس موقعہ پر دوسرے کو وہ مچھلی پکڑنے کا حق نہیں پھر اس حال میں وہ تالاب میں آئی مچھلی کو حیلہ سازی کے بغیر پکڑ سکتا ہے، تو اس حالت میں اس مچھلی کو فروخت کرسکتا ہے کیونکہ وہ اس کی ملک ہوچکی ہے جس پر قبضہ دینا ممکن نہیں ہے اور اگر حیلہ

فی الثانی لایملکه فلایجوز بیعه لعدم الملك الاان یسد الخطیرة اذا دخل، فح یملکه ثم ان امکن اخذه بلاحیلة جاز بیعه والافلا[1]۔	کے بغیر پکڑی نہ جاسکے تو اس کی بیع ناجائز ہے کیونکہ وہ مقدور التسلیم نہیں ہے اور دوسری یعنی تالاب اس مقصد کے لئے نہ لگایا گیا ہو، اس صورت میں مچھلی کا مالک نہ بنے گا لہٰذا فروخت بھی نہ کرسکے گا ہاں اگر اس صورت میں مچھلی داخل ہوجانے پر تالاب کو بند کرلے تو اب مالک ہوجائے گا اور حیلہ کے بغیر پکڑنے پر قادر ہو تو جائز ورنہ نہیں (ت)

پس دو صورتوں پیشیں میں کہ زمیندار مالک ماہی ہیں اگر انھوں نے نصف خود لیں ہرگز ظلم نہ کیا کہ وہ کل انھیں کی ملک تھیں بلکہ اگر زمیندار بعد اخذ وشکار ایک نصف مچھلیوں کا جدا کرکے برضائے خود اپنی طرف سے ہبہ صحیحہ تامہ نہ کردیں تو ان کے پکڑنے والوں پر لازم کہ یہ نصف بھی زمینداروں ہی کو واپس دیں اگرچہ ان میں باہم اس شکار کی اُجرت میں نصف مچھلیوں کا قرارداد ہولیا ہو کہ ایسا اجارہ ہی شرعاً فاسد ہے، غایت یہ کہ اس عقد اجارہ کی صورت میں اپنی محنت کی اجرت مثل لے لیں جو ان نصف مچھلیوں کی قیمت سے زائد نہ ہوں، مثلاً جتنی دیر انھوں نے دام کشی کی اس کی اجرت مثل ۴/ ہوتے ہیں اور مچھلیاں ۸/ یا اس سے زائد قیمت کی پکڑی گئیں جب تو یہ پورے ۴/ کے مستحق ہیں اور کم کی شکار ہوئیں تو آدھی مچھلیوں کے جو دام ہوں اس سے زیادہ نہ پائیں گے، فرض کیجئے جال میں ۶/ کی مچھلیاں آئیں تو انھیں ۳/ ملیں گے اور ۲/ کی تو ایک ہی آنہ، اور سو روپے کی تو وہی ۴/، درمختار میں ہے:

لودفع غزلا لاٰخر لینسجه له بنصفه ای بنصف الغزل او استاجر بغلالیحمل طعامه ببعضه اوثورا لیطحن بره ببعض دقیقه، فسدت فی الکل لانه استاجره بجزء من عمله[2]۔	اگر کسی دوسرے کو سوت دیا کہ نصف پر بُن دے، یا خچر والے کو کہا غلہ نصف کے بدلے اٹھالے جا، یا بیل والے کو کہا کہ گندم کو کچھ آٹے کے بدلے پیس دے تو کل میں اجرت فاسد ہوگی کیونکہ اجیر کے بعض عمل کے بدلے اجارہ ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۶، فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۴۹

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

قولہ فسدت فی الکل ویجب اجر المثل لایجاوز بہ المسمی زیلعی قولہ بجزء من عملہ ای ببعض ما یخرج من عملہ، والقدرۃ علی التسلیم شرط، وھو لا یقدر بنفسہ زیلعی۔[1]	ماتن کا قول "کل میں فاسد ہوگا" اور مثلی اجرت واجب ہوگی جو مقررہ سے زائد نہ ہو زیلعی، اور اس کا قول "اس کے عمل کے بعض پر" یعنی اس کے عمل سے حاصل شدہ کے بعض کے بدلے اور قبضہ دینے کی قدرت شرط ہے جبکہ وہ خود بنفسہٖ اس پر قادر نہیں ہے۔ زیلعی۔ (ت)

اور صورت سوم میں جہاں زمیندار مالک ماہی نہیں ہوتے اگر زمینداروں نے ان شکار کرنے والوں کو اجارہ پر لیا اور وقت متعین کردیا، مثلاً آج دوپہر یا شام تک جال ڈالو، تو اس صورت میں جتنی مچھلیاں جال میں آتی جائیں گی سب ملک زمیندار ہوتی جائیں گی جن میں شکار کنندگان کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہی اپنے عمل کی اُجرت پائینگے تو اب بھی نصف مچھلیاں لینا ہرگز ظلم نہیں، بلکہ پکڑنے والے جو نصف لیں گے انھیں ناجائز ہے، ہاں اگر وقت معین نہ کیا تو بیشک مذہب راجح پر وہ مچھلیاں ملک شکار کنندگان ہوں گی، اور وہ کسی اجرت کے مستحق نہ ہوں گے لکونھم عاملین لانفسھم (اس لئے کہ وہ اپنے لئے خود عامل بن گئے۔ت) صرف اس چوتھی صورت میں یہ حکم ہے کہ زمینداروں کا نصف لینا ظلم ہے۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

استاجرہ لیصید لہ فان وقت لذلك وقتا جاز والا لا، مجتبی، وبہ یفتی صیرفیۃ[2] اھ ملخصا۔	اگر کسی شخص کو شکار کرنے کے لیے اجرت پر رکھا اگر اس کے لیے وقت مقرر کیا تو جائز ہے ورنہ نہیں، مجتبی، اور اسی پر فتوی ہے، صیرفیہ اھ ملخصًا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ بہ یفتی صیرفیۃ قال فیھا ان ذکر الیوم فالعلف للآمر، والافللما مور، و ھذہ روایۃ الحاوی وبہ یفتی قال فی المنح وھذا یوافق ماقدمناہ عن المجتبی ومن ثم عولنا علیہ فی المختصر[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم	اس کا قول، اسی پر فتوی صیرفیہ، اس کتاب میں ہے، اگر آج دن کا ذکر کیا ہو، تو چارہ آمر پر ہوگی ورنہ اجیر پر ہوگی یہ حاوی کی روایت ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور منح میں کہا مجتبٰی سے ہم نے جو پہلے نقل کیا ہے یہ اس کے موافق ہے اسی وجہ سے ہم نے مختصر میں اس پر اعتماد کیا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۶

[2] درمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۰

[3] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

مسئلہ ثانیہ: تالاب کی مچھلیاں بیچ ڈالنا۔

اقول: یہاں بھی وہی تین صورتیں ملحوظ ہوں گی: صورت سوم میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار نہیں، یہ بیع بالاجماع باطل ہوگی **لانہ بیع مالیس فی ملکہ** (کیونکہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے جو ملک میں نہیں ہے۔ت) اور مچھلیاں کہ خریدنے والوں نے پکڑیں ان کی ملک خاص ہوں گی جن میں زمینداروں کو مزاحمت نہیں پہنچتی **لانھم سبقوا الی مباح** (کیونکہ مباح چیز میں انھوں نے سبقت کرلی ہے۔ت) اور جو قیمت ان سے لی واپس کریں **لانعدام العقد شرعًا** (شرعی عقد نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) اور اگلی دو صورتوں میں کہ مچھلیاں ملک زمیندار ہیں، اگر بلاحیلہ تالاب سے پکڑی جاسکتی ہیں تو بیع بالاجماع صحیح **لانہ بیع مملوك مقدور التسلیم** (کیونکہ یہ مقدور التسلیم مملوکہ چیز کی بیع ہے۔ت) اس صورت میں قیمت زمینداروں اور مچھلیاں خریداروں کو بالاجماع حلال و طیب ہونگی **کما لایخفی، وقدمنا جوازہ عن الفتح**[1] **وقال فی الذخیرۃ یجوز البیع عندھم جمیعا**[2] (جیسا کہ مخفی نہیں۔ اور ہم اس کا جواز فتح کے حوالے سے پہلے ذکر چکے ہیں اور ذخیرہ میں کہا کہ سب کے نزدیک بیع جائز ہے۔ت) اور اگر بغیر جال وغیرہ طرق شکار کے ہاتھ نہیں آسکتیں اور اکثر یہی ہوتا ہے، تو بیع ناجائز ہونے پر اتفاق، اور اس کے بطلان و فساد میں اختلاف، امام شیخ الاسلام و مشائخ بلخ اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے ایک جماعت کے مذہب پر ایسی بیع باطل ہے۔

لان محل البیع مال مقدور التسلیم فاذا انتفی انتفی،	کیونکہ بیع کا محل وہ چیز ہے جو مقدور التسلیم مال ہو تو جب یہ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی۔(ت)

اسی پر امام بلخی عـــہ یا ثلجی فتوٰی دیتے اور اسی کو امام برہان مرغینانی صاحب ہدایہ وغیرہ نے اختیار فرمایا

عـــہ: علی اختلاف العزوففی الدر[3] بالموحدۃ والخاء وفی الفتح بالمثلثۃ والجیم کمافی ش[4] عن ط ۱۲ منہ	نسبت کا اختلاف درمختار میں ب اور خ کے ساتھ "بلخی" اور فتح میں ث اور ج کے ساتھ "ثلجی" ہے جیسا کہ شامی نے طحطاوی سے نقل کیا ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب البیوع الباب التاسع الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۱۴

[3] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵

[4] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۳

اور یہی من حیث الروایۃ اظہر ہے،

یظھر ذٰلك بمراجعۃ الھندیۃ والدرالمختار[1] ورد المحتار[2]۔	یہ بات ہندیہ، درمختار، ردالمحتار وغیرہ کی طرف مراجعت کرنے پر ظاہر ہوگی۔(ت)

غیاثیہ میں فرمایا:

قالوا المختار ھذا نقل عنھا فی العالمگیریۃ[3]۔	فقہاء نے فرمایا مختار یہی ہے کہ عالمگیری میں یہ اس سے منقول ہے۔(ت)

اس مذہب پر مچھلیاں کہ مشتریوں نے پکڑیں بدستور ملک زمیندار ان پر ہیں اور قیمت کہ زمینداروں نے لی بدستور ملک مشتریان، ان پر فرض کہ قیمت پھیریں، ان پر لازم کہ پکڑی ہوئی مچھلیاں زمینداروں کو دیں اگر انھوں نے مچھلیاں صرف کرلیں تو بازار کے بھاؤ سے جو قیمت مچھلیوں کی ہو زمینداروں کے لئے ان کے ذمے واجب الادا ہوئی، درمختار میں ہے:

البیع الباطل حکمہ عدم ملك المشتری ایاہ اذا قبضہ فلا ضمان لو ھلك المبیع عندہ لانہ امانۃ الخ[4]۔	باطل بیع کا حکم یہ ہے کہ مشتری اس کا مالک نہ بنے گا، اس کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا کیونکہ اس کے پاس یہ چیز امانت تھی الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ لانہ امانۃ وذٰلك لان العقد اذا بطل بقی مجرد القبض باذن المالك، وھو لایوجب الضمان الا بالتعدی، درر[5]۔	ماتن کا قول "کیونکہ امانت ہے" یہ اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو اب نرا قبضہ رہ گیا جو مالک کی اجازت سے حاصل ہوا تھا لہٰذا تعدی کے بغیر اس پر ضمان واجب ہوگا۔ درر (ت)

---

[1] درمختار باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵

[2] ردالمحتار باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۱۳

[3] فتاوٰی غیاثیہ کتاب البیوع الفصل الثانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۴۳

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴

[5] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۰۵

اسی میں ہے: يكون مضمونا بالمثل او بالقيمة [1] (تعدی کی صورت میں ضمان بالمثل یا بالقیمۃ ہوگا۔ت) پس اگر یہ قیمت اور وہ زر ثمن کہ زمینداروں نے ان سے لیا تھا برابر ہیں فبہا ورنہ جس کی طرف زیادتی ہو دوسرے کو ادا کرے، مثلاً مشتریوں نے پانچ روپے دئے تھے اور مچھلیاں کہ صرف کرلیں بازار کے بھاؤ سے دس روپے کی تھیں، تو پانچ روپے زمینداروں کو اور دیں، اور ایک روپیہ کی تھیں تو چار روپے زمینداروں سے پھیرلیں، اور اگر مشتریوں نے بیچ ڈالیں تو جن جن کے ہاتھ بیچیں وہ سب بیعیں اجازت زمینداروں پر موقوف رہیں گی، جب تک مچھلیاں اور وہ بائع ومشتری وزمیندار باقی ہیں زمینداروں کو اختیار ہے چاہے بیع جائز کردیں اور قیمت خود لے لیں یا فسخ کردیں اور مچھلیاں واپس لیں،

كما هو حكم بيع الفضولي، ومعلوم ان الاجازة انما تلحق الموجود دون المعدوم، فيشترط لها قيام العاقدين والمعقود عليه، وكذا المجيز، حتى لم يكن لوارثه ان يجيز كما في الدر المختار وغيره۔	جیسا کہ بیع الفضولی کا حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ اجازت موجود چیز کو لاحق ہوسکتی ہے معدوم چیز کو نہیں، تو اس لئے اس وقت عاقدین اور معقود علیہ چیز کا موجود ہونا شرط ہے اور یوں اجازت دینے والے کا موجود ہونا بھی ضروری ہے اس لئے اس کے وارث کو اجازت دینے کا حق نہ رہے گا جیسا کہ در مختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر ہنوز زمینداروں نے اجازت نہ دی تھی کہ مچھلیاں ان مشتریوں سے خریدنے والوں کے پاس صرف ہوگئیں تو زمیندار مختار ہیں، بازار نرخ سے ان مچھلیوں کی قیمت اپنے مشتریوں، خواہ ان کے خریداروں جس سے چاہیں وصول کرلیں، اگر اپنے مشتریوں سے لینا چاہیں تو وہی حکم ہوگا کہ ثمن ان سے لے چکے تھے اس کا حساب کرلیں اور دوسروں سے لیں تو وہ اپنا دیا ہوا ثمن مشتریوں یعنی اپنے بائعوں سے واپس لیں اور مشتری اپنا دیا ہوا ثمن زمینداروں سے غرض ان احکام کے بیان سے یہ ہے کہ اس قول پر کیا کچھ انقلاب ہوتے ہیں اور کیسی کیسی دقتیں لازم آتی ہیں، جن کا اثر شہر کی عام مخلوق پر پہنچے گا، ردالمحتار میں ہے:

للمالك تضمين ايهما شاء، ثم ان ضمن المشتري بطل البيع	مالک کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہے ضامن بنائے پھر اگر مشتری کو ضامن بنایا تو بیع

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۵

وللمشتری ان یرجع علی البائع بثمنه، لابما ضمنا اھ ملخصا۔[1]	باطل ہوجائے گی، اور مشتری کو اختیار ہوگا کہ بائع سے ثمن واپس لے لے، دیا ہوا ضمان نہ لے اھ ملخصا (ت)

یہ سب احکام اس مذہب پر تھے کہ بیع مذکور بوجہ عدم قدرت علی التسلیم باطل ٹھہرے اور حضرت امام مذہب سیدنا امام اعظم ومحرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ایک روایت پر ایسی بیع صرف فاسد ہوتی ہے نہ باطل۔

لقیام الملك والمالیة فکان عقدا صادرا عن اھله فی محله فلاوجه لبطلانه ویاتیك کلام الفتح لبیانه۔	ملک اور مالیت موجود ہونے کی وجہ سے تو یہ ایسا عقد ہے جو اہل سے اپنے محل میں صادر ہوا لہٰذا اس کے باطل ہونے کی کوئی وجہ نہیں اور اس کے بیان میں فتح کا کلام آئے گا۔ (ت)

اسی کو امام اجل قاضی اسیجابی اور اساتذہ امام شمس الائمہ سرخسی سے دوسری جماعت نے اختیار کیا، کمافی الھندیة (جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ت) اور اسی کو امام ابوالحسن کرخی نے اخذ فرمایا: کمافی الدر (جیسا کہ در میں ہے۔ت) اور اسی کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں ترجیح دی اور اس کی تحقیق میں بحث نفیس افادہ کی، اور اسی کو متن تنویر میں مقدم ومرجح رکھا، در مختار میں ہے:

القول بفسادہ رجحه الکمال[2]۔	اس کے فساد کے قول کو کمال نے ترجیح دی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث قال والوجه عندی ان عدم القدرة علی التسلیم لامبطل واطال فی تحقیقه[3]۔	جہاں انھوں نے فرمایا میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ قبضہ دینے کی قدرت نہ ہونا مفید ہے مبطل نہیں ہے، اور انھوں نے اس کی تحقیق میں طویل کلام فرمایا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۳

اور ظاہرًا یہی من حیث الدلیل ازہر ہے۔ فتح میں فرمایا:

وقول من قال المحلیة کونه مالامملوکا مقدور التسلیم ان عنی محلیة البیع الصحیح فنعم والا فلا، بل محل البیع المال المملوك للبائع او لغیره، فان کان له فنافذ، اولغیره فموقوف، والنافذ اما صحیح ان کان مبیعه مقدورالتسلیم لیس فیه شرط فاسد، والافاسد[1] اھ۔	جس نے یہ کہا کہ محل بیع چیز کا مملوک ہو کر مقدور التسلیم ہونا ہے اگر اس سے مراد صحیح بیع کا محل ہے تو درست ہے ورنہ اس کو مطلق بیع کا محل قرار دینا درست نہیں ہے بلکہ مطلق بیع کا محل صرف مال کا بائع کی ملک ہونا یا غیر کی ملک ہونا ہے تو اگر بائع کی ملک ہو تو بیع نافذ ہوگی اگر غیر کی ملک ہو تو نافذ نہ ہوگی بلکہ موقوف رہے گی اور بیع نافذ کبھی صحیح ہوتی ہے جب مبیع مقدور التسلیم ہو اور اس میں کوئی فاسد شرط نہ ہو ورنہ فاسد ہوتی ہے۔ اھ (ت)

اس مذہب پر اگرچہ یہ عقد ناجائز وممنوع، اور عاقدین پر واجب کہ اسے فسخ کرلیں، زمیندار مشتریوں کو ثمن پھیر دیں، مشتری تالابوں سے کنارہ کریں،

لان الفساد لحق لشوع فیجب اعدامه برفع العقد۔	کیونکہ یہ فساد شرعی حق کی بنا پر ہے تو عقد کو ختم کرکے اس فساد کو ختم کرنا ضروری ہے (ت)

مگر اگر انھوں نے فسخ نہ کیا یہاں تک کہ مچھلیاں تالاب سے شکار ہوئیں، اور قبضے میں آگئیں تو اب وہ بیع کہ فاسد تھی صحیح ہوگئی کہ سبب فساد کہ تعذر تسلیم و تسلم تھا، نہ رہا، کہ ان سے جو مقصود تھا یعنی مشتری کا قبضہ، وہ حاصل ہوگیا، فتح القدیر میں ہے:

انك علمت ان ارتفاع المفسد فی الفاسد یردہ صحیحا، لان البیع قائم مع الفساد وارتفاع المبطل لا[2] الخ	تجھے معلوم ہے کہ فاسد میں مفسد کا ختم ہوجانا بیع کو صحیح بنا دیتا ہے کیونکہ فاسد صورت میں بیع باقی مع الفساد رہتی ہے اور باطل صورت میں مبطل کے ختم ہوجانے پر بیع صحیح نہیں ہوسکتی الخ (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰

[2] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۶۰

اسی میں ہے:

المقصود عن القدرۃ علی التسلیم ثبوت التسلم فاذا کان ثابتا حصل المقصود[1]۔	قدرۃ علی التسلیم سے مقصود قبضہ دینے کا ثبوت ہے تو جب یہ حاصل ہے تو مقصود حاصل ہے۔(ت)

بالجملہ یہ دو قول ہیں۔دونوں قوت پر،دونوں جانب ائمہ فتوی،دونوں طرف ترجیح وافتا،ایک اگر من حیث الروایۃ اقوٰی، دوسرا من حیث الدرایۃ اجلی،مگر قول اول یعنی بطلان پر وہ روپیہ کہ بنام ثمن زمینداروں نے لیاان کے لئے حرام، مچھلیاں کہ مشتریوں نے لیں ان کے لیے حرام، کھائیں توحرام، کھلائیں توحرام، بیچیں توحرام، بیچ کر جو ثمن حاصل کریں توحرام،ان سے جولوگ مول لیں واقع میں ان کے لئے خریداری حرام، کھاناحرام، کھلاناحرام، زمیندار غاصب،تالاب لینے والے غاصب، شہر بھر کی مچھلیاں مول لینے والے غاصب،یہ عالمگیر دقتیں ہیں،بخلاف قول ثانی یعنی فساد ابتدائی وصحت انتہائی کہ اس میں یہ ساری خرابیاں مرتفع ہیں،تو مسلمانوں پر آسانی کے لئے اگر اسی قول پر فتوی دیں بیشک انسب والیق ہے، حضور پر نور سیدالمرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یسروا ولاتعسروا وبشروا ولاتنفروا[2]۔اخرج احمد والشیخان والنسائی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	آسانی کرواور دشواری میں نہ ڈالو،اور خوشخبری دواور نفرت نہ دلاؤ۔(اس کو احمد،بخاری ومسلم اور نسائی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اس تقدیر پر خلاصہ حکم یہ ٹھہراکہ اگر مچھلیاں ملک زمینداران نہ تھیں،تو بیع باطل اور مچھلیاں شکار کرنے والوں کی ملک ہوئیں، اور ان سے خریدنا بلاتکلف روا،زمینداروں پر فرض ہے کہ جو روپیہ بنام قیمت ان سے لیا انھیں واپس دیں اور اگر مملوک زمینداران تھیں اور بے شکار کے قبضہ میں آسکتیں تو بیع صحیح اور ثمن وسمک ہر بائع ومشتری ومشتری مشتری کے واسطے حلال و طیب،اور بے شکار ہاتھ نہ آئیں توزمیندار و مشتری اس بیع سے گنہ گار ہوئے مگر جب مچھلیاں عـــہ شکار کرلی گئیں تو مچھلیوں

عـــہ:اصل میں یہاں "ترک" کی علامت بنی ہوئی ہے اس لئے اندازے سے عبارت بنادی گئی ۱۲۔

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۹

[2] صحیح البخاری کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

اور قیمتوں کا وہی حکم ہو گیا جو بیع صحیح میں تھا کہ سب کے لئے حلال، غرض اس مذہب پر مشتریوں اور ان سے خریدنے والوں کے لئے مچھلیاں بہر صورت حقیقۃً وحکماً حلال ہی رہتی ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ثالثہ: بنجروں کی گھاس بیچ ڈالنا

اقول: اگر زمینداروں نے وہ زمین اس غرض کے لئے مہیا کی ہے کہ اس میں جو گھاس پیدا ہو ہم بیع کیا کریں، اور انھوں نے گھاس کی افراط وعمدگی کے لئے اس زمین کو پانی دلوادیا جو گھاس جمنے کا باعث ہوا، یا خودرو گھاس آپ ہی جم آئی، اور انھوں نے اس کی رکھوالی کرائی، اس کے گرد کھائی کھدوادی، یا باڑھ رکھوادی کہ روک ہوجائے، ہر جانور وغیرہ کے تصرف سے بچے، تو ان دونوں صورتوں میں وہ گھاس زمینداروں کی ملک ہوگئی، اور اس کی بیع صحیح وجائز، یہی قول راجح ومختار ہے، اور اسی کی طرف اکثر ائمہ کبار اور اگر ان صورتوں سے کچھ نہ تھا تو بیشک وہ گھاس ہر شخص کے لئے مباح ہے اور جو کاٹ لے گا اسی کی ملک ہوجائے گی، زمیندار اگر یونہی زمین میں قائم بیچ ڈالیں گے بیع باطل ہوگی، اور قیمت واپس دیں گے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز بیع الکلاء واجارتہ وان کان فی ارض مملوکۃ ھذا اذا نبتت بنفسہ فاما اذا کان سقی الارض واعدھا للانبات فنبت ففی الذخیرۃ والمحیط والنوازل یجوز بیعہ لانہ ملکہ وھو مختار الصدر الشھید ومنہ مالو خندق حول ارضہ وھیاھا للانبات حتی نبت القصب صار ملکالہ وعلیہ الاکثر. ھکذا فی البحر الرائق ولو احتشہ انسان بلااذنہ کان لہ الاسترداد. ھو المختار کذا فی جواہر الاخلاطی[1] واللہ سبحانہ و	کھڑی گھاس فروخت کرنا اور اس کو اجرت پر دینا صحیح نہیں ہے اگرچہ ذاتی زمین میں ہو، یہ جب ہے کہ گھاس خود اُگی ہو لیکن اگر زمین والے نے زمین کو سیراب کرکے گھاس کے لئے تیار کیا تو یہ گھاس فروخت کرنی جائز ہے کیونکہ اس عمل سے وہ گھاس کا مالک ہوگیا، یہ ذخیرہ، محیط اور نوازل میں ہے، اور یہی صدر شہید کا مختار ہے، اور اسی صورت میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی زمین کے ارد گرد کھائی کھودی اور پیداوار کے لئے تیار کیا حتی کہ وہاں ناڑ اگا تو وہ اس کی ملک ہوگا اھ، اور اسی پر اکثریت ہے، بحرالرائق میں بھی یوں ہے۔ اور اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر کاٹا تو اس کو واپس لینے کا حق ہوگا یہی مختار ہے جواہر الاخلاطی میں یوں ہے۔ واللہ سبحانہ و

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۰۹

تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۵۰: از سنبھل ضلع مراد آباد مرسلہ محمد ذکاوت حسین ۶صفر ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سنی حنفی نے طریقہ وعظ بغرض افشائے رسالت خاتم النبیین واعلان طریقہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ آلہ وسلم اختیار کیا ہے،اور اس کے وعظ کے اثر سے شرک وبدعات وغیرہ کافور ہوتی چلی جاتی ہے،اور ہزار ہااہل اسلام جو ضروری شعائر اسلام اور ارکان صوم وصلٰوۃ سے بھی واقفیت نہ رکھتے تھے وہ خود معلم نماز وامام مساجد ہوگئے،اور یہ شخص جابجا مواضع ومواسم میں بے تکلف علی رؤس الاشہاد بمقابلہ اعدائے دین جہاد لسانی کرتا ہے،اگر ایسے شخص کو اہل اسلام عالم باعمل اور منجملہ ورثہ انبیاء تصور کرکے بلحاظ اس کی حالت بیکاری اور فکر معاش کے غمخواری کے کچھ نقد وغیرہ بلااس کی طمع اور درخواست کے تعظیما نذر کریں،تو یہ پیشکش اور نذر اس کے حق میں حلال وطیب ہے یا نہیں؟اور اہل اسلام ایسے شخص کو معتقد علیہ تصور کریں یانہیں؟ اور اس نذر اور تحفہ کے بدلے اجر عظیم پائیں گے یانہیں؟ استفتاء ہذا کو اپنے دستخط مبارک اور بمواہیر تلامذہ راشدہ سے مزین فرماکر ہدایت کیجئے۔

الجواب:

اگر فی الواقع وہ شخص علمائے اہلسنت وجماعت ایدہم اللہ تعالٰی سے ہے اور جو باتیں حقیقۃً شرک ہیں انھیں کے معتقد کو مشرک کہتا ہے اور احکام مشرکین میں داخل کرتا ہے،اور جو نوپیدا باتیں مخالف شریعت ومزاحم سنت ایجاد کی گئیں انھیں کو بدعت شرعیہ ومذمومہ وشنیعہ جانتا اور ان سے نہی وتحذیر کرتا ہے،اور شعائر اسلام صلٰوۃ وصیام وغیرہا کے احکام صحیح صحیح سکھاتا اور برعایت شرائط وقواعد احتساب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بجالاتا ہے،اور وعظ میں روایات باطلہ وجزافات مخترعہ وبیانات مشیرہ اوہام،ومفسدہ خیالات عوام سے احتراز رکھتا،اور علم کافی وفہم صافی کے ساتھ ہدایت وارشاد میں ٹھیک معیار شرع پر چلتا ہے،تو اسے نہ صرف عالم بلکہ اس زمانہ میں اراکین دین وسنت وخلفائے رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ واولیائے جناب احدیت آلاء جلت سے سمجھنا چاہئے اور اس کی جو خدمت ہوسکے صلاح وفلاح دارین ورضائے رب المشرقین وخوشنودی سید الکونین ہے جل جلالہ،وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

قال تعالٰی " كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا:لوگوں کے لئے تمھیں بہترین امت ہونے کی حیثیت سے ظاہر کیاتم بھلائی

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [1] الآیۃ	کاحکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو الآیۃ (ت)

اور جبکہ حسب اظہار سوال اس کی نیت خالص لوجہ اللہ ہے اور ہرگز نہ کسی سے سوال کرتا نہ طمع رکھتا ہے، بلکہ مسلمان بطور خود عُلماء کی اعانت اور اپنی سعادت کی نیت سے خدمت کرتے ہیں تو (بشرطیکہ یہ مال جو اسے دیا جائے بعینہٖ وجہ حرام سے نہ ہو) بلا شبہ اس کا لینا جائز اور وہ اس کے لئے حلال وطیب ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا جاءك من هذا المال شيئ وانت غير مشرف ولا سائل فخذه فتموله فان شئت كُله وان شئت تصدق به ومالا فلاتتبعه نفسک [2]، رواه الشيخان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جب تیرے پاس یہ مال آئے جبکہ تو اس کے انتظار میں نہ ہو اور نہ تو اس کے لئے سائل بنا تو اسے لے کر مال بنا اگر چاہے تو کھالے اور اگر چاہے صدقہ کردے۔ اور مال نہ ملے تو اس کا پیچھا نہ کر۔ اس کو بخاری ومسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ہاں وعظ کو کہ عمدہ طاعات وقربات سے ہے ذریعہ حطام دنیا بنانے پر احادیث میں سخت وعیدیں آئیں، اور علماء نے بھی اس سے ممانعتیں فرمائیں، خلاصہ پھر تاتارخانیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

الواعظ اذا سأل الناس شيئا فی المجلس لنفسه لا يحل له ذٰلك لانه اكتساب الدنيا بالعلم [3]۔	واعظ نے اگر مجلس میں لوگوں سے اپنے لئے کچھ سوال کیا تو یہ عمل حلال نہیں، کیونکہ یہ علم کے ذریعہ دنیا کا حصول ہے۔ (ت)

یہ امر ان لوگوں پر وارد جنھوں نے وعظ کو پیشہ اور نجارہ دنیا حاصل کرنے کا تیشہ بنا رکھا ہے اور شک نہیں کہ عبادات وحسنات پر اُجرت لینا حرام اور اس کی تحریم علی الاطلاق پر احادیث ومذہب منصوص ائمہ کرام مگر جس کی نیت لوجہ اللہ ہو اس پر اوروں کے فعل سے اعتراض نہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۲، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب جواز الاخذ بغیر سوال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1]۔ "وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" [2]۔وایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [3]۔	اعمال کامدار نیت پر ہے، ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جو اس نے نیت کی، اور اللہ تعالٰی مصلح اور مفسد کو جانتا ہے۔اور تو بدگمانی سے پرہیز کر کیونکہ بدگمانی بُری بات ہے، الحدیث (ت)

بلکہ بعض علماء نے وعظ کو بھی ان امور مستثناۃ میں داخل کیا جن پر اس زمانہ میں اخذ اجرت مشائخ متاخرین نے بحکم ضرورت جائز رکھا۔ردالمحتار میں ہے:

قال فی الھدایۃ وبعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی استحسنوا الاستیجار علی تعلیم القراٰن الیوم لظھور التوانی فی الامور الدینیۃ ففی الامتناع تضییع حفظ القراٰن وعلیه الفتوی اھ وقد اقتصر علی الاستثناء تعلیم القراٰن ایضا فی متن الکنز،ومتن مواھب الرحمٰن وکثیر من الکتب،وزاد فی مختصر الوقایۃ، و متن الاصلاح،تعلیم الفقۃ،وزاد فی متن المجمع الامامۃ،ومثله فی متن الملتقی ودرر البحار، و زاد بعضھم الاذان والاقامۃ والوعظ وذکر المصنف معظمھا ولکن الذی فی اکثر الکتب الاقتصار علی مافی الھدایۃ، فھذا مجموع ماافتی به المتاخرون	ہدایہ میں فرمایا ہمارے بعض مشائخ نے آج کل دینی امور میں سستی کی وجہ سے قرآن کی تعلیم پر اُجرت لینے کو بہتر قرار دیا ہے تو اس سے پرہیز کرنے پر قرآن پاک کا حفظ خطرہ میں پڑ سکتا ہے۔اور اسی پر فتوی ہے اھ،اور قرآن کی تعلیم پر اجرت کو عدم جواز سے مستثنٰی قرار دیا ہے کنز، مواہب الرحمان،اور بہت سی کتب میں بھی اسی طرح ہے اور مختصر وقایہ اور الاصلاح کے متن نے تعلیم القرآن کے ساتھ تعلیم فقہ کو زائد کر دیا ہے۔اور مجمع کے متن میں امامت کو زائد ذکر کیا اور اسی طرح ملتقی و درر البحار میں ہے،اور بعض نے اذان واقامت اور وعظ کو بھی شامل کیا ہے،اور مصنف نے مذکور معظم امور کو ذکر کیا لیکن اکثر کتب نے ہدایہ میں مذکور پر اکتفاء کیا ہے اور ہمارے مشائخ متاخرین کے فتووں کا یہ مجموعہ ہے

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

من مشائخنا وھم البلخیون علی خلاف فی بعضہ مخالفین ماذھب الیہ الامام وصاحباہ، وقد اتفقت کلمتھم جمیعا فی الشروح والفتاوٰی علی التعلیل بالضرورۃ وھی خشیۃ ضیاع القراٰن کما فی الھدایۃ [1] الٰی اٰخر ما افاد و اجاد رحمہ الجواد۔	اور بلخی حضرات ہیں جبکہ ان میں سے بعض نے بعض میں اختلاف بھی کیا ہے، ان متاخرین نے خلاف کیا مسلک امام اور صاحبین کے، اور شروح و فتاوٰی سب نے جواز کی علت ضرورت کو قرار دیا ہے اور وہ قرآن کے ضیاع کا خطرہ ہے، جیسا کہ ہدایہ میں تا آخر اس کا بہترین افادہ فرمایا۔ اللہ تعالٰی ان کو اپنی رحمت سے نوازے۔ (ت)

فتاوٰی امام اجل قاضیخاں میں ہے:

صاحب العلم اذا خرج الی القری لیذکرھم فیجمعوا لہ شیئا حکی عن ابی اللیث رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال کنت افتی انہ لایخرج الی القری ثم رجعت عن ذٰلک [2]۔	عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کے لئے جائے اور وہ اس کے لئے کچھ نذرانہ جمع کریں تو اسے چاہئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے، یہ بات ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے انھوں نے فرمایا میں یہ فتوٰی دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کرلیا۔ (ت)

اسی طرح خلاصہ میں نقل کیا:

(وزاد اخذ الاجرۃ علی تعلیم القراٰن ودخول العالم علی السلطان) وقال فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القراٰن (والعلم والحقوق) ولحاجۃ الخلق، و لجھل اہل الرستاق [3] اھ ما نقلہ عن الفقیہ النبیہ رحمہ اللہ تعالٰی۔	اور تعلیم قرآن پر اُجرت اور عالم کا سلطان کے پاس جانا زائد بیان کیا اور فرمایا میں نے اس سے رجوع کرلیا قرآن، علم، حقوق کے ضیاع سے بچاؤ کے لئے اور عوام الناس کی حاجت اور دیہاتیوں کی جہالت کی وجہ سے، انھوں نے جو بیدار مغز فقیہ ابولیث رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیا وہ ختم ہوا۔ (ت)

پس اگر صورت مظہرہ فی السوال واقعی ہے اور حالت زید وہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کی تو بیشک

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴، ۳۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۹۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۳۰-۳۳۱

ایسے بندہ خدا کو بد و حرام خور کہنا سخت گناہ وناسزا، اور قائل شرعا مستوجب تعزیر وسزا، ہندیہ میں ذکر ہے:

ان ذکر اہل العلم بالتحقیر وجب علیہ التعزیر [1]۔	جو اہل علم کا ذکر تحقیر سے کرے وہ واجب التعزیر ہے۔(ت)

بخلاف ان مبتدعان سنی نما کے جو اس زمن فساد وفتن میں اضلال واغوائے جہال کو ادعائے تسنن کرتے اور اپنی ضلالت مخترعہ وجہالت مبتدعہ کو کہ قریب زمانے میں ان کے تازہ پیشواؤں نے تراشیں، بنام سنت جلوہ دیتے، اور ان کی مخالفت کو بدعت ضالہ ومخل اصل ایمان بتاتے، اور صدہا امور جائزہ بلکہ مستحبہ کو بزور زبان وزور وبہتان شرک وبدعت ویقینی العقوبۃ وناقابل مغفرت ٹھہراتے، اور شرقاً وغرباً، عجماً وعرباً بلکہ سلفاً وخلفاً عامہ المسلمین واہل دیانت ودین کو مشرک بدعتی بتاتے ہیں ایسے لوگوں کے بدوبدتراز بد ہونے میں کوئی شبہ نہیں، نہ وہ ہرگز تعظیم علم وعلماء کے مستوجب، بلکہ شرعاً ان کی تحقیر واجب۔ حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان ھدم الاسلام [2]۔	جس نے اہل بدعت کی توقیر کی اس نے اسلام کو کمزور کرنے میں مدد دی۔(ت)

پھر ایسے لوگوں کی تذکیر ضلالت تخمیر ہرگز اس فتوٰی بعض متاخرین میں داخل نہیں ہوسکتی کہ انھوں نے ضرورت دینی کے لئے جواز رکھا نہ کہ معاذاللہ ضرر دینی کے لئے، ان کا وعظ معصیت ہے اور معاصی پر اجارہ مطلقاً اجماعاً بلااستثناء حرام، تو یہ لوگ اگر اپنے وعظ پر اجرت لیں خواہ بتصریح شرط یا بصورت حال معہود ومعروف **فان المعھود عرفا کالمشروط لفظا** (عرف میں معلوم چیز لفظی مشروط کی طرح ہے۔ت) تو بلاشبہ وہ ان کے لئے حرام اور یہ حرام خور ہوں گے، جہاں یہ صورت ہو وہاں بد وحرام خور کہنے والے پر اصلا الزام نہیں، بلکہ وہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس امر کا لحاظ ضرور چاہئے۔ **نسأل اللہ الھدایۃ الی سبیل الاقوم** (ہم اللہ تعالٰی سے مضبوط راستے کے طلبگار ہیں۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱: مسئولہ مولوی محمد حسین صاحب عظیم آبادی مدرس مدرسہ جعفر خانی ۱۰ شوال ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدرسہ اسلامیہ کا نوکر تھا اور موافق دستور العمل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحدود فصل فی التعزیر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۶۸۔۱۶۹

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۷۷۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۹۶

مدارس عربیہ کے بعد فراغ امتحان ایام تعطیل میں اپنے مکان کو چلاگیا، اور قبل اسے کے ایام تعطیل ختم ہوں حاضر خدمت ایک جلسہ مدرسہ اسلامیہ ہو کر ان سے درخواست کی کہ یا تو مجھے اجازت ہو کہ سابق دستور کا کام کروں یا مجھ کو جواب دیا جائے کہ اپنا اور کچھ بندوبست کروں لیکن کچھ جواب نہ ملا، اور نہ اثنائے تعطیل میں کوئی اطلاع نامہ قطع تعلق کا زید کو ملا، اس صورت میں زید مستحق پانے تنخواہ ایام تعطیل کا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

تعطیلات معہودہ میں مثل تعطیل ماہ مبارک رمضان وعیدین وغیرہا کی تنخواہ مدرسین کو بیشک دی جائے گی، **فان المعهود عرفاً کالمشروط مطلقاً** (عرف میں معلوم متعین چیز مطلقاً مشروط کی طرح ہے۔ت) اشباہ میں ہے:

البطالة فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشورة و شهر رمضان فی درس الفقه علی وجهین ان مشروطة لم یسقط من العلم شیئ والافینبغی ان یلحق ببطالة القاضی ففی المحیط انه یاخذ فی یوم البطالة و قیل لا، وفی المنیة یستحق فی الاصح، واختاره فی منظومة ابن وہبان، وقال انه الاظهر[1] اه ملخصا، **اقول**: هذه الترجیحات حیث لم یشترط فکیف اذا شرط هذالیس محل نزاع وقد علمت ان المعروف کالمشروط۔	عید کے دنوں، عاشورہ اور ماہ رمضان جیسی مدارس میں فقہی تعلیم کی تعطیلات دو طرح سے ہے اگر معاہدہ میں مشروط ہیں تو مشاہرہ بالکل ساقط نہ ہوگا ورنہ قاضی کی تعطیلات کے موافق ہونا مناسب ہے، تو محیط میں ہے کہ مدرس ایام تعطیلات کا مشاہرہ حاصل کرے گا اور بعض نے کہا حاصل نہ کرے گا، اور منیہ میں ہے اصح یہ ہے کہ وہ مستحق ہوگا اور ابن وہبان کے منظوم میں اسی کو مختار فرمایا، اور انھوں نے فرمایا یہی اظہر ہے اھ ملخصا، **میں کہتاہوں** یہ ترجیحات مشروط نہ ہونے کی صورت میں ہیں مشروط ہوں تو کیسے مستحق نہ ہوگا حالانکہ محل نزاع یہی صورت ہے اور تو معلوم کرچکا کہ معروف چیز مشروط کی طرح ہوتی ہے۔(ت)

اور کسی شخص کو اصلا اختیار نہیں کہ بے اطلاع اجیر جب چاہے بطور خود عقد اجارہ فسخ کردے،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۹

مگر جب کوئی عذر بین واضح ظاہر ہو جس میں اصلا محل اشتباہ نہ ہو جب تک ایسا نہ ہو اجیر بیشک مستحق تنخواہ ہوگا۔

فی الدرالمختار الاجارۃ تفسخ بالقضاء والرضاء الخ[1]،وفی ردالمحتار الاصح ان العذران کان ظاہر اینفردوان مشتبھالاینفرد[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کہ اجارہ رضامندی یا قضاء کے ذریعہ فسخ ہو سکتا ہے الخ،اور ردالمحتار میں ہے کہ اصح یہ ہے کہ اگر ناغہ کا عذر ظاہر ہو تو مدرس کے اختیار میں ہے اور اگر عذر مشتبہ ہو تو پھر وہ مختار نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو "طفوہائے "آہنی نیشکر کے تجارۃً کرایہ پر چلاتا ہے اور اہل دیہات سے معاملات اجارہ کے کرتا ہے اور باشندگان دیہات کو جو دس دس، بیس بیس کوس کے باشندے ہیں، کولھو کرایہ پر دیتا ہے۔اور تقرری کرایہ میعاد ادائیگی کرایہ اور زمانہ واپسی "کولھو" جملہ امورات وقت عقد طے ہو جاتے ہیں مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے وعدہ پر روپیہ ادا کریں،بمجبوری ان سے روپیہ وصول کرنے کے واسطے نوکر رکھ کر ان کے مکانوں کو بھیجا جاتا ہے اور وہ سپاہی تقاضا گیر چند چند بار ان کے مکان پر جا کر تقاضا کرتا ہے،بلکہ اپنی تنخواہ اور خوراک وغیرہ کا بار ان پر ظاہر کرتا ہے اور قسم قسم کے خوف نالش اور خرچہ پڑنے کا دلاتا ہے۔تب وہ لوگ روپیہ لاتے ہیں،اس پر بعض مطلق خیال میں نہیں لاتے،اور نالشوں وغیرہ کی نوبت آتی ہے۔

پس ایسی حالت میں کہ یہ سپاہی جو محض ان سے تقاضا کرنے کے واسطے رکھا گیا ہے جس کے مکانوں پر جا کر بضرورت تقاضا ٹھہرے،اوران سے اپنی خوراک لے،یااس کے سوا جس کے یہاں ٹھہرا ہے،دوسروں سے اسی گاؤں میں،اس کے قریب دوسرے گاؤں والوں سے اپنی خوراک لے،یازید ان کرایہ داران سے اصل کرایہ میں تنخواہ تقاضا گیر کے بقدر ایام آمدوشد کے، یااس تقاضا گیر کی خوراک شامل کرکے وصول کرے،یاوقت کرایہ کے ان سے زید شرط کرے کہ روپیہ ہمارا کرایہ کا

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸

اگر تم وعدہ معینہ مقررہ پر نہ ادا کروگے، اور ہم کو تمھارے پاس تقاضا گیر بھیجنا پڑے گا، تو تم کو اجرت سے اس تقاضا گیر کی مثلا ۴/اور خوراک اس کی مثلاً ۲/یوم کے حساب سے دینا پڑے گی، اور ہم تم سے وصول کرلیں گے پس اول صورت میں خوراک اور اجرت تقاضا گیر کی بلاشرط کرایہ داران سے وصول کرنا۔ اور دوسری صورت میں شرط مذکور کرنا اور حسب شرائط مذکور اجرت مقررہ اور خوراک سپاہی تقاضا گیر کی وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پائے۔ت)

الجواب:

یہ نوکر اسی شخص کا نوکر اور اسی کے کام پر مقرر، اس نے خود ہی اسے اپنے کام کے لئے رکھا، تو تنخواہ یا خوراک جو کچھ ٹھہری ہو اسی پر ہے۔ قرضداروں سے کچھ تعلق نہیں، نہ ان سے خواہ دوسرے اہل دیہہ سے کوئی جبراً لے سکے، ہاں وہ رضامندی اپنا مہمان سمجھ کر کھانا دے دیں تو یہ جدا بات ہے، اور یہ خیال کہ آخر ان کی نادہندگی کے باعث نوکر رکھنا پڑا محض بے سود، **فان الحکم انما یضاف الی المباشر دون المسبب** (حکم مرتکب پر عائد ہوتا ہے سبب مہیا کرنے والے پر نہیں ہوتا۔ت) ولہذا مدعی کو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، اگرچہ بوجہ نادہندگی مدعا علیہ ضرورت نالش ہوئی ہو، اور اگر خود عقد اجارہ میں شرط مذکور فی السوال لگالی جب تو وہ عقد ہی فاسد ہوجائے گا اور اس کا فسخ کرنا واجب ہوگا **کما ھو حکم کل عقد فاسد رفعا للاثم حقا للشرع** (جیسا کہ ہر فاسد عقد کا حکم ہے کہ گناہ کو ختم کرنا شرعی حق کے طور پر لازم ہے۔ت) درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ما افسد البیع یفسدھا کشرط طعام عبد و مرمۃ دار [1] اھ ملخصا، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	عقد کے مخالف شرائط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے اور جو شرط بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے مثلاً غلام کی خوراک اور مکان کی مرمت کی شرط، اھ ملخصا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از میرٹھ بالائے کوٹ مکان قاضی صاحب مرسلہ مولوی ابو محمد صادق علی صاحب ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین، درباہ جواز وعدم جواز حصول منفعت بذریعہ کرایہ مکانات سکنٰی، ولگان اراضیات زرعی، ایسے لوگوں سے نصارٰی کے پادری ہنود کے

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۷۷

پنڈت یہود کے معلم، شیعوں کے مجتہد، غیر مقلدوں کے واعظ، کسبیان، ڈھاری، بھانڈ، شراب کھینچے بیچنے والے، اور دیگر منشی اشیاء کے تاجر، فساق، فجار، مشرک و کفار، خصوصا وہ جو اپنے مذہب وغیرہ کی اشاعت پر مامور ہوں، اور عموما وہ کہ مامور باشاعت ہوں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں دو مقام ہیں، **اول** یہ کہ ان لوگوں کو سکونت کے لئے مکان، زراعت کے لئے زمین کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ **دوم** بر تقدیر جواز ان کے مال سے اجرت لینا کیسا۔

اول کا جواب جواز ہے کہ اس نے تو سکونت وزراعت پر اجارہ دیا ہے نہ کسی معصیت پر اور رہنا، بونا فی نفسہٖ معصیت نہیں۔ اگرچہ وہ جہاں رہیں معصیت کریں گے، جو رزق حاصل کریں معصیت میں اٹھائیں گے، یہ ان کا فعل ہے جس کا اس شخص پر الزام نہیں۔

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی[1]" **قلت** وبه ظهر ان المسئلة ینبغی ان تکون علی الوفاق بین الامام و صاحبیه رضی الله تعالٰی عنهم وهو المستفاد من کلمات العلماء۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی **میں کہتا ہوں** اس سے ظاہر ہوا کہ یہ مسئلہ امام صاحب اور صاحبین کے مسلک کے موافق ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور علماء کے کلام سے یہی مستفاد ہے۔ (ت)

ہندیہ میں بعد مسئلہ "اذا استاجر الذمی من المسلم بیتا یبیع فیه الخمر جاز عند ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی خلافا لهما کذا فی المضمرات[2]" (جب ذمی کسی مسلمان سے مکان کرایہ پر حاصل کرکے شراب فروشی کرے تو جائز ہوگا یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک، بخلاف صاحبین کے، مضمرات میں یوں ہے۔ ت) نقل کیا:

و اذا استاجر الذمی من المسلم دارا لیسکنها فلا باس بذٰلك وان شرب فیها الخمر وعبد فیها الصلیب او ادخل فیها الخنازیر ولم یلحق المسلم	جب ذمی نے مسلمان سے رہائش کے لئے مکان کرایہ پر لیا تو کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ مکان میں شراب نوشی کرے یا صلیب کی پوجا کرے یا اس میں خنزیر لائے، اس کا بوجھ مسلمان پر

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۷

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۹

فی ذٰلك باس لان المسلم لایواجرھا لذٰلك انما اٰجرھا للسکنٰی کذافی المحیط[1]۔	نہ ہوگا کیونکہ اس نے اس ارادہ سے کرایہ پر نہیں دیا اس نے تو رہائش کے لئے دیا ہے۔ محیط میں یوں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے زیر قول درمختار:

جاز اجارۃ بیت سواد الکوفة لیتخذ بیت نار او کنیسة اوبیعة اویباع فیه الخمر وقالا لاینبغی ذٰلک۔ زیلعی[2] اھ ملخصا۔	کوفہ کی آبادی میں ذمی کو مکان کرایہ پر دینا تاکہ وہ آتشکدہ یا گرجا، عبادت خانہ بنائے یا شراب فروخت کرے تو جائز ہے، صاحبین نے فرمایا، یہ مناسب نہیں ہے زیلعی اھ ملخصا۔(ت)

انھیں علامہ زیلعی وعلامہ بدرالدین عینی وعلامہ حسام سغناقی وعلامہ جلال کرلامی صاحبان بنایہ ونہایہ وکفایہ شروح ہدایہ سے نقل کیا:

والدلیل علیه انه لواٰجرہ للسکنٰی جاز وھو لابدله من عبادته فیه[3] اھ	اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر رہائش کے لئے کرایہ پر دے تو جائز ہے حالانکہ وہ اس میں ضرور عبادت کرے گا۔اھ (ت)

یہ جواب فقہ ہے باقی دیانۃً اس میں شک نہیں کہ جس کی سکونت سے مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں فتنہ وضلال کا اندیشہ وخیال ہو اسے جگہ دینا معاذاللہ مسلمانوں کو فتنہ پر پیش کرنا ہے، تو "یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ"[4] (وہ چاہتے ہیں کہ فحاشی پھیلے۔ت) حقیقۃً نہ سہی اس کی طرف منجر ہے۔ وانما الدین النصح لکل مسلم[5] دین تو یہی ہے کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کیجئے وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۱

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[5] صحیح البخاری کتاب الشروط باب مایجوز من الشروط الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵۔۵۴

دوم کا جواب یہ کہ جس مال کا بعینہٖ حرام ہونا معلوم ہو اس سے اجرت لینا جائز نہیں، مثلاً اجارہ دینے والے کو خبر ہے کہ یہ روپیہ زید نے غصب یا سرقہ، یا رشوت یا ہندہ نے زنا یا غنا کی اُجرت یا کسی مسلمان نے خمر وخنزیر کی قیمت میں حاصل کئے ہیں، تو ان کا لینا اسے روا نہیں نہ اپنے آتے میں نہ ویسے،

فی الهندیة عن المحیط عن محمد فی کسب المغنیة ان قضی به دین لم یکن لصاحب الدین ان یأخذه[1]۔	ہندیہ میں محیط اس میں امام محمد سے منقول ہے کہ مغنیہ عورت کی کمائی سے قرض کی ادائیگی کرنا چاہے تو قرضخواہ کو وہ لینا ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی النهایة قال بعض مشائخنا کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل اخذه[2]۔	نہایہ میں فرمایا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ مغنیہ کی کمائی مغصوب چیز کی طرح ہے اس کا لینا جائز نہیں۔(ت)

درمختار میں ہے:

جاز رزق القاضی من بیت المال لو بیت المال حلالا جمع بحق والالم یحل[3]۔	بیت المال سے قاضی کو وظیفہ جائز ہے بشرطیکہ بیت المال میں حلال مال کو حق کے طور پر جمع کیا گیا ہو ورنہ وہاں سے وظیفہ لینا جائز نہیں۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

جاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر بخلاف المسلم[4]۔	کافر سے قرض کی وصولی میں شراب فروشی سے حاصل شدہ رقم کو لینا جائز ہے، برخلاف مسلمان کے(ت)

ورنہ فتوٰی مطلقاً جواز پر ہے، یعنی اگرچہ اس کے پاس اموال حرام ہونا یقینی ہو، مگر یہ روپیہ کہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۷

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۶

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۵

اس کرایہ میں دیتا ہے بعینہٖ اس کا حرام ہونا معلوم نہیں تو لینا جائز، اگرچہ اس کا اکثر مال حرام ہی ہو۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ عن الامام الفقیہ ابی اللیث قال بعضھم یجوز مالم یعلم انہ یعطیہ من حرام قال محمد وبہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی واصحابہ[1]۔	ہندیہ میں ظہیریہ کے حوالے سے امام ابولیث سے منقول ہے کہ بعض نے فرمایا جب تک حرام سے ادائیگی کا علم نہیں ہے، اس وقت تک لے سکتا ہے امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہمارا یہی مختار ہے کہ جب تک بعینہٖ حرام ہونے کا علم نہیں ہے، یہی امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی کا قول ہے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

ان لم یعلم الاٰخذ انہ من مال اومن مال غیرہ فھو حلال حتی یتبین انہ حرام[2]۔	اگر لینے والے کو معلوم نہیں کہ اس کا مال ہے یا غیر کا تو اس کو حلال ہے تاوقتیکہ حرام ہونا واضح نہ ہوجائے۔(ت)

مگر اس صورت میں یعنی بحالت غلبہ حرام تقوٰی احتراز ہے۔ فان للاکثر حکم الکل بل منھم من نص عند ذٰلك علی عدم الجواز فالاسلم الاحتراز۔ کیونکہ اکثر پر کل کا حکم ہوتا ہے بلکہ بعض نے نص فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں ناجائز ہے تو پرہیز میں سلامتی ہے۔(ت) خصوصاً مقتدی کے لئے حدیث:

ایاك ومایسوء الاذن عـــہ[3]۔ والحفظ دین العوام عن اقتحام الحرام۔	تو بدگمانی سے بچ، اور عوام کے دین کی حفاظت کے لئے حرام سے دور رہ۔(ت)

باقی اس مسئلہ کے متعلق جلیل وتنقیح جمیل فتاوٰی فقیر سے کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے فلینظر ثمہ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا لعل الصواب "الظن"۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے "دعوی وراثت" میں قابضان متروکہ سے واصلات اپنے حصہ کی مانگی، اس میں عذر تمادی کا از جانب مدعا علیہم پیش ہوا، فقط تین برس کے دینا چاہتا ہے، بموجب قانون کے چونکہ شرع میں تمادی نہیں ہے، لہٰذا اس نے اپنے حصہ جائز سے محروم ہونے کے سبب یہ کہا کہ مجھ کو سود دو، اور یہ سمجھا کہ سود کے حیلہ سے بھی میری اصل رقم کا کوئی جز ہی مل جائے، اس صورت میں یہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر اس شریک نے جس نے واصلات نہ پائی، شریک قابض کو اپنے حصہ کی تحصیل کا وکیل و مجاز کیا تھا، تو جو توفیر حاصل ہوا کی اس سب میں اس کا بھی حصہ تھا، اور تمادی کوئی شیئ نہیں، اگر ایسے نہیں لے سکتا جس نام سے ملے وصول کر سکتا ہے، اور اگر اس نے وکیل نہ کیا تھا بلکہ وہ بطور خود غصبًا اس کے حصہ پر قابض رہا اور زمین اٹھاتا محصول لیتا رہا تو اسے حکم دیا جائے گا کہ اس کے حصہ کا روپیہ اسے دے یا تصدق کر دے اور افضل وہی ہے کہ اسے دے مگر اس کو دعوی نہیں پہنچتا نہ یہ اس کا مالک ہوا، بلکہ وہی غاصب بملک خبیث مالک ہے تو اسے اس سے بحیلہ ناجائزہ لینے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۵: ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب آسامیاں دیہہ سے لگتہ اراضی مفوضہ آسامیاں مقرر ہے، تو سوالگتہ مقررہ کے اوگاہی بھوسہ و مور کین ورس وغیرہ کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز ہے کہ اجرت مقررہ سے زیادہ لینے کا کیا استحقاق ہے ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے دیتے تو جائز تھا اگر خوشی معلوم بلکہ صریح جبر ہوتا ہے اور اگر اس کی طرف سے جبر نہ بھی ہوا مگر انھوں نے اسے زمینداری یا ٹھیکداری کے دباؤ سے دیا، تو بھی ناجائز و مثل رشوت ہے۔

فی ردالمحتار (بعد نقل عبارۃ الفتح تعلیل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دلیل علی تحریم الھدیۃ التی سببھا الولایۃ [1] ذکر مانصہ	ردالمحتار میں فتح کی عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علت کو بیان کرنا ایسے ہدیہ کے حرام ہونے کی دلیل ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو۔ انکی ذکر کردہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۱۰

قلت ومثلهم مشائخ القری والحرف وغیرهم ممن له قهر وتسلط علی من دونهم فانه یهدٰی الیهم خوفا من شرهم اولیروج عندهم [1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	عبارت یوں ہے میں کہتا ہوں ان کی مثل دیہاتوں اور اہل حرفت وغیرہم کے چودھریوں کی ہے جن کو اپنے ماتحتوں پر تسلط اور غلبہ ہوتا ہے کیونکہ ان چودھریوں کے شر کے خوف یا رواج کی وجہ سے ان کو ہدیے ملتے ہیں الخ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶: ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس ایک عورت مطلقہ غیر ہے جس کی ابھی عدت نہ گزری، وہ بعد عدت اس سے نکاح چاہتا ہے مگر خوف ہے کہ شاید قبل عدت معصیت واقع ہو، زید عمرو سے مکان کرایہ پر مانگتا ہے، اس صورت میں عمرو کو جائز ہے یا نہیں کہ زید کو اپنا مکان کرایہ پر دے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے اگرچہ معصیت کا خوف نہیں بلکہ صراحۃً معصیت کرتا ہے، یہ اپنی جائز نیت سے کرایہ پر دے، اس کی معصیت کا وبال اس پر ہے عمرو پر کوئی مواخذہ نہیں،

لتخلل فعل فاعل مختار، قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فاعل مختار کا فعل درمیان میں آنے کی وجہ سے، اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: مسئولہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" [3]۔ الاٰیۃ	اگر تم کسی امر میں تنازع کرو تو اس کو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی طرف پھیرو اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ الآیۃ (ت)

---

[1] جدالممتار

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ/) ایک اور (صہ/) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی و شمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلاعرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت السہلہ الغراء ومفتیان ملت السمحۃ البیضاء کہ دو مسلمانوں میں اجارہ تدریس فنون عربی بمشاہرہ (مہ عہ/) ایک اور (صہ/) دوسرے کی طرف سے بلاذکر ماہ قمری شرعی و شمسی انگریزی وغیرہ ہوا، درصورت اختلاف مستاجر واجیر تعیین قرآنی یا تعیین انسانی عرفی یا عرف مدرسین عربی کی تعیین معتبر ہوگی اور جو اجیر تفسیر مدارک التنزیل شریف اور بیضاوی شریف اور صحیح بخاری شریف پڑھائے اس کی تعظیم اور کوئی ادب مستاجر متعلّم پر شرعاعقلاعرفاہے یانہیں؟ اور استاذین وشیوخ آباء معنوی ہیں، اس کا کہاں تک شریعت مطہرہ میں اثر ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قال اللہ تعالٰی عزوجل "یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ"۔[1]	اے نبی! یہ تجھ سے پوچھتے ہیں نئے چاندوں کا حال، توفرمادو وقت ٹھہرائے ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے واسطے۔

آیہ کریمہ شاہد ہے کہ اہل اسلام کے نہ صرف عبادات بلکہ معاملات میں بھی یہی قمری مہینے معتبر ہیں۔ مدارک شریف میں ہے:

مواقیت الناس والحج ای معالم یوقت بھا الناس مزارعھم ومتاجرھم ومحال دیونھم وصومھم وفطرھم وعدۃ نسأھم وایام حیضھن ومدۃ حملھن وغیر ذٰلك ومعالم للحج یعرف بھا وقتہ[2]۔	مواقیت للناس والحج یعنی علامات جن سے لوگ اپنی مزارعت، اجارہ، قرض اور دیون کی ادائیگی، روزہ، افطار، عورتوں کی عدت، حیض کے ایام اور حمل کی مدت وغیرہ کا وقت معلوم کریں گے اور حج کی علامت جن سے لوگ اس کا وقت پہچان سکیں گے۔ (ت)

عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیہ خفاجی علی البیضاوی میں ہے:

اجیبوا ببیان الغرض من ھذا الاختلاف من بیان مواقیت العبادات والمعاملات[3]۔	صحابہ کو چاند کے بڑھنے اور گھٹنے کی غرض سے جواب بیان فرمایا کہ عبادات اور معاملات مقرر اوقات کا بیان ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۹

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیت قل ھی مواقیت للناس الخ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۹۷

[3] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی آیت قل ھی مواقیت للناس الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۸۴

وقال تبارك وتعالٰی " اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک گنتی مہینوں کے اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں، کتاب اللہ میں جس دن سے اس نے بنائے آسمان اور زمین اس میں سے چار ماہ حرام ہیں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم، رجب)۔

یہ آیت ارشاد فرماتی ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک یہی بارہ مہینے قمری ہلال عربی معتبر ہیں کہ چار ماہ حرام انھیں مہینوں میں ہیں۔ تو اہل اسلام کو انھیں کا اعتبار چاہیے، شرع مطہرہ کے سب احکام عبادات و معاملات انھیں پر مبنی ہیں، معالم میں ہے:

المرادمنه الشهور الهلالية وهی الشهور التی یعتد بها المسلمون فی صیامهم وحجهم واعیادهم وسائر امورهم [2]۔	اس سے مراد قمری مہینے ہیں اور ان مہینوں کے ذریعہ مسلمان اپنے روزوں، حج، عیدوں اور تمام امور کا حساب لگاتے ہیں۔ (ت)

نسفی میں ہے:

المراد بیان ان احکام الشرع تبتنی علی الشهور القمریة المحسوبة بالاهلة دون الشمسیة [3]۔	مراد یہ ہے کہ شرعی احکام قمری مہینوں پر مبنی ہیں جو چاند کے حساب سے ہوتے ہیں شمسی مہینوں پر نہیں۔ (ت)

ولہٰذا بحمد اللہ اب تک عامہ مسلمین اپنے عامہ امور میں انھیں شہود کو جانتے۔ انھیں پر مدار کار رکھتے ہیں کہ ان کے رب کے نزدیک مہینے یہی ہیں بلکہ حقیقۃً مہینہ کا لفظ انھیں پر صادق مہینہ منسوب بماہ ہے، شہر شمسی مہینہ نہیں، مہرینہ ہے، بلکہ تفسیر میں زیر کریمہ انما النسیء ہے:

اللہ تعالٰی امرهم من وقت ابراہیم و اسمٰعیل علیهما الصلٰوة والسلام ببناء الامر علی رعایة السنة القمریة،	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں قمری سال پر اپنے امور کی بناء کا حکم دیا تو انھوں نے قمری سال کی رعایت

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ان عدۃ الشهور الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۸۹

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ان عدۃ الشهور الخ دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۱۲۵

فهم ترکوا امرالله تعالٰی فی رعایة السنة القمریة واعتبروا السنة الشمسیة رعایة لمصالح الدنیا [1]۔	کے حکم باری تعالٰی کو ترک کرکے اپنے مصالح کی بناء شمسی سال پر کرلی (ت)

بلکہ اسی میں ہے:

قال اهل العلم الواجب علی المسلمین بحکم هذه الاٰیة ان یعتبروا فی بیوعهم ومد دیونهم واحوال زکاتهم وسائر احکامهم السنة العربیة بالاهلة ولا یجوز لهم اعتبار السنة العجمیة والرومیة [2] اھ. **اقول:** فمن خلاف عندنا فی تأجیل العتین هل هو بالسنة القمریة هو المذهب، خزانة وغیرها وهو الصحیح [3]، هدایة وغیرها وعلیه اکثر اصحابنا [4] ایضاح الکرمانی اوبالسنة الشمسیة وهی روایة الحسن عن امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه، وروایة ابن سماعة عن الامام محمد، واختاره شمس الائمة السرخسی و الامام فقیه النفس قاضیخاں والامام ظهیر الدین المرغینانی [5]، فتح، وقیل وبه	اہل علم نے فرمایا اس آیہ کریمہ کے حکم پر مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے کاروبار اور لین دین، زکوٰۃ اور تمام احکام میں عربی قمری سال کا اعتبار کریں اور ان کو عجمی اور رومی شمسی سال کا اعتبار جائز نہیں ہے اھ، میں کہتا ہوں ہمارے ہاں نامرد شخص مہلت دینے کے مسئلہ میں اختلاف ہے، خزانہ وغیرہ میں ہے کہ قمری سال ہی مذہب ہے، ہدایہ وغیرہ میں فرمایا یہی صحیح ہے، اور نیز فرمایا ہمارے اکثر اصحاب اس پر ہیں، کرمانی کی ایضاح میں، یا شمسی سال فرمایا یہ امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے اور امام محمد علیہ الرحمۃ سے بھی ابن سماعۃ کی یہ روایت ہے، اور شمس الائمہ امام سرخسی، امام فقیہ النفس قاضیخاں اور امام ظہیر الدین مرغینانی نے اسے اختیار کیا ہے۔ فتح، اور اسی پر فتوٰی

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ انما النسئی زیادۃ الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۶

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان عدۃ الشهور الخ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۶/ ۵۳

[3] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[4] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[5] جامع الرموز بحوالہ الہدایۃ بحوالہ کرمانی کتاب الطلاق فصل العنین مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴، فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲

یفتی، درمختار[1] وعلیه اکثر المشائخ، محیط، وعلیه الفتوی، خلاصة اھ من ردالمحتار وجامع الرموز[2] نعم عدم الجواز فی العبادات والعدد الشرعی مقطوع به مجمع علیه، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے۔ درمختار، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، محیط، اسی پر فتوٰی ہے، خلاصہ، یہ ردالمحتار اور جامع الرموز سے منقول ہے، ہاں عبادات اور شرعی اعداد قمری سال ہی متفق علیہ ہے، واللہ تعالٰی علم۔ (ت)

بالجملہ اجارات وغیرہا معاملات میں مدار تعارف پر ہے، اور مسلمین میں متعارف یہی مہینے تو عندالاطلاق انھیں کی طرف انصراف، ردالمحتار وفتح القدیر میں ہے:

اھل الشرع انما یتعارفون الاشھر السنین بالاھلة فاذا اطلقواالسنة انصرف الی ذٰلك مالم یصرحوا بخلافه[3]۔	اہل شرع نے قمری مہینے اور سال اپنا عرف قرار دیا ہے۔ تو جب وہ مطلق سال ذکر کرتے ہیں غیر کی تصریح نہ کریں تو قمری مراد ہوتا ہے (ت)

اگر بعض مسلمانان باتباع نصارٰی شہور شمسیہ پر حساب رکھنے لگیں تو اس کا اعتبار نہیں کہ معتبر عرف عام وشائع ہے، نہ قرار داد خاص بعض ناس، اشباہ والنظائر میں ہے:

انما تعتبر العادة اذا اطردت اوغلبت، ولذا قالوا فی البیع لو باع بدراھم ودنانیر وکانا فی بلد اختلف فیه النقود مع الاختلاف فی المالیة والرواج انصرف البیع الی الاغلب قال فی الهدایة	عادت جب عام اور غالب ہو جائے تو وہی معتبر ہوتی ہے اور اسی وجہ سے وہ بیع کے باب میں فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے مطلق دراہم یا دنانیر کو بیع میں ذکر کیا تو شہر میں مالیت اور رواج کے لحاظ سے نقود کا اختلاف ہو تو وہاں غالب نقد پر بیع مانی جائے گی، ہدایہ میں فرمایا کیونکہ وہ

[1] درمختار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵، جامع الرموز کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۷۴

[3] فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۲، ردالمحتار کتاب الطلاق باب العنین وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۵

لانه هو المتعارف، فينصرف المطلق اليه [1]۔	متعارف ہے تو مطلق اس کی طرف ہی راجع ہوگا۔(ت)

اور بالفرض مان بھی لیا جائے کہ یہاں کے مسلمان میں شہود شمسیہ بھی بکثرت رواج پاگئے تاہم اس میں کلام نہیں کہ مدرسان علوم عربیہ دینیہ کا تقرر عام طور پر انھیں شہور الٰہیہ ہلالیہ پر متعارف ہے کہ وہ خاص دینی کام ہے، اور عام مسلمین پر **بحمداللہ** ہنوز اتباع نصارٰی ایسا غالب نہ ہوا کہ اپنے دینی امور میں بھی ان کی تقلید کریں، تو اس تقرر میں قطعاً شہور ربانیہ ہی معتبر ہوں گے نہ کہ شہور نصرانیہ، **کمالایخفی علی اولی النھی** (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے۔ت) تعلیم علوم دینیہ پر اُجرت لینی صد ہاسال سے بمذہب مفتٰی بہ علماء نے نظر بفساد زمانہ حلال فرمائی یہ تحلیل اس لئے تھی کہ اہل علم ناشران علم دین کی خدمت ہوتی رہے، وہ تلاش معاش میں پریشان ہوکر اس وراثت انبیاء کی اشاعت سے مجبور نہ رہیں، نہ اس لئے کہ معاذاللہ استاذ علم دین کی تعظیم وتوقیر نہ کی جائے۔ اساتذہ وشیوخ علم شرعیہ بلاشبہ آبائے معنوی وآبائے روح ہیں جن کی حرمت وعظمت آبائے جسم سے زائد ہے کہ وہ پدر آب وگل ہے اور یہ پدر جان ودل، علامہ مناوی تیسیر جامع صغیر میں فرماتے ہیں:۔

من علم الناس ذاك خيراب ذا ابو الروح لا ابو النطف [2]

یعنی استاد کا مرتبہ باپ سے زیادہ ہے کہ وہ روح کا باپ ہے، نہ نطفہ کا،

علامہ حسن شرنبلالی "غنیہ ذوی الارحام" حاشیہ "دررو غرر" میں فرماتے ہیں:

الوالد هو والد التربية فرتبته فائقة رتبة والد التبنية [3]۔	یعنی اعلٰی درجہ کا باپ استاد مربی ہے۔ اس کا مرتبہ پدر نسب کے مرتبہ سے زائد ہے۔

عین العلم شریف میں ہے:

يبر الوالدين فالعقوق من الكبائر، ويقدم حق المعلم على	ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرے کہ انھیں ناراض کرنا گناہ کبیرہ ہے اور استاد کے حق کو

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۳۸

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث انما انا لکم بمنزلۃ الوالد الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۶۱

[3] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر الحکام

حقهما فهو سبب حیاۃ الروح[1]۔	ماں باپ کے حق پر مقدم رکھے کہ وہ زندگی روح کا سبب ہے۔

امام شعبہ فرماتے ہیں:

ما کتبت عن احد حدیثا الا و کنت له عبدا ما حیی[2]۔	میں نے جس کسی سے ایک حدیث بھی لکھی میں عمر بھر اس کا غلام ہوں۔

فتاوٰی بزازیہ و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

حق العالم علی الجاهل وحق الاستاذ علی التلمیذ و احد علی السواء وهو ان لایفتتح بالکلام قبله ولا یجلس مکانه وان غاب ولا یرد علی کلامه ولایتقدم علیه فی مشیه[3]۔	عالم کا جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر برابر یکساں حق ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے، وہ موجود نہ ہو جب بھی اس کی جگہ پر نہ بیٹھے اس کی کوئی بات نہ الٹے، نہ اس سے آگے چلے وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸: ۲۶ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے کارندہ نے عمرو سے وعدہ کیا کہ جائداد آپ کی زید سے بکوادوں گا مگر مجھے محنتانہ دیجئے گا، اس نے اقرر کیا، اور زید کو بھی اس کا حال معلوم ہے، کارندہ مذکور نے اس کی بیع میں بہت کوشش کی، چنانچہ بیع تام ہو گئی، اور مشتری کو دھوکا بھی کچھ نہ دیا، یہ اُجرت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب:

اگر کارندہ نے اس بارہ میں جو محنت و کوشش کی وہ اپنے آقا کی طرف سے تھی بائع کے لئے کوئی دوادوش نہ کی، اگرچہ بعض زبانی باتیں اس کی طرف سے بھی کی ہوں، مثلاً آقا کو مشورہ دیا کہ یہ چیز اچھی ہے خرید لینی چاہئے یا اس میں آپ کا نقصان نہیں اور مجھے اتنے روپے مل جائیں گے، اس نے خرید لی

---

[1] عین العلم الباب الثامن فی الصحبۃ والمؤلفۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۳۵۔۳۳۳

[2] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۱۱۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی البزازیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۷۳

جب تو یہ شخص عمرو بائع سے کسی اُجرت کا مستحق نہیں کہ اجرت آنے جانے محنت کرنے کی ہوتی ہے نہ بیٹھے بیٹھے، دو چار باتیں کہنے، صلاح بتانے مشورہ دینے کی، ردالمحتار میں بزازیہ وولوالجیہ سے ہے:

الدلالۃ والاشارۃ لیست بعمل یستحق بہ الاجر، وان قال لرجل بعینہ ان دللتنی علی کذا فلك کذا، ان مشی لہ فدلہ فلہ اجر المثل للمشی لاجلہ، لان ذٰلك عمل یستحق بعقد الاجارۃ[1] الخ۔	محض بتانا اور اشارہ کرنا ایسا عمل نہیں ہے جس پر وہ اجرت کا مستحق ہو، اگر کسی نے ایک خاص شخص کو کہا اگر تو مجھے فلاں چیز پر رہنمائی کرے تو اتنا اجر دوں گا، اگر وہ شخص چل کر رہنمائی کرے تو اس کو مثلی اجرت دینا ہوگی کیونکہ وہ اس خاطر چل کرلے گا کیونکہ چلنا ایسا عمل ہے جس پر عقد اجارہ میں اُجرت کا مستحق ہوتا ہے۔ الخ (ت)

غمز العیون میں خزانۃ الاکمل سے ہے:

امالو دلہ بالکلام فلا شیئ لہ[2]۔	اگر صرف زبانی رہنمائی دے تو اس کے لئے کچھ نہیں (ت)

اور اگر بائع کی طرف سے محنت وکوشش ودوادوش میں اپنا زمانہ صرف کیا تو صرف اجر مثل کا مستحق ہوگا، یعنی ایسے کام اتنی سعی پر جو مزدوری ہوتی ہے اس سے زائد نہ پائے گا اگرچہ بائع سے قرارداد کتنے ہی زیادہ کا ہو، اور اگر قرارداد اجر مثل سے کم کا ہو تو کم ہی دلائیں گے کہ سقوطِ زیادت پر خود راضی ہوچکا، خانیہ میں ہے:

ان کان الدلال الاول عرض تعنّٰی وذھب فی ذٰلك روزگارہ کان لہ اجر مثلہ بقدر عنائہ وعملہ[3]۔	اگر روزگار کے سلسلہ میں دلال نے محنت کی اور آیا گیا تو اس کی محنت اور عمل کے مطابق مثلی اجرت ہوگی۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

بعہ لی بکذا ولك کذا فباع فلہ اجر المثل[4]۔	اگر دوسرے کو کہا تو میرے لئے اتنے میں اس کو فروخت کر تو اس نے وہ چیز فروخت کردی تو دلال مثلی اُجرت کا مستحق ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۰

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۳۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۶۱

حموی میں ہے:

ای ولایتجاوزبه ماسمی وکذالو قال اشترلی کما فی البزازیة،وعلی قیاس هذا السماسرة والدلالین الواجب اجر المثل کمافی الولوالجیة [1]۔	یعنی مقررہ اجرت سے زائد نہ ہوگی، اور یوں ہی اگر کہا تو مجھے خرید دے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے اور اس پر قیاس ہوگا دلال حضرات کا معاملہ کہ ان کو مثلی اجرت دی جائے گی جیسا کہ ولولوالجیہ میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے ہے:

فی الدلال والسمسار یجب اجرالمثل و ماتواضعوا علیه ان فی کل عشرة دنانیر کذافذلك حرام علیهم [2]۔	آڑھتی اور دلال حضرات کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور وہ جو دس دنانیر میں اتنا طے کرتے ہیں تو یہ حرام ہے۔(ت)

پھر ازانجاکہ یہ شخص مشتری کا نوکر و اجیر خاص تھا جتنی مدت اس نے بائع کے کام میں صرف کی اتنی تنخواہ ساقط ہو گئی، مثلاً دس ۱۰ روپے ماہوار کا نوکر تھا تین دن بائع کی طرف سے اس سعی میں گزر گئے تو ایک روپیہ تنخواہ کا مستحق نہ رہا، اور اگر بائع سے یہ عقد اجارہ بے اذن و اجازت مشتری ہوا، تو گناہ علاوہ کہ اجیر خاص کو بے اجازت آقا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے:

لیس للخاص ان یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من اجرته بقدر ماعمل۔فتاوی النوازل۔ [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	اجیر خاص کو جائز نہیں کہ دوسروں کا کام کرے اگر اس نے ایسا کیا تو اتنا اس کی اجرت سے کاٹا جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۹: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری ۲۲ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مزدور کو برائے مزدوری سو کوس یا پچاس کے فاصلہ پر لے جائے، بعد ازاں اس سے چار پانچ ماہ تک کام کرالے، اور بروقت حساب کے اس کو تیس ۳۰ روپے کے کام کے بیس روپے اور اس پر سختی کرے اور اسے پریشان کرے،

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱

جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:

حرام حرام، حرام، کبیرہ کبیرہ، کبیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

ثلثة انا خصمھم یوم القیمة ومن کنت خصمه خصمته رجل اعطی بی ثم غدر، ورجل باع حرا واکل ثمنه، ورجل استاجر اجیرا فاستوفی منه ولم یوفه اجره۔ رواہ الائمة احمد [1] والبخاری وابن ماجة وابو یعلی وغیرہم عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال اللہ تعالٰی فذکرہ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	قیامت کے دن تین شخصوں کا میں مدعی ہوں گا اور جس کا میں مدعی ہوں میں ہی اسی پر غالب آؤں گا، ایک وہ جس نے میرا عہد دیا پر عہد شکنی کی، دوسرا وہ جس نے کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ ڈالا اور اس کی قیمت کھائی تیسرا وہ جس نے کسی شخص کو مزدوری میں لے کر اپنا کام تو اس سے پورا کرالیا اور مزدوری اسے پوری نہ دی (اسے امام احمد، بخاری، ابن ماجہ، ابویعلی وغیرہم ائمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے تو حدیث ذکر کی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ ت)

مسئلہ ۱۶۰: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یونانی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو نے بتعین چند شرائط مفصلہ ذیل خالد سے ٹھیکہ اراضی کا بزمان واحد بغیر بیان کرنے شرکت نصف اور ربع کے لیا، شرط اول یہ کہ زر ٹھیکہ بموجب اقساط معینہ مندرجہ قبولیت وپٹہ ادا کرینگے، دوسری شرط یہ کی کہ ضمانت یا امانت

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اثم من باع حرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۷ وکتاب الاجارات ۱/ ۳۰۲، مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۵۸، سنن ابن ماجہ ابواب الرہون باب اجر الاجراء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۸

حسب الطلب خالد کے دیں گے، اور در صورت نہ دینے ضمانت اور نہ ادا کرنے کسی ایک قسط کے خالد کو اختیار فسخ اجارہ حاصل ہے، پس ہر دو مستاجران نے دونوں شرطوں کو وفا نہیں کیا، اور نوبت دعوی فسخ روبرو قاضی پہنچی، تو ایک شریک کو دعوی خالد سے اقبال ہے، اور دوسرے کو دعوی فسخ خالد سے انکار ہے، آیا ایسی صورت میں خالد کو اختیار فسخ اجارہ ہر دو مستاجران سے حاصل ہے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

بحضور لامع النور، زبدۃ العلماء والفقہاء جناب مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام فضلہم جناب عالی!

صورت مسئولہ میں یہاں پر مفتیان نے بموجب اقوال تحت فیصلہ فرمایا، حضور نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، لہذا استفتا منسلکہ عرضداشت ہذا ابلاغ کرکے امیدوار کہ جواب جلد مرحمت فرمایا جائے۔

قال شمس الائمۃ السرخسی قال بعض اصحابنا اضافۃ الفسخ الی مجیئ الشھر وغیر ذٰلك من الاوقات صحیح وتعلیق الفسخ بمجیئ الشھر وغیرہ ذٰلك لایصح والفتوٰی علی قولہ کذا فی فتاوٰی قاضیخاں.[1] ثانی، والشیوع الطارئ لایفسدہا اجماعا کما لو اٰجر ثم تفاسخا فی بعض اومات احدھما او استحق بعضھا تبقی فی الباقی[2] ۱۲ عالمگیری۔ مؤید آں وفی الغاثیۃ رجلان اٰجرادارھما من رجل جاز وان فسخ احدھما برضا المستاجر اومات لاتبطل فی النصف الاٰخر[3] ۱۲ بحر الرائق۔	شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا ہے فسخ کی اضافت مہینہ کی آمد کی طرف کرنا اور ایسے ہی دیگر اوقات کی طرف کرنا صحیح ہے، اور فسخ مہینہ وغیرہ اوقات کے ساتھ معلق کرنا، صحیح نہیں، اور فتوٰی اس بعض کے قول پر ہے فتاوٰی قاضیخاں میں یوں ہے، دوسرا یہ کہ بعد میں طاری ہونے والا شیوع بالاجماع اجارہ کو فسخ نہ کرے گا۔ مثلاً اگر مکان اجارہ پر دیا پھر فریقین نے کچھ حصہ میں اجارہ فسخ کردیا، یا کوئی ایک فریق فوت ہوگیا یا مکان کا کچھ حصہ کسی غیر کا حق ظاہر ہوا، تو باقیماندہ حصہ میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ عالمگیری، اس کی تائید ہے کہ غیاثیہ میں ہے دو۲ حضرات نے اپنے مشترکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۴۸

[3] بحر الرائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸ /۲۱

	مکان کو اجارہ پر ایک شخص کو دیا تا جائز ہے اور اگر ایک نے مستاجر کی رضامندی سے اپنے نصف حصہ کا اجارہ فسخ کردیا، یا ایک فوت ہوگیا تو باقی نصف میں اجارہ باقی رہے گا ۱۲ بحرالرائق (ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ضرور اختیار ہے فسخ حاصل ہے، بلکہ ہر فریق پر اجارہ مذکورہ کا فسخ واجب ہے، اگر وہ نہ کریں حاکم جبراً فسخ کردے، اگر نہ کرے گا گنہ گار ہوگا، وجہ یہ کہ اجارہ مذکورہ شرعاً بوجوہ فاسدہ ہے۔

اولاً: اس میں ضمانت مجہولہ شرط کی گئی نہ ضامن حاضر تھا، نہ مجلس عقد میں قبل تفرق عاقدین حاضرین ہوا، ایسی شرط ضمانت بیع واجارہ میں ناجائز ومفسد ہے۔

ثانیاً: مجلس عقد میں کسی ضامن کی طرف سے قبول ضمانت واقع نہ ہوا، ایسی ضمانت نامقبولہ، اگرچہ غیر مجہولہ ہو مفسد عقد ہے۔

ثالثاً: اگر امانت سے مراد رہن ہے تو اس کا بھی کوئی تعین پیش از تفرق عاقدین نہ ہوا، ایسے رہن کی شرط بھی مفسد ہے، در مختار میں ہے:

یصح البیع بشرط یقتضیه العقد او یلائمة کشرط رہن معلوم وکفیل حاضر. ابن ملك[1] اھ ملتقطا	جو عقد کا مقتضی ہو یا عقد کے مناسب ہو ایسی شرط کے ساتھ بیع صحیح ہے مثلاً بیع میں معلوم رہن یا حاضر کفیل کی شرط لگانا، ابن ملک اھ ملتقطا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وان کان ملائما للبیع لایفسدہ کالبیع بشرط کفیل بالثمن اذاکان حاضرا وقبلها اوغائبا فحضر وقبل قبل التفریق وکشرط رہن معلوم بالاشارة او التسمیة فان حاصلها	اگر شرط بیع کے مناسب ہو تو اس سے بیع فاسد نہ ہوگی مثلاً بیع میں ثمن کے کفیل کی شرط جب کفیل موجود حاضر ہو اور قبول کرلے یا غائب تھا تو موقع پر حاضر ہوگیا اور فریقین کے متفرق ہونے سے قبل کفیل نے قبول کرلیا ہو، اور مثلاً بیع میں اشارہ یا نام ذکر کے متعین

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷ و ۲۸

التوثق للثمن ،قیدنا بحضرۃ الکفیل لانہ لوکان غائبا فحضر وقبل بعد التفرق اوکان حاضرا فلم یقبل لم یجز ،وقیدنا بکون الرھن مسمی لانہ لولم یکن مسمی ولا مشارا الیہ لم یجز الا اذا تراضیا علی تعیینہ فی المجلس ودفعہ الیہ قبل ان یتفرقا او یعجل الثمن و یبطلان الرھن [1] اھ	رہن کی شرط لگانا، کیونکہ ان مذکورہ دونوں شرطوں کا مقصد ثمن کا وثوق حاصل کرنا ہوتا ہے ہم نے کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ اگروہ غائب ہو تو حاضر ہو کر قبول بھی کرلے لیکن فریقین کے تفرق کے بعد کرے یا حاضر ہو کر قبول ہی نہ کرے تو بیع جائز نہ ہوگی اور ہم نے رہن کے معین معلوم ہونے کی قید ذکر کی کیونکہ وہ معین و معلوم نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف اشارہ کیا ہو تو بیع جائز نہ ہوگی الایہ کہ دونوں فریق اسی مجلس میں اس کے تعین پر راضی ہوجائیں اور تفرق سے قبل مرہون چیز دے دی جائے یا رہن کو باطل کردیں اور ثمن نقد ادا ہوجائے۔اھ (ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشرط المخالفۃ لمقتضی العقد فکل ماافسد البیع ممامر یفسدھا [2]۔	اجارہ میں ایسی شرائط سے فاسد ہوجاتا ہے جو عقد کے مخالف ہوں تو جو شرائط مذکورہ بیع کو فاسد کرتی ہیں وہ اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہے۔(ت)

رابعًا: ان شرائط کے انتفاپر خالد کو اختیار فسخ ملنے کی شرط معنی خیار شرط ہے، ردالمحتار میں حواشی الدرر للعلامہ خادمی افندی سے ہے:

قد قال صدرالشریعۃ انہ(ای خیار النقد)فرع مسئلۃ خیار الشرط لانہ انما شری لیدفع بالفسخ الضرر عن نفسہ سواء کان تاخیراداء الثمن اوغیرہ [3]۔	صدرالشریعۃ نے فرمایا کہ خیار نقد خیار شرط والے مسئلہ کی فرع ہے کیونکہ اس کو مشروع قرار دینے کا مقصد یہ ہے کہ وہ فسخ کرکے اپنے پر عائد ہونے والے ضرر کو ختم کرسکے یہ ضرر ثمن کی تاخیر ہو یا کوئی اور (ت)

---

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب البیع الفاسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۸۵

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۷۷

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

اسی میں ہے:

الواقع فی الزیلعی کونہا من صورہ[1]۔	زیلعی میں شرط اجارہ کا شرط خیار کی طرح ہونا مذکور ہے۔(ت)

اور یہاں سے مشروط معلق بالخطر کیا، اور خیار شرط صالح تعلیق بالشرط نہیں، بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے: **لایصح تعلیق خیار الشرط بالشرط**[2] (خیار شرط کی تعلیق کسی شرط سے جائز نہیں۔ت) اور اشتراط شرط فاسد ان عقود کا مفسد۔

ولیس من باب خیار النقد المشروع ولولم یکن هناك تعلیق بعدم الاتیان بضمانة وامانة اصلا، و اقتصرا علی التعلیق بعدم نقدالاجرة علی النجوم المقدرة وذٰلك لان خیار النقد فی هذه الصورة انما یکون لمن بیده النقدوترکه اذ هو المتمکن من امضائه وعدمه، وههنا علی خلاف ذٰلك شرط الخیار لمواجر، فی البحرالرائق لوباع علی انه ان لم ینقد الثمن الی ثلثه ایام فلا بیع صح، والی اربع لایصح، و الاصل فیه ان هذا فی معنی اشتراط الخیار اذالحاجة مست الی الانفساخ عند عدم النقد تحرزا عن المماطلة فی الفسخ فیکون	اور خیار نقد جو مشروع ہے شرط فاسد اس کی طرح نہیں ہے خیا نقد جائز ہے اگرچہ وہاں ضمانت و امانت پیش نہ کرنے کی تعلیق نہ بھی ہو، بحر اور درمختار دونوں نے خیار نقد کی صورت میں مقررہ قسطوں پر نقد اُجرت نہ دینے سے معلق کرنے پر اکتفاء کیا اس لئے کہ خیار نقد اس صورت میں ایسے شخص کو ہوتا ہے جس کو نقد دینے نہ دینے کا اختیار ہو کیونکہ وہی اجارہ کو قائم رکھنے نہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہے، جبکہ یہاں معاملہ اس کے خلاف ہے کیونکہ خیار کی شرط اجرت پر دینے کے لئے ہے۔ بحر الرائق میں ہے اگر کسی نے چیز کو اس شرط پر فروخت کیا کہ اگر مشتری تین دن تک ثمن نقد نہ دے تو بیع ختم ہوگی، یہ شرط صحیح ہے، اور اگر چار دن تک، کہا تو صحیح نہیں ہے، اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ خیار شرط کے معنی میں ہے کیونکہ نقد نہ ملنے پر فسخ کی حاجت ہے تاکہ فسخ کا معاملہ موخر ہونے سے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب خیار الشرط داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۵

ملحقاً بہ کذا فی الھدایۃ واشار المصنف الی جواز ھذاالشرط للبائع، وفی الذخیرۃ اذا باع عبدا ونقد الثمن علی ان البائع ا ن ردالثمن الی ثلثۃ فلا بیع بینھما کان جائزا، وھو بمعنی شرط الخیار للبائع اھ ففی مسألۃ الکتاب المنتفع بھذا الشرط ھو البائع مع انھم جعلوا الخیار للمشتری باعتبار انہ المتمکن من امضاء البیع بالنقد ومن فسخہ بعدمہ وفی عکسہ المنتفع بھذا الشرط ھوا لمشتری مع انھم جعلوا الخیار للبائع باعتباران البائع متمکن من الفسخ ان ردالثمن فی المدۃ ومن الامضاء ان لم یردہ اھ ملتقطا، ونحوہ فی ردالمحتار عن النھر۔[1]	محفوظ رہے، لہٰذا یہ خیار شرط سے ملحق ہے، ایسے ہی ہدایہ میں ہے، اور مصنف نے بائع کے لئے اس شرط کے جواز کا اشارہ کیا ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ جب عبد کو فروخت کیا اور مشتری نے ثمن نقد دے کر شرط لگائی کہ اگر بائع نے تین دن تک ثمن واپس کردئے تو بیع ختم ہوگی، تو یہ شرط جائز ہے اور یہ بائع کی شرط خیار معنا قرار پائے گی اھ تو کتاب کے مسئلہ میں اس شرط کا فائدہ بائع کو ہے حالانکہ خیار پر شرط انھوں نے مشتری کے لئے قرار دی ہے، یہ اس اعتبار سے کہ مشتری ہی نقد دینے نہ دینے کی بناء پر بیع کو باقی رکھنے اور فسخ کرنے پر قادر ہے، اور اس کے عکس والی صورت میں شرف کا فائدہ مشتری کو ہے اس کے باوجود انھوں نے خیار شرط بائع کے لئے قرار دیا ہے یہ اس اعتبار سے کہ یہاں بائع تین دنوں میں ثمن واپس کرنے نہ کرنے کی بناء پر بیع کو فسخ یا قائم رکھنے پر قادر ہے اھ ملتقطا، اور یوں ہی ردالمحتار میں ہے نہر سے منقول ہے۔ (ت)

ان کے سوا اور بعض وجوہ سے اس عقد کا فساد ظاہر ہے کمالایخفی علی المتأمل الناظر وفیماذکرنا کفایۃ للمتبصر۔

ان تقریرات سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ یہ صورت تعلیق الفسخ بالشرط کی نہیں بلکہ خیار الفسخ بالشرط ہے، اور اول ہی فرض کیجئے تو جب بھی اس کا حکم یہ ہر گز نہ ہوگا کہ فسخ بوجہ تعلیق باطل اور اجارہ صحیح اب کہ ایک مستاجر فسخ پر راضی ہوا اسی کے حق میں فسخ ہوگیا دوسرے کے حق میں باقی ہے کہ شیوع طاری مفسد نہیں یہ تو اس وقت ہوتا کہ یہ فسخ فاسد معلق بالشرط عقد سے جداگانہ واقع ہوتا،

[1] بحرالرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۷،۶

جب نفس عقد اسی شرط فسخ فاسد سے مشروط تو قطعاً اصل اجارہ فاسد

فانها کالبیع لاتحتمل الاشتراط بالشروط الفاسدۃ وقد قال فی الهدایۃ فی مسئلۃ خیار العقد فی ھذا لمسئلۃ قیاس اٰخر مال الیه زفر، وهو انه بیع شرط فیه اقالۃ فاسدۃ لتعلقها بالشروط، والا شتراط الصحیح منها فیه مفسد العقد فاشتراط الفاسد اولی، ووجه الاستحسان مابینا[1] اھ وھو ماقدمنا عن البحر انه فی معنی خیار الشرط فیصح الی ثلثۃ ایام لا ازید ولامجهولا ولامطلقا کما ھنا، قال فی البحرا لایصح اشتراطه الاکثر من ثلثۃ ایام عنه ابی حنیفۃ (الی ان قال) واطلاق المدۃ عنده کاشتراط لاکثر فی عدم الجواز وافساد البیع ولو قال المؤلف ولو اکثر اومؤبدا اوموقتا بوقت مجهول لکان اولی لان البیع فاسد فی هذه کلها کما فی التتارخانیۃ[2] اھ، قتل والمعنی اذا کان مشروطا	تو اجارہ بیع کی طرح فاسد شرائط سے مشروط نہیں ہو سکتا۔ اور ہدایہ میں خیار نقد کے مسئلہ میں فرمایا اس مسئلہ میں ایک اور قیاس بھی ہے کہ جس کی طرف امام زفر کا میلان ہے کہ یہ ایسی بیع ہے جس میں فاسد اقالہ کی شرط ہے کیونکہ اس کو شرائط سے معلق کیا گیا ہے جبکہ اس میں صحیح اقالہ کی شرط مفسد عقد ہے تو فاسد کی شرط بطریق اولٰی مفسد ہوگی اور استحسان کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے اور اس کو ہم بحر سے نقل کر چکے ہیں کہ خیار شرط کے معنی میں ہے لہٰذا تین دن کی شرط صحیح اس سے زائد کی صحیح نہیں اور نہ ہی مجہول شرط اور عام شرط صحیح ہوگی جیسا کہ یہاں ہے، بحر میں کہا ہے کہ تین دن سے زائد کی شرط امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح نہیں ہے اور آگے یہاں تک کہا کہ مطلق مدت کی شرط بھی امام صاحب رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک تین دن سے زائد کی طرح جائز نہیں اور بیع فاسد ہوگی اور اگر مؤلف یوں بیان کرتے، اگر مدت تین دن سے زائد یا ہمیشہ یا کسی مجہول وقت کی ہو تو ناجائز ہے کیونکہ ان تینوں صورتوں میں بیع فاسد ہوتی ہے جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے اھ میں کہتا ہوں مراد

[1] الهدایہ کتاب البیوع باب خیار الشرط مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۳۵

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب خیار الشرط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۵۔۴

فی صلب العقد کما ہنا لابدہ ولاجاز الاطلاق وتقیید بالمجلس کما فی البحر، وجازت الزیادۃ علی الثلثۃ فی الاجارۃ کما فی بیوع البحر عن الذخیرۃ ولسنا ہہنا بصدد تنقیح تلك المسائل۔	یہ ہے جب صب عقد میں یہ شرائط ہوں جیسا کہ یہاں ہے عقد کے بعد والی شرائط مطلق ہو یا مقید ہوں جائز ہوں گی اور اطلاق وتقیید مجلس میں ہوسکے گا، جیسا کہ بحر میں ہے۔اور اجارہ میں تین دن سے زائد کی شرط صحیح ہے جیسا کہ بحر کے باب البیوع میں ذخیرہ سے منقول ہے،اور ہم یہاں پر ان مسائل کی تنقیح کے درپے نہیں ہیں۔(ت)

بہر حال اس عقد کے فاسد ہونے میں کوئی کلام نہیں،اور عقد فاسد کا یہی حکم ہے، کہ ہر فریق باختیار خود اسے فسخ کرسکتا ہے بلکہ ان پر اس کا فسخ واجب وہ نہ مانیں تو حاکم پر لازم کما نصوا علیہ فی البیع وغیرہ (جیسا کہ انھوں نے بیع وغیرہ میں اس پر نص فرمائی ہے۔ت) ہندیہ میں ہے:

ارادالاجران ینقض عقدہ بحکم الفساد فلہ ذٰلك کذا فی التتارخانیۃ[1]۔	اگر آجر فساد کے حکم پر عقد اجارہ کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے تاتارخانیہ میں ایسے ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

فسخت الاجارۃ دفعاللفساد[2]۔	فساد کو ختم کرنے کے لئے اجارہ فسخ کردیا جائے گا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای ابطلہا القاضی لان العقد الفاسد یجب نقضہ و ابطالہ،ذخیرۃ[3]،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	یعنی قاضی اسے باطل کردے کیونکہ فاسد عقد کو ختم کرنا ضروری ہے،ذخیرہ،واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۶۰

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۸

مسئلہ ۱۶۱: از ریاست رامپور شفاخانہ صدر یانونی مرسلہ عبدالکریم خاں صاحب تحویلدار ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

بحضور لامع النور جناب مستطاب معلی القاب دام فیضہ، سابق حضور نے بدرخواست فدوی فتوٰی ارسال فرمایا تھا اس کو داخل عدالت کردیا، بجواب اس کے حاکم مرافعہ عدالت دیوانی کے حاکم سے صحت فتوٰی مرسلہ حضور کی طلب کی ہے، عالیجاہا! یہ امر ضرور ثابت ہے کہ حاکم مجوز اپنی تجویز کو خراب نہیں کرسکتا ہے، اور فتوٰی جو حضور نے کرم فرماکر رسال فرمایا تھا اس میں جس قدر روایات مندرج ہیں بیع سے تعلق رکھتے ہیں، اجارہ کے معاملہ میں کوئی روایت نہیں تھی جس کی صحت حاکم مرافعہ نے کرائی ہے، اس واسطے حضور کو دوبارہ تکلیف دیتا ہوں، اور نقل روبکار کی من وعن بھیجتا ہوں۔

الجواب:

فتوٰی سابقہ میں مفصلاً ثابت کردیا گیا کہ یہ اجارہ فاسد اور اس کا فسخ واجب ہے، وہ روایات سب متعلق اجارہ تھیں، انھیں متعلق بیع کہنا ہی متعلق اجارہ ماننا ہے کہ یہاں اجارہ وبیع کا ایک ہی حکم ہے بلکہ اجارہ معنی بیع کی ایک قسم ہے۔ ارشادات علماء برسبیل اختصار سنئے: ۱مغنی المستفتی پھر ۲عقود الدریہ میں ہے:

البیع والاجارۃ اخوان لان الاجارۃ بیع المنافع[1]۔	بیع واجارہ بھائی بھائی ہیں اس لئے کہ اجارہ منافع کی بیع ہے۔

۳ردالمحتار میں ہے:

الاجارۃ نوع من البیع اذھی بیع المنافع[2]۔	اجارہ بیع کی ایک قسم ہے کہ وہ بیع منافع ہے۔

۴مختصر امام ابوالحسن قدوری ۵ہدایہ میں ہے:

(الاجارہ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع) لانھا بمنزلتہ[3]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کرتی ہیں جس طرح بیع کو کہ اجارہ بمنزلہ بیع ہے۔

۶کافی امام نسفی و ۷کفایہ شرح ہدایہ و ۸برجندی شرح نقایہ و ۹طحطاوی علی الدر المختار

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹

[3] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۲۹۹

میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فتفسد بالشرط [1]۔	اجارہ بیع کی طرح ہے تو شرط لگانے سے فاسد ہوجائے گا۔

[۱] کنز اور اس کی شرح "تبیین الحقائق پھر [۲] تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے:

(یفسد الاجارۃ الشرط) لانھا بمنزلۃ البیع [2]۔	اجارے کو شرط فاسد کردیتی ہے کہ وہ بمنزلہ بیع ہے۔

[۳] فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجارۃ کالبیع یفسدھا الشرط الفاسد فیجب علیھم فسخھا [3]۔	اجارہ مثل بیع ہے شرط فاسد اسے فاسد کردیتی ہے تو ان پر اس کا فسخ کرنا واجب ہوجاتا ہے۔

[۴] اختیار شرح مختار پھر [۵] خزانۃ المفتین میں ہے:

الاجارہ تفسد بالشرط کما یفسد البیع وکل جھالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ [4]۔	اجارہ شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جیسے بیع فاسد کرتی ہے اور جو جہالت بیع کو فاسد کرے گی اجارہ کو بھی فاسد کردے گی۔ (ت)

[۶] فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط الفاسدۃ فکل جھالۃ تؤثر فی البیع توثر فی الاجارۃ [5]۔	اجارے کو فاسد شرطین فاسد کردیتی ہیں پس جو جہالت بیع میں خلل ڈالے گی اجارے میں بھی خلل انداز ہوگی۔

---

[1] الکفایۃ مع فتح القدیر کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مکتبۃ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۴، شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنو ۳/ ۷۷، حاشیۃ الطحطاوی علی الدار المختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار العرفۃ بیروت ۴/ ۲۴

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۲

[4] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ قلمی نسخہ ص ۱۶۵

[5] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

۱۷وقایہ امام برہان الشریعۃ و۱۸شرح امام صدر الشریعۃ و۱۹اصلاح متن و۲۰ایضاح شرح علامہ ابن کمال باشا میں بے تفاوت حرفے ہے:

(الشرط یفسدھا) المراد شرط یفسد البیع[1]۔	شرط اجارے کو فساسد کردیتی ہے مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

۲۱غرر الاحکام و۲۲درالحکام مولی خسرہ میں ہے:

تفسد بالشرط المفسد بالبیع[2]۔	اجارہ انھیں شرطوں سے فاسد ہوجاتا ہے جو بیع کو فاسد کرتی ہے۔

۲۳نقایہ امام صدر الشریعۃ میں ہے: یفسدھا شروط تفسد البیع[3] (جارے کو فاسد کرتی ہیں وہ شرطیں کہ بیع میں فساد لاتی ہیں۔ ۲۴بحر الرائق پھر ۲۵فتح اللہ المعین للسید الازہری میں ہے:

کل ما افسد البیع یفسدھا[4]۔	جو کچھ بیع فاسد کرے اجارہ کو بھی فاسد کرتا ہے۔

۲۶تنویر الابصار و۲۷درمختار میں ہے:

(کل ما افسد البیع) مما مر (یفسدھا)[5]۔	جتنی چیزوں کا ذکر بیع میں گزرا کہ اسے فاسد کرتی ہیں سب اجارے کو بھی فاسد کرتی ہیں۔

۲۸غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

الاجارۃ کالبیع فکل ما افسد البیع افسدھا[6]۔	اجارہ مانند بیع ہے توجو کچھ بیع کو فاسد کرے گا اس میں بھی فساد لائے گا۔

یہ سردست بعد منازل قمر اٹھائیس ۲۸ کتب معتمدہ کی روشن عبارات ہیں، ان عبارات جلیلہ سے واضح ہوا کہ شروط مفسدہ اجارہ کے باب میں روایات متعلقہ بیع کو ذکر کرنا عین حق وصواب ہے، یہ ہمارا قیاس نہیں بلکہ فقہائے کرام ہی یہاں ان کے بیان کو اسی بیان کتاب البیوع پر محول فرماتے ہیں وہاں سے ان کے

---

[1] شرح الوقایہ کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۹۷

[2] الدالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[3] مختصر الوقایہ فی مسائل الھدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۱

[4] فتح المعین علی شرح الکنز کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۴۳

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[6] غایۃ البیان

احکام دیکھنے کی ہمیں راہ بتاتے ہیں، اسی لئے فتوائے سابقہ میں عبارت مذکورہ درمختار نقل کردی تھی کہ جن چیزوں کا مفسد بیع ہونا کتاب البیوع میں مذکور ہوا وہ سب مفسد اجارہ بھی ہیں، اسے پیش نظر رکھ کر یہ دیکھئے کہ اس عقد اجارہ میں ضمانت مجہول مشروط ہوئی امانت نامعینہ کی شرط کی گئی مجلس عقد میں پیش از تفرق عاقدین نہ کسی کفیل کی طرف سے قبول واقع ہوا، نہ رہن کی تعین یا بہ بطال رہن اجرت کی تعجیل کی گئی، اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ ایسی شرطیں مفسد بیع ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو یہی عبارات کثیرہ کذکورہ یک زبان شہادت عادلہ دیں گی کہ یہ شرطیں فساد اجارہ کا ذمہ لیں گی، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ضرور یہ امور مفسد بیع ہیں، توحسب تصریحات ائمہ قطعاً مفسد اجارہ بھی ہیں، شرح مجمع ابن فرشتہ وشرح التنویر علائی وبحر الرائق کی عبارات فتوائے سابقہ میں گزریں۔ اور ردالمحتار وحاشیہ علامہ سید احمد مصری علی الدر المختار میں زیر قول شارح "**یصح البیع بشرط رھن معلوم و کفیل حاضر**" (معلوم رہن کی شرط پر اور کفیل حاضر ہونے کی شرط پر بیع جائز ہے۔ت) فرمایا:

فلو لم یکن مسمی ولامشار الیه لم یجز الااذا تراضیا علی تعیینه فی المجلس و دفع الیه قبل ان یتفرقا اوان یعجل الثمن ویبطلان الرھن وقید بحضرة الکفیل لانه لوکان غائبا اوحاضرا لم یقبل لم یجز اھ بلفظ[1] ملخصًا۔	اگر نہ رہن معلوم اور اس کی طرف اشارہ بھی نہ ہو تو جائز نہیں۔ ہاں اگر دونوں فریق مجلس میں ہی رہن کے تعین ہو جائیں اور وہ سپرد بھی کردیا گیا ہو تو جائز ہوجائے گا، یا پھر رہن کو باطل کرکے ثمن موقعہ پر ادا کردے اور کفیل کے حاضر ہونے کی قید ذکر کی اس لئے کہ اگر وہ غائب ہو یا حاضر ہو کفالت کو قبول نہ کرے تو جائز نہ ہوگا۔ اھ طحطاوی کے الفاظ ملخصًا۔(ت)

پھر اس اجارہ کے فساد میں کیا شبہہ وکلام ہوسکتا ہے معہذا جو کچھ اس عقد مبحوث عنہ میں شرط کیا گیا خود اسے فسخ اور فسخ بھی کیسا بوجوہ تعلیق بالشرط فاسد مان کر نفس اجارہ کو صحیح ٹھہرانے کی طرف اصلا کوئی سبیل نہیں، اجارہ قطعاً شروط فاسدہ سے فاسد ہوجاتا ہے جس پر ابھی نصوص واضحہ سن چکے، خاص شرط فسخ کا جزئیہ لیجئے، وجیز امام کردری تفریعات نوع اول فصل ثانی کتاب الاجارات میں محیط سے ہے:

اُجرتك داری ھذہ واراضی ھذہ	میں نے تجھے یہ مکان یا یہ زمین اجرت پر اس لئے دی

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار المعرفۃ بیروت ۳ /۷۷، ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۱۲۲

علی انک تفسخ العقد متی اردت فالاجارۃ فاسدۃ[1]۔	کہ تو جب چاہے فسخ کردے تو اجارہ فاسد ہوگا۔(ت)

بالجملہ اس اجارے کا فاسد ہونا ایسا جلی وواضح ہے جس میں کسی خادم فقہ کو توقف نہیں ہوسکتا تو خالد کو ضرور اختیار فسخ حاصل ہے، رضامندی فریقین کی حاجت عقد صحیح لازم میں ہوتی ہے عقود فاسدہ میں کیا ضرورت، خالد کو اختیار ہونا کیسا اس پر اور نیز ہر مستاجر پر فسخ کرنا واجب ہے وہ نہ کریں حاکم پر لازم وہ بھی باز رہے تو سب گنہگار وآثم، تنقیح الفتاوی حامدیہ میں ہے:

سئل فیما اذا کان لزید ثلاث جنینۃ معلومۃ وثلثھا الاخر ملک عمر وفاجر زید ثلثیۃ من بکر فھل یملک المستاجر الدعوی بفسادھا الجواب نعم الاجارۃ والبیع اخوان لان الاجارۃ تملیک المنافع و البیع تملیک الایمان وقد قال فی الدرالمختار فی باب البیعم الفاسد یجب علی کل واحد منھا ای من البائع والمشتری فسخہ اعداما للفساد،لانہ معصیۃ فیجب رفعھا،بحر۔واذاصراحدہما علی امساکہ و علم بہ القاضی فلہ فسخہ جبراعلیھما حقا للشرع بزازیۃ[2] اھ باختصار۔	ان سے سوال ہوا کہ ایک باغ کا دو تہائی حصہ زید کا ہوا اور ایک تہائی حصہ کا مالک عمرو ہو تو زید نے اپنا دو تہائی بکر کو اجارہ پر دے دیا تو کیا مستاجر کو حق ہے کہ اجارہ کے فساد کا دعوی کرے،الجواب ہاں، کیونکہ بیع اور اجارہ ہم مثل ہیں کیونکہ اجارہ میں منافع کا مالک اور بیع میں عین شیئ کا مالک بنانا ہوتا ہے اور درمختار میں بیع فاسد کے باب میں فرمایا کہ بائع اور مشتری دونوں پر فسخ کرنا واجب ہے تاکہ فساد ختم ہوسکے، کیونکہ وہ گناہ ہے جس کو ختم کرنا ضروری ہوتا ہے۔بحر۔اور اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کو قائم رکھنے پر مصر ہو اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبرا فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہو،بزازیہ اھ اختصار(ت)

خاص اس وجوب فسخ اجارہ پر بوجہ فساد کے جزئیہ میں عبارات کثیرہ علماء فقیر کے پیش نظر موجود ہیں جن سے بعض فتوائے سابقہ میں منقول ہوئیں،اور عبارت خیریہ ابھی گزری مگر یہاں بالقصد

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۱

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الاجارات ارگ بازار قندہار افغانستان ۲ /۳۱۔۱۳

یہ عبارت لکھی جس میں علامہ حامد آفندی مفتی دمشق الشام نے حکم اجارے پر فرمایا اور روایت متعلق بیع ذکر کی، اور علامہ منقح آفندی زین العابدین نے مقرر رکھی تاکہ روشن ہو کہ ایسی جگہ علمائے کرام کا داب کیا رہا ہے۔ **وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۶۲: از بانکی پور ضلع پٹنہ محلّہ باغ گل بیگم مرسلہ مولوی حکیم محمد یوسف حسن صاحب ۲۱ شعبان ۱۳۱۶ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ زید مثلاً حرفہ طبابت می کند باشخصے مثلاً بکر چنیں قرار یافت کہ زید مداوات بکر مے کند "حالا بلا اجرت" اگر بکر صحت یافت درمدت معینہ و مرض زائل شد صدروپیہ از و زید خواہد گرفت اجرۃ یا انعاماً و گرنا ہیچ اجرت بروے عائد نخواہد شد، ایا ایں معاملہ صحیح ست یانہ، بعضے ایں جامی گویند کہ ایں معاملہ اصلاً صحیح نیست وبعضے می گویند کہ ایں از قبیل قمار بازی ست، چہ صحت شخصے غیر اختیاری ست، از روئے شرع شریف ہرچہ حکم باشد فرمودہ تفصیلاً۔ **بینوا توجروا**	علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید طبیب ہے جس نے بکر سے طے کیا کہ فی الحال تیرا علاج مفت کرتا ہوں اگر تو مقررہ مدت میں صحت یاب ہوجائے اور مرض ختم ہوجائے تو تجھ سے سو روپیہ بطور اجرت لوں یا بطور انعام حاصل کروں گا ورنہ کوئی اجرت تیرے ذمہ نہ ہوگی، کیا یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ معاملہ ہرگز درست نہیں اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جوا اور قمار ہے کیونکہ صحت شریعت کے مطابق جو حکم ہو ارشاد فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

قول قائل "حالات اُجرت" سہ معنی را محتمل ست، **یکے** ۱ نفی اجارہ یعنی حالا ہیچ عقد اجارہ نیست زید ہمچناں بطور خود دار بے اجارہ کند، **دوم** ۲ نفی اجرت یعنی حالا عقد اجارہ بلا اجرت ست، **سوم** ۳ نفی حلول اجرت مقررہ فی الحال دادنی نیست، ہمچناں در قول او "اجرۃ یا انعاما" یحتمل کہ تردید از جانب سائل باشد،	یہ کہنا کہ فی الحال کوئی اجرت نہ ہوگی اس میں تین احتمال ہیں **ایک** ۱ یہ کہ فی الحال اجارہ کی نفی ہے اس وقت عقد اجارہ نہیں ہے اور زید اپنے طور پر خود علاج کرے گا، **دوم** ۲ یہ کہ فی الحال عقد اجارہ ہے مگر اجرت فی الحال نہیں ہے، **سوم** ۳ یہ کہ عقد اجارہ اجرت مقررہ ہے مگر اجرت فی الحال دینی لازم نہیں ہے یونہی یہ کہنا کہ بطور اجرت یا انعام اس میں بھی ایک

یعنی معامل کنندگان اجرۃ گفتند یا انعاما، یا ہم در کلام ایشاں باشد کہ گفتند اجرۃ یا انعاما خواہد گرفت، ایں نیز سہ صورت شد وکذلک قولش "وگرنہ ہیچ اجرت بردے عائد نخواہد شد" می شاید کہ بربنائے نفی اجارہ باشد یعنی اجارہ خود نبود کہ اجرت لازم آمدے، ومی تواند بربنائے انتفائے شرط مقرر فی الاجارہ بود، بالجملہ ایں سخن پہلو ہائے بسیار دارد برتقدیریکہ زید وبکر اقتصار برلفظ اجرۃ کردہ باشند اجارہ خود معین ست والنفی ان کان کان نفی المطلقۃ لاالنفی المطلق لتحقق المشروط عیانا، ورنہ اثبات ونفیش ہر دو بدستور محتمل، زیرا کہ انعام اگرچند عـــہ صلہ ہا تبرع گویند درہمچو مقام بربدل ومعاوضہ ہم اطلاقش کنند، ولفظ انعام تنہا یا مردود اگر رو و بعد اجارہ دارد قید حلا درسابق شرط "ورنہ" درلاحق رو بتحقیق اوست، وسخن ضابطہ دریں مقام آنست کہ اگر زید وبکر ازیں کلام عقد اجارہ خواستہ اندو دادن اجرت مشروط بشرط مذکورہ داشتہ، وازہمیں قبیل ست تقرر معاوضہ وبدل برعمل، اگرچہ اجرتش

احتمال یہ ہے کہ سال بھیجنے والے کا خیال ہے دونوں حضرات نے اجرت کی بات کی ہے یا انعام کہا ہے جو اسے متعین طور پر معلوم نہیں ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں فریقوں نے اپنی گفتگو میں کہا ہے اجرت کے طور پر یا انعام کے طور پر لے گا، پھر زید طبیب کا یہ کہنا کہ "لے گا" اس میں تین صورتیں ہیں اور یوں ہی زید کا کہنا کہ ورنہ کوئی اجرت بکر کے ذمہ نہ ہوگی کہ اجارہ کے طور پر نہ ہوگی یعنی اجارہ ہی نہیں تو اجرت کیا ہوگی اور ہوسکتا ہے اجارہ میں مقررہ اجرت کی شرط کی نفی کی ہو، غرضیکہ یہ بات بہت سے پہلو رکھتی ہے اس تقدیر پر کہ زید اور بکر نے صرف اجارہ کے ذکر پر اکتفا کیا ہو تو اجارہ کی صورت ہوگئی ہے اور (ورنہ کچھ اجرت نہ ہوگی) یہ نفی مطلق اجرت کی ہوگی مکمل نفی نہ ہوگی، کیونکہ مشروط (مرض) واضح طور پر متحقق ہے، ورنہ مکمل نفی میں اثبات و نفی دونوں احتمال بدستور باقی ہوں گے کیونکہ انعام اگرچہ صلہ اور تبرع ہوتا ہے مگر ایسے مقام میں بدل اور معاوضہ بھی مراد ہوتا ہے اور انعام کا لفظ صورتا اگر عدم اجارہ ہے تو پہلے "فی الحال" کی قید اور بعد میں "ورنہ" کی شرط اجارہ کے تحقق کی صورت ہے، اور ضابطہ کی بات یہاں یہ ہے کہ اگر زید وبکر نے یہ

عـــہ: اظنہ "اگرچہ" ۱۲۔

نگویند وبنام انعام تعبیر کنند فان المعنی ھوالمعتبر فی ہذہ العقود کما نص علیہ فی الہدایۃ وغیرہا۔ آنگاہ در فساد وحرمت ایں عقد سخنے نیست، زیراکہ ایں تعلیق بالخطر ست، وعقد اجارہ ہمچوں تعلیقات رابر نتابد، ونیز صحت خاصہ وایں قدر مدت مقدور ر طبیب نیست، دریں صورت طبیب مستحق اجرت مثل خواہد بود، امابیش از قدر مقدور اعنی صدروپیہ نیابد اگر در ہمچوں مدت ہمچو مرض راایں چنیں مداوا پیش مردوم بصد روپیہ یا بیش ازاں مے ارزد، صد روپیہ دہندش وبس واگر مثلا یک روپیہ اجر مثل ست ہمیں یک دہند، ودگر ہیچ نہ، واگر مقصود سخن منفی اجارہ حقیقۃ ووعدہ مجردہ انعام محض بروجہ تبرع باشد مثلازید گفت حالا ہمچناں مفت ورائگاں کارے کنم ہیچ اجارہ درمیان نیست اگر بمدت معلومہ صحت دست نداد چیزے نہ دہند کہ کار باجرت خود نبودہ است، ورنہ بطور تبرع صدروپیہ انعام بخشند، بکر گفت ہمچناں کنم ایں رواوبے غائلہ است، زیراکہ وعدے بیش نیست

کلام عقد اجارہ کے طور پر کیا ہے اور اجرت کیا ادائیگی کو شرط مذکور سے مشروط کیا، اسی قبیل سے معاوضہ اور بدل کا تقرر عمل پر کرنا ہے اگرچہ اجرت نہ کہیں اور اس کا نام انعام رکھیں، توایسی صورت میں اس عقد کے فساداور حرام ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، کیونکہ ان عقود میں معانی کا اعتبار ہوتا ہے جیساکہ اس پر ہدایہ وغیرہا نص موجود ہے اور فساد کی وجہ اس میں یہ ہے کہ اجرت کو ہونے نہ ہونے والی چیز سے معلق کیا گیا ہے جبکہ عقد اجارہ ایسی تعلیق کو قبول نہیں کرتا، نیز مکمل صحت اور مدت کی مقدار طبیب کا مقدور نہیں ہے لہٰذا ایسی صورت میں طبیب مثلی اجرت کا مستحق ہوگا تاہم وہ مثلی اجرت مقررہ سوروپیہ سے زائد نہ ہوگی یعنی اگر ایسی مرض کا اتنی مدت میں ایسا علاج لوگوں کے ہاں سوروپے یا اس سے زائد ہوتا ہو تو سوروپیہ ہی دیا جائے گا اور ایک روپیہ میں ہوتا ہے ہو تو صرف ایک ہی روپیہ مثلی اجرت دی جائے گی اور اگر زید وبکر کا کلام حقیقی اجارہ کی نفی پر مبنی ہے اور انعام کا صرف وعدہ بطور تبرع ہے مثلازید نے کہا فی الحال مفت علاج کرتا ہوں او کوئی اجارہ نہیں ہے اور مدت معینہ میں صحت یاتی نہ ہو تو کچھ نہ دینا کیونکہ یہ کام اجرت پر نہیں ہے ورنہ صحت یابی کی صورت میں تبرع کے طورپر سوروپیہ انعام بخشیش کردینا، بکرنے جوباب میں تسلیم کرلیا کہ ایسا کروں گا تو یہ بالکل جائز ہے کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جس میں کوئی

والوعدہ لاحجر فیه وماکان یخشی من جھة تعیین شیئ بازاء العمل علی تقدیر الصحة فقد زال بتصریح نفی الاجارۃ کون ذٰلك تبرع بلا عقد فان الصریح یفوق الدلالة کما لایخفی. فی الھندیة سئل شمس الائمة الاوزجندی عمن دفع الی طبیب جاریة مریضة وقا له عالجھا بمالک، فمایزداد من قیمتھا بسبب الصحة فالزیادۃ لك ففعل الطبیب و برئت الجاریة فلطبیب علی المالك اجر مثل المعالجة، وثمن الادویة والنفقة ولیس له سوی ذٰلك شیئ کذا فی المحیط، وفیھا عن البزازیة دفع جاریة مریضة الی طبیب وقال عالجھا فان برئت فمازاد من قیمتھا بالصحة بیننا فعالجھا حتی صحت له اجر المثل[1] الخ، و فیھا عن المحیط الاصل ان العقد اذا فسد مع کون المسمی کل معلوما لمعنی اٰخر یجب اجر المثلی و لایزاد علی المسمی، حتی ان المسمی اذا کان خمسة اجر المثل عشرۃ یجب خمسة لاغیر۔ وینقص عن	حرج نہیں ہے اور یہ احتمال کہ عمل کے مقابلہ میں اجرت کا تعین ہے تو ی احتمال اجارہ کی صراحۃ نفی سے ختم ہوجاتا ہے کیونکہ صریح بات محض دلالت پر فائق ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ ہندیہ میں ہے کہ شمس الائمہ اوزجندی سے سوال ہوا کہ ایک شخص نے طبیب کو کہا میری مریضہ لونڈی کا اپنے خرچ سے علاج کرو اور صحت ہوجانے پر اس کی جتنی زائد قیمت ہوگی وہ تیری ہوگی تو طبیب کے علاج سے وہ تندرست ہوگئی تو مالک پر طبیب کے لئے مثلی اجرت ہوگی اور ساتھ ہی دوائیوں کی قیمت اور لونڈی کی خوراک کا خرچہ بھی طبیب کو دے گا، طبیب کو اس سے زائد کچھ استحقاق نہ ہوگا، محیط میں یوں ہے، ہندیہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ مریض لونڈی طبیب کے سپرد کرکے کہا کہ اس کا علاج کرواو راس کی صحت پر جتنی قیمت زائد حاصل ہوگی وہ میرے اور تیرے درمیان تقسیم ہوگی۔ تو اگر مریضہ تندرست ہوگئی تو معالج کو صرف مثلی قیمت دی جائیگی الخ، اور ہندیہ میں محیط سے منقول ہے، قاعدہ یہ ہے کہ اگر عقد کسی خارجی وجہ سے فاسد ہوجائے تو مثلی اجرت لازم ہوتی ہے، اور مقررہ اجرت سے زائد نہ ہونی چاہیئے حتی کہ اگر مقررہ اجرت پانچ درہم ہے اور مثلی اجرت دس درہم ہے تو پانچ ہی دئے جائیں گے، زائد نہیں، مثلی اجرت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الثانی والثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۵۲۸

المسمی حتی انہ اذا کان اجر المثل خمسۃ والمسمی عشرۃ یجب خمسہ [1] اھ مختصرا وفیھا عن الخانیۃ ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی الحیلۃ فی استیجار السمسار وقال یامرہ ان یشتری لہ شیئا معلوما اویبیع ولا یذکر لہ اجرا ثم یواسیہ بشیئ اماھبۃ اوجزاء للعمل فیجوز ذٰلك لمساس الحاجۃ [2] اھ **قلت** فاذا جاز لعدم ذکر الاجر فلان یجوز بذکر عدم الاجر اولی کمالایخفی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	مقررہ سے کم ہونے کی صورت میں کم ہی دی جائیگی، مثلا مثلی اجرت پانچ روپے ہے اور مقررہ اجرت دس درہم ہو تو پانچ دئے جائیں گے اھ مختصرا۔ اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ آڑھتی کی اُجرت کا حیلہ یہ ہے کہ اس کو کسی چیز کی خرید وفروخت کا آرڈر دے کر اس کو اجرت نہ بتائے پھر عمل کے بعد اس کو کچھ امداد کے طور پر ہبہ یا جزاء کی صورت میں دے، تو یہ ضرورت پڑنے پر جائز ہے اھ، **میں کہتا ہوں** جب اجرت کے ذکر نہ کرنے پر دینا جائز ہے تو اجرت کی نفی پر بطریق اولٰی کچھ نہیں دینا جائز ہوگا۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۶۳: از شہر کہنہ ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزوں کی نوکری سلائی کے کام کی کرنا یا ان کا کپڑا مکان پر لاکر سینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

انگریز کی سلائی کی نوکری کرنے یا گھر پر لاکر اس کا کپڑا سینے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ کسی محذور شرعی پر مشتمل نہ ہو، فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

اٰجر نفسہ من نصرانی ان استاجرہ لعمل غیر الخدمۃ جاز [3] الخ، وتمامہ فی غمز العیون، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	مسلمان نے اپنے آپ کو عیسائی کا اجیر بنایا اگر اس کی ذاتی خدمت کے علاوہ کوئی کام اجرت پر کرے تو جائز ہے الخ، اور اس کی مکمل بحث

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارات الباب الخامس عشر الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۱

[3] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۳۳۴

وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	غمز العیون میں ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۶۴: از شہر کہنہ غرہ محرم الحرام شریف ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو سے ایک مکان معہ صحن واحاطہ کے ایک سال کے واسطے کرایہ پر لیااو راحاطہ کی دیواریں نصف بنی ہوئی تھیں۔_______________ زید نے عمرو سے کہاکہ احاطہ دیواریں بنوادو، عمرو نے وعدہ کیاکہ میں دو تین روز میں دیواریں بنوادوں گا، تم لکڑی ڈالوں اور کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دو، زید نے کرایہ نامہ سال بھر کا لکھ دیاعہ ۱۲// ماہواری حساب سے، زید نے اپنا ایک شریک کرکے اس میں لکڑی ڈالی، او زید نے عمرو سے کہاکہ اپنے وعدہ کے موافق دیواریں بنوادو، عمرو نے جواب دیاکہ اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں ہے، دو مہینے کے بعد بنوادوں گا، تم ایک آدمی اپنے مال کی حفاظت کے واسطے نوکر رکھ لو، جب تک دیواریں نہ تیار ہوں، زید نے کہاکہ میں غریب آدمی ہوں اس قدر مجھ میں طاقت نہیں ہے کہ میں نوکر بھی رکھوں، اور کرایہ مکان بھی دوں، اور جو شریک زید کا ہوا تھاوہ بھی دو چار روز کے بعد شرکت چھوڑ کر چلاگیا، بعد ایک ہفتہ کے زید نے مجبور ہوکر بوجہ اپنے نقصان کے لکڑی اس مکان سے اٹھالی اور کنجی عمرو کو دے دی، عمرو نے زید سے کہاکہ میں تم سے کرایہ ایک سال کالوں گا، زید نے کہاجب دیواریں بنوادوگے اس قت میں ٹالی لکڑی ڈالوں گا تب کرایہ تم کو دوں گا، پھر عمرو خاموش ہورہا، اور اب چار مہینے کے بعد عمرو نے دیواریں بنانے کا قصد کیا ہے اور زید سے کہا ہے کہ تم لکڑی ڈالو، زید نے کہاکہ اب میرے پاس روپیہ نہیں ہے بوجہ ناداری کے مجبور ہوں

پس اس صورت میں زید سے جبراکرایہ سال بھر کا عمرو کو لیناشرعاجائز ہے یانہیں؟ مکرر یہ ہے کہ مقدار دیواروں کی ڈیڑھ گز رکی اونچائی اور ایک جانب مکان کا دروازہ اور بنیاد دیوار ہے اور اس جانب کچھ حفاظت نہیں ہے دیواروں کا بنوادینا عقد سے پہلے ہوا تھااور وقت فیصلہ کرایہ کے بھی عمرو نے اقرار کیا تھااور کہا تھاکہ میں تین تین گزر کی دیواریں اونچی کرادوں گاچاروں طرف اور بعد ایک ہفتہ کے چابی عمرو نے زید سے طلب کی، زید نے چابی دی، عمرو کی جانب سے خاموشی ہوئی فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سوال مختلف وجوہ پر پیش کیاگیا۔ اگر صورت واقعہ یہی ہے تو اس شکل میں زید پر سال بھر کا کرایہ لازم نہیں دیواریں اس قدر چھوٹی ہونا جس میں مال کی حفاظت نہ ہو بلاشبہ عذر صحیح ہے

اور اس کا مضر و مخل منفعت مقصودہ ہونا ظاہر و صریح ہے، تومذہب اصح و معتمد پر زید باختیار خود اس اجارے کو فسخ کرسکتا تھا اگرچہ عمرو نہ مانے، یہاں جبکہ خود عمرو نے کنجی مانگ لی اور زید نے دے دی، جب عمرو نے کہا میں کرایہ سال بھر کا لے لوں گا، اس نے وہ جواب دیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ اس وقت اجارہ باقی نہیں رکھتا بعد دیواریں بنوا دینے کے اس کا وعدہ کرتا ہے، اور عمرو اس جواب پر خاموش ہو رہا، تو ہر طرح اجارہ فسخ ہوگیا، اور روز سپردگی کلید سے زید کے ذمہ کرایہ لازم نہ رہا۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ الاشباہ للسید ابی السعود عن العلامۃ البیری، الحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الا بضرر یلحقہ فی نفسہ اومالہ یثبت لہ حق الفسخ[1]۔	ردالمحتار میں سید ابوسعود کے حاشیہ الاشباہ سے بحوالہ علامہ بیری منقول ہے، حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی وجہ سے معقود علیہ بغیر ضرر پورا نہ ہوسکتا ہو خواہ ضرر جان کا ہو یا مال کا ہو تو عذر والے کو اس عقد کے فسخ کا حق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

عمارۃ الدار المستأجرۃ وتطیینھا و اصلاح المیزاب و ما کان من البناء علی رب الدار وکذا کل مایخل فان ابی صاحبھا ان یفعل کان للمستاجر ان یخرج منھا، الا ان یکون استأجرھا وھی کذٰلك وقدراٰھا لرضاہ بالعیب وفی الجوہرۃ ولہ ان یتفرد بالفسخ بلا قضا، **قلت** و فی حاشیۃ الاشباہ معزیا للنہایۃ۔ان العذر ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاوھو الاصح[2] ملخصا۔ قلت وظاھر	کرایہ والے مکان کی تعمیر، لپائی اور پرنالہ اور جو بھی مرمت مکان کی عمارت کی اصلاح کے لئے ہو وہ مالک مکان کے ذمہ ہے، اگر وہ اس سے انکار کرے تو کرایہ دار کو حق ہے کہ وہ مکان چھوڑ دے، ہاں اگر کرایہ دار نے اس حالت میں دیکھ کر لیا تو اس کی یہ حق نہیں کیونکہ وہ عیب دیکھنے کے باوجود لینے پر راضی ہوا تھا اور جوہرہ میں ہے کہ کرایہ دار قضاء کے بغیر خود عقد کو فسخ کرسکتا ہے، **میں کہتا ہوں**، اور الاشباہ کے حاشیہ میں نہایہ کی طرف منسوب ہے کہ اگر واضح عذر ہو تو اسے فسخ کا اختیار ہے اور اگر مشتبہ معاملہ ہو تو پھر اختیار نہیں،

[1] ردالمحتار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۸۳

ان الثنیا المذکورۃ بقولہ "الا ان یکون استأجرھا الخ" لایتعلق بما ھنا فانہ و ان راٰہ لم یرض بہ کان شارطہ ان یبنی الجدران واللہ تعالٰی اعلم۔	اصح یہی ہے،اھ ملخصا۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے مگر دیکھ کر لیا ہو "الخ والااستثناء مذکور اس مسئلہ سے متعلق نہیں کیونکہ اگر دیکھ لیا ہو تو راضی نہ ہوا بلکہ اس نے اس وقت مالک سے مرمت کی شرط کرکے لیا ہو تو مالک کے انکار پر فسخ کا اختیار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۵: ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈی کو جو کسبی ہے مکان کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہرگز نہ دیا جائے،اگر وہ زانیہ ہے اور اگر صرف ناچ گانے کا پیشہ رکھتی ہے تو حرج نہیں کہ فاسقہ ہے اور فاسق کو مکان اجارہ پر دینے میں کچھ حرج نہیں بخلاف زنا پیشہ کہ وہ مکان اس لئے لیا جاتا ہے کہ اس میں زنا ہو۔ **والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: از بنگالہ ۲۶ رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم دام طولکم فی العھدۃ الرائجۃ فی بلادنا التی یقال لھا سب رجستراری "کیف ھی فی نفسھا نظرا الی ماھولازم لھا الاٰن من حفظ صکوک الربا،وغیرھا من العقود الفاسدۃ المحرمۃ شرعا،و لایمکن لاحد ان یقوم بھاھھنا الاحتراز عن ذٰلک فھل ھی حرام ام لا۔بینوا توجروا	آپ کی درازی عمر ہو،آپ کا ارشاد کیا ہے۔مروجہ سب رجسٹراری جس کے لوازمات میں سود کی رسیدات اور دیگر شرعی طور پر حرام اور فاسد عقود کے ریکارڈ کی حفاظت ہے،ان لوازمات کے پیش نظر اس عہدہ کا کیا حکم ہے جبکہ اس عہدہ پر فائز کوئی شخص مذکورہ مفاسد سے بچ نہیں سکتا____بینوا توجروا

الجواب:

نعم ھی حرام شرعا والحال ماوصف فانھا احدی الشھادات علی تلک الصکوک،	ہاں یہ شرعا حرام ہے جبکہ صورت وہی ہے جو ذکر کی ہے کیونکہ یہ عہدہ ان سودی چیکوں ورسیدوں

بل اعظمها فی القانون الرائج حیث لایقبل کثیر من الصکوك الابها، فکان القائم بها معینا فی ثبوت الربا الحرام شرعا، وقد قال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ"[1] ثم هو ینسخ الصك ویحفظ نسخته فی قمطره، فکان احد الکاتبین بل الکاتب الاعظم لما مر، وقد اخرج مسلم فی صحیحه عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء ومؤکله وکاتبه وشاهدیه، وقال هم سواء[2]"۔ واخراج ابوداؤد والترمذی، و صححه ابن ماجة وابن حبان فی صحاحهم عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه، قال لعن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰکل الرباء و مؤکله وشاهدہ وکاتبه[3]، واخرج احمد وابویعلی وابنا خزیمة وحبان فی صحیحهما عنه	پر بڑی شہادت ہے بلکہ رائج قانون میں کوئی بھی رسید و چیک وغیرہ اس عہدہ کی شہادت کے بغیر قبول نہیں کئے جاتے تو اس عہد پر قائم شخص سودی اور حرام معاملاہت پر معاون ہوتا ہے اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، گناہ اور عداوت پر باہمی تعاون نہ کرو، پھر یہ عہدیدار ان چیکوں کو لکھتا ہے اور اپنے محافظ خاز میں اس کی تحریر کو محفوظ کرتا ہے تو بھی ایک کاتب بلکہ بڑا کاتب ہے جیسا کہ گزرا حالانکہ مسلم رحمہ اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے اور اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا سب برابر مجرم ہیں، اور ابوداؤد ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان نے انی اپنی صحاح میں اس کو صحیح کہا کہ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سود کھانے کھلانے، اس کی شہادت دینے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ اور احمد ابویعلی، اور ابن خزیمہ ابن حبان دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات والمزارعة باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[3] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی اکل الرب، وامین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵، سنن ابی داؤد ۲/ ۱۱۷، سنن ابن ماجہ ص ۱۱۶، موارد الظمآن حدیث ۱۱۱۲ المطبعة السلفیہ ص ۲۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اٰکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ و شاہداہ اذا علموا بہ ملعونون علی لسان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] ھذا مختصرا، واخراج الطبرانی فی الکبیر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن مرفوعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الرباء واٰکلہ ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدہ وھم یعلمون [2] "الحدیث، قدجمع ثلثۃ وجوہ للتحریم اعانۃ الاثم وکتابہ الربا والشھادۃ۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: سود کھانے، کھلانے، اس کے کاتب اور گواہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ملعون ہیں۔ یہ مختصر ہے، اور طبرانی نے اپنی کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن سند کے ساتھ مرفوع حدیث میں روایت کیا کہ اللہ تعالٰی نے سود کھانے کھلانے، لکھنے اور گواہی دینے والے پر جبکہ وہ جانتے ہوئے یہ عمل کریں، لعنت فرمائی ہے، الحدیث، تو بیشک حرمت کے تین وجوہ گناہ میں، اعانت، سود کی کتابت، اور گواہی، کاسب رجسٹرار جامع ہوتا ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۷: از شہر کہنہ مسئولہ ظہور محمد خاں ۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین وفضلائے شریعت آئین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں کے درمیان دوستی محض اللہ واسطے ہو، ایک شخص اپنے دوسرے دوست کی اولاد کو کلام مجید محض اللہ واسطے پڑھاتا ہے، تنخواہ نہیں لیتا، لڑکوں کا باپ محض اپنے اخلاص ومحبت سے اس دوست کو کوئی چیز بلا قیمت کے دے اور یہ اس کا خیال نہ ہو کہ پڑھانے کا بدلہ کرتا ہوں، تو ایسی حالت میں عوض پڑھانے کا تو نہیں ہوجائیگا؟

الجواب:

جبکہ اس کی نیت نہ اجرت لینے کی ہے نہ اس کی نیت اجرت دینے کی، تو اجرت تو وہ ضرور نہیں، نہ اس سے بچنا لازم مگر ورع کا مقام برتنا چاہے تو یہی نظر کرے کہ بغیر اس علاقہ کے پہلے بھی وہ کبھی اس کو اس قسم کا ہدیہ دیتا تھا، جب تو وہ بلا دغدغہ ہدیہ خالصہ ہے۔ اس کا قبول کرنا

---

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۹، موارد الظمآن حدیث ۱۱۵۴ ص ۲۸۱ و مسند ابویعلٰی ۵/ ۱۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۵۷ المکتب الفیصلیہ بیروت ۱۰/ ۱۱۳

سنت ہے، اور اگر پہلے کبھی ایسا معاملہ نہ تھا اس علاقہ کے بعد ہی اس نے ایسا کیا تو جو اپنے لئے ثواب خالص رکھنا چاہئے اسے اس سے بچنا اولٰی ہے، امام حمزہ زیات رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کہ قرائے سبعہ سے ہیں، پیاسے تھے راہ میں ایک محلّہ پر گزر ہوا، چاہا کہ کسی مکان سے پانی منگا کر پی لو، پھر یاد آیا کہ اس محلّہ کے بعض لڑکوں نے مجھ سے قرآن عظیم پڑھا ہے، خوف فرمایا کہ مبادا اس کا عوض نہ ہو جائے، پیاسے تشریف لے گئے، اور وہاں پانی طلب نہ فرمایا، مگر یہ مقام تقوٰی کے مقام سے بھی اعلٰی دقیق ورع کا ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸: زید نے اپنی ایک قطعہ زمین چار سال میعاد معین کرکے عمرو کے پاس اس شرط پر اجارہ دیا کہ اس زمین کی پیداوار کے تم مالک ہو خواہ پیدا ہو یا نہ ہو صرف چار من دھان ہر سال مجھ کو دینا۔

الجواب:

یہ اجارہ فاسد اور عقد حرام وواجب الفسخ ہے کہ اس میں مالک زمین کے لئے ایک مقدار معین دھان کی شرط کی گئی اور وہ قاطع شرکت ہے کہ ممکن ہے کہ چار ہی من دھان پیدا ہوں یا اتنے بھی نہ ہوں،

فی تنویر الابصار المزارعۃ تصح بشرط الشرکۃ فی الخارج فتبطل ان شرط لاحدھما قفزان مسماۃ [1] اھ ملتقطا	تنویر الابصار میں ہے زمین مزارعت پر دینا جائز ہے بشرطیکہ پیداوار میں دونوں کی شرکت ہو اور اگر ایک فریق کے لئے مقررہ مقدار مثلاً دو قفیز کی شرط کی ہو تو مزارعت باطل ہے۔ اھ ملتقطا (ت)

بلکہ یوں کہنا لازم ہے کہ مثلاً نصف یا ثلث یا ربع پیداوار پر یہ زمین تیرے اجارہ میں دی پھر اگر کچھ نہ ^{عـــہ} پیدا ہو تو حسب قرار داد اس کا نصف یا ثلث یا ربع مالک زمین کے لئے ہوگا اور کچھ نہ پیدا ہو تو کچھ نہیں۔ یہ شرط لگانا کہ کچھ نہ پیدا ہو جب بھی مجھے اتنا ملے یہ بھی مفسد وحرام ہے۔

فی الدر المختار واذا صحت فالخارج	در مختار میں ہے مزارعت پر صحیح ہو تو پیداوار میں

عـــہ: ھذا ذلۃ الناسخ والصحیح "کچھ پیدا ہو" ۱۲۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۳

علی الشرط ولا شیئ للعامل ان لم یخرج شیئ فی الصحیحة [1] فی ردالمحتار قبیل ہذا قوله العامل المراد منه من لابذر منه[2] اھ وفیه ھٰھنا وانما لم یکن له شیئ لانه یستحقه شرکة، ولا شرکة فی غیر المخارج بخلاف ما اذا فسدت لان اجر المثل فی الذمة، لاتفوت الذمة بعدم الخارج ہدایة[3]۔	مشروط تناسب کے مطابق حصہ ہوگا، اور اگر صحیح مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو کاشتکار کو کچھ نہ ملے گا الخ، اور اس سے تھوڑا پہلے ردالمحتار میں ہے، ماتن کا قول "العامل" اس سے مراد وہ فریق ہے جس کا بیج نہ ہو اھ، اور اسی میں اس مقام پر ہے کہ اس کو اس لئے کچھ نہ ملے گا کیونکہ وہ پیداوار میں شرکت کا حقدار تھا اور جب پیداوار نہ ہوئی تو اس کی شرکت نہ ہوئی، اس کے برخلاف وہ صورت جس میں مزارعت فاسد ہو کیونکہ کاشتکار کے ذمہ پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی وہاں اگر پیداوار نہ ہو تو بھی اجرت سے اس کے ذمہ میں ہوگی۔ ہدایہ (ت)

یہ حکم کہ ہم نے بیان کیا اسی حالت میں ہوتا جب یہ اجارہ صحیح طور پر کیا جاتا، اب کہ فاسد ہوا، اس کا فسخ واجب ہے، اور پس از فسخ جو سال گزرے اس میں حکم یہ ہے کہ پیداوار ہو یا نہ ہو بہر حال مالک زمین کو اس کی زمین کا اجر مثل ملے گا، جو چار من دھان کی قیمت سے زیادہ نہ ہو، مثلاً اتنی زمین کی اجرت مثل ایک سال کی دس روپے ہوں، اور چار من دھان چار روپے کو آتے ہوں تو چار ہی روپے دیئے جائیں گے، زیادہ نہیں، اور زمین کی اجرت مثلاً دو روپے ہوں اور دھان چار روپے کے تو دو ہی ملیں گے، چار نہ ہوں گے۔

فی الدرالمختار متی فسدت فالخارج لرب البذر وللاٰخر اجر مثل ارضه ولایزاد علی شرط وان لم یخرج شیئ فی الفاسدة فان کان البذر من العامل فعلیه اجر مثل	درمختار میں ہے کہ جب مزارعت فاسد ہو تو پیداوار کا مالک بیج والا ہوگا اور دوسرے فریق کو مثلی اُجرت ملے گی تاہم یہ اجرت عقد میں طے شدہ سے زائد نہ ہوگی اور اگر فاسد مزارعت میں کوئی پیداوار نہ ہوئی تو اگر بیج عامل

[1] درمختار کتاب المزارعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۴

[2] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۷۵

[3] ردالمحتار کتاب المزارعة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۷۷

الارض [1] اھ مختصرا، وانما اقتصرنا علی ھذا لان الواقع فی بلادنا الھندیۃ ہوان البذر والبقر والعمل کلھا انما یکون من قبل المزارع ولیس من رب الارض الا الارض واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ہے تو اس پر زمین کی مثلی اجرت ہوگی اھ مختصراً، ہم نے اتنی عبارت پر اکتفاء اس لئے کیا کیونکہ ہمارے علاقہ ہندوستان میں بیج، بیل اور عمل مزارع کی طرف سے ہوتا ہے جبکہ زمین والے کی صرف زمین ہوتی ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۹: زید کا ایک تالاب ہے، اس کو بعوض ہبہ بیس روپے ایک ماہ کی میعاد مقرر کرکے عمرو کے تصرف میں دیا، اور کہا کہ ایام معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کرسکتے ہو اور نیز اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الاراء ہے عامہ کتب میں اس اجارے کو محض حرام وناجائز وباطل فرمایا اور یہی موافق اصول وقواعد ومذہب ہے۔

کیف وھی اجارۃ وردت علی استھلاك عین اعنی الماء والسمک، و الارض التی تحت الماء لاتصح للانتفاع بھا فی الحال وھو شرط جواز الاجارۃ، ولذا لم یجز جاز الاجازۃ، ولذا لم یجز اجارۃ الجحش للرکوب، فی وجیز الامام الکردری، الاجارۃ اذا وقعت علی العین لا یجوز فلا یصح استیجار الاٰجام والحیاض لصید السمك او	جائز کیسے ہو جبکہ یہ اجارہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہوا ہے یعنی پانی مچھلی کو حاصل کرنے پر، اور وہ زمین جو تالاب میں پانی کی تہہ ہے وہ پانی کی موجودگی میں ابھی قابل انتفاع نہیں ہے۔ حالانکہ اجارہ کے جواز کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ چیز فی الحال قابل انتفاع ہو اسی لئے گھوڑی کا بچہ سواری کے لئے اجارہ پر لینا جائز نہیں ہے۔ اور امام کردری کی وجیز میں ہے کہ اجارہ اگر کسی عین چیز کو ہلاک کرنے پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، اس لئے جھاڑیوں اور حوض کو اجارہ پر دینا مچھلی پکڑنے یا کانے اکھاڑنے اور ایندھن کاٹنے یا حوض کا پانی اپنے پینے یا جانوروں کو پلانے کے لئے کرایہ پر لینا جائز نہیں ہے اور یوں چراگاہ کو اجارہ پر دینا

[1] درمختار کتاب المزارعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۴

رفع القصب، وقطع الحطب، او لیسقی ارضه، او غنمه، منها وکذا اجارة المرعی [1] اھ، وفی الدر المختار عن البحر الرائق لم تجز اجارة برکة لیصاد منها السمك [2] اھ وفی ردالمحتار نقل فی البحر عن الایضاح عدم جوازها قال و مافی الایضاح عدم جوازها قال و مافی الایضاح بالقواعد الفقهیة الیق لعدم الصحة [3]، (ملخصاً)	بھی جائز نہیں اھ اور درمختار میں بحرالرائق سے منقول ہے کہ جوہڑ کا اجارہ مچھلی پکڑنے کے لئے ناجائز ہے، اھ اور ردالمحتار میں بحر سے انھوں نے ایضاح میں اس کا عام جواز نقل کیا ہے اور انھوں نے کہا کہ ایضاح کا بیان قواعد فقہیہ کے مطابق عدم جواز کے زیادہ مناسب ہے۔ (ملخصا) (ت)

اور جامع المضمرات میں جواز پر فتوٰی دیا،

فی الدر المختار وجاز اجارة القناة والنهر مع الماء به یفتی لعموم البلوی مضمرات انتھی [4]۔	درمختار میں مضمرات سے منقول ہے کہ نہر اور راجباہ کو پانی سمیت اجارہ پر دینا ہے، عموم بلوی کی وجہ سے اسی پر فتوی ہے اھ۔ (ت)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مبارک کردے، یوں اسے کرایہ اور اسے پانی مچھلی، گھاس جائز طور پر مل جائیں گے،

فی البزازیة بعد ما قدمناه عنها والحیلة فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیة ویبیع الماء و المرعی [5] الخ۔	بزازیہ میں ہماری نقل کردہ عبارت کے بعد فرمایا ان سب چیزوں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ وہاں جانور کے باڑہ کے لئے جگہ کو اجارہ پر دے اور حوض وغیرہ کا پانی اور چراگاہ کو جانوروں کے لئے مباح کردے۔ (ت)

یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۷۔۴۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۰۷

[4] درمختار کتاب الاجارات باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۰

[5] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندی کتاب الاجارات الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۸

دے کر تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے۔

فی البزازیة لم تصح الاجارۃ الشرب لوقوع الاجارۃ علی استھلاك العین مقصودًا الا اذا آجر اوباع مع الارض فحینئذ یجوز بیعا، ولوباع ارضا مع شرب ارض اُخری، عن ابن اسلام انه یجوز عـــه ولو اٰجر ارضا مع شرب ارض اخری لایجوز، لان الشرب فی البیع تبع من وجه اصل من وجه حیث انه یقوم بنفسه وتبع من حیث انه لایقصد لعینه فمن حیث انه تبع لایباع من غیرارض ومن حیث انه اصل یجوز مع ای ارض کان، والشرب فی الاجارۃ تبع من کل وجه لان الانتفاع بالارض لایتهیأ بدونه، فلم تجز اجارۃ الشرب مع ارض اخری، کما لم یجز بیع اطراف العبد تبعا رقبة اخری[1] اھ____	بزازیہ میں ہے کہ پانی کی باری کا اجارہ صحیح نہیں کیونکہ اس میں عین چیز کو مقصوداہلاک کرنے پر اجارہ ہے، ہاں اگر زمین کے ساتھ پانی کو فروخت کیا جائے یااجارہ پر لیا جائے تو اس صورت میں جائز ہے اور اگر زمین کے ساتھ دوسری زمین کے سیرابی پانی کوفروخت کرے تو ابن سلام سے مروی ہے کہ یہ جائز ہے اور اگر زمین کو اجارہ پر دوسری زمین کے سیرابی پانی کے ساتھ دے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ سیرابی پانی زمین کی بیع میں من وجہ اصل ہے کیونکہ وہ بنفسہٖ قائم ہے اور من وجہ تابع ہے کیونکہ بنفسہٖ مقصود نہیں ہے۔ توتابع ہونے کی حیثیت زمین کی بیع کے بغیر اس کی بیع ناجائز ہے، اور اصل ہونے کی حیثیت سے اس کی بیع کسی بھی زمین کے ساتھ جائز ہے جبکہ سیرابی پانی اجارہ میں ہر لحاظ سے تابع ہے کیونکہ اجارہ میں زمین سے انتفاع پانی کے بغیر مہیا نہیں ہوتا تو پانی کو دوسری زمین کے اجارہ کے تابع کرنا جائز نہیں ہے جیسا ایک غلام کے اعضاء کو دوسرے غلام کے تابع بنا کر فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ اھ____

عـــه: فی الاصل "یجز" لعله من قلم الناسخ عبدالمنان۔

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الشرب الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۲۲-۱۲۱

اقول: ووقع فی ردالمحتار ھنا زلل قلم فانہ قال فی شرح قول المضمرات المار مانصہ قولہ مع الماء ای تبعا قال فی کتاب الشرب من البزازیۃ لم تصح اجارۃ الشرب [1] الٰی اٰخرہ وذکر بعض ماذکرنا من عبارتھا، فجعل موردالمضمرات والبزازیۃ معاواحد وعندی لیس کذٰلك فان اجازۃ البزازی فیما اذا اُجر ارضا للزراعۃ ولھا شرب تسقی بھا فاُجر شربھا معھا، و جواز ھذا ماش علی الاصول غیر محتاج الی استناد لعموم البلوی فکم من شیئ یجوز ضمنا لاقصدا، اما جامع المضمرات فانما حکم بجواز اجازۃ النھر و لم یقل مع الارض بل مع الماء، وانما قالہ لان النھر الیابس ارض قراح فلا یعتری شك فی جواز اجارتہ قال فی الوجیز کما نقل عنہ فی ردالمحتار	**اقول:** (میں کہتاہوں) ردالمحتار میں اس مقام پر قلمی خطا واقع ہوئی ہے کیونکہ انھوں نے مضمرات کی مذکورہ عبارت کی شرح میں عبارت لکھی مع الماء ای تبعا پانی سمیت یعنی بالتبع، اور انھوں نے کتاب الشرب میں لکھا بزازیہ سے منقول ہے کہ سیرابی پانی کی بیع جائز نہیں ہے الی آخرہ۔ اور ساتھ ہی ہماری نقل کردہ عبارت ذکر کی، اس طرح انھوں نے مضمرات اور بزازیہ دونوں کی ذکر کردہ مورد کو ایک ہی معنی دیا جبکہ میرے نزدیک ایسے نہیں ہے کیونکہ بزازیہ میں اجارہ کی صورت میں یہ ہے کہ زمین زراعت کے لئے اجارہ پر دی اور اس زمین کا سیرابی پانی ہو جس سے اس کو سیرابی کا اجارہ جائز ہے اور یہ جواز اصول پر مبنی ہے کسی عموم بلوی کی طرف منسوب کرنے کی اسے ضرورت نہیں ہے بہت سے امور ضمناً جائز اور مقصودا ناجائز ہوتے ہیں، لیکن مضمرات نے نہر کے اجارہ کے جواز کی بات کی ہے انھوں نے نہر کے ساتھ پانی کو ذکر کیا نہ کہ زمین کو، انھوں نے یہ بات اس بناء پر فرمائی ہے کہ خشک نہر خالص زمین ہے اس کے اجارہ کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، وجیز میں فرمایا جیسا کہ رد المحتار میں ہے چند سطروں

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۹

بعد اسطر، استاجر نهرا یابسا، او ارضا، اوسطحا، مدة معلومة ولم یقبل شیئا صح، وله ان یجری فیه الماء اھ[1] اما النهر مع الماء فهذا هو الذی تقتضی القواعد ببطلان اجارته لانها اجارة وقع علی استهلاك عین فاحتاج الی الاستناد لعموم البلوٰی کما جاز اجارة الظئر مع انها ایضا علی استهلاك عین، وان قیل ان المراد اجارة ارض النهر التی تحت الماء ویکون الماء تبعا لها وحمل علیه قول البزازی "الا اذا اٰجر اوباع مع الارض فمع ظهور بطلانه بما ذکرنا من تمام کلام البزازی "فانه نص صریح فی ان المراد تبعیة الشرب للارض تسقی منه لا الارض تحته لایستقیم ایضا قطعا لما قدمنا الاشارة الیه ان الاجارة تعتمد صلاحیة الانتفاع بالنفع المقصود المعتاد فی الحال لا فی المآل و لذا لم تجز اجارة	کے بعد فرمایا کہ کسی نے خشک نہر یا زمین یا چھت معینہ مدت کے لئے کرایہ پر لی اور کسی عمل وغیرہ کو ذکر نہ کا تو یہ اجارہ صحیح ہے اور وہ نہر میں پانی جاری کرلے تو جائز ہے اھ لیکن پانی سمیت نہر کا اجارہ یہ ایسی تو صورت ہے جس کو قواعد باطل قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اس لئے اس اجارہ کے جواز کو عموم بلوی سے استناد کی ضرورت ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ جائز ہے حالانکہ یہ بھی عین چیز (دودھ) کو ہلاک کرنے پر اجارہ ہے اگر ردالمحتار میں کی توجیہ میں یہ کہا جائے کہ ان کی مراد نہر کی وہ زمین جو پانی کے تحت ہے اس کے اجارہ میں پانی کا اجارہ بالتبع جائز ہے اور اسی معنی پر بزازیہ کے قول "الایہ کہ زمین سمیت پانی کا اجارہ ہو" کو محمول کرتے ہوئے انھوں نے یہ بات کی ہے تو اس توجیہ کا بطلان بزازیہ کی مکمل عبارت جس کو ہم نے ذکر کیا ہے سے ظاہر ہے کیونکہ وہ صریح نص ہے کہ یہاں مراد وہ سیرابی پانی ہے جس سے وہ بیع شدہ یا اجارہ پر دی ہوئی زمین سیراب ہوتی ہے نہ کہ پانی کے تحت ولی زمین مراد ہے نیز، ہمارے پہلے اشارہ ذکر کردہ ضابطہ کہ اجازورہ کی بنیاد یہ ہے کہ وہ چیز مقصود نفع کی فی الحال صلاحیت رکھتی ہو نہ کہ بعد میں متوقع صلاحیت والی ہو کے

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

الجحش، ومعلوم ان ارض النهر مع الماء لاتصلح للانتفاع غير الاتنفاع بالماء وهو استهلاك العين فاذا لم تستقم فى لاصل فكيف يجوز فى التبع وما تقدم من الحيلة فانما هو فيما اذا أجر ارضا حول الماء فانها الصالحة للعطن فيحصل له الاجر بوجه جائز، وللمستاجر الماء والكلاء، فالحق ان الماشى على الاصول فى اجارة البركة والقناة والنهر من دون الارض، تسقى منه هو البطلان وناماذكر فى البزازية وغيرها من صورالجواز فلامساس لهابه۔ولايمكن حمل مافى جامع المضمرات على شيئ منها، ولقد احسن اذ علل الافتاء بعموم للبلوٰى لابحصول الجواز بالتبع، فاذن ان عمل بقول به يفتى فلا شك ان قضية اطلاق الجوازوهو الايسر، والاحوط مامر، فعليه فليتقصر هذاماعندى والعلم

پیش نظر یہ توجیہی قطعاً باطل ہے کیونکہ پانی والی نہر کی زیریں زمین فی الحال انتفاع کی صلاحیت نہیں رکھتی جس کو مستقل طور پر اجارہ پر دیا جائے، اسی قاعدہ کی بناء پر گھوڑی کا بچہ سواری کے لیئے اجارہ پر دینا ناجائز ہے پھر خالص پانی کا اجارہ ہوگا تو اس سے عین کو ہلاک کرنے پر اجارہ لازم آئیگا، نیز جب اصل نہر کی زمین کا اجارہ درست نہیں ہے تو اس سے تابع پانی کا کیسے جائز ہوگا اور گزشتہ حیلہ جواز وہ صرف اس صورت میں ہے کہ پانی والے حوض کے ارد گرد والی زمین کو اجارہ پر حاصل کرے کیونکہ وہ فی الحال جانوروں کو باندھنے اور رکھنے کے لئے قابل انتفاع ہے جس سے جائز طریقے پر اجرت حاصل ہوگی۔اور مستاجر کو پانی اور گھاس بالتبع حاصل ہوگا، اصول کے مطابق حق یہ ہے کہ جوہڑ، راجباہ اور نہرہ کے پانی کا اجارہ اس سے سیراب ہونے والی زمین کے اجارہ کے بغیر باطل ہے، اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور وجہ جواز سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہے اور نہ ہی مضمرات کے بیان کو کسی طرح اس پر محمول کیا جاسکتا ہے تو بہت اچھا کیا کہ فتوی جواز کی وجہ عموم بلوی کو بنایا ہے بالتبع حصول کے جواز کو نہ بنایا، تو اب اس کے قول بہ یفتی (اسی پر فتوی ہے) پر اگر عمل کیا جائے تو مطلق جواز کی راہ آسان ہے، اور زیادہ احتیاط جو پہلے گزری ہے، تو اسی کو اپنایا جائے، یہ مذکورہ بحث میری ہے جبکہ حق

بالحق عن عزیز الاکبر واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۰: از شہر میمن سنگھ ملک بنگالہ ڈاکخانہ پانکٹرا موضع کروا مرسلہ محمد زینت اللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ملک بنگالہ میں جب کسی نے برائے ثواب رسانی اپنے میت کے مُلاؤں یا طباؤں سے قرآن شریف پڑھوایا، یا بعد کو جو کچھ ان کو دیا جاتا ہے وہ خود نہیں مانگتے، بلکہ خود پڑھوانے والا ان کو دیتا ہے، یہ طریقہ ہمارے یہاں عام رواج ہے، تو یہ رواج ہے، تو یہ لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طریقہ پر ہے؟ اور ایسے ہی بعد پڑھوانے مولود شریف کے جو کچھ دیا جاتا ہے بغیر طلب کرے مولود خواں کے یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا، بحوالہ کتب جواب عنایت ہو بادلیل۔

الجواب:

اصل یہ ہے کہ طاعت وعبادات پر اجرت لینا دینا (سوائے تعلیم قرآن عظیم وعلوم دین واذان وامامت وغیرہا معدودے چند اشیاء کو جن پر اجارہ کرنا متاخرین نے بناچاری ومجبوری بنظر حال زمانہ جائز رکھا) مطلقاً حرام ہے، اور تلاوت قرآن عظیم بغرض ایصال ثواب وذکر شریف میلاد پاک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور منجملہ عبادات وطاعت ہیں تو ان پر اجارہ بھی ضرور حرام ومحذور،

کما حققہ السید المحقق محمد بن عابدین الشامی فی رد المحتار علی الدر المختار ولہ رحمہ اللہ تعالٰی رسالۃ مستقلۃ فی تحقق المسئلۃ سماہا "شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل" قال واطلع علیہا محشی ھذا الکتاب (یعنی الدر) فقیہ عصرہ ووحید دھرہ السید احمد الطحطاوی مفتی مصر سابقا فکتب علیہا واثنی الثناء الجمیل فاللہ یجزیہ الاجر الجزیل وکتب علیہا غیرہ من	سید محقق محمد بن عابدین شامی نے در مختار کے حاشیہ رد المحتار میں جیسا کہ اس کی تحقیق فرمائی، اس مسئلہ میں ان کا ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام "شفا العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ بالختمات والتہالیل" رکھا ہے انھوں نے خود فرمایا کہ در مختار کے محشّی اپنے زمانہ کے فقیہ العصر، وحید دہر سید احمد طحطاوی سابق مفتی مصر نے اس رسالہ کا مطالعہ فرما کر اس پر تقریظ لکھی اور تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ ان کو اللہ تعالٰی اجر عظیم سے نوازے، اور دیگر

فقهاء العصر [1]۔قلت وقد تشرف الفقير بمطالعتها فوجدته بحمد الله تعالٰى كفى وشفى وصفا ووفى فرحمنا الله واياه والمسلمين بعباده الذين اصطفى۔ اٰمين!	فقہاء عصر نے بھی تقریضات لکھی ہیں، میں کہتاہوں اس فقیر نے اس کے مطالعہ کا شرف حاصل کیا ہے تو میں نے بحمداللہ تعالٰی اس کو کافی، شافی اور بھرپور صاف پایا، تواللہ تعالٰی ہم پر اور ان پر، تمام مسلمانوں اور اپنے اہل دین بندوں پر رحم فرمائے، آمین! (ت)

اور اجارہ جس طرح صریح عقد زبان سے ہوتا ہے، عرفاً شرط معروف ومعہود سے بھی ہوجاتا ہے، مثلاً پڑھنے پڑھوانے والوں نے زبان سے کچھ نہ کہا مگر جانتے ہیں کہ دینا ہوگا وہ سمجھ رہے ہیں کہ کچھ ملے گا۔ انھوں نے اس طور پر پڑھا، انھوں نے اس نیت سے پڑھوایا، اجارہ ہوگیا، اور اب دو وجہ سے حرام ہوا، ایک تو طاعت پر اجارہ یہ خود حرام، دوسرے اجرت اگر عرفاً معین نہیں تو اس کی جہالت سے اجارہ فاسد، یہ دوسرا حرام۔

اى ان الاجارة باطلة وعلى فرض الانعقاد فاسدة فللتحريم وجهان متعاقبان، وذٰلك لما نصوا قاطبة ان المعهود عرفا كالمشروط لفظا [2]۔	یعنی اجارہ باطل ہے اور فرض انعقاد پر وہ فاسد ہے تو یہ اس کے حرام ہونے کی یکے بعد دیگرے دو وجہیں ہیں، اور یہ اس لئے کہ تمام فقہاء کی نص ہے کہ عرف میں مشہور ومسلم لفظوں میں مشروط کی طرح ہے۔ (ت)

پس اگر قرارداد کچھ نہ ہونہ ہواں لین دین معہود ہوتا ہو تو بعد کو بطور صلہ وحسن سلوک کچھ دے دینا جائز بلکہ حسن ہوتا،

"هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿۶۰﴾" [3] "وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾" [4]	احسان کی جزاء صرف احسان ہے اور اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (ت)

مگر جبکہ اس طریقہ کا وہاں عام رواج ہے تو صورت ثانیہ میں داخل ہوکر حرام محض ہے، اب اس کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] القرآن الکریم ۵۵ /۶۰

[4] القرآن الکریم ۳ /۱۳۴

حلال ہونے کے دو۲ طریقے ہیں:

اول: یہ کہ قبل قراءت پڑھنے والے صراحۃً کہہ دیں کہ ہم کچھ نہ لیں گے پڑھوانے والے صاف انکار کردیں کہ تمھیں کچھ نہ دیا جائے گا، اس شرط کے بعد ہو پڑھیں اور پھر پڑھوانے ولاے بطور صلہ جو چاہیں دے دیں، یہ لینا دینا حلال ہوگا۔

لانتفاء الاجارۃ بوجھیھا اما اللفظ فظاھر واما العرف فلانھم نصوا علی نفیھا والصریح یفوق الدلالۃ، فلم یعارضہ العرف المعھود کما نص علیہ الامام فقیہ النفس قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی فی الخانیۃ وغیرہ[1] فی غیرھا من السادۃ الربانیۃ۔	دووجہ سے اجارہ نہ ہونے کی وجہ سے، ایک لفظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے، دوسرا عرف کی وجہ سے کیونکہ انھوں نے اس وجہ کی نفی پر نص کردی ہے اور صریح بات فائق ہوتی ہے، تو عرف معہود اس کے معارض نہ ہوسکے گا جیسا کہ امام فقیہ النفس قاضیخاں نے اس پر اپنے فتاوٰی اور دیگر فقہاء نے دوسری کتب میں نص فرمائی ہے۔(ت)

دوم: پڑھوانے والے پڑھنے والوں سے بہ تعیین وقت اجرت ان سے مطلق کار خدمت پر پڑھنے والوں کو اجارے میں لے لیں، مثلاً یہ ان سے کہیں ہم نے کل صبح سات بجے سے بارہ بجے تک بعوض ایک روپیہ کے اپنے کام کاج کے لئے اجارہ میں لیا، وہ کہیں ہم نے قبول کیا۔ اب یہ پڑھنے والے اتنے گھنٹوں کے لئے ان کے نوکر ہوگئے، وہ جو کام چاہیں لیں، اس اجارہ کے بعد وہ ان سے کہیں، اتنے پارے کلام اللہ شریف کے پڑھ کر ثواب فلاں کو بخش دو یا مجلس میلاد مبارک پڑھ دو، یہ جائز ہوگا اور لینا دینا حلال۔ لان الاجارۃ وقعت علی منافع ابدانھم لاعلی الطاعات والعبادات واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ کیونکہ یہ اجارہ ان کے ابدان سے انتفاع پر ہوا ہے نہ کہ ان کی عبادات اور طاعات پر ہوا ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی وعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۷۱: از شیوپوری سرولی ضلع بریلی مرسلہ واحد نور صاحب ۶ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور شرع متین اس مسئلہ میں زید نے ایک اراضی جو اس کی

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳۴

ملک ہے، عمرو کو واسطے کاشت مدت پندرہ سال کو دخلی رہن دی، اوراس کالگان مبلغ ما(۱۵۰) میعاد معینہ کا پیشتر لے لینا، بعد مدت معینہ اراضی کا چھوڑ نا قرار پایا، میعا مقررہ تک عمرواس سے منفعت حاصل کرے، لیکن زید کو پندرہ سال کے لگان بزخ ایک روپیہ بیگھ خام دیا گیا، اوروہ اراضی عمرو کے قبضہ میں ایک دوروپیہ بیگھہ خام اٹھ سکتی ہے، رہن اس حالت میں درست ہے یانہیں؟

الجواب:

رہن واجارہ دو عقد منافی میں جمع نہیں ہوسکتے، جب اس نے ما۱۵۰ اجرت مانی، رہن نہ ہوئی بلکہ اجارہ پر دی گئی، عمرو کو اختیار ہے کہ خود کاشت کرے جو پیدا ہو اس کا ہے، خواہ دوسرے کو اجارہ پر اٹھادے، مگر اس تقدیر پر اسے زیادہ لینا صرف تین صورت میں جائز ہوسکتا ہے ورنہ حرام:

(۱) زمین میں نہر یا کنواں کھودے یا اور کوئی زیادت ایسی کرے جس سے اس کی حیثیت بڑھائے، اب چاہے پانچ روپیہ بیگھ پر اٹھادے،

(۲) جس شے کے عوض خود اجارہ پر لی ہے اس کے خلاف جنس کے اجارہ کو دے مثلاما عہ/ دئے، اب اپنے مستاجر کو اشرفیوں یا نوٹوں پر دے۔

(۳) زمین کے ساتھ کوئی اور شیئ ملا کر مجموعاً زیادہ کرائے پر دے کہ اب یہ سمجھا جائے گا کہ زمین تو وہی روپیہ بیگھ کو دی گئی اور باقی زیادت جس قدر ہو دوسرے شے کے عوض رہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: ۱۲صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کی طرف سے اس کے پیروکار نے ایک دکان زید کو کرائے پر دی مگر ابھی تک نہ کرایہ نامہ تحریر ہوا نہ کوئی اقرار کسی میعاد معین برس یا چھ مہینے کا ہوا، اورنہ مالک دکان کی جانب سے اظہار کسی مدت برس یا چھ مہینے کا ہوا تھا کہ زید کرایہ دار نے اپنے مصارف سے بقدر آرام مرمت دکان کی کرائی، ابھی بیٹھنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ زید کو حاجت اس دکان کی نہ رہی اور عرصہ تخمیناً ایک ہفتہ میں زید نے پیروکار مالک دکان کے پاس تالی دکان کی واپس بھیج کر اطلاع دی کہ دکان دوسرے کو دے دو مجھ کو حاجت نہ رہی اور آج تک کے دنوں کا کرایہ مجھ سے لے لو اس کے جواب میں سال بھر کے کرایہ کی طلب زید سے کی گئی، بعد زیادہ گفتگو کے آخر تصفیہ حکم شرعی پر قائم ہوا ہے لہٰذا حکم فرمائے کہ اس حالت میں زید کے ذمہ ازروئے احکام شرعی

کس قدر کرایہ ادا کرنا واجب ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ماہوار کرایہ قرار پایا تھا کہ ہر مہینے پر مثلاً دس روپے جب تو اجارہ ایک مہینہ کیلئے صحیح ونافذ تھا۔ اور باقی مہینوں کے لئے بوجہ عدم تعیین مدت ہنوز معدوم، توجب تک یہ مہینہ ختم ہو کر دوسرے مہینے کی ایک رات ایک دن نہ ہوجائے دوسرے مہینے کا اجارہ ہی متحقق نہ ہوگا۔ سال بھر کے تو بارہ مہینے ہیں، درمختار میں ہے:

ان کان استاجرہ مشاہرۃ فانہا توجر لغیرہ اذا فرغ الشہر ،ان لم یقبلھا لانعقادھا عندراس کل شہر [1]۔	اگر ماہانہ کرایہ پر لیا تو اس ماہ کے بعد دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے جبکہ پہلے نے دوسرے ماہ کو قبول نہ کیا ہو کیونکہ ماہانہ کرایہ ہر ماہ کی ابتداء میں منعقد ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

(اُجر حانوتاکل شہر بکذا صح فی واحد فقط)وفسد فی الباقی لجھا لتھا،واذا تم الشہر فلکل فسخھا بشرط حضور الاخر لانتھاء العقد الصحیح(وفی شہر سکنہ فی اولہ)ھو اللیلۃ الاولی ویومھا عرفا،وبہ یفتی (صح العقد فیہ)ایضا [2]۔	دکان فی ماہ مقرر اجارہ پر دی تو پہلے ماہ میں صحیح ہے فقط اور باقی مہینوں کے لئے جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگئی اور پہلا مہینہ گزر جائے تو فریقین میں سے ایک کو دوسرے کی موجودگی میں فسخ کا حق ہے کیونکہ صحیح ختم ہوگیا ہے اور ماہانہ کرایہ پر لے کر ایک رات اور ایک دن سکونت کرلی یہ پہلی رات اور دن ہے، اسی پر فتوی ہے، تو اس نئے ماہ میں بھی عقد صحیح ہو جائے گا۔ (ت)

اس صورت میں تو سال بھر کا کرایہ مانگنا ظاہر ہے کہ صریح ظلم وحرام ہے، اور اگر سالانہ کرایہ قرار پاتا ہو، اگرچہ ماہوار کی اجرت بھی بتادی گئی ہو، مثلاً کہا یہ دکان ہر سال ساٹھ روپے کرائے پر تجھے دی، ہر مہینے پر پانچ روپے، تو اس تقدیر پر اگرچہ پہلے سال کے لئے اجارہ صحیح ہوگیا۔

فی الدرالمختار واذا اُجرھا سنۃ	درمختار میں ہے اگر سالانہ کرایہ پر لیا تو صحیح

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۱

[2] درمختار باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

بکذااصح وان لم یسم اجر کل شھر ۔[1]	ہے اگرچہ ماہانہ اجرت نہ ذکر کی ہو۔(ت)

مگر جبکہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دار نے کنجی واپس بھیج دی، اور مالبکہ کے کارکن نے لے لی، اور اس کے فسخ اجارہ کو قبول کرلیا، تو جبکہ یہ کارکن مالبکہ کا مختار عام ہو یا اس عقد خاص کے فسخ وقبول کا مالبکہ نے اسے اختیار دیا ہو، یا اسے اختیار نہ تھا، مگر اس نے مالبکہ کو اطلاع دی اور وہ فسخ پر راضی ہوگئی، تو ان سب صوتوں میں صرف اسی ہفتہ کا کرایہ زید پر لازم آیا، زیادہ کی طلب محض بے معنٰی ہے، یونہی اگر نہ اسے قبول فسخ کا اختیار تھا، نہ مالبکہ نے فسخ مانا، مگر زید نے یہ فسخ کسی ایسے عذر واضح صریح بلااشتباہ کی بناپر کیا کہ اس کے ساتھ اجارہ باقی رکھے تو اسے اس کی جان یا مال میں صریح ضرر لاحق ہو، جس کے لحوق میں کوئی تردد وخفا نہ ہو، تو اس صورت میں بھی صرف اسی ہفتہ کا کرایہ واجب رہا، اور عقد تنہا زید کے فسخ کردینے سے فسخ ہوگیا، لحدیث لاضرر ولا ضرار فی الاسلام[2] (اسلام میں کوئی دکھ نہیں اور نہ کسی کو دکھ پہنچانا ہے۔) ردالمحتار میں ہے:

والحاصل ان کل عذر لایمکن معہ استیفاء المعقود علیہ الابضرر یلحقہ فی نفسہ اومالہ یثبت لہ حق الفسخ[3]۔	حاصل یہ ہے کہ ایسا عذر جس کی بناء پر معقود علیہ کا پورا ہونا ایسا ضرر جو جان یا مال کو لاحق ہو تو اس کی بناپر اس کو فسخ کا حق ثابت ہوگا۔(ت)

درمختار میں ہے:

ان العذر ظاھرا ینفرد وان مشتبھا لاینفرد وھو الاصح[4]۔	اگر ایسا عذر ظاہر ہے تو صاحب عذر فسخ میں خود مختار ہے اور اگر ظاہر نہ ہو تو وہ اکیلا مختار نہیں۔(ت)

اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ بلاعذر اس نے اجارہ چھوڑا، یا عذر واضح وصریح نہ تھا، اور خود مالبکہ یا اس کے وکیل نے کہ قبول فسخ کا اختیار رکھتا ہو، اس فسخ کو قبول نہ کیا، نہ دکان اس کے قبضہ سے واپس لی، تو بیشک اس صورت میں دکان بدستور زید کے کرایہ میں ہے، پھر اگر صرف ماہوار کرایہ

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۹۱

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

[4] درمختار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۳

ٹھہراتھاتوہر ختم ماہ پر زید کو دکان چھوڑ دینے کا اختیار ہوگا، خواہ پہلے مہینے کے ختم پر چھوڑ دے خواہ کسی اور مہینے کے ختم پر، اور جس مہینے کے شروع میں ایک دن گزر جائے گا وہ مہینہ بھر پھر اجارہ صحیح ہوجائے گا۔ اور زید کو تنہا اس کے فسخ کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر سالانہ کرایہ ٹھہرا تھا تو بعد ختم سال زید کو دکان چھوڑنے کا اختیار ہوگا۔ یوں سال دو سال یا ماہ دو ماہ جس قدر مدت تک دکان اس کے اجارہ میں رہے گی، اس قدر کرایہ اس پر لازم آئے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اراضی کاشت اپنی بعوض مبلغ ایک سو روپے کے رہن رکھی، اور مرتہن سے یہ شرط ٹھہری کہ اراضی تم اپنی کاشت میں رکھو، اور اس کی پیداوار سے لگان اراضی زمیندار کو ادا کرتے رہو، بقیہ منافع تم لے لیا کرو، اور اگر کم پیداوار ہو یا بالکل نہ ہو، تو مجھ سے کچھ تعلق نہیں، اس کا نفع نقصان سب تمھارے ذمہ ہے، تواب مرتہن اس اراضی کو خود کاشت کرے یا کسی ذیلی کاشتکار سے کاشت کرائے، اور بعد ادائے لگان جو کچھ منافع ہو وہ منافع سود ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زید نے بہ اجازت زمیندار کہ مالک زمین ہے، یہ زمین رہن رکھی تو رہن صحیح ہوگیا، زمین زید کے اجارہ سے نکل گئی،

وکان من باب رھن المستعار للرھن حیث یجوز، قال فی الھندیۃ عن البدائع، یجوز رھن مال الغیر باذنہ کما لو استعار من انسان لیرھنہ بدین علی المستعیر [1]۔	تو یہ رہن کے لئے طلب کردہ کا رہن ہے، یہ جائز ہے، ہندیہ میں بدائع کے حوالے سے فرمایا غیر کا مال اس کی اجازت سے رہن رکھنا جائز ہے جیسے کوئی شخص اپنے قرض میں رہن رکھنے کے لیے کسی سے کوئی چیز عاریۃً لے۔(ت)

اور اس کا یہ کہنا کہ زمین اپنی کاشت میں رکھو، زمیندار کو لگان دیتے رہو، اجارہ فضولی کا ہے، اگر زمین دار نے اسے جائز رکھا اجارہ نافذ ہوگیا، اور جب مرتہن نے اس پر کاشتکارانہ قبضہ کیا رہن باطل ہوگیا، زید کو کچھ تعلق نہ رہا مرتہن اصلی کاشتکار ہوگیا، جو منافع بچے وہ اس کے لئے حلال ہیں،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الاول الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۲

خود کاشت کرے یا اسے لگان پر ذیلی کاشتکار کو دے سب جائز ہے۔

فی الھندیۃ عن شرح الطحاوی لواستاجرہ المرتھن صحت الاجارۃ وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ [1]۔	ہندیہ میں شرح طحاوی سے منقول ہے کہ اگر مرتہن رہن والی چیز کو اجارہ پر لے تو اجارہ صحیح ہوگا اور رہن باطل ہو جائے گا بشرطیکہ اجارہ کے لئے نیا قبضہ لے۔(ت)

اور اگر زمیندار نے اس اجارہ کو ناجائز کردیا، اجارہ رد ہوگیا، مرتہن کو نہ خود کاشت کرنا جائز ہے نہ ذیلی کو دینا، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا خبیث ہوگا، مرتہن پر واجب ہے اسے تصدق کردے، اور اگر سرے سے یہ رہن رکھنا ہی بے اجازت زمیندار ہے تو راہن مرتہن دونوں غاصب ہیں، مرتہن کو کاشت وغیرہ حلال نہیں، پھر اگر زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کرلی، تو زید کے اجارہ سے نکل گئی، زمین مرتہن کے اجارہ میں آگئی، اب جو منافع بچے اسے حلال ہوں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مالک مکان اور کرایہ دار سے ایک سال کے واسطے ایک مکان قرار پایا تھا بہ کرایہ دو روپے ماہوار کے کرایہ دار نے بالاجازت کرایہ نامہ دو سال کے واسطے پس غیبت مال مکان کے تحریر کراکر مالک مکان کے پاس بھیج دیا، اب چونکہ کرایہ دار نے بدعہدی کی اس واسطے کرایہ دار مذکور کو دینا مکان منظور نہیں ہے، اب اس حالت میں مالک مکان کے ذمہ کوئی مواخذہ شرعی ہے یا نہیں؟ **فقط**

الجواب:

تحریر کاغذ سے پہلے کچھ گفتگو عاقدین میں ہوتی ہے وہ گفتگو کبھی خود عقد ہوتی ہے اور تحریر کاغذ محض اس کی تائید وتوثیق ہوتی ہے، اس صورت میں شرعًا اس گفتگو کا اعتبار ہے، کاغذ اگر اس کے خلاف ہو بیکار ہے۔

کما نص علیہ فی الفتاوٰی الخیریۃ ان العبرۃ بما تلفظ لابما کتبت فی الصك [2]۔	جیسا کہ ہندیہ میں نص فرمائی ہے کہ زبانی بات کا اعتبار ہے اسٹام میں لکھی کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۹۔۱۴۰، فتاوٰی خیریہ کتاب الدعوٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

اور کبھی وہ گفتگو خود عقد ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتی، تحریر ہی سے تکمیل عقد ہوتی ہے پس صورت مذکورہ میں اگر سال بھر کے لئے عقد اجارہ ان کی گفتگو میں تمام ہوچکا تھا، مثلاً زید نے عمرو سے کہا میں نے اپنا مکان ایک سال کے لئے اتنے کرایہ پر تجھے دیا، اس نے کہا میں نے قبول کیا، یا میں نے لے لیا، یا مجھے منظور ہے، جب تو عقد تمام ہوگیا، اور مکان ایک سال کے لئے دینا مالک پر ضرور ہوگا، فقط، اس بدعہدی کے سبب کہ اس نے ایک سال کے بجائے دو سال لکھوایا، ایک سال کے لئے دینے سے انکار نہیں کرسکتا کہ بدعہدی کی غایت فسق ہے، اور فسق مستاجر فسخ اجارہ کے لئے عذر نہیں۔

فی مطالب ردالمحتار فسق المستاجر لیس عذر فی الفسخ ونقل نصه فیه عن لسان الحکام [1]۔	ردالمحتار کے مطالب میں ہے کہ مستاجر کا فسق فسخ کے لئے عذر نہیں ہے اور انھوں نے اس پر لسان الحکام سے نص نقل فرمائی ہے۔(ت)

اور اگر گفتگو میں تمامی عقد نہیں ہوئی تھی، مثلاً عمرو نے کہا اپنا فلاں مکان اتنے کرایہ میں ایک سال کے لئے مجھے کرایہ پر دوگے، زید نے کہا ہاں، عمرو نے کہا تو کرایہ نامہ لکھوالو، زید نے کہا ہاں فان ھذا وعد لا عقد (کیونکہ یہ وعدہ ہے عقد نہیں ہے۔ت) اب اس نے دو سال کے لئے کرایہ نامہ لکھا اور زید نے قبول نہیں کیا تو ایک دن کے لئے بھی مکان کرایہ دار کو دینا مالک پر لازم نہیں کہ پہلے عقد نہ ہوا تھا اور کرایہ نامہ بلارضا مالک لکھا گیا اور اس نے قبول نہیں کیا، تو عقد اصلاً موجود نہ ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی موضع سندیپ مرسلہ محمد حسن

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ، اجرت گرفتن بر تعلیم قرآن وزیارت قبور ومیلاد شریف واذان وامامت بدعوی یا بغیر آں ازروئے شرع شریف جائز ست یانہ، بعضے بر ہر دو تقدیر حرام گویند، **بیّنوا توجروا**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعلیم قرآن، زیارت قبور، میلاد شریف، اذان وامامت پر طلب کرکے یا بغیر طلب اجرت لینا جائز ہے یا نہیں جبکہ بعض حضرات دونوں صورتوں کو حرام کہتے ہیں، **بیّنوا توجروا** (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰

الجواب:

فی الواقع اخذ اجرت بر تعلیم قرآن عظیم ودیگر علوم واذان وامامت جائز ست علی مافتی بہ الائمۃ المتاخرون نظرا الی الزمان حفظا علی شعائر الدین والایمان۔ وبربقیہ طاعات مثل زیارت قبور، سیپارہ خوانی برائے اموات، وقرأت میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلی الہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، براصل منع باقی است **والمعھود عرفا کالمشروط لفظا**[1]۔ پس اگر قرارداد اجرت کنند یابحسب عرف معلوم باشد کہ اینائے برائے گرفتن میخوانند، وآناں برائے خواندن می دہند، اگر ایناں نخوانند آناں نہ دہند، واگر آناں نہ دہند ایناں نہ خوانند، گرفتن ودادن ہر دو، روانیست **الاخذ والمعطی اٰثمان**، اگر نہ چناں باشد بلکہ ایناں لوجہ اللہ تعالٰی می خوانند درو ہیچ چیز بدل بہ دل ہم نہ خواہند تا آنکہ اگریقینا دانند کہ چیزے نیابند نیز بخوانند آنگاہ بے قرارداد لفظی وعرفی چیزے خدمت ایشاں کردہ شود مضائقہ نیست ہمچناں درجائیکہ گرفتن ودادن معہود بعرف شدہ است، اگر خواندگان پیش از خواندن صراحۃً شرط کنند کہ مارا ہیچ نہ دہند

قرآن عظیم کی تعلیم، دیگر دینی علوم اذان اور امامت پر اجرت لینا جائز ہے جیسا کہ متاخرین ائمہ نے موجودہ زمانہ میں شعائر دین وایمان کی حفاظت کے پیش نظر فتوٰی دیا ہے اور باقی طاعات مثلاً زیارت قبور اموات کے لئے ختم قرآن، قرأت، میلاد پاک سید الکائنات علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتحیات، پر اصل ضابطہ کی بناء پر منع باقی ہے، اور عرف میں مقررہ و مشہور لفظاً مشروط کی طرح ہے، لہٰذا ان باقی امور پر اجرت مقرر کی گئی یا عرفاً معلوم ہے کہ اجرت پر پڑھ رہے ہیں یا پڑھانے والے اجرت دیں گے، اگر یہ نہ پڑھیں تو نہ دیں، اور وہ نہ دیں تو یہ نہ پڑھیں تو ایسی صورت میں لینا اور دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوں گے، اگر عرف میں ایسے نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالٰی کی رضا کے لئے پڑھیں اور دل میں کسی عوض کا خیال نہ کریں حتی کہ یقین بھی ہو کہ نہ دینگے اسکے باوجود پڑھیں، ایسی صورت میں کسی لفظی یا عرفی تقرر کے بغیر پڑھنے والوں کو دیں تو کوئی مضائقہ نہیں ایسی جگہ جہاں عرف میں لینا دینا ہوتا ہو، پڑھنے والے پہلے شرط کریں کہ ہم کچھ نہ لیں گے اور اس کے بعد اگر دینے والے دیں تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ صراحت فائق ہوتی دلالت پر۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان میں ہے، اگر اجرت کی شرط پر پڑھنا حلال ہو جائے تو اس کی صورت یہ ہے کہ قراء اور حفاظ حضرات کو مقررہ وقت مثلاً کوئی دن ہفتہ میں یا گھنٹے مثلاً صبح سے دس بجے تک اپنی خدمت یا کام کے لئے مقررہ اجرت جس پر فریقین راضی ہوں، اجیر بنالیں، تو اتنے وقت کے لئے یہ حضرات نوکر ہوں گے اور اپنے آپ کو پابند بنانا واجب ہوگا تو اجرت پر رکھنے والوں کو حق ہوگا کہ وہ جو خدمت ان سے چاہیں لیں، انہی خدمات میں سے میلاد خوانی وقرآن خوانی برائے ایصال ثواب فلاں بھی ہوگی، اس صورت میں دینا ضروری اور لینا جائز ہوگا کیونکہ اب ان کی ذات سے منافع پر اجارہ ہے، طاعات وعبادات پر نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)	بعدہ ؏ دہندگان خدمت از پیش خویش کنند نیز رواست لان الصریح یفوق الدلالہ[1] کما فی الفتاوٰی امام قاضیخاں۔ واگر خواہند کہ شرط کنند وحلال باشد، صورتش آنست کہ حافظاں وقاریان رابرائے وقت معین، مثلاً روز فلانے از ہفتہ، ساعت صحیح تادہ ساعت برائے کار وخدمت خویش بر اجرت معینہ ہرچہ براں تراضی طرفین شود، اجیر کنند، برقدرآن ساعات ایناں نوکر شدند وتسلیم نفس برایناں واجب شد مستجراں رامی رسد کہ ہر خدمت کہ خواہند فرمایند، از انجملہ کہ میلاد مبارک بخوانند، یا قرآن عظیم خواندہ ثواب بفلاں مسلمان رسانند، ایں روا باشد ودادن واجب، وگرفتن حلال، زیرا کہ حالا اجارہ برمنافع نفس ایناں واقع شد نہ برطاعات، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۶ تا ۱۷۸: از قصبہ سیوہارہ ضلع بجنور مرسلہ مولوی محمد مہدی حسین بریلوی قانونگو ۱۴ ستمبر ۱۹۱۲ء

(ا) نوکری گرداور قانونگوئی جس میں حسب ذیل کام کرنا ہوتا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۱) کاغذات پٹواری جن میں زمینداران وکاشتکاران کی صحت اندارج کی بابت موقع پر اور نیز کاغذات ماضیہ کی بابت جانچ کی جاتی ہے،

(۲) تحقیقات موقع بابت حقوق کاشتکاران وزمینداران بمقدمات تنازع اراضیات لگان،

(۳) تصدیق پٹہ وقبولیت وتیاری نقشہ جات متعلقہ وکوشش ادائے مالگذاری وزرتقاوی تقسیم شدہ وغیرہ۔

؏ : دراصل بعض است وظنی انہ بعدہ است۔ عبدالمنان۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۳۴

(۲) جو گرداور قانون گولینا پسند کرتے ہیں، ان کو حسب ذیل آمدنی ہوتی ہے یہ آمدنی جائز ہے یا نہیں؟

(۱) علاوہ تنخواہ معینہ کے پٹواریاں بعوض اس رعایت کے کہ ان کے کام میں جو تاخیر خلاف ان کے قواعد کے ظہور میں آئیں اس کی رعایت کی جائے، اور ان کو جرمانہ سے بچایا جائے کچھ ماہوار یا سال تمام پر دیتے ہیں، لیکن سب کام سرکاری میعاد انتہائی کے اندر ختم کرلیا جاتا ہے،

(۲) تصدیق پٹہ وقبولیت میں مقر کچھ حقوق خوشی سے دیا کرتے ہیں

(۳) تحقیقات موقع میں جس فریق کے حقوق فائق متصور اور امید کامیابی معلوم ہوتی ہے اس سے بعوض تحریر رپورٹ واجبی کے جو کچھ وہ دیتا ہے لیا جاتا ہے۔

(۴) دیہات میں منجابت زمیندار مقدم، وپدھان نذر دیتے ہیں، بلحاظ افسری بلا اس وقت کسی کام کے۔

(۳) اس تنخواہ مندرجہ سوال اول وآمدنی مندرجہ سوال دوم کے اندوختہ سے مصارف حج وزیارت ودیگر ضروریات دینی جائز ہے یا نہیں، اور بحالت عدم جواز کوئی طریقہ اس روپے سے ادائے کارروائی مندرجہ بالا کا ہوسکتا ہے، مثلاً تبادلہ اس روپے کا اگر اشرفی ہائے خزانہ سے کرلیا جائے وغیرہ۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر ان کاموں کو دیانت وامانت سے انجام دے، اور ان میں جو ظلم اور لوگ بڑھا لیتے ہیں ان سے مخلوق کو بچانے کی نیت سے یہ نوکری کرے اور اس سے زائد اور کوئی ناجائز کام اسے کرنا نہ ہو، تو یہ نوکری جائز ہے بلکہ خلق پر دفع ظلم ودیگر اہلکاران کی نیت پر ثواب پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ سب مدین رشوت وحرام ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) تنخواہ بشرائط مذکورہ حلال ہے، اور اس سے ہر نیک کام جائز ہے، اور آمدنی سوال دوم حرام ہے اور اسے کسی کام میں صرف کرنا جائز نہیں، سوا اس کے کہ جن سے لی ہے ان کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو دے، پتہ نہ چلے تو فقیروں پر تصدق کردے، ایسی آمدنی والا اگر حج وغیرہ چاہے تو روپیہ بے سودی قرض لے لے، وہ حلال ہوگا، اور وہ قرض اگرچہ اس مجلس میں اپنے ناپاک روپے سے ادا کردے گا تو قرض لیئے ہوئے روپے میں خباثت نہ آئے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از گونڈہ محلّہ نبی گنج مکان مولوی نوازش احمد صاحب مرسلہ حافظ محمد اسحٰق

کوئی طوائف جو اپنے پیشہ میں مبتلا ہے، قرآن شریف پڑھنے یا پڑھوانے کی خواہش رکھتی ہے، اور اس کے عوض میں استاد معلم حافظ ناظرہ خوان کی کچھ خدمت کرے تو پیسہ جو طوائف پیشہ کا قطعًا حرام ہے، لینا استاد معلم کو جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے حافظ وقاری کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عالمگیریہ وغیرہا میں تصریح ہے کہ یہ روپیہ جو اجرت زنا یا غنا کا ان لوگوں کے پاس ہوتا ہے وہ ان کے ہاتھ میں مثل غصب کے ہے، وہ کسی شیئ کے معاوضہ میں لینا جائز نہیں۔ امام اگر اس پر اصرار کرے تو اسے امامت سے معزول کرنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از نواکھالی ڈاکخانہ رائے پور ملک بنگالہ مسئولہ فضل حق صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

علمائے کرام فضلائے عظام کی خدمت میں التماس یہ ہے کہ یہ استیجار علی الطاعات خصوصا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل، ایصال ثواب کی نیت سے ارواح موتی کے واسطے ایک مدت دراز سے رواج چلا آرہا ہے، فی الحال دیوبندی محصل بعض علماء نے حرام کہہ کر اٹھالینے میں بڑے کوشاں ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ فی زماننا استیجار علی الطاعات خصوصا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا حسب الحکم کتب فقہیہ جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر جواز شامی وبرکوی وغیرہما رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تحریرات جو حرمت استیجار علی التلاوۃ والتسبیح کو ثابت فرمائے ہیں اس کا کیا جواب ہے، مترصد کہ حضور از راہ مہربانی استفتاء ہذا کا جواب مع اپنے مہر اور متعلقین علماء کی مہر و دستخط سے مزین کرکے جلد تکلیف ارسال منظور فرمائیں

الجواب: حق یہی ہے کہ استیجار علی الطاعات حرام و باطل ہے، سوا تعلیم علوم دین واذان وامامت وغیرہا بعض امور کے کہ متاخرین نے بضرورت فتوائے جواز دیا تلاوت قرآن و تسبیح و تہلیل پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز وحرام ہیں

کما حققه المولی المحقق السید امین الدین الشامی رحمه اللہ تعالٰی فی شفاء العلیل [1]۔	جیسا کہ محقق امین الدین شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شفاء العلیل میں تحقیق فرمائی ہے۔ (ت)

[1] شفاء العلیل وبل الغلیل فی حکم الوصیۃ الخ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۵،۷۶

دیوبندی عقیدے والے ضرور کفار مرتدین ہیں جن کے کفر وارتداد پر علمائے کرام حرمین شریفین نے فتوے دئے، کہ حسام الحرمین وتمہید ایمان بایات قرآن میں شائع ہوئے، مگر یہ ضرور نہیں کہ کافر جو بات کہے باطل ہو، نصارٰی کہتے ہیں یہود کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے، یہود کہتے ہیں نصاری کا دین باطل ہے، اور ان کا یہ کہنا حق ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: مسئولہ ظہور محمد صاحب از شہر کہنہ ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اراضی کے چند مالک وزمیندار ہیں، ان میں سے ایک نمبردار ہے، کل کارروائی تحصیل وصول وغیرہ کی نمبردار کرکے تقسیم کردیتا ہے، چنانچہ ایک اراضی کا کرایہ نامہ نمبردار نے ایک سال کے لئے ایک شخص کو لکھ دیا، کرایہ دار ونمبردار کی مرضی سے کرایہ نامہ میں کرایہ دار نے یہ بات تحریر کرادی کہ درصورت اراضی خالی پڑی رہنے کے بھی کرایہ مقررہ ادا کرے گا، اب وہ کرایہ دار بعد ۹ ماہ کے کہتا ہے کہ اراضی میں نے خالی کردی، تین ماہ کا کرایہ مجھ سے نہ لیا جائے، ایسی صورت میں نمبردار کو کرایہ دار سے ان تین ماہ کا کرایہ کہ جس سے کرایہ دار کو نفع نہیں پہنچا ہے، لینا چاہئے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ نمبردار کو بلامنشاء اپنے شرکاء یا ان کے کرایہ دار کو تین ماہ مذکور کا کرایہ اپنے اختیار سے چھوڑ دینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ کرایہ دار نے زمین باختیار خود خالی چھوڑی، تو اس پر ان تین ماہ کا بھی کرایہ واجب ہے، نمبردار کو اگر شرکاء کی طرف سے کرایہ پر دینے کا اختیار دیا گیا ہے تو وہ کرایہ سب کی طرف سے ہوا تین ماہ کا کرایہ اگر وہ کرایہ دار پر چھوڑ دے گا، اور شریکوں کے حصہ کا کرایہ اسے دینا پڑے گا، اور اگر شرکاء کی طرف سے اسے اختیار نہ دیا گیا، بطور خود بزعم خود نمبرداری اس نے ایسا تصرف کیا تو اور شرکاء کے حصوں کا غاصب ہوا، مگر ازانجا کہ عقد اجارہ اس نے کیا ہے، کرایہ کا مالک وہی ہوگا، اگرچہ حصہ شرکاء کے کرایہ میں ملک خبیث ہوگی، اس صورت میں وہ تین ماہ کا کرایہ باختیار خود چھوڑ سکتا ہے، اور اس صورت میں اسے لازم ہے کہ باقی شرکاء کے حصے کا کرایہ یا تو ان کو دے اور یہی بہتر ہے یا فقراء پر تصدق کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: مسئولہ منشی مجید حسن صاحب از جنگل بن بٹول ڈاکخانہ بڑھاپور ضلع بجنور ۳۰ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ حبیب اللہ صاحب کے یہاں کام ہنڈی کا

ہوتا ہے اور بینک میں روپیہ کالین دین ہے، روپیہ سود پر جو کہ بینک کو دیتے ہیں اور ایسے ہی جو کہ بینک سے لیتے ہیں، ان دونوں صورتوں میں سود کا برتاؤ ہے، اور یہی قرضہ پر سود چلاتے ہیں فدوی کی یہ عرض خدمت شریف ہے کہ جبکہ شیخ صاحب کے یہاں سود کا لین دین ہے، ایسی صورت میں ایسے شخص کے کارخانہ میں نوکری کا حکم خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک کیا ہے، اگر اجازت ہے تو اس کی بھی دلیل ارقام فرمائیں، اگر ناجائز ہے اس کی وجہ بھی فرمادیں، جب سے مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ اس کارخانہ کے مالک کے یہاں سود کا لین دین ہے میرا دل ایک منٹ ٹھہرنے کو نہیں چاہتا ہے، اسی وجہ سے خدمت میں گزارش کی گئی خدا چاہے جیسا ارشاد فرمادیں گے اسی پر عمل کیا جائے گا۔

اور ایک یہ دریافت کرنا ہے کہ وکیلوں کے یہاں محرری کرنا جائز ہے یا نہیں ہے، ان کے یہاں بھی مقدمات رجوع سود کے ہوتے اور بلا سود کے بھی ہوتے ہیں، ایک میرے علم میں حافظ عبدالرشید، وکیل ہیں، وہ کہتے ہیں جو کام بلا سود کا ہوا کرے گا وہ تم سے کرالیا کروں گا، اور سودی دعوی میرا دوسرا محرر کرلیا کرے گا، مگر شرعًا جیسا حکم ہو ارشاد فرمائیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جس کے پاس مال حلال وحرام مختلط ہو۔ مثلًا تجارت بھی کرتا ہے اور سود بھی لیتا ہے اس کے یہاں کی نوکری شرعًا جائز ہے، اور جو کچھ بھی وہ دے اس کے لینے میں حرج نہیں، جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ چیز جو ہمیں دے رہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔

به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه کذا فی الهندیة [1] عن الظهیریة عن الامام محمد رضی الله تعالٰی عنه۔	جب کسی چیز کے حرام ہونے کا ہمیں علم نہ ہو یہی ہمارا موقف ہے، یوں ہندیہ میں ذخیرہ سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے حوالے سے منقول ہے۔ (ت)

وکلاء کے یہاں محرری میں کچھ خیر نہیں، سودی معاملہ کے سوا ان کے یہاں اور معاملات بھی اکثر خلاف شرع ہوتے ہیں، اکثر دعاوی باطلہ ہوتے ہیں جن کو وہ حق کرنا چاہتے ہیں، جو حق ہوتے ہیں انھیں بھی باطل کی آمیزش بغیر اپنے لئے سرسبزی نہیں جانتے، غرض ان کے معاملات ناحق سے شاذونادر ہی شاید خالی ہوتے ہیں، اور تحریر اعانت ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2]۔	گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور حدیث میں ہے:

وعلی الکاتب مثلہ [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کاتب پر بھی اس کی مثل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۳: مسئولہ سید عبدالقادر حسن واعظ از سورت سید واڑہ روز دوشنبہ ۶ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مسلمان اپنا مکان شراب بیچنے کے لئے اور شراب نوشی کے لئے کرایہ سے دے تو درست ہے یا نہیں؟ اور اس کی ایسی کمائی کا کھانا دوسرے مسلمان کے لئے درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان مکان کرایہ پر دے اس کی غرض کرایہ سے ہے، اور اعمال نیات پر ہیں، یہ نیت کیوں کرے کہ اس لئے دیتا ہے کہ اس میں شراب نوشی و شراب فروشی ہو، ایسی حالت میں کرایہ اس کے لئے حلال اور اس کے یہاں کھانا کھانے میں حرج نہیں، ہاں جو اس حرام نیت کو شامل کرلے کہ وہ اب خود ہی گنہگار بنتا ہے، اور اگر وہ مکان ایسی جگہ واقع ہے جہاں ان مفاسد کا اظہار باعث ضرر وخرابی ہمسائگان ہوگا، تو ناجائز، یہ باعث فتنہ ہوا، اور فتنہ حرام، بہرحال نفس اجرت کے کسی فعل حرام کے مقابل نہو عــہ حرام نہیں ہے، یہی معنی ہیں اس قول حنفیہ کے کہ:

یطیب الاجر وان کان السبب حراما کما فی الاشباہ وغیرھا [2] فاحفظ فانہ علم عزیز فی نصف سطر ،واللہ تعالٰی اعلم	اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہے، جیسا کہ الاشباہ وغیرہ میں ہے، اس کو محفوظ کرلو، یہ ایک سطر میں نادر علم ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

عــہ: میرے خیال میں یہاں بھی ناسخ سے لغزش ہوگئی، اس میں "نہو" کے بجائے "ہو" لکھا ہے،

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مہر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲ وغمز عیون البصائر الفن الثانی کتب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۶۱ ورد المحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ بنّے خاں سوداگر پارچہ محلّہ نالہ متصل کٹرہ ماندرائے بریلی ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

مجلس میلاد پڑھنے کے لئے پیشتر ٹھہرالینا کہ ایک روپیہ دو تو ہم پڑھیں گے، اور اس سے کم پر نہیں پڑھیں گے، اور وہ بھی اس سے بطور پیشگی بطور بیعنامہ یا سائی جمع کرالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا "[1]۔	میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ (ت)

یہ ممنوع ہے اور ثواب عظیم سے محرومی مطلق۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: مسئولہ محمد لطف علی محکمہ سروے آف انڈیا رام نگر منڈی ضلع نینی تال ۹ رجب ۱۳۳۴ھ

جناب مولانا صاحب! السلام علیکم! بعد ادائے آداب کے عرض یہ ہے کہ کمترین محکہ سروے میں بملازمت سرکار ممتاز ہے، اور اپنی زندگی کا بیمہ مبلغ چار ہزار روپیہ کے واسطے محکمہ ڈاک خانہ میں کیا ہے شرح ماہوار چند تیرہ روپیہ سات آنہ ہے، کمترین نے شروع یکم اگست ۱۹۱۳ء کو کیا تھا اور شرط یہ تھی کہ اگر کمترین ۴۵ سال کی عمر تک زندہ رہے گا تو کمترین کو چار ہزار روپے دئے جائیں گے اور اگر کمترین کا اس سے پہلے انتقال ہوا تو انتقال ہونے پر کمترین کے عزیزوں کو چار ہزار روپے دے دئے جائیں گے۔ اب التجایہ ہے کہ مہربانی فرماکر آپ فتوٰی دیں کہ یہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اور اگر شرعاً درست ہے تو اس کی زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ عنایت فرماکر مفصل تحریر فرمائیے، عین نوازش ہوگی فقط

الجواب:

یہ شرعاً قمار محض ہے، وہ ماہوار کہ اس میں دیا جاتا ہے وقت مشروط سے پہلے واپس نہیں لیا جاسکتا نہ شرعاً وہ محکمہ اس کا مالک ہوسکتا ہے، وقت واپسی جتنا جمع ہوا تھا اس کی ہر سال کی زکوۃ لازم آئے گی، اور اگر اس سے زائد ملے گا تو اس کی زکوۃ نہیں کہ بیمہ کرانے والے کی ملک نہ تھا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۶: از شہر رجمنٹ اکا کور نمبر ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب مہارنپوری ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ کلام مجید کا پڑھنا اور پڑھانا، امامت کا کرنا، اور ماہواری یا فصل پر روپیہ وصول کرکے کلام مجید کے ذریعہ پر اپنی پرورش اپنے بال بچوں کی کرتے ہیں، زید ان امامت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

کرنے والوں سے بہت نفرت کرتا ہے اور جو لوگ امامت اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور پرورش اپنے بچوں کی محنت مزدوری سے کرتے ہیں ان سے بہت خوش رہتا ہے اور ان کو نگاہ عبرت سے دیکھتا ہے۔

الجواب:

جواللہ عزوجل کے لئے امامت و تعلیم و تعلم کرتے ہیں ان سے خوش ہونا بہت بجا ہے، اور جو تنخواہ لیتے ہیں ان سے نفرت کرنا بیجا ہے، کہ اب ان کاموں پر اجرت لینا روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۷: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۳۰ رجب ۱۳۳۶ھ

اجرت تعلیم قرآن وامام مسجد کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

متاخرین نے تعلیم امامت پر اخذ اجرت کے جواز پر فتوی دیا ہے۔

كتب الحنفيه طافحة بذلك ومن لايعلم فحسبه جواب من يعلم. واللہ تعالٰی اعلم۔	حنفی کتب اس سے لبریز ہیں اور جو نہیں جانتا اس کو جاننے والے کا جواب کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۸ تا ۱۸۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اجرت کی چیزوں کی مثل گاڑی وکشتی وغیرہ کی اجرت نہ دینا کیسا ہے؟

(۲) جس زمین کی مالگزاری مالک لیتا ہے اس میں اگر پانی ٹھہرا اور مچھلی ٹھہری تو مالک کہتا ہے یہ مچھلی ہماری ہے اگر رعایا نہ دے تو گنہ گار تو نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) حرام ہے۔

(۲) مباح مچھلی جو پکڑلے اسی کی ہے، مالک کو اس پر دعوی نہیں پہنچتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از شہر بریلی مسئولہ کفایت اللہ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر لوگ پیشہ ور کام کراتے ہیں آدمیوں سے، اور اس شرط پر کہ آدھ آنہ روپیہ کے حساب سے گیارھویں شریف کے لئے کاٹتے رہیں گے اس

میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایسے نہیں دیتے، ہم چاہے اپنے گھر یا جیسے جی چاہے گا ویسے ہی دیں گے ایسی پابندی کا باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس کو جبر کا کوئی اختیار نہیں، اگر جبرًا کاٹے گا ظلم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۱: از شہر مدرسہ اہل سنت وجماعت مسئولہ مولوی محمد عثمان طالبعلم بنگالی ۲۳ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک جائداد نیلام کی خریدی جس میں رنڈیاں رہا کرتی ہیں ان سے کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو کرایہ وہ اپنے زرحرام سے دیں کہ زنا یا غنا کی اجرت میں ملا ہے اس کا لینا حرام ہے، اور اگر زرحلال سے دیں مثلاً کسی سے قرض لے کر یا وہ بلا اجرت ورشوت محض انعام میں ملا تو حلال ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۲: از فیض آباد کھڑکی علی بیگ مسئولہ سید عبداللہ صاحب سب انسپکٹر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد کا ایک مقدمہ دس پندرہ ہزار کا کچہری میں تھا، خالد نے زید سے کہا کہ میری ڈگری ہوجائے زید نے بایں شرط دعا کرنے کا وعدہ کیا کہ درصورت ڈگری کے مبلغ دو ہزار روپیہ بطور حق الدعاء خالد زید کو دے گا۔ خالد نے منظور کرلیا، اتفاق سے ڈگری ہوگئی، خالد نے زید کو زر مذکورہ دے دیا، یہ روپیہ زید کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

خالی دعا پر اجرت ٹھہرالینا بوجوہ حرام ہے، اور وہ روپے کہ اسے ملے محض حرام ہے، ان کا لینا دینا سب حرام ہوا، اس پر فرض ہے کہ وہ روپے خالد کو واپس کردے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ محمد شفیق احمد خاں صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان معمار کو بتکدہ کی نوتعمیر یا مرمت کرنا شرعًا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو جو کوئی ایسا کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مکروہ ہے اور جو کرے مستحق سزا نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۴: از چوہر کوٹ بارکھاں ملک بلالوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ دریں ملک عرف است کہ یک شخص چند گو سفنداں یامادہ گاواں وغیرہم باجارہ بادیگر باایں وعدہ می دہد کہ تاسال چار یا ہفت، ہشت، ایں مال رابچراند، اقرار این است کہ اصل مال خود ملک من است، وہر چہ افزاید یعنی زاید، نصف نصف است، ایں رانیم سودی می گویند، آیا ایں اجارہ جائز است یانہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ ہمارے ملک میں عرف یہ ہے کہ بکریاں اور گائے وغیرہ دوسرے کو اس شرط پر بطور اجارہ دیتے ہیں، ایک یا سات یا آٹھ سال اس مال کو چراؤ، اور قرار دیتے ہیں کہ اصل مال مالک کا اور زائد ہوجائیں تو زائد میں نصف نصف ہوگا، اسے نصف سود کہتے ہیں، کیا یہ اجارہ جائز ہے یانہیں؟ (ت)

الجواب:

ایں اجارہ حرام است بوجوہ **منہا الجہالۃ، ومنہا الغرر، ومنہا معنی قفیز الطحان۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	یہ اجارہ حرام ہے کئی وجوہ سے، ایک جہالت، ایک دھوکا، اور ایک چکی کی پسائی میں قفیز کا معنی ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۵: از کھریرا ضلع مظفر پور ڈاکخانہ رائے پور مرسلہ شریف احسن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید ایک انجمن اسلامیہ میں دس روپے کا تحصیلدار ہے چونکہ وہ امانت دار ہے، اور مواخذہ آخرت سے بھی خرچ ہوجانے پر ڈرتا ہے، اس لئے انجمن سے استدعا کرکے (للعہ عہ) ماہانہ داخل انجمن کرنے پر ٹھیکہ لیا، اور بقیہ آمدنی اپنے اور اپنے اہل وعیال وزادراہ وغیرہ کے لئے اپنی تنخواہ مقرر کرالی ہے، شرعًا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

حرام ہے کہ بوجہ عدم تعلیق تنخواہ اجارہ فاسد ہوا، اور عقود فاسدہ سب حرام ہے، اور واجب الفسخ ہیں اس صورت میں وہ صرف اجر مثل لے سکے گا، اور وہ بھی اس کے حق میں خبیث ہوگا، اجر مثل سے زیادہ جو کچھ بچے انجمن میں داخل کرنا لازم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: از لاہور انجمن نعمانیہ مرسلہ سلیم اللہ خاں جنرل سیکریٹری انجمن ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دینی مجالس میں دینی تعلیم کے لئے جو مدرسین وغیرہ ملازم رکھے جاتے ہیں اور قواعد منضبط مجلس پر ان سے بوقت قبولیت ملازمت کے دستخط کرالئے جاتے

ہیں بعد میں اگر ایسے ملازم ان قواعد کی خلاف ورزی کرکے ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلے جائیں، یا کوئی ایسا امر کریں جو قواعد مذکورہ کے خلاف ہو جس کو منظور کرچکے ہوں تو ایسے ملازمین کے کارگردگی کی تنخواہ ضبط کرلینے اور نہ دینے کا مجلس مذکورہ کو شرعًا اختیار ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے قواعد ہر ایک مجلس انجمن مدرسہ مکاتب اسلامی میں مندرج ہیں، رائج ہیں۔ کیا یہ شرعًا بھی درست ہے اور قابل تعمیل ہے یا نہیں؟ ملازمین کی طرف سے حجت کی جاتی ہے کہ ان کی کارروائی کی تنخواہ ان کا حق واجبی ہے، اور وہ کسی طرح رکھ لینا شرعا جائز نہیں ہوسکتا۔ براہ کرم ان کے جواب سے بادلہ شرعیہ بہت جلد مطلع فرمائیں،

المستفتیان: سلیم اللہ جنرل سیکریٹری، تاج الدین احمد سیکرٹری، نور بخش سیکرٹری۔

الجواب:

مدرسین وامثالہم اجیر خاص ہیں، اور اجیر خاص پر وقت مقررہ معہود میں تسلیم نفس لازم ہے، اور اسی سے وہ اجرت کا مستحق ہوتا ہے اگرچہ کام نہ ہو، مثلا مدرسین وقت معہود پر مہینہ بھر برابر حاضر رہا، اور طالب علم کوئی نہ تھا کہ سبق پڑھتا، مدرس کی تنخواہ واجب ہوگئی، ہاں اگر تسلیم نفس میں کمی کرے مثلا بلا رخصت چلا گیا، یا رخصت سے زیادہ دن لگائے، یا مدرسہ کا وقت چھ گھنٹے تھا، اس نے پانچ گھنٹے دئے، یا حاضر تو آیا لیکن وقت مقرر خدمت مفوضہ کے سوا اور کسی اپنے ذاتی کام اگرچہ نماز نفل یا دوسرے شخص کے کاموں میں صرف کیا کہ اس سے بھی تسلیم منتقض ہوگئی، یونہی اگر آتا اور خالی باتیں کرتا چلا جاتا ہے۔ طلبہ حاضر ہیں اور پڑھاتا نہیں کہ اگرچہ اجرت کام کی نہیں تسلیم نفس کی ہے، مگر یہ منع نفس ہے، نہ کہ تسلیم، بہرحال جس قدر تسلیم نفس میں کمی کی ہے اتنی تنخواہ وضع ہوگی، معمولی تعطیلیں مثلا جمعہ، وعیدین ورمضان المبارک کی، یا جہاں مدارس میں سہ شنبہ کی چھٹی بھی معمول ہے، وہاں یہ بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں کہ ان ایام میں بے تسلیم نفس بھی مستحق تنخواہ ہے، سوا اس کے اور کسی صورت میں تنخواہ کل یا بعض ضبط نہیں ہوسکتی، تسلیم نفس کامل کرکے اور بات میں باوصف قبول واقرار خلاف ورزی غایت یہ کہ جرم ہو، جرم کی تعزیر مالی جائز نہیں کہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام، معہذا حقوق العباد میں مطلقًا اور حقوق اللہ میں جرم کرچکنے کے بعد تعزیر کا اختیار صور معدودہ کے سوا قاضی شرع کو ہے نہ عام لوگوں کو اور امر ناجائز رائج ہو جانے سے جائز نہیں ہوسکتا، یونہی ملازمت بلا اطلاع چھوڑ کر چلا جانا اس وقت تنخواہ قطع کرے گا نہ تنخواہ واجب شدہ کو ساقط اور اس پر کسی تاوان کی شرط کرلینی مثلا نوکری چھوڑنا چاہے تو اتنے دنوں پہلے سے اطلاع دے، ورنہ اتنی تنخواہ ضبط ہوگی یہ سب باطل وخلاف شرع مطہر ہے، پھر اگر اس قسم کی شرطیں عقد اجارہ میں لگائی گئیں جیسا کہ بیان سوال سے

ظاہر ہے کہ وقت ملازمت ان قواعد پر دستخط لے لئے جاتے ہیں، یا ایسے شرائط وہاں مشہور و معلوم ہو کر المعروف کالمشروط ہوں، جب تو وہ نوکری ہی ناجائز وگناہ ہے، کہ شرط فاسد سے اجارہ فاسد ہوا، اور عقد فاسد حرام ہے۔اور دونوں عاقد مبتلائے گناہ، اور ان میں ہر ایک پر اس کا فسخ واجب ہے، اور اس صورت میں ملازمین تنخواہ مقررکے مستحق نہ ہوں گے، بلکہ اجر مثل کے جو مشاہرہ معینہ سے زائد نہ ہوں، اجر مثل اگر مسمّٰی سے کم ہو تو اس قدر خود ہی کم پائیں گے، اگرچہ خلاف ورزی اصلا نہ کریں،

درمختار میں ہے:

الاجیر الخاص ویسمی اجیر وحد وھو من یعمل لواحد عملا موقتا بالتخصیص و یستحق الاجر بتسلیم نفسہ فی المدۃ وان لم یعلم کمن استؤجر شھر للخدمۃ، ولیس للخاص ان یعمل لغیرہ (بل ولا ان یصلی النافلۃ" شامی" ولو عمل نقص من اجرتہ بقدر ماعمل، فتاوٰی النوازل[1]۔	اجیر خاص کا نام اجیر وحد ہے، اور جو کسی کے لئے خاص ہو کر مقررہ عمل کرے اور مقررہ مدت میں اپنے آپ اس کے سپرد کردے اگرچہ عمل نہ کرے مثلاً کسی نے ایک ماہ خدمت کے لئے ملازم رکھا ہو، اجیر خاص کو یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کا کام کرے بلکہ اس کو اس وقت میں نفل نماز بھی نہ چاہئے، شامی، اور اگر اس نے کسی اور کا کام کیا تو اس کی اجرت میں اتنی کمی کی جاسکے گی۔ فتاوٰی نوازل۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث کانت البطالۃ معروفۃ فی یوم الثلثاء والجمعۃ وفی رمضان والعیدین یحل الاخذ[2]۔	جہاں منگل اور جمعہ اور رمضان وعیدین کی تعطیل مروج ہے وہاں ان کا مشاہرہ لینا جائز ہے۔(ت)

بزازیہ پھر بحر پھر شامی میں ہے:

معنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساك شیئ من مال عندہ مدۃ	تعزیر بالمال کا جہاں قول ہے اس کا معنی یہ ہے کہ ملزم کا وہ مال کچھ مدت کے لئے روک لیا جائے

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۱ وردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۰

لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ الا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او لبیت المال۔ کما یتوھمہ الظلمۃ۔ اذا لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی[1]۔	تاکہ وہ جرم سے باز آجائے اور پھر حاکم مال واپس کردے یہ معنی نہیں کہ حاکم اس مال کو اپنے لئے یا بیت المال کے لئے وصول کرے جیسا کہ ظالم لوگوں نے خیال کررکھا ہے کیونکہ کسی مسلمان کو شرعی وجہ کے بغیر کسی کا مال لینا جائز نہیں ہے۔(ت)

شرح معانی الاثار امام طحاوی پھر مجتبٰی پھر ابن عابدین میں ہے:

التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ[2]۔	تعزیر بالمال ابتداء اسلام میں جائز تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ (ت)

شرح ہدایہ امام عینی میں ہے: العمل بالمنسوخ حرام[3] (منسوخ پر عمل حرام ہے۔ت) درمختار میں ہے:

یقیمہ کل مسلم حال مباشرۃ المعصیۃ وبعدہ لیس ذٰلك لغیر الحاکم والزوج والمولٰی[4].	گناہ میں مشغول کو ہر مسلمان تعزیر کرسکتا ہے اور بعد میں حاکم، خاوند آقائے غیر کو یہ حق نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یقیمہ ای التعزیر الواجب حقا ﷲ تعالٰی بخلاف التعزیر الذی یجب حقا للعبد فانہ لتوقفہ علی الدعوی لایقیمہ الا الحاکم الا ان یحکما فیہ اھ فتح[5]۔	"ہر مسلمان تعزیر قائم کرسکتا ہے" کا مطلب یہ ہے وہ تعزیر جو اللہ تعالٰی کے حق پر واجب ہو بخلاف اس تعزیر کے جو بندے کے حق پر واجب ہو کیونکہ وہ بندے کے دعوی پر موقوف ہوتی ہے اس کو حاکم کے سوا کوئی نہیں قائم کرسکتا الایہ کہ دونون فریق اس کے لئے کسی کو ثالث بنالیں اھ فتح(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۸
[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۹
[3] البنایۃ فی شروح الھدایۃ
[4] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷
[5] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دارحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۱

فتاوٰی غیاثیہ میں ہے:

الاتری انھم لو تعاملوا علی بیع الخمر اوعلی الربا لایفتی بالحل[1]۔	کیا دیکھ نہیں رہے کہ اگر لوگ شراب فروخت یا سود کے معاملات مروج کرلیں تو حلال ہونے کا فتوٰی نہ دیا جائے گا۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل، وان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق، رواہ الشیخان عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھما[2]۔	لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ ایسی شرطیں بناتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور جو شرط کتاب اللہ کی رو سے جائز نہ ہو وہ باطل اگرچہ سو شرطیں ہوں اللہ تعالٰی کا فیصلہ حق ہے اور اللہ تعالٰی کی جائز کردہ شرط حق ہے، اس کو شیخین (بخاری ومسلم) نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تفسد الاجارۃ بالشروط المخالفۃ لمقتضی العقد[3]	ایسی شرائط اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں جو مقتضٰی کے مخالف ہوں۔(ت)

اسی میں ہے:

ان فسدت بجھالۃ المسمی وبعدم التسمیۃ وجب اجر المثل باستیفاء المنفعۃ بالغاما بلغ والا تفسد بھما بل بالشروط او	اگر اجارہ شیئ کی جہالت اور عدم ذکر کی وجہ سے فاسد ہو تو منافع حاصل کرنے پر مثلی اجرت لازم ہوگی خواہ جتنی بھی ہو ورنہ ان دونوں صورتوں میں بلکہ ایسی دیگر شرائط سے بھی فاسد ہوگا یا

[1] فتاوٰی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النساج مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۹۰۔۲۸۹ وکتاب المکاتب ۱/ ۳۴۸ کتاب الشروط ۱/ ۳۷۷ وصحیح مسلم کتاب العتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

الشیوع مع العلم بالمسمی لم یزد اجر المثل علی المسمی لرضاھما بہ وینقص عنہ لفساد التسمیة[1]۔	مقررہ معاوضہ معلوم ہونے کے باوجود شیوع پایا جائے تو مثلی اجرت مقررہ سے زائد نہ ہوگی کیونکہ مقررہ پر دونوں راضی تھے، کم ہو تو کم کردی جائے کیونکہ مقرر فاسد ہوچکا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

یجب علی کل واحد منھما فسخہ اعداما لفساد، لانہ معصیة فیجب رفعھا، بحر۔ ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض، لان الواجب شرعا لایحتاج للقضاء، درر، واذا اصراحدھما علی امساکہ، وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع بزازیة۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	دونوں فریقوں پر واجب ہے کہ اس کو فسخ کریں کیونکہ گناہ کو ختم کرنا ضروری ہے، بحر۔ اور اسی لئے اس فسخ کے لئے قاضی کی قضاء ضروری نہیں ہے کیونکہ جو چیز شرعاً واجب ہو وہ قضاء کی محتاج نہیں، درر، جب دونوں فریقین قائم رکھنے پر مصر ہوں اور قاضی کو معلوم ہوجائے تو وہ جبراً فسخ کردے تاکہ شرعی حق قائم ہوجائے، بزازیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مسئولہ محمد مسعود علی میر محلّہ بدایوں بروز دوشنبہ ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ممالک متحدہ میں ایک عرصہ سے جدید بنک کھولے گئے ہیں جن کو زبان اردو میں دیہاتی بنک کہا جاتا ہے، اور جن کے دفتروں میں صدہا مسلمان ملازم ہیں، تنخواہ پاتے ہیں، ان بنکوں کی حقیقت یہ ہے کہ ان کی پونجی بالعموم حسب ذیل تین طریقوں سے فراہم کی جاتی ہے:

اول: دس دس یا بیس بیس روپیہ کی قیمت کے حصص قائم کئے جاتے ہیں اور کم از کم ایک حصہ کا خریدار ممبر مانا جاتا ہے اس ہر بنک میں صدہا ممبر ہوتے ہیں ہر حصہ کی قیمت بالعموم بیس چھ ماہی قسطوں میں یعنی دس سال میں قابل ادا ہوتی ہے۔

دوم: اکثر رقوم بمد امانت جمع ہوا کرتے ہیں۔

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

سوم: قرض لیا ہوا روپیہ بھی اس کی پونجی میں شامل ہوتا ہے۔

اصل مقصد ان بنکوں کا یہ ہے کہ اپنے ممبروں کو سخت ضرورت کے وقت سادہ سود کے کم نرخ پر قرض دے کر مہاجنوں کے سود در سود اور بھاری شرح کی مار سے ضرور تمند ممبروں کو جن میں مسلمان اور ہل ہنود دونوں از قسم زمیندار وزراعت پیشہ وتجارت پیشہ ودیگر کاروباری شامل ہیں محفوظ رکھا جائے، ملازمان بنک کارہائے مفوضہ میں ممبران بنک کو کفایت شعاری کی ہدایت کرتے رہنا اور غیر ضروری کاموں کے لئے قرض نہ لینے دینا ایک اہم فریضہ ہے، بنک جو اپنے ممبروں کو قرض ادا کرتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ممبران اپنا اپنا کاروبار چلانے کے لئے ضروری روپیہ بنک سے قرض لیتے ہیں جس کی شرح سود بالعموم ایک روپیہ سے سوا روپیہ سیکڑہ تک سادہ ہوتی ہے، اور یہ قرض مع سود بالاقساط ادا کیا جاتا ہے، اس طرح پر قرضداروں کو مہاجنوں سے قرض لینے کے مقابلہ میں بہت زیادہ منفعت رہتی ہے۔ مثلاً کسی معمولی حیثیت کے مسلمان ممبر نے سخت ضرورت کے وقت پانچسو روپیہ بنک سے قرض لے، تو یہ قرض پانچ سال میں بالاقساط مع سادہ سود کے آٹھ سو پچھتّر روپیہ کی تعداد میں بنک کو ادا کیا جائے گا۔ اور بالفرض اگر کوئی قسط کسی مجبوری سے نہ ادا ہوسکے تو بلا کسی تاوان کے قرضدار کو مزید مہلت ملے گی، یعنی بجائے پانچ سال لے ساڑھے پانچ سال میں ادا ہوسکتی ہے، درانحالیکہ مہاجن سے پانچسو روپیہ قرض لینے میں دو روپیہ کی سود در سود کی شرح سے کم نہیں ملے گا، اور ششماہی سود شامل اصل ہو کر پانچ برس کے عرصہ میں (ال صماللع للعہ) روپیہ یعنی بنک کے قرضہ سے دوگنا دینا پڑے گا، اور اگر پانچ سال کے بجائے ساڑھے پانچ برس تک یہ قرض رہ گیا تو تقریباً دو ہزار روپیہ دینا پڑینگے جیسا کہ اکثر مسلمان جو سودی قرض لینے کے عادی ہیں، مہاجنوں کے چنگل میں پھنس کر بغیر تباہ ہوئے نہیں بچتے، اس لحاظ سے یہ بنک ان مسلمان ممبروں کے لئے زیادہ مفید کہی جاسکتی ہے، جو ضروری اور غیر ضروری کاموں کے لئے بلحاظ کفایت شعاری سودی قرض لینے کے عادی ہیں قرض پر سود کی رقم جو بنک کو اصل کے ساتھ ادا کی جاتی ہے اس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جو بطریق ذیل پیدا کی جاتی ہیں:

ا۔ زراعت پیشہ لوگ جس میں اکثر مشرکین ہوتے ہیں، بغرض زراعت ضروری روپیہ بنک سے قرض لے کر زراعت کرتے ہیں اور اس کے ماحصل سے جو مقدار قرض سے کئی حصہ زیادہ ہوتا ہے کچھ جزوی رقم سود کے نام سے قرضہ بنک میں ادا کرتے ہیں۔

ب۔ اسی طرح تجارت پیشہ لوگ اپنی تجارت کے ماحصل سے (یعنی منافع سے)۔

ج۔اسی طرح کاروباری مثلاً ایک نجار نے دس روپے قرض لے کر اوزار خریدے اور سال بھر میں دو سو روپیہ پیدا کئے،اسی آمدنی سے ادائے قرض میں بجائے دس روپے کے بارہ روپے بنک میں داخل ہوتے ہیں۔

ملازمان بنک کے کارہائے متعلقہ یعنی فرائض حسب ذیل ہوتے ہیں:

اولاً دفتر میں متعلقہ حساب وکتاب درست کرنا۔

ثانیاً: اس بات کی سخت نگرانی کرنا کہ ممبران بنک کسی غیر ضروری کام کے لئے قرض نہ لیں اور فضول کام میں روپیہ خرچ نہ کریں۔

ثالثاً: ماتحتوں کے کام کی نگرانی رکھنا، جانچ کرنا، سودی قرض وصول کرنا، تنخواہ جوان ملازموں کو ملتی ہے وہ بنک سے منافع سے ملا کرتی ہے جس میں مذکورہ بالا سود کا روپیہ بھی شامل ہے، نظر براں ان بنکوں میں ملازمت کرنا جائز ہے یا جائز،اور ایک ضروتمند مسلمان ملازمت پیشہ جو اس بنک میں ملازم ہے اور اپنی محنت کے عوض مقرر تنخواہ پاتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے،اگر اس کی ایسی ملازمت ناجائز ہے تو کس حد تک،اور حسب ذیل اشخاص کی حیثیتوں اور ایسے ملازم بنک کی حیثیت میں کیا فرق ہے،

(۱) ایک مسلام جو سرکاری بنک میں اپنا روپیہ امانتاً جمع کراتا ہے اور اسی امانت پر سود کے نام سے منافع حاصل کرتا ہے۔

(۲) ایک مسلمان جو محض مشرکین سے سود لیا کرتا ہے۔

(۳) ایک مسلمان جو سود دیا کرتا ہے۔

(۴) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ مال میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ اس مالگزاری کی آمدنی سے ملتی ہے جس میں بقاعدہ زمینداری باقایا لگان پر کاشتکاروں سے بالعموم سود لیا ہوا اور غیر مسلم مالگذار کا جائز وناجائز طریقہ پر پیدا کیا گیا ہوا روپیہ شامل ہوتا ہے کیونکہ یہ سب مخلوط آمدنی مالگزاری سرکاری میں داخل ہوا کرتی ہے۔

(۵) ایک مسلمان جو گورنمنٹ کے صیغہ دیوانی میں ملازم ہے اور جس کو تنخواہ کورٹ فیس وغیرہ کی آمدنی سے جس میں بیشتر حصہ اس رقم کا ہوتا ہے جس کو مہاجن سود کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں ملا کرتی ہے۔

(۶) ایک مسلمان چنگی کا ملازم جس کی تنخواہ چنگی کی آمدنی سے جو بلحاظ ٹیکس وغیرہ بالعموم سود خوار اقوام کی کمائی سے جمع کی جاتی ہے ملا کرتی ہے۔

(۷)ایک مسلمان جو کسی ایسے غیر محتاط مسلمان رئیس کے پاس ملازم ہے جس نے اپنی آمدنی کے ذرائع کو عام احتیاط سے مستثنٰی کر رکھا ہے۔

(۸) کسی ایسے انگریزی مدرسہ کا مدرس جس کا کاروبار چندہ پر مبنی ہے اور چندہ دہندگان میں سود خوار اقوام بھی شامل ہے ں،ایسے چندہ کی آمدنی سے تنخواہ پانے والا مسلمان مدرس۔

(۹)ایک مسلمان تجارت پیشہ جو اپنے مال کو سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کیا کرتا ہے۔

(۱۰)ایک مسلمان زراعت پیشہ جس کو اپنا غلہ وغیرہ سود خوار اقوام کے ہاتھ فروخت کرنے سے کوئی عار نہیں ہے اور یہ بھی تحقیق طلب ہے کہ آیا ایسی جائداد یعنی زمینداری وغیرہ جس کو کسی ڈپٹی کلکٹر یا کسی جج یا کسی منصف یا کسی وکیل مختار نے اپنے ایسے پیشہ کی آمدنی سے پیدا کیا ہو اکل حلال سمجھی جاسکتی ہے یا نہیں؟اور اس کی آمدنی محتاط لوگ جائز آمدنی سمجھ سکتے ہیں یانہیں؟فقط۔**بینوا توجروا**

الجواب:

بنک کی صورت مذکورہ حرام قطعی ہے،اور یہ فائدہ کہ بنیوں سے آدھا یا چہارم سود لیا جائے گا سود دینے والے کا ایک دینوی فائدہ سہی مگر دینے والے اور لینے والے کے اخروی مضرت اور حرمت میں کوئی فرق نہیں،اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا"[1]، "فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ"[2]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا چھوڑدو،پھر اگر نہ مانو تو اللہ ورسول سے لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنیوالوں پر،اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۹

[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

صحیح حدیثوں میں ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الرباء ثلثة وسبعون حوبا ایسرھا ان ینکح الرجل علی امه[1]۔	سود تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے، ان میں سب سے ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔

ایک حدیث میں ہیں:

من اکل درھما من الربا وھو یعلم انه ربا فکانما زنی بامه ستاوثلثین مرة[2]۔	جس نے دیدہ دانستہ سود کا ایک درہم کھایا (جو یہاں کے تقریباً ساڑھے چار آنے کے برابر ہوتا ہے) اس نے گویا چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔

اس حساب سے سود کے ہر دھیلے پر اپنی ماں سے زنا کرنا ہوتا ہے۔ تو یہ منفعت جتانا کہ بنئے کو دونا دینا ہوگا۔ یہ آدھا لیں گے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بنئے کے یہاں نہ جاؤ، وہاں ہزار بار مثلاً ماں سے زنا کرنا ہوگا۔ یہاں آؤ کہ ہم تو پانسو باری کریں، یہ کیا خاک فائدہ ہوا۔ یا اس سے گزر کریوں سمجھئے کہ بنئے کو یہاں نہ جاؤں وہاں اسی ہزار جوتے پڑینگے، ہم چالیس ہزار ماکر چھوڑ دینگے ان کے سر کی خیر تو چالیس ہزار میں بھی نہیں، یہ سب شیطانی دھوکے اور مہمل ہوسیں ہیں، شرعی طریقہ برتیں کہ خود بھی ان عظیم آفتوں سے بچیں، اور قرض لینے والے بھی اور بنک کو دل خواہ نفع بھی ہو جائے اور لینے والے بھی بنیوں کی مصیبت سے بچیں، اس کے متعدد طریقے ہمارے رسالہ **کفل الفقیه الفاهم** میں مذکور ہیں ازاں جملہ آساں تر یہ کہ مثلاً کوئی شخص سو روپیہ سال بھر کے وعدہ پر قرض لینا چاہتا ہے اور بنک یہ چاہے کہ اسے روپیہ مل جائے اور مجھے نفع ہاتھ آئے تو اسے روپیہ قرض نہ دے بلکہ سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو دس یا ایک سو باہر کو بیع کرے، یہ بیع ہے ربا نہیں،

قال اللہ تعالٰی "قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود، (اس کا جواب کہ) اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔

---

[1] المصنف لعبدالرزاق ماجاء فی الرباء حدیث ۱۵۳۴۴ و ۱۵۳۴۵ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۱۴ و شعب الایمان حدیث ۵۵۱۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] الترغیب والترھیب الترھیب من الرباء مصطفی البابی مصر ۳/ ۷ و ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

ملازمت کی صورتیں جو سائل نے لکھیں اس کا جواب کلی کہ انھیں اور ان جیسے دس ہزار کو شامل ہو، یہ ہے کہ ملازمت دو قسم ہے:

ایک وہ جس میں خود ناجائز کام کرنا پڑے، جیسے یہ ملازمت جس میں سود کا لین دین، اس کا لکھنا پڑھنا، تقاضا کرنا اس کے ذمہ ہو، ایسی ملازمت خود حرام ہے، اگرچہ اس کی تنخواہ خالص مال حلال سے دی جائے، وہ مال حلال بھی اس کے لئے حرام ہے، اور مال حرام ہے، تو حرام در حرام۔

دوسرے یہ کہ وہ ملازمت فی نفسہ امر جائز کی ہو مگر تنخواہ دینے والا وہ جس کے پاس مال حرام آتا ہے، اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ جو کچھ اسے تنخواہ میں دیا جارہا ہے، بعینہٖ مال حرام ہے۔نہ بدلا نہ مخلوط ہوا نہ مستہلک ہوا تو اس کا لینا حرام ورنہ جائز۔

قال محمد به ناخذ مالم نعرف شيئا حراما بعينه[1]۔ہندیۃ عن الظهيرية۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، ہم اسی کو اختیار کریں گے جب تک عین حرام چیز کا علم نہ ہو، ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے۔(ت)

یہ حکم ملازمتوں کا ہے، مزارع یا تاجر کا غلہ و مال کسی کے ہاتھ بیچنا اسی قسم اخیر کے حکم میں ہے اور سود لینا خواہ گورنمنٹ سے ہو یا مشرکین سے خود فعل ناجائز ہے، یہ قسم اول کے حکم میں داخل ہے، اور سود دینا اگر محض مجبوری شرعی سے ہو جس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، تو اجازت ہے۔

يجوز للمحتاج الاستقراض بالربا[2]۔	محتاج کو سود پر قرض لینا جائز ہے۔(ت)

ورنہ حرام، اور دینا لینا یکساں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: مولوی حشمت علی صاحب محلّہ گڑھیاں، بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک جگہ پڑھانے پر نوکر ہے، جمعرات کو صبح کے وقت زید کی کچھ طبیعت علیل تھی مگر اس وجہ سے کہ پڑھائی میں حرج نہ ہو پڑھانے چلا گیا، ساڑھے نو بجے تک پڑھایا، بعد ازاں زیادہ طبیعت خراب ہوئی اور پڑھایا نہ گیا تو زید نے اس سے جس کے یہاں پڑھاتا تھا کہا کہ مجھ سے اب باقی وقت کام نہیں ہوتا ہے مجھے چھٹی دے دیجئے، تب اس شخص نے زید کو جواب دیا کہ اپنا وقت گیارہ بجے تک پورا کردیجئے ورنہ رخصت یوم کی تنخواہ وضع ہوگی، زید نے اس کے جواب میں کہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۶

کہ میں ربع یوم کی چھٹی چاہتاہوں اگر آپ منظور نہ کریں توصرف ربع یوم کی تنخواہ وضع کرلیں، نصف یوم کی تنخواہ وضع کرنے کا کوئی قاعدہ نہیں ہے کہ میں نے ربع یوم کام کیاہے ربع باقی ہے۔

دریافت طلب یہ ہے کہ جب زید نے ربع یوم کام کیااور ربع یوم نہیں کیااور رخصت چاہی، توشرعازید کی ربع یوم کی تنخواہ وضع ہوناچاہئے یانصف یوم کی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس روز جتنے گھنٹے کام میں تھاان میں جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی ہی تنخواہ وضع ہوگی، ربع ہو تو ربع یا کم زیادہ جس قدر کی کمی ہوئی صرف اتنی تنخواہ وضع ہوگی، مثلاً چھ گھنٹے کام کرنا تھااور ایک گھنٹہ نہ کیاتواس دن کی تنخواہ کاچھٹا حصہ وضع ہوگا۔زیادہ وضع کرنا ظلم ہے۔

مسئلہ ۱۹۹: از بدایوں مولوی محلّہ مرسلہ شاہ حاجی اعجاز حسین صاحب ۱۷ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے تین لڑکیاں اور دولڑکے اپنی وفات پر چھوڑے،اور ایک حقیت چھوڑی،بڑالڑکااس حقیت کاکاروبار کرتارہا،اور بخوشی دیگر بھائی بہن کے اس کی آمدنی کو اپنے صرف میں لاتارہا،اب اس کاانتقال ہوا،اس حقیت میں سے ایک کھیت برابر اپنی کاشت میں رکھا تھا،اب اس متوفی کالڑکا وارث ہوا،لیکن وہ کھیت جس کا لگان جمع بندی میں (للعہ عہ) یاکچھ درج ہے اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایاگیاتو بجائے (للعہ عہ) کے (عہ) میں اٹھا،اب اس موروثی کھیت کالگان جواور جس قدر (للعہ عہ/) سے زیادہ ہوا،اس کامالک متوفی کاصرف لڑکا ہوا، یاوہ زیادتی لگان بھی شرعاسب میں تقسیم کرنا چاہئے،مکرریہ ہے کہ وہ کھیت جو قانونا موروثی بھی ہے وہ علیحدہ کرنے پر لگان مندرجہ جمع بندی کے علاوہ ہر حال میں متوفی کے وارث کو پہنچتاہے۔

الجواب:

جبکہ وہ جائداد غیر منقسم ہے،اس کاہر جز جس میں یہ کیفیت بھی ہے، جملہ ورثہ میں مشترک ہے نہ تنہا متوفی کا پسر اس کامالک تھا،نہ اب پسر اس کامالک ہو۔برضائے دیگر ورثہ اس کی آمدنی صرف ایک کے صرف میں آنا، جائداد کااس کو ہبہ نہیں،اور بالفرض ہو بھی توجائداد قسمت بلاتقسیم اپنے شریک کو بھی ہبہ کرنا باطل وناتمام ہے،اب کہ موہوب لہ مرگیاہبہ باطل محض ہوگیا،اور جائداد جملہ ورثاء باقین ووارثان پسر متوفی میں مشترک رہی، درمختار میں ہے:

لاتتم بالقبض فیمایقسم ولووہبہ لشریکہ[1]۔	ہبہ تام نہیں ہوتا قابل تقسیم چیز میں اگرچہ شریک کو ہبہ کیا ہو۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

اسی کے موانع الرجوع میں ہے:

والمیم موت احد المتعاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد فریقین میں سے کسی ایک کی موت قبضہ دینے کے بعد اور اگر قبضہ سے پہلے موت واقع ہو جائے تو باطل ہو جائے گا۔(ت)

یہ موروثیت شرعا کوئی چیز نہیں، نہ پسر متوفی اسے جبرا اپنی کاشت میں رکھ سکتا تھا نہ اس کے بیٹے کو یہ دعوی پہنچتا ہے، رہا اس کھیت کا لگان سوال بصیغہ مجہول ہے کہ اب دوسرے کاشتکار کو اٹھایا گیا، معلوم نہیں کہ کس نے اٹھایا، اگر سب ورثاء نے اٹھایا، یاسب کے اذن سے ایک نے اٹھایا، یا ایک نے اٹھایا اور باقیوں نے اسے جائز کیا، تو اس کا لگان حصہ رسد سب شرکاء کی ملک ہے، (للعہ عہ/) ہو یا (عہ/) یا ایک پیسہ۔ یا ہزار روپے، اور ایک مثلا پسر متوفی نے بے رضائے باقی ورثہ اٹھایا، اور باقیوں نے اٹھانے کے بعد بھی اسے نافذ نہ کیا تو اس کا لگان اسی اٹھانے والے کی ملک ہوگا، مگر اپنے حصہ میں ملک طیب اور اوروں کے حصوں میں بھی ملک خبیث کہ اس پر فرض ہے کہ باقی شرکاء کو ان کے حصوں کی قدر اس میں سے دے، اور یہی افضل ہے اور ان کے لئے طیب ہے، ورنہ فقراء پر تصدق کرے، اپنے صرف میں لانا حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

المنافع لاتتقوم الابالعقد، وھو صادر منه بلاوکالة سابقه ولا اجارۃ لاحقة فملکها الشریك العاقد، لکن ملکه فی غیر ملکه ملك خبیث، فیجب علیه التصدق به اودفعه لشرکائه خروجا من الاثم و الثانی افضل لخروجه من الخلاف ایضا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	منافع صرف عقد سے قیمتی بنتے ہیں جبکہ یہ عقد مالک سے صادر ہو بغیر سابق وکالت اور بغیر اجازت لاحق کے ہو، تو شریک عقد کرنے والا مالک ہوگا لیکن غیر کے حصہ میں ملک خبیث ہوگی جس کا صدقہ کرنا یا اپنے شریک کو دینا واجب ہے تاکہ گناہ سے فارغ ہو جائے، دوسری صورت (شریک کو دینا) افضل ہے، تاکہ اختلاف سے بچ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] درمختار کتاب الھبة باب الرجوع فی الھبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۲۵

مسئلہ ۲۰۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اجیر اور ملازم میں کیا فرق ہے، ملازم کا ۲۴ گھنٹہ میں ایک گھنٹہ بھی ایسا نہیں جو ملازمت سے خالی ہو، اس کے آقا کو اختیار ہے کہ وہ اپنے غلام سے جتنے دن چاہے کام لے، جتنے دن چاہے چھٹی دے، یا کسی خاص کام پر مقرر کرے، یا مختلف کام اس کے منصب کے موافق لے، اگر کوئی شخص کسی خاص کام پر مقرر ہو تو اس کے آقا کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ کام جس پر مقرر ہے چھڑا کر دوسرے کام پر ضرورۃً بھیج دے، ملازم کو کوئی عذر کرنے کا موقع نہیں۔ نہ اس کام کے معاوضہ کا مستحق، اجیر میں یہ بات نہیں ہے وہ مقید نہیں، جتنی دیر کام کرے گا اتنی ہی دیر کی اجرت کا مستحق ہوگا، جب تک چاہے کام کرے گا، جب تک چاہے گا نہ کرے گا۔ ہاں ملازم سے پہلا کام چھڑا کر دوسرے کام کے عوض میں خود آقا اس کا معاوضہ مقرر کرے تو اس کے لینے کا مستحق ہوجائے گا، ملازم مقررہ چھٹیوں میں کام نہ کرنے کی حالت میں تنخواہ کا مستحق اور اجیر کام نہ کرنے کی اجرت نہیں پاسکتا، اسی طرح اجیر مقررہ وقت میں جتنے گھنٹے کام کرے گا اتنے ہی گھنٹوں کی اجرت کا مستحق ہوگا اور ملازم اگر مقررہ مدت سے ایک دو گھنٹہ کام کرکے بغیر منظوری چھوڑ دے، تو آقا اس کے کل دن کی تنخواہ اس کی کاٹ سکتا ہے، یہ قول اس کا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

یہ سب ہوس محض، اور اس کا اختراع بے اصل ہے شرع میں اجیر اجیر خاص واجیر مشترک دونوں کو عام ہے، اجیر خاص کو اردو میں ملازم اور نوکر کہتے ہیں، اجیر مشترک پیشہ ور، کہ اجرت پر ہر شخص کا کام کرتے ہیں، کسی خاص کے نوکر نہیں، جیسے راج، مزدور، بڑھئی، درزی وغیرہم ملازم کا اگر وقت معین کیا جائے، مثلاً صبح سے شام تک، یا رات، کے نو بجے تک، یا مدرسوں کی نوکری ہے، مثلاً ۶ بجے سے ۱۲ بجے تک پھر ۲ بجے سے ۵ بجے تک، تو وہ اتنے ہی گھنٹوں کا ملازم ہے۔ مقررہ گھنٹوں کے علاوہ خود مختار ہے کہ اس کا اتنا ہی وقت بیکار ہے، تو زید کا کہنا کہ ملازم کا ایک گھنٹہ بھی ملازمت سے خالی نہیں، جہالت سے خالی نہیں، ملازم جو کسی کار خاص پر ہو جیسے مدرس، اس سے وہی خاص کام لیا جائے گا، دوسرے کام کو کہا جائے تو اس کا ماننا اس پر لازم نہیں، ہاں خدمت گار ہر گونہ خدمت کرے گا، مقید نہ ہونا صرف اجیر مشترک راج، بڑھئی،، اور ان کے امثال میں ہے جن کا کام بکتا ہے، وقت نہیں بکتا، اس میں یہ بات صحیح ہے کہ جب تک چاہے کام کرے۔

کرے گا پائے گا ورنہ نہیں، بخلاف اجیر خاص کہ اس کا وقت بکا ہوا ہے، اس وقت میں اسے حرام ہے کہ بے مرضی مستاجر کام سے انکار کرے، اور اگر کام نہ ہو اور وقت عـــہ دے تنخواہ پائے گا۔ اور وقت نہ دے تو نہ پائے گا، اگر وقت دس گھنٹے مقرر ہے اور ایک دن کی تنخواہ مثلاً دس آنے ہے اور اجیر نے دو گھنٹے وقت دیا، آٹھ گھنٹے غیر حاضر رہا، تو یہ غلط اور جبر و ظلم ہے کہ آقا اس کے کل دن کی تنخواہ کاٹے گا، ہر گز نہیں بلکہ صرف آٹھ گھنٹوں کی ۸/، شریعت کے احکام جو نہ جانتا ہو اس پر حرام ہے کہ احکام لگائے، اس پر فرض ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱ تا ۲۰۳: از لکھنؤ حضرت گنج سول اینڈ ملیٹری ہوٹل مرسلہ رزاق محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید مسلمان پیشہ ور اور تاجر ہے اور ہوٹل جس میں عموماً انگریز لوگ ٹھہرتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔ زید ان کے جملہ طعام وقیام کا منتظم ہے، ان سے نفع اٹھاتا ہے۔ اور ہر چیز مہیا کرتا ہے۔ اپنے مسافروں کا مثل شراب وسور وغیرہ کے پابند ہے۔ یعنی اس قسم کی چیزیں بھی وہ خرید کرتا ہے، اور ان کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، لہٰذا مسلمان کو ایسی تجارت کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۲) زید ہوٹل کا مالک ہے مگر ہوٹل وغیرہ خود نہیں کرتا بلکہ عمارت کرایہ پر دوسرے لوگوں کو دے رکھی ہے جو اس کو مثل ہوٹل کے استعمال کرتے ہیں۔ اور وہی کام کرتے ہیں جو زید کرتا تھا، لہٰذا اس کو جو کرایہ ملتا ہے مکان ہوٹل کا، وہ کیسا ہے، جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) زید بوجہ مسلمان ہونے کے ہر قسم کی امداد اسلامی بھی کرتا ہے، اور حج وزکوۃ وصدقہ وخیرات وتعمیر مساجد ویتیم خانہ وکفن دفن ودعوت خاص وعام ومیلاد شریف وغیرہ کرتا ہے شریعت حقہ کا آمدنی نمبر ۲ کی بابت کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) حرام حرام حرام اور موجب لعنت، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا ومبتاعھا وبائعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا	یعنی اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے شراب پر، اور جو اسے پئے، جو پلائے، جو مول لے۔ جو بیچے، جو نچوڑے، جو نچڑوائے، جو اٹھا کر لائے۔

عـــہ: اندازہ سے بنایا گیا ہے۔ ۱۲۔

والمحمولة الیه[1] (رواہ ابوداؤد وابن ماجة)وزاد الترمذی واٰکل ثمنها[2]۔واللہ تعالٰی اعلم	جس کے لئے اٹھا کر لائی جائے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ت) اور ترمذی نے یہ زیادہ کیا جو اس کے دام کھائے ان سب پر واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ اس نے صرف مکان کرائے پر دیا ہے، کرایہ داروں نے ہوٹل کیا اور افعال مذکورہ کرتے ہیں تو زید پر الزام نہیں "لَاتَزِرُوَازِرَةٌوِّزْرَاُخْرٰی"[3] (کوئی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگی۔ت) اس صورت میں وہ کرایہ کے لئے جائز ہے۔ اگر اس نے کسی اسلامی جگہ میں خاص اس غرض ناجائز کے لئے دیا تو گنہ گار ہے، مگر کرایہ کہ منفعت مکان کے مقابل ہے نہ ان افعال کے اب بھی جائز ہے، ہدایہ میں ہے:

من اٰجر بیتا لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة او یباع فیه الخمر بالسواد فلا باس به لان الاجارة ترد علی منفعة البیت ولا معصیة فیه انما المعصیة بفعل المستاجر[4] اھ(ملخصا)**اقول:** وھذا ھو محمل مافی الغمز عن القنیة وفی جامع الرموز عن المنیة وفی المنح عن شمس الائمة الحلوانی، وفی ردالمحتار عن غرر الافکار عن المحیط عن الامام ان الاجر طیب و ان کان السبب حراما[5] کما حققناہ فی ماعلی ردالمحتار علقناہ	جس نے مکان کرایہ پر دیا کہ اس میں آتش کدہ یا گرجا یا وہاں شراب فروخت کی جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اجارہ کا انعقاد مکان کی منفعت پر ہوا ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے گناہ تو کرایہ دار کے فعل سے ہوا اھ (ملخصا) **میں کہتا ہوں** جو غمز میں قنیہ سے اور جامع الرموز میں منیہ سے اور منح میں شمس الائمہ حلوانی سے اور ردالمحتار میں غرر الافکار اس میں محیط سے اس میں حضرت امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ اجرت طیب ہوگی اگرچہ سبب حرام ہو، کا یہی محمل ہے جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے ردالمحتار پر اپنے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۱ و سنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر علی عشرۃ اوجہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۵۵

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[4] الهدایہ کتاب الکراهیة فصل فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

[5] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸ والاشباہ والنظائر الفن الثالث الکلام فی مهر المثل ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۲

فاحفظه فانه مزلة ومعضلة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حاشیہ میں کی ہے اس کو محفوظ کرلو، یہ پھسلنے کا اور مشکل مقام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) یہ سب افعال اس سے جائز ہیں کہ صورت مذکورہ میں وہ آمدنی ناجائز نہیں۔ کماتقدم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۴ تا ۲۰۶: از پیلی بھیت محلّہ احمد زئی مرسلہ مولوی عبدالسبحان صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ:

(۱) امام جمعہ اور امام پنجوقتہ کا اکثر جگہوں پر تنخواہیں مقرر کرکے لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ختم کلام مبارک یعنی رمضان شریف میں نقدی ٹھہرانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) تعلیم قرآن اور تعلیم فقہ واحادیث کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے مگر امامت کا ثواب نہ پائیں گے کہ امامت بیچ چکے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) تین چار باتیں کہ مستثنٰی ہیں ان میں ختم نہیں، اس کے جواز کا حکم نہایت مشکل ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) جائز ہے اور ان کے لئے آخرت میں ان پر ثواب کچھ نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۷: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتیمبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے ملازمت کی، اور ملازمت کرنے کے بعد جو کچھ قاعدے تھے معلوم ہوئے کہ ان قانون پر نوکری کرنا ہوگا، اوقات کی پابندی بھی معلوم ہوگئی، اگر زید ان قاعدوں کے خلاف کرے پورے وقت تک کام نہ کرے، اور قاعدوں کے مطابق نہ کرے، بلکہ کچھ وقت اپنے ذاتی کام میں صرف کردے، تواس کو نوکری کا پیسہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

جو جائز پابندیاں مشروط تھیں ان کا خلاف حرام ہے، اور بکے ہوئے وقت میں اپنا کام کرنا بھی حرام ہے اور ناقص کام کرکے پوری تنخواہ لینا بھی حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: از کلکتہ زکریا اسٹیٹ ۱۸ مسئولہ عبدالسعید ناگوری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند مسلمان اشخاص کی دکان شرکت میں کلکتہ، بمبئی یا کسی اور مقام پر ہے، دکان کی کل رقم میں تقریباً چہارم سود کا روپیہ لگا ہوا ہے، ایسی دکان میں کسی مسلمان کو ملازمت

کرنا جائز ہے یا نہیں، نیز اس کی آمدنی سے کسی مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی اعانت ہو سکتی ہے یا نہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

اس دکان کی ملازمت اگر سود کی تحصیل وصول یا اس کا تقاضا کرنا یا اس کا حساب لکھنا، یا کسی اور فعل ناجائز کی ہے تو ناجائز ہے۔

قال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: گناہ اور زیادتی پر تعاون نہ کرو۔ (ت)

صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاہدیہ وقال ہم سواء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے، اور سود دینے والے اور سود لکھنے والے، اور سود کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

اور اگر کسی امر جائز کی نوکری ہے تو جائز ہے، تنخواہ میں وہ روپیہ کہ بعینہٖ سود میں آیا ہو نہ لے، اور مخلوط و نامعلوم ہو تو لے سکتا ہے۔ یونہی ایسے نامعلوم روپے سے مسجد و مدرسہ کی اعانت بھی ہوسکتی ہے، خصوصاً ایسی حالت میں کہ مال حلال غالب ہے۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بہ نأخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندیہ میں ذخیرہ سے وہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ ہمارا یہی موقف ہے جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے معاہدہ اور وعدہ اقرار تقریری اور تحریری کیا تھا کہ اگر عمرو اپنے پاس سے خرچ کرکے کرے گا اور کامیابی ہوگی تو بجائے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

دینے معاوضہ میں اپنے نصف مقدمہ میں سے مکان وغیرہ دوں گا، یعنی نصفا نصف پر تصفیہ ہوگیا تھا، اب جبکہ بفضلہ تعالٰی ابتداء تا انتہاء عمرو کی کوشش وجانفشانی اور کثیر روپیہ صرف کرنے کے بعد ہر طرح سے تمام وکمال کامیابی حاصل ہوگئی، تو اب زید ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا نہیں کرتا ہے اور اوروں کے بہکانے سے گریز وانکار کرتا ہے، تو اس صورت میں کل مسلمانوں کو زید اور اس کے بہکانے والوں سے کیا برتاؤ کرنا چاہئے اور جو زید اور اس کے بہکانے والے ایفائے وعدہ اور اقرار معینہ کو پورا کریں تو کیا اجر ملے گا، اور پورا نہ کرنے میں کیا سزا ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ معاہدہ شرعا فاسد ہے، اور اس کا پورا کرنا شرعا جائز نہیں، زید وعمرو دونوں کو ناجائز ہے، عمرو نے جتنا روپیہ صرف کیا وہ ذمہ زید قرض ہے، اور جو کوشش کی اس کی اجرت مثل پائے گا یعنی ایسی کوشش پر کیا اجرت ہونی چاہئے، یہ زر مجموعہ زید سے لے سکتا ہے۔ جائداد پر اس کا کوئی دعوی نہیں۔ اور عقد فاسد کے ارتکاب سے دونوں گنہگار ہوئے توبہ کریں، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۰: از شہر بریلی محلّہ کانکر ٹولہ مسئولہ ظہور محمد خاں صاحب ۵ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو وبکر بذریعہ زمینداری ایک جگہ کے مالک ہیں اور زید مہتمم ومنتظم ذریعہ آمدنی زمینداری مذکور کا ہے، اور خالد زید کی طرف سے کارپرداز ہے، منجملہ اراضی مذکورہ کے ایک قطعہ اراضی کی بابت باہم خالد کارپرداز زید وعبداللہ کے معاہدہ ہوا، کہ ایک مدت تک پاس عبداللہ کرایہ پر رہے گی اور عبداللہ کرایہ ماہ بماہ بحالت خالی رہنے اور کام لانے کی صورت میں زید کو ادا کرے گا اور قبل معاہدہ جو عیب کہ اراضی مذکورہ میں تھا خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا یعنی عبداللہ سے کہہ دیا تھا کہ سابق میں جو کرایہ دار اس اراضی پر بیٹھا تھا اس پر اعتراض محکمہ چنگی کی طرف سے ثابت نہ بیٹھنے اس اراضی پر ہوچکا ہے چنانچہ اس کے جواب میں عبداللہ نے خالد سے کہہ دیا تھا کہ اس معاملہ میں جو کچھ ہوگا میں دیکھ لوں گا، بعد گزرنے تخمینا چار ماہ کے وہ صورت عیب کی جس کو خالد نے عبداللہ پر ظاہر کردیا تھا عبداللہ پر پیش ہوئی اور حاکم وقت کی طرف سے عبداللہ کو جو انتظام کہ اراضی مذکورہ میں عبداللہ کرنا چاہتا تھا اور کررہا تھا۔ نہ کرنے پر مجبور کیا گیا اور عبداللہ پر مقدمہ قائم ہوکر ایک روپیہ جرمانہ ہوا، اس واقعہ کے چند روز کے بعد اراضی مذکورہ کو خالی کردیا، خالد کارپرداز زید نے عبداللہ سے کوئی عہد شکنی نہیں کی، اب عبداللہ کو کرایہ خالی اراضی کا دینے میں عذر ہے، بلکہ جتنی مدت عبداللہ کا واقعی قبضہ رہا اس قدر بھی کرایہ دینے پر رضامند نہیں، جرمانہ کا روپیہ اور خرچ مقدمہ میں جو روپیہ صرف ہوا ہے اس کی نسبت کہتے ہیں کہ

مالکان اراضی پر ہونا چاہئے، ایسی صورت میں عبداللہ کو بموجب تحریر کرایہ نامہ کے کرایہ ادا کرنا چاہئے یا اراضی خالی کرنے کی تاریخ تک، یا جرمانہ کا ایک روپیہ اور مقدمہ میں جو خرچ ہوا تھا وہ مجرٰی کرکے ادا کرنا چاہئے، اور خالد کو بھی بموجب کرایہ کے وصول کرنا چاہئے یا کس قدر اور عبداللہ وزید وعمرو سب مسلمان بھی ہیں۔

الجواب:

جرمانہ وخرچ مقدمہ ذمہ مالکان ڈالنا ظلم محض ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

دفع مغارم سلطانیة بغیر اذن شریکه لایلزم شریکه شیئ مما دفع حیث لم یاذن له بالدفع لیرجع علیه بحصة منها[2]۔	اپنے شریک کی اجازت کے بغیر سرکاری جرمانہ دیا تو جو کچھ دیا شریک اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، لہٰذا ادا کرنے والا شریک سے جرمانہ کا حصہ وصول کرنے کا حقدار نہ ہوگا۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لحقهم خسران بسبب الدعوٰی غرمه احدهم بعد ماقال له الباقون ادفع ذٰلك مهما غرمت فعلینا بقدر حصتنا فدفعه ویرید الرجوع علیهم بقدر حصتهم فله ذٰلك [3] اھ۔فقد شرط للرجوع فاذا کان هذا فی الشرکاء فکیف هنا۔	باقی شرکاء نے کہہ دیا کہ جو ٹیکس لاگو ہو تو ادا کردینا ہم اپنا حصہ ادا کردیں گے تو اس نے ادا کردیا اب یہ باقی حضرات سے ان کے حصے کے مطابق وصول کرنا چاہے تو اس کو یہ حق ہے ان حضرات کے اس دعوی کے مطابق یہ ادائیگی برداشت کرنی ہوگی اھ تو جب وصول کرنے کی شرط مفقود ہو اور معاملہ بھی شرکاء میں ہے تو یہاں کیسے ہوسکتا ہے۔(ت)

حسب بیان سائل زمین سے ٹال رکھنا مقصود تھا، اور چنگی نے اس سے ممانعت کردی،

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۳۵

[2] فتاوٰی خیریة

[3] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۴۳

توجب تک ٹال رہی اس کا کرایہ ضرور واجب ہے، اور جب سے خالی کردی اس کا اصلا استحقاق نہیں، اس بیچ میں جتنے دن عبداللہ کے قبضے میں رہی، اگر اس میں کوئی انتفاع اس نے زمین سے حاصل کیا، اس کے حساب سے کرایہ دے گا ورنہ نہیں، اور دونوں صورتوں کا کرایہ مثل دے گا جو اجر مسمّٰی یعنی کرایہ قرار یافتہ سے زائد نہ ہو، مثلا اجر مثلی یعنی بازاری نرخ سے اس کام کے لئے کرایہ مثل دے گا جو ماہوار ہے، اور ٹھہرا روپیہ یا روپیہ سے زیادہ تو روپیہ دے گا، اور ٹھہرا بارہ آنے تو بارہ ہی آنے دے گا۔ اس لئے کہ یہ اجارہ اس قرارداد پر ہوا کہ اگر چنگی ممانعت کردے مالکان زمین کو اس سے بحث نہیں عبداللہ کرایہ دے گا، یہ شرط خلاف مقتضائے عقد ہے اس سے اجارہ فاسد ہوگا۔ فریقین پر اس کا فسخ واجب تھا کہ ازالہ گناہ لازم ہے، اور اجارہ فاسد میں اجر مثل لازم آتا ہے کہ اجر مسمّٰی سے زائد نہ ہو، متن ہدایہ میں ہے:

لاانفطع ماء الرحی والبیت مما ینتفع بہ لغیرا الطحن فعلیہ من الاجر بحصتہ[1]۔	اگر آٹے کی چکی کا پانی منقطع ہوجائے اور وہ کمرہ پسائی کے بغیر بھی قابل انتفاع ہے تو اس نفع کے حصہ کا اجر کرایہ دار پر لازم ہے۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

فاذا استوفاہ لزمتہ حصتہ[2]۔	اگر اس نے فائدہ پایا ہو تو اتنے کا معاوضہ لازم ہوگا۔ (ت)

اس مسئلہ کی غایت تحقیق و تنقیح فتاوٰی میں ملاحظہ ہو، خلاصہ میں ہے:

وفی مجموع النوازل استاجر حماما ببدل معلوم ان علیہ الاجر حال جریانہ وانقطاعہ فھذا الشرط مخالف لمقتضی عقد الاجارۃ فیفسد[3]۔	مجموع النوازل میں ہے کہ ایک حمام مقررہ کرایہ پر لیا اس شرط پر کہ چالو ہو یا نہ ہو ہر حال میں کرایہ لازم ہوگا تو یہ شرط مقتضی عقد کے خلاف ہے لہذا اجارہ فاسد ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] الھدایۃ کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۱۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب فسخ الاجارۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۱۴۴

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۲۱

لو شرط شرطاً فاسداً قبل العقد ینبغی الفساد لو انتقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الھزل۔وقدسئل الخیرا لرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقده وعقدا خالیاً عن الشرط، فاجاب بانه صرح فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة وغیرھا بانه یکون علی ماتواضعا [1] اھ اماما فی الدر استاجر رحی فمنعه الجیران عن الطحن لتوہین البناء وحکم القاضی بمنعه ھل تسقط حصته مدة المنع قال لا۔مالم یمنع حسامن الطحن [2] اھ قال ط ثم ش المراد و اللہ تعالٰی اعلم ان یحال بینه وبین الدوارة فلا یقدر علیھا [3] اھ فکتبت علیه **اقول:** یجب حمله علی ما اذا کان منع القاضی جبرا لخاطر الجیران لا حکما حتما لو خالفه	اگر فاسد شرط لگائی اگرچہ عقد سے قبل لگائی ہو اور اس کو فریقین عقد کی بنیاد بنائیں تو فساد ہوگا جیسا کہ فقہاء نے مذاقیہ بیع میں اس کی تصریح کی ہے، علامہ خیر الدین رملی سے سوال ہوا کہ دو حضرات نے بیع الوفاء کو عقد سے قبل طے کرلیا اور پھر عقد کے وقت شرط کا ذکر نہ کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ خلاصہ، فیض، تتارخانیہ وغیرہ میں تصریح کی گئی ہے کہ وہ بیع طے کردہ شرط پر مانی جائے گی اھ، لیکن جو درمختار میں ہے کہ کسی نے آٹے کی پن چکی کرایہ پرلی اور پڑوسی نے اپنی عمارت کے نقصان کے خدشہ سے پسائی سے روک دیا اور قاضی نے روک دینے کا حکم دیا ہو تو کیا اس روکنے کی مدت کا کرایہ ساقط ہوگا، تو فرمایا کہ ساقط نہ ہوگا جب تک عملاً نہ روک دے، اھ اس پر طحطاوی نے پھر شامی نے فرمایا کہ عملاً روک دینے کا مطلب یہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ کہ ایسی رکاوٹ ڈالی جائے کہ چکی چلانے پر قدرت نہ ہو، اھ، میں نے اس پر لکھا ہے **میں کہتاہوں**، اس کو اس صورت پر محمول کرنا ضروری ہے جس میں قاضی پڑوسی کی درخواست پر منع کردے نہ کہ ایسی صورت پر کہ یہ قاضی کے

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷

لصادرہ اور عزرہ کیف وقد صرحوا قاطبۃ ان لحوق ضرر غیر مستحق بالعقد عذر یفسخ بہ، وھذا منہ لاشک، واللہ تعالٰی اعلم۔	حکم کی خلاف ورزی کرے اور قاضی اس کو تعزیر لگائے، کیونکہ سب نے تصریح کی ہے کہ ایسا ضرر جو عقد میں شامل نہ ہو، اس کا پایا جانا ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے فسخ ہوسکے گا اور تعزیر والی صورت ایسا ہی عذر ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۱: از موضع دلیل گنج تھانہ امریا پرگنہ جہاں آباد مسئولہ محب اللہ صاحب ضلعدار ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر مسلمان اس ضلع پیلی بھیت میں کاشت موروثی کو جس کی نقشی پختہ ہے گرو رکھتے ہیں اور کچھ روپیہ اصلی کاشتکار کو دے کر اس کی علیحدہ تحریر کرالیتے ہیں، اور زمین کو اپنی کاشت میں رکھ کر اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور نقشی کا روپیہ زمیندار کو خود ادا کرتے رہتے ہیں، اور اس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ دو سال تک یا پانچ سال تک باوجود موجود ہونے روپیہ کے اصلی کاشتکار زمین کو نہیں چھڑا سکتا، مگر بعد گزرنے معاہدہ کے کاشتکار اصلی روپیہ کل ادا کرکے زمین گرو سے چھڑا سکتا ہے، اور بعض بعض شخص اصلی روپیہ میں سے ایک روپیہ سال یا ۸ سال کم بھی لے لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ علماء نے اس صورت میں زمین کا گرو رکھنا جائز قرار دیا ہے **بینوا توجروا**

الجواب:

اصلی کاشتکار زمین کا مالک نہیں ہوتا ملک زمیندار ہے وہ مستاجر ہے، جب اس نے دوسرے کے پاس گروی رکھی اور زمیندار کی باقی اس دوسرے نے دی اور زمیندار نے اس سے قبول کی، تو یہ رہن کی اجازت نہ ہوئی، رہن واجارہ جمع نہیں ہوسکتے، بلکہ اب یہ دوسرا شخص مستاجر ہوگیا، اب وہ پہلا جدا ہے اس پر اس دوسرے کا صرف خالص قرض رہا، وہ جب دے اسے قبول کرنا لازم ہوگا، اور زمین چھوڑنا کسی وقت ضرور نہیں، اس زمین سے کاشتکار اصلی کو کوئی تعلق نہ رہا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲ عـــہ : ازاحمد آباد گجرات محلّہ جمال پورہ متصل مسجد کارنج مرسلہ مولانا عبدالرحیم صاحب ۱۶ شوال ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ یہاں شہر احمد آباد میں بعض "حافظ القرآن" حضرات اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر سوم وچہم منانے جاتے ہیں، اور "کلام مجید" پڑھ کر اموات کی خدمت میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور وہاں سے اجرت لیتے ہیں اور اس میں جُہلاء بہت ثواب سمجھتے ہیں، آیا یہ ایصال ثواب کرکے اُجرت لناجائز ہے یا حرام ہے۔

اُجرت لے کر ایصال ثواب کرے تو اموات کی خدمات میں ثواب پہنچتا ہے یانہیں؟

اور جو حافظ القرآن اُجرت لے کر ثواب کرنے کے لئے احباب اہلسنت وجماعت کے مکانوں پر تشریف لے جاتے ہیں ان کے پیچھے نمازی پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اُجرت پر کلام اللہ شریف بغرض ایصال ثواب پڑھنا پڑھوانا دونوں ناجائز ہے، اور پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہ گار۔ اور اس میں میت کے لئے کوئی نفع نہیں، بلکہ اس کی مرضی وصیت سے ہو تو وہ بھی وبال میں گرفتار۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1] ۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ (ت)

اور یہ کہنا کہ ہم اللہ کے لئے پڑھتے ہیں اور دینے والے بھی ہمیں اللہ کے لئے دیتے ہیں محض جھوٹ ہے۔ اگر یہ نہ پڑھیں تو وہ ایک حبہ ان کو نہ دیں، اور اگر وہ نہ دیں تو یہ ایک صفحہ نہ پڑھیں، اور شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ **المعروف کالمشروط** [2] (معروف مشروط کی طرح ہے۔ ت) بلکہ اس ظاہری

عـــہ: ھذہ الفتوٰی وثلثۃ بعدہ کانت متفرقۃ فی ابواب شتّٰی ماعدا باب الاجارۃ فی الجلد الثامن ۱۲ عبدالمنان اعظمی	آٹھویں جلد (قدیم، جدید ۱۹) میں یہ او اس کے بعد کے تین فتوے مختلف ابواب میں متفرق تھے ان کو اجارہ میں یہاں منتقل کیا گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار کتاب الاجارہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۲، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

شرط نہ کرنے سے ایک اور خباثت بڑھ جاتی ہے اجارہ جو امر جائز پر ہو وہ بھی اگر بے تعین اجرت ہو تو بوجہ جہالت اجارہ فاسدہ اور عقد حرام ہے، نہ کہ وہ اجارہ کو خود ناجائز تھا، وہ تو حرام در حرام ہوگیا، یہ حاوی جس میں یہ بیہودہ حکم ۴۵ درم والا لکھا ہے، حاوی قدسی نہیں، حاوی زاہدا ہے، کما فی ردالمحتار [1] (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ت) اور یہ زاہدی ایک معتزلی بدمذہب تھا، کما فی الردالمختار فی الاسفار [2] (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کتب میں ہے۔ت) اور اس کا یہ حکم قوانین شرع سے محض جُدا، اور یہ تجدید شرع مطہر پر صریح افتراء ہے۔

جو حافظ اس کا پیشہ رکھے فاسق معلن ہے، اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی، کہ اسے امام بنانا گناہ اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی ہو اس کا پھیرنا واجب، ہاں اگر اس کی حلت چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے یہ پڑھوانے والے وقت معین کے ساتھ مثلاً روزانہ صبح کے ۷ بجے سے ۱۰ بجے تک اور شام ۲ بجے سے ۴ بجے تک، یا جو وقت مقرر کریں، ایک اجرت معینہ پر مثلاً ۴ روز یا جو قرار پائے، ان حافظوں کو اپنے کار خدمت کے لئے نوکر رکھیں، اس وقت معین کے لئے یہ ان کے ملازم ہوگئے انھوں اختیار ہے جو کام چاہیں لیں، ازاں جملہ یہ کہ فلاں میت کے لئے قرآن عظیم پڑھو، اب یہ حلال ہے، دینا واجب اور لینا روا، کہ اب یہ اجارہ قرآن خوانی پر نہیں، بلکہ ان حافظوں کے منافع نفس پر ہے، یہاں تک کہ اگر یہ اس وقت مقرر پر پابندی کے ساتھ حاضر رہیں اور مستاجرین ان سے کچھ کام نہ لیں، جب بھی تنخواہ واجب ہوگی۔

لان المستحق علیهم انما کان تسلیم النفس وقد حصل کما هو حکم "اجیر الواحد"۔ والله تعالٰی اعلم۔	کیونکہ وہ پابند تھے کہ اپنے نفس کو سونپ دیں، اور یہ کام ہوگیا جیسا کہ اجیر خاص کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ مولوی امیر اللہ صاحب ۲۶ ذوالحجہ ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ۵ روپیہ ماہوار کا نوکر تھا اس نے خود نوکری ترک کردی، رقعہ کے ذریعہ سے بقیہ تنخواہ مانگی، ذیقعدہ سنہ حال کی ۲۸ سے چھوڑی، چنانچہ عبارات اس کی بلفظہٖ درج ہے: "میں نے ۲۸ ذیقعدہ بروز پنجشنبہ کو

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

[2] ردالمحتار

کام چھوڑا، اسی ماہ مذکور کی تنخواہ چاہی ہے" چونکہ یہ ذیقعدہ ۳۰ کا ہوا تو ۲۸، ۲۹، ۳۰ تین دن کی تنخواہ منہا ہونی چاہئے یا یک دن ہفتہ کی، جمعہ کی تعطیل تھی، ترک توروزگار کے بعد بھی تعطیل جمعہ وجمعرات ملنا چاہئے، یا ۲۷ یوم کی واجب ہے؟ اتنے دن کی تنخواہ مجموع آٹھ آنہ ہوئے، ایک دن کی ۲/۰۲ پائی ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں ۲/۰۲ پائی کاٹو اور دو دن تعطیل کے مجھے ملنا چاہئے، آیا یہ قاعدہ شرعی یا عرفی وغیرہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

ایام تعطیل کی تنخوہ بحال ملازمت ملتی ہے۔ شرعاعرفا یہی قاعدہ ہے، اگر ترک ملازمت تاریخ ۲۸ سے ہوا تو تین دن کی تنخواہ کا وہ مستحق نہیں،

فان البطالۃ ترفیۃ عما علیہ من الاشتغال وبعد ترک الاجارۃ لاشغل علیہ فلا ترفیۃ فلا اجرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ تعطیل لازمی مشغولیت سے آرام کے لئے ہوتی ہے تو اجارہ ختم ہونے کے بعد کوئی مشغولیت نہ رہی تو آرام کاہے کا تو اجرت کا استحقاق نہ رہا واللہ تعالٰی اعل وعلمہ جل مجدہ واتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۴: مسئولہ احمد حنس بنگالی طالب علم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

واعظ یا حافظ نے وعظ یا قرآن ختم کیا اور بغیر طلب کے اگر کسی نے کچھ دیا تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے اگر نہ مشروط ہو نہ معروف، ورنہ واعظ کے لئے علی الاختلاف جائز، اور قرآن خوانی پر بالاتفاق ممنوع علی مانقلہ "ط" حققہ علامۃ الشامی فی ردالمحتار[1] (طحطاوی کی نقل پر جس کو علامہ شامی نے ردالمحتار میں ثابت رکھا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۵: از بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی مقدمہ کے اندر گرفتار ہو کر کسی دوسرے شخص سے اپنی حالت کے واسطے دعا کروائے، اور بھی اس دعاخواں کو کچھ روپیہ چاہئے یا نہیں؟ اور ان کو روپیہ لینا حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۴

الجواب:

حلال ہے اگر کچھ نہ دینے کا ذکر آیا، نہ عرف ورواج کی راہ سے معاوضہ ثابت تھا، او ریونہی بطور حسن سلوک اسے کچھ دے دیا جب تو خود ظاہر کہ اسے لینے میں اصلاحرج نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص کسی نمازی کو نماز عمدہ طور پر پڑھتے دیکھے اس کا دل خوش ہو کچھ روپیہ بطور نذر یا ہدیہ یا انعام کے اسے دے، تو اس کے لینے میں کچھ مضائقہ نہیں، کہ یہ اُجرت سے اصلا تعلق نہیں رکھتا، اور اگر باہم قرارداد ہولیا کہ ہمارے مقدمہ کے لئے فلاں ختم پڑھو اور وقت واُجرت وغیرہ کی صحیح تعین کردی جس سے اجارہ میں جہالت نہ رہے تو یہاں یہ بھی حلال ہے کہ اس صورت میں ثواب مقصود نہیں بلکہ قضائے حاجت کی تدبیر و علاج، تو یہ اس طرح ہوا جیسے مریض پر پڑھ کر پھونکنے کی اجرت لے، اس کا جواز صحیح حدیث سے ثابت ہے، صحاب کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایک گاؤں میں ٹھہرے، وہاں کے لوگوں نے برخلاف عادت عرب مہمانی نہ دی، رئیس دیہہ کو سانپ نے کاٹا، لوگ ان کے پاس آئے، انھوں نے سو دنبے ٹھہرالئے، سوہ فاتحہ شریف پڑھ کر دم کردی، اچھا ہوگیا، پھر صحابہ کو خیال آیا کہ کہیں قرآن مجید پر اُجرت لینا نہ ہوگیا ہو، ان بکرویوں کو نہ کھایا، جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور نے اجازت دی اور فرمایا:

ان احق ما اخذتم علیہ اجرا کتاب اللہ[1] رواہ البخاری عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس چیز پر اجرت لو اس میں سب سے زیادہ حق کتاب اللہ کو ہے۔ اس کو بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

ردمحتار میں ہے:

ان المتقدمین المانعین الاستیجار مطلقا، جوزو الرقیۃ بالاجرۃ ولو بالقرآن کما ذکرہ الطحطاوی لانہا لیست عبادۃ محضۃ بل من التداوی[2]۔	متقدمین جو اُجرت لینا منع فرماتے ہیں انھوں نے بھی دم کرنے پر اُجرت لینا جائز کہا ہے خواہ یہ دم قرآن کے ساتھ ہو، جیسا کہ طحطاوی نے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ خالص عبادت نہیں بلکہ ایک علاج ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب الشرط فی الروایۃ بقطیع من الغنم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۴ وصحیح البخاری کتاب فضائل القرآن ۲/ ۷۴۹، کتاب الاجارۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۶

ہاں اگر خالی دعا بغیر کسی ختم یا عمل کے ہو تو اس پر اجارہ ٹھہرانے کے کوئی معنی نہیں کہ اتنے کہنے میں اس کا کیا صرف ہوتا ہے کہ الٰہی فلاں کی حاجت برلا، جس پر اجرت لے گا نہ اس پر اجارہ معہود ہے۔

والاجارۃ انما جوزت استحسانا علی خلاف القیاس لدفع حاجات الناس فمالیس من اجاراتھم لم یکن من حاجاتھم۔	اور اجارہ کا جواز خلاف قیاس لوگوں کی ضروریات کی وجہ سے اور لوگوں میں جو اجارہ مروج نہیں وہ لوگوں کی حاجت نہیں ہے۔(ت)

ہندیہ میں ذخیرہ سے ہے:

اذا استاجر موضعا معلوما من الارض لیتدفیھا الاوتادیصلح بھا الغزل کی ینسج جاز لانہ من اجارات االناس، ولو استاجر حائطا لیتدفیھا الاوتاد یصلح علیھا ابریسم لیسنج بہ شعرا اودیباجا لایجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا رحمھم اللہ تعالٰی لان ھذا لیس من اجارات الناس فی عرف دیارنا ینبغی ان یجوز کذا ذکرہ بعض مشائخنا لان االناس تعاملوا ذٰلک فی فصلین جمیعا[1]۔	جب کوئی معین جگہ اجرت پر لی کہ وہاں کیلئے گاڑ کر سوت کو کپڑا بننے کے لئے درست کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ اجارہ لوگوں کی عادت ہے اور اگر کوئی دیوار کرایہ پر لیا کہ وہاں کیلے گاڑ کر بننے کے لئے ریشم درست کرکے یا اونی یا دیبا جی کپڑا بنائے تو یہ جائز نہیں، ہمارے بعض مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے کیونکہ یہ لوگوں کے عادی اجارہ نہیں ہے اور ہمارے علاقہ کے عرف میں جائز ہونا چاہئے کیونکہ یہاں دونوں چیزوں میں لوگوں کا تعامل ہے، بعض ہمارے مشائخ نے یوں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

خانیہ وکبرٰی وعالمگیریہ میں ہے:

وللفظ لھذہ قال للدلال اعرض ضیعتی وبعھا علی انک اذا بعتھا فلک من لاجر کذا فلم یقدر الدلال علی اتمام لامر ثم باعھا دلال اٰخر قال ابولقاسم لو عرضھا الاول وصرف فیہ	عالمگیریہ کے الفاظ میں ہے، دلال کو کہا کہ میر زمین کو فروخت پر لگا جب تو فروخت کرے تو اتنی اجرت دوں گا تو دلال یہ کام مکمل نہ کرسکا پھر دوسرے دلال نے فروخت کردی، ابوالقاسم نے فرمایا اگر پہلے دلال نے فروخت پر لگائی اور اس نے اس پر

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الاجارہ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۲

روزجارا یعتد بہ فاجر مثلہ لہ واجب بقدر عنائہ و عملہ.قال ابوللیث رحمہ اللہ تعالٰی ھذا ھو القیاس، و لایجب لہ استحسانا اذا ترکہ وبہ ناخذ وھو موافق قولہ یعقوب اذ اترکہ وبہ ناخذ وھو موافق قول یعقوب رحمہ اللہ تعالٰی ھو المختار [1]۔	روزانہ محنت کی ہو تو اس کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو مثلی اجرت اس کی محنت اور کام کے مطابق دینی ضروری ہے حضرت ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا قیاس یہی ہے لیکن جب پہلے نے عمل ترک کردیا تو اجرت واجب نہ ہوگی ہمارا یہی موقف ہے،اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے یہی موافق ہے،یہی مختار ہے۔(ت)

اسی میں تبیین سے ہے:

منھا(ای من شرائط صحۃ الاجارۃ)ان تکون المنفعۃ مقصودۃ معتادااستیفائھا بعقد الاجارۃ ولایجری بھا التعامل بین الناس فلا یجوز استیجار الاشجار لتجفیف الثیاب علیھا [2]۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	ان میں بعض اجارہ کی صحت شرائط میں کہ مقصود منافع وہ ہوں جن کو عقد اجارہ میں حاصل کرنا لوگوں کی عادت ہو اور لوگوں کا اس پر تعامل نہ ہو اسی لئے کپڑے خشک کرنے کے لئے درخت کرایہ پر لینادرست نہیں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۶ عــــہ: از ضلع بارہ بنکی مرسلہ منشی کریم الدین ضلعدار کورٹ علاقہ سورج پور تمام ہتھونڈہ ضلع بارہ بنکی ۱۹ محرم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بموجب قاعدہ مجریہ صاحبان بورڈ مال ممالک متحدہ آگرہ واودھ،ملازمان محکمہ کورٹ آف وارڈ مین کی تنخواہ ماہانہ سے فی روپیہ ۱/ وضع ہوتا ہے۔اور اس وضع شدہ رقم کی نصف تعداد ریاست متلقہ سے لی جاتی ہے۔ مثلاً عہ کے تنخواہ دار سے ۴/عہ وضع کیا گیا۔اور ۱۰/ ریاست سے لیا گیا کل عہ/۴ وصول ہو کر سیونگ بینک ڈاکخانہ میں جمع کیا جاتا ہے۔اور اس بینک مذکورہ کے قاعدہ سے سود لگایا جاتا ہے۔جب ملازمت ختم ہوجائے تو یہ کل زراصل و

عــــہ:ثلثہ مسائل کانت منثورات فی جلد سابع۔ عبد المنان اعظمی	(یہ تین مسائل ساتویں جلد میں متفرق تھے۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاخامس عشر الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۱

سود بجائے پنشن کے ملازم کو دیا جائے گا۔آیا اس رقم کا لینا ملازم کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ملازمت جائزہ کی تنخواہ ماہ بماہ خواہ اس کا کوئی جز جمع ہو کر بعد ختم ملازمت دیا جائے،ہر طرح وہ اس ملازم کی ملک ہے،اور جو تنخواہ گورنمنٹ سے مقرر ہوا س کا(۳۲/۱) کہ حسب قرارداد معروف و معہود ریاست متعلقہ کے ذمہ ہوتا اور ملازم کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔وہ بھی حقیقۃً اسی تنخواہ کا جز ہے۔(عہ/)کا ملازم واقع میں برائے قاعدہ مقررہ(عہ/۱۰)ماہوار کا ملازم ہے جسے (عہ/) گورنمنٹ اور (۱۰/) ریاست سے ملیں گے اگرچہ ماہ بماہ سہ (عہ ۱۲/) پائے گا،اور (۲عہ/) گورنمنٹ کا اور (۱۰/) ریاست کا جملہ (۴ اعہ/) تنخواہ معینہ سے جمع ہوتے رہیں گے،شرعاً اگرچہ یہ صورت اجارہ فاسدہ ہے کہ ایک جزو اجرت ایک مدت مجہولہ کے لئے مؤجل کیا گیا،کیا معلوم کہ ختم ملازمت کب ہو،اور اجل مجہول سے مؤجل کرنا مفسد بیع و اجارہ ہے جس کے سبب عقد فاسد و گناہ ہو جاتا ہے۔اختیار شرح مختار و خزانۃ المفتین میں ہے:

کل جہالۃ تفسد البیع تفسد الاجارۃ[1]	ہر وہ جہالت جو بیع کو فاسد کرتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔(ت)

فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

جل جہالۃ تؤثر فی البیع تؤثر فی الاجارۃ[2]	جو جہالت بیع میں مؤثر ہے وہ اجارہ میں بھی مؤثر ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

کل ماافسد البیع یفسدھا[3]۔	جو بیع کو فاسد کرے وہ اجارہ کو بھی فاسد کرتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایصح البیع بثمن مؤجل الی الحصاد للزرع و الدیاس للحب و القطاف للعنب،	وہ بیع جس کے ثمن کے لئے فصل کی کٹائی یا گہائی یا انگور کی اترائی کو میعاد بنایا گیا ہو صحیح نہیں کیونکہ

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الاجارۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۶۵

[2] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۳

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

لانہا تتقدم وتتاخر[1] (ملخصا)۔	یہ امور آگے پیچھے ہوتے رہتے ہیں۔(ملخصا)(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی الزاھدی باعہ بثمن نصفہ نقد ونصفہ اذا رجع من بلد کذا فھو فاسد[2]۔	زاہدی میں ہے کسی چیز کو یوں فروخت کرنا کہ اس کی نصف قیمت نقد اور نصف فلاں شہر سے واپسی پر دوں گا تو وہ فاسد ہوگی۔(ت)

مگر اجارہ فاسدہ میں بھی بعد استیفائے منفعت اُجرت، کہ یہاں وہی اجر مثل ہے، واجب ہوجاتی ہے۔اور وہ اجیر کی ملک ہے۔

درمختار میں ہے:

حکم الفاسد وجوب اجر المثل بالاستعمال[3]۔	فاسد اجارہ کا حکم یہ ہے کہ استعمال کرلینے پر مثل اجرت واجب ہوتی ہے۔(ت)

بلکہ منیہ وقنیہ وجامع الرموز ومحیط غررالافکار وغیرہا کی روسے اس ملک میں خبیث بھی نہیں ہوتا۔اجیر کے لئے طیب ہوتی ہے اگرچہ اصل عقد گناہ وفاسد تھا۔ردالمحتار میں ہے:

الاجر یطیب وان کان السبب حراما کذا فی المنیۃ قھستانی[4] اھ الخ ونقل منہ مثلہ السید الحموی فی غمز العیون عن القنیۃ ثم عقبہ بقولہ لم یذکر وجھہ فلینظر[5] اھ وذکر الشامی عن منح الغفار الاشمس الائمۃ الحلوائی قال تطیب الاجرۃ فی الاجارۃ الفاسدۃ اذا کان اجر المثل وذکر فی المسئلۃ قولین احدھما اصح فراجع نسخۃ صحیحۃ[6] اھ۔	اجرت حلال ہے اگرچہ سبب حرام ہو، جیسا کہ منیہ میں ہے، قہستانی الخ،اور سید حموی نے غمز العیون میں قنیہ سے اس کی مثل نقل کیا ہے،اور پھر اس کے بعد ذکر کیا کہ انھوں نے اس کی وجہ ذکر نہ کی تو غور کرنا چاہئے اھ،علامہ شامی نے منح الغفار سے نقل کیا ہے کہ شمس الائمہ حلوائی نے فرمایا ہے کہ اجارہ فاسدہ میں اجرت حلال ہے جب وہ مثلی اجرت کے برابر ہوں اور انھوں نے مسئلہ میں دو قول ذکر کئے اور دونوں میں ایک اصح ہے تو صحیح نسخہ کی مراجعت چاہئے۔اھ(ت)

---

[1] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۱۹

[3] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

[5] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۱

[6] ردالمحتار کتاب لاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸

بہر حال اس میں شک نہیں کہ یہ رقم اصل جو گورنمنٹ وریاست سے لے کر بنک میں بنام ملازم جمع ہوتی ملک ملازم ہے۔ وہی وہ زیادت کہ ڈاکخانہ بنام سود دیتا ہے اسے بہ نیت سود لینا ہر گز جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا۔ (ت)

اور خود یہ نیت نہ کرے بلکہ مال گورنمنٹ سے برضائے گورنمنٹ ایک رقم جائز بحال استحقاق خود اپنے لئے ورنہ اپنے بھائیوں فقراء ومساکین ودیگر اہل استحقاق کے لئے بیت المال سے لینا سمجھے تو حرج نہیں، اگرچہ دینے والے اسے کسی لفظ سے تعبیر کریں یا اپنے نزدیک کچھ سمجھیں۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [2] وقد فصلنا القول فی ھذا المرام فی فتاوٰینا بما لامزید علیه۔	اعمال کا دار ومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت پر ملے گی، اور ہم نے اس مقصد میں تفصیلی قول اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ جس پر زائد کی گنجائش نہیں۔ (ت)

اصل یہ ہے کہ بیت المال اسلامی ہو خواہ اسلامی نہ ہو، جب انتظامات شرعیہ کا اتباع نہ کرے تو اہل استحقاق مثلاً طلبہ علم دین وعلمائے دین کہ اپنا وقت خدمات دینیہ مثلاً درس وتدریس ووعظ وافتاء وتصنیف میں صرف کررہے ہوں اگرچہ لکھوکھا روپے کے، مالک اغنیا کثیر المال ہوں اور بیوہ، یتیم، لنجے، اندھے، فقراء، مساکین، جو کچھ اس میں سے برضائے سلطنت بے عذر وفتنہ وارتکاب جرائم پائیں ان کے لئے جائز ہے، اگرچہ دینے والا کسی دوسری وجہ ناجائز کے نام سے دے۔

فانھم انما یأخذون وینوون ماھولھم فلا باس علیھم مما نوی غیرھم	کیونکہ وہ لوگ لیتے ہیں اور اپنی نیت پر فائدہ پاتے ہیں تو غیر کی نیت کا ان پر کوئی بوجھ نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من له حظ فی بیت المال وظفر بما ھو موجه له له اُخذہ دیانة، وللمودع	جس کا بیت المال میں جتنا حق ہے اس کے مطابق خود لے لینے میں دیانۃً جائز ہے۔ اور جس کے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

صرف ودیعۃ مات ربہا ولاوارث لنفسہ اوغیرہ من المصارف[1]۔	پاس امانت ہے اگر امانت رکھنے والا فوت ہوجائے تو اور اس کا کوئی وارث نہ مصرف ہے تو امانتدار کہ صرف کرنا جائز ہے۔(ت)

وجیز کردری وغیرہ میں ہے:

فاذا کان من اہلہ صرفہ الی نفسہ وان لم یکن من المصارف صرفہ الی المصرف[2]۔	جب امانتدار خود صرف کا اہل ہے یعنی مصرف ہے تو خود صرف کرسکتا ہے اگر خود مصرف نہ ہو تو مصرف صرف کرے۔ (ت)

اسی طرح تنویر الابصار مسائل شتی وغیرہ کتب کثیرہ میں ہے۔اور جب لینے والے کا دینے والے پر کوئی مطالبہ شرعیہ آتا ہو کہ وجہ صحیح کے نام سے نہ مل سکتا جب تو یہ مسئلہ غایت توسیع پاتا ہے۔جس میں گورنمنٹ وغیر گورنمنٹ ومسلمان وغیر مسلمان کسی کا فرق نہیں رہتا۔مثلاً زید نے عمرو کے سو روپے چرالئے، عمرو کے پاس ثبوت قانونی نہیں،اپنا مال یوں لینے عاجز ہے تو جائز ہے کہ سو روپے تک عمرو سے کسی وجہ جائز قانون کے نام سے وصول کرلے،اگرچہ شرعاً وہ نام ناجائز ہو، درمختار میں ہے:

لو امتنع المدیون مدیدہ واخذہا لکونہ ظفر بجنس حقہ[3] اھ،والتفصیل الجمیل فی فتاوٰنا بتوفیق اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	جب قرضدار قرض کی ادائیگی نہ کرے تو قرض خواہ اپنے حق کی جنس پر قبضہ میں کامیاب ہوجائے تو لے سکتا ہے اھ،اور بہترین تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۷: ازاروہ بنگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

بھنگ اور افیون کا گورنمنٹ سے ٹھیکہ لے کر دکان کرے تو بھنگ لینا اور دکانداری کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

بھنگ اور افیون بقدر نشہ کھانا پینا حرام ہے۔اور خارجی استعمال نیز کسی دوا میں قدر قلیل جز و ہو کہ روز کے قدر شربت میں قابل تفتیر نہ ہو،اندرونی بھی جائز،تو وہ معصیت کے لئے متعین نہیں،تو ان کی بیع حرام نہیں،مگر اس کے ہاتھ کہ معصیت کے لئے اسے خریدے،لیکن اکثر وہی

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی الھندیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۸۹

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۰

ہیں توان کی تجارت میں احتیاط سخت دشوار اور اسلم احتراز، اور ٹھیکہ یہاں غالبا بایں معنٰی ہے کہ گورنمنٹ سے ان کو اجازت دی جاتی ہے، دوسرا نہیں بیچ سکتا، یہ ایک قانونی بات ہے جس کا ان پر الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۸: از شہر ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ بر مکان جمعدار سمندر خان مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر مسجد کے احاطہ میں کوئی درخت پھولوں کا ہو اور وہ ٹھیکہ کسی ہندو کو دیا جائے اور وہ پھول بُتوں پر چڑھائے جائیں، اور اس کا پیسہ عمارت مسجد میں لگانا، روشنی وغیرہ میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

ٹھیکہ دینا حرام ہے اور اس کا روپیہ حرام، پھر بتوں پر چڑھانے کے نیت سے ہو تو اور سخت، اور اگر یہ نہیں بلکہ ہندو کا مال اس کی رضا سے ایک نام عقد کے حیلہ سے حاصل کرنا ہو، اور ان پھولوں کے توڑنے کے لئے کافر کا مسجد میں آنا جانا نہ ہو تو حرج نہیں، اور وہ روپیہ مسجد میں لگا سکتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۹ عـــہ: مسئولہ محمد محمود از قصبہ باندہ ضلع شاسٹی متصل بمبئی ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں مسئلہ کہ کوئی شخص مقرر کرکے بطور اجرت کے وعظ کرے اور وعظ گوئی کو پیشہ اور سلسلہ معاش جان کر بسر اوقات کرنی اختیار کرے، جائز ہے یا ناجائز؟ تفسیر رؤفی والے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں ناجائز اور قریب حرام کے فرماتے ہیں (آیہ کریمہ): "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا" [1] (اور میری آیات کے بدلے حقیر مال نہ لو۔ ت) **فقط۔**

الجواب:

اصل حکم یہ ہے کہ وعظ پر اجرت لینی حرام ہے۔ درمختار میں اسے یہود و نصارٰی کی ضلالتوں میں سے گنا[2] **مگر کم من احکام یختلف باختلاف الزمان، کما فی العلمگیریہ**[3]۔

عـــہ: **مسئلتان من مجلدات سوی ماذکرت ۱۲ عبدالمنان اعظمی** (یہ دو۲ مسئلے مختلف جلدوں میں تھے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

[2] درمختار الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[3] ردالمحتار الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

(بہت سے احکام زمانہ کے اختلاف سے مختلف ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ت) کلیہ غیر مخصوصہ کہ طاعات پر اُجرت لینا ناجائز ہے ائمہ نے حالات زمانہ دیکھ کر اس میں سے چند چیزیں بضرورت مستثنٰی کیں: امامت، اذان، تعلیم قرآن مجید، تعلیم فقہ، کہ اب مسلمانوں میں یہ اعمال بلانکیر معاوضہ کے ساتھ جاری ہیں، مجمع البحرین وغیرہ میں ان کا پانچواں وعظ گنا و بس، فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں، میں چند چیزوں پر فتوی دیتا تھا، اب ان سے رجوع کی، ازانجملہ میں فتوی دیتا تھا کہ عالم کو جائز نہیں کہ دیہات میں دورہ کرے اور وعظ کے عوض تحصیل کرے مگر اب اجازت دیتا ہوں، لہذا یہ ایسی بات نہیں جس پر نکیر لازم ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۰الف: مسئولہ مولوی عبدالرحیم بخش صاحب مدرس مدرسہ فیض الغرباء ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ فیض الغرباء آرہ شاہ آباد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچہری کی ججی، سب ججی، منصفی، رجسٹراری کی نوکری شرعاً جائز بلاکراہت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جس نوکری میں خلاف ماانزل اللہ حکم کرنا پڑتا ہو ہرگز جائز نہیں، اگرچہ سلطنت اسلام کی ہو، ائمہ دین نے تیسری صدی کے آخر میں اپنے زمانہ کے سلاطین اسلام کی نسبت فرمایا: **من قال لسلطان زماننا عادل فقد کفر** (جس نے ہمارے زمانہ کے حاکم کو عادل کہا وہ کافر ہے۔ت) ان قضاۃ کی نسبت قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد ہوئے "الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾"[1]، "الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾"[2]، "الْكٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾"[3]، جب قاضیاں اسلام سلطنت کی نسبت یہ احکام ہیں تو سلطنت غیر اسلامیہ کے حکام تو مقرر ہی اس لئے کئے جاتے ہیں کہ مطابق قانون فصیلہ کریں، رہی رجسٹراری، اس میں اگرچہ حکم نہیں، مگر وہ دستاویزوں پر شہادت ہے اور انھیں رجسٹر پر چڑھانا، اور ان میں بہت دستاویزیں سود کی بھی ہوتی ہیں اور صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۵
[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۷
[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس پر گواہی کرنے والوں پر، اور فرمایا سب برابر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی ۱۳۰۲ھ

(دیہات کے ٹھیکہ کی صحت کے طلبگار کے لئے بہترین مہمانی)

مسئلہ ۲۲۰(ب): از بدایون ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ ٹھیکہ دیہات کا جو فی زمانناشائع وذائع ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ زمین تو مزارعین کے اجارہ میں بدستور ہے، اور توفیر مستاجر کو ٹھیکہ میں دے دی گئی کہ اس قدر توفیر کا گاؤں اتنے میں ٹھیکہ دیا، بحساب اقساط اس قدر بلاعذر کمی وصول وغیرہ ادا کرو، پھر اگر ٹھیکہ دار نے رقم معین سے کسی قدر اگرچہ ایک پیسہ ہو، یاہزار روپیہ زائد وصول پایا وہ اس کا حق سمجھا جاتا ہے اور وصول میں کمی رہے تو اس مقدار کا اپنے گھر سے پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ شرعاجائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر بیشی مستاجر کہ قدر زائد اور درصورت کمی مؤجر کو مقدار باقی لینا حلال ہے یا نہیں؟ اور اگر اسے ناجائز کہا جائے تو کیا فرق ہے کہ مزارعین کو زمین ٹھیکہ پر دینا جائز ہے۔ اور یہ

صورت ناجائز۔ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

یہ ٹھیکہ شرعاً محض باطل وناجائز ہے ہر گز ہر گز کوئی صورت اس کے جواز وحلت کی نہیں، نہ یہ معاہدہ کسی قسم کا اثر پیدا کرسکے، نہ عاقدین پر اس کی پابندی ضرور، بلکہ فی الفور اس کا ازالہ واجب، نہ مقدار وصول میں ٹھیکہ دار کا کچھ حق، نہ گاؤں سے اس کو کسی قسم کا تعلق۔ اس پر فرض ہے کہ جس جس قدر منافع خالص وصول ہو کوڑی کوڑی مالک کو ادا کرے، خواہ وہ رقم معین سے زائد ہو یا کم، اگر ایک پیسہ اس میں سے رکھ لے گا اس کے لئے حرام ہوگا، نہ مالک کا مقدار وصول سے زیادہ میں کچھ استحقاق، مثلاً ہزار کو ٹھیکہ دیا نو سو وصول ہوئے، تو اسی قدر مالک کے لئے حلال ہیں نو سو روپے سے کوڑی زائد لے گا تو اس کے لئے حرام محض ہے۔ اور گیارہ سو کی نشست ہوئی تو یہ پورے گیارہ سو خاص مالک کے ہیں ٹھیکہ دار[عہ] کا ان میں ایک حبہ نہیں یہاں تک کہ اگر ٹھیکہ دار توفیر سے دست بردار ہوکر یہ چاہے کہ حق محنت میں کچھ اجرت ہی پاؤں، تو اس کا بھی مطلق استحقاق نہیں۔

لانہ انما عمل لنفسہ والباطل شرعا لاینقلب صحیحا بالتراضی فیجب علیہما التخلی عنہ ازالۃ للمنکر وقد اوجبوا التفاسخ فی العقود الفاسدۃ تاثما فماظنک بالباطلات۔	کیونکہ اس نے اپنے لئے کام کیا ہے اور شرعاً باطل چیز باہمی رضامندی سے صحیح نہیں بن سکتی تو دونوں پر اس سے علیحدگی ضروری ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہوسکے جبکہ فقہاء کرام نے فاسد عقود میں فسخ کرنا لازم قرار دیا ہے تو باطل عقود میں تیرا کیا خیال ہے۔(ت)

جن لوگوں کے پاس کسی حقیت دیہی کا چند سال تک ٹھیکہ رہا ہو ان پر فرض ہے کہ تمام برسوں کی واصلباقی بلحاظ تحصیل خام لگا کر ایک دوسرے کے مواخذہ سے پاک ہوجائیں مثلاً زید نے عمرو کو اپنا گاؤں بعوض ایک ہزار روپے کے تین برس تک ٹھیکہ دیا اور تین ہزار روپے وصول پائے اب دیکھا جائے کہ عمرو کو ان برسوں میں کیا وصول ہوا تھا، اگر ہر سال مثلاً بارہ سو روپے پائے تھے تو اس پر چھ سو روپے زید کے واجب الادا تھے اور ہر سال آٹھ سو روپے ملے تھے تو چھ سو اس کے زید پر رہے، اور ایک سال ہزار پائے تھے، دوسرے سال آٹھ سو۔ تیسرے سال بارہ سو۔ تو دونوں بے باق ہیں، افسوس کہ عام بندے یہاں تک کہ علماء اسی مسئلہ سے سخت غافل ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ

عہ: فی الاصل "کٹکنہ دار" لعلہ زلۃ من الناسخ ۱۲۔

العلی العظیم۔

اصل کلّی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتا ہے یونہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خالص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شیئ بدستور ملک مالک پر باقی رہے اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے۔ جو اجارہ خاص کسی عین وذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے اَللّٰھُمَّ اِلاَّ مَا اسْتَثْنَاہُ الشَّرْعُ کَاِجَارَۃِ الظِّئْرِ لِلْاِرْضَاعِ (ہاں مگر وہ جس کو شرع نے مستثنٰی کردیا ہے جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ۔ ت) وغیر ذلک، اسی لئے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لئے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین گائے کو لادنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین حوض سنگھاڑے رکھنے کے لئے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین۔

فی ردالمحتار عن البزازیۃ الاجارۃ اذا وقعت علی العین لاتصح فلا یجوز استیجار الاٰجام والحیاض لصید السمك اورفع القصب وقطع الحطب اولسقی ارضھا اولغنمه منھا وکذا اجارۃ المرعی، والحیلة فی الکل ان یستاجر موضعا معلوما لعطن الماشیة، و یبیح الماء والمرعی [1] الخ، وفی الفتاوٰی الخیریة لنفع البریة قد صرحوا بان عقد الاجارۃ علی اتلاف الاعیان مقصودا کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا، لاینعقد و کذٰلك لو استاجر بستانا لیاکل ثمرته، [2] و المسئلة مصرح بھا فی منح الغفار وکثیر من	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ جب اجارہ عین کی ہلاکت پر ہو تو صحیح نہ ہوگا، جیسے پودوں کے ذخیرے اور حوض مچھلی پکڑنے اور ناڑ کاٹنے اور لکڑی کاٹنے یا ان زمینوں کو سیراب یا جانوروں کو پلانے کے لئے اور یونہی چراگاہ اجارہ پر لینا اور ان سب امور کے لئے حیلہ یہ ہے کہ وہاں کوئی معین جگہ جانور رکھنے کے لئے کرایہ پر حاصل کرے، اور پانی اور چارہ کو مالک مباح کردے الخ، اور فتاٰی خیریہ لنفع البیریہ میں ہے کہ فقہاء کرام پر اجارہ منعقد نہ ہوگا، جیسے گائے دودھ کے لئے اور باغ کو اس کا پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینا جبکہ یہ مسئلہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۹

الکتاب۔	منح الغفار اور بہت سی کتب میں تصریح شدہ ہے۔(ت)

اب اسی اجارہ کو دیکھئے تو یہ ہرگز کسی منفعت پر وارد نہ ہوا کہ زمیں بغرض زراعت تو مزارعین کے ٹھیکہ میں ہے۔ بلکہ خاص توفیر یعنی زر حاصل یا بٹائی کا غلہ اجارہ میں دیا گیا اور اسی کا استہلاک مفاد عقد ہوا، **اذمن المعلوم ان الحبوب والنقود ولاینتفع بھا الاباتلافھا** (اور ظاہر ہے دانے اور نقد زر سے ان کی ہلاکت کے بغیر نفع حاصل کیا جاسکتا ہے۔ت) اور پر ظاہر کہ زروطعام اعیان سے ہیں نہ منافع سے اگرچہ محاورہ ہندیان میں تمام حاصلات دیہی کو بلفظ منافع تعبیر کیا جاتا ہے۔ عین اشیائے قائمہ بالذات کو کہتے ہیں، اور منفعت معانی حاصلہ فی الغیر عین امور محسوسہ کی جنس سے ہے اور مفنت معنی معقول عین کہ چند زمانے تک بقا ہے۔ اور منفعت ہر آن متجدد۔

فی ردالمحتار المنفعۃ عرض لاتبقی زمانین [1]۔	ردالمحتار میں ہے نفع ایک عرض چیز ہے جس کا وجود دو زمانوں میں باقی نہیں رہتا۔(ت)

اب نفس جزئیہ کی تصریح کلمات علمائے کرام سے لیجئے، امام خیر الملۃ والدین رملی استاذ فاضل مدقق صاحب درمختار رحمہ اللہ تعالٰی علیہما فتاوٰی خیریہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ، وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنھا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لا جل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ اوما یجب علی المتقبلین من اجرۃ الحوانیت اولاجل تناول ثمرۃ الاشجار من بساتین القرٰی وحصۃ الوقف من الزرع الخارج فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا لافرق	اگر اجارہ عین چیز کے اتلاف پر مقصود ہو تو باطل ہوگا جیسا کہ تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے۔ اور جیسے گائے کہ دودھ کے لئے اجارہ پر ہوجائے گا جو منعقد نہ ہوگا تو جب زید نے دیہات زمین اور دکانیں اجارہ پر حاصل کیں تاکہ حصہ کی آمدنی یا مقررہ کرایہ وصول کرے یا دکانوں کا کرایہ حاصل کرے یا دیہاتوں کے باغات کے پھل کھائے یا اوقاف کی زمینوں کا فصلانہ وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لے تو اجارہ باجماع علماء باطل ہے اس میں زید وبکر کا

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳

بین زید وبکر فی ذٰلك لانها باطلة والحال هذه والباطل یجب اعدامه لاتقریره فترفع ید زیدو عمرو عن القوی والمزارع زید وعمرو عن القری و المزارع والحوانیت [1]۔	کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ یہ باطل ہے جب یہ صورت ہے تو اس باطل کا ازالہ ضروری ہے۔نہ کہ اس کو بحال رکھنا جائز توزید عمرو کا قبضہ ان سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سئل فی الالتزام والمقاطعة علی مایتحصل من قریة الوقف من خراج مقاسمة وغیر ذٰلك بمال معلوم من احدالنقدین یدفعه الملتزم ویکون له مایتحصل منها قلیلا کان اوکثیراهل یجوز ام لا،اجاب،الواقع علیه فی المقاطعة المشروحة اعیان لامنانفع فهی باطلة المشروحة اعیان لامنافع فهی باطلة بالاجماع، و اذا وقعت باطلة کانت کالعدم [2]الخ ملخصا۔	آپ سے سوال ہوا کہ وقف گاؤں کے حصہ کی وصول کا ٹھیکہ وغیرہ مقررہ مال کے بدلے حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں ٹھیکہ قلیل ماہو یا کثیر ہو،توجواب دیا کہ یہ ٹھیکہ عین اشیاء پر ہے منافع پر نہیں لہٰذا یہ بالاجماع باطل ہے تو جب باطل ہے تو کالعدم ہے۔الخ ملخصًا(ت)

اسی میں ہے:

سئل ایضا فی تیماری اُجر المتحصل من تیماره لاٰخر بمبلغ معلوم هل تصح ام لا،اجاب لا تصح وعلی کل وحد منهاردماتناوله [3]الخ۔	کھجور کے باغ والے نے حاصل ہونے والے پھل کا مقررہ نقد پر دوسرے کو ٹھیکہ دیا کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟انھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اور فریقین پر لازم ہے کہ جوکچھ دیا ہے واپس کریں۔الخ۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۶

[2] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۷

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۲۸

المقرر فی کلام مشائخنا باجمعهم ان الاجارة تملیك نفع بعوض وانها اذا وقعت علی استهلاك الاعیان فهی باطلة ومما صرحوا به ان من استاجر بقرة لیشرب لبنها اوکرما لیاکل ثمرته فهو باطل ومما یقطع الشغب قولهم "جعل العین منفعة غیر متصور "فاذا علم ان الاجارة اذا وقعت علی استهلاك الاعیان قصدا وقعت باطلة فعقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیه اعنی الخراج الموظف والمقاسمة وما علی الاشجار من الدراهم المضروبة فهو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم له باطباق علمائنا واذا قلنا ببطلانه لزوم المستاجران یرد جمیع ماتناول من المزاعین من غلال ونقود وغیر ذٰلك[1]۔	ہمارے تمام مشائخ کے کلام میں ہے کہ اجارہ منافع کا عوض کے بدلے مالک بننے کا نام ہے اور اگر یہ عین چیز کو ہلاک کرنے پر منعقد ہو تو باطل ہوگا، اور ان کی تصریحات میں ہے کہ جو شخص گائے کو دودھ پینے کے لئے یا انگور کا درخت پھل کھانے کئے لئے اجارہ پر لے تو یہ باطل ہے۔ اور اس عمل کے غلط ہونے پر ان کا یہ قول قطعی ہے کہ عین چیز کو اجارہ قصدا عین چیز کو ہلاک کرنے پر واقع ہوا ہے تو باطل ہوگا تو اجارہ مذکورہ جب زمین سے انتفاع پر نہیں بلکہ زمین سے حاصل آمدن کو وصول کرنے پر دو طرح سے ہے یعنی مقررہ حصہ کی وصولی اور درختوں کے پھل کی وصولی کے عوض مقررہ دراہم، تو یہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے او باطل چیز کا ہمارے علماء کے اتفاق کے مطابق کوئی حکم نہیں ہے اور جب ہم نے باطل کہہ دیا تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے جو کچھ مزارعین سے غلہ یا نقد وصول کیا واپس کرے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اعلم ان الاجارة اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطله فلا یملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل هی	معلوم ہونا چاہئے کہ کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے پر ہو تو وہ باطل ہوگا مستاجر جو کچھ بھی ان اعیان چیزوں میں سے حاصل کرے وہ اس کا مالک

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵۔۱۳۶

علی ماکانت علیه قبل الاجارۃ فتؤخذ من یدہ اذا تناولها ویضمنها بالاستهلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیه التصرف فیها لعدم مبلکه وذٰلك کاستئجار بقرۃ لیشرب لبنها اوبستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی یدالمزاعین لاکل خراجه الذی یحصل بالمقاسدۃ فانه عین وقع علیها الاستیجار قصدا ومثله باطل کما علمت [1]۔	نہ بنے گا یہ اجارہ سے قبل کی حالت پر ہوں گی لہٰذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لی جائیں گی اور اگر وہ ان کو ہلاک کرچکا ہو تو ان کا ضمان اس سے وصول کیا جائیگا کیونکہ کسی چیز میں باطل موثر نہیں ہوتا اس لئے اس پر ان میں تصرف حرام ہوگا کیونکہ وہ ان کا مالک نہیں ہے اور یہ گائے کے دودھ یا باغ کو پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا اور اسی کی مثل مزارعین سے مقررہ حصہ کی وصولی کا مالک بننے کے لئے ٹھیکہ لینا ہے کیونکہ یہ بھی عین چیز پر قصدا اجارہ ہے اور ایسی صورت باطل ہے جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ المذکورۃ باطلة غیر منعقدۃ لما صرح به علماؤنا قاطبة من ان الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا لاتنعقد ولا تفید شیئا من احکام الاجارۃ فاذا علم ذٰلك فلیس للمستاجر ان یتناول شیئا من الغلال اھ [2]۔	مذکورہ اجارہ باطل ہے اور غیر منعقد ہے جیسا کہ تمام علماء تصریح کرچکے ہیں کہ جب اجارہ قصدا عین چیز کو تلف کرنے کے لئے ہو تو وہ منعقد نہیں ہوتا اور اجارہ کے احکام کے لئے مفید نہیں ہوتا۔جب یہ معلوم ہوگیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ وہ کوئی آمدن وصول کرے اھ(ت)

ردالمحتار علی درمختار میں ہے:

امامایفعلونه فی ھذا الازمان حیث یضمنها من له ولایتها رجل	لیکن وہ عمل جو اس زمانہ میں کیا جارہا ہے کہ کارمختار کسی مقررہ معاوضہ پر زمینوں کے حصہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۷

بمالٍ معلوم لیکون له خراج مقاسمتها ونحوه فهو باطل، اذ لایصح اجارة لوقوعه علی اتلاف الاعیان قصدا و لابیعا لانه معدوم [1] اھ، **قلت** وهکذا افصح به الفاضل المحقق مولٰنا امین الملة والدین محمد بن عابدین الشامی الدین رحمه الله تعالٰی صاحب ردالمحتار علی ردالمختار فی کتابه النفیس الجلیل الحری بان یکتب علی الحناجر ولو بالخناجر المسمی "بالعقود الدریة فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیة" وغیرہ فی غیرہ والعبد الضعیف الاٰن فی قریة بعیدة عن وطنی لیس عندی هٰهنا من الکتب الفقهیة الارد المحتار و الخیریة لو لاذٰلك لاثبت بتصریحات جلیلة اخری تفتح اعین الغافلین وفیما اوردنا کفایة للعاقدین والحمد الله رب العالمین۔	کی وصولی کو ٹھیکہ وغیرہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ درست نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو فنا کرنے پر اجارہ اور بیع بھی نہیں کیونکہ وہ قابل وصول حصہ ابھی معدوم ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اور یونہی فاضل محقق مولانا امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالٰی صاحب ردالمحتار حاشیۃ درمختار نے اپنی کتاب جو کہ نفیس جلیل اس قابل ہے کہ اس کو حلقوموں پر لکھاجائے اگرچہ خنجروں سے لکھا جاسکے جس کا نام "العقود الدریة فی تنقیح الحامدیه" ہے اور دیگر علماء نے دیگر کتب میں فرمایا اور یہ ناتواں بندہ اس وقت اپنے وطن سے دور ایک قریہ میں ہے میرے پاس سوائے ردالمحتار اور خیریہ کوئی بھی فقہ کی کتاب نہیں ہے اگر یہ عذرہ ہوتا تو میں ایسی مزید تصریحات جلیلہ کو بیان کرتا جو غافل حضرات کی آنکھوں کو کھول دیتیں اور جو کچھ میں نے ذکر کردیا ہے وہ عقل والوں کے لئے کافی ہے۔والحمدالله رب العالمین۔(ت)

ان نصوص صریحہ کے بعد بھی حکم میں کچھ خفا باقی ہے؟ اور یہیں ظاہر ہوگیا وہ فرق جس سے سائل سوال کرتا ہے کہ مزارعوں کو زمین بغرض زراعت دی جاتی ہے، وہاں اجارہ بونے جوتنے پر وارد ہوتا ہے کہ وہ منفعت ہے نہ کسی عین کے استہلاک پر فافترقا، اسی لئے امام خیر الدین نے ارشاد فرمایا:

عقد الاجارة المذکورة حیث لم یقع	مذکورہ عقد اجارہ زمین سے زراعت کے انتفاع وغیرہ

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی فی الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوه بل اخذ المتحصل[1] الخ کما اسمعناك نصه۔	پر واقع نہیں بلکہ متحصل کی وصولی پر ہوتا ہے الخ جیسا کہ ہم نے ان کو نص آپ کو سنادی ہے۔(ت)

معہذا کچھ فرق نہ سہی جب شرع مطہر سے اس کی حلت اور اس کی حرمت ثابت، پھر مجال مقال کیا ہے۔

"قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ"[2]، واللہ تعالٰی المسئول لاصلاح احوال الائمۃ المرحومۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	انھوں نے کہا کہ بیع بھی ربا کی طرح ہی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالٰی نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سے ہی امت مرحومہ کی اصلاح کے لئے سوال ہے۔ بھلائی کی طرف پھرنا اور نیکی کی قوت صرف اللہ بلند وعظیم سے ہے۔ (ت)

ہوا یہ کہ جن لوگوں نے کسی وجہ سے اپنے دیہات کا کام خود نہ کرنا چاہا اور دوسرے کو بطور کارپرداز ی بتقرر تنخواہ سپرد کرنے میں غبن کثیر و محنت قلیل و بے پرواہی کارندگان کا احتمال قوی سمجھا۔

کما ھو مشاھد فی کثیر من ابناء الزمان الامن عصمه اللہ وقلیل ماھم۔	جیسا کہ بہت سے اہل زمانہ میں یہ مشاہدہ ہے۔ ہاں اللہ تعالٰی جس کو محفوظ فرمائے، اور وہ تو لیل لوگ ہیں۔ (ت)

بخلاف اس صورت کے جب ایک شخص کے ذمہ رقم محدود باندھ دی جائے اور یہ قرار پائے کہ جہاں سے جانے اسے پورا کرے۔ یہاں تک کہ اس پر ضمانتیں یا ایک سال کی توفیر پیشگی لی جاتی ہے تو احتمال غبن کے تو کچھ معنی ہی نہ رہے۔ کوشش دلسوزی اول تو کیونکر نہ کرے گا، اور نہ بھی کرے تو اپنا کیا نقصان اس قسم کی باتیں ذہن میں جما کر یہ عقد باطل عاطل ایجاد کیا حالانکہ ان کی نادانی کا نتیجہ تھا، کاش! اگر حضرات علماء لاخلاء الکون عنھم وکثر اللہ فی بلادہ امثالھم (کائنات ان سے خالی نہیں ہے اللہ تعالٰی نے ان جیسوں کی کثرت اپنے تمام بلاد میں فرمائے ہیں۔ت) کی طرف رجوع لائے تو ایسی صورت نکلنا ممکن تھی جس میں ان کا اطمینان بھی رہتا، ٹھیک دار کے سر رقم معین ہو جاتی غبن وغیرہ

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۵

کے خدشوں سے نجات ہاتھ آئی، اور مؤجر ومستاجر دونوں اکل حلال کھاتے نافرمانی ملک جبار سے امان پاتے ہیں مگر کم ہیں وہ پاک مبارک بندے جنھیں اپنے دین کا اہتمام ہے، الٰہی ! اس اذل وارذل کو اپنے ان محبوبوں کا خاکپا بنا اور امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اصلاح احوال فرما آمین بجاہ ھذا النبی الکریم علیہ وعلی الہ وافضل الصلوۃ والتسلیم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۲۲۱: از شاہجہانپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ شیخ بشیر الدین صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کا ایک موضع ہے جس میں قدیم الایام سے ایک بت خانہ اور اس کے چڑھاوہ میں قریب تین سو روپیہ سالانہ کے رقم آتی ہے۔ زید بوجہ قدامت کے بت خانہ کو دفع نہیں کرسکتا۔ اور نہ اس کی پرستش کو بند کرسکتا ہے اصل رقم آمدنی موضع مذکور کی دو سو روپیہ سالانہ ہے، ایک ہندو ٹھیکہ دار موضع مذکور کا چار سو روپیہ پر لینا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلی آمدنی کی موضع مذکور کی صرف دو سو روپیہ سالانہ ہے۔ ٹھیکہ دار رقم چڑھاوہ کے خیال سے دو سو روپیہ اصل آمدنی پر بڑھاتا ہے مگر زید کوئی تفصیل آمدنی موضع اور آمدنی چڑھاوہ کی نہیں کرتا ہے بلکہ یہی کہتا ہے کہ میں ٹھیکہ موضع کا دیتا ہوں تو زید کا چار سو روپیہ سالانہ پر موضع مذکور کا ٹھیکہ دینا ہندو کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سرے سے دیہات کا یہ ٹھیکہ ہی جس طرح آج کل رائج ہے کہ زمین زراعت پر مزارعین کے پاس رہتی ہے اور ٹھیکہ دار توفیر کا ٹھیکہ لیتا ہے بالاتفاق حرام ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی تیماری اجر المتحصل من تیمارہ لاٰخر بمبلغ معلوم ھل تصح ام لااجاب لاتصح، وعلی کل واحد منھما ردماتناولہ [1]۔	ان سے سوال کیا ہوا ایک نے اپنے کھجور کے باغ سے حاصل ہونے والے پھل کو دوسرے کو مقررہ رقم سے ٹھیکہ پر دیا۔ کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟ جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں۔ اور فریقین پر لازم ہے کہ وہ لین دین واپس کریں۔ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۸

اسی میں ہے:

قد اتفقت علماؤنا علی ان الاجارۃ اذا وقعت علی تناول الاعیان او اتلافھا فھی باطلۃ فاذا علم ذٰلك علم الحکم فی اجارۃ القری لتناول الخراج مقاسمۃ کان او وظیفۃ وانہ باطل وقد افتیت بذٰلك مرارا وصورۃ ما رفع الی فی قریۃ اُجرھا المتکلم علیھا الاٰخر لیناول ما یتحصل من خراجھا ورسوم انکحتھا وزکوٰۃ مواشیھا ھل یجوز فاجبت فانھا باطلۃ لاتجوز الخ۔[1]	ہمارے علماء کا اتفاق ہے کہ جب اجارہ عین چیز کو کھانے یا تلف کرنے پر ہو تو باطل ہوگا جب یہ معلوم ہوگیا تو اس سے دیہات کی آمدن یا وہاں سے حاصل ہونے والے حصہ کو ٹھیکہ پر دینے کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ باطل ہے۔اور اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہوں اور میرے پاس مسئلہ کی جو صورت پیش ہوئی وہ یہ تھی کہ ایک قریہ کے مختار نے وہاں سے حاصل ہونے والی آمدن وہاں ہونے والے نکاحوں کے مروجہ عطیات اور جانوروں کی زکوٰۃ کا ٹھیکہ دوسرے شخص کو مقررہ رقم پر دے دیا تو کیا یہ جائز ہے، تو میں نے جواب دیا کہ یہ ناجائز اور باطل ہے۔الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

امام مایفعلونہ فی ھذا الایمان حیث یضمنھا من لہ ولایتھا الرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل اذ لایصح اجارۃ لو قوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا الانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ[2]۔	لیکن وہ عمل جو آج کل لوگ کرتے ہیں کہ تو قریہ سے حاصل ہونے والی آمدن کے حصے کو مختار کار شخص دوسرے کو ٹھیکہ پر دے دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ عین چیز کو تلف کرنے پر یہ قصداً اجارہ ہے بیع نہیں ہے کیونکہ محصولات ابھی معدوم ہیں جیسا کہ خیریہ میں اس کا بیان ہے۔(ت)

بلکہ جواز کی یہ صورت ہے کہ جس سے ٹھیکہ دے سال تمام پر خیال کرے کہ کتنے مزارعوں کا پٹہ ہنوز باقی ہے۔جس جس کا ہوان سے اجازت لے کہ اب ہم یہ سارا گاؤں یا اس کی فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر تمام وکمال فلاں شخص کو زراعت کرنے کے لئے ٹھیکہ پر دیتے ہیں تم اجازت دے دو

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۰۔۱۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

(اور انھیں سمجھادے کہ یہ زمیں ہمیشہ تامیعاد پٹہ تمھارے ہی پاس رہے گی، ہم اپنے ایک مسئلہ شرعی کے لحاظ سے یہ امر کرتے ہیں) جب وہ اجازت دے دیں تو مستاجر سے کہے اس سارے گاؤں یا اس میں فلاں پٹی یا فلاں فلاں معین نمبر کی زمین اس قدر روپے سالانہ پر زراعت کے لئے ہم نے تیرے اجارہ میں دی کہ تجھے اختیار ہے جو چاہے بوئے قبول کرلے، اب اجارہ صحیح ہوگیا، اور جو روپیہ قرار پایا مالک کو لینا حلال ہوگیا خواہ مستاجر خود زراعت کرے یا دوسروں کو اٹھادے۔

غرض زبانی عقد یوں کرلیا جائے کہ شرع میں اسی کا اعتبار ہے، دستاویز میں اگر یوں لکھا جانا انگریزی طور پر کچھ خلل انداز ہو تو اختیار کہ تحریر ٹھیکہ اسی قاعدہ پر کرے کہ شرعاً وہ تحریر خلاف تقریر کوئی چیز نہیں۔ خیریہ میں ہے:

امااشتراط کونہ یصدر من لفظہ فی محکمۃ ویکتب فی حجۃ فی سجلات فلیس بلازم شرعا واللفظ باانفرادہ کاف شرعا والزیادۃ لایحتاج الیہا [1]۔	لیکن محکمہ میں آرڈر اور رجسٹروں میں اندراج شرعا کوئی شرط نہیں صرف لفظی عقد ہی کافی ہے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

العبرۃ بماتلفظ لالماکتب الکاتب [2] اھ ملخصین،	تلفظ کا اعتبار ہے نہ کہ کاتب کے لکھے ہوئے کا اھ، دونوں عبارتیں ملخص ہیں۔ (ت)

رہا یہ کہ مستاجر کو اس پر نفع لینا مثلاً سو روپے سال پر ٹھیکہ لے، اب اپنی طرف سے ایک سو یا سوا سو پر اٹھادینا کسی حالت میں روا ہوگا۔ اس کی صورتیں جدا ہیں جن کے ذکر کی یہاں حاجت نہیں کہ وہ صورت مستفسرہ میں کافر ہے اسے احکام شرعیہ کی کیا پرواہ، نہ ہمیں کوئی ضرورت کہ اس کے لئے اکل حلال کی تدبیر کریں،

"اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَ الۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ" [3]۔	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الوقف دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۔۱۳۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

اس طور پر اصل اجارہ بھی جائز ہوگیا۔اور وہ مندر کا خدشہ بھی دفع ہوا کہ اس نے تو زمین زراعت کے لئے ٹھیکہ پر دی ہے۔آگے جو نافرمانیاں ناحفاظیاں ٹھیکہ دار کرے اس کے سر ہیں، اس سے کوئی تعلق نہیں۔

مسئلہ اجارہ دیہات کی تمام تحقیق فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے رسالہ "**اجود القرٰی لطالب الصحۃ فی اجارۃ القرٰی**" میں ذکر کی جس کی ضرورت نہایت اشد کہ آج کل ایک زمانہ اس سے غافل، اور صحیح وجائز طریقہ ملتے ہوئے صرف جہالت کے سبب گناہ عظیم واکل حرام میں مبتلا، **نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ نوادہ مرسلہ شیخ محمد حسین ولد حافظ اکرام اللہ ۱۳رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی حقیت زمینداری کا ٹھیکہ تین سال کے واسطے اس شرط سے دیتا ہے کہ آمدنی حقیت میں سے بعد ادائے مالگزاری سرکار بیس روپے سالانہ ٹھیکہ دار لیا کرے۔اور سو روپے سالانہ زید مالک زمینداری کو دیا کرے۔اور تین سال کا زر توفیر زید اپنے ٹھیکہ دار سے پیشگی لیتا ہے۔تو اس صورت میں ٹھیکہ دار کو بیس روپے سالانہ لینا شرعا جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کے جواز کی کیا صورت شرعا ممکن ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ صورت ناجائز وحرام ہے۔

کما حققناہ فی فتاوٰنا ونص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار وردالمحتار وغیرہا من الاسفار۔	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے اور فتاوٰی خیریہ، عقود الدریہ، درمختار اور ردالمحتار وغیرہ کتب میں اس پر نص ہے۔(ت)

ہاں جواز یوں ہوسکتا ہے کہ زید کو یہ شخص تین سو روپے بلا سود دست گرداں دے دے، اور زید اسے اپنی حقیت کی تحصیل تشخیص کے لئے بیس روپے سال پر اجیر مقرر کرے۔قرض دہندہ دیانت وامانت سے کام کرے، جو منافع خالص ہو اس سے بیس روپے سال اپنی اجرت تحصیل کے لئے اور باقی جس قدر بچے سو روپے ہوں خواہ کم خواہ زائد، وہ سب مالک کو پہنچائے یا اپنے قرض یا مجرا لے یہاں تک کہ تین سو روپے ادا ہوجائیں، اس کے بعد جو بچے سب مالک کو دے پھر تحصیل پر اس کے اجیر ہونے کو چاہیں دونوں شخص باقی رکھیں یا فسخ کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۳: از ریاست رامپور مرسلہ صاحبزادہ ابراہیم علی خان صاحب خلف صاحبزادہ عباس علی خاں صاحب ۳ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کا ٹھیکہ بجمع (معمہ لالع عہ) ہندہ کو سات سال کے لئے دیا اور پٹہ میں چند شرائط کیں، ایک یہ کہ اگر کوئی قسط حسب تفصیل مندرج پٹہ ادا نہ ہوگی تو زید کو اختیار فسخ اجارہ و ضبطی زر نقد امانت وضمانت کا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ گاؤں میں نکاسی آٹھ ہزار دو سو روپے کی ہے، کٹکنہ دار موضع میں جاکر اسامیاں سے تحقیق کرے اگر اس نکاسی میں کچھ کمی ثابت ہوگی تو کٹکنہ دار کو جمع سے مجرا دی جائے، بعدہ زید نے ہندہ کو بے دخل کرکے قبضہ اپنا کرلیا، ہندہ نے نالش کی، مدعا علیہ نے حسب شرط پٹہ بوجہ نادہندی ہندہ اختیار فسخ حاصل ہونے کا عذر کیا، حاکم نے بدیں بنا کہ شرط مجرائی کمی شرط نہیں وعدہ ہے اور عقد میں نہیں بعد عقد پٹے میں ہے، اور بلفظ شرط نہیں بلفظ (اور) ہے۔ اور شرط بھی ہو تو مطابق عرف مستاجران ہے، نیز ملائم عقد ہے کہ سرکار میں دستور ہے، اول رقبہ و تعداد قلبہ قائم کرکے تگدمہ آمدنی دیہہ کا نقشہ میں درج فرماتے ہیں، اسی نقشے کے اطمینان پر مخلوق ٹھیکہ لیتی ہے اگر رقبہ یا شمار قلبہ میں کمی ہوئی تو وقت استغاثہ مستاجر عذر اس کا مقبول ہوکر مستاجر کو زر جمع سے کمی مجرا دلائی جاتی ہے۔ اور قسط میں بدعہدی باعث فسخ اجارہ نہیں ہوسکتی، شرع میں قاعدہ کلیہ ہے کہ مضاف کرنا فسخ کا طرف کسی زمانے کے صحیح ہے۔ اور معلق کرنا عموما جائز نہیں یہ صورت تعلیق کی ہے۔ فیصلہ بحق مدعیہ کیا، دیگر علماء استفتاء ہوا، انھوں نے اس عقد کو بوجہ شرط فاسد کہ قسط نہ دینے سے ضمانت ضبط کرنا شرعا ممنوع ہے۔ اور جبکہ بحال کمی نکاسی مقدار کمی اجرت سے مجرا ہونی ٹھہری تو اجرت میں جہالت ہے۔ اجارہ فاسد قرار دیا، اب علماء دین کی خدمت میں معروض ہے کہ شرعا اس صورت میں حکم محقق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

انا للہ وانا الیہ راجعون، الی اللہ المشتکی من قلۃ العلم وذلۃ العلماء ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی رب الارض ورب السماء۔	ہم اللہ تعالٰی کے لئے اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں، اور اللہ تعالٰی کے دربار میں ہی علم کی قلّت اور علماء کی غلطی کی شکایت ہے۔ نیکی کی طرف پھرنا اور اس کی قوت زمین و آسمان کے رب اللہ تعالٰی بلند و بالا سے ہے۔ (ت)

صورت مستفسرہ میں فیصلہ بحق مدعیہ ہونا سراسر ناجائز وواجب الرد ہے۔اور عقد مذکور شرعا کوئی عقد ہی نہیں، ہر گز نہ اجارہ صحیحہ نہ فاسدہ بلکہ محض باطل ومسترد ہے۔اس وقت فریقین فتوی کے کلام و تحریرات فقیر کے پیش نظر ہیں، اگر ان کے مدارک کی طرف تنزل کیا جائے تو دونوں باوقعت فریق سے معارک فقہیہ میں بہت کچھ کہنا ہوگا۔مگر فضول وبے اصل امر میں اضاعت وقت کی حاجت نہیں صحیح فاسد ہونے میں خود غور وبحث کا موقع تو اس وقت ہے شرعاوہ کوئی عقد بھی ہو، یہاں سواہوا کے عقد کا نام بھی نہیں محض باطل وبے حقیقت ہے۔تو سرے سے دعوی مدعیہ اصلا قابل سماعت نہیں بلکہ لائق التفات ہی نہیں، فیصلہ اس کے حق میں صادر ہونا کیا معنی۔

اصل یہ ہے کہ دیہات کا یہ ٹھیکہ جو آج کل ہندوستان کثیر الجہل والطغیان میں جاری ہے کہ زمین دیہیہ مزارعین کے اجارہ میں رہتی ہے اور توفیر ومحاصل کٹکنہ دار کے اجارہ میں دئے جاتے ہیں اور یہی صورت اس مسئلہ دائرہ میں واقع ہوئی (جس پر پٹے کے الفاظ کہ نکاسی اس قدر رہے۔کٹکنہ دار آسامیوں سے تحقیق کرلے۔اور تجویز حاکم کے الفاظ کہ سرکار میں دستور ہے۔اول رقبہ و تعداد قلبہ قائم کرکے الی آخرہ دلیل ورشن ہے محض ناجائز وباطل ہے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس صورت کے بطلان پر ہمارے علماء کا اجماع ہے۔اس کا فانی ومعدوم کردینا فرض ہے۔نہ کہ باقی رکھنا، کٹکنہ دار کا قبض فورا ٹھادینالازم ہے۔یہ عقد کالعدم ہے محض بے اثر ہے۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس مسئولہ کی تحقیق روشن اپنے فتاوٰی میں ذکر کی، یہاں چند نصوص علمائے کرام ذکر کروں کہ مولٰی عزوجل چاہے تو تنبیہ غافلین وایقاظ نائمین وہدایت مسلمین ہوں۔

امام علامہ خیر الملۃ والدین رملی اپنے فتاوٰی "خیریہ لنفع البریہ" میں فرماتے ہیں:

ان کانت الاجارۃ وقعت علی اتلاف العین قصدا فھی باطلۃ کما صرحت بہ علماؤنا قاطبۃ وصار کمن استاجر بقرۃ لیشرب لبنہا لاتنعقد فاذا استاجر زید القری و المزارع والحوانیت لاجل تناول خراج المقاسمۃ او خراج الوظیفۃ فالاجارۃ باطلۃ باجماع علمائنا و الباطل یجب عدامہ	اجارہ جب قصدا عین چیز کے تلف کرنے پر ہو تو باطل ہے جیسا کہ ہمارے تمام علماء نے تصریح کی ہے اور یہ گائے کو دودھ پینے کے لئے اجارہ پر لینے کی طرح ہوگا جو ناجائز ہے تو جب زید دیہات، باغات، زمینوں اور دکانوں کو وہاں سے حاصل ہونے والے ذرائع آمدن کو حاصل کرنے کے لئے ٹھیکہ پرلے تو ہمارے علماء کے مطابق یہ اجارہ باطل ہے جبکہ باطل کو ختم کرنا ضروری

لاتقریرہ فترفع یدزید وعمرو عن القری والمزارع والحوانیت[1] (ملخصا)	ہے نہ کہ ان کو بحال رکھنا لہٰذا زید وعمرو کا قبضہ ان دیہات اور زمینوں اور دکانوں سے ختم کرنا ضروری ہے۔(ملخصا)۔(ت)

اسی میں ہے:

عقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی الانتفاع بالارض بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخراج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا واذا قلنابیطلانہ لزم المستاجر ان یرد جمیع ماتناولہ من المزارعین من غلال ونقود وغیرذٰلک[2]۔	مذکورہ اجارہ کا انعقاد زمینوں سے زراعت کے انتفاع پر نہیں ہے بلکہ ان سے حاصل ہونے والی دونوں قسم کی آمدن یعنی مقررہ حصہ اور سرکاری لگان پر اجارہ ہے تو یہ مقررہ رقم پر اجارہ ہمارے ائمہ کے اجماع کے مطابق باطل ہے۔اور باطل چیز علماء کے اتفاق کے مطابق قابل حکم نہیں ہے اور جب ہم نے اس کو باطل قرار دیا ہے تو مستاجر پر لازم ہے کہ اس نے مزارع حضرات جو کچھ غلہ یا نقد وغیرہ وصول کیا ہے اس کو واپس کرے۔(ت)

اسی میں ہے:

الاجارۃ اذا وقعت علی اتلاف الاعیان قصدا کانت باطلۃ فلا یملك المستاجر ماوجد من تلك الاعیان بل ھی علی ماکانت علیہ قبل الاجارۃ فیوخذ من یدہ اذا تناولھا ویضمنھا بالاستھلاك لان الباطل لایؤثر شیئا فیحرم علیہ التصرف فیھا لعدم ملکہ وذٰلك کاستیجار بقرۃ لیشرب لبنھا او	اجارہ جب اتلاف اعیان پر قصدا واقع ہو تو باطل ہوگا اور مستاجر ان اعیان میں سے کسی چیز کا مالک نہ بنے گا بلکہ اجارہ سے قبل حالت پر باقی رہیں گے لہٰذا مستاجر کے قبضہ سے واپس لئے جائیں گے اور ہلاک کردئے تو ان کا ضمان وصول کیا جائے گا کیونکہ باطل چیز کچھ اثر نہیں رکھتی اس لئے ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کا تصرف حرام ہوگا اور یہ ایسے ہوگا جیسے گائے دودھ پینے کے لئے یا

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۷

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۶۔۱۳۵

بستان لیأکل ثمرته ومثله استئجار مافی ید المزارعین لاکل خراجه [1] الخ۔	باغ پھل کھانے کے لئے اجارہ پر لیا ہو، اور اسی طرح اگر اس نے مزارعین میں سے محاصل کو اپنے کھانے کے لئے ٹھیکہ پر لیا ہو تو باطل ہے۔ الخ

مغنی المستفتی عن السوال المفتی میں ہے:

سئل فی تیماری اُجر المتحصل من تیماره الاجر وقبض المستاجر قدرا معلوما من متحصل تیماره فهل تکون الاجارة المزبورة غیر صحیحة اجاب نعم وقدافتی بذٰلك الخیر الرملی مرارا کما هو مذکور فی فتاواه من الاجارة ونقولها کثیرة محصلها انها اجارة وقعت علی استهلاك الاعیان وهی باطلة [2]۔	ان سے سوال ہوا کھجور کے باغ والے نے اپنے باغ کی آمدن کو دوسرے کے پاس ٹھیکہ پر دیا اور مستاجر نے اس باغ کی آمدن کی کوئی مقررہ مقدار حاصل کی ہو تو کیا یہ اجارہ صحیح ہے یا نہیں؟ توانھوں نے جواب دیا کہ یہ صحیح نہیں ہے اس پر متعدد بار خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالی نے فتوی دیا ہے جیسا کہ ان کے فتاوی کے باب الاجارہ میں مذکور ہے جس کی کثیر نقول موجود ہیں، ان فتاوی کا حاصل یہ ہے کہ یہ اجارہ عین چیز کو تلف کرنے پر ہے اور یہ اجارہ باطل ہے۔ (ت)

عقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ میں ہے:

لایجوز استیجار الارض لذٰلك لانه استیجار علی استهلاك العین والاجارة انما تنعقد علی استهلاك المنافع [3]	استہلاک عین پر اجارہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اجارہ منافع حاصل کرنے پر ہوتا ہے۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواقع فی زماننا ان المستاجر یستاجر ها لاجل اخراجها لاللزراعة ویسمی ذٰلك التراماو	ہمارے زمانہ میں مروج ہے کہ مستاجر زمینوں کو زراعت کی بجائے ان کے محاصل کو مزارعین سے وصول کرنے کے لئے اجارہ پر لیتے ہیں اس

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۹

[2] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

[3] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۳۲

ھو غیر صحیح کما افتی بہ الخیر الرملی فی عدۃ مواضع [1]۔	طریقہ کار کو وہ "التزام" کہتے ہیں اور یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ خیر الدین رملی رحمہ اللہ تعالٰی عنہ متعدد مواقع پر یہ فتوٰی دیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

اما ما یفعلونہ فی ھذہ الازمان حیث یضمنھا من لہ ولایتھا لرجل بمال معلوم لیکون لہ خراج مقاسمتھا ونحوہ فھو باطل۔ اذ لایصح اجارۃ لوقوعہ علی اتلاف الاعیان قصدا ولابیعا لانہ معدوم کما بینہ فی الخیریۃ [2]۔	وہ جو ہمارے زمانہ میں لوگ التزام کا عمل کرتے ہیں کہ مختار کا مقررہ رقم زمینوں کی وصولیوں کو ٹھیکہ پر دیتا ہے تو یہ باطل ہے کیونکہ یہ اجارہ نہیں اس لئے کہ یہ عین چیز کو تلف کرنے پر قصداً واقع ہوا ہے اور بیع بھی نہیں ہے کیونکہ وہ چیز معدوم ہے جیساکہ فتاوٰی خیریہ میں یہ بیان ہے۔(ت)

یہاں نقول میں کثرت ہے اور قدر مذکور میں کفایت، شرعاً وہ صورت ممکن تھی کہ لوگ اگر اسے اختیار کرتے ان کا مقصود ملتا اور مال حرام وعقد باطل کے وبال وآثام سے محفوظ رہتے مگر اتباع شرع مطہر کی فکر کسے، جب علماء غافل ہوں جہاں سے کیا شکایت، رامپور اسلامی ریاست ہے کیا عجب کہ وہاں اس حق مبین کا اثر ہو۔ محو باطل واجرائے طریقہ جائزہ پر نظر ہو، ارشادات ائمہ کا اسی قدر سننا کارگر ہو، واللہ الھادی وولی الایادی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴و۲۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) دیہات کا ٹھیکہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ کہ وزن کشی کا ٹھیکہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اجارہ دیہات کی سبیل بھی چنداں دشوار نہیں، زراعت کے لئے جیسا ایک کھیت کا اجارہ پر دینا جائز یوں ہی سارے گاؤں کا، مگر وقت واحد میں زمین واحد دو مستقل مزارعوں کے اجارہ میں

---

[1] ردالمحتار باب العشر والخروج دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ مسائل شتی فی الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۷

نہیں ہو سکتی، لہٰذا سال تمام پر جن کاشتکاروں کے پٹے کی میعاد ختم ہو گئی وہ تو زمین خالی ہی ہے جن کی میعاد باقی ہے ان سے کہہ لیاجائے اور سمجھا دیا جائے کہ ہم جواز شرعی کے لئے ایسا کرتے ہیں، زمین تم سے نکالی نہ جائے گی، بلکہ مستاجر کی طرف سے تمھارے پاس رہے گی، تم میں ہم میں جو معاہدہ تھا جس کے ابھی اتنے سال باقی ہیں، وہ فسخ کرلو کہ ہم سارا گاؤں زراعت کے لئے فلاں کو اجارہ پر دے دیں، فلاں کی طرف سے یہ زمین بدستور تا میعاد پٹہ تمھارے پاس رہے گی، اس صورت میں ٹھیکہ توفیر کانہ ہوا، جو بالاجماع حرام ہے۔ بلکہ زراعت کے لئے زمین کا جو بالاجماع جائز ہے اور اگر اس صورت میں دقت سمجھی جائے اور ضرور کسانوں خصوصا ہنود عنود کو اس کا سمجھانا اور ان کا راضی ہونا خالی از دقت نہیں، تو وہی باغ و بہار والی تدبیر کی جائے، یعنی گاؤں میں چوپال اور مکان سکونت اور افتادہ زمینیں اور کاشت سے خالی کھیت اور وہ کھیت جن کی میعاد پٹہ تمام ہو گئی، اور بنجر غرض جس قدر اراضی کسی کے اجارہ میں نہیں وہ تمام وکمال مستاجر کو سنین معینہ کے لئے اجرت معینہ پر (جتنا زر ٹھیکہ رکھنا منظور ہو) زراعت وسکونت وانتفاع کے لئے مباح کردی جائے اور اراضی مزروعہ مقبوضہ مزارعین کی توفیر نقد خواہ بٹائی جو کچھ ہو مستاجر کو اتنے برسوں کے لئے مباح کردی جائے، یوں بھی دونوں کے مطلب حاصل ہیں، غرض ہے یہ کہ "مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا ۙ﴿۲﴾"[1] (جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ت) کوئی دشواری نہیں کہ اس شریعت مطہرہ سمحہ سہلہ غرہ بیضائے نے آسان نہ فرمادی ہو۔ وللہ الحمد۔

(۲) وزن کشی کے ٹھیکہ سے اگر یہ مراد ہے کہ "تولا" کچھ روپے زمیندار کو دے کہ اس سال گاؤں بھر کی "راسیں" وہی تولے دوسرا نہ تولنے پائے، اور وہ ہر کاشت کار سے اپنے تولنے کی اجرت لے تو یہ محض حرام، اور وہ روپیہ زمیندار کو دیا نری رشوت ہے۔ اور دوسرے کو تول سے ممانعت محض ظلم ہے۔ اس کی نظیر اسٹیشن پر سودا بیچنے کا ٹھیکہ ہے۔ کہ بیع تو اس میں اور خریداروں میں ہوگی، یہ ریل والوں کو روپیہ صرف اس بات کا دیتا ہے کہ میں ہی بیچوں، دوسرا نہ بیچنے پائے، یہ شرعا خالص رشوت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶: مسئولہ نواب صاحب محلّہ بہاری پور بریلی

عالمان شرع نے کیا حکم ہے اس میں دیا گر کسی نے ٹھیکہ دکانوں کا مالک سے لیا

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

لے کے ٹھیکہ پھر یہ اس نے انتظام اپنا کیا ۔۔۔ سب دکانوں کا کرایہ اس نے زائد کرلیا
پس یہ زائد جو اسے حاصل ہوا ہے اس سے زر ۔۔۔ اس کے استعمال میں ہے فائدہ یا کچھ ضرر
اگر اس شخص کو ٹھیکہ سے کم آمد ہوئی ۔۔۔ اور پوری کردی اس نے پاس سے اپنے کمی
اس کمی کا لینا کیا مالک کو جائز ہوگیا ۔۔۔ اس میں جو حکم شریعت ہو مجھے دیجئے بتا

الجواب:

جتنی اجرت پر کہ مستاجر نے لی مالک سے شے ۔۔۔ اسے زائد پر اٹھانا چاہے تو یہ شکل ہے
اپنا کوئی مال جو قابل اجارہ کے ہوئے ۔۔۔ اس کو اسی شیئ سے ملا کر دونوں کو ایک ساتھ دے
یا زیادت شیئ میں کردے مثل تعمیر مکان ۔۔۔ کھونٹیاں کھگل کنواں چونہ مرمت ایں وآں
یا بدل دے جنس اجرت جیسے وہاں ٹھہرے روپے ۔۔۔ اس کے یاں آنے میں گو بدلے میں لے ان کے روپے
یا کوئی کام اپنے ذمہ کرلے اس ایجار میں ۔۔۔ تا زیادت اس عمل کے بدلے ہو اقرار میں
جیسے جاروب دکان اصلاح اسباب دکاں ۔۔۔ اور جو خدمت کے ہو شایاں اجرت بے گمان
اور اگر یہ کم پہ دیتا ہے تو دے مختار ہے ۔۔۔ مالک اُجرت پوری لے گا اس سے جو اقرار ہے
یوہیں خالی ڈال رکھتا جب بھی تو لیتا وہ دام
اب کمی سے کیا اسے واللہ اعلم والسلام

مسئلہ ۲۲۷: مرسلہ نجم الحسن صاحب از تحصیل بسواں ضلع سیتاپور ۱۵ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر وعمرو تینوں سنی حنفی پابند صوم وصلوٰۃ ہیں زید زمیندار، بکر تاجر، عمرو نوکری پیشہ، زید کا عمرو قرابت دار ہے، اور بکر کا دوست، عمرو کی معرفت زید وبکر میں یہ معاملہ ہوا کہ زید نے اپنے دو گاؤں پندرہ سو روپے سالانہ پانچ سال کے لئے بکر کو ٹھیکہ دیا، بکر نے پندرہ سو روپے بلا سودی پیشگی زید کو دئے جس کی ادائیگی سال اخیر میں قرار پائی، بکر نے عمرو کو نوکر رکھ لیا، اور گاؤں کی تحصیل وصول سپرد کردی۔ بروقت ٹھیکہ ہونے کے زید وبکر میں یہ حلف ہوا کہ ایک دوسرے کے نقصان کا روادار نہ ہوگا، اور کبھی کسی مفسد یا مخالف کی دراندازی پر فریقین عمل نہ کریں گے، دو سال دونوں گاؤں بکر کے ٹھیکہ میں رہے، اور قریب قریب سات سو روپے کے منافع ہوا، عرصہ کے بعد زید وبکر کو عمرو کی چالاکی وبدنیتی عمرو کے افعال واقوال سے ثابت ہوگئی، دونوں کو یقین ہوگیا کہ عمرو نے ضرور نقصان پہنچایا، اور پہنچائے گا، زید وبکر میں اتفاق ہے، زید سے بکر نے کہا کہ میں گاؤں کا کام نہیں کرسکتا کیونکہ عمرو سے کام نہیں

لیناچاہتاہوں عمرو پر اعتبار نہیں رہا، بہتر یہ کہ میں ٹھیکہ چھوڑدوں، پیشگی جو پندرہ سو روپیہ میں نے دیا ہے وہ دے دو میں تجارت میں لگادوں، زید نے کہاکہ میں ٹھیکہ چھڑانا نہیں چاہتا، اور تم جانتے ہو کہ میں نادار ہوں، زرپیشگی بھی یکشمت ادانہیں کرسکتا، زید وبکر دونوں متردد ومشوش تھے، ایک رئیس مسلمان سنی وحنفی نے بطور ثالث یہ فیصلہ تجویز کیاکہ ٹھیکہ چھڑالیا جائے، اور پندرہ سو روپے قسط بندی کرکے چار سال میں ادا کردئے جائیں بکر کے اطمینان کو دستاویز ہوجائے، اور ایک گاؤں مکفول کردیا جائے بجز اس کے کہ اس وقت منافع کا کچھ ذکر بکر نے نہیں کیا، ثالث کی تجویز کو زید وبکر دونوں نے بحلف منظور کرلیا، ہفتہ کے بعد ثالث کے روبرو زید سے بکر نے دستاویز کا مسودہ مانگا۔ اس وقت زید سے بکر نے کہاکہ اگر اس وقت پندرہ سو روپے دو تو میں لے لوں اور تجارت میں لگادوں اور چار سال میں اگر روپیہ ادا ہوا تو منافع لوں گا، زید نے کہا منافع کیسا کبھی اس کا ذکر نہیں ہوا، اور نہ ثالث کے روبرو ذکر آیا، محض پندرہ سو روپے کی ادائیگی ٹھہری، بکر سود خوار نہیں ہے، مگر جاہل ہے، مفسدوں نے اس کو سمجھادیا کہ یہ ٹھیکہ کا منافع ہے سود نہیں ہے، بکر نے کہاکہ قبل ٹھیکہ ہونے کے مبلغ ڈھائی سو روپیہ کو ہم کو چھوٹ دیا گیا ہے۔ زید نے کہا نہیں میں نے ایک گاؤں میں کل (عہ مہ /) چھوٹ دیا ہے۔ زید نے بکر سے پوچھاکہ میری تمھاری بالمشافہ گفتگو ہوکر چھوٹ دی گئی ہے۔ بکر نے کہاکہ نہیں مجھ سے عمرو نے کہا ہے، زید نے کہاکہ عمرو کو یقین تھاکہ ٹھیکہ ہوجانے کے بعد میں ضرور نوکر رکھ لیا جاؤں گا، اس طمع پر بکر نے جھوٹ کہہ دیا کہ ڈھائی سو روپے چھوٹ دے کر پندرہ سو روپے ٹھیکہ ہوتا ہے۔ زید نے عمرو سے دریافت کیاکہ ڈھائی سو روپے چھوٹ کیونکر دی گئی، عمرو نے جواب صاف نہ دیا، زید نے چھوٹ کا اقبال نہ کیا، بکر نے کہا ہم منافع ضرور لیں گے، زید نے دستاویز لکھ دی، پندرہ سو روپے اصل اور چار سو منافع ٹھیکہ، زید وبکر پابند شریعت ہیں، بدعہدی اور منہیات شرع سے بچنا چاہتے ہیں نیک نیتی سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ پندرہ سو روپے کے علاوہ جو بنام منافع ٹھیکہ چار سو روپیہ جو درج دستاویز ہوا ہے یہ جائز ہے یا سود ہے؟ شرح وبسط کے ساتھ جواب عنایت ہو، **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ منافع قطعی سود اور حرام ہیں۔ حدیث میں ہے: **کل قرض جر منفعة فھو ربا**[1] قرض سے جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔ بلکہ اس ٹھیکے کے دوسو برسوں میں سات سو

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۱۵۵۱۶ مؤسستہ الرسالۃ بیروت ۶/ ۲۳۸

روپے جو منافع کے بکر کو ملے وہ بھی حرام ہیں کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے محض حرام ہے۔ جتنے پر ٹھیکہ دیا گیا اگر اس قدر نشست ہوئی اور وہ مالک کو دے دی گئی، تو اس کے لئے حلال ہے کہ اس کی ملک کا نفع ہے۔ اور اگر اس سے کم ہوئی اور مستاجر کو وہ رقم اپنے پاس سے پوری کرنی ہوئی تو یہ زیادت مالک کو حرام ہے، اس کا حق اسی قدر ہے۔ جس قدر نشست ہوئی، مثلاً پندرہ سو کو ٹھیکہ اور کسی سال ہزار ہی بیٹھے تو یہ ہزار ہی مالک کو حلال ہیں، رقم قرارداد پوری کرنے کو پانچ سو اگر اور لے گا وہ حرام ہونگے اور اگر کسی سال دو ہزار روپے بیٹھے اور مستاجر مالک کو صرف پندرہ سو دے گا پانسو خود لے گا، یہ پانسو اس کا حرام ہیں۔

فان ہذہ اجارۃ علی استہلاك العین و ما الاجارۃ شرعا الا تملیك المنافع فکل اجارۃ وردت علی الاعیان فھی باطلۃ وحرام الاماخصہ النص وھوا جارۃ الظئر و المسئلۃ مصرح بھا فی کثیر من الاسفار کالفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ والدر المختار ورد المحتار۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ یہ عین چیز کے تلف پر اجارہ ہے جبکہ شرعاً صرف منافع کی تملیک پر اجارہ ہوسکتا ہے تو ہر ایسا اجارہ جو عین چیز کو تلف کرنے پر واقع ہو وہ باطل اور حرام ہے الاوہ کہ شرع نے اس کو خاص طور پر مشروع کیا ہو جیسے دایہ کو دودھ پلانے کے لئے اجارہ پر رکھنا، اور یہ مسئلہ بہت سی کتب میں تصریح کردہ ہے جیسے فتاوٰی خیریہ، عقود الدریہ، درمختار اور ردالمحتار میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

کتاب المنیٰ والدرر لمن عمد منی اُرڈر ۱۳۱۱ھ

(خواہشات اور موتیوں کی فراہمی اس کے لئے جس نے منی آرڈر کا قصد کیا)

مسئلہ ۲۲۸: ازکیمپ میرٹھ بازارلال کورتی مرسلہ جناب مولوی عبدالسمیع صاحب ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ۔

بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفرع رائے خورشید انجلاء باداس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے یہاں سے بعوض مساکین کے تنخواہ کسی کے دو روپے، کسی کے تین روپے معین ہے، ان میں سے پانچ چار آدمیوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو دو روپے کے واسطے سفر کرکے آنا دشوار ہے اور یہ دقت کہ اس قدر تنخواہ ہے اور اس قدر کرایہ لگ جائے گا، تم ہم کو منی آرڈر کرکے روانہ کردیا کرو، میں نے یہ دیکھا کہ صیغہ منی آرڈر جابجا جاری ہے مدارس وغیرہ میں، پس ان بیچاروں شکستہ دلوں کا کام کرکے بہتر ہے کہ ثواب حاصل کروں جب نظر جواز وعدم جواز پر گئی تو بنظر سرسری یہ دیکھ لیا کہ ہم جو کچھ زیادہ دیتے ہیں وہ اجرت دیتے ہیں، اس بات کے لئے ڈاک والوں نے مرسل الیہ کے گھر روپیہ پہنچا کر اس کے دستخط کرائے پھر وہ رسید اس سے وصول کرکے ہم تک پہنچائی، بناءً علیہ یہ رباء نہیں، برسوں سے لوگوں کی کارروائی اسی طرح ہوتی رہی اب بعض [عہ] علماء نے فتوٰی حرمت منی آرڈر کا چھاپ دیا

عہ: یعنی رشید احمد گنگوہی ۱۲۔

ہے کہ ربا ہے اور حرام میں نے جو تاویل اپنے نزدیک سمجھی تھی اگر یہ درست ہے یا آپ اپنی رائے سے اس میں اور کوئی وجہ شرعی پیدا کرسکیں اس سے مطلع فرمائیں کہ بعض مساکین کا نہایت درجہ حرج ہے، والسلام

الجواب:

جناب مولانا و بالفضل اولٰنا زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

فقیر چار مہینہ سے اس قریہ میں ہے نامہ نامی بریلی ہو کر یہاں آیا، جواب حسب فہم قاصر حاضر رسید بریلی ارسال فرمائیں، والسلام وہ فتوٰی مطبوعہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کی نظر سے گزرا ہے۔ اس میں مفتی صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ربا ہے دو آنے دس کے عوض دس ملتے ہیں مگر یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جسے اتنی خبر نہیں کہ دو آنے کاہے کے دئے جاتے ہیں، شاید انھیں معلوم نہیں کہ ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دکان ہے جو بغرض تحصیل اُجرت کھولی گئی ہے، دو آنے قطعاً وہاں جانے اور روپیہ دینے اور واپس آنے اور رسید لانے ہی کی اجرت ہیں جیسے لفافہ پر اور پارسل پر ۴/ وغیرہ ذلک اس کو تو کوئی عاقل ربا خیال ہی نہیں کرسکتا یہ ہر گز نہ اس کا معاوضہ نہ زنہار دینے والوں میں کسی کو اس روپیہ کے معاوضہ میں کمی بیشی مقصود۔

وھذا من البدیھات التی لایتوقف فیھا الاامثال المفتین الذین لابصر لھم فی الدین۔	یہ ان بدیہیات میں سے جس میں دینی بصیرت نہ رکھنے والے مفتیوں کے سوا کسی کو توقف نہیں ہے۔ (ت)

ان بزرگوں کے اکثر فتاوٰی فقیر نے ایسے ہی عجائب پر مشتمل پائے، ابھی قریب زمانے میں ان کا ایک فتوٰی دربارہ جواز شہادت ہلال بذریعہ تار برقی نظر سے گزرا جس میں تار کو خط پر قیاس کیا، جامع یہ کہ لکھنا لکھنا ایک سا، قلم سے لکھا خواہ بانس طویل سے گویا حضرت کے نزدیک تار کا طریقہ یہ ہے کہ کسی لمبے بانس سے لکھ دیتے ہیں، پھر لطف یہ کہ خود اصل مقیس علیہ میں حکم غلط، علماء تصریح فرماچکے، ایسے امور شرعیہ میں خطوط کا اعتبار نہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ وہ بانس طویل ہی کی تحریر سہی تار بھیجنے والا بیچارہ اس لمبے بانس سے خود نہیں لکھتا بلکہ تار بابو سے کہتا ہے وہ ایک واسطہ ہوا جہاں کو تار دیا گیا وہ دوسرا واسطہ بیچ میں تار موصول نہ ہوا تو وسائط کی گنتی ہی کیا، اور یہ اکثر کفار وفساق ومجہول الحال ہوتے ہیں، اس نفیس سند سے جو خبر آئے اس پر امور شرعیہ کی بناء کرنی ان مفتیوں کا ادنٰی اجتہاد ہے۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بے اعتباری میں ایک مفصل فتوٰی لکھا جس میں سے اس مسئلہ کی تحقیق تام

کما ینبغی منکشف ہوسکتی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، مسئلہ دائرہ کی طرف رجوع کروں، اور توفیق الٰہی مساعدت فرمائے تو حقیقت منی آرڈر ایسی روشن وجہ پر بیان میں آئے جس سے ان صاحبوں کا شبہ باذنہٖ تعالٰی مستاصل ہوجائے۔

فاقول: وباللہ التوفیق منشاء غلط منی آرڈر کو قرض محض بے عقد اجارہ سمجھنا ہے، متبوع نے اجمالاً اس کا دعوی کیا، تابع نے اس پر دو دلیلیں قائم کیں مگر حقیقت امر سے بیگانگی رہی، بات یہ ہے کہ منی آرڈر کرنے میں دو قسم کے دام دئے جاتے ہیں، ایک وہ رقم جو مرسل الیہ کو ملنی منظور ہے، دوسرا محصول مثلاً دس روپے دو آنے اور جس طرح ہر عاقل فقیہ پر واضح کہ یہ پہلے دام اگر بعینہٖ پہنچائے جاتے جیسے پارسل میں تو یہ خاص اجارہ ہوتا یایوں ہوتا کہ مرسل بعینہٖ انھیں کا پہنچانا چاہتا اور ڈاک والے ان داموں کے یہاں رکھ لینے اور وہاں ان کی نظیر دینے کا ضابطہ مقرر نہ کرلیتے بلکہ کبھی بعینہٖ انھیں کو پہنچاتے۔ کبھی بطور خود انھیں یہاں رکھ کر مرسل الیہ کو وہاں کے خزانے سے دیتے تو بھی محض اجارہ رہتا اور صورت خلاف میں ان اجیروں کا فعل ناجائز ہوتا جس کا الزام مستاجر پر کچھ نہ تھا، ہاں اتنا ہوتا کہ وہ بوجہ تصرف امانت غاصب ٹھہر کر مستحق اجر نہ رہتے۔

کما فی الھندیۃ عن التتارخانیۃ لواستاجر لیحمل ھذہ الدراہم الی فلان فانفقھا فی نصف الطریق ثم دفع مثلھا الی فلان فلا اجرلہ لانہ ملکھا باداء الضمان[1]۔	جیسا کہ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی دوسرے تک معینہ دراہم پہنچانے کے لیے اجیر بنایا تو اس نے آدھے راستے میں وہ دراہم خرچ کرلیے اور مرسل الیہ کو ان دراہم کی مثل اور دے دئے تو وہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ خرچہ کردہ دراہم کا ضمان دے کر وہ ان کا خود مالک بن گیا۔ (ت)

مگر جبکہ یہ امساک عین ودفع مثل ضابطہ معلومہ معہودہ ہے کہ واضعان قانون ڈاک نے اپنی آسانی کے لئے وضع کیا اگرچہ مرسل کو اس سے کچھ غرض نہ تھی اس کا مطلب بعینہٖ روپیہ بھیجنے میں بھی بداہۃً حاصل تھا تاہم بوجہ ضابطہ وتعارف جبکہ عاقدین کو وصول بدل معلوم تو یہاں تحقق معنٰی قرض ماننا غلط نہیں اگرچہ عاقدین بلفظ قرض تعبیر نہ کریں۔

فان العبرۃ للمعانی والمعہود عرفا	کیونکہ معانی کا اعتبار ہے اور عرف میں معین معلوم

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ باب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۵۰۲

کالمذکور لفظاً۔	چیز لفظوں میں مذکور کی طرح ہے۔(ت)

یونہی ہر ذی عقل نبیہ پر یہ بھی روشن ہے کہ یہ دوسرے دام اگر کسی کام کے عوض نہ دئے جاتے تو یہ عقد خالص قرض اور یہ زیادت بیشک ربا ہوتی یایوں ہوتا کہ جس کام کے عوض دئے جاتے وہ کوئی منفعت مقصودہ صالح ورود عقد اجارہ نہ ہوتا تو بھی محض قرض رہتا مگر حاشا یہاں ہر گز ایسا نہیں بلکہ وہ مثل سائر کارروائیہائے ڈاکخانہ کے یقینا اجرت میں دینے والے اجرت ہی سمجھ کر دیتے، لینے والے اجرت ہی جان کر لیتے ہیں ہر گز کسی کے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ یہ ۲/سود کے ہیں جو الٹا مدیون دائن سے لیتا ہے ڈاکخانے کی اصل وضع ہی اس قسم کی اجارات کے لیے ہے، تو یہاں عقد اجارہ کا تحقق اور ان داموں کا اُجرت ہونا اصلا محل تردد نہیں، اگر کہے کاہے کی اجرت ہاں مرسل الیہ کے گھر تک جانے اور اسے روپیہ دینے اور وہاں سے واپس آنے اور اس سے رسید لانے کی کیا یہ منفعت مقصودہ مباحہ نہیں جس پر شرعا ایراد وعقد اجارہ کی اجازت ہو، اور جب ہے بیشک ہے تو عجب عجب ہزار عجب کہ عاقدین ایک منفعت مقصودہ جائزہ پر قصد اجارہ کریں عوض منفعت جو کچھ دیں اور اسے اجرت ہی کہیں اجرت ہی سمجھیں اور خواہی نخواہی ان کے قصد جائز کو باطل کرکے اس اجرت کو معاوضہ قرض ور با قرار دیں شرع مطہر میں **معاذ اللہ** اس حکم کی کوئی نظیر ہے، حاشاللہ بلکہ شرع میں مہماامکن تصحیح کلام وعقود پر نظر رہتی ہے **کما لایخفی علی من خدم الفقہ** (جیسا کہ فقہ کی خدمت کرنیوالے پر مخفی نہیں ہے۔ت) نہ کہ زبردستی ابطال وافساد وایقاع فی الفساد، پر کہ صراحۃً عکس مراد شرع ہے ایک ہلکی سی مثال پیش پا افتادہ یہی ہے کہ دس روپے دو آنے کے عوض دو روپے دس آنے خریدیں تو مالیت میں کھلا تفاضل اور جنس کو جنس سے ملائے تو وہ عین ربا مگر شرع مطہر جنس کو خلاف جنس کے طرف صرف فرما کر ربا سے بچاتی ہے **کما نصوا علیہ قاطبۃ** (جیسا کہ سب نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) پس ثابت ہوا کہ صورت منی آرڈر میں اگرچہ اجارہ محضہ نہیں مگر زنہار وزنہار قرض محض بھی نہیں جیسا کہ ان مفتی صاحبان نے توہم کیا اور اسی بناء پر فیس کو اجرت سے نکال کر ربا کر دیا بلکہ یہاں حقیقۃً دونوں متحقق ہیں، اب شبہات حضرات تو یکسر حل ہوگئے، وہ ۲/ ربا کا خیال بدیہی الضلال صرف اسی توہم پر مبنی تھا کہ یہ قرض محض ہے، جب ثابت ہوا کہ ایسا نہیں بلکہ یہاں اجارہ بھی ہے اور یہ ۲/اُجرت ہیں نہ فضل خالی عن العوض، تو انھیں ربا کہنا محض جہالت،

بحمد اللہ اتنی ہی تقریر سے وہ دو دلیلیں بھی کہ یہاں تابع نے انتفائے اجارہ پر قائم کیں منتفی ہوگئیں:

دلیل اول: روپیہ تلف ہوجائے تو بھیجنے والا طالب ضمان اور انگریز ذمہ دار، تو ثابت ہوا کہ اجارہ نہیں کہ محصول کو اجرت پر محمول کیا جائے۔

اقول اوّلاً: کیا وجوب ضمان مطلق نافی اجارہ ہے، کتب فقہ کا مطالعہ کیجئے صدہا صورتوں میں اجیر پر ایجاب ضمان کا حکم ہے، اور خاص ید ضمان کی ضرورت ہو تو ذرا اجیر مشترک میں اقوال ائمہ واختلاف فتوی از مہ پر نظر ہو۔

ثانیاً: اطلاق نفی ضمان ہی مانئے تو غایت یہ ہے کہ طلب ضمان ناجائز ہو اور انگریزوں کا ذمہ بری، اس سے اصل عقد کیوں بدل گیا، بہت لوگ عاریت پر تاوان لیتے اور جاہل مستعیر ذمہ دار بنتے ہیں، کیا اس سے نفس عاریت منتفی ہوجائے گی، ہاں شاید یہ خیال کیا ہو کہ کلام مسلم حتی الامکان وجہ صحیح پر حمل کرنا چاہئے، جبکہ ہم نے اجارہ میں مطلقاً ضمان بحالت ہلاکت طالب ضمان نہ مانی تو یہ طلب خلاف شرع ہوگی لہٰذا اجارہ نہ ٹھہرانا چاہئے، مگر سبحان اللہ مسلمانوں کی اور طرفہ طرفداری کی کہ اسی خیال سے کہ صورت ہلاک میں جو بشدت نادر ہے، کہیں طلب ضمان نہ کر بیٹھیں جو ایک مختلف فیہ ممنوع ہے، لہٰذا اصل عقد ہی ربا لازم ودائم مان کر مسلمانوں کو مرتکب حرام اجماعی ٹھہرا دیجئے، یعنی کشتن باید تا تپ نباید **فر من المطر ووقف تحت المیزاب** (بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہوا۔ت)

ثالثاً: کس نے کہا کہ اجارہ محضہ ہے معنی قرض یقیناً متحقق اور رد مثل اس کا خاص حکم، تو یہ تضمین بربنائے اجارہ نہ ہو۔ بربنائے قرض سہی، اب اسے اجارہ سے کیا تنافی رہی۔

دلیل دوم: اجارہ ہو تو بعینہٖ اسی روپے کا پہنچانا لازم ہو، لیکن یہ امر نہ بھیجنے والا ضرور خیال کرتا ہے۔ نہ ڈاک والے کرتے ہیں۔

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ قیاس استثنائی کس اعلیٰ درجہ نفاست پر ہے، تالی لزوم نفس الامری اور استثناء رفع خیال لزوم یا رفع عمل کیا اگر عاقدین کسی حکم واقعی عقد کو اپنے ذہن میں لازم نہ سمجھیں، یا اس پر عمل نہ کریں تو اس سے وہ عقد عقد ہی نہ رہے گا عدم حکم مستلزم عدم عقد ہے یا عدم اعتقاد وعمل، اصل کلام وہی ہے کہ بیشک لازم ہوتا۔ اگر اجارہ محضہ ہوتا یہاں تو ڈاکخانہ فلاں جگہ جاکر ادائے زر اور وہاں سے لاکر ایصال رسید پر اجیر اور زر داخل کردہ کا مستقرض ومدیون ہے تو جو چیز وہاں دے گا عین نہیں دین کا بعینہٖ پہنچانا کیونکر متصور اور اس کا لزوم کہاں کا حکم، بالجملہ ان داموں کی اجرت ہونے سے انکار کرنا اور عوض قرار دے کر ربا ٹھہرانا یونہی صحیح تھا کہ اسے قرض محض خالی عن الاجارہ ثابت کرتے اور دونوں دلیلیں بغرض تمامی صرف اس قدر پر دال کہ وہ اجارہ محضہ نہیں، تو دلیل کو دعوی سے

اصلاً مس نہیں۔

ثم اقول: وباللّٰہ التوفیق۔وبہ الوصول الی ذری التحقیق (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کو طرف سے توفیق ہے۔اور اسی سے تحقیق کی بلالندیوں تک پہنچنا۔ت) حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاکخانہ قطعاً اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرت عمل پھر ضوابط ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کئے:

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار و ضمین قرار پاتا ہے۔جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ و منی آرڈر۔

دوسرے وہ جس میں ذمہ ضمان نہیں، جیسے خطوط و پاکٹ بیرنگ و باٹکٹ۔

اور یہیں سے واضح ہوگیا کہ یہ ادائے ضمان بربنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہذا بیمہ میں صرف ضمان دیتے ہیں، حالانکہ وہاں قرض کا اصلا احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجئے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلا اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپیہ جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار داد امساک عین و دفع مثل ڈاک خانہ کو قرض دے رہے ہیں ڈاکخانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقینا لینے دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقود ڈاکخانہ عقد اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کے لئے صیغہ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقینا اُجرت جان کر دیتے لیتے، اور در صورت تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرط ذمہ داری کی بناء پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ یہ لوگ سمجھیں ہم نے قرض دیا تھا اسے ڈاکخانہ سے لینا ہے ڈاک خانہ سمجھے میں ان کا قرضدار تھا مجھے ادا کرنا ہے۔ہاں بعد تلف ڈاک خانہ اسی ذمہ داری کے سبب اس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لئے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن ومدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ تو یہ اقرار ضمان ہرگز بنائے اقراض واستقراض نہیں بلکہ اجیر مشترک پر شرط ضمان ہے۔اب یہ مسئلہ مثلثہ بلکہ مربعہ ہے اور سب اقوال مصححہ سب مفتی بہا۔

قال العلامۃ خیر الدین الرملی فی فتاواہ وانا **اقول:** بل مخمسۃ بل مسدسۃ [1]عدم الضمان مطلقا، [2]الضمان بشرط الصلح علی النصف [3]جواز الصلح جبرا۔ [4]التفصیل بکون الاجیر صالحا فیبرأ، [5]اوغیرہ فیضمن اومستورا فیصالح۔	یہ علامہ خیر الدین رملی نے اپنے فتاوٰی میں فرمایا ہے۔اور **میں کہتا ہوں** بلکہ پانچ چھ [6] صورتیں ہیں: [1]مطلقاً عدم ضمان، [2]نصف پر صلح کی شرط پر ضمان، [3]جبراً صلح کا جواز، اور [4]اجیر کے صالح ہونے پر اس کا بری ہونا، یا [5]غیر صالح ہونے پر ضمان ہونا، یا [6]مستور الحال ہونے پر قابل صلح ہونا۔(ت)

امامین جلیلین صاحبین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک اجیر مشترک ضامن ہے۔ولہذا

جو کچھ اس کے کام کرنے میں ضائع ہو بالاجماع اس کا تاوان دے گا اگرچہ شیئ میں اس کی طرف سے کوئی تعدی و تقصیر نہ واقع ہوئی ہو بخلاف اجیر خاص کہ امین ہے۔ ولہذا جب تک تعدی نہ کرے اصلا ضمان نہیں، اگرچہ اس کے فعل سے تلف ہو، یہ مذہب امیر المومنین فاروق اعظم و مرتضائے اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی اور یہی امام دارالہجرۃ سیدنا امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا ایک قول اور امام احمد سے ایک روایت ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بدائع وغایۃ البیان وغیرہما میں قول امام عدم ضمان کو قیاس اور اس قول صاحبین کو استحسان قرار دیا۔ امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوائی اسی طرف میل فرماتے۔ امام زیلعی نے تبیین الحقائق پھر علامہ طوری نے شرح کنزالدقائق میں اس کو بہ یفتی فرمایا۔ جامع الفصولین وخزانۃ المفتین وفتاوٰی انقرویہ وواقعات المفتین میں ہے:

قیل یفتی بقول(ابی حنیفه)رحمه الله تعالٰی وقیل قول عطاء وطاؤس وهما من کبار التابعین وقولس وم ابی یوسف ومحمد)رحمهما الله تعالٰی قول عمر و علی رضی الله تعالٰی عنهما احتشاما وصیانة لاموال الناس[1]۔	بعض نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر فتوٰی دیا اور بتایا گیا آپ کے قول کی بنیاد حضرت عطاء اور طاؤس کے قول پر ہے جو کبار تابعین میں سے ہیں، اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کا قول حضرت عمر فاروق اور علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول پر مبنی ہے لوگوں کے مال کے احترام اور حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔(ت)

شرح ہدایہ علامہ اتقائی میں ہے:

قول ابی حنیفة قیاس لان المال امانة فی یده وهلاك الامانة من غیر صنع لایوجب الضمان وقولهما استحسان ووجهه اثر عمر رضی الله تعالٰی عنه[2]۔	امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول قیاس پر مبنی ہے کیونکہ اس کے پاس امانت ہے جبکہ بغیر دخل امانت کی ہلاکت موجب ضمان نہیں ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کا قول استحسان ہے اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی عمل کی وجہ سے۔(ت)

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۷و فتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارۃ دار اشاعۃ العربیہ قندہار افغانستان ۲/ ۳۲۳

[2] غایۃ البیان

شرح الکنز ملامسکین میں ہے:

المتاع فی یدہ غیر مضمون عند ابی حنیفۃ و ھو القیاس وقالا علیہ الضمان استحسانا [1]۔ باختصار۔	اس کے ہاتھ میں سامان امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے موجب ضمان نہیں اور یہی قیاس ہے اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اس پر ضمان ہوگا استحسانا، باختصار۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع لایضمن عندہ وھو القیاس و قالا یضمن الامن حرق غالب اولصوص مکابرین وھو استحسان [2] اھ مختصرین	بدائع میں ہے امام صاحب کے نزدیک اس پر ضمان نہ ہوگا۔ قیاس یہی ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس سے ضمان وصول کیا جائے گا الایہ کہ بے قابو آگ یا سرکش ڈاکو سے ضیاع ہوجائے، یہ استحسان ہے اھ دونوں مذکورہ عبارتیں مختصرا(ت)

تبیین میں ہے:

بقولھما یفتی الیوم لتغیر احوال الناس وبہ یحصل صیانۃ اموالھم [3]۔	صاحبین کے قول پر آج کل فتوٰی دیا جائے کیونکہ لوگوں کے احوال میں تبدیلی ہوگئی ہے جبکہ اس فتوی سے لوگوں کے مال محفوظ ہوں گے۔(ت)

تکملہ طوری میں ہے:

قد تقدم ان بقولھما یفتی فی ھذا الزمان لتغیر احوال الناس [4]۔	یہ گزرا ہے کہ لوگوں کے حالات بدل جانے کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوٰی ہے۔(ت)

فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

قال الفقیہ ابوجعفر الضمان علی القصار و	ابوجعفر فقیہ نے فرمایا کہ دھوبی پر ضمان ہوگا اور

---

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۳۵

[4] بحرالرائق کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۲۷

قال الفقیه ابو اللیث انما قال لانه کان یمیل فی الاجیر المشترك الی قول ابی یوسف و محمد [1]۔	فقیہ ابواللیث نے فرمایا انھوں نے یہ بات مشترک اجیر کے متعلق صاحبین کے قول کی طرف میلان کی وجہ سے فرمائی ہے۔(ت)

امام اجل ابوبکر بلخی فرماتے ہیں خلاف اس صورت میں ہے جبکہ اجیر مشترک پر ضمان ٹھہرانہ لی جائے ورنہ اگر پہلے سے شرط ہو جائے جب تو بالاجماع اس پر ضمان لازم۔ جامع الفتاوٰی والنوازل واشباہ والنظائر وغیرہا میں اسی پر جزم فرمایا۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

شرط علیه الضمان اذا هلك یضمن فی قولهم جمیعا لان الاجیر المشترك انما لایضمن عند ابی حنیفة اذا لم یشترط علیه الضمان اما اذا شرط یضمن قال الفقیة ابو اللیث الشرط وعدم الشرط سواء لانه امین [2]۔	ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا کیونکہ مشترکہ اجیر کے متعلق جب شرط نہ لگائی ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ضمان نہیں لیا جائے گا لیکن شرط لگانے پر ان کے نزدیک بھی ضمان ہوگا۔ فقیہ ابواللیث نے فرمایا شرط لگانا نہ لگانا برابر ہے کیونکہ وہ امین ہے۔(ت)

انقرویہ میں شرح مجمع علامہ ابن فرشتہ سے ہے:

ان شرط ان یضمن لوہلك عندہ یضمن اتفاقا کذا فی الجامع وذکر فی الخانیة و تتمة الفتاوٰی علی انه لا یضمن [3]۔	اگراس کے پاس ہلاک ہو جانے پر ضمان کی شرط لگائی تو بالاتفاق ضمان لیا جائے گا، جامع میں یوں ہے۔اور خانیہ اور تتمۃ الفتاوٰی میں ہے کہ ضمان نہیں لیا جائے گا۔(ت)

شرح کنز ملا مسکین میں ہے:

قیل اذا شرط الضمان علی الاجیر المشترك یصح عند ابی حنیفة وصار کان الاجر فی مقابلة العمل و الحفظ جمیعا۔	بعض نے کہا کہ مشترک اجیر پر ضمان کی شرط لگائی تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک صحیح ہے یوں وہ عمل اور حفاظت دونوں پر اجیر قرار پائے گا۔

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاجارات فصل فی القصار نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۴۴

[2] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الاول مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[3] فتاوٰی انقرویہ کتاب الاجارہ فی ضمان الاجیر المشترك دار اشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۳

كذا فی شرح الوقاية وهو قول الفقية ابی بكر والفقية ابو الليث يفتی بانہ لو شرط عليہ الضمان لايصح[1]۔	شرح وقایہ میں یوں ہے، اور یہ ابوبکر کا قول ہے۔ اور فقیہ ابو اللیث کا فتوٰی یہ ہے کہ اگر اس پر ضمان کی شرط لگائی تو صحیح نہیں ہے۔ (ت)

وجیز امام کردری نوع فی الحمامی میں نوازل سے ہے:

دخل الحمام وقال للحمامی احفظ ہذہ الثياب فخرج ولم يجدها ان شرط عليہ الضمان يضمن اجماعا ان سرق اوضاع والالا[2]۔	حمام میں داخل ہوا اور حمام والے کو کہا ان کپڑوں کی حفاظت کرنا وہ حمام سے نکلا تو کپڑوں کو غیب پایا اگر اس نے حمام والے پر ضمان کی شرط لگائی تھی تو بالاتفاق ضامن ہوگا اس نے چوری یا ضائع کئے ہوں ورنہ نہیں (ت)

اس کے بعد خود فرمایا:

وقد ذكرنا انہ لاتاثير للشرط وتاويلہ انہ لما شرط عليہ الضمان فقد قابل الاجر بهما فيكون على الخلاف فی المشترك[3]۔	ہم نے ذکر کردیا ہے کہ شرط کا کوئی اثر نہیں ہے تو اس کی تاویل یوں ہوگی کہ اگر اس نے شرط قبول کرلی تو گویا اس نے دو چیزوں پر اس کو اجیر بنالیا لہٰذا یہ مشترک اجیر کی صورت کے خلاف معاملہ ہوا۔ (ت)

ذخیرہ وخلاصہ وعمادیہ وغمز العیون وغیرہ میں ہے:

وهذا اللفظ للذخيرة كان الفقيہ ابوبكر يقول ضمن الحمامی اجماعا وكان يقول انما لا يضمن الاجير المشترك عند ابی حنيفة رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم يشترط عليہ الضمان اما اذا شرط يضمن وكان الفقيہ ابو جعفر يستوی بين شرط الضمان وعدم الشرط	ذخیرہ کے الفاظ میں ہے کہ ابوبکر فقیہ، حمام والے کو بالاجماع ضامن قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک مشترک اجیر پر جب شرط ضمان نہ لگائی تو وہ ضامن نہ ہوگا لیکن اگر شرط لگادی تو ضامن ہوگا اور فقیہ ابوجعفر شرط اور عدم شرط کو مساوی قرار دیتے تھے اور ضمان

[1] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیہ کتاب الاجارات الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۹۱

وکان یقول بعدم الضمان قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالٰی وبه ناخذ ونحن نفتی به[1] اھ. **قلت** ومعنی هذا الکلام ان الفقیه ابا جعفر کان یستوی بینهما علی قول الامام وکان یقول لایضمن عنده وان شرط اماهو بنفسه فقد کان یمیل الی قولهما کما قدمنا عن الخانیة عن الفقیه ابی اللیث۔	اور ضمان کا قول نہ کرتے، اور فقیہ ابواللیث نے فرمایا ہمارا یہی موقف ہے، اور ہم یہی فتوٰی دیں گے۔ اھ **میں کہتا ہوں** اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ فقیہ ابو جعفر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے قول پر دونوں صورتیں مساوی ہیں اگرچہ شرط بھی لگائی ہو ضامن نہ ہوگا، لیکن ان کا اپنا رجحان صاحبین کے قول پر ہے جیسا کہ ہم نے خانیہ سے ابواللیث کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ (ت)

قنیہ واشباہ میں ہے:

محله عند عدم اشتراط الضمان علیه امامعه فیضمن اتفاقا[2]۔	اس کا محل ضمان کی عوم شرط ہے لیکن شرط کی صورت میں بالاتفاق ضامن ہوگا۔ (ت)

جمہور ائمہ متاخرین نے ائمہ مذہب وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات دیکھ کر وہ قول فیصل اختیار فرمایا کہ اجیر اگر صلحائے متقین سے ہے تو قول امام مختار یا اس کے خلاف ہے تو قول صاحبین وایجاب ضمان اور مستور الحال ہے تو دونوں قول کے لحاظ سے نصف ضمان واجب نصف ساقط، اور شک نہیں کہ یہ قول جامع الاقوال ومراعی احوال وارفق بالناس واحفظ للاموال ہے کہ تغیر حالات زمانہ اس پر حامل ہو اور اس میں ارفق واحتیاط دونوں پہلو کا لحاظ رہا، امید کی جاتی ہے کہ اگر امام یہ زمانہ پاتے یونہی حکم فرماتے۔ فتاوٰی خیریہ وفتاوٰی اسعدیہ میں ہے:

مسئلة الاجیر المشترك فیها ثلثة اقوال بل اربعة عدم الضمان مطلقا والضمان مطلقا والصلح علی النصف جبرا عملا بالقولین وفی جامع الفصولین رامزا لفوائد صاحب المحیط لوکان الاجیر صالحا	مشترک اجیر کے مسئلہ میں تین بلکہ چار قول ہیں، مطلقًا عدم ضمان، مطلقًا ضمان، نصف نقصان پر جبرًا ضمان تاکہ دونوں اقوال پر عمل ہو، اور جامع الفصولین میں صاحب محیط کے فوائد کا اشارہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اجیر صالح شخص ہے تو قسم لے کر بری کیا جائے گا۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاجارات الفصل السادس الجنس الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۳۷

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادراۃ القرآن کراچی ۲/ ۶۲

یبرأ بیمینه ولوکان بخلافه یضمن، ولو کان مستورا یؤمر بالصلح فھذہ اربعة اقوال کلھا مصححة مفتی بھا واما احسن التفصیل الاخیر [1] اھ مختصرا۔	اور غیر صالح ہو تو ضمان لیا جائے اور مستورالحال ہو تو صلح کا فیصلہ دیا جائے تو یہ چار قول ہوئے، اور تمام کے تمام پر فتوٰی صحیح ہے اور آخری تفصیل کیا اچھی ہے اھ مختصرا۔(ت)

فتاوٰی حامدیہ میں ہے:

اختار ابوجعفر وابواللیث رحمھما اللہ تعالٰی فیه ان کان صالحا یبرء بیمینه وان کان مستورا یؤمر بالصلح و افتی بذٰلك کثیر من المتاخرین وھو اولٰی من غیرہ و اسلم وبمثله افتی الخیر الرملی [2]۔	ابوجعفر اور ابواللیث کا مختار یہ ہے کہ اگر وہ صالح شخص ہو تو قسم لے کر بری کردیا جائے، اور اگر وہ مستور الحال ہو تو صلح کا فیصلہ کیا جائے اس پر بہت سے متاخرین نے فتوٰی دیا ہے اور یہ قول دوسروں کی نسبت اولٰی ہے اور خیر الدین رملی نے اسی طرح فتوٰی دیا ہے۔(ت)

منح الغفار وطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

ھو فتوی القاضی الامام جلال الدین الزاھدون [3]۔	امام جلال الدین زاہدون کا یہی فتوٰی ہے۔(ت)

بالجملہ چار قول مفتٰی بہ سے دو قول پر بیمہ ومنی آرڈر وغیرہما میں ڈاکخانہ سے یہ قرارداد ضمان جائز وصحیح ومقبول ہے اور انسان کو عمل ونجات کے لئے ایک ہی قول مفتٰی بہ کافی نہ کہ متعدد نہ کہ جب وہی ارفق وہی استحسان ہونے کے علاوہ حالت زمانہ اسی کے داعی اور وہی حفظ اموال ناس کا مراعی ہو باوصف ان شدتوں سختیوں کے جو قوانین ڈاک میں ضیاع مال بیمہ ومنی آڈر پر رکھی ہیں کہ نوکریاں جائیں قیدیں اٹھائیں سزائیں پائیں، پھر بھی خائنوں بددیانتوں کی کارروائیاں ہوتی رہتی ہیں عدم ذمہ داری کی حالت میں ظاہر ہے جو کچھ ہوتا ہے تو فقیہ نبیہ اس شرط پر ضمان کے جواز میں اصلا تردد نہ کرے گا۔ وباللہ التوفیق۔

---

[1] فتاوٰی خیریة کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دارالمعرفة بیروت لبنان ۲/ ۱۴۱، الفتاوٰی الاسعدیة کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر المطبعة المخریة مصر ۲/ ۲۷۶

[2] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۴۔۱۱۳

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاجارۃ باب ضمان الاجیر دارالمعرفة بیروت ۴/ ۳

ثم اقول: وبہ استعین۔ ان مفتیان زمانہ کے خیالات تو محض اباطیل مہملہ ومہملات باطلہ جن کی حاجت بھی نہ تھی مگر اس تقریر منیر سے بحمد اللہ سبحنہ وتعالیٰ وہ شبہ بھی حل ہوگیا جسے نظر فقہی سے علاقہ ہے اور بادی النظر میں خادم فقہ کا ذہن اس طرف جاسکتا ہے یعنی سفاتج پر منی آرڈر کا قیاس، ہمارے علمائے کرام نے سفتیجہ یعنی ہنڈوی کو ناجائز رکھا کہ ہر مقرض اس قرض دینے سے سقوط خطر طریق کا استفادہ کرتا ہے اور وہ فضل خالی عن العوض ہے کہ بربنائے قرض اس نے حاصل کیا **وکل قرض جرمنفعۃ فھو ربا** (جو قرض نفع مند ہو وہ ربا ہے۔ت) بظاہر منی آرڈر وہنڈوی دونوں دوسری جگہ روپیہ بھیجنے کے طریق ہیں جس کے باعث نظر دھوکا کھاتی ہے دونوں کا حال ایک ہے حالانکہ اگر ذرا تامل کو کام میں لائے تو آفتاب روشن کی طرح متجلی ہو کہ ان میں باہم زمین وآسمان کا فرق ہے۔ ہنڈوی محض قرض ہے اور اس میں قرض دینا خاص مرسل کی غرض اور اس کے ذریعہ سے اسے سقوط خطر کی منفعت حاصل، تو قرض جر منفعۃ فہو ربا بلا شبہ صادق، ہنڈوی کرنے والوں کی کوٹھیاں دادوستد ہی کے لئے موضوع ہیں، نہ اجیر بننے کے لئے مرسل اگر مال قرض نہ دیتا امانت رہتا اور بحال ہلاک تاوان نہ پاتا فلہذا قرض دیتا ہے اور اس سے یہ نفع حاصل کرتا ہے، علماء نے سفتیجہ کی تفسیر ہی یہی فرمائی، ہندیہ میں کافی اور ردالمحتار میں کفایہ سے ہے:

واللفظ للشامی صورتھا ان یدفع الی تاجر مالاقرضا لیدفعه الی صدیقه وانما یدفعه قرضا لا امانة لیستفید به سقوط خطر الطریق[1]۔	شامی کے الفاظ میں ہے کہ اس کی صورت یہ ہے کہ تاجر کو قرض دیا کہ وہ یہ قرض میرے دوست کو پہنچادے اور رقم امانت کی بجائے قرض کی صورت میں دی تاکہ راہ کے خطرہ سے محفوظ رہے۔(ت)

بخلاف ڈاک خانہ کہ اجیر مشترک کی دکان ہے اور اس کی وضع ہی اجیر بننے کے لئے جو فیس دی جاتی ہے یقیناً اجرت ہے اور اقرار ذمہ داری اور ان اقوال مفتٰی بہا کی بنا پر حکم شرعی وصحیح ومقبول ہی لزوم ضمان کے لئے کافی ووافی، مرسل کی غرض نفس عقد اجارہ سے حاصل، اور صرف اسی قدر افادہ سقوط خطر کے لئے متکفل، قرض دینے سے اس کی کوئی غرض اصلا متعلق نہیں، نہ اس کا فائدہ اس کی طرف راجع، فرض کیجئے اگر ڈاکخانہ زر منی آرڈر بعینہٖ بھیجا کرتا تو اس کا کیا حرج تھا کہ اسے تو روپیہ بھیجنے سے کام ہے اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۵

وہ راہ میں جاتا رہتا تو اس کا کیا نقصان تھا کہ بحکم قرارداد یہ ضمان کا مستحق ہوچکا، بلکہ یہ ضابطہ تو بعض اوقات بھیجنے والوں کو الٹا نقصان دیتا ہے، کہ مصر و عرب و شام وغیرہ ممالک کو روپیہ بھیجے تو یہاں سے لندن جاکر ازانجا کہ وہاں سکہ سیم نہیں سکہ زر سے تبدیل کیا جاتا اور اس پر بہت کچھ بٹالیا جاتا ہے، غرض اس فرض قرض میں مرسلوں کا کوئی نفع نہیں ہاں اُجرا یعنی اہالی ڈاک نے اپنے آسائش و تحفظ کے لئے یہ ضابطہ وضع کیا، ذمہ داری بیمہ و منی آرڈر دونوں میں تھی، مگر پارسل کا بند مال مہر میں لگا ہوا قابلیت تبدیل نہ رکھتا تھا، روپے میں یہ صورت میسر تھی اور شک نہیں کہ مال بھیجنے سے کاغذ بھیجنا آسان اور اس میں ان ذمہ داروں کے لئے خطر طریق سے امان، لہذا یہ ٹھہرالیا کہ زرداخل کردہ یہیں رکھ کر وہاں لکھ بھیجیں گے، اگر بفرض غلط اس صورت میں ڈاک خانہ کو مستقرض مانا جائے تو اس میں مستقرض نے استقراض سے نفع اٹھایا نہ کہ مقرض نے اقراض سے، اور مستقرض انتفاع بالقرض سے ممنوع نہیں تو یہاں **یدفعہ قرضا یستفید بہ** (کسی فائدہ کے حصول کے لئے قرض دیا۔ت) صادق نہیں بلکہ **یاخذ قرضا یستفید بہ۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق** (قرض فائدہ کے لئے لیتا ہے، تحقیق یوں چاہئے، اور توفیق کا مالک اللہ تعالٰی ہی ہے۔(ت)

بالجملہ یہ وجوہ تو جواز منی ارڈر پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتیں، ہاں یہاں ایک اور امر قابل نظر و غور تھا اذہان مفتیان اگر اس طرف جاتے تو کہا جاتا کہ طرف فقہی پر کلام کیا وہ یہ کہ بلاشبہہ یہ عقد عقد اجارہ اور فیس اجرت عمل۔ اور قرض تنہا پر نفع مستقرض اور سفاتج پر قیاس مختل، مگر جبکہ یہ قرض مفروض و داخل ضابطہ ہے تو اجارہ ایسی شرط پر ہوا جس میں احدالعاقدین کا نفع ہے اور مقتضائے عقد نہیں، اسی قدر منع و فساد عقد کے لئے بس ہے **ولکنی اقول وبحول اللہ تعالٰی اجول** (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی دی ہوئی طاقت سے لکھتا ہوں۔ت)

ہنوز بلوغ شرط تاحد افساد میں اور شرط باقی ہے کہ عرف ناس اس شرط کے ساتھ جاری نہ ہو، ورنہ بحکم تعارف جائز رہے گی اور صحت جواز عقد میں کچھ خلل نہ ڈالے گی، منی آرڈر کا نہ صرف تمام بلاد وامصار واقطار ہندیہ بلکہ دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی دائر وسائر ہونا تو محتاج بیان نہیں، مگر فقیر وہ کلمات علماء چند ابحاث میں ایراد کرے جو اس مسئلہ شرط کو واضح کرکے **بعونہ تعالٰی مانحن فیہ** کا حکم روشن کردیں، بحث اول شرط سے اصل نہیں منصوص در بارہ بیع وارد کہ:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من بیع الشرط، رواہ ابوحنیفۃ	حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرط والی بیع سے منع فرمایا، اس کو امام ابوحنیفہ

قال حدثنی عمرو بن شعیب عن جدہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] ومن طریق الامام رواہ الطبرانی فی معجمعه الاوسط [2] والحاکم فی علوم الحدیث ومن جهته ذکرہ عبدالحق فی احکامه وسکت عنه قال ابن القطان (وهو علی بن محمد الحموی الفاسی ذاك المتاخر المیت ۶۲۸ھ ثمان وعشرین وستمائة) فی کتاب الوهم والایهام (ولا اری هذا الاسم الا بالهام فانه قد وهم فیه واوهم فی کثیر من المقام) بعد ماذکر الحدیث المذکور من کتاب الاحکام علته ضعف ابی حنیفة فی الحدیث [3] اھ **اقول:** عفا اللہ عنك یا ابن القطان الست ذلك المعروف المشهور بالتعنت فی الرجال حتی اخذت تلین ذلك الجبل الشامخ هشام بن عروة ولو اجتمعت انت ومؤن من امثالك وامثال شیوخک	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا، انھوں نے فرمایا مجھے یہ حدیث عمرو بن شعیب نے اپنے دادا سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بیان کی اور امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کے طریقہ سے اس کو طبرانی نے معجم الاوسط اور حاکم نے علوم حدیث میں اور امام صاحب کے طریقہ سے اس کو عبدالحق نے اپنے احکام میں ذکر کیا اور جرح نہ کی، ابن قطان (اور وہ علی بن محمد حمیری فاسی متاخرین میں ہیں ان کی وفات ۶۲۸ھ میں ہوئی ہے) نے اپنی کتاب "الوهم والایهام" میں کہا (میری رائے میں کتاب کا یہ نام الہامی ہے کیونکہ ان کو اسی کتاب میں بہت سے وہم لاحق ہوئے اور کئی مقامات پر اس نے وہم پیدا کئے ہیں) اس نے اس کتاب میں اس حدیث کو "کتاب الاحکام" سے نقل کرکے کہا کہ اس حدیث میں کمزوری یہ ہے کہ اس کے روای ابوحنیفہ حدیث میں ضعیف ہیں اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) ابن قطان تجھے اللہ تعالٰی معاف فرمائے کیا آپ وہی نہیں جو رجال حدیث کے متعلق ہٹ دھرمی میں مصروف ہیں۔ تو نے ایک بلند پہاڑ (ہشام بن عروہ) پر طعن شروع کردیا ہے اور تو اور تیرے جیسے سیکڑوں اور تیرے مشائخ

[1] جامع المسانید الباب التاسع الفصل الثانی دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۳۵۸ مکتبة المعارف ریاض ۵/ ۱۸۴

[3] بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام حدیث ۱۳۰۱ دارطیبه مکه المکرمه ۳/ ۵۲۷

وشیوخ مشایخك لم تبلغوا جمیعا قوۃ ابی حنیفة و لاقوۃ غلمانه ولاقوۃ ہشام ولااقرانه فی العلم و الحدیث ولکن علتکم انتم ایها الناس التعنت و التقشف وقلة الدرایة لمسالك التعرف وھذا ابو محمد عبدالحق کان اعرف منك بالحق حیث صح الحدیث بایرادہ فی الاحکام والسکوت عنه۔	اور مشائخ المشائخ جیسے سیکڑوں بھی جمع ہوجائیں تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کی قوت درکنار، ان کے غلاموں اور ہشام اور ان کی ہم مثل علم اور حدیث والوں کو نہیں پہنچ سکتے، لیکن تم نے اپنی ہٹ دھرمی اور پراگندگی اور معرفت درایت کے راستوں کی کم علمی کی وجہ کو ذریعہ طعن بنالیا ہے حالانکہ صاحب کتاب الاحکام عبدالحق یہ تجھ سے حق کو بہتر جانتے ہیں جنھوں نے اس حدیث کو ذکر کرکے اس پر سکوت سے اس کی صحت بتادی۔(ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اجارہ کو اس پر قیاس فرمایا۔ ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تفسدھا الشروط کما تفسد البیع لانه بمنزلته الاتری انه عقد یقال ویفسخ[1]۔	اجارہ کو شرطیں فاسد کردیتی ہیں جیسے بیع کو فاسد کرتی ہے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس کے عقد کو اقالہ اور فسخ لاحق ہوتے ہیں۔(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

قال القدوری فی مختصرہ وذلك لانها عقد معاوضة محضة تقال وتفسخ فکانت کالبیع وکل افسد البیع افسدھا[2]۔	قدوری نے اپنی مختصر میں فرمایا: یہ اس لئے کہ خالص عقد معاوضہ ہے جو اقالہ اور فسخ کے قابل ہوتا ہے تو یہ بیع کی طرح ہے جو چیز بیع کو فاسد کرتی ہے وہ اس کو بھی فاسد کرے گی۔(ت)

اور بیع میں شرط افساد یا شرط عدم تعارف شرط ہے۔ ہدایہ میں ہے:

کل شرط لایقتضیه العقد وفیه منفعة لاحد المتعاقدین	ایسی شرط جس میں فریقین میں سے کسی ایک یا مبیع اگر فائدہ کا اہل ہے تو اس کا فائدہ شرط

[1] الھدایة کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۹

[2] غایة البیان

اوللمعقود علیه وھو من اہل الاستحقاق یفسدہ الا ان یکون متعارفا لان العرف قاض علی القیاس[1]۔	کیا جائے تو وہ بیع کو فاسد کردے گی بشرطیکہ عرف میں وہ شرط معروف نہ ہو کیونکہ قیاس پر عرف غالب ہوتا ہے۔(ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

الاصل الجامع فی فسادالعقد بسبب شرط(لا یقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لاحدهما او لمبیع من اہل الاستحقاق ولم یجز العرف به ولم یرد الشرع بجوازہ)امالو جری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه او ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد[2]۔	کسی شرط کی وجہ سے عقد کے فساد کا سبب قاعدہ کی رو سے ایسی شرط ہے جس کو نہ تو عقد قبول کرے اور نہ ہی وہ عقد کے مناسب ہو اور اس شرط میں فریقین یا نفع کا مستحق ہو تو مبیع کا فائدہ ہو بشرطیکہ اس شرط پر عرف قائم نہ ہو اور نہ ہی شریعت نے اس کے جواز کو بیان کیا ہو لیکن اگر عرف میں اس کا جواز مروج ہو جیسے پیشگی آرڈر پر جوتا سلوانا یا اس شرط کے جواز پر شریعت وارد ہو جیسا کہ شرط خیار، تو فساد نہ ہوگا۔(ت)

مسئلہ ظاہر ہے اور تمام کتب مذہب میں دائر، اور مقیس کی طرف وہی حکم متعدی ہوگا جو اصل مقیس علیہ میں تھا نہ کہ زائد، لا جرم متن غرر میں فرمایا:

تفسد بالشرط المفسد للبیع[3]۔	اجارہ، بیع کی فاسد شرطوں سے فاسد ہو جاتا ہے۔(ت)

متن نقایہ میں فرمایا: **یفسدها شروط تفسد البیع**[4] (بیع کو فاسد کرنیوالی شرطیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہے۔ت) متن اصلاح میں تھا۔**الشرط یفسدها**[5] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت) شرح ایضاح میں فرمایا: **المراد شرط یفسد البیع**[6] (مراد وہ شرط ہے جو بیع کو فاسد کردیتی ہے۔ت)

بحث ثانی: کیا لازم ہے کہ وہ عرف زمان اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے واقع ہو، **اقول:** بعض علماء کی تقریر میں ایسا واقع ہوا **یجعله من تقریر**

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷

[3] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ میر محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[4] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب الاجارۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۲-۱۱۱

[5] اصلاح

[6] شرح ایضاح

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تاکہ عرف اس کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر و تائید بنادے۔ت) مگر حق یہ کہ یہ ہر گز ضرور نہیں ہزارہا فروع مذہب وصدہا کلمات ائمہ اس کے خلاف پر شاہد ہیں۔ امام برہان الدین ہدایہ اور محقق علی الاطلاق اس کی شرح فتح میں فرماتے ہیں:

(من اشتری نعلا علی ان یحذوھا البائع) المراد اشتری ادیما علی ان یجعلہ البائع نعلالہ ویمکن ان یراد حقیقتہ ای نعل رجل واحدۃ علی ان یحذوھا ای یجعل لہ شراکافلا بد ان یراد حقیقۃ النعل (فالبیع فاسد) قال المص (ماذکرہ) یعنی القدوری (جواب القیاس) ووجھہ مابیناہ من انہ شرط لایقضیہ العقد وفیہ نفع لاحد المتعاقدین وفی الاستحسان یجوز البیع ویلزم الشرط (للتعامل) کذٰلک ومثلہ فی دیارنا شراء القبقاب علی ھذا الوجہ ای علی ان یسمرلہ سیرا ومن انواعہ شراء الصوف المنسوج علی ان یجعلہ البائع قلنسوۃ اوقلنسوۃ بشرط ان یبطن لھا البائع بطانۃ من عندہ[1] اھ مختصرا۔	جس نے اس شرط پر جوتا خریدا کہ اس کو بائع سلائی کرکے بنائے اس سے مراد یہ ہے کہ خریدار نے چمڑا خریدا کہ اس کا جوتا سلائی کرکے بنادے، اور ممکن ہے حقیقت مراد لے کر ایک پاؤں کا جوتا کہ ایک ہی پاؤں کی پیمائش کے مطابق تسمہ لگادے اس صورت میں حقیتا ایک ہی مراد ہوگا تو بیع فاسد ہوگی، مصنف نے فرمایا کہ قدوری نے جوذکر کیا ہے وہ قیاس پر مبنی جواب ہے اور اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی شرط ہے کہ جو مقتضی عقد نہیں ہے اور اس شرط میں ایک فریق کا فائدہ بھی ہے اور جبکہ استحسان کے طور پر یہ جائز ہے اور تعامل کی وجہ سے سلائی کی شرط لازم ہوجائیگی اور اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑائیں اسی شرط پر خریدنا یعنی ان کو پٹے لگادے گا اور اسی قسم سے ہے بنی ہوئی اون ٹوپی بنانے کی شرط پر یا ٹوپی خریدنا استرا اپنے پاس سے لگانے کی شرط پر اھ مختصرا۔ (ت)

ردالمحتار میں اس کا بعض نقل کرکے فرمایا:

وفی البزازیۃ اشتری ثوبا اوخفا خلقا علی ان یرقعہ البائع ویسلمہ	بزازیہ میں ہے کہ کپڑا یاپرانے موزے اس شرط پر خریدے کہ بائع مرمت کرکے دے تو

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۵

صح اھ ومثله فی الخانیة قال فی النهر بخلاف خیاطة الثوب العدم لتعارف اھ قال فی المنح فان قلت نهی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن بیع وشرط فیلزم ان یکون العرف قاضیاً علی الحدیث قلت لیس بقاج علیه بل علی القیاس لان الحدیث معلول بوقوع النزاع المخرج للعقد عن المقصود به وهو قطع المنازعة والعرف ینفی النزاع فکان موافقا لمعنی الحدیث فلم یبق من الموانع الا القیاس والعرف قاض علیه اھ **قلت** وتدل عبارة البزازیة والخانیة و کذا مسئلة القبقاب علی اعتبار العرف الحادث و مقتضی ہذا انه لوحدث عرف فی شرط غیر الشرط فی النعل و الثوب والقبقاب ان یکون معتبرا اذا لم یؤد الی المنازعة[1]۔	صحیح ہے، اور اسی کی مثل خانیہ میں ہے، نہر میں فرمایا، بخلاف کپڑے کی سلائی، کیونکہ اس میں تعارف نہیں، اھ منح میں فرمایا کوئی یہ اعتراض کرے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بیع اور اس کے ساتھ شرط لگانے سے منع فرمایا ہے تو اس سے لازم آجائیگا کہ عرف حدیث پر غالب ہے۔ میں کہتاہوں عرف حدیث پر غالب نہیں بلکہ عرف قیاس پر غالب ہے کیونکہ حدیث میں منع کی علت جھگڑا ہے جس کی وجہ سے عقد بے مقصد بن جاتاہے جبکہ عقد کا مقصد جھگڑے کو ختم کرنا ہوتاہے اور عرف اس جھگڑے کو ختم کرتا ہے تو اس طرح عرف حدیث کے موافق ہوا تو اب صرف قیاس مانع ہے جس پر عرف غالب ہوا اھ۔ **میں کہتاہوں** اس پر بزازیہ اور خانیہ کی عبارت دال ہے، اور یونہی کھڑاؤں کا مسئلہ جدید عرف پر مبنی ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ اگر جوتے، کپڑے اور کھڑاؤں میں مذکورہ شرط کے علاوہ کوئی اور شرط عرف میں جاری ہوجائے تو وہ بھی معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ جھگڑے کا باعث نہ ہو۔(ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

ان اشترط صرما علی ان یخرز البائع له خفا اوقلنسوة بشرط ان یبطن له البائع من عنده فالبیع بهذا الشرط جائز للتعامل[2]	اگر چمڑے کا ٹکڑا جوتا بنادینے کی شرط پر خریدا یا ٹوپی استر لگادینے کی شرط پر خریدی کہ بائع اپنے پاس سے لگائے تو تعامل کی وجہ سے اس شرط پر بیع جائز ہوگی(ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۲۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۳

اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

وکذا لو اشتری خفابه خرق علی ان یخرز البائع وثوبا من خلقانی وبه خرق علی ان یخیطه ویجعل علیه الرقعة[1]۔	اور یونہی اگر پھٹا ہوا موزہ خریدا اس شرط پر کہ بائع پیوند لگا کردے یا پرانا پھٹا کپڑا پیوند لگانے کی شرط پر خریدا۔(ت)

اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

لو اشتری کرباسا بشرط القطع والخیاطة لایجوز لعدم العرف[2]۔	اگر نیا کپڑا کٹائی اور سلائی کی شرط پر خریدا تو عرف نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہ ہوگا۔(ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

صح وقف کل(منقول فی تعامل)للناس کفأس و قدوم ودراهم ودنانیر وقدر وجنازة وثیابها ومصحف وکتب لان التعامل یترك به القیاس لحدیث ماراه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن" بخلاف مالا تعامل فیه کثیاب متاع وهذا قول محمد وعلیه الفتوی اختیار[3]۔(باختصار)	ایسی منقولہ چیز کا وقف جائز ہے جس میں عرف ایسا ہو مثلاً کلہاڑی، تیشہ، دراہم، دنانیر، ہانڈی، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، قرآن مجید اور کتب، کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جائے گا اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس چیز کو مسلمان پسند کریں تو عنداللہ پسندیدہ ہے۔ بخلاف اس کے جس میں تعامل نہ ہو، مثلاً سامان والے کپڑے، یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اختیار (بالاختصار)(ت)

اسی میں خلاصہ سے ہے:

وقف کرا علی شرط ان یقرضه لمن لابذر له لیزرعه لنفسه فاذا ادرك اخذ مقداره ثم اقرضه لغیره وهکذا	گندم ایک کُر(پیمانہ) وقف کی جس کے پاس بیج نہ ہو اس کو قرض دی جائے تاکہ وہ اپنی زراعت کرلے اور جب گندم کی فصل اترے تو اتنی مقدار واپس کردے، پھر وہ اسی طرح دوسرے کو قرض

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۴

[3] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

جاز، وقف بقرۃ علی ماخرج من لبنھا اوسمنھا للفقراء ان اعتادوا ذٰلك رجوت ان یجوز[1]۔	دی جائے، اور یوں ہی گائے وقف کی جائے کہ اس کا دودھ یا گھی فقراء کو دیا جائے اگر لوگ یہ عادت بنالیں تو مجھے امید ہے کہ جائز ہوگا۔ (ت)

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

رجل وقف بقرۃ علی ان مایخرج من لبنھا وسمنھا وشیرازھا یعطی ابناء السبیل ان کان ذٰلك فی موضع تعارفوا ذٰلك جاز کما یجوز ماء السقایۃ[2]۔	کسی شخص نے گائے وقف کی کہ اس کا دودھ یا گھی اور دہی مسافروں کو دیا جائے اگر کسی علاقہ میں یہ تعارف ہو تو جائز ہے جیسے مشکیزے کا پانی۔ (ت)

اسی میں ہے:

وقف المنقول مقصودا فان کان کراعا اوسلاحا یجوزہ فیما سوی ذٰلك ان کان شیئا لم یجر التعارف بوقفہ کالثیاب والحیوان لایجوز عندنا وان کان متعارفا کا لفأس والقدوم والجنازۃ وثیاب الجنازۃ ومایحتاج الیہ من الاوانی والقدور فی غسل الموتی و المصاحف قال محمد یجوز الیہ ذھب عامۃ المشائخ منھم الامام السرخسی کذا فی الخلاصۃ وھو المختار و الفتوٰی علی قول محمد کذا قال شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی مختار الفتاوٰی[3]۔	اگر منقول بامقصد چیز کو وقف کیا اگر وہ سواری یا ہتھیار ہو تو جائز ہے ان کے علاوہ اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کو وقف کرنا عرف میں مروج نہیں جیسے عام کپڑے اور حیوانات، تو ہمارے نزدیک جائز نہیں اور وہ متعارف ہو جیسے کلہاڑی اور تیشہ اور جنازہ کی چارپائی اور اس کا کپڑا اور میت کو غسل میں کام آنے والے برتن اور قرآن مجید، تو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔ اسی کو عام مشائخ جیسے امام سرخسی وغیرہ نے اپنایا ہے۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے، وہی مختار ہے اور فتوٰی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ امام شمس الائمہ حلوانی نے یوں فرمایا اور فتوٰی کے لئے یہی مختار ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۶۲۔۳۶۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

خزانۃ المفتین میں فتاوی کبری سے فصل وقف المنقول میں ہے:

جعل فی المسجد بواری او غلق باب او حصیر لم یکن له ان یرجع وکذلك لو علق فیه سلسلة او حبلا للقندیل لان هذا یترك فی المسجد دائمًا عادة فیکون للمسجد[1]۔	مسجد میں بچھونا، دروازے کا تالا، چٹائی دی تو واپس لینے کا حق نہیں، اور یونہی اگر قندیل کی زنجیر یا رسی دی ہو کیونکہ عادتا یہ چیزیں دائمی طور پر مسجد میں رکھی جاتی ہے، لہذا یہ مسجد کے لئے مختص ہو جائیں گی۔ (ت)

غرر ودرر میں ہے:

(عن محمد صحته فی المتعارف وقفیته) کالفأس و المر والقدوم والمنشار والجنازة وثیابها والقدور و المراجل اذا وقف علی المسجد جاز واما وقف الکتب فکان نصیر بن یحیی یجیزه والفقیه ابو جعفر یجیزه وبه ناخذ خلاصه[2] اھ ملخصًا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک کلہاڑی، پھاوڑی، تیشہ، آرہ، زجنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا، ہنڈیا، دیگ مسجد کے لئے وقف کئے تو جائز ہے، ولیکن کتابوں کو وقف کرنا اسے نصیر بن یحیٰی اور فقیہ ابو جعفر جائز کہتے ہیں اور ہمارا یہی موقف ہے خلاصہ، اھ ملخصًا۔ (ت)

غنیہ علامہ شرنبلالی میں برہان سے ہے:

زاد محمد ماتعورف وقفه کالمصاحف والکتب والقدور و المقدوم والفأس والمنشار والجنازة وثیابها وما یحتاج الیه من الاوانی فی غسل الموتی و علیه عامة المشائخ وبه یفتی[3]۔	جن چیزوں کے وقف پر تعارف ہے ان میں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید، کتب، ہنڈیا، تیشہ، کلہاڑی، آرہ، جنازہ کی چارپائی، اس کا کپڑا اور میت کے غسل میں ضروری برتن کا اضافہ فرمایا ہے، عام مشائخ کا یہی موقف ہے اور اسی پر فتوی دیا جائے گا۔ (ت)

نقایہ و شرح علامہ برجندی میں ہے:

[1] خزانۃ المفتین کتاب الوقف فصل فی المشاع قلمی نسخہ ۱/ ۲۱۷

[2] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۷-۱۳۶

[3] غنیہ ذوی الاحکام فی بغیۃ درر الحکام کتاب الوقف میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۶

صح عند (محمد وقف منقول فیہ تعامل کالمصحف ونحوہ) من الکتب والطشت والقدوم والقیاس ان لا یجوز وھو قول ابی حنیفۃ لانھا مما لایتأبد لکن القیاس یترك بالتعامل (وعلیہ الفتوٰی)[1] اھ ملتقطا۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے جن منقولہ چیزوں کے وقف میں تعامل ہے جیسے قرآن مجید وغیرہ کتب اور طشت، تیشہ کے وقف کو جائز قرار دیا ہے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہیں، یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے۔ کیونکہ یہ دائمی چیزیں نہیں ہیں لیکن تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوگیا، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ اھ ملتقطا۔ (ت)

رد المحتار میں ہے:

قال المصنف فی المنح لماجری التعامل فی زماننافی البلاد الرومیۃ فی وقف الدراھم والدنانیر دخلت تحت قول محمد المفتٰی بہ فی وقف کل منقولہ فیہ تعامل کما لایخفی وقد افتی مولانا صاحب البحر بجواز وقفھا ولم یحك خلافا اھ ولا شك فی کونھا من المنقول فحیث جرٰی فیھا تعامل دخلت فیما اجازہ محمد ولھذا لمامثل محمد باشیاء جری فیھا التعامل فی زمانہ قال فی الفتح ان بعض المشائخ زادوا اشیاء من المنقول علی ماذکرہ محمد لمارأوا جریان التعامل فیھا وذکر منھا مسئلۃ البقرۃ و مسئلۃ الدراھم والمکیل حیث	مصنف نے منح میں فرمایا رومی علاقہ میں ہمارے زمانہ میں دراہم ودنانیر کا وقف عرف میں جاری ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے مفتی بہ قول جس میں منقول کا وقف جائز ہے میں داخل ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں ہے اور مولانا صاحب بحر نے اس کے جواز کا فتوٰی دیا اور کوئی مخالف قول نقل نہ فرمایا اھ اوراس منقول میں تعامل کے جاری ہونے میں شک نہیں ہے تو یہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے جواز میں داخل ہوگا، اسی لئے جب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنے زمانہ میں تعامل والی اشیاء کی مثال بیان فرمائی تو فتح میں کہا کہ بعض مشائخ نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ذکر کردہ اشیاء پر کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا جن میں تعامل دیکھا انہی چیزوں میں گائے دراہم اور کیلی چیز کے مسئلہ کو ذکر فرمایا

[1] مختصر الوقایہ فی مسائل الہدایہ کتاب الوقف نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۳۹، شرح النقایۃ للبرجندی فصل الوقف نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۷۲

قال ففی الخلاصة وقف بقرة علی ان مایخرج من لبنها وسمنها یعطی لابناء السبیل قال ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافهم رجوت [عـــه] ان یکون جائزا .قال فعلی هذا القیاس اذا وقف کرا من الحنطة علی شرط ان یقرض للفقراء ثم یؤخذ منهم ثم یقرض لغیرهم ان یکون جائزا وقال ومثل هذا کثیر فی الری وناحیة دماوند اھ وبهذا ظهر صحة ما ذکرہ المص من الحاقها بالمنقول المتعارف علی قول محمد المفتی به وانما خصوها بالنقل عن زفر لانها لم تکن متعارفة اذ ذاک .قال فی النهر ومقتضی مامر عن محمد وعدم جواز ذاك ای وقف الحنطة فی الاقطار المصریة لعدم تعارفه بالکلیة نعم وقف الدراهم	اور کہا خلاصہ میں ہے کہ گائے وقف کی کہ اس کا دودھ اور گھی مسافروں کو دیا جائے، اور فرمایا کہ اگر کسی مقام میں لوگوں نے وقف میں تعامل بنایا ہو تو مجھے امید ہے کہ یہ جائز ہوگا۔ اور فرمایا اس پر قیاس ہوگا جب کوئی شخص گندم کا کُر (پیمانہ) اس شرط پر وقف کرے کہ ضرور تمند فقیر کو یہ قرض دیا جائے اور پھر واپس ملنے پر دوسرے فقیر کو قرض دیا جائے تو لازما جائز ہوگا اور کہا کہ رے اور دماوند کے علاقہ میں اس قسم کا کثیر رواج ہے اھ اس سے مصنف کا مذکورہ کو امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے متعارف مفتی بہ کے ساتھ الحاق کی صحت معلوم ہو گئی، امام زفر رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول کے ساتھ گندم مذکور کے مسئلہ کو فقہاء کا مختص کرنا اس لیے ہوا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے زمانہ میں یہ معاملہ متعارف نہ ہوا تھا اور نہر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول شدہ کا مقتضی اسگندم کو وقف کرنے کا عدم جواز ہے کیونکہ مصری علاقہ میں ابھی اس کا بالکل تعارف

عـــه: قلت هذه نسخة کتبهافی نسختی الخلاصة علی الهامش والذی فی متنها جاز ان کان تعارفوا ذٰلك کما فی النقایة اھ کما هو عبارة الظهیریة لاٰتیة ۱۲ منه۔	**میں کہتا ہوں** یہ نسخہ میرے پاس خلاصہ کے نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے اور اس کے متن میں ہے کہ اگر لوگوں کا اس پر تعارف ہو تو جائز ہے جیسا کہ نقایہ میں ہے اھ جیسا کہ ظہیریہ کی آئندہ عبارت میں ہے ۱۲ منہ (ت)

والدنانیرتعورف فی الدیار الرومیة اھ قوله لان التعامل یترك به القیاس فی البحر عن التحریر ھوالاکثر استعمالا وفی شرح البیری عن المبسوط ان الثابت بالعرف کالثابت بالنص اھ فظاھر ما قدمناہ انفامن زیادۃ بعض المشائخ اشیاء جری التعامل فیھا وعلی ھذا فالظاھر اعتبارالعرف فی الموضع اوالزمان الذی اشترہ فیه دون غیرہ فوقف الدراھم متعارف فی بلاد الروم دون بلادناووقف الفأس والقدوم کان متعارفا فی زمن المتقدمین ولم نسمع به فی زماننا فالظاھر انه لایصح الآن ولئن وجدنا دارا لایعتبر لما علمت من ان التعامل ھوا الاکثر استعمالا فتامل [1] اھملخصا۔	نہیں ہے ہاں دراہم ودنانیر کے وقف رومی علاقہ میں موجود ہے، اھ اس کا قول کہ کیونکہ تعامل کی وجہ سے قیاس متروک ہوجاتا ہے بحر میں تحریر سے منقول ہے کہ یہ استعمال کثیر ہے اور شرح بیری میں مبسوط سے منقول ہے کہ عرف سے ثابت شدہ نص کی طرح ہے اھ، تو اس سے ابھی ہمارا بیان کردہ ظاہر ہوا کہ مشائخ کا بعض چیزوں کو شامل کرنا تعامل کی بناء پر ہے اور اس بنیاد پر ظاہر ہوا کہ جس علاقہ یا زمانہ میں عرف مشہور ہوا وہی معتبر ہے دوسروں کے لئے معتبر نہیں تو دراہم کا وقف روم کے علاقہ میں متعارف ہے ہمارے علاقہ میں یہ معروف نہیں ہے اور کلہاڑی اور تیشہ کا وقف متقدمین کے زمانہ میں تھا اپنے زمانہ میں ہم نے یہ نہیں سنا تو ظاہر یہ ہے کہ اب یہ جائز نہیں اگر کہیں نادر طور پر موجود ہو تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ تو معلوم کرچکا ہے کہ تعامل وہ ہوتا ہے جس کا استعمال زیادہ ہو، تو غور کرو، اھ ملخصا۔ (ت)

اسی میں تتارخانیہ سے ہے:

عن ابی یوسف یجوز بیع الدقیق و استقراضه وزنااذا تعارف الناس ذٰلك استحسن فیه [2]۔	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ آٹے کی بیع اور اس کو قرض بطور وزن دینا اگر عرف بن جائے تو استحسانا جائز ہوگا (ت)

اسی میں بحوالہ طحطاوی فتاوٰی غیاثیہ سے ہے: وعلیه الفتوٰی [3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۵۔ ۳۷۴

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

[3] ردالمحتار کتاب البیوع باب الربا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۲

تنویر ودر میں ہے:

(یستقرض الخبز وزناً وعدداً)عنه محمد وعلیه الفتوٰی ابن الملك واستحسنه الکمال واختاره المصنف تیسیرا۔اختیار[1]۔	روٹی کو گنتی اور وزن دونوں طرح قرض دینا لینا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز ہے۔اور اسی پر فتوٰی ابن مالک ہے۔اس کو کمال نے پسند کیا اور مصنف نے آسانی کی وجہ سے اس کو اختیار کیا۔(ت)

اختیار پھر طحطاوی پھر ردالمحتار میں ہے:

ھوالمختار لتعامل الناس وحاجاتھم الیه[2]۔	لوگوں کی ضرورت اور تعامل کی بناء پر بھی مختار ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

(ما نص)الشارع(علی کونه کیلیا)کبُرٍّ وشعیر اوتمر وملح(اووزنا)کذھب وفضة(فھو کذلک)لایتغیر (ابدا فلم یصح بیع حنطه بحنطة وزنا کما لو باع ذھبا بذھب اوفضة بفضة کیلا)ولو(مع التساوی)لان النص اقوٰی من العرف فلایترك الاقوٰی بالادنی(وما لم ینص علیه حمل علی العرف)وعن الثانی اعتبارا لعرف مطلقاورجحه الکمال(وخرج علیه سعدی آفندی	شارع نے جس چیز کے کیلی ہونے پر نص فرمائی مثلاً گندم،جو، کھجور اور نمک وہ کیلی اور جس کے وزنی ہونے پر نص فرمائی وہ وزنی ہوگی جیسے سونا اور چاندی۔یہ تبدیل نہ ہو سکیں گی،تو گندم کی خرید وفروخت وزن کے طور پر اور سونے چاندی کی کیل کے طور پر جائز نہ ہوگی،اگرچہ ہم جنس کے ساتھ مساوی لین دین ہو،کیونکہ نص اقوی ہے عرف سے تو اقوی کو ادنی کی وجہ سے ترک نہ کیا جائے گا اور وہ اشیاء جن پر نص وارد نہ ہوئی ان کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک عرف کا مطلقاً اعتبار ہوگا۔اس کو کمال نے ترجیح دی ہے۔اور اسی پر سعدی آفندی نے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۳

[2] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۸۷،حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۲

استقراض الدراھم عددا اوبیع الدقیق وزنا فی زماننا یعنی بمثله وفی الکافی الفتوی علی عادة الناس بحر واقرہ المنصف[1] اھ ونقله عن العلامة سعدی فی النھر واقرہ۔	دراہم کو عدد کے طور پر قرض لینا اور آٹے کو وزن کے ساتھ ہم جنس سے لین دین کرنا متفرع کیا ہے اور کافی میں ہے کہ فتوٰی لوگ کی عادت پر ہوگا۔ بحر، اور مصنف نے اسے ثابت مانا ہے اھ اور اس کو انھوں نے علامہ سعدی آفندی سے نہر میں نقل کیا ہے اور ثابت رکھا۔ (ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود کتاب البیوع فصل سادس میں ہے:

اذا شتری ثمار بستان وبعضھا قد خرج وبعضھا لم یخرج فھل یجوز ھذا البیع. ظاھر المذھب انه لایجوز وکان شمس الائمة الحلوانی یفتی بجوازہ فی الثمار والباذنجان والبطیخ وغیرہ ذٰلك وکان یزعم انه مروی عن اصحابنا[2]۔	جب باغ اس حالت میں خریدا کہ اس کا کچھ پھل ظاہر ہوا اور کچھ نہ ظاہر ہوا تو یہ کیا یہ جائز ہوگا۔ تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ ناجائز ہے۔ حالانکہ شمس الائمہ حلوانی پھلوں، بینگن، تربوز وغیرہا میں اس کے جواز کا فتوٰی دیا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا یہ جواز ہمارے اصحاب سے مروی ہے۔ (ت)

بحرالرائق میں امام جلیل ابوبکر محمد بن فضل فضلی سے ہے:

استحسن فیه لتعامل الناس فانھم تعاطو بیع ثمار الکرم بھذہ الصفة ولھم فی ذٰلك عادة ظاھرة وفی نزع الناس عن عاداتھم حرج[3]۔	انھوں نے اس کو پسند کیا لوگوں کے تعامل کی وجہ سے کیونکہ وہ انگوروں کے پھل کا اسی حالت میں لین دین کرتے ہیں اور لوگوں کی یہ عادت معروف ہے جبکہ لوگوں کی عادت چھڑانا حرج کی بات ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

[1] درمختار کتاب البیوع باب الربا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۱

[2] نشر العرف بحوالہ الذخیرۃ البرہانۃ رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۹۔۱۴۰

[3] بحرالرائق کتاب البیوع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۳۰۱

قدرأیت روایة فی نحوھذا عن محمد فی بیع الورود علی الاشجار فان الورود متلاحق ثم جوز البیع فی الکل وھو قول مالك[1]۔	میں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے اس طرح کی روایت پودوں پر گلاب کے بارے میں دیکھی ہے حالانکہ گلاب یکے بعد دیگرے ظاہر ہوتے ہیں پھر انھوں نے تمام گلابوں میں بیع جائز فرمایا، اور یہی امام مالک کا قول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الزیلعی قال شمس الائمة السرخسی والاصح انه لایجوز لان المصیر الی مثل ھذه الطریقة عند تحقق الضرورة ولا ضرورة ھنا لانه یمکنه ان یبیع الاصول اویؤخر العقد فی الباقی الی وجوده او یبیح له الانتفاع بما یحدث فلاضرورة الی تجویز العقدفی المعدوم مصادما للنص اھ قلت لکن لایخفی تحقق الضرورة فی زماننا لاسیما فی مثل دمشق الشام کثیرة الاشجار والثمار فانه لغلبة الجھل علی الناس لایمکن الزامھم بالتخلص باحدا لطرق المذکورة و ان امکی بالنسبة الی بعض افراد الناس لایمکن بالنسبة الی عامتھم وفی نزعھم عن عادتھم حرج کماعلمت ویلزم تحریم اکل الثمار فی ھذه البلدان اذ الاتباع الاکذٰلك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	زیلعی نے کہا کہ امام شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے کیونکہ ایسی صورت کو ضرورت کی بناء پر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ اس میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ پودا خریدنا لینا یا باقی گلاب کی بیع کو ان کے ظاہر ہوجانے تک موخر کردیا جائے یا آئندہ ظاہر ہونے والے گلاب سے انتفاع کو مباح کردے اس گنجائش کے باوجود معدوم گلام کی بیع کو جائز کرنا نص سے متصادم ہوگا اھ، میں کہتاہوں کہ ہمارے زمانہ میں اس ضرورت کا تحقق مخفی نہیں خصوصا دمشق کے علاقہ میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے تو لوگوں پر جہالت کے غلبے کی وجہ سے ان کو مذکورہ طرق پر پابند کرنا اگرچہ بعض لوگوں کو ممکن ہے لیکن عوام کے لئے یہ ممکن نہیں جبکہ ان کو عادت چھڑانے پر حرج لاحق ہوگا جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا ہے، اور لازم آئے گا کہ اس علاقہ باغات کے پھل فروخت کرنے کا وہاں یہی رواج ہے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] فتح القدیر کتاب البیوع فصل لماذکر ماینعقد به البیع الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۹۲

انما رخص فی السلم للضرورۃ مع انہ بیع المعدوم فحیث تحققت ھنا ایضا امکن الحاقۃ بطریق الدلالۃ فلم یکن مصادما للنص فلذا جعلوہ من الاستحسان وظاھر کلام الفتح المیل الی الجواز ولذا اوردلہ الروایۃ عن محمد بل تقدم ان الحوانی رواہ عن اصحابنا وماضاق الامر الا اتسع ولا یخفی ان ھذا مسوغ اللعدول عن ظاھر الروایۃ[1] اھ بتلخیص۔	نے ایک ضرورت کے تحت معدوم چیز کی بیع کو بیع سلم کے طور پر جائز فرمایا تو جب یہاں بھی یہ ضرورت متحقق ہے تو اس کو بھی بیع سلم کے ساتھ بطریقہ دلالۃ النص ملحق کرنا ممکن ہے تو اس طرح یہ نص سے متصادم نہ ہوگا۔ فقہاء کرام نے استحسان میں اس لئے اس کو اختیار فرمایا اور فتح کا ظاہر کلام جواز کی طرف مائل ہے اسی لئے انھوں نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہاں روایت نقل فرمائی بلکہ پہلے گزرا کہ امام حلوانی نے یہ بات ہمارے اصحاب سے نقل فرمائی اور جب معاملہ میں تنگی آتی ہے تو صرف وسعت ہی لاتی ہے۔ تو مخفی نہ رہا کہ ظاہر روایت سے عدول کا یہ جواز ہے اھ ملخصا۔ (ت)

یہ سردست تیس ۳۰ کتابوں سے تیس ۳۰ مسئلے ہیں۔ **کتب:** ۱قدوری، ۲ہدایہ، ۳فتح القدیر، ۴ردالمحتار، ۵وجیز کردری، ۶فتاوٰی امام قاضیخاں، ۷منح الغفار، ۸ہندیہ، ۹تاتارخانیہ، ۱۰محیط امام برہان الاسلام سرخسی، ۱۱فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی، ۱۲تنویر الابصار، ۱۳درمختار، ۱۴خلاصہ، ۱۵مختار الفتاوٰی، ۱۶خزانۃ المفتین، ۱۷فتاوٰی کبرٰی، ۱۸دررالحکام، ۱۹غنیہ ذوی الاحکام، ۲۰برہان شرح مواہب الرحمٰن، ۲۱متن نقایہ، ۲۲شرح برجندی، ۲۳بحرالرائق، ۲۴نہرالفائق، ۲۵طحطاوی، ۲۶فتاوٰی غیاثیہ، ۲۷جامع المضمرات، ۲۸شرح نقایہ للقہستانی، ۲۹شرح المجمع لابن فرشتہ، ۳۰اختیار شرح مختار۔

مسائل: ۱بیع نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے، ۲اس میں تسمہ لگادے، ۳بیع چرم بشرطیکہ جوتا سی دے، ۴کھڑاؤں کی بیع میں پھٹے دینے کی شرط، ۵بنی ہوئی اور ان کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ۶ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، ۷پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، ۸کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے، ۹جنازے کے لئے چارپائی، ۱۰چادروں ۱۱غسل میت کے لئے گھڑوں لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لئے ۱۲کلہاڑی ۱۳بسولے ۱۴آرے، ۱۵پھاوڑے کا وقف، ۱۶مسافروں کے لئے طشت، ۱۷ہانڈی، ۱۸بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لئے ۱۹قندیل

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

کی رسی، زنجیر کا وقف، [20]قرآن مجید و [21]کتب و [22]غلہ و [23]گاؤ و [24]دراہم و نانیر کا وقف [25]آٹے سے آٹا تول کو بیچنا نہ کہ ناپ سے، [26]تول پر اٹا قرض لینا، [27]روٹیوں کی بیع سلم گنتی سے، [28]روٹیوں کا گن کو قرض لینا [29]اموال ستہ ربویہ میں کیل ووزن کا عرف بدلنے پر امام ابویوسف کا اعتبار فرمانا [30]پیڑوں میں کچھ پھل آئے کچھ آنے کو ہیں ایسی حالت میں موجودہ وآئندہ کل بہار کی بیع کو امام حلوانی وامام فضل وغیرہما کا جائز فرمانا اور خود شمار کتب کا محل ہی کیا ہے۔ قطع نظر اور مسائل سے یہی مسئلے اگر دیکھیں تو مذہب کے عامہ متون وشروح وفتاوٰے سے کوئی کتاب ان سے خالی نہ پایئے یہ اور ان کے امثال کثیرہ جن کے خرمن سے خوشہ ابحاث آتیہ بھی ان شاء اللہ العزیز آتا ہے سب برخلاف اصل وقیاس ہیں جنھیں ائمہ کرام وعلمائے اعلام نے تعامل وعرف پر مبنی فرمایا اب کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ ان باتوں کا تعامل زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے:

حاشاللہ ثم حاشاللہ وان طلب کل طلب لاعیاہ۔	ہر گز ہر گز نہیں اگرچہ پوری محنت سے طلب کرے عاجز رہے گا۔ (ت)

بھلا کھڑاؤں کا پہننا ہی زمانہ اقدس سے ثابت کرے مصحف وکتب کہاں تھیں کہ وقف ہوتے آٹے میں تول کب تھی اور مساجد میں قندیلیں لٹکانے کی زنجیریں کب تھیں۔

تبدیل کیل ووزن تو خود عرف حادث ہی میں کلام آئے۔ جس کا غیر ستہ میں اعتبار تو مجمع علیہ اور ستہ میں امام ثانی کے نزدیک جسے محقق علی الطلاق نے ترجیح دی اور دربارہ مسائل او قاف تو عبارات مذکورہ در مختار، وخلاصۃ وفتح القدیر وعالمگیریہ وفتاوٰی ظہیریہ ونہر الفائق ومنح الغفار وغیرہ نص صریح ہیں کہ سب عرف حادث ہیں، یہاں تک کہ ان میں بہت باتیں زمانہ امام محمد کے بعد پیدا ہوئیں، بالجملہ ان جزئیات میں دلیل قائم ہے تو حدوث پر قدم تو کوئی ثابت کر ہی نہیں سکتا۔

ومن ادعٰی فعلیہ البیان وعلینا ردہ بابین تبیان ان شاء اللہ العزیز المنان۔	اور جو دعوٰی کرے اس پر بیان لازم ہے اور ہم پر اس کا رد بہت واضح انداز پر لازم ہے ان شاء اللہ العزیز المنان۔ (ت)

بحث ثالث: کیا ضروت ہے کہ وہ عرف تمام جہان کے تمام مسلمانوں کو محیط وشامل ہو، **اقول**: بعض علماء کے کلام میں ایسا مترشح لیجعلہ من باب الاجماع (تاکہ اجماع کے باب میں داخل کرے) مگر حق یہ ہے کہ نہ یہ اصلا لازم نہ کلمات سائر ائمہ کرام سلف خلف علمائے اعلام اس کے ملائم بلکہ

صراحۃً اسکے خلاف پر قاضی وحاکم۔

اوّلاً: ابھی تحریر الاصول امام ابن الہمام وبحر الرائق ورد المحتار سے گزرا: **التعامل ھوالاکثر استعمالا** [1] (تعامل وہ ہے جس کا استعمال کثیر ہو۔ت) الاشباہ والنظائر میں ہے:

انماتعتبر العادۃ اذا اطردت اوغلبت [2]۔	عادت وہ معتبر ہے جب وہ عام اور غالب ہو جائے۔(ت)

ثانیاً: انھیں مسائل مذکورہ کو دیکھئے جن میں علمائے مذہب محل عرف وتعامل مانا کیا کوئی ثابت کرسکتا ہے کہ تمام بلاد کے تمام عباد کا یہی عرف ہے۔ بھلا کھڑاؤں کہاں کہاں پہنچی جاتی ہے، پٹھے دار کہاں کہاں ہوتی ہے، اون کی ٹوپی کہاں کہاں بنی جاتی ہے، ایک دے کر دوسری اس کے ساتھ کی کہاں کہاں بنی ہے، کلہاڑی، بسولا، آرا، پھاوڑا، چارپائی، گھڑے، لوٹے، دیگ، دیگچی، طشت، دودھ، دہی کے لئے گائے بیچ لے کے غلہ قرض کے لئے روپیہ کہاں کہاں وقف ہوئے ہیں **الی غیر ذٰلک ممالایخفی**۔

ثالثاً: حاشاللہ یہ اگر عرف وتعامل حقیقتاً اجماع کل مسلمانان ہند درکنار اتفاق اکثر مومنین جمیع بلاد ہی مراد علماء ہوتا تو مسئلہ کالمستحیل ہوجاتا اور اس کی بناء پر حکم ناممکن رہتا۔ زمانہ مشائخ کرام میں بحمد اللہ تعالٰی الام مغارب ارض سے مشارق تک پھیل چکا تھا، مسلمان اقطار وآفاق میں آباد تھے کوئی شخص ان بلاد وقری وشعاب وجبال کی گنتی بھی نہ بتاسکتا جہاں جہاں **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پکارا جاتا تھا جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، چہ جائے آنکہ مسلمانوں کا شمار چہ جائے آنکہ ان سے کے عمل وعرف پر اطلاع اور بغیر اس کے کسی کام میں حکم لگانا کہ عامہ بقاع کے جمہور مسلمین کا عرف یوں ہے قطعاً محال تو کسی مسئلہ کو عرف وتعامل پر بنا کرنا ہی ممتنع ہوتا، دور کیوں جایئے اب توریل بھی آگبوٹ بھی ہے تار بھی ہے، اخبار بھی ہے، ڈاک کے سلسلہ بھی منظّم ہیں۔ مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار وامصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مدتہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں کروڑوں روپے کے صرف مشرق ومغرب کی پیمائش ہوتی ہے۔ بلاد وبقاع کے طول وعرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلسیں بنتی رہتی ہیں، غرض جس قدر دین کا انحطاط وتنزل ہے

---

[1] ردالمحتار بحوالہ البحر الرائق کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیاپرست عبید النفس ترقی گا رہے ہیں زمانہ مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی، اب اس تیسر اسباب و تفتیح ابواب ہی کے زمانے میں کوئی شخص ٹھیک ٹھیک طور پر بتادے کہ آفاق واقطار، شرق وغرب وجنوب وشمال کے بلاد وقری وصحاری وجزائر وجبال میں حقیقی مسلمان جن کا عرف شرعاً ملحوظ و مقصود ہو نہ نیچیری وغیرہم کفار مدعیان اسلام کہ ان جیسے کروڑوں کا تعامل ہو تو مطلقاً مردود ہوں کہاں کہاں آباد ہیں ہر جگہ کے سچے مسلمانوں کی صحیح مردم شماری کیا ہے کسی معاملہ خاص میں ان میں ہر ایک کا عرف وعمل کس طور پر رہا ہے، حصر بلاد وشمار عباد جو کچھ بیان کرے اس پر دلیل معقول قابل قبول دکھائے، نہ یہ کہ فلاں سال کی مردم شماری میں اسی قدر معدود فلاں اطلس میں اتنے ہی موجود کہ اس حصر اور اس کے جامع ومانع ہونے کی جو قعت ہے ہر ذی عقل وانصاف کو معلوم ومشہود، مردم شماری تو محض مہمل ومختل اٹکل ہے، اطلسیں جن کے محکمے مقرر ہیں اور بڑے بڑے انتظام کروڑوں کے صرف ہیں اور ہزاروں اہتمام حصرو شمار بقاع درکنار جو آنکھوں دیکھی اور قواعد مضبوطہ ہیات پر مبنی ہے یعنی عرض وطول بلاد اس میں اختلاف دیکھئے، کبھی دو اطلسیں متفق نہ پائے گا ع

ہر کہ آمد عمارت نوساخت

(ہر آنے والا نئی عمارت تعمیر کرتا ہے۔ت)

سبحان اللہ! اجماع شرعی جس میں اتفاق ائمہ مجتہدین پر نظر تھی، علماء نے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع وانتشار علماء فی البلاد دوصدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(قال الامام احمد من ادعی الاجماع) علی امر (فھو کاذب والجواب انہ محمول علی حدوثہ الاٰن) فان کثرۃ العلماء والتفرق فی البلاد الغیر المعروفین مریب فی نقل اتفاقھم [1]۔	امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا جو کسی معاملہ میں اجماع کا دعوی کرے تو جھوٹا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کی بات موجود دور کے واقعہ یہ ہے کہ محمول ہے کیونکہ علماء کی کثرت اور غیر معروف علاقوں میں ان کا متفرق ہوجانا ان کے اتفاق کو نقل کرنے میں شبہہ پیدا ہوتا ہے۔(ت)

[1] فواتیح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۲۱۲

نیز فواتح میں ہے:

تحقیق المقام ان فی القرون الثلثة لاسیما القرن الاول قرن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم کان المجتھدون معلومین باسمائھم واعیانھم و امکنتھم خصوصا بعد وفاة رسول للہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانا قلیلا ویمکن معرفة اقوالھم و احوالھم للجادفی الطلب۔نعم لا یمکن معرفة الاجماع ولاالنقل الآن لتفرق العلماء شرقا وغربا و لایحیط بھم علم احد [1] اھملخصین۔	مقام کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے تین قرن خصوصا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قرن (زمانہ) جو اول قرن ہے اس میں مجتہدین حضرات اپنے ناموں، ذاتوں اور مقامات کے اعتبار سے خصوصا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد قلیل زمانہ تک معروف تھے اور ان کے اقوال واحوال کی معرفت کے لئے جدو جہد کرنا ممکن تھا، ہاں آج اجماع کی معرفت ممکن نہیں اور نہ ہی اس کو نقل کرنا ممکن رہا کیونکہ علماء کرام شرقا غربا متفرق ہوچکے ہیں جن کو کسی ایک شخص کا علم احاطہ نہیں کرسکتا، اھ مذکور دونوں عبارتیں ملخص ہیں (ت)

جب صرف مجتہدین کا اتفاق معلوم نہیں ہوسکتا تو عرف وتعامل جس میں اجتہاد درکنار علم بھی درکنار نہیں، علماء وجہلاء سب کا علمدرآمد ملحوظ ہے۔اس میں اتفاق کل کیا معنی، اتفاق اکثر کا علم بھی بدرجہ اولٰی محال وناممکن ہے کہ آخر اکثر کل کل علماء سے ضرور اکثر ہے۔

رابعًا: کیا کوئی ایک بار کا بھی نشان دے سکتاہے کہ ائمہ کرام ومشائخ اعلام نے جب ایک امر میں بربنائے عرف وتعامل حکم فرمانا چاہا ہو تو تمام بلاد وبقاع عالم کے تمام مسلمین کے عرف وعمل کی خبر معلوم فرمالی، ہر ہر شہر وقریہ ودرہ کوہ وجزیرہ وبادیہ میں تحقیق تعارف کے لئے شہود عدل بھیجے ہوں، تمام اسلامی جہاں کی مردم شماری مفتح کی ہو پھر بعد ثبوت حصر وشمار بلحاظ کل نہیں بلحاظ اکثر ہی حکم دیا ہو۔یا بلا تفتیش خود ہی پیش از حکم ان تمام امور کے پرچے ان کی خدمات عالیہ میں گزرتے ہوں، **حاشا للہ** ہر گز نہیں نہ کبھی اس کا قصد فرمایا نہ اصلا اس کی طرف راہ تھی، نہ یہ امور تعامل مسائل عقائد تھے جن پر سواد اعظم کا اتفاق دلائل وبراہین شرع سے خود ہی معلوم ہے۔نہ یہ

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثالث الاجماع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۳۔۲۱۲

حسن عدل، قبح ظلم وتقدیم قاطع علی المظنون کی طرح امور ضروریہ ہیں۔ جن پر اتفاق عقلاء کی عقل خود شہادت دے، نہ ایسے مسائل نزاعیہ تھے جن کی نفی واثبات ورد واحقاق میں فرقے بن گئے ہوں، نہ سالہاسال تحصیل فتاوٰی فقہائے امصار وعلمائے اقطار میں سخت وبلیغ کوششیں ہوئی ہوں، بعد مرور دہور وکر عصور قرائن خارجیہ سے اتفاق اکثر کا علم حاصل ہولیا، اس کے بعد ائمہ نے بربنائے تعامل فتوٰی دیا ہو، ہمیشہ لاجرم اپنے ہی قطر کے بلاد کثیرہ میں عمل غالب کا نام عرف وتعامل رکھا اور اسی کو مبنائے احکام قرار دیا ہے۔ انصاف کیجئے تو امر واضح ہے اور انکار مکابرہ اور شکوک بے معنی کی راہ کب بند، مگر عنداللہ انصاف جب صبح مسفر ہو تو تشکک ناپسند، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (اللہ تعالٰی کا قول ہی حق ہے اور وہی راستہ بتاتا ہے۔ ت)

خامسًا: ایں وآں پر کیوں نظر کیجئے خود حضرات علمائے کرام ہی سے نہ پوچھ لیجئے کہ عرف وتعامل سے مراد حضرات کیا ہوتی ہے صدہا جگہ علمائے متدلین استدلال بالعرف کے ساتھ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے دیار کا عرف ہے یہ فلاں بلاد کا تعامل ہے انھیں مسائل مذکورہ میں دیکھیں محقق حیث اطلق مسئلہ سوم میں فرماتے ہیں:

مثلہ فی دیارنا شراء القبقاب[1]۔	اسی طرح ہمارے علاقہ میں کھڑاؤں کو خریدنا۔ (ت)

حاوی [عہ] پھر خلاصہ پھر فتح پھر ردالمحتار مسئلہ بست ودوم میں: مثل ھذا کثیر فی الری وناحیۃ دماوند[2] (رے اور دماوند کے علاقہ میں ایسا کثیر ہے۔ ت) ظہیریہ وہندیہ بست وسوم

عــــہ: ذکر مسألۃ وقف الکروالاکسیۃ نقلھا سند مونی فی الخلاصۃ ثم قال المسائل الثلث فی الحاوی وانما لم نعدہ فیما مرلان الشامی نقلھا عن الفتح والفتح عنھا ولم یذکر العزوللحاوی ۱۲۔	پیمانہ کُر اور کپڑوں کے وقف کا مسئلہ سند مونی نے خلاصہ میں ذکر کیا ہے پھر کہا تینوں مسائل حاوی میں ہیں اور میں نے گزشتہ مقام پر اس کو صرف اسی لئے شمار نہ کیا کیونکہ علامہ شامی نے فتح سے اور اس میں خلاصہ سے نقل کیا ہے اور انھوں نے حاوی کی طرف منسوب نہ کیا (ت)

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

میں ،ان کان ذلك به فی موضع تعارفوا [1] (اگر یہ ایسے مقام میں ہے جہاں اس پر تعارف ہو۔ت) امام طاہر بن عبدالرشید پھر امام ابن الہمام پھر علامہ شامی ان کان ذٰلك فی موضع غلب ذٰلك فی اوقافھم [2] (اگر یہ ایسے مقام میں ہوں جہاں لوگوں میں اس کا وقف مروج ہو۔ت) علامہ عمر بن نجیم مسئلہ بست وچہارم میں تعورف فی الدیار الرومیة [3] (روم کے علاقہ میں یہ متعارف ہے۔ت) افندی ابن عابدین: دون بلادنا [4] (ہمارے علاقہ میں نہیں۔ت) خادم فقہ ادنٰی تتبع میں اس کے نظائر غریرہ نکال سکتا ہے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کرکے علمائے کرام کا وہ نفس کلام جو مسئلہ اعتبارات عرف میں ذکر فرمایا بنظر نبیہ مطالعہ کیجئے تو خود ہی شاہد عدل وحجت فصل ہے کہ عرف عام سے ان کی مراد نہ ہر گز مستمر من زمن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، نہ عرف محیط اجماعی، نہ عرف اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ اول قطعاً مثل نص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔

لکونه تقریر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وتقریره کقوله اوجب من فعله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لان الفعل یحتمل ان یکون خصوصیة له صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	کیونکہ یہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تقریر (تائید) ہے اور آپ کی تقریر آپ کے عمل سے زیادہ موجب ہے کیونکہ عمل میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت کا احتمال ہے۔ (ت)

تو اگر نص اسکے خلاف پایا جائے ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحال تاریخ اسے فسخ کردے گا نہ یہ کہ قول اقدس کے مطابق تقریر اقدس کو مطلّقا رد کردیں۔علامہ شمس الدین محمد بن حمزہ فناوی فصول البدائع فی اصول الشرائع بیان ضرورت میں فرماتے ہیں:

اقسام اربعة(۱)ماهو فی حکم النطوق لزومه منه عرفا (۲)مابینه حال	اس کی چار قسمیں ہیں: (۱) وہ جو عرفاً لزوم میں منطوق کے حکم میں ہے (۲) وہ جس کو سکوت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۴

[4] ردالمحتار بحوالہ النہر کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۵

الساکت القادر کسکوت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم عن تغییر مایعاینہ من قول اوفعل من مسلم حتی لو سکت عما سبق نھیہ کان نسخا لان تقریرہ علی منکر منکر [1]۔	کرنے والے کا حال بیان کرے حالانکہ وہ بیان پر قادر تھا، جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان کا قول یا فعل دیکھ کر اس کو تبدیل کرنے سے خاموشی اختیار فرمائیں حتی کہ ایسی چیز جس پر پہلے نہی وارد ہوچکی ہو تو یہ خاموشی اس کے لئے ناسخ قرار پائے گی کیونکہ برائی پر خاموشی خود برائی ہے۔(ت)

علامہ اجل مولٰی خسرو صاحب دررو غرر مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول میں فرماتے ہیں:

(ماقررہ)صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ان کان مما علم انکارہ کذھاب کافر الی کنیسۃ فلا اثر لسکوتہ و الادل علی الجواز)ای جواز ذٰلک الفعل من فاعلہ و من غیرہ اذا ثبت ان حکمہ علی الواحد حکمہ علی الجماعۃ فان کان مما سبق تحریمہ فھذا نسخ لتحریمہ [2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جس چیز پر تقریر فرمائی اگر وہ چیز ایسی ہے جس کا بُرا ہونا یقینی طور پر معلوم ہو جیسے کافر کا اپنے عبادت خانہ میں جانا تو یہ تقریر وخاموشی موثر نہ ہوگی ورنہ وہ خاموشی اور تقریر اس چیز کے جواز پر دال ہوگی خواہ وہی فاعل کرے یا کوئی اور کرے بشرطیکہ وہاں ایک پر حکم سب کے طور پر ثابت ہو تو اگر وہ چیز ایسی ہو کہ اس کی تحریر پہلے ہوچکی ہو تو یہ تقریر اس حرمت کے لئے ناسخ ہوگی۔(ت)

فاضل محمد ازمیری اس کے حاشیہ میں شرح مختصر الاصول للعلامۃ اکمل الدین سے ناقل:

اذا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعل مکلف ولم ینکرہ قادرا علیہ فان کان الفعل قابلا للنسخ فان لم یسبق تحریمہ دل سکوتہ علی جوازہ وان سبق کان سکوتہ ناسخا	جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی مسلمان مکلّف کا عمل دیکھیں اور آپ منع پر قدرت کے باوجود منع نہ فرمائیں تو اگر وہ فعل قابل نسخ ہو جس کی تحریم پہلے نہ ہوچکی ہو تو آپ کا سکوت اس عمل کے جواز پر دال ہوگا اور اگر پہلے اس عمل کی تحریم ہوچکی ہو تو آپ کا یہ سکوت اس تحریم کے لئے ناسخ قرار

[1] فصول البدائع فی اصول الشرائع

[2] مرأۃ الاصول شرح مرقاۃ الوصول

لتحریمہ[1] اھ مختصرات۔	پائے گا۔ اھ مختصرات۔ (ت)

اور دوم عین اجماع تو نص آحاد سے اقوی اور قطعاً مظہر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال تو اس کا حقیقتاً معارض نص واقع ہونا معقول ہی نہیں۔ اور بظاہر ہو تو ہرگز مردود نہ ہوگا بلکہ وہی مرجح ہوگا اور نص ناسخ کا بتانے والا۔

وھذا معنی قولھم ان الاجماع لاینسخ اما کونہ کاشفا عن ناسخ فاجماع یظھر ذٰلك لمن راجع مطارحاتھم فی المسئلة۔	ان کے قول کہ "اجماع منسوخ نہیں ہوتا" کا یہی معنی ہے لیکن اجماع کا کسی ناسخ کے لئے کاشف ہونا یہ اتفاقی مسئلہ ہے یہ بات اس شخص پر ظاہر جو اس مسئلہ میں فقہاء کی ابحاث پر مراجعت رکھتا ہے۔ (ت)

مسلم وفواتح فصل ترجیح میں ہے:

الاجماع یترجح (علی النص)[2]۔	اجماع نص پر ترجیح پاتا ہے۔ (ت)

فواتح فصل تعارض میں ہے:

الاجماع مرجح ومقدم علی الکل عند معارضتہ ایاھا لانہ لایکون منسوخا بکتاب اوسنة ولایکون باطلا فتعین ان یکون الکتاب والسنة ولوکانت متواترة منسوخة والاجماع کاشف عن النسخ[3]۔	اجماع تمام دلائل پر ترجیح یافتہ اور مقدم ہوتا ہے جس کا ان دلائل سے تعارض ہو، کیونکہ اجماع کتاب یا سنت سے منسوخ نہیں ہوتا اور نہ ہی کتاب وسنت کا مظہر ہے جو کسی کتاب وسنت کا ناسخ ہے اگرچہ یہ متواتر کیوں نہ ہو۔ (ت)

اور سوم کی حجیت مطلقہ تامہ وافیہ پر نصوص صریحہ ناطقہ، تو اس کا اضمحلال معاذاللہ سوادِ اعظم کا وقوع فی الضلال اور وہ شرعاً محال ہے۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع اُمتی علی الضلالة[4]، وقولہ صلی اللہ	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ میری امت گمراہی پر مجتمع نہیں ہوسکتی، اور کہ جماعت پر

[1] حاشیة مرأة الاصلو للفاضل محمد ازمیری

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی فصل فی الترجیح منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۲۰۴

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت فصل فی التعارض منشورات الرضی قم ایران ۲/ ۱۹۱

[4] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع اللہ ھذہ الامة علی الضلالة دارالفکر بیروت ۱/ ۱۱۵

تعالٰی علیہ وسلم یداللہ علی الجماعۃ [1]۔وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بالجماعۃ والعامۃ [2] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتبعوا السواد الاعظم [3] الی غیر ذٰلك مما بلغ مجموعہ حدالتواتر وقد سردناھا وتخاریجھا فی رسالتنا "فیہ السرین بجواب الاسئلۃ العشرین ۱۳۱۱ھ"	اللہ کا ید ہے، اور کہ تم پر جماعت اور عوام کا ساتھ لازم ہے۔ اور یہ کہ سواد اعظم کی پیروی کرو وغیرہ ذٰلک آپ کے ارشادات کا مجموعہ تواتر کی حد تک ہے۔ان احادیث اور ان کی تخریج کو ہم نے اپنے رسالہ "فیح السرین بجواب الاسئلۃ العشرین" میں جمع کردیا ہے۔(ت)

فصول البدائع میں ہے:

لوندر المخالف مع کثرۃ المتفقین کان قول الاکثر حجۃ وان لم یکن اجماعا [4]۔	اگر مخالف میں کوئی نادر قول ہو تو اکثریت کا قول حجت ہوتا ہے اگرچہ وہ اجماع نہ ہو۔(ت)

بالجملہ مقابلہ نص میں ثانی تو مطلقاً مضمحل نہیں اعنی الطلاق العدم (میری عدم کا اطلاق ہے۔ت) اور اول بھی مطلقاً مضمحل نہیں اعنی عدم الطلاق (میر مراد اطلاق کا عدم ہے۔ت) اور ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی وان قیل وقیل (اگرچہ خلاف میں قیل قیل ہے۔ت) بعض نظائر لیجئے قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے: تعلیم قرآن پر عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی۔انھوں نے خیال کیا یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی۔فرمایا:

ان اردت ان یطوقك اللہ طوقا من	اگر تو چاہے کہ اللہ تعالٰی تیرے گلے میں آگ کا

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع اللہ ہذہ الامۃ علی الضلالۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۶-۱۱۵

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۳

[3] المستدرك للحاکم کتاب العلم لایجتمع اللہ ہذہ الامۃ علی الضلالۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۱۵

[4] فصول البدائع فی اصول الشرائع

نار فاقبلها[1]۔رواہ ابوداؤ وابن ماجة وفی الباب عن عبدالرحمٰن بن شبل وابی ھریرۃ وعبدالرحمن بن عوف وابی کعب وابن بریدۃ وابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	طوق ڈالے تو اسے لے لے (اسے ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اور اس باب میں عبدالرحمٰن بن شبل اور ابوھریرہ اور عبدالرحمٰن بن عوف اور ابی کعب اور ابن بریدہ اور ابی الدرداء وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت کیا۔ت)

اور قیاس بھی اسی پر شاہد۔

لان القربة متی حصلت وقعت عن العامل ولھذا یعتبر اھلیته فلایجوزله اخذ الاجرۃ من غیرہ کالصوم و الصلٰوۃ کمافی الھدایة۔	کیونکہ قربت جب حاصل ہو تو عامل سے واقع ہوتی ہے اس لئے عامل کی اہلیت کا اعتبار کیا جاتا ہے لہٰذا اس پر غیر سے اجرت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔مثلاً نماز وروزہ عبادات، جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔(ت)

اور ہمارے علماء کرام کامذہب بھی تحریر اور صدر اول میں قطعاً رواج معدوم بایں ہمہ عرف حادث وضرورت کے سبب جواز پر فتوٰی ہوا۔بستان فقیہ امام ابی اللیث میں ہے:

اما اذا علم بالاجرۃ فقد اختلف الناس فقال اصحابنا المتقدمون لایجوز اخذ الاجرۃ وقال جماعة من العلماء المتاخرین یجوز فالا فضل ان یشارط للحفظ و تعلیم الھجاء،والکتابة فلو شرط لتعلیم القراٰن ارجو ان لاباس به لان السلمین قد توارثوا ذٰلك	اگر اجرت پر تعلیم دی تو اس میں اختلاف ہے ہمارے اصحاب متقدمین نے فرمایا اجرت وصول کرنا جائز نہیں اور متاخرین کی ایک جماعت نے فرمایا جائز ہے۔تو افضل یہ ہے حفظ قرآن، تلفظ حروف اور لکھائی کی تعلیم پر اجرت کی شرط کرے۔ تو اگر تعلیم قرآن پر اجرت کی شرط کی تو مجھے امید ہے اس پر حرج نہ ہوگا کیونکہ مسلمان اس پر عمل پیرا ہیں اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۹،سنن ابن ماجه ابواب التجارات باب الاجر علی تعلیم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۵۷،مسند احمد بن حنبل حدیث عبادۃ بن الصامت مکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۱۵

واحتاجوا الیہ اھ[1] مختصرا۔	اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اھ مختصرا(ت)

بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیث صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ[2]۔رواہ ابوداؤد والطحاوی وفی الباب عن رافع بن خدیج وثابت بن الضحاک وزید بن ثابت وانس بن مالک وابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ ورسول سے لڑائی کا اعلان کرے (اسے ابوداؤد اور طحاوی نے روایت کیا، اور اس باب میں رافع بن خدیج اور ثابت بن ضحاک اور زید بن ثابت اور انس بن مالک اور ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین نے روایت کیا۔ (ت)

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد۔ ولہذا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ باتباع جماعت صحابہ وتابعین محرمین مانعین حرام وفاسد جانتے ہیں بایں ہمہ صاحبین نے بوجہ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتوٰی قرار پایا۔ ہدایہ میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المزارعۃ بالثلث والربع باطلۃ و قالا جائزۃ،لہ ماروی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن المخابرۃ وھی المزارعۃ و لانہ استیجار ببعض مایخرج من عملہ فیکون فی معنی قفیز الطحان ولان الاجر مجھول او معدوم و کل ذٰلک مفسد ومعاملۃ	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زمین کا تہائی یا چوتھائی بٹائی حصہ پر دینا باطل ہے۔ اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جائز ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخابرہ یعنی مزارعۃ سے منع فرمایا، اور یہ مزارع کے عمل سے حاصل شدہ کے کچھ حصہ کو اجرت بنانا ہے۔ تو یہ آٹاپسائی کی اجرت آٹا کو بنانے کی طرح ہے اور یہ اجرت مجہول یا معدوم ہے اور یہ تمام امور عقد کے لئے مفسد ہیں اور

[1] بستان العارفین للامام ابی اللیث سمرقندی علی ہامش تبنیہ الغافلین الباب السابع عشر دار احیاء کتب مصر ص ۲۹۔۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی الخابرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۷

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھل خیبر کان خراجہ مقاسمۃ بطریق الامن والصلح وھو جائز، الا ان الفتوی علی قولھما لحاجۃ الناس الیھا ولظھور تعامل الامۃ بھا والقیاس یترک بالتعامل کمافی الاستصناع[1] اھ مختصرًا۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اہل خیبر سے زمین کا معاملہ تو وہ امن کے عوض اخراج کی وصولی تھی جو کہ جائز ہے لیکن اس مسئلہ میں فتوی صاحبین کے قول پر ہے لوگوں کی ضرورت اور امت کا تعامل پایا جانے کی وجہ سے جبکہ قیاس کو تعامل کے مقابلہ میں ترک کیا جاتا ہے جیساکہ سائی کی چیز بنوانا اھ مختصرًا۔ (ت)

غرض ایسے تعاملات ضرور حجج مطلقہ ہیں انھیں مطلقًا مقابل نص مردود نہیں کہہ سکتے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضہ نص کی اصلا طاقت نہیں رکھتا جب خلاف کرے گا رد کردیا جائے گا۔ اشباہ میں ہے:

انما العرف غیر معتبر فی المنصوص علیہ[2]۔	منصوص علیہ معاملہ میں عرف معتبر نہیں ہے۔ (ت)

پھر فتاوٰی ظہیریہ سے نقل کیا:

محمد بن الفضل یقول السرۃ الی موضع نبات الشعر من العانۃ لیست بعورۃ تعامل العمال فی الابداء عن ذٰلک الموضع عند الاتزار وفی النزع عن العادۃ الظاھرۃ نوع حرج ھذا ضعیف وبعید لان التعامل خلاف النص لایعتبر انتھی بلفظہ[3] اھ۔	محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ ناف سے نیچے بالوں کی جگہ تک عورت نہیں ہے کیونکہ تہبند باندھنے کے وقت اس حصہ کو برہنہ کرنا لوگوں کا تعامل ہے اور لوگوں کی غالب عادت سے ان کو روکنا حرج کی بات ہے۔ اور یہ قول ضعیف اور بعید ہے کیونکہ نص کے خلاف تعامل معتبر نہیں ہے۔ اس کے الفاظ ختم ہوئے اھ (ت)

اسی میں فتاوٰی بزازیہ سے ہے:

فی اجارۃ الاصل استاجرہ لیحمل	مبسوط کی بحث اجارہ میں ہے کہ کسی غلّہ

[1] الہدایۃ کتاب المزارعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۲۳-۴۲۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۸

طعامه بقفیز منه فالاجارة فاسدة۔ وکذا اذا دفع الی حائك غزلا علی ان ینسجه بالثلث ومشائخ بلخ وخوارزم افتوا بجوار اجارة الحائك للعرف وبه افتی ابو علی النسفی ایضا والفتوٰی علی جواب الکتاب لانه منصوص علیه فلیزم ابطال النص [1] اھ باختصار۔	اٹھانے کی مزدوری میں اس غلہ میں سے قفیز دینا ٹھہرایا تو اجارہ فاسد ہوگا۔ اور یوں ہی جولاہے کو بنائی کے لئے دئے ہوئے سوت کا تہائی حصہ بنائی سے دینا، اور بلخ اور خوارزم کے مشائخ نے جولاہے کی مذکورہ اجرت کے جواز کا فتوٰی دیا ہے کہ یہ عرف ہے اور ابو علی نسفی نے بھی یہ فتوٰی دیا، جبکہ صحیح فتوٰی وہی ہے جو کتاب میں ہے کیونکہ ایسی اجرت کا عدم جواز منصوص ہے تو اس کے جواز سے نص کا ابطال لازم آئے گا اھ مختصرا (ت)

قدوری وغیرہ متون باب الرباء میں ہے:

مالم ینص علیه فهو محمول علی عادات الناس [2] اھ قلت فدل بمفهومه ان مانص علیه لم یحمل علیها۔	جس میں نص موجود نہ ہو تو وہ لوگوں کی عادت پر محمول ہوگا اھ **میں کہتاہوں** تو اس کے مفہوم کی دلالت یہ ہے کہ جس میں نص وارد ہو وہ عادات پر محمول نہ ہوگا۔ (ت)

ہدایہ کتاب الاجارہ میں ہے:

هو المعتبر فیما لم ینص علیه [3]۔	وہ عرف معتبر ہے جہاں نص نہ ہو۔ (ت)

کفایۃ شرح ہدایہ باب الرباء میں ہے:

تقریر رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ایاهم علی ما تعارفوا فی ذٰلك بمنزلة النص منه فلایتغیر بالعرف لانه لایعارض النص [4]۔	لوگوں کے تعارف پر جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر ہو تو وہ تقریر نص کی طرح ہے تو وہ عرف سے تبدیل نہ ہوگی کیونکہ عرف نص کا مقابلہ نہیں بن سکتا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۵

[2] المختصر للقدوری باب الربوٰ مطبع مجیدی کانپور ص ۹۴

[3] الہدایۃ کتاب الاجارات باب الاجر متی یستحق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۳

[4] الکفایۃ مع فتح القدیر باب الربوٰ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۸۔۱۵۷

غایۃ البیان کتاب الاجارہ میں فتاوٰی صغرٰی کتاب المزارعۃ سے ہے:

فرع الحاکم عبدالرحمن فی الجامع الصغیر بین هذا ؎ وبین قفیز الطحان بان قفیز الطحان منصوص علیه فلا یمکن تغیره بالتعامل اما هذا فلیس منصوصا علیه فیعتبر فیه التعامل [1]۔	حاکم عبدالرحمٰن نے جامع الصغیر میں زمین کی نصف بٹائی اور آٹا پسائی کے عوض آٹے کے قفیز میں فرق بیان کیا ہے اور کہ پسائی میں آٹا دینے کی ممانعت پر نص ہے اس لئے اس میں تبدیلی تعامل کی وجہ سے ممکن نہیں لیکن حصہ بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت پر نص نہیں ہے اس لئے اس میں تعامل معتبر ہے۔(ت)

نشر العرف میں امام ابن الہمام سے ہے:

لا اعتبار للعرف المخالف للنص لان العرف قد یکون علی باطل بخلاف النص [2]۔	نص کے مخالف عرف کا اعتبار نہیں کیونکہ عرف باطل چیز پر بھی ہو سکتا ہے بخلاف نص کے (ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

هذا بخلاف مالو تعامل اهل بلدۃ قفیز الطحان فانه لایجوز ولاتکون معاملتهم معتبرۃ لانا لو اعتبرنا معاملتهم کان ترکا للنص اصلا وبالتعامل لایجوز ترک النص اصلا [3] الخ۔	یہ برخلاف ہے اس عرف کے جس میں علاقہ کے لوگ پسائی میں آٹے کو اجرت بنائیں کیونکہ یہ ناجائز ہے اور ان کا یہ معاملہ معتبر نہ ہوگا کیونکہ اگر ہم ان کا یہ تعامل معتبر مان لیں تو نص کا ترک لازم آئے گا جبکہ تعامل کے ساتھ نص کا ترک ہرگز جائز نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب الوصایا میں ہے:

العرف اذا خالف النص یرد بالاتفاق [4]۔	جب عرف نص کے مخالف ہو تو مردود ہوگا بالاتفاق (ت)

عـــہ: ای المزارعۃ بالنصف والربع ۱۲ الفقیر المجیب۔

---

[1] غایۃ البیان

[2] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۵

[3] نشر العرف رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۲

بالجملہ بحمداللہ تعالٰی بدلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرف عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا مخصوص ہوسکتا ہے وہ یہی عرف حادث شائع ہے کہ بلاد کثیرہ میں بکثرت رائج ہو نہ عرف قدیم زمانہ رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ نہ عرف محیط جمیع عباد تمام بلاد نہ عرف اعم سواد اعظم کہ اولین بالاجماع اور ثالث علی التحقیق امکان یا وجوبا مقدم علی النص ہیں نہ زمان مشائخ میں ثانیین کی طرف مقابل، نہ واقع ونفس الامر ان کا گواہ نہ راہ فروع ان پر ملتیئم نہ کلام ان پر حاکم، ہاں عرف خاص کہ صرف وہ ایک شہر کے لوگوں کا تعارف ہو مذہب ارجح میں صالح تخصیص نص وترک قیاس نہیں اور عرف نادر کہ معدودین کا عمل ہو، بالاجماع اس کے مقابل نہیں، ہاں صرف صورت حکم بتانے کے لئے جس میں حکم شرعی یا مقیس کی اصلا مخالفت یا تغییر نہ ہو نہ کلیۃ نہ تخصیصا ہو عفر مطلق مقبول اگرچہ ایک ہی شخص کا عرف فرد ہو۔اعیان ونذور واوقاف ووصایا وغیرہ میں معانی الفاظ کا عرف پر ادارہ اسی باب اخیر سے ہے ولہذا فتاوٰی علامہ قاسم میں فرمایا:

التحقیق ان الفظ الواقف والموصی والحالف والناذر و کل عاقدین یحمل علی عادتہ فی خطابہ ولغتہ التی یتکلم بہا وافقت لغۃ العرب ولغۃ الشارع[1] اولا۔	تحقیق یہ ہے کہ وقف کرنے والے، وصیت کرنے والے، قسم اٹھانے والے اور نذر والے اور ہر ایسے عقد کو اس کے تخاطب اور لغت جس میں وہ بات کرتا ہے اسی عادت پر محمول کیا جائے گا وہ لغت عرب کے موافق یا شرع کی لغت کے موافق ہو یا نہ ہو۔(ت)

یہ ہے بحمداللہ ومنہ وکبیر لطفہ وکرمہ وتحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علماء کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہ تعالٰی کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھئے۔

وقد کنت اری فی الباب مباحث الاشباہ وکلمات رد المحتار من مواضع عدیدہ فلا اجد فیھا مایفید الضبط ویزول بہ الاضطراب والخبط وکان العلامۃ الشامی کثیرا مایحیل المسئلۃ علی رسالتہ نشر العرف فکنت تواقا الیہا مثل جمیل الی بثینہ	میں اس مسئلہ میں الاشباہ کے مباحث اور ردالمحتار کے متعدد مقامات کو دیکھتا تو ان میں کوئی ضبط والی اور اضطراب وپراگندگی کو دور کرنے والی چیز نہ پائی، اور علامہ شامی مسئلہ کو اپنے رسالہ "نشر العرف" کے حوالے کردیتے ہیں تو میں اس رسالہ کا اس طرح مشتاق ہوا جیسے اونٹنی اپنے

[1] نشر العرف بحوالہ فتاوی العلامۃ قاسم رسالہ من مجموعہ رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۳۳

فلما رأیتها وجدتها ایضالم یتحرر لها مایکفی و یشفی ولم یتخلص فیها ماترتبط به الفروع وتاخذ کلمات الائمة بعضها حجز بعض ولکن ببرکة مطالعتها فی تلك الجلسة فتح۔ (رسالہ نامکمل ملا)	بچے کی، تو جب میں نے وہ رسالہ دیکھا تو اس میں بھی کفایت دینے والی کوئی شافی چیز اور صاف نہ ملی اور فروعات میں ربط اور ائمہ کے کلام میں تطبیق والی کوئی چیز نہ ملی جبکہ ائمہ کے کلمات ایک دوسرے کے موافق نہ تھے، لیکن اس مجلس میں اس کے مطالعہ کے برکت سے کھلا۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الاکراہ

(اکراہ کا بیان)

مسئلہ ۲۲۹تا۲۳۱: از بریلی ساہوکارہ مرسلہ شیام سندر لال چیئر مین ۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر تصدیق کرادیا نقل شامل سوال ہے مگر زر ثمن کا لین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ ودستاویز مذکورہ کا زید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے تو:

(۱) کیا حسب بیان مدعی مندرجہ دعوی بصورت بیع مکرہ کی ہے، اگر ہے تو کیا حکم ہے؟

(۲) مکرہ ہونے کے واسطے بالفعل رجسٹری کے وقت داب ناجائز کا موجود ہونا ضرور ہے یا پیشتر سے تخویف اور آئندہ کے لئے ضرر شدید کا اندیشہ صحیح کافی ہے؟

(۳) ایسی صورت میں جبکہ رجسٹری میں زر ثمن نہیں دیا گیا تو مشتری کے ذمہ حوالگی زر ثمن کا بار ثبوت ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عرضی دعوی میں مدعا علیہ کا مدعی کو مدت طویل تک اپنے مکان میں محبوس رکھنا اور کسی سے نہ ملنے دینا اور ناجائز داب کا ذکر ہے داب کا بیان نہیں اور زبانی بیان سائلان یہ ہوا کہ قتل کی تخویف کی اور مدعی اسے باور کرتا تھا، یہ بیانات اگر واقعی ہیں تو وہ بلاشبہ بیع مکرہ اور فاسد ہے۔ اور

بائع کو اس کے فسخ کا اختیار ہے۔ تخویف قتل تو اعلٰی درجہ کا اکراہ ہے بیع میں مجرد حبس مدید بھی ثبوت اکراہ کو بس ہے۔ درمختار میں ہے:

لو اکرہ بحبس او قید مدیدین حتی باع او اشترٰی او اقر او اٰجر فسخ او امضی لان اکراہ الملجی وغیر الملجی یعدمان الرضاء والرضأ شرط صحۃ ہذہ العقود والاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ والامضاء[1] ۔ باختصار۔	اگر کوئی لمبی قید اور یرغمالی کے ذریعہ بیع یا شراء یا اقرار یا اجارہ پر مجبور کرے اور اس نے کر دی تو بعد میں اسے اختیار ہے کہ فسخ کردے یا اس پر قائم رہے کیونکہ جان کے خطرے اور اس سے کم ہر طرح جبر رضا کو ختم کرتا ہے جبکہ ان عقود اور اقرار میں رضا شرط صحت ہے اس لئے اس کو فسخ کا اختیار ہے۔ باختصار۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی مجمع الفتاوٰی منع امراتہ المریضۃ عن المسیر الی ابویھا الا ان تھبہ مھرھا فو ھبتہ بعض المھر فالھبۃ باطلۃ لانھا کالمکرھۃ ویوخذ منہ جواب حادثۃ الفتوی زوج بنتہ فلما ارادت الزفاف منعھا الاب الا ان یشھد علیھا انھا استوفت منہ میراث امھا فاقرت لایصح اقرارھا لکونھا فی معنی المکرھۃ وبہ افتی ابوالسعود مفتی الروم قالہ المصنف فی شرح منظومتہ تحفۃ الاقران[2] ۔	مجمع الفتاوٰی میں ہے کسی نے اپنی بیوی مریضہ کو اپنے والدین کے ہاں جانے سے روکا اور کہا تو مجھے مہر ہبہ کرے تو جانے دوں گا تو بیوی نے مہر ہبہ کر دیا تو یہ ہبہ باطل ہے کیونکہ یہ مجبور کی طرح ہے اور اس سے ایک درپیش مسئلہ کا جواب معلوم ہوگیا کہ بیٹی کا نکاح کر دیا جب بیٹی رخصتی کے لئے تیار ہوئی تو باپ نے روک لیا اور کہا تو یہ گواہی بنادے کہ میں نے والد سے اپنی والدہ کی وراثت کا حصہ وصول کرلیا ہے۔ بیٹی نے مجبوراً اپنے اقرار پر گواہ بنادئے تو بیٹی کا یہ اقرار صحیح نہ ہوگا کیونکہ وہ مجبور کی طرح تھی، اور مفتی روم ابوسعود نے یہی فتوٰی دیا مصنف نے شرح منظومہ تحفۃ الاقران میں اس کو ذکر کیا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۵

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۷

ردالمحتار میں ہے:

وبه افتی الرملی وغیرہ ونظمه فی فتاواہ بقوله: ومانع زوجته عن اهلها تهب المهر یکون مکرها کذالك منع والد لبنته خروجها لبعلها من بیته ثم قال وانت تعلم ان البیع والشراء والاجارة کالاقرار والهبة وان کل من یقدر علی المنع من الاولیاء کالاب للعلة الشاملة فلیس قیدا [1]۔	خیر الدین رملی وغیرہ نے یہی فتوی دیا ہے اور انھوں نے اپنے فتوی میں اس کو نظم کے طور پر یوں ذکر کیا ہے: (ترجمہ) "بیوی کو اپنے والدین سے روکا کہ مہر ہبہ کرے تو یہ مکرہ ہوگا یونہی والد نے بیٹی کو اپنے خاوند کے پاس جانے سے روکا" پھر فرمایا کہ آپ کو معلوم ہے کہ بیع وشراء اور اجارہ۔ اقرار اور ہبہ کی طرح ہیں اور بیشک باپ جیسا کوئی ولی جو کسی عام وجہ سے روکنے پر قادر ہو وہ قید نہیں ہے۔ (ت)

خیریہ میں ہے:

قال علماء نا منع الزوج زوجته من اہلها حتی تهب له المهر تکون مکرهة والهبة باطلة قال فی مجمع الفتاوی و فی ملتقط السید الامام عن الفقیه ابی جعفر من منع امرأته عن المسیر الی ابویها الا ان تهب مهرها فوهبت فالهبة باطلة ومثل ذٰلك فی الخلاصة والبزازیة وکذٰلك ذکر فی التاتارخانیة نقلا عن الینابیع [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ بیوی کو اپنے والدین سے منع کرنا تاکہ مہر ہبہ کرنے پر آمادہ ہو تو یہ مجبوری ہوگی اور بیوی نے ہبہ کردیا تو باطل ہوگا، اور مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ سید امام کی ملتقط میں فقیہ ابوجعفر سے منقول ہے کہ جس نے مہر ہبہ کئے بغیر بیوی کو اس کے والدین سے روک رکھا ہو اور اس نے ہبہ کردیا تو یہ ہبہ باطل ہوگا، اور اسی طرح خلاصہ اور بزازیہ میں ہے اور یونہی تاتارخانیہ میں ینابیع سے نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] فتاوی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۴۴

(۲) اکراہ کے لئے یہ ضرور نہیں کہ جس وقت مکرہ وہ فعل کرے گلے پر چھری یا قید وضرب فی الحال موجود ہو بلکہ اکراہ کنندہ کی طرف سے وعید وتہدید سابق اور اس کے وقوع کا صحیح اندیشہ لاحق اور مکرہ کا مکرہ کے قابو میں ہونا تحقق اکراہ کے لئے بس ہے۔
خیریہ میں ہے:

الاکراہ یعدم الاختیار فلاصحۃ للاقرار مع الاکراہ والاکراہ فیہ یکون باشیاء منہا اذا قال المتغلب لرجل اما ان تقرلی بکذا والا اقول للظالم الفلانی لقی مالا و وجد کنزا اونحو ذٰلک فاذا کان الرجل لہ جرأۃ و ھددہ بمن یسمع کلام الغماز وقال ان لم تقرلی بکذا اسعی بک الی من یاخذک بمجرد کلامی وغلب من ظن المھدد ذٰلک فاقر کاذبا لایلزمہ مااقر بہ کما ھو صریح کلام ائمتنا[1]۔	جبر، اختیار کو معدوم بنادیتا ہے لہٰذا جبر کے ساتھ حاصل کردہ اقرار کی صحت نہ ہوگی اور جبر واکراہ کی کئی صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی غالب آدمی دوسرے شخص کو کہے کہ تو میرے حق میں فلاں اقرار کر ورنہ میں فلاں ظالم کو کہوں گا کہ اس کو مال ملا یا خزانہ ملا یا ایسی ہی کوئی بات اگر یہ شخص جری ہے اور ایسے ظالم کی دھمکی دے جو اس کی بات مانتا ہو اور کہا کہ اگر تو میرے حق میں فلاں اقرار نہ کرے گا تو میں تجھے فلاں کے پاس لے جاؤں گا جو صرف میرے کہہ دینے پر تجھے پکڑے گا اور دھمکی سننے والے کو ظن غالب ہے کہ یہ ایسا کردے گا تو اس نے جھوٹا اقرار کردیا تو اس اقرار سے کوئی چیز لازم نہ ہوگی جیسا کہ ہمارے ائمہ کا صریح کلام ہے۔(ت)

ہاں اگر اس نے تہدید کی اور اب یہ اس کے قابو سے نکل گیا اور اس اندیشہ سے کہ پھر اسے قابو ملے تو ایذا پہنچائے گا، کوئی کام کیا تو یہ اکراہ سے نہیں کہ اکراہ سابق زائل ہوچکا اور لاحق معدوم وموہوم ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الھندیۃ عن المبسوط ارسلہ لیفعل فخاف ان یقتلہ ان ظفر بہ ان لم یفعل لم یحل[2]۔	ہندیہ میں مبسوط سے منقول ہے کہ اگر کسی نے دوسرے کو کام کرنے کے لئے بھیجا تو اس کو خطرہ ہے کہ اگر میں نے اس کا یہ ناجائز کام نہ کیا تو مجھے قتل کردے گا تو اس اندیشہ پر اس کو ناجائز کام کرنا حلال نہ ہوگا۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

لزوال القدرۃ بالبعد لکن یخاف عودہ وبہ لایتحقق الاکراہ، بزازیۃ[1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ دونوں میں بعید فیصلہ کی وجہ سے قتل کی قدرت نہیں ہے۔ لیکن واپسی پر خوف ہو تو اس سے اکراہ متحقق نہیں ہوتا۔ بزازیہ۔(ت)

(۳) ہاں صورت مذکورہ میں تسلیم وقبضہ ثمن کا بار ثبوت ذمہ مشتری ہے کہ حاکم حکم نہیں کرسکتا مگر حجت شرعیہ اقرار ہے یا بینہ یانکول، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر اشباہ میں ہے:

القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ اوالاقرار والنکول[2]۔	قاضی صرف حجت قائم ہونے پر فیصلہ دیتاہے اور حجت گواہی اقرار اور قسم سے انکار کا نام ہے۔(ت)

اور مکرہ کا اقرار باطل ہے۔ابھی خیریہ سے گزرا: لاصحۃ للاقرار مع الاکراہ[3] (اکراہ سے اقرار کی صحت نہیں ہوتی۔ت) اشباہ میں ہے: اقرار المکرہ باطل[4] (مجبور شدہ شخص کا اقرار باطل ہے۔ت) یونہی معتوہ غیر ماذون کا اقرار۔عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان معتوھا فاقرارہ غیر صحیح[5]۔	پاگل کا اقرار صحیح نہیں ہے۔(ت)

اور جبکہ اقرار با معتوہ ہونا شہادت عادلہ سے ثابت ہو تو دستاویز میں معمولی عبارت (بحالت صحت نفس وثبات عقل بطوع ورغبت بلاجبر واکراہ) لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں۔خیریہ میں ہے:

سئل فی ذی ولایۃ علی قریۃ قادر علی ایقاع ضرب وحبس ملجئین باھلہا طلب من رجل منہا بیع عقار لہ بہا فباع خائفا منہ ایقاع ذٰلك بہ واقر	ان سے گاؤں کے والی کے متعلق سوال ہوا کہ اس نے قریہ میں زمین والے شخص کو ضرب لگانے اور قید کرنے کی دھمکی دے کر کہا کہ اپنی یہ زمین میرے پاس فروخت کردے تو اس نے دھمکی پر عمل کے خوف سے زمین فروخت کردی کیونکہ دھمکی پر عملی قدرت رکھتا ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الاکراہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۸

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۸

[3] فتاوی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱

[5] العقود الدریۃ کتاب الحجر والماذون ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۱۵۹

انه قبض ثمنه كذٰلك مع ان قيمة المبيع اضعاف الثمن هل ينفذ هذا البيع على هذا الوجه ام لا وان كتب صك لدى قاض على صفة الطوع والاختيار و عدم المفسد يكون الاعتبار لما فی نفس الامر لا لما كتب اجاب حيث علم بدلالة الحال انه لو لم يبعه يوقع به ضربا شديدا او حبسا مديدا فالبيع غير نافذ والاقرار غير صحيح فللمكره فسخه والاعتبار لما فی نفس الامر لا لما كتب فی الصك[1]۔	اور اقرار کیا کہ میں نے زمین کی رقم اس سے وصول کرلی ہے ___ حالانکہ وصول کردہ رقم سے اصل قیمت کئی گنا زیادہ ہے۔ تو کیا یہ بیع نافذ ہوگی یا نہیں، اور اگر قاضی کے ہاں اشٹام لکھ دے کہ میں نے خوشی اور اختیار سے فروخت کی اور بیع صحیح کی ہے تو اس تحریر کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ واقعی حال کا اعتبار ہوگا۔ تو جواب دیا کہ جب معلوم ہے دلالت حال سے کہ اگر وہ فروخت نہ کرتا تو اس کو ضرب شدید اور قید مدید کرتا تو بیع نافذ ہوگی اور اقرار بھی صحیح نہ ہوگا تو مجبور زمیندار کو اختیار ہے کہ فسخ کردے اور اشٹام میں لکھے کا اعتبار نہیں بلکہ نفس الامر واقع کا اعتبار ہے۔ (ت)

لاجرم بار ثبوت مشتری پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاکراہ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۳

کتاب الحجر

(حجر کا بیان)

مسئلہ ۲۳۲: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ مولٰنا مولوی محب احمد صاحب ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

ایک عورت عرصہ چالیس سال سے اس مرض میں مبتلا ہے کہ کبھی کبھی اس کی عقل میں اختلال آجاتا ہے اور خیال پردہ وستر پوشی کا نہیں رہتا حتی کہ مکان کی چھت سے جو بازار میں واقع ہے سربازار کھڑی ہوجاتی ہے۔ ایک مرتبہ چھت سے نیچے گرپڑی اور اکثری حالت یہ ہے کہ ہر قسم کا خیال ستر پوشی وحجاب رہتا ہے۔ سب قرابت داران مادری وپدری وصہری کو بتخصیص قرابت جانتی پہچانتی ہے کام متعلق عورات جو خانہ داری کو چاہئیں کرتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کا اپنی جائداد کسی کو بطور ہبہ دے دینا یا معاف کرنا یا کسی بارہ میں اس کی شہادت مثل رضاعت وغیرہ مقبول وجائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عورت مجنونہ ومعتوہہ ہے یا کیا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایام دورہ میں زن مذکورہ کا آفت معترضہ علی العقل میں مبتلا ہونا واضح وبدیہی ہے قلّت فہم وفساد تدبیر توظاہر، اور اختلاط کلام اختلاط عقل کو لازم، تواسی قدر سے معتوہہ ہونا توصراحۃً ثابت، اور اس کے ساتھ لوگوں کو مارنا گالیاں دینا بھی ہو تو مجنونہ ہے۔ بہر حال تبرعات مثل ہبہ مال وبخشش مہر وغیرہ کی اہلیت ہر گز نہیں، اگر ایسے تصرفات کرے گی محض باطل ہوں گے، اور رضاعت وغیرہ

کسی امر میں اس کی شہادت اصلا قابل قبول نہیں پر اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معلوم و معروف نہیں تو یہ احکام حجر تصرفات و ابطال تبرعات والغائے شہادت دائمی ہیں کہ جب افاقہ معہود نہیں تو کسی وقت اطمینان نہیں ہو سکتا، ہر وقت محتمل کہ حالت اختلال میں ہو صرف عاقلانہ باتیں کرنی موجب اطمینان نہیں کہ معتوہ بلکہ مجنون بسا اوقات ٹھیک ٹھک عقل کی باتیں کرتے ہیں یہاں تک کہ ناواقف سنے تو ہرگز احتمال اختلال نہ کرے۔ہاں اگر وقت افاقہ معلوم ہے تو اس وقت اس کا حکم مثل حکم عقلاء ہے۔اس کے تبرعات بھی نافذ ہوں گے اور شہادت بھی مسموع ہے، درمختار میں ہے:

المعتوہ من العتہ وہو اختلال فی العقل [1]۔	المعتوہ، عتہ سے ماخوذ ہے۔اور عقل میں خلل واقع ہو جانے کا نام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ہذا ذکرہ فی البحر تعریفا للجنون وقال ویدخل فیہ المعتوہ واحسن الاقوال فی الفرق بینھما ان المعتوہ ہو القلیل الفہم المختلط الکلام الفاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم بخلاف المجنون اھ وصرح الاصولیون بان حکمہ کالصبی [2]۔	بحر میں یہ تعریف جنون کی لکھی ہے اور کہا کہ معتوہ بھی اس تعریف میں داخل ہے۔اور دونوں میں فرق کے لئے یوں کہنا بہتر ہے کہ معتوہ وہ ہے جو قلیل فہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا جو لوگوں کو ضرب و شتم نہ کرے اور مجنون وہ ہے جو ضرب و شتم کرے اھ اور اصول والوں نے تصریح کی ہے کہ اس کا حکم بچوں والا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

تصرف المعتوہ ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتہاب صح بلا اذن، وان کان ضارا کالطلاق والعتاق والصدقۃ والقرض (والھبۃ ش)	معتوہ کا تصرف اگر فائدہ مند ہو جیسے اسلام اور ہبہ قبول کرنا تو یہ نافذ العمل ہوگا ولی کی اجازت ضروری نہ ہوگی اور اگر وہ عمل مضر ہو تو ولی کی اجازت کے باوجود نافذ نہ ہوگا جیسے طلاق، عتاق، صدقہ اور قرض، اس پر شامی نے ہبہ

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۶

لاو ان اذن به وليهما، وماتردد من العقود بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف على الاذن[1].	دینے کا اضافہ کیا، اور اس کا ایسا عمل جو نفع اور نقصان والے دونوں پہلو رکھتا ہو وہ ولی کی اجازت پر موقوف ہونگے جیسے بیع وشراء۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لاتقبل شهادة الصبيان والمجانين والمعتوه بمنزلة المجنون[2]۔	بچوں اور مجنون کی شہادت مقبول نہیں اور معتوہ بچوں کا حکم رکھتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

(كذا شهادة الصبيان بعضهم على بعض فيما يقع فی الملاعب، وشهادة النساء فيما يقع فی الحمامات لا تقبل، وان مست الحاجة اليها كذا فی الذخيرة[3]۔	یونہی بچوں کی کھیل کے متعلق اور عورتوں کے حمام کے متعلق شہادت مقبول نہیں اگرچہ یہاں ضرورت بھی ہے۔ ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

قال الشلبی فی حاشية الزيلعی الحق التفصيل فان كان لافاقته معلوم فعقد فی ذلك الوقت فالحكم فيه كالعاقل، وان لم يكن لافاقته وقت معلوم فعقد فی حال الافاقة فالحكم فيه كالصبی اھ والفرق بين الافاقة المعلومة وغيرها انه فی المعلوم تحقق صحوه بحسب	زیلعی کے حاشیہ میں شلبی نے کہا حق یہ ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر معتوہ کے افاقہ کا وقت معلوم ہے اور اس وقت اس سے عقد صادر ہوا تو اس وقت میں عاقل والا حکم ہوگا، اور اگر اس کے افاقہ کا وقت معلوم نہ ہو تو افاقہ کی حالت میں کیا ہوا عقد بچوں والا حکم رکھتا ہے اھ اور افاقہ معلوم ہونے نہ ہونے کا فرق یہ ہے کہ معلوم کی صورت میں اس کی صحت حسب معمول ہوتی

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳، ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۵

عادته. اماغیر فیحتمل انه حال جنونه تکلم بکلام العقلاء [1] اھ مختصرا۔ واللہ سبحانه وتعالیٰ اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ہے اور غیر معلوم ہے ہوسکتا ہے کہ وہ جنون کی حالت میں عقلمندوں جیسی گفتگو کررہا ہو، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج کہ مرض دماغی ہے۔ اسے اختلال عقل وعدم ثبات حواس لازم ہے یانہیں؟ اور اگر کسی عالم کو چند سال مرض رہے طول مرض کے سبب گھبرائے تو دل بہلانے کو شطرنج یا اسی قسم کے کھیل میں کبھی مشغول ہو تو آیا اس سے لازم آتا ہے کہ وہ عالم مجنون یا مسلوب الحواس قرار دیا جائے اور اس کے تصرفات بیع وہبہ وغیرہ باطل کردے جائیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

فالج اگرچہ مرض دماغی ہے مگر اس سے اختلال عقل وعدم ثبات حواس ہرگز لازم نہیں آتا، آخر عامہ کتب فقہ میں تصریح ہے کہ جب یہ مرض سال بھر سے متجاوز ومزمن ہوجائے تو مریض شرعاً صحیح گنا جائے گا، اور اس کے سب تصرفات نافذ قرار پائیں گے، اگر اس مرض کو بدحواسی لازم ہوتی تو یہ حکم فقہاء کا کیونکر صحیح ہوتا، نہ شطرنج، گنجفہ، چوسر، یا اور اسی قسم کے ہزاروں کھیلوں سے مسلوب الحواسی ثابت ہو، بلکہ خیال کیجئے تو یہ سب کام عقل وحواس چاہتے ہیں، اور یہ بات جدا رہی کہ ایسے افعال عالم کے شان سے بعید ہوں، اول عالم کے لئے معصوم ہونا شرط نہیں، ثانیا بالفرض شطرنج مطلقاً گناہ ہو تو کسی گناہ سے شرع شریف بطلان تصرفات کا حکم نہیں دیتی اور امام عامر شعبی کہ اکابر ائمہ محدثین سے ہیں شطرنج کھیلا کرتے اب کیا اس بنا پر **معاذاللہ** کوئی انھیں مسلوب الحواس کہہ سکتا ہے، اور بعض جاہل جو کہنے لگتے ہیں کہ یہ کیسے عالم ہیں جو ایسے افعال کرتے ہیں یا ان کی عقل کدھر گئی کہ عالم ہوکر ایسی باتوں میں مشغول ہیں قطعاً نظر اس سے کہ جہلاء کو کسی کے افعال سے تعرض اور ان پر طعن و تشنیع روا نہیں، حدیث میں ہے:

"عالم بے عمل مثل شمع کے ہے کہ خود جلتا ہے اور تمھیں روشنی پہنچاتا ہے۔" [2]۔ یہ محاورہ ایسا ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

" اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ	کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۸۲

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۲۰۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۷۳

وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ"[1]	بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا سمجھتے نہیں۔(ت)

یااس سے بڑھ کر ارشاد ہوا:

"اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾"[2]	کیا اگر ان کے آباء واجداد کسی چیز کی عقل نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی راہ یافتہ ہوں۔(ت)

اب کیا قرآن عظیم نے ان لوگوں کو بے عقل کہہ کر ان کی بیع وشراء واجارہ وغیرہا تصرف کو باطل ٹھہرایا ہے۔حاشا وکلا کوئی عاقل ایسا گمان نہیں کرسکتا **ومن ادعی فعلیه البیان** (جو یہ دعوی کرے تو اس پر بیان لازم ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اختلال عقل کا شرعا موجب منع نفاذ تصرف کا ہوتا ہے اس کے کیا معنی ہیں اور کیا کیا باتیں اس کے واسطے درکار ہیں، اور اگر کوئی چار سال سے زیادہ مرض فالج میں مبتلا ہے، ابتداء میں مرض شائد کہ دست وپا وزبان سب پر آفت ہو، پھر تھوڑے عرصہ بعد ہاتھ پاؤں بخوبی تمام کھل جائیں، اور زبان بھی اتنی صاف ہو جائے کہ ادائے مطلب میں عاجز نہ ہو اگرچہ تکلم میں قدرے تکلف رہے۔یہاں تک کہ ایسی حالت میں حج کرے، اور وہاں طواف وسعی صفاومروہ ووقوف وعمرہ وزیارت مدینہ طیبہ وحاضری مشاہدہ متبرکہ میں اپنے پاؤں سے مثل اصحا نہایت سرگرم رہے۔اور اس کے اور افعال بھی مثل عقلاء کے ہوں، دیہات کی تحصیل وتشخیص کرے، بات سنے سمجھے جواب دینے میں فرق نہ ہو۔اور بالفرض اس زمانہ ممتد میں دو تین باتیں اس سے ایسی بھی صادر ہوجائیں جو غفلت وبیخودی پر دلالت کریں، تو آیا انھیں باتوں پر مدار کار رکھ کر اسے مجنون یا معتوہ ٹھہرادیں گے، یا شاذونادر کا اعتبار کریں گے، جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ باربار بتکرار اکثر افعال وحرکات اس سے اس قسم کے ہوتے اور ہوش کی باتیں کم کرتا۔**بینوا توجروا**

الجواب:

مسلوب الحواسی کی اعلٰی قسم تو جنون ہے **والعیاذ باللہ منه**، اور ادنٰی قسم عتہ، جس کے صاحب کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

معتوہ کہتے ہیں۔اس میں بھی اسی قدر ضرورت ہے کہ تدبیریں اس کی ٹھیک نہ رہیں، سمجھ اس کی درست نہ ہو، باتوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہے۔ابھی بیٹھاہے خوب ہوش وحواس کی باتیں کررہاہے،ابھی خرافات وہذیانات بکنے لگا،سودائیوں کی طرح مہمل وبے معنی بھکنے لگا یہاں تک کہ شریعت مطہرہ اس کے اوپر سے اپنی تکلیفیں اٹھالیتی ہے اور نماز وروزہ تک اس کے اوپر فرض نہیں رہتا۔

فی الفتاوٰی الخیریۃ العتہ قلۃ الفھم واختلاط الکلام وفساد التدبیر وذٰلک بسبب اختلاط العقل فیشبہ مرۃ کلامہ کلام العقلاء ومرۃ کلام المجانین۔[1] وفی رد المحتار حکم المعتوہ کالصبی العاقل فی تصرفاتہ، وفی رفع التکلیف عنہ زیلعی[2]۔	فتاوٰی خیریہ میں ہے، عتہ__ قلّت فہم، کلام کا اختلاط اور فساد تدبیر ہے۔اور یہ عقل میں خلل کی وجہ سے ہوتاہے تو کبھی اس کا کلام عقلاء کے کلام اور کبھی مجانین کے کلام کے مشابہ ہوتاہے۔اور ردالمحتار میں ہے کہ معتوہ کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے تصرفات اور غیر مکلّف ہونے میں نابالغ عاقل جیسا ہوتاہے۔ زیلعی۔(ت)

اب چاہے زوال عقل اپنی اعلٰی درجہ کی حد کو پہنچ جائے،یعنی مثلاً اتنی بات کی بھی خبر نہ رہے کہ چیز بیچتے ہیں تو اپنی ملک سے نکل جاتی ہے خریدتے ہیں تو اپنے پاس آجاتی ہے، خرید وفروخت میں نفع کا ارادہ چاہے۔خواہ اس حد کو نہ پہنچا ہو،اور ان باتوں کی ہنوز گونہ تمیز باقی ہو، مگر وہ امور جو ہم نے اوپر ذکر کئے اس میں پائے جانے ضرور ہوں کہ وہ تو معتوہ کی نفس تفسیر میں واقع ہیں، پھر جب تک اس کیفیت کا ثبوت نہ ہو، ہرگز مسلوب الحواسی شرعاً ثابت نہیں ہوسکتی نہ یہاں شاذونادر کا اعتبار کریں، بلکہ اکثر افعال وحرکات فساد عقل واختلال ہوش کے ہونے چاہئیں۔

وفی ردالمحتار ویؤید ماقلنا قول بعضھم العاقل من یستقیم کلامہ وافعالہ الانادرا[3]۔	ردالمحتار میں ہے ہماری بات کی بعض کے اس قول سے تائید ہوتی ہے کہ عاقل وہ ہے جس کی کلام اور افعال درست ہوتے ہیں ماسوائے نادر موقع کے۔(ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

دیکھو تصریح کرتے ہیں کہ اگر نادرا بعض کلمات وحرکات قانون عقل سے خارج بھی صادر ہوں، تو عاقل ہی کہا جائے گا۔آگے چل کر فرماتے ہیں:

فالذی ینبغی التعویل علیه فی المدهوش ونحوه اناطة الحکم بغلبة الخلل فی اقواله وافعاله الخارجة عن عادته[1] الخ۔	قابل اعتماد بات یہ ہے کہ مدہوش اور اس جیسوں کا حکم اس کے اقوال وافعال میں خلل کا غلبہ اور عادت سے خارج ہونے پر لگے گا۔الخ۔(ت)

ہر عاقل جانتا ہے کہ بعض اوقات کسی خیال کے استغراق یا تکلیف کی شدت یا فرحت کی کثرت یا اور کسی صورت سے وہ بات بیخودی کی اس سے صادر ہو جاتی ہے کہ جب خیال کرتا ہے تو خود ہی اسے تعجب ہوتا ہے، پھر کیا اسے یہ لازم آسکتا ہے کہ اسے مسلوب الحواس ٹھہرادیں، اور اس کے تصرفات کا نفاذ نہ مانیں، اور یہاں طول عہد مرض ایک قرینہ قویہ بھی ہے کہ اس کی پریشانی میں اگر نادرا کسی ایسے فعل کا وقوع ہو جائے تو کچھ جائے تعجب نہیں۔

فی ردالمحتار عن ہشام ابن کلبی قال حفظت مالم یحفظ احد ونسیت مالم ینسه احد حفظت القرآن فی ثلثة ایام واردت ان اقطع من لحیتی مازاد علی القبضة فنسیت فقطعت من اعلاها[2]۔	ردالمحتار میں ہشام بن کلبی سے منقول ہے اس نے کہا میں نے حفظ کیا جو کسی نے نہ کیا اور میں بھولا اس طرح کوئی نہ بھولا میں نے قرآن پاک تین دن میں حفظ کرلیا اور میں قبضہ سے زائد اپنی داڑھی سے کاٹنا چاہتا تھا تو بھول کر میں نے قبضہ کے اوپر سے کاٹ دی۔(ت)

دیکھو ایسا صحیح الضبط قوی الدماغ آدمی جس نے روزانہ دس دس پارہ قرآن مجید کے یاد کرکے تین روز میں کلام اللہ شریف پورا حفظ کرلیا، اس سے ایسی خطاء عظیم واقع ہوئی کہ جس پر وہ خود کہتے ہیں مجھ سے وہ بھول ہوئی جو کسی سے نہ ہوئی، اب کیا اس نادر بات پر ان کی قوت بالکل زائل اور مسلوب الحواسی حاصل پائی جائے گی، بالجملہ جب تک غالب افعال واقوال ایسے ہی نہ ثابت کئے جائیں۔ہرگز بکار آمد نہیں کہ فقہائے کرام عدم اعتبار نادر کی تصریح فرماچکے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے دو نکاح کئے، دونوں کا مہر

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

اسی پر واجب ہے اور اپنی کل جائداد کو بطور ہبہ یا دین مہر ایک زوجہ کے نام یا کسی غیر کو ہبہ دینا چاہتا ہے تاکہ دوسری زوجہ محروم رہ جائے، اس صورت میں یہ زوجہ قاضی ومفتی کے یہاں استغاثہ کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور زوج کو ان امور سے روک سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

اگرچہ ایک زوجہ کی محرومی چاہنا خلاف عدل اور دیانۃً بُرا ہے۔ مگر جبکہ جائداد اس عورت کے مہر میں مرہون نہیں، تو یہ اسے کسی طرح کے تصرفات وانتقال سے نہیں روک سکتی چاہے وہ دوسری زوجہ کے مہر میں دے دے، خواہ اسے کسی راہ چلتے کو ہبہ کردے، یا جو چاہے کرے۔

فان امامنا الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ لایقول بالحجر بالدین اصلا، وصاحباہ وان قالا بہ فبعد قضاء القاضی بالحجر فحیث لاقضاء لاحجر اجماعا۔ قال فی الھندیۃ من باب الحجر للفساد لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الابقضاء القاضی [1] اھ وقال فی الحجر بسبب الدین عند ابی حنیفۃ لایحجر علیہ ولایعمل حجرہ حتی تصح منہ ھذہ التصرفات کذا فی المحیط [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ قرض کی بناء پر کسی کو مجور ہر گز نہ کرتے، اور آپ کے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی اگرچہ تصرفات سے منع (حجر) کا قول کرتے ہیں لیکن قاضی کے اس فیصلہ کے بعد تو جہاں قاضی کا فیصلہ نہ ہو وہاں وہ حجر کا حکم نہیں کرتے، ہندیہ نے "باب الحجر للفساد" میں کہا کہ صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک بلاخلاف قضاء قاضی سے ہی قرض کی وجہ سے حجر نافذ ہوتا ہے اھ اور "الحجر بسبب الدین" کے باب میں فرمایا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس پر حجر کا حکم نہ کیا جائے گا۔ اور نہ حجر مؤثر ہوگا حتی کہ اس کے یہ تصرفات صحیح قرار پائیں گے محیط میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۶: ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ احمد حسن نے انتقال کیا، ایک لڑکا وزارت حسن نابالغ اور ایک زوجہ اور ایک دختر اور ایک برادر خالہ زاد اور ایک حقیقی ماموں زاد بھائی چھوڑا تو

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

اس صورت میں شرعاً لڑکے نابالغ اور نیز جائداد غیر منقولہ کا کون ولی مقرر ہوسکتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کوئی عصبہ نہیں تو صرف ولایت نکاح ماں کو ہے۔ نابالغ پر ولایت مال اور جائداد پر اختیار، ماں بہن خواہ ان رشتہ کے چچاؤں کسی کو نہیں۔ جب تک مورث نے ان میں کسی کو وصی نہ کیا ہو کہ باپ کے بعد ولایت مال اس کے وصی کو ہے۔ یعنی جسے اس نے وصیت کی ہو کہ تو میرے بعد میری جائداد یا اولاد کی غور پرداخت کرنا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو دادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، وہ نہ ہو تو اس کے وصی کا وصی، وہ نہ ہو تو پردادا، وہ نہ ہو تو اس کا وصی، پھر وصی الوصی، وعلی ہذا القیاس، پھر ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام یا اس کا وصی، ان کے سوا کوئی ولی مال نہیں۔

فی الدر المختار ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم جدہ الصحیح وان علا، ثم وصیہ ثم وصی وصیہ، ثم القاضی او وصیہ ایھما تصرف صح دون الام او وصیھا، ہذا فی المال بخلاف النکاح [1] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے۔ اس کا ولی ترتیب وار، باپ پھر وصی پھر وصی کا وصی، پھر حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی پھر اسکے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی دونوں میں کوئی بھی تصرف کرے، صحیح ہوگا، ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہیں، یہ مال کے معاملہ میں ہے بخلاف نکاح کے اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: (نوٹ) اصل میں سوال نہیں ہے، لیکن جواب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کسی فاتر العقل کے تصرفات نکاح وعقد بیع سے متعلق تھا جس کو بعد میں ایسے ولی نے جائز کردیا تھا، جو باپ اور دادا کے علاوہ تھا۔ (عبدالمنان)

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ مدار صحت ونفاذ تصرفات وترتیب احکام میں تو یہ عقل ہے، یہ جو محض بے عقل ہے اس کے تصرفات راسا باطل، کہ اجازت اولیاء کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے، اور جو نفع وضرر میں قدرے تمیز حاصل، اور عقل سے کچھ بہرہ ہے، مثلاً بیع وشراء کو سالب وجالب ملک اور غبن قلیل وکثیر میں تفرقہ اور مقصود تجارت حصول منفعت جانتا ہے یا مسلوب الحواسی

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

اس کی دائمی نہیں، نہ ہوش میں آنے کا وقت معین، گاہے عقل سے بیگانہ گاہے بالکل ہوشیار وفرزانہ، تو اس صورت میں امثال نکاح وبیع وشراء وغیرہا تصرف اس کے نفع وضرر دونوں کو محتمل، اس ولی کی اجازت پر موقوف رہیں گے، جسے ان تصرفات کا اس کے نفس ومال میں خود اختیار حاصل ہو، اگر ولی نہیں یا ولی کو ایسے تصرفات کی خود پروانگی نہیں، یا ہے مگر وہ جائز نہ رکھے، تو یہ باطل ہوجائیں گے۔

وفی حاشیة الدرالمختار للعلامة احمد الطحطاوی رحمة اللہ تعالٰی علیه، واما ذاہب العقل اصلا فان تصرفه لاتلحقه الاجازة[1] اھ وفی الدر (ومن عقد) عقدا یدور بین نفع وضرر کماسیجیئ فی الماذون (منھم) من ھؤلاء المحجورین (ویعقله) یعرف ان البیع سالب للملك والشراء جالب (اجاز ولیه او رد) وان لم یعقله فباطل نہایة[2] اھ فی الطحطاویة قوله یعرف ان البیع سالب الخ ویعرف الغبن الیسیر من الفاحش، ویقصد تحصیل الربح والزیادة اھ زیلعی، قوله اجاز ولیه جعل فی الدرایه الولی شاملا للعصبات وخصه ابن فرشته فی شرح المجمع بالقاضی ومن	علامہ سید احمد طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حاشیہ درمختار میں ہے لیکن وہ جس کی عقل بالکل زائل ہوگئی ہو تو اس کے کسی تصرف کو اجازت نہیں مل سکتی اھ اور درمختار میں ہے ان مجور لوگوں میں سے اگر کوئی ایسا تصرف جسمیں اس کے لئے نفع ونقصان کے دونوں پہلو ہوں جیسا کہ عنقریب ان میں سے ماذون حضرات کے لئے بیان ہوگا وہ عقد بیع میں یہ جانتا ہے کہ اس سے اس کی ملکیت ختم ہوجاتی ہے اور شراء میں ملکیت حاصل ہوتی ہے ایسے میں اس کے ولی کو اختیار ہے کہ عقد کو جائز کرے یا رد کردے، اور اگر وہ یہ نہیں سمجھتا تو عقد باطل ہوگا اھ۔ اور طحطاوی میں ہے کہ ماتن کا قول کہ بیع سے ملکیت کا زوال ہونا جانتا ہے الخ۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ تھوڑا غبن اور زیادہ کیا ہوتا ہے۔ اور نفع اور مال کو زائد بنانے کا ارادہ بھی رکھتا ہو اھ زیلعی، ماتن کا قول کہ "ولی اجازت دے" درایہ میں ولی میں عصبات بھی شامل کئے ہیں اور ابن فرشتہ نے مجمع کی شرح میں صرف قاضی کو ولی قرار دیا

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحجر دارالمعرفة بیروت ۴/ ۸۲

[2] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

له ولاية التجارة فی مال الصغیر کالاب والجد الوصی، فلایجوز باذن الاخ والعم والام واجاب المقدسی یحمل هذا التعمیم علی مال الولی فعله کالنکاح فتصح اجازته من الاخ والعم حموی[1] اھ۔	اور ساتھ ہی اس کو جو نابالغ کے مال میں تجارت کا ولی بنتا ہے جیسے باپ، دادا، اور وصی، تو بھائی، چچا اور ماں کی اجازت صحیح نہ ہوگی، اور مقدسی نے اس کے جواب میں ولایت کو عام کرکے ولی کے اختیاری فعل مثلاً نکاح کو شامل کیا تو بھائی اور چچا کی اجازت صحیح ہوگی۔ حموی اھ (ت)

ہاں اگر اس کے افاقہ کا کوئی وقت معین ہو کہ اس وقت خاص بالکل ہوش میں آجانے کا عادی ہے، تو اس حالت افاقہ میں جو تصرف اس سے صادر ہوگا وہ اس میں مثل سائر عقلاء کے ہے کما ذکرہ الزیلعی وفسرہ الشلبی نقله الطحطاوی (جیسا کہ زیلعی نے اسے ذکر کیا اور شلبی نے تفصیل کے ساتھ اسے بیان کیا طحطاوی نے اسے نقل کیا۔ت) لیکن یہ صورت یہاں معدوم، کہ سائل کہتا ہے مسلوب الحواسی اس کی دائمی تھی جس سے کبھی افاقہ نہ ہوتا۔ اور اس کے اظہار سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ مہر جو زن مذکورہ کا باندھا گیا اس کے مہر مثل سے کہیں زائد ہے پس صورت مستفسرہ میں یہ نکاح وبیع بہر تقدیر راسا باطل محض ہیں جن کی صحت ونفاذ کی کوئی سبیل نہیں، خواہ زید بالکل ذاہب العقل ہو اور کسی طرح کی تمیز نہ رکھتا ہو، جیسا کہ تقریر سوال سے بھی ظاہر ہوتا ہے یا مجوروں کی دوسری قسم میں داخل ہو جن کے تصرفات کذائیہ اجازت اولیاء پر موقوف رہتے ہیں۔ تقدیر اول پر بطلان نہایت واضح کہ لایعقل محض کے تصرفات کو اجازت اولیاء بھی کام نہیں آتی، کما ذکرنا، اور دوسری شق پر جب تقرر مہر میں غبن فاحش ہو، اور مہر مثل سے بہت زیادہ بندھا تو ایسا نکاح خود اب وجد کے سوا اور اولیاء کے ہاتھ کا کیا ہوا اصلاً صحیح نہیں ہوتا۔ پھر انھیں اجازت کا کیا اختیار ہوگا اور قاعدہ مقررہ فقہیہ ہے کہ:

کل تصرف صدر وماله مجیز حالة العقد لاینعقد اصلا۔	ایسا تصرف جس کے انعقاد کے وقت اس کو جائز کرنے والا نہ ہو تو وہ عقد منعقد نہ ہوگا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وان کان المزوج غیرهما ای	اگر نکاح کرکے دینے والا باپ اور دادا کا غیر

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحجر دار المعرفة بیروت ۴/ ۸۲

غیر الاب وابیہ ولو الام اوالقاضی لایصح النکاح من غیر کفوءٍ اوبغبن فاحش اصلا [1] اھ ملخصا۔	خواہ ماں یا قاضی ہو تو غیر کفو میں نکاح صحیح نہ ہوگا، یا بہت زیادہ گراں مہر پر ہو تو بھی اصلا جائز نہ ہوگا اھ ملخصا۔ (ت)

اسی طرح بیع کہ جب قیمت میں کمی فاحش ہوگی، اجازت ولی سے بھی اصلاح ناممکن، تو یہ وہی تصرف ہوا جس کا حال صدور کوئی مجیز نہیں، اور ایسا تصرف باطل ہوتا ہے۔

فی ردالمحتار علی الدرالمختار للعلامۃ السید ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ **قولہ** اجازو لیہ ای ان لم یکن فیہ غبن فاحش فان کان لایصح وان اجازہ الولی بخلاف الیسیر جوہرۃ [2]۔ عــــہ	درمختار کے حاشیہ ردالمحتار علامہ ابن عابدین میں ہے، ماتن کا قول کہ "ولی جائز کردے" یعنی جب غبن فاحش مہر میں نہ ہو اور غبن فاحش ہو تو ولی کے جائز کرنے پر بھی جائز نہ ہوگا بخلاف غبن یسیر کے۔ جوہرہ (ت)

مسئلہ ۲۳۸: از گلشن آباد عرف جاورہ ملک مالوہ محلّہ نظر باغ متصل مکان عالمگیر خان مرسلہ سید ذوالفقار احمد صاحب ۲۳ شوال ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی، اس کا ایک لڑکا نوسال کا اور ایک زوج، اور ایک پدر، اور دو برادر وارث رہے، عرصہ ہوا کہ مسماۃ ہندہ کا پدر فوت ہوگیا، اب ان وارثوں میں پسر کے رکھنے اور تعلیم کرانے کا اس وقت کون مستحق ہے۔ اور جو ترکہ ہندہ کا زیور وغیرہ رہا ہے اس میں تصرف کا واسطے تربیت پسر متوفیہ کے کون مستحق ہے، اور کس کے پاس رہے گا بینوا توجروا

مرشد دین، ہادی راہ متین جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب دام فیضکم، بعد تسلیم بصد تعظیم و

عــــہ: لیس فی ھذا لجواب علامۃ الاختتام وظنی انہ کامل۔ (عبدالمنان الاعظمی)	اس جواب کے اختتام پر علامت نہیں ہے تاہم میرے گمان میں یہ تام ہے۔ (ت) (عبدالمنان الاعظمی)

[1] درمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۱

تکریم عرض پرداز خدمت سامی ہے۔ استفتاء ارسال خدمت سامی ہے۔ یہاں کے بعض علماء ایسا فرماتے ہیں کہ زوج ہندہ کل ترکہ ہندہ کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ اس میں تصرف واسطے تعلیم وتربیت پسر کرسکتا ہے۔ صرف اپنے حصہ چہارم وحصہ پسر ہندہ میں اس کو حق تصرف کا ہے۔ ترکہ ہندہ سے چہارم اس کے پدر متوفی کا ہے وچہارم ہندہ کے برادران کو ملنا چاہئے، اندریں باب جیسا حکم شرع ہو اس سے نیاز مند کو آگاہی بخشیں۔ فقط۔

الجواب:

لڑکا جبکہ سات سال سے زیادہ عمر کا ہے اپنے باپ کے پاس رہے گا، اور متروکہ ہندہ سے جو حصہ پسر کو ملا یعنی بارہ ۱۲ سہام سے سات سہم، اس میں تصرف شرعی کا اختیار بھی پسر کے باپ ہی کو ہوگا۔ ماموؤں کو کوئی تعلق نہیں، جس طرح چھٹا حصہ کہ ترکہ ہندہ سے پدر ہندہ کو پہنچا وہ وارثان پدر ہندہ کا ہے۔ اس سے شوہر کو کچھ علاقہ نہیں۔

فی الشامیة عن الفتح یجبر الاب علی اخذ الولد بعد استغنائه عن الام، لان نفقته وصیانته علیه بالاجماع اھ[1]، وفی الدر المختار ولیه ابوہ ثم وصیه ثم جدہ ثم وصیه، ثم القاضی اووصیه، دون الام او وصیها، ھذا فی المال[2] اھ مختصرا۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی شامی میں فتح سے ہے جب بچہ ماں کی پرورش سے مستغنی ہوجائے تو باپ کو بیٹا واپس لینے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ بچے کا خرچہ اور تربیت والد کے ذمہ بالاجماع ہے اھ، اور درمختار میں ہے بچے کا ولی اس کا باپ پھر اس کا وصی، پھر دادا پھر اس کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی ہے۔ ماں یا اس کا وصی ولی نہیں ہے۔ یہ ترتیب مالی ولایت میں ہے اھ مختصرا۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از لشکر گوالیار نیا بازار مکان حکیم شریف حسین خان مرسلہ علی حسین خاں ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

تسلیمات نیاز مندی معروض خدمت، عرض حال یہ ہے کہ یہاں کچہری صاحب جج یک مقدمہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الحضانة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۴۰

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

سرپرستی دائر ہے اس کی کیفیت خلاصہ تحریر کرتاہوں: میرے دادا حکیم ولایت علی خاں مرحوم نے تین شادیاں کریں، اول زوجہ سے دوپسر اورایک دختر تولد ہوئے، اول بی بی کی اولاد سے جو کہ دو پسر تھے ان میں سے ایک پسر کلاں لاولد فوت ہوا۔ دوسرا پسر خورد بعارضہ جسمانی ہاتھ پاؤں سے معذور ہنوز بحیات موجود ہے۔ دوسری بی بی کی اولاد سے والد حکیم شریف حسین خاں مرحوم، تیسری بی بی کی اولاد سے ایک پسر مفلوج الاعضا مخبوط الحواس ہنوز موجود ہے۔ دادا صاحب نے قبل از وفات ایک درخواست عرضی بایں مضمون سرکار میں پیش کی کہ بعد وفات میری تنخواہ سالانہ ۳۴۰ وجاگیر جو سرکار سے مقرر ہے بجائے اس میرے نام شریف حسین خاں معہ تنخواہ وجاگیر کے مقرر فرمایا جائے، بعدازچندے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا، ایک عرصہ بعد ۲۷ نومبر ۱۸۹۴ء کو تقرری اسم والد سرکار مقرر فرمایا گیا۔ بعد تقرری اس میں والدم تنخواہ خود سے بطور پرورش برادر خورد مفلوج مخبوط الحواس کو عہ عہ ۱۲ روپے ماہوار، اور والدہ مخبوط الحواس کو عہ ۱۲ جملہ عہ ۳۲ روپیہ ماہوار تادم مرگ دئے گئے، اور مکان سکونتی دادا صاحب میں مقیم رکھا، اثنائے حال میں والدم حکیم شریف حسین خاں کا بتاریخ ۱۳ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ماہ جون تاریخ ۱۵ ۱۸۹۷ء کو انتقال ہوگیا، اور ۱۷ جون ۱۸۹۷ء کو والدہ مخبوط الحواس بھی بعارضہ ہیضہ علیل ہوئیں۔ اس وقت مکان سکونتی سے والدہ مخبوط الحواس یعنی میری دادی صاحبہ کو دونوں برادر حقیقی مولوی عبدالغفار و عبدالستار آکر اپنے مکان پرلے گئے، ۲۲ جون ۱۸۹۷ء کو بخانہ برادران مذکور میری دادی صاحبہ فوت ہوگئیں، بعد فوت ہوجانے میری دادی صاحبہ کے ہر دو برداران دادی صاحبہ نے مکان سکونتی ودکانات پر آکر میرے قفل لگائے ہوئے توڑ کر اپنے قفل ازراہ مداخلت بیجا کے لگادئے، جب میں نے فوجداری میں استغاثہ کیا تو مولوی عبدالغفار ملزمان نے اپنی سرپرستی بہ نسبت اس مخبوط الحواس یعنی ہمشیرہ زادہ خود ظاہر کیا چنانچہ یہ مقدمہ درجہ بدرجہ کچہری صاحب جج تک پہنچ گیا ہے صاحب جج نے فتوی شرع شریف بہ نسبت سرپرستی ملزمان مذکور طلب کیا ہے۔ لہٰذا خدمت عالی میں عرض کرکے طلبگار فتوی کا ہوں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حق پرستی مخبوط الحواس کی میری جائداد یا بمقابلہ میرے ہر دو ماموں مخبوط الحواس کی سرپرستی درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مخبوط ناعاقل یا صغیر نابالغ کی سرپرستی دو امر میں ہے، ایک نکاح، دوسرے مال، اس مخبوط کی ولایت نکاح تو اس کے بھائی کو ہے جو حکیم ولایت علی خاں کی زوجہ اولی سے ہے اور

اس کا ہاتھ پاؤں سے معذور ہونا مانع ولایت نہیں بشرطیکہ عاقل بالغ ہو۔ ورنہ سائل کہ اس مخبوط کا بھتیجا ہے اس کا ولی ہے اس کے ہوتے ماموں کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

الولی فی النکاح العصبة بنفسه علی ترتیب الارث و الحجب بشرط حریة وتکلیف، فان لم یکن عصبة فالو لایة للام، ثم الاخت، ثم ولد الام، ثم ذوی الارحام العمات، ثم الاخوال[1] الخ، باختصار۔	نکاح میں ولی، عصبہ بنفسہ وراثت اور وراثت سے مانع بننے (حجب) کی ترتیب پر بشرطیکہ وہ آزاد اور مکلّف ہوں اور اگر عصبات نہ ہوں تو ماں کو ولایت ہوگی پھر بہن پھر ماں کی اولاد پھر ذوالارحام پھر پھوپھیوں کو، پھر ماموں کو الخ، باختصار۔ (ت)

اور ولایت مال صرف اس شخص کو ہے جسے حکیم ولایت علی خاں اپنے بعد اپنی اولاد و جائداد کی غور پر داخت سپرد کر گئے اپنا وصی بنا گئے ہوں وہ نہ رہا ہو تو وہ شخص جسے وصی مذکور اسی طرح اپنا وصی کر گیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے مخبوط کے دادا نے اپنا وصی کیا ہو۔ وہ بھی نہ ہو تو وہ جسے دادا کا وصی اپنا وصی کر گیا۔ ان کے سوا کسی کو اس مخبوط کی ولایت مال نہیں پہنچتی، درمختار میں ہے:

ولیه ابوہ ثم وصیه بعد موته، ثم وصی وصیه، ثم بعدهم جدہ الصحیح، وان علا ثم وصیه، ثم وصی وصیه، ثم القاضی اووصیه هذا فی المال بخلاف النکاح، کمامر فی بابه[2]۔ واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس کا ولی باپ، اس کی موت کے بعد اس کا وصی، پھر وصی کا وصی، پھر ان کے بعد حقیقی دادا اوپر تک، پھر اس کا وصی، پھر اس کے وصی کا وصی، پھر قاضی یا اس کا وصی، یہ مالی ولایت ہے اور نکاح کی ولایت اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ نکاح کے باب میں گزرا، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ قاضی محمد عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغوں کے لئے حد بلوغ کیا ہے؟ مرد ہوں یا عورت۔

---

[1] درمختار کتاب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

الجواب: لڑکا بارہ سال اور لڑکی نو برس سے کم عمر تک ہرگز بالغ و بالغہ نہ ہوں گے۔اور لڑکا لڑکی دونوں پندرہ برس کامل کی عمر میں ضرور شرعاً بالغ و بالغہ ہیں، اگرچہ آثار بلوغ کچھ ظاہر نہ ہوں، ان عمروں کے اندر اگر آثار پائے جائیں، یعنی خواہ لڑکے خواہ لڑکی عہ۱ سوتے خواہ جاگتے میں انزال ہو یا لڑکی کو حیض آئے یا جماع سے لڑکا حاملہ کردے یا لڑکی کو حمل رہ جائے تو یقیناً بالغ و بالغہ ہیں، اور اگر آثار نہ ہوں مگر وہ خود کہیں کہ ہم بالغ و بالغہ ہیں، اور ظاہر حال ان کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو تو بھی بالغ و بالغہ سمجھے جائیں گے اور تمام احکام بلوغ کے نفاذ پائیں گے، اور اگر داڑھی عہ۲ مونچھ نکلنا یا لڑکی کے پستان میں ابھار پیدا ہونا کچھ معتبر نہیں۔ درمختار میں ہے:

بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریۃ بالاحتلام والحیض والحبل۔ فان لم یوجد فیھما حتی یتم لکل منھما خمس عشرۃ سنۃ بہ یفتی وادنی مدتہ لہ اثنتا عشرۃ سنۃ۔ ولھا تسع سنین[1]۔	لڑکے کے بلوغ احتلام یا بیوی کو حاملہ کرنا یا انزال سے معلوم ہوگا اور لڑکی کا بلوغ حاملہ ہونے حیض اور احتلام سے ظاہر ہوگا۔ اگر دونوں میں کوئی علامت ظاہر نہ ہو تو مفتی بہ قول کے مطابق دونوں کی عمر پندرہ سال ہو جانے پر، اور کم از کم مدت بلوغ لڑکے میں بارہ سال اور لڑکی کی نو سال عمر ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

فان راھقا فقالا بلغنا صدقا، ان لم یکذبھما الظاھر، فیشترط لصحۃ اقرارہ ان یکون یحتلم مثلہ والا لا یقبل قولہ شرح وھبانیۃ، وھما حینئذ کبالغ حکما فلا یقبل جحودہ البلوغ بعد اقرارہ مع احتمال	دونوں مراہق تھے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم بالغ ہیں تو تسلیم کیا جائے گا کہ بشرطیکہ ان کا ظاہر حال ان کو جھوٹا نہ بنائے تو اس کے اقرار کی صحت کے لئے اس جیسوں کا بالغ ہونا ممکن ہو ورنہ اس کی بات قبول نہ ہوگی وہبانیہ، تو اقرار کے بعد وہ بالغ کے حکم میں ہوں گے لہٰذا اب ان کا انکار قابل قبول نہ ہوگا۔

عہ۱: لفظ لڑکی کے بعد "کو" ہونا چاہئے۔ عہ۲: یہاں "اگر" زلہ قلم ناسخ سے ہے۔ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

حالہ[1] اھ باختصار۔	بشرطیکہ حال موافق ہو اھ مختصراً۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

ولایحکم بالبلوغ ان ادعی وھو مادون اثنتا عشرۃ سنۃ فی الغلام وتسع سنین فی الجاریۃ کذا فی المعدن[2]۔	بلوغ کا حکم لڑکے میں بارہ سال سے کم اور لڑکی میں نوسال سے کم پر دیا جائے۔ معدن میں ایسے ہی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لااعتبار لنبات العانۃ ولااللحی، واما نھود الثدی ففی الحموی انہ لایحکم بہ فی ظاہر الروایۃ، وکذا ثقل الصوت کما فی شرح النظم الھاملی، ابوالسعود، وکذ اشعر الساق والابط والشارب[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زیر ناف بالوں اور داڑھی کا اعتبار نہیں ہے۔اور لڑکی کے پستانوں کا ابھرنا، توحموی میں کہا ظاہر روایت میں بلوغ کا حکم نہ ہوگا، اور یوں ہی آواز بھاری ہونا بھی معتبر نہیں، جیسا کہ ہاملی کی نظم کی شرح میں ہے، ابوالسعود، اور یونہی پنڈلی، بغل او رمونچھوں کے بال بھی معتبر نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۱: ۲۶ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید مجنون ہوگیا، اور اس کے ورثاء میں اس کی ایک بیوی (ہندہ) اور اس کے چند لڑکی لڑکا اور اس کا ایک برادر حقیقی خورد عمرو موجود ہے۔ زید نے بزمانہ صحت وثبات عقل اپنے مکان مسکونہ کے علاوہ اپنی مملوکہ ایک دوسرے مکان میں عمرو کو بودوباش کی اجازت دے دی تھی، چنانچہ عمرو تخمینا دس سال سے مکان مذکور میں سکونت پذیر ہے، عمرو کا چونکہ اب یہ ارادہ ظاہر ہوا کہ ڈیڑھ دوسال کے بعد بارہ سال گزرنے پر وہ زید کے مکان پر حق موروثیت قائم کرے گا۔ اس واسطے ہندہ عمرو سے کہتی ہے کہ اگر میری تم کفالت نہ کرو۔ اور مکان کا کرایہ بھی مطلق نہ دو، تو زید کے مکان کا کرایہ نامہ ہی لکھ دو، مگر عمرو اس سے قطعاً انکار کرتا ہے۔ شرعا اس میں کیا حکم ہے۔ آیا ہندہ کا عمرو سے کرایہ نامہ مکان کے تحریر کردینے کے واسطے کہنا شرعاً بجا

---

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحجر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الحجر فصل فی ببلوغ الغلام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۷

ہے یا نہیں؟ اور عمرو کا کرایہ نامہ لکھنے سے انکار کرنا شرعاروا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ہندہ مذکور کی ایک لڑکی قریب بلوغ ہے اور ہندہ اس کا عقد کرکے اپنا وارث بنانا چاہتی ہے مگر عمرو مذکور اس امر سے سخت مانع ہے تاکہ ہندہ اپنا کسی کو وراث بنا کر مملوکہ مکان سے بے دخل نہ کرادے، لہٰذا شرعاایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور ہندہ کو شرعاکیا کرنا چاہئے؟ **بینوا بالدلیل وتوجروا الجزیل۔**

الجواب:

جبکہ زید اس دوسرے مکان کا بھی مالک تھا اور اس نے عمرو کو احساناً سکونت کے لئے دیا تھا تو زید کے مجنون ہوتے ہی وہ عاریت جاتی رہی، اور عمرو کو کوئی اختیار اس میں مفت سکونت کا نہ رہا **لان المجنون لاتصرف لہ ولاعلیہ لاحد ولایۃ التبرع من مالہ** (کیونکہ مجنون کا کوئی تصرف معتبر نہیں اور اس کے مال کو تبرع میں دینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ت) عمرو پر لازم ہے کہ وہ مکان کو خالی کردے ورنہ کرایہ نامہ باضابطہ لکھ کر معقول کرایہ جو ایسے مکان کے لئے ہوتا ہے ادا کرے۔ ورنہ سخت گنہ گار ہوگا۔ خالی کرایہ نامہ لکھ دینا کافی نہ ہوگا۔ لڑکی کا عقد کسی کفو سے خود کردے، اور وہ نہ مانے تو اس کی ماں کہیں معقول جگہ کردے، ولی اگرچہ عمرو ہے۔ مگر جب وہ بدنیتی سے انکار کرے تو ماں باختیار خود اس کا نکاح کرسکتی ہے۔ حسب بیان سائل او رکوئی لڑکی کا ولی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۲: از پیلی بھیت سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے منجملہ چند ورثاء کے صرف ایک وراث کے نام جائداد بذریعہ بیعنامہ جس کا زرثمن مشتری نے ادا نہیں کیا لکھ دی، اس کے چوتھے روز یعنی تحریر بیعنامہ سے بائع فوت ہوگیا بائع کے مرض کی طرف سے غالب گمان اس کے فوت ہونے کا تھا، اور بہت ضعیف گمان اس کے صحت یاب ہونے کا تھا۔ اب اس صورت میں یہ تحریر مرض الموت میں تصور کی جاسکتی ہے۔ اور مرض الموت کتنی مدت تک مانا جاسکتا ہے؟

الجواب:

ہاں یہ تحریر مرض الموت میں ہوئی جب تک مرض سے خوف ہلاک غالب ہو مرض الموت ہے۔ جب مرض مزمن ہوجائے خوف ہلاک غالب نہ رہے اس وقت وہ مرض الموت نہیں رہتا۔ جب تک اس میں نئی ترقی ہو کر پھر خوف ہلاک کا غلبہ نہ ہو جائے۔ درمختار میں ہے:

المختار انہ ماکان الغالب منہ	مختار قول یہ ہے کہ اتنی مدت جس میں موت

الموت وان لم یکن صاحب فراش [1]۔	عادتاً واقع ہوتی ہے اگر وہ صاحب فراش نہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں نورالعین سے اس میں محیط سے ہے:

ذکر محمد فی الاصل مسائل تدل علی ان الشرط خوف الھلاك غالبا لا کونه صاحب فراش [2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مبسوط میں فرمایا بہت سے مسائل اس پر دال ہیں کہ غالب طور پر موت واقع ہوسکتی ہو۔ صاحب فراش ہونا شرط نہیں۔ (ت)

اسی میں زیلعی سے ہے:

لانه فی ابتدائه یخاف منه الموت۔ ولھذا یتداوی فیکون مرض الموت، وان صار صاحب فراش بعد التطاول فھو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاته من الثلث [3]۔	کیونکہ اس کے ابتداء میں ہی موت کا خطرہ ہوتا ہے اس کا علاج بھی ہو تو اس کو مرض موت کہا جائے گا اور لمبی مدت کے بعد وہ صاحب فراش بنے تو نیا مریض قرار پائے گا حتی کہ صاحب فراش ہونے سے قبل کے تصرفات ثلث میں معتبر ہوں گے (ت)

اور مرض الموت میں ایک وارث کے ہاتھ بیع اگرچہ مناسب قیمت کو بھی ہو بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے ہاں اگر وہ جائز کردیں تو جائز ہوجائے گی، درمختار میں ہے:

وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی [4]۔	مریض کا اپنے وارث کو مال فروخت کرنا دوسرے ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فان مات منه ولم تجز الورثة بطل، فتح [5]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس مرض میں فوت ہوگیا اور باقی ورثاء نے جائز نہ کیا ہو تو بیع باطل ہوجائے گی، فتح واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[4] درمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲

[5] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۹

مسئلہ ۲۴۳: مستفسرہ مولوی عبداللہ صاحب طالب علم بہاری بروز چہار شنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے اور زید کے لڑکے دونوں نے مل کر ایک بقال سے اپنے مکان ذاتی پر روپیہ قرض لیا، بعد چند عرصہ کے اس بقال نے کہ جس کا قرض ہے نالش عدالت میں دائر کردی، اب وہ نیلام ہونے لگا۔ اور اس بقال کی ڈگری ہوگئی، تو زید کے پوتے حقیقی نے کہ جو زید اور زید کے لڑکے سے ہمیشہ علیحدہ رہتا تھا، اپنی بذات خاص سے وہ روپیہ قرضدار کا ادا کردیا، اور نیلام اپنے نام سے چھڑالیا، اس وقت میں جب یہ قرض ادا کیا گیا تھا اور نیلام چھڑایا گیا تو زید زندہ تھا اور زید کا لڑکا بھی زندہ تھا، اب زید فوت ہوگیا اور زید کا لڑکا حیات ہے مگر مثل پیشتر کے اب بھی اپنے باپ سے علیحدہ ہے۔ اب اس وقت میں زید کا لڑکا یعنی اس نیلام چھڑانے والے کا باپ اپنے اس لڑکے کو اس مکان سے نکالتا ہے کہ جس نے قرض ادا کیا تھا اور نیلام چھڑایا تھا اور بوجہ نیلام چھڑانے کے وہ مکان زید کے پوتے کے نام ہے۔ زید کے پوتے کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور زید کے لڑکے نے اپنی دوسری شادی کرلی، زید کے پوتے کو اس والدہ دوسری سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا زید کا پوتا اپنا روپیہ جو نیلام میں دیا ہے پاسکتا ہے یا اس مکان کو پاسکتا ہے؟ مطابق شرع شریف کے جواب تحریر فرمایا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر زر ڈگری کم تھا اور نیلام زیادہ کو ہوا، اور قرض دے کر باقی روپیہ مالکان مکان کو دیا گیا، اگرچہ ایک ہی روپیہ یا اس سے بھی کم ہو اور مالکان نے وہ بقیہ لے لیا، تو زید کا پوتا اس مکان کا مالک ہوگیا، زید کا بیٹا اسے نہیں نکال سکتا، اور اگر مالکان مکان نے زر نیلام کچھ نہ پایا تو شریعت میں زید کا پوتا اس مکان کا مالک نہ ہوا۔ نہ وہ شرعاً مکان کا مستحق ہے۔ نہ پسر زید سے زر نیلام کا دعوی کرسکتا ہے مکان پسر زید و وارثان زید کا ہے۔ زید کا پوتا اپنے روپے کا مطالبہ عندالشرع اس بنئے سے کرسکتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں اس سے نہیں لے سکتا، لہٰذا صبر کرے اس نے خود اپنا مال ضائع کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴تا۲۵۱: مسئولہ عبدالوحید محلّہ سسرارا باغ الہ آباد بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

(۱) شریعت میں مجنون کی کیا تعریف ہے؟

(۲) مجنون کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۳) مجنون کا حق شرعی جو اس کے مورث کے مال سے اس کو پہنچا ہو مجنون کی حالت جنون میں اس کے

حصہ کی ولایت کا حق کن لوگوں کو حاصل ہے؟

(۴) شرعاً مجنون وصبی ایک حکم میں ہیں یا علیحدہ علیحدہ؟

(۵) مجنون کی حالت جنون میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

(۶) ہندہ کے ورثاء زید سے ایسی حالت میں کہ زید مجنون ہے ڈر کر لفظ طلاق کہلوائیں تو طلاق واقع ہوجائیگی یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کا کوئی ولی اس موقع پر موجود نہ ہو۔

(۷) مسلوب العقل ہونے کی حیثیت سے صبی اور مجنون کا ایک حکم ہے یا علیحدہ؟

(۸) صبی کی طلاق حالت صبا میں واقع ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب الملفوظ

(۱) جس کی عقل زائل ہوگئی ہو بلاوجہ لوگوں کو مارے، گالیاں دے، شریعت نے اس میں کوئی اپنی اصطلاح جدید مقرر نہیں فرمائی، وہی ہے جسے فارسی میں دیوانہ، اردو میں پاگل کہتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مجنون کی ولایت عصبہ کو ہے۔ سب میں مقدم اس کا بیٹا عاقل بالغ، وہ نہ ہو تو باپ، پھر دادا، پھر بھائی، پھر بھتیجا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا الی آخر العصبات، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) ولایت مال صرف سات کو ہے۔ بیٹا، پھر اس کا وصی، پھر باپ، پھر اس کا وصی، پھر دادا، پھر اس کا وصی، یا ان وصیوں کا وصی علی الترتیب، اور ان میں کوئی نہ ہو تو حاکم اسلام، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) شرعاً مجنون وصبی غیر عاقل ایک حکم میں ہیں، اور صبی عاقل کا حکم اس سے جدا ہے۔ وہ خرید وفروخت باجازت ولی کرسکتا ہے اور مجنون نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) مجنون کی طلاق نہیں واقع ہوسکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۶) ڈرائیں یا نہیں۔ ولی موجود ہو یا نہیں۔ مجنون کے دئے طلاق نہیں ہوسکتی جبکہ اس کا جنون ثابت ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۷) اس کا جواب گزرا کہ صبی لایعقل اور مجنون کا ایک حکم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۸) نہیں واقع ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۲: ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ بنام بکر

تصدیق کرادیا، نقل شامل سوال ہے۔ مگر زر ثمن کالین دین نہیں ہوا صرف اقرار ہوا ہے۔ مگر اس کے بعد ایک دعوی تنسیخ دستاویز مذکور کا زید نے کچہری میں کیا، دعوی اور جواب دعوی بھی شامل سوال ہے۔ تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا جبکہ حواس صحیح نہ ہوں اس کی بیع مذکور بغبن فاحش ہے۔ اور اس کو ایسی بیع کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

جو شخص کم سمجھ ہو، تدبیر ٹھیک نہ ہو، کبھی عاقلوں کی سی باتیں کرے، کبھی مدہوش کی سی، اگر جنون کی حد تک نہ پہنچا ہو، لوگوں کو بے سبب مارتا گالیاں دیتا نہ ہو، وہ معتوہ کہلاتا ہے۔ شرعا اس کا حکم سمجھ وال بچے کی مثل ہے، اگر برابر بلکہ دونی قیمت کو بیچے وہ بھی بے اجازت ولی مال نافذ نہیں۔ اگر یہ ولی رد کردے گا باطل ہوجائے گی۔ اور غبن فاحش کے ساتھ جس طرح حسب بیان سائل صورت سوال میں ہے کہ پچاس ہزار کی جائداد بیس ہزار کو بیع کی، ایسی بیع تو باطل محض ہے کہ ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوسکتی حتی کہ اگر خود معتوہ بعد صحت اسے جائز کرے تو جائز نہ ہوگی۔

فان الاجازۃ انما تلحق الموقوف وھذا باطل لصدورہ ولا مجیز۔	کیونکہ اجازت تو موقوف کو ملتی ہے۔ جبکہ یہ باطل ہے کیونکہ جب اس کا صدور ہوا تو کوئی اجازت دینے والا نہ تھا۔ (ت)

درمختار میں ہے: المعتوہ حکمہ کممیز[1] (معتوہ کا حکم تمیز رکھنے والے کی طرح ہے۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

احسن ماقیل فیہ من کان قلیل الفھم مختلط الکلام فاسد التدبیر الا انہ لایضرب ولایشتم کما یفعل المجنون درر[2]۔	معتوہ کی تعریف بہتر قول یہ ہے کہ وہ قلیل الفہم، خلط ملط کلام اور فاسد تدبیر والا ہے صرف یہ کہ وہ ضرب وشتم نہیں کرتا جیسے مجنون کرتا ہے۔ درر (ت)

درمختار میں ہے:

تصرف الصبی والمعتوہ الذی یعقل البیع	بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے ان کا

[1] درمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۰

والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام و الاتهاب صح بلا اذن وان ضار اکالطلاق والقرض لا، وان اذن به ولیهما وما تردد من العقود بین نفع وضرر کالبیع و الشراء توقف علی الاذن[1] (باختصار)	وہ تصرف جو محض نافع ہو تو ولی کی اجازت کے بغیر صحیح ہے مثلاً اسلام قبول کرنا اور ہبہ قبول کرنا اور وہ تصرف جو نفع وضرر دونوں پہلو رکھتا ہو تو ولی کی اجازت پر موقوف ہوگا جیسے بیع وشراء (باختصار) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله کالبیع ای لو بضعف القیمة[2]۔	اس کا قول "بیع" یعنی اگر وہ دگنی قیمت پر بھی ہو۔ (ت)

جامع الصغار میں ہے:

لوان الصبی طلق او وہب اوتصدق اوباع بمحاباۃ فاحشۃ اواشتری باکثر من قیمته قدر مالا یتغابن الناس فی مثله او غیر ذٰلك من العقود فما لو فعله ولیه فی صغره لایجوز علیه فهذه العقود کلها باطلة لا تتوقف وان اجازہا الصبی بعد البلوغ لاتجوز[3]۔	اگر بچے نے طلاق دی یا ہبہ کیا یا صدقہ کیا یا سستا فروخت کیا یا زیادہ قیمت پر خریدا جو بازار کی کمی بیشی سے زائد ہو وغیرہ، تو یہ امور بچے کے لئے ولی اس کی نابالغی میں کرے تو جائز نہ ہوں گے، لہذا خود بچے نے کئے تو باطل ہوں گے اور ولی کی اجازت پر موقوف نہ رہیں گے اور اگر خود بھی بالغ ہونے کے بعد جائز کرنا چاہے تو جائز نہ ہونگے۔ (ت)

ہاں اگر معتوہ یا نابالغ کو اس کے ولی مال یعنی باپ نے اور وہ نہ ہو تو باپ کے وصی، اور وہ نہ ہو تو دادا، اور وہ نہ ہو تو اس کے وصی، اور وہ نہ ہو تو حاکم وقاضی نے تجارت کا اذن دے دیا ہے۔ تو اس کی بیع جائز ہے اگرچہ غبن فاحش سے ہو۔ درمختار میں ہے:

فان اذن لهما الولی فهما فی شراء و بیع کعبد ماذون فی کل	اور بچہ اور معتوہ کو بیع وشراء میں ولی کی اجازت ہو تو ماذون غلام کی طرح اس کے تمام احکام

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[3] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل البیوع اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۵

احکامہ[1]۔	ہوں گے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیجوز بیعہ بالغبن الفاحش عندہ خلافا لھما[2]۔	تو غبن فاحش کے ساتھ اس کی بیع امام صاحب کے نزدیک جائز ہوگی، صاحبین اس کے خلاف ہیں۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

المعتوہ الذی یعقل البیع والشراء بمنزلۃ الصبی یصیر ماذونا باذن الاب والوصی والجد دون غیرھم خزانۃ المفتین ولو اذن للمعتوہ ابنہ کان باطلا، وعلی ھذا لواذن لہ اخوہ اوعمہ او واحد من اقربائہ سوی الاب والجد فاذنہ باطل[3] مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	معتوہ جو بیع وشراء کی سمجھ رکھتا ہے وہ بچے کی طرح ہے باپ دادا اور ان کی اجازت سے ماذون ہوسکے گا غیر کی اجازت نہیں، خزانۃ المفتین اور اگر معتوہ کو بیٹا اجازت دے تو باطل ہوگا، اس بنا پر اگر بھائی یا چچا یا کوئی اور قریبی اجازت دے جو باپ دادا کا غیر ہو تو یہ اجازت باطل ہوگی، مبسوط (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵۳: از پروچڑان موضع کوٹلہ مدھو ڈاکخانہ غوث پور ریاست بہاولپور تحصیل خان پور مرسلہ ابوالمنظور محمد غوث بخش صاحب ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق صبی کے متعلق جو اصول فقہ میں لکھتے ہیں کہ عندالحاجۃ واقع ہوجاتی ہے، حاجت کی کون کون صورتیں ہیں۔ آیا یہ صورت ذیل عندالحاجۃ میں داخل ہوسکتی ہے کہ ایک ناکح بعمر ۱۲ سال ہے اور منکوحہ اس کی بعمر ۲۸ سال، مگر اعمال اس عورت کے فاحشہ ہیں، حاملہ من الزنا ہوجاتی ہے اور اسقاط کرادیتی ہے۔ اور ایسا معاملہ اس سے بار بار ہوا ہے اور بوجہ غیر بلوغ ناکح وعدم بیتوتت کے نان ونفقہ سے از حد تنگ ہے۔ تو ایک گونہ فعل حرام مذکور اس کا باخذ اجرت حرام اضطراری تصور ہوتا ہے۔ برآں التماس ہے کہ بندہ گرد اور قاضی علاقہ کا ہے۔

---

[1] درمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

[2] ردالمحتار کتاب الماذون داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۱۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الماذون الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۱۲

ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں بڑی تفصیل وکافی جواب سے ممتاز فرمائیں۔

الجواب:

صبی ہر گز اہل طلاق نہیں، نہ اس کے دئے طلاق واقع ہو، نہ اس کی طرف سے اس کا ولی خواہ کوئی طلاق دے سکے اگر دے ہر گز نہ ہوگی، اصول میں کہ ذکر حاجت ہے صرف دو صورتوں میں منحصر ہے:-

اول: یہ کہ صبی عاقل کافر کی زوجہ اسلام لائی، حاکم شرع نے صبی پر اسلام پیش کیا۔ اس نے انکار کردیا تفریق ہوگی اور یہ مذہب صحیح میں طلاق قرار پائے گی،

دوم: یہ کہ صبی آلت بریدہ تھا، عورت نے دعوی کیا قاضی نے تفریق کردی، یہ بھی علی الصحیح طلاق ہے وبس۔

تیسری صورت: ایک قول ضعیف پر ہے کہ صبی عاقل **معاذاللہ** مرتد ہوگیا جو اسے طلاق جانتے ہیں طلاق کہیں گے، اور صحیح یہ کہ ردت سے نکاح فسخ ہوتا ہے اگرچہ شوہر ارتداد کرے۔ تو یہ طلاق نہیں، اس مسئلہ کی اعلی تحقیق مع ازالہ جملہ اوہام فتاوی فقیر کتاب الطلاق میں ہے۔ اشباہ احکام الصبیان میں ہے:

لایقع طلاقہ ولا عتقہ الاحکام فی مسائل ذکرناہا فی النوع الثانی من الفوائد[1]۔	اس کی طلاق وعتاق واقع نہ ہوں گی، مگر چند وہ مسائل جن کو ہم نے فوائد نوع ثانی میں بیان کیا ہے حکماً صحت ہوگی۔ (ت)

قواعد میں فرمایا:

الصبی لایقع طلاقہ الااذا اسلمت فعرض علیہ ممیزا فابی وقع الطلاق علی الصحیح وفیما اذا مجبوبا وفرق بینھما فھو طلاق علی الصحیح[2]۔	بچے کی طلاق واقع نہ ہوگی مگر جب بیوی مسلمان ہوجائے اور قابل تمیز بچہ ہو تو قاضی اس پر اسلام پیش کرے اور وہ انکار کردے تو صحیح قول کے مطابق اس کی طلاق صحیح ہوجائیگی۔ اور ذکر کٹا ہو اور قاضی تفریق کردے تو صحیح قول کے مطابق وہ طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الصبیان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۴۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۵۵۔۲۵۴

ظاہر ہے کہ صورت سوال ان صورتوں میں نہیں، تو اس میں وہی حکم ہے کہ **لایصح طلاقه** (اس کی طلاق صحیح نہ ہوگی۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۴:

بسم الله الرحمٰن الرحیم ،وصل علی سیدنا ونبینا و اٰله وصحبه وسلم ،الی جناب الفاضل العالم مفتی بلد بانس بریلی السید احمد رضا القادری سلمه اٰمین ،سیدنا ،ماقولکم دام فضلکم فی رجل کان مرتب سبیل له بمکة علی یدنا فی کل عام ثلاثین روبیة واعطانا فی حیاته مدة اعوام ،ثم توفی الی رحمة الله ،ولنا فی ذمته باقی کم سنة حق السبیل ،ثم اتینا الی وارثه واطلعناه علی مابیدنا فاجاب المذکور بانی سأودی عن المیت ماهو محرر بموجب الدفتر وما رضی بربیة عشرة ،وحرر فیه سندا بارسال المبلغ فی وقت معلوم ،ثم لم یرسل فاتینا الیه ثانیا وطلبنا منه فاجاب ،ان کان شرعا یجب علینا فانا اعطی افتونا هل یجب علیه اداء المبلغ الذی علی المیت بموجب اقرارنامة سنده ام لا ولکم الاجر والثواب۔	بسم اللہ الرحمن الرحیم ،وصلی اللہ علی سیدنا ونبینا والہ وصحبہ وسلم ،۔بریلی کے فاضل عالم مفتی الشاہ احمد رضا قادری سلمہ آمین کے نام استفتاء ،ہمارے آقا آپ کی فضیلت دائم ہو،آپ کا کیاارشاد ہے ایسے شخص کے متعلق کہ وہ ہماری جگہ میں سالانہ تیس روپے کرایہ پر سبیل لگاتارہا وہ اپنی زندگی میں کچھ سال ہمیں تیس روپے دیتارہا۔ پھر فوت ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ، جبکہ کئی سال کی رقم ہمارا حق اس کے ذمہ باقی ہے۔ پھر ہم اس کے ورثاء کے پاس آئے اور ان کو اطلاع دی کہ ہمارا حق مرحوم کے ذمہ ہے۔ تو اس کے وارث نے جواب دیا کہ مرحوم کے نام رجسٹر میں تحریر شدہ جو رقم ہوگی میں ادا کر دوں گا۔اور وہ صرف دس روپے دینے پر راضی ہوا اور ادائیگی کے لئے یادداشت لکھ دی کہ فلاں وقت یہ مبلغ تمھیں ارسال کردوں گا۔ مگر اس نے ارسال نہ کئے، تو ہم دوبارہ اس کے پاس آئے اور مطالبہ کیا تو اس نے جواب دیا کہ اگر شرعا یہ ادائیگی ہمارے ذمہ ہو تو ادا کروں گا۔ لہٰذا آپ فتوی جاری فرمادیں کہ کیا میت کے ذمہ اس کے اقرار نامہ کی مطابق جو رقم ہے وہ اس کے وارث پر ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ آپ کو اجر وثواب ہوگا۔(ت)

الجواب:

نعم یجب علی وارثه القابض بعده علی امواله ان یؤدی ما علیه قال تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ" [1] وان کان قد ابقاہ ہذا جاریا فیجب علیه ایضا اداء ما علی نفسه الی الاٰن قال تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ" [2] وھذا اوقع العقد بحسب الشرع و وفی به صاحبه کما ھو المرجو. واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	ہاں میت کا وارث جس نے میت کے مال کو قبضہ میں لیا ہے، اس پر میت کے ذمہ قرض کو ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا وصیت شدہ یا قرضہ کو ادا کرنے کے بعد، اور اگر وہ معاہدہ پر تاحال عمل پیرا ہوں اور وارث نے اسے باقی رکھا ہے تو وارث پر اپنی طرف سے بھی اس مدت کی یہ ادائیگی واجب ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا "اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو" تو اس نے شریعت کی رو سے یہ عقد واقع کیا ہے اور دوسرے فریق کے لئے اپنے ذمہ کو پورا کردے جیسا کہ امید ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الغصب

(غصب کا بیان)

مسئلہ ۲۵۵: یکم ذیقعدہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غنی نے اپنے جوان پسر کی آمدنی یہ کہہ کر لینی شروع کی کہ ہم جمع رکھیں گے تاکہ تمھاری شادی پر خرچ کریں، اور واقع میں اس کے خلاف کیا۔ بلکہ وہ مال اپنے مصارف میں اٹھالیا، تو اس صورت میں زید پر اس کا تاوان آئے گا۔ یا مال پسر کا مالک سمجھا جائے گا **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک تاوان دے گا اور ہر گز رضائے پسر نہ تھی تو گناہ علاوہ،

قال تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ۔ (ت)

باپ بیٹے کے مال کا اس کی زندگی میں ہر گز مالک نہیں۔

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انت و	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کا ارشاد ہے کہ تو اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مالك لابيك[1] من باب البر۔	تیرا مال تیرے باپ کا ہے تو یہ بھلائی کے باب میں ہے قانون نہیں ہے۔(ت)

فتح القدیر کے باب الوطی الذی یوجب الحد میں ہے:

لم تكن له ولاية تملك مال ابنه حال قيام ابنه[2]۔	اس کو ولایت نہیں ہے جو بیٹے کی زندگی میں اس کے مال کا باپ کو مالک بنادے۔(ت)

نہ باپ کو بے رضاواجازت پسر اس کے مال سے ایک حبہ لینے کا اختیار۔

قال الله تعالٰی " اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بغیر اس کے کہ تمھاری رضامندی سے تجارت ہو۔(ت)

مگر جبکہ باپ فقیر محتاج ہواور بیٹا غنی، توصرف بقدر نفقہ کے بلااطلاع پسر بھی لے سکتاہے اگرچہ بیٹاراضی نہ ہو۔

وهو محمل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اطیب ما اکل الرجل من کسبه وان ولده من کسبه[4]۔ قال فی الفتح اخرجه اصحاب السنن الاربعة عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها صح **قلت** والدارمی والبخاری فی التاریخ قال حسنه	اوریہی محمل ہے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد کا کہ آدمی کااپنے کسب سے کھانا نہایت پسندیدہ ہے اور بیٹا اس کا کسب ہے فتح میں فرمایا اس کو سنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ) کے اصحاب نے تخرج کیا ہے، اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہما سے یہ روایت صحیح ہے، **میں کہتاہوں** اور دارمی

[1] کنز العمال حدیث ۴۵۴۷۱ و ۴۵۹۲۷ و ۴۵۹۲۸ و ۴۵۹۳۲ و ۴۵۹۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۸۰، ۵۷۹۔ ۵۸۰، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات دار الفکر بیروت ۷/ ۴۸۰، ۴۸۱، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماللرجل من مال ولدہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۷

[2] فتح القدیر کتاب الحدود باب الوطی الذی یوجب الحد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[4] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الحث علی المکاسب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النفقات باب نفقہ الابوین دار صادر بیروت ۷/ ۴۸۰

الترمذی قلت وصححہ ابو حاتم قال قدس سرہ فان قیل ھذا یقتضی ان لہ ملکا ناجزا فی مالہ۔قلنا نعم لولم یقیدہ حدیث رواہ الحاکم وصححہ البیہقی عنہا مرفوعا ان اولادکم ہبۃ لکم یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور،واموالھم لکم اذا احتجتم الیہا،ومما یقطع بانہ مؤول انہ تعالٰی ورث الاب من ابنہ السدس مع ولد ولدہ،فلو کان الکل ملکہ لم یکن لغیرہ شیئ مع وجودہ[1] اھ۔	اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بھی اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے میں کہتا ہوں اور اس کو ابو حاتم نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن ہمام قدس سرہ نے بیان کیا کہ اگر اعتراض کیا جائے کہ اس حدیث کا مقتضٰی یہ ہے کہ بیٹے کا مال باپ کی قطعی ملکیت بن جائے، ہم جواب میں کہتے ہیں ہاں اگر حاکم کی روایت کردہ اور بیہقی کی صحیح کردہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع حدیث نے کہ تمھاری اولاد تمھارے لئے ہبہ ہے اللہ تعالٰی جس کو چاہے لڑکے ہبہ کرتا ہے اور جس کو چاہے لڑکیاں ہبہ کرتا ہے اور ان کا مال تمھارا ہے جب تمھیں اس کی احتیاج ہو۔ پہلی حدیث کو مقید نہ کیا ہو (حالانکہ وہ اس سے مقید ہے) اور اس کے مؤول ہونے کی قطعی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے باپ کو بیٹے کے مال میں اس کی اولاد کی موجودگی میں چھٹے حصے کا وارث بنایا ہے اگر بیٹے کے کل مال کا مالک باپ ہو تو پھر باپ کی موجودگی کے باوجود غیر کو کچھ نہ ملے۔ اھ (ت)

درمختار میں ہے:

فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر مایکفیہ ان ابی ولا قاضی ثمہ والا اثم[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	مبتغی میں ہے۔ فقیر باپ کو اپنے امیر بیٹے کے مال سے کفایت کے مطابق چرالینے کا حق ہے جب بیٹا دینے سے انکار کردے اور وہاں قاضی نہ ہو ورنہ باپ گنہگار ہوگا اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول کہ سود کا روپیہ اور چوری کا روپیہ اور جوئے کا روپیہ اور غصب کا روپیہ اور جو تجارت سودی روپیہ سے ہو اور وکالت یا مختار کاری کا پیسہ

[1] فتح القدیر باب النفقۃ فصل وعلی الرجل ان ینفق علی ابویہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۲۳

[2] درمختار کتاب الطلاق باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۴

اور منصفی اور صدر صدوری اور فوج کی تنخواہ کا روپیہ، یہ سب حرام ہیں، اگر اس روپیہ سے کھانا تیار کیا جائے یا کپڑا بنایا جائے تو حرام ہے کھانا، ایسا کھانا حرام ہے۔ اور اس کھانا پر تسمیہ کرنا کفر ہے۔ اور عمرو کا یہ قول ہے کہ یہ پیسہ حرام نہیں ہے بلکہ مالک مال چور کو بعد چرالے جانے مال کے بخش دے اگرچہ چور کو اس کے بخشنے کی خبر ہی نہ ہو، یعنی مالک مال یہ کہہ دے کہ جو میرا مال چور لے گیا ہے میں نے بخشا اور معاف کیا، تو وہ مال چور کی ملک ہوگیا۔ وہ حرام نہیں ہے۔ اسی طرح جوئے وغیرہ اور وکالت اور سود کا بھی یہ حکم ہے۔ اب زید کو جستجو مال کی ہے جو ازروئے شرع حرام ہے کہ اسے بچنا اور احتراز کرنا بہتر ہے مسلمانوں کو امید ہے کہ جو پیسہ حرام ہے اس سے آگاہی فرمائی جائے تاکہ اس پیسہ سے بچنا موجب خیرات وبرکات کا ہو، اور حرام کے مال سے صدقہ اور خیرات کرکے امید ثواب کی رکھنا یہ درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا من اللہ تعالٰی**

الجواب:

سود اور چوری اور غصب اور جوئے کا روپیہ قطعی حرام ہے۔ اور اسی طرح وکالت و مختار کاری جس طرح اس زمانہ میں رائج قطعاً حرام ہے اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، اور ہر وہ نوکری جس میں خلاف حکم خدا اور سول فیصلہ یا حکم کرنا پڑے خواہ ریاست اسلامی ہو یا غیر کی، قطعاً حرام اور اس کی اجرت بھی قطعاً حرام، یونہی ہر معصیت کی اجرت حرام ہے

کل ذٰلك ثابت بالقراٰن العظیم والحدیث، والفقه، و معروف معلوم عند اهل العلم وكل من رزق صحبتهم	یہ سب قرآن وحدیث اور فقہ سے ثابت ہے اور اہل علم اور ان کی مجلس میں رہنے والے حضرات کے ہاں معروف ہے (ت)

اور بے ضرورت سود دینا بھی اگرچہ حرام ہے **کما فصلناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے۔

فان الخبث فیما اعطی لافیما اخذ وھذا ظاھر جدا۔	کیونکہ خبث دئے ہوئے مال میں ہے جو نفع میں لیا اس میں نہیں ہے اور نہایت ظاہر ہے۔ (ت)

اور حرام مال مثل زرغصب ورشوت وسرقہ واجرت معاصی وغیرہ سے جو چیز خریدی جائے اس کی

چند صورتیں ہیں:

۱ایک مثلاً غلافروش کے سامنے روپیہ ڈال دیا کہ اس کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے یا بزاز کو روپیہ پہلے دے دیا کہ اس کا کپڑا دے دے، یہ گیہوں اور کپڑا حرام ہے۔

۲دوسرے یہ کہ روپیہ پہلے تو نہ دیا مگر عقد ونقد دونوں اس روپیہ پر جمع کئے، یعنی خاص اس حرام روپیہ کی تعیین سے اس کے عوض خریدا، اور یہی روپیہ قیمت میں ادا کیا، مثلاً غلافروش کو یہ حرام روپیہ دکھا کر کہا اس روپیہ کے گیہوں دے دے، اس نے دے دئے اس نے یہی روپیہ اسے دے دیا، اس صورت میں یہ گیہوں حرام ہے۔

۳تیسرے یہ کہ نہ روپیہ پہلے سے دیا نہ اس پر عقد ونقد جمع کئے، اس کی پھر تین شکلیں ہیں:

اول: یہ کہ اس سے کہا ایک روپیہ کے گیہوں دے دے، کچھ اس روپیہ کی تخصیص نہ کی کہ اس کے بدلے دے، جب اس نے تول دئے اس نے زر ثمن میں جو بعوض گندم اس کے ذمہ واجب ہوا تھا، یہ حرام روپیہ دے دیا، اس صورت میں نقد تو زر حرام کا ہوا، مگر عقد کسی خاص روپیہ پر نہ ہوا،

دوم: یہ کہ پہلے اسے حلال روپیہ دکھا کر اس کے بدلے گیہوں لئے، جب اس نے دے دئے اس نے وہ حلال روپیہ اٹھالیا اور قیمت میں زر حرام دے دیا، اس صورت میں عقد زر حلال پر ہوا، اور نقد حرام کا۔

سوم: یہ کہ اس کا عکس یعنی پہلے اسے حرام روپیہ دکھا کر کہا، اس کے گیہوں دے، پھر دیتے وقت حلال روپیہ دیا، اس صورت میں عقد زر حرام پر ہوا اور نقد حلال کا۔

بہر حال تینوں صورتوں میں عقد ونقد دونوں زر حرام پر جمع نہ ہوئے نہ پہلے سے زر حرام دے کر چیز خریدی کہ حقیقۃً یہ بھی اجتماع عقد ونقد کی صورت تھی، ان تینوں صورتوں میں بھی بڑا قوی مذہب ہمارے ائمہ کا یہ ہے کہ وہ گیہوں حرام ہوں گے، مگر زمانہ کا حال دیکھ کر ائمہ متاخرین نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کا قول اختیار کیا کہ ان شکلوں میں وہ چیز حرام نہ ہوگی اور اس کا کھانا کھلانا، پہننا پہنانا، تصرف میں لانا جائز ہوگا، اس آسان فتوے کی بناء پر ان حرام روپیہ والوں کے یہاں کا کھانا یا پان وغیرہ کھانا پینا مسلمانوں کو روا ہے کہ وجہ حرام سے ان لوگوں کو بعینہٖ یہ کھانا نہیں آتا۔ بلکہ روپیہ آتا ہے۔ یہ اس کے عوض اشیاء خرید کر کھانا تیار کراتے ہیں اور خریداری میں عام طریقہ شائعہ کے طور پر عقد ونقد کا اجتماع نہیں ہوتا۔ بلکہ غالب بیع وشراء صورت ثالثہ کی شکل اول پر واقع ہوتی ہیں **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة رجل اکتسب مالامن حرام،ثم اشتری،فھذا علی خمسة اوجه اما ان دفع تلك الدراہم الی البائع اولا ثم اشتری منه بھا،اواشتری قبل الدفع بھا ودفعھا۔اواشتری قبل الدفع بھا ودفع غیرہا،اواشتری مطلقا ودفع تلك الدراہم،اواشتری بدراہم اخر ودفع تلك الدراہم،قال ابو نصر یطیب له ولا یجب علیه ان یتصدق الا فی الوجه الاول،والیه ذہب الفقیه ابو اللیث لکن ہذا خلاف ظاہر الروایة فانه نص فی الجامع الصغیر،اذا غصب الفا فاشتری بھا جاریة،وباعھا بالفین تصدق بالربح،وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لایطیب،وفی الثلاث الاخیرة یطیب،وقال ابوبکر لایطیب فی الکل،لکن الفتوٰی الاٰن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ،وفی الولوالجیة وقال بعضھم لایطیب فی الوجوہ کلھا وھو المختار،ولکن الفتوٰی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرة الحرام اھ،و علی ہذا مشی المصنف فی کتاب الغصب

تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی نے حرام مال حاصل کیا،اور پھر اس کو خریداری میں صرف کیا تو اس کی پانچ صورتیں ہیں: پہلی یہ کہ یہ حرام دراہم بائع کو دے کر پھر اس کے عوض خریدا،دوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض میں دے دیا،سوم یہ کہ دینے سے قبل خریدا اور عوض اور مال دیا،چہارم یہ کہ مطلق خریداری کی ادائیگی میں یہ مال دیا،پنجم یہ کہ دوسرے دراہم سے خریدا اور ادائیگی میں یہ دراہم دئے۔ ابونصر نے فرمایا پہلی صورت کے بغیر باقی تمام صورتوں میں خریدا ہوا مال طیب ہے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہیں،اور اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیار کیا ہے۔لیکن یہ ظاہر روایت کے خلاف ہے کیونکہ جامع الصغیر میں نص ہے کہ اگر کسی نے ہزار غصب کیا ہو اور اس کے عوض لونڈی خریدی اور دو ہزار میں فروخت کی تو نفع کو صدقہ کرے،اور امام کرخی نے فرمایا کہ اول اور ثانی صورت میں طیب نہ ہوگا اور آخری تین صورتوں میں طیب ہے،اور ابوبکر نے فرمایا تمام صورتوں میں طیب نہیں ہے لیکن آج کل فتوٰی امام کرخی کے قول پر ہے تاکہ لوگوں سے حرج کا ازالہ ہوسکے اھ،اور ولوالجیہ میں ہے کہ بعض نے فرمایا سب صورتوں میں طیب نہیں وہ مختار ہے لیکن فتوٰی آج کل امام کرخی کے قول پر ہے حرام کی کثرت کی وجہ سے حرج کو ختم کیا جاسکے اھ،اور مصنف نے درمختار وغیرہ کی اتباع

تبعاللدر وغیرہ[1]۔	کرتے ہوئے اسی کو اپنایا ہے۔(ت)

پھر جن صورتوں میں وہ کھانا ان دونوں مذہب پر حرام ہے یعنی دو صورت پیشیں، ان میں اگر بسم اللہ کہہ کر کھایا برا کیا، مگر کافر ہر گزنہ کہا جائے گا، اس کی حرمت ضروریات دین سے ہونا در کنار اجماعی بھی نہیں۔

فان من العلماء من قال یحل ابدال مالایتعین مطلقا،لعدم تعلق العقد بعینه بل بالذمة، فلایسوی الخبث وهو القیاس،وعلیه یبتنی علی مافی فتاوی العلامة الطوری عن المحیط،اشتری بالدراهم المغصوبة طعاماحل التناول۔	علمائے کرام میں سے بعض نے فرمایا کہ غیر متعین طور پر بدلنا حلال ہے کیونکہ عقد حرام متعین پر نہ ہوا بلکہ عقد کا تعلق ذمہ داری سے ہے لہٰذا خبث دوسرے مال میں سرایت نہ کرے گا یہی قیاس ہے۔اور اسی پر علامہ طوری کے فتوٰی کی بنا ہے، محیط سے منقول ہے کہ غصب کردہ دراہم کے عوض طعام خرید اتو کھانا حلال ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی التتمة من قال عند ابتداء شرب الخمر والزنا و اکل الحرام ببسم الله کفر وفیه،انه ینبغی ان یکون محمولا علی الحرام المحض المتفق علیه وان یکون عالما بنسبة التحریم الیه،بان تکون حرمته مما علم من الدین بالضرورة کشرب الخمر[2]۔	تتمہ میں ہے کہ جس نے شراب پینے،زنا اور حرام کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھی تو اس میں اس نے کفر کیا تو اس قول کو خالص متفق علیہ حرام پر محمول کرنا چاہئے اور یہ جانتے ہوئے کہ بسم اللہ سے حرام کی ابتداء کررہا ہے اور وہ حرمت بھی ایسی ہو جس کا علم ضروریات دین میں سے ہو جیسے شراب پینے کی۔(ت)

اور حرام مال کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنی بھی مطلقاً کفر نہیں، اگر وہ چیز عین حرام نہ ہو بلکہ زر حرام کے معاوضہ میں خریدی جب تو ظاہر کہ اس کی حرمت مجمع علیہ بھی نہیں، اور اگر عین حرام ہے اور اسے مالک تک نہیں پہنچا سکتا خواہ اس وجہ سے کہ اسے مالک یاد نہ رہا یا سرے سے مالک کو جانتا ہی نہیں۔

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۹

[2] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر فصل فی القراءۃ والصلوٰۃ مصطفی البابی مصر ص۱۶۹

مثلاً اس کے مورث نے مال غصب کیا تھا، یہ عین مغضوب کو جانتا ہے۔ اور مغضوب منہ سے محض ناواقف، یا یوں کہ مالک مرگیا اور کوئی وارث نہ رہا، تو ان سب صورتوں میں شرع مطہر اسے تصدق کا حکم دیتی ہے۔ جب اس نے صدقہ کیا تو حکم بجالایا، اور فرمانبرداری پر امید ثواب رکھنا محذور نہیں، شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المحیط من تصدق علی فقیر بشیئ من الحرام یرجو الثواب کفر، وفیہ بحث لان من کان عندہ مال حرام فھو مامور بالتصدق بہ علی الفقراء فینبغی ان یکون ماجورا بفعلہ حیث قام بطاعۃ اللہ وامرہ، فلعل المسئلۃ موضوعۃ فی مال حرام یعرف صاحبہ، ویعدل عنہ الی غیرہ فی عطائہ لاجل سمعتہ وریائہ کما کثر ھذا فی ظلمۃ الزمان وامرائہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	محیط میں ہے جس نے حرام کا صدقہ کرکے ثواب کی امید کی وہ کافر ہوا، اور اس میں بحث یہ ہے کہ جس کے پاس حرام مال ہو اس کو صدقہ کرنے کا حکم ہے فقراء کو صدقہ کرے تو اللہ تعالٰی کے حکم اطاعت کرنے پر ثواب کی امید جائز ہے۔ ہوسکتا ہے یہ مسئلہ اس صورت میں ہو جس میں حرام مال کو جانتے ہوئے دوسرے کو محض ریاکاری اور شہرت کے لیے دے جیسا کہ آج کل جابر بادشاہ اور امراء حضرات میں کثیر الوقوع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۷: ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسبی یا وہ شخص کہ جس کا مال حرام کا ہو مثل سود خوار وغیرہ کے، اگر وہ کوئی شے مثل لوٹا یا چٹائی یا دری وغیرہ مسجد میں ڈال دے تاکہ نمازی اس سے وضو کریں یا اس پر نماز پڑھیں، جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے اس کے مال کی حرمت آتی ہے یا نہیں اور اس کی خرید بھی دست بدست اور تعین ثمن کے ساتھ نہیں بلکہ چیز کو خرید کر ثمن بعد کو ادا کرتے ہیں۔

الجواب:

اگر رنڈی نے کچھ روپیہ کسی سے قرض لیا اور کسی وجہ سے کوئی حلال مال حاصل کیا اور ان چیزوں کی قیمت میں یہی حلال مال دیا، اور خریدتے وقت بھی مال حرام کی طرف اشارہ نہ کیا تھا، یعنی حرام روپیہ دکھا کر یہ نہ کہا تھا کہ اس کے عوض دے دے، جب تو یہ چیزیں بالاجماع اس رنڈی کی ملک طیب و

---

[1] منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص۱۸۹

حلال ہیں جن میں کوئی شبہ حرمت نہیں کہ اس صورت میں مال حرام کو ان اشیاء کی خریداری سے اصلا تعلق نہ ہوا، اور اگر مال حرام دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حلال دیا، یا مال حلال دکھا کر خریدیں اور قیمت دیتے وقت مال حرام دیا، یا خریدتے وقت کوئی مال نہ دکھایا تھا صرف مطلقاً خریداری کرلی، مثلاً یوں کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے، جب اس نے دے دی، تواس کی قیمت مال حرام سے ادا کردی، ان تینوں صورتوں میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہے۔ مگر فتوٰی امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر دیا گیا کہ ان صورتوں میں بھی وہ اشیاء اس رنڈی کے لئے حلال ہوں گی، ان وجوہ پر خرید کر مسجد میں لوٹے، چٹائی وغیرہ رکھے گی توان لوٹوں سے وضو اور اس چٹائی پر نماز کے جواز کا حکم دیں گے، اگرچہ رنڈی پر اس کے حرام فعلوں کا وبال الگ، ان کے بدلے اجرت لینے کا عذاب جدا۔ اور اس حرام مال کو خرچ میں لانے کا مواخذہ علاوہ، ہاں اگر عقد ونقد دونوں مال حرام میں جمع ہوں، یعنی حرام ہی روپیہ دکھا کر کہے کہ اس کے عوض دے دے، اور قیمت میں دے بھی وہی حرام روپیہ، تو اس قول مفتٰی بہ پر بھی وہ شے حرام وخبیث رہے گی، اور اس میں تصرف ناجائز ہوگا۔ مگر آج کل بیع وشراء میں غالباً یہ صورت واقع نہیں ہوتی۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصدق اذاکان متعینا اوشری بدراہم الودیعۃ او الغصب ونقدہا وان اشار الیہا ونقد غیرہا اواطلق و نقدہا لاوبہ یفتی [1] اھ تلخیص واللہ تعالٰی اعلم۔	جب خاص متعین حرام ہو یا امانت کے مال سے یا غصب کے مال سے کوئی چیز خریدی اور وہی نقد دیا ہو تو صدقہ کرے، اور اگر سودے کے وقت حرام دکھایا اور ادائیگی میں دوسرا دیا، یا مطلق سودا کیا اور ادائیگی حرام سے کی تو صدقہ لازم نہ ہوگا۔ اسی پر فتوٰی ہے اھ ملخصاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از پیلی بھیت مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب مدرس تحصیل اسکول ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۰ھ

زید نے جوئے میں روپیہ کمایا، اور اسی روپیہ سے اس نے اپنے گھر کا اثاثہ اور اسباب درست کیا ہے۔ اب زید تائب ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنا ذمہ بری کرے۔ اور جو مال حرام کا اس کے پاس ہے اس کو جدا، تو کیا کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جس قدر مال جوئے میں کمایا محض حرام ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶-۲۰۵

فی الدر من السحت ما یأخذ مقامر [1]. (باختصار)	درمختار میں ہے: جوئے میں حاصل کیا ہوا مال حرام ہے۔ (باختصار) (ت)

اور اس سے برائت کی یہی صورت ہے کہ جس جس سے جتنا مال جیتا ہے اسے واپس دے، یا جیسے بنے اسے راضی کرکے معاف کرالے۔ وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو واپس دے، یا ان میں جو عاقل بالغ ہوں ان کا حصہ ان کی رضامندی سے معاف کرالے۔ باقیوں کا حصہ ضرور انھیں دے کہ اس کی معافی ممکن نہیں، اور جن لوگوں کا پتہ کسی طرح نہ چلے نہ ان کا، نہ ان کے ورثہ کا، ان سے جس قدر جیتا تھا ان کی نیت سے خیرات کردے، اگرچہ اپنے محتاج بہن، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں کو دے دے، اس کے بعد جو بچ رہے گا وہ اس کے لئے حلال ہے، عالمگیری میں ہے:

کان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردہا، وذٰلک ھھنا برد الماخوذ ان تمکن من ردہ، بان عرف صاحبہ، وبالتصدق بہ ان لم یعرفہ [2]۔	لینا گناہ ہے اور گناہ کے ازالہ کی صورت اس کو واپس کرنا ہے اور یہاں لئے ہوئے کو رد کرنا ہوگا۔ جب واپس کرنا ممکن ہو کہ اس کے مالک کو جانتا ہو یا پھر معلوم نہ ہو تو صدقہ کرنا ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان علمت اصحابہ او ورثتھم وجب ردہ علیھم، والا وجب التصدق بہ [3]۔	اگر اس کے مالک یا مالک کے ورثاء کو جانتا ہے تو واپس کرنا واجب ہے۔ ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

غرض جہاں جہاں جس قدر یاد ہوسکے کہ اتنا مال فلاں سے ہار جیت میں زیادہ پڑا تھا اتنا تو انھیں یا ان کے وارثوں کو دے، یہ نہ ہو تو ان کی نیت سے تصدق کرے، اور زیادہ پڑنے کے یہ معنی کہ مثلاً ایک شخص سے دس بار جوا کھیلا کبھی یہ جیتا کبھی یہ، اس کے جیتنے کی مقدار مثلاً سو روپے کو پہنچی، اور یہ سب دفعہ کے ملاکر سوا سو جیتا، تو سو سو برابر ہوگئے، پچیس اس کے دینے رہے۔ اتنے ہی اسے واپس دے، **وعلی ھذا القیاس**، اور جہاں یاد نہ آئے کہ کون کون لوگ تھے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

اور کتنا لیا، وہاں زیادہ سے زیادہ تخمینہ لگائے کہ اس تمام مدت میں کس قدر مال جوئے سے کمایا ہوگا اتنا مالکوں کی نیت سے خیرات کردے، عاقبت یونہی پاک ہوگی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۹:

چہ فرمایند علمائے ومفتیان شرع متین درحق کسیکہ بحیلہ ومکراز دوست خود زر گرفت، وگفت کہ اگر نہ دہی ایں مضرت بتورسانم، یابرائے رنجانیدن خلق اللہ واظہار غلبہ، وصولت خود باشخصے بزرگ ومعززدوستی کرد، تاکہ خلائق ازیں کس بہ تعلق آں شخص بزرگ بہ ترسند۔ بینوا توجروا۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ایسے شخص کے متعلق جو حیلہ اور مکر کے ساتھ دوست سے مال وصول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر نہ دے گا تو تجھے فلاں پریشانی میں بتلا کروں گا۔ یا وہ شخص اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تنگ کرتا ہے اپنا غلبہ اور دبدبہ قائم کرنے کے لئے کسی معزز اور بڑے آدمی سے دوستی بتاتا ہے تاکہ اس کے تعلق سے لوگ اس سے مرعوب رہیں۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

بمکر وحیلہ ووعید وتہدید بناحق زر از کسے گرفتن حرام قطعی ست، باز اگر ایں بزور ستاند غصب باشد، واگراں بترس مضرت خویش دہد رشوت بود ہر دو حرام وفی النار، ومستوجب غضب جبار قہار ست، والعیاذ باللہ تعالٰی، قال تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] الآیۃ۔ ورنجانیدن وترسانیدن خلق اللہ تجبر وتکبر ہمہ محرمات قطعیہ است، در حدیث ست حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمایند شَرُّ النَّاسِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّخَافُ لِسَانَه،	مکر وفریب اور ڈرا دھمکا کر کسی سے مال لینا قطعی حرام ہے۔ پھر اگر طاقت کے ذریعہ لیتا ہے تو یہ غصب ہے، اور اگر اپنے شر سے ڈرا کر لیتا ہے تو رشوت ہوگی جبکہ دونوں طریقے حرام جہنم اور اللہ تعالٰی کے غضب کے مستوجب ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، الآیہ، اور اللہ تعالٰی کی مخلوق کو تکلیف دینا، ڈرانا اور ان پر اپنا جبر اور تکبر ظاہر کرنا قطعی محرمات میں سے ہے حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: بدترین مرتبے کا وہ آدمی ہے کہ لوگ اس کی زبان سے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اَوْیخَافُ شَرّہ، بدترین مردم در منزلت روز قیامت کسے باشد کہ بندگان خدا از زبان وزیان اوخائف وترساں باشند، اخرجه ابن ابی الدنیا فی کتاب ذم الغیبة[1] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی تعالٰی عنه وخود فرمودہ سیدالانام علیه وعلٰی آله افضل الصلٰوۃ و السلام لا ینبغی علی الناس ولد بغی والامن فیه عرق منه ستم و تعدی برمرد ماں نکند مگر زنازاندہ یاکسیکہ درو ے رگے از زنا ست رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن، والله تعالٰی الھادی۔	اور اس کے زیان سے خوف زدہ ہوں، اس کو ابن ابی الدنیا نے کتاب ذم الغیبۃ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے تخریج کیا، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خود فرمایا کہ لوگوں پر ظلم وتعدی نہ کرے گا مگر وہ شخص جو زنازادہ ہے یا اس میں زنا کا دخل ہے۔ اس کو طبرانی نے کبیر میں حضرت موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی الھادی (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از بلگرام شریف محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پارچہ گاذر کے یہاں گیا، اور اس کے یہاں سے دوسرے شخص کا بمعاوضہ اس کے آیا، وہ کپڑا استعمال میں لانا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر پھر گم شدہ پارچہ اس کے بدلے نہ ملے تو وہ کپڑا جو غیر کا اس کے پاس آیا ہے وہ گاذر کو دے دے یا کسی محتاج کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر لینے سے پہلے معلوم ہو کہ یہ کپڑا غیر کا ہے تو سرے سے لینا ہی درست نہیں، اور دھوکے میں لے لیا پھر معلوم ہوا تو استعمال میں لانا حلال نہیں۔

کما نصوا علیه فی مسئلة تبدیل الملاۃ والمکعب بملاۃ غیرہ اومکعبه	جیسا کہ فقہاء نے کپڑا اور جوتے کے مسئلہ میں نص فرمائی کہ اگر ایک کے دوسرے کپڑوں اور جوتوں

[1] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا ذم الغیبۃ والنمیمۃ حدیث ۸۳ کتاب الصمت ۲۲۰ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۲/ ۸۷ و ۵/ ۱۵۱

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب الخلافۃ باب فی عمال السوء دار الکتب بیروت ۵/ ۲۳۳، مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب لحدود والدیات باب فی اولاد الزنا دار الکتب بیروت ۶/ ۲۵۸، کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۱۳۰۹۳، ۵/ ۳۳۳ و حدیث ۳۰۴۵، ۱۱/ ۱۹ موسستہ الرسالۃ بیروت

كما فی الخانية والهندية وغيرہما وقد قال الله تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ ۟" [1]. وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایحل لمسلم ان یاخذ عصا اخیه بغیر طیب نفس منه.قال ذٰلك لشدة ماحرم الله من مال المسلم علی المسلم،رواہ ابن حبان [2] فی صحیحه عن ابی حمیدی الساعدی رضی الله تعالٰی عنه.وفی الخانية والهندية والبزازية، واللفظ لهذہ،اذا قال القصار هذا ثوبك وقال المالك لیس هذا ثوبی لایحل لبسه ولابیعه فهذا نص المسئلة اما ماذکروا عقیبه من الاستثناء بقولهم الا ان یقول ربه اخذته عوضا عنه ویقول القصار نعم [3] اھ.**فاقول**:یجب حمله علی ماادا علم اوساغان یکون الثوب اللقصار،و قد ذکر فی الخانية وخزانة المفتین فروعا.فصلوا فیها بین مایکون الثوب للقصار اولغیرہ،اما اذا علم۔

میں تبدیل ہوجائیں،جیسا کہ خانیہ او ہندیہ وغیرہ میں ہے،اور بیشک اللہ تعالٰی نے فرمایا تجارت صرف رضامندی سے ہو اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ دوسرے مسلمان کی چھڑی اس کی رضامندی کے بغیر لے لے۔آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی مسلمان کا مال مسلمان پر شدید حرام ہونے کی وجہ سے ہے۔اس کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور خانیہ،ہندیہ اور بزازیہ میں بزازیہ کے الفاظ میں،جب دھوبی نے کہا یہ تیرا کپڑا ہے اور مالک کہے یہ میرا نہیں ہے پھر مالک اپنے کپڑے کے عوض اس کپڑے کو لے تو اس کا استعمال اور فروخت کرنا اس کو جائز نہ ہوگا۔اور یہ مسئلہ میں نص ہے لیکن فقہاء کرام نے اس کے بعد یہ جو فرمایا کہ اگر مالک کپڑے لیتے وقت دھوبی سے پوچھے کہ یہ کپڑا میرے کپڑے کے عوض میں ہے اور وہ جوب میں ہاں کہے تو جائز ہوگا اھ،تو **میں کہتا ہوں**،یہ ان کی بات اس صورت پر محمول ہے جب مالک کو یقین ہو یا دھوبی یقین دلائے کہ دھوبی کا کپڑا ہے،خانیہ اور خزانۃ المفتین میں مذکور تفصیل ہے تو انھوں نے دھوبی او رغیر کے کپڑے میں فرق کیا ہے لیکن معلوم ہو کہ یہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۱۶۶ کتاب البیوع المطبعة السلفیه مدینة المنورة ص ۲۸۴

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیة کتاب الاجارات الفصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۲۹

ان الثوب لغیرہ فکیف یحل لك لبسه و تمبلكه بمعاوضة جرت بینك وبین من لایملك من دون اجازة من الملك هذا مما لایتصور، فلیتأمل ولیحرر	غیر کا کپڑا ہے تو پھر تجھے کیسا پہننا اور فروخت کرنا جائز ہو سکتا ہے جبکہ تیرے اور غیر مالک کے درمیان جو معاوضہ طے ہوا ہے وہ اس کے مالک کی اجازت کے بغیر ہوا ہے۔یہ غیر متصور معاملہ ہے غور کرو اور واضح کرو۔(ت)

اور جبکہ اس نے دھوبی سے لیا اور دھوبی باذن مالک ہوتا ہے، تو اس کے لئے گری پڑی بے وارث چیز کا حکم نہیں ہو سکتا کہ محتاج کو دے سکے، بلکہ گاذر ہی کو واپس دے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۱: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ ملا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نزدیک تمام وکمال روپیہ از قسم سود ورشوت ہے۔تو اس قسم کے اموال پر زکوٰۃ عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے مال وزر سے اقسام نیاز بزرگان وادائے حج درست ہے یا ممنوع؟ اور اس روپیہ کی تبدیل کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب، رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

سود ورشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوٰۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انھیں واپس دینا واجب ہے۔اور اگر معلوم نہ رہے تو کل کا تصدق کرنا واجب ہے۔چالیسواں حصہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہو سکتا ہے جس کے باقی انتالیس حصے بھی ناپاک ہیں، درمختار میں ہے:

لازکوٰۃ لوکان خبیثا کما فی النھر من الحواشی السعدیة[1]	اگر تمام مال خبیث ہو تو اس پر زکوٰۃ نہ ہوگی جیسا کہ نہر میں حواشی سعدیہ سے منقول ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

مثل فی الشرنبلالیة وذکرہ فی شرح الوھبانیة بحثا، وفی الفصل العاشر من التاترخانیة عن فتاوی الحجة، من ملك اموالا غیر طیبه لازکوٰۃ علیه	ایسا ہی شرنبلالی میں ہے، اس کو شرح وہبانیہ میں بحث کے طور پر ذکر کیا ہے اور تاتارخانیہ کی دسویں فصل میں فتاوی الحجہ سے منقول ہے کہ جو شخص غیر حلال مال کا مالک بنا اس پر اس مال

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۳۴

فیھا[1] اھ ملخصا۔	کی زکوٰۃ نہیں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی القنیۃ لوکان الخبیث نصابا لاتلزم الزکوٰۃ لان الکل واجب التصدق علیہ فلا یفید ایجاب التصدق ببعضہ اھ، ومثلہ فی البزازیۃ[2]۔	قنیہ میں ہے اگر خبیث مال نصاب زکوٰۃ ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہ ہوگی کیونکہ وہ تمام صدقہ کردینے کے قابل ہے لہٰذا اس میں سے بعض کا صدقہ کافی نہ ہو، اھ اور بزازیہ میں بھی ایسا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لان المغصوب ان علمت اصحابہ اوورثتھم وجب ردہ علیھم والا وجب التصدق بہ[3]۔	مغصوبہ مال کے مالک یا اس کے وارثوں کو تو جانتا ہے تو ان کو واپس دینا واجب ہے ورنہ صدقہ کرنا واجب ہے۔ (ت)

اور ایسے مال سے نیاز بزرگاں کرنا بھی جائز نہیں۔ نہ ہرگز اس سے کچھ حاصل، کہ نیاز کا مطلب ایصال ثواب ہے اور ثواب ثمرہ قبول ہے۔ اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے:

ان اللہ طیبٌ لایقبل الا الطیب[4]۔	اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے۔ (ت)

خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ"[5]	قصد نہ کرو خبیث کا کہ اس سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ صلوٰۃ الاستسقاء دارصادر بیروت ۳/ ۳۴۶، کشف الخفاء حدیث ۶۸۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۶۰

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

علماء فرماتے ہیں۔جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔والعیاذباللہ تعالٰی۔فتاوٰی ظہیریہ میں ہے:

رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجوا بہ الثواب یکفر [1]۔	ایک شخص نے فقیر کو حرام مال دیا اور اس پر اس نے ثواب کی امید رکھی توکافر ہو جائے گا۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) تحقیق مقام یہ ہے کہ اگراس نے اس مال حرام کو اپنی ملک خاص جان کر بطور تبرع تصدق کیا جیسے مسلمان اپنے پاکیزہ مال کو بہ نیت نفل و تطوع تقربا الی اللہ صدقہ کرتا اور اس پر اپنے رب کریم سے امید ثواب رکھتاہے کہ بے ایجاب شرع اس نے اپنی خوشی سے اپنے پاک مال کا حصہ اپنے رب کی رضا کے لئے صرف کیا،جب تو یہ تصرف حکم شرع سے جدا،اور یہ خیال شرع مطہر کے خلاف ہے۔اور اس پر ہر گزاس کے لئے ثواب نہیں،اسی کی بعض صورتوں میں فقہاء نے حکم تکفیر کیا،اور اگریوں نہ تھا بلکہ اس مال کو خبیث وناپاک ہی جانا اور اپنے گناہ پر نادم ہو کرتائب ہوااور بحکم شرع اپنے تصرف میں لانا ناجائز سمجھا،اور اپنے نفس کواس میں تصرف سے روکااور ازاں جاں کہ اس کے ارباب معلوم نہ رہے بجاآوری حکم شرع کے لئے اسے تصدق کیا،اور اسی بجاآوری فرمان پر امید وثواب ہوا،تو بیشک اس میں اصلاحرج نہیں،بلکہ اسی کااسے شرعاحکم تھا،اور اس تصدق پر اگرچہ ثواب صدقہ نہیں،مگر اس امتثال حکم کا ثواب بیشک ہے۔بلکہ یہ فعل اس کی توبہ کا تتمہ ہے۔اور توبہ قطعاً موجب رضائے الٰہی وثواب اُخروی ہے۔پھر جس عمل پر آدمی خود ثواب پائے اس ثواب کو دوسرے مسلمانوں کو بھی پہنچاسکتاہے۔**لعموم قولھم ان للانسان ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ** (ان کے اس قول کے عموم کی وجہ سے کہ انسان کو اپنے عملک کاثواب غیر کے لئے کرنے کا حق ہے۔ت) تواس توبہ وبجاآوری حکم کا ثواب اگر نذر بزرگاں کریں کچھ مضائقہ نہیں۔

ھذا ھو التحقیق واللہ ولی التوفیق اتفن ھذا افلعلك لاتجدہ فی غیرہ ھذا السطور۔	یہ تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کامالک ہے۔اس کو مضبوط کر،ہوسکتاہے تجھے ان سطور کے غیر میں نہ ملے۔(ت)

اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا انھیں واپس دے۔وہ

[1] ردالمحتار بحوالہ الظھیریہ کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶

نہ معلوم ہوں تو تصدق کردے اس کے سوا جس کام میں صرف کیا جائے گا خلاف حکم شرع و موجب گناہ ہوگا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذمہ سے اتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا، **فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ** (کیونکہ خبث یہاں بعد میں لاحق ہوا جو صحت کو مانع نہیں ہے۔ ت) پھر بھی اس پر امید ثواب کا محل نہیں بلکہ اسے کہا جائے گا **لا لبیك ولا سعدیك وحجك مردود علیك حتی ترد مافی یدیك** نہ تیرے لبیك قبول نہ خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے۔

نسأل اللہ العفوو العافیۃ ھذا ماجزمت بہ لظھورہ ظھورا بینا ثم اتفق مراجعۃ ردالمحتار فرأیت فیہ التصریح بذٰلك كلہ حیث قال فی بیان الحض بمال حرام، الحج نفسہ لیس حراما بل الحرام ھو انفاق المال الحرام ولاتلازم بینھما كما ان الصلوٰۃ فی الارض المغصوبۃ تقع فرضا، وانما الحرام شغل المكان المغصوب، وقال فی البحر یجتھد فی تحصیل نفقۃ حلال فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام، كما ورد فی الحدیث مع انہ یسقط الفرض عنہ معھا ولاتنافی بین سقوطہ وعدم قبولہ فلا یثاب لعدم القبول ولا یعاقب عقاب تارك الحج[1] اھ مختصرا۔	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں اس کے بالکل ظاہر ہونے پر مجھے جزم حاصل ہوا، پھر مجھے اتفاقا ردالمحتار پر مراجعت ہوئی تو میں نے اس میں اس تمام پر تصریح پائی انھوں نے مال حرام سے حج کے متعلق فرمایا حج فی نفسہٖ حرام نہیں بلکہ حرام مال کا اس میں صرف کرنا حرام ہے جبکہ ان دونوں باتوں میں تلازم نہیں ہے۔ جیسا کہ مغصوبہ زمین پر نماز پڑھنے سے فرض ادا ہوجائے گا حرام صرف مغصوب زمین کو استعمال کرنا ہے۔ اور بحر میں فرمایا حلال نفقہ میں کوشش ضروری ہے کیونکہ حرام نفقہ سے حج قبول نہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ اس کے باوجود فرض ادا ہوجائے گا۔ اور فرض کی ادائیگی اور عدم قبولیت منافات نہیں ہے۔ تو قبول نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہ پائے گا۔ اور فرض ادا ہوجانے کی وجہ سے حج کا تارک ہو کر عذاب کا مستحق نہ ہوگا اھ مختصرا (ت)

اور تبدیل اس طرح سے کہ کسی سے قرض لے کر اپنے خرچ میں لائے، خواہ حج و تصدق و نذر و نیاز و

[1] ردالمحتار کتاب الحج دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۰

تعمیر مساجد وغیرہا میں اٹھائے، اور قرض اس ناپاک مال سے ادا کردے اگرچہ یہ صورت ان تصرفات کے جائز ہونے میں توبکار آمد ہے کہ اب یہ روپیہ جوان کاموں میں اٹھارہا ہے ناپاک نہیں۔

فی الھندیۃ عن الملتقط اٰکل الربٰو اوکاسب الحرام اھدی الیہ اواضافہ وغالب مالہ حرام لایقبل ولا یأکل مالم یخبرہ ان ذٰلك المال اصلہ حلال ورثہ او استقرضہ[1] اھ مثلہ عن الینابیع۔	ہندیہ میں ملتقط سے منقول ہے کہ حرام کمانے والا یا سود خور ہدیہ دے یا دعوت کرے تو قبول نہ کرے جبکہ اس کا غالب مال حرام ہو اور کھائے نہیں جب تک وہ وضاحت نہ کرے کہ یہ اصل مال میں نے وراثت یا قرض میں حلال حاصل کیا ہے۔اھ اس کی مثل ینابیع میں ہے۔(ت)

مگر اس حیلہ سے نہ وہ گناہ اس سے زائل ہو نہ اس ناپاک مال کا وبال سر سے اُترے، نہ اس سے فرض ادا کرنا روا، بلکہ یہ دوسرا گناہ ہوا کہ حکم شرع تو اصحاب حقوق کو واپس دینا یا تصدق کرنا تھا، اس نے کچھ نہ کیا بلکہ اپنی ادائے قرض میں لگادیا، تو ثابت ہوا کہ خبیث مال والوں کو یہ حیلہ نافع نہیں بلکہ مضر و موجب گناہ ہے۔

فان قلت الیس قال فی الھندیۃ الحیلۃ فی ھذہ المسائل ان یشتری نسیئۃ ثم ینقد ثمنہ من ای مال شاء، وقال ابویوسف سألت اباحنیفۃ عن الحیلۃ فی مثل ھذا فاجابنی بماذکرنا کذا فی الخلاصۃ[2] اھ، و انما الحیلۃ لتحصیل الجواز۔**قلت** انما قال فی اموال الشبھۃ کالجواز السلطانیۃ ای حیث	**اگر تو اعتراض کرے** کہ کیا ہندیہ میں یہ بیان نہیں ہے کہ ان مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ مال ادھار خریدے اور پھر بعد میں معاوضہ کسی بھی مال سے چاہے دیدے۔اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان مسائل کے متعلق حیلہ پوچھا تو انھوں نے جواب میں وہی فرمایا جو ہم نے ذکر کیا، خلاصہ میں یوں ہے اھ، اور جبکہ حیلہ صرف جواز کو طلب کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جواب کے طور پر **میں کہتاہوں**، یہ مذکور قول انھوں نے مشتبہ مال میں فرمایا ہے جیسے سرکاری عطیات

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

لم یعلم کونها عین الحرام، فانه لایجوز اخذہ حتی للفقیر کما نص علیه فی الهندیة ایضا وغیرها، ونص عبارته قبل هذا فی شرح حیل الخصاف لشمس الائمة رحمه الله تعالٰی ان الشیخ ابا القاسم الحکیم کان یاخذہ جائزة السلطان وکان یستقرض لجمیع حوائجه ومایاخذ من الجائزة یقضی بها دیونه والحیلة فی ھٰذہ المسائل[1] الی اٰخر ما مر فهذا انما هو فی امثال هذا۔لافی المال الخبیث الواجب التصدق فان فیه مناقضة لما امر به الشرع کما علمت فاعلم ذٰلك وتفهم، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم وحکمه عزشانه احکم۔	جن کے متعلق عین حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا۔ لیکن وہ مال جو عین حرام ہونا معلوم ہو تو اس کو لینا فقیر تک کو جائز نہیں ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں بھی اس کی تصریح ہے۔اور شمس الائمہ خصاف کی حیل کی شرح میں اس سے قبل ان کی عبارت یہ ہے کہ شیخ ابوالقاسم حکیم سرکاری عطیہ لیا کرتے تھے اور آپ اپنی ضروریات کے لئے قرض لیتے اور وہ قرض سرکاری عطیات سے ادا کرتے اور حیلہ ان مسائل کا یہ ہے الٰی آخرہ۔ تومذکور قول ان مشتبہ اموال میں ہے نہ کہ خبیث مال میں ہے جس کو صدقہ کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ خبیث میں حیلہ شرعی حکم کے منافی ہے۔ جیسا کہ تو معلوم کرچکا ہے۔ اسے جان لو اور سمجھ لو۔والله تعالٰی سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم وحکمه عزشانه احکم۔(ت)

مسئلہ ۲۶۲: ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کی نمبرداری میں عمرو کی جزوی حقیت شامل ہے۔پٹی جداگانہ زید نے صرف اپنی جائداد کا ٹھیکہ بکر کو دے دیا اور خود ترک وطن کیا، بکر اور عمرو باہم اپنے اپنے حاصلات لیتے رہے۔آخر سال کا حاصل بوجہ تکرار باہمی عمرو وبکر کے عمرو کو وصول نہیں ہوا، تب عمرو نے نالش زید وبکر دونوں پر دائر کی، بالآخر زید پر ڈگری ہو گئی، بحالت اجراء اس ڈگری کے وہ ڈگری بمقابلہ زید کے تمادی ایام میں خارج ہوگئی، تو اس ڈگری کا روپیہ ذمہ زید کے واجب الادا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

الجواب:

سائل مظہر کہ زید وعمرو کی پٹیاں جداجدا ہیں، اور عمرو نے اپنی پٹی کے پٹے اسامیوں کو خود دئے، اور آپ تحصیل کرتا رہا۔ چند سال سے بکر ٹھیکہ دار حقیت زید نے اپنے دباؤ کے سبب عمرو کی پٹی بھی تحصیل لی، اس صورت میں عمرو کا مطالبہ حقیقۃً اپنے اسامیوں پر ہے کہ انھوں نے غیر شخص کو اس کا آتا ہوا کیوں دے دیا، اور بکر نے بوجہ اس زیادہ ستانی کے ظلم کیا مگر زید کی طرف سے کوئی تعدی نہیں۔ نہ اس پر عمرو کا مطالبہ تھا، نہ اس نے اسامیوں سے اس کا حق تحصیل لیا، نہ عمرو کے کوئی خاص معین روپے اسامیوں کے پاس رکھے تھے وہ بکر نے اسن سے لے کر زید کو دے دئے۔ تو زید اس مطالبہ سے بالکل بری ہے، اس کی ڈگری محض بیجا ہوئی عمرو کو اس سے کچھ لینا جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک موضع کا مالک ہے۔ اور بکر زید کی رعایا، گاؤں میں زمین جوتتا ہے اور لگان زید کو دیتا ہے، اور کچھ زمین اور اس گاؤں میں بے لگانی ہے۔ اس میں بکر نے چند درخت لگائے ہیں اور پھل کھاتا ہے۔ اور ان درختوں پر زید اس سے کچھ لگان نہیں لیتا ہے۔ اور حاکم وقت نے بھی یہی حکم جاری کر رکھا ہے کہ زمین کا مالک جو ہے وہی درختوں کا مالک ہے صرف پھل پھول کھانے کا بکر کو اختیار ہے اور بکر کو اختیار ہے۔ اور بکر نے بلااجازت زید کے مخالفانہ ان درختوں کو خالد کے ہاتھ فروخت کردیا، زید نے بکر اور خالد پر نالش کی کہ بکر کو بیچنے کا منصب نہیں تھا، اور یہ بموجب حکم حاکم فاسد ہے۔ حاکم نے وہ درخت زید کو دلادئے، اور یہ بھی حکم دیا کہ خالد اپنے روپے کا دعوٰی بکر پر کرے، تو اس صورت میں دراصل وہ درخت حق زید کے ہیں یا بکر کے یا خالد کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہاں دو صورتیں ہیں: ایک یہ درخت بکر نے باذن واجازت زید لگائے، خواہ یوں کہ زید نے صراحۃً خاص بکر، سب سکان دیہہ کو عام اذن دیا، خواہ یوں کہ حسب عرف رواج دیہہ ملاک کی طرف سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۳

مزارعین کو اذن عرفی تھا۔

دوسرے یہ کہ محض بلااذن بطور خود بکر نے لگالئے۔

پہلی صورت میں درخت مطلقاً زید کی ملک ہوں گے مگر یہ کہ خود اذن مذکور کا مطلب ہی یہ ہوا کہ لگانے والا مالک ہوں، مثلاً اذن عرفی میں عرف ہی یوں تھا یا اذن صریح میں لفظ یہ تھے کہ اپنے لئے لگالو، تو اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے، اور زمین عاریت، یا یہ کہ بکر نے بر خلاف مطلب اذن لگاتے وقت یہ کہہ لیا کہ میں خود اپنے اس صورت میں درخت ملک بکر ہوں گے اور وہ بوجہ مخالفت اذن ظالم وغاصب کہ فوراً درخت اکھیڑ کر زمین خالی کردینے کا حکم دیا جائے گا۔ اور دوسری صورت میں یعنی جبکہ بے اذن مالک رکھے گئے، درخت مطلقاً ملک بکر ہوں گے، اور وہ غاصب قرار پائے گا۔ مگر یہ کہ رکھتے وقت اس نے کہہ دیا ہو کہ زید کے لئے لگاتا ہوں، اس صورت میں ملک زید ہوں گے۔ اور بکر کا کوئی دعوی نہیں۔

ھذا جملۃ الحکم فی ذٰلك وتعرف تفاصیل المسألۃ من شتی التنویر، والدر، وحواشیہ، ووقف الاشباہ۔ وشروحہ۔ وغصب الھندیۃ وغیرھا من الکتب المعتمدۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا یہ خلاصہ حکم ہے، اور تنویر الابصار میں کے مسائل شتّٰی، درمختار اور اس کے حواشی، اور الاشباہ کے وقف اور اس کی شرح، اور ہندیہ کے باب غصب وغیرہ معتبر کتب میں اس کی تفاصیل تجھے معلوم ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۴: ۲۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اراضی مسجد کی جو اس کے پیچھے تھی اپنے مکان میں ڈال لی ہے اور دیوار بنوالی، اور تاج محراب مسجد ومینار مسجد دباکر اپنی دیوار بلند کرلی، ایسے شخص کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے؟ **فقط**

الجواب:

فاسق، فاجر، ظالم، جابر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب النار وغضب الجبار ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایأخذ احد شبرا من الارض بغیر حقہ الاطوقہ اللہ الی سبع ارضین الی یوم	جو شخص ایک بالشت بھر زمین ناحق لے گا اللہ تعالٰی وہ زمین زمین کے ساتوں طبقوں تک اس کے گلے میں قیامت کے دن تک طوق

القیٰمۃ۔رواہ مسلم[1] عن ابی ھریرۃ والشیخان عن ام المؤمنین وعن سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بناکر ڈالے گا۔(اس کو مسلم نے ابوہریرہ اور شیخین نے ام المومنین عائشہ اور سعید بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیٰمۃ الی سبع ارضین[2]۔رواہ البخاری عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جو زمین ناحق دبالے گا قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبق تک دھنسا دیا جائے گا۔(اس کو بخاری نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایما رجل ظلم شبرا من الارض کلفہ اللہ عزوجل ان یحفرہ حتی یبلغ اٰخر سبع ارضین، ثم یطوقہ یوم القیٰمۃ حتی یقضی بین الناس[3]۔رواہ احمد والطبرانی وابن حبان فی صحیحہ بسند جید عن یعلی بن مرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شخص ایک بالشت زمین ناحق لے لے اللہ تعالٰی اسے تکلیف دے کہ اس زمین کو کھودے یہاں تک کہ ساتویں طبقے کے ختم تک پہنچے پھر قیامت کے دن اس کا طوق بناکر اس کے گلے میں ڈالے یہاں تک کہ تمام مخلوق کا حساب کتاب ختم ہوکر فیصلہ فرمادیا جائے(اس کو طبرانی، احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں جید سند کے ساتھ یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ شیئا من الارض بغیر حلہ طوقہ اللہ من سبع ارضین	جو کسی قدر زمین ناجائز طور پر لے اللہ تعالٰی ساتویں زمینوں سے اس کے گلے میں طوق ڈالے۔

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب تحریم الظلم وغصب الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب اثم من ظلم شیئا من الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث یعلی بن مرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۸۳

لایقبل اللہ منہ صرف ولاعدل[1]۔رواہ احمد والطبرانی عن سعد بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل (اس کو احمد وطبرانی نے سعد بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیثیں اس باب میں متواتر ہیں، اس شخص پر فرض ہے کہ مسجد کی زمین وعمارت فورا فورا خالی کردے، اور اپنی ناپاک تعمیر جوان پر کرلی ہے ڈھاکر دور کردے، اللہ قہار وجبار کے غضب سے ڈرے، ذرا من دو من نہیں بیس پچیس ہی سیر مٹی کے ڈھیلے گلے میں باندھ کر گھڑی دو گھڑی لئے پھرلے۔ اس وقت قیاس کرے کہ اس ظلم شدید سے باز آنا آسان ہے یا زمین کے ساتویں طبقوں تک کھود کر قیامت کے دن تمام جہاں کا حساب پورا ہونے تک گلے میں، **معاذاللہ** یہ کروڑوں من کا طوق پڑنا اور ساتویں زمین تک دھنسادیا جانا، **والعیاذباللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵: رجب ۱۳۱۵ھ از شہر کہنہ بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کی زوجہ سے بلاطلاق دئے خالد کے نکاح کرلیا، اور خالد بعد معلوم ہوجانے نکاح اپنی زوجہ کے زوجہ کے ساتھ سرکار میں جاکر عرضی دی، اور زوجہ خالد نے بھی اپنے نان ونفقہ اور مہر کی عرضی خالد پر دی، اور ہنوز دونوں کا مقدمہ دائر ہے۔ لیکن اس عرصہ میں پنچوں نے جمع ہو کر دونوں کو راضی اپنے فیصلہ پر کرلیا، اور فیصلہ پنچوں کا اس طور پر زید پر ہوا کہ زید کو بوجہ مرتکب ہونے اس امر ناجائز کے مبلغ پچاس روپیہ جرمانہ اور مبلغ دس روپیہ صرفہ خالد ادا کئے، اور خالد نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور مبلغ مذکور بھی پنچوں نے زید سے ادا کئے، اور اب روپیہ موصوف پنچوں کے تحت میں ہے۔ جب زید نے دیکھا کہ یہ وپیہ بیکار ہاتھ سے جاتا ہے کہ یہ لوگ شیرینی وغیرہ میں صرف کریں گے۔ تو اس نے مجبور ہو کر کے کہا کہ تم لوگ اس روپیہ سے ایک مسجد تعمیر یا مرمت کرو، تو پنچوں نے راضی ہو کر خالد سے بھی روپیہ صرفہ کا لے لیا، یعنی اس کو بھی تعمیر مسجد یا مرمت میں صرف کریں گے۔ بعد اس کے پنچوں میں سے ایک شخص نے پنچوں سے روپیہ لے کر زید کو دے دیا اور کہا کہ ایسا جائز نہیں ہے۔ پھر بعد تھوڑی دیر کے زید سے روپیہ مذکور واپس لے لیا، آیا اس روپیہ کو مرمت مسجد یا تعمیر مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والطبرانی الترھیب من اخذ الارض حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶

الجواب:

اول یہ مال حرام تھا کہ جرمانہ جو پنچ لیتے ہیں ناجائز ہے۔

قال المصادرۃ بالمال منسوخۃ عند نا وان کانت فالی الامام دون العوام۔	کیونکہ مالی جرمانہ ہمارے نزدیک منسوخ ہے۔اگر ہو بھی تو صرف امام تک جواز ہے عوام کو جائز نہیں۔(ت)

اور جو صرف خالد کو زید سے دلایا وہ بھی ناجائز تھا **فانہ تضمین باطل لم یرد بمثلہ الشرع** (کیونکہ یہ ضمان لگانا باطل ہے شرع میں اس کی مثال نہیں ہے۔ت) مگر جب زید نے اپنی رضا اور خوشی سے اس مسجد میں صرف کی اجازت دے دی، اور اس کی تکمیل یوں کرلی گئی کہ وہ روپیہ اس کو واپس کردیا اور پھر اس سے تعمیر مسجد کے لئے مانگا اور اس نے بخوشی دیا جیسا کہ بیان سائل سے معلوم ہوا، تو اب اس کے جواز میں شبہ نہیں **کمالا یخفی فان الباطل قد زال بالرد** (جیسا کہ مخفی نہیں کہ باطل کا زوال واپس کردینے سے ہوگیا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۶: از مولوی مرزا خاں پیشاوری ۱۵ محرم ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چیز رکھی ہوئی تھی، وہ چیز لاٹھی فرض کیجئے، دوسرے شخص نے آکر اٹھالی اور اس سے کھیل شروع کیا اور اس کو حرکت جوالہ دی، وہ اس کے ہاتھ سے گر پڑی اور ٹوٹ گئی، اب اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حوالہ کتاب دیجئے اور اگر نہیں ہے تو حوالہ کتاب دیجئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ بے اذن مالک اس نے وہ چیز اٹھالی اور اس کے کھیلنے میں گر کر ٹوٹ گئی، تو اس پر بلاشبہہ ضمان واجب ہے۔ فتاوٰی خانیہ پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذا دخل الرجل دار انسان واخذ متاعا وجحد فھو ضامن وان لم یحولہ ولم یجحدہ فلا ضمان علیہ الا ان یھلك بفعلہ او یخرجہ من الدار[1]۔	جب کوئی کسی شخص کے گھر داخل ہوا اور سامان لیا اور بعد میں انکار کردیا تو ضامن ہوگا اگرچہ سامان کو جگہ سے تبدیل نہ کیا اور انکار نہ کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا مگر جبکہ اپنے عمل سے ضائع کرے یا سامان گھر سے باہر لے جائے تو ضامن ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۸، فتاوٰی قاضیخاں کتاب الغصب فصل فیما یصیر بہ المرء غاصبا نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۔۴۷۸

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

دخل رجل علی صاحب الدکان باذنه فتعلق بثوبه شیئ مما فی دکانه فسقط لایضمن لکن تاویله اذالم یکن السقوط بفعله ویده وکذٰلك اذا اخذ شیئا بغیر اذنه مما فی دکانه لینظر الیه فسقط لایضمن، ویجب ان یضمن الا اذا اخذ باذنه اما صریحا او دلالة [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص دکاندار کی دکان میں اجازت سے داخل ہوا اور اس کے کپڑے سے لٹک کر کوئی چیز گر کر ضائع ہوگئی تو ضامن نہ ہوگا، اس صورت میں کہ وہ چیز اس کے عمل اور ہاتھ سے نہ گری ہو، اور یونہی جبکہ دیکھنے کے لئے دکان سے کوئی چیز بغیر اجازت اٹھائی اور گر کر ٹوٹ گئی تو ضامن نہ ہوگا مگر صراحۃً یا دلالۃً اجازت کے بغیر اٹھائے تو ضمان واجب ہوگا الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۷: از پیلی بھیت قاضی محلّہ مرسلہ قاضی ممتاز حسین صاحب ممتاز ۲۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

زید کا مال عمرو نے چُرایا، چوری کے بعد زید مرگیا، اس نے لڑکا بکر وارث چھوڑا، اب بکر بھی مرگیا، کوئی اس کی نسل میں نہ رہا جو ترکہ ان دونوں کا پائے۔ اب عقبٰی میں اس مسروق کے معاف کرنے کا مجاز زید ہے یا بکر؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جو شخص کسی کا مال چرائے یا جبرا چھین لے یا دبا کر رشوت میں لے۔ یا ظلما تلف کردے، توان صورتوں میں علاوہ جرم شرعی کے جس میں خود سرکاری مدعی ہے، (یعنی حقیقی سرکار ابد قرار شریعت نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اس ظالم پر مظلوم کے دو ۲ مطالبے عائد ہوتے ہیں، ایک مطالبہ ظلم کہ اسے ستایا آزار پہنچایا، دوسرا مطالبہ مال، مطالبہ ظلم تر مطلقًا اسی مظلوم کے لئے ہے تو اس کی معافی کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ رہا مطالبہ مال، اس میں دو صورتیں ہیں: اگر حیات مظلوم میں وہ مطالبہ مردہ ہوگیا جس کے وصول کی اصلا توقع نہ رہی، مثلاً ظالم مرگیا اور مال کچھ نہ چھوڑا، جب تو یہ مطالبہ بھی اسی مظلوم کے لئے ہے اور اسی کے معاف کئے معاف ہوگا دین جب مردہ ہوجائے اس میں توریث جاری نہیں ہوتی، تو مظلوم کے بعد اس کا بیٹا اس مطالبے کا مالک نہ ہوا، اور اگر اس کی زندگی میں مطالبہ مردہ نہ ہو تو بعد انتقال مظلوم پسر مظلوم کی طرف منتقل ہوگا، اور صورت مسئولہ میں مطالبہ مال کے معاف کرنے کا اختیار بکر کو ہوگا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۹

اور مطالبہ ظلم سے در گزر کا مجاز زید۔ ہندیہ میں ہے:

لومات وترك عينا ودينا وغصبا فی ايدی الناس ولم يصل شيئ من ذٰلك الى الورثة. فالقياس ان يكون الثواب بذٰلك فی الاٰخرة للورثة لانهم ورثوا منه وفی الاستحسان ان توی الدين وتمت التوی قبل الموت فالثواب له لان التاوی لايجری فيه الارث. فان توی بعده فالثواب للوارث لانه لا يجری الارث فيه ليقامه وقت الموت. كذا فی الفتاوٰی العتابية[1]۔	اگر کسی نے فوت ہونے کے بعد لوگوں کے ذمہ قرض، عین چیزیا غصب چھوڑااور ترکہ میں ورثاء کو وصول نہ ہوئی ہوں تو قیاس یہ ہے کہ ظلم برداشت کرنے کا ثواب ورثاء کو ملے کیونکہ یہ اس میت کے بعد ان اموال کے وارث بنے اور جبکہ استحسان یہ ہے اگر ان اموال کا نقصان مرنے والے کی میت سے پہلے مکمل طور پر واضح ہوگیا تو ثواب میت کو ملے گا کیونکہ نقصان میں وراثت نہیں ہے۔ اگر یہ نقصان موت کے بعد تام ہوا تو پھر ثواب ورثاء کو ملے گا کیونکہ ان میں وراثت جاری ہوئی ہے اس لئے کہ موت کے وقت یہ اموال میت کی ملکیت تھے۔ فتاوٰی عتابیۃ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

سرق شيئا من ابيه ثم مات ابوه لم يؤاخذ به فی الاخرة لان الدين وهو ضمان المسروق انتقل اليه و اثم بالسرقة لان حق على المسروق منه كذا فی الفتاوٰی العتابية، رجل له على رجل دين فتقاضاه فمنعه ظلما حتى مات صاحب الدين وانتقل الى الوارث، تكلموا فيه. قال اكثر المشائخ لايكون حق الخصومة للاول۔ لكن المختار ان	کسی نے اپنے والد کی کوئی چیز چرائی پھر والد فوت ہوگیا تو آخرت میں اس پر ضمان کا مؤاخذہ نہ ہوگا کیونکہ چیز مسروقہ جس کا ضمان تھا وہ وراثت میں بیٹے کو منتقل ہوچکی ہے اور چوری پر گنہگار ہوگا اس لئے کہ اس نے وقت کے مالک کا جرم کیا ہے۔ یہ فتاوی عتابیہ میں ہے ایک شخص کا دوسرے پر قرض تھا تو مالک نے کسی کو قرض وصول کرنے کے لئے بھیجا تو مقروض نے ادائیگی سے انکار کردیا پھر وہ مالک فوت ہوگیا اور وہ قرض ورثاء کو منتقل ہوگیا تو اس مسئلہ میں فقہاء کا کلام ہے۔ اکثر مشائخ نے فرمایا ہے کہ مالک کے مقرر کردہ پہلے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

الدین للوارث، والخصومة فی الظلم بالمنع للاول، لافی الدین اذ الدین انتقل الی الوارث، کذا فی الظھیریة [1]۔	شخص کو قرض میں فریق بننے کا حق نہیں ہے۔ لیکن مختار یہ ہے کہ قرض وارثوں کا ہے اور قرض کی ادائیگی سے انکار کے ظلم کا دفاع پہلے مقرر شدہ کے ذمہ ہوگا۔ نہ قرض میں اس لئے کہ قرض وارث کو منتقل ہو چکا ہے، ظہیریہ میں یوں ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی خانیہ وغیرہ میں ہے۔ نیز فتاوٰی خانیہ میں ہے:

رجل مات ولہ علی رجل حق، ولم یخلف وارثا، قالوا یتصدق المدیون بما علیه من المیت، لیکون ذٰلك ودیعة عنداللہ تعالٰی، فیوصله الی خصمه یوم القیمة [2] **قلت** فافادان من مات لاعن وارث فان الخصومة تنتھی الیه، ولاینتقل عنه الی بیت المال وکان الفقه فی ذٰلك ان الوضع فی بیت المال لیس علی جهة الارث، بل لان الضوائع تصیر فیألًلمسلمین کما نص علیه فی الدرالمختار واوضحة فی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایک شخص فوت ہوا اس کا دوسرے پر دین ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو اس صورت میں فقہاء نے فرمایا کہ مقروض اس میت کی طرف سے مال کو صدقہ کرے تاکہ عنداللہ قیامت میں یہ صدقہ امانت بن کر مستحق تک پہنچ جائے **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) اس کا یہ فائدہ ہوا کہ جو وارث چھوڑے بغیر فوت ہو جائے تو اس کے حق میں مطالبہ ختم ہو جاتا ہے اور وہ مطالبہ بیت المال کو منتقل نہیں ہوگا، اس میں نکتہ فہم یہ ہے کہ بیت المال کو لاوارث کا مال بطریقہ وراثت منتقل نہیں ہوتا بلکہ لاوارث باقی ماندہ اشیاء مسلمانوں کے لئے ترکہ بنتی ہے ہی جیسا کہ درمختار میں اس پر نص ہے اور اس کی وضاحت ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۸: ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان خام کو پختہ بنوایا، اور کچھ اراضی بکر کے اپنے مکان میں ڈال لی، اس پر بکر نے منع کیا، اس کے منع کرنے پر زید کا بھائی عمرو نے مل کر

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۷

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الغصب فصل فی براۃ الغاصب والمدیون نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۳

مار پیٹ کی، اس پر بکر نے اپنا سر جھکا یا تاہم وہ باز نہ آئے، اور عمرو اپنے آپ کو متقی تصور کرتا ہے۔ اور اہل محلّہ کے لوگ بھی ایسا ہی قرار دیتے ہیں، اس وجہ سے یہ سوال قائم کرکے علمائے کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ شاید حکم شریعت کو سن کر عمرو اپنے کئے ہوئے فعل پر نادم ہو، اور بکر کے ساتھ آئندہ کچھ زیادتی نہ کرے، اور حکم شرعی زید و عمرو ہمراہیان کے مع تفصیل علیحدہ علیحدہ تحریر فرمائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں عمرو اور اس کے ساتھی سب ظالم اور مرتکب کبیرہ و مستحق عذاب شدید ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ الارض شیئا بغیر حقه خسف به یوم القیمة الی سبع ارضین۔ رواہ البخاری[1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	جو شخص زمین میں سے کچھ ٹکڑا ناحق دبالے قیامت کے دن وہ ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔ (اسے بخاری نے ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اٰذی مسلما فقد اذنی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی، جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، (اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم ان ظالم فقد خرج من الاسلام[3]۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے کو چلا اور اسے معلوم ہو کہ یہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے نکل گیا (اسے طبرانی نے کبیر میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۳۷۳

[3] المعجم الکبیر للطبرانی ترجمہ اوس بن شرحبیل حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷

زید پر فرض ہے کہ بکر کی زمین اسے واپس دے، اور زید وعمرو اور اس کے سب معاون پر فرض ہے کہ بکر کو راضی کریں اور اس سے اپنا قصور معاف کرائیں، ورنہ روز قیامت اس کے مستحق ہوں گے کہ ان کی نیکیاں بکر کو دی جائیں، بکر کے گناہ ان کے سر پر رکھے جائیں اور یہ جہنم میں ڈال دیے جائیں۔ **والعیاذ باللہ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۹: از مراد آباد ۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا، خالد، ولید، عمرو پسران، عابدہ، ساجدہ دختران۔ حامدہ زوجہ چھوڑے، ترکہ زید پر صرف خالد قابض رہا، اس نے ترکہ کو بموجب شرع تقسیم کیا، مگر عابدہ کو زر نقد سے اس کے حصے کا نصف ادا کیا اور نصف دینے کا وعدہ کیا، بعدہ، عابدہ نے انتقال کیا ایک پسر، ایک دختر اور شوہر چھوڑا، وارثان متوفاہ نے خالد سے باقی نصف جو زر نقد تھا طلب کیا، تب خالد نے ایک ہفتہ میں ادا کرنے کا وعدہ کیا، اسی طرح خالد پر تقاضے ہوتے رہے، اور وہ ہفتہ وعشرہ میں ادا کا وعدہ کرتا رہا۔ آخر کار خالد نے کہہ دیا کہ میرے یہاں چوری ہوگئی اور میرے مال کے ساتھ نصف حصہ عابدہ جو میرے پاس باقی تھا چوری ہوگیا، بعدہ، خالد نے اپنے لئے جائداد خریدی، اب یہ دریافت طلب ہے کہ نصف حصہ عابدہ جو خالد کے پاس رہ گیا ہے از روئے شرع شریف کے خالد کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بقیہ زر نقد حصہ عابدہ کہ خالد کے پاس رہا تھا خالد پر وارثان عابدہ کے لئے واجب الادا ہے۔ اور چوری ہوجانے کا عذر نا مسموع، ترکہ مورث میں ورثاء کی شرکت شرکت ملک ہوتی ہے۔ اور شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے اجنبی ہوتا ہے۔ بے وجہ شرعی مثل وصایت وولایت وغیرہما ایک کو دوسرے کے حصہ پر قبضہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

شرکۃ ملك ان یملك متعدد عینا او دینا بارث او بیع اوغیرھما وکل اجنبی فی مال صاحبہ[1] ۔ (ملتقطًا)	شرکت ملک یہ ہے کہ متعدد حضرات کسی عین چیز یا دین میں وراثت، بیع وغیرہ کے ذریعہ مالک بنیں، اور یہ تمام حضرات ایک دوسرے کے مال میں اجنبی متصور ہوں گے۔ (ملتقطًا)۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۰

خالد نے اگر بے اذن عابدہ قبضہ کیاجب توظاہر ہے کہ وہ قبضہ ناجائز تھا،اور بعد تقاضا ہر بار اس سے روکے رہنا ظلم بر ظلم،اور اگر ابتداء قبضہ باذن بھی تھا،تو طلب ٹالے بالے حیلے حوالے نے اسے قبضہ ظلم وتعدی کردیا،بہر حال اب چوری ہوجانا یا خود خرچ کرلینا،دونوں کاحکم یکساں ہوگیاکہ تاوان لازم ہے۔ہدایہ میں ہے:

الودیعۃ امانۃ فی ید المودع اذا ھلکت لم یضمنہ فان طلبھا صاحبھا فمنعھا وھو یقدر علی تسلیمھا، ضمنھا، لانہ متعد بالمنع، وھذا لانہ لما طالبہ لم یکن راضیا بامساکہ بعدہ فیضمنھا بحبسہ عنہ[1] اھ ملتقطا۔	ودیعت مودع کے پاس امانت ہوئی جب ہلاک ہوجائے تو ضمان نہ ہوگا،ہاں اگر مالک نے واپس لینے کا مطالبہ کیااور مودع نے دینے سے انکار کیاحالانکہ دینے پر قادر تھا توہلاک ہونے پر ضامن ہوگا کیونکہ انکار پر وہ ذمہ دار ٹھہرا یہ اس لئے کہ جب مالک نے واپسی کا مطالبہ کیا تو اس کے بعد وہ اس کے پاس رکھنے پر راضی نہ تھا تو وہ روکنے پر ضامن ہوجائے گا اھ ملتقطا۔(ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ:

فانقلت ھذا ظاہر فیما اذا کان قبض خالد باذن عابدۃ،فانہ حینئذ تکون یدہ یدھا،فاذا منعھا فقد ازال یدا محقۃ واثبت مبطلۃ ولو حکما،فکان غاصبا والغصب یضمن ہالکا اومستھلکا اما اذ قبض ابتداء بعد موت المورث من دون اذن الورثۃ ولا سبق قبض لھم فلم یوجد ازالۃ ید محققہ،وان ثبت اثبات مبطلۃ ولاغصب	اگر تیرا یہ اعتراض ہو کہ یہ اس وقت ظاہر ہے جب خالد نے عابدہ کی اجازت سے قبضہ کیاتو خالد کا قبضہ عابدہ کا قبضہ قرار پایا توجب خالد نے عابدہ کو دینے سے انکار کردیا تواب یہ قبضہ حق نہ رہابلکہ ناحق ہوگیااگرچہ ناحق ہونا حکماً ہے تویوں وہ غاصب بن گیا جبکہ غاصب خود ہلاک کرے یا اس سے ہلاک ہوجائے دونوں صورتوں میں ضمان واجب ہوتا ہے لیکن موت کے بعد قبضہ کو ورثاء کی اجازت حاصل نہیں۔اور نہ ہی ان کو پہلے قبضہ حاصل تھا،تواب موت کے بعد قبضہ سے رہنا برحق قبضہ زائل نہ ہوا،اگرچہ یہ ناحق قبضہ ہے

[1] الھدایہ کتاب الودیعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷۱

الابعد اجتماعھا ففیم یضمن قلت یضمن ضمان التعدی وان لم یعد غاصبا۔قال السید العلامۃ الازھری فی فتح اللہ المعین،فان قیل وجد الضمان فی مواضع ولم تتحق العلۃ المذکورۃ کغاصب الغاصب فانہ یضمن،وان لم یزل یدالمالك بل ازال ید الغاصب،والملتقط اذالم یشھد مع القدرۃ علی الاشھاد مع انہ لم یزل یدا،وتضمن الاموال بالاتلاف تسببیا کحفر البیرفی غیر الملك ولیس ثمۃ ازالۃ ید احد ولا اثباتھا فالجواب ان الضمان فی ھذہ المسائل لا من حیث تحقق الغصب بل من حیث وجود التعدی کمافی العنایۃ [1] الخ۔	تو ضمان تب واجب ہوتا ہے جب حق کا زوال اور ناحق کا اثبات دونوں جمع ہوں،تو صرف ناحق قبضہ پر ضمان کیونکر لازم ہوگا،جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہاں ادائیگی سے منع پر ضمان ہے اگرچہ یہ غصب نہیں ہے سید علامہ ازہری نے فتح اللہ المعین میں فرمایا ہے اگر اعتراض کیا جائے کہ کئی مقامات پر ضمان واجب ہوتا ہے حالانکہ وہاں مذکورہ علت نہیں پائی جاتی،مثلاً غاصب ضامن ہوتا ہے،اگرچہ اس نے مالک کا قبضہ زائل نہ کیا بلکہ اس نے غاصب کا قبضہ توڑا ہے اور یونہی گری ہوئی چیز اٹھانے والا جب اس پر گواہ بناسکتا تھا اور گواہ نہ بنائے حالانکہ اس نے بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا اور یوں ہی ہلاکت کا سبب بنانے پر بھی مال کی ہلاکت کا ضامن بنایا جاتا ہے مثلاً غیر کی ملک میں کنواں کھودنا،اس میں بھی مالک کا قبضہ نہ توڑا، اور نہ ہی باطل قبضہ ثابت ہوا،تو جواب یہ ہے کہ ان مسائل میں اگرچہ غصب متحقق نہ ہوا اس کے باوجود ضمان اس لئے ہے کہ یہاں تعدی پائی گئی ہے،جیسا کہ عنایہ میں ہے الخ۔(ت)

ہندیہ میں تاتارخانیہ سے ہے:

سئل ابو حامد عن مسافر حمل امتعتہ علی سفینۃ لیذھب الی بلدۃ،ثم مات ومعہ ابنہ فاخرج الابن تلك الامتعۃ من تلك السفینۃ الی سفینۃ اخری لیذھب لیسلمھا الی سائر الورثۃ،	ابوحامد سے سوال ہوا کہ مسافر نے سامان ایک کشتی میں رکھا وہ کشتی والا مسافر فوت ہوگیا اس کے بیٹے نے جو ہمراہ تھا دوسری کشتی میں سامان لادا تاکہ باقی وارثوں کو سامان پہنچائے ھ لیکن اس نے اپنے والد کو طے کردہ راستہ کو چھوڑ کر

[1] فتح المعین کتاب الغصب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۱۰

واخذ طریقا یسلکه الناس غیر الطریق الذی کان المیت علی عزم ان یذهب فیه. ثم غرقت السفینة و مات الابن وضاعت الامتعة. هل یضمن الابن نصیب سائرا لورثة. فقال لاوسئل عنها مرة اخری فقال ان کان اخرجها الی سفینة اخری ومضی بها الی مکان اٰخر سوی وطن الورثة ضمن [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لوگوں کے عام معروف راستے پر کشتی کو چلایا اور کشتی بمعہ سامان اور لڑکے غرق ہو گئی، تو کیا اس صورت میں بیٹے پر ضمان عائد ہوگا؟ تو آپ نے جواب میں فرمایا ضمان نہ ہوگا۔ پھر ان سے ایک مرتبہ یہی سوال ہوا تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر بیٹا وہ سامان دوسری کشتی میں لاد کر سامان کے مالکوں کے وطن کی بجائے دوسرے مقام کی طرف لے گیا تو ضامن ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۰: از بنگالہ ضلع چاٹگام تھانہ راؤجاں موضع پھمرا مرسلہ مولوی اسمٰعیل صاحب ۱۴ شوال ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلا زید چند پسران خود یعنی خالد وبکر وغیرہ واموال منقولہ وغیر منقولہ را گزاشتہ از سرائے فانی بدار باقی رحلت فرمود، اکنوں از خالد اموال مذکورہ پدر متوفی خود رابزور بازوو حسب فرائض اللہ تقسیم مستقیم نانمودہ وبکر وغیرہ ندادہ۔ بقبضہ تصرف خود آوردن از قبیل غصب ست یانہ، وخود خوردن بل دیگراں راکہ خارج از ورثہ باشد خورانیدن، ومہمانی ایشاں نمودن، وخود میزبان گردیدن، وبجانب مستحقان اموال مقبوضہ وامتعہ موصوفہ التفات نہ کردن، ایں فعل شرعا صحیح است یانہ، وغاصب از اشیائے مغصوبہ ضیافت ومہمانی	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلا زید نے اپنی وفات کے بعد منقولہ اور غیر منقولہ مال ترکہ چھوڑا اور ورثاء میں اپنے چند بیٹے خالد اور بکر وغیرہ چھوڑے، اب خالد نے بزور بازو اپنے مرحوم والد کے تمام مال پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق ورثاء میں تقسیم نہ کیا اور بھائی بکر وغیرہ کو کچھ نہ دیا بلکہ اپنے تصرف میں لایا، کیا اس کی یہ کاروائی غصب ہے یا نہیں اور خود کھانا بلکہ غیر وارثوں، مہمانوں کو میزبان کے طور پر کھانا اور مستحق حضرات کی طرف کوئی التفات نہ کرنا شرعا یہ فعل صحیح ہے یا نہیں؟ اور غاصب کو مغصوبہ مال میں سے ضیافت کرنا نیز مہمانوں اور دیگر حضرات کو یہ کھانا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۶۔۱۵۷

کردن ونیز مہمان وخورندگان رازاں خوردن شرعا نافذ است یانہ،واگر غاصب برفعل غصب اصرار کند وآں تعامل او معلوم می شود کہ غصب راغصب نہ فہمد بلکہ فعل غصب رانوے از حرفت وپیشہ شمرد، حسب شرع شریف بروجہ تعزیر واجب خواہد شد،بینو بسند الکتاب وتوجروا الی ملك الوھاب۔	شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور غاصب اپنے غاصبانہ عمل پر اصرار کرے اور اس کو معمول کی کاروائی سمجھے اور غصب نہ سمجھے بلکہ غاصبانہ کاروائی کو وہ ہمیشہ بنالے تو کیا شرعا وہ تعزیر کا مستحق ہے کتاب کی سند کے ساتھ بیان کیجئے اور ملک الوہاب سے اجر پایئے۔(ت)

الجواب:

حرکت مذکورہ بالیقین غصب وحرام ست،قال اللہ تعالٰی "لَاتَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1] وغاصب اگر از عین مغصوب کسے راہبہ کند یا ہدیہ دہد یا ضیافت خوراند یا باجرت وتنخواہ یا قیمت چیزے دہد،بہر صورت مردماں راگرفتن و خوردنش حرام ست وقد تناول الکل الاٰیۃ المتلوۃ کما لایخفی و باصرار بغصب جز زیادت در وبال عذاب واستحقاق نار جہنم چیزے فزوں نشود،ومجرد ایں تعامل دلیل بیش ازیں نباشد، آری اگر ثابت شود کہ غصب حرام شرعی راحلال می دارند، آنگاہ البتہ لزوم کفرست بلکہ عندالتحقیق بلاشبہ کفرباشد لان المدار علی کون ماانکرہ من ضروریات الدین و لا شك ان حرمۃ الغصب من دون حیلۃ شرعیۃ کمن یرید اخذ حقہ من المنکر ولاضرورۃ ملجئۃ تمکن	مذکورہ عمل یقینا غصب اور حرام ہے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقہ سے نہ کھاؤ،اور غاصب اگر عین مغصوبہ چیز کسی کو دے یا ہدیہ، ضیافت، اُجرت تنخواہ یا کسی چیز کی قیمت کے طور پر دے تو لوگوں کو لینا اور کھانا حرام ہے اور آیہ کریمہ مذکورہ ان تمام صورتوں کو شامل ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے،اور غصب پر اصرار سے عذاب اور وبال اور استحقاق جہنم کے علاوہ کیا زائد ہوگا اور اس کو معمول بنالینا اس سے زائد پر دلیل نہیں ہے ہاں اگر معلوم ہوجائے کہ اس نے حرام کو حلال جانا تو اسی وقت لزوم کفر ہوگا بلکہ عندالتحقیق بلاشبہ کفر ہوگا کیونکہ کفر کا دارومدار ضروریات دین کے انکار پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ بغیر حیلہ شرعیہ مثلا کسی سے اپنے حق کے بدلے لینا جبکہ وہ منکر ہو اور بغیر ایسی ضرورت جو اس کو مخمصہ میں مبتلا

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

فی المخمصة من ضروریات الدین وبعد ھذا لایتجه الفرق بکون الحرمة لعینه اولغیرہ، کما وقع عن بعض العلماء، واللہ تعالٰی اعلم۔	کردے غصب کی حرمت ضروریات دین میں سے ہے تو ایسی صورت میں حرمت لعینہٖ اولغیرہ کافرق کام نہ دے گا جیسا کہ بعض علماء سے یہ سرزد ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۱:

چہ می فرمایند فقہائے دن وفضلائے شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مثلازید چہار پسر یعنی عمرو و خالد وبکر وہاشم واموال منقولہ وغیر منقولہ را متروک داشتہ از سرائے فانی بسرائے باقی رحلت فرمود، بعدہ، خالد وبکر وہاشم از اراضی پدر متوفی ہر یک حسب خرچ خوردپوش بگیرند، ومابقے نزد عمرو موجو است، امام از بہر اوشان قدر زائد است لکن عمرو از قدر زائد اخراجات جمیع اراضی خود وبرادارں راانجام فی دہد، تاکہ جہت آں رادفتر سرکاری خوف وتلف برکل مال پیش نیابند، پس درایں صورت عمرو راغاصب وکافر خواندہ ومہمانی ودعوات خوردندوقبول نمونند حسب شرع شریف صحیح است یانہ، ونیز زمین کہ عمرواز کسب خود خریداست باز بوقت قسمت صحیح خالد وغیرہ از شیئ مکسوب عمروطلبیدن شرعا جائز است یانہ؟	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مثلازید فوت ہوا اس نے منقولہ وغیرہ منقولہ مال اور چار بیٹے عمرو، خالد، بکر اور ہاشم وارث چھوڑے، خالد بکر اور ہاشم نے اپنے مرحوم والد کی زمین سے خوراک ولباس کے اخراجات کے مطابق حصہ وصول کرلیا اور باقی جو کچھ ہے وہ عمرو کے پاس موجود ہے تاہم دوسروں کی نسبت اس کے پاس زیادہ ہے لیکن اس زائد سے اپنی اور بھائیوں کی تمام زمین کے جملہ اخراجات پورے کرتا ہے تاکہ سرکاری دفاتر سے ضرر رسانی کے خطرے کو پورے مال پر سے ختم کیا جائے۔ تو کیا اس صورت میں عمرو کو غاصب وکافر کہنا اور اس کی دعوت مہمانی کھانا اور قبول کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ نیز عمرو نے اپنی کمائی سے جو زمین خریدی ہے اس کو تقسیم سے الگ رکھنا صحیح ہے اور خالد وغیرہ کا عمرو کی کمائی کو طلب کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

اگر عمرو برضائے دیگر ورثہ براں اراضی حصہ دیگر قابض ست، وخزانہ از جانب ایشاں می دہد، وہرچہ زیادت محاصل بود	اگر عمرو باقی وارثوں کی رضامندی سے ان کے حصہ پر قابض ہے اور اخراجات سرکاری ان کی طرف سے ادا کرکے باقی آمدن کو مساوی

بعدل قسمت می کند، یا از منافع آناں رابقدر خورد پوش می دہد، وباقی رابرضائے آناں پیش خود جمع می دارد، دریں صورت عمروہر گز غاصب نیست لوجود الاذن من الملاک فی القبض وعدم تصرف باطل فی خراج الارض واگرنہ چناں ست بلکہ بے رضائے آناں بر حصص آنا قبضہ کردہ است ودر حقوق آناں تصرفات بیجا برائے خود می کند، ضرور غاصب بود، واما کافر نیست **لانہ لایخرج الانسان من الاسلام الا جحود ما ادخلہ فیہ** درصورت اولی دعوت زید قبول کردن بلادغدغہ رواست، و نیز درصورت ثانیہ اگر دعوت از مال خودش کند، واگر ازمال غصب میکند خوردن مغصوب روا نیست، بلکہ در صورت ثانیہ چوں غاصب ومصر علی الغصب باشد با او اختلاط نشاید کرد، ودعوتش ازمال خودش ہم نباید خورد لیکون زجرا لہ ولامۃ لہ۔ زمین کہ عمرو از کسب خود خرید است خالد وغیرہ رااز وحصہ خواستن روانیست، فان سہم الوارث فی المورث دون مملوک وارث اخر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تقسیم کرتا ہے یا منافع میں سے ان کے خورد ونوش وپوش کے اخراجات ان کو دیتا ہے اور باقیماندہ کو ان کی رضامندی سے اپنے پاس جمع رکھتا ہے اس صورت میں عمرو ہر گز غاصب نہیں ہے کیونکہ مالکوں کی طرف سے قبضہ کی اجازت ہے اور زمین کی آمدن میں کوئی باطل تصرف نہیں ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ ان کی رضامندی کے بغیر ان کے حصوں پر قبضہ کئے ہوئے ہے اور ان کے حقوق میں بے جا اپنی مداخلت کرتا ہے تو ضرور غاصب ہے لیکن وہ کافر نہیں ہے کیونکہ جو چیز اسلام میں داخل کرتی ہے اسی کے انکار سے اسلام سے خارج ہوتا ہے۔ اور پہلی صورت میں اس کی دعوت قبول کرنا بلاشبہہ جائز ہے لیکن دوسری صورت میں اگر اپنے مال سے دعوت کرے تو بھی قبول کرنا جائز ہے اور اگر مغصوبہ مال سے دعوت کرے تو وہ ناجائز ہے اور اگر دوسری صورت میں وہ غاصبانہ کاروائی پر اصرار کرے اس سے میل جول منع ہے اور اس کے اپنے مال کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہئے تاکہ اس کو زجر وملامت ہوسکے عمرو کی اپنی کمائی سے خرید کردہ زمین سے خالد وغیرہ کو حصہ طلب کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وارث کا حصہ مورث کے مال میں ہے دوسرے وارث کی ملکیت میں نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از مجیب نگر ڈاک خانہ مونڈا سواراں ضلع کھیری مرسلہ مجیب رحمان خاں — ۴ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور قاضیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا۔

عجلت تیاری میں غلطی سے ایک چٹائی مسجد کی بانی مسجد نے یہ سمجھ کر کہ ایک چٹائی ایسے تنگ وقت دستیاب نہ ہوسکے گی۔اور مسجد میں دوسری چٹائی بجائے اس کے رکھ دی جائے گی،لے کر میت کے تختوں پر جو قبر میں بچھائی گئی تھی اس لئے کہ مٹی قبر کی دراز تختہ سے نہ چھنے،ڈال دی،اور وہ قبر میں کام آگئی،تو ایسی حالت میں ایسے شخص کے لئے جس نے میت معروضہ سے مسجد کی چٹائی ضرورت مذکورہ میں بحوالہ عجلت بکار مسطورہ اٹھائی،شرع شریف کا کیا حکم ہے؟اور اس کا کفارہ کچھ ہوسکتا ہے یا کیا؟فقط

الجواب:

وہ گنہ گار اور مجرم خاص حقیقی سرکار ہوا،لغصبہ الوقف فلیس فی تاثمیہ وقف (اس کے وقف کو غصب کرنے میں گناہ میں کوئی شک نہیں ہے۔ت)اس کا کفارہ صدق دل سے توبہ ہے،**ویتوب اللّٰہ علی من تاب** (اللہ تعالٰی توبہ کرنے والے کی توبہ کو قبول فرماتاہے۔ت)اور ویسی ہی چٹائی یا اس سے بہتر مسجد میں ڈالنا،اور وسعت رکھتا ہے تو خدمت مسجد وحاجت روائی صلحاء و مساکین میں بقدر قدرت پاک نیت سے صرف کرے کہ اس کی خدمت پسند سرکار ہو،اور رحمت توجہ فرما کر گناہ دھودے،

قال اللّٰہ تعالٰی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَۚ"[1]۔واللّٰہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا:نیکیاں ختم کردیتی ہیں برائیوں کو،یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوگیا اور اس نے مال تجارتی اور دیگر جائداد زر خرید اپنی بشراکت اپنے برادر حقیقی عبدالرحیم کے چھوڑی اور اس مال میں سے نفع جائداد سے کرایہ تخمینا بارہ سال کے عبدالرحیم حاصل کرتا ہے۔اور دوسرا مال اور جائداد موروثی جو والدین سے پایا وہ بھی چھوڑا،اب مال اپنا زر خرید اور جائداد موروثی کس طرح پر تقسیم ہوگا۔وارث اپنے چھوڑے،ایک زوجہ،دو بھائی،ایک بھتیجا اور دو ہمشیریں اور تین بیٹیاں اپنی،اور قرضہ عبدالغفور فوت شدہ نے بشراکت عبدالرحیم کے دین مہر اپنی زوجہ دینا چھوڑا،اب اس میں سے کون سا قرضہ ادا کیا جائے گا۔اور از روئے شرع شریف کے وہ مال کس طرح پر تقسیم ہوگا؟

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۴

الجواب: حسب شرائط فرائض عبدالغفور کا جو کچھ ترکہ ہے خواہ موروثی، خواہ خرید کردہ۔ اس سب سے عبدالغفور پر جو کچھ دین ہے تقسیم ترکہ سے پہلے اسے ادا کریں۔ دین مہر زوجہ اور دوسرا قرضہ جو عبدالرحیم کی شرکت میں تھا سب برابر ہے، اگرچہ جائداد اس میں مہر وقرضہ کے مجموعہ سے کم یا برابر ہو، تو سب ترکہ مہر وقرض میں حصہ رسد دیا جائے، خواہ کسی وارث کو وراثۃً کچھ نہ ملے۔ اور اگر ترکہ زیادہ ہے تو مہر وقرض میں جس قدر واجب ہے تمام وکمال ادا کرکے، اس کے بعد جو بچے اس کی تہائی سے عبدالغفور کی وصیت اگراس نے کی ہو نافذ کی جائے، باقی کے ۱۴۴ (ایک سو چوالیس) حصے ہو کر اٹھارہ سہم زوجہ اور تئیس تئیس سہم ہر دختر، اور دس دس سہم ہر برادر، اور پانچ پانچ سہم ہر خواہر کو دیں، اور بھتیجا کچھ نہ پائے گا۔ اور بعد موت عبدالغفور جو نفع مال مشترک سے عبدالرحیم نے حاصل کیا اسے چاہئے کہ عبدالغفور کے حصہ کا نفع اس میں سے اپنے حصہ یعنی بہتّر ۷۲ حصوں سے پانچ حصے نکال کر باقی دیگر ورثاء عبدالغفور کو دے دے،

لانه حصله بوجه خبيث وكان عليه اخراجه، اما صدقة اوردا على المالك، وهو الافضل كما فى الخيرية و الهندية وغيرهما۔	کیونکہ اس نے خبیث طریقہ سے حاصل کیا ہے، اس پر اپنی ملکیت سے باہر کرنا لازم ہے یا صدقہ کرے یا مالک کو واپس کرے اور یہ افضل ہے جیسا کہ خیریہ میں اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اس صورت میں کہ مہر وقرض مل کر جملہ ترک عبدالغفور سے زائد یا برابر نہ ہو، لان الدين اذا لم يستغرق ينتقل الملك الى الورثة (کیونکہ اگر میت کا قرضہ ترکہ پر حاوی نہ ہو تو ورثاء کی ملک ہوگا۔ ت) اور اگر زائد یا برابر تھا تو جو نفع حصہ عبدالغفور سے حاصل کیا ہے تمام وکمال فقیروں پر صدقہ کر دینا اس پر واجب ہے نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

لان الدين المستغرق يمنع ملك الورثة كما فى الاشباه [1]۔ وحق الدائن فى المالية فلا مالك يرد عليه فتعين التصدق وجوبا۔	کیونکہ ترکہ پر اگر قرض حاوی ہو تو ورثاء کی ملک نہ ہوگا۔ جیسا کہ الاشباہ میں ہے اور مالیت پر قرض خواہ کا حق ہے تو اس کا کوئی مالک نہیں ہے جس پر واپس کیا جائے لہٰذا لازما صدقہ کرنا متعین ہوگا۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

رہاوہ کرایہ جو جائداد مشترکہ سے عبدالرحیم نے بعد موت عبدالغفور حاصل کیا،اس کی نسبت سائل کا بیان ہے کہ وہ جائداد ایک زمین ہے جسے دونوں بھائیوں نے شرکت میں خریدا کہ اس میں کچھ مکان بنوائے یا کرایہ پر چلوائے خاص کرایہ پر دینے کی نیت نہ تھی،اور وہ زمین حیات عبدالغفور میں کبھی پڑی رہتی کبھی اس کا کوئی ٹکڑا کرایہ پر رہتا **فلم تدخل فی المعد للاستغلال** (تو وہ زمین اجارہ کے لئے تیار میں نہ داخل ہوئی۔ت) تینوں بیٹیوں میں موت عبدالغفور کے وقت ایک جوان تھی دوسری دس برس کی، تیسری دو برس کی،تو اگر مہر وقرض سب ملک کر تمام متروکہ سے کم مقدار پر تھے تو یہ مشترک زمین کہ بعد عبدالغفور کے عبدالرحیم نے خاص اپنے قبضہ مالکانہ میں رکھی اور کرایہ پر چلائی، موت عبدالغفور سے اس وقت کہ یہ دونوں نابالغہ لڑکیاں بالغہ ہوگئیں،ان کے حصہ کا کرایہ جو بازار بھاؤ سے ہو ان دونوں کو دینا واجب ہے چاہے عبدالرحیم نے کم کرائے پر اٹھائی ہو یا زیادہ پر ڈال رکھی ہو۔ مثلاً دونوں لڑکیاں چودہ چودہ برس کی عمر میں بالغہ ہوئی ہوں،تو پہلی لڑکی کے حصے کا چار سال کا کرایہ اور دوسری کے حصے کا بارہ برس کا کرایہ عبدالرحیم پر واجب ہے۔ وعلٰی ہذا القیاس۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاہا اوعطلہا لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم وعلی المعتمد تجب الاجرۃ علی الشریک[1] اھ **مختصرا۔**	غصب کے منافع حاصل ہوں یا معطل چھوڑے ہوں تو تین صورتوں کے علاوہ ان کا ضمان نہ ہوگا تین صورتیں یہ ہیں؟ مغصوبہ چیز وقف ہو یا یتیم کا مال ہو تو بااعتماد قول کے مطابق شریک پر بھی مثلی اُجرت لازم ہوگی اھ مختصراً(ت)

اور باقی جو وارثوں کے حصص کا کرایہ دار سے حاصل کیا ہو جس صورت میں مہر وقرض متروکہ سے کم ہوں،تو زمین میں سارے حصہ عبدالغفور پر جو کرایہ عبدالرحیم نے وصول کیا ہو سب فقیروں کو دینا لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے باغوائے نفس امارہ ایک دستاویز اس مضمون کی کہ جو مکان اس کی والدہ ہندہ کا ہے اس کو دو نابرابر حصوں میں بطور خود بلااطلاع ورثاء جائز کے اس طرح تقسیم کیا کہ چھوٹے بھائی عمرو کے واسطے چوتھائی سے کم،اور بڑے بھائی زید یعنی اپنے واسطے تین چوتھائی

[1] درمختار کتاب الغصب فصل مسائل آخر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸

سے زائد اور خفیہ طور سے اپنی والدہ ہندہ کو کاغذ مذکور اس طرح پڑھ کر سنادیا کہ مکان مملوکہ ومقبوضہ تمھارا، میں نے دو برابر حصوں میں تقسیم کرلیا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی باور کرادیا، پھر کہا کہ اس پر عدالت میں چل کر خفیہ طور سے رجسٹری کرادو۔ ہندہ نے کہا کہ اس کی خبر میرے چھوٹے لڑکے عمرو کو تو کردو، تو کہا کہ تم میرے اعتبار پر اس کی رجسٹری کرادو اطلاع کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر ہندہ نے قطعی انکار کردیا لہٰذا دستاویز نامکمل اور بلادستخطی رہی جبکہ عمرو کو یہ معلوم ہوا تو اس نے اس کی شکایت اپنی والدہ ہندہ سے کی، ہندہ نے کہا کہ مجھے تو دو برابر حصوں میں بانٹنا باور کرایا ہے۔ بربناء اس ناخوشی وتحکم کے ہندہ نے زید سے اس دیوار کو جو زید کے بلارضامندی فریق ثانی کے بطور خود قائم کرلی منہدم کرنے کو کہا، تو زید نے اپنی روباہ بازیوں سے اسے ٹالا اور ایک کرایہ نامہ اپنے نام سے فریق ثانی کی حق تلفی کے واسطے لکھ کر اس میں کرایہ دار بسایا، اس کے روکنے کے واسطے جبکہ عمرو نے زید کو تنبیہ تحریری کی تو اس کو خیال میں نہ لایا بلکہ اپنی بدمعاملگی اور دغابازی پر اب تک مصر ہے۔ اور نہ مکان مذکور کا نصف کرایہ دیتا ہے۔ نہ کرایہ نامہ میں شرکت کرتا ہے۔ نہ دیوار منہدم کراتا ہے۔ بلکہ ہر طریقہ سے فریق ثانی کی حق تلفی پر آمادہ ہے۔ اور کوئی شرعی فہمائش کسی کی اس کو بوجو طمع نفسانی کے مفید نہیں ہوتی، دیگر یہ کہ یہ شخص وعظ بھی کہتا ہے حالانکہ اس کی تحصیل علم قطعی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی، نہ کسی مستند معتبر استاد سے کبھی پڑھا۔ نہ فقہ، نہ تفسیر، نہ حدیث، بلکہ صرف اردو کی چند کتابوں کے ذریعہ سے وعظ گوئی کرتا ہے، تو شرع شریف ایسے شخص کی نسبت کیا حکم فرماتی ہے؟ آیا اس کا ایمان سالم رہا یا نہیں؟ آیا تقسیم مذکور جائز ہوئی یا نہیں؟ مسلمانوں کو اس سے کیسا برتاؤ کرنا چاہئے؟ اسے وعظ کہنا چاہئے یا نہیں؟ اسکی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

وہ تقسیم باطل محض ہے۔ اور زید سخت ظالم، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار وغضب جبار ہے۔ مسلمانوں کو اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ظالموں موذیوں سے چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

اسے وعظ کہنا حرام ہے۔ اس کا وعظ سننا جائز نہیں۔ وہ اگر ایک کوڑی کے معاملہ پر ہزار بار شہادت دے شرعاً مردود ہے۔ جو اس کی گواہی قبول کرے گا گنہ گار ہوگا۔ یہ سب اس بناء پر ہے جو سائل نے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اظہار کیا، اور واقع کا علم عالم الغیب جل وعلا کو ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: مرسلہ بخش اللہ ساکن بریلی محلّہ گندہ نالہ مورخہ یکم جمادی الاُخری ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو مکان دو شخصوں کے خرید کردہ ہیں، ایک شخص کی خریداری قریب پچیس تیس سال کی، اور دوسرے شخص کی خریداری قریب دس سال کے ہے، جس شخص کا مکان خریدا ہوا قریب پچیس سال کے ہے اس کی کڑیاں دوسرے شخص کی دیوار پر رکھی ہے۔ اب وہ یہ کہتا ہے کہ میری دیوار پر سے کڑیاں علیحدہ کرلو، یہ کہتا ہے کہ میں نے اسی حیثیت سے خریدا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے اور اس شخص کا گمان ہے کہ اس نے خود بعد خرید نے مکان کے یہ کڑیاں رکھوائی ہیں، ایسی حالت میں مستحق ہٹوانے کا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس شخص کو اقرار ہے کہ یہ دیوار جس پر میری کڑہیاں رکھی ہیں میری نہیں، اس صورت میں اسے کڑیاں رکھنے کا کوئی حق نہیں، اگر غصباً رکھی ہیں جب تو ظاہر اور اگر سابق کے مالک کی اجازت سے رکھی تھیں تو اس کی اجازت اس کی ملک ختم ہونے سے ختم ہو گئی، اب بے اجازت مالک اس کا اختیار نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، دو۲ مکان دو۲ دیواریں ملی ہوئی ہے ں ایک خام ایک پختہ تھی، اس نے اپنی دیوار میں الماری لگائی ہوئی تھی۔ اس میں سے کچھ خام دیوار میں سے کٹی۔ قریب ۱۰/ گرہ کے لیکن الک دیوار کو نہیں معلوم ہوا، اب اس نے اس مکان کو فروخت کیا، ایسی حالت میں خریدار مواخذہ دار کس کا ہے۔ یعنی مالک قبل کا ہے یا مالک مال کا حصہ ہے۔

الجواب:

پہلے مالک سابق کا مواخذہ تھا، اب مالک حال کا، یا تو اس کی رضامندی سے اس قدر زمین کی قیمت اس کو دے دے یا یہ ۱۰/ گرہ زمین کا ٹکڑا خالی کردے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لیس لعرق ظالم حق**[1] (ظالم کا دخل حق نہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، السنن الکبرٰی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹

مسئلہ ۲۷۷: مرسلہ شیخ حاجی عبدالعزیز صاحب ۲۲رجب ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دیوار میں تیس برس سے ایک طاق عمرو کے غسل خانہ کا تھا، زید نے جس وقت اپنے مکان کی دیوار کھودی تو عمرو کا تیس برس کا طاق بند کردیا، باجود منت وسماجت بسیار کے بھی نہ مانا، دیگر یہ کہ عمرو کے غسل خانہ کے دو کڑی کے زید کی دیوار میں اور چار پائخانہ کی کڑیوں کے ٹکڑے زید مذکور کی دیوار میں رکھے ہوئے ہیں۔ غدر کے قبل کے ہیں، زید نے بارہا ان کو دیکھا ہے۔ کیونکہ ایام قربانی زید مذکور کا کئی گھنٹہ اس مکان میں قیام رہتا ہے۔ زید نے ہمیشہ ان ٹکڑوں کو دیکھا ہے مگر کبھی کچھ نہیں کہا، اور اب ان کو نکلوادینے کو کہتا ہے۔ دیگر یہ کہ جس وہ طاق بند کیا تھا اس وقت یہ چیزیں بھی اگر نارضامندی تھی نکلوادیتا، عمرو نے ایک خام مکان خرید کر تعمیر کرانا چاہا اور دیواریں کھدوائیں تو زید کی طرف کی دیوار میں دو الماریاں اور ایک آتش خانہ نمودار ہوا، بلکہ دیوار بھی بڑھی ہوئی ہے۔ عمرو نے جب زید سے کہا کہ اس کو درست کرادو، تو زید نے جواب دیا کہ تمھاری پائخانہ کے ٹکڑے جو ہمارے دیوار میں رکھے ہیں نکلوادو تو ہم بھی الماریاں بند کرادیں گے، اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب:

الماریاں اور آتش خانہ جو زید نے بے اجازت مالک بنایا ہے اس کا بند کردینا اس پر فورا لازم ہے۔ اور اگر ثابت ہو کہ دیوار اس کی زمین میں بڑھالی ہے تو اتنی دیوار گراکر زمین خالی کردینی لازم ہے۔ رہیں عمرو کی کڑیاں عـــہ اور طاق۔ تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ وہ دوسرے کی دیوار میں باجازت مالک بطور عاریت تھے، نہ کسی حق لازم سے، اور زید کا اب تک سکوت وہ بھی عاریت پر راضی ہونا تھا، اور عاریت کی چیز کا ہر وقت واپس لینے کا اختیار ہے۔ اب کہ زید راضی نہیں عمرو پر بھی لازم ہے کہ کڑیاں نکال لے، مگر ایک کا دوسرے پر ٹالنا کہ تم یہ کردو تو ہم یوں کریں، جائز نہیں، کہ ظلم فورا دور کرنا فرض ہے۔ دونوں معا دوسرے کی ملک خالی کردیں، عالمگیریہ میں ہے:

البائع یؤمر برفع خشب علی حائط المبیعة ولو کان الخشب لاجنبی بحق لازم بملك واجارة فهو عیب لانه	اتارنے کا حکم بائع کو دیا جائے گا اور اگر وہ کڑیاں اجنبی کی ملکیت یا اجارہ پر ہوں تو یہ عیب شمار ہوگا کیونکہ اس میں

عـــہ: لفظ "کڑیاں" اصل میں نہیں ہے شاید قلم ناسخ سے چھوٹ گیا ہے۔ عبدالمنان اعظمی

لیس لہ ان یمنعہ،وان کان باجازۃ لاخیار لہ لانہ لیس بلازم کذا فی تاتارخانیۃ [1] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مبیع کی دیوار پر سے کڑیاں اس کو منع کا حق نہیں اور اگر اجازت سے ہوں تو اس کو اختیار نہیں کیونکہ وہ لازم نہیں۔تاتارخانیہ میں یوں ہے اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۸: از بریلی محلّہ شاہ آباد مرسلہ حکیم نذیر الدین صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد غاصبانہ طریقہ سے حاصل کی اور تخمینا پچاس سال تک اس کی آمدنی کو تصرف کرتا رہا،اور اس میں سے قریب نصف جائداد کے فروخت کردی،زید فوت ہوگیا اور اس نے جائداد بقیہ مغصوبہ کے چھوڑی،اور ورثاء غاصب صرف جائداد مغصوبہ موجودہ کو ورثاء حقدار کو دیتے ہیں،جو جائداد فروخت ہوچکی اور نیز محاصل کل جائداد کا دینے سے منکر ہیں،حالانکہ غاصب نے جادائد کثیر المالیت اس تعداد کی چھوڑی ہے کہ اس سے مطالبہ جائداد مغصوبہ کا ادا ہوکر جائداد کثیر المالیت ورثائے غاصب کے لئے باقی رہتی ہے ایسی حالت میں حقدار جائداد مغصوبہ کو ورثان غاصب سے بمقابلہ جائداد یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی جائداد مغصوبہ موجودہ اور بیع شدہ اور اس کے محاصل کو جس طرح اس کا حصول ممکن ہو حاصل کرلے۔اور بحالت ہونے جائداد غاصب کے اس کے ورثاء پر یہ لازم ہے کہ وہ حقوق مذکورہ بالا کو ادا کردیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع وہ جائداد زید نے جس سے غصب کی تھی اسے اور اس کے بعد اس کے وارثوں کو یہ حق حاصل ہے کہ جس قدر جائداد اس میں سے موجود ہے اسے بعینہٖ واپس لیں،اور جو زید نے بیع کردی اس کی قیمت جتنی روز غصب تھی دیگر جائداد مملوکہ زید سے جس طرح ممکن ہو وصول کریں،اور اگر وہ جائداد دیہات یا کرائے پر چلانے کے مکان دکان تھے کہ اصل مالک نے اس لئے بنائے یا خریدے،اور زید نے اس سے غصب کرلئے تو جائداد باقیماندہ کے محاصل آج تک کے اور جائداد بیع شدہ کے محاصل اس دن تک جب تک وہ زید کے پاس رہی جائداد مملوک زید سے وصول کریں،ورثائے زید پر ان تمام حقوق کا ترکہ زید سے ادا کرنا لازم ہے اور ممانعت کرنا حرام۔نیز مالک اور اس کے وارث چاہیں تو یہ بھی کرسکتے ہیں کہ جائداد موجود میں تو وہی کاروائی کریں،اور جائداد بیع شدہ کے محاصل کا بشرط مذکور روز قبضہ زید تک ترکہ زید سے تاوان لیں،اور اس کی قیمت کا تاوان اور روز قبضہ مشتری سے آج تک اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ

محاصل کا تاوان مشتری سے وصول کریں، مشتری نے جو قیمت زید کو دی تھی ترکہ زید سے وصول کرے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوباعه الغاصب وسلسه فالمالك بالخيار ان شاء ضمن الغاصب، وجاز بيعه والثمن له۔وان ضمن المشتری رجع علی الغاصب وبطل البيع ولا يرجع بما ضمن وان باع ولم يسلم لايضمن كذا فی الوجيز للكردری [1]۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	اگر غاصب نے اسے فروخت کرکے سونپ دیا تو مالک کو اختیار ہے چاہے غاصب سے ضمان لے اب غاصب فروخت کردے رقم اس کی ہوگی اور اگر مالک نے مشتری کو ضامن بنایا تو وہ غاصب سے وصول کرے اور بیع باطل ہوجائیگی اور غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب ضمان کے لئے رجوع نہ کرسکے گا اور اگر غاصب نے فروخت کیا مگر ابھی قبضہ نہ دیا تو ضامن نہ ہوگا۔وجیز کردری میں یوں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔(ت)

مسئلہ ۲۷۹: مسئولہ حافظ محمد سعید صاحب از قصبہ راندیر ضلع سورت ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

ماقولكم دام فضلكم ايها العلماء العظام والفقهام الكرام زادكم الله تعالٰی تعظيما لديه (تمہارا کیا ارشاد ہے اے علماء عظام وفقہاء کرام اللہ تعالٰی کے ہاں تمہاری فضیلت وتعظیم زیادہ ہو۔ت) اس صورت میں زید تاجر نے بلقانی چندہ میں مثلاً ایک سو روپیہ لکھ دئے، اور جب اس چندہ وصول کرنیوالے سکتر نے زید سے روپے چندہ کے وصول کرنے کو گیا، تو زید نے چندہ وصول کرنے والے بکر نام کو کہا کہ میرے روپے فلاں بینک میں جمع ہیں میں تم کو یہ چیک یعنی حکم بینک پر لکھ دیتا ہوں تم بینک سے روپیہ وصول کرلو، اور تم چاہو تو میں میرے نزدیک سے نقد دوں، اس کے جواب میں بکر نام کے سکتر نے کہا کہ چیک دو، زید نے بموجب طلب کرنے کے بکر کو بینک (کہ مسمّٰی پیپل بینک ہے) اس پر حکم یعنی چیک لکھ دیا، مگر بکر مذکور نے روپے وصول کرنے پیپل بینک سے تکاسل اور غفلت کی، اور اندازہ چوبیس روز کے اس چیک کو اپنے پاس بکر نے ڈال رکھے، اس درمیان میں زید نے دوسری چیک اپنے کام کی بینک کو دی ہے وہ برابر بینک والے روپیہ ادا کردئے ہیں، اور یہ بھی بکر تکاسل اور کاہلی نہ کرتا۔اور بینک میں چیک روانہ کرکے طلب کرتا تو ضرور یہ روپیہ وصول ہوتے، چونکہ زید کے روپیہ جمع تھے اور اب وہ بینک دیوالیہ بن گئے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

اور وہ روپے جاتے رہے۔ اور بکر کو تکاسل اس قدر نہ کرتا تو یہ روپے ضائع نہ ہوتے۔ لہٰذا صورت مذکورہ میں یہ روپیہ کس کے ذمہ پر آتے ہیں اور کس کے یہ روپے گئے زید کے یا بکر کے، یا چندہ بلقان کے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیوالیہ بننا بینک والے کا ظلم ہے، بکر پر اس کا کچھ الزام نہیں آسکتا، "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1] (کوئی بوجھ اٹھانے والی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ت) اور چوبیس روز کے تساہل میں بھی اس پر الزام نہیں، وہ کیا جانتا تھا کہ اتنی مدت میں بینک دیوالیہ ہوجائے گا "وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ"[2] (ہم غائب پر حفاظت کرنے والے نہیں۔ت) اور بالفرض اگر وہ جانتا بھی اور بالقصد تکاسل کرتا۔ جب بھی روپے کا الزام اس پر آنے کے کوئی معنی نہ تھے کہ وہ نہ سبب ہے نہ مباشر، قاعدہ شرعیہ تو یہ ہے کہ:

اذا اجتمع السبب والمباشر اضیف الحکم الی المباشر۔	جب سبب اور ارتکاب کرنیوالے میں معاملہ دائر ہو تو حکم ارتکاب والے کی طرف منسوب ہوگا (ت)

دوسرا قاعدہ ہے:

تخلل فعل الفاعل المختار یقطع النسبۃ۔	مختار کا فع حائل ہوجائے تو نسبت منقطع ہوجاتی ہے۔(ت)

تو بکر کے روپیہ جانے کی کوئی وجہ نہیں روپے زید کے گئے، رہا چندہ زید اس میں متبرع تھا، **لاجبر علی المتبرع** (مفت میں دینے والے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) تو اس سے بھی مطالبہ نہیں ہوسکتا، نہ اس میں اس کا کوئی قصور ہے کہ اس نے تو چیک لکھ دیا تھا اور اگر نہ بھی لکھتا اور وعدہ کرکے پھر جاتا جب بھی شرعاً بُرا تھا، مگر جبر کا اختیار کسی کو نہ تھا، اشباہ میں ہے:

لاجبر علی الوفاء بالوعد[3]۔	وعدہ کے وفا پر جبر نہیں ہوسکتا۔(ت)

ہاں اگر زید اپنی طرف سے دوبارہ دے تو یہ اس کا تطوع ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۱

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۰، العقود الدریۃ بحوالہ لاشباہ والنظائر مسائل وفوائد من الحظر الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۳

"وَ مَنۡ تَطَوَّعَ خَیۡرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰہَ شَاکِرٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۵۸﴾ "[1]۔	جو شخص مفت میں بھلائی کرے تو اللہ تعالٰی قبول فرمانے اور جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸۰: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عبدالجلیل ۱۶ شوال ۱۳۳۳ھ یوم شنبہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو کا مال مسلمان زبردستی کھاسکتا ہے یانہیں؟

الجواب:

زبردستی مال کھانے والے ایک دن بڑا گھر دیکھتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۱تا۲۸۳: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ سید نور اللہ محرر دارالافتاء بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کا ایک بیٹا جواب بالغ ذی عقل صاحب نصیب تھا، وہ جب مرا تو تجارت بند ہو گئی اور کچھ جائداد دونوں کے کسب سے تھی اب باقی ہے۔زید کی اب دو زوجہ ہیں، ایک قدیم کفو کی، دوسری جدید غیر کفو کی، زید نے بعوض مہر دو مکان زوجہ کفو کے نام حسب قانون لکھے اور ایک مکان اپنے بیٹے بکر کے نام لکھے، لیکن کل جائداد پر قابض اور ماحصل سے تمتع زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد رہی، جبراً وقہراً، پس یہ قبضہ وتمتع شرعاً جائز ہے یانہیں؟

(۲) زوجہ کفو کی دو لڑکیاں ہیں، پس اپنے نام کی جائداد برضائے زوج خود یعنی زید کے، بذریعہ عدالت لڑکیوں کے نام کردی ہے، بذریعہ عدالت رجسٹری شدہ کاغذ موجود ہے۔اور یہ چاہتے ہیں کہ یہ قبضہ کرکے اس سے منتفع ہوں، لیکن زید اور اس کی زوجہ غیر کفو اور اس کی اولاد فسد پر آمادہ ہیں، اور قبضہ نہیں دیتے اور کسی کی نصیحت نہیں مانتے، پس یہ امر ان کو شرعاً کیا زیبا ہے۔اور اس فعل کا کیا حکم ہے؟

(۳) کیا شرعاً ان کو اس جائداد میں کچھ حق ہے یا شرعاً ول ظالم اور یہ فعل فسق ہے؟ فقط

الجواب:

(۱) مال غیر سے بے رضا غیر تمتع اور اس پر مخالفانہ قبضہ حرام وحرام خوری ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: آپس کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

(۲) یہ فعل بھی ظالم اور ظلم کی جزا نار۔

(۳) شرعاً زید[عہ] کا اس میں کچھ حق نہیں اور یہ فعل ضرور ظلم وفسق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۴: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد نمبر مکان ۱۵۴، مسئولہ حبیب احمد بروز یکشنبہ ۸ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بقال کے یہاں ملازم ہے۔اور پوری تنخواہ نہ دے، تو وہ اس سے چھپا کر اس کے مال سے یعنی جو اس کے یعنی بقال کا تعلق ہو خود لے لے یعنی بنیے بقال اہل ہنود کا مال چھپا کر مسلمان ملازم کو کھانا روا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تنخواہ پوری نہ دینے کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جس قدر قرار پائی ہے اس سے کم دیتا ہے۔اس صورت میں جتنی کم رہتی ہے اتنی مقدار تک اس کے مال سے بے اس کی اجازت کے لے سکتا ہے۔مثلاً دس روپیہ تنخواہ ٹھہرے ہیں اور اس نے کسی مہینے میں ظلماً پانچ روپے کاٹ لئے تو یہ پانچ روپے کی قدر اس کے مال سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا حق ہے۔

دوسرے یہ کہ تنخواہ جتنی ہونی چاہئے تھی اتنی نہیں دیتا۔مثلاً وہ کام دس روپے ماہواری کے قابل تھا، اور اس نے اسے حاجتمند پا کر وبا کر پانچ روپے ماہوار نوکر رکھا اور اس نے قبول کرلیا تو اب نہیں لے سکتا کہ اتنے سے زیادہ میں اس کا حق نہیں، اور مال جو اس کی سپردگی میں ہے امانت ہے اور بذریعہ عقد اجارہ اِس کا اُس کا معاہدہ ہوچکا ہے اور امانت میں خیانت اور معاہدہ میں غدر کسی کے ساتھ جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ؕ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵و۲۸۶: از مقام چتوڑ گڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ مسئولہ عبدالکریم بروز شنبہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۲۴ھ

(۱) شیئ مشترکہ کو کہ ہر ایک شریک استعمال کرتا ہے تو بروقت ٹوٹنے یا ضائع ہونے کے اس شیئ کا تاوان کس پر ہوگا؟

عہ: اصل میں یونہی ہے۔سوال کی روشنی میں "زید" کے بجائے "ان کا" ہونا چاہئے۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

(۲) زید نے بکر کا مال ناجائز طریق مثلاً غصب یا چوری یا خیانت یا ظلم سے لے لیا تو کیا بکر کو جائز ہے کہ جب زید کے مال پر قابو پائے، تو بمقدار اپنے مال کے اس کے مال میں سے بلا رضامندی زید کے لے لے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر بلا تعدی ٹوٹی یا ضائع ہوئی تو کسی پر نہیں، اور اگر ایک شریک نے قصداً توڑا دیا ضائع کر دیا تو دوسروں کے حصوں کا تاوان دے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اپنے حق تک لینا جائز ہے کہ وہ زید کا مال نہیں اس کا ہے۔ اصل مذہب میں جنس مال کی اجازت ہے۔ مثلاً سو روپے اس کے اس نے ظلماً لے لئے اسے اس کے روپے نہوں [عہ] اور فتوٰی اس پر ہے۔ کہ اپنے حق کی جنس نہ ملے تو غیر جنس سے بھی مقدار حق تک لے سکتا ہے۔ **لان الضمان ضمان العقود ولیس الضمان ضمان الحقوق کما فصلہ فی ردالمحتار** (کیونکہ یہ ضمان عقود والا ہے حقوق والا ضمان نہیں جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: مسئولہ نواب نثار احمد خاں صاحب بازار صندل خاں بریلی بروز یکشنبہ ۹ شوال ۱۳۳۴ھ

امام مسجد سابق جو بغداد شریف وغیرہ کہہ کر باہر شہر کے گیا ہو تو اس کے اسباب کو حجرہ مسجد سے بلا اجازت لے کر جس کو چاہے اور اپنے صرف میں لائے بلا رائے اہل محلّہ کے، پس صرف کرنیوالے پر کیا حکم شرع ہے۔ فقط

الجواب:

اسباب اگر اس کی ملک ہے تو اس میں یہ تصرفات حرام ہیں اگرچہ اہل محلّہ کی رائے سے ہوں، اور اگر مسجد کا مال ہے کہ امام کے صرف میں رہتا تھا تو جس لئے وقف تھا اسی میں صرف ہو سکتا ہے اپنے صرف میں لانا یا جسے چاہے دے دینا اب بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸ تا ۲۹۲: از علی گڑھ محلّہ بالائے قلعہ مسئولہ محمد عبدالمجید معرفت عبدالرحیم وکیل یکشنبہ ۲۶ شوال ۱۳۳۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم کو ضرورتاً قومی چندہ یومیہ جمع کرکے ایک چاہ بنانے کا شوق ہوا اور کل قوم نے یومیہ چندہ متفق ہو کر جمع کرنا شروع کیا، اس چندہ میں امیر و غریب سب شریک تھے، تقریباً دو سو روپیہ ہو جانے پر قوم نے ایک برادری کے شخص کو معتبر سمجھ کر وہ رقم

عــــہ: اصل میں ایسے ہی ہے لیکن شاید یہ عبارت اس طرح ہو "اسے اس کے روپے ہی لینے ہوں گے" عبدالمنان اعظمی۔

امانۃ اس کے سپرد کردی، اور یومیہ چندہ بدستور جاری رکھا، اور اس سے کہہ دیا کہ جب یہ رقوم چاہ بنانے کے قابل ہوجائے گی تو تم سے یہ روپیہ لے کر چاہ بنایا جائے گا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس امانت دار نے بغیر مشورہ قوم کے اپنی رائے سے ضرورت والے، لوگوں کو وہ روپیہ قرض بلا سود قوم ہی کے لوگوں کو دینا شروع کرکے انھیں مقروض آدمیوں کو اپنا طرفدار بنالیا، جب قوم کو یہ حال معلوم ہوا تو اکثر نے چندہ دینا بند کردیا، اور قوم کے اعتراض پر امین نے یہ جواب دیا کہ میں نے اس روپیہ کا نام خزانہ بیت المال رکھ دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ روپیہ جو قوم نے ایک خاص کام یعنی چاہ بنانے کے لئے جمع کیا تھا، اب اس امانتدار نے بلا رضامندی ورائے قوم کے خزانہ بیت المال بنالیا ہے۔ یہ فعل اس کا شرعا درست ہے یا نہیں اور اس کا نام خزانہ بیت المال رکھنا حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

(۲) اب وہ امین قرض روپیہ حیثیت داروں کو دیتا ہے غریب لوگوں کو نہیں دیتا، اور دیتا ہے تو کسی امیر کی ضمانت پر، اکثر تو غریبوں کو یہ جواب دیتا ہے کہ تم کو دے کر واپس کہاں سے لیں گے کیا شرعا یہ درست ہے کہ خزانہ بیت المال جو عام چندہ ہے اس میں سوائے امیروں کے غریبوں کو قرض نہ دیا جائے؟

(۳) جو شخص روپیہ قرض لینے کی غرض سے چندہ دے اور پھر قرض بھی لے، تو یہ چندہ دینے والا مستحق ثواب ہے یا نہیں؟ مثلا ایک شخص کچھ روپیہ قرض لیتا ہے۔ جب تک قرض لیا ہو اور روپیہ ادا نہ ہو تب تک وہ چندہ دیتا ہے بعد کو بند کردیتا ہے۔

(۴) قوم امانت دار سے حساب روپیہ کا مانگتی ہے، اب وہ امین حساب پیش نہیں کرتا کیا شرعا اس پر حساب پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۵) جو لوگ روپیہ قرض نہیں لیتے اور اس امانت دار کی رائے کے شریک نہیں ہوتے ان سے وہ امین یہ کہتا ہے کہ تم اس بیت المال کے خلاف نہیں ہو بلکہ کلام پاک کے خلاف ہو، کیا خزانہ بیت المال کا یہ طریقہ ہے، اس صورت سے کلام پاک سے ثابت ہے؟ فقط

الجواب:

یہ فعل اس کا حرام ہے اور اس کا یہ نام حدیث سے ثابت نہیں بلکہ شیطانی وسوسہ کی ایجاد ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** غرض یہ ساری کاروائی حرام ہے۔ اسے کلام اللہ کے خلاف کہنا شیطنت ہے۔ اور وہ جو قرض ادا ہونے تک چندہ دیتا ہے وہ معنی سود ہے۔ اور یہ شخص امانت دار نہیں غاصب ہے اور اس کے ذمہ تفہیم حساب لازم نہیں، بلکہ جس قدر جمع تھا سب کا واپس دینا اس پر فرض ہے اور اگر اس پر اس نے

کچھ نفع حاصل کیاہو تو وہ اس پر حرام ہے، یا تو انھیں اہل چندہ کو واپس دے جن کے روپے سے نفع حاصل کیاہے۔اور یہی بہترہے، ورنہ جتنامال نفع لیاہے فقراء پر تصدق کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۳: از کلکتہ شہر ۲۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کتب فروش نے میرے ملک میں آکے بطور نذرانہ کے ایک جلد کلام اللہ پیش کیا،اور چند کتب اور بھی، عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ جس نے نذرانہ دیاہے وہ ایک دوسرے شخص کی دکان پر ملازم ہ۔اور ان کتابوں کاوہ مالک نہیں ہے۔بغیر حکم اپنے مالک کے وہ کتابیں دی ہیں،اس صورت کو ہم کو کیالازم ہے۔کتابوں کو اس شخص کو واپس کردوں یا مالک کتاب کو دے دوں، مگر اس صورت میں رسوائی کا خیال ہے۔اور ممکن ہے کہ اپنی تنخواہ میں حساب کرلیاہوں۔مگر مجھے کیاحکم شرعاہے؟

الجواب:

وہ کتابیں اپنے پاس نہ رکھی جائیں کیف وقیل۔نہ مالک دکان کو دی جائیں کہ کتب فروش کے غصب یاسرقہ پر یقین نہ ہوا،اور مسلمان کاحال حتی الامکان صلاح پر حمل کرنا واجب،بلکہ اسی کتب فروش کو واپس کردی جائیں کہ اگر واقع میں اس کی تھیں فبہا،ورنہ اسے دینے سے بری الذمہ ہوگیا،درمختار میں ہے:

ردغاصب الغاصب المغصوب علی الغاصب الاول یبرأ عن ضمانہ [1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**	غاصب سے غصب کرنے والے نے مغصوب کو پہلے غاصب پر واپس کردیا تو اس سے ضمان ساقط ہوجائیگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**(ت)

مسئلہ ۲۹۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض موسم میں زید کامکان قیام گاہ مردمان ہر شہر ودیار ہوتاہے۔دور دور سے لوگ آتے اور اس کے مکان کی کوٹھری میں اقامت کرتے ہیں،جو شخص جس میں ٹھہرتاہے اسے زید وہ مکان سپرد کر دیتاہے۔کہ اس میں رہے اور اپنامال واسباب رکھے اور اس کی حفاظت کرے،انھیں لوگوں میں عمرو نے بھی ایک مسکن میں قیام کیااور حسب دستور وہ مسکن زید نے اسے سپرد کردیا،اور بنظر خیر خواہ عمرو کو اگاہ کردیاکہ اس موسم میں لکھوکھاآدمی آتے ہیں،اپنے مال کی خوب نگرانی کرو، عمرو باوجود اس اطلاع کے ایک دن اس مسکن کو تنہا بے قفل چھوڑ کر باہر گیا،جب آیا اس کامال

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

چوری ہو گیا تھا اس صورت میں شرعاً عمرو زید سے تاوان لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

شرعاً جب تک کسی شخص پر سرقہ کا ثبوت کافی نہ پہنچے اس پر نادیدہ حکم روا نہیں، خصوصاً جبکہ اس کی حفاظت بھی ذمہ زید نہ تھی، اور ایسا مجمع عام اور اس میں خود عمرو کی یہ بے احتیاطی پس اس صورت میں ہرگز عمرو کو زید پر دعوی نہیں پہنچتا۔ اور اس سے مطالبہ تاوان صریح مخالفت شرع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ:

انیسویں جلد کتاب الغصب پر ختم ہوئی،

بیسویں جلد کا آغاز کتاب الشفعه سے ہوگا

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۰

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست ... 4
پیش لفظ ... 5
بیسویں جلد: ... 7
فہرست مضامین مفصّل ... 9
فہرست ضمنی مسائل ... 63
کتاب الشفعة ... 95
(شفعہ کا بیان) ... 95
کتاب القسمة ... 175
(تقسیم کا بیان) ... 175
کتاب المزارعة ... 179
(مزارعت کا بیان) ... 179
کتاب الذبائح ... 213
(ذبح کابیان) ... 213
سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیاء ۱۳۱۲ھ ... 269
(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے) ... 269
کتاب الصید ... 341
(شکار کا بیان) ... 341
کتاب الاضحیه ... 353
(قربانی کا بیان) ... 353
ھادی الاضحیة بالشاة الھندیة ۱۳۱۴ھ ... 381
(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا) ... 381
الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة ۱۳۰۷ھ ... 509

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب) 509

باب العقیقہ 581

(عقیقہ کا بیان) 581

مآخذ ومراجع 599

ضمیمہ 623

مآخذ ومراجع 623

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِیۡ الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۰

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۰
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام وسرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۳۲
اشاعت ________ صفر المظفر ۱۴۲۲ھ / مئی ۲۰۰۱ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ____ ۵

کتاب الشفعة ____ ۹۵

کتاب القسمة ____ ۱۷۵

کتاب المزارعة ____ ۱۷۹

کتاب الذبائح ____ ۲۱۳

کتاب الصید ____ ۳۴۱

کتاب الاضحیة ____ ۳۵۳

باب العقیقة ____ ۵۸۱

فہرست رسائل

○ سبل الاصفیاء ____ ۲۶۹

○ ھادی الاضحیة ____ ۳۸۱

○ الصافیة الموحیة ____ ۵۰۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرعام پرلانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے، اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ" کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا، اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً گیارہ سال کے مختصر عرصہ میں بیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس سے قبل کتاب الطہارت، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر اور کتاب الغصب پر مشتمل انیس ۱۹ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

بیسویں جلد:

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد، ہشتم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے صفحہ ۲۵۶ سے آخر تک ۳۳۴ سوالوں کے جوابات اور ۵۹۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں شامل دو رسالوں "ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ" اور "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" کا انتہائی نفیس و سلیس اردو ترجمہ محقق جلیل بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کے قلم گوہر بار کا ثمر ہے، حضرت قبلہ مفتی صاحب اہل سنت وجماعت کے لئے عظیم سرمایہ اور اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں۔ فتاوٰی رضویہ قدیم وجدید کی اشاعت کے سلسلہ میں آپ کی مساعی جمیلہ ناقابل فراموش ہیں۔ اس عظیم فتاوٰی کو سمجھنے کے لئے آپ کی نہایت عمدہ تقدیمات و تحریرات اور پر مغز تبصرے بہت حد تک مفید ومعاون ثابت ہوئے ہیں۔ اس عظیم الشان علمی و فقہی شاہکار کو منظر عام پر لانے میں آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کی شبانہ روز محنت، دردِ مسلک اور انتھک کوششوں کے باعث فتاوٰی رضویہ کا خاصا حصہ ضائع ہونے سے بچ گیا لہٰذا مفتی صاحب تمام اہلسنت وجماعت کے محسن اور شکریہ کے مستحق ہیں رضا فاؤنڈیشن کے تمام ارکان مفتی صاحب کے تحقیقی، تبلیغی اور اشاعتی کارناموں پر انہیں دل کی گہرائیوں سے بھرپور انداز میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، مذکورہ بالا دونوں رسالوں کا ترجمہ اگرچہ مکمل طور پر لفظی نہیں ہے تاہم منشاء مصنف علیہ الرحمہ کی کامل وضاحت کرتا ہے جیسا کہ خود مترجم موصوف رقمطراز ہیں کہ "یہ نہ بالکل ترجمہ ہے، نہ خلاصہ، نہ شرح، حسب ضرورت کہیں اختصار، کہیں تفصیل اور کہیں مساوات سے کام لیا ہے، منشاء صرف یہ ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ کے کلام کی پوری ترجمانی عام فہم انداز میں کر دی جائے، جلد ہشتم قدیم میں مذکورہ بالا دو رسالوں کے علاوہ اس جلد کی باقی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے، اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں، پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الذبائح، کتاب الصید، کتاب الاضحیۃ اور باب العقیقہ کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے، تاہم متعدد ابواب فقہیہ وکلامیہ وغیرہ کے مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسالے بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء (۱۳۱۲ھ)

تکبیر کہہ کر بزرگوں کے نام پر ذبح کئے جانے والے جانوروں کا حکم

(۲) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

بھیڑ کی قربانی کے جائز ہونے کا اثبات

(۳) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

چرمہائے قربانی کے مصارف کی تحقیق

یاد رہے کہ رسالہ "**انفس الفکر فی قربان البقر**" اور اس کے متصل بعد ہندوستان میں گاؤ کشی سے متعلق نو مسائل جو کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ہشتم میں شامل تھے چونکہ کتاب السیر سے زیادہ مطابقت رکھتے تھے اس لئے وہ کتاب السیر پر مشتمل جلد چہاردہم جدید کا حصہ بن چکے ہیں اس لئے وہ اس جلد میں شامل نہیں ہیں۔

حافظ محمد عبدالستار سعیدی — صفر المظفر ۱۴۲۲ھ

ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور — مئی ۲۰۰۱ء

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الشفعة		زید کی زمین میں بکر کے شفعہ کی علت اس کا خالد کی زمین میں شریک ہونا قرار دینا غلط ہے۔	۹۷
شریک ہوتے ہوئے پڑوسی کے حق شفع اور طالب بیع کے حق شفعہ سے "سوال"	۹۵	زید کی زمین میں بکر کے شفیع ہونے کی حقیقی علت بکر کا زید کا خلیط فی الطریق ہونا ہے۔	۹۷
شریک فی المبیع ہوتے ہوئے جارملاصق شفیع نہیں ہوسکتا۔	۹۵	مولوی امیر احمد صاحب کی دیگر تعلیوں کا بیان۔	۹۸
درمختار اور عقود الدریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۹۶	خالد نے جب بکر کی خریداری پر اس کو مبارکباد دی تو اگر وہ شفیع ہو تو بھی اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا۔	۹۸
شفیع کا طالب شراء ہونا اس سے حق شفعہ کو باطل کرتا ہے۔	۹۶	بیوی کو مکان بعوض مہر دیا بیعا یا ہبۃً۔ ایسی صورت میں اس مکان کے شفیع کو حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں۔ اور مجرد ہبہ کا کیا حکم ہے۔	۹۸
مولوی امیر احمد سہسوانی کی فقہی غلطیوں کا بیان۔	۹۶	بیع یا ہبہ بالعوض کی صورت میں شفعہ لازم ہے۔	۹۹
انعدام شفعہ کی علت اعراض عن شراء کو قرار دینا غلط ہے۔	۹۶	شفیع کے لئے شے مبیعہ پر مشتری کا قبضہ ضروری نہیں۔	۹۹
یہاں عدم طلب مواثبت کو بھی عدم شفعہ کی علت قرار دینا غلط ہے کہ سوال میں مواثبت کا کوئی ذکر نہیں	۹۷		

ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہاہر طرح بیع ہے۔	۹۹	ایک مکان کی راہ دوسرے میں یا دونوں کی کسی کوچہ سربستہ میں یا دونوں کی آبچکوں میں کوئی اشتراک نہ ہو تو ایک کو دوسرے سے خلیط کاعلاقہ نہیں، بلکہ جار ملاصق کاعلاقہ ہے۔	۱۰۳
اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹	شرح نقایہ اور در مختار سے مسئلہ کا جزئیہ	۱۰۳
مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹	تقسیم وحدود اور تفریق طرق کے بعد حق شفعہ نہیں۔	۱۰۳
ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹	بخاری سے اس مضمون کی حدیث اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۰۳
بکر کو اطلاع ہوئی کہ زید نے ایسی زمین خریدی جس میں اس کو حق شفعہ حاصل ہے۔ اس نے فوراً اسی زمین پر جاکر زید سے شفعہ طلب کیا، ایک مہینہ کے بعد کہا کہ روپیہ لے لو زید نے اس زمین کو کسی کو ہبہ کیا تب بھی بکر نے طلب شفعہ کیا، کیا حکم شرعی ہے۔	۱۰۰	یہی سوال دوبارہ شفیع خلیط کی طرف سے اور اس کا دوبارہ جواب۔	۱۰۴
شفعہ کی صحت کے لئے طلب شفعہ وطلب مواثبت دونوں ضروری ہیں، صورت مسئولہ میں اگر دونوں طلبیں بوجہ صحت متحقق ہوچکی ہوں تو شفعہ ثابت ہے۔	۱۰۰	شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام،	۱۰۵
خود مشتری کے شفیع ہونے سے دوسرے کا حق شفعہ باطل نہ ہوگا، زمین دونوں میں نصف نصف تقسیم کردی جائیگی	۱۰۱	کسی کے ہاتھ میں زمین بیچی اور شفیع کی طرف کی ایک ہاتھ زمین نہ بیچی، تو اب شفیع کو اس زمین کے شفعہ کا حق نہیں کہ اتصال نہ رہا۔	۱۰۶
روپیہ کو بطور طلب شفعہ پیش کرنے میں شفعہ باطل نہ ہوگا، اگر اس طرح سے کہا ہو کہ زمین کی قیمت لے لو اور اس کو میرے ہاتھ بیع کردو۔ تو البتہ شفعہ باطل ہوجائیگا۔	۱۰۱	بعد میں وہ ایک ہاتھ زمین مشتری کے ہاتھ بیچی یا اس کو ہبہ کی تو اس میں بھی پڑوسی کو حق شفعہ نہیں کہ اب مشتری خلیط ہوگیا۔	۱۰۶
جب حق شفعہ ثابت ہوگیا تو مشتری کے اس زمین کے ہبہ کرنے سے حق شفعہ ساقط نہ ہوگا۔	۱۰۲	حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷
شفیع خلیط اور جار ملاصق کا "سوال"۔	۱۰۲	عملہ کی بیع ہوئی تو اس میں شفعہ نہیں، اور زمین کے ساتھ بیع ہو تو زمین میں شفعہ اصلاً جاری ہوگا اور عملہ تبعاً۔	۱۰۷

سہ بارہ وہی سوال اور اس کا جواب۔	۱۰۸	عملہ اور درختوں میں حق شفعہ کا "سوال"	۱۱۴
سیل ماء کے اشتراک سے شریک خلیط نہ ہوگا بلکہ صرف جار قرار دیا جائے گا۔	۱۰۹	ایسی صورت میں کسی کو شفعہ کا حق نہیں۔	۱۱۴
شفیعین میں سے کسی ایک کی ترجیح یا عدم ترجیح کا "سوال"	۱۱۰	مالک مکان کی اجازت کے بغیر مکان کے نیلام یا اس کی ڈگری کی خریداری کے وقت اس مکان میں حق شفعہ لاگو ہوسکتا ہے یا نہیں؟	۱۱۵
جواب اگر ایک شفیع مشتری سے جائداد خریدے تو دوسرے شفیع کو پوری پوری جائداد میں حق شفعہ ہوگا، ۱۱۰ شفعہ سے متعلق چند "سوالات"	۱۱۱	کچہریوں کی طرف سے جبرا نیلام کی ہوئی جائداد کی بیع شرعا بیع فضولی ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا تو بیع باطل۔ ایسی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں۔	۱۱۵
صرف بیع ہی سے حق شفعہ ثابت ہوجاتا ہے قبضہ کی ضرورت نہیں۔	۱۱۱	ہبہ۔ صلہ رحمی، میراث اور وصیت کی صورت میں حق شفعہ نہیں۔	۱۱۶
احاطہ اور دروازہ واحد ہو تو "دار" واحد کہا جائے گا جو اس کے کسی جز سے متصل ہو پورے گھر کا شفیع ہوگا۔	۱۱۲	صرف عمارت اور ملبہ کی بیع میں شفعہ کا سوال وجواب۔	۱۱۶
دوملاصقین کے حق شفعہ کا بیان۔ شامی وعالمگیری سے جزئیہ۔	۱۱۲	مسئلہ کا جزئیہ تنویر اور درمختار سے۔	۱۱۷
جہاں شفعہ کا رواج نہ ہو شرعا وہاں بھی شفعہ ہوسکتا ہے۔	۱۱۳	شفیع خلیط اور شفیع جار کا سوال۔	۱۱۷
بیع کے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور بعد میں دعوی شفعہ کیا دعوی صحیح ہے۔	۱۱۳	جس کے صحن میں مبیعہ کوٹھری ہے شفیع خلیط ہے۔ جو اس کوٹھری کی چھت کا مالک یا جس کے مکان کوٹھری کے دائیں بائیں ہیں وہ شفیع جار ہے۔	۱۱۸
وکیل بالشراء شفیع ہوسکتا ہے۔	۱۱۳	عالمگیری سے پورے مسئلہ کی تفصیل۔	۱۱۸
ہمسایہ کے طالب ہوتے ہوئے غیر ہمسایہ کے ہاتھ مکان فروخت کرنے سے "سوال"	۱۱۴	خلیط جار پر مقدم ہے اگر تمام شرائط بجالایا ہو خلیط کو ہی حق ہے۔	۱۱۹
بیع سے پہلے شفعہ ثابت نہیں، اگر ہمسایہ بیع کے بعد تمام شرائط شفعہ بجالایا تو اس کو مکان بذریعہ شفعہ دلادیا جائے گا۔	۱۱۴	کوچہ غیر نافذہ میں مشترکہ راہ رکھنے والوں کے حق شفعہ سے "سوال وجواب"	۱۱۹
		شریکین کے حق شفعہ اور طریقہ تصفیہ کا سوال وجواب۔	۱۱۹

شرکاء کے حق شفعہ سے "سوال"	۱۲۰	گواہ نہ ہونے کی صورت میں طلب مواثبت پر شفیع سے قسم کھلانے کا "سوال"	۱۲۵
دیہہ مملوکہ اور غیر مملوکہ کی تفریق۔	۱۲۰	مصنف کے رسالہ "افقه المجادبه عن حلف الطالب علی المواثبه" کا حوالہ جس میں کثیر نصوص علماء میں بظاہر معارضہ کا حل اور اکابر علماء کے ظنون مختلفہ کے مناشی کا اظہار۔	۱۲۶
ہر فریق وشریک برابر کا حق شفعہ رکھتا ہے حصہ شرکت کی کمی بیشی کا اس حق پر اثر نہیں۔	۱۲۰	سوال گول ہے جس پر قطعی حکم ممکن نہیں۔	۱۲۶
شرکاء میں سے کسی نے دعوی شفعہ کیا اور دوسروں نے مزاحمت نہ کی تو پوری جائداد اسی شریک کو دلادی جائے گی، اور مزاحمت کی صورت میں جائداد کی سب میں تقسیم ہوگی۔	۱۲۰	شفیع طلب اشہاد بھی گواہی سے ثابت نہ کرسکے تو طلب مواثبہ پر اس کی قسم ہر گز مسلم نہیں۔	۱۲۶
شرکت خواہ کتنی ہی ہو کل مبیعہ کے حق شفعہ کا دعوی ضرور ہے۔ ورنہ دعوی ساقط ہوجائیگا۔	۱۲۰	شفعہ میں شفیع مدعی اور مشتری منکر ہے اور شرعاً حلف منکر پر ہے۔ حدیث مشہور اور تکملہ طوری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۲۶
مسائل کے جزئیات تنویر، در مختار اور شامی سے۔	۱۲۰	طلب اشہاد بینہ عادلہ سے ہوچکی ہو تو طلب مواثبہ کی تین صورتیں ہیں:	۱۲۶
صاحب قنیہ اور قاضی خاں کے اقوال میں تطبیق۔	۱۲۱	(۱) اگر شفیع طلب مواثبت کا وقت طلب اشہاد سے پہلے بتائے تو اس کا ثبوت بے بینہ نہ ہوگا۔	۱۲۶
پانی کے چشمہ میں حق شفعہ کا "سوال"	۱۲۲	اس صورت میں مشتری منکر ہے۔	۱۲۶
تکمیل بیع کے بعد شفیع شرائط شفعہ بجالائے تو شفعہ ثابت ہوجاتا ہے۔	۱۲۲	جو اصل کے خلاف دعوی کرے دلیل سے دعوی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔	۱۲۷
بیع کے بعد مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے۔	۱۲۲	جس چیز کے استناف کا فی الحال مالک نہ ہو گزرے زمانے میں اس کا دعوی کرے تو بے بینہ مقبول نہیں۔	۱۲۷
جار ملاصق کے بجائے جار بعید کے ہاتھ بیع اور تبادلہ کا "سوال"	۱۲۴	عبارت علماء میں جہاں جہاں یہ تصریحات ہیں کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں اس کا مطلب یہی صورت ہے۔	۱۲۷
جار ملاصق کو حق شفعہ پہنچتا ہے جار بعید کے ساتھ بیع کرے یا تبادلہ کہ اعتبار معانی کا ہے۔	۱۲۴	طلب اشہاد بینہ سے ثابت نہ ہو، یا ثابت ہو اور شفیع طلب مواثبت کا زمانہ مقدم میں دعوی کرتا ہو، ان دونوں صورتوں میں شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے لے کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ مدعی نے طلب مواثبت کی ہے۔	۱۲۸
مال کا مال سے بدلنا معنی بیع ہے۔	۱۲۴		

تنویر، درمختار، اشباہ، خزانہ، ہندیہ، محیط سے جزئیہ کی عبارتیں۔	۱۲۸	خلاصہ مطلب۔	۱۳۵
(۲) شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کے طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰	نہ تو مطلقًا اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵
اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰	قاضی کے یہاں طلب تملیک سے پہلے دو طلبیں ہولینا ضروری ورنہ شفعہ باطل ہوگا۔	۱۳۵
سراجیہ، خزانہ، عالمگیری سے جزئیہ۔	۱۳۰	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتاچکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
(۳) شفیع نے طلب اشہاد ثابت کردی، اور طلب مواثبت کے لئے گول کہا کہ علم ہوتے ہی میں نے طلب شفعہ کیا تب بھی شفیع کا قول قسم کے بعد معتبر ہوگا۔	۱۳۲	طلب مواثبت میں طلبت کما علمت اور علمت منذ کذا فطلبت کا فرق۔	۱۳۶
قاضی اس گول لفظ کو طلب معلوم ومشہور پر حمل کرے گا۔	۱۳۲	باب طلب میں عبارات علماء کی مراد کی تعیین۔	۱۳۸
علماء نے فرمایا کہ علم ہوتے ہی شفیع تنہائی میں ہو تب بھی طلب شفعہ کرلے تاکہ عند اللہ اس کا شفعہ باطل نہ ہو اور قاضی کے حضور وہ قسم کھاسکے۔	۱۳۲	اطلاع کے بعد انکار پھر طلب شفعہ کے حکم سے "سوال"	۱۳۸
بزازیہ، تبیین الحقائق، کفایۃ المنتہی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۳۲	بیع کے بعد مطلقًا انکار، خبر بیع سن کر شفعہ لینے سے انکار، یا سکوت سے شفعہ باطل ہوتا ہے۔	۱۳۹
اس موقعہ پر کلمات علماء میں کہیں یہ ملے گا کہ شفیع ومشتری کے اختلاف کے وقت قول مشتری مقبول ہے اور کہیں یہ کہ قول شفیع اس کی تطبیق میں وہی تفصیل مذکورہ بالا مراد ہے۔	۱۳۲	پیش از بیع اسکو اطلاع ملی اس نے انکار کیا اور بعد از بیع طالب ہوا۔ یا زرِ ثمن زائد بتایا گیا، یا کسی خلاف واقعہ کو مشتری بتایا گیا اور بعد میں حقیقت ظاہر ہوئی اور اس نے طلب شفعہ کیا تو حق باطل نہ ہوگا۔	۱۳۹
ان کتابوں اور ان کی بعض عبارتوں کا ذکر جن میں یہ تفصیل مذکور ہوئی۔	۱۳۲		

خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ کے حقوق سے "سوال"	۱۴۰	عبدالعزیز اور نور احمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں اور احسان کریم جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں ہے۔	۱۴۶
کل مکان بیع کیا یا بعض ہر حال میں خلیط فی نفس المبیع اور شریک فی حق المبیع متصل کو حق شفعہ حاصل ہے جار ملاصق سے جو حصہ مبیع متصل ہو اس میں اس کا بھی حق شفعہ ہے۔	۱۴۲	چونکہ نور احمد کی دونوں حصوں کی خریداری پر عبدالعزیز نے بجائے شفعہ کے اس قطعہ کی خریداری کی بات کی، اس لئے اس کا حق شفعہ جاتا رہا، اور مبیع تمام وکمال نور احمد کا ہوگیا اور احسان کریم کے ہاتھ زوجہ اور پسر خالد نے پورا مکان بیچا جس میں رشیدہ حمیدہ کے دو حصے جنھیں نور احمد نے خریدا تھا، بیع سے نکل گئے، اس لئے یہ پوری بیع معرض زوال میں آگئی۔	۱۴۶
امام سائحانی نے اس مسئلہ کو مشکل قرار دیا کیونکہ "عیون مسائل" میں جار کے حق شفعہ کے لئے اتصال کو ضروری نہیں قرار دیا۔	۱۴۲	احسان کریم چاہے تو یہ پوری بیع رد کردے چاہے ان دو حصوں کے علاوہ بحصہ قیمت لے۔	۱۴۷
مصنف کی تحقیق کہ مشکل کو خود عیون المسائل کا مسئلہ ہے کہ وہ تمام متون وشروح کے خلاف ہے۔	۱۴۲	عالمگیریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۴۷
کسی خاص جزء سے متصل کو پورے سے متصل نہیں قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے عمامہ سر سے متصل ہے لیکن پاؤں سے متصل نہیں۔	۱۴۳	احسان کریم بیع کردے گا تو شفعہ کی بنیاد ہی ختم ہوجائے گی، اور جائز کردے گا تو نور احمد کو اس میں شفعہ کا حق ہوگا۔	۱۴۷
خلاصہ مسئلہ کہ مبیع پورا مکان ہو تو جار ملاصق کا اس کے جزء سے اتصال کافی ہے۔	۱۴۳	الفاظ شفعہ کی صحت وعدم صحت کا "سوال"	۱۴۷
شریک فی حق المبیع کے لئے اتصال ضروری نہیں۔	۱۴۴	شفعہ میں نہ روپیہ لے جانا ضروری ہے نہ مشتری سے اس کا ذکر ضروری، خبر سنتے ہی طلب مواثبت فی الحال ضروری ہے۔	۱۴۸
چند شرکاء حق میں اگر جار ملاصق بھی ہے تو اسے ان باقیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔	۱۴۴	شفیع نے طلب مواثبت میں یہ لفظ کہا کہ خریدوں گا، اس کا مطلب اگر یہ ہو کہ مشتری سے خریدوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔	۱۴۸
صورت مسئولہ کا حکم۔	۱۴۴	اور اگر یہ مطلب ہے کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ طلب شفعہ نہیں کہ شفعہ تملک بالجبر ہے اور بیع تملک بالرضاء۔	۱۴۸
خلیط فی نفس المبیع شریک فی حق المبیع اور جار ملاصق کے شفعہ سے "سوال"۔	۱۴۵		

اور خریدوں گا،کے معنی مجازی مراد لیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا،تو "لے لوں گا" کے الفاظ طلب فی المآل پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا شفعہ باطل۔	۱۴۸	شفیع کے گواہوں پر تنقید،	۱۵۴
مشتریہ دار مشفوع بہا کے منکر ملکیت،اور تسلیم شفعہ کی مدعی ہے۔دونوں نے گواہ پیش کئے۔شرعی حکم کیا ہوگا۔	۱۴۹	حاکم کے فیصلہ کی تائید،	۱۵۵
دار مشفوع بہا کی ملکیت کے گواہوں نے اگر گواہی اس طرح نہ دی ہو کہ دار مشفوع بہا پر ملکیت بیع سے پہلے اور مستمر الی الآن ہے۔تو یہ گواہی نامقبول اور شفعہ ساقط ہے۔	۱۴۹	اسی زمین سے متعلق دوسرے مقدمہ محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ کی مسل عدالت پر حکم شرع کا "سوال"	۱۵۶
تسلیم شفعہ کے گواہوں کے الفاظ صحیح ہیں،اگر عادل ہوں تو تسلیم شفعہ ثابت اور شفعہ ساقط اس کے مقابلہ میں عدم تسلیم شفعہ کے گواہ نامقبول کہ وہ عدم کے گواہ ہیں۔	۱۵۰	اس مقدمہ میں بھی شفیع کے گواہوں پر جرح اور ان کے ناقابل قبول ہونے کا حکم،اور مدعیہ سے قسم لینے کی تصریح۔	۱۵۶
تسلیم شفعہ کے بعد خلیط فی نفس المبیع کا حق بھی ساقط ہوجاتاہے۔	۱۵۱	مدعی علیہا کے گواہوں کے بروجہ مطلوب ہونے کی تصدیق اور شفعہ کے ساقط ہونے کا حکم۔	۱۵۶
مسئلہ مذکورہ بالا دوبارہ کچہری کی پوری کارروائی کے ساتھ "سوال"	۱۵۱	مکان بیع کرکے ثمن معاف کردینے،ایسی بیع میں شفعہ جاری ہونے کا سوال اور بیعنامہ کی نقل۔	۱۵۷
چند الفاظ میں کارروائی کا خلاصہ کہ مقدمہ مذکورہ میں مدعی علیہا کے گواہوں کی ضرورت نہیں تو ان پر تنقید بھی بیکار ہے۔	۱۵۱	ایسی بیع جائز ہے اور معافی ایجاب وقبول کے بعد ہوئی ہو تو معافی بھی جائز ہے۔	۱۵۸
شفیع کے گواہوں کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ بیع کے قبل سے اب تک دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہیں یہ نہ ہو تو مدعی علیہا کی قسم وہ قسم سے انکار کرے تو شفعہ ثابت۔	۱۵۲	شفعہ بہر حال جاری ہوگا اور شفیع کل زر ثمن دے کر مکان لے سکے گا۔	۱۵۸
زیلعی،محیط،ہندیہ سے مسئلہ کی تائید،	۱۵۲	عالمگیری،شامی،قاضی خاں سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۵۸
صورت مسئولہ میں شفیع کی گواہیاں ناکافی ہیں اور شفیع نے مدعی علیہا سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا اس لئے شفعہ ساقط۔	۱۵۳		

حنفی وہابی سے شفعہ کرسکتا ہے، اس پر دو شبہے اور ان کا جواب۔	۱۵۹	طلب اشہاد میں "گواہ ہوجاؤ" کہنا کچھ ضروری نہیں۔	۱۶۵
شفعہ کھلے کافر کی جائداد میں بھی ہوسکتا ہے۔	۱۶۰	آیات قرآنی سے اشہاد کے معنی کی تائید۔	۱۶۶
تفہیم مسئلہ کی ایک دلکش تقریر۔	۱۶۱	بدائع، خانیہ، محیط، ہدایہ کا حوالہ۔	۱۶۶
طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد میں تاخیر کا "سوال"	۱۶۲	اگر طلب اول بروجہ کفایت نہ ہو تو مکان تک جانا اور پردہ کرانا وغیرہ ضرور تاخیر ومسقط شفعہ ہے۔	۱۶۶
صورت مسئولہ میں طلب مواثبت ہی طلب اشہاد کا کام بھی دے گی۔	۱۶۲	طلب اشہاد کے لئے اقرب کو چھوڑ کر ابعد کی طرف جانے پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اقرب ابعد کے راستہ میں نہ پڑے۔	۱۶۶
شفعہ میں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم طلب مواثبت اور طلب اشہاد۔	۱۶۲	طلب اول کے جو الفاظ بیان کئے گئے ہیں البتہ نظر مجیب میں ناکافی ہیں۔	۱۶۷
اگر داربیعہ یا احد المتعاقدین میں سے کوئی بھی پیش نظر ہے تو ایک ہی دونوں کے قائم مقام ہوگی۔	۱۶۲	حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے، جو گھر ومکان میں ذکر حدود اربعہ ہے۔	۱۶۷
دونوں طلبوں میں سے کسی کے لئے گواہی ضروری نہیں، البتہ ثبوت کے لئے گواہی ضروری ہے۔	۱۶۲	وجیز، محیط سرخسی، عالمگیری، ہدایہ، غایۃ البیان، قدوری سے مسئلہ کی تائید اور مسئلہ کا آخری حکم۔	۱۶۷
جن تاخیروں کا سوال میں ذکر ہے سب فضول اور بلاضرورت تھیں جن سے شفعہ کو ضرر نہیں۔	۱۶۳	کھڑے ہوکر طلب مواثبت کرنا اور طلب اشہاد کو جانے کے لئے چھڑی کے بغیر چل نہ سکتا ہو تو چھڑی کے لئے گھر میں جانا تاخیر نہیں، ورنہ ضرور تاخیر ہے۔	۱۷۰
اسی معاملہ سے متعلق مقدمہ کی مسل کے ساتھ دوسرا تفصیلی "سوال"	۱۶۴	بیٹھا تھا بیع کی خبر سن کر اٹھ کھڑا ہوا، اور طلب مواثبت کی تو مجلس ہی بدل گئی، اور طلب مواثبت کا وقت ختم ہوگیا۔	۱۷۰
صورت مسئولہ میں وہی طلب دونوں کے لئے کافی ہے۔	۱۶۵	جائداد منقولہ میں حق شفعہ کا "سوال وجواب"	۱۷۱
گواہوں کا گھیرے کے پاس لے جانا پردہ کراکر اندر لے جانے کی ضرورت نہ تھی۔	۱۶۵	۷ سال کا آدمی طلب شفعہ کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے حق ہے یا نہیں، کچھ تاخیر کردی تو شفعہ کا حق جاتا رہا۔	۱۷۲

شفیع کے ہاتھ مکان نہ بیچ کر غیر شفیع کو دینا جبکہ شفیع کو مکان کی سخت ضرورت ہے اور اس وعدہ پر کہ اس کو مکان دیا جائے گا بیع سے قبل بطور کرایہ دار شفیع کا قبضہ بھی کرادیا۔	۱۷۲	اور چندہ کرکے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔	۱۷۳
مکان خریدنے والے اجنبی نے مکان مسجد کے لئے خریدا ہے کیونکہ ایک تیسرے آدمی نے ابتدائے شفیع کے لئے کہا کہ وہ مکان مسجد پر لے لیا جائے تو میں اپنا مکان مسجد کو دے دوں گا۔ اب ارادہ ہے کہ مکان بہت زائد قیمت پر شفیع کے ہاتھ بیچا جائے، حالانکہ مسجد کو ضرورت مکان کی نہیں، مسجد مقروض ہے اور اس کے دیگر ضروری امور کا انتظام نہیں۔ "سوال"	۱۷۲	بیع کے پہلے خریداری سے انکار سے حق شفعہ باطل نہیں ہوتا۔	۱۷۴
قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں، مکان کا اس کے پاس کرایہ ہونا، اس کا اس کے خریدنے کا اعلان کرنا، اس کا ضرورتمند ہونا، یا اس کا کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا کہ تجھے دوں گا، اسے کوئی ترجیح نہیں دے سکتا۔	۱۷۳	بعد بیع طلب مواثبت اور طلب اشہاد میں تاخیر سے حق شفعہ باطل ہوجاتا ہے۔	۱۸۴
بیع کی خبر پاتے ہی طلب مواثبت اور طلب اشہاد بجالایا تو اسی دام پر جس پر بکا شفعہ حاصل کرسکتا ہے۔	۱۷۳	**کتاب القسمة**	
اس سے زائد قیمت مانگتے ہیں، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ طلب بجائے بغیر اس مکان کی خریداری پر تیار ہوگیا تو اس کا شفعہ باطل ہوگیا، ایسی صورت میں اس کو مکان نہ دینا ظلم نہیں۔	۱۷۳	کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا "سوال"	۱۷۵
بقیہ باتیں جو سوال میں ذکر ہوئیں زائد ہیں اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں، مسجد نے مکان کی قیمت زائد دی، اس کی دو صورت ہے، لوگوں نے چندہ سے مکان کا دام ادا کرکے مسجد کو دے دیا، جب تو کوئی گناہ نہ ہوا کہ اصل سے زائد قیمت دینا گناہ نہیں۔	۱۷۳	ایسی تقسیم باطل ہے۔ پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔	۱۷۵
		قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے کے بعد تقسیم توڑ دی جائے گی۔	۱۷۶

قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔	۱۷۶	درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔	۱۸۳
چند گھروں کی شرکاء میں کب اجتماعی تقسیم ہو اور کب ہر ہر گھر کی علیحدہ علیحدہ۔	۱۷۷	سال بسال کا پتہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔	۱۸۳
کتاب المزارعة		خیریہ اور شامی سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۳
کاشکار کے حق استقرار اور مقدمہ بے دخلی کے تاوان سے "سوال"	۱۷۹	اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا، اور مصنف کی ترجیح۔	۱۸۵
مرور مدت سے کاشتکار کو استقرار کا حق حاصل نہیں ہوتا، زمین کیسی ہی ہو اور چاہے کتنی ہی مدت کاشت کرے۔	۱۷۹	حاوی زاہدی کی عبارت کا محمل اور اس کے بارے میں مصنف کی رائے۔	۱۸۷
زمین کو کاشت کے قابل بنایا ہو، اس میں چوگڑی وغیرہ کھودی، دوسری زمین سے مٹی لاکر پاٹی، درخت بویا یا مکان بنایا تو سلطانی زمین میں اس کو حق استقرار مل جاتاہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو بھی بلاوجہ شرعی بے دخل نہ کیا جائے گا۔	۱۸۰	کردار میں حق استقرار کی بنیاد نظر للجانبین ہے۔	۱۸۷
جامع الفصولین اور عقود الدریہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۱۸۰	خلاصہ حکم دیہات مملوکہ کی زمین میں کاشتکار کو کوئی حق موروثی نہیں اور اس پر جبراً قابض رہنا ضرور ظلم ہے۔	۱۸۹
علیحدگی کے اعتذار۔	۱۸۱	مدعی کو خرچہ دلانا حکم شرع کے خلاف ہے۔	۱۸۹
زمیندار کی مملوکہ زمین میں کاشتکار کو کبھی کسی طرح حق استقرار نہیں۔	۱۸۳	اپنے حق کی وصولی کی تدبیر،	۱۸۹
اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔	۱۸۳	اضافہ لگان پر کاشتکار خموش ہے اور زمین نہ چھوڑے تو شرعاً وہی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۸۹

خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہو اور انکار کے باوجود کاشت کرتا رہا تو یہ بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰	اگر شرکاء کے رد یا اذن کے بغیر از خود کاشت کرلی تو اگر زمین کو نقصان پہنچا غاصب ہے اس صورت میں نہ زمین کے نقصان کا تاوان نہ لگان کچھ نہیں۔	۱۹۸
اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱	اور زراعت سے زمین کو فائدہ ہو تو یہ صورت اجازت میں داخل ہے۔ اس صورت میں بھی نہ لگان نہ تاوان، البتہ شرکاء بھی اپنے اپنے حصوں کی مقدار زراعت کرسکتے ہیں۔	۱۹۹
اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲	مصنف کی تحقیق اور مسئلہ کی تفصیل	۱۹۹
ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونے لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳	جس صورت میں زراعت سے زمین کا نفع نقصان کچھ معلوم نہ ہو فقہاء اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔	۱۹۹
ایسی ہی زمین کے بارے میں دوسرا "سوال" اور اس میں اپنے حق کی وصولی کی سابقہ تدبیرہ کی تفصیل کا "جواب"	۱۹۳	مصنف کی تحقیق کہ یہ حکم مضرت میں داخل ہے۔	۱۹۹
جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶	جامع الفصولین اور شامی سے مسئلہ کا حکم اور اس حکم کے دائر بہ عرف ہونے کی تصریح۔	۱۹۹
اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضرنہ ہو۔	۱۹۶	ہمارے زمانہ کے عرف کے اعتبار سے مسئلہ کا حکم۔	۲۰۱
صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷	خلاصہ کا حکم۔	۲۰۲
مشترکہ گاؤں میں بے اذن شرکاء کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا "سوال"	۱۹۷	منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲
باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کے لگان دینا بھی واجب ہوگا۔	۱۹۷	ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال رواں کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳
اگر اور شرکاء کی مرضی کے خلاف کاشت کی تو ظالم اور غاصب ہے اور زمین کو کاشت سے نقصان پہنچا ہو تو تاوان دے اور نقصان نہ پہنچا ہو تو لگان عائد نہیں۔	۱۹۸		

صورت بالا میں جب کاشتکار اول دوسرے کے لئے دستبردار ہوچکا اور زمیندار نے دوسرے کو قبول کرلیا تواب یہی مستاجر ہوگیا، اور خراج جو زمیندار آئندہ لے گا اس کو ادا کرنا ہوگا۔	۲۰۳	موروثیت کے دباؤ سے جو زمین نہ چھوڑے پیداوار اس کے لئے ناجائز ہے یا تو زمین کے مالک کو دے یہ افضل ہے یا فقراء کو دے۔	۲۰۵
اور اگر کاشتکار دوم زمین کا مستقل مالک سمجھا جائے تو زمین کی یہ بیع فضولی ہوگی اور نذرانہ زمین کی قیمت پر اضافہ اور زمیندار کی اجازت سے قیمت کاشتکار اول کی اور نذرانہ زمیندار کے لئے جائز ہوگا مگر زمیندار کا آئندہ اس سے خراج وصول کرنا ناجائز ہوگا۔	۲۰۳	مالگذاری نہ دینے کاشت کار کے زمین میں درخت لگانے اس کی قیمت میں سے زمیندار کے چوتھائی وصول کرنے زمیندار کی غیر آباد زمین کے آباد کرنے اور غلط ناپ کی وجہ سے دوسرے کی جو زمین اس کے حصہ میں آگئی اس سے فائدہ اٹھانے کا "سوال"	۲۰۶
بٹائی کے کھیت میں اندازہ سے پیداوار مقرر کرنا باطل ہے۔ مسئلہ کی تفصیل اور مختلف صورتوں کا حکم اور ہدایہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۰۳	مقرر مالگزاری کا ادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
ہندو کاشت کار سے ایسے معاملہ کا حکم جدا ہے۔	۲۰۴	مالک زمین کا اس درخت میں کوئی حق نہیں اس کا مانگنا ظلم ہے۔	۲۰۶
دوامی پٹہ، شکمی کاشتکار اور ۱۲ سال کے بعد حق استقرار سے "سوال"	۲۰۴	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟	۲۰۶
دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں، سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۲۰۵	مطالبہ وصول کرکے بیع سلم کے نام پر اس روپیہ کو وصول کرنا اور اسے سیر بھر گیہوں دینا کہ ہمارے یہاں یہی بھاؤ ہے جائز ہے یا نہیں؟	۲۰۷
قانونی حق استقرار شریعت کے نزدیک کچھ نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
شکمی کاشتکار بناسکتا ہے مگر مقررہ لگان سے زائد لینا جائز نہیں۔	۲۰۵	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
زائد لینے کی ترکیبیں۔	۲۰۵		

ہاں باقی وصول کرنے کے بعد تاخیر کے حرجانہ کے طور پر غیر مسلموں سے کچھ وصول کرلے تو جائز ہے چاہے نام اس کا بیع سلم ہی رکھے۔	۲۰۸	رات کا ذبیحہ مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
اس امر کی تفصیل کہ زائد رقم کب حساب میں دکھائی جاسکتی ہے اور کب نہیں۔	۲۰۸	کراہت بھی اس فعل میں ہے۔ صحیح ذبح ہوجائے تو ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
بیع سلم کی جو صورت سوال میں مذکور ہے کہ سیر بھر غلہ کے بدلہ دس روپیہ لیں، غیر مسلموں سے جائز اور مسلمانوں سے ناجائز، اور اس کو رضا کہنا غلط ہے کہ یہ دباؤ کی رضا ہے۔	۲۰۹	زندگی ثابت ہو اور ذبح کے بعد خون دے، حلال ہے۔ اور موت ثابت ہے اور خون دے تب بھی حرام ہے۔	۲۱۴
ایسے مال کو حلال کرنے کی ایک تدبیر۔	۲۰۹	علامات حیات۔	۲۱۴
عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۲۰۹	ذبح کے وقت بغیر واؤ کے بسم اللہ اللہ اکبر کہنا مستحب اور واؤ کے ساتھ کہنا مکروہ ہے۔	۲۱۵
پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا "سوال وجواب"	۲۰۹	بسم اللہ اللہ اکبر کہنا ذابح پر ضروری ہے ہاتھ پاؤں پکڑنے والے پر نہیں۔	۲۱۵
سرکاری لگان سے کم وبیش شرح پر کھیت کاشت کار کو دینے کا "سوال وجواب"	۲۰۹	وقت ذبح جانور کو کس رخ ہونا چاہئے۔	۲۱۶
اصل کاشتکار شکمی کاشت کار کو بیش پر دے سکتا ہے یا نہیں۔	۲۱۰	ذبح کرنے والے اور ذبیحہ دونوں کو قبلہ رو ہونا سنت ہے۔	۲۱۶
صورت مذکورہ کے جواز کی تدبیریں۔	۲۱۰	ہمارے ملک میں ذبیحہ کا سر جنوب کی طرف ہو اور جانور بائیں پہلو پر سویا ہو اور پیٹھ مشرق کی طرف ہو تو اس کا رخ قبلہ کی طرف ہوگا۔	۲۱۶
حق استقرار سے متعلق "سوال وجواب"۔	۲۱۰	ذبح کرنے والا اپنا داہنا قدم مذبوح کی گردن کے کنارے رکھ کر کر ذبح کرے۔	۲۱۷
کتاب الذبائح		توجہ بقبلہ ترک کرنا مکروہ ہے اور بعض ائمہ مالکیہ کے نزدیک وجہ حرمت ذبیحہ ہے۔	۲۱۷
رات کے ذبیحہ کے اور ذبیحہ کے خون دینے نہ دینے سے متعلق "سوال"	۲۱۳		

اختلاف علماء سے بچنا مؤکد ہے۔	۲۱۷	ذابح معین اور پکڑنے والے کے فرق کا بیان۔	۲۲۱
بخاری، مسلم، دارمی، ابن ماجہ سے طریقہ ذبح کی حدیث۔	۲۱۷	جب مبیح اور محرم جمع ہو تو غلبہ حرام کو ہوگا۔	۲۲۱
تسمیہ شرط ذبیحہ ہے اور اس کے ساتھ تکبیر سنت ہے۔	۲۱۸	درمختار اور شامی سے اس امر کا جزئیہ کہ تسمیہ کس پر واجب ہے۔	۲۲۱
عینی اور تنویر سے ذبیحہ کے لٹانے کا طریقہ۔	۲۱۸	ذبح فوق العقدہ سے تین رگ کٹ جاتی ہے یا نہیں۔	۲۲۲
معین ذابح اور اس کے تسمیہ پڑھنے سے "سوال"	۲۱۸	یہ بات مشاہدہ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔	۲۲۲
معین ذابح وہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر چھری پھیرنے میں مدد دے، ان دونوں پر تسمیہ واجب ہے۔	۲۱۸	ذبح فوق العقدہ کا "سوال وجواب"	۲۲۳
دیوبندی مسئلہ کی تغلیط، پاؤں پکڑنے والا معین ذبح نہیں۔	۲۱۸	درانتی کے ذبیحہ کا حکم۔	۲۲۴
درمختار اور شرح نقایہ سے جزئیہ۔	۲۱۸	درانتی آلات ذبح سے ہے۔	۲۲۴
ذبح میں گھنڈی کا کوئی حصہ سر میں نہ لگا ہو تو کیا حکم ہے۔	۲۱۹	درانتی سے ذبح ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کند چھری سے۔	۲۲۵
ذبیحہ کا مدار رگ کٹنے پر ہے۔ ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ کا لحاظ نہیں۔	۲۱۹	ضرورت کے وقت اس سے بھی ذبح جائز ہے۔	۲۲۵
ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ میں قول فیصل کیا ہے۔	۲۲۰	ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر علیحدہ کرنا اور کھال اتارنا تعذیب بلا فائدہ ہے۔	۲۲۵
ذبح کا مدار کم سے کم تین رگوں کے کٹنے پر ہے فوق العقدہ اور تحت العقدہ پر نہیں شامی سے قول فیصل کا بیان۔	۲۲۰	کھانا ایسے ذبیحہ کا بہر حال حلال ہے۔	۲۲۵
بدائع کی ایک عبارت کی توضیح اور مصنف کی تحقیق کہ صرف دو رگیں قلب سے دماغ تک متصل ہیں، حلقوم اور مری نہیں۔	۲۲۱	ذبیحہ کی موت اور زندگی کی تفصیل اور ذبح پر اس کے اثرات کا بیان۔	۲۲۶
پکڑنے والے کے تسمیہ نہ کہنے سے "سوال"	۲۲۱	ضرورۃً کند ہتھیار سے ذبح میں تین رگیں کٹنے سے پہلے جان نکل گئی تو حلت وحرمت میں علماء کا اختلاف ہے۔ رجحان جانب حرمت ہے۔	۲۲۶

بے دستہ کی چھری ذبیحہ اور گرم مقامات پر گرمی میں روزہ سے "سوال"	۲۲۷	مسئلہ کا خلاصہ حکم۔	۲۳۲
مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے جس سے روزہ رکھنے میں بیمار پڑ جائے۔	۲۲۸	مسلمان کو ایسے جانور کا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا بھی مکروہ ہے۔	۲۳۳
اگر ایسے کام کے ترک پر قدرت نہ ہو، روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو قضاء رکھے۔	۲۲۸	مذبوح کی کھال کا حلت وحرمت کا "سوال"	۲۳۳
ذبح اضطراری کا "سوال وجواب"	۲۲۸	ایسی کھال حلال ہے اگرچہ بھینس اور بکری کی کھال کھانے کے لائق نہیں ہوتی۔	۲۳۳
ظاہر کے نام کا بکرا مسلمان نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا اس کا کھانا کیسا ہے۔	۲۲۸	ذبیحہ کے ان سات اعضاء کا ذکر جن کا کھانا حرام ہے۔	۲۳۳
ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لے تو ذبیحہ مردار ہے یونہی مسلمان نے تسمیہ پڑھ کر ذبح کیا اور اس سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۲۸	ذبیحہ کے اجزائے ممنوعہ سے "سوال"	۲۳۴
وقت ذبحہ نہ غیر خدا کا نام لیا نہ اس کی عبادت چاہی تو ذبیحہ حلال ہے چاہے وہ کسی کے نام کا ہو۔	۲۲۸	سات چیزوں کی تصریح حدیث شریف میں ہے۔	۲۳۴
مشرک کا ذبیحہ مطلقًا حلال نہیں اگرچہ بسم اللہ پڑھ کا ذبح کیا ہو، اور کتابی کا ذبیحہ بسم اللہ پڑھ کر ہو تو حلال ہے اگرچہ اس سے حضرت مسیح مراد لیا ہو۔ (حاشیہ)	۲۲۸	طبرانی کی حدیث	۲۳۴
نیشاپوری اور بدائع سے وجہ فرق کا بیان۔	۲۲۹	امام اعظم نے ان میں خون کو حرام اور باقی کو مکروہ فرمایا۔	۲۳۴
مسلمان پر بدگمانی حرام ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۰	کراہت سے مراد کراہت تحریم ہے۔ صاحب بدائع نے اسی کو حرام سے تعبیر کیا اور صاحب تنویر نے کراہت سے۔	۲۳۵
دل کے ارادے پر حکم لگانے کی ممانعت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۱	صاحب درمختار نے کراہت تحریمی کو راجح بتایا۔	۲۳۵
براگمان برے دل سے نکلتا ہے۔	۲۳۱	متون میں جب کراہت کا لفظ مطلق وارد ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے۔	۲۳۵
تفسیر کبیر، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار سے اس بدگمانی کی ممانعت کہ مسلمان اپنے ذبح سے غیر خدا کا تقرب کرتا ہے۔	۲۳۲		

ان دو چیزوں کا ذکر جن کا اضافہ قاضی بدیع الدین خوارزمی، شمس الدین قہستانی، احمد مصری محشیٔ در مختار نے کیا۔	۲۳۶	کس کس کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲
ان تین چیزوں کا ذکر جن کا اضافہ قاضی بدیع الدین اور احمد مصری نے کیا۔	۲۳۶	ذبیحہ صحیح ہونے کی شرائط کا بیان۔	۲۴۲
جزئیات کے حوالے۔	۲۳۶	عورت اور سمجھدار بچہ کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲
ان دس چیزوں کا ذکر جن کو بالتصریح مصنف کتاب نے تفحص کرکے نکالا۔	۲۳۷	عورت اور بوہرہ وغیرہ کے ذبیحہ سے "سوال"	۲۴۲
اس امر کی تشریح کہ حدیث شریف میں سات کا لفظ حصر کے لئے نہ تھا۔	۲۳۷	مسلمان اور کتابی عورت ہی کیوں نہ ہو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۲۴۳
اجزاء سے مراد اعضاء ہی نہیں اخلاط بھی ہیں۔	۲۳۷	بوہرا اگر صرف بدعتی ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔اور مرتد ہو تو نہیں۔	۲۴۳
نمبر ۱۵ سے ۲۱ تک اضافوں کا ذکر اور سب کی توجیہ۔	۲۳۸	آج کل کے نصارٰی کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔	۲۴۳
کتب فقہ میں بھی سات کا لفظ حصر کے لئے نہیں صرف اتباع حدیث میں ہے۔	۲۳۸	اکثر مشائخ اس کو حرام فرماتے ہیں۔	۲۴۳
کتب کثیرہ میں لفظ شاۃ کی قید کا بھی یہی حال ہے۔	۲۳۸	اسی پر فتوٰی اور اسی کو ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۳
اوجھڑی کی کراہت بطور دلالۃ النص یا بطور اجزائے علت منصوصہ ثابت ہے۔	۲۳۸	آج کل کے نصارٰی گلا گھونٹ کر بھی مار ڈالتے ہیں اور گلے میں چھری پیوست کرکے بھی۔	۲۴۴
ینابیع میں دبر کی تصریح بھی ہے۔	۲۳۹	معین ذابح کی تشریح۔	۲۴۴
اس موضوع کی پوری بحث کا مصنف کے رسالہ "منح الملحیہ" پر حوالہ۔	۲۳۹	شیعہ کے ذبیحہ کا "سوال"۔	۲۴۴
مذکورہ بالا مسئلہ کا "سوال وجواب"	۲۴۰	آج کل کے شیعہ تبرائی کافر و مرتد ہیں۔	۲۴۴
زندہ جانور سے علیحدہ کیے ہوئے عضو کی حلت وحرمت کا "سوال"	۲۴۱	روافض زمانہ کے کچھ عقائد کا بیان۔	۲۴۴
مچھلی اور ٹیڑی کے علاوہ کسی جانور کے علیحدہ شدہ عضو کا کھانا حرام ہے۔	۲۴۱	روافض کا ذبیحہ مردار وحرام ہے۔	۲۴۶
حدیث شریف سے مسئلہ کا بیان۔	۲۴۱	مرتدین وقت سے نیچری اور وہابیہ کے عقائد واحکام کا ذکر۔	۲۴۶

ان کے ذبیحہ کے حرام ہونے کا بیان اور دیگر احکام۔	۲۴۶	فاسق کے ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۵۱
ان سے کم درجہ کے گمراہوں کا ذکر اور ان کا حکم۔	۲۴۶	بے نکاحی عورت گھر میں ڈال لینے والے یوم نحر صبح صادق کے بعد نماز فجر سے قبل قربانی کرنے والے مسلمان غرباء نہ ہوں تو قربانی کے تیسرے حصہ اور اس حصہ کو خود کھانے والے کے بارے میں "سوال"	۲۵۱
آج کل کے یہود ونصاری کے ذبیحہ کا "سوال"	۲۴۶	پر بلا ثبوت زناء کا حکم لگانا حرام ہے۔ بلکہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں تو ان کے میاں بیوی ہونے کی گواہی دی جاسکتی ہے اور زانی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔	۲۵۲
یہود ونصارٰی الوہیت مسیح وعزیر کے قائل ہیں، ان کا ذبیحہ حرام، اسی پر فتوٰی اور یہی ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۶	دیہات میں یوم نحر صبح صادق کے بعد قربانی کی تو ہوجائیگی شہر میں نہیں ہوگی، بعد نماز عید ہونا واجب ہے۔	۲۵۲
بعض کے نزدیک جائز البتہ کراہت میں شک نہیں۔	۲۴۷	قربانی کے گوشت کا تین حصہ کرنا امر استحبابی ہے سارا گوشت خود بھی کھاسکتے ہیں البتہ یہ گوشت یہاں کے غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔	۲۵۳
آجکل کے نصارٰی بطور شرع ذبح بھی نہیں کرتے ۱۲۱۹ھ کے ایک مشاہدہ کا ذکر۔	۲۴۸	فاسق کے ذبیحہ سے "سوال وجواب"	۲۵۳
قادیانی اور وہابی کے ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۴۹	فاسق کے ذبیحہ، اس کی ضیافت اور نماز جنازہ سے "سوال"	۲۵۳
دیوبندی کے بھیجے ہوئے گوشت سے "سوال وجواب"	۲۴۹	فاسق کا ذبیحہ جائز، نماز جنازہ اس کی واجب اور اس کی دعوت قبول کرنے اور نہ کرنے میں سلف صالحین کے اندر اختلاف ہے۔	۲۵۳
بوہرے کا ذبیحہ حرام در حرام، اور ذبیحہ کا پیشہ حلال ہے۔	۲۵۰	قصاب پیشہ کا جائز ہے۔	۲۵۴
ذابح بقر اور قاطع شجر کے بارے میں جو حدیث روایت کرتے ہیں موضوع ہے۔	۲۵۰	مسئلہ بالا کا "سوال وجواب"	۲۵۴
دو۲ استفتاء در بارہ ذبیحہ نساء اور ان کا جواب۔	۲۵۱	خانیہ، شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۲۵۵

خنثٰی جانور کے ذبیحہ کا "سوال"	۲۵۵	بحیرہ اور سائبہ کا بیان	۲۶۰
خنثٰی کی قربانی جائز نہیں۔ ایسا گوشت پکائے سے پکتا نہیں ذبح کے بعد وہ حلال ضرور ہے۔	۲۵۵	قرآن عظیم میں ایسے جانوروں کو حرام قرار دینا کافروں کا کام بتایا، اور اس کو رد فرمایا۔	۲۶۰
درمختار اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۵۵	اس کو مااھل بہ لغیر اللہ سے کوئی علاقہ نہیں نہ بتوں کے تھان کی مٹھائی اس میں داخل ہے۔	۲۶۱
کتیا کے دودھ سے پرورش پانے والے بکری کے بچے کو دودھ چھوڑے مدت گزر گئی ہو تو بے خرخشہ حلال ہے۔ مدت کے اندر دو چار روز اس دودھ سے پرہیز کرکے حلال کیا تب بھی حلال ہے۔	۲۵۶	ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ مااہل بہ لغیر اللہ ہے۔	۲۶۱
اسی حالت میں ذبح کیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔	۲۵۶	وہابیہ کے جاہلانہ خیال کا رد۔	۲۶۱
علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی۔	۲۵۶	بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے۔	۲۶۱
نوازل، خلاصہ، خانیہ۔ ذخیرہ، بزازیہ، تبیین، تکملہ، درمختار وغیرہ میں تنزیہی کی تصریح ہے اور یہی امام محمد کا قول ہے اور من حیث الدلیل قوی ہے۔	۲۵۶	ایسی مٹھائی لینا ذلت بھی ہے اور کافروں کی مراد کے موافق استعمال بھی۔	۲۶۱
درمختار، تکملہ، ہندیہ، فتاوٰی کبرٰی، خزانہ، شامی، فتح اللہ المعین کی عبارتوں سے مسئلہ کا اثبات۔	۲۵۷	البتہ ایسے جانوروں کا کھانا ان کی مراد کے خلاف ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو۔	۲۶۱
احتیاطی حکم۔	۲۵۸	فتنہ سے بچنا لازم ہے۔	۲۶۱
یہی "سوال وجواب" دوبارہ۔	۲۵۸	چڑھاوے کے جانور کے ذبح کرنے اور اس کے گوشت سے "سوال"	۲۶۱
آدمی کے دودھ پر پرورش پاتے ہوئے بچہ کی حلت وحرمت کا سوال وجواب۔	۲۵۹	کافر بتوں کے نام کہے اور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	۲۶۱
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال"	۲۶۰	یہ فعل مسلمانوں کے لئے منع ہے اور وہ گوشت مکروہ ہے۔	۲۶۱
		بتوں کے نام پر کان کٹے ہوئے جانور کو خرید کر اپنے طور پر ذبح کرنے اور کھانے کا "سوال وجواب"	۲۶۲

چھوڑے ہوئے سانڈ اور کچھوے وغیرہ حرام اشیاء کو جلا کر یا تیل میں پکا کر پکے ہوئے تیل کے کھانے کا"سوال"	۲۶۲	ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی عبادت ہو تو ذبیحہ مردار ہو جائے گا اور عبادت کی نیت نہ کی اور ذبح اللہ کے نام سے کیا تو ذبیحہ حلال ہوا۔	۲۶۷
سانڈ حلال ہے۔ اور مولوی عبدالحئی صاحب کے اسے حرام کہنے کی تردید، لیکن وہ مباح بھی ممنوع ہو جاتا ہے جو مسلمانوں کو ذلت پر پیش کرے۔	۲۶۲	صورت مسئولہ کا تفصیلی حکم۔	۲۶۷
حرام شے جلنے کے بعد بھی حرام رہے گی، اور حلال میں مخلوط ہو تو اسے بھی حرام کردے گی۔	۲۶۳	**o سبل الاصفیا فی حکم الذبائح اللاولیاء**	۲۶۹
چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق"سوال وجواب"	۲۶۳	بزرگوں کے نام کا جانور تکبیر کے ساتھ ذبح کیا جائے تو کیا حکم ہے۔	۲۶۹
عالمگیری کا جزئیہ کہ ایسے جانور کو مالک مباح کردے تو مباح ورنہ ملک غیر کی وجہ سے ممنوع ہے۔	۲۶۴	ذبیحہ کی حلت یا حرمت میں نیت ذابح کا اعتبار ہے۔	۲۶۹
اس سلسلہ میں مسئلہ ظفر بخلاف جنس کا تذکرہ۔	۲۶۴	مختلف نیتوں کا تفصیلی بیان۔	۲۶۹
یہی مسئلہ پھر مکرر۔	۲۶۴	عالمگیری، جامع الفتاوٰی، تاتارخانیہ سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۲۷۰
شیخ سدو ایک روح خبیث ہے۔	۲۶۵	نیت ذبح میں بھی خاص وقت ذبح کی نیت کا اعتبار ہے۔	۲۷۰
شیخ سدو کے نام سے مرغ ذبح کرنے اور موقعہ پر میلاد پڑھوانے اور کھانا کھلانے کا"سوال"۔	۲۶۵	اس امر کی تائید دیگر امور شرعیہ سے۔	۲۷۰
اگر وہاں میلاد پڑھے تو ایسی روحوں کی تعظیم سے منع کرے گا جن کا اسلام تک معمول نہیں، ان کے لئے جو مرغ ذبح ہو وہ بلکہ ان کا کھانا نہ کھائے۔	۲۶۶	ذبح سے پہلے کی شہرت وپکار خصوصاً غیر ذابح کی اس کا کچھ اعتبار نہیں۔	۲۷۱
ایسے مولوی صاحب کے متعلق سوال جنھوں نے غیر اللہ کے نام کا جانور کرنے والوں کے گھر کھانا کھایا۔	۲۶۶	اضافت کا مطلب عبادت نہیں، اس لئے اس کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ ان جانوروں سے ان بزرگوں کی عبادت کی جائے گی۔	۲۷۱
مآاھل بہ لغیر اللہ اور ذبح اولیاء وغیرہ کی تفصیل وتشریح۔	۲۶۶	نماز، روزہ حج، زکوٰۃ وغیرہ سے اس کی مثال۔	۲۷۱

جو لوگ اضافت کی بنیاد پر ان کو حرام بتاتے ہیں شریعت پر جرات کرتے ہیں۔	۲۷۱	ایسی صورت میں عدم تبدیل سے عوام کی تصریح کے خلاف عبادت کاالزام سراسر زیادتی ہے۔	۲۷۷
حدیث اور کتب فقہ سے ایسی ضافتوں کا ثبوت خاص ذبح کی مختلف اضافتوں کاحدیث سے ثبوت۔	۲۷۱	بالفرض کسی نے ایسی نیت کی ہو توحکم کفراسی پر مقصور رہے گا عام حکم لگانا صحیح نہ ہوگا۔	۲۷۸
حسب تصریح علماء مطلقاً اضافت کو سبب حرمت قرار دینے والا جاہل ہے	۲۷۲	مسئلہ کاخلاصہ حکم۔	۲۷۸
درمختار اور شامی سے ذبح کی جائز اضافتوں کی نصوص۔	۲۷۳	آیۃ لاتاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه کی تشریح تفسیر کبیر سے۔	۲۷۹
اگر کوئی جاہل یہ اضافت بہ نیت عبادت کرے اس کو ہم بھی کافرکہتے ہیں لیکن ذابح کی یہ نیت نہ ہواور وہ اللہ کے واسطے ذبح کرے تو جانور حلال ہوگا۔	۲۷۳	جنین کی علت وحرمت کا "سوال وجواب"	۲۷۹
قرآن وحدیث واقوال بزرگان دین سے بدگمانی کی مذمت۔	۲۷۳	ایضامسئلہ مذکورہ بالا۔	۲۷۹
خاص مسئلہ ما اهل به لغير الله میں منیہ، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ کی تصریح کہ ہم اس ذبح سے تقرب الی غیراللہ کی بدگمانی نہیں کرسکتے۔	۲۷۵	غیر مسلموں سے گوشت خریدنے کا "سوال"	۲۸۰
شامی اور قاضی خاں سے بسم اللہ بنام خدابنام محمد کاجزئیہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام تعظیما لیا ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اللہ کے ساتھ شرکت مراد لی ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۷۵	مشرک غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں حلال وحرام میں کافر کا قول بالکل معتبر نہیں۔	۲۸۱
شامی اور درمختار سے بنام خداوبنام محمد کاجزئیہ اور عدم کفر کافتوی۔	۲۷۶	ایک استثنائی شکل۔	۲۸۲
ایسے جانور کی مطلقاً حرمت کا فتوی دینے والوں کو تنبیہ اور ان کی تجہیل	۲۷۶	اس حکم کے خلاف حرام اور اس کو بناوٹی بتانے والے پر لزوم کفر ہے۔ توبہ وتجدید اسلام ضروری ہے۔	۲۸۲
قصد عبادت کی تائید میں مخالف کی دلیل کارد۔	۲۷۶	اب بھی جونہ مانے اور ان سے گوشت خریدے مسلمان اس کا مقاطعہ کریں۔	۲۸۲
تخصیص اور عدم تبدیل بھی بے اصل نہیں۔	۲۷۷		

گوشت کی خریداری میں غلط قسم کی شرط پر صلح ناجائز۔	۲۸۳	ایضامسئلہ شراء اللحم من الکافر،	۲۸۸
مسئلہ بالا کا اس اضافہ کے ساتھ سوال کہ مذبح سرکاری ہے اور ذبح پر مسلمان مقرر ہے۔	۲۸۳	قابل نفرت لوگوں سے حلال طریقے پر بھی گوشت خریدنا نہیں چاہئے۔	۲۸۹
صورت مسئولہ میں گوشت خریدنا، کھانا، کھلانا جائز نہیں۔	۲۸۳	جانور مذبوح ملا، ذابح معلوم نہیں اگر اس علاقہ میں صرف مسلمان ہی بستے ہوں تو حلال ہے اور اگر ایسے لوگ بھی بستے ہوں جن کا ذبیحہ جائز نہیں، تو حلال نہیں۔	۲۹۰
جانور جب تک زندہ تھا بالیقین حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگا، اور طریقہ مذکورہ پر اس کا حصول نہ ہوا۔	۲۸۳	مسئلہ پر متروک التسمیہ سے اعتراض کا جواب۔	۲۹۰
بیچنے والا غیر مسلم اگر یہ کہے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے۔ تو دیانات میں اس کی خبر معتبر نہیں۔	۲۸۳	غصب کا جانور ذبح سے حلال ہوگا مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے ذابح گنہگار ہوا۔	۲۹۰
درمختار، شامی، ہدایہ، تبیین، ہندیہ، اشباہ، فتح القدیر سے نصوص۔	۲۸۳	ایسا جانور اگر قربانی کا ہو تو اس پر چند مسائل کی تفریع	۲۹۰
دیانات اور معاملات میں فرق اور ہندیہ سے اس کی مثال۔	۲۸۳	گوشت حلال ہوتے ہوئے بھی وہ گوشت ذابح اور دوسروں کو کھانا حرام۔	۲۹۱
ایک استثنائی صورت کا بیان۔	۲۸۴	یہ حرمت ملک غیر کی وجہ سے ہے۔	۲۹۱
مسلمان نے جانور ذبح کیا اور غیر مسلم نوکر کے ذریعہ گھر بھیجا کیا حکم ہے۔	۲۸۶	مغصوب میں تصرف کے بعد اس کا لوٹانا ناممکن ہو مالک صرف تاوان لے سکتا ہے۔	۲۹۱
اس خبر کا تعلق معاملات سے اگر دل جمے کہ سچ کہہ رہا ہے، مان لیا جائے۔	۲۸۶	درمختار، اشباہ، تنویر، درر، ہدایہ وغیرہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور حدیث سے تائید۔	۲۹۱
تبیین الحقائق اور درمختار کا جزئیہ۔	۲۸۶	کافر نے چھوڑے ہوئے جانور کو ارادہ بدل کر کسی کو ہبہ کردیا تو ایسا جانور موہوب لہ کے لئے جائز، اسے مااھل بہ لغیر اللّٰہ سے کچھ علاقہ نہیں۔	۲۹۳
اس کی بات میں کچھ شبہہ معلوم ہو تو نہ کھائے۔	۲۸۷	شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو اس باب میں روش علماء کے خلاف فتوٰی دیتے ہیں، وہ بھی تادم ذبح استمرار اہلال لغیر اللّٰہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔	۲۹۳

ان کی مستدل حدیث اور عبارت نیشاپوری کا یہی مفاد ہے بلکہ شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے۔	۲۹۴	آیہ حرمت علیکم المیتۃ کی تفسیر۔	۲۹۸
حکم مسئلہ یہ کہ نیت بدل جانے سے وہ جانور حلال ہوگیا۔	۲۹۴	اس تفسیر سے مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں مسلک وہابیہ کا رد۔	۲۹۸
مذبوحہ جانور جس کے ذابح کا پتہ نہ ہو "سوال وجواب"	۲۹۵	زخمی یا مریض جانور اس کی حالت کتنی ہی سقیم ہو اگر زندگی ثابت ہو تو ذبح سے حلال ہوجائے گا۔	۲۹۹
مدار صاحب کے مرغ کا "سوال"	۲۹۵	زندگی کے ثبوت کے بعد زندگی کی کسی علامت کی ضرورت نہیں۔	۲۹۹
جو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے اور اسی کے لئے اس کی جان لے وہ حلال ہے۔	۲۹۸	وجیز کردری سے اس امر کا جزئیہ کہ درندہ سر کھاجائے یا پیٹ پھاڑدے اور جانور زندہ ہو تو ذبح جائز ہے۔	۲۹۹
مرغ کو نہ مزار پر لے جانا چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے۔ ثواب البتہ ان بزرگوں کی روح کو پہنچادے۔	۲۹۵	وجیز کردری میں رگ کے سلسلہ میں قطع کا لفظ ہے۔ قطع اور ہے سوراخ کرنا اور ہے۔	۳۰۰
بڑے پیر صاحب کے بکرے کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوی حرمت سے "سوال"	۲۹۵	وجیز کی عبارت میں تین فرعوں کا ذکر ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔	۳۰۰
شاہ صاحب نے اس مسئلہ میں اپنے فتاوی اور تفسیر دونوں جگہ غلطی کی ہے۔	۲۹۶	ان اقوال کے درمیان مصنف کی نفیس توفیق۔	۳۰۱
امام مالک فرماتے ہیں بے دلیلی تو صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول مقبول ہے بقیہ کوئی عالم معصوم نہیں۔	۲۹۶	ایک دوسری توفیق اور فوات محل ذبح میں تحقیق مناط کی بے مثال تقریر۔	۳۰۱
بزرگوں کے نام کے جانور سے "سوال وجواب"	۲۹۶	تمام فروع مختلفہ کا اتفاق اور سوال استفتاء کا جواب۔	۳۰۳
درندہ نے حلال جانور کی رگ چھید ڈالی تو وہ جانور بشرط حیات پھر ذبح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اور کل مذبح کھاجائے تو کیا حکم ہے۔	۲۹۶	کتے کے پکڑے زخمی جانور کے ذبیحہ سے "سوال"	۳۰۴
کشمیر کے ایک مفتی صاحب کے فتوے کے جواب میں مصنف کی تحریر (حاشیہ)	۲۹۷	کتا شکاری ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو تو زخم سے مرجائے تب بھی حلال ہے۔	۳۰۴

زندہ ہے تو ذبح کرلیا جائے، کتے کے ڈالے ہوئے زخم سے اس کے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔	۳۰۴	ذبح بقر اور قطع شجر جائز ہے۔ قرآن کی آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اس بارے میں لوگوں میں جو قول مشہور ہے بے اصل ہے۔	۳۰۶
ذبح کے کچھ دیر کے بعد خون دینے اور عورت اور بچہ کے ذبیحہ سے "سوال۔	۳۰۴	شارب خمر ضرر معذب ہے لیکن مسلمان ہے تو دائمی نہیں، ایسا شخص زیر مشیت الٰہی ہے اور انجام بلاشبہ مغفرت ہے۔	۳۰۷
حلت کی علت جانور کا وقت ذبح زندہ ہونا ہے خون فورا یا بعد میں دے یا نہ دے۔	۳۰۴	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
عورت یا بچہ مطابق شرع ذبح کرے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۰۴	جو شخص گوشت اجرت میں لینے کی عادت بنالے فاسق معلن ہے۔ اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۳۰۷
خون نہ دینے کی صورت میں علماء کا اختلاف ہے۔	۳۰۴	ہندوؤں کا جانور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر مسلمانوں کو یہ فعل مکروہ ہے۔	۳۰۸
بھینس جس کی زندگی کے بارے میں یقین نہیں ذبح کرکے دس روپیہ میں قصاب کو دی اس نے گوشت دفن کردیا اور کھال چھ روپیہ میں بیچ دی اس پر کتنا مطالبہ ہوا۔	۳۰۵	اور ہندوؤں کی نیت پر کرے تو جانور مردار، اور اس کے ایمان میں بھی خطرہ، لیکن مسلمان پر ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہئے البتہ ایسے شخص کی امامت سے پرہیز بہتر ہے۔	۳۰۸
مذکورہ بھینس اگر بالیقین زندہ تھی یا ذبح کے وقت زندگی کی علامت پائی گئی پورے دس روز ورنہ کچھ نہیں۔	۳۰۵	خاکروب کے بنائے ہوئے بکرے کا "سوال"	۳۰۸
صدقہ کا جانور بلا ذبح مصرف کو دینے کا "سوال"	۳۰۵	مسلمان نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اس کے حلال ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۰۹
صدقہ واجبہ ہو اور وجوب خاص ذبح کا تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، ہاں ذبح کا وقت نکل گیا ہو تو زندہ ہی صدقہ کیا جائے۔	۳۰۶	غیر مسلم بھنگیوں کا بنایا اس لئے ہو کہ اس نے اپنے بتوں کے نام چڑھایا تو ایسا گوشت مسلمان کو کھانا حرام ہے۔	۳۰۹
ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶		

اگر بکرا مسلمان کا تھا اور اس نے بنوایا اور وہ اپنا ناپاک پیشہ بھی کرتا ہے۔ تو اگر خوب اچھی طرح اس نے صفائی نہ کرلی ہو تو یہ سخت بے احتیاطی ہے۔	۳۰۹	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
اور اگر صفائی کرلی ہو تو دیکھا جائے گا کہ لوگ وہاں اس کے چھوئے ہوئے کو کھانے سے پرہیز کرتے ہیں یا نہیں۔ پرہیز کرتے ہیں تو بنوانے والے نے بے پروائی کی اور مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے۔	۳۰۹	گدھا، خچر اور گھوڑے کے گوشت سے "سوال"	۳۱۲
یہ سارا حکم اس وقت ہے کہ ذبح کے وقت سے بنا کے دوران اور مسلمان کے ہاتھ میں آنے تک برابر مسلمان کی نگاہ میں رہا۔	۳۰۹	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
تھوڑی دیر کے لئے غائب ہوا تو حرام۔	۳۰۹	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیوۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲
قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوٰی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰	حیوۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴
قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوٰی ہوتا ہے۔	۳۱۰	ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴
کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوٰی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱		

ایسے جانوروں کے حرمت کی حکمت یہ ہے کہ ان کی خصلت شر عابری ہے تو کھانے والا بھی ایسا ہی بد خصلت ہو جائے گا۔	۳۱۴	مطلقًا دانت ہونا موجب حرمت نہیں بلکہ اس سے شکار کرنا حرمت کا موجب ہے۔	۳۱۸
ایسے جانور کی حرمت پر امام اعظم، شافعی واحمد کا اتفاق ہے۔	۳۱۵	چمگادڑ شکاری جانور نہیں۔	۳۱۸
الو کے پنجہ والے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۱۵	دانہ خور کوے اور دانہ ونجاست دونوں کھانے والے کوے سے "سوال"	۳۱۹
اس بات کی عینی شہادتوں کا بیان۔	۳۱۵	دانہ خور کوے کو غراب الزرع کہتے ہیں، جو چھوٹا سیاہ اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔	۳۱۹
عجائب المخلوقات مرات الاصطلاحات اور امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شعر سے الو کے شکاری جانور ہونے کا ثبوت۔	۳۱۶	اور مردار خور کوے کو غراب البقع، اس کے رنگ میں سیاہی کے ساتھ سفیدی بھی ہوتی ہے اس میں وہ پہاڑی کوا بھی داخل ہو جو بڑا او بالکل سیاہ ہوتا ہے۔	۳۱۹
اس شبہ کا جواب کہ بعض کتابوں میں لفظ بوم کے ساتھ یوکل کا لفظ آیا ہے۔	۳۱۷	جمع کرکے کھانیوالے کو عقعق کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۳۲۰
یہ روایتیں قاعدہ کلیہ فقہیہ اور مشاہدات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔	۳۱۷	کوے اور الو سے "سوال وجواب"	۳۲۰
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔	۳۱۷	پیلوں کے انڈے اور گوشت، اور ایسے مرغ کے پالنے سے "سوال وجواب"۔	۳۲۰
ہر رات میں اڑنے والے پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔	۳۱۷	گائے کی حلت قرآن سے ثابت ہے حضور نے کھایا یا نہیں۔ یہ اس وقت پیش نظر نہیں۔	۳۲۰
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔	۳۱۷	گائے کا گوشت سرکار نے تناول فرمایا یا نہیں۔ "سوال جواب"	۳۲۱
چمگادڑ کی حلت وحرمت سے "سوال"	۳۱۸	گائے کا گوشت سرکار نے کھایا۔ (حاشیہ)	۳۲۱
چمگادڑ کی حلت وحرمت میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔	۳۱۸	کبوتر کا گوشت اور عقیقہ کا گوشت ماں باپ کے لئے حلال ہیں۔	۳۲۱
فوائد حنفیّہ کے مطابق وہی قول حلت ہے۔	۳۱۸	کون سا خرگوش جائز ہے پنجہ والا یا کھر والا "سوال"	۳۲۲

خرگوش کے پنجے ہی ہوتا ہے وہی حلال ہے۔ کھروالا خرگوش دنیا کے پردے پر نہیں۔	۳۲۲	علامہ قزوینی کے ذکر کردہ فروق کا بیان۔	۳۲۵
تالاب میں کفار کی ڈالی ہوئی مچھلیوں اور مشترکہ کمپنی کی شرکت اور حصص کی فروخت سے "سوال"	۳۲۲	مصنف کی تحقیق کہ جریث اور مارماہی دو علیحدہ علیحدہ مچھلیاں ہیں۔	۳۲۵
مچھلیاں پکڑنے والے کی ملک ہوتی ہیں، دوسرے تالاب میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتی تو ایسی مچھلیوں کے کھانے کی ممانعت ملک غیر کی وجہ سے ہوگی لیکن یہاں ایسی مچھلیاں مباح الاصل ہیں۔	۳۲۳	مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵
اگر شرکت کی وہ تجارت بروجہ شرعی ہو تو شرکت جائز، خریدے ہوئے حصوں کی فروخت البتہ ناجائز ہے۔	۳۲۳	مارماہی کی پیدائش کے بارے میں مختلف نظریات اور خود مصنف کا نظریہ۔	۳۲۵
غیر مسلم کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی جائز ہے کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں۔	۳۲۳	جری، صلور اور انکلیس کے بارے میں اہل فن کے اختلافات کا ذکر۔	۳۲۵
عجیب وغریب سمندری جانور اور جریث اور سنگی کی تشریح سے "سوال"	۳۲۳	ارشاد الساری مجمع بحار الانوار، قاموس تاج العروس حیوۃ الحیوان عجائب قزوینی اور ملتقی الابحر سے مارماہی کی تعیین۔	۳۲۵
مذکورہ بالا مچھلی اگر ہو تو ایسی نادر ہے کہ عوام کے علم سے باہر ہے۔ یہ مچھلی جریث نہیں ہوسکتی۔	۳۲۴	عمدۃ القاری، مجمع بحار الانوار، تاج العروس، حیاۃ الحیوان سے ایسی روایتوں کی تخریج جس میں جریث اور مارماہی کو ایک لکھا ہے۔	۳۲۹
جریث کے بارے میں مبسوط کی ایک روایت کہ یہ کثیر الوجود مچھلی ہے۔	۳۲۴	مصنف کی تحقیق کہ فقہاء کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔	۳۳۰
علامہ قزوینی نے جریث کو مارماہی کہا، اور بعضوں نے اس کو جریث کہا ہے۔	۳۲۴	مغرب، ایضاح، حاشیہ الکشمری، درمختار، عمدہ، فتح اللہ المعین، حاشیہ کنزالازہری طحطاوی اور شامی سے دونوں کے علیحدہ ہونے کی شہادت۔	۳۳۰
انھوں نے اس نادر مچھلی کو عجائب بحر فارس اور جریث کو عجائب بحر ہند میں لکھا ہے۔	۳۲۵	سنگی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱

چھوٹی مچھلیوں کا کھانا شافعی مذہب کے نزدیک حرام اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔ مگر جواہر الاخلاطی میں اس کی حرمت کی تصریح۔ لہذا احتیاط اولیٰ	۳۳۲	جھینگے کے بارے میں علماء کے دونوں طرح کے قول ہیں۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور اس کے حرام کہنے والے کے بارے میں سوال۔	۳۳۳	مصنف کی تحقیق کہ ہمارے یہاں مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں، تو جن کے یہاں جھینگا مچھلی ہے حرام نہیں، اور جن کے وہاں مچھلی نہیں حرام ہے۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی حلال ہے۔ اس کو حرام کہنے والا جاہل ہے تو سمجھا یا جائے، اور عالم ہے تو اس کو تجدید نکاح اور تجدید اسلام کا حکم دیا جائے۔	۳۳۳	کتب طب و علم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
ریگ ماہی کو عالمگیری میں حشرات الارض لکھا ہے لہذا حرام ہے۔	۳۳۳	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
سوکھی مچھلی اور سوکھے گوشت میں پکانے کے بعد بو ہو تو اس کا کھانا مکروہ لطافت طبع اور نظافت اسلام کے خلاف۔ ایسے آدمی کی بو کی حالت میں مسجد میں جانا منع، اور اگر جسم کو ضرر دے تو اس کا کھانا حرام	۳۳۴	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے مضمون بالا کے نصوص۔	۳۳۷
مچھلی ذبح نہ کرنے کی حکمت کا "سوال"	۳۳۴	مصنف کی رائے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی مچھلی جس کی الائش دور نہ کی جائے اس کو مکروہ لکھا ہے تو جھینگے کو ایسی مچھلی کے حکم میں ہونا چاہئے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانور کے مشابہ اور لفظ مچھلی کا اطلاق غیر مچھلی پر بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی وغیرہ، تو احتیاط اولیٰ ہے۔	۳۳۸
ذبح کی حکمت دم مسفوح کا نکالنا ہے۔ ٹیڑی اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہوتا لہذا ذبح نہیں۔	۳۳۴	جھینگے، پوست بیضہ، مکڑی کے جالے کے کھانے کا "سوال"	۳۳۹
ہمارے نزدیک یہی دو جانور بے ذبح جائز، شوافع کے نزدیک باقی دریائی جانور بھی، تو وہ سب کو بے ذبح کھاتے ہیں۔	۳۳۴	جھینگے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پوست بیضہ کا حکم بیضہ کا ہے۔ جالے کا جزئیہ نظر میں نہیں، مگر ظاہر ممانعت جیسے بھڑ کا چھتہ کہ دونوں ان کے تھوک سے بنے ہیں۔	۳۳۹
مچھلی کی آنت سمیت کھانے کا، "سوال وجواب"	۳۳۶	ملائم ہڈی کھانا جائز ہے۔	۳۴۰

کتاب الصید		اگر حیات ثابت ہو تو کسی علامت حیات کی ضرورت نہیں، اور حیات میں شبہہ ہو تو علامات سے پتہ چلے گا۔	۳۴۵
شکار سے "سوال"	۳۴۱	حیات کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۵
شکار کھیل و تفریح کی غرض سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔	۳۴۱	مدارک اور معالم سے موقوذہ کا بیان۔	۳۴۶
علامات تفریح کا بیان۔	۳۴۱	مصنف کی تحقیق کہ بندوق کا مارا ہوا موقوذہ ہے۔	۳۴۶
ایضاً شکار سے "سوال"	۳۴۲	ایضا بندوق کے شکار کا "سوال وجواب"	۳۴۷
شکار دوا یا غذا کے لئے مباح، تفریح کے لئے حرام۔	۳۴۲	بندوق سے شکار کا ایک اور سوال۔	۳۴۸
بضرورت شکار ہونے کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۲	کتے کے پکڑے ہوئے شکار سے "سوال"	۳۴۹
مچھلی کا شکار اور کانٹے میں زندہ کھیر لگانا بضرورت جائز، تفریحا ناجائز ہے۔	۳۴۳	معلم کتے کا بیان۔	۳۴۹
زندہ کھیسا پرونا جائز اور مار کر پرونا جائز، شکار ہر دو صورت میں جائز ہے۔	۳۴۳	معلم کے ساتھ میں دوسرے غیر معلم اور غیر مسلم کے کتے نہ ہونے کی شرط۔	۳۴۹
بندوق کی گولی تیر کے حکم میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔	۳۴۳	دوسری شرط کہ کتے والے کو شروع سے آخر تک اسی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔	۳۴۹
ذبح میں آلہ کا جارح ہونا شرط ہے گولی ایسی نہیں ہوتی۔	۳۴۳	شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی کل چودہ شرطیں ہیں۔	۳۴۹
شامی کی تشریح کہ اس میں خرق و قطع نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی گولی ایسی بنائی جائے جس میں دھار ہو تب بھی یہ یقین نہیں کہ جانور دھار سے ہی قطع ہوا۔	۳۴۳	شکار میں ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے۔ تو ذبح ضروری ہے۔	۳۵۱
ہدایہ سے مسئلہ کی تشریح۔	۳۴۴	دانت لگنے سے شکار کے ناپاک ہونے کا خیال غلط ہے۔	۳۵۱
بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور میں اگر حیات ہو اور ذبح کرلیا جائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔	۳۴۵	اولاً شکار کے وقت کتا غصہ میں ہوتا ہے۔ غصہ کی حالت میں کتے کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔ ثانیا خون بھی ناپاک ہے زخمی ہونے کے بعد جس کا نکلنا ضروری ہے۔	۳۵۱

کتاب الاضحیة		در مختار اور علامہ رحمتی کا جزئیہ۔	۳۵۸
ہلال عید الضحیٰ کے بعد ناخن اور بال ترشوانے کا "سوال"	۳۵۳	مطلع شمس ہر تین ۳ میل پر بدلتا ہے اور مطلع قمر بہتر ۷۲ میل پر۔	۳۵۸
عشرہ ذوالحجہ میں ناخن، بال وغیرہ نہ ترشوانے کا حکم استحبابی ہے۔	۳۵۳	انتیس کی ثبوت رؤیت کے اعتبار سے تیرھویں کی قربانی کے گوشت کی رقم صدقہ کرنے کا حکم وجوبی ہوگا۔	۳۶۰
اگر کسی وجہ سے چالیس دن ہوگئے ہوں تو عشرہ ذوالحجہ میں ہی کٹوائے کہ چالیس دن سے زیادہ تک نہ کٹوانا گناہ ہے۔ مستحب کے لئے گناہ نہیں کیا جاسکتا۔	۳۵۳	رؤیت ہلال کے بارے میں اخبار کی خبر کا "سوال وجواب"	۳۶۰
قربانی کے وقت کا "سوال"	۳۵۴	رامپور اور بریلی کے مطالع اور ان کے فرق کا بیان۔	۳۶۰
بارہ ذوالحجہ تک قربانی جائز ہے تیرھویں کو نہیں۔	۳۵۴	گھروں میں جتنے آدمیوں کے نام قربانی واجب تھی کچھ کی طرف سے قربانی نہ ہوسکی تو بقیہ لوگ اپنے اپنے حصہ کی قربانی کی قیمت صدقہ کریں۔	۳۶۱
ایک جگہ ذوالحجہ کی رؤیت تیس کے حساب سے ہوئی، اور دوسری جگہ انتیس کے حساب سے تیس والوں نے قربانی اپنے حساب سے آخری دن کی، اگر انتیس والوں کی خبر تیس والوں کے یہاں بے ثبوت شرعی پہنچی تو ان کی قربانی ہوگئی اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط کیا کہ سب سے مفضول ہے۔ اور انتیس کا احتمال ہونے کی صورت میں محتمل دن قربانی کی ان کے لئے احتیاطا یہ حکم ہوگا کہ جتنا گوشت اپنے اور احباب کے صرفہ میں لائے اتنے کی زندہ جانور کی قیمت صدقہ کریں۔	۳۵۵	چند مکان سکونت سے زائد ہوں تو قربانی واجب ہے یا نہیں۔	۳۶۱
قہستانی اور عالمگیری سے مسئلہ کا جزئیہ۔	۳۵۶	حاجت سے زائد مکان کی نقد قیمت مقدار نصاب پر ہو تو قربانی واجب ہے۔ مکان چند ہوں یا ایک اور ان کو کرایہ پر چلاتا ہو یا چھوڑ رکھا ہو۔	۳۶۱
اگر بطریق موجب شرعی ثبوت ہلال ہوگیا تو یہاں کے لئے بھی تیس کی رؤیت ہوئی۔	۳۵۷	صاحب نصاب پر لازم آنیوالے حقوق کی تفصیل۔	۳۶۲
در بارہ عید الاضحیٰ علامہ شامی اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔	۳۵۸		

خزانہ میں زعفرانی کے اس قول کو مقدم کیا کہ اعتبار قیمت کا ہے۔	۳۶۳	قرض مردہ والے پر بھی زکوۃ وقربانی نہیں۔	۳۶۹
ہندیہ اور بزازیہ سے تائید مزید۔	۳۶۳	گھر کا مالک قربانی کرے تو گھر بھر کی طرف سے ہوجائے گی یا نہیں۔	۳۶۹
متون وشروح کی کثیر روایات سے یہی ثابت ہے۔	۳۶۳	ایک قربانی سب گھر والوں کی طرف سے نہیں ہوسکتی۔	۳۶۹
ہدایہ سے ضرورت اصلیہ کی توضیح۔	۳۶۳	اور مالک نصاب کے علاوہ کسی پر قربانی واجب نہیں۔	۳۶۹
مسئلہ میں اختلاف متاخرین کی طرف سے ہے مگر جو ہم نے ذکر کیا وہی احوط ہے۔	۳۶۴	نفلی قربانی کا بھی یہی حکم ہے کہ ایک چند کی طرف سے نہیں ہوسکتی البتہ کرنے والا اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچا سکتا ہے۔	۳۶۹
مختلف کتب فقہ سے ان عبارتوں کی تخریج جن میں ایسے شخص کے لئے اخذ زکوۃ جائز رکھا ہے۔	۳۶۴	وجوب قربانی کے لئے مقدار نصاب سے چاندی یا سونا دیگر مال اسی قیمت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۳۶۹
مصنف کی تطبیق کہ دونوں حکم علیحدہ علیحدہ ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں زکوۃ لے سکتا ہے اور قربانی اس پر واجب ہوگی۔	۳۶۵	مالک نصاب ہونے کے لئے حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک ہونا ضروری ہے۔	۳۷۰
نصاب صدقہ فطر اور قربانی کا "سوال"	۳۶۶	کاشتکار کے ہل بیل، حاجت اصلیہ میں ہیں۔	۳۷۰
جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کا طلائی اور بیس روپیہ کا نقرئی زیور ہے۔ دونوں ملا کر وہ نصاب ہے زکوۃ فطرہ قربانی سب اس پر واجب ہے۔	۳۶۷	یہ امر خلاف واقعہ ہے کہ ہزار روپے ماہوار آمدنی والا قربانی کے دن چھپن روپے کا مالک نہ ہو، بااین ہمہ ایسا ہو تو اس پر قربانی واجب نہیں۔	۳۷۰
جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس پر زکوۃ فطرہ اور قربانی کچھ نہیں۔	۲۶۷	وہ جس پر قربانی واجب ہے اگر پاس نقد نہ ہو تو ادھار لے یا اپنا کوئی مال بیچے۔	۳۷۰
نابالغ مالک نصاب پر نہ خود زکوۃ وقربانی نہ اس کی طرف سے اولیاء پر۔	۳۶۹	جس بکری کو قربانی کے لئے خریدا، دودھ والی یا گابھن دیکھ کر اس کے عوض میں دوسری کرنا، اور اس کے دودھ وغیرہ کے انتظام کے متعلق "سوال"	۳۷۰

صاحب نصاب کے لئے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا پالنا یا بیچنا اور اس کا دودھ پینا روا ہے۔	۳۷۱	مختصر جواب اور صورت مسئولہ کا حکم۔	۳۷۷
گابھن یا دودھ والی بکری کی قربانی ہو تو جاتی ہے لیکن ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔	۳۷۱	قربانی کے ایام کی تخفیف پر حکام کے سامنے اظہار رضامندی کا "سوال"	۳۷۷
قربانی کس کس پر واجب یا فرض ہے۔	۳۷۱	مسئلہ تطبیق فی الرکوع کی سند کا "سوال"	۳۷۷
غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کرنا کیسا ہے۔	۳۷۱	غیر مقلدین کا حکم، ان کے بعض غلط مسائل کا بیان، اور خوشنودی کفار کے لئے ایام قربانی میں تخفیف پر ان کی ملامت۔	۳۷۸
قربانی صاحب نصاف پر واجب ہے اور کسی کی خوشنودی کے لئے بند کرنا حرام ہے۔	۳۷۱	شہر اور قریہ میں قربانی کے اوقات اور اہل شہر کی اپنی قربانیاں دیہات میں بھیجنے سے "سوال"	۳۷۸
مال شرکت سے شرکاء کی اجازت سے قربانی کرنے سے "سوال"	۳۷۲	شہری دیہاتیوں کی طرف سے بھی قربانی قبل نماز عید ممنوع۔	۳۷۹
نصاب سے کم مال رکھنے والے کی قربانی سے "سوال"	۳۷۲	شہر سے دیہات میں قربانی بھیجنے کی ترکیب اور فنائے مصر وغیرہ کا بیان۔	۳۷۹
نصاب سے کم مال رکھنے پر قربانی واجب نہیں، کرلے تو ہو جائے گی۔	۳۷۲	دیہات میں قربانی واجب ہونے اور نہ ہونے کا "سوال وجواب"۔	۳۸۰
ایسے شخص نے قربانی کی نیت سے جانور خریدا تو اسی کی قربانی واجب ہوگئی بدلنا جائز نہیں۔	۳۷۲	**○ہادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیۃ**	۳۸۱
مال مشترک سے کسی ایک شریک کے نام سب کی اجازت سے قربانی ہو جائے گی۔	۳۷۲	بھیڑ کی قربانی جائز یا ناجائز ہونے کا "سوال"	۳۸۱
مسئلہ شرکت کی تفصیل اور اس کی پانچوں قسموں کا بیان۔	۲۷۳	اس سلسلہ میں کسی مولوی صاحب کے عدم جواز کے فتوے کی نقل۔	۳۸۲
ہر صورت کی علیحدہ علیحدہ تفصیل، سب کا حکم اور کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا جزئیہ۔	۳۷۳	مصنف علیہ الرحمۃ کا جواب اور فتوائے عدم جواز کا رد۔	۲۹۳
		اصل حکم کہ یہ جانور بہیمہ انعام میں سے ہے اور بکری کی ہی ایک قسم ہے اور اس کی قربانی باجماع اہل اسلام جائز ہے۔	۳۹۴

اس مسئلہ میں اہل اسلام کا توارث ثابت ہے۔اور کسی ایک آدمی کو بھی اختلاف یا شک نہیں۔	۳۹۴	جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کی کس قسم میں ہے۔	۳۹۶
سب کو گمراہ اور گمراہ گر قرار دینا سرکشی ہے واضح مسائل کا انکار کرنے والوں کا جواب خاموشی ہے۔	۳۹۴	تنبیہ نمبر ۲	۳۹۷
منازع کو خاموش اور غافلوں کی تنبیہ کے لئے ہم نے یہ تحریر لکھی۔	۳۹۴	انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولۃ سے مراد اونٹ اور بیل، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے۔اور آیت اولٰی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ انعام قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
قارئین سے گزارش کہ جلدی نہ کریں، پوری تحریر پڑھ کر فیصلہ کریں۔	۳۹۵	تنبیہ نمبر ۳	۳۹۷
تنبیہ نمبر ۱	۳۹۵	یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ غنم قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ پھر بھی میں پوری جدوجہد کروں گا۔	۳۹۵	بھیڑ کا غنم کی نوع ہونا بھی طے شدہ امر ہے۔	۳۹۷
آیات قرآنی سے ثابت ہے کہ قربانی صرف بہیمۃ الانعام کی جائز ہوگی۔	۳۹۵	شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷
بھیڑ یقینا بہیمۃ الانعام میں سے ہے۔	۳۹۶	تنبیہ نمبر ۴	۳۹۷
معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر۔	۳۹۶	ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی و اردو پر عبور ہوجاتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبٰی، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	اب صورت یہی رہ گئی ہے کہ ایک بھیڑ لے کر تینوں ملک میں پھرا جائے، اور ایک ایک سے پوچھا جائے یہ کون جانور ہے۔	۳۹۸

تنبیہ نمبر۵	۴۰۰	دونوں میں تیرہ چیزوں میں فرق کا بیان۔	۴۰۳
اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے۔	۴۰۰	بھینس کی قربانی خلاف قیاس جائز ہے۔	۴۰۳
تنبیہ نمبر۶	۴۰۰	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قربانی میں بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور بھیڑ کو بکری کے ساتھ لاحق نہیں کرسکتے۔	۴۰۰	گائے اور بھینس میں صرف اعضاء میں اتحاد ہے، یہ اتحاد تو گھوڑے اور گدھے میں بھی ہے لیکن یہ دونوں مبائن نوعیں ہیں۔	۴۰۴
قربانی کا مسئلہ ہی غیر قیاسی ہے۔ تو اس میں کسی کو کسی کے ساتھ لاحق کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔	۴۰۰	گائے اور بھینس کے اعضاء میں بھی فرق کا بیان۔	۴۰۴
علامہ اتقانی، عینی، اور طوری کا بیان کہ اراقۃ الدم کا عبادت ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر مقصور ہوگا۔	۴۰۱	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔	۴۰۴
وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔	۴۰۱	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان۔	۴۰۵
بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱	بھیڑ اور دنبے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے۔	۴۰۵
اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲	بعض علاقوں کے انسانوں، اونٹوں، دنبوں کے درمیان بعض اعضاء میں اختلاف کا بیان۔	۴۰۵
خود مجیب اول نے شامی، مفاتیح اور اشعۃ سے ایسے اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ بقر کی ہی ایک نوع ہے۔	۴۰۲	جب ایک نوع کے دو افراد میں ان اعضاء میں عدم وجود میں یہ اختلاف ہے تو پھر بھیڑ اور دنبہ کی دم چوڑی اور گول ہونے کی بنیاد پر انھیں دو نوعیں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔	۴۰۶
مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا۔	۴۰۳	تنبیہ نمبر۷	۴۰۶
اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلا جائز ہی نہیں ہوتا۔	۴۰۳	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔	۴۰۶

کفایۃ الراضی، مجمع بحارالانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرہ العقبی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷	یہ سوچنا غلط ہے کہ مسئلہ مبحوثہ میں بھی بعض مشارکات سے ہی تمیز مطلوب ہے۔	۴۱۰
شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸	شیخ کی عبارت میں ایسے حکم کا بیان ہے جو ضان کے ساتھ خاص ہے تو لفظ میش سے اس کی تفسیر بالاعم ہو ہی نہیں سکتی۔	۴۱۰
جب غنم کی دو ہی قسمیں ہیں تو جو (بز) بکری نہ ہو لامحالہ (ضان) دنبہ میں داخل ہے۔	۴۰۸	تنبیہ نمبر ۱۰۔	۴۱۰
اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے اور انعام صرف چار ہی ہیں۔	۴۰۸	جو استدلال اطلاقات کی بنیاد پر ہو اس کو احتمال کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔	۴۱۰
یہ جانور ابل اور بقر سے تو ہے نہیں، لامحالہ یہ ضان ہوگا یا معز، معز تو نہیں کہ وہ بال والا ہے۔ اور یہ اون والا تو لامحالہ ضان ہی ہوگا۔	۴۰۹	امام ابن ہمام نے بنت زنا کی حرمت کی دلیل یہی دی کہ وہ لغۃً بنت ہے اور اس لفظ کا اس معنی میں منقول ہونا ثابت نہیں۔	۴۱۰
اس شبہہ کا جواب کہ دنبہ اور بھیڑ میں چکتی کا فرق ہے۔	۴۰۹	تنبیہ نمبر ۱۱	۴۱۱
تنبیہ نمبر ۸۔	۴۰۹	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے کہ فرق کی بنیاد چکتی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	۴۰۹	مذکورہ بالا علوم کی کتابوں سے مسئلہ بالا پر حوالے۔	۴۱۱
اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی۔	۴۱۰	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
تنبیہ نمبر ۹۔	۴۱۰	تنبیہ سابع میں گزری ہوئی نو نصوص کا مآل بھی یہی ہے کہ ان دونوں میں صرف شعر وصوف کا فرق ہے۔	۴۱۲
ضان کی تعریف میں لفظ میش وارد ہونے پر اس شبہہ کا جواب کہ جب بعض مشارکات میں تمیز منظور ہو تو لفظ اعم کے ساتھ تعریف ہوسکتی ہے۔	۴۱۰		

یہاں تک کی ۲۱ نصوص کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ضان کی تفسیر میش اور ذوات الصوف ہے۔	۴۱۳	مسئلہ کفارہ صوم سے دلیل تنویری۔	۴۱۶
متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	۴۱۳	امام غزی کی تحریر سے مقام تقیید میں اطلاق عام کی شناعت۔	۴۱۶
شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	۴۱۳	خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوم کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷
علماء جس کو غیر جید بتارہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴	مزید مسائل کی تفریع۔	۴۱۷
تنبیہ نمبر ۱۲	۴۱۴	تنبیہ نمبر ۱۴۔	۴۱۸
تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے اور بلادلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	۴۱۴	تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتا ہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴	تنبیہ نمبر ۱۵	۴۱۹
کسی چیز کا فی نفسہٖ جائز ہونا اور بات ہے اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے۔	۴۱۵	متقدمین نے جس طرح تعریف بالاعم جائز رکھی اسی طرح تعریف بالاخص بھی بلکہ مباین سے بھی۔	۴۱۹
تنبیہ نمبر ۱۳	۴۱۵	حسن، چلپی، سید شریف، بحر العلوم کی عبارتوں سے مسئلہ بالا کی تائید۔	۴۱۹
ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	۴۱۵	تو ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میش والی تفسیر بالمساوی ہو اور الیہ والی تفسیر بالاخص۔	۴۲۰
اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر غیر معین مسئلہ بالا کی مثال سے تفہیم۔	۴۱۵	تنبیہ نمبر ۱۶	۴۲۱
شرعیات میں بدون قیام قرینہ اعم سے تفسیر باطل ہے۔	۴۱۶	مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱

اوّلاً "من" کالفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیا یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کالفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر۱۹	۴۲۵
یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اھل النطق"	۴۲۱	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱	تنبیہ نمبر۲۰	۴۲۵
تنبیہ نمبر۱۷		اگر کوئی غنم بے الیہ والی ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی کے نزدیک ناجائز۔	۴۲۵
جان کی تعریف میں "من" تبعیضہ ہونیکے دوسرے قرینہ کا جواب۔	۴۲۲	اگر کسی ضان کا الیہ دم کی طرح ہو تو بالاتفاق بین الطرفین قربانی جائز ہے۔	۴۲۶
بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲	اجناس، خلاصہ، وجیز، خزانہ، انوار الابرار للار دبیلی شافعی کا حوالہ۔	۴۲۶
معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کالفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳	توجس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶
اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳	الیہ کے بغیر ضاں نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مذکورہ بالا قول کا مطلب یہ ہوگا کہ جو بکری نہ ہو اس کی قربانی ناجائز یہ مہمل بات ہوگی۔	۴۲۷
تنبیہ نمبر۱۸	۴۲۳	تنبیہ نمبر۲۱	۴۲۸
اس تعریف کو عموم پر حمل کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔	۴۲۳	جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴	جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸
		مشتری کے پاس باندی اندھی ہو گئی تو اس کے بلااظہار عیب مرابحۃً بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸

چکتی نہ ہو تب بھی دنبہ دنبہ ہی رہے گا۔	۴۲۹	امام صاحب کے قول پر فتوی ہونے کی تصریح عبارت ائمہ سے۔	۴۳۲
تنبیہ نمبر ۲۲	۴۲۹	تذییل، مجیب اول کی پیش کردہ تین عبارتوں میں ذات الیہ والی تعریف نہیں۔	۴۳۳
چوڑی، موٹی، خوب چربی دار کا نام ہی چکتی نہیں۔	۴۲۹	مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کے فتوی کا بیان اور ان کے اور مجیب اول کے قول میں فرق کا بیان۔	۴۳۴
چکتی میں چھوٹی بڑی ہونے کی کوئی قید نہیں۔	۴۲۹	مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھیڑ کے قربانی کا جانور ہونے کا انکار نہیں کیا، اس کے چھ ماہہ بچے کی قربانی منع کی۔	۴۳۴
قاموس سے چکتی کی تعریف۔	۴۳۰	مولوی صاحب موصوف کے منشاء غلط کا بیان۔	۴۳۴
یہ تعریف بھیڑ پر بھی صادق آتی ہے۔	۴۳۰	مصنف کے ایک فتوی کا ذکر جس کو مولانا کے کسی شاگرد کے جواب میں لکھا تھا۔	۴۳۵
چکتی کی کوئی مقدار متعین نہیں۔	۴۳۰	دعا اور ختم رسالہ۔	۴۳۵
تنبیہ نمبر ۲۳	۴۳۰	بھیڑ کے شش ماہہ بچہ کی قربانی کا سوال اور مولوی عبدالحیٔ صاحب کے فتوی ممانعت کا ذکر۔	۴۳۶
فقہاء نے ضان کی تین تعریفیں کیں، ذات الصوف، ذات الیہ، خلاف المعز، اور اردو ترجمہ میش و بھیڑ۔	۴۳۱	بھیڑ کے چھ ماہہ بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۶
بیان احکام، تعریف یا ترجمہ جو کچھ ہو صرف مساوی سے ہی ہو سکتاہے۔	۴۳۱	دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں، اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔	۴۳۶
اس لئے پانچوں الفاظ مساوی اور ہم معنی ہیں۔		شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے استدلال کہ انھوں نے ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا۔	۴۳۷
تنبیہ نمبر ۲۴	۴۳۱	فارسی لغت سے ثبوت کہ ضان اور میش ایک ہی ہے۔	۴۳۷
بھیڑ کی دم بھی الیہ کامل ہے۔ اس کا دبلی ہونا عیب نہیں لہذا اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۱	علمائے لغت و تفسیر کا حوالہ کہ انھوں نے ضان کی تفسیر اون والی بکری فرمایا۔	۴۳۷
تنبیہ نمبر ۲۵	۴۳۲	محاورات عرب اور قرآن سے دونوں کے اتحاد پر استدلال۔	۴۳۸
بھیڑ کی دم کو الیہ نہ تسلیم کیا جائے تو یہ مسئلہ طرفین کا خلافی ہوا۔ اور فتوی قول امام پر ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۲		

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ کہ انھوں نے بھی ضان کا ترجمہ میش کیا۔	۴۴۰	سال بھر سے کم کے بکرا بکری کی قربانی کا "سوال"	۴۴۲
بھیڑ کا ضان سے خارج مانا جائے تو انعام کی چار کے بجائے پانچ قسمیں ہو جائیں گی۔	۴۴۰	سال بھر سے کم کی نہ قربانی جائز نہ اس کی قربانی کی نیت صحیح۔	۴۴۳
نہایہ کی عبارت کی توضیح۔	۴۴۰	جس جانور کو قربانی کی نیت سے پالا اس کا بدلنا مکروہ ہے۔	۴۴۳
مولانا عبدالحیٔ صاحب کی غلط فہمی کا منشاء۔	۴۴۰	خصی کی قربانی کرنے اور قربانی کرنے والے کے روزہ رکھنے کا "سوال"	۴۴۴
چکتی کی تحقیق۔	۴۴۰	خصی کی قربانی افضل ہے۔	۴۴۴
قاضی خاں کا جزئیہ کہ الیہ صغیر والے کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۱	بقر عید کے دن اور اس کے بعد تین دن کا روزہ حرام ہے۔	۴۴۴
جانوروں بلکہ آدمیوں کے بعض اعضاء میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔	۴۴۱	پہلی سے نویں ذوالحجہ کے روزے افضل ہیں۔	۴۴۴
دو کوہان والے اونٹوں کا بیان۔	۴۴۱	سب نفلی روزوں میں عرفہ کا روزہ افضل ہے۔	۴۴۴
چینیوں، تاتاریوں، زنگیوں، زنان مغربیہ واتراک کے اعضاء میں اختلاف۔	۴۴۱	قربانی کرنے والا قربانی سے قبل کچھ نہ کھائے۔	۴۴۴
یہ سب اختلافات نوع کا سبب نہیں، تو ہندی اور عربی دنبوں میں دم کے فرق سے کیوں نوع بدلے گی۔	۴۴۱	قربانی کے گوشت میں سے پہلے کھائے مگر یہ روزہ نہیں۔	۴۴۴
چھ مہینہ کے خصی کی قربانی کا "سوال"	۴۴۲	بکری کا بچہ جو کتیا کا دودھ پی کر پلا ہو اس کی قربانی کا "سوال و جواب"	۴۴۴
صرف مینڈھے کا استثناء ہے۔	۴۴۲	آدمی کے دودھ سے پرورش پانیوالے بکری کے بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۴
خصی سال بھر سے کم کا جائز نہیں۔	۴۴۲		

اس مسئلہ پر بچہ کی رضاعت کے مسئلہ سے شبہ کا جواب۔	۴۴۵	خاص قربانی کی نیت سے جانور خریدا اور ابھی وقت ہے تو اسی کی قربانی کریں، کم قیمت کی بدل کر قربانی کرکے بقیہ دام کا کفارہ نہ دیں کہ یہ جسارت ہے۔	۴۴۸
دوسرے کے جانوروں کو اپنے تصرف میں رکھنا اسے اپنی لڑکی کے جانور سے بدلنا اور بے سینگ کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۴۶	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہوجائیگی۔	۴۴۶	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
جانور کی عمر پوری ہو تو قربانی جائز ہے۔ چاہے عمر بھر سینگ نہ نکلے۔	۴۴۶	اس نیت سے گائے خریدنا کہ حصہ دار ملیں گے تو شریک کرینگے جائز ہے۔	۴۴۹
صاحب نصاب قربانی کا جانور کسی مجبوری کی وجہ سے بدلے اور بدلے ہوئے جانور کی قیمت کچھ زائد دینا پڑے تو ایسا کرسکتا ہے اس پر کوئی الزام نہیں، ہاں پہلے خریدے ہوئے جانور کے دام پر کچھ منافع لے تو خیرات کردے۔	۴۴۷	فقراء کے گوشت میں آنت اور اوجھڑی ملادینا بے جا ہے۔	۴۴۹
قربانی کے ایسے جانور سے "سوال" جسے کسی عذر کے سبب وقت پر ذبح نہ کرسکے، اس کے بدلے دوسری کردے۔	۴۴۷	سر، پیر سقی اور حجام کو، ایک پارچہ قصاب کو دینا کیسا ہے۔	۴۴۹
ایسے جانور سے "سوال" جسے قربانی کے لئے متعین کرکے خریدا، یا اس نیت سے کہ پسند آئی تو قربانی کردینگے۔	۴۴۷	عقیقہ ونیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
قرآن عظیم بائیں ہاتھ میں لے کر تلاوت کرنیکا "سوال"	۴۴۷	جانور میں کتوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
قربانی کے لئے متعین کرکے خریدنے کی صورت میں صاحب نصاب کو جانور بدلنے کا اختیار تو ہے لیکن اس کے بدلے میں اگر اس سے کم قیمت کی قربانی کی تو بقیہ رقم فقیروں کو خیرات کریں۔	۴۴۸	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹

سقے، حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں، اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔	۴۴۹	غنی کے قبل از ایام قربانی نیت قربانی سے جانور خریدے ہوئے جانور کے بارے میں "سوال"	۴۵۱
نصف جانور میں تین شریک ہوسکتے ہیں چار شریک ہوگئے تو قربانی صحیح نہیں۔	۴۴۹	شہر وقریہ کی تشریح سے "سوال"	۴۵۱
ایک شریک کے قیمت نہ دینے کا "سوال"	۴۴۹	کسی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں چند کس بالغ آزاد ہیں وہاں جمعہ جائز ہے۔ تو قربانی کا کیا حکم ہے۔	۴۵۱
بیع عقد سے تمام ہوگئی اور خریدار مبیع کا مالک ہوگیا۔	۴۵۰	فقیر بہ نیت قربانی جانور خریدے تو اس جانور کی قربانی اس پر واجب ہوجاتی ہے۔	۴۵۱
ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں۔	۴۵۰	جانور فقیر کی ملک میں ہو، اور بعد میں قربانی کی نیت کی، خریدتے وقت نیت نہ تھی، بعد میں نیت کی، تو اس پر قربانی واجب نہ ہوئی۔	۴۵۱
مذکورہ صورت میں قربانی سب کی ہوگئی اور قیمت نہ دینے والا قیمت کا ذمہ دار ہوگا۔	۴۵۰	مالدار پر ایک قربانی خود واجب کی، اور قربانی کی منت مانے گا تو دوسری بھی اس پر واجب ہوگی البتہ اس پر خریداری کی وجہ سے واجب نہ ہوگی۔	۴۵۱
اگر اس کی نیت خراب ہوگئی، وہ قربانی چاہتا ہی نہیں۔ تو کسی کی قربانی نہیں ہوئی	۴۵۰	شہر کی صحیح تعریف اور اس امر کا بیان کہ شہر کے علاوہ مقامات پر صبح سے قربانی جائز ہے۔	۴۵۲
نفلی قربانی کرنے والا ذبح کے بعد ایک حصہ دوسرے کو منتقل نہیں کرسکتا۔	۴۵۰	قربانی کا جانور کھوجائے اور بعد ایام نحر دستیاب ہوجائے تو سب شرکاء مل کر اسے خیرات کریں، ان میں جو صاحب نصاب تھے ان پر ایام نحر میں دوسری قربانی واجب تھی، نہ کی تو گنہ گار ہوئے۔	۴۵۳
قربانی کی کھال کا "سوال"	۴۵۱	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے کا "سوال"	۴۵۳
قربانی کی کھال باقی رکھ کر اسے اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے اپنے مصرف میں لانے کی نیت سے کھال بیچی تو اس کا صدقہ واجب ہے۔ سید یا کسی اور کار خیر کے لئے بیچی تو ان کو دے سکتے ہیں۔	۴۵۱	جس کی طرف سے قربانی ہو اس کی اجازت ضروری ہے خواہ صریحی ہو خواہ عرفی۔	۴۵۳
تین حصہ کرنے کا گوشت کا حکم ہے۔	۴۵۱	عرفی اجازت کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس مسئلہ پر درمختار کی عبارت۔	۴۵۳

چھوٹے بچوں کی طرف سے باپ پر قربانی ہے یا نہیں۔	۴۵۴	کئی مردوں کے نام سے ایک قربانی کا "سوال"	۴۵۷
ایک آدمی پر کتنی قربانی ہے۔	۴۵۴	قربانی اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ اس کا ثواب جتنوں کو پہنچایا سب کو پہنچے گا، اور ان سب نے اگر اس کی وصیت کی ہو تو سب کی طرف سے ان کے مال سے جدا جدا کی جائے۔	۴۵۷
باپ پر چھوٹے بچوں کی طرف سے قربانی واجب نہیں مستحب ہے۔	۴۵۴	ایک جانور دو کی طرف سے قربان نہیں ہوسکتا۔	۴۵۷
ایک شخص پر ایک قربانی واجب ہے زائد جو کرے گا نفلی ہوگی۔	۴۵۴	ایک جانور میں قربانی اور عقیقہ دونوں کی نیت کا "سوال"	۴۵۷
قربانی کی کلیجی قبر میں دفن کردی تو قربانی ہوگئی کلیجی ضائع ہوگئی، اور یہ فعل ناجائز ہوا۔	۴۵۵	بڑے جانور میں سات شریک ہوسکتے ہیں کم بھی، لیکن کسی کا حصہ ایک مکمل حصہ سے کم نہ ہو، ورنہ کسی کی قربانی نہ ہوگی۔	۴۵۷
اگر ذبیحہ بنیت قربانی نہ ہو بلکہ کوئی ٹوٹکا ہو تو قربانی نہ ہوئی۔	۴۵۵	ایک بڑے جانور میں عقیقہ اور قربانی دونوں جائز ہے۔	۴۵۸
میت کی طرف سے کی ہوئی قربانی کے گوشت کی تقسیم کا وہی حکم ہے جو عام قربانی کا ہے البتہ میت کی وصیت پر کرے تو سب صدقہ کرے۔	۴۵۵	خصی کی قربانی سے "سوال"	۴۵۸
مصنف کے معمول کا ذکر۔	۴۵۶	ہر طرح کی خصی کی قربانی جائز ہے اس میں اس سے کمال پیدا ہوتا ہے۔	۴۵۸
قربانی کا گوشت غیر مسلموں کو دینے کا سوال۔	۴۵۶	چرے ہوئے کان اور سینگ کی نوک ترشی ہوئی ہو تو قربانی جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔	۴۵۸
فقیر اپنی قربانی کا گوشت کسی حربی کو دے تو اتنی قیمت صدقہ کرے۔ اور غنی کو دے تو مستحب کے خلاف کیا۔	۴۵۶	شرقاء، خرقاء، مقابلہ مدابرہ سے حدیث کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔	۴۵۹
سوال مکرر۔	۴۵۶	سینگ گودے کی نوک تک ٹوٹ گیا ہو تو قربانی ناجائز ہوگی۔	۴۵۹
اوجھڑی غیر مسلم کو دینے کا "سوال"۔	۴۵۷	ٹوٹے ہوئے سینگ کا "سوال وجواب"	۴۵۹
اوجھڑی کھانے کی چیز نہیں، غیر مسلم لے جائے تو حرج نہیں، گوشت دینا جائز نہیں۔	۴۵۷		

پیدائشی کان اور دم نہ رکھنے والے جانور کی قربانی امام صاحب کے یہاں جائز اور امام محمد رحمہ اللہ کے وہاں ناجائز۔	۴۶۱	کھال سے باقی رہنے والی چیز بنا کر اپنے صرفہ میں بھی لاسکتے ہیں۔	۴۶۶
جواز کے قول کے قابل اعتماد نہ ہونے کی وجہیں۔	۴۶۲	بخاری ومسلم سے اس مضمون کی حدیثیں۔	۴۶۷
(۱) ان اکیس کتابوں کا ذکر جن میں عدم جواز پر نص، اور خلاف کا ذکر نہیں۔	۴۶۲	گوشت اور کھال کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا بھی جاسکتا ہے۔	۴۶۷
(۲) حدیث مبارک میں بھی عدم جواز مذکور ہے۔	۴۶۴	گوشت یا کھال بعینہٖ یا اس کی کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء اس سے خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہے۔	۴۶۷
(۳) جب مقطوع اُذن جائز نہیں تو بے اذن کیسے جائز ہوگی۔	۴۶۴	اس کے لئے تملیک شرط نہیں اباحت کافی ہے۔	۴۶۸
(۴) اصل اور طاری دونوں قسم کے عیب کا حکم یکساں ہے۔	۴۶۴	یہ حکم حدیث کے لفظ اطعموا سے مستفاد ہے۔	۴۶۸
(۵) اسی میں احتیاط ہے۔	۴۶۴	اپنے اور اہل وعیال کے لئے ہلاک ہونے والی چیزوں سے بیچنا جائز نہیں کہ یہی تمول ہے۔ مصارف خیر کے لئے ایسی اشیاء سے بیچنا تمول نہیں اس لئے جائز ہے۔	۴۶۹
تہائی دم کٹی اور کان چری کی قربانی جائز ہے۔	۴۶۵	قربانی کی کھال میں صدقہ کرنے کے حکم کا مطلب تملیک نہیں بلکہ ہر مصرف خیر میں صرف کرنا ہے۔	۴۷۰
قربانی کی کھال سید، ماں، باپ، اولاد، میاں بیوی ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں صدقہ کی نیت ہو صدقہ نافلہ ہے۔ ورنہ ہدیہ ہے۔	۴۶۵	اس مسئلہ میں مولوی رشید احمد صاحب کے اختلاف کی طرف اشارہ۔	۴۷۰
قربانی کی کھال صدقہ کی نیت سے بیچ کر مسجد میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۶۶	مسئلہ بالامکرر۔	۴۷۱
صدقہ کی نیت اور صرفہ مسجد دونوں قربت ہیں اور کھال میں قربت ہی مقصود لہذا جائز ہے۔	۴۶۶	کھالیں پہلے مسجد کو دی گئیں یا ان کو کار خیر کی نیت سے فروخت کرکے مسجد کے لئے دینا جائز ہے، ہاں اپنے کے لئے بیچا تو فقیر کو اس کا مالک بنانا ضروری ہے۔	۴۷۱
قربانی میں قربت مقصودہ خون بہانا ہے۔ اسی لئے گوشت وغیرہ کا صدقہ واجب نہ ہوا۔	۴۶۶	سوال وجواب متعلقہ مسئلہ بالا۔	۴۷۲
مصارف قربانی کے بیان کی ایک حدیث۔	۴۶۶	حدیث نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفسیر از امام زیلعی۔	۴۷۵

حدیث من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کا محمل صحیح۔	۴۷۵	قربانی کی کھال اپنا حق سمجھ کر زبردستی وصول کرنیوالے امام، اس کی مدد کرنے والے عوام، اس کے موافق فیصلہ کرنے والے اور حشر کی باز پرس کا ذمہ لینے والے مولوی سے متعلق "سوال"	۴۸۱
قربانی کی کھال کی عدم تملیک سے متعلق مسلسل تین "سوال و جواب"	۴۷۶	قربانی کی کھال کے جائز مصارف کا بیان۔	۴۸۲
کانجی ہاؤس کے جانور کی قربانی کا "سوال"	۴۷۷	یہ کہنا غلط ہے کہ ایک کھال یا اس کی قیمت دو فقیروں کو نہیں دی جاسکتی۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	جو امام جبرا وصول کرنے کو جائز کہے یا جو اس کی مدد کرے دونوں ظالم اور گنہ گار ہیں اور حشر کی باز پرس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے۔	۴۸۳
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	ایسے امام کو نہ دینے والے کو جس نے بددعا دی وہ خود ہی مستحق عذاب الٰہی ہوا۔	۴۸۳
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہوگئی اور خریدار جانور کا مالک ہوگیا اور قربانی جائز ہوگی۔	۴۷۷	قربانی کی کھال کے مصارف کا "سوال وجواب"	۴۸۳
بلا استحقاق از راہ اعانت صاحب نصاب یا فقراء کو قربانی کی کھال دینا۔ یا سید کو دینا اور اس صرفہ میں لانا۔	۴۷۸	مسئلہ کے متعلق دو صاحبوں کے اختلاف کا منصفانہ فیصلہ۔	۴۸۸
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتا ہے۔	۴۷۸	سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گودا ٹوٹے تو قربانی منع ہے۔	۴۸۸
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتا ہے مالدار کو دے سکتا ہے۔ امام کو بھی دے سکتا ہے	۴۷۸	قربانی کی کھال مسجد ومدرسہ میں صرف کرنے کا "سوال و جواب"	۴۸۸
اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے الصافیۃ الموحیۃ کا حوالہ اور سید کو زکوٰۃ دینے کے لئے الزھر الباسم کا حوالہ۔	۴۷۸	قربانی کی کھال معلم کی تنخواہ، مدرسہ کی تعمیر اور طلبہ کی کتاب وغیرہ میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۹۱
مسئلہ بالا کا "سوال وجواب"	۴۷۹	قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱

(۱) باقی رکھ کر اپنے مصرف میں لاسکتا ہے۔ حدیث شریف کے لفظ ادخروا سے استدلال۔	۴۹۱	(۱۴) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶
(۲) ایسی چیزوں سے بدل سکتا ہے جو باقی رہنے والی ہوں۔	۴۹۱	سود حرام ہے۔	۴۹۶
(۳) اپنے لئے داموں سے بیچ نہیں سکتے، بیچی تو صدقہ کریں۔	۴۹۱	جو عمارت مدرسہ پر وقف کی اس کا کرایہ تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۹۶
اس دام سے باقی رہنے والی چیز بھی خریدنا جائز نہیں، تصدق ہی ضروری ہے۔	۴۹۲	(۱۵) کتابوں سے بدل کر کتاب طلبہ کو دے سکتے ہیں۔	۴۹۶
(۴) خرچ ہونیوالی چیزوں سے اپنے لئے بدلنا جائز نہیں اس کی قیمت صدقہ کریں۔	۴۹۲	قربانی کی کھال کی قیمت تنخواہ مدرسین میں دینے کا "سوال وجواب"	۴۹۶
(۵) باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اس کو کرایہ پر نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	چرم قربانی کی رقم تنخواہ مدرسین میں دینے پر اعتراض کہ وہ اپنی اجرت میں دیتا ہے جو زکوۃ سے ادا نہیں کی جاسکتی۔	۴۹۶
(۶) اپنے اوپر آتے ہوئے مطالبہ میں نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	زکوۃ اور چرم قربانی میں فرق کا بیان اور رسالہ "الصافیہ" کا حوالہ۔	۴۹۸
(۷) اپنی زکوۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے۔	۴۹۳	اسی مسئلہ کا ایک اور فارسی "سوال وجواب"	۴۹۸
(۸) فقیر کو دینے کے لئے داموں سے بیچ سکتے ہیں۔	۴۹۳	وہی مسئلہ مکرر۔	۵۰۰
(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں۔	۴۹۴	قربانی عقیقہ کی کھال اپنے مصرف میں بیچ کر صرف کرنے کا "سوال وجواب"	۵۰۱
(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں (حدیث شریف حضرت نبیشہ ہذلی)	۴۹۴	چرم قربانی کی رقم براہ راست مسجد میں صرف ہوسکتی ہے تملیک فقیر ضروری نہیں ہے۔	۵۰۲
(۱۱) ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں (حدیث مذکور)	۴۹۵	جس چرم کو اپنے مصرف کے لئے بیچا اس کا تصدق ضروری ہے وہ مسجد میں نہیں لگ سکتی۔	۵۰۲
(۱۲) کار قربت میں دینے کی نیت سے بیچنا بھی جائز ہے	۴۹۵	چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر کتب خانہ میں رکھنے کا "سوال وجواب"	۵۰۳
(۱۳) تعلیم میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶	چرم قربانی کی رقم دینی انجمن میں لگانا جائز ہے مگر یہ تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً وہ انجمن اہل سنت وجماعت کی ہے۔ آج کل اظہار مقاصد کے الفاظ بڑے دل خوش کن ہوتے ہیں۔	۵۰۳

وہی سوال مکرر۔	۵۰۳	اگر چرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تو اسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم کھانا پکواکر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہوسکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی میں مطلقاً تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰
مصنف کی طرف سے اس امر کی وضاحت کہ میں خود صدقہ و زکوٰۃ نہیں لیتا، جو احباب ایسی رقم بھیجتے ہیں وہ ان کی رائے کے موافق انھیں مصارف خیر میں خرچ کردی جاتی ہے۔	۵۰۴	چرم قربانی کا استعمال مالدار کو بھی مباح ہے۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم سے سلطان ترکی کی مدد کا "سوال"	۵۰۵	چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع ہے جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰
چرم قربانی کی رقم خاص فقراء کا حق نہیں اس وقت سلطان ترکی کی مدد بڑی ضروری ہے اس لئے اس میں دیا جائے۔	۵۰۵	امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱
مخلوط تعلیم کے مدرسہ میں چرم قربانی صرف کرنے کا "سوال"	۵۰۶	چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱
ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں، اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہوسکے تو جائز ہے۔	۵۰۶	اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱
چرم قربانی سے اس مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال و جواب"۔	۵۰۷	قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱
○الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة۔	۵۰۹	جب تک خون نہ بہہ لے اس سے کسی قسم کا انتفاع جائز نہیں۔	۵۱۱
چرم قربانی کی رقم ایسے مصارف خیر میں صرف کرنے کا سوال جہاں تملیک نہیں ہوسکتی۔	۵۰۹	اراقتہ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲

چونکہ قربانی کے جانور ذبح کرکے خدا کی عبادت کی گئی ہے۔ اس لئے اب اس کو ثواب کے کام میں ہی صرف کیا جاسکتا ہے۔	۵۱۲	ابوداؤد سے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵
قربانی کو تمول کے طور پر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	۵۱۲	"ایتجار" کا لفظ تمام کار ثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶
قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقاً تمول ہے۔	۵۱۲	بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ تو ایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶
دراہم بھی تو خرچ ہونے والے ہیں، ان سے خیرات کی نیت سے چرم قربانی کو بدلنا جائز ہے تمول نہیں۔	۵۱۳	بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، تو صدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ، نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶
چرم قربانی اپنے لئے بیچے تب بھی تمول ہے اور خبث ہے اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	۵۱۳	اس اصول فقہی کی بحث کہ حادثہ اور حکم ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔	۵۱۶
تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کے لئے نہیں۔	۵۱۳	یہ حکم مطلقاً ضروری نہیں، جہاں دونوں میں تنافی ہو وہاں ایسا کیا جائے گا، اور تنافی نہ ہو تو مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا۔	۵۱۷
کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	۵۱۳	دونوں کلمے اگر حکم منفی میں واقع ہوں یا اسباب متعدد میں واقع ہوں، تو ان میں تنافی نہیں اور حمل ضروری نہیں۔	۵۱۷
خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	۵۱۴	امتناع جمع بین المطلق والمقید وجوب حمل المطلق علی المقید کی مثال۔	۵۱۸
ایک سوال اور اس کا جواب۔	۵۱۴	جمع کا حکم وجوبی میں ہے جواز واستحباب میں نہیں۔	۵۱۹
ایک دوسرے عنوان کا بیان۔	۵۱۵	علامہ شامی کے ایک اعتراض کی تضعیف اور جد الممتار کا حوالہ۔	۵۲۰
قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں: کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	۵۱۵	ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اپنے اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰

صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	ایسی بیع میں اکل وادخار مفقود ہے اور اپنی ذات کے لئے ہونے سے ایتجار بھی مفقود ہے،بخلاف اس کے جو باقی رہنے والی بیچنے میں ادخار پایا جاتا ہے اور کار ثواب کے لئے مستہلک سے بیچنے میں گو اکل وادخار مفقود ہے لیکن ایتجار متحقق ہے تو یہ بیع جائز ہوگی۔	۵۲۶
ہدایہ سے تائید۔	۵۲۲	ایک دوسری تقریر،لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہو سکتے ہیں۔	۵۲۷
علامہ اتقانی کے کلام سے تائید۔	۵۲۳	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جب ہوگا کہ اپنے لئے ہو،اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
حاکم کی روایت من باع جلد الاضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
یہ حدیث گوسندا ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	مولوی عبدالرشید صاحب کی مستدل عبارت ہدایہ کی توضیح کی تائید۔	۵۲۹
اس حدیث میں مطلقًا بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی باتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوٰۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴	علامہ اتقانی کی شرح ہدایہ سے توضیح کی تائید۔	۵۳۲
قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵	اس امر کا بیان کہ میں امور خیر کے لئے چرم قربانی کی بیع کے جواز کا فتوٰی ۱۲۰۵ھ تک دیتا رہا۔	۵۳۳
حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵	۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳
بیع للتصدق بیع برائے امور خیر اکل،ادخار تو شرعًا مامور ہیں،تو ان پر فلااضحیہ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵	مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵
		ہدایہ اور درمختار کی عبارتوں کی توضیح کہ مطلقًا بیع ممنوع نہیں،بروجہ تمول ممنوع ہے۔	۵۳۶

مولوی رشید احمد صاحب کی تصریح بیع بنیت تمول یا بنیت تصدق سب کا صدقہ واجب ہے۔	۵۳۶	زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحۃ کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔	۵۴۲
ان دونوں باتوں میں صاف تغایر ہے تو جو ثانی کو اول سے ثابت مانے ایسا ہی ہے کہ کوئی لااعبد ماتعبدون سے ثابت کرے کہ نماز نہ پڑھو۔	۵۳۷	مولوی عبدالحیٔ صاحب کے کلام پر تنقید وہ بھی تصدق جلود اضحیہ کے لئے تملیک ضروری قرار دیتے ہیں۔	۵۴۲
مولوی رشید احمد صاحب کے اس قول کی تردید کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ واجب ہے تو اس کو سید اور مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتے۔	۵۳۸	تنقید مجمل، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہونے سے جمیع کار ثواب کے لئے تملیک لازم ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
تنقید، اور کہو کہ تمول کے لئے بیع ہو تو صدقہ واجب ہے۔ تو یہ صحیح ہے۔ اور اگر یہ خیال ہو کہ مطلقاً بیع ہو تو صدقہ واجب ہے تو یہ ان عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں۔	۵۳۸	پوری بات یوں کہنی چاہئے تھی کہ یہاں تصدق کا حکم ہے نہ کہ تقرب کا، اور تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے تو استدلال میں صغرٰی کا ایک جزدب گیا اس لئے نتیجہ غلط ہوا۔	۵۴۳
مولوی عبدالرشید صاحب کے اس قول کی تردید کہ صدقہ کے لئے مطلقاً تملیک ضروری ہے چاہے بطور اباحت ہو یا بطور تملیک تام۔	۵۳۹	منشاء غلط کا بیان۔	۵۴۳
علماء نے نص کی کہ اباحت اور تملیک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔	۵۳۹	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
فقہاء کا ضابطہ کہ اطعام کا لفظ اباحۃ کے لئے ہے اور ایتاء کا تملیک کے لئے	۵۴۰	(۱) تملیک المال من الفقیر، یہ اطلاق زکوٰۃ اور صدقہ فطر کے لئے خاص ہے اس میں اعارۃ، اباحۃ اور کفارہ داخل نہیں۔	۵۴۳
امام غزالی، امام علائی، صدر الشریعۃ اور علامہ شمس محمد اور شامی کی تصریح کہ تملیک واباحۃ الگ الگ دو تصرف ہیں۔	۵۴۰	(۲) تملیک الفقیر من المال اس میں تملیک ضروری نہیں، اس میں انتفاع استہلاک تصرف اور اباحت سب جائز ہے۔ اس معنی پر کفارہ بھی صدقات میں شامل ہے۔	۵۴۴
زین ابن نجیم وغیرہ کی تصریح کہ مباح لہ مباح کو بیع کی ملک پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کے بعد بیع کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن مباح لہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔	۵۴۱		

مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی کا منشا یہی ہے کہ انھوں نے کفارات واجبہ میں بھی اباحت کافی دیکھی تو کہہ دیا کہ صدقات واجبہ میں بھی مطلقًا اباحت کافی ہے۔	۵۴۵	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۲
مولوی رشید احمد کے اس استدلال میں حد اوسط مکرر نہیں۔	۵۴۵	(۶)اس اطلاق میں غیر سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور اپنے کو نفع پہنچانے کا نام بھی صدقہ ہونا ہے۔	۵۵۴
نقایہ کی تصریح کہ تصرف تملیک سے کفارات مستثنٰی ہے۔	۵۴۶	حدیث مبارک سے اس اطلاق کا ثبوت۔	۵۵۴
(۳)اس اطلاق میں صدقہ سے فقر کو قطع نظر کرلیا جاتا ہے تو اس میں اباحت تملیک اور مالدار وغریب سب شامل ہوتے ہیں۔	۵۴۶	فقہاء کے قول فی الاضاحی یتصدق بالثلث میں تصدق سے مراد معنی اول نہیں کہ تملیک ضروری ہو۔	۵۵۵
حدیث شریف اور شامی سے اس کی تائید۔	۵۴۷	دلیل قرآن عظیم میں اس موقع پر اطعام کا لفظ ہے جس کے لئے اباحت کافی ہے۔	۵۵۵
(۴)اس اطلاق میں نہ تملیک سے غرض نہ اباحت سے،اس میں نفع مسلمین کے لئے ہر تصرف مال داخل ہے۔ جیسے نہر اور کنویں بنوانا۔	۵۴۷	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں،اکل،ادخار اور تصدق،اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے،اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہوسکیں گے۔	۵۵۵
حدیث مبارک،اقوال صدر الشریعہ۔ صاحب ہدایہ خیر الدین رملی سے اس کی توضیح وتائید۔	۵۴۷	اگر صدقہ واجبہ ضروری التملیک مراد نہ ہو تو کونسا صدقہ مراد ہے۔	۵۵۶
خانیہ اور دیگر کتب فتاوٰی کے ایک جزئیہ سے تائید مزید۔	۵۴۹	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
(۵)اس اطلاق میں مال کی قید سے بھی قطع نظر کرلی جاتی ہے اور مطلقًا نفع رسانی کا نام صدقہ ہوتا ہے۔	۵۵۲	اول کے علاوہ جو بھی مراد لے لیں ہم کو مضر نہیں کہ اور کسی میں تملیک ضروری نہیں۔	۵۵۷

مولوی عبدالحیٔ صاحب کے استدلال کا جواب، ہم کو ان کے اس قول سے اختلاف ہے کہ قربانی میں جہتیں صرف تین ہیں۔	۵۵۷	بکر کہتا ہے تمام حوالوں کا تعلق حج کے جانور ہدی سے ہے۔ اور یہ مسئلہ باب الاضحیہ کا ہے اس لئے استدلال صحیح نہیں۔ کس کا قول درست ہے۔	۵۶۰
قدوری، حلبی، شامی، ظہیریہ سے مزید جہتوں کا بیان۔	۵۵۷	خطام کے معنی کیا ہیں۔	۵۶۱
چند اور جہتوں کا اضافہ۔	۵۵۸	زمام اور خطام کا فرق، اور خطام کے چار اطلاقات۔	۵۶۱
جب تین میں حصر پر کوئی دلیل نہیں تو ان امور خیر میں صرف کرنے کی ممانعت کے لئے الگ سے دلیل ضروری، اور وہ مفقود تو ہمارا دعوی ثابت۔	۵۵۸	لغت، فقہ، حدیث کی ۱۲ کتابوں سے اطلاقات بالا کا ثبوت۔	۵۶۱
رسالہ کا نام اور سن تقالیف۔	۵۵۹	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف۔ کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	۵۶۷
دیہات میں نماز عید سے قبل مرغ کی قربانی، قصاب کی اجرت میں چرم دینے، اور طالبعلم، مؤذن، ملاجی وغیرہ کو چرم قربانی دینے سے "سوال وجواب"	۵۶۰	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کا اضافہ غلط ہے۔	۵۶۷
مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔	۵۶۰	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کا لفظ نہیں۔	۵۶۷
دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کرسکتے ہیں۔	۵۶۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔	۵۶۰	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
مصارف چرم قربانی کا بیان۔	۵۶۰	اس امر کی بحث کہ لفظ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا صیغہ امر سے۔	۵۶۹
ایک مناظرہ، کے فیصلہ کا "سوال"	۵۶۰	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۶۹
ہدایہ، شرح وقایہ، عمدۃ الرعایہ، درمختار، ہدایہ اور تنقیح ضروری کے حوالہ سے زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی اور جھول صدقہ کرنا چاہئے۔	۵۶۰	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ تو حافظ ابن حجر کا نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

ابن ہمام کا فرمان کہ مشائخ کی ذکر کردہ دو حدیثوں کو ہم اپنی کوتاہی نگاہ کی وجہ سے نہ پاسکے۔	۵۷۰	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۲
غیر مقلد پر رد کہ ائمہ کی حدیثوں پر سلب مطلق کا دعوٰی کرتے ہیں۔	۵۷۰	حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۴
اصل بحث خطام جس کا ذکر ہواج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱	حجۃ الوداع کھلی بہار کے موسم میں تھا تو یہ جھولیں سردی سے بچنے کی معمولی جھولیں نہ تھیں۔	۵۷۵
قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱	مصنف کی یہ تحقیق کہ یہ حج ۹/ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق چھٹی مارچ ۶۳۲ء روز جمعہ کو تھا جو اس وقت کی تعبیر تھی۔	۵۷۵
ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	امام ابن حجر اور امام قسطلانی نے اس کو تحویل حمل کے مہینہ میں فرمایا۔	۵۷۵
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور رروانگی حرم کے وقات ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	مصنف نے زیج الغ بیگی اور زیج احد بہادر خانی سے اس دن کے نصف النہار کی تقویم نکالی۔	۵۷۶
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶
اس زمانہ میں بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور خاص میں نیزہ سے خفیف زخم بھی لگاتے۔	۵۷۱	مستخرجہ تقویم کا موسم مکہ معظمہ میں نہایت معتدل ہوتا ہے تو یہ جھولیں خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔	۵۷۷
ان جھولوں کا بھیجنے والے کی حیثیت کے موافق ہونا مستحب ہے۔	۵۷۲	ہدی کے جانوروں کے مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸
		دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہئے۔	۵۷۸

اور مطلقاً نسبت کاخیال ہو تو کھونٹا بھی صدقہ کرنا چاہئے جس سے قربانی کا جانور بندھا تھا۔	۵۷۸	عقیقہ سے جانور کی عمر سے "سوال"	۵۸۳
فتح الباری وغیرہ سے تصدق جھل کی وجہ کا بیان۔	۵۷۸	عقیقہ میں سال بھر سے کم کی بکری جائز نہیں اور اس کی عمر میں شک ہو تب بھی جائز نہیں۔	۵۸۳
مصنف کی طرف سے توضیح مزید۔	۵۷۸	مکرر "سوال وجواب"	۵۸۳
خلاصہ: آدمی اپنا سارا گھر ہی صدقہ کردے تو اور بات ہے لیکن حدیث وفقہ سے رسی کے تصدق کا حکم ثابت نہیں۔	۵۷۹	قصاب کی بات کا اعتبار نہیں۔ سال بھر میں شبہ ہو تب بھی عقیقہ نہ کریں۔	۵۸۴
باب العقیقة		مسائل عقیقہ سے متعلق گیارہ باتوں کا "سوال" عقیقہ کے جانور کے وہی مسائل ہیں جو قربانی کے جانور کے ہیں۔	۵۸۴
ایک جانور میں کئی بچوں کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا سب کے لئے علیحدہ علیحدہ جانور ہونا چاہیے۔	۵۸۱	عقیقہ میں گوشت بھی مثل قربانی کے تین حصہ کرنا مستحب ہے۔	۵۸۴
بڑے جانور میں سات بچے اور بکرے میں صرف ایک بچے کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔	۵۸۱	والدین بھی عقیقہ کا گوشت کھاسکتے ہیں۔	۵۸۵
چرم قربانی کا عوض اپنے پاس سے دے کر طعام عقیقہ میں ملادیا اور فقراء خویش واقارب سب کو کھلایا پتہ چلا کہ چمڑا صدقہ کرنا چاہئے۔ تو بیع فسخ کرکے چمڑہ کو اشیائے باقیہ سے بدل لیا اس کا کیا حکم ہے۔	۵۸۱	عقیقہ میں جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ مسلمان ہو، غیر مسلم دائیاں یا مرد ڈاکٹر بلانا حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی حق مقرر نہیں۔	۵۸۵
صورت مذکورہ میں پیسہ دونوں میں اس کا تھا اس لئے اس میں جو نصف کیا جائز ہوا۔ اس کو چمڑہ کی قیمت سمجھنا اس کی غلط فہمی تھی، اب جب کہ غیر مستہلک چیز سے اس کو بدل لیا تو ان چیزوں سے اس کو انتفاع جائز ہے لیکن چونکہ اس کی نیت صدقہ کرنے کی تھی اس لئے مناسب یہی ہے کہ اس کو فقراء پر ہی صرف کرے۔	۵۸۲	عقیقہ کے پوست کا دام کرکے اپنے صرف میں لانا منع ہے۔	۵۸۵
		عقیقہ کے پوست کو قیمت میں مجرا کرنے کی تفصیل۔	۵۸۵

باب ذبح پر قادر ہو تو عقیقہ کا جانور اسی کو ذبح کرنا افضل ہے۔	۵۸۵	سرنائی، ران کافر جنائی، گوشت والدین کو کھانا، اور چیل کوؤں کو کھلانے کا "سوال"	۵۸۸
عقیقہ کی دعا۔	۵۸۵	عقیقہ کے جانور کا سرنائی کو دینے کا نہ حکم نہ ممانعت۔	۵۸۸
عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں۔ نہ توڑنا اور زمین میں دفن کرنا افضل ہے۔	۵۸۶	کافرہ کو جنائی بنانا حرام اور ان کو عقیقہ سے کچھ دینا منع ہے۔	۵۸۸
عقیقہ کا دنوں کا بیان۔	۵۸۶	عقیقہ کے گوشت کا وہی حکم ہے جو قربانی کا چیل کوؤں کو کھلانا بے معنی ہے مسکینوں کو دیں۔	۵۹۰
لڑکے کے عقیقہ کے لئے کم سے کم ایک بکرا اور دو افضل ہے۔	۵۸۶	عقیقہ کے جانور کی ہڈی توڑنے اور کھال اور ہڈی زمین میں دفن کرنے کا "سوال"	۵۹۰
گوشت بنانے کی اجرت چرم عقیقہ کے دام میں مجرا کرسکتا ہے۔	۵۸۶	ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں دلیل وہ ہے جو منع کرے خالی ہڈی دفن کریں کھال دفن کرنا حرام ہے۔	۵۹۰
سری پائے چاہے خود کھائے چاہے سب سقا، حجام کو دے شرع میں اس کا کوئی حکم نہیں۔	۵۸۶	ماں باپ، نانی نانا کے عقیقہ کا گوش کھانے کا "سوال"	۵۹۰
مکرر "سوال وجواب"	۵۸۶	عقیقہ کا گوشت سب کھاسکتے ہیں اس کا حکم قربانی کے گوشت کا ہے۔	۵۹۰
عقود الدریہ سے مسائل کی تفصیل۔	۵۸۶	عقیقہ کی ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں نہ توڑنا بہتر۔ امام مالک کا حکم ہے، اور امام شافعی توڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہمارے مذہب میں کوئی حکم نہ ہو تو امام مالک کے مذہب کے موافق حکم ہے۔	۵۹۱
عید الاضحٰی کے روز عقیقہ جائز ہونے کا "سوال وجواب"	۵۸۷	عقیقہ کا گوشت والدین کے کھانے کا "سوال وجواب"	۵۹۱
بال برابر چاندی حجام کو دینے اور سری حجام اور ران بھنگن کو دینے کا سوال۔	۵۸۷	مردہ کی طرف سے عقیقہ کا "سوال"	۵۹۲
غیر مسلم کو جنائی بنانا حرام ہے حجام مالدار ہو تو چاندی اس کو دے کر برا کیا، عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں، جس کو چاہے دے۔	۵۸۸	مردہ کی طرف سے قربانی جائز ہے۔	۵۹۲

عقیقہ کا مرنے کے بعد ثبوت نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ کو قربانی پر قیاس کرے، اور دونوں کی علت مشترکہ جاننے، قربانی اور عقیقہ کے اشتراک اور بڑے جانور میں عقیقہ کی تعداد کا "سوال"	۵۹۴
بچہ اگر سات دن کے بعد مرا اور عقیقہ نہ ہوا تو ماں باپ اس کے شفاعت کے حقدار نہیں۔	۵۹۳	عقیقہ وقربانی میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں دونوں اراقۃ الدم لوجہ اللہ کے عموم میں شامل ہیں۔	۵۹۵
مکرر سوال وجواب۔	۵۹۳	قربانی اور عقیقہ دونوں کی شرکت ایک ساتھ جائز ہے۔	۵۹۵
بڑے جانور میں کتنے عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	مردہ کا عقیقہ کا "سوال"	۵۹۵
مردے کا عقیقہ نہیں اس کی طرف سے قربانی ہے۔	۵۹۳	جو لڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں، مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا تو ان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۶
بڑے جانور میں سات تک عقیقے ہوسکتے ہیں۔	۵۹۳	حدیث شریف الولد مرتھن بعقیقۃ کی توضیح وتشریح۔	۵۹۶
اس میں قربانی کی بھی شرکت ہوسکتی ہے دوسری کسی غرض کے لئے ہو تو عقیقہ ادانہ ہوگا۔	۵۹۳	بعض کے نزدیک نابالغ بچے کی طرف سے ماں باپ پر قربانی واجب ہے وہ زندہ کے لئے ہے بعد موت لازم نہیں۔	۵۹۷
زنا کے بچہ کا عقیقہ زانی نہیں کرسکتا ماں کرسکتی ہے۔	۵۹۴		

فہرست ضمنی مسائل

فوائد تفسیریہ		انعام کی تقسیم کہ آیت قرآن میں حمولة سے مراد اونٹ اور بیل، اور فرشا سے مراد بکری اور بھیڑ ہے۔ اور آیت اولٰی سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ انعام قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
آیات قرآنی سے اشہاد کے معنی کی تائید۔	۱۶۶	**فوائد حدیثیہ**	
آیۃ لاتاکلوا مما لم یذکر اسم الله علیه کی تشریح تفسیر کبیر سے۔	۲۷۹	ذابح بقر اور قاطع شجر کے بارے میں جو حدیث روایت کرتے ہیں موضوع ہے۔	۲۵۰
آیہ حرمت علیکم المیتة کی تفسیر۔	۲۹۸	حرمت خر کی حدیث	۳۱۲
اس تفسیر سے مسئلہ ما اھل به لغیر الله میں مسلک وہابیہ کا رد۔	۲۹۸	مصارف قربانی کے بیان کی ایک حدیث۔	۴۶۶
مدارک اور معالم سے موقوذہ کا بیان۔	۳۴۶	حدیث نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفسیر از امام زیلعی۔	۴۷۵
مصنف کی تحقیق کہ بندوق کا مارا ہوا موقوذہ ہے۔	۳۴۶	حدیث من باع جلد اضحیة فلا اضحیة له کا محمل صحیح۔	۴۷۵
معالم التنزیل سے بہیمۃ الانعام کی توضیح اور تفسیر۔	۳۹۶		

ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی کی حدیث کی تخریج۔	۵۱۵	اس حدیث میں مطلقاً بیع کی ممانعت نہیں ہوسکتی بالاتفاق علماء صدقہ کے لئے بیچنا جائز ہے۔ کیونکہ بدل کے لئے مبدل منہ کا حکم ہے۔ جب زکوٰۃ وفطرہ اور کفارہ وغیرہ صدقات واجبہ میں قیمت دینا جائز ہے تو یہ صدقہ نفلی ہے اس میں کیوں جائز نہ ہوگا۔	۵۲۴
"ایتجار" کالفظ تمام کار ثواب کو عام ہے تو سب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔	۵۱۶	نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں لفظ "ایتجار" آیا ہے جس کا مطلب تمام امور خیر ہی مراد ہیں۔ اور یہ ہمارے بیان کردہ اطلاقات میں چوتھا ہے۔	۵۵۷
بخاری شریف میں "ایتجروا" کے بجائے لفظ "تصدقوا" آیا ہے۔ تو ایتجار سے مراد تصدق ہی ہے۔	۵۱۶	عمدہ میں بخاری ومسلم کی طرف منسوب حدیث میں لفظ خطام کا اضافہ غلط ہے۔	۵۶۷
بہ اتفاق علماء امر یہاں وجوب کے لئے نہیں، تو صدقہ مراد لینے پر بھی صدقہ نافلہ ہی مراد ہوگا۔	۵۱۶	صحیح بخاری میں بدنہ کے جھول کے تصدق کی حدیث پانچ جگہ مروی ہے اور مسلم میں پانچوں حدیث ایک ہی جگہ مذکور ہیں کسی میں خطام کا لفظ نہیں۔	۵۶۷
ایک معارضہ اگر حدیث نبیشہ میں ایتجار کو تصدق پر محمول کریں تو حدیث عائشہ میں لفظ اطعموا کو بھی تصدق پر ہی محمول کرنا ہوگا کہ اس میں ایتجروا کی جگہ اطعموا آیا ہے۔ حالانکہ بہ اتفاق علماء یہ اطلاق پر ہے اور کھلانے میں اباحت کافی ہے۔	۵۲۰	دونوں کتابوں میں مروی الفاظ حدیث کی تفصیل۔	۵۶۷
صاحب بصیرت جملہ احادیث متعلقہ کو دیکھ کر فیصلہ کرے گا کہ حدیث تمام انواع قربات کو عام ہے۔	۵۲۱	عمدۃ الرعایۃ میں صیغہ امر کے ساتھ روایت بھی تمام روایتوں کے خلاف ہے۔	۵۶۹
حاکم کی روایت من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ کی معنوی تصحیح۔	۵۲۳	امام ابن حجر کی تصریح کہ روایت میں لفظ خطام نہیں ہے۔	۵۷۰
یہ حدیث گو سنداً ضعیف ہے مگر علماء نے تلقی بالقبول فرمائی تو حدیث مقبول ہوئی۔	۵۲۴	ہدایہ اور کافی امام نسفی میں البتہ حدیث انھیں الفاظ میں مروی ہے جو عمدہ میں مذکور ہیں۔ تو حافظ ابن حجر کا نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔	۵۷۰

ابن ہمام کا فرمان کہ مشائخ کی ذکر کردہ دو حدیثوں کو ہم اپنی کوتاہی نگاہ کی وجہ سے نہ پاسکے۔	۵۷۰	طلب مواثبت میں طلبت کما علمت اور علمت منذ کذا افطلبت کا فرق۔	۱۳۶
حدیث شریف الولد مرتھن بعقیقة کی توضیح وتشریح۔	۵۹۲	باب طلب میں عبارات علماء کی مراد کی تعیین۔	۱۳۸
فوائد فقہیہ		شفعہ میں نہ روپیہ لے جانا ضروری ہے نہ مشتری سے اس کا ذکر ضروری، خبر سنتے ہی طلب مواثبت فی الحال ضروری ہے۔	۱۴۸
خالد نے جب بکر کی خریداری پر اس کو مبارکباد دی تو اگر وہ شفیع ہو تو بھی اس کا حق شفعہ باطل ہوگیا۔	۹۸	شفعہ کھلے کافر کی جائداد میں بھی ہوسکتا ہے۔	۱۶۰
بیع یا ہبہ بالعوض کی صورت میں شفعہ لازم ہے۔	۹۹	کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا اور طلب اشہاد کو جانے کے لئے چھڑی کے بغیر چل نہ سکتا ہو تو چھڑی کے لئے گھر میں جانا تاخیر نہیں، ورنہ ضرور تاخیر ہے۔	۱۷۰
شفیع خلیط کی تعریف اور اس کے احکام۔	۱۰۵	مرور مدت سے کاشتکار کو استقرار کا حق حاصل نہیں ہوتا، زمین کیسی ہی ہو اور چاہے کتنی ہی مدت کاشت کرے۔	۱۷۹
حق شفعہ میں شریک خلیط پر اور خلیط جار پر مقدم ہے۔	۱۰۷	جس صورت میں زراعت سے زمین کا نفع نقصان کچھ معلوم نہ ہو فقہاء اس کا صریح حکم نہیں لکھتے۔	۱۹۹
صرف بیع ہی سے حق شفعہ ثابت ہوجاتا ہے قبضہ کی ضرورت نہیں۔	۱۱۱	تسمیہ شرط ذبیحہ ہے اور اس کے ساتھ تکبیر سنت ہے۔	۲۱۸
احاطہ اور دروازہ واحد ہو تو "دار "واحد کہا جائے گا جو اس کے کسی جز سے متصل ہو پورے گھر کا شفیع ہوگا۔	۱۱۲	معین ذابح وہ ہے کہ ذبح کرنے والے کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر چھری پھیرنے میں مدد دے، ان دونوں پر تسمیہ واجب ہے۔	۲۱۸
ہبہ۔ صلہ رحمی، میراث اور وصیت کی صورت میں حق شفعہ نہیں۔	۱۱۶	ذبیحہ کا مدار رگ کٹنے پر ہے۔ ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ کا لحاظ نہیں۔	۲۱۹
دیہہ مملوکہ اور غیر مملوکہ کی تفریق۔	۱۲۰	ذبح فوق العقدہ اور تحت العقدہ میں قول فیصل کیا ہے۔	۲۲۰

ذبح کا مدار کم سے کم تین رگوں کے کٹنے پر ہے فوق العقدہ اور تحت العقدہ پر نہیں شامی سے قول فیصل کا بیان۔	۲۲۰	ایضا گھوڑے کے گوشت اور دودھ کے بارے میں علماء میں سخت اختلاف ہے گوشت میں احتیاط قول امام میں ہے۔ جس قول میں دودھ کو حلال کہا اس میں وجہ فرق یہ ہے کہ گوشت کے حرمت کی وجہ تقلیل آلہ جہاد ہے۔ اور دودھ میں یہ وجہ نہیں پائی جاتی۔	۳۱۱
ذابح معین اور پکڑنے والے کے فرق کا بیان۔	۲۲۱	اس شبہ کا جواب کہ بعض کتابوں میں لفظ بوم کے ساتھ یو کل لفظ آیا ہے۔	۳۱۷
ذبیحہ کے اجزائے ممنوعہ سے "سوال"	۲۳۴	یہ روایتیں قاعدہ کلیہ فقہیہ اور مشاہدات کے معارض نہیں ہوسکتیں۔	۳۱۷
کس کس کا ذبیحہ جائز ہے۔	۲۴۲	چمگادڑ کی حلت وحرمت میں ہمارے علماء میں اختلاف ہے۔	۳۱۸
معین ذابح کی تشریح۔	۲۴۴	دانہ خور کوے کو غراب الزرع کہتے ہیں، جو چھوٹا سیاہ اور اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ اس میں وہ پہاڑی کوا بھی داخل ہو جو بڑا اور بالکل سیاہ ہوتا ہے۔	۳۱۹
خاص ذبح کی مختلف اضافتوں کا حدیث سے ثبوت۔	۲۷۱	جمع کرکے کھانیوالے کو عقعق کہتے ہیں اس میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ کہ مکروہ تنزیہی ہے۔	۳۲۰
در مختار اور شامی سے ذبح کی جائز اضافتوں کی نصوص۔	۲۷۳	خرگوش کے پنجے ہی ہوتا وہی حلال ہے۔ کھر والا خرگوش دنیا کے پردے پر نہیں۔	۳۲۲
دیانات اور معاملات میں فرق اور ہندیہ سے اس کی مثال۔	۲۸۳	غیر مسلم کے ہاتھ کی پکڑی ہوئی مچھلی جائز ہے کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں۔	۳۲۳
وجیز کردری میں رگ کے سلسلہ میں قطع کا لفظ ہے۔ قطع اور ہے سوراخ کرنا اور ہے۔	۳۰۰	مصنف کی تحقیق کہ جریث اور مارماہی دو علیحدہ علیحدہ مچھلیاں ہیں۔	۳۲۵
گھوڑے کا گوشت صاحبین کے نزدیک حلال ہے اور امام صاحب مکروہ فرماتے ہیں۔ کراہت تحریمی ہے۔	۳۱۰	ذبح کی حکمت دم مسفوح کا نکالنا ہے۔ ٹیڑی اور مچھلی میں دم مسفوح نہیں ہوتا لہذا ذبح نہیں۔	۳۳۴

ہمارے نزدیک یہی دو جانور بے ذبح جائز، شوافع کے نزدیک باقی دریائی جانور بھی، تو وہ سب کو بے ذبح کھاتے ہیں۔	۳۳۴	دربارہ عید الاضحیٰ علامہ شامی اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔	۳۵۸
مصنف کی تحقیق کہ ہمارے یہاں مچھلی کے علاوہ سب حرام ہیں، تو جن کے یہاں جھینگا مچھلی ہے حرام نہیں، اور جن کے وہاں مچھلی نہیں حرام ہے۔	۳۳۶	ہدایہ سے ضرورت اصلیہ کی توضیح۔	۳۶۳
بضرورت شکار ہونے کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۲	وجوب قربانی کے لئے مقدار نصاب چاندی یا سونا دیگر مال اسی قیمت کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔	۳۶۹
بندوق کی گولی تیر کے حکم میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار حرام ہے۔	۳۴۳	مالک نصاب ہونے کے لئے حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کا مالک ہونا ضروری ہے۔	۳۷۰
ذبح میں آلہ کا جارح ہونا شرط ہے گولی ایسی نہیں ہوتی۔	۳۴۳	کاشتکار کے ہل بیل، حاجت اصلیہ میں ہیں۔	۳۷۰
شامی کی تشریح کہ اس میں خرق و قطع نہیں ہوتا۔ اگر بالفرض کوئی گولی ایسی بنائی جائے جس میں دھار ہو تب بھی یہ یقین نہیں کہ جانور دھار سے ہی قطع ہوا۔	۳۴۳	قربانی کس کس پر واجب یا فرض ہے۔	۳۷۱
حیات کی علامتوں کا بیان۔	۳۴۵	یہ مسئلہ اتفاقی ہے کہ غنم قربانی کا جانور ہے۔	۳۹۷
معلم کتے کا بیان۔	۳۴۹	بھیڑ کا غنم کی نوع ہونا بھی طے شدہ امر ہے۔	۳۹۷
شکاری کتے کے شکار کے حلال ہونے کی کل چودہ شرطیں ہیں۔	۳۴۹	یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قربانی میں بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے۔ اور بھیڑ کو بکری کے ساتھ لاحق نہیں کرسکتے۔	۴۰۰
شکار میں ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے۔ تو ذبح ضروری ہے۔	۳۵۱	وحشی جانور کی قربانی جائز نہیں۔	۴۰۱
دانت لگنے سے شکار کے ناپاک ہونے کا خیال غلط ہے۔	۳۵۱	بھینس کی قربانی خلاف قیاس جائز ہے۔	۴۰۳
		جب غنم کی دو ہی قسمیں ہیں تو جو (بز) بکری نہ ہو لامحالہ (ضان) دنبہ میں داخل ہے۔	۴۰۸

اس جانور کا انعام میں ہونا متفق علیہ ہے اور انعام صرف چار ہی ہیں۔	۴۰۸	تمول کے طور پر حاصل کی ہوئی رقم کا تصدق ازالہ خبث کے لئے واجب ہے۔ حصول ثواب کے لئے نہیں۔	۵۱۳
شہر کی صحیح تعریف اور اس امر کا بیان کہ شہر کے علاوہ مقامات پر صبح سے قربانی جائز ہے۔	۴۵۲	کسی نے ایسے صدقہ سے امید ثواب کی تو ڈبل گناہ ہوا۔	۵۱۳
شرقاء، خرقاء، مقابلہ مدابرہ سے حدیث کی ممانعت نہی تنزیہی پر محمول ہے۔	۴۵۹	خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تصدق کی نیت سے چرم قربانی فروخت کرنا جائز اسی طرح دیگر امور خیر کی نیت سے بھی۔	۵۱۴
قربانی کی کھال میں صدقہ کرنے کے حکم کا مطلب تملیک نہیں بلکہ ہر مصرف خیر میں صرف کرنا ہے۔	۴۷۰	قربانی میں مصرف کی تین جہتیں ہیں: کھانا، جمع کرنا، کار ثواب کرنا۔	۵۱۵
قربانی کی کھال کے احکام۔	۴۹۱	صدقہ کے اطلاقات کا بیان۔	۵۴۳
چرم قربانی میں مطلقاً تقرب مقصود ہے خاص تملیک فقیر ضروری نہیں۔	۵۱۰	مصنف کی تحقیق کہ قربانی میں تین جہتیں بیان کی گئیں، اکل، ادخار اور تصدق، اسی کو کہیں "ایتجروا" کے لفظ سے تعبیر کیا اور کہیں "اطعموا" کے لفظ سے تعبیر کیا۔ تو تصدق کے ایسے ہی معنی مراد لینے ہوں گے جو ان سب کو عام ہو اور وہ صدقہ غیر واجبہ غیر ضروری التملیک ہی ہوں گے، اور تملیک ضروری نہ ہوگی تو مسجد اور مدرسہ میں صرف ہوسکیں گے۔	۵۵۵
اراقۃ دم کے بعد قربانی سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہے۔	۵۱۲	عمدۃ الرعایہ میں ذکر کی ہوئی خطام کی تعریف۔ کلمات اہل فن کے مطابق نہیں۔	۵۶۷
قربانی ہلاک ہونے والی چیز سے بدلنا مطلقاً تمول ہے۔	۵۱۲	اصل بحث خطام جس کا ذکر ہوا حج کی ہدی میں ہے، قربانی کے اونٹوں میں نہیں۔	۵۷۱
دراہم بھی تو خرچ ہونے والے ہیں، ان سے خیرات کی نیت سے چرم قربانی کو بدلنا جائز ہے تمول نہیں۔	۵۱۳	قربانی اور ہدی میں فرق ہے، یہ خاص حرم میں ہوگی، اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، اصل مقصود اراقۃ الدم میں دونوں برابر ہیں۔	۵۷۱
چرم قربانی اپنے لئے بیچے تب بھی تمول ہے اور خبث ہے اور اس کا صدقہ واجب ہے۔	۵۱۳		

ہدایہ وبدائع وغیرہ میں قربانی کے گوشت اور کھال کے بارے میں حدیث ہدی سے استدلال ہوا، جھول اور رسیوں کے بارے میں نہیں۔	۵۷۱	قرآن عظیم میں ایسے جانوروں کو حرام قرار دینا کافروں کا کام بتایا، اور اس کو رد فرمایا۔	۲۶۰
ہدی کے مذکورہ جھول اور عام جانوروں کی جھول میں فرق تھا۔ وہ صرف ہدی کے اونٹوں کے لئے بنتیں اور ررروانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتیں۔	۵۷۱	اس کو مااہل بہ لغیر اللہ سے کوئی علاقہ نہیں نہ بتوں کے تھان کی مٹھائی اس میں داخل ہے۔	۲۶۱
اس کام کے لئے ان کا بنانا سنت اور تقلید واشعار کی طرح یہ بھی شعائر اللہ کی علامت ہے۔	۵۷۱	ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ مااہل بہ لغیر اللہ ہے۔	۲۶۱
ہدی کے جانوروں کی مذکورہ نکیل بھی قربانی کی رسیوں کی طرح نہیں کہ وہ حرم تک لے جاتی ہیں۔	۵۷۸	کافر بتوں کے نام کہے اور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو جانور حلال ہے۔	۲۶۱
دوسرا فرق یہ ہے کہ ہدی نحر ہوتا ہے تو مہار اور جھل وقت قربانی اس کے بدن پر رہتی ہیں اور قربانی کی رسی گلے سے کھول کر ذبح کرتے ہیں تو دونوں میں فرق ہونا چاہیئے۔	۵۷۸	شیخ سدو ایک روح خبیث ہے۔	۲۶۵
جو لڑکے سات دن سے قبل مرگئے ان کا عقیقہ نہیں، مگر ان کی شفاعت ہے۔ البتہ جو سات دن کے بعد مرے اور باوجود استطاعت ان کا عقیقہ نہیں کیا تو ان کی شفاعت والدین کو نہیں ملے گی۔	۵۹۲	شیخ سدو کے نام سے مرغ ذبح کرنے اور موقعہ پر میلاد پڑھوانے اور کھانا کھلانے کا "سوال"۔	۲۶۵
عقائد وکلام		**ما اھل بہ لغیر اللہ** اور ذبح اولیاء وغیرہ کی تفصیل وتشریح۔	۲۶۶
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کے متعلق "سوال"	۲۶۰	ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی عبادت ہو تو ذبیحہ مردار ہوجائے گا اور عبادت کی نیت نہ کی اور ذبح اللہ کے نام سے کیا تو ذبیحہ حلال ہوا۔	۲۶۷
بحیرہ اور سائبہ کا بیان	۲۶۰	اضافت کا مطلب عبادت نہیں، اس لئے اس کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ ان جانوروں سے ان بزرگوں کی عبادت کی جائے گی۔	۲۷۱

جو لوگ اضافت کی بنیاد پر ان کو حرام بتاتے ہیں شریعت پر جرات کرتے ہیں۔	۲۷۱	**جنائز**	
شامی اور قاضی خاں سے بسم اللہ بنام خدا بنام محمد کا جزئیہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام تعظیما لیا ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اللہ کے ساتھ شرکت مراد لی ہو تو ذبیحہ حرام ہے۔	۲۷۵	فاسق کا ذبیحہ جائز، نماز جنازہ اس کی واجب، اور اس کی دعوت قبول کرنے اور نہ کرنے میں سلف صالحین کے اندر اختلاف ہے۔	۲۵۳
شامی اور درمختار سے بنام خدا وبنام محمد کا جزئیہ اور عدم کفر کا فتوی۔	۲۷۶	**روزہ**	
بزرگوں کے نام کے جانور سے "سوال وجواب"	۲۹۶	بے دستہ کی چھری ذبیحہ اور گرم مقامات پر گرمی میں روزہ سے "سوال"	۲۲۷
شارب خمر ضرر معذب ہے لیکن مسلمان ہے تو دائمی نہیں، ایسا شخص زیر مشیت الٰہی ہے اور انجام بلاشبہ مغفرت ہے۔	۳۰۷	مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے جس سے روزہ رکھنے میں بیمار پڑ جائے۔	۲۲۸
احکام مسجد		اگر ایسے کام کے ترک پر قدرت نہ ہو، روزہ رکھنا ممکن نہ ہو تو قضاء رکھے۔	۲۲۸
سوکھی مچھلی اور سوکھے گوشت میں پکانے کے بعد بو ہو تو اس کا کھانا مکروہ لطافت طبع اور نظافت اسلام کے خلاف۔ ایسے آدمی کی بو کی حالت میں مسجد میں جانا منع، اور اگر جسم کو ضرر دے تو اس کا کھانا حرام۔	۳۳۴	بقر عید کے دن اور اس کے بعد تین دن کا روزہ حرام ہے۔	۴۴۴
چرم قربانی کی رقم براہ راست مسجد میں صرف ہو سکتی ہے تملیک فقیر ضروری نہیں ہے۔	۵۰۲	پہلی سے نویں ذوالحجہ کے روزے افضل ہے۔	۴۴۴
جس چرم کو اپنے مصرف کے لئے بیچا اس کا تصدق ضروری ہے وہ مسجد میں نہیں لگ سکتی۔	۵۰۲	سب نفلی روزوں میں عرفہ کا روزہ افضل ہے۔	۴۴۴
امامت		قربانی کرنے والا قربانی سے قبل کچھ نہ کھائے۔	۴۴۴
جو شخص گوشت اجرت میں لینے کی عادت بنالے فاسق معلن ہے اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۳۰۷		

قربانی کے گوشت میں سے پہلے کھائے مگر یہ روزہ نہیں۔	۴۴۴	اور مطلقًا نسبت کا خیال ہو تو کھونٹا بھی صدقہ کرنا چاہئے جس سے قربانی کا جانور بندھا تھا۔	۵۷۸
زکوٰۃ		فتح الباری وغیرہ سے تصدق جھل کی وجہ کا بیان۔	۵۷۸
جس شخص کے پاس پچاس روپیہ کا طلائی اور بیس روپیہ کا نقرئی زیور ہے۔ دونوں ملا کر وہ نصاب ہے زکوٰۃ فطرہ قربانی سب اس پر واجب ہے۔	۳۶۷	خلاصہ: آدمی اپنا سارا گھر ہی صدقہ کردے تو اور بات ہے لیکن حدیث وفقہ سے رسی کے تصدق کا حکم ثابت نہیں۔	۵۷۹
جس کا قرض اس کے مال کو محیط ہو اس پر زکوٰۃ فطرہ اور قربانی کچھ نہیں۔	۳۶۷	**ایصال ثواب**	
نابالغ مالک نصاب پر نہ خود زکوٰۃ وقربانی نہ اس کی طرف سے اولیاء پر۔	۳۶۹	نفلی قربانی کا بھی یہی حکم ہے کہ ایک چند کی طرف سے نہیں ہوسکتی البتہ کرنے والا اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچا سکتا ہے۔	۳۶۹
قرض مردہ والے پر بھی زکوٰۃ وقربانی نہیں۔	۳۶۹	قربانی اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ اس کا ثواب جتنوں کو پہنچایا سب کو پہنچے گا، اور ان سب نے اگر اس کی وصیت کی ہو تو سب کی طرف سے ان کے مال سے جداجدا کی جائے۔	۴۵۷
زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں تملیک ضروری ہے۔	۵۴۲	چرم قربانی کی رقم کھانا پکوا کر محرم میں بھوکوں کو کھلانا بہت خوب اور کار ثواب ہے اور امامین کریمین کو اس کا ایصال ثواب بھی ہوسکتا ہے یہ ان کی نذر ہے۔	۵۰۴
صدقہ وخیرات		**نذر**	
صدقہ کا جانور بلا ذبح مصرف کو دینے کا "سوال"	۳۰۵	مالدار پر ایک قربانی خود واجب کی، اور قربانی کی منت مانے گا تو دوسری بھی اس پر واجب ہوگی البتہ اس پر خریداری کی وجہ سے واجب نہ ہوگی۔	۴۵۱
صدقہ واجبہ ہو اور وجوب خاص ذبح کا تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، ہاں ذبح کا وقت نکل گیا ہو تو زندہ ہی صدقہ کیا جائے۔	۳۰۶		

نکاح		آج کل کے نصاری گلا گھونٹ کر بھی مار ڈالتے ہیں اور گلے میں چھری پیوست کرکے بھی۔	۲۴۴
پر بلا ثبوت زناء کا حکم لگانا حرام ہے۔ بلکہ میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں تو ان کے میاں بیوی ہونے کی گواہی دی جاسکتی ہے اور زانی کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔	۲۵۲	آج کل کے شیعہ تبرائی کافر و مرتد ہیں۔	۲۴۴
کفارہ		روافض زمانہ کے کچھ عقائد کا بیان۔	۲۴۴
مسئلہ کفارہ صوم سے دلیل تنویری	۴۱۶	روافض کا ذبیحہ مردار حرام ہے۔	۲۴۶
نفقہ		مرتدین وقت سے نیچری اور وہابیہ کے عقائد واحکام کا ذکر۔	۲۴۶
مدعی کو خرچہ دلانا حکمِ شرع کے خلاف ہے۔	۱۸۹	ان کے ذبیحہ کے حرام ہونے کا بیان اور دیگر احکام۔	۲۴۶
سِیَر		ان سے کم درجہ کے گمراہوں کا ذکر اور ان کا حکم۔	۲۴۶
بوہرہ اگر صرف بدعتی ہو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔ اور مرتد ہو تو نہیں۔	۲۴۳	آج کل کے یہود ونصاری کا ذبیحہ کا "سوال"	۲۴۶
آج کل کے نصاری کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔	۲۴۳	یہود ونصاری الوہیت مسیح وعزیر کے قائل ہیں، ان کا ذبیحہ حرام، اسی پر فتوٰی اور یہی ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۶
اکثر مشائخ اس کو حرام فرماتے ہیں۔	۲۴۳	قادیانی اور وہابی کا ذبیحہ کا "سوال وجواب"	۲۴۹
اسی پر فتوٰی اور اسی کو ظاہر الروایۃ بتایا گیا۔	۲۴۳	دیوبندی کے بھیجے ہوئے گوشت سے "سوال وجواب"	۲۴۹

I.T. Majlis of DawateIslami

گائے کا گوشت سرکار نے کھایا۔ (حاشیہ)	۳۲۱	مسئلہ شرکت کی تفصیل اور اس کی پانچوں قسموں کا بیان۔	۳۷۳
غیر مسلموں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی موقوف کرنا کیسا ہے۔	۳۷۱	ہر صورت کی علیحدہ علیحدہ تفصیل، سب کا حکم اور کتب فقہ سے ہر مسئلہ کا جزئیہ۔	۳۷۳
قربانی صاحب نصاف پر واجب ہے اور کسی کی خوشنودی کے لئے بند کرنا حرام ہے۔	۳۷۱	دو گائیں مشترکہ خریدی گئیں اور چودہ حصے کئے گئے، دونوں کی الگ الگ شرکت نہ کی گئی تو دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔	۴۴۸
قربانی کے ایام کی تخفیف پر حکام کے سامنے اظہار رضامندی کا "سوال"	۳۷۷	**ھبہ**	
غیر مقلدین کا حکم، ان کے بعض غلط مسائل کا بیان، اور خوشنودی کفار کے لئے ایام قربانی میں تخفیف پر ان کی ملامت۔	۳۷۸	اگر مکان کو ہبہ بشرط العوض کیا ہو تو قبضہ کے بغیر شفعہ لاگو نہ ہوگا۔	۹۹
شرکت		مجرد ہبہ میں شفعہ نہیں ہوسکتا۔	۹۹
سیل ماء کے اشتراک سے شریک خلیط نہ ہوگا بلکہ صرف جار قرار دیا جائے گا۔	۱۰۹	ہبہ مشروط بالعوض ابتداء ہبہ بعد قبضہ بیع ہے۔	۹۹
ہر فریق وشریک برابر کا حق شفعہ رکھتا ہے حصہ شرکت کی کمی بیشی کا اس حق پر اثر نہیں۔	۱۲۰	کافر نے چھوڑے ہوئے جانور کو ارادہ بدل کر کسی کو ہبہ کردیا تو ایسا جانور موہب لہ کے لئے جائز، اسے ما اھل بہ لغیر اللہ سے کچھ علاقہ نہیں۔	۲۹۳
چند شرکاء حق میں اگر جار ملاصق بھی ہے تو اسے ان باقیوں پر کوئی فضیلت نہیں۔	۱۴۶	**وکالت**	
مشترکہ گاؤں میں بے اذن شرکاء کسی ایک شریک کے کاشت کرنے کا "سوال"	۱۹۷	وکیل بالشراء شفیع ہوسکتا ہے۔	۱۱۳
اگر شرکت کی وہ تجارت بروجہ شرعی ہو تو شرکت جائز، خریدے ہوئے حصوں کی فروخت البتہ ناجائز ہے۔	۳۲۳	دوسرے کی طرف سے قربانی کرنے کا "سوال"	۴۵۳
مال شرکت سے شرکاء کی اجازت سے قربانی کرنے سے "سوال"	۳۷۲	جس کی طرف سے قربانی ہو اس کی اجازت ضروری ہے خواہ صریحی ہو خواہ عرفی۔	۴۵۳
		عرفی اجازت کی مختلف صورتوں کا بیان اور اس مسئلہ پر در مختار کی عبارت۔	۴۵۳

اجارہ		صورت بالا میں جب کاشتکار اول دوسرے کے لئے دستبردار ہوچکا اور زمیندار نے دوسرے کو قبول کرلیا تو اب یہی مستاجر	۲۰۳

		ہوگیا،اور خراج جوزمیندار آئندہ لے گااس کوادا کرنا ہوگا۔	
اجارہ کی مدت تمام ہونے کے بعد زمیندار زمین خالی کراسکتا ہے اور اس میں مکان بنایا یا درخت لگایا ہو تو زمین خالی کرے، درخت کاٹ لے اور ملبہ لے جائے۔	۱۸۳	دوامی پٹہ کوئی عقد لازم نہیں،سال تمام پر عقد ختم ہوجاتا ہے۔	۲۰۵
درخت کٹنے اور مکان اکھاڑنے میں زمین کا زیادہ نقصان ہو تو کٹے ہوئے درخت اور اجڑے ہوئے ملبہ کی قیمت کٹائی اور گھر کھدوائی کی مزدوری مہیا کرنے کے بعد ادا کرکے وہ درخت اور ملبہ زمیندار خود لے لے۔	۱۸۳	عدم ادائیگی کی صورت میں لگان میں سال بسال اضافہ کی شرط ناجائز اور اس کی وجہ سے اجارہ فاسد ہے۔	۲۰۹
سال بسال کا پٹہ ہوتا ہو تو ہر سال کے ختم پر زمیندار کو علیحدہ کرنے کا حق ہے۔	۱۸۳	پندرہ بیگھہ اراضی ہزار روپیہ پر پانچ سال تک اجارہ دینے اور زر اجارہ پیشگی وصول کرنے کا "سوال وجواب"	۲۰۹
اس امر کی تفصیل کہ ارض مملوکہ میں غرس وبنا پر کب مالک قیمت دے گا اور کب اجیر زمین کی قیمت دے گا،اور مصنف کی ترجیح۔	۱۸۵	خانیہ،شامی اور بزازیہ سے مسئلہ کا جزئیہ اور اس امر کی تصریح کہ قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے۔	۲۵۵
منتقلی زمین کے وقت زمیندار کے نذرانہ لینے کا "سوال"	۲۰۲	ذابح بقر اور قاطع شجر اور شارب خمر اور ذبح کی اجرت اور چڑھاوے کا جانور ذبح کرنیوالے کے بارے میں سوال۔	۳۰۶
ایک کاشتکار کا دوسرے کاشتکار کے ہاتھ زمین بیچنا ناجائز ہے اور زمیندار کا نذرانہ اگر دوسرے کاشت کار سے سال دوران کی اجرت میں اضافہ کے طور پر لیا جاتا تو جائز ہوتا دوسرے کو پہلے کی جگہ قائم کرنے کی رشوت کے طور پر لیا جاتا ہے۔ اس لئے ناجائز ہے۔	۲۰۳	ذبح اور قطع کی اجرت جائز ہے۔ پیسوں سے اجرت مقرر کرنا جائز اسی جانور بلکہ دوسرے جانور کے گوشت سے اجرت مقرر کرنا منع ہے۔	۳۰۷
		سقے، حجام اور قصاب کا قربانی میں کوئی حق نہیں یوں دے سکتے ہیں،اجرت میں دیا تو حرام ہوا۔	۴۴۹

قربانی کی کھال کی قیمت تنخواہ مدرسین میں دینے کا سوال و جواب،	۴۹۶	**بیوع**	
چرم قربانی کی رقم تنخواہ مدرسین میں دینے پر اعتراض کہ وہ اپنی اجرت میں دیتا ہے جو زکوۃ سے ادا نہیں کی جاسکتی۔	۴۹۷	ہبہ بالعوض ابتداء اور انتہا ہر طرح ہے۔	۹۹
اجرت میں کھال دینا جائز نہیں۔	۵۶۰	کچہریوں کی طرف سے جبرا نیلام کی ہوئی جائداد کی بیع شرعا بیع فضولی ہے اگر مالک بے اجازت مرگیا تو بیع باطل۔ ایسی صورت میں حق شفعہ ثابت نہیں۔	۱۱۵
گوشت بنانے کی اُجرت چرمِ عقیقہ کے دام میں مجرا کرسکتا ہے۔	۵۸۶	بیع کے بعد مبیع بائع کی ملک سے نکل کر مشتری کی ملک میں داخل ہوجاتی ہے۔	۱۲۲
غصب		جار ملاصق کے بجائے جار بعید کے ہاتھ بیع اور تبادلہ کا "سوال"	۱۲۴
خلاصہ حکم دیہات مملوکہ کی زمین میں کاشتکار کو کوئی حق موروثی نہیں اور اس پر جبرا قابض رہنا ضرور ظلم ہے۔	۱۸۹	جار ملاصق کو حق شفعہ پہنچتا ہے جار بعید کے ساتھ بیع کرے یا تبادلہ کہ اعتبار معانی کا ہے۔	۱۲۴
اگر شرکاء کے رد یا اذن کے بغیر از خود کاشت کرلی تو اگر زمین کو نقصان پہنچا غاصب ہے اس صورت میں نہ زمین کے نقصان کا تاوان نہ لگان کچھ نہیں۔	۱۹۸	مال کا مال سے بدلنا معنی بیع ہے۔	۱۲۴
غصب کا جانور ذبح سے حلال ہوگا مگر ملک غیر میں تصرف کرنے کی وجہ سے ذابح گنہگار ہوا۔	۲۹۰	غیر مسلموں سے گوشت خریدنے کا "سوال"	۲۸۰
مغصوب میں تصرف کے بعد اس کا لوٹانا ناممکن ہو مالک صرف تاوان لے سکتا ہے۔	۲۹۱	ایضا مسئلہ شراء اللحم من الکافر،	۲۸۸
دوسرے کا جانور اپنے تصرف میں رکھنا غصب ہے، اس کو بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام۔ اور بدلے ہوئے جانور کی قربانی حرام۔ اس کا ذبح کرنا حرام۔ البتہ لڑکی اپنے جانور کا معاوضہ اگر باپ سے لے لے تو باپ کی طرف سے قربانی ادا ہوجائیگی۔	۴۴۶	قابل نفرت لوگوں سے حلال طریقے پر بھی گوشت خریدنا نہیں چاہئے۔	۲۸۹

مشتری کے پاس باندی اندھی ہوگئی تو اس کے بلااظہار عیب مرابحۃً بیع جائز ہونے سے استشہاد۔	۴۲۸	ایک دوسری تقریر، لفظ بیع کا صحیح اطلاق بیع بالدراہم پر ہے۔ کیونکہ عین سے بیع میں تو دونوں ہی مبیع ہوسکتے ہیں۔	۵۲۷
بیع عقد سے تمام ہوگئی اور خریدار مبیع کا مالک ہوگیا۔	۴۵۰	نیز بیع مبادلۃ المال ہے مال جبھی ہوگا کہ اپنے لئے ہو، اس طرح بھی ایسی بیع ممنوع ہوئی جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔	۵۲۷
ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں۔	۴۵۰	بقیہ مستہلک سے بیع کو علماء نے بیع بالدراہم قیاس کرکے منع کیا۔	۵۲۸
کانجی ہاؤس کی راس خریدنا جائز نہیں اس کی قربانی بھی ناجائز ہے۔	۴۷۷	**سُود**	
کانجی ہاؤس کی نیلامی بیع فضولی ہے جو مالک کی اجازت پر موقوف رہتی ہے۔	۴۷۷	اپنی رعایا کو سال بھر کا بلاسودی قرض اس طور پر دینا کہ سال بھر کے لگان میں تم کو اتنا زائد دینا ہوگا، یا قرضدار سے پچھلا بقایا وصول کرکے یہ کہنا کہ مزید اتنا سلم کے دے اور زائد رقم حساب فہمی کے وقت حساب میں دکھائی جاسکتی ہے یانہیں؟	۲۰۶
کچہری کے نیلام کا بھی یہی حکم ہے جبکہ مطالبہ کے برابر نیلام ہوا۔ اگر زائد پر نیلام ہو اور زائد مالک کو دیا اور اس نے لے لیا تو اجازت ہوگئی اور خریدار جانور کا مالک ہوگیا اور قربانی جائز ہوگی۔	۴۷۷	یہاں کے غیر مسلموں کو اس شرط پر قرض دینا جائز ہے اور مسلمانوں کو ناجائز۔	۲۰۷
چرم قربانی میں وہ بیع ممنوع نہیں جس کا مقصود تمول ہو۔	۵۱۰	یہاں کے غیر مسلموں سے اگر معاہدہ کاشتکاری کے وقت ہی اس طرح معاملہ کیا جائے کہ سال بسال اتنی لگان اور اگر کسی سال باقی پڑ گئی تو اس سال کی اتنی زائد تو جائز ہے اور معاہدہ کے بعد اضافہ کیا تو حرام۔	۲۰۸
امور خیر کے لئے بیع تمول کے لئے بیع نہیں لہٰذا جائز ہونا چاہئے۔	۵۱۱	ہاں باقی وصول کرنے کے بعد تاخیر کے حرجانہ کے طور پر غیر مسلموں سے کچھ وصول کرلے تو جائز ہے چاہے نام اس کا بیع سلم ہی رکھے۔	۲۰۸

مدرسہ دینیہ کی عمارت میں صرف کرنا جائز۔	۴۹۶	اس اضافہ شدہ لگان کے بدلے مقدمہ کے خرچہ کے نام سے جو ملے لے سکتا ہے۔	۱۹۱
سود حرام ہے۔	۴۹۶	اس کا قاعدہ کلیہ کہ کب خرچہ کے نام سے لے سکتا ہے اور کب نہیں۔	۱۹۲
وقف		باجازت دیگر شرکاء کاشت جائز ہے۔ اور جب تک تصریح نہ ہو کہ لگان نہ لیا جائے گا شرکاء کے حصہ کا بھی لگان دینا واجب ہے۔	۱۹۷
جو عمارت مدرسہ پر وقف کی اس کا کرایہ تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں۔	۴۹۶	**شہادت**	
چرم قربانی کی رقم سے دینی کتابیں خرید کر کتب خانہ میں رکھنے کا "سوال وجواب"	۵۰۳	شفیع نے تصریح کردی کہ طلب اشہاد کے وقت ہی مجھے علم ہوا اور اسی وقت طلب کی تو شفیع کو طلب مواثبت کے لئے جداگانہ گواہی کی ضرورت نہیں، اس کا قول ہی حلف کے ساتھ معتبر ہوگا۔	۱۳۰
صلح		اس صورت میں مشتری حصول علم فی الماضی کا مدعی ہے اور شفیع منکر، تو گواہی مشتری کے ذمہ ہے۔	۱۳۰
گوشت کی خریداری میں غلط قسم کی شرط پر صلح ناجائز ہے۔	۲۸۳	جہاں شفیع طلب مواثبت کا زمانہ طلب اشہاد سے پہلے بتاچکا ہو وہاں گواہی ضروری ہے۔	۱۳۶
کسب		مشتریہ دار مشفوع بہا کہ منکر ملکیت، اور تسلیم شفعہ کی مدعی ہے۔ دونوں نے گواہ پیش کئے۔ شرعی حکم کیا ہوگا۔	۱۴۹
قصاب کا پیشہ جائز ہے۔	۲۵۴	دار مشفوعہ بہا کی ملکیت کے گواہوں نے اگر گواہی اس طرح نہ دی ہو کہ دار مشفوع بہا پر ملکیت بیع سے پہلے اور مستمر الی الآن ہے۔ تو یہ گواہی نامقبول اور شفعہ ساقط ہے۔	۱۴۹
لگان		تسلیم شفعہ کے گواہوں کے الفاظ صحیح ہیں، اگر عادل ہوں تو تسلیم شفعہ ثابت اور شفعہ ساقط اس کے مقابلہ میں عدم تسلیم شفعہ کے گواہ نامقبول کہ وہ عدم کے گواہ ہیں۔	۱۵۰
اضافہ لگان پر کاشتکار خموش ہے اور زمین نہ چھوڑے تو شرعاً وہی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۸۹	شفیع کے گواہوں پر تنقید۔	۱۵۴
خود ہی لگان کی شرح بڑھ گئی ہو اور انکار کے باوجود کاشت کار کاشت کرتا رہا تو بڑھی ہوئی لگان اس پر لازم ہے۔	۱۹۰		

قضاودعوی		شفیع کے گواہوں کی ضرورت ہے جو یہ ثابت کریں کہ بیع کے قبل سے اب تک دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہیں یہ نہ ہو تو مدعی علیہا کی قسم وہ قسم سے انکار کرے تو شفعہ ثابت۔	۱۵۲
بیع کے پہلے خریدنے سے انکار کیا اور بعد میں دعوی شفعہ کیا دعوی صحیح ہے۔	۱۱۳	قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہے۔	۱۷۶
شرکاء میں سے کسی نے دعوی شفعہ کیااور دوسروں نے مزاحمت نہ کی تو پوری جائداد اسی شریک کو دلادی جائے گی،اور مزاحمت کی صورت میں جائداد کی سب تقسیم ہوگی۔	۱۲۰	**حظروا باحت**	
شرکت خواہ کتنی ہی ہو کل مبیعہ کے حق شفعہ کا دعوی ضرور ہے۔ ورنہ دعوی ساقط ہو جائیگا۔	۱۲۰	ایسے نام سے جس میں بدنامی ہونہ لے کہ شریعت میں برے کام اور برے نام دونوں سے بچنے کا حکم ہے۔	۱۹۳
طلب اشہاد بینہ عادلہ سے ہوچکی ہو تو طلب مواثبہ کی تین صورتیں ہیں: (۱) اگر شفیع طلب مواثبت کا وقت طلب اشہاد سے پہلے بتائے تو اس کا ثبوت بے بینہ نہ ہوگا۔	۱۲۶	جھوٹ بولنا حرام ہے۔	۱۹۶
جو اصل کے خلاف دعوی کرے دلیل سے دعوی ثابت کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔	۱۲۷	اپنا حق وصول کرنے اور اپنے سے ظلم دفع کرنے کے لئے پہلو دار بات کہہ سکتے ہیں جبکہ صدق میں مضرنہ ہو۔	۱۹۶
جس چیز کے استئناف کافی الحال مالک نہ ہو گزرے زمانے میں اس کا دعوی کرے تو بے بینہ مقبول نہیں۔	۱۲۷	صدق کا مفسدہ کذب سے بڑھ جائے تو مجبوری کذب کی بھی اجازت ہے۔	۱۹۷
عبارت علماء میں جہاں جہاں یہ تصریحات ہیں کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں اس کا مطلب یہی صورت ہے۔	۱۲۷	مقرر مالگزاری کاادانہ کرنا ظلم وگناہ ہے۔	۲۰۶
طلب اشہاد بینہ سے ثابت نہ ہو، یا ثابت ہو اور شفیع طلب مواثبت کا زمانہ مقدم میں دعوی کرتا ہو،ان دونوں صورتوں میں شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے لے کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ مدعی نے طلب مواثبت کی ہے۔	۱۲۸	رات کا ذبیحہ مکروہ تنزیہی ہے اور ضرورت کے وقت کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳
نہ تو مطلقًا اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کردے گی، نہ صرف اتنا کہنا کافی کہ میں نے بمجرد علم طلب کی۔	۱۳۵	کراہت بھی اس فعل میں ہے۔ صحیح ذبح ہوجائے تو ذبیحہ میں کوئی کراہت نہیں۔	۲۱۳

ذبح کرنے والے اور ذبیحہ دونوں کو قبلہ رو ہونا سنت ہے۔	۲۱۶	ایسی مٹھائی لینا ذلت بھی ہے اور کافروں کی مراد کے موافق استعمال بھی۔	۲۶۱
درانتی سے ذبح ایسا ہی مکروہ ہے جیسا کند چھری سے۔	۲۲۵	البتہ ایسے جانوروں کا کھانا ان کی مراد کے خلاف ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو۔	۲۶۱
ضرورت کے وقت اس سے بھی ذبح جائز ہے۔	۲۲۵	فتنہ سے بچنا لازم ہے۔	۲۶۱
ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر علیحدہ کرنا اور کھال اتارنا تعذیب بلافائدہ ہے۔	۲۲۵	بتوں کے نام پر کان کٹے ہوئے جانور کو خرید کر اپنے طور پر ذبح کرنے اور کھانے کا "سوال وجواب"	۲۶۲
کھانا ایسے ذبیحہ کا بہر حال حلال ہے۔	۲۲۵	چھوڑے ہوئے سانڈ اور کچوے وغیرہ حرام اشیاء کو جلا کر یا تیل میں پکا کر پکے ہوئے تیل کھانے کا "سوال"	۲۶۲
ذبیحہ کے ان سات اعضاء کا ذکر جن کا کھانا حرام ہے۔	۲۳۳	خاص مسئلہ ما اھل بہ لغیر اللہ میں منیہ، ذخیرہ، شرح وہبانیہ، درمختار وغیرہ کی تصریح کہ ہم اس ذبح سے تقرب الی غیر اللہ کی بدگمانی نہیں کرسکتے۔	۲۷۵
مچھلی اور ٹیڑی کے علاوہ کسی جانور کے علیحدہ شدہ عضو کا کھانا حرام ہے۔	۲۴۱	مشرک غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں۔	۲۸۱
قربانی کے گوشت کا تین حصہ کرنا امر استحبابی ہے سارا گوشت خود بھی کھاسکتے ہیں البتہ یہ گوشت یہاں کے غیر مسلموں کو دینا جائز نہیں۔	۲۵۳	اب بھی جو نہ مانے اور ان سے گوشت خریدے مسلمان اس کا مقاطعہ کریں۔	۲۸۲
کتیا کے دودھ سے پرورش پانے والے بکری کے بچے کو دودھ چھوڑے مدت گزر گئی ہو تو بے خرخشہ حلال ہے۔ مدت کے اندر دو چار روز اس دودھ سے پرہیز کرکے حلال کیا تب بھی حلال ہے۔	۲۵۶	مسلمان نے جانور ذبح کیا اور غیر مسلم نوکر کے ذریعہ گھر بھیجا کیا حکم ہے۔	۲۸۶
اسی حالت میں ذبح کیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔	۲۵۶	جانور مذبوح ملا، ذابح معلوم نہیں اگر اس علاقہ میں صرف مسلمان ہی بستے ہوں تو حلال ہے اور اگر ایسے لوگ بھی بستے ہوں جن کا ذبیحہ جائز نہیں، تو حلال نہیں۔	۲۹۰
بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے۔	۲۶۱	مذبوحہ جانور جس کے ذابح کا پتہ نہ ہو "سوال وجواب"	۲۹۵

مدار صاحب کے مرغ کا "سوال"	۲۹۵	غیر مسلم بھنگیوں کا بنایا اس لئے ہو کہ اس نے اپنے بتوں کے نام چڑھایا تو ایسا گوشت مسلمان کو کھانا حرام ہے۔	۳۰۹
جو مسلمان اللہ کے نام پر ذبح کرے اور اسی کے لئے اس کی جان لے وہ حلال ہے۔	۲۹۵	گدھا حرام ہے۔ یونہی وہ خچر ہو گدھی سے پیدا ہوا، گھوڑا امام اعظم کے مذہب میں مکروہ تحریمی ہے۔ یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو۔	۳۱۲
مرغ کو نہ مزار پر لے جانا چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے۔ ثواب البتہ ان بزرگوں کی روح کو پہنچادے۔	۲۹۵	دانہ خور کوّے اور دانہ ونجاست دونوں کھانے والے کوّے سے "سوال"۔	۳۱۹
وجیز کردری سے اس امر کا جزئیہ کہ درندہ سر کھاجائے یا پیٹ پھاڑ دے اور جانور زندہ ہو تو ذبح جائز ہے۔	۲۹۹	پیلوں کے انڈے اور گوشت، اور ایسے مرغ کے پانے سے "سوال وجواب"۔	۳۲۰
کتا شکاری ہو اور بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہو تو زخم سے مرجائے تب بھی حلال ہے۔	۳۰۴	کبوتر کا گوشت ماں باپ کے لئے حلال ہے۔	۳۲۱
عورت یا بچہ مطابق شرع ذبح کرے تو ان کا ذبیحہ حلال ہے۔	۳۰۴	چھوٹی مچھلیوں کا کھانا شافعی مذہب کے نزدیک حرام اور باقی ائمہ کے نزدیک حلال ہے۔ مگر جواہر الاخلاطی میں اس کی حرمت کی تصریح۔ لہٰذا احتیاط اولٰی۔	۳۳۲
ذبح بقر اور قطع شجر جائز ہے۔ قرآن کی آیت سے اس کا ثبوت ہے اور اس بارے میں لوگوں میں جو قول مشہور ہے بے اصل ہے۔	۳۰۶	ریگ ماہی کو عالمگیری میں حشرات الارض لکھا ہے لہٰذا حرام ہے۔	۳۳۳
ہندوؤں کا جانور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر ذبح کرے تو حلال ہے مگر مسلمانوں کو یہ فعل مکروہ ہے۔	۳۰۸	مصنف کی رائے کہ جواہر اخلاطی میں چھوٹی مچھلی جس کی الائش دور نہ کی جائے اس کو مکروہ لکھا ہے تو جھینگے کو ایسی مچھلی کے حکم میں ہونا چاہئے اس کی صورت مچھلی سے زیادہ جانور کے مشابہ اور لفظ مچھلی کا اطلاق غیر مچھلی پر بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی وغیرہ، تو احتیاط اولٰی ہے۔	۳۳۸
اور ہندوؤں کی نیت پر کرے تو جانور مردار، اور اس کے ایمان میں بھی خطرہ، لیکن مسلمان پر ایسی بدگمانی نہ کرنی چاہئے البتہ ایسے شخص کی امامت سے پرہیز بہتر ہے۔	۳۰۸	جھینگے میں علماء کا اختلاف ہے۔ پوست بیضہ کا حکم بیضہ کا ہے۔ جالے کا جزئیہ نظر میں نہیں، مگر ظاہر ممانعت جیسے بھڑ کا چھتہ کہ دونوں ان کے تھوک سے بنے ہیں۔	۳۳۹
مسلمان نے بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا ہو تو اس کے حلال ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۰۹		

ملائم ہڈی کھانا جائز ہے۔	۳۴۰	بھیڑ کے چھ ماہہ بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۶
شکار کھیل و تفریح کی غرض سے ہو تو حرام ہے ورنہ حلال۔	۳۴۱	جس جانور کو قربانی کی نیت سے پالا اس کا بدلنا مکروہ ہے۔	۴۴۳
مچھلی کا شکار اور کانٹے میں زندہ گھیر لگانا بضرورت جائز، تفریحا ناجائز ہے۔	۳۴۳	آدمی کے دودھ سے پرورش پانیوالے بکری کے بچہ کی قربانی جائز ہے۔	۴۴۴
زندہ گھیسا پرونا ناجائز اور مار کر پرونا جائز، شکار ہر دو صورت میں جائز ہے۔	۳۴۳	بہ ضرورت بائیں ہاتھ میں قرآن مجید لے کر تلاوت کرسکتے ہیں۔	۴۴۸
بندوق سے شکار کئے ہوئے جانور میں اگر حیات ہو اور ذبح کرلیا جائے تو جائز ہے ورنہ ناجائز ہے۔	۳۴۵	عقیقہ و نیاز کا کھانا بھنگی کو دینا برا ہے۔	۴۴۹
کتے کے پکڑے ہوئے شکار سے "سوال"	۳۴۹	جانور میں کتوں کی شرکت نقصان دہ ہے۔	۴۴۹
عشرہ ذوالحجہ میں ناخن، بال وغیرہ نہ ترشوانے کا حکم استحبابی ہے۔	۳۵۳	قربانی میں سے فقیروں کو تہائی گوشت دینا مستحب ہے۔	۴۴۹
اگر کسی وجہ سے چالیس دن ہوگئے ہوں تو عشرہ ذوالحجہ میں ہی کٹوائے کہ چالیس دن سے زیادہ تک نہ کٹوانا گناہ ہے۔ مستحب کے لئے گناہ نہیں کیا جاسکتا۔	۳۵۳	قربانی کی کھال باقی رکھ کر اسے اپنے مصرف میں لایا جاسکتا ہے اپنے مصرف میں لانے کی نیت سے کھال بیچی تو اس کا صدقہ واجب ہے۔ سید یا کسی اور کار خیر کے لئے بیچی تو ان کو دے سکتے ہیں۔	۴۵۱
صاحب نصاب کے لئے قربانی کی نیت سے جانور خریدنے سے متعین نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا پالنا یا بیچنا اور اس کا دودھ پینا روا ہے۔	۳۷۱	قربانی کی کلیجی قبر میں دفن کردی تو قربانی ہوگئی کلیجی ضائع ہوگئی، اور یہ فعل ناجائز ہوا۔	۴۵۵
گابھن یا دودھ والی بکری کی قربانی ہوجاتی ہے لیکن ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔	۳۷۱	اگر ذبیحہ بنیت قربانی نہ ہو بلکہ کوئی ٹوٹکا ہو تو قربانی نہ ہوئی۔	۴۵۵
		فقیر اپنی قربانی کا گوشت کسی حربی کو دے تو اتنی قیمت صدقہ کرے۔ اور غنی کو دے تو مستحب کے خلاف کیا۔	۴۵۶

اوجھڑی کھانے کی چیز نہیں، غیر مسلم لے جائے توحرج نہیں، گوشت دیناجائز نہیں۔	۴۵۷	ایسی تعلیم جس سے دین کا کوئی تعلق نہیں جیسے انگریزی زبان، اس میں چرم قربانی صرف کرنا جائز نہیں،اور ایسی احتیاط ہو کہ وہ رقم صرف دینی مد میں خرچ ہوسکے تو جائز ہے۔	۵۰۶
ہر طرح کی خصی کی قربانی جائز ہے اس میں اس سے کمال پیدا ہوتاہے۔	۴۵۸	چرم قربانی سے مدارس کی امداد کے ایک طریقہ کا "سوال وجواب"۔	۵۰۷
چرے ہوئے کان اور سینگ کی نوک ترشی ہوئی ہو توقربانی جائز ہے۔ مگر افضل یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔	۴۵۸	اگرچرم قربانی کی بیع سے تمول مقصود نہ ہو تواسکی رقم سارے ہی مصارف خیر میں صرف ہوسکتی ہے۔	۵۱۰
قربانی کی کھال سید، ماں، باپ، اولاد، میاں بیوی ایک دوسرے کو دے سکتے ہیں صدقہ کی نیت ہو صدقہ نافلہ ہے۔ ورنہ ہدیہ ہے۔	۴۶۵	چونکہ قربانی کے جانور ذبح کرکے خدا کی عبادت کی گئی ہے۔اس لئے اب اس کوثواب کے کام میں ہی صرف کیاجاسکتاہے۔	۵۱۲
قربانی کی کھال صدقہ کی نیت سے بیچ کر مسجد میں صرف کرنے کا "سوال"	۴۶۶	قربانی کو تمول کے طورپر خرچ کرنا جائز نہ ہوگا کہ یہ کار نفس ہے۔	۵۱۲
صدقہ کی نیت اور صرفہ مسجد دونوں قربت ہیں اور کھال میں قربت ہی مقصود لہٰذا جائز ہے۔	۴۶۶	مرغ کی قربانی ناجائز ہے۔	۵۶۰
کھال کو بعینہٖ باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیزوں سے بدل کر اپنے تصرف میں لاسکتاہے۔	۴۷۸	دیہات والے جائز قربانی صبح صبح کرسکتے ہیں۔	۵۶۰
قربانی کی کھال سادات کو دے سکتاہے مالدار کو دے سکتاہے۔ امام کو بھی دے سکتاہے۔	۴۷۸	بڑے جانور میں سات بچے اور بکرے میں صرف ایک بچے کا عقیقہ ہوسکتاہے۔	۵۸۱
سینگ کے اوپری حصہ کو قرن کہتے ہیں کل ٹوٹ جائے تب بھی قربانی جائز ہے گوداٹوٹے توقربانی منع ہے۔	۴۸۸	عقیقہ میں سال بھر سے کم کی بکری جائز نہیں اوراس کی عمر میں شک ہوتب بھی جائز نہیں۔	۵۸۳
چرم قربانی کی رقم دینی انجمن میں لگانا جائز ہے مگریہ تحقیق ضروری ہے کہ واقعۃً وہ انجمن اہل سنت وجماعت کی ہے۔آج کل اظہار مقاصد کے الفاظ بڑے دل خوش کن ہوتے ہیں۔	۵۰۳	والدین بھی عقیقہ کا گوشت کھاسکتے ہیں۔	۵۸۵
		عقیقہ میں جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ مسلمان ہو، غیر مسلم دائیاں یا مرد ڈاکٹر بلانا حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی حق مقرر نہیں۔	۵۸۵

عقیقہ کے پوست کا دام کرکے اپنے صرف میں لانا منع ہے۔	۵۸۵	**میراث**	
عقیقہ کے جانور کی ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں۔ نہ توڑنا اور زمین میں دفن کرنا افضل ہے۔	۵۸۶	کل جائداد صرف چند ورثہ میں تقسیم کرنے کا "سوال"	۱۷۵
غیر مسلم کو جنائی بنانا حرام ہے حجام مالدار ہو تو چاندی اس کو دے کر برا کیا، عقیقہ ہوگیا، سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں، جس کو چاہے دے۔	۵۸۸	ایسی تقسیم باطل ہے۔ پنچ کا فیصلہ صرف انھیں لوگوں کے حق میں نافذ ہوگا جنھوں نے انھیں بنایا، دوسروں کے حق میں انھیں تصرف کا اختیار نہیں۔	۱۷۵
عقیقہ کے جانور کا سر نائی کو دینے کا نہ حکم نہ ممانعت۔	۵۸۸	قاضی نے اگر ایسا فیصلہ اس گواہی کے بعد کیا کہ مزید کوئی وارث نہیں، تو وارث ظاہر ہونے کے بعد تقسیم توڑ دی جائے گی	۱۷۶
کافرہ کو جنائی بنانا حرام اور ان کو عقیقہ سے کچھ دینا منع ہے۔	۵۸۸	**فوائد اصولیہ**	
عقیقہ کا گوشت سب کھاسکتے ہیں اس کا حکم قربانی کے گوشت کا ہے۔	۵۹۰	شفیع کا طالب شراء ہونا اس سے حق شفعہ کو باطل کرتا ہے۔	۹۶
عقیقہ کی ہڈی توڑنے میں کوئی حرج نہیں نہ توڑنا بہتر۔ امام مالک کا حکم ہے، اور امام شافعی توڑنے کا حکم دیتے ہیں، ہمارے مذہب میں کوئی حکم نہ ہو تو امام مالک کے مذہب کے موافق حکم ہے۔	۵۹۱	انعدام شفعہ کی علت اعراض عن شراء کو قرار دینا غلط ہے۔	۹۶
مردہ کی طرف سے قربانی جائز ہے۔	۵۹۲	شفیع طلب اشہاد بھی گواہی سے ثابت نہ کرسکے تو طلب مواثبہ پر اس کی قسم ہرگز مسلم نہیں۔	۱۲۶
احیاء الموات		شفعہ میں مدعی اور مشتری منکر ہے اور شرعا حلف منکر پر ہے۔	۱۲۶
زمین کو کاشت کے قابل بنایا ہو، اس میں چو گزی وغیرہ کھودی، دوسری زمین سے مٹی لاکر پاٹی، درخت بویا یا مکان بنایا تو سلطانی زمین میں اس کو حق استقرار مل جاتا ہے۔ اور اس کے بعد اس کے ورثہ کو بھی بلاوجہ شرعی بے دخل نہ کیا جائے گا۔	۱۸۰		

طلب اشہاد کے لئے اقرب کو چھوڑ کر ابعد کی طرف جانے پر اس کو قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اقرب ابعد کے راستہ میں نہ پڑے۔	۱۶۶	ان اقوال کے درمیان مصنف کی نفیس توفیق۔	۳۰۱
حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے، جو گھر و مکان میں ذکر حدود اربعہ ہے۔	۱۶۷	ایک دوسری توفیق اور فوات محل ذبح میں تحقیق مناط کی بے مثال تقریر۔	۳۰۱
اختلاف علماء سے بچنا مؤکد ہے۔	۲۱۷	حلت کی علت جانور کا وقت ذبح زندہ ہونا ہے خون فورا یا بعد میں دے یا نہ دے۔	۳۰۴
جب مبیح اور محرم جمع ہوں تو غلبہ حرام کو ہوگا۔	۲۲۱	مطلقًا دانت ہونا موجب حرمت نہیں بلکہ اس سے شکار کرنا حرمت کا موجب ہے۔	۳۱۸
متون میں جب کراہت کا لفظ مطلق وارد ہو تو مراد کراہت تحریم ہوتی ہے۔	۲۳۵	مچھلیاں پکڑنے والے کی ملک ہوتی ہیں، دوسرے تالاب میں چھوڑنے سے ملک خارج نہیں ہوتی تو ایسی مچھلیوں کے کھانے کی ممانعت ملک غیر کی وجہ سے ہوگی لیکن یہاں ایسی مچھلیاں مباح الاصل ہیں۔	۳۲۳
اوجھڑی کی کراہت بطور دلالۃ النص یا بطور اجزائے علت منصوصہ ثابت ہے۔	۲۳۸	آیات قرانی سے ثابت ہے کہ قربانی صرف بہیمۃ الانعام کی جائز ہوگی۔	۳۹۵
حرام شے جلنے کے بعد بھی حرام رہے گی، اور حلال میں مخلوط ہو تو اسے بھی حرام کردے گی۔	۲۶۳	بھیڑ یقینا بہیمۃ الانعام میں سے ہے۔	۳۹۶
حلال وحرام میں کافر کا قول بالکل معتبر نہیں۔	۲۸۲	قربانی کا مسئلہ ہی غیر قیاسی ہے۔ تو اس میں کسی کو کسی کے ساتھ لاحق کرنے اور نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔	۴۰۰
ایک استثنائی شکل۔	۲۸۲	علامہ اتقانی، عینی، اور طوری کا بیان کہ اراقۃ الدم کا عبادت ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اپنے مورد پر مقصور ہوگا۔	۴۰۱
اس حکم کے خلاف حرام اور اس کو بناوٹی بتانے والے پر لزوم کفر ہے۔ توبہ وتجدید اسلام ضروری ہے۔	۲۸۲	جو استدلال اطلاقات کی بنیاد پر ہو اس کو احتمال کی بنیاد پر رد نہیں کیا جاسکتا۔	۴۱۰
وجیز کی عبارت میں تین فرعوں کا ذکر ہے جن میں بظاہر تعارض ہے۔	۳۰۰	امام ابن ہمام نے بنت زناء کی حرمت کی دلیل یہی دی کہ وہ لغۃ بنت ہے اور اس لفظ کا اس معنی میں منقول ہونا ثابت نہیں۔	۴۱۰

تعریف میں مساواۃ کی شرط ظاہر ہے اور بلا دلیل ظاہر کے خلاف پر حمل جائز نہیں۔	۴۱۴	یہ حکم مطلقاً ضروری نہیں، جہاں دونوں میں تنافی ہو وہاں ایسا کیا جائے گا، اور تنافی نہ ہو تو مطلق کو مطلق ہی رکھا جائے گا۔	۵۱۷
کسی چیز کا فی نفسہٖ جائز ہونا اور بات ہے اور کسی کلام کا اس پر محمول ہونا اور بات ہے۔	۴۱۵	دونوں کلیے اگر حکم منفی میں واقع ہوں یا اسباب متعدد میں واقع ہوں، تو ان میں تنافی نہیں اور حمل ضروری نہیں۔	۵۱۷
شرعیات میں بدون قیام قرینہ اعم سے تفسیر باطل ہے۔	۴۱۶	امتناع جمع بین المطلق والمقید وجوب حمل المطلق علی المقید کی مثال۔	۵۱۸
امام غزی کی تحریر سے مقام تقیید میں اطلاق عام کی شناعت۔	۴۱۶	جمع کا حکم حکم وجوبی میں ہے جواز واستحباب میں نہیں۔	۵۱۹
جانور میں اطراف بمنزلہ اوصاف ہیں۔	۴۲۸	قربانی اور ہدی کے جانور میں دفع قیمت ناجائز ہونے کی علت کا بیان۔	۵۲۵
جانور میں اطراف کے مقابلہ میں کوئی دام نہیں ہوتا۔	۴۲۸	حدیث کے لفظ فلا اضحیۃ لہ سے خاص بیع ممنوع ہونے پر استدلال۔	۵۲۵
قربانی میں قربت مقصودہ خون بہانا ہے۔ اسی لئے گوشت وغیرہ کا صدقہ واجب نہ ہوا۔	۴۶۶	بیع للتصدق بیع برائے دیگر امور خیر اکل، ادخار تو شرعاً مامور ہیں، تو ان پر فلا اضحیۃ لہ مرتب نہ ہوگا بلکہ اس سے مراد وہی بیع ہوگی جو مستہلک سے ہو اور اپنی ذات کے لئے ہو۔	۵۲۵
چرم قربانی کا مصرف نہ تو صرف کار خیر ہے نہ کوئی ایسی بات پیدا ہوئی جس سے تصدق واجب ہو۔	۵۱۱	صاحب ہدایہ کی نص کی اباحۃ اور تملیک ایک دوسرے کی ضد ہیں۔	۵۳۹
اپنے لئے بیچا تو تمول ہوا، لہٰذا اس کا صدقہ واجب ہوا۔	۵۱۱	فقہاء کا ضابطہ کہ اطعام کا لفظ اباحۃ کے لئے ہے اور ایتاء کا تملیک کے لئے	۵۴۰
قربانی کا اصل مقصد خون بہانا ہے تصدق نہیں۔	۵۱۱	امام غزالی، امام علائی، صدر الشریعۃ اور علامہ شمس محمد اور شامی کی تصریح کہ تملیک واباحۃ الگ الگ دو۲ تصرف ہیں۔	۵۴۰
اس اصول فقہی کی بحث کہ حادثہ اور حکم ایک ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔	۵۱۶		

زین ابن نجیم وغیرہ کی تصریح کہ مباح لہ مباح کو مبیع کی ملک پر خرچ کرتا ہے اور خرچ کے بعد مبیع کی ملک سے نکل جاتی ہے لیکن مباح لہ کی ملک میں داخل نہیں ہوتی۔	۵۴۱	ان کی مستدل حدیث اور عبارت نیشا پوری کا یہی مفاد ہے بلکہ شاہ صاحب نے اپنی تفسیر میں خود اس کی تصریح کی ہے۔	۲۹۴
نقایہ کی تصریح کہ تصرف تملیک سے کفارات مستثنٰی ہیں۔	۵۴۶	بڑے پیر صاحب کے بکرے کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتوی حرمت سے "سوال"	۲۹۵
اس امر کی بحث کہ لفظ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا صیغہ امر سے۔	۵۶۹	شاہ صاحب نے اس مسئلہ میں اپنے فتاوٰی اور تفسیر دونوں جگہ غلطی کی ہے۔	۲۹۶
عقیقہ وقربانی میں سے ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے کی ضرورت نہیں دونوں اراقۃ الدم لوجہ اللہ کے عموم میں شامل ہیں۔	۵۹۵	امام مالک فرماتے ہیں بے دلیل تو صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول مقبول ہے بقیہ کوئی عالم معصوم نہیں۔	۲۹۶
افتاء ورسم المفتی		کشمیر کے ایک مفتی صاحب کے فتوے کے جواب میں مصنف کی تحریر (حاشیہ)	۲۹۷
سوال گول ہے جس پر قطعی حکم ممکن نہیں۔	۱۲۶	قاضی خاں نے اس کی تصحیح کی وہ فقیہ النفس ہیں فتوی انھیں کی تصحیح پر ہوگا۔	۳۱۰
سانڈ حلال ہے۔ اور مولوی عبدالحیٔ صاحب کے اسے حرام کہنے کی تردید، لیکن وہ مباح بھی ممنوع ہوجاتا ہے جو مسلمانوں کو ذلت پر پیش کرے۔	۲۶۲	قہستانی نے اس کی تصحیح کی، اور خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی سے قاضی خان نے نقل کی اسی پر متون ہیں جن کی وضع نقل مذہب کے لئے ہوئی اور جن پر فتوی ہوتا ہے۔	۳۱۰
حسب تصریح علماء مطلقًا اضافت کو سبب حرمت قرار دینے والا جاہل ہے	۲۷۲	کفایہ میں اس کے خلاف کو ظاہر الروایہ کہنا یا جمہور کا فتوی اس کے خلاف ہونا اس کو مضر نہیں۔	۳۱۱
ایسے جانور کی مطلقًا حرمت کا فتوی دینے والوں کو تنبیہ اور ان کی تجہیل	۲۷۶	سوکھی مچھلی حلال ہے۔ اس کو حرام کہنے والا جاہل ہے تو سمجھایا جائے، اور عالم ہے تو اس کو تجدید نکاح اور تجدید اسلام کا حکم دیا جائے۔	۳۳۳
شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی جو اس باب میں روش علماء کے خلاف فتوی دیتے ہیں، وہ بھی تادم ذبح استمرار اہلال لغیر اللہ کو ضروری قرار دیتے ہیں۔	۲۹۳		

سب کو گمراہ اور گمراہ گر قرار دینا سرکشی ہے۔	۳۹۴	شیخ کی عبارت میں ایسے حکم کا بیان ہے جو ضان کے ساتھ خاص ہے تو لفظ میش سے اس کی تفسیر بالاعم ہو ہی نہیں سکتی۔	۴۱۰
واضح مسائل کا انکار کرنے والوں کا جواب خاموشی ہے۔	۳۹۴	متقدمین عام کے ساتھ تعریف کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن اس کو عمدہ نہیں کہتے۔	۴۱۳
بھیڑ کی دم کو الیہ نہ تسلیم کیا جائے تو یہ مسئلہ طرفین کا خلافی ہوا۔ اور فتوی قول امام پر ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے۔	۴۳۲	شرح مواقف اور حاشیہ تلویح سے مذکورہ بالا امر کا ثبوت	۴۱۳
امام صاحب کے قول پر فتوی ہونے کی تصریح عبارت ائمہ سے۔	۴۳۲	ہمارے نزدیک عام سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جب مراد واضح اور اس پر قرینہ ہو ورنہ تلبیس کی وجہ سے ایسی تعریف ممنوع ہے۔	۴۱۵
منطق		متقدمین نے جس طرح تعریف بالاعم جائز رکھی اسی طرح تعریف بالاخص بھی بلکہ مباین سے بھی۔	۴۱۹
بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ پھر بھی میں پوری جدوجہد کروں گا۔	۳۹۵	حسن، چلپی، سید شریف، بحر العلوم کی عبارتوں سے مسئلہ بالا کی تائید۔	۴۱۹
گائے اور بھینس میں صرف اعضاء میں اتحاد ہے، یہ اتحاد توگھوڑے اور گدھے میں بھی ہے لیکن یہ دونوں مبائن نوعیں ہیں۔	۴۰۴	ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میش والی تفسیر بالمساوی ہو اور الیہ والی تفسیر بالاخص۔	۴۲۰
جب ایک نوع کے دو افراد میں ان اعضاء میں عدم وجود میں یہ اختلاف ہے تو پھر بھیڑ اور دنبہ کی دم چوڑی اور گول ہونے کی بنیاد پر انھیں دو نوعیں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔	۴۰۶	معز کی تعریف میں "ماکان ذوات الشعر" کا لفظ مساوی ہی ہے۔	۴۲۳
ضان کی تعریف میں لفظ میش وارد ہونے پر اس شبہہ کا جواب کہ جب بعض مشارکات میں تمیز منظور ہو تو لفظ اعم کے ساتھ تعریف ہوسکتی ہے۔	۴۱۰	اسی بنیاد پر گائے بیل اور بھینس سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ مقسم سے خارج ہے۔	۴۲۳
یہ سوچنا غلط ہے کہ مسئلہ مبحوثہ میں بھی بعض مشارکات سے ہی تمیز مطلوب ہے۔	۴۱۰	**نحو**	
		بکری کی تعریف میں "مالہ شعر" میں بعض مراد لینا اس بات کا قرینہ نہیں کہ ضان کی تعریف میں بھی "من" تبعیضیہ ہی ہو کیونکہ اس کا مدار اس پر ہے کہ دو متصل جملوں کا ایک حکم ہے حالانکہ یہ اصول غلط ہے۔	۴۲۲

لُغت		ترجمہ رفیعیہ، ترجمہ فارسی شاہ ولی اللہ، ذخیرہ عقبٰی، صحاح، نفائس، تحفۃ المومنین، منتخب رشیدی وغیرہ سے مضمون بالا کا ثبوت۔	۳۹۸
عرب میں لفظ بوم صرف الو کے لئے ہی موضوع نہیں۔	۳۱۷	بھینس بقر کی ایک نوع ہے اس لئے لفظ بقر اس کو شامل ہے، الحاق کی ضرورت نہیں۔	۴۰۱
رات میں اڑنے والے ہر پرند کو عربی میں بوم کہتے ہیں۔	۳۱۷	اگر کنز کے لفظ "الجاموس کالبقر" سے شبہ ہو تو ایسے ہی ہے جیسے "البخت کالاعراب"	۴۰۲
بوم غیر ذی مخلب پرند کو بھی کہتے ہیں۔	۳۱۷	عرفاً گائے اور بھینس میں فرق ہونے کا بیان۔	۴۰۴
مارماہی کی تشریح اور مختلف زبانوں میں اس کے نام کا بیان۔	۳۲۵	جملہ اہل تفسیر، اہلحدیث، اہل فقہ، اہل لغت کیا عربی کیا عجمی، غنم کی دو نوعیں مانتے ہیں ضان اور معز۔ کفایۃ الراضی، مجمع بحار الانوار، مرقاۃ، شرح الکنز، قاموس، مختار الصحاح، ذخیرۃ العقبٰی، غیاث کی عبارت سے اس کا ثبوت کہ عربی حضرات جس کو معز کہتے ہیں فارسی اسی کو بز اور عربی جس کو ضان کہتے ہیں فارسی میں اس کو میش۔	۴۰۷
سگّی اردو زبان کا لفظ نہیں اس لئے اس سے لاعلمی۔	۳۳۱	شیخ محقق اور علامہ شامی کے قول سے تائید مزید۔	۴۰۸
گھوڑا، خچر، گدھا بہیمۃ الانعام سے نہیں۔	۳۹۶	علمائے تفسیر وحدیث وفقہ ولغت متفق ہیں کہ ضان اور معز میں صوف اور شعر کا فرق ہے۔	۴۱۱
مصباح سے بہیمۃ الانعام کی تصریح۔	۳۹۶	امام احمد کی روایت کہ وہ ایک حدیث اور مرقاۃ کی اس کی تشریح سے استدلال کہ فرق صرف شعر وصوف کا ہے۔	۴۱۲
شاہ رفیع الدین صاحب کے ترجمہ سے بھیڑ بکری کے ایک جنس ہونے کا ثبوت۔	۳۹۷	امام تفتازانی اور علامہ سید شریف کے قول سے مضمون بالا کی سند حمد ومدح میں ترادف ہے۔	۴۱۴
ایسے موقعہ پر قول فیصل علمائے لغت کی بات ہوتی ہے۔ اور جس کو بھی عربی وفارسی واردو پر عبور ہو جانتا ہے کہ ہندی زبان میں لفظ بھیڑ وہی ہے جسے فارسی میں میش اور عربی میں ضان کہتے ہیں۔	۳۹۷	اہل لغت کا مشہور قاعدہ ہے کہ نکرہ بول کر شے معین مراد لیتے اور معرفہ بول کر شے معین مراد لیتے ہیں اور معرفہ بول کر غیر معین۔	۴۱۵

مسئلہ بالا کی مثال سے تفہیم۔	۴۱۵	فارسی لغت سے ثبوت کہ ضان اور میش ایک ہی ہے۔	۴۳۷
جملہ اہل لسان کا یہ فیصلہ ہے کہ صوف ضان کے ساتھ خاص ہے۔	۴۲۴	علمائے لغت و تفسیر کا حوالہ کہ انھوں نے ضان کی تفسیر اون والی بکری فرمایا۔	۴۳۷
توجس کے چکتی نہ ہو وہ بھی ضان ہی رہے گا۔	۴۲۶	محاورات عرب اور قرآن سے دونوں کے اتحاد پر استدلال۔	۴۳۸
چکتی نہ ہوتب بھی دنبہ دنبہ ہی رہے گا۔	۴۲۹	شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا حوالہ کہ انھوں نے بھی ضان کا ترجمہ میش کیا۔	۴۴۰
چکتی میں چھوٹی بڑی ہونے کی کوئی قید نہیں۔	۴۲۹	چکتی کی تحقیق۔	۴۴۰
قاموس سے چکتی کی تعریف۔	۴۳۰	خطام کے معنی کیا ہیں۔	۵۶۱
یہ تعریف بھیڑ پر بھی صادق آتی ہے۔	۴۳۰	زمام اور خطام کا فرق، اور خطام کے چار اطلاقات۔	۵۶۱
چکتی کی کوئی مقدار متعین نہیں۔	۴۳۰	لغت، فقہ، حدیث کی ۱۲ کتابوں سے اطلاقات بالا کا ثبوت۔	۵۶۱
فقہاء نے ضان کی تین تعریفیں کیں، ذات الصوف، ذات الیہ، خلاف المعز، اور اردو ترجمہ میش و بھیڑ۔	۴۳۱	**ضمان وتاوان**	
بیان احکام، تعریف یا ترجمہ جو کچھ ہو صرف مساوی سے ہی ہوسکتا ہے۔	۴۳۱	اور چندہ کرکے متولی کو دیا اور اس نے بلاضرورت زائد قیمت دی تو زیادت فاحش پر متولی گنہگار ہوگا اور مسجد کے نقصان کا متولی کو تاوان دینا پڑے گا۔	۱۷۳
اس لئے پانچوں الفاظ مساوی اور ہم معنی ہیں	۴۳۱	کاشتکار کے حق استقرار اور مقدمہ بے دخلی کے تاوان سے "سوال"	۱۷۹
دنبہ اور بھیڑ ایک ہی نوع ہیں، اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔	۴۳۶	اگر اور شرکاء کی مرضی کے خلاف کاشت کی تو ظالم اور غاصب ہے اور زمین کو کاشت سے نقصان پہنچا ہو تو تاوان دے اور نقصان نہ پہنچا ہو تو لگان عائد نہیں۔	۱۹۸
شاہ عبدالقادر صاحب کے ترجمہ سے استدلال کہ انھوں نے ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا۔	۴۳۷	بھینس جس کی زندگی کے بارے میں یقین نہیں ذبح کرکے دس روپیہ میں قصاب کو دی اس نے گوشت دفن کردیا اور کھال چھ روپیہ میں بیچ دی اس پر کتنا مطالبہ ہوا۔	۳۰۵

ترغیب وترہیب		امام ابن حجر اور امام قسطلانی نے اس کو تحویل حمل کے مہینہ میں فرمایا۔	۵۷۵
مسلمان پر بدگمانی حرام ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۰	مستخرجہ تقویم کا موسم مکہ معظّمہ میں نہایت معتدل ہوتا ہے تو یہ جھولیں خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں۔	۵۷۷
دل کے ارادے پر حکم لگانے کی ممانعت قرآن وحدیث سے۔	۲۳۱	**قرض**	
برا گمان برے دل سے نکلتا ہے۔	۲۳۱	اپنے حق کی وصولی کی تدبیر۔	۱۸۹
قرآن وحدیث واقوال بزرگان دین سے بدگمانی کی مذمت۔	۲۷۳	**حِیَل**	
تاریخ وتذکرہ		شہر سے دیہات میں قربانی بھیجنے کی ترکیب اور فنائے مصر وغیرہ کا بیان۔	۳۷۹
۱۲۰۵ھ کے بعد اس مسئلہ میں علماء دیوبند کی طرف سے خلاف ظاہر ہوا۔	۵۳۳	**مناظرہ وردِّ بدمذہباں**	
اس زمانہ میں بدنہ کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور خاص اونٹوں پر جھول بھی ڈالتے اور ان کے کوہان میں نیزہ سے خفیف زخم بھی لگاتے۔	۵۷۱	دیوبندی مسئلہ کی تغلیط۔	۲۱۸
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۲	وہابیہ کے جاہلانہ خیال کا رد۔	۲۶۱
حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کی جھولوں کا بیان۔	۵۷۴	قصد عبادت کی تائید میں مخالف کی دلیل کا رد۔	۲۷۶
حجۃ الوداع کھلی بہار کے موسم میں تھا تو یہ جھولیں سردی سے بچنے کی معمولی جھولیں نہ تھیں۔	۵۷۵	تخصیص اور عدم تبدیل بھی بے اصل نہیں۔	۲۷۷
مصنف کی یہ تحقیق کہ یہ حج ۹/ ذوالحجہ ۱۰ھ مطابق چھٹی مارچ ۶۳۲ء روز جمعہ کو تھا جو اس وقت کی تعبیر تھی۔	۵۷۵	ایسی صورت میں عدم تبدیل سے عوام کی تصریح کے خلاف عبادت کا الزام سراسر زیادتی ہے۔	۲۷۷
		بالفرض کسی نے ایسی نیت کی ہو تو حکم کفر اسی پر مقصور رہے گا عام حکم لگانا صحیح نہ ہوگا۔	۲۷۸

جس کو بھیڑ کے بہیمۃ الانعام ہونے میں شبہ ہو وہ بھیڑ کی نوع متعین کرے کہ وہ جانور کی کس قسم میں ہے۔	۳۹۶	تحدید کا مسئلہ نقلی ہے۔ تو امام رازی، صدر الشریعۃ، قاضی عضد الدین بیضاوی، تفتازانی، قطب الدین رازی فتاوٰی وغیرہ اکابر کی مساواۃ کی تصریح کے مقابلہ میں فاضل لاہوری کا قول کیا سند رکھتا ہے۔ وہ بھی ایسی کتاب سے جو علم نحو کی ہو۔	۴۱۸
اب صورت یہی رہ گئی ہے کہ ایک بھیڑ لے کر تینوں ملک میں پھرا جائے، اور ایک ایک سے پوچھا جائے یہ کون جانور ہے۔	۳۹۸	مجیب اول کے اس شبہ کا جواب کہ ضان کی تفسیر میں جن لوگوں نے ذات الصوف کا لفظ استعمال کیا ہے اس کے ساتھ لفظ "من" بھی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ذوات الصوف میں سے بعض ہے۔	۴۲۱
اس بات پر دلیل تنویری کہ مذکورہ بالا طریقہ ہی اس بات کے حل کا آخری ذریعہ ہے۔	۴۰۰	اوّلاً "من" کا لفظ صرف شرح نقایہ میں ہے ثانیا یہ تبعیض کے لئے نہیں کیونکہ اسی عبارت میں "ماکان" کا لفظ ہے جو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔	۴۲۱
مجیب اول نے جان بوجھ کر بھینس کو ایک الگ نوع اور بقر کا مقابل قرار دیا۔	۴۰۳	یہ ایسا ہے جیسے فلاسفہ نے انسان کی تعریف میں کہا "کل من کان من اھل النطق"	۴۲۱
اگر لاحق کرنے کی ہی بات ہوتی تب بھینس اور گائے میں غیر معمولی فرق ہے۔ ایک کو دوسرے کے ساتھ لاحق کرنا عقلا جائز ہی نہیں ہوتا۔	۴۰۳	مجیب نے اپنی عبارت میں بھی "من" کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے۔	۴۲۱
مجیب کی تدقیق کا مدار اس پر ہے کہ فرق کی بنیاد چکنی ہونے اور نہ ہونے پر ہے۔	۴۰۹	ضان کو صوف والا نہ مانیں، الیہ کے ساتھ خاص کریں تو غنم کا حصہ ٹوٹ جائیگا، اس لئے ذات الصوف والی تعریف بالمساوی ہے اور ذات الیہ والی بالاخص۔	۴۲۵
اگر اس کو بنیادی فرق مانا جائے تو غنم کی دو کے بجائے تین نوعیں ہونگی۔	۴۱۰	تذنیل، مجیب اول کی پیش کردہ تین عبارتوں میں ذات الیہ والی تعریف نہیں۔	۴۳۳
علماء جس کو غیر جید بتا رہے ہیں ان کی عبارتوں کو ان پر حمل کرنا عمدہ بات نہیں۔	۴۱۴	مولانا عبدالحئی صاحب لکھنوی کے فتوی کا بیان اور ان کے اور مجیب اول کے قول میں فرق کا بیان۔	۴۳۴
خود بھیڑ کی قربانی کے مسئلہ میں اسی مجیب نے سارے عوم کو اسی تفسیر عام کی بنیاد پر گمراہ بتادیا۔	۴۱۷		

مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھیڑ کے قربانی کا جانور ہونے کا انکار نہیں کیا، اس کے چھ ماہہ بچے کی قربانی منع کی۔	۴۳۴	تقید مجمل، تصدق کے لئے تملیک ضروری ہونے سے جمیع کارثواب کے لئے تملیک لازم ہونا ضروری نہیں۔	۵۴۳
مولوی صاحب موصوف کے منشاء غلط کا بیان۔	۴۳۴	پوری بات یوں کہنی چاہئے تھی کہ یہاں تصدق کا حکم ہے نہ کہ تقرب کا، اور تصدق کے لئے تملیک ضروری ہے تو استدلال میں صغرٰی کا ایک جزدب گیا اس لئے نتیجہ غلط ہوا۔	۵۴۳
بھیڑ کو ضان سے خارج مانا جائے تو انعام کی چار کے بجائے پانچ قسمیں ہوجائیں گی۔	۴۴۰	منشاء غلط کا بیان۔	۵۴۳
مولانا عبدالحیٔ صاحب کی غلط فہمی کا منشاء۔	۴۴۰	مولوی رشید احمد صاحب کی غلطی کا منشا یہی ہے کہ انھوں نے کفارات واجبہ میں بھی اباحت کافی دیکھی تو کہہ دیا کہ صدقات واجبہ میں بھی مطلقًا اباحت کافی ہے۔	۵۴۵
یہ سب اختلافات اختلاف نوع کا سبب نہیں، تو ہندی اور عربی دنبوں میں دم کے فرق سے کیوں نوع بدلے گی۔	۴۴۱	مولوی رشید احمد کے اس استدلال میں حداوسط مکرر نہیں۔	۵۴۵
مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوی کی عبارت کی تنقید۔	۵۳۵	غیر مقلد پر رد کہ ائمہ کی حدیثوں پر سلب مطلق کا دعوی کرتے ہیں۔	۵۷۰
مولوی رشید احمد صاحب کی تصریح بیع بنیت تمول یا بنیت تصدق سب کا صدقہ واجب ہے۔	۵۳۶	فلکیات وہیئت	
ان دونوں باتوں میں صاف تغایر ہے تو جو ثانی کو اول سے ثابت مانے ایسا ہی ہے کہ کوئی لااعبد ما تعبدون سے ثابت کرے کہ نماز نہ پڑھو۔	۵۳۷	مطلع شمس ہر تین میل پر بدلتا ہے اور مطلع قمر بہتر میل پر۔	۳۵۸
مولوی رشید احمد صاحب کے اس قول کی تردید کہ ان دونوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ صدقہ واجب ہے تو اس کو سید اور مدرسہ پر صرف نہیں کرسکتے۔	۵۳۸	رامپور اور بریلی کے مطالع اور ان کے فرق کا بیان۔	۳۶۰
مولوی عبدالرشید صاحب کے اس قول کی تردید کہ صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے۔	۵۳۹	**تقویم**	
مولوی عبدالحیٔ صاحب کے کلام پر تنقید۔	۵۴۲	مصنف نے زیج الغ بیگی اور زیج اجد بہادر خانی سے اس دن کے نصف النہار کی تقویم نکالی۔	۵۷۶

اس کے عمل کی فنی تفصیل حاشیہ میں۔	۵۷۶	عمدۃ القاری، مجمع بحار الانوار، تاج العروس، حیاۃ الحیوان سے ایسی روایتوں کی تخریج جس میں جریث اور مارماہی کو ایک لکھا ہے۔	۳۲۹
حیوٰۃ الحیوان		مصنف کی تحقیق کہ فقہاء کے نزدیک یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔	۳۳۰
الو کے پنجہ والے شکاری جانور ہونے میں شبہ نہیں۔	۳۱۵	مغرب، ایضاح، حاشیہ الکشمری، درمختار، عمدہ، فتح اللہ المعین، حاشیہ کنزالازہری طحطاوی اور شامی سے دونوں کے علیحدہ ہونے کی شہادت۔	۳۳۰
اس بات کی عینی شہادتوں کا بیان۔	۳۱۵	کتب طب وعلم الحیوان میں جھینگے کو بالاتفاق مچھلی کہا گیا۔	۳۳۶
عجائب المخلوقات مرات الاصطلاحات اور امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے شعر سے الو کے شکاری جانور ہونے کا ثبوت۔	۳۱۶	قاموس، صحاح، تاج العروس، صراح، منتہی الارب، مخزن، تحفہ، تذکرہ داؤد انطاکی کے نصوص۔	۳۳۶
چمگادڑ شکاری جانور نہیں۔	۳۱۸	حیاۃ الحیوان، جامع ابن بیطار، انوار الاسرار سے منصوص بالا کے نصوص۔	۳۳۷
عجب وغریب سمندری جانور اور جریث اور سنگی کی تشریح سے "سوال"	۳۲۳	گائے اور بھینس کے اعضاء میں بھی فرق کا بیان۔	۴۰۴
مذکورہ بالا مچھلی اگر ہو تو ایسی نادر ہے کہ عوام کے علم سے باہر ہے۔ یہ مچھلی جریث نہیں ہوسکتی۔	۳۲۴	ہندی بھیڑ عربی مینڈھے کے ساتھ ملحق ہونے کی بھینس سے بھی زیادہ مستحق ہے۔	۴۰۴
جریث کے بارے میں مبسوط کی ایک روایت کہ یہ کثیر الوجود مچھلی ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبہ کے تشابہ کا بیان۔	۴۰۵
علامہ قزوینی نے جریث کو مارماہی کہا، اور بعضوں نے اس کو جریث کہا ہے۔	۳۲۴	بھیڑ اور دنبے میں صرف اتنا فرق ہے کہ ایک کی دم چوڑی اور دوسرے کی گول ہوتی ہے۔	۴۰۵
انھوں نے اس نادر مچھلی کو عجائب بحر فارس اور جریث کو عجائب بحر ہند لکھا ہے۔	۳۲۵	جانوروں بلکہ آدمیوں کے بعض اعضاء میں باہم اختلاف ہوتا ہے۔	۴۴۱
ارشاد الساری مجمع بحار الانوار، قاموس تاج العروس، عجائب قزوینی اور ملتقی الابحر سے مارماہی کی تعیین۔	۳۲۵	دو۲ کوہان والے اونٹوں کا بیان۔	۴۴۱

چینیوں، تاتاریوں، زنگیوں، زنان مغربیہ واتراک کے اعضاء میں اختلاف۔	۴۴۱	ایسے جانور کی حرمت پر امام اعظم، شافعی واحمد کا اتفاق ہے۔	۳۱۵
متفرقات		کون سا خرگوش جائز ہے پنجہ والا یا کھر والا "سوال"	۳۲۲
صاحب قنیہ اور قاضی خاں کے اقوال میں تطبیق۔	۱۲۱	مارماہی کی پیدائش کے بارے میں مختلف نظریات اور خود مصنف کا نظریہ،	۳۲۵
بدائع کی ایک عبارت کی توضیح اور مصنف کی تحقیق کہ صرف دو رگیں قلب سے دماغ تک متصل ہیں، حلقوم اور مری نہیں۔	۲۲۱	جری، صلور اور انکلیس کے بارے میں اہل فن کے اختلافات کا ذکر۔	۳۲۵
مختلف نیتوں کا تفصیلی بیان۔	۲۶۹	علامات تفریح کا بیان۔	۳۴۱
الو کی حلت وحرمت سے سوال اور عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان، اور حیوٰۃ الحیوان کا حوالہ کہ شافعیہ کے نزدیک حرام اور حنفیّہ کے یہاں حلال ہے مگر عالمگیری میں یہ قول لفظ قیل کے ساتھ بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قول ضعیف ہے۔	۳۱۲	بعض علاقوں کے انسانوں، اونٹوں، دنبوں کے درمیان بعض اعضاء میں اختلاف کا بیان۔	۴۰۵
لحیوٰۃ الحیوان کا حوالہ غلط ہے اس میں حنفیّہ کی طرف حلت کی نسبت نہیں، البتہ شافعیہ کے دو قول ہیں۔	۳۱۴	نہایہ کی عبارت کی توضیح۔	۴۴۰
ان تین کتابوں کے علاوہ تمام کتب فقہ اور احادیث میں پنجہ اور کیلہ والے شکاری جانور کو حرام قرار دیا ہے۔ عالمگیری، طحطاوی، شامی، میزان شعرانی سے اس موضوع پر نصوص۔	۳۱۴	علامہ شامی کے ایک اعتراض کی تضعیف اور جد الممتار کا حوالہ۔	۵۲۰
ایسے جانوروں کے حرمت کی حکمت یہ ہے کہ ان کی خصلت شرعًا بری ہے تو کھانے والا بھی ایسا ہی بد خصلت ہو جائے گا۔	۳۱۴		

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشفعة

(شفعہ کا بیان)

مسئلہ ۱: ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندوایک قطعہ زمین کا مالک تھا،اپنے کارندے کی معرفت سب اہل محلّہ پر ارادہ بیع کا اعلان کرتا رہا، کسی نے خواہش خریداری نہ کی، بکر مسلمان نے جو بذریعہ فیصلہ ثالثی ایک قطعہ زمین ملحقہ قطعہ مذکورہ کا قبل بیع مالک ہوچکا تھا،اسے خریدا،اور یہ قطعہ بکر قطعہ خالد کا جزء تھا کہ اب تقسیم ہو گئی ہے۔اور قطعہ خالد کہ وہ بھی مسلمان ہے قطعہ زید کی پشت پر واقع ہے۔ مگر اس کی راہ قطعہ زید کی راہ سے بالکل جدا ہے اور قطعہ زید قطعہ بکر دونوں کے راہ ایک کوچہ سربستہ میں ہے، تکمیل بیع سے چھ دن بعد خالد نے بکر مشتری سے کہا یہ زمین میرے ہاتھ بیچ ڈال ورنہ میں بذریعہ شفعہ لے لوں گا۔ بکر نے کہا میں خود شفیع تھا، میرے سامنے تیرا شفعہ نہیں خالد ڈیڑھ مہینے تک خاموش رہااور روپیہ پیش نہ کیا، بلکہ کہا تمھیں مبارک ہو، بعدہ روپیہ پیش کیااور آمادہ خریداری ہوا،اس صورت میں خالد شفیع ہے یا نہیں؟اور اس کا حق شفعہ ساقط ہو ایا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں خالد کو ہرگز استحقاق شفعہ نہیں۔

اوّلاً: وہ جار ملاصق ہے۔اور بکر شریک فی حق المبیع۔ درمختار میں ہے:

لو کان المشتری شریکا وللدار جارفلا شفعة للجار مع وجوده[1] اھملخصاً۔	اگر مشتری مکان میں خود شریک ہو تو اس کی موجودگی میں پڑوسی کو اس مکان میں شفعہ کا حق نہیں ہے اھ ملخصاً۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

لوکان الثالث جار افقط فلاشفعه له لان المشتری خلیط،فیقدم علی الجار[2]۔	اگر تیسرا آدمی صرف پڑوسی ہو تو اس کو شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مشتری خود شریک ہے لہذا وہ پڑوسی پر مقدم ہے۔(ت)

ثانیاً: اگر شفیع ہوتا بھی تو اس کا مشتری سے طالب بیع ہونا خود ہی اسقاط شفعہ کے لئے بس ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها ان استاجرہا اوساومها بیعا اواجارۃ ملتقی" او طلب منه ان یولیه عقد الشراء[3]۔	مبیع کو اجارہ پر مانگا۔ یا اجارہ یا بیع کے طور پر بھاؤ لگایا تو اس کا حق شفعہ باطل ہوجائے گا۔ ملتقی یا مشتری سے شراء کا متولی ہونا چاہا۔(ت)

منح الغفار میں ہے:

لان بالاقدام علی الشراء من المشتری اعرض عن الطلب وبه تبطل الشفعة انتهی[4]۔ **اقول:** ومن ھٰھنا علم جھل بعض من یدعی^{عـــه} العلم۔ حیث قال فی جواب ھذا السوال معللا لانعدام شفعة	کیونکہ اس کا مشتری سے خریدنے کا اقدام شفعہ کے طلب سے اعراض ہے جبکہ اس اعراض سے شفعہ باطل ہوجاتا ہے انتہی(ت)

عــــه: وھو امیر احمد سہسوانی ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت ہی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[2] العقود الدریة کتاب الشفعة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۸۱

[3] درمختار کتاب الشفعة باب یبطل الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۵

[4] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۵۲

خالد ان خالدا اعرض عن الاشتراء من المشتری هذه المدة فلایفید عرض الثمن بعد ذلك اھ بالتعریب،فانظر کیف جعل المسقط مثبتا،و الاعراض عن المسقط مسقطا۔ومن جهله ایضا التعلیل بعدم طلب المواثبة،فانه لاذکر له فی السوال،فمن این لك انه لم یواثب ومن جهله ایضا التعلیل الثالث بان قطعة بکر لما کانت جزء من قطعة خالد، فالبکر شفیع بنفسه،لان الرجل فی امثال الصورة یکون شفیعا بدون القبض فکیف والبکر قابض،قال فی الهندیة ولو اشتری دار اولم یقبضها حتی بیعت داراخری بجنبها،فله الشفعة کذا فی محیط السرخسی [1]،فثبت انه لا شفعة لخالد مع بکر اھ معربا۔**اقول:** کون قطعة بکر جزء من قطعة خالد، ان جعله شفیعا فلقطعة خالد لا لقطعة زید،وانما الکلام فی قطعة زید،وایضا شفعة بکر مبتنیة علی کونه شریکا لقطعة زید فی الطریق حق،لو لم یکن هناك خالد ولاارضه لکان بکر شفیعا ایضا،فقد اخطاء من وجهین،اهمال المبنی الحقیقی والبناء علی امر اجنبی وایضا کیف ینفی

ہوئے کہاکہ خالد نے اس مدت میں مشتری سے خریدنے سے اعراض کیا لہٰذا اس کے بعد خالد کا ثمن کی پیشکش کرنا مفید نہ ہوگا اھ عربی کے ساتھ ،تو غور کرو اس نے کس طرح مسقط کو مثبت اور مسقط سے اعراض کو شفعہ کے لئے مسقط بنایا،اور اس کی یہ بھی جہالت ہے کہ حق شفعہ کے عدم مطالبہ کو یہاں علت بنایا حالانکہ اس کا سوال میں کوئی ذکر نہیں ہے تو اے مدعی علم! تجھے کہاں سے معلوم ہوگیا کہ اس نے اس حق کا مطالبہ نہیں کیا،اور ایک جہالت یہ بھی ہے کہ اس نے تیسری علت یہ بنائی کہ بکر کا قطعہ زمین خالد کے قطعہ کا جز ہے تو یوں بکر خود شفیع ہوا کیونکہ اس جیسی صورت میں بغیر قبضہ کے آدمی شفیع ہوجاتا ہے جبکہ بکر قابض ہے تو کیوں شفیع نہ ہو، ہندیہ میں ہے اگر مکان خریدا اور ابھی قبضہ نہ کیا تھا کہ پڑوس میں ایک مکان فروخت ہوا تو اس خریدار کو شفعہ کا حق ہے۔ محیط میں یوں ہے۔تو ثابت کہ خالد کو شفعہ کا حق بکر کے مقابلہ میں نہیں ہے اھ،**اقول:** (میں کہتاہوں) بکر کے قطعہ کا خالد کے قطعہ کا جز ہونا اگر شفعہ کو بنائے تو خالد کے قطعہ کے لئے بنائے نہ کہ بکر کے قطعہ کے لئے،حالانکہ بات بکر کے قطعہ کے ہورہی ہے،نیز یہ کہ بکر کو شفعہ کا حق زید کے قطعہ کے راستہ میں شریک ہونے پر مبنی ہے اور وہ برحق ہے خواہ وہاں خالد اور اس کی زمین نہ ہو،بکر پھر بھی شفیع ہے تو اس نے دو طرح کی خطائیں کیں،حقیقی مبنی کو مہمل بنانا اور اجنبی چیز کو مبنٰی بنانا،نیز یہ صاحب اپنے (بیان کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۰۰

هذا كون خالد شفيعا، لامكان ان يكونا شفيعين، فان فزعت الى الترجيح، فهو امر زائد على ماذكرت، و قد كان فيه المغنى، على انه لا يتم الكلام الا بضم المقدمة القائلة ان حق الشفعة يثبت للمشتری ايضا، وهی مقدمة غامضة، فذكر الواضح وترك الدقيق جهل فاضح، اوعدول عن الطريق وبالجملة فمفاسد التكبر وادعاء التصدر اكثر من ان تحصر، فانظر الى اين صار حال العلم والرجل يدعی شمس العلماء، ويكتب ذٰلك مع اسم نفسه، مع مافيه من البدع والطغيان، وسلاطة اللسان، والطعن، والوقيعة فی جميع علماء الزمان، بل وكثير ممن قبلهم من اهل السنة والعرفان، فالله المستعان و لاحول ولا قوة الا بالله العزيز الرحمن۔	روشنی میں) خالد کے شفعہ کی نفی کیسے کرسکتے ہیں جبکہ دونوں کا شفیع ہونا ممکن ہو۔ اگر آپ کو ترجیح کی مجبوری ہے تو یہ آپ کے بیان کردہ سے زائد ہے حالانکہ اسمیں مستغنٰی کرنے والا امر موجود ہے۔ علاوہ ازیں یہ کلام اس مقدمہ کے بغیر تام نہیں کہ مشتری کو بھی شفعہ کا حق ثابت ہوتا ہے جس کو یہاں ضم کرنا ضروری تھا اور یہ مقدمہ قابل وضاحت تھا، تو مقدمہ غامضہ اور دقیق کو ترک کرنا اور واضح کو ذکر کرنا کھلی جہالت ہے۔ یا طریقہ بیان سے انحراف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اپنے کو بڑا ظاہر کرنے اور تکبر کرنے میں بیشمار مفاسد ہیں، آپ غور کرلیں کہ کہاں علم کا یہ حال جبکہ دعوی کررہا ہے شمس العلماء ہونے کا، اور پھر خود اپنے نام کے ساتھ یہ لقب لکھتا ہے حالانکہ اس میں بدعت اور تعلی، زبان درازی، طعن اور زمانہ کے تمام علماء کرام بلکہ بہت سے پہلے کے اہل سنت واہل عرفان پر بڑائی کا دعوی ہے لاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الرحمن۔ (ت)

ثالثًا: اس کا لکھنا تمھیں مبارک ہو صریح دلیل رضا وتسلیم ہے۔ اور شفعہ بعد تسلیم باطل۔

تنویر میں ہے۔ یبطلها تسلیمها بعد البیع[1] اھ ملخصاً۔ (بعد از بیع اسے تسلیم کرنا شفعہ کو باطل کردیتا ہے اھ ملخصاً۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرپر اس کی زوجہ کا دین مہر بمقدار (بیس ہزار روپیہ عہ //) کے لازم ہے۔ بکر نے ایک مکان خریدا، بعد خریداری کے وہ مکان اپنی زوجہ کے ہاتھ بعوض اس کے دین مہر کے بیع کردیا بعوض دین مہر کے بعوض کیا، تو اس صورت میں خالد کہ مکان مذکور کا شفیع ہے اس کا شفعہ پہنچتا ہے یا

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہیں اور اگر زوجہ کو بلاعوض ہبہ مجرد کردے تو شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بعوض مہر بیع کی یا ہبہ بالعوض کیا، یعنی یوں کہا یہ مکان میں نے بعوض تیرے مہر کے تجھے دیا، اور زوجہ نے قبول کیا تو شفعہ لازم ہے۔ اگرچہ مکان قبضہ زوجہ میں نہ آیا ہو۔

لان الشفعة تعتمد زوال الملك عن المالك والملك فی البیع الصحیح یزول بمجرد العقد من دون توقف علی القبض والهبة بعوض بیع ابتداء وانتهاء، کما فی الهدایة[1] والدر المختار[2] وغیرهما من الاسفار۔	کیونکہ شفعہ کامدار مالک سے ملکیت کے زوال پر ہے جبکہ صحیح بیع میں عقد بیع سے ہی ملکیت زائل ہوجاتی ہے۔ مشتری کے قبضہ پر موقوف نہیں ہوتی، اور ہبہ بالعوض ابتداءً اور انتہاءً بیع ہے جیسا کہ ہدایہ اور درمختار وغیرہما کتب میں ہے۔(ت)

اور اگر ہبہ بشرط العوض کیا یعنی یوں کہا کہ یہ مکان میں نے تجھے ہبہ کیا بشرطیکہ تو مجھے مہر ہبہ کردے، اور زوجہ نے مہر بخش دی، تو شفعہ ثابت نہ ہوگا، جب تک مکان قبضہ زوجہ میں نہ آجائے، جب باذن شوہر زوجہ قبضہ کاملہ کرے گی، اس وقت شفیع کا شفعہ ثابت ہوگا۔

لانها هبة ابتداء فلا یزول الملك الا بالقبض، فاذا وجد القبض عادت بیعا، فتثبت الشفعة۔	کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے لہٰذا ہبہ میں قبضہ کے بغیر واہب کی ملکیت زائل نہ ہوگی، تو جب قبضہ پایا جائے گا تو ہبہ بیع بن جائے گا تو شفعہ ثابت ہوجائے گا۔(ت)

اور اگر ہبہ مجرد کیا تو اصلاً شفعہ نہیں،

فی الهدایة لا شفعة فی هبة الا ان تکون بعوض مشروط لانه بیع انتهاءً ولا بد من القبض وان لا یکون الموهوب ولا عوضه شائعا لانه هبة ابتداءً[3]۔ والله تعالٰی اعلم۔	ہدایہ میں ہے ہبہ میں شفعہ نہیں ہوتا مگر جب وہ عوض کے ساتھ مشروط ہو کیونکہ ایسی صورت میں وہ انتہاء بیع قرار پاتا ہے تو قبضہ ضروری ہے۔ اور موہوب اور اس کا عوض شائع نہ ہو کیونکہ یہ ابتداء ہبہ ہے۔ **والله تعالٰی اعلم**۔(ت)

---

[1] الهدایة کتاب الهبه باب مایصح رجوعه ومالا یصح مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۸۹-۲۸۸

[2] درمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۴

[3] الهدایه کتاب الشفعة باب ماتجب فیه الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۰۲

مسئلہ ۳: مسئولہ مولوی سید محمد جان صاحب ۲۳ ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی خریدا،اور واسطے ثبوت اپنے قبضہ کے ایک شاخ درخت واقع اراضی مشریہ کو قطع شروع کیا،اس وقت بکر کو اطلاع بیع لینے اراضی کی ہوئی،بکر اسی وقت موقع پر زید کے پاس گیااور کہا میں اس اراضی کا شفیع ہوں مجھ کو دے دو،زید نے کہا تمھارا شفعہ دو وجہ سے جائز نہیں،ایک نظیرا،دوسرے میں خود شفیع ہوں۔ پھر کچھ گفتگو نہ ہوئی،بعد ایک مہینہ بارہ روز کے بکر نے زید سے کہا کہ روپیہ لے لو،جس قیمت کو یہ اراضی خریدی ہے اور اراضی مجھ کو دے دو،زید نے روپیہ نہ لیااور کہاکہ حق مواثبت جاتارہااور بعد چند عرصہ کے زید نے وہ اراضی بذریعہ ہبہ مطلق منتقل کردی اور دستاویز مصدق پر رجسٹری کردی،وقت اطلاع ہبہ شفیع مدعی ہواکہ مجھ کو اطلاع ہبہ کی نہ تھی،اب جو مجھے اطلاع ہوئی تو میں اس انتقال کا بھی شفیع ہوں،ان صورتوں میں شفعہ بکر جائز ہے یا نہیں؟اور یہ انتقال ہبہ قبل تصفیہ باہمی زید وبکر کے درست ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

شفیع اگر بفور استماع خبر طلب شفعہ کرکے مشتری یا مکان کے پاس جاکر طلب تقریر کرے،اور اگر مبیع ہنوز قبضہ بائع میں ہو تو اس کے پاس طلب بھی کافی ہے۔اور اس طلب دوم میں بھی بشرط قدرت دیر نہ لگائی توان امور سے اس کا شفعہ مستقر ہوجاتاہے کہ بے صدور مبطل باطل نہ ہوگا۔درمختار میں ہے:

یطلبها لشفیع طلب المواثبة ثم یشهد علی البائع لو العقار فی یدہ او علی المشتری وان لم یکن ذایدا او عند العقار،وهذا لابد منه،حتی لو تمکن ولو بکتاب او رسول،ولم یشهد بطلت شفعته،وان لم یتمکن منه لاتبطل[1] اهملخصاً۔	شفیع استقرار حق طلب کرکے پھر بائع کے پاس گواہ بنائے اگر پراپرٹی اس کے قبضہ میں ہو یا مشتری کے ہاں گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو،یا فروخت شدہ زمین پر ایسا کرے۔اور یہ ضروری ہے حتی کہ اگراس کو یہ بذریعہ خط یا بذریعہ قاصد بھی ممکن ہواور وہ ایسانہ کرے تواس کا شفعہ باطل ہوجائے گااور اگراس کو یہ قدرت نہ ہوئی تو باطل نہ ہوگا اھ ملخصاً۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الحق متی ثبت واستقر لایسقط	اور حق جب ثابت ہوجائے اور استقرار ہوجائے

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

الا باسقاطه[1] الخ۔	تو خود ساقط کئے بغیر ساقط نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

تستقر بالا شهاد ای بالطلب الثانی، وهو طلب التقریر، والمعنی اذا اشهد علیها لاتبطل بعد ذٰلك بالسكوت الا ان یسقطها بلسانه او یعجز عن ایفاء الثمن فیبطل القاضی شفعته[2] الخ۔	شفعہ کا گواہ بنانے یعنی دوسری طلب پر استقرار ہو جاتا ہے یہ دوسری طلب برائے پختگی ہے اور معنی یہ ہوا کہ جب شفعہ پر گواہ بنالیے تو اس کے بعد سکوت سے باطل نہ ہوگا ہاں اگر خود اپنی زبان سے ساقط کرے یا ثمن کی ادائیگی سے عاجز رہے تو قاضی اس کے شفعہ کو باطل قرار دے گا۔الخ(ت)

پس اگر تمام مدارج طلب ابتدائی وطلب ثانی کے بجالایا تو بیشک اس کا حق مؤکد ہوگیا، اور مشتری کا خود شفیع ہونا اس کے حق کا مانع نہیں، غایب یہ ہے کہ اگر دونوں مساوی درجہ کے شفیع ہےاور مشتری مزاحمت کرے تو مبیع دونوں میں نصف نصف ہو جائے۔

فی الدر المختار لو كان المشتری شریكا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة[3]۔	درمختار میں ہے کہ اگر مشتری شریک ہو اور مبیع مکان میں کوئی اور شریک بھی ہو تو دونوں شریکوں کو شفعہ کا حق ہوگا۔(ت)

اور روپیہ بطور طلب شفعہ پیش کرنا کہ میں شفیع ہوں اپنا روپیہ لے۔اور شیئ مشفوع مجھے دے کچھ مضر نہیں۔

لانه لایدل علی الرغبة عنها بل فیها فی الدر المختار الاصل ان الشفعة تبطل باظهار الرغبة عنها لافیها[4]۔	کیونکہ یہ اس سے اعراض پر دال نہیں ہے بلکہ اس میں دلچسپی کا اظہار ہے درمختار میں ہے قاعدہ یہ ہے کہ اعراض کرنے سے شفعہ ساقط ہوتا ہےاس دلچسپی سے ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

ہاں یوں روپیہ پیش کرنا کہ قیمت لے اور مکان میرے ہات بیچ ڈال، البتہ مسقط شفعہ ہے۔

فی الدر المختار یبطلها ان طلب منه ان یولیه عقد الشراء[5]۔	درمختار میں ہے کہ شفیع اگر یہ مطالبہ کرے کہ مجھ سے شراء کر تو اس مطالبہ سے شفعہ کا باطل ہو جائے گا۔(ت)

[1] الهدایه کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۹

[3] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[4] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[5] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

اور ہبہ مجرد ہیں اگرچہ شفعہ نہیں، مگر مشتری بوجہ ہبہ خواہ کسی طریقہ انتقال کے حق شفیع کو ساقط نہیں کرسکتا کہ اس کا دعوٰی شفعہ بربنائے بیع ہے۔جو مالک اول نے اس مشتری کے ہاتھ کی، نہ بربنائے اس ہبہ کے جو یہ مشتری دوسرے کے لئے کرتاہے،ایسی حالت میں شفیع کو اختیار ہوتا ہے کہ مشتری کے تمام تصرفات کو رد کردے اور مبیع بذریعہ شفعہ لے لے۔

فی الدرالمختار ینقض الشفیع جمیع تصرفاته ای المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرة والهبة زیلعی وزاهدی [1]۔ (جواب نامکمل ملا)	درمختار میں ہے کہ شفعہ حاصل کرلینے کے بعد شفیع مشتری کے تمام تصرفات ختم کردے گا حتی کہ وقف، مسجد، مقبرہ اور ہبہ تک کو توڑ دے گا، زیلعی وزاہدی(ت)

مسئلہ ۱۶:۴ رجب ۱۳۰۷ھ از بدایوں مردِہی ٹولہ شیخ حامد حسن صاحب مختار

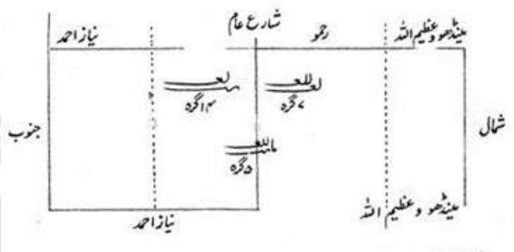

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مکان تعدادی (ماسہ للعہ ۹ گرہ) جانب شمال مینڈھو عظیم اللہ کا تھا۔اس کے جانب جنوب رحمو کا مکان تعدادی (صہ للعہ ۵ گرہ) کا،اس سے جنوب کو نیاز احمد کا مکان تھا، رحمو کا مکان مینڈھو ونیاز احمد نے خرید کیا،اور باہم تقسیم ہو گئی (لعہ للعہ ۷ گرہ) اراضی شمال مینڈھو کو ملی،اس نے اپنے مکان شمال میں شامل کرلی اب مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان (ماسہ لعہ) علاوہ آبچک کے ہو گیا،اور (مہ لعہ ۱۴ گرہ) جنوبی نیاز احمد کو ملی،اس نے اپنے مکان جنوبی میں ملالی نیاز احمد اپنامکان جس میں اراضی مشتری یہ بھی شامل تھی بدست وزیرالدین بیع کردیا، تخمیناً دس برس ہوئے کہ وزیرالدین مشتری نے ہرچہار سمت سے بطور خود اپنا پختہ مکان تعمیر کرلیا،فرمائے کہ جب تقسیم ہو کر تین مکان سے دو مکان ہوگئے،اور درمیان میں دیوار موجود ہے اور کوئی شرکت دیوار میں

[1] درمختار کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۱۲

بھی نہیں، اور راستے دکانوں مکانوں کے جانب غرب شارح عام میں ہیں اور دونوں کی آبچکن جانب شرق اپنی اپنی جداگانہ زمین میں۔ تو وزیر الدین مشتری مکان نیاز احمد کو نسبت (لعہ للعہ ے گرہ) اراضی مشتریہ مینڈھوں کی، حق خلیط کا حاصل ہے یا شفیع جار کا، وزیر الدین گمان کرتا ہے کہ رحمو کا مکان میرے بائع نیاز احمد اور مینڈھو نے مشترکا خریدا تھا، لہٰذا مجھے حق خلیط حاصل ہے، یہ گمان اس کا شرعاً صحیح یا باطل ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جبکہ نہ ایک مکان کی راہ دوسرے میں نہ دونوں کی کسی کوچہ سربستہ غیر نافذہ میں، نہ ایک کو دوسرے سے آبچک کا تعلق، تو بالاتفاق ان میں سے کسی کے مالک کو دوسرے سے علاقہ خلیط نہیں، بلکہ ہر ایک دوسرے کا مجاز محض ہے۔ درمختار میں ہے:

للخلیط فی حق البیع ھو الذی قاسم وبقیت لہ شرکۃ فی حق العقار کالشرب والطریق خاصین فلو عامین فلاشفعۃ بھما[1] اھ ملخصاً۔	تقسیم شدہ مبیع کے حقوق میں شرکت مثلاً پانی اور راستہ خاص ہوں یا عام۔ باقی ہو تو بھی خلیط کو اس شرکت کی وجہ سے شفعہ نہیں اھ ملخصًا۔ (ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

جار ملاصق بابہ فی سکۃ اخرٰی، اویکون بابہ وباب ذٰلک الجار معاً الی الطریق العام[2]۔	پڑوسی جس کا دروازہ دوسری گلی میں ہو یا دونوں کا شارع عام کی طرف سے ملا ہو۔ (ت)

وزیر الدین کا خیال ہے میرا بائع مینڈھو ایک زمین مشترک کے خلیط تھے جس کا ایک حصہ میرے بائع اور ایک مینڈھو کے مکان میں پڑا، لہٰذا میں اس کا خلیط ہوں، محض باطل ہے۔ کہ جب تقسیمیں ہوگئیں حدیں پڑ گئیں، دیواریں کھنچ گئیں، راہیں پڑ گئیں، پھر خلط کہاں، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وقعت الحدود وصرفت الطرق فلاشفعۃ اخرجہ الامام البخاری[3]۔	جب حد بندی ہو جائے اور راستہ تبدیل ہو جائے تو اب شریک کو شفعہ کا حق نہیں، اس کو بخاری

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۴۸

[3] صحیح البخاری بؤاب الشرکۃ فی الارضین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۹

وغیرہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور دیگر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

اذا اقتسما الارض وخطا خطا فی وسطها ثم اعلی کل منهما شیئا حتی بنیا حائطا،فکل منهما جار لصاحبه فی الارض [1]۔	جب دو شریکوں نے زمین تقسیم کرلی اور درمیان میں خط کھینچ لیا پھر دونوں نے کچھ خرچہ کرکے دیوار بنادی تو دونوں ایک دوسرے کے پڑوسی قرار پائیں گے۔(ت)

غرض اگلے وقتوں کی شرکت پر اب دعوی حق خلط کرنا عجب دعوی ہے جس کا بطلان ہر ذی عقل پر ظاہر۔فضلا عن ذی فضل۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از بدایوں مردی ٹولہ شیخ حامد حسن وکیل ۱۶رجب ۱۳۰۷ھ

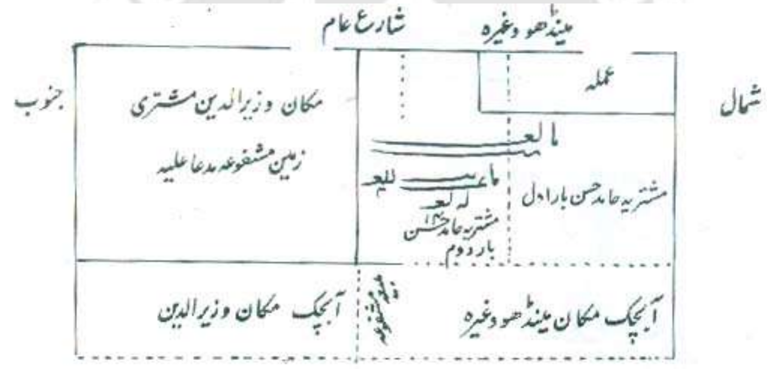

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مینڈھو وعظیم اللہ کا مکان (ما صه للعه) گز کا ہے جس میں جانب شمال (ما مه للعه ۹ گرہ) ان کی موروثی اور (لعه للعه ۷ گرہ) جنوبی خاص مشتریہ مینڈھو ہے جو اسے بذریعہ شراء بعد تقسیم نیاز احمد ملی تھی، مینڈھو عظیم اللہ نے منجملہ مکان تعدادی (ماصه لعه) گز کے ===== گز کے زمین جانب شمال میں باستثنائے آبچک شرقی وعلمہ بدین تعینین کہ شرقا غربا (عه عه) گز را اور جنوبا شمالا ہے گز بدست حامد حسن بیع کی (ماعه عه) گز منجملہ مکان باقی رہی،اس بقیہ (ماعه سه) گز سے (له لعه ۱۴ گرہ) گز اراضی شمالی تنہا مینڈھو نے بایں الفاظ بدست حامد حسن مذکور بیع کی کہ منجملہ (ماعه سه گز کے لعه ۱۴ گرہ) گز میری اراضی بروئے تقسیم خانگی باہمی اراضی عظیم اللہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

سے جانب شمال ہے۔ لہٰذا باستثنائے آبچک بیع کی) اس (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز منجملہ اس (لعہ للعہ) گز کے بھی شامل ہے جو خاص مشتریہ مینڈھو تھی، اور یہ کل تعدادی (ماسہ لعہ) گز اس وقت تک بلا کسی حد فاصل کے ہے، نقشے میں جہاں جہاں نقطے دئے گئے ہیں وہاں کوئی دیوار یا حد نشان نہیں صرف تعیین سمت و مقدار گز کے اسے ایک ذہنی امتیاز ہے۔ یہم قطعہ زمین سے جسے آبچک کہا جاتا ہے یہ بھی بلا کسی حد فصل کے مجموعہ مکان کا ایک غیر متمیز ٹکڑا ہے جسے بے پیائش کے تعین نہیں کر سکتا، غرض کل مکان قطعہ واحدہ ہے۔ اس میں سے بقیہ (للعہ ۲ گرہ) گز جنوبی و کل آبچک و عملہ واقعہ مشتریہ حامد حسن کو مینڈھو و عظیم اللہ نے بدست وزیر الادین ہمسایہ جنوبی بیع کیا، اس مکان اور مکان وزید الدین مشتری کے بیچ میں ایک دیوار خاص مملوک وزیر الدین فاصل ہے۔ دونوں مکان کی راہیں جانب غرب شارع عام میں ہیں۔ اور دونوں کی آبچکیں اپنی اپنی خاص زمین میں جانب مشرق ہیں، دونوں کا پانی اپنی خاص زمین میں ہوتا ہوا شرق مکانات مختلفہ میں گزر جاتا ہے۔ فرمائیے کہ ایسی صورت میں اراضی مبیعہ حامد حسن کو حق شفیع خلیط ہے یا نہیں؟ اور شرعاً اس استحقاق سے وہ کل زمین حامد حسن کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وزیر الدین اس مکان مینڈھو وغیرہ کا جار محض ہے کہ نہ اسے کوئی شرکت نفس مبیع میں، نہ حق مبیع میں، اور تقریر ونقشہ سوال سے ظاہر کہ آبچک کی زمین بھیج باہم مشترک نہیں، بلکہ دونوں آبچکیں ایسے مختلف مکانوں کے جداگانہ ٹکڑے ہیں جن میں ایک کا کوئی حق دوسرے سے متعلق نہیں، صرف اتصال ہی اتصال ہے تو جوار سے زیادہ اسے کوئی استحقاق نہیں، نفی خلط کے لئے بیچ میں دیوار ہی ہونا ضروری نہیں کہ اراضی آبچک میں جہاں دیوار نہیں شرکت وخلط مانیں، بلکہ مجرد و تعیین وامتیاز کافی ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا کان نهر علاه لرجل واسفله لرجل فاشترٰی رجل نصیب صاحب اعلی النهر فطلب اسفل النهر الشفعة فالشفعة له بالجوار وکذٰلك لواشتری رجل نصیب اسفل النهر فالشفعة لصاحب الاعلی بالجوار، کذا فی المبسوط[1] اھ ملخصاً۔	اگر ایسی نہر ہو کہ اس کا اوپر والا حصہ ایک شخص کو اور نیچے والا دوسرے کا ہو تو کسی آدمی نے اوپر والے کا حصہ خرید لیا تو نیچے والے کو شفعہ کے مطالبہ کا حق ہے اس کا یہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا، اور یونہی اگر کسی نے نیچے والے کا حصہ خریدا ہو تو اوپر والے کا شفعہ ہو تو وہ شفعہ پڑوسی والا ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہے اھ ملخصاً (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۷۱

اور حامد حسین خلیط فی حق المبیع ہے کہ مکان واحد کا ایک حصہ مشاع خریدنے سے مشتری شریک فی العین ہو جاتا ہے۔یوں ہی اس میں سے ایک حصہ معین محدود بتعین سمت و مقدار خریدنے سے خلیط فی الحق ہو جاتا ہے۔جب تک حدیں فاصل ہو کہ انقطاع تعلق نہ ہو جائے زیر قول درمختار:

ان باع رجل عقارا الا ذرا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال وکذا لاشفعة لو ووھب ھذ القدر للمشتری وقبضه[1]۔	اگر کسی نے اپنی زمین فروخت کی مگر شفیع کی حد کی طرف ایک گز کو فروخت نہ کیا تو پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا کیونکہ اس کی حد سے اتصال نہ پایا گیا،اور یوں ہی اگر اس نے اتنا حصہ مشتری کو ہبہ کردیا اور قبضہ دے دیا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الظاھر ان المرد وھبة بعد بیع ماعداہذا القدر بقرینة قوله للمشتری ومثله مالو باعه له لانه صار شریکا فی الحقوق،فلاشفة للجار[2] اھیعنی مثل الھبة فی عدم الشفعة مالو باع البائع ھذا الزراع الباقی فی البیع الاول المشتری القطعة الاولی،لانه بشرائه القطعة الاولی صار شریاکا فی حقوق القطعة الثانیة،وھی الذراع المبیع ثانیا،فجار الدار وان کان له حق الجوار فی ھذا الذراع،لوجود الاتصال لکن لاشفعة له لان المشتری خلیط فی الحقوق فلا شفعة معه للجار المحض۔	ظاہر یہ ہے کہ اس کی مراد بیع کے بعد مشتری کو ہبہ کرنا ہے اس پر قرینہ للمشتری کا لفظ ہے اور یونہ اگر وہ اتنا حصہ اس نے بعد میں مشتری کو فروخت کردیا ہو،کیونکہ وہ مشتری اب حقوق میں شریک ہو چکا ہے اس لئے اب پڑوسی کو شفعہ کا حق نہ ہوگا اھ یعنی شفعہ نہ ہونے میں وہ صورت کہ بائع نے پہلی بیع میں سے باقیماندہ گز کو پہلے مشتری کے پاس فروخت کیا تو ہبہ کی طرح پڑوسی کا شفعہ نہ ہوگا کیونکہ وہ مشتری پہلے قطعہ کو خریدنے کی بناء پر دوسرے باقیماندہ حصہ کے حق میں شریک ہوگیا تو اگرچہ جگہ کے پڑوسی کو پڑوس کی وجہ سے اس باقیماندہ میں اتصال ہے لیکن اس کا شفعہ نہیں کیونکہ مشتری حقوق میں شریک بن گیا لہٰذا اس کے مقابلہ میں محض پڑوسی کو حق شفعہ نہ رہا۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

اسی میں ہے:

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار کماقدمناہ[1]۔	باقیماندہ گزمیں مشتری حقوق کا شریک ہوگیا لہٰذا وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا، جیسا کہ پہلے گزرا۔(ت)

پس حامد حسن نے جس وقت پہلا قطعہ ===== گز بتعیین سمت ومقدار خریدا باقی تمام زمین مملوکہ مینڈھو وعظیم اللہ میں خلیط فی الحق ہوگیا، اسی طرح دوسرے بار کی خریداری نے اس کا بھی استحقاق قائم رکھا، اور جبکہ وہ مکان مع آبچک وغیرہ بتمامہ قطعہ واحدہ ہے، تو اس کے مجموع سے حق حامد حسن متعلق ہوا، جس سے کسی جز کو مستثنٰی ماننے کی کوئی وجہ نہیں کما لا یخفی علی احد (جیسا کہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ت) اور خلیط فی الحق جار محض پر شرعًا مقدم کہ جار خریدے تو یہ بذریعہ شفعہ اس سے سب پر واپس لے سکتا ہے۔ کما فی الکتب قاطبۃ (جیسا کہ معتبر کتب میں ہے۔ت) عالمگیری میں ہے:

یراعی فیھا الترتیب فیقدم الشریك علی الخلیط، والخلیط علی الجار[2]۔	اس میں ترتیب کی رعایت ہوگی تو شریک مقدم ہوگا خلیط پر، اور خلیط مقدم ہے پڑوسی پر۔(ت)

پس ثابت ہوا کہ جس قدر زمین آبچک وغیرہ آبچک بدست وزیر الدین جار محض بیع کی گئی تمام وکمال حامد حسن شفیع خلیط فی حق المبیع کو بذریعہ شفعہ ملنی چاہئے، اگر وہ شرائط طلب کما ینبغی بجالایا ہو، اور عملہ اگرچہ جب اپنی زمین سے بیچا جائے محل شفعہ نہیں، شرح المجمع علامہ ابن ملک میں ہے:

وبیع النخل وحدہ او البناء وحدہ فلا شفعۃ لانھما الاقرار لھما بدون العرصۃ[3]۔	کھجور کے درخت کی علیحدہ یا عمارت کی علیحدہ بیع میں شفعہ نہیں کیونکہ زمین کے بغیر ان کو قرار حاصل نہیں ہے۔(ت)

مگر اس کا بیع میں داخل ہونا زمین میں استحقاق شفعہ کا مانع نہیں، ردالمحتار میں ہے:

الصفقۃ وان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ، وعلی مالیست فیہ	سودا ایک ہو اور وہ ایسے حصوں پر مشتمل ہو کہ بعض شفعہ ہو سکتا ہے اور دوسرے بعض میں نہیں ہو سکتا تو شفعہ والے

[1] ردالمحتار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۶۔۱۶۵

[3] ردالمحتار بحوالہ شرح المجمع کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

فیحکم بھا فیما تثبت فیہ اداء لحق العبد کذا فی درر البحار وشرح المجمع اھ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	میں بندے کا حق ہونے کی وجہ سے پورے سودے پر شفعہ کا حکم ہوگا کہ بندے کا حق ادا ہوسکے، جیسا کہ درالبحار اور شرح المجمع میں ہے اھ، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶: از بدایوں شیخ حامد حسن صاحب وکیل ۹ رمضان المبارک ۱۳۰۷ھ

بدایوں سے دوبارہ یہ سوال بعبارات طوال آیا جس کا خلاصہ یہ کہ کل مکان ۲۰۲ گز کا ظاہر کیا گیا ہے اور بیع اول بدست حامد حسن مین سے ======== گز نکل کر (ماعہ عہ) گز باقی تھا، اس میں سے منجملہ (ماعہ عہ) گز کے (لہ لعہ ۱۴ گرہ) گز شمالی کہ بروئے تقسیم خانگی حق مینڈھو ٹھہری، مینڈھو نے بایں حدود معینہ بدست حامد حسن بیع کی اراضی آبچک زمین بیعہ مملوکہ مقرو بردار مقر وبعد مکان سعد اللہ وغیرہ۔

غربی	جنوبی	شمالی
راستہ	اراضی عظیم اللہ	اراضی مشریہ حامد حسن

پھر باقی بدست وزیر الدین بیع ہوئی، اس مکان اور مکان وزیر الدین کا پانی اپنی اپنی خاص آبچکوں میں ہو کر شرقی مکانوں کے صحن مملوکہ سعد اللہ وغیرہ میں ملتا ہے۔ اور وہاں یہ دونوں پانی اور ان مکانوں کے پانی سب ایک ہو کر اسی صحن مملوک کے دروازے سے نکل کر راہ میں گزر جاتے ہیں، اس صورت میں وزیر الدین کو دعوی شرکت فی حقوق المبیع ہے۔ اور حامد حسن شفیع کو بدیں وجہ کہ کوئی تمیز خارجی نہیں دعوی شرکت فی نفس المبیع ہے، پس شرعا کیا حکم ہے۔ اور عملہ کہ اس مبیع بار سوم پر قائم اور بیع میں داخل ہے شفعہ میں داخل رہے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حامد حسن کو حق شفع حاصل ہے۔ اور وزیر الدین کو اس کے مقابل کوئی استحقاق مزاحمت نہیں کہ اگرچہ زمین کا محدود بحدود معینہ ہونا ہی اس کے امتیاز وابطال شیوع کے لئے بس ہے۔ جس قطعہ کا آغاز وانجام جدا بتاسکیں وہ مشاع کب ہوا، مگر از انجا کہ ہنوز مکان میں حدیں فاصل نہ پڑیں، دیواریں نہ کھنچیں، راہیں نہ پھریں، صرف ذہنی امتیازات ہیں، تو حامد حسن کو بیع میں ایک اعلٰی درجہ کا حق خلیط فی حقوق المبیع حاصل ہے۔ اور یہ استحقاق اس کے لئے اسی وقت سے ثابت ومسلم تھا جب سے اس نے == گز کا پہلا قطعہ خریدا، ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۷

مشتری الذراع صار شریکا فی الحقوق فیقدم علی الجار، کماقدمناہ[1]۔	باقیماندہ گز کو خریدنے والا مشتری حقوق میں شریک بن گیا ہے تو وہ پڑوسی پر مقدم ہوگا۔ جیسا کہ پہلے ہم نے ذکر کیا۔(ت)

اور مکان وزیر الدین کو اس مبیع کے سیل آب سے جو علاقہ ہے اگر روایت تاتارخانیہ پر نظر کیجئے تو اصلا قابل التفات نہیں۔اس میں صاف تصریح ہے کہ ایک مکان کا پانی خود اس دار مبیعہ میں بہتا ہو جب بھی یہ شرکت فی الحقوق نہ ٹھہریگی اور صرف جوار محض قرار پائے گا، عالمگیریہ میں ہے:

لرجل مسیل ماء فی داربیعت کانت لہ الشفعۃ بالجوار لابالشرکۃ ولیس المسیل کالشرب کذا فی التتارخانیۃ[2]۔	فروخت ہونے والی حویلی میں سے دوسرے شخص کا پانی بہتا ہے تو اس پانی والے کو حویلی میں پڑوسی ہونے کی وجہ سے شفعہ کا حق شریک والا شفعہ نہ ہوگا اور پانی کا بہنا، سیرابی کا حکم نہیں رکھتا۔یوں تاتارخانیہ میں ہے۔(ت)

اور اگر روایت محیط وذخیرہ پر عمل کیجئے تو حامد حسن کہ شریک فی الطریق ہے۔وزیر الدین سے جو صرف میل آب میں ایک علاقہ رکھتا ہے قطعاً مقدم ہے کہ اس کے ہوتے اسے کوئی استحقاق نہیں مزاحمت نہیں، عالمگیری میں ہے:

صاحب الطریق اولی بالشفعۃ من صاحب مسیل الماء کذافی المحیط[3]۔	راستے والا شفعہ میں پانی کے بہاؤ والے سے اولٰی ہے، یوں محیط میں ہے۔(ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں ہے:

قال فی الدرالمنتقی ونقل البرجندی ان الطریق اقوی من المسیل فراجعہ انتہٰی[4]۔ **قلت نقلہ عن** الذخیرۃ کمارأیتہ فیہ۔	الدرالمنتقی میں فرمایا جس کو برجندی نے نقل کیا کہ راستہ کا حق پانی کے بہاؤ سے اقوی ہے۔تو اس کی طرف مراجعت چاہئے، **میں کہتاہوں** کہ انھوں نے اس کو ذخیرہ سے نقل کیا ہے جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

بہر حال حامد حسن اس تمام زمین مبیع کو مع اس کے جو اس مبیع پر قائم اور اس بیع میں داخل ہے بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے عملہ جب اپنی زمین کے ساتھ بیع میں آئے تو بالتبع وہ بھی محل شفعہ ہو جاتا ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

خرج البناء والاشجار فلا شفعة فیها الا بتبعیة العقار وان بیع بحق القرار، درمنتقی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت خارج ہوگئے تو ان میں شفعہ نہ ہوگا بغیر زمین کے تابع بنے، اگرچہ قرار وبقاء کی شرط پر فروخت کئے ہوں درمنتقی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷: ۳ شوال ۱۳۱۰ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس صورت میں کہ ملوخاں نے ایک قلعہ حویلی معہ اراضی جس کے شمال میں ملحق حویلی محمد خاں، جنوب میں ملحق رفیع الدین کی ہے۔ کلن خاں اور علی حسن خان شخص غیر کے ہاتھ بیع کردی، اور اس کی خبر پاکر محمد خان ورفیع الدین ہمسایہ بائع مستدعی شفعہ ہوئے، چنانچہ کلن خاں وعلی حسن خان مشتری حال نے حسب دعوٰی شفعہ محمد خاں کے نام بیعنامہ لکھ دیا، رفیع الدین نے نالش شفعہ کی ہے۔ پس رفیع الدین مدعی بذریعہ شفعہ بمقابلہ محمد خاں مشتری شفعہ کے کامیابی شرعا حاصل ہوسکتا ہے، یا دونوں شفیعوں کو قطعہ مشفوعہ تقسیم ہوسکتا ہے تو کس مقدار سے یعنی مساوی یا کم وبیش؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں رفیع الدین کل مکان مشفوع بذریعہ شفعہ محمد خاں سے پائے گا کہ محمد خاں کا اس کو مشتری اول سے خریدنا اس کے ملک کو تسلیم کرنا ہے اور اس کی ملک تسلیم کرنا بیع اول کے تسلیم شفعہ سے اعراض، اور شفعہ سے اعراض حق شفعہ کا مسقط، تو محمد خاں اس مکان کا شفیع نہ رہا اور رفیع الدین کا استحقاق باقی، لہذا وہ کل مکان محمد خان سے لے سکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان الشفیع الحاضر اشتری الدار من المشتری ثم حضر الغائب فان شاء اخذ کل الدار بالبیع الاول،	ایک حاضر شفیع نے مشتری سے مکان خرید لیا، پھر دوسرا شفیع جو غائب تھا حاضر ہوگیا تو اس کو اختیار ہے چاہے تو پورا مکان پہلے سودے پر

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

وان شاء اخذ کلھا بالبیع الثانی [1]	اور چاہے دوسرے سودے پر پورا مکان شفعہ کے ذریعہ حاصل کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قد بطل حق الشفیع الحاضر بالشراء لکون الشراء دلیل الاعراض [2]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	حاضر شفیع نے اپنا حق شفعہ خریداری کی وجہ سے باطل کرلیا کیونکہ خریدنا شفعہ سے اعراض کی دلیل ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۸ تا ۱۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: بینوا توجروا

(۱) بعد علم بیع قبل قبضہ کرنے مشتری کے شیئ مبیع پر دعوی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) ایک شخص کے احاطہ واحدہ میں چند منازل ہیں جن کا دروازہ ایک ہی ہے اور حدود اربعہ اس کی ایک ہی ہیں،اس احاطہ کے ایک طرف زید کا مکان ملحق ہے۔اب یہ کل مکان بیع کیا جائے،تو آیا اس صورت میں زید اس قطعہ کو بذریعہ شفعہ لے سکتا ہے،جو اس کے مکان سے متصل ہے یا کل مکان کو۔

(۳) جس محلّہ میں رواج شفعہ نہ ہو وہاں شرعاً دعوی شفعہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۴) اگر قبل بیع ہمسایہ خریداری سے انکار کرے۔پھر بعد بیع دعوی شفعہ کرے تو مسموع ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر شفیع مشتری کی طرف سے وکیل خریدنے کا ہو تو اس کا شفعہ قائم رہے گا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) شفعہ بمجرد بیع ثابت ہوتا ہے۔قبضہ مشتری کی حاجت نہیں۔ہدایہ میں ہے:

یشھد علی البائع ان کان المبیع فی یدہ معناہ لم یسلم الی المشتری [3]۔	اگر مبیع زیر قبضہ بائع ہو تو وہاں گواہی قائم کرے اس کا معنی یہ ہے کہ ابھی مشتری کو نہ سونپا ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۸

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

درمختار میں ہے:

ثم یشھد علی البائع لو العقار فی یدہ اوعلی المشتری وان لم یکن ذایدٍ[1] باختصار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اگر زمین بائع کے قبضہ میں ہو تو وہاں گواہی قائم کرے یا مشتری کے پاس گواہ بنائے اگرچہ زمین اس کے قبضہ میں نہ ہو باختصار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔(ت)

(۲) کل کو کہ جب احاطہ واحد، دروازہ واحد ہے تو وہ دار واحد ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الدار اسم لما ادیر علیہ الحدود[2]۔	جس دائرہ پر حدود قائم کی گئی ہیں اس کو دار کہتے ہیں۔(ت)

اور واحد کے کسی ٹکڑے سے جسے اتصال ہو وہ کل دار کا شفیع ہے، حتی کہ اگر ایک شخص صرف ایک جانب بقدر ایک بالشت کے اتصال رکھتا ہو اور دوسرا تینوں جانب۔ بروجہ کمال تو دونوں شفعہ میں برابر ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

الملاصق من جانب واحد ولو بشبر کالملاصق من ثلثۃ جوانب، فھما سواء اتفاقی[3]۔	ایک جانب سے اتصال اگرچہ ایک بالشت ہو تو وہ باقی تین اطراف والے سے اتصال کے برابر ہے اتفاقی (ت)

یہاں تک کہ اگر دار واحد اپنے جمیع منازل کے ساتھ شخص واحد کے ہاتھ بیچے، اور شفیع چاہے کہ بذریعہ شفعہ ان میں سے صرف وہ منزل لے جس سے اس کا مکان متصل ہے۔ تو ہرگز اجازت نہ دیں گے، اگرچہ بیچنے والے جدا جدا ہوں بلکہ کل لے یا کل ترک کرے۔ عالمگیری میں ہے:

ان اراد الشفیع ان یاخذ بعض المشتری دون البعض وان یاخذ الجانب الذی یلی الدار دون الباقی لیس لہ ذٰلک بلا خلاف بین اصحابنا، ولکن یاخذ الکل اویدع،	ایک غیر ممتاز مبیع میں سے شفیع بعض حصہ کو لینا چاہے اور کچھ چھوڑنا چاہے اور اپنے دار سے متصل حصہ کو شفعہ میں لینا اور باقی کو چھوڑنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہیں، اس میں ہمارے اصحاب کا کوئی اختلاف نہیں، لیکن وہ سب کو لے یا سب کو

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] الھدایۃ کتاب البیوع باب الحقوق مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۸

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

لانہ لواخذ البعض دون البعض تفرقت الصفقہ علی المشتری سواء اشتری واحد من واحد او واحد من اثنین او اکثر حتی لواراد الشفیع ان یاخذ نصیب احد البائعین لیس لہ ذٰلك الخ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	چھوڑے کیونکہ اگر بعض کو لے اور بعض کو نہ لے تو اس سے مشتری پر سودا متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع متفرق ہوجائے گا خواہ ایک مشتری نے ایک بائع سے ایک نے متعدد حصہ داروں سے خریدا ہو حتی کہ اگر دو فروخت کرنے والوں میں سے ایک کے حصہ کو لینا چاہے تو شفیع کو یہ اختیار نہیں ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) بیشک ہوسکتا ہے اگرچہ شہر بھر میں رواج نہ ہو کہ شفعہ حکم شرعی ہے۔ رواج وغیرہ پر مبنی نہیں **وھذا ظاھر جدا** (یہ بالکل ظاہر ہے۔ ت) واللہ اعلم۔

(۴) ضرور مسموع ہوگا، حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔ تو قبل از انکار کوئی چیز نہیں۔ درمختار میں ہے:

یبطلھا تسلیمھا بعد البیع لاقبلہ[2]۔	بیع کے بعد شفعہ کو چھوڑنا اس کو باطل کرتا ہے بیع سے پہلے باطل نہیں کرتا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعۃ قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **(۵)** نعم فی الدرالمختار تثبت لمن شری اصالۃ اووکالۃ[4]۔	بیع سے قبل شفعہ کو چھوڑنا صحیح نہیں، اس کے بعد صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت) ہاں درمختار میں ہے اصالۃ یا وکالۃ جو خریدے اس میں شفعہ ثابت ہوگا۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

وکیل المشتری اذا ابتاع فلہ الشفعۃ[5] واللہ تعالٰی اعلم۔	مشتری کا وکیل اگر خریدے تو اس کو حق شفعہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۵

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[4] درمختار کتاب الشفعۃ ماثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۵

[5] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب مایبطل بہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۰۵

مسئلہ ۱۳: از اوجین محلّہ مرزا باڑی مرسلہ میاں آفتاب حسین ۲۲ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عمرو اپنا مکان فروخت کرتا ہے زید ہمسایہ عمرو خریداری پر مستعد ہے مگر مالک مکان غیر ہمسایہ کو مکان دیتا ہے۔ پس حق شفعہ خرید کر مکان میں اول میں درجہ ہمسایہ کو پہنچا ہے یا غیر کو؟

الجواب:

شفیع کے لئے حق شفعہ بعد بیع ثابت ہوتا ہے۔ مکان جب تک بیع نہ ہو شفیع مزاحمت نہیں کرسکتا، ہاں جب مالک غیر ہمسایہ کے ہاتھ بیچ ڈالے اس کے بعد ہمسایہ کے لئے بذریعہ شفعہ حق مطالبہ ہے اگر شرائط طلب بجالاکر دعوی کرے گا مکان خریدار سے کرا سے دلادیا جائے گا۔ تنویر الابصار میں ہے: **تجب بعد البیع**[1] (شفعہ بیع کے بعد لازم ہوتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

اسقط الشفیع الشفعۃ قبل الشراء لم یصح لفقد شرطه، وھو البیع انتھی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خریداری سے قبل اگر شفیع نے شفعہ ساقط کیا تو صحیح نہیں کیونکہ شفعہ کی شرط جو کہ بیع ہے نہ پائی گئی انتھی واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴: سیگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مرسلہ شیخ برکت اللہ زمیندار ۱۲جمادی الآخرہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار ہے، اس کو زمیندار نے زمین اپنی سکونت کے واسطے دی جس میں اس نے چوپال اور مکان بنایا، اور اس کاشتکار نے کھیت میں باغ لگایا اب یہ مکان چوپال اس نے فروخت بدست زمیندار کیا، ایسی حالت میں اس بائع کے شرکاء شفیع ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کاشتکار صرف عملہ مکان ودرختان مالک ہے۔ زمین اس کی ملک نہیں تو مجرد عملہ ودرخت میں کسی کے لئے شفعہ نہیں۔

فی ردالمحتار فی البزازیۃ لاشفعۃ فی الکردار لانه نقلی کالبناء، والاشجار	ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے، چوپال میں شفعہ نہیں کیونکہ وہ منقول چیز ہے جس طرح عمارت

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

ونحوہ فی النھایۃ والذخیرۃ والتتارخانیۃ عن السراجیۃ[1] اھملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور درختوں وغیرہ میں نہیں ہے۔ نہایہ، تاتارخانیہ اور ذخیرہ میں سراجیہ سے منقول ہے۔ اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے (مامہ عہ) روپیہ قرض لئے اور تین مکان رہن کردئے جبکہ مدت گزری ار روپیہ ادانہ ہوا، بکر نے نالش کرکے مع سود وخرچہ (مالہ لعہ لعہ) کے ڈگری پائی، اس میں تینوں مکان جن کی قیمت کی حیثیت قریب پانسو روپیہ کے تھی، چھیاسٹھ روپیہ میں نیلام ہوگئے، نیلام کارندہ بکر نے خریدا اور بعدہ، اپنے آقا کے لئے خرید اظاہر کرکے بنام بکر لکھ دیا، بکر نے ان مکانات پر قبضہ نہ کیا، زید چھ سات برس تک بدستور قابض رہا، اس سے قبل از نیلام خواہ اس کے بعد کبھی کوئی بات ایسی صادر نہ ہوئی جو اس نیلام کے اجازت یا رضامندی پر دلیل ہو، یہاں تک کہ دونوں انتقال کرگئے، اور بعد زید وارثان زید قابض ہوئے، اب ورثائے بکر نے نالش کرکے ڈگری دخلیابی حاصل کی، اور ہنوز دخل نہ ہوا تھا کہ ڈگری بدست خالد بیع کردی، اس خالد کو بھی دخل نہیں ملا ہے۔ اس صورت میں عمرو حویلی مذکور کا شفیع مدت دخل یابی خالد شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں، اور اگر خالد اپنی ڈگری ضائع کردے اور حق دخلیابی سے بعوض یا بلاعوض دستبردار ہو تو شفیع کے حق شفعہ کی کیا حالت ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ان مکانات پر ہرگز کسی طرح دعوی شفعہ نہیں پہنچتا کہ شفعہ کے لئے مکان کا ملک مالک سے خارج ہونا ضروری ہے۔

فی ردالمحتار فی الفتاوٰی الصغرٰی الشفعۃ تعتمد زوال الملك عن البائع[2] الخ۔	ردالمحتار میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے۔ شفعہ کا مدار بائع کی ملکیت کا زوال ہے۔ الخ (ت)

اور یہاں وہ مکانات شرعاً ملک زید سے خارج نہ ہوئے، یہ بیع نیلام جو بلااجازت واقع ہوئی غیر مالک کی بیع تھی جسے شرع میں بیع فضولی کہتے ہیں، اور وہ اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔

فی فتاوٰی الامام قاضی خاں اذا باع الرجل	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے جب بائع نے

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۸

مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالك [1]۔	غیر کا مال فروخت کیا تو ہمارے نزدیک یہ بیع مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔(ت)

اب کہ زید خود ہی ان مکانات پر قابض رہا، پھر وہ بلااجازت انتقال کرگیا بیع باطل ہوگئی، یہاں تک کہ وارثان زید کو بھی اجازت کا اختیار نہیں۔

فی الهندیة اذا مات المالك لاینفذ باجازۃ الوارث [2]۔	ہندیہ میں ہے کہ جب مالک فوت ہوجائے تو وارث کی اجازت سے بیع نافذ ہوگی۔(ت)

درحقیقت نہ بکر ان مکانوں کا مالک ہے نہ اس کے ورثہ نہ خالد خریدار پر ڈگری، بلکہ وہ سب متروکہ زید ہیں، اور ورثائے بکر کو صرف اپنی مقدار قرض کے مطالبہ پہنچتا ہے وبس، اور دعوی شفعہ فقط عقد مبادلہ میں ہے نہ انتقال بوراثت میں،

فی العالمگیریة لا تجب الشفعة مالیس ببیع ولا بمعنی البیع حتی لا تجب بالهبة والصلة والمیراث و الوصیة [3]۔	عالمگیری میں ہے، جب تک بیع یا معنی بیع نہ پایا جائے تو شفعہ لازم نہ ہوگا۔ حتی کہ ہبہ، صلہ، میراث اور وصیت میں لازم نہ ہوگا۔(ت)

پس عمرو کو زنہار استحقاق شفعہ حاصل نہیں، شرع مطہر کا تو یہ حکم ہے۔ اور حکم نہیں مگر شرع مطہر کے لئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: زید ہندو ہے۔ اس نے ایک مکان بنایا، ایسی زمین دیہہ میں کہ آبادی او اراضی اس دیہہ کی ملکیت مشترکہ ہے دس بارہ اشخاص کی، اب اس زید مذکور نے صرف اس مکان وبناء سکنی اپنی کو بہ ثمن متعدد ہاتھ ایک شخص کے کہ مکان خاص رہنے اس کے کا تخمینا پچاس قدم کے فاصلہ سے ہے فروخت کیا، مگر راضی داخل بیع نہیں ہے۔ صرف عملہ وبناء کو فروخت کیا ہے۔ اب بعد انقضائے عرصہ دوماہ کے منجملہ اور شرکاء کے ایک شریک کہ وبھی پچاس قدم اس مکان مبیعہ سے رہتا ہے، بگمان شفیع ہونے کے شفعہ شرعی بربنائے دعوی قائم کرتا ہے۔ ایسی صورت میں عندالشرع شریف اس عملہ مبیعہ زید ہندو پر شفعہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الوقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۵۲

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۰

الجواب:

قطع نظر اس سے کہ وہ فی نفسہ شفیع ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور طلب مواثبت واشہاد وغیرہما امور لازمہ جس کے بغیر شفعہ باطل ہوجاتا ہے بجالایا یانہیں۔ دعوی اس کا صورت مستفسرہ میں راسا باطل ہے کہ بناء محل شفعہ نہیں اور اس میں قصدا وبالذات شفعہ ثابت نہیں ہوسکتا۔

کمافی تنویر الابصار وشرحہ الدرالمختار لاتثبت قصدا الافی عقار لابناء ونخل اذا بیعا قصدا ولو حق القرار خلافا لما فھمہ ابن الکمال لمخالفتہ المنقول کما افادہ شیخنا الرملی [1] اھ ملخصا، وذکرہ من قبل فقال فردہ شیخنا الرملی وافتی بعدمہا تبعا للبزازیۃ وغیرھا فلیحفظ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیساکہ تنویر الابصار میں اور اس کی شرح درمختار میں ہے کہ شفعہ قصدا صرف زمین میں ہوسکتا ہے عمارت اور کھجور کے درخت میں شفعہ نہیں، جب ان کو قصدا فروخت کیا جائے اگرچہ بشرط قرار فروخت کیا جائے، یہ ابن کمال کے فہم کے خلاف ہے کہ انھوں نے منقول کے خلاف کہا جیساکہ ہمارے شیخ رملی نے افادہ کیا اھ ملخصا انھوں نے قبل ازیں ذکر کیا ہے اور کہا کہ ہمارے شیخ رملی نے اس کارد کیا ہے اور عدم شفعہ کا فتوی بزازیہ وغیرہا کی اتباع میں دیا ہے پس اسے محفوظ کرلو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک کوٹھری جس کا صحن مملوک عمرو اور اس صحن میں اس کوٹھری کے اور عــــہ ہے اور سقف اس کی ملک بکر ہے۔ اور اس کی دوجانب بھی مکانات بکر واقع ہیں بکر کے ہاتھ فروخت کی، اس صورت میں شفیع اس کا بکر ہے یا عمرو، اور عمرو کو بدعوی شفعہ وہ کوٹھری مل سکتی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شفیع اس کا عمرو ہے نہ کہ بکر، اور اگر عمرو شرائط شفعہ بجالایا تھا تو بدعوی شفعہ

عــــہ: اصل میں اس طرح ہے، اغلب یہ ہے کہ عبارت اس طرح ہو "اسی کوٹھری کے برابر ایک کوٹھری اور ہے" عبدالمنان اعظمی۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ہی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

اس کوٹھری کو بکر سے لے سکتا ہے کہ جب طریق اس مکان کا زمین عمرو میں ہے تو عمرو خلیط فی حق المبیع ہوا، اور بکر اسی وجہ سے کہ مالک علو ہے اور اس کے مکانات کوٹھری کے دونوں جانب ہیں محض جوار ہے۔ اور خلیط جار پر شرعاً مقدم مکانات بکر دونوں جانب ہونے سے وہ صرف جار ہوسکتا ہے۔ اسی طرح قابض علو ہونا بھی اگر بوجہ ملک ہو تو فقط مثبت جوار ہے۔ ورنہ لغو بحث۔

فی الفتاوٰی العالمگیریة سفل بین رجلین و لاحدھما علیه علو بینه وبین اٰخر فباع الذی له نصیب فی السفل والعلو نصیبه فلشریکه فی السفل الشفعة فی السفل ولشریکه فی العلو الشفعة فی العلوا ولاشفعة لشریکه فی السفل فی العلو ولا لشریکه فی العلو فی السفل لان شریکه فی السفل جار للعلو و شریك فی حقوق العلو ان کان طریق العلو فیه وشریکة فی العلو جار للسفل اوشریك فی الحقوق اذا کان طریق العلو فی تلك الدار فکان الشریك فی عین البقعة اولی [1]۔ وفی الفتاوٰی قاضی خاں باع صاحب السفل سفله کان لصاحب العلوان یاخذ السفل بالشفعة لان السفل متصل بالعلو فکانا جارین [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے نچلی منزل دو حضرات کی مشترکہ ہے اور دونوں میں سے ایک کا اس پر بالاخانہ ہے جس میں کوئی تیسرا شخص بھی شریک ہے تو نچلی منزل والوں میں سے جس کا بالاخانہ میں حصہ ہے اس نے اپنے نچلے اور اوپر والے حصوں کو فروخت کیا تو نچلے شریک کو نچلے حصہ میں اور اوپر والے شریک کو اوپر والے حصہ میں شفعہ کا حق ہے نیچے والے کو اوپر اور اوپر والے شریک کو نیچے والے حصہ میں شفعہ کا حق نہیں ہے کیونکہ نیچے والا شریک بالاخانہ کا پڑوسی ہے اور اگر بالاخانہ کا راستہ مشترکہ ہو تو وہ بالاخانہ کے حقوق میں بھی شریک ہے اور یوں ہی بالاخانہ کا حصہ دار نیچے والے حصہ کا پڑوسی ہے اگر راستہ بالاخانہ نیچے والی منزل میں سے گزرتا ہو تو بھی نچلی منزل کے حقوق میں شریک ہوگا لہذا پڑوسی یا حقوق میں شریک کی بنسبت عین مبیع میں شریک کا حق مقدم اور اولٰی ہے۔ اور فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ نچلی منزل والے نے اپنا حصہ فروخت کیا تو اوپر والے کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ نچلی اور اوپر منزل میں اتصال ہے تو دونوں پڑوسی قرار پائیں گے۔ (ت)

غرض بہر حال بکر جار محض سے زائد نہیں اور عمرو خلیط فی حق المبیع ہے کہ راستہ مکان مبیع کا اس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۴

کی زمین مملوک ہے۔اور شرعا خلیط جار پر مقدم۔ کما ھو فی عامۃ الکتب (جیسا کہ یہ عام کتب میں ہے۔ت) پس صورت مسئولہ میں بر تقدیر مدعی ہونے کسی شریک فی نفس المبیع کے عمرو ہے۔نہ بکر اور عمرو شرائط شفعہ بجالایا تو در صورت عدم مزاحم مکان مبیع کو بکر سے لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان واقع کوچہ غیر نافذہ ایک شخص اجنبی کے ہاتھ کہ اس مکان سے کوئی علاقہ شفعہ نہیں رکھتا فروخت ہوا، راستہ اسی مکان کا اراضی پیش دروازہ زید ہے۔اور راہ دونوں کو شارع عام تک مشترک، پس زید بعد بجاآوری شرائط شفعہ بحسب شفعہ دعوی کرتا ہے۔اس صورت میں وہ مکان زید کو مل سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسئولہ میں زید خلیط فی حق المبیع ہے۔اور حق شفع اس کے لئے ثابت، پس جس صورت میں کہ وہ سب شرائط بجالایا اگر کوئی خلیط فی نفس المبیع مدعی شفعہ نہ ہو، تو مکان اسے قطعاً مل سکتا ہے واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

الجواب الصحیح محمد نقی علی میاں

مسئلہ ۱۹: ۲۷ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کی اراضی میں زید کے چند ورثہ شریک ہیں، ان میں سے بعض نے اپنے حصے عمرو شخص اجنب کے ہاتھ بیع کردئے، پھر ان اشخاص میں سے جنھوں نے اپنے حصے بیع نہیں کئے تھے ایک نے اسی عمرو کے ہاتھ اپنا حصہ بیع کردیا، اب ان اشخاص مذکورین میں ایک شخص شفیع ہے۔تو یہ شخص عمرو اجنب پر ترجیح رکھتا ہے یا نہیں؟ اور اس اراضی مبیعہ کو عمرو سے شفعہ میں لے سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

عمرو جبکہ ایک حصہ اسی زمین کا خرید چکا ہے۔اور ہنوز حدود جدا نہ ہوں تو وہ بھی شریک ہے اور یہ شفیع بھی شریک ہے تو کسی دوسری پر ترجیح نہیں، اگر اس شریک نے بیع ثانی کی کل مبیع کا مطالبہ بذریعہ شفعہ کیا اور عمرو دینے پر راضی نہ ہوا، تو نصف شفیع کو دلادیں گے، اور عمرو راضی ہوگیا تو کل دلادیں گے۔

فی ردالمحتار باع احد شریکین فی دارحصه منها للاخرفجاء ثالث وطلب الشفعة فان کان شریکا قسمت بینه وبین المشتری لانهما شفیعان ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر[1] اھ مختصرا۔واﷲ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے ایک مکان میں دوشریکوں میں سے ایک نے اپنا حصہ شریک کے پاس فروخت کیاتوایک تیسرا شخص آیا اس نے شفعہ کا مطالبہ کیااگروہ بھی مکان میں شریک ہوتووہ مکان شفیع اور مشتری میں مشترکہ قرار پائے گا کیونکہ وہ دونوں شفعہ کے حقدار ہیں یعنی جب تیسرے نے اپنا حق شفعہ نہ چھوڑااور مطالبہ پر قائم رہااھ مختصرا۔واﷲتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰: از دیورنیا تحصیل بہیڑی ۱۷صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ موضع دیورنیامیں تخمیناً دوبسوہ زمینداری ہے۔منجملہ اس کے تخمیناً ۵کچوانسی خلیل الدین کے پاس،اور ۱۰کچوانسی خواجہ بخش کے پاس،او نمبرداری دونوں بسوہ پر خواجہ بخش کی ہے۔دیگر نے انہی دو بسوہ سے ۱۶ بسوانسہ خلیل الدین کے ہاتھ بیع کی،توشفعہ خواجہ بخش اور خلیل الدین کس کو کتنا پہنچتاہے؟**بینواتوجروا**

الجواب:

اگروہ دیہہ مملوکہ ہے کہ زمیندار اس میں اپنے اپنے حصوں کے مالک ہیں،تو بلاشبہ اس میں حق شفعہ جاری ہے اور خلیل الدین مشتری اور خواجہ بخش دونوں شفیع ہیں،خواجہ بخش اگر طلب مواثبت وغیرہ شرائط بجالایااور کل مبیع ۱۶بسوانسی پوری پر بذریعہ شفعہ دعوی کیاتواگر خلیل الدین مزاحمت کرے توآٹھ بسوانسی خلیل الدین کے پاس رہیں گے،اورآٹھ بسوانسی شفعہ خواجہ بخش کودلادی جائینگی اس بات پر کچھ لحاظ نہ ہوگاکہ ان میں ایک دوکچوانسی کامالک ہےاور دوسرادس کا،اوراگر خلیل الدین مزاحمت نہ کرے بلکہ کل دے دے توکل خواجہ بخش کوملے گی،اوراگرخواجہ بخش نے کل مبیع پردعوی نہ کیابلکہ یہ سمجھ کرکہ مجھے آدھی ملیں گی،ابتداءً آٹھ ہی بسوانسی پر شفعہ چاہا،تواس کاحق شفعہ ساقط ہوا،اب کچھ نہ پائے گا،ردالمحتارمیں ہے:

ذکر فی الخیریة ان کون الارض عشریة اوخراجیة لاینافی الملك ففی کثیر من الکتب ارض الخراج او العشر	خیریہ میں مذکور ہے کہ زمین کا عشری یاخراجی ہونا ملکیت ہونے کے منافی نہیں ہے توبہت سی کتب میں ہے کہ مملوکہ عشری یاخراجی زمین کافروخت کرنا،وقف

[1] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت ھی فیه اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

مملوکة یجوز بیعها وایقافها وتورث فتثبت فیها الشفعة بخلاف السلطانیة التی تدفع مزارعة لاتباع فلا شفعة فیها[1] الخ۔	کرنا، میراث ہونا جائز ہے، توان میں شفعہ ثابت ہوگا۔بخلاف سرکاری زمین جو مزارعت میں دی جائے اور قابل فروخت نہ ہواس میں شفعہ نہیں ہے الخ۔(ت)

درمختار میں ہے:

لوکان المشتری شریکا وللدار شریك اٰخر فلهما الشفعة[2]۔	اگر خریدر خود شریک تھاجبکہ اس میں کوئی اور بھی شریک ہو تو دونوں کو شفعہ کا حق ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی القنیة اشتری الجار دارا ولها جار اٰخر فطلب الشفعة وکذا المشتری فهی بینهما نصفین، لانهما شفیعان قال ابن الشحنة فقوله وکذا المشتری ای اذا طلب ولم یسلم للشفیع الاٰخر، وفی کلام ابن الشحنة اشارة الی ان قول القنیة فطلب الشفعة المراد به انه لم یسلم الکل للاخر لاحقیقة الطلب، فلاینا فی ماقدمناه عن الخانیة ان الاصیل لایحتاج الی الطلب[3]۔	قنیہ میں ہے ایک نے پڑوس والا مکان خریدا جبکہ اس مکان کا پڑوسی ایک اور شخص بھی ہے تواس نے شفعہ کا مطالبہ کیا تووہ اور مشتری دونوں اس مکان میں شریک ہونگے، کیونکہ وہ دونوں برابر کے شفیع ہیں، ابن شحنہ نے کہا، تواس کا قول یوں مشتری بھی، یعنی جب وہ شفعہ کا مطالبہ کرے اور دوسرے کو اپنا حق نہ چھوڑے، اور ابن شحنہ کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ قنیہ کے قول "توشفعہ طلب کیا" اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرے کو کل نہ سونپا، یہ مراد نہیں کہ حقیقۃً طلب کیا، تویوں خانیہ سے ہمارے ذکر کردہ کے منافی نہ ہوا کہ اصل شخص طلب کرنے کا محتاج نہیں ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

تملك بلاخذ بالتراضی او بقضاء القاضی بقدر رؤس الشفعاء لاالملك[4]۔	رضامندی یا قاضی کی قضاء سے شفعہ کرنے والوں کی تعداد کے مطابق نہ کہ ملکیت کے مطابق حاصل کرنے پر مالک ہوجائیں گے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد باب العشر والخراج داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۶

[2] درمختار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة باب ماتثبت هی فیه اولا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۲

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

درمختار میں ہے:

لو طلب احد المشریکین النصف بناء علی انہ یستحقہ فقط بطلت شفعتہ اذ شرط صحتھا ان یطلب الکل کما بسطہ الزیلعی فلیحفظ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر دونوں شریک حضرات میں، سے ایک نے نصف کا مطالبہ صرف اپنے استحقاق کے مطابق کیا تو شفعہ باطل ہوگیا کیونکہ شفعہ کی صحت کے لئے شرط ہے کہ وہ کل کا مطالبہ کرے، جیسا کہ زیلعی نے اس کو مبسوط پر بیان کیا، اسے محفوظ کرنا چاہئے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان پابند شرع، برحق اس مسئلہ میں، ایک چشمہ گنگا بائی ومتھرا بائی کے مکان کا شرق رویہ ملحق مکان حکیم رحمت علی صاحب اور طرف جنوب شارع عام اور مغرب رویہ اس مکان کے صرف مکان رحمت علی صاحب ہے، اس چشمہ کوایک برہمن غیر محلّہ کو سات سو روپیہ میں فروخت کیا، ازاں جملہ دس روپیہ بیعنامہ ہوا، اس برہمی سے لے لئے، جب حکیم صاحب کو خبر پہنچی تو بوقت دستاویز دعوی حق شفعہ کیا تو اس عورت نے بعدم دعوی حق شفعہ حکیم صاحب اس چشہ کو جو منضم مکان حکیم صاحب ہے اس برہمن کو خیرات کردیا، اس خیال سے کہ دعوی حکیم صاحب رد ہوجائے، اس صورت میں بحق شفعہ دعوی حکیم صاحب درست ہے یانہیں؟ بیان فرمائیں بعبارت کتب علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

اگر شفیع شرائط طلب بجالایا تو اس کا حق شفعہ ثابت ہے۔ اور اس خیرات کردینے سے شفعہ حاصل نہ ہوا، جب بیع تمام ہوچکی مشتری کا مالک ہوگیا، بائعہ کی اس میں ملک نہ رہی، اب یہ اسی کا مال اس پر خیرات کرنے والی کون، اور اگر خیرات یوں واقع ہوئی کہ بعد دعوی شفعہ بائعہ ومشتری نے باہم بیع کو فسخ کرلیا، پھر بائع نے مبیع مشتری پر خیرات کردی، تو یہ مشتری کا ایک تصرف تھا جسے شفعیع توڑ سکتا ہے، بائع ومشتری کا باہم بیع فسخ کرلینا تیسرے شخص کے حق میں بیع جدید ہوتا ہے یعنی مشتری نے اب وہ چیز بائع کے ہاتھ بیچ ڈالی اور مشتری کی بیع درکنار وقف تک کو شفیع رد کرسکتا ہے ان تصرفات سے اس کے حق شفعہ میں کوئی خلل

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

نہیں آتا، درمختار میں ہے:

ینقض الشفیع جمیع تصرفات المشتری حتی الوقف والمسجد والمقبرۃ والھبۃ. زیلعی وزاھدی [1]۔	مشتری کے کیے ہوئے تصرفات حتی کہ وقف، مسجد مقبرہ، ہبہ جیسے کو بھی شفیع کالعدم کردے، زیلعی وزاہدی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

لوتصرف المشتری فی الدار المشتراۃ قبل اخذ الشفیع بان وھبھا وسلمھا اوتصدق بھا اوأجرھا او جعلھا مسجدا وصلی فیھا او وقفھا وقفا اوجعلھا مقبرۃ ودفن فیھا، فللشفیع ان یاخذ وینقض تصرف المشتری کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خاں [2]۔	اگر مشتری نے خرید کردہ پراپرٹی میں شفیع کے قبضہ سے قبل تصرفات کیے یوں کہ ہبہ کرکے قبضہ دے دیا، اس کو صدقہ کردیا، اُجرت پر دے دیا، اس کو مسجد قرار دے کر اس میں نماز پڑھی گئی، مکمل وقف کردیا، یا قبرستان بنا کر اس میں دفن کا عمل کیا تو شفیع کو قبضہ کرکے ان تمام تصرفات کو ختم کرنے کا حق ہے۔ قاضی خاں کی شرح جامع الصغیر میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ذخیرہ سے ہے:

المشتری له ان یبیع ویطیب له الثمن غیر ان للشفیع ان ینقض [3] اھ مختصرا۔	مشتری کو فروخت کرنے کا جواز ہے اور وہ ثمن اس کے لئے طیب ہے مگر شفیع کو اختیار ہوگا کہ وہ ان تصرفات کو توڑ دے اھ مختصرا۔(ت)

تنویر میں ہے:

الاقالۃ فسخ فی حق المتعاقدین بیع فی حق ثالث [4] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اقالہ فریقین کے حق میں فسخ ہے اور تیسرے شخص کے حق میں وہ جدید بیع ہے اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۳

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۱

[4] درمختار کتاب البیوع باب الاقالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۔ ۳۳

مسئلہ ۲۲: از شہر کہنہ بریلی مرسلہ مولوی سید کرامت علی ۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعت غراء محمدیہ اس صورت میں کہ زید کا ہمسایہ عمرو ہے اور دونوں کے مکان ایک ہی قطعہ میں واقع ہے۔ صرف دیوار پر درمیان میں ہے۔ اور دروازہ دونوں کا متصل ہر ایک جانب کو بفاصلہ تین چار گزر کے، اور کوئی دوسرا شخص ایسا قریب نہیں رہتا جس کا دروازہ ملحق بدروازہ زید ہو۔ سوائے عمرو مذکور کے، اب زید نے بنظر تکلیف دہی عمرو کی اپنی زمین مذکورہ کا تبادلہ بکر کے زمین سے جو بفاصلہ تقریباً دو صد گز ہے کرکے اقرار نامہ تحریر کردیا یعنی اپنی زمین بکر کے بیع کردیا، اب اس حالت میں عمرو کو حق شفعہ زمین پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور حق شفعہ پہنچتا ہے اگرچہ بجائے لفظ بیع مبادلہ زمین بزمین کہا، اگرچہ بجائے بیعنامہ اس مبادلہ کا اقرار نامہ لکھا، اس لئے کہ ان عقود میں معنی ہی معتبر ہیں، خاص لفظ کی حاجت نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اعطیتك بکذا اوخذہ بکذا فی معنی قولہ بعت واشتریت لانہ یؤدی معناہ المعنی ہو المعتبر فی ہذہ العقود[1]۔	میں نے تجھے اتنے عوض میں دیا یا اتنے عوض میں لے، یہ بعت واشتریتُ کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ان کے ہم معنٰی ہیں اور ان عقود میں معنی ہی معتبر ہے۔(ت)

اور مال کا مال سے بدلنا بھی معنا بیع ہے، عالمگیری میں ہے:

اما تعریفۃ فمبادلۃ المال بالمال بالتراضی ھکذا فی الکافی[2]۔	بیع کے تعریف، رضامندی سے مال کا مال کے بدلے دینا، کافی میں اس طرح ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لوقال لاخر عوضت فرسی بفرسك فقال وانا فعلت ایضا فھذا بیع[3]۔	اگر ایک نے دوسرے کو کہا، میں نے اپنا گھوڑا تیرے گھوڑے کے بدلے میں دیا، دوسرے نے کہا میں نے بھی کر لیا، تو یہ بیع ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۵

اسی کی کتاب شفعہ میں ہے:

اما شرطها فانواع منها عقدا لمعاوضة وهو البيع او ماهو بمعناه(الى وله)ومنها معاوضة المال بالمال [1]۔	شفعہ کے شرائط کئی ہیں، ان میں ایک عقد معاوضہ ہے۔اور وہ بیع یااس کاہم معنی ہے(تااس کے قول)اور ان میں سے مال کا مال سے تبادلہ ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا مالك العقار بعوض هو مال وجبت فيه الشفعة [2]۔	جب پراپرٹی کا کسی مال کے عوض مالک بن گیاتواس میں شفعہ لازم ہوتا ہے۔(ت)

یہ خاص جزئیہ اس مسئلہ کا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از ریاست رامپور محلّہ بنگلہ آزاد خاں مطبع دبدبہ سکندری مرسلہ فاروق حسن خاں ۷جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے دعوٰی دلاپانے ایک قطعہ سراکا جس کا منفرد عمرو مشتری ہے۔اور دوسرے قطعہ سراکا جس کے عمرو مذکور وبکر وخالد وفہیم ونعیم پانچ اشخاص مشترکا خریدار ہیں، باظہار حق شفعہ بہ نمبر ہائے جداگانہ بنام مشتریان مذکور عدالت میں رجوع کیا، مشتریان مذکور بعد علم بالبیع ادائے طلب مواثبت واشہاد زید کے منکر ہیں، زید نے جو شہادتیں دربارہ طلب مواثبت عدالت میں پیش کیں ان سے طلب مذکور ثابت نہ ہوئی، پس زید اعتراف عدم ثبوت طلب موثبت اپنی طلب مواثبت پر خود خواستگار بجاآوری حلف کا ہے۔علماء ماہرین علم فقہ سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ بصورت مسئلہ نسبت ادائے طلب مواثبت قول زید کا مع الیمین مقبول ہوگا یا باقتضائے روایات مفتی بہاواقوال مستندہ فقہیہ بسبب ہونے تحلیف علی فعل الغیر مشتریان سے علم طلب مواثبت زید پر قسم لی جائے گی،اور فریق ثانی نے جواستفتاء عدالت میں پیش کیا ہے اس کی نقل بجنسہٖ ہمرشتہ سوال ہذا ہے۔ نظر بمضمون سوال ہذا وتوجہ بروایات وعبارات سوال وجواب مندرجہ استفتاء گزرانیدہ، فریق ثانی بحوالہ روایات مفتی بہا بااستدلال اقوال مستندہ کتب فقہ جواب مرحمت ہو۔بینوا توجروا

الجواب:

یہ مسئلہ معرکۃ الآراء ومزلۃ الاقدام ہے۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۶۰

[2] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب ماتجب فیہ الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۴ /۴۰۰

عبارات کثیرہ علماء کو بظاہر نہایت متخالف ومتعارض تھیں بکثرت جمع کیں، اوران کے محو انظار ومنزع کلام ومنظر مراد وملحظ مرام پر بتوفیقہ تعالٰی نظریں ڈالیں اور بعد تحقیق وتدقیق وتطبیق وتوفیق وہ حکم نفیس مشید بالاصول ومؤید بتظافر العقول والمنقول منقح کرلیا جس نے بحمد اللہ تعالٰی ان تمام عبارات متعارضہ کو یک زبان کردیا اور تصادم وتزاحم یک لخت اٹھ گیا، اور مختلف ظنوں کو مختلف مناشی سے اکابر علماء مثل علامہ ابن قاضی سماوہ وعلامہ حموی وعلامہ ابوالسعود ازہری وعلامہ سائحانی اور شامی رحمہم اللہ تعالٰی کو پیدا ہوئے تھے بعونہ سبحانہ سب کا کشف حجاب واظہار صواب کیا، فقیر نے اس تحریر کامل التحریر کا نام "اَفْقَهُ الْمُجَاوَبَةِ عَنْ حَلَفِ الطَّالِبِ عَلٰی طَلَبِ الْمُوَاثَبَةِ" رکھا۔ وضاحت مرام وازاحت اوہام تو اسی تحریر پر محمول۔ یہاں نفس حکم بکمال اجمال مذکور۔ سوال کہ یہاں ارسال ہوا، اور دوسرا کہ فتوٰی منسلکہ میں تھا دونوں نہایت گول اور ناتمام ہیں ان میں سے کسی پر ایک حکم قطعی کہ یہاں شفیع کا حلف لیں گے یا مشتری کا، ہرگز نہیں ہوسکتا بلکہ حق تفصیل ہے۔ اولا نظر کی جائے، آیا شفیع نے طلب اشاد بینہ عادلہ سے ثابت کردی یا وہ بھی ناکام رہی، درصورت ثانیہ ہرگز شفیع کا حلف نہ لیا جائے گا۔ نہ مسموع ہوگا کہ شفیع ثبوت حق شفعہ کا دعوٰی کرتا ہے۔ اور مشتری منکر ہے۔ اور شرعا حلف منکر پر ہے نہ کہ مدعی پر، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث مشہور میں فرماتے ہیں:

البینة علی المدعی والیمین علی من انکر[1]۔	مدعی پر گواہ اور منکر پر قسم لازم ہے۔(ت)

ولہٰذا عامہ کتب معتمدہ میں تصریح فرمادی کہ بحال انکار مشتری شفیع اپنی طلب بے گواہوں کے ثابت کرہی نہیں سکتا۔ ہدایہ وتبیین الحقائق وتکملہ طوری میں ہے:

لانه یحتاج الی اثبات طلبه عندالقاضی ولایمکنه ذٰلك الابالاشهاد[2]۔	کیونکہ قاضی کے ہاں وہ اپنی طلب کو ثابت کرنے کا محتاج ہے جبکہ یہ گواہ بنائے بغیر اس کے لئے ممکن نہیں۔(ت)

اور اگر طلب شہاد بینہ شرعیہ سے ثابت ہوچکی ہے۔ تو اب طلب مواثبت کے باب میں تین صورتیں ہیں:

(ا) اگر شفیع اپنی طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب اشہاد مشہود ومعہود ثابت بالبینہ سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرھن باب اذا اختلف الراھن والمرتھن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲، جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء فی البینة علی المدعی امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۰، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الدعوی والبنیات دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۵۲

[2] الھدایہ کتاب الشفعة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۰

پہلے بیان کیا اور مدعی ہوا ہے کہ اسی وقت بمجرد علم بالبیع میں طلب مواثبت بجالایا تھا، تو ہر گز بے بینہ مسموع نہیں، نہ شفیع کا حلف اصلا قابل سماعت کہ وہ باقرار خود سبقت علم مان چکا ہے اور اس کی معیت کا ایک ایسی طلب کے لئے مدعی ہے جو ہنوز مجہول وغیر ثابت ہے۔

فکیف یصدق فیما ھو غیر بین ولا مبین مع توقف ثبوت حقه علیه۔	تو غیر واضح چیز میں وہ کیسے تصدق کرے جبکہ اپنے حق کو ثابت کرنا خود اس پر موقوف ہے۔ تو اور کون واضح کرے گا۔ (ت)

وہ حصول طلب فی الماضی کا مدعی ہے اور مشتری منکر۔

والاصل العدم ومن ادعی خلاف الاصل فعلیه تنویر دعواہ بالبینة۔	عدم اصل ہے اور جو شخص اصل کے خلاف کا دعوی کرے اس پر اپنے دعوی کو روشن کرنا گواہی کے ساتھ ضروری ہے۔ (ت)

وہ ایک ایسی چیز کی حکایت کررہا ہے جو اس وقت اس کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ سبقت علم کا مقر ہوا، اور طلب مواثبت کا وقت اسی فور میں تھا اس وقت احداث طلب پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور جو ایسی شیئ کا حاکی ہو اس کا قول بے بینہ مسموع نہیں، دررو غرر میں ہے:

من حکی مالایملك استئنافه للحال، لایصدق فیما حکی بلا بینة[1]۔	جس کو فی الحال نافذ کرنے کا مالک نہیں تو اس کی حکایت بغیر گواہی قابل تصدیق نہ ہوگی۔ (ت)

یہی معنی ہیں تصریحات کے کہ طلب مواثبت بے بینہ کے ثابت نہیں ہوسکتی۔

ای اذا کان طلب المواثبة وحدہ بخلاف مایاتی فانه لم یثبت فیه انفرادہ عن طلب الاشهاد، کما ستعلم، وطلب واحد ربما یقوم مقام الطلبین فبعد اثبات طلب الاشهاد بالشهود اوثبوته باقرار المشتری لایحتاج الی اثبات طلب المواثبة	یعنی جب طلب مواثبت الگ ہو یہ آئندہ آنیوالی صورت کے برخلاف ہے جہاں طلب مواثبت میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ طلب اشہاد سے خالی ہے جیسا کہ عنقریب تجھے معلوم ہوگا جبکہ ایک ہی طلب وہ مطالبوں کے قائم مقام ہوسکتی ہے تو گواہوں کے ذریعہ طلب اشہاد کے اثبات یا خود مشتری کے اقرار سے ثبوت کے بعد شفیع کو اب طلب مواثبت کے اثبات

[1] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون ھی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

منفرزاعنه،فان ادعی المشتری الانفراز بتقدم العلم علی الاشجار فعلیه البینة لاعلی الشفیع۔	کی الگ طور پر ضرورت نہیں، تو اگر مشتری یہ دعوی کرے کہ شفیع کو طلب اشہاد سے قبل بیع کا علم تھا اور اس نے مواثبت نہ کی تو اس صورت میں مشتری پر لازم کہ وہ اس پر گواہی پیش کرے نہ کہ شفیع پر۔(ت)

غایۃ البیان شرح الہدایہ للعلامۃ الاتقانی میں ہے:

المراد من المطالبة طلب المواثبت والاشهاد فیه فی المجلس لیس بشرط والشراط هو نفس الطلب۔و انمایشهد فیه لانه لایصدق علی الطلب الابینة [1]۔	مطالبہ سے مراد طلب مواثبت ہے۔رہا شہاد (گواہ بنانا) تو اس کا اس مجلس میں پایا جانا شرط نہیں ہے شرط صرف نفس طلب ہے۔اس میں گواہ بنانا صرف اس لئے ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر طلب کی تصدیق نہ ہوسکے گی۔(ت)

نہایہ امام سغناقی و معراج الدرایہ پھر نتائج الافکار و شروح ہدایہ میں ہے:

طلب المواثبة لاینفك عن الاشهاد فی حق علم القاضی [2]۔	طلب مواثبت قاضی کے علم کے اعتبار سے اشہاد سے جدا نہیں ہوسکتی۔(ت)

ان دونوں صورتوں میں سبیل یہی ہے کہ شفیع چاہے تو مشتری سے حلف لے۔اور یہاں حلف فعل غیر پر ہے۔مشتری کا حلف محض علم پر ہوگا کہ واللہ مجھے معلوم نہیں کہ اس زید مدعی نے یہ طلب مواثبت جس کا یہ مدعی ہے ادا کی ہو، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لوانکر المشتری طلب المواثبة فانه یحلف علی العلم [3]۔	اگر مشتری طلب مواثبت کا انکار کرے تو وہ اپنے علم کی قسم کھائے گا (کہ یہ مجھے معلوم نہیں)۔(ت)

وجیز امام کردری میں ہے:

انکر طلب الشفیع مواثبة حلفه علی العلم،وان طلبه عند	مشتری نے شفیع کی طلب مواثبت کا انکار کیا تو اپنے علم کی قسم کھائے گا اور اگر شفیع نے مشتری سے

[1] غایۃ البیان

[2] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ بر فتح القدیر کتاب الشفعۃ باب مایبطل بہ الشفعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۳۶

[3] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۷

لقائہ فعلی البتات [1]۔	ملاقات کے وقت طلب کا دعوی کیا تو اس صورت میں مشتری قطعی قسم کھائے گا (کہ شفیع نے قبل ازیں مواثبت نہیں کی)۔ (ت)

اشباہ میں ہے :

انکر المشتری طلب الشفعۃ حین علم فالقول لہ مع یمینہ علی نفی العلم [2]۔	مشتری نے طلب کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو مشتری اپنے علم کی قسم کھائیگا اور اس کی بات مان لی جائے گی۔ (ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفعۃ عند سماع البیع فالقول لہ مع الیمین علی العلم باللہ ما یعلم ان الشفیع حین علم بالبیع طلب [3]۔	مشتری نے طلب شفعہ کا انکار کیا کہ شفیع نے بیع کی خبر سننے پر مواثبت نہیں کی تو اپنے علم کی قسم پر اس کی بات قبول کرلی جائے گی اور یوں کہے گا کہ اللہ کی قسم مجھے علم نہیں کہ شفیع نے سن کر موقعہ پر طلب کی ہو۔ (ت)

ہندیہ میں ملتقط سے ہے:

المشتری اذا انکر طلب الشفیع الشفعۃ عند سماع البیع یحلف علی العلم، وان انکر طلبہ عند لقائہ حلف علی البتات [4]۔	شفیع کا بیع کی خبر سننے پر طلب کا اگر مشتری انکار کرے تو اپنے علم کی قسم دے گا۔ اور اگر اس کی ملاقات کے موقعہ پر طلب کا مشتری انکار کرے تو قطعی قسم دے۔ (ت)

اسی طرح کتب کثیرہ میں ہے۔ اسی میں محیط امام سرخسی سے ہے:

اذا انکر المشتری طلب الشفعۃ فیقول لہ لم تطلب الشفعۃ حین علمت بل ترکت الطلب وقمت عن المجلس والشفیع	مشتری طلب شفعہ کا انکار کرتے ہوئے شفیع کو کہے کہ تو نے بیع کی خبر سن کر شفعہ طلب نہ کیا بلکہ تو مجلس سے اٹھ گیا اور طلب کو ترک کیا، اور شفیع کہے کہ میں نے

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الشفعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۸۷

[3] خزانۃ المفتین کتاب الشفعۃ قلمی نسخہ ۲/ ۱۹۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

یقول طلبت فالقول قول المشتری فلا بد من الاشھاد وقت الطلب توثیقا[1]۔	اس وقت طلب کیا ہے تو مشتری کی بات مانی جائے گی اسی لئے کہ وقت الشہاد ضروری ہے تاکہ معاملہ پختہ ہو۔(ت)

اور اگر شفیع نے طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت اس طلب الشہاد و مشہود سے پہلے نہ بیان کیا، بلکہ صراحۃ تصریح کردی کہ جس وقت میں نے طلب اشہاد کی اسی وقت مجھے علم ہوا تھا اس سے پہلے علم بالبیع نہ تھا، تو شفیع ہی کا قول حلف کے ساتھ مقبول ہے۔ا سے طلب مواثبت پر جداگانہ گواہی دینے کی حاجت نہیں، مشتری اگر دعوی کرے کہ طلب اشہاد سے پہلے شفیع کو علم بالبیع ہولیا تھا، اور اس نے اس وقت طلب مواثبت نہ کی تو اب مشتری مدعی ہے۔ یہ گواہی دے، اسی لئے کہ اب یہ حصول علم فی الماضی کا ادعا کرتا اور شفیع منکر ہے۔

والحادث یضاف الی اقرب الاوقات، والاصل العدم فمن خالف ھذین الاصلین فعلیہ البینۃ۔	نیا معاملہ اقرب وقت کی طرف منسوب ہوگا، اور یہ کہ عدم اصل ہے۔ جو شخص ان دونوں قاعدوں کے خلاف کرے تو اس پر گواہ لازم ہوں گے (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال الشفیع لم اعلم بالشراء الاالساعۃ کان القول قولہ، وعلی المشتری البینۃ انہ علم قبل ذٰلک ولم یطلب[2]۔	اگر شفیع کہے کہ مجھے خریداری کا علم نہ تھا اب ہوا ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا۔ اور مشتری گواہی پیش کرے کہ اس کو پہلے علم ہوچکا اور اس نے طلب نہ کیا۔(ت)

سراجیہ میں ہے:

الشفیع اذا طلب الشفعۃ فقال المشتری علمت بالبیع قبل ھذا ولم تطلب وقال الشفیع علمت بہ الساعۃ فالقول للشفیع[3]۔	شفیع نے طلب کیا تو مشتری نے کہا تجھے قبل ازیں بیع کا علم ہوگیا تھا تو نے مطالبہ نہ کیا جبکہ شفیع کہے کہ مجھے ابھی علم ہوا ہے تو شفیع کی بات قبول ہوگی۔(ت)

خزانۃ المفتین میں فتاوٰی ظہیریہ اور عالمگیری میں محیط سے ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

لو قال الشفیع علمت الساعۃ وانا اطلبھا وقال المشتری علمت قبل ذٰلک ولم تطلب فالقول قول الشفیع [1]۔	اگر شفیع نے کہا مجھے اب علم ہوا اور طلب کر رہاہوں مشتری نے کہا تو نے پہلے علم ہونے کے باوجود طلب نہیں کیا ہے تو شفیع کی بات مانی جائے گی۔(ت)

یوہیں اگر شفیع نے طلب اشہاد ثابت کر دی اور طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم اصلا معین نہ کیا بلکہ لوگوں مجمل کہا کہ معاعلم ہوتے ہی میں نے شفعہ طلب کیا تو اس صورت میں بھی شفیع کا حلف معتبر ہے اگر واقع میں اسی وقت طلب اشہاد سے پہلے علم نہ ہوا تھا جب تو ظاہر اور ہو چکا تھا اور فورا طلب مواثبت کرلی تھی اگرچہ اس وقت کوئی دوسرا موجود نہ تھا ت وہ اپنے اس حلف میں عنداللہ سچا ہے اور قاضی اس گول لفظ کو اسی طلب معلوم مشہود پر حمل کرے گا اور اس سے زیادہ تفصیل وقت کی شفیع کو تکلیف نہ دیگا یہی منشا ہے ان عبارات کا کہ شفیع کو اگرچہ تنہائی میں علم بالبیع ہو معاز بان سے طلب شفعہ کرلے کہ عند اللہ تعالٰی اس کا شفع ساقط نہ ہو اور وقت حاجت حلف کرسکے۔فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یصدق علی انہ طلب کما علم مع الحلف [2]۔	شفیع نے کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کیا تو قسم کے ساتھ اس کی تصدیق کر دی جائے گی۔(ت)

درر میں ہے:

اذا اسمع بالبیع فی مکان خال عن الشھود فسکت تبطل شفعتہ، واذا قال طلبت الشفعۃ ولم یسمعہ احد لا تبطل، حتی اذا حضر عند القاضی، وقال الشفیع طلبت الشفعۃ ولم اترکھا وحلف علی ذٰلک کان بارا فی یمینہ، ویثبت طلب المواثبۃ [3]۔	جب ایسی جگہ اس نے بیع کی خبر سنی جہاں کوئی گواہ نہ تھا تو یہ خاموش رہا، اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور جب یہ کہے کہ میں نے وہاں طلب کیا اور کسی نے نہ سنا شفعہ باطل نہ ہوگا حتی کہ جب قاضی کے ہاں حاضر ہو کر شفیع نے کہا میں نے شفعہ طلب کیا اور ترک نہیں کیا اور قاضی نے اس پر قسم لی اور اس نے قسم کھائی تو اپنی قسم میں سچا ہوگا۔اور طلب مواثبت ثابت ہوجائے گی۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان لم یکن بحضرتہ احد یطلب من غیر اشھاد، لان ھذا الطلب صحیح من غیر اشھاد والاشھاد لمخافۃ الجحود۔والطلب لا بد منہ کیلا یسقط حقہ فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی ولیمکنہ الحلف اذا حلف [4]۔	اگر کوئی بھی حاضر نہ ہو تب بھی طلب بغیر گواہی کر دے، کیونکہ یہ بغیر گواہوں کے طلب صحیح ہوگی اور گواہی تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہوتی ہے جبکہ طلب ضروری ہے تاکہ اس کا عنداللہ حق ساقط نہ ہو اور اس سے قسم لی جائے تو قسم دینا ممکن ہو۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۴

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الشفعۃ الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۶

[3] الدرر الحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعۃ باب ماتکون ھی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۵

[4] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۵/ ۲۴۳

کفایہ میں ہے:

ذکر فی المبسوط لو لم یکن بحضرته احد حین سمع ینبغی ان یطلب الشفعة، والطلب صحیح من غیر اشہاد، والاشہاد لمخالفة الجحود فینبغی له ان یطلب حتی اذا احلفه المشتری امکنه ان یحلف انه طلبہا کما سمع[1]۔	مبسوط میں ذکر فرمایا کہ اگر کوئی بھی اس کے پاس موجود ہو تو بیع کی خبر سنتے ہی شفعہ طلب کرنا مناسب ہے جبکہ بغیر گواہ بنائے طلب صحیح ہے گواہ تو انکار کے مقابلہ کے لئے ہے تو اس کو طلب کرنا مناسب ہے، تاکہ جب اس سے مشتری قسم لے تو اس کو یہ قسم دینا ممکن ہو کہ میں نے سنتے ہی طلب کیا ہے۔ (ت)

متتبع کلمات علماء بہت جگہ تصریح پائے گا کہ جب دربارہ میں طلب شفیع ومشتری میں اختلاف ہے قول قول مشتری ہے۔ اور بہت جگہ یہ کہ قول قول شفیع ہے، اس ظاہری اضطراب میں توفیق وتطبیق بتانے والی وہی عبارات کثیرہ ہیں جن میں تفصیل فرمادی کہ شفیع نے طلب مواثبت کو وقت سابق کی طرف مسند کیا تو قول قول مشتری ہے۔ اور گول چھوڑا کوئی وقت اس کا بیان نہ کیا صرف اتنا کہ بمجرد علم میں نے بطلب کی تو قول قول شفیع ہے۔ خانیہ وبزازیہ ودرر وغرر وجامع الفصولین وسراجیہ وواقعات المفتین وفتاوی صغری ومحیط ومبسوط وفتاوی ظہیریہ ووھبانیہ وخزانۃ المفتین وتکملہ طوری وحواشی رملی وشامی وشرح وھبانیہ وغیرہا کتب کثیرہ میں یہ توفیق وتفصیل ارشاد ہوئی، امام اجل قاضی الشرق والغرب شیخ المذھب سیدنا امام ابویوسف نوادر میں فرماتے ہیں:

اذا قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فالقول قوله، ولو قال علمت امس وطلبت اوکان البیع امس وطلبتہا فی ذٰلك الوقت لم یصدق الا ببینة[2] اھ نقله العلامة الطوری فی تکملہ البحر۔	جب شفیع کہے میں نے علم ہونے پر شفعہ طلب کیا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اس نے کہا مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کیا یا یوں کہا کہ بیع گزشتہ روز ہوئی اور میں نے طلب کیا، اسی وقت، تو بغیر گواہی اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اھ اس کو علامہ طوری نے بحر کے تکملہ میں نقل کیا ہے۔ (ت)

امام جلیل خصاف شرح ادب القاضی میں فرماتے ہیں:

---

[1] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۷

[2] تکملہ من البحر الرائق کتاب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۲۹

قال المشتری اشتریت هذه الدار منذ سنة وقد علم الشفیع شرائی ولم یطلب فأساله عن ذٰلک،فان القاضی یسأل المدعی متی اشتریت هذه الدار فان قال الشفیع طلبت الشفعة حین علمت فان القاضی یکتفی منه بهذا المقدار،لان لایمکنه ان یقول اشتراها منذ سنة لاحتیاجه الی اثباته فاحترز عنه بذکر طلب الشفعة۔فان قال له المشتری طلبت حین علمت فالقول للشفیع،لانه فی هذه الحلة ظهر علمه للقاضی مقارنا للطلب،بخلاف ما اذا قال الشفیع علمت منذکذ اوطلبت وقال المشتری ما طلبت کان القول للمشتری اذا لم یظهر للقاضی بالاسناد لذٰلك الوقت فیحتاج الی الاثبات،ونظیره البکر اذا زوجت[1] اھ،نقله العلامة الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔	مشتری نے کہامیں نے یہ دار ایک سال سے خرید رکھاہے اور شفیع کو میری خریداری کا علم ہوا اور طلب نہ کی، تو اس سے سوال کریں تو اگر قاضی مدعی شفعہ سے سوال کرے کہ اس دار کی خریداری کب ہوئی، تو شفیع نے اگر کہا میں نے علم ہوتے ہی طلب کی تو قاضی اس کی اس قدر بات کو کافی قرار دے گا کیونکہ شفیع کو یہ ممکن نہیں کہ وہ یوں کہے کہ مشتری نے سال سے خرید رکھا ہے وہ طلب کے اثبات کا محتاج بنے، لہٰذا اس بیان سے احتراز کرتے ہوئے طلب شفعہ کو ذکر کیا ہے۔تو اگر مشتری اس کو کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب کیا تھا تو شفیع کی بات معتبر ہوگی کیونکہ اس حالت میں طلب اور علم اکٹھے قاضی پر ظاہر ہوئے،اس کے برخلاف اگر شفیع یوں کہے کہ میں نے اتنی مدت سے جانا اور طلب کی اور مشتری طلب کا انکار کردے تو مشتری کا قول معتبر ہوگا کیونکہ قاضی پر اس وقت کی طلب ظاہر نہ ہوئی تو اثبات کا محتاج ہوگا۔اور اس کی نظیر باکرہ لڑکی کا نکاح ہے۔اس کو علامہ شرنبلالی نے تیسیر القاصد شرح نظم الفرائد میں نقل فرمایا ہے۔(ت)

امام فقیہ النفس خانیہ میں فرماتے ہیں:

ان قال المشتری انی قد اشتریت هذه الدار التی یرید ان یاخذها بالشفعة منذ سنة وقد علم هذ المدعی بشرائی	اگر مشتری کہے کہ میں نے یہ دار سال سے خرید کر رکھا ہے جس کو وہ شفعہ کی بناء پر حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس مدعی شفعہ کو میری خریداری کا علم ہوا تو

[1] شرح ادب القاضی للخصاف تیسیر المقاصد شرح نظم الفرائد۔

ولم یطلب الشفعۃ یقول القاضی للمدعی متی اشتری ھذہ الدار فان قال المدعی طلبت الشفعۃ حین علمت کان صحیحا اکفاہ ذٰلک فان قال المشتری ماطلبت حین علمت کان القول الشفیع،وان قال الشفیع علمت منذ سنۃ وطلبت وقال المشتری لم تطلب کان القول قول المشتری،وھو کالبکر اذا زوجت فبلغھا الخبر فردت فاختصما الی القاضی فقال الزوج حین بلغھا الخبر سکتت،وقالت رددت حین علمت،کان القول قولھا،وان قالت علمت یوم کذا و رددت لا یقبل قولھا(الی ان قال)ولو قیل للشفیع متی علمت، فقال امس اوفی یومی قبل ھذہ الساعۃ لایقبل قولہ الاببینۃ [1]۔	اس نے طلب نہ کی تو اس صورت میں قاضی مدعی سے کہے گا کہ یہ دار کب سے خرید اگیا تو مدعی نے اگر جواب میں کہا کہ میں نے علم کے وقت ہی طلب کی تھی تو مدعی کا یہ بیان صحیح ہوگا اور قاضی اس کو کافی قرار دے گا تو مشتری اگر کہے کہ تو نے علم کے وقت طلب نہ کی تو شفیع کی بات معتبر ہوگی،اور اگر شفیع نے یوں کہا کہ میں نے سال سے جانا اور طلب کی اور مشتری کہے تو نے اس وقت طلب نہ کی تو مشتری کا قول معتبر ہوگا،یہ معاملہ باکرہ لڑکی کے نکاح کی طرح ہے کہ اس کو نکاح کی خبر پہنچی تو اس نے نکاح کو رد کیا تو خاوند بیوی کا یہ اختلاف قاضی کے سامنے پیش ہو تو خاوند کہے اس کو جب نکاح کی خبر پہنچی تو یہ خاموش رہی اور عورت کہے میں نے علم ہوتے ہی رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر ہوگی اور اگر عورت کہے کہ مجھے فلاں روز علم ہوا اور میں نے رد کردیا تھا تو عورت کی بات معتبر نہ ہوگی (یہاں تک فرمایا) اور اگر شفیع کو کہا گیا تو نے کب معلوم کیا تو اس نے کہا گزشتہ روز یا آج ایک گھنٹہ قبل تو شفیع کی بات بغیر گواہی قبول نہ ہوگی۔(ت)

علامہ مولی خسرو غرر میں فرماتے ہیں:

قال الشفیع طلبت حیط علمت فالقول لہ بیبینہ،ولو قال علمت امس وطلبتہ کلف اقامۃ البینۃ [2]۔	شفیع کہے جس وقت مجھے علم ہوا اس وقت میں طلب کی تو اس کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی،اور اگر کہے مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی تو اسے گواہی کا پابند کیا جائے گا۔(ت)

درر میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعۃ فصل فی ترتیب الشفعاء نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۶

[2] الدرالحکام فی شرح غرر الاحکام کتاب الشفعہ باب ماتکون ہی فیہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

کلف اقامة البینة ولایقبل قوله لانه اضاف الطلب الی وقت ماض فقد حکی مالایملك استئنافه للحال، و من حکی مالا یملك استئنافه للحال لایصدق فیما حکی بلا بینة، واذا لم یضف الطلب الی وقت ماض بل اطلق الکلام اطلاقا تامافقد حکی مایملك استئنافه للحال لانه نجعله کانه علم بالشراء الآن، وطلب الشفعة الآن فلذا جعل القول قوله کذا فی العمادیة وغیرها[1]۔	اس کو گواہی کا پابند کیا جائے گااور اس کی بات قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے طلب کو ماضی کی طرف منسوب کیا ہے تو ایسی بات کو حکایت کیا جس کو فی الحال نافذ کرنے پر قادر نہیں، اور جو شخص ایسی بات کی حکایت کرے جس کو وہ فی الحال ابتداء نافذ کرنے کا مالک نہ ہو تو اس حکایت میں اس کی تصدیق بغیر گواہی نہ ہوگی، اور شفیع جب طلب کو ماضی کی طرف منسوب نہ کرے گا بلکہ کلام کو مطلقاً ذکر کرے تو یہ ایسی بات کی حکایت ہوگی جس کو ابتداء نافذ کرنے کا فی الحال مالک ہے کیونکہ ہم اس کو یوں سمجھیں گے کہ ابھی اس کو خریداری کا علم ہوا ہے اور ابھی شفعہ طلب کیا ہے اس لئے شفیع کی بات معتبر ہوگی، عمادیہ وغیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ان عبارات توفیق کا جس طرح یہ مطلب نہیں کہ مجرد اضافت طلب بزمان ماضی شفیع کو مدعی کو دے گا کہ اسے قاضی کے حضور اضافت الی الماضی سے کیاچارہ کہ دونوں مواثبت واشہاد کا طلب عندالقاضی سے پہلے ہونالازم، یہاں تک کہ اگر بفور علم طلب تملک سے آغاز کیااور وہ طلبیں پہلے نہ کرلیں شفعہ باطل ہوجائے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

صرح علمائنا قاطبة انه متی تمکن من طلب الاشهاد لم یشهد بطلت شفعته فلو اضرب عنه ومضی الی المحکمة ابتداء وطلب عند القاضی بطلت والطلب عند القاضی متأخر عن الطلبین ای طلب المواثبة و الاشهاد فاذا قدمه علیهما او علی احدهما	ہمارے تمام علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جب بھی طلب اشہاد پر قدرت ہوئی اور گواہی نہ بنائے تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا اور اگر اس نے اول وقت میں طلب نہ کی اور محکمہ قضاء کی طرف چل پڑااور قاضی کے پاس جاکر طلب کی شفعہ باطل ہوگا جبکہ قاضی کے ہاں طلب پہلی دو طلب کے بعد ہوتی ہے پہلی طلب مواثبت ہے دوسری طلب اشہاد ہے اور جب قاضی کے ہاں طلب کو پہلی دونوں یا ایک

[1] الدرالحکام شرح غرر الاحکام کتاب الشفعة باب ماتکون هی فیه میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۶

بطلت شفعتہ۔ ولیس فی ھذا اختلاف بین ائمتنا فیما علمت [1]۔	طلب سے مقدم کردیا تواس کا شفعہ باطل ہوگا۔اور میرے علم کے مطابق اس میں ہمارے ائمہ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔(ت)

ناچار عندالقاضی نسبت الی الماضی ہی کرے گا، ولہذا فتح اللہ المعین میں فرمایا:

انہ لایستحلف الا اذا اسند الطلب الی الزمن الماضی [2]۔	شفیع سے قسم نہ لی جائے گی مگر جب اس نے طلب کو زمانہ ماضی کی طرف منسوب کیا قسم لی جائیگی۔(ت)

اسی طرح یہ معنی بھی زنہار مراد نہیں ہوسکتا کہ شفیع کا اتنا کہہ دینا کہ "میں نے بمجرد علم طلب کی "مطلقًا کافی ووافی ہے اگرچہ اس طلب کا زمانہ طلب اشہاد سے مقدم بتاچکا ہو۔ایسا ہی ہوتا ہو جس صورت میں اہل توفیق نے قول شفیع معتبر نہ رکھا، یعنی علمت امس وطلبت (مجھے گزشتہ روز علم ہوا اور میں نے طلب کی۔ت) واجب تھا کہ اس میں بھی قبول ہوتا۔اور فرق محض ضائع رہتا کہ شفیع یہاں طلب مواثبت سے خبر دے رہا ہے۔اور وہ نہیں ہوتی مگر بفور علم، تواس طلبت کے معنی قطعاً یہی ہے کہ طلبت کما علمت (میں نے طلب کیا جب مجھے معلوم ہوا۔ت) ولہذا اس صورت میں عدم قبول قول شفیع کو سراجیہ میں بلفظ فاء تعقیب بیان کیا کہ:

الشفیع لو قال طلبت الشفعۃ حین علمت کان القول لہ۔ولو قال علمت منذ کذا فطلبت وقال المشتری ماطلبت فالقول للمشتری [3]۔	شفیع نے اگر کہا میں نے اسی وقت طلب کی جب مجھے علم ہوا تو اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر کہا مجھے فلاں دن سے معلوم ہے تو میں نے طلب کی تھی اور مشتری کہے تو نے طلب نہ کی تھی تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔(ت)

شرح مبسوط میں خاص انھیں الفاظ اتصال پر حکم عدم قبول دیا:

حیث قال کما نقل عنہ فی جامع الفصولین برمز "شصل"بلغت بکر افقالت	جہاں انھوں نے فرمایا جیسا کہ ان سے جامع الفصولین میں منقول ہے۔برمز "شصل" باکرہ لڑکی بالغ ہوئی

---
[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الشفعۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۵۴

[2] فتح المعین کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۲۹

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الشفعۃ نولکشور لکھنؤ ص ۱۱۰

رددت کما بلغت، والزوج یقول سکت فالقول للزوج، فکذا لو قال طلبت الشفعۃ کما سمعت فقال المشتری سکت فالقول للمشتری[1]۔	تو اس نے کہا میں نے اپنا نکاح رد کیا جب یہ خبر پہنچی اور خاوند کہتا ہے تو خاموش رہی تو خاوند کی بات معتبر ہوگی تو یوں ہی اگر شفیع کہے جب مجھے معلوم ہوا میں نے شفعہ طلب کیا تو مشتری کہے تو خاموش رہا، تو مشتری کی بات معتبر ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

لو لم یکن عندھا شھود فاذا وجدتھم فلو بلغت بحیض تقول حضت الاٰن و نقضتہ، فاشھدوا علیہ و لو بلغت باحتلام اوبسن تقول کما بلغت نقضتہ، فاشھدوا اوتقول اشھدوا، انی بلغت ونقضتہ فان قالوا متی بلغت تقول کما بلغت نقضتہ ولا تزید علی ھذا الانھا لو قالت بلغت قبل ھذ اونقضتہ حین بلغت لاتصدق[2]۔	اگر بالغ ہونے کے وقت گواہ موجود نہ تھے اور اس نے گواہ پاکر گواہی بنائی تو اگر وہ لڑکی حیض کے ساتھ بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے کہ مجھے ابھی حیض آیا ہے اور میں نکاح کو توڑتی ہوں تم اس پر گواہ ہوجاؤ، اور اگر وہ احتلام یا عمر کی بناء پر بالغ ہوئی ہو تو یوں کہے جونہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑدیا تو تم گواہ ہوجاؤ، یا کہے تم گواہ بن جاؤ میں بالغ ہوئی اور میں نے نکاح توڑدیا، اگر وہ پوچھیں تو کب بالغ ہوئی، جواب میں کہے جیسے ہی میں بالغ ہوئی میں نے نکاح توڑدیا اور اس پر مزید کچھ نہ کہے، کیونکہ اس نے کہا میں قبل ازیں بالغ ہوئی اور میں نے توڑدیا، جب بالغ ہوئی تو اس کی بات قابل تصدیق نہ ہوگی۔(ت)

دیکھو زمانہ متقدم بتانے کی حالت میں ادعائے فورا اتصال کو بھی رد فرمادیا، غرض نہ مدار قبول مجرد ادعائے اتصال پر ہے، نہ مناط عدم قبول محض اضافت بماضی، بلکہ طلب شہود معہود سے اتصال کا صراحۃ بیان یا طلب مواثبت کے لئے کوئی وقت متقدم علی وقت الاشہاد نہ بیان کرنا، اور صرف بیان اتصال پر قانع ہونا درکار ہے کہ عینا یا احتمالا یہی طلب مشہود مراد ہوسکے، اور طلب مشہود سے تقدم علم کا اقرار موجوب عدم قبول قول ہے۔ اگرچہ لاکھ مدعی اتصال ہوں، اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ جس طرح طلبت کما علمت

---

[1] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

[2] جامع الفصولین بحوالہ "شصل" الفصل الخامس والعشرون فی الخیارات اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۸

(علم ہوتے ہی میں نے طلب کی۔ت) سے طلب عند القاضی مراد نہیں ہوسکتی،

لما علمت ان اتصاله بالعلم مبطل للشفعة لعدم تقدم الطلبين۔	اس وجہ کی بناء پر جو تجھے معلوم ہوئی کہ قاضی کے ہاں علم سے متصل گواہی شفعہ کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس سے قبل دو طلب نہ پائی گئیں(ت)

یوہیں کوئی طلب مجہول جس کا بیان محض مدعی کی زبان سے ہو، مقصود ماننا بھی بدیہی البطلان ہے۔

لما تقدم ان مدع فيه فكيف يقبل قوله ولما علمت انه يضيع على هذا الفرق المطبق عليه من اهل التوفيق، ولما من نصوص السراجية وشرح المبسوط على بطلانه۔	اور گزشتہ کی بناء پر کہ وہ مدعی ہے تو اس کا قول کیسے معتبر ہو اور اس بناء پر جو تم معلوم کرچکے کہ وہ تمام اہل توفیق کے متفقہ علیہ فرق کو نظر انداز کررہا ہے اور سراجیہ، شرح المبسوط کی اس کے بطلان پر نصوص کی بناء پر۔(ت)

لاجرم اس سے مراد وہی طلب اشہاد ہے جبکہ مشہود و معہود اور بینہ عادلہ یا اقرار مشتری سے ثابت و معروف ہو، تو حاصل تنقیح و تحقیق وعطر تنقید وتدقیق بحمد اللہ تعالٰی وہی نکلا کہ طلب اشہاد ہر گز بے گواہان یا اعتراف مشتری ثابت نہیں ہوسکتی نہ بے اس کے ثبوت کے طلب مواثبت پر ہر گز حلف شفیع لیا جاسکتا ہے ہاں جب وہ ثابت ہو اور طلب مواثبت کے لئے کوئی زمانہ طلب شہاد سے پہلے اگرچہ ایک ہی ساعت حفیفہ ہو، بیان نہ کیا، بلکہ صراحۃً اسی طلب اشہاد کو طلب مواثبت بنایا، بایں معنی کہ اسی وقت علم ہوا تھا، معاً طلب اشہاد کی کہ دونوں طلبوں کے قائم ہوئی، یا طلب مواثبت کے لئے اصلاً کوئی وقت نہ بتایا، صرف اتنے کہنے پر قانع ہوا کہ میں نے معلوم ہوتے ہی طلب کی، تو اس صورت میں قول شفیع بحلف معتبر ہوگا۔ ورنہ قول قول مشتری ہے۔

هكذا ينبغي التحقيق۔ والله ولى التوفيق۔ اتقن هذا فانك لاتجده فى غير هذا العبد الضعيف، والله بعباده لطيف، والحمد الله رب العالمين، والله تعالٰى اعلم وعلمه جل مده اتم واحكم۔	تحقیق یوں مناسب ہے۔ اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ اس کو مضبوط کرلو کیونکہ اس عبد ضعیف کے بغیر اس کو نہ پاؤ گے، اور اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ الحمدللہ رب العالمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۴: ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شفعہ کی اطلاع دے دی گئی ہو دو آدمیوں

کے روبرو اور اس شخص نے لینے سے انکار کیا، تو اب وہ شفعہ مانگتا ہے، استحقاق اس کا باقی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر بیع ہوجانے کے بعد شفیع نے شفعہ سے انکار کیا، اگرچہ ہنوز اسے خبر بیع بھی نہ پہنچی ہو، یا خبر سن کر شفعہ لینے سے منکر ہوا، یا سکوت ہی کیا، تو شفعہ ساقط ہوگیا، اب اسے دعوی شفعہ کا استحقاق نہیں جبکہ اس خبر میں کوئی ایسی بات نہ بیان کی گئی ہو جس سے شفعہ لینے نہ لینے میں شفیع کی غرض بدلتی ہو، ورنہ اگر پیش از بیع اس سے کہا گیا کہ یہ مکان بکنے والا ہے تو شفعہ چاہے گا، اس نے انکار کردیا اور جب بکا تو فوراً طالب شفعہ ہوا، یا بعد بیع خبر بیع اسی غلط طور پر پہنچی جس سے رغبت وعدم رغبت مختلف ہو مثلاً زر ثمن زیادہ بتایا گیا یا مشتری کسی اور شخص کو ظاہر کیا گیا، پانسو کو بکا تھا، اس سے کہا گیا چھ سو کو بکا ہے تو شفعہ لے گا، اس نے انکار کیا، اور بعد کو معلوم ہوا کہ پانسو بیع ہوئی ہے۔ تو فوراً شفعہ طلب کیا یا مکان زید کے ہاتھ بکا تھا، شفیع کو خبر دی گئی عمرو نے خریدا ہے۔ اس نے شفعہ سے انکار کیا، پھر اطلاع ہوئی کہ زید نے خریدا تو فوراً خواستگار شفعہ ہوا، تو ان سب صورتوں میں انکار سے شفعہ ساقط نہ ہوگا۔ وہ پاسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

تسلیم الشفعة قبل البیع لایصح وبعدہ صحیح علم الشفیع بوجو الشفعة اولم یعلم، وعلم من اسقط الیه ھذا الحق اولم یعلم کذا فی المحیط[1]۔	بیع سے قبل شفعہ کو سونپ دینا صحیح نہیں اس کے بعد صحیح ہے شفیع کو لزوم شفعہ کا علم ہو یا نہ ہو، جس کے حق میں شفعہ کا ساقط کررہا ہے اس کا علم ہو یا نہ ہو، محیط میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

مایبطل به حق الشفعة بعد ثبوته، اختیاری و ضروری والاختیاری صریح ودلالة، اما الاول نحوان یقول الشفیع ابطلت الشفعة اواسقطها، او ابرأتك عنها اوسلمتها، او	ثبوت کے بعد شفعہ کو باطل کرنے والا عمل اختیاری ہے اور ایک ضروری ہے اختیاری صریح ہے اور بطور دلالۃ بھی، لیکن اختیاری صریح مثلاً شفیع یوں کہے میں نے شفعہ باطل کیا یا میں نے ساقط کیا، میں نے تجھ کو اس سے بری کیا میں نے سونپ دیا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

نحو ذٰلك سواء علم بالبيع اولم يعلم ان كان بعد البيع هكذا فی البدائع [1]۔	ان کی مثل اور الفاظ یہ الفاظ بیع کے بعد کہے خواہ بیع کا علم ہو یا نہ ہو، بدائع میں یوں ہے۔(ت)

اس میں ہے:

اذا قيل له ان المشتری فلان فسلم الشفعة ثم علم انه غيره فله الشفعة واذا قيل له ان المشتری زيد فسلم ثم علم انه عمرو وزيد صح تسليمه لزيدو كان له ان يأخذ نصيب عمرو، كذا فسره الجوهرة النيرة ولواخبر ان الثمن الف فسلم فاذ الثمن اقل من ذلك فهو علی شفعته فلو كان الثمن الفاء او اكثر فلاشفعة كذا فی الذخيرة [2]۔	جب اسے بتایا گیا مشتری فلاں شخص، تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، پھر اسے معلوم ہوا کہ کوئی اور ہے تو اسے شفعہ کا حق باقی ہے۔جب اسے بتایا گیا کہ مشتری زید ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ زید کے ساتھ کوئی دوسرا بھی مثلاً عمرو شریک ہے تو زید کے حق میں چھوڑنا صحیح ہوگا اور عمرو کے حصہ میں اسے شفعہ کا حق ہے ____ جوہرنیرہ نے اس کی یوں تفسیر کی ہے جب معلوم ہوا کہ مبیع کی قیمت ہزار ہے تو اس نے شفعہ چھوڑ دیا، بعد میں معلوم کہ ثمن اس سے کم ہے تو اس کا شفعہ قائم رہے گا، ہاں اگر ثمن ہزار یا زائد ہو تو پھر شفعہ نہ ہوگا ذخیرہ میں یوں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فالاصل فی جنس هذه المسائل ان ينظر ان كان لا يختلف غرض الشفيع فی التسليم صح التسليم و بطلت الشفعة وان كان يختلف غرضه لم يصح وهو علی شفعته كذا فی البدائع [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس قسم کے مسائل میں ضابطہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ شفعہ چھوڑنے کی غرض بعد میں تبدیل نہیں ہوتی تو چھوڑنا برقرار رہے گا اور شفعہ باطل ہوگا اور غرض تبدیل ہو جائے تو شفعہ باقی رہے گا اور ساقط نہ ہوگا، بدائع میں یوں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس باب میں کہ ایک کوچہ غیر نافذہ میں ایک

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۸۳

مکان زید کا ایسا واقع ہے جس پر حق شفعہ خلیط فی الطریق چند اشخاص باشندگان کوچہ مذکور پہنچا ہے۔اور ان میں سے بعض کوعلاوہ حق شفعہ خلیط فی الطریق کے حق شفعہ جارملاصق بھی حاصل ہے۔مکان مذکور کی پچھیت کی طرف عمرو کا مکان واقع ہے۔اور جس کا دروازہ دسرے کوچہ میں ہے اور اس کا حق شفعہ جارملاصق ہے۔زید مالک مکان مشفوعہ نے اپنے مکان کی کچھ اراضی جو پچھیت کی طرف اور مکان عمرو سے متصل تھی،وہ بدست عمرو فروخت کی،چونکہ اراضی مذکور مکان مشفوعہ باشندگان کوچہ غیر نافذہ کا جز ہے۔اس لئے استفتاء اس امر کا مطلوب کوہ شفیعان خلیط فی الطریق اور شفیعان جارملاصق کو حق شفعہ مکان مشفوعہ کے ایک جز پر شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

واسطے سہولت کے نقشہ پشت ہذا پر تحریر کیا جاتا ہے

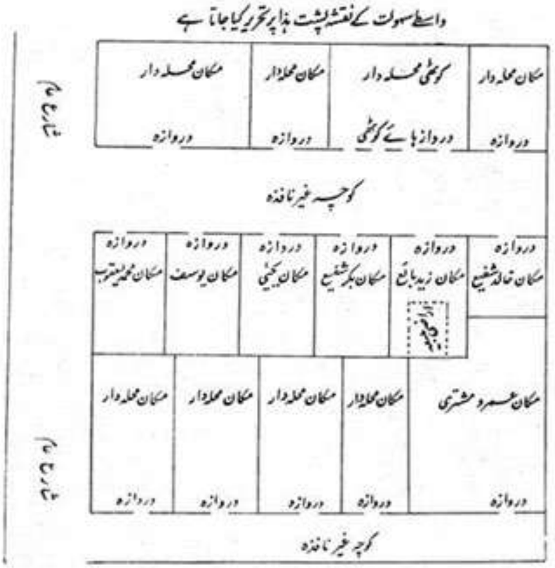

الجواب:

کل مکان بیع کیا جائے گا خواہ بعض، ہر صورت میں خلیط فی نفس المبیع وشریک فی حق المبیع کا شفعہ ہے اور جار ملاصق کا بھی، اگر خاص اس جز مبیع سے اتصال رکھتا ہو، الالا۔ الا علی رِوَایَةٍ مُشْكِلَةٍ، درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے:

باع عقارا الاذراعا مثلا فی جانب حد الشفیع فلا شفعة لعدم الاتصال[1]. فی ردالمحتار استشکل السائحانی هذه الحیلة بما نقله الشرنبلالی عن عیون المسائل، دار کبیرة ذات مقاصیر باع منها مقصورة فلجار الدار الشفعة لان المبیع من جملة الدار وجار الدار جار المبیع، وان لم یکن متصلا به اھ. اقول المشکل مافی العیون لاماهنا، تأمل اھ[2]. ما قال العلامة الشامی و کتبت علیه ان المحشی قدم صدر الکتاب عن القهستانی، ان الملاصق المتصل بالمبیع ولم حکما کما اذا بیع بیت من دار فان الملاصق له ولاقصی الدار فی الشفیع سواء[3] اھ وهو	کسی نے شفیع سے متصل ایک گز چھوڑ کر باقی زمین فروخت کی تو عدم اتصال کی وجہ سے شفعہ نہ ہوسکے گا، ردالمحتار میں ہے اس حیلہ پر سائحانی نے اشکال پیش کیا جس کو شرنبلالی نے عیون المسائل سے نقل کیا کہ کسی نے بڑی حویلی جو کہ کئی چھوٹے کمروں پر مشتمل ہے میں سے یک چھوٹا مکان فروخت کیا تو اس حویلی کے پڑوسی کو شفعہ کا حق ہے کیونکہ وہ مبیع مکان حویلی کا حصہ ہے تو پوری حویلی کا پڑوسی اس مبیع کا پڑوسی ہے اگرچہ یہ مبیع مکان پڑوسی سے متصل ہی نہیں ہے اھ۔ میں کہتا ہوں کہ عیون المسائل کا ذکر کردہ خود مشکل ہے نہ کہ جو یہاں مذکور ہے۔ غور کرو، علامہ شامی نے جو بیان کیا وہ ختم ہوا، میں نے شامی پر حاشیہ لکھا ہے کہ محشی یعنی علامہ شامی نے کتاب کی ابتداء میں قہستانی سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ مبیع سے متصل اگر حکمی طور بھی ہو تو وہ متصل حصہ اور حویلی فروخت شدہ کا انتہائی حصہ شفعہ میں برابر ہیں مثلاً کسی نے حویلی میں سے ایک کمرہ فروخت کیا تو اس کمرہ سے متصل حصہ سمیت تمام دار شفعہ میں برابر ہے اھ۔

[1] درمختار کتاب الشفعة باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵۴

[3] ردالمحتار کتاب الشفعة باب مایبطلها داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۰

مثل ما فی العیون ومثلہ ایضاً فی الھندیۃ عن المحیط عن شرح ادب القاضی للخصاف، ووجہ اشکالہ ان ماھنا مصرح بہ فی عامۃ کتب المذھب المعتمدۃ متونا وشروحا وفتاوٰی، فماخالفہ فھو المشکل لاھذا۔ **اقول:** ویؤید ماھنا مانص علیہ المتون ان سبب الشفعۃ اتصال ملك الشفیع بالمشتری، وظاہر ان المشتری اذا کان مفرزا مفصولا عن ملك الشفیع لم یکن بینھما اتصال، ولایکفی الاتصال بالواسطۃ والا لکان الجار الغیر الملاصق المحاذی ایضا شفیعا ولا قائل بہ۔ ولاینکر علیہ بما صرحوا بہ ان الماصق بشبر کالملاصق بجمیع حدود، وذٰلك لان الاتصال بجز الشیئ اتصال بالشیئ، ولا نسلم ان لاتصال بجزء من شیئ یکون اتصالا بجزئہ الاخر، الاتری ان العمامۃ الملاصقۃ لرأس زید ملاصقۃ لزید لا لرجلہ والنعل المتصل برجل زید متصلۃ بزید لا برأسہ، فاتضح ان روایۃ العیون مشکلۃ والحاصل ان المبیع اذا کان الکل کفی الاتصال بجزئہ واذا کان جزء معین من شیئ	یہ عیون المسائل میں مذکور کی مثل ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں ہے محیط سے انھوں نے خصاف کی شرح ادب القاضی سے نقل کیا ہے۔ اس کے اشکال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جو مذکور ہے وہی تمام معتمد کتب مذہب متون وشروح اور فتاوٰی میں تصریح شدہ ہے تو جو ان کی تصریحات کے خلاف ہے وہ مشکل ہے نہ کہ یہ، میں کہتا ہوں یہاں پر ذکر کردہ کی تائید میں تمام متون کی نصوص ہیں کہ شفعہ کا سبب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت کا اتصال ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ جب خرید کردہ چیز شفیع کی ملکیت سے علیحدہ فاصلہ پر ہو تو اتصال نہ ہوگا جبکہ بالواسطہ اتصال کافی نہیں ہے نہ ورنہ پڑوسی کا پڑوسی غیر اتصال والا بھی شفیع بن جائے گا حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس پر یہ بیان وارد نہیں ہوسکتا جس کی تصریح یوں ہے کہ ایک بالشت کا اتصال جمیع حدود کا اتصال اور یہ اس لیے کہ چیز کی جز سے اتصال چیز سے اتصال ہے لیکن ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ ایک جز سے اتصال اس کی دوسری جز سے اتصال ہے۔ آپ دیکھ رہے کہ عمامہ کا اتصال سرے سے ہونے کی وجہ سے زید کے پاؤں سے اتصال نہیں اور زید کے پاؤں کو اس کے جوتے کا اتصال ہے اس کے سر سے اتصال نہیں ہے۔ تو واضح ہوگیا کہ عیون المسائل والی روایت مشکل ہے اور حاصل یہ کہ جب کل مبیع ہو تو اس کی کسی جز کا اتصال شفعہ کے لئے کافی ہے اور جب کوئی معین جز مبیع ہو تو

لم یکف الاتصال بجزئه الاٰخر ،فان الاتصل بالجزء اتصال بالکل مجملا ،لابکل جزء منه فردا فرادا فافترقا[1]۔	اس مبیع کی دوسری جزء کا اتصال کافی نہیں کیونکہ جزء کے اتصال سے کل کا اتصال مجمل ہوتا ہے نہ کہ ہر ہر جزء سے فردافردا ہوتا ہے۔تو یوں دونوں صورتوں میں مختلف ہیں۔(ت)

شریک فی حق المبیع کے لئے مبیع سے اتصال ضرور نہیں۔صرف شرکت حق مثل طریق خاص وغیرہ کافی ہے۔درمختار میں ہے:

فی شرح المجمع وکذا للجار المقابل فی السکۃ الغیر النافذۃ الشفعۃ[2]۔	شرح مجمع میں ہے یونہی بند گلی کا سامنے والا پڑوسی بھی شفعہ کا حقدار ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وجهه ابو السعود بان استحقاقها فیه الشرکۃ فی حق المبیع فلاتعتبر الملاصقۃ[3]۔	اس کی وجہ ابو سعود نے یہ بیان کی کہ بند گلی کا استحقاق شفعہ مبیع کو حقوق میں شرکت پر مبنی ہے اس میں اتصال کا اعتبار نہیں ہے۔(ت)

اور چند شرکاء حق میں اگر ایک جار ملاصق بھی ہے باقی نہیں تو اسے ان باقیوں پر کوئی ترجیح نہ ہوگی،وہ سب یکساں ہیں،عالمگیریہ میں بدائع سے ہے:

الشفعۃ لاہل السکۃ کلهم یستووی فیها الملاصق وغیر الملاصق لانهم کهم خلطاء فی الطریق[4]۔	بند گلی والوں کو شفعہ کا حق مساوی ہے خواہ اتصال والے ہو یا نہ ہوں کیونکہ وہ تمام گلی کے راستہ میں شریک ہیں۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں خالد،بکر،یحیٰی،یوسف،یعقوب اور سامنے کو چاروں مکان اور کوٹھی والے سب اس جز مبیع کے یکساں شفیع ہیں،ان کے ہوتے عمرو اور اس کے برابر کے چاروں محلّہ دار جن کے دروازے دوسرے کوچہ میں ہیں شفیع نہیں ہوسکتے جبکہ اور کوئی استحاق نہ رکھتے ہو،**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۱

[3] ردالمحتار کتاب الشفعۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ البدائع کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

مسئلہ ۲۶: مرسلہ عبدالعزیز ونور محمد واحسان کریم قصبہ آنولہ ضلع بریلی محلّہ کٹرہ پختہ بتاریخ ۴جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مملوکہ مقبوضہ اپنا جس کا نقشہ ذیل میں درج ہے۔اپنی حین حیات بروئے فرائض شرعی خالد پسر، ہندہ زوجہ، کلثوم ومریم وزبیدہ ومیمونہ دختران کو تقسیم کرکے مالکانہ قابض ودخیل کرادیا، خالد اپنے حق پر جداگانہ اور ہندہ زوجہ اور ہر چہار دختران مشترکا اپنے حق پر مالکانہ قابض ہوگئے،اور درمیان مکان کی دیوار سرخ رنگ قائم کرلی، قطعہ شمالی خالد کی اور جنوبی ہندہ،اور ہرچہار دختران کے قبضہ میں رہا، بعد وفات زید کے ہندہ اور ہر چہار دختران زید نے اپنا قطعہ جنوبی عبداللہ کے ہاتھ بیع کردیا، بعد فوت عبداللہ مذکور کے اس کے ورثاء نے قطعہ جنوبی مذکور بدست شیخ نوراحمد فروخت کردیا اور نوراحمد اب تک مالکانہ قابض ہے۔خالد کے مرنے پر عمرو پسر، رضیہ زوجہ، صفیہ وذکیہ و رشدیدہ وحمیدہ ودختران ورثاء خالد شمالی متروکہ خالد پر مالکانہ قابض ہوگئے۔جوکہ محدود بدیں حدود اربعہ ہے۔مکان اور صحن مکان عبدالعزیز مکان حافظ مظہر مکان نوراحمد مکان عبدالعزیز واحسان کریم عمرو وغیرہ۔ورثاء خالد نے اپنا حق قطعہ شمالی بدست عبدالعزیز بیع کرنا چاہااور معاہدہ باہمی عبدالعزیز ہوگیا باخذ رسید مبلغ عـــہ زربیعانہ عبدالعزیز مذکور سے حاصل کرلیا، نوراحمد شفیع بھی آمادہ خریداری تھا کہ احسان کریم مذکور نے خبر بیع مذکور سن کر کچھ قیمت بڑھائی، رشیدہ، حمیدہ ودختران خالد نے اپنے حق حقوق کا بیعنامہ بنام نوراحمد شفیع کے کردیا۔ہنوز رجسٹری نہیں ہوئی ہے کہ عمرو نے خلاف معاہدہ باہمی عبدالعزیز کے مع رضیہ مادر کے کل مکان متروکہ خالد کا بیعنامہ اپنی اور رضیہ کی جانب سے بنام احسان کریم تحریر کردیا،اور ایک دستبرداری لادعوی وراثت شفیعہ وغیرہ ہشیرگان کی جانب سے تحریر کراکر بغرض تصدیق رجسٹری میں پیش کی شفیعہ ذکیہ نے تصدیق اس کی کردی، اور رشیدہ وحمیدہ نے کہ جن کی بلاعلم واطلاع کاروائی دستبرداری کی ہوئی تھی اور یہ اپنے حق کا بیعنامہ بھی بنام نوراحمد تحریر کرچکی تھیں، تحریر دست برداری سے انکار کردیا،اور بیعنامہ موسومہ نوراحمد کی رجسٹری کرادی، چونکہ معاہدہ بیع پیشتر سے عبدالعزیز وعمرو وغیرہ منعقد ہواتھا، حالانکہ گفتگو بیع کی نوراحمد مذکور سے بھی تھی، بکر، عمرو وغیرہ نے مبلغ (مہ روپیہ) بطور بیعنامہ عبدالعزیز سے بہ تحریر رسید حاصل کرلی تھی،ایسی صورت میں جبکہ عبدالعزیز دوجانب سے اور نوراحمد ایک جانب سے اور احسان کریم ایک جانب سے کچھ مکان کی وجہ سے استحقاق شفیع رکھتے ہیں، بلکہ نوراحمد بوجہ خریداری مقدم کے شفیع خلیط بقیہ حقوق عمرو ورضیہ شفیعہ وذکیہ پہنچ چکاہے۔تو بلحاظ واقعات متذکرہ صدر کون شخص مستحق خریداری مکان متنازعہ کا ہے۔اور شرعا کس کو پہنچتاہے۔عبدالعزیز کے مکان کا دروازہ بھی دوسرے محلّہ میں ہے۔**بینوا توجروا**

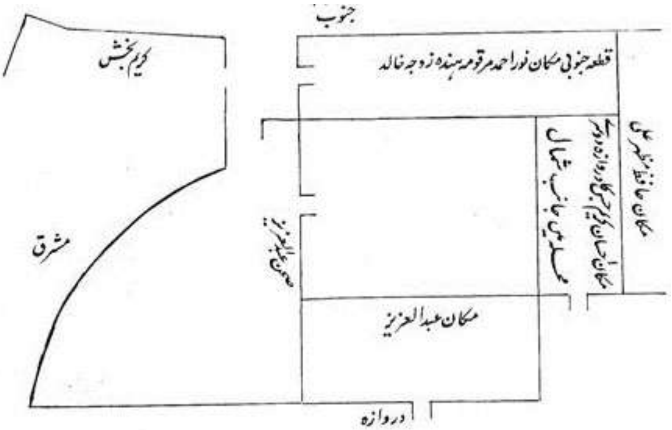

الجواب:

بیان سائلان سے واضح ہوا کہ عبدالعزیز سے صرف گفتگو بیع ہوئی تھی اور بیعنامہ دیا گیا عقد بیع تمام نہ ہوا تھا، نوراحمد کلکتہ میں ہے، اس نے اپنے ایک بھائی کو اس قطعہ کی خریداری کے لئے لکھا، اس نے وکالۃً نوراحمد کے لئے اس میں سے رشیدہ وحمیدہ کے حصے خرید لئے، عبدالعزیز ونوراحمد دونوں خلیط فی حق المبیع ہیں، اور احسان کریم محض جار ملاصق کہ اس کا راستہ اس کوچہ غیر نافذہ میں نہیں، جب عبدالعزیز کو معلوم ہوا خود اس کا بیان ہے کہ اس نے مشتری مذکور یعنی وکیل نوراحمد سے جاکر کہا کہ میری گفتگو بیع سابق سے ہے۔ یہ حصے جتنے کو تم نے خریدے ہیں انھیں داموں کو مجھے دے دو ورنہ میں شفیع ہوں شفعہ سے لے لوں گا، اس کہنے سے عبدالعزیز کا ان دونوں حصوں میں شفعہ جاتا رہا کہ اس نے طلب شفعہ نہ کی بلکہ ابتداءً انھیں داموں کو خریدنا چاہا۔ اور نہ دینے کی حالت میں بذریعہ شفعہ لے لینے کی دھمکی دی، یہ امر مبطل شفعہ ہے، درمختار میں ہے:

یبطلھا ان ساومھا بیعا او اجارۃ اوطلب منه ان یولیه عقد الشراء [1]۔	اگر شفیع نے مشتری سے بیع یا اجارہ یا اس کی شراء کا ولی (وکیل) بننے کا مطالبہ کرے تو اس سے شفعہ کا حق باطل ہو جائے گا۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

پس نور احمد دو حصوں کا مالک مستقل ہوگیا جس سے کوئی نہیں لے سکتا، اگر وہاں اور کوئی شفیع مثل کریم بخش وغیرہ بادائے شرائط طالب شفعہ نہ ہوا ہو، رہی احسان کریم کے ہاتھ بیع جس میں کل مکان صرف زوجہ وپسر خالد نے اس کے ہاتھ بیچا اور دختران خالد کو نامستحق قرار دیا، شفیعہ، ذکیہ تو بوجہ تصدیق واقرار نامستحق ٹھہریں، مگر رشیدہ وحمیدہ نے اقرار نہ کیا بلکہ اپنی بیع کی بنام نور احمد کے تکمیل کرادی، تو بعض مبیع احسان کریم کے ہاتھ سے نکل گیا، اور بقیہ کی بیع معرض زوال میں آگئی یعنی احسان کریم کو اختیار ہوگا، چاہئے دو حصہ رشیدہ وحمیدہ علاوہ بقیہ مکان بحصہ قیمت لینا قبول کرے۔ خواہ کل بیع کردے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کان المشتری شیئا واحدا واستحق بعض قبل القبض اوبعدہ فللمشتری الخیار فی الباق، ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترک[1]۔	اگر خرید شدہ چیز ایک ہو اور اس کے بعض حصہ کا استحقاق ثابت ہوجائے خواہ قبضہ سے قبل یا بعد ثابت ہو تو مشتری کو باقی حصہ میں اختیار ہوگا اگر چاہے تو باقی کو اس قیمت کے حصہ پر لے یا چاہے تو چھوڑ دے۔ (ت)

پس اگر احسان کریم نے بیع رد کردی تو سرے سے مبنائے شفعہ ہی کی بیع تھی جاتا رہے گا، اور وہ بقیہ قطعہ ایسا ہوجائے گا گویا بکا ہی نہیں کسی کو اس میں حق شفعہ نہ ہوگا، اور اگر بقیہ بحصہ قیمت لینا قبول کیا، اور نور احمد شرائط شفعہ بجالایا تو اب وہی عبدالعزیز وغیرہ سب پر مرجح رہے گا کہ اب بوجہ خریداری حصہ رشیدہ وحمیدہ نور احمد خلیط فی نفس المبیع ہوچکا ہے۔ اور عبدالعزیز صرف خلیط فی حق المبیع ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: ۳۰ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وعمرو کا ایک مکان اور دکان کے مالک تھے، زید عمرو کی ملکیت کا شفیع تھا، عمرو نے اپنا حصہ دکان ومکان مذکور کا بکر کے ہاتھ فروخت کیا، تو زید بفور سنے اس خبر کے مع چند آدمیوں کے جو کہ گواہ طلب شفیع کے ہیں، اور جن کے سامنے کہ زید نے شرائط شفیع بغور سننے خبر بیع کے ادا کی ہیں، جن میں سے کہ ایک زید کا قریبی رشتہ دار، ونیز عمرو بکر کا بھی رشتہ دار ہے ودیگر لوگ زید کے ملنے والے دوست ہیں، بکر کے پاس بغرض طلب شفیع گیا، روپیہ رومال میں باندھ کر

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۶۶

اپنے ہاتھ میں لے گیا اور بکر سے جاکر اس نے کہا کہ میں ان حصہ دکان ومکان کا شفیع ہوں، تم نے اس حصہ کو کیسے خرید کیا میں خریدوں گا۔ زید نے زبان سے یہ نہیں کہا کہ میں روپیہ لایا ہوں، قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کرو، بکر نے زید کی گفتگو کے جواب میں جائداد مذکور دینے سے انکار کردیا، زید کے اس امر کے اظہار نہ کرنے سے کہ میں روپیہ لایا ہوں قیمت لو اور یہ جائداد میرے نام کردو، حالانکہ روپیہ اسی نیت سے لے گیا تھا اور وہ اس کے ہاتھ میں موجود تھا صرف زبان سے اس کا ذکر نہیں کیا، تو ایسی حالت میں مراتب شفیع بموجب شرع شریف پورے طور سے ادا ہوئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نہ روپے لے جانا ضرور نہ مشتری سے روپیہ لانا کا ذکر ضرور، یہ سب بیکار ومہمل باتیں ہیں، مگر طلب مواثبت ایسے لفظ سے جس سے فی الحال طلب ثابت ہو، ضرور ہے۔ سائل نے بعد دریافت بیان کیا کہ میں نے خبر سنتے ہی یہ لفظ کہے تھے کہ میں اس کا شفیع ہوں، ریاض الدین نے کیسی خریدی میں خریدوں گا، اس سے طلب فی الحال ثالث ثابت نہیں ہوتی "خریدوں گا" سے اگر یہ مراد ہے کہ مشتری سے خریدوں گا، جب تو ظاہر ہے کہ مشتری سے خریداری کا ذکر شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها شراء الشفیع من المشتری وکذا ان ساومها بیعا او اجارة او طلب منه ان یولیه عقد الشراء [1] (ملخصا)	شفیع کا مشتری سے خریدنا اور یونہی بیع یا اجارہ کا سودا کرنا یا عقد شراء کا ولی بننے کا مطالبہ کرنا اس کے حق شفعہ کو باطل کردیتا ہے۔ ملخصا (ت)

اور اگر یہ مراد ہو کہ بائع سے خریدوں گا تو یہ بھی طلب شفعہ نہیں، خریداری تملک بالرضا ہے۔ اور شفعہ تملک بالجبر، درمختار میں ہے:

تملیك البقعة جبرا علی المشتری بما قام علیه [2]۔	شفعہ کسی ٹکڑا زمین کا مشتری سے اس پر لازم قیمت کے ساتھ جبراً مالک بننے کا نام ہے۔ (ت)

اور اگر مجازاً یہی معنی مراد لئے جائیں کہ بذریعہ شفعہ لے لوں گا، تو یہ بھی وعدہ وانذار ہے۔ طلب فی الحال نہیں، عالمگیری میں ہے:

لو قال الشفعة لی اطلبها بطلت	اگر کہا میرا شفعہ ہے میں اس کی طلب کروں گا، تو

[1] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

[2] درمختار کتاب الشفعہ باب مایبطلہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۰

شفعته،ولو قال للمشتری انا شفیعك واٰخذ الدار منك بالشفعة بطلت [1]۔	اس کا شفعہ باطل ہوگا،اور اگر مشتری کو کہا میں تیرا شفیع ہوں اور شفعہ کی بناء پر تجھ سے دار لوں گا تو شفعہ باطل ہوگیا۔(ت) لہٰذا صورت مسئولہ میں زید کا شفعہ باطل ہوگیا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸: از ریاست رامپور کٹرہ جلال الدین خاں مرحوم مرسلہ پیرزادہ غلام معین الدین صاحب پنجم صفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعوٰی کیا کہ مسماۃ فلاں نے اراضی فلاں اتنی قیمت کو فلاں شخص سے میری غیبت میں خریدی،اور میں خلیط فی الطریق ہوں مشتریہ جار ملاصق ہے۔میرا حق مقدم ہے اور میں شرائط شفعہ بھی ادا کرچکا ہوں،مسماۃ مجیب ہوئی کہ زید نے ہرگز شرائط شفعہ ادا نہ کئے،نہ مکان مشفوع بہا زید کا مملوکہ ہے۔اور دعوٰی پر تمادی ہے۔ب بلکہ زید تسلیم الشفعہ کرچکا ہے۔زید اور مسماۃ سے ثبوت طلب ہوا۔زید نے جو شہادت پیش کی عندالعدالت ناکافی قرار دے کر نامقبول فرمائی گئی،ایک وجہ عدالت نے یہ تحریر فرمائی ہے کہ شہادت مدعی کو نقائص سے مبرا مان لیا جائے تب بھی شہادت جو مدعی علیہا کی جانب سے گزری،اس سے تسلیم شفعہ بعد از بیع ثابت ہے۔لہٰذا دعوٰی خارج اور منجانب مدعی کئی استفتاء پیش ہوئے ہیں،اس بارہ میں کہ خلیط فی الطریق جارہ ملاصق پر مقدم ہے۔کیا یہ استفتاء مفید ہوسکتے ہیں،مدعی نے تمادی سے بچنے کی غرض سے دو گواہوں سے یہ ثابت کرایا کہ میں وقت بیع مقام رچھا میں موجود تھا یعنی رامپور میں نہ تھا،مدعی علیہا کی جانب سے جو شہادت تسلیم شفعہ کی پیش ہوئی ہیں اس سے کماحقہ ثابت ہے کہ بعد تصدیق بیعنامہ اسی روز مدعی کو علم بیع ہوا اور مدعی نے تسلیم شفعہ کیا،تو کیا شہادت مذکور منجانب مدعی واسطے ثبوت کے کافی ہے،اور تمادی مرتفع ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس مسئلہ میں زوائد سے قطع نظر کرکے صرف دو باتوں پر نظر کافی ہے۔

اوّلاً گواہان مدعیان کا ان کی ملک دار مشفوع بہا میں ہونے کی نسبت صرف اتنا بیان کہ وہ مکان مدعیوں کی ملک یا ان کا موروثی ہے اظہارات شہود و مدعیان دیکھے جائیں،اگر ان کے بیان میں صرف اسی قدر ہو کہ اور یہ ظاہر نہ کیا ہو کہ شرائے مشتریہ سے پہلے یہ مکان یا جز مکان مدعیان تھا اور اب تک ہے۔ہمارے علم میں ملک مدعیان سے خارج نہ ہوا،تو ایسی شہادت ثبوت دعوٰی شفعہ کے لئے ہرگز بکار آمد

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعہ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

نہیں کہ مدعاعلیہادار مشفوع بہامیں ملک، مدعیان کی منکر ہے۔اور یہ اس طریقہ پر جو شرعا درکار ہے یعنی ملک متقدم علی البیع و مستمر الی الآن پر اقامت بینہ نہ کرسکے، تنویر الابصار و در مختار ورد المحتار میں ہے:

اذا طلب الشفیع سأل القاضی الخصم عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقربھا او نکل عن الحلف علی العلم، اوبرھن الشفیع انھا ملکہ(بان یقولا انھا ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذا العقار، وھی لہ الی الساعۃ ولم نعلم انھا خرجت عن ملکہ، فلو قالا انھا لھذا الجار لایکفی کما فی المحیط)سألہ عن الشراء ھل اشتریت ام لا[1] اھ	جب شفیع نے طلب کی تو قاضی شفیع کی اس ملکیت کے متعلق سوال کرے جس کی وجہ سے وہ شفعہ کررہا ہے۔تو اگر مخالف فریق اس کی اس ملکیت کا اقرار کرے یا اپنے علم پر قسم دینے سے انکار کرے یا شفیع اپنی اس ملکیت پر گواہی پیش کردے کہ وہ اس کی ملکیت ہیں ہے یوں کہ دونوں گواہ کہہ دیں کہ مشتری کی خریداری سے قبل یہ زمین اس کی اب تک ملک ہے۔اور اس کی ملکیت سے خارج ہوجانے کا ہمیں علم نہیں ہے۔اگر گواہ یہ کہیں کہ وہ اس پڑوسی کی ہے تو کافی نہ ہوگا جیساکہ محیط میں ہے، قاضی مشتری سے سوال کرے کہ کیا تونے اسے خریدا ہے یا نہیں۔اھ (ت)

جبکہ شہادت گواہان مدعیان اس طریقہ مطلوبہ شرع پر نہ تھی، حاکم پر لازم تھا کہ فقط اسی قدر پر مقدمہ ختم کردیتا اور دعوی خارج کرتا، مقدمہ کاآگے بڑھانا محض تطویل ہوئی۔

ثانیًا: گواہان مدعاعلیہا جنھوں نے دربارہ تسلیم مدعیان شہادت دی ہے کہ روز بیع بعد بیع معین الدین خاں نے مدعیوں کو اطلاع بیع اراضی مشفوعہ دی، اور ان سے کہاکہ اگر تمھیں لینا منظور ہو لے لو، انھوں نے کہاجواب دیاکہ ہم کو ضرورت نہیں، بحیث ادا نہایت کافی ووافی شہادت ہے، اس کے الفاظ پر جو اعتراض کئے جاتے ہیں بے معنی ہے، اس میں فقط اتنا دیکھنا چاہئے کہ گواہوں کی حالت کیسی ہے اگر ان میں دو گواہ بھی قابل قبول شرع ہوں تو فیصلہ بحق مدعاعلیہا لازم ہے۔ملاحظہ تحریر سے ظاہر ہواکہ حکم مجوزنے گواہان مشتریہ پر اعتماد کیاکہ اور ان کے بیان پر فیصلہ رہا، اور جانب مدعیان سے ان پر کوئی جرح قابل لحاظ شرع نہ کی گئی، تواس صورت میں واقعہ میں حکم یہی ہونا چاہئے کہ دعوی شفعہ ساقط، اور مشتریہ مطالبہ سے بری ہے۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲، ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۴۴

اس کے مقابل مدعیوں کی یہ گواہیاں کہ ہم یہاں نہ تھے شہادت علی النفی ہیں قابل لحاظ نہیں، نہ وہ فتوٰی دوخلیط جار پر مقدم ہے۔کچھ مفید مدعی ہوسکتے ہیں کہ اول توخلیط ہونا ہی پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، پھر بعد تسلیم شفعہ خلیط فی نفس المبیع کا بھی کچھ حق نہیں رہتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹و۳۰: از ریاست رامپور کٹرہ خلاں خاں مرحوم مرسلہ غلام معین الدین خاں ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

(۱) حاکمان شریعت مفتیان ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ اصغر علی خاں عرف بنے خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعا علیہا نمبری ۱۹۳/۲ دعوی شفعہ بر اراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں فیصلہ مفتی عدالت ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ پیش کرکے درخواست ہے کہ شرع مطہر کے حکم سے اس مدقدمہ میں فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا صحیح ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

مقدمہ مذکورہ کے متعلق عرضی دعوی وعرض مدعی مورخہ ۱۶ مارچ ۱۹۰۷ء بجواب استفسار حکم، واظہارات عبد الطیب خاں، وڈاکٹر مدن خاں، وعلی بہادر خان، وصفدر علی خاں ولد عباس خان وبشیر الدین خان، وضیاء الدین خاں، واحمد حسن خاں، وصفدر علی خاں ولد نثار علی خاں وعبدالغنی خاں نہ کس گواہان اصغر علی خاں مدعی، وفیصلہ مفتی صاحب حاکم مجوز کی نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئے، اور سائل نے بیان کیا کہ شہنشاہی بیگم مدعا علیہا کی طرف سے اس مقدمہ میں صرف دو گواہ نیاز حسین خاں وعزیز محمد خاں پیش ہوئے، اور ان کا بیان اس مقدمہ میں بھی بعینہٖ وہی ہے جو انھوں نے مقدمہ سید محمد شاہ میں بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ میں کیا ہے۔اور جس کی نقول باضابطہ اس وقت یہاں دارالافتاء میں حاضر ہے۔نیز حاکم نے فیصلہ میں ان کے بیانوں کا خلاصہ ذکر کیا، اور تحقیقات موقع پر شہادت سعید الدین خاں کا بھی بیان لکھا ہے جس میں اصغر علی خاں وسید محمد شاہ دونوں مدعیوں کا بعد بیع تسلیم شفعہ مذکور ہے، اور مجوز نے دونوں فیصلوں میں بعد اس بیان کے کہ شہادات شہود مدعیان میں نقائص ہیں، بر تقدیر نقائص ان تین گواہان مدعیہ کے بیان پر مدار فیصلہ رکھا ہے کہ ان سے دونوں مدعیوں کا بعد بیع طلب شفعہ سے انکار کردینا ثابت ہے۔تو ان کو کسی طرح استحقاق دعوی نہ رہا، اور گواہان اصغر علی خاں جو وقت بیع اس کا رام پور میں نہ ہونا بیان کرتے ہیں گواہان نفی ہیں کہ مسموع نہیں، مگر ہماری رائے میں گواہان مدعا علیہا اس مقدمہ میں حاجت سے محض زیادہ ہیں جن کی شہادت پر بحث کی اصلا ضرورت نہیں، ولہذا ان کے اظہارات کی نقل پیش نہ ہونا اس مقدمہ میں بیاں حکم سے مانع نہیں، نہ اس پر نظر کہ عزیز محمد خاں نے اصغر علی خاں کی نسبت کہا، ولدیت نامعلوم شکل جانتاہوں نہ اظہار سے ثابت کہ

گواہ نے مدعی کو اشارہ سے بتایا، نہ اس پر لحاظ کی حاجت کہ سعید الدین خاں دوسرے مقدمہ کا گواہ ہے جس کا مدعی شخص آخر ہے، گو مدعا علیہ وہی ہے۔اس کا بیان اس مقدمہ کا شاہد بنا کر کہاتک قابل استناد ہے۔یہ سب امور زوائد ہیں، مدعی شفعہ میں لازم ہے کہ یا تو مدعہ مقر ہو کہ دار مشفوع بہا شفیع کی ملک ہے، یا شفیع اسے بینہ سے ثابت کرے اور یہ بھی نہ ہو تو شفیع مدعا علیہ کا حلف چاہے اور وہ قسم کھانے سے انکار کردے، بے ان صورتوں کے دعوی شفعہ ہر گز ثابت نہیں ہوسکتا، زیلعی میں ہے:

اذا تقدم الشفیع، وادعی الشراء وطلب الشفعة عندا لقاضی، ولم یخل بشیئ من شروطه، اقبل علی المدعی علیه فسأله عن الدار التی یشفع بها هل هی ملك الشفیع ام لا، و ان کانت هی فی ید الشفیع وهی تدل علی الملك ظاهرا، لان الظاهر لا یصلح للاستحقاق فلابد من ثبوت مبلکه بحجة، فیسأله عنه فان انکر ان یکون ملکا له یقول للمدعی اقم البینة انها ملکک، فان عجز عن البینة وطلب یمینه استحلف المشتری بالله مایعلم انه مالك للذی ذکره مما یشفع به، فان نکل اوقامت للشفیع بینة، او اقر المشتری بذلك ثبت ملك الشفیع فی الدار التی بشفع بها وثبت السبب وبعد ذلك یسأل القاضی	شفیع نے قاضی کے ہاں آگے بڑھ کر خریداری کا دعوی کیا اور شفعہ طلب کیا اور دعوی کی شرائط میں کوتاہی نہ ہو، پھر قاضی مدعا علیہ کی طرف متوجہ ہو کر اس سے اس دار کے متعلق سوال کرے گا جس کی بناء پر شفیع شفعہ کا دعوی کرتا ہے کہ کیا یہ شفیع کی ملکیت ہے یا نہیں اگرچہ وہ دار شفیع کے قبضہ میں ہو قبضہ کے باوجود سوال حالانکہ قبضہ ملکیت پر ہی ظاہرا دلالت کرتا ہے یہ اس لیے کہ ظاہر چیز استحقاق ثابت نہیں کرتی تو اس کی ملکیت کے ثبوت کے لئے کوئی دلیل ضروری ہے لہذا قاضی مدعا علیہ سے مدعی کی ملکیت کا سوال کرے گا، اگر مدعی علیہ اس کی ملکیت کا انکار کرے تو قاضی مدعی کو کہے گا کہ اپنی ملکیت پر گواہ پیش کر، تو اگر وہ گواہ لانے سے عاجز ہے اور مدعی علیہ سے اس پر قسم لینے کا مطالبہ کرے تو قاضی مدعی علیہ سے یوں قسم لے کہ مدعی جس بناء پر شفعہ کررہا ہے تو اس ذکر کردہ پر اس کی ملکیت کو جانتا ہے تو مدعی علیہ اگر قسم سے انکار کرے یا شفیع کے گواہ شہادت دے دیں یا خود مشتری اس کی ملکیت کا اقرار کردے تو جس دار کی بناء پر شفعہ طلب کرتا ہے اس کی ملکیت شفیع کے لئے ثابت

المدعی علیہ ھل اشتریت ام لا الخ ملخصا[1]۔	ہو جائیگی یوں شفعہ کا سبب ثابت ہو جائیگا اس کے بعد قاضی مدعی علیہ (مشتری) سے سوال کرے کیا تو نے یہ دار خریدا ہے یا نہیں الخ ملخصا (ت)

اس مقدمہ میں ظاہر ہے کہ مدعاعلیہا ملک شفیع کی منکر ہے۔نہ شفیع نے حلف چاہانہ اس نے حلف سے انکار کیا، تو صرف صورت شہادت رہی، اور وہ محض ناکافی گزری، یہاں شہادت اس مضمون کی درکار ہے کہ دار مشفوعہ کی بیع سے پہلے دار مشفوع بہا شفیع کی ملک تھی اور اب تک اس کی ملک ہے ہمارے علم میں جب سے اب تک اس کی ملک سے خارج نہ ہوئی، محیط وہندیہ میں ہے:

ان یقر المدعی علیہ بشراء الدار وینکر کون المدعی شفیعھا بالدار التی حدھا وینکر کون الدرا التی حدھا ملکا للمدعی، احضر المدعی الشھود وشھد کل منھم ۔(ملخصا)[2]۔ گواہی میدہم کہ خانہ کہ بفلاں موضع ست حد ہائے وے کذا وکذا ملک ایں مدعی بودپیش از انکہ ایں مدعی علیہ مرایں خانہ راخرید وبرملک وے ماند تا امروز وامروز ایں خانہ ملک ایں مدعی ست۔	مدعی علیہ دار کی خریداری کا اقرار کرے اور شفیع جس مکان کی بناء پر مدعی کے بیان کردہ دار پر مدعی کی ملکیت کا انکار کرے تو مدعی گواہ پیش کرے اور ہر گواہ شہادت دے (ملخصا)۔(ت) میں گواہی دیتاہوں کہ جو مکان فلاں موضع میں ہے اس کی حدود یوں یوں ہیں وہ اس مدعی کی ملکیت میں دعی علیہ کے اس خاص مکان کو خریدنے سے قبل تھی اور آج یہ مکان اس مدعی کا ہے۔(ت)

اور یہ اس لئے کہ اگر وقت بیع دار مشفوع بہا ملک شفیع میں نہ تھا، تو اس سبب سے اس میں استحقاق شفیع نہیں ہو سکتا اگرچہ بعد بیع یہ دار مشفوع بہاوراثت یا بیع یا ہبہ یا وصیت وغیرہا سے ملک مدعی میں آجاوے، عالمگیریہ میں ہے:

الشفعۃ شرطھا ملک الشفیع وقت الشراء فی الدار التی یاخذبھا	شفعہ کی صحت کے لئے یہ شرط ہے جس دار کی بناء پر شفعہ کا دعوی ہے اس پر مشتری کی خریداری

[1] تبیین الحقائق کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیر بولاق مصر ۵/ ۴۵۔ ۲۴۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب المحاضر والسجلات محضر فی دعوی الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۰۷

الشفعة [1]۔	تک شفیع کی ملکیت قائم ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

رجل اوصی له بدار، ولم یعلم حتی بیعت دار بجنبها، ثم قبل الوصیة فلا شفعة له [2]۔	ایک شخص نے اس کے لئے ایک مکان کی وصیت کی حالانکہ اس کو ابھی تک وصیت کا علم نہ ہوا حتی کہ اس مکان کے پڑوس میں کوئی مکان فروخت کیا اس کے بعد اس کو علم ہوا تو وصیت قبول کی۔ تو اب شفعہ نہ ہوگا۔(ت)

اور اگر شفیع بعد بیع وطلب شفہ قبل قضائے قاضی دار مشفوع بہا کو بیع کردے، تو شفعہ ساقط ہو جاتاہے۔ درمختار میں ہے:

یبطلها بیع مایشفع به قبل القضاء بالشفعة مطلقا [3]۔	جس کے سبب شفعہ کا حق ہو اس کو قاضی کے فیصلہ سے قبل فروخت کردینا شفعہ کو مطلقًا باطل کردیتاہے۔(ت)

تو لازم ہے کہ قبل بیع دار مشفوعہ سے اس وقت تک مشفوع بہا میں شفیع کی ملک مستمر پر شہود شہادت دیں، اس کی طرف کچھ میلان اس مقدمہ میں بظاہر صرف ضیاء الدین خاں کے بیان میں ہے کہ اس مکان مشفوعہ کے پورب کی جانب مکان اصغر علی خاں موروثی واقع ہے اور وہ قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک وہ اس پر مالک و قابض ہیں اور حقیقۃً دیکھئے تو اصلاً اسے بھی اس مطلوب سے مس نہیں، مکان مشفوعہ سے پورب کی جانب ہزاروں میل تک ہے۔ نہیں معلوم کہ گواہ جس کو اصغر علی خاں کا موروثی و مملوک بملک مستمر بتارہاہے کس عملے بلکہ کس شہر میں واقع ہے۔ جبکہ دار مشفوع بہا کی طرف نہ اشارہ نہ اس کے حدود کا بیان تو صرف اتنی تعریف کہ وہاں پورب کو ہے کیا کام دے سکتی ہے۔ باقی آٹھ گواہوں سے چار نے ملک شفیع کا اصلاً ذکر ہی نہ کیا، صفدر علی خاں ولد نثار علی خاں نے اتنا کہا کہ "یہ بات کہہ کر اصغر علی خاں اپنے مکان موروثی میں گئے اصغر علی خان کو چہ غیر نافذہ میں اپنے مکان موروثی کے دروازہ پر بیٹھے تھے، میں نے آٹھ روز سے نماز نہیں پڑھی، داڑھی مظہر کی جو برابر ہے" اس کا بھی وہی حال ہے اس سے یہ بھی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۴

[3] درمختار کتاب الشفعۃ باب مایبطلها مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۵

نہ کھلا کہ اصغر علی خاں کا مکان موروثی دار مشفوعہ کے محلّہ واقع ہے یا شہر کے دوسرے کنارے پر، تو مشفوع بہا کی ملک سے اس میں بھی اصلا بحث نہیں، علی بہادر خاں نے کہا سید تصور شاہ کے مکان سے پورب کو مکان موروثی مدعی کا ملا ہوا ہے۔ معلوم نہیں تصور شاہ کے کسی مکان سے ؟ ہاں دو گواہیاں ملک مشفوع بہا کا پتا دے رہی ہیں، صفدر علی خاں ولد عباس خاں نے کہا مکان موروثی مدعی سے کھپریل مکان متنازعہ کے دکھن کہ دیوار ودرمیان میں ہے "اس سے جار ملاصق ہونا معلوم ہوا، اگرچہ مدعی خلیط فی المبیع ہونے کا مدعی ہے۔ بشیر الدین خاں نے کہا "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے اس مکان سے پورب کی جانب کی مکان اصغر علی خاں کا ہے۔ اور وہ مکان اصغر علی خاں کا موروثی ہے ان دونوں مکانوں کا راستہ بھی ایک ہی کوچہ میں ہے "اور یہی گواہ بمقدمہ سید محمد شاہ بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ بیان کرچکا ہے کہ اس کی ڈاڑھی چٹکی میں آجاتی ہے۔ اول ڈاڑھی کترواتا تھا اب توبہ کرلی اب نہیں منڈائے گا، ان سب گواہیوں میں یہی گواہی چست ہے کہ اس نے ان لفظوں سے کہ "جس مکان کی کوٹھی کی اراضی فروخت ہوئی ہے "اپنے تنگ خیال کے مطابق تعیین مکان بھی کی اور دونوں کا راستہ ایک ہی کوچہ میں ہونے سے خلط فی حق المبیع بھی بتایا، مگرت، تمام نقائص سے قطع نظر کرکے ان میں سے کسی نے مورث کا نام تک نہ لیا، اس کی تاریخ موت بتانا تو بڑی بات ہے، تو نری موروثی ہونے سے کیا کھلا کہ یہ مکان کب سے اصغر علی خاں کی ملک ہے، ممکن کہ وہ مورث جس کے ترکہ سے یہ مکان مدعی کو وراثۃً بعد بیع دار مشفوعہ مراد ہو، تو اس مکان کے ذریعہ سے مدعی کو کیا استحقاق شفعہ ہوسکتا ہے، شہادت اس لئے ہوتی ہے کہ حق حاکم پر ظاہر ہو، ان شہادتوں کا اجمال واہمال یہ ہے کہ مجوز نے فیصلہ میں کہا کہ گواہان مدعی نے یہ نہ بیان کیا کہ مدعی مورث کا بیٹا ہے یا بھائی ہے یا کون "جب قاضی کو مورث کا ہی پتہ نہ چلا تو تاریخ موت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے جس سے جانا جائے کہ دار مشفوعہ بہا عند البیع ملک شفیع تھی یا نہیں، لاجرم شہادتیں محض مہمل ہیں اور دعوی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا، ردالمحتار میں ہے:

لوقالا انہا لھذا الجار لایکفی کمافی المحیط[1]۔	اگر دونوں گواہ یہ کہیں کہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو کافی نہیں، جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

لہذا واجب تھا کہ دعوی خارج ہو، جیسا کہ مفتی ریاست نے کیا، اور لازم ہے کہ اپیل نامنظور، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] ردالمحتار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴

(۲) حکام شریعت علماء ملت کے حضور تمام کاغذات مقدمہ سید محمد شاہ مدعی بنام شہنشاہی بیگم مشتریہ وتصور شاہ بائع مدعاعلیہا نمبری ۴/۲۰۵ دعوی شفع براراضی واقعہ کٹرہ جلال الدین خاں، فیصلہ مفتی ریاست رامپور واقع ۲۲ دسمبر ۱۹۰۷ء کی نقول باضابطہ حاضر کرکے کہ شرع شریف کے حکم سے اس مقدمہ فیصلہ بحق مدعاعلیہا ہونا صحیح یا کیا؟ بینوا توجروا

الجواب:

اس مقدمہ کے متعلق عرضی دعوی وجواب دعوی از جانب شہنشاہی بیگم، ورد جواب از جانب مدعی واظہار عثمان خاں وعبد الرزاق خاں وسید دلاور علی خاں ونتھو خان وبشیر الدین خاں وعبدالغفار خاں گواہان مدعی ونیاز حسین خاں وعزیز محمد خان وامین الدین خان وسعید الدین خاں گواہان مدعاعلیہا وروبکار مفتی صاحب حاکم مجوز کے نقول باضابطہ فقیر کے سامنے پیش ہوئیں، اس دعوی کی حالت دعوی اصغر علی خاں مدعی بنام شہنشاہی بیگم مذکورہ سے بھی بدتر ہے مشہود مدعی میں صرف تین گواہوں نے مکان مدعی ملک ہونے کی طرف توجہ کی، ازیں جملہ عبدالغفار خاں کا بیان ہے "مکان جانب مشرق مملوک بائع کا ہے، اور جانب غرب شفیع کا ہے پکھا دونوں مکان کا مشترکہ ہے" یہ گواہ ایک ایسے دو مکانوں کا قصہ بیان کرتا ہے جسکا پکھا مشترک اور ان میں ایک مملوک بائع دوسرا شفیع کا ہے، مگراس کی شہادت کچھ پتا نہیں دیتی کہ وہ مکان کس شہر، یا شہر کے کس گوشہ میں واقع ہیں، شہادت میں نہ مکانوں کی تعیین، نہ ان کی طرف اشارہ یہ شہادت اس پایہ کی ہے کہ مقدمہ اصغر علی خاں بنام شہنشاہی بیگم میں شہادت علی بہادر خاں تھی، نتھو خاں نے کہا "یہ مکان سید محمد شاہ کا جس کی وجہ سے دعوی شفعہ کیا ہے موروثی ہے سید دلاور علی نے کہا" مکان شفیع کا مملوکہ موروثی ہے "لفظ اگرچہ مطلق تھا مگر اظہار میں لکھا کہ" نشان دہی کردی "توانھیں دو گواہوں سے ملک مشفوع بہا کا پتا چلا شہنشاہی بیگم یہاں بھی مشفوع بہا میں ملک مدعی سے منکر ہے اور مدعی نے نہ اس سے حلف لیانہ اس نے حلف سے انکار کیا بلکہ مدعی نے شہادت پر اپنے کام کا مدار رکھا، اور وہ حسب قاعدہ شرع ادانہ ہوئی کہ کسی شہادت میں بیع مشفوعہ سے پہلے مشفوع بہا کا ملک مدعی ہونا اور اب تک بالاستمرار اس کی ملک میں رہنا اصلا مذکور نہیں، مقدمہ اصغر علی خاں میں اگرچہ دعوی محض مجمل تھا، بجواب استفسار حاکم اور تفصیل نہ کرسکا، تو نام موث تو بتادیا، یہاں اس قدر بھی نہیں، بیان مدعی یا بیان شاہدان کسی سے پتا نہیں چلتا کہ یہ مکان محمد شاہ کو بیع مشفوعہ کے کتنے مہینے بعد میراث میں ملا ہے، بیع مشفوعہ ۱۶ دسمبر ۱۹۰۶ء کو ہوئی، اور شہادتیں ۱۳۹۹ جون ۱۹۰۷ء کو ہیں کیا اگر ۸ جون ۱۹۰۷ء تک سید محمد شاہ کا کوئی مورث باپ یا بھائی یا چچا وغیرہم اس مکان مشفوع بہا کا مالک رہا، اور اس تاریخ اس کی وفات ہوئی، اور مکان ملک سید محمد شاہ میں آیا تو ۹ جون

کو گواہوں کا کہنا کہ یہ مکان شفیع کا موروثی ہے، غلط ہوگا، ہرگز نہیں، ضرور صحیح وحق ہوگا، مگر مدعی کے کسی مصرف کا نہیں، اس کی ملک تو وقت بیع مشفوعہ سے پہلے ہو اور اب تک مستمر رہے، اس کا ثبوت درکار تھا، جس کا نام تک کسی شاہد نے نہ لیا، تو ایسی شہادتیں محض ناکافی اور بے معنٰی ہیں، اور دعوی اصلا پایہ ثبوت کو نہ پہنچا اجناس وذخیرہ ومحیط وغیرہا میں ہے:

ینبغی ان یشھدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعة ملك ھذا الشفیع قبل ان یشتری ہذا المشتری ہذا الدار وہی له الی ھذا الساعة لانعلمھا خرجت عن ملکه فلوقالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی [1]۔	گواہ یوں شہادت دیں کہ مبیع مکان کے پڑوس میں یہ مکان اس مشتری کے اس مکان کو خریدنے سے قبل شفیع کی ملکتی میں اس قت تک ہے اور اس کی ملکیت سے خارج ہونا ہمیں معلوم نہیں، تو اگر صرف یہ کہیں کہ یہ مکان اس پڑوسی کا ہے تو اتنا کافی نہیں ہے۔(ت)

معہذا شہنشاہی بیگم کی طرف سے جو شہادتین نیاز حسین خان وعزیز محمد خاں وسعید الدین خاں نے دیں وہ اس پیمانے پر جو آج کل تمام ہند میں رائج اور جملہ مقدمات اور خود اس مقدمہ میں مدعی ومدعٰی علیہ سب کے شہود اسی رنگ پر چلے اور چلتے ہیں، اس امر کا ثبوت دے رہے ہیں کہ سید محمد شاہ نے بعد بیع خبر سن کر تسلیم شفعہ کردی، اور طلب سے انکار کیا، اگر یہ پیمانہ مقبول نہیں تو خود شہادت شہود مدعی ایک اور وجہ سے مردود ہوئی، اور مقبول ہو تو بطلان شفعہ ثابت ہوگیا، جیسا کہ فیصلہ میں مذکور ہے، بہرحال دعوی شفعہ محض ناثابت ہے، اور اپیل اصلا قابل منظور نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیعنامہ مکان کا قبل نکاح زبیدہ جس کا نکاح اس کے پسر کے ساتھ ہونے والا ہے۔ بدیں مضمون لکھ کر زر ثمن کی وصولیابی کا اقرار لکھ کر معاف کردیا، اس قسم کا بیعنامہ معافی کا شرعا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر بعد نکاح زید یا اس کے ورثاء انکار وصولیابی زر ثمن کا کرکے کہیں کہ بیعنامہ بطور قرض لکھا گیا تھا شرعا قرض قرار پائے گا یا نہیں؟ اور کبھی شفیع کی شفعہ اس قسم کے بیعنامہ میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

میں کہ فلاں ابن فلاں ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزلہ مکان چنیں وچناں واقع رامپور محدودہ ذیل

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الاجناس والمحیط والذخیرۃ کتاب الشفعة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۹

مملوکہ ومقبوضہ میرا ہے۔ وہ اب میں نے بحالت صحت نفس وثبات عقل بلااکراہ واجبار ورغبت اپنے مع جمیع حقوق ومرافق بعوج مبلغ پانچسو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ زبیدہ جس کا نکاح حسب خواہش میری بکر پس نطفے میرے سے بتاریخ امروز ہوگا، بیچا اور بیع کیا میں نے اور مکان مبیعہ مشتریہ مذکورہ کو مثل ذات اپنی کے مالک وقابض کردیا، میں نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پایا، میں نے یعنی زرثمن اس کا بوجہ محبت فطری بکر پسر مذکور کے زبیدہ مشتریہ کو معاف کیا میں نے پس بخشش ومعافی مجھ کو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زرثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا تقابض البدلین واقع ہوا، اب مجھ بائع کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ ہوگا، اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جواب دہ میں بائع ہوں۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع مطلقاً صحیح ہے، اور اگر ایجاب وقبول بیع قبل معافی ثمن اقع ہوئے تھے وتو معافی ثمن بھی صحیح ہے، اب زید یا وارثان زید کو اس جائداد خواہ اسکے زرثمن میں اصلا دعوی نہیں پہنچتا، ہاں اگر قبل قبول مشتریہ یا وکیل مشتریہ معافی ثمن بائع نے لکھی اور اس کے بعد مشتریہ کی طرف سے قبول واقع ہوا تو معافی صحیح نہ ہوگی، بیع صحیح ہوگی، اور ثمن دینا آئے گا جب تک بائع بعد قبول مشتریہ کی طرف نہ کرے، رہا شفعہ وہ ہر حال میں ثابت ہے، اگرچہ ثمن معاف ہوجائے، کل ثمن شفیع اگر شرط بجالائے، لے سکے گا، کہ ثمن کی معافی سے شفیع کا فائدہ نہیں اٹھاسکتا، عالمگیری میں ہے:

اذا حط کل الثمن، اووهبه، اوأبراه عنه، فان کان ذٰلك قبل قبض الثمن صح الکل الخ[1]۔	جب مشتری کو بائع تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا ثمن سے اس کو بری کردے تو اگر ثمن پر بائع کے قبضہ سے قبل ہو تو یہ سب جائز ہے۔ الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الذخیرة اذا حط کل الثمن، اووهب اوأبرا عنه، فان کان قبل قبضه صح الکل ولا یلتحق باصل العقد، فی البدائع من الشفعة، ولو حط جمیع الثمن و لا یسقط عنه شیئ لان	ذخیرہ میں فرمایا، اگر تمام ثمن ساقط کردے یا ہبہ کردے یا اس کو بری کردے اگر ثمن پر اپنے قبضہ سے قبل کرے تو سب صحیح ہے اور یہ ثمن چھوڑنا اصل عقد سے ملحق نہ ہوگا، بدائع کے شفعہ میں ہے اگر بائع نے مشتری سے کل ثمن ساقط کئے تو وہ شفیع سے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۷۳

حط کل الثمن لایلتحق باصل العقد، لانہ لو التحق لبطل البیع لانہ یکون بیعا بلاثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع و صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن اھ[1]۔	ساقط نہ ہوں گے کیونکہ کل ثمن کا اسقاط اصل عقد سے ملحق نہ ہوتا کیونکہ اگر اصل بیع سے ملحق ہو تو بیع باطل ہو جائے، اس لئے کہ وہ بیع بلا ثمن قرار پائیگی، تو وہ شفعی کے حق میں اسقاط نہ ہوگا، مشتری کے حق میں صحیح ہوگا اور مشتری کو ثمن سے برات ہوگی اھ (ت)

فتاوی قاضی خاں میں ہے:

قال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراہم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع، ولایبرأ المشتری عن الثمن لایجب الابعد قبول البیع، فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان ابرأ قبل السبب فلا یصح[2] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بائع نے کہا میں نے تجھے یہ چیز دس دراہم کے بدلے فروخت کی اور میں نے تجھے وہ دس ہبہ کئے پھر مشتری نے بیع قبول کرلی تو بیع صحیح ہوگی اور مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا جبکہ ثمن کا وجوب بیع کو قبول کرنے کے بعد ہوتا ہے اگر قبول کرنے سے قبل مشتری کو بری کردے تو یہ سبب سے قبل بری کرنا ہوگا جو کہ صحیح نہیں ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از بدایوں سوتھ محلّہ مرسلہ نواب عبداللہ خاں ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

حنفی المذہب جار کو وہابی غیر مقلد پر حق شفعہ حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک حاصل ہے، تمام کتب فقہ میں حکم شفعہ عام معلق ہے، ہدایہ میں ہے:

الشفعۃ واجبۃ للخلیط فی نفس البیع، ثم للخلیط حق المبیع کشرب والطریق، ثم للجار[3]۔	عین مبیع میں شریک کو شفعہ کا حق لازم ہے پھر مبیع کے حقوق میں شریک کو جیسے زمین کو سیراب کرنے والے پانی اور اس کے راستے میں شرکت ہو اس کے بعد پڑوسی کو حق ہوگا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی التصرف فی المبیع والثمن داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع الفاسد نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

[3] الہدایہ کتاب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۸۷

درمختار میں ہے:

سببھا اتصال ملك الشفیع بالمشتری بشرکۃ او جوار [1]۔	شفعہ کا سبب خرید کردہ کے ساتھ شفیع کی ملک کا اتصال بطور شرکت یا بطور پڑوس ہو۔(ت)

اسی میں ہے:

الشفعۃ للجار الملاصق [2]۔	شفعہ کا حق متصل پڑوس کو ہے۔(ت)

عالمگیری می ہے:

اذا اسلم الخلیط وجبت للجار [3]۔	جب شریک شفعہ کو چھوڑدے تو پھر پڑوسی کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

للجار حق الشفعۃ اذا کان الجار قد طلب الشفعۃ حین سمع البیع [4]۔	پڑوسی کو شفعہ کا حق تب ہے کہ اس نے بیع کو سنتے ہی طلب کی ہو۔(ت)

قاضی خاں میں ہے:

الشفعۃ حق شرع نظرا لمن کان شریکا او جارا عند البیع [5]۔	حق شفعہ شریک یا پڑوسی کی رعایت کے لئے مشروعات ہے بوقت بیع(ت)

اصلا کہیں یہ قید نہیں کہ بائع یا مشتری کا مقلد ہو ناضروری ہے ورنہ حق شفع نہ ہوگا جو اس کا ادعا کرے کسی کتاب معتبر میں دکھائے، اور ہر گز نہ دکھا سکے گا۔ اور جب تمام کتب میں حکم بلاشبہہ عام ہے، تو اپنی طرف سے تخصیص کب قابل سماعت ہے۔ ناواقف جاہل کو یہاں دو ہی شبہے عارض ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ غیر مقلد شفعہ جار کا قائل نہیں تو وہ اپنے زعم میں اس مطالبہ سے بری ہے۔ دوسرے یہ کہ غیر مقلد بہت مسائل اصول دین میں اہل حق کا مخالف ہے۔ وہ ایک دین ہی جداگانہ رکھتا ہے تو ہمارے دین کے احکام اسے شامل نہ ہوں گے، اور یہ دونوں شبہے محض باطل وبے معنی ہیں، کتابوں میں صاف تصریح ہے کہ اگر کھلے کافر نے

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۰-۲۱۱

[2] درمختار کتاب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۰-۲۱۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۶

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۶۷

[5] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الشفعۃ الباب الثانی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

دوسرے کے ہاتھ مکان بیچا اور مسلمان اس کا شفیع ہے۔ مسلمان کو شفعہ ملے گا، تو کھلے کفار جن کے یہاں شفعہ سرے سے کوئی چیز ہی نہیں اور وہ صراحۃً نفس اسلام سے منکر ہیں، جبکہ اپنے خیال میں عدم شفعہ یا تخالف دین کے سبب شفعہ سے بری نہ ہوئے، تو غیر مقلد کہ اصل شفعہ کا قائل ہے، اگرچہ شفعہ جوار میں کلام کرے، اور دین اسلام کا دعوی رکھتا ہے اگرچہ اپنے دعوے میں غلط کار ہو، کیونکہ اپنے خیال یا تخالف مذہب کے باعث شفعہ سے بری ہوسکتا ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لواشتری ذمی من دار بخمر اوخنزیر وشفیعھا ذمی اومسلم وجب الشفعۃ عند اصحابنا [1]۔	اگر کسی ذمی نے ذمی سے مکان بعوض شراب یا خنزیر خریدا اور اس پر شفعہ کرنیوالا ذمی ہو یا مسلمان ہو اس کو ہمارے اصحاب کے نزدیک شفعہ کا حق ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خان میں ہے:

المسلم والکافر والکبیر والصغیر والذکر والانثٰی فی الشفعۃ لھم وعلیھم سواء [2]۔	مسلمان، کافر، بڑا، چھوٹا، مرد اور عورت شفعہ ان کے حق میں ہو یا خلاف ہو سب برابر ہیں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

اذاشتری ذمی بخمر اوخنزیر ان کان شفیعھا مسلما اخذ بقیمۃ الخمر والخنزیر وبالاسلام یتاکد حقہ لا ان یبطل [3] اھ ملتقطًا۔	جب شراب یا خنزیر کے عوض کسی ذمی نے مکان خریدا اگر مسلمان شفعہ کا حقدار ہو تو شراب اور خنزیر کی قیمت کے عوض شفعہ حاصل کرے گا، اسلام اس کے حق کو مضبوط بناتا ہے نہ کہ باطل کرتا ہے اھ ملتقطا (ت)

بالجملہ مدعا علیہ اپنے کسی خیال ومذہب کے باعث اس حق کو مدعی کے لئے باطل نہیں کرسکتا، اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ شرع مطہر نے حق شفعہ شفیع سے وضع ضرور کے لئے مشروع فرمایا ہے، مدعی کہ اپنا ضرر دفع کرنا چاہتا ہے، مدعا علیہ یہ جواب کیونکر دے سکتا ہے کہ میرے خیال ومذہب میں تو اپنے ضرر کے دفع کا استحقاق نہیں

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشفعۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۹۴

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۶۰

[3] الھدایہ کتاب الشفعۃ باب الشفعۃ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴ /۹۸۔۳۹۷

رکھتا، ایسا جواب کب قابل التفات ہوسکتا ہے، ہدایہ میں ہے:

الاتصال علی هذہ الصفة انما انتصب سببا فیه لدفع ضرر الجوار اذ هو مادة المضار علی ماعرف [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس طریقہ کا اتصال پڑوس کے ضرر کو دفع کرنے کے لئے سبب ہے کیونکہ پڑوس محل ضرر ہے جیسا کہ معروف ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: مسئولہ محمد حیدر حسن خاں رامپوری ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان کا حصہ فروخت ہوا، شفیع جو خلیط فی نفس المبیع ہے اس نے خبر سن کر فورا طلب مواثبت کی، ادا کے وقت چند اشخاص شفیع کے پاس موجود تھے، اور اس جگہ سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا ہے۔ شفیع طلب مواثبت کرکے خود اشخاص مذکورہ کو ساتھ لے کر مکان مبیعہ کے پاس آیا، سب آدمی مکان کے دروازے کے پاس کھڑے رہے اور شفیع مکان کے اندر چلا گیا اور وہاں پردہ کرایا، اور پھر باہر آکر سب آدمیوں کو مکان کے اندر لے گیا، تب شفیع نے طلب اشہاد ادا کی، شفیع اگر چاہتا تو جس جگہ اس نے طلب اول ادا کی تھی اور وہاں سے مکان مبیعہ بھی نظر آتا تھا اس جگہ طلب ثانی بھی ادا کرسکتا تھا، یہ امر دریافت طلب ہے کہ شفیع نے جو دو تاخیریں ادائے طلب اشہاد میں کیں، یہ دونوں تاخیریں یا ان میں سے کوئی مبطل شفعہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں نہ شفعہ باطل ہوا نہ طلب اشہاد میں تاخیر ہوئی، نہ یہاں طلب مکرر کی حاجت تھی، بلکہ وہی طلب مواثبت جو اس نے دار مبیعہ کے منظر میں کی، جہاں وہ مکان کے سامنے اور حسب بیان زبانی سائل نے صرف پچاس قدم کے فاصلہ پر تھا، وہی دونوں طلبوں کا کام دے گئی، اصل یہ ہے کہ یہاں طلب خصومت سے پہلے دو طلبیں لازم کی ہیں، ایک بفور علم اگرچہ اس وقت وہاں اور کوئی نہ ہو، دوم احد المعاقدین یا مبیع کے سامنے، اور اگر وقت علم احد البائعین حاضر یا مبیع پیش نظر ہے، تو یہی طلب اول و دوم دونوں ہوجائیں گی، پھر طلب اشہاد میں حاضرین سے یہ کہنا کچھ ضرور نہیں کہ تم گواہ ہوجاؤ بلکہ فی الواقع دونوں میں سے کسی طلب میں گواہوں کا موجود ہونا ہی شرط نہیں، وہ صرف ثبوت دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں جبکہ مشتری انکار کرے تو گواہوں کے سامنے طلب مواثبت منظر مبیعہ میں کرنا بدرجہ اولٰی طلب اشہاد

[1] الہدایۃ کتاب الشفعہ مطبع یوسفی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۸۸

بھی ہے اگرچہ گواہوں سے نہ کہا ہو کہ گواہ رہو، اور یہیں سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد شفیع کا شہود کو دروازہ پر پھر اندر لے جانا اور طلب کرنا سب فضول وزوائد از حاجت تھا، جس کی تاخیر بلکہ عدم سے بھی شفعہ کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ در مختار میں ہے:

لو اشهد فی طلب المواثبة عند احد هٰؤلاء (ای البائعین والمبیع) کفاہ وقام مقام الطلبین [1]۔	اگر شفعہ کی طلب پر ان میں سے کسی کے اس گواہ بنائے یعنی خرید وفروخت کرنے والوں اور مبیع کے پاس تو اس کو کافی ہے اور یہ عمل دونوں طلب کے قائم مقام ہوگا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

انما یحتاج الی طلب المواثبة ثم الی طلب الاشهاد بعد اذا لم یمکنه الاشهاد عند طلب المواثبة بان سمع الشراء حال غیبة عن المشتری والبائع والدار، اما اذا سمع عند حضرة هٰؤلاء الثلث (ای احد هم کما لایخفی) واشهد علی ذٰلك فذٰلك یکفیه، ویقوم مقام الطلبین کذا فی خزانة المفتین [2]۔	طلب مواثبت کے بعد طلب اشہاد کی ضرورت تب ہوگی جب طلب مواثبت پر وہ گوہ نہ بنا سکے، مثلاً یوں کہ شفیع نے خریداری کی خبر مشتری بائع اور مبیع مکان سے غائب ہونے پر سنی لیکن جب ان کی موجودگی میں سنی ہو اور اس وقت گواہ بھی اس طلب پر قائم کرلئے ہوں تو اسے کافی ہے اور یہ عمل دو طلب کے قائم مقام ہوگا خزانۃ المفتین میں اسی طرح ہے (ت)

قاضی خاں وعقود الدریہ وغیرہما میں ہے:

انما سمی الثانی طلب الاشهاد لا لان الشهادة شرط بل لتکمنه اثبات الطلب عند جحود الخصم [3]۔	چنانچہ دوسری طلب کا نام طلب اشہاد اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں گواہ بنانا شرط ہے تاکہ مخالف فریق کے انکار پر ثابت کرسکے (ت)

نتائج الافکار میں بدائع سے ہے:

---

[1] درمختار کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۱

امّاالاشھاد علی ھذا الطلب فلیس بشرط و انما ھو لتوثقة علی تقدیر الانکر کما فی الطلب الاول[1]۔	دوسری طلب میں گواہ بنانا شرط نہیں بلکہ اس لئے گواہ بنائے کہ مخالف کے انکار پر اپنے حق کو ثابت کرسکے جیساکہ پہلی طلب میں شرط نہیں ہے۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

الاشھاد علی الطلب التقریر لیس بشرط کما فی البدائع[2]۔	طلب تقریر یعنی طلب ثانی میں گواہ بنانا شرط نہیں، جیسا کہ بدائع میں ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سرخسی سے ہے:

اما طلب الاشھاد فھو ان یشھد علی الطلب المواثبة حتی یتأکد الوجوب بالطلب علی الفور، ولیس الاشھاد شرطا لصحة الطلب لکن لیتوثق حق الشفعة اذا انکر المشتری طلب الشفعة[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب اشہاد یہ ہے کہ طلب مواثبت یعنی پہلی طلب پر گواہ بنائے تاکہ فوری طورپر طلب کا وجوب پختہ ہوجائے جبکہ صحت طلب کے لئے اس وقت گواہ بنانا شرط نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ مخالف فریق جب انکار کرے تو یہ اپنے حق شفعہ کو مضبوط بناسکے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴تا۳۸: از ریاست رامپور مسئولہ مفتی عبدالقادر خاں صاحب مفتی ریاست رام پور ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۲۸ھ

مقدمہ فخر الدین خان بنام حیدر حسن خان ومسماۃ منور بیگم بنت محمد شفیع خاں میں مسل مع فتاوٰی مدخلہ بغرض ملاحظہ حاضر ہے، بعد ملاحظہ روئداد واظہارات گواہان سوالات ذیل کا جواب عطاہو:

(۱) آیا جس حالت میں کہ شفیع کو اطلاع بیع ایسی جگہ پہنچی کہ در مشفوعہ سے قریب ہواور دار مشفوعہ پیش نظر ہواس وقت شہود کے سامنے طلب واحد طلب مواثبت وطلب اشہاد دونوں کی جگہ کافی ہوجائیگی یا دو طلب جداگانہ کی حاجت ہے؟

(۲) صورت مذکورہ میں اگرایک بار طلب کرکے وہاں سے اٹھ کر دار کے پاس شہود کو لے جائے اور ہنوز طلب ثانی نہ کرے، بلکہ اندر جاکر پردہ کراکر شہود کو اندر لیجاکر وہاں طلب دوم کرے تو یہ تاخیر موجب

---

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعة باب طلب الشفعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۰۸

[2] فتح المعین کتاب الشفعة باب طلب الشفعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۳۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

بطلان شفعہ ہوگی یانہیں؟

(۳) گواہوں کے سامنے اگر طلب بروجہ شرعی کرلی اور یہ نہ کہا کہ گواہ ہوجاؤ، توطلب اشہاد میں کوئی خلل ہے یانہیں؟

(۴) اگر طلب اول بروجہ کافی ایسے طورپر نہ کی کہ طلب اشہاد کے بھی قائم مقام ہوتی، اور پھر کارروائی مذکورہ سوال دوم عمل میں لایا۔ تویہ دلیل اعراض ومسقط شفعہ ہے یااس قیاس پر کہ مصرواحد میں اقرب کو چھوڑ کرابعد کے پاس جانے سے حرج نہیں ہوتا شفعہ باطل نہ ہوگا؟

(۵) طلب اول کے جوالفاظ مدعی وشاہدان نے بیان کئے ہیں آیاوہ کافی ووافی ہیں جن سے وہی طلب قائم مقام طلبین ہوجائیگی یا نہیں؟ بالآخر حکم اخیر مطلوب ہے کہ اس روئداد مسلم کی رو سے شفعہ ثابت ہے یاساقط؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

کاغذات ملاحظہ ہوئے، **پہلے تین سوالوں** کاوہی جواب ہے جو قبل ملاحظہ مسل لکھا گیا تھا، شرع مطہر نے دو۲ باتیں لازم فرمائیں، ایک طلب بفور علم، دوم اس طلب کا بتعیین مطلوب بائع یا مشتری یامشفوع کے سامنے ہونا طلب دوم کی اتنی ہی حقیقت ہے خاص اس لفظ کی کہ گواہ ہوجاؤ، کچھ حاجت نہیں، نہ یہ کہنا داخل حقیقت اشہاد ہے۔ اشہاد اعطائے ماخذ ہے یعنی دوسرے کے لئے اپنے تصرف پر تحصیل شہادت، اور بدیہی ہے کہ حصول شہادت کے لئے شاہد کے سامنے صرف وقوع درکار ہے۔ نہ کہ متصرف اسے اشہاد باللسان بھی کرے، یہاں تک کہ اگر متصرف بعد تصرف شاہد کو شہادت سے منع بھی کردے، اصلا موثر نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاتفاق علی ان من سمع اقرار رجل، له ان یشهد علیه بما سمع منه، وان لم یشهده بل ولو منعه منه الشهادة بما سمع منه [1]۔	اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کسی شخص کا اقرار سنا تو اس کو یہ حق ہے کہ اس کی سنی بات پر گواہی دے اگرچہ اقرار کرنے والا اس کو گواہ نہ بنائے بلکہ وہ گواہی سے منع کرے تو بھی گواہی دے سکتا ہے۔ (ت)

اور جب حصول شہادت بے اس قول کیے گوہ ہوجاؤ ثابت ہے، توجو تصرف متصرف بمشہد شہود اس لئے کرے کہ وہ شاہد ہوجائیں، قطعاً وہ شاہد ہوجائیں گے، اور قطعاً ان کے لئے اس وصف شہادت کا حصول اس نے

[1] فتح القدیر کتاب الشهادات باب الشهادة علی الشهادة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۵۲۷

چاہا۔اور اسی کے فعل مذکورہ سے یہ وصف ان کو حاصل ہوا، تو بلاشبہ اس نے دونوں کے لئے تحصیل شہادت کی، اور اسی قدر حقیقت اشہاد ہے، قال اللہ تعالٰی "وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ"[1] خرید وفروخت کرتے وقت اشہاد کرلو، وقال اللہ تعالٰی "وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ"[2] جب طلاق دو یا رجعت کرو اپنے میں سے دو ثقہ کو گواہ کرلو۔عالم میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ عقود وفسوخ میں گواہ کرتے وقت متصرف کا زبان سے یہ کہنا ضرور ہے کہ گواہ ہوجاؤ، بلکہ طلب دوم خواہ اول کسی میں نفس وجود شہود ہی ضرور نہیں، کما نصوا علیه فی البدائع والخانیة والمحیط واشار الیه فی الهدایة وغیرها (جیسا کہ اس پر بدائع، خانیہ اور محیط کی نصوص ہیں اور ہدایہ وغیرہ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ت) بلکہ مقصود شرع وہی دو۲ باتیں ہیں ایک طلب فوری، ۲دوسری محضر، اور الثلثۃ میں طلب بتعیین، اکثر یہ ہوتا ہے کہ شفیع کو خبر بیع وہاں پہنچی ہے کہ عاقدین ومبیع سے کچھ حاضر نہیں، ناچار دو طلبوں کی حاجت ہوئی کہ محضر کا انتظار کرے تو فوری جاتا ہے۔اور فقط فور پر قانع ہو تو محضر نہیں، اور جب خبیر عین محضر میں پہنچی تو تعداد طلب کی اصلاحاجت نہیں، طلب واحد ہی دونوں کا کام دے گا۔

لاجتماع الفور والمحضر معا والمسئلة دوارة فی الکتب وقد ذکر نا بعض نصوصها، ولا تنس ماقدمنا من معنی الاشهاد ومن حقیقة طلب الاشهاد کیلا تزل من ظاهر کثیر من العبارات۔	فوریت اور حاضری دونوں کے اجتماع کی وجہ سے، جبکہ یہ مسئلہ کتب میں عام دائر ہے اور ہم نے بعض کتب کی نصوص ذکر کردی ہیں اور ہمارا بیان معنی اشہاد اور طلب کی حقیقت کو نہ بھولنا تاکہ تو بہت سی کتب کی ظاہر عبارات سے نہ پھسلے (ت)

جواب سوال چہارم: صورت مستفسرہ میں ضرور شفعہ باطل ہوجائے گا، اور قریب کہ چھوڑ کر بعید کی طرف جانے سے استناد محض باطل وخرط القتاد، مصر واحد میں اس کا جواز اس صورت میں ہے کہ بعید تک جانے میں قریب پر گزر نہ ہو، اور اگر راہ میں قریب پر گزرا اور اسے چھوڑ کر بعید کی طرف گیا، قطعاً شفعہ باطل ہوجائے گا۔اور یہ ضرور دلیل اعراض ہے۔ محیط، سرخسی، بزازیہ، خانیہ، ہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

لو کان الکل فی مکان حقیقة وطلب من	اگر یہ تمام امور بر محل پائے جائیں اور بعید جگہ والے کو

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

ابعدھا وترك الاقرب جاز، فکذا ھذا الا ان یصل الی الاقرب ویذھب الی الابعد فحینئذ تبطل[1]۔	طلب کرے اور قریب والے کو چھوڑ دے، تو جائز ہے تو یہ بھی ایسے ہے ہاں اگر قرب پر پہنچ کر ابعد کی طرف جائے تو اس وقت شفعہ باطل ہو جائے گا۔(ت)

اور یہاں یہی ہوا، بیرون در بھی اشہاد کر سکتا تھا، اور اسے چھوڑ کر اندر گیا، اور پردہ کرایا، اور شہود کو لے گیا، اس وقت طلب کی، تو یہ اقرب پر گزر کر ابعد کی طرف جانا ہوا، اور یہ ضرور مبطل شفعہ ہے۔

جواب سوال پنجم: بیان مدعی وگواہان مدعی کے ملاحظہ سے جو کچھ نظر فقہی میں واضح ہوتا ہے۔ان الفاظ کا ناکافی ہونا ہے۔حاضر کی تعیین اشارہ سے ہوتی ہے اور غائب کی تسمیہ سے کہ دار میں ذکر حدود ہے۔کتب علماء انھیں احد الوجہین سے مالامال ہیں، اور تصریح ہے کہ مجہول کی طلب صحیح نہیں۔خلاصہ وجیز امام کردری میں ہے:

یستحق بطلب وہو نوعان مواثبۃ وقد ذکرہ اشھاد ھو ان یشھد قائلا اطلبھا اوعبارۃ یفھم منھا طلب الدار ویذکر الحدود[2]۔	شفعہ کا استحقاق طلب سے ہوتا ہے اور طلب دو قسم ہے ایک طلب مواثبت جس کا ذکر انھوں نے کردیا ہے اور دوسری قسم طلب اشہاد ہے، وہ یہ کہ میں شفعہ طلب کررہا ہوں، یا کوئی اور عبارت جس سے جس مکان کی طلب سمجھی جائے، کہہ کر گواہ بنائے اور مکان کے حدود بھی ذکر کرے۔(ت)

محیط سرخسی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

انما یصلح طلب الاشھاد بحضرۃ المشتری او البائع والمبیع فیقول عند حضرۃ واحد منھم، ان فلانا اشتری ھذہ الدار ودارا ویذکر حدودھا الاربعۃ[3] الخ۔	مشتری یا بائع یا مبیع کے پاس یوں کہے فلاں نے یہ مکان خریدا اور اس کی حدود اربعہ کو ذکر کرے تو طلب درست ہوگی الخ (ت)

فتاوٰی ذخیرہ ونتائج الافکار میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب ای یحضر الشفیع عند	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع اس مکان

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۶۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

الدار ویقول ان فلانا اشتری ھذا الدار اویحضر المشتری ویقول ھذا مشتری من فلان دارا التی حدودہا کذا الخ اوالبائع ویقول ھذا باع من فلان دارا التی حدودھا کذا الخ[1]۔	کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ تحقیق فلاں نے یہ مکان خریدا ہے یا مشتری کے پاس حاضر ہو کر کہے کہ اس نے فلاں حدود اربعہ والا مکان خریدا ہے یا بائع کے پاس حاضر ہو کر کہے اس نے فلاں حدود ولا مکان فروخت کیا ہے۔الخ (ت)

فتاوٰی قاضیخاں میں ہے:

صورۃ طلب الاشھاد ان یقول الشفیع للمشتری حین لقیہ اطلب منك الشفعۃ فی دار اشتریتھا من فلان التی احد حدودھا کذا والثانی کذا الثالث کذا والرابع کذا (الی قولہ) ولابد ان یبین انہ شفیع بالشرکۃ او بالجوار، اوفی الحقوق، ویبین الحدود لتصیر الدار معلومۃ[2]۔	طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ شفیع جب مشتری کے پاس آئے تو کہے میں تجھ سے اس مکان کا شفعہ طلب کرتاہوں جو تو نے فلاں شخص سے خریدا ہے۔اور جس کی حدود میں سے ایک یہ ہے دوسری یہ اور تیسری یہ،اور چوتھی یہ ہے(اس کے قول)اور ضروری ہے کہ وہ بیان کرے کہ میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں یا پڑوس کی بنا پر شفیع ہوں یا حقوق میں شرکت کی بناء پر شفیع ہوں،اور حدود کو بیان کرے تاکہ مکان متعین ہو جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

صورۃ ھذا الطلب، ان یقول ان فلانا اشتری ھذا الدار الخ[3]۔	اس طلب اشہاد کی صورت یہ ہے کہ فلاں نے یہ مکان خریدا ہے الخ (ت)

یہ محضر دار میں ہے،پھر فرمایا:

وعن ابی یوسف یشترط تسمیۃ المبیع وتحدیدہ، لان المطالبۃ لاتصح الا	اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ مبیع کانام اور اس کی حدود کا ذکر شرط قرار دیا گیا ہے کیونکہ مطالبہ صرف معلوم چیز میں

[1] نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار تکملہ فتح القدیر کتاب الشفعۃ والخصومۃ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۳۱۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۲

[3] الھدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۱

فی معلوم[1]۔	صحیح ہوتا ہے۔(ت)

یہ غیبت دار و محضر احد العاقدین میں ہے۔ غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی سے ہے:

یسمی الدار والارض والموضع ویحدو حتی یستوثق لنفسہ[2]۔	دار، زمین اور موضع کا نام لے کر ذکر کرے اور اس کی حدود کو بیان کرے تاکہ اپنے لئے معاملہ کو پختہ کرلے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال القدوری فی شرح، وانما شرط ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی تسمیۃ المبیع والتحدید، لان المطالبۃ لا تصح الا فی معلوم، فاذا اشہد علی الطلب ولم یبین المطلوب لم یکن للمطالبۃ اختصاص بمبیع دون مبیع، ولایتعلق بہا حکم[3]۔	قدوری نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے بیع کا نام اور اس کی حدود کو ذکر کرنا شرط قرار دیا ہے کیونکہ مطالبہ معلوم چیز میں ہی صحیح ہوتا ہے تو جب اس نے طلب اشہاد کیا اور مطلوب کو نہ بیان کیا تو پھر مطالبہ کا اختصاص کسی ایک مبیع سے نہ ہوسکے گا اور نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا(ت)

یہاں جبکہ دار مشفوعہ سامنے حاضر تھی، اشارہ ضرور تھا، اس کا ذکر مسل بھر میں کہیں نہیں، لہٰذا حکم وہی چاہئے جو امام قدوری نے فرمایا: لایتعلق بہا حکم (نہ ہی حکم کا تعلق اس سے ہوگا۔ت) ایسی مہمل طلب پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، دوسرا فتوٰی مدخلہ مدعی ملاحظہ ہوا، وہ صحیح نہیں اور اس پر کلام اسی فتوٰی فقیر سے واضح، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از ریاست رامپور محلّہ مسئولہ جناب غلام حبیب خاں صاحب عرف بدھن میاں صاحب ۲۹ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے، زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد بیع کیا، بکر بحق شفعہ دعویدار ہوا اور

[1] الہدایۃ کتاب الشفعۃ باب طلب الشفعۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۳۹۲
[2] غایۃ البیان
[3] غایۃ البیان

بکر نے گواہان طلب مواثبت واشہاد روبروئے عدالت پیش کیں، گواہان بکر کا بیان ہے کہ جس وقت مخبر نے حال مبیع کاظاہر کیاتو بکر گھبرا کر کھڑا ہوگیا، اور فوراً اس نے یہ کہا کہ جس قیمت واقعی کو نصف باغی بیع ہوا ہے اسی قیمت کو میں نے بحق شفعہ خودلیا، پس یہ امر یعنی بیٹھے سے کھڑے ہو کر طلب مواثبت کرنا داخل تاخیر ہے یانہیں، دوم یہ کہ بعد طلب مواثبت بکر کا چھڑی لینے گھر میں جانااور گھر میں سے فوراواپس آکر مشتری کے مکان پر جانا اور وہاں طلب اشہاد بجالانا شرعاتاخیر میں داخل ہے یانہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

جہاں طلب اشہاد کو جانا تھااس کے بعد اور شفیع کی حالت پر نظر کی جاجائے، اگر یہ اتنی دور بے عصاکے نہ جاسکتا تھاتو چھڑی لینے کے لئے گھر میں جانا اور س کے ملنے پر فورًا آکر روانا ہونا تاخیر نہیں، اگر چہ اس کی تلاش میں دس بیس منٹ ہوگئے ہوں کہ امور ضرورت شرعامستثنٰی ہیں، اور اگر تلاش دیر کے بعد کی یا مل جانے کے بعد بلاضرورت دیر لگائی یا سرے سے عصاکی حاجت ہی نہ تھی، صرف حسب عادت ہاتھ لینے کے لئے یہ دیر کی تو یہ ضرور تاخیر ہے اور داخل عذر نہیں، یہ طلب اشہاد میں تھا، رہا طلب مواثبت سے پہلے اس کا کھڑا ہو جانا اور بعد قیام الفاظ ملک ادا کرنا، وہ مطلقًا مسقط شفعہ و قاطع فور ہے۔ بلکہ فور درکنار قیام سے مجلس بھی بدل گئی، تو روایت ضعیفہ پر بھی شفعہ کی گنجائش نہ رہی، ہندیہ میں ہے:

طلب الاشهاد مقدر بالتمكن من الاشهاد فمتى تمكن من الاشهاد عند حضرة واحد من هذه الاشياء ولم يطلب الاشهاد بطلت شفعته نفيا للضرر عن المشترى، كذا فى محيط السرخسى[1]۔	طلب اشہاد کسی ایک کے پاس گواہ بنانے کی قدرت پر موقوف ہے تو جب کسی ایک کے پاس اس کو گواہ بنانے کی قدرت ہوئی اور اس نے طلب نہ کی تو اس کا شفعہ باطل ہوجائے گا تاکہ مشتری کے ضرر کو ختم کیا جائے، محیط سرخسی میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الشفيع اذا علم فى الليل ولم يقدر على الخروج و الاشهاد الى كذا فى الحاوى فى الفتاوى[2]۔	جب شفیع کو خریداری کا علم رات کو ہو اور جاکر اشہاد کی طلب پر قادر نہ ہوالخ حاوی فی الفتاوی میں یوں ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۲

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الشفعۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۷۳

فتاوٰی امام اجل قاضی خاں میں ہے:

طلب المواثبة فوقته فور علم الشفیع بالبیع و روی ہشام عن محمد۔الی۔یشترط الطلب فور العلم اھ مختصرا[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	طلب مواثبت کا وقت شفیع کو بیع کے علم کے فورا بعد ہے اور ہشام نے امام محمد سے روایت کی ہے کہ علم کے فورا بعد طلب کو شرط قرار دیا گیا ہے۔اھ مختصرًا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۰: از موضع شوپری تحصیل آنولہ ضلع بریلی مسئولہ واحد علی خاں ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک بڑے قطعہ اراضی میں جو صرف ایک زمیندار کی ملکیت ہے،اور بہت سے اشخاص بطور رعایا اس اراضی میں اپنے اپنے صرف لاگت سے مکان تیار کرکے رہتے ہیں،جب تک وہ آباد رہتے ہیں،ان سے زمیندار کچھ مزاحمت نہیں کرتا،اور بروقت بھاگ جانے یا اٹھ جانے کے اس ملبہ وغیرہ کا زمیندار مالک ہوجاتا ہے،یا بروقت فروخت کڑی،تختہ،اینٹ وغیرہ زمیندار اس قیمت سے چہارم لیتا ہے لیکن کسی باشندہ کو زمین فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہے،ایسی حالت میں جب ایک باشندہ اپنا ملبہ وغیرہ کسی دوسرے باشندے کے ہاتھ فروخت کرے،تو تیسرا شخص جو مبیعہ کے ملحق رہتا ہے دعوی شفعہ کرتا ہے،تو یہ دعوی اس کا صحیح ہے یا باطل،اور اگر مالک زمین زمیندار مذکورہ دعوی اپنے حق شفعہ کرے تو وہ کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ وہ زمین کا مالک نہیں،اور تنہا عملہ بیچتا ہے۔تو اس میں ہرگز حق شفعہ نہ جار کو ہے نہ مالک زمین زمیندار کو،درمختار میں ہے:

لاتثبت فی بناء ونخل بیعا قصدا ولو مع حق القرار[2] بالاختصار،واللہ تعالٰی اعلم۔	عمارت اور درخت کی قصدا بیع میں شفعہ ثابت نہ ہوگا خواہ برقرار رکھنے کی شرط بھی رکھی ہو بالاختصار۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۱: از شہر بریلی فراشی محلّہ مسئولہ مقصود علی خاں ۶ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بعمر ۱۷ سال ہے،وہ شرائط شفعہ طلب کرسکتا ہے یا نہیں؟اور اس کو اختیار طلب شفعہ کا شرعا حاصل ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الشفعۃ فصل فی الطلب مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۶۰

[2] درمختار کتاب الشفعۃ باب ماتثبت ھی فیہ اولا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۴

الجواب:

شفعہ طلب کرسکتا ہے اور اگر اس انتظار میں کہ مجھے طلب کا اختیار ہے یا نہیں طلب نہ کیا تو اب نہیں کرسکتا **لفوات المواثبة** (مواثبت کے فوت ہونے کی وجہ سے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: زاز موضع ریونڈ، ڈاک خانہ مونڈھ ضلع مرادآباد مسئولہ محمد اسمٰعیل خاں کارندہ ۱۴ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو نے اپنا مکان زید کے ہاتھ فروخت کیا، زید اس مکان میں خریدار کانہ تو شفعہ کررکھتا تھا اور نہ اس مکان پر قابض ہے اور نہ اس کے پاس کرایہ پر ہے۔ بخلاف زید کے بکر کا مکان عمرو کے اس مکان فروخت شدہ کے درمیان دیوار کے نیچے واقع ہے۔ ایک درمیانی دیوار عمرو کے مکان اور بکر کے مکان کو قطع کرتی ہے۔ بکر اس کا شفیع ہے اور کچھ ماہ پیشتر سے یہ مکان بکر نے کرایہ پر لے کر قبضہ کررکھا ہے۔ اور اس نے جامع مسجد کے پیش امام صاحب اور اکثر مسلمانوں کے روبرو اس زید والے مکان کے خریدلینے کا اعلان کیا ہے۔ زید والے مکان میں کئی حصہ دار ہیں،

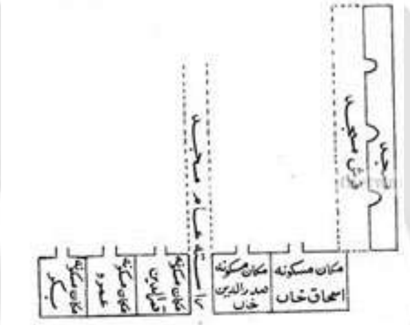

منجملہ ان حصہ داروں کے کہ جو آپس میں بھائی بہن کا رشتہ رکھتے ہیں ایک حصہ دار کا معاہدہ ہوچکا ہے کہ مکان بکر کو دیا جائے گا اور اطمینان کے لئے پیشتر بذریعہ کرایہ نامہ قبضہ کرایا گیا ہے، زید نے یہ مکان جامع مسجد کے لئے چندہ فراہم کرکے خرید کیا ہے۔ جامع مسجد اس مکان سے چار مکان درمیان میں دے کر واقع ہے، مسجد نہ تو بکر کے مقابلہ میں شفعہ رکھتی ہے، نہ مسجد کے کسی صرف کا یہ مکان ہے۔ سنا جاتا ہے کہ ایک صاحب نے کہ اپنا مکان جامع مسجد کی بلاقیمت دیتے ہیں، یہ شرط کی ہے کہ اگر وہ مکان جو بکر کے پاس بطور کرایہ کے ہے، اور جس میں وہ شفیع ہے بطور قیمت مسجد کے نام خریدلیا جائے گا تو میں بھی بلاقیمت مکان دے دوں گا۔ غالباً بکر کی ایذارسانی اور تکلیف مدنظر رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی گئی ہے، بکر کو اول تو مکان دیا بھی نہیں جاتا اور اگر بکراہت دینا گوارا کیا جاتا ہے تو قیمت بے حد اضافہ کرکے دینا بیان کیا جاتا ہے۔ بکر اضافہ قیمت کو بالکل گوارا نہیں کرتا او وہ ہرگز اس بات پر رضامند نہیں ہے کہ کچھ بھی اضافہ دے،

ایسی صورت میں کیا مسجد کو ایسی خریداری جائز ہے،اور زید کا اصلی قیمت سے اضافہ لینا کس حد تک داخل حسنات ہوگا۔اور زید کو ایسا کرنے میں کچھ ثواب مل سکتا ہے جبکہ مکان کے شفیع کا حق باطل کیا جاکر مکان خریدا جائے،اور پھر مسجد کی منفعت کے لئے قیمت اصلی سے زائد بڑھا کر دینا گوارا کیا جائے،باہم مسلمانوں میں اس بارے میں اتفاق نہیں،اکثر اس مکان کی خریداری کے خلاف ہیں کیونکہ مسجد ایک سو کئی روپیہ کی مقروض ہے وہ ادا ہونا چاہئے،پھر شامیانہ ادھر میں پڑے ہیں جس کے نہ ہونے سے نمازیوں کو تکلیف ہے،ایک مکان عین مسجد کے فرش پر واقع ہے۔اس کو خرید نہیں کیا جاتا ہے۔اس عمرو والے مکان سے پہلے کچھ دن ایک مکان اور مسجد کے سامنے کا فروخت ہوگیا وہ نہیں خرید کیا گیا مسجد کے بعض ممبران کی رائے اس مکان کی خریداری کی نہیں،مسجد کے پیش امام کو معلوم تھا کہ یہ مکان بکر نے خریداری کی نیت سے کرایہ پر لیا ہے۔اور بکر کو تنگی مکان کی سخت تکلیف ہے۔جواب.براہ کرم پشت عریضہ ہذا پر مہر وغیرہ سے مرتب فرماکر مرحمت فرمایا جائے،جواب کے لئے پتہ یہ ہوگا: بمقام موضع ریونڈ ڈاکخانہ مونڈھ،ضلع مراد آباد،ڈیرہ زمیندار میں پہنچ کر محمد اسمٰعیل خاں کارندہ کو ملے۔

الجواب:

قبل بیع شفیع کا کوئی حق نہیں،نہ پہلے سے اس کے پاس کرایہ پر ہونا۔یا اس کا اعلان کرنا کہ میں اس مکان کو خریدوں گا۔یا پیشتر کسی حصہ دار سے معاہدہ ہوجانا،اسے کوئی ترجیح دے سکتا ہے،بعد بیع خبر پاتے ہی اگر طلب مواثبت و طلب اشہاد بجالائے تو اس وقت ان کا حق ثابت ہوتا ہے۔اور اس حالت میں اسے اضافہ کی کیا ضرورت،جتنے کو بیع ہوا اتنے ہی میں لے گا،یہاں سوال میں یہ ہے کہ بکر سے اضافہ مانگتے ہیں اور وہ اضافہ پر راضی نہیں،یہ اگر یوں ہے کہ وہ طلب مذکور بجانہ لایا،یا اس کے بعد خریدنا چاہا،اور اضافہ پر راضی نہ ہوا تو اس کا کوئی حق نہ رہا،اور اسے نہ دینا اصلا حکم نہیں۔اور دوسرے کا شفیع نہ ہونا اسے کچھ فائدہ نہ دے گا جبکہ خود اس کا شفعہ نہ رہا،باقی جو باتیں سوال میں لکھی ہیں کہ دوسرے نے اس مکان کی خریداری پر اپنا مکان مفت دینے کو کہا،یا مسجد پر قرض ہے،یا شامیانے ادھوری ہیں یا قریب کا مکان پہلے بکا،نہ خریدا،اب موجود ہے،اسے نہیں لیا جاتا،بعض ممبروں کی رائے اس کی خریداری کی نہ تھی،امام کو بکر کا ارادہ معلوم تھا،بکر کو مکان کی تکلیف ہے،سب بے علاقہ باتیں ہیں،چندہ چندہ دہندوں کی ملک رہتا ہے۔اگر انھوں نے سپرد متولی مسجد نہ کردیا تھا اس سے پہلے مکان مول لے کر نذر مسجد کیا،جب تو یہ سوال ہی متعلق نہیں کہ اصل قیمت سے زیادہ لینے میں کوئی گناہ ہوا، خریدار کو اختیار ہے جتنے پر چاہے رضا دے۔

قال اللہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:مگر یہ کہ کوئی سودا تمھاری باہمی رضامندی کا ہو۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

اور اگر سپرد متولی مسجد کر دیا، متولی نے اصل قیمت سے زائد کو خرید ا، تو اگر زیادت فاحش ہے اور اس میں کوئی مصلحت نہیں راجعہ مسجد کی نہیں، تو بیشک وہ گنہ گار ہوا اور تاوان مسجد کو دے گا۔ یا بیع فسخ کی جائے گی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: از ضلع شاہجہان پور ڈاکخانہ جگرام پور گورہ رائے پور مسئولہ علی حسن خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین بیچنے کا ارادہ کیا تو عمرو کو کہلا بھیجا، عمرو نے کل تین ہزار روپیہ اس زمین کا لگایا، زیادہ سے انکار کیا اس پر بکر کے ہاتھ زید نے اپنی زمین مذکورہ فروخت کر دی پانچ ہزار پر، اب عمرو بذریعہ حق شفعہ اس زمین کو لینا چاہتا ہے، دونوں کا یعنی عمرو و بکر کا زید کی زمین سے دہر املا ہے، اور عمرو نے بیع زمین مذکور کے وقت سے بہت روز کے بعد اپنی ناخوشی ظاہر کی، ایسی صورت میں عمرو کو حق شفعہ اس زمین مبیع کا حاصل ہے۔ اور بیع اول باطل ہو جائے گی یا اس کے برعکس؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیع سے پہلے عمرو کا خریداری سے انکار کر دینا اس کے حق شفعہ کو ساقط نہیں کرتا، اگر بکر کے ہاتھ بیع کی خبر سنتے ہی عمرو طالب شفعہ ہوا اور اپنی طلب پر گواہ حسب قاعدہ کرے تو اسے دعوی شفعہ پہنچتا ہے۔ اور اگر دیر کے بعد ناراضی ظاہر کی اور طالب شفعہ ہوا تو اس کا حق ساقط ہو گیا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کتاب القسمۃ

(تقسیم کا بیان)

مسئلہ ۴۴: از پیلی بھیت یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی اکبر نے انتقال کیا، چار پسر دوست محمد، حفیظ اللہ، کریم اللہ، رحمت اللہ، دو دختر جواں، موتی وارث ہوئے، کریم اللہ نے وفات پائی، اس کا بیٹا نھو ہے۔ رحمت اللہ فوت ہوا، اس کی بیٹیاں اعجوبہ ومحمدی ہیں، دوست محمد، حفیظ اللہ، نھو نے جائداد متروکہ مشترکہ کی تقسیم کے لئے زید کو پنچ مقرر کیا مگر جوان موتی عجوبہ، محمدی اس پنچایت میں اصلاً شامل نہ تھیں، پنچ نے تمام جائداد متروکہ جس میں ان سب کے حصص شرعیہ تھے، صرف انھیں تین وارثوں پر جنھوں نے اسے پنچ کیا تھا تقسیم کردی، اور پنچایت نامہ میں لکھ دیا کہ "حصہ شرعی دختران اکبر اور دختران رحمت اللہ کے ہر سہ فریق بقدر رسدی ذمہ دار ودیندار رہیں گے، وہ چاروں عورتیں اس تقسیم پر راضی نہیں، اس صورت میں یہ پنچایت صحیح و نافذ ہے یا نہیں؟ اور پنچ نے جو تقسیم کی وہ بحال رہے گی یا توڑ دی جائے گی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ پنچایت محض مہمل اور تقسیم بیہودہ ومختل ہے۔ پنچ کو باقی وارثوں کے حصص میں تصرف کا کس نے اختیار دیا تھا، حکم پنچ کا صرف انھیں تک ہوتا ہے جو اسے پنچ کریں، باقی کسی پر کچھ ولایت نہیں رکھتا، ہدایہ میں ہے:

حکمہ لایلزمہ لعدم التحکیم منہ[1]۔	اس کا حکم لازم نہ ہوگا کیونکہ اس کی طرف سے تحکیم نہیں ہے۔(ت)

[1] الہدایۃ کتاب ادب القاضی کتاب التحکیم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۳

تقسیم کے معنی یہ ہیں کہ حصے جدا جدا ہوجائیں، یہاں جدائی نہ ہوئی کہ چاروں عورتوں کے حصے سب میں مختلط ہیں، تو یہ تقسیم شرعًا نہیں۔
ہدایہ میں ہے:

باستحقاق بعض شائع ظهر شريك ثالث لهما و القسمة بدون رضاه باطلة[1]۔	چیز کے کچھ شائع میں استحقاق پائے جانے سے ایک تیسرا شریک بھی پہلے دونوں کے ساتھ ظاہر ہوا جبکہ شریک کی رضا کے بغیر تقسیم باطل ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

باستحقاق جزء شائع ينعدم معنى القسمة وهو الافراز[2]۔	شائع چیز میں استحقاق کی وجہ سے تقسیم کا معنی وقت ہوجاتا ہے اور تقسیم یہ جدا کرنا ہوتا ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں، اگر چند ورثہ قاضی کے یہاں رجوع لائیں کہ مورث نے انتقال کیا اور یہ ترکہ چھوڑا ہم میں تقسیم ہوجائے، اور گواہی دیں کہ ہمارے سوا کوئی وارث نہیں، قاضی تقسیم کردے، پھر اور وارث ظاہر ہو جو کل متروکہ میں سے کسی حصہ شائعہ مثل سدس یا ثمن وغیرہ کا مستحق ہو، تو بالاجماع وہ تقسیم توڑدی جائیگی، ہدایہ میں ہے:

لو استحق نصيب شائع فى الكل تفسخ بالاتفاق[3]۔	اگر کل میں سے کسی شائع حصہ کا کوئی مستحق ظاہر ہوا تو بالاتفاق تقسیم فسخ ہوجائے گی۔(ت)

اسی میں ہے:

لانه لوبقيت القسمة التضرر الثالث بتفرق نصيبه فى النصيبين[4]۔	کیونکہ اگر تقسیم کو باقی رکھا جائے تو تیسرے کو نقصان ہوگا بوجہ ایں کہ اس کا حصہ باقی دو حصوں میں متفرق ہوگیا۔ (ت)

جبکہ قاضی کی تقسیم جس کی ولایت عموم رکھتی ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس نے دانستہ کسی وارث کو ضرر نہ پہنچایا تھا، بعد ظہور وارث دیگر کے یقینا فسخ کی جاتی ہے تو پنچ کی تقسیم جس کی ولایت فقط اس کے پنچ کرنے والوں پر ہے اور وہ بھی یوں کہ اس نے دیدہ دانستہ اور وارثوں کے ہوتے ہوئے ترکہ صرف تین پر بانٹ دیا، اور باقیوں کو حصہ رسد ہر ایک کے حصہ میں ٹکڑا ٹکڑا لینے کا مستحق ٹھہرایا، کیونکہ قابل تقسیم ہوسکتی ہے پس صورت مستفسرہ میں واجب ہے کہ وہ پنچایت رد کی جائے اور وہ ناروا تقسیم توڑدی جائے، اور از سرنو سب وارثوں پر تقسیم شرعی عمل میں آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الھدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹
[2] الھدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹
[3] الھدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۸
[4] الھدایہ کتاب القسمۃ باب دعوی الغلط فی القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۹

مسئلہ ۴۵: از ریاست رامپور محلّہ کنڈہ مسئولہ جناب محمد سعادت علی خان صاحب ۲۶ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص چند گھروں کے جو ایک شہر میں ہیں بالاشتراک مالک ہیں، ایک حصہ دار ان گھروں میں سے اپنے حصہ کی تقسیم چاہتاہے۔ اور وہ اپنے حصہ سے بعد علیحدہ ہونے کے بھی نفع اٹھاسکتاہے، اور وہ چاہتاہے کہ ہر گھر میں سے مجھ کو علیحدہ حصہ ملے، ایسی حالت میں ازروئے شرع شریف سب گھروں کی یکجائی تقسیم کی جائے گی یاہر گھر کی جداگانہ تقسیم ہوگی؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ہر مکان میں اس کا حصہ قابل انتفاع ہے تو ہر مکان سے جداجدا اسے حصہ دیا جائے گا، ہر گھر میں علیحدہ تقسیم ہوگا، درمختار میں ہے:

دورمشترکہ قسم کل وحدھا منفردۃ مطلقًا ولو متلازقۃ اوفی محلتین او مصرین[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	چند مشترکہ مکانات میں ہر ایک مکان کو جدا جدا تقسیم کیا جائے گا اگرچہ وہ آپس میں ملے ہوئے ہوں یا دو محلوں میں یا دو شہروں میں میں ہوں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب المزارعة

(مزارعت کا بیان)

مسئلہ ۴۶ تا ۴۹: مسئولہ محمد مبارک اللہ از پیلسپانہ ضلع مراد آباد ۲۶ رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شرع شریف کے نزدیک کاشتکار کوئی حق موروثیت جیسے قانون انگریزی کے اندر ہے کہ جو شخص بارہ سال سے زائد ایک زمین کو کاشت کرے تو زمیندار کو پھر کوئی مجاز بید خلی وغیرہ کا نہیں رہتا، حاصل ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو خیر اور حق۔

(۲) نہیں تو یہ کاشتکار حلف تلف اور مظالم ہے یا نہیں؟

(۳) اور اس وقت یہ کاشتکار جو زمین کو نہیں چھوڑتا ہے، اور لگان حیثیت زمین سے کم دیتا ہے، اور زمیندار بحیثیت قانون انگریزی دعوی سے مجبور ہے، تو یہ کاشتکار متبع قانون انگریزی کا اور مقدم ومرجح قانون کا حکم شریعت پر ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ظالم اور زمیندار مظلوم ہوا یا نہیں؟

(۴) اور اگر کوئی زمیندار بعد انکار کاشتکار کے دعوی بے دخلی مجبور ادائر کرے تو صرف اس کا جو کچھ کچہری میں ہوا اس کے لینے کا مستحق ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجرد مرور مدت سے کچھ نہیں ہوتا اگرچہ بیس برس کاشت کرے، جب مدت اجارہ ختم ہو گئی شرعًا

اس سے نکال کر دوسرے کو دینا مطلقاً جائز ہے خواہ زمین مملوکہ ہو، یا موقوف، یا سلطانی، ردالمحتار میں اوائل بیوع میں ہے:

امامجرد وضع الیدعلی الدکان ونحوہا و کونہ یستاجرہا عدۃ سنین بدون شیئ مماذکر (او یاتی) فھو غیر معتبر، فللموجر اخراجھا من یدہ اذا مضت مدۃ اجارتہ وایجارھا لغیرہ کما اوضحناہ فی رسالتنا تحریر العبارۃ[1]۔	مثلاً دکان پر خالی قبضہ رکھنا، اور کئی سال سے اجارہ پر لیا ہونا مذکورہ یا آئندہ ذکر ہونے والی اشیاء کے بغیر ہو تو وہ غیر معتبر ہے تو اجارہ پر دینے والے کو مدت اجارہ ختم ہونے کے بعد قبضہ کو چھڑانے اور دوسرے کو اجارہ پر دینے کا حق ہے جیسا کہ ہم نے اسے اپنے رسالہ تحریر العبارۃ میں واضح کردیا ہے۔(ت)

ہاں اگر زمین ناقابل زراعت تھی اس نے اسے بنایا کمایا، اس میں چوگزی وغیرہ کھودے یا اس میں اپنی دوسری زمین سے لاکر مٹی بچھائی یا پیڑ لگائے یا کوئی عمارت بنائی،

ویقال للاول الکراب، والاخر دھوما، اذا اضاف فیھا شیئا من ملکہ کتراب وغرس وبناء الکردار، و القبۃ، واذا فعل ھذا فی الحوانیت یسمی جدکا او کدکا، فان کان ممالاینقل ویرکب للقرار کالبنا، و الاغلاق، یسمی سکنی والکل یقال لہ مسکۃ، ومشد مسکۃ، وھناك اطلاقات اخر کما یعلم من مساقاۃ العقود وبیوع ابن عابدین۔	پہلی کو کراب، اور دوسری کو دھوم کہتے ہیں اور اس میں اپنی کسی ملکیت کا اضافہ کیا مثلاً مٹی ڈالی، یا پودے لگائے دالان اور قبہ بنایا اور اگر یہ تصرفات دکانوں میں کئے تو اسے جدک یا کدک، یا مشد مسکد کہتے ہیں، اور دیگر اطلاقات بھی یہاں ہیں جیسا کہ عقود الدریہ کے باب مساقاۃ اور ابن عابدین کے بیوع سے معلوم کئے جاسکتے ہیں۔(ت)

تو اگر وہ زمین مملوکہ نہیں بلکہ سلطانی ہے یعنی بیت المال کی، جسے یہاں سرکاری کہتے ہیں، یا وقف ہے تو البتہ ان کاروائیوں سے اس کے لئے حق قرار ثابت ہوگا کہ بلاوجہ شرعی وہ زمین کبھی اس کے قبضہ سے نہ نکالی جائے گی، اور وہ مرجائے تو اس کا بیٹا اس کے قائم مقام ہوگا۔ مع تفاصیل مذکورہ فی الفقہ، جامع الفصولین وغیرہ میں ہے:

بنی المستاجر اوغرس فی ارض الوقف	اجارہ پر لینے والے نے وقف زمین میں تعمیر کی یا

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷

صارله فیها حق القرار، وهو المسمی بالکردار، له الاستبقاء باجر المثل[1]۔	پودے لگائے تو اس کو اس زمین میں برقرار رہنے کا حق ہوگا اور اس کو "کردار" کہتے ہیں اس کرایہ دار کو مثلی اجرت پر باقی رکھنے کا حق ہوگا۔(ت)

خیریہ میں ہے:

وقد صرح علمائنا بان لصاحب الکردار حق القرار، وهو ان یحدث المزارع والمستاجر فی الارض بناء، اوغرسا، اوکبسا بالتراب باذن الواقف او باذن الناظر، فتبقی فی یده[2]۔	اور ہمارے علماء نے تصریح کی ہے کہ "کردار" والے کو برقرار رہنے کا حق ہے اور "کردار" یہ ہے کہ مزارع یا مستاجر زمین میں کوئی تعمیر کرے یا پودے لگائے یا مٹی بھرے، واقف یا متنظم کی اجازت سے ایسا کیا ہو تو اس کو قبضہ برقرار رکھنے کا حق ہے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے:

اذا کان لوقف جامع ارض سلیخة معطلة غیر صالحة للزراعة، فاذن متولی الوقف لزید، بحرثها، وصلاحها، وکبسها، وزراعتها لیدفع قسمها لجهة الوقف ففعل زید ذٰلك کله ثبت له حق القرار، فیها تبقی بیده باجر مثلها، اوبان یؤدی قسمها المتصارف لجهة الوقف المذکور[3]۔	اگر وقف زمین افتادہ معطل جو زراعت کے قابل نہ ہو تو وقف کے متولی نے زید کو آباد کرنے اور درست کرنے، مٹی ڈالنے اور کاشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ وقف کی مد میں حصہ دے تو زید نے یہ تمام کاروائی کردی تو اس کو زمین پر قرار کا حق حاصل ہوگا اور مثلی اجرت پر اسی کے قبضہ میں رہے گی، اور وہ متعارف حصہ وقف کی مد میں دیتا رہے گا۔(ت)

ہاں اس کے سبب وقف پر اندیشہ ہو، یا اجرت نفس زمین کی بڑھ جائے، اور یہ اضافہ پر راضی نہ ہو، تو بیدخل کردیا جائے گا، یونہی اگر تین سال زمین معطل چھوڑ دے گا اس کا حق قرار جاتا رہے گا، بیوع ردالمحتار میں ہے:

[1] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[2] فتاوٰی خیریہ بحوالہ جامع الفصولین والقنیة والخلاصة وغیرہا کتاب الوقف دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۷۹

[3] العقود الدریة کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

فی اوقات الخصاف حانوت اصله وقف و عمارته لرجل، وھو لایرضی ان یستاجر ارضه باجر المثل، قالو ان کانت العمارۃ بحیث لو رفعت یستاجر الاصل باکثر مما یستاجر صاحب البنا، کلف رفعه، ویؤجر من غیرہ، والایترك فی یدہ بذٰلك الاجر[1] اھ یفید انه احق من غیرہ حیث کان مایدفعه اجر المثل۔	خصاف کے باب اوقات میں ہے کہ دکان کی زمین وقف ہے اور اس کی عمارت کسی شخص کی ہے اور وہ اس زمین کی مثلی اجرت پر راضی نہیں ہوتا تو علماء نے فرمایا کہ متولی کو چاہئے کہ اگر عمارت اٹھائی جاسکتی ہو تو زمین کسی دوسرے کو پہلے کی نسبت زیادہ اجرت پر دے دے اور پہلے کو عمارت اکھاڑنے پر مجبور کرے اور دوسرے کو اجرت پر دے دے، اور اگر عمارت اکھاڑنا ممکن نہ ہو تو پہلے کے پاس اسی اجرت پر رہنے دے۔ (ت)

اسی کے وقف میں ہے:

حیث کان یدفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر علی الوقف فتترك فی یدہ فلومات کان لورثته الاستبقاء الااذا کان فیه ضرر علی الوقف بوجه ما، بان کان ھو او وارثه مفلسا، اوسئی المعاملة، اومتغلبا یخشی علی الوقف منه اوغیر منه اوغیر ذٰلك من انواع الضرر[2]۔	اگر مستاجر مثل اجرت دیتا ہے اور وقف کو ضرور نہ ہو تو اسی کے پاس رہنے دی جائے اور اگر وہ فوت ہوجائے تو اس کے ورثاء کو باقی رکھنے کا حق ہوگا ہاں اگر وقف کو کسی طرح اس میں ضرر ہو مثلاً دکان بوسیدہ ہے اور ورثاء مفلس ہوں یا وہ لاپرواہ ہو یا وہ غلبہ پانے کی کوشش میں ہوں اس سے وقف کو خطرہ ہو یا کوئی کسی قسم کا ضرر ہو تو واپس لے (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی ذی مسکة فی ارض ترکھا ثلث سنوات اختیارا منه بلاون عزر شرعی، فھل سقطت مسکته، الجواب سقط حقه بالترك	ان سے کرایہ دار کی بنائی عمارت کے متعلق سوال ہوا کہ وہ کرایہ دار تین سال سے اپنی مرضی پر دکان کو چھوڑ رکھے بغیر عذر شرعی کے تو کیا اس سے عمارت پر اس کا حق ختم ہوجائے گا؟ جواب

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

المذکور کما افتی بہ الخیر الرملی والشیخ اسمعیل ویاتی مثلہ عن المعروضات[1]۔	یہ ہے کہ ہاں اس سے اس عمارت پر مبنی حق ختم ہوجائے گا، جیسا کہ خیر الدین رملی اور شیخ اسمٰعیل نے یہ فتوٰی دیا ہے اور معروضات سے اس کی مثل آئیگا (ت)

اور اگر زمین مملوک ہے۔ جیسے عام دیہات کی زمین کہ زمیندار کی ملک ہوتی ہے تو اس میں شرعاً ہر گز کبھی کسی طرح کاشت کار کو حق قرار ثابت نہ ہوگا اگرچہ اس نے اس میں باغ بھی لگایا، عمارت بھی بنائی ہو، جب اجارہ یعنی اس کے پٹہ کی مدت ختم ہوگئی زمیندار کو اختیار ہوگا کہ زمین اس سے نکال لے اور اس کے درخت وعمارت کی نسبت اسے حکم دے کہ زمین خالی کردے اور درختوں کے کاٹنے عمارت کے کھودنے میں زمین کا زیادہ نقصان دیکھے تو کٹنے کھودنے کے بعد جو قیمت ان درختوں اور عمارت کی ہو اس سے کٹوانے کھدوانے کی اجرت مجرا کرکے کاشتکار کو دے دے، اور پیڑ اور عمارت خود لے لے، اور اگر کاشت کار سے کوئی مدت معین نہیں ٹھہری، یونہی سال بسال کاشت کرتا ہے تو ہر ختم سال پر زمیندار کو زمین خالی کرانے اور آئندہ اسے زراعت کی ممانعت کردینے کا اختیار ہوگا اگرچہ کاشت کرتے پچاس برس گزر گئے ہوں، عقود دریہ میں ہے:

قال فی التجنیس رجل اشتری من رجل سکنی لہ فی حانوت رجل اخر مرکبا بمال معلوم لصاحب الحانوت ان یکلف المشتری رفع السکنی وان کان علی المشتری ضرر لانہ شغل مبلکہ[2]۔	تجنیس میں فرمایا کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کی دکان میں رہائشی انتظام کر رکھا تھا تو اس رہائشی شخص سے کسی تیسرے شخص نے اس کا وہ رہائشی انتظام خرید لیا کچھ مال کے بدلے قبضہ لیا تو دکان کے مالک کو حق ہے کہ وہ اس مشتری کو رہائش اٹھانے پر مجبور کردے اگرچہ مشتری کو ضرر بھی ہو کیونکہ مشتری نے اس کی ملکیت کو مشغول کر رکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لکن اذا کان ہذ الجدك المسمی بالمسکنے قائما فی ارض وقف،فھو من قبیل مسألۃ البناء اوالغرس فی الارض المحتکرۃ لصاحب الاستبقاء باجرۃ مثل الارض	لیکن یہ جدک جس کو سکنی کہتے ہیں اگر وقف زمین میں ہو تو ہو کرایہ کی زمین پر عمارت اور پودے لگانے کے مسئلہ کی طرح ہے اسے اگر وقف زمین کو ضرر نہ ہو تو اس کو مثلی اجرت کے ساتھ زمین

[1] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۲۲

[2] العقود الدریۃ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

حیث لاضرر علی الوقف وان ابی الناظر نظرا للجانبین علی مامشی علیه فی متن التنویر، وافتی به المؤلف تبعاً للخیر الرملی، وقدمنا الکلام علیه فی کتاب الاجارات، ولاینافیه مافی التجنیس من ان لصاحب الحانوت ان یکلفه رفعه، لان ذٰلك فی الحانوت الملک، والفرق ان الملك قد یمتنع صاحبه عن ایجاره، ویرید ان یسکنه بنفسه اویبیعه، اویعطله بخلاف الموقوف المعد للایجار، فانه لیس للناظر الا ان یوجره فایجاره من ذی الید باجرة مثله اولی من ایجاره من اجنبی لمافیه من النظر للوقف ولذی الید[1]۔	کو باقی رکھنے کا حق ہوگا اگرچہ وقف کا نگران انکار کرے تاکہ دونوں جانب کی رعایت ہوسکے، متن تنویر کے بیان پر بنا کرتے ہوئے اور اس پر مؤلف نے خیر الدین رملی کی اتباع میں فتوٰی دیا ہے اس پر ہم نے کتاب اجارات میں کلام کردیا ہے۔ اور یہ بیان تجنیس میں مذکور کے منافی نہیں کہ دکانوں کے مالک کو حق ہے کہ وہ تجاوزات کو اکھاڑنے پر مجبور کرے کیونکہ تجنیس کا یہ بیان نجی ملکیت کے متعلق ہے، وجہ فرق ہے کہ نجی مالک کبھی اپنی ذاتی رہائش یا فروخت یا فارغ رکھنے کے لئے کرایہ پر نہیں دینا چاہتا بخلاف وقف شدہ زمین کہ جس کو کرایہ پر دینے کے لئے ہی تیار کیا گیا ہے تو نگران کو کرایہ کے بغیر چارہ نہیں ہے تو کسی اجنبی کو دینے کی نسبت قابض کو مثلی اجرت دینا اس کے لئے بہتر ہوگا لہٰذا اس میں وقف اور قابض دونوں کی رعایت ہے۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ میں ہے:

لیس لصاحب التیمار رفع ایدیهم عنها، و لاقلع اشجارهم، اذا المفوض الیه من السلطان تناول الخراج ولیس له ملك فیها حتی یملك نزع ید مزارعیها الذین صارلهم فیها کردار بغرس للاشجار، والتصرف الکائن منهم فی سائر الاعصار[2]۔ باختصار۔	سرکاری زمین کے نگران کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کرایہ داروں کو ان درختوں سے بے دخل کرے اور نہ ہی وہ درختوں کو کاٹ سکتا ہے کیونکہ سلطان کی طرف سے اس نگران کو صرف خراج وصول کرنے کا اختیار ہے نہ کہ اس کو مالکانہ اختیارات ہیں تاکہ وہ مزارعین کا جن کا وہاں درخت لگانے میں دخل ہے ان کو وہاں سے بے دخل کرے جبکہ ایسی زمینوں میں مزارعین کو درخت لگانے کا عام شہروں میں رواج ہے باختصار (ت)

[1] العقود الدریہ کتاب المساقات باب مشد المسکۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۹

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب المزارعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۷

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:

ردالمحتار کتاب الاجارہ میں قول مصنف:لو استاجر ارض وقف،وغرس فیہا ثم مضت مدۃ الاجارۃ، فللمستاجر استبقاءھا باجر المثل اذالم یکن فی ذٰلک ضرر ولو ابی الموقوف علیہم الاالقلع۔لیس لھم ذٰلک[1]۔	اگر کسی نے وقف زمین کو کرایہ پر لے کر وہاں پودے لگائے پھر کچھ مدت اجارہ جاری رہا تو اس کو مثلی اجرت پر اس اجارہ کو باقی رکھنے کا حق ہے بشرطیکہ اس سے ضرر نہ ہو اور اگر نگران ان کو ہٹانے پر بضد ہو تو اس کو یہ حق نہیں۔(ت)

کے تحت فرمایا:

قید بالوقف لما فی الخیریۃ عن حاوی الزاھدی عن الاسرار من قولہ بخلاف ما اذااستاجر ارضا ملکا، لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذٰلك ان ابی المالك الاالقلع.بل یکلفہ علی ذٰلک.الا اذا کانت قیمۃ الغراس اکثر من قیمۃ الارض،فیضمن المستاجر قیمۃ الارض فیضمن المستاجر قیمۃ الارض للمالک، فیکون الاغراس والارض للغارس،وفی العکس یضمن المالك قیمۃ الاغراس فتکون الارض و الاشجارلہ،وکذا الحکم فی العاریۃ[2] اھ مافی الشامی۔ **اقول:** واستنثناءہ ما اذاکانت قیمۃ	مصنف نے وقف کے ساتھ مقید اس سبب سے جس کو خیریہ نے حاوی الزاہدی سے اس نے الاسرار سے نقل کیا یہ قول کہ بخلاف جب وہ نجی ملکیت کو اجارہ پر لے تو مستاجر کو اس دخل کی بنا پر اس زمین کو باقی رکھنے کا حق نہیں ہے جبکہ ملک ان درختوں کو اکھاڑ دینے پر مجبور کرے بلکہ مالک اس کو اس پر مجبور کرسکتا ہے ہاں اگر درختوں کی قیمت زمین کی قیمت سے زائد ہو تو پھر مستاجر زمین کی قیمت کا ضمان مالک کو دے کر درختوں اور زمین کا خود مالک بن جائے گا،اور اگر معاملہ بالعکس ہو تو پھر مالک درخت اکھاڑ دینے کا ضامن بنے گا اور درختوں اور زمین کا مالک ہوجائے گا،اور عاریتا لی ہوئی زمین کا حکم بھی یہی ہے اھ شامی کا بیان ختم ہوا۔(ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا درختوں کی قیمت کا

[1] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

الغراس اکثر مبنی علی مسألة غصب الساحة بالمهملة وفیها معترك عظیم، والارجح عندنا انه لایتملك الارض کرها وان کانت قیمة بنائه وغرسه اکثر، لقول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیس لعرق ظالم حق[1]۔	زمین کی قیمت سے زائد ہونے کو مالک کے اختیار سے مستثنٰی کرنا یہ خالی زمین کو غصب کرنے پر مبنی ہے اس میں عظیم معرکہ آرائی ہے جبکہ ہمارے ہاں ارجح یہ ہے کہ مستاجر زمین کا جبراً مالک نہیں بن سکتا اگرچہ عمارت اور پودوں کی قیمت زمین سے زائد ہو کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد ہے کہ ظالمانہ دخل کا کوئی حق نہیں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان مضت المدة قلعها وسلمها فارغة الا ان یغرم له الموجر قیمة البناء والغرس مقلوعا ویتملکه، قال فی البحر، افاد انه لایلزمه القلع ولو رضی المؤجر بدفع القیمة، لکن ان کانت تنقص یتملکها جبرا علی المستاجر ولافبرضاه[2]۔	اگرمدت اجارہ ختم ہو گئی ہو تو مستاجر اپنے دخل کو ختم کرتے ہوئے درختوں کو اکھاڑ کر خالی زمین مالک کو واپس کرے مگر یہ کہ اگر مالک اکھڑے درختوں اور تعمیر کی قیمت کو برداشت کرکے خود ان کا مالک بن جائے، بحر میں فرمایا کہ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مستاجر کو درخت اکھاڑنا لازم نہیں اگر ملک قیمت دینے کو تیار ہو لیکن اگر درخت اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہو تو پھر مالک جبرا درخت لے سکے گا ورنہ مستاجر کی رضا سے درختوں کامالک بن سکے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله مقلوعا فی الشرنبلالیة، ای مامورا مالکها بقلعهما و	ماتن کا قول "اکھڑے ہوئے درختوں کی قیمت" شرنبلالی نے فرمایا: یعنی درختوں اور تعمیر کے مالک کو اکھاڑنے

---

[1] جامع الترمذی ابوب الاحکام باب احیاء ارض الموات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۶، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الغصب دار صادر بیروت ۶/ ۹۹، سنن ابی داؤد باب احیاء الموات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۱

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۳

انما فسرناہ بکذا، لان قیمة المقلوع ازید من قیمة المامور بقلعه، لکون المؤنة مصروفة للقلع کذا فی الکفایة[1] اھ۔ **اقول:** وبماذکرنا تبین ان ماوقع فی حاوی الزاھدی من قوله، یثبت حق القرار فی ثلثین سنة فی الارض السلطانیة والملک، وفی الوقف فی ثلث سنین[2] الخ فھو و زان حمله فی العقود الدریة علی الکردار، حیث قال المراد به (ای بحق القرار) الاعیان المتقومة لامجرد الامر المعنوی، ویدل علی ذٰلک قوله فی البزازیة لاشفعة فی الکرداری ای البناء ویسمی بخرار زم حق االقرار لانه نقلی[3] اھ مع ان فی ھذا الحمل ایضا کلاما عندی لان حق القرار بمعنی الکردار لایتوقف علی مرور الاعصار، وانما مبناہ علی النظر للجانبین و رفع الضرار، کما تقدم وفی اجارة الخیریة له الاستبقاء حیث لاضرر علی الجھة (ای جھة الوقف) و لزوم الضرر علی الغارس	کے حکم رجو قیمت ہو، ہم نے یہ تفسیر اس لئے کی ہے کہ کبھی کھڑے درختوں کی قیمت اکھاڑنے کے حکم والی قیمت سے زائد ہوتی ہے کیونکہ اکھاڑنے کا خرچہ بھی ان پر پڑتا ہے، کفایہ میں یوں ہے۔(ت) **اقول:** (میں کہتاہوں) ہمارے ذکر کردہ سے واضح ہواکہ حاوی الزاہدی کے اس قول کہ سرکاری اور ملکیتی زمین میں تیس ۳۰ سال قبضہ اور وقف کی زمین میں تین سالہ قبضہ سے حق القرار ثابت ہوجاتاہے اس میں کلام ہے اس حق القرار کو اگرچہ عقود الدریہ میں کردار پر محمول کیا ہے جہاں انھوں نے کہاہے کہ اس سے یعنی حق القرار سے مراد قیمتی سامان (اعیان) مراد ہے نہ کہ صرف معنوی معاملہ، اس پر اس کا قول کہ بزازیہ میں ہے کہ تعمیر شدہ کرداری میں شفعہ نہیں ہے جس کو خوارزم میں حق القرار کہتے ہیں، کیونکہ یہ منقولہ چیز ہے اھ جبکہ میرے نزدیک اس معنی پر حمل میں بھی کلام ہے کیونکہ حق القرار بمعنی کردار کسی مرور زمانہ پر موقوف نہیں ہے اس کی بنیاد تو صرف فریقین کی رعایت اور دفع ضرر پر ہے جیساکہ پہلے گزر چکاہے اور خیریہ کے باب الاجارہ میں ہے مستاجر کو قبضہ باقی رکھنے کا اختیار ہے جب وقف کی جہت کو ضرر نہ ہو اور پودے لگانے پر لزوم ضرر

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] العقود الدریة بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

[3] العقود الدریة بحوالہ حاوی الزاہدی کتاب المساقات باب مشد المسکة ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۱۸

وانت علی علم ان الشرع یابی الضرر خصوصا والناس علی ھذا، وفی القلع ضرر علیھم وفی الحدیث الشریف عن النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام [1] اھ وفی وقف الدر فی المنیۃ، حانوت لرجل فی ارض وقف، فابی صاحبہ ان یستاجر الارض باجر المثل، ان العمارۃ لورفعت تستاجر باکثر مما استاجرہ امر برفع العمارۃ وتوجر لغیرہ، والاتترک فی یدہ بذٰلك الاجر ومثلہ فی البحر [2] اھ قال الشامی لان فیہ ضرورۃ، بحرعن المحیط، وظاہر التعلیل ترکھا بیدہ ولوبعد فراغ مدۃ الاجارۃ لانہ لو امر برفعھا لتوجر من غیرہ یلزم ضررہ، وحیث کان یرفع اجرۃ مثلھا لم یوجد ضرر لعلی الوقف، فتترك فی یدہ لعدم الضرر علی الجانبین [3] الخ، و	میں حرج بھی نہ ہو، اور آپ کو معلوم ہے کہ شریعت ضرر کو برداشت نہیں کرتی خصوصا جب عوام مبتلا ہوں جبکہ درخت اکھاڑنے میں ضرر ہے۔ حدیث شریف میں حضور نبی مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اسلام میں ضرر دینا اور ضرر میں مبتلا روانہیں ہے" اھ۔ اور درمختار میں منیہ سے منقول ہے کہ کسی شخص کی وقف زمین میں دکان ہو او وہ دکان والا مثلی اجرت پر آئندہ اجرت پر انکار کرے جبکہ عمارت اٹھادی جائے تو وہ زمین اس کی اجرت سے زیادہ اجارہ پر دی جاسکتی ہے تو اس مستاجر کو اپنی عمارت اٹھالینے کا پابند کیا جائے اور وہ زمین غیر کو اجارہ پر دی جائے، ورنہ اسی اجرت میں اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے، اس کی مثل بحر میں ہے۔ اھ علامہ شامی نے فرمایا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ محیط سے بحر میں ہے اور علت کا ظاہر بتاتا ہے کہ اس کے قبضہ میں رہنے دی جائے اگرچہ مدت اجارہ ختم ہوچکی ہو کیونکہ اگر اس کو عمارت اٹھانے کا پابند کیا اور غیر کو دی جائے تو اس سے مستاجر کو ضرر ہوگا جبکہ اٹھادینے کے باوجود مثلی اجرت نہ ملے تو وقف کو نقصان ہے لہٰذا اسی کے قبضہ میں رہنے دی جائے اس میں دونوں فریقوں کی رعایت ہے الخ اور

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۱

[2] درمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۵۔۳۸۴

[3] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹۱

علی کل، فلفظة الملك لامحل له هنا کما قدمناعن نفس حاوی الزاهدی عن الاسرار فضلا عن سائر معتمدات الاسفار۔	بہر صورت حاوی الزاہدی کا وہاں ملک کو ذکر کرنا بے محل ہے جیسا کہ خود حاوی الزاہدی کی الاسرار سے نقل ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں چہ جائیکہ معتمد کتب کو ذکر کیا جائے۔(ت)

بالجملہ دیہات مملوکہ میں کاشتکار کے لئے کسی مدت میں حق قرار جسے آج کل حق موروثی کہتے ہیں شرعاً ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ وہ صرف قانونی بات ہے تو اگر بے رضائے زمیندار بدعوی موروثی جبراً قابض ہے، یالگان اس کی مرضی سے کم دے، تو عنداللہ وہ کاشتکار ضرور ظالم وغاصب وگنہگار، اور حق العبد میں گرفتار ہے، یہاں اگرچہ قانونی مجبوری زمیندار کو عاجز رکھے مگر روز قیامت اللہ عزوجل کے حضور کاشتکار کو کوئی عذر نہ ہوگا، بااین ہمہ اگر زمیندار دعوی بے دخلی دائر کردے تو کاشتکار کے خرچہ پانے کا مستحق نہیں کہ مدعی کو خرچہ دلانا بھی حکم شریعت کے بالکل خلاف ہے اگرچہ مدعی مظلوم ہی ہو، عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی رجل کفل اٰخر عند زید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی، فطلب زید ان یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام، فدفعه له، ویرید الرجل مطالبة زید بماقبضه من کلفة الالزام، فهل له ذٰلک، الجواب نعم[1] اھ باختصار و کتب المولی المنقح رحمه الله تعالٰی بهامشه لایلزم بکلفة الالزام۔	ایک مقروض شخص نے دوسرے شخص کو زید کے معلوم قرضہ کا کفیل بنایا پھر زید نے اس کفیل پر قرض کا لزوم بنانے کے لئے اس کفیل کو قاضی کے ہاں طلب کرایا تو قاضی کے ہاں کفیل پر الزام ہوگیا تو اب زید اپنے مقروض شخص سے قاضی کے ہاں الزام کے خرچہ کا مطالبہ کرے اور وہ خرچہ زید کو دے دے اور اب وہ مقروض شخص زید سے خرچہ کی دی ہوئی رقم کا واپس لینے کے لئے مطالبہ کرے تو کیا اس کو واپس لینے کے لیے مطالبہ کا حق ہے۔ الجواب، ہاں حق ہے اھ اس کے حاشیہ پر تنقیح کرنیوالے حضرت نے لکھا کہ الزام کی کاروائی کا خرچہ لازم نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

ہاں اگر زمیندار اس سے کہہ دے کہ آئندہ سے اس زمین پر اتنی لگان تجھے دینی ہوگی، اور کاشتکار نہ اضاہ کرے نہ زمین چھوڑے بلکہ خاموش رہے اور زراعت کئے جائے، تو اس کا وہ سکوت ہی شرعاً قبول ٹھہرے گا اور اس دن سے وہی لگان اس پر لازم ہوگی، مگر زمیندار اس سے وصول نہیں کرسکتا۔

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۸

تو یہ خرچہ کی رقم اس آتے ہوئے میں وصول کرلے کہ اس کا لینا قانونا بنام خرچہ ممکن ہے، اور شرعا بوجہ اضافہ جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

السکوت فی الاجارۃ رضاً وقبول، فلو قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل اوقال الراعی لارضی بالمسمی بل کذا، فسکت، لزم ماسمی[1]۔	عقد اجارہ میں سکوت رضا اور قبول قرار پاتا ہے تو اگر مالک نے کرایہ دار رہائشی کو کہا، "اتنے معاوضہ پر رہائش رکھنی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ یہاں سے منتقل ہوجاؤ، یا نگران نے اسے کہا میں مقررہ معاوضہ لینے پر راضی نہیں بلکہ اتنا چاہتا ہوں تو کرایہ دار خاموش رہا تو اس پر مالک کا ذکر کردہ لازم ہوجائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیۃ، اکتری دارا سنۃ بالف فلما انقضت قال ان فرغتھا الیوم والا فھی علیك کل شھر بالف، والمستاجر مقرلہ بالدار، فانہ نجعل فی قدر ماینقل متاعہ باجر المثل، وبعد ذلك بماقال المالك[2]۔	تاتارخانیہ میں ہے سالانہ ایک ہزار کرایہ پر مکان دیا سال ختم ہونے پر اس نے کرایہ دار کو کہا اگر تو آج مکان فارغ کردے تو بہتر ورنہ ماہانہ کرایہ ایک ہزار تجھ پر لازم ہوگا جبکہ کرایہ دار مکان کی ملکیت کا معترف ہے تو اس کو سامان منتقل کرنے کی مدت مثلی اجرت پر ہم تسلیم کرینگے اور اس کے بعد مالک کے قول کے مطابق ادا کرے گا۔ (ت)

اسی طرح اگر خود زمین کی لگان بڑھ گئی وہ اور اس کے گردوپیش کی مینیں پہلے ایک روپیہ بیگھ تھیں، اب مثلاً دو۲ روپے بیگھ ہوگئیں، اور اس کی مدت اجارہ ختم ہوگئی، اور مالک نے اضافہ چاہا، تو اس پر بھی شرعاً دو۲ روپے کی شرح لازم ہوگی، اگرچہ نہ صرف سکوت بلکہ کاشتکار صراحۃً انکار کرتا رہا ہو،

لانہ لماتمت اجارتہ، وطلب المالك الزیادۃ فابی صار غاصبا والارض معدۃ للاستغلال، ولیس للمزارع تاویل ملك لعدمہ ولاعذر لانتھائہ، فیجب علیہ	کیونکہ جب کرایہ داری کی مدت ختم ہوگئی ہو اور مالک زائد کرایہ طلب کرتا ہو تو مستاجر کے انکار کردینے کے بعد رہائش غاصبانہ ہوگی جبکہ زمین کرایہ حاصل کرنے کے لئے ہی مختص ہے اور مزارع کو ملکیت کا بھی عذر نہیں کیونکہ وہ مالک نہیں اور نہ ہی مدت

---

[1] درمختار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الاجارہ مسائل شتی عن الاجارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۲

باجرة المثل، وھی الاٰن ربیتان۔	اجارہ کے ختم ہونے میں عذر ہے تو اس پر مثلی اجرت کا کرایہ لازم ہوگا جو کہ اب دو روپیہ (مثلا) ہے (ت)

درمختار میں ہے:

منافع الغصب لاتضمن عندنا، الا فی ثلث، فیجب اجر المثل ان یکون المغصوب وقفا اومال یتیم، او معدا للاستغلال، الا فی المعد للاستغلال اذا سکن بتاویل ملک، او عقد فلا شیئ علیه[1] اھ ملتقطا۔	غصب کے منافع ہمارے نزدیک قابل ضمان نہیں ہیں سوائے تین مواقع کے ایک یہ کہ مغصوب وقف ہو تو اس کی مثلی اجرت لازم ہوگی، دوسرا یہ کہ وہ مغصوبہ چیز یتیم کا مال ہو، تیسرا یہ کہ وہ چیز کرایہ حاصل کرنے کے لئے مختص ہو، ہاں اگر ملکیت کی تاویل سے اس کرایہ والی زمین میں رہائش پذیر ہو تو پھر اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا اھ ملتقطا (ت)

تو بنام خرچہ جو کچھ ملے اس اجافہ میں جو شرعا اس پر لازم ہوچکا وصول کرلے لانه ظفر بجنس حقه (کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس پر قابض ہوا۔ ت) ردالمحتار میں ہے:

اذا لم یمکنه الرفع للحاکم، فاذا ظفر بمال مدیونه، له الاخذ دیانة، بل له الاخذ من خلاف الجنس علی ماناذکرہ قریبا[2]۔	جب حاکم کے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کے مال پر کامیابی پالے تو قبضہ میں لے لے۔ یہ اس کو دیانۃ اجازت ہوگی بلکہ اس کو اپنے حق کی جنس کے خلاف بھی اس کا مال ملے تو قبضہ کرلے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔ (ت)

اور اگر اجارہ کی کچھ مدت مقرر نہ کی یوں ہی سال بسال کاشت کرتا چلا آتا ہے۔ جب تو ختم ہر سال پر زمیندار کو اختیارات مذکورہ حاصل، اور احکام مذکورہ نافذہ ہیں، کہ اس سے ہر سال پر نیا اجارہ منعقد ہوتا ہے کما اشرنا الیه (جیسا کہ ہم نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے)۔ درمختار میں ہے:

اٰجر حانوتا کل شھر بکذا، صح فی واحد فقط واذا تم الشھر، فلکل فسخھا بشرط حضور الاٰخر فسخھا بشرط حضور الاٰخر لانتھاء العقد الصحیح، وفی	ایک دکان کسی معینہ معاوضہ پر ماہانہ اجرت پر دی تو صرف ایک ماہ کا یہ اجارہ صحیح ہوگا اور جب مہینہ ختم ہوجائے تو دونوں میں سے ہر ایک فریق کو اس کے فسخ کا اختیار ہوگا بشرطیکہ

---

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸-۲۰۹

[2] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

کل شهر سکن فی اوله صح العقد فیه ایضا[1] الخ باختصار	دوسرا فریق وہاں موجود ہو، کیونکہ صحیح عقد ختم ہوگیا ہے اور جس مہینہ کی ابتداء میں وہاں رہائش پذیر رہا اس مہینہ کے اجارہ کا عقد بھی صحیح قرار پائے گاالخ باختصار (ت)

بالجملہ یہ قاعدہ کلیہ نفسیہ جلیلہ حفظ کرنے کا ہے کہ جب کسی کا دوسرے پر کچھ آتا ہو۔ یا اس سے لینے کا شرعا حق رکھتا ہو، اور اپنے اس حق تک قانونا نہ پہنچ سکتا ہو۔ تو اس کے وصول کے لئے کسی ایسے امر کا ارتکاب جو قانونا ناجائز ہے ہو، اور جرم کی حد تک پہنچے شرعا بھی ناجائز ہوگا کہ ایسی بات کے لئے جرم قانونی کا مرتکب ہو کر اپنے آپ کو سزا اور ذلت کے لئے پیش کرنا شرعا بھی روانہیں۔

قال تعالٰی "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"[2]، وقد جاء الحدیث عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینهی المومن ان یذل نفسه[3]۔	الله تعالٰی نے فرمایا: اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور حدیث شریف میں حضور صلی الله تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے کہ آپ نے مومن کو اپنا نفس ذلت میں ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

مگر جب کوئی ایسا ذریعہ پائے کہ قانونا کوئی رقم اس سے وصول کرسکے تو اجازت ہے کہ اس نیت جائزہ سے اسے لے اگرچہ قانونا کسی دوسرے نام سے ملے،

فان الشیئ اذا اوصل الی مستحقه من المستحق علیه، جعل واصلا من الجهة التی یستحقه، کما فی الدر المختار[4]، وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی[5]۔	تو بیشک جب مستحق کو اپنے مدیون کی کوئی چیز ہاتھ لگے تو اس کو استحقاق کے طریقہ پر پہنچنا تصور کیا جائیگا جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اعمال کا اعتبار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کا ثمرہ ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الاجارۃ الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[3] مسند اما احمد بن حنبل ترجمہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۰۵

[4] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اور یہ ضرور ہے کہ شرعی اجازت سے آگے نہ لے، مثلا سو روپے آتے تھے تو سو یا سو سے کم لے سکتا ہے زیادہ جائز نہیں، اور یہ بھی لحاظ رہے کہ شرع مطہر جس طرح بُرے کام سے منع فرماتی ہے یونہی برے نام سے، تو ایسے ذریعہ سے بچے جس میں اگرچہ یہ اپنی نیت کے سبب لیتا آتا، یا ایک شیئ مباح لیتا ہو جس میں اس پر مواخذہ نہیں مگر وہ ظاہری ذریعہ ایسا ہو جس سے بدنامی ہو، لوگ اسے مرتکب حرام سمجھیں، غیبت کریں، جیسے سود کا نام، تو اس سے بھی بچے اور صبر کرے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۵۰ تا ۵۳: از موضع نگلہ ہریر، تحصیل موانہ ڈاکخانہ بہلادور، ضلع میرٹھ مرسلہ سید اکبر علی ۳ شعبان ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کاشتکار موروثی ہے اور لگان بحساب دو روپیہ فی بیگھ زمیندار کو ادا کرتا ہے۔ اور وہ زمین جو زیر کاشت موروثی زید ہے اصل میں للعہ فی بیگھ کے لگان کی ہے کیونکہ اس اراضی سے ملحقہ اور ہم حیثیت اراضی مبلغ للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرائی جاری ہے اور دوسرے کاشتکار خوشی سے للعہ فی بیگھ لگان پر کاشت کرتے ہیں زمیندار کا بہت بڑا نقصان ہے اور کاشتکار مذکور زمیندار کے کہنے سے لگان میں اضافہ نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ شرعا نالش کردو، بعد ہو جانے ڈگری کے لگان زیادہ دوں گا، اور زمیندار خود تو اضافہ نہیں کر سکتا کیونکہ کاشتکار رضامند نہیں، اور کچہری سے بچند وجوہ ہو نہیں سکتا۔ اس معاملہ میں وکلا سے بہت سے زیادہ تحقیق کرلی گئی ہے اگر کاشتکار لگان اس وقت جبکہ قانون نے اس پر واجب کیا ہے نہ ادا کرے، اور زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے لگان کے روپیہ پر سود لگادے اور کہہ دے کہ میں اپنے لگان میں لیتا ہوں تو کچھ گناہ نہیں ہے۔ اس طریقہ سے کچھ تلافی نقصان ہو جائے گی۔

دوم: یہ کہ اگر زمیندار کچہری میں ایک سچی بات کو چھپائے اور جھوٹی بات کو ظاہر کرے تو اپنے نقصان کی معمولی سی تلافی کرسکتا ہے اور اراضی موروثی کا اس کے قبضہ سے نکل جانا بھی ممکن ہے۔ اس جھوٹی بات کو ظاہر کرنے سے جو زمیندار محض اپنے نقصان کی تلافی کی غرض سے کرتا ہے کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

سوم: یہ کہ کاشتکار موروثی کا کوئی حق ہے یا نہیں؟

چہارم: یہ کہ شریعت مطہرہ کے نزدیک زمیندار کی مالی نقصان کی تلافی مال سے کیونکر ممکن ہے؟ فقط

الجواب:

جواب سوال اول وسوم وچہارم: شرع مطہر کے نزدیک مملوک زمینوں میں جیسی عام دیہات کی زمینیں ہیں کہ زمیندار ان کے مالک ہیں، اصلاً کبھی کسی طرح حق موروثی حاصل نہیں، شرعًا

زمیندار کو اختیار ہے کہ جب پٹہ کی میعاد ختم ہو، یا اگر کاشتکار سے کوئی میعاد معین نہ ٹھہری تو جس ختم سال پر چاہے کاشتکار سے کہہ دے کہ اب سے کاشت کرے چھوڑ دے مجھے زمین تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کہنے سے وہ زمین سے شرعاً بے تعلق ہو جائے گا، اور اسے حرام ہوگا کہ قبضہ نہ چھوڑے، اگر نہ چھوڑے گا غاصب ہوگا، اور اس کے بعد سے عندالشرع اس پر وہی چار روپے بیگھ واجب ہوگا جو وہاں اس حیثیت کی زمینوں کی عام شرح ہے اگر نہ دے گا اور وہی دو روپے بیگھ ادا کرتا رہے گا تو بحکم شرع وہ فی بیگھ دو روپے سال کا مدیون ہوتا رہے گا، مثلاً ایسی زمین پچاس بیگھے اس کی کاشت میں ہے تو زمیندار کے سو روپے سال ہمیشہ اس پر چڑھتے رہیں گے جب تک زمین نہ چھوڑے، نیز زمیندار کو اختیار ہے کہ ختم میعاد یا صورت ثانیہ میں جس ختم سال پر چاہے اس سے زمین نکالنے کو نہ کہے، بلکہ یوں کہے کہ آج سے یہ زمین چار روپے یا دس روپے بیگھ ہے (جو وہاں اس زمین کی عام شرح ہو رہی ہے خواہ اس قدر کہے یا اس سے کم یا جس قدر چاہے زیادہ، مثلاً سو روپے بیگھ ہزار روپے بیگھ) اگر کاشت کار اپنے زعم پر کہ یہ بغیر چارہ جوئی قانونی کیا کرسکتا ہے خاموش رہا اور کاشت کی، تو جتنا اس نے کہہ دیا تھا اس پر دین ہو رہے گا، اور اگر وہ سکوت نہ کرے بلکہ رد کردے، مثلاً کہے میں تو وہی دو روپے دوں گا زیادہ نہ دوں گا، تو یہ پھر اپنے کلام کا اعادہ کردے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو رہے اور دیکھے کہ نہیں چپتا تو کہہ دے مجھے تجھ کو دینا منظور نہیں، اس کے بعد کاشت کرے گا، وہی عام شرح مثلاً چار روپے اس پر لازم آئیں گے، ان طریقوں سے یہ تو ہوگا نہیں کہ زمیندار قانوناً دو روپے بیگھ سے زائد لے سکے، جب تک باضابطہ اضافہ نہ کرائے جو ہزار دقتیں رکھتا ہے۔ نہ یہی ممکن کہ زمیندار اس بناء پر کہ شرعاً اس کے اجارہ سے نکل گئی اسے خود بے دخل کردے اور نہ صرف قانوناً بلکہ عندالشرع بھی زمیندار کو جائز نہ ہوگا کہ شرع مطہر ایسی بات کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے یا ذلت کے لئے پیش کرنے کی سخت ممانعت فرماتی ہے تو ایسی صورت کا ہر جرم قانونی اس عارض کی وجہ سے خود جرم شرعی اور گناہ ہے، ان طریقوں سے یہ نفع ہوگا کہ جب کاشتکار عندالشرع اس کا مدیون ہو لیا اور وہ دین قانوناً وصول ہو نہیں سکتا، تو کاشتکار سے جو رقم قانوناً وصول کرسکے، اور شرعاً وہ رقم ناواجب ہو اسے قانونی ذریعہ کے نام سے وصول کرے اور اپنے اسے آتے ہوئے میں مجرا کرلے جبکہ یہ رقم اس قدر دین سے زائد نہیں مثلاً کاشت کار پر لگان یا اضافہ یا بیدخلی یا کسی قسم کی کوئی نالش کرے جس کی حاجت زمینداروں کو اکثر پڑتی ہے، او وہ نالش ڈگری ہو تو شرعاً مدعی کو اگرچہ حق پر ہو مدعا علیہ سے خرچہ لینا جائز نہیں، یہ خرچہ لے اور اسے اپنے دین مین محسوب سمجھے یا زمینداریوں میں اکثر معمول ہے کہ کاشتکاروں سے لکڑی، آپلا بھس وغیرہ اگھائی لیتے ہیں، یا ہل بیل گاڑی سبیل وغیرہ میں، اور یہ شرعاً جائز نہیں ان کو وصول کرے اور اس میں مجرا لے لکڑی وغیرہ قیمت کے اعتبار سے اور بیل

وغیرہ اجرت کے لحاظ سے یونہی اگر قسط چوکنے سے یالگان تقاوی وغیرہ پر سود کا نام کرے اور سود کی نیت نہ ہو بلکہ اسی دین میں وصول کرے تو یہ رقم بھی شرعا اس کے لئے مال حرام نہ ہوگی، مگر اس سے احترازیوں لازم ہے کہ شرع نے جس طرح بُرے کام سے منع فرمایا بُرے نام سے بھی منع فرمایا، اور اپنے آپ کو بلاضرورت شرعیہ مطعون کرنا مسلمانوں کو اپنی غیبت و بدگوئی میں مبتلا کرنا شرعا منع ہے۔ سود کے نام لگانے سے لوگ اصل حقیقت کو نہ جانیں گے، اور اسے معاذاللہ سودخور کہیں گے، بدنام کریں گے، یہ کس کس کو اپنی نیت اور معاملہ کی اصل حالت بتاتا پھرے گا، ایسی بات سے احتراز چاہئے بخلاف خرچہ اگھائی، سہیل بیگار معمولی ورائج اشیاء کے کہ عوام ان پر مطعون وبدنام نہ کریں گے، غرض کاشتکار کہ شرعا ناجائز قبضہ رکھے مدیون بنانے کے وہ طریقے ہیں اور اپنے مالی نقصان کی تلافی کی یہ صورتیں، بغیر ان طریقوں کے صرف اس وجہ سے کہ گردوپیش کی زمینوں کی شرح بڑھ گئی ہے۔ کاشت کار پر دو روپے بیگھہ سے زیادہ کچھ واجب نہ ہوگا، اور یہ زیادہ لے گا تو ناواجب لے گا، اس مجمل بیان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں شرعی اطاعت بھی رہے اور قانونی رعایت بھی اور مالی حفاظت بھی اور ان اصول و مسائل سے آج کل کے بہت ذی علم بھی غافل ہیں عوام تو عوام، اب ہم بعض عبارات ذکر کریں کہ تفصیل موجب تطویل۔

فی ردالمحتار عن الخیریۃ عن الحاوی عن الاسرار اذا استأجر ارضا ملکا لیس للمستاجر ان یستبقیھا کذلك ان ابی المالك الا القلع بل یکلفه علی ذلك[1]۔	ردالمحتار میں ہے خیریہ سے ہے انھوں نے حاوی سے بحوالہ الاسرار نقل کیا کہ اگر کسی نے کسی نجی ملکیت کو اجارہ پر لیا تو مستاجر کو حق نہیں کہ اس کو اپنے لئے باقی رکھے جس طرح سرکاری زمین کو باقی رکھ سکتا ہے جبکہ مالک اس کو اپنے تجاوزات ختم کرنے پر مصر ہو بلکہ مالک اس کو پابند بناسکتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قال للساکن اسکن بکذا والا فانتقل، فسکت، لزم مایسمی[2]۔	جب مالک نے کرایہ دار کو کہا اگر رہنا ہو تو اتنے معاوضہ پر رہو ورنہ منتقل ہوجاؤں تو اس پر کرایہ دار خاموش رہا تو مالک کا ذکر کردہ معاوضہ اس پر لازم ہوجائیگا (ت)

اسی میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ مسائل شتی من الاجارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۶

یجب اجر المثل فی المعد للاستغلال [1]۔	کرایہ حاصل کرنے کے لئے مخصوص شدہ زمین کی مثلی اجرت لازم ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

الاصل ان المستحق بجھة اذا وصل الی المستحق بجھة اخری اعتبر واصلا بجھة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلا ،وتمامه فی جامع الفصولین [2]۔	مستحق کو اس کا استحقاق کسی دوسرے طریقہ سے بھی ملے تو وہ استحقاق کے طریقہ پر ہی متصور ہوگا بشرطیکہ اس کو مدیون کی جانب سے پہنچے،ورنہ نہیں اس کی تمام بحث جامع الفصولین میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذالم یمکنه الرفع للحاکم فاذا ظفر بمال مدیونه له الاخذ دیانة،بل له الاخذ من خلاف الجنس [3]۔	جب اس کو حاکم کئے ہاں پیش کرنا ممکن نہ رہے تو جب اپنے مدیون کا مال ہاتھ لگے تو دیانۃً اس کو لینا جائز ہے بلکہ حق کی جنس کے خلاف بھی مال ملے تو لینے کا حق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عندالقدرة من ای مال کان [4]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	آج کل فتوی یہ ہے کہ مدیون کے کسی بھی مال پر قدرت پائے تو لینا جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال دوم: جھوٹ بولنا حرام ہے،ہاں اپنا حق وصول کرنے یا اپنے اوپر ظلم دفع کرنے کے لئے پہلودار بات کی اجازت ہے۔جس کا ظاہر کذب ہو اور باطن میں صحیح معنی مراد ہوں،وہ بھی اسی حالت میں کہ صدق محض سے وہ حق نہ ملے اور ظلم نہ ٹلے،ورنہ یہ بھی جائز نہیں،درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه، و المراد التعریض،لان عین	اپنے حق کو ثابت اور ظلم کو ختم کرنے کے لئے جھوٹ مباح ہے اس جھوٹ سے مراد تعریض ہے نہ کہ

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹-۲۰۸

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[3] ردالمحتار کتاب السرقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰

[4] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

الکذب حرام [1]۔	عین جھوٹ کیونکہ یہ حرام ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

حیث ابیح التعریض لحاجۃ لایباح لغیرہا،لانہ یوھم الکذب [2]۔	جہاں کسی حاجت کی وجہ سے تعریض جائز ہے وہاں بغیر حاجت جائز نہیں، کیونکہ تعریض جھوٹ کا وہم پیدا کرتی ہے۔(ت)

ہاں اگر ظلم شدید ایسا ہو کہ قابل برداشت نہیں، ضرر ایسا سخت ہے جس کا مفسدہ کذب کے مفسدہ سے بڑھ کر ہے اور اس کا دفع بے کذب ناممکن ہو تو بمجبوری اجازت پاسکتا ہے لان الضرورات تبیح المحظورات (کیونکہ ضروریات ممنوع چیزوں کو مباح کرتی ہیں۔ت) ردالمحتار میں منقول:

ینبغی ان یقابل مفسدۃ الکذب بالمفسدۃ المترتبۃ علی الصدق فان کانت مفسدۃ الصدق اشد فلہ الکذب، وان بالعکس اوشك حرم [3]۔وقد نقلنا القول فیہ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	جھوٹ کے فساد اور صدق پر مرتب ہونیوالے فسا کا تقابل کیا جانا مناسب ہے اگر صدق پر مرتب فساد شدید ہو تو جھوٹ مباح، اور گر معاملہ بالعکس ہو یا دونوں صورتوں میں شک ہو توپھر کذب حرام ہے فیصلہ کن قول ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۵۴: از کرتولی مرسلہ حکیم رضا حسین خاں سلمہ، ۷ جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مشترک گاؤں ہیں اگر ایک شریک بے اذن دیگر شرکاء خود کاشت کرے، تو جائز ہے یانہیں؟ اور دیگر شرکاء اس سے اپنے حصے کی لگان لیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زمین مشترک میں ایک شریک کا زراعت کرنا اگر باذن جمیع شرکاء ہے بلاشبہ رواہے، پھر جبکہ وہ زمین گاؤں کی ہے۔ اور دیہات کی زمین اجارہ ہی کے لئے ہوتی ہے تو جب تک تصریح نہ ہو جائے کہ لگان نہ لیا جائے گا، شرکاء کے حصے کا اس پر لگان آئے گا۔

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

لان الاتجارۃ من الشریك جائزۃ لعدم الشیوع فی المنافع الحادثۃ اذ اکل تحدث علی مسلکہ اما لملکہ او للاجارۃ، بخلاف الاجارہ من احد شریکہ، او اجارۃ البعض من غیر الشریك حیث لاتجوز للشیوع کما فی الھدایۃ[1] والدر[2]۔	تمام شرکاء کی طرف سے اجارہ حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ اب منافع میں شیوع نہ ہوگا کیونکہ پیدا ہونے والے تمام منافع اس کو اپنی ملکیت کی وجہ یا اجارہ کی وجہ سے حاصل ہوں گے بخلاف جبکہ تمام شرکاء میں سے ایک یا بعض سے اجارہ کرے تو ناجائز ہوگا کیونکہ ان صورتوں میں شیوع پایا جائے گا، جیسا کہ ہدایہ اور درمختار میں ہے۔(ت)

اور اگر شرکاء کے خلاف مرضی زراعت کرے گا گنہ گار و غاصب ہوگا، پھر اگر اس کی زراعت سے زمین کو نقصان پہنچا تو حصص کے لئے اس نقصان کا تاوان دے گا، اور اگر کوئی نقصان نہ پہنچا تو کچھ نہ دے گا، اس صورت میں لگان عائد نہیں ہوسکتا۔

لانھا وان کانت معدۃ للاستغلال فالشریك یتصرف فیھا بتاویل الملک، والتصرف بہ بتاویل العقد یمنع الاجر فی المعد بخلاف الوقف ومال الیتیم حیث یجب فیھما مطلقا کما بینہ فی الدر المختار[3] ورد المحتار[4]۔	کیونکہ اگرچہ وہ زمین کرایہ داری کے لئے تیار رکھی ہے تو شریک کا اس میں تصرف ملکیت کی تاویل سے ہے جبکہ عقد کی تاویل کرایہ داری والی چیز میں اجرت کے لئے مانع ہے بخلاف وقف اور مال یتیم کے، کیونکہ ان میں اجرت لازم ہے۔ جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں یہ بیان کیا ہے۔(ت)

اور اگر نہ شرکاء کا صریح اذن تھا نہ ممانعت، بلکہ ان سے بے پوچھے بطور خود اس نے زراعت کی تو اس میں حکم منقول و منصوص تو یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت یا اس خاص زراعت سے زمین کو نقصان پہنچے گا، یا زراعت نہ کرنے سے زمین کی طاقت بڑھے گی، تو اس صورت میں شرکاء سے بے پوچھے اس کا زراعت کرلینا صورت غصب میں داخل ہے، اور حکم وہی ہے کہ نقصان کا تاوان ہے، لگان کچھ نہیں، اور اگر معلوم ہے کہ

[1] الہدایہ کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۹

[2] درمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

[3] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۸ـ۲۰۹

[4] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

زراعت سے زمین کو منفعت ہوگی، تو یہ صورت صورت اجازت میں داخل ہے کہ اگرچہ صراحۃً اذن نہ ہوا، مگر بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے۔ اس صورت میں بھی حکم یہ لکھتے ہیں کہ لگان دینا نہ آئے گا۔ ہاں شرکاء کو یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اپنے حصوں کی قدر وہ بھی اتنی اتنی مدت تک اس کی زراعت کرلیں، مثلاً دو شریک تھے، ایک ایک ثلث کا، ثلث والے نے ایک سال زراعت کی، تو دو ثلث والا دو سال زراعت کرسکتا ہے۔ اقول: مگر یہ حکم اس صورت کا ہے کہ زمین اجارہ کے لئے معد و معروف نہ ہو کہ اس صورت میں اگرچہ بوجہ منفعت دلالۃً اذن ہے مگر اذن عاریت و اجارہ دونوں کو محتمل ہے۔ اور عاریت اقل ہے۔ تو وہی متعین ہے۔ اور اجارہ بلا دلیل ثابت نہیں۔ لہٰذا اجر واجب نہ آیا، مگر جو زمین معد للاستغلال ہے۔ جیسے زمین دیہات اس میں ثبوت اذن بحکم اعداد و عہد بروجہ اجارہ ہی مانا جائے گا۔ جب تک صراحۃً نفی اجازت یا تصریح عاریت نہ کردیں **لان المعروف کالمشروط وھذا ظاھر جدًا** (کیونکہ معروف چیز مشروط کی طرح ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے۔ ت) تو یہ صورت مثل صورت اولیٰ یعنی زراعت باذن صریح شرکاء ہوگی، اور لگان لازم آئے گا، اسے نہ مانئے تو بحال منفعت اذن دلالۃً ثابت ہونا، اگر وہاں چل سکے جہاں کوئی مزارع موجود نہیں، تو آباد دیہات میں اس کا ثبوت سخت دشوار ہے کہ غیر شخص زراعت کرتا تو شریک دیگر کو اپنے حصہ کی اجرت ملتی، اور شریک نے خود کاشت کی، اور لگان دلائیں نہیں، صرف یہ اختیار دیں کہ اتنی مدت یہ بھی زراعت کرلے، اور ممکن کہ یہ زراعت کے لئے آمادہ نہ ہو، اس کے اسباب نہ رکھتا ہو، اس کے کاموں کا متحمل نہ ہو، ان کی فرصت نہ پاتا ہو، تو اس کا حصہ بلا معاوضہ دوسرے کے تصرف میں رہا، اس پر رضا و اذن دلالۃً ماننا بہت مشکل ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ لگان لازم کریں کہ صریح نفع حاصل ہے یہ دونوں صورتیں علم کی تھیں، اور اگر کچھ نہ معلوم ہو کہ زراعت سے زمین کو مضرت پہنچے گی یا منفعت، اس کا حکم نہیں لکھتے، اقول: وہ صورت مضرت کے حکم میں ہے کہ دلالۃً ثبوت اذن بوجہ علم منفعت تھا جب یہ نہیں وہ نہیں، تو نہ ہوا مگر مطلقًا بلا اذن تصرف، اور یہی غصب ہے۔

وذٰلك لان الاصل فی التصرف فیما فیه ملك لغیرہ الحظر الا باذنه ولو دلالة ولم یوجد ھو ولا ھی۔	اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ غیر کی ملک میں تصرف اس کی اجازت کے بغیر ممکن ہے اگرچہ وہ اجازت دلالۃً ہو، جبکہ یہاں کسی طرح اجازت نہیں۔ (ت)

جامع الفصولین فصل ۳۳ بحث "انتفاع بمشترک" میں ہے:

یغرم الزارع لشریکه نقصان نصف الارض لو انتقصت لانه غاصب	ایک شریک نے زمین کی کاشت کی تو وہ دوسرے شریک کے نصف حصہ کے نقصان کا ضمان دے گا۔

فی نصیب شریکه(مز)وعن مز رحمه اللّٰه تعالٰی، لو غاب احدهما فلشریکه ان یزرع نصف الارض،ولو اراد الزراعة فی العام الثانی زرع النصف الذی کان زرعه،ویفتی بانه لو علم ان الزرع ینفع الارض ولاینقصها فله ان یزرع کلها،ولو حضرا الغائب فله ان ینتفع بکل الارض مثل تلك المدة، لرضا الغائب فی مثله دلة،ولو علم ان الزرع ینقصها او الترك ینفعها ویزیدها قوة فلیس للحاضر ان یزرع فیها شیئا اذا الرضا لم یثبت هنالك کذا۔(قفظ)[1]۔	بشرطیکہ کاشت سے زمین کو نقصان ہو کیونکہ وہ اپنے شریک کے نصف کا غاصب ہے(مز)اور مز رحمۃ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ اگرایک شریک غائب ہو تو دوسرے شریک کو نصف زمین کاشت کرنے کااختیار ہے۔اور اگر دوسرے سال بھی زراعت کرنا چاہے تو اسی حصہ کو کاشت کرے،اور فتوٰی یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ زراعت زمین کے مفید ہے نقصان دہ نہیں ہے تو تمام زمین کو کاشت کرے اور غائب شریک آجائے تو اس کو حق ہوگا کہ وہ بھی اتنی ہی مدت کل زمین کو اپنے کاشت کرے یہ اس لئے کہ مفید ہونے کی صورت میں غائب کی دلالۃ رضا ہے۔اور اگر معلوم ہو کہ کاشت زمین کے لئے نقصان دہ ہے۔یاترک زراعت مفید ہے اور زمین کے لئے مزید قوت کا بعث ہے تو پھر حاضر شریک کو کوئی چیز کاشت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی،کیونکہ نقصان کی صورت میں دوسرے شریک کی رضا ثابت نہیں ہے۔یوں "قفظ" میں ہے۔(ت)

ردالمحتار کتاب الغصب میں ہے:

نقل(ای فی تنویر البصار)اولا عن العمادیة عن محمد(فذکر ماقدمنا عن الجامع قال)ثم نقل عن"القنیة"ان الحاظر لایلزمه فی المالك المشترك اجر،ولیس للغائب استعماله بقدر تلك المدة لان المهایاة بعد الخصومة،قال وبینهما تدافع الا ان یفرق بین الارض و	تنویر الابصار میں اولا عمادیۃ سے بحوالہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نقل کیااور جامع الفصولین سے ہمارے نقل کردہ کے موافق ذکر کیا،پھر انھوں نے قنیہ سے یہ نقل کیاکہ حاضر شریک پر مشترکہ ملکیت میں کوئی اجرت لازم نہیں ہوتی اور غائب کو اتنی مدت زمین کو استعمال کرنے کااختیار نہیں ہے کہ کیونکہ بدلہ کالین دین قاضی کے ہاں خصومت کے بعد ہتاہے اور کہاکہ ان دونوں منقولہ عبارتوں میں اختلاف ہےالایہ کہ زمین اور

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۹

الدار، وھو بعید اوانھما روایتان، ثم نقل عن الخانیۃ ان مسئلۃ الدار کمسئلۃ الارض، وان للغائب ان یسکن مثل ماسکن شریکہ، وان المشائخ استحسنوا ذٰلک و ھکذا روی عن محمد وعلیہ الفتوی[1]۔	دار کا فرق قائم کیا جائے اور یہ بعید ہے یا یہ کہا جائے یہ دو مختلف روایتیں ہیں اس کے بعد انھوں نے خانیہ سے نقل کیا کہ دار کا مسئلہ اور زمین کا مسئلہ ایک ہے کہ مکان میں بھی شریک غائب کو اتنی مدت سکونت کا حق ہے جتنی مدت حاضر شریک سکونت پذیر رہا ہو، اور اس کو مشائخ نے پسند فرمایا ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی اسی طرح منقول ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

نیز جامع الفصولین میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

(فص) سکن دار مشترکۃ بغیبۃ شریکہ لایلزمہ اجر حصتہ ولو معدۃ للاستغلال (الی قولہ) علل فی (ذ) بانہ سکن بتاویل الملک فلا اجر (واقعۃ الفتوی) زرع ارضا بینہ وبین غیرہ ھل لشریکہ ان یطالبہ بربع او ثلث بحصۃ نفسہ کما ھو عرف ذٰلک الموضع، اجیب بانہ لایملک ذٰلک یغرمہ نقصان نصیبہ فی الارض لو انقصت[2]۔	(فص) ایک شریک مشترکہ مکان میں دوسرے کی غیر موجودگی میں سکونت پذیر رہا تو اس پر کوئی اجرت لازم نہ ہوگی اگرچہ مکان کرایہ داری کے لئے تیار کیا ہو، ان کا بیان اس قول تک کہ (ذ) میں اس کی علت یہ بیان کی گئی کہ وہ ملکیت کی تاویل پر سکونت پذیر ہوا ہے تو اجرت لازم نہ ہوئی، واقعۃ الفتوی میں ہے کہ اپنی اور غیر کی مشترکہ زمین میں کاشت کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کرے تو کیا دوسرے شریک کو اس سے ربع یا ثلث کا اپنے حصہ کے طور پر مطالبہ کا حق ہے جیسا کہ وہاں معروف ہے جواب دیا گیا کہ دوسرے شریک کو یہ حق نہیں ہے، ہاں اگر زمین کو کاشت سے نقصان ہوا تو اس کو اپنے نصف کے نقصان کا ضمان لینا روا ہوگا۔ (ت)

اقول: یہ ہے کہ وہ حکم کہ اس صورت زراعت بے اطلاع کا شرکاء پر کتب میں مذکور ہے، مگر یہ احکام عرف کے ساتھ دائر ہیں، اور یہاں دیہات میں عموماً صرف دئر وسائر یہ ہے کہ زمین کا اجارہ پر اٹھنا ہی منفعت جانتے ہیں اور اس کا پڑا رہنا ہی نقصان سمجھتے ہیں کہ وہ صرف معد للاجار ہوتے ہیں اس کے بعد اس پر کوئی نظر نہیں ہوتی کہ زراعت اس کے لئے نفع ہے یا ترک، تو یہاں یہ صورت صورت اولٰی یعنی اذن دلالۃ میں منحصر ہے، اور بوجہ اعداد اجر لازم، مگر کوئی خاص زراعت ایسی فرض کی جائے کہ زمیندار اس پر

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۳۲۔۱۳۱

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۹

راضی نہ ہوتے ہوں اور اسے مضار ض جانتے ہوں تو وہ مستثنٰی رہے گی، اس تقریر پر دربارہ دیہات خلاصہ حکم یہ ہے کہ شریک کو زراعت کرنا مطلقًا جائز اور حصہ شرکاء کا لگان مطلقًا لازم ہے، مگر اس صورت میں کہ دیگر شرکاء نے صراحۃً منع کردیا ہو۔ یا کوئی ایسی زراعت کرے جس سے زمین بگڑتی ہو، اور زمیندار اس پر راضی نہ ہوتے ہوں، ان دونوں صورتوں میں نقصان زمین کا تاوان دے گا اگر واقع ہو، اور لگان نہ آئے گا، اور شرکاء نے صراحۃً بلا لگان اجازت دی، تو لگان نہیں، اور زراعت جائز ہے **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (یہ میری طرف سے ہے اور علم حق میرے رب کے پاس ہے۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: مسئولہ حمد سید علی صاحب طالب العلم از کانپور مسجد حاجی بدنو شطرنجی محل ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ملک بنگالہ میں ظاہر املک تین قسم پر منقسم ہے:

اول ملک شاہی

دوم ملک زمینداری

سوم ملک رعیتی

رعایا زمیندار کو خراج دیتے ہیں، اور زمیندار بادشاہ کو، بادشاہی اصل مالک زمین کا ہے، اور بالکل تصرفات کا اختیار رکھتا ہے۔ زمین عـــہ بادشاہ کے تحت میں زمین کا مالک ہے۔ اور زمیندار کے تصرفات بادشاہ کے تصرفات کے تابع ہیں، اور رعیت زمیندار کے تابع ہے، زمیندار رعایا کو زمین ومکان میں جتنے تصرفات کے لئے حکم دیتا ہے، اسی کا اس کو اختیار ہوتا ہے زیادہ نہیں اس حالت میں کوئی رعیت دوسری رعیت کے پاس اگر اپنی رعیتی زمین کو بیچے تو قیمت کے فی تولہ چار آنہ حساب سے (یا کم و بیش) زمیندار کی سرکار میں نذرانہ دینا ہوتا ہے مثلًا زید اگر اپنی رعیتی زمین کو عمرو کے پاس قیمت دوسو روپے بیچے، اور عمرو دوسو روپے دے کر قبالہ کرلے، اور زید وعمرو میں خرید وفروخت ہوگیا، تو اب عمرو زمیندار کے سرکار میں فی تولہ چار آنہ کے حساب سے دوسو کی نذر پچاس روپے علاوہ خراج کے جب تک ادا نہ کرے گا تب تک خریدی ہوئی زمین کی بابت زید کے نام کو خارج کر کے عمرو کے نام کو اپنے دفتر میں ثابت نہ کرے گا، عمرو کو اس زمین پر تصرف کرنے نہ دے گا، پس نذر مذکور علاوہ خراج کے زمیندار کو لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا بالدلائل** (دلائل کے ساتھ بیان کرکے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

جو زمیندار آباواجداد کے وقت سے وراثۃً مالک زمین چلے آتے ہیں یا جس نے ایسے مالکوں

عـــہ: فی الاصل کذالک لعلہ "زمیندار"۔

سے بیع وہبہ وغیرہ کسی عقد صحیح شرعی سے ملک حاصل کی وہ زمیندار اس زمین کا شرعاً مالک ہے اب یہ زمین جو ایک کاشتکار نے دوسرے کے ہاتھ بیع کی اس بیع سے اگر وہ خریدنے والا کاشتکار اس زمین کا مالک مستقل نہیں سمجھا جاتا بلکہ زمیندار کو نذرانہ دینے کے بعد بھی کاشت کار ہی سمجھا جاتا ہے تو یہ بیع محض باطل ہے۔

کاشت کار اول نے جو ثمن کاشتکار دوم سے لیا وہ اس کے لئے ناجائز ہے۔اس پر واجب ہے کہ کاشتکار دوم کو واپس دے،اور یہ نذرانہ کہ زمیندار کو دیا جائے گا کہ سال اول اجرت زمین میں اضافہ تصور کیا جاتا تو زمیندار کو جائز ہوتا، مگر ظاہراً وہ اضافہ نہیں سمجھا جاتا۔بلکہ پہلے کاشتکار کی جگہ دوسرے کو قائم کرنے کی رشوت تو یہ زمیندار کو بھی جائز نہیں،ہاں جبکہ کاشتکار اول اس اجارہ سے دوسرے کے لئے دست بردار ہوچکا،اور زمیندار نے دوسرے کو مستاجر قبول کرلیا تو یہ دوسرا شرعاً مستاجر ہوگیا خراج کہ زمیندار اس سے لے گا زمیندار کو حلال ہے۔ظاہراً صورت یہی واقع ہوتی ہوگی،نہ یہ کہ کاشتکار کی بیع بیع شرعی سمجھی جائے اور کاشتکار دوم زمین کا مالک مستقل قرار پائے،اور اگر بالفرض کہیں ایسا ہو اور کاشتکار اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا بیع فضول ہو اور زمیندار کا اس نذرانہ پر قبول کرنا زر ثمن میں اضافہ اور بیع کی اجازت ہے۔تو وہ روپیہ جو کاشتکار اول کو ملا برضائے زمیندار اس کے لئے حلال ہے۔اور وہ نذرانہ کہ زمیندار نے لے لیا اس کے لئے جائز ہے۔مگر اب جو خراج زمیندار اس کاشت کار دوم سے لے گا یہ حرام و باطل ہے کہ اس تقدیر پر کاشت کار دوم زمین کا مالک مستقل ہوگیا،غیر مالک کا مالک سے خراج لینا کیا معنی،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: از شہر بریلی محلّہ فراشی ٹولہ مرسلہ مقصود علی خاں ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر زمیندار بٹائی کے کھیت کو خواہ وہ کفار کی کاشت میں ہو یا مسلمان کاشتکار ہو،چار اشخاص اہل ہنود یا مسلمان کے بیچ اس بٹائی کے کھیت کی کنکوت کرادے اور کاشت کار جو زمین کی کاشت کرتا ہو اس سے کہہ دے کہ اگر تجھ کو یہ تخمینہ منظور ہو تو اس کو کاٹ لے۔اور زمیندار کا حصہ جو طے پایا ہو دے دینا،اور اگر منظور نہ کرے تو اس تخمینہ کو منسوخ کردے،ایسی صورت میں جبکہ کاشتکار بھی تخمینہ منظور کرلے تو یہ تخمینہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟اور اس کی کمی بیشی کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟جبکہ زمیندار کو اگر اس تخمینہ سے بیشی ہو تو اس کا کچھ خیال یعنی بیشی کا نہ ہو،اور اگر اس تخمینہ سے کم ہو تو زمیندار پر کاشتکار کا مواخذہ جبکہ وہ تخمینہ منظور کرچکا ہو۔ہوگا یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

کنکوت باطل ہے،شرعاً اس کا کچھ اعتبار نہیں،نوے من تخمینہ ہوا اور زمیندار کاشتکار دونوں نے منظور کرلیا،اور آدھے پر بٹائی ہے۔تو اگر سو من پیدا ہوا زمیندار کے پانچ من کاشتکار پر اور رہے۔اسے

جائز نہیں کہ پچاس من کی جگہ پچپن من خود لے اور پینتالیس من زمیندار کو دے، اور اگر اسی من پیدا ہو تو زمیندار کا حق صرف چالیس من ہے پانچ من زیادہ لینا اسے حرام ہے۔ ورنہ مسلمان کاشتکار کے حق میں ماخوذ رہے گا اس کی باطل منظوری کہ برخلاف مقتضائے عقد و بے اذن شرع ہے۔ کچھ معتبر نہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری زیتا علی ان یزنه بظرفه، فیطرح عنه مکان کل ظرف خمسین رطلا، فهو فاسد وان اشتری علی ان یطرح بوزن الظرف جاز۔ لان الشرط الاول لا یقتضیه العقد، والثانی یقتضیه[1]۔	اگر کسی نے اس شرط پر زیتون خرید اکہ میں اپنے پیمانہ سے ناپ کروں گا اور اس ہر پیمانہ پر پچاس رطل کاٹوں گا، تو یہ عقد باطل ہے۔ اور اگر اس شرط پر خرید اکہ پیمانہ کے وزن برابر شمار ہوگا تو عقد جائز ہوگا کیونکہ پہلی شرط عقد سے لاتعلق ہے جبکہ دوسری شرط عقد کے موافق ہے۔ (ت)

ہاں ہندو کاشتکار سے اس کی مرضی و منظوری کی بناء پر اگر ایسے زیادہ مل جائے تو حرج نہیں،

لجواز ان یاخذ منهم بغیر غدر ولو بعقد ان وقع بین مسلمین کان فاسدا کما بیناہ فی بیوع فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ ہندوؤں سے غدر کے بغیر جو ملے لینا جائز ہے اگرچہ وہ ایسے عقد کے ذریعہ ملے جو مسلمانوں میں ہو تو فاسد قرار پائے جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے بیوع میں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۷: از بنارس گرانٹ بازار مسجد نواب ٹونک مرسلہ محمد شفیع صاحب ۴ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

ایک زمیندار نے کاشت کار کو بخوشی و رضامندی اپنی بیس بیگھہ اراضی کا پٹہ دوامی لکھ دیا اس شرط پر کہ فی بیگھہ اڑھائی روپے لگان جس کا جملہ پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ اس قدر مالگزاری سال بسال ادا کیا کرو، اور ان اراضی کو چاہے خود کاشت کرو یا دوسروں سے کاشت کراؤ، مگر مال گزاری اس کی حسب تحریر مندرجہ تم سے ادا کریں گے، اگر قسط پر ادا نہ کروگے تو بنالش حق ادا کرنے کا ہم زمیندار کو ہوگا۔ اب کاشتکار ان اراضی کو خود ہی کاشت کرتا ہے، اور دوسروں سے بھی کاشت کراتا ہے۔ اور جب دوسرے کاشتکار کے ساتھ بندوبست کرتا ہے تو فی بیگھہ پانچ روپے لیتا ہے اور جب بارہ برس گزر گیا تو وہ اراضی انگریزی کاغذات میں قانونا موروثی لکھی گئی، یعنی اب ان اراضیوں کو زمیندار زبردستی بے دخل کرنے کا مستحق نہیں، اگر بخوشی و رضامندی اپنی کاشت کار واپس کردے تو زمیندار واپس کرسکتا ہے، یا اگر مال گزاری کا شتکار

[1] الھدایہ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۱

نے ادانہ کیا تو بنالش گورنمنٹ زمیندار کو بذریعہ ڈگری کاشتکار سے وصول کرادے گا، اور اراضیوں کو بھی واپس کرادے گا، اگر کاشتکار بعد ڈگری زمیندار کے مال گزاری کچہری میں داخل کردیا، یا زمیندار کو دے کر رسید حاصل کیا تو پھر کاشت کار ان اراضیوں سے بے دخل نہ ہوگا بدستور قائم رہے گا، ایسی حالت میں کاشتکار کو کاشتکار شکمی سے نفع لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور کاشتکار جو خود کاشت کرتا ہے اس کی پیداوار سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر زمیندار کاشت کار کو زبردستی بے دخل کرے تو کچہری میں استغاثہ کرنے کا حق شرعاً پہنچتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

پٹہ دوامی شرع میں کوئی عقد لازم نہیں۔ ہر سال تمام پر وہ عقد ختم ہوتا اور طرفین کی رضا سے نیا شروع ہوتا ہے۔ ہر سال ختم ہونے پر شریعت مطہرہ کے نزدیک طرفین کو اختیار ہے کہ اس عقد سے باز رہیں، مملوک زمین مدت گزرنے سے شریعت کے حکم میں عقد لازم نہیں ہوتا یہ قانونی بات ہے شرعی حکم نہیں، اگر رضائے زمیندار ہے تو جب تک بھی ہے کاشت کار اس میں کاشت کرسکتا ہے۔ اور دوسروں کو ذیلی بھی بناسکتا ہے۔ مگر زرلگان جتنا خود ادا کرتا ہے اس سے زیادہ دوسرے سے نہیں لے سکتا، اگر لے گا مال خبیث ہوگا، مگر تین صورتوں میں، ایک یہ کہ لگان کی جنس بدل دے مثلاً زمیندار سے روپے ٹھہرے ہیں، یہ ذیلی سے سونا یا نوٹ ٹھہرائے یا اس زمین میں کوئی مالیت کی چیز مثل کنویں کے اضافہ کرے یا اس زمین کے ساتھ دوسری زمین ملاکر مجموع کو ذیلی کاشت میں دے، مثلاً ڈھائی روپے بیگھ پر اس سے لی ہے۔ یہ ایک بیگھ زمین اس میں اور شامل کرکے مجموع ۲۱ بیگھ بلاتفصیل ذیلی کو ایک سو پانچ روپے پر دے، یہ صورتیں جائز ہیں، اور اگر زمیندار کی رضامندی نہ ہو اور وہ اس سے زمین چھوڑ دینے کو کہے اور یہ موروثیت کے دباؤ سے جبراً نہ چھوڑے تو شریعت کے نزدیک گنہ گار ہوگا، اور اس میں جوتنا اس کو ناجائز، جو ناج پیدا ہوگا خباثت سے خالی نہ ہوگا، اور ذیلی کو دے گا تو وہ روپیہ بھی اس کے لئے ناجائز ہوگا اور اسے حکم ہوگا کہ زمیندار کو دے دے یا فقیروں پر تصدق کرے اور اول اولٰی ہے۔ جو شخص ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے حکم شریعت پر عمل کرنا چاہے، تو حکم یہ ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام، واللہ تعالٰی اعلم۔

اللھم ارزقنا حسنا واسعا بحق مولانا محمد النبی الامی نبی الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ و اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	اے اللہ! ہمیں وسیع نیکی عطا فرما حضور نبی المرسلین ہمارے آقا محمد النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ اجمعین کے وسیلہ سے۔ (ت)

مسئلہ ۵۸ تا ۶۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی خان ۱۴ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کہ مالک کافر ہو یا مسلمان، رعایا اس کو بعض زمین کی مال گزاری دے اور بعض کی نہیں، اس کے لئے کیا حکم ہے۔ آیا وہ رعایا عنداللہ وعندالرسول ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

(۲) جس زمین کی رعایا مال گزاری دیتی ہے اس میں درخت لگایا، اب اس درخت کے فروخت کرتے وقت مالک اس کی قیمت کا چوتھائی حصہ مانگتا ہے۔ نہ دینے پر اللہ ورسول کے نزدیک ماخوذ تو نہیں؟

(۳) کسی کھیت کے قریب مالک کی زمین غیر آباد ہے۔ رعایا نے اپنی زمین کے ساتھ اس غیر آباد زمین کو آباد کرلیا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایک شخص کی زمین مثلاً ۴ کٹھا ہے سروے ناپ نے غیر کی زمین لے کر ۵ کٹھا لکھ دیا ہے اب اس زمین کو وہ شخص اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر تصرف میں لائے تو عنداللہ ماخوذ ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جو مالگزاری مقرر ہوئی اس کا نہ ادا کرنا ظلم وحرام ہے اگرچہ زمین والا کافر ہو۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

(۲) مالک زمین کا اس درخت میں کچھ حق نہیں، اس کا مانگنا ظلم ہے۔

(۳) جائز ہے جبکہ مالک کو لگان دے یا وہ معاف کردے۔

(۴) اگر وہ کٹھا اس دوسرے کی ملک ہے تو بے اس کی اجازت کے غصب وحرام ہے۔ اور اگر وہ بھی کاشتکار ہے اور اس کے پٹے کی میعاد ابھی باقی ہے تو بے اس کی اجازت کے ناجائز ہے لانہ ان لم یملك رقبتھا فقد ملك منفعتھا (اگرچہ اس کے رقبے کا مالک نہیں تو وہ اس کے نفع کا مالک ہے۔ت) اور اگر یہ بھی نہیں تو سابقاً یا لاحقاً اجازت زمیندار درکار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۲ تا ۶۵: مسئولہ مولوی محمد رضا خاں سلمہ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۳ھ

(۱) زید سے اس کی رعایا نے جس میں مسلم ومشرک دونوں ہیں بیس روپے ایک سال کے واسطے قرض مانگے اور لگان کھاتے کا جو قرض چاہ رہا ہے بیس روپے ہے۔ اس نے کہا کہ بیس روپے تم کو بلاسودی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

بغیر کسی نفع کے دئے جاسکتے ہیں، مگر تم کو اپنے کھاتے پر معہ ۸/ سال بھر کے اضافہ کرنے ہوں گے، یہ صورت جائز ہے یانہیں؟

(۲) جن اسامیوں سے کہ بقایا پچھلی وصول کرنا خواہ وہ تمسک ہے یا معاہدہ زبانی ان سے ۳ / روپیہ یا چھ آنہ روپیہ اس صورت میں لینا اول اپنا اصلی مطالبہ لے لیا گیا تھا، پھر زید نے مشرک کاشتکار سے کہا کہ مطالبہ تیرا ادا ہوگیا اب تو بیع سلم کے اس قدر روپے اور ادا کرو یہ رقم لینا جائز ہوگی یانہیں؟

(۳) اگر کاشت کار نے اپنا حساب سمجھا تو وہ رقم جو زائد ہے اس کو حساب میں بتایا جاسکتا ہے یانہیں؟

(۴) جو تمسکات کہ ۱۳۲۱ف میں لکھے جاچکے ان کا وصول بھی اس طرح ہوسکتا ہے یانہیں کہ تمھارا اصل مطالبہ ادا ہوگیا، اب اتنا بیع سلم کا دے دو، اگر دس روپے کسی مسلمان سے زائد لئے گئے اور اس کا مطالبہ صحیح اول لے لیا اور ان دس روپوں کے عوض مسلم یا مشرک کو سیر بھر گیہوں یہ کہہ کر دے دئے کہ ہم یہ گیہوں اتنے کو فروخت کرتے ہیں اور اس نے بخوشی لے لئے تو یہ جائز ہے؟ اگر یہ جائز نہیں تو کیا صورت ہے کہ مال مشترک سے منتفع ہوں؟

الجواب:

(۱) یہاں کے مشرکین کے ساتھ یہ صورت جائز ہے مسلمان کے ساتھ حرام ہے کہ یہ قرض سے نفع لینا ہے، اور حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعة فھو ربا [1]۔	قرض کے ذریعہ جو نفع حاصل کیا جائے وہ سود ہے۔

خلاصہ میں ہے:

القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتبہ بہ الی بلد کذا لیوفی دینہ [2] اھ کذا عـــہ فی الدر المختار [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	قرض کے ساتھ شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو قرار پائے گی، مثلاً یوں کہ اس شرط پر قرض دوں گا کہ مجھے لکھ دے کہ قرضہ فلاں شہر سے وصول کرلوں اھ درمختار میں یوں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

عـــہ: فی الاصل درمختار میں ہے والمراد ان عبارۃ الخلاصۃ فی الدر المختار عبدالمنان الاعظمی۔

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶ /۲۳۸

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب البیوع الفصل الخامس ۳ /۵۴۔۵۳

[3] درمختار بحوالہ خلاصۃ الفتاوی کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۴۰

(۲) یہاں کے مشرکین کے ساتھ اگر ابتداءً معاہدہ کاشت اس صورت پر کیا جائے کہ یہ زمین مثلاً اتنے سال کے لئے روپے بیگھ پر تمھیں دی، اگر کسی فصل یا سال تمام پر (جو باہم ٹھہر جائے) بقایا رہے گی تو سوائی یا ڈیوڑھی یا دونی (جو قرار پائے) اس زمین کی اجرت متصور ہوگی۔ تو حسب قرار ادا لے سکتا ہے۔ اور اگر پہلے معاہدہ صرف روپے بیگھ پر ہوا، اور باقی ٹوٹنے کے بعد باقی میں اس سے زیادہ کیا چاہے تو یہ حرام ہے کہ خلاف معاہدہ ہے۔

قال الله "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ایمان والو! عقود کو پورا کرو۔ (ت)

اور اگر باقی میں زیادہ نہ لے بلکہ اس سے صاف کہہ دے کہ باقی پوری ادا ہوگئی اس کا تم پر کچھ نہ رہا، مگر وقت پر ادا کرنے کا اتنا حرجہ دے، تو یہاں کے مشرکین سے جائز، چاہے اس کا فرضی نام بیع سلم رکھے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) پہلی صورت میں کہ وہ داخل معاہدہ تھی حساب میں بتائی جاسکتی ہے۔ اور دوسری صورت میں اس کا حساب سے ادا کرنا لازم ہوگا، یعنی یوں کہے گا کہ بقایا لگان تو تجھ پر اس قدر ہے۔ اور بوجہ تاخیر اتنا بیع سلم کا دینا ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) ہاں ہوسکتا ہے جبکہ مزارع یہاں کا مشرک ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ مسلمان سے مطلقاً ناجائز، اور فرض ہے کہ اسی کے وہ روپے اسے واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے ورثہ کو دے، ان کا پتہ نہ چلے تو اس کی طرف تصدق کرے بخوشی کا لفظ بے معنی ہے بغیر دباؤ کے ناممکن ہے کہ کوئی دس روپے کے بدلے سیر بھر گیہوں پر راضی ہو، اور اگر یہاں کا مشرک ہے اور اس سے قید معاہدہ پر زیادہ لیا گیا تو وہ بھی حسب بیان جواب دوم ناجائز ہے گیہوں کا یہ معاملہ اس سے کرنا فضول ہے کہ یہ دس روپے، بروجہ خبیث آئے، اس مشرک کی ایسی رضا سے وہ خبیث نہ جائے گا کہ وہ دباؤ کی رضا ہے نہ کہ حقیقۃً، اور حقیقۃً بھی ہو تو اس پر مواخذہ حق اللہ کا ہے کہ خلاف حکم کیا، بلکہ سیر بھر گیہوں کسی مسلمان محتاج کے ہاتھ جتنے کو وہ بخوشی راضی ہو بیع کرے پھر وہ روپیہ بہ نیت تصدق مال خبیث اس محتاج کو دے، پھر اس سے گیہوں کے زر ثمن میں لے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ۶۶: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ دہلی دروازہ مرسلہ محمد ظہیر الدین ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید زمیندار نے ایک کاشتکار کو اپنی اراضی بنابر کاشت بدیں شرط دس روپیہ لگان پر دی کہ پانچ روپیہ فصل خریف پر اور پانچ روپیہ فصل ربیع پر ادا کرتا رہے، بحالت عدم ادائے زر بقایا سوایا یعنی بجائے ایک روپیہ کے سوا روپیہ لگان کا لیاجائے گا، وقت مقررہ پر لگان کے نہ ادا کرنے کی صورت میں فصل بہ فصل وسال درسال لگان میں زیادتی ہوتی رہے گی، یہ زیادتی لگان کے بمقابلہ اراضی کے کی گئی ہے۔ آیا یہ زیادتی لگان کی جائز ہے یا ناجائز داخل سود ہے؟

الجواب:

یہ محض حرام وسود ہے بلکہ اس شرط کی وجہ سے وہ اجارہ ہی فاسد وحرام ہوگیا، **فان الاجارۃ تفسد بالشرط الفاسد کالبیع بانھا احد السبعین** (کیونکہ فاسد شرط سے اجارہ فاسد ہوجاتا ہے جس طرح بیع فاسد ہوجاتی ہے کہ وہ ستر میں سے ایک ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷: از سنگرام پور ڈاکخانہ خاص ضلع بدایون مسئولہ شیخ ضیاالدین جناب مولٰنا مولوی احمد رضاخاں صاحب!

بعد سلام علیک کے گزارش ہے کہ میرے قریب ایک موضع دھنوپورہ ہے۔ وہاں پر ٹھاکر دلاور سنگ زمیندار موضع مذکور کے ہیں، اس پر ایک ہزار روپیہ ۱۴/ آنے کے سود سے دیگر اشخاص کا قرض ہے۔ اب دلاور سنگھ ایک ہزار ہم سے بلاسود مانگتے ہیں، اور (صہ عہ) پختہ اراضی سیر واسطے پانچ سال بالعوض ایک ہزار روپے کے دیتے ہیں، بعد پانچ سال کے ان کی اراضی چھوٹ جائے گی، اور ہمارا روپیہ بے باق ہوجائیگا، شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس طریقہ سے جائز ہو سکتی ہے؟ فقط زیادہ سلام

الجواب:

یہ صورت بلاشبہہ جائز ہے۔ زمیندار اپنی مملوکہ خالی زمین کو دوسرے کے رہن یا اجارے میں نہیں، ایک مدت معینہ پانچ برس کے لئے ایک اُجرت معینہ پر ہزار روپیہ پر اجارہ دیتا ہے اور باہمی رضا سے زر اجرت پیشگی دینا قرار پاتا ہے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۸: از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ عنایت حسین صاحب ۲۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ایک اراضی کا لگان بندوبست میں عہ ۱۴/ مقرر ہوا، اب اس اراضی کی حیثیت عا ۸/ کی ہے کسی شخص نے مبلغ مہ پیشگی پانچ سال کا لگان اس وقت کی حیثیت سے ادا کرکے لی، اس طرح پر اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا کسی شخص نے بجائے عا ۸/ روپیہ کی شرح کے عا سے بھی

وہ جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟اور اگر جائز ہوگی تو کن کن وجوہات سے جائز ہوگا۔

الجواب:

بندوبست میں جو مقرر ہوا اس کی پابندی عاقدین پر لازم نہیں باہم زمیندار کاشتکار میں جس قدر پر رضامندی ہو جائے کم پر خواہ زائد پر۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۹: از موضع دیور نیا ضلع بریلی مسئولہ شرف الدین و مسیح الدین زمیندار ۳۰رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کاشتکار کو اپنی موروثی اراضی مصدقہ بندوبست بشرح عہ ۱۴/ بیگھہ خام کسی دوسرے شخص یعنی اپنے ذیلی کاشتکار کو مبلغ مہ لے کر پانچ سال کو پٹہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟اور یہ مبلغ پچاس روپے اسی میعاد پنجسالہ میں ذیلی کاشتکار کے وصول ہو جائیں گے اور عہ ۱۴/ لگان زمیندار کو یہی ذیلی کاشتکار ادا کرے گا۔مکرر یہ کہ شرح لگان مصدقہ بندوبست عہ ۱۴/ لحاظ نہ کیا جائے خواہ بجائے عہ ۱۴/ کے ۶/ باہم کاشتکار اصلی و ذیلی طے ہو یا مبلغ عا۸/ یا اور کم وبیش؟**بینواتوجروا**

الجواب:

کاشتکار کو جائز نہیں کہ جو زمین اس کے پاس جتنے لگان کو ہے اس سے ایک پیسہ زائد پر ذیلی کو دے،جتنا زیادہ مقرر کرے گا اسے لینا ناجائز ہوگا،مگر تین صورتوں میں جائز ہے:

(۱) اس کے ساتھ اپنے پاس سے اور کوئی چیز ملا کر دونوں کو مجموعۃً زیادہ پر دے۔

(۲) اس زمین کو کنواں کھود کر یا اور کام نفع کا بڑھا کر کرایہ پر دے۔

(۳) کرایہ کی جنس بدل دے،مثلاً اس کے پاس دس روپے سال پر ہے یہ ذیلی کو ایک اشرفی کرائے پر دے یا جتنی اشرفیاں ٹھہریں یونہی نوٹ یا پیسہ یا اکنیاں،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: از ضلع سکھر سندھ ڈاکخانہ ڈھر کی مقام بھرچونڈی شریف درگاہ عالیہ سلسلہ قادریہ مسئولہ خدا بخش صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ چہار شنبہ

بخدمت عظامی منزلت شمس الشریعت حضرت مولنا صاحب سلمہ ربہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انگریزی قانون کے مطابق جو شخص پانچ برس متواتر اپنی غیر آباد زمین کا محصول (یعنی خراج) نہیں دیتا وہ زمین اس کی ملک سے نکل کر گورنمنٹ کی ہو جاتی ہے کہ بعد دس برس گزرنے کے بغیر رضامندی شخص مذکور کے دوسرے کو دے دیتے ہیں۔آیا زمین مذکورہ بالا بموجب شرع شریف مالک کی ملک سے نکل کر گورنمنٹی بنتی ہے یا نہیں؟اور اس زمین کا لینا درست ہے یا نہیں؟اگر کسی نے خریدی ہو تو واپس دے یا نہیں؟اگر دے تو جو خرچ اس زمین پر کیا ہے اس سے واپس لے یا نہیں؟نیز یہ کہ اگر مشتری مالک کو دے جب بھی گورنمنٹ

اس کو نہیں دیتی بغیر درخواست کے، اور درخواست بسبب مفلسی کے وہ نہیں دیتا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

شریعت میں اس وجہ سے زمین ملک مالک سے نہیں نکل سکتی، اس کا خریدنا ناجائز ہوگا، اور خرید لی تو مالک کو واپس دینا واجب ہوگا، اور جو قیمت وغیرہ دینے میں خرچ ہو وہ مالک سے واپس نہیں لے سکتا، **لانہ ھو المضیع لمالہ** (کیونکہ اس نے اپنا مال ضائع کیا۔ت) اس پر حکم شرعی یہ ہے یہ بجالائے اگرچہ اس کے کرنے کو گورنمنٹ تسلیم نہ کرے۔ اس کا الزام اس پر نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الذبائح

(ذبح کا بیان)

مسئلہ ۱۷: شہر بریلی محلہ ابراہیم پورہ مسئولہ از عزیز الدین ۳ شوال ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذبیحہ بعد غروب آفتاب وقبل طلوع آفتاب مکروہ ہے یانہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کس طرح ہوگا، اور اگر ایسے ہی وقت مذکور میں بلی کسی پرند یا مرغ کو ہلاک کرے، اور ذبح کچھ تھوڑا خون ذبیحہ فورا یا کچھ دیر بعد دے، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ آیا ذبیحہ جائز ہوگیا یا نہیں؟ اور وہ ذبیحہ اگر جائز ہوگیا تو وہ بھی مکروہ ہے یانہیں؟ اور اگر مکروہ ہے تو کیسا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رات کو ذبح کرنا اندیشہ غلطی کے باعث مکروہ تنزیہی خلاف اولٰی ہے۔ اور ضرورت واقع ہو مثلاً صبح کے انتظار میں جانور مرجائے گا تو کچھ کراہت نہیں **لانہ الاٰن مامور بہ حذرا عن اضاعۃ المال** اھ (کیونکہ مال کے ضائع ہونے کے خطرہ کی بناء پر وہ اب اس کا مامور ہے۔ اھ ت) پھر کراہت اس فعل میں ہے ذبح اگر صحیح ہوجائے ذبیحہ میں کچھ کراہت نہیں **لتبین ان الغلط لم یقع** (واضح ہوجانے پر کہ غلطی نہ ہوئی۔ت) درمختار میں ہے:

کرہ تنزیھا الذبح لیلا لاحتمال	غلطی کے احتمال کی وجہ سے رات کو ذبح کرنا

الغلط [1]۔	مکروہ تنزیہی ہے۔(ت)

حرمت حلت کامدار خون نکلنے نہ نکلنے پر نہیں، بلکہ یہ ثابت ہونا چاہئے کہ وقت ذبح جانور زندہ تھا، اگر یہ معلوم ہو اور خون اصلا نہ دے حلال ہے، اور اگر نہ ثابت ہو اور خون زندہ کا سا دے تو بعض دفعہ کہیں رکا ہوا خون کچھ دیر بعد مردے کے بھی نکلتا ہے جانور حلال نہ ہوگا، حیات کی علامت یہ ہے کہ جانور تڑپے یا منہ آنکھ بند کرے یا پاؤں سمیٹے یا اس کے بدن کے بال کھڑے ہوجائیں، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فحرکت وخرجت الدم حلت والا لاان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا۔وان لم تتحرك ولم یخرج الدم، ذبح شاۃ لم تدر حیاتھا وقت الذبح، ان فتحت فاھا لاتوکل، و ان ضمتہ اکلت، وان فتحت عینھا لاتوکل، وان ضمتھا اکلت، وان مدت رجلھا لاتوکل، وان قبضتھا اکلت، و ان نام شعرھا لاتوکل، وان قام اکلت، وہذا کلہ اذا لم تعلم الحیاۃ وان علمت وان قلت اکلت مطلقًا بکل حال زیلعی [2]۔	مریضہ بکری کو ذبح کیا تو اس نے حرکت کی اور خون نکلا حلال ہوگئی، ورنہ نہیں، یہ جب ہے کہ ذبح کے وقت اس کا زندہ ہونا مشکوک ہو اور اگر زندہ ہونا یقینی ہو تو مطلقًا حلال ہوگی اگرچہ اس نے حرکت نہ کی اور نہ خون جاری ہوا ہو، اگر ذبح کے وقت زندہ ہونا مشکوک ہو تو ذبح کرنے پر اس نے منہ کھولا تو نہ کھایا جائے اور اگر اس وقت منہ بند کیا تو کھالیا جائے گا یوں اگر اس نے آنکھیں کھول رکھیں تو نہ کھایا جائے اور اگر بند رکھیں تو کھایا جائے، اگر ٹانگیں دراز رکھیں نہ کھایا جائے اگر سمٹ لیں تو کھایا جائے اگر اس کے بال کھڑے نہ ہوئے تو نہ کھایا جائے اور کھڑے ہوں تو کھایا جائے یہ سب اس صورت میں ہے جب ذبح کے وقت زندہ ہو نا یقینی نہ ہو اور اگر زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ مطلقًا کھانا جائز ہے خواہ کسی حال میں ہو، زیلعی (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ اوخرج الدم ای کما یخرج من الحی، قال فی البزازیۃ وفی شرح الطحطاوی	اس کا قول کہ خون نکلے یعنی جس طرح زندہ سے نکلتا ہے بزازیہ میں کہا، اور شرح طحطاوی میں ہے۔

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۲

[2] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۰

خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذا کان یخرج کما یخرج فی الحی عندالامام وھو ظاھر الروایۃ[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	خون نکلنا زندہ ہونے کی دلیل صرف اس صورت میں ہے کہ اس طرح نکلے جس طرح زندہ سے نکلتا ہے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب میں اور وہی ظاہر روایت ہے۔ (باختصار)۔ (ت)

مسئلہ ۷۲: از شہر کہنہ بریلی ۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

ایک مولوی صاحب آئے ہیں، وہ کہتے ہیں **بسم اللہ واللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ اللھم منك ولك** کہنا چاہئے **بسم اللہ اللہ اکبر** بغیر واؤ کے جو رائج ہورہا ہے مکروہ ہے۔ اس میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بغیر واؤ کے مستحب ہے۔ اسے مکروہ کہنا صحیح نہیں، بلکہ تنویر الابصار وغیرہ میں واؤ بڑھانے کو مکروہ فرمایا، بہر حال بلا واؤ کے خالی از کراہت وپسندیدہ ومستحب ہونے میں کلام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ذبح کرتا ہے دوسرا پاؤں یا سر ذبیحہ کا پکڑے ہے دونوں پر بسم اللہ ضرور ہے یا ذابح کو کافی ہے؟ اور اگر مددگار نے بسم اللہ ترک کی قصدا یا یہ مددگار کوئی کافر ہندو وغیرہ تھا، تو ذبیحہ حلال رہا یا مردار ہوا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل ذابح پر تکبیر کہنی لازم اور اسی کی تکبیر کافی ہے۔ سر یا پاؤں پکڑنے والے کی تکبیر کی اصلا حاجت نہیں نہ اس کا کافر مشرک ہونا کچھ مضر۔

فان الذبح انما ھو قطع العروق لا الاخذ بالراس والقوائد کمالایخفی۔	ذبح جانور کی رگوں کے کاٹنے کا نام ہے جانور کے سر وپاؤں پکڑنے کا نام نہیں، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

ہاں اگر ایک نے دوسرے کو نفس ذبح میں مدد دی، مثلاً زید ذبح کرتا ہے عمرو نے دیکھا اس کا ہاتھ ضعیف ہے ذبح میں دیر ہوگی اپنا ہاتھ بھی چھری پر رکھ دیا اور دونوں نے مل کر چھری پھیری تو بیشک دونوں میں جو کوئی قصدا تکبیر نہ کہے گا جانور حرام ہو جائے گا، یونہی اگر ان میں کوئی کافر مشرک تھا تو بھی ذبیحہ مردار ہوگیا،

فی الدر المختار تشترط التسمیۃ من	درمختار میں ہے کہ ذبح کرنے والے پر بسم اللہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

الذابح[1] وفیه عن الخانیة ارادة التضحیة فوضع یدہ من ید القصاب فی الذبح و اعانه علی الذبح، سمی کل وجوبا فلو ترکها احدھما، اوظن ان تسمیة احدھما تکفی حرمت[2] الخ، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب۔	پڑھنا لازم ہے اور اس میں خانیہ سے ہے قربانی کرتے ہوئے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح میں رکھا اور ذبح میں مدد کی تو ہر ایک بسم اللہ پڑھے، تو اگر ایک نے نہ پڑھا یا خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو جانور حرام ہوگا الخ، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب (ت)

مسئلہ ۷۴: ۱۳ صفر ۱۳۳۲ھ:

چہ فرمایند علمائے دیں اندریں مسئلہ کہ بہنگام ذبح کردن حیوان وذابح سوئے کدامے باید استاد، وراس حیوان کدام جانب می کند، استفاضۃ اشاعت ست کہ بوقت ذبح حیوان سر وی بجنوب می کند وچہرہ ذابح بقبلہ مے کند خلاصہ آنکہ اگر بجانب شمال وجنوب ومشرق شدہ ذبح سازد، پس چہ حکم دارد، آیا کہ جائزمے شود یا بدعت، اگر بدعت شود کدام بدعت، وکدام اولی ست؟ مع ادلہ تصریحا تحریر فرمایند۔ بینوا توجروا	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ حیوان کو ذبح کرتے ہوئے حیوان کا سر کس طرف ہونا چاہئے اور ذبح کرنے والا کس جانب کھڑا ہو، مشہور ہے کہ ذبح کے وقت جانور کا سر جنوب کی طرف اور ذبح کرنے والا رو بقبلہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ جنوب، شمال اور مشرق کی طرف ہو کر ذبح ہوا تو کیا حکم ہے، کیا جائز ہوا یا بدعت ہوئی، اگر بدعت ہے تو کون سی، اور کون سی جانب اولٰی ہے؟ دلائل کے ساتھ صراحۃً تحریر فرمایا جائے۔ بینوا توجروا (ت)

الجواب:

سنت متوارثہ آن ست کہ روئے خود وروئے ذبیحہ ہر دو سوئے قبلہ کند، وسر ذبیحہ در بلاد ما کہ قبلہ سوئے مغرب ست جانب جنوب بود تا ذبیحہ بر پہلو چپ خودش خوابیدہ باشد، وپشت او جانب مشرق، تا روئے سمت قبلہ بود، وذابح	سنت یہ چلی آرہی کہ ذبح کرنے والا اور جانور دونوں قبلہ رو ہو، ہمارے علاقہ میں قبلہ مغرب میں ہے اس لئے سر ذبیحہ جنوب کی طرف ہونا چاہئے تاکہ جانور بائیں پہلوں لیٹا ہو اور اس کی پیٹھ مشرق کی طرف ہو تاکہ اس کا منہ قبلہ کی طرف ہوجائے، اور ذبح کرنے والا

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

پائے راست خود بر صفحہ راست گردنش نہادہ ذبح کند، اگر توجہ یا توجیہ بہ قبلہ ترک کند مکروہ است، و اگر بر پہلوئے راستش خواباند نزد بعض اجلہ ائمہ مالکیہ حرام گردد، خوردنش روا نبود پس احتراز ازاں مناسب ومؤکد ترشد خروجا عن الخلاف، احمد ودارمی وابوداؤد وابن ماجہ از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روای **قال ذبح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوأین، فلما وجھھما قال انی وجھت وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض**[1] ۔ الحدیث۔ وبخاری ومسلم اسامی عـــه وابن ماجہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہ آوردند **قال ضحی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکبشین املحین، فرأیتہ واضعا قدمہ علی صفائحھما یسمی ویکبر فذبحھما بیدہ**[2] ۔ امام عینی در عمدۃ القاری فرمود، **فالتکبیر مع التسمیۃ مستحب وکذا وضع الرجل علی صفحۃ عنق الاضحیۃ**

اپنا دایاں پاؤں جانور کی گردن کے دائیں حصہ پر رکھے اور ذبح کرے اور خود اپنا یا جانور کا منہ قبلہ کی طرف کرنا ترک کیا تو مکروہ ہے، اگر جانور دائیں پہلو لٹایا تو بعض اجلہ ائمہ مالکی کے نزدیک حرام ہوجائیگا اور اس کا کھانا جائز نہ ہوگا، لہٰذا اس سے پرہیز میں تاکید ہے تاکہ خلاف سے بچایا جائے، احمد دارمی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو خصی، چتکبرے، سینگوں والے دُنبے ذبح فرمائے، آپ نے جب ان کو قبلہ رو لٹایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی، **انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض** الحدیث۔ بخاری ومسلم، دارمی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ چتکبرے، موٹے دنبے ذبح فرمائے تو میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنا پاؤں مبارک جانور کی گردن کے ساتھ والے حصہ پر رکھا اور بسم اللہ پڑھی اور تکبیر کہی تو دونوں کو اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا، امام عینی نے عمدۃ القاری میں فرمایا بسم اللہ کے ساتھ تکبیر مستحب ہے اور یوں قربانی کے

عـــه: ھکذا فی الاصل لعلہ "الدارمی"۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب مایستحب من الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵۔ ۸۳۴، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

الایمین واما التسمیة فھی شرط[1]۔ وہمدرانست قال ابن القاسم الصواب ان یضجعھا علی شقھا الایسر، وعلی ذٰلك مضی عمل المسلمین، فان جھل فاضجعھا علی الشق الاخر لم یجز اکلھا[2]۔ درتنویر الابصار کرہ ترك التوجه الی القبلة[3]۔ دردرمختار ست لمخالفته السنة[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جانور کی گردن کے دائیں پہلو پر پاؤں رکھنا مستحب ہے لیکن بسم اللہ پڑھنا شرط ہے، اور اسی میں ہے ابن قاسم نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ جانور کو بائیں پہلو لٹایا جائے مسلمانوں کا یہی طریقہ جاری ہے اگر جہالت کی اور جانور کو دوسرے پہلو لٹایا تو کھانا جائز نہ ہوگا۔ تنویر الابصار میں ہے کہ قبلہ کی جہت کا ترک مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے کہ یہ سنت کے مخالف ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۷۵: از شہر لاہور مرسلہ انوار الحق تحصیل چونیاں روز جمعہ ۲ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس طرح ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے اسی طرح معین ذابح پر تسمیہ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور معین ذابح کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

معین ذابح سے یہی مراد ہے کہ ذابح کا ہاتھ کمزور ہو، ذبح میں دقت دیکھے تو دوسرا اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر دونوں مل کر ہاتھ پھیریں، اس صورت میں دونوں پر تکبیر واجب ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی قصداً تکبیر نہ کہے گا، ذبیحہ مردار ہو جائے اگرچہ دوسرا تکبیر کہے، دیوبندی قول محض غلط وجہالت ہے۔ تکبیر ذابح پر لازم فرمائی گئی ہے، اور ہاتھ پاؤں پکڑنا ذبح نہیں، ہاتھ پاؤں پکڑنے والا مثل رسی کے وہی کام دے رہا ہے جو ایک رسی دیتی ہے۔ اس پر تکبیر لازم ہونا درکنار، اگر مجوسی یا بت پرست ہاتھ پاؤں پکڑے گا ذبیحہ میں خلل نہ آئے گا، تنویر الابصار میں تھا: تشترط التسمیة[5] (بسم اللہ پڑھنا شرط ہے۔ ت) درمختار میں اس طرح کی شرح فرمادی: من الذابح[6] (ذبح کرنے والے سے۔ ت) ردالمحتار میں فرمایا:

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب من ذبح الاضاحی بیدہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۵۴،۵۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[5] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[6] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شمل ما اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما وترک الثانی عمدا حرم اکلہ[1]۔	جب ذبح میں دو شخص شریک ہوں تو بسم اللہ پڑھنا دونوں پر شرط ہے۔ اگر ایک نے پڑھا اور ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے کھانا حرام ہوگا۔(ت)

درمختار میں خانیہ سے ہے:

فوضع یدہ مع یدا لقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح،سمی کل وجوبا فلو ترکہا احدہما وظن ان تسمیۃ احدہما تکفی حرمت[2]۔	ذبح کرنے میں معاون نے قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ بھی ذبح میں چھری پر رکھا تو دونوں بسم اللہ بطور وجوب پڑھیں،ایک نے نہ پڑھا دوسرے نے ترک کیا یا ایک کے پڑھنے کو کافی جانا،جانور حرام ہوگا۔(ت)

شرح نقایہ علامہ برجندی میں ہے:

یشترط تسمیۃ من اعان الذابح بحیث وضع یدہ علی المذبح کما وضع الذابح حتی لو ترک احدہما التسمیۃ لایحل،ذکرہ فی فتاوی قاضی خاں[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح میں معاون نے اپنا ہاتھ قصاب کے ساتھ چھری پر رکھا تو دونوں کا بسم اللہ پڑھنا شرط ہے،اگر ایک نے بسم اللہ کو ترک کیا تو حلال نہ ہوگا۔اس کو فتاوٰی قاضیخاں میں ذکر کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۶: مرسلہ بھولا گھمیار دکاندار سیسراؤں،ڈاکخانہ پٹی،تحصیل قصور ضلع لاہور ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین حنفیہ اس مسئلہ میں کہ ذبح کے وقت جس بکرے کی گھنڈی سر کی طرف ایک چھلہ دار بھی نہ رہے وہ عندالشرع حلال ہے یاحرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس مقام میں تحقیق یہ ہے کہ ذبح میں گھنڈی کا اعتبار نہیں،چاروں رگوں میں سے تین کٹ جانے پر مدار ہے۔اگر ایک یا دو رگ کٹی حلال نہ ہوگا اگرچہ گھنڈی سے نیچے ہو،اور اگر چاروں یا کوئی سی تین کٹ گئیں تو حلال ہے اگرچہ گھنڈی سے اوپر ہو،ردالمحتار میں ہے:

ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل	اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں چار میں سے تین رگیں

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[3] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۱

قطع ثلثة من العروق فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والا فالحق خلافه. اذلم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب. ویظہر ذٰلك بالمشاہدة اوسوال اہل الخبرة. فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال[1] ۔وھو تعالٰی اعلم۔	کٹ گئیں جو ہدایہ کے شارحین نے رستغفنی کی اتباع میں کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی یہ معیار مشاہدہ سے ظاہر ہوگا یا ماہرین سے پوچھنے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۷: از چوئی زیریں مسجد کلاں ضلع ڈیرہ غازی خاں مرسلہ جناب عبداللہ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۳۵ھ

جناب حضرت مولٰنا و بالفضل اولٰنا، جناب شمس العلماء و مفتی العصر سلامت، حضور انور، مذبوحہ فوق العقدہ کا مسئلہ جو اختلاف میں ضبط ہے، آں صاحب مہربانی فرماکر مرجح قول کو بدلائل تحریر فرماکر دستخط فرمادیں، تکلیف سے بالکل عفو کریں۔

الجواب: اس مسئلہ پر تحقیق و قول فیصل یہ ہے کہ ذبح فوق العقدہ سے اگر چاروں یا تین رگیں کٹ گئیں ذبح ہوگیا، جانور حلال۔ اور اگر صرف دو ہی کٹیں حلقوم و مری نیچے رہ گئے، ذبح نہ ہوا، اور جانور مردار، یہ بات دیکھنے سے معلوم ہوسکتی ہے، خود پہچان نہ ہو تو پہچان والوں کے بیان سے۔ ردالمحتار میں ہے:

والتحریر للمقام ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلثة من العروق. فالحق ماقاله شراح الهداية تبعاللرستغفنی والا فالحق خلافه. اذ لم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب. ویظہر ذٰلك بالمشاہدة او سوال اہل الخبرة فاغتنم ہذا المقال. ودع عنك الجدال[2] اھ	مقام کی وضاحت یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اگر گھنڈی سے اوپر ذبح میں تین رگیں کٹ گئی ہوں تو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں جو کہا وہ حق ہے ورنہ حق اس کے خلاف ہے کیونکہ اہل مذہب کی متفقہ شرط برائے حلت نہ پائی گئی، یہ معیار مشاہدہ سے یا ماہرین کے بتانے پر ظاہر ہوگا اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور جھگڑا ختم کرو اھ، اس

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۸

وفیما کتبت علیه فان قلت سیأتی عن البدائع ان الاوداج متصلة من القلب بالدماغ، فیحصل فریها بالذبح فوق العقدة ایضا لامحالة، ولاشك ان ذٰلك بین اللبة واللحیین، فیجب الحل، قلت سنذکر هناك ان المراد ثمة بالاوداج الودجان اذهما المتصلان من الدماغ الی القلب لا الحلقوم والمری [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	پر میں نے حاشیہ میں نے لکھا اگر تجھے اعتراض ہو کہ بدائع سے عنقریب نقل ہوگا کہ اوداج رگیں دل ودماغ سے متصل ہوتی ہیں تو گھنڈی سے اوپر ذبح کرنے میں لازمًا یہ رگیں کٹ جائیں گی اور اس میں شک نہیں کہ یہ جبڑوں اور لبہ کے درمیان میں ہے۔تو گھنڈی سے اوپر ذبح میں حلال ہوجانا لازمی ہے۔میں جواب میں کہوں گا کہ وہاں اوداج سے دو ودجان رگیں مراد ہیں کیونکہ یہ دونوں دل تا دماغ متصل ہوتی ہیں، باقی دو یعنی حلقوم اور مری مراد نہیں ہیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔(ت)

مسئلہ ۷۸: از شہر گورکھپور محلہ اسمٰعیل پور مرسلہ محمد عبدالواسع صاحب حنفی ۲۳ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذبیحہ کو ذبح کرتا ہو اور اس کے ساتھ دوسرا ایک اور جو شریک حال ہو کر ذبیحہ کے اعضاء پکڑے ہوئے ہے، اگر ذبحہ کرنے کے علاوہ یہ ایک اس کا شریک حال تکبیر نہ کہے تو کیا ذبیحہ حرام ہوجائے گا؟ یعنی کیا ذبح کرنے والا اور اس کے شریک حال دونوں کے لئے ذبح کے وقت تکبیر کہنا لازم وضروری ہے یانہیں؟

الجواب:

ذبیحہ کا ہاتھ پاؤں پکڑنے والا بندش کی رسی کی طرح ہے۔اس پر تکبیر کچھ ضروری نہیں بلکہ وہ اہل تکبیر میں سے بھی ہونا ضروری نہیں، اگر مشرک یا مجوسی ہو جب بھی ذبیحہ میں فرق نہ آئے گا، وہ معین ذابح جس پر تکبیر کہنا ضرور ہے وہ ہے کہ ذابح کا ہاتھ ضعیف ہو تنہا اس کی قوت سے ذبح نہ ہوسکتا ہو، یہ شخص نفس فعل میں اس کی امداد کرے اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھے اور ذبح دونوں قوتوں کے اجتماع سے واقع ہو، اس حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ایک بھی قصدًا چھوڑے گا ذبیحہ مردار ہوجائے گا لانہ **اذا اجتمع المبیح والمحرم غلب المحرم** (کیونکہ مباح کرنے والی اور حرام کرنیوالی دلیلیں جمع ہوں تو حرام کی دلیل کو غالب کیا جاتا ہے۔ت) درمختار میں ہے:

---

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

وتشترط التسمیة من الذابح حال الذبح [1] اھ فدل علی عدم اشتراطھا من غیر الذابح۔	حالت ذبح میں ذبح کرنے والے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط قرار دیا گیا ہے اھ تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ غیر ذابح کے لئے یہ شرط نہیں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اذا کان الذابح اثنین فلو سمی احدہما و ترك الثانی عمدا حرم اکله کما فی التاترخانیة [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جب دو مل کر ذبح کریں تو ایک نے بسم اللہ پڑھی اور دوسرے نے قصداً ترک کی تو اس کا کھانا حرام ہے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۷۹و۸۰: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۱۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دیں دریں مسائل: **(۱)** حکم ذبح فوق العقدہ نوشتہ شدہ بمن رسید، لیکن جناب اعلیحضرت فیصلہ ہانہ کردہ۔ہمیں اختلاف دریں ملک بسیار ست، کسے می گوید کہ ہر چار رگ بریدہ شود، کسے می گوید کہ نہ۔براہ کرم مولٰنا صاحب بکدام روایت قائل است، ہر چہ رائے مولوی صاحب واتفاق فتوی است، تحریر فرمایند تاکہ بر اں عمل درآمد کردہ باشد۔ **(۲)** بریتیم قربانی واجب ست یانہ؟	علمائے دین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں: **(۱)** فوق العقدہ(گھنڈی کے اوپر) ذبح کا حکم لکھا ہوا مجھے ملا، لیکن جناب اعلیحضرت نے فیصلہ نہ فرمایا، اس ملک میں اس مسئلہ میں کثیر اختلاف ہے کوئی کہتا ہے چاروں رگیں کٹی ہوئی ہونی چاہئیں، کوئی اس کے خلاف کہتا ہے۔برائے مہربانی مولوی صاحب جس روایت کے قائل ہوں اور جو رائے ہو اور فتوی کا جس پر اتفاق ہو وہ لکھیں تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ **(۲)** یتیم پر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اجماع ائمہ ماست کہ اگر سہ رگ بریدہ شود ذبیحہ حلال ست، و ایں معنی بمشاہدہ یارجوع باہل خبرت تواں دریافت، ہمیں در فتوی سابقہ نوشتہ شدہ وہمیں است فیصلہ علامہ شامی و ردالمحتار،	**(۱)** ہمارے ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ اگر تین رگیں کٹ گئی ہوں تو ذبیحہ حلال ہے، یہ معیار شاہدہ سے یا ماہر سے دریافت کریں، پہلے فتوی میں یہی لکھا گیا تھا اور یہی فیصلہ علامہ شامی کا ردالمحتار میں

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲

وانچہ یکبار برائے امتحان مشہور فقیر شد آنست کہ بذبح فوق العقد نیز رگہا بریدہ مے شود۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہے اور ایک بار اس فقیر نے بطور امتحان مشاہدہ کیا تو فوق العقدہ سے بھی تمام رگیں کٹی ہوئی تھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۱: از سرال ڈاکخانہ بشندور تحصل و ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقدہ مذبوح بطرف صدر ہوجائے توکیا حکم ہے،

قال عینی وذکر العقدۃ لافی کلام اللہ و لافی کلام رسول اللہ عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	علامہ عینی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا عقدہ (گھنڈی) کاذکر اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام میں موجود نہیں ہے۔ (ت)

اس مسئلہ میں تردد ہے۔

الجواب: کم از کم تین رگیں کٹنا لازم ہے، اگر عقدہ طرف راس رہا اور تین سے کم رگیں کٹیں مردار ہوگیا اور عقدہ طرف صدر رہا اور ذبح بین اللبہ واللحیین ہوا اور تین رگیں کٹ گئیں حلال ہوگیا، ھوالتحقیق الذی لایحل العدول عنہ (یہی تحقیق ہے اس سے عدول نہ چاہئے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۲: از مدرسہ اسلامیہ عربیہ ریلوی ہمایوں پوسٹ پٹ میاں تعلقہ شکارپور ضلع سکھر مسئولہ محمد محسن علی ہاشمی مدرس اول ۸ شوال ۱۳۳۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے عظام دریں مسئلہ کہ مذبوح فوق العقعدہ حلال ست یاحرام؟ بینواتوجروا	کیافرماتے ہیں علمائے عظام اس مسئلہ کہ فوق العقدہ ذبح کیا ہوا جانور حلال ہے یاحرام؟ بینواتوجروا (ت)

الجواب:

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذکاۃ مابین اللبۃ و اللحیین [2]۔ ولا شك ان	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ذبح لبہ اور دوجبڑوں کے درمیان ہے اور شک نہیں کہ مافوق العقدہ

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الذبائح المکتب الامدادیۃ مکہ المکرمہ ۴/ ۱۳۷

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ کتاب الذبائح المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۱۸۵

مافوق العقدۃ ممایلیھا بین المحلین وکلام التحفۃ و الکافی وغیرہما یدل علی ان الحلق یستعمل فی العنق کمافی ابن عابدین فتحریر العلامۃ عندی ما افادہ فی رد المحتار اذ قال والتحریر للمقام .ان یقال ان کان بالذبح فوق العقدۃ حصل قطع ثلثۃ من العروق،فالحق ماقالہ شراح الھدایۃ تبعاللرستغفنی و الا فالحق خلافہ اذا لم یوجد شرط الحل باتفاق اہل المذہب،ویظھر ذٰلك بالمشاہدۃ او سوأل اہل الخبرۃ فاغتنم ہذا المقال ودع عنك الجدال [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ان دونوں کے درمیان سے متصل ہے اور کافی اور تحفہ وغیرہما کا کلام دلالت کرتا ہے کہ حلق کا استعمال گردن پر ہوتا ہے جیسا کہ ابن عابدین کے کلام میں ہے تو علامہ ابن عابدین کا فیصلہ کن کلام میرے نزدیک معتبر ہے جس کا انھوں نے ردالمحتار میں افادہ کیا جب انھوں نے فرمایا: تحریر مقام یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ فوق العقدہ ذبح میں اگر تین رگوں کا کٹنا پایا گیا تو حق وہ ہے جو شراح ہدایہ نے رستغفنی کی اتباع میں کہا ورنہ حق اس کے خلاف میں ہے کیونکہ تین رگیں نہ کٹنے کی صورت میں اہل مذہب کی متفقہ شرط حلال ہونے کی نہ پائی گئی اور یہ معیار مشاہدہ یا ماہرین سے پوچھنے پر معلوم کیا جاسکتا ہے،اس مقالہ کو غنیمت سمجھو اور تنازع ختم کرو،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۳: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مسئولہ جناب مولوی نواب سلطان احمد خاں صاحب زید مجدہم بتاریخ ۴ صفر المظفر قدسی ۱۳۳۰ھ

بندوق سے ایک ہرن شکار ہوا،چونکہ اس وقت چاقو یا چھری موجود نہ تھے،تو ایک سوار کو گاؤں کی طرف چھری لینے کو دوڑایا اتنے میں ہرن قریب مرنے کے ہوگیا،تو ایک زمیندار سے جو اتفاقیہ وہاں موجود تھا درانتی جس سے چارہ کاٹا جاتا ہے،دندانہ دار ہوتی ہے لی گئی،اور ایک مرد عادل مسلمان نے ذبح کیا،اس شکار کو کھایا گیا،اس پر چند لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے آلہ سے ذبح کیا ہوا حرام ہے۔تو یہ اعتراض ان کا بجا ہے یا بیجا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

درانتی بھی آلات ذبح سے ہے،ردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

لو نصب شبکۃ وکان بھاٰلۃ جارحۃ	اگر ایسا جال لگایا جس کے ساتھ کوئی آلہ جارحہ

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

کمنجل وسمی علیه وجرحه حل عندنا کما لو رماه بها انتهی مختصرا۔[1]	لگا ہوا ہو مثلاً منجل، اور بسم اللہ پڑھی ہو اور آلہ نے اسے زخمی کر دیا تو ہمارے نزدیک حلال ہو جائے گا، جیسا کہ آلہ جارحہ پھینکنے کی صورت میں حلال ہو جاتا ہے۔ انتہی مختصراً۔(ت)

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:

المنجل کمنبر حدیدة ذات اسنان یقضب بها الزرع وقیل هو مایقضبه العود من الشجر[2]۔	منجل بروزن عنبر، وہ ایک دانتوں والا لوہے کا آلہ (درانتی) ہے، اس کے ساتھ فصل کو کاٹا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ درخت کی ٹہنی کاٹی جاتی ہے۔(ت)

مگر اس سے ذبح کرنا ممنوع وگناہ ہے کہ بے سبب ایذا ہے۔ جیسے کند چھری یا اس سے بھی زائد، ذبائح الہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

الکلیلة یجوز الذبح بها ویکره[3]۔	کند چھری سے ذبح جائز ہے اور مکروہ ہے۔(ت)

لیکن ایسی صورت میں کہ جانور مرا جاتا ہے اور اس کے سوا کوئی آلہ نہیں، اجازت بعید نہیں۔

فان الضرورات تبیح المحذورات[4]۔ وربما یفیده قول الدر المختار کل تعذیب بلا فائدة، مثل قطع الراس والسلخ قبل ان تبرد ای تسکن عن الاضطراب[5] اھ فهذا وان کان تعذیبا فلا فائدة بل للضرورة۔	ضروریات مباح کر دیتی ہیں ممنوعات کو، اور درمختار کا قول اس کے لئے مفید ہے کہ سرد ہونے سے قبل یعنی اضطراب ختم ہونے سے قبل جانور کا سر کاٹنا اور جانور کی کھال اتارنا مثلاً یہ بے فائدہ عذاب ہے اھ تو یہ اگرچہ بے فائدہ عذاب دینا ہے لیکن ضرورت کی وجہ سے ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۲
[2] تاج العروس شرح القاموس باب اللام فصل النون دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۱۲۸
[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷
[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸
[5] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پھر اگر رگیں کٹنے سے پہلے جانور میں مذبوح کی حیات سے زیادہ حیات باقی تھی جب تو بالاتفاق حلال ہوگیا، اور اس کا کھانا بے تامل روا، اور اس پر اعتراض محض باطل و بے جا، اور اگر آلہ کند تھا اور بہت سختی کرنی پڑی کہ اکثر رگیں کٹنے سے پہلے ہی دانتوں کی رگڑوں، صدموں سے اس کی روح فنا ہوگئی یا رہی تو صرف اتنی ہی رہی جو بعد ذبح ہوتی ہے کہ فقط موت کا تڑپنا باقی ہوتا ہے۔ اس کے بعد دو چار پہر جی نہیں سکتا، تو اس صورت میں یہاں کہ اور کوئی آلہ ملتا ہی نہ تھا اختلاف علماء ہے بعض فرماتے ہیں حرام ہوگیا، کہ ذکوٰۃ اختیاری یعنی رگوں کے کاٹنے سے اس کی موت نہ ہوئی، بلکہ سبب موت قطع عروق سے پہلے ہی متحقق ہو لیا، اور بعض نے کہا حلال ہے جب آلہ میسر نہ تھا یہ بھی ایک زکوٰۃ اضطراری کی شکل میں آگیا، اور رجحان موجودہ جانب حرمت ہی پایا جاتا ہے۔ اور اسی میں احتیاط،

نقل المصنف ان من التعذر مالو ادرك صیدہ حیا او اشرف ثورہ علی الھلاك وضاق الوقت عن الذبح اولم یجد اٰلة الذبح فجرحه حل فی روایة [1] ۔	مصنف نے نقل کیا متعذر صورتوں میں یہ کہ شکار کو زندہ حالت میں پایا یا وہ موت کے قریب تھا، اور ذبح کرنے والے کو وقت کی تنگی تھی یا ذبح کا آلہ نہ پایا تو ایسی صورت میں اگر زخمی کردیا تو حلال ہوگا یہ ایک روایت ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الاولی ان یقول فی قوله لان نقله المصنف عن القنیة معزوا الی بعض المشائخ وقال البعض الاٰخر لایحل اکله الا اذا قطع العروق۔ افادہ ط [2] ۔	روایت کی بجائے ایک قول کہنا مناسب ہے کیونکہ اس کو مصنف نے قنیہ سے بحوالہ بعض مشائخ نقل کیا ہے اور بعض دیگر نے کہا اس کا کھانا حلال نہیں جب تک اس کی رگیں نہ کاٹ دے، اس کا افادہ علامہ طحطاوی نے کیا۔ (ت)

اور ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

اشرف ثورہ علی الھلاك ولیس معه الا مایجرح مذبحه	جانور موت کے قریب ہے اور ذبح کرنیوالے کے پاس صرف ایسی چیز ہے جو ذبح والے مقام کو زخمی

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

ولو طلب اٰلة الذبح لایدرك ذکاته فجرح لایحل، الا اذا قطع العروق قال القاضی عبدالجبار یحل ان جرحه کذا فی القنیة[1]۔	کرسکتا ہے،اور اگر وہ ذبح کاآلہ تلاش کرے تو جانور مردار ہوجائے ایسی صورت میں مقام ذبح کو زخمی کردینے سے حلال نہ ہوگا جب تک اس کی رگوں کو کاٹ نہ دے، قاضی عبدالجبار نے کہاہے اگرزخمی کردیاجس سے موت واقع ہوئی توحلال ہے یوں قنیہ میں ہے۔(ت)

تنویرالابصار ودرمختار وردالمحتار کتاب الصید میں ہے:

ان ادرکه الرامی والمرسل حیا ذکاہ وجوبا، فلو ترکھا حرم، وکذا یحرم لو عجز عن التذکیة (بان لم یجد اٰلة او لایبقی من الوقت مایمکن تحصیل الالة والا ستعداد للذبح) لان العجز عن التذکیة لایحل الحرام[2] اھ ملتقطا۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	کتا چھوڑنے والے یا تیر مارنے والے نے شکار کو زندہ پایا تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اگر نہ کیا تو حرام ہوگا اور یونہی اس صورت میں ذبح کرنے سے عاجز رہا تو بھی حرام ہوگا، عجز کی صورت یہ کہ ذبح کاآلہ نہ پایا یا اتنا وقت نہ پایا کہ آلہ حاصل کرسکے یا ذبح کی استعداد نہ پائے، کیونکہ عجز حرام کو حلال نہیں کرتا اھ ملتقطا۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۸۴ و ۸۵: از ڈیرہ اسمٰعیل خاں ملک وزیرستان چھاؤنی ٹانک پوسٹ کرگٹی ورکس کمپنی مرسلہ مولوی اکبر حسین صاحب اسٹون ۲۶۰۴ ۱۳رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: لوہے کی پتی کی چھری بنی ہو، نہ اس میں دستہ ہو نہ دستہ کی جگہ پر کوئی سوراخ ہو، اس سے ذبح کرنا درست ہے یانہیں؟ یہ جگہ فیلڈ ہے اور گرمی بہت سخت اور دھوپ میں کام کرناپڑتا ہے۔ یہاں روزہ رکھنا چاہئے یانہیں؟

الجواب:

اگراس میں کسی طرف دھار رکھی گئی ہو جیسے چھری میں، تو دھار سے ذبح جائز ہے، اور دھار نہ ہو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳، ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۳

توذبح ناممکن اور جانور مردار ہوجائے گا، **نص علیہ الامام النسفی فی الکافی** (اس پر امام نسفی نے کافی میں نص فرمائی ہے۔
اگر دھوپ میں کام کرنے کے ساتھ روزہ ہوسکے اور آدمی مقیم ہو مسافر نہ ہو تو روزہ فرض ہے اور اگر نہ ہوسکے روزہ رکھنے سے بیمار پڑجائے، ضرر قوی پہنچے، تو مقیم غیر مسافر کو ایسا کام کرنا حرام ہے۔ اگر ترک پر قدرت نہ ہو اور کسی طرح نہ ممکن ہو قضا رکھے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ
کوئی جانور دیوار سے دب گیا، گردن مٹی سے دب گئی، تو کس ترتیب سے ذبح کرے؟

الجواب:

اگر اندیشہ ہے کہ نکالنے تک اس کا دم نکل جائے گا، تو جہاں چاہے تکبیر کہہ کر خون نکال دے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۸۷: مرسلہ مولانا مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی پیلی بھیت ۱۴ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے ظاہر کے نام کا بکرا مانا، اسے ایک فقیر مسلمان نے بھنگی کے گھر جاکر ذبح کیا اور اس کا کلیجہ نکال کر بھونا، اور اس فقیر کے ہمراہ چار مسلمان اور تھے، پانچوں نے کھایا، فقیر کافر ہوا یا مسلمان رہا؟ مرتکب حرام ہوا یا نہیں؟ اور بقیہ آکلین کا کیا حکم ہے؟ اور یہ ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟ مثل میت ہے یا اس سے کچھ اوترتا؟ اور جو اس ذبیحے کو حلال بتائے وہ برتقدیر حرمت کافر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذابح اگر غیر خدا کے نام پر ذبح کرے یعنی وقت ذبح جس طرح تکبیر کا حکم ہے یہ غیر خدا کا نام لے مثلاً بسم اللہ کی جگہ باسم فلاں کہے تو ذبیحہ قطعاً حرام، **قال اللہ تعالٰی** "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ"[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔ (ت) اسی طرح اگر مسلمان عـــہ کلمہ گو نے اس ذبح

عـــہ: **خصصت الکلام بالمسلم لان المشرك** میں نے مسلمان کو خاص ذکر کیا کیونکہ مشرک اگرچہ
(باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۳

سے غیر خدا کی عبادت کا قصد کیا اور اہل اسلام اراقۃ دم لوجہ اللہ سے جس طرح کا تقرب اللہ جل جلالہ کی طرف

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لاتحل ذبیحته مطلقًا وان سمی الله تعالٰی وقصد به التقرب الیه وحدہ وعزوجل والکتابی تحل ذبیحته اذا سمی الله تعالٰی وحدہ وان قصد به التقرب الی غیرہ تعالٰی، قال النیشاپوری فی تفسیرہ قال مالك و الشافعی وابوحنیفة و اصحابه، اذا ذبحوا علی اسم المسیح فقد اہلوا به لغیر الله فوجب ان یحرم، واذا ذبحوا علی اسم الله فظاہر اللفظ یقتضی الحل ولا عبرۃ بغیر اللفظ[1] اھ وقال فی الهندیة عن البدائع لو سمع منه یعنی من الکتابی ذکر اسم الله تعالٰی لکنه عنی بالله تعالٰی وعزوجل المسیح علیه السلام قالوا توکل الااذا نص فقال بسم الله الذی ہو ثالث ثلثة فلا یحل الخ[2]۔ **اقول:**

اللہ وحدہ تعالٰی کے نام اور اسی کا تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے تب بھی اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اور اہل کتاب (یہودی یا عیسائی) اگر اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہوگا اگرچہ وہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کرے۔ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے فرمایا کہ اگر عیسائی مسیح کے نام پر ذبح کریں تو اس نے یقینا غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا، لہٰذا ضروری ہے کہ وہ ذبیحہ حرام ہو۔ اور اگر وہ اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کریں تو ظاہر الفاظ کے اعتبار پر وہ ذبیحہ حلال ہوگا اور غیر لفظ کا اعتبار نہ ہوگا اھ، ہندیہ میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ اگر کتابی عیسائی سے ذبح کے وقت اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس نے اللہ تعالٰی سے مراد مسیح علیہ السلام کو لیا تو فقہاء نے فرمایا کہ اس کا ذبیحہ کھایا جائے گا جب تک کہ صریح الفاظ میں یوں نہ کہے اللہ کے نام سے جو تین میں سے تیسرا ہے۔ اگر صریح طور پر ایسے کہے تب حرام ہوگا الخ **اقول:** (میں کہتا ہوں) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۵

چاہتے ہیں، اس نے اس ذبح سے اسی نوع کا تقرب غیر خدا کی طرف چاہا، تو بھی حرمت ذبیحہ میں کلام نہیں، اگرچہ اس پر زبان سے خالص تکبیر ہی کہی ہو کہ جب اس نے غیر خدا کو معبود قرار دیا یا اس ذبح سے اس کی عبادت کا قصد کیا مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں، مگر نازلہ مسئولہ سائل ان صورتوں سے بری ہے کہ یہ تو یقینا معلوم کہ کوئی کلمہ گو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کی جگہ باسم ظاہر ہرگز نہیں کہتا، نہ زنہار کسی مسلمان پر یہ گمان ہوسکتا ہے کہ وہ غیر خدا کی عبادت چاہے اور ظاہر واہر بھنگیوں وغیرہم کفار کے باطل معبودان کو معاذاللہ معبود قرار دے، تو لاجرم اس نے اللہ ہی کے نام ذبح کیا اور عبادت غیر خدا کا خیال بھی اس کے دل میں نہ آیا، بلکہ اصلا اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کہ اس کی جان دینے سے فقیر مسلم اس معبود باطل کی مجرد تعظیم (جو مثل تعظیم اہل دنیا بوجہ غناء انحائے تعظیم الٰہی سے نہیں ہوسکتی) منظور رکھی ہو، کہ مسئلہ ذبح عند قدوم الامیر کو اس سے تعلق ہوسکے، انصاف یہ ہے کہ اس طرح کے فقیروں کو صرف اپنے کھانے سے غرض ہوتی ہے، کافر بلا کر لے گیا انھوں نے تکبیر کہہ کر بطور مسلمانان ذبح کیا اور اپنے کھانے کے قابل کردیا، اس کے سوا انھیں دوسری نیت فاسدہ کا مرتکب جاننا مسلمان پر نری بدگمانی ہے جو بنص قطعی قرآن حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والسرفیہ ماأشرنا الیہ ان الکتابی لایخرج بھذا عن کونہ کتابیا فتحل اذا جرد التسمیۃ للہ تعالٰی کما ان المشرك لایخرج عن الاشراك بتجرید التسمیۃ فلا تحل وان سمی اللہ تعالٰی اما المسلم لیخرج بھذا القصد عن الاسلام فلا تحل ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

اس میں نکتہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا ہے کہ عیسائی و کتابی خالص اللہ تعالٰی کا نام لینے اور مراد مسیح علیہ السلام لینے پر کتابی ہونے سے باہر نہ ہوگا، لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال جس طرح مشرک خالص اللہ تعالٰی اور اسی کا تقرب مراد لینے سے شرک سے باہر نہ ہوگا لہٰذا اس کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا جبکہ مسلمان غیر اللہ کا تقرب وعبادت مراد لینے پر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے لہٰذا وہ ذبیحہ حلال نہ ہوگا، اس مقام کو یوں سمجھنا مناسب ہے ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[1] الحدیث، رواہ الائمۃ مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) گمان سے دور رہو کہ گمان سے بڑھ کر کوئی بات جھوٹی نہیں الحدیث (اس کو ائمہ مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور دل کے ارادے پر حکم کرنا خصوصا ایسا کہ صراحۃً خلاف ظاہر وموہوم مضمحل بلکہ محض غلط باطل ہے، بیشک جرم عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶"[2]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم أقالھا ام لا[3] اخرجہ مسلم عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ بیشک کان، آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے (ت) (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا (اس کو مسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

سیدی عارف باللہ احمد زروق روح اللہ تعالٰی روحہ فرماتے ہیں:

انما ینشؤا الظن الخبیث عن القلب الخبیث[4] ذکرہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقۃ الندیۃ۔	خبیث گمان خبیث دل سے نکلتا ہے۔ (اس کو سیدی عبدالغنی النابلسی نے حدیقۃ الندیۃ میں ذکر کیا ہے۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۲ و ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الٰہ الا اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۸

[4] الحدیقۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

تفسیر کبیر میں فرمایا:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحه علی اسم الله وجب ان یحل ولا سبیل لنا الی الباطن [1]۔	ہم ظاہر کے مکلّف میں باطن کے نہیں، تو جب اس نے اللہ تعالٰی کے نام پر ذبح کیا تو ضرور حلال ہوگا، ہمیں اس کے باطن کی طرف راہ نہیں ہے۔(ت)

منیہ وذخیرہ وشرح وہبانیہ ودرمختار وغیرہ میں ہے:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بهٰذاالنحر [2]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے اس ذبح سے کسی آدمی کا تقرب چاہاہے۔(ت)

دیکھو ائمہ دین وعلماء معتمدین کیونکر صاف تصریحیں فرماتے ہیں کہ ہمیں باطن کی طرف کوئی راہ نہیں، ظاہر پر عمل کا حکم ہے۔ جب مسلمان نے خدا کا نام لے کر ذبح کیا واجب ہوا کہ ذبیحہ حلال ہو، ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ اس نے ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہا ہو، جبکہ فقہائے عدول کے یہ اقوال خدااور رسول کے وہ ارشاد، تواب سوئے ظن پر بنا نہ کرے گا مگر خبیث الباطن کج نہاد،

"وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾" [3] "وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾" [4]۔	اللہ تعالٰی غافل نہیں اس سے جو تم کرتے ہو، اور اللہ تعالٰی فساد کو پسند نہیں فرماتا ہے۔(ت)

پس صورت مستفسرہ میں وہ ذبیحہ قطعاً حلال ہے، اور اس فقیر اور اس کے ساتھ والوں نے لحم مذکی کھایا نہ مردار، فقہائے کرام نے خاص اس جزئیہ کی تصریح فرمائی کہ مثلاً مجوسی نے اپنے آتشکدے یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے خدا کا نام پاک لے کر ذبح کی بکری حلال ہے۔ کھائی جائے، فتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی تاتارخانیہ وجامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارہم، اوالکافر لالھتھم توکل، لانه سمی الله تعالٰی [5]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی بکری ان کے بتوں کے لئے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی تو وہ کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام کو ذکر کیا ہے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ مصر ۵/ ۲۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۵

[5] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ التتارخانیہ عن جامع الفتاوٰی کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

البتہ مسلمان کے لئے اس صورت میں کراہت لکھتے ہیں، ہندیہ میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے: ویکرہ للمسلم[1] (مسلمان کے لئے کراہت ہے۔ت) ظاہر ہے کہ مسلمان کو ایسا فعل کرنا نہ تھا کہ اس میں بظاہر گویا اس کافر کا کام پورا کرنا اور اس کے زعم میں اس کے قصد مذموم کا آلہ بننا ہے، اگرچہ حقیقت امر بالکل اس کے مباین ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) بالجملہ اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ یہاں صرف وقت ذبح قول ونیت ذابح کا اعتبار ہے۔ اگر ذابح مسلم نے اللہ ہی کے لئے ذبح کیا اور وقت ذبح اللہ ہی کا نام لیا تو ذبیحہ قطعاً حلال۔ اگرچہ مالک نے کسی کے نام پر مشہور کر رکھا ہو۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَالَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اللہ تعالٰی کے نام پر ذبیحہ کو نہیں کھاتے۔(ت)

یوں ہی کتابی کا ذبیحہ، اگر وقت ذبح خالص نام خدا لے۔

قال تعالٰی "طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ"[3]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اہل کتاب کا طعام تمھارے لئے حلال ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ میں کہ کھال مذبوح حلال مثل گائے، بھینس، بکری، مرغ وغیرہ کے حلال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مذبوح حلال جانور کی کھال بیشک حلال ہے۔ شرعاً اس کا کھانا ممنوع نہیں اگرچہ گائے، بھینس بکری کی کھال کھانے کے قابل نہیں ہوتی۔

فی الدرالمختار اذا ماذکیت شاۃ فکلھا * سوی سبع ففیھن الوبال، فحاء ثم خاء ثم غین * ودال ثم میمان وذال[4] انتھی فالحاء الحیاء	درمختار میں ہے جب بکری ذبح کی گئی تو سات اجزاء جن میں وبال ہے کے ماسوا کو کھاؤ، سات یہ ہیں: ح، پھر خ، پھر غ، اور د، پھر دو میم، اور ذ انتہی حا حیاء کی

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶ /۱۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/۵

[4] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۴۹

وھو الفرج، والخاء الخصیۃ، والغین الغدۃ، والدال الدم المسفوح، والمیمان المرارۃ والمثانۃ، والذال الذکر۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	وہ شرگاہ، خاء خصیہ کی، غین غدود کی، دال دم مفسوخ کی، اور دو میم مرارہ (پتہ) اور مثانہ، اور ذال ذکر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۸۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدن حیوان ماکول اللحم میں کیا کیا چیزیں مکروہ ہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سات چیزیں تو حدیثوں میں شمار کی گئیں: (۱) مرارہ یعنی پتہ (۲) مثانہ یعنی پھکنا (۳) حیاء یعنی فرج (۴) ذکر (۵) انثیین (۶) غدہ (۷) دم یعنی خون مسفوح۔

اخرج الطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو ابن عدی۔ والبیھقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ من الشاۃ سبعا المرارۃ والمثانۃ والحیاء والذکر والانثیین والغدۃ والدم وکان احب الشاۃ الیہ مقدمھا[1]۔	طبرانی نے معجم الاوسط میں عبداللہ بن عمرو اور ابن عدی سے اور بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذبیحہ جانور کے سات اجزاء کو مکروہ فرماتے تھے سات یہ ہیں: مرارہ (پتہ) مثانہ، حیاء (شرمگاہ) ذکر، خصیے، غدود اور خون، اور آپ کو بکری ذبیحہ کا مقدم حصہ پسند تھا۔ (ت)

ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون تو حرام ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی تحریم منصوص، اور باقی چیزیں میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ سلیم الطبع لوگ ان سے گھن کرتے ہیں اور انھیں گندی سمجھتے ہیں، اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَیُحَرِّمُ عَلَیۡهِمُ الۡخَبٰٓئِثَ"[2] یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان پر سب گندی چیزیں حرام فرمائیگا، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اما الدم	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا لیکن خون

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/ ۲۱۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

فحرام بالنص واکرہ الباقیة لانها مما تستخبثه الانفس [1]۔قال اللہ تعالٰی "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" [2]۔	تو وہ حرام ہے قرآنی نص سے ثابت ہے اور باقی کو میں مکروہ تحریمہ سمجھتا ہوں کیونکہ ان سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور جبکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا "وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (ت)

اسی طرح ینابیع میں ہے کما سیأتی (جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) اور مختار و معتمد یہ ہے کہ کراہت سے مراد کراہت تحریمی ہے یہاں تک کہ امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ نے بلفظ حرمت تعبیر کی۔ عالمگیری میں ہے:

اما بیان مایحرم اکله من اجزاء الحیوان سبعة الدم المسفوح والذکر و الانثیان والقبل والغدة والمثانة و المرارة [3]۔	لیکن یہ بیان کہ حیوان کے اجزاء میں سے جن کا کھانا حرام ہے وہ سات ہیں: بہنے والا خون، ذکر، خصیے، شرمگاہ، غدود، مثانہ اور پتہ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

کرہ تحریما من الشاۃ سبع. الخ [4]۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

وقیل تنزیها والاول اوجه [5]۔	بعض نے کہا مکروہ تنزیہی ہیں جبکہ پہلا قول زیادہ معتبر ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وهو ظاهر اطلاق المتون الکراهة [6]۔	یہی ظاہر ہے کہ متون نے کراہت کو مطلق ذکر کیا۔ (ت)

مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں ہے:

المکروہ تحریما من الشاۃ سبع [7] الخ۔	بکری کے سات اجزاء مکروہ تحریمی ہیں۔ (ت)

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ البدائع کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[4] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

[5] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۹

[6] ردالمحتار مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۷

[7] مغنی المستفتی عن سوال المفتی

یہ تو سات ؎ بہت کتب مذہب، متون وشروح وفتاوٰی میں مصرح اور علامہ قاضی بدیع خوارزمی صاحب غنیہ الفقہاء وعلامہ شمس الدین محمد قہستانی شارح نقایہ وعلامہ محمد سیدی احمد مصری محشّی در مختار وغیرہم علماء نے دو چیزیں اور زیادہ فرمائیں (۸) نخاع الصلب یعنی حرام مغز اس کی کراہت نصاب الاحتساب میں بھی ہے (۹) گردن کے دو پٹھے جو شانوں تک ممتد ہوتے ہیں، اور فاضلین اخیرین وغیرہما نے تین اور بڑھائیں (۱۰) خون جگر (۱۱) خون طحال (۱۲) خون گوشت یعنی دم مسفوح نکل جانے کے بعد جو خون گوشت میں رہ جاتا ہے۔ بحر المحیط میں ہے:

الغدد والذکر والانثیان والمثانۃ و العصبان اللذان فی العنق والمرارۃ والقصیب مکروہ [1] اھ ملخصا۔	غدود، ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ، پیٹھ کا گودا مکروہ ہیں اھ ملخصا (ت)

جامع الرموز میں اس کے بعد ہے:

وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحال [2]۔	یوں ہی وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے (ت)

ذبائح الطحطاوی میں ہے:

الذکر والانثیان والمثانۃ والعصبان اللذان فی العنق والمرارۃ تحل مع الکراہۃ، وکذا الدم الذی یخرج من اللحم والکبد والطحان دون الدم المسفوح، وھل الکراھۃ تحریمیۃ اوتنزیھیۃ قولان [3]۔	ذکر، خصیے، مثانہ، گردن کے دو پٹھے، پتہ کراہت کے ساتھ حلال ہیں، اسی طرح وہ خون جو گوشت، جگر اور تلی سے نکلے جو بہنے والے خون سے بچا ہوا ہو، اور کیا یہ کراہت تحریمی یا تنزیہی دو قول ہیں (ت)

اسی میں مسائل شتی میں ہے: وزید نخاع الصلب [4] (اور مزید پیٹھ کا گودا۔ ت)

اقول: وباللّٰہ التوفیق وبہ الوصول الی اوج التحقیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی تحقیق کی بلندی تک وصول ہے۔ ت) علماء کی ان زیادت سے ظاہر ہو گیا کہ سات میں حصر مقصود نہ تھا۔

---

[1] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[2] جامع الرموز بحوالہ المحیط کتاب الذبائح مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۵۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی مکتبہ عربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۰

بلکہ صرف باتباع نظم حدیث ونص امام ان پر اقتصار واقع ہوا، اور خود ان علمائے زائدین نے بھی قصد استیعاب نہ فرمایا، یہ امر انھیں عبارات مذکورہ سے ظاہر، اور اس پر دوسری دلیل واضح یہ کہ جگر وطحال و گوشت کے خون گنے اور (۱۳) خون قلب چھوڑ گئے حالانکہ وہ قطعاً ان کے مثل ہے۔ یہاں تک کہ عتابیہ وخزانۃ وقنیہ وغیرہا میں اس کی نجاست پر جزم کیا، اور اسی طرح امام برہان الدین فرغانی صاحب ہدایہ نے کتاب التجنیس والمزید میں فرمایا، اگرچہ روضہ ناطفی ومراقی الفلاح ودرمختار وردالمحتار و غیرہا اسفار میں طہارت کو مختار رکھا، اور ظاہر ہے کہ نجاست مثبت حرمت ہے اور طہارت مفید حلت نہیں، حلیہ میں ہے:

فی القنیۃ دم قلب الشاۃ نجس والیہ مال کلام صاحب الہدایۃ فی التجنیس وفی خزانۃ الفتاوٰی دم القلب نجس ودم الکبد والطحال لا[1]۔	قنیہ میں ہے بکری کے دل کا خون نجس ہے۔ تجنیس میں صاحب ہدایہ کا میلان اسی طرف ہے۔ اور خزانۃ الفتاوٰی میں ہے کہ دل کا خون نجس ہے تلی اور جگر کا خون نجس نہیں ہے۔ (ت)

رحمانیہ میں ہے:

فی العتابیۃ دم القلب نجس، ودم الکبد والطحال لا[2]۔	عتابیہ میں ہے دل کا خون نجس ہے۔ جگر اور تلی کا خون نجس نہیں۔ (ت)

اور نیز عدم حصر پر ایک اور دلیل قاطع یہ ہے کہ عامہ کتب میں دم مسفوح، اور ان کتابوں میں دم لحم وکبد وطحال کو شمار کیا، تو اس سے واضح کہ کلام اعضاء سے اخلاط تک متجاوز ہوا، اور بیشک اخلاط سے (۱۴) مرہ بھی ہے یعنی وہ زرد پانی کہ پتہ میں ہوتا ہے جسے صفر کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کتاب الطہارۃ میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا حکم مثل پیشاب کے ہے، بلکہ بعض نے تو مثل خون کے ٹھہرایا، درمختار میں ہے: مرارۃ فی حیوان کبولہ[3] (حیوان کا پتہ پیشاب کی مانند ہے۔ ت) حلیہ میں ہے:

قیل مرارۃ الشاۃ کالدم وقیل کبولہا خفیفۃ عندہما، طاہرۃ عند محمد[4]۔	بعض نے کہا ہے پتہ جانور کا خون کی طرح ہے۔ بعض نے کہا پیشاب کی طرح ہے۔ شیخین کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک پاک ہے۔ (ت)

---

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] رحمانیہ

[3] درمختار کتاب الطہارۃ باب الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[4] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

بہر حال کھانا اس کا بیشک ناجائز ہے کما ھوالمذہب فی البول (جیسا کہ پیشاب کے بارے میں ان کا مذہب ہے۔ت) باوجود اس کے یہاں شمار میں نہ آیا، یونہی اخلاط سے بلغم ہے کہ جب براہ بینی مندفع ہو، جیسے بھیڑ وغیرہ میں مشاہد ہے۔ اسے عربی میں مخاط اور فارسی میں آب بینی کہتے ہیں، (۱۵) اس کا کھانا بھی یقینا ناجائز، صرح بہ فی العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ (یہی تصریح عقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ میں ہے۔ت) یہ بھی یہاں غیر معدود اور منجملہ دماء، (۱۶) وہ خون بھی ہے جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے منجمد ہو کر علقہ نام رکھا جاتا ہے۔ وہ بھی قطعاً حرام۔ نہایہ و تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

العلقۃ والمضغۃ نجسان کالمنی[1]۔	علقہ (منجمد خون) اور مضغہ (ابتداء تخلیق کا خون اور لوتھڑا) منی کی طرح ناپاک ہے۔ (ت)

یہ بھی نہ گنا گیا، تو واضح ہو گیا کہ عامہ کتب میں لفظ سبع (سات) صرف باتباع حدیث ہے۔ جس طرح کتب کثیرہ میں شاۃ (بکری) کی قید، کما مر عن تنویر الابصار ومغنی المستفتی ومثلہ فی غیرھما (جیسا کہ تنویر الابصار اور مغنی المستفتی سے گزرا، اور اس کی مثل ان کے غیر میں ہے۔ت) حالانکہ حکم صرف بکری سے خاص نہیں، یقینا سب جانوروں کا یہی حکم ہے، حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قولہ من الشاۃ ذکر الشاۃ اتفاق لان الحکم لا یختلف فی غیرہا من الماکولات[2]۔	بکری کا ذکر اتفاقی ہے کیونکہ دوسرے جانورں کے ماکولات میں فرق نہیں (ت)

تو جیسے لفظ شاۃ محض باتباع حدیث واقع ہوا، اور اس کا مفہوم مراد نہیں، یونہی لفظ سبع اور اہل علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحوٰی یا اجرائے علت منصوصہ خاصہ مجتہد نہیں، کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی تبعا لمن تقدمہ من الاعلام (جیسا کہ اس پر علامہ طحطاوی نے اپنے گزرے ہوئے بزرگوں کی اتباع میں نص کی ہے۔ت) اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اشیاء ستہ کی علت کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب فقیر متوکلا علی اللہ تعالٰی کوئی محل شک نہیں جانتا کہ دُبر یعنی پاخانے کا مقام، کرش یعنی اوجھڑی، امعاء یعنی آنتیں بھی اس حکم کراہت میں داخل ہیں، بیشک دُبر فرج وذکر سے اور کرکش و امعاء مثانہ سے اگر خباثت میں زائد نہیں تو کسی

---

[1] ردالمحتار بحوالہ نہایہ وزیلعی کتاب الطہارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مسائل شتی دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۰

طرح کم بھی نہیں، فرج وذکر اگر گزرگاہ بول ومنی ہیں دُبر گزرگاہ سرگین ہے، مثانہ اگر معدن بول ہے شکنبہ ورودہ مخزن فرث ہے اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھئے خواہ اجرائے علت منصوصہ، **الحمدللہ** بعداس کے فقیر نے ینابیع سے تصریح پائی، کہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دبر کی کراہت پر تنصیص فرمائی، رحمانیہ میں ہے:

فی الینابیع کرہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الشاۃ سبعۃ اشیاء الذکر والانثیین والقبل والدبر والغدۃ و المثانۃ والدم، قال ابوحنیفۃ الدم حرام بالنص، والستۃ نکرہھا لانھا تکرہھا الطبائع[1]۔	ینابیع میں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکری کے سات اجزاء ذکر، خصیے، مادہ کی شرمگاہ، پاخانہ کی جگہ، غدود، مثانہ اور خون کو مکروہ فرمایا، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خون نص کے ذریعہ حرام اور باقی چھ کو ہم مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ طبائع ان سے نفرت کرتے ہیں۔(ت)

(۲۰) وہ گوشت کا ٹکڑا جو رحم میں نطفہ سے بنتا ہے جسے مضغہ کہتے ہیں، اجزائے حیوان سے ہے۔ اور وہ بھی بلاشبہ حرام عام ازیں کہ مخلقہ ہو یا غیر مخلقہ، یعنی ہنوز اس میں اعضاء کی کلیاں پھوٹی ہوں یا صرف لوتھڑا ہو،

فقد اسلفنا عن السغناقی والزیلعی والشامی انھا نجسۃ، ومعلوم ان کل نجس حرام، وقد قال فی الھدایۃ فی الجنین التام الخلقۃ انہ جزء من الام حقیقۃ لانہ متصل بھا حتی یفصل بالمقراض[2] الخ **قلت** ویدل علیہ صحۃ الاستثناء وھو حقیقۃ فی الاتصال واذا کان ذٰلک کذالک فالمضغۃ اولی بالجزئیۃ، وھذا یدل ان السبع لم تستوعب الاجزاء، فضلا من الاخلاط اخوات الدماء۔	ہم سغناقی، زیلعی اور شامی سے پہلے نقل کرچکے ہیں کہ وہ نجس ہے۔ اور ہر نجس کا حرام ہونا معلوم ہے اور ہدایہ میں فرماچکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں مکمل خلقت بچہ ماں کا جز ہے کیونکہ وہ حقیقی جز ہے حتی کہ اس کو کاٹ کر جدا کیا جاتا ہے، **میں کہتاہوں** اور اس پر استثناء کی صحت دلالت کرتی ہے اور استثناء کی حقیقت اتصال ہے تو جب معاملہ یوں ہے تو مضغہ بطریق اولٰی ماں کا جز ہے۔ اس سے اس بات پر دلالت ہے کہ سات کا عدد پورے اجزاء کو شامل نہیں چہ جائیکہ خون کی آمیزش سے پیدا ہونے والے امور کو شامل ہوں۔(ت)

[1] رحمانیہ

[2] الہدایہ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

(۲۱) ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بچہ تام الخلقۃ بھی کہ من وجہ جزوحیوان ہے **یتصل بالام ویتغذی بغذائھا، ویتنفس بتنفسھا** (ماں سے متصل ماں کی ماں کی غذا سے اور اس کی سانس سے سانس پاتا ہے۔ت) حرام ہے خواہ اس کے پوست پر بال آئے ہوں یا نہیں، مگر جبکہ زندہ نکلے اور ذبح کرلیں، ہدایہ میں ہے:

من نحر ناقۃ اوذبح بقرۃ، فوجد فی بطنھا جنینا میتا لم یوکل، اشعر اولم یشعر [1]۔	جس نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ ہو تو نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں۔(ت)

شامی میں علقہ ومضغہ کی نجاست لکھ کر فرماتے ہیں: **وکذا الولد اذالم یستھل** [2] (یونہی بچہ جب نہ چیخے۔ت)

(۲۲) یونہی نطفہ بھی حرام ہے خواہ نر کی منی مادہ کے رحم میں پائی جائے یا خود اسی جانور کی منی ہو، ردالمحتار میں ہے:

فی البحر والتتارخانیۃ ان منی کل حیوان نجس [3]۔	بحر اور تتارخانیہ میں ہے کہ ہر حیوان کی منی نجس ہے۔(ت)

اب سات کے سہ گونہ سے بھی عدد بڑھ گیا اور ہنوز اور زیادات ممکن وہ سات اشیاء حدیث میں آئیں، اور پانچ چیزیں کہ علماء نے بڑھائیں، اور دس فقیر نے زیادہ کیں، ان بائیس مسائل اور باقی فروع وتفاریع سب کی تفصیل تام وتحقیق تمام فقیر کے رسالہ **المنح الملیحۃ فیما نھی من اجزاء الذبیحۃ** میں دیکھی جائے، **الحمدللہ ما الھم، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۹۰: از جڑودہ ضلع میرٹھ مرسلہ سید صابر جیلانی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جانور کی کون سی چیز جائز اور حلال ہے اور کون سی چیز ناجائز وحرام ہے؟

الجواب:

حلال جانور کے سب اجزاء حلال ہیں مگر بعض کہ حرام یا ممنوع یا مکروہ ہیں (۱) رگوں کا خون (۲) پتّا

---

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۸

(۳) بُھکنا (۴) و (۵) علامات مادہ ونر (۶) بیضے (۷) غدود (۸) حرام مغز (۹) گردن کے دو پٹھے کہ شانوں تک کھنچے ہوتے ہیں (۱۰) جگر کا خون (۱۱) تلی کا خون (۱۲) گوشت کا خون کہ بعد ذبح گوشت میں سے لکھتا ہے (۱۳) دل کا خون (۱۴) پت یعنی وہ زرد پانی کہ پتے میں ہوتا ہے (۱۵) ناک کی رطوبت کہ بھیڑ میں اکثر ہوتی ہے (۱۶) پاخانہ کا مقام (۱۷) او جھڑی (۱۸) آنتیں (۱۹) نطفہ (۲۰) وہ نطفہ کہ خون ہوگیا (۲۱) وہ کہ گوشت کا لوتھڑا ہوگیا (۲۲) وہ کہ پورا جانور بن گیا اور مردہ نکلا یا بے ذبح مرگیا۔

مسئلہ ۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زندہ جانور کا کوئی عضو مثلاً دنبہ کی چکی کاٹ کر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

جو عضو مچھلی اور ٹیڑی کے سوا کسی زندہ جانور سے جدا کرلیا جائے مردہ ہے اور کھانا اس کا حرام۔

رواہ الحافظ ابو عیسٰی محمد الترمذی عن ابی واقد اللیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قدم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ وھم یحبون اسنمۃ الابل، ویقطعون الیات الغنم فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مایقطع من البیھمۃ وھی حیۃ فھو میتۃ. قال الحافظ والعمل علی ہذا عند اھل العلم [1] فی الھدایۃ فی مسائل السمك اذا قطع بعضھا فمات یحل اکل ما ابین ومابقی لان موتہ بافۃ وما ابین من الحی، وان کان میتا فمیتتہ حلال [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔	ابو عیسٰی محمد ترمذی نے ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ زندہ اونٹوں کی کہانوں اور دنبوں کی چکیوں کو کاٹ کھانا پسند کرتے تھے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: زندہ جانور کا کاٹا ہوا حصہ مردار ہو حافظ ترمذی نے فرمایا: اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے ہدایہ کے مچھلی کے مسائل میں ہے کہ اگر مچھلی کا کچھ حصہ کاٹ کر جدا کرلیا اور مچھلی مرجائے تو اس کے دونوں ٹکڑے حلال ہیں کیونکہ اس کی موت سماوی ہوتی ہے تو زندہ سے ٹکڑا جدا کیا ہوا اگرچہ مردہ ہے لیکن اس کا مردہ حلال ہے۔ اللہ تعالٰی حقیقت حال بہتر جانتا ہے۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی ماقطع من الحی فھو میت امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۷۹

[2] الھدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ دہلی ۴/ ۴۴۱

مسئلہ ۹۲: موضع بکہ جیبی والا، علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ذبح کس شخص کا جائز اور کس کا ناجائز ہے؟

الجواب:

جن، مرتد، مشرک، مجوسی، مجنون، ناسمجھ اور اس شخص کا جو قصداً تکبیر ترک کرے ذبیحہ حرام و مردار ہے۔ اور ان کے غیر کا حلال جبکہ رگیں ٹھیک کٹ جائیں، اگرچہ ذابح عورت یا سمجھ والا بچہ یا گونگا یا بے ختنہ ہو، اور اگر ذبیحہ صید ہو تو یہ بھی شرط ہے کہ ذبح حرم میں نہ ہو، ذابح احرام میں نہ ہو،

فی الدرالمختار شرط کون الذابح مسلما حلالا اوکتابیا ولومجنونا اوامرأۃ اوصبیا یعقل التسمیۃ والذبح ویقدر اواقلف اواخرس لاوثنی ومجوسی ومرتد وجنی وتارك تسمیۃ عمدا [1] اھ ملخصا فی رد المحتار، قولہ مجنونا، المراد بہ المعتوہ کما فی العنایۃ عن النہایۃ لان المجنون لاقصد لہ ولانیۃ لان التسمیۃ شرط بالنص وھی بالقصد [2] الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے ذبح کرنے والے مسلمان کا حالت احرام میں نہ ہونا، یا کتابی ہوا گرچہ مجنون ہو یا عورت ہو یا بچہ عقلمند ہو جو بسم اللہ وذبح کو سمجھتا ہو اور قادر ہو، بے سنت ہو یا گونگا ہو، بت پرست، مجوسی، مرتد، جن اور قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والا نہ ہو اھ ملخصاً، ردالمحتار میں ہے اس کا قول "مجنون ہو" سے مراد معتوہ (نیم پاگل) ہے کیونکہ مکمل مجنون کا قصد نہیں ہوتا اور نہ نیت ہوتی جیسا کہ عنایہ میں نہایہ سے ہے کیونکہ قصد کے بغیر بسم اللہ کی شرط پوری نہیں ہوتی جبکہ بسم اللہ پڑھنا نص سے ثابت ہے الخ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۳: ازاوجین مرسلہ ملایعقوب علی خاں یکم رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے نامدار مفتیان ذوی الاقتدار اس مسئلہ میں کہ اقوام بواہر اور عورات اور خروعنی عـــہ اور کتابی اور مجوسی اور نصرانی اور مردم مشرک، یہ سب بہ تکبیر اللہ اکبر ذبح کریں درست ہے یا نہیں؟ اور اہل علم ذبح کرے اور ہندو جانور کو دبائے تو مددگار اور ذابح دونوں پر تکبیر کہنا واجب ہے یا فقط ذبح کنندہ

عـــہ: ھکذا فی الاصل ۱۲۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

پر؟اور سوائے ذابح کے اور نے تکبیر نہ کہی تو وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ بسند عبارت کتب بیان فرمائیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسلمان وکتابی کا ذبیحہ حلال ہے اگرچہ عورت یا عنین ہو اور ان کے سوا مشرک مجوسی، مرتد کسی کا ذبیحہ اصلا حلال نہیں اگرچہ تکبیر کہہ کر ذبح کریں، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ولو امرأۃ لاذبیحۃ غیر کتابی من وثنی ومجوسی ومرتد[1] اھ ملخصًا۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا اگرچہ عورت ہو، شرط ہے، کافر غیر کتابی مثلا بت پرست، مجوسی اور مرتد نہ ہو، اھ ملحصًا۔(ت)

قوم بوہرہ میں جو شخص صرف بدعت رفض وغیرہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ضروریات دین کا منکر نہ ہو تو اس کا بھی ذبیحہ حلال، کہ اگرچہ بدعتی مذہب ہے مگر اسلام رکھتا ہے، اور اگر ضروریات دین سے کسی امر کا انکار کرے گو دعوی اسلام رکھتا اور کلمہ طیبہ پڑھتا ہو، جیسے آج کل اکثر روافض زمانہ کا حال ہے تو کافر مرتد ہے اور اس کا ذبیحہ حرام مطلقًا **کما حققناہ فی السیر من فتاوٰنا بتوفیق اللہ سبحٰنہ تعالٰی** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق کی ہے۔ بتوفیق اللہ تعالٰی۔ت) نصارٰی زمانہ کہ علی الاعلان الوہیت وابنیت بندہ خدا وزادہ کنیز خدا سیدنا مسیح عیسی بن مریم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہیں، ان کے بارہ میں مختلف بہت مشائخ کرام ان کے ذبیحہ کو حرام فرماتے ہیں یہاں تک کہ کہا گیا اسی پر فتوٰی ہے، مگر ظاہر الروایہ اطلاق حل ہے **والتحقیق فی سیر فتاوٰنا** (اور ہمارے فتاوٰی کے باب سیر میں اس کی تحقیق ہے۔ت) بہرحال اس قدر ضروری ہے کہ مسلمان کو ان کے ذبیحہ سے احتراز چاہئے، بلکہ مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیۃ قبحہم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورۃ متحقق، والاحتیاط واجب لان فی حل ذبیحتہم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی[2]۔	ہمارے زمانے میں نصرانی عیسٰی علیہ السلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے جبکہ عدم ضرورت بھی متحقق ہے اور واجب ہے کیونکہ ان کے ذبیحہ میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے لہذا حرام ہونے کا پہلو اولٰی ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] مجمع الانہر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

پھر یہ بھی اس حالت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں ورنہ جانور کو گلا گھونٹ کرمار ڈالا، یا گلے میں ایک طرف چھری بھونک دی رگیں نہ کاٹیں جیسا کہ فقیر نے جہاز میں بچشم خود معائنہ کیا تو اس کے حرام قطعی ہونے میں اصلا کلام نہیں کہ ایسا مقتول تو مسلمان کے ہاتھ کا بھی مردار ہے نہ کہ کافر کا، اور جو شخص جانور کو دبائے، یا ہاتھ پاؤں پکڑے ایسے مددگار پر تکبیر ضرور نہیں، نہ اس کے ہندو وغیرہ ہونے سے کچھ حرج کہ وہ ذابح نہیں، ہاں جو نفس فعل ذبح میں مدد دے یعنی ذابح کا ہاتھ مثلا کمزور تھا اس نے بھی اس کے ساتھ چھری پر ہاتھ رکھ کر پھیرا کہ دونوں کے فعل سے ذبح واقع ہوا، تو ایسی حالت میں دونوں پر تکبیر لازم ہے۔ان میں جو قصدا تکبیر نہ کہے گا یا حرام الذبیحۃ مثلا ہندو، مجوسی، مرتد ہوگا تو جانور حرام مردار ہوجائے گا، درمختار میں ہے:

تشترط التسمیۃ من الذابح[1] (ذابح کا تسمیہ پڑھنا شرط ہے۔ت) اسی میں ہے:

ارادالتضحیۃ فوضع یدہ مع یدالقصاب فی الذبح و اعانہ علی الذبح سمی کل وجوبا فلو ترکھا احدھما او ظن ان تسمیۃ احدھما تکفی حرمت[2]۔**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔	قربانی کے ارادے سے اپنا ہاتھ قصاب کے ہاتھ کے ساتھ ذبح کرنے میں شریک کیا اور ذبح میں مدد کی تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے اگر ایک نے پڑھنا ترک کیا یا یہ خیال کیا کہ ایک کا پڑھنا کافی ہے تو ذبیحہ حرام ہوگا **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۹۴: از گلگت چھاؤنی جوئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۷ شعبان معظم ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ کے یہاں کا ذبح کرا کھانا، دیگر جس کا عقیدہ درست نہ ہو اس کا ذبح کھانا کیسا ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

آج کل کے رافضی تبرائی علی العموم کافر مرتد ہیں، شاید ان میں گنتی کے ایسے نکلیں جو اسلام سے کچھ حصہ رکھتے ہوں، ان کا عام عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن شریف جو بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد پورا نہ رہا، اس میں سے کچھ پارے یا سورتیں یا آیتیں صحابہ کرام اور اہلسنت نے **معاذ اللہ** کم کردیں، اور یہ بھی ان کے چھوٹے بڑے سب مانتے ہیں کہ حضرت مولا علی ودیگر ائمہ اطہار کرم اللہ تعالٰی وجوہہم اگلے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل تھے، یہ دونوں عقیدے خالص کفر ہیں جو شخص

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

قرآن مجید سے ایک حرف، ایک نقطہ کی نسبت ادنٰی احتمال کے طور پر کہے کہ شاید کسی نے گھٹا دیا یا بڑھا دیا یا بدل دیا ہو وہ کافر ہے اور قرآن عظیم کا منکر، یونہی جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل بتائے وہ بھی کافر، اور جبکہ ان اشقیاء نے باوصف ادعائے اسلام عقائد کفر اختیار کئے تو مرتد ہوئے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

ھؤلاء القوم خارجون عن ملة الاسلام و احکامھم احکام المرتدین[1]۔	یہ قوم ملت اسلامیہ سے خارج ہے ان کے احکام مرتدین والے ہیں۔ (ت)

اور مرتد کے ہاتھ کا ذبیحہ نرا حرام و مردار سوئر کی مانند ہے اگرچہ اس نے لاکھ تکبیریں پڑھ کر ذبح کیا ہو، در مختار میں ہے:

لاتحل ذبیحة غیر کتابی من وثنی ومجوسی و مرتد[2]۔	غیر کتابی کا ذبیحہ حلال نہیں ہے خواہ وہ بت پرست ہو مجوسی ہو یا مرتد ہو۔ (ت)

اسی طرح جس مذہب کا عقیدہ حد کفر تک پہنچا ہو، جیسے نیچیری کہ وجود ملائکہ و وجود جن و وجود شیطان و وجود آسمان و صحت معجزاتِ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و حشر و نشر و جنت و نار بطور عقائد اسلام وغیرہا بہت ضروریات دینیہ سے منکر ہیں۔ یونہی وہ وہابی کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل سات یا چھ یا دو یا ایک خاتم النبیین کسی طبقہ زمین میں کبھی موجود مانے یا ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبوت ملنی جائز جانے اور اسے آیۃ وخاتم النبیین کے مخالف نہ سمجھے، یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین شان اقدس کے لئے حضور کو بڑا بھائی، اپنے آپ کو چھوٹا بھائی کہے، یا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت یہ ناپاک کلمہ لکھے کہ مر کر مٹی میں مل گئے، وعلی ہذا القیاس جو بد مذہب ضروریات دین اسلام میں سے کسی عقیدہ کا منکر ہو یا اس میں شرک کرے یا تاویلیں گھڑے، باجماع تمام علماء اسلام وہ سب کے سب کافر و مرتد ہیں اگرچہ لوگوں کے سامنے کلمہ، نماز قرآن پڑھتے، روزہ رکھتے، اپنے آپ کو سچا پکا مسلمان جتاتے ہوں کہ جب وہ ضروریات اسلام کے منکر ہوئے تو انھوں نے خدا اور رسول و قرآن کو صاف صاف جھٹلایا، پھر یہ جھوٹے طور پر کلمہ وغیرہ کیا نفع دے سکتا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی منافق لوگ کلمہ و نماز پڑھتے اور اپنے آپ کو قسمیں کھا کھا کر مسلمان بتاتے تھے اور اللہ تعالٰی نے ان کی ایک نہ سنی اور صاف فرمایا "وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۟ۚ"[3] اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ نرا جھوٹا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] در مختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

دعوی اسلام کرتے ہیں:

خاص ایسے لوگوں کے کفر میں ہرگز شک نہ کیا جائے کہ جو ان کے عقیدہ پر مطلع ہو کر پھر سمجھ بوجھ کر ان کے کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہوجاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

من شك فی کفرہ وعذابه فقد کفر[1] اھ واما ارتدادہم فھو الصحیح الثابت المنصوص علیه کما اوضحناہ بتوفیق الله تعالٰی فی السیر من فتاوٰینا وفی رسالتنا "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ"۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ کافر ہے اھ لیکن ان کا ارتداد تو صحیح ثابت منصوص علیہ ہے جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کے باب السیر میں واضح کر دیا ہے نیز اس اپنے رسالہ "المقالۃ المسفرۃ عن احکام البدعۃ المکفرۃ" میں بیان کیا ہے۔ (ت)

اس قسم کے ہر بدمذہب کا ذبیحہ مردار وحرام، ان کے ساتھ نکاح حرام وباطل ومحض زنا، ان کے ساتھ کھانا پینا بیٹھنا اٹھنا، ملنا جلنا، کوئی برتاؤ مسلمان کا سا کرنا ہرگز ہرگز کسی طرح جائز نہیں، ہاں جو مذہب دین اسلام کی ضروری باتوں سے کسی بات میں شک نہ کرتا ہو، صرف ان سے نیچے درجہ کے عقیدوں میں مخالف ہوں، جیسے رافضیوں میں تفضیلی، یا وہابیوں میں اسحاقی وغیرہم وہ اگرچہ گمراہ ہے کافر نہیں اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: از گونڈہ ملک اودھ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۱۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

یہ جو اکثر کتب دینیہ میں لکھا ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ درست ہے تو آج کل یہود ونصارٰی جو ہیں ان کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

شک نہیں کہ نصارٰی الوہیت وابنیت عبداللہ وابن امتہ، سیدنا مسیح ابن مریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاف تصریح کرتے ہیں جو نصارٰی ایسے ہیں اور یوہیں وہ یہود کہ ابنیت عبداللہ عزیر علیہ الصلوۃ والسلام مانیں ان کا ذبیحہ حلال ہونے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے، جمہور مشائخ جانب حرمت گئے اور کہا گیا کہ اسی پر فتوی ہے۔ اور بکثرت محققین تحقیق جواز فرماتے ہیں کہ یہی ظاہر الروایۃ اور یہی اقوی من حیث الدلیل ہے

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

وقد حققناه فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعة الیه (ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے اور اس کی طرف مراجعت کی جائے۔ت) مستصفی میں ہے:

فی مبسوط شیخ الاسلام یجب ان لایاکلوا ذبائح اہل الکتاب اذا اعتقدوا ان المسیح الٰہ، وان عزیرا الٰہ، و لایتزوجوا نسائھم، وقیل علیه الفتوی لکن بالنظر الی الدلائل ینبغی ان یجوز الاکل والتزوج[1]۔	شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے جب کہ اہل کتاب کا عقیدہ ہو کہ مسیح علیہ السلام اللہ ہے، توان کے ذبیحہ کومت کھاؤاور ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔اور یوں اگر عزیر علیہ السلام کو الٰہ کہتے ہوں، بعض کے نزدیک اس پر فتوٰی ہے لیکن دلائل کی روشنی میں کھانااور نکاح کرنا جائز ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

صح نکاح کتابیة، وان اعتقدوا المسیح الٰھا، وکذا حل ذبیحتھم علی المذھب بحر[2] اھ مختصرًا۔	کتابیہ عورت سے نکاح جائز ہے اگرچہ وہ مسیح کے الٰہ ہونے کا عقیدہ رکھے، یونہی ان کا ذبیحہ مذہب میں جائز ہے بحر اھ مختصرًا۔(ت)

ہاں کراہت میں شک نہیں کہ جب بیضرورت کتابی خالص کے ذبیحے کو علماء ناپسند کرتے ہیں تو یہ بدتر درجے میں ہیں، فتح القدیر میں ہے:

یجوز تزوج الکتابیات والاولٰی ان لایفعل، ولایاکل ذبیحتھم الا لضرورة[3]۔	کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے اور اولٰی یہ ہے کہ نہ کیا جائے اور ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے، ماسوائے ضرورت کے۔(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

النصارٰی فی زماننا یصرحون بالابنیة قبحھم اللہ تعالٰی، وعدم الضرورة متحقق، والاحتیاط واجب۔ لان	ہمارے زمانہ کے نصرانی عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابنیت کی تصریح کرتے ہیں اللہ تعالٰی ان کو قبیح کرے۔ ضرورت بھی متحقق نہیں ہے اور احتیاط واجب ہے کیونکہ ان کے

[1] ردالمحتار بحوالہ المستصفٰی کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[2] درمختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۹

[3] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۳۵

فی حل ذبیحتھم اختلاف العلماء کما بیناہ فالاخذ بجانب الحرمۃ اولی عند عدم الضرورۃ[1]۔	ذبیحہ کے حلال ہونے میں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ضرورت نہ ہو تو حرمت کی جانب کو ترجیح ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ ذبح بطور ذبح کریں، اور وقت ذبح خالص اللہ عزوجل کا نام پاک لیں، مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریک نہ کریں اگرچہ دل میں مسیح ہی کو خدا جانیں، بالجملہ نہ قصداً تکبیر چھوڑیں نہ تکبیر میں شرک ظاہر کریں ورنہ جو ذبیحہ ان شرائط سے خالی ہو وہ مسلمان کا بھی حرام و مردار ہوتا ہے چہ جائیکہ کتابی، ردالمحتار میں ہے:

لاتحل ذبیحۃ من تعمد ترك التسمیۃ مسلما او کتابیا نص القراٰن[2]۔	قصداً بسم اللہ کو ترک کرنے والے کا ذبیحہ حلال نہیں ہے وہ مسلم ہو یا کتابی قرآن کی نص کی بناء پر۔(ت)

درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا ذمیا اوحربیا الا اذا سمع منہ عندالذبح ذکر المسیح[3]۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ذمی یا حربی ہونا شرط ہے۔ ہاں اگر ذبح کے وقت ان سے مسیح کا نام سنا جائے تو ناجائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ولوسمع منہ ذکر اللہ تعالٰی لکنہ عنی بالمسیح قالوا یوکل الا اذا نص فقال باسم اللہ الذی وھو ثالث ثلثۃ، ہندیۃ[4]۔	اگر عیسائی سے اللہ تعالٰی کا نام سنا لیکن اس سے مراد اس نے مسیح کا لیا تو فقہاء نے فرمایا کھالیا جائے ہاں اگر صراحۃً "باسم اللہ تعالٰی جو کہ تین کا تیسرا ہے" کہیں تو نہ کھائیں، ہندیہ (ت)

نصارٰی زمانہ کا حال معلوم ہے کہ نہ وہ تکبیر کہیں نہ ذبح کے طور پر ذبح کریں، مرغ و پرند کا تو گلا گھونٹتے ہیں، اور بھیڑ بکری کو اگرچہ ذبح کریں، رگیں نہیں کاٹتے، فقیر نے بھی اسے مشاہدہ کیا ہے۔

ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں کپتان کی ملک سے سمور کا ایک مینڈھا جہاز میں دیکھا گیا جسے وہ چالیس روپے

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب النکاح باب المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۰

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

[4] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

کے خرید بتاتا تھا، مول لینا چاہا کہ گوشت درکار تھا، نہ بیچا اور کہا جب ذبح ہوگا گوشت کا حصہ خرید لینا، ذبح کیا تو گلے میں ایک کروٹ کو چھری داخل کردی تھی رگیں نہ کاٹیں، اس سے کہہ دیا گیا کہ اب یہ سوئر ہے ہمارے کسی کام کا نہیں بلکہ نصارٰی کے یہاں صد سال سے ذبح شرعی نہیں، فتاوٰی قاضی خاں میں نقل فرمایا:

النصرانی لاذبیحۃ لہ۔ وانما یاکل ہو ذبیحۃ المسلم و یخنق [1]۔	نصرانی کا ذبیحہ ہی نہیں، وہ مسلمان کا ذبیحہ کھالیتا ہے اور وہ جانور کا گلا گھونٹتا ہے۔(ت)

تو نصارائے زمانہ کا ذبیحہ ضرور حرام یہود کا حال معلوم نہیں۔ اگر ان کے یہاں بھی ترک تکبیر یا ذبح کی تغیر ہو تو حکم حرمت ہے ورنہ بے ضرورت، ناپسندی و کراہت **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص فرقہ غیر مقلدین یا فرقہ قادیانی یا وہابیہ سے ہو اس کے ہاتھ کا ذبیحہ واسطے اہل سنت وجماعت کے کھانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

قادیانی صریح مرتد ہیں۔ ان کا ذبیحہ قطعی مردار ہے۔ اور غیر مقلدین وہابیہ پر بوجوہ کثیرہ الزام کفر ہے۔ ان میں جو منکر ضروریات دین ہیں وہ تو بالاجماع کافر ہی ہیں، ورنہ فقہائے کرام ان پر حکم کفر فرماتے ہیں اور ذبیحہ کا حلال ہونا نہ ہونا حکم فقہی ہے خصوصاً وہی احتیاط کہ مانع تکفیر ہو، یہاں ان کے ذبیحہ کے کھانے سے منع کرتی ہے کہ جمہور فقہاء کرام کے طور پر حرام و مردار کا کھانا ہوگا، لہٰذا احتراز لازم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بریلی محلّہ قراولاں مسئولہ عبدالکریم خیاط قادری رضوی ۲۳ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا خسر دیوبندی ہے وہ اپنی قیمت سے گوشت خرید کر بھیجتا ہے۔ لانے والا بھی دیوبندی ہے تو یہ گوشت حلال ہے یا نہیں؟ نیز دیوبندی کی قربانی کا گوشت کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

دیوبندی کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور دیوبندی کا بھیجا ہوا گوشت اگرچہ مسلمان کا لایا ہوا ہو مردار ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: از نجیب آباد مسئولہ جناب احمد حسن خاں صاحب رضوی بتاریخ ۲۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعض اوقات وہابیوں سے ذبیحہ

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ مسائل مایکرہ ومالایکرہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

کرایا جاتا ہے جس کا گوشت گھر میں پکتا ہے کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

وہابی رافضی قادیانی وغیرہم جن جن کی گمراہی حد کفر تک ہے ان کا ذبیحہ مردار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضاخاں صاحب رضوی ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابی یا رافضی کا ذبیحہ گائے یا بکری یا مرغی کا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہابیہ اور رافضی کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بطور دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہابیہ اور رافضی کا ذبیحہ مردار ہے اور ان کے یہاں کا گوشت کھانا حرام ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:
احکامھم احکام المرتدین[1] (ان کے احکام مرتدین کے احکام ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰ و ۱۰۱: از ڈونگر پور ملک میواڑ راجپوتانہ مکان جمعدار سمندر خاں مسئولہ عبدالرؤف خاں ۱۵ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) بوہروں کے یہاں کا ذبیحہ کیا ہوا گوشت ان کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اہلسنت وجماعت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) اور کوئی شخص ذبیحہ کرتا ہو اور اس سے اپنی اور اپنے بچوں کی گزر اوقات کرتا ہو وہ خدا کے یہاں مواخذہ حشر میں تو نہ ہوگا؟ یا نامہ اعمال میں اس کے کچھ لکھا جائے گا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) بوہرے کہ اسمعیلی رافضی ہیں ان کے ہاتھ کا ذبیحہ مردار ہے۔ اور ان کے یہاں کا گوشت پکا ہوا بھی حرام ہے، مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت سے اس وقت تک مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو، گوشت کے علاوہ باقی کھانوں پر اگرچہ قطعی حکم حرمت مگر بہرحال احتراز ہی مناسب ہے۔

(۲) ذبح کا پیشہ شرعاً ممنوع نہیں، نہ اس پر کچھ مواخذہ ہے اگرچہ گائے ذبح کرنے کا پیشہ ہو، وہ جو حدیث لوگوں نے دربارہ ذابح بقر و قاطع شجر بنا رکھی ہے محض باطل و موضوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظہیریۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

مسئلہ ۱۰۲: از شہر کہنہ بریلی محلّہ کوٹ مرسلہ محمود علی صاحب بنگال ۲ صفر ۱۳۳۱ھ

عورت کا ذبح کیا ہوا حلال اور درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورت کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ ذبح کرنا جانتی ہو، اور شرائط حلت مجتمع ہو، درمختار میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما او کتابیا، ولو امرأۃ[1] (باختصار) واللہ تعالٰی اعلم۔	ذبح کرنے والے کا مسلمان یا کتابی ہونا شرط ہے اگرچہ عورت ہو (باختصار)۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات ضلع بریلی

عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان عورت کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے جبکہ وہ ذبح کرنا جانتی ہو اور ٹھیک ذبح کردے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۴: از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مسئولہ سید احمد حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز و روزہ کرتا ہے لیکن شراب خور ہے، سفلہ وچنڈو و بھنگ وغیرہ، زنا و حرام خوری، چوری، آگ دیتا ہے۔ مگر ان فعلوں کو برا جانتا ہے تو ایسے شخص کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس صورت میں زید فاسق ہے۔ مستحق عذاب جہنم ہے۔ مگر اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵ تا ۱۰۷: از بھوٹا بھوٹی موٹولا نگر علاقہ جام نگر کاٹھیاوار مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی ابن امیر میاں ۲۳ صفر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر ایک مرد نے طاہر عورت کو بغیر نکاح کے گھر میں رکھا ہے آیا اس شخص کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) قربانی کرنا واجب ہے، اگر کوئی شخص ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق کے بعد اور نماز سے

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

پہلے قربانی کرے تو وہ قربانی جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قربانی کے حصے تین کرنا، ایک حصہ اپنا دوسرا خویش واقارب کا، تیسرا مسکینوں کا، آیا گر مساکین لوگ اسلام میں سے نہیں ہیں، تو اس حصہ کا کیا حکم ہے، اور اگر کسی شخص نے قربانی کی اور تین حصے نہیں کئے اور سارا گھر میں رکھ لیا آیا قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) اگر بالفرض اس پر زنا ثابت بھی ہو جب بھی زانی کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز ہے کہ ذبح کے لئے دین سماوی شرط ہے اعمال شرط نہیں، اور اتنی بات پر کہ گھر میں رکھا ہے۔ اور ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، نسبت زنا کر بھی نہیں سکتے۔ بنص قطعی قرآن مجید حرام شدید ہے۔ بلکہ اگر گھر میں بیبیوں کی طرح رکھتا ہو اور بیبیوں کا سا برتاؤ برتا ہو تو ان کو زوج وزوجہ ہی سمجھا جائے گا اور ان کی زوجیت پر گواہی دینی حلال ہوگی اگرچہ ہمارے سامنے نکاح نہ ہوا، کما فی الهداية والدر المختار والهندية وغيرها (جیسا کہ ہدایہ، درمختار اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) دیہات میں عید جائز نہیں۔ قربانی اگر گاؤں میں ہو طلوع صبح کے بعد ہو سکتی ہے اگرچہ شہری نے اپنی قربانی وہاں بھیج دی ہو، اور اگر قربانی شہر میں ہو جہاں نماز عید واجب ہے تو لازم ہے کہ بعد نماز ہو، اگر نماز سے پہلے کر لی قربانی نہ ہوئی اگرچہ قربانی دیہاتی کی ہو کہ اس نے شہر میں کی، درمختار میں ہے:

(اول وقتها بعد الصلاة ان ذبح فی مصر) ای لو اسبق صلوة عيد ولوقبل الخطبة لكن بعد ها احب (وبعد طلوع فجر يوم النحر ان ذبح فی غيره) والمعتبر مكان الاضحية لامكان من عليه فحيلة مصری اراد التعجيل ان يخرجها الخارج المصر فيضحی بها اذا اطلع الفجر۔ مجتبی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر شہر میں قربانی دینی ہو تو اس کا وقت نماز کے بعد شروع یعنی نماز عید سے پہلے ہو اگرچہ قربانی خطبہ سے پہلے کرے بعد از خطبہ افضل ہے، اور قربانی شہر میں نہ ہو تو اس کا اول وقت بعد از طلوع فجر بروز عید قربان، اس فرق میں قربانی کا مقام معتبر ہے نہ کہ قربانی والے کا مقام شہری کے لئے قربانی جلدی کرنے کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے خارج لیجا کر فجر کے بعد قربانی کرے، مجتبٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

(۳) تین حصے کرنا صرف استحبابی امر ہے کچھ ضروری نہیں چاہے سب اپنے صرف میں کرلے یا سب عزیزوں قریبوں کو دے دے، یا سب مساکین کو بانٹ دیں، یہاں اگر مسلمان مسکین نہ ملے تو کافر کو اصلا نہ دے کہ یہ کفار ذمی نہیں، تو ان کو دینا قربانی ہو خواہ صدقہ، اصلا کچھ ثواب نہیں رکھتا، درمختار میں ہے:

اما الحربی ولو مستامنا فجمیع الصدقات لایجوز له اتفاقا، بحر عن الخانیة وغیرها[1]۔	حربی اگر مستامن بھی ہو تو اس کو کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔ بحر نے خانیہ وغیرہا سے نقل کیا۔ (ت)

بحر الرائق میں معراج الدرایہ شرح ہدایہ سے ہے:

صلته لاتکون براشرعا، ولذا لم یجز التطوع الیه فلم یقع قربة[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سے صلہ شرعا نیکی نہیں اسی لئے اس کو نفلی صدقہ بھی جائز نہیں لہذا عبادت نہ بنے گا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۸: از سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲رجب ۱۳۳۱ھ

زید نماز روزے سے بالکل بے خبر ہے اور ذبح کے وقت کلمہ بھی نہیں کرتا، تو اس کا ذبح کیسا ہے؟

الجواب:

اگر مسلمان ہے اور ذبح کرنا جانتا ہے اور تکبیر کہے تو ذبح ہو جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۹: از گوری ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مسلمان کلمہ گو اپنی بدقسمتی سے ادائے نماز میں غفلت کرتا ہے، پس اس صورت میں ذبیحہ وضیافت اس کا مسلمانوں کو کھانا و نماز جنازہ، دفن مقبرہ مومنین میں جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کس دلیل سے، ذبیحہ اہل کتاب وضیافت مسلمانوں کو جائز کیا گیا؟

الجواب:

ضرور اس کا ذبیحہ جائز، اور اس کے جنازہ کی نماز، اور اسے اسلامی طور پر دفن کرنا مسلمانوں پر فرض

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[2] بحر الرائق کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۴۸

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما الدیوان الذی لایعبؤاللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ، من صوم یوم ترکہ، اوصلٰوۃ ترکھا، فان اللہ تعالٰی یغفر ذٰلک ان شاء ویتجاوز [1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی بناء پر کہ گناہوں کا دفتر اللہ تعالٰی کے ہاں اس کی حیثیت نہیں ہے تو بندے کا اپنے نفس پر ظلم اس کے اور اس کے رب کے درمیان معاملہ ہے کسی دن کا روزہ یا کوئی نماز ترک کی ہو تو اللہ تعالٰی چاہے تو اسے بخش دے اور درگزر فرمادے۔(ت)

ضیافت بھی جائز ضرور ہے اس سے بچنے نہ بچنے میں عمل سلف مختلف ہے کما فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ت) اسکا بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۰: ازمدرسہ مڈھاوی ڈاکخانہ کوراولی ضلع میں پوری مرسلہ محمد بختیار صاحب مدرس ۱۵ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

قصاب پیشہ شخص جو ذبح کرے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

درست ہے جبکہ تکبیر کے ساتھ ذبح کرے، فتاوٰی بزازیہ میں ہے:

یلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبح القصاب [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ایسے جاہل کو لازماً آتا ہے کہ وہ قصاب کے کسی ذبیحہ کو نہ کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۱: ازکانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۹ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قصاب کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

ذبح قصاب وغیرہ سب کا ایک حکم ہے۔ مسلمان یا کتابی، عاقل ہونا چاہئے کہ ذبح جانتا ہو اور عمداً تسمیہ ترک نہ کرے، کسی قوم یا پیشہ کی تخصیص محض جہالت ہے، درمختار میں ہے:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۴۲، مسند احمد بن حنبل از مسند عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیۃ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

لایعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع [1]۔	قربانی کا کوئی حصہ قصاب کی اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ معاوضہ سوداکاری کے معنی میں ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ [2]۔	کیونکہ یہ قصاب کے عمل کے بدلے میں دے گا۔(ت)

خانیہ میں ہے:

وضع صاحب الشاۃ یدہ مع ید القصاب فی المذبح واعانہ علی الذبح، سمی کل وجوبا [3] الخ (ملخصا)	بکری والے نے ذبح میں قصاب کے ساتھ اپنا ہاتھ شریک کیا تو دونوں پر بسم اللہ پڑھنا واجب ہے۔ الخ (ملخصا)۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

لاریب ان القصاب یذبح للربح ولو علم انہ نجس لا یذبح، فیلزم علی ھذا الجاھل ان لایاکل ماذبحہ القصاب [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک قصاب نفع حاصل کرنے کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو ذبح نہ کرے گا، تو ایسے جاہل پر لازم آتا ہے کہ قصاب کا ذبیحہ نہ کھائے، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

خنثٰی جانور کا ذبیحہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خنثٰی کہ نر و مادہ دونوں کی علامتیں رکھتا ہو، دونوں سے یکساں پیشاب آتا ہو، کوئی وجہ ترجیح نہ رکھتا ہو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں کہ اس کا گوشت کسی طرح پکائے نہیں پکتا، ویسے ذبح سے حلال ہو جائے گا، اگر کوئی کچا گوشت کھائے، کھائے، درمختار میں ہے:

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل مسائل متفرقہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی ہندیہ کتاب الصید الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۲

ولابالخنثی لان لحمھا لاینضج، شرح وھبانیة[1]۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، شرح وہبانیہ۔(ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز التضحیة بالشاة الخنثٰی لان لحمھا لاینضج، کذافی القنیة[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	خنثٰی بکرے کی قربانی جائز نہیں کیونکہ اس کا گوشت پکتا نہیں، قنیہ میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از کلکتہ دھرم تلا اسٹریٹ نمبر ۱۶۲ مرسلہ حافظ عبدالرحمان صاحب ۳ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری بچہ جنی، اور بعد جننے کے مر گئی، اب وہ بچہ ایک کتیا کا دودھ پی کر سیانا ہوا، پس وہ بچہ حلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر ایسا سیانا ہوگیا کہ دودھ چھٹے کچھ مدت گزری، جب تو بالاتفاق بلاکراہت حلال ہے۔ یونہی دودھ پیتے کو چند روز اس دودھ سے جدا رکھ کر حلال جانور کا دودھ یا چارا دیا، اور اس کے بعد ذبح کیا جب بھی بالاتفاق بے کراہت حلال ہے۔ اور اگر اسی حالت میں ذبح کرلیا تو اس کا کھانا مکروہ ہے۔ اس صورت میں کراہت بھی محل نزاع نہیں، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یعنی کھانا بہتر نہیں، اور کھالے تو گناہ نہیں، یا تحریمی یعنی کھانا ناجائز و گناہ ہے۔ عامہ کتب میں معتمدہ مذہب مثل نوازل وخلاصہ وخانیہ وذخیرہ وبزازیہ وتبیین الحقائق وتکملہ لسان الحکام للعلامۃ ابراہیم حلبی ودرمختار وغیرہا میں قول اول ہی پر جزم فرمایا اور خود محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے اس پر نص صریح آیا، اور شک نہیں کہ وہی اقوی من حیث الدلیل ہے۔ درمختار میں ہے:

حل اکل جدی غذی بلبن خنزیر لان لحمہ لایتغیر وماغذی بہ یصیر مستھلکا لایبقی لہ اثر[3]۔	بھیڑ کے جس بچے نے خنزیر کا دودھ بطور خوراک پیا تو اسے کھانے میں حرج نہیں ہے کیونکہ اس کا گوشت متغیر نہ ہوا اور جو خوراک دی گئی وہ ہلاک ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا۔(ت)

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳
[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۹
[3] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

خلاصہ میں ہے:

فی النوازل لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر فلا باس باکلہ.فعل ھذا قالوا لاباس باکل الدجاج الذی یخلط ولا یتغیر لحمہ،والذی روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال تحبس الدجاجۃ ثلثۃ ایام کان للتنزیہ[1] (باختصار)۔	نوازل میں ہے جو بچہ خنزیر کے دودھ کی خوراک سے پرورش پایا اس کو کھانے میں حرج نہیں ہے اسی لئے فقہاء نے فرمایا جو مرغ گندگی کھائے اور اس کا گوشت متغیر نہ ہو تو کھانے میں حرج نہیں ہے،اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ مرغی کو تین دن قید رکھ کر ذبح کیا جائے،یہ ارشاد تنزیہ کے طور پر ہے۔(باختصار)(ت)

اسی سے تکملہ لسان میں فرمایا اسی طرح بقیہ کتب میں مذکور ہے،ہندیہ کی کتاب الکراہیۃ میں قنیہ سے ہے:

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی جدی او حمل یرضع بلبن الاتان یحل اکلہ ویکرہ[2]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا بکری یا گائے کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے اس کا کھانا حلال ہے اور مکروہ ہے۔(ت)

اسی قنیہ میں بعض علماء سے قول ثانی نقل کیا،وہی ظاہر اکلام فتاوی کبرٰی وخزانۃ المفتین کا مفاد،اور امام اعبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے ارشاد سے مستفاد،ردالمحتار میں ہے:

فی شرح الوہبانیۃ عن القنیۃ راقما انہ یحل اذا ذبح بعد ایام والالا[3]۔	شرح وہبانیہ میں قنیہ سے نقل کیا کہ اگر چند روز کے بعد ذبح کیا تو حلال ہے ورنہ نہیں۔(ت)

سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز میں فرماتے ہیں:

الجدی اذا ربی بلبن الاتان،قال ابن المبارك یکرہ اکلہ قال واخبرنی رجل عن الحسن،قال اذا ربی الجدی بلبن الخنزیر لاباس	بھیڑ کا بچہ گدھی کے دودھ سے پرورش پائے تو ابن مبارک نے فرمایا اس کا کھانا مکروہ ہے مجھے یک شخص نے حسن سے خبر دی انھوں نے کہا بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو حرج

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصید الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۹

[3] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۷

بہ۔قال معناہ اذا اعتلف ایاما بعد ذٰلك کالجلالۃ کذا بخط شیخنا عن الخانیۃ[1]۔	نہیں، انھوں نے فرمایا اس کا معنٰی یہ ہے کہ اس کے بعد وہ چارہ کھاتا رہا تو وہ جلالہ یعنی گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے ہمارے شیخ کے سے یوں خانیہ سے منقول ہے۔

ہندیہ کی کتاب الصید والذبائح میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما، فلا باس لانہ بمنزلۃ الجلالۃ والجلالۃ اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بھا فکذا ہذا، کذا فی الفتاوٰی الکبرٰی[2]۔	بکری کا بچہ گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے پھر چند روز چارہ کھالے تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ گندگی کھانے والے جانور کی طرح ہے اور یہ گندگی کھانے والا اگرچند روز قید میں رکھا جائے اور چارہ کھائے تو کوئی حرج نہیں اسی طرح یہ بھی ہے، فتاوٰی کبرٰی میں ایسے ہی ہے۔(ت)

اسی طرح خزانۃ المفتین میں برمز فتاوٰی کبرٰی سے منقول:

فقد علق نفی الباس علی الاعتلاف فافاد وجودہ عند عدمہ، والباس انما ہو فیما ینھی عنہ۔	انھوں نے حرج کی نفی کو چارہ کھانے سے معلق کیا ہے تو چارہ نہ کھانے کی صورت میں حرج کا وجود ثابت ہوتا ہے اور حرج کا تعلق ممنوع چیز ہے(ت)

لہٰذا اختلاف علماء سے بچنے کے لئے اسلم وہی ہے کہ چند روز کا وقفہ دے کر ذبح کریں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۴: از شیرپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد منگل خانصاحب تعلقدار ۳ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بچہ ہرنی کا کتی کا دودھ پی کر پرورش ہوا اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر اب دودھ چھوڑے ہوئے ایک زمانہ گزرا تو اس کا گوشت حلال ہے۔ اور اگر اب بھی پیتا ہے تو چند روز وہ دودھ چھڑائیں، پاک دودھ پلائیں یا چارہ کھلائیں، یہاں تک کہ پیٹ میں وہ دودھ

---

[1] فتح المعین علی الکنز لمنلا مسکین کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۶

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

بالکل نہ رہے۔اس وقت اسے ذبح کرکے کھاسکتے ہیں۔عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذاکان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة.والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا ہذا.کذا فی الفتاوی الکبری[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے اور بعد میں چندروز چارہ کھائے توحرج نہیں ہے کیونکہ وہ جلالہ (گندگی کھانے والے جانور) کی طرح ہے اور جلالہ کو چندروز قید میں رکھا جائے چارہ کھائے تواس کے کھانے میں حرج نہیں ہے۔تو یہ بھی ایسا ہے،فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۱۵: از شہر کہنہ اپربرہما مرسلہ محمد یعقوب صاحب امام مسجد شہر مذکور ۱۷محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی جانور آدمی کا دودھ پئے گا تواس کا گوشت کھانا کیسا ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

جس جانور نے آدمی کا دودھ پیا ہو وہ اس کے باعث حرام نہیں ہوجاتا،اگرچہ پوری پرورش انسان بلکہ خنزیر کے دودھ سے پائی، غایت یہ کہ چندروز بند کرکے چارہ کھلائیں یاحلال جانور کا دودھ پلائیں،اس کے بعد ذبح کریں،خانیہ میں ہے:

لوان جدیاغذی بلبن الخنزیر لاباس باکله[2]۔	بھیڑ کا بچہ اگر خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تو اس کے کھانے میں ممانعت نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

الجدی یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلاباس[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بھیڑ کا بچہ اگر گدھی یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائے تواس نے چندروز بعد میں چارہ کھالیا تو کھانے میں حرج نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الذبائح مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

مسئلہ ۱۱۶: مرسلہ مولانا بخش ہولا پاڈنگ چاہ بگان ڈاکخانہ لٹا کو باڑی ضلع ڈونگ بتاریخ ۷ شعبان ۱۳۳۳ھ

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب مصدر اشفاق فراواں و مخزن الطاف بیکراں بر حال بیکساں، بعد سلام مسنون اسلام مشہور، ضمیر مبین یاد کے عرصہ بعید منقضی ہوتا ہے کہ خاکسار نے حضور کے گوش گزار کیا تھا کہ کوئی مشرک یا کافر کسی جانور کو کالی یا بھوانی کے بھوگ چڑھاوے، اور بل دینے کو لے جائے اور بل نہ دے یعنی گردن نہ مارے، صرف کان کاٹ کر چھوڑ دے یہ کہہ کرکے "یا بھوانی یا کالی یہ تمھارا بھوگ ہے" تو اس جانور کو ذبح کرنا اور کھانا مسلمانوں کو جائز اور درست ہے یا نہیں؟ ہم نے ان کو بموجب آیہ شریف "وَمَآ اُھِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] (ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ت) منع کیا کہ جس جانور یا مٹھائی وغیرہ کو مشرک یا کافر اپنے بتوں کو چڑھائیں وہ نہ کھانا چاہئے، تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ عالموں نے فتوی دیا ہے کھانے کے لئے، اس وجہ سے ہم لوگ چڑھائے ہوئے جانور کو کھاتے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سا اختلاف ہو رہا ہے اور لوگوں نے کئی ایک طریقہ اختیار کیا ہے اس لئے آپ سے التجا ہے کہ آپ گویا اس وقت کے امام ہیں ہادی گمراہاں سمجھ کر درخواست کرتے ہیں شاید ہم غلطی پر ہوں اور آپ کے باعث ہم کو راہ راست نصیب ہو للہ جواب خط سے ضرور سرفراز فرمائیں، اس کا اجر آپ کو اللہ تعالٰی عطا فرمائے گا، جواب کے لئے لفافہ خط کے ساتھ شامل خدمت والا میں ارسال کرتا ہوں،

الجواب:

مشرکین اپنے بتوں کے لئے سانڈ چھوڑتے اسے سائبہ کہتے جسے کان چیر کر چھوڑتے اسے بحیرہ کہتے اور ان جانوروں کو حرام جانتے، اللہ تعالٰی نے ان کو رد فرمایا کہ:

"مَاجَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾"[2]	اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی، ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔ (ت)

یعنی یہ باتیں اللہ نے تو ٹھہرائیں نہیں لیکن کافر ان پر جھوٹ باندھتے ہیں، تو ان جانوروں کو حرام بنانا کافروں کا

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

قول،اور قرآن مجید کے خلاف ہے۔اور آیہ مااہل بہ لغیر اللہ اس جانور کے لئے ہے جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا جائے، چھوڑے ہوئے جانور سے اسے کوئی تعلق نہیں نہ کہ مٹھائی تک پہنچے، یہ تعصب وہابیوں کے جاہلانہ خیال ہیں کہ "جاندار یا بے جان ذبیحہ ہو یا غیر، جس چیز کو غیر خدا کی طرف منسوب کرکے پکاریں گے حرام ہوجائیں گی"ایسا ہو توان کی عورتیں بھی ان پر حرام ہوں کہ وہ بھی انھیں کی عورتیں کہہ کر پکاری جاتی ہیں اللہ تعالٰی کا نام ان پر نہیں لیا جاتا،ایسے بیہودہ خیالوں سے بچنا لازم ہے۔ہاں بت کے چڑھاوے کی مٹھائی پرشاد مسلمانوں کو نہ لینا چاہئے کہ کافر اسے صدقہ کے طور پر بانٹتے ہیں،وہ لینا ذلت بھی ہے اور **معاذاللہ** جو چیز انھوں نے تعظیم بت کے لئے بانٹی اس کا ان کے موافق مراد استعمال بھی ہے،بخلاف چھوڑے ہوئے جانور کے کہ اس کا کھانا کافروں کے خلاف مراد اور ان کی ذلت ہے،اس میں حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ فتنہ نہ ہو،ورنہ فتنہ سے بچنا لازم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: فتنہ قتل سے شدید تر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: مسئولہ مسلمانان کاٹھیاواڑ جام جودھپور معرفت شیخ عبدالستار پور بند کاٹھیاواڑ ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اس ملک میں رواج ہے کہ اہل ہنود بکریوں کے چرواہے مندروں پر بکرا چڑھانے کے واسطے لے جاتے ہیں اوراس کے ذبح کرنے کے واسطے مسلمان قصاب کو بلاتے ہیں اور اکثر قصاب نہیں ہوتے تو پیش امام کو لے جاتے ہیں اور بعد ذبح کے وہ گوشت انھیں لوگوں پر تقسیم کیا جاتا ہے اس گوشت کا لینا جائز ہے یا نہیں؟اور ذبح کرنے کے واسطے جانا چاہئے یا نہیں؟اور قصاب وہاں سے گوشت لے کر فروخت کرتے ہیں ان سے خرید کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

ذبح میں ذابح کی نیت شرط معتبر ہے،اگر کافر اپنے معبودوں کے لئے ذبح کرائے اور مسلمان اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام لے کر ذبح کرے جانور حلال ہوجائے گا مگر یہ فعل مسلمان کے لئے مکروہ ہے،اور اس گوشت کا اس سے لینا بھی نہ چاہئے کہ اس میں کافر کے زعم میں اس کے مقصد باطل کو پورا کرنا ہے اور یہ گوشت گویا اس کی طرف سے تصدق لینا ہے۔

والید العلیا خیر من الید السفلٰی،	اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔تو یہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

ولا ینبغی لید کافر ان تکون اعلٰی من ید مسلم و المسئلۃ منصوص علیھا فی العالمگیریۃ والتتارخانیۃ انہ یحل ویکرہ للمسلم[1]۔	مناسب نہیں کہ کافر کا ہاتھ مسلمان کے ہاتھ سے افضل ہو، اس مسئلہ پر عالمگیری میں نص ہے تاتارخانیہ میں ہے حلال ہے اور مکروہ ہوگا مسلم کے لئے (ت)

ہاں قصاب وغیرہ جس مسلمان نے اس سے گوشت لیا اور بعد ذبح مسلم نظر مسلم سے غائب نہ ہوا تھا اسکے خریدنے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۸: مرسلہ شیخ گھورا موضع یکسٹرا ڈاکخانہ ایٹاری ضلع شاہ آباد آرہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

اگر ہندو کسی جانور یعنی بکرا بکری، بھیڑا بھیڑی وغیرہ کو کسی اپنے دیوتا کے نام پر یا دیوتا کی جگہ پر لے جاکر اس کا کان کاٹ ڈالے اور بعد میں اس جانور کو کسی مسلمان کے ہاتھ بیچ ڈالے اور وہ مسلمان اس جانور کو شرعی طریقہ پر ذبح کرکے کھائے تو وہ جانور یا اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

حلال ہے

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ نہیں کھاتے جس پر اللہ تعالٰی کا نام پکارا گیا، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از چتوڑ گڑھ علاقہ اودیہ پور راجپوتانہ مسئولہ مولوی عبدالکریم صاحب ۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز شنبہ

(۱) سانڈ حرام ہے یا حلال، فتاوٰی عبدالحہ صاحب لکھنؤ جلد سوم میں حرام لکھا ہے اس بناء پر کہ وہ سانڈ مالک کی ملک سے خارج نہیں۔

(۲) خراطین یا کسی مکروہ تحریمی یا حرام شے کا جلاکر کھانا یا جس شیئ میں جلائی ہے مثلاً گھی وغیرہ اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) سانڈ اگر اللہ کے لئے ذبح کرلیا جائے گا تو اس کے گوشت کی حلت میں تو کوئی کلام ہی نہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

قال اللہ تعالٰی "مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَۃٍ وَّلَاسَآئِبَۃٍ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی نے بحیرہ اور سائبہ نہیں بنائے۔(ت)

کافروں کا یہ اعتقاد تھا کہ کان چیر کر چھوڑ دیا یا بحار کر دیا تو اس کا کھانا حرام ہے، قرآن عظیم نے اس کا رد فرمادیا، رہا ملک غیر کی وجہ سے حرام ہونا یہ معصوم وغیر معصوم میں عدم تفرقہ سے ناشی ہے۔ کافر کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن نہ مستامن منہ، یعنی نہ وہ اس کی امان میں ہو نہ یہ اس کی امان میں، اس سے صرف غدر حرام ہے، ہاں ایک اور راہ سے یہاں عدم جواز آسکتا ہے، وہ یہ کہ یہ صورت اگر قانونا جرم ہو تو ایسا مباح جو مسلمان کو معاذ اللہ ذلت پر پیش کرے شرعاً ممنوع ہو جاتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) حرام شیئ جلنے کے بعد بھی حرام ہی رہے گی اور دوسری شیئ میں اگر ایسی مخلوط ہو گی کہ تمیز ناممکن ہے، تو اسے بھی حرام کردے گی،

اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	حلال اور حرام مجتمع ہوں تو حرام کو غلبہ ہوتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از ملک آسام مقام نوعلی گاؤں ضلع شیپ ساگر مرسلہ پیر ملا مولوی سید عبدالمجید صاحب ۱۶ رمضان ۱۳۱۳ھ

علمائے دین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک بیل غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا ہے آیا اس جانور کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں کہ یہاں پر بہت اختلاف ہے اس کو معہ دلیل تحریر فرمائیں،

الجواب:

اس چھوڑ دینے سے وہ جانور حرام نہیں ہو جاتا۔

قال اللہ تعالٰی مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَۃٍ وَّلَاسَآئِبَۃٍ وَّلَاوَصِیْلَۃٍ وَّلَاحَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ وَ اَکْثَرُھُمْ لَایَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام اللہ تعالٰی نے نہیں بنائے لیکن کافروں نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ افتراء باندھا جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۳

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

یفترون علی اللہ الکذب فی نسبتھم ہذا التحریم الیه، واکثرھم لایعقلون ان اللہ تعالٰی لایحرم ذٰلک[1]۔	اللہ تعالٰی پر ان کے حرام کرنے کی نسبت میں افتراء باندھتے ہیں جبکہ ان کی اکثریت بے عقل ہے اللہ تعالٰی نے ان کو حرام نہیں کیا۔ (ت)

مگر اس چھوڑ دینے سے وہ ملک مالک سے بھی خارج نہیں ہوتا، اسی کی ملک پر باقی رہتا ہے کہ بیل چھوڑنے والے چھوڑتے وقت نہ یہ کہتے کہ جو اسے پکڑلے اس کا مالک ہوجائے، نہ وہ ہرگز اس کا پکڑنا روا رکھتے ہیں، بلکہ ان کی نیت یہی ہوتی ہے کہ یہ یونہی چھوٹا پھرے، تو جانور بدستور انھیں کا مملوک رہتا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوسیب دابة، وقال لاحاجة لی الیھا، ولم یقل ہی لمن اخذہا فاخذہا الانسان لاتکون له[2]۔	اگر کوئی جانور آزاد چھوڑ دیا گیا اور یہ نہ کہا جو پکڑے اس کا ہوگا تو کوئی انسان پکڑلے تو وہ اس کا مالک نہ بنے گا۔ (ت)

اس وجہ سے اس کا پکڑنا، ذبح کرنا، کھانا کچھ جائز نہیں کہ وہ ملک غیر ہے یہاں تک کہ اگر مالک اجازت دے دے بلاشبہ حلال ہوجائے، یا اگر کسی شخص کا اس بیل چھوڑنے والے پر کچھ دین آتا ہو مثلاً اس نے کچھ مال اس کا چھینا یا چرایا یا سود یا رشوت میں لیا ہو اور اس سے وصول کی امید نہیں تو یہ شخص اپنے آتے میں اس بیل کو لے سکتا ہے جبکہ اس کی قیمت اس کے مقدار حق سے زائد نہ ہو

وھی مسئلة الظفر بخلاف الجنس الحق المفتی الاٰن بجواز اخذہ کما فی ردالمحتار وغیرہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ مسئلہ اپنے حق کے خلاف جنس پر قابو پانے کا ہے جس پر آج کل فتوی ہے کہ قابو پانا جائز ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بکرا جو شیخ سدو کے نام سے یا دوسرے کسی بزرگ کے نام سے موسوم کیا جائے، اور وہ بکرا اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے اس کا کھانا مسلمان

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیة یفترون علی اللہ الکذب الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۳۰۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الھبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

کو جائز ہے یا نہیں؟اور "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج"[1] سے مراد قبل ذبح کے پکارا جانا ہے یا وقت ذبح کے؟

الجواب الملفوظ

اصل کلی اس میں یہ ہے کہ ذابح کی نیت اور وقت ذبح اس کے تسمیہ کا اعتبار ہے اس کے سوا کسی بات کا لحاظ نہیں، اگر مالک نے خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت کی ہے اور ذابح نے بسم اللہ کی جگہ بسم فلاں کہا، یا بسم اللہ ہی کہا اور اراقت دم سے عبادت غیر خدا مقصود رکھی ذبیحہ مردار ہوگیا، اور اگر مالک نے کسی غیر خدا اگرچہ بت یا شیطان کے لئے نیت کی اور اسی کے نام کی شہرت دی اور اسی کے ذبح کرنے کے واسطے ذابح کو دیا، اور ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے اس کا نام پاک لے کر ذبح کیا، بنص قطعی قرآن حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم، کذا فی التاتارخانیۃ[3]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری ذبح کی ان کے آتشکدہ کے لئے، یا کسی کافر کی بکری ان کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کا نام لے کر ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے تاتارخانیہ میں یونہی ہے۔ (ت)

اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے رسالے سبل الاصفیاء فی حکم الذبح للاولیاء میں ہے اور شیخ سدو کوئی بزرگ نہیں بلکہ ایک خبیث روح ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳: از قصبہ کلی ناگر تھانہ مادھو ٹانڈہ پرگنہ پورنپور، ضلع پیلی بھیت مرسلہ محمد اکبر علی صاحب ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیخ سدو کے نام سے مرغ وغیرہ ذبح

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

کرایا، اور میلاد بھی زید نے پڑھوایا، توزید کے مکان پر میلاد پڑھنا جائز ہے یانہیں، اور کھانا زید کا میلاد خواں نے کھایا تو وہ اس کے حق میں کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ذکر میلاد شریف بہ نیت ہدایت پڑھے، اور اس میں ایسی ارواح کی تکریم سے ممانعت کرے جن کا اسلام تک معلوم نہیں، بلکہ بعض علماء نے انھیں ارواح خبیثہ لکھا، اور وہ مرغ وغیرہ ذبیحہ نہ کھائے جو ایسوں کے لئے ذبح ہوا، اور بہتر یہ ہے کہ اس کے یہاں کا اور کھانا بھی نہ کھائے، جب تک وہ توبہ نہ کرے زجرا لہ و توبیخا اور اگر یہ عالم مقتدی ہے تو ایسوں کے ساتھ اور انکے یہاں کھانا کھانے سے احتراز اور اہم ہے۔ **کما نص علیه فی الهندیة وغیرها** (جس طرح کہ ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۴: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان میں چچا اور بھائی اور بھتیجا رہتے ہیں، اور حقہ پانی ان سب کا ایک ہے، اور بھتیجے نے شیخ سدو کے نام سے جانور ذبحہ کیا اور کوئی مولوی صاحب اس کے چچا یا بھائی کے یہاں آکر ٹھہرے، اور مولوی صاحب کو معلوم ہوگیا کہ ان کا بھتیجا غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرواتا ہے اور چچا اور بھائی کو کھلاتا ہے، تو جو مولوی صاحب اس کے چچا کے یہاں مقیم ہیں ان مولوی صاحب کو ان کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں اور مولوی صاحب سے کہا گیا کہ اس کے گھر کا کھانا نہ کھاؤ، تو درجواب مولوی صاحب نے کہا کہ تم کون ہو ہم کسی کا کہنے کو نہیں مان سکتے ہیں مولوی صاحب کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور جو اللہ عزوجل کے نام پر ذبح کیا جائے اور اس سے اللہ عزوجل ہی کی طرف تقرب مقصود ہو اگرچہ اس پر باعث مسلمان کا اکرام، یا اولیاء کرام کا، خواہ اموات مسلمین کو ایصال ثواب یا اپنے کوئی جائز مثل تقریب شادی ونکاح وغیرہ یا جائز انتفاع مثل گوشت فروشی قصاباں ہو تو اس کے جائز وحلال ہونے میں شک نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ"[1]	تمھیں کیا ہوا کہ اس چیز سے نہ کھاؤ جس پر اللہ سبحانہ کا نام پاک لیا گیا۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۱

مگر خبیث روحوں کو منانا تقرب الی اللہ نہیں ہوسکتا، شیخ سدو بھی ارواح خبیثہ سے شمار کیا گیا ہے، تو ذبح کرنے والے کی نیت اگر شیخ سدو کی طرف تقرب کی ہو جانور بلا شبہ مردار ہوجائے گا، اگرچہ بظاہر تکبیر ہی کہہ کر ذبح کیا گیا ہو، یہاں ذابح کی ہی نیت کا اعتبار ہے اگرچہ مالک کی نیت کچھ ہو، مثلاً مالک نے خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کرنے کو جانور دیا ہے، ذابح نے اسے کسی بت کی بھینٹ چڑھادیا جانور بیشک حرام ہوگیا مالک کی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یوہیں مالک نے اگر کسی بت یا شیطان ہی کے لئے ذبح کرنے کو کہا اور ذابح نے معبود برحق جل جلالہ کے لئے ذبح کیا جانور بیشک حلال ہے، مالک کی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، پس صورت مذکورہ میں اگر ذابح نے سدو کی طرف تقرب کی نیت سے ذبح کیا اور ان مولوی کو اس کا یہ حال معلوم تھا، پھر اس سے گوشت کھایا، تو یہ شخص مردار خور ہوا، اور اس کے پیچھے نماز منع ہے، اور اگر اسے ذابح کی نیت معلوم ہوگئی تھی کہ اس نے وہ نیت فاسدہ نہ کی بلکہ خالص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا، تو اگرچہ جانور حلال ہوگیا مگر بہتر اس سے بچنا تھا جبکہ مالک نے غیر خدا کے تقرب کے لئے دیا تھا، خصوصاً اس شخص کو جو مولوی کہلاتا ہو اور لوگ اس کے فعل کو حُجت جانتے ہوں، عالمگیری میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے معبود کے آتشکدہ کے لئے یا کسی کافر کی بکری اس کے معبود کے لئے ذبح کی تو کھائی جائے کیونکہ مسلمان نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور مسلمان کو یہ عمل مکروہ ہے۔ (ت)

اور اگر نیت معلوم نہ تھی اور یہ جان چکا تھا کہ یہ لوگ شیخ سدو کے منانے والے ہیں، اور بچنا اور اہم تھا کہ ارواح خبیثہ کے منانے والوں اور اس سے استعانت کرنے والوں کا ظاہر حال سخت مخدوش ہے، اور ایسی جگہ شہادت سے احتراز لازم اور اگر گوشت نہ کھایا بلکہ اور کھانا کھایا تو جب مولوی کہلا کر ایسے لوگوں کے یہاں اکل طعام کہ قلوب المسلمین میں شبہہ ڈالے ہرگز مناسب نہ تھا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

سُبُل الاصفیاء فی حُکمِ الذبح للاَوْلیاَء ۱۳۱۲ھ

(اولیاء اللہ کے لئے ذبح کرنے میں اصفیاء کے طریقے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۵: دررد فتوی بعض معاصرین ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

از لشکر گوالیار ڈاک دربار بجواب سوال مولوی نور الدین صاحب اوائل ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے ایک بکرامیاں کا اور عمرو نے ایک گائے چہل تن کی اور مرغ مدار کا پالا، اور پال کران کو باتکبیر ذبح کیا یا کرالیا اس کا کھانا مسلمانوں کو عندالشرع جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حامدا لك ومصليا ومسلما على حبيبك واله ياوہاب اللھم ہداية الحق والصواب۔	یااللہ! تیرے لئے حمد کرنے والا اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والا ان کی آل پر، حق و صواب کی رہنمائی فرمااے میرے رب! (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) حق اس مسئلہ میں ہے کہ حلت وحرمت ذبیحہ میں حال وقول ونیت ذابح کا اعتبار نہ کہ مالک کا، مثلاً مسلمان کا

جانور کوئی مجوسی ذبح کرے تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک مسلم تھا، اور مجوسی کا جانور مسلمان ذبح کرے تو حلال اگرچہ مالک مشرک تھا، یا زید کا جانور عمرو ذبح کرے اور قصدا تکبیر نہ کہے حرام ہوگیا، اگرچہ مالک برابر کھڑا سو بار بسم اللہ اللہ اکبر کہتا رہے اور ذابح تکبیر سے ذبح کرے تو حلال، اگرچہ مالک ایک بار بھی نہ کہے، ذابح کلمہ گو نے غیر خدا کی عبادت و تعظیم مخصوص کی نیت سے ذبح کیا تو حرام ہوگیا اگرچہ مالک کی نیت خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کی تھی۔

یونہی ذابح نے خاص اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا تو حلال اگرچہ مالک کی نیت کسی کے واسطے تھی تمام صورتوں میں حال ذابح کا اعتبار ماننا اور اس شکل خاص میں انکار کرجانا محض تحکم باطل ہے جس پر شرع مطہر سے اصلا دلیل نہیں، ولہذا فقہائے کرام خاص اس جزئیہ کی تصریح فرماتے ہیں کہ مثلا مجوسی نے اپنے آتشکدہ یا مشرک نے اپنے بتوں کے لئے مسلمان سے بکری ذبح کرائی اور اس نے تکبیر کہہ کر ذبح کی حلال ہے، کھائی ہے، اگرچہ یہ بات مسلم کے حق میں مکروہ، فتاوٰی عالمگیری و فتاوٰی تاتارخانیہ و جامع الفتاوٰی میں ہے:

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارہم او الکافر لالھتھم توکل لانہ سمی اللہ تعالٰی ویکرہ للمسلم [1]۔	مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کسی اور کافر کی اس کے معبودوں کے لئے ذبح کی تو بکری کھائی جائے کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی کے نام سے ذبح کی ہے اور یہ عمل مسلمان کو مکروہ ہے۔(ت)

پھر مسلمان ذابح کی نیت بھی وقت ذبح کی معتبر ہے اس سے قبل وبعد کا اعتبار نہیں ذبح سے ایک آن پہلے تک خاص اللہ عزوجل کے لئے نیت تھی، ذبح کرتے وقت غیر خدا کے لئے اس کی جان دی، ذبیحہ حرام ہوگیا، وہ پہلی نیت کچھ نفع نہ دے گی، یونہی اگر ذبح سے پہلے غیر خدا کے لئے ارادہ تھا ذبح کے وقت اس سے تائب ہو کر مولٰی تبارک وتعالٰی کے لئے اراقت دم کی تو حلال ہوگیا یہاں وہ پہلی نیت کچھ نقصان نہ دے گی، ردالمحتار میں ہے:

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح [2]۔	معلوم ہونا چاہئے کہ ذبح کی ابتداء میں قصد کا اعتبار ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

غرض ہر عاقل جانتا ہے کہ تمام افعال میں اصل نیت مقارنہ ہے، نماز سے پہلے خدا کے لئے نیت تھی تکبیر کہتے وقت دکھاوے کے لئے پڑھی، قطعاً مرتکب کبیرہ ہوا، اور نماز ناقابل قبول اور اگر دکھاوے کے لئے اٹھا تھا نیت باندھتے وقت تک یہی قصد تھا، جب نیت باندھی قصد خالص رب جل وعلا کے لئے کرلیا تو بلاشبہ وہ نماز پاک وصاف وصالح ہوگئی، تو ذبح سے پہلے کی شہرت پکار کا کچھ اعتبار نہیں، نہ نافع نفع دے نہ مضر ضرر، خصوصاً جبکہ پکارنے والا غیر ذابح ہو کہ اسے تو اس باب میں کچھ دخل ہی نہیں

کما قد علمت وہذا کلہ ظاہر جدا لا یصلح ان یتناطح فیہ قرناء وجماء۔	جیسا کہ معلوم ہے اور یہ تمام ظاہر ہے اس میں بالکل گنجائش نہیں کہ اس میں بحث کی جائے۔(ت)

پھر اضافت معنی عبادت میں منحصر نہیں کہ خواہی نخواہی مدار کے مرغ یا چہل تن کی گائے کے معنی ٹھہرالئے جائیں کہ وہ مرغ وگاؤ جس سے ان حضرات کی عبادت کی جائے گی، جس کی جان ان کے لئے دی جائے گی، اضافت کو ادنٰی علاقہ کافی ہوتا ہے، ظہر کی نماز، جنازہ کی نماز، مسافر کی نماز، امام کی نماز، مقتدی کی نماز، بیمار کی نماز، پیر کار وزہ۔ اونٹوں کی زکوٰۃ، کعبہ کا حج، جب ان اضافتوں سے نماز وغیرہ میں کفر وحرمت درکنار نام کو بھی کراہت نہیں آتی، تو حضرت مدار کے مرغ، حضرت احمد کبیر کی گائے، فلاں کی بکری کہنے سے یہ خدا کے حلال کئے ہوئے جانور کیوں جیتے جی مردار اور سور ہوگئے کہ اب کسی صورت حلال نہیں ہو سکتے، یہ شرع مطہر پر سخت جرأت ہے، خود حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احب الصیام الی اللہ تعالٰی صیام داؤد واحب الصلوٰۃ الی اللہ عزوجل صلوٰۃ داؤد۔[1] رواہ الائمۃ احمد والستۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما الا الترمذی فعندہ فضل الصیام وحدہ۔[2]	بیشک سب روزوں میں پیارے اللہ تعالٰی کو داؤد کے روزے ہیں اور سب نمازوں میں پیاری داؤد کی نماز ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام (اس کو ائمہ صحاح ستہ اور امام محمد نے عبداللہ بن عمر ضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے لیکن امام ترمذی کی روایت میں صرف روزوں کی فضیلت کا ذکر ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں مستحب نمازوں میں صلوٰۃ الولدین یعنی ماں باپ کی نماز ہے۔

فی ردالمحتار عن الشیخ اسمٰعیل عن شرح شرعۃ الاسلام من المندوبات صلوٰۃ التوبۃ	ردالمحتار میں شیخ اسمٰعیل سے بحوالہ شرح شرعۃ الاسلام منقول ہے کہ مستحب نمازوں میں صلوٰۃ التوبہ

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب من نام عندالسحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۲و۴۸۶

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن صوم الدہر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۷

وصلوٰۃ الوالدین [1]۔	اور صلوٰۃ والدین ہے۔(ت)

سبحان اللہ! داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نماز، داؤد علیہ السلام کے روزے، ماں باپ کی نماز کہنا صواب، پڑھنا ثواب، اور جانور کی اضافت وہ سخت آفت کہ قائلین کفار، جانور مردار، کیا ذبح نماز روزے سے بڑھ کر عبادت خدا ہے یا اس میں شرکت حرام ان میں روا ہے۔ خود اضافت ذبح کا فرق سنئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من ذبح لغیر اللہ [2] رواہ مسلم والنسائی عن امیر المومنین علی ونحوہ احمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	خدا کی لعنت ہے اس پر جو غیر خدا کے لئے ذبح کرے (اس کو مسلم اور نسائی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی مثل امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ذبح لضیف، ذبیحۃ کانت فداء ہ من [3]۔ رواہ الحاکم فی تاریخہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اپنے مہمان کے لئے جانور ذبح کرے وہ ذبیحہ اس کا فدیہ ہو جائے آتش دوزخ سے (اس کو امام حاکم نے اپنی تاریخ میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تو معلوم ہوا کہ ذبیحہ میں غیر خدا کی نیت اور اس کی طرف نسبت مطلقاً کفر کیا حرام بھی نہیں، بلکہ موجب ثواب ہے تو ایک حکم عام کفر و حرام کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔

ولہذا علماء فرماتے ہیں، مطلقاً نیت غیر کو موجب حرمت جاننے والا سخت جاہل اور قرآن و حدیث و عقل کا مخالف ہے، آخر قصاب کی نیت تحصیل نفع دنیا اور ذبائح شادی کا مقصود برات کو کھانا دینا ہے، نیت غیر تو یہ بھی ہوئی، کیا یہ سب ذبیحے حرام ہو جائیں گے، یونہی مہمان کے واسطے ذبح کرنا درست و بجا ہے کہ مہمان کا اکرام عین اکرام خدا ہے، درمختار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۰

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الحاکم فی التاریخ حدیث ۸۶۷۲ دار لکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۵۲۶

لو ذبح للضیف لایحرم لانه سنة الخلیل و اکرام الضیف اکرام الله تعالیٰ[1]۔	جس نے مہمان کی نیت سے ذبح کیا تو حرام نہیں کیونکہ یہ خلیل علیہ السلام کی سنت اور مہمان کا اکرام ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال البزدوی و من ظن انه لایحل لانه ذبح لاکرام ابن اٰدم فیکون اہل به لغیر الله تعالیٰ فقد خالف القراٰن والحدیث و العقل فانه لاریب ان القصاب یذبح للربح و لو علم انه نجس لایذبح فیلزم ہذا الجاہل ان لایاکل ماذبح القصاب وما ذبح للولائم و الاعراس والعقیقة[2]۔	بزازی نے کہا اور جس نے گمان کیا کہ وہ اس لئے حلال نہیں کہ اس میں بنی آدم کا اکرام ہے تو یہ غیر اللہ کے نام سے ذبح ہوا تو اس نے قرآن وحدیث اور عقل کے خلاف بات کی، کیونکہ بلا شبہ قصاب اپنے نفع کے لئے ذبح کرتا ہے اگر اسے معلوم ہو کہ یہ نجس ہے تو وہ ذبح نہ کرے، تو ایسے جاہل کو چاہئے کہ وہ قصاب ذبح کردہ کو نہ کھائے اور ولیمہ اور شادی اور عقیقہ کے لئے ذبح کردہ بھی نہ کھائے۔ (ت)

دیکھو علمائے کرام صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ مطلقاً نیت ونسبت غیر کو موجب حرمت جاننا اور **ما اُھل به لغیر الله** میں داخل ماننا نہ صرف جہالت بلکہ جنون ودیوانگی اور شرع وعقل دونوں سے بیگانگی ہے، جب نفع دنیا کی نیت مخل نہ ہوئی تو فاتحہ اور ایصال ثواب میں کیا زہر مل گیا، اور اکرام مہمان عین اکرام خدا ٹھہرا تو اکرام اولیاء بدرجہ اولیٰ۔

ہاں اگر کوئی جاہل اجہل یہ نسبت واضافت بقصد عبادت غیر ہی کرتا ہے تو اس کے کفر میں شک نہیں۔ پھر اگر ذابح اس نیت سے بَری ہے تو جانور حلال ہو جائے گا کہ نیت غیر اس پر اثر نہیں ڈالتی **کما حققناه اٰنفا** (جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا ہے۔ ت)
مگر جب کہ حدیثاً وفقہاً دلائل قاہرہ سے ثابت کرچکے ہیں کہ اضافت معنی عبادت ہی میں منحصر نہیں، تو صرف اس بناء پر حکم کفر محض جہالت وجرأت وحرام قطعی اور مسلمانوں پر ناحق بدگمانی ہے، تم سے کس نے کہہ دیا کہ وہ آدمیوں کا جانور کہنے سے عبادت آدمیان کا ارادہ کرتے ہیں، اور انھیں اپنا معبود وخدا بنانا چاہتے ہیں۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰
[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘-اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمان سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ-اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـٴُـوْلًا(۳۶)"[2]	بے یقین بات کے پیچھے نہ پڑ، بیشک کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہونا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3] رواہ الائمۃ مالك والشیخان وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (اس کو امام مالک، شیخین، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم اقالھا ام لا،[4] رواہ مسلم، عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا کہ دل کے عقیدے پر اطلاع پاتا۔ (اس کو امام مسلم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام عارف باللہ سید احمد زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث[5]،	بدگمانی خبیث دل سے ہی پیدا ہوتی ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴، صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۷

[5] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الرابع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۸

نقلہ سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ۔	(اس کو سیدی عبدالغنی نابلسی نے شرح طریقہ محمدیہ میں نقل کیا ہے۔ت)

والہندامنیہ وذخیرۃ وہبانیۃ ودر مختار وغیرہا میں ارشاد فرمایا:

انا لانسیئ الظن بالمسلم انہ یتقرب الی الاٰدمی بھذا النحر [1]۔	ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہو۔

ردالمحتار میں ہے:

ای علی وجہ العبادۃ لانہ المکفر وہذا بعید من حال المسلم [2]۔	یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادات مراد ہے کہ اس میں کفر ہے اوراس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے۔

بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقت تکبیر میں یوں کہے "بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" تو یہ کہنا کہ مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا! جانور حرام بھی نہ ہوگا، جبکہ اس لفظ سے اس کی نیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو، نہ معاذاللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھہرانا، امام اجل فقیہ النفس قاضی خاں اپنے فتاوٰی میں تحریر فرماتے ہیں:

رجل ضحی وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد علیہ السلام، قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان اراد الرجل بذکر اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتبجیلہ و تعظیمہ جاز ولاباس وان ارادبہ الشرکۃ مع اللہ لاتحل الذبیحۃ [3]۔	کسی نے بنام خدا محمد علیہ السلام قربانی کی یا ذبح کیا، شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر اس شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے صرف تعظیم و تبجیل مراد لی تو جائز ہے اور اگر اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک بنایا تو ذبیحہ حلال نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ اس سے بھی زائد خاص صورت عطف میں مثلاً "بنام خداوبنام فلاں" جس سے صاف معنی

---

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی الانتفاع بالاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۰

شرکت ظاہر ہے اگرچہ مذہب صحیح حرمت جانور ہے، مگر حکم کفر نہیں دیتے کہ وہ امر باطنی ہے، کیا معلوم کہ اس کی نیت کیا ہے۔
درمختار میں ہے:

ان عطف حرمت نحو باسم اللہ واسم فلان[1]۔	اگر اللہ تعالٰی کے نام پر دوسرے نام کا عطف کیا تو حرام ہے، مثلاً بسم اللہ واسم فلاں۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھوا لصحیح وقال ابن سلمۃ لاتصیر میتۃ لانھا لو صارت میتۃ یصیر الرجل کافرا، خانیۃ. قلت تمنع الملازمۃ بان الکفر امر باطن والحکم بہ صعب فیفرق کذا فی شرح المقدسی، شرنبلالیۃ[2]۔	وہی صحیح ہے اور ابن سلمہ نے فرمایا مردار نہ ہوگا کیونکہ اگر مردار کہیں گے تو ذبح کرنے والے کو کافر قرار دینا ہوگا، خانیہ، میں کہتاہوں یہ ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ کفر باطنی امر ہے اور اس کا حکم دشوار ہے تو فرق کرنا ضروری ہے، شرح مقدسی میں اسی طرح ہے، شرنبلالیہ۔ (ت)

اللہ اکبر! خود ذابح کا خاص تکبیر ذبح میں نام خدا کے ساتھ نام غیر ملا کر پکارے اور کافر نہ ہو، جب تک معنی شرک کا ارادہ نہ کرے بلکہ بے عطف "بنام خدا بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" کہے اور اسی نام پاک کے لینے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہی چاہے، حضور کی عظمت ہی کے لئے خاص وقت ذبح بنام خدا کے ساتھ بنام محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہے تو جانور میں اصلا حرمت وکراہت بھی نہیں، مگر پیش از ذبح اگر کسی نے یوں پکار دیا کہ "فلاں کا بکرا، فلاں کی گائے" تو پکارنے والا مشرک اور اس کے ساتھ یہ لفظ منہ سے نکلتے ہی جانور کی بھی کایا پلٹ ہو کر فورا بکری سے کتا، گائے سے سور، اگرچہ وہ منادی غیر ذابح ہو، اگرچہ ابھی نہ وقت ذبح نہ دم تکبیر، معاذاللہ، وہ لفظ کیا تھے جادو کے انچھر تھے چھوتے ہی جانور کی ماہیت بدل گئی، ایسے زبردستی کے احکام شرع مطہر سے بالکل بیگانہ ہیں۔
بڑی دلیل ان کے قصد عبادات غیر ومعنی شرک پر یہ پیش کی جاتی ہے کہ "اس ذبح کے بدلے گوشت خرید کر تصدق کرنا ان کے نزدیک کافی نہیں ہوتا، تو معلوم ہوا کہ ایصال ثواب مقصود نہیں، بلکہ خاص ذبح للغیر وشرک صریح مراد ہے، اگرچہ وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمارا مطلب صرف ایصال ثواب ہی ہے"۔

---
[1] درمختار کتاب الذبح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸
[2] ردالمحتار کتاب الذبح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۱

اقول: اس سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ خاص ذبح مراد ہے، ذبح للغیر کہاں سے نکلا، کیا ثواب ذبح کوئی چیز نہیں، یا گوشت دینے میں وہ بھی حاصل ہوجاتا ہے، عنایہ میں ہے:

التضحیة فیھا افضل من التصدق بثمن الاضحیة لان فیھا جمعا بین التقرب باراقة الدم والتصدق والجمع بین القربتین افضل[1] اھ ملخصًا۔	اس صورت میں قربانی کرنا اس کی قیمت کے صدقہ سے افضل ہے کیونکہ قربانی میں دونوں قربتیں حاصل ہوتی ہیں، خون بہاؤ اور صدقہ بھی، جبکہ دو قربتوں کو جمع کرنا افضل ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

معہذا عوام ایسی اشیاء میں مطلقًا تبدیل پر راضی نہیں ہوتے، مثلًا جو آٹے کی چٹکی روزانہ اپنے گھر کے خرچ سے نکالتے ہیں اور ہر ماہ اسے پکا کر حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز دلا کر محتاج کو کھلاتے ہیں، اگر ان سے کہئے کہ یہ آٹا جو جمع ہوا ہے اپنے خرچ میں لائیے اور اسی کے عوض اور پکایئے کبھی نہ مانیں گے حالانکہ آٹے میں کوئی ذبح کا محل نہیں، اور ذبح میں بھی اگر اس جانور کے بدلے دوسرا جانور دیجئے ہرگز نہ لیں گے، حالانکہ ادائے ذبح میں دونوں ایک سے، تو اس کا کافی نہ سمجھنا اسی خیال تعیین و تخصیص کی بنا پر ہے، نہ **معاذاللہ** اس توہم باطل پر، خصوصًا جبکہ وہ بیچارے صراحۃً کہہ رہے ہیں کہ حاشاللہ ہم عبادات غیر نہیں چاہتے صرف ایصال ثواب مقصود ہے۔

اور اگر انصاف کیجئے تو دربارہ عدم تبدیل ان کا وہ خیال بے اصل بھی نہیں، اگرچہ انھوں نے اس میں تشدد زیادہ سمجھ لیا ہو، جن چیزوں پر نیت قربت کرلی گئی، شرع مطہر میں بلاوجہ ان کا بدلنا پسند نہیں، **لاسیما اذا کان النزول الی الناقص کما ھھنا وکل ذٰلك ظاھر اجدا** (خصوصًا جبکہ اعلٰی سے ادنٰی کی طرف تنزل ہو جیسا کہ یہاں ہے اور یہ تمام نہایت ظاہر ہے۔ ت)

ولہٰذا اگر غنی قربانی کے لئے جانور خریدے اور اس معین کی نذر نہ ہو تو جانور متعین نہیں ہوجاتا اسے اختیار ہے کہ اس کے بدلے دوسرا جانور قربانی کرے پھر بھی بدلنا مکروہ ہے کہ جب اس پر قربت کی نیت کرلی تو بلاوجہ تبدیل نہ چاہئے۔ ہدایہ میں ہے:

بالشراء للتضحیة لایمتنع البیع[2]۔	قربانی کے لئے خرید بیع کے لئے مانع نہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] العنایة علی ہامش القدیر کتاب الاضحیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۳۲

[2] الہدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

ویکرہ ان یبدل بھا غیرھا[1]۔	اور اس قربانی کے جانور کو تبدیل کرنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی طرح تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔

بالجملہ مسلمانوں پر بدگمانی حرام اور حتی الامکان اس کے قول و فعل کو وجہ صحیح پر حمل واجب، اور یہاں ارادہ قلب پر بے تصریح قائل حکم لگانے کی اصلا راہ نہیں، اور حکم بھی کیسا کفر و شرک کا، جس میں اعلی درجہ کی احتیاط فرض، یہاں تک کہ ضعیف سے ضعیف احتمال بچاؤ نکلتا ہو تو اسی پر اعتماد لازم، **کما حقق کل ذلك الائمة المحققون فی تصانیفھم الجلیلة** (جیسا کہ ائمہ محققین نے اپنی تصانیف میں اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت)

اگر بالفرض بعض کوردل احمقوں پر بہ ثبوت شرعی ثابت بھی ہو کہ ان کا مقصود معاذاللہ عبادات غیر ہے تو حکم کفر صرف انھیں پر صحیح ہوگا ان کے سبب حکم عام لگادینا اور باقی لوگوں کی بھی یہی نیت سمجھ لینا محض باطل۔

قال اللہ تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

پس حق یہ ہے کہ نہ مطلقاً اس نام پکارنے پر حکم شرک صحیح، نہ اس وجہ سے جانور کو مردار مان لینا درست، بلکہ حکم شرک کے لئے قائل کی نیت پوچھیں گے، اگر اقرار کرے کہ اس کی مراد عبادات غیر ہے تو بے شک مشرک کہیں گے ورنہ ہرگز نہیں، اور حکم حرمت صرف قول و فعل و نیت ذابح خاص وقت ذبح پر مدار رکھیں گے، اگر مالک خواہ غیر مالک کسی کلمہ گو نے معاذاللہ اسی نیت شرک کے ساتھ ذبح کیا تو بے شک حرام کہ وہ اس نیت سے مرتد ہوگیا اور مرتد کا ذبیحہ نہیں، اور اگر اللہ عزوجل کے لئے جان دی اور قصداً تکبیر نہ کی تو بیشک حلال، اگرچہ اس پر باعث ایصال ثواب یا اکرام اولیاء یا نفع دینا وغیرہا مقاصد ہوں، اگرچہ مالک غیر ذابح کی نیت **معاذاللہ** وہی عبادات غیر ہو، اگرچہ پیش از ذبح یا غیر ذابح نے وقت ذبح کسی کا نام پکارا ہو، مالک سے وہ نیت ناپاک ثابت ہونا بھی ذابح پر کچھ موثر نہیں، جب تک خود اس سے بھی اسی نیت پر جان دینا ثابت نہ ہو کہ جب اس سے وہ نیت ثابت نہیں، اور مسلمان اپنے رب عزوجل کا نام لے کر ذبح کر رہا ہے تو اس پر بدگمانی حرام و ناروا ہے، اوہام تراشیدہ پر مسلمان کو معاذاللہ مرتکب کفر سمجھنا حلال خدا کو حرام کہہ دینا نام الٰہی عزوجل جو وقت تکبیر لیا گیا باطل و بے اثر ٹھہرانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ	تمھیں کیا ہوا کہ نہ کھاؤ اس جانور سے جس کے

[1] الھدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

اللّٰہِ عَلَیۡہِ"[1]	ذبح میں اللہ کا نام یاد کیا گیا۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

انما کلفنا بالظاہر لابالباطن فاذا ذبحہ علی اسم اللہ وجب ان یحل، ولاسبیل لنا الی الباطل[2]۔	یعنی ہمیں شرع مطہر نے ظاہر پر عمل کا حکم فرمایا ہے باطن کی تکلیف نہ دی، جب اس نے اللہ عزوجل کا نام پاک لے کر ذبح کیا جانور حلال ہو جانا واجب ہوا کہ دل کا ارادہ جان لینے کی طرف ہمیں کوئی راہ نہیں،

یہ چند نفیس وجلیل فائدے حفظ کے قابل ہیں کہ بہت ابنائے زمان ان میں سخت خطا کرتے ہیں۔

وباللہ العصمۃ والتوفیق وبہ الوصول الی التحقیق (حفاظت وتوفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کی مدد سے تحقیق تک رسائی ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۲۶: از شہر بریلی مسئولہ عبدالجلیل طالب علم ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے ذبح کی گئی او اس کا پیٹ جب چاک کیا تو اس میں سے ایک بچہ زندہ کامل اعضا کا نکلا، مگر اس کے جسم میں بال نہیں آیا ہے، اس حالت میں بچہ کا گوشت حلال ہو جائے گا یا نہیں ذبح کرنے سے؟ اور مردہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

بچہ کہ مردہ نکلے حرام، اور زندہ نکلے اور ذبح کر لیا تو حلال، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷: از اوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۳ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے مدقق ومحققین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ مردہ بکری مذبوحہ کے شکم سے برآمد ہو بمذاہب امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ علیہ حلال ہے یا حرام بیان فرمائیں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

ناجائز ہے، ہدایہ وعالمگیریہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۵/ ۲۳

من نحرناقة اوذبح بقرة فوجد فی بطنها جنینا میتالم یوکل اشعراولم یشعر وہذا عند ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه، وقال ابو یوسف ومحمد رحمهما اللہ تعالٰی اذاتم خلقه اکل۔[1]	کسی نے اونٹنی یا گائے ذبح کی تو اس کے پیٹ میں بچہ مردہ پائے تو اسے نہ کھایا جائے اس پر بال ہوں یا نہ ہوں، اور یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہے اور امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر وہ بچہ تام الخلقت ہو تو کھانا چاہئے۔ (ت)

اسی طرح درمختار وغیرہ عامہ کتب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸ تا ۱۳۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ ملک ہاڑوتی قصبہ سانگور مسئولہ مسلمانان سانگور ۲۱رمضان ۱۳۳۵ھ

ہادی دین، پناہ شریعت، علمائے عظام ومفتیان کرام سلمکم اللہ تعالٰی، بعد سلام علیک کے گزارش یہ ہے کہ یہاں پر قصبہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ میں کٹھیک لوگ قدیم زمانے سے گوشت کی دکان کرتے چلے آرہے ہیں، اور مسلمان بھی انھیں کے یہاں سے خریدتے ہیں، ان کھٹکوں کا دو ایک مرتبہ کچہری میں مردار گوشت کا مقدمہ جاچکا ہے۔ اس لئے بوجہ شکوک اب ان کے یہاں سے مسلمانوں نے گوشت لینا قطعاً بند کردیا اور مسلمان قصائی آباد کرکے اس کے یہاں سے خریدنا شروع کردیا ہے، مگر دو ایک مسلمان جن کا تجارتی تعلق چمڑے وغیرہ کا کھٹکوں کے ساتھ ہے، وہ ایسا کہتے ہیں کہ یہ ضد اور نیا مسئلہ ہے، جب ایک مدت سے مسلمان کھٹکوں کے یہاں کا گوشت لیتے چلے آرہے ہیں اور تمام جگہ کھٹک ہی لوگ فروخت کرتے ہیں تو یہ ایک نئی بات پیدا کرکے کھٹکوں کو ناحق نقصان دیا جارہا ہے، کیا پہلے زمانے میں کوئی عالم نہ تھے، وہ کیوں کھاگئے، ان کے ایسا کہنے پر بہت سے مسلمان برگشتہ ہورہے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کے دنیا کی بدنامی کا خوف ہے اور اصلی جواب کے منتظر ہیں، مسلمانوں کی طرف سے کھٹکوں کے ساتھیوں کو سمجھایا گیا کہ تم ان سے بموجب شرع اس طرح پر انتظام کرادو:

(۱) نگراں مسلمان رہیں۔

(۲) گوشت مختلف مکانوں پر نہ ہو، جہاں مسلمان تجویز کریں۔

(۳) دبانے والا (۴) ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے وہ شرط اول دوم وچہارم پر رضامند ہوتے ہیں، لیکن یہ رضامندی بھی

[1] الہدایۃ کتاب الذبائح مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۳۸

اُن کی قیاسائے انتظام کو قطع کرنے کے لئے معلوم ہوتی ہے، دائمی نہیں معلوم ہوتی، اس لئے حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کیا دو شخص کے ورغلانے سے مسلمانوں کو پرانی بات پر جمار ہنا چاہئے، اور جو شخص اس پر صاد کرے اور حکم شرع ایک فضول اور بناوٹی بات بتائے اور آج تک تائب نہ ہو، مسلمان اس کے ساتھ کیا سلوک کریں؟

(۲) کیا مسلمانوں کو ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت خریدنے کی ممانعت کا حکم سنایا جاتا ہے، یہ نیا مسئلہ اور بناوٹی بات ہے؟

(۳) جو شخص مسلمان باوجود سمجھانے کے مسلمان قصائی کو چھوڑ کر پرانی روش، پر ضدًا ہندو کھٹکوں کے یہاں پر گوشت لینے پر آمادہ ہو، اس پر کیا حکم ہے؟

(۴) کیا کسی شخص کی خاطر سے ہمارے مذہب کے ایسے حکم کو جس سے ہمارے ایمان میں خلل آنے کا ڈر ہو چھوڑ دینا روا ہے؟

بینوا توجروا

الجواب:

(۱) حکم شرعی یہ ہے کہ مشرک یعنی کافر غیر کتابی سے گوشت خریدنا جائز نہیں، اور اس کا کھانا حرام ہے، اگرچہ وہ زبان سے سو بار کہے کہ یہ مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے، اس لئے کہ امر و نہی میں کافر کا قول اصلا مقبول نہیں، درمختار میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لا فی الدیانات[1]۔	معاملات میں کافر کی خبر بالاجماع مقبول ہے دینی معاملہ میں مقبول نہیں۔ (ت)

نہایہ وغیرہا میں ہے:

من الدیانات الحل والحرمۃ[2]۔	دیانات میں سے حلال وحرام ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التاتارخانیۃ قبیل الاضحیۃ عن جامع الجوامع لابی یوسف	تاتارخانیہ میں قربانی کے بیان سے تھوڑا پہلے ابویوسف کی جامع الجوامع سے منقول ہے کسی نے

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہایۃ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

من اشتری لحما فعلم انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکرہ اکله اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیا یثبت الحرمة، فانه بعد اخبارہ بالحل بقوله ذبحه مسلم کرہ اکله فکیف بدونه[1]۔	گوشت خریدا تو معلوم ہوا کہ فروخت کرنے والا مجوسی ہے اور اس نے واپس کرنا چاہا تو مجوسی نے کہا اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے اس کا کھانا مکروہ ہے اھ تو اس کا مفادیہ ہے کہ خالی فروخت کرنے والے کا مجوسی ہونا حرمت کو ثابت کرتا ہے کیونکہ مجوسی کے اس بیان کے بعد کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے جو کہ حلال ہونے کی خبر ہے، کھانا مکروہ ہے، تو اس کے خبر نہ دینے کی صورت میں کیسے مکروہ نہ ہوگا۔ (ت)

ہاں اگر وقت ذبح سے وقت خریداری تک وہ گوشت مسلمان کی نگرانی میں رہے، بیچ میں کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو، اور یوں اطمینان کافی حاصل ہو کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے تو اس کا خریدنا جائز اور کھانا حلال ہوگا، جب یہ حکم شرعی معلوم ہوگیا جواب سوالات ظاہر ہوگیا وہ پرانا طریقہ شرعاً محض حرام تھا، اس پر جمنا حرام، سخت حرام، اگرچہ دو نہیں، دو لاکھ ورغلائیں، جو حکم شرع کو بناوٹی بتائے اگر جاہل ہے سمجھایا جائے، ورنہ اس پر لزوم کفر ہے توبہ کرے، تجدید اسلام کرے، اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید، یہی حکم اس کے ساتھیوں کا ہے، یہ لوگ جب تک تائب نہ ہوں مسلمان ان سے میل جول نہ کریں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اور کبھی شیطان تجھ کو بھلادے تو یاد آنے پر ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ (ت)

(۲) یہ ممانعت خاص حکم شریعت ہے اور اس کے بناوٹی کہنے والے کے ایمان پر خطرہ ہے کما تقدم انفا۔

(۳) ایسا شخص حرام خوار، حرام کار، مستحق عذاب پروردگار سزاوار عذاب نار ہے، تعزیر شرعی یہاں کون کسے دے سکتا ہے یہی بس ہے کہ مسلمان اس سے یک لخت قطع تعلق کردیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظلم کرنے والوں کی طرف میلان نہ کرو کہ تم کو آگ مس کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

(۴) ہرگز روانہیں، اور ایسی خاطر ملعون، وہ شرطیں جو ان سے کی جارہی ہیں ان میں مسلمانوں کی نگرانی اس طرح کی ہو جیسی ہم نے بیان کی کہ وقت ذبح سے وقت خریداری تک کسی آن مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو ورنہ کافی نہیں، اور دبانے والے کا مسلمان ہونا کچھ ضرور نہیں، ذبح کرنے والا مسلمان چاہئے۔

مسئلہ ۱۳۲: از اٹاوہ محلّہ اورنگ آباد مرسلہ فضل حسین صاحب سوم جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شہر میں گوشت ہندو کھٹک فروخت کرتے ہیں، اور انتظام ذبح یہ ہے کہ گورنمنٹی مذبح بناہوا ہے، بعد ملاحظہ ڈاکٹر انگریزی کے (عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ہو) اس مذبح میں کل جانور ذبح ہوتے ہیں، کھٹک گوشت بناکر بازار میں لاکر فروخت کرتے ہیں، مذبح پر ایک مسلمان جاتاہے جس کی نسبت معلوم ہوا کہ ذبح وہی شخص کرتاہے، اگرچہ عادت مستمرہ وطریقہ مقررہ تو یہی ہے، لیکن ممکن ہے کہ بخلاف ورزی اس حکم گورنمنٹی کے کوئی جانور خفیۃً اپنے گھروں پر ذبح کرکے اس کا گوشت بھی انھیں جانوروں کے گوشت میں ملاکر فروخت کرلیں، چنانچہ ایسے مقدمات بھی ہوتے اور وہ لوگ سزا پاتے ہیں، شہادت اس امر کی کہ گوشت جو فروخت ہورہاہے اس جانور کا ہے جس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے بجز قول اُس کافر کے جو گوشت فروخت کررہاہے، اور کوئی نہیں ہے، اور نہ وقت ذبح سے وقت فروخت تک بالاتصال وہ گوشت کسی مسلمان کے زیر نظر رہا، اگرچہ عادت معہودہ کے موافق کہا جاسکتاہے، کہ مذبح گورنمنٹی میں ذبح ہوا ہے، اور وہاں مسلمان معموگا جاتاہے، اور ایسے مقدمات بھی پیش آتے ہیں کہ بیماری مویشی وغیرہ بخوف ڈاکٹر کے معائنہ کے گھر پر ذبح کرلیتے ہیں۔ اور اس گوشت میں شامل کرلیتے ہیں، جو مذبح کے مذبوح جانوروں کا ہے، پس ایسی حالت میں اس ہندو کھٹک سے خریدا ہوا گوشت کھانا جائز وحلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اس سے گوشت کا خریدنا، کھانا، کھلانا ناجائز ہے، کہ حیوان جب تک زندہ تھا حرام تھا، ذبح شرعی سے حلال ہوگیا، اور اس کا حصول ثابت نہ ہوا، **والیقین لایزول بالشك** (شک سے یقین زائل نہیں ہوتا۔ ت) اور وہ کافر غیر کتابی اگر کہے بھی کہ یہ مسلمان کا ذبیحہ ہے، تو یہ خبر خصوصا امر دیانت وحلت وحرمت میں ہیں۔ اور ان امور میں کافر کی خبر محض باطل و نامعتبر ہے، درمختار وہدایہ وتبیین وہندیہ وغیرہا عامہ کتب میں ہے:

خبر الکافر مقبول بالاجماع فی المعاملات لافی الدیانات [1]۔	معاملات میں بالاجماع کافر کی خبر مقبول ہے دیانات میں مقبول نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

اشباہ میں اسی قاعدہ کے تحت میں ہے:

الشاۃ فی حال حیاتھا محرمۃ فالمشتری مستمسك باصل التحریم الی ان یتحقق زوالہ[1]۔	بکری زندہ حرام ہے، تو خریدار نے اس کے اصل حال کو دلیل بناکر حرام کردیا تاوقتیکہ اس اصل یقین کازوال نہ ہوجائے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

لاتحل حتی یعلم انھاذکاۃ مسلم لانھا اصلھا حرام، وشککنا فی الذکاۃ المبیحۃ[2]۔	کھانا حلال نہیں جب تک یقینی علم نہ ہوجائے کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے کیونکہ اصل میں حرام ہے، اور ہمیں مباح بنانے والے ذبح میں شک ہے۔ (ت)

تاتارخانیہ میں جامع الجوامع امام ابویوسف سے ہے:

من اشتری لحما فعلم انہ مجوسی واراد الرد، فقال ذبحہ مسلم یکرہ اکلہ[3] اھ۔	کسی نے گوشت خریدا اور معلوم ہے کہ فروخت کرنیوالا مجوسی ہے تو واپس کرنا چاہاتو مجوسی نے کہااس کو مسلمان نے ذبح کیاہےاس کا کھانا مکروہ ہےاھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیایثبت الحرمۃ فانہ بعد اخبارہ بالحل بقولہ ذبحہ مسلم کرہ اکلہ فکیف بدونہ، تأمل[4]۔	اس کا مفادیہ ہے کہ محض بائع کا مجوسی ہونا ہی حرمت کو ثابت کردے گا کیونکہ اس نے اس کے حلال ہونے کی خبر دی، کہ اس کو مسلمان نے ذبح کیا ہے، اس کے باوجود جب کھانامکروہ ہو اتوایسی خبر کے نہ ہونے پر کیسے حلال ہوسکتاہے، غور کیجئے۔ (ت)

بخلاف اس کے کہ مسلمان اپنے کسی نوکر یامزدور مشرک کو گوشت لینے بھیجے اور وہ خرید کرلائے اور کہے میں نے مسلمان سے خریدا ہے اس کا کھانا جائز ہوگا، جبکہ قلب میں اس کا صدق جمتاہو کہ اب یہ اصالۃً دربارہ معاملات قول کافر کا قبول ہے اگرچہ حکم دیانت کو متضمن ہوجائے گا، تبیین الحقائق پر ہندیہ میں ہے:

---

[1] الاشباہ النظائر الفن الاول القاعدہ الثالثۃ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۸۹

[2] فتح القدیر

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیہ کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

لایقبل قول الکافر فی الدیانات الا اذا کان قبول قول الکافر فی المعاملات یتضمن قبوله فی الدیانات، فتدخل الدیانات فی ضمن المعاملات، فیقبل قوله فیها ضرورة[1]۔	دیانات میں کافر کا قول مقبول نہیں ماسوائے اس کے کہ جب معاملات میں اس کا قول ہونے پر دیانات میں مقبول ہونے کو متضمن ہو تو ایسی صورت میں دیانات، معاملات میں داخل قرار پاتے ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الجواب ان قوله شریته من المعاملات، و ثبوت الحل والحرمة فیه ضمنی، فلما قبل قوله فی الشراء، ثبت ما فی ضمنه بخلاف مایأتی، وکم من شیئ یثبت ضمنا لاقصدا[2]۔	جواب یہ ہے کہ اس کا یہ کہنا کہ میں نے اسے خریدا ہے، یہ معاملات کی بات ہے اور حلال وحرام ہونا اس میں ضمنی چیز ہے تو جب خریداری کے متعلق اس کا قول مقبول ہے تو ضمنی امر بھی ثابت ہوجائے گا، آئندہ بیان اس کے خلاف ہے، تاہم بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوجاتی ہیں وہ قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔(ت)

ولہذا اگر وہ نوکر کہے کہ بائع مشرک تھا گوشت حرام ہوگا، معلوم ہوا کہ بیچنے والے کا مشرک ہونا ہی حرمت گوشت کے لئے کافی ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

قال اشتریت اللحم من کتابی فیحل، او قال اشتریته من مجوسی فیحرم[3]۔	اس نے کہا میں نے یہ گوشت کتابی شخص سے خریدا ہے تو حلال ہوگا، یا اس نے کہا میں نے مجوسی سے خریدا ہے، تو حرام ہوگا۔(ت)

ہاں جب تک وہ گوشت ذابح مسلم خواہ اور کسی مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہو تو اس مسلمان اور نیز دوسرے کو اس مسلم کی خبر پر کہ یہ وہی گوشت ہے جو مسلمان نے ذبح کیا، خریدنا اور کھانا سب جائز ہے کہ اب خبر مسلم ہے نہ کہ کافر، مگر وہ مخبر ثقہ نہ ہو تو قلب پر اس کا صدق جمنا شرط ہوگا۔

فی التنویر شرط العدالة فی الدیانات و یتحری فی الفاسق والمستور[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر میں ہے دینی امور میں عدالت شرط ہے اور فاسق یا مستور الحال شخص کی خبر میں غور وفکر کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ تبیین الحقائق کتاب الکراہیة الباب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

مسئلہ ۱۳۳: ۷ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے گوسفند ذبح کیا ہوا اپنے ایک ملازم غیر کتابی کے ہاتھ مکان کو بھیجا اور آرندہ ذبیحہ نے یہاں کہا کہ یہ ذبیحہ فلاں شخص مسلم نے بھیجا ہے۔ کھانا اس کا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر قرائن کی رو سے اس کافر کے اس قول میں شک پیدا نہ ہو، ظن غالب اس کے صدق ہی کا ہو، تو مسلمان کے لئے اس ذبیحہ کے کھانے میں کوئی حرج نہیں کہ ہدیہ لانا از قبیل معاملات ہے اور معاملات میں کافر کی بات مقبول، اور جب یہ مان لیا گیا کہ یہ ذبیحہ فلاں مسلم کا بھیجا ہوا ہے، تو اس کے ضمن میں حلت بھی مسلم ہوگئی، اگرچہ ابتداء حلت، حرمت، طہارت، نجاست وغیرہا امور خالصہ دینیہ میں کافر کا قول مقبول نہیں۔ ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرا لہ مجوسیا اوخادما فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یہودی اونصرانی اومسلم وسعہ اکلہ، لان قول الکافر مقبول فی المعاملات الخ[1]۔	جس نے اپنا مجوسی مزدور یا خادم گوشت خریدنے بھیجا تو اس نے واپس آکر کہا میں نے یہودی یا نصرانی یا مسلمان سے خریدا ہے تو مزدور یا غلام کا خریدا ہوا گوشت کھانا جائز ہے کیونکہ معاملات میں کافر کا قول مقبول ہے۔ الخ (ت)

تبیین الحقائق ودرمختار میں ہے:

المعاملات یقبل فیہا خبر کل ممیز حرا کان اوعبدا مسلما کان اوکافرا، کبیرا او صغیرا لعموم الضرورۃ فان الانسان قلما یجد المستجمع لشرائط العدالۃ لیعاملہ اویستخدمہ اویبعثہ الی وکلائہ ونحوذلك و لادلیل مع السامع یعمل بہ سوی الخبیر[2] الخ۔	معاملات میں ہر باتمیز شخص کی بات مقبول ہے، وہ آزاد ہو یا غلام مسلمان ہو یا کافر، وہ بڑا ہو یا نابالغ ہو کیونکہ ضرورت عام چیز ہے جبکہ انسان معاملہ یا خدمت لینے یا اپنے وکلاء کے پاس بھیجنے کے لئے شرائط عدالت پر پورا اترنے والے کو بہت کم پاتا ہے اور سامع کے پاس خبر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہوتی، جس پر عمل کیا جائے۔ (ت)

[1] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

عالمگیری میں ہے:

یقبل قول الواحد فی المعاملات مسلما کان اوکافرا، دفعاللحرج، ومن المعاملات الوکالات والمضاربات و الرسالات فی الھدایا، والاذن فی التجارات ، کذا فی الکافی[1] اھملخصا۔	معاملات میں ایک شخص کی بات قبول کی جائے گی خواہ وہ مسلمان ہو یاکافر ہو تاکہ حرج کو ختم کیا جاسکے اور معاملات میں سے مضاربت اور ہدیہ وغیرہ کا قاصد بنانا تجارت کی اجازت دینا بھی ہے، اسی طرح کافی میں ہے اھ ملخصا۔ (ت)

نیز تبیین میں ہے:

فاذا قبل فیھا قول الممیز وکان فی ضمن قبول قولہ فیھا قبولہ فی الدیانات یقبل قولہ فی الدیانات ضمنا ضرورۃ، وکم من شیئ لایصح قصدا یصح ضمنا و لان کل معاملۃ لاتخلو عن دیانۃ، فلو لم یقبل فیھا فی ضمن المعاملات لادی الی الحرج، بخلاف الدیانات المقصودۃ[2] (ت)	توجب اس میں باتمیز شخص کی بات قبول ہے تو اس کے ضمن والی دینی چیز بھی اس کی قبولیت سے ضرورۃً ضمن میں قبول ہوگی اور اس لئے بھی کہ کوئی معاملہ بھی دینی امر سے خالی نہیں ہوتا، تو اگر وہ معاملہ میں ضمناً ثابت نہ ہو تو حرج کا باعث ہوگا جبکہ بہت سی چیزیں ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصدا صحیح نہیں ہوتیں، اس کے برخلاف مقصود دینیات کہ وہ ضمناً صحیح نہیں ہوتے، ملخصا (ت)

ہاں اگر بنظر قرائن اس کی بات میں شک پڑے، کچھ فریب معلوم دے، تو ہر گز نہ کھائے کہ ذبیحہ کی حلت مشکوک وموہوم بات سے ثابت نہ ہوگی،

فان الحیوان ماکان حیاکان حراما، وانما یحل بذبح مشروع فلا یثبت الطاری بالشک۔	کیونکہ جانور جب تک زندہ ہے کھانا حرام ہے وہ صرف شرعی طریقہ سے ذبح کرنے سے حلال ہوتا ہے تو اصل کے خلاف وارد ہونیوالی چیز شک سے ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۰

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

یقبل قول المملوك ولو انثی، والصبی، فی الهدیة، وقیده فی السراج بما اذا غلب علی رائه صدقهم [1] اھ ملخصا۔	غلام عورت ہو یا بچہ ہو اس کی بات قبول ہوگی، ہدیہ میں اور کہ اس بات کو سراج میں اس قید سے مقید کیا ہے کہ اس کی رائے میں اس مملوک غلام کی سچائی غالب ہو اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ثم قال کما فی المنح وان لم یغلب علی رأیه ذٰلك لم یسعه قبوله منهم، لان الامر مشتبه علیه، اھ، قال الاتقانی لان الاصل انه محجور علیه، والاذن طاری، فلا یجوز اثباته بالشك [2] ۔ الخ، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	پھر منح میں کہا گیا کہ اگر اس کی سچائی پر غلبہ ظن نہ ہو تو پھر اس کی بات کو قبول کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ معاملہ اس پر مشتبہ رہے گا اھ، اتقانی نے کہا کہ اصل ممانعت ہے اور اجازت بعد والی چیز ہے، لہٰذا شک کے ساتھ اجازت ثابت نہ ہوگی الخ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ضلع لاہور مقام چونیا مسئولہ انوار الحق بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اس شہر میں حلال خور یعنی چوہڑے درپردہ گائے ذبح کرکے گوشت فروخت کرتے ہیں، بعض مسلمان ان سے خرید لیتے ہیں، اگر ان سے منع کیا جائے تو زید کہتا ہے کہ مولوی عبدالحہ کے فتاوٰی میں لکھا ہے اگر جانور کو مسلمان ذبح کرے اور فروخت کافر کرے تو کھانا جائز ہے، جب شریعت جاز کرتی ہے تو تم کیوں نفرت کرتے ہو، یا حضرت! چوہڑوں سے گوشت کھانا مسلمان کو بہت برا معلوم ہوتا ہے. برائے مہربانی تحریر فرمائیں کہ اگر جائز ہو تو نفرت نہ کی جائے۔ فقط

الجواب:

گوشت میں اصل یہ کہ جانور مثلاً گائے جب تک زندہ ہے اس کا گوشت حرام ہے، اگر کوئی ٹکڑا کاٹ لیا جائے مردار اور حرام ہوگا، "ما ابین فی حی فھو میت" (زندہ جانور سے گوشت کاٹا تو وہ حرام ہے)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۰

حلت ذکات شرعی سے ثابت ہوتی ہے، توجب ذبح شرعی معلوم و متحقق نہ ہو توحکم حرمت ہے، کافر نے مسلمان سے راس ذبح کرائی اور قبل اس کے کہ مسلمان کی نگاہ سے غائب ہوانھیں سے خرید لیا، یہ جائز ہے اور اگر مسلمان نے ذبح کیا اور اس کے بعد جانور اس کی نظر سے غائب ہوگیا"اور کافر عـــہ گوشت اس کی حلت وطہارت کرنا چاہتا ہے۔"اور حلت وحرمت وطہارت ونجاست خالص امور دیانت ہیں، اور امور دیانت میں کافر کی خبر محض نامعتبر ہے۔

قال الله تعالٰی "لَنۡ یَّجۡعَلَ اللّٰهُ لِلۡكٰفِرِیۡنَ عَلَى الۡمُؤۡمِنِیۡنَ سَبِیۡلًا ﴿۱۴۱﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنوں پر راہ نہ دے گا۔(ت)

مسلمان اس کے گوشت کی خریداری سے نفرت واعراض کرتے ہیں، بہت صحیح وبجا ہے، یہی حکم شرع ہے، بلکہ چوہڑے چمار اگر مسلمان سے ذبح کرائیں اور ہنوز نگاہ سے غائب نہ ہو جب بھی خریدنا نہ چاہئے جبکہ قلوب اس سے تنفر کرتے ہوں،

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم: بشروا ولا تنفروا[2]۔ وعنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم: ایاکم ومایتغدر منه[3] فان الخبر لایتغدر منه، وعنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاك ومایسؤ الاذن[4]۔ هذا وفصلناه فی فتاوٰنا	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے؛ بشارت دینے والے بنو اور نفرت پیدا نہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: باعث غدر سے بچو جبکہ خبر باعث غدر نہیں ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے۔ کانوں کو تکلیف دہ بات سے بچاؤ۔

عـــہ: اصل میں اسی طرح ہے، مگر ہونا اس طرح چاہئے: "اور کافر گوشت فروش اس کی حلت وطہارت ثابت کرنا چاہتا ہے۔" عبد المنان اعظمی۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

بتوفیق اللہ تعالٰی۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے ہم نے بتوفیق الٰہی اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان کردیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۵: از رامہ ڈاک خانہ جاتلی تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

مذبوحہ شدہ مالک کو دستیاب ہوجائے،ذابح نامعلوم ہے،کیا یہ مذبوحہ حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

حلال ہے مگر جب کہ اس گمان کا محل ہو کہ ذابح مرتد یا مشرک یا مجوسی ہے۔حلبی وشامی علی الدرر میں ہے:

الاولی ان یقال ان کان الموضع مما یسکنه او یسلك فیه مجوسی لایوکل والا اکل ولایعترض بشأن ترك التسمیة عمدا،فان ہذا موہوم لایعارض الراجح[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ کہنا بہتر ہے،ایسا موضع جہاں مجوسی رہتا ہو وہاں اس کا آنا جانا ہو تو وہاں کا نہ کھایا جائے ورنہ کھایا جائے،اور قصدا بسم اللہ کو ترک کی صورت سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ یہ احتمال موہوم ہے جو راجح احتمال کا مقابل نہیں بن سکتا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۶: از موضع بکاجی والا،علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاکخانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد ۲رمضان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بکری یا اور کوئی حلال جانور چرا کر ذبح کرے تو وہ جانور اس کے ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟اور اس کا کھانا کیسا ہے؟اور اس ذبح کرنیوالے کے لئے کیا حکم ہے؟بینوا توجروا۔

الجواب:

یہ شخص ملک غیر میں بے اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے گنہ گار ہوا،مگر اگر یہ ذبح کرنیوالا اہل ذبح ہے اور تکبیر اس نے قصداً ترک نہ کی تو جانور کا ذبیحہ صحیح ہوگیا یہاں تک کہ اگر یہ جانور مالک نے خاص قربانی کے لئے خریدا تھا اور اس شخص نے ایام قربانی میں اپنی طرف سے ذبح کرلیا،اور مالک نے یونہی ذبح کیا ہوا اس سے لے لیا تو مالک کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر مالک نے تاوان لے لیا تو ذابح کی قربانی ادا ہوگئی اور اگر

---

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

کوئی شخص کسی کا جانور چوری یا غصب سے لے کر ذبح کرے، اور ابھی پکانے یا بھوننے نہ پایا ہو، تو مالک کو اس کا لے لینا اور خود کھانا حلال، اور جسے وہ اجازت دے اسے بھی حلال، ہاں بے اس کی اجازت کے یہ ذبح کرنیوالا نہ خود کھا سکتا ہے نہ دوسرے کو کھلاسکتا ہے اسے حرام ہے جب تک اس کا تاوان ادانہ کرے، یہ حرمت تعلق غیر کے سبب ہے نہ اس وجہ سے کہ ذبح صحیح نہ ہوا، جس طرح ذابح کے پکالینے یا بھوننے کے بعد مالک کو اس کے لے لینے کا اختیار نہیں کہ اب ذابح اس کا مالک ہو گیا اصل مالک کو صرف تاوان لینے کا اختیار رہا، جب یہ تاوان لے لے گا ذابح کو اس کا کھانا حلال ہو جائے گا، درمختار میں اشباہ سے ہے:

لو شراہا بنیة الاضحیة فذبحہا غیرہ بلااذنه فان اخذہا مذبوحة ولم یضمنه اجزأته۔ وان ضمنه لا تجزئه وہذا اذا ذبحہا عن نفسه، واما اذا ذبحہا عن مالکہا فلا ضمان علیه[1]۔	اگر قربانی کی نیت سے بکری خریدی تو کسی دوسرے شخص نے اس کی اجازت کے بغیر اسے ذبح کر دیا تو اگر مالک نے وہ ذبح شدہ بکری رکھ لی اور اس سے ضمان نہ لیا تو مالک کی قربانی جائز ہوگی اور اگر ضمان لیا تو قربانی جائز نہ ہوگی یہ اس صورت میں ہے کہ جب ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے جانور ذبح کیا ہو اور اگر اس نے مالک کی طرف سے ذبح کیا تو اس پر ضمان نہ ہوگا۔ (ت)

عالمگیریہ میں محیط سرخسی سے ہے:

رجل ذبح اضحیة غیرہ عن نفسه بغیر امرہ، فان ضمنه المالك قیمتہا یجوز عن الذابح دون المالك لانه ظہر ان الاراقة حصلت علی مبلکه وان اخذہا مذبوحة تجزئ عن المالك لانه قد نواہا فلیس یضرہ ذبح غیرہ لہا[2]۔	کسی شخص نے غیر کی قربانی کو اپنی طرف سے اس کی اجازت کے بغیر ذبح کر لیا تو مالک نے اس کو جانور کی قیمت کا ضامن بنایا تو وہ قربانی ذبح کرنے والے کی طرف سے ہوگی مالک کی نہ ہوگی کیونکہ واضح ہو گیا کہ ذبح کرنے والے نے اپنی طرف سے قربانی دی ہے اور اگر مالک نے ذبح شدہ کو لے لیا تو قربانی مالک کی جانب سے ادا ہوئی کیونکہ اس نے قربانی کی نیت کر رکھی تھی تو غیر کا ذبح کرنا مضر نہ ہوگا۔ (ت)

تنویر میں ہے:

[1] درمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الاضحیة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۲

ان غصب وغیر فزال اسمه واعظم منافعه ضمنه و ملکه بلاحل انتفاع قبل اداء ضما نه کذبح شاة و طبخها اوشیها[1] اھملخصا۔	اگر دوسرے شخص نے جانور غصب کیااور اس میں کوئی تغیر کردیا تواس کا نام زائل ہوگیااور اس کے منافع بڑھالئے ضمان دیا تومالک ہوجائے گا اور ضمان کی ادائیگی سے قبل اس کو انتفاع حلال نہ ہوگا مثلاًذبح کرکے پکالیایا بھون لیاتومالک ہوجائے گا۔اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

ذبح شاة غیرہ طرحها المالك علیه،واخذ قیمتها او اخذہاوضمنه نقصانها[2]۔	غیر کی بکری ذبح کی تومالک نے اس کے ذمہ ڈال دی اور اس کی قیمت وصول کرلی یاوہ ذبح شدہ بکری مالک نے رکھ لی اور نقصان کاضمان وصول کرلیا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لانه اتلاف من وجه لفوات بعض المنافع کالحمل و الدروالنسل وبقاء بعضها وهو اللحم،[3] درر۔	کیونکہ یہ من وجہ اتلاف ہے حاملہ ہونے،دودھ اور نسل کے اعتبار سے اور من وجہ باقی ہے گوشت کے اعتبار سے درر،(ت)

اسی طرح ہدایہ وغیرہامیں ہے:

فظهران ماوقع فی اٰخرالصید من الدر المختار،بما نصه ورأیت بخط ثقة سرق شاه فذبحها بتسمیة فوجد صاحبها هل توکل.الاصح لا،لکفرہ بتسمیته علی الحرام القطعی بلاتملك ولا اذن شرعی اھفیحرر اھ[4]فغیر معتمد ولامحرر،لمخالفته لما	تو درمختار کے باب الصید کے آخر میں جو واقع ہے وہ غیر معتمداور غیر محرر ہے،وہ عبارت یہ ہے،"میں نے ثقہ عبارت میں پایاکہ کسی نے بکری چوری کرکے ذبح کرلی اور اس پر بسم اللہ پڑھی تومالک ناراض ہوا،کیاوہ کھائی جائے گی؟(جواب)اصح یہ ہے کہ نہ کھائی جائے کیونکہ حرام قطعی پر بسم اللہ پڑھنے سے کفر ہونے کی بناء پر ملکیت اور اذن شرعی کے بغیریہ عمل ہوا"،اھ اس کوواضح کیاجائے اھ

[1] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶
[2] درمختار شرح تنویرالابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶
[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۳
[4] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

فی الدر وغیرہ عامة معتمدات المذہب، ولذا قال فی ردالمحتار المعتمد خلافه بدلیل قولهم بصحة التضحیة بشاة الغصب واختلافهم فی صحتها بشاة الودیعة ولذا قال السائحانی، **اقول:** ھذا ینافی ما تقدم فی الغصب، وفی الاضحیة فلا یعول علیه[1] اھ، ما فی ردالمحتار، **اقول:** و یؤید حدیث شاة ذبحت بغیر اذن مالکها، وقدمت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاخبرہ بذلك لحمها، فلم یتناول منه وامر بحمله الا ساری، واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے غیر معتبر ہے کہ درمختار اور دیگر عام کتب مذہب کے بیان کے خلاف ہے اور اسی لئے ردالمحتار میں فرمایا اس کا خلاف معتمد علیہ ہے اس پر دلیل فقہاء کا یہ قول ہے کہ غصب شدہ بکری کی قربانی صحیح ہے، اور امانت بکری کے متعلق اختلاف کیا، اور اسی لئے سائحانی نے فرمایا **میں کہتا ہوں** کہ یہ غصب میں بیان شدہ کے خلاف ہے اور قربانی کے بیان سے بھی مخالف ہے، ردالمحتار کا بیان ختم ہوا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح شدہ بکری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئی اور آپ کو واقع بتایا گیا تو آپ نے وہ گوشت نہ کھایا اور آپ نے وہ گوشت قیدیوں کو دے دینے کا حکم فرمایا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کافر نے ایک بکری پر اہلال لغیر اللہ کیا، اور بنام خدا ذبح کرنا چاہا، پھر کسی کے کہنے سے ذبح موقوف کرکے ایک شخص کو ہبہ کردیا نہ کہ اس غیر کے نام پر بلکہ جیسے، آپس میں ایک دوسرے کو ہبہ کرتے ہیں، آیا موہوب لہ کو خدا کے نام پر ذبح کرکے کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عند التحقیق کریمہ "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ"[2] میں اہلال وقت ذبح مقصود، یعنی اس وقت اگر نام غیر خدا لیا گیا حرام ہے، اس معنی پر آیہ کریمہ کو صورت مسئولہ سے کچھ علاقہ ہی نہیں، اور بعض نے جو پیش از ذبح جانور پر نام غیر خدا پکار دینا مراد رکھا، ان کے نزدیک بھی استمرار اسی کا تادم شرط حرمت ہے۔ استدلال

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

شاہ عبدالعزیز صاحب کا حدیث "**ملعون من ذبح لغیر اللّٰہ**"[1] (جس نے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا وہ ملعون ہے۔ت) اور عبارت نیشاپوری:

اجمع العلماء لو ان مسلما ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحھا التقرب الی غیر اللّٰہ صار مرتدا ذبیحتہ ذبیحۃ مرتد[2]۔	علماء کا اجماع ہے کہ اگر مسلمان نے جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے قصد کرتے ہوئے ذبح کیا تو وہ مرتد ہوجائے گا، اس کا ذبیحہ مرتد کے ذبیحہ کی طرح ہوگا۔(ت)

سے اس کا صاف مؤید ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جب ایک بار اس پر نام خدا کا پکار دیا گیا نجس العین ہوگیا اب اگرچہ وہ نیت جاتی بھی رہے اور وقت ذبح تقرب الی اللہ ہی مقصود ہو، اور نام بھی خدا ہی کا لیا جائے حرام رہے گا، حالانکہ علت حرمت مرتفع ہوگئی اور ارتفاع علت کو ارتفاع معلول لازم، شاہ صاحب اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

آرے ذکر نام خدا براں جانور وقتے فائدہ می دہد کہ تقرب بغیر خدا از دل دور کردہ، وخلاف آں شہرت دادہ آواز دیگر دہند کہ ما ازیں کار برگشتیم[3]۔	ہاں اس جانور پر خدا کا نام ذکر کرنا تب فائدہ مند ہوگا جب غیر خدا کے تقرب کو دل سے نکال دے اور غیر خدا کے تقرب کے خلاف کو شہرت دے اور لوگوں کو بتائے کہ اس کام سے باز آگیا ہوں۔(ت)

اس عبارت سے صاف ظاہر کہ اگر بعد اہلال للغیر ونیت فاسدہ زائل ہوجائے تو جانور قطعاً حلال ہے، خصوصاً صورت مسئولہ میں کہ یہاں تو وہ بکرا صاحب اہلال کی ملک ہی نہ رہا، دوسرے شخص کا مملوک ہوگیا کیا صرف ایک بار نام خدا پکار دینے سے اس میں وہ حرمت ابدی ونجاست سرمدی آگئی کہ اب اگرچہ وہ نیت بھی جاتی رہی، اور اہلال للغیر بھی موقوف ہوجائے بلکہ جانور صاحب اہلال کی ملک بھی نہ رہے، اور ملک ثانی خاص خدا کے نام پر ذبح کرے، بایں ہمہ اس کی حرمت نہ جائے؟ یہ امر بالبداہۃ باطل، اور اس بکر کی حلت میں باتفاق فریقین کوئی شبہ نہیں، **واللّٰہ تعالٰی اعلم وحکمہ عزاسمہ احکم۔**

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶۱۰

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

[3] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲/ ۱۷۳ مطبع مجتبائی دہلی ۶۱۱)

مسئلہ ۱۳۸: ۱۴رمضان المکرم ۱۳۱۴ھ

جنگل میں صبح کے وقت بیل مذبوحہ پایا، مگر ذابح معلوم نہیں کہ کافر ہے یا مسلمان، اگر مسلمان ہے تو بسم اللہ اکبر کہی ہو یا نہ، آیا مذبوحہ حلال ہے یا حرام؟ اگر حلال ہے تو یہ جزئیہ کون سی کتاب میں ہے اور کون سے باب میں ہے یا "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ج" [1] میں داخل کیا جائے کون سی دلیل کے ساتھ؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ان بلاد میں کہ مومن اور کافر، مشرک، ملحد، زندیق ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں، ایسا نامعلوم الحال ذبیحہ حلال نہ سمجھا جائے گا۔

کمابینہ فی الدرالمختار [2] وردالمحتار [3] من اٰخر الصید فراجعهما وفیہ تفصیل لا یعدو ماقلناہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کے باب الصید کے آخر میں اس کو بیان کیا ہے تو دونوں کتب کی طرف رجوع کرو اور اس میں تفصیل ہے جو ہمارے بیان کردہ سے زائد نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۹: از بریلی محلہ بہاری پور مسئولہ عبدالرشید خاں ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

اور مدار صاحب کا مرغہ کرنا کیسا ہے؟ اور کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو جانور مسلمان نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا اور اللہ عزوجل کے لئے اس کی جان دے وہ حلال ہے، مرغ مزار پر لے جانا نہ چاہئے نہ مرغ کی خصوصیت ضروری سمجھنا چاہئے۔ جو ذبح جہاں ہو اللہ کے لئے کرے ان کا ثواب ان کی روح کو پہنچادے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۰: مسئولہ انوارالحق چونیاں ضلع لاہور بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب کا حنفی المذہب کے مطابق ہے یا کہ نہیں، اور نیز اس میں لکھاہے کہ پیر کے نام کا بکرا حرام ہے، خواہ وقت ذبح تکبیر کہی جائے، اب اے وارث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم! تحریر فرمائے کہ شاہ صاحب اس مسئلہ میں غلطی پر ہیں، یا یہ کہ اس فتاوٰی کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہے اس

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۴

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۶

فتوے کی تمام عبارت دو تین ورق پڑھ کر تحریر فرمائیں، اور نیز حضور نے کئی دفعہ پڑھا بھی ہوگا۔

الجواب:

اس مسئلہ میں حق یہ ہے کہ نیت ذابح کا اعتبار ہے اگر اس نے اراقۃ دم تقربا الی اللہ کی اور وقت ذبح نام الٰہی لیا جانور بنص قطعی قرآن عظیم حلال ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی مالکم ان لاتاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تمھیں کیا ہوا کہ تم اسے نہیں کھاتے جس پر اللہ کا نام پکارا گیا۔(ت)

تفصیل فقیر کے رسالہ "سبل الاصفیاء" میں ہے، شاہ صاحب سے اس مسئلہ میں غلطی ہوئی، اور وہ نہ فقط فتاوٰی بلکہ تفسیر عزیزی میں بھی ہے، اور نہ ایک ان کا فتاوٰی بلکہ کسی بشر غیر معصوم کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں سے کچھ متروک نہ ہو، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذہ القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ تمام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سواہر ایک اپنے قول پر ماخوذ ہوگا اور قول کو اس پر رد کیا جائے گا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۱: از رام گڑھ سیٹھاں علاقہ سیکر شیخاوٹی، مدرسہ نورالاسلام، مسئولہ عبدالعزیز ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ پیروں کا بکرا جو مانتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ذبح اللہ عزوجل کے نام پر کیا جائے اور ثواب پیروں کو پہنچایا جائے، نہ اس میں حرج نہ اس کے ماننے میں حرج، مسلمان یہی کرتے ہیں اور ان کا مقصود ہوتا ہے، اس کے خلاف سمجھنا بدگمانی ہے، **کما فی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) اور یہ بدگمانی حرام ہے، **کما فی القرآن العظیم** (جیسا کہ قرآن عظیم میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۲: از ریاسی ریاست جموں مولانا امام الدین گاذر مرسلہ پیر سید غلام شاہ کشمیری ۱۷ صفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری کو شیر یا چیتے نے گلے سے

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۹

پکڑا اور خون پینے کے لئے رگوں کو چھید ڈالا باسنانہ، اور بکری زندہ ہے، اگر ذبح کی جائے تو حلال ہوسکے گی یا نہیں؟ ادھر کشمیر اور پونچھ کے مفتی عدم حلت کا فتوی دیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ وجیز امام کردری اور فتاوٰی عالمگیری میں ایسے جانور کو حرام لکھا ہے،

شاۃ قطع الذئب اوداجھا لاتحل بالذکوۃ وھی حیۃ [1]۔	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں اور ابھی زندہ تھی تو ذبح کردی گئی تو حلال نہ ہوگی۔(ت)

سے استدلال کرتے ہیں، اور نیز کہتے ہیں کہ چار رگیں کاٹنی فرض تھیں وہ شیر نے کاٹ ڈالیں، حالانکہ شیر رگیں بالکل نہیں کاٹتا صرف انھیں بیچ میں سے چھید ڈالتا ہے، مثلا رگ کی اصل صورت یہ ہے، زخمی اس طرح = = = = کردیتا ہے، بسا اوقات دو ہی رگوں کو دانت مارتا ہے، موافق مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ جواب ارشاد فرمایا جائے، اگر (ولو فرض) عقدہ توڑ جائے اور سب مذبح کھا جائے، تو اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ **بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان فرمایئے یوم حساب اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

اللہ عــہ عزوجل فرماتا ہے:

عــہ: ایضا فتوائے مولوی محمد مرتضٰی از بلکوٹ، ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر کہ در تحریم مقطوع الاوداج من السبع بود ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ ایں عبارت نوشتہ شد فی الواقع اگر درندہ محل ذبح کہ مابین اللبۃ واللحیۃ ست دو یا بیشتر اوداج رابرید کہ اتصال آنہا بدماغ یا سینہ منقطع شد حالا ذبح نتواں شد

نیز مولوی مرتضٰی از بلکوٹ ڈاکخانہ اوڑی، ریاست کشمیر، نے درندہ کی قطع کردہ اوداج (گلے کی رگیں) پر جانور کو حرام قرار دینے کا فتوی ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ کو دیا، وہ عبارت یہ ہے: اگر فی الواقع درندے نے مقام ذبح جو لبہ اور لحیہ کے درمیان ہے میں دو یا زیادہ اوداج کو کاٹ دیا ہو کہ ان کا تعلق دماغ یا سینے سے منقطع ہوگیا ہو ایسی صورت میں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ الوجیز کتاب الذبائح الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۱، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

"حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ "[1]۔	تم پر حرام کیا گیا مردار اور خون اور سوئر کا گوشت اور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹی، اور لاٹھیوں سے ماری اور اوپر سے گرنے والی، اور جسے کسی نے سینگ مارا، اور درندہ کی کھائی ہوئی، مگر جسے تم ذبح کرلو۔

یہ استثناء تمام مذکورات کی طرف راجع ہے جس سے متعلق ہوسکتا ہے، ظاہر ہے کہ خون اور گوشت ذبح نہیں ہوسکتے، عجب نہیں کہ اضافہ لفظ لحم میں یہی حکمت ہو کہ صلاحیت استثنا نہ رہے، اور مردار اور جو ایک بار ذبح ہوچکی صالح ذبح نہیں، بحمداللہ تعالٰی یہاں سے وہابیہ کا رد ہوگیا، مااُہل سے اگر ماذبح مراد لیتے ہیں جیسا کہ یہی حق اور یہی تفسیر ماثور ہے۔ تو قبل ذبح کسی کا نام پکارنے سے کیوں حرام بتاتے ہیں اور مطلق پکارنا مراد لیتے ہیں، تو جب اسے نام خدا پر ذبح کیا گیا کیونکر حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ "[2]۔ (مگر جسے تم ذبح کرلو۔ت) یہ چیزیں حرام ہیں مگر جسے تم ذبح کرلو وہ حلال ہے، پہلی صورت میں تو یہی تھا کہ

لفوات محلّہ پس الا ماذکیتم صادق نیاید آرے اگر دندان زدہ رگ راقدرے شگافتہ، ست کہ خرق باشد نہ قطع یا در غیر محل مذکور چنانکہ در سر یا بر صدر و مجروحہ ہنوز زندہ است آں، ذبح کردہ شد حلال می شود لبقاء محل الذبح فیدخل فی قولہ تعالٰی الا ماذکیتم تحقیق وتفصیل ایں مسئلہ در فتوائے فقیر جلد ہفتم کتاب الذبائح است، وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ جانور ذبح کے قابل نہ ہوگا کیونکہ ذبح کا محل فوت ہوگیا، پس قرآن کا حکم الا ماذکیتم صادق نہ آئیگا، ہاں اگر رگوں کو زخم ہوا اور وہ قدرے پھٹ گئی ہوں اور مکمل قطع نہ ہوئی ہوں یا محل ذبح مذکور کے غیر مثلاً سر یا سینہ کو درندے نے کاٹ دیا اور زخمی جانور ابھی زندہ ہو اور ذبح کرلیا گیا تو حلال ہوگا کیونکہ ذبح کا محل باقی تھا تو اللہ تعالٰی کے ارشاد الا ماذکیتم میں داخل ہوگیا، اس مسئلہ کی تحقیق وتفصیل ہمارے فتاوٰی جلد ہفتم (جو کہ اب بیسویں ہے) کتاب الذبائح میں ہے، توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳

بغیر خدا کے بتائے وہابیہ نے اپنی طرف سے حرام کہہ دیا، اور دوسری صورت جو خود وہابیہ لیتے ہیں اس سے بھی سخت تر ہے کہ جسے اللہ عزوجل نے حلال بتایا اسے حرام بتاتے ہیں، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پانچ اشیاء سے باقی ماندہ میں جو مر گئی صالح ذبح نہ رہی، اور جس میں کچھ بھی حیات باقی ہے اگرچہ کتنی ہی خفیف ہو، اگرچہ اس کی حالت کتنی ہی ردی ہو، اگرچہ اس میں صرف مذبوح کی سی تڑپ باقی ہو، جب ذبح کرلی جائیگی مطلقًا حلال ہو جائے گی اگرچہ ذبح کے وقت نہ خون دے نہ تڑپے جبکہ وقت ذبح اس میں حیات ثابت ہو اس لئے کہ رب عزوجل نے استثناء میں کوئی تفصیل نہ فرمائی، یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے، اور اسی پر فتوٰی، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاتہ عندالذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا وان لم تتحرک ولم یخرج الدم، وہذا یتأتی فی منخنقۃ و متردیۃ ونطیحۃ والتی بقرا لذئب بطنہا، فذکاۃ ہذہ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتہا خفیفۃ، وعلیہ الفتوی لقولہ تعالٰی الا ماذکیتم من غیر تفصیل[1]۔	بیمار بکری کو ذبح کیا جبکہ اس نے حرکت کی اور خون نکلا تو حلال ہے، ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا معلوم نہ ہو سکا، اور اگر اس موقعہ پر زندہ ہونا معلوم تھا تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کی اور نہ خون نکلا ہو، یہ صورت گلا گھونٹی ہوئی، اوپر سے گرنے والی، سینگ زدہ، اور جس کا پیٹ درندے نے پھاڑ دیا ہو، میں پائی جاتی ہے تو ایسے جانور ذبح کردئے جائیں تو حلال ہوں گے، اگرچہ ذبح کے وقت خفیف سی زندگی معلوم ہوجائے اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے قول الاماذکیتم مطلق کی بناء پر۔ (ت)

ولہٰذا ہمارے علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر درندہ نے جانور کا پیٹ چاک کردیا، یا بالکل سر سے جدا کرکے لے گیا، اور ابھی اس میں حیات باقی ہے ذبح کرنے سے حلال ہو جائے، وجیز کردری جس سے بحوالہ عالمگیری سوال میں استدلال ہے، اس کی پوری عبارت کتاب السیر سے چند سطر پہلے یہ ہے:

شاۃ قطع الذئب اوداجہا وھی حیۃ لاتذکی لفوات محل الذبح، ولو بقرالذئب بطنہا وھی	بھیڑیئے نے بکری کی اوداج (گلے کی رگیں) کاٹ دیں ابھی زندہ ہے مگر ذبح کے قابل نہ ہو تو ذبح نہ ہوگی کیونکہ ذبح کا محل نہ رہا، اور بھیڑیئے نے

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

حیۃ تذکی لبقاء محل الذبح فتحل لوذبحت ولو انتزع الذئب راس الشاۃ وبقیت حیۃ تحل بالذبح بین اللبۃ واللحیین [1]۔	اس کا پیٹ پھاڑ دیا اور ابھی زندہ ذبح کے قابل ہے تو ذبح کی جائے کیونکہ ذبح کا محل باقی ہے، اور اگر بھیڑیئے نے سر کاٹ لیا ابھی زندہ تھی اور ذبح کرلی گئی لبہ اور لحیہ کے درمیان سے تو حلال ہوگی۔(ت)

صورت مسئولہ کا آیہ کریمہ کے اطلاق اور ہمارے امام اعظم کے مذہب مفتی بہ میں داخل ہونا ظاہر ہے اور عبارت وجیز اس سے متعلق نہیں۔ وجیز میں وہ صورت منع کی ہے، درندہ رگیں قطع کردے، اور سوراخ کرنا قطع کردینا نہیں کہ اس میں سینہ سے سر تک رگوں کا اتصال بحال رہتا ہے، اور قطع اس وصل کا فصل کردینا ہے۔ ردالمحتار میں علامہ علی مقدسی سے ہے:

المراد بقطعھما فصلھما من الراس اوعن الاتصال باللبۃ [2]۔	کاٹنے سے مراد یہ کہ سر سے جدا کرلیا یا لبہ سے تعلق کاٹ دیا۔(ت)

جواب مسئلہ کو اسی قدر بس ہے، اور اگر تحقیق مقام درکار ہو **فاقول: وباللہ التوفیق** (تو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) وجیز کی عبارت مذکورہ میں تین فرعیں ہیں؟

اول: بھیڑیا نے بکری کی رگھائے گردن کاٹ دیں۔

دوم: پیٹ چاک کردیا۔

سوم: سر جدا کردیا۔

پہلی میں حکم دیا ہے کہ ذبح نہیں ہوسکتی، اور دو باقی میں فرمایا ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اول وسوم کے حکم میں بظاہر صریح تناقض ہے، یہ رگیں دماغ سے دل تک ہوتی ہیں، بدائع وفتاوائے امام قاضی خاں وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

الاوداج متصلۃ من القلب بالدماغ [3]۔	اوداج، دل تا دماغ متصل ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الذبائح الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۵، بدائع الصنائع کتاب الذبائح والصید فصل واما بیان شروط حل الاکل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۲

توجب سر جدا کر دیا قطعاً یہ رگیں قطع کر دیں، تو فرع اول کے حکم سے فرع سوم میں بھی حرمت چاہئے تھی اور حکم یہ دیا کہ ذبح کرے تو حلال ہے۔اب اگر یوں توفیق کیجئے کہ ہمارے امام کے نزدیک صحت ذبح کے لئے مطلقاً حیات درکار ہے، اگرچہ اسی قدر جو مذبوح میں بعد ذبح ہوتی ہے، اور صاحبین کے نزدیک اتنی حیات کافی نہیں، امام محمد فرماتے ہیں بس اس سے زائد ہو، اور شرط نہیں، اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں: نہیں، بلکہ یہ چاہئے کہ اتنے زخم کے بعد جانبر ہوسکے، ہدایہ میں ہے:

لو انه ذکاہ حل اکله عند ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه فیه حیوۃ خفیة، او بینة، و علیه الفتوی، لقوله تعالٰی اِلاَّ مَا ذَکَّیۡتُمۡ مطلقاً من غیر فصل وعند ابی یوسف رحمه الله تعالٰی اذا کان بحال لایعیش مثله لایحل لانه لم یکن موته بالذبح، وقال محمد رحمه الله تعالٰی ان کان مثله فوق مایعیش المذبوح یحل، والا فلا لانه لامعتبر بهذه الحیوۃ[1]۔	اگر ذبح کے وقت خفیف سی زندگی بھی ہو اور ذبح کرلی گئی تو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے، اور اسی پر فتوٰی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد الاماذکیتم مطلق کی بناء پر، جس میں کوئی تفصیل نہیں ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ایسی حالت میں ہو کہ زندہ نہ رہ سکے تو حلال نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اس کی موت ذبح سے واقع نہ ہوگی، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ایسی حالت میں ہو کہ ذبح شدہ سے زیادہ دیر تک زندہ رہ سکتی ہو تو ذبح کرنے سے حلال ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ ایسی زندگانی کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فرع اول قول صاحبین پر مبنی ہے کہ قطع اوداج کے بعد حیات، حیات مذبوح سے اصلاً زائد نہیں ہوتی، لہٰذا وہ حکماً میت ہے، اور میت محل ذبح نہیں، تو اب ذبح نہیں کرسکتے لفوات محل الذبح، اور فرع سوم قول امام پر مبنی ہے کہ اگرچہ سر جدا ہوگیا مگر جبکہ جانور ابھی تڑپ رہا ہے حیات باقی ہے اگرچہ حیات مذبوح سے زائد نہیں سہی، لہٰذا محل ذبح ہے ذبح کرلیں حلال ہوجائے گا، اور فرع دوم میں اگر صرف جلد چاک ہوئی کہ سی کر اندمال وحیات متصور ہو تو بالاجماع حلال ہے، اور نامتصور ہو تو صرف قول امام پر، یوں اگر توفیق کریں جب تو ظاہر ہے کہ فرع اول سے استناد صحیح نہیں، کہ وہ خلاف قول امام وخلاف مذہب مفتی بہ ہے اور اگر ایسی تاویل چاہئے کہ وہ بھی قول امام کی طرف رجوع کر آئے تو اب فوات محل ذبح میں تنقیح مناط

[1] الہدایہ کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۳

کرنی ہوگی **فاقول:** وبہ نستعین اس فوت کے یہ معنی تو بداہۃً نہیں کہ محل ذبح مابین اللبۃ واللحیین تھا وہ معدوم ہوگیا کہ کلام قطع اوداج میں ہے، نہ اس صورت میں کہ بھیڑیا سینہ تک ساری گردن کاٹ کرلے گیا، نہ یہ معنی ہیں کہ محل ذبح اوداج تھیں وہ فنا ہوگئیں کہ قطع تفریق اتصال ہے نہ کہ اعدام، لاجرم یہ معنی ہیں کہ محل اگرچہ باقی ہے مگر اس میں قابلیت فعل ذبح کی نہ رہی، تو محل من حیث ہو محل فوت ہوگیا، اگرچہ ذات باقی ہے، اب فنائے قابلیت میں نظر چاہئے کہ کس صورت میں اس کا فوت ہونا ہے، یہاں اس کی تین صورتیں متصور:

اول: یہ کہ اب معنی ذبح متحقق نہیں ہوسکتے۔

دوم: مقصود ذبح فوت ہوگیا، اور شے جب مقصود سے خالی ہو باطل ہوجاتی ہے۔

سوم: معنی ذبح قبل ذبح فعل غیر ذبح شرعی سے متحقق ہولئے، اور ذبح صالح کی تکرار نہیں، مذبوح کو ذبح نہیں کرسکتے، ولہذا اگر مسلمان نے جانور ذبح کردیا اور وہ ابھی پھڑک رہا ہے، دوبارہ مجوسی نے ذبح کیا حرام نہ ہوگا، اور اس کا عکس ہو تو حلال نہ ہوسکے گا، **فان الذبح لایعاد** (کیونکہ ذبح دہرایا نہیں جاتا۔ت) اول کی طرف راہ نہیں کہ معنی ذبح قطع اوداج حی بین اللبۃ واللحیین ہے۔ کنز میں فرمایا: **الذبح قطع الاوداج**[1] (ذبح کی اوداج کو کاٹنا ہے۔ت) پھر فرمایا: **والذبح بین الحلق واللبۃ**[2] (ذبح حلق اور لبہ کے درمیان ہے۔ت) تبیین الحقائق میں فرمایا:

والمیت لیس بمحل للذکاۃ[3]۔	میت محل ذبح نہیں۔(ت)

جب تک جانور زندہ ہے اور گلا اور اس پر وہ رگیں باقی ہیں ضرور قابل قطع ہیں تو معنی ذبح متحقق نہ ہوسکنا کیا معنی، قطع اوداج کا جواب اوپر معلوم ہولیا کہ فرع سوم میں بھی قطع اوداج متحقق ہے۔ اور حکم حلت ہے یونہی دوم کی گنجائش نہیں، اگر کہئے مقصود ذبح انہار دم تھا اور وہ فعل سبع سے ہولیا، تو یہ وجوداً وعدماً ہر طرح باطل ہے۔ فرع سوم میں انہار دم ہوگیا اور قابلیت ذبح باقی ہے اور وقت ذبح حیات معلوم ہو اور ذبح سے خون نہ نکلے حلت ہوجائے گی، **کما تقدم**، حالانکہ انہار دم نہیں، اگر کہے مقصود ذبح ازہاق روح ہے، اور وہ اس صورت میں فعل سبع کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ جانب ذبح، تو یہ وہی قول صاحبین غیر مفتی بہ ہے **کما قدمنا عن الھدایۃ** (جیسا کہ ہدایہ میں سے گزر چکا ہے۔ت) معہذا فرع سوم اس

---

[1] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۱

[2] کنز الحقائق کتاب الذبائح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۶۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الصید المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۵۲

پر بھی نقض کو موجود، لاجرم صورت سوم مقصود یعنی جہاں قبل ذبح قطع اوداج بین اللبۃ واللحیین واقع ہولے وہاں محل ذبح نہ رہا، یعنی محلیت و قابلیت ذبح فوت ہوگئی کہ ذبح دوبارہ نہیں ہوتا، اور جہاں یہ معنی قبل ذبح متحقق نہ ہوئے عام ازیں کہ سرے سے اوداج قطع ہی نہ ہوئیں یا کسی ایسے فعل سے کہ انسان کی طرف منسوب نہ ہو قطع تو ہوئیں مگر موضوع ذبح پر قطع نہ ہوئیں اور ہنوز حیات باقی ہے وہاں محل ذبح فوت نہ ہوا ذبح کرسکتے ہیں اور موجب حلت ہوگا، اب فروع میں تطابق ہوگیا اور صورت مسئولہ کا حکم بھی کھل گیا، فرع سوم سے مراد اس طرح سرجدا کرنا ہے کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہو کہ اگرچہ قطع واقع ہو مگر محل ذبح میں نہ ہوا تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے اور فرع اول سے مراد وہ قطع اوداج ہے کہ بین اللبۃ واللحیین ہو کہ اب تقدم معنی ذبح سے قابلیت ذبح، اور الاماذکیتم کے تحت میں داخل ہونے کی صلاحیت نہ رہی اور یہی صورت کہ اس فرع ملتقط میں مراد ہے، جو بظاہر فرع سوم کے صریح مناقض ہے، اسی عالمگیری میں عبارت وجیز سے پہلے ہے:

سنور قطع راس دجاجۃ فانہا لاتحل بالذبح وان کان یتحرك کذا فی الملتقط [1]۔	مرغی کا سر بلی نے کاٹ دیا تو وہ ذبح کرنے سے حلال نہ ہوگی اگرچہ وہ ذبح کے وقت حرکت کرے ملتقط میں یوں ہے۔(ت)

اور فرع دوم خود ظاہر ہے کہ اس میں سرے سے قطع اوداج ہی نہیں، اب تمام فروع متفق اور سب مذہب امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر منطبق ہیں، **ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق** (یوں تحقیق چاہئے کہ اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) ظاہر ہے کہ صورت سوال فرع دوم کے مثل ہے، اور اس میں بھی قطع نہیں اور ذبح قطع ہے، تو معنی ذبح قبل ذبح متحقق نہ ہوئے، کیا اگر جانور کی رگہائے گردن برمے سے چھید دیں ذبح ہوجائے گا، ہرگز نہیں، کہ چھیدنا قطع کرنا نہیں تو محلیت ذبح ضرور موجود ہے اور بعد ذبح حلت لازم، یہیں سے دو سوال باقی کا جواب ظاہر ہوگیا اور سب مذبح کھالیا محل ذبح نہ رہا، یونہی اگر عقدہ توڑ لیا تو قطع اوداج محل ذبح میں بھی واقع ہوا، بہر حال اب قابلیت ذبح نہ رہی، حلت نہیں ہوسکتی اور اگر عقدہ سے اوپر صرف سرجدا کرلیا کہ بین اللبۃ واللحیین قطع اوداج نہ ہوا تو محل ذبح باقی ہے، بعد ذبح حلت چاہئے اگر ہنوز روح باقی ہو، **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی** (میری سمجھ میں یوں ہے، علم حق تو میرے پروردگار کے ہاں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۷

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ والی علی صاحب کانسٹبل از تھانہ بھیڑی ضلع بریلی ۱۴ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ کتا کسی جانور کو پکڑلے، اور اس جانور کے زخم کتے کی پکڑ کا ہو جائے، اور بعد میں جانور ذبح کرلیا جائے تو وہ حلال ہے یا حرام؟

الجواب:

شکاری کتا جبکہ بسم اللہ کہہ کر چھوڑا گیا اگر جانور اس کے زخم سے مرجائے تو حلال ہے، اور اگر زندہ ملے اور ذبح کرلیا جائے تو حلال ہے، زا س کے زخم سے جانور میں کوئی حرج نہیں آتا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۴و۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ذبیحہ ذبح کیا جائے اور وہ بعد میں ایک دیر کے خون دے، تو کھانا اس کا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) عورت یا لڑکے کے ذبیحہ کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) پہلی صورت میں حلت میں کوئی شبہ نہیں، خروج خون علامت حیات ہے، اور بعد دیر کے نکلنا اس کا غیر مانع، بلکہ اگر خون نہ دے عـــہ فقط حرکت کرے اور تڑپے تاہم کھانا اس کا جائز ہے کہ شرط حلت حیاۃ عندالذبح ہے نہ کہ خروج دم۔

فی تنویر الابصار ذبح شاۃ فتحرکت اوخرج الدم حلت[1]۔	تنویر الابصار میں ہے: ذبح کرنے پر بکری نے حرکت کی یا خون نکلا، تو حلال ہوگی۔ (ت)

(۲) عورت و لڑکے کا ذبیحہ اگر وہ قواعد و شرائط ذبح سے واقف ہیں اور مطابق شرع ذبح کرسکتے ہیں بلاریب حلال ہے،

فی الدرالمختار وشرط کون الذابح مسلما ولو امرأۃ او صبیا یعقل التسمیۃ	درمختار میں ہے: مسلمان اگرچہ عورت یا بچہ ہو شرط یہ ہے کہ بسم اللہ اور ذبح کو جانتا ہو،

عـــہ: لکنہ فیہ اختلاف ذکرہ فی الہدایۃ فی کتاب الصید ۱۲منہ۔	لیکن اس میں اختلاف ہے جس کو ہدایہ کی کتاب الصید میں ذکر فرمایا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

والذبح ویقدر [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس عمل پر قادر ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤمیش قریب المرگ کو ذبح کیا گیا، اختلاف اس امر میں ہے کہ وہ زندہ تھی کہ مرچکی تھی، ذبح کرنے والا نیز چند اور شخص کہتے ہیں کہ وہ زندہ تھی لیکن دو شخص کی یہ رائے ہے کہ وہ مرچکی تھی، بعد ذبح کے کسی عضو نے جنبش نہ کی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صورت میں اس کا کھانا جائز ہے یانہیں، واقعات یہ ہیں کہ یہ بھینیس بعد ذبح کرنے کے ایک قصاب کے ہاتھ دس روپیہ میں فروخت کردی تھی وہی دونوں شخص جو کہتے ہیں کہ وہ مرگئی تھی قصاب کو بہکادیا، قصاب مذکور نے اس کا گوشت دفن کردیا اور کھال لے گیا اور بریلی فروخت کرآیا، گوشت کی قیمت اس کو معاف کردی گئی صرف کھال کی قیمت جو چھ روپے اس کو طے کردی گئی تھی، اور وہ اس نے بریلی میں بہت منافع کے ساتھ فروخت کیا طلب کی جاتی ہے لیکن وہ چھ روپے دینے سے بھی انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ تم لوگوں نے مردہ جانور کی کھال نکلواکر مجھے ناپاک کردیا، میرے برادری والے مجھے نکال دیں گے، میں قیمت نہیں دوں گا، دریافت طلب یہ بات ہے کہ اس قصاب پر کیا برائی آسکتی ہے، اگر یہ خیال کرلیا جائے کہ وہ مرگئی تھی اور دھوکا میں ایسا کیا گیا۔

الجواب:

ذبح ہوتے وقت بھینس کا زندہ ہونا خوب معلوم تھا، یا ذبح کے بعد وہ تڑپی، یا ایسا خون دیا جیسا زندہ جانور سے نکلتا ہے، یا اور کوئی علامت زندہ کی پائی گئی، مثلاً منہ یا آنکھ بند کی یا پاؤں سمیٹے یا بدن کے بال کھڑے ہوئے تو وہ حلال ہے اور کھانا جائز، اور قصاب پر دس روپے واجب، اور اگر وقت ذبح اس کا زندہ ہونا تحقیق نہ تھا، نہ بعد ذبح کوئی علامت زندگی کی پائی عـــہ گئی نہ ایسا خون نکلا، نہ وہ حرکت کی، بلکہ بالکل ساکن رہی، یا منہ یا آنکھ کھل گئی، یا پاؤں پھیل گیا، یا بال بچھ گئے، تو بھینس حرام ہے، اور قصاب پر ایک پیسہ بھی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۷: مسئولہ احمد حسن بنگالی طالبعلم مدرسہ اہل سنت وجماعت ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

صدقہ کا جانور بلا ذبح کئے جانور ہی کسی مصرف صدقہ کو دیا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

عـــہ: اصل میں تحریر ہے:- "ڈالی گئی" ۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

الجواب الملفوظ

اگر صدقہ واجبہ ہے اور وجوب خاص ذبح کا ہے تو بے ذبح ادا نہ ہوگا، مگر اس حالت میں کہ ذبح کے لئے وقت متعین تھا جیسے قربانی کے لئے ذی الحجہ کی دسویں گیارھویں عـــہ اور وہ وقت نکل گیا تو اب زندہ تصدق کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۸: مسئولہ شیخ محمد وزیر صاحب پٹیل از قصبہ تحصیل اون ضلع ایوت محال ملک برار ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا ایک بیٹا بکر چالیس روپیہ کا ملازم سرکار ہے، زید کا آبائی واجدادی پیشہ یہ ہے کہ روزانہ ہر بز قصاب کے مکان پر جانا، اور جس قدر بکریاں ذبح کرنے کی ہوں، ان کو ذبح کردینا اور ان کی اجرت میں فی راس ایک آنہ پیسہ یا پاؤ بھر گوشت لینا، چلا آتا ہے، اور نیز ہر مواضعات قریب میں جاکے قوم ہندو کے مکان پر جو ان کی پرستش کا بکرا ہوتا ہے، اس کو ذبح کردیتا ہے، اور اس کی اجرت لیتا ہے، یہ پیشہ اس وقت تک جاری ہے، اور سنا گیا ہے کہ ذابح البقر وقاطع الشجر ودائم الخمر کی بخشش میں احتمال ہے، اگر اس مسئلہ کی کچھ بنیاد ہے اور یہ سچ ہے تو ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ براہ کرم بواپسی ڈاک جواب باصواب سے سرفراز فرمائے۔

الجواب:

گائے بکری کا ذبح کرنا جائز ہے،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بیشک اللہ تعالٰی نے تمھیں حکم دیا ہے کہ گائے کو ذبح کرو۔ (ت)

وہ قول کہ لوگوں میں مشہور ہے محض بے اصل ہے، قطع شجر کی بھی اجازت قرآن عظیم میں موجود ہے۔

قال اللہ تعالٰی "مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآىٕمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم نے جو سبز درخت کاٹے یا ان کو تم نے باقی کھڑا رہنے دیا تو یہ اللہ تعالٰی

عـــہ: اصل میں بارھویں نہیں ہے غالبا ناقل کا سہو ہے ۱۲ عبد المنان الاعظمی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۷

اللّٰہِ "[1]	کے حکم سے ہوا۔(ت)

ہاں دائم الخمر البتہ مرتکب سخت کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے، مگر یہ کہنا اس کی نسبت بھی باطل ہے کہ اس کی مغفرت کبھی نہیں ہوگی یہ صرف کافر کے لئے ہے، مسلمان کیسا ہی گنہگار ہو زیر مشیت ہے چاہے عذاب فرمائے تو اس کا عدل ہے، چاہے بلا عذاب بلکہ بلاحساب بخش دے تو اس کا فضل ہے۔

" اِنَّ اللّٰہَ لَایَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ وَیَغۡفِرُ مَادُوۡنَ ذٰلِکَ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ"[2]	اللہ تعالٰی نہ مغفرت فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرایا جائے، اور مغفرت فرمائے گا اس سے کم کو جس کو وہ چاہے گا۔ (ت)

پھر مسلمانوں میں سے جس پر عذاب فرمائے گا ہرگز وہ عذاب دائم نہ ہوگا، انجام بلاشبہ مغفرت ہے، اور جب ان جانوروں کا ذبح جائز ہے اس پر اُجرت مقرر کرکے لینا بھی جائز ہے کماھو حکم مباح یحتاج الی عمل (جیسا کہ ہر مباح محتاج العمل کا حکم ہے۔ت)

اب یہاں متعدد صورتیں ہیں، سائل دو اجرتیں بتاتا ہے، ایک آنہ یا پاؤ بھر گوشت، یہ اگر یوں ہے کہ کبھی ایک آنہ مقرر کرلیا جاتا ہے کبھی پاؤ بھر گوشت تو وہ آنہ جائز ہے، اور گوشت کہ اسی جانور کا قرار پاتا ہے ناجائز ہے لانہ کقفیز الطحان (کیونکہ یہ پیسنے والے آٹے کا حصہ قفیز کی طرح ہے۔ت) بلکہ اگر اس جانور کا نہ ٹھہرے جب بھی گوشت کثیر التفاوت چیز ہے۔

لانہ قیمی فلا یصلح دینا علی الذمۃ ویقع فیہ النزاع وکل ماکان کذالک یورث الفساد۔	کیونکہ یہ قیمت والی چیز جو کسی کے ذمہ دین نہیں بن سکتی اور اس میں تنازعہ ہوتا ہے اور جو ایسی چیز ہو وہ فساد برپا کرتی ہے۔(ت)

اور اگر یہ معنی ہیں کہ تعین کچھ نہیں ہوتا کبھی ایک آنہ دیتے ہیں کبھی گوشت، تو یہ جہالت اجر ہے، جہالت اجر مفسد اجارہ ہے۔ بہرحال اُجرت میں گوشت کا قدم درمیان ہے اجارہ فاسد ہے، اور عقد فاسد حرام واز قبیل ربا ہے، اور اس کا عادی ہونا ضرور موجب فسق، اور اس کا پیشہ کرنے والا فاسق معلن، اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ، اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنا منع، اور پڑھی تو پھیرنا واجب۔

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۴/ ۱۱۶

فتاوٰی حجہ وغنیہ میں ہے: ولو قدموا فاسقا یأثمون[1] (اگر فاسق کو امام بنایا تو بنانیوالے گنہگار ہوں گے) زیلعی وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اہانتہ شرعا[2]۔	کیونکہ آگے کرکے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعاً ان پر اس کی اہانت لازم تھی۔(ت)

رہا یہ کہ وہ ہندو کی پرستش کا بکرا اس کے یہاں جاکر ذبح کرتا ہے، اور اس کے ذبح سے تعظیم الٰہی کی نیت کرتا اور اللہ عزوجل کا نام لیتا ہے، تو جانور حلال ہوجائے گا، مگر یہ فعل اس کے لئے مکروہ ہے فی الھندیۃ توکل ویکرہ للمسلم[3] (ہندیہ میں اسے حلال اور مسلمانوں کے لئے مکروہ کہا گیا ہے۔ت) اور اگر اس کافر ہی کی نیت پر ذبح کرتا ہے تو جانور تو مردار ہوا ہی اس ذابح کا ایمان بھی بچنا مشکل ہے۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ مسلمان پر حتی الامکان بدگمانی کی اجازت بھی نہیں کہ اس کا مقصود فقط اپنے ٹکے سیدھے کرنا ہوگا نہ کہ معبود باطل کی تعظیم کہ مسلمان سے متوقع نہیں، نہ معبود حق کی تعظیم کا خیال آتا ہوگا، تو یوں بھی یہ فعل سخت شنیع اور جانور کی جان کی ناحق تضییع ہے، پھر اس کی امامت سے احتراز چاہئے کہ وہی احتیاط جو ہمیں اس پر بدگمانی نہیں کرنے دیتی نماز میں اسے امام نہ بنانے دے گی،

فان سوء الظن شیئ، والحزم شیئ اٰخر، وہذا من باب الخروج ومن اتقی الشبہات فقد استبراء لدینہ و عرضہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	بدگمانی علیحدہ چیز ہے، اور احتیاط دوسری چیز ہے، اور یہ علیحدہ رہنا ہے، اور جو شخص شبہات سے بچا تو اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ بنالیا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۹: مرسلہ غلام نبی صاحب ساکن موضع میانہ ٹھٹہ ضلع گوجرانوالا ڈاک خانہ موز اتوار، ۲ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّٰی چراغ دین امام مسجد نے ایک بکرا ذبح کیا اور اس کا چمڑا مسمّٰی حا کو قوم خاکروب نے اتارا اور گوشت بنایا، اور گوشت مذکور کو چند مسلمانوں نے مل کر تقسیم کرلیا اور اپنے گھروں میں پکا کر کھایا، کیا وہ گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اس بات کا خلاصہ حال مع ثبوت حدیث و

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

قرآن شریف ارسال فرمائیں، اور اس مسئلہ کو اخبار ودبدبہ سکندری شائع کرادیں۔

الجواب:

جب وہ جانور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کے لئے تکبیر کہہ کر ذبح کیا تو حلال ہوجانے میں کوئی شبہہ ہی نہ رہا، خاکروب کا گوشت بنانا وہ اگر اس وجہ سے ہے کہ بکرا اسی کی ملک تھا اور اس نے اپنے ظاہر پیر وغیرہ کسی معبود باطل کے لئے ذبح کرایا تو اس کا کھانا مسلمانوں کو مکروہ ہے **کمانص علیہ فی الھندیۃ** (جیسا کہ ہندیہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اسی طرح اگر کسی معبود باطل کے لئے ذبح نہ کرایا، بلکہ اس نے ان کی دعوت کی تھی تو اس دعوت کا ہی قبول کرنا نامناسب تھا، اور اگر بکرا مسلمان کی ملک تھا اور اس سے بنوایا، اور وہ اپنا ناپاک پیشہ کرتا ہے اور اس کے ہاتھ خوب پاک نہ کرالئے تھے، تو سخت بے احتیاطی کی، اور اگر اس کے ہاتھ پاک کرائے تھے یا وہ قوم کا خاکروب ہے یہ پیشہ نہیں کرتا، تو یہ دیکھا جائے کہ وہاں کے عرف میں خاکروب کی چھوئی ہوئی چیز سے پرہیز کرتے اور اس کے استعمال کو معیوب جانتے ہیں یا نہیں، اگر جانتے ہیں، اور ان لوگوں نے بے پروائی کی تو مصلحت دینی کے خلاف کیا اور نافرمانی کے مرتکب ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولا تنفروا**[1] (خوشخبری دو، منافرت پیدا نہ کرو۔ت) دوسری حدیث میں ہے: **ایاك ومایسوء الاذن**[2] (کانوں کے لئے تکلیف دہ بات سے بچو۔ت) تیسری حدیث میں ہے:

ایاك ومایعتذر منه فان الخبر لا معتذر منه[3]۔	معذرت والی چیز سے بچو، تو بیشک خبر معذرت خواہی والی چیز نہیں ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ بکرا وقت ذبح سے مسلمانوں کے ہاتھ میں پہنچنے تک مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا، اور اگر ذبح کرکے اسے دے دیا اور کوئی مسلمان دیکھتا نہ رہا، اس نے گوشت بنایا اور مسلمانوں کو دیا تو اب اس کا کھانا سرے سے حلال ہی نہ رہا،

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ والعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامیہ بیروت ۴/ ۷۶، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۶ و ۸۶۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۷

[3] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۷، کشف الخفاء للعجلونی حدیث ۸۶۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۷

فان الکافر لایقبل قولہ فی الدیانات [1]۔	دین کے امور میں کافر کی بات قابل قبول نہیں۔(ت)

ہاں اگر اس کو اجیر کیا ہو تو جواز رہے گا،

لان الکافر یقبل قولہ فی المعاملات وان تضمنت شیئا من الدیانات، وکم من شیئ یثبت ضمنا لایثبت قصدا [2]۔ وتبیینہ فی التبیین وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کافر کی بات معاملات میں اگرچہ وہ دیانات کو متضمن ہوں، قابل قبول ہے، جبکہ بہت سے امور ضمناً ثابت ہوتے ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتے، اس کی وضاحت تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۰: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ گھوڑے کا گوشت کھانا ازروئے شرع شریف کے جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو احادیث سے ثابت ہے یا قول فقہاء سے اور فتوٰی قول امام اعظم پر ہے یا صاحبین؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

صاحبین کے نزدیک حلال ہے، اور امام مکروہ فرماتے ہیں، قول امام پر فتوٰی ہوا کہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی، اور اصح وراجح کراہت تحریم ہے۔

صححہ الامام قاضی خاں فی فتاواہ، وقد قالوا انہ فقیہ النفس ولا یعدل عن تصحیحہ وقال الشامی ثم نقل ای القھستانی تصحیح کراھۃ التحریم عن الخلاصۃ والھدایۃ والمحیط والمغنی و القاضی خاں و العمادیۃ وغیرھا وعلیہ المتون [3] اھ ومعلوم ان الترجیح للمتون وانھا الموضوعۃ	امام قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصحیح فرمائی ہے جبکہ فقہاء نے فرمایا: قاضی خان فقیہ النفس ہیں، لہٰذا اس کی تصحیح سے عدول نہ ہوگا، اور علامہ شامی نے فرمایا کہ پھر قہستانی نے خلاصہ، ہدایہ، محیط، مغنی، قاضی خاں اور عمادی وغیرہا سے کراہت تحریمہ کی تصحیح نقل کی ہے، اور کہا کہ اس پر متون وارد ہیں اھ اور واضح بات ہے کہ ترجیح متون کو ہے اور وہ مذہب کو نقل کرنے کے لئے وضع

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۱۲

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

لنقل المذہب فلا یعارضہا ما فی کفایۃ البیہقی بخلاف انہ ظاہر الروایۃ و لافتوی الجمہور (عہ) المنقول بقیل بعد ما قدمنا(عہ) من التصحیحات الجلیلۃ للائمۃ الجلۃ۔	کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کا خلاف جو کفایۃ البیہقی میں بیان کیا ہے وہ متون کے معارض نہیں ہوسکتا، اور یہی ظاہر الروایۃ ہے، اور قیل کے ساتھ نقل شدہ جمہور کا فتوٰی بھی ان کا معارض نہیں ہوسکتا خصوصاً ہماری ذکر کردہ اجلہ ائمہ کی تصحیحات کے بعد (ت)

بہر حال مسئلہ اس قابل نہیں کہ اس پر فتوٰی فساد دیا جائے، یا فریق بندی عمل میں آئے، **واللہ الموفق واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۵۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفر اللہ لکم ہذہ المسئلۃ افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی دربارہ اکل فرس، بعض قائل بکراہت تحریمی و بعض بکراہت تنزیہی، ولیکن بہر صورت شیرش جائز داشتہ اند، تحقیق دریں باب چیست؟	علمائے کرام اللہ تعالٰی تمھاری مغفرت فرمائے آپ کا اس مسئلہ میں کیا قول ہے، ہمیں افادہ فرماؤ، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، گھوڑے کا گوشت کھانے میں بعض مکروہ تحریمہ اور بعض مکروہ تنزیہیہ کے قائل ہیں، جبکہ اس کے دودھ کو بہر صورت جائز مانتے ہیں، اس مسئلہ میں تحقیق کیا ہے۔ (ت)

الجواب:

درمسئلہ گوشت اسپ علماء رامعترک عظیم ست، و تصحیح نیز مختلف وکراہت قول امام ست، بس اسلم احتراز تام ست، ہمچناں بر مذہب امام در شیر او نیز اختلاف کردہ اند، امام قاضی خاں بتحریم رفتہ، ودر درمختار جواز را وجہ گفتہ، بریں روایت وجہ فرق خود پیدا است کہ	گھوڑے کے گوشت کے مسئلہ میں علمائے کرام کا عظیم معرکہ ہے اور تصحیح بھی مختلف ہے، کراہت امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، پس مکمل احتراز میں بہتری ہے، اور اس کے دودھ کے متعلق بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے مذہب کے بیان میں اختلاف ہے، امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ حرمت کی طرف گئے اور درمختار نے جواز کو وجہ قرار دیا ہے۔ اس

عہ: لفظ "جمہور" اندازہ سے بنایا گیا ۱۲ عبدالمنان۔

عہ: اندازہ سے "بعد" کا لفظ بڑھایا ۱۲ عبدالمنان۔

در تحلیل لحم تقلیل آلہ جہاد ست بخلاف لبن، باز ایں ہمہ بر تقدیرے ست کہ بحد سکر نہ رسد، ورنہ تعمدایں بالاتفاق ممنوع باشد، کمالا یخفی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار کی روایت کے مطابق گوشت اور دودھ میں فرق کا واضح بیان ہے کہ گوشت کو حلال کردینے میں آلہ جہاد کی قلت پیدا کرنا ہے جبکہ دودھ کا معاملہ اسکے خلاف ہے، اور دودھ کی بحث اس حد تک ہے جس میں سکر یعنی نشہ نہ ہو، ورنہ قصداً اتنی مقدار پینا ممنوع ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: از دارا گنج ضلع بجنور مرسلہ ممتاز مسیح صاحب ایم اے مشن مورخہ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

ہادی دین جناب مولانا صاحب! عرض مدعا یہ ہے کہ اہل سنت وجماعت حنفی مذہب میں گھوڑا اور اقسام اور اس کے مثل خچر وگدھے کے حلال ہیں یا حرام؟ یا ان تینوں جانوروں میں سے کون سا جانور حلال ہے؟ مہربانی فرماکر بحوال حدیث شریف یا قول علماؤں کے جواب سے مشرف فرمائے۔

الجواب:

گدھا حرام ہے، یونہی وہ خچر جو گدھی سے پیدا ہوا گرچہ باپ گدھا نہ ہو، اور ہمارے امام اعظم علیہ الرضوان کے مذہب میں گھوڑا مکروہ تحریمی ہے یعنی قریب بحرام، یونہی وہ خچر جس کی ماں گھوڑی ہو، حدیث میں ہے:

نھی علیہ اجل الصلوۃ والسلام یوم خیبر عن لحوم الحمر الاھلیۃ [1]۔	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خیبر کے روز پالتو گدھے کے گوشت کو ممنوع فرمایا۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۳: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں ۱۶ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈپٹی امداد علی صاحب نے رسالہ امداد المسلمین میں الو کے بارہ میں لکھا ہے کہ عالمگیری میں لکھا ہے: البوم یوکل [2] (الو حلال ہے۔ ت) اور طحطاوی میں ہے:

یوکل القمری والسوادین والزرزور والصصل والھدھد والبوم والطاؤس [3]۔	قمری، سوادین، زرزور، صلصل، ہدہد، بوم طاؤس نامی پرندے حلال ہیں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید الخ باب لحوم الحمر الانسیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح والصید الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

اور شامی میں ہے:

فی غرر الافکار عندنا یوکل الخطاف والبوم[1]۔	غرر الافکار میں ہے اور ہمارے نزدیک خطاف اور بوم نامی پرندے حلال ہے۔(ت)

اور میزان میں ہے:

من ذٰلك قول الائمۃ الثلثۃ فی المشهور عنهم انه لا کراهة فی مانهی عن قتله کالخطاف والهدهد و الخفاش و البوم الببغاوالطاؤس مع قول الشافعی فی ارجح القولین انه حرام[2]۔	ائمہ ثلثہ سے ان کا مشہور قول کہ جن پرندوں کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے ان کو کھانے میں کراہت نہیں ہے، اسی قبیل سے ہے، مثلا خطاف، ہدہد، خفاش۔بوم، ببغا اور طاؤس نامی پرندے،امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے دو قول میں سے راجح قول میں یہ حرام ہے۔(ت)

اور حیاۃ الحیوان دمیری شافعی رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی ثابت ہے، شافعی کے نزدیک حرام ہونا، نہ حنفیّہ کے نزدیک تمام کتب ہائے معتبرہ فقہ سے بوم کا حلال ہونا ثابت ہے۔یہاں تک کہ خلاصہ کلام ڈپٹی صاحب مذکور ہے، اور فتاوٰی ہندیہ ترجمہ فتاوٰی عالمگیری کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ قول ظاہر بوم سے مراد یہی الو ہے کہ پرند معروف ہے، اور شاید کوئی اور معنی مراد ہوں، واللہ تعالٰی اعلم، اس واسطے مترجم نے بعینہٖ لفظ چھوڑ دیا اس مسئلہ میں تحقیق جو بیان فرمائیں کہ صدق و کذب وہابیہ ظاہر ہو۔فقط

الجواب:

عبارت عالمگیری جو امدادالمسلمین میں نقل کی، اس کے شروع میں لفظ قیل واقع ہے، اصل عبارت یوں ہے:

قیل الشقراق لایوکل والبوم یوکل[3]۔	یعنی بعض نے کہا کہ شقراق نہ کھایا جائے اور بوم کھایا جائے۔

یہ لفظ اس قول کے ضعف پر دلیل ہوتا ہے، اور یہ بتاتا ہے کہ اس کی طرف بعض گئے ہیں، اکثر علماء

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۴

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۰

خلاف پر ہیں، اور حیاۃ الحیوان کا حوالہ تو سرے سے غلط ہے اس میں کہیں نہیں لکھا کہ حنفیّہ حلال جانتے ہیں اس میں صرف شافعیہ کے دو قول لکھے ہیں، عبارت اس کی یہ ہے:

الحکم یحرم اکل جمیع انواعھا. قال الرافعی ذکر ابوعاصم العبادی ان البوم کالرخم. وکذٰلك الضوع. ومن شافعی رحمہ اللہ قول انہ حلال [1]۔	حکم یہ ہے کہ تمام اقسام حرام ہیں، رافعی نے کہا ابوعاصم العبادی نے ذکر کیا ہے کہ رخم کی طرح بوم حرام ہے، اور اسی طرح ضوع بھی حرام ہے، اور امام شافعی حرام ہے اور امام شافعی کا ایک قول ہے کہ یہ حلال ہے۔ (ت)

خیر ان سب سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ کی طرف چلئے، یہی عالمگیری وطحطاوی وشافعی ومیزان، جن سے امداد المسلمین میں یہ عبارتیں نقل کیں، ان میں اور ورےکے سوا ہماری تمام کتب مذہب اور صحاح احادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں صاف صریح حکم قطعی کل بلااستثناء وتخصیص موجود ہے کہ ہر پرندا اپنے پنجہ سے شکار کرنے والے حرام ہے، جیسے ہر درندہ دانتوں سے شکار کرنے والے، عالمگیری میں بدائع سے ہے:

لایکل کل ذی مخلب من الطیر [2]۔	یعنی حرام ہے ہر پنجے والا پرند۔

طحطاوی میں ہے:

لایل سباع الوحوش والطیر [3] اھ ملخصا۔	درندے وحشی وپرند سب حرام ہیں اھ ملخصا۔

حموی پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

الدلیل علیہ انہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر، رواہ مسلم وابوداؤد وجماعۃ، و السرفیہ ان طبیعۃ ھذہ الاشیاء مذمومۃ شرعا فیخشی ان	یعنی دلیل اس پر یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر درندے کیلے والے اور ہر پرندے پنجے والے کے کھانے سے منع فرمایا، مسلم وابوداؤد وغیرہما ایک جماعت محدثین نے یہ حدیث روایت کی، اور اس میں راز یہ ہے کہ ان چیزوں کی خصلت شرعا بد ہے تواندیشہ ہے کہ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۵۷

یتولد من لحمها شیئ من طباعها فیحرم اکراما لبنی آدم کما انه یحل ما احل اکرامالہ [1]۔	ان کا گوشت کھانے سے کچھ خصلت ان کی سی آدمی میں پیدا ہوجائے، لہٰذا انسان کی عزت کے لئے ان کا کھانا حرام ہوا، جیسے کہ اس کی عزت ہی کے لئے حلال جانور حلال کے گئے۔

میزان امام شعرانی میں ہے:

من ذٰلك اتفاق الائمة الثلثة علی تحریم کل ذی ناب من السباع ومخلب من الطیر یعدوبه علی غیرہ (الی ان قال) لانه فیه قسوة من حیث انه یقسر غیرہ و یقهرہ من غیر رحمة بذٰلك الحیوان المقسور فیسری نظیر تلك القسوة فی قلب الاکل له۔ واذاقسی قلب العبد صار لا یحن قلبه الی موعظة وصار کالحمار [2]۔	یعنی انھیں مسائل سے ہے امام ابوحنیفہ وامام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اتفاق کہ ہر کیلے والا درندہ اور ہر پنجے والا پرندہ جو دوسرے پر اس کیلے یا پنجے سے حملہ کرتا ہے حرام ہے، اس لئے کہ اس میں سنگدلی ہے کہ وہ بیدردی سے مجبور ومغلوب کرتا ہے، تو ایسی ہی سنگدلی اس کے کھانیوالے میں سرایت کرے گی، اور جب آدمی کا دل سخت ہوجاتا ہے تو کسی نصیحت کی طرف میل نہیں کرتا اور آدمی سے گدھا ہوکر رہ جاتا ہے۔

میں کہتاہوں یوں ہی کتب طیبہ سے ثابت کہ الو کھانے والا آدمی سے الو ہوکر رہ جاتاہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ غرض یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ ہے جس پر ائمہ حنفیّہ کا اجماع ہے، اور اس سے ہرگز کوئی پنجے والا پرندہ کہ سباع طیر سے ہو مستثنٰی نہیں اور شک نہیں کہ الو پنجے والا پرندہ ہے۔ بلکہ اس کے پنجے بہت شکاری پرندوں سے زیادہ قوی اور تیز ہیں، اور شک نہیں کہ گوشت اس کی خوراک ہے، اور شک نہیں کہ وہ اپنے سے کم طاقت پرندوں پر حملہ کرتا ہے، یہ سب باتیں یقینا معلوم ہیں، اور فقیر کے سامنے بہت شکار پیشہ مسلمانوں نے بیان کیا کہ یہ پرندہ شکاری ہے، پانچ [عـــه] سکان بریلی نے کہ ان میں چار صاحب قوم کے قراول،

عـــه: نیاز محمد خاں ابن رحم خاں ونذیر خان ابن وزیر خاں وعنایت اللہ خاں ابن کرم علی خاں وغلامی خان ابن حسن خاں قراول ساکناں بہاریپور محلّہ قراوٗلان ومحمد خاں ابن گل خان افغان ساکن شہر کنہ ۱۲۔

---

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۵۵، ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

[2] المیزان الکبرٰی کتاب الاطعمة مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۷

اور پانچوں نمازی نیک سنی صحیح العقیدہ ہیں، ہفدہم ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ کو میرے سامنے اس مضمون کی شہادت ادا کی، اور ان میں بعض نے کہا ہمارے سامنے توتے کو شکار کرلے گیا، بعض نے کہا کھونٹی پر شکرہ بندھا تھا شکرہ کو مار لے گیا، حالانکہ شکرہ اتنا بڑا اور قوی اور خود شکاری جانور ہے، اور الو کی منقار بہت چھوٹی ہوتی ہے کہ چونچ سے اس کا قابو میں آنا معقول نہیں، نہ کہ ایسا زور کہ بندش توڑ کر زندہ لے جائے، لاجرم پنجہ سے شکار کیا، اور یہ امر اس جانور کی قوت سے کچھ عجب نہیں کہ وہ شکرہ سے بھاری جانور کو شکار کرلیتا ہے، علامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی کتاب عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں اس کا حال لکھتے ہیں:

تصطاد السنانیر الضعاف وتعادی الغراب وھو ذلیل بالنھار امابالليل فلا یقدر علیہ شیئ من الطیور [1]۔	الو کمزور بلیوں کو شکار کرلیتا ہے، کوے سے اس کو دشمنی ہے، دن کو ذلیل ہوتا ہے مگر رات میں کوئی پرند اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی میں ہے:

چنگ بالفتح بروزن سنگ قلاب آہنی وپنجہ آدمی وحیوان درندہ، شکاری چوں باز وشاہین وشیر وپلنگ وامثال آں [2]، واز شعر طوطی ہند امیر خسرو دہلوی چنگ بوم واقع شدہ، وبوم ہرچند جانور شکاری نیست، بدیں معنی کہ مردم بداں شکار نمی کنند، لیکن فی الحقیقۃ ذومخلب ست کہ صیدمے نماید، چنانچہ دیدہ شد، وشعر مذکور این ست۔ بوم کہ باشد کہ بچنگ دراز طعمہ بردازدہن جرہ باز	چنگ بروزن سنگ ہے، لوہے کے شکنجے اور آدمی کے پنجے، شکاری اور درندے حیوان جیسے باز، شاہین، شیر، چیتا، اور ان کی ہم مثل کو چنگ کہتے ہیں، طوطی ہند امیر خسرو دہلوی کے شعر میں چنگ الو کے لیے استعمال ہوا ہے اگرچہ مشہور شکار کا پرندہ اس معنی میں نہیں کہ آدمی اس کا شکار نہیں کرتا لیکن حقیقتًا وہ اپنے پنجے سے شکار کرتا ہے جیسا کہ مشاہدہ میں آیا ہے وہ شعر یہ ہے: الو جس کا پنجہ دراز ہے منہ سے کھاتا ہے باز والی جرات (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات النوع السادس من الحیوان (بوم) مصطفی البابی مصر ص ۲۷۱

[2] مرآت الاصطلاحات عنبر شاہی

غرض جب وہ شکاری جانور ہے تو اس کے حرام ہونے میں اصلاً جائے کلام نہیں، رہا بعض عبارت حنفیہ میں لفظ بوم کی نسبت لفظ یوکل وارد ہونا **اقول**: نہ وہ اجماعی قاعدہ فقہ حنفی وحدیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مقابل ہوسکتا ہے نہ مشاہدات کو رد کرسکتا ہے اس سے بالتعیین الو کی حلت ثابت ہی نہیں ہوتی، زبان عرب میں لفظ بوم خاص الو کے لیے موضوع نہیں، بلکہ ہر اس پرند پر اطلاق کیا جاتا ہے جو شب کو اپنے آشیانہ سے نکلتا ہے۔ علامہ دمیری حیاۃ الحیوان میں فرماتے ہیں:

قال الجاحظ وانواعها الھامة والصدی والضوع والخفاش وغراب اللیل والبومة وھذہ الاسماء کلھا مشترکة ای تقع علی کل طائر من طیر اللیل یخرج من بیتہ لیلا۔ قال وبعض ھذہ الطیور یصید الفار وسام ابرص والعصافیر وصغار الحشرات وبعضھا یصید البعوض، ومن طبعھا ان تدخل علی کل طائر فی وکرہ وتخرجہ منہ وتاکل فراخہ وبیضہ وھی قویة السلطان باللیل لایحتملھا شیئ من الطیر[1]	جاحظ نے کہا، اور اس کے اقسام ہامہ، صدی، ضوع، خفاش، غراب اللیل، بوم نامی پرندے ہیں اور یہ تمام نام مشترک ہیں، یعنی رات کو اپنے گھر سے نکل کر پرواز کرنے والے ہر پرندے پر بولتے ہیں، اور کہا ان پرندوں میں سے بعض چوہے، چھپکلی، چڑیوں اور چھوٹے چھوٹے حشرات کو شکار کرتے ہیں اور ان میں سے بعض مچھروں کا شکار کرتے ہیں اور وہ طبعی طور پر ہر پرندے کے گھونسلے میں داخل ہوکر اس کو اڑاتا ہے اور اس کے چوزوں اور انڈوں کو کھاجاتے ہیں اور رات میں وہ قوی تسلط والے ہوتے ہیں کہ کوئی بھی پرندہ ایسی قوت نہیں پاتا۔ (ت)

تو جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے الو مراد نہیں بلکہ وہ پرند شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی امام عتابی کی تصریح سے ثابت ہیں۔ علامہ قہستانی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:

لاباس بما لیس بذی مخلب کالبوم فی روایة عن ابی یوسف، کما فی العتابی۔[2]	امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے ایک روایت یہ ہے کہ جن پرندوں کے پنجے نہیں ہیں ان کے کھانے میں حرج نہیں ہے، جیسا کہ عتابی میں ہے۔ (ت)

پس حنفیہ کی طرف حلت چغد کی نسبت ایک دھوکا ہے کہ اشتراک لفظ بوم سے پیدا ہوا،

[1] حیاۃ الحیوان باب الباء الموحدۃ (البوم) مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۶

[2] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ / ۳۴۹

وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: ازاوجین مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

مولٰنا صاحب مجمع فضائل ومنبع فواضل فرید العصر، وحید الزمان، مخدوم مکرمی دام افضالکم بعد تمہید مراسم فدویت وارزوئے حصول سعادت مواصلت کہ عمدۃ مقاصد ہر دوجہاں ہے التماس پرداز ہے کہ حضور نے حرمت بوم کے باب میں جو فتوٰی ارسال فرمایا، اس میں یہ عبارت مرقوم ہے وہ سمجھ میں نہ آئی کہ جن کتابوں میں ذکر اکل ہے ان میں بوم سے مراد الو نہیں بلکہ وہ پرندہ شب مقصود ہے جو پنجہ شکاری نہیں رکھتا جیسے چمگادڑ وغیرہ، یہ معنی عتابی تصریح سے ثابت نہیں،

لاباس بمالیس بذی مخلب کالبوم [1] الخ۔	جو پرندہ پنجے والا نہ ہو اس کے کھانے میں حرج نہیں ہے جیسا کہ بوم ہے۔الخ۔(ت)

تو کیا چمگادڑ اور باگل بھی حلال ہے؟ جواب بالتشریح بیان فرمائیے۔ زیادہ نیاز، بینوا توجروا

الجواب:

چمگادڑ چھوٹا ہو یا بڑا جسے ان دیار میں باگل کہتے ہیں، اس کی حلت حرمت ہمارے علمائے کرام رحمہ اللہ تعالٰی میں مختلف فیہ ہے بعض اکابر نے اس کے کھانے سے ممانعت فرمائی ہے اس وجہ سے کہ وہ ذی ناب ہے، مگر قواعد حنفیّہ کے موافق وہی قول حلت ہے، زمطلقًا دانت موجب نہیں بلکہ وہ دانت جن سے جانور شکار کرتا ہو، ظاہر ہے کہ چمگادڑ پرند شکاری نہیں، ولہذا درمختار میں قول حرمت کی تضعیف فرمائی، ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

اما الخفاش فقد ذکر فی بعض المواضع انہ یوکل، وفی بعض المواضع انہ لا یوکل لان لہ نابا اھ [2] ورأیتنی کتبت علی ہامشہ مانصہ فیہ انہ لایصید بنابہ، و لایصول ولیس کل مالہ ناب حراما۔	چمگادڑ کے متعلق بعض مواضع میں ذکر ہے کہ کھایا جائے اور بعض مواضع میں ہے کہ نہ کھایا جائے کیونکہ اس کے کیلے ہوتے ہیں اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ اپنے کیلے سے شکار نہیں کرتا اور نہ ہی یہ حملہ آور ہوتا ہے اور ہر کیلے والا حرام نہیں ہوتا۔(ت)

[1] جامع الرموز بحوالہ العتابی کتاب الذبائح مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

برجندی میں ہے:

ذکر فی المحیط ان فی الخفاش اختلاف العلماء اھ[1]۔	محیط میں مذکور ہے کہ چمگادڑ میں علماء کا اختلاف ہے اھ (ت)

در مختار میں ہے:

وقیل الخفاش لانه ذوناب[2]۔	بعض نے کہا چمگادڑ حرام ہے کیونکہ یہ کیلے والا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الاتقانی وفیه نظر لان کل ذی ناب لیس بمنهی عنه اذا کان لایصطاد بنابه[3] اھ	اتقانی نے کہا ہے اور اس میں اعتراض ہے کیونکہ ہر کیلے والا حرام نہیں ہے جبکہ وہ اپنے کیلے سے شکار نہ کرتا ہو اھ (ت)

برجندی میں ہے:

المراد الناب الذی هو سلاح وذوالناب الحیوان الذی ینهب بالناب[4] اھ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	ناب (کیلے) سے مراد وہ ہے جو ہتھیار بنے، اور کیلے والا جانور وہ ہے جو کیلے کے ساتھ حملہ آور ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از درتحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۱۴رجب ۱۳۱۵ھ

جو کوّاکہ دانہ کھاتا ہے اور رنگ میں بالکل سیاہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور جو کواکہ دانہ اور نجاست دونوں کھاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

دانہ خور کواکہ صرف دانہ کھتا اور نجاست کے پاس نہیں جاتا جسے غراب زرع یعنی کھیتی کا کوا کہتے ہیں، چھوٹا سا سیاہ رنگ ہوتا ہے، اور چونچ اور پنجے غالبا سرخ، وہ بالاتفاق جائز ہے، اور مردار خور کوا جسے غراب ابقع بھی کہتے ہیں کہ اس کے رنگ میں سپیدی بھی سیاہی کے ساتھ ہوتی ہے بالاتفاق ناجائز ہے۔

---

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الذبائح نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۳

اور اسی حکم میں پہاڑی کوا بھی داخل کہ بڑا اور یک رنگ سیاہ ہوتا ہے اور موسم گرما میں آتا ہے، اور خلط کرنیوالا جسے عقعق کہتے ہیں کہ اس کے بولنے میں آواز عق عق پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اختلاف ہے، اور اصح حل مگر کراہت تنزیہہ میں کلام نہیں،

هذا خلاصة مافی الدر المختار [1] وردالمختار والمقام بعد یحتاج الی زیادة تحریم وضبط وتقریر لعل الله یسیره فی تحریر اٰخر والله تعالٰی اعلم۔	یہ درمختار اور ردالمحتار میں بیان شدہ کا خلاصہ ہے جبکہ یہ مقام ابھی زیادہ تحریم وضبط اور تقریر کا محتاج ہے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالٰی کسی اور تحریر میں اس کو آسان کردے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی محمد ایوب صاحب سنبھل مراد آبادی ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کوا حرام ہے یا نہیں؟ الو حرام ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ کوے کہ ہمارے دیار میں پائے جاتے ہیں سب حرام ہیں، الو حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از شاہجہان پور ڈاک خانہ نادر شاہیان مقام میران پور، یعقوب شاہ خاں بروز یکشنبہ ۱۸/ ۱۳۳۴ھ

جناب قبلہ دام اقبالہ بعد سلام علیکم عرض ہے کہ پیلو کے انڈے اور گوشت اور پالنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سب جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی حلت کا حکم کس وقت سے جاری ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

گائے کی حلت شریعت قدیمہ ہے۔ اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا"	یعنی کیا آئی تیرے پاس خبر ابراہیم کے عزت دار مہمانوں کی، جب وہ اس کے پاس آئے بولے

[1] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الذبائح دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۵

سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِيۡنٍ ﴿۲۶﴾[1] دوسری جگہ فرمایا: "بِعِجۡلٍ حَنِيۡذٍ ﴿۶۹﴾"[2]۔	سلام، کہا سلام انجانے لوگ ہیں پھر جلدی کرتا اپنے گھر گیا، سوان کے کھانے کو لے آیا ایک فربہ بچھڑا بھنا ہوا۔

احادیث سے ثابت ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے قربانی کی، اور قربانی کا گوشت کھانے کا حکم فرماتے، مگر خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تناول فرمایا یا نہیں، اس بارے میں کوئی تصریح حدیث اس وقت پیش نظر نہیں، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از شہر بریلی محلّہ قاضی ٹولہ شہر کہنہ مرسلہ محمد عمران صاحب ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گوشت گائے کا کھایا یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کے کھانے کھلانے کا حکم فرمایا خود بھی ملاحظہ فرمایا یا نہیں، اس عــہ کا ثبوت نہیں، دنیا کی ہزاروں نعمتیں ہیں کہ حضور نے قصدا تناول نہ فرمائیں، گوشت گاؤ کی مذمت میں جو حدیث ذکر کی جاتی ہے صحیح نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰ و ۱۶۱: مسئولہ معرفت سیٹھ آدم جی گونڈل کاٹھیاوار ہاشم بیگ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) کبوتر کھانے میں کسی قسم کی کراہت ہے؟

(۲) عقیقہ کا گوشت ماں باپ کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) کچھ نہیں۔

عــہ: حدیث مسلم کتاب الزکوٰۃ کہ بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے گوشت گاؤ صدقہ میں آیا، وہ حضور کے پاس لایا گیا اور حضور سے عرض کیا گیا کہ یہ صدقہ ہے کہ بریرہ کو آیا، فرمایا اس کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ[3]۔ اس سے بظاہر تناول فرمانا معلوم ہوتا ہے ۱۲ حجۃ الاسلام حامد رضا رضی اللہ عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۱ /۲۴ تا ۲۶

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۶۹

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اباحۃ الهدیۃ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۴۵

(۲) کھائیں، اس کا حکم مثل قربانی ہے، تین حصے مستحب ہیں، ایک اپنا ایک عزیزوں قریبوں کا ایک مسکینوں کا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: مرسلہ محمد حکیم الدین از ضلع پورینہ موضع چوپڑا ۴ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار مگر شتر کی مانند ہے اور ہر چند میں حیض مثل عورتوں کے ہوتی ہے، اس کا کھانا حلال ہے یا حرام؟ لہٰذا بعض علماء کی زبانی سنا گیا ہے کہ خرگوش پنجہ والا ناخن دار حرام ہے جو خرگوش کہ حلال ہوتا ہے اس کے کُھر ہوتا ہے مانند بکری و بیل وغیرہ کے، جناب والا! اس پر بھی ہم کو اطمینان کُل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بخدمت فیض درجت یہ کمترین بطور عریضہ ھذا روانہ کرتا ہے ضرور بالضرور جواب سے اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب درخشا فرمائیں گے۔ زیادہ والسلام۔

الجواب:

خرگوش ضرور حلال ہے، اسے حرام جاننا رافضیوں کا مذہب ہے، خرگوش کے پنجے ہی ہوتے ہیں، کُھر والا خرگوش دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳ و ۱۶۴: مرسلہ مولوی حافظ مصاحب علی صاحب از مقام جاورہ مورخہ یکم رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض کفار جو کہ گوشت خور نہیں ہیں تالاب یا ندی سے مچھلیاں پکڑوا کر دیگر تالاب یا ندی محفوظ میں ڈلوادیں اس غرض سے کہ مسلمان مچھلیاں پکڑوا کر نہ کھاسکیں، تو کیا ایسے تالاب یا ندی سے مسلمانوں کو مچھلیاں پکڑوا کر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید، بکر، عمرو، خالد نے مل کر ایک کمپنی قائم کرکے ایک کارخانہ جاری کیا اور عام طور پر اعلان کردیا کہ جس کا دل چاہے اس کارخانہ میں شریک ہوجائے، فی حصہ ایک صد روپیہ قرار پایا ہے جو شخص جس قدر حصے خریدنا چاہے اسی قدر روپیہ کا منافع دیا جائے گا۔ اور اگر کارخانہ میں نقصان و نفع ہوگا تو حصہ کے تناسب سے نقصان کا زیر بار ہونا پڑے گا۔ خریدار حصہ سے خواہ ایک حصہ خریدے یا دس حصہ تین مرتبہ کرکے روپیہ کمپنی میں وصول کیا جائے گا، کارخانہ کو اختیار ہے جو کام چاہے جاری کرے، کسی خریدار حصہ کو امور کارخانہ میں واہل کارخانہ یعنی منیجر وغیرہ کے امور میں دخل اندازی کا اختیار نہ ہوگا، خریدار کو صرف نفع یا نقصان سے غرض ہے، اور خریدار حصہ اپنے خرید شدہ نفع یا نقصان سے فروخت کرنے کا مجاز ہوگا، پس سوال یہ ہے کہ ایسے کارخانہ میں شرکت اور اس کے بعد خرید وفروخت مذکور جائز ہے یا نہیں؟ نیز یہ خرید وفروخت کس بیع میں داخل ہے؟

الجواب:

(۱) مچھلیاں پکڑنے سے ملک ہو جاتی ہے اور دوسرے دریا میں چھوڑنے سے ملک سے خارج نہیں ہوتیں، نہ دوسرے کو ان کا لینا جائز ہوتا ہے۔ مسلم ہو یا کافر، جب تک چھوڑنے والے نے یہ نہ کہا ہو کہ یہ اس کی ہیں جو ان کو لے، تو ملک غیر ہونے کے سبب سے ان میں ممانعت آئے گی، مگر از انجا کہ یہ کفار نہ ذمی ہیں نہ مستامن نہ ان سے اس بارہ میں کوئی معاہدہ ہے، لہذا اب بھی وہ مچھلیاں حکما ایسی ہی ہیں جیسی پکڑنے سے قبل تھیں، ان کا ارادہ فاسد ان پر رد کیا جائے گا اور مسلم کافر جو کوئی پکڑے اس کے لئے مباح ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر وہ تجارت بروجہ شرعی ہو عقود فاسدہ یا ربا کو دخل نہ ہو تو اس میں شرکت جائز مگر اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۵: از گلگت ایجنسی مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کے ہاتھ کا ذبح ناجائز ہے جیسے کہ ہنود اس کے ہاتھ کی پکڑی مچھلی کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مر گئی یا اس نے مار ڈالی ہو کہ مچھلی میں ذبح شرط نہیں جس میں مسلمان یا کتابی ہونا ضرور ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۶و۱۶۷: از بنگالہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس و مفتیان شرع متین اس حیوان کے بارے میں جو کہ عجائب المخلوقات میں بایں طور بیان کیا گیا ہے:

ومنها سمكة مدورة ذنبها اطول من ثلثة اذرع وعلى وسط ذنبها شوكة معقفة شبه كلاب وهي سلاحها تضرب بها وهي نمراء بياضها في غاية اللبياض ونقد سواد ها في غاية السوادو لها منخران على ظهر ها وفم على بطنها وفرج كفرج النساء[1] انتهى.	ان میں سے ایک مچھلی گول قسم کی دم تین ہاتھ لمبی ہے اور اس کی دم کے درمیان میں کنڈے کی شکل میں ایک ٹیڑھا کانٹا ہے وہ اس کا ہتھیار ہے۔ وہ مچھلی نہایت سفید ہے جس پر گہرے سیاہ رنگ کے نقطے ہوتے ہیں اس کے نتھنے اس کی پیٹھ پر اور اس کا منہ پیٹ پر اس کی شرمگاہ عورتوں کی شرمگاہ کی طرح ہوتی ہے۔ انتہی (ت)

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر فارس المقالۃ الثانیۃ مصطفی البابی مصر ص۸۸

اگر یہ مچھلی ہو تو اس کو عربی میں کیا کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا کیا نام ہے اور ہندی میں اس کا اس مخصوص بہ کیا ہے۔ بحوالہ کتب تحریر فرمائیے،

(۲) اور جریث کو اہل ہند کیا کہتے ہیں اور وہ کون سی مچھلی ہے اس کی عوارضات مختص بہا کو بوضاحت بیان فرمائیے، غایۃ الاوطار میں لکھا ہے کہ جریث کو بعض اہل ہند سنگی کہتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے۔ اگر غلط ہے تو پھر سنگی کیا شے ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ مچھلی کہ عجائب المخلوقات میں ذکر کی اگر اس کا وجود ہر دو عالم مثالی وخیالی سے باہر ثابت ہو تو ان نوادر سے ہے۔ جو بہ مرور دہور کبھی کسی سیاح کی نظر پڑے اور عامہ ناس ان کے رسم واسم سے آگاہ نہیں، "**وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ**ؕ"[1] (اور تمھارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ت) علامہ قزوینی کو خود اس کا نام معلوم ہوتا تو لکھتے، وہ خود اس کے عجائب دہر سے ہونے کے معترف ہیں عبارت مذکورہ سوال کے بعد کہا **والبحر لا تحصی عجائبہ**[2] (سمندر کے عجائبات بے شمار ہیں۔ ت) اسے جریث گمان کرنا صحیح نہیں، جریث ایک کثیر الوجود مچھلی سواحل پر ارزانی سے بکنے والی ہے، محرر المذہب سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مبسوط میں روایت فرماتے ہیں:

عن عمرو بن شوذب عن عمرۃ بنت ابی طبیخ قالت خرجت مع ولیدۃ لنا فاشترینا جریثہ بقفیز حنطۃ فوضعناھا فی زنبیل فخرج راسھا من جانب وذنبھا من جانب فمر بنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال بکم اخذت قالت فاخبرتہ فقال ما اطیبہ وارخصہ و اوسعہ للعیال[3]۔	یعنی عمرہ بنت ابی طبیخ نے کہا میں اپنی کنیز کے ساتھ جاکر ایک جریث ایک قفیز گیہوں کو خرید کر لائی جو زنبیل میں سمائی، ایک طرف سے سر نکلا رہا ایک طرف سے دم، اتنے میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا گزر ہوا، فرمایا، کتنے کو لی؟ میں نے قیمت عرض کی۔ فرمایا: کیا پاکیزہ چیز ہے اور کتنی ارزاں اور متعلقین پر کتنی وسعت والی۔

ولہذا علامہ قزوینی نے اسے عجائب میں ذکر نہ کیا البتہ جری کا نام لیا اور اسے مار ماہی سے تفسیر کیا کہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۳۱

[2] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات حر فارس المقالۃ الثانیۃ فصل فی عجائبہ مصطفی البابی مصر ص۸۸

[3] المبسوط للامام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

بزعم بعض وہی جریث ہے۔اس تقدیر پر خود انھوں نے اس نادر مچھلی اور جریث میں فرق کیا،اسے عجائب بحر فارس اور اسے عجائب ہند میں لکھا۔اس کی وسط دم پر کانٹا بتایا تھا اور جری کی پیٹھ پر ایک چیز مثل عمود لکھی،اور وہ منخزین وقم وفرج کا ذکر یہاں نہ کیا،

حیث قال منہا (ای من عجائب بحر الھند) سمکۃ مدورۃ یقال لہا مارماھی علی ظھرھا شبہ عمود و محددالراس لاتقوم لہا فی البحر سمکۃ الا تضربھا بذٰلک العمود و تقتلہا[1]۔	جہاں انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان کے سمندر کے عجائبات میں سے ایک گول مچھلی ہے جس کو مارماہی کہا جاتا ہے اس کی پیٹھ پر عمودی شکل محدد سروالا کانٹا ہوتا ہے،سمندر میں جو مچھلی اس کی زد میں آئے اس کو وہ اپنے مدور کانٹے سے ہلاک کردیتی ہے۔(ت)

اور تحقیق یہ ہے کہ یہ دوسری مچھلی بھی نہ مارماہی ہے۔نہ مارماہی جریث مارماہی گول نہیں بلکہ لمبی بالکل سانپ کی شکل پر ہوتی ہے۔عربی میں اسے جری بکسر وتشدید را،اور جری بالفتح اور جریت بتائے فوقانیہ.بروزن جرّیث اور صلور وسلور اور انقلیس و انکلیس، بفتح ہمزہ ولام ہر دو انقلیس وانکلیس بکسر ہر دو اور فارسی میں مارماہی اور ہندی میں بام کہتے ہیں، جاحظ نے کہا وہ پانی کا سانپ ہے یعنی صورۃ نہ کہ حقیقۃ، بعض نے کہا وہ سانپ اور مچھلی کے جوڑے سے پیدا ہے، قزوینی نے اسے پر جزم کا،اور صحیح یہ کہ یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ وہ سانپ سے جدا ایک خاص نوع ماہی ہے۔اہل فن نے ان اسمائے مذکورہ اعنی جری وصلور و انقلیس میں بہت اختلاف کیا۔بہت نے انھیں مارماہی کا غیر جانا، کسی نے کہا جری بے سنے کی مچھلی کو کہتے ہیں، کسی نے کہا ایک قسم ماہی ہے جس کے سر ودم باریک اور پشت چوڑی ہوتی ہے۔ کسی نے کہا انکلیس چھوٹی مچھلی کی شکل پر ایک جانور ہے جس کی دم کے پاس مینڈک کے پاؤں کے مثل دو۲ پاؤں ہوتے ہیں،اور ہاتھ نہیں ہوتے،بصرہ کی نہروں میں پایا جاتا ہے۔ بعض نے کہا بحرین کی مچھلی ہے۔اس جانور کو شلق بالکسر یا شلق مثل کشف کہتے ہیں، کسی نے کہا شلق بھی انکلیس اور انکلیس جریث ہے، کسی نے کہا انکلیس مارماہی اور صلور جریث ہے بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ مارماہی ایک معروف مشہور مچھلی مستطیل الخلقۃ مشابہ مار ہے نہ کہ مدور، ارشاد الساری شرح صحیح البخاری زیر حدیث:

قال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما طعامہ میتۃ الا ماقدرت منہا والجری	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ اس کی خوراک میتہ ہے مگر کچھ بھون لی جاتی ہے اور جرّی

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات بحر الھند فصل فی جزائر ھذاالبحر مصطفی البابی مصر ص ۸۴

لاتاکله الیهود ونحن ناکله فرمایا۔الجری بکسر الجیم والراء والتحتیة المشددتین وبفتح الجیم والجریث بمثناةفوقیة بعد التحتیة ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل سمك لا قشرله۔وقیل نوع عریض الوسط دقیق الطرفین[1]۔	کو یہودی نہیں کھاتے اور ہم کھاتے ہیں،اور آپ نے فرمایا جِرّی جیم اور راء کے کسرہ اور دو مشدد یاء اور جیم کے فتح کے ساتھ پڑھا جائے،اور جریث آخر میں ثاء سے پہلے یاء ہے،اور یہ مچھلی سانپ کی طرح ہوتی ہے،اور بعض نے کہا کہ اس پر چھلکا نہیں ہوتا اور بعض نے بتایا کہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔(ت)

مجمع بحار الانوار میں علامہ زرکشی سے ہے:

الجری بکسر جیم وراء مشددة وتشدید یاء ضرب من السمك یشبه الحیات وقیل نوع غلیظ الوسط رقیق الطرفین،وقیل مالا قشرله[2]۔	جری جیم اور راء کے کسرہ اور شد کے ساتھ اور آخر میں مشدد یاء ہے یعنی مارماہی جو سانپ کے مشابہ ہوتی ہے۔بعض نے کہا درمیان سے موٹی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے۔ اور بعض نے کہا اس پر چھلکا نہیں ہوتا(ت)

اسی میں ہے:

لا تاکلوا الانکلیس بفتح ہمزة وکسرھا سمك شبیه بالحیات (ای مارماہی) والانقلیس لغة،وکرہ لرداءة غذائة لالانه حرام[3]۔	الانکلیس بفتح ہمزہ یا کسرہ ہے کومت کھاؤ،یہ سانپ کی مانند ایک مچھلی ہے یعنی مارماہی،ایک لغت میں الانقلیس کہا جاتا ہے اس کو کھانا اس لئے مکروہ ہے کہ اس کی غذا ردی ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۵ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الذبائح والصید والتسمیة باب قول اللہ تعالٰی احل الکم صید البحر دار الکتاب العربی بیروت ۸ /۲۶۷

[2] مجمع بحار الانور اب الجیم مع الراء تحت الجری مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۳۵۰

[3] مجمع بحار الانور باب الهمزہ مع النون تحت انکلس مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۱/ ۱۲۵

لاتاکلوا الصلور والانقلیس هما الجری والمارماہی نوعان من السمك کالحیة[1]۔	صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ، اور ان کا نام جری اور مارماہی ہے یہ دونوں سانپ کے مشابہ مچھلیاں ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے:

الصلور کسنور الجری فارسیته المارماهی[2]۔	صلور، سنور کے ہم وزن ہے اس کا نام جری، اور فارسی میں مارماہی کہتے ہیں۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

وهو السمك الذی یکون علی هیأة الحیات و منه حدیث عمار ضی الله تعالٰی عنه لا تاکلوا الصلروالا الانقلیس[3]۔	یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے، حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کے متعلق فرمایا: صلور اور انقلیس کو نہ کھاؤ۔(ت)

اسی میں ہے:

قال احمد بن الحریش قال النضر الصلور الجریث و الانقلیس مارماهی[4]۔	احمد بن حریش نے کہا کہ نضر نے کہا کہ صلور وہ جریث ہے اور انقلیس وہ مارماہی ہے۔(ت)

انھیں دونوں میں ہے:

(الانقلیس)الصلور الجری قال اللیث هی (سمکة کالحیة)وقال غیره الجریث کانکلیس وهو قول ابن الاعرابی[5]۔	"الانقلیس" صلور، جری ہے۔لیث نے کہا یہ مارماہی ہے یعنی سانپ کی طرح مچھلی ہے اور ان کے غیر نے کہا "جریث" انکلیس کی طرح ہے اور یہ ابن اعرابی کا قول ہے۔(ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الصاد مع اللام تحت "صلور" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۳ /۳۴۷

[2] القاموس المحیط فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" مصطفی البابی مصر ۲ /۷۴

[3] تاج العروس فصل الصاد باب الراء تحت "الصلور" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۴۰

[4] تاج العروس فصل الجیم من باب الثاء تحت الجریث دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۹

[5] تاج العروس فصل القاف من باب السین دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۲۱

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الانکلیس بفتح الهمزة واللام وکسرهما معاسمك شبیه بالحیات ردی الغذاء و هو الذی یسمی الجری والمار ماهی،وقال الزمخشری قیل انه الشلق وقال ابن سیده هو علی هیئة السمك صغیر له رجلان عند ذنبه کرِجل الضفدع ولایدله یکون فی انهار البصرة، ولیس لفظه عربیا اھ[1] ملخصاً۔	"انکلیس" ہمزہ اور لام پر فتح اور کسرہ بھی یہ سانپ شکل کی مچھلی ہے جس کی غذا ردی ہے اس ک نام جری اور مارماہی ہے۔زمخشری نے کہا کہ بعض نے شلق کہا ہے۔ابن سیدہ نے کہا یہ عام مچھلی کی طرح ہوتی ہے اور ضفدع (مینڈک) کے پاؤں کے طرح اس کی دم کے نیچے دو پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے،بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے اھ ملخصا۔(ت)

قاموس وتاج میں ہے:

(الشلق بالکسر او ککتف سمکة صغیرة)او علی خلقة السمکة لها رِجلان عند الذنب کرجلی الضفدع لا یدان لها،تکون فی انهار البصرة،وقیل هی من سمك البحرین ولیست بعربیة (او)هی (الانکلیس) من السمك وهو الجری والجریث عن ابن الاعرابی[2]۔	شلق کسرہ کے ساتھ یا کتف کے وزن پر ہے۔یہ چھوٹی مچھلی ہے یا مچھلی کے مشابہ مخلوق ہے۔اس کی دم کے نیچے مینڈک کے پاؤں کی طرح پاؤں ہوتے ہیں اور اس کے اگلے پاؤں نہیں ہوتے اور یہ بصرہ کے دریاؤں میں پائی جاتی ہے بعض نے کہا کہ یہ بحری مچھلی ہے اور عربی میں اس کا نام نہیں ہے۔یا یہ انکلیس ہے جو مچھلی کی قسم ہے۔اور اس کو جرّی کہتے ہیں اور جریث بھی،یہ ابن اعرابی سے منقول ہے۔(ت)

عجائب قزوینی بیان حیوانات بحر میں ہے:

جری هوالذی یقال له مارماہی متولد	جرّی جس کو مارماہی کہتے ہیں یہ نسل مچھلی اور سانپ

---

[1] حیاۃ الحیوان باب الهمزة الانکلیس مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الشین من باب القاف مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۹،تاج العروس فصل الشین من باب القاف داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۹۹

من الحیۃ والسمک قال الجاحظ انہ یاکل الجردان[1]۔	سے پیدا ہوتی ہے جاحظ نے کہا ہے کہ یہ جردان کھاتی ہے۔(ت)

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

ماقیل ان المارماہی متولد من الحیۃ لیس بواقع بل ہو جنس شبیہ بہا صورۃ[2]۔	جو یہ بتایا گیا کہ مارماہی کی نسل سانپ اور مچھلی سے پیدا ہے، ایسا واقع نہیں ہے بلکہ وہ مچھلی کی جنس ہے جو صورت میں سانپ کے مشابہ ہے۔(ت)

جس طرح ان اسامی میں اختلافات ہوئے یونہی ایک جماعت نے جریث بھی مارماہی کا نام جانا، اور اسے وہی مچھلی مشابہ مارمانا، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

الجری قال عیاض ہو من السمک مالا قشر لہ وقال ابن التین ویقال لہ ایضا الجریث وقال الازہری الجریث نوع من السمک یشبہ الحیات ویقال لہ ایضا المارماھی، والسلور وقیل سمک عریض الوسط دقیق الطرفین[3] اھ مختصرا۔	جری کے متعلق عیاض نے کہا وہ مچھلی ہے جس پر چھلکا نہیں ہے۔ اور ابن تین نے کہا اس کو جریث بھی کہتے ہیں اور ازہری نے کہا جریث مچھلی قسم ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو مارماہی بھی کہتے ہیں اور سلور بھی، بعض نے کہا یہ درمیان سے چوڑی اور آگے پیچھے سے باریک ہوتی ہے اھ مختصرا۔ (ت)

مجمع البحار میں ہے:

الجری قیل ہو الجریث المارماھی[4] ملخصا۔	جری کے متعلق کہا گیا کہ جریث مارماہی ہے اھ ملخصا (ت)

اسی میں نہایہ سے ہے:

فی ح علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال	ح میں لکھا ہے کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ

---

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات المقالۃ الثانیۃ القول فی حیوان الماء مصطفی البابی مصر ص ۹۷

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکل ولایحل دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۱۴

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱ /۱۰۵

[4] مجمع بحار الانوار باب الجیم الراء تحت "الجری" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱ /۳۵۰

الجریث ھو نوع من السمك یشبه الحیات ای المار ماھی [1] ۔	جریث مچھلی کی قسم جو سانپ کے مشابہ ہے۔یعنی مار ماہی (ت)

تاج العروس میں ہے:

(الجریث کسکیت سمک)معروف ویقال له الجری وھو نوع من یشبه الحیات،ویقال له بالفارسیة المار ماھی [2] اھ ملتقطا۔	جریث بروزن سکیت معروف مچھلی ہے۔اس کو جری کہا جاتا ہے اور مچھلی کی قسم سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں اھ ملتقطا۔(ت)

حیاۃ الحیوان میں ہے:

الجریث ھو ھذا السمك الذی یشبه الثعبان وجمعه جراثی ویقال له ایضا الجری بالکسر والتشدید وھو نوع من السمك یشبه الحیة،ویسمی بالفارسیة مارماھی،وقد تقدم فی الھمزۃ انه الانکلیس قال الجاحظ انه یاکل الجردان وھو حبة الماء وحکمه الحل [3] اھ باختصار۔	جریث یہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کی جمع جراثی ہے۔اس کو جری بھی کہتے ہیں کسرہ اور شد کے ساتھ،وہ مچھلی ہے جو سانپ کے مشابہ ہے اس کو فارسی میں مار ماہی کہتے ہیں،اور ہمزہ کی بحث میں گزرا کہ یہ انکلیس ہے جاحظ نے کہا یہ جردان کھاتی ہے۔اور یہ پانی کا سانپ ہے اس کا یہ حکم ہے کہ وہ حلال ہے اھ باختصار (ت)

مگر فقہائے کرام جسے جریث کہتے ہیں وہ یقینا مار ماہی کے سواء دوسری مچھلی ہے کہ متون وشروح وفتاوٰی میں تصریحا دونوں کا نام جداجدا ذکر فرمایا،لاجرم مغرب میں کہا:ھو غیر المار ماھی [4] (وہ مار ماہی کا غیر ہے۔ت)علامہ ابن کمال باشا اصلاح وایضاح میں فرماتے ہیں:

(والجریث والمار ماھی)الجریث نوع من السمك غیر المار ماھی ذکرہ فی المغرب،وانما افردھما بالذکر لما کان الخفاء فی کونھما	(جریث اور مار ماہی)جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔یہ مغرب میں مذکور ہے۔ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا کہ ان کے مچھلی ہونے میں خفا ہے۔

[1] مجمع بحار الانوار باب الجیم مع الراء تحت "جرث" مکتبہ دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۳۹-۳۳۸

[2] تاج العروس فصل جیم من باب الثاء تحت "الجرث" دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۹

[3] حیاۃ الحیوان باب الجیم الجریث مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

[4] المغرب

من جنس السمک، ولمکان الخلاف، فیھما لمحمد، ذکرہ صاحب المُغرَب[1]۔	نیز ان کے حکم میں محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا اختلاف ہے اس کو صاحب مغرب نے بیان کیا ہے۔(ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانور میں ہے:

الجریث نوع من السمك غیر مار ماھی[2]۔	جریث مچھلی کی قسم ہے جو مار ماہی کا غیر ہے۔(ت)

یہ ایک سیاہ رنگ گول مچھلی ڈھال کی مانند ہے اسے فارسی میں ماہی کول کہتے ہیں۔ درمختار میں ہے:

(الجریث) سمك اسود (والمارماھی) سمك فی صورۃ الحیۃ وافردھما بالذکر للخفاء، وخلاف محمد[3]۔	(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مار ماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت)

(جریث) سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔(مار ماہی) یہ سانپ کی شکل کی مچھلی ہے۔ ان دونوں کو علیحدہ اس لئے ذکر کیا ہے ان کے مچھلی ہونے میں خفاء ہے اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا اس میں اختلاف بھی ہے۔(ت) عمدۃ القاری میں بعد عبارت مذکورہ ونقل اقوال مسطورہ ہے: قلت الجریث سمك اسود[4] (میں کہتا ہوں "جریث" سیاہی رنگ کی مچھلی ہے۔ت) فتح اللہ المعین حاشیۃ الکنز للعلامۃ الازہری میں ہے:

الجریث سمکۃ سوداء قالہ العینی وقال الوافی الجِرِّیث بکسر الجیم والراء وتشدیدھا نوع من السمك مدورۃ کالترس[5]۔	جریث سیاہ رنگ کی مچھلی ہے۔ یہ علامہ عینی نے فرمایا ہے۔ جبکہ وافی نے کہا کہ جریث را اور جیم کے کسرہ اور شد کے ساتھ، مچھلی کی قسم ہے جو ڈھال کی طرح گول ہوتی ہے۔(ت)

اسی طرح طحطاوی وشامی وغیرہما میں ہے:

عازیہ لابی السعود وزل قلم العلامۃ ط فجعلہ عنہ عن العینی وانما ذلك صدر الکلام فقط، امام الاخیر	انھوں نے اس کو ابوسعود کی طرف منسوب کیا ہے جبکہ علامہ طحطاوی کا قلم پھسلا ہے تو انھوں نے اس کو ابوسعود سے علامہ عینی سے منقول بتایا ہے۔ یہ

[1] اصلاح وایضاح علامہ ابن کمال پاشا

[2] حاشیۃ الکمثری علی انوار الاعمال

[3] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۹

[4] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب قول اللہ تعالٰی احل لکم صید البحر ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۱۰۵

[5] فتح المعین کتاب الذبائح فصل فیما یحل وفیما لایحل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۷۴

فعن الوافی کما اسمعناك نصه۔	ابتداء کلام میں ہے اور آخر میں وافی سے منقول بتایا جس کو ہم نے ذکر دیا ہے۔(ت)

ذخیرۃ العقبیٰ میں ہے: یقال له بالفارسیة ماھی کول[1] (اسے فارسی میں ماہی کول کہا جاتا ہے۔ت) سنگچی میری زبان کا لفظ نہیں، غایۃ الاوطار والے دونوں مترجم دہقانی تھے، دیہاتوں کی زبان دیہاتی جانیں، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۶۸: ازبریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں ۲رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم فی ھذہ المسئلة افیدونا یرحکم اللہ خوردن ماہی بسیار کوچک بحاشیہ مالابدمنہ مکروہ تحریمی نوشتہ است؟	اس مسئلہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ہمیں مطلع فرمائیں اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے کہ مالابدمنہ میں نہایت چھوٹی مچھلی کو کھانا مکروہ ہے تحریمی لکھا ہے؟

الجواب:

ماہی ریزہ کہ شایان شق شوف نباشد وہمچناں شکم چاک ناکردہ بریاں کنندش، نزد امام شافعی حرام ست، ونزد سائر ائمہ حلال رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کمانص علیه فی معراج الدرایة، ثم ردالمحتار، ونصه لو وجدت سمکة فی حوصلة طائر تؤکل، وعند الشافعی لا تؤکل لان کالر جیع ورجیع الطائر عندہ نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر و فی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه۔ فقال اصحابه لایحل اکله، لان رجیعه	باریک ریزہ کی طرح مچھلی جس کا پیٹ چاک نہیں ہوسکتا، اور یوں بے چاک بھون کر کھائی جاتی ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حرام ہے اور باقی ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔(رحمہم اللہ تعالٰی) جیسا کہ معراج الدرایہ میں تصریح ہے اور پھر ردالمحتار میں یوں فرمایا کہ اگر پرندے کے گھونسلہ میں مچھلی پائی جائے تو وہ کھائی جائے، اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں کھانا جائز نہیں کیونکہ وہ پرندوں کی بیٹھ کی طرح ہے جبکہ ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ بیٹھ تب ہوسکتی ہے جب اس کا رنگ متغیر ہو، اور امام شافعی کے اصحاب چھوٹی مچھلی جس کو چاک کئے بغیر بھون لیا جاتا ہے۔ کہ متعلق فرماتے ہیں اس کا کھانا حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الذبائح نولکشور کانپور ۴ /۵۷۲

نجس وعند سائر الائمۃ یحل[1] اھ آرے در جواہر الاخلاطی دیدم کہ بکراہت تحریم تصریح وہمیں را تصحیح کردہ است، حیث قال اسمك الصغار کلھا مکروھۃ کراھۃ التحریم ھو الاصح[2]، پس اسلم اجتناب ست۔ و اللہ تعالٰی اعلم۔	تمام ائمہ کرام کے نزدیک حلال ہے۔اھ، ہاں میں نے جواہر الاخلاطی میں دیکھا ہے انھوں نے اس کے مکروہ تحریمہ ہونے میں تصریح کی ہے۔اور اسی کی تصحیح کی ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ چھوٹی مچھلیاں تمام مکروہ تحریمہ ہیں اور یہی صحیح ہے، پس اجتناب بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: مرسلہ محمد علی اکبر کوڑا سال سویم ڈھاکہ تاریخ ۱۴ جمادی الاول ۱۳۳۳ھ

کہ سوکھی مچھلی (جو دیار بنگالہ میں معروف ومشہور ہے) کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بر تقدیر حلال ہونے کے اگر کوئی حرام کہے تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مچھلی تر ہو یا خشک، مطلقاً حلال ہے۔

قال تعالٰی "اُحِلَّ لَكُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: حلال کیا گیا تمھارے لئے بحری شکار کو۔(ت)

سوائے طافی کے جو خود بخود بغیر کسی سبب ظاہر کے دریا میں مر کر اترا آتی ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

السمك یحل اکله الا ما طفا منه[4]۔	مچھلی کھانا حلال ہے ماسوائے پانی پر تیرنے والے مرکر۔(ت)

خشک مچھلی کا کسی نے استثناء نہ کیا، اگر حرام کہنے والا جاہل ہے اسے سمجھایا جائے، اور ذی علم ہے تو اس پر حلال خدا کے حرام کہنے کا الزام عائد ہے۔اسے تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہیے، ہاں اگر وہاں سوکھی مچھلی ماہی دریا کے سوا کسی خشکی کے جانور کا نام ہے، جیسے ریگ ماہی، تو اس کا حال معلوم ہونا چاہیے، اگر ریگ ماہی کی طرح حشرات الارض سے ہے تو ضرور حرام ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

جمیع الحشرات وھوام الارض لاخلاف	حشرات الارض مٹی سے پیدا شدہ ہے ان چیزوں کے

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

[2] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص ۲۸۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۹۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

فی حرمۃ ھذہ الاشیاء[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ مولوی غلام گیلانی صاحب شمس آباد ضلع کیمل پور ۲۵ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض ملکوں میں مچھلی خشک اور گوشت خشک کھایا جاتا ہے، قبل پکانے کے تو تو اس میں سخت بدبو ہوتی ہے مگر بعد پکنے کے بھی بدبو باقی رہتی ہے، کیا اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فی الواقع ایسی سخت بدبودار چیز علاوہ اس کے کہ نفاست طبع کے خلاف ہے، نظافت دین سے بھی جدا ہے۔ **وبنی الدین علی النظافۃ** (دین کی بنیاد نظافت پر ہے۔ ت) مسموع ہوا کہ اس کے مستعملین کے بدن و دہن میں اس کی بو بس جاتی ہے۔ یہ علاوہ کراہت اکل کے اور بلائے شدید اور ملائکہ کو ایذا ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الملٰئکۃ تتاذی لما یتاذی بہ بنوادم[2]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: جس سے بنی آدم اذیت پائیں اس سے فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں (ت)

اور ایسی حالت میں ان کو قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔ حدیث میں ہے:

طیبوا افواھکم فانھا طرق القراٰن[3]۔	اپنے منہ صاف رکھو کیونکہ یہ قرآن کا راستہ ہیں۔ (ت)

بلکہ جو بدبو پر مشتمل ہو اسے مسجد میں جانا حرام ہے۔ اور جماعت میں شامل ہونا ممنوع ہے اور جبکہ اس سے ضرر غالب متحقق ہو، تو حرمت میں کیا شبہ ہے۔ **فان المضار کلھا حرام** (سب ضرر رساں چیزیں حرام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: مرسلہ از چاند پور ضلع بجنور محلہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

مچھلی بے ذبح کیوں جائز ہے؟

الجواب:

خون مفسوح ناپاک ہے وہ بدن میں رہے اور جانور مرجائے تو تمام گوشت پوست نجس وحرام ہوجاتا ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوبا ابصلا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۲۷۵۲ و ۲۷۵۳ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۰۳

ذبح سے مقصود اس کا جدا کرنا ہے۔ ولہذا حدیث صحیح میں ارشاد ہوا:

مآانہر الدم وذکر اسم اللہ علیہ فکلوا [1]. الحدیث، رواہ الستۃ عن رافع بن خدیج عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس کا خون بہادیا گیا اور اس پر اللہ تعالٰی کا نام ذکر کیا گیا تو اسے کھاؤ، الحدیث، اس کو صحاح ستہ کے ائمہ نے روایت کیا رافع بن خدیج سے انھوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ (ت)

اور فرمایا:

انہر الدم بما شئت واذکر سم اللہ [2] رواہ احمد و النسائی وابوداؤد وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	خون بہادے جس سے تو چاہے۔ اور اللہ تعالٰی کا نام ذکر کر۔ اس کو احمد نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے۔ (ت)

اور وارد ہوا:

کل مافری الاوداج [3]۔ الحدیث۔ رواہ ابن ابی شیبۃ عن رافع بن خدیج والطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو چیز اوداج کو کاٹ دے۔ الحدیث، اس کو ابن ابی شیبہ نے حضرت رافع بن خدیج سے، اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

مچھلی اور ٹیری میں خون ہوتا ہی نہیں کہ اس کے اخراج کی حاجت ہو، غیر دموی کے نزدیک میں ہمارے یہاں صرف یہی دو حلال ہیں، لہذا صرف یہی بے ذبح کھائے جاتے ہیں، شافعیہ وغیرہم کے نزدیک کہ اور دریائی جانور بھی کل یا بعض حلال ہیں وہ انھیں بھی بے ذبح جائز جانتے ہیں کہ دریا کے کسی جانور میں خون نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب الذبائح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲۷ و ۸۳۱ و ۸۳۲، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب جواز الذبح بکل ما انہر الدم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۶

[2] سنن النسائی کتاب الضحایا اباحۃ الذبح بالعود نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۵، مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۵۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الصید من قال اذا انہر الدم الخ ادارۃ القرآن کراچی ۵/ ۳۸۹

مسئلہ ۱۷۲: شمس الہدٰی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی محلّہ سوداگراں ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور کا اس مسئلہ میں کیا ارشاد ہے کہ مچھلی کو اس کی آنت وغیرہ کے کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: مسئولہ شوکت علی صاحب ۲ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ کھانا جھینگا کا درست ہے یا نہیں؟ مکروہ ہے یا حرام؟

الجواب:

حمادیہ میں علماء کے دونوں قول نقل کئے ہیں، کہ بعض حرام کہتے ہیں اور بعض حلال۔

حیث قال الدود الذی یقال لہ جھینکہ عند بعض العلماء لانہ لایشبہ السمک، و انما یباح عندنا من صید البحر انواع السمک، وھذا لایکون کذلک، و قال بعضھم حلال لانہ یسمی باسم السمک[1]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ وہ کیڑا جسے جھینگا کہا جاتا ہے بعض کے نزدیک حرام ہے کیونکہ وہ مچھلی کے مشابہ نہیں ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک سمندری شکار میں مچھلی کی اقسام ہی مباح ہیں، اور جھینگا ان میں سے نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ حلال ہے کیونکہ اس کا نام مچھلی ہے۔(ت)

اقول: عبارت حمادیہ سے ظاہر یہی ہے کہ ان کے نزدیک قول حرمت ہی مختار ہے کہ اسی کو تقدیم دی والتقدیم اٰیۃ التقدیم (مقدم کرنا مقدم بنانے کی علامت ہے۔ت) اور جھینگے کو دود یعنی کیڑا کہا اور کیڑے حرام ہیں، اور اہل حلت کی طرف سے دلیل میں یہ نہ کہا وہ مچھلی ہے بلکہ یہ کہ اس پر مچھلی کا نام بولا جاتا ہے۔ تحقیق مقام یہ ہے کہ ہمارے مذہب میں مچھلی کے سوا تمام دریائی جانور مطلق حرام ہیں، تو جن کے خیال میں جھینگا مچھلی کی قسم سے نہیں ان کے نزدیک حرام ہوا ہی چاہئے مگر فقیر نے کتب لغت وکتب طب وکتب علم حیوان میں بالاتفاق اسی کی تصریح دیکھی کہ وہ مچھلی ہے۔ قاموس میں ہے:

الاربیان بالکسر سمك کالدود[2]۔	اربیان کسرہ کے ساتھ، کیڑے کی طرح مچھلی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی حمادیہ کتاب الصید والذبائح قلمی نسخہ ص ۵۶۷ و ۳۳۲

[2] القاموس المحیط باب الواؤ فصل الراء مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۳۵

صحاح وتاج العروس میں ہے:

الاربیان بیض من السمك كالدود یكون بالبصرة[1]۔	اربیان سفید مچھلی ہے کیڑے کی مانند بصرہ میں ہوتی ہے۔(ت)

صراح میں ہے: اربیان نوعے از ماہی ست[2] (جھینگا، مچھلی کی ایک قسم ہے۔ت) منتہی الارب میں ہے:

نوعے از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگا میگویند[3]۔	مچھلی کی ایک قسم ہے اسے ہندی میں جھینگا کہتے ہیں۔(ت)

مخزن میں ہے:

روبیان اور اربیان نیز آمدہ بفارسی ماہی روبیان نامند[4]۔	روبیان اور اربیان بھی آیا ہے۔فارسی میں اس مچھلی کو روبیان کہتے ہیں۔(ت)

اسی طرح تحفہ میں ہے۔تذکرہ داؤد انطاکی میں ہے:

روبیان اسم لضرب من السمك یكثر ببحر العراق والقلزم احمر كثیر الارجل نحو السرطان لكنه اكثر لحما[5]۔	روبیان مچھلی کی قسم ہے، بحر عراق اور بحر قلزم میں بکثرت پائی جاتی ہے یہ سرخ رنگ اور کثیر پاؤں والے کیکڑے کی طرح ہوتی ہے لیکن وہ گوشت میں زیادہ ہے۔(ت)

حیاۃ الحیوان الکبرٰی میں ہے:

الروبیان هو سمك صغیر جدا احمر[6]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔(ت)

---

[1] تاج العروس باب الواؤ والیاء فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۴۳

[2] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواؤ والیاء نولکشور لکھنؤ ص ۵۴۴

[3] متن الارب باب الراء فصل الباء مطبع اسلامیہ لاہور ۲/ ۹۲

[4] مخزن الارویۃ فصل الراء مع الواؤ نولکشور کانپور ص ۳۱۳

[5] تذکرۃ اولی الالباب لداؤد انطاکی الباب الثالث حرف الراء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۱

[6] حیاۃ الحیوان باب الراء المھملۃ تحت الروبیانۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۲۸

جامع ابن بیطار میں ہے:

روبیان سمك بحری تسمیه اهل مصر الفرندس، واهل الاندلس یعرفونه بالقمرون[1]۔	روبیان سمندری مچھلی ہے۔ مصر والے لوگ اسے فرندس اور اہل اندلس اسے قمرون کے نام سے جانتے ہیں۔ (ت)

انوار الاسرار میں ہے:

الروبیان سمك صغار جدا احمر[2]۔	روبیان بہت چھوٹی مچھلی سرخ رنگ ہوتی ہے۔ (ت)

تو اس تقدیر پر حسب اطلاق متون وتصریح معراج الدرایہ مطلقًا حلال ہونا چاہئے کہ متون میں جمیع انواع سمک حلال ہونے کی تصریح ہے۔

والطافی لیس نوعا براسه، بل وصف یعتری کل نوع۔	طافی کوئی قسم نہیں ہے بلکہ یہ ایک وصف ہے جو ہر قسم کو لاحق ہوسکتا ہے۔ (ت)

اور معراج میں صاف فرمایا کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں جن کا پیٹ چاک نہیں کیا جاتا اور بے آلائش نکالے بھون لیتے ہیں امام شافعی کے سوا سب ائمہ کے نزدیک حلال ہیں، ردالمحتار میں ہے:

وفی معراج الدرایة ولو وجدت سمکة فی حوصلة طائر توکل وعند الشافعی لا توکل لانه کالرجیع ورجیع الطائر عنده نجس، وقلنا انما یعتبر رجیعا اذا تغیر وفی السمك الصغار التی تقلی من غیر ان یشق جوفه فقال اصحابه لا یحل اکله لان رجیعه نجس وعند سائر الائمة یحل[3]۔	اور معراج الدرایہ میں ہے اگر پرندے کے گھونسلے میں مچھلی پائی جائے کھائی جائے، اور امام شافعی کے نزدیک نہ کھائی جائے کیونکہ پرندے کی بیٹھ کی طرح ہے، اور ان کے ہاں پرندے کی بیٹھ نجس ہے اور ہم کہتے ہیں بیٹھ تب بنے گی جب متغیر ہوجائے گی، اور چھوٹی مچھلی جس کو بغیر چاک کئے بھون لیا جاتا ہے شافعی حضرات فرماتے ہیں حلال نہیں ہے کیونکہ اس کی بیٹھ نجس ہے۔ اور باقی ائمہ حلال کہتے ہیں۔ (ت)

مگر فقیر نے جواہر الاخلاطری میں تصریح دیکھی ہے کہ ایسی چھوٹی مچھلیاں سب مکروہ تحریمی ہیں اور یہ کہ یہی صحیح تر ہے۔

---

[1] الجامع المفردات الادویة والاغذیة حرف الراء تحت روبیان دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۴۴۵

[2] انوار الاسرار

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

حیث قال السمك الصغار کلھا مکروھة کراۃ التحریم ھو الاصح [1]۔	جہاں کہا کہ چھوٹی تمام مچھلیاں مکروہ تحریمہ ہیں یہی صحیح ہے۔(ت)

جھینگے کی صورت تمام مچھلیوں سے بالکل جدااور کنکھجے وغیرہ کیڑوں سے بہت مشابہ ہے۔اور لفظ ماہی غیر جنس سمک پر بھی بولا جاتاہے۔جیسے ماہی سقنقور، حالانکہ وہ ناکے کا بچہ ہے کہ سواحل نیل پر خشکی میں پیدا ہوتا ہے۔اور ریگ ماہی کہ قطعاً حشرات الارض اور ہمارے ائمہ سے حلت روبیان میں کوئی نہیں معلوم نہیں اور مچھلی بھی ہے تو یہاں کے جھینگے ایسے ہی چھوٹے ہیں جن پر جواہر اخلاطی کی وہ تصحیح وارد ہوگی، بہر حال ایسے شبہہ واختلاف سے بے ضرورت بچنا ہی چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴تا۱۷۶: ازبریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۲رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

ماقولکم غفراللہ لکم ھذہ المسائل افیدونا یرحمکم اللہ تعالٰی: **(۱)** جھینگا خوردن چہ حکم دارد؟ **(۲)** پوست بیضہ خوردن؟ **(۳)** نسج عنکبوت خوردن؟	ان مسائل میں آپ کا کیا حکم ہے ہمیں بتاؤں، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے: **(۱)** جھنگا کا کھانا کیا حکم رکھتا ہے؟ **(۲)** انڈے کا چھلکا کھانا؟ **(۳)** مکڑے کا جالا کھانا؟

الجواب:

(۱) مختلف فیہ است۔ہر کہ از جنس ماہی دانستہ حلال گفتہ فان السمك بجمیع انواعه حلال عندنا۔ہر کہ غیرا و گمان بُردہ بحرمت رفتہ اذکل مائی ماخلا السمك حرام عندنا،اسلم درہیچوں مسائل اجتناب است الحمدللہ فقیرو اہل بیت فقیر عمر باست کہ نخوردہ ایم ونہ ہر گز ارادہ خوردنش دادیم۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** پوست بیضہ جزاوست پس درحلت و	**(۱)** مختلف فیہ ہے۔جو حضرات اس کو مچھلی کی قسم کہتے ہیں حلال کہتے ہیں، کیونکہ مچھلی کی تمام اقسام ہمارے نزدیک حلال ہیں،اور جو حضرات اس کو غیر مچھلی کہتے ہیں وہ حرام مانتے ہیں کیونکہ مچھلی کے ماسوا تمام آبی جانور ہمارے نزدیک حرام ہیں،ایسے مسائل میں اجتناب بہتر ہے،الحمدللہ اس فقیر اور اس کے گھر والوں نے عمر بھر نہ کھایا اور نہ اسے کھائیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** انڈے کا چھلکا انڈے کے حکم میں ہے کیونکہ

[1] جواہر الاخلاطی کتاب الذبائح قلمی نسخہ ص۲۲۹۔۲۸۷

حرمت بحکم اوست ہمچوں جلد حیوان، **واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۳)** تصریح ایں جزئیہ ایدوں بخیال نیست نہ اینجا کتب حاضر دارم اما ظاہر ممانعت است ہمچوں خانہ زنبور **کما نص علیه فی الهندیة**[1] **عن الملتقط عن الامام خلف بن ایوب رحمه اللہ تعالٰی** زیراکہ نسجش متولد از لعاب اوست۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	اس کا جزء ہے جیسا کہ حیوان کی کھال، **واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۳)** مکڑے کے جالے کا حکم خیال میں نہیں ہے اور نہ ہی یہاں میری کتب ہیں لیکن ظاہری طور پر ممنوع ہے جس طرح زنبور کا گھر ممنوع ہے جیسا کہ ہندیہ میں ملتقط سے اور وہاں امام خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کیونکہ جالا مکڑے کے لعاب سے بنتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از موضع ڈرہال ضلع مراد آباد مرسلہ شیخ محمد اسمٰعیل صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ ملائم ہڈی کو چبا لیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک ہڈی ملائم گائے کے نشانہ میں ہوتی ہے جس کو چبنی کہتے ہیں اور اسے گوشت کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جانور حلال مذبوح کی ہڈی کسی قسم کی منع نہیں جب تک اس کے کھانے میں مضرت نہ ہو، اگر ہو تو ضرر کی وجہ سے ممانعت ہوگی، نہ اس لئے کہ ہڈی خود ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۲۹۰

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الصید

(شکار کا بیان)

مسئلہ ۱۷۸: ۱۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

(آپ کا کیا فرمان ہے) اندریں مسئلہ کہ ایک شخص روز شکار بندوق کا شوقیہ کھیلتا ہے۔ پس بحکم شرع شریف کے کس قدر شکار کھیلنا جائز ہے اور کس وقت میں؟ اور وہ شکاری ہر روز شکار کھیلنے سے گنہگار ہوتا ہے یا نہیں؟ دریں امور چہ حکم دارد، **بینوا مفصلا توجروا کثیرا۔**

الجواب:

شکار کہ محض شوقیہ بغرض تفریح ہو، جیسے ایک قسم کا کھیل سمجھا جاتا ہے ولہذا شکار کھیلنا کہتے ہیں، بندوق کا ہو خواہ مچھلی کا، روزانہ ہو خواہ گاہ گاہ۔ مطلقًا باتفاق حرام ہے۔ حلال وہ ہے جو بغرض کھانے یا دوا یا کسی اور نفع یا کسی ضرر کے دفع کو ہو آج کل بڑے بڑے شکاری جو اتنی ناک والے ہیں کہ بازار سے اپنی خاص ضرورت کے کھانے یا پہننے کی چیزیں لانے کو جانا اپنی کسر شان سمجھیں، یا نرم ایسے کہ دس قدم دھوپ میں چل کر مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا مصیبت جانیں، وہ گرم دوپہر، گرم لو میں گرم ریت پر چلنا اور ٹھہرنا، اور گرم ہوا کے تھپیڑے کھانا گوارا کرتے اور دو۲ دو۲ پہر دو۲ دو۲ دن شکار کے لئے گھر بار چھوڑے پڑے رہتے ہیں کیا یہ کھانے کی غرض سے جاتے ہیں، حاشا وکلا بلکہ وہی لہو ولعب ہے اور بالاتفاق حرام، ایک بڑی پہچان یہ ہے کہ ان شکاریوں سے اگر کہئے مثلا مچھلی بازار میں ملے گی وہاں سے لے لیجئے ہر گز قبول نہ کر سکیں گے، یا کہئے کہ اپنے

پاس سے لائے دیتے ہیں، کبھی نہ مانیں گے بلکہ شکار کے بعد خود اس کے کھانے سے بھی چنداں غرض نہیں رکھتے بانٹ دیتے ہیں، تو یہ جانا یقینا وہی تفریح و حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

الصید مباح الا للتلهی کما هو ظاهر [1]۔	شکار مباح ہے مگر لعب کے طور پر مباح نہیں۔ (ت)

اسی طرح اشباہ و بزازیہ و مجمع الفتاوٰی وغنیہ ذوی الاحکام و تاتارخانیہ وردالمحتار وغیرہا میں عامہ اسفار میں ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۹: معرفت مولوی امام بخش صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ وحید احمد خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار تفریحا کھیلنا حرام ہے، زید کہتا ہے کہ شکار اگر گوشت کھانے کے واسطے کھیلا جائے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہم روز گوشت ہی کھاتے ہیں اور چونکہ آج کل گوشت مہنگا ہے اس واسطے شکار سے ہم کو فائدہ ہوگا، اور اگر یہ کہو کہ کسی جان بے فائدہ لینا ٹھیک نہیں تو روز گوشت کیوں کھاتے ہو، زید کی اس گفتگو پر یہ سوال کیا گیا کہ تم مہنگے کا سوال پیش کرتے ہو، اور اگر تمھیں شکار سے پیٹ ہی بھرنا مقصود ہے تو روز شکار کیوں نہیں کھیلتے تاکہ تم کو پورا فائدہ حاصل ہو، گاہے گاہے کیوں شکار کھیلتے ہو، وہ بھی اپنے ہمعمروں کو ساتھ لے جاکر، اس سے یہ ظاہر ہوا کہ تم تفریحا ہی شکار کھیلتے ہو، جس کی اجازت شرع شریف نہیں دیتی یہ بے نوا حضور سے مستفتی ہے کہ زید کی گفتگو صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید کی یہ تاویل قابل سماعت ہوگی یا نہیں جبکہ نہ مجبوری ہے نہ کسی بیماری کی صحت شکار کے گوشت سے مدنظر ہے۔

الجواب:

تفریح کے لئے شکار حرام ہے۔ اور غذا یا دوا کے لئے مباح ہے۔ اور نیت کا علم اللہ کو ہے۔ اگر واقعی وہ کھانے ہی کے لئے شکار کو جاتا ہے تفریح مقصود نہیں تو حرج نہیں، اور اس کی علامت یہ ہے کہ مچھلی کے شکار کو جانا چاہئے، اور مچھلیاں بازار میں ملتی ہوں اور دام رکھتا ہو، نہ خریدے بلکہ شکار ہی کرکے لائے اور وہ تکالیف و مصائب جو اس میں ہوتی ہے گوارا کرے تو ہرگز اسے کھانا مقصود نہیں بلکہ وہی تفریح **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: مسئولہ علی احمد صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شکار مچھلی کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ شکار چارہ تلی سے اور گھیسے سے کھیلا جاتا ہے۔

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

الجواب:

کسی جانور کا شکار اگر غذا یا دوا یا دفع ایذا یا تجارت کی غرض سے ہو جائز ہے اور جو تفریح کے لئے ہو جس طرح آج کل رائج ہے اور اسی لئے اسے شکار کھیلنا کہتے اور کھیل سمجھتے ہیں، اور وہ جو کھانے کے لئے بازار سے کوئی چیز خرید کر لانا عار جانیں، دھوپ اور لو میں خاک اڑاتے اور پانی بجاتے ہیں، یہ مطلقاً حرام ہے۔ **کما نص علیہ فی الاشباہ والدر المختار وغیرہا** (جیسا کہ اشباہ اور در مختار وغیرہما میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) پھر مچھلی کا شکار کہ جائز طور پر کریں، اس میں زندہ گھیسا پرونا جائز نہیں، ہاں مار کر ہو یا تلی وغیرہ بے جان چیز تو مضائق نہیں، یہ سب اس فعل کی نسبت احکام تھے، رہی شکار کی ہوئی مچھلی اس کا کھانا ہر طرح حلال ہے، اگرچہ فعل شکار ان ناجائز صورتوں سے ہوا ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱: از حیدر آباد دکن محلّہ افضل گنج اقامت گاہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھ جج ریاست حیدر آباد مرسلہ جناب صاحبزادہ مولوی سید احمد اشرف میاں صاحب متوطن کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، شاگرد رشید مفتی صاحب مذکور ۳ محرم الحرام شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بندوق کی گولی سے مارا شکار حلال ہے یا حرام، گولی کو حلت صید میں تیر کا حکم ہے یا نہ-یں؟ لمبی شکل کی جو گولیاں ہوتی ہے ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بندوق کی گولی دربارہ حلت صید حکم تیر میں نہیں، اس کا مارا ہوا شکار مطلقاً حرام ہے۔ کہ اس میں قطع وخرق نہیں، صدم ودق وکسر وحرق ہے، شامی میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاخراق، والثقل بواسطۃ اندفاعہ العنیف اذالیس لہ حد فلا یحل وبہ افتی ابن نجیم[1]۔	یہ مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم اس کے جلانے اور ثقل کی وجہ سے ہے جو بذریعہ شدید دباؤ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ دھار نہیں ہوتی تو شکار حلال نہ ہوگا، اور یہی ابن نجیم کا فتوٰی ہے۔ (ت)

مطلول شکل کی جو گولیاں ہیں **اولاً:** وہ بھی دھار دار نہیں ہوتی بلکہ تقریباً بیضوی شکل پر سنی جاتی ہیں، اور آلہ کا حدید یعنی تیز ہونا اگرچہ شرط نہیں مگر محدد یعنی باڑھ دار ہونا کہ قابل قطع وخرق ہو ضرور ہے۔ **ثانیاً:** اگر بالفرض گولی تیر کی طرح دھار دار رہی بنائی جائے اور اسے بطور معہود بندوق سے سر کریں جب بھی

[1] ردالمحتار کتاب الصید دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۴

ثبوت حلت میں نظر ہے کہ صرف دھار دار کا وجود ہی کافی نہیں، بلکہ تیقن بھی ضروری ہے، اس کی دھار سے قطع ہونا ہی باعث قتل ہوا۔ اور یہاں ایسا نہیں کہ اس کا احراق وصدمہ شدید قاتل ہے **کما سمعت اٰنفًا** (جیسا کہ ابھی آپ نے سنا۔ت) تو محتمل کہ یہی وجہ قتل ہوا ہو، نہ قطع، اور بحالت شک واحتمال حکم حرمت ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الاصل فی ھذہ المسائل ان الموت اذا کان مضافا الی الجرح بیقین کان الصید حلالا، واذا کان مضافا الی الثقل بیقین کان حراما، وان وقع الشك ولایدری مات بالجرح او بالثقل کان حراما احتیاطا[1]۔	ان مسائل میں قاعدہ یہ ہے کہ اگر موت یقینی طور پر زخم کی طرف منسوب ہو تو شکار حلال ہے، اور اگر وہ ثقل کی طرف منسوب ہو تو یقینا حرام ہے، اور اگر شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ زخم سے مرا ہے یا ثقل سے تو احتیاطا حرام ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لایوکل مااصابہ البندقۃ فمات بہا لانہا تدق وتکسر ولاتجرح وکذٰلك ان رماہ بحجر وکذٰلك ان جرحہ، قالوا تاویلہ اذا کان ثقیلا وبہ حدۃ لاحتمال انہ قتلہ بثقلہ۔ الخ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بندوق لگنے سے ہلاک شدہ کو نہ کھایا جائے کیونکہ وہ دباؤ سے توڑتی ہے زخم نہیں کرتی، اور اسی طرح اگر پتھر مارا اور دباؤ سے زخمی ہوا، وضاحت یہ ہے کہ اگر پتھر بھاری ہو اور اس کی دھار ہو تو حرام ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ثقل کے دباؤ سے ہلاک ہوا ہو، اس لئے حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۱۸۲: ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب (اس باب میں علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں۔ت) کہ ایک شخص نے بسم اللہ کہہ کر شکار پر بندوق چلائی، پس جس وقت جاکر دیکھا تو کوئی آثار اس میں زندگی کے نہ تھے اور نہ جنبش تھی، جس وقت کہ اس کو ذبح کیا تو خون نکلا اچھی طرح سے، پس وہ شکار حلال ہے یا حرام؟ اور اگر اس کو حلال نہ کرتے تو حلال ہوتا یا حرام؟ اور

---

[1] الهدایة کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۹

[2] الهدایة کتاب الصید مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۰۸ و ۵۰۹

درصورت نہ نکلنے خون کے بھی، جواب تحریر فرمائے۔

الجواب:

اگر ذبح کرلیااور ثابت ہوا کہ ذبح کرتے وقت اس میں حیات تھی مثلاً پھڑک رہا تھا یا ذبح کرتے وقت تڑپا اگرچہ خون نہ نکلا، یا خون ایسا دیا جیسا مذبوح سے نکلا کرتا ہے اگرچہ جنبش نہ کی، یا کسی اور علامت سے حیات ظاہر ہوئی تو حلال ہے۔اور اگر بندوق سے مار کر چھوڑ دیا ذبح نہ کیا یا کیا مگر اس میں وقت ذبح حیات کا ہونا ثابت نہ ہوا تو حرام ہے۔غرض مدار کا اس پر ہے کہ ذبح کرلیا جائے اور وقت ذبح اس میں رمق حیات باقی ہو، اگرچہ نہ جنبش کرے نہ خوں دے حلال ہو جائے گا، ورنہ حرام، درمختار میں ہے:

ذبح شاۃ مریضۃ فتحرکت او خرج الدم حلت والا لا ان لم تدر حیاتہ عند الذبح وان علم حیاتہ حلت مطلقًا، وان لم تتحرك ولم یخرج الدم وھذا یتأتی فی منخنقۃ ومردیۃ ونطیحہ، والتی بقر الذئب بطنھا فذکاۃ ھذ الاشیاء تحلل وان کانت حیاتھا خفیفۃ وعلیہ الفتوٰی لقولہ تعالٰی الا ماذکیتم من غیر فصل[1] اھ وفی ردالمحتار عن البزازی عن الاسبیجابی عن الامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خروج الدم لایدل علی الحیاۃ الا اذ کان یخرج کما یخرج من الحی قال وھو ظاہر الروایۃ[2]۔	مریض بکری ذبح کی تو اس نے حرکت نہ کی اور خون نکلا تو حلال ہے ورنہ نہیں بشرطیکہ ذبح کے وقت زندہ ہونا نہ معلوم ہوسکا اور اگر زندہ ہونا یقینا معلوم ہے تو مطلقًا حلال ہے اگرچہ حرکت نہ کرے، اور خون نہ نکلے یہ صورت گلہ گھونٹنے، اوپر سے گرنے والے اور سینگ زدہ میں متحقق ہوتی ہے اور جس کا پیٹ بھیڑیئے نے پھاڑ دیا ہو وہاں یہ صورت ہوسکتی ہے تو ایسے جانور کا ذبح ہونا حلال کردے گا اگرچہ ان کی خفیف زندگی معلوم ہے، اسی پر فتوی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: الا ماذکیتم یعنی جس کو تم نے ذبح کردیا، بلا تفصیل یہ حکم ہے اھ اور ردالمحتار میں بزازی سے انھوں اسبیجابی سے انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے کہ محض خون نکلنا حیات کی دلیل نہیں مگر ایسا نکلے جیسے زندہ سے نکلتا ہے تو حیات کی دلیل ہے۔اور یہ ظاہر الروایۃ ہے۔(ت)

اسی کی کتاب الصید میں ہے:

المعتبر فی المتردیۃ واخواتھا کنطیحۃ	اوپر سے گرنے والی اور اسی جیسی مثلاً سینگ زدہ،

[1] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۶

وموقوذة وما اکل السبع والمریضة مطلق الحیاة وان قلت کما اشرنا الیه وعلیه الفتوی[1]۔	لاٹھی زدہ، درندہ کی کھائی ہوئی، اور مریضہ میں مطلق حیات معتبر ہے اگرچہ حیات قلیل ہی ہو جیسا کہ ہم نے اس طرف اشارہ کردیا ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔(ت)

مدارک التنزیل میں ہے:

الموقوذة التی اثخنوہا ضربا بعصی اوحجر[2]۔	موقوذۃ وہ ہے جس کو لاٹھی یا پتھر سے مارا ہو۔(ت)

معالم میں ہے:

قال قتادة کانوا یضربونها بالعصٰی فاذا ماتت اکلوها[3] اھ فظهران المضروب بکل مشقل کالبندقة ولو بندقة الرصاص کله من الموقوذة فیحل بالذکاة وان قلت الحیاة۔	قتادہ نے کہا جاہلیت میں لوگ لاٹھی مارتے جب مرجاتی تو اسے کھاتے تھے اھ، تو ظاہر ہوا کہ کسی دباؤ والی چیز سے ضرب لگی ہوئی جیسے بندق اگرچہ تانبے کی گولی ہو تو وہ موقوذہ یعنی لاٹھی زدہ کے حکم میں ہے تو وہ ذبح سے حلال ہوگی اگرچہ حیات قلیل ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما هو بالاحراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذلیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم[4]، واللہ تعالٰی اعلم۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل سے جو شدید دباؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بنتا ہے۔ کیونکہ دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس زخم سے حلال نہ ہوگی، اسی پر ابن نجیم نے فتوی دیا ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

[2] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۵/ ۳ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۶۹

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۵/ ۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۷

[4] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

مسئلہ ۱۸۳: از گونڈہ بہرائچ مکان مولوی مشرف علی صاحب مرسلہ حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بندوق کا شکار کھانا جبکہ تکبیر کے ساتھ سر کی جائے کیا حکم رکھتا ہے؟ بینواتوجروا

الجواب:

اگر زندہ پایا اور ذبح کیا، ذبح کے سبب حلال ہوگیا ورنہ ہر گز نہ کھایا جائے، بندوق کا حکم تیر کی مثل نہیں ہوسکتا، یہاں آلہ وہ چاہیے جو اپنی دھار سے قتل کرے۔ اور گولی چھرے میں دھار نہیں، آلہ وہ چاہیے جو کاٹ کرتا ہو۔ اور بندوق توڑ کرتی ہے نہ کہ کاٹ، ردالمحتار میں ہے:

لایخفی ان الجرح بالرصاص انما ھو بالاحراق و الثقل بواسطة اندفاعه العنیف اذ لیس له حد فلا یحل وبه افتی ابن نجیم[1] ۔	مخفی نہیں کہ تانبے کی گولی کا زخم جلانے اور ثقل جو شدید دباؤ سے حاصل ہوتے ہیں سے بنتا ہے کیونکہ گولی کی دھار نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے حلال نہ ہوگی، اس پر ابن نجیم نے فتوی دیا ہے۔ (ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لایحل صید البندقة وما اشبه ذٰلك و ان خرق لانه لایخرق الا ان یکون شیئ من ذٰلك قد حدد وطوله کالسهم وامکن ان یرمی بهی، فان کان کذٰلك و خرقة بحده حل اکله[2] انتھی، وبه اندفع ماظن بعض اجلة علماء کالنفور من الحرمة بالرصاص الکبیر لثقله دون الحبات لخفتها وذٰلك لان مناط الحل لیس ھی الخفة بل الحد والخرق، وبدیھی	بندوق وغیرہ کا شکار اگرچہ زخمی ہوجائے حلال نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں نہیں، ہاں اگر گولی کی لمبی دھار ہو تو تیر کی مانند ہونے کی بناء پر اسکی طرف پھینکی جاسکے اور وہ چیر دے تو اس کا کھانا حلال ہوگا، اھ اس بیان سے کانپور کے بعض اجلہ علماء کا یہ گمان مدفوع ہوگیا کہ بڑی تانبے والی گولی سے حرام ہے کیونکہ وہ بھاری ہوتی ہے اور چھرے دار گولی سے حلال ہوگی کیونکہ چھرے باریک ہوتے ہیں، یہ اس لئے کہ حلت کا مدار خفیف و باریک ہونا نہیں ہے بلکہ اس کا مدار

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی امام قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۳

ان لاشیئ من ذٰلك فی الحبات الا تری الی ماقال فی الدر المختار لو کانت یعنی البندقة خفیفه بها حدۃ حل [1] حیث لم یقتصر علی الخفة زاد بها حدۃ۔ ولابد من قید اٰخر ترکه وصرحة به وھو من تصیبه بحدھا کما مر عن الامام فقیه النسف۔ وھی مسئلة المعراض الشھیرۃ فی الکتب، فالصواب اطلاق المنع، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	دھار دار اور چیر نا ہے اور یہ چیز چھروں یعنی دانوں میں بدیہی طور پر نہیں پائی جاتی، آپ دیکھ نہیں رہے جو در مختار میں فرمایا کہ باریک گولی کی دھار ہو تو حلال ہے یہاں انھوں نے صرف خفت پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ دھار کو زائد ذکر کیا اور ایک اور قید بھی ضروری جس کو واضح ہونے کی وجہ سے ذکر نہ کیا وہ یہ کہ دھار لگنے سے زخمی ہو جیسا کہ امام فقیہ النفس (قاضی خاں) کا کلام گزرا، اور کتب میں معراض کے عنوان سے یہ مسئلہ مشہور ہے تو یہی درست ہے کہ گولی کا شکار مطلقاً منع ہے واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۴: از کراچی بندر محلّہ جمعدار گل محمد مکرانی مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب مکرانی ۲۵ شعبان ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے کرام رحمکم ربکم اندریں مسئلہ کہ اگر شخصے شکار بہ تفنگ یعنی بندوق کرد، وبذریعہ بندقہ رصاص یعنی گولی یا چھرہ شکار زخمی شد و شخص مذکور وقت سر کردن بندوق بسم اللہ الرحمٰن اللہ اکبر ہم گفتہ اما جانور مذکور قبل از ذبح مرد، آیا آں جانور شرعا حلال ست یا حرام؟ دریں مسئلہ درمیاں علمائے بندر کراچی مباحثہ واختلاف افتادہ است۔ آخر الامر طرفین بریں قرار دادہ اند کہ ہر جو ایکہ علمائے کرام بریلی دہند، جانبین تسلیم نمایند۔ بینوا توجروا یوم الحساب۔	علمائے کرام رحمھم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص بندوق سے شکار کرے اور تانبے کی گولی یا چھرہ سے شکار زخمی ہو کر ذبح سے قبل مر جائے اور وہ بندوق چلاتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ لے تو کیا وہ جانور حلال ہے یا حرام؟ اس مسئلہ میں بندر کراچی کے علماء کا مباحثہ واختلاف ہے بالآخر دونوں فریقوں نے قرار دیا کہ علمائے بریلی جو بتائیں ہم تسلیم کرلیں گے، جواب دو اجر پاؤ قیامت کے روز۔ (ت)

الجواب:

حلال نیست زیرا کہ آلہ آں باید کہ دم بُرندہ دارد نہ آنکہ صدمہ شکنندہ یا گرمی سوزندہ	حلال نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے خون بہانے والا آلہ چاہئے نہ کہ وہ جو ٹکڑا کر توڑے یا گرمی سے

[1] درمختار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۳

كمافی ردالمحتار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جلائے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۵: ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کتے کا پکڑا ہوا شکار مسلمان کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک خرگوش کو کتے نے اس طرح پکڑا ہے کہ اس کے دانت خرگوش کے جس میں پیوستہ ہوگئے ہیں، اور بہت سارا جسم اس کا چباڈالا ہے کہ خرگوش کے جسم میں خون جاری ہے، ہنوز ابھی جان باقی ہے۔ پس اس کو ذبح کرکے کھاسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر تعلیم یافتہ کتے کو جو شکار کرکے مالک کے لئے چھوڑ دیا کرے خود نہ کھانے لگے غیر حرم کے حلال جانور، وحشی پر جو اپنے پاؤں یا پروں کی طاقت سے اپنے بچاؤ پر قادر تھا چھوڑا، اور کتا اس کے چھوڑنے سے سیدھا شکار پر گیا یا اسکے پکڑنے کی تدبیر میں مصروف ہوا بیچ میں اور طرف مشغول یا غافل نہ ہوگیا اور اس نے شکار کو زخمی کرکے مارڈالا یا ایسا مجروح کردیا اس میں اتنی ہی حیات باقی ہے جتنی مذبوح میں ہوتی ہے کچھ دیر تڑپ کر ٹھنڈا ہوجائے گا اور کتے کو چھوڑنے میں کوئی کافر مجوسی یا بت پرست یا ملحد یا مرتد جیسے آج کل نصارٰی، رافضی، نیچری، وہابی، قادیانی وغیرہم، خلاصہ یہ کہ مسلمان یا کتابی کے سوا کوئی شریک نہ تھا، نہ شکار کے قتل میں کتے کی شرکت کسی دوسرے کتے نا تعلیم یافتہ یا سگ نیچری یا کسی اور جانور نے کہ جس کا شکار ناجائز ہو اور چھوڑنے والا چھوڑنے کے وقت سے شکار پانے تک اسی طرف متوجہ رہا، بیچ میں کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہوا، تو وہ جانور بے ذبح حلال ہوگیا، اور ان چودہ شرطوں سے ایک میں بھی کمی ہو اور جانور بے ذبح مرجائے تو حرام ہوجائے گا ورنہ حرم کا شکار تو ذبح سے بھی حلال نہیں ہوتا۔ باقی صورتوں میں ذبح شرعی سے حلال ہوجائے گا، تنویر الابصار ودرمختار و ردالمحتار میں ہے:

(الصید بخمسة عشر شرطا) خمسة فی الصائد وھو ان یکون من اھل الذکاة وان یوجد منه الارسال وان لا یشارکه فی الارسال من لایحل صیده. وان لا یترک التسمیة عامدا۔ وان لایشغل بین الارسال والاخذ	کوئی شکار کل پندرہ شرطوں سے مباح بنتا ہے پانچ شرطیں شکاری میں پائی جائیں کہ [1] وہ ذبح کرنے کا اہل ہو، [2] اور وہ خود کتے کو شکار پر چھوڑے، [3] اور اس کے ساتھ چھوڑنے میں ایسا شخص شریک نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا، [4] اور وہ قصدا بسم اللہ کو ترک نہ کرے، [5] اور کتا چھوڑنے اور شکار کر پکڑ لینے تک

بعمل اُخر،وخمسة فی الکلب ان یکون معلماً وان یذھب علی سنن الارسال،وان لایشارکہ فی الاخذ ما لایحل صیدہ وان یقتلہ جرحاً،وان لایاکل منہ و خمسة فی الصید،ان لا یکون من بنات الماء الا السمك وان یمنع نفسہ بجناحیہ اوقوائمہ وان لا یکون متقویا بنابہ،او بمخلبہ،وان یموت بھذا قبل ان یصل الی ذبحہ [1] اھ،**قلت** ومعنی قولہ ان یموت ای حقیقة اوحکما بان لایبقی فیہ حیاۃ فوق المذبوح، کمانص علیہ فی الدر،واوضحہ المحشی۔	درمیاں میں کسی اور عمل میں مصروف نہ ہو،اور پانچ شرطیں کتے میں پائی جائیں (۱) سکھایا ہوا ہو۔(۲) سیدھا شکار کی طرف جائے (۳) کتے سے شکار کو وصول کرنیوالا ایسا شخص نہ ہو جس کا شکار حلال نہیں ہوتا (۴) شکار کو کتا زخمی کرکے مارے (۵)اور خود شکار کو نہ کھائے۔اور پانچ شرطیں شکار میں پائی جائیں (۱) پانی میں پیدا ہونے والا شکار صرف مچھلی ہو۔(۲) وہ بھاگ کر یا اڑ کر اپنا دفاع کرسکے (۳ و ۴) کیلی دانت یا پنچوں والا نہ ہو۔(۵) ذبح تک رسائی سے قبل مرجائے اھ میں کہتا ہوں اس کا کہنا کہ مرجائے، یعنی حقیقۃ مرجائے یا حکماً مرجائے مذبوح سے زائد اس میں حیات نہ ہو، جیساکہ درمختار میں تصریح ہے،اور محشی نے اس کو واضح کیا ہے۔(ت)

انھیں میں ہے:

شرط کون الذابح مسلما حلالا خارج الحرم ان کان صیدا،فصید الحرم لا تحلہ الذکاۃ مطلقاً (اوکتابیا، ولو مجنونا[2])اھ ملخصاً۔والمراد بہ المعتوہ کما فی العنایة عن النھایة لان المجنون لا قصد لہ ولا نیة لان التسمیة	ذبح کرنے والے کے لئے مسلمان جو حالت احرام اور حرم میں نہ ہو۔شرط ہے،اور شکار ہو تو ضروری ہے کہ حرم سے باہر ہو کیونکہ حرم کا شکار ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتا مطلقاً ذبح کرنے والا اہل کتاب میں سے ہو اگرچہ ذبح کرنے والا مجنون ہو اھ ملخصاً۔مجنون سے مراد معتوہ (ابتدائی جنون) ہو جیساکہ عنایہ میں نہایہ سے نقل کیا ہے کیونکہ کامل جنون والا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصید مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱،ردالمحتار علی الدرالمختار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۸

شرط بالنص وہی بالقصد وصحۃ القصد بما ذکرنا یعنی قولہ اذا کان یعقل التسمیۃ والذبیحۃ ویضبط[1] اھ ش۔	قصد اور نیت کا اہل نہیں ہے کیونکہ بسم اللہ پڑھنا منصوص شرط ہے اور وہ قصد کے بغیر ممکن نہیں اور قصد کی صحت ہمارے ذکر کردہ سے ہوتی ہے یعنی اس کا قول کہ وہ بسم اللہ اور ذبح اور ضبط کو سمجھتا ہو، اھ ش۔(ت)

ان سب شرائط کے ساتھ جس خرگوش کو کتے نے مارا مطلقاً حلال ہے اور اگر ہنوز مذبوح سے زیادہ زندگی باقی ہے تو بعد ذبح حلال ہے۔اس کے دانت جسم میں پیوست ہو جانا وجہ ممانعت نہیں ہو سکتا، قرآن عظیم نے اس کا شکار حلال فرمایا اور شکار بے زخمی کئے نہ ہوگا اور زخمی جبھی ہوگا کہ اس کے دانت اس کے جسم کو شق کرکے اندر داخل ہوں اور یہ خیال کہ اس صورت میں اس کا لعاب کہ ناپاک ہے بدن کو نجس کردے گا، دو وجہ سے غلط ہے۔

اوّلاً: شکار حالت غضب میں ہوتا ہے اور غضب کے وقت اس کا لعاب خشک ہو جاتا ہے۔

ولذافرق جمع من العلماء فی اخذہ طرف الثوب ملاطفا فینجس او غضبان فلا۔	اس لئے علماء کی ایک جماعت نے کتے کے پاک کپڑے کو پیار سے منہ میں لینے اور غصہ کی حالت میں لینے میں فرق کیا ہے کہ جانور پیار سے منہ میں لے تو ناپاک اور غصہ میں لے تو پاک ہے۔(ت)

ثانیاً: اگر لعاب لگا بھی تو آخر جسم سے خون بھی نکلے گا، وہ کب پاک ہے جب اس سے طہارت حاصل ہوگی اس سے بھی ہو جائے گی، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الاضحیہ

(قربانی کا بیان)

مسئلہ ۱۸۶: از موضع مچندی ضلع پیلی بھیت مرسلہ حاجی نصرالدین صاحب ۱۴ محرم ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جلد چہارم کتاب شرح وقایہ کتاب الاضحیہ ص ۴۳ میں تحریر ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو شخص دیکھے تم میں سے چاند ذی الحجہ کا اور ارادہ کرے قربانی کا تو چاہئے کہ اپنے بال اور ناخن کو روک رکھے یعنی نہ کاٹے، روایت کیا جماعت نے، اب ایک شخص اہل اسلام کا ارادہ قربانی کرنے کا ہے، تو وہ شخص دیکھنے چاند ذی الحجہ کے سے اپنے بال اور ناخن نہ روک رکھے یا حجامت کرالے، یا اس نے یہ حکم نہ مانا، اور رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حکم عدولی کرے تو اس کے واسطے شرع شریف میں سے کیا حکم ہے؟ اور کیا کہا جائے گا؟ جواب تحریر فرمائے، اور قربانی اس کی صحیح طور پر ہوگی یا کوئی نقص اس کی قربانی میں عائد ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ حکم صرف استحبابی ہے کرے تو بہتر ہے نہ کرے تو مضائقہ نہیں، نہ اس کو حکم عدولی کہہ سکتے ہیں نہ قربانی میں نقص آنے کی کوئی وجہ، بلکہ اگر کسی شخص نے ۳۱ دن سے کسی عذر کے سبب خواہ بلاعذر ناخن تراشے ہوں نہ خط بنوایا ہو کہ چاند ذی الحجہ کا ہوگیا تو وہ اگرچہ قربانی کا ارادہ رکھتا ہو اس مستحب پر عمل نہیں کرسکتا اب دسویں تک رکھے گا تو ناخن وخط بنوائے ہوئے اکتالیسواں دن ہوجائے گا،

اور چالیس دن سے زیادہ نہ بنوانا گناہ ہے۔ فعل مستحب کے لئے گناہ نہیں کر سکتا۔

فی ردالمحتار فی شرح المنیة وفی المضمرات، عن ابن المبارك فی تقلیم الاظفار وحلق الرأس فی عشر ذی الحجة، قال لا تؤخر السنة، وقد ورد ذٰلك ولایجب التاخیر اھ فھذا محمول علی الندب بالاجماع الا ان نفی الوجوب لا ینافی الاستحباب فیکون مستحبا الا ان استلزم الزیادة علی وقت اباحة التاخیر، ونھایته مادون الاربعین، فلا یباح فوقھا۔[1] اھ مختصرا، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ منیہ کی شرح اور مضمرات میں ابن مبارک سے نقل کیا کہ ناخن کاٹنا اور سر منڈانا ذوالحجہ کے دس دنوں میں آپ نے اس کے متعلق فرمایا کہ سنت کو مؤخر نہ کیا جائے جبکہ اس کے متعلق حکم وارد ہے تاہم تاخیر واجب نہیں ہے اھ تو یہ استحباب پر محمول ہے اور وجوب کی نفی استحباب کے منافی نہیں ہے لہذا مستحب ہے ہاں اگر اباحت کی مدت پر تاخیر کو مستلزم ہو تو مستحب نہ ہوگا، اباحت کی مدت کی انتہا چالیس روز ہے تو اس سے زیادہ تاخیر مباح نہ ہوگی اھ مختصراً واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: مرسلہ ڈاکٹر واعظ الحق سعد اللہ پوری ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

قربانی ایام تشریق تک جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی یوم نحر تک یعنی دسویں سے بارھویں تک جائز ہے، آخر ایام تشریق تک کہ تیرھویں ہے جائز نہیں واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ مولوی حاجی الہ یار خاں صاحب تاجر کتب ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

رامپور میں عید اضحٰی شنبہ کے دن ہوئی اور بریلی میں ایک شنبہ کو، اب درصورت عدم اطلاع کے جن لوگوں نے سہ شنبہ کو قربانی کی، اور بعد میں اس کے مطلع ہوئے، ان لوگوں کی قربانی درست ہوئی یا نہیں؟ اب ان پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۵

الجواب:

دوسرے شہر کی رؤیت مجرد حکایات واخبار سے ہر گز ثابت نہ ہوگی، مثلاً چند آدمی اگر چہ کیسے ہی عادل ثقہ ہوں یہاں آکر بیان کریں، وہاں فلاں دن رؤیت ہوئی یا عید کی گئی، یا حکم دیا گیا، یا ہمارے سامنے گواہیاں گزریں، یا منادی پھری، کچھ قابل التفات نہیں کہ امر شرعی کا ثبوت بروجہ شرعی چاہئے، خانگی طور کا یقین کوئی چیز نہیں، گو عوام تو عوام اس زمانے کے بہت ذی علم بھی یقین شرعی وعرفی کے فرق سے غافل ہیں،

فی الدر المختار وحاشیۃ ردالمحتار (لا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم لانہ حکایۃ[1]) فانھم لم یشھدوا بالرؤیۃ ولا علی شھادۃ غیرھم وانما حکوا رؤیۃ غیرھم، کذا فی فتح القدیر، قلت وکذا لو شھدوا برؤیۃ غیرھم، وان قاضی تلك المصر امر الناس بصوم رمضان لانہ حکایۃ لفعل القاضی ایضا ولیس بحجۃ بخلاف قضائہ[2] الخ۔	درمختار اور اس کے حاشیہ ردالمحتار میں ہے اگر لوگوں نے غیر کی رؤیت پر شہادت دی تو جائز نہیں کیونکہ یہ محض حکایت ہے کیونکہ انھوں نے اپنی رؤیت پر شہادت دی اور نہ غیر کی شہادت پر مبنی شہادت دی انھوں نے تو صرف غیر کی رؤیت کی حکایت کی ہے۔ یوں ہی فتح القدیر میں ہے۔ میں کہتا ہوں اگر وہ غیر کی رؤیت پر شہادت بھی دیں تب بھی یہی حکم ہے اور یونہی اگر وہ اس شہر کے قاضی کے اس حکم پر شہادت دیں کہ اس نے لوگوں کو رمضان کا روزہ رکھنے کا حکم دیا ہے کیونکہ قاضی کے فعل کی حکایت ہے اور یہ حجت نہیں ہے۔ بخلاف جبکہ وہ قاضی کی قضاء پر شہادت دیں وہ حجت ہے الخ (ت)

پس اگر رامپور کی خبر اسی طرح یہاں آئی جب تو سہ شنبہ کی قربانی میں اصلاً خلل نہیں،

لانھم بنوھا علی امر شرعی وھو اکمال العدۃ ثلثین عند الغمۃ ولم یثبت مایردہ فلا یخاطبون لابما وقع عندھم۔	کیونکہ انھوں نے شرعی حکم کو مبنٰی قرار دیا وہ تیس کی گنتی پوری کرنا جب بادل ہوں اور اس شرعی حکم کو رد کرنے والی کوئی چیز ثابت نہیں جبکہ لوگ اپنے ہاں پائی جانی والی دلیل کے مخاطب ہیں۔ (ت)

اگرچہ انھوں نے خلاف احتیاط بیشک کیا کہ قطع نظر اس سے کہ افضل وفاضل یعنی دہم یازدہم چھوڑ کر سب میں گیا درجہ اختیار کیا، جب اگلے چاند کی تاریخ میں بھی احتمال تھا، اور بے رؤیت وشہادت صرف تیس

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

پورے کرنے پر بنائے کار ہوئی تھی تو شنبہ کی عید بھی ایک احتمال رکھتی تھی، ایسی حالت میں فی التاخیر آفات پر نظر کرکے سہ شنبہ تک بیٹھا رہنا نہ چاہتے تھا، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بحالت احتمال مستحب ہے بارھویں تک دیر نہ لگائے اور دیر ہوجائے تو مستحب ہے کہ اس قربانی سے کچھ اپنے یا اپنے اغنیاء کے صرف میں نہ لائے بلکہ بالکل راہ خدا میں اٹھائے۔ شرح نقایہ قہستانی میں ہے:

لوشك فی یوم الاضحی فاجب ان لا یوخر الی الیوم الثلث والافاحب ان یتصدق کله[1]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو تیسرے دن تک مؤخر نہ کی جائے ورنہ تمام گوشت کو صدقہ کرنے مجھے پسند ہے۔(ت)

باایں ہمہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی قربانی قضاء ہوگئی، البتہ افضل یہ ہے کہ جس قدر گوشت وغیرہ اپنے یا اور اغنیاء کے صرف میں آگیا ہو اس کی قیمت لگاکر صدقہ کریں، اور نیز جانور مذبوح وزندہ میں بوجہ ذبح جو تفاوت قیمت ہوگیا وہ بھی خیرات کریں، مثلا زندہ ایک روپیہ کو آیا تھا اور ذبح کیا ہوا بارہ آنے کو جاتا تو چار آنے اور تصدق کئے جائیں، عالمگیری میں ہے:

اذا شك فی یوم الاضحی فالمستحب ان لایؤخر الی الیوم الثالث فان اخر یستحب ان لا یاکل منه و یتصدق بالکل فیتصدق بفضل مابین المذبوح و غیر المذبوح لانه لو وقع فی غیر وقته لا یخرج عن العهدة الا بذٰلك کذا فی المحیط السرخسی[2]۔	اگر قربانی کے دن میں شک ہو تو مستحب یہ ہے کہ تیسرے روز تک مؤخر نہ کی جائے اور مؤخر ہوجائے تو پھر مستحب یہ ہے کہ تمام گوشت صدقہ کیا جائے اور خود کچھ نہ کھائے اور مذبوح اور غیر مذبوح میں قیمت کے فرق زائد کو صدقہ کرے کیونکہ اگر قربانی اپنے فروخت سے باہر ہو تو اس کے بغیر عہدہ برآہ نہیں ہوتا یوں محیط سرخسی میں ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فان اکل تصدق بقیمة ما اکل[3] اھ ذکرہ فی الناذر، و افادالشامی ان النذر	اگر کھالیا تو جتنا کھایا اس کی قیمت کو صدقہ کرے اھ انھوں نے یہ نذر ماننے والے کو فرمایا اس پر علامہ شامی

[1] جامع الرموز کتاب الاضحیہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۵۷۔۳۵۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب لثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۵

[3] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

لیس بقید[1] بل کذلك الحکم فی کل ماوجب التصدق بہ۔ **قلت** واذا وجب ھذا فی واجب التصدق، ندب الیہ فی مندوبہ کالتصدق باللحم وبفضل ما بین المذبوح الی غیر المذبوح کما لایخفی لان المقصود الاحتیاط للخروج عن العھدۃ بالیقین، فکل ماکان علی العھدۃ لو تیقن القضاء لایکون مستحبا ھنا، لدفع المراء، ھذا مما لایضن بہ خفاء۔	نے یہ افادہ فرمایا کہ نذر کی قید نہیں بلکہ ہر چیز جس کا صدقہ واجب ہو اس کا یہی حکم ہے، **میں کہتا ہوں** جب واجب صدقہ کا یہ حکم تو نفلی صدقہ میں گوشت کو صدقہ کرنا اور مذبوح اور غیر مذبوح سے فرق میں زائد کو صدقہ نفل ہوگا جیسا کہ مخفی نہ ہے کیونکہ مقصد یقینی طور پر عہدہ برآمد ہونا ہے تو ذمہ دار کو اگر عہدہ برآ ہونے کا یقین ہوجائے تو یہ مستحب نہیں ہے تاکہ ریاکاری نہ بن پائے اس میں خفا کا گمان نہیں ہے۔(ت)

ہاں اگر بطریق موجب شرح وہاں کی خبر ثالث ہو، مثلاً دو گواہ عادل نے آکر خود اپنی رؤیت پر گواہی دی یا دار القضا میں قاضی شرعی نے باستجماع شرائط ان کے سامنے حکم دیا انھوں نے اس حکم پر شہادت ادا کی، یا وہاں کے دو عادل اہل رؤیت نے انھیں بعبارت معتبرہ شرع اپنی شہادت کا حامل کیا، انھوں نے شہادۃ علی الشہادۃ باستیعاب شرائط گزاری، یا وہاں کی خبر مستفیض ومشتہر ہوگئی، بایں معنی کہ رامپور سے متعدد گروہ آئے اور سب یک زبان یہی خبر لائے تو نہ یہ اصلی مخبر وحاکی دو تین شخص تھے ان کی زبانی نقل در نقل ہو کر شہر میں شہرت ہوگئی کہ یہ اصلا قابل اعتبار نہیں، وان اشتبہ کثیر علی العوام ومن ضاھاھم (اگرچہ یہ بات بہت سے عوام اور ان جیسے لوگوں پر مخفی ہے۔ت) ایسی حالتوں میں بیشک وہاں کی رؤیت بروجہ شرعی ثابت ہوجائے گی۔

فی فتح القدیر و ردالمحتار مااسمعناك ففی الدر المختار وحاشیتہ للعلامۃ الطحطاوی (یلزم) ثبوت الھلال سواء کان ہلال الصوم اوالفطر (اھل المشرق برؤیۃ اھل المغرب اذا ثبت عندھم رؤیۃ اولئك بطریق موجب) کان یتحمل اثنان الشھادۃ اویشھد علی حکم القاضی، اویستفیض	فتح القدیر میں اور ردالمحتار میں بیان کردہ ہم نے آپ کو سنادیا ہے اور درمختار اور اس کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ رمضان کا ہلال ہو یا فطر کا اس کا ثبوت مشرق والوں پر مغرب والوں کی رؤیت سے لازم ہوجاتا ہے جب مغرب والوں کی رؤیت مشرق والوں کے ہاں موجب طریقہ سے ثابت ہو مثلاً دو گواہ بنیں، شہادت پر قاضی کی قضاء پر یا رؤیت

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۰

الخبر، بخلاف ما اذا خبرا ان اھل بلدۃ کذا رأوہ لانہ حکایۃ اھ حلبی[1] الخ۔	کی خبر مستفیض ہو جائے۔بخلاف اس صورت کے کہ دو شخص یہ خبر دیں کہ فلاں شہر والوں نے چاند دیکھا ہے کیونکہ یہ محض حکایت ہے اھ حلبی الخ (ت)

علامہ مصطفٰی رحمتی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

معنی الا ستفاضۃ ان تأتی من تلك البلدۃ جماعات متعددون کل منھم یخبر عن اہل تلك البلدۃ انھم صاموا عن رؤیۃ الخ نقلہ الشامی[2] وقواہ۔	خبر مستفیض کا معنی یہ ہے کہ وہاں سے متعدد جماعتیں آئیں اور ہر جماعت یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے الخ اس کو علامہ شامی نے نقل کیااور اسے قوی قرار دیا ہے۔(ت)

اور علامہ شامی نے اگرچہ دربارہ اضحیہ مطلع کو معتبر ماننے کا استظہار فرمایا۔

حیث قال اختلاف المطالع انما لم یعتبر فی الصوم لتعلقہ بمطلق الرؤیۃ،وھذا بخلاف الاضحیۃ فالظاھر انھا کاوقات الصلوات یلزم کل قوم العمل بما عندھم فیجزئ الاضحیۃ فی الیوم الثالث عشر عـــہ وان کان علی رؤیا غیرھم ھو الرابع عشر[3]۔	جہاں انھوں نے کہا کہ روزہ میں مطالع کا اختلاف صرف اس لئے معتبر نہیں کہ روزے کا تعلق مطلق رؤیت سے ہےاور یہ قربانی کے کے معاملہ کے خلاف ہے تو ظاہر یہ ہے کہ قربانی کا معاملہ اوقاف نماز کی طرح ہے ہر علاقہ کی قوم پر وہی لازم ہے جو اس کے ہاں ثابت ہو۔لہٰذا تیسرے دن قربانی جائز ہے اگر چہ وہ دن دوسروں کے ہاں چوتھا دن بنتا ہو۔(ت)

مگر یہاں اس کی گنجائش نہ ملے گی کہ مسئلہ قربانی میں مطالع شمس سے کام نہیں،جو ایک ہی فرسخ یعنی تین میل پر

عـــہ: لایخفی ان الثالث والرابع عشروقعا سھوا وانما مقصودہ رحمہ اللہ تعالٰی الثانی والثالث عشر ۱۲منہ قدس سرہ۔	شامی میں تیرہ اور چودہ تاریخ کا ذکر سہوا ہوا،جبکہ مقصد بارھویں اور تیرھویں تاریخ کا بیان ہے ۱۲منہ قدس سرہ(ت)

---

[1] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹،حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۴

[3] ردالمحتار کتاب الصوم دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۶

مختلف ہوجاتے ہیں:

کما نص علیہ علماء الھیئۃ قلت بل الحق انھا تختلف فی میل واحد بل اقل من ذٰلک. غیر ان التفاوت لقلتہ جدا لایستبین لنا الا فی نحو فرسخ۔	جیسا کہ اس پر علماء ہیئت نے تصریح کی ہے میں کہتا ہوں بلکہ حق یہ ہے کہ وہ ایک میل بلکہ اس سے کم میں مختلف ہوجاتے ہیں لیکن وہ اختلاف اتنا قلیل ہوتا ہے کہ ہمیں صرف فرسخ کی مسافت تک معلوم ہوسکتا ہے۔(ت)

بلکہ یہاں غرض مطالع قمر سے ہے کہ چوبیس فرسخ یعنی بہتر میل سے کم میں نہیں بدلتے، جن کے اس حساب سے کہ ایک میل کوس کے پانچ ثمن کا نام ہے،

کما تشھد بہ التقادیر الدائرۃ بن اھل اللسان اذا اقیست الی الامیال المنصوبۃ فلا عبرۃ بما تلھج بہ متعلم النصارٰی	جیسا کہ اہل لسان کے ہاں معروف اندازے اس پر شاہد ہے جبکہ گاڑے ہوئے میلوں کا حساب کیا جائے تو نصارٰی کے شاگردوں کے قول کا اعتبار نہیں۔(ت)

پینتالیس کوس ہوئے۔

فی ردالمحتار فی شرح المنھاج للرملی وقد نبہ التاج التبریزی علی ان اختلاف المطالع لایمکن فی اقل من اربعۃ وعشرین فرسخا وافتی بہ الوالد والاوجہ انھا تحدیدیۃ کما افتی بہ ایضا اھ فلیحفظ انتھی [1] **اقول:** والمنفی ھو الامکان العادی وان زعمت الفلاسفۃ ما زعمت فان اللہ علی کل شیئ قدیر۔	ردالمحتار اور شرح منہاج امام رملی میں ہے۔اور تاج الدین تبریزی نے اس پر تنبیہ کی ہے کہ چوبیس فرسخ سے کم میں مطالع کا اختلاف ممکن نہیں ہے اور والد گرامی نے اس پر فتوی دیا ہے اور اس اندازہ کا تحدیدی ہونا مناسب ہے، جیسا کہ انھوں نے یہ بھی فتوی دیا ہے اھ محفوظ کرو **انتھی، میں کہتا ہوں** امکان عادی کی نفی کی گئی ہے اگرچہ فلاسفہ جو چاہے خیال کریں، تو بیشک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے(ت)

اور بریلی سے رامپور کا فاصلہ براہ دائرہ طول کہ علم ہیئت میں اسی کا لحاظ ہے، اس

[1] ردالمحتار کتاب الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۲

مقدار عــہ کے نصف کو بھی نہیں پہنچتااور اگر حساب عامہ ہی لیجئے تو بھی اس سے بہت کم ہے۔ بہر حال وہ تفاوت ہر گز نہیں جس کے باعث چاند کے مطلع بدلتے ہیں، لاجرم جب ثبوت شرعی پہنچے گا قطعاً ظاہر ہو جائے گا کہ سہ شنبہ کی قربانیاں ایام نحر گزر جانے کے بعد تیرھویں تاریخ واقع ہوئی اب وہ احکام تصدق جو صورت بالا میں بطور افضلیت واستحباب مذکور ہوئے تھے سب واجب ہو جائیں گے **کماظهر ممامر** (جیساکہ گزشتہ سے ظاہر ہوا۔ت)

تحقیق ان مسائل کی فقیر کے رسالہ "**ازکی الاھل بابطال مااحدث الناس فی امر الھلال**" میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از ایرایاں محلّہ سادات ضلع فتح پور مسئولہ حکیم سید نعمت اللہ صاحب ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امسال اخبار وغیرہ سے معلوم ہوا کہ بقر عید کو ۲۹ کا چاند ہوامگر معقول سند نہ ملنے سے تیس کے حساب سے عیدالاضحٰی ہوئی، توقربانی ۱۲ تاریخ کو ۳۰ کے حساب سے کرے یا احتیاطا اختلاف کی وجہ سے ۱۱ تک کرلے ۱۲ کو نہ کرے۔

الجواب:

دربارہ رؤیت کاکچھ اعتبار نہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ ۲۹ کا چاند اگر ثابت نہ ہو تو ۳۰ دن پورے کرلیں **فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلثین** (اگر بادل ہو جائے تم پر تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ت) ۳۰ کے حساب سے بارھویں تک قربانی بے تکلف کریں، احتمالات کا شریعت میں کچھ اعتبار نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: از بنگالہ شہر اسلام آباد چاٹگام موضع ادھونگر مرسلہ مولوی عبدالجلیل صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ

چہ فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ درخانہ شخصے وہ کس موجوداست، وقربانی برہریک ایشاں واجب است، پس شخصے مذکور گاوے خرید از طرف ہفت کس قربانی نمود واز جانب سہ کس ہیچ نکرد، ووقت قربانی فوت گردید،	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ ایک گھر میں دس حضرات موجود ہیں اور ان سب پر قربانی واجب ہو تو گھر والے شخص نے سات حضرات کی طرف سے گائے خریدی اور قربانی کردی، اور باقی تین حضرات کی قربانی نہ ہوئی اور

عــہ: طول رامپور قید لو یعنی ۳۶/۱۱۴ طویل بریلی قید لط یعنی ۵۹/۱۱۴ فصل بقدر ہا کج یعنی ۲۳/۰ میل تقریباً ۲۵۔۱/۳ جن کے سولہ کوس سے بھی کم ہوئے ولہذا دونوں شہر کے نصف النہار میں تفاوت صرف بقدر ہا الب ہوتا ہے یعنی جب یہاں ۱۲ بجتے ہیں وہاں بارہ بجنے میں ڈیڑھ منٹ باقی ہوتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔** منہ قدس سرہ العزیز

پس از بواقی ساقط شود یا بمقدار آں مر فقراء و مساکین را صدقہ کنند شرعا چہ حکم است۔ بینوا بسنۃ الکتاب توجروا من الملك الوھاب۔	قربانی کاوقت ختم ہوگیا تو کیا باقی حضرات کی قربانی ساقط ہوجائے گی یا وہ حضرات کی مالیت کو فقراء و مساکین پر صدقہ کریں، شرعا کیا حکم ہے؟ بتاؤ اور اجر اپنے عطا کرنے والے مالک سے پاؤ۔(ت)

الجواب:

از شہ باقی ساقط نشود فان الاضحیۃ واجبۃ عینا لا کفایۃ، وچوں وقت گزشتہ است واجب است کہ ہر ایک ازیں سہ کساں قیمت گوسپندے کہ دراضحیہ کافی شود، بر فقرا صدقہ کند فی الدر لمختار ترکت التضحیۃ ومضت ایامھا تصدق غنی بقیمۃ شاۃ تجزئ فیھا [1] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	باقی تین سے قربانی ساقط نہ ہوگی کیونکہ واجب عینی ہے واجب کفایہ نہیں ہے جب وقت گزر گیا توان کو چاہئے کہ وہ بکرے کی قیمت فقراء پر صدقہ کریں، درمختار میں ہے کہ قربانی چھوٹ گئی ہو تو وقت ہوجانے پر غنی شخص بکرے کی قیمت صدقہ کردے تواس سے کفایت حاصل ہوجائے گی اھ ملتقطا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم(ت)

مسئلہ ۱۹۱: ۲ اذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید کے پاس مکان سکونت کے علاوہ دو ایک اور ہوں تواس پر قربانی واجب ہے یانہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

واجب ہے جبکہ وہ مکان تنہا یااس کے اور مال سے کہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو مل کر چھپن روپے کی قیمت کو پہنچیں، اگرچہ مکانوں کو کرایہ پر چلاتا ہو یا خالی پڑے ہوں یاسادی زمین ہو بلکہ مکان سکونت اتنا بڑا ہے کہ اس کاایک اس کے جاڑے گرمی کی سکونت کے لئے کافی ہو اور دوسرا حصہ حاجت سے زائد ہو اوراس کی قیمت تنہا یااسی قسم کے مال سے مل کر نصاب تک پہنچے جب بھی قربانی واجب ہے۔اسی طرح صدقہ بھی۔

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ ان کان لہ عقار ومستغلات ملك اختلف المشائخ	ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ زمین اورآمدن والی ملکیت ہو تو متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالٰی نے

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

المتاخرون رحمهم الله تعالیٰ فالزعفرانی و الفقیه علی الرازی اعتبر قیمتها وابوعلی الدقاق وغیره اعتبرا الدخل۔ واختلفوا فیما بینهم، قال ابوعلی الدقاق ان کان یدخل له من ذٰلك قوت سنة فعلیه الاضحیة ومنهم من قال قوت شهر، ومتی فضل من ذٰلك قدر مائتی درهم فصاعدا فعلیه الاضحیة[1] الخ ونحوه فی ردالمحتار ولم یذکر ترجیحا ورأیتنی کتبت علی هامشه مانصه، اقول: به جزم فی الخانیة من صدقة الفطر ولم یحك خلافا حیث قال وما زاد علی الدار الواحدة والدستجات الثلثة من الثیاب یعتبر فی الغناء[2] اھ ثم قال واذا کان له دار لا یسکنها ویؤاجرها اولا یؤاجرها یعتبر قیمتها فی الغناء وکذا اذا اسکنها وفضل عن سکناه شیئ، یعتبر فیه قیمة الفاضل فی النصاب ویتعلق بهذا النصاب احکام وجوب صدقة الفطر والاضحیة وحرمة وضع الزکاة فیه ووجوب نفقة الاقارب[3] اھ

اختلاف کیا ہے۔ تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے ان کی قیمت کا اعتبار کیا اور ابوعلی الدقاق وغیرہ نے ان کی آمدن کا اعتبار کیا ہے اور پھر آمدن کے اعتبار والوں کا آپس میں اختلاف ہوا، ابوعلی الدقاق نے کہا اگر سال بھر کی آمدن حاصل ہوجائے تو قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے مہینے کا قول کیا ہے آمدن میں سے سال بھر میں دو سو درہم فاضل بچ جائیں یا اس سے زائد تو اس پر قربانی واجب ہے الخ اور ردالمحتار میں اسی کی مثل مذکور ہے اور انھوں نے ترجیح کو ذکر نہ کیا، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ میں یوں لکھا ہے۔ عبارت یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) خانیہ میں اس پر جزم فطرانہ کے متعلق کیا ہے اور انھوں نے اختلاف کو ذکر نہ کیا، جہاں انھوں نے فرمایا، جو ایک مکان اور تین جوڑے لباس سے زائد ہوں وہ غناء میں شمار ہوگا اھ، پھر فرمایا اگر اس کا مکان ہو جس میں رہائش پذیر نہیں اس کو کرایہ پر دیا ہو یا نہ دیا ہو تو اس کی قیمت کے اعتبار سے غناء میں شمار ہوگا، اور یوں اگر مکان میں رہائش پذیر ہو اور رہائش سے کچھ کمرے زائد ہوں تو زائد کی قیمت کو نصاب میں شمار کیا جائے گا اور اس نصاب سے صدقہ فطر اور قربانی زکوۃ لینے کی حرمت اقارب کا نفقہ کے احکام متعلق ہوجائیں گے اھ۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصوم فصل فی صدقہ الفطر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۷

وھکذا انقل الکلام عنھا برمزہ"خ"فی خزانۃ المفتین وکذٰلک ذکر فی البزازیۃ اقوال المتاخرین کالزاعفرانی والدقاق وغیرھما مقدما قول الزعفرانی ان العبرۃ بالقیمۃ ثم قال وعند الثانی رحمہ اللہ ھو موسر بالضیاع۔[1] اھ وفی الھندیۃ عن الخلاصہ عن الاجناس لو کان لہ دار فیھا بیتان شتوی وصیفی و فرش شتوی وصیفی،لم یکن بھا غنیا فان کان لہ فیھا ثلث بیوت و قیمۃ الثالث مائتا درھم فعلیہ الاضحیۃ[2] الخ،ومثلہ فی البزازیۃ[3] وقال قبلہ لو کان فی داراجارۃ فاشتری ارضا بنصاب وبنی فیھا منزلا یسکنہ لزمت[4] اھ،وبالجملۃ قد تظافرت الروایات علی الایجاب وھو الموافق لاطلاق المتون والشروح من قولھم کما فی الھدایۃ وغیرھا واجبۃ علی الحر المسلم،اذاکان مالکالمقدار النصاب فاضلا عن	اور خزانۃ المفتین میں خانیہ کی اس کلام کو اس کی رمز"خ"کے ساتھ ذکر کیا اور یوں ہی بزازیہ نے متاخرین کے اقوال کو ذکر کیا اور زعفرانی کے قول کو دوسروں پر مقدم کیا کہ قیمت کا اعتبار ہے اور پھر کہا کہ امام ثانی (امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی) کے نزدیک زمینوں کی وجہ سے غنی قرار پائے گا اھ،اور ہندیہ میں خلاصہ سے بحوالہ اجناس ذکر کیا کہ اگر مکان میں دو کمرے ہوں موسم سرما اور دوسرا موسم گرما کے لئے ہو اور سردی اور گرمی کے بستر ہوں تو اس سے غنی شمار نہ ہوگا،اور اگر مکان کے تین کمرے ہوں اور تیسرے کی قیمت دو سو درہم ہو تو اس پر قربانی لازم ہوگی الخ اور اس کی مثل بزازیہ میں مذکور ہے انھوں نے اس سے قبل ذکر کیا اگر کوئی کرایہ کے مکان میں ہو تو اس نے نصاب برابر قیمت سے زمین خرید کر مکان بنایا اور اس میں رہائش پذیر ہوا تو اس پر قربانی لازم ہے اھ،خلاصہ یہ کہ اس پر قربانی کو واجب کرنے والی روایات کثیرہ متفق ہیں اور یہی متون اور شروح کے اطلاق کے موافق ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ کا قول ہے کہ آزاد مسلمان جب اپنی رہائش لباس، ضروری سامان

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۳

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

[4] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۸۷

مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده[1] وهو المنقول من احد شیخی المذهب والخلاف انما جاء عن المتأخرین ثم هو الاحوط فعلیه فلیکن التعویل، **فان قلت** الیس قد احالو یسار الاضحیة علی یسار صدقة الفطر واحال فی التنویر یسار ها علی نصاب یحرم الصدقة، حیث قال صدقة الفطر تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم وبه تحرم الصدقه[2] اھ وقال فی الدر من مصارف الزکوٰۃ لایصرف الی غنی، یملك قدر نصاب فارغ من حاجته الاصلیة من ای مال کان[3] اھ وقال فی رد المحتار ذکر فی الفتاوی فیمن له حوانیت ودور للغلة، لکن غلتها لاتکفیه ولعیاله انه فقیر و یحل له اخذ الصدقة عن محمد وعند ابی یوسف لاحل کذا لوله کرم لاتکفیه غلته اھ،	سے زائد مقدار نصاب کا مالک گھوڑے، ہتھیار اور غلام وغیرہ سے زائد مقدار نصاب کا مالک ہو تو قربانی واجب ہے، اور وہی مذہب کے ایک شیخ سے بھی منقول ہے اور اختلاف متاخرین میں پیدا ہوا ہے، پھر یہ باعث احتیاط ہے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے، **اگر تو اعتراض کرے** کہ فقہاء کرام نے قربانی کے معیار وجوب کو صدقہ فطر کے معیار وجوب کی طرف پھیرا ہے اور تنویر میں قربانی کو صدقہ واجبہ کی حرمت کے معیار پر لاگو کیا ہے جہاں انھوں نے کہا کہ صدقہ فطر ہر ایسے مسلمان پر واجب ہے جو اپنی اصل حاجت سے زائد نصاب والا ہو اگرچہ وہ نصاب نامی نہ ہو اور اسی نصاب سے صدقہ واجبہ لینا حرام ہو جاتا ہے اھ۔ اور درمختار میں مصارف زکوٰۃ کے باب میں کہا کہ زکوٰۃ غنی پر صرف نہ کی جائے غنی وہ ہے کہ اپنی اصلی حاجت سے فارغ قدر نصاب کا مالک ہو خواہ کوئی بھی مال ہو اھ اور ردالمحتار میں کہا کہ فتاوی میں مذکور ہے ایسے شخص کے متعلق جو دکانوں اور مکانوں کا مالک ہو جن کو کرایہ پر دیا ہو لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہیں کرتا تو وہ فقیر ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس کو زکوٰۃ حلال ہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک حلال نہیں ہے۔

[1] الهدایه کتاب الزکوٰۃ باب صدقة الفطر مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۱۸۸

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ باب صدقة الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳۔۱۴۲

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

وفی التتارخانیة عن الصغری له داریسکنها لکن تزید علی حاجته بان لایسکن الکل یحل له اخذ الصدقة فی الصحیح، وفیها سئل محمد عمن له ارض یزرعها، او حانوت یستغلها، اور دار غلتها ثلثة الاف، ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمتها تبلغ الوفاء، وعلیه الفتوی و عندهما لایحل[1] اھ الکل ملخصات، **قلت نعم**، یفتٰی بهذا فی حرمة الصدقة، وبه جزم فی الخانیة وخزانة المفتین، قالا لو کان له حوانیت او دار غلة تساوی ثلثة الاف، وغلتها لا تکفی لقوته وقوة عیاله یجوز صرف الزکوٰة الیه وکذا لو کان له ضیعة تساوی ثلثة الاٰف ولا یخرج منها مایکفی له ولعیاله یجوز له اخز الزکوٰة[2] اھ ثم لم یمنعها هذا علی جزمهما فی مسئلة الاضحیة	اور یونہی اگر انگور رہوں اور ان کی آمدن اسے کافی نہ ہو اھ، اور تتارخانیہ میں فتاوٰی صغرٰی سے منقول ہے کسی کا مکان رہائشی ہو لیکن حصہ حاجت سے زائد نہ ہو اور سب میں رہائش نہ ہو تو صحیح قول میں اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اور اس میں ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے سوال کیا گیا کہ کسی کی زراعت والی زمین ہو یا دکانیں کرایہ پر دی ہو یا مکانات کرایہ والے ہوں اور ان کی آمدن تین ہزار ہوا اور وہ اس کو اور اس کے عیال کو سال بھر کے لئے کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اگر ان کی قیمت خرچہ کو پورا کرتی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں ہے اھ، یہ تمام عبارتیں ملخص ہیں، جواب **میں کہتا ہوں** ہاں زکوٰۃ کے حرام ہونے کے لئے یہ فتوٰی ہے اور اسی پر خانیہ اور خزانۃ المفتین میں جزم کیا ہے ان دونوں نے کہا کہ اگر دکانیں اور مکان کرایہ پر دئے ہوں جن کی آمدن تین ہزار ہو اور یہ آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور یوں اگر زرعی زمین ہو جس کی قیمت تین ہزار ہو جبکہ اس سے حاصل ہونے والا غلہ اتنا نہیں کہ اس کو اور اس کے عیال کو کافی ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اھ، پھر یہ زکوٰۃ لینے کا جواز ان دونوں حضرات کے جزم کے مطابق قربانی کے مسئلہ

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الزکوٰۃ فصل فیمن یوضع فیه الزکوٰۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۲۴، خزانة المفتین کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷

بمارأیت ولا تلازم بین حل الصدقة و سقوط الواجبات المالیة، حتی صرح العلماء ان من له نصاب سائمة لا تساوی مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتلزم الزکوٰة، فی ردالمحتار عن الشرنبلالیة عن الجوهرة عن الامام المرغینانی اذا کان له خمس من الابل قیمتها اقل من مائتی درهم تحل له الزکوٰة وتجب علیه[1] اھ وتمامه تحریره فیه ولا شك ان الزکوٰة اضیق وجوبا من صدقة الفطر والاضحیة فلا غروان وجبتا علی صاحب الضیاع والمستغلات لمبلکه نصابا فاضلا، وحلت له الصدقة لعدم کفایة الغلة له و لعیاله معایبقی خلاف مفهوم ما افاده فی التنویر ولا حرج فیه بعد ماجاءت من العلماء تلك النصوص بالتکثیر، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ تم نے دیکھا، جبکہ زکوٰۃ کے حلال ہونے اور واجبات مالیہ کے ساقط ہونے میں تلازم نہیں ہے حتی کہ علماء نے تصریح کی ہے کہ جس کے پاس سائمہ جانوروں کا نصاب موجود ہو اور ان جانوروں کی قیمت دو سو درہم کے مساوی نہ ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کے باوجود جانوروں کی زکوٰۃ اس پر واجب ہے، اور ردالمحتار میں شرنبلالی بحوالہ جواہر امام مرغینانی سے منقول ہے کہ اگر کسی کے پاس پانچ اونٹ ہوں جن کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس کو زکوٰۃ حلال ہے باوجود یہ کہ اس پر اونٹوں کی زکوٰۃ واجب ہے اھ اور اس مکمل بحث وہاں موجود ہے اور اس میں شک نہیں کہ زکوٰۃ کا وجوب صدقہ فطر اور قربانی کے وجوب سے کڑا ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں کہ صدقہ فطر اور قربانی زمین وغیرہ کی آمدن والے پر واجب ہوں جبکہ وہ آمدن اصل حاجت سے زائد نصاب برابر اور ساتھ ہی اس کو زکوٰۃ لینا حلال بھی ہو کیونکہ زمین کی آمدن اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہ ہو، ہاں تنویر کے مفاد مفہوم کا خلاف باقی رہا تو اس میں علماء کی کثیر نصوص آجانے کے بعد کوئی حرج نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۲: مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب از بانکی پور پٹنہ ۲۳ صفر ۱۳۳۲ھ

ایک شخص برائے نام صاحب جائداد ہے۔ سو روپیہ سالانہ آمدن کی جائداد ہے۔ وہ شخص (ہہ۔ للعہ) ماہوار کا نوکر بھی ہے۔ جو اس کی ضروریات دنیویہ کو کافی ہے۔ کسی سال میں کچھ نہیں بچتا

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

اس کی بیوی کے پاس تقریباً (معہ ۷۰) روپیہ کا زیور ہے۔ ۵۰ کا طلائی باقی نقرئی، اب ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ زکوۃ میاں بی بی دو میں کسی پر واجب نہیں مگر صدقہ فطر و قربانی ان دونوں یا ایک پر واجب ہے یا نہیں؟ اور ہے تو کس پر؟

الجواب:

ستر روپیہ کا زیور اگر مملوک زن ہے اور اس پر قرض نہیں تو اس پر نہ صرف اضحیہ وصدقہ فطر بلکہ زکوۃ بھی فرض ہے کہ اگرچہ (صہ) کے سونے (عہ) کی چاندی میں کسی کی نصاب کامل نہیں، مگر سونے کو چاندی کرنے سے چاندی کی نصاب کامل مع زیادہ ہو جائے گی، ہاں شوہر پر صدقہ واضحیہ بھی نہیں، اگرچہ زیور مذکور بھی اسی کی ملک ہو کہ تمام کا قرض محیط ہے۔ مگر ان علماء کے نزدیک کہ ایجاب صدقہ واضحیہ میں قیمت جائداد کا اعتبار کرتے ہیں اور راجح و مفتی بہ اول ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے:

ان کان لہ عقار ومستقلات ملك اختلف المشائخ المتاخرون رحمھم اللہ فالزعفرانی والفقیہ علی الرازی اعتبر اقیمتھا، وابو علی الدقاق وغیرہ اعتبر الدخل، واختلفوا فیما بینھم، قال ابو علی الدقاق ان کان یدخل لہ من ذلك قوت سنۃ فعلیہ الاضحیۃ و منھم من قال قوت شھر و متی فضل من ذلك قدر مائتی درھم فصاعدا فعلیہ الاضحیۃ[1]۔	اگر کسی کی زمین اور آمدن والی ملکیت ہو متاخرین مشائخ کا اختلاف ہے تو زعفرانی اور فقیہ علی رازی نے قیمت کا اعتبار کیا ہے اور ابو علی الدقاق وغیرہ نے آمدن کا اعتبار کیا ہے اور ان کا آپس میں اختلاف ہوا اور ابو علی الدقاق نے کہا اگر اس کو ان اشیاء سے سال بھر کے خرچہ کی آمدن ہو تو اس پر قربانی واجب ہے اور ان میں سے بعض نے کہا کہ ماہانہ خرچہ کی آمدن ہو اور جب سال بھر میں دو سو درہم یا زائد فاضل بچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

سئل محمد عمن لہ ارض یزرعھا او حانوت یستغلھا او دار غلتھا ثلثۃ الاف ولا تکفی لنفقتہ ونفقۃ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا ایسے شخص کے متعلق کہ اس کی زرعی زمین یا دکان یا مکان کا کرایہ آمدن تین ہزار ہے اور اس کے اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۲

عیاله سنة یحل له اخذ الزکوٰة وان کانت قیمته تبلغ الوفاء وعلیه الفتوی وعندهما لا یحل [1]۔	اس کے عیال کے سال بھر کے نفقہ کے لئے کافی نہیں اس کو زکوٰۃ حلال ہے اگرچہ ان کی قیمت کفایت کو پہنچی ہو، اور اسی پر فتوٰی ہے اور شیخین کے نزدیک حلال نہیں۔ (ت)

درمختار کے صدقہ فطر میں ہے:

تجب علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلیة وان لم ینم، وبهذا النصاب تحرم الصدقة، وتجب الاضحیة ونفقة المحارم علی الراجح [2] اھ **قلت** فالذی له ارض قیمتها الوف کما وصف لو کان تجب علیه الاضحیة لحرمت علیه الزکوٰة لکنها لم تحرم فالاضحیة لم تجب، واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر مالک نصاب مسلمان پر کہ اس کی اصل حاجت سے زائد ہو اگرچہ یہ نصاب نامی نہ ہو توراجح قول پر محارم کا نفقہ اور قربانی واجب ہے اور اس نصاب سے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے، **میں کہتاہوں** جس کے پاس زمین ہے جس کی قیمت ہزاروں ہے جیسے بیان کیا گیا ہے اگر اس پر قربانی واجب ہے تو اس کو زکوٰۃ لینا حرام ہے لیکن زکوٰۃ حرام نہیں، لہٰذا قربانی واجب نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۳: از سرکار مارہرہ شریف مرسلہ حضور سید نا سید مہدی حسن میاں صاحب سجادہ اقدس دامت برکاتہم ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

اعلیحضرت محترم خادمانہ عرض ہے۔ فقیر رضوی کی عمر گیارہ سال کچھ ماہ کی ہے۔ زیور اس کے پاس غالبا ساٹھ روپے کا ہے۔ بالغ نہیں ہے۔ قربانی اس کے ذمہ واجب ہے یا نہیں؟ پیر برکات عمر سترہ سالہ خلف بھائی جان مرحوم بے ماں باپ کا ہے لیکن اس کی والدہ کا زیور وظروف مسی وپارچہائے پوشیدنی ہیں جو بعضب ایک شخص کے پاس ہیں جن کے ملنے کی کسی قسم کی امید اس کو کسی زمانہ میں نہیں وہ مالک ووارث ان چیزوں کا ضرور ہے مگر اس کے قبضہ سے قطعی باہر ہیں اور صحیح طور سے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان چیزوں کا وجود ہے یا نہیں۔ اس کے ذمہ قربانی ہے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵

[2] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲ و ۱۴۳

الجواب:

حضور والہ آداب غلامانہ معروض، نابالغ اگرچہ کسی قدر مادار ہو نہ اس پر قربانی ہے نہ اس کی طرف سے اس کے باپ وغیرہ پر، حضرت صاحبزادہ صاحب اگر اس مال کے سوا اپنی حاجت اصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال کے مالک ہیں تو ان پر قربانی ہے ورنہ نہیں، وہ مال کہ نہ کبھی اس کے ملنے کی امید ہو نہ اس کا وجود ہی معلوم، مثل معدوم ہے۔اس کے سبب وجوب نہ ہوگا۔زیادہ حدادب۔

مسئلہ ۱۹۴: ۲۲صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔سائل دریافت کرتا ہے کہ قربانی ولی کرے تو سب گھر والوں کی طرف سے ہوجائے گی کیونکہ سب اولاد شامل ہے مثلاً بیٹے اور بیٹوں کی اولاد، نواسے وغیرہ اور سب مال اسباب کا دادا جو کہ ولی ہے مالک ہے۔اور دوسروں کو اختیارات بالکل نہیں ہیں، اور ولی اپنے دل میں خیال کرکے قربانی یا دیگر صدقات یا زکوۃ یا میلاد شریف کرتا ہے اس صورت میں سب کی طرف سے قبول ہوگی یا ولی کی طرف سے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ایک قربانی نہ سب کی طرف سے ہوسکتی ہے، نہ سوا مالک نصاب کے کسی اور پر واجب ہے۔اگر اس کی نابالغ اولاد میں کوئی خود صاحب نصاب ہو تو وہ اپنی قربان جدا کرے، یونہی زکوۃ جس جس پر واجب ہے یہ الگ الگ دیں، ایک کی زکوۃ سب کی طرف سے نہیں ہوسکتی، جو چیز واجب شرعی نہیں مثلاً صدقہ نفل ومیلاد مبارک وہ بھی ایک کے کرنے سے سب کی طرف سے نہ قرار پائے گا، ہاں کرنے والا ہر ایک کا اگرچہ فرض ہو اپنی اولاد اور گھر والوں جن کو چاہئے پہنچاسکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: ازمدرسہ منظر الاسلام مرسلہ مولوی احسان علی صاحب متعلّم مدرسہ مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نصاب کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ۵۲-۱/۲(ساڑھے باون) تولے چاندی یا ۷-۱/۲(ساڑھے سات) تولے سونا بمقدار اس کے روپیہ موجود ہوں جب قربانی واجب ہے یا کہ اتنے مقدار کی مالیت ہو چاہے اس کے پاس کاشت ہو یا چوپائے ہوں اگر ایسے شخص کے پاس ۶۰ روپیہ کی بھینس یا بیل ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں کسی شخص کو ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی ہے لیکن بزمانہ قربانی ایک روپیہ بھی اس کے پاس موجود نہیں، وہ شخص قرض لے کر قربانی کرے گا یا کہ نہیں، علی ہذا القیاس کاشت فروخت کرکے قربانی کرے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی واجب ہونے کے لئے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصل حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے بل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں ان کا شمار نہ ہو، ہزار روپیہ ماہوار کی آمدنی والا آدمی قربانی کے دن ۵۶ روپیہ کا مالک نہ ہو، یہ صورت خلاف واقعہ ہے۔ اور اگر ایسا فرض کیا جائے کہ اس وقت وہ فقیر ہے تو ضرور اس پر قربانی نہ ہوگی، اور جس پر قربانی ہے اور اس وقت نقد اس کے پاس نہیں وہ چاہے قرض لے کر کرے یا اپنا کچھ مال بیچے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۶: ۱۳ ذوالحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بکری پارسال قربانی کے ارادہ سے لی گئی، اس نے گھر میں آکر دودھ دیا، اور لوگوں نے کہا، یہ بکری دودھ کی ہے، اس کی قربانی مت کرو، تو اس کے عوض ایک مینڈھا قربانی کردیا، اور بکری کو گاؤں بھیج دیا، وہاں جاکر وہ گابھن ہوگئی، پھر اس کو مکان پر بلالیا، یہاں آکر دو بکری بیائی، اور ان کا بھی یہی ارادہ کیا کہ جب یہ دونوں بکری سال بھر کی ہوجائیں گی ان کی بھی قربانی کردی جائے گی، اس کا دودھ بھی اپنے کام میں آیا، بعد کو بکری مع اس کے بچوں کے گاؤں بھیج دی گئی، پھر اب اس کو گاؤں سے منگوالیا قربانی کے لئے، تو اس کے آثار سے معلوم ہوا کہ گابھن ہے اس کی قربانی نہیں کی بلکہ اس کے عوض میں ایک مینڈھا قربانی کردیا گیا۔

پس اس صورت میں بکری کا دودھ کام آسکتا ہے یا نہیں؟ اور آیا اس بکری کو فروخت کرنا یا لینا جائز ہے اپنے لئے یہ بکری کا دودھ ڈھائی روپیہ میں پارسال خریدی گئی تھی اور پارسال جو مینڈھا اس کے عوض میں قربانی کیا گیا اس کی قیمت یاد نہیں۔ اور اب کے جو مینڈھا قربانی کیا گیا دو روپیہ چھ آنہ میں خریدا گیا تھا۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

دودھ کے جانور یا گابھن کی قربانی اگرچہ صحیح ہے مگر ناپسند ہے۔ حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی، سائلہ جبکہ غنیہ مالکہ نصاب ہے تو بہ نیت قربانی بکری خریدنے سے خاص اسی کی قربانی اس پر لازم نہ ہوئی اسے بدل لینے کا اختیار تھا، دودھ دیتی دیکھ کر اس کے عوض مینڈھا کردیا، اس سال گابھن خیال کرکے بھی مینڈھا کیا کچھ حرج نہ ہوا، اس بکری کا پالنا، بیچنا، دودھ پینا سب روا ہے۔

وکراھۃ الانتفاع بلبن الاضحیۃ وصوفھا	قربانی سے قبل اس جانور کے دودھ اور اون سے انتفاع

قبل التضحیة انما کان لانه التزام اقامة القربة بجمیع اجزائها کما فی الدر[1] افاذا اقام القربة بغیرھابقیت علی حکم ملکه المطلق المتصرف علی ان منهم من اجازھا اعنی الانتفاع باللبن والصوف للغنی مطلقًا لو جوبها فی الذمة فلا یتعین کما فی الدر[2] عن الزیلعی قال الشامی والجواب ان المشتراۃ للتضحیة متعینة للقربة الی ان یقام غیرھا مقامها[3] اما کراھة الاستبدال فشیئ خارج عما نحن فیه لان الکلام فی حلا الانتفاع بها بیعا وحلبا بعد ما ابدلت بل ھی الکراھة فی غیرھا اذا وجدہا ذات در او حمل لورود الحدیث بالنهی عنهما، واللہ تعالٰی اعلم	اس لئے مکروہ ہے کیونکہ اس نے اس جانور کو جمیع اجزاء سمیت قربت کے لئے لازم بنایا ہے جیساکہ در مختار میں ہے توجب اس نے قربت دوسرے جانور سے قائم کرلی تو اب یہ اس کی مطلق ملک والے تصرف میں ہوگیا، علاوہ ازیں بعض نے دودھ اور اون سے غنی کو انتفاع مطلقًا جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس کے ذمہ واجب ہے لہٰذا یہ جانور متعین نہ ہوا جیساکہ در مختار میں زیلعی سے منقول ہے۔علامہ شامی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ خریداری قربانی کے لئے ہونے کی وجہ یہ جانور متعین رہے گاجب تک دوسرا اس کے قائم مقام نہ بنالے، لیکن دوسرے سے تبدیل کرنے کی کراہت علیحدہ معاملہ ہے وہ ہماری بحث سے خارج ہے کیونکہ یہاں اس جانور کو تبدیل کرنے کے بعد اس کی بیع اور دودھ سے انتفاع حلال ہونے میں بحث ہے بلکہ کراہت دودھ یا حمل پائے جانے کی وجہ ہے اس لئے بوجہ الغیر ہوسکتی ہے کیونکہ دودھ اور حمل والی کی نہی پر حدیث وارد ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۷تا۱۹۸: از شہر بریلی مسئولہ منشی شوکت علی صاحب رضوی محرر چونگی شب ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) قربانی کس پر ہے اور واجب ہے یافرض؟

(۲) آج کل ہندوستان میں گائے کی قربانی بعض مسلمان مشرکوں کی خوشنودی کے لئے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں بکری کی قربانی کی جائے۔**بینواتوجروا**

الجواب:

(۱) صاحب نصاب جو اپنے حوائج اصلیہ سے فارغ چھپن روپے کے مال کامالک ہواس پر قربانی

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

واجب ہے۔

(۲) مشرکوں کی خوشنودی کے لئے گائے کی قربانی بند کرنا حرام حرام سخت حرام ہے۔اور جو بند کرے گا جہنم کے عذاب شدید کا مستحق ہوگا اور روز قیامت مشرکوں کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از موضع غنی پور ضلع منواکھال ڈاکخانہ صفدر گنج مرسلہ مولوی عبدالعزیز ۲۶ محرم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں مثلاً تین بھائی ہیں کہ تینوں ایک ساتھ رہتے ہیں، جبکہ قربانی کا وقت آیا تو تینوں آپس میں مل کر بڑا بھائی کو حکم کیا کہ تم ہمارے نام کی ایک بکری خرید کر قربانی کرو،اس میں دو تین روپیہ جو بھی خرچ ہوں اس کا دعوی ہم نہیں رکھتے ہیں اس حالت میں قربانی ہوگا یا نہیں۔ میرے یہاں بعض علماء فرماتے ہیں کہ قربانی بالکل جائز نہیں ہوگی، کیونکہ شریک دار کا حصہ معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا،اس فساد میں بہت سے لوگوں نے قربانی چھوڑدیا، کیونکہ بعض تو ایسے ہیں کہ انھوں کے مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں،ان علماؤں نے فرمایا ہیں کہ جنھوں کا مال حصہ کرنے سے صاحب نصاب نہیں رہتے ہیں،انھوں کو قربانی نا کرنا چاہئے،اگرچہ قربانی جائز ہے تو ان علماؤں کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب المطول

مال شرکت میں جس کا حصہ بقدر نصاب نہ ہو نہ اس کے پاس اپنا اور کوئی خاص مال اتنا ہو کہ حصہ کے ساتھ مل کر نصاب کو پہنچ جائے،اس پر قربانی واجب نہیں،یعنی نہ کرے گا تو گنہ گار ہوگا نہ یہ کہ اس کو قربانی نہ چاہئے یہ محض غلط ہے بلکہ کرے گا تو ثواب پائے گا بلکہ بہ نیت قربانی جانور خریدے گا تو اس پر بھی خاص اس جانور کی قربانی واجب ہوجائے گی نہ کرے گا اور اس جانور کو دوسرے سے بدل نہیں سکتا کہ اس پر اسی جانور کی قربانی واجب ہوئی، درمختار میں ہے:

وفقیر ماشراھا لھا لوجوبھا علیہ بذٰلك حتی یمتنع علیہ بیعھا[1]۔	اور فقیر نے واجب نہ ہونے کے باوجود خریدی ہے اس لئے اس کو فروخت ممنوع ہے(ت)

ایک شریک اگر دوسرے شرکا کے اذن سے زر مشترک سے جانور خاص اپنی قربانی کے لئے خرید کر اپنی طرف سے قربانی کرے تو بلاشبہ جائز ہے۔اور قربانی صحیح ہوجائے گی،خواہ ان میں شرکت عقد ہو

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

یا شرکت ملک، بیان اس کا یہ کہ یہاں پانچ صورتیں ہیں:
[1]ایک شرکت ملک کی اور چار شرکت عقد کی، کہ [2]شرکت مفاوضہ ہو یا [3]شرکت عنان، مطلق ہے خرید وفروخت میں، جیسے یہ کہیں کہ جو کچھ ہم خریدیں وہ ہمارے آپس میں مشترک ہے۔ یا [4]شرکت جن خاص اجناس میں قرار پائی ہے یہ جانور کہ اسے قربانی کو خریدا ان اجناس سے ہے۔ [5]اخیر صورت یہ ہے کہ یہ شرکت خاص ہے، اور جانور اس کی جنس تجارت سے نہیں، اول و اخیر یعنی شرکت ملک وشکل اخیر میں توظاہر ہے کہ یہ جانور خاص اس خریدنے والے کی ملک ہوگا۔

لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الاشباہ [1] وغیرھا، بل قال فی الدر وغیرہ لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ [2]الخ قال الشامی لانہ اذا لم یکن وکیلا بالشراء وقع الملک لہ فلا اعتبار بالاجازۃ بعد ذٰلک لانھا انما تلحق الموقوف لا النافذ [3]۔	کیونکہ خریداری جب مشتری پر بطور نفاذ پائی نجائے تو نافذ ہوجائیگی، جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ بلکہ درمختار وغیرہ میں کہا اگر غیر کے لئے خریدی تو خود اس پر نافذ ہوگی الخ، شامی میں فرمایا کیونکہ غیر کا وکیل خریداری میں یہ نہیں ہے تو اس کی ملکیت قرار پائی گی تو اس کے بعد کی اجازت معتبر نہ ہوگی کیونکہ بعد کی اجازت موقوف بیع کا لاحق ہوسکتی ہے نافذ کو نہیں لاحق ہوسکتی۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

شریك العنان لہ ان یشتری مالیس من جنس تجارتھا ویقع الشراء لہ ویطالب بالثمن وکذا یقع الشراء لہ من جنس تجارتھما بعد ماصار المال عروضا [4] اھ قلت ولم اذکر	شرکت عنان میں شریک کو اختیار ہے کہ وہ مسلمہ تجارت کے غیر کو خریدے جبکہ خریداری شریک کی اپنی ہوگی اور بائع اس سے ثمن کا مطالبہ کرے گا اور یونہی جب ان کی مسلمہ تجارت کی جنس کو خریدے نقد مال کے سامان بن جانے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب البیوع ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۲۳، فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الھندیہ کتاب البیوع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۱۹، ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۰
[2] درمختار کتاب البیوع فصل الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳
[3] ردالمحتار کتاب البیوع دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۷
[4] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۱

هذا الاخیر لان الفرض انه اشتری بدراہم الشرکة۔	کے بعد اھ، میں کہتا ہوں، میں آخر صورت کو ذکر نہ کروں گا کیونکہ یہاں مشترکہ دراہم سے خریدنا مفروض ہے۔(ت)

غایت یہ کہ ثمن جو مال شرکت سے ادا کیا ہے اس میں حصہ دیگر شرکاء کا اسے تاوان دینا ہوگا جبکہ شرکاء نے قیمت خریداری ثمن میں اپنے اپنے حصہ اسے ہبہ کئے ہوں کہ شیئ قابل قسمت میں ہبہ صحیح نہیں یا قبل شراء اپنے حصوں سے ابراء کیا ہو کہ ابراء یعنی معافی دین سے ہوتی ہے یہاں ابھی دین نہیں، یا ابراء معلق کیا ہو، یعنی جب تو اپنے لئے شرکت کے مال سے خریدے تو ہم نے تجھے اپنے حصے معاف کئے کہ ابراء صالح تعلیق نہیں، عالمگیریہ میں ہے:

احدالمشرکین اذا قال لشریکه، وهبت لك حصتی من الربح قالوا ان کان المال قائما لا تصح لکونها هبة المشاع فیما یقسم، وان کان الشریك استهلك المال صحت الهبة لکونها اسقاطا حینئذ کذا فی الظهیریة[1].	دونوں شریکوں میں سے ایک نے دوسرے کو کہا میں نے اپنے حصے کا نفع تجھے ہبہ کردیا تو فقہاء نے فرمایا اگر نقد مال موجود ہو تو یہ ہبہ درست نہ ہوگا کیونکہ قابل تقسیم چیز کا مشاع حصہ ہے اور اگر شریک نے مال کو ہلاک کردیا ہو تو ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ اس صورت میں ہبہ کا مطلب حصہ کو ساقط کرنا ہے۔ ظہیریہ میں یوں ہے۔(ت)

عینی پھر بحر الرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

انه ای الابراء تملیك من وجه حتی یرتد بالرد، وان کان فیه معنی الاسقاط فیکون معتبرا بالتملیکات فلا یجوز تعلیقه بالشرط[2]۔	کسی کو بری کرنا من وجہ تملیک ہے حتی کہ رد کردینے سے ابراء ہوجاتا ہے اگرچہ اس میں اسقاط کا معنی ہے۔ لہٰذا تملیکات میں معتبر ہوگا اس لئے شرط کے ساتھ اس کی تعلیق جائز نہیں۔(ت)

ایضاح الکرمانی پھر عزمیہ پھر شامیہ میں ہے:

قال ان دخلت الدار فقد ابرأتك	اگر کہا تو گھر میں داخل ہوجائے تو میں نے تجھے بری کیا۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الهبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

وقال لمدیونه اوکفیله اذا ادیت الی کذا، اومتی ادیت، اوان ادیت الی خمس مائة فانت بری عن الباقی فھو باطل ولا ابراء [1]۔	اور اپنے مدیون یا کفیل کو کہا اگر تو مجھے اتنے یا جب ادا کرے، یا یوں کہا اگر تو مجھے پانسو ادا کرے تو باقی سے بری ہے۔تو یہ باطل ہے کوئی برائت نہ ہوئی۔(ت)

ہندیہ میں قنیہ سے ہے:

قال ائمة بلخ التحلیل یقع علی ماھو واجب فی الذمة لاعلی عین قائم [2]۔	بلخ کے ائمہ نے فرمایا جو ذمہ میں واجب ہواس سے برائت ہوتی ہے نہ کہ عین موجود مال سے(ت)

مگر اس سے جانور میں شرکاء کی ملک نہیں ہوتی، خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشتری للاب [3]۔	باپ کے مال کے ساتھ خریداری کرنے سے یہ لازم نہیں اتا کہ خرید کردہ چیز باپ کی ہوجائے(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماشتراہ احدھما لنفسه یکون له و یضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك [4]۔	ان میں سے کسی نے چیز کو اپنے لئے خریدا تو اسی کی ہوگیہ اور وہ اپنے شرکاء کے حصے کا ضامن ہوگا اگر خریداری میں مشترکہ مال دیا ہو(ت)

اور تین صورتوں میں اگرچہ جانور سب شرکاء کی ملک مشترک ٹھہرے گا مگر جبکہ وہ سب اسے اذن دے چکے کہ خاص اپنی طرف سے قربانی کردے، اور یہ ناممکن ہے بے اس کے کہ جانور خاص اس کی ملک ٹھہرے، تو ان کا یہ اذن جانور میں سے اپنا اپنا حصہ اس کو ہبہ کرنا ہوگا، اور جانور قابل قسمت نہیں جو شیئ ناقابل قسمت ہو اس میں ہبہ مشاع صحیح ہے، تو تنہا یہی اس جانور کا ملک ہوگیا، اور قربانی اس کی بلاد غدغہ صحیح ہوگئی اور اب اس پر ثمن میں حصہ شرکاء کا بھی تاوان نہیں آسکتا، محیط پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الھبة الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۲

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

[4] ردالمحتار کتاب الشرکة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

الشراء حال الشرکۃ لو من جنس تجارتھما فھو للشرکۃ،وان اشھد عند الشراء انه لنفسه لانه فی النصف بمنزلۃ الوکیل بشراء شیئ معین وان لم یکن من تجارتھما فھوله خاصۃ [1]۔	اگر جنس تجارت کو شرکت کے مال سے خریدا تو وہ شرکت کی ہوگی اگرچہ وہ خریداری کے وقت اپنی ذاتی ہونے پر بھی گواہ بنالے کیونکہ وہ معین چیز کی خریداری میں نصف کا وکیل ہے۔ ہاں اگر وہ چیز جنس تجارت میں سے نہ ہو تو اس کی ذاتی ہوگی۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

اذا اذن احدا المتفاوضین لصاحبه ان یشتری جاریۃ فیطأھا ففعل فھی له بغیر شیئ لان الجاریۃ دخلت فی الشرکۃ علی البتات جریا علی مقتضی الشرکۃ،اذھما لایملکان تغییرہ فاشبه حال عدم الاذن،غیر ان الاذن یتضمن ھبۃ نصیبه منه لان الوطئ لایحل الا بالملک،ولاوجه الی اثباته بالبیع(ای انه ھلك بالشراء)لما بینا انه یخالف مقتضی الشرکۃ فاثبتناہ بالھبۃ الثابته فی ضمن الاذن [2] اھ مختصرا بزیادۃ مابین الھلالین للایضاح۔	جب شرکت مفاوضہ کے ایک شریک نے دوسرے کو لونڈی خرید کر وطی کی اجازت دے دی ہو اور اس نے ایسے کرلیا تو وہ لونڈی بلا عوض اس کی ہوجائے گی کیونکہ وہ لونڈی شرکت میں ہے۔شرکت کا مقتضی یہی ہے کیونکہ عقد شرکت کے بعد دونوں میں سے کوئی اس کو متغیر نہیں کرسکتا لہٰذا وہ وطی گویا کہ بلااذن متصور ہوئی مگر اجازت دینا اپنے حصے کو ہبہ کردینے کو متضمن ہے کیونکہ وطی مستقل ملکیت کے بغیر حلال نہیں ہوتی اور اس ملکیت کو بیع کی طرف منسوب کرنا یعنی یہ کہنا وطی کرنے والا خریدنے سے مالک ہوگیا درست نہیں کیونکہ یہ مقتضی شرکت کے منافی ہے تو ہم نے ملکیت کو اس ہبہ سے ثابت کیا ہے جو اذن کے ضمن میں پایا گیا اھ مختصرًا۔اور وضاحت کے لئے ہلالین میں درج شدہ عبارت کا اضافہ کیا ہے۔(ت)

یہ لوگ جنھوں نے قربانی ناجائز ہونے کا فتوی دیا اور لوگوں سے قربانیاں چھڑادیں فقہ سے بے بہرہ معلوم ہوتے ہیں اور جو ایسا ہوا سے فتوی دینا حرام ہے۔نسأل اللہ العفو والعافیۃ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۳۔۳۴۲

[2] الہدایہ کتاب الشرکۃ مطبع یوسفی لکھنؤ انڈیا ۲/ ۶۱۶

الجواب المختصر

صورت مستفسرہ میں قربانی بلاشبہ جائز ہے۔اور بعض کا وہ شبہ محض بے اصل و باطل ہے۔اجازت اباحت ہے۔اور اباحت وہبہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔قربانی تو یوں جائز کرلی،مال مشترکہ سے شریکوں کا کھانا پہننا کہ زمانہ رسالت سے بلانکیر رائج ہے سب حرام ہوجائے گا کہ ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ہوا اور ہبہ مشاع ناجائز ہے حالانکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ"[1]۔	اگر تم آپس میں ملالو تو تمھارے بھائی ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ"[2]	تمھیں حرج نہیں کہ تم اکٹھے کھاؤ یا متفرق۔(ت)

اس فتوی کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوی دینے والے لوگ فقہ نہیں جانتے نہ اس کام کے اہل ہیں،اور نااہل کو فتوی دینا حرام اور سخت کبیرہ ہے۔حدیث میں ہے:

من افتی بغیر لم لعنته ملئکة السماء والارض[3]۔	جو بغیر علم کے فتوی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔والعیاذ باللہ تعالٰی،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: بمقام گھوسیا ضلع مرزاپور ڈاکخانہ اورائی مرسلہ جناب اکمل الدین صاحب مورخہ ۲۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس بارے میں کہ ہمارے موضع میں زمانہ قدیم سے تمام مسلمان حنفی المذہب ہوتے چلے آرہے ہیں مگر عرصہ چند روز ہوا کہ سات آدمیوں نے مذہب اہلحدیث کو اختیار کرلیا ہے اور ہمارے بزرگوں نے بڑی سعی کوشش سے قید کی مصیبت کو برداشت کرکے گورنمنٹ سے تین دن کی قربانی کا حکم جاری کرالیا تھا لیکن اس سال اسی فرقہ اہل حدیث سے ایک شخص نے کپتان کے روبرو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ بن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ موسستہ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۹۳،الفقیہ والمتفقہ باب ماجاء من الوعید لمن افتی بغیر علم حدیث ۱۰۴۳ دار ابن جوزی ریاض ۲/ ۳۲۷۸

دستخط کردئے کہ ہم لوگ ایک روز قربانی کریں گے لہٰذا ہم لوگوں کے خیال میں یہ بات آئی ہے کہ اسی سال میں دستخط کرنے کی وجہ سے دوروز کی قربانی منسوخ ہوگئی، آئندہ خدا جانے ایک دم سے منع ہوجائے تو کیا تعجب ہے اور یہ گروہ تقلید کے بالکل منکر ہیں لہٰذا دستخط کنندہ کے ذمہ عائدہ ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر عائد ہوتا ہے تو مع دلیل کے تحریر فرمائے اور ان لوگوں کو اپنے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے دیا جائے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ ثناء اللہ اپنی کتاب "اہل حدیث کا مذہب" کے صفہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ رکوع کے وقت چونکہ تطبیق کرگئے تھے دونوں ہاتھوں کو زانوں پر نہ رکھتے تھے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کا یہی مذہب ثابت ہے بلکہ اپنے شاگردوں کو تاکید مزید اسی عمل کی کیا کرتے۔ لہٰذا اس کی سند صحیح ہے یا لغو۔

الجواب:

غیر مقلدین گمراہ بددین ہیں، ان پر بوجہ کثیرہ کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل "**الکوکبۃ الشھابیۃ**" میں ہے کہ حسب تصریحات قرآن عظیم واحادیث وائمہ ستر وجہ سے لزم کفر بیان کیا ہے۔ ان کا مساجد میں کوئی حق نہیں۔ اور قربانی کے دودن چھوڑ دینے کا ان سے کیا تعجب، وہ سارا دین ہی قربان کئے بیٹھے ہیں جس کی تفصیل **الکوکبۃ الشھابیہ وحسام الحرمین والاستمداد علی اجیال الارتداد وغیرھا** کتب میں شائع ہوچکی۔ خوشنودی ہنود کے لئے گاؤکشی بند کرنا یا اس کی توسیع میں جو اللہ و رسول نے دی، کمی قبول کرنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْکَنُوْۤا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ ۙ"[1] وقال اللہ تعالٰی "وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾ "[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم ظلم کرنیوالوں کی طرف میلان نہ کرو۔ تو تم کو آگ جہنم چھوئے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر مومن ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۱: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں شہر میں قبل نماز عید بعد طلوع شمس قربانی جائز ہے یا نہیں؟ اور اہل قریہ یا کہ شہر والے اپنی قربانی کو گاؤں بھیج دیں تو ان کو بعد صبح قبل نماز عید قربانی کرلیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۲

الجواب:

شہر میں قربانی اگرچہ ساکن دہ کی طرف سے وہ روز اول پیش از نماز عید (اور اگر نماز عید کسی عذر سے نہ پڑھیں تو پیش از خروج وقت نماز عید) ناجائز و نامعتبر ہے۔ اور بیرون شہر اگرچہ فنائے مصر غیر متصل بمصر ہو، اگرچہ قربانی ساکن شہر کی ہو، پیش نماز بعد طلوع فجر تاریخ دہم جائز ہے۔

فی الدرالمختار اول وقتها بعد الصلٰوۃ ان ذبح فی مصرای بعد اسبق صلٰوۃ ولو قبل الخطبۃ، لکن بعدها احب وبعد مضی وقتها لو لم یصلو اعلیه العذر، ویجوز فی الغد وبعده قبل الصلٰوۃ لان الصلٰوۃ فی الغد تقع قضاء لااداء، زیلعی وغیرہ، وبعد طلوع فجر یوم النحر ان ان ذبح فی غیرہ والمعتبر مکان الاضحیة لامکان من علیه فحیلة مصری ارادان یخرجها لخارج المصر فیضحی بها اذا طلع الفجر اھ[1]، فی رد المحتار لخارج المصرای الی مایباح فیه القصر، قهستانی[2] اھ، وفیه "من باب صلٰوۃ المسافر "یشرط مفارقۃ ماکان من توابع موضع الاقامۃ کربض المصر، وهو ماحول المدینۃ من بیوت ومساکن فانه فی حکم المصر وکذا القری المتصلۃ بالربض فی الصحیح	درمختار میں ہے قربانی کا وقت نماز کے بعد ہے اگر شہر میں کرے یعنی نماز پڑھنے کے بعد اگرچہ خطبہ سے قبل ہو، لیکن خطبہ کے بعد مستحب ہے اور اگر عید کی نماز نہ پڑھیں تو نماز کا وقت گزر جانے کے بعد، اور دوسرے اور تیسرے اور تیسرے روز نماز سے قبل کیونکہ دسرے روز عید کی نماز قضاء ہوگی نہ کہ ادا، زیلعی وغیرہ، اور اگر گاؤں میں ذبح کرنی ہو تو عید کے روز صبح طلوع ہونے کے بعد، قربانی میں ذبح کرنے کی جگہ معتبر ہے قربانی کرنے والے کی جگہ معتبر نہیں، تو شہری کے لئے جلدی قربانی کا حیلہ یہ ہے کہ وہ جانور کو شہر سے باہر لے جائے تو فجر طلوع ہونے کے بعد قربانی کرے اھ، رد المحتار میں ہے: شہر سے باہر اتنی دور لے جائے جہاں سے مسافر کے لئے قصر شروع ہوتی ہے۔ قہستانی اور اس کے باب صلٰوۃ المسافر میں ہے کہ قصر جائز ہوگی بشرطیکہ وہ اپنے شہر کے توابع سے نکل جائے شہر کے توابع کی مثال ڈیرے وغیرہ اور وہ شہر کے ارد گرد کے مکانات ہیں، اور شہر سے متعلق رہائش گاہیں شہر کے حکم میں ہیں، اور یوں وہ دیہات جو شہر کے باڑوں سے متصل ہوں صحیح قول میں

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۲

بخلاف البساطین ولو متصلہ بالبناء لانھا لیست من البلدۃ امداد، واما الفناء، وھو المکان المعد لمصالح البلد کرکض الدواب ودفن الموتٰی والقاء التراب فان اتصل بالمصر اعتبر مجاوزتہ وان انفصل بغلوۃ اومزرعۃ فلا[1] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	شہر کے حکم میں ہیں بخلاف باغات کے اگرچہ وہ عمارت سے متصل ہوں کیونکہ آبادی میں شمار نہیں، امداد الفتاوٰی، لیکن فناء شہر وہ ہے جو شہری سہولیات کے لیئے بنائی گئی ہو جیسا کہ جانوروں کے باڑے اور مردے دفن کرنے اور کوڑا وغیرہ ڈالنے کی جگہ اور اگر شہر سے متصل ہوں تو ان سے گزر جانا معتبر ہوگا اور اگر شہر سے فاصلہ پر تیر اندازی یا زراعت تک ہو تو وہاں سے گزر جانا ضروری نہیں اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از مخدم پور ڈاکخانہ ترہٹ ضلع گیا مرسلہ سید رضی الدین حسین صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

جناب مستطاب مخدومنا زاد مجدھم دیہات میں قربانی حسب دستور ہو یا نہ ہو، کیونکہ مسئلے اس کے جمعہ کے مسئلے سے ملتے ہیں، زیادہ حد نیاز

الجواب:

قربانی میں شہر و دہِ بلکہ آبادی جنگل سب برابر ہیں، جن شرائط سے شہر والوں پر واجب ہوتی ہے انھیں شرائط سے گاؤں بلکہ جنگل کے رہنے والے پر بھی واجب ہے فقط مقیم ہونا چاہیئے کہ شہر میں نہ ہو پھر مسافر سے بھی اس کا وجوب ساقط ہے نہ یہ کہ ممانعت ہو، اگر کرے گا فضل ہوگا ثواب پائے گا۔

فی الدرالمختار التضحیۃ علی حر مسلم مقیم بمصر او قریۃ اوبادیۃ عینی فلا تجب علی مسافر[2] اھ ملتقطاً۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے آزاد شہر یا گاؤں یا بادیہ میں مقیم مسلمان پر واجب ہے، عینی، تو مسافر پر واجب نہیں ہے اھ ملتقطاً۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ ۱۳۱۴ھ

(بھیڑ کی قربانی کے بارے میں راہنمائی کرنیوالا)

مسئلہ ۲۰۳: از کانپور مسجد رنگیاں مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ فیض عام کانپور اواخر رمضان مبارک ۱۳۱۴ھ

علم الہدٰی سمی المصطفٰی باسمہ الذی بشر بہ عیسٰی، بزیادۃ لفظ معناہ المرتضی دامت عنایتکم از احمد حسن عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، وبعد ازیں آنکہ دریں وقت یک استفتاء از پنجاب آمدہ است، ونہایت غور طلب ست اکثر علمائے پنجاب دریں امر کہ شیدہ اند لکن بمنزل مقصود نرسیدہ اند، وجواب استفتاء یک شخصے کہ مایہ علم اتم دارد نوشہ لکن چونکہ جواب مخالف معمول ست قبول نمی کنند، اکنوں جواب را نقل کردہ بخدمت سامی ارسال ست۔ ہرچہ تحقیق جناب	**(خلاصہ)** ہدایت کے نشان، حضرت مسیح کی بشارت والے، نام میں رسول مقبول کے ہم نام، اور جناب مرتضٰی کے اسم مبارک کے ہم مادہ، مولا احمد رضا خاں صاحب زید مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پنجاب سے ایک سوال آیا ہے جس کے جواب کے لئے بہت سے علماء سرگرداں ہیں لیکن منزل مقصود مفقود ہے۔ ایک پر مغز عالم نے ایک جواب تحریر کیا وہ معمول قدیم کے خلاف ہے اس لئے عوام اور علماء کوئی قبول نہیں کرتا، میں سوال وجواب دونوں ہی خدمت میں ارسال کررہاہوں، جواب اگر صحیح نہ ہوتو وجہ غلط

ست ارسال فرمایند اگر مخالف رائے جناب باشد امید کہ بوجہ احسن روشن کنند واگر موافق باشد نیز بزیادہ ادلہ ثبت فرمایند۔ **ماقول العلماء المحمدیۃ الحنفیۃ علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات فی حیوان ذات صوف ولا الیۃ لہ**^{عـــہ}، **ویقال فی اللغۃ الملتانیۃ لانثاہ بھیڈو لذکرہ گھٹہ، اتجوز بہ التضحیۃ ام لا، بینوا توجروا من الملک العلام۔**

الجواب: اقول: وبہ نستعین انی رأیت کتب الحنفیۃ الموجودۃ عندی من شرح الوقایۃ وحاشیتہا للچلپی والدرالمختار وشرحہ للشامی، ومفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام، والتعلیل الممجد شرح مؤطا امام رحمہ اللہ واشعۃ اللمعات ووجدت فیہا انہم ینحصرون الاضحیۃ فی الشاۃ والبقر والابل اوالغنم والبقر والابل ویعمون الشاۃ بقولہ ضانا کان اومعزا وکذٰلک الغنم ویفسرون الضأن بما تکون لہ الیۃ و یدخلون الجاموس فی البقر ویقولون انہ نوع منہ فصارت انواع الاضحیۃ خمسۃ الضأن والمعز والبقر و الجاموس والابل ذکورا کانت

بتائیں اور صحیح ہو تو تائید مزید سے مزین فرمائیں

سوال: علمائے اسلام بالخصوص اعلام احناف بھیڑ اور بھیڑے (نر ومادہ) کے بارے میں کیا فرق ہیں، ان کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

جواب: شرح وقایہ اور اس کے دو حاشیے از علامہ چلپی، در مختار اور شامی، مفاتیح الجنان شح شرعۃ الاسلام، تعلیق الممجد، اشعۃ اللمعات کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ قربانی کے جانوروں کی ابتدائی تین قسمیں ہیں:

(۱) شاۃ یا غنم (یہ دونوں لفظ بطور ترادف قربانی کے جانوروں کی ایک ہی قسم کے لئے بولے جاتے ہیں)۔

(۲) بقر (اس کی دو قسمی کرتے ہیں گائے اور بھینس)۔

(۳) جمل (اس کی ایک قسم شمار کرتے ہیں)۔

شاۃ کو پھر دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں: ضان اور معز اور بقر کی بھی دو قسم کرتے ہیں: بقر و جاموس اس طرح اصل اور ذیلی قسموں کو ملاکر کل پانچ قسمیں ہوئیں:

(۱) جمل (اونٹ) (۲) بقر (گائے)

عـــہ: سائل کی الجھن اصل یہ ہے کہ عرب میں دنبہ ہوتا ہے اور بکری بھیڑ جو ہمارے یہاں ہوتی ہے جس کی صرف دم دنبہ سے مختلف ہے یہ کس میں داخل ہے، دنبہ میں یا بکری میں یا کوئی تیسری قسم ہے۔ تو اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟ عبدالمنان اعظمی۔

اوانا ثا فتلك عشرة كاملة، وحسبت ان الحيوان المذكور والمسئول عنه ليس داخلا فى الخمسة لانه لو كان داخله فيها لما فسروا الضأن بان تكون له الية، بل عمموه بما تكون له الية اولا حتى صارت انواع الشاة اوالغنم ثلثة والكل ستة، واذ ليس فليس فان قيل يدخلون الجاموس فى البقر فما السرفى عدم ادخال الحيوان المسئول عنه فى الضأن مع انه يؤيد ادخاله فيه تفسير اهل اللغة لفظ الضأن بميش، كما فى الغياث [1] وغيره، قلت لعله ان الجاموس اكمل من البقر فى اللحم والقيمة، والحيوان المسئول عنه ناقص عن الضأن فى العضو اى الالية۔ فالحاق الاكمل بالكامل اولى من الحاق الناقص بالكامل، و اما تفسير اهل اللغة [2] فمعناه ان العرب	(۳) جو موس (بھینس) (۴) ضان (دنبہ) (۵) معز (بکری) اور مذکر و مؤنث دونوں کو شامل کردیا جائے تو کل دس قسمیں ہوتی ہیں: **پہلی دلیل:** سوال میں ذکر کی ہوئی ہندوستانی بھیڑ اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے اگر شامل ہوسکتی ہے تو ضاں (دنبہ) میں اگر اس میں شمار نہ ہوئی تو پھر کسی قسم میں شمار ہونے کا سوال ہے یوں غلب ہے کہ ضان یعنی دنبہ کی تعریف میں یہ قید ہے کہ اس کے الیہ (چکی) ہوتی ہے اور بھیڑ کے چکی نہیں ہوتی ہے، اس لئے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ بھیڑ قربانی کا جانور ہے ہی نہیں اس لئے اس کی قربان جائز نہیں، اس امر پر قرینہ یہ ہے کہ اگر بھیڑ کو قربانی کے جانور میں شریک کرنا مقصود ہوتا تو دنبہ کی تعریف میں چکی ہونے کی قید نہ لگاتے بلکہ ایسا لفظ بولتے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہو، اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ مقصد اس نوع کی شریک کرنا ہی نہیں ہے۔ **دوسری دلیل:** ایک بات یہ ہے بھی ہے کہ از روئے شرع غنم یا شاۃ کی دو ہی قسم بنائی گئی ہے۔ ضان اور معز اگر بھیڑ کو بھی قربانی کا جانور مان لیا جائے تو ایک کے اضافہ کے بعد غنم کی ۳ قسم ہوجائے گی اور سب کا مجموعہ پانچ کے بجائے چھ ہوجائے گا

[1] غیاث اللغات باب خاد معجمہ فصل ضاد معجمہ مع الف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲
[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

کما یطلقون لفظ الضان علی ماتکون له الیة کذٰلك الفرس یطلقون علیه لفظ میش فمؤداهما واحد کما یشعر به عبارة الغیاث، گوسفند بمعنی میش مقابل بز چنانکه معزدر عربی مقابل ضان ست کما استفاد من القاموس و الصراح، وبعضے نوشتہ اند کہ اطلاق گوسفند بر میش و بز ہر دو آمدہ، از سراج، انتهی [1] عبارۃ الغیاث۔	جو تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے۔اس لئے ثابت یہی ہوا کہ یہ قربانی کا جانور ہی نہیں ہے۔ **ایک شبہ:** شکل وصورت، رنگ وروپ، فوائد اور تاثیر میں ہزار اختلاف ہوتے ہوئے بھینس کو بقر میں شامل مانا تو صرف دم کے اختلاف کی وجہ سے بھیڑ دنبہ میں کیوں شامل نہیں کی گئی، **جواب:** بھینس قیمت اور گوشت میں گائے سے عمدہ ہے۔اور بھیڑ دنبہ سے چکی میں ناقص ہے اس لئے یہ بات قرین قیاس ہے کہ اکمل اور عمدہ کو کامل کے ساتھ شمار کیا جائے،اور یہ بات غلط ہے کہ ناقص کو کامل کے ساتھ جوڑا جائے،اسی لئے بھینس کو گائے میں شمار کیا اور بھیڑ کو دنبہ میں نہیں۔

دوسرا شبہ: اہل لغت نے ضان کا ترجمہ فارسی کے لفظ میش سے کیا ہے جو بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام ہے پس اہل لغت کے اس محاورہ کے موافق اہل شرع کو بھی بھیڑ کو دنبہ میں شامل ماننا چاہئے۔

جواب: اہل لغت کی تشریح کے موافق لفظ میش بھیڑ اور دنبہ دونوں کو عام نہیں بلکہ میش صرف دنبہ کو کہتے ہیں۔

فارسی میں لفظ گوسفندی لفظ میش طرح لفظ بز کا مقابل ہے جیسا کہ عربی میں لفظ معز ضان کا مقابل ہے۔قاموس وصراح دونوں سے یہی ثابت ہے۔

البتہ بعض اہل لغت کہتے ہیں کہ فارسی کا لفظ گوسفند لفظ میش کا ہم معنٰی نہیں بلکہ میش وبز (دنبہ و بکری) دونوں کو عام ہے۔ (غیاث اللغات) [2]

پس ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیواں کہ عرب آن راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس آں رابُز گویند، لان لفظ میش عام یطلق علی الضان	اس عبارت سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اہل عرب کے نزدیک جو جانور ضان کہلاتا ہے اہل فارس اس کو میش کہتے ہیں (اور اہل اردو دنبہ کہتے ہیں اور اہل عرب جس کو معز کہتے ہیں اہل فارس اسی کو بز کہتے ہیں، نہ یہ کہ لفظ میش کے اطلاق میں بھیڑ داخل ہے۔

[1] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۴۳۱

وعلی الحیوان المسئول عنه ولو سلم ان لفظ میش فی لغة الفرس بمعنی ذوات الصوف اعم من ان یکون لها الیة اولا لیشتمل الضأن والحیوان المسئول عنه فتفسیر اهل الغة لفظ الضأن بلفظ میش تفسیر بالاعم وهو جائز اذا کان المقصود هو التیمیز عن بعض ماعداه [1]۔وذکره الفاضل اللاهوری فی بحث خواص الاسم۔	**ایک اور جواب:** اور اگر بطور تنزل ہم یہ تسلیم بھی کرلیں کہ اہل لغت کے نزدیک میش کااطلاق اون والے پر ہوتا ہے تب بھی ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس سے ان کی مراد بھیڑ ہے۔اسکے بیان کے لئے ہم کو تھوڑی تفصیل میں جانا ہوگا۔ کسی چیز کی تعریف اس کے مساوی لفظ سے بھی کی جاتی ہے۔جیسے انسان کی تعریف لفظ ناطق سے کی جائے(کہ جن جن افراد پر انسان دلالت کرتا ہے ناطق بنی اس اس پر دلالت کرتا ہے)اور کبھی تعریف کے لئے معرف سے عام لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے السعدانة نبت(کہ سعدانہ ایک مخصوص گھاس کا نام ہے)جبکہ نبت ہر گاس کو کہا جاتا ہے۔اول الذکر تعریف کامل ہے اور ثانی ناقص،الغرض تعریف دونوں ہی ہے۔

اگر معرّف کو بعض امور سے ممتاز کرنا ہے تو عام لفظ سے بھی تعریف جائز ہے [2] (فاضل لاہوری بحث خواص اسم)

وههنا کذٰلك اوالمقصود من تفسیره به تمیزه عن بعض ماعداه کالمعز والبقر،فانهما من ذوات الشعر، ولو قیل ان غرضهم من تفسیر الضأن بلفظ میش ان الضأن ماکان من ذوات الصوف سواء کان له الیة اولا کما ان میش کذٰلك فبعد التسلیم لایصیر حجة علینا لان الحجة علینا تفسیر الفقهاء لاتفسیر اهل اللغة،ووجب علینا اتباع الفقهاء	تو یہاں بھی ضان کا ترجمہ لفظ میش سے کردیا جس کا مفہوم اون والا۔لیکن اس سے اہل لغت کی غرض ضان میں بھیڑ کو شامل کرنے کی نہیں تھی بلکہ دنبہ کو گائے،بھینس اور بکری سے ممتاز کرنا ہے کہ وہ اون والے جانور نہیں،اور دنبہ اون والا جانور ہے۔اور جب ضان کو بھیڑ سے بھی ممتاز کرنا ہوا تو اس کی تعریف چکی والے جانور سے کی۔ **جوب الجواب:** اگر ہماری بات کا یہ جواب دیا جائے کہ اہل لغت کے اطلاق کو یہاں تعریف مساوی سے پھیر کر تعریف عام قرار دینا ایک بے دلیل

[1] کلام لفاضل اللاهوری

[2] کلام لفاضل اللاهوری

لااهل الغة وهم كثير امايخالفون اهل اللغة عمدا كما قال الچلپی علی شرح الوقاية في باب الاضحية قوله الجذع شاة لها ستة اشهر ای فی مذہب الفقهاء، و انما قيدنا ہ بهذا الان عند اهل اللغة الجذع من الشاة ماتمت لها سنة كذا فی النهاية [1] والعينی علی الكنز في باب الاضحية وجاز الجذع من الضاٴن لا غير۔وهو ماتمت له ستة اشهر عند الفقهاء [2] وفي كتاب الزكاة والمعز كالضاٴن ويؤخذ الثنی فی زكاتها لا الجذع وهو ماأتی عليه اكثرها.وهذا التفسير الفقهاء و عند اهل اللغة الجذع ماتمت له سنة.وطعن في الثانية [3]۔	اور ادعائی بات ہے۔اس لئے قابل تقسیم نہیں ظاہر ہے کہ ان کامنشاء ضاں کا ترجمہ پیش کرکے یہی ظاہر کرنا ہے کہ وہی جانور ہے جس کے اون ہوتا ہے چکی ہو یا نہ ہو،اس سے ان کو کوئی غرض نہیں تولغۃ بھیڑ دنبہ میں شامل ہوئی، **جواب:** چلئے اہل لغت کا مطلب وہی ہے جو آپ کہتے ہیں، لیکن ہمارے لئے حجت اہل لغت کی بات نہیں ہے اہل فقہ کی بات ہے جب وہ ضان کے معنی چکتی والا کہتے ہیں تو وہی مانا جائے گا،اور بھیڑ دنبہ میں شامل نہ ہوگی۔ رہ گئی یہ بات کہ اہل فقہ اور اہل لغت کے معانی میں اختلاف ہوتا ہے۔تو اس کی نظیر قربانی کے جانور میں ہی لفظ جذع ہے کہ اہل فقہ چھ ماہ کے بچے کو کہتے ہیں،

اہل لغت ایک سالہ بچہ کو،اور مسئلہ کا حل اہل فقہ کے قول پر ہی دیا جاتا ہے۔چلپی علی شرح الوقایہ، عینی علی الکنز)

واماتفيسر الضاٴن عــــه بماكان من ذوات	**شبہ نمبر۳:** بعض فقہاء نے بھی تو ضان کی تعریف

عــــه:عبدالمجيد هكذا اوالعبارة فی الاصل هكذا الضاٴن ماكان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر [4]۔ قهستانی ۱۲۔عبدالمنان الاعظمی۔	مجیب نے یوں تعبیر کیا ہے حالانکہ اصل کتاب میں یوں ہے، ضان وہ ہے جو اون والا ہو اور معز جو بالوں والا ہو، قہستانی ۱۲ عبدالمنان الاعظمی

[1] ذخیرۃ العقبیٰ حاشیہ شرح الوقایہ کتاب الاضحیہ نولکشور کانپور ۴/ ۵۷۷
[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵
[3] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ السوائم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷۱
[4] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۰۶

الصوف والمعز بما کان ذوات الشعر، کما فعل بعضهم فتفسیر کل واحد منهما تفسیر بالاعم، کما یشعر به من لا المساوی، وغرضهم من هذا التفسیر تمیز کل واحد من الاخر، الاتری ان البقر والجاموس من ذوات الشعر، فلو کان تعریف بالمساوی بطل الطرد، فهکذا تعریف الضان۔	"ماله صوف" (جس کے اون ہو) سے کی ہے۔ جس کے معنی صاف یہی ہوئے کہ بھیڑ بھی اس میں شامل ہے۔ **جواب:** جی ہاں قہستانی نے یہ تعریف کی ہے۔ "الضان ماکان من ذوات الصوف والمعز ماکان ذوات الشعر" لیکن اس کا جواب ہم پہلے ہی دے چکے ہیں کہ یہ تعریف بالاعم ہے۔ بکری اور بیل سے دنبہ کو ممتاز کرنے کے لئے ہے۔ بھیڑ سے ممتاز کرنے کے لئے نہیں (جب اس کی ضرورت ہوئی تو یہ تعریف کیا "ماله الیة" جس کی چکتی ہو، تاکہ بھیڑ نکل جائے)

ہماری اس بات پر قرینہ یہ ہے کہ تعریف میں لفظ من استعمال کیا گیا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں، تو تعریف کی عبارت کا ترجمہ یہ ہوا ضان اون والے جانوروں میں سے بعض ہے اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ بکری کی تعریف میں یہی کہا گیا ہے۔ "ماکان ذوات الشعر" جو بالوں والی ہو۔ تو اگر اس عبارت کا یہ مطلب نہ لیا جائے کہ بکری بال والے جانوروں میں سے بعض ہے تو بیل بھینس وغیرہ بھی بکری میں شامل ہوجائیں گے، پس اس مجبوری سے جب بکری والی تعریف کو بالاعم قرار دیا جائے تو ضان والی تعریف کو بھی تعریف بالاعم قرار دیں (کیونکہ دونوں جملے ساتھ ساتھ ہیں تو دونوں کا حکم یکساں ہونا چاہئے۔

الاٰن نکتب عبارات الکتب الموجودة فانظر فیها حق النظر حتی یتبین لك الحق والحق احق بان یتبع (م) وصح الجذع من الضان (ش) الجذع شاة لها ستة اشهر، والضان بما تکون له الیة (م) والثنی فصاعدا من الثلثة (ش) ای من اشاة اعم من ان یکون ضانا او معزا، ومن البقر، ومن	**حوالے:** اب ہم کتابوں سے حوالے پیش کرتے ہیں جس سے حق واضح اور روشن ہوجائے گا: (۱) ضان کا جذعہ قربانی میں جائز ہے یعنی شش ماہہ بچہ اور ضان چکتی والے جانور کو کہتے ہیں، ثنی اور اس سے بڑی عمر والے جانور تینوں اقسام کے جائز ہیں یعنی شاۃ میں دنبہ ہو یا [۲]بکری اور گائے میں [۳] گائے ہو یا [۴]بھینس اور اونٹ (شرح وقایہ من عینی) (۲) مصنف کے مذکورہ بالا قول میں ان جانوروں کی طرف اشارہ ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں

الابل [1] ۔شرح وقایہ من عینی.قولہ وصح الجذع الی قولہ من الثلثۃ اشارۃ الی بیان الانواع التی لاتجوز الاضحیۃ الابھا،وتصریح بینھا التی لاتجوز فیما دونہ [2] ،چلپی علی شرح الوقایۃ.من عینی.وصح الجذع ذوستۃ اشھر من الضأن ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمییز من بُعد.وصح الثنی فصاعدا من الثلثۃ والثنی ھو ابن خمس من الابل و حولین من البقر والجاموس۔وحول من الشاۃ [3] اھدر مختار من عینی.قولہ من الضأن ہو ماله الیۃ منح. قید بہ لانہ لا یجوز الجذع من المعز وغیرہ بلا خلاف،کما فی المبسوط قھستانی والجذع من البقرا بن سنۃ،ومن الابل ان اربع.بدائع.قولہ من الثلثۃ. ای الاتیۃ وھی الابل۔والبقر .بنوعیہ والشاۃ بنوعیہ [4] رد المحتار من عینی ومن سنن الاسلام التضحیۃ بالانعام التضحیۃ ذبح الاضحیۃ والانعام بالفتح جمع نعم بفتحین	اورایسی عمروں کا بیان ہے جن کے علاوہ قربانی جائز نہیں،(حاشیہ شرح وقایہ چلپی من عینی) (۳) ضان کا اتنابڑا بچہ جو چھ ماہ کا ہو لیکن دور سے دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہوتا ہو(درمختار عینی) ضان جس کے چکتی ہو،یہ چکتی کی قید اس لئے لگائی کہ بکری گائے اور اونٹ کے جذعہ کا استثناء مقصود تھا،بکری کا جذعہ چھ ماہ کا ہوتاہے اور گائے کا سال بھر کا اور اونٹ کا چار سال کا، اور "من الثلاثۃ" کا لفظ جس کا ذکر آگے آرہاہے یہ اونٹ اور بقر ان دونوں نوعوں کے ساتھ اور اسی طرح اپنی دونوں قسموں کے ساتھ،(ردالمحتار من عینی) (۴)اور انعام کی قربانی مسنون ہے،انعام چوپایہ کو کہتے ہیں، اضحیہ کے معنی قربانی ہیں،مطلب یہ ہے کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ،یاسات ماہہ بچہ کی قربانی مسنون ہےاور ایک سالہ بچہ کی بھی،لیکن اس کے لئے کوئی پابندی نہیں ہے۔ضان ہو کہ معز،اور اونٹ اور بقر کا ثنی بھی قربانی کے لئے جائز ہے۔ اونٹ کاثنی پانچ سالہ اور بقر کا دوسالہ اور شاۃ کاایک سالہ۔اور جذعہ کے لئے ضان کی قید اس لئے لگائی کہ بکری چھ ماہہ جائز نہیں،اور ضان چکتی والے جانور کو

[1] شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنو ۴/ ۹۳

[2] ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایہ کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۵۷۴

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲و ۲۳۳

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

وھو ذوات القوائم الاربع یعنی ان من السنة التضحیة بالجذع من الضان، وھو ماتم له ستة اشھر، وقیل سبعة اشھر، وبالثنی فصاعدا من شاة، اعم من ان یکون ضانا او معزا، ومن الابل والبقر مطلقًا، وھو ای الثنی ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقرة وحول من الشاة والمعز۔ والجذع بفتحتی الجیم والدال، وقیدناہ بالضان و ھو ماله الیة۔ لان الجذع من المعز لاتجوز به التضحیة و قولنا مطلقًا اشار الی انه یجوز المذکور والانثی من جمیع ماذکر، وان الجاموس داخل فی البقر ھکذا ذکرہ فی الفروع [1] اھ، ویختار من الشاة الکبش ای الذکر من الغنم فان الانثی منه اعنی النعجة وکذا المعز و ان جازہ لکن الکبش ھوا الاولی [2] انتھی ماردناہ مفاتیح الجنان شرح شرعة الاسلام من عینی، والکبش افضل من النعجة ھی الانثی من الضان قاموس [3] رد المحتار من عینی، قوله الجذع من الضاٴن ھو ذوات الصوف من الغنم التی له الیة، کما فی منح الغفار وغیرہ التعلیق المجد علی مؤطا امام محمد من عینی [4]۔ وعن

کہتے ہیں اوپر کی عبارت میں ایک جگہ مطلقًا کا لفظ آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکر ہو کہ مؤنث، اور بھینس گائے میں داخل ہے۔ اور شاۃ میں افضل مادہ نہیں بلکہ نر ہے۔ دونوں نوعوں کا یہی حکم ہے۔ مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام)
(۵) اور مصنف نے "جامع من الضان" کہا، اور ضان وہ اون والا جانور ہے جس کے چکتی ہو، ایسا ہی منح الغفار وغیرہ میں ہے۔ (تعلیق المجد من عینی)
(۶) اور نر مینڈھا مادہ سے افضل ہے اور یہ ضان کا مؤنث ہے۔ قاموس۔ (ردالمحتار)
(۷) مسنہ ہی ذبح کرو۔ یہ نہ ملے تو ضان کا "جذعہ" اس حدیث کی شرح میں تفصیلات ہیں، ہم مذہب حنفی کے موافق بیان کرتے ہیں، قربانی کے جانور کی تین نوعیں ہیں، اونٹ، بقر، غنم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اور اصحابہ سے ان کے علاوہ قربانی ثابت نہیں، غنم کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ معزر کو فارسی

[1] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۸

[2] مفاتیح الجنان شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن الاضحیۃ مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۲۲۰

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[4] التعلیق المجد علی مؤطا لامام محمد مع المؤطا کتاب الضحایا ومایجز منھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب خانہ کراچی ص ۲۸۰

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تذبحوا الامسنۃ بضم میم وکسر سین ونون مشددۃ، فرمودہ ذبح نہ کنید مگر مسنہ، الاان یعسر علیکم فتذبح جذعۃ من الضان، مگر آنکہ دشوار شود بہم سانیدن مسنہ برشما، پس ذبح کنید جذعہ را از میش جذع بفتح جیم وذال رواہ مسلم شرح ایں حدیث تفصیلے دارد آنرا موافق مذہب حنفی بیان کنیم، ودر شرح موافق مذاہب اربعہ ذکر کردہ شدہ است بدانکہ اضحیہ جائز نیست، مگر از اہل وبقر وغنم، وروایت کردہ نشدہ است ازاں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونہ از اصحاب وے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین جز اصناف ثلثہ از ذبائح وغنم دو صنف معز کہ آنرا بُز گویند، وضان کہ آنرا میش خوانند، وجاموس بسین مہملہ کہ معرب گاؤمیش ست نوع از بقرت وجائز است، از جمیع اں اقسام ثنی انتہی ما اردناہ اشعۃ[1] المعات علی المشکوٰۃ۔	میں بز کہتے ہیں، اور ضاں کو میش اور جاموس گاؤ میش کا معرب ہے یہ گائے کی ہی ایک قسم ہے۔ اور ان سب کا ثنی جائز ہے۔ (اشعۃ اللمعات)
فان قبل قلت فیما سبق الحجۃ علینا تفسیر الفقہاء لا تفسیر اہل اللغۃ، ورأیت الآن ترجمۃ الشیخ لفظ الضان بمیش وھو من اعاظم مقلدی الحنفیۃ وانت نقلتہ ایضا للسند، فلم لاتقول بجواز اضحیۃ الحیوان المسئول عنہ بعد، قلت لاتفرح بترجمۃ الشیخ مثلاً کما فرح العامۃ بہا،	**سوال:** آپ نے اس سے قبل کہا کہ ضان کا ترجمہ میش (بھیڑ) اہل لغت کرتے ہیں، اور اہل فقہ یہ ترجمہ کرتے ہیں تو ہم بھی تسلیم کرلیتے کہ ضان بھیڑ کو شامل ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ صاحب اشعۃ اللمعات توائمہ وحدیث میں سے ہیں، اور انھوں نے بھی وہ اہل لغت والا ترجمہ کیا ہے تو آپ کو کیا عذر ہے۔ **جواب:** شیخ محقق کے اس ترجمہ سے جاہلوں کی طرح خوش

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

وجوزوا التضحیة بالحیوان المسئول عنه فضلو او اضلو نعوذ بالله منها.فان لفظ میش لغة الفرس لالغتنا.فاما حقیقة فیما له الیة ومجاز فی الحیوان المسئول عنه.لکونه من ذوات الصوف مثل مال الیه۔اوبالعکس واما مشترك بینها.فعند تفسیر الضان به کما فسره الشیخ به لا یجوز ان یراد به معالانه یلزم الجمع بین الحقیقة والمجاز.ولو بین معینی مشترك فی اطلاق واحد.وبطلانهما لایخفی علی الکل.مع انه حنیئذ یصیر للغنم لواشاة اصناف ثلثة.المعز وماله الیة ومالا الیة له ویخالف قول الشیخ فیما بعد وغنم دوصف است[1] وقال الشامی والشاة بنوعیة[2]۔وھکذا وان ارید به عموم المجازی ای ماکان من ذوات الصوف فلا یلزم الجمع بالمعنین الا ان التخالف بینه وبین قول الشیخ وغیره المذکورین باق وھو ظاهر.وکاف فی عدم ارادتهم. فاما ان یراد به الحیوان المسئول عنه فقط حقیقة کان اومجازا.فیخرج ماله الیة من باب التضحیة۔و	ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ شیخ کے اس لفظ میش سے دنبہ اور بھیڑ دونوں ہی مراد ہوں گے، یاان میں سے کوئی ایک اور دونوں ہی مراد ہوں گے تو بطور حقیقت مجاز، یااشتراک یا عموم مجاز، تو حقیقت ومجاز، یااشتراک کے طور پر دونوں معانی کاایک ساتھ مراد لینا اصول لسان کے اعتبار سے ناجائز ہے۔اور بطور عموم مجاز دونوں ایک ساتھ مراد لینے پر یہ خرابی لازم آتی ہے کہ قربانی کے کل چھ قسم کے جانور ہوتے ہیں، حالانکہ ہم ثابت کرآئے ہیں کہ پانچ ہی ہیں،اور ایک ہی مراد لیں،اور وہ بھیڑ ہو تو دنبہ چھوٹ جاتا ہے جو بالاتفاق قربانی کا جانور ہے۔ **مزید سوال:** آپ کی یہ ساری تقریر ضان کے معنی دنبہ مراد لینے پر بھی جاری ہوتی ہے،تو یہ مراد لینا بھی ممنوع ہوا۔ **جواب:** جب فقہاء نے چکتی والا کہہ کر اسی جانور کو متعین کردیا تواب ہم کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ معنی مجازی ہیں یا حقیقی یا بطور اشتراک۔ پس ان نصوص فقہیہ کی روشنی میں ہمارا فیصلہ تو یہی ہے کہ بھیڑ کی قربانی ناجائز ہے۔اگر دوسری کسی کتاب میں اس کے جواز کا حکم ہو بھی تو احتیاط اس سے بچنے میں ہی ہے کہ عدم جواز کے یہ دلائل

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

یصیر النوع الخامس،من الانواع الخمسة بها الحیوان المسئول عنه،لاماله الیة و هو خلاف الاجماع اویراد به ماله الیة فقط حقیقة کان او مجاز فیحرم الحیوان المسئول عنه من البین کما هو حقه وهو المطلوب۔واجراء هذا التفصیل بعینه فی لفظ الضان ان کما وقع فی الحدیث والمتون بان یقال لفظ الضان لفظة لغة العرب لالغتنا فاما حقیقة فیما له الیة و مجاز فی الحیوان المسئول عنه الی قولنا وهو المطلوب،فقیل تفسیره بما تکون له الیة یمکن ویحصل الفائدة منه،وهی الاستقرار علی المطلوب واما بعد تفسیره بماله الیة کما فعل الفحول من العلماء،فلا فائدة فیه لانه یعلم من هذا التفسیران مراد الفقهاء بالضان ماله الیه سواء کان معنی حقیقیا او مجازیا فما مطلبنا فی الاجراء وتطویل المسافة فطننت بل علمت من هذه النقول ان التضحیة بالحیوان المسئول عنه لا تجوز۔وقد سمعت تحقیقة بما لا مزید علیه اٰنفا فاقول ما انا علیه،وعلیه التعویل هو عدم جواز التضحیة به،فان اصبت فمن الله تعالٰی،وان اخطأت فمعنی ومن الشیطان وان وجد فی الکتب الاخر المعتمدة علیها	قاہرہ ہم نے ظاہر کردئے۔ اور یہ کہنا کہ بزرگوں سے ایسا ہوتا آیا ہے، یا میش کے معنی بھیڑ ہیں یہ تار عنکبوت سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے یہ فتوٰی صحیح ہو تو اللہ تعالٰی کی طرف سے،اور غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے،واللہ تعالٰی اعلم۔ (نظام الدین مدرس اسلامیہ احمد پور شرقیہ)

الغیر الموجودۃ عندی جوازھا،فح ترک التضحیۃ بہ اولی لان مقتضی الاحتیاط ح ھو عدم الجواز علی ما علم من اصول الفقہ،ھذا بالنواجذ ولا یلتقف الی قول المخالفین القائلین بالجواز فان اقوی دلائلھم "وجدنا علیہ اسلافنا" وتعلم حالہ وما سوی ھذا الدلیل من تفسیر الضان بلفظ میش وما کان من ذوات الصوف،فاوھن من بیت العنکبوت کما مر،ھذا ماظھر لی ولعل عندی غیری احسن من ھذا۔ المجیب نظام الدین مدرس مدرسۃ الاسلامیہ احمد پور شرقیہ۔	

الجواب:

الحمدﷲ الذی خصنا بالاکرام وعمنا بالانعام خلق لنا الانعام،للتقرب والاطعام،وکثیر من الحاج، ثمانیہ ازواج من الضان اثنین،ومن المعز اثنین،آ الصوف حظر،ام الشعر حجر،آ بالاذناب امر،ام علی الالایا قصر،ومن الابل اثنین،ومن البقر اثنین،آ با لبخت جد،ام فی العراب حصر،آ الجاموس رد،ام طائف البقر،آبطول وقصر وصغر وکبرفی عضو او شعر،للنوع غیر،اوبالحصر ضرر،نبؤنی بعلم ان کان لکم خبر،والصلاۃ والسلام علی السید الاعز والہ وصبحہ کل کریم معز۔عدد	اس خدا کی تعریف جس نے ہم کو اکرام کے ساتھ خاص فرمایا اور انعام کے کو ہم پر عام فرمایا،اور حاجیوں کے لئے اور ہمارے لئے چار پائے بنائے کہ کھائیں بھی اور قربانی بھی کریں۔ یہ آٹھ جوڑے ہیں،ضان کے دو اور معز کے دو[۲]،تو کیا اُون والے ممنوع ہیں یا بال والے،یا دم والوں پر روک ہے یا چکتی والوں پر،اور اونٹ کے دو اور گائے کے بھی دو،تو کیا بختی اونٹوں پر انحصار ہے یا اعراب پر،اور بھینس مردود ہے یا گائے کی مختلف اصناف لانبی (لمبی)اور ناٹی،یا کسی عضو یا بال کی چھوٹائی،بڑائی،نوع کو بدلنے والی اور حصر کو قائم کرنیوالی ہے تمھیں علم ہو تو مجھے بتاؤ،اور صلاۃ وسلام ہو

اصواف الضأف واشعار المعز۔ **و بعد** فلا شك ان هذا لحیوان من بهیمة الانعام، ومن الاغنام ومما تجوز التضحیة به باجماع اهل الاسلام مسئلة واضحة جلیلة النبیان غنیة عن البیان، لا تتناطح فیها عنز ان وتد توارث التضحی به المسلمون، وعلماؤهم متظافرون، طبقة فطبقة وجیلا بعد جیل من دون نکیر منکر، ولا مراء عقیل فمن نسبهم جیعا الی الضلال والاضلال فقد عتاوعصی، وشق العصا، یولی ماتولی، ولسوف یری، وقد کان الاعراض عن مثل هذا امثل واحری، فان الامر اذا انتهیٰ الی انکار الواضحات کان السبیل ترك التحاور، فانها هی المقاطیع للحجج الشامخات، والبراهین الغر، فمن یماری فیها فیما ذا یوقن، وبای حدیث بعد ها یؤمن ولکن وجوب اخماد الباطل وارشاد الغافل۔ والرفق بضعفاء المسلمین کیلا یقعوا فی ضلال مبین، و تحسین الظن بالمسلم العاقل، فانه ربما عثر، فاذا ذکر تذکر، واذا بصر ابصر، وانما العاقل من اقر وما اصر فاذاعلم الخبر هجر الهجری وانکرا لمنکر، و ربك غفارلمن استغفر، کل ذٰلك یدعون ان نأتی فی الباب بعدة تنبیهات

تمام معززین کے سردار پر، ان کی آل پر، اصحاب پر جو کریم اور معزز ہیں، بھیڑوں کی اون اور بکریوں کے بال برابر۔ حمد و صلاۃ کے بعد بلا شبہ بھیڑ بکریوں اور انعام میں شمار ہوتی ہے۔ مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے اور اس کی قربانی جائز ہے۔ یہ مسئلہ خود واضح اور بیان سے بے نیاز ہے۔ اس کی قربانی مسلمانوں میں شروع ہی سے متوارث ہے علماء کے تمام گروہ اور مختلف جماعتوں نے اس میں کبھی کوئی اختلاف اور جدال نہیں کیا، تو بلاامتیاز سبھی کو گمراہ او گمراہ گر کہنا سرکشی اور جرم ہے۔ اور امر محبوب سے روگردانی، جس کا انجام آئندہ معلوم ہوگا۔ اس مسئلہ پر خامہ فرسائی سے چشم پوشی ہی بہتر تھی کیونکہ یقینیات جہاں دلائل کے پر جلتے ہیں، جو ایسی باتوں کا انکار کرے پھر کس بات کا اقرار کرے گا اور کس پر ایمان لائے گا، لیکن باطل کو بجھانا اور غافل کو بتانا، کمزور اہل اسلام کو گمراہی سے روکنا، اور یہ خوش گمانی بھی کہ پھسلنے والا سنبھالے سنبھل بھی جاتاہے۔ راہ دکھاؤ تو کوئی کوئی دیکھ بھی لیتاہے۔ اور واقعی عقلمند وہ ہے جو ہر بات پر خواہ مخواہ اصرار نہ کرے، اور حقیقت آشکار ہو تو یاوہ گوئی اور انکار چھوڑ دے تو پروردگار غفور و رحیم ہے۔ ان سب باتوں نے ہمیں چند تنبیہات پر مجبور کیا، سبحان اللہ چمکتے سورج پر کیا حجاب میں تمھیں ہدایت کرتاہوں کہ بیکار امیدوں یا ملال کے چکر، یا طیش

تقرر الصواب وتمیط الحجاب ویا سبحٰن الله هل من حجاب، علی وجه شمس تجلت من سحاب هذا وایاك ثم ایاك ان یلهیك الا مل، اویطغیك الملل، او یستخفك الطیش، فیاخذك العجل۔ قبل ان تجمع الکلمات الاخر بالاول فانی ارید، ان استدرجك من الرفیع الی الرقیع، ومن ذی سم الی اشم حتی اوقفك علی شمس تتضا ء لا دونها الظلم، فعسٰی ان یعتریك وهم وباتیك مایزیح، اوتمسی فی حلم اوستصبح فیما یریح، علی انی قد علمت ان السبیل وعر الی ایضاح الجلیات، وانما الجادة المسلوکة اظهار الخبیات، لکنی اتنزل لك الی وهدة وقعت، ولا اٰلو ان ارفعك الی الحق ما استطعت **فاقول:** وتوفیق بالقریب المجید، علیه توکلت والیه اُنیب،

الاول: قال ربنا عزمن قائل "اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ" الی قوله عزوجل "ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۠ ﴿۳۳﴾"[1]، وقال سبحنه وتعالٰی "وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِؕ"[2]۔ فقد اذا دجل جلاله ان الانعام کلها محل المنسک، وانها التی یتقرب بنحرها وذبحها الی ربنا وربها دون سائر البهائم والحیوانات، قال

کے فوراً ان میں پھنس کر پوری بات دیکھے سنے بغیر جلد بازی نہ کر بیٹھنا، میں تمہیں ادنٰی سے اعلٰی تک آہستہ آہستہ لے کر چل کر سورج کے پاس کھڑا کردوں گا جہاں تاریکیاں کافور ہیں، کیونکہ جہاں وہم پیدا ہوتا ہے اس کا ازالہ بھی ہوتا ہے اور رات کے بھیانک خواب سے صبح کو چھٹکارا بھی مل جاتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ توضیح تر پوشیدہ امور کی ہوتی ہے۔ اور بدیہات کی تفہیم مشکل ہے۔ میں نے حق کی طرف رہنمائی میں کوتاہی نہیں کی ہے۔

تنبیہ اول: اس بات کے بیان میں کہ صرف انعام ہی قربانی کے جانور ہیں: اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: تمہارے لئے حلال کئے گئے انعام سوا ان کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور ہوں بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے ایک اللہ کے ہو کر، پھر اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو، اور جو اللہ کا شریک کرے کہ وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں، یا ہوا اسے کسی دوسری

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰تا۳۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۴

الامام محی السنة البغوی،فی معالمة التنزیل "لیذکروا اسم الله علی مارزقهم من بهیمة الانعام" عند نحرها وذبحها،وسماها بهیمة الانعام،لانها لا تتکلم،وقال بهیمة الانعام لانها لا تتکلم وقال بهیمة الانعام قید بالنعم لان من البهائم مالیس من الانعام،کالخیل والبغال والحمیر،لایجوز ذبحها فی القرابین[1] اھ ولااری مرتابا یرتاب فی ان حیوا ننا ھذا من بهیمة الانعام،بانه اهلی ذات قوائم اربع و ظلف،قال فی المصباح المنیر لغة الفقه،الا نعام ذات الخف،والظلف،وهی الابل،والبقر،والغنم[2] اھ فان کنت فی ریب من ھذا فانبئنا مماذا تراه امن الوحوش ام من السباع،ام من الطیور،ام من الهوام،ام ذوات الحوافر،ام نوع اٰخر مقطوع الدابر،مابه علم ولا عنه مخبر۔	جگہ چھینکتی ہے بات یہ ہے اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے،تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔تمھارے لئے انعام میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک،پھر ان کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک اور ہر امت کے لئے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ اللہ کا نام لیں اس کے دئے ہوئے بے زبان چوپایوں پر،تو تمھارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو۔(سورۂ حج۔پ۱۷) ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ جانوروں میں صرف انعام ہی قربانی اور ہدایا کے لئے مخصوص ہیں،حضرت امام بغوی نے اس مضمون پر تفسیر معالم میں دوسری آیت کے تحت تصریح فرمائی،یعنی ان جانوروں کے ذبح اور نحر کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہو ان جانوروں کو انعام کہنے کی وجہ ان کا نہ بولنا ہے۔انعام کی قید اس لئے لگائی کہ کچھ بہائم ایسے ہیں کہ قربانیوں میں ذبح نہیں کئے جاتے،جیسے گھوڑا،خچر،گدھا ___ اتنا ثابت ہوجانے کے بعد اس کی ضرورت تو نہ تھی کہ ہم بھیڑ کا انعام ہونا بھی ثابت کریں،اور یہ کہ اہلی ہے وحشی نہیں ہے دو کھروالا چوپایہ ہے،مگر ہم شہادتیں فراہم کررہے ہیں:

اَنعام کُھردار جانور اور خف والے،یہ اہل،بقر،غنم ہیں(مصباح المنیر)
اگر اس کے بعد بھی شبہ ہو تو بتاؤ کیا وحشی ہے یا درندہ ہے،کہ پرندہ ہے یا حشرات الارض میں سے ہے،سُم والوں ہے یا کوئی ایسی قسم جس کی نسل ختم ہوگئی ہے۔

---

[1] معالم التنزیل لی ھامش الخازن تحت آیۃ۲۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۸

[2] المصباح المنیر النون مع العین مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۴۔۱۸۳

الثانی[۲]: قال جل ذکرہ "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا" [1] قال الشاہ عبدالقادر الدہلوی رحمہ اللہ تعالٰی فی ترجمۃ الکریمۃ پیدا کئے مواشی میں لدے والے اور دبے [2] وقال فی فوائدہالدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبے بکری اور بھیڑ [3]۔	**تنبیہ دوم**: اس بات کے ثبوت میں کہ بکری انعام میں سے ہے: ارشاد الٰہی ہے "من الانعام حمولۃ وفرشا۔ شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا: "پیدا کئے مواشی میں لدنے والے اور دبے" اور فوائد میں فرمایا: "لدنے والے اونٹ اور بیل، اور دبنے والے بھیڑ اور بکری"۔
الثالث[۳]: اجمع المسلمون واعترف الرجل، ان الغنم من الاضاحی، وقد علم من یفرق بین البھم والبھم، ان ھذا من الغنم قال اللہ عزوجل "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" [4]۔ قال الفاضل رفیع الدین الدھلوی فی ترجمۃ اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی [5]۔	**تنبیہ سوم**: بھیڑ کے قربانی کے جانور ہونے پر اجماع ہے: مفتی سابق نے اعتراض کیا، اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ غنم قربانی کے جانوروں میں سے ہے۔ اور چوپایوں کے درمیان فرق جاننے والے یہ خوب جانتے ہیں کہ بھیڑ غنم میں شامل ہے قرآن عظیم کی آیت "وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ" کا ترجمہ فاضل رفیع الدین دہلوی فرماتے ہیں: "اور گائے سے اور بھیڑ بکری سے حرام کیں ہم نے اوپر ان کے چربیاں ان کی"۔
الرابع[۴]: انما المرجع فی امثال الامور الی علماء اللسان و کما علم کل من یعلم اللسن الثلث ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بکری وذکرہ بکرا،	**ایضاً تنبیہ چہارم**: اس بات کا فیصلہ کہ بھیڑ غنم میں داخل ہے یا نہیں۔ وہی حضرات علماء کرسکتے ہیں جن کو تینوں زبانوں میں مہارت ہو تو ان زبانوں کا عالم یہ خوب جانتا ہے کہ جس جانور کو ہندی میں بکری اور

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۲

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۲ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[5] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۶ امتیاز کمپنی لاہور ص ۶۳۔ ۱۶۲

ھوالذی یسمی بالفارسیۃ بُز، وفی الاطلاق الاعم گوسپند، وبالعربیۃ معزا، وفی الاعم غنما وشاۃ، و ذکرہ تیسا وماعزا، وانثاۃ عنزا۔وما عزۃ، کذٰلك علموا ان الحیوان الذی یسمی بالھندیۃ بھیڑ، وذکرہ مینڈھا، وعند قوم وانثاہ بھیڑ ولقوم بھیڑی ھو الذی یسمی بالفارسیۃ میش، وبالاطلاقین الاخص و الاعم گوسفند، وذکرہ المناطح قوچ، وبالعربیۃ ضانا، وبالاطلاقین شاۃ، وغنما، وذکرہ کبشا وضانا، وانثاہ نعجۃ وضائنۃ، قال اللہ عزوجل "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِؕ"[1] قال فی موضح القراٰن پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو، اور بکری میں سے دو[2]، وفی ترجمۃ الرفیعۃ آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[3]۔ وقال الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی ترجمتھا آفرید ہشت قسم راز گوسفند دو قسم واز بُز دو قسم[4]۔ وقال الفاضل یوسف چلپی فی ذخیرۃ العقبٰی حاشیۃ شرح الوقایۃ،	اس کے نر کو بکرا کہتے ہیں، فارسی میں اسی کو بُز اور عام بول چال میں گوسپند اور عربی میں معز، اور عام بول چال میں غنم وشاۃ کہتے ہیں اس کے مذکر کو "تیس" اور ماعز کہتے ہیں اور مؤنث کو عنز اور ماعزہ کہتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی معروف بات ہے کہ ہندی میں جس جانور کو بھیڑ جس کا مذکر مینڈھا اور بعض کی زبان میں بھیڑا کہتے ہیں، اسی کی مؤنث کو بعض لوگ بھیڑ اور بعض بھیڑی کہتے ہیں، اسی کو فارسی میں میش اور عام بوچال میں گوسفند اس کا مذکر مناطح قوچ کہلاتا ہے یہی عربی میں ضان اور دونوں اطلاقوں میں شاۃ و غنم کہلاتا ہے اس کا مذکر ضان و کبش اور مؤنث کو نعجہ کہا جاتا ہے۔ "ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِؕ" پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑے اور بکری سے دو (از موضح القرآن) آٹھ جوڑے بھیڑوں میں سے اور دو[2] بکری میں سے دو، (شاہ رفیع الدین) آفرید ہشت قسم از گوسفند دو قسم، واز بز دو قسم (شاہ ولی اللہ)۔ ضان، ضائن کی جمع، ماعز کے خلاف۔اور یہ غنم کی ہی دو[2] نوعیں ہیں، پہلے کو فارسی میں میش اور ثانی کو بُز

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۶

[3] ترجمۃ القرآن الرفیع الدین تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ ممتاز کمپنی لاہور ص ۱۶۲

[4] ترجمۃ القرآن (فارسی) لولی اللہ الدہلوی تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مطبع ہاشمی دہلی ص ۱۴۹-۱۴۸

ضانا جمع ضائن خلاف الماعز، وھما نوعان من جنس الغنم، یقال للاول بالفارسی میش وللثانی بُز، والشاۃ اسم جنس یشملھما کالغنم ویقال لھا بالفارسی گوسفند، کذا فی الصحاح، والاسماء [1] اھ باختصار، وقد ترجم فی النفائس بھیڑ ا بالفاسیۃ بمیش نر، وبالعربیۃ بکبش وضان [2] وقال فی تحفۃ المؤمنین بھیڑ بھندی غنم است [3]، ثم قال غنم ضان ست [4] ثم قال ضان بفارسی میش نامند [5]۔ بھیڑا فارسی میں میش نر اور عربی میں ضان ہے (نفائس) وفی المنتخب الرشیدی ضان میش ضائن میش نر [6] وفی الصراح ضائن میش نر، خلاف ماعز، والجمع ضان، خلاف معز اھ [7]۔ فان کان فی مریۃ بعد فلیقم ولیَعُدُ فلیذھب بقطیع منہ الی العرب، والفرس، و لیدر فیھا بلادا وقری وجبالا ومفاوز، ولیسأل کل اھل ناد من حاضر، وباد، ورجل، وامرأۃ

کہتے ہیں اور غنم کے ہی ہم معنٰی لفظ شاۃ ہے جس کا اطلاق دونوں نوعوں پر ہوتا ہے اور اس معنی میں فارسی لفظ گوسفند بولا جاتا ہے اسماء اور صحاح میں ایسا ہی ہے (مختصرا) (ذخیرہ عقبٰی چلپی)

بھیڑ ہندی میں غنم ہے۔اور غنم ضان ہے اور ضان فارسی میں میش ہے (تحفۃ المومنین)

ضان میش، ضان نر۔ (منتخب رشیدی)

ضائن میش نر، خلاف ماعز۔اور اس کی جمع ضان خلاف معز (صراح)۔

ان سب شہادتوں میں ضان اور میش ایک ہی چیز قرار دی گئی ہے اور اسی کو ہندی بھیڑ بتایا گیا ہے اگر اس کے بعد بھی شبہہ ہو کہ یہ دونوں ایک نوع نہیں ہیں، تو بھیڑ کا ایک گلہ لے کر عرب اور فارس کے شہروں اور دیہاتوں میں پھر کر جنگلوں اور پہاڑوں، آبادیوں اور ویرانوں میں گھوم گھوم کر ہر ایک

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] ذخیرۃ العقبٰی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الاموال نولکشور کانپور ۱/ ۱۲۷

[2] النفائس

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] تحفۃ المومنین مع مخزن بن الادویۃ الصاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[6] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[7] الصراح فی الغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

وحر وامۃ، وعالم وجاہل، وسائر و قافل فان اخبرہ العرب جمیعا ان ہذا ضان، غنم، شاۃ، کبش، نعجۃ، وقالت الفرس ایں ست میش، و گوسپند، نرومادہ، فلیصدق بالحق، وان اعربت العرب ان ہذا عصفور، اوکلب عقور اوفیل ماسور، و تفرست الفرس، فقالت خرگور، اوچرغ پرزور اوچغد شبکور، فھو معذور۔

الخامس[5]: ارأیت ان انکر منکر، ان ہذا المھیب الثقیل، ذا الخرطوم الطویل، الذی یقال لہ بالھندیا تھی و گج، لیس ھو الذی یقال لہ بالعربیۃ فیل، وبالفارسیۃ پیل، فھل عندك علیہ من حجۃ ودلیل، الاالرجوع الی اھل اللسن، وابانۃ ان اطباقھم علی امثال ذٰلك من باب التواتر المورث للیقین، کما ان من جحد وضع بمبئی اوکلکتہ، مثلا لھذا البلد المعلوم، فلا دواء لہ الا الانباء بان الناس مطبقون علی ان ھذا البلد بھذا مسمی وبہ موسوم فان عاند وعاد وعاود اللداد، فمالہ من طب الا الا فتصاد۔

السادس[6]: من الظن زعم الحاق الجوامیس بالبقر، وانما عرفت الاضحیۃ علی خلاف القیاس لکونھا تقربا بارقۃ دم،

شہری و دیہاتی، عالم وجاہل سے سوال کرو، تو سارے عرب یہ کہیں یہ ضان ہے غنم ہے۔ شاۃ ہے کبش ہے، نعجہ ہے۔ اور فارسی کہیں یہ میش ہے گوسپند ہے۔ تو حق بات تسلیم کرو، اور اگر عرب اس کو گوریا، کٹکھنا کتا یا ہاتھی یا اہل فارس اس کو گورخر یا چیتا یا الو کہیں تو تم معذور ہوگے۔

تنبیہ پنجم تائید مزید: لمبی اور دراز اسونڈ والے ہاتھی کو کوئی فیل نہ مانے تو اس کے علاوہ کیا سبیل ہے کہ اہل عرب سے یہ کہلا دیا جائے کہ ہمارے یہاں سب لوگ اسے فیل ہی کہتے ہیں، جیسے اگر کوئی بمبئی کا انکار کرے، تو اس کی سبیل بھی یہی ہے کہ اسے بمبئی شہر دکھا کر لوگوں سے کہلادیا جائے کہ سب لوگ اسی کو بمبئی کہتے ہیں:

تنبیہ ششم: بھینس کو گائے کے ساتھ لاحق نہیں کیا گیا: یہ کہنا بھینس کو گائے کے ساتھ ازروئے قیاس لاحق کیا گیا غلط ہے کیونکہ یہ مسئلہ

وازھاق روح فکیف یسوغ الالحاق فیھا، ولو ماغ لکانت المھا والوعول والظبا احق انه تلحق بالبقر و المعز، قال العلامة الاتقانی فی غایة البیان، التضحیة امر مستفاد بالشرع بخلاف القیاس، لان کون اراقة الدم قربة غیر معقول المعنی فاقتصر علی مورد الشرع، ولھذا لم تجز التضحیة بشیئ من الوحش اھ[1] وقال العینی فی رمز الحقائق انھا عرفت بالنص علی خلاف القیاس فیقتصر علیھا[2] اھ۔ وقال العلامة الطوری فی تمکلة البحر الرائق جوازھا عرف بالشرع فی البقر الاھل دون الوحشی والقیاس ممتنع[3]. اھ ومثل ذٰلك فی کثیر من الکتب و انما الشان انھم علموا انھا من نوع البقر فتناولھا النص تناولا اولیا من دون حاجة الی الحاق، بھذا علل کما نص علیه فی الھدایة والخانیة والدر وشرح النقایة للبرجندی، وفی الجامع الرموز عن جامع المضمرات ومجمع الانھر عن المحیط، وفتح الله المعین عن التبیین و البحر الرائق عن الوالوالجیة، والھندیة عن البدائع۔

قیاسی ہے ہی نہیں، اگر قیاس پر مدار ہوتا تو سفید نیل گائے کو گائے کے ساتھ، اور پہاڑی بکری اور ہرن کو بکری کے ساتھ لاحق کرنا بدرجہ اولٰی بہتر ہوتا لیکن ایسا جائز نہیں۔

علامہ اتقانی نے غایۃ البیان میں فرمایا: "قربانی کا مسئلہ بالکلیہ غیر قیاسی ہے کیونکہ خون بہانا کار ثواب ہو، یہ بات غیر معقول ہے۔ اس لئے جن جانوروں کو شرع نے جائز قرار دے دیا ان کے علاوہ مثلاً وحشی جانوروں کی قربانی شرعاً جائز نہیں" علامہ عینی نے رمز الحقائق میں تحریر فرمایا: "قربانی حکم الٰہی سے خلاف قیاس ثابت ہوتی ہے، تو اسی پر اقتصار کیا جائے گا"۔ علامہ طوری تکملہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں تصریح فرماتے ہیں: "قربانی کا جواز شرح مطہر میں انھیں جانوروں میں ثابت ہے جو اہلی ہوں وحشی میں نہیں، اور یہاں قیاس کو باریابی کی اجازت نہیں"

تو حقیقت حال یہ نہیں ہوئی کہ اکمل کو کامل کے ساتھ لاحق کیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ علماء کے نزدیک بھینس کا گائے کی ہی نوع میں ہونا ثابت ہوا تو انھوں نے کہا کہ قرآن کا لفظ بقر

[1] غایة البیان

[2] رمز الحقائق فی شرح کنز الدقائق کتاب الاضحیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۵

[3] تکملہ من البحر الرائق کتاب الاضحیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۷۷

وردالمحتار عنها وعن المُغرَب وان اقترحت جليت لك نقولها،فانى لم اثر فی هذه الرسالة شيئًاالا من الكتب التی منحنی بی فهی عندی فی ملكی ويدی، حتى انهم اخذوا علی لفظة توهم التغاير بينهما كقول الكنز،الجاموس كالبقر كما فی التبيين [1]، و البحر [2] والنهر والشرنبلالية،ومجمع الانهر وابی السعود وغيرها مع انه ان انما هو كقوله ايضا البخت كالعراب بيد ان اول المسئلة كان هناك بلفظ الابل فلم يوهم التشبيه وههنا بلفظ البقرفاوهم،ثم لما ذا استكثر من هذاالفصل وانت الناقل عن رد المحتار قوله البقر بنوعيه [3] اھ،وعن مفاتيح الجنان ان الجاموس داخل فی البقر [4] اھ۔وعن الاشعة جاموس

بھینس کو شامل ہے اس لئے مسئلہ ہذاکے الحاق والے قاعدہ کے سہارے کی بالکل ضرورت نہیں، یہ امور ہدایہ، خانیہ، رمز الحقائق، تکملہ طوری، مستخلص الحقائق، شرح ملا مسکین، طحطاوی علی الدر، شرح نقایہ برجندی، جامع الرموز، جامع المضمرات، مجمع الانہر عن المحیط، فتح اللہ المعین عن التبیین، بحر الرائق۔ والوالجیہ، ہندیہ، عن البدائع، ردالمحتار عن البدائع و عن مغرب منصوص ہیں، ضرورت پر ساری کتابیں پیش کی جاسکتی ہیں، الحمدللہ ساری کتابیں میری ذاتی ہیں، ہاں ان حضرات نے ایک لفظ ایسا ضرور کہا ہے جس سے یہ شبہ ہوگا کہ گائے اور بھینس میں تغایر ہے اور وہ کنز، تبیین، بحر، نہر، شرنبلالیہ، مجمع النہر ابی سعود وغیرہ میں ذکر کیا ہوا لفظ "الجاموس کالبقر" ہے لیکن اس سے دھوکا کھانا غلط ہے، کیونکہ یہ ایسے ہی ہے جیسے علماء اونٹ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں "البخت کالاعراب" بیان مسئلہ میں اونٹ مقسم کی طرح پیش کیا گیا ہے۔اس کے باوجود جب بخت واعراب دو نوع نہ ہوئے تو صرف کاف تشبیہ کی وجہ سے بقر وجاموس دو نوع کیسے ہوں گے، اور خاص کر مجیب صاحب کو

[1] تبيين الحقائق كتاب الاضحية المطبعة الكبرٰی الاميرية بولاق مصر ۶/ ۷

[2] تكمله من البحر الرائق كتاب الاضحية ايچ ايم سعيد كمپنی كراچی ۸/ ۱۷۷

[3] ردالمحتار كتاب الاضحية دار احياء التراث العربی بيروت ۵/ ۲۰۴

[4] مفاتيح الجنان شرح شرعة الاسلام فصل فی سنن الاضحية مكتبہ اسلاميہ كوئٹہ ص ۲۱۸

نوعے از بقر ست [1] فمالی اراك نقل العبارات وتنبؤ عنها كان لم تسمعها، كلا بل تسمع وتفهم ثم تحيل، اما سمعناك نقول انهم يدخلون الجاموس فی البقر، ويقولون انه نوع منه، ثم عدت تعد الا نواع خمسة، وتعجل النوع يقابل جنسه، وبالجملة قد تبيين بطلان تخميس الا نواع، وعد الجاموس نوعا براسه۔ثم لايخفی علی كل ذی حجی مالم يكن اغلظ طبعا من الجواميس، مابين البقروالجاموس من البون البين صورة ومعنی، يبائن الوضع الوضع، و الطبع الطبع، واللحم اللحم، واللبن اللبن، والطعم الطعم، والحمل الحمل، والمزاج المزاج، والاثار الاثار، والافعال الافعال، والخواص الخواص، حتی حكم القياس انها نوعان متباينان، وان الجواميس لا تجوز التضحية بها، وانما الاجزأ حكم الاستحسان قال فی الخلاصة ثم الاتقانی فی شرح الهداية و الحلبی فی تكملة لسان الحكام الجاموس يجوز فی الضحايا	تو یہ شبہہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، کیونکہ انھوں نے خود ہی ردالمحتار کی عبارت "البقر بنوعیه" اور مفاتیح الجنان کا حوالہ "ان الجاموس داخل فی البقر" (بھینس گائے میں شامل ہے)۔اور اشعۃ اللمعات سے "جاموس نوع از بقر" (بھینس گائے کی ایک قسم ہے) نقل کیا ہے حیرت ہوتی ہے کہ اس کے باوجود کس طرح مجیب نے قربانی کے جانور کی پانچ قسمیں کیں، اور بھینس کو الگ ایک نوع قرار دیا پس واضح ہوا کہ پانچ نوع قرار دینا غلط، اور بھیڑ کو چھٹی قرار دے کر اس سے انکار کرنا غلط در غلط ہے۔ ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ گائے اور بھینس میں صورۃ اور معنا بناوٹ، طبیعت، گوشت اور دودھ، مزے اور اعمال وآثار میں تباین ظاہری ہے جس کے پیش نظر عقل کا فیصلہ یہی ہے کہ ان دونوں میں تباین نوعی ہے۔اور بھینس کی قربانی نہ ہونا چاہئے مگر جائز ہے، تو یہ ایک خلاف قیاس حکم ہے۔ خلاصہ اتقانی، حلبی میں: "بھینس کی قربانی استحسانا جائز ہے" فاضل عبدالحیٔ لکھنوی کی شرح مختصر وقایہ میں

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

والهدايا استحسانا [1] اھ.وفی شرح مختصر الوقاية للفاضل عبدالعلی الجاموس كالبقرة لانه نوع منها.فی الروضة هذاالاستحسان و القياس انه لا يجوز [2] اھ وتغاير هما فی العرف ظاهر.ولذا لو حلف لاياكل لحم البقر لم يحنث باكل لحم الجاموس.كما فی زكوٰة الهداية.ولا بعكسه.كما فی ايمان الخانية.وما اذا يعنی مجرد الوفاق فی عدد الاعضاء مع الخلاف فی جمع مامر.فان ذٰلك حاصل فی الخيل والعير ايضامع انهما نوعان متباينان قطعا عرفا وشرعا.بل لك ان تقول لا وفاق فی العدد ايضا.فان لبقر جلدا متدليا من مبدأ حلقه الى منحره.وليس ذٰلك للجاموس.والشعر يعم بدن البقر وليس علی جمع الجاموس الا شذر مزر.فاذا استحسنوا مع كل ذٰلك ان الجواميس ليست الا من نوع البقر.كانت ضئين الهند احق بان تعد من نوع اضؤن العرب.فانهما الا خلف بينهما فی شيئ

ہے" بھینس گائے کی طرح ہے یہ اسی کی ایک نوع ہے" روضہ میں ہے: "اس کی قربانی استحسانا جائز ہے قیاس میں تو جائز نہ ہونا چاہئے۔" عرف کے اعتبار سے گائے اور بھینس کا تغایر ظاہر ہے،اسی لئے اگر کوئی قسم کھائے کہ گائے کا گوشت نہیں کھائے گا، تو بھینس کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا، یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الزکوۃ میں ہے،اور خانیہ میں ہے بھینس کی قسم کھائی تو گائے کا گوشت کھانے سے حانث نہ ہوگا،اور اگر خالی اعضاء کی تعداد میں موافقت کی وجہ سے گائے اور بھینس کے ایک نوع ہونے کا خیال کیا جائے اور تو گھوڑے گدھے میں اس سے زیادہ یکسانیت ہے حالانکہ وہ دونوں عرفا اور شرعا ہر لحاظ سے دو متبائن نوعیں ہیں،اور تم چاہو تو کہہ سکتے ہو کہ گائے اور بھینس میں اعضاء کی تعداد میں بھی موافقت نہیں ہے کیونکہ گائے کی گردن میں فاضل کھال لٹکتی ہے جو بھینس میں نہیں ہوتی،اور گائے کے سم پر گھنا بال پورے بدن پر اگا رہتا ہے اور بھینس کے جنس پر چند قلیل بال ہوتے ہیں پس جب ان سارے اختلافات کے باوجود استحسان میں گائے اور بھینس کے ایک جنس ہوئے تو دنبہ اور بھیڑ کے ایک جنس ہونے میں کیا شبہہ ہو سکتا ہے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الرابع مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۱۴

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۵

مما وصفنا حتی لو ان ضائنین منهما متشابهی اللون، والجثة نظر هما ناظر من قدام لم یکد یمیز بینهما کضائنین کذٰلك من ارض واحدة، نعم الالیة من احدهما عریضة قصیرة ومن الاخری ضئیلة طویلة ومثل هذا الخلف بل اکثر منه کثیرا ما یوجد فی افراد نوع واحد باختلاف الاراضی واختلاف المادة وغیرہ ذٰلک۔

الاترى الى غلظ شفاه الحبش، وصغر عیون الترك فطس انوف الصین، ولبعض من اتراك الوحوش علی عصعصه لحمة زائدة قدر شبر یشبه الذنب والهنة الناتیة بین الشفرین لاتوجد خلقة فی نساء المغرب، وربما یکون لانسان ستة اصابع وذکر الفقهاء ما اذا کان للمرء، یدان فی ید، او رجلان فی رجل اوکفان فی کف، هل یجب غسلها فی الوضوء، کما فی البحر، والنهر، والدر، والهندیة وغیرها، ولقد رأیت لبعض البلاد جمالا جمیلة المنظر، لطاف الجسم، صغار الحجم،

کیونکہ ان میں تو مذکورہ بالا اوصاف میں سے کسی میں اختلاف نہیں، اگر ایک رنگ کے دنبہ اور بھیڑ کو آگے سے دیکھئے تو فیصلہ مشکل ہوگا کہ کون بھیڑ ہے اور کون دنبہ، ہاں صرف یہ بات ہے کہ دنبہ کی دم چوڑی اور چھوٹی ہوتی ہے اور بھیڑ کی دم لمبی اور بالدار ہوتی ہے۔ لیکن یہ کوئی بات نہیں اس سے بڑے بڑے اختلافات ایک نوع کے افراد میں اختلاف آب وہوا کی وجہ سے پائے جاتے ہیں، اور ان کا لحاظ کرکے کوئی اختلاف نوع کا حکم نہیں لگاتا۔

امثلہ (۱): آدمیوں میں حبشیوں کا ہونٹ نہایت موٹا ہوتا ہے، (۲) ترکیوں کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہے (۳) چینیوں کی ناک چپٹی ہوتی ہے (۴) اور بعض وحشی ترکیوں کی دم کی ہڈی پر دم ہی کی طرح ایک بالشت تک لمبا گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے (۵) عام عورتوں کی شرمگاہ میں جو پارہ گوشت اُبھرا ہوا ہوتا ہے مراکشی عورتوں میں خلقۃ نہیں ہوتا (۶) ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ آدمی کے کبھی چھ انگلی ہوجاتی ہے، چنانچہ فقہاء کا جزیہ ہے اگر کسی آدمی کے دو دو ہاتھ ہوں یا دو دو پاؤں یا ایک ہاتھ میں دو ہتھیلیاں تو کیا وضو میں دونوں کا دھونا واجب ہے۔ یہ مسئلہ بحر، نہر، درر اور ہندیہ میں مصرح ہے۔ (۷) میں نے بعض شہروں میں اونٹ دیکھے ہلکے پھلکے، لمبے بال والے، جن کے پُشت پر دو کوہانیں تھیں جن کے بیچ میں ایک

طوال الوبر، لکل منها علی ظهره سنامان رفیعان، بینهما مجلس الراکب یکونان له کعودی الرحل، وقد قال العلامة القزوینی فی عجائب الموجودات، ثم الامام الدمیری فی حیوة الحیوان انه یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدره الیة، وعلی کتفه الیتان، وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة وربما تکبر الیة الضأن حتی تمعنه من المشی، زاد القزوینی فیتخذ لالیتها عجلة توضع علیها وتشد الی صدرها، فیمشی الضان وتجر العجلة والا لیة علیها[1] اھ، فهذه اختلافات فی الاعضاء باصل الوجود و العدم، فضلا عن الصغر، والکبر، والطول والقصر، فهل یجوز لعاقل ان یحکم لذلك باختلاف النوع، وان احد من صنفی الابل ذات کومین و ذات کوم، مثلا لیس من نوع الابل، لاتجوز التضحیة به، ولا تجب الزکوٰة فی سائمته۔	آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی، (۸) امام قزوینی نے عجائب المخلوقات اور دمیری نے حیوۃ الحیوان میں تحریر کیا، ہندوستان کے بعض دنبے آتے ہیں جن کے سینے پر چکتی ہوتی ہے اور دونوں مونڈھوں پر دو چکتی اور رانوں پر دو چکتی اور دم پر ایک چکتی ہوتی ہے جو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ لکڑی کی چھوٹی گاڑی پر وہ چکتی رکھ دی جاتی ہے اور گاڑی دنبہ کے سینہ سے باندھ دی جاتی ہے جسے وہ کھینچتا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا سارے اختلافات جو اعضاء کی کمی بیشی میں واقع ہونے، چہ جائیکہ ان کے بڑے اور چھوٹے ہونے کا اختلاف، تو کیا کوئی عاقل اس کی وجہ سے جانوروں کی نوع میں اختلاف ہونے کی بات کرے گا اور کہے گا کہ یہ دو کوہان والے اونٹ، اونٹ ہی نہیں، نہ ان کی قربانی ہوسکتی ہے نہ یہ سائمہ جانوروں میں شمار ہوں گے نہ ان پر زکوٰۃ ہوگی۔
السابع: اطبق اهل التفسیر والحدیث والفقه و اللغة من العرب والعجم، ان الغنم نوعان، ضان و معز،	**تنبیہ ہفتم توضیح مزید**: عربی و عجمی اہل تفسیر و حدیث، اہل فقہ ولغت اس بات پر متفق ہیں کہ بکری کی دو قسمیں ہیں: ضان اور معز، جس کی

[1] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمۃ (الضان) مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳۴، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات الضان مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

میش وبُز ،وان الضاٗن ومیش خلاف المعز وبُز ،و المعز وبُز خلاف الضاٗن ومیش ،قال العلامۃ الخفاجی فی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیتہ علی تفسیر البیضاوی الضائن خلاف الماعز ،وجمعہ ضاٗن اھ [1]، وقال فی مجمع بحار الانوار ضوائن ذات صوف عجاف ھو جمع ضائنۃ، وھی الشاۃ من الغنم خلاف المعز [2] اھ وقال فی المرقات الضاٗن خلاف المعز من الغنم [3]اھ. وقال العلامۃ مسکین فی شرح الکنز ،الغنم اسم یطلق علی الذکر و الانثی من الضاٗن والمعز والضاٗن خلاف المعز [4] اھ،وقال فی القاموس المعز ھو خلاف الضاٗن من الغنم [5]اھ،وفیہ الضائن خلاف الماعز من الغنم ،جمع ضأن اضئن ضأنك اعزلھا من المعز [6]اھ. وفی مختار الصحاح للعلامۃ الرازی الضائن ضد الماعز و الجمع الضأن والمعز [7]اھ	تعبیر فارسی میں میش اور بز سے کی جاتی ہے اور دونوں میں ایسا اختلاف ہے کہ جو معز ہے ضان نہیں اور جو ضان ہے معز نہیں، حوالے : o ضائن ماعز کے خلاف،اور اس کی جمع ضان ہے(علامہ خفاجی حاشیہ بیضاوی) o ضوائن اون والی ضائنہ کی جمع،یہ بکری کی ایک قسم خلاف ماعز ہے۔(مجمع بحارالانوار) o ضائن معز کے خلاف غنم میں سے۔(مرقات) o غنم اسم جنس ہے۔یہ ضان ومعز مذکر ومؤنث دونوں پر بولا جاتاہے،اور ضان اور معز میں اختلاف ہے۔(شرح کنز علامہ مسکین) o معز ضان کے خلاف ہے۔غنم کی ہی ایک قسم ہے (قاموس) o ضائن، بکریوں میں معز کے خلاف،اور جمع ضائن، محاورہ ہے:اپنے ضانوں کو ماعز سے الگ کرو۔(قاموس) o ضائن ماعز کا ضد ہے۔اور جمع ضان اور معز ہے(مختار الصحاح رازی)

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ علی البیضاوی تحت آیۃ ۸۰/۶ دار صادر بیروت ۵/ ۳۵۹

[2] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الھمزۃ ضائن مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۳/ ۳۸۳

[3] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیۃ الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۶۱

[4] شرح الکنز لمنلا مسکین مع فتح المعین کتاب الاضحیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۱

[5] القاموس المحیط باب الزاء فصل المیم (العز) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

[6] القاموس المحیط باب النون فصل الضاد (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۴۴

[7] مختار الصحاح تحت لفظ ضائن مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۳۷۶

وفیہ المعز من الغنم ضد الضاٰن [1] اھ، وتقدمت اٰنفا عبارات ذخیرۃ العقبٰی والصراح و انت المحتج بقول الغیاث گوسفند بمعنی میش مقابل بُز چنانکہ معز درعربی مقابل ضان ست [2] الخ، وحشیت علیہ بقولك ازیں عبارت صاف معلوم می شود کہ آں حیوان کہ عرب آں راضان گویند فرس آں رامیش گویند، وانچہ عرب آں معز گویند فرس بُز گویند، ونقلت عن الشیخ المحقق قدس سرہ غنم دوصنف ست معزکہ آں رابُز گویند وضان کہ آں رامیش خوانند [3] وایدتہ بقول الشامی الشاۃ بنوعیہ [4] اھ، فکان اجماعا علی ان ماکان من الغنم خارجا عن الضان، ومیش فھو داخل فی المعز وبُزوماکان منھا خارجا عن المعز وبز فھو داخل فی الضان ومیش، وقدبینا ان حیوانا ھذامن الغنم، وان ستربك فیہ فلن یستر بین احد ممن لہ قسط من العقل انہ من بھیمۃ الانعام، ثم لعلك تزھو بنفسك ان تدعی کونہ ابلا اوبقرا فاما

معز بکریوں میں ضان کا ضد ہے۔(مختار الصحاح رازی)

ذخیرہ عقبٰی اور صراح کی عبارتیں اوپر گزریں۔

o گوسفند معنی میں میش کے جو بز کا مقابل ہے جیسا کہ معز عربی میں ضان کا مقابل ہے۔(غیاث اللغات بحوالہ مجیب)

o جس حیوان کو عرب ضان کہتے ہیں فارسی میں میش کہتے ہیں (تقریر مجیب)

o غنم کی دو قسم ہے۔ معز کہ اس کو بز کہتے ہیں، اور ضان کہ اس کو میش کہتے ہیں (شیخ محقق، بحوالہ مجیب)

o بکری اپنی دونوں نوعوں کے ساتھ (شامی بحوالہ مجیب)۔

تو ایک طرح اجماع ہوگیا کہ غنم صرف دونوں میں منحصر ہے، جو غنم معز نہیں وہ ضان ہے۔ اور جو ضان نہیں وہ معز ہے۔ تو لامحالہ بھیڑ کو بھی ضان یا معز کسی میں داخل ماننا پڑے گا، اور اگر کچھ شبہ ہو تو اتنا تو قطعی ہے کہ یہ بہیمۃ الانعام میں داخل ہے۔ اور بہ اتفاق علماء انعام کی صرف چار قسمیں ہیں۔ اس امر کی تصریح امام بغوی نے معالم میں اور

---

[1] مختار الصحاح تحت لفظ (المعز) مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ص ۶۲۷

[2] غیاث اللغات فصل کاف فارسی مع واؤ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۱

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

ان یکون من المعز او من الضان، اذ الانعام منحصرۃ فی الاربع بتصریح العلماء کافۃ کما نص الامام البغوی فی المعالم، والامام الرازی فی المفاتیح والعلامۃ الرومی فی ارشاد العقل والمولی القاری فی المسلک المتقسط، والفاضل طاہر فی مجمع البحار وغیرھم فی غیرھا لکن الاول باطل اذا المعز ذات شعر، وھذا باعترافک ذات صوف والمعز بُز وبکری و ھذا لیس بھا عند احد من الصبیان فضلا عن علماء اللسان فتعین ان یکو ن من الضان فانظر الی حججک کیف کرت علیک بالحجاج. فان الضان ومیش لوکان مختصۃ عند العرب والعجم بمالہ الیۃ وھذا لا الیۃ لہ بزعمک توجب ان یکون خارجا منھا، فوجب ان یکون داخلا فی المعز وبُز، وقد قفیت علی نفسک انہ لیس منھا، فبطل انحصار الغنم فی نوعین، وقد کنت بھجت بہ نقلا واستنادا، و تعویلا واعتمادا ثم بطلانہ یقتضی ببطلان دعوٰک فان مدار التضحیۃ علی النعمیۃ دون خصوص الالیۃ والضانیۃ۔	رازی نے مفاتیح میں رومی نے ارشاد میں ملا علی قاری نے ملسک المتقسط میں اور فاضل طاہر نے مجمع البحار میں کی ہے۔ اور ان کے علاوہ نے دوسری کتابوں میں کی ہے۔ اور آپ اس کو گائے یا اونٹ میں شامل کرنے کی جرات کرہی نہیں سکتے۔ لامحالہ یہ ضان میں ہی شامل ہوگا، معزیا بکری تو ہوگا نہیں کہ اس کے اون ہوتا ہے اور معز کے اون نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کا یہ خود کا اعتراف ہے کہ یہ اون والی ہے، تو دیکھئے آپ ہی کی دلیل نے آپ کا کیسا رد کیا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چکتی مابہ الامتیاز نہیں، ورنہ بھیڑ کو معز میں داخل کرنا ہوگا، اور آپ اس کو دونوں ہی سے خارج کرنے پر تلے ہوئے تھے، اور اسی سے آپ کے دعوی کا رد بھی ہوگیا کہ یہ قربانی کا جانور نہیں۔
الثامن[٨]: کل ماشقق، ورقق، وظن ان قد دقق من کون میش حقیقۃ فی کذا ومجازا فی کذا او مشترکا بینھا الخ انما ھو علی زعم	**تنبیہ ہشتم حقیقت ومجاز والی تدقیق کا جواب:** اس پر مجیب کی اس قسم کی ساری تدقیقات کہ میش ذوات الیہ میں حقیقت ہوگا یا مجاز یا مشترک، سب کا مبنٰی یہ تھا کہ چکتی کو میش کی حقیقت

ان ماله الیه مغایر بالنوع لما لیست له الیة بالمعنی الذی توهم فظن ادخالها جمیعا یؤدی الی التثلیث و لم یدر انه هو الواقع فیه لما بینا ان هذا الحیوان من الانعام قطعا واذ لیس من البدن فمن الغنم فلو کان نوعا مغایر الذوات الالیات لوجب التثلیث۔	میں بنیادی دخل ہے۔اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ بنیاد ہی غلط ہے،تو یہ تدقیقات بھی بے حقیقت ہوگئیں،اور انھیں پر مبنی یہ حکم بھی کہ غنم کی دو ہی قسم نہ رہیں گی، بھیڑ کے بعد اس کی تین قسم بنیں گی۔
التاسع[۹]:احسنت اذ ایقنت ان التفسیر بالاعم انما یجوز حیث یقصد التمییز عن بعض الاغیار ولکن دعواك ان ههنا کذالك فمفسروا الضأن بمیش انما قصدوا المیز عن البعض،کلمة انت قائلها لا برهان لك علیها بل الحجة،ناطقة بخلافها حیث کان المحل لبیان حکم لا یعد والضان کجواز الجزع کما فی عبارة الشیخ المحقق رحمه الله تعالٰی فی اشعة اللمعات[1] وغیرها۔	**تنبیہ نہم ذات الصوف تعریف بالاعم نہیں:** یہ بات بلاشبہ صحیح ہے کہ کبھی کبھی تعریف و تفسیر لفظ اعم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ مجیب نے دعوی کیا ہے۔لیکن یہ بات کہ لفظ ضان کی تفسیر میں میش کا ذکر بھی یونہی ہے۔بے حقیقت بات ہے۔ بلکہ شہادات اس کے خلاف ہے۔کیونکہ یہ تفسیر ایک ایسے حکم کے بیان کے سلسلہ میں ہے جو اضان کے ساتھ خاص ہے جیسے صاحب اشعۃ اللمعات کا یہ کہنا کہ ضان کا چھ ماہہ بچہ بھی جائز ہے۔
العاشر[۱۰]: انما الخطاب بلغة العرب،فمالم یثبت النقل فالاحتجاج باللغة تام قطعا ولا یدفع بالاحتمال بناء علی ان اهل الشرع قد یصطلحون علی معنی اُخر،بذٰلك استدل الامام المحقق علی الاطلاق محمد بن الهمام	**تنبیہ دہم دربارہ لغت فقہاء واوہاء:** نیز یہ بات بھی صحیح نہیں کہ اعتبار فقہاء کی لغت کا ہے نہ کہ ادیبوں کی لغت کا،جب خطاب زبان عرب میں ہے۔تو جب تک منقول ہونے کا ثبوت نہ ہو ضروری ہے کہ لغوی معنی ہی مراد ہوں اس کی تائید ابن ہمام رضی اللہ تعالی عنہ کے اس

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

على تحريم البنت من الزنا، قال فى الفتح لانها بنته لغة والخطاب انما هو باللغة العربية مالم يثبت نقل[1] وتبعه عليه البحر فى البحر، والشامى فى ردالمحتار وغيرهما من العلماء الكبائر، وهذا الذلم يظهر من الوفاق، فكيف وقد ثبتت مواطاتهم عليه كما مر و ياتى بتوفيق الله تعالٰى۔

الحادى عشر: تظافرت كلمات علماء التفسير و الحديث والفقة، واللغة وغيرها على الميز بين الضان والمعز بالصوف والشعر، قال الامام محى السنة البغوى فى معالم التنزيل الضأن النعاج وهى ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[2] اھ مختصرا، وقال الامام الرازى فى تفسير الكبير الضأن ذوات الصوف من الغنم، والمعز ذوات الشعر من الغنم[3] اھ ملخصا وفى المصباح المنير وحيوة الحيوان وغيرهما الضأن ذوات الصوف من الغنم[4] اھ، و

فرمان سے ہوتی ہے کہ "لغۃً زنا سے پیدا ہونے والی لڑکی کو بنت ہی کہا جاتا ہے اس لئے قرآن کے فرمان وبناتکم میں یہ بھی داخل ہوگی، اور زانی کا نکاح ایسی لڑکی سے حرام ہوگا"۔ (امام ابن ہمام، بحر، شامی)

تنبیہ یازدہم تفسیر بالاعم کی حقیقت: یہ امر بھی قابل غور ہے کہ علماء تفسیر وحدیث اور فقہ ولغت کی بڑی تعداد نے ضان اور معز کی تفریق میں صوف اور بال کا لفظ استعمال فرمایا ہے تو تفسیر بالاعم وغیرہ کی تاویل ان کے کلام میں نہیں کرنی چاہیے بلکہ ان قلیل التعداد علماء کے کلام میں جو ایک لفظ خاص "ذات الیۃ" (چکتی والی) سے تعبیر کرتے ہیں، حوالے:

o بغوی معالم التنزیل "ضان ونعجہ، نر ومادہ اون والی بکری کو کہتے ہیں اور بال والی کو معز"۔

o امام رازی تفسیر کبیر: "اون والی بکری ضان ہے اور بال والی معز"۔

o مصباح المنیر وحیوۃ الحیوان "بکری کی اون

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] فتح القدیر کتاب النکاح فصل فی بیان المحرمات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۱۸

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۳/ ۲۱۶

[4] المصباح المنیر الضاد مع الاواو الضان مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

فی شرح النقایۃ، ثم الطحطاوی، و ردالمحتار الضاٰن ماکان من ذوات صوف والمعز من ذوات الشعر[1]۔ وبه فرق بینهما فی البحرالرائق وغنیة ذوی الاحکام، وفتح الله المعین جمیعا عن معراج الدرایة، والیه یشیر حدیث الامام احمد، وابن ماجة، والحاکم، و قال صحیح الاسناد عن زیدبن ارقم رضی الله تعالٰی عنه قال قال اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یارسول الله ماهذا الاضاحی، قال سنة ابیکم ابراهیم علیه الصلٰوۃ والسلام، قالوا فما فیها یارسول الله، قال بکل شعرة حسنة، قالوا فالصوف یا رسول الله قال بکل شعرة من الصوف حسنة[2]،

قال فی المرقات لما کان الشعر، کنایة عن المعز، کنواعن الضاٰن بالصوف[3] الخ، والیه مال النصوص التسعة المذکورة فی التنبیه السابع، عن العنایة و الجمع، والمرقاۃ، وشرح الکنز، وذخیرة العقبٰی و القاموس والصراح، ومختار الصحاح،

والی قسم ضان کہلاتی ہے"۔

طحطاوی شرح نقایہ ردالمحتار: "ضان اون والی اور معز بال والی"۔

o بحرالرائق، غنیہ ذوی الاحکام فتح الله المعین عن معراج الدرایة (ایضا)

o حدیث امام احمد ابن حنبل: ابن ماجہ کا ارشارہ یہی ہے: "زید بن ارقم کہتے ہیں، رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ فرمایا: تمھارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت۔ پوچھا: ہم کو کیا ملے گا؟ فرمایا: اس کے ہر بال کے برابر نیکی۔ لوگوں نے عرض کیا:- اون کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ فرمایا اس کے بھی ہر بال کے برابر نیکی ملے گی"۔

o مرقات میں ہے: "حدیث شریف میں بال سے اشارہ بکری کی طرف تھا۔ تو لوگوں نے صوف کہہ کر ضان کے بارے میں پوچھ لیا"

ساتویں تنبیہ میں عنایہ، مجمع، مرقات، شرح کنز، ذخیرہ عقبٰی، قاموس، صراح، مختار الصحاح،

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] مسنداحمد بن حنبل حدیث زید بن ارقم رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۸، سنن ابن ماجه ابواب الاضاحی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۳

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلٰوۃ باب فی الاضحیة المکتبة حبیبیه کوئٹه ۳/ ۵۷۸

وغیاثك الذی استغثت به من تفسیر الضان بما یخالف المعز وبالعکس اذلو کان الفصل بینهما بشیئ اخص من الصوف لم یکن کل مالیس بضان معز اولا بالعکس بقاء مادة تفارق الصوف من ذٰلك الاخص خارجا منها جمیعا عدم الضاینة لعدم الاخصی وعدم المعزیة لوجود الصوف،فهذه احد واعشرون نصوصا،سبعة اضعاف ما جئت به کلها قاضیة بهذه التفسیر.ولعل ماترکناه اکثر مما سردنا وقد اعترف الرجل وان لم یعرف فسیقضی العیان ان هذا الحیوان من ذوات الصوف فهو من خصوص الضان فضلا عن عموم الغنم اوالانعام و التعریف بالاعم وان جاز عند الاوائل فلیس بجید بالاجماع۔قال المولی المحقق السید الشریف قدس سره الشریف فی شرح المواقف،اعلم ان اشتراط المساواة فی الصدق مماذهب الیه المتاخرون،واما المتقدمون فقالوا الرسم منه تام یمیز عن کل مایغایر منه وناقص یمیز عن بعض،وصرحوا بان المساواة شرط لجودة الرسم کیلا یتناول مالیس من المرسوم ولا یخلو عما هو منه[1] اھ مختصرا،وقال العلامة حسن چلپی فی حاشیة التلویح لاخلاف فی اشتراط المساوات الجودة التعریف[2]۔اھ

غیاث اللغات کی عبارتوں کا مفاد بھی یہی ہے۔کیونکہ ضان اور معز کے علاوہ کوئی اور نوع ہوتی جس کی وجہ امتیاز چکتی ہو تو ضان اور معز میں جنس غنم کا انحصار باطل ہوا جاتا ہے۔ یہ ۲۱ نصوص ہیں اور جو مذکور نہ ہوئے اس سے بہت زیادہ ہیں،سب اس بات کا فیصلہ کررہے ہیں کہ ضان اور معز میں فرق اون سے ہے چکتی سے نہیں،اس طرح مجیب نے لاعلمی میں ہی سہی،یہ اعتراف کرلیا کہ بھیڑ ضائن میں شامل ہے آگے علی الاعلان اعتراف کرنا پڑے گا،عام سے تفسیر ماننے میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ متقدمین نے اسے صرف مباح مانا ہے۔ایسی تعریف عمدہ نہیں ہے۔

میر سید شریف رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواقف میں فرمایا: "متاخرین نے تعریف میں مساوات کی شرط لگائی اور متقدمین نے کہا کہ جو تمام مشارکات سے تمیز دے دے وہ رسم تام ہے۔اور جو بعض سے ممتاز کرے رسم ناقص ہے۔اور تعریف تبھی عمدہ ہے کہ مساوی سے ہو کہ امتیاز کامل حاصل ہو"اور حسن چلپی نے بھی حاشیہ تلویح میں فرمایا: تعریف کی عمدگی کے لئے مساوات شرط ضروری ہے"

---

[1] شرح المواقف المرصدا السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۵،۴

[2] حاشیه التلویح مع التوضیح والتویح المطبعة الخیریة مصر ۱/ ٦٧

فحمل کلامھم علی مالیس بجید لیس بجید۔	تو یہ علماء جس بات کو غیر عمدہ بتادیں، ان کے کلام کو اسی پر حمل کرنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے۔
الثانی عشر ":لو فرضنا التساوی فی الجودۃ فلا یرتاب من لہ عقل ورزق سلیقۃ مافی فھم الکلام، ان الظاھر المتبادر من التعریف انما ھو التساوی ولا یجوز العدول عن الظاھر الا بدلیل، الا تری ان العلامۃ المحقق سعد الدین التفتازانی رحمہ اللہ تعالٰی صرح فی حاشیۃ الکشاف کما نقلہ حسن چلپی فی حواشی التلویح، ان قول الفائق الحمد ھو المدح صریح فی الترادف [1] اھ مع انہ لو القائل فی التلویح ان کتب اللغۃ مشحونۃ بتفسیر الالفاظ بماھوا عم من مفھوما تھما [2] الخ، فلم یمنعہ تصریحہ ھذا عن جعلہ تفسیر الفائق الحمدبالمدح صریحا فی الترادف، وھل ھو الا ؛ لان الظاھر ھو التساوی مالم یدل علی خلافہ دلیل، وبہ یجاب عن بحث چلپی،	**تنبیہ دوازدہم تشریح مزید**: ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ بالفرض یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عام اور مساوی دونوں کے ساتھ تعریف ہم پلہ ہی ہے۔ پھر بھی سخن فہم خوب جانتے ہیں کہ لفظ تعریف سے ذہن کی سبقت تساوی کی طرف ہی ہوتی ہے اور بغیر کسی قرینہ کے متبادر کو چھوڑ کر اعم مراد لینا خلاف نقل وعقل ہے۔ امام تفتازانی نے حاشیہ توضیح میں تصریح فرمائی کہ کتب لغت میں عام کے ساتھ تفسیر عام ہے۔" اس کے باوجود "فائق" کے قول "الحمد ھو المدح" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: "اس کا مطلب یہ ہے کہ حمد اورت مدح دومرادف لفظ ہیں۔" (شرح حاشیہ کشاف بحوالہ چلپی) اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوا کہ احتمال اعم ہونے کے باوجود انھوں نے ظاہر متبادر و مساوی پر کلام "فائق" کو محمول کیا۔
و ھکذا قال المولی السید الشریف (رحمۃ اللہ تعالٰی) فی شرح الکشساف، قولہ الحمد والمدح	ٹھیک اسی طرح میر سید شریف نے بھی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ تعریف اعم بھی جائز ہے۔ شرح کشاف میں "المدح والحمد"

[1] حاشیۃ التلویح مع التوضیح والتلویح بحوالہ شرح الکشاف المطعۃ الخیریۃ مصر ۱/ ۶۷

[2] حاشیۃ التلویح مع التوضیح والتلویح بحوالہ شرح الکشاف المطعۃ الخیریۃ مصر ۱/ ۶۷و۶۸

اخوان [1] ای هما مترادفان ویدل علی ذٰلك انه قال فی الفائق والحمد هو المدح والوصف بالجمیل الخ فقد استدل بتفسیر اللغة علی الترادف مع انه مصوب لجواز التفسیر بالاعم کما سیأتی وبالجملة فجواز شیئ شیئ وجواز الحمل علیه شیئ اٰخر،فقد یجوز شیئ فی نفسه ولا یجوز حمل الکلام علیه لکونه خلاف الظاهر فلا عدول عنه الابدلیل زاهر۔	اخوان فرمایا،اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کا محتمل اور جائز ہونا اور بات ہے۔اور اس کا محمول اور مراد ہونا اور بات ہے۔ پس ثابت ہوا کہ متبادر سے پھرنے اور محتمل پر کلام حمل کرنے کے لئے واضح قرینہ ضروری ہے۔
الثالث عشر [۱۳]: الحق عندی ان التفسیر بالاعم انما یجوز ان جاز حیث وضح المفاد وقامت القرینة علی المراد،والا فلا قطعا لعرق التغلیط،لما فیه ح من التلبیس والتخلیط،وطریقة اهل اللغة معروفة انهم اذا نکروا عرفوا واذا عرفوا نکروا فاذا قیل اُحد جبل وسعدانة نبت،لم یفهم منه الا انه جبل معین ونبت مخصوص،ولئن قال ان اُحدا الجبل وسعدانة النبت لکان مخطئا قطعا،وان کان لم یرتکب الا تفسیرا بالاعم کیف وانه افهم ان احدا یرادف الجبل والسعدانة النبت وهذا ان کان خفیا علی غبی،فلیس یخفی علی ذکی و اذا کان هذا فی اللغة،فما ظنك بالشرعیات	**تنبیہ سیزدہم توضیح مزید:** اور جو سچ پوچھو تو ہمارے نزدیک اعم سے تفسیر اسی وقت جائز ہے جبکہ اس سے مراد خاص ہو۔مثلا اہل لغت کا یہ دستور ہے کہ نکرہ بول کو معرفہ اور معرفہ بول کو نکرہ مراد لیتے ہیں۔اب انھوں نے کہا "اُحُدٌ جبل" و "سَعْدَانَةُ نبت" تو اس کا ترجمہ ہوا "احد ایک خاص پہاڑ ہے، اور "سعدانہ ایک خاص گھاس ہے" تو یہاں تعریف احد میں ایک عام لفظ جبل بول کر بھی مراد خاص پہاڑ ہو،اور محاورہ نکرہ بول کر معرفہ مراد لیا ہو،اس موقع پر کوئی جبل کے بجائے الجبل بولے تو خلاف محاورہ اور غلط ہوگا،حالانکہ اس بیچارے نے معرفہ کی تعریف میں لفظ معرفہ ہی استعمال کیا ہے،لیکن اس عبارت سے کوئی یہ نہ سمجھے گا

[1] حاشیہ علی الکشاف للجرجانی مع الکشاف سورۃ الفاتحۃ الکتاب انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۴۶

حیث المحل لبیان الاحکام الالھیة الخاصة بالشیئ، فان التفیسر بالاعم ثم من ابین الاباطیل من دون اقامة قرینة وایتاء دلیل، الاتری ان من علیه کفارة صوم اذ سأل ماتحریر رقبة،فزعم زاعم انه رفع قید عن شیئ حی،فقد اخطأ وجعل سائله عرضة للخطأ فانه ان قنع بقوله فسیظن انه یجزئ عنه اطلاق انسان،اوطلاق نسوان،اوتسبیب حیوان و لذا تری العلماء المحققین من الفقهاء والمحدثین لم یزالوا یواخذون بترك القیود وبانثلام فی عکس،اوانخرام فی طرد یاخذون علی الحدود،ولقد احسن واجاد المولی المحقق محمد بن عبدالله الغزی فی منح الغفار کما اثر عنه فی ردالمحتار اذ یقول فی بیان شناعة الاطلاق فی محل التقیید، ما نصه	کہ اُحد اور الجبل میں ترادف ہے۔ تو سر اس میں یہی ہے کہ تعبیر اول میں محاورہ عام سے مراد خاص ہے اور ثانی میں خاص سے مراد عام ہے۔ اور محاورے کا یہ فرق ہر صاحب فہم پر واضح ہے۔ تو جب لغت کا یہ حال ہے کہ بولیں عام اور مراد لیں خاص، تو شریعت غرا جس میں خاص شیئ کے احکام مخصوصہ کا بیان ہوتا ہے۔ عام بول کر عام ہی کس طرح مراد لیں گے؟ یہاں بغیر قرینہ کے تفسیر بالاعم غلط اور باطل ہوگی، دلیل تنویری: روزہ کا کفارہ قرآن مجید میں ایک گردن آزاد کرنا آیا ہے۔ اگر اب کوئی شخص لفظ تحریر رقبۃ کے معنی عام (زندہ کی قید دور کرنا) مراد لے تو غلط ہوگا کیونکہ ترجمہ کی بنیاد پر بندھے آدمی کو کھولنا، عورت کو طلاق دینا، اور جانور کو چھوڑ دینا، سبھی مراد ہوسکتے ہیں، تو لازم آئے گا کہ یہ سب چیزیں روزہ کا کفارہ بنیں۔ یہیں سے علمائے محققین فقہاء ومحدثین کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت ومنعیت کا لحاظ کیوں کرتے حالانکہ وہ عام طور سے تعریفات میں قیود احترازی اور جمعیت ومنعیت کا لحاظ کیوں نہیں کرتے، حالانکہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اس کی مراد ایک جامع مانع محدود ہی ہوتا ہے ___ علامہ غزی تمر تاشی سے "شامی" نے نقل کیا کہ: حضرت علامہ نے الفاظ عامہ کو محل تقیید میں بھی عام مراد لینے والوں کے خلاف فرمایا:

فیظن من یقف علی مسائله الاطلاق، فیجری الحکم علی اطلاقه وھو مقید، فیرتکب الخطأ فی کثیر من الاحکام فی الافتاء والقضاء، [1] اھ مثلا فی مانحن فیه ان کان تفسیر الضأن بذات الصوف، وبخلاف المعز و بمیش کل ذٰلك تفیسر بالاعم، فمن وقف علی کلماتھم المتظافرۃ المتکاثرۃ المتوافرۃ فی ذٰلک، فربما یجترح فی تضحیة بذات صوف لیست من الضأن فیأثم بترك الواجب والاصرار علیه سنین متطاولة کما ھو حال عامة المسلمین بالدیار الھندیة عالمھم وجاھلھم عند ھذا الرجل قد حکم علیھم بالضلال والاضلال فما اضلھم ان ضلوا الا الی ھذہ التفاسیر بالاعم، وان کان رجل علق ابانة عرسه بالتضحیة، فضحی بھذا یحکم الواقف علی کلماتھم بوقوع البینونة، وھی لم تبن، فیحرم الحلال او بعدمھا ففعل ذٰلك یحکم بعدم الوقوع، وھی قد بانت فیحلل الحرام الی غیر ذٰلك الشنائع العظام، ما ھجمت تلك الامن تلقاء ذٰلك التفسیر بالعام، فکیف یسوغ ان یحمل کلامھم علی مثل ھذا

"جو مقام تقیید میں لفظ کے اطلاق کا سہارا لے کر احکام عامہ جاری کرے گا وہ بیشمار احکام کے فیصلہ میں قضاء اور افتاء غلطی کرے گا۔"

مثلاً ہم مسئلہ دائرہ میں ہی لے لیں، ضان کہ جنتی تفسیریں ہیں، جیسے اون والی، جو معزنہ ہو، اور میش یہ سب تعریفیں کے الفاظ بالاعم ہیں، اب کوئی اون والی تعریف کے الفاظ پر غور کرکے بھیڑ ذبح کردے، تو اس نے بقول مجیب غلط نہیں کیا،

الابرھان واین البرھان ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔

مگر آپ پڑھ آئے ہیں کہ انھوں نے ایسے تمام لوگوں کو جاہل اور جاہل گر بنایا، یا مثلاً کسی نے اپنی عورت کے طلاق کو قربانی کرنے پر معلق کیا، اور بھیڑ کی قربانی کردی، تو ایک ایسا شخص جو کلمات علماء کے مفہوم و مراد کو سمجھتا ہے۔ بھیڑ کی قربانی کو قربانی قرار دے کر طلاق بائن واقع مانے گا، جبکہ مجیب صاحب عام کو عام رکھتے ہوئے بھی اس کو قربانی کے جانور سے نکال کر طلاق نہ واقع ہونے کا فتوی دیں گے، اب ان دونوں باتوں میں حقیقت امر سے قطع نظر جس کو پہلے صاحب حرام کہہ رہے ہیں، دوسرے صاحب حلال ہونے کا فتوی دے رہے ہیں، تو یہ سارے قبائح اسی تفسیر بالاعم کا شاخسانہ ہیں، تو یہ معلوم ہوا کہ یہ قول ہی غلط ہے

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد فصل فی کیفیة القسمة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

الا ببرهان و این البرهان هاتوا برهانکم ان کنتم صدقین۔

الرابع عشر[٣]:مسألة التحدید ان کانت تؤخذ من جهة التقلید،کما یدل علیه الاستناد بالاهوری، فاجلة ائمة الدین وجهابذة النقاد المحققین مثل الامام فخر الدین الرازی فی شرح الاشارات، والامام صدر الشریعة فی التنقیح،والعلامة القاضی عضد الدین فی المواقف، والقاضی النحریر ناصر الدین البیضاوی فی طوالع الانوار ،والعلامة سعد الدین التفتازانی فی التهذیب، والفاضل قطب الدین الرازی فی شرح الشمسیة، و المحقق شمس الدین محمد بن حمزة الفناری فی فصول البدائع فی اصول الشرائع وغیرهم من الاکابر المصرحین بان المعرف لا بدله من التساوی،فلا یجوز التعریف بالاعم ،ولا بالاخص،احق بالاتباع وان شئت نقلت لك نصوصهم ،ولا یخفی علیك ان المسألة شهیرة دائرة،وفی کتب الکلام و الاصول والمیزان سائرة، فالاستاذ الی اللاهوری کیفما کان من ابعاد النجعة لاسیما وکتابه فی النحو ،ولیست المسألة من مسائل ذا النحو۔

تنبیہ چہاردہم حد کے تقلیدی ہونے کی بحث: تعریف کا مسئلہ اجتہادی نہیں تقلیدی ہے۔ مطلب یہ کہ عام سے اگر تعریف جائز ہے تو بزور قیاس اس کو دور نہیں کرسکتے جیسا کہ مجیب نے اس مسئلہ میں فاضل لاہوری کی سند پکڑی ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ مسئلہ تقلیدی ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا ہوگا کہ تقلیدی کن لوگوں کی کی جائے' اور جن کی تقلید کرتا ہے وہ کیا کہتے ہیں۔ تو امام رازی شرح اشارات میں صدرالشریعہ تنقیح میں، قاضی عضدالدین مواقف میں، قاضی بیضاوی طوالع الانوار میں، تفتازانی تہذیب میں، قطب رازی شرح شمسیہ میں امام فناری اصول بدائع میں، وغیرہ اکابر علمائے اعلام تصریح فرماتے ہیں کہ تعریف کے لئے تساوی ضروری ہے۔ نہ تو معرف عام تعریف میں چلے نہ خاص، تو ان علماء کی بات مانی جائے گی کہ فاضل لاہوری کی، جبکہ ان کی کتاب فحن نحو کی کتاب ہے، اور یہ مسئلہ علم نحو کا نہیں۔

والخامس عشر [۱۵]: الاوائل ان جوزوا التعریف بالاعم وهو الاقرب حیث لا بُعد، کما قدمت فقد جوزوا التعریف بالاخص ایضا، والدلیل الدلیل فان عندهم لیس من شریطة التفسیر الا التمییز عن بعض ما یغایر، وهو حاصل فی الکل بل قد یمکن ان یحصل بالمباین فالقصر قصور، بل لك ان تقول ان من قبل الاعم فهو الاخص اقبل، لانه یمیز المعرف عن کل ماعداه، کما هو ظاهر وقد نص علیه الحسن چلپی فی حواشی المواقف وغیره فی غیرها. قال المحقق الشریف فی شرحها اما المتقدمون فقد جوزوا الرسم بالاعم و الاخص، واید بان المعرف لا بد ان یفید التمیز عن بعض الاغیار، واما عن جمیعها فلیس شرطا له، فالمساواة شرط للمعرف التام دون غیره، حدا کان او رسما [1] اھ وکذلك ایده ایضا فی حواشیه علی شرح المطالع کما نقله چلپی فیها، وقال قدس سره فی حواشیه علی شرح الشمسیة الصواب ان المعتبر فی المعرف تمییزه عن بعض ماعداه، اما عن الکل فلا فالاعم والاخص یصلحان للتعریف [2] اھ.	تنبیہ پانزدہم متقدمین کا مسلک: متقدمین نے جس طرح اعم سے تعریف جائز رکھی (اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، جیسا کہ ہم نے بھی بیان کیا) انھوں نے اخص سے بھی تعریف کو جائز رکھا اور مبائن سے بھی امتیاز ہوجائے تو اس سے بھی تعریف جائز ہوگی، کیونکہ ان کے یہاں جمیع ماعدا سے امتیاز ضروری نہیں، بعض مشترکات سے بھی تمیز حاصل ہوجائے تو تعریف جائز ہے۔ پس لفظ عام کی ہی کوئی خصوصیت نہیں رہی اخص بلکہ مبائن سے بھی تعریف جائز ہوئی۔ بلکہ اخص تو جمیع ماعدا سے ممتاز بھی کردیتا ہے۔ البتہ کچھ فرد کو اپنے سے بھی خارج کردیتا ہے۔ **شہادتیں:** o متقدمین نے اعم اور اخص دونوں سے تعریف جائز رکھی۔ دلیل یہ دی کہ تما مشترکات سے تمیز دینا مقصود نہیں، بعض اغیار سے تمیز مقصود ہوتی ہے۔ البتہ معرف تام کے لئے مساوی ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بات حد و رسم کے لئے عام ہے۔ (حاشیہ شرح مواقف میر سید شریف وشرح مطالع حسن چلپی) o معرف میں بعض ماعدا سے امتیاز مطلوب ہوتا ہے تمام ماعدا سے نہیں، توخاص اور عام دونوں تعریف کی صلاحیت رکھتے ہیں (شرح شمسیہ میر سید شریف)

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۶،۵

[2] لوامع الاسرار حاشیة علی شرح مطالع الانوار

وکذلك صححه المولی العلامة بحرالعلوم قدس سره فی شرح السلم. فقال المتقدمون قالو ان کان الغرض الامتیاز عن کل ماعداه، فلا یجوز الاالمساوی والاخص، ان لم یکن الاعم ذاتیا له۔ وان کان الغرض الامتیاز عن بعض الاغیار، فیجوز بالاعم والاخص والمساوی، واما المباین فان کان یورث الامتیاز فلا حجر فی التعریف به لکنه نادر جدا، ووجه حقیة هذا المذهب ظاهر، فان الحاجة الی جمیع الاقسام المذکورة ثابتة. فاسقاط البعض عن درجة الاعتبار غیر لائق [1] اھ الکل مختصر واذا جاز الامران، فمن این لك ان اطباق المترجمین قاطبة، علی التفسیر بمیش، وتفسیر اکابر العلماء من الفقهاء والمفسرین والمحدثین، واللغویین بذات الصوف، اوبخلاف المعز، وهوالخارج من جادة الجودة، دون تفسیر البعض لصاحبة الالیة، وما یدریك لعل الثلثة الاول هی التفسیر بالمساوی، وهذا تفیسیر بالاخص و لم تکن بیدیك علقة شبهة تدعوك الی ما ادعیت الا الاغترار بهذا الفظ فحسب، وقد شرد عنك وبردلنا ما قدمنا ونذکر بعد ولله الحمد من قبل ومن بعد۔

متقدمین کہا کہ کل ماعدا سے امتیاز مطلوب ہو تو مساوی یا اخص کے سواجبکہ عام اس کا ذاتی نہ ہو، کسی سے بھی تعریف جائز نہیں، اور اگر غرض بعض ماعدا سے امتیاز ہو تو اعم واخص اور مساوی سبھی سے جائز ہے۔ اور مبائن سے امتیاز ہوسکے، تو اس سے بھی تعریف جائز ہے لیکن ایک نادر الوجود بات ہے اور اس مذہب کی حقانیت ظاہر ہے کیونکہ وقت سے ضرورت سارے ہی اقسام کی پڑی ہے۔ تو بعض کو ترجیح دینا اور بعض کو ترک کرنا غلط ہے (شرح سلم بحر العلوم)

تو ثابت ہوا کہ عام کی کوئی تخصیص نہیں خاص وعام دونوں ہی سے تعریف ہوسکتی ہے پس آپ کو یہ حق کب پہنچتا ہے کہ علمائے محققین مفسرین ومحدثین کی ان تینوں تعریفوں کی (میش، اون دار، خلاف ماعز) تو آپ ساقط الاعتبار گردانیں اور بعض حضرات نے "صاحب الیہ" تفسیر کردی تو وہ قابل اعتبار ہوگئی، کیا ایسا ممکن نہیں کہ وہ تینوں تعریفیں مساوی کے ساتھ ہوں، اور چکتی والی تعریف تعریف بالاخص ہو، ہمارے اس نظرئے کے خلاف خوش اعتماد کے سوا اور کوئی دلیل نہیں، تو مسئلہ بالکلیہ ہمارے موافق ہوگیا۔

[1] شرح السلم لبحر العلوم فصل المعرف الشیئ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۱۸

السادس عشر[۱۶]: استشهادك بمن التبيعضية ان تمشيئ، ففى عبارة شرح النقاية دون سائر عبارات التى نقلنا بعضها، ثم لاحجة لك فيها ايضا فان ما فى قوله ما كان من ذوات الصوف[1] للاستغراق والغردية تاتى بالبعضية فمن فى محلها قطعا من دون دلالة على عموم الحد، والمعنى ان الضأن اسم كل فد من ذوات الصوف، كان تقول على ما اشتهر باقتفاء آثار الفلاسفة المبطلة ان الانسان اسم كل من كان من اهل النطق، افيفهم منهم ان الناطق يعم الانسان وغيره وانظر الى عبارة نفسك حيث نزلت عن ادعاء التفسير بالاعم و اتيت على تعبير المساوات بين الضأن و ذات الصوف على قول مخالفک، فقلت لو قيل ان غرضهم من تفسير الضأن بميش ان الضأن ما كان من ذوات الصوف سواء كان له الية اولا، كما ان ميش كذٰلك الخ فاين ذهب عنك ههنا من التبعيضية۔	**تنبیہ شانزدہم تعریف میں من تبیعضیہ کی تحقیق**: صرف شرح نقایہ کی عبارت میں لفظ من آیا ہے، **ماکان من ذوات الصوف** (جو اون دار میں سے ہو) اس کو بعض کے معنی میں لے کر یہ سہارا پکڑنا کہ یہاں مراد تمام صوف والے نہیں بلکہ بعض صوف والے ہیں (یعنی دنبہ) غلط ہے، کیونکہ اس سے قبل ما کان ہے۔ جو استغراق کے لے ہے، تو یہاں مِنْ جو تبعیض کے لئے آتی ہے کلی کے افراد پر فرداً فرداً دلالت کے لئے ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ ضان نام ہے اون والے جانور میں سے ہر ہر فرد کا، تو من کی تبعیض بھی سلامت رہی اور ماکا استغراق بھی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ فلاسفہ نے انسان کی اوندھی سیدھی جو تعریف کی ہے: **الانسان حیوانٌ ناطقٌ**۔ اس کی تعبیر کوئی یوں کرے: **الانسان اسم لکل ماکان من اھل النطق** (انسان ہر اس کا نام ہے جو نطق والوں میں سے ہو) تو کیا اس مثال میں کوئی یہ گمان کر سکتا ہے کہ ناطق انسان سے اعم ہے۔

مجیب اگر خود اپنی عبارت پر غور کرے تو اپنے اس غلط استشہاد سے رجوع کرے کیونکہ جب اس پر یہ اعتراض ہوا کہ علماء نے فارسی میں ضان کو میش کہا، اور یہی چیز اردو میں بھیڑ کہی جاتی ہے لہٰذا بھیڑ ضائن میں داخل ہوئی، تو اس نے کہا اس تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ "**ماکان من ذوات الصوف**

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶

میش سواء کان لہ الیۃ او لا " (جو اون والی ہے میش ہے۔ اس کے چکتی ہو یا نہ ہو)

دیکھئے یہاں بھی من تبعیضہ ہے، لیکن مجیب نے اس چکتی دار اور غیر چکتی دار دونوں میں عام مانا، یہاں مِنْ تبعیضہ کا سہارا لے کر صوف دار کو ضان سے عام نہیں مانا۔

پس معلوم ہوا کہ ان تعریفوں میں مِنْ کا سہارا لینا بھی غلط ہے۔

السابع عشر[۱۷]: استنادك بعموم حد المعز لایغنی عنك شیئا فان عموم قرین لایدل علی عموم صاحبہ، وقد نص العلماء علی ان الاستدلال بالقران فی الذکر من افسد الدلائل، وایضا لیس اسلوب الکلام فیہ کمثلہ فی الضان لعدم ما الافرادیۃ ھنا وکان ھذہ ھی نکتۃ التغییر ان کان القھستانی لایخص الشعر بالمعز، علی انا رأینا العلماء یخصون، قال العلامۃ علی القاری فی المرقاۃ تحت حدیث زید المذکور رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الشعر مختص بالمعز، کما ان الوبر مختص بالابل، قال تعالٰی

"وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ۝۸۰"

و لکن قد یتوسع بالشعر فیعم[1] اھ، وسیأتیك من کلام المفسرین مایمیل الیہ میلا ظاھرا، مع ان الکلام ھھنا فی الغنم فغیرہ خارج عن المقسم، فلم یکن فی شیئ

تنبیہ ہفدہم قرآن فی اللفظ کی بحث: (علماء نے ضان کی تعریف میں ماکان من ذوات الصوف کہا (جس کے اون ہو) اور معز کی تعریف میں ماکان ذوات الشعر (جو بال والا ہو) کہا: اس سے ان لوگوں کی تائید ہوتی تھی جو بھیڑ کو ضان میں داخل مانتے ہیں کہ علماء نے ضانیت کا مدار اون پر رکھا چکتی پر نہیں)۔

اس کا جواب مجیب نے یہ دیا تھا کہ یہ توجب ہو جب ہم یہ تسلم کرلیں کہ "مَالَہ صُوْف" کا لفظ ضان کے مساوی ہے۔ حالانکہ یہ لفظ یہاں بھی ضان سے اعم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اسی کے ساتھ مالہ شعر کہہ کے بکری کی تعریف کی گئی ہے۔ تو اگر اس تعریف میں بھی مدار بال پر رکھا جائے تو گائے اور بھینس بھی جو بالدار ہیں، بکری بھی شامل ہو جاتے ہیں، اس لئے حقیقت یہی ہے کہ اس مقام پر علماء نے ضان اور معز دوونوں ہی کی تعریفیں لفظ عام سے فرمائی ہیں۔

مجیب کی یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ اس جواب کا مدار اس قاعدے پر ہے کہ "جو دو[۲] جملے لفظ میں

---

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب فی الاضحیہ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

من التعریف بالاعم۔	ساتھ ساتھ ہوں ان دونوں کا حکم بھی ایک ہی ہوتا ہے" جبھی تو مجیب یہ کہہ رہا ہے کہ معز کی تعریف "مَالَہ شَعْر" میں شعر عام ہے۔ تو"مالہ صوف" میں صوف عام ہونا چاہئے،حالانکہ یہ استدلال ہی سرے سے فاسد اور غلط ہے۔

(الف) علماء اسلام کا فیصلہ ہے کہ "**قران فی اللفظ قراٰن فی الحکم**" لفظ میں ساتھ ہونا محکم میں ساتھ ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔اس لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ "**مَالَہ شَعْر**" عام ہو تو "**مَالَہ صَوْف**" بھی عام ہو۔

(ب) شاید اسی لئے قہستانی نے ضان کی تعریف میں "**مَاکَانَ مِنْ ذَوَاتِ الصُّوْفِ**" لفظ ماکان کے ساتھ،اور معز کی تعریف میں صرف "**من ذوات الصوف**" لفظ ماکان کے بغیر کہا،یعنی یہ اسلوب بدلنا اسی لئے ہوا کہ ایک جگہ عام اور ایک جگہ مساوی مراد ہو۔

(ج) معز کی تعریف میں لفظ شعر، معز کے مساوی ہے۔یہ خیال غلط ہے کہ عام ہے۔ملا علی قاری وغیرہ علماء کے نزدیک بکری کے بال کو ہی شرع کہا جاتا ہے،اس لئے بھینس اور گائے کے شمول کا کوئی سوال نہیں۔

"بیشک بال بکری کے ساتھ خاص ہے، جیسا وبر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں "**مِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا**[1]"فرمایا کہ صوف ضان کے لئے،وبر اونٹ کے لئے،اور شعر بکری کے لئے،البتہ محاورہ میں مجازا دوسرے بال کے لئے بھی شعر کا اطلاق ہوجاتا ہے"۔(ملا علی قاری مرقات زید حدیث زید)

(د) گائے، بیل اور بھینس سے اعتراض بیکار ہے کہ وہ یہاں مقسم میں شامل ہی نہیں،کلام تو غنم میں ہے کہ غنم کی دو قسمیں ہیں مالہ صوف ومالہ شعر،تو لفظ مساوی مان کر بھی حصہ کامل ہوگیا۔

الثامن عشر[۱۸]:کلا بل لا مساغ ھٰھنا لادعاء العموم، فان العلماء صرحوا ان الصوف مختص بالضان،قال العلامۃ کمال الدین الدمیری	**تنبیہ ہیژدہم لفظ ضان اور صوف کی تحقیق:** ضان کی تعریف مَالَہ،صَوْفٌ میں لفظ صوف ضان سے اعم ہو ہی نہیں سکتا اور یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں کہ تعریف بالاعم ہے۔

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۵۷۸

فی حیوة الحیوان لیس الصوف الا للضان [1] اھ وقال الامام الرازی فی مفاتیح الغیب تحت الاٰیة المتلوة اٰنفا قال المفسرون واھل اللغة الاصواف للضان، والاوبار للابل۔والاشعار للمعز [2] اھ، وقال القاضی فی انوار التنزیل الصوف للضائنة، و الوبر للابل والشعر للمعز [3] اھ قال العلامة المفتی ابو السعود فی ارشاد العقل الضمائر للانعام علی وجه التنویع ای وجعل لکم من اصواف الضان والاوبار الابل،واشعار المعز اثاثا [4] الخ وقال محی السنة فی المعالم یعنی اصواف الضان،واوبار الابل،واشعار المعز [5] اھ،فلو وجد الصوف لشیئ من الانعام سوی الضان،والکنایة الالھیة انما ھی للانعام ،ما ساغ لھم الحکم علی کلام اللہ عزوجل بخصوص العنایة مع عموم الکنایة ،وقد اسمعناك کلام المرقاة مفرقا	کیونکہ علماء نے تصریح کی ہے کہ صوف ضان کے بال ہی کو کہتے ہیں، o صوف صرف ضان کے بال کو کہتے ہیں (حیوۃ الحیوان دمیری) o اہل تفسیر ولغت فرماتے ہیں کہ صوف ضان کا بال،وبر اونٹ کا بال اور شعر معز کے بال کے لئے خاص ہے۔(مفاتیح الغیب للرازی) o صوف ضائنہ کے لئے،اور دبر اونٹ کے لئے اور شعر معز کے لئے (قاضی بیضاوی) o ضمائر الانعام کے لئے ہیں،اور اس کے ہر نوع پر تقسیم بھی ہے یعنی تمھارے لئے ضان کے صوف اونٹ کے وَبر اور معز کے بال بنائے،(ارشاد العقل المفتی ابوالسعود) o یعنی ضان کے صوف،اونٹ کے وبر اور معز کے بال (تفسیر خازن) کلام الٰہی میں ان تینوں ضمیروں کا مرجع جو تینوں بالوں کے ساتھ ہیں لفظ انعام ہے تو اگر فی نفسہ انعام میں سے کسی اور جانور کا بال بھی صوف کہلاتا، تو مفسرین کو ہر گز یہ جرات نہ ہوتی

---

[1] حیوۃ الحیوان باب الغین المعجمة تحت الغنم مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۰/ ۹۲

[3] انوار التنزیل (تفیسر البیضاوی) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر نصف اول ص ۲۷۷

[4] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۳

[5] معالم التنزیل علی ہامش (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۱۶/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۷

فی موضعین، فاجمعة فانه یدلك بفحواه علی ان الصوف مختص بالضأن، وہو المستفاد من تفاسیر اللغة، وبالجملة من عرب لسان العرب لم یعرب عنه ان الصوف لیس الا للضأن، فاما ان یعم افراده کما ھوا لواقع فمساو او لا فاخص وعلی کل فلا تکون ذات الصوف الا من الضأن، وقد اعترفت ان حیوا ننا ھذا من ذوات الصوف فوجب ان یکون من الضأن وفیه المطلوب باتم شان۔

التاسع عشر[19]: کان من قولی فیما سلف مایدریك لعل الثلثة الاول ھی التفسیر بالمساوی ھذا بالاخص والاٰن اقول قابضا للعنان بعد ما ارخیت مالی ترجیت وقد قضیت، اما تفطنت بما فی السابع والحادی عشر القیت، ان لو قصرت الضانیة علی شیئ اخص من الصوف بطل حصر الغنم فی نوعین فوجب ان یکون التفسیر بالمساوی، والتعریف بذات الالیة التعریف بالاخص علی ما توھمت من معناھا و النظر حقیقة لم تبع مرماھا۔

العشرون[20]: ھل لك اجالة نظر فی کلمات الائمة الکرام، فانھم یتکلمون

کہ اللہ تعالٰی نے کس عام فرمایا، یہ خاص کریں صاحب مرقات کے متفرق کلام جو ہم نے دو[2] جگہ لکھا، ملاؤں تو ان کا فرمان بھی یہی ہے کہ صوف صرف ضان کے لئے ہے پس ایسی صورت میں صوف کو اگر دونوں (بھیڑ اور دنبہ) کے لئے عام مانا جائے تو مساوی کے ساتھ تعریف ہوئی ورنہ اخص کے ساتھ اعم کے ساتھ تعریف کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

تو ثابت ہوا کہ ضان صوف والا ہے۔ اور ہمارا یہ جانور بھی صوف والا ہے۔ لہٰذا اب بات واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ بھیڑ بھی ضان ہی ہے،

تنبیہ نوزدہم تعریف بالاعم اور تعریف بالاخص: میں نے پہلے کہا تھا، ہوسکتا ہے کہ ضان کی پہلی تعریف لفظ مساوی سے ہو اور "الیة" چکتی والی تعریف اخص کے ساتھ ہو، اب میں قطعیت کے ساتھ اسی بات کو دہراتا ہوں کیونکہ میں بتاچکا ہوں کہ اعم مانتے ہیں "غنم" کا حصر اس کی دونوعوں میں ختم ہوجائے گا، اور بھیڑ تیسری قسم ہوجائے گی۔

تنبیہ بستم ائمہ وعلماء کے فتاوے: یہ لطیفہ بھی قابل ملاحظہ ہے دنبہ جس کے چکتی ہوتی ہے اگر کسی کے خلقۃ

فیما اذا خلقت شاۃ بلا الیۃ ہل تجوز التضحیۃ بہا، فمذہب امامنا الاعظم والہمام الاقدم سراج الامۃ کاشف الغمۃ امام الائمۃ ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم ان نعم، وہو الاصح عند الائمۃ الشافعیۃ رحمہم اللہ تعالٰی وقال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لاتجوز التضحیۃ بشاۃ کذا وانا اسمعک اولا کلمات العلماء قال الامام الاجل فقیہ النفس فخر الدین الاوزجندی فی الخانیۃ، الشاۃ اذا لم یکن لہا اذاولا ذنب خلقۃ تجوز، قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی لا یکون ہذا ولو کان لایجوز، وذکر فی الاصل عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ یجوز[1] اھ ثم قال وان کان لہا الیۃ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز اما علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی فظاہر لان عندہ لو لم یکن لہا اذن ولا الیۃ اصلا جاز، فصغیرۃ الاذنین اولی، واما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالٰی صغیرۃ الاذنین جائزۃ، وان لم تکن لہا الیۃ والاذن خلقۃ لاتجوز[2] اھ وفی الاجناس ثم الخلاصۃ ثم الہندیۃ وعن

چکتی ہو ہی نہیں، اس کی قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ امام اعظم ہمام اقدم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ایسے دنبہ کی قربانی جائز ہے" امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: "یہی صحیح ہے" امام محمد بن حسن فرماتے ہیں: "ایسے کی قربانی صحیح نہیں ہے"۔

بکری کا کان اور دم پیدائشی طور پر غائب ہو تو قربانی جائز ہے یا نہیں؟

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں۔:۔ "ناجائز ہے۔"

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت ہے-: "جائز ہے۔" (فقیہ النفس امام قاضی خان)

اگر دنبہ کی چکتی دم ہی کی طرح خلقۃ چھوٹی ہو؟ "امام اعظم جب بے کان اور دم کی جائز قرار دیتے ہیں تو چھوٹے کان میں کیا رکھا ہے۔ یہ بھی جائز ہوگی"

"امام محمد کے یہاں صرف صغیر الاذن کی جائز ہے، خلقی کان چکتی نہ ہو تو جائز نہیں" (قاضی خاں الامام فقیہ النفس)

"اجناس میں ہے کہ اگر دنبہ کی چکتی کان کی طرح چھوٹی ہو قربانی جائز ہے۔ اور اگر مطلقًا ہو ہی نہیں تو امام کے یہاں ناجائز ہے" (اجناس، خلاصہ، عالمگیری، اخیرین میں میں نے خود دیکھا عبارت

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الاضحیۃ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

الاخیرین، نقلت واللفظ للوسطی، فی الاجناس ان کانت للشاۃ الیۃ صغیرۃ خلقت شبہ الاذن تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقت کذٰلك قال محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی لا تجوز [1] اھ وفی وجیز الامام الکردری التی لا الیۃ صغیرۃ تشبہ الذنب تجوز، وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ فکذٰلك وقال محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی لا تجوز [2] اھ، وفی خزانۃ المفتین لا تجوز السکار وھی التی لا اذن لھا خلقۃ، کما لا ذنب لھا خلقۃ او لا الیۃ لھا خلقۃ [3] اھ فی الانوار للامام یوسف الاردبیلی الشافعی تجزئ، التی خلقت بلا ضرع او الیۃ اوقرن [4] اھ وفی حیوۃ الحیوان للکمال الدمیری الشافعی تجزئ الشاۃ التی خلقت بلا ضرع او بلا الیۃ علی الاصح [5] اھ فظھر باتفاق القولین ان الالیۃ لیست من ارکان حقیقۃ الضأن بحیث ان لو عدمت لم تکن ضأنا، اما علی قول الامام الاعظم فظاھر فانہ یجیز التضحیۃ لھا وان لم تکن لھا الیۃ خلقۃ اصلا، واما علی قول محمد

خلاصہ کی ہے)

"وہ دنبہ کی اس کی چکنی چھوٹی دم کے مشابہ ہو یا ہو ہی نہیں اس کی قربانی جائز ہے، امام محمد کے یہاں ناجائز ہے۔" (وجیز امام کردری)

"سکار جس کے خلقۃً کان نہ ہو اس کی قربانی جائز نہیں، ایسے ہی جس کی دم یا چکتی نہ ہو" (خزانۃ المفتین)

"جس کے خلقۃً تھن یا چکتی نہ ہو اس کی قبانی جائز ہے" (امام ابویوسف اردبیلی شافعی)

"جو پیدائشی طور پر بے تھن اور چکتی کا جانور ہو صحیح یہی ہے کہ اس کی قربانی جائز ہے" (حیوۃ الحیوان دمیری)

ان دونوں فتووں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چکتی ضان کی حقیقت کا جز نہیں کہ یہ نہ ہو تو جانور ضائن کے بجائے کچھ اور ہوجائے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر تو یہ امر بالکل واضح ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر بھی، کیونکہ بے چکتی شاۃ کی بات کررہا ہے اگر چکتی حقیقت کی جز ہو تو انکی عبارت "لاالیۃ لہ" کے معنی یہ ہوجائیں گے اگر بکری بکری ہی نہ ہو تو اس کی قربانی ناجائز ہے: اور ایسی ردی عبارت

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاضحیۃ الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۲۱، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

[2] فتاوی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیہ کتاب الاضحیہ الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۹۳

[3] خزانۃ المفتین کتاب الاضحیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[4] الانوار الاعمال الابرار

[5] حیاۃ الحیوان باب الشین المعجمہ (الشاۃ) مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹۲

رحمة الله تعالٰى فلا نه يتكلم على شاة لاالية لها، فلو كانت الالية ركن حقيقتها لكان معنى قوله ان لو لم تكن الشاة شاه لم تجز الا ضحية بها، وهذا قول غسل رذل اشبه شيئ بالهزل لايجوز صدوره عن عاقل فضلا عن امام مجتهد كامل۔ فانظر الاٰن الى دندنتك اين مدت عنك فى غاية ام قفار بل اجتثت من فوق الارض مالها من قرار والحمد لله على توالى اٰلائه كقطر المطر وامواج البحار۔	تو کوئی عام عربی بھی نہیں بول سکتا، چہ جائیکہ امام للغۃ والفقہ امام محرر المذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ۔
الحادی والعشرون[21]: ياهذا اصنع واتبع ان اطعتنى ذهبت بك الى حيث يلمع الحق من دون حجاب و يزيل عنك كل تحير واضطراب، حقيقة الامر ان الاطراف فى الحيوان تجرى مجرى الاوصاف كما نصوا عليه قاطبة ولذا لايقابلها شيئ من الثمن، حتى انه اذا اشترى جارية فاعورت فى يد البائع قبل التسليم لاينتقص شيئ من الثمن، وكذلك اذا اشترى جارية فاعورت فى يد المشترى، ثم اراد ان يبيعها مرابحة كان له ذلك من دون حاجة الى البيان كما فى الهداية وشروحها، كفتح القدير و غاية البيان وغيرهما وان سالت سردت لك نصوصها واوصاف الشيئ	**تنبیہ بست ویکم حیوان کے اعضاء کا حکم:** میری مانو تو میں تم کو نور حق کے سامنے کھڑا کروں گا، جہاں کوئی حجاب نہ ہوگا، اور ہر قسم کے خطرات دور ہوجائیں گے۔ واقعہ ہے کہ جانوروں کے اعضاء وجوارح اوصاف کے مرتبہ میں ہوتے ہیں جس کے مقابلہ میں دام کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس پر سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔ " کسی نے ایک باندی خریدی، ابھی بائع کے ہی پاس تھی کہ بھینگی ہوگئی، دام میں سے کچھ کم نہ ہوگا، یونہی کسی نے باندی خریدی، وہ مشتری کے قبضہ میں اگر بھینگی ہوگئی اور مشتری کسی دوسرے کے ہاتھ اس کو منافع پر (مرابحۃً) بیچنا چاہتا ہے تو اسے بتانے کی ضرورت نہیں

لا تدخل فی سنخ قوامه، وقد افادوا کما علمت انها کالاعراض المفارقة لا انتفاء للحقیقة بانتفائها، فانعدام الالیة رأسا لایخرج الضأن عن الضانیة، کما لو خلق انسان بلاید لا یخرج عن الانسانیة، وانما مدار التعریف ههنا ان ہذا الوصف لایوجد الا فی هذه الحقیقة ینتقل الیها الذهن منه بهذه الوجه لا انها لا توجد الابه، فمعنی قول القائل الضأن ماهو الیة النوع الذی تتحقق فیه الا لیة الا انه لایکون ضانا مالم تکن له الیة، اتقن هذا فقد جلیت لك جلیة الحال بغیر مریة۔	کہ یہ میرے یہاں آکر عیبی ہوگئی ہے۔" میں اس موضوع پر کثیر نصوص پیش کرسکتا ہوں کہ اطراف حیوان کا حکم اوصاف کا ہے۔اور اوصاف کسی شے کی حقیقت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ علماء نے بیان فرمایا ہے۔اور آپ بھی جانتے ہوں گے یہ ان اعراض مفارقہ کی طرح ہیں جن کے انتفاء سے حقیقت منتفی نہیں ہوتی، تو ضان بھی چکتی نہ ہونے کی صورت میں ضان سے نہیں نکل سکتا، جیسے وہ آدمی آدمی ہی رہتا ہے جس کے پیدائشی ہاتھ نہ ہو، اس وصف کے ساتھ تعریف کرنے کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ وصف اس حقیقت میں پایا جاتا ہے تو اس وصف سے ذہن صرف اس حقیقت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت اس وصف کے بغیر پائی نہیں جاتی

تو "ماتکون له الیة" کا مطلب یہ ہوا کہ ضان جانور کی وہ قسم ہے کہ اس میں چکتی ہوتی ہے یہ مطلب نہیں کہ بے چکتی کا ضان ہوگا ہی نہیں۔

الثانی والعشرون[۲۲]: هذا ما سایرناك فیه، وانت تزعم ان الالیة هی الضخمة الکبیرة العریضة السمینة المحتویة علی لحم کثیر وشحم غزیر، المعروفة فی لسان الهند بچکتی، وهو زعم باطل لادلیل علیه، و انما الالیة طرف الشاة لا یشترط فیها کبر ولا صغر و لاطول ولا قصر، قال فی مجمع البحار نقلا عن نهایة ابن الاثیر	**تنبیہ بست ودوم چکتی کی بحث**: اب تھوڑی دیر چکتی پر بحث ہوجائے، آپ سوچتے ہوں گے کہ "الیة" (چکتی) جبھی ہوگی جب اس پر خوب گوشت، چربی، اور وہ خوب چوڑی ہو، جس کو ہندی میں چکتی کہتے ہیں، تو یہ ایک زعم باطل اور بلادلیل ہے۔ "الیه" بکری کی دم کو کہتے ہیں، اس میں چھوٹے اور بڑے، لانبے اور ناٹے ہونے کی شرط نہیں، حوالے ملاحظہ ہوں، "الیات" الیة کی جمع، بکری کی دم کو کہتے

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[1] اھ وفسرھا فی القاموس بمارکب العجز من شحم ولحم[2] اھ وقد شرحنا عن ذا لعضو لھذا الحیوان الذی نتحاورفیہ فوجدناہ یحتوی علی لحم وشحم فتم معنی الالیۃ۔وقدمناہ کلمات العلماء الکرام ان الالیۃ ان کانت صغیرۃ تشبہ الذنب جازت الاضحیۃ وھذہ الایا الشاۃ التی توجد فی بلادنا، فجزئیتھا منصوص علیھا فی الکتب المذہبۃ،وظھر انھا یصدق علیھا ما لھا الیۃ،وان ابیت الا اللجاج فابرز لنا ماعندك فی الحجاج وأبِنْ ماحد الیۃ ورسمھا،وعلی ای حدیجب ان یکون حجمھا بحیث لو صغرت عنہ لم تکن الیۃ وبین الالیۃ التی تشبہ الذنب خلقۃ،وکیف تکون ھذہ فی ہیأتھا،وکمك تکون فی بسطتھا واثبت کل ذٰلك بکلام ائمۃ الشان،لا بھوی النفس وھفوات اللسان،فان لم تفعل و لن تفعل فاقتف الحق حیث ظھر،فان من لم یر الشمس وھی بازغۃ،فعلیہ التسلیم لاھل النظر۔

ہیں۔(مجمع نقلا عن ابن اثیر)

"ریڑھ کی آخری ہڈی پر جو چربی، یا چربی اور گوشت دونوں چڑھ جاتی ہے اسی کو الیہ کہتے ہیں(قاموس)اور بھیڑ کا بھی یہی حال ہے کہ اس کی دم پر بھی گوشت چربی الود ہوتا ہے تو اس کو الیہ کون نہ کہے گا علماء کے حوالہ سے ہم لکھ آئے ہیں کہ معمولی چکتی والے کی قربانی جائز ہے۔تو کیا یہی مسئلہ بھیڑ کا جزئیہ نہ تھا تو بیشک اس بھیڑ پر بھی لہا الیۃ کی تعریف صادق ہے۔اور اگر اس پر بھی تسلی نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ چکتی کی لمبان چوڑان کیا ہوگی کہ اس سے کم کو چکتی کے بجائے دم کہا جائے،اور زرا اس چکتی کا بھی خیال رہے۔جس کو فقہاء نے دم کی طرح چھوٹا کہا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں ائمہ اعلام کے کلام سے ثابت کرنی ہوگی زبانی جمع خرچ کی سند نہیں۔

الثالث والعشرون[۲۳]: تقرر مما تحرر ان الفقہاء فسروا الضان بثلثۃ تفاسیر

تنبیہ بست وسوم تعریفوں میں عدم تضاد: گزشتہ تحریروں سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ علماء نے ضان

---

[1] مجمع بحارالانوار باب الھمزۃ مع للام تحت(الی) مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

[2] القاموس المحیط باب الواؤ والیاء فصل الھمزہ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۰۲

ذات الصوف وذات الالیة،وخلاف المعز من الغنم، وترجموه بمیش،والقینا علیك ان عند بیان الاحکام لایجوز التعریف وکذا الترجمة الا بالمساوی، لما فی غیره من المساوی،فثبت ان الا ربعة بل الخمسة خامسها بھیڑ،کلھا متساویة فیما بینھا ومساویة لمحدودھا وان کل ذات صوف،ذات الیه، وبالعکس وانما مطمح النظر کما وصفنا الشان النوعی لا الفعلیة الفردیة کما ھو المرسوم فی کثیر من الرسوم،کالتحرك الارادی والمشی،والضحک، و الکتابة،فی الحیوان والانسان،کما لایخفی علی ذوی الشان فظھران الذی بضئین بلا دنا الیة جزما،وان کان شابه الذنب حجما وانه المنصوص علیه صورة و حکما وان لاخلاف بین التفاسیر،وان لیس ہنا باعم ولا اخص التفاسیر وان لیس ھنا باعم ولا اخص تفسیر وان الکل متحد مآلا،وان لاتثلیث فی الانواع بمالا الیه،ومالا۔وانما کان کل ذلك شقشقة ھدرت عن واھمة بدرت ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

الرابع والعشرون[24]: به تبین ان صغر الالیة ودقتھا بحیث تشبه الذنب کما فی اضؤنا ھذه لیس من النقص فی شیئ

کی تین تفسیریں کی ہیں۔اون والا چکتی و، معز کے علاوہ،اور فارسی والوں نے اس کا ترجمہ میش کیا اور ہم یہ ثابت کرآئے کہ احکام مخصوصہ کے بیان کے وقت ترجمہ ہو یا تعریف، مساوی کے علاوہ نہیں ہو سکتی، تو پتہ چلا کہ مذکورہ بالا چاروں لفظ بلکہ ہندی کا بھیڑ مل کر پانچوں لفظ آپس میں مساوی ہیں،ان کا محدود و مفہوم شے واحد ہے۔تو جو اون والی ہے وہی چکتی والی ہے۔اور جو چکتی والا ہے وہی اون والا ہے۔اور جو چکتی والا ہے کیونکہ ایسے مواقع پر تعریف کا مقصد وصف نوعی بیان کرنا ہوتا ہے،افراد کے وصف فعلی کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ تو عام طور پر رسم میں ملحوظ ہوتا ہے۔جیسے انسان اور حیوان کی تعریف میں تحرک ارادی یا مشی یا ضحک اور کتابت وغیرہ اوصاف ___ تو ہماری تقریر سے ثابت ہوگیا کہ بھیڑ کی دم جو ہمارے بلاد میں ہوتی ہے وہ چکتی ہی ہے۔اور فقہ حنفیہ میں اس کی صورت اور حکم دونوں کا جزئیہ موجود ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ان بظاہر مختلف تعریفوں میں کوئی تضاد نہیں،اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں تعریف نہ تو اعم کے ساتھ خاص ہے نہ اخص کے ساتھ، بلکہ سب مساوی ہیں،اور یہ کہ غنم میں چکتی اور بے چکتی کی بنیاد پر ایک تیسری قسم نہیں پیدا ہوتی، یہ سب دماغی خدشات اور وہمی خیالات ہیں۔

تنبیہ بست وچہارم ناقص کامل کی نفی: یہ بھی واضح ہوا کہ بھیڑ کی دم میں کوئی کمی نہیں کہ کہا جائے وہ ناقص ہے اور چکتی کامل ہے۔لہٰذا دنبہ کے ساتھ

ولذاجازت التضحية معه كما نصوا عليه فزعم ان هذا ناقص فلا يلحق بالكامل قول ناقص خالف نصوص الائمة الاكامل۔	لاحق نہیں ہو سکتی۔
الخامس والعشرون[٢٥]:لئن تنزلنا عن كل هذا و سلمنا ان الاالية لها فخ تاتى الخلافية بين الامام الاعظم ،والامام الثالث رضى الله تعالٰى عنهما، و يجب بحكم الجواز بناء ان الفتوٰى على قول الامام رضى الله تعالٰى عنه على الاطلاق،اى مالم يتفق ائمة الفتيا على الفتوى بقول صاحبه اواحدهما كما نص عليه فى الفتح والبحر والخيرية [1] وردالمحتار [2] وغيرها من معتمدات الاسفار ،وقد سردنا نصوصها فى كتاب النكاح من فتاوٰنا هذا اذا لم يرجع قول الامام فكيف اذا رجع قول الامام فكيف اذارجح وقد رجح ههنا قوله رضى الله تعالٰى عنه من نصوا على انه لايعدل عن تصحيحه لانه فقيه النفس اتدرى من هو هو الامام قاضى خاں كما قاله العلامة قاسم فى تصحيح القدورى، ونقله السيد الحموى فى غمز العيون [3] وسيد الشامى فى حاشية الدر۔	**تنبیہ بست وپنجم امام اعظم کے فتوٰی کی بنیاد پر فیصلہ**: اور اگر ہم سب چھوڑ چھاڑ کر یہی مان لیں کہ بھیڑ بے چکتی کا ہے تب بھی یہ انعام میں داخل ہے۔تو قربانی کا جانور ہے اور اسی جانور کی قربانی جائز ہونے نہ ہونے میں امام اعظم اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے۔اور یہ معلوم ہے کہ ائمہ جب تک کسی مسئلہ میں امام اعظم کے خلاف کسی اور امام کے قول پر متفق نہ ہوں، فتوٰی امام کے قول پر ہے۔یہ مسئلہ فتح، بحر، نہر، خیریہ،شامی وغیرہ معتمد اسفار میں منصوص ہے، میں نے ان سب کو اپنے فتاوٰی کی جلد کتاب النکاح میں تفصیل سے نقل کیا ہے۔ یہ حکم تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے اس قول کا ہے جس کی ائمہ ترجیح میں سے کسی نے ترجیح نہ دی ہو،اور اس قول کی تو امام فقیہ النفس قاضی خاں نے ترجیح فرمائی ہے کہ اپنے اصول کے موافق اسی کو مقدم کیا،یہ مسئلہ بھی امام شامی اور امام طحاوی نے منصوص فرمایا۔

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل المفتی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹،فتاوٰی خیریہ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۳،ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۳

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۴/ ۵۵

فان کنت عارفا بھذہ المسالك مدرکا لتلك المدارك فقد عرفت تصحیحه ھنالك وان لم تعرف فاسمع منی فانی لك زعیم بذٰلك الم ترہ قد قدم قول الامام وھو رحمة اللہ تعالٰی کما صرح به فی صدر فتاواہ لانقدم الا الاظھر الاشھر، قال السیدان الفاضلان الطحطاوی والشامی فی حواشی الدر، ان مایقدمه قاضیخاں یکون ھو المعتمد[1] وانی قد احملت لك ھھنا القول، ظنا بك ان لك اشتغالا بالعلم فتکون قد وقفت علی ھذہ المطالب الدائرۃ السائرۃ الظاھرۃ الزاھرۃ فان خفی علیك شیئ منھا فراجعنی و لاتیأس من التفھیم فقد قلت لك انی لك باظھار کل ذٰلك زعیم، فثبت بحمداللہ تعالٰی ان لو فض عدم الالیة، لھذا الحیوان لکان جواز التضحیة به ھو المذھب وقول امامنا الاعظم الاوحد وھو الماخوذ الصحیح المعتمد، والحمد له الاحد الصمد علینا ما اسبغ من نعم لاتعد۔	پس ایسی صورت میں بھیڑ کی قربانی کے جواز کا فتوی دئے بغیر چارہ نہیں۔
تذییل الکتب السبعة التی اسندت الیھا لیس فی ثلثة منھا اعنی ذخیرۃ العقبٰی والدر المختار واشعة اللمعات اثر من التفسیر الضأن بمالہ الیة بل فی الاول والثالث مایرد علیك کما سمعت باذنیك واما عبارۃ	تذئیل: آپ کے ساتھ مستند کتابوں میں سے تین (ذخیرہ عقبٰی، در مختار، اشعۃ اللمعات) میں توضائن کی تفسیر میں "بمالہ الیة" کا کہیں پتہ نہیں، بلکہ ذخیرہ عقبٰی اور اشعۃ اللمعات میں تو آپ کے مدعا کے خلاف ہے جیسا کہ مذکور ہوا لیکن صاحب تعلیق مجد

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵

تعلیق المجد لبعض ابناء الزمان فقد کانت تستاھل ان ترد الی الحق، وتحمل علی ماعطاہ کلام العلماء بجعل الوصف لزیادۃ الکشف دون الاحتراز بید انی احطت علما بان الرجل ینکر کون ضئین الھند من الضئین اعتراہ الوھم کما اعتراک انھا لا الیۃ لھا، ومایدرینی لعلک انما قلدتہ فیہ لکنہ وقف دونک ولم یتجاوز قدر تجاوزک بانکار التضحیۃ بھا اصلا، وانما زعم انھا لاتجوز التضحیۃ بجذع منھا[1]، حیث قال فی فتیاہ بکری اور بھیڑ اور ایسے ہی گائے اور اونٹ چھ مہینہ کا نہیں درست ہے۔ فقط دنبہ مہینے کا درست ہے۔ فالظاھر ان مرادہ ھوالتقیید زعما منہ بان الصوف اعم من الالیۃ، لکن لیس کلام المنح الذی عزا الیہ بھذا الاسلوب، وانما عبارتھا کما نقل بنفسہ ثمہ، والسیدان الفاضلان الطحطاوی و الشامی فی حواشی الدر ان الضأن ماتکون لھا الیۃ[2] اھ فلیس فیھا ذکر الصوف، ثم التقیید بالالیۃ وبالیتک	نے تو انھوں نے حق کی تلاش میں تساہل برتا، اور کلام علماء میں ذکر وصف کو زیادتی کشف کے بجائے قید احترازی سمجھا اور بھیڑ کو ضان میں شامل نہ ماننے میں وہ بھی اسی طرح وہم میں گرفتار ہوئے جیسے آپ نے "الیہ" کے لفظ سے دھوکا کھایا، غلب ہے کہ آپ نے اس معاملہ میں انھیں کی تقلید کی ہو، مگر ان سے آگے بڑھ گئے، کیونکہ وہ تو صرف یہ کہہ رہ گئے کہ چونکہ یہ ضان نہیں اس لئے اس کے ششماہہ بچے کی قربانی جائز نہیں، اور آپ نے سرے سے اس کو قربانی کے جانور سے ہی خارج کردیا۔ یہ بات فاضل لکھنوکے فتوی سے ظاہر ہے وہ کہتے ہیں بکری اور بھیڑ، ایسے ہی گائے اور اونٹ کا چھ ماہہ درست نہیں ہے۔ فقط دنبہ چھ ماہہ درست ہے۔ اس سے اندازہ یہ ہوتاہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ "منح الخالق" کی عبارت میں (جس کا حوالہ انھوں نے دیا ہے) ضان کے بیان میں صوف کا ذکر ہے جس کو "مالہ الیۃ" سے مقید کیا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ الیہ کی قید احترازی ہے حالانکہ خود ان کی عبارت اور امام طحاوی اور شامی کی روایت میں صوف کا ذکر نہیں ہے صرف مالہ الیۃ

[1] مجموعہ فتاوٰی بعد الحی کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی فرنگی محل لکھنؤ ۲/ ۲۷۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاضحیۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴، ردالمحتار کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴

اذا قلدته اتمت تقلیدہ فلم تعدالی ما عددت من المحال، ولم تنسب المسلمین الی الضلال والاضلال، وقد کان سألنی بعض تلامذہ ھذا العاصرا عنی صاحب التعلیق المجد من بنارس فی اول ھذہ السنۃ عن فتیاہ المذکورۃ فاجبت باحرف تکفی و تشفی وبینت ان الجذع من ھذہ یجزی ویکفی، و ما ذکرنا ھھنا بتوفیق اللہ تعالٰی، فھو حافل کافل بدفع کلاالوھمین، بل الرد الاشد علی من یجز التضحیۃ بھا لابجذعھا فانہ اذ قد جاز التضحیۃ فقد کانت من الانعام ولا انعام الا الانواع الاربعۃ واذ لیست من ابل وبقر ومعز۔وجب ان تکون من الضان فوجب اجزاء الجزع منھا اذا کان بحیث لو خلط بالثنایالم یتمیز من بعد وللہ الحمد تعالٰی من قبل ومن بعد، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد والہ اجمعین کان الفراغ عن ھذہ العجالۃ المسماۃ ہادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ ۱۳۱۴ھ۔	ہے۔تو آپ کو بھی ان کی تقلید کرنی تھی تو اتنی ہی بات میں کرتے نہ کہ آگے بڑھ کر ایک محال بات کا دعوٰی کردیا، اور سب مسلمانوں کو گمراہ اور گمراہ گر کا خطاب دیا۔ مجھ سے لکھنوی صاحب کے ایک شاگرد نے ان کا یہ فتوٰی ذکر کرکے صورت حال دریافت کی تھی، میں نے چند جملوں میں اس کا خلاصہ لکھ دیا تھا، اور مسئلہ حق واضح کردیا تھا، یہ کلام تو اللہ تعالٰی کی توفیق سے حافل اور کافل ہے۔ان دونوں وہموں کو دفع کرنے والا۔بلکہ اس کا تورد شدید ہے جو ان کی قربانی جائز کرتا ہے۔اور ان کے بچے کی نہیں۔ بلاشبہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ جو دیکھنے میں سال بھر کا معلوم ہو اس کی قربانی جائز ہے وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ وصحبہ اجمعین اس رسالہ ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ سے ۱۳۱۴ھ میں فراغت حاصل ہوئی۔

مسئلہ ۲۰۴: از بنارس محلّہ کنڈی گڈٹولہ مسجد بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

ماقولکم ایہا العلماء (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) اس مسئلہ میں کہ قربانی بھیڑ ششماہہ کی درست ہے یا نہیں؟ اکثر حدیثوں میں جو لفظ جزعۃ من الضان آیا ہے اس سے ششماہی بھیڑ مراد ہے یا دنبہ یا دونوں؟ عبارت نہایہ شرح ہدایہ مندرجہ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی ششماہی بھیڑ کی جائز نہیں، اسی پر مولانا استاذنا مولوی عبدالحیٔ صاحب نے عمل فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ مولوی صاحب مرحوم کے مجموعہ فتاوٰی کی جلد اول ص ۱۹۱ میں موجود ہے۔ عبارت شرح ہدایہ:

ویجزئ من ذٰلك كل الثنی فصاعدا الا الضان فان الجذع منه یجزئ والتقیید بالضان لان الجذع من الابل والبقر والغنم لا یجزئ منها الا الثنی [1]۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب۔	ان تمام جانوروں میں کامل سال یا اس سے زائد عمر والا جائز ہے ماسوائے بھیڑ کے کہ اس کا جذع یعنی کامل چھ ماہ والا جائز ہے، اور ضان یعنی بھیڑ کی قید اس لئے کہ اونٹ گائے اور بکری میں صرف کامل سال والا ہی جائز ہے۔ کتاب سے بیان کیجئے یوم حساب اجر حاصل کیجئے۔(ت)

الجواب:

شماہی بھیڑ کی قربانی بلاشبہ جائز ہے جبکہ یکساں ہمجنسوں میں دور سے متمیز نہ ہوسکے۔

فی الدر المختار صح الجذع ذوستہ اشہر من الضان ان کان بحیث لوخلط بالثنایا لایمکن التمیز من بعد [2]۔	درمختار میں ہے بھیڑ میں چھ ماہ کا جذع جو سال والے جانوروں میں خلط ہو تو امتیاز نہ ہوسکے تو وہ جائز ہے۔(ت)

یہی شرط دنبہ میں ہے، اور دنبہ بھیڑ کی ایک ہی نوع ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم، اس قدر میں تو کسی کو کلام ہو ہی نہیں سکتا کہ جواز ششماہہ کا حکم احادیث صحیحہ وکتب فقہیہ میں بلفظ ضان وارد ہے۔ اب مدار صرف ادراک معنی ضان پر رہا، اگر یہ لفظ اس بھیڑ کو بھی شامل تو قطعاً یہ بھی اس حکم میں داخل والا لا، مگر بالیقین معلوم کہ ضان وہی چیز ہے جسے فارسی میں میش، اردو میں بھیڑ، اور اسی کی ایک صنف کو دنبہ کہتے ہیں،

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۷۹

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

عرب دونوں معزز ضان کے سوانہیں جانتے، نہ یہاں تیسری نوع ہے

(۱) قال اللہ تعالٰی "**ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ**"[1] مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم موضح القرآن میں اس آیہ کریمہ کا ترجمہ فرماتے ہیں: پیدا کئے آٹھ نر ومادہ بھیڑ میں سے دو اور بکری میں سے دو[2]۔ دیکھو ں ضان کا ترجمہ بھیڑ کیا، اسی طرح مولانا رفیع الدین نے ترجمہ کیا، یونہی نفائس میں اس کا عکس یعنی بھیڑا کو میش نر وضان سے مترجم کیا۔ تحفۃ المومنین میں کہا: بھیڑ بہندی غنم ست[3]۔ پھر لکھا: غنم ضان ست[4]۔

(۲) سب جانتے ہیں کہ بھیڑ کا ترجمہ میش ہے۔ اور اہل لغت نے یہی ترجمہ ضان کیا، منتخب رشیدی میں ہے: ضان میش، ضائن میش نر[5]۔ صراح میں ہے: ضائن میش نر خلاف ماعز۔ **والجمع ضأن خلاف معز**[6]۔ تحفہ ومخزن میں ہے: ضان بفارسی میش نامند[7]۔

(۳) علمائے لغت و تفسیر حدیث وفقہ ضأن کی تعریف اون والی غنم فرماتے ہیں اور معز کی تفسیر بالوں والی، مصباح المنیر واحیوۃ الحیوان وغیرہما میں ہے:

الضأن ذوات الصوف من الغنم[8]۔	بکری کی اون والی جنس کا نام ضان ہے۔ (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

لضأن ذوات الصوف من الغنم والمعز	بکری کی اون والی جنس ضان ہے اور بالوں والی

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۳

[2] موضح القرآن ۶/ ۱۴۳ مطبع مصطفائی انڈیا ص ۱۴۲

[3] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الباء مع الھاء نولکشور کانپور ص ۱۶۹

[4] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الغین مع المیم نولکشور کانپور ص ۴۲۵

[5] منتخب اللغات مع غیاث اللغات باب الضاد مع النون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۲

[6] الصراح فی لغۃ الصحاح باب النون فصل الضاد نولکشور لکھنؤ ص ۴۱۸

[7] تحفۃ المومنین مع مخزن الادویۃ الضاد مع الالف نولکشور کانپور ص ۳۹۷

[8] المصباح المنیر الضاد مع الواؤ (الضأن) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

ذوات الشعر من الغنم[1]۔	جنس معز ہے۔(ت)

معالم التنزیل میں ہے:

الضأن والنعاج ھی ذوات الصوف من الغنم والمعز والمعزی ذوات الشعر من الغنم[2]۔	بکری کی اون والی جنس ضان اور نعاج ہے اور بالوں والی معز اور معزی ہے(ت)

جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

الضأن ماکان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر[3]۔	ضان وہ ہوتی ہے جو اون والی ہو اور معز بالوں والی۔(ت)

اب یہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ کے بدن پر اون ہوتی ہے یا بال۔

(۴)علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان الکبری میں صاف حصر فرمادیا کہ اون صرف ضان کے لئے ہوتی ہے، لفظ غنم میں فرماتے ہیں:

صوف الضأن من شعر المعز واعز قیمة ولیس الصوف الاللضأن[4]۔	بھیڑ کی اون بکری کے بالوں سے افضل اور قیمت میں گراں ہے اور اون صرف ضان کی ہے۔(ت)

اب بھیڑ کو ضان سے خارج ماننے والے پر لازم ہوگا کہ بھیڑ کی اون سے انکار، اور ان کی پشت پر بکری کے سے بال آشکارا کرے۔ وانی له ذٰلک۔

(۵)زبان عرب وخود قرآن شاہد ہے کہ نوع غنم میں صرف دو صنفیں ہیں: ایک وہ جسے عربی میں معز نر کو تیس، مادہ کو عنز، فارسی میں بز کہتے ہیں، دوسری جسے عربی میں ضان نر کو کبش مادہ کو، نعجہ فارسی میں گوسپند و میش کہتے ہیں، رب العزت جل وعلا نے آیہ مذکورہ میں آٹھ ہی جوڑے بتائے، ضان، معز، ابل۔ بقر ہر ایک سے دو، مادہ ونر، اہل زبان نے معز کو خلاف ضان، ضان کو خلاف معز سے تفسیر کیا، معلوم ہوا کہ ان کے لئے ثابت نہیں، قاموس میں ہے:

المعز خلاف الضأن من الغنم[5]۔	بکری کی جنس میں معز الگ ہے ضان سے۔(ت)

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ المطبعة البهیة المصریة مصر ۱۳/ ۲۱۶

[2] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۶/ ۱۴۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۲

[3] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۳۰۶، ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الغنم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[4] حیاۃ الحیوان باب الغین المعجمہ (الغنم) مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۲

[5] القاموس المحیط فصل المیم باب الزای "المعز" مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۹۹

اسی میں ہے:

الضائن خلاف الماعز من الغنم "ج". ضائن، اضأن ضانك اعزلها من المعز [1]۔	مینڈھا غنم میں بکرے کے خلاف ہے۔ ضائن کی جمع اضأن ہے تیری بھیڑی اسے علیحدہ کرلے بکری سے (ت)

مختار رازی میں ہے:

الضائن ضد الماعز، والجمع الضائن والمعز [2]۔	ضائن (مینڈھا) بکرے کی ضد ہے اس کی جمع ضان اور معز ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المعز من لاغنم ضد الضان [3]۔	معز غنم سے ہے ضان کی ضد ہے۔ ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

فی ح شقیق مثل قراء ھذا الزمان کمثل غنم ضوائن ذات عـــہ صوف عجاف، ھو جمع ضائنۃ۔ وھی الشاۃ من الغنم، خلاف المعز [4]۔	ح میں بیان کیا، اس زمانہ کے قراء کی مثل میں شقیق جیسے ضوائن باریک کھال پر اون والی جس کی جمع ضوائن ہے۔ یہ بکری ہے جو معز سے مختلف ہے۔ (ت)

کوئی ادنٰی فہم والا بھی نہیں کہہ سکتا کہ بھیڑ معز میں داخل ہے کیا بھیڑ کو فارسی میں بز کہتے ہیں، کیا مینڈھے کو عربی میں تیس، مادہ کو عنز بولتے ہیں، جنا صاف ترجمہ بکرا بکری ہے لاجرم بھیڑ ضان ہی ہے اور ضان ہی میں داخل ہے، اور حکم ضان اسی کا حکم ہے۔ اسے قطعاً شامل شیخ محقق قدس سرہٗ

عـــہ: احترازا عما اذا جزصوفھا فاستبان عجفھا و المقصود ان باطنھم علی خلاف ظاھرھم ۱۲ منہ قدس سرہ۔	یہ اجتناب ہے اس بھیڑ جس کی اون کاٹ دی جائے تو چمڑی برہنہ ہوجائے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا ظاہر اون باطن چمڑی ایک دوسرے سے مختلف ہیں ۱۲منہ قدس سرہ، (ت)

[1] القاموس المحیط فصل الضاد باب النون (الضائن) مصطفی البابی مصر ۴ /۲۴۴

[2] مختار اصحاح تحت لفظ ضائن موسسۃ علوم القرآن بیروت ص۳۷۶

[3] مختار اصحاح تحت لفظ معز موسسۃ علوم القرآن بیروت ص۶۲۷

[4] مجمع بحار الانوار باب الضاد مع الھمزۃ تحت الفظ ضائن مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۳ /۳۸۲

اشعۃ المعات میں فرماتے ہیں:

بدانکہ اضحیہ جائز نیست مگر از ابل وبقر وغنم و غنم دو صنف است، معزکہ آنرا بز گویند، وضائن کہ آنرا میش خوانند، ودر جمع ایں اقسام ثنی شرط ست، مگر از ضان کہ جذعہ ہم درست ست، ودرست نیست از معز[1]۔	جان لینا چاہئے کہ قربانی صرف اونٹ، گائے اور بکری کی جائز ہے۔ بکری دو قسم ہے۔ ایک معز کی جس کو بز بکری کہتے، اور دوسری ضائن جس کو میشہ کہتے ہیں، ان تمام اقسام میں کامل سال شرط ہے۔ مگر ضان کہ اس کا جذعہ بھی جائز ہے اور بکری (معز) میں یہ جائز نہیں ہے۔ (ت)

کیا اس ارشاد سے بھی زیادہ کوئی تصریح صریح درکار ہے۔ اور بفرض باطل اگر بھیڑ کو ضان میں داخل نہ مانئے اور اس کا ابل وبقر ومعز اونٹ گائے بکری سے نہ ہونا بدیہی، تو حاصل یہ رہے گا کہ وہ بہیمۃ الانعام کی چاروں قسم سے خارج ہے، اور بالاجماع قربانی تو صرف انھیں چار قسم پر محدود، تو بھیڑ اگر ضان نہیں، تو واجب کہ سرے سے اس کی قربانی بھی باطل ہو اگرچہ کتنی ہی عمر کی ہو، نہ یہ کہ قربانی جائز ہونے کو تو وہ ضان میں داخل اور ششماہہ جائز نہ ہونے کو ضان سے خارج، یہ جہل صریح وتعسف قبیح ہے غرض حکم واضح ہے۔ اور مسئلہ روشن، اور اس کا خلاف نہ بین، نہ مبین، بلکہ باطل بین، عبارت نہایہ منقولہ استفاء مذکورہ فتاوٰی کو اگر بعد ادراک معنی ضان لحاظ کیجئے تو صراحۃً ہمارا ہی مطلب اس سے ثابت اور تحقیق معنی ضان کی نظر سے دیکھئے تو راسا بے علاقہ وساکت، ہاں مجیب لکھنوی کو وجہ اشتباہ عبارت منح الغفار واقع ہوئی کہ **الضان ماتکون لہ الیۃ**[2] (ضان وہ جس کی چکّی ہوتی ہے۔ ت) وہم گزرا کہ الیہ خاص چوڑی چکی چکتی کو کہتے ہیں جس میں بکثرت چربی ہو، لہٰذا ضان بالتخصیص صنف دنبہ کا نام خیال کیا حالانکہ غنم میں الیہ مطلقاً دم گوسپند کا نام ہے۔ کبر وصغر وطول وقصر وغیرہا کچھ اس میں شرط نہیں، نہایہ ابن اثیر ومجمع بحار الانوار میں ہے:

الیات جمع الیۃ وھی طرف الشاۃ[3]۔	الیہ کی جمع الیات ہے اور وہ بھیڑ کی دم ہوتی ہے۔ (ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب الاضحیہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۸

[2] ردالمحتار بحوالہ منح الغفار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۴، حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار بحوالہ المنح الغفار دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۴

[3] مجمع بحار الانوار باب الھمزہ مع اللام (الئی) مکتبہ دارالمدینۃ المنورۃ ۱/ ۹۷

صراح میں ہے: آلْیہ بالفتح ذنب [1]۔ برہان میں ہے: ذنب بضم بمعنی دُم [2]۔ لاجرم فتاوٰی امام اجل قاضی خان وردالمحتار وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ اگر الیہ خلقۃً صغیر ومشابہ دم ہو روا ہے۔ خانیہ میں ہے:

ان کان لھا الیہ صغیرۃ مثل الذنب خلقۃ جاز [3]۔	اگر اس کی چکّی چھوٹی دم کی مانند پیدائشی ہو تو جائز ہے۔ (ت)

یہ بعینہٖ ہمارے بلاد کی بھیڑوں کی صورت ہے ہم نے ان بھیڑوں کی دم کو تشریح کرکے دیکھا وہ ضرور گوشت اور چربی پر مشتمل ہوتی ہے بخلاف دم بز بس یہی فرق الیہ وذنب میں ہے۔ طول وقصر، عظم وصغر، وکثرت وقلت لحم وشحم کو ہر گز اس میں نہ لغۃً دخل ہے۔ نہ فقہاً، وھذا مما لا یخفی علی جاھل فضلا عن فاضل (یہ کسی جاہل پر مخفی نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل پر مخفی ہو۔ت) بات یہ ہے کہ جانوروں بلکہ آدمیوں کے بھی اعضاء صورت وہیئت بلکہ نفس وجود وعدم میں اختلاف ممالک سے مختلف ہوتے ہیں اس سے نہ وہ دو نوعیں ہوجائیں گے، نہ ان کے احکام مختلف فقیر نے بعض بلاد کے اونٹ دیکھے چھوٹے چھوٹے نہایت خوشنما بدن پر بڑے بڑے بال مشابہ بہ یال، پشت پر دو کوہان بلند ومرتفع، بیچ میں نشست کی جگہ خالی کہ سوار کو آگے پیچھے دو تکیوں کا کام دیتے، چینیوں کی ناکیں کس قدر پست وپہن، تاتاریوں کی آنکھیں چھوٹی، زنگیوں کے لب فروہشتہ وسطبر ہوتے ہیں ہنہ ناتیہ بین الاسکتین کہ خفاض کیا جاتا ہے۔ زنان مغربیہ میں خلقۃً نہیں ہوتا، بعض اتراک وحوش کے عصعص پر لحمہ زائد بقدر ایک بالشت مثل دُنب ہوتا ہے۔ امام کمال الدین دمیری وعلامہ زکریا بن محمد بن محمود انصاری قزوینی نے ایک قسم کی بھیڑ ذکر کی جس کے چھ الیہ ہوتے ہیں، ایک سینہ پر، دو شانوں پر، ایک پیچھے دو رانوں پر، یہی اختلاف ممالک دم گوسپند میں ہے، ان دیار میں پتلی لمبی ہوتی ہے۔ جس میں اسی کے لائق گوشت اور چربی، عرب میں اکثر چوڑی چھوٹی قدرے زیادہ گوشت اور چربی مشتمل، اور بعض خوب پہن ودراز بکثرت لحیم شحیم، یہ کابل وغیرہ میں کثیر الوجود ہے۔ اور بعض کی چکتی تو اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اسے چلنے سے معذور کردیتی ہے۔ ایک گاڑی بنا کر اسے جوتتے اور دم گاڑی پر رکھ دیتے ہیں جسے وہ کھینچتی چلتی ہے۔ کیا ان اختلافات سے یہ انواع مختلف ہوجائیں گی، اور ان کے احکام جدا، ایسا کوئی عاقل

---

[1] الصراح فی لغۃ الصحاح باب الواو والیاء (فصل الف) نولکشور لکھنؤ ص ۴۳۹

[2] البرہان

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیہ فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۹

خیال نہیں کرسکتا، عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات میں ہے:

یجلب من الهند نوع من الضأن علی صدرہ الیة وعلی کتفه الیتان وعلی فخذیه الیتان، وعلی ذنبه الیة، وربما تکبر الیة الضأن حتی تمنعه من المشی فیتخذ لا لیتها عجلة توضع علیها، وتشد الی صدرہا فمتشی الضأن وتجری العجلة الالیة علیها[1]۔	ہندوستان سے ایک قسم کی بھیڑ لائی جاتی ہے اس کی چھاتی پر چکی، اس کے کندھوں پر دو چکیاں اور اس کی دونوں رانوں پر دو چکیاں اور اس کی دم پر ایک چکی ہوتی ہے۔ اور کبھی یہ چکی اتنی بڑی ہوتی ہے کہ اس کا بوجھ اس کے چلنے سے مانع ہوتا ہے تو اس کی چکی کے نیچے ریڑھی بنائی جاتی ہے جس کو اس کی چھاتی سے باندھ دیتے ہیں تو وہ ریڑھی چکی کو اٹھائے پھرتی ہے۔(ت)

اسی طرح حیاۃ الحیوان میں ہے: الی قوله تمنعه من المشی[2] (چکتی اس کے پلنے سے مانع ہے۔تک)۔

جسے اس قدر کافی نہ ہو ہمارا رسالہ عربیہ ھادی الاضحیه بالشاۃ الهندیة ۱۳۱۴ھ ملاحظہ کرے کہ بتوفیق علام تحقیق مرام بمالا مزید علیہ ہے۔ وللہ الحمد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از ضلع آرہ ڈاکخانہ وقصبہ دائی ساگر مسئولہ محمد یوسف

خصی سال سے کم عمر والے کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

چھ مہینے تک کا ایسا فربہ مینڈھا کہ سال بھر والوں کے ساتھ ہو تو دور سے تمیز نہ ہو اس کی قربانی جائز ہے اگرچہ خصی نہ ہو، اور بکرا سال بھیر سے کم کا جائز نہیں اگرچہ خصی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۵ تا ۲۰۶: از ریاست جے پور سوائی تکیہ آدم شاہ گھاٹ دروازہ مرسلہ مولانا عبدالرحمٰن اعظمی مئوی صاحب مورخہ ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرا بکری اگر سال بھر سے کسی قدر کم کا ہو مثلاً گیارہ مہینہ یا کم وبیش کا، تو اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں، اگر جائز نہیں تو اس جانور کو جس پر نیت قربانی کی ہوچکی ہے اور پورے سال بھر کا نہیں ہے۔ تو کیا کرنا چاہئے۔ اور اگر جائز ہے یک سال سے

[1] عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات تحت لفظ ضأن مصطفی البابی مصر ص ۲۴۹

[2] حیاۃ الحیوان باب الضاد المعجمة تحت لفظ الضائن مصطفی البابی مصر ۲ /۶۳۴

کم مدت کا، تواس کتاب کا درج کردیا جائے تاکہ یہاں دیکھ کر اطمینان حاصل کیا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکرا بکری ایک سال سے کم کا قربانی میں ہرگز جائز نہیں، نہ اس پر قربانی کی نیت صحیح وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے، قربانی کے لئے دوسرا جانور لے ہاں اگر یہ نیت کی ہو کہ آئندہ سال اس کی قربانی کروں گا تو اسے قربانی ہی کے لئے رکھے، اس کا بدلنا مکروہ ہے۔ درمختار میں ہے:

صح ابن خمس من الابل۔ وحولین من البقر و الجاموس وحول من الشاۃ والمعز [1]۔	پانچ سال کا اونٹ، دو سال کی گائے اور بھینس، اور ایک سال کی بکری اور بھیڑ، کی قربانی صحیح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع تقدیر ھذہ الاسنان بما ذکر لمنع النقصان ولا الزیادۃ فلو ضحی بسن اقل لا یجوز و باکبر یجوز وھو افضل [2]۔	بدائع میں ہے کہ ان عمروں کا بیان جو مذکور ہا کمی کو روکنے کے لئے ہے زیادتی کو مانع نہیں، تو عمر میں اگر قلیل سی کمی ہو تو جائز ہوگا اور بڑا ہو تو جائز ہے جبکہ بڑا افضل ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لو اشتری بقرۃ یرید ان یضحی بھا عن نفسہ ثم اشرك فیھا ستۃ معہ جاز استحسانا وفی القیاس لا یجوز لانہ اعدھا للقربۃ فیمنع عن بیعھا تمولا، وجہ الاستحسان دفع الحرج والاحسن ان یفعل ذٰلك قبل الشراء، لیکون ابعد عن صورۃ الرجوع فی القربۃ وعن ابی حنیفۃ انہ یکرہ الاشتراك بعد	اگر اپنے لئے گائے خریدی تاکہ قربانی دے پھر بعد میں چھ اور شریک کرلئے تو استحسانا جائز ہے جبکہ قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں کیونکہ اسے اس نے قربت کے طور پر خریدا تو مال کے حصول کے لیے فروخت کرنا منع ہے اور استحسانا جواز کی وجہ یہ ہے کہ حرج نہ پیدا ہو اور بہتر یہ ہے کہ خریدنے سے قبل حصہ دار بنائے تاکہ قربت کے معاملہ میں رجوع کی صورت پیدا نہ ہو، جبکہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے خرید لینے کے بعد

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الشراء لما بینا [1] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔	شریک بنانا مکروہ ہے۔ (ملخصاً) (ت)

مسئلہ ۲۰۷: مرسلہ عبداللہ خان از شہر انبالہ محلّہ وکیل پور یکم صفر ۱۳۳۵ھ

جناب مولانا صاحب! بعد سلام علیکم کے واضح ہو کہ بقر عید کی قربانی میں بکرا خصی جائز ہے یا نہیں، اور جو کہ قربانی کرے اس کو روزہ رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

خصی کی قربانی افضل ہے اور اس میں ثواب زیادہ ہے۔ اور عید کے دن کا روزہ حرام ہے۔ ہاں پہلی سے نویں تک کے روزے بہت افضل ہیں اس پر قربانی ہو یا نہ ہو، اور سب نفلی روزوں میں بہتر روزہ عرفہ کے دن کا ہے۔ ہاں قربانی والے کو یہ مستحب ہے کہ عید کے دن قربانی سے پہلے کچھ نہ کھائے قربانی ہی کے گوشت میں سے پہلے کھائے، مگر یہ روزہ نہیں، نہ اس میں روزہ کی نیت جائز، کہ اس دن اور اس کے تین دن روزہ حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۸: مرسلہ قاضی سید واجد علی صاحب مقام جاود ضلع ندسور ریاست گوالیار ن پیچ دروازہ ۱۷ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک بچہ بکری کا ہے اور وہ کتی کے دودھ سے پرورش پایا، اس کی قربانی کریں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جب سال بھر کا ہو جائے اس کی قربانی جائز ہے۔ **والمسئلۃ فی الخانیہ** [2] **وغیرہا** (یہ مسئلہ خانیہ وغیرہا میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۲۰۹: از بنگالہ میمن سنگھ قصبہ کھولا مرسلہ میاں جاں سرکار ۲۶ جمادی الاول ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، **ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی** (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کیا فرمان ہے) کہ ہندہ نے بکری پالی تھی، اس نے ایک بچہ جنا، بعدہ وہ بکری بقضائے الٰہی مرگئی اس بچہ کی ہندہ مذکورہ نے اپنے پستان کے دودھ سے پرورش کیا، پھر خصی کر دیا، اب وہ بچہ بڑا ہو گیا، ہندہ اس کو قربانی کرنا چاہتی ہے۔ اگر قربانی رہے تو ہندہ مذکورہ اور اس کے خاوند کو

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۳

[2] فتاوٰی قاضی خاں الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

اس کا گوشت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: بلاشبہ جائز ہے جس کے جواز میں اصلاً گنجائش کلام نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لو ان جدیا غذی بلبن الخنزیر لا باس باکله، لان لحمه لایتغیر وما غذی به یصیر مستهلکا لایبقی له اثر [1]۔	اگر بھیڑ کے بچے نے خنزیر کے دودھ سے غذا پائی تو اسکے کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا اور جو غذا اس نے کھائی وہ ختم ہوگئی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا(ت)

فتاوٰی کبرٰی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الجدی اذا کان یربی بلبن الاتان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس، لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لاباس بها فکذا ھذا [2]۔	بھیڑ کے بچے نے اگر گدھی کے دوھ یا خنزیر کے دودھ سے پرورش پائی اور پھر چند روز چارہ دکھایا تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ گندگی کھانیوالے جانور کی طرح ہے کہ جب اس کو چند روز قید رکھا تو انے چارہ کھایا تو اس میں کوئی حرج نہیں تو یہ بھی ایسے ہے۔(ت)

اور شوہر کے حق میں اگر رضاعت کا خیال ہو تو محض جہل، اول تو عمر رضاعت کے بعد رضاعت نہیں، اور شوہر اتنی ہی عمر کا بچہ ہو بھی تو شیر زن مستہلک ہوگیا، گوشت کھانا دودھ پینا نہیں، درمختار میں ہے:

لایحرم المخلوط بطعام وکذا لو جبّنه، لان اسم الرضاع لایقع علیه بحر، اھ ملخصا [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طعام میں دودھ مخلوط ہوجانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی اور یونہی اگر دودھ سے پنیر بنالیا تو حرج نہیں کیونکہ دودھ پلانے کا اطلاق اس پر نہیں ہوتا، بحر اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصید والذبائح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۵۲

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الذبائح الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۰

[3] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۳

مسئلہ ۲۱۰تا۲۱۲: مسئولہ سید منیر الدین پیشکار محلّہ کلال ٹولہ گیا ۱۱محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً کسی نامعلوم شخص کا بیل یاگائے زید کے جانوروں میں شامل ہوگیا، اور زید نے اس کو پکڑ کر اپنے قبض وتصرف میں رکھا، اور ایام قربانی میں چونکہ وہ دوبرس سے کم کا تھا اس لئے اس کو اپنی لڑکی کی گائے سے بلاعلم لڑکی کے بدل کر اس لڑکی کی گائے کو قربانی دیا اور غیر سے ذبح کرایا اور اس غیر کو گائے کے کل قصہ مذکور سے واقفیت نہیں۔

(۱) ایسی قربانی جائز ہے یانہیں؟ **(۲)** ذبح کرنے والا گنہ گار ہوگا یانہیں؟

(۳) تین سال کی گائے جس کے سینگ ہنوز نمودار نہ ہوئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جانور کو تصرف میں رکھنا حرام تھا، اسے بیٹی کی گائے سے بدلنا حرام تھا، اس گائے کی قربانی حرام تھی۔

(۲) ذابح پر اس کا ذبح کرنا حرام تھا، دونوں سخت گنہگار ہوئے، پھر اگر بیٹی نے اپنے گائے کی قیمت نادانی میں اپنے باپ سے لے لی، تو اس کے باپ کی قربانی ادا ہوگئی ورنہ نہیں، درمختار میں ہے:

یصح لوضحی شاۃ الغصب ان ضمنہ قیمتہا حیۃ [1] ای قیمتہا لوکانت حیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر مغصوبہ بکری قربان کردی اور اس پر ضمان زندہ بکری والا دے دیا تو قربانی صحیح ہوگی واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) جب دوسال کامل کی ہوگئی قربانی کے قابل ہوگئی اگرچہ سینگ نہ نکلیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: مسئولہ عبداللہ عرف دین محمد صاحب ساکن شہر کہنہ بریلی محلّہ روہیلی ٹولہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میں نے ایک اہل ہنود سے گائے مبلغ (عہ۴۷ سینتالیس) روپیہ میں خرید کی تھی، اس ہنود نے خرید کرتے وقت دریافت کیا تھا کہ تم کس واسطے اس گائے کو لیتے ہو، میں نے اس شخص سے کہا کہ پالنے کو لیتا ہوں اور اصل میں واسطے قربانی کے لی تھی، تو ایک مسلمان نے اس شخص سے کہا انھوں نے قربانی کے واسطے لی ہے۔ اور میں ریلوے کے بڑے بابوں کی

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

ماتحتی میں کام کرتاہوں، وہ بھی اہل ہنود ہیں، اس نے بابوں سے آکر کہا کہ وہ میری گائے واپس کرادی جائے، انھوں نے میرے مکان پر آدمی روانہ کیا کہ اس کو مبلغ پانچ روپیہ نفع لے کر واپس کردوں میں نے نہیں واپس کی، میں کام پر اپنے گیاتو بابو نے کہاکہ وہ گائے واپس کردو، میں نے اس سے انکار کیا، توانھوں نے ایک پولیس کے داروغہ سے بہت بڑازور ڈال کر کہا، اور یہ بھی کہاکہ اگر نہیں دوگے توہم تم کو نوکری سے برخاست کردینگے، تو میں بسبب نوکری جانے کے پانچ روپیہ نفع لے کر گائے واپس کردی، اور مبلغ چالیس للعہ روپیہ کی فوراً اور گائے قربانی کے واسطے لایا، اب اس میں سے دس روپیہ بچے اس کا کیا کیا جائے، اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ تم نے پانچ روپیہ لے کر گائے دی، اور میں نے مجبوراً دی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میری ملازمت جاتی تھی، اور مجھ کو یہ بھی اندیشہ تھاکہ میں مال گودام ریلوے میں کام کرتاہوں شاید کچھ الزام نہ لگادیں، یہ وجہ تھی فقط۔ **بینوا توجروا**

الجواب :

اگر وہ شخص صاحب نصاب ہے اور اگر یہ بیان واقعی ہے تواس پر کچھ الزام نہیں اور جو پانچ روپیہ نفع کے لئے ان کا تصدق کردینا چاہئے اور یہ گائے جو پانچ کم کرکے خریدی اس کمی کا کوئی معاوضہ اس پر نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۴تا۲۱۵: از کرتوئی ضلع بدایوں مسئولہ برادرم عزیزم مولوی محمد رضاخاں صاحب سلمہ ۶ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

(۱) بحضور قبلہ وکعبہ دارین مدظلہم العالی بجاہ النبی الرؤف الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ سلامت سنت اسلام کے بعد عرض ہے کہ قربانی کی غرض سے دوگائیں خریدنے کو چماروں کو روپیہ دے کر بھیجا، وہ دوگائیں خرید لائے جو گراں قیمت ثابت ہوئیں، اس پر اور دوگائیں منگوائیں، وہ بھی بسبب گرانی قیمت کے، اور یہ کہ ان مؤخر گائیوں ہی سے ایک پر گابھن کاخیال ہے۔ جس نے فروخت کی وہ جولاہے کہتاہے کہ گابھن ہوگئی ہے مگر ابھی کہل تھن ہے۔ جس کو اور لوگ بھی گابھن کہہ سکیں، صرف دوجانیں کاخیال قربانی کا تھا آیا ان گائیوں کافروخت کرنا جائز ہوگا یانہیں؟ ان کے عوض میں اپنی گائیں دے سکتاہوں یانہیں۔ ایک گائے پارسال قربانی کے واسطے منگوائی تھی (ان چاروں کو وقت آنے کے قربانی کے واسطے نامزد نہیں کیا، پارسال والی کو نامزد کردیا تھا) روانگی کے وقت لنگڑی ہوگئی۔ بریلی جانے کے قابل نہ رہی اب اچھی ہے دومہینہ بعد اندازاً پتا چلے گی، اس کی نسبت کیاحکم ہے؟ آیا وہ میرامال ہے یاقربانی کا؟

(۲) قرآن مجید بائیں ہاتھ میں باوضو لے کر تلاوت جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) جان برادر از جان بہتر مولوی محمد رضا کاں سلمہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

جو گائے قربانی کے لئے تھی اور وہ لنگڑی ہو گئی اس اور اس کے عوض دوسری کر دی، اب وہ گائے تمہارا مال ہے جو چاہو کرو، جب روپیہ دے کر گائیں خریدنے کو بھیجا اس سے اگر یہ نیت تھی کہ دیکھنے کے لئے خریدتے ہیں جس کی قربانی مناسب جانیں گے کریں گے، ورنہ اور لیں گے تو وہ گائیں قربانی کے لئے مخصوص نہ ہوئیں اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا اور خرید کر قربانی کرو اور اگر مخصوص قربانی کے لئے خریدیں، اور آپ اس وجہ سے کہ یہ زائد قیمت کی ہیں، انھیں نہ کرنا چاہو، اور ان کے بدلے اپنے پاس سے یا کوئی اور لے کر ان سے کم قیمت کی قربانی کرو تو قربانی ہو جائے گی اور وہ پہلی گائیں بیچو یا رکھو اختیار ہے۔ مگر ایسا کرنا جائز نہ ہوا کہ جب ان پر مخصوص قربانی کی نیت ہوئی تھی، تو ان کو اگر بدلتے تو ان سے بہتر سے بدلتے نہ کہ کمتر سے، جبکہ کمتر سے بدلا تو جتنی زیادتی رہی، اتنے دام تصدق کرنے کا حکم ہے۔ مثلاً دس روپیہ کی گائے کی قربانی کو خریدی تھی پھر اس کے بدلے سات روپیہ کی قربانی کر دی تو تین روپیہ تصدق کئے جائیں، یہ تو سال گزشتہ کا علاج ہے اور ہر سال کہ ابھی قربانی نہیں ہوئی وہی پہلی گائیں اگر قربانی کے لئے خریدی تھیں خواہ نخواہی قربانی کی جائیں اور ان سے کم قیمت کی ہر گز نہ بدلی جائیں کہ قصد اخلاف کرکے جرمانہ دینا جسارت ہے بلکہ خلاف حکم کیا ہی نہ چاہئے، قربانی میں بالخصوص ارشاد ہوا کہ دل کی خوشی سے کرو کہ وہ صراط پر تمہاری سواریاں ہیں پہلو کو گراں سمجھ کر جو دوسری خریدیں اور ان میں سے ایک گابھن ہے یا نہیں۔ بہر حال ان کا تم کو اختیار ہے کہ سرکاری مطالبہ پہلی گائیوں سے متعلق ہو چکا اسی شرط پر کہ آدمی ارادہ سے بھیجے ہوں کہ جو جانور یہ لائیں قربانی کریں گے، نہ اس ارادہ سے کہ دیکھ مناسب سمجھیں گے کرینگے۔

(۲) قرآن مجید باوضو ہاتھ میں لے کر تلاوت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کے لئے کوئی وجہ ہو مثلاً داہنا ہاتھ خالی نہیں یا تھک گیا، والسلام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ امام علی صاحب از بمبئی ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو گائیں خریدی گئیں، شرکت میں قیمت جدا جدا نہ کی گئی چودہ حصے کئے گئے، قربانی کے بعد دونوں کا گوشت یکجائی ملا کر برابر حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، ایک گائے کم قیمت یعنی صہ للعہ کی اور دوسری صہ صہ کی۔ ان چودہ حصوں میں ہر شخص کا برابر حصہ قیمت و گوشت میں کیا گیا، یہ صورت جواز کی ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

دونوں مشتریوں کی رضا سے اس میں کچھ حرج نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۲۱: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب مورخہ ۱۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

(۱)ایک شخص نے قصاب سے گائے منگائی اس نیت سے خرید کر کہ وہ آجائیگی تو جو شریک حصہ ہوں گے شریک سمجھ لوں گا۔

(۲)اسی جگہ دیکھا کہ فقراء کے گوشت میں آنت، اوجھڑی بالکل ڈال کر تقسیم کرتے ہیں، دو حصوں میں نہیں۔

(۳)ایک جگہ دیکھا ہے کہ سر اور پیر سقے اور حجام کو، اور ایک پارچہ قصاب کو۔

(۴) بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ قربانی یا عقیقہ یا نیاز میں کھانا بھنگی کو دیتے ہیں۔

(۵)قربانی گائے میں نصف ایک شخص ہو اور نصف میں دو شریک یا تین، درست یا نہیں؟ اور نصف میں چار ہو جائیں یہ کیونکر ہے؟**بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہ بیجا کرتے ہیں۔ مستحب یہ کہ تہائی حصہ گوشت کا فقیروں کو ملے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) سقے، حجام، قصاب کا قربانی میں کوئی حصہ نہیں، دینے کا اختیار ہے۔ مگر قصاب کی اگر یہ اجرت قرار پائی تو حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) بہت برا کرتے ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) نصف میں تین تک شریک ہو سکتے ہیں، اور نصف گائے ایک کی ہو، اور دوسرے میں چار شریک ہوں تو ان پانچوں یعنی کسی کی قربانی ادا نہ ہوگی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۲: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ میدان پور مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو یا چار سات آدمیوں نے ایک گائے قربانی کے واسطے خرید کی منجملہ ان کے ایک شخص نے قیمت نہ وقت خرید کے ادا کی نہ بعد، اور وہ شریک رہا، پس اس صورت میں کس کی یا اس کی قربانی میں حرج یا غیر جائز تو قربانی نہیں ہوا، جواب اس کا بحوالہ عبارت مرحمت فرمایا جائے کہ ضرورت ہے۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب: بیع نفس ایجاب وقبول سے تمام ہو مبیع ملک مشتری میں داخل اور ثمن ذمہ پر لازم ہوتی ہے ادائے ثمن حصول ملک کے لئے شرط نہیں اگر نہ دے گا تو بائع کا مدیون رہے گا مبیع میں ملک تام ہے۔

فی التنویر اذ وجدا (ای الایجاب والقبول) لزم البیع [1]۔	تنویر میں ہے۔جب ایجاب وقبول پایا جائے بیع لازم ہوجاتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وصح بثمن حال ومؤجل الی معلوم [2]۔	نقد اور ادھار مقرر مدت ہو تو بیع جائز ہے۔(ت)

پس جب شرکائے مشترین مالک گاؤ تھے اور انھوں نے بہ نیت اضحیہ قربانی کی، سب کی قربانی ادا ہوگئی، ثمن کا مطالبہ اس شریک پر رہا اگر وہ نیت قربانی سے دست بردار ہو کر اصلاً ذبح نہ چاہتا یا خالی گوشت وغیرہ امور غیر قربت کی نیت سے ذبح چاہتا اور ایسی حالت میں بقیہ شرکاء بہ نیت قربانی ذبح کرلیتے تو کسی کی قربانی ادا نہ ہوتی کہ ان میں ایک شریک کی نیت تقرب نہیں۔

فی التنویر ان کان شریك الستة نصرانیا او مرید اللحم لم یجز عن واحد [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویر الابصار میں ہے اگر قربانی کرنیوالے کے ساتھ باقی چھ میں کوئی نصرانی یا گوشت کے ارادے سے شریک ہو تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: مرسلہ صاحب علی طالب علم از جاورہ ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک گائے کو چھ شخصوں نے قربانی کی، ایک کے دو حصے نفلی اور پانچ شخصوں کے واجبی، تو کیا دو حصہ والا شخص بعد ذبح گائے، قبل تقسیم گوشت کے ایک حصہ میں دوسرے شخص کو شریک کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی اراقہ دم کا نام ہے اور اب اراقہ دم ہوگئی تو دوسرے کی طرف اس کا انتقال ناممکن ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۳

ہاں اس کا ثواب یا گوشت جسے چاہے دے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ عزیز احمد فرید پوری ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی عید الاضحیٰ کے پوست کی قیمت گوشت کی طرح تین حصوں میں پر تقسیم کی جائے یا تمام وکمال قیمت خیرات کردی جائے، اور کھال کا اپنے صرف میں لانا صاحب قربانی کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اور کھال قربانی کی قیمت سید کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت عدم جواز کوئی شرعی حیلہ تحریر فرمائیے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کھال اپنے تصرف میں صرف کرنا لاسکتا ہے جس میں کھال باقی رہے۔ مثل مشک، ڈول یا کتاب کی جلد بنا سکتا ہے، کھال اگر اپنے خرچ میں لانے کی نیت سے داموں کو بیچی تو وہ دام تمام خیرات کرے، یعنی فقیر محتاج مصرف زکوٰۃ کو دے، سید کو نہیں دے سکتا، اور اگر سید کو دینے کی نیت سے بیچی تو وہ دام سید کو دے، تین حصوں کا حکم گوشت میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۵: از موضع ڈوالہ ویرم تحصیل ضلع امرتسر مرسلہ میاں شمس الدین صاحب حنفی قادری ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

مولوی غلام قادر صاحب بھیروی نے مسئلہ قربانی اور کتاب اسلام میں لکھا ہے کہ اگر غنی قبل از ایام عید قربانی خریدے وہ واجب بالنذر ہو جائے گا وہ سب گوشت فقراء کو صدقہ کرے آپ نہ کھائے، ایسے ہی فقیر جس پر قربانی واجب نہیں، لیکن اس نے کتاب کا حوالہ نہ دیا، اس لئے بعض جہلاء احناف کو تردد ہے۔ براہ مہربانی حوالہ کتب سے ارشاد ہو، اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ کس قرینہ میں قربانی قبل از عید بعد طلوع آفتاب عندالحنفیہ جائز ہے۔ یا باوجود قریہ جامع ہونے کے بھی بعد طلوع قربانی درست ہے کیونکہ کتب فقہ میں لفظ دیہ یعنی گاؤں واقع ہے اور بعض کتب میں لکھا ہے کہ جس گاؤں میں چند کس حر بالغ آزاد ہو جمعہ واجب ہے۔ جب جمعہ واجب ہوا تو عید بھی وہاں درست ہوگی، پھر بعد عید قربانی ہوگی یا بعد طلوع قبل از عید؟ جواب بواپسی ڈاک مرحمت ہو۔ والسلام۔

الجواب:

فقیر اگر بہ نیت خریدے اس پر خاص اس جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے۔ اگر جانور اس کی مالک میں تھا اور قربانی کی نیت کرلی یا خریدا، مگر خریدتے وقت نیت قربانی نہ تھی، تو اس پر وجوب نہ ہوگا، غنی پر ایک اضحیہ خود واجب ہے۔ اور اگر اور نذر بصیغہ نذر کرے گا تو وہ بھی واجب ہوگا۔ اس

عبارت میں بھی یہی ہے کہ واجب بالنذر ہوجائے گا یعنی نذر کئے سے واجب ہوگا نہ کہ غنی پر مجرد خریداری سے، درمختار میں ہے:

تصدق بھا ناذر وفقیر شراھا لوجوبھا علیہ بذٰلك (ملخصاً)[1]۔	نذر والا اور فقیر جس نے قربانی کی نیت سے خریدا تھا، یہ صدقہ کرینگے کیونکہ نذر اور خریدنے کی بناپر ان پر واجب ہوگیا تھا (ملخصًا)۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فلو کانت فی ملکه فنوٰی ان یضحی بھا او اشتراھا ولم ینو الاضحیة وقت الشراء ثم نوی بعد ذٰلك لایجب، لان النیة لم تقارن الشراء فلا تعتبر، بدائع[2]۔	اگر بکری اپنی ملک میں تھی تو نیت کرلی کہ اس کی قربانی کرے گا یا خریدتے وقت قربانی کی نیت نہ کی ہو پھر بعد میں قربانی کی نیت کی تو اس سے اس پر قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ خریدتے وقت ساتھ نیت نہ کی لہٰذا بعد کی نیت معتبر نہ ہوگی، بدائع(ت)

درمختار میں ہے:

لوماتت فعلی الغنی غیرھا لا الفقیر، ولو ضلت او سرقت فشری اخرٰی فظھرت فعلی الغنی احدھما وعلی الفقیر کلاھما شمنی[3]۔	اگر مرجائے تو غنی پر دوسری واجب ہے فقیر پر نہیں، اور اگر گم ہوجائے یا چوری ہوجائے تو دوسری خریدی اور پہلی مل گئی تو غنی پر ایک ہی لازم ہوگی جبکہ فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہوگی شمنی(ت)

جو شہر نہ ہو اس میں نہ نماز جمعہ ہے نہ نماز عید، سو دو سو کی آبادی کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ اس میں متعدد محلے ہوں، دائم بازار ہوں، وہ پرگنہ ہو کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں، اس میں فصل مقدمات پر کوئی حاکم مقرر ہو وہ شہر ہے جہاں ایسا نہیں صبح سے قربانی جائز ہے ھو الصحیح الذی علی المحققون کما فی الغنیة (وہی صحیح ہے جس پر محقق حضرات ہیں، جیسا کہ غنیہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۴

[3] درمختار کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

مسئلہ ۲۲۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سات شخصوں نے ایک راس گائے واسطے قربانی خرید کی، وہ گائے فرار ہو گئی، اس کو ہر چند تلاش کیا سب کانجی ہاؤس اور اس شخص کے مکان پر اور اس کے نواح میں بھی جہاں سے اس کو خریدا تھا، آج وہ گائے بفضلہٖ تعالٰی ہاتھ آ گئی، اب اس گائے کے واسطے کیا حکم ہے اور کس طرح سے ہم کو ثواب قربانی کا حاصل ہوگا؟

الجواب:

ساتوں شخص اس گائے کو زندہ خیرات کردیں کسی فقیر کو دے ڈالیں، بیان سائل سے معلوم ہوا کہ ان میں پانچ شخص صاحب نصاب تھے۔ ان پانچوں پر واجب تھا کہ اگر وہ گائے گم ہو گئی تھی اور گائے یا بکریاں لے کر بارھویں تاریخ قربانی کرلیتے، اب کہ بارھویں گزرادی اور قربانی نہ کی، یہ پانچوں گنہگار ہوئے، ان پر توبہ استغفار واجب ہے۔ اور گائے کی نسبت ساتوں پر واجب ہے کہ زندہ خیرات کردیں، ردالمحتار میں ہے:

ذکر فی البدائع ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا۔ حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا فان محمدا قال وھذا قول ابی حنیفہ وابی یوسف و قولنا اھ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ذکر کیا کہ صحیح یہ ہے کہ جو قربانی کے لئے خرید شدہ بکری کی قربانی نہ کرسکا اور وقت گزر گیا تو غنی شخص اس زندہ کو ہی صدقہ کرے جیسا کہ فقیر کے لئے یہ حکم بلاخلاف ہمارے اصحاب میں ہے کیونکہ امام محمد نے فرمایا: یہ امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف اور ہمارا قول ہے رحمہم اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پردیس میں ہے اس کی جانب سے اس کا کوئی عزیز قربانی کردے تو فرض زید پر سے اتر جائے گا یا اجازت کی ضرورت ہے؟

الجواب:

قربانی وصدقہ فطر عبادت ہے اور عبادت میں نیت شرط ہے تو بلااجازت ناممکن ہے۔ ہاں اجازت کے لئے صراحۃً ہونا ضروری نہیں دلالت کافی ہے۔ مثلاً زید اس کے عیال میں ہے اس کا کھانا پہننا سب اس کے

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۴

پاس سے ہونا ہے۔ یا یہ اس کا وکیل مطلق ہے۔ اس کے کاروبار کیا کرتا ہے۔ ان صورتوں میں ادا ہوجائی گی۔ درمختار میں ہے:

لاعن زوجته وولدہ الکبیر العاقل ولوادی عنھما بلااذن اجزا استحسانا للاذن عادۃ ای لو فی عیالہ ولا فلا قسھتانی[1] عن المحیط، فلیحفظ، قلت ومسئلۃ القائم بامورہ بامرہ اظھر وازہر لوجود الاذن ولو فی ضمن العام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیوی اور عاقل بالغ بیٹے کی طرف سے اس پر واجب نہیں، اور اگر ان دونوں کی طرف سے اجازت کے بغیر ادا کردے تو استحسانا جائز ہے عادتا اجازت کی بناء پر یعنی جب عاقل بالغ بیٹا اس کی عیال میں شامل ہو ورنہ اجازت کے بغیر نہیں یہ قہستانی نے محیط سے نقل کیا ہے۔ تو اس کو محفوظ کرلو۔ میں کہتاہوں اگر وہ بیٹا والد کے کام میں مشغول ہو والد کے حکم سے تو پھر یہ مسئلہ زیادہ ظاہر اور بہتر ہے کیونکہ اذن پایا گیا کہ اگرچہ عام کے ضمن میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آدمی پر اولاد صغار کی طرف سے قربانی مثل صدقہ فطر واجب ہے۔ اپنے مال سے کرے یا ہر شخص اپنی علیحدہ کرے، اور جس قدر چاہے اس قدر کرے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولاد صغار کی طرف سے قربانی اپنے مال سے کرنا واجب نہیں، ہاں مستحب ہے۔ اور قربانی جس پر واجب ہے اس پر ایک ہی واجب ہے زیادہ نفل ہے۔ چاہے ہزار جانور قربانی کرے گا ثواب ہے۔ نہ کرے گا کچھ مواخذہ نہیں۔

فی الدرالمختار تجب التضحیۃ عن نفسہ لاعن طفلہ علی الظاہر بخلاف الفطرۃ، شاۃ او سبع بدنہ[2] اھ ملتقطا، وفی الخانیۃ فی ظاہر الروایۃ یستحب	درمختار میں ہے قربانی خود اپنے طرف سے واجب ہے۔ نابالغ اولاد کی طرف سے اس پر واجب نہیں بخلاف فطرانہ کے۔ قربانی کے لئے بکری یا اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ واجب ہے۔ اھ ملتقطا، اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر روایۃ یہ کہ نابالغ کی طرف

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الفطر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۱

ولایجب بخلاف صدقۃ الفطر۔والفتوٰی علی ظاہر الروایۃ[1] اھملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	سے مستحت ہے واجب نہیں بخلاف صدقہ، فطر کے،اور فتوٰی ظاہر روایۃ پر ہے اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲۹: از دیورنیاں ضلع بریلی مسئولہ رحیم بخش بروز شنبہ ۱۳۳۴ھ

جناب مولوی صاحب قبلہ ! بعض ادائے آداب کے عرض ہے دیگر احوال یہ ہے ایک شخص نے ایک راس بکری عیدالاضحیٰ کو قربانی کی اور اس کی کلیجی ٹول اور خاسہ میں باندھ کر قبر کہنہ میں دفن کیا اور راس مذکور کا گوشت سب تقسیم کردیا،اپنے لئے قطعی نہیں رکھا،محلّہ والوں نے سبب دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ مجھ کو اپنے فعل کا اختیار ہے۔تحریر فرمائے کہ یہ قربانی جائز یا کیا قصہ ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی ٹوٹکا کیا ہے۔تحریر فرمائے کہ کیا وجہ ہے؟

الجواب:

کلیجی دفن کرنا مال ضائع کرنا ہے اور اضاعت مال ناجائز۔اگر اس نے بہ نیت قربانی جانور مولا تعالٰی کے لئے ذبح کیا تو قربانی ہوگئی اور بعد کو اس کا یہ فعل منافی قربانی نہیں اور اگر سرے سے اس کا ذبح ہی کسی ٹوٹکے یا عمل کے لئے تھا نہ بہ نیت ادائے واجب،تو قربانی نہ ہوئی۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از موضع بہدور ضلع پٹنہ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ڈاکخانہ سرمرہ بروز چہار شنبہ ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۳ھ

ورثۃ الانبیاء کیا حکم دیتے ہیں اس مسئلہ میں کہ منجانب میت جو قربانی دی جائے اس گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے،اس کا رواج ہے کہ ایک حصہ خویش واقرباء اور ایک وقف علی المساکین اور تیسرا حصہ وقف کیا جاتا ہے۔مع دلیل جواب ارشاد ہو۔

بینوا توجروا

الجواب:

اس کے بھی یہی حکم ہیں جو اپنی قربانی کے کہ کھانے،کھلانے،تصدق،سب کا اختیار ہے اور مستحب تین حصے ہیں،ایک اپنا،ایک اقارب،ایک مساکین کا،ہاں مگر میت کی طرف سے بحکم میت کرے۔تو وہ سب تصدق کی جائے۔ردالمحتار میں ہے:

من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی اضحیۃ	اگر میت کی طرف سے قربانی کی تو صدقہ اور کھانے میں

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الاضحیۃ فصل فی صفۃ الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۴

نفسه من التصدق والاكل والاجر للميت و الملك للذابح قال الصدر والمختار انه ان بامر الميت لا ياكل منها والا ياكل "بزازية"[1]۔	اپنی ذاتی قربانی والا معاملہ کیا جائے اور اجر وثواب میت کے لئے ہوگا اور ملکیت ذبح کرنے والے کی ہوگی، فرمایا صدر نے اور مختار یہ ہے کہ اگر میت کی وصیت پر قربانی اس کے لئے کی تو خود نہ کھائے ورنہ کھائے۔ بزازیہ۔ (ت)

اور فقیر کا معمول ہے کہ قربانی ہر سال اپنے حضرت والد ماجد خاتم المحققین قدس سرہ العزیز کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب تصدق کر دیتا ہے اور ایک قربانی حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے کرتا ہے اور اس کا گوشت پوست سب نذر حضرات سادات کرام کرتا ہے۔ **تقبل اللہ تعالٰی منی ومن المسلمین** (آمین)، (اللہ تعالیٰ میری طرف اور سب مسلمانوں کی طرف سے قبول فرمائے، آمین۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: از قصبہ حافظ گنج ضلع بریلی مرسلہ رحیم بخش منہار ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

گوشت قربانی کا جو بقر عید میں اہل اسلام میں ہوتا ہے وہ اہل ہنود کو دیا جائے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی ہم کو ضرورت ہے۔ جواب سے مطلع فرمائے گا۔

الجواب:

قربانی اگر فقیر نے کی ہو اس کا گوشت کسی کافر کو دینا جائز نہیں، اگر دے گا تو اتنے گوشت کا تاوان دینا لازم ہوگا اور اگر غنی نے کی تو ذبح کرنے سے اس کا واجب ادا ہوگیا، گوشت کا اسے اختیار ہے مگر مستحب یہ ہے کہ اگر اس کے تین حصے کرلے، ایک حصہ اپنے لئے، ایک عزیزوں خویشوں کے لئے، ایک تصدق کے لئے، یہاں کے کفار کو دینا ان تینوں مدوں سے خارج ہے۔ لہذا انھیں دینا خلاف مستحب ہے۔ اور اپنے مسلمان بھائی کو چھوڑ کر دینا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از چتور گڑھ محلہ چھیپیاں مسئولہ جمیع مسلماناں گنہ گار ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا عقیقہ کا گوشت کافر کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اسی طرح قربانی کے رودہ اور آنت کا کافر کو دینا کیسا؟ اور اگر کسی نے نہ جاننے کی حالت میں گوشت یا رودہ وغیرہ دلایا تو اس کی قربانی ادا ہوئی یا نہیں؟

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۳۰۷

الجواب:

آنت کھانے کی چیز نہیں، پھینک دینے کی چیز ہے۔ وہ اگر کافر لے جائے یا کافر کو دی جائے تو حرج نہیں۔

"اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ"[1]	خبیث چیزیں خبیث لوگوں کے لئے اور خبیث لوگ خبیث چیزوں کے لئے۔ (ت)

یہاں کے کافروں کو گوشت دینا جائز نہیں وہ خاص مسلمانوں کا حق ہے۔

"وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ"[2]	طیب چیزیں طیب لوگوں کے لئے اور طیب لوگ طیب چیزوں کے لئے۔ (ت)

پھر بھی اگر کوئی اپنی جہالت سے دے گا قربانی میں کوئی حرج نہ کرے گا۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ اکبر یار خاں باشندہ سوداگری محلّہ بریلی سوداگر چشمہ بروز جمعہ ۱۱ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

ایک شخص نے ایک قربانی میں تین عــہ آدمیوں کے نام جو مر گئے ہیں، کیا، وہ فرماتے ہیں قربانی درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی اللہ عزوجل کے لئے کی، اور اس کا ثواب جتنے مسلمانوں کو پہنچانا چاہا اگرچہ عام امت مرحومہ کو تو قربانی درست ہوگی، اور ثواب سب کو پہنچے گا، اور اگر ان تینوں نے اپنی طرف سے قربانی کی وصیتیں کی تھیں، تو ہر ایک کے مال سے جدا قربانی لازم ہے۔ ایک قربانی دو کی طرف سے نہیں ہوسکتی اگر کی جائے تو کسی کی طرف سے نہ ہوگی محض گوشت ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از سیتاپور ڈاکخانہ خیرآباد مدرسہ نیازیہ مرسلہ شکور اللہ صاحب ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے نیت قربانی کی اور عمرو نے عقیقہ کی نیت، جانور واحد معین میں کرکے جانور حلال کیا اور دونوں نے آپس میں برابر گوشت تقسیم کرلیا، عمرو کا عقیقہ اور زید کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟

الجواب:

گائے یا اونٹ میں دو سے سات تک شریک ہوسکتے ہیں اور صحیح یہ ہے کہ کسی طرح باہم

عــہ: اصل میں بیاض تھی اندازہ سے درست کیا۔

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

حصہ کریں جبکہ ایک حصہ سے کم نہ ہو جائز ہے۔ہاں اگر ایک نے سواچھ حصے لئے دوسرے نے پون، تو وہ جانور نرا گوشت ہوگیا، قربانی وعقیقہ کچھ نہ ہوا، نہ اس پون والے کا نہ سواچھ والے کا، کہ ایک حصہ سے کم میں تقرب نہیں ہوسکتا، اور جب اس کے ایک جز میں نہ ہوا تو کسی جز میں نہ ہوا اللہ عزوجل ہر شریک سے غنی ہے۔یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ بعض اس کے لئے اور بعض غیر کے لئے جس کا ایک ذرہ غیر کے لئے ہو وہ کل غیر کے لئے ہے۔یہاں جبکہ دو شخصوں میں گائے نصفا نصف ہے تو ہر ایک کے ساڑھے تین حصے ہوئے۔ایک حصہ ٹوٹا مگر اور سالم حصے موجود ہیں، اور قربانی عقیقہ دونوں اللہ ہی کے لئے ہیں لہٰذا دونوں صحیح ہوگئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکرے دو طرح خصی کئے جاتے ہیں۔ایک یہ کہ رگیں کوٹ دی جائیں، اس میں کوئی عضو کم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ آلت تراش کو پھینک دی جاتی ہے۔اس صورت میں ایک عضو کم ہوگیا، آیا ایسے خصی کو بھی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ بوجہ مذکورہ ممانعت کرتے ہیں **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے کہ اس کی کمی سے اس جانور میں عیب نہیں آتا بلکہ وصف بڑھ جاتا ہے کہ خصی گائے کو گوشت بہ نسبت فحل کے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ **فی الھندیۃ عن الخلاصۃ یجوز المجبوب العاجز عن الجماع**[1] (ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ ذکر کٹا جو جفتی کے قابل نہ رہا وہ قربانی میں جائز ہے الخ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گائے کا کان چرا ہوا ہے جیسے گاؤں کے لوگ بچپن میں کان چیر دیتے ہیں کہ طول یا عرض میں شق ہوجاتا ہے مگر وہ ٹکڑا کان کا ہی لگا دیتا ہے جدا نہیں ہوتا اور اس کے سینگ جو گھوم کر چہرے پر آئے۔اور ایک سینگ آنکھ تک آیا جس سے آنکھ کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا اس کی نوک تراش دی گئی۔ایسی گائے کی قربانی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے۔مگر مستحب یہ ہے کہ کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بالکل سلامت ہوں۔

فی العالمگیریۃ تجزی الشرقاء وہی	عالمگیری میں ہے قربانی شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۹۷

مشقوقه الاذن طولا، ولامقابلة ان یقطع من مقدم اذنها شیئ ولا یبان بل یترك معلقا والمدابرة ان یفعل ذٰلك بمؤخر الاذن من الشاة، ومارُوی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نهی ان یضحی بالشرقاء والمقابلة والمدابرة والخرقاء فالنهی فی الشرقاء والمقابلة والمدابرة محمول علی الندب وفی الخرقاء علی الکثیر علی اختلاف الاقاویل فی حد الکثیر کذا فی البدائع[1]۔	جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں اور مقابلہ جائز ہے یہ وہ جائز ہے جس کے کام کا اگلا کچھ حصہ کٹا ہو لیکن جدا نہ ہو بلکہ لٹکا ہوا ہو، او رمدابرہ جائز ہے یہ وہ ہے جس کے کا پچھلا حصہ اس طرح کٹا ہو، یہ صفات بکری کی ہیں، اور جو مروی ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے شرقاء، مقابلہ، مدابرہ اور خرقاء کی قربانی سے منع فرمایا ہے۔ تو شرقاء مقابلہ اور مدابرہ میں یہ نہی تنزیہہ پر محمول ہے جبکہ کثیر کی حد میں اقوال کا اختلاف ہے بدائع میں یوں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

یضحی بالجماء هی التی لاقرن له خلقة وکذا العظماء التی ذهب بعض قرنها بالکسر اوغیر فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قهستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئ والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین اھ[2] والله تعالٰی اعلم۔	جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہو اور یوں عظماء بھی جائز ہے یہ وہ ہے جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا ہو اور غیر میں اگر سینگ مخ سمیت ٹوٹا ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے کہ اگر سینگ کا ٹوٹنا مشاش تک ہو جائے تو ناجائز ہے۔ اور مشاش یہ ہڈی کا سرا ہے جیسے گھٹنے اور کہنیاں ہیں اھ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳۷: ۱۴جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ

ایک راس عقیقے کے لئے خریدی اس کا سینگ ٹوٹ گیا، اب دوبارہ پھر نکل آیا۔ یہ راس قابل قربانی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۵

الجواب: سینگ ٹوٹنا اس وقت قربانی سے مانع ہوتا ہے کہ جبکہ سر کے اندر جڑ تک ٹوٹے اگر اوپر کا حصہ ٹوٹ جائے تو مانع نہیں۔

فی ردالمحتار یضحی بالجماء وھی التی لا قرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ۔ فان بلغ الکسر الی المخ لم یجز قھستانی، وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزئی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین [1] اھ۔	ردالمحتار میں ہے جماء کی قربانی جائز ہے یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ پیدائشی نہ ہو اور یوں عظماء بھی، یہ وہ ہے کہ جس کے سینگ کا کچھ حصہ ٹوٹا ہو اور منح تک ٹوٹ چکا ہو تا ناجائز ہے۔ قہستانی، اور بدائع میں ہے اگر یہ ٹوٹ مشاش تک ہو تو ناجائز ہے اور مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ (ت)

اور اگر ایسا ہی ٹوٹا تھا کہ مانع ہوتا، مگر اب زخم بھر گیا، عیب جاتا رہا تو حرج نہیں لان المانع قد زال وھذا ظاھر (کیونکہ مانع جاتا رہا، اور یہ ظاہر ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن متعلّم مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا جانور کس قدر صحیح ہونا چاہئے اور کس قدر سینگ جانور کا کٹا ہوا ہو تو قربانی ہوسکتی ہے۔ اور جڑ سے ٹوٹ گیا ہو تو کیا حکم ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اعضاء سلامت ہونا ضروری ہے۔ سینگ ٹوٹا ہونا مضائقہ نہیں رکھتا مگر جہاں سے اُگا ہے اگر وہاں تک ٹوٹا تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قول (ویضحی بالجماء) ھی التی لاقرن لھا خلقة وکذا العظماء التی ذھب بعض قرنھا بالکسر اوغیرہ فان بلغ الکسر	اس کا قول کہ "جماء کی قربانی جائز ہے۔ یہ وہ ہے جس کے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں اور یوں عضماء بھی جس کے سینگ کا ٹوٹنا وغیرہ کچھ حصہ میں ہو، اور یہ ٹوٹ مخ سمیت ہو تو ناجائز ہے۔ قہستانی اور بدائع میں ہے اگر ٹوٹنا مشاش

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

الی المخ لم یجز قهستانی وفی البدائع ان بلغ الکسر المشاش لایجزی والمشاش رؤس العظام مثل الرکبتین والمرفقین [1] اھ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	تک ہو تو ناجائز ہے۔ مشاش ہڈی کے سرے کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے اور کہنیاں اھ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از چونیاں ضلع لاہور ۱۰ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

انجمن مذکور کے اشتہار مذکور میں ہے جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہوں وہ جائز ہے ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، اور ناجائز ہے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک، مگر چونکہ وہ روایت اصول ہے اس واسطے امام صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے فتوی کے اوپر فتوی دیتے ہیں کہ جس جانور کے پیدائشی کان دم نہ ہو وہ جائز ہے۔

اب حضرت مولانا صاحب جواب خود تحریر فرمائیں کہ ایسا مذکورہ بالا جانور واقعی قربانی میں جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اکثر فتاووں میں ایسے جانور کا ناجائز لکھا ہے۔ حضرت صاحب انجمن کے اشتہار شائع شدہ میں یہ دونوں مسئلے اسی طرح لکھے ہیں، آیا یہ دونوں مسئلے درست لکھے ہیں یا کہ نہیں؟ مفصل طور پر تحریر فرمائیں بحوالہ کتب معتبرہ۔

الجواب:

جس جانور کی اصل پیدائش میں کان اور دم نہ ہو امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک اس کی قربانی جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک ناجائز، اور معتمد قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، خانیہ میں ہے:

الشاة اذالم یکن لها اذن ولا ذنب خلقة یجوز۔ وقال محمد رحمه الله تعالٰی لا یکون هٰذا ولو کان لایجوز، و ذکر فی الاصل عن ابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه انه یجوز [2]۔	بکری کو اگر پیدائشی طور پر کان اور دم نہ ہو تو جائز ہے۔ اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ایسا جانور نہیں ہوتا اگر ہو تو قربانی جائز نہیں ہے۔ اور مبسوط (اصل) میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ یہ جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح اجناس وخلاصہ وبزازیہ میں ہے۔ غالباً یہ ہے جس پر اشتہار میں اعتماد کیا، اور

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاضحیة فصل فی العیوب نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۸

واقع میں وہ قابل اعتماد نہ تھا۔

اوّلاً: متون وشروح نے عدم جواز پر جزم کیا اور قول خلاف کا نام نہ لیا، ۱مختصر امام کرخی پھر غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

قال ہشام وسألت ابا یوسف عن السکاء التی لاقرن لہا قال تجزئ فان لم یکن لہا اذن لا تجزئی وہو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی[1]۔	ہشام نے کہا میں نے امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی سے سکاء کے متعلق سوال کیا اور یہ وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر سینگ نہ ہوں، تو انھوں نے فرمایا جائز ہے اور اگر کان نہ ہوں تو ناجائز ہے یہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا قول ہے۔ (ت)

۲ہدایہ میں ہے:

السکاء وھی التی لا اذن لہا خلقۃ لا تجوز لان مقطوع اکثر الاذن اذا کان لایجوز فعدیم الاذن اولٰی[2]۔	سکاء وہ ہے جس کے پیدائشی طور پر کان نہ ہوں، جائز نہیں، کیونکہ جب کان کا اکثر حصہ کٹا ہو تو ناجائز ہے۔ تو بالکل کان نہ ہوں تو بطریق اولٰی ناجائز ہوگا۔ (ت)

۳عنایۃ و ۴غایۃ البیان و نتائج ۵الافکار وغیرہا میں اس پر تقریر کی، ۶منسک متوسط میں ہے:

لایجوز الذی لا اذن لہ خلقۃ اولہ اذن واحدۃ[3]۔	جس کے پیدائشی کان نہ ہوں یا صرف ایک کان ہو تو ناجائز ہے۔ (ت)

۷مسلک متقسط میں اس پر تقریر کی، ۸تنویر الابصار میں و ۹درمختار میں ہے:

والا السکاء التی لا اذن لہا خلقۃ[4]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں ناجائز ہے (ت)

۱۰طحطاوی و ۱۱شامی میں اس پر تقریر کی، ۱۲بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] غایۃ البیان

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۶

[3] المسلک المتقسط فی المنسلک المتوسط باب الھدایہ دار الکتب العربی بیروت ص ۳۱۴

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

لاتجوز مقطوعة احد الاذنین بکما لھا، والتی لھا اذن واحدۃ خلقۃ[1]۔	ایک کان کامل کٹا ہوا اور جس کا پیدائشی ایک ہی کان ہو ناجائز ہے۔(ت)

۱۳؎ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے:

السکاء وہی التی لااذن لھا خلقۃ لاتجوز[2]۔	سکاء وہ ہے جس کا پیدائشی کان نہ ہو۔، ناجائز ہے۔(ت)

۱۴؎ مناسک امام کرمانی پھر ۱۵؎ شلبی علی الزیلعی میں ہے:

لان فات عنه عضو کامل[3]۔	کیونکہ اس کا کامل معدوم ہے۔(ت)

۱۶؎ شرح طحطاوی امام اسیجابی پھر ۱۷؎ خزانۃ المفتین میں ہے:

لایجوز السکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ الاوالیۃ لھا خلقۃ[4]۔	سکاء وہ جس کا پیدائش کان یا چکّی نہ ہو وہ جائز نہیں ہے۔(ت)

۱۸؎ اتقانی علی الہدایہ میں ہے:

قال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی فی الاصل بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه قال استشرفوا العین والاذن، وروی فی السنن عن علی کرم اللہ وجهه عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان تستشرف العین والاذن وقد اعتبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقاء الاذن فمنع فواتھا من جواز الاضحیة[5]۔	امام محمد نے فرمایا اصل میں، کہ ہمیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت پہنچی کہ آپ نے فرمایا کہ آنکھ اور کان کو بغور دیکھو، اور سنن میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ ہم آنکھ اور کان کو بغور دیکھیں، تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کان کی بقاء کا اعتبار فرمایا تو معدوم ہو ناجواز قربانی کے لئے مانع ہوگا۔(ت)

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الاضحیة فصل واما شرائط اقامت الواجب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۶

[3] حاشیہ الشلبی علی تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/۶

[4] خزانہ المفتین کتاب الاضحیة قلمی نسخہ ۲/ ۲۰۷

[5] غایۃ البیان

[19] فتح اللہ المعین میں ہے:

لایضحی بالسکاء وھی التی لااذن لھا خلقۃ بخلاف صغیرۃ الاذن [1]۔	سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہو اس کی قربانی نہ کی جائے بخلاف چھوٹے کان کے۔(ت)

[20] مجمع الانہر میں ہے:

ولاالسکاء وھی التی لا اذن لھا خلقۃ [2]۔	اور سکاء جس کے پیدائشی کان نہ ہوں جائز نہیں۔(ت)

[21] سراجیہ میں ہے:

لاتجزی التی لم یخلق لھا اذن [3]۔	جس کے کان پیدا نہ ہوں جائز نہیں،(ت)

ثانیًا: یہی قضیہ حدیث ہے: **کما علمت من غایۃ البیان** (جیسا کہ تم نے غایۃ البیان سے معلوم کرلیا ہے۔ت)

ثالثًا: اس کی وجہ اظہر وازہر ہے۔ **کما علمت من الھدایۃ ومناسك الکرمانی** (جیسا کہ تم نے ہدایہ اور مناسک کرمانی سے معلوم کرلیا ہے۔ت) ایراث نقص میں عدم طاری واصلی میں تفرقہ کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔

رابعًا: یہی اکثر کتب میں ہے **والعمل بماعلیہ الاکثر** (عمل اس پر ہوگا جس پر اکثریت ہو۔ت)

خامسًا: یہی احوط ہے تو بوجوہ اسی کو ترجیح، اور اسی پر اعتماد وعمل وفتوٰی واجب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۰: ۹ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گائے کی دم تہائی کے قریب کٹی ہوئی ہے اور ایک کان چرا ہوا ہے مگر حصہ اس کا جدا نہ ہوا کان ہی میں لگا ہے۔ تو اس صورت میں اس کی قربانی جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] فتح المعین کتاب الاضحیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۸۰

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۲۰

[3] فتاوٰی سراجیہ کتاب الاضاحی نولکشور لکھنؤ ص۸۹

الجواب:

جائز ہے۔

فی التنویر یضحی بالجماء لامقطوع اکثر الاذن او الذنب[1]۔فی الدرالمختار للاکثر حکم الکل بقاء و ذھابا۔فیکفی بقاء الاکثر علیہ الفتوی[2]۔فی الھندیۃ تجزئی الشرقاء وہی مشقوقۃ الاذن طولا،والمقابلۃ ان یقطع من مقدم اذنھا شیئ،ولا یبان بل یترک معلقا والمدابرۃ ان یفعل ذٰلک بمؤخر الاذن، والنھی محمول علی الندب کذا فی البدائع[3] اھ مختصرا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	تنویرالابصار میں ہے جماء جس کا پیدائشی سینگ نہ ہو کی قربانی کی جائے نہ کہ اس کی جس کا کان یا دم اکثر کٹی ہو،درمختار میں ہے اکثر کا حکم کل والا ہوتا ہے بقاء اور ضیاع میں تو اکثر حصہ کی بقاء کافی ہے۔اور اسی پر فتوٰی ہے۔ہندیہ میں ہے شرقاء جائز ہے یہ وہ ہے جس کا کان لمبائی میں کٹا ہو۔او مقابلہ جائز یہ وہ ہے جس کا کان آگے سے کٹا ہو،اور جدا نہ ہوا ہو بلکہ لٹکتا ہو، اور مدابرہ جائز ہے، یہ وہ ہے جس کان پیچھے سے ایسے کٹا ہو اور ان سے نہی تنزیہہ پر محمول ہو۔بدائع میں یوں ہے اھ مختصرًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۱: قصبہ کوسی کلاں ضلع متھرا، محلّہ مسجد منڈی حافظ محمد رمضان پیش امام بروز یک شنبہ ۱۶ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قربانی کی کھال سید کو یا والدین کو دینا درست ہے یا نہیں۔کتاب مالابدمنہ کے اندر صدقہ نفل سید کو جائز لکھا ہے[4]۔اب یہ امر قابل تحقیق ہے کہ کھال قربانی صدقہ واجب ہے یا نفل ہے۔سید کو قربانی کی کھال دے یا نہیں؟اکثر لوگ قربانی کی کھال دے دیا کرتے ہیں،درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال سادات کرام کو دینا جائز ہے۔اپنے ماں باپ اولاد کو بھی دے سکتا ہے شوہر زوجہ کو زوجہ شوہر کو دے سکتی ہے۔ وہ بہ نیت تصدق ہو تو صدقہ نافلہ ورنہ ہدیہ،سقا کو دینے میں

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۲۹۸

[4] مالابدمنہ(فارسی) کتاب الزکوٰۃ مطبع علوی لکھنؤ ص۵۹

بھی حرج نہیں۔وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲: مرسلہ حاجی الہ یار خان صاحب تاجر کتب ۲۱ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

قربانی کی کھال کو بہ نیت تصدق فروخت کرنا یا اس کی قیمت سے بوریا وغیرہ خرید کر مسجد میں رکھا جائز ہے یا نہیں؟بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے کہ تصدق کے لئے بیچا یا مسجد کے صرف میں لانا دونوں قربت ہیں،اور یہاں وہی مقصود،لاعین التصدق ولا تصدق العین (نہ کہ عین التصدق اور عین چیز کا تصدق۔ت) عالمگیری میں ہے:

لایبیعه بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسه و عیاله،ولوباعھا بالدراہم لیتصدق بھاجاز،لانه قربة کالتصدق کذا فی التبیین [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے یا اپنی عیال پر خرچ کرنے کے لئے قربانی کی کھال کو دراہم سے فروخت نہ کرے اور اگر دراہم کا صدقہ کرنا ہو تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح عبادت ہے تبیین الحقائق میں یوں ہے اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

ایضاح الجواب اصل یہ کہ اضحیہ مثل دم قران وتمتع وذبح تطوع دم شکر ہے ان میں قربت مقصودہ صرف اراقہ دم لوجہ اللہ سے حاصل ہوجاتی ہے۔ولہذا ان کے لحم وغیرہ کا تصدق واجب نہ ہوا،اور خود کھانے کی بھی اجازت عطا فرمائی۔

قال تعالٰی "فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ" [2]،وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کلوا واطعموا و ادخروا،اخرجه احمد والشیخان [3] ان سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا قربانی سے خود کھاؤ اور قناعت والے اور محتاج کو کھلاؤ،اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ،کھلاؤ اور ذخیرہ کرو،اس کو احمد اور شیخین نے سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

اور کھال کی کوئی چیز مثل مشکیزہ وغربال وپوستین وتوشہ دان وفرش وتکیہ وجلد کتاب وغیرہا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۲ /۳۶

[3] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳۵

بنا کر اپنے تصرف میں لانا بھی روا۔

کمانص علیہ فی عامۃ کتب المذہب وعن ام المومنین عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قالوا یارسول اللہ ان الناس یتخذون الاسقیۃ من ضحایاھم ویحملون فیھا الودك فقال وماذاك قالوا نھیت ان توکل لحوم الاضاحی بعد ثلث قال نھیتکم من اجل الدافعۃ فکلو اوادخروا وتصدقوا۔اخرجہ احمد والبخاری و مسلم [1]۔	جیسا کہ اس پر عامہ کتب مذہب میں تصریح کی ہے اور حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ! لوگ قربانی کے چمڑے سے مشکیزے بناتے ہیں اور مشکیزوں میں چربی بھرلیتے ہیں توحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہوا انھوں نے عرض کی آپ نے تین دن کے بعد قربانی کی گوشت کھانے سے منع فرمادیا ہے۔ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا میں نے تمھیں ضرور تمندوں کی آمد کی وجہ سے منع کیا تھا تو اب کھاؤ اور ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو،اس کی تخریج امام احمد، بخاری،اور مسلم نے کی ہے۔(ت)

اسی طرح مذہب صحیح میں جلد ولحم کی تبدیل بھی ایسی اشیاء سے جائز ٹھہری جو اپنی بقائے عین کے ساتھ استعمال میں آئے، جیسے برتن، کتابیں، کپڑے، ہدایہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

اللفظ للھدایۃ یعمل منہ اٰلۃ تسعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال و نحوھا لان الانتفاع بہ غیر محرم ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ استحسانا،وذٰلك مثل ماذکرنا،لان للبدل حکم المبدل واللحم بمنزلۃ الجلد فی الصحیح [2] اھ ملخصا۔	ہدایہ کے الفاظ میں ہے کہ اس کی کھال سے کے استعمال والے آلات بنائے جائیں مثلا بچھونا، تھیلا، غربال(چھلنی) جیسی چیزیں، کیونکہ کھالوں سے انتفاع حرام نہیں ہے۔اور ان سے گھر میں استعمال کے لئے چیز خریدنا جو بعینہٖ باقی رہے تو استحساناً اس میں کوئی حرج نہیں اس کی مثال ہماری ذکر کردہ چیزیں ہیں، کیونکہ بدل کا حکم مبدل والا ہے۔اور گوشت حکم میں بمنزلہ کھال کے ہے صحیح مذہب میں اھ ملخصا۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النھی عن اکل الحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

[2] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

یوہیں اغنیاء کو گوشت یا کھال یا اس کو کوئی چیز بنا کر یا اسی قسم کی اشیاء ان کے عوض خرید کر ہدیہ دینا بھی جائز ہوا۔

لانہ لما جاز التصرف بنفسہ، فجواز الھدیۃ من باب اولٰی کما استدل فی الھدایۃ لجواز طعام الغنی بقولہ متی جاز اکلہ وھو غنی جاز ان یوکل غنیا[1]۔	کیونکہ جب خود اپنا تصرف جائز ہے تو ہدیہ کا جواز بطریق اولٰی ہوگا جیسا کہ ہدایہ میں غنی کو کھلانے کے جواز پر استدلال فرماتے ہوئے فرمایا جب خود غنی ہونے کے باوجود کھانا جائز ہے تو کسی غنی کو کھلانا بھی جائز ہے۔(ت)

ولہٰذا فقیر کو دینے میں تملیک شرط نہ ہوئی، بلکہ اباحت بھی روا ٹھہری یعنی دے نہ ڈالے بلکہ دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے، شرح نقایہ علامہ للبرجندی میں ہے:

ویوکل ای یطعم من شاء منھا علی طریق الاباحۃ سواء کان فقیرا اوغنیا، ویھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا اوغنیا[2]۔	قربانی کے گوشت میں سے جس کو چاہے دے اباحت کے طور پر، اور ہبہ کے طور پر تملیک کرے فقیر کو خواہ غنی کو۔(ت)

شرح لباب میں ہے:

کل دم وجب شکرا، فلصاحبہ ان یاکل منہ ماشاء ویوکل الاغنیاء ولو بالاباحۃ والفقراء تملیکا او اباحۃ ولایجب التصدق بہ، لابکلہ، ولا ببعضۃ[3] اھ ملخصا۔	ہر قربانی جو بطور شکر واجب ہو تو مالک کو اختیار ہے جتنا چاہے کھائے، اغنیاء کو کھلائے اباحت کے طور پر خواہ تملیک کے طور پر فقیر کو خواہ غنی کو، یا بعض گوشت کا صدقہ واجب نہیں ہے۔ اھ ملخصا۔(ت)

اور یہ معنی خود آیت وحدیث سے مستفاد کہ اطعموا[4] فرمایا نہ کہ اعطوا البتہ یہ ناجائز ہے کہ اپنے یا

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

[3] المسلک المتقسط فی النسلک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا فصل فیما لایجوز من الھدایا دار الکتاب بیروت ص ۳۱۲

[4] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

اپنے اہل وعیال اور اغنیاکے صرف میں لانے کو گوشت یا کھال یا کسی جز کو بعوض ایسی اشیاء کے فروخت کرے جو استعمال میں خرچ ہو جائیں اور باقی نہ رہیں جس طرح روپیہ پیسہ یا کھانے پینے کی چیزیں یا تیل پھلیل وغیرہ کہ ان کے عوض اپنی نیت سے بیچنا تمول ہے۔اور نیت اغنیا مثل اپنی نیت کے ہے۔اور یہ جانور جس سے اقامت قربت ہوئی، اس قابل نہ رہا کہ اس کے کسی جز سے تمول کیا جائے۔ہدایہ میں ہے:

لایشتری به مالا ینتفع به الا باستهلاکه کالخل ولا بازیر اعتبار ابالبیع بالدراهم والمعنٰی فیه انه تصرف علی قصد التمول [1]۔	قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو ہلاک کرکے نفع اٹھائے جیسے سرکہ یا پیچ جس طرح کہ دراہم سے نفع بطریقہ ہلاک ہوتا ہے تو یہ بھی منع ہے۔منع کی وجہ مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے۔(ت)

علامہ عینی بنایہ میں فرماتے ہیں:

والمعنٰی فی عدم الشتراه مالاینتفع به الابعد استهلاکه انه تصرف علی قصد القول،وهو قد خرج عنه جهته التمول [2]۔	ایسی چیزی خریدنے کی ممانعت میں وجہ یہ ہے کہ ہلاک کرکے نفع کی صورت میں مال حاصل کرنے کی غرض سے تصرف کرنا ہے حالانکہ قربانی تو مال سے خارج کرنا مقصود بنائے۔(ت)

بخلاف اس کے کہ اس قسم کی اشیاء سے صرف خیر میں صرف کرنے کو مبادلہ کرے کہ اس میں معنی ممنوع یعنی تمول متحقق نہیں،تو اس نیت سے استبدال بھی جائز۔ولہٰذا تبیین میں فرماتے ہیں:

لوباعهم بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق [3]۔	اگر دراہم سے اس لئے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ بھی صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

خلاصہ یہ کہ بعد قربانی اس کے اجزاء میں ہر قسم کا تصرف غنی کو حلال ہے۔مگر وہ جس میں معنی تمول پائے جائیں،اسی لئے مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں تصریح کی کہ **المعنی انه لایتصرف علی قصد التمول** [4] اھ

---

[1] الهدایه کتاب الاضحیة مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۴۴۸

[2] البنایة فی شرح الهدایه کتاب الاضحیة المکتبة الامدادیه مکه المکرمه ۴/ ۱۹۰

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[4] مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

(مقصد یہ ہے کہ مال کے حصول کی غرض سے تصرف نہ کرے۔ت)

اس تحقیق وتنقیح سے واضح ہوا کہ علماء جو ایک شق تصدق کی لکھتے ہیں اس کے یہ معنی نہیں کہ تصدق عین ضروری ہے یعنی خاص اسی چیز کو بغیر بدلے خیرات کرے بلکہ مطلقاً ہر شیئ کے عوض بیچ کر خیرات کرنی جائز ہے خواہ روپے پیسے ہوں یا اشیائے خوردنی یا اعیان باقیہ، نہ عین تصدق ضرور ہے۔ جس کے حقیقی معنی فقیر کو مالک کرنا۔

کما فی الزکاۃ من فتح القدیر حقیقۃ الصدقۃ تملیك الفقیر [1]۔	جیسا کہ فتح القدیر کے زکوٰۃ کے باب میں ہے کہ صدقہ کی حقیقت فقیر کو مالک بنانا ہے۔(ت)

بلکہ مطلقاً ہر مصرف خیر میں صرف کرنا جائز ہے اگرچہ اس میں کسی کی تملیک نہ ہو، جیسے کفن موتٰی ونفقہ مسجد وغیر ذلک، و لہٰذا اباحت روا ٹھہری، اور علامہ زیلعی کی عبارت مذکور نے صاف واضح کردیا کہ قربت چاہئے خاص تصدق کی کوئی خصوصیت نہیں، اور خود ظاہر ہے کہ جب بے صورت تمول اپنے اور اغنیاکے صرف میں لانا روا ہوا۔ اور جانور کا قربت کے لئے ہونا اس کا مانع نہ ٹھہرا تو مصارف خیر جس میں اصلا بوئے تمول نہیں اور خود امور قربت ہیں، بدرجہ اولٰی جائز ہوں گے۔

اب حکم مسئلہ بحمدالہ روشن ہولیا، بہ نیت تصدق داموں سے بچنا عبارت فتاوٰی ہندیہ سے گزرا اور مسجد کی چٹائی وغیرہ میں صرف کرنا بھی قربت ہے۔ نہ اپنا تمول جو ممنوع ٹھہرا، پس دونوں صورت مسئولہ سائل کا حکم جواز ہے۔ یہ **بحمداللہ تعالٰی** وہ تحقیق ہے جس سے اس فصل کی تمام جزئیات کا حکم نکل سکتا ہے۔

فاتقن ھذا العلك لاتجدہ بھذا الایضاح والتحریر فی غیر ھذا التحریر، ولا علیك من خفائہ علی بعض عہ ابناء الزمان المدعین العلم العزیز، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس کو مضبوط کرو ہوسکتا ہے اس وضاحت اور صفائی سے تمھیں کسی اور تحریر میں نہ ملے اور موجودہ زمانے کے مدعین علم پر اس کے مخفی ہونے پر تمھیں تعجب نہ ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

عـــہ: مولوی رشید احمد گنگوہی۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدقہ الیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۸

مسئلہ ۲۴۳: از بنارس محلّہ کنڈی ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی واسطے تعمیر مسجد واشیاء متعلقہ مسجد مثل بوریا، بدھنا، فرش، شامیانہ وغیرہ یا برائے درستگی قبرستان کے دینا جائز ہے یانہیں؟ درصورت عدم جواز کے اگر کوئی شخص مصرف مذکور میں صرف کرے۔ یاسراپایہ وغیرہ ہندو کافر کو دے، تواس کی قربانی درست ہوگی یانہیں؟

الجواب:

قربانی اراقہ دم لوجہ اللہ سے ہوجاتی ہے **کما نص علیہ العلماء قاطبۃ** (جیساکہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اس کے بعد کھانے، دینے، دلانے سے اس میں کچھ فرق نہیں آتا اگرچہ کسی کو دے، اور چرم کے باب میں ابھی بیان ہوا کہ ہر قربت روا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۴: از موضع کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی عبدالکریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی مرمت مسجد اور بوریاں وغیرہ مسجد میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور غسل خانہ، پاخانہ واردین مسجد کے لئے اس قیمت سے بنوانا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اراقہ دم سے اقامت واجب کے بعد اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے خاص تصدق ضروری نہیں بلکہ جمیع انواع خیر کہ مثل تصدق قربت ہیں، سب جائز ہے۔ اور بلا بیع خود اپنے تصرف میں لانا دیگر احباب اغنیاء کو ہدیہ دینا بھی جائز۔

کما طفحت بنقول ذٰلک کتب المذہب المعتمدہ ولنا فی خصوص ذٰلک رسالہ حافلۃ سمیناھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ"۔	جیساکہ تم نے مذہب کی کتب معتمدہ سے فائدہ پایا، اور خاص اس مسئلہ میں ہمارا جامع رسالہ ہے ہم نے اس کا نام "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو، اور وہ کام کرو جس سے ثواب

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حاصل ہو (اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے، تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

لباب میں ہے: **لایجب التصدقہ بہ**[2] (سب گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں ہے۔ت) شرح میں ہے: **لابکلہ ولاببعضہ**[3] (نہ سب کا صدقہ کرنا نہ بعض کا واجب ہے۔ت)

بالجملہ مدار قربت وعدم قبول ہے۔ اور شک نہیں کہ مسجد کی مرمت، اس میں بوریا وغیرہ آلات کا رکھنا، غسل خانہ بنانا سب افعال قربت ہیں، تو ان میں اس کا صرف ضرور جائز، اسی طرح وار دین مسجد کے لئے پاخانہ بنوانا اگر فنائے مسجد سے جدا اور زمین وقف میں خلاف مشروط تصرف سے بر کراں ہو باعث اجر ہے۔ **کمالایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۵: ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھالیں تعمیر دیوار مسجد کے لئے دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر کھالیں بیچ کر دام کرلئے ہوں تو یہ دام صرف مسجد میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اگر کھالیں صرف مسجد کے لئے پہلے سے دے دی جائیں یا ان کا داموں کے عوض بیچنا اپنے صرف میں لانے کے لئے نہ ہو بلکہ امور قربت وثواب کی غرض سے ہوں تو ان داموں کا مسجد کے صرف کے لئے دے دینا، یہ دونوں صورتیں جائز ہیں، اور اگر کھالیں اپنے صرف میں لانے کے لئے داموں کو بیچ ڈالیں تو یہ دام مسجد میں صرف نہیں ہوسکتے بلکہ مساکین کو دے دئے جائیں، جس مسکین کو دے وہ اپنی طرف سے مسجد میں لگادے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المسلک المتقسط المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلک المتقسط المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایا دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

تو مضائقہ نہیں۔

وذٰلك لان الطریق فی الجلود اما الادخار واما الائتجار، فاذا اعطاہا المسجد، اوباعها لامور القرب، واعطی الثمن فیه، فقد اتی بما ینبغی، اما اذا باعها للتمول، فقد خالف فما حصل خبیث، وسبیله التصدق، وانما التصدق تملیك للفقیر اما اذا ملك فقیر، فاعطی المسجد فلا حرج، فان الصدقة قد بلغت محلها واﷲ تعالٰی اعلم۔	یہ اس لئے کہ قربانی کی کھالوں میں طریق ذخیرہ کرنا یا اجر وثواب حاصل کرنا ہے تو جب مسجد کو دیں یا ان کو فروخت کرکے تقرب والے امور کے لئے یا ان کی قیمت ان امور میں خرچ کرنے کے لیے تو اس نے مناسب محل پورا کردیا لیکن اگر مال حاصل کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو خلاف ورزی کی لہٰذا جو مال بنایا خبیث ہوا اس کا راستہ یہی ہے۔کہ اس کو صدقہ کرے جبکہ صدقہ فقیر کو مالک بنانا ہے تو فقیر کو مالک بنایا تو اس نے مسجد کو دے دیا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ صدقہ اپنے محل پہنچ چکا ہے۔واﷲ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۶: مرسلہ جناب حکیم سراج الحق صاحب شہر الہ آباد دروازہ جناب حضرت شاہ محمد اجمل صاحب ۵ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کا چمڑا فروخت کرکے مسجد کی جانماز اور مسجد کی مرمت کرنا، اور مسجد میں لگانا، عام اس کے مسجد کی دیوار ہو یا مسجد کا پائخانہ، غسل خانہ وغیرہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

قربانی کی کھال ہر اس کام میں صرف کرسکتے ہیں جو قربت وکار خیر وباعث ثواب ہو، حدیث میں ہے رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم قربانی کی نسبت فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [1]۔رواہ ابوداؤد عن نبیشه الهذلی رضی اﷲ تعالٰی عنه۔	کھاؤ اور اٹھار کھو اور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو(اسے ابوداؤد نے نبیشہ ہذلی رضی اﷲ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

لو باعها بالدراهم لیتصدق بها جاز لانه قربة کالتصدق [1]۔	اگر صدقہ کرنے کی غرض سے دراہم کے بدلے فروخت ہو توجائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

مگر فنائے مسجد میں پائخانہ بنانا قربت نہیں بلکہ ممنوع ہے کہ مسجد کو بوئے بد سے بچانا واجب ہے۔اور اس کی فنا کاادب بھی اسی کی مانند ہے یہاں تک کہ علماء نے فنائے مسجد میں بعد مسجدیت جدید دکان بنانے کی ممانعت فرمائی کہ باعث بیحرمتی، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قیم المسجد لایجوز له ان یبنی حوانیت فی حد المسجد اوفی فنائه لان المسجد اذا جعل حانوتا و مسکنا تسقط حرمته وہذا لایجوز والفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد۔کذا فی محیط السرخسی [2]۔	مسجد کے منتظم کو جائز نہیں کہ مسجد کی حدود میں دکانیں بنائے، کیونکہ مسجد یا فنائے مسجد کو دکانیں بنایا تومسجد کی حرمت ساقط ہوگی اور یہ جائز نہیں ہے۔جبکہ فنائے مسجد بھی مسجد کے تابع ہے تواس کا حکم بھی مسجد والا ہوگا، محیط سرخسی میں یوں ہے۔(ت)

ہاں اگر حدود وفنائے مسجد سے دور کوئی پائخانہ مسافروں اور بے گھر نمازیوں کے متعلق مسجد ہے تواس کی تعمیر یا مرمت ضروری بھی نیت صالحہ سے ضرور قربت وموجب اجر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: مولانا مولوی بشیر احمد صاحب علی گڑھی بالائے قلعہ مدرس اول مدرسہ منظر الاسلام یوم یک شنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کھال قربانی بیچ کر مسجد بنانا درست ہے یا نہیں؟اور کوئی عمارت مثل مسافرخانہ، نشست کی چوپال جس میں مسافریا اپنے ہم قوم مقیم ہوسکیں **بینوا توجروا**

الجواب:

مسجد یالوجہ اللہ مسافرخانہ وغیرہ آرام مسلمانان کی عمارت بنانا جس میں اجر ہو اور حصول اجر ہی کی نیت ہو، بالجملہ ہر اس کام میں جو شرعاً قربت ہو، قربانی کی کھال صرف کرنا ہر گز ممنوع نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اضحیہ کی نسبت جیسا **تصدقوا** فرمایا صدقہ کرو، یونہی **وائتجروا** [3] بھی

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الوقف الباب الحادی عشر الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

ارشاد فرمایا وہ کام کرو جس میں ثواب ہو، رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) امام زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق[1]۔	اگر ان کو دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کو صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

معلوم ہوا کہ عین تصدق لازم نہیں، بلکہ قربت ہونا درکار ہے۔ تصدق بھی اسی لئے مطلوب ہوا کہ قربت ہے۔ تو جو قربت ہو سب کی وسعت ہے۔ ہاں بہ نیت تمول اپنے صرف میں لانے کو اس کے دام کرنا جائز نہیں۔ حدیث:

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔ رواہ الحاکم[2] والبیھقی عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جس نے قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہ ہوئی، اس کو حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

کا یہی محمل ہے۔ اور حدیث صحیحین میں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے شتران قربانی حج کی نسبت حکم فرمانا کہ ان کا گوشت پوست صدقہ کردیں[3]۔ جواز تصدق کی دلیل ہے نہ کہ تعین تصدق کی، ورنہ اکل وادخار بھی ممنوع ہوجائے حالانکہ بالاجماع جائز ومنصوص ہے۔ وہ واقعہ حال ہے۔ اور وقائع حال کے لئے عموم نہیں، اسی حدیث میں ان کی نکیلیں اور جھولیں تصدق کردینے کا بھی حکم ہے تو یہ جواد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بخشش تھی نہ کہ عام تشریع، ہاں جس نے تمول کے لئے بیچی وہ ان داموں کو تصدق ہی کرے کہ اول ان کا حصول بروجہ خبیث ہے۔ اور جو مال یوں حاصل ہو اس کی سبیل تصدق ہے۔ عبارت ہدایہ کا یہی مطلب ہے۔ خود ہدایہ میں فرمایا:

المعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[4]۔	وجہ یہ ہے کہ اس نے مال بنانے کی غرض سے تصرف کیا۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[3] صحیح البخاری کتاب المناسک باب یتصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اس مسئلہ کی تحقیق تام مع ازاحت اوہام فقیر کے رسالہ "**الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ**" میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴۸: ازجیت پور کاٹھیاوار مرسلہ مولوی نور محمد عرف باوامیاں بن قاضی محمد ہاشم امام مسجد حاجی جیت پور ۳ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

بخدمت اقدس علی جناب فیضمآب اعلم اہلسنت وجماعت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیحضرت مولانا مولوی مفتی حاجی شاہ محمد احمد رضاخاں صاحب ادام اللہ برکاتکم ومد فیوضاتکم علینا آمین۔

از جانب احقر العباد نور محمد بن قاضی محمد ہاشم کے بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کے گزارش یہ ہے کہ قربانی کے چمڑوں کو یہاں کے مسلمان اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں للہ خیرات دیتے ہیں۔اور متولیان مسجد ان کو بیچ کر قیمت جمع رکھتے ہیں اور حسب ضرورت امام کا پگاراس رقم میں سے دیتے ہیں۔

پس یہ قربانی کے چمڑوں کا مسجد میں خیرات دینااور اس پیسوں کا امام کو دینا یا دوسرے ضروری خرچ مسجد ڈول رسی وغیرہ میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

قربانی کے چمڑوں کو للہ مسجد دے دینا کہ انھیں یا ان کی قیمت کو متولی یا منتظمان مسجد مسجد کے کاموں مثلاً ڈول۔رسی،چراغ، بتی،فرش،مرمت، تنخواہ مؤذن، تنخواہ امام وغیرہا میں صرف کریں، بلاشبہ جائز و باعث اجر وکار ثواب ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے،**جازلانہ قربۃ کالتصدق**[1] (جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)اسی طرح ہدایہ وکافی وعالمگیری وغیرہ میں ہے۔ابوداؤد کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:**کلواوادخروا وائتجروا**[2] (کھاؤاور اٹھا رکھواور وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔ت) امام اگرچہ غنی ہو اس کی تنخواہ دینے کو متولی یا منتظم ان چمڑوں کو بیچ سکتے ہیں، یا پہلے سے انھوں نے مصارف مسجد کے لئے دام رکھے ہیں، توان میں سے تنخواہ دے سکتے ہیں۔

فان الجلد قد وصل موضع التقرب وعطاء وظیفۃ امام المسجد ایضاقربۃ۔	کیونکہ کھال تقرب کے مقام کو پہنچ گئی،امام مسجد کو وظیفہ دینا بھی قربت ہے اگرچہ غنی کو لینا قربت نہیں۔

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

وان لم یکن اخذھا قربۃ للغنی بل مباحا علی المفتی بہ فلم یکن فی معنی البیع بالدراہم لھدیۃ غنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بلکہ مفتی بہ قول پر مباح ہے۔ تو غنی کو ہدیہ دینے کی غرض سے فروخت کے معنی میں نہ ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۹و۲۵۰: مسئولہ حافظ محمد ایاز صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ پٹھان ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چرم قربانی امام یا مؤذن مسجد کو دینا یا اس کی قیمت فروخت کرکے دینا جائز ہے یا نہیں۔ اگر پیش امام تنخواہ پاتے ہیں تو کیا حکم ہے۔ اور جن کی تنخواہ بھی مقرر نہیں صرف عید کو کچھ بطور ہدیہ چندہ کرکے دے دیا، عیدالاضحٰی کو قربانی کے چرم وغیرہ دے دئے یا محلّہ میں نکاح خوانی لیں، اسی پر ان کی گزراوقات ہو۔ تو ایسوں کے واسطے چرم قربانی یا اس کی قیمت دینا کیسا ہے اور کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔** کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس عدالت سے کسی شخص کے قرضہ کی بابت کے نیلام کی راس قربانی کے واسطے علیحدہ علیحدہ کیا حکم رکھتی ہے؟

الجواب

(۱) امام ومؤذن غیر تنخواہ دار کو بطور اعانت چرم قربانی یا اس کی قیمت دینے میں حرج نہیں، اور تنخواہ دار کو بھی جبکہ تنخواہ میں نہ دیں، یعنی زید نے امام کو نوکر رکھا اور اس کی تنخواہ اس کے ذمہ ہے۔ یہ قربانی کی کھال بیچ کر اسے ادا کرے تو اپنا روپیہ بچاتا اور اپنا مطالبہ اس سے ادا کرتا ہے۔ اور یہ تمول ہے اور قربانی سے تمول جائز نہیں۔ ہاں اگر اہل محلّہ نے امام ومؤذن کو مسجد کا نوکر رکھا جس کی تنخواہ ذمہ مسجد ہے تو چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں دے کر اس سے تنخواہ ادا کرسکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کانجی ہاؤس کے نیلام کی راس خریدنا جائز نہیں، نہ اس کی قربانی ہوسکے کہ وہ فضولی کی بیع ہے۔ یعنی غیر مالک کی بے اجازت مالک، اور ایسی بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے۔ اور بیع موقوف قبل اجازت مفید ملک نہیں ہوتی۔ اور ملک غیر کی قربانی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح کچہری میں نیلام جبکہ قیمت اس مطالبہ سے زائد نہ دی گئی ہو، جس میں وہ نیلام ہوا، وہ نیلام بھی بے رضائے مالک ہے۔ ہاں مثلاً اگر سو روپے کا مطالبہ تھا اور ایک سو ایک کو نیلام ہوا، سو روپے ڈگری دار کو دئے گئے اور باقی روپیہ اصل مالک کو، اور وہ اس نے لے لیا، تو یہ اس بیع کی اجازت ہوگئی، اب خریدار اس شیئ کا مالک ہوجائے گا۔ اور اس کی قربانی صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۱تا۲۵۴: از موضع سٹیلہ ڈاکخانہ موانہ کلاں ضلع میرٹھ مرسلہ مجید اللہ خاں ۲۹ صفر ۱۳۳۴ھ

حامدًا ومصلیًا، کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین مسائل ہذا میں:

(۱) کھال قربانی کی اگر ہم لوگ بلارعایت کسی استحقاق خدا کے واسطے خیال کرکے اگر اپنے امام مسجد کو دیں تو جائز ہوگا یا نہیں؟
(۲) آج ہمارا امام غریب ہے کل کو خدا کے فضل سے صاحب نصاب ہوگیا تو کھال قربانی اس صورت میں بھی دینا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۳) سید صاحب کو کھال قربانی اور مدزکوٰۃ سے مسلوک ہونا جائز ہوگا یا نہیں؟
(۴) صاحب قربانی اپنی قربانی کی کھال کو اپنے صرف میں لاسکتا ہے تو کس کس خرچ میں؟ ڈول، مصلٰی، مشک وغیرہ کے علاوہ تاڑی سائی وغیرہ بھی بنواسکتا ہے یا نہیں؟

فیض اللہ خاں، حبیب خاں، جھدو خاں، کالے خاں پسر جنگ باز خان

الجواب:

واجب اضحیہ اراقۃ دم سے ادا ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد لحم وجلد اس کی ملک ہیں، اس میں ہر تصرف مالکانہ کرسکتا ہے صرف تمول ممنوع ہے۔ تو کھال بعینہٖ، خواہ اس کا ڈول، مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بنوا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ سید کو بھی دے سکتا ہے ہر غنی کو دے سکتا ہے تو امام نے کیا قصور کیا ہے۔ عام ازیں کہ صاحب نصاب ہو یا نہ ہو، ہاں اس داموں سے بیچنا اس غرض سے کہ اپنے دام اپنے یا کسی غنی کے صرف میں لائے جائیں، جائز نہیں، وہ غنی ہو یا غیر، یونہی اگر امام اس کا نوکر ہے اور اس کی تنخواہ کے بدلے کھال دی تو ناجائز ہے کہ یہ تمول ہوا یعنی کھال دے کر مال بچانا، اور اگر کھال اس لئے بیچی کہ اس کے دام تصدق کرے تو امام غیر صاحب نصاب کو دے سکتا۔

وکل ذٰلك مفصل فی فتاوٰنا وفی رسالتنا الصافیۃ الموفیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ۔	یہ تمام ہمارے فتاوٰی اور ہمارے رسالہ۔ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں مفصل بیان ہوچکا ہے۔ (ت)

بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، نہ انھیں لینا جائز۔ نہ ان کے دیئے ادا ہو، یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ اور یہی صحیح ہے **کما بیناہ فی رسالتنا "الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم"** (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ **"الزھر الباسم فی حرمۃ الزکوٰۃ علی بنی ھاشم"** میں بیان کیا ہے۔ ت) امامت کے معاوضۃ میں بھی چرم قربانی دینا ایک صورت میں جائز ہے۔ وہ یہ کہ متولیان مسجد یا اہل محلّہ نے اسی طرح اسے مقرر کیا کہ تم امامت کرو قربانی کی کھالوں سے تمھاری خدمت کی جائے گی، یہ صورت بھی صورت تمول نہیں، چرم قربانی جس طرح مذکور ہوا اپنے مصرف میں مطلقًا لاسکتا ہے۔ رنگوانے کی شرط محض رنگ آمیزی حماقت

ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: مرسلہ سید محمد حسن علی قاضی، مہدیوا علاقہ اندور محلّہ جمال پورہ بروز یک شنبہ تاریخ ۲۲ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کیسے شخص کو دینادرست ہے اور جائز ہے اور گر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو دے دیں تو قربانی اس کی جائز ہوئی یانہیں؟ اگر قربانی کی کھال صاحب نصاب کو کہ "وہ پیش امام بھی مسجد کا ہے۔دے دی، تو قربانی انس کی درست اور جائز ہوئی یانہیں؟ اور اگر قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کا حق سمجھ کر اس کو دے دی جائے، یا وہ پیش امام ان کھالوں کو اپنا حق سمجھ کر بزور لے توان کھالوں کا اس شخص کو دینا درست اور جائز ہے یا نہیں؟ اور قربانی ان لوگوں کی درست ہے اور جائز یانہیں؟ اگر قربانی کی کھالیں کسی مسجد کی تعمیر کے کام میں لائیں یا ان کو فروخت کرکے مسجد کے جانماز بنوالیں، یا مسجد کے اور کام میں لائیں، مثلاً مسجد کا سقادا بنوالیں، یا مسجد میں اس کی قیمت کا پانی ڈلوائیں تاکہ سب نمازی وضو کریں، یا مسجد میں آفتابے بنوائے جائیں تاکہ نمازی وضو کریں، ان سب صورتوں میں قربانی درست اور جائز ہوئی یانہیں؟ بحوالہ حدیث وآیات کتب معتبرہ تحریر فرمائیں اجر ملے گا دن قیامت کے نزدیک اللہ جل شانہ، کے۔

الجواب:

قربانی راقۃ دم لوجہ اللہ کا نام ہے۔واجب اس قدر سے ادا ہوجاتا ہے۔پھر اس کے گوشت پوست کے لئے تین صورتیں ارشاد ہوئیں ہیں، بعینہٖ اپنے صرف میں لایا جائے، یاوقت حاجت کے لئے ذخیرہ رکھا جائے، یا اس سے ثواب کا کام کیا جائے۔

کلواوادخروا وائتجروا[1]۔	کھاؤاور اٹھار کھواور ہر وہ کام کرو جس سے ثواب ہو۔(ت)

ثواب میں وہ مسجد کے سب کام داخل ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے اجزائے اضحیہ سے صرف تمول ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں۔

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ[2]۔	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی اس کی قربانی نہ ہوئی۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس ۲/ ۳۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنواسکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کی تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز۔ کہ یہ وہی تمول ہوا جو ممنوع ہے۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز نہیں کہ یہ مسجد میں دے دے، اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔ قربانی کی کھالوں میں امام کا کوئی حق نہیں اور اسے جبرًا لینا حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اپنے مالوں کو آپس میں باطل طریقہ سے نہ کھاؤ، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۶: از کیلا کھیڑا ڈاکخانہ بازپور ضلع نینی تال مرسلہ عبدالمجید صاحب ۱۱ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ

اس علاقہ میں یہ رسم ہے کہ بقر عید کی قربانی کی کھال مسجد کے پیش امام کو دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قربانی کی کھال امام مسجد کو دینا جائز ہے اگر وہ فقیر ہو، اور بطور صدقہ دیں، یا غنی ہو اور بطور ہدیہ دیں، لیکن اگر اس کی اُجرت اور تنخواہ میں دیں تو اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ اپنا نوکر ہے تو اس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے اور کھال مہتمم مسجد کو مسجد کے لئے دے دی اس نے مسجد کی طرف امام کی تنخواہ میں دے دی تو اس میں کچھ حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: محمد عبدالحافظ صاحب، میمن سنگھی مدرس مدرسہ یا کد سرپوست لکھیا ضلوع میمن سنگھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی جلد سے مسجد بنانا اور مسجد کے چونا لگانا اور مرمت کرنا اور چٹائی وفرش خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بدلائل کتب صافیہ وعبارات صحیحہ سے بیان فرمایا جائے۔ فقط

الجواب:

جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا [2]۔ رواہ ابوداؤد عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کے کاموں میں خرچ کرو (اسے ابو داؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

تعالٰی عنه۔	تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے:

لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	اگر دراہم کے بدلے فروخت کیا تاکہ دراہم کا صدقہ کرے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

ثابت ہوا کہ خاص تصدق ضرور نہیں بلکہ ہر وقت۔ہاں اس سے اپنا تمول ممنوع ہے کہ اپنے خرچ کے لئے روپوں یا کسی ایسی چیز سے بدلے جو خرچ ہوجاتی ہے۔بنایہ شرح ہدایہ للامام العینی میں ہے:

المعنٰی فی عدم الشتراہ مالا ینتفع به الا بعد استھلاکه انه تصرف علی قصد التمول وھو قد خرج عن جھة التمول[2]۔	کھال کے بدلے ایسی چیز نہ خریدنا جس کو ہلاک کرنے کے بعد انتفاع حاصل کی ممانعت کا مطلب ما حاصل کرنے کی غرض سے تصرف مراد ہے جبکہ اس صورت میں تمول کی جہت خارج ہوگیا۔(ت)

ظاہر ہے کہ مسجد میں صرف کرنا تمول سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا بلکہ تصرف [عـــہ] باطل ہے۔کوئی ذی شعور ایسا نہیں کہہ سکتا نہ کوئی ذی علم۔اُن مدعیوں پر فرض ہے کہ اولاً شرح مطہر سے اس کا ثبوت دیں کہ جس مسجد کی مرمت پرست قربانی سے ہوئی ہو اس میں نماز ناجائز ہے۔جب وہ ثبوت دینے کا ارادہ کریں گے ان پر کھل جائے گا کہ ان کی دونوں باتیں محض بے اصل تھیں و باطل تھیں ان پر توبہ فرض ہے کہ شرع مطہر پر افتراء بہت سخت چیز ہے۔اللہ تعالٰی ہمارے بھائیوں کو توفیق خیر دے آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۴: از رنگون مگول اسٹریٹ یونانی ڈسپنسری (یونانی شفاخانہ مرسلہ حکیم محمد ابراہیم راندیری ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اس بستی میں دستور ہے کہ قربانی کی کھالیں مسجد کے پیش امام کو دے دیتے ہیں اگر نہ دی جائے تو جھگڑا بھی ہوتا ہے اور پیش امام صاحب بھی یوں فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کا میں حقدار ہوں،ضرور مجھے دی جائیں،اور اہل جماعت یوں کہتے ہیں کہ پیش امام صاحب کو قربانی کی کھالیں تبرعاً دینا جائز ہیں نہ کہ جبراً۔

عـــہ: فی الاصل ھکذا العله من قلم الناسخ والصحیح بلکہ اس کو تمول کہنا تصرف باطل ہے۔۱۲ عبدالمنان الاعظمی۔

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیة المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

[2] البنایة فی شرح الهدایه کتاب الاضحیة المکتبة الامدادیة مکه المکرمه ۴/ ۱۹۰

جب تبرعًا دینا جائز ہے تو کچھ حصہ قیمت چرم باقی کا امام صاحب کو دینگے، اور کچھ حصہ دیگر مساکین کو دیا جائے تو زیادہ افضل ہے۔ پس اختلاف طرفین کی جانب سے ایک مولوی صاحب منصف قرار دیئے، منصف مولوی صاحب نے یوں حکم دیا کہ قربانی کی کھال سب کی سب مسجد کے پیش امام صاحب کو دے دو اور کسی دیگر مساکین کو نہ دو، اس واسطے کہ وہ لوگ تمھاری حیات وممات کے حقدار نہیں، اور پیش امام صاحب پر جبرا لینے سے بھی گناہ نہیں اور گناہ واقع ہو تو میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ حشر کے دن اس گناہ کی جزا سزا میں نے لی، تم لوگ بے خوف قربانی کے سب چمڑے پیش امام صاحب کو دے دو۔

حاضرین محفل میں سے کسی صاحب نے ان مولوی صاحب سے یہ عرض کیا کہ میں نے ایک گائے کی قربانی کی، اور دو مسکینوں نے ایک ساتھ چمڑا مانگا، ان کو دیا جائے گا یا نہیں؟

مولوی صاحب نے جواب دیا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا چمڑہ دو مسکینوں کو دینا مکروہ ومنع ہے۔ اس نے پھر کہا دوسرا مسکین بھی توسائل ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ دوسرے سائل کا سوال اس کی دُبر میں جانے دو۔

اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس طرح جبرا قربانی کی کھال پیش امام کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جبرا لے لیا تو اس پیش امام کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) اور اسی طرح جو شخص جبرا لینے والے کی مدد کرے، اس مددگار کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۴) اگر کوئی شخص اس خیال سے کہ امام صاحب کو تنخواہ ملتی ہے۔ قربانی کی کھال نہ دے تو اس شخص پر امام صاحب کو حاضرین مجلس کے ساتھ غضب خدا پڑنے کی بدعا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اس منصف مولوی صاحب کے حق میں جس نے حشر کے دن مواخذہ خداوندی کی ضمانت لے لی ہے۔ کیا حکم ہے، نیز منصف مولوی صاحب ایک مسجد کے پیش امام ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) جو شخص حق کو باطل کردے اس کے حق میں حکم شرعی کیا ہے؟

(۷) ایک کھال کئی مسکینوں کو صدقہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس شخص نے جھوٹ کہا کہ قربانی کی کھالیں اس کا حق ہے۔ شریعت مطہرہ نے کھالوں میں اتنے اختیار دئے ہیں، وہ صورت کرے کہ بعینہٖ ان کو باقی رکھ کر استعمال میں لائی جائیں، مثلا مشک یا

ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالے، یا کسی ایسی ہی چیز سے جو باقی رکھی جاتی ہے بدل لے۔ مثلاً ان کے بدلے برتن یا کتاب خرید لے۔ یا بعینہٖ کھال اپنے عزیزوں، قریبوں خواہ کسی غنی کو دے دے، یا مسجد یا مدرسہ دینی میں دے دی جائے، یا اسے تقریب الی اللہ کے لئے بیچ کر اس کے دام فقراء مساکین طلبہ وغیرہم مصارف خیر کو دئے جائیں، خواہ ایک کو سو کو، یہ جو اس شخص نے کہا کہ ایک چمڑے کی قیمت یا ایک چمڑا دو کو دینا منع ہے۔ محض جھوٹ کہا، اور شریعت مطہرہ پر افترا کیا، اور اس کا یہ کہنا کہ پیش امام کو جبراً لینے سے بھی گناہ نہیں، شریعت پر اس کا دوسرا افتراء اور ظلم کو جائز کرنا ہے۔ اور اس پر وہ سخت جرات کہ اس پر جو سزا ہو وہ اپنے ذمہ لی، عذاب الٰہی کو ہلکا سمجھنا اور معاذ اللہ کلمہ کفر ہے۔ اس کی امامت جائز نہیں، اور پیش امام اگر کھالیں لینے پر جبر کرے اس سے باز نہ رہے تو یہ بھی فاسق معلن ہے۔ اور اس کا امام بنانا گناہ اور اس جبراً لینے میں جو اس کی مدد کرے وہ سخت شدید گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے۔ حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام [1]۔	جو دانستہ ظالم کی مدد کو چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ (ت)

اور جو شخص امام کو کھال نہیں دیتے خواہ وہ تنخواہ پاتا ہو یا نہ پاتا ہو، اس میں ان پر کوئی شرعی الزام نہیں کہ امام کو دینا شرع نے واجب نہ کیا تھا، نہ کھال امام کا حق تھی کہ اس کی حق تلفی ہوتی، اس پر جو امام نے اس مسلمان کو وہ سخت بدعا دی کہ "وہ خدا ہی مستحق غضب ہوا، العیاذ باللہ تعالٰی کہ اس نے مسلمان کو ناحق ایذا دی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ [2]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۵تا۲۶۹: از سنبھل محلہ رحمٰن سرائے مرسلہ احمد خاں صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قربانی کے جانور کی کھال دام صاحب قربانی اپنے مصرف میں لائے یا نہیں؟ اور قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟ اور قربانی کے چمڑے کو بحق پیش امام دے یا نہیں؟ اور مسجد میں صرف کرے یا مدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟ اور سری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تو دے یا نہیں؟

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱/ ۲۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

اور ۴مسجد میں صرف کرے یامدرسہ علم القرآن وحدیث میں؟اور ۵سِری قربانی کی حجام اپنا حق سمجھ کرلے تودے یانہیں؟

الجواب:

۱قربانی کی کھال کے دام صاحب قربانی اپنے صرف میں نہیں لاسکتا۔حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[1]۔	جو اپنی قربانی کی کھال بیچے اس کی قربانی نہ ہوئی۔

۲مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے کرے۔ایک حصہ اپنا،ایک احباب کا ایک مساکین کا، ۳پیش امام کا اس میں کوئی حق نہیں،دو تو اختیار ہے۔لیکن اگر وہ اس کا نوکر ہے تو تنخواہ میں نہیں دے سکتا، ۴مسجد اور مدرسہ دینیہ دونوں میں صرف کرنا جائز۔ ۵حجام کا اس میں کوئی حق نہیں،دینے کا اختیار ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰: از موضع میونڈی بزرگ ضلع بریلی مسئولہ سید امیر عالم حسین صاحب ۲۶شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلود قربانی مسجد میں لگانا درست ہے یانہیں؟ بعض کہتے ہیں کہ فرش وچھت میں لگانا درست نہیں،یعنی جس جگہ سجدہ کیا جائے وہ جگہ قیمت جلود قربانی سے نہ بنائی جائے کہ وہ قیمت صدقہ ہے اس جگہ سجدہ کرنا حرام ہے۔ہاں اس قیمت سے حدود دیوار مسجد یا غسلخانہ وغیرہ بنایا جائے تو درست ہے۔اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں وغیرہ بنوادیا جائے،توکچھ حرج نہیں خواہ مسجد میں ہو یا اور کہیں،اور بعض کہتے ہیں کہ کنواں بھی نہ بنایا جائے،کہ وہ قیمت صدقات سے ہے کہ اس کے پانی سے وضو جائز نہ ہوگا،اور نہ اس کا پانی پینے کے قابل ہوگا،توجناب قبلہ سے امیدوار ہیں کہ اس کا ثبوت غلامان کو کیوں نہ دیا جائے کہ قیمت جلود قربانی کس کام میں صرف کی جائے آیا مسجد یا کنویں وغیرہ میں لگانا درست ہے یانہیں؟

الجواب:

اگر قربانی کی کھال مسجد میں دے دی تو متولی کو اختیار ہے کہ اسے مسجد کے جس صرف میں چاہے صرف کرے،اور اگر مسجد میں دینے کی نیت سے خود اس کے دام کئے تو وہ دام بھی مسجد کے ہر کام میں صرف ہوسکتے ہیں،ہاں اگر اپنے خرچ لانے کی بہ نیت سے کھال بیچے تو یہ حرام دام خبیث ہیں،مسجد میں نہ دے،نہ مسجد کے کسی کام میں صرف ہوں،بلکہ فقیر مسلمان پر صدقہ کئے جائیں،**وتحقق المسئلۃ فی رسالتنا"الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود والاضحیۃ"**(اس مسئلہ کی تحقیق ہمارے رسالہ **"الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود واالاضحیۃ"**

[1] المستدرک کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۲: از جزمیرہ ضلع فرید پور ڈاک خانہ خاص مرسلہ مولوی مفیض الدین صاحب قاضی ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ونفع المسلمین بعلو مکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ تعمیر مسجد از چرم جائز ست یانہ وتصدق بچرم اضحیہ از قبیل تطوعات ست یا از واجبات، ودر ادائے صدقہ واجبہ تملیک مشروط ست، ھکذا در ادائے صدقہ نافلہ تملیک، مشروط است یانہ؟	آپ کا کیا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی آپ کے علوم سے مسلمانوں کو نفع دے، اس مسئلہ میں کہ قربانی کے چرم سے مسجد کی تعمیر جائز ہے یا نہیں؟ قربانی کے چرم کا صدقہ واجب ہے یا نفل؟ اور صدقہ واجبہ کی ادائیگی میں تملیک شرط ہے کیا نفلی صدقہ کی ادائیگی میں بھی تملیک شرط ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب:

صدقہ باطلاق عام در گرد تملیک نیست کما نطقت بہ الاحادیث الکثیرۃ وحققناہ فی فتاوٰنا منھا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مااطعمت زوجتك فھو لك صدقۃ، ومااطعمت ولدك فھو لك صدقۃ۔ وما اطعمت خادمك فھو لك صدقۃ [1]۔ بلکہ کفارہ صوم وظہار ویمین خود واجب ست، وشک نیست کہ از قسم صدقہ است، ولہٰذا غنی را روا نیست، معہذا تملیک لازم نکردہ اند۔ اباحت دارد کما نصوا علیہ قاطبۃ۔ برچرم اضحیہ راسا ہیچ وظیفہ از شرع معین نیست، روا ست کہ باستعمال خود دارد، یا بغنی ہدیہ کند پس او بمعنی	مطلق صدقہ تملیک کا پابند نہیں ہے جیسا کہ کثیر احادیث اس پر ناطق ہیں اور اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے ایک حدیث یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد ہے: جو تو نے اپنی بیوی کو کھلایا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنی اولاد کو کھلایا وہ تیرا صدقہ ہے اور جو تو نے اپنے خادم کو کھلایا ہے وہ تیرا صدقہ ہے۔ بلکہ کفارہ صوم، ظہار اور قسم، واجب ہے اور شک نہیں کہ از قسم صدقہ ہے اسی لئے غنی کو کھانا جائز نہیں اس کے باوجود تملیک لازمی نہیں ہے بطور اباحت دینا جائز ہے جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ چرم قربانی پر تو کوئی شرعی حکم معین نہیں ہے خود استعمال کرنا جائز ہے یا کسی غنی کو ہدیہ کردے تو شرعی مطالبہ کے

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۳۲۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۴۱۵

مطالبہ شرعیہ اصلا صدقہ نیست نہ واجبہ، نہ نافلہ، نہ عامہ، نہ خاصہ، پس شرط تملیک فقیر زیادت ست بر شرع است آری اگر بفقیر بخشید صدقہ خاصہ نافلہ شود وایں معنی موجب آں نبود کہ جزیں کار آں جا ہیچ روا نیست نہ بینی کہ زرے کہ بہ بنائے مسجد یا تکفین میت صرف کنی، اگر بفقیرے دہی، نیز صدقہ خاصہ نافلہ بود، وایں معنی منع نہ کند از صرف زر درکار خود یا درکار خیر، بلکہ آنجا خود مطالبہ شرعیہ بود کہ بنائے مسجد بمحل حاجت، و تکفین میت، ہر دو واجب ست، وبصرف اضحیہ یا چرم او بکار دگر اصلا مطالبہ نیست تا گویند کہ مطلوب شرع صدقہ اوہست ومصرف صدقہ جز محل تملیک نباشد بہ صدقہ اش زنہار از شرع مطالبہ نیست، بلکہ ایں جاسہ کار فرمودہ اند کلو اوادخروا وائتجروا خورید، وبرائے حاجت برداریدہ، وبکار ثواب صرف کنید، رواہ ابو داؤد[1] عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن البنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ایں سوم خود جمیع میراث ومثوبات راشامل ست، تعمیر مسجد نیز ازاں ست، پس بالیقین رواست واللہ تعالٰی اعلم۔

طور پر ہرگز صدقہ نہیں ہے۔ نہ واجب، نہ ہی نفلی، اور نہ عام نہ خاص پس اس میں تملیک فقیر کی شرط کرنا شرع پر زیادتی ہے۔ ہاں اگر فقیر کو دے گا تو خاص نفلی صدقہ ہوگا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ فقیر کے بغیر کسی کے لئے رواہ نہیں، دیکھئے جو زر آپ نے مسجد کی تعمیر پر کیا یا میت کے کفن پر خرچ کیا اگر فقیر کو دیتا تو وہ بھی خاص نفلی صدقہ ہو جاتا جبکہ وہ اس چیز کو مانع نہیں کہ آپ خود اپنے صرف میں یا کسی بھی کار خیر میں صرف کریں بلکہ مسجد کی تعمیر ضروری ہو یا کفن دینے کی حاجت ہو، تو شرعی مطالبہ ہے اور یہ دونوں واجب ہو جاتے ہیں حالانکہ چرم قربانی کو کسی کام پر خرچ کرنے کا شرعا کوئی مطالبہ نہیں ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اس کو صدقہ کرنا شرعا مطلوب ہے اور اس صدقہ کا مصرف تملیک کے بغیر نہیں ہو سکتا جبکہ شرع نے اس کو صرف کرنے کا کوئی بھی حکم نہیں دیا، ابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور اجر کماؤ، یہ تین کام کرنے کا حکم فرمایا جبکہ تیسرا حکم تمام نیکیوں اور ثواب والے مقامات کو شامل ہے اور مسجد کی تعمیر بھی نیکی کا کام ہے۔ لہٰذا اس کا مصرف تعمیر مسجد کے لئے بالیقین جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از ملا محمد اسمٰعیل ابن محمد رمضان در مسجد رنگریزاں پالی تاریخ ۱۱ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہم لوگ سب محلّہ قربانی کی کھالیں ہمارے محلّہ کی مسجد میں دیتے ہیں تاکہ مسجد کی ڈول، رسی وچراغ وبتی میں امداد پہنچے، اور اگر سوائے ہماری مسجد کے اور جگہ ان

[1] سنن ابو داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کھالوں کو صرف کردے، تو اس کو ہم محلّہ سے خارج کردیتے ہیں، عندالشرع ایسا کرنا کس حکم میں داخل ہے؟

الجواب:

مسجد میں چرم قربانی صرف کردینا جائز ہے مگر واجب نہیں، دوسرا اگر اور کسی جائز صرف میں خرچ کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں، اس بناء پر اسے محلّہ سے خارج کردینا ظلم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳ و ۲۷۴: ازانبیٹھ تحصیل نکوڑ ضلع سہارنپور مسئولہ سید مظفر صاحب ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

علمائے ذی شان مسئلہ محررہ ذیل میں کیا ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) زید پوست قربانی بعینہٖ مسجد میں دینے کو اور اس کی ضروریات میں خرچ کرنے کو خواہ تنخواہ مؤذن ہو یا دیگر حوائج مسجد جائز کہتا ہے۔ اور نیز قربانی کرنے والے کو اپنے استعمال میں لانا، خواہ ڈول بنا کر یا دیگر کسی طریقے سے شے معتمد اپنے لئے تیار کرانے کو شرعاً جو جائز کہا گیا، تو اسی ڈول کو جو اس نے استعمال کے لئے تیار کرایا تھا مسجد میں اگر دے دے تو زید مذکور اس کو جائز رکھتا ہے اور عمرو ان دونوں امر کو ناجائز کہتا ہے۔ اور استدلال ہر دو کا کتب فقہ مثل ہدایہ وشامی کی عبارت سے جیسا کہ عبارت ہدایہ مطبوعہ اصح المطابع صفحہ ۴۴۸ میں ہے:

ویتصدق بجلدھا لانہ جزء منہا اویعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت کالنطع والجراب والغربال ونحوھا الخ۔[1]	قربانی کی کھال کو صدقہ کیا جائے کیونکہ یہ قربانی کا جز ہے یا اس کو خود کام میں لاکر گھر میں خوان یا تھیلا یا چھلنی وغیرہ بنالے الخ۔ (ت)

زید کہتا ہے جبکہ پوست قربانی کی اشیاء قربانی کرنے والا اپنی ذات کے لئے تیار کراکر استعمال کرسکتا ہے تو وہ ان کو مسجد میں دے دے تو کیا حرج ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ صدقہ طرفے معنی تملیک بلاعوض ہے تو مسجد میں پوست قربانی دینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ مسجد تملیک کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی، ایسے ہی شارع علیہ السلام نے پوست قربانی کی اشیاء تیار شدہ کو اپنے نفس کے لئے اپنے گھر میں استعمال کرنے کے لئے حکم فرمایا نہ کہ مسجد میں اسی شیئ کو اپنی طرف سے دے دینے کو۔

(۲) دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر کسی گائے وغیرہ کے سینگ کے اوپر کا حصہ نیچے تک ٹوٹا ہو تو ہدایہ میں تو مطلقاً مکسورۃ القرن کو جائز لکھا ہے۔ اور شامی میں تفصیل اس طرح کہ اگر کسر مخ تک پہنچی تو ناجائز ہے ونیز مشاش یعنی رؤس عظام تک اگر کسر پہنچے تو ناجائز، تو جس جانور کا اوپر والا حصہ نیچے تک

---

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

اکھڑ گیا وہ جائز ہوگا یا ناجائز ہوگا؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) زید کا قول صحیح ہے۔ بیشک اسے امور بر وخیر میں صرف کرسکتے ہیں، اور اپنے لئے ایسی چیز جو باقی رکھ کر استعمال کی جائے جیسے ڈول۔ مشک، کتاب کی جلد وغیرہ بناسکتے ہیں اور اسے بدرجہ اولیٰ مسجد میں دے سکتے ہیں، تصدق جس میں تملیک فقیر ضرور ہے۔ صدقات واجبہ مثل زکوٰۃ میں ہے ہر صدقہ واجبہ میں بھی نہیں، جیسے کفارہ صیام وظہار ویمین کہ ان کے طعام میں تملیک فقیر کی حاجت نہیں اباحت بھی کافی ہے، **کما فی فتح القدیر**[1] **وغیرہ عامۃ الکتب** (فتح القدیر وغیرہ عام کتب میں جیسا کہ موجود ہے۔ت) چرم قربانی کا تصدق اصلاً واجب نہیں، ایک صدقہ نافلہ ہے۔ اس میں اشتراط تملیک کہاں سے آیا، بلکہ ہر قربت جائز ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلوا وادخروا وائتجروا[2]۔	کھاؤ اور ذخیرہ رکھو اور ثواب کا کام کرو۔

کیا مسجد میں دینا ثواب کا کام نہیں امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں: **لانہ قربۃ کالتصدق**[3] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

کیا مسجد میں دینا قربت نہیں۔ اور عجیب منطق یہ ہے کہ مسجد میں دینا تو جائز نہیں کہ تملیک فقیر نہ ہوگی، اور غنی کا اپنے صرف میں رکھنا جائز اس میں تملیک فقیر ہوگئی **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

(۲) قرن اوپر ہی کے حصے کو کہتے ہیں۔ جو ظاہر ہوتا ہے وہ اگر کل ٹوٹ گیا حرج نہیں ولہذا ہدایہ میں مکسورۃ القرن کو جائز فرمایا، ہاں اگر اندر سے اس کی جڑ نکل آئی کہ سر میں جگہ خالی ہوگئی، تو ناجائز ہے۔ ردالمحتار کا یہی مفاد ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ ہندوپٹی مرسلہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۲۰ رمضان ۱۳۳۷ھ

مفتیان کرام ذوی الاحترام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے۔ زید کہتا ہے کہ جلد قربانی وعقیقہ مسجد ومدرسہ کے صرف میں آسکتی ہے۔ بکر کا قول ہے کسی فقیر کو دی جائے وہ خرچ کرسکتا ہے

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ باب من یجوز دفع الصدق الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[3] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

کیونکہ یہ صدقہ ہے اور صدقات کی تفصیل کلام الٰہی نے فرمادی: "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[1] الاٰیۃ سورۃ توبہ (صدقات خاص کر فقراء کے لئے ہیں۔ت) اور حکم باری تعالٰی ہے:

"فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ"[2]	تو اگر تم کسی معاملہ میں تنازع کرو تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف پھیرو۔(ت)

لہٰذا کلام ربانی کی طرف رجوع کی گئی نیز بکر کا بیان ہے کہ بر تقدیر صحت قول زید کا اس کا ماخذ کہاں ہے امید کہ مسئلہ کی توضیح مع نقل عبارات فرمائی جائے۔فقط

الجواب:

بیشک ہر منازعت میں اللہ ورسول ہی کی طرف رجوع لازم ہے۔مگر ہر ایک کو بلاواسطہ رجوع کی لیاقت کہاں، یہیں دیکھئے آیہ کریمہ میں صدقات سے زکوٰۃ مراد کہ اسی میں ارشاد ہوتا ہے "وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا"[3] (صدقات پر کام کرنے والوں پر۔ت) اور بکر نے اسے قربانی وعقیقہ کو شامل کردیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے تو گوشت کی نسبت خود قرآن عظیم میں ارشاد ہے: فکلوا منہا[4] اس میں سے خود بھی کھاؤ۔اب کہاں رہی صدقات کی وہ تفصیل جو اس آیہ کریمہ میں بالحصر ارشاد ہوئی تھی کہ "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ"[5] (صدقات فقراء کے لئے ہیں الآیۃ۔ت) یہ بھی نہ سمجھا کہ عوام تک اس کو قربانی کہتے ہیں نہ کہ صدقہ، تو ہر کار تقرب اس میں روا، لہٰذا امام زیلعی نے شرح کنزالدقائق میں فرمایا: لانہ قربۃ کالتصدق[6] (کیونکہ صدقہ کی طرح یہ قربت ہے۔ت) ہاں ہم نے خاص مسئلہ میں اللہ عزوجل کی طرف رجوع کی تو اس کا ارشاد پایا،

"فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ﴿۲۸﴾"[7]	خود اس میں سے کھاؤ اور ضرور تمند فقیر کو کھلاؤ۔(ت)

اطعام کے لفظ نے بتایا کہ تصدق ہی واجب نہیں اباحت بھی کافی ہے۔جو محض ایک قربت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رجوع کی، تو حضور کا ارشاد پایا:

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸۔۳۶

[5] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[6] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[7] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۸

فکلوا وادخروا وائتجروا [1] رواہ ابوداؤد وغیرہ عن نبشۃ الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کھاؤ اور اٹھا رکھو اور ثواب کا کام کرو۔اسے ابوداؤد وغیرہ نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

مسجد ومدرسہ دینیہ اہلسنت میں دینا بھی ثواب کا کام مثل اطعام، اور اسی ائتجروا کے حکم میں داخل ہے۔ہاں اگر کوئی شخص اس کی جلد اپنے صرف میں لانے کی نیت سے روپوں پیسوں کو بیچے تو بیشک قیمت اس کے حق میں خبیث ہوگی۔

لانہ جزء من التمول کما نصوا علیہ وفی حدیث المستدرک من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ[2]۔	کیونکہ یہ مالداری کا جزء ہے جیسا کہ انھوں نے نص فرمائی ہے اور مستدرک کی حدیث میں ہے جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی تو اس کی قربانی نہیں۔(ت)

وہ قیمت نہ مسجد میں دے نہ مدرسہ میں فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [3] (اللہ طیب ہے وہ صرف طیب کو قبول فرماتا ہے۔ت) بلکہ فقراء پر تقسیم اور تصدق کرے کما ھو حکم مال الخبیث (جیسا کہ ناپاک مال کا حکم ہے۔ت) اور اگر نہ اپنے لئے بلکہ مسجد ومدرسہ یا کسی فقیر ہی کو دینے کے لئے روپوں پیسوں کو بیچے، خود یہ خواہ مسجد ومدرسہ و وکیل فقیر، بہر صورت جائز ہے۔اور وہ دام مدرسہ و مسجد میں صرف ہو سکتے ہیں کہ ممنوع تمول ہے نہ کہ تقرب

وقد مرعن التبیین انہ قربۃ کالتصدق [4] و تمام التحقیق فی رسالتنا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	تبیین سے گزرا کہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے، مکمل تحقیق ہمارے رسالہ "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶تا۲۷۹: انجمن اسلامیہ رانا واڑ کاٹھیاوار ۵ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ امام اہلسنت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب قبلہ مدظلہ العالی! بعد تسلیم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲ /۳۹۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل مسند ابوہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۳۲۸

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامیریہ بولاق مصر ۶ /۹

بعد تکریم وقدمبوسی عرض یہ ہے کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) قربانی کے چمڑے کے پیسے جو معلم کو مدرسہ کی دینی اور دنیاوی تعلیم پر مقرر کئے گئے ہیں آیا ان کو بطور ماہانہ تنخواہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) قربانی کے چمڑے کے پیسے سے غریب اور تونگر کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے مدرسہ کے لئے عمارت بنانے کے کام میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۳) قربانی کے چمڑے کی آمد سے عمارت بناکر اس کا سود یا کرایہ کہ آئے۔ اس کو بچوں کی تعلیم میں صرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

(۴) قربانی کے چمڑے کی آمد سے غریب یا تونگر طلباء کو کتاب دے سکتے ہیں یا نہیں مانند قرآن شریف وغیرہ **بینوا توجروا**

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق اغنیاء جو ایام نحر میں قربانی کرتے ہیں کہ ابتداء شرع مطہر نے ان پر واجب فرمائی اس کو کھال میں یہ احکام ہیں:

(۱) وہ اسے باقی رکھ کر اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں۔ مثلاً انکے مشک، ڈول یا کتابوں کی جلدیں بنوالیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وادخروا**[1] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق کہ "اور ذخیرہ کرو" ت)

(۲) اپنے استعمال کے لئے اس سے وہ چیزیں خرید سکتے ہیں جو باقی رکھ کر استعمال ہوتی ہیں، جیسے برتن، کتابیں، وغیرہا **فان قیام البدل کقیام المبدل منہ** (بدل کا قیام مبدل کے قیام کی طرح ہے۔ت) اور مختار میں ہے:

یتصدق بجلدہ، اویعمل منہ نحو غربال وجراب و قربۃ وسفرۃ ودلو اویبدلہ بمایننتفع بہ باقیا کما مر[2]۔	کھال کا صدقہ کرے یا خود غربال۔ تھیلا، مشکیزہ خوان یا ڈول بنالے یا ایسی چیزی تبادلہ کرے جس کو باقی رکھ کر نفع حاصل کرتا رہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

(۳) اسے اپنے لئے داموں کو نہیں بیچ سکتے، اگر بیچیں تصدق کریں **لانہ سبیل ماحصل**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب جنس لحوم الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[2] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

بوجہ خبیث (خبیث طریقہ سے حاصل شدہ کا یہی حکم ہے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

تصدق بالدراھم فیما لو ابدلہ بھا[1]۔	اگراسے دراہم سے بدلا تو دراہم کو صدقہ کرے۔(ت)

یہاں تک کہ اگر داموں کو بیچے پھر چاہے کہ ان داموں سے کوئی چیز ایسی خریدے جس کی خرید جائز تھی، جیسے برتن وغیرہ، تو اب اس کا اختیار نہیں وہ دام تصدق ہی کرنے ہوں گے، طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ بما ینتفع بعینہ ظاہرہ انہ لایجوز بیعہ بدراھم ثم یشتری بھا ماذکر[2]۔	قولہ وہ چیز جس کے عین سے نفع حاصل کرے اس کا ظاہر یہ ہے کہ کھال کو دراہم کے عوض فروخت کرکے پھر دراہم کے ساتھ کوئی چیز خریدنا جن کو ذکر کیا۔ جائز نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ویفیدہ ماننذکرہ عن البدائع[3]۔	اس کا فائدہ دے گا جو ہم بدائع کے حوالہ سے ذکر کرینگے۔(ت)

(۴) یوں ہی اپنے لئے کسی ایسی چیز سے بیچیں جو خرچ ہو کر کام میں آتی ہے۔ جیسے کھانے پینے کی چیزیں، یہ ناجائز ہے۔ اور ان کی قیمت تصدق کرنی ہوگی، درمختار میں بعد عبارت مذکورہ ہے:

لابمستھلك کخل ولحم ونحوہ کدراھم فان بیع اللحم اوالجلد بہ ای بمستھلك اوبدراھم تصدق بثمنہ[4]۔	ہلاک ہونے والی چیز کے عوض نہیں جیسے سرکہ گوشت وغیرہ مثلا دراہم، تو اگر گوشت یا کھال کو ایسی ہلاک ہونے والی چیز یا دراہم کے عوض فروخت کیا تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔(ت)

(۵) اسے باقی رکھ کر یا باقی رہنے والی چیز سے بدل کر اسے کرائے پر نہیں دے سکتا مثلا کھال کی مشک بنائی یا اس سے کوئی برتن خریدا، اور اس مشک یا برتن کو کرایہ پر دیا یہ ناجائز ہے۔ اس کرائے کو تصدق کرنا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الاضحیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۶۲

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۱

[4] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

لایوجرھافان فعل تصدق بالاجرۃ[1]۔	نہ اجرت پر دے اگر اجرت لی تو صدقہ کردے(ت)

حاوی الفتاوٰی، فتاوٰی ظہیریہ، پھر در منتقٰی پھر ردالمحتار میں ہے:

لو عمل الجلد جرابا واٰجرہ لم یجز، وعلیہ التصدق بالاجرۃ[2]۔	اگر کھال تھیلا بنایا اور اجرت پر دیا تو اجرت کو صدقہ کرے۔اجرت لینا جائز نہیں۔(ت)

(۶) اپنے اوپر کسی آتے ہوئے کے بدلے میں، مثلاً نوکر کی تنخواہ یا کسی کام کی اجرت میں نہیں دے سکتے **فانہ ایضا فی معنی البیع للتمول** (کیونکہ یہ بھی تمول کے معنی میں ہے۔ت) درمختار میں ہے:

لایعطی اجر الجزار منہا لانہ کبیع[3]۔	قصاب کو اجرت میں نہ دے کیونکہ یہ بیع کی طرح ہے۔(ت)

کفایہ، پھر ردالمحتار میں ہے:

لان کلامنہا معاوضۃ لانہ انما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرۃ، والبیع مکروہ فکذا مافی معناہ[4]۔	کیونکہ یہ دونوں معاوضہ ہیں کیونکہ قصاب کو اس کی مزدوری کے عوض دے گا اور بیع مکروہ ہے تو اس کا ہم معنی بھی مکروہ ہے۔(ت)

(۷) یونہی اپنی زکوۃ کی نیت سے فقیر کو نہیں دے سکتے **لانہ ایضا معنی البیع بالدراھم** (کیونکہ یہ بھی دراہم کے بدلے میں بیع کے معنی میں ہے۔ت) اور اگر دیں گے تو فقیر اس کا مالک ہو جائیگا اور زکوۃ ادا نہ ہوگی، قنیہ پھر شرح نقایہ قہستانی پھر ابن عابدین علی الدر میں ہے:

اذا دفع اللحم الی فقیر بنیۃ الزکٰوۃ لایحسب عنہا فی ظاھر الروایۃ[5]۔	جب فقیر کو زکوۃ کی نیت سے گوشت دے تو ظاہر الروایہ میں زکوۃ نہ ہوگی۔(ت)

(۸) فقراء کو دینے کی نیت سے داموں کو بھی بیچ سکتے ہیں کہ یہ اپنے لئے تمول نہیں، تبیین الحقائق پھر عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[3] درمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۴

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

[5] ردالمحتار کتاب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰۹

لایبیعه بالدراھم لینفق الدارھم علی نفسه وعیاله، ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق[1]۔	دراہم کے عوض اپنے یا اپنے عیال پر خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اگر دراہم کے عوض فروخت کیا دراہم کو صدقہ کرنے کے لئے تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔(ت)

(۹) غنی کو ہبہ کرسکتے ہیں کہ وہ اپنا تمول نہیں۔ پھر اس غنی کو اختیار ہے چاہے داموں کو بیچ کر اپنے خرچ میں لائے چاہے کسی کی اجرت یا تنخواہ میں دے چاہے اپنی زکوۃ میں دے اور اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی کہ اب حکم اضحیہ منقطع ہوگیا، وہ اس کی ملک ہے جو چاہے کرے۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ھو لھا صدقة ولنا ھدیة[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے صدقہ اور ہمارے لے ہدیہ ہے۔(ت)

قنیہ پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں بعبارت مذکورہ ہے۔

لکن اذا دفع لغنی ثم دفع الیه بنیتھا یحسب[3] اھ ای دفع الموھوب له بنیة الزکوٰۃ جاز واجزأ۔	لیکن اگر غنی کو دیا اور غنی نے اپنی زکوۃ میں دیا تو زکوۃ شمار ہوگی، یعنی موہوب لہ اپنی زکوۃ کی نیت سے دے تو جائز ہے۔(ت)

(۱۰) مسجد میں دے سکتے ہیں:

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وائتجروا[4] رواہ ابو داؤد عن نبشه الھذلی رضی الله تعالٰی عنه۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی بنا پر کہ اجر کماؤ، اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

پھر مہتممان مسجد کو اختیار ہے کہ اسے بیچ کر جس کام میں چاہیں لائیں اگرچہ امام یا مؤذن یا فراش کی تنخواہ میں۔

لان صار ملك المسجد کمسألة الغنی المذکور فانقطع حکم الاضحیة۔	کیونکہ مسجد کی ملک ہو گئی جس طرح غنی والا مذکور مسئلہ تو قربانی کا حکم ختم ہوگیا۔(ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ ۶/ ۹ و فتاوٰی ہندیہ کتاب الاضحیۃ الباب السادس ۵/ ۳۰۱

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقات علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۲

[3] ردالمحتار باب الاضحیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاضحیۃ باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

واقعات امام حسام الدین پھر فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

ویمکن تصحیحه تملیکا بالهبة للمسجد اثبات الملك للمسجد علی هذا الوجه صحیح فیتم بالقبض[1]۔	ہبہ کے طور تملیک کی صحت مسجد کے لئے ممکن ہے اور اس طریقہ سے مسجد کی ملک ثابت کرنا صحیح ہے تو ہبہ قبضہ سے تام ہوجائیگا (ت)

فتاوٰی عتابیہ پھر عالمگیریہ میں ہے:

یصح بطریق التملیك اذا سلمه للقیم[2]۔	جب منتظم کو سونپ دیا تو تملیک کا طریقہ صحیح ہوگیا۔(ت)

(۱۱) یونہی ہر قربت کے کام میں صرف کرسکتے ہیں جیسے مدرسہ دینیہ کی اعانت۔

لا طلاق عموم قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم و ائتجروا[3]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "ثواب کماؤ" کے اطلاق کی بناء پر۔(ت)

امام زیلعی سے گزرا: لانه قربة کالتصدق[4] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)

(۱۲) اس کار قربت مثل مسجد یا مدرسہ دینیہ یا تعلیم یتیماں میں صرف کرنے کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ خود اس نیت سے بیچ کر اس کار خیر میں صرف کرنے والوں کو دے دیں۔

لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[5]۔ وتقدم فرق الامام فخر الدین بین ما اذا باع بالدراهم لینفقها علی نفسه وعیاله واما اذا باعها لاجل الفقراء۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "عمل صرف نیت سے اور ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق ملا، اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بیانکردہ گزرا کہ اپنے اور اپنی عیال کے لئے دراہم کے عوض فروخت میں فقراء کے لئے فروخت میں فرق ہے۔(ت)

جب یہ احکام معلوم ہولئے، بعونہٖ تعالٰی سوال کی چاروں صورتوں کا حکم واضح ہوگیا۔

[1] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الواقعات الحسامیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الفتاوٰی العتابیۃ کتاب الوقف الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۶۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[4] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[5] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

(۱) مدرسہ دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں، اور مدرسان مدرسہ دینی اگر اس کے نوکر ہیں جن کی تنخواہ اس پر واجب ہوتی ہے اس میں نہیں دے سکتا کہ یہ اس پر آتا ہے ورنہ مہتمم مدرسہ کو دے دے وہ تنخواہ میں دے، یا جس کار دینی مدرسہ دینیہ میں چاہے صرف کرے۔

(۲) مدرسہ دینیہ کی عمارت میں خرچ کرسکتا ہے کہ قربت ہے۔

(۳) لا الٰہ الا اللہ سود حرام قطعی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ سود کھانا ستر بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے بدتر ہے[1]۔

ہاں جو عمارت کار خیر مثل تعلیم القرآن علم دین کے لئے وقف کریں کہ اس کے کرایہ سے وہ کار خیر جاری ہو، اس کی تعمیر میں صرف کرسکتا ہے۔

(۴) اسے کتابوں سے بدل کر طلبہ کو دے سکتے ہیں اگرچہ وہ طلبہ غنی ہوں کہ کتاب باقی رہ کر کام آتی ہے۔ اور ایسی چیز کے عوض اپنے لئے بیچنا جائز ہے۔ طلبہ کے لئے بدرجہ اولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۰: مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب مدرس تلمیذ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ہفتم ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت پوست قربانی کو تنخواہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجرا**

الجواب:

جو مدرسہ تعلیم علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہ مدرسین وخوراک طلباء وغیرہ میں صرف کی جائے۔ مذہب صحیح پر جائز ہے کہ ایسے مدارس اعانت قربت ہے۔ اور قربات میں صرف کرنے کے لئے گوشت پوست قربانی بیچنے کو مطلقاً اجازت ہے۔

فی الھندیة لایبیعه بالدارھم لینفق الدراھم علی نفسه وعیاله واللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح ولو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق، کذا فی التبیین	ہندیہ میں ہے کہ اپنے اور اپنے عیال پر دراہم خرچ کرنے کے لئے فروخت نہ کرے اور گوشت بمنزلہ کھال ہے صحیح قول میں اور دراہم فقیر کو صدقہ کرنے کی غرض سے فروخت کیا تو جائز ہے کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے یوں تبیین

[1] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۰ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۹۳

وھکذا فی الھدایة والکافی [1] اھ ملخصاً۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہدایہ اور کافی میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۱: از بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۲۵ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مال زکوۃ چرم قربانی سے اعانت مدرسہ کی کی جائے یا نہیں۔مصارف مدرسہ میں تنخواہ مدرسین کے لئے اور وہ اپنی اُجرت لیتا ہے۔اور یہ امر ظاہر ہے کہ اجرت میں مال زکوۃ یا چرم قربانی دینا جائز نہیں؟

الجواب:

زکوۃ میں تملیک بلاعوض بہ نیت زکوۃ درکار ہے۔بے اس کے اور وجوہ تقرب مثل مسجد ومدرسہ و تکفین موتی وغیرہا میں اس کا صرف کافی نہیں،ہاں مثلاً جو طلبہ علم مصرف ہوں،انھیں نقد یا کپڑے یا کتابیں بروجہ مذکور دے کر اعانت مدرسہ ممکن **کما یظھر من الدر وغیرہ**(جیسا کہ در وغیرہ سے ظاہر ہورہا ہے۔ت)چرم قربانی میں تصدق بمعنی مسطور اصلاً ضرور نہیں۔

منسک متوسط میں ہے:**لایجب التصدق بہ** [2](اس کا صدقہ نہیں۔ت)مسلک متقسط میں ہے:**لابکلہ ولاببعضہ** [3](نہ کل نہ بعض۔)مطلق قرب روا ہے حدیث میں ہے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

واتئجروا [4] روہ ابوداؤد عن نبشة الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ثواب میں خرچ کرو،اس کو ابوداؤد نے نبشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام زیلعی نے شرح کنز میں فرمایا:**لانہ قربة کالتصدق** [5](کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت)ظاہر ہے کہ مدارس دینیہ بھی وجوہ قربت وائتجار سے ہیں اور وہ تنخواہ حق مدرس میں اجرت ہونا حق

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۰۱

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[3] المسلک المتقوط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب الھدایہ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۱۲

[4] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

[5] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

معطی الاعانۃ علم الدین میں قربت ہونے کی منافی نہیں، جیسے سقائے سقایہ و موذن مسجد کی اُجرت

وقد فصلنا القول فیھا فتاوٰنا فی المسئلۃ رسالۃ کافلۃ کافیۃ سمیتھا "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ کافلہ کافیہ جس کا نام ہم نے "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" رکھا، میں بیان کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۸۲: از طالب پور ضلع مرشد آباد کوٹھی راجہ صاحب مرسلہ محمد جان صاحب محمد ۶/ رمضان مبارک

چہ مے فرمایند علمائے شریعت غرا اندریں مسئلہ کہ اگر چرم اضاحی بمتولیاں مدارس دینیہ تملیکا دادہ شود وایشاں بصوابدید خود یا باشارۃ استشارہ دہندگاں چرم او را در ضروریات مدرسہ صرف نمایند سمتے از جواز وارد یانہ؟ **بینوا توجروا**	روشن شریعت کے علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں اگر چرم قربانی مدارس کے متولیوں کو تملیک کردی جائیں اور وہ اپنی صوابدیدہ پر یا دینے والوں کے مشورہ سے مدرسہ کی ضروریات میں صرف کریں تو جواز کی صورت ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

در جواز بعد اراقۃ دم واقامت قربت صورت مذکورہ جائے سخن نیست، متولیان اگر فقراء باشند ایں تملیک تصدق باشد ورنہ ہدیہ، وہیچیک ازینہا در اجزائے اضحیہ ممنوع نیست۔فی النقایہ وشرحھا للبرجندی یھب من یشاء علی سبیل التملیک فقیرا اوغنیا [1] آنچہ کہ ممنوع ومکروہ است بیع بروجہ تمول ست لحدیث من باع اضحیتہ فلا	قربانی کے خون بہادینے اور قربت قائم کردینے کے بعد مذکورہ صورت کے جواز میں کوئی شبہ نہیں ہے۔متولی حضرات اگر خود فقیر ہوں تو ان پر صدقہ ہوگا ورنہ ہدیہ ہوگا، ان میں سے کوئی بھی قربانی کے اجزاء میں ممنوع نہیں ہے۔ نقایہ اور اس کی شرح برجندی میں ہے جس کو چاہے دے کر مالک بنا کر فقیر کو خواہ غنی کو اور منع صرف تمول کے طور پر فروخت کرنا ہے اس حدیث کی بناء پر کہ جس نے قربانی کی کھال فروخت کی اس کی

[1] شرح النقایہ للبرجندی کتاب الاضحیۃ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۹۹

اضحیة له [1] رواه الحاکم فی المستدرك و البیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وپیداست کہ ہدیہ از بیع چیزے بناشد۔ بالجملہ ایں مبنی خود در لحم اضحیہ رواست۔ وجلد بالاتر از ونیست، بالاتفاق، وفی الهدایة والکافی والتبیین وغیرها اللحم بمنزلة الجلد فی الصحیح [2]۔ باز آں گاہ کہ جلد بتملیک مضحی در ملک متولی آمد، حکم اضحیہ منتہی شد، متولیاں راہر گونہ تصرف درو روا باشد لحصول المطلق وانتهاء الحاجز، وذٰلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی اللحم المتصدق به علی بریرة رضی الله تعالٰی عنها هولها صدقة ولنا هدیة [3] رواه البخاری عن ام المؤمنین رضی الله تعالٰی عنها. ازیں جاست کہ اگر کسے لحم اضحیہ خودش بہ نیت زکوٰۃ بر فقیر تصدق کند زکوٰۃ ادا نشود، واگر بغنی ہدیہ داد او از زکوٰۃ خویش بدست فقیرے نہاد زکوتش ادا شود، زیراکہ حکم اضحیہ بآں ہدیہ بپایاں رسید، حالا ایں چیزے

قربانی نہیں، اس کو حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ہدیہ فروخت کی قسم نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ قربانی کے گوشت میں بھی یہ معنی موجود ہے جبکہ کھال اس سے اہم نہیں ہے بالاتفاق، اور ہدایہ، کافی اور تبیین وغیرہا میں ہے کہ گوشت کھال کے حکم میں ہے صحیح قول میں، پھر جب کھال قربانی دینے والے کی طرف سے متولی کی ملک کردی گئی تو قربانی کا حکم تام ہوگیا، متولی حضرات کو اب ہر طرح اس میں تصرف کا اختیار ہے۔ ممانعت ہونے اور اجازت پائے جانے کی وجہ سے، اور یہ اس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد اس گوشت کے متعلق جو حضرت بریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو صدقہ ملا کہ وہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے اس حدیث کو بخاری نے حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے رویت کیا ہے، اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰۃ میں دے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور اگر غنی کو ہدیہ کے طور پر دے اور اس نے وہ زکوٰۃ میں دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کیونکہ غنی کو ہدیہ دینے سے قربانی کا حکم تام ہوگیا اور اب غنی کے لئے یہ مملوکہ

---

[1] المستدرك کتاب التفسیر دار الفکر بیروت ۲ /۳۹۰

[2] الهدایہ کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۴۸

[3] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقة علی موالی ازواج النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۰۲

ست ازآن آں غنی دررنگ سائر مملوکات اوکہ بانکہ ہرچہ خواہد کند، فی ردالمحتار اذا دفع الحم الی فقیر بنیة الزکوٰة لا یحسب عنہا فی ظاہر الروایة لکن اذا دفع لغنی ثم دفعه الیه بینتها یحسب [1]۔ پس اگر ایشاں درغیر صور قرب استہلاک کردندے۔ ہیچ مانع نبودے کہ آنکہ تمول کرد مضحی نبود، وآنکہ مضحی بود تمول نہ کرد، کما اذا تصدق بہ علی فقیر فباعہ بدراھم لنفقتہ، ایں جاکہ صرف ہم بامور قربت ست، وقربت خود یکے از مصارف اضحیہ است لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وائتجروا رواہ ابو داؤد [2] عن نبشة الهذلی رضی اللہ تعالٰی عنه۔ ومن فقیر در فتاوٰی خودم بقدر کفایت، ودر رسالہ "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" (۱۳۰۷ھ) بمالامزید علیہ تحقیق نمودہ کہ آگر مضحی بخودی خود بے تحلل تملیک بدیگرے جلد اضاحی رابمہچو امور قربت صرف نماید محذورے نیاید، لاجرم ایں صورت اولٰی بجواز ست کما لا یخفی علی اولی النھی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

قرار پائی، ردالمحتار میں ہے جب قربانی کا گوشت فقیر کو زکوٰة کی نیت سے دیا تو ظاہر الروایة میں زکوٰة میں شمار نہ ہوگا، لیکن جب غنی کو دیا اور غنی نے فقیر کو اپنی زکوٰة میں دیا تو غنی کی زکوٰة ادا ہوگی۔ اگر قربانی کی کھال کو قربت کے علاوہ بھی صرف کریں تو کوئی مانع نہیں ہے کیونکہ قربانی والا تمول نہیں بناتا اور تمول والے نے قربانی نہ بنائی مثلاً جب فقیر پر صدقہ کیا اور فقیر نے دراہم کے عوض فروخت کردی تو یہاں کھال قربت میں صرف ہوئی جبکہ قربت خود احکام قربانی سے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰة والسلام کے اس ارشاد کی بناء پر کہ "ثواب کماؤ" اس کو ابوداؤد نے حضرت نبشہ الہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور اس فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بقدر کفایت اور رسالہ "الصافیة الموحیه لحکم جلود الاضحیة" میں انتہائی بیان کردیا ہے کہ اگر قربانی والا خود بلا واسطہ تملیک دوسرے کو خود صرف کرلے تو کوئی حرج نہیں تو یہ صورت بطریق اولٰی جائز ہوگی، جیسا کہ صاحب فہم پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۸۳: از سہسرام ضلع مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

قیمت کھال قربانی جو پہلے سے بیوہ وبیکس، یتیم وبے بس۔ مساکین سکنائے جار واقربائے دیار پر تقسیم ہوتی، ومساجد کے فرش، جانماز، روشنی، ڈول، رسی، وجھاڑو وغیرہ کے مصارف میں صرف

[1] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

ہوا کرتی تھی جس کو اہالیان مدرسہ ناجائز مشتہر کرکے اب مسلم کھال یا کل قیمت باغوائے اہلیان مدرسہ باغوائے بیان واعظین داخل مدرسہ جاتی ہے۔اور مسکینان محروم رہتے ہیں، ستم ہے یا نہیں؟اور اہلیان ومہتمان مدرسہ کو اس رقم کا لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

چرم قربانی کے بارے میں یہ ہے کہ اسے بغیر بیع اپنے کسی صرف میں لائے تو لاسکتا ہے۔مثلاً کتابوں کی جلدیں بنائے یا مشک، ڈول بنوائے،اور ایسے کاموں کے لئے کسی غنی کو ہدیہ بھی دے سکتا ہے۔اور بہتر یہ ہے کہ اسے صارف خیر میں کرے۔مثلاً یتامٰی وبیوگاں ومساکین کو دیں یا مساجد کے مصارف مستحبہ میں صرف کرنا یا سنی مدارس دینیہ میں امداد علم دین کے لئے دینا، یہ سب صورتیں جائز ہیں **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ارشاد کی بناء پر کہ کھاؤ،ذخیرہ بناؤ اور ثواب کماؤ۔ت) ان میں سے جن میں زیادہ مناسب اور حاجت وقت کے ملائم جانے صرف کرے، کسی صورت کو ظلم نہیں کہہ سکتے،ہاں یتیموں اور بیواؤں اور مسکینوں کی دینا جو ناجائز بتائے وہ ظلم کرتا ہے کہ یہ اس کا شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔یونہی اگر کچھ لوگ اپنے یہاں کی کھالیں حاجتمند یتیموں، بیواؤں، مسکینوں کو دینا چاہیں کہ ان کی صورت حاجت روائی یہی ہو،اسے کوئی واعظ یا مدرسہ والا روک کر مدرسہ کے لئے لے لے تو یہ اس کا ظلم ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۴: ۱۱ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک غریب شخص کے یہاں لڑکی پیدا ہوئی،وہ اس قابل نہیں ہے کہ عقیقہ کرے ساتھ قربانی کے،مگر بسبب سنت ادا ہونے کے اس کو کسی شخص نے کچھ عطیہ کیا تھا اس کو فروخت کرکے اس نے قربانی کی،اور اس کے پاس کسی طرح کا مقدور نہیں ہے۔اور اس قربانی کی کال کے دام اپنے خرچ میں لانا جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

عقیقہ کے احکام مثل اضحیہ ہیں۔اس سے بھی مثل اضحیہ تقرب الی اللہ عزوجل مقصود ہوتا ہے اور جو چیز تقرب کے لئے رکھی گئی وہ تمول یعنی اپنا مال بنانے سے محفوظ رکھنا چاہئے۔کھال بھی جانور کا جز ہے۔تو داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لایا جیسا کہ اضحیہ میں ناجائز ہے۔یہاں بھی ضرور نامناسب ہونا چاہئے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۳

کہ رجوع عن التقریب نہ ہو، ہاں اس سے کتاب کی جلد، یا مشک، ڈول بنا کر اسے اپنے صرف میں لاسکتا ہے یا اسے کسی محتاج کو دے دے، پھر اس سے خفیف قیمت کو اس کی مرضی سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ پوری قیمت کو بیچے **ھذا ماظھر لی** (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۵: از تلہر، محلّہ ہندو پٹی ضلع شاہجہانپور مرسلہ مولانا مولوی ضیاء الدین صاحب مدظلہ ۲۵/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت جلد قربانی یا عقیقہ براہ راست مسجد یا مدرسہ دینیہ میں صرف کی جاسکتی ہے۔ یا تملیک مسکین کی ضرورت واقع ہوگی، **بینوا بالدلیل وتوجروا بالاجرا لجزیل** (دلیل کے ساتھ بیان کرو اور کثیر اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں جلد براہ راست صرف کی جاسکتی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا[1].	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔ (ت)

اور اگر مسجد ومدرسہ میں دینے کے لئے داموں کو فروخت کی تو دام بھی براہ راست صرف کئے جاسکتے ہیں، تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) ان صورتوں میں تملیک مسکین ضروری جاننا شرع مطہر میں زیادت کرنا ہے جس پر کوئی دلیل نہیں، تو اپنی طرف سے ایجاد ایجاب ہوا، "**مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ**"[3] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نہ فرمائی۔ت) ہاں اپنے خرچ میں لانے کے لئے داموں کو بیچے تو اس کی سبیل تصدق ہے کہ ملک خبیث ہے۔ براہ راست مدرسہ ومسجد میں نہ دے، **فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب**[4] (بیشک اللہ تعالٰی طیب ہے اور صرف طیب کو ہی قبول فرماتا ہے۔ت) اس سوال کا جواب پہلے فتوٰی میں نظر نہ آنا عجیب نظر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

مسئلہ ۲۸۶: از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب

قربانی کے چمڑا کا روپیہ مسکینوں کو نہ دے بلکہ اس روپیہ سے فوائد عوام کے واسطے کتب خانہ میں قرآن شریف وکتب عربیہ و فارسیہ وانگریزی وبنگلہ وغیرہ خرید کرکے رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ وہ دینی کتابیں ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۷: از بارہ بنکی مسئولہ ریاض حسین ناظم انجمن نور الاسلام ۱۶صفر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ قربانی کی کھال کی قیمت ایک ایسی انجمن میں جس کے اغراض ومقاصد دستور العمل منسلکہ سے واضح رائے عالی ہونگے، صرف ہو سکتی ہے؟

الجواب:

مقاصد کے عام الفاظ ہمیشہ دل خوش کن ہوتے ہیں، اعتبار واقع کا ہے۔ اگر یہ انجمن حقیقۃً اہلسنت کی ہے۔ جن کے عقائد وہابیت ودیوبندیت وغیرہا ضلالت سے پاک ہیں، اور بچوں کو اسی مذہب حق کے مطابق تعلیم ہوتی ہے۔ تو بیشک چرم قربانی اس میں صرف کرنے کو دیا جاسکتا ہے۔ اور اس کے مصارف کے لئے بیچ کر قیمت بھی اس میں دی جا سکتی ہے۔ تبیین الحقائق امام زیلعی میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از پٹنہ سٹی اشرف منزل مرسلہ سید محمد فرید الدین صاحب ۲۰/ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے شہر پٹنہ میں ایک انجمن جس کا نام حفظ المساجد ہے قائم ہوئی ہے۔ اس کا مقصد محض مرمت ومساجد وتعمیر منہدم مسجدوں کی ہے۔ اس انجمن میں تمامی امراء وغرباء علی قدر مراتب دامے درمے امداد کرتے ہیں، اب یہ انجمن چاہتی ہے کہ چرم قربانی عید الاضحیٰ بھی اس کی مدد میں شامل کیا جائے اگر چرم قربانی عید الاضحیٰ یا قیمت چرم اس انجمن میں دیا جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے **قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وائتجروا**[2] (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجر وثواب حاصل کرو۔ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

زیلعی وعالمگیری میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[1] (کیونکہ یہ صدقہ کی طرح قربت ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹: از قصبہ کٹرہ تحصیل تلہر ضلع شاہجہانپور محلّہ مڑھی مرسلہ عبدالغفار خاں ۱۵ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں نے اگلے سال گائے قربانی کی تھی، اس کی کھال فروخت کرکے اور وہ روپیہ میں نے خدا کی راہ میں اس طرح پر خیرات کیا کہ کھانا پکایا اور بھوکوں کو تقسیم کیا، اور مجھ کو محرم میں چھٹی ملی، اور ادھر اُدھر نہیں ملی، تو مجھ سے دوچار لوگوں نے کہا یہ بیکار خرچ کیا، اس کا عذاب تاقیامت تجھ کو ہوگا، اس واسطے کہ تم نے محرم میں اماموں کو خیرات دی، تم کو چاہئے کہ مسجد یا اسلامیہ مدرسہ میں فرش دئے ہوتے۔ یا یہاں ایک فقیر صاحب ایک پیر کا عرس کرتے ہیں ان کو دیا ہوتا۔ توتم کو تاقیامت ثواب ہوتا، ورنہ تم عذاب میں داخل ہوگئے، یا حضرات کو بھیجوادئے ہوتے توثواب ہوتا۔

جناب! یہاں اسلامیہ مدرسہ میں سرکاری انتظام ہے۔ اور مسجد میں بھی بہت فرش تھے اس وجہ سے بھوکوں کو کھلادیا میں نے اچھا سمجھ کر، اور آپ کا حال نہیں معلوم تھا کہ جناب کو کٹرہ والے روپیہ روانہ کردیا کرتے ہیں، خیر مجھ سے خطا ہوئی، اب جو حضرت ارشاد فرمائیں وہ فدیہ کرے یا تواگلے سال کا حرجہ دے یا اس سال کا بھی ویسے ہی خرچ کردے، مجھ کو محرم میں چھٹی ہوگی، **بینوا توجروا۔** (فدویہ مدرسہ نسواں اسلامیہ کٹرہ)

الجواب:

آپ نے بہت اچھا کیا کہ مساکین کو کھانا کھلایا، یہ بہت بڑے ثواب کی بات ہے نہ کہ عذاب کی ان لوگوں کا کہنا محض غلط ہے۔ خیرات مولٰی تعالٰی کے نام پر ہوتی ہے۔ اور اس کا ثواب اماموں کی ارواح پاک کو پہنچا سکتے ہیں، اور وہ ان پر تصدق نہیں بلکہ ان کی نذر ہے۔ یہ فقیر بفضلہٖ تعالٰی غنی ہے اموال خیرات نہیں لے سکتا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ احباب اچھے مصارف میں صرف کرنے کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے اموال بھی بھیجتے ہیں کہ اپنی رائے سے مصارف خیر میں صرف کرو۔ اور وہ بفضلہٖ تعالٰی صرف کردئے جاتے ہیں، زکوٰۃ اس کی جگہ اور دیگر صدقات ان کی جگہ، یوں یہ فقیر بھی ان احباب کا شریک ثواب ہو جاتا ہے کہ صدقہ اگر سوہاتھوں پر نکلے گا سب کو ثواب ملے گا، ایک روٹی کا ٹکڑا کہ زید کے مال سے پکا، اور زید کی بی بی نے خادمہ کے ہاتھ دروازہ کے سائل کو بھیجا، تو زید جس کا مال ہے۔ اور بی بی جس نے بھیجا اور خادمہ جس نے جاکر فقیر کو دیا تینوں یکساں شریک ثواب ہے۔ اور مولٰی تعالٰی کا فضل

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۹، فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاضحیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

بہت بڑا ہے۔**وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سلطان روم کے ساتھ اور غیر قوم ملکی جو لڑ رہا ہے۔یہ اظہر من الشمس ہے اور اس س لڑائی کے خرچہ کے بابت اس دیار کے بڑے بڑے آدمی مل کر مجلس کررہا ہے۔کہ اس سال قربانی کا چمڑا ک قیمت جتنا ہوگا وہ سب وہاں بھیجنا ہوگا،اور وہاں بھیجنے سے ہم لوگوں کا ثواب بہت ہوگا اور جہاد کا رتبہ ملے گا، اور ہم لوگ جاکر سلطان کی لشکر کے ساتھ ہمراہ ہونے کا کچھ تو سرانجام نہیں رکھتا ہوں یہ ہم لوگوں کے واسطے بس ہے، بعد اس کے کہئے کہ اس دیار فقراء وغرباء لوگ یہ کہہ رہا ہے کہ اس برس سلطان کی جہت سے ہم لوگ سب کے سب شاید مارا جاوے گا، یہ سب آہ وزاری انھوں کا سن کے کوئی بیچارہ تھوڑا ہی کچھ علم رکھتا تھا،وہ اپنی زبان سے یہ کلام باہر کیا کہ یہ جو بڑے آدمی اور بعض دو عالم، سلطان کی خیر اخواہی کے واسطے جو کمیٹی کیا ہے شاید یہ خیر خواہی نہ ہوگا بلکہ یہ بدخواہی ہوگا کیونکہ ہر سال جو یہاں کا فقراء وغرباء ومساکین لوگ یہ سب چمڑا کا قیمت اپنے دوزن وفرزند لے کر خوشی سے اوقات بسر کرینگے،اس سال وہ لوگ غم میں دو[عہ] اوقات بسر کرتے ہیں،اور یہ سب روپیہ اچھا نہیں ہے کیونکہ یہ فقیروں کا حق ہے۔اور مجھ کو خوف ہے کہ میرے سلطان المعظم کو کچھ نقصان آجائے اب بڑے دو آدمیوں کو اور بڑے دو عالموں کو جنھوں نے یہ رواج کیا ہے۔یہ سزاوار ہے۔کہ گاؤں بگاؤں مجلس کرکے ہر ایک مسلمان سے دو[عہ] طاقت کے مطابق کچھ چندہ وغیرہ مقرر کرکے سب کو ملا کر وہاں بھیجنے سے اولٰی ہوگا،اور وہ مسکین لوگ اپنا حصہ پاکر اگر خوشی سے دیوے تو بھی بہتر ہوگا۔جیسے کہ اور جگہ کے فقیر لوگ دے رہا ہے۔اور یہ بھی بہتر ہوگا کہ اس موسم میں ہم لوگوں کو اپنے دو حصہ کے مطابق فقیروں کو اور غریبوں کو کچھ للہ دیویں،اور بواسطہ اس کے میرے سلطان مدظلہ العظیم کے لئے خدا عزوجل سے مدد چاہوں یہ بات ان بیچارے کا کوئی بڑے آدمی سنتے ہے۔وہ بیچارے کو لعن طعن کررہا ہے۔احقر حضور سے یہ امید کرتا ہے کہ کون حق پر ہے اور اگر وہ آدمی ناحق پر ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

قربانی کا چمڑا کچھ خاص حق فقراء نہیں،ہر کار ثواب میں صرف ہوسکتا ہے۔حدیث میں فرمایا:**کلوا وادخروا وائتجروا**[1] (کھاؤ، ذخیرہ کرو اور ثواب کماؤ۔ت) اور واقعی جہاں تک معلوم ہے۔

عــــہ: سوال میں جگہ جگہ دو کا لفظ سائل کا تکیہ کلام ہے۔۱۲ عبدالمنان۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

مجاہدین کو اس وقت امداد کی بہت ضرورت ہے۔اور اس دین کی بڑی منفعت ہے ان شاء اللہ تعالٰی اور اسی جگہ حکم ہے کہ وہی کام اختیار کریں جس کی حاجت شدید ہو، اور شک نہیں کہ وہاں کی حاجت شدید ہے۔ فقراء کی خبر گیری جہاں تک شرعاضروری ہے اہل مال پر لازم ہے وہ اگرنہ کریں ان کی بے سعادتی ہے مگر یہ کھالیں جن میں شرع نے فقراء کا کوئی حق معین نہ فرمایا، یہ اگر نہ دی جائیں دوسرے کاراہم میں صرف کی جائیں تو اس پر ان کی ناراضی کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس پر ان کا رزق موقوف ہے۔نہ عام طور پر یہ کھالیں ان کو دی جاتی تھیں بلکہ مدارس کو دی جاتی تھیں اور شریعت میں ضرر عام کالحاظ ضرر خاص سے زیادہ اہم ہے، یہاں تک کہ ضرر عام کے دفع کے لئے ضرر خاص کا تحمل کیا جاتا ہے **کما فی الاشباہ والنظائر وغیرہ**[1] (جیسا کہا اشباہ والنظائر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۱: مسئولہ عنایت بیگ منیجر کارخانہ گلاب کمپنی، سکندرہ راؤ، ضلع علی گڑھ بروز شنبہ ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ناصران شرع متین کہ ہمارے قصبہ سکندریہ راؤمیں مدرسہ اسلامیہ ہے۔اس میں قرآن شریف، اردو، انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔اس کی امداد کے لئے چرم قربانی دینا موجب ثواب ہے یا نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں انگریزی کی تعلیم ہے اس لئے اس کی امداد ٹھیک نہیں ہے۔

الجواب:

مصرف قربانی میں تین باتیں حدیث میں ارشاد ہوئی ہیں **کلوا وادخروا وائتجروا**[2] کھاؤاور ذخیرہ کرواور ثواب کاکام کرو۔ انگریزی پڑھنا بیشک کوئی ثواب کی نہیں، اگر یہ احتیاط ہوسکے کہ اس کے دام صرف قرآن مجید وعلم دین کی تعلیم میں صرف کئے جائیں تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۲: از شاہجہانپور تاجر خیل افضل المدارس مرسلہ مولوی محمد الدین صاحب ۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

تاج العلماء افضل الفضلاء حضرت! یہ استفتاء نہایت ضروری ہے مخالفین کا مقابلہ ہے۔بہت جلد جواب سے مطلع فرمائے گا۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، بعض جگہ دستور ہے چند گائے جمع کرلی گئیں، اور ان میں حصے مقرر کردئے، اور مالک حصص سے کہہ دیا کہ یہ گائے تمھاری طرف سے کی جاتی ہے۔ اس شرط پر کہ یہ چرم فلاں مدرسہ میں دینا ہوگا فلاں کام میں صرف کرنا ہوگا اس قسم کے شرائط عندالشرع جائز ہیں یا ناجائز؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جبکہ کوئی شخص ان میں کسی معین گائے کا ایک حصہ یا چند حصص خریدے اور ان لوگوں کو اپنی طرف سے قربانی کرنے کی اجازت دے اور یہ شرط ٹھہرے کہ اس کی کھال مدرسہ دینیہ یا فلاں نیک کام میں صرف کرنا ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اس میں حرج نہیں۔

وھو ان کان بیعا بشرط فلیس شرطا فیہ نفع احد المتعاقدین، اوالمعقود علیہ الصالح للاستحقاق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ اگرچہ بیع بالشرط ہے لیکن س شرط میں عاقدین اور معقود علیہ میں سے کسی کا نفع نہیں ہے معقود علیہ نفع کے استحقاق کا اہل نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ ۱۳۰۷ھ

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ماقولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ وشراء حصر المساجد وزیت قنادیلہ وغیر ذٰلك من القربات التی لا تملیك فیہا۔ فہل ہو جائز والصرف الی تلك الوجوہ سائغ ام لا۔ بل یکون صدقۃ واجبۃ لایصرف الا فی مصارفہا افیدونا رحمکم اللہ تعالٰی۔ **الجواب:** الحمد للہ وبہ نستعین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وّاٰلہ وصحبہ اجمعین۔ ما تقرب	**خلاصہ** "الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ" **مسئلہ:** علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کے لئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت مسجد کے لئے چٹائی، روشنی وغیرہ کار ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے، جائز یا ناجائز؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہوسکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔ بینوا توجروا **جواب:** اللہ تعالٰی کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں درود وسلام سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر،

الی اللہ تعالٰی بالقرابین، نعم اذا باعہ بالدراہم لالمال یتمول او ربح یتحصل، بل لیصرفہ الی وجوہ القرب، ومرضات الرب، جازلہ ذالك وان لم یوجد تملیك ھنالک، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیك من الفقیر ولذا جازت الاباحۃ ولو لغنی۔

والمعنٰی المانع فی البیع انما ہو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام، قال فی الھدایۃ لایشتری بہ مالا ینتفع بہ الاباستہلاکہ کالخل والابازیر اعتبارا بالبیع بالدراہم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[1] اھ۔

وفی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر لا یبیعہ بالدراہم لینفق الدراہم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لا یتصرف علی قصد التمول[2] اھ ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء، الغر،

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں، قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو بلکہ کار ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کار ثواب ہی ہے۔ فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

مسئلہ کے جزئیات: "قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کار ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا"۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے: "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرکے کہ یہی "تصرف علی

[1] الھدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

وظاهر ان البیع للقرب لیس من التمول فی شیئ فلا وجه لمنعه بل ھو قربة لکونه فعل لا جل قربة، فیکون اقامة للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجه المنھی، الاتری الی ماقال الامام العلامة فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانه قربة کالتصدق [1] اھ فانما علل الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز بکونه قربة، ومانحن فیه ایضا کذلک، فیکون مثله فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انه لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث اٰخر مایوجبه عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسه وعیاله حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنه۔ **اقول:** والسر فی ذٰلك مایستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربة فی الاضحیة انما تقوم باراقة الدم لوجه الله	وجه المتمول" ہے" یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے۔ تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہوجانے والی چیز کے بدلے میں ہو اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو بدرجہ اولٰی جائز ہونا چاہئے۔ علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ کار ثواب ہے۔ جیسے گوشت ہی صدقہ کردیتا۔" امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقًا کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے۔ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے۔ جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی چیز پیدا بھی نہ ہوئی۔ ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیه المطبعة الکبرٰی الامیریه بالاق مصر ۶/ ۹

تعالٰی فمالم یرق لایجوز الانتفاع بشیئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوه۔ بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولٰی سبحٰنه وتعالٰی، والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذاقصد بشیئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه، قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء مالاینتفع به الابعد استهلاك انه تصرف علی قصد التمول وهو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان ہذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے۔ کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے۔ اور یہ شرعاً منع ہے۔ اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کار ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے۔ اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے۔ حد یہ ہے کہ اون اور دودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں، نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض حاصل ہو گئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہو گیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کلًا یا بعضاً کسب زر کے لئے بیچنا اس کی قرابت اور کار ثواب سے پھیر کر دینے کی طرف موڑ دینا ہے۔ اور کار ثواب اور حصول زر میں منافات ہے۔ اسی لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہو گی اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہو گا وہ مال خبیث ہو گا اور مال خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے۔ اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کار ثواب اور وہ بھی کار ثواب، تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہو گی، لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہو گی، اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا: "جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا، فیجب التصدق[1] اھ وبہ تبین وان کان عــه بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والالما جاز البیع بالدراہم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وہو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولایجوز لہ فیہ رجاء القبول، فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[2]، ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وہذا کلہ باطل بالبداہۃ

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے۔ تو جب سے بیع کے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا"

سوال وجواب: یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کھال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے۔ اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے یہ بھی بیع بطور تمول ہے تو کار ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا۔ جس کو ناجائز ہونا چاہئے۔ اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کررہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا ہے۔ حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آنا

عــه: فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لایخفی ۱۲ منہ قدس سرہ

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ،

---

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان لیس کل تبدل بمستهلك تمولا و ان البیع للتصدق خارج عنه فكذا السائر القرب اذلا فارق یقضی بكون ہذا تمول وذاك غیرہ ومن ادعاہ فلیات ببرھان علی دعواہ ولم یقدر علیه ان شاء اللہ۔	چاہئے۔اور اس کو حرام ہونا چاہئے،اور اس کا تصدق بلانیت ثواب ضروری ہونا چاہئے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہئے اور یہ سب باطل ہے۔کیونکہ یہاں تصدق اور طلب ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی،

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا،تو ثابت ہوگیا کہ مستملک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی۔

فان قال قائل انما جاز البیع للتصدق لان للوسائل حکم المقاصد فالبیع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فكذا البیع له تقدیر آخر اشمل و اظهر لبیان الفرق تظهر به المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالٰی۔ **قلت** كذلك البیع للتقرب مثل القرب والتقرب جائز فكذا البیع له بل یلزم علیه جواز البیع للاكل ایضا لجواز الاكل بنص القراٰن العظیم فالحق فی التعلیل ماقدمنا عن الامام الزیلعی من انه قربة [1] وحینئذ لابد من كلیة الكبرٰی القائلة بان كل قربة تجوزبهنا ینتج ان البیع للتصدق یجوز بهنا وبه یتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فی رابعة النهار هذا وللعبد الضعیف لطف به القوی اللطیف	**ایک اور سوال وجواب:** اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کار ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کار ثواب جائز ہیں،تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہئے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہئے۔مثلاً غلہ کے عوض کھال بیچیں اور غلہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ،اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا،تو یہ بیع بھی جائز۔حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔ تو ثابت ہوا کہ اصل علت جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعة الكبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶/ ۹

تقریر آخر اشمل و اظهر لبیان الفرق تطهر به المسائل جمیعا ان شاء الله تعالیٰ۔**فاقول**:وبالله التوفیق الجهات ثلث الاکل والادخار والائتجار وهو طلب الاجر بای وجه کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننه بسند صحیح رواته کلهم من رجال الصحیحین ما خلا مسددافثقة حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشه الخیر الهذلی رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انا کنا نهیناکم عن لحومها ان تاکلوہا فوق ثلث لکی تسعکم جاء الله بالسعة فکلوا وادخروا وائتجروا الا وان هذا الایام ایام اکل و شرب وذکر الله عزوجل[1] اھ والائتجار باطلاقه یشتمل التصدق وسائر وجوه التقرب کما لایخفی فان فسره مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامه بالمعنی الاعم علی ماسیأتیك تحقیقه ان شاء الله تعالیٰ۔	کہ حصول زر اور تمول کی غرض سے بیع ناجائز ہے۔اور مقاصد خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا: "لانه قربة" (اس لئے کہ یہ کار ثواب ہے)اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغرٰی ہوا اور نتیجہ دینے کے لئے کبرٰی کاکلیہ ہونا ضروری ہے۔جو اس طرح ہوگا،ہر قربت جائز ہے تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہو گئی کہ ہر قربت اور کار ثواب کے لئے بیع جائز ہے۔ وللہ الحمد **ایک دوسری تقریر**: شرعاً قربانی کے مصرف کے تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا) ادخار (جمع کرنا) ایتجار (کار ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کار ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں،ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں،حافظ ہیں،اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں،الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے،اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی،اب اللہ تعالٰی نے کشادگی فرما دی،تواب کھاؤ،جمع کرو اور کارثواب میں صرف کرو۔سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں "تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کار ثواب کے لئے بیچنا جائز ہوا۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری ومسلم وغیرہم عن ام المومنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وتصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لا تحاد الحکم والحادثة۔	سوال وجواب: اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کار ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدق کرنا ہے۔ توہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امور خیر کو عام ہے۔ اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری و مسلم وغیرہ کتب احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے۔ تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کار ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے۔ اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا لہذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔
قلت کلا فان الامر ہہنا لیس للوجوب باجماع عامة العلماء الامة، منہم ساداتنا الائمة الاربعة رضی اللہ تعالٰی عنہم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشیئ منہ لا شیئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینافی الترغیب و الترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔ وسر المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورة وہو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بہما اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاہرہ وعملا بالدلیل بتمامہ قال المولی المحقق علی الاطلاق	تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب و مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الھمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ[1] الخ، وقال فی تشیید ہذا الجواب تحقیقۃ ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وہی المعارضۃ بین المطلق والمقید[2] الخ۔ فالمناط عند التنقیح ہو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ۔	خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے لہٰذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا مزید یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے" تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذٰلك من عاشر عرائس نفائس عباراتھم فقد حکموا ان لاحمل ان وردا فی السبب اذ لاتجاذب فی الاسباب والا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقاً وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدہما تقیید الاخر	مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں: **(الف)** تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ ایک شیئ کے چند اسباب ہوسکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضروت نہیں۔"

[1] فتح القدیر

[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذٰلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لامحالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذ لا عتاق عنه بدون تمليكها عنه۔ وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، و عللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممثلين له بقوله تعالٰى "فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ"[1] مع قرائة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزيادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افاد وان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا	**(ب)** تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا، کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔ ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو، جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو۔ اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائے گا اگرچہ حکم مطلقًا آزاد کرنے کا ہے۔ لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا اور اسے مالک بنائے بغیر اس کی طرف سے آزاد نہیں ہو سکتا تو جس کا مالک بنا سکتا ہے یعنی مسلمان کا، اسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔" **(ج)** توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقًا تین روزے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح ولتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولٰی بحر العلوم ملك العلماء عبدالعلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت، فیه اشارة الی ان الحمل انما ہو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب اوالا باحۃ اذا لاتمانع فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذہ بترك القید و ایجاب المطلق اجزاہ مطلقًا[1] اھ،

قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی مانقله فی البحر مقرا علیه بل متمسکا به من ان الاصح انه لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لا فی حادثۃ ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی الله تعالٰی عنه التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طهورا ولم یحمل ہذا المطلق علی المقید وہو حدیث التراب طهورا[2] اھ فلعله اراد نفی زعم من زعم ان مذہب اصحابنا رضی الله تعالٰی عنهم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل اس سے کچھ تعرض نہیں کیا" فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط" (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرائت ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب۔ اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا:

(د) یہی بات ملا عبدالعلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتاہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے۔ احکام مستحبہ اور مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا، اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے۔ مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق مادل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء و المفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۹۹

الحادثة مطلقًا. فافاد ان لیس ہذا من المناط فی شیئ بل لایجوز فی حادثة ایضا ای مالم یتمانعا فیضطر الیه لدفع التعارض. الاتری ان امامنا الاعظم رضی الله تعالٰی عنه لم یحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی ہذا التقریر لا یتجه ما اورد علیه العلامة المحقق محمد بن عابدین الشامی قدس سره السامی فی ردالمحتار کما اوضحته فیما علقته علیه وللعبد الضعیف ھھنا بحث شریف لو لا غرابة المقام لاتیت به۔	مقید مان لیا جاتا ہے۔ (ه) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا: "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طهور" (مٹی پاک ہے) یہ خاص اور مقید ہے۔ ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزا سے ہی تیمّم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ وحکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار ومدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے۔ اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے۔ اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتابوں پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان یقول ان الائتجار ہھنا لو حمل علی التصدق لکونه معه کالمطلق مع المقید فکذلك یجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشیخین وغیرھم فی حدیث سلمة بن الاکوع رضی الله تعالٰی عنه کلوا واطعموا وادخروا[1]۔ و	ایک اور دلیل: یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا: (ا) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی،

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

عند احمد ومسلم والترمذی من حدیث بریده رضی الله تعالٰی عنه کلوا مابداء لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیره من روایة ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنه کلوا واطعموا واحبسوا وادخروا[2]. فان الاطعام ایضا مع التصدق کالائتجار مع انه باجماع العلماء علی اطلاقه جار للاتفاق علی اباحة الاباحة وعدم قصر الامر علی التملیك فافهم و المتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمنا رضی الله تعالٰی عنها مع هذا الاحادیث عـــه الاربعة القی فی روعه ان المرادثمه بالتصدق فی المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیة	(۲) کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو) اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے: (۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو) حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے۔ باور حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے۔ گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا، اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

عـــه۱: ای احادیث نبیشه وسلمة وبریدة وابی سعید رضی الله تعالٰی عنهم ۱۲منه قدس سره۔

یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث، ۱۲منہ قدس سرہ۔ (ت)

عـــه۲: ظنی انه لابد ههنا من لفظ علیه (ای یجب حمل الاطعام الواردة فی الاحادیث علی التصدق)

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصة فی اکلها بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النهی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانه کراچی ۲/ ۱۵۹

کما سیرد علیك تحقیقه ان شاء الله تعالٰی کیما تلتئم وترد موردا واحدا، و الاحادیث یفسر بعضها بعضا وبالله التوفیق۔	حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے)

تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ -"ایتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے۔ تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے۔ تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلادے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے۔ کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے۔ اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقات خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کار ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهیك قول الامام الجلیل صاحب الهدایة فیها یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاکل والادخار کما روینا والاطعام لقوله تعالٰی "وَ اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ"، فانقسم علیها اثلاثا[1] اھ، و معلوم ان الاطعام لایقتصر علی التملیك لالغة ولا شرعا وقد اجمعوا بهنا علی	تائید مزید: اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی عبارت ہی کافی ہے۔ جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں: کھانا، اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "اَطۡعِمُوا الۡقَانِعَ وَ الۡمُعۡتَرَّ ؕ" (کھلاؤ صابر اور مانگنے

[1] الہدایہ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ماشرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیك تدعون،ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح ہذا الکلام وذٰلك لان الایة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخال فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا [1] اھ ومعلوم ان لیس فی الایة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة،وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ههنا ہو المحمول علی الائتجار دون العکس واللّٰه الموفق۔	والے فقیر کو) توجب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کردیا جائے" اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعدوالی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں۔اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں،نہ شرعا نہ لغۃ،بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز نہ رکھا،بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی،امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: "قرآن وحدیث نے جب کھانا،صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا تو جہتیں تین ہوئیں،لہٰذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہئے"

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے۔اور اس سے ہر قسم کا کار خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرك بطریق زیدبن الحباب عن عبداللّٰه بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی ہریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له [2]۔	ایک شبہ اور اس کا جواب:امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورہ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے،امام بیہقی نے بھی سنن کبرٰی میں اسے نقل کیا،حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا،لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی،جو کچھ بھی ہو یہ

[1] غایة البیان

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورة الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ورواہ البیہقی ایضاً فی سننہ الکبرٰی، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[1]۔

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا، بیدانھم کما تری لایجرون علی اطلاقہ فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق، ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث، **وانا اقول** وباللّٰہ التوفیق من تامل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیۃ والجأہ ذٰلك الی الجزم بان المراد بیع خاص لامطلق التبدل کیفما کان، کیف وان التصدق من مقاصد لاضحیۃ المأذون فیھا شرعا، وان للبدل حکم المبدل وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذرو کفارۃ کما نص علیہ فی الھدایۃ والکافی والکنز والتنویر وغیرھا عامۃ کتب المذھب، فاذا جاز ھذا۔والصدقات واجبۃ۔فلان یجوز وھی نافلۃ اولی فافھم، اما عدم جواز ذٰلك فی الھدایۃ والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے۔اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنادیتی ہے۔الفاظ حدیث یہ ہیں: من باع جلد اضحیتہ فلااضحیۃ لہ (جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رو سے ناجائز ہوئی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کرسکتے، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے۔ اور ازروئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا، چنانچہ زکوٰۃ فطرہ میں جس طرح اصل (غلہ چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس کی

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ویعطی القیم، فان القربة فیها بالاراقة دون التصدق، وهی غیر معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم، کما افاده فی الهدایة والبحر وغیرهما، ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة له [1] اعظم شاهد علی عدم الاطلاق، فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی، فکیف یجازی بانتفاع قربة مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوب فی خصوص المحل، و قضیة الجزاء، ترتبه علی فعل ینافی التضحیة و ینفی الاضحیة علی مافیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة، فلا یمکن ان یکون من باب القربة، بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیهما ایضا مثل الائتجار ولو کان فیهما ماینافی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة۔ لما اذن فیهما فعند

قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اس کی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب: اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعا جائز نہیں، قربانی ہی کرنی ہوگی، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل ہوتا۔ اور چونکہ قربانی کا حکم خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں، جیسا کہ بحر وہدایہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے۔ اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزاء وارد ہوئی، شرط یہ جملہ ہے: "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے: "اس کی قربانی نہیں ہوئی"

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے، اور قربانی قربانی نہ رہ جائے، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجہ اتم حاصل ہو، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو، اور وہ بیع جو حصول ثواب

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیه تفسیر سورة الحج دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

ذٰلك رأینا ان المراد ھو البیع بحیث یخرج عن جمیع مارخص له الشرع فیه، وما ھو الا البیع بمستھلك لا لان یصرف الی قربة فان الاکل وھو الانتفاع به عاجلا قد ذھب بنفس التبدل والادخار عـــه لکونه لانفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوہ الثلثة الشرعیة، فکان ھو الملحوظ بالنھی المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ماینتفع به باقیا فالاکل وان فقد و الائتجار وان لم یکن فالا دخار باق، لان البدل ینوب المبدل وھو مبقی فیکون مدخرا، وکذا اذا باع بمستھلك لقربة فالاکل و الادخار وان ذھب فالائتجار حاصل، وھو افضل الوجوہ فلا معنی للمنع وبه ظھر ان مانحن فیه اولی بالجواز من البیع بباق وھو مصرح بجوازہ فی عامة کتب المذھب	کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھالیا جائے، تو یہ افعال لااضحیه له (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت دی ہے تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کے لئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے۔ ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہو گئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لااضحیة له (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔ برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل وثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے۔ اور ہلاک ہونیوالی چیز سے برائے ثواب

عـــه: الادخار الانتجار کلاھما بالنصب عطفا عن الاکل ۱۲منه قدس سرہ۔

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بناپر ۱۲منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز ھذا ان لیس تحکما فماذا، وانت اذا تأملت ماالقیت علیك واخذت الفطانة بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك لعلمت ان ہذا ہو الغنی المفھوم من الحدیث فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه عــــہ لاتنفاع لانه عقد موضوع	بیچا تواکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا۔لیکن طیب ثواب بھی باقی ہے۔اور یہ ان وجوہ ثلثہ میں سب سے افضل ہے۔تو یہ جائز ہوگا،اور اس کاانکار زیادتی اور زبردستی ہے، **ایک آسان بات:** یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کردی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے۔کیونکہ عقد بیع کی وضع ہی اسی غرض کے لئے ہوتی ہے۔اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

عــــہ: ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالٰی علی بشراء غایة البیان للعلامة الاتقانی رایت نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل مایشیرالی ھذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمه الله تعالٰی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراھم تصدق بثمنه وان باعه بشیئ اٰخر ینتفع به جاز کما فی الجلد وانما ذکر محمد رحمه الله تعالٰی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ماھو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشیئ اٰخر وینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالٰی نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا،اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا تو جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آیندہ)

لذلك وہو الغالب فيه وان يكون بالدارہم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوی فيه جهتا البيع والشراء اما سائر المستهلكات ففی حكم الدراہم، ولذا جعلهافی الهداية هی الاصل۔ وقال فی سائر ہن اعتبار بالبيع بالدارہم[1] ہذا كله ما خطر بالبال مستعجلا فانعم الفكر منصفا متاملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آلُ جهدا فی اتباع الغرر من ائمة النظر والله الهادی الی عوال الفكر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے۔اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے،اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنے ذات کے تمول و انتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب: اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے۔تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہو کر ہے۔اصالۃً نہیں،اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا ہے۔ اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا:اعتبار بالبیع بالدراھم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا يباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبيع هو الذی يقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سره۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ،(ت)

---

[1] الهداية كتاب الاضحيه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[2] غاية البيان

(تنبیہ نفیس) **اقول:** وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایة "لوباع الجلد واللحم بالدراھم اوبما لاینتفع بہ الابعد استھلاکہ تصدق بثمنہ[1] اھ" فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقًا فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا "لایعمل منہ آلة تستعمل فی البیت[2] ثم قال "ولا باس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ[3] "ثم قال "ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ الا بعد استھلاکہ[4] ، وقال فی تعلیلہ" اعتبارا بالبیع بالدراہم[5] "قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[6] "ثم قال "ولو باع الجلد اواللحم[7] "الخ فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاع، لا مطلق البیع. فکیف ولو ارید المطلق لما ساغ قولہ "ولایشتری بہ مالا ینتفع بہ" الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا و لما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم "لمثل مابینا

عبارت ہدایہ کی تشریح: ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے" **(ا)** اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کے لئے بیچنا ہے۔ مطلقًا نہیں کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ______ اس سے بدل بھی سکتے ہیں تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہو جائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لیے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے۔ اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنی تمول ہے تو یہ کلام ابتداء سے انتہاء تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

I.T. Majlis of Dawateislami

---

[1] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[2] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[4] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[5] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[6] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[7] الہدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

وبطل تعلیه بانه"تصرف علی قصد التمول"فلیس کل بیع بالدراهم مما یصدق علیه ذٰلك كما اسلفنا تحقیقه۔وقوله"ولو باع الجلد الخ"انما هو متفرع علی تلك المسئلة فلا یراد به الاما ارید بها.کانه لما بین عدم جوازه نشاء السوال فقیل اذا لم یجز ہذا۔ فان فعله فاعل فما ذا علیه۔فاجاب بانه یتصدق بثمنه ثم نشاء السوال بان قولکم ہذا یفید صحة البیع فکیف بحدیث"من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[1]"فاجاب"بانه الحدیث۔انما یفید کراهة البیع اما البیع جائز لقیام الملك والقدرة علی التسلیم[2] اھ"وهذا دلیل اٰخر علی ان لیس کلام فی مطلق البیع بالدراہم .فان البیع بها لاجل التصدق لایکره اصلا .وقد بین ہذا.فابین من هنا مولانا العلامة العلائی صاحب الدر حیث قال بعد قوله المولی الغزی رحمهما الله تعالٰی"تصدق بثمنه اھ مفاده صحة البیع

والی بیع ہے مطلقًا بیع نہیں،ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنی نہ ہوں گے"مالاینتفع به"(جس سے نفع نہ اٹھایاجاسکے)اعتبارا بالبیع بالدراهم(بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے)وانه تصرف علی قصد التمول(یہ تمول کی نیت سے تصرف ہوا)اوراسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت"اگر جلد اور گوشت الخ"تو اس کا مطلب مطلقًا بیع کیسے ہوسکتاہے،یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے،گویا کسی نے پوچھاکہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی،اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے،تو فرمایا وہ مال خبیث ہے۔اس کا صدقہ واجب ہے۔اس پر گویا پھر کسی نے پوچھاآپ کے حکم"یہ مال خبیث ہے"سے یہ پتہ چلتاہے کہ بیع ہوئی مگر فاسد،اور حدیث مبارک"لااضحیة له"سے یہ اندازہ ہوتاہے کہ یہ بیع باطل ہے۔تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ"الحدیث انما یفید الکراهة"یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں،مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے۔اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلاسکتاہے۔اس لئے بیع تو ہوگئی،مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر(تفسیر سورة الحج) دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] الهدایة کتاب الاضحیه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

مع الکراھۃ۔وعن الثانی باطل لانہ کالوقف مجتبٰی[1] اھ فقد نص ان قول التنویر کالھدایۃ تصدق بثمنہ"یفید کراھۃ البیع فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط، وھی المارۃ فی قولہ"لایشتری بہ مالا ینتفع بہ"الی قولہ"تصرف علی قصد التمول[2] ومن اوضح الدلائل علی ذٰلک ایضا تعلیل الکافی شرح الوافی لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ"لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق[3] اھ فافادان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لاغیر،ولذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرہما من الاسفار الغر بلفظہ"لایبیعہ

کی وجہ سے فاسد ہوئی

(۲) صاحب ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے"صاحب درمختار"کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول"**تصدق بثمنہ**"کی شرح میں فرمایا ہے اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے البتہ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا،اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے۔جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے۔تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت"**لایشتری بہ مالا ینتفع**"سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار کتاب الاضحیہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۴

[2] الھدایہ کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] الکافی شرح الوافی

بالدراہم علی نفسه وعیاله[1]. فقد اوضحوا المرام، وازاحوا الاوہام وہذ الدلیل رابع علی ماذکرت۔ والخامس الموتر والله یحب الوتر. ان نقل کلام التبیین فی الهندیة ثم قال"وهکذا فی الهدایة و الکافی"[2] اھ فقد افصح بملا فیه ان معنی کلام التبیین والهدایة واحد۔	"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کو تمول یعنی کسب زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا" توانھوں نے تو نص ہی کردیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے۔ کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے" توانھوں نے تو تسمہ ہی لگا نہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل تھی۔

(۵) اور پانچویں صاحب ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحب تبیین کے کلام کو نقل کرکے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے" تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحب تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

ثم بعد زمان لما من سبحنه وتعالٰی علی عبده الضعیف بشراء غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی رحمه الله تعالٰی، رأیته شرح کلامه بما لم یبق للوهم مجالا، حیث قال یرید به ان القربة فاتت عن الجلد بما باعه ولکن الاضحیة ساقط عنها معنی التمول، فلما باعه بالدراہم وجب علیه التصدق بها، لئلا یلزم التمول بشیئ من الاضحیة اوبدلها[3] فافاد کالکافی وغیره ان المنهی عنه	اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی توانھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کردیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہوگئے حالانکہ قربانی سے کسب زر اور حصول زر کی غرض ساقط ہے۔ توجب دراہم سے اس کو بیچ دیا تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے" توانھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۰۱

[3] غایۃ البیان

ہو البیع للتمول،وزادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة،فانه لایفوتها بل یحصلها وھو تقرب لاتمول،فاتضح الصواب وزال الارتیاب،والحمدللہ فی کل باب ہکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق،ومن المولی تعالٰی ہدایہ الطریق فقد بان بنعمة اللہ جل وعلا ان البیع بالدراہم لیس مما یمنع مطلقًا بل اذا کان علی جهة التمول،وہوا لذی یورث الخبث وعلیہ یتفرع وجوب التصدق،اما اذا باع بها لیصرف فی القربات،فذٰلك سائغ وسائر وجوہ القرب،مطلقة حینئذ لاحجر فی شیئ منها۔

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو،اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کار ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصول ثواب کے لئے ہو،والحمدللہ رب العالمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقًا بالدراہم نہیں،بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے،اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے۔اور کار ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کار ثواب کسی قسم کا ہو۔

بذٰلك افتیت غیر مرة وکتبت فیه فتوٰی مفصلة اذ سئلت عنه لتسع بقین من ذی الحجة عام الف وثلثمائة وخمس من ھجرة من لولاہ ماصلیت الخمس،ولا لاح قمر ولا بزغت شمس،ولا اقبل غد ولا ادبر امس،علیه وعلی آله الغر الکرام افضل صلاة واکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذٰلك العام

میں نے بارہا یہی فتوی دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتوی ۲۱/ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا،اور دوسرا مجمل فتوی آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں،تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں،ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقًا ناجائز ہے۔خواہ نیت کار ثواب کی ہی کیوں نہ ہو،ان کا صدقہ کرنا واجب ہے۔وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنادے، کسی بھی

وبہما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوٰی المبارکة ان شاء اللہ تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویة جعلہا اللہ نافعة للمسلمین و مقبولة لدی العالمین وحجة لعبدہ یوم الدین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الھندیین اکثرہم من الوھابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراہم مطلقًا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز له الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العھدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجه التملیك واحتج الاصاغر منھم علی ذٰلك بعبارتی الھدایة والدر المذکورتین وقد بینا ما ھو المراد بھما واثبتنا عرش التحقیق علی انه لامساس لشیئ منھما بمزعوم القوم ،فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخری فی رد کلامھم۔فانه لشدة وھن نفسه غنی عن ایھان غیرہ،فلئن سألتھم ھل الکلام ھھنا اعنی فی قول الھدایة والدر فی بیع یکرہ لافی غیر۔لیقولن نعم، ولئن سألتھم ھل البیع بالدراھم یکرہ مطلقًا لیقولن لا ،قل فانی تذہبون ،ولئن قالوا فی الاول لا۔ لقضت علیھم حجتھم نفسھا بالخطاء والجھالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو صرف کرنا جائز نہیں اصاغر نے توہدایہ اور در مختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی ہے،جس کا مفصل بیان اوپر گزرا تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی،ان کی بات حد درجہ کمزور ہے۔کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور در مختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے۔یا کسی دوسرے کے بیان کے لئے،تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے پھر ان سے پوچھ کیا کھال کی بیع مطلقًا مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا،اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں،تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا،اور ثانی میں اگر کہیں ہاں،تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلارہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں،اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

قالوا فی الاخر نعم فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة. فانهم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراہة وان لم یعترفوا لاتیناہم بجنود من نصوص العلماء. لاقبل لهم بها۔ فناہیك بهذا القدر مشبعا لهم ومزیلا لوہم عرض بالهم۔ ولکنی **اقول:** لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین، انما العجب من کبیرہم الگنگوہی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی مافیه من انواع عـــه الابتداع حیث زاد غباوۃ علی الاتباع واخذ یتشبث بما قدمنا عبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله "فیکون خبیثا"	اگر یہ جھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دبلے۔ سستے اور مہنگے اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع و وسعت اطلاع کے مدعی ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا، اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور در کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رد ہیں،

عـــه: هذا کان اذذاك ثم ترقی به الحال فی الغوایة و الضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ بالله من الهلاك والردی ولاحول ولاقوۃ الا بالله العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جاپڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت وبربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہ (ت)

فیجب التصدق وانه اذ تمولها بالبیع[1] الی قوله فوجب التصدق [2]فان کلامی الهدایة والدر،وان کان حجتین علیهم لالهم لکن لاکهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل،لاسیما کلام الامام البدر المبین کالبدر،ان وجوب التصدق لاجل الخبث والخبث لکراهة البیع،وکراهة البیع لقصد التمول فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول،فیحکم بکراهة البیع به مطلقًا ام لا یدری الغرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد ام یجیز قیاس المباین علی المباین والخبیث علی الطیب،والمنهی عنه علی الماذون فیه۔بل المندوب الیه فهل ہذا الاشیئ، نکرا۔وامرا امرا۔وایا ما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة۔ قال الرجل ہداہ الله تعالٰی الی مسلك اہل السنة و الجماعة اذا باع المضحی جلد الاضحیة بالدراہم سواء کان البیع للتمول اوبنیة التصدق تعین تصدقه ثمنه کالنذر وہذا ہو معنی الصدقة الواجبة۔	خصوصا ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے۔اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت تسلیم کیا ہے۔اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقًا بیع متمول گردانتا ہے۔یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا،ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے،یہ کتنی شنیع بات ہے ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔ **رد:** اللہ تعالٰی اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے،اس نے کہا: "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسب زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے۔عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصہ تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسب زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے۔تو جب بیچ کر کسب زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کھال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔ اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص

[1] البنایہ فی شرح الہدایہ کتاب الاضحیہ المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الہدایۃ انه تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جهة التمول فاذا تمول بالبیع وجب التصدق لان ہذا الثمن حصل بفعل مکروہ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولها بالبیع انتقلت القربة الی بدله فوجب التصدق اھ معربا ملخصا۔

اقول: دلنا کلامك ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثة المارة فی قولی، یا لیث شعری فعر فنا بتردیدك ان لیس کل بیع بمستهلك تمولا عندک، وانك مائز بین التمول وغیرہ، وان بدلت التقرب بالتصدق جهلا منک، او تجاہلا مع علمك ان الکلام فی سائر القرب، دون التصدق فاذن لا اجد لا احتجاجك بکلام الکافی مثل، الا کمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاته لله تعالٰی اولغیرہ واحتج علیه بقوله عزوجل "قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَۙ(۱) لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَۙ(۲)"[1] فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منه المتنازع فیه اصلا، فلا اری احدا من

مول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے بھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرف تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کار ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔ الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے۔ اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیر کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے۔ **لا اعبد ماتعبدون** تو **ماتعبدون** دیکھا ہی نہیں **لا اعبد** سے استدلال کردیا، اسی طرح صاحب کافی کی عبارت تو بیع تمول کو ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کردی،

یہ تو عبارت کافی سے استدلال کا حال ہے۔ اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے۔ اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مال خبیث اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱و۲

المبطلین یعجز عن اقامة الف دلیل علی دعواہ ہذا احتجاجك بالکافی ،اما التمسك بکلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن یدعی وجود اللیل البهیم مُسبل الاستار یحتج علیه بوجود الشمس فی وسط السماء بازعة تبهر الابصار۔ قال "فقد اتضح بهاتین الروایتین وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فکونها صدقة واجبة واذا وجب الصدقة فکونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلا یکون مصرفها الامصرف الصدقة الواجبة کما ہو ظاہر ،فلا یجوز صرف الی بناء المساجد والمدارس اھ بالتعریب۔	کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے اس شخص نے کہا،کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے۔تو وہ صدقہ واجبہ ہوا،اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کرسکتے۔
اقول: ان ارید الوجوب عند التمول فنعم ،ولا کلام فیه،او عند التقرب فلا ولا کرامة وای اثر له فی دلیلك فما ثبت بهما لانزاع فیه،وما فیه النزاع لم یثبت بهما،وان کان بحسبك ان یقع فی کلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق فی ای مسئلة من ای باب،فنعم لدعواك فی کل کتاب دلائل عدد الرمل والتراب۔ قال والصدقة مطلقًا لابد فیها من التملیك سواء کان اباحة او تملیکا تاما۔	گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے،تو یہ بات صحیح ہے۔بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے۔اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کار ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے۔تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے،چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

اقول:یالیتك اذلم تهتد الی الصواب قنعت۔بما من قبل صنعت،ونفسك عن الاسترسال منعت، ولکنك اجبت ان تزید فی الطنبور نغمة،وفی الشطرنج بغلة فابتدعت القول بان الاباحة من التملیك وانها تجزی فی الصدقة مطلقًا،فجعلت القسیم قسما،والضد ندا مع ان کلمات العلماء،فی مسائل الاباحة غیر قلیة ولاخفیة بل دوارة فی کثیر من ابواب الفقه،منها الطهارات،ومنها الزکوٰة،ومنها الطلاق،ومنها اللقطة ومنها الهبة،ومنها الکراهیة وغیر ذٰلك وهذا شرح الوقایه للامام الجلیل صدر الشریعة اول کتاب نتدراسه فی الفقه۔افاد فیه رحمه الله تعالٰی فی اول کتاب الطهارات من باب التیمم،ان القدرة ثبت بطریق الاباحة،وبطریق التملیك فان قال صاحب الماء لجماعة من المتیممین لیتوضأ بهذا لماء ایکم شاء،والماء یکفی لکل واحد منفردا ینتقض تیمم کل واحد لثبوت القدرة لکل واحد علی الانفراد، اما اذا قال هذا الماء لکم وقبضوا لا ینتقض تیممهم لانه یبقٰی	یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں،ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں، اس شخص نے کہا:"صدقہ میں مطلقًا تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔" آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے،لیکن آپ نے تو ایک نئے سر کا اضافہ کرنا چاہا،اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کردیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے،اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا،افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنادیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں،ابواب طلاق ولقطہ وہبہ کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔ ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدرالشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتداء میں ہی لکھتے ہیں:"پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہوجاتی ہے اور تملیک سے بھی تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے،اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا۔پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ علی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی،اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کرلو تو تیمّم نہ ٹوٹے گا،کیونکہ اتنا پانی جب

علی ملك الواہب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الهبة بطل مافی ضمنها [1] اھ ملخصا ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرہا، فانظر کیف باینوا بینها، واسمع کیف اثبتوا الاباحة لکل منفرد بقول المالك لیتوضأ به ایکم شاء، مع بداہة انه لاتثبت بقوله ہذا شیئ من الملك لکل منهم، ولا لاحدہم افما کنت درست ہذا اوما دریت ولا وعیت ضابطالهم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جاز فیه الاباحة، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیه التملیك [2]۔ کما فی ظهار الدر ومجمع الانهر وغیرہما فافتح العین، ہل ہما قسیمان او احدہما قسم من الاخر۔ اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوٰۃ تملیك [3] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحة [4] او ما عرفت ان الامام صدر الشریعة لما قال فی النقایة تصرف تملیك [5]	سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی، ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔ تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے۔ اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی، در اور مجمع الانہر میں ایک مشہور ومعروف ضابطہ مصرح ہے: "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے۔ اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے۔" تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک واباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم! امام غزی نے فرمایا: "الزکوٰۃ تملیک: زکوۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔" علامہ علائی فرماتے ہیں: "اس سے اباحت نکل گئی

[1] شرح الوقایہ کتاب الطهارۃ المکتبة الرشیدیه دہلی ۱/ ۰۶_۱۰۵

[2] درمختار باب کفارۃ الظهار مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱، مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر باب الظهار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الزکوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۹

[5] مختصر الوقایہ فی مسائل الهدایة فصل مصرف الزکوۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ص ۳۷

یعنی الزکوٰۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحھا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ [1] الخ اوما عقلت ماافاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذقال انما فسرنا الانتفاع بالتملك لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ [2]۔ اوما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ ردالمحتار ان التصرف علی وجہ التملك احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملك صاحبھا [3] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ انما یتصرف علی ملك المبیح لا حظ لہ من الملك اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملك المالک، ایضاقال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح یستھلکہ المباح لہ علی ملك المبیع او علی ملك نفسہ، قلت اذا صار ماکولا زال ملك المبیع عنہ، ولم یدخل فی ملك احد [4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ہذا وکم اسرد لك یاہذا من نقول الاسفار وہی فی الوفور والاستکثار

"امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: "(الزکوٰۃ)تصرف تملیکا" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی، علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا"____"وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہوجائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔"

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھالیا تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی یہی مطلب ہے ملک نفسہٖ کا، ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیہ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۸

[2] بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[3] ردالمحتار کتاب اللقطۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۰-۳۲۱

[4] بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

ماتنتهی دون نقله الاعمار، وانا بحمدالله عالم بمناط غلطك، ومثار لغطك وسأنبهك عليه عن قريب، ان شاء المولی القرب المجيب، واما ماأوهمت من اجزاء الاباحة فی الصدقات مطلقًا فواضح البطلان عند كل من يعلم ان الزكاة وصدقة الفطر لاتغنی فيهما الاباحة علی المذهب الصحيح المفتی به، وقد قدمنا نصوص النقاية و التنوير والدر، وضابط الدرو شرح ملتقی الابحر، وسيأتی زيادة علی ذٰلك ان اراد المالك۔

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے یا وہ چیز خود اپنے ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں"
آویں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے، تو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقًا اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے۔ اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں ہم نے اس بات کی جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے، اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے تو اس قائل کا کلام ازتا پامخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

وبالجملة كلام الرجل ككلام مدهوش من قرنه الی قدمه مخدوش ونحن اذا قد اوضحنا المرام وازحنا الاوهام بتوفيق ربنا الملك العلام، فلا علينا ان نقصر الكلام ونطوی بساط والرد الابرام والحمدلله ولی الانعام۔

تذليل جليل: قال العبد الذليل بعد هذا وقفت علی تحرير اٰخر لبعض جلة العصر من افاضل اهل السنة جنح فيه نحو ماجنح اولئك القوم، وحكم ان لا بدلهما من التمليك متمسكا بما تعريبه حكم جلود الاضاحی ان يتصدق بها اوينتفع بها بنفسه او يستبدلها بما ينتفع به مع بقاء كالغربال و السجادة وغيرهما ففی صورة

ایک سنی عالم کا فتوٰی: البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اس قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے: "قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے"
انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التملك اھ حاصله معربا۔

اقول: ھذا کلام کما تری لایکاد یرجع الی طائل، فان لزوم التملیك فی التصدق لایستلزم لزومه فی التقرب ولم یلم کلامکم بایجاب التصدق ھھنا عینا ونفی سائر وجوہ التقرب شیئا فالصغری المطویة ھی التی کانت محتاجه الی البیان وقد طویتموھا وطویتم الکشح عن بیانها فاختل البرہان، وکان ملحظ ہذا الفاضل ومحط نظرہ ان حکم الجلود اذا کان دائرا بین الاشیاء الثلثة، وبالبیع بالدراہم ولو لاجل التقرب انتفی الاخیران، فتعین الاول، وہو لابد فیه من التملیك ہذا غایة مایقال فی تقریر کلامه، علی حسب مرامه ھنأہ ربه بلطفه واکرامه فالاٰن۔

اقول: وباللّٰه التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق، اعلم ان للصدقة اطلاقات:[۱] **الاول:** اخصها تملیك المال من الفقیر مجانا، فخرج الاعارة والاباحة و ھدیة الغنی، والاقراض وھذا ھو المراد فی الزکوٰة و صدقة الفطر، وبھذا المعنی یقال ان الصدقة لابد فیھا من التملیك وحینئذ لاتدخل فیھا الکفارات لجواز الاباحة

کھال کا صدقہ واجبہ ہے۔نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کار ثواب میں نہیں لگایا جاسکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغری ہے۔ بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار ہے۔ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے یا باقی رہنے، والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے۔اورجب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق مُعین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے(اللہ تعالٰی انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ شرح میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

(ا)تملیك المال من الفقیر "اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیہ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے۔ تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجب ہے لیکن اس معنی

فیہا قطعا(عہ)۔ولذا قال فی ظہار التنویر،صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات و العشر [1] اھ قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی(قولہ دون الصدقات)ای الزکوٰۃ و صدقۃ الفطر [2] اھ فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔ **الثانی:** تمکین الفقیر من المال مجانا وھنا یقطع النظر عن التملیك ویکتفی	میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے۔ تنویر میں ہے: "کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے۔صدقات اور عشر میں نہیں۔" لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باجود صدقات سے خارج ہے۔ **(۲)** "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے۔اور یہ انتفاع، تصرف اور

عہ:ای فی نوع الطعام منہا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیہا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ہذا المراد،**وانا اقول:**خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستہلاکہ کالماکولات و المشروبات والکسوۃ لیس ھذا کمالایخفٰی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقًا،واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے۔لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیساکہ بحر وغیرہ میں ہے تواس مراد کو محفوظ رکھو **اقول:** (اور میں کہتاہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات و مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیساکہ مخفی نہیں ہے۔حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱

[2] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الطلاق باب الکفارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸۴،حاشیہ الطحطاوی کتاب الطلاق باب الکفارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰۲

باطلاق الانتفاع۔والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستانی والشامی وغيرهما فی مصرف الزكوٰة "انه ہو مصرف ایضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغیر ذٰلك من الصدقات الواجبة [1] اھوبه علم ان ہذین المعنیین لا یتعداهما الواجب من الصدقات والخلط بینهما كانه هوالذی حد ذٰلك الرجل الوهابی ان جعل الاباحة من التملیك،وذٰلك انه رأی فی الفتح مایقصر الصدقة علی التملیك ورأی فی ردالمحتار مانقلنا اٰنفا وهو یفیدان الكفارة ایضا من الصدقات وقد نقل العبارتین فی فتواه فأظن انه نظم منها شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فیها من التملیك وكان داریا ان الاباحة تسوغ فیها،فلم یتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التملیك لانه اضطربت لدیه الاقوال۔وضاق علیه میدان المجال، ولم یدر التفصی عن الاشكال الابایداء ہذا المحال، ولم یعرف المسكین فرق المحال،وان تغیر الاوسط یهدم الاشكال	استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے۔جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوۃ کا اہل ہے۔ چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:"جو فقیر مصرف الزکوۃ ہے وہی صدقہ فطر،کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے۔" صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے،شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا"صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے"اور رد المحتار کی بھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے۔تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پاسکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حد اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا ہے،فتح القدیر کی عبارت "الصدقة

[1] ردالمحتار بحوالہ القهستانی كتاب الزكوٰة باب المصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیھا التملیك ہی الصدقة بالمعنی الاخص الوارد فیھا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤادھما، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی، فلا شکل ولا اشکال، والحمدللہ المھین المتعال علی انہ ان قطع النظر عن ہذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیك کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایۃ تصرف تملیکا یستثنی منہ اباحۃ الکفارۃ [1] اھ لا ان یرتکب مثلك ہذا المحال، وباللہ العصمۃ عن الزلل و الضلال ہذا ما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقۃ۔	یجب فیہ التملیک" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے۔اور "الکفارات تجوز فیہ الاباحۃ" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے۔حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشادہ کرچکے تھے، وہ فرماتے ہیں "انہ تصرف تملیکا یستثنی منہ الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنٰی ہے۔
۳ **الثالث** وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا، فتشمل التملیك والاباحۃ للفقیر والغنی، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقۃ ماتصدقت بہ علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلك فانھا علی الغنی جائزۃ عندنا یثاب بہ بلاخلاف [2] اھ وقال فی	**(۳)** صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک واباحت اور فقیر وغنی، دونوں کو عام ہو، توسط شرح ابوداؤد میں ہے: "صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموما یہ ہوتاہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالدار کو بھی دینا جائز ہے"۔

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۸۔۳۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تکون علی الاغنیاء ایضا وان کانت مجازا عن الهبة عند بعضهم وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر[1] اھ و روی احمد و الطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معد یکرب رضی الله تعالٰی عنه، قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انك مااطعمت زوجتك فهو لك صدقة وما اطعمت ولدك فهو لك صدقه، وما اطعمت خادمك فهولك صدقة۔[2] وله فیه عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلمماانفق الرجل فی بیته واهله وولده فهو له صدقة[3]۔ **الرابع** ربماتطلق حیث لاتملیك ولا اباحة اصلا وانما هو تصرف مالی قصد به نفع المسلمین کحفر الابار وکروی الانهار وبناء الربط والجسور والمساجد و المدارس وغیر ذلك وعن هذا تقول انها صدقات جاریة ومن ذلك قولهم فی الاوقاف صدقة مؤبدة و علیه جاء قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	ردالمحتار میں بحر الرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازا ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔ احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ"۔ طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔" **(۴)** اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اورانھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں: اور اوقات کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتاہے۔ حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۲۶۸

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۶۷۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸ /۱۱۲

اذ اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی ماتت فای الصدقۃ افضل، قال سقی الماء، فحفر بئرا و قال ھذہ لام سعد [1] کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان و الحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ ومعلوم ان لاتملیک فیہ ولااباحۃ فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لایخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لمالم یملکہ لاتصح اباحتھم۔اھ وقد نص علمائنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا، ففی الھدایۃ البئر ونحوھا ماوضع للاحراز ولا یملک المباح بدونہ [2]۔وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی	حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا؟ حضور نے فرمایا: لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا، انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کردیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے" (احمد وابوداؤد ونسائی ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس) تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شیئ مباح کرنے والے کی ملک ہو، صدرالشریعہ فرماتے ہیں: "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں" اس طرح علماء نے تصریح فرمائی: کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں" ہدایہ میں ہے: " کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی"۔

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۶، سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۱۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۲۸۵و۶/ ۷، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیہ مکہ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2] الھدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۸۳

فی الولوالجیة وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لاشیئ علیہ عــہ لان صاحب البئر غیر مالك للماء [1] اھ فاذن لایکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلٰی ھذا سائر القرب المالیة سواء فی دخولھا فی معنی الصدقة۔ وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خاں فی الخانیة قریة فیھا بئر مطویة بالاٰجر خربت القریة، و انقرض اھلھا وبقرب ہذہ القریة قریة اخرٰی فیھا حوض یحتاج الی الاٰجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریة التی خربت ویجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف بانی تلك البئر لا یجوز صرف الاٰجر الا باذنہ، لانہ عادالی مبلکہ وان لم یعرف البانی قالوا الطریق فی ذٰلك ان

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کر دیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔
تو یہ صدقہ اسی معنی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کر رہا ہے اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر صدقہ قرار دئے جانے میں برابر ہیں۔
اطلاق نمبر ۴ کی دوسری مثال: امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہو گئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں، اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگادے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

عــــہ: **قلت** ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوك لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر وضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفة بیروت ۲ /۱۸۶

يتصدق بها على فقير ثم ذٰلك الفقير ينفقها فی ذٰلك الحوض لانه بمنزلة اللقطة والاولى ان ينفق القاضی فی ہذا الحوض ولا حاجة فيه الى التصدق على الفقير اھ[1] وفی الهندية عن الواقعات الحسامية فيما اذا لم يعلم الغارس، الحكم فی ذٰلك الى القاضی ان رأی بيعها وصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذٰلك اھ[2] وقال فی الخانية قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها كانت للغارس وان لم يعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان يبيع الاشجار و تصرف ثمنها الى عمارة المقبرة فله ذلك، وتكون فی الحكم كانها وقف اھ[3]

قلت ای فی انه مال مصروف الى وجوه البر اما الوقف فلا لما فی الخانية ايضا، رجل جعل ارضه مقبرة وفيها اشجار عظيمة، قال الفقيه ابو جعفر رحمه الله تعالٰى وقف الاشجار لايصح فتكون الاشجار للواقف ولورثته

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے۔اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے: "اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتاہے

"خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اُگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے۔اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتاہے۔اس کا حکم وقف ہی کا ہے"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارف خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارف خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہو جاتا۔اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

Majlis of Dawateislami

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی الوقف المنقول الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۲۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوقف الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۴۷۴

[3] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف فصل فی الاشجار نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۲۴

ان مات، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة[1] اھ۔ ومعلوم ان حکم اللقطة ھو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرف الی نفسه وھو ایضا من باب التصدق من المالک، بل قال فی الدرالمختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یر ربها فانتفع بها لفقرہ ثم ایسر یجب علیه، ان یتصدق بمثله[2] اھ وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنھر، عن الولو الجیة والھندیة وجامع الرموز عن الظھیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردھا، وبالجملة الحکم ھھنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة واصلاح الحوض، ومن ذٰلك مافی الرحمانیة عن الاجناس اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اھل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الاٰخر فلا باس به، وہذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عندہ[3] اھ وفی السراجیة مسجد عتیق لایعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه	ہوں گے، اور وہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کردیا گیا ہو۔" رحمانیہ کا جزئیہ ہے: "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اس کی قیمت اس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی" سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگا سکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے۔ اور فتوٰی قاضی ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے" اس کی وجہ وہی ہے کہ مسجد ڈھے کر ناقابل استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہوگئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک اس کا مالک بانی ہوجاتا ہے۔ اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۲۵
[2] درمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶
[3] رحمانیہ

مسجد اخر، لیس لاہل المسجد ان یبیعوہ و یستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوٰی [1]۔ وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنٰی عنہ یعود عند محمد الی ملك البانی، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد رح صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ہو بہذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد وہذا الاطلاقات کلہا فقہیۃ کما ترٰی۔	میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ توجب ہچوں قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہو گئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے۔ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے او پر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے۔بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہو گیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوٰی اس کے خلاف ہے۔(بحر ونہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریۃ) **میں کہتا ہوں** قرین قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مال زکوۃ کھاتا رہا اب مالدار ہو گیا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارت مقبرہ اور اصلاح حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کا مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔
الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر اودفع الضیر کیفما کان ومن ذٰلك حدیث تکرار	**(۵)** کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کردیجاتی ہے اور مطلقًا غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے۔اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الارجل یتصدق علی ھذا فیصلی معه [1] وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل سلامٰی من الناس علیه صدقة کل یوم تطلع فیه الشمس تعدل بین الاثنین صدقة بینھما، وتعین الرجل علی دابته فتحمل علیھا او ترفع له علیھا متاعه صدقة والکلمة الطیبة صدقة ودل الطریق صدقة وتمیط الاذی عن الطریق صدقة [2]۔ اخرجه احمد والشیخان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه، وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مامن رجل مسلم یصاب بشیئ فی جسدہ فیتصدق به الارفعه اللہ به درجة وحط عنه خطیئته [3]۔ اخرجه احمد والترمذی وابن ماجة عن ابی الدرداء واحمدوالضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔	کرنے کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا: "الارجل یتصدق علی ہذا فیصلی معه کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے" یوں ہی سرکار فرماتے ہیں: "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے۔ تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے۔ آدمی کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ راستہ بتانا صدقہ ہے۔ راستہ سے کوڑا کرکٹ دور کردینا صدقہ ہے۔ (احمد ومسلم وبخاری عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ) یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء، احمد وضیاء نحوہ عن عبادۃ باسناد صحیح)

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصدقات باب فی المجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸۵، جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی کراچی ۱/ ۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ومخوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵، مسند احمد بن حنبل مسندا بوہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۶

[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۴۸

السادس قدیستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضاً ویطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقا علی غیره، فتصدق علی نفسه، ومن ذٰلك قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی حدیث ابی ہریرۃ المار کل خطوۃ تخطوہا الی الصلٰوۃ صدقه [1]۔ وجاء فی حدیث کل تکبیرۃ صدقة [2]۔ وقد قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کل معروف صدقة [3] اخرجه احمد والبخاری وآخرون عن جابر واحمد و مسلم وابوداؤد عن حذیفة والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود والبیہقی فی الشعب عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهم، زاد عبد بن حمید والحاکم، و صححه فی حدیث جابر ہذا وما انفق المسلم من نفقة علی نفسه واہله کتب له بها صدقة [4]۔ وتتمه حدیث المقدام المقدم	**(۶)** اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود ومشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔ "مسجد کی طرف بڑھنے والا ہر قدم صدقہ ہے۔ ہر تکبیر صدقہ ہے۔ ہر نیکی صدقہ ہے۔ (احمد وبخاری وآخرون عن جابر، احمد، ومسلم، ابوداؤد، عن حذیفہ طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبدابن حمید وحاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل وعیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا" نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے" ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کرلیں، شائد کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے، اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے۔ کہ قربانی کے

[1] صحیح البخاری کتاب الجهاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۴ و ۴۱۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ المسافرین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۰، صحیح مسلم کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل ۵/ ۳۹۷ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴۷ و ۱۰۴۱۲ ۱۰/ ۱۱۰ و ۲۳۲

[4] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵۰

ذکرہ وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة [1] اتقن ہذا فلعلك لاتجدبیان تلك الاطلاقات الا فی ہذہ الوریقات واللہ سبحانہ واھب العطیات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولهم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولهم یندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث،لیس ھو المعنی الاخص الاول،کیف،و قد اجمعوا علی الاباحة فی القربان،فلایمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك ویتضح ذٰلك فی قوله مجمع الانهر وغیرہ الجهات ثلث الاکل والادخار و التصدق [2] ھ فاین الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیه فی قوله عز مجدہ "وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ" [3]۔وقد استدل فی الهدایة بالایة علی قول البدایة یستحب ان لاینقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجهات ثلث الاکل و الادخار لما روینا و الاطعام لقوله تعالٰی و اطعموا القانع والمعتر و انقسم علیها اثلاثة [4] اھ

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کسی اطلاق کے تحت آیا ہے۔تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں ہے۔کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلاسکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہوجاتی ہے۔چنانچہ صاحب مجمع فرماتے ہیں:"قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا،صدقہ کرنا"

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے توظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوجاتی ہے صاحب مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کراس کو بھی مراد لیاہے۔

اسی طرح صاحب ہدایہ نے صاحب بدایہ کے اس قول کی دلیل دی:"صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے"۔

صاحب بدایہ کہتے ہیں:"اس لئے کہ جہتیں تین ہیں: کھانا، جمع کرنا،یہ توحدیث سے ثابت ہے۔اور کھلانا،یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ،توتینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھاگیا"

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۲۶۸

[2] مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۶۳

[4] الھدایة کتاب الاضحیة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

فلو كان المراد بالصدقة ہو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لا یخفی، واذ قد علمت ان الصدقة لها اطلاقات وان لزوم التملیك انما ہو فی المعنی الاول وانه غیر مراد ہھنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولهم یتصدق بجلدها فان التصدق ههنا هو عین التصدق فی قولهم یتصدق بالثلث یرشدك الیه تعلیل الهدایة بقوله لانه کجزء منها فثبت ان لیس تصدق الجلد مما یقتصر علی التملیك حتی لو صنع منه دلوا، ووقفه علی بئر مسجد لیستسقی المتوضؤون جاز عــــه قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحب ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسب قول ہدایہ، "کھال بھی قربانی ہی کا جز ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتاہے۔ القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

بقی انه اذ لیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینة علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشه الخیر الهذلی رضی الله تعالٰی عنه یهدینا الی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوه القرب، فلیکن المراد هو المعنی الرابع، وهو الغالب فی الصدقات النافلة۔

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے۔ مگر تبرعا ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عــــه: ای علی المفتی به من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی اٰبار المساجد اھ ۱۲ منه قدس سره العزیز

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

على ان قد بينا ان معنى المنع ليس ترك التصدق المامور به، فانه غير المامور به ههنا رأسا بل المعنى قصد التمول المنهى عنه فى كل ماتقرب به الى المولى سبحٰنه وتعالٰى وهو لايتحقق فى شيئ من القرب، فلايضرنا عندالتحقيق ارادة شيئ من المعانى اصلا كما لايخفى على من رزق العقل السليم والفهم المستقيم، والله سبحنه بكل شيئ عليم، ہذا وجه فى الجواب عن احتجاج ہذا الفاضل المستطاب

اقول: ثانيا مبناه عن حصر السائغ فى الاوجه الثلثه ولا دليل يدل على الحصر، وعدم الذكر ليس ذكر العدم وہذا الامام القدورى مقتصرا فى مختصره على شيئين التصدق وعمل آلة حيث قال ويتصدق بجلودہا اويعمل منه آلة تستعمل فى البيت[1] اھ فترك التبدل بمايبقى ايضا، فيظن كلامه هذا معارضه لكلام من ثلث، وہذا المحقق الحلبى قال فى ملتقاه وهو من متون المذہب المعتمدة كما نص عليه العلامة الشامى، ياكل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کار ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کار خیر کو عام ہے تو چوتھے معنی میں جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصد تصدق کی ممانعت نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایا جائے گا اور صدقہ جائز ہوگا، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح: جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں، کہ عدم ذکر، ذکر عدم وجود کو مستلزم نہیں، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو۲ ہی جہت کا ذکر کیا: "کھال کا صدقہ کردیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے، حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا: "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے"۔

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیہ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی وفقیر، وندب ان لاینقص الصدقه عن الثلث[1] اھ فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح، وان اختیر ماصححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدل الماکول بالماکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب و الجواب لاعکسه فی الصورتین فقد ترک ہذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ، ونظائر ذٰلك ان تتبعت اعیاك عدہا کثرا واذلا حصر فلا ساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ہذا فی مطاری کلامنا فی الوجه السابق۔ **واقول:** ثالثا ان ابتیم الاالحصر فنبئونی فلا یجوز اھداء غنی، ولیس من الثلثة، اولایجوز الاعارۃ من فقیر اوملی ولیس منھا اولا یجوز البیع بالدراہم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق فاذبقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی، وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك	تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑدی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے۔اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے۔اور جب حصرواحاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو ۲ قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔ اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں، حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے تو جب اس کار ثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کار ثواب کے لئے کیوں جائز نہ ہوگی۔ الختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کار ثواب کے لئے بیچنا منع ہواور اس کا تصدق بطور تملیک

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیه مؤسسة الرسالة بیروت ۲ /۲۲۴

اذا فعل ذٰلك بل الدلیل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزله عنه، والمسوغ کما تبین بکلام التبیین قصد القربة وهذا، فلنقتصر علی هذا القدر، حامدین لربنا فی الورد والصدر، ہذا ما ظهر لفهمی القاصر وفکری الفاتر ومعاذالله ان ابری نفسی من الخطأ والزلل واصر علی رائی بعد وضوح الخلل وسبحن الله الیش انا والیش رأیي و انما النقص بضاعتی والخطأصناعتی، والجهل صفتی و العجزسمتی فان اصابت فبتوفیق ربی، وله الحمد فی کل اٰن وحین، وان اخطأت فبشوم ذنبی واسأل التوبة ارحم الراحمین، والحمدلله العزیز الوہاب، والصلاة والسلام علی النبی الاواب واله و صحبه خیر آل واصحاب واذا انتهت الرسالة بحمدی ذی الجلالة وددت ان اسمیها بعلم لطیف، یکون علما علی عامة التالیف، کما ہو دأبی فی جمیع التصانیف وقد جاءت بحمدالله تعالٰی مختصرة ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسمیها، "الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة" وکان ذٰلك ضحوة الخمیس للیلة بقیت من ذی القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے وہ بیع بقصد تمول ہے۔اور ان دونوں میں بون بعید ہے۔اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے۔اور یہ بیع اسی لئے ہے۔ اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں۔

اب ہم اس پر بس کرتے ہیں، اور ابتداء وانتہا میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے۔اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی برائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اس کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا بھی سن تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہوئی تو اس کا نام "الصافیة الموحیة لحکم جلو دالاضحیة" رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

بجرۃ المولی سید الانام افضل الصلاۃ واکمل سلام واجمل تحیۃ من الملك المنعام علیہ وعلی آلہ وصحبہ الکرام علی مر اللیالی والایام. والحمدللہ ذی الجلال والاکرام کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں۔ والحمدللہ رب العالمین۔

مسئلہ ۲۹۴: از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل از صلٰوۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں۔ اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں، اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس قیمت کو مدرسہ ومسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرغ کی قربانی مکروہ وتشبہ بالمجوس ہے۔ نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہوسکتا ہے اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کرسکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرت جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے۔ جو اصل کا کہ ادخار وایتجار دونوں جائز ہیں خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں یا اسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارف خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرف خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے۔ ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں سے بیچا تو وہ دام خبیث ہیں اور ان کی سبیل تصدق، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۹۵: از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طہ صاحب ۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنا چاہئے۔ اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے۔ (۱) شرح وقایہ جلد اول۔ کتاب الحج۔ باب الاحصار، بیان احکام الھدی

(۲) عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول باب الھدی

(۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الھدی (۵) قدوری، باب الھدی (۶) تنقیح الضروری حاشیۃ قدوری

بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسی وجھول صدقہ کرنے کی کتب فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالہ پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اول: شرح وقایہ وہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو **باب الھدی** میں بیان کیا ہے۔حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتاہے اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم: علی طریق التنزیل یہ ثابت بھی ہوجائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے۔خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم: کتاب عمدہ الرعایۃ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے۔تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تام ہوا کلام بکر کا۔بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب:

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کرکے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسی یا خود اس میں رسی باندھیں، اس حلقے کو بُرہ بضم موحدہ وفتح رائے مخففہ اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں میں حرامہ، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی وفارسی میں زمام ومہار اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے اور اکثر نا قہائے سواری میں یہی مستعمل ہے۔کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے۔دوسرا یہ کہ رسی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش ہار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اول کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے۔اسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادہ خطام اس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔نہایہ ابن اثیر و مجمع البحار میں ہے:

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف اوشعر اوقطان فیجعل فی احدطرفیہ حلقۃ ثم یشد فیہ الطرف الاٰخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ واماما یجعل	اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کائی سے رسی بنا کر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہوجائے، پھر اسے اونٹ کی گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقافھو الزمام [1]۔	ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔(ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے:

الخطام الحبل یجعل فی طرفه حلقة ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمه [2]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرح حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے۔ پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے:

خطام البعیر معروف وسمی بذٰلك لانه یقع علی خطمه [3]۔	اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کا خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفه کان من جلد اوصوف اولیف اوقنب [4]۔	ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

(خطام)ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی اٗنفه [5]۔	(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے۔(ت)

قاموس میں ہے:

الخطم من الدابة مقدم اٗنفھا وفمھا۔	چار پائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینة المنورة ۲/ ۷۱، النھایة لابن اثیر باب الخاء تحت لفظ خطم المکتبة الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقاد بہ [1]۔	کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے: کذا فی المحکم [2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

الخطام ھو الزمام وہو مایجعل فی انف البعیر [3]۔	خطام زمام ہی ہے اور یہ اسی شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

در ثمین میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد بہ البعیر [4]۔	خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطامہ [عہ] او بزمامہ وھما بمعنی والشك فی تعیینہ وھو بکسر خاء خیط یشد فیہ الحلقۃ المسماۃ	(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اس کی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے۔ اور خطام خاء کے کسرہ کے

عــــہ: ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قعد علی بعیرہ وامسك انسان بخطامہ او بزمامہ [5]۔ الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز	یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب الجیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹

[2] تاج العروس فصل الخاء من باب الجیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[3] بحر الرائق کتاب الحج باب الھدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۷۲

[4] الدر الثمین

[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرۃ، ویشد فی طرفه المقود[1]۔	ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہےاور اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے۔(ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے:

البرۃ حلقة تجعل فی لحم الانف، وربما کانت من شعر[2]۔	برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہےاور بسااوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے۔(ت)

اس میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے:

حلقة یشد بها الزمام[3]۔	وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

نیز امام نوری سے ہے:

الزمام مایجعل فی البعیر دقیقا وقیل مایشد به رؤسها من حبل وسیر[4]۔	زمام اس باریک رسی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔(ت)

مصباح منیر میں ہے:

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرۃ اوفی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه[5]۔	ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے۔(ت)

تاج العروس میں ہے:

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرۃ والخشبة قال الجوهری اوفی الخشاش	زمام اس رسی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے۔جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

[1] مجمع البحار باب الخاء مع الطاء مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۲/ ۷۲

[2] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[3] مجمع البحار باب الباء مع الراء مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۱/ ۱۸۷

[4] مجمع البحار باب الزاء مع المیم مکتبه دار الایمان المدینة المنورۃ ۲/ ۴۴۰

[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت الزمام مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفه المقود وقد یسمی المقود زماما[1]۔	میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے۔(ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند وہر چہ از مس باشد آں رابرہ گویند، وآنچہ از موئے آں راخزامہ[2]۔	خشاش خاء کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے پیتل کی جو شے اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں۔(ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ت) اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند وبروئے مہار بندند[4]۔	زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں۔(ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند وریسما براں بندند[5]۔	مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں۔(ت)

قاموس میں ہے: الخزامۃ ککتابۃ البرۃ[6] (خزامہ بروزن کتابتہ حلقہ کو کہتے ہیں۔ت) تاج میں ہے:

وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفه یشد بھا الزمام کمافی	اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۲۸

[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷

[3] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ص ۴۶۸

[4] الصراح من الصحاح باب المیم فصل الزاء مطبع مجیدی کانپور ۴۷۵

[5] برہان

[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ[1]۔	رسی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگروہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگروہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے۔(ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیہ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ۔ وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذٰلك المشرکین[2]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابو جہل کا تھا جس کے سر(ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لے ایسا کیا تھا۔(ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ)ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع[3]۔	(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا۔(ت)

مجمع البحار میں طیّبی سے ہے: جعلہ فی الرأس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۷۴۔۲۷۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناسك الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸

[4] مجمع البحار الانوار باب الباء مع الرائ مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنارکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرر بنفسہ [1]۔	ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گرگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کوہلاکت میں ڈالا۔(ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفھا برۃ یقال ابریت الناقۃ فھی مبراۃ [2]۔	"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی"کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ(حلقہ) نہیں تھا کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ(حلقہ والی) ہوگئی(ت)

عمدۃ الرعایۃ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے۔ مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے۔اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے۔اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی۔جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالھا وبخطمھا ،ولاتعطی اجرۃ الجزار منھا [3]۔	قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔(ت)

غلط صریح ہے۔نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں،نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون، صحیح بخاری میں بدنہ بدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی۔ ۱باب الجلال للبدن۔ ۲باب التصدق بجلود البدن، ۳باب بتصدق بجلال البدن، ۴باب الوکالۃ۔ ۵باب الایوتی الجزار من الھدی شیئا اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی، دسویں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے۔نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن	رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۱/۱۲۲
[2] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیہ لصاحبھا ریاض ۱/۱۲۲
[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبہ الرشیدیہ دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت وبجلودھا[1]۔	صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا۔(ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا و جلودھا[2]۔	رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کردیا پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں ان کے جھلوں کو تقسیم کردیا۔(ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]۔	بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور ان کا گوشت جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں۔(ت)

چہارم میں:

اہدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا، ثم بجلودہا فقسمتھا[4]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کے لئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا۔(ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا وجلودھا واجلتھا[5]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] صحیح البخاری باب التصدق بجلود الھدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[4] صحیح البخاری یتصدق بجلال البدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودہا وجلالھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزادفی المساکین [1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کرو۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے۔اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایۃ میں مذکور صحیحین بلکہ متداولہ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع ارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر، علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولا جلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاہر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ،وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذٰلك صیغۃ افعل لالفظ امر [2]۔	صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتًا وجوب کے لئے ہے۔اھ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لیے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغہ اِفعل ہے نہ کہ لفظ امر۔(ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذٰلك الجل ولفظ امر لایقتضی الوجوب لان ذلك فی صیغۃ افعل لالفظ امر [3] اھ و رأیتنی کتبت علی ہامش الارشاد مانصہ اقول:لیس قول امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیك التصدق۔	اس میں قربانی کے جانوروں پر جھل ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔اور لفظ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی تو صیغہ افعل ہے نہ کہ لفظ امر اھ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول**:(میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیك بالتصدق (تجھ پر لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایۃ وجلودھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی القاہرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کے لئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا اسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیئ من طرقہ ذکر الخطام[1]۔	میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکر خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف سے اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے۔ہاں ہدایہ باب الھدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالھا وخطامھا ولا تعط اجر الجزار منھا شیئا[2]۔	قربانی کے جانوروں کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔(ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الھدی میں یہی لفظ دوم ہیں: الا لفظۃ الاجر[3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ت) نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں۔الا لفظۃ شیئا[4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ت)

اقول: تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں، امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشاع ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاھما عنا[5]۔	ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔(ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علماء کرام کا ادب ہے۔بخلاف جہال زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمک سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ کتاب الحج باب الھدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴

[2] الھدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸

[3] کافی شرح الوافی

[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان مایستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱

[5] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقہ خطام کا عنداللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً وفقہاً صرف جلال وخطام شتران ہدی کے بارے میں ہے۔قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال وخطام کا بھی کہیں ذکر نہیں،اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص،اس کا کسے اختیار،اور دلالۃ النص **اقول:** اس کی بھی گنجائش نہیں نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے۔نہ یہ جھولیں ان جلال سے نہ گلے کی رسیاں اس خطام کے مثل۔

اول: تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح ونحر نہیں کرسکتے۔

قال اللہ تعالٰی "ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ"[1] وقال تعالٰی "هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچی۔(ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے۔تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب باراقۃ دم میں مساوی ہیں، لہٰذا کیا مستبعد کہ اصل اجزائے متقرب بہ یعنی لحم وجلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد ومضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، ولہٰذا بدائع وہدایہ وکافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارہ لحم وجلد اضحیہ استناد کیا اور جلال وخطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے،اضحیہ میں ان پر دو اقتصار اور ان دو کا ترک اور اس ترک واقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم: یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کے لئے بنائی جاتی ہے اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں وہ ۱خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں اور ۲روانگی حرم کے وقت ان پر ڈالی جاتی ہیں،اور ۳ان کے لئے ان کا بنانا سنت ہے۔ ۴تقلید واشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے۔بدنہ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے۔اور ان کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۵

[5] علمائے کرام نے فرمایا: ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے۔ ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور [6] مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہہ کرکے رکھ چھوڑتے، [7] عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظّمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

[8] علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ ان کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابو زکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث فوائد کثیرۃ منہا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومہا وجلودہا وجلالہا و انہا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا، قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتھر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا و یستحب ان تکون قیمتہا نفاستہا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضھم بالحبرۃ وبعضھم بالقباطی والملاحف والازر، قال مالك اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقہا الشوك قال واستحب ان	اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں۔ لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے، امام مالک نے فرمایا۔ جھلوں کو رات

کانت الجلال مرتفعة ان لایجللها حتی یغدوالی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل[1] (ملخصاً)	کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انھیں پھاڑ نہ دیں،اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہو تو احرام باندھتے وقت ہی پہنادے (ملخصاً) (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وهو الذی یطرح علی ظهر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل وهذا من حیث العرف،و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء ونحوها قال ابن بطال کان مالك و ابو حنیفة والشافعی یرون تجلیل البُدن[2]۔	جلال جل کی جمع ہے۔اور وہ اس شیئ کو کہتے ہیں جو اونٹ،گھوڑے،گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے۔یہ عرف کے اعتبار سے ہے۔لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے۔ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔(ت)

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنة قلدها بمزادة اونعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القراٰن قال الله تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیه،وان کان کلاهما ثابتا بالسنة لان هدایا رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کانت مقلدة مجللة ولانه قد تجلل البدنة لاعلی وجه التقرب بخلاف التقلید[3]۔	اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنادے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنھیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الهدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴۔۴۲۳

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵۔۴۴

[3] الکافی شرح الوافی

	پہنائے جاتے ہیں بخلاف ہار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔(ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنة القباطی و الانماط و الجلل، ثم یبعث بها الی الکعبة فیکسوها ایاها، مالك انه سأل عبدالله بن دینار ماکان عبدالله بن عمر یصنع بجلال بدنه حین کسیت الکعبة عن الکسوة۔ قال کان یتصدق بها [1]۔	حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حلوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلاف کعبہ بناتے، امام مالک سے مروی ہے حضرت عبدالله بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبدالله ابن عمر رضی الله تعالٰی عنہما اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کردیتے تھے۔(ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی:

ان ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینة ینزعها فیطویها، حتی یکون یوم عرفة فیلبسها ایاها حتی ینحرها ثم یتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الی بنی شیبة [2]۔	بیشک حضرت ابن عمر رضی الله تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنادیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے بعد ازاں ان کو صدقہ کردیتے، حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔(ت)

اقول: اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

[1] مؤطا الامام مالك کتاب الحج باب العمل فی الهدی حین یساق میر محمد کارخانہ کراچی ص ۴۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحواله ابن منذر کتاب الحج دار المعرفة بیروت ۲/ ۳۲۷، فتح الباری بحواله ابن المنذر کتاب المناسك باب الجلال للبدن دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۳۹

میں سو ۱۰۰ اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کماتقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا ــــــ ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ / ذی الحجہ ۱۰ھ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ ۶۳۲ء عــہ تھی۔ ولہٰذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں، صحیح بخاری میں خطبہ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا:

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم۔ قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس یوم النحر[1]۔	زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کررہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین وآسمان پیدا فرمایا تھا۔ اسی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے۔ ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون سا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں۔ پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا:

حیث قال زعم یوسف بن عبدالملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ہذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو ادار	جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبدالملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اُدار اور

عــہ: یعنی اس وقت کی تعبیر میں ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب سے دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہ۔

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وہو برمہات بالقبطیة وفیہ یستوی اللیل والنہار عند حلول الشمس برج الحمل[1]۔	قطبی برمہارت ہے۔اور اس مہینہ میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔(ت)

اقول: مراد یہ ہے کہ اس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج عـــہ الغ بیگی سلطان اور زیج عـــہ۱ احمد بہادر خانی اور دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظّمہ دہم ذی الحجہ سنہ ۱۰ ہجریہ مطابق یازدہم عـــہ۲ ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظّمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے۔نہ رات کو برف نہ دن کو لو، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں،

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار المعرفۃ بیروت ۶/ ۲۱۱، ارشاد الساری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی سبع ارضین دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

عـ مطلوب ۱۲۸۵ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ الم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۸۵۰ھ تھا، طول سمرقند مط لو طول حرم محترم عرحہ سے مابین طولین الحـ او حاصل تفریق ۸۰ ۴

	ج مرکز	ج اوج
بازاء ۶۰۰	ا ط مط لج مو ی ح نہ مج ل	یا ح مط لج — ح لط مج مر
۲۲۰	ما لج مہ ب لو ط ا لـ د ط	یا ا لط ا ح مط ح یا لبر لہ ح
بازاء ۸۵۰ھ بتفریق آں ازیں بہر غرہ ۱۲۸۵ھ	ط لر مر ح مخ ی ك لط ك	ب ع ع لہ لط مہ ع
+۱۰ ذی الحجہ ۱۱ یوم ناقص مابین طولین	ط نا کا نت لـ ح مر مط	ب ع لط مط نت
+ تعدیل الایام	ح لج ا مہ و نہ نہ	
+ تعدیل المرکز	ح لج ب ك ا ح لہ نج مط	
+ اوج	ط ا لج رج حز ب ك لـ رج لـ	
تقویم	یا ك لہ ع مہ ج	

عـ۱ ۱۲۵۱ — ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

	ج وسط	ج اوج
بازاے ۱۲۰۰	ح و م لو لط	با لط مہ ی ط
۶۰	ب لو حز یا مط	نط . مہ ل
بازاء ۱۱ سال متصاعدًا بتفریق آں ازیں بہر غرہ ۱۲۱۰ھ	ہ لج ل سر ح و ما نت لج س	یا ك لج نت لط ح ی مد ح لج .
+ ذی الحجہ	یا لج لد کا الـ ی ك ے ر لج	ب لط صر لہ مط ند مو
+ ۱۱ یوم ناقص	ط نا لج لج	ا ما
بازاء سرت ندقہ منہ		

مابین الطولین ۱۲۳۰ ندر

بازاء ایں وتعدیل ایام وقحہ مج ر حصہ اش از وسط لو نہ لج	د نة مد ب لج د ی	لـ لط ما سـ سر ث ما لج ما سر لد
+ حصہ تعدیل ایام زائد تعدیل المرکز	ما لج ما ا ا سو لج	ح الج حز ہ سر مرکز لہ لج مہ لو مط لد
× وسط	ما ع ما سر لد اح نہ لب ما ع ما سر لد	مط ح نہ
تقویم	ما ك لو مط لد	

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

عـ۲ خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، تو یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہٗ

ان کا اصلا نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم: یوں کہ خطام ہدی وہ شیئ ہے کہ اسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے۔ تو قربانی کی رسیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسیوں میں اور بھی فرق ہے۔ شتر نحر کیا جاتا ہے اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہے۔ اس وقت ان کی رسی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی، وہ بھی اتار لیتے ہیں، تو وقت تقرب الی اللہ رسی اور جھول ان کے بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہے، اور وہ نہیں مگر باوصف انفضال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اس ناند اور طشت کا بھی جس میں اسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں، عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل کی فرمائی کہ اس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا۔

حیث قالوا قال المهلب لیس التصدق بجلال البُدن فرضا وانما صنع ذٰلك ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما لانه ارادان لایرجع فی شیئ اهل به لله ولا فی شیئ اضیف الیه [1]۔	جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تو محض اس لئے ایسا کہا کہ آپ اللہ تعالٰی کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شیئ کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر ہے کہ قربانی پر لبیک کہاں اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی ان اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقت نحر وذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول: اور اول اولٰی ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سو کے سو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدست انور، ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۴۵، فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناسك دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۳۹

حالانکہ ضرور وقت نحر بدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں، میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ان عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنته ینحر قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم[1]۔	میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔(ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولۃ برجل وھی قائمۃ علی الثلاث[2]۔	مقیدہ کا معنی ہے کہ رسی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔(ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں، رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے۔ اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، **ومن ادعی فعلیه البیان** (جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے ان پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسب حثیت مزین وبیش بہا کرے۔ اور اس سے شعائر اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا۔ اور اس سے باز رہنا اسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، **کما بینا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔(ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۵۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

باب العقیقه

(عقیقه کا بیان)

مسئلہ ۲۹۶: از بریلی مسئولہ نواب سلطان احمد خاں صاحب ۲/ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

اگر شخصے عقیقہ دو یا زیادہ طفلان خود ادا کند پس بوقت ذبح شاۃ نیت ہر ہمہ کافی بود یا برائے ہر ایک جانور علیحدہ باید۔	اگر کوئی شخص دو یا اس سے زائد بچوں کا عقیقہ کرے تو کیا ایک بکری ذبح کرتے وقت تمام کی طرف سے نیت کرلینا کافی ہے یا ہر ایک کی طرف سے علیحدہ جانور ہونا چاہئے۔(ت)

الجواب:

گاؤ و شتر از ہفت بچہ بسندہ کند و بز گوسفند جز یک را کفایت نیست، کما فی الاضحیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	گائے اور اونٹ سات بچوں کی طرف سے کافی ہے۔ جبکہ بھیڑ اور بکری ایک سے زیادہ بچوں کے لئے کفایت نہیں کرتیں، جیسا کہ اضحیہ میں ہے واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹۷: از چتوڑ گڑھ اودے پور میواڑ مرسلہ نور محمد ولد عبدالحکیم چھینہ ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے عقیقہ کیا اور اس کے چمڑے کی قیمت کرکے قبل وصول قیمت کے اتنے ہی روپے کا اپنے پاس سے سامان منگوا کر کھانا پکوا کر کچھ کھانا اباحۃً

اپنے مکان پر فقراء اور مساکین پر اور کچھ تملیکاً ان پر صرف کردیا، نیز قیمت چمڑہ کے علاوہ اس گوشت میں زائد سامان شامل کرکے گھروالوں نے بھی کھایا، اور بلاامتیاز غنی وفقیر اپنے خویش واقارب کو بھی کھلایا، حالانکہ عقیقہ کے چمڑے کے داموں کا فروخت کرنا، یا اشیائے مستہلکہ کے ساتھ مبادلہ کرنا، اپنے تصرف میں لانے کے لئے ناجائز ہے تو اس شخص نے قیمت کی اشیائے مستہلکہ خریدیں، وہ مساکین پر تصدق کیں، اس کے بعد جب اس نے چمڑے کا دام لے کر اس کا تصرف کرنا ناجائز سنا تو ابھی تک کہ چمڑہ کے دام نہیں لئے تھے اسی روز بیع چمڑہ فسخ کرکے قیمت سے انکار اور اس کے مبادلہ میں اشیائے غیر مستہلکہ از قسم پارچہ یا ظروف لینا مقرر کیا،

اندریں صورت اس شخص کا چمڑا کی قیمت کرکے بلااخذ ثمن اپنے داموں سے منگواکر پکواکر مساکین پر تصدق کرنا اور اس میں زائد سامان پکواکر خویش واقارب کا کھلانا، اور اس کے بعد اس کے ناجائز ہونے کے خیال سے بیع فسخ کرکے اب اس کا مبادلہ کرنا جائز ہوا کہ نہیں؟ **بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔**

الجواب:

چرم قربانی سے تمول ممنوع ہے فقراء پر صرف ممنوع نہیں۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا وائتجروا[1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ، ذخیرہ کرو اور صدقہ کرو۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے: **لانہ قربۃ کالتصدق**[2] (کیونکہ یہ صدقہ کرنے کی مثل قربت ہے۔ ت)

وہ اگر فقراء کے لئے بیچتا اور اسی قیمت میں اور دام ڈال کر کھانا فقراء اور گھروالوں کے لئے پکاتا تو برا کرتا کہ تصدق وتمول کا خلط بلاتمیز تھا، لیکن وہ قیمت ہنوز نہ لی تھی، اپنے ذہن سے اس کے بدلے اور روپیہ لے کر اس کا معاوضہ سمجھا، یہ اس کی جہالت تھی لیکن اس سے اس کھانے میں کوئی خبث نہ آیا اور نہ گھروالوں کے کھانے میں کچھ حرج ہوا، وہ دونوں اس کے خاص اپنے مال تھے، اسے اختیار تھا کہ جہاں چاہے صرف کرے، مگر وہ نیت کہ قیمت چرم قربانی میں فقراء کے لئے یہ کھانا اس کا عوض نہیں ہوسکتا اگر روپے کے عوض بیچتا وہ روپے امور تقرب میں ہی صرف کرنے ہوتے، اب کہ وہ بیع فسخ کردی، اور اشیائے باقیہ سے

[1] سنن ابوداؤد کتاب الضحایا باب حبس الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الاضحیہ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۹

بدلا اس تبدیل سے ثیاب وظروف جو حاصل کئے، مباح الاستعمال ہیں، مگر تصدق کی نیت سے عدول ہوا، اور یہ مکروہ ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اسے قربات وفقراء ہی پر صرف کردے۔

غایۃ البیان علامہ اتقانی شرح ہدایہ میں شرح مختصر الکرخی للامام القدوری رحمہم اللہ تعالٰی سے ہے۔

جواز الاشراك بعد الشراء للاضحیة محمول علی ان ملکه لا یزول بالشراء الا انه یکره لانه قد وعد وعدا فلا ینبغی ان یرجع فیه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قربانی کے لئے جانور خریدنے کے بعد اس میں دوسرے کو شریک کرنے کا جائز ہونا اس بات پر محمول ہے کہ خریداری کے سبب سے اس کی ملکیت زائل نہیں ہوئی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس نے ایک وعدہ کیا ہے جس سے رجوع کرنا مناسب نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۸و۲۹۹: ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) زید نے عقیقے کے لئے دو راسیں خریدیں، بائع کہتا ہے میرے قیاس میں یہ راس ساڑھے دس مہینے کی ہے دوسری میں شبہہ ہے، بظاہر فربہ ہیں، ان کی قربانی درست ہے یا نہیں؟

(۲) قصاب سے عقیقے کے لئے ایک بکری خریدی، وہ کہتا ہے سال بھر کی ہے۔ مگر دیکھنے سے اس کی حالت اس قابل نہیں، سال بھر کا بچہ جو دانت توڑتا ہے وہ اس نے ابھی نہ توڑے، تو اس صورت میں اس کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سال بھر سے کم کی بکری عقیقے یا قربانی میں نہیں ہوسکتی، اگر مشکوک حالت ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہے۔ کہ سال بھر کی نہ ہونا معلوم ہو لان عدم العلم بتحقق الشرط کعلم العدم (کیونکہ شرط کے متحقق ہونے کا عدم علم اس کے عدم تحقق کے علم کی طرح ہے۔ ت) خصوصا بائع کا بیان کہ وہ اس سے زیادہ آگاہ ہے۔ اور سال بھر سے کم کی ظاہر کرنے میں اس کا کوئی نفع نہیں بلکہ اس کا عکس متوقع ہے کہ جب مشتری اپنے مطلب کی نہ جانے گا نہ لے گا۔ واللہ

---

[1] غایۃ البیان

تعالٰی اعلم۔

(۲) جبکہ سال بھر کامل ہونے میں شک ہے تو اس کا عقیقہ نہ کریں، اور قصاب کا قول یہاں کافی نہیں کہ بکنے میں اس کا نفع ہے۔ اور حالت ظاہر اس کی بات کو دفع کر رہی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۰ تا ۳۱۰: کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا در بارہ عقیقہ کے:

(۱) جانور ذبح کئے جائیں ان کی عمر کیا ہونا چاہئے، اور اگر کسی عضو میں نقصان رکھتے ہوں وہ کام میں آسکتے ہیں یا نہیں؟

(۲) گوشت کی تقسیم کس طرح کی جائے، آیا کھانا پکا کر کھلوانا افضل ہے یا گوشت کا تقسیم کر دینا؟

(۳) گوشت میں کوئی حصہ والدین کا بھی ہے یا نہیں؟

(۴) دایہ کسی عضو کی مستحق ہے اور حجام و سقّہ و خاکروب دھوبی وغیرہ؟

(۵) پوست کے دام قیمت جانور میں مجرا کرنا اور خانگی خرچ میں ملانا جائز ہے یا نہیں کیا طریقہ افضل ہے؟

(۶) اور جانور ذبح کس کو کرنا چاہئے؟ اور دعائے عقیقہ کس طرح اور کس کو پڑھنا چاہئے؟

(۷) ہڈیاں توڑنا چاہئے یا نہیں، اور دفن کرنا چاہئے یا نہیں؟

(۸) مدت اور روز عقیقہ کیا ہونا چاہئے؟

(۹) لڑکے اور لڑکی کے عقیقے میں تعداد جانوروں کی دو دو ایک ہونی چاہئے یا ایک ایک؟

(۱۰) اجرت قصاب کی داموں میں مجرا ہو سکتی ہے یا نہیں؟

(۱۱) اگر دو جانور ہوں تو ان کی سری و پائے ایک حجام کو، ایک سقّہ کو دی جا سکتی ہے یا دونوں حجام کو؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ان امور میں احکام عقیقہ مثل قربانی ہیں، اعضا سلامت ہوں، بکرا بکری ایک سال سے کم کی جائز نہیں، بھیڑ، مینڈھا چھ مہینہ کا بھی ہو سکتا ہے جبکہ اتنا تازہ و فربہ ہو کہ سال بھر والوں میں ملا دیں تو دور سے متمیز نہ ہو۔

(۲) گوشت بھی مثل قربانی تین حصے کرنا مستحب ہے۔ ایک اپنا، ایک اقارب، ایک مساکین کا، اور چاہے تو سب کھالے خواہ سب بانٹ دے، جیسے قربانی، اور پکا کر کھلانا کچا تقسیم کرنے سے افضل ہے۔

(۳) حصہ ضروری کسی کا بھی نہیں، استحبابی حصہ میں تہائی اپنا رکھا گیا ہے۔ والدین کھا سکتے ہیں، اس کی ممانعت جو مشہور ہے صحیح نہیں۔

(۴) دائی یعنی جنائی کو ایک ران دی جائے جبکہ وہ مسلمان ہو جاہلوں میں جو ہندو جنائیاں یا مس ڈاکٹریں بلائی جاتی ہیں یہ حرام ہے۔ حجام، سقا، خاکروب، دھوبی کا کوئی خاص حق نہیں۔

(۵) پوست داموں کو بیچ کر اپنے صرف میں لانا منع ہے۔ اور قیمت میں مجرا کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور پہلے خرید کر ذبح کرلیا اب پوست قصاب نے مول لے لیا، اس کے آتے ہوئے داموں میں یہ دام وضع کرلئے، یوں اپنے صرف کے لئے بیچنا گناہ ہوامگر جانور کی خریداری میں خلل نہ آیا دوسرے یہ کہ خریدتے وقت شرط کرلی کہ کھال اتنے کو تجھے لینی ہوگی، یہ سرے سے جانور کی خریداری ہی کو حرام وفاسد کردے گا ان پر فرض ہوگا کہ اس عقد کو فسخ کردیں، پھر از سر نو عقد صحیح سے اسے خرید کر عقیقہ میں ذبح کرے، ہاں بعینہٖ پوست کی جلد یا ڈول یا جانماز وغیرہ بنا کر اپنے صرف میں لاسکتا ہے۔ یوں ہی برتن کپڑے وغیرہ اشیاء کے عوض بیچ سکتا ہے۔ جو قائم رکھ کر استعمال میں آتی ہیں، نہ دام یا اناج وغیرہ جن کا استعمال ان کو فنا کرنے سے ہوتا ہے۔ اور کار خیر میں دے دینا اپنے صرف میں لانے سے افضل ہے۔

(۶) باپ اگر حاضر اور ذبح پر قادر ہو تو اسی کا ذبح کرنا بہتر ہے کہ یہ شکر نعمت ہے۔ جس پر نعمت ہوئی وہی اپنے ہاتھ سے شکر ادا کرے وہ نہ ہو یا ذبح نہ کرسکے تو دوسرے کو قائم کرے یا کیا جائے، اور جو ذبح کرے وہی دعا پڑھے عقیقہ پسر میں کہ باپ ذبح کرے دعا یوں پڑھے:

اَللّٰھُمَّ ہٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ ابْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعِظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِابْنِیْ مِنَ النَّارِ ط بِسْمِ اللہِ اَللہُ اَکْبَرُ۔	اے اللہ ! یہ میرے فلاں بیٹے کا عقیقہ ہے اس کا خون اس کے خون، اس کا گوشت اس کے گوشت اس کی ہڈی اس کی ہڈی، اس کا چمڑہ اس کے چمڑے اور اس کے بال اس کے بال کے بدلے میں ہیں، اے اللہ ! اس کو میرے بیٹے کے لئے جہنم کی آگ سے فدیہ بنادے۔ اللہ تعالٰی کے نام سے، اللہ بہت بڑا ہے۔ (ت)

فلاں کی جگہ پسر کا جو نام رکھتا ہو لے دختر ہو تو دونوں جگہ اِبْنِیْ کی جگہ بِنْتِی، اور پانچوں جگہ "ہ" کی جگہ "ھا" کہے اور دوسرا شخص ذبح کرے تو دونوں جگہ ابنی فلاں یا بنتی فلاں کی جگہ

فُلَان اِبْنِ فُلَاں یافُلَانَہ بِنْتِ فُلَانَہ کہے۔بچے کو اس کے باپ کی طرف نسبت کرے۔

(۷) ہڈیاں توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے، اور دفن کرنا افضل ہے۔

(۸) عقیقہ ساتویں دن افضل ہے۔نہ ہوسکے تو چودھویں، ورنہ اکیسویں، ورنہ زندگی بھر میں جب کبھی ہو، وقت دن کا ہو۔رات کو ذبح کرنا مکروہ ہے۔

(۹) کم سے کم ایک تو ہے ہی، اور پسر کے لئے دو افضل ہیں، استطاعت نہ ہو تو ایک بھی کافی ہے۔

(۱۰) گوشت بنانے کی اُجرت داموں میں مجرا کرسکتا ہے۔

(۱۱) سرے پائے خود کھائے خواہ اقرباء مساکین جسے چاہے۔خواہ سب حجام یا سب سقا کو دے دے شرع مطہر نے ان کا کوئی خاص حق اس میں مقرر نہ فرمایا۔فقط۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۱۱ تا ۳۱۴: از پچروکھی ضلع گیا ڈاکخانہ اکبر پور مسئولہ سید محمد ولی عالم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) چلہ کے اندر عقیقہ کرنا جائز ہے یا تاخیر؟

(۲) ایک خصی سے عقیقہ ہوگا یا نہیں؟

(۳) گوشت عقیقہ کا آباؤاجداد کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہڈی مذبوح کی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) عقیقہ ولادت کے ساتویں روز سنت ہے۔اور یہی افضل ہے۔ورنہ چودھویں دن، ورنہ اکیسویں دن۔

(۲) خصی عقیقہ اور قربانی میں افضل ہے۔

(۳) عقیقہ کا گوشت آباء واجداد بھی کھاسکتے ہیں مثل قربانی اس میں بھی تین حصے کرنا مستحب ہے۔

(۴) اس کی ہڈی توڑنے کی ممانعت میں علماء تفاولانہ توڑنا بہتر جانتے ہیں، پسر کے عقیقہ میں دو جانور افضل ہیں اور ایک بھی کافی ہے اگرچہ خصی نہ ہو، عقود الدریہ میں ہے:

قال فی السراج الوہاج اذا ارادان یعق عن الولد یذبح عن الغلام شاتین وعن الجاریۃ شاۃ ولو ذبح عن الغلام شاۃ جاز لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عق عن الحسن	السراج الوہاج میں فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنی اولاد کا عقیقہ کرنا چاہے تو لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، اگر لڑکے کی طرف سے ایک بکری ذبح کی تب بھی جائز ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امام حسن

والحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کبشا کبشا، ولو قدم الذبح قبل یوم السابع او اخرعنه جاز الا ان یوم السابع افضل والمستحب ان یفصل لحمها ولا یکسر عظمها تفاولا بسلامة اعضاء الولد، ویاکل و یطعم ویتصدق[1]۔	اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف سے ایک ایک مینڈھے کا عقیقہ کیا، اگر عقیقہ ساتویں دن سے پہلے کرے یا ساتویں دن کے بعد کرے تب بھی جائز ہے مگر ساتویں دن کرنا افضل ہے بچے کے اعضاء کی سلامتی کے لئے نیک فالی کے طور پر مستحب یہ ہے کہ گوشت ہڈیوں سے الگ کرلیا جائے اور ہڈیوں کو توڑا نہ جائے، خود کھائے، دوسروں کو کھلائے اور صدقہ کرے۔(ت)

اسی میں ہے: وحکمها کاحکام الاضحیه[2] (عقیقہ کا حکم قربانی کے احکام کی طرح ہے) ردالمحتار میں ہے:

فی البدائع افضل الشاء ان یکون کبشا املح اقرن موجوء[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بدائع میں ہے افضل قربانی یہ ہے کہ مینڈھا چتکبرا، سینگوں والا اور خصی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۵: مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات، ضلع بریلی

عید الاضحٰی کے روز عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: از مرسنیا تھانہ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ مختار حسین صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں زید نے اپنے لڑکے کا عقیقہ کیا، سر کے بال منڈوا کر چاندی وزن کرکے حجام کو دے دی، مسکین کو دینی چاہئے تھی، اور بکری کا سر حجام کو، اور ایک ران بھنگن کو، کہ وہی دائی تھی، اس طرح عقیقہ ہوا یا نہیں؟ جوانی یا بڑھاپے میں عقیقہ کرسکتا ہے یا

[1] العقود الدریة کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۲ و ۲۳۳

[2] العقود الدریة کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الاضحیه داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۱

نہیں؟بینوا توجروا

الجواب:

بھنگن یا کسی کافرہ کو جنائی بنانا سخت حرام ہے۔نہ کافرہ کو ران دی جائے،اور بالوں کی چاندی مسکین کا حق ہے۔نائی مسکین ہو تو مضائقہ نہیں،اصل حکم یہ ہے پھر جس نے اس کے خلاف کیا،بھنگن کو ران،غنی نائی کو چاندی دی تو برا کیا،مگر عقیقہ ہو گیا،سری کے بارے میں کوئی خاص حکم نہیں ہے جسے چاہے دے،جس کا عقیقہ نہ ہوا ہو وہ جوانی بڑھاپے میں بھی اپنا عقیقہ کر سکتا ہے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷تا۳۱۹: از موضع خود مئوڈاک خانہ بدو سرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حکم ہے کہ عقیقہ میں سر نائی کو اور ران دائی جنائی کو دی جائے،فی زمانا جنائی اکثر چمارن یا ڈومن ہوتی ہے۔اور ان کا مذہب ظاہر ہے تو کیا ان مذکور بموجب حکم جنائی کو جو چمارن ہے یا ڈومن ہے دی جائے۔

(۲) گوشت عقیقہ کا صاحب عقیقہ یا اس کے والد کے کھانے کی نسبت اکثر بزرگ تحریر فرماتے ہیں کہ درست ہے،اور بعض بزرگ تجویز فرماتے ہیں کہ مکروہ ہے۔اور نہ کھانا انسب ہے۔تو اب قطعی حکم معلوم ہونا چاہئے،کیا کیا جائے،جو طریقہ وسنت نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف نہ ہو،

(۳) اکثر دیکھا گیا کہ لوگ بکرا منگا کر اور اس کو لڑکے یا لڑکی کے نام ذبح کرکے کچھ گوشت چیل،کوا کو کھلاتے ہیں،اور کچھ فقراء کو تقسیم کرتے ہیں،یہ فعل کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) سر نائی کو دینے کا نہ کہیں حکم نہ ممانعت،ایک رواجی بات ہے۔جنائی کو ران دینے کا حکم،البتہ حدیث ہے،مگر کافرہ سے یہ کام لینا حرام ہے۔کافرہ سے مسلمان عورت کو ایسے پردے کا حکم ہے جیسے مرد سے کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں اور تلووں کے کچھ نہ دکھائے،نہ کہ خاص جنائی کا کام۔مجتبٰی شرح قدوری و تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

الذمیۃ کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمۃ[1]۔	اصح قول کے مطابق ذمیہ عورت اجنبی مرد کی طرح ہے لہٰذا وہ مسلمان عورت کے بدن کو نہ دیکھے۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار بحوالہ مجتبٰی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

غایۃ البیان میں ہے:

لیس للمؤمنة ان تتجرد بین یدی مشرکة او کتابیة[1]۔	مومنہ عورت کو مشرکہ یا کتابیہ عورت کے سامنے ننگا ہونا جائز نہیں۔(ت)

سراج الوہاج، نصاب الاحتساب وشرح الدر للعلامۃ اسمٰعیل وشرح ہدیہ ابن العماد للعارف عبدالغنی وردالمحتار میں ہے:

لایحل للمسلمة ان تنکشف بین یدی یهودیة او نصرانیة او مشرکة الا ان تکون امة لها[2]۔	مسلمان عورت کو یہودی، نصرانی یا مشرک عورت کے سامنے ننگا ہونا حلال نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس کی لونڈی ہو۔(ت)

پھر اگر کسی نے اپنی حماقت سے اس گناہ کا ارتکاب کیا، او کان صحیح الاضطرار الیه (یا اس کی طرف شدید مجبوری ہو۔(ت) تو اس کو ران وغیرہ کچھ نہ دیں کہ کافروں کا صدقات وغیرہ میں کچھ حق نہیں، نہ اس کو دینے کی اجازت، غایہ سروجی وبحرالرائق ودرمختار وغیرہا میں ہے:

اما الحربی ولو مستأمنا فجمیع الصدقات لایجوز له اتفاقا[3]۔	لیکن کافر حربی اگرچہ مستامن ہو اس کو تمام صدقات دینا بالاتفاق ناجائز ہے۔(ت)

درایہ میں ہے:

صلته لا تکون برا شرعا۔ ولذا لم یجز التطوع الیه[4]۔	اس کے ساتھ صلہ رحمی شرعی طور پر نیکی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس پر احسان کرنا جائز نہیں۔(ت)

(۲) عقود الدریہ وغیرہا کتب میں تصریح ہے کہ **احکامها احکام الاضحیه**[5] (عقیقے کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے۔ وہی تین حصے اس میں مستحب ہیں۔ ایک اپنا، ایک عزیزوں دوستوں کا، ایک مسکینوں کا، خود بھی کھائے، ماں باپ بھی کھائیں، ممانعت بے اصل ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱

[4] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایۃ کتاب الزکوٰۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸

[5] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۳۳

(۳) مساکین کو دیں، چیل، کوؤں کو کھلانا کوئی معنٰی نہیں رکھتا، یہ فاسق ہیں، اور کوؤں کی دعوت رسم ہنود۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۰: ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض لوگ عقیقے کے جانور کی استخوان توڑنا اور گوشت کے ساتھ پکانے کو عدم جواز کہتے ہیں، اور جواز کی دلیل چاہتے ہیں، اور استخوان اور پوست زمین میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہڈیاں توڑنے میں کوئی حرج نہیں، ناجائز کہنے والا دلیل بیان کرے، کہاں سے ناجائز کہتا ہے۔ یہ شافعیہ کے یہاں ہے۔ وہ بھی مستحب طور پر نہ کہ واجب کہ توڑنا ناجائز ہو، خود بلادلیل ناجائز کہہ دینا اور جواز پر الٹے دلیل مانگنا حماقت ہے۔ اور استخوان خالی دفن کریں، پوست دفن کرنا گناہ ہے۔ کہ مال کو ضائع کرنا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۱: از شہر پونا جامع مسجد مسئولہ محمد ابراہیم صاحب بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع مبین کہ بچے کا عقیقہ کیا جائے لڑکے کے ماں باپ نانا، نانی، دادا، ماموں وغیرہ گوشت عقیقہ کا کھائیں یا نہیں؟

الجواب:

سب کھاسکتے ہیں، یہ مسئلہ لوگوں میں غلط مشہور ہے **کلوا وتصدقوا وائتجروا**[1] (کھاؤ، صدقہ کرو اور اجر کماؤ۔ عقود الدریہ میں ہے: **احکامھا احکام الاضحیہ**[2] (عقیقہ کے احکام وہی ہیں جو قربانی کے احکام ہیں۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۲۲: از کیمپ میرٹھ لال کرتی بازار بنگلہ سول سارجن مرسلہ شیخ احمد بخش ملازم کرنل ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۲۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ میں جانور کی ہڈی توڑنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النھی عن لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸، سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الذبائح ارگ بازار قندہار افغانستان ۲/ ۲۳۳

الجواب:

توڑنے میں حرج نہیں، اور نہ توڑنا بہتر ہے۔

قال الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ انہ مذہب الامام مالک، والکسر مذہب الامام شافعی، قلت و قد صرح علمائنا ان مذہب عالم المدینۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اقرب الی مذہبنا ویصار الیہ حیث لانص من اصحابنا کما فی ردالمحتار وغمز العیون، قلت لاسیما فی مثل مانحن فیہ، فان الکسر لاینبغی عند مالک، ولو لم یکسر لم یعاقبہ الشافعی رضی اللہ تعالٰی عن الائمۃ اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ (ہڈی کا) نہ توڑنا امام مالک کا مذہب ہے۔ اور توڑنا امام شافعی کا مذہب ہے۔ میں کہتاہوں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ عالم مدینہ کا مذہب ہمارے مذہب کے زیادہ قریب ہے۔ جہاں ہمارے اصحاب سے کوئی نص موجود نہ ہو وہاں انہی کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ ردالمحتار اور غمز العیون میں ہے۔ میں کہتاہوں خاص طور پر زیر بحث مسئلہ جیسے مسائل میں کیونکہ امام مالک کے نزدیک توڑنا مناسب نہیں، اور اگر نہ توڑے تو امام شافعی اس پر عتاب نہیں فرماتے۔ اللہ تعالٰی ہمارے تمام اماموں پر راضی ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عقیقہ کا گوشت والدین کو کھانا حرام ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا

الجواب:

جائز ہے اگر سب آپ ہی کھالیں جب بھی حرج نہیں لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلوا وادخروا[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ کھاؤ اور ذخیرہ کرو۔ ت) ہاں بہتر یہ ہے کہ "لا اقل بقدر ثلث" (کم از کم تہائی کو۔ ت) خیرات کردے، اور ایک ران دائی کا حق ہے۔ ایک ثلث عزیزوں قریبوں میں تقسیم کریں، ایک ثلث اپنے کھانے کے لئے،

بذلك ورد الحدیث واما جواز الاکل فان النسك انما یقوم باراقۃ الدم	اس پر حدیث وارد ہے۔ لیکن کھانے کا جواز تو اس لئے ہے کہ عقیقہ تو جانور کا خون بہانے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳

والتصدق باللحم خارج عنه کالا ضحیة والدم دم شکر لاجبر، وقد صرح العلماء کالشیخ فی اللمعات وغیرہ فی غیرہا ان العقیقة کالاضحیة فی جمیع الشرائط والاحکام، ومعلوم ان الاضاحی تقسم لحومها اثلاثا ثلث طعمه و ثلث ہدیة وثلث صدقة و ھذا ایضا علی وجه الاستحباب دون الوجوب حتی لو اکل الکل جاز فکذا العقیقة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے۔اور گوشت کو صدقہ کرنا اس سے خارج ہے جیساکہ قربانی میں ہوتاہے۔اور عقیقہ کے لئے جانور ذبح کرنا بطور شکر ہے اس پر جبر نہیں علماء کرام نے صراحت فرمائی جیساکہ شیخ محقق نے لمعات میں اور دیگر ائمہ نے دیگر کتب میں فرمایاکہ بیشک عقیقہ تمام شرائط واحکام میں قربانی کی مثل ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصوں میں تقسیم کیا جاتاہے ایک حصہ خود کھانے کے لئے دوسرا حصہ ہدیہ وتحفہ کے لئے اور تیسرا حصہ صدقہ کے لئے،اورایسا کرنا بھی مستحب ہے نہ کہ واجب یہاں تک کہ اگر تمام گوشت خود کھالے تب بھی جائز ہے۔لہٰذا ایسا ہی معاملہ عقیقہ میں ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۲۴و۳۲۵: شیخ احمد حسین صاحب از مقام سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) مردہ کے نام پر عقیقہ دیا جاسکتاہے یانہیں؟ اور بعض عالم یہ کہتے ہیں کہ مردہ کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہٰذا عقیقہ بھی درست ہے۔اگر بچہ ہو کہ سات دن سے پہلے مرے تو کیا حکم ہے؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار یا سات لڑکی کا عقیقہ دے سکتاہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) مردہ کی طرف سے قربانی بلا شبہ جائز ہے اور عقیقہ شکر نعمت ہے بعد زوال نعمت اس کا محل نہیں، ولہٰذا اموات بلکہ ان کی طرف سے جواب تک پیدا نہ ہوئے قربانی ثابت ہے۔اور عقیقہ بعد موت کہیں ثابت نہیں، جو بچہ سات دن سے پہلے مرگیا عقیقہ نہ کرنے سے جو الزام آتا کہ وہ شفیع ہوگا، یہاں نہ ہوگا کہ شرع نے جو اس کا وقت مقرر فرمایا اس سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا، اور سات دن بعد مرا اور استطاعت تھی تو اس کی شفاعت کا استحقاق نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) دے سکتاہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۶: از شہر بریلی مدرسہ اہلسنت مسئولہ مولوی اسیر الدین بنگالی یکے از طلباء مدرسہ مذکورہ ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

بچہ نابالغ اگر قبل عقیقہ کے مرجائے تو بعد مرنے کے اگر عقیقہ کیا جائے تو ثواب عقیقہ کا ملے گا یا

نہیں؟اور یہ عقیقہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

بچہ کی موت کے بعد عقیقہ نہیں ہوسکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: مسئولہ محمد یعقوب علی خاں از مقام کٹھری ضلع گوڑگاؤں ڈاکخانہ ڈھینہ اسٹیشن حاٹون بتاریخ ۱۴ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ

جو بچہ پیدا ہوا اور کسی سبب سے اس کی زندگی میں عقیقہ نہ ہوا تو بعد مرنے بچہ کے اس کے نام سے عقیقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقیقہ بعد موت پسر نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۸و۳۲۹: از بریلی محلّہ سوداگران مسئولہ سردار احمد صاحب ۱۵ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) مُردے کے نام سے عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟اور بعض عالم کہتے ہیں کہ مردے کے نام پر قربانی کرنا درست ہے لہذا عقیقہ بھی درست ہے اگر بچہ پیدا ہوکے سات دن پہلے مرے تو کیا حکم ہے اور سات دن کے بعد مرے تو کیا حکم ہے۔اور نر یعنی بکرا لڑکے کے لئے خاص ہے یا نہیں؟

(۲) ایک گائے سے تین یا چار سات لڑکے کا عقیقہ دے سکتا ہے یا نہیں؟اور ایک گائے کے گوشت سے دو حصہ لے کر ایک لڑکے کا عقیقہ دیا جائے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب

(۱) مُردے کا عقیقہ نہیں کہ وہ شکر ولادت ہے۔بخلاف قربانی کہ ایصال ثواب ہے۔سات دن سے پہلے مرگیا تو ابھی عقیقہ کا وقت ہی نہ آیا تھا اور بعد کو مرا تو عقیقہ کیا،اس بچے کی شفاعت کا مستحق نہ ہوگا،اگر بلاوجہ باوصف استطاعت نہ کیا،افضل یہ ہے کہ پسر کے لئے دو نر ہوں اور دختر کے لئے ایک مادہ کہ اس میں مقابلہ اعضا اکمل ہے۔اور اگر نر و مادہ میں عکس ہو جب بھی کوئی حرج نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ایک گائے میں ایک سے سات کا عقیقہ ہوسکتا ہے۔اگر عقیقہ کے سوا دوسرا حصہ ایک یا دو یا کتنا ہی خفیف غیر قربت مثلا اپنے کھانے کی نیت کو رکھا تو عقیقہ ادا نہ ہوگا،ہاں اگر وہ حصے

بھی قربت کے ہوں، مثلاایک حصہ عقیقہ، ایک حصہ قربانی عید الاضحیٰ تو جائز ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۳۳۰: ہادی حسین صاحب از شہر بریلی محلّہ ذخیرہ ۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید وہندہ کے آپس میں ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو اس ناجائز تعلق کی وجہ سے حمل رہا، افشائے راز کے باعث زید وہندہ کا باہم نکاح کر دیا، اب ہندہ نے وضع حمل کیا، زید اس کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے۔ آیا یہ عقیقہ درست ہوگا اور گوشت یا طعام عزیز واقرباء کو کھانا مباح ہوگا یا نہیں اور نکاح زید صورت مسطورہ میں صحیح ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں زید کوئی کام بھی آئندہ اس مولود کا مثل ختنہ ومکتب وغیرہ کے کرے، اس میں شرکت دینا اور شرینی اور طعام دعوت ان امور کی لینا اور کھانا اعزا کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ عورت کنواری تھی اور بچہ نکاح کے کوئی دو مہینے بعد پیدا ہوا، ایسی صورت میں زید اگر جانتا ہے کہ واقع میں یہ حمل نکاح سے پہلے کا ہے تو اسے اس کا عقیقہ کرنے کے کوئی معنی نہیں کہ عقیقہ شکر نعمت ولادت ہے اور بچہ کی ولادت زانی کے لئے نہیں ہوتی صرف ماں کے لئے۔

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم للعاھر الحجر[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا زانی کے لئے پتھر ہے۔(ت)

اس کا عقیقہ اگر کرے تو اس کی ماں کرے، اس میں شرکت میں حرج نہ ہوگا، اور ختنہ اور شادی اگر زید بھی کرے تو حرج نہیں اور شرکت بھی جائز ہوئی جبکہ کوئی محذور شرعی نہ ہو۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۳۱تا۳۳۳: مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب حنفی قادری رضوی از آرہ شاہ آباد مدرس فیض الغرباء بروز پنجشنبہ بتاریخ ۷/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

(۱) قیاس عقیقہ قربانی پر صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو ان دونوں کا جامع علت مشترکہ کیا ہے؟

(۲) قربانی کی طرح عقیقہ میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سات لڑکیوں یا تین لڑکے اور ایک لڑکی کے نام سے ایک گائے عقیقہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

---

[1] صحیح البخاری کتاب المحاربین باب للعاھر الحجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۷، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من قضی لہ بحق اخیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۶۵، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰ و ۴۷۱

الجواب:

عقیقہ میں بھی شرکت اسی طرح جائز ہے جیسے قربانی میں جبکہ سب کی نیت خالص لوجہ اللہ ہو۔ اگر ایک کی نیت بھی قربت کی نہ ہوگی اور باقی سب تقرب چاہیں گے کسی کی قربت ادا نہ ہوگی کہ وہ سب گوشت ہوگیا۔

لان اللہ تعالٰی لا یقبل الشرکۃ واغنی الاغنیاء عن الشرکۃ لہ ولغیرہ فکلہ لغیرہ۔	اس لئے کہ اللہ تعالٰی شرکت کو قبول نہیں فرماتا اور وہ تمام اغنیاء شرکت سے بڑا غنی ہے اور جو اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہو تو وہ سب اس کے غیر کے لئے ہے۔(ت)

عقیقہ اور قربانی دونوں اراقت دم لوجہ اللہ ہیں اور اسی کلیہ میں داخل کہ:

ماکان لہ ولغیرہ فھو لغیرہ وماکان خالصا لہ فھولہ۔ وان تعددت الوجوہ ولذا جاز التصدق علی فقیرین بالاشتراک ولامشاع، ان المقصود وجہ اللہ تعالٰی وھو واحد بخلاف الھبۃ۔	جو کچھ اس کے لئے اور اس کے غیر کے لئے (مشترک) ہے تو وہ اس کے غیر کے لئے ہے اور جو خالص اس کی رضا کے لئے ہے تو وہ اس کے لئے ہے۔ اگرچہ وجوہ تقرب متعدد ہوں، اسی واسطے دو فقیروں پر بلا تقسیم مشترکہ طور پر صدقہ کرنا جائز ہے کیونکہ مقصود اللہ تعالٰی کی خوشنودی ہے اور وہ ایک ہی ہے بخلاف ہبہ کے (ت)

لہٰذا حاجت قیاس نہیں فان المندرج تحت العمومات غیر مسکوت عنہ لیقاس (کیونکہ جو شے عمومات کے تحت درج ہو وہ مسکوت عنہ نہیں ہوتی تاکہ قیاس کیا جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴: از قصبہ امریا ڈاک خانہ امریا پاس محمد اکبر یار خاں، بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۳/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو بچہ لڑکا یا لڑکی پیدا ہو کر ہفتہ سے کم یا ہفتہ بھر کی عمر یا ہفتہ سے زائد میں انتقال ہوا اب ان کے والدین کو ان مردہ بچوں کا عقیقہ چاہئے یا نہیں؟ اور ہفتہ سے کم عمر میں مرے ان کا عقیقہ کیا جائے یا نہیں؟ اور قربانی بھی ان بچوں کی جانب سے ہوتی یا نہیں؟ اور والدین جو انتقال کرچکے ہوں ان کی جانب سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کی بابت جو جوابات ہوں واضح طور پر تحریر فرمائے جائیں سخت ضرورت ہے۔ جواب جہاں تک ممکن ہو بہت جلد اور ہفتہ کی عمر سے زائد جہاں تک حد ہو اپنی صغر سنی میں، اس کے واسطے کیا حکم ہے۔ اور وہ بچے جن کے ذکر ہوا عقیقہ نہ کرنے میں مواخذہ

کریں گے یا نہیں؟ اگر عقیقہ کردیا جائے تو شفاعت بروز حشر کرادیں گے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

جو مرجائے کسی عمر کا ہو اس کا عقیقہ نہیں ہوسکتا، بچہ اگر ساتویں دن سے پہلے ہی مرگیا تو اس کے عقیقہ نہ کرنے سے کوئی اثر اس کی شفاعت وغیرہ پر نہیں کہ وہ وقت عقیقہ آنے سے پہلے ہی گزر گیا عقیقہ کا وقت شریعت میں ساتواں دن ہے سات دن سے پہلے مرجانا درکنار، حدیث میں ہے کہ کچا حمل جو گرجاتا ہے وہ روز قیامت اپنا نال کھنیچتا ہوا آئے گا اور اپنے ماں باپ کے لئے (جبکہ وہ دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہوں) مولٰی عزوجل سے ایسا جھگڑا کرے گا جیسے قرضخواہ اپنے قرضدار سے، یہاں تک کہ حکم ہوگا کہ او کچے بچے، اپنے رب سے جھگڑنے والے! اپنے ماں باپ کا ہاتھ پکڑ لے اور جنت میں لے جا[1]۔ ہاں جس بچے نے عقیقہ کا وقت پایا یعنی سات دن کا ہوگیا اور بلاعذر باوصف استطاعت اس کا عقیقہ نہ کیا اس کے لئے یہ آیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کی شفاعت نہ کرنے پائے گا۔ حدیث میں ہے: الغلام مرتھن بعقیقتہ[2] لڑکا اپنے عقیقہ میں گروی ہے۔ تیسیر میں ہے:

یعنی اذا لم یعق عنہ فمات طفلا لایشفع فی ابویہ[3]۔	یعنی اگر بچے کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو اور وہ بچپن میں مرگیا تو وہ اپنے والدین کی شفاعت نہیں کرے گا۔ (ت)

اشعۃ اللمعات میں ہے:

امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مے گوید معنی آنست کہ فرزند محبوس وممنوع ست از شفاعت، درحق والدین تا عقیقہ او را نہ کنند، واعتماد بر قول آں امام اجل ست وظاہر آن ست کہ وی شنیدہ است از سلف کہ معنی ایں ست[4]۔	امام احمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ بچے کا جب تک عقیقہ نہ کیا جائے اس کو والدین کے حق میں شفاعت کرنے سے روک دیا جاتا ہے اور اعتماد اس عظیم الشان امام کے قول پر ہے اور ظاہر یہ ہے کہ امام موصوف نے اسلاف سے سنا ہوگا کہ اس کا معنی یہ ہے۔ (ت)

جو بچہ قبل بلوغ مرگیا اور اس کا عقیقہ کردیا تھا، یا عقیقہ کی استطاعت نہ تھی یا ساتویں دن سے پہلے مرگیا ان

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۵۸۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۵۹

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث مذکور کے تحت مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۶۵

[4] اشعۃ اللمعات کتاب الصید باب العقیقہ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۸۲

سب صورتوں میں وہ ماں باپ کی شفاعت کرے گا جبکہ یہ دنیا سے باایمان گئے ہوں اس بارے میں متواتر حدیثیں ہیں، قربانی جو اپنے نابالغ بچہ کی طرف سے بعض کے نزدیک واجب ہے وہ اس کی زندگی ہی میں ہے بعد مرگ کسی کے نزدیک لازم نہیں، ہاں ان کی طرف سے کرے تو ان کو ثواب پہنچے گا، یونہی ماں باپ کی طرف سے بعد موت قربانی کرنا اجر عظیم ہے اس کے لئے بھی اور اس کے والدین کے لئے بھی۔ **وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

نوٹ

بیسویں جلد باب العقیقہ پر ختم ہوئی

اکیسویں جلد کا آغاز کتاب الحظر والاباحۃ سے ہوگا۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مآخذومراجع

نام کتاب		مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	الاجزاء فی الحدیث	عبدالرحمٰن بن عمر بن محمد البغدادی المعروف بالنحاس	۴۱۶
۲۔	الاجناس فی الفروع	ابوالعباس احمد بن محمد الناطفی الحنفی	۴۴۶
۳۔	الاختیار شرح المختار	عبداللہ بن محمود (بن مودود) الحنفی	۶۸۳
۴۔	الادب المفرد للبخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۔	ارشاد الساری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۶۔	ارشاد العقل السلیم	ابوسعود محمد بن محمد العمادی	۹۵۱
۷۔	الارکان الاربع	مولانا عبدالعلی بحرالعلوم	۱۲۲۵
۸۔	الاشباہ والنظائر	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۹۔	اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ	شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۔	اصول البزدوی	علی بن محمد البزدوی	۴۸۲
۱۱۔	الاصلاح والایضاح للوقایۃ فی الفروع	احمد بن سلیمان بن کمال باشا	۹۴۰
۱۲۔	آکام المرجان فی احکام الجان	قاضی بدرالدین محمد بن عبداللہ الشبلی	۷۶۹
۱۳۔	انفع الوسائل الی تحریر المسائل	قاضی برہان الدین ابراہیم بن علی الطرسوسی الحنفی	۷۵۸
۱۴۔	امداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار الشرنبلالی	۱۰۶۹
۱۵۔	الانوار لعمل الابرار	امام یوسف الاردبیلی الشافعی	۷۹۹

۱۶۔	امالی فی الحدیث	عبدالملک بن محمد بن محمد بشران	۴۳۲
۱۷۔	الایجاز فی الحدیث	احمد بن محمد المعروف بابن السنی	۳۶۴
۱۸۔	القاب الرواۃ	احمد بن عبدالرحمٰن الشیرازی	۴۰۷
۱۹۔	الاصل (مبسوط)	ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۲۰۔	اخبار مدینہ	محمد بن حسن المدنی ابن زبالہ	۲۰۰
۲۱	اٰلام	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴
۲۲۔	اخبارِ مدینہ	زبیر ابن بکار الزبیری	۲۵۶
۲۳۔	امثال النبی صلی اللہ علیہ وسلم	الحسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی	۳۶۰
۲۴۔	اربعین للحاکم	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری	۴۰۵
۲۵۔	احیاء العلوم	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۲۶۔	اربعین نووی	محی الدین یحیٰی بن شرف النووی الشافعی	۶۷۶
۲۷۔	الاذکار المنتخبہ من کلام	سیّد الابرار ابوزکریا یحیٰی شرف النووی	۶۷۶
۲۸۔	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	علی بن محمد ابن اثیر الشیبانی	۶۳۰
۲۹۔	الفیۃ العراقی فی اصول الحدیث	امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی	۸۰۶
۳۰۔	الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی	۸۵۲
۳۱۔	انموذج العلوم	علامہ جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی	۹۰۳
۳۲۔	الاتقان جلال الدین	عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۳۳۔	اعلام بقواطع الاسلام	احمد بن حجر الھیتمی المکی	۹۷۴
۳۴۔	الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری (ملا علی القاری)	۱۰۱۴
۳۵۔	الانتباہ فی سلاسل اولیاء	شاہ ولی اللہ بن عبدالرحیم	۱۱۷۹
۳۶۔	اتحاف السادۃ المتقین	سید محمد بن محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۳۷۔	انجاح الحاجۃ حاشیۃ سنن ابن ماجہ	عبدالغنی الدہلوی المدنی	۱۲۷۳
۳۸۔	اعانۃ الطالبین سید محمد شطاالدمیاطی		
۳۹۔	الاشارات ابن سینا	ابوعلی حسن بن عبداللہ الشہیر بابن سینا	۴۲۸

ب

۴۰۔	بدائع الصنائع	علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی	۵۸۷
۴۱۔	البدایة (بدایة المبتدی)	علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۲۔	البحر الرائق	شیخ زین الدین بن ابراہیم بابن نجیم	۹۷۰
۴۳۔	البرہان شرح مواہب الرحمان	ابراہیم بن موسی الطرابلسی	۹۲۲
۴۴۔	بستان العارفین	فقیہ ابواللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۲
۴۵۔	البسیط فی الفروع	حجۃ الاسلام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۴۶۔	البنایة شرح الهدایة	امام بدر الدین ابو محمد العینی	۸۵۵
۴۷۔	بهجة الاسرار	یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	۷۱۳
۴۸۔	بلوغ المرام	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲
۴۹۔	بستان المحدثین	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ	۱۲۳۹
۵۰۔	براہین قاطعه	رشید احمد گنگوہی	۱۹۰۵ء

ت

۵۱۔	تاج العروس	سید محمد مرتضٰی الزبیدی	۱۲۰۵
۵۲۔	تاریخ ابن عساکر	علی بن الحسن الدمشقی بابن عساکر	۵۷۱
۵۳۔	تاریخ البخاری	محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۵۴۔	التجنیس والمزید	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۵۵۔	تحریر الاصول	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام	۸۶۱
۵۶۔	تحفة الفقهاء	امام علاء الدین محمد بن احمد السمرقندی	۵۴۰
۵۷۔	تحقیق الحسامی	عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۵۸۔	الترجیح والتصحیح علی القدوری	علامہ قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹
۵۹۔	التعریفات لسیّد شریف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۶۰۔	التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳

۶۱۔	تنبیہ الانام فی آداب الصیام		
۶۲۔	تفسیر الجلالین	علامہ جلال الدین المحلی وجلال الدین السیوطی	۸۶۴۔۹۱۱
۶۳۔	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۶۴۔	تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن اخبار الشنیعۃ الموضوعۃ	ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی	۹۲۳
۶۵۔	تفسیر ابن ابی حاتم	عبدالرحمٰن بن محمد الرازی (حافظ)	۳۲۷
۶۶۔	تہذیب الآثار	ابو جعفر محمد بن محمد بن جریر	۱۳۱۰
۶۷۔	تقریب القریب	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۹۱۱
۶۸۔	التقریر والتحبیر	محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی	۸۷۹
۶۹۔	التیسیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۷۰۔	تبیین الحقائق	فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی	۷۴۳
۷۱۔	تقریب التہذیب	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۷۲۔	تنویر المقیاس	ابوطاہر محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۷۳۔	تنویر الابصار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد التمرتاشی	۱۰۰۴
۷۴۔	تعظیم الصّلوٰۃ	محمد بن نصر المروزی	۲۹۴
۷۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی	۴۶۳
۷۶۔	التوشیح فی شرح الہدایۃ	عمر بن اسحٰق السراج الہندی	۷۷۳
۷۷۔	تاریخ الطبری	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۷۸۔	تنبیہ الغافلین	نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی	۳۷۳
۷۹۔	تاریخ ابن نجار	محمد بن محمود بن حسن بغدادی ابن نجار	۶۴۳
۸۰۔	الترغیب والترہیب	زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری	۶۵۶
۸۱۔	التوضیح شرح التنقیح فی اصول الفقہ	عبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ	۷۴۷
۸۲۔	تذکرۃ الحفاظ	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۳۔	تذہیب تہذیب الکمال	شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۸۴۔	التلویح شرح توضیح	سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی	۷۹۲
۸۵۔	تدریب الراوی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱

۸۶۔	التعقبات علی الموضوعات	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۸۷۔	تاریخ الخمیس	شیخ حسین بن محمد بن الحسن دیار بکری	۹۶۶
۸۸۔	تذکرہ اولی الالباب انطاکی	داؤد بن عمر انطاکی	۱۰۰۸
۸۹۔	التبیان فی بیان مافی لیلۃ النصف من شعبان	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۹۰۔	تفسیرات احمدیہ	احمد بن ابوسعید المعروف ملاجیون	۱۱۳۰
۹۱۔	التفسیر المظھری	قاضی ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۹۲۔	تحفہ اثناء عشریہ	الشاہ عبدالعزیز دہلوی	۱۲۳۹
۹۳۔	تنبیہ ذوی الافہام	محمد امین ابن عابدین	۱۲۵۲
۹۴۔	التحریر المختار (تقریرات الرافعی)	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۳۲۳
۹۵۔	تذکرۃ الموضوعات للفتنی	محمد بن طاہر الفتنی	۹۸۶
۹۶۔	تجنیس الملتقط		
۹۷۔	تحفۃ المومنین فی الطب	محمد مومن بن محمد زمان الحسینی	
۹۸۔	تحفۃ الصلوٰۃ (فارسی)	حسین بن علی الکاشفی الواعظ	۹۱۰

ث

۹۹۔	الثمانون فی الحدیث	ابوبکر محمد بن الحسین الآجری	۳۶۰
۱۰۰۔	ثبت ابومحمد بن امیر المکی المصری		

ج

۱۰۱۔	جامع الترمذی	ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی	۲۷۹
۱۰۲۔	جامع الرموز	شمس الدین محمد الخراسانی	۹۶۲
۱۰۳۔	الجامع الصحیح للبخاری	امام محمد بن اسمٰعیل البخاری	۲۵۶
۱۰۴۔	الجامع الصغیر فی الفقہ	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۰۵۔	الجامع الصحیح للمسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱
۱۰۶۔	جامع الفقہ (جوامع الفقہ)	ابونصر احمد بن محمد العتابی	۵۸۶

۱۰۷۔	جامع الفصولین	شیخ بدر الدین محمود بن اسرائیل بابن قاضی	۸۲۳
۱۰۸۔	الجامع الکبیر فی فروع الحنفیة	ابی الحسن عبید اللہ بن حسین الکرخی	۳۴۰
۱۰۹۔	جواہر الاخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الاخلاطی	۰
۱۱۰۔	الجواہر الزکیة	احمد بن ترکی بن احمد المالکی	۹۸۹
۱۱۱۔	جواہر الفتاوٰی	رکن الدین ابوبکر بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵
۱۱۲۔	الجوہرة النیّرة	ابوبکر بن علی بن محمد الحدّاد الیمنی	۸۰۰
۱۱۳۔	الجرح والتعدیل فی رجال الحدیث	یحیٰی بن معین البغدادی	۲۳۳
۱۱۴۔	الجامع الصغیر فی الحدیث	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۵۔	جامع البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر طبری)	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۱۶۔	جزء حدیثی حسن بن عرفہ	ابو علی حسن بن عرفہ بعداز	۲۵۶
۱۱۷۔	الجامع لاخلاق الراوی والسامع	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۱۱۸۔	جامع احکام الصغار فی الفروع	محمد بن محمود الاستروشنی	۶۳۶
۱۱۹۔	جامع الادویہ والاغذیہ	ضیاء الدین عبداللہ بن احمد المالقی	۶۴۶
۱۲۰۔	جواہر العقدین فی فضل الشرفین	نورالدین علی بن احمد السمہودی والمصری	۹۱۱
۱۲۱۔	جواہر خمسہ	محمد غوث بن عبداللہ گوالیاری	۹۷۰
۱۲۲۔	جمع الجوامع فی الحدیث	ابوبکر جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین سیوطی	۹۱۱
۱۲۳۔	جوہر منظم فی زیارت قبر النبی المکرم صلی اللہ علیہ وسلم	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۲۴۔	جذب القلوب الی دیار المحبوب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲
۱۲۵۔	الجامع الکبیر فی الفتاوٰی	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۵۵۶

ح

۱۲۶۔	حاشیة علی الدرر	محمد بن مصطفٰی ابوسعید الخادمی	۱۱۷۶
۱۲۷۔	حاشیة ابن شلبی علی التبیین	احمد بن محمد الشلبی	۱۰۲۱
۱۲۸۔	حاشیة علی الدرر	عبدالحلیم بن محمد الرومی	۱۰۱۳
۱۲۹۔	حاشیة علی الدرر لملا خسرو	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

۱۳۰ـ	حاشیۃ علی المقدمۃ العشماویۃ	علّامہ سفطی	
۱۳۱ـ	الحاشیۃ لسعدی آفندی علی العنایۃ	سعد اللہ بن عیسی الآفندی	۹۴۵
۱۳۲ـ	الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیۃ	عبد الغنی النابلسی	۱۱۴۳
۱۳۳ـ	الحاوی القدسی	قاضی جمال الدین احمد بن محمد نوح القابسی الحنفی	۶۰۰
۱۳۴ـ	حصر المسائل فی الفروع	امام ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی الحنفی	۳۷۲
۱۳۵ـ	حلیۃ الاولیاء فی الحدیث	ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی	۴۳۰
۱۳۶ـ	حلیۃ المحلّی شرح منیۃ المصلی	محمد بن محمد ابن امیر الحاج	۸۷۹
۱۳۷ـ	حرز الامانی ووجہ التہانی	ابو محمد قاسم بن فیرہ الشاطبیّ المالکی	۵۹۰
۱۳۸ـ	حیٰوۃ الحیوان الکبرٰی للدمیری	زکریا بن محمد بن محمود القزوینی	۶۸۲
۱۳۹ـ	الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۴۰ـ	حاشیۃ التلویح ملا خسرو	محمد بن فراموز ملا خسرو	۸۸۵
۱۴۱ـ	حاشیۃ التلویح حسین چلپی	حسن بن محمد شاہ الفناری چلپی	۲۶۸
۱۴۲ـ	حرز ثمین شرح حصن حصین	نور الدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۴۳ـ	حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۴ـ	حاشیۃ مکتوبات شاہ ولی اللہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۵ـ	حصر الشارد فی اسانید الشیخ	محمد عابد السندی	۱۲۵۷
۱۴۶ـ	حاشیۃ الکمثری علی الانوار		
۱۴۷ـ	حاشیۃ کفایۃ الطالب الربانی		
۱۴۸ـ	حاشیۃ الحفنی علی الجامع الصغیر علامہ الحفنی		
۱۴۹ـ	الحاوی للفتاوٰی	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۰ـ	حسن المقصد فی عمل المولد	جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱

خ

۱۵۱ـ	خزانۃ الروایات قاضی جکن الحنفی		
۱۵۲ـ	خزانۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبد الرشید البخاری	۵۴۲

۱۵۳۔	خزانۃ المفتین	حسین بن محمد السمعانی السمیقانی	۷۴۰ کے بعد
۱۵۴۔	خلاصۃ الدلائل	حسام الدین علی بن احمد المکی الرازی	۵۹۸
۱۵۵۔	خلاصۃ الفتاوٰی	طاہر بن احمد عبدالرشید البخاری	۵۴۲
۱۵۶۔	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۱۵۷۔	الخصائص الکبرٰی	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۵۸۔	خلاصۃ الوفا	علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
۱۵۹۔	خزائن الاسرار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین محمد بن علی الحصکفی	۱۰۸۸
د			
۱۶۰۔	الدرایۃ شرح الھدایۃ	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۱۶۱۔	الدرر (درر الحکام)	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۱۶۲۔	الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۶۳۔	الدرالنثیر علامہ	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۶۴۔	الدرالمنثور فی التفسیر بالمأثور	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
ذ			
۱۶۵۔	ذخیرۃ العقبٰی	یوسف بن جنید الجلبی (چلپی)	۹۰۵
۱۶۶۔	ذخیرۃ الفتاوٰی	برہان الدین محمود بن احمد	۶۱۶
۱۶۷۔	ذم الغیبۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
ر			
۱۶۸۔	الرحمانیۃ		
۱۶۹۔	ردالمحتار	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۱۷۰۔	رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ	ابوعبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن الدمشقی	۷۸۱
۱۷۱۔	رغائب القرآن ابومروان	عبدالملک بن حبیب السلمی (القرطبی)	۲۳۹

۱۷۲۔ رفع الغشاء فی وقت العصر والعشاء	شیخ زین الدین بابن نجیم	۹۷۰
۱۷۳۔ رد علی الجھمیۃ	عثمان بن سعید الدارمی	۲۸۰
۱۷۴۔ رسالہ نذور	مولوی اسمٰعیل دہلوی	۱۸۳۱ء ۱۲۴۶
۱۷۵۔ رسالہ قشیریہ	عبدالکریم بن ہوازن القشیری	۴۶۵
۱۷۶۔ رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۱۷۷۔ رفع الاشتباہ عن سبل المیاہ	قاسم بن قطلوبغا المصری	۸۷۹
۱۷۸۔ رسالہ طلوع ثریا	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۷۹۔ رسالہ اتحاف الغرفہ	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۱۸۰۔ رسائل ابن نجیم	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰
۱۸۱۔ رسالہ اہتداء	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۱۸۲۔ رسالہ القول البلیغ فی حکم التبلیغ	احمد بن سید محمد مکی الحموی	۱۰۹۸
۱۸۳۔ رسالہ انصاف	شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۱۷۹
۱۸۴۔ رسائل ابن عابدین	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۱۸۵۔ رسالہ میلاد مبارک (الکوکب الانوار علی عقد الجوہر)	جعفر اسمٰعیل البرزنجی	۱۳۱۷
۱۸۶۔ الریاض النضرہ فی فضائل العشرہ	ابو جعفر احمد بن احمد الشہیر بالمحب الطبری المکی	۶۹۴
۱۸۷۔ رسالہ بدعت	میاں اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی الدہلوی ۱۸۳۱ء	۱۲۴۶
۱۸۸۔ رسالہ دعائیہ	مولوی خرم علی	
۱۸۹۔ رسالہ غایۃ المقال	ابوالحسنات محمد عبدالحہ	۱۳۴۳

ز

۱۹۰۔ زاد الفقہاء	شیخ الاسلام محمد بن احمد الاسبیجابی المتوفی اواخر القرن السادس	
۱۹۱۔ زاد الفقیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن الہمام	۸۶۱
۱۹۲۔ زواہر الجواہر	محمد بن محمد التمرتاشی تقریباً	۱۰۱۶
۱۹۳۔ زیادات	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۱۹۴۔ زہر النسرین فی حدیث المعمرین	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰

۱۹۵۔	زہر الربیٰ علی المجتبی	جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۱۹۶۔	زہر الروض فی مسئلۃ الحوض	محمد بن عبداللہ ابن شحنہ	۹۲۱
۱۹۷۔	الزواجر عن الکبائر	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۱۹۸۔	زبدۃ الآثار فی اخبار قطب الاخیار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲
۱۹۹۔	زبدۃ الاسرار فی مناقب غوث الابرار	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۱۲۵۲

س

۲۰۰۔	السراج الوہاج	ابوبکر بن علی بن محمد الحداد الیمنی	۸۰۰
۲۰۱۔	السنن لابن ماجۃ	ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجۃ	۲۷۳
۲۰۲۔	السنن لابن منصور	سعید بن منصور الخراسانی	۲۷۳
۲۰۳۔	السنن لابی داؤد	ابوداؤد سلیمان بن اشعث	۲۷۵
۲۰۴۔	السنن للنسائی	ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳
۲۰۵۔	السنن للبیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۰۶۔	السنن لدارقطنی	علی عمر الدارقطنی	۳۸۵
۲۰۷۔	السنن لدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵
۲۰۸۔	سیرت ابن ہشام	ابومحمد عبدالملک بن ہشام	۲۱۳
۲۰۹۔	سیرت عیون الاثر	محمد بن عبداللہ ابن سید الناس	۷۳۴
۲۱۰۔	سراجی فی المیراث	سراج الدین سجاوندی ساتویں صدی ہجری	
۲۱۱۔	سیر اعلام النبلاء	شمس الدین محمد احمد الذہبی	۷۳۸
۲۱۲۔	السعایہ فی کشف مافی شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحۂ لکھنوی	۱۳۰۴
۲۱۳۔	سیرت عمر بن محمد ملا	عمر بن محمد ملا	
۲۱۴۔	سیرت ابن اسحاق	محمد بن اسحاق بن یسار	۱۵۱
۲۱۵۔	سراج القاری		
۲۱۶۔	السعدیہ		
۲۱۷۔	السعی المشکور فی رد المذہب الماثور	محمد بن عبدالحۂ لکھنوی ہندی	۱۳۰۴

ش

۲۱۸۔	الشافی	شمس الائمۃ عبداللہ بن محمود الکردری	
۲۱۹۔	شرح الاربعین للنووی	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۲۲۰۔	شرح الاربعین للنوی	ابراہیم ابن عطیّہ المالکی	۱۱۰۶
۲۲۱۔	شرح الاربعین للنووی	علّامہ احمد بن الحجازی	۹۷۸
۲۲۲۔	شرح الاشباہ والنظائر	ابراہیم بن حسین بن احمد بن محمد ابن البیری	۱۰۹۹
۲۲۳۔	شرح الجامع الصغیر	امام قاضی خان حسین بن منصور	۵۹۲
۲۲۴۔	شرح الدرر	شیخ اسمٰعیل بن عبد الغنی النابلسی	۱۰۶۲
۲۲۵۔	شرح سفر السعادۃ	شیخ عبد الحق المحدّث الدہلوی	۱۰۵۲
۲۲۶۔	شرح السنۃ	حسین بن منصور البغوی	۵۱۶
۲۲۷۔	شرح شرعۃ الاسلام	یعقوب بن سیدی علی زادہ	۹۳۱
۲۲۸۔	شرح مختصر الطحاوی للاسبیجابی	ابونصر احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۲۹۔	شرح الغریبین		
۲۳۰۔	شرح المسلم للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۱۔	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی	۳۲۱
۲۳۲۔	شرح المنظومۃ لابن وہبان	عبد البر بن محمد ابن شحنۃ	۹۲۱
۲۳۳۔	شرح المنظومۃ فی رسم المفتی	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۳۴۔	شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن السیوطی	۹۱۱
۲۳۵۔	شرح مواہب اللدنیۃ	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۶۔	شرح مؤطا امام مالک	علامۃ محمد بن عبد الباقی الزرقانی	۱۱۲۲
۲۳۷۔	شرح المہذب للنووی	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۲۳۸۔	شرح النقایۃ	مولانا عبد العلی البرجندی	۹۳۲
۲۳۹۔	شرح الوقایۃ	صدر الشریعۃ عبید اللہ بن مسعود	۷۴۷
۲۴۰۔	شرح الہدایۃ	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنۃ	۸۹۰

۲۴۰۔	شرح الهداية	محمد بن محمد بن محمد ابن شحنة	۸۹۰
۲۴۱۔	شرعة الاسلام	امام الاسلام محمد بن ابی بکر	۵۷۳
۲۴۲۔	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی	۴۵۸
۲۴۳۔	شرح الجامع الصغیر	احمد بن منصور الحنفی الاسبیجابی	۴۸۰
۲۴۴۔	شرح الجامع الصغیر	عمر بن عبد العزیز الحنفی	۵۳۶
۲۴۵۔	الشفاء فی تعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالفضل عیاض بن موسی قاضی	۵۴۴
۲۴۶۔	شرح شافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۷۔	شرح کافیہ ابن حاجب	رضی الدین محمد بن الحسن الاستراباذی	۶۸۶
۲۴۸۔	شرح طوالع الانوار	محمود بن عبد الرحمان الاصفہانی	۷۴۹
۲۴۹۔	شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	تقی الدین علی بن عبد الکافی السبکی	۷۵۶
۲۵۰۔	شرح عقائد النسفی	سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۱۔	شرح المقاصد سعد الدین	مسعود بن عمر تفتازانی	۷۹۲
۲۵۲۔	شرح المواقف	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۳۔	شرح السراجی	سید شریف علی بن محمد الجرجانی	۸۱۶
۲۵۴۔	شرح چغمینی	موسیٰ پاشا بن محمد الرومی	۸۴۱
۲۵۵۔	شرح حاشیۃ الکنز ملا مسکین	معین الدین الہروی ملا مسکین	۹۵۴
۲۵۶۔	شرح فقہ اکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۷۔	شرح عین العلم	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۲۵۸۔	شرح قصیدہ اطیب النغم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۵۹۔	شرح قصیدہ ہمزیہ	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۰۔	شرح رباعیات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۱۔	شرح فواتح الرحموت	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۲۔	شفاء العلیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۶۳۔	شرح النقایہ لابی المکارم	ابوالمکارم بن عبد اللہ بن محمد بعداز	۹۰۷
۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبد الملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۵۔	شرح مقدمہ عشماویہ	احمد بن ترکی المالکی	

۲۶۴۔	شرف المصطفیٰ	حافظ عبدالملک بن محمد نیشاپوری	۴۰۶
۲۶۶۔	شرح جامع الاصول للمضیف	مبارک بن محمد المعروف با بن الاثیر الجزری	۶۸۶
۲۶۷۔	شرح الملتقی للبہنسی	محمد بن محمد المعروف با بن البہنسی	۹۸۷
۲۶۸۔	شرح درر البحار	عبدالوہاب ابن احمد الشہیر با بن وہبان	۷۶۸

ص

۲۶۹۔	صحاح الجوہری	اسمٰعیل بن حماد الجوہری	۳۹۳
۲۷۰۔	صحیح ابن حبان (کتاب التقاسیم والانواع)	محمد بن حبان	۳۵۴
۲۷۱۔	صحیح ابن خزیمۃ	محمد بن اسحاق ابن خزیمۃ	۳۱۱
۲۷۲۔	الصراح	ابو فضل محمد بن عمر بن خالد القرشی تقریباً	۶۹۰
۲۷۳۔	صغیری شرح منیہ	ابراہیم الحلبی	۹۵۶
۲۷۴۔	صراط مستقیم	سید احمد شہید بریلوی	۱۲۴۶
۲۷۵۔	الصواعق المحرقۃ	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳

ط

۲۷۶۔	الطحطاوی علی الدر	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۷۔	الطحطاوی علی المراقی	سیّد احمد الطحطاوی	۱۳۰۲
۲۷۸۔	طبقات المقرئین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۲۷۹۔	طبقات القراء	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۲۸۰۔	الطریقۃ المحمدیۃ	محمد بن بیر علی المعروف بیر کلی	۹۸۱
۲۸۱۔	طلبۃ الطلبۃ	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷

ع

۲۸۲۔	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی	۸۵۵
۲۸۳۔	العنایۃ شرح الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد البابرتی	۷۸۶
۲۸۴۔	عنایۃ القاضی حاشیۃ علی تفسیر البیضاوی	شہاب الدین الخفاجی	۱۰۶۹

۲۸۵ـ عیون المسائل	ابو اللیث نصر بن محمد السمرقندی	۳۷۸
۲۸۶ـ عقود الدریّۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۲۸۷ـ عدّۃ کمال الدین	محمد بن احمد الشہیر بطاشکبری	۱۰۳۰
۲۸۸ـ عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد ابن السنی	۳۶۴
۲۸۹ـ عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲
۲۹۰ـ عقد الفرید	ابو عبداللہ محمد بن عبدالقوی المقدسی	۶۹۹
۲۹۱ـ عین العلم	محمد بن عثمان بن عمر الحنفی البلخی	۸۳۰
۲۹۲ـ عقد الجید	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۲۹۳ـ عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ	محمد امین آفندی ابن عابدین	۱۲۵۲
۲۹۴ـ عمدۃ الرعایہ فی حل شرح الوقایہ	محمد بن عبدالحیٔ اللکھنوی	۱۳۰۴
غ		
۲۹۵ـ غایۃ البیان شیخ قوام الدین	امیر کاتب ابن امیر الاتقانی	۷۵۸
۲۹۶ـ غرر الاحکام	قاضی محمد بن فراموز ملّا خسرو	۸۸۵
۲۹۷ـ غریب الحدیث	ابو الحسن علی بن مغیرۃ البغدادی المعروف باثرم	۲۳۰
۲۹۸ـ غمز عیون البصائر	احمد بن محمد الحموی المکّی	۱۰۹۸
۲۹۹ـ غنیۃ ذوی الاحکام	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۳۰۰ـ غنیۃ المستملی	محمد ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۳۰۱ـ غیث النفع فی القراء السبع	یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
ف		
۳۰۲ـ فتح الباری شرح البخاری	شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر العسقلانی	۸۵۲
۳۰۳ـ فتح القدیر	کمال الدین محمد بن عبدالواحد بابن الہمام	۸۶۱
۳۰۴ـ فتاوی النسفی	امام نجم الدین النسفی	۵۳۷
۳۰۵ـ فتاوٰی بزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷

۳۰۶۔	فتاوٰی حجّہ		
۳۰۷۔	فتاوٰی خیریۃ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی الرملی	۱۰۸۱
۳۰۸۔	فتاوٰی سراجیۃ	سراج الدین علی بن عثمان الاوشی	۵۷۵
۳۰۹۔	فتاوٰی عطاء بن حمزہ	عطاء بن حمزہ السغدی	
۳۱۰۔	فتاوٰی غیاثیہ	داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	
۳۱۱۔	فتاوٰی قاضی خان	حسن بن منصور قاضی خان	۵۹۲
۳۱۲۔	فتاوٰی ہندیہ	جمعیت علماء اورنگ زیب عالمگیر	
۳۱۳۔	فتاوٰی ظہیریۃ	ظہر الدین ابوبکر محمد بن احمد	۶۱۹
۳۱۴۔	فتاوٰی ولوالجیۃ	عبد الرشید بن ابی حنیفۃ الولوالجی	۵۴۰
۳۱۵۔	فتاوٰی الکبری	امام صدر الشہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز	۵۳۶
۳۱۶۔	فقہ الاکبر	الامام الاعظم ابی حنیفۃ نعمان بن ثابت الکوفی	۱۵۰
۳۱۷۔	فتح المعین	سید محمد ابی السعود الحنفی	
۳۱۸۔	فتح المعین شرح قرۃ العین	زین الدین بن علی بن احمد الشافعی	۹۲۸
۳۱۹۔	الفتوحات المکّیۃ	محی الدین محمد بن علی ابن عربی	۶۳۸
۳۲۰۔	فواتح الرحموت	عبد العلی محمد بن نظام الدین الکندی	۱۲۲۵
۳۲۱۔	الفوائد	تمام بن محمد بن عبد اللہ البجلی	۴۱۴
۳۲۲۔	فوائد المخصّصۃ	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۳۲۳۔	فیض القدیر	شرح الجامع الصغیر عبد الرؤف المناوی	۱۰۳۱
۳۲۴۔	فوائد سمویۃ	اسمٰعیل بن عبد اللہ الملقّب بسمویۃ	۲۶۷
۳۲۵۔	فضائل القرآن لابن ضریس	ابو عبد اللہ محمد بن ایوب ابن ضریس البجلی	۲۹۴
۳۲۶۔	فوائد الخلعی	ابو الحسن علی بن الحسین الموصلی	۴۹۲
۳۲۷۔	فصول العمادی	محمد بن محمود استروشنی	۶۳۶
۳۲۸۔	فتاوٰی تاتارخانیہ	عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی	۷۸۶
۳۲۹۔	فتح المغیث	امام محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۳
۳۳۰۔	فتاوٰی زینیہ	زین الدین بن ابراہیم ابن نجیم	۹۷۰

۳۳۱۔	فتح المعین شرح اربعین	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۲۔	فتح الالہ شرح المشکاۃ	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۳۔	فتاوی الفقھیہ ابن حجر مکی	شہاب الدین احمد بن محمد ابن حجر المکی	۹۷۴
۳۳۴۔	فتاوٰی انقرویہ	محمد بن حسین الانقروی	۱۰۹۸
۳۳۵۔	فتاوٰی اسعدیہ	سید اسعد ابن ابی بکر المدنی الحسینی	۱۱۱۶
۳۳۶۔	فوائد مجموعہ	شوکانی محمد بن علی بن محمود الشوکانی	۱۲۵۰
۳۳۷۔	فتاوٰی جمال بن عمر المکی	جمال بن عمر المکی	۱۲۸۴
۳۳۸۔	فضل لباس العمائم	ابوعبداللہ محمد بن وضاح	
۳۳۹۔	فتاوٰی قاعدیہ	ابوعبداللہ محمد بن علی القاعدی	
۳۴۰۔	فتاوٰی غزی	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۳۴۱۔	فتاوٰی شمس الدین الرملی		
۳۴۲۔	فتح الملك المجید		
۳۴۳۔	فتح العزیز (تفسیر عزیزی)	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۹

ق

۳۴۴۔	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷
۳۴۵۔	قرۃ العین	علامہ زین الدین بن علی الملیباری	۹۲۸
۳۴۶۔	القنیۃ	نجم الدین مختار بن محمد الزاہدی	۶۵۸
۳۴۷۔	القرآن الکریم		
۳۴۸۔	قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب	ابوطالب محمد بن علی المکی	۳۸۶
۳۴۹۔	القول المسدد	شہاب الدین احمد بن علی القسطلانی	۸۵۲
۳۵۰۔	قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۱۔	القول الجمیل	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۶
۳۵۲۔	قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار	محمد بن عبدالحلیم لکھنوی انصاری	۱۳۰۴
۳۵۳۔	القول الصواب فی فضل عمر بن الخطاب	ابراہیم بن عبداللہ الیمنی	۱۳۰۴

ک

۳۵۴۔	الکافی فی الفروع	حاکم شہید محمد بن محمد	۳۳۴
۳۵۵۔	الکامل لابن عدی	ابواحمد عبداللہ بن عدی	۳۶۵
۳۵۶۔	الکبریت الاحمر	سید عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۳۵۷۔	کتاب الآثار	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۵۸۔	کتاب الآثار	امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری	۱۸۲
۳۵۹۔	کتاب الالمام فی آداب دخول الحمام	ابوالمحاسن محمد بن علی	
۳۶۰۔	کتاب السواک	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰
۳۶۱۔	کتاب الھدیۃ لابن عماد	عبدالرحمٰن بن محمد عماد الدین بن محمد العمادی	۱۰۵۰
۳۶۲۔	کتاب الطہور لابی عبید		
۳۶۳۔	کتاب العلل علی ابواب الفقہ	ابو محمد عبدالرحمٰن ابن ابی حاتم محمد الرازی	۳۲۷
۳۶۴۔	کتاب الاصل	امام محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۶۵۔	کتاب الوسوسۃ	ابوبکر بن ابی داؤد	
۳۶۶۔	کشف الاسرار	علاء الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری	۷۳۰
۳۶۷۔	کشف الرمز علامۃ المقدسی		
۳۶۸۔	کشف الاستار عن زوائد البزار	امین الدین عبدالوہاب بن وہبان الدمشقی	۷۶۸
۳۶۹۔	کنز العمال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین	۹۷۵
۳۷۰۔	الکفایۃ	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی	تقریباً ۸۰۰
۳۷۱۔	کف الرعاع	شہاب الدین احمد بن حجر المکی	۹۷۳
۳۷۲۔	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰
۳۷۳۔	الکنٰی للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۳۷۴۔	الکواکب الدراری	شمس الدین محمد بن یوسف الشافعی الکرمانی	۷۸۶
۳۷۵۔	کتاب الجرح والتعدیل	محمد بن حبان التمیمی	۳۵۴
۳۷۶۔	کتاب المغازی	یحیٰی بن سعید القطان	۱۹۸

۳۷۷۔	کتاب الصمت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا القرشی	۲۸۱
۳۷۸۔	کتاب الزہد	عبداللہ بن مبارک	۱۸۰
۳۷۹۔	الکشاف عن حقائق التنزیل	جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری	۵۳۸
۳۸۰۔	کتاب الحجہ	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۱۔	کتاب المشیخۃ	امام محمد ابو عبداللہ محمد بن حسن الشیبانی	۱۸۹
۳۸۲۔	کتاب المراسیل	سلیمان بن اشعث السجستانی	۲۷۵
۳۸۳۔	کتاب البعث والنشور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۴۔	کتاب الاخوان	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۳۸۵۔	کتاب الضعفاء الکبیر	ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی المکی	۳۲۲
۳۸۶۔	کتاب الزہد الکبیر للبیہقی	احمد بن حسن البیہقی	۴۵۸
۳۸۷۔	کتاب الرواۃ عن مالک ابن انس	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی	۴۶۳
۳۸۸۔	کتاب الحجہ علی تارک الحجہ	نصر بن ابراہیم المقدسی	۴۹۰
۳۸۹۔	کیمیائے سعادت	امام محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۳۹۰۔	کفایۃ الطالب الربانی شرح لرسالہ ابن ابی زہر القھروانی	ابوالحسن علی بن ناصر الدین الشاذلی	۹۳۹
۳۹۱۔	کشف الظنون	مصطفٰی بن عبداللہ حاجی خلیفہ	۱۰۶۷
۳۹۲۔	کشف الغمہ	شیخ عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳
۳۹۳۔	کتاب الصفین	یحیٰی بن سلیمان الجعفی (استاد امام بخاری)	
۳۹۴۔	کتاب المصاحف ابن الانباری		
۳۹۵۔	کمالین حاشیہ جلالین	شیخ سلام اللہ بن محمد شیخ الاسلام محدث رامپوری	۱۲۳۳
۳۹۶۔	کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد الواقدی	۲۰۷

ل

۳۹۷۔	لمعات التنقیح	علامہ شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی	۱۰۵۲
۳۹۸۔	لقط المرجان فی اخبار الجان	علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن محمد السیوطی	۹۱۱

۳۹۹۔	لسان العرب	جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المصری	۷۱۱
۴۰۰۔	الآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ	ابوبکر عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۰۱۔	لواقع الانوار القدسیہ سید المنتخب من الفتوحات المکیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۳

م

۴۰۲۔	مبارق الازہار	الشیخ عبداللطیف بن عبدالعزیز ابن الملک	۸۰۱
۴۰۳۔	مبسوط خواہرزادہ	بکر خواہرزادہ محمد بن حسن البخاری الحنفی	۴۸۳
۴۰۴۔	مبسوط السرخسی	شمس الائمۃ محمد بن احمد السرخسی	۴۸۳
۴۰۵۔	مجری الانہر شرح ملتقی الابحر	نورالدین علی الباقانی	۹۹۵
۴۰۶۔	مجمع بحار الانوار	محمد طاہر الصدیقی	۹۸۱
۴۰۷۔	مجموع النوازل	احمد بن موسی بن عیسٰی	۵۵۰
۴۰۸۔	مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر	عبدالرحمٰن بن محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی شیخی زادہ	۱۰۷۸
۴۰۹۔	المحیط البرہانی	امام برہان الدین محمود بن تاج الدین	۶۱۶
۴۱۰۔	المحیط الرضوی	رضی الدین محمد بن محمد السرخسی	۶۷۱
۴۱۱۔	مختارات النوازل	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
۴۱۲۔	مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر عبدالقادر الرازی	۶۶۰
۴۱۳۔	المختارۃ فی الحدیث	ضیاء الدین محمد بن عبدالواحد	۶۴۳
۴۱۴۔	المختصر	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۵۔	مدخل الشرع الشریف	ابن الحاج ابی عبداللہ محمد بن محمد العبدری	۷۳۷
۴۱۶۔	مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نورالایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۴۱۷۔	مرقات شرح مشکوۃ	علی بن سلطان ملّا علی قاری	۱۰۱۴
۴۱۸۔	مرقات الصعود	علامہ جلال الدین السیوطی	۹۱۱
۴۱۹۔	مستخلص الحقائق	ابراہیم بن محمد الحنفی	
۴۲۰۔	المستدرک للحاکم	ابوعبداللہ الحاکم	۴۰۵
۴۲۱۔	المستصفی شرح الفقہ النافع	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰

۴۲۲۔	مسلم الثبوت	محب اللہ البہاری	١١١٩
۴۲۳۔	مسند ابی داؤد	سلیمان بن داؤد الطیالسی	٢٠۴
۴۲۴۔	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی الموصلی	٣٠٧
۴۲۵۔	مسند اسحٰق ابن راہویۃ	حافظ اسحٰق ابن راہویۃ	٢٣٨
۴۲۶۔	مسند الامام احمد بن حنبل	امام احمد بن محمد بن حنبل	٢۴١
۴۲۷۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق البزار	٢٩٢
۴۲۸۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبد بن محمد حمید الکشی	٢٩۴
۴۲۹۔	مسند الفردوس	شہردار بن شیرویہ الدیلمی	۵۵٨
۴۳۰۔	مصباح المنیر	احمد بن محمد بن علی	٧٧٠
۴۳۱۔	المصفّٰی	حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی	٧١٠
۴۳۲۔	مصنّف ابن ابی شیبۃ	ابوبکر عبداللہ بن محمد احمد النسفی	٢٣۵
۴۳۳۔	مصنّف عبدالرزاق	ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی	٢١١
۴۳۴۔	مصباح الدجیٰ	امام حسن بن محمد الصغانی الہندی	۶۵٠
۴۳۵۔	معرفۃ الصحابۃ	ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصبہانی	۴٣٠
۴۳۶۔	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد الطبرانی	٣۶٠
۴۳۷۔	المعجم الصغیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	٣۶٠
۴۳۸۔	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	٣۶٠
۴۳۹۔	معراج الدرایۃ قوام الدین	محمد بن محمد البخاری	٧۴٩
۴۴۰۔	مشکوٰۃ المصابیح	شیخ ولی الدین العراقی	٧۴٢
۴۴۱۔	المغنی فی الاصول	شیخ عمر بن محمد الخبازی الحنفی	۶٩١
۴۴۲۔	المغرب	ابوالفتح ناصر بن عبدالسید المطرزی	۶١٠
۴۴۳۔	مختصر القدوری	ابوالحسین احمد بن محمد القدوری الحنفی	۴٢٨
۴۴۴۔	مفاتیح الجنان	یعقوب بن سید علی	٩٣١
۴۴۵۔	المفردات للامام راغب	حسین بن محمد بن مفضّل الاصفہانی	۵٠٢
۴۴۶۔	المقدمۃ العشماویۃ فی الفقہ المالکیۃ	ابوالعباس عبدالباری العشماوی المالکی	

۴۴۷۔	الملتقط (فی فتاوٰی ناصری)	ناصرالدین محمد بن یوسف الحسینی	۵۵۶
۴۴۸۔	مجمع الزوائد	نورالدین علی بن ابی بکر الہیتمی	۸۰۷
۴۴۹۔	مناقب الکردری	محمد بن محمد بن شہاب ابن بزاز	۸۲۷
۴۵۰۔	المنتقٰی (فی الحدیث)	عبداللہ بن علی ابن جارود	۳۰۷
۴۵۱۔	المنتقٰی فی فروع الحنیفه	الحاکم الشہیر محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴
۴۵۲۔	منحة الخالق حاشیه بحر الرائق	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
۴۵۳۔	منح الغفار	محمد بن عبداللہ التمرتاشی	۱۰۰۴
۴۵۴۔	ملتقی الابحر	امام ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۴۵۵۔	منهاج النووی (شرح صحیح مسلم)	شیخ ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی	۶۷۶
۴۵۶۔	مجمع البحرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب الحنفی	۶۹۴
۴۵۷۔	المبتغٰی	شیخ عیسٰی بن محمد ابن ایناج الحنفی	
۴۵۸۔	المبسوط	عبدالعزیز بن احمد الحلوانی	۴۵۶
۴۵۹۔	مسند فی الحدیث	الحافظ ابوالفتح نصر بن ابراہیم الہروی	۵۱۰
۴۶۰۔	المسند الکبیر	یعقوب بن شیبة السدوسی	۲۶۲
۴۶۱۔	منیة المصلی	سدیدالدین محمد بن محمد الکاشغری	۷۰۵
۴۶۲۔	موطا امام مالك	امام مالک بن انس المدنی	۱۷۹
۴۶۳۔	موارد الظمأن	نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی	۸۰۷
۴۶۴۔	مشکلات	احمد بن مظفر الرازی	۶۴۲
۴۶۵۔	مهذب	ابی اسحٰق ابن محمد الشافعی	۴۷۶
۴۶۶۔	میزان الشریعة الکبرٰی	عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۴۶۷۔	میزان الاعتدال	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸
۴۶۸۔	المستخرج علی الصحیح البخاری	احمد بن موسٰی ابن مردویۃ	۴۱۰
۴۶۹۔	مکارم اخلاق	محمد بن جعفر الخرائطی	۳۲۷
۴۷۰۔	مسند الامام اعظم	ابوحنیفہ نعمان بن ثابت	۱۵۰
۴۷۱۔	مؤطا الامام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن الشیبانی	۱۸۹

۴۷۲ـ	المسند فی الحدیث	حسن بن سفیان النسوی	۳۰۳
۴۷۳ـ	معالم السنن لابی سلیمان الخطابی	احمد بن محمد بن ابراهیم الخطابی	۳۸۸
۴۷۴ـ	مقامات حریری	قاسم ابن علی الحریری	۵۱۶
۴۷۵ـ	معالم التنزیل تفسیر البغوی	ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی	۵۱۶
۴۷۶ـ	الملل والنحل	ابو الفتح محمد بن عبد الکریم الشهرستانی	۵۴۸
۴۷۷ـ	موضوعات ابن جوزی	ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی	۵۹۷
۴۷۸ـ	مقدمه ابن الصلاح فی علوم الحدیث	ابو عمرو عثمان بن عبد الرحمٰن ابن الصلاح	۶۴۲
۴۷۹ـ	مختصر سنن ابی داؤد للحافظ المنذری	عبد العظیم بن عبد القوی المنذری	۶۵۶
۴۸۰ـ	مدارك التنزیل تفسیر النسفی	ابو البرکات عبد الله بن احمد النسفی	۷۱۰
۴۸۱ـ	المواقف السلطانیه فی علم الکلام	عضد الدین عبد الرحمٰن بن رکن الدین احمد	۷۵۶
۴۸۲ـ	مقدمه جزریه	محمد بن محمد الجزری	۸۳۳
۴۸۳ـ	مقاصد حسنه	شمس الدین محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی	۹۰۲
۴۸۴ـ	المواهب اللدنیه	احمد بن محمد القسطلانی	۹۲۳
۴۸۵ـ	المنح الفکریه شرح مقدمه جزریه	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۶ـ	المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۸۷ـ	ماثبت بالسنة	شیخ عبد الحق بن سیف الدین الدهلوی	۱۰۵۲
۴۸۸ـ	المیبذی	قاضی میر حسین بن معین الدین	۱۰۹۶
۴۸۹ـ	مسوی مصفی شرح موطا امام مالك	شاه ولی الله بن شاه عبد الرحیم الدهلوی	۱۱۷۹
۴۹۰ـ	مکتوبات شاه ولی الله	شاه ولی الله بن شاه عبد الرحیم الدهلوی	۱۱۷۹
۴۹۱ـ	مکتوبات	مرزا مظهر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۲ـ	ملفوظات	مرزا مظهر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۳ـ	معمولات	مرزا مظهر جان جاناں	۱۱۹۵
۴۹۴ـ	مخزن ادویه فی الطب	محمد حسین بن محمد الهادی بهادر خاں	
۴۹۵ـ	مجموعه فتاوٰی	ابو الحسنات محمد عبد الحی	۱۲۴۳
۴۹۶ـ	معیار الحق	سید نذیر حسین الدهلوی	۱۲۴۳

۴۹۷۔	مظاہر حق مولوی	نذیر الحق میرٹھی	
۴۹۸۔	مکتوبات امام ربانی	شیخ احمد سرہندی	۱۰۳۴
۴۹۹۔	مناصحہ فی تحقیق مسئلۃ المصافحہ		
۵۰۰۔	مفتاح الصلٰوۃ		
۵۰۱۔	مجتبیٰ شرح قدوری		
۵۰۲۔	مشیخہ ابن شاذان		
۵۰۳۔	معرفۃ الصحابہ لابی نعیم	احمد بن عبداللہ اصبہانی	۴۳۰
۵۰۴۔	مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) امام فخر الدین رازی		۶۰۶

ن

۵۰۵۔	النقایۃ مختصر الوقایۃ	عبداللہ بن مسعود	۷۴۵
۵۰۶۔	نصب الرایۃ	ابو محمد عبداللہ بن یوسف الحنفی الزیلعی	۷۶۲
۵۰۷۔	نور الایضاح	حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹
۵۰۸۔	النہایۃ	حسام الدین حسین بن علی السغناقی	۷۱۱
۵۰۹۔	النہایۃ لابن اثیر	مجد الدین مبارک بن محمد الجزری ابن اثیر	۶۰۶
۵۱۰۔	النہر الفائق	عمر بن نجیم المصری	۱۰۰۵
۵۱۱۔	نوادر فی الفقہ	ہشام بن عبیداللہ المازنی الحنفی	۲۰۱
۵۱۲۔	نور العین	محمد بن احمد المعروف بنشانجی زادہ	۱۰۳۱
۵۱۳۔	النوازل فی الفروع	ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۶
۵۱۴۔	نوادر الاصول فی معرفۃ اخبار الرسول	ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی	۲۵۵

و

۵۱۵۔	الوافی فی الفروع	عبداللہ بن احمد النسفی	۷۱۰
۵۱۶۔	الوجیز فی الفروع	ابو حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
۵۱۷۔	الوقایۃ	محمود بن صدر الشریعۃ	۶۷۳

۵۱۸۔	الوسیط فی الفروع	ابی حامد محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵
ھ			
۵۱۹۔	الھدایۃ فی شرح البدایۃ	برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی	۵۹۳
ی			
۵۲۰۔	الیواقیت والجواہر	سیّد عبدالوہاب الشعرانی	۹۷۳
۵۲۱۔	ینابیع فی معرفۃ الاصول	ابی عبداللہ محمد ابن رمضان الرومی	۷۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ضمیمہ
مآخذ ومراجع

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سن وفات ہجری
	ا		
۱۔	انوار التنزیل فی اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی)	ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی ھدیۃ العارفین	۶۸۵/۶۹۲/۶۹۱ ۴۶۳/۱
۲۔	الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابو عمر یوسف بن عبداللہ النمری القرطبی	۴۶۲
۳۔	اوضح رمز علی شرح نظم الکنز	علی بن محمد ابن غانم المقدسی	۱۰۰۴
۴۔	الاستذکار	یوسف بن عبداللہ ابن عبدالبر الاندلسی	۴۶۳
۵۔	الافراد	علی بن عمر الدار قطنی	۳۸۵
۶۔	الایضاح فی شرح التجرید	امام ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد الکرمانی	۵۴۳
۷۔	اسباب النزول	ابوالحسن علی بن احمد الواحدی	۴۶۸
۸۔	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۹۔	انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۰۔	انسان العین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۱۱۔	انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون	علی بن برہان الدین حلبی	۱۰۴۴
۱۲۔	ارشاد الطالبین	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۳۔	الاعلام باعلام بلد اللہ الحرام	قطب الدین محمد بن احمد الحنفی	۹۸۹

۱۴۔	ارشادالساری الیٰ مناسك الملاعلی القاری	حسین بن محمد سعید عبدالغنی المکی الحنفی	
۱۵۔	الآداب الحمیدہ والاخلاق	محمد بن جریر الطبری	۳۱۰
۱۶۔	الاربعین طائیہ	ابوالفتح محمد بن محمد الطائی الھمدانی	۵۵۵
۱۷۔	انیس الغریب	جلال الدین عبداللہ بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۸۔	الارشاد فی الکلام	امام ابوالمعالی عبدالملک ابن عبداللہ الجوینی الشہیر بامام الحرمین	۴۷۸
۱۹۔	افضل القراء بقراء ام القراء	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۲۰۔	الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الاخبار	محمد بن موسیٰ الحازمی الشافعی	۵۸۴
ت			
۲۱۔	تلخیص الجامع الکبیر	کمال الدین محمد بن عباد الحنفی	۶۵۲
۲۲۔	تحفۃ الحریص فی شرح التلخیص	علی بن بلبان الفارسی المصری الحنفی	۷۳۹
۲۳۔	تقویۃ الایمان	شاہ محمد اسمٰعیل بن شاہ عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶
۲۴۔	تعلیم المتعلم	امام برہان الدین الزرنوجی	
۲۵۔	الترغیب والترھیب	ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد الاصبہانی	۵۳۵
۲۶۔	تذکرۃ الموتٰی والقبور	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۲۷۔	التثبیت عند التبییت	جلال الدین عبدالرحمٰن بن کمال الدین السیوطی	۹۱۱
۲۸۔	تلخیص الادلہ لقواعد التوحید	ابواسحٰق ابراھیم بن اسمٰعیل الصفار البخاری	۵۳۴
۲۹۔	تفہیم المسائل		
۳۰۔	تنبیہ الغافل والاسنان	محمد امین ابن عابدین الشامی	۱۲۵۲
ث			
۳۱۔	ثقفیات	ابوعبداللہ قاسم بن الفضل الثقفی الاصفہانی	۴۸۹
۳۲۔	ثواب الاعمال لابن حبان	محمد بن حبان	۳۵۴
ج			
۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبی)	ابوعبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱

۳۳۔	الجامع لاحکام القرآن (تفسیر طبّی)	ابو عبداللہ محمد ابن احمد القرطبی	۶۷۱
۳۴۔	جامع المضمرات والمشکلات (شرح قدوری)	یوسف بن عمر الصوفی	۸۳۲
۳۵۔	جدالممتار علی ردالمحتار	امام احمد رضا بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
	ح		
۳۶۔	الحسامی	محمد بن محمد بن عمر حسام الدین الحنفی	۶۴۴
۳۷۔	حاشیہ درغرر نابلسی	اسمٰعیل بن عبدالغنی نابلسی	۱۰۶۲
۳۸۔	حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل	عبدالقادر الفاکہی	۹۸۲
۳۹۔	حواشی علی معالم التنزیل	امام احمد رضاخاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
۴۰۔	حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین	امام احمد رضاخاں بن نقی علی خاں	۱۳۴۰
	خ		
۴۱۔	خلاصۃ خلاصۃ الوفاء	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱
	د		
۴۲۔	دلائل النبوۃ	ابوبکر بن احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۳۔	درثمین فی مبشرات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۴۴۔	درمنظم فی مولد النبی المعظم صلی اللہ علیہ وسلم	ابوالقاسم محمد بن عثمان اللؤلؤی الدمشقی	۸۶۷
۴۵۔	کتاب الدعوات	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸
۴۶۔	الدرۃ المغیبۃ فی زیارۃ المصطفویۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
۴۷۔	الدرۃ الثمنیہ فی اخبار المدنیۃ	حافظ محب الدین محمد بن محمود بن نجار	۶۴۳
۴۸۔	الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ	مفتی احمد بن السید زینی دحلان	۱۳۰۴
	ذ		
۴۹۔	ذکر الموت	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

ر

۵۰۔	رفع الانتقاض ودفع الاعتراض الخ	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

س

۵۱۔	سلفیات من اجزاء الحدیث	حافظ ابوالطاہر احمد بن محمد السّلفی	۵۸۶
۵۲۔	السراج المنیر فی شرح جامع الصغیر	علی بن محمد بن ابراہیم المعری العزیزی	۱۰۷۰
۵۳۔	سنن الھدی	عبدالغنی بن احمد بن شاہ عبدالقدوس گنگوہی	
۵۴۔	سنن فی الحدیث	حافظ ابوعلی سعید بن عثمان ابن السکن البغدادی	۳۵۳

ش

۵۵۔	شرح رسالہ فضائلیہ	علامہ ابراہیم بن محمد الباجوری	۱۲۷۶
۵۶۔	شرح الصغرٰی	علامہ محمد یوسف السنوسی	۸۹۵
۵۷۔	الشامل فی فروع الحنفیہ	ابوالقاسم اسمٰعیل بن حسین البیہقی الحنفی	۴۰۲
۵۸۔	شرح صحیح بخاری الکواکب الدراری	محمد بن یوسف الکرمانی	۷۹۶
۵۹۔	شفاء العلیل شرح القول الجمیل	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱
۶۰۔	شرح صحیح بخاری	ناصرالدین علی بن محمد ابن منیر	
۶۱۔	شرح زیج سلطانی	عبدالعلی بن محمد بن حسین	۹۳۳
۶۲۔	شفاء العلیل وبل الغلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲

ص

۶۳۔	الصحاح الماثورۃ عن النبی صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم		
۶۴۔	صغری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد الحلبی	۹۵۶
۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

۶۵۔	صراط مستقیم	شاہ محمد اسمٰعیل بن عبدالغنی دہلوی	۱۲۴۶

ط

۶۶۔	الطبقات الکبرٰی	محمد بن سعد الزہری	۲۳۰

غ

۶۷۔	غرائب القرآن ورغائب الفرقان (تفسیر نیشاپوری)	نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری	۷۲۸
۶۸۔	غریب الحدیث	قاسم بن سلام البغدادی	۲۲۴
۶۹۔	غریب الحدیث	ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۸۵
۷۰۔	غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار	مولوی خرم علی بلہوری غالباً	۱۲۷۱

ف

۷۱۔	الفتوحات الالٰہیۃ (تفسیر جمل)	سلیمان بن عمر الشافعی الشہیر بالجمل	۱۲۰۴
۷۲۔	الفرج بعد الشدّۃ	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا البغدادی	۲۸۱
۷۳۔	فاتح شرح قدوری		
۷۴۔	فوائد حاکم وخلاص		
۷۵۔	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱
۷۶۔	فیوض الحرمین	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم	۱۱۷۶
۷۷۔	فتاوٰی شاہ رفیع الدین	شاہ رفیع الدین	۱۱۳۳
۷۸۔	الفتح المبین شرح اربعین نووی	احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴
۷۹۔	فصل الخطاب فی رد ضلالات ابن عبدالوہاب		
۸۰۔	فتوح الغیب	سید شیخ عبدالقادر گیلانی	۵۶۱
۸۱۔	فتاوٰی عزیزی	عبدالعزیز بن ولی اللہ الدہلوی	۱۰۰۴

ق

۸۲۔	قرۃ عیون الاخبار	محمد امین ابن عابدین الشہیر بابن عابدین	۱۲۵۲

ک

۸۳۔	کشف الغطاء ما لزم للموتٰی علی الاحیاء	محمد شیخ الاسلام بن محمد فخر الدین	
۸۴۔	کتاب اتباع الاموات	ابراہیم بن اسحاق الحربی	۲۸۵
۸۵۔	کتاب الدعوات	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰
۸۶۔	کتاب الثواب فی الحدیث	ابوالشیخ عبداللہ بن محمد بن جعفر	۳۹۹
۸۷۔	کشف النور عن اصحاب القبور	عبدالغنی نابلسی	۱۱۴۳
۸۸۔	کتاب الزہد	امام احمد بن محمد بن حنبل	۲۴۱
۸۹۔	کتاب القبور	عبداللہ بن محمد ابن ابی الدنیا	۲۸۱
۹۰۔	کتاب الروضہ	ابوالحسن بن براء	
۹۱۔	کتاب الزہد	حافظ ہناد بن السری التمیمی الدارمی	۲۴۳
۹۲۔	کتاب ذکر الموت		
۹۳۔	کتاب ادعیۃ الحج والعمرہ	قطب الدین الدہلوی	۱۲۸۹
۹۴۔	کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق	عبدالرؤف بن تاج الدین بن علی المناوی	۱۰۳۱
۹۵۔	کتاب الخروج	قاضی امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی	۱۸۲
۹۶۔	کف الرعاع عن المحرمات اللھو والسماع	ابوالعباس احمد بن محمد ابن حجر مکی	۹۷۴

ل

۹۷۔	لباب المناسك	شیخ رحمۃ اللہ بن قاضی عبداللہ السندی	۹۷۸

م

۹۸۔	منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر	علی بن سلطان محمد القاری	۱۰۱۴
	مجموعہ خانی (فارسی)		
۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۰۔	مشارق الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ	عبدالوہاب بن احمد الشعرانی	۹۷۴

۹۹۔	مقامات مظہر وضمیمہ مقامات مظہر	مرزا مظہر جان جاناں	۱۱۹۵
۱۰۱۔	مسند الکبیر فی الحدیث	ابو محمد عبید بن حمید الکشی	۲۴۹
۱۰۲۔	المنتقی فی احادیث الاحکام عن خیر الانام	احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ	۷۲۸
۱۰۳۔	منظومۃ النسفی فی الخلاف	نجم الدین عمر بن محمد النسفی	۵۳۷
۱۰۴۔	معراج الدرایۃ فی شرح ہدایۃ	امام قوام الدین بن محمد الکاکی	۷۴۹
۱۰۵۔	المسند الصحیح فی الحدیث	ابو عوانہ یعقوب بن اسحٰق الاسفرائنی	۳۱۶
۱۰۶۔	مسند الشامیین		
۱۰۷۔	مدارج النبوۃ	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۸۔	مجمع البرکات	شیخ عبدالحق محدث الدہلوی	۱۰۵۲
۱۰۹۔	مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء	جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱
۱۱۰۔	مختصر تاریخ ابن عساکر	امام محمد بن مکرم المعروف با بن منظور	۷۱۱
۱۱۱۔	مائۃ مسائل	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۲۔	مسائل اربعین	محمد اسحٰق محدث دہلوی	۱۲۶۲
۱۱۳۔	مالابدمنہ	قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵
۱۱۴۔	مشکوٰۃ المصابیح	ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب	۷۴۰
۱۱۵۔	منتشق یا در منتقی فی شرح الملتقی	علاء الدین الحصکفی	۱۰۸۸
۱۱۶۔	موضح القرآن ترجمۃ القرآن	شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ الدہلوی	۱۲۳۰
۱۱۷۔	مثنوی شریف فارسی منظوم	ملا جلال الدین محمد بن محمد بن محمد الرومی البلخی القونوی	۷۲۲
۱۱۸۔	مصطلحات الحدیث	علی بن السید محمد بن علی الجرجانی سید شریف	۸۱۶
۱۱۹۔	المقاصد فی علم الکلام	علامہ سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی	۷۹۱
۱۲۰۔	مغنی المستفتی عن سوال المفتی	علامہ حامد آفندی	
۱۲۱۔	مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ المصابیح	قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹
۱۲۲۔	منۃ الجلیل	ابن عابد بن محمد امین آفندی	۱۲۵۲
۱۲۳۔	مفتاح الغیب فی شرح فتوح الغیب	عبدالحق بن سیف الدین محدث دہلوی	۱۰۵۲

ن

۱۲۴۔	نافع فی الفروع	امام ناصر الدین محمد بن یوسف السمرقندی	۴۰۲

۱۲۵۔	نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰
۱۲۶۔	نصیحۃ المسلمین	خرم علی بلہوری	۱۲۷۱
۱۲۷۔	نفحات الانس من حضرات القدس	عبدالرحمٰن بن احمد الجامی	۸۹۸
۱۲۸۔	نسیم الریاض فی شرح شفاء قاضی عیاض	قاضی عیاض احمد بن محمد الخفاجی	۱۰۶۹
۱۲۹۔	النشر فی قراءۃ العشر	شمس الدین محمد بن محمد ابن الجزری	۸۳۳
۱۳۰۔	نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر	احمد بن علی حجر القسطلانی	۸۵۲
۱۳۱۔	نفع المفتی والسائل	مولوی عبدالعلی مدراسی	۱۳۰۶
۱۳۲۔	نوادر الاصول	ابوعبداللہ محمد بن علی حکیم الترمذی	۲۵۵
۱۳۳۔	نصاب الاحتساب فی الفتاوٰی	عمر بن محمد بن عوف الشامی	
۱۳۴۔	نور الشمعہ فی ظفر الجمعہ	علی بن غانم المقدسی	
۱۳۵۔	نظم الفرائد وجمع الفوائد فی الاصول	عبدالرحیم بن علی الرومی المعروف شیخ زادہ	۹۴۴
۱۳۶۔	نافع شرح قدوری		
۱۳۷۔	نامِ حق	شرف الدین بخاری	
۱۳۸۔	نتائج الافکار فی کشف الرموز والاسرار	شمس الدین احمد بن قودر المعروف بقاضی زادہ	۹۸۸

و

۱۳۹۔	وفیات الاعیان	شمس الدین احمد بن محمد ابن خلکان	۶۸۱
۱۴۰۔	واقعات المفتیین		۳۲۵
۱۴۱۔	وفاء الوفا	نورالدین علی بن احمد السمہودی	۹۱۱

ھ

۱۴۲۔	ہوامع	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹
۱۴۳۔	ہمعات	شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم الدہلوی	۱۱۷۹

www.dawateislami.net

فتاوی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۱

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
اکیسویں جلد: 7
کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم 8
اکیسویں جلد 9
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 65
کتاب الحظروالاباحۃ 101
(ممنوع اور مباح کاموں کا تفصیل بیان) 101
اعتقادات وسیر 101
ایمان، کفر، شرک، تقدیر، ردت، ہجرت، سنیت، گناہ، توبہ وغیرہا سے متعلق مسائل 101
رسالہ 201
جلی النص فی اماکن الرخص ۱۳۳۷ھ 201
(مقامات رخصت کے بیان میں واضح نص) 201
رسالہ 231
الرمز المرصف علٰی سوال مولٰنا السید اٰصف 231
(مولانا سید آصف کے سوال پر مضبوط اشارہ) 231
رسالہ 301
برکات الامداد لاھل الاستمداد ۱۳۱۱ھ 301
(مدد طلب کرنے والوں کے لئے امداد کی برکتیں) 301
رسالہ 339
فقہ شنہشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللّٰہ ۱۳۲۶ھ 339
(لفظ شہنشاہ کا مفہوم اور یہ کہ بیشک محبوبانِ خدا کا بعطاء الٰہی دلوں پر قبضہ ہے) 339

آثار مقدسہ اور اُن سے تبرک وتوسل 397
رسالہ 397
بدر الانوار فی اٰداب الاٰثار ۱۳۲۶ھ 397
(آثار مقدسہ کے آداب کے بارے میں روشنیوں کا ماہِ کامل) 397
فصل اول 397
فصل دوم 403
فصل سوم 412
فصل چہارم 414
رسالہ 425
شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ ۱۳۱۵ھ 425
(محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کے مزار اور آپ کے نعلین مقدسہ کے نقشوں میں غمزدہ کی شفاء) 425
تصوف وطریقت وبیعت وسجادہ نشینی وغیرہ 459
تصور شیخ، مراقبہ، پیری مریدی کے آداب نیز سچے اور جھوٹے پیر کا بیان 459
رسالہ 461
نَقَاءُ السَّلَافَہْ فِیْ اَحْکَامِ الْبَیْعَۃِ وَالْخِلَافَہْ ۱۳۱۹ھ 461
(بیعت وخلافت کے احکام میں خوبصورت نچوڑ) 461
فلاح تقوٰی 513
فلاح انسان 516
رسالہ 521
مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء ۱۳۲۷ھ 521
(علماء اور شریعت کی افضیلت پر اہل معرفت کا کلام) 521
رسالہ 569
الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ ۱۳۰۹ھ 569
(وہ یاقوت جو خالص عقد رابطہ کا ذریعہ ہے) 569

شرب وطعام 607
دعوت ولیمہ، مہمانی، ذبیحہ، شکار، گوشت وغیرہا سے متعلق مسائل 607

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللهُ بِهٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّةُ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّةِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۱

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد۲۱
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۷۶
اشاعت ________ ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ / مئی ۲۰۰۲ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ اہلسنّت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

o پیش لفظ ____ ۵

کتاب الحظر والاباحۃ ____ ۱۰۱

اعتقادات وسیر ____ ۱۰۱

آثارِ مقدسہ سے تبرک وتوسل ____ ۳۹۷

تصوّف وطریقت ____ ۴۵۹

شُرب وطعام ____ ۶۰۷

فہرست رسائل

o جلی النص ____ ۲۰۱

o الرمز المرصف ____ ۲۳۱

o برکات الامداد ____ ۳۰۱

o فقہ شہنشاہ ____ ۳۳۹

o بدرالانوار ____ ۳۹۷

o شفاء الوالہ ____ ۴۲۵

o نقاء السلافۃ ____ ۴۶۱

o مقال العرفاء ____ ۵۲۱

o الیاقوتۃ الواسطۃ ____ ۵۶۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمہ اللہ علیہ کے خزاءن علمیہ اور ذخاءر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لہوئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ ماہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قاءم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہاہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگراس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایہ النبویہ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہواتھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا بارہ ۱۲ سال کے مختصر عرصہ میں اکیسویں ۲۱ جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارت کتاب الصلٰوۃ کتاب الجنائز کتاب الزکوٰۃ کتاب الصوم کتاب الحج کتاب النکاح کتاب الطلاق کتاب الایمان کتاب الحدود والتعزیر کتاب السیر کتاب الشرکۃ کتاب الوقف کتاب البیوع کتاب الحوالہ کتاب الشہادۃ کتاب القضاء والدعاوی کتاب الوکالہ کتاب الاقرار کتاب الصلح کتاب المضاربہ کتاب الامانات کتاب العاریہ کتاب الھبہ کتاب الاجارہ کتاب الاکراہ کتاب الحجر کتاب الغصب کتاب الشفعہ کتاب القسمہ کتاب المزارعہ کتاب الصید کتاب الذباءح اور کتاب الاضحیہ پر مشتمل بیس جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین مشمولات مجموعی صفحات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ____ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ____ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ____ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲

اکیسویں جلد:

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے اب تک شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ جلدوں (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلیٰ محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولٰنا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جاہوئے۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجاہوئے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے، اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں ۲۰ جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوالہذا اب اکیسویں ۲۱ جلد میں مسائل حظروا باحت کی اشاعت کا آغاز کیا جارہا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور رہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں کتاب الحظر والاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کو مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے نام سے شائع کیا ہے وہ غیر مرتّب وغیر مبوّب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتدا وانتہا ممتاز نہیں۔ کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق ومنتشر طور پر مذکور ہیں، اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی لہذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور دقّت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکّلًا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر عنایت اور اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی کم وقت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا الحمد للہ علٰی ذالك۔

کتاب الحظر والاباحۃ کی ترتیب جدید میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) حظروا باحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور)

مسائل کے اعتبار سے یکجا تبویب کردی ہے۔
(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ باب کے تحت درج کیا ہے۔
(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔
(د) رسائل کی ابتداء وانتہا کو ممتاز کیا ہے۔
(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔
(و) جن رسائل کے مندرجات ومشمولات یکجانہ تھے ان کو اکٹھا کردیا ہے۔
(ز) حظروا باحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کردیا ہے۔
(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب، سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔
(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی۔
(ی) اعلٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیر بحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکتے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی میں نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری "کتاب الحظر والاباحۃ" کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا قاضی محمد عبد السبحان بن مولٰنا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث (کھلابٹ، ہزارہ) کے صاحبزادے اور استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولٰینا محمد خلیل صاحب محدّثِ ہزاروی کے نواسے ہیں۔ آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں، فارغ التحصیل ہوتے ہی درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور سالہاسال آپ نے اہلسنّت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دیئے، آپ کے آباؤ اجداد نے

ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبدالسبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمد صاحب رحمۃاللہ تعالٰی علیہما کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں، مناظرہ ورَدِّ بدمذہباں خصوصًا ردِّ وہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اکیسویں جلد

یہ جلد "کتاب الحظر والاباحۃ" کا پہلا حصہ ہے جو ۲۹۱ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں بنیادی طور پر جن چار ابواب سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) اعتقادیات وسیر (۲) تصوّف وطریقت

(۳) آثار مقدسہ سے تبرک وتوسل (۴) شُرب وطعام

علاوہ ازیں دیگر کئی ایک ابواب کے مسائل کثیرہ پر ضمنًا گفتگو واقع ہوئی لہٰذا راقم الحروف نے مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے، نیز اس جلد میں شامل چار مستقل ابواب کے مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمنًا مندرج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی مفصل فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقت وابہام پیدا نہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل نو۹ رسائل بھی اسی جلد کی زینت ہیں:

(۱) جلی النص فی اما کن الرخص (۱۳۳۷ھ)

اس بات کا بیان کہ بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے۔

(۲) الرمز المرصّف علی سؤال مولٰینا السید آصف (۱۳۳۹ھ)

کفار سے معاملات، احکام مرتدہ اور ایک اشتہار (اسلامی پیام) کے بعض مندرجات سے متعلق مولانا سیّد آصف علیہ الرحمۃ کے سوالات کا مفصّل ومدلّل جواب۔

(۳) شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ (۱۳۱۵ھ)

قدم شریف اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا جائز جبکہ جاندار خصوصًا اولیاء کرام کی تصویریں بنانا ناجائز وگناہ ہیں۔

(۴) برکات الامداد لاھل الاستمداد (۱۳۱۱ھ)

محبوبانِ خدا سے مدد طلب کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں۔

(۵) بدر الانوار فی آداب الآثار (۱۳۲۶ھ)

بزرگانِ دین کے آثار و تبرکات کی تعظیم اور اُن کی زیارت پر معاوضہ کا بیان۔

(۶) فقہ شھنشاہ وانّ القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ (۱۳۲۶ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شہنشاہ کہنا جائز ہے نیز اس بات کا ثبوت کہ محبوبانِ خدا کو بعطاءِ الٰہی دلوں کا مالک کہنا درست ہے۔

(۷) نقاء السّلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ (۱۳۱۹ھ)

بیعت وخلافت اور سجادہ نشینی کے احکام کا بیان۔

(۸) مقال العرفاء باعزاز شرعٍ وعلماء (۱۳۲۷ھ)

علم وعلماءِ شریعت کی فضیلت کا بیان اور شریعت وطریقت کے بارے میں ایک شخص کے دس اقوال شنیعہ کا رَدِّ بلیغ۔

(۹) الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ (۱۳۰۹ھ)

تصورِ شیخ اور شغل برزخ کے اثبات پر دلائل وبراہین۔

ان میں سے مقدم الذکر تین رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے جبکہ باقی چھ رسائل اب شامل کئے گئے ہیں۔ رسالہ نقاء السلافہ مطبوعہ ڈسکہ کے ساتھ ایک مسئلہ منسلک تھا جو فتاوٰی افریقہ سے ماخوذ ہے اس کو بھی اس جلد میں شامل کردیا گیا جو پیش نظر جلد کے صفحہ ۴۹۶ پر مسئلہ نمبر ۱۸۵ کے عنوان سے مذکور ہے۔

ربیع الاوّل ۱۴۲۳ھ — حافظ محمد عبد الستار سعیدی

مئی ۲۰۰۲ — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست مضامین مفصّل

اعتقادیات وسِیَر		خدا کا واسطہ دیا تو بلاوجہ نہ ماننا گناہ ہے۔	۱۰۴
(ایمان، کفر، شرک، تقدیر، ردّت، ہجرت، سنیت، گناہ، توبہ وغیرہا)	۱۰۱	یہ لفظ کہ ہم خدا اور رسول کو نہیں مانتے صریح کفر ہے، اس کے قائل پر توبہ وتجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم ہے، اعلانیہ توبہ نہ کرے تو مسلمان اس سے بائیکاٹ کریں۔	۱۰۴
جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے ضروری نہیں۔	۱۰۱	مالِ حرام پر نیاز سے متعلق سوال۔	۱۰۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔	۱۰۱	زنہار مالِ حرام قابل قبول نہیں، نہ اسے راہ خدا میں صرف کرنا روا، نہ اس پر ثواب، بلکہ نِرا وبال ہے۔	۱۰۵
مجذوم کے ساتھ کھانا کب ثواب اور کب نامناسب ہے۔	۱۰۲	مسئلہ بالا پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	۱۰۵
یہ خیال باطل ہے کہ بیماری **اُڑ کر لگتی ہے، احادیث صحیحہ** میں اسے رَد فرمایا ہے۔	۱۰۲	حنش راوی متروک ہے۔	۱۰۷
قوی الایمان کے لئے مجذوم سے مخالطت نقصان دہ نہیں اور ضعیف الاعتقاد کے لئے احتراز بہتر ہے۔	۱۰۳	جو چیز بارگاہ الٰہی سے مردود ہو وہ دربارِ رسول میں مقبول نہیں ہوسکتی۔	۱۰۸
احادیث سے مسئلہ کی تائید۔	۱۰۳		

یہ کہنا کہ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ناپاک چیزوں کو قبول فرماتے ہیں توہین وگستاخی ہے۔	۱۰۸	مردار کی چربی سر میں لگانا گناہ ہے کفر نہیں۔	۱۱۳
نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ ستھرے ہیں۔	۱۰۸	تلقین اسلام پر اُجرت لینا گناہ ہے۔	۱۱۳
مباح وحرام میں کوئی نسبت نہیں۔	۱۰۸	ہمارے ائمہ کرام مالی جرمانہ (تعزیر بالمال) کے قائل نہیں۔	۱۱۳
علماء کے اس فرمان کا مطلب کہ جس کے پاس مال حرام ہو اور وہ مالک معلوم نہ ہو تو اس کی طرف سے تصدّق کردے۔	۱۰۸	مال غیر ناحق کھالینے کے بعد جب تک تاوان نہ دے گناہ سے توبہ نہ ہوگی۔	۱۱۳
حاصل نیاز۔	۱۰۹	دومسائل پر مشتمل استفتاء۔	۱۱۴
معنی قبول طاعت۔	۱۰۹	مسئلہ اولٰی۔	۱۱۴
رَدّ الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معنٰی۔	۱۱۰	اللہ تعالٰی کو عاشق اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معشوق کہنا ناجائز ہے۔	۱۱۴
مال حرام سے تصدق کرکے امید ثواب رکھنے والا کافر ہوجاتا ہے۔	۱۱۰	معنی عشق اللہ تعالٰی کے حق میں محال قطعی ہے۔	۱۱۴
مسئلہ مذکورہ پر عبارات علماء سے تائید۔	۱۱۰	صرف معنی محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔	۱۱۴
جذامی کے ساتھ کھانے پینے سے متعلق استفتاء۔	۱۱۱	مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق۔	۱۱۴
ضعیف الاعتقاد اور وہمی خیالات کے حامل لوگوں کو جذامی کے ساتھ کھانے پینے سے بچنا چاہیئے۔	۱۱۱	مسئلہ ثانیہ۔	۱۱۶
یہ خیال محض غلط ہے کہ جذامی کے ساتھ کھانے کی تاثیر سے دوسرا شخص بیمار ہوجاتا ہے۔	۱۱۱	مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ممنوع وگناہ اور کہنے والا گنہگار ہے۔	۱۱۶
تقدیر الٰہی میں جو لکھا ہے ضرور ہوگا اور جو نہیں لکھا ہے ہرگز نہ ہوگا۔	۱۱۱	مسئلہ مذکورہ پر شواہد ودلائل۔	۱۱۶
جذامی سے اجتناب کے متعلق احادیث کا محمل۔	۱۱۲	قرآن مجید میں جو لفظ یثرب آیا ہے وہ منافقین کا قول نقل کیا گیا ہے۔	۱۱۷
جذام اور دیگر عیوب کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہیں ہوجاتی۔	۱۱۲	اللہ تعالٰی نے منافقین کا رَد کرتے ہوئے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا۔	۱۱۷
مردار کی چربی سے متعلق ایک سوال۔	۱۱۲	بعض اشعارِ اکابر میں لفظ یثرب کے وقوع کا عذر۔	۱۱۸

شرع مطہر شعر وغیر شعر سب پر حجت ہے، شعر شرع پر حجت نہیں۔	۱۱۸	کافر سے دوستی حرام اور دینی رجحان کی بنا پر ہو تو کفر ہے۔	۱۲۵
مدینہ کی وجہ تسمیہ۔	۱۱۹	مسلمان کب کلمہ کفر کہہ سکتا ہے۔	۱۲۶
یثرب کہنے سے کیوں منع کیا گیا۔	۱۱۹	ہندو کے ہاتھ کی بنی ہوئی مٹھائی کا استعمال فتوٰی کی رو سے جائز مگر تقوٰی کی رو سے پرہیز کرنا چاہیئے۔	۱۲۶
جس نے ایک بار یثرب کہا وہ دس بار مدینہ کہے۔	۱۱۹	اصل اشیاء میں طہارت پائی جاتی ہے۔	۱۲۶
کافر ومشرک کا کوئی عمل للہ نہیں۔	۱۲۰	یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۱۲۶
کافروں کے میلے میں شریک ہونا مسلمان کو منع ہے مگر کفر نہیں کہ عورت نکاح سے نکل جائے۔	۱۲۰	دین کی بنیاد آسانی پر ہے۔	۱۲۶
مسئلہ مذکورہ کی تائید احادیث مبارکہ سے۔	۱۲۰	عالم کو گالی دینے اور اس کو حقیر جاننے سے متعلق سوال۔	۱۲۶
سچی توبہ کے بعد گناہ باقی نہیں رہتا۔	۱۲۱	غیبت جاہل کی بھی سوا مخصوص صورتوں کے حرام قطعی وگناہ کبیرہ ہے۔	۱۲۷
سچی توبہ کس کو کہتے ہیں۔	۱۲۱	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے۔	۱۲۷
ارکان توبہ تین ہیں۔	۱۲۲	کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرعی گالی دینا حرام قطعی ہے۔	۱۲۷
حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی پر توبہ میں فرق۔	۱۲۲	احادیث مبارکہ سے مسئلہ مذکورہ کی تائید۔	۱۲۸
ہندو حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کر اس پر فاتحہ پڑھنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین کو ایصال ثواب کرنا کیسا ہے۔	۱۲۳	جب عام مسلمانوں کے باب میں یہ احکام ہیں تو علماء کرام کی شان تو ارفع واعلٰی ہے۔	۱۲۸
ہندو بلاشبہہ قطعی طور پر کافر اور مشرک ہیں انہیں کافر نہ جاننے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔	۱۲۴	توہین علماء کرام پر احادیث میں وعید شدید۔	۱۲۸
آریہ ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ ہے۔	۱۲۴	عالم کو اس لئے برا کہنا کہ وہ عالم ہے صریح کفر ہے۔	۱۲۹
بعض عقائد ونظریات آریہ کا بیان۔	۱۲۴	کسی دنیوی خصومت کے باعث عالم کو برا کہنے اور گالی دینے والا فاسق وفاجر اور بے سبب اس سے رنج رکھنے والا مریض القلب خبیث الباطن ہے۔	۱۲۹

مسلمان نے عیسائی کا حقہ پیا تو اس کیلئے کیا حکم ہے۔	۱۳۰	ایصال ثواب کے لئے مروج نذر و نیاز نذر شرعی نہیں۔	۱۳۲
کافر کا اقرار اسلام اس کو مسلمان ٹھہرانے کیلئے کافی ہے جب تک کفر جدید ظاہر نہ ہو۔	۱۳۰	اصطلاح عرفی ہے کہ سلاطین وعظماء کے حضور جو چیز پیش کی جائے اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔	۱۳۲
نفی کی گواہی نامعتبر ہے۔	۱۳۰	نیاز نذر سے عام تر ہے۔	۱۳۲
کمہار نے گھر میں ناقوس بجایا ایک مسلمان نے اس پر کلوخ اندازی کی جس پر ایک منیجر مسلمان نے اس کو تنبیہ کی اور جرمانہ لیا، کیا منیجر گنہگار ہوگا۔	۱۳۰	محبوبان خدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں جب تک بروجہ عبادت نہ ہو۔	۱۳۲
نذر و نیاز کی ایک صورت سے متعلق استفتاء۔	۱۳۱	تقرب کا معنی	۱۳۲
آدمی حقیقتاً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات وواجب الوجود نہ مانے۔	۱۳۱	محبوبان بارگاہ خداوندی کی نزدیکی ورضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے کہ ان کا قرب بعینہٖ قرب خدا اور ان کی رضا اللہ تعالٰی کی رضا ہے۔	۱۳۲
بعض نصوص میں جو بعض افعال پر اطلاق شرک ہوا اس کی تاویل۔	۱۳۱	مسئلہ کی تائید قرآن وحدیث اور عبارات فقہاء سے۔	۱۳۲
کفر ضروریات دین کے انکار سے ہی لازم آتا ہے۔	۱۳۱	جو شخص نذر و نیاز میں عبادتِ غیر کا قصد کرے ضرور مشرک ہے۔	۱۳۳
بعض اعمال پر نصوص میں جو اطلاق کفر ہو اس سے مراد کفر مصطلح نہیں۔	۱۳۱	بدگمانی سخت تر جھوٹ اور اشد حرام ہے۔	۱۳۳
ہر شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام۔	۱۳۱	قرآن وحدیث سے بدگمانی کی مذمت۔	۱۳۳
مومن کسی کبیرہ کے ارتکاب سے خارج اسلام نہیں ہوتا	۱۳۱۔	مرد کے سر پر چوٹی رکھنا حرام ہے خصوصاً کسی کے نام کی چوٹی۔	۱۳۴
شرک کی تعریف۔	۱۳۱	مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد لعنتی ہیں۔	۱۳۴
مومن جو نذر و نیاز بقصد ایصال ثواب کرتے ہیں اس میں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے۔	۱۳۲	فارسی زبان میں ایک ناقص سوال اور اس کا جواب۔	۱۳۵

آریہ سماجوں میں ملازمت کرنے والے مسلمانوں سے متعلق ایک استفتاء۔	۱۳۶	حکمت چہارم۔	۱۴۳
کلمات ملعونہ کفریہ کی کاپی نویسی کرنے والے، انہیں چھاپنے والے اور اس میں کسی طرح سے اعانت کرنے والے مسلمانوں پر اللہ تعالٰی اور ملائکہ لعنت کرتے ہیں۔	۱۳۶	بدمذہب کی مذمت اس کے مرنے پر بھی جائز بلکہ کبھی شرعًا واجب۔	۱۴۳
گناہ میں معاونت کرنے والا بھی گنہ گار ہے اور مستحق جہنم ہے ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔	۱۳۶	آسمان پر اللہ تعالٰی کے گواہ ملائکہ اور زمین پر اہلسنّت ہیں۔	۱۴۳
مصنف علیہ الرحمۃ کا تقوٰی اور اللہ ورسول سے محبت کا تقاضا کہ کفریہ کلمات کو نہ خود پڑھا نہ سنا بلکہ استفتاء سے نکال دینے کا حکم دیا۔	۱۳۹	حکمت پنجم۔	۱۴۴
ایک شخص کے بارے میں سوال جس نے سرعام کلمات کفر کہے مگر علانیہ توبہ نہیں کی۔	۱۳۹	اعلانیہ گناہ دوسرا گناہ ہے اعلان گناہ دوسرا گناہ بلکہ اس گناہ سے بھی بدتر گناہ۔	۱۴۴
جس طرح خلق پر ظاہر ہونے والے گناہ کے دو تعلق ہیں اسی طرح اس کی توبہ کے بھی دورخ ہیں۔	۱۴۱	اعلان گناہ کی مذمت احادیث سے۔	۱۴۴
توبہ کا جورخ جانب خدا ہے اس کا رکن اعظم ندامت قلبی ہے۔	۱۴۱	اعلان گناہ کا باعث نفس کی جرات وجسارت وسرکشی وبے حیائی ہے۔	۱۴۵
حدیث میں ندامت کو توبہ کیوں قرار دیا گیا۔	۱۴۱	مرض کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے۔	۱۴۵
توبہ کا دوسرا رُخ جانب خلق ہے کہ جس طرح ان پر گناہ ظاہر ہوا اسی طرح ان پر اس کا توبہ ورجوع بھی ظاہر ہو۔	۱۴۲	حرج مدفوع بالنص ہے۔	۱۴۵
گناہ علانیہ کیلئے شرع نے توبہ کا علانیہ حکم دیا اور پوشیدہ گناہ کیلئے پوشیدہ توبہ ہے۔	۱۴۲	مجمع توبہ مجمع گناہ کے مشابہ ہونا چاہیئے۔	۱۴۵
اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ میں حکمتیں۔	۱۴۳	کیا اعلانیہ توبہ کیلئے مشاکلت مجمع ومجلس شرط ہے۔	۱۴۵
حکمت اول۔	۱۴۳	حدیث "اعلنوا النکاح" کی توجیہ۔	۱۴۵
حکمت دوم۔	۱۴۳	سَو کے سامنے گناہ کیا اور ایک گوشہ میں دو کے سامنے اظہار توبہ کردیا اس سے فوائد مطلوبہ پورے نہ ہوں گے۔	۱۴۶
حکمت سووم۔	۱۴۳	اعلانیہ توبہ میں ایک اور نکتہ۔	۱۴۶

خیالات بدمذہبی کے اظہار پر امیر المومنین فاروق اعظم نے ایک شخص کو سخت سزادی اور اس سے قطع تعلق کا حکم دیا تاوقتیکہ وہ ٹھیک ہوگیا۔	۱۴۶	جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے برابر کوئی صحابی نہیں وہ اہلسنّت سے خارج ہے۔	۱۵۲
فاسق کی گواہی تائب ہو کر بھی قبول نہیں جب تک کچھ مدت گزرنہ جائے۔	۱۴۹	تفضیلیہ فرقہ رافضیوں کا چھوٹا بھائی ہے۔	۱۵۲
بعد از توبہ کیسے کاذب کی گواہی مقبول اور کیسے کی نامقبول ہے۔	۱۴۹	ماں کے رافضی ہونے سے سنّی بیٹے پر کچھ الزام نہیں۔	۱۵۲
غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو صحابہ کرام سے افضل کہنا گمراہی ہے اور بعطائے الٰہی ان کو مالک نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں۔	۱۵۰	بھنگی کے گھر کھانے پر فاتحہ وایصال ثواب کرنے والے اور کھانے والے کا کیا حکم ہے۔	۱۵۳
کسی کو مالک نفع وضرر کہنا کب جائز اور کب کفر ہے۔	۱۵۰	کافر کی کوئی نیاز وعمل مقبول نہیں۔	۱۵۳
مجلس میلاد مبارک اور گیارہویں شریف میں دو حیثیتیں ہیں ایک خصوص فعل اور دوسری مقصد ومنشا۔ بحیثیت اول یہ جزء ایمان نہیں جبکہ بحیثیت ثانی داخل ایمان ہے۔	۱۵۰	کفار کے کھانے پر فاتحہ دلانے والے اور ثواب کا اعتقاد رکھنے والے پر توبہ فرض ہے بلکہ اس کو تجدید اسلام وتجدید نکاح چاہیے ورنہ مسلمان اس سے قطع تعلق کریں۔	۱۵۳
مسئلہ پر قرآن وحدیث سے دلیل۔	۱۵۱	شادی کے موقع پر تاشہ بجانے کے بارے میں استفتاء۔	۱۵۴
چار سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۱۵۱	کیسی دف شادی کے موقع پر بجانے کی اجازت ہے۔	۱۵۴
کلمہ حمد سے استہزاء کرنے والا تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔	۱۵۱	مروج ڈھول تاشے بجانا جائز نہیں۔	۱۵۴
رافضیوں سے میل جول حرام، اس کا مرتکب فاسق، مسلمان اس سے مقاطعہ کریں۔	۱۵۲	ناجائز بات سے اگر کوئی کافر یا بدمذہب منع کرے تو اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔	۱۵۴
سود خور سے محبت بلا مجبوری منع ہے۔	۱۵۲	سنی مسلمانوں کو دین پر کیسا اعتقاد چاہیے۔	۱۵۴
سود کھانے والے، کھلانے والے اور لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت۔	۱۵۲	سود، جوا اور زناء حرام اور ان کا مرتکب مستحق نار وغضب جبار ہے۔	۱۵۴

زنا کب سود اور جوئے سے بدتر اور کب ان سے کمتر گناہ ہے۔	۱۵۵	کافروں کی شیطانی خرافات کو اچھا جاننا آفت اشد ہے اس صورت میں تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔	۱۵۹
سود خور، جواری اور زانی کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔	۱۵۵	میلہ کفار میں تجارت کیلئے جانا بھی ممنوع ہے۔	۱۵۹
چار سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۱۵۵	معبد کفار میں جانا گناہ ہے۔	۱۵۹
کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا یا برا دریافت کرنا کیسا ہے۔	۱۵۵	کفار کو دعوتِ ہدایت واسلام دینے کے لئے ان کے میلے میں عالم دین کو جانا مطلقاً جائز ہے۔	۱۶۱
نوجوان بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی پر طعن کرنا کیسا ہے۔	۱۵۵	حرام اور کفر اور سود کھانے میں کون سا گناہ صغیرہ اور کون سا کبیرہ ہے۔	۱۶۱
بیاہ شادیوں پر طوائف اور بھانڈ نچانے کا حکم شرعی کیا ہے۔	۱۵۵	کفر ہر کبیرہ سے بدتر کبیرہ ہے۔	۱۶۱
جوئے کا اڈا لگانے والے حنفی المذہب اور اہلسنت وجماعت رہتے ہیں یا نہیں۔	۱۵۵	سود گناہ کبیرہ ہے۔	۱۶۱
اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اور ناجائز بات کا حکم دیں تو اطاعت ناجائز ہے۔	۱۵۷	بدعت سیئہ اور گناہ کبیرہ میں نسبت۔	۱۶۲
ماں باپ مرتکب کبائر بھی ہوں تب بھی اولاد پر ان کی اطاعت لازم ہے جب تک مرتد نہ ہوں۔	۱۵۷	فسق اعتقاد فسق عمل سے بدتر ہے۔	۱۶۲
مرتد کیلئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔	۱۵۷	غیبت زنا سے بدتر ہے۔	۱۶۲
بڑے بھائی کو حق تعظیم حاصل ہے مگر وہ ماں باپ کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔	۱۵۷	فتنہ قتل سے سخت تر ہے۔	۱۶۲
بلاوجہ شرعی ایذا رسانی حلال نہیں۔	۱۵۷	کون سا جھوٹ صغیرہ ہے۔	۱۶۳
اہل ہنود کا میلہ دیکھنے کے لئے جانا مطلقاً ناجائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر لازم آتا ہے۔	۱۵۷	صغیرہ بعد از اصرار کبیرہ ہوجاتا ہے۔	۱۶۳
کفریات کو تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔	۱۵۸	غیبت وکذب کب زنا سے بدتر ہوتے ہیں۔	۱۶۳
منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں۔	۱۵۸	سجدہ تحیت اگر بت، چاند یا سورج وغیرہ کو کیا جائے تو اس پر حکم کفر ہے۔	۱۶۳
شعبدہ باز بھان متی بازی گر کے افعال حرام ہیں۔	۱۵۹	کفر اگرچہ عقد قلبی ہے مگر اقوال زبان اور بعض افعال اس پر دلیل ہوتے ہیں۔	۱۶۳
حرام کو تماشا بنانا حرام۔	۱۵۹	معبودان باطل کی تصویر کو سجدہ کرنا کفر ہے۔	۱۶۳

کونسی تصویر کو سجدہ کرنا کفر نہیں۔	۱۶۳	فعل حلال کو حرام کرنے والے، غیر مقلدین کو خلاف شرع مدد دینے والے، شرعی معاملے میں جھوٹی شہادت دینے والے کے پیچھے نماز ناجائز ہے جب تک توبہ نہ کریں۔	۱۶۹
فقہ اکبر کی ایک عبارت کی توجیہ۔	۱۶۴	حق کے مقابل باطل کی اعانت کرنے والے کی امامت ناجائز اور مسلمان ان کا مقاطعہ کریں۔	۱۶۹
ایک حدیث کا مطلب۔	۱۶۴	قاضی کا رجسٹر شرعًا کوئی شرط نکاح نہیں۔	۱۶۹
اہل قبلہ کون ہیں۔	۱۶۴	اہل ہنود کی خرافات ولغویات پر مشتمل مجالس میں شریک ہونے والے مسلمان فاسق وفاجر مرتکب کبائر اور مستحق غضب جبار وعذاب نار ہیں۔	۱۷۰
ہندو مسلم اتحاد کی خاطر رسومات شنیعہ کا مرتکب ہونے والی جماعت کے بارے میں سوال۔	۱۶۵	مسلمان کا گزر کفار کے محلّہ سے ہو تو جلد گزر جائے۔	۱۷۰
کفار کے افعال قبیحہ شنیعہ کو مستحسن جاننا باتفاق ائمہ کفر ہے، ایسے لوگ اسلام سے خارج ہوگئے ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں اور ان کی بیٹیاں جاتی رہیں۔	۱۶۶	ہندوؤں کے افعال ملعونہ کو بطور تماشہ دیکھنا لعنت اور بنگاہ وقعت دیکھنا کفر ہے۔	۱۷۰
مشرکین کے تہوار کی خوشی منانا اور اس میں شریک ہونا معصیت قطعیہ ہے۔	۱۶۶	خاکروب مسلمان ہوتے ہی غسل کرکے پاک صاف ہوجائے تو اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔	۱۷۲
معصیت قطعیہ کا استحلال کفر ہے۔	۱۶۶	جو کافر تلقین اسلام چاہے اس کو تلقین کرنا فرض اور اس میں تاخیر گناہ کبیرہ ہے۔	۱۷۲
کفار کے افعال ملعونہ کو براجان کر شرکت کرنے والے مرتکب کبائر اور مستحق عذاب نار ہیں۔	۱۶۶	جوان لڑکی کو مسلمان کرنے والے عالم کے پیچھے نماز ناجائز نہیں۔	۱۷۲
مسئلہ مذکورہ پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	۱۶۷	مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۱۷۲
کافر ومومن میں اتحاد کیسا۔	۱۶۸	آیات قرآنیہ سے تائید۔	۱۷۲
کفار کے امور دنیوی میں ایک حد تک موافقت کی جاسکتی ہے مگر امور مذہبی میں موافقت جائز نہیں۔	۱۶۸	خاکروب مسلمان ہوکر پھر اپنی قوم سے مل گیا اور اب دوبارہ قبول اسلام کی درخواست کرے تو اس میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔	۱۷۳
تعزیہ مذہب میں ناروا وممنوع ہے۔	۱۶۸	کافروں کے غلط طعنہ کا لحاظ کرنا اور مسلمانوں کی دل شکنی کی پرواہ نہ کرنا جہالت ہے۔	۱۷۳
اودھ کے کچھ ہندو تعزیہ بناتے اور اٹھاتے ہیں۔	۱۶۸		

برہمن اور خاکروب میں سے زیادہ نجس کون ہے۔	۱۷۳	محبت رسول اور نفرتِ گستاخان کے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا۔	۱۷۷
جوخود عالم نہ ہو اور مستند علماء کا فتوٰی نہ مانے تو وہ گمراہ ہے۔	۱۷۳	زبان سے توسب دعوی محبت کردیتے ہیں مگر عملی کارروائیاں آزمائش کرادیتی ہیں۔	۱۷۷
غیر عالم کو حکم ہے کہ عالم سے پوچھو۔	۱۷۳	اہل ہنود کی طرف سے حکومت خوداختیاری کی تحریک وشورش میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں استفتاء اور ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ رویے کی جھلک۔	۱۷۸
نومسلم خاکروب کے ساتھ کھانا کھانے والے مسلمان کی ہنسی اڑانے والا گنہگار ہے۔	۱۷۴	یہود اور مشرک مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔	۱۷۹
عورت مسلمان ہوجائے اور اس کا شوہر خاکروب ہو شرعًا کیا حکم ہے۔	۱۷۴	قرآن پاک سے دلائل۔	۱۷۹
تحلیل حرام و تحریم حلال دونوں کفر ہیں۔	۱۷۵	ہندومذہب کی کتاب بید مثل قرآن مجید زید نے گلے میں ڈال رکھی ہے کافر اس کو قرآن مجید سمجھ کر توہین کرنا چاہتا ہے تو کیا زید کو دفاع کرنا چاہیے اور دیگر مسلمانوں کو اس کی مدد کرنی چاہیے یا نہیں۔	۱۸۲
فاسق ومرتکب کبیرہ اور مفتری علی اللہ کے پیچھے نماز ممنوع ہے۔	۱۷۵	مثال میں بسااوقات فرق رہ جاتا ہے۔	۱۸۲
وہابیہ بے دین ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔	۱۷۶	کافرمذہب کی کتاب کو قرآن مجید سے تشبیہ دینا توہین قرآن ہے۔	۱۸۲
کسی کے عقائد کفریہ پر مطلع ہوکر ان کو امام ومدرس بنانا مستحسن سمجھنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔	۱۷۶	اصرار علی الحرام جرم ہے۔	۱۸۲
رضا بالکفر کفر ہے۔	۱۷۶	اپنے نفس کو سزاوذلت پر پیش کرنا بحکم حدیث حرام ہے۔	۱۸۳
ضروریات دین کا منکر کافر ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔	۱۷۶	شیعہ کی تنظیم میں سنیوں کو شریک ہونا کیسا ہے۔	۱۸۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینے، لکھنے اور چھاپنے والے وہابیہ کو امام ومدرس بنانے والا کیسا مسلمان ہے۔	۱۷۶	سنیوں کو غیر مذہب والوں سے اختلاط میل جول ناجائز ہے خصوصًا جبکہ وہ افسر ہوں اور یہ ماتحت۔	۱۸۴
		زنا کے ثبوت کا شرعی معیار۔	۱۸۴

حدِ قذف اسّی ۸۰ کوڑے ہیں۔	۱۸۴	مطابق قانون فطرت ہے کہ رطوبت میں حرارت جب عمل کرے گی تو فیضان روح ہوگا۔	۱۸۸
اجنبیہ عورت سے خلوت حرام ہے۔	۱۸۴	موہومات اور بیہودہ خیالات کی موافقت کی جائے تو دین ودنیا کی عافیت تنگ ہو جائے گی۔	۱۸۸
مقذوف فی القذف کی گواہی ہمیشہ کو مردود ہے۔	۱۸۴	ہنود کے مذہبی تہوار کو اچھا جان کر منانے والا اسلام سے خارج ورنہ فاسق تو ضرور ہوگا۔	۱۸۸
روافض کی گمراہی کا ثبوت حدیث میں اور ان سے قطع تعلق کا حکم۔	۱۸۴	اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کی اتباع درست نہیں۔	۱۸۸
دسہرہ کی جھنڈی کے جلسہ میں ہنود کے ساتھ شریک ہونے والے مسلمان سے متعلق سوال۔	۱۸۵	مباہلہ کیا ہے، وہ کس وقت، کس سے، کس طرح کیا جاسکتا ہے۔	۱۸۹
مراسم کفر کی اعانت اور ان میں شرکت ممنوع وگناہ اور مخالفت حکم اللہ ہے۔	۱۸۶	مشکوک یا مظنون بات پر مباہلہ سخت جرات ہے۔	۱۸۹
کفار کی رسومات وافعال کو مستحسن جاننے والا کافر ہے مسلمان اس سے بائیکاٹ کریں۔	۱۸۶	فرقہ اسمٰعیلیہ کے ایک مذہبی پیشوا کا استقبال کرنے والے مسلمانوں سے متعلق سوال۔	۱۸۹
ہنود کے تہوار "پچوسن" کے موقع پر مسلمان تیلیوں کا گھانیہ چلانا اور اس کے عوض ہندوؤں سے پیسے وصول کرنا کیسا ہے۔	۱۸۷	بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اگر توبہ نہ کریں تو مسلمان ان کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں سنی مدرسے کی رکنیت توڑی چیز ہے۔	۱۹۰
ہنود کے تہواروں میں ان کی موافقت کرنے والے مسلمانوں اور مسلمانوں کو شرکت پر مجبور کرنے والے رئیس کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۱۸۷	تعظیم بدمذہباں اور ان سے اختلاط رکھنے اور ان کو سلام کہنے پر وعیدات قرآن وحدیث سے۔	۱۹۰
معاصی پر اجارہ جائز نہیں۔	۱۸۷	ابراہیم بن میسرہ تابعی مکی اور ثقہ ہیں۔	۱۹۲
فعل حرام کی اجرت حرام ہے۔	۱۸۷	جس چیز کے کفر پر اتفاق ہو اور جس کے کفر میں اختلاف ہو دونوں کا حکم۔	۱۹۲
ناجائز کا ترک واجب ہے۔	۱۸۷	ایک سنی عالم کے تحریری اعلان کے بارے میں سوال جس کے شروع میں حمد ونعت نہیں اور نہ ہی اس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وسیلہ تحریر کیا گیا ہے۔	۱۹۴
اغراض فاسدہ کفار کی تحصیل نامناسب۔	۱۸۸	مسلمان پر نیک گمان کا حکم ہے۔	۱۹۴
خوردبین سے مشاہدہ ہوا ہے کہ دودھ اور پانی سب میں یقینا کیڑے ہوتے ہیں۔	۱۸۸		

کسی سُنّی کے عدم ذکر توسّل کوانکار توسل قرار نہیں دیا جاسکتا۔	۱۹۴	اگرحج کی ادائیگی کی رشوت کے بغیر کوئی صورت نہ ہوتو کیا کرے۔	۱۹۸
توسل کاانکار کرنے والا سنی نہیں ہوتا۔	۱۹۴	کس صورت میں تصویر کی اجازت ہے۔	۱۹۸
حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے توسل مسلمان کے دل میں رچاہواہے اگرچہ بعض اوقات زبان سے نہ کہے۔	۱۹۴	کافر کہے مجھے مسلمان کرلو تو مسلمان کواس کیلئے فرض نماز توڑ دیناواجب ہے۔	۱۹۹
کائنات کی ہر نعمت حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے ملتی ہے۔	۱۹۵	ظن غالب یقین کے ساتھ لاحق ہے۔	۱۹۹
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاسم خزائن حق ہیں۔	۱۹۵	کفار کو دعوت اسلام دیناکب واجب اور کب مستحب ہے۔	۱۹۹
مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے مستفتی کو حسن اعتقاد پر داد۔	۱۹۵	٥رسالہ **جلی النص فی اماکن الرخص**(اس بات کا بیان کہ بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے)	۲۰۱
پاسپورٹ کے لئے تصویر بنانے اور بنوانے سے متعلق استفتاء۔	۱۹۵	نہ ہر ممنوع کسی نہ کسی وقت مباح ہوسکتا ہے نہ ہر وقت ایسا کہ کسی نہ کسی ممنوع میں رخصت کی قابلیت رکھتا ہے۔	۲۰۲
ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگرچہ صرف چہرہ کی ہو۔	۱۹۶	مواقع رخصت کے بارے میں کچھ قواعد واصول شرعیہ جن میں بظاہر تعارض ہے۔	۲۰۲
جس کا کھینچنا حرام اس کا کھنچوانا بھی حرام ہے۔	۱۹۶	اصل اول۔	۲۰۲
جس چیز کالینا حرام اس کادینا بھی حرام ہے۔	۱۹۶	مفسدہ کادفع مصلحت کی تحصیل سے زیادہ اہم ہے۔	۲۰۲
الضرورت تبیح المحظورات۔	۱۹۷	اصل اول کی مؤید حدیث۔	۲۰۲
مجرد تحصیل منفعت کیلئے کوئی ممنوع مباح نہیں ہوتا۔	۱۹۷	قاعدہ مذکورہ مطلقًا لحاظ نہی بتاتا ہے۔	۲۰۲
جائز نوکری تیس روپیہ اور ناجائز ڈیڑھ سو کی ملتی ہو تو نفع کے لئے ناجائز کواختیار کرنا حرام ہے۔	۱۹۷	اصل دوم۔	۲۰۲
عیسائیوں کے بِگل بجانے کی نوکری مسلمان کیلئے جائز نہیں۔	۱۹۷	مجبوریاں ممنوع کو مباح کردیتی ہیں۔	۲۰۲
		اصل مذکور دو آیتوں سے ماخوذ ہے۔	۲۰۲

قاعدہ مذکورہ مطلقاً لحاظ ضرورت بتاتا ہے۔	۲۰۳	اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر ایک کیلئے اس کی نیت۔	۲۰۴
اصل سوم۔	۲۰۳	قاعدہ مذکورہ کی مؤید آیت کریمہ۔	۲۰۴
دو بلاؤں کا مبتلا ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔	۲۰۳	مواقع واماکن رخص کا بیان اور قواعد مذکورہ سبعہ کے موارد کی وضاحت۔	۲۰۴
اصل مذکور کا ماخذ آیت کریمہ ہے۔	۲۰۳	مراتب پانچ ہیں: ۱ضرورت، ۲حاجت، ۳منفعت، ۴زینت، ۵فضول	۲۰۵
قاعدہ مذکورہ دونوں اطلاق نہیں کرتا بلکہ موازنہ چاہتا ہے۔	۲۰۳	پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الٰہیہ ہے: دین، عقل، نسب، نفس اور مال۔	۲۰۵
اصل چہارم۔	۲۰۳	مراتب خمسہ مذکورہ کی تعریفیں اور مثالیں۔	۲۰۵
ضرر مدفوع ہے۔	۲۰۳	ضرورت کا استثناء بدیہی ہے۔	۲۰۶
اصل مذکور کی مؤید آیت کریمہ وحدیث اقدس۔	۲۰۳	متعدد مثالیں کہ اپنی ضرورت تو ضرورت ہے دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے۔	۲۰۶
اصل پنجم۔	۲۰۳	ڈوبتے کو بچا سکتا ہے تو نماز توڑ کر بچانا لازم ہے اگرچہ نماز قضا ہوجائے۔	۲۰۶
مشقت آسانی لاتی ہے۔	۲۰۳	بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو قابلہ نماز مؤخر کردے۔	۲۰۶
قاعدہ مذکورہ کی مؤید آیت کریمہ۔	۲۰۴	اندھے کو کنویں میں گرنے سے بچانے کیلئے نماز کو توڑ دینا لازم ہے۔	۲۰۶
مشقت ودشواری کا دائرہ ضرورت ومجبوری سے وسیع تر ہے۔	۲۰۴	جن کا نفقہ اس پر لازم ہے ان کا بندوبست کئے بغیر حج کو نہ جائے۔	۲۰۷
اصل ششم۔	۲۰۴	زینت وفضول کیلئے کوئی ممنوع شرعی رخصت نہیں ہوسکتا۔	۲۰۸
جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔	۲۰۴	حقنہ بضرورت مرض جائز اور منفعت ظاہرہ مثلاً قوت جماع کیلئے ناجائز ہے۔	۲۰۸
اصل مذکور کی مؤید آیت کریمہ۔	۲۰۴	حلال کام میں تیس روپے ماہانہ پاتا ہے اور نصرانی ناقوس بجانے پر ڈیڑھ سو ماہانہ دیں گے اس منفعت کیلئے یہ نوکری جائز نہیں۔	۲۰۹
اصل ہفتم۔	۲۰۴		

فاسقانہ وضع کا جوتابنانے پر موچی اور ایسی وضع کے کپڑے بنانے پر درزی کو کتنی اجرت ملے اس کی اجازت نہیں کہ یہ معصیت پر اعانت ہے۔	۲۱۰	داڑھی شعارِ اسلام ہے شعارِ اسلام سے استہزاء اسلام سے استہزاء ہے۔	۲۱۵
لکڑی جنگل سے مفت مل سکتی ہے مگر اس کیلئے کسی شخص کو رشوت دینی پڑتی ہے تو دینا حرام ہے۔	۲۱۰	جس شخص کے عقائد کا ٹھکانا نہ ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں۔	۲۱۶
کعبہ معظّمہ میں داخل ہونے کیلئے رشوت دینا اور اس کا لینا حرام ہے۔	۲۱۱	ہمزاد کیا ہے اس کی تسخیر کیلئے عمل کرنا کیسا ہے۔	۲۱۶
حرام محض منفعت کیلئے حلال نہیں ہوسکتا۔	۲۱۱	آسیب، بھوت، چڑیل اور شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہیں یا غلط۔	۲۱۶
الصریح یفوق الدلالۃ۔	۲۱۲	دستِ غیب اور مصلّے کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں۔	۲۱۶
تبدیل وقف کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۱۲	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہمزاد مسلمان ہوگیا تھا۔	۲۱۶
وقف کو حالت سابقہ پر رکھنا واجب ہے نہ کہ اس میں زیادتی کرنا۔	۲۱۲	تسخیر ہمزاد اگر سفلیات سے ہو تو حرام قطعی بلکہ بعض صورتوں میں کفر، اور اگر علویات سے ہو تب بھی خالی از ضرر نہیں۔	۲۱۷
ہندیہ کی عبارت سے پیدا ہونے والے ایک اعتراض کا جواب۔	۲۱۳	صحبت جن کا کم از کم ضرر یہ ہے کہ آدمی متکبّر ہوجاتا ہے۔	۲۱۸
والدین کے فرمان کی خلاف ورزی کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۲۱۳	جن اور ناپاک روحیں احادیث سے ثابت ہیں۔	۲۱۸
اذان سے استہزاء کفر ہے اس کا مرتکب تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے۔	۲۱۵	شہداء کرام خبیث حرکات سے منزہ ومبرا ہیں۔	۲۱۸
اذان سے استہزاء کفر ہے اس کا مرتکب تجدید اسلام اور تجدید نکاح کرے۔	۲۱۵	دست غیب کی صحیح اور غلط صورتیں۔	۲۱۸
داڑھی سے استہزاء کرنے والے کا ایمان زائل، نکاح باطل اور عذر جہل غلط وعاطل ہے۔	۲۱۵	دست غیب کا اعلٰی اور سہل تر عمل وہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔	۲۱۹
داڑھی شعارِ اسلام ہے شعارِ اسلام سے استہزاء اسلام سے استہزاء ہے۔	۲۱۵	لوگ عمل حب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں مگر نہیں ملتا حالانکہ حب کا سہل ویقینی عمل قرآن مجید میں مذکور ہے۔	۲۱۹

طوسی کارفض حدکفر تک نہ تھااس نے حق الامکان اگلوں کے کفر کی تاویلات کیں جوگناہ ہے اور جہاں اس نے خلاف اہلسنت کیا اس کارد کردیاگیاہے۔	۲۲۰	کواکب فلکی کے اثرات سعد ونحس پر عقیدہ رکھنا کیساہے اور تعویذات میں عامل کوان کی رعایت کہاں تک درست ہے۔	۲۲۳
منطقی وفلسفی شراح ومحشین معصوم نہیں۔	۲۲۰	مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں۔	۲۲۳
یہ جومشہور ہے کہ گھر،گھوڑااور عورت منحوس ہوتے ہیں محض باطل ومردوداور ہندوؤں کے خیالات ہیں۔	۲۲۰	کبھی گناہ بھی سعادت ہوجاتاہے۔	۲۲۳
تعزیہ ناجائز وبدعت ہے مگر کفر نہیں کہ نمازِ جنازہ ناجائزاور ذبیحہ مردار ہو۔	۲۲۱	کواکب کو مؤثر جانناشرک،ان سے مدد مانگنا حرام اور ان کی رعایت خلاف توکّل ہے۔	۲۲۴
افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔	۲۲۱	تبخیر وتلوین سے کیامراد ہے۔	۲۲۴
ابن ماجہ کی ایک حدیث پر کلام اوراس کی توجیہ۔	۲۲۱	مسئلہ سے متعلق اشعۃ اللمعات پر مصنف علیہ الرحمۃ کاحاشیہ۔	۲۲۴
ہر بدعت سیئہ کفر نہیں۔	۲۲۱	فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے طلب باراں کی دعامانگتے وقت منزل قمر کی رعایت کاحکم دیا۔	۲۲۴
بعض بدمذہبیاں کفر نہیں۔	۲۲۱	حرام کھانا کبھی جائز نہیں ہوتا جس وقت جائز ہوتاہے اس وقت حرام نہیں رہتا۔	۲۲۵
مسئلہ کی تائید عبارات فقہاء سے۔	۲۲۱	"فقیری میں جھوٹ بولنااور حرام کھانا جائز ہے" یہ کہنے والے کاکیاحکم ہے۔	۲۲۵
لعنت بہت سخت چیز ہے مسلمانوں کواس سے بچناچاہیے۔	۲۲۲	دینی مدرسہ میں حکومت انگریز کی امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ داخل نہ کی گئی تواس میں شرعًا کوئی حرج نہیں اور اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔	۲۲۷
جب تک کفر پر مرناثابت نہ ہوکافر پر بھی لعنت جائز نہیں۔	۲۲۲	حکومتی خطاب واپس کرنانہ کرنا کوئی شرعی مسئلہ نہیں اگرواپسی خطاب میں بندش امداد کااندیشہ صحیح ہے توواپسی حماقت ہے۔	۲۲۸
دیوبندی عقائد والوں سے میل جول حرام ہے۔	۲۲۲	اہل ہنود کے رسومات کفریہ پر مشتمل جلسوں میں شرکت کرنے والا قابل امامت نہیں۔	۲۲۸
فریمیسن کے بارے میں سوال وجواب۔	۲۲۲	دشمنانِ دین سے احتراز فرض ہے۔	۲۲۸
ایک اجمالی مبہم سوال۔	۲۲۳		

فرض کاترک موجبِ ملامت اور مانعِ امامت ہے۔	۲۲۸	جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نصرانی کو محرر بنانے سے انکار فرمادیا۔	۲۳۴
کافر کے لئے دعائے مغفرت وفاتحہ خوانی کفر خالص وتکذیب قرآن ہے۔	۲۲۸	کفار سے جملہ انواع معاملات ناجائز نہیں۔	۲۳۵
مشرک کی نماز ودعا کے لئے اشتہار چھاپنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔	۲۲۸	ہر کافر حربی کافر محارب ہے وہ ذمی ومعاہد کا مقابل ہے۔	۲۳۶
قربانی گاؤ شعارِ اسلام ہے اور ہندوستان میں اس کا جاری رکھنا واجب ہے۔	۲۲۸	رازدار بنانا ذمی معاہد کو بھی جائز نہیں۔	۲۳۶
کفار وزنادقہ کو واعظِ مسلمین وپیشوائے دین بنانا اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔	۲۲۹	موالات مطلقہ جملہ کفار سے حرام ہے حربی ہو یا ذمی۔	۲۳۶
مشرکین وکفار کے ساتھ اتحاد ووداد حرام قطعی ہے۔	۲۲۹	بر واحسان معاہد سے جائز اور حربی سے حرام ہے۔	۲۳۶
سلاطین اسلام وممالک اسلامیہ واماکن مقدسہ کے لئے خطبہ جمعہ وعیدین میں دعا مستحب ہے۔	۲۳۰	امام رازی کی ایک عبارت کا مطلب۔	۲۳۶
○ رسالہ **الرمز المرصف علٰی سوال مولینا السید اٰصف** (کفار سے معاملات، احکام مرتدہ اور ایک اشتہار (اسلامی پیام) کے بعض مندرجات سے متعلق مولانا سید آصف علیہ الرحمہ کے سوالات کا مفصل ومدلّل جواب)	۲۳۱	آیہ کریمہ "واغلظ علیھم" کا شانِ نزول اور تفسیر۔	۲۳۶
ارشاد الٰہی "یایھاالذین اٰمنوالاتتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا" عام ومطلق ہے۔	۲۳۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قبل ارشاد "واغلظ علیھم" کفار پر انواع انواع کے نرمی وعفو وصفح فرماتے تھے۔	۲۳۶
کافر کو رازدار بنانا مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ امورِ دنیویہ میں ہو۔	۲۳۳	امام عطاء بن ابی رباح کے مناقب۔	۲۳۷
کفار ہرگز تاقدرِ قدرت ہماری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے۔	۲۳۳	یہود ومشرکین عداوتِ مسلمین میں سب کافروں سے سخت تر ہیں۔	۲۳۷
حدیث لاتستضیئوا بنار المشرکین کی تفسیر۔	۲۳۳	یایھا النبی جاھد الکفار میں حکم جہاد عام ہے۔	۲۳۷
آیۃ کریمہ لاتتخذوابطانۃ من دونکم کی تفسیر۔	۲۳۴		

کسی وصف پر حکم کا مرتّب ہونا اس کی علیّت کا مشعر ہوتا ہے۔	۲۳۷	امام رازی علیہ الرحمۃ کے علیل ہونے اور یہودی طبیب سے علاج کرانے کا عجیب واقعہ۔	۲۴۳
نفس کفر میں تمام کفار برابر ہیں "الکفر ملۃ واحدۃ"	۲۳۷	عورت مرتدہ ہونے پر نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔	۲۴۳
معاہد کا استثناء حکم جہاد سے دلائل قاطعہ متواترہ سے ضرورۃً معلوم ومستقر فی الاذہان ہے۔	۲۳۷	قول صوری وضروری میں فرق ہے۔	۲۴۳
تفاوت عداوت کفار پر بنائے کار نہیں۔	۲۳۷	سوائے نکاح کے باقی تمام احکام ارتداد مرتدہ پر جاری ہوں گے۔	۲۴۴
حسب حاجت ذلیل قلیل ذمیوں سے حربیوں کے مقاتلہ ومقابلہ میں مدد لے سکتے ہیں۔	۲۳۷	مرتدہ اپنے مسلمان شوہر کا ترکہ نہیں پائے گی۔	۲۴۴
مسخر کتّے سے شکار میں مدد لینا جائز ہے۔	۲۳۷	عورت اگر مرض الموت میں مرتدہ ہوئی تو شوہر اس کا ترکہ پائے گا ورنہ نہیں۔	۲۴۴
مشرک سے استعانت مطلقًا ناجائز۔	۲۳۸	مرتدہ جب تک اسلام نہ لائے شوہر کو اسے ہاتھ لگانا حرام ہے۔	۲۴۴
کافر طبیب سے کس نوعیت کا علاج جائز اور کس نوعیت کا ناجائز ہے۔	۲۳۸	عالمگیری ودرمختار کی عبارتوں سے استنباط کہ مرتدہ کا نکاح نہیں جاتا مگر وہ شوہر پر حرام ہوجاتی ہے۔	۲۴۴
کافر طبیبوں کے مسلمان مریضوں کو فریب دینے کے متعدد طریقے۔	۲۳۹	مرتدہ کو تجدید نکاح کا حکم بنظر احتیاط ہے۔	۲۴۵
مصر کے ایک مسلمان رئیس اور یہودی طبیب کا واقعہ۔	۲۴۱	مرتدہ کا شوہر پر حرام ہوجانا موجب زوال نکاح نہیں۔	۲۴۵
بعض لوگ کافر طبیب کے ساتھ مسلمان طبیب کو بھی شریک کرتے ہیں کہ جو نسخہ وہ بتائے مسلمان کو دکھالیں، یوں اس کے مکر سے امن سمجھتے ہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں جانتے حالانکہ اس میں متعدد خرابیاں ہیں۔	۲۴۲	بارہا عورت ایک مدت تک بلکہ کبھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور نکاح قائم رہتا ہے۔	۲۴۵
یہودی طبیب سے علاج کرانے والے ایک مسلمان مریض کا واقعہ۔	۲۴۳	زوجہ کی بہن سے نکاح کرکے قربت کرلے تو زوجہ حرام ہوگئی یہاں تک کہ اس کی بہن کو جدا کرے اور اس کی عدت گزر جائے۔	۲۴۵

حرمت مصاہرت طاری ہونے سے متارکہ لازم ہے کیونکہ نکاح قائم ہے۔	۲۴۵	جومدارس ہر طرح خالص اسلامی ہوں ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے۔	۲۴۹
زن مفضاۃ یعنی جس کے سبیلین ایک ہوجائیں اس کے نکاح میں اصلاً خلل نہیں اور حرمت ابدی دائم ہے۔	۲۴۵	گورنمنٹ کی طرف سے مدارس اسلامیہ کو دی جانے والی امداد کو قبول کرنا جائزاور اس کا قطع کرنا حماقت ہے۔	۲۴۹
بُت اور تعزیہ نیز ان دونوں کے چڑھاوے میں فرق ہے۔	۲۴۶	مناع للخیر پر وعید شدید ہے۔	۲۵۰
سبیل اور کھانا چائے بسکٹ وغیرہ جو رافضیوں کے مجمع کے لئے کئے جائیں ناجائز وگناہ ہیں ان میں چندہ دینا گناہ اور اس میں شامل ہونے والوں کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔ سبیل لگانا جائز ہے۔	۲۴۶	نالائق مدرس مقرر کرنا صحیح نہیں۔	۲۵۰
دیوبندی گمراہ بے دین ہیں۔	۲۴۷	بادشاہ اگر غیر مستحق کو کچھ دے تو دگنا ظلم کیا ایک غیر مستحق کو دینے کا اور دوسرا مستحق کو نہ دینے کا۔	۲۵۰
تعزیہ ناجائز ہے اور گھوڑا نکالنا بھی صحیح نہیں۔	۲۴۷	قول مشرک کو حکم شرع ماننا سراسر خلاف اسلام ہے۔	۲۵۰
اکابر کی نقل بنانی بے ادبی ہے۔	۲۴۷	مشرکوں کو خیر خواہ سمجھنا حماقت وجہالت ہے قرآن مجید سے دلیل۔	۲۵۰
گاندھی کے جلوس میں استقبال کے لئے جانا مسلمانوں کو کیسا ہے۔	۲۴۷	تین سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۲۵۱
کافر کو تعظیماً سلام کہنے والا کافر ہوجاتا ہے۔	۲۴۷	رابطہ شیخ جائز ومستحسن وسنت اکابر ہے۔	۲۵۲
ہنود کے میلوں میں بطور تماشائی جانے والا گنہگار ہے کافر نہیں۔	۲۴۸	مسلمان پر بلاوجہ شرعی حکم تکفیر خود قائل کے لئے مستلزم کفر ہے۔	۲۵۲
ایک جلسہ میں شرکت سے متعلق سوال وجواب۔	۲۴۸	تعزیر شرعی حاکم اسلام کی رائے پر ہے عام لوگوں کے ہاتھ میں نہیں سوائے اس کے کہ مقاطعہ کریں۔	۲۵۲
تین سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۲۴۸	بے علم مفتی اگر کچھ جاہلوں کا مقتدا ہو تو وہ حدیث مبارک "ضلّوا و اضلّوا" کا مصداق ہے۔	۲۵۲
ہر شخص سے جتنا تعلق حدود شرع سے باہر نہیں اپنے تنوع احوال پر جائز یا مستحسن یا فرض ہے اور جو حدود شرع سے باہر ہو باختلاف احوال مکروہ، ممنوع یا حرام ہے۔	۲۴۹		

بے علم کے فتوٰی دینے پر وعید شدید۔	۲۵۳	مکر شیطان کو دفع کرنے سے روکنا شیطان کے سوا کسی کا کام نہیں ہوسکتا۔	۲۵۶
نماز میں حضور قلب وخشوع وخضوع مغز مقصود اور اعز مطلوب ہے۔	۲۵۳	مسلمانوں پر فرض ہے کہ روافض ومرزائیہ اور ان کے معاونین کے فتنوں کا سدِّباب کریں۔	۲۵۷
باطل، ضعیف یا مشکوک مسائل پھیلا کر مسلمانوں میں اختلاف وفتنہ وفساد پیدا کرنا حرام ہے۔	۲۵۳	مساجد میں مشرکوں سے لیکچر کرانا حرام اور توہین مسجد ہے۔	۲۵۸
عالم دین نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۲۵۳	پابندی اسلام سے آزاد عالم قابل فتوٰی نہیں۔	۲۵۸
مسلمانوں میں بلاوجہ شرعی فتنہ واختلاف پیدا کرنا نیابت شیطان ہے۔	۲۵۳	کتا اگر جانماز پر چلا جائے اور اس کے پاؤں اور جانماز دونوں خشک ہوں تو جانماز کا دھونا لازم نہیں، یہی حکم مشرک کے بارے میں بھی ہے۔	۲۵۸
کسی کافر کو مہاتما کہنا سخت حرام ہے۔	۲۵۴	گاندھی کو امام بنانا اور ہندوؤں سے اتحاد منانا دشمنی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا مسلمان کا کام نہیں۔	۲۵۸
مہاتما کے معنی روح اعظم کے ہیں۔	۲۵۴	ترکوں کی حمایت اور خلافت کے نام پر مسلمانوں سے چندہ لینے والوں کے مقاصد کی نشاندہی۔	۲۵۸
روح اعظم حضرت جبریل علیہ السلام کا وصف ہے۔	۲۵۴	مرتد سے میل جول رکھنا اور فاسق سے بے ضرورت اختلاط مکروہ ہے۔	۲۶۰
فاسق کی مدح سرائی پر وعید۔	۲۵۴	وہابیہ دیوبندیہ ومخالفان دین وغلامان مشرکین کے جلسہ میں سنی کو شرکت حلال نہیں۔	۲۶۰
شرع شریف میں ہر کافر سے مطلقًا ترک موالات کا حکم ہے خصوصًا مرتدین سے۔	۲۵۴	بیس سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۲۶۱
معاملت وموالات الگ الگ چیزیں۔	۲۵۵	خلافت ترک صحیح ہے یا نہیں۔	۲۶۱
جب کوئی بددین مسلمانوں کو بہکائے تو اس کا دفع کرنا اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع کرنا فرض اعظم ہے۔	۲۵۶	خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والے کا کیا حکم ہے۔	۲۶۱
خلافت کمیٹی کا حیلہ اللہ تعالٰی کے فرض کو باطل نہیں کرتا۔	۲۵۶	حملہ آوروں کے خلاف بادشاہ اسلام کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں۔	۲۶۱

کیااہل اسلام کو خلیفہ کے مقابلے میں نصارٰی کی مالی مدد کرنا جائز ہے۔	۲۶۱	حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق یوم جمعہ میں ہوئی جو اس کی وجہ فضیلت ہے۔	۲۶۴
حکومت نصارٰی وکفار کے لشکر میں شامل ہو کر مسلمان سے مقاتلہ کرنا حرام ہے یانہیں، اور عمداً ایسا کرنے والوں کی کیا سزا ہے۔	۲۶۱	روز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے۔	۲۶۵
نصارٰی کی وہ ملازمتیں جن میں خلاف شرع فیصلے کرنے پڑیں جائز ہے یانہیں۔	۲۶۱	شرع مطہر میں تاریخ قمری معتبر ہے نہ کہ شمسی۔	۲۶۵
نصارٰی سے موالات، ان کی تعظیم، بڑے دن میں ان کو ڈالی دینا اور ان سے معاملہ بیع وشراء کا کیا حکم ہے۔	۲۶۲	ہولی ودیوالی کی تعظیم اور نیروز ومہرجان کے نام پر کچھ دینا جائز نہیں۔	۲۶۵
مشرکین سے اس طور پر مدد لینا کہ کوئی بات خلاف شرع لازم نہ آئے جائز ہے یانہیں۔	۲۶۲	شرکت کفر سے لزوم کفر ہے۔	۲۶۶
مسلمانوں کو علی گڑھ کالج کی امداد کرنا، اس میں بچوں کو پڑھوانا اور اس کی ملازمت کرنا کیسا ہے۔	۲۶۲	مباح کا فعل وترک یکساں ہے جب تک خارج سے کوئی وجہ داعی یامانع نہ پیدا ہو۔	۲۶۶
جزیرۃ العرب بالخصوص حرمین شریفین میں مشرکین ویہود ونصارٰی کا داخل ہونا ممنوع ہے یانہیں، اور جو شخص قصداً ان کو داخل کرے اس کے بارے میں کیا حکم شرعی ہے۔	۲۶۳	کسی امرِ مباح کو شرعاً فرض ٹھہرالینا قطعًا حرام اور شریعت پر افتراء ہے۔	۲۶۶
بلادِ اسلامیہ ومقامات مقدسہ اور مساجد خصوصًا مسجد اقصٰی پر نصارٰی کے قبضہ ہوجانے پر یا بے حرمتی ہونے کی حالت میں مسلمانوں پر جلسے کرنا اور ریزولیوشن پاس کرنا فرض ہے یانہیں۔	۲۶۳	علی گڑھ کالج کی حالت پیر نیچر کے زمانے میں اور اس کے بعد۔	۲۶۷
کتابیوں سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہیں جیسے ہنود مشرکین سے بدتر مرتدین ہیں جیسے وہابیہ خصوصًا دیوبندیہ۔	۲۶۴	درس نظامی میں شامل فلسفہ قدیمہ کی بعض کفریات کا تذکرہ۔	۲۶۷
شرک بدترین اصناف کفر سے ہے۔	۲۶۴	زید پکا سنی ہے مگر برادری کے وہابیوں کی چند عورات اس کے پاس آتی رہتی ہیں اور زید ان کی خوب خاطر مدارات کرتا ہے، کیاایسا کرنے سے اس کی سنیت میں فرق پڑتا ہے۔	۲۶۸
شرع میں ہر نبی کا یوم ولادت صاحب عظمت ہے۔	۲۶۴		

حدیث میں حکم ہے کہ رفاقت صرف مومن سے کر اور تیرا کھانا صرف پرہیزگار کھائے۔	۲۶۹	مشرکین کا مسجد میں مجمع توہین مسجد ہے۔	۲۷۳
گیارہ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۲۶۹	مالی جرمانہ منسوخ ہوچکا للذا کسی پر مالی جرمانہ ڈالنا حرام ہے۔	۲۷۳
مشرک وکافر کے جنازے کو کندھا دینا ضروری قرار دینے والا شریعت پر افتراء کرتا ہے۔	۲۷۰	منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۲۷۳
تعظیم مشرک کفر ہے۔	۲۷۱	فیصلہ معاملات کے لئے پنچایت میں درخواست دینے والوں سے پیسے وصول کرنا رشوت وحرام ہے۔	۲۷۳
مشرک کی جے پکارنا مشرک کا کام ہے۔	۲۷۱	کافر کی زمین پر مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مسجد مسجد ہوگی۔	۲۷۳
اگر کوئی جبرًا لوگوں کو ارزاں فروخت کرنے پر مجبور کرے تو ایسی اشیاء کو خریدنا اور کھانا حرام ہے۔	۲۷۱	پرائی زمین کو مسجد کے لئے وقف نہیں کیا جاسکتا۔	۲۷۴
مندر ماوائے شیاطین ہے اس میں مسلمان کو جانا منع ہے۔	۲۷۲	مسجد کے لئے کافر وقف نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا اہل نہیں۔	۲۷۴
مندر میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔	۲۷۲	مشرک سے امور دینیہ میں مدد لینا جائز نہیں۔	۲۷۴
قرآن عظیم کو مثل وید بتانا کفر ہے۔	۲۷۲	جس جلسہ میں مقررین وصدر وہابی، دیوبندی، نیچری اور ہندو وغیرہ ہوں اس میں شریک ہونا قطعی حرام اور سخت مضر اسلام ہے۔	۲۷۵
ہنود کے وید پر عمل کا حکم حکم کفر ہے۔	۲۷۲	تبجیل الکافر کفر۔	۲۷۵
حکم کفر کفر ہے۔	۲۷۲	غیر کافر کو کافر کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔	۲۷۵
شرعی فیصلے ہندو سرپنچ اور پنچ سے کرانا حرام اور بحکم قرآن سخت ضلالت ہے۔	۲۷۳	مشرک کے سوگ میں ہڑتال کرنا اور کاروبار بند کرنا حرام ہے۔	۲۷۶
مشرک کی خوشی کے لئے شعارِ اسلام بند کرنا حرام ہے۔	۲۷۳	تین دن سے زائد مسلمان کا سوگ منانا حرام ہے۔	۲۷۶
مولوی عبدالباری صاحب کی تصریح۔	۶۷۳	مشرک کی تعظیم کرنے والے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔	۲۷۷
مسجد میں سکونت وخورد ونوش غیر معتکف کو جائز نہیں۔	۲۷۳	غیر مقلدین ومرزائیہ سے نشست وبرخاست رکھنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم شرعی۔	۲۷۸

صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے گستاخوں کے پاس بیٹھنے والے کاانجام۔	۲۷۹	علماء دیوبند کی تکفیرنہ کرنے والوں کی اقتداء میں نماز کے جواز وعدم جواز کی تفصیل۔	۲۸۴
مرزاغلام احمد قادیانی کو مجدّد ومہدی یاپیغمبر ماننے والے مسلمان ہیں یانہیں،ان کا نکاح کسی عورت سے ہوسکتاہے یانہیں،اور جن عورتوں کانکاح ان سے کردیاگیاہے ان کے بارے میں کیاحکم ہے۔	۲۷۹	کون سے کافر کو کافرکہہ کرپکارنا منع ہے۔	۲۸۵
قادیانی ایسامرتد ہے جس کے کفرمیں شک کرنے والا بھی کافرومرتد ہے۔	۲۸۰	کافرکوکافرنہ جانناخود کفرہے۔	۲۸۵
تصرفات مرتدکے بارے میں فتاوٰی عالمگیریہ کی عبارت۔	۲۸۰	شرع مطہر میں کافرہرغیر مسلم کانام ہے۔	۲۸۵
طلاق بلانکاح نہیں ہوتی۔	۲۸۱	جس نے کفرکوکفرنہ جاناتوضرورکفرکواسلام جانا۔	۲۸۶
زناکے لئے عدت نہیں ہوتی۔	۲۸۱	کفراوراسلام میں تقابل تضاد ہے۔	۲۸۶
نکاح باطل سے نہ تونسب ثابت ہوتاہے نہ ہی عدت لازم ہوتی ہے۔	۲۸۱	اسلام کی ضد کفرہی ہے۔	۲۸۶
لوگوں کوکابل کی طرف مجبور کرنے والے واعظین سے متعلق استفتاء۔	۲۸۱	کفریات پرمشتمل چندکتابوں کے مصنفین کے نام۔	۲۸۶
ہندوستان دارالاسلام ہے اور دارالاسلام سے ہجرت فرض نہیں۔	۲۸۱	سیدناغوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی توہین کرنے والے رافضی ہیں یاوہابی،ان کے ساتھ میل جول مسلمانوں کو جائز نہیں۔	۲۸۷
عالم دین کے علم کی لوگوں کو محتاجی ہوتواس کو ہجرت تودرکنار طویل سفرکی بھی اجازت نہیں۔	۲۸۲	کفار سے میل جول رکھنے،ان کی تعظیم کرنے والے اور ملعون حرکات کرنے والے مسلمانوں کے بارے میں حکم شرعی کابیان، نیز چاراحادیث مبارکہ اور عبارات ائمہ سے ان کی مذمت۔	۲۸۸
علماء دیوبنداوران کی قابل اعتراض چند تصانیف کے بارے میں سوال وجواب۔	۲۸۲	ہنداورسندھ سے ہجرت کے متعلق ایک فارسی استفتاء اور اس کاجواب۔	۲۹۰
دیوبندیوں کایہ ظاہر کرنا کہ ہمارا وہ عقیدہ نہیں جو ہماری طرف منسوب کیاجاتاہے اور متعلقہ عبارت کی تاویل کرنامقبول ہے یانہیں۔	۲۸۲	اس بات پردلائل کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔	۲۹۱
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی فرض ہے۔	۲۸۴	جب کوئی حکم کسی علت کی وجہ سے ثابت ہوتوجب تک علت موجودرہے گی وہ حکم باقی رہے گا۔	۲۹۱

دارالاسلام میں جب تک کوئی حکم اسلامی موجود ہو تو وہ دارحرب نہ ہوگا اگرچہ مسلمانوں کی غلبہ ختم ہوگیا ہو۔	۲۹۲	ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ چندہ جمع کرنا اور اس کو رفاہ عام مسلمان کرنا مثلاً مرمتِ مسجد اور لاوارث مسلمانوں کی تجہیز و تکفین وغیرہ ممنوع ہے یا نہیں۔	۲۹۶
ہجرت کرنا دارِ کفر سے فرض ہے نہ کہ دارِ اسلام ہے۔	۲۹۲	مدینہ منورہ تمام شہروں سے افضل ہے۔	۲۹۷
ہجرت خاصہ اور ہجرت عامہ میں فرق۔	۲۹۲	مجاورتِ مدینہ منورہ ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔	۲۹۷
جس نے قصداً کلمہ کفر کہا یا اللہ تعالٰی ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی گستاخی کی تو وہ کافر ہوگیا اور اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی، پھر اگر مسلمان ہو اور توبہ کرے تو عورت کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے یا بعد عدّت کسی اور سے کرے۔	۲۹۴	خلافت اسلامیہ وہجرت عن الہند کے بارے میں مولانا عبد الباری اور ابو الکلام کی تحریک سے متعلق سوال۔	۲۹۸
عالم ہونے کی وجہ سے عالم دین کو برا کہنا کفر ہے اور بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۲۹۴	زبردستی نماز پڑھنے کو کہا اس نے انکار کردیا تو کیا حکم ہے۔	۲۹۸
بدمذہب وگمراہ اگرچہ عالم کہلاتا ہو اس کو برا کہا جائے گا مگر اسی قدر جتنے کا وہ مستحق ہے۔	۲۹۴	ذابح البقر کی بخشش ہوگی یا نہیں۔	۲۹۹
ہندو پنڈت سے ماتھے پر قشقہ (ٹیکہ) لگوانا کیسا ہے۔	۲۹۴	کالی بھوانی اور شیخ سدّو سے امداد طلب کرنا کیسا ہے۔	۲۹۹
ہندوؤں کے ساتھ غول باندھ کر گاتے بجاتے رامائن وغیرہ کتابوں کو باادب واحترام ساتھ لے کر ان کی مجلس تک مسلمان بھی گئے ان کا یہ عمل کیسا ہے۔	۲۹۵	o رسالہ **برکات الامداد لاھل الاستمداد** (محبوبانِ خدا سے مدد طلب کرنے کا ثبوت قرآن وحدیث کی روشنی میں)	۳۰۱
قرآن مجید کا رامائن اور بائیبل کے ساتھ ملا کر ہندوؤں کے ساتھ پوجا کیا جانا اور مندر میں لے جانا اور اس اہتمام میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔	۲۹۶	وہابیوں کے استعانت سے متعلق عقیدے اور اس پر بزعم خویش آیات قرآنیہ، قول سعدی، قول نظامی گنجوی او راقوال صوفیا علیہم الرحمہ سے استدلال کے بارے میں استفتاء۔	۳۰۱

وہابی حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے جو ہرگز نہ ہوگا۔	۳۰۲	وہابیہ اس استعانت کو بھی آیۃ کریمہ "وایّاک نستعین"میں داخل مانتے ہیں جو اللہ تعالٰی کے حق میں محال قطعی ہے۔	۳۰۴
آیہ کریمہ "انّی وجھت وجھی" کی تفسیر	۳۰۲	وہابیہ کے بیوقوفانہ سوال کا جواب آیت قرآنی سے۔	۳۰۴
وہابیوں کی بیان کردہ تفسیر پر متعدد خرابیوں کا لزوم	۳۰۳	غیر خدا سے استعانت کے جواز پر دوآیاتِ قرآنیہ اور تینتیس احادیث سے استدلال۔	۳۰۵
آیۃ کریمہ "وایاک نستعین"میں استعانت حقیقی کا حصر ہے نہ کہ مطلق کا۔	۳۰۳	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے مشرک غلام سے استعانت سے انکار فرمایا حالانکہ وہ دنیاوی طور پر امانت دار تھا۔	۳۰۸
مناجات سعدی ونظامی میں فریادرسی ویاوری حقیقی کا حصر حضرتِ عزت عزوجل میں ہے نہ کہ مطلق کا۔	۳۰۳	حدیث ربیعہ کی شرح۔	۳۰۹
استعانت حقیقیہ کا مطلب۔	۳۰۳	دنیا وآخرت کی سب مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اختیار میں ہے۔	۳۰۹
استعانت حقیقیہ کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے۔	۳۰۳	شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمہ کا ارشاد۔	۳۱۰
محبوبان خدا کو واسطہ وصولِ فیض اور ذریعہ ووسیلہ قضاءِ حاجات جاننا حق ہے۔	۳۰۳	ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا ارشاد	۳۱۰
قرآن مجید میں طلب وسیلہ کا حکم ہے۔	۳۰۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مالک ومختارِ جنت ہیں۔	۳۱۰
وجود حقیقی اور علم حقیقی اللہ تعالٰی کے ساتھ مختص ہیں مگر غیر خدا کے لئے ان کا اثبات شرک نہیں جب تک وجود حقیقی وعلم حقیقی مراد نہ لیا جائے، یہی حکم غیر خدا سے استعانت کا ہوگا کہ جب تک استعانت حقیقیہ کا ارادہ نہ ہو شرک نہ ہوگا۔	۳۰۳	امام ابن حجر مکی کا ارشاد	۳۱۰
خود اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کو علیم وعلماء کہا ہے۔	۳۰۳	تین وہابیت کُش حدیثیں۔	۳۱۷
استعانت کا کون سا معنی غیر خدا کے ساتھ مختص ہے کہ اس معنی کا اعتقاد کرتے ہوئے اللہ تعالٰی سے استعانت کفر ہے۔	۳۰۴	ان تصانیف جلیلہ کے نام جن میں مسئلہ استعانت وتوسل کے جواز کا ثبوت مذکور ہے۔	۳۱۹

در بارہ استعانت صوفیہ کرام کے اقوال وافعال سے دفتر بھرے ہیں۔	۳۲۰	اہل لاالٰہ الااللہ پر بدگمانی حرام اور ان کے کلام کو جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی معنی کفر کی طرف ڈھال لیجانا قطعاً گناہِ کبیرہ ہے۔	۳۲۹
فضائل ومناقب سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۳۲۱	بدگمانی کی ممانعت قرآن وحدیث سے، اور اس پر سخت وعیدیں۔	۳۲۹
حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالٰی سے متعلق ایک حکایت۔	۳۲۳	مسلمان انبیاء واولیاء کو عیاذًا باللہ خدا یا خدا کا ہمسر یا قادر بالذات یا معین مستقل نہیں جانتے بلکہ انہیں اللہ تعالٰی کے مقبول بندے اور اس کے حکم سے اس کی نعمتیں بانٹنے والا مانتے ہیں۔	۳۳۱
کونسی استعانت بالغیر جائز اور کون سی ناجائز ہے۔	۳۲۴	٥ رسالہ فقہ **شهنشاه وان القلوب بيدالمحبوب بعطاء الله** (رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شہنشاہ کہنا جائز ہے نیز اس بات کا ثبوت کہ محبوبان خدا کو بعطاء الٰہی دلوں کا مالک کہنا درست ہے)	۳۳۹
وہابیہ انبیاء واولیاء سے استعانت کو شرک قرار دیتے ہیں مگر خود حکیم، تھانہ دار، جمعدار، ڈپٹی اور جج وغیرہ سے استعانت کرتے ہیں۔	۳۲۵	مصنف علیہ الرحمۃ کے نعتیہ کلام کے مصرع "حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو" اور مدح غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مصرع "بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا" کے بارے میں سید محمد آصف صاحب علیہ الرحمہ کا استفسار۔	۳۳۹
وہابیہ کی طرف جہلاء کو دھوکہ دینے کے لئے زندہ ومردہ اور قریب وبعید کا فرق کرنا سخت جہالت بے مزہ ہے۔	۳۲۶	جواب سوال اول۔	۳۴۱
وہابیہ کا تراشیدہ نیا شگوفہ اور تین وجوہ سے اس کا رَد۔	۳۲۷	لفظ "شہنشاہ اولًا بمعنی سلطان عظیم السلطنۃ محاورات میں شائع و ذائع ہے۔	۳۴۱
پہلا رد (اولًا)	۳۲۸	عرف ومحاورہ کو افادہ مقاصد میں دخل تام ہے۔	۳۴۱
دوسرا رد (ثانیًا)	۳۲۸	امام ابو العلاء لیثی ناصحی کا لقب شاہانِ شہ، ملک الملوک تھا۔	۳۴۱
تیسرا رد (ثالثًا)	۳۲۹		

موقوفہ زمین سوسال کے لئے اجارہ پر دینا شرعًا جائز نہیں۔	۳۴۳	لفظ شہنشاہ کے منع وجواز کے بارے میں تحقیق مصنف علیہ الرحمہ۔	۳۴۷
امام ناصحی علیہ الرحمہ خود اپنے دستخط ملک الملوک کے ساتھ کیا کرتے تھے اور بعد کے علماء بھی آپ کو اسی لقب کے ساتھ ملقب کیا کرتے تھے۔	۳۴۳	لفظ شہنشاہ اور ملک الملوک کو اگر استغراقِ حقیقی پر محمول کریں تو یہ قطعًا مختص بحضرت عزت عزّجلالہ ہے اور اس معنی کے ارادے سے اس کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنا کفر ہے۔	۳۴۷
امر مذکورہ بالا پر متعدد حوالہ جات	۳۴۴	رب تعالٰی پر کسی اور کی سلطنت ماننا ہر کفر سے بدتر کفر ہے۔	۳۴۷
متعدد علماء کرام کے کلام واشعار جن میں لفظ شہنشاہ اور اس کے مترادفات کو استعمال فرمایا گیا ہے۔	۳۴۴	کوئی مسلمان استغراق حقیقی کے ارادے سے لفظ شہنشاہ غیر خدا کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نہ زنہار کلام مسلم میں یہ لفظ سن کر کسی کا اس طرف ذہن جاسکتا ہے بلکہ قطعًا عہد یا استغراق عرض مراد ہوتا ہے۔	۳۴۷
حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کا کلام	۳۴۴	قائل کا مسلمان ہونا قرینہ قاطعہ ہوتا ہے کہ اس کے کلام میں لفظ شہنشاہ وغیرہ سے مراد استغراق حقیقی نہیں بلکہ عہد یا استغراق عرفی ہے۔	۳۴۷
کلام شیخ سعدی علیہ الرحمہ	۳۴۵	"انبت الربیع البقل" اگر موحد کہے تو مجاز پر محمول ہوگا کیونکہ اس کا موحد ہونا اس پر قرینہ ہے۔	۳۴۷
کلام امیر خسرو علیہ الرحمہ	۳۴۶	کسی شخص موحد نے قسم کھائی کہ "لایدخل ھذہ الدار الاان یحکم علیہ الدھر" پھر اس گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور یہ کلام مجاز پر محمول ہوگا کیونکہ حالف کا موحد ہونا قرینہ ہے۔	۳۴۷
کلام خواجہ شمس الدین حافظ علیہ الرحمہ	۳۴۶	لفظ "شہنشاہ" میں محض احتمال استغراق حقیقی موجب منع نہیں ہوسکتا ورنہ ہزاروں الفاظ کہ تمام عالم میں دائروسائر ہیں ممنوع ہوجائیں گے۔	۳۴۷
کلام مولانا نظامی علیہ الرحمہ	۳۴۶	لفظ شہنشاہ کی وضع وترکیب جیسے متعدد الفاظ کی فہرست۔	۳۴۸
قاضی شیخ شہاب الدین کا تفسیر بحر مواج میں فرمان	۳۴۶	بعض علماء، ائمہ اور بزرگان دین کے القاب جلیلہ۔	۳۴۸

قاضی القضاۃ کا معنی	۳۴۸	علماء وصوفیاء کے بارے میں یہ گمان کرنے والا پکا مجنون ہوگا کہ انہوں نے لفظ شہنشاہ وغیرہ کو استغراق حقیقی کے ارادے سے استعمال کیا ہے۔	۳۵۱
امیر الامراء، خان خاناں اور بگاء بگ کا معنی	۳۴۹	امام ماوردی کا لقب اقضی القضاۃ تھا۔	۳۵۲
بگاء بگ ترکی زبان کا لفظ ہے۔	۳۴۹	لفظ اقضی القضاۃ اور قاضی القضاۃ نیز املک الملوک اور ملک الملوک میں فرق۔	۳۵۲
استغراق حقیقی وعموم پر رکھیں تو قاضی القضاۃ، حاکم الحاکمین، عالم العلماء اور سید الاسیاد قطعًا حضرت ربّ العزّت عزوجل کے لئے ہی خاص ہیں اور دوسرے پر ان کا اطلاق صریح کفر ہے۔	۳۴۹	سب سے پہلے اقضی القضاۃ کا لقب امام ماوردی کا ہوا۔	۳۵۲
بنظر حقیقت اصلیہ صرف قاضی وحاکم وسید وعالم بھی اللہ تعالٰی کے ساتھ ہی خاص ہیں۔	۳۴۹	سیدنا امام ابویوسف علیہ الرحمہ سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب ہوئے۔	۳۵۲
قرآن وحدیث سے مسئلہ مذکورہ کی تائید۔	۳۴۹	کوئی لفظ جب ارادۃً وافادۃً ہر طرح سے شناعت سے پاک ہو تو صرف احتمال باطل اسے ممنوع کردے گا۔	۳۵۳
امام الائمہ، شیخ الشیوخ اور شمس المشائخ وغیرہ القاب اپنے استغراق حقیقی پر یقینا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہیں اور دوسرے پر ان کا اطلاق کفر ہے۔	۳۵۰	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صدر اسلام میں ملک الملوک، سید، حکیم، ابوالحکم، مالک، خالد اور عزیز وغیرہ نام رکھنے اور غیر خدا پر ان کے اطلاق سے کیوں منع فرمایا حالانکہ قرآن وحدیث میں ان کا اطلاق غیر اللہ پر ہوا ہے۔	۳۵۴
کسی کو سرور دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امام وشیخ ماننا صراحۃً کفر ہے۔	۳۵۰	امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّد کہا۔	۳۵۷
اس بات پر دلیل کہ عرف عام میں امیر الامراء اور قاضی القضاۃ وغیرہ الفاظ میں استغراق حقیقی ارادۃً وافادۃً ہر طرح قطعًا متروک ومہجور ہے۔	۳۵۱	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ میری امت کے حکیم ہیں۔	۳۵۸
لفظ شہنشاہ سے عرف عام میں استغراق حقیقی مراد لینا متروک ہے اور نہ ہی یہ اس معنی کا فائدہ دیتا ہے۔	۳۵۱		

امام ابوبکر ابن ابی شیبہ امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ ہیں علیہم الرحمۃ۔	۳۵۸	سوم (ثالثًا)	۳۶۳
عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بیٹے سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے باپ کو کہا تو ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عزیز ہیں۔	۳۵۸	زبور میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا مالک کہا گیا۔	۳۶۳
صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں سے بیس سے زائد کا نام حکم، تقریبًا دس کا نام حکیم، ساٹھ سے زائد کا نام خالد اور ایک سو دس کا نام مالک ہے۔	۳۵۹	حضرت اعشٰی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ رسالت میں یوں فریاد کی: یامالک الناس ودیّان العرب۔	۳۶۴
ازروئے حدیث لفظ مفلس اور صرعہ کا معنی	۳۵۹	زمخشری معتزلی ہے۔	۳۶۴
وہابیہ وخوارج کی تجہیل بطور جملہ معترضہ۔	۳۶۰	لفظ اقضی القضاۃ کے اطلاق پر زمخشری کا اعتراض اور امام ابن المنیر کا جواب۔	۳۶۴
تحریم خمر کے موقعہ پر ابتداء نقیر مزفّت وغیرہ برتنوں کے استعمال سے روکا گیا پھر اجازت دے دی گئی۔	۳۶۱	چہارم (رابعًا)	۳۶۵
بالجملہ اکابر ائمہ وعلماء واولیاء نے مقصود پر نظر فرماکر لفظ شہنشاہ کا اطلاق فرمایا اور جن کی نظر لفظ پر گئی منع بتایا۔	۳۶۱	حدیث ابن النجار کی صحت ثابت نہیں۔	۳۶۵
فرمان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "من کان سامعا مطیعا فلا یصلّین العصر الافی بنی قریظۃ" پر صحابہ کرام کے دو گروہ ہوگئے ایک نے مقصود پر نظر کرتے ہوئے نماز عصر راستے میں ادا کرلی اور دوسرے نے لفظ پر نظر کرتے ہوئے نہ پڑھی۔	۳۶۱	حدیث ابوھریرہ بداہتًا طالب تاویل ہے جس کی علماء نے دو تاویلیں فرمائی ہیں۔	۳۶۵
دوم (ثانیًا)	۳۶۲	ملک الاملاک نام رکھنے سے اللہ یا رحمٰن نام رکھنا بدتر وخبیث تر ہے۔	۳۶۷
مانعین نے ظاہر نہی پر نظر کی کہ اس میں اصل تحریم ہے اور اطلاق کرنے والوں نے دیکھا کہ لفظ ارادۃ وافادۃ ہر طرح شناعت سے پاک ہے تو نہی تنزیہی ہوئی۔	۳۶۲	ابوالعتاہیہ شاعر نے اپنی ایک بیٹی کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن رکھا پھر اس سے توبہ کرلی تھی۔	۳۶۷
نہی تنزیہی کی مثالیں۔	۳۶۲		

قاطع ہر کلام یہ کہ حدیث کی تفسیر کرنے والا خود حدیث سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا۔	۳۶۸	ششم (سادسًا)	۳۷۷
حدیث "اغیظ رجلٍ علی اللہ" کی تاویل۔	۳۶۸	حدیث میں ممانعت شہنشاہ وغیرہ نام رکھنے کی ہے نہ کہ وصف بنانے کی۔	۳۷۷
پنجم (خامسًا)	۳۷۱	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے صحابی کے کسی دانت میں نوّے برس کی عمر تک جنبش نہیں ہوئی۔	۳۷۸
مالک الملوک نام رکھنے کی علت نہی بندے کا متکبر ہونا ہے۔	۳۷۱	ہفتم (سابعًا)	۳۷۸
علت منع تکبر کو مانا جائے تو ممانعت اپنے آپ کو خود شہنشاہ کہنے کی ہوگی، دوسرے نے اگر معظم دینی سمجھ کر تعظیم کی تو اس کو تکبر سے کیا نسبت۔	۳۷۳	"حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو" میں شہنشاہ سے مراد خود اللہ تعالٰی اور روضہ کا معنی خیابان، تو اسی روضہ شہنشاہ کا معنی ہوا خیابان الٰہی اور خدا کی کیاری۔	۳۷۸
حاصل یہ کہ لفظ شہنشاہ اور اس کے مترادفات سے تمام ممانعتیں تکبر سے بچنے کے لئے ہیں، اور تکبر خود اپنے کہنے سے ہے دوسرے کے کہنے سے نہیں، پھر اپنے آپ کو کہنے میں بھی حقیقةً حکم نیت پر دائر ہوگا، اگر بوجہ تعلی و تکبر ہے تو قطعًا حرام ورنہ نہیں۔	۳۷۴	روضہ کا معنی قبر نہیں بلکہ خیابان اور کیاری ہے۔	۳۷۸
اپنے غلام کو بلانیتِ تکبر کہا "اے میرے بندے" تو حرج نہیں۔	۳۷۴	قبر پر روضہ کا اطلاق تشبیہِ بلیغ ہے جیسے رایت اسدًا یرمی۔	۳۷۸
اپنے آپ کو عالم کہنا بر سبیل تفاخر ہو تو حرام، ورنہ جائز ہے۔	۳۷۵	حدیث میں قبرِ مومن کو روضة من ریاض الجنة کہا گیا۔	۳۷۸
اسبالِ ازار بطور تکبر ہو تو ناجائز ورنہ نہیں۔	۳۷۶	قرآن مجید میں مدینہ طیبہ کی تمام زمین کو ارض اللہ (اللہ کی زمین) کہا گیا۔	۳۷۹
بطور تکبر اسبالِ آزار پر سخت وعیدیں۔	۳۷۶	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاہ طیبہ بھی ہیں شاہ روئے زمین بھی اور شاہ تمام اولین وآخرین بھی، جن میں ملوک و سلاطین سب داخل ہیں۔	۳۷۹
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اسبال ازار سے متعلق اظہار تشویش اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جواب۔	۳۷۶	جواب سوال دوم۔	۳۷۹

الحق عزوجل ہی مقلب القلوب ہے۔	۳۷۹	حدیث سوم۔	۳۸۸
نہ صرف دل بلکہ عالم کے ذرّے ذرّے پر حقیقی قبضہ اسی کا ہے۔	۳۷۹	حدیث چہارم۔	۳۸۹
اللہ تعالٰی کی قدرت لامحدود اور اس کی عطا کا باب وسیع نامسدود ہے۔	۳۷۹	سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے سینے پر ہاتھ مار کر تمام حفظ کی ہوئی کتابیں یکسر محو کردیں اور ساتھ ہی علم لدنی سے اس کا سینہ بھردیا۔	۳۸۹
رب تعالٰی اپنے محبوبوں کو جس کے دست وپا، چشم وگوش اور دل وہوش پر چاہے قدرت دے اس کی قدرت میں کمی نہ عطا میں تنگی۔	۳۸۰	حدیث پنجم	۳۹۰
باذن الٰہی ملائکہ دلوں میں القائے خیر کرتے، نیک ارادے ڈالتے اور برے خطروں سے پھیرتے ہیں۔	۳۸۰	سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نے ایک آن میں اکابر علماء کو تمام عمر کا پڑھا لکھا بھلادیا اور پھر ایک آن میں واپس عطافرمادیا۔	۳۹۱
ملائکہ کی شان تو بلند ہے شیاطین کو قلوب عوام مس تصرف دیا ہے سوائے منتخب بندوں کے۔	۳۸۱	حدیث ششم۔	۳۹۲
اذان وتکبیر کی آواز سے شیطان گوز زناں بھاگ جاتا ہے۔	۳۸۲	سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کو مالک حقیقی نے تمام اولیاء کے قلوب واحوال پر تصرف بخشا ہے چاہے روک لیں چاہے چھوڑ دیں۔	۳۹۲
لمّہ شیطانی اور لمّہ ملکی دونوں مشہور اور حدیثوں میں مذکور ہیں پھر اولیائے کرام کو قلوب میں تصرف کی قدرت عطا ہونی کیا محل انکار ہے۔	۳۸۳	حدیث ہفتم	۳۹۲
فضائل ومناقب وکرامات سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ۔	۳۸۳	حدیث مفید مسلمین ومحافظ ایمان ودین۔	۳۹۴
حدیث اول	۳۸۳	**ضمیمہ عقائد وسِیَر**	
سرکار غوث اعظم نے حضرت ابوصالح کے دل کو ایک نگاہ میں تمام خطرات سے پاک فرمادیا۔	۳۸۳	آثار وتبرکات محبوبان خدا کا منکر آیات واحادیث کا انکار کرنے والا سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے۔	۳۹۸
امام اجل مصنف بہجۃ الاسرار کی جلالت شان اور اس کتاب کی صحت وعظمت۔	۳۸۴	آثار وتبرکات کے ثبوت پر سات دلیلیں۔	۳۹۸
امام شطنوفی علیہ الرحمہ کا مختصر تعارف۔	۳۸۴	حضور انور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف منسوب اشیاء کی تعظیم بھی دراصل تعظیم رسول ہی ہے۔	۴۰۲
حدیث دوم۔	۳۸۸		

نقشہ نعلین شریفین پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔	۴۱۳	بیعت سے منکر کا حکم۔	۵۱۵
نعل بحالت استعمال اور تمثال میں فرق بدیہی ہے۔	۴۱۳	شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ترجمہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ، یہ قطعًا عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔	۵۲۳
جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔	۴۱۵	صراط مستقیم سے مراد شریعت ہے۔	۵۲۳
تمام امت پر سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حق ہے کہ جب آپ کے آثار شریفہ یا ان پر دلالت کرنے والی کسی شے کو دیکھیں تو بکمال ادب وتعظیم آپ کا تصور لائیں اور بکثرت درود وسلام پڑھیں۔	۴۲۲	طریقت اگر شریعت سے جدا ہو تو وہ خدا تک نہیں بلکہ شیطان تک پہنچائے گی۔	۵۲۴
ذی روح کی تصویر بنانا حرام، اس پر ثواب کی نیت جہالت ہے۔	۴۳۹	معرفت وحقیقت مختلف درجات میں شریعت کے ہی نام ہیں۔	۵۲۶
قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت اور حقیقت سب کچھ ہے۔	۴۶۱	عمرو کا طریقت کو شریعت سے الگ کرکے حصر کردینا کہیں مقصود ہے اور اسی کے لئے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیم مبعوث ہوئے صراحتًا شریعت کو لغو وباطل کردیتا ہے۔	۵۲۸
اللہ تعالٰی تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بے وسیلہ رسائی دشوار عادی ہے۔	۴۶۴	شریعت کو لغو وباطل سمجھنا صریح کفر وارتداد ہے۔	۵۲۸
اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ رسول اللہ علیہ السلام اور آپ کی طرف وسیلہ مشائخ کرام ہیں۔	۴۶۴	اولیاء کبھی غیر علماء نہیں ہوسکتے۔	۵۳۰
خلافت عامہ اور خاصہ۔	۴۶۷	حق سبحانہ وتعالٰی کے متعلق بندوں کے پانچ علم ہیں: علم ذات، علم صفات، علم افعال، علم اسماء اور علم احکام۔ ان میں سے ہر پہلا دوسرے سے مشکل تر ہے۔	۵۳۰
خلافت کی سات قسمیں۔	۴۶۹	گمراہ وبدعقیدہ علماء وارث نبی نہیں، نائب ابلیس ہیں۔	۵۳۰
خلافت جیسے امور کے ثبوت کے لئے دو طریقے ہیں اتصال سنہ اور شہرت تقریر۔	۴۸۵	حدیث میں خلیفہ انبیاء ہونے کیلئے تین شرطیں ہیں: قرآن وحدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھے۔	۵۳۲
حضور کی شفاعت اہل کبائر کے لئے۔	۵۰۰	احکام شرع کی پابندی نہ کرنے والا زندیق ہے اور اس کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق عادات مکر واستدراج ہیں۔	۵۴۶

کرامت کی دو قسمیں ہیں: محسوس ظاہری، معقول معنوی۔	۵۴۹	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنے بال بطور تبرک صحابہ میں تقسیم کرائے۔	۴۰۰
اشغال واذکار اولیاء کبار میں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔	۵۷۵	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نعلین مبارک، جبّہ شریف، تہبند، کمبل اور رضائی وغیرہ تبرکات صحابہ وصحابیات رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے پاس محفوظ تھے جن سے وہ برکت وفیض حاصل کرتے اور لوگوں کو ان کی زیارت کراتے تھے۔	۴۰۱
ہیأت عبادات توقیفی ہے۔	۵۸۱	حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب اشیاء کی تعظیم بھی دراصل تعظیم رسول ہی ہے۔	۴۰۲
آثار مقدسہ اران سے تبرک وتوسل ٥ رسالہ **بدرالانوار فی آداب الآثار** (بزرگان دین کے آثار وتبرکات کی تعظیم اوران کی زیارت پر معاوضہ کا بیان)	۳۹۷	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ٹوپی میں موئے مبارک کی جلوہ گری۔	۴۰۳
فصل اول	۳۹۷	فصل دوم۔	۴۰۳
آثار وتبرکات محبوبان خدا کا منکر آیات واحادیث کا انکار کرنے والا سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے اس پر توبہ فرض ہے۔	۳۹۸	برکت آثارِ بزرگان دین سے انکار آفتابِ روشن کا انکار ہے۔	۴۰۴
آثار وتبرکات کے ثبوت پر سات دلیلیں۔	۳۹۸	اولیاء وعلماء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ورثاء ہیں۔	۴۰۴
آیت کریمہ "انّ اول بیتٍ وضع للناس الخ" کی تفسیر۔	۳۹۸	برکت آثار بزرگان دین سے متعلق متعدد ائمہ وعلماء کی عبارات۔	۴۰۴
مقام ابراہیم میں کیا آیات بینات ہیں۔	۳۹۸	فصل سوم۔	۴۱۲
آیۃ کریمہ "قال لھم نبیھم ان آیۃ ملکہ" الخ کی تفسیر۔	۴۰۰	تبرک آثار شریفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیسا ہے اور اس کے لئے ثبوت یقینی درکار ہے یا صرف شہرت کافی ہے۔	۴۱۲
تابوت سکینہ میں کون کون سے تبرکات تھے۔	۴۰۰	نعلین شریفین کی تمثال (تصویر) کو بوسہ دینا کیسا ہے اور اس کے اوپر کچھ مقدس کلمات تحریر کرنا کیسا ہے۔	۴۱۲

فی الواقع آثار شریفہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تبرک سلفاً خلفاً زمانہ اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک بلانکیر رائج ومعمول اور بہ اجماع مسلمین مندوب ومحبوب، اور بکثرت احادیث اس پر ناطق ہیں، ایسی جگہ ثبوت یقینی اور سند محدثانہ کی اصلاً حاجت نہیں۔	۴۱۲	تابوتِ سکینہ میں کیا ہے۔	۴۱۴
سرکار کی تعظیم کا ایک طریقہ آپ کے تمام متعلقات کی تعظیم ہے۔	۴۱۲	تواتر سے ثابت ہے کہ جس چیز کو کسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہوتا صحابہ وتابعین وائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم وحرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے۔	۴۱۴
برکات نقش نعل پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۱۳	تبرکات وآثار رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے کسی سند کی حاجت نہیں۔	۴۱۵
نقشہ نعلین شریفین پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔	۴۱۳	جو چیز حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔	۴۱۵
نعل بحالتِ استعمال اور تمثال میں فرق بدیہی ہے۔	۴۱۳	شفاء شریف، مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ سے تائید۔	۴۱۵
امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جانورانِ صدقہ کی رانوں پر حُبِسَ فی سبیل اللہ داغ فرمایا تھا۔	۴۱۴	ائمہ دین نے نعل اقدس کی شبیہ ومثال کی تعظیم سے صدہا مددیں پائیں اور اس باب میں مستقل کتب تصنیف فرمائیں۔	۴۱۵
فصل چہارم۔	۴۱۴	نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین، ردائے اقدس، جبہ مقدسہ اور عمامہ مکرمہ واجب التعظیم ہیں۔	۴۱۵
متعلقہ آثار مقدسہ۔	۴۱۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ملبوسات شریفہ سے آپ کے ناخن مبارک ہزاروں درجے اعظم واعلیٰ واکرم واولیٰ ہیں۔	۴۱۵
بلاسند تبرکات شریفہ کی زیارت، ان کو مصنوعی کہنا، ان پر زائرین سے نذرانہ وصول کرنا یا نذرانہ مانگنا کیسا ہے۔	۴۱۴	حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک، آپ کی ریش مبارک کا بال ارفع واعلیٰ ہے جس کی عظمت کو ہفت آسمان وزمین نہیں پہنچ سکتے۔	۴۱۵
نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آثار وتبرکات شریفہ کی تعظیم فرض عظیم ہے۔	۴۱۴	تعظیم آثار مقدسہ کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اشتہار کافی ہے۔	۴۱۵

بے ادراک سند تعظیم آثار مقدسہ کی تعظیم سے باز رہنے والوں کا دل بیمار ہے۔	۴۱۵	زیارت آثار شریفہ کوئی ایسی چیز نہیں جو زیر اجارہ داخل ہو۔	۴۱۸
مستند آثار مقدسہ کی تعظیم نہ کرنے والا کافر ہے یا منافق۔	۴۱۵	اجرت مجہول ہو تو اجارہ ناجائز وحرام ہے۔	۴۱۸
بلاثبوت شرعی کسی خاص شخص پر بدگمانی ناجائز وگناہ وحرام ہے۔	۴۱۶	زیارت آثار مقدسہ و تبرکات شریفہ پر نذرانہ کے جواز کی ایک صورت۔	۴۱۸
بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔	۴۱۶	اعانت مسلمین ثواب ہے۔	۴۱۹
تبرکاتِ شریفہ کی زیارت کرانے پر لوگوں سے کچھ مانگنا سخت شنیع ہے۔	۴۱۶	اولاد عبدالمطلب کے حسن سلوک کا صلہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عنایت فرمائیں گے۔	۴۱۹
بلاعذر سوال کرنا حرام ہے۔	۴۱۶	مستحب کے حصول کے لئے حرام کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔	۴۱۹
دین کے نام سے دنیا کمانا بہت برا ہے۔	۴۱۶	جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔	۴۱۹
آثارِ مقدسہ کو پیسے کمانے کے لئے شہر بہ شہر لئے پھرنا ان کی توہین ہے۔	۴۱۷	تندرست اور کسب پر قادر بھکاری کو دینا حرام ہے۔	۴۲۰
حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں کو گھر آکر پڑھانے کی درخواست کی تو امام مالک نے اس کو مسترد کردیا۔	۴۱۷	فصل پنجم۔	۴۲۰
امام نخعی نے خلیفہ وقت کے بیٹوں کو خلیفہ کے گھر پڑھانے سے انکار کردیا۔	۴۱۷	نقل روضہ منورہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور نقل روضہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تعزیے میں فرق، ان کی تعظیم وتکریم کا حکم شرعی۔	۴۲۰
شرع مطہرہ کا قاعدہ کلیہ ہے کہ المعہود کالمشروط۔	۴۱۷	تمام اُمت پر سرکارِ دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ حق ہے کہ جب آپ کے آثار شریفہ یا ان پر دلالت کرنے والی کسی شے کو دیکھیں تو بکمال ادب و تعظیم آپ کا تصور لائیں اور بکثرت درود وسلام پڑھیں۔	۴۲۲
زیارت تبرکات شریفہ پر اجرت بچند وجوہ حرام ہے۔	۴۱۸	تعزیہ ہرگز نقل روضہ امام حسین نہیں اور نہ بنانے والے اس کا قصد کرتے ہیں۔	۴۲۳

تعزیہ داری کی قباحتیں۔	۴۲۳	حدیث ۵۔	۴۲۸
ومایؤدی الی محظور محظور۔	۴۲۴	حدیث ۶	۴۲۸
٥ رسالہ **شفاء الواله فی صور الحبیب ومزاره ونعاله** (قدم شریف اور مقامات مقدسہ کے نقشے بنانا جائز جبکہ جاندار خصوصًا اولیاء کرام کی تصویریں بنانا ناجائز وگناہ ہیں)۔	۴۲۵	ظالم، ہٹ دھرم اور مصور کیلئے وعید شدید	۴۲۸
چار سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۴۲۵	حدیث ۷	۴۲۹
ابلیس کے مکروں میں سے سخت تر یہ ہے کہ حسنات کے دھوکے میں سیئات کراتا ہے۔	۴۲۶	تمام دوزخیوں سے سخت ترین عذاب کن لوگوں کو ہوگا۔	۴۲۹
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا اور اعزازًا اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا ہے اور دور کرنے اور مٹانے کا حکم دیا ہے۔	۴۲۶	حدیث ۸	۴۲۹
تصویر کے بارے میں وعید پر مشتمل بعض احادیث کریمہ جو حدِ تواتر میں ہیں۔	۴۲۶	پانچ اشخاص اشد عذاب میں مبتلا ہوں گے۔	۴۲۹
حدیث ۱۔	۴۲۷	حدیث ۹	۴۲۹
ہر مصور جہنم میں ہے۔	۴۲۷	حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ایک واقعہ کہ انہوں نے ایک منقش پردہ لٹکایا جس پر حضور علیہ السلام ناراض ہوئے اور پردہ اتار دیا۔	۴۲۹
حدیث ۲۔	۴۲۷	جس گھر میں تصویریں ہوں اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔	۴۳۰
بیشک نہایت سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں کو ہے۔	۴۲۷	حدیث ۱۰	۴۳۰
حدیث ۳۔	۴۲۷	مورتوں کے سر کاٹنے اور تصویر دار پردوں کو کاٹ کر پھینکنے کا حکم۔	۴۳۰
مصور سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں ہوسکتا۔	۴۲۷	حدیث ۱۱ تا ۱۴	۴۳۱
حدیث ۴۔	۴۲۷	ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جہاں تصویر اور کتا ہو۔	۴۳۱
مصوروں کو روزِ قیامت عذاب ہوگا اور صورتوں میں جان ڈالنے کا حکم ہوگا۔	۴۲۸	حدیث ۱۵	۴۳۱
		گھر میں تین چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی فرشتہ رحمت گھر میں داخل نہیں ہوتا۔	۴۳۱

حدیث ۱۶و۱۷و۱۸	۴۳۱	جن پانچ بتوں یعنی وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر سورہ نوح میں ہے یہ پانچ بندگان صالحین تھے۔	۴۳۳
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کا ایک واقعہ۔	۴۳۲	حدیث ۲۲	۴۳۴
حدیث ۱۹	۴۳۲	فتح مکہ کے موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کعبہ میں داخل ہونے اور تصاویر واصنام سے کعبہ کو پاک کرنے کا واقعہ۔	۴۳۴
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس چیز میں تصویر دیکھتے اسے توڑے بغیر نہ چھوڑتے۔	۴۳۲	حدیث ۲۳تا۲۵	۴۳۶
حدیث ۲۰	۴۳۲	فتح مکہ کے روز حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی تطہیر کا حکم دیا تو آپ نے اور دیگر صحابہ نے زمزم کے پانی سے کعبہ کو اندر باہر سے دھویا اور چادریں بھگو بھگو کر تصاویر کو مٹایا۔	۴۳۷
تصویریں مٹانے اور حدِ شرع سے بلند قبروں کو پست کرنے کا حکم۔	۴۳۲	حضرت اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانی کا ڈول منگوا کر دو تصویروں کو مٹانے میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔	۴۳۷
بلندی قبر کی حدِ شرع ایک بالشت ہے۔	۴۳۲	حدیث ۲۶۔	۴۳۷
حدیث ۲۱	۴۳۳	بعض امہات المومنین کی طرف سے ماریہ نامی گرجے کا ذکر بارگاہ رسالت میں کرنا اور آپ کا اس پر ردِّ عمل کر اظہار فرمانا۔	۴۳۸
بتوں کو توڑنے اور تصویروں کو مٹانے کا حکم۔	۴۳۳	حدیث ۲۷	۴۳۸
معظمین کی تصاویر کو مٹانے والے حکم سے مستثنٰی ماننا باطل ہے۔	۴۳۳	جب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ شام تشریف لے گئے ایک زمیندار نے آپ کو دعوت پر بلایا تو آپ نے فرمایا ہم ان کنیسوں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں۔	۴۳۸
شرع مطہر میں زیادہ شدتِ عذاب تعظیم تصاویر پر ہی آئی ہے۔	۴۳۳	ذی روح کی تصویر بنانا حرام، اس پر ثواب کی نیت جہالت ہے۔	۴۳۹
ابتدائے بت پرستی تعظیم تصاویر معظمین سے ہوئی۔	۴۳۳	تصاویر ذوی الارواح کو نظر عوام وجہال سے بچا کر بیابان جنگل میں دفن کردینا چاہیے۔	۴۳۹

یا اس طرح دریابُرد کردیا جائے کہ پھر کبھی ظاہر نہ ہوں۔	۴۳۹	اسماء گرامی ان ائمہ واعلام کے جنھوں نے نعل مبارک کے نقشے بنوائے، تلامذہ کو دیئے، ان سے تبرک کیا، مدحیں لکھیں اور سر وآنکھوں پر رکھنے اور بوسہ دینے کی ترغیبیں کی ہیں۔	۴۵۳
روضہ مقدسہ کا نقش بنانا بالاجماع جائز ہے۔	۴۳۹	امام ابواویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک کا مختصر تذکرہ۔	۴۵۳
کن کن اکابر دین نے مزار مقدس اور نعل پاک کے نقش بنائے، ان کی تعظیم کی اور ان سے تبرک حاصل کرتے رہے اور اس سلسلہ میں ان کے ارشادات عالیہ کیا ہیں۔	۴۳۹	اسمٰعیل بن ابی اویس کا تذکرہ۔	۴۵۴
دلائل الخیرات کی عظمت شان۔	۴۴۶	ان پانچ علماء کرام کا ذکر جن کی امامت کبریٰ پر اجماع اور ان کی جلالت شان مشہور ومعروف ہے۔	۴۵۶
روضہ مبارکہ کا نقشہ بنانے کے فوائد۔	۴۴۷	بالجملہ مزار مقدس کا نقشہ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین سے ثابت ہے۔	۴۵۶
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اسرار سے فائدہ اٹھانے اور آپ کے انوار سے پھول چننے کی صورت۔	۴۴۸	ارشاداتِ ائمہ واعلام کے مقابل قول این وآں قابلِ استدلال نہیں۔	۴۵۷
ذکر کے وقت صورت رسول علیہ الصلٰوۃ والسلام کا تصور دل میں جمائیں۔	۴۴۸	**تصوّف وطریقت** (بیعت، سجادہ نشینی، تصورِ شیخ، مراقبہ اور پیری مریدی کے احکام)	۴۵۹
نعل مقدس کے نقش کا احترام مثل نعل مقدس چاہیے۔	۴۴۸	شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت میں باہم اصلاً کوئی تخالف نہیں۔ اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور اگر سمجھ کر کہے تو گمراہ وبددین ہے۔	۴۶۰
برکت وعظمتِ نقشِ نعلِ رسول میں ابوالیمن کا ایک قصیدہ۔	۴۵۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اقوال شریعت آپ کے افعالِ طریقت، آپ کے احوال حقیقت اور آپ کے علوم بے مثال معرفت ہیں۔	۴۶۰
وصف نقشہ نعل مبارک میں ابن المرحل کا قصیدہ۔	۴۵۱	o رسالہ **نقاء السلافة فی احکام البیعة والخلافة** (بیعت وخلافت اور سجادہ نشینی کے احکام کا بیان)	۴۶۱
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے نقش نعل مبارک کی برکت سے درد دور ہوگیا۔	۴۵۲	قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت اور حقیقت سب کچھ ہے۔	۴۶۱
نقش نعل مبارک کی آزمودہ برکات۔	۴۵۳		

قرآن وحدیث کو سمجھنے کیلئے علماء ومشائخ اور ائمہ کی ضرورت ہے۔	۴۶۱	مولوی عبدالسمیع صاحب مصنف انوارِ ساطعہ کی طرف سے تعدد بیعت سے متعلق استفتاء پیر صادق کے ہوتے ہوئے غیر کے ہاتھ پر بیعت پریشان نظری وباعث محرومی ہے۔	۴۷۴
یہ سلسلہ مقرر ہے کہ عوام آج کل کے علماءِ دین کادامن تھامیں اور وہ تصانیف علماء ماہرین کااور وہ مشائخ فتوٰی کااور وہ ائمہ ہدٰی کا اور وہ قرآن وحدیث کا۔	۴۶۲	پیر صادق قبلہ توجہ ہے۔	۴۷۵
غیر مقلدین کی گمراہی کاسبب	۴۶۳	صاحب تحری کا قبلہ قبلہ تحری ہے۔	۴۷۵
سلوک کی باریکیاں اور معرفت کی حقیقتیں سمجھنے کے لئے مرشد کی ضرورت۔	۴۶۳	فیض پیر من وسلوٰی ہے۔	۴۷۶
آدمی کتنا ہی بڑا عالم، عامل، زاہد، کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے، ہمت پست کوتاہ دست لوگ اگر سلوک نہ بھی چاہیں تو انہیں توسّل کے لئے شیخ کی حاجت ہے۔	۴۶۳	باپ پدرِ گِل ہے اور پیر پدرِ دِل ہے۔	۴۷۶
اللہ تعالٰی تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بے وسیلہ رسائی دشوار عادی ہے۔	۴۶۴	مولٰی معتق مشتِ خاک ہے اور پیر معتق جانِ پاک۔	۴۷۶
اللہ تعالٰی کی طرف سے وسیلہ رسول اللہ علیہ السلام اور آپ کی طرف وسیلہ مشائخ کرام ہیں۔	۴۶۴	حضرت علی بن ہیتی کے ایک مرید کا واقعہ جس کو آپ نے ملازمتِ غوث اعظم اختیار کرنے کاحکم دیا۔	۴۷۷
سند سے حصول برکت۔	۴۶۵	سجادہ نشین کامعاون مقرر کرنا۔	۴۷۷
خواجہ رتن بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کاتذکرہ۔	۴۶۵	صرف ایک پیر کی بیعت۔	۴۷۷
فضائل ومناقب سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۶۶	مسئلہ منقولہ از فتاوٰی افریقہ۔	۴۷۷
خلافت عامہ اور خاصہ۔	۴۶۷	"جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے" کی تحقیق	۴۷۹
سجادہ نشین مقرر کرنے کی صورتیں۔	۴۶۸	مرشد وہادی دو طور پر ہے عام اور خاص	۴۸۰
خلافت کی سات قسمیں۔	۴۶۹	سجادہ نشین کے متعلق چند مسائل۔	۴۸۱
افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۷۰	خلافت جیسے امور کے ثبوت کے لئے دو طریقے ہیں، اتصال سند اور شہرت تقریر۔	۴۸۵
ابوالحسن خرقانی ابویزید بسطامی کے خلیفہ ہیں رحمۃ اللہ علیہما۔	۴۷۲		

البقاء اسھل من الابتداء	۴۹۱	سچا سنی کبھی بے پیرا نہیں۔	۵۱۱
بنی اسرائیل سے عمالقہ تابوتِ سکینہ چھین کر لے گئے جو مدتہا مدت کے بعد واپس ہوا۔	۴۹۱	بارہ فرقوں کا پیر شیطان ہے۔	۵۱۱
قرامطہ کعبہ معظّمہ سے حجرِ اسود اکھاڑ کر ہجر کو لے گئے اور بائیس برس بعد مسلمانوں نے اس کو واپس پایا۔	۴۹۱	فلاح تقویٰ کے لئے مرشد خاص کی ضرورت نہیں۔	۵۱۳
پیر کے لئے چار شرطیں۔	۴۹۱	سلوک کی عام دعوت نہیں اور نہ ہر شخص اس کا اہل ہے۔	۵۱۴
عورت مرشد نہیں بن سکتی۔	۴۹۴	بیعت سے منکر کا حکم۔	۵۱۵
فلاح دو قسم ہے۔	۴۹۷	فلاح انسان کے لئے مرشد خاص کی ضرورت۔	۵۱۶
حضور کی شفاعت اہل کبائر کے لئے	۵۰۰	سلوک میں کیسے پیر کی ضرورت ہے۔	۵۱۶
فلاح باطن	۵۰۴	آیتِ وسیلہ کے لطائف۔	۵۱۸
مرشد دو قسم ہے عام اور خاص	۵۰۵	حاصل تحقیق۔	۵۱۹
مرشدِ اتصال کی چار شرطیں۔	۵۰۵	○ رسالہ **مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء** (علم وعلماء شریعت کی فضیلت کا بیان اور شریعت وطریقت کے بارے میں ایک شخص کے دس اقوال شنیعہ کا ردِّ بلیغ)	۵۲۱
پیر کے لئے علم کی شدید ضرورت ہے۔	۵۰۶	العلماء ورثۃ الانبیاء کا مصداق کون سے علماء ہیں۔	۵۲۱
مرشد ایصال اور اس کی شرطیں۔	۵۰۷	یہ قول کہ "شریعت چند احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے" محض اندھاپن ہے۔	۵۲۳
بیعت دو قسم ہے بیعتِ تبرک اور بیعت ارادت۔	۵۰۷	شریعت تمام احکام جسم وجان وروح و قلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔	۵۲۳
صرف بیعت تبرک کے فوائد۔	۵۰۷	جملہ اولیائے کرام کا اجماع قطعی ہے کہ تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں تو حق ومقبول ورنہ مردود ومخذول۔	۵۲۳
بیعتِ ارادت اور پیر کو کیسا سمجھے۔	۵۰۹	یقیناً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط ومدار ہے اور شریعت ہی محک ومعیار ہے۔	۵۲۳
مرشد عام سے جدائی دو قسم ہے۔	۵۱۱		

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ترجمہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ، یہ قطعًا عام ومطلق ہے نہ کہ چند احکام جسمانی سے خاص۔	۵۲۳	شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دین عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں۔	۵۲۶
صراطِ مستقیم سے مراد شریعت ہے۔	۵۲۳	معرفت وحقیقت مختلف درجات میں شریعت کے ہی نام ہیں۔	۵۲۶
شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اس کے سوا جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔	۵۲۳	ابلیس فانوسِ شریعت کو بجھانے کے لئے کئی حیلوں اور بہانوں سے بندے کو دھوکا دیتا ہے۔	۵۲۶
عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے۔	۵۲۴	شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر ہر لمحے مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ ہے۔	۵۲۷
طریق، طریقہ اور طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو۔	۵۲۴	جاہل عابد اور بے باکانہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے عالم کی مذمّت۔	۵۲۷
طریقت اگر شریعت سے جدا ہو تو وہ خدا تک نہیں بلکہ شیطان تک پہنچائے گی۔	۵۲۴	بغیر فقہ کے عبادت کرنے والا چکی کھینچنے والے گدھے کی مثل ہے۔	۵۲۷
طریقتِ حقہ راہ ابلیس نہیں بلکہ راہِ خدا ہے تو یقینًا وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔	۵۲۴	شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل اس کی چنائی ہے اور اس عمارت کی بلندی طریقت ہے۔	۵۲۸
طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے وہ اتباعِ شریعت ہی کا صدقہ ہے۔	۵۲۴	صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔	۵۲۸
شریعت کو قطرہ اور طریقت کو دریا کہنا پکے پاگل کا کام ہے۔	۵۲۴	ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔	۵۲۸
شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہو دریا بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعال ہے۔	۵۲۵	بے علم مجاہدہ کرنے والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے۔	۵۲۸
منبع و دریا اور شریعت وطریقت میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔	۵۲۵	عمرو کا طریقت کو شریعت سے الگ کرکے حصر کردینا کہ یہی مقصود ہے اور اسی کے لئے انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیم مبعوث ہوئے صراحتًا شریعت کو لغو وباطل کردینا ہے۔	۵۲۸

شریعت کو لغو و باطل سمجھنا صریح کفر وارتداد ہے۔	۵۲۸	ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا (الآیۃ) کی تفسیر۔	۵۳۰
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمر بھر شریعت کی طرف ہی بلایا تو اس کا خادم اور اس کا عالم کیونکر ان کا وارث نہ ہوگا۔	۵۲۹	عالم باعمل چاند اور عالم بے عمل شمع ہے۔	۵۳۱
وارث ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ مورث کا کل مال پائے۔	۵۲۹	حدیث میں خلیفہ انبیاء ہونے کے لئے تین شرطیں ہیں: قرآن وحدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھے۔	۵۳۲
علماء شریعت سے وراثت انبیاء کا سلب کرنا جنون محض ہے۔	۵۲۹	خلیفہ ووارث میں فرق ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔	۵۳۲
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی، انکے علوم نبوت کو شریعت کہتے ہیں جن کی طرف عام امت کو دعوت دیتے ہیں اور علوم ولایت خاص خاص لوگوں کو خفیہ تعلیم دیتے ہیں۔	۵۲۹	قرآن مجید نے سب وارثان کو چنے ہوئے بندے کہا تو وہ قطعًا اللہ والے ہوئے جب اللہ والے ہوئے تو ضرور ربانی ہوئے۔	۵۳۲
اولیاء کبھی غیر علماء نہیں ہوسکتے۔	۵۳۰	ربانیوں کی صفات قرآن مجید کی رو سے۔	۵۳۲
علم باطن وہی جان سکتا ہے جو علم ظاہر جانتا ہے۔ (امام مالک)	۵۳۰	ربانی عالم فقیہ مدرس کو کہتے ہیں۔	۵۳۳
اللہ تعالٰی نے کبھی جاہل کو اپنا ولی نہیں بنایا۔ (امام شافعی)	۵۳۰	علماء شریعت ہی علمائے ربانی ہیں۔	۵۳۳
علم باطن علم ظاہر کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔	۵۳۰	علماء شریعت کو شیطان کہنے والے ابلیس یا اس کی ذرّیت کے منافق خبیث ہیں۔	۵۳۳
حق سبحانہ وتعالٰی کے متعلق بندوں کے پانچ علم ہیں: علم ذات، علم صفات، علم افعال، علم اسماء اور علم احکام۔ ان میں سے ہر پہلا دوسرے سے مشکل تر ہے۔	۵۳۰	تین شخصوں کے حق کو صرف منافق ہی ہلکا جانے گا۔	۵۳۳
جو آسان ترین یعنی علم احکام سے عاجز ہو وہ مشکل ترین یعنی علم ذات کو کیسے پاسکتا ہے۔	۵۳۰	انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے۔	۵۳۴
گمراہ وبدعقیدہ علماء وارث نبی نہیں نائب ابلیس ہیں۔	۵۳۰	علمائے شریعت ہرگز طریقت کے سدِّراہ نہیں بلکہ وہی اس کے فتح باب اور نگہبان راہ ہیں۔	۵۳۵

ساٹھ ۶۰ اقوالِ اولیائے کرام عظمتِ شریعت پر اور اس بات پر کہ طریقت اس سے جدا نہیں، طریقت محتاج شریعت ہے اور شریعت ہی اصل کار و مدار و معیار ہے۔	۵۳۵	تصوف تین وصفوں کا نام ہے۔	۵۴۳
حضرت جنید بغدادی کو ان کے مرشد حضرت سری سقطی کی دعا۔	۵۳۸	حضرت ابو علی رودباری بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۴
جو علم شریعت سے آگاہ نہیں اسے پیر نہ بنایا جائے۔	۵۳۹	کتاب التعرف لمذہب التصوف کی فضیلت۔	۵۴۴
علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔	۵۳۹	سیدنا جعفر بن محمد خواص سیدنا جنید بغدادی کے خلیفہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۴۵
حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے قبلہ کی طرف تھوکنے والے کو ولی تسلیم نہیں کیا۔	۵۳۹	علم احکام الٰہی کی فضیلت۔	۵۴۵
حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۰	سید داؤد کبیر سید محمد دنی شاذلی کے پیر و مرشد ہیں۔	۵۴۵
حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۰	سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ سہروردیہ ہیں۔	۵۴۵
حضرت سیدنا ابو عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اپنے بیٹے کو وصیت۔	۵۴۱	جس حقیقت کو شریعت رَد کردے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔	۵۴۶
حضرت سیدنا ابوالحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۱	شریعت کی پرواہ نہ کرنے والے جعلی صوفیاء سے چور اور زانی بہتر ہیں۔	۵۴۶
حضرت سیدنا ابو حفص عمر حداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۱	احکام شرع کی پابندی نہ کرنے والا زندیق ہے اور اس کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے خوارق عادات مکر و استدراج ہیں۔	۵۴۶
حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری اور ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ذکر خیر۔	۵۴۲	شریعت و طریقت کو جدا سمجھنے والے ظاہر بین ہیں۔	۵۴۸
حضرت مشاد دینوری رضی اللہ تعالٰی عنہ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ کے مرجع ہیں۔	۵۴۲	مدعی تصوف اگر شریعت و طریقت کو جدا بتائے تو دروغ گو اور لاف زن ہے۔	۵۴۸
		سَو بات کی ایک بات یہ ہے کہ ولی کا علم کتاب وسنت سے باہر نہ جائے گا۔	۵۴۹

کرامت کی دو قسمیں ہیں (۱) محسوس ظاہری، (۲) معقول معنوی۔	۵۴۹	پیری مریدی کی شرائط۔	۵۶۶
کرامات محسوسہ اور کرامت معنویہ کی تفصیل۔	۵۴۹	خاتمہ رزقنااللہ حسنہا۔	۵۶۸
عوام صرف کراماتِ محسوسہ کو جانتے ہیں اور کراماتِ معنویہ کو صرف خواص پہچانتے ہیں۔	۵۴۹	o رسالہ **الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة** (تصور شیخ اور شغل برزخ کے اثبات پر دلائل وبراہین)	۵۶۹
عالم اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے۔	۵۵۰	تصور شیخ بروجہ رابطہ جس کو برزخ بھی کہتے ہیں شرعًا جائز ہے اس کے منع پر اصلًا دلیل نہیں۔	۵۷۰
اقطاب اربعہ کا تذکرہ۔	۵۵۰	وہابیہ کے ایک بڑے دھوکہ کی نشاندہی۔	۵۷۱
الشریعة ھی الشجرة والطریقة ھی الثمرة	۵۵۱	قول جواز کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ "لم یومر بہ ولم ینہ عنہ"۔	۵۷۲
حضرت سیدنا علی خواص امام عبدالوہاب شعرانی کے پیرومرشد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۵۱	مجوز نافی امر ونہی ہے اور نافی پر شرعًا اور عقلًا بینہ نہیں۔	۵۷۲
حقیقت عین شریعت اور شریعت عین حقیقت ہے۔	۵۵۱	حرام وممنوع کہنے والا نہی شرعی کا مدعی ہے ثبوت دینا اس کے ذمے ہے کہ شرع نے کہاں منع کیا۔	۵۷۲
حضرت سیدنا ابوالمکارم رکن الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۵۷	اباحت اصل ہے اثبات حرمت وکراہت کے لئے دلیل چاہیے۔	۵۷۲
حضرت سیدنا نجم الدین کبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سلسلہ کبرویہ کے سردار ہیں۔	۵۵۷	ہر مسئلہ میں اصل صحت ہے فساد وکراہت کا قول محتاج دلیل ہے۔	۵۷۲
حضرت خواجہ مودود چشتی اور شیخ الاسلام احمد نامقی جامی کا تذکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۵۸	قائل جواز مثل سائل مدعا علیہ ہے جس سے مطالبہ دلیل محض جنون ہے۔	۵۷۲
مناقب چشتیاں۔	۵۵۸	مجوّز کے لئے یہی دلیل بس ہے کہ منع پر کوئی دلیل نہیں۔	۵۷۲
شرائط سماع۔	۵۶۲	امثال مقام میں نہایت سعی منکرین عدم نقل سے استدلال ہے جو عقلاء کے نزدیک بے اصل استناد ہے۔	۵۷۲
تذکرہ حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	۵۶۴		

عدم نقل، نقل عدم نہیں، نہ عدم فعل منع کو مستلزم ہے۔	۵۷۳	مسئلہ شغل برزخ پر اقوال اولیاء کبار پیش نہ کرنے کی وجوہات۔	۵۷۷
نقل مع عدم الطلب فعلاً وکفًا وعدم ذکر رأسًا دونوں انعدامِ امر و نہی کی صورتیں ہیں۔	۵۷۳	تصور برزخ میں خاص خاندان عزیزی کی نصوص۔	۵۷۸
ثبوتِ اخص کو ارتفاع اعم پر دلیل بنانا باطل ہے۔	۵۷۳	عبارت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ سے پندرہ وہابیت کش فوائد۔	۵۷۸
مصنف علیہ الرحمہ کے چند رسائل کا حوالہ۔	۵۷۳	مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے۔	۵۸۱
اگر عدم ورود پر ورود منع ٹھہرائیں تو ایک شغل برزخ پر کیا موقوف عامہ اذکار واشغال اولیاء کرام معاذاللہ بدعت شنیعہ وحرام وممنوع قرار پائیں گے۔	۵۷۳	مطل اصولی کو مطلق منطقی سمجھنا غلط ہے۔	۵۸۱
شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصنیف "القول الجمیل" کی وضع ہی اذکار محدثہ اور اشغال حادثہ کی ترویج وتعلیم کے لئے ہے۔	۵۷۴	نیک بات بانضمام اوضاع خاصہ بد نہیں ہوسکتی۔	۵۸۱
اولیاء طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوتے ہیں۔	۵۷۵	قائل جواز کو صرف اسی قدر بس کہ یہ مقید زیر مطلق داخل ہے۔	۵۸۱
مجتہدین شریعت نے استنباطِ احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے، اولیاء طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں قواعد مقرر فرمائے۔	۵۷۵	ہیأت عبادات توقیفی ہے۔	۵۸۱
اشغال واذکار اولیاء کبار میں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔	۵۷۵	اپنی طرف سے اطلاق مقید اور تقیید مطلق دونوں ممنوع ہیں۔	۵۸۱
اولیائے کبار کے اشغال کے بدعت سیئہ نہ ہونے پر شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ، مولوی خرم علی معلم ثالث وہابیہ، شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ اور مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت۔	۵۷۵	بدعت شرعیہ وبدعت لغویہ کی تعریفیں اور ان میں فرق۔	۵۸۱
خود امام الطائفہ شاہ اسمٰعیل دہلوی کی گواہی۔	۵۷۶	قضیہ کل بدعۃ ضلالۃ کس تقدیر پر عام مخصوص البعض اور کس تقدیر پر غیر مخصوص البعض ہے۔	۵۸۲
اولیاء کرام کے ساتھ وہابیہ کی روش اور حالت۔	۵۷۶	وہابیہ کے طور پر شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز سے لے کر صحابہ کرام تک سب بدعتی ہیں۔	۵۸۲

عدم فعل قاضی منع نہیں کف میں اتباع ہے نہ مجرد ترک میں۔	۵۸۲	حب ثناء کوئی خصلت محمودہ نہیں اور اس کے عواقب خطرناک ہیں۔	۵۹۶
یہ جاہلی مغالطہ کہ اس طریقے میں کوئی بھلائی ہوتی تو صحابہ ہی کرتے تم کیا دین میں ان سے زیادہ سمجھ رکھتے ہو محض بیہودہ ونامسموع ہے۔	۵۸۲	اپنی جھوٹی یا واقعی تعریف کو دوست رکھنے والے کا حکم۔	۵۹۷
اولیاء کرام کے ایجادات محمود ومقبول ہیں۔	۵۸۲	حب ریاست اگر اچھی نیت سے ہو تو جائز بلکہ مستحب ہے۔	۵۹۷
کفار سے غیر شعار میں اتفاقاً مشابہت ہرگز وجہ ممانعت نہیں۔	۵۸۲	اپنی تعریفوں پر خوش ہونے والا پیر کب قابل بیعت ہے اور کب نہیں۔	۵۹۸
فاسئلوا اھل الذکر وجوب تقلید میں نص ہے۔	۵۸۲	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی نعت سن کر جو انعامات عطا فرمائے کسی پیر کو جائز نہیں کہ وہ اپنی تعریف میں قصیدہ خوانی کو اس پر قیاس کرے۔	۵۹۸
آیت کریمہ مذکورہ کے بارے میں وہابیوں کی جہالت۔	۵۸۳	سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت وثناء ومدحت عین اسلام اور اس کا اظہار اہم فرض ہے۔	۵۹۹
اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔	۵۸۳	ذکرِ رسول عین ذکرِ الٰہی اور ثناء رسول عین ثناء الٰہی ہے۔	۵۹۹
نماز میں تصور برزخ کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا فرمان۔	۵۸۴	خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک شاعر سے نعت رسول سنی۔	۵۹۹
تصور شیخ اور شغل برزخ میں علماء کرام کی نصوص۔	۵۸۵	کسی فقہ کا کوئی شخص سدا سہاگن نہیں بن سکتا سب کو حرام۔	۵۹۹
روضہ مطہرہ کا نقشہ پیش نظر رکھنا اور اس سے لو لگانا۔	۵۸۶	مجذوب عقل وہوش دنیا نہیں رکھتا اس کے افعال بالارادہ نہیں ہوتے لہٰذا وہ سند نہیں۔	۵۹۹
قبر مبارک کا حج۔	۵۸۸	داڑھی اور بھنویں منڈانا، مرد ہو کر کانوں میں مندرے پہننا اور عورتوں جیسے لمبے بال رکھنا اور مرد کو زنانی وضع اختیار کرنا حرام و باعث لعنت ہے، ایسے کو پیر مان کر اس کا مرید ہونا حرام ہے۔	۶۰۰
اپنی تعریف پر مشتمل اشعار سن کر خوش ہونے والے پیر کے بارے میں سوال۔	۵۹۶		

عورت کے رحم میں دوخانے ہوتے ہیں، دایاں خانہ لڑکے کے لئے اور بایاں لڑکی کے لئے۔	۶۰۰	خاندان قادریہ میں بیعت شخص اب خاندان چشتیہ صابریہ بیعت ہونے کا شوق رکھتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے۔	۶۰۳
رحم میں مرد وعورت کے نطفہ کے غالب ومغلوب ہونے کے اعتبار سے لڑکا یا لڑکی بننے کی چار صورتیں ہیں، کبھی ظاہرًا وباطنًا لڑکا، کبھی ظاہرًا وباطنًا لڑکی، کبھی ظاہرًا لڑکا اور باطنًا لڑکی، اس کو زنانی وضع اور نسوانی حرکت کا شوق رہتا ہے اور کبھی ظاہرًا لڑکی مگر باطنًا لڑکا، اس کو مردانہ وضع وحرکات مرغوب ہوتی ہیں۔	۶۰۰	جس طرح ایک شخص کے دو باپ، ایک وقت میں عورت کے دو خاوند نہیں ہوسکتے ایسے ہی کسی مرید کے دو پیر نہیں ہوسکتے۔	۶۰۳
مردانہ وضع بنانے والی عورت پر لعنت۔	۶۰۰	پریشان نظری والا کسی کی طرف سے فیض نہیں پاتا۔	۶۰۴
مردانہ جوتا پہننے والی عورت پر لعنت۔	۶۰۰	جس کو کسی چیز میں رزق دیا تو اس کو چاہیے کہ وہ اس چیز پر لزوم اختیار کرے۔	۶۰۴
کسی ایک بات میں بھی مرد کو عورت اور عورت کو مرد کی وضع لینی حرام وموجب لعنت ہے۔	۶۰۱	ایک ایسے عامل کے بارے میں سوال جو ایک میز پر ارواح مسلمین کو حاضر کرتا ہے اور ان سے بات چیت کرتا ہے اور ان سے سوالات کے جواب پوچھتا ہے۔	۶۰۴
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گیسو انتہا درجہ شانہ مبارک تک رہتے۔	۶۰۲	روحیں حاضر کرکے سوالات پوچھنے والے عامل کی صداقت کا امتحان لینے کا ایک آسان طریقہ۔	۶۰۵
مشت بھر سے کم داڑھی کو کاٹنا کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔	۶۰۲	مرد نمازی اور صالح ناخواندہ کی بیعت شرعًا ناجائز ہے۔	۶۰۵
داڑھی مونڈنا ہند کے یہودیوں اور عجمی آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔	۶۰۲	ایک مجمل سوال کا جواب۔	۶۰۵
فاسق کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں، اگر کرلی توفسخ کرکے کسی متقی، سنی، صحیح العقیدہ، متصل السلسلہ پیر کے ہاتھ پر بیعت کرے۔	۶۰۳	مرید اشتغال وطیش کے لئے نہیں بنایا جاتا۔	۶۰۶
مزامیر جائز نہیں۔	۶۰۳	معافی تقصیر میں کبھی تاخیر ہی مصلحت ہوتی ہے۔	۶۰۶
بیعت ایسے شخص سے کی جائے جس میں کم از کم چار شرطیں پائیں یعنی وہ سنی صحیح العقیدہ ہو، عالم دین ہو، فاسق نہ ہو اور اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔	۶۰۳	حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے ساتھیوں کی معافی میں پچاس شب تک تاخیر کی گئی۔	۶۰۶

ملائکہ سے ملاقات وکلام کے لئے ولایت درکار ہے۔	۶۰۶	ناچ گانا، باجا اور آتشبازی پر مشتمل تقریبات شادی بیاہ میں شریک ہونا کیسا ہے۔	۶۰۹
ولایت کسبی نہیں محض عطائی ہے۔	۶۰۶	عالم اگر جانے کہ کسی تقریب میں میری شرکت پر عوام مجھے متہم ومطعون کریں گے تو نہ جائے۔	۶۱۱
جنّوں سے کلام ومصاحبت میں کوئی خیر نہیں کم از کم اس کا ضرر یہ ہے کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے۔	۶۰۶	مواقع تہمت سے بچنا چاہیے۔	۶۱۱
ضمیمہ تصوف وطریقت		مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے۔	۶۱۱
رابطہ شیخ جائز ومستحسن وسنّتِ اکابر ہے۔	۲۵۲	خلاف عہد معیوب ہے۔	۶۱۲
شُرب وطعام **(دعوت ولیمہ، مہمانی، ذبیحہ، شکار اور گوشت وغیرہ)**	۶۰۷	سور اور مردار کا گوشت پکا کر عیسائیوں کو کھلانے والوں اور ان کے گھر سے کھانا کھانے والے امام کے بارے میں استفتاء۔	۶۱۲
ہنود جو اپنے معبودان باطل کو ذبیحہ کے سوا اور قسم طعام وشیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں اور اسے بھوگ یا پرشاد کہتے ہیں اس کا کھانا شرعاً حلال ہے مگر مسلمان کو احتیاط چاہیے۔	۶۰۷	خبیث ترین اشیاء پکا کر غیر مسلموں کو کھلانے کا پیشہ کرنے والے تقوٰی سے عاری لوگوں کے گھر سے دیندار اور صاحب تقوٰی حضرات کو کھانا وغیرہ کھانے سے بچنا چاہیے۔	۶۱۲
مسلمان نے مجوسی کی بکری اس کے آتشکدہ یا کافر کی بکری اس کے بتوں کے لئے اللہ کا نام لے کر ذبح کی تو اس کو کھانا جائز ہے مگر ایسا کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے۔	۶۰۸	جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ مقامات تہمت سے بچے۔	۶۱۳
مجوسی کے نیروز کے موقع پر لائے ہوئے کھانوں کا حکم شرعی۔	۶۰۸	جن کاموں کو کان ناپسند کریں اور جن کاموں کے ارتکاب پر معذرت کرنی پڑے از روئے حدیث ان سے بچنا لازم ہے۔	۶۱۳
دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔	۶۰۸	بغیر شرعی مجبوری کے مسلمانوں کو متنفر کرنا ممنوع ہے۔	۶۱۴
جس درخت کو پاخانہ وغیرہ کا ناپاک پانی دیا گیا ہو اس کا میوہ کھانا بلا کراہت جائز ہے۔	۶۰۹	مسئلہ کی تائید قرآن وحدیث سے۔	۶۱۴

عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام کرنا کج فطرت اور فتنہ باز لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔	۶۱۵	مسلمان نے بکری ذبح کی، اپنے ہاتھ سے پکایا، اس کو انگریز نے اپنے سامنے رکھ کر چھری اور کانٹے سے کاٹا، اس کا ہاتھ نہ لگا، کوئی مسلمان شخص غفلت سے اس کو کھالے تو کیا حکم ہے۔	۶۱۹
عہدہ امامت ان لوگوں کو نہیں دینا چاہیے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔	۶۱۵	اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں نجس وحرام چیز ملی ہے محض شبہ پر نجس وحرام نہیں کہہ سکتے۔	۶۲۰
حرامزادے، جذامی اور کوڑھ کے مریض کو امام بنانا کیوں ناجائز ہے۔	۶۱۵	کنوؤں، تالابوں اور راستوں میں رکھے ہوئے گھڑوں کا حکم۔	۶۲۰
کافروں کو کھلانے کے لئے مسلمانوں کو حرام چیزیں پکانا یقینا ناجائز و حرام ہے۔	۶۱۵	مشرکین و کفار اور جاہل مسلمانوں کی تیار کردہ اشیاء خورد ونوش کیسی ہیں۔	۶۲۰
ہندو کی دعوت پر اس کی بیٹی کی شادی کا کھانا مسلمانوں نے خود اپنے ہاتھوں سے تیار کرواکر کھایا تو یہ نامناسب وبے جا حرکت ہے۔	۶۱۷	مشتبہ اشیاء میں احتیاط بہتر ہے۔	۶۲۰
حرام اور ناپاک پیشہ کرنے والوں کا مال خبیث ہے۔	۶۱۷	سینگ ہر جانور کا یہاں تک کہ مردار کا بھی پاک ہے اس کی مسواک جائز ہے۔	۶۲۰
کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔	۶۱۷	خنزیر کے بالوں سے بنا ہوا برش نجس ہے۔	۶۲۱
خنزیر خوروں کی کمائی اخبث ہے۔	۶۱۷	سنت مسواک چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا جہالت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔	۶۲۱
علاقے کی عادت خضاب وعدم خضاب سے خروج مکروہ ہے۔	۶۱۷	کسی کافر یا غیر مسلم انگریز کے ساتھ کھانے یا اس کا جھوٹا کھانے سے احتراز ضروری ہے۔	۶۲۱
افراط و تفریط دونوں ہی برے ہیں۔	۶۱۹	مسلمانوں کے مذہب میں چھوت نہیں۔	۶۲۲
انگریزوں کے ملک سے بند ڈبوں میں آنے والا دودھ اور مکھن کیسا ہے نیز دانت صاف کرنے والے برش کا کیا حکم ہے۔	۶۱۹	کمہار ہندو اور عام اہل ہنود کی طرف سے بطور ہدیہ یا بطور رسم کچھ بھیجیں تو اس کا لینا اور اس کا کھانا کیسا ہے۔	۶۲۲
		حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسرٰی ایران، بادشاہ فدک اور قیصر روم کے ہدیے قبول فرمائے۔	۶۲۲

قتیلہ بنت العزّٰی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے تحفہ لائی۔	۶۲۲	مشرکین کی تیار کردہ اشیاء خوردونوش اور ملبوسات وغیرہ کا استعمال کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۳۲
آیۃ کریمہ "لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین" کا شان نزول۔	۶۲۴	نصارٰی کے یہاں کی رقیق اشیاء کم ہی نجاست غلیظہ سے خالی ہوتیں اور نہیں تو اسپرٹ کی آمیزش تو ضرور ہوتی ہے۔	۶۳۳
ہدیہ کفار کے ردو قبول سے متعلق احادیث کریمہ میں تطبیق و توفیق۔	۶۲۵	شرع مطہر نے برے کام اور برے نام دونوں سے احتراز کا حکم دیا ہے۔	۶۳۳
مصنف کی تحقیق کہ ہدایائے کفار کہاں قبول کرنا ضروری کہاں ممنوع اور کہاں مباح ہے۔	۶۲۵	سودخور کے ہاں کھانا اور اس سے پیسہ لے کر مسجد میں لگانا یا گیارہویں ومیلاد میں صرف کرنا کیسا ہے۔	۶۳۳
کفار کا پکایا ہوا یا ہدیہ کیا ہوا گوشت حرام ہے۔	۶۲۷	ایک مردار خور کے ہاں سے نیاز وغیرہ کا گوشت کھانا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں۔	۶۳۳
ایک شخص سود ورشوت بھی لیتا ہے اور تجارت وغیرہ حلال پیشہ بھی، اس کے مکان پر کھانا کیسا ہے۔	۶۲۷	سودخور کے گھر کا کھانا جائز ہے جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ جو کھانا سامنے لایا گیا ہے وہ حرام ہے۔	۶۳۳
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا تناول فرمانا تھی، اور یہی افضل ہے۔	۶۲۹	ترک نماز کا مال وطعام پر کوئی اثر نہیں لیکن عالم مقتداء اس کے ہاں کھانے سے احتراز کرے۔	۶۳۵
روافض کے ہاں کھانا کیسا ہے، اور یہ جو مشہور ہے کہ وہ اہل سنت وجماعت کو کھانا خراب کرکے کھلاتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں۔	۶۳۱	عالم مقتدا کو بے ضرورت سودخوار کے ہاں کھانے پینے سے احتراز چاہیے۔	۶۳۵
انگریزی دواخانوں پر فروخت ہونے والے عرق کا حکم جو نشہ آور نہیں ہوتا۔	۶۳۲	ترک نماز کبیرہ اخبث واکبر ہے۔	۶۳۵
اصل اشیاء میں طہارت واباحت ہے، جب تک نجاست یا حرمت معلوم نہ ہو حکم جواز ہے۔	۶۳۲	تارک نماز پر وعید شدید۔	۶۳۵
کون سے کپڑے نجس اور کون سے طاہر ہیں۔	۶۳۲	مسلمان دھوبیوں کو مسلمانوں میں ملانا اور احکام دین سکھانا فرض ہے اور ان سے نفرت کرنا اور تعلیم شریعت سے ان کو دور رکھنا حرام ہے۔	۶۳۶

عوام ہندوستان نے چھوت کامسئلہ کفارِ ہند سے سیکھاہے۔	۶۳۷	شریعت آسان ہے جب تک کسی خاص شے میں حرمت یانجاست کاحال معلوم نہ ہو پاک وحلال ہے۔	۶۴۱
جس کاذریعہ معاش صرف مال حرام ہے ان کے گھروں میں کھانے پینے سے بچنااولٰی ہے۔	۶۳۷	سودخوار کے ہاں نہ کھانا بہتر ہے خصوصًا عالم ومقتداء کو۔	۶۴۱
بے پردہ نکلنے والی عورتیں فاسقہ اور ان کے مرد دیّوث ہیں ان سے میل جول مناسب نہیں۔	۶۳۷	جس جانور کی ماں حلال ہے وہ حلال ہے کہ جانور میں نسب ماں سے ہے نہ کہ باپ سے۔	۶۴۲
تاڑی کیاہے، وہ کب حلال وطاہر اور کب حرام ونجس ہوتی ہے۔	۶۳۸	حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی فاتحہ کاکھانا مردوں کوممنوع وناجائز نہیں۔	۶۴۲
خاکروب لڑکی سے روٹی چھین کر کھانے والے مسلمان لڑکے اور لڑکی کے بارے میں سوال۔	۶۳۸	ضرورت ومجبوری میں حرام کھانا یااس کواستعمال میں لانا بقدرِ ضرورت جائز ہے۔	۶۴۲
سات برس کے بچے کونماز کاحکم دواور دس برس کی عمرمیں نماز پر سختی کرو۔	۶۳۹	شراب نوشی راہ خدا سے روکتی ہے اس کے مرتکب پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے۔	۶۴۲
جوبات عام مسلمانوں کی نفرت کاموجب ہو شرعًا منع ہے۔	۶۳۹	پانچ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۶۴۳
جس بات میں آدمی متہم ومطعون ہو شرعی طور پر ممنوع ہے۔	۶۳۹	مزارات پر مردوں کاجانا مندوب ومحبوب مگر عورتوں کوروکنا ہی انسب واسلم ہے۔	۶۴۳
جوبات مسلمانوں پر فتح باب غیبت کرے انہیں فتنے میں ڈالے گی اورانہیں فتنے میں ڈالنا حرام ہے۔	۶۴۰	دف بجانا کن شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۶۴۳
فتنہ سوئی ہوئی خرابی ہے جو کوئی اس کو جگائے اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔	۶۴۰	شادی وغیرہ پر گانا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۴۴
خنزیر خوروں کے ہاں کھانا اور خنزیر کاشکار کرنا اور کفار کو کھلانا مسلمانوں کے لئے کیساہے۔	۶۴۰	تیجہ، دسواں، چہلم سب جائز ہیں جب بنیت محمود اور بطور محمود ہوں۔	۶۴۴

وہابی ایک سخت گمراہ بددین فرقہ ہے۔	۶۴۴	جو مسلمان تجارت بھی کرتے ہیں، سود بھی کھاتے ہیں اور زمیندار بھی ہیں ان کے یہاں کا کھانا پینا اور لڑکی لڑکوں کو بیاہنا جائز ہے یا نہیں۔	۶۵۰
کن لوگوں کی دعوت کرنی اور کن کن کی نہ کرنی چاہیے نیز کن لوگوں کی دعوت نامنظور کرنی چاہیے اور کیوں۔	۶۴۴	ہنود کے یہاں کا کھانا کیسا ہے۔	۶۵۰
حلال وحرام مشترکہ مال سے کنواں کھدوایا جائے تو اس کا اور اس کے پانی کا کیا حکم ہے۔	۶۴۵	ضرورتاً سودی قرض لینے والے کے یہاں کھانے میں حرج نہیں۔	۶۵۱
خاکی انڈا کھانا جائز ہے	۶۴۷	اہل کتاب واہل ہنود کے ہاں اور ان کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے سے متعلق سوال وجواب۔	۶۵۱
روافض کے ہاں کھانا کھانے والے کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہے۔	۶۴۷	کھانے میں عیب نکالنا، سربرہنہ کھانا اور کسی کے بلادعوت کھانے کو جانا کیسا ہے۔	۶۵۲
زانی، شرابی اور سودخوار کے یہاں کھانا خلاف اولٰی ہے مگروہ کافر نہیں۔	۶۴۷	جو مسلمان تجارت بھی کرتے ہیں، سود بھی کھاتے ہیں اور زمیندار بھی ہیں ان کے یہاں کا کھانا پینا اور لڑکی لڑکوں کو بیاہنا جائز ہے یا نہیں۔	۶۵۰
یہود ونصارٰی کافر اصلی ہیں مرتد نہیں۔	۶۴۷	ہنود کے یہاں کا کھانا کیسا ہے۔	۶۵۰
رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری اور چکڑالوی مرتد ہیں۔	۶۴۷	ضرورتاً سودی قرض لینے والے کے یہاں کھانے میں حرج نہیں۔	۶۵۱
عام کافروں اور مرتدوں کے احکام میں فرق	۶۴۷	کھانے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمالیا ورنہ نہیں۔	۶۵۲
قادیانی کے مکان پر دانستہ کھانا کھانے جانے والا گنہگار ہے، توبہ نہ کرے تو اس سے محفل مولود شریف نہ پڑھوایا جائے۔	۶۴۸	بلادعوت کسی کے ہاں کھانا کھانے جانے والے کے لئے حدیث میں وعید۔	۶۵۲
جس مارکیٹ میں مجوسی نے خنزیر کاٹا وہاں سے گوشت خریدنا مسلمان کے لئے کیسا ہے۔	۶۴۸	مدعو شخص دوسروں کو کب اپنے ساتھ دعوت پر لے جاسکتا ہے اور کب نہیں۔	۶۵۳
مجوسی کے ہاتھ کی ذبح ہوئی بکری بھی خنزیر کی مثل ہے۔	۶۴۹	غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعوت۔	۶۵۳
مجوسی سے گوشت خریدنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۴۹	معجزہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ کھانا اور سالن ختم نہیں ہوا۔	۶۵۳
		قمار باز، طوائف یا کوئی حرام پیشہ کرنے والے کے ہاں میلاد و گیارہویں کی نیاز کھانا کیسا ہے۔	۶۵۳

خریداری میں عقد ونقد مال حرام پر جمع ہوئے تو اس کا کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔	۶۵۴	شبہ کے مال سے احتراز چاہیے مگر حرمت نہیں جب تک معلوم نہ ہو۔	۶۵۸
رنڈی سے نکاح کرکے اس کا مال اپنے مال میں ملانا اور اس کو کھانا کیسا ہے۔	۶۵۴	وارث اگر جانتا ہے کہ یہ روپیہ سود کا ہے تو اس کو لینا جائز نہیں، مورث نے جس سے لیا تھا اس کو واپس کرے یا تصدق کرے۔	۶۵۸
دعوت طعام کونسی سنت ہے اور کس دعوت کو قبول نہ کرنا گناہ ہے۔	۶۵۵	پیشہ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے۔	۶۵۸
دعوت ولیمہ کو قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے جبکہ وہاں کوئی معصیت ومانع شرعی نہ ہو۔	۶۵۵	ہندو کے یہاں گوشت کھانا حرام، دوسرے چیزوں میں فتوی جواز اور تقوی احتراز ہے۔	۶۵۸
عام دعوتوں کا قبول کرنا افضل ہے۔	۶۵۵	یہ بات غلط ہے کہ ہندو کے یہاں کھانے سے چالیس دن دعا قبول نہیں ہوتی۔	۶۵۹
خاص اسی شخص کی دعوت ہو تو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اس کو مطلقًا اختیار ہے۔	۶۵۵	بے نماز کے ہمراہ کھانا پینا اور میل جول رکھنا شرعًا کیسا ہے۔	۶۵۹
جھینگے کے مچھلی ہونے میں اختلاف ہے لہذا اس سے بچنے میں احتیاط ہے۔	۶۵۶	شراب حرام، تمام نجاستوں کی ماں، اور اس کو پینے والے کو جہنمیوں کا خون اور پیپ پلایا جائے گا۔	۶۵۹
گوشت ہمیشہ کھانے کی قرآن مجید میں کہیں ممانعت نہیں، ہاں نفس پروری سے قرآن نے منع فرمایا ہے۔	۶۵۷	تقریب طعام شادی کی تین صورتیں اور ان کا شرعی حکم۔	۶۶۰
عشرہ محرم الحرام میں ضرورتًا شکار کرنا جائز ہے۔	۶۵۷	جو دو مصیبتوں میں ہو جائے تو وہ ان میں اخف واھون کو اختیار کرے۔	۶۶۱
محض تفریح طبع کے لئے شکار کھیلنا ناجائز ہے۔	۶۵۷	تعزیت ولادت یا ختنہ یا گھر بھوج یعنی تیاری مکان میں کھانا کرنا اور اس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔	۶۶۱
جو چیز بعینہٖ سود میں آئی اس کا کھانا حرام اور سود کے روپے سے خریدی تب بھی ناجائز ہے۔	۶۵۸	ہندو کے گھر جھٹکے کا گوشت کھانے والا اور مردار کے گوشت کو فروخت کرنے والا مسلمان شیطان کا مسخرہ ہے، اس کا دین ایمان ٹھیک نہیں مسلمان اس سے میل جول بند کرکے اس کا بائیکاٹ کریں۔	۶۶۲
سودخوار کے کھانے سے اجتناب چاہیے۔	۶۵۸		

میلاد کرانے والوں کے گھر سے میلاد پڑھنے والوں کو کھانا کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۶۶۲	جو اہل کتاب کو کافر نہ جانے وہ خود کافر ہے	۶۶۵
خوشی کے موقع پر محفل کرانا اور کھانا تیار کرنا کنبے والوں اور میلاد خوانوں کو کھلانا جائز ہے۔	۶۶۳	طعام کو حاضر رکھ کر کھانے سے پہلے دعا کرنا جائز ہے۔	۶۶۶
خوشخبری پا کر کھانا اور مٹھائی تقسیم کی جائے تو اغنیاء وفقراء سب کھا سکتے ہیں۔	۶۶۳	شہد کو اتارنا جائز اور بیت النحل میں کچھ چھوڑ دینا ضروری نہیں۔	۶۶۶
ہندو کے یہاں کا پکا ہوا کھانا اور اس کو میلاد شریف میں تقسیم کرنا کیسا ہے۔	۶۶۳	شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔	۶۶۶
میلاد شریف میں قوالی کی طرح پڑھنا کیسا ہے۔	۶۶۴	شہد مکھیوں کی غذا نہیں ان کی غذا پھل پھول ہیں شہد تمام وکمال ہمارے لیے ہے۔	۶۶۷
سیپ کے چمچے سے کھانا جائز ہے البتہ خود سیپ کو کھانا حرام ہے۔	۶۶۴	کافر کا بچا ہوا کھانا مسلمان کو درست نہیں کہ "نیم خوردہ سگ ہم سگ را شاید"	۶۶۷
عیسائیوں کے ساتھ کھانا پینا، آپس میں ایک دوسرے کے برتن استعمال کرنا اور ایک دوسرے کا حقہ پینا ممنوع ہے۔	۶۶۴	حلال جانور کا کچا اور پکا انڈا سب حلال ہے، ہاں اگر وہ خون ہو جائے تو حرام ونجس ہے۔	۶۶۷
بدمذہبوں سے مجالست، مؤاکلت اور مشاربت کی ممانعت احادیث مبارکہ سے۔	۶۶۴	اہل ہنود کی اشیاء خوردنی کا استعمال مسلمان کو جائز وحلال مگر اہل ہنود کے ہمراہ کھانا جائز نہیں۔	۶۶۸
آیت کریمہ "احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم" میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔	۶۶۵	ہندو کے گھر کا گوشت کھانا تو حرام ہے مگر دیگر اشیاء مباح ہیں جب تک نجاست وحرمت کی تحقیق نہ ہو جائے۔	۶۶۸
گیہوں، چاول، دودھ اور دہی وغیرہ تو مشرک کے گھر بھی حلال ہے جبکہ نجس نہ ہو۔	۶۶۵	غیر مسلم چار قسم کے ہیں: کتابی، مجوسی، مشرک اور مرتد۔ ان اقسام اربعہ کے احکام۔	۶۶۸
شرع مطہر میں ہر غیر مسلم کافر ہے یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک۔	۶۶۵	زید نے بیٹی کا مہر لے کر شادی کا کھانا پکوایا پھر لڑکی سے اجازت لی اس نے اجازت دے دی تو اس کھانے میں کوئی حرج نہیں۔	۶۶۹

ہیجڑے کے یہاں دعوت کھانے کو نہ جایا جائے۔	۶۶۹	ملاھی وملاعب پر مشتمل دعوتوں میں عاصی اور متقی کے شریک ہونے کی جواز وعدم جواز کی صورتیں۔	۶۷۲
زمزم شریف اور بقیہ وضو کے سوا کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے۔	۶۶۹	کسی مسلمان پر بلادلیل بدگمانی حرام قطعی ہے۔	۶۷۳
روٹی کے چار ٹکڑے کرنا ضروری نہیں۔	۶۶۹	کسی دعوت میں نہی عن المنکر کی نیت سے جانے والا ثواب پاتا ہے۔	۶۷۴
بائیں ہاتھ میں روٹی لے کر دائیں سے نوالہ توڑنا دفع تکبر کے لئے ہے۔	۶۶۹	سودخوار، بے نمازی، شرابی، زانی، مخنث اور دیوث کے ساتھ کھانا نہ چاہیے۔	۶۷۴
مسلمان دھوبی کے گھر کھانا کھانا جائز ہے۔	۶۷۰	شرابی کے ہاتھ اور منہ کے پاک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔	۶۷۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دسترخوان پر قسم قسم کے متعدد کھانے نہیں ہوتے تھے۔	۶۷۰	کسی کی منکوحہ سے بے طلاق ووفاتِ شوہر نکاح باطل محض ہے۔	۶۷۴
دسترخوان فرسٹ سیکنڈ کا معیار الگ الگ بنانا سنت نصارٰی ہے، حاضرین میں تفریق بدعت ہے اور ایک فریق کی تذلیل ودل شکنی ہے۔	۶۷۰	**ضمیمہ شرب وطعام**	
دعوت ولیمہ وطعام کے بارے میں ظاہر الروایہ کے اطلاق اور شروح وفتاوٰی میں اس کو کئی قیدوں سے مقید کرنے سے متعلق استفتاء۔	۶۷۰	جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے ضروری نہیں۔	۱۰۱
زید اس سبب سے دعوتوں میں نہیں جاتا کہ آج کل کی دعوتوں میں عموماً فخر وتطاول، انشاء الحمد اور حبوب وطعام کی بے قدری ہوتی ہے اس کا یہ فعل کیسا ہے۔	۶۷۲	مجذوم کے ساتھ کھانا کب ثواب اور کب نامناسب ہے۔	۱۰۲
تقیید مطلق وتخصیص عمومات وتفصیل مجملات وتوضیح مبہمات منصب شراح ہے اسی غرض کے لئے وضع شروح ہے وہ اس کے مبائن نہ سمجھے جائیں بلکہ وہ مبین ہیں۔	۶۷۲	ضعیف الاعتقاد اور وہمی خیالات کے حامل لوگوں کو جذامی کے ساتھ کھانے پینے سے بچنا چاہیے۔	۱۱۱
		ہندو کے ہاتھ کی بنی ہوئی مٹھائی کا استعمال فتوٰی کی رو سے جائز مگر تقوٰی کی رو سے پرہیز کرنا چاہیے۔	۱۲۶

خاکروب مسلمان ہوتے ہی غسل کرکے پاک صاف ہوجائے تو اس کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے۔	۱۷۲	سبیل اور کھانا، چائے، بسکٹ وغیرہ جو رافضیوں کے مجمع کے لئے کئے جائیں ناجائز وگناہ ہیں، ان میں چندہ دینا گناہ اور اس میں شامل ہونے والوں کا حشر بھی انہی کے ساتھ ہوگا۔	۲۴۶
نومسلم خاکروب کے ساتھ کھانا کھانے والے مسلمان کی ہنسی اڑانے والا گنہگار ہے۔	۱۷۴		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم		مرض وتداوی	
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔	۱۰۱	یہ خیال باطل ہے کہ بیماری اُڑ کر لگتی ہے، احادیث صحیحہ میں اسے رَد فرمایا ہے۔	۱۰۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنے بال بطور تبرک صحابہ میں تقسیم کرائے۔	۴۰۰	یہ خیال محض غلط ہے کہ جذامی کے ساتھ کھانے کی تاثیر سے دوسرا شخص بیمار ہوجاتا ہے۔	۱۱۱
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گیسو انتہا درجہ شانہ مبارک تک رہتے۔	۶۰۲	مرض کا علاج اس کی ضد سے ہوتا ہے۔	۱۴۵
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا تناول فرمانا تھی، اور یہی افضل ہے۔	۶۲۹	کسی کافر یا غیر مسلم انگریز کے ساتھ کھانے یا اس کا جھوٹا کھانے سے احتراز ضروری ہے۔	۶۲۱
کھانے میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عادت کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمالیا ورنہ نہیں۔	۶۵۲	مسلمانوں کے مذہب میں چھوت نہیں۔	۶۲۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دستر خوان پر قسم قسم کے متعدد کھانے نہیں ہوتے تھے۔	۶۷۰	انگریزی دواخانوں پر فروخت ہونے والے عرق کا حکم جو نشہ آور نہیں ہوتا۔	۶۳۲

مخالطت ومجالست، ہجران وسلوک وموالات		مشرکین وکفار کے ساتھ اتحاد ووداد حرام قطعی ہے۔	۲۲۹
قوی الایمان کے لئے مجذوم سے مخالطت نقصان دہ نہیں اور ضعیف الاعتقاد کے لئے احتراز بہتر ہے۔	۱۰۳	گاندھی کے جلوس میں استقبال کے لئے جانا مسلمانوں کو کیسا ہے۔	۲۴۷
احادیث سے مسئلہ کی تائید۔	۱۰۳	ایک جلسہ میں شرکت سے متعلق سوال وجواب۔	۲۴۸
کافروں کے میلے میں شریک ہونا مسلمان کو منع ہے مگر کفر نہیں کہ عورت نکاح سے نکل جائے۔	۱۲۰	شرع شریف میں ہر کافر سے مطلقاً ترک موالات کا حکم ہے خصوصاً مرتدین سے۔	۲۵۴
مسلمان نے عیسائی کا حقہ پیا تو اس کیلئے کیا حکم ہے۔	۱۳۰	معاملت وموالات الگ الگ چیزیں۔	۲۵۵
بلاوجہ شرعی ایذارسانی حلال نہیں۔	۱۵۷	گاندھی کو امام بنانا اور ہندوؤں سے اتحاد منانا دشمنی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا مسلمان کا کام نہیں۔	۲۵۸
کفار کے امور دنیوی میں ایک حد تک موافقت کی جاسکتی ہے مگر امور مذہبی میں موافقت جائز نہیں۔	۱۶۸	مرتد سے میل جول رکھنا اور فاسق سے بے ضرورت اختلاط مکروہ ہے۔	۲۶۰
شیعہ کی تنظیم میں سنیوں کو شریک ہونا کیسا ہے۔	۱۸۳	وہابیہ دیوبندیہ ومخالفان دین وغلامان مشرکین کے جلسہ میں سنی کو شرکت حلال نہیں۔	۲۶۰
سنیوں کو غیر مذہب والوں سے اختلاط میل جول ناجائز ہے خصوصاً جبکہ وہ افسر ہوں اور یہ ماتحت۔	۱۸۴	نصارٰی سے موالات، ان کی تعظیم، بڑے دن میں ان کو ڈالی دینا اور ان سے معاملہ بیع وشراء کا کیا حکم ہے۔	۲۶۲
مراسم کفر کی اعانت اور ان میں شرکت ممنوع وگناہ اور مخالفت حکم اللہ ہے۔	۱۸۶	ہولی ودیوالی کی تعظیم اور نیروز ومہرجان کے نام پر کچھ دینا جائز نہیں۔	۲۶۵
دیوبندی عقائد والوں سے میل جول حرام ہے۔	۲۲۲	زید پکا سنی ہے مگر برادری کے وہابیوں کی چند عورات اس کے پاس آتی رہتی ہیں اور زید ان کی خوب خاطر مدارات کرتا ہے، کیا ایسا کرنے سے اس کی سنیت میں فرق پڑتا ہے۔	۲۶۸

حدیث میں حکم ہے کہ رفاقت صرف مومن سے کر اور تیرا کھانا صرف پرہیزگار کھائے۔	٢٦٩	زنہار مالِ حرام قابل قبول نہیں، نہ اسے راہ خدا میں صرف کرنا روا، نہ اس پر ثواب، بلکہ زر او بال ہے۔	١٠٥
جس جلسہ میں مقررین وصدر وہابی، دیوبندی، نیچری اور ہندو وغیرہ ہوں اس میں شریک ہونا قطعی حرام اور سخت مضر اسلام ہے۔	٢٧٥	مسئلہ بالا پر قرآن وحدیث سے دلائل۔	١٠٥
سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی توہین کرنے والے رافضی ہیں یا وہابی، ان کے ساتھ میل جول مسلمانوں کو جائز نہیں۔	٢٨٧	مال حرام سے تصدق کرکے امید ثواب رکھنے والا کافر ہوجاتا ہے۔	١١٠
قرآن مجید کا رامائن اور بائیبل کے ساتھ ملا کر ہندوؤں کے ساتھ پوجا کیا جانا اور مندر میں لے جانا اور اس اہتمام میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔	٢٩٦	**اسماء الرجال**	
بغیر شرعی مجبوری کے مسلمانوں کو متنفر کرنا ممنوع ہے۔	٦١٤	حنش راوی متروک ہے۔	١٠٧
عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام کرنا کج فطرت اور فتنہ باز لوگوں کا شعار ہوتا ہے۔	٦١٥	ابراہیم بن میسرہ تابعی مکی اور ثقہ ہیں۔	١٩٢
جو مسلمان تجارت بھی کرتے ہیں، سود بھی کھاتے ہیں اور زمیندار بھی ہیں ان کے یہاں کا کھانا پینا اور لڑکی لڑکوں کو بیاہنا جائز ہے یا نہیں۔	٦٥٠	**فوائد اصولیہ**	
عیسائیوں کے ساتھ کھانا پینا، آپس میں ایک دوسرے کے برتن استعمال کرنا اور ایک دوسرے کا حقہ پینا ممنوع ہے۔	٦٦٤	جو چیز بارگاہ الٰہی سے مردود ہو وہ دربار رسول میں مقبول نہیں ہوسکتی۔	١٠٨
بدمذہبوں سے مجالست، مؤاکلت اور مشاربت کی ممانعت احادیث مبارکہ سے۔	٦٦٤	مباح وحرام میں کوئی نسبت نہیں۔	١٠٨
سودخوار، بے نمازی، شرابی، زانی، مخنث اور دیوث کے ساتھ کھانا نہ چاہیے۔	٦٧٤	شرع مطہر شعر وغیر شعر سب پر حجت ہے، شعر شرع پر حجت نہیں۔	١١٨
صدقہ وخیرات		کافر ومشرک کا کوئی عمل للہ نہیں۔	١٢٠

اصل اشیاء میں طہارت پائی جاتی ہے۔	۱۲۶	سود گناہ کبیرہ ہے۔	۱۶۱
یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔	۱۲۶	بدعت سیئہ اور گناہ کبیرہ میں نسبت۔	۱۶۲
دین کی بنیاد آسانی پر ہے۔	۱۲۶	فسق اعتقاد فسق عمل سے بدتر ہے۔	۱۶۲
کافر کا اقرار اسلام اس کو مسلمان ٹھہرانے کیلئے کافی ہے جب تک کفر جدید ظاہر نہ ہو۔	۱۳۰	صغیرہ بعد از اصرار کبیرہ ہو جاتا ہے۔	۱۶۳
آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات وواجب الوجود نہ جانے۔	۱۳۱	کفر اگرچہ عقد قلبی ہے مگر اقوال زبان اور بعض افعال اس پر دلیل ہوتے ہیں۔	۱۶۳
بعض نصوص میں جو بعض افعال پر اطلاق شرک ہوا اس کی تاویل۔	۱۳۱	معبودان باطل کی تصویر کو سجدہ کرنا مطلقاً کفر ہے۔	۱۶۳
کفر ضروریات دین کے انکار سے ہی لازم آتا ہے۔	۱۳۱	مشرکین کے تہوار کی خوشی منانا اور اس میں شریک ہونا معصیت قطعیہ ہے۔	۱۶۶
بعض اعمال پر نصوص میں جو اطلاق کفر ہوا اس سے مراد کفر مصطلح نہیں۔	۱۳۱	معصیت قطعیہ کا استحلال کفر ہے۔	۱۶۶
ہر شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام۔	۱۳۱	جو کافر تلقین اسلام چاہے اس کو تلقین کرنا فرض اور اس میں تاخیر گناہ کبیرہ ہے۔	۱۷۲
مومن کسی کبیرہ کے ارتکاب سے خارج اسلام نہیں ہوتا۔	۱۳۱	تحلیل حرام و تحریم حلال دونوں کفر ہیں۔	۱۷۵
محبوبان خدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں جب تک بروجہ عبادت نہ ہو۔	۱۳۲	رضا بالکفر کفر ہے۔	۱۷۶
گناہ علانیہ کیلئے شرع نے توبہ کا علانیہ حکم دیا اور پوشیدہ گناہ کیلئے پوشیدہ توبہ ہے۔	۱۴۲	اصرار علی الحرام جرم ہے۔	۱۸۲
حرج مدفوع بالنص ہے۔	۱۴۵	ناجائز کا ترک واجب ہے۔	۱۸۷
مجلس میلاد مبارک اور گیارہویں شریف میں دو حیثیتیں ہیں ایک خصوص فعل اور دوسری مقصد ومنشا۔ بحیثیت اول یہ جزء ایمان نہیں جبکہ بحیثیت ثانی داخل ایمان ہے۔	۱۵۰	اللہ تعالٰی کی معصیت میں کسی کا اتباع درست نہیں۔	۱۸۸
کفر ہر کبیرہ سے بدتر کبیرہ ہے۔	۱۶۱	مباہلہ کیا ہے، وہ کس وقت، کس سے، کس طرح کیا جاسکتا ہے۔	۱۸۹

جس چیز کے کفر پر اتفاق ہو اور جس کے کفر میں اختلاف ہو دونوں کا حکم۔	۱۹۳	زینت وفضول کیلئے کوئی ممنوع شرعی رخصت نہیں ہوسکتا۔	۲۰۸
جس چیز کالینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔	۱۹۶	مجرد منفعت کے لیے کوئی ممنوع شرعی رخصت نہیں ہوسکتا۔	۲۰۸
الضرورات تبیح المحظورات۔	۱۹۷	حرام محض منفعت کیلئے حلال نہیں ہوسکتا۔	۲۱۱
مجرد تحصیل منفعت کیلئے کوئی ممنوع مباح نہیں ہوتا۔	۱۹۷	کسی وصف پر حکم کا مرتّب ہونا اس کی علیّت کا مشعر ہوتا ہے۔	۲۳۷
ظن غالب یقین کے ساتھ لاحق ہے۔	۱۹۹	تفاوت عداوت کفار بنائے کار نہیں۔	۲۳۷
نہ ہر ممنوع کسی نہ کسی وقت مباح ہوسکتا ہے نہ ہر وقت ایسا کہ کسی نہ کسی ممنوع میں رخصت کی قابلیت رکھتا ہے۔	۲۰۲	شرکت کفر سے لزوم کفر ہے۔	۲۶۶
مفسدہ کا دفع مصلحت کی تحصیل سے زیادہ اہم ہے۔	۲۰۲	مباح کا فعل وترک یکساں ہے جب تک خارج سے کوئی وجہ داعی یا مانع نہ پیدا ہو۔	۲۶۶
مجبوریاں ممنوع کو مباح کردیتی ہیں۔	۲۰۲	کسی امرِ مباح کو شرعًا فرض ٹھہرالینا قطعًا حرام اور شریعت پر افتراء ہے۔	۲۶۶
دوبلاؤں کا مبتلا ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔	۲۰۳	تعظیم مشرک کفر ہے۔	۲۷۰
ضرر مدفوع ہے۔	۲۰۳	حکم کفر کفر ہے۔	۲۷۲
مشقت آسانی لاتی ہے۔	۲۰۳	مشرک کی خوشی کے لئے شعارِ اسلام بند کرنا حرام ہے۔	۲۷۳
مشقت ودشواری کا دائرہ ضرورت ومجبوری سے وسیع تر ہے۔	۲۰۴	منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۲۷۳
جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔	۲۰۴	تبجیل الکافر کفر۔	۲۷۵
اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے ہر ایک کیلئے اس کی نیت۔	۲۰۴	غیر کافر کو کافر کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔	۲۷۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

الصریح یفوق الدلالۃ۔	۲۱۲	قاطع ہر کلام یہ کہ حدیث کی تفسیر کرنے والا خود حدیث سے بہتر کوئی نہیں ہوسکتا۔	۳۶۸
شعارِ اسلام سے استہزاء اسلام سے استہزاء ہے۔	۲۱۵	المعھود عرفاکالمشروط لفظاً۔	۴۱۷
افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔	۲۲۱	ان الصریح یفوق الدلالۃ۔	۴۱۸
ہر بدعت سیئہ کفر نہیں۔	۲۲۱	ماحرم اخذہ حرم اعطأہ	۴۱۹
بعض بدمذہبیاں کفر نہیں۔	۲۲۱	ومایودی الی محظور محظور۔	۴۲۴
کافر کو کافر نہ جاننا خود کفر ہے۔	۲۸۵	البقاء اسھل من الابتداء۔	۴۹۱
جس نے کفر کو کفر نہ جانا تو ضرور کفر کو اسلام جانا۔	۲۸۶	مجوز نافی امر ونہی ہے اور نافی پر شرعاً اور عقلاً بینہ نہیں۔	۵۷۲
کفر اور اسلام میں تقابل تضاد ہے۔	۲۸۶	حرام وممنوع کہنے والا نہی شرعی کا مدعی ہے ثبوت دینا اس کے ذمے ہے کہ شرع نے کہاں منع کیا۔	۵۷۲
جب کوئی حکم کسی علت کی وجہ سے ثابت ہو تو جب تک علت موجود رہے گی وہ حکم باقی رہے گا۔	۲۹۱	قائل جواز مثل سائل مدعا علیہ ہے جس سے مطالبہ دلیل محض جنون ہے۔	۵۷۲
دارالاسلام میں جب تک کوئی حکم اسلامی موجود ہو تو وہ دارحرب نہ ہوگا اگرچہ مسلمانوں کا غلبہ ختم ہوگیا ہو۔	۲۹۲	مجوّز کے لئے یہی دلیل بس ہے کہ منع پر کوئی دلیل نہیں۔	۵۷۲
عرف ومحاورہ کو افادہ مقاصد میں دخل تام ہے۔	۳۴۱	عدم نقل، نقل عدم نہیں، نہ عدم فعل منع کو مستلزم ہے۔	۵۷۳
کسی شخص موحد نے قسم کھائی کہ "لایدخل ھذہ الدار الاان یحکم علیہ الدھر" پھر اس گھر میں داخل ہوا تو حانث نہ ہوگا اور یہ کلام مجاز پر محمول ہوگا کیونکہ حالف کا موحد ہونا قرینہ ہے۔	۳۴۷	نقل مع عدم الطلب فعلاً وکفًا وعدمِ ذکر راسًا دونوں انعدامِ امر ونہی کی صورتیں ہیں۔	۵۷۳
لفظ "شہنشاہ" میں محض احتمال استغراق حقیقی موجب منع نہیں ہوسکتا ورنہ ہزاروں الفاظ کہ تمام عالم میں دائر وسائر ہیں ممنوع ہوجائیں گے۔	۳۴۷	مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے۔	۵۸۱
کوئی لفظ جب ارادۃً وافادۃً ہر طرح سے شناعت سے پاک ہو تو صرف احتمال باطل اسے ممنوع کردے گا۔	۳۵۳	نیک بات بانضمام اوضاع خاصہ بد نہیں ہوسکتی۔	۵۸۱
مانعین نے ظاہر نہی پر نظر کی کہ اس میں اصل تحریم ہے اور اطلاق کرنے والوں نے دیکھا کہ لفظ ارادۃ وافادۃ ہر طرح شناعت سے پاک ہے تو نہی تنزیہی ہوئی۔	۳۶۲		

قائل جواز کو صرف اسی قدر بس کہ یہ مقید زیر مطلق داخل ہے۔	۵۸۱	**فضائل ومناقب**	
اپنی طرف سے اطلاق مقید اور تقیید مطلق دونوں ممنوع ہیں۔	۵۸۱	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام عالم سے زیادہ ستھرے ہیں۔	۱۰۸
قضیہ کل بدعۃ ضلالۃ کس تقدیر پر عام مخصوص البعض اور کس تقدیر پر غیر مخصوص البعض ہے۔	۵۸۲	مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ممنوع وگناہ اور کہنے والا گنہگار ہے۔	۱۱۶
عدم فعل قاضی منع نہیں کف میں اتباع ہے نہ مجرد ترک میں۔	۵۸۲	مسئلہ مذکورہ پر شواہد ودلائل۔	۱۱۶
افراط وتفریط دونوں ہی برے ہیں۔	۶۱۹	اللہ تعالٰی نے منافقین کا رد کرتے ہوئے مدینہ منورہ کا نام طابہ رکھا۔	۱۱۷
اصل اشیاء میں طہارت واباحت ہے، جب تک نجاست یا حرمت معلوم نہ ہو حکم جواز ہے۔	۶۳۲	بعض اشعارِ اکابر میں لفظ یثرب کے وقوع کا عذر۔	۱۱۸
جو بات عام مسلمانوں کی نفرت کا موجب ہو شرعاً منع ہے۔	۶۳۹	یثرب کہنے سے کیوں منع کیا گیا۔	۱۱۹
جس بات میں آدمی متہم ومطعون ہو شرعی طور پر ممنوع ہے۔	۶۳۹	جس نے ایک بار یثرب کہا وہ دس بار مدینہ کہے۔	۱۱۹
جو دو مصیبتوں میں ہوجائے تو وہ ان میں اخف واہون کو اختیار کرے۔	۶۶۱	جب عام مسلمانوں کے باب میں یہ احکام ہیں تو علماء کرام کی شان تو ارفع واعلٰی ہے۔	۱۲۸
شرع مطہر میں ہر غیر مسلم کافر ہے یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک۔	۶۶۵	محبوبان بارگاہ خداوندی کی نزدیکی ورضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے کہ ان کا قرب بعینہٖ قرب خدا اور ان کی رضا اللہ تعالٰی کی رضا ہے۔	۱۳۲
جو اہل کتاب کو کافر نہ جانے وہ خود کافر ہے	۶۶۵	غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو صحابہ کرام سے افضل کہنا گمراہی ہے اور بعطائے الٰہی ان کو مالک نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں۔	۱۵۰
تقیید مطلق وتخصیص عمومات وتفصیل مجملات وتوضیح مبہمات منصب شراح ہے اسی غرض کے لئے وضع شروح ہے وہ اس کے مبائن نہ سمجھے جائیں بلکہ وہ مبین ہیں۔	۶۷۲	کائنات کی ہر نعمت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے ملتی ہے۔	۱۹۵

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاسم خزائن حق ہیں۔	۱۹۵	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام مالک ومختارِ جنت ہیں۔	۳۱۰
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام قبل ارشاد "واغلظ علیھم" کفار پر انواع انواع کے نرمی وعفو وصفح فرماتے تھے۔	۲۳۶	امام ابن حجر مکی کا ارشاد	۳۱۰
امام عطاء بن ابی رباح کے مناقب۔	۲۳۷	فضائل ومناقب سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۳۲۱
عالم دین نائب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۲۵۳	امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے سیّد کہا۔	۳۵۷
روح اعظم حضرت جبریل علیہ السلام کا وصف ہے۔	۲۵۴	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ میری امت کے حکیم ہیں۔	۳۵۸
شرع میں ہر نبی کا یوم ولادت صاحب عظمت ہے۔	۲۶۴	زبور میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا مالک کہا گیا۔	۳۶۳
روز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے۔	۲۶۵	حضرت اعشٰی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ رسالت میں یوں فریاد کی: یامالک الناس ودیّان العرب۔	۳۶۴
سنی العقیدہ عالم کی توہین جاہل کو جائز نہیں چاہے اس کے عمل کیسے ہوں۔	۲۹۴	حدیث میں قبرِ مومن کو روضۃ من ریاض الجنۃ کہا گیا۔	۳۷۸
مدینہ منورہ تمام شہروں سے افضل ہے۔	۲۹۷	قرآن مجید میں مدینہ طیبہ کی تمام زمین کو ارض اللہ (اللہ کی زمین) کہا گیا۔	۳۷۹
مجاورتِ مدینہ منورہ ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے۔	۲۹۷	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شاہ طیبہ بھی ہیں شاہ روئے زمین بھی اور شاہ تمام اولین وآخرین بھی، جن میں ملوک وسلاطین سب داخل ہیں۔	۳۷۹
دنیاوآخرت کی سب مراد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اختیار میں ہے۔	۳۰۹	فضائل ومناقب وکرامات سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ۔	۳۸۳
شیخ عبدالحق محدّث دہلوی علیہ الرحمہ کا ارشاد	۳۱۰	امام اجل مصنف بہجۃالاسرار کی جلالت شان اور اس کتاب کی صحت وعظمت۔	۳۸۴
ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا ارشاد	۳۱۰	سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ کو مالک حقیقی نے تمام اولیاء کے قلوب واحوال پر تصرف بخشا ہے چاہے روک لیں چاہے چھوڑ دیں۔	۳۹۲

اولیاء وعلماء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ورثاء ہیں۔	۴۰۴	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقش نعل مبارک کی برکت سے درد دور ہوگیا۔	۴۵۲
برکت آثار بزرگان دین سے متعلق متعدد ائمہ وعلماء کی عبارات۔	۴۰۴	نقش نعل مبارک کی آزمودہ برکات۔	۴۵۳
سرکار کی تعظیم کا ایک طریقہ آپ کے تمام متعلقات کی تعظیم ہے۔	۴۱۲	فضائل ومناقب سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۶۶
برکات نقش نعل پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام	۴۱۳	افضلیتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۴۷۰
اولاد عبدالمطلب کے حسن سلوک کا صلہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عنایت فرمائیں گے۔	۴۱۹	باپ پدرِ گِل ہے اور پیر پدرِ دِل ہے۔	۴۷۶
روضہ مقدسہ کا نقش بنانا بالاجماع جائز ہے۔	۴۳۹	مولیٰ معتق مشتِ خاک ہے اور پیر معتق جانِ پاک۔	۴۷۶
دلائل الخیرات کی عظمت شان۔	۴۴۶	صرف بیعت تبرک کے فوائد۔	۵۰۷
روضہ مبارکہ کا نقشہ بنانے کے فوائد۔	۴۴۷	بیعتِ ارادت اور پیر کو کیا سمجھے۔ شریعت تمام احکام جسم وجان وروح وقلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے۔	۵۲۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسرار سے فائدہ اٹھانے اور آپ کے انوار سے پھول چننے کی صورت۔	۴۴۸	جملہ اولیائے کرام کا اجماع قطعی ہے کہ تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں تو حق ومقبول ورنہ مردود ومخذول۔	۵۲۳
ذکر کے وقت صورت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور دل میں جمائیں۔	۴۴۸	یقیناً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط ومدار ہے اور شریعت ہی محک ومعیار ہے۔	۵۲۳
نعل مقدس کے نقش کا احترام مثل نعل مقدس چاہیے۔	۴۴۸	شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعال ہے۔	۵۲۵
برکت وعظمتِ نقشِ نعلِ رسول میں ابوالیمن کا ایک قصیدہ۔	۴۵۰	شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں۔	۵۲۶
وصف نقشہ نعل مبارک میں ابن المرحل کا قصیدہ۔	۴۵۱		

شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل اس کی چنائی ہے اور اس عمارت کی بلندی طریقت ہے۔	۵۲۸	ذکرِ رسول عین ذکرِ الٰہی اور ثناء رسول عین ثناء الٰہی ہے۔	۵۹۹
ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔	۵۲۸	دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔	۶۰۸
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمر بھر شریعت کی طرف ہی بلایا تو اس کا خادم اور اس کا عالم کیونکر ان کا وارث نہ ہوگا۔	۵۲۹	**ضمان وتاوان**	
عالم باعمل چاند اور عالم بے عمل شمع ہے۔	۵۳۱	مال غیر ناحق کھالینے کے بعد جب تک تاوان نہ دے گناہ سے توبہ نہ ہوگی۔	۱۱۳
ربانیوں کی صفات قرآن مجید کی رو سے۔	۵۳۲	**ایصال ثواب ونذرونیاز**	
ربانی عالم فقیہ مدرس کو کہتے ہیں۔	۵۳۳	ہندوحلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کر اس پر فاتحہ پڑھنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان دین کو ایصال ثواب کرنا کیسا ہے۔	۱۲۳
علماء شریعت ہی علمائے ربانی ہیں۔	۵۳۳	نذرونیاز کی ایک صورت سے متعلق استفتاء۔	۱۳۱
علمائے شریعت ہرگز طریقت کے سدِّراہ نہیں بلکہ وہی اس کے فتح باب اور نگہبان راہ ہیں۔	۵۳۵	مومن جو نذرونیاز بقصد ایصال ثواب کرتے ہیں اس میں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے۔	۱۳۲
کتاب التعرف لمذہب التصوف کی فضیلت۔	۵۴۴	ایصال ثواب کے لئے مروج نذرونیاز نذر شرعی نہیں۔	۱۳۲
علم احکام الٰہی کی فضیلت۔	۵۴۵	جو شخص نذرونیاز میں عبادتِ غیر کا قصد کرے ضرور مشرک ہے۔	۱۳۳
عالم اور بے علم برابر نہیں ہوسکتے۔	۵۵۰	بھنگی کے گھر کھانے پر فاتحہ وایصال ثواب کرنے والے اور کھانے والے کا کیا حکم ہے۔	۱۵۳
مناقب چشتیاں۔	۵۵۸	کافر کی کوئی نیاز وعمل مقبول نہیں۔	۱۵۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی نعت سن کو جو انعامات عطا فرمائے کسی پیر کو جائز نہیں کہ وہ اپنی تعریف میں قصیدہ خوانی کو اس پر قیاس کرے۔	۵۹۸	کافر کے لئے دعائے مغفرت وفاتحہ خوانی کفر خالص وتکذیب قرآن ہے۔	۲۲۸
سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت وثناء ومدحت عین اسلام اور اس کا اظہار اہم فرض ہے۔	۵۹۹	ایک مردار خور کے ہاں سے نیاز وغیرہ کا گوشت کھانا مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں۔	۶۳۳

تیجہ، دسواں، چہلم سب جائز ہیں جب بنیت محمود اور بطور محمود ہوں۔	۶۴۴	جب تک کفر پر مرنا ثابت نہ ہو کافر پر بھی لعنت جائز نہیں۔	۲۲۲
قمار باز، طوائف یا کوئی حرام پیشہ کرنے والے کے ہاں میلاد وگیارہویں کی نیاز کھانا کیسا ہے۔	۶۵۳	**کسب واجارہ**	
حِیَل		تلقین اسلام پر اُجرت لینا گناہ ہے۔	۱۱۳
مسلمان کب کلمہ کفر کہہ سکتا ہے۔	۱۲۶	آریہ سماجوں میں ملازمت کرنے والے مسلمانوں سے متعلق ایک استفتاء۔	۱۳۶
زیارت آثار مقدسہ وتبرکات شریفہ پر نذرانہ کے جواز کی ایک صورت۔	۴۱۸	کلمات ملعونہ کفریہ کی کاپی نویسی کرنے والے، انہیں چھاپنے والے اور اس میں کسی طرح سے اعانت کرنے والے مسلمانوں پر اللہ تعالٰی اور ملائکہ لعنت کرتے ہیں۔	۱۳۶
سب وشتم ولعنت		ہنود کے تہوار "پچوسن" کے موقع پر مسلمان تیلیوں کا گھانیہ چلانا اور اس کے عوض ہندوؤں سے پیسے وصول کرنا کیسا ہے۔	۱۸۷
عالم کو گالی دینے اور اس کو حقیر جاننے سے متعلق سوال۔	۱۲۶	معاصی پر اجارہ جائز نہیں۔	۱۸۷
کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرعی گالی دینا حرام قطعی ہے۔	۱۲۷	فعل حرام کی اجرت حرام ہے۔	۱۸۷
کسی دنیوی خصومت کے باعث عالم کو برا کہنے اور گالی دینے والا فاسق وفاجر اور بے سبب اس سے رنج رکھنے والا مریض القلب خبیث الباطن ہے۔	۱۲۹	جائز نوکری تیس روپیہ اور ناجائز ڈیڑھ سو کی ملتی ہو تو نفع کے لئے ناجائز کو اختیار کرنا حرام ہے۔	۱۹۷
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دینے، لکھنے اور چھاپنے والے وہابیہ کو امام ومدرس بنانے والا کیسا مسلمان ہے۔	۱۷۶	عیسائیوں کے بِگل بجانے کی نوکری مسلمان کیلئے جائز نہیں۔	۱۹۷
لعنت بہت سخت چیز ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے۔	۲۲۲	حلال کام میں تیس روپے ماہانہ پاتا ہے اور نصرانی ناقوس بجانے پر ڈیڑھ سو ماہانہ دیں گے اس منفعت کیلئے یہ نوکری جائز نہیں۔	۲۰۹

فاسقانہ وضع کا جوتا بنانے پر موچی اور ایسی وضع کے کپڑے بنانے پر درزی کو کتنی اجرت ملے اس کی اجازت نہیں کہ یہ معصیت پر اعانت ہے۔	۲۱۰	**رَدِّ بدمذہباں ومناظرہ**	
نصاریٰ کی وہ ملازمتیں جن میں خلاف شرع فیصلے کرنے پڑیں جائز ہے یا نہیں۔	۲۶۱	بدمذہب کی مذمت اس کے مرنے پر بھی جائز بلکہ کبھی شرعًا واجب۔	۱۴۳
مسلمانوں کو علی گڑھ کالج کی امداد کرنا، اس میں بچوں کو پڑھوانا اور اس کی ملازمت کرنا کیسا ہے۔	۲۶۲	جو یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ کے برابر کوئی صحابی نہیں وہ اہلسنّت سے خارج ہے۔	۱۵۲
موقوفہ زمین سو سال کے لئے اجارہ پر دینا شرعًا جائز نہیں۔	۳۴۳	تفضیلیہ فرقہ رافضیوں کا چھوٹا بھائی ہے۔	۱۵۲
تبرکات شریفہ کی زیارت پر کچھ لینا بحسب عرف اجارہ ہے جو چندوجوہ سے حرام ہے۔	۴۱۶	روافض کی گمراہی کا ثبوت حدیث میں اور ان سے قطع تعلق کا حکم۔	۱۸۴
حرام اور ناپاک پیشہ کرنے والوں کا مال خبیث ہے۔	۶۱۷	بدمذہبوں سے میل جول رکھنے والے اگر توبہ نہ کریں تو مسلمان ان کو اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں سنی مدرسے کی رکنیت توڑی چیز ہے۔	۱۹۰
کتے کی قیمت، زانیہ کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔	۶۱۷	تعظیم بدمذہباں اور ان سے اختلاط رکھنے اور ان کو سلام کہنے پر وعیدات قرآن وحدیث سے۔	۱۹۰
خنزیر خوروں کی کمائی اخبث ہے۔	۶۱۷	دیوبندی گمراہ بے دین ہیں۔	۲۴۷
جس کا ذریعہ معاش صرف مال حرام ہے ان کے گھروں میں کھانے پینے سے بچنا اولٰی ہے۔	۶۳۷	مسلمانوں پر فرض ہے کہ روافض ومرزائیہ اور ان کے معاونین کے فتنوں کا سدِّ باب کریں۔	۲۵۷
رنڈی سے نکاح کرکے اس کا مال اپنے مال میں ملانا اور اس کو کھانا کیسا ہے۔	۶۵۴	کتابیوں سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہیں جیسے ہنود ومشرکین سے بدتر مرتدین ہیں جیسے وہابیہ خصوصًا دیوبندیہ۔	۲۶۴
پیشہ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے۔	۶۵۸	قادیانی ایسا مرتد ہے جس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ومرتد ہے۔	۲۸۰
میلاد کرانے والوں کے گھر سے میلاد پڑھنے والوں کو کھانا کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۶۶۲		

علماء دیوبند اور ان کی قابل اعتراض چند تصانیف کے بارے میں سوال وجواب۔	۲۸۲	برکت آثارِ بزرگان دین سے انکار آفتابِ روشن کا انکار ہے۔	۴۰۴
دیوبندیوں کا یہ ظاہر کرنا کہ ہمارا وہ عقیدہ نہیں جو ہماری طرف منسوب کیا جاتا ہے اور متعلقہ عبارت کی تاویل کرنا مقبول ہے یا نہیں۔	۲۸۲	تعزیہ ہرگز نقل روضہ امام حسین نہیں اور نہ بنانے والے اس کا قصد کرتے ہیں۔	۴۲۳
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی فرض ہے۔	۲۸۴	تعزیہ داری کی قباحتیں۔	۴۲۳
وہابی حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے جو ہرگز نہ ہوگا۔	۳۰۲	غیر مقلدین کی گمراہی کا سبب	۴۶۳
وہابیہ اس استعانت کو بھی آیۃ کریمہ "وایاک نستعین" میں داخل مانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حق میں محال قطعی ہے۔	۳۰۴	عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے۔	۵۲۴
وہابیہ کے بیوقوفانہ سوال کا جواب آیت قرآنی سے۔	۳۰۴	شریعت کو قطرہ اور طریقت کو دریا کہنا پکے پاگل کا کام ہے۔	۵۲۴
تین وہابیت کُش حدیثیں۔	۳۱۷	وہابیہ کے ایک بڑے دھوکہ کی نشاندہی۔	۵۷۱
وہابیہ انبیاء واولیاء سے استعانت کو شرک قرار دیتے ہیں مگر خود حکیم، تھانہ دار، جمعدار، ڈپٹی اور جج وغیرہ سے استعانت کرتے ہیں۔	۳۲۵	امثال مقام میں نہایت سعی منکرین عدم نقل سے استدلال ہے جو عقلاء کے نزدیک بے اصل استناد ہے۔	۵۷۲
وہابیہ کی طرف جہلاء کو دھوکہ دینے کے لئے زندہ ومردہ اور قریب وبعید کا فرق کرنا سخت جہالت بے مزہ ہے۔	۳۲۶	اگر عدم ورود پر ورود منع ٹھہرائیں تو ایک شغل برزخ پر کیا موقوف عامہ اذکار واشغال اولیاء کرام معاذاللہ بدعت شنیعہ وحرام وممنوع قرار پائیں گے۔	۵۷۳
وہابیہ کا تراشیدہ نیا شگوفہ اور تین وجوہ سے اس کا رَد۔	۳۲۷	شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی تصنیف "القول الجمیل" کی وضع ہی اذکار محدثہ اور اشغال حادثہ کی ترویج وتعلیم کے لئے ہے۔	۵۷۴
وہابیہ وخوارج کی تجہیل بطور جملہ معترضہ۔	۳۶۰	اولیائے کبار کے اشغال کے بدعت سیئہ نہ ہونے پر شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ، مولوی خرم علی معلم ثالث وہابیہ، شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ اور مرزا مظہر جان جاناں کی شہادت۔	۵۷۵
لفظ اقضی القضاۃ کے اطلاق پر زمخشری کا اعتراض اور امام ابن المنیر کا جواب۔	۳۶۴		

خود امام الطائفہ شاہ اسمٰعیل دہلوی کی گواہی۔	۵۷۶	بعد از توبہ کیسے کاذب کی گواہی مقبول اور کیسے کی نامقبول ہے۔	۱۴۹
اولیاء کرام کے ساتھ وہابیہ کی روش اور حالت۔	۵۷۶	مقذوف فی القذف کی گواہی ہمیشہ کو مردود ہے۔	۱۸۴
مسئلہ شغل برزخ پر اقوال اولیاء کبار پیش نہ کرنے کی وجوہات۔	۵۷۷	شرعی فیصلے ہندو سرپنچ اور پنچ سے کرانا حرام اور بحکم قرآن سخت ضلالت ہے۔	۲۷۳
تصور برزخ میں خاص خاندان عزیزی کی نصوص۔	۵۷۸	**لہو ولعب**	
عبارت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمہ سے پندرہ وہابیت کش فوائد۔	۵۷۸	شادی کے موقع پر تاشہ بجانے کے بارے میں استفتاء۔	۱۵۴
وہابیہ کے طور پر شاہ ولی اللہ وشاہ عبدالعزیز سے لے کر صحابہ کرام تک سب بدعتی ہیں۔	۵۸۲	کیسی دف شادی کے موقع پر بجانے کی اجازت ہے۔	۱۵۴
یہ جاہلی مغالطہ کہ اس طریقے میں کوئی بھلائی ہوتی تو صحابہ ہی کرتے تم کیا دین میں ان سے زیادہ سمجھ رکھتے ہو بیہودہ ونامسموع ہے۔	۵۸۲	مروج ڈھول تاشے بجانا جائز نہیں۔	۱۵۴
وہابی ایک سخت گمراہ بددین فرقہ ہے۔	۶۴۴	بیاہ شادیوں پر طوائف اور بھانڈ نچانے کا حکم شرعی کیا ہے۔	۱۵۵
یہود ونصارٰی کافر اصلی ہیں مرتد نہیں۔	۶۴۷	اہل ہنود کا میلہ دیکھنے کے لئے جانا مطلقًا ناجائز ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر لازم آتا ہے۔	۱۵۷
رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری اور چکڑالوی مرتد ہیں۔	۶۴۷	کفریات کو تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔	۱۵۸
شہادت وقضاء		منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں۔	۱۵۸
آسمان پر اللہ تعالٰی کے گواہ ملائکہ اور زمین پر اہلسنّت ہیں۔	۱۴۳	شعبدہ باز بھان متی بازی گر کے افعال حرام ہیں۔	۱۵۹
فاسق کی گواہی تائب ہو کر بھی قبول نہیں جب تک کچھ مدت گزر نہ جائے۔	۱۴۹	حرام کو تماشا بنانا حرام۔	۱۵۹
		کفار کو دعوتِ ہدایت واسلام دینے کے لئے ان کے میلے میں عالم دین کو جانا مطلقًا جائز ہے۔	۱۶۱

ہندوؤں کے افعال ملعونہ کو بطور تماشہ دیکھنا لعنت اور بنگاہ وقعت دیکھنا کفر ہے۔	۱۷۰	**غیبت وکذب**	
ہنود کے میلوں میں بطور تماشائی جانے والا گنہگار ہے کافر نہیں۔	۲۴۸	غیبت جاہل کی بھی سوا مخصوص صورتوں کے حرام قطعی وگناہ کبیرہ ہے۔	۱۲۷
مزامیر جائز نہیں۔	۶۰۳	غیبت زنا سے بدتر ہے۔	۱۶۲
ناچ گانا، باجا اور آتشبازی پر مشتمل تقریبات شادی بیاہ میں شریک ہونا کیسا ہے۔	۶۰۹	کون سا جھوٹ صغیرہ ہے۔	۱۶۳
دف بجانا کن شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۶۴۳	غیبت وکذب کب زنا سے بدتر ہوتے ہیں۔	۱۶۳
شادی وغیرہ پر گانا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۴۴	**سلام وتحیّت وسجدہ تعظیمی**	
محض تفریح طبع کے لئے شکار کھیلنا ناجائز ہے۔	۶۵۷	سجدہ تحیت اگر بت، چاند یا سورج وغیرہ کو کیا جائے تو اس پر حکم کفر ہے۔	۱۶۳
میلاد شریف میں قوالی کی طرح پڑھنا کیسا ہے۔	۶۶۴	کافر کو تعظیماً سلام کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔	۲۴۷
بیوع		**امامت**	
میلہ کفار میں تجارت کیلئے جانا بھی ممنوع ہے۔	۱۵۹	فعل حلال کو حرام کرنے والے، غیر مقلدین کو خلاف شرع مدد دینے والے، شرعی معاملے میں جھوٹی شہادت دینے والے کے پیچھے نماز ناجائز ہے جب تک توبہ نہ کریں۔	۱۶۹
اگر کوئی جبراً لوگوں کو ارزاں فروخت کرنے پر مجبور کرے تو ایسی اشیاء کو خریدنا اور کھانا حرام ہے۔	۲۷۱	حق کے مقابل باطل کی اعانت کرنے والے کی امامت ناجائز اور مسلمان ان کا مقاطعہ کریں۔	۱۶۹
جس مارکیٹ میں مجوسی نے خنزیر کاٹا وہاں سے گوشت خریدنا مسلمان کے لئے کیسا ہے۔	۶۴۸	جوان لڑکی کو مسلمان کرنے والے عالم کے پیچھے نماز ناجائز نہیں۔	۱۷۲
مجوسی سے گوشت خریدنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۴۹	فاسق ومرتکب کبیرہ اور مفتری علی اللہ کے پیچھے نماز ممنوع ہے۔	۱۷۵
خریداری میں عقد ونقد مال حرام پر جمع ہوئے تو اس کا کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔	۶۵۴	وہابیہ بے دین ہیں ان کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔	۱۷۶

اہل ہنود کے رسومات کفریہ پر مشتمل جلسوں میں شرکت کرنے والا قابل امامت نہیں۔	۲۲۸	کتا اگر جانماز پر چلا جائے اور اس کے پاؤں اور جانماز دونوں خشک ہوں تو جانماز کا دھونا لازم نہیں، یہی حکم مشرک کے بارے میں بھی ہے۔	۲۵۸
فرض کا ترک موجب ملامت اور مانع امامت ہے۔	۲۲۸	کون سے کپڑے نجس اور کون سے طاہر ہیں۔	۶۳۲
مشرک کی تعظیم کرنے والے امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔	۲۷۷	مشرکین کی تیار کردہ اشیاء خورد ونوش اور ملبوسات وغیرہ کا استعمال کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۶۳۲
غیر مقلدین ومرزائیہ سے نشست وبرخاست رکھنے والے امام کے پیچھے نماز کا حکم شرعی۔	۲۷۸	نصارٰی کے یہاں کی رقیق اشیاء کم ہی نجاست غلیظہ سے خالی ہوتیں اور نہیں تو اسپرٹ کی آمیزش تو ضرور ہوتی ہے۔	۶۳۳
علماء دیوبند کی تکفیر نہ کرنے والوں کی اقتداء میں نماز کے جواز وعدم جواز کی تفصیل۔	۲۸۴	مجوسی کے ہاتھ کی ذبح ہوئی بکری بھی خنزیر کی مثل ہے۔	۶۴۹
سور اور مردار کا گوشت پکا کر عیسائیوں کو کھلانے والوں اور ان کے گھر سے کھانا کھانے والے امام کے بارے میں استفتاء۔	۶۱۲	شرابی کے ہاتھ اور منہ کے پاک ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔	۶۷۴
عہدہ امامت ان لوگوں کو نہیں دینا چاہیے جن سے لوگ نفرت کرتے ہیں۔	۶۱۵	**حدود وتعزیر**	
حرامزادے، جذامی اور کوڑھ کے مریض کو امام بنانا کیوں ناجائز ہے۔	۶۱۵	یہ لفظ کہ ہم خدا ورسول کو نہیں مانتے صریح کفر ہے، اس کے قائل پر توبہ وتجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم ہے، اعلانیہ توبہ نہ کرے تو مسلمان اس سے بائیکاٹ کریں۔	۱۰۴
روافض کے ہاں کھانا کھانے والے کے پیچھے نماز کا حکم کیا ہے۔	۶۴۷	ہمارے ائمہ کرام مالی جرمانہ (تعزیر بالمال) کے قائل نہیں۔	۱۱۳
انجاس		کمہار نے گھر میں ناقوس بجایا ایک مسلمان نے اس پر کلوخ اندازی کی جس پر ایک منیجر مسلمان نے اس کو تنبیہ کی اور جرمانہ لیا، کیا منیجر گنہگار ہوگا۔	۱۳۰
برہمن اور خاکروب میں سے زیادہ نجس کون ہے۔	۱۷۳	رافضیوں سے میل جول حرام، اس کا مرتکب فاسق، مسلمان اس سے مقاطعہ کریں۔	۱۵۲

رافضیوں سے میل جول حرام، اس کا مرتکب فاسق، مسلمان اس سے مقاطعہ کریں۔	۱۵۲	بے پردہ نکلنے والی عورتیں فاسقہ اور ان کے مرد دیّوث ہیں ان سے میل جول مناسب نہیں۔	۶۳۷
کفار کے کھانے پر فاتحہ دلانے والے اور ثواب کا اعتقاد رکھنے والے پر توبہ فرض ہے بلکہ اس کو تجدید اسلام و تجدید نکاح چاہیے ورنہ مسلمان اس سے قطع تعلق کریں۔	۱۵۳	علم، علماء، تعلیم، تبلیغ و تلقین، تدریس	
زنا کے ثبوت کا شرعی معیار۔	۱۸۴	خاکروب مسلمان ہو کر پھر اپنی قوم سے مل گیا اور اب دوبارہ قبول اسلام کی درخواست کرے تو اس میں تامل نہیں کرنا چاہیے۔	۱۷۳
مالی جرمانہ منسوخ ہو چکا لہٰذا کسی پر مالی جرمانہ ڈالنا حرام ہے۔	۲۷۳	جو خود عالم نہ ہو اور مستند علماء کا فتوٰی نہ مانے تو وہ گمراہ ہے۔	۱۷۳
ہندو کے گھر جھٹکے کا گوشت کھانے والا اور مردار کے گوشت کو فروخت کرنے والا مسلمان شیطان کا مسخرہ ہے، اس کا دین ایمان ٹھیک نہیں مسلمان اس سے میل جول بند کرکے اس کا بائیکاٹ کریں۔	۶۶۲	غیر عالم کو حکم ہے کہ عالم سے پوچھو۔	۱۷۳
تعزیہ اور اس سے متعلق بدعات		کافر کہے مجھے مسلمان کرلو تو مسلمان کو اس کیلئے فرض نماز توڑ دینا واجب ہے۔	۱۹۹
تعزیہ مذہب میں ناروا و ممنوع ہے۔	۱۶۸	کفار کو دعوت اسلام دینا کب واجب اور کب مستحب ہے۔	۱۹۹
تعزیہ ناجائز و بدعت ہے مگر کفر نہیں کہ نمازِ جنازہ ناجائز اور ذبیحہ مردار ہو۔	۲۲۱	جو مدارس ہر طرح خالص اسلامی ہوں ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے۔	۲۴۹
بُت اور تعزیہ نیز ان دونوں کے چڑھاوے میں فرق ہے۔	۲۴۶	نالائق مدرس مقرر کرنا صحیح نہیں۔	۲۵۰
تعزیہ ناجائز ہے اور گھوڑا نکالنا بھی صحیح نہیں۔	۲۴۷	جب کوئی بددین مسلمانوں کو بہکائے تو اس کا دفع کرنا اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع کرنا فرض اعظم ہے۔	۲۵۶
دیکھنا، چھونا، حجاب		درس نظامی میں شامل فلسفہ قدیمہ کی بعض کفریات کا تذکرہ۔	۲۶۷
اجنبیہ عورت سے خلوت حرام ہے۔	۱۸۴		

عالم دین کے علم کی لوگوں کو محتاجی ہو تو اس کو ہجرت تو در کنار طویل سفر کی بھی اجازت نہیں۔	۴۸۲	رحم میں مرد وعورت کے نطفہ کے غالب ومغلوب ہونے کے اعتبار سے لڑکا یا لڑکی بننے کی چار صورتیں ہیں، کبھی ظاہرًا وباطنًا لڑکا، کبھی ظاہرًا وباطنًا لڑکی، کبھی ظاہرًا لڑکا اور باطنًا لڑکی، اس کو زنانی وضع اور نسوانی حرکت کا شوق رہتا ہے اور کبھی ظاہرًا لڑکی مگر باطنًا لڑکا، اس کو مردانہ وضع وحرکات مرغوب ہوتی ہیں۔	۶۰۰
عالم اگر جانے کہ کسی تقریب میں میری شرکت پر عوام مجھے متہم ومطعون کریں گے تو نہ جائے۔	۶۱۱	شہد میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔	۶۶۶
ترک نماز کا مال وطعام پر کوئی اثر نہیں لیکن عالم مقتداء اس کے ہاں کھانے سے احتراز کرے۔	۶۳۵	شہد مکھیوں کی غذا نہیں ان کی غذا پھل پھول ہیں شہد تمام وکمال ہمارے لیے ہے۔	۶۶۷
عالم مقتدا کو بے ضرورت سود خوار کے ہاں کھانے پینے سے احتراز چاہیے۔	۶۳۵	**تصویر**	
مسلمان دھوبیوں کو مسلمانوں میں ملانا اور احکام دین سکھانا فرض ہے اور ان سے نفرت کرنا اور تعلیم شریعت سے ان کو دور رکھنا حرام ہے۔	۶۳۶	کونسی تصویر کو سجدہ کرنا کفر نہیں۔	۱۶۳
کسی دعوت میں نہی عن المنکر کی نیت سے جانے والا ثواب پاتا ہے۔	۶۷۴	پاسپورٹ کے لئے تصویر بنانے اور بنوانے سے متعلق استفتاء۔	۱۹۵
سائنس وطب وفلسفہ ومنطق		ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگرچہ صرف چہرہ کی ہو۔	۱۹۶
خوردبین سے مشاہدہ ہوا ہے کہ دودھ اور پانی سب میں یقینا کیڑے ہوتے ہیں۔	۱۸۸	جس کا کھینچنا حرام اس کا کھنچوانا بھی حرام ہے۔	۱۹۶
مطابق قانون فطرت ہے کہ رطوبت میں حرارت جب عمل کرے گی توفیضان روح ہوگا۔	۱۸۸	کس صورت میں تصویر کی اجازت ہے۔	۱۹۸
ثبوتِ اخص کو ارتفاع اعم پر دلیل بنانا باطل ہے۔	۵۷۳	**رشوت وسُود**	وجوا
منطق اصولی کو مطلق منطق سمجھنا غلط ہے۔	۵۸۱	سود خور سے محبت بلامجبوری منع ہے۔	۱۵۲
عورت کے رحم میں دوخانے ہوتے ہیں، دایاں خانہ لڑکے کے لئے اور بایاں لڑکی کے لئے۔	۶۰۰	سود کھانے والے، کھلانے والے اور لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت۔	۱۵۲

زناکب سود اور جوئے سے بدتر اور کب ان سے کمتر گناہ ہے۔	۱۵۵	سود خوار کے کھانے سے اجتناب چاہیے۔	۶۵۸
جوئے کا اڈہ لگانے والے حنفی المذہب اور اہلسنت وجماعت رہتے ہیں یا نہیں۔	۱۵۵	وارث اگر جانتا ہے کہ یہ روپیہ سود کا ہے تو اس کو لینا جائز نہیں، مورث نے جس سے لیا تھا اس کو واپس کرے یا تصدق کرے۔	۶۵۸
حرام اور کفر اور سود کھانے میں کون سا گناہ صغیرہ اور کون سا کبیرہ ہے۔	۱۶۱	**اذان**	
اگر حج کی ادائیگی کی رشوت کے بغیر کوئی صورت نہ ہو تو کیا کرے۔	۱۹۸	اذان سے استہزاء کفر ہے اس کا مرتکب تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔	۲۱۵
لکڑی جنگل سے مفت مل سکتی ہے مگر اس کیلئے کسی شخص کو رشوت دینی پڑتی ہے تو دینا حرام ہے۔	۲۱۰	**داڑھی، حلق، قصر، حجامت**	
کعبہ معظّمہ میں داخل ہونے کیلئے رشوت دینا اور اس کا لینا حرام ہے۔	۲۱۱	مرد کے سر پر چوٹی رکھنا حرام ہے خصوصًا کسی کے نام کی چوٹی۔	۱۳۴
فیصلہ معاملات کے لئے پنچایت میں درخواست دینے والوں سے پیسے وصول کرنا رشوت وحرام ہے۔	۲۷۳	داڑھی سے استہزا کرنے والے کا ایمان زائل، نکاح باطل اور عذر جہل غلط وعاطل ہے۔	۲۱۵
سود خور کے ہاں کھانا اور اس سے پیسہ لے کر مسجد میں لگانا یا گیارہویں ومیلاد میں صرف کرنا کیسا ہے۔	۶۳۳	داڑھی شعار اسلام ہے۔	۲۱۵
سود خور کے گھر کا کھانا جائز ہے جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ جو کھانا سامنے لایا گیا ہے وہ حرام ہے۔	۶۳۳	داڑھی اور بھنویں منڈانا، مرد ہو کر کانوں میں مندرے پہننا اور عورتوں جیسے لمبے بال رکھنا اور مرد کو زنانی وضع اختیار کرنا حرام وباعث لعنت ہے، ایسے کو پیر مان کر اس کا مرید ہونا حرام ہے۔	۶۰۰
ضرورتًا سودی قرض لینے والے کے یہاں کھانے میں حرج نہیں۔	۶۵۱	مشت بھر سے کم داڑھی کو کاٹنا کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔	۶۰۲
جو چیز بعینہٖ سود میں آئی اس کا کھانا حرام اور سود کے روپے سے خریدی تب بھی ناجائز ہے۔	۶۵۸		

داڑھی مونڈنا ہند کے یہودیوں اور عجمی آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔	۶۰۲	دست غیب کا اعلیٰ اور سہل تر عمل وہ ہے جو قرآن مجید میں موجود ہے۔	۲۱۹
تسخیر ہمزاد، آسیب، جن بھوت، دست غیب وعملیات		لوگ عمل حب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں مگر نہیں ملتا حالانکہ حب کا سہل ویقینی عمل قرآن مجید میں مذکور ہے۔	۲۱۹
کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا یا برا دریافت کرنا کیسا ہے۔	۱۵۵	کواکب فلکی کے اثرات سعد ونحس پر عقیدہ رکھنا کیسا ہے اور تعویذات میں عامل کو ان کی رعایت کہاں تک درست ہے۔	۲۲۳
ہمزاد کیا ہے اور اس کی تسخیر کے لیے عمل کرنا کیسا ہے۔	۲۱۶	مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں۔	۲۲۳
آسیب، بھوت، چڑیل اور شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہیں یا غلط۔	۲۱۶	کواکب کو موثر جاننا شرک، ان سے مدد مانگنا حرام اور ان کی رعایت خلاف توکّل ہے۔	۲۲۴
دستِ غیب اور مصلّے کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں۔	۲۱۶	ایک ایسے عامل کے بارے میں سوال جو ایک میز پر ارواح مسلمین کو حاضر کرتا ہے اور ان سے بات چیت کرتا ہے اور ان سے سوالات کے جواب پوچھتا ہے۔	۶۰۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہمزاد مسلمان ہوگیا تھا۔	۲۱۶	روحیں حاضر کرکے سوالات پوچھنے والے عامل کی صداقت کا امتحان لینے کا ایک آسان طریقہ۔	۶۰۵
تسخیر ہمزاد اگر سفلیات سے ہو تو حرام قطعی بلکہ بعض صورتوں میں کفر، اور اگر علویات سے ہو تب بھی خالی از ضرر نہیں۔	۲۱۷	جنّوں سے کلام ومصاحبت میں کوئی خیر نہیں کم از کم اس کا ضرر یہ ہے کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔	۶۰۶
صحبت جن کا کم از کم ضرر یہ ہے کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔	۲۱۸	**دُعا واستغفار**	
جن اور ناپاک روحیں احادیث سے ثابت ہیں۔	۲۱۸	سلاطین اسلام وممالک اسلامیہ واماکن مقدسہ کے لئے خطبہ جمعہ وعیدین میں دعا مستحب ہے۔	۲۳۰
دست غیب کی صحیح اور غلط صورتیں۔	۲۱۸		

طعام کو حاضر رکھ کر کھانے سے پہلے دعا کرنا جائز ہے۔	۲۶۶	خلافت ترک صحیح ہے یا نہیں۔	۲۶۱
سیاست وامور سلطانیہ		خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والے کا کیا حکم ہے۔	۲۶۱
اہل ہنود کی طرف سے حکومت خود اختیاری کی تحریک وشورش میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں استفتاء اور ہندوؤں کے مسلمانوں کے ساتھ رویّے کی جھلک۔	۱۷۸	حملہ آوروں کے خلاف بادشاہ اسلام کی اعانت مسلمانوں پر فرض ہے یا نہیں۔	۲۶۱
دینی مدرسہ میں حکومت انگریز کی امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ داخل نہ کی گئی تو اس میں شرعًا کوئی حرج نہیں اور اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔	۲۲۷	ہندوستان دارالاسلام ہے اور دار الاسلام سے ہجرت فرض نہیں۔	۲۸۱
حکومتی خطاب واپس کرنا نہ کرنا کوئی شرعی مسئلہ نہیں اگر واپسی خطاب میں بندش امداد کا اندیشہ صحیح ہے تو واپسی حماقت ہے۔	۲۲۸	ہند اور سندھ سے ہجرت کے متعلق ایک فارسی استفتاء اور اس کا جواب۔	۲۹۰
قربانی گاؤ شعارِ اسلام ہے اور ہندوستان میں اس کا جاری رکھنا واجب ہے۔	۲۲۸	خلافت اسلامیہ وہجرت عن الہند کے بارے میں مولانا عبدالباری اور ابوالکلام کی تحریک سے متعلق سوال۔	۲۹۸
گورنمنٹ کی طرف سے مدارس اسلامیہ کو دی جانے والی امداد کو قبول کرنا جائز اور اس کا قطع کرنا حماقت ہے۔	۲۴۹	معافی تقصیر میں کبھی تاخیر ہی مصلحت ہوتی ہے۔	۶۰۰
بادشاہ اگر غیر مستحق کو کچھ دے تو دگنا ظلم کیا ایک غیر مستحق کو دینے کا اور دوسرا مستحق کو نہ دینے کا۔	۲۵۰	**نماز**	
مشرکوں کو خیر خواہ سمجھنا حماقت وجہالت ہے۔	۲۵۰	ڈوبتے کو بچاسکتا ہے تو نماز توڑ کر بچانا لازم ہے اگرچہ نماز قضا ہو جائے۔	۲۰۶
خلافت کمیٹی کا حیلہ اللہ تعالٰی کے فرض کو باطل نہیں کرتا۔	۲۵۶	بچے کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو قابلہ نماز مؤخر کردے۔	۲۰۶
ترکوں کی حمایت اور خلافت کے نام پر مسلمانوں سے چندہ لینے والوں کے مقاصد کی نشاندہی۔	۲۵۸		

اندھے کو کنویں میں گرنے سے بچانے کیلئے نماز کو توڑ دینا لازم ہے۔	۲۰۶	متعدد علماء کرام کے کلام واشعار جن میں لفظ شہنشاہ اور اس کے مترادفات کو استعمال فرمایا گیا ہے۔	۳۴۴
نماز میں حضور قلب وخشوع وخضوع مغز مقصود اور اعز مطلوب ہے۔	۲۵۳	لفظ شہنشاہ کے منع وجواز کے بارے میں تحقیق مصنف علیہ الرحمہ۔	۳۴۷
مندر میں نماز پڑھنا ناجائز ہے۔	۲۷۲	کوئی مسلمان استغراق حقیقی کے ارادے سے لفظ شہنشاہ غیر خدا کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نہ زنہار کلام مسلم میں یہ لفظ سن کر کسی کا اس طرف ذہن جاسکتا ہے بلکہ قطعًا عہد یا استغراق عرض مراد ہوتا ہے۔	۳۴۷
زبردستی نماز پڑھنے کو کہا اس نے انکار کردیا تو کیا حکم ہے۔	۲۹۸	قائل کا مسلمان ہونا قرینہ قاطعہ ہوتا ہے کہ اس کے کلام میں لفظ شہنشاہ وغیرہ سے مراد استغراق حقیقی نہیں بلکہ عہد یا استغراق عرفی ہے۔	۳۴۷
صاحب تحری کا قبلہ قبلہ تحری ہے۔	۴۷۵	"انبت الربیع البقل" اگر موحد کہے تو مجاز پر محمول ہوگا کیونکہ اس کا موحد ہونا اس پر قرینہ ہے۔	۳۴۷
ترک نماز کبیرہ اخبث واکبر ہے۔	۶۳۵	لفظ شہنشاہ کی وضع وترکیب جیسے متعدد الفاظ کی فہرست۔	۳۴۸
تارک نماز پر وعید شدید۔	۶۳۵	قاضی القضاۃ کا معنی	۳۴۸
سات برس کے بچے کو نماز کا حکم دو اور دس برس کی عمر میں نماز پر سختی کرو۔	۶۳۹	امیر الامراء، خان خاناں اور بگاء بگ کا معنی	۳۴۹
بے نمازی کے ہمراہ کھانا پینا اور میل جول رکھنا شرعًا کیسا ہے۔	۶۵۹	بگاء بگ ترکی زبان کا لفظ ہے۔	۳۴۹
لغت وبلاغت		اس بات پر دلیل کہ عرف عام میں امیر الامراء اور قاضی القضاۃ وغیرہ الفاظ میں استغراق حقیقی ارادۃً وافادۃً ہر طرح قطعًا متروک ومہجور ہے۔	۳۵۱
مہاتما کے معنی روح اعظم کے ہیں۔	۲۵۴	لفظ شہنشاہ سے عرف عام میں استغراق حقیقی مراد لینا متروک ہے اور نہ ہی یہ اس معنی کا فائدہ دیتا ہے۔	۳۵۱
لفظ "شہنشاہ اوّلاً بمعنی سلطان عظیم السلطنۃ محاورات میں شائع وذائع ہے۔	۳۴۱	لفظ اقضی القضاۃ اور قاضی القضاۃ نیز املک الملوک اور ملک الملوک میں فرق۔	۳۵۲

روضہ کامعنی قبر نہیں بلکہ خیابان اور کیاری ہے۔	۳۷۸	مصنف علیہ الرحمۃ کا تقوی اور اللہ ورسول سے محبت کا تقاضا کہ کفریہ کلمات کو نہ خود پڑھا نہ سنا بلکہ استفتاء سے نکال دینے کا حکم دیا۔	۱۳۹
قبر پر روضہ کااطلاق تشبیہِ بلیغ ہے جیسے رایت اسدًا یرمی۔	۳۷۸	خیالات بدمذہبی کے اظہار پر امیر المومنین فاروق اعظم نے ایک شخص کو سخت سزادی اور اس سے قطع تعلق کا حکم دیا تاوقتیکہ وہ ٹھیک ہوگیا۔	۱۴۶
طریق، طریقہ اور طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو۔	۵۲۴	اودھ کے کچھ ہندو تعزیہ بناتے اور اٹھاتے ہیں۔	۱۶۸
احکام مسجد		طوسی کا رفض حد کفر تک نہ تھا اس نے حتی الامکان اگلوں کے کفر کی تاویلات کیں جو گناہ ہے اور جہاں اس نے خلاف اہلسنت کیا اس کا رد کر دیا گیا ہے۔	۲۲۰
مساجد میں مشرکوں سے لیکچر کرانا حرام اور توہین مسجد ہے۔	۲۵۸	جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نصرانی کو محرر بنانے سے انکار فرمادیا۔	۲۳۴
مسجد میں سکونت وخورد نوش غیر معتکف کو جائز نہیں۔	۲۷۳	مصر کے ایک مسلمان رئیس اور یہودی طبیب کا واقعہ۔	۲۴۱
مشرکین کا مسجد میں مجمع توہین مسجد ہے۔	۲۷۳	یہودی طبیب سے علاج کرانے والے ایک مسلمان مریض کا واقعہ۔	۲۴۳
کافر کی زمین پر مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی اور نہ وہ مسجد مسجد ہوگی۔	۲۷۳	امام رازی علیہ الرحمۃ کے علیل ہونے اور یہودی طبیب سے علاج کرانے کا عجیب واقعہ۔	۲۴۳
تاریخ وتذکرہ		حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق یوم جمعہ میں ہوئی جو اس کی وجہ فضیلت ہے۔	۲۶۴
ہندو بلاشبہہ قطعی طور پر کافر اور مشرک ہیں انہیں کافر نہ جاننے والا خود کافر ہوجاتا ہے۔	۱۲۴	علی گڑھ کالج کی حالت پیر نیچر کے زمانے میں اور اس کے بعد۔	۲۶۷
آریہ ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ ہے۔	۱۲۴	کفریات پر مشتمل چند کتابوں کے مصنفین کے نام۔	۲۸۶
بعض عقائد ونظریات آریہ کا بیان۔	۱۲۴		

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے مشرک غلام سے استعانت سے انکار فرمایا حالانکہ وہ دنیاوی طور پر امانت دار تھا۔	۳۰۸	عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بیٹے سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے باپ کو کہا تو ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عزیز ہیں۔	۳۵۸
ان تصانیف جلیلہ کے نام جن میں مسئلہ استعانت وتوسل کے جواز کا ثبوت مذکور ہے۔	۳۱۹	صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین میں سے بیس سے زائد کا نام حکم، تقریبًا دس کا نام حکیم، ساٹھ سے زائد کا نام خالد اور ایک سو دس سے زائد کا نام مالک ہے۔	۳۵۹
حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالٰی علیہ سے متعلق ایک حکایت۔	۳۲۳	تحریم خمر کے موقعہ پر ابتداءً نقیر مزفت وغیرہ برتنوں کے استعمال سے روکا گیا پھر اجازت دے دی گئی۔	۳۶۱
امام ابوالعلاء لیثی ناصحی کا لقب شاہانِ شہ، ملک الملوک تھا۔	۳۴۱	زمخشری معتزلی ہے۔	۳۶۴
امام ناصحی علیہ الرحمہ خود اپنے دستخط لفظ ملک الملوک کے ساتھ کیا کرتے تھے اور بعد کے علماء بھی آپ کو اسی لقب کے ساتھ ملقب کیا کرتے تھے۔	۳۴۳	ابوالعتاہیہ شاعر نے اپنی ایک بیٹی کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن رکھا پھر اس سے توبہ کرلی تھی۔	۳۶۷
بعض علماء، ائمہ اور بزرگان دین کے القاب جلیلہ۔	۳۴۸	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اسبال ازار سے متعلق اظہار تشویش اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جواب۔	۳۷۶
امام ماوردی کا لقب اقضی القضاۃ تھا۔	۳۵۲	امام شطنوفی علیہ الرحمہ کا مختصر تعارف۔	۳۸۴
سب سے پہلے اقضی القضاۃ کا لقب امام ماوردی کا ہوا۔	۳۵۲	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نعلین مبارک، جبہ شریف، تہبند، کمبل اور رضائی وغیرہ تبرکات صحابہ وصحابیات رضوان اللہ تعالٰی علیہم کے پاس محفوظ تھے جن سے وہ برکت وفیض حاصل کرتے اور لوگوں کو ان کی زیارت کراتے تھے۔	۴۰۱
سیدنا امام ابویوسف علیہ الرحمہ سب سے پہلے قاضی القضاۃ کے لقب سے ملقب ہوئے۔	۳۵۲	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ٹوپی میں موئے مبارک کی جلوہ گری۔	۴۰۳
امام ابوبکر ابن ابی شیبہ امام بخاری اور امام مسلم کے استاذ ہیں علیہم الرحمۃ۔	۳۵۸	امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جانورانِ صدقہ کی رانوں پر حُبِسَ فی سبیل اللہ داغ فرمایا تھا۔	۴۱۴

حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہارون الرشید کے گھر جاکر اس کے بیٹوں کو پڑھانے سے انکار کردیا تھا۔	۴۱۷	حضرت اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانی کا ڈول منگواکر دوتصویروں کو مٹانے میں خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شرکت فرمائی۔	۴۳۷
امام شریک نخعی کاایک واقعہ۔	۴۱۷	بعض امہات المومنین کی طرف سے ماریہ نامی گرجے کا ذکر بارگاہ رسالت میں کرنااور آپ کااس پر ردِّ عمل کااظہار فرمانا۔	۴۳۸
حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کاایک واقعہ کہ انہوں نے ایک منقش پردہ لٹکایا جس پر حضور علیہ السلام ناراض ہوئے اورپردہ اتاردیا۔	۴۲۹	جب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ شام تشریف لے گئے ایک زمیندار نے آپ کو دعوت پر بلایا توآپ نے فرمایا ہم ان کنیسوں میں داخل نہیں ہوتے جن میں تصویریں ہوں۔	۴۳۸
حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کاایک واقعہ۔	۴۳۲	کن کن اکابردین نے مزار مقدس اور نعل پاک کے نقش بنائے، ان کی تعظیم کی اور ان سے تبرک حاصل کرتے رہے اور اس سلسلہ میں ان کے ارشادات عالیہ کیاہیں۔	۴۳۹
ابتدائے بت پرستی تعظیم تصاویر معظمین سے ہوئی۔	۴۳۳	اسماء گرامی ان ائمہ اعلام کے جنہوں نے نعل مبارک کے نقشے بنوائے، تلامذہ کو دیئے، ان سے تبرک کیا، مدحیں لکھیں اور سروآنکھوں پر رکھنے اور بوسہ دینے کی ترغیبیں کی ہیں۔	۴۵۳
جن پانچ بتوں یعنی وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کا ذکر سورہ نوح میں ہے یہ پانچ بندگان صالحین تھے۔	۴۳۳	امام ابواویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس بن مالک کا مختصر تذکرہ۔	۴۵۳
فتح مکہ کے موقع پر سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہونے اور تصاویر واصنام سے کعبہ کو پاک کرنے کاواقعہ۔	۴۳۴	اسمٰعیل بن ابی اویس کاتذکرہ۔	۴۵۴
فتح مکہ کے روز حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کعبہ کی تطہیر کاحکم دیاتوآپ نے اور دیگر صحابہ نے زمزم کے پانی سے کعبہ کواندر باہر سے دھویااور چادریں بھگو بھگو کر تصاویر کو مٹایا۔	۴۳۷	ان پانچ علماء کرام کا ذکر جن کی امامت کبرٰی پر اجماع اور ان کی جلالت شان مشہور ومعروف ہے۔	۴۵۶

بالجملہ مزارِ مقدس کا نقشہ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین سے ثابت ہے۔	۴۵۶	حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری اور ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ذکر خیر۔	۵۴۲
خواجہ رتن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۴۶۵	حضرت ممشاد دینوری رضی اللہ تعالٰی عنہ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ کے مرجع ہیں۔	۵۴۲
حضرت علی بن ہیتی کے ایک مرید کا واقعہ جس کو آپ نے ملازمتِ غوث اعظم اختیار کرنے کا حکم دیا۔	۴۷۷	حضرت ابو علی رودباری بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۴
ابوالحسن خرقانی ابویزید بسطامی کے خلیفہ ہیں رحمۃ اللہ علیہما۔	۴۷۲	سیدنا جعفر بن محمد خواص سیدنا جنید بغدادی کے خلیفہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۴۵
بنی اسرائیل سے عمالقہ تابوتِ سکینہ چھین کر لے گئے جو مدتہا مدت کے بعد واپس ہوا۔	۴۹۱	سید داؤد کبیر سید محمد دنی شاذلی کے پیرومرشد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۴۵
قرامطہ کعبہ معظّمہ سے حجرِ اسود اکھاڑ کر ہجر کو لے گئے اور بائیس برس بعد مسلمانوں نے اس کو واپس پایا۔	۴۹۱	سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ سہروردیہ ہیں۔	۵۴۵
حضرت جنید بغدادی کو ان کے مرشد حضرت سری سقطی کی دعا۔	۵۳۸	اقطاب اربعہ کا تذکرہ۔	۵۵۰
حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمہ نے قبلہ کی طرف تھوکنے والے کو ولی تسلیم نہیں کیا۔	۵۳۹	حضرت سیدنا علی خواص امام عبدالوہاب شعرانی کے پیرومرشد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۵۱
حضرت ابوسعید خراز رضی اللہ عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۰	حضرت سیدنا ابوالمکارم رکن الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۵۷
حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۰	حضرت سیدنا نجم الدین کبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سلسلہ کبرویہ کے سردار ہیں۔	۵۵۷
حضرت سیدنا ابوعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اپنے بیٹے کو وصیت۔	۵۴۱	حضرت خواجہ مودود چشتی اور شیخ الاسلام احمد نامقی جامی کا تذکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۵۵۸
حضرت سیدنا ابوالحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۱	تذکرہ حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	۵۶۴
حضرت سیدنا ابوحفص عمر حداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تذکرہ۔	۵۴۱		

خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک شاعر سے نعت رسول سنی۔	۵۹۹	**سوگ**	
حضرت کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے ساتھیوں کی معافی میں پچاس شب تک تاخیر کی گئی۔	۶۰۶	مشرک کے سوگ میں ہڑتال کرنا اور کاروبار بند کرنا حرام ہے۔	۲۷۶
عوام ہندوستان نے چھوت کا مسئلہ کفارِ ہند سے سیکھا ہے۔	۶۳۷	تین دن سے زائد مسلمان کا سوگ منانا حرام ہے۔	۲۷۶
غزوہ خندق کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعوت۔	۶۵۳	**نکاح وطلاق وعدّت**	
جنائز		جذام اور دیگر عیوب کی وجہ سے بیوی کو طلاق نہیں ہو جاتی۔	۱۱۲
مشرک کی نماز ودعا کے لئے اشتہار چھاپنے والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔	۲۲۸	کلمہ حمد سے استہزاء کرنے والا تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔	۱۵۱
مشرک وکافر کے جنازے کو کندھا دینا ضروری قرار دینے والا شریعت پر افتراء کرتا ہے۔	۲۷۰	نوجوان بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی پر طعن کرنا کیسا ہے۔	۱۵۵
وقف		کافروں کی شیطانی خرافات کو اچھا جاننا آفت اشد ہے اس صورت میں تجدید اسلام اور تجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔	۱۵۹
تبدیل وقف کب جائز اور ناجائز ہے۔	۲۱۲	قاضی کا رجسٹر شرعًا کوئی شرط نکاح نہیں۔	۱۶۹
وقف کو حالت سابقہ پر رکھنا واجب ہے نہ کہ اس میں زیادتی کرنا۔	۲۱۲	عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر خاکروب ہو شرعًا کیا حکم ہے۔	۱۷۴
پرائی زمین کو مسجد کے لئے وقف نہیں کیا جاسکتا۔	۲۷۴	عورت مرتدہ ہونے پر نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔	۲۴۳
مسجد کے لئے کافر وقف نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا اہل نہیں۔	۲۷۴	زوجہ کی بہن سے نکاح کرکے قربت کرلے تو زوجہ حرام ہوگئی یہاں تک کہ اس کی بہن کو جدا کرے اور اس کی عدت گزر جائے۔	۲۴۵

حرمت مصاہرت طاری ہونے سے متارکہ لازم ہے کیونکہ نکاح قائم ہے۔	۲۴۵	مردانہ جوتا پہننے والی عورت پر لعنت۔	۶۰۰
زن مفضاۃ یعنی جس کے سبیلین ایک ہوجائیں اس کے نکاح میں اصلاً خلل نہیں اور حرمت ابدی دائم ہے۔	۲۴۵	کسی ایک بات میں بھی مرد کو عورت اور عورت کو مرد کی وضع لینی حرام وموجب لعنت ہے۔	۶۰۱
مرزاغلام احمد قادیانی کو مجدّد ومہدی یا پیغمبر ماننے والے مسلمان ہیں یانہیں، ان کا نکاح کسی عورت سے ہوسکتاہے یانہیں، اور جن عورتوں کا نکاح ان سے کردیاگیاہے ان کے بارے میں کیاحکم ہے۔	۲۷۹	**عہد وپیمان**	
طلاق بلانکاح نہیں ہوتی۔	۲۸۱	خلاف عہد معیوب ہے۔	۶۱۲
زنا کے لئے عدت نہیں ہوتی۔	۲۸۱	**ترغیب وترہیب**	
نکاح باطل سے نہ تونسب ثابت ہوتاہے نہ ہی عدت لازم ہوتی ہے۔	۲۸۱	کافر سے دوستی حرام اور دینی رجحان کی بناپر ہو تو کفر ہے۔	۱۲۵
جس نے قصداً کلمہ کفر کہا یااللہ تعالٰی ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی گستاخی کی تو وہ کافر ہوگیا اور اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی، پھر اگر مسلمان ہو اور توبہ کرے تو عورت کو اختیار ہے کہ اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرے یابعد عدّت کسی اور سے کرے۔	۲۹۴	توہین علماء کرام پر احادیث میں وعید شدید۔	۱۲۸
عالم ہونے کی وجہ سے عالم دین کو برا کہنا کفر ہے اور بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے۔	۲۹۴	عالم کو اس لئے برا کہنا کہ وہ عالم ہے صریح کفر ہے۔	۱۲۹
کسی کی منکوحہ سے بے طلاق ووفاتِ شوہر نکاح باطل محض ہے۔	۲۷۴	بدگمانی سخت تر جھوٹ اور اشد حرام ہے۔	۱۳۳
صیدوذبائح		قرآن وحدیث سے بدگمانی کی مذمت۔	۱۳۳
ذابح البقر کی بخشش ہوگی یانہیں۔	۲۹۹	مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں اور عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد لعنتی ہیں۔	۱۳۴
لباس ووضع قطع		گناہ میں معاونت کرنے والا بھی گنہ گار ہے اور مستحق جہنم ہے ان کا بائیکاٹ کیاجائے۔	۱۳۶
مردانہ وضع بنانے والی عورت پر لعنت۔	۶۰۰		

اعلانیہ گناہ دوہرا گناہ ہے اعلان گناہ دوسرا گناہ بلکہ اس گناہ سے بھی بدتر گناہ۔	۱۴۴	مناع للخیر پر وعید شدید ہے۔	۲۵۰
اعلان گناہ کی مذمت احادیث سے۔	۱۴۴	مسلمانوں میں بلاوجہ شرعی فتنہ واختلاف پیدا کرنا نیابت شیطان ہے۔	۲۵۳
سود، جوا اور زنا حرام اور ان کا مرتکب مستحق نار وغضب جبار ہے۔	۱۵۴	فاسق کی مدح سرائی پر وعید۔	۲۵۴
سود خور، جواری اور زانی کے ساتھ کھانا نہیں کھانا چاہیے۔	۱۵۵	صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے گستاخوں کے پاس بیٹھنے والے کا انجام۔	۲۷۹
کفار کے افعال قبیحہ شنیعہ کو مستحسن جاننا باتفاق ائمہ کفر ہے، ایسے لوگ اسلام سے خارج ہوگئے ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں اور ان کی بیعتیں جاتی رہیں۔	۱۶۶	اہل لاالٰہ الا اللہ پر بدگمانی حرام اور ان کے کلام کو جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی معنی کفر کی طرف ڈھال لیجانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔	۳۲۹
کفار کے افعال ملعونہ کو براجان کر شرکت کرنے والے مرتکب کبائر اور مستحق عذاب نار ہیں۔	۱۶۶	بدگمانی کی ممانعت قرآن وحدیث سے، اور اس پر سخت وعیدیں۔	۳۲۹
اہل ہنود کی خرافات ولغویات پر مشتمل مجالس میں شریک ہونے والے مسلمان فاسق وفاجر مرتکب کبائر اور مستحق عذاب نار ہیں۔	۱۷۰	علماء وصوفیاء کے بارے میں یہ گمان کرنے والا پکا مجنون ہوگا کہ انہوں نے لفظ شہنشاہ وغیرہ کو استغراق حقیقی کے ارادے سے استعمال کیا ہے۔	۳۵۱
مسلمان کا گزر کفار کے محلّہ سے ہو تو جلد گزر جائے۔	۱۷۰	بطور تکبر اسبالِ ازار پر سخت وعیدیں۔	۳۷۶
مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۱۷۲	بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔	۴۱۶
اپنے نفس کو سزا وذلت پر پیش کرنا بحکم حدیث حرام ہے۔	۱۸۳	تبرکاتِ شریفہ کی زیارت کرانے پر لوگوں سے کچھ مانگنے کی شناعتیں۔	۴۱۶
مشکوک یا مظنون بات پر مباہلہ سخت جرأت ہے۔	۱۸۹	تصویر کے بارے میں وعید پر مشتمل بعض احادیث کریمہ جو حدِ تواتر میں ہیں۔	۴۲۶
کفار وزنادقہ کو واعظِ مسلمین وپیشوائے دین بنانا اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔	۲۲۹		

ہر مصور جہنم میں ہے۔	۴۲۷	حب ثناء کوئی خصلت محمودہ نہیں اور اس کے عواقب خطرناک ہیں۔	۵۹۶
بیشک نہایت سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں کو ہے۔	۴۲۷	مواقع تہمت سے بچنا چاہیے۔	۶۱۱
مصوروں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور صورتوں میں جان ڈالنے کا حکم ہوگا۔	۴۲۸	مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے۔	۶۱۱
ظالم، ہٹ دھرم اور مصور کیلئے وعید شدید	۴۲۸	جن کاموں کو کان ناپسند کریں اور جن کاموں کے ارتکاب پر معذرت کرنی پڑے ازروئے حدیث ان سے بچنا لازم ہے۔	۶۱۳
تمام دوزخیوں سے سخت ترین عذاب کن لوگوں کو ہوگا۔	۴۲۹	مشتبہ اشیاء میں احتیاط بہتر ہے۔	۶۲۰
پانچ اشخاص اشد عذاب میں مبتلا ہوں گے۔	۴۲۹	شرع مطہر نے برے کام اور برے نام دونوں سے احتراز کا حکم دیا ہے۔	۶۳۳
ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جہاں تصویر اور کتا ہو۔	۴۳۱	فتنہ سوئی ہوئی خرابی ہے جو کوئی اس کو جگائے اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔	۶۴۰
شرع مطہر میں زیادہ شدتِ عذاب تعظیم تصاویر پر ہی آئی ہے۔	۴۳۳	شراب حرام، تمام نجاستوں کی ماں، اور اس کو پینے والے کو جہنمیوں کا خون اور پیپ پلایا جائے گا۔	۶۵۹
بارہ فرقوں کا پیر شیطان ہے۔	۵۱۱	کسی مسلمان پر بلادلیل بدگمانی حرام قطعی ہے۔	۶۷۳
جاہل عابد اور بے باکانہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے عالم کی مذمّت۔	۵۲۷	**مسواک**	
بغیر فقہ کے عبادت کرنے والا چکی کھینچنے والے گدھے کی مثل ہے۔	۵۲۷	سینگ ہر جانور کا یہاں تک کہ مردار کا بھی پاک ہے اس کی مسواک جائز ہے۔	۶۲۰
صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔	۵۲۸	خنزیر کے بالوں سے بنا ہوا برش نجس ہے۔	۶۲۱
علماء شریعت سے وراثت انبیاء کا سلب کرنا جنون محض ہے۔	۵۲۹	سنت مسواک چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا جہالت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔	۶۲۱
علماء شریعت کو شیطان کہنے والے ابلیس یا اس کی ذریّت کے منافق خبیث ہیں۔	۵۳۳	**ہدایا و تحائف**	

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسرٰی ایران، بادشاہ فدک اور قیصر روم کے ہدیے قبول فرمائے۔	۶۲۲	یایھا النبی جاھد الکفار میں حکم جہاد عام ہے۔	۲۳۷
قتیلہ بنت العزّی اپنی بیٹی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے تحفہ لائی۔	۶۲۲	آیہ کریمہ "انّی وجھت وجھی" کی تفسیر	۳۰۲
ہدیہ کفار کے ردو قبول سے متعلق احادیث کریمہ میں تطبیق و توفیق۔	۶۲۵	وہابیوں کی بیان کردہ تفسیر پر متعدد خرابیوں کا لزوم	۳۰۳
مصنف کی تحقیق کہ ہدایائے کفار کہاں قبول کرنا ضروری کہاں ممنوع اور کہاں مباح ہے۔	۶۲۵	آیۃ کریمہ "وایاک نستعین" میں استعانت حقیقی کا حصر ہے نہ کہ مطلق کا۔	۳۰۳
کفار کا پکایا ہوا یا ہدیہ کیا ہوا گوشت حرام ہے۔	۶۲۷	آیت کریمہ "انّ اول بیتٍ وضع للناس الخ" کی تفسیر۔	۴۰۰
زیارتِ قبور		مقام ابراہیم میں کیا آیات بینات ہیں۔	۳۹۸
مزارات پر مردوں کا جانا مندوب ومحبوب مگر عورتوں کو روکنا ہی انسب واسلم ہے۔	۶۴۳	آیت کریمہ "قال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ" الخ کی تفسیر۔	۴۰۰
حج		تابوت سکینہ میں کون کون سے تبرکات تھے۔	۴۰۰
جن کا نفقہ اس پر لازم ہے ان کا بندوبست کئے بغیر حج کو نہ جائے۔	۲۰۷	آیتِ وسیلہ کے لطائف۔	۵۱۶
فوائد تفسیریہ		ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا (الآیۃ) کی تفسیر۔	۵۳۰
قرآن مجید میں جو لفظ یثرب آیا ہے وہ منافقین کا قول نقل کیا گیا ہے۔	۱۱۷	فاسئلوا اھل الذکر وجوب تقلید میں نص ہے۔	۵۸۲
ارشاد الٰہی "یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ من دونکم لا یالونکم خبالا" عام ومطلق ہے۔	۲۳۳	آیت کریمہ مذکورہ کے بارے میں وہابیوں کی جہالت۔	۵۸۳
آیۃ کریمہ لاتتخذوا بطانۃ من دونکم کی تفسیر۔	۲۳۴	اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔	۵۸۳
آیہ کریمہ "واغلظ علیھم" کا شانِ نزول اور تفسیر۔	۲۳۶		

آیۃ کریمہ "لاینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین" کاشان نزول۔	۶۲۴	حدیث ابوھریرہ بداہتًا طالب تاویل ہے جس کی علماء نے دو[۲] تاویلیں فرمائی ہیں۔	۳۶۵
آیت کریمہ "احل لکم الطیبٰت وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل لھم" میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے۔	۶۶۵	حدیث "اغیظ رجلٍ علی اللہ" کی تاویل۔	۳۶۸
فوائد حدیثیہ		**فوائد فقہیہ وافتاء ورسم المفتی**	
رَدّالصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کامعنٰی۔	۱۱۰	علماء کے اس فرمان کا مطلب کہ جس کے پاس مال حرام ہو اور وہ مالک معلوم نہ ہو تو اس کی طرف سے تصدّق کردے۔	۱۰۸
جذامی سے اجتناب کے متعلق احادیث کا محمل۔	۱۱۲	حاصل نیاز۔	۱۰۹
حدیث میں ندامت کو توبہ کیوں قرار دیا گیا۔	۱۴۱	معنی قبول طاعت۔	۱۰۹
حدیث "اعلنوا النکاح" کی توجیہ۔	۱۴۵	نفی کی گواہی نامعتبر ہے۔	۱۳۰
ایک حدیث کا مطلب۔	۱۶۴	اصطلاح عرفی ہے کہ سلاطین وعظماء کے حضور جو چیز پیش کی جائے اس کو نذر ونیاز کہتے ہیں۔	۱۳۲
اہل قبلہ کون ہیں۔	۱۶۴	نیاز نذر سے عام تر ہے۔	۱۳۲
ابن ماجہ کی ایک حدیث پر کلام اور اس کی توجیہ۔	۲۲۱	تقرب کا معنی	۱۳۲
حدیث لاتستضیئوا بنار المشرکین کی تفسیر۔	۲۳۳	ناجائز بات سے اگر کوئی کافر یا بدمذہب منع کرے تو اس کو جائز نہیں کہا جاسکتا۔	۱۵۴
حدیث ربیعہ کی شرح۔	۳۰۹	فتنہ قتل سے سخت تر ہے۔	۱۶۲
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صدر اسلام میں ملک الملوک، سید، حکیم، ابوالحکم، مالک، خالد اور عزیز وغیرہ نام رکھنے اور غیر خدا پر ان کے اطلاق سے کیوں منع فرمایا حالانکہ قرآن وحدیث میں ان کا اطلاق غیر اللہ پر ہوا ہے۔	۳۵۴	مثال میں بسااوقات فرق رہ جاتا ہے۔	۱۸۲
ازروئے حدیث لفظ مفلس اور صرعہ کا معنی	۳۵۹	مراتب پانچ ہیں: [۱]ضرورت، [۲]حاجت، [۳]منفعت، [۴]زینت، [۵]فضول۔	۲۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الٰہیہ ہے: دین، عقل، نسب، نفس اور مال۔	۲۰۵	شرع مطہر میں کافر ہر غیر مسلم کا نام ہے۔	۲۸۵
حقنہ بضرورت مرض جائز اور منفعت ظاہرہ مثلاً قوت جماع کیلئے ناجائز ہے۔	۲۰۸	اسلام کی ضد کفر ہی ہے۔	۲۸۶
حرام کھانا کبھی جائز نہیں ہوتا جس وقت جائز ہوتا ہے اس وقت حرام نہیں رہتا۔	۲۲۵	ہجرت کرنا دارِ کفر سے فرض ہے نہ کہ دارِ اسلام سے۔	۲۹۲
معاہد کا استثناء حکم جہاد سے دلائل قاطعہ متواترہ سے ضرورۃً معلوم ومستقر فی الاذہان ہے۔	۲۳۷	ہجرت خاصہ اور ہجرت عامہ میں فرق۔	۲۹۲
قول صوری وضروری میں فرق ہے۔	۲۴۳	اسبالِ ازار بطور تکبر ہو تو ناجائز ورنہ نہیں۔	۳۷۶
عالمگیری ودر مختار کی عبارتوں سے استنباط کہ مرتدہ کا نکاح نہیں جاتا مگر وہ شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔	۲۴۴	بلندی قبر کی حدِ شرع ایک بالشت ہے۔	۴۳۲
مرتدہ کو تجدید نکاح کا حکم بنظر احتیاط ہے۔	۲۴۵	قول جواز کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ "لم یومر بہ ولم ینہ عنہ"۔	۵۷۲
مرتدہ کا شوہر پر حرام ہو جانا موجب زوال نکاح نہیں۔	۲۴۵	اباحت اصل ہے اثبات حرمت وکراہت کے لئے دلیل چاہیے۔	۵۷۲
بارہا عورت ایک مدت تک بلکہ کبھی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے اور نکاح قائم رہتا ہے۔	۲۴۵	ہر مسئلہ میں اصل صحت ہے فساد وکراہت کا قول محتاج دلیل ہے۔	۵۷۲
بے علم مفتی اگرچہ جاہلوں کا مقتدا ہو تو وہ حدیث مبارک "ضلّوا واضلّوا" کا مصداق ہے۔	۲۵۲	بدعت شرعیہ وبدعت لغویہ کی تعریفیں اور ان میں فرق۔	۵۸۱
بے علم کے فتوٰی دینے پر وعید شدید۔	۲۵۳	کفار سے غیر شعار میں اتفاقاً مشابہت ہرگز وجہ ممانعت نہیں۔	۵۸۲
پابندی اسلام سے آزاد عالم قابل فتوٰی نہیں۔	۲۵۸	مجذوب عقل وہوش دنیا نہیں رکھتا اس کے افعال بالارادہ نہیں ہوتے لہذا وہ سند نہیں۔	۵۹۹
شرع مطہر میں تاریخ قمری معتبر ہے نہ کہ شمسی۔	۲۶۵	علاقے کی عادت خضاب وعدم خضاب سے خروج مکروہ ہے۔	۶۱۷
کون سے کافر کو کافر کہہ کر پکارنا منع ہے۔	۲۸۵	اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں نجس وحرام چیز ملی ہے محض شبہ پر نجس وحرام نہیں کہہ سکتے۔	۶۲۰

تاڑی کیا ہے، وہ کب حلال وطاہر اور کب حرام و نجس ہوتی ہے۔	۶۳۸	دعوت ولیمہ وطعام کے بارے میں ظاہر الروایہ کے اطلاق اور شروح وفتاوٰی میں اس کو کئی قیدوں سے مقید کرنے سے متعلق استفتاء۔	۶۷۰
شریعت آسان ہے جب تک کسی خاص شے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو پاک وحلال ہے۔	۶۴۱	ملاھی وملاعب پر مشتمل دعوتوں میں عاصی اور متقی کے شریک ہونے کی جواز وعدم جواز کی صورتیں۔	۶۷۲
سود خوار کے ہاں نہ کھانا بہتر ہے خصوصًا عالم ومقتداء کو۔	۶۴۱	**میراث**	
جس جانور کی ماں حلال ہے وہ حلال ہے کہ جانور میں نسب ماں سے ہے نہ کہ باپ سے۔	۶۴۲	مرتدہ اپنے مسلمان شوہر کا ترکہ نہیں پائے گی۔	۲۴۴
حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی فاتحہ کا کھانا مردوں کو ممنوع وناجائز نہیں۔	۶۴۲	عورت اگر مرض الموت میں مرتدہ ہوئی تو شوہر اس کا ترکہ پائے گا ورنہ نہیں۔	۲۴۴
ضرورت ومجبوری میں حرام کھانا یا اس کو استعمال میں لانا بقدرِ ضرورت جائز ہے۔	۶۴۲	وارث ہونے کے لئے ضروری نہیں کہ وہ مورث کل مال پائے۔	۵۲۹
دعوت ولیمہ کو قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے جبکہ وہاں کوئی معصیت ومانع شرعی نہ ہو۔	۶۵۵	**جرح وتعدیل**	
عام دعوتوں کا قبول کرنا افضل ہے۔	۶۵۵	حدیث ابن النجار کی صحت ثابت نہیں۔	۳۶۵
خاص اسی شخص کی دعوت ہو تو قبول کرنے یا نہ کرنے کا اس کو مطلقًا اختیار ہے۔	۶۵۵	**معجزات وکرامات**	
جھینگے کے مچھلی ہونے میں اختلاف ہے لہذا اس سے بچنے میں احتیاط ہے۔	۶۵۶	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے صحابی کے کسی دانت میں نوّے برس کی عمر تک جنبش نہیں ہوئی۔	۳۷۸
شبہ کے مال سے احتراز چاہیے مگر حرمت نہیں جب تک معلوم نہ ہو۔	۶۵۸	سرکار غوث اعظم نے حضرت ابوصالح کے دل کو ایک نگاہ میں تمام خطرات سے پاک فرمادیا۔	۳۸۳
غیر مسلم چار قسم کے ہیں: کتابی، مجوسی، مشرک اور مرتد۔ ان اقسام اربعہ کے احکام۔	۶۶۸		

سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے سینے پر ہاتھ مار کر تمام حفظ کی ہوئی کتابیں یکسر محو کردیں اور ساتھ ہی علم لدنی سے اس کا سینہ بھر دیا۔	۳۸۹	شرک کی تعریف۔	۱۳۱
سرکار غوث پاک رضی اللہ عنہ نے ایک آن میں اکابر علماء کو تمام عمر کا پڑھا لکھا بھلادیا اور پھر ایک آن میں واپس عطا فرمادیا۔	۳۹۱	جس طرح خلق پر ظاہر ہونے والے گناہ کے دو۲ تعلق ہیں اسی طرح اس کی توبہ کے بھی دو۲ رخ ہیں۔	۱۴۱
معجزہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ کھانا اور سالن ختم نہیں ہوا۔	۶۵۳	اعلانیہ گناہ پر اعلانیہ توبہ میں حکمتیں۔	۱۴۳
حقوق		اعلان گناہ کا باعث نفس کی جرات وجسارت وسرکشی وبے حیائی ہے۔	۱۴۵
حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کوتاہی پر توبہ میں فرق۔	۱۲۲	فقہ اکبر کی ایک عبارت کی توجیہ۔	۱۶۴
بلاوجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے۔	۱۲۷	ہندیہ کی عبارت سے پیدا ہونے والے ایک اعتراض کا جواب۔	۲۱۳
اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اور ناجائز بات کا حکم دیں تو اطاعت ناجائز ہے۔	۱۵۷	منطقی وفلسفی شراح ومحشین معصوم نہیں۔	۲۲۰
ماں باپ مرتکب کبائر بھی ہوں تب بھی اولاد پر ان کی اطاعت لازم ہے جب تک مرتد نہ ہوں۔	۱۵۷	فریمیسن کے بارے میں سوال وجواب۔	۲۲۲
مرتد کیلئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔	۱۵۷	تبخیر وتلوین سے کیا مراد ہے۔	۲۲۴
بڑے بھائی کو حق تعظیم حاصل ہے مگر وہ ماں باپ کا ہمسر نہیں ہوسکتا۔	۱۵۷	مسئلہ سے متعلق اشعۃ اللمعات پر مصنف علیہ الرحمۃ کا حاشیہ۔	۲۲۴
متفرقات		امام رازی کی ایک عبارت کا مطلب۔	۲۳۶
اللہ تعالٰی کو عاشق اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معشوق کہنا ناجائز ہے۔	۱۱۴	کافر طبیبوں کے مسلمان مریضوں کو فریب دینے کے متعدد طریقے۔	۲۳۹
مدینہ کی وجہ تسمیہ۔	۱۱۹	سند سے حصول برکت۔	۴۶۵
ارکان توبہ تین ہیں۔	۱۲۲		

منبع ودریا اور شریعت وطریقت میں کئی وجوہ سے فرق ہے۔	۵۲۵	انسان اور چوپائے میں علم ہی کا فرق ہے۔	۵۳۴
ابلیس فانوسِ شریعت کو بجھانے کے لئے کئی حیلوں اور رہانوں سے بندے کو دھوکا دیتا ہے۔	۵۲۶	اولیاء طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوتے ہیں۔	۵۷۵
خلیفہ ووارث میں فرق ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔	۵۳۲		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الحظروالاباحۃ

(ممنوع اور مباح کاموں کا تفصیل بیان)

اعتقادات وسیر

ایمان، کفر، شرک، تقدیر، ردت، ہجرت، سنیت، گناہ، توبہ وغیرہا سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱: ۱۹رجب ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک برات میں کچھ لوگ جمع تھے، ان میں ایک جذامی تھا، لوگوں نے اس کے ساتھ کھانا پسند نہ کیا۔ ایک شخص مصر ہوا، جب بحث بڑھی تو براتیوں نے اس سے کہا واسطے خدا اور رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس وقت اسے علیحدہ کردو اور صاحب مکان کا کھانا خراب نہ کرو۔ وہ بولا ہم خدا اور رسول کو نہیں جانتے۔ اس وقت سب نے کہا یہ شخص کلمہ کفر بولا جذامی کے ساتھ اسے بھی الگ کردیا اور اپنے جلسہ سے نکال دیا چند شخص اور بھی اس کے شریک ہو کر چلے گئے اس صورت میں اس شخص اور اس کے شریکوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ)

الجواب:

ہر چند جذامی کے ساتھ کھانا جائز ہے بلکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجذوم کو اپنے ساتھ کھلایا اور فرمایا:

کل معی بسم اللہ ثقۃ باللہ وتوکلا علی اللہ۔ رواہ	میرے ساتھ ہو کر اللہ تعالٰی کا نام لے کر کھائے اللہ تعالٰی پر اعتماد اور اس پر بھروسا رکھتے ہوئے

ابوداؤد والترمذی[1] وابن ماجه بسند حسن وابن حبان والحاکم وصححاه۔	ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اچھی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر بقصد تواضع وتوکل واتباع ہو تو ثواب پائے گا۔

اخرج الطحطاوی عن ابی ذر رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کل مع صاحب البلاء تواضعا لربك وایمانا[2]۔	امام طحطاوی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تخریج فرمائی کہ صاحب مصیبت کے ساتھ کھاؤ اپنے پروردگار کے لئے عجز وانکساری کرتے ہوئے اور اس پر یقین رکھتے ہوئے (ت)

مگر خواہی نخواہی اس کے ساتھ کھانا ضرور بھی نہیں بلکہ جس کی نظر اسباب پر مقتصر ہو اور خدا پر سچا توکل نہ رکھتا ہو اس کے حق میں بچنا ہی مناسب ہے نہ یہ سمجھ کر کہ بیماری اڑ کر لگ جاتی ہے۔ کہ یہ خیال تو باطل محض ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیثوں میں اسے رد فرمایا:

قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لاعدوٰی، اخرجه احمد والشیخان[3] وابوداؤد عن ابی ہریرۃ واحمد بن مسلم عن جابر بن عبداللّٰه وعن السائب عن زید رضی اللّٰه تعالٰی عنهم قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه سلم فمن اعدی	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مرض میں تعدیہ نہیں۔ امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اس کی تخریج فرمائی، مسند احمد اور مسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت فرمائی اور حضرت سائب بن یزید سے بھی (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو)

[1] جامع الترمذی کتاب الاطعمة باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم امین کمپنی دہلی ۲ /۴، سنن ابی داؤد کتاب الکهانة والطهر آفتاب عالم پریس لاہور ۳ /۱۹۱، سنن ابن ماجه ابواب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۱

[2] شرح معانی الآثار لطحطاوی الکراهیة باب الاجتناب من ذی داء الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۷

[3] صحیح البخاری کتاب الطب باب لجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۰، صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۰

الاول اخرجه الشيخان[1] وابوداؤد عن ابی ہریرة ایضا رضی اللہ تعالٰی عنه۔	حضور اقدس نے ارشاد فرمایا پہلے اونٹ میں تعدیہ مرض کیسے ہوا۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسکی تخریج فرمائی۔ (ت)

بلکہ اس نظر سے کہ شائد قضائے الٰہی کے مطابق کچھ واقع ہو اور اس وقت شیطان کے بہکانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ فلاں فعل سے ایسا ہوگیا ورنہ نہ ہوتا تو اس میں دین کا نقصان ہوگا۔

فان "لو" تفتح عمل الشیطان قاله النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	لوگو! حرف "لو" سے بچوں کیونکہ یہ شیطان کاموں کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ (ت)

غرض قوی الایمان کو توکلا علی اللہ اس سے مخالطت میں کچھ نقصان نہیں، اور ضعیف الاعتقاد کے حق میں اپنے دین کی احتیاط کو احتراز بہتر، ولہذا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فرمن المجذوم کما تفر من الاسد، اخرجه البخاری[2] عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	کوڑھے سے اسی طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو، امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ کے حوالہ سے اس کی تخریج فرمائی۔ (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

اتقوا صاحب الجذام کما یتقی السبع اذا ھبط وادیا فاھبطوا غیرہ رواہ ابن سعد فی الطبقات[3] عن عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	کوڑھ کے مریض سے اسی طرح بچوں جس طرح موذی درندے سے بچاؤ کیا جاتا ہے۔ جب وہ کسی وادی میں اترے تو تم کسی دوسری میں اتر جاؤ، ابن سعد نے طبقات میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ (ت)

نیز حدیث میں ہے:

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب لاعدوٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۹، صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۰

[3] طبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ عبداللہ ابن جعفر دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

کلم المجذوم وبینك وبینه قدر رمح او رمحین، رواہ ابن السنی[1] وابو نعیم فی الطب النبوی عن عبد اللہ بن اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	کوڑھی سے اس حالت میں بات کرو کہ تمھارے اور اس کے درمیان ایک دو نیزے کی مسافت کی مقدار ہو، محدث ابن سنی اور ابو نعیم نے طب نبوی میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفٰی کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے روایت کیا ہے۔(ت)

بہر حال، برات والوں کا انکار بے جا نہ تھا اور اس شخص کا اصرار محض ناحق۔ پھر جب انھوں نے خدا کا واسطہ دیا اس پر بلا وجہ نہ ماننا گناہ ہوا، حدیث میں ہے:

ملعون من سئل بوجه اللہ ثم منع سائله مالم یسئل ھجرا اخرجه الطبرانی[2] فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسٰی الاشعری عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	وہ شخص ملعون ہے کہ جس سے خدا کے نام پر کچھ مانگا جائے تو وہ سائل کو کچھ نہ دے بشرطیکہ وہ کسی کو چھوڑنے کا سوال نہ کرے۔ امام طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت ابو موسٰی اشعری کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تخریج فرمائی۔(ت)

یہاں تک تو حماقت یا گناہ ہی تھا اس کے بعد وہ لفظ جو اس نے کہا کہ ہم خدا اور رسول کو نہیں مانتے یہ صریح کلمہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، اس شخص پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور از سر نو مسلمان ہو، اور اگر عورت رکھتا ہے تو نئے سرے سے نکاح چاہئے۔ اور جس طرح وہ کلمہ مجمع میں کہا تھا توبہ بھی مجمع میں کرے، اگر نہ مانے تو مسلمان ضرور اسے اپنے گروہ سے نکال دیں، نہ اپنے پاس بٹھائیں نہ اس کے پاس بیٹھیں نہ اس کے معاملات میں شریک ہوں، نہ اپنی تقریبوں میں اسے شریک کریں۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[3]۔	اگر تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھ۔(ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن السنی وابی نعیم فی الطب حدیث ۲۸۳۲۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰ /۵۴

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکوٰۃ باب فیمن سأل بوجه اللہ ۳ /۱۰۳، الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی کتاب الصدقات ۱ /۶۰۱

[3] القرآن الکریم ۶ /۶۸

اور جو لوگ اس کا ساتھ دے کر اٹھ گئے وہ بھی سخت گنہ گار ہوئے ان پر بھی توبہ واجب اگر نہ کریں تو مسلمانوں کو ان سے بھی جدائی مناسب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیاز اگرچہ حرام مال پر دیتا ہے مگر پھر بھی حضور قبول فرمالیتے ہیں، جیسے کسی امیر کا لڑکا پیدا ہو تو بھاٹ بھکاری وغیرہ جو گھاس کا پودا یا اور کچھ ڈھوئی کے لے جاتے ہیں وہ اسے خوشی سے قبول کرلیتا ہے اسی طرح سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی قبول فرمالیتے ہیں۔ اور کہتا ہے میں نے بعض کتابوں میں بھی ایسا لکھا دیکھا ہے۔ آیا یہ قول زید کا صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

یہ قول اس کا غلط صریح و باطل قبیح اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء فضیح ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]۔	(نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:) جو مجھ پر دانستہ جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ (ت)

زنہار مال حرام قابل قبول نہیں، نہ اسے راہ خدا میں صرف کرنا روا۔ نہ اس پر ثواب ہے بلکہ نرا وبال ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ"[2]	اے ایمان والو! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں ہماری راہ میں خرچ کرو۔

پھر فرماتا ہے:

"وَ لَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ"[3]	اور خبیث چیزوں کا قصد نہ کیا کرو کہ اس میں سے ہماری راہ میں اٹھاؤ۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ"[4]	خدا قبول نہیں کرتا مگر پرہیزگاروں سے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۷

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲۷

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ خزیمہ اپنی صحاح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تصدق بعدل تمرۃ من کسب طیب و لایقبل اللہ الا الطیب فان اللہ یقبلھا بیمینہ[1] الحدیث۔ وفی روایۃ ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ان اللہ طیب لا یقبل الاالطیب[2]۔ واخرج الامام احمد و غیرہ عن عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ تعالٰی قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایکسب عبد ما لامن حرام فیتصدق بہ فیقبل منہ ولا ینفق منہ فیبارك لہ فیہ ولایترك خلف ظھرہ والا کان زادہ الی النار ان اللہ لایمحوا السیّئ بالسیّئ ولکن یمحوا السیّئ بالحسن ان الخبیث لا یمحو الخبیث[3] اختصرتہ من حدیث وقد حسنہ بعض العلماء۔ واخرج الحاکم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	جو ایک کھجور کے برابر پاک کمائی سے تصدق کرے اور اللہ تعالٰی نہیں قبول فرماتا مگر پاک کو تو حق جلا وعلا سے اپنے یمین قدرت سے قبول فرماتا ہے۔ الحدیث۔ یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک اللہ پاک ہے پاک ہی کو قبول فرماتا ہے۔ (امام احمد وغیرہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ انھوں نے فرمایا) یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ نہ ہوگا کہ بندہ حرام کما کر اس سے تصدق کرے اور وہ قبول کرلیا جائے گا اور نہ یہ کہ سے اپنے صرف میں لائے تو اس کے لئے اس میں برکت دیں اور نہ اسے اپنے پیچھے چھوڑ جائے گا مگر یہ کہ وہ اس کا توشہ ہوگا جہنم کی طرف، بیشک اللہ تعالٰی برائی سے برائی کو نہیں مٹاتا، ہاں بھلائی سے برائی کو مٹاتا ہے بیشک خبیث خبیث کو نہ مٹائے گا، (یہ حدیث سے مختصراً بیان کیا ہے اور بعض علماء نے اسے حسن کہا۔ ت) (حاکم نے عبداللہ ابن عباس (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) کے حوالے سے تخریج کی کہ

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقۃ من کسب طیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹

[2] اسنن الکبرٰی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء ۳/ ۳۴۶ و صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن مسعود دار الفکر بیروت ۱/ ۳۸۷

علیه وسلم لایغبطن جامع المال من غیر حله اوقال من غیر حقه فانه ان تصدق لم یقبل منه ومابقی کان زاده الی النار[1] قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یصب ففیه حنش متروك لکن له شاهد عند البیهقی عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	انھوں نے فرمایا) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے جو غیر حلال سے جمع کرے اس پر کوئی رشک نہ لی جائے اگر وہ اس سے خیرات کرے گا تو قبول نہ ہوگی اور جو بچ رہے گا وہ اس کا توشہ ہوگا جہنم کی طرف۔(حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن اس نے ٹھیک نہیں کہا کیونکہ اس میں حنش نامی راوی متروک ہے لیکن امام بیہقی کے نزدیک اس کے لئے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے شاہد موجود ہے۔ت)
واخرج ابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما و الحاکم فی المستدرك من طریق دراج عن ابی حجیرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من جمع مالا حراما ثم تصدق به لم یکن له فیه اجر وکان اصره علیه[2]۔	(ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحیح میں تخریج کی اور حاکم نے مستدرک میں دراج کے طریقے سے ابوحجیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انھوں نے فرمایا۔ت) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو حرام مال جمع کرے پھر اسے خیرات میں دے اس کے لئے ثواب کچھ نہ ہوگا اور اس کا وبال اس پر ہوگا۔
اخرجه الطبرانی من ابی الطفیل رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه سلم من کسب مالا من حرام فاعتق منه ووصل منه رحمه کان ذٰلك اصره علیه[3]۔	(امام طبرانی نے ابوالطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے تخریج فرمائی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے۔ (ت) یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو حرام مال کھائے پس اس میں سے غلام آزاد کرے اور صلہ رحم کرے تو یہ بھی اس پر وبال ٹھہرے۔

[1] المستدرك للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/ ۵

[2] المستدرك للحاکم کتاب الزکوٰۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۹۰

[3] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی الطفیل حدیث ۹۲۷۰ موسسة الرسالة بیروت ۴/ ۱۵

واخرج ابوداؤد فی المراسیل عن القاسم عن مخیمرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکتسب مالا من ماثم فوصل بہ رحما اوتصدق بہ اوانفقہ فی سبیل اللہ جمع ذٰلك جمیعا فقذف بہ فی جھنم [1]۔	(ابوداؤد نے مراسیل میں بواسطہ قاسم عن مخیمرۃ سے تخریج کی کہ انھوں نے فرمایا۔ت) یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو گناہ کی وجہ سے مال کما کر اس سے صلہ رحم یا تصدق یا راہ خدا میں خرچ کرے یہ سب جمع کرکے اسے جہنم میں پھینک دیا جائے۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔

سبحٰن اللہ ! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یہ قاہر تصریحیں،اور بیباک لوگ حضور پر تہمت رکھیں کہ ناپاک مال بھی سرکار میں قبول ہوجاتا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اے عزیز ! جو چیز خدا کی بارگاہ سے مردود اور اس کی ناراضی سے آلودہ ہے کیونکر ممکن کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں رضاو قبول سے مشرف ہو بلکہ درحقیقت زید کی یہ جرأت سرکار رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ میں گستاخی واہانت کہ معاذاللہ انھیں ناپاک چیزوں کا پسند و قبول کرنے والا بتاتا ہے۔ ہیہات ہیہات واللہ وہ تمام عالم سے زیادہ ستھرے ہیں اور ستھروں کے لائق نہیں مگر ستھری چیز، گندی چیزیں گندوں کے سزاوار ہیں،

قال اللہ تعالٰی عزوجل: "اَلۡخَبِیۡثٰتُ لِلۡخَبِیۡثِیۡنَ وَالۡخَبِیۡثُوۡنَ لِلۡخَبِیۡثٰتِ ۚ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیۡنَ وَالطَّیِّبُوۡنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوۡنَ مِمَّا یَقُوۡلُوۡنَ ؕ" [2]۔	گندیاں گندوں کے لئے اور گندے گندیوں کو اور ستھریاں ستھروں کو اور ستھرے ستھریوں کو وہ بری ہیں ان باتوں سے جو لوگ کہتے ہیں۔

انھیں میں یہ بات بھی ہے کہ وہاں ناپاک مال مقبول ہو۔وہ طیب طاہر اس خبیث قول سے بری ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور گھاس کے سیٹھی وغیرہ کی مثال محض حماقت کہ مباح وحرام میں کیا مناسبت، لہذا امرائے دنیا بھتیرے خون آلودہ ہزاراں خباثات ہوتے ہیں انھیں تاجدار یطھرکم تطھیرا سے کیا نسبت۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھیک مثال یوں ہے کہ جشن سلطانی میں کوئی احمق بیباک نذر شاہی کو پیشاب کا قارورہ لے جائے پھر دیکھے کہ مقبول ہوتا ہے یا اس مردک کے منہ پر مارا جاتا ہے۔اور وہ جو علماء فرماتے ہیں کہ جس کے پاس مال حرام ہو اور مالک معلوم

[1] کتاب المراسیل باب الزکوٰۃ الفطر حدیث ۱۱۷ المکتبۃ القاسمیہ فیصل آباد ص ۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

نہ رہیں یا بے وارث مر جائیں تو ان کی طرف سے تصدق کردے اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ صدقہ مقبولہ ہے یا ارادہ خود میں صرف کرنا ٹھہرے گا یا اس پر انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب پائے گا بلکہ وجہ یہ ہے کہ جب اس میں تصرف حرام ہو اور مالک تک پہنچا نہیں سکتا ناچار اس کی نیت سے فقیر کو دے دے کہ اللہ جلالہ، کے پاس امانت رہے اور وہ روز قیامت مالک کو پہنچادے۔

فی اخر متفرقات الغصب من الهندیة عن الغایة رجل له خصم فمات ولا وارث له یتصدق عن صاحب الحق المیت بمقدار ذلك لیکون ودیعة عندالله تعالٰی فیوصل الی خصمائه یوم القیمة[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں متفرق مسائل غصب کے آخر میں الغایہ سے منقول ہے ایک شخص کا فریق مخالف مر گیا کہ جس کا کوئی وارث نہیں، یہ شخص صاحب حق میت کی طرف سے (جتنا مال میت کا اس کے پاس موجود ہے) اتنی مقدار خیرات کر دے تاکہ یہ خیرات کردہ مال اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں بطور امانت رہے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس کے مخالف تمام مدعیوں کو وہ مال پہنچادے۔ (ت)

بالجملہ زید کی جہالت وضلالت میں شک نہیں اور اس کا دعوٰی کہ میں نے بعض کتابوں میں ایسا ہی دیکھا ہے۔ یا تو محض حکایت بے محکی عنہ ہے یا کسی ایسے ہی سفیہ جاہل خواہ ضال مضل نے کہیں لکھ دیا ہوگا اور اگر فقہائے کرام کے ارشاد سنئے، تو زید کے لئے حکم نہایت سخت و جگر شگاف نکلتا ہے۔ اس کا کہنا کہ حضور میں یہ نیاز قبول ہوتی ہے بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ حق سبحانہ وتعالٰی اس پر ثواب دیتا ہے کہ نیاز کا حاصل نہیں مگر یہ کہ لوجہ اللہ تصدق کریں اور اس کا ثواب کسی محبوب خدا کی نذر ہو ورنہ یہ عین طعام ولباس وہاں نہیں پہنچتے۔

نظیر ذلك قوله تعالٰی "لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ"[2]	اس کی مثال اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اللہ تعالٰی کی بارگاہ تک قربانیوں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ اس تک تمھارا تقوٰی پہنچتا ہے۔ (ت)

خود قربات وطاعات میں قبول وصول ثواب کا ایک حاصل۔ ردالمحتار میں ہے:

القبول ترتب الغرض المطلوب من الشیئ	قبول کہتے ہیں کسی شے کی غرض مطلوب کا کسی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب باب المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۱۵۷/۵

[2] القرآن الکریم ۳۷/۲۲

علی شیئ کترتب الثواب علی الطاعة[1]۔	شے پر مرتب ہونا جیسے ثواب کا عبادات پر مرتب ہونا۔(ت)

اسی میں ہے:

معنی الصلاة علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد ترد عدم اثابة العبد علیہا[2] الخ۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر صلٰوۃ کے مردود ہونیکا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ بندے کو ثواب نہیں پہنچتا (یعنی اس نے درود تو بھیجا مگر اس کو نفع یعنی ثواب نہ ہوا۔) (ت)

تفسیر کبیر میں ہے:

قال المتکلمون کل عمل یقبلہ اللہ تعالٰی فھو یثیب صاحبہا ویرضاہ عنہ واللذی لایثیبہ علیہ ولایرضاہ منہ فھو المردود[3]۔	متکلمین نے فرمایا کہ جس عمل کو اللہ تعالٰی قبول فرمائے تو اس کا ثواب اس کے صاحب تک پہنچادیتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے اور جس کا ثواب اسے نہ پہنچائے اور اس سے راضی نہ ہو تو وہ مردود ہے۔(ت)

تو صاف ثابت کہ زید کے نزدیک مال حرام سے تصدق پر بھی استحقاق ثواب ہے اور علماء فرماتے ہیں جو حرام مال سے تصدق کرکے اس پر ثواب کی امید رکھے کافر ہوجائے، خلاصہ میں ہے:

رجل تصدق من الحرام ویرجو الثواب یکفر[4] الخ۔	کسی شخص نے حرام مال سے صدقہ کیا اور اس پر ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ کافر ہوجائے گا۔الخ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

لوتصدق علی فقیر شیئا من المال الحرام و	اگر فقیر پر حرام مال میں سے کچھ صدقہ کیا اور ثواب

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صفة الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صفة الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۹

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر)

[4] خلاصہ الفتاوٰی کتاب الکراھیة الجنس السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

یرجوا الثواب یکفر [1] الخ۔	کی امید رکھتا ہے تو وہ کافر ہوجائے گا۔ الخ (ت)

زید پر فرض ہے کہ ایسے خرافات سے توبہ کرے اور اسے از سرنو کلمہ اسلام پڑھنا اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرنا چاہئے۔

نظرا الی ماقالہ الفقہاء کما یظہر بمراجعۃ الدر المختار وغیرہ من الاسفار، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اس بات پر نظر رکھتے ہوئے کہ جو کچھ فقہاء کرام نے ارشاد فرمایا جیسا کہ درمختار وغیرہ بڑی کتابوں کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالٰی پاک وبرتر۔ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس بزرگی والے کا علم زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳: ۴رجب ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو عارضہ جذام کی ابتداء ہے اس کے بھائی بند اور اولاد نے اس کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیا ہے اور اس سے کہتے ہیں کہ تجھ سے تیری زوجہ بھی بلاطلاق علیحدہ ہوسکتی ہے، ایسی حالت میں جو حکم شرع مطہرہ میں ایسے مریض کے واسطے ہو بیان فرمائیں، اللہ تعالٰی اجر دے گا۔ (ت)

الجواب:

فی الواقع ضعیف الاعتقاد لوگ جنھیں خدائے تعالٰی پر سچا توکل نہ ہو اور وہمی خیالات رکھتے ہوں انھیں جذامی کے ساتھ کھانے پینے سے بچنا چاہئے۔ نہ اس خیال سے کہ اس کے ساتھ کھانے کی تاثیر سے دوسرا شخص بیمار ہوجاتا ہے۔ یہ خیال محض غلط ہے تقدیر الٰہی میں جو کچھ لکھا ہے ضرور ہوگا اور جو نہیں لکھا ہے ہرگز نہ ہوگا اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ یوں کہیں:

"لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾" [2]۔	ہمیں ہرگز نہ پہنچے گی مگر وہ بات جو الہ تعالٰی نے ہمارے لئے لکھ دی، وہ ہمارا مولٰی ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۹/ ۵۱

خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک جذامی کو اپنے ساتھ کھلایا بلکہ یہ لحاظ کرے کہ اس کے ساتھ کھایا پیا اور معاذاللہ شاید حسب تقدیر الٰہی کچھ واقع ہوا، تو شیطان دل میں ڈالے گا کہ اس فعل نے ایسا کیا ورنہ نہ ہوتا، اس شیطانی خیال سے بچنے کے لئے اس سے احتراز کرے اس لئے حدیث میں حکم ہے کہ: "جذامی سے بچو جیسا کہ شیر سے بچتے ہیں[1] اگر وہ ایک نالے میں اترے تم دوسرے نالے میں اترو[2]"۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ: "جذامی سے نیزہ دو نیزہ کے فاصلہ سے بات کرو"[3]۔

والعیاذ باللہ رب العالمین، یہ اسی کے لئے ہے جسے واقعی جذام ہو نہ یہ کہ خون میں صرف قدرے جوش کی کچھ علامت سی پا کر اسے دور دور کرنے لگیں کہ یہ تو ناحق مسلمان کا دل دکھانا ہے۔ خصوصاً بھائی بند اولاد کا ایسا کرنا کس قدر خداترسی وانسانیت سے بعید ہے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ مانگیں کیا وہ ان کو مبتلا نہیں کرسکتا والعیاذ باللہ رب العلمین اس طرح کے جوش کی علامت معاذاللہ بعض اوقات بے مرض جذام بھی خون کی حدت وغیرہ سے پیدا ہوجاتی ہے اور باذن الٰہی مصفیات وغیرہا کے استعمال سے جاتی رہتی ہے، اللہ تعالٰی اپنے بلاؤں سے پناہ عطا فرمائے آمین، اور لوگوں کا یہ کہنا کہ تیری زوجہ بلاطلاق علیحدہ ہوسکتی ہے اگر اس سے یہ مقصود کہ بے طلاق اس کے نکاح سے نکل سکتی ہے تو محض خطا ہے، ہمارے مذہب میں جب تک یہ طلاق نہ دے گا وہ ہرگز اس کے نکاح سے باہر نہ ہوگی۔ درمختار میں ہے:

لایتجرا حد الزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن[4] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے میں عیب پائے جانے کی وجہ سے خواہ عیب حد سے بھی زیادہ ہو جدائی کا حق نہیں رکھتا، عیب سے مراد دیوانگی، کوڑھ، برص (پھلبہری)، رتق (مقام ستر کا جڑ جانا) قرن (وہاں ہڈی نکل آنا) اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں دین اس مسئلہ میں کہ ایک بھنگی نے کسی برتن میں مردار بکری کی چربی رکھی تھی وہ برتن کتا اس کے یہاں سے لاکر ایک مسلمان عورت کے دروازہ پر ڈال دیا گیا وہ عورت جب باہر کے لوٹے میں چربی دیکھ کر گھر میں لے گئی اور تھوڑی سی چربی اپنے بالوں میں لگائی جس شخص نے

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۳۳۱ ۱۰/ ۵۴

[2] کنز العمال حدیث ۲۸۳۳۱ ۱۰/ ۵۴

[3] کنز العمال حدیث ۲۸۳۲۹ ۱۰/ ۵۴

[4] درمختار کتاب الطلاق کتاب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴۔۵۵

اسے لوٹا لے جاتے دیکھا تھا اس نے مطعون کیا کہ اس نے سور کی چربی استعمال کی۔ یہ سن کر زید اس کے یہاں گیا اور کہا تیرے ایمان میں فرق آگیا تو پھر مسلمان ہو، اسے مسلمان کیا، بعدہ، کہا ہمارا حق مسلمان کرنے کا پانچ روپیہ دے، وہ بیچاری اپنی محتاجی کا عذر بھی کرتی رہی، آخر سوا روپیہ لے کر چھوڑا۔ اور جس نے لوٹا لے جاتے دیکھا تھا اسے بھی دبایا کہ تو نے منع کیوں نہ کیا چار آنہ اس سے لیے۔ یہ ڈیڑھ روپیہ زید کے لئے حلال تھا یا حرام؟ اور وہ عورت اس صورت میں مسلمان رہی تھی یا نہیں؟

بینوا توجروا (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ ت) فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ عورت گنہگار تو بیشک ہوئی کہ اگر جانتی تھی کہ اس میں مردار کی چربی ہے پھر بالوں میں لگائی تو یہ گناہ، اور اگر نہ جانتی تھی تو بزعم خود پرایا مال بے مشہور کے اپنے تصرف میں لانے کی مجرم ہوئی، بہر حال اس کی معصیت میں شک نہیں مگر معاذاللہ اتنی بات پر کافرہ نہیں ہوسکتی تجدید کلمہ اسلام بہتر ہے مگر اس فعل کے باعث اس کی حاجت نہ تھی، تو زید اس وجہ سے اس عورت کے ایمان میں فرق بتا کر گناہ گار ہوا، پھر تلقین اسلام پر اُجرت لینا اس کا دوسرا گناہ تھ۔ پھر اس دیکھنے والے کو دبا کر اس س چار آنہ لینا تیسرا گناہ ہوا۔

فان ائمتنا لایقولون بالتعزیر بالمال و علی القول بہ فذاك ای الامام دون العوام۔	کیونکہ ہمارے ائمہ کرام مال جرمانہ اور تاوان کے قائل نہیں اور مالی تاوان اور جرمانہ کے قول پر تو یہ امام کو حق ہے عوام کو نہیں۔ (ت)

یہ ڈیڑھ روپیہ کہ زید نے لیا اس کے حق میں حرام ہے اس پر واجب ہے کہ جن جن سے لیا انھیں پھیر دے کہ اگر کھا چکا ہو تو اپنے پاس سے دے۔ بغیر اس کے اس گناہ سے توبہ نہ ہوگی۔

قال تعالٰی: "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو) ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے باہم نہ کھایا کرو۔ اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے اور اس بڑی شان والے کا علم زیادہ مکمل اور پختہ ہے فقط (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

مسئلہ ۵: از امروہہ مرسلہ مولوی سید محمد شاہ صاحب میلاد خواں ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں: **بینوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

مسئلہ ۵ اُولٰی:

اللہ تعالٰی کو عاشق اور حضور پر نور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معشوق کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناجائز ہے کہ معنی عشق اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے۔ اور ایسا لفظ بے ورود ثبوت شرعی حضرت عزت کی شان میں بولنا ممنوع قطعی۔ ردالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کافٍ فی المنع[1]۔	صرف معنی محال کا وہم ممانعت کے لئے کافی ہے۔ (ت)

امام علامہ یوسف اردبیلی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں اپنے اور شیخین مذہب امام رافعی وہ ہمارے علماء حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل فرماتے ہیں:

لوقال انا اعشق اللہ اویعشقنی فبتدع والعبارۃ الصحیحۃ ان یقول احبہ ویحبنی کقولہ تعالٰی "یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ"[2]۔	اگر کوئی شخص کہے میں اللہ تعالٰی سے عشق رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے عشق رکھتا ہے تو وہ بدعتی ہے لہذا عبارت صحیح یہ ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں اللہ تعالٰی سے محبت کرتا ہوں اور وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی طرح "اللہ تعالٰی ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ لوگ اللہ تعالٰی سے محبت رکھتے ہیں"۔ (ت)

اسی طرح امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی نے اعلام میں نقل فرما کر مقرر رکھا۔

اقول: وظاھر ان منشاء الحکم لفظ یعشقنی دون ادعائہ لنفسہ الاتری الی قولہ ان	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ظاہر یہ ہے کہ منشائے حکم لفظ "یعشقی" ہے نہ کہ وہ لفظ جس میں اپنی ذات کے لئے دعوی عشق کیا گیا ہے کیا تم

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۳

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب الردۃ المطبعۃ الجمالیہ مصر ۲ /۳۲۱

العبارۃ الصحیحۃ یحبنی ثم الظاھر ان تکون العبارۃ بواؤالعطف کقولہ احبہ ویحبنی فیکون الحکم لاجل قولہ یعشقنی والا فلا یظھر لہ وجہ بمجرد قولہ اعشقہ فقد قال العلامۃ احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری فی الانتصاف ردا علی الزمخشری تحت قولہ تعالٰی فی سورۃ المائدۃ یحبھم ویحبونہ بعد اثبات ان محبۃ العبد اللہ تعالٰی غیر الطاعۃ وانھا ثابتۃ واقعۃ بالمعنی الحقیقی اللغوی مانصہ ثم اذا ثبت اجراء محبۃ العبد للہ تعالٰی علی حقیقتھا لغۃ فالمحبۃ فی اللغۃ اذا تاکدت سمیت عشقا فمن تاکدت محبتہ للہ تعالٰی وظھرت آثارتأکدھا علیہ من استیعاب الاوقات فی ذکرہ وطاعتہ فلا یمنع ان تسمی محبتہ عشقا اذ العشق لیس الا المحبۃ البالغۃ[1] اھ لکن الذی فی نسختی الانوار ونسختین عندی من الاعلام انما ھو بأو فلیستأمل ولیحرر ثم اقول لست بغافل عما اخرج واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اس قول کو نہیں دیکھتے کہ صحیح عبارت "یحبنی" ہے پھر ظاہر ہے کہ عبارت واؤعاطفہ کے ساتھ ہے جیسے اس کا قول ہے اُحِبُّہٗ، وَیُحِبُّنِی یعنی میں اس سے محبت رکھتاہوں اور وہ مجھ سے محبت رکھتاہے پھر حکم اس کے یعشقنی کہنے کی وجہ سے ہے ورنہ اس کے صرف اعشقہ کہنے سے کوئی امتناعی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔چنانچہ علامہ احمد بن محمد منیر اسکندری نے "الانتصاف" میں علامہ زمخشری کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جو اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے ذیل میں جو سورۃ مائدہ میں مذکور ہے: "یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ"، (اللہ تعالٰی ان سے محبت رکھتاہے اور وہ اس سے محبت رکھتے ہیں) اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ بندے کا اللہ تعالٰی سے محبت کرنا اس کی اطاعت (فرمانبرداری) سے جدا ہے (الگ ہے) اور محبت معنی حقیقی لغوی کے طور پر ثابت اور واقع ہے (جیسا کہ) موصوف نے تصریح فرمائی پھر جب بندے کا اللہ تعالٰی سے محبت کرنے کا اجراء حقیقت لغوی کے طریقہ سے ثابت ہوگیا اور محبت بمعنی لغوی جب پختہ اور مؤکد ہوجائے تو اسی کو عشق کا نام دیاجاتاہے پھر جس کی اللہ تعالٰی سے پختہ محبت ہوجائے اور اس پر پختگی محبت کے آثار ظاہر ہوجائیں (نظر آنے لگیں) کہ وہ ہمہ اوقات اللہ تعالٰی کے ذکر وفکر اور اس کی اطاعت میں مصروف رہے تو پھر کوئی مانع نہیں کہ اس کی محبت کو عشق کہاجائے۔ کیونکہ

[1] کتاب الانتصاف علی تفسیر الکشاف تحت آیۃ یحبھم ویحبونہ الخ انتشارات آفتاب تہران ایران ۱/ ۶۲۲

محبت ہی کا دوسرا نام عشق ہے اھ لیکن میرے پاس جو نسخہ "الانوار" ہے وہ دو نسخے میرے پاس "الاعلام" کے ہیں ان میں عبارت مذکورہ صرف "آوّ" کے ساتھ مذکور ہے لہذا غور وفکر کرنا چاہئے اور لکھنا چاہئے میں کہتاہوں کہ میں نے اس سے بے خبر نہیں جس کی موصوف نے تخریج فرمائی اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے اور اس عظمت والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶ ثانیہ: کیاحکم شرع شریف کااس بارے میں کہ مدینہ شریف کو "یثرب" کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص یہ لفظ کہے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا ناجائز وممنوع وگناہ ہے اور کہنے والا گنہگار۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمی المدینۃ یثرب فلیستغفر اللہ ھی طابۃ ھی طابۃ، رواہ الامام [1] احمد بسند صحیح عن البراء ان عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو مدینہ کو یثرب کہے اس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ ہے مدینہ طابہ ہے۔ (اسے امام احمد نے بسند صحیح براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

فتسمیتھا بذٰلك حرام لان الاستغفار انما ھو عن خطیئۃ [2]۔	یعنی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کا یثرب نام رکھنا حرام ہے کہ یثرب کہنے سے استغفار کا حکم فرمایا اور استغفار گناہ ہی سے ہوتی ہے۔

ملا علی قاری رحمہ الباری مرقاۃ شریف میں فرماتے ہیں:

قد حکی عن بعض السلف تحریم	بعض اسلاف سے حکایت کی گئی ہے کہ مدینہ منورہ

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۸۵

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث من سمی المدینۃ یثرب الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۲۴

تسمیة المدینة بیثرب ویؤیدہ مارواہ احمد لافذکر الحدیث المذکور ثم قال) قال الطیبی رحمه الله تعالٰی فظهران من یحقر شان ما عظمه الله تعالٰی ومن وصف ماسماہ الله تعالٰی بالایمان بمالایلیق به یستحق ان یسمی عاصیا[1] الخ۔	کو یثرب کہنا حرام ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس کو امام احمد نے روایت فرمایا ہے۔ پھر حدیث مذکور بیان فرمائی۔ پھر علامہ طیبّی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا پس اس سے ظاہر ہوا کہ جو اس کی شان کی تحقیر کرے کہ جس کو اللہ تعالٰی نے عظمت بخشی اور جس کو اللہ تعلٰی نے ایمان کانام دیا اس کا ایسا وصف بیان کرے جو اس کے لائق اور شایان شان نہیں تو وہ اس قابل ہے کہ اس کا نام عاصی (گنہگار) رکھا جائے الخ (ت)

قرآن عظیم میں کہ لفظ یثرب آیا وہ رب العزت جل وعلا نے منافقین کا قول نقل فرمایا ہے:

"وَاِذْقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ"[2]۔	جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب کے رہنے والو! تمہارے لئے کوئی جگہ اور ٹھکانا نہیں۔ (ت)

یثرب کا لفظ فساد وملامت سے خبر دیتا ہے وہ ناپاک اسی طرف اشارہ کرکے یثرب کہتے اللہ عزوجل نے ان پر رد کے لئے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یقولون یثرب وھی المدینة۔ رواہ الشیخان[3] عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	وہ اسے یثرب کہتے ہیں اور وہ تو مدینہ ہے۔ (اس کو بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله تعالٰی سمی المدینة	بے شک اللہ عزوجل نے مدینہ کا نام

[1] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک تحت حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶۲۲/۵

[2] القرآن الکریم ۱۳/۳۳

[3] صحیح البخاری فضائل المدینة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۵۲/۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب المدینة تنفی خبثها الخ ۴۴۴/۱

طابة۔رواہ الائمة احمد ومسلم [1] والنسائی عن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	طابہ رکھا۔(اسے ائمہ احمد، مسلم اور نسائی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

مرقاۃ میں ہے:

المعنی ان اللہ تعالٰی سماھا فی اللوح المحفوظ او امر نبیہ ان یسمیھا بھا ردا علی المنافقین فی تسمیتھا بیثرب ایماء الی تثریبھم فی الرجوع الیھا [2]۔	مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے لوح محفوظ میں مدینہ منورہ کانام "طابہ" رکھا ہے یا اپنے محبوب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ وہ مدینہ پاک کا نام طابہ رکھیں، یثرب رکھنے میں اہل نفاق کارد کرتے ہوئے ان کی سرزنش (توبیخ) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ انھوں نے پھر نازیبا (یامتروک) نام کی طرف رجوع کرلیا۔(ت)

اسی میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد حکی عیسٰی بن دینار ان من سماھا یثرب کتب علیہ خطیئة واما تسمیتھا فی القراٰن بیثرب فھی حکایة قول المنافقین الذین فی قلوبھم مرض [3]۔	امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عیسٰی بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ جس کسی نے مدینہ طیبہ کا نام یثرب رکھا یعنی اس نام سے پکارا تو وہ گناہ گار ہوگا، جہاں تک قرآن مجید میں یثرب نام کے ذکر کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ منافقین کے قول کی حکایت ہے کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے۔(ت)

بعض اشعار اکابر میں کہ یہ لفظ واقع ہوا،ان کی طرف سے عذر یہی ہے کہ اس وقت اس حدیث وحکم پر اطلاع نہ پائی تھی جو مطلع ہو کر کہے اس کے لئے عذر نہیں معہذا شرع مطہر شعر وغیرہ شعر

[1] مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۸۹، صحیح مسلم کتا الحج باب المدینۃ تنفی خبثھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۵

[2] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۶۲۲

[3] المرقاۃ شرح المشکوٰۃ کتاب المناسک حدیث ۲۷۳۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۶۲۲

سب پر حجت ہے۔ شعر شرع پر حجت نہیں ہوسکتا، مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او را مدینہ نام نہاد از جہت تمدن واجتماعی مردم واستیناس وایتلاف ایشاں دردے ونہی کرد از خواندن یثرب یا از جہت آنکہ نام جاہلیت است یا سبب آنکہ مشتق از یثرب بمعنی ہلاک وفساد وتثریب بمعنی توبیخ وملامت ست یا بتقریب آنکہ در اصل نام صنمے یا یکے از جبابرہ بود، بخاری در تاریخ خود حدیثے آوردہ کہ یکبار یثرب گوید باید کہ دہ بار مدینہ گوید تا تدارک وتلافی آں کند ودر روایتے دیگر آمدہ باید کہ استغفار کند وبعضے گفتہ اند کہ تعزیر باید کرد قائل آں را وآنکہ در قرآن مجید آمدہ است یا اہل یثرب از زباں منافقاں ست کہ بذکر آں قصد اہانت آں می کردند عجب کہ برزبان بعضے اکابر دراشعار لفظ یثرب آمدہ[1] انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ۔	آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا نام "مدینہ" رکھا، اس کی وجہ وہاں لوگوں کا رہنا سہنا اور جمع ہونا اور اس سے انس ومحبت رکھنا ہے اور آپ نے اسے یثرب کہنے سے منع فرمایا اس لئے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا نام ہے یا اس لئے کہ یہ "ثرب" سے بنا ہے جس کے معنی ہلاکت اور فساد ہے اور تثریب بمعنی سرزنش اور ملامت ہے یا اس وجہ سے کہ یثرب کسی بت یا کسی جابر وسرکش بندے کا نام تھا۔ امام بخاری اپنی تاریخ میں ایک حدیث لائے ہیں کہ جو کوئی ایک مرتبہ "یثرب" کہہ دے تو اسے دس مرتبہ "مدینہ" کہنا چاہئے تاکہ اس کی تلافی اور تدارک ہوجائے قرآن مجید جو "یا اہل یثرب" آیا ہے تو وہ اہل نفاق کی زبان سے ادا ہوا ہے کہ یثرب کہنے سے وہ مدینہ منورہ کی توہین کا ارادہ رکھتے تھے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ یثرب کہنے والا اللہ تعالٰی سے استغفار کرے اور معافی مانگے اور بعض نے فرمایا کہ اس نام سے پکارنے والے کو سزا دینی چاہئے۔ حیرت کی بات ہے کہ بعض بڑے لوگوں کی زبان سے اشعار لفظ یثرب صادر ہوا ہے۔ انتہی، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور عظمت وشان والے کا علم بہت پختہ اور بڑا مکمل ہے۔ (ت)

مسئلہ ۷: از کانپور مرسلہ مولوی وصی احمد سورتی ۲۱ ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بت پرست کافر نے اپنے بت کے نام

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب المناسك باب حرم المدینۃ مکتبہ نوری رضویہ سکھر ۲/ ۹۴۔۳۹۳

بغرض تقرب روپیہ اٹھار کھا اسی مبلغ منذور سے بایں نیت اسباب اکل وشرب خریدا کہ خاص دن جس میں نذر ادا کی جاتی ہے۔ دعوت کھلائی جائے جب وہ دن آن پہنچا تو وہ ہندو اہل اسلام سے کہنے لگا کہ میں نیت ہے کہ میں تمام اہل اسلام کو للہ اس مال مذکور سے کھلاؤں اسی موجب اس ہندو نے مسلمانوں کو بکرے چاول وغیرہا دئے۔ بروقت دینے کے مکرر سہ کرر للہ دیتا ہو کہا بعض مسلمانوں نے وہ مال منذور قبول کرلیا آپس میں پکا کر دعوتیں کیں بعض لوگ باز رہے لہٰذا باہمی اختلاف واقع ہوا ہے آپ للہ جواب سے سرفراز فرمائیں، آیا اس کافر کا قول "جو للہ دیتا ہوں" کہا معتبر ہے یا نہیں۔ کھانا درست ہوگا یا نہیں؟ در صورت ثانی جو لوگ کھا چکے ہیں وہ لوگ کس امر کے مرتکب ہوئے؟ مفصل تحریر ہو۔ بینوا بالکتاب توجروا بالثواب (کتاب اللہ کے حوالے سے بیان کرو تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کافر مشرک کا کوئی عمل للہ نہیں **فان الکفر ھو الجھل باللہ فاذا جھلہ فکیف یعمل لہ** (چونکہ اللہ تعالٰی کو نہ جاننا کفر ہے پھر جب یہ اس کو نہیں جانتا (یعنی اس کے معاملے میں جہالت کا برتاؤ کرتا ہے تو اس کے لئے عمل کیسے کرسکتا ہے۔ت) مسلمان مال مذکور (نامکمل)

مسئلہ ۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اہل اسلام میں سے کوئی شخص بغرض تماشہ دیکھنے کے کسی میلے اہل ہنود کے میں قصدا جائے تو اس کی عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے یا نہیں۔ اگرچہ وہ شخص یہ تو جانتا ہے کہ ہنود کے میلے میں جانا گناہ ہے اور اس شخص کے واسطے کیا حکم ہے جو کسی رئیس قوم ہنود کا ملازم ہے وہ بوجہ ملازمت کے اپنے آقا کے ساتھ مجبورا جائے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کافروں کے میلے میں جانے سے آدمی کافر نہیں ہوتا کہ عورت نکاح سے نکل جائے، جو لوگ ایسے فتوے دیتے ہیں شریعت مطہرہ پر افتراء کرتے ہیں، البتہ اس میں شریک ہونا مسلمان کو منع ہے۔ حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم [1]۔	جس شخص نے کسی قوم کی جماعتی تعداد میں اضافہ کیا تو وہ انہی میں سے ہے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے:

[1] کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله [1]۔	جو کوئی کسی مشرک کے ساتھ جمع ہوااور اس کے ساتھ ٹھہرا تو بیشک وہ اسی مشرک کی طرح ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں مسلمان کو چاہئے کہ مجمع کفار پر ہو کر نہ گزرے کہ ان پر لعنت اترتی ہے اور پر ظاہر کہ ان کا میلہ صدہا کفر کے شعار اور شرک کی باتوں پر مشتمل ہوگا اور یہ ممانعت وازالہ منکر پر قادر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی گونگا، شیطان اور کافر کا تابعدار ہو کر مجمع کفار میں رہنا اور ان کے کفریات کو دیکھنا سننا مسلمان کی ذلت ہے اور کافر کی نوکری مسلمان کے لئے وہی جائز ہے جس میں اسلام ومسلم کی ذلت نہ ہو نص علیه العلماء کما فی الغمز وغیرہ (علماء کرام نے اس کی تصریح فرمائی جیسا کہ الغمز وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) رزق الله کے ذمہ ہے اور اس کے راستے کھلے ہوئے، تو عذر مجبوری غلط ہے۔ والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم (اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے اور اس بزرگ وعظیم ذات کا علم بڑا کامل اور زیادہ محکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۹: از ڈونگر گڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پرونس مرسلہ شیخ حسین الدین احمد صاحب ۸/ شعبان ۱۳۱۳ھ

زید شراب پیتا ہے اور زید عمرو کو ورغلا کر شراب پلائی وہ بھی پینے لگا تھوڑے عرصہ میں زید تائب ہوا اور قطعاً شراب چھوڑ دی مگر عمرو پیتا رہا، تو کیا عمرو کے مواخذہ میں زید بھی پکڑا جائے گا، اگر پکڑا جائے گا تو زید کے بچنے کی کون سی صورت ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سچی توبہ الله عزوجل نے وہ نفیس شیئ بنائی ہے کہ ہر گناہ کے ازالہ کو کافی ووافی ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ سچی توبہ کے بعد باقی رہے یہاں تک کہ شرک وکفر، سچی توبہ کے یہ معنی ہیں کہ گناہ پر اس لئے کہ وہ اس کے رب عزوجل کی نافرمانی تھی نادم وپریشان ہو کر فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کبھی اس گناہ کے پاس نہ جانے کا سچے دل سے پورا عزم کرے جو چارہ کار اس کی تلافی کا اپنے ہاتھ میں ہو بجالائے مثلاً نماز روزے کے ترک یا غصب، سرقہ، رشوت، ربا سے توبہ کی تو صرف آئندہ کے لئے ان جرائم کا چھوڑ دینا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو نماز روزے ناغہ کئے ان کی قضا کرے جو مال جس جس سے چھینا، چرایا، رشوت، سود میں لیا انھیں اور وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی الاقامة بارض الشرك آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

واپس کردے یا معاف کرائے، پتانہ چلے تو اتنا مال تصدق کردے اور دل میں نیت رکھے کہ وہ لوگ جب ملے اگر تصدق پر راضی نہ ہوئے اپنے پاس سے انھیں پھیر دوں گا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قدنصوا علی ان ارکان التوبة ثلثة الندامة علی الماضی والاقلاع فی الحال والعزم علی عدم العود فی الاستقبال هذا ان کانت التوبة فیما بینه وبین الله کشرب الخمر واما ان کانت مما فرط فیه من حقوق الله کصلوٰة و صیام وزکوٰة فتوبته ان یندم علی تفریطه اولا ثم یعزم علی ان لایعود ابداء ولو بتاخیر صلاة عن وقتها ثم یقضی مافاته جمیعا وان کانت مما یتعلق بالعباد فان کانت من مظالم الاموال فتتوقف صحة التوبة منها مع ماقدمناه فی حقوق الله تعالٰی علی الخروج عن عهدة الاموال وارجاء الخصم بان یتحلل عنهم ایردها الیهم اوالی من یقوم مقامهم من وکیل او وارث وفی القنیة رجل علیه دیون لاناس لایعرفهم من غصوب اومظالم اوجنایات یتصدق	اہل علم نے تصریح فرمائی ہے کہ توبہ کے ارکان تین ہیں (۱) گزشتہ جرم پر ندامت یعنی نادم وشرمسار ہونا (۲) موجودہ طرز عمل کو درست رکھنا اور گناہ کا ازالہ وبیخ کنی کرنا (۳) آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا پختہ عزم کرنا، یہ اس وقت کا کام ہے جبکہ توبہ بندے اور اللہ تعالٰی کے درمیان ہو، جیسے شراب نوشی، لیکن اگر اس نے حقوق اللہ میں کوتاہی کی اور ان سے توبہ کرنا چاہے جیسے نماز، روزے اور زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی کی تو اس کے لئے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کوتاہی پر نادم ہو پھر پختہ ارادہ کرے کہ آئندہ ان کی ادائیگی میں غفلت سے کام نہیں لے گا اور انھیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا، پھر تمام ضائع کردہ حقوق کی قضا کرے اور اگر ضائع کردہ حقوق کا تعلق بندوں سے ہو تو صحت توبہ اس پر موقوف ہے جس کو ہم نے پہلے حقوق اللہ کے ضمن میں بیان کردیا ہے کہ اس کی صورت میں اموال کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا اور مظلوم کو راضی کرنا ضروری ہے جن کا مال غصب کیا گیا، وہ انھیں واپس کیا جائے یا ان سے معاف کرایا جائے اور وہ متعلقہ افراد موجود اور بقید حیات نہ ہوں تو ان کے ورثاء متعلقین اور قائم مقام افراد و وکلاء کے ذریعے اموال کی واپسی اور معافی عمل میں

بقدرها على الفقراء على عزيمة القضاء ان وجدهم مع التوبة على الله تعالٰى فيعذر انتهى وان كانت المظالم فى الاعراض كالقذف والغيبة فيجب فى التوبة فيها مع قدمناه فى حقوق الله تعالٰى ان يخبرا صحابها بما قال من ذٰلك ويتحلل منهم فان تعذر ذٰلك فليعزم على انه متى وجدهم تحلل منهم فان عجز بان كان ميتا فليستغفر الله والمرجو من فضله وكرمه ان يرضى خصمائه من خزائن احسانه فانه جواد كريم رؤف رحيم [1] اھ ملتقطا۔	لائی جائے، قنیہ میں ہے اگر کسی شخص پر لوگوں کے قرضہ جات مثلاً غصب، مظالم، اور جنایات کی قسم سے ہوں اور توبہ کرنے والا ان متعلقہ افراد کو نہیں جانتا پہچانتا تو اتنی مقدار فقراء ومساکین میں قضا کی نیت سے خیرات کردے، اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں توبہ کرنے کے باوجود اگر ان افراد کو کہیں پالے تو ان سے معذرت کرے (یعنی ان سے معافی مانگے اھ) اگر مظالم کا تعلق عزت وغیرہ سے ہو جیسے کسی کو گالی دینا، غیبت کرنا، تو ان میں وجوب توبہ اس شرط سمیت جو ہم نے حقوق اللہ کے ضمن میں بیان کئے ہیں یہ ہے کہ جو کچھ اس نے ان کے بارے میں کہا انھیں اس جرم پر اطلاع دے اور ان سے معافی مانگے، اگر یہ مشکل ہو تو پختہ ارادہ کرلے کہ جب بھی انھیں پائے گا تو ضرور معذرت کرے گا، اگر اس طریقہ سے بھی عاجز ہو جائے یعنی مظلوم وفات پاگیا ہو تو پھر اللہ تعالٰی سے بخشش مانگے، اور اللہ تعالٰی کے فضل وکرم سے قوی امید ہے کہ وہ مظلوم مرحوم کو اپنے جود واحسان کے خزانوں میں سے دے کر راضی کردے گا اور دونوں میں صلح کرادے گا کیونکہ وہ بے حد سخی، کرم کرنے والا۔ انتہائی شفقت فرمانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ انتخاب کردہ عبارت مکمل ہوگئی۔ (ت)

مسئلہ ۱۰: از لکھنؤ محلّہ رام گنج متصل حسین آباد مرسلہ اسد اللہ خاں کوبک غرہ شعبان معظم ۱۳۱۵ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ شیرینی از دکان حلوائی ہندو خرید کردہ اگر فاتحہ خواند وثواب آں بروح رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا دیگر بزرگان دین رساند جائز ست یانہ، وجمہور ایں طریق	علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ ہندو حلوائی کی دکان سے مٹھائی خرید کر فاتحہ پڑھی جائے اور اس کا ثواب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح مبارک یا دیگر بزرگان دین کی ارواح

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر التوبۃ وشرائطہا مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹۔۱۵۸

فاتحہ راجواز گفتہ اندیانہ،واحتراز از ایشاں بایآت قرآنی و احادیث نبوی جائز ست یانہ،وایشاں کافراند یا مشرک، و بصورت دیگر اگر کسے ایشاں راکافر ومشرک گوید دربارہ او چہ حکم است **بینو توجروا**	کو ایصال کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے؟ جمہور اہل علم اس کے جواز کے قائل ہیں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی رو سے یہ لوگ کافر ومشرک قرار پاتے ہیں یا نہیں؟ اور ان سے پرہیز کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص انھیں کافر ومشرک نہ خیال کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔(ت)

الجواب:

ھندوان قطعاً کافران ومشرکانند ہرکہ ایشاں راکافر ومشرک نداند خود کافرست آرے درویشاں طائفہ تازہ برآمدہ کہ خودرا آریہ خوانند وبزبان دعوی توحید کنند ودم تحریم بت پرستی زنند فاما برادری والفت ویک جہتی ایشاں ہرچہ ہست باہمیں بت پرستان ست کہ سنگ وآب ودرخت وپیکر ہائے تراشیدہ را بخدائے پرستند ایناں راہم مذہب وبرادری دینی خواشاں دانند واز نام مسلمانان درآب وآتش مانند "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝" [1]۔ باز ایں خبیثاں اگرچہ بظاہر از پرستش غیر محترز مانند مادہ وروح ہر دو راہچو خدا قدیم وغیر مخلوق دانند پس شرک اگر درعبارت نشد در وجوب وجود شد بہر وجہ سہ الہ برایشاں لازم ست واو قطعاً بمشرکیت پس آں ادعائے توحید ہمہ پادرہواست	ھندو بلاشبہ قطعی طور پر کافر اور مشرک ہیں لہذا جو انھیں کافر و مشرک نہ جانے وہ خود کافر ہوجاتا ہے ان میں ایک نیا فرقہ نکلا ہے جو آریہ کہلاتا ہے وہ زبانی طور پر توحید کا دعوی کرتے ہیں اور بت پرستی کے حرام ہونے کا اقرار بھی کرتے ہیں لیکن برادری الفت ومحبت اور اتحاد میں ان کا رویہ بت پرستوں سے مختلف نہیں،ان بت پرستوں کے ساتھ ان کی الفت ومحبت ان کا اتحاد قائم ہے جو پتھر، پانی، درختوں اور تراشیدہ مورتیوں کو خدا سمجھتے ہوئے پوجتے ہیں اور یہ انھیں اپنا ہم مذہب اور دینی بھائی خیال کرتے ہیں(اور مسلمانوں کے نام سے پانی آگ بن جاتے ہیں یعنی ان کے نام سے بھی جلتے ہیں اللہ تعالٰی ان کا ستیاناس کرے کہاں اوندھے پھرے جاتے ہیں۔ پھر یہ خبیث اگرچہ غیر کی عبادت وبندگی سے پرہیز کرتے ہیں مگر مادہ اور

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

واگر فرکنیم غایت آنکہ ہمیں مشرک نباشد امادر کفر ایشاں چہ جائے سخن ہر کہ با محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نگردہ کافرست دہر کہ راکافر نداند خود باوہمسر ست قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ "[1] اگر دوستی وموالات با ہر کافر کہ باشد حرام اشد وکبیرہ اعظم ست واگر بربنائے میل دینی باشد خود کفر قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[2] وصحبت و مخالطت بے دوستی وموانست اگر درکار دنیوی بر بنائے ضرورت بقدر ضرورت بے تعظیم وتکریم وبے مداہنت درکار دین باشد رخصت ست ورنہ ایںہم حرام مگر بحالت اکراہ شرعی قال اللہ تعالٰی "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ "[3]۔ وقال تعالٰی اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ"[4]۔ و درشرینی ساختہ ایشاں تاآنکہ بالخصوص دروخلط نجاستے یاچیزے حرام معلوم بناشد فتوی جواز ست وتقوی احتراز کما نص علیہ فی الاحتساب ودرفاتحہ از واحتر از نسب ست فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[5] وطیب بودن اشیائے

روح دونوں کہ اللہ تعالٰی کی طرح قدیم اور غیر مخلوق مانتے ہیں اور کہتے ہیں۔ پس اگر عبادت میں شرک نہ ہوا تو وجوب وجود میں شرک ہوگیا پس ہر وجہ سے ان پر تین خدا لازم ہوگئے لہٰذا وہ یقینا مشرک ہیں، ان کا دعوی توحید ہوا میں پاؤں رکھنے کے مترادف ہے۔ اگر ہم آخری درجہ پر فرض کرلیں کہ ہوہ مشرک نہیں تاہم ان کے کفر یعنی کافر ہونے میں بات کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ جو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے اور جو انھیں کافر نہ جانے وہ خود کفر میں ان کے ساتھ برابر ہے، چنانچہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین چاہے (اور اس کا طلب گار ہو) تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ بلکہ وہ دار آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا، لہٰذا ہر کافر سے دوستی اور ملاپ سخت منع حرام اور بہت بڑا گناہ ہے اور اگر دینی رجحان کی بناء پر ہو تو بلا شبہ کفر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: جو کوئی تم میں سے ان (کافروں) سے دوستی رکھے گا تو بلا شبہ وہ انہی میں سے ہے۔ اور اگر

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[5] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

ایشاں اگرچہ بحکم ظاہر ست اما بباطن مشکوک پس اسلم ہماں ست کہ حتی الامکان درہچوں امور نفیسہ گرد او نگردند کما فصلناہ فی فتاوٰنا ورنہ خیر کہ اصل دراشیاء طہارت ست ویقین بہ شک زائل نشود والدین یسر[1] قال محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	مجلس اور میل جول بربنائے ضرورت بقدر ضرورت بغیر دوستی اور انس ومحبت کے بلا تعظیم وتکریم اور بغیر دینی نقصان یا کمزوری کے ہو تو اس کی اجازت اور رخصت ہے۔ بصورت دیگر میل جول اور مجلس بھی حرام ہے۔ہاں اگر کوئی فریق مخالف کے جبر واکراہ کے باعث مجبور ہوجائے تو وہ مستثنٰی ہے۔چنانچہ اللہ تعالٰی کاارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس ہرگز مت بیٹھو نیز ارشاد فرمایا:"کفریہ بات زبان سے نکالنی کفر ہے مگر اس کہ کسی پر زبردستی کی جائے (یعنی اسے کفر کہنے پر مجبور کیا جائے۔مترجم) تو وہ (اپنی جان بچانے کے لئے۔مترجم) کلمہ کفر کہہ سکتا ہے بشرطیکہ اس کا دل (بدستور) ایمان پر قائم اور مطمئن ہو، رہی یہ بات کہ ان کے ہاتھوں کی بنی ہوئی مٹھائی کا استعمال تو جب تک خصوصیت سے اس میں کسی نجاست یا حرام کی ملاوٹ نہ ہو تو بنائے فتوٰی اس کا استعمال جائز ہے۔مگر تقوٰی یہ ہے کہ اس سے بھی پرہیز کیا جائے جیسا کہ "نصاب الاحتساب" میں صراحۃً مذکور ہ۔لہٰذا فاتحہ کے عمل کے لئے اس سے پرہیز زیادہ مناسب ہے۔اس لئے کہ اللہ تعالٰی (بیحد) پاک ہے لہٰذا وہ پاکیزہ چیزوں کے علاوہ کوئی چیز قبول نہیں فرماتا۔اور کافروں کی چیزیں اگرچہ ظاہری اور سرسری حکم میں پاک متصور ہوتی ہیں مگر درحقیقت مشتبہ اور مشکوک ہوتی ہیں لہٰذا وہ سلامتی اسی میں ہے کہ اس قسم کے نفیس کاموں کے سلسلے میں حتی الامکان کفار ومشرکین کے نزدیک نہ جائیں جیساکہ ہم نے اپنے فتوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیااور نہ خیر (کچھ مضائقہ نہیں) کیونکہ اصل اشیاء میں طہارت پائی جاتی ہے اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور دین کی بنیاد آسانی پر ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ جانیں،اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عالم وفقیہ کو گالی دے یا حقارت کرے تو

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

اس کے اوپر حکم کفر جاری ہوگا یا نہیں؟ اور اکثر عوام الناس اس زمانے میں عالموں کو گالی دیتے اور حقارت اور غیبت کرتے ہیں؟

بینواتوجروا

الجواب:

غیبت تو جاہل کی بھی سوا صور مخصوصہ کے حرم قطعی وگناہ کبیرہ ہے۔ قرآن عظیم میں اسے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا فرمایا۔ حدیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا ان الرجل قد یزنی ویتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبۃ لایغفر لہ حتی یغفرلہ صاحبہ، رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ[1] وابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر بن عبداللہ وابی یوسف الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	غیبت سے بچو کہ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ زانی توبہ کرے تواللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور غیبت کرنے والے کی بخشش ہی نہ ہوگی جب تک وہ نہ بخشے جس کی غیبت کی تھی (اس کو ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابو الشیخ نے توبیخ میں جابر بن عبداللہ اور ابوسعید خدری سے روایت کیا اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔ (ت)

یوہیں بلاوجہ شرعی کسی مسلمان جاہل کی بھی تحقیر حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بحسب امرئ من الشران یحقرا خاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ، رواہ مسلم[2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	آدمی کے بد ہونے کو یہ بہت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی تحقیر کرے مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے خون آبرو مال (اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اسی طرح کسی مسلمان جاہل کو بھی بے اذن شرعی گالی دینا حرام قطعی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الغیبۃ والنمیمۃ رسالہ عن رسائل ابن ابی الدنیا باب الغیبۃ وذمہا حدیث ۲۵ موسسۃ الکتب الثقافیۃ ۲ /۴۶

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۷

سباب المسلم فسوق رواہ البخاری ومسلم[1] والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مسلمان کو گالی دینا گناہ کبیرہ ہے(اسے امام بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

سباب المسلم کالمشرف علی الھلکۃ،رواہ الامام احمد[2] والبزار عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند جید۔	مسلمان کو گالی دینے والا اس شخص کی مانند ہے جو عنقریب ہلاکت میں پڑا چاہتا ہے۔(اسے امام احمد اور بزار نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اٰذی مسلما فقد اذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[3] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی(اسے امام طبرانی نے الاوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جب عام مسلمانوں کے باب میں یہ احکام ہیں تو علماء کرام کی شان تو ارفع واعلٰی ہے۔حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایستخف بحقھم الامنافق۔رواہ الطبرانی[4] فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علماء کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق(طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب سباب المسلم فسوق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸،جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ ماجاء فی الشتم امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹،سنن ابن ماجہ ابواب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۱

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ البزار الترھیب من السباب واللعن مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۶۷

[3] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق رواہ ابو الشیخ فی التوبیخ [1] عن جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ان کے حق کو ہلکا نہ سمجھے گا مگر کھلا منافق (اسے ابوالشیخ نے التوبیخ میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لیس من امتی من لم یعرف لعالمنا حقہ۔ رواہ احمد والحاکم [2] والطبرانی فی الکبیر عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو ہمارے عالم کا حق نہ پہچانے وہ میری امت سے نہیں۔ (اسے احمد، حاکم اور طبرانی نے کبیر میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

پھر اگر عالم کو اس لئے برا کہتا ہے کہ وہ عالم ہے جب تو صریح کافر ہے اور اگر بوجہ علم اس کی تعظیم فرض جانتا ہے مگر اپنی کسی دنیوی خصومت کے باعث برا کہتا ہے گالی دیتا تحقیر کرتا ہے تو سخت فاسق فاجر ہے اگر بے سبب رنج رکھتا ہے تو مریض القلب خبیث الباطن ہے اور اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ خلاصہ میں ہے:

من ابغض عالما من غیر سبب ظاھر خیف علیہ الکفر [3]۔	جو کسی عالم سے بغیر سبب ظاہری کے عداوت رکھتا ہے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔ (ت)

منح الروض الازہر میں ہے۔ الظاھر انہ یکفر [4] (ظاہر یہ ہے کہ وہ کافر ہوجائے گا۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا علام ہے اور اس عزت ووقیر والے کا علم بڑا کامل اور بہت پختہ (محکم) ہے۔ (ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۲/۱۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبادہ ابن صامت دارالفکر بیروت ۵ /۳۲۳

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی الجنس الثامن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۸

[4] منح الروض الازہر شرح الفقۃ الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

مسئلہ ۱۲: ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عیسائی نے براہ فریب دہی مسلمان کا حقہ پیا، مسلمان چونکہ اسے مسلمان سمجھتے تھے انھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیا، پھر ایک شخص آیا اس نے عیسائی کو حقہ پیتے دیکھ کر کہا تو عیسائی ہو کر مسلمانوں کا حقہ پیتاہے۔اس نے کہا میں فلاں مسجد میں ایک مہینہ ہوا مسلمان ہوگیا ہوں، جب اس مسجد میں تحقیق کیا گیا تو بیان اس کا بے ثبوت نکلا ایسی حالت میں وہ مسلمان جنھوں نے اس کا پیا ہوا حقہ پیا ہے کیا کریں؟ بینوا توجروا (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جب نادانستہ پیا ان پر کچھ الزام نہیں بلکہ جب وہ کہتا ہے میں مسلمان ہوچکا ہوں تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا جب تک اس سے کفر جدید ظاہر نہ ہو اور اس تحقیقات کا کچھ اعتبار نہیں کہ نفی کی گواہی نامعتبر ہے اور کافر کا اقرار کرنا ہی اسے مسلمان ٹھہرانے کے لئے کافی ہے کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ اس پر درمختار وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳: از کٹرہ ڈاک خانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم خاں صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کی فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کمھار کا گھر جو رعیت مسلمان زمیندار کا ہے مسجد کے متصل ہے۔ کمھار نے اپنے گھر میں ناقوس بجایا، اس پر ایک مسلمان نے کلوخ اندازی کی اس کمھار نے منیجر زمیندار کے پاس کہ وہ بھی مسلمان ہے نالش کی، منیجر مسلمان نے اس مسلمان کی تنبیہ کی اور اس سے جرمانہ لیا، اس تائید کفر کے سبب منیجر مسلمان گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ضرور کہ اس کا یہ حکم قرآن عظیم کے مطابق نہ تھا۔

"وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جو کوئی اللہ تعالٰی کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی فاسق (نافرمان) ہیں، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

مسئلہ ۱۴: از تحصیل چورو ریاست بیکانیر مرسلہ والد مولوی امتیاز احمد صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو بکرے نذر و نیاز یعنی تقرب و عبادت کسی پیر صاحب کے پرورش ہوتے ہیں اور قندوریاں بنائی جاتی ہیں اور پنڈا بھرتے ہیں جیسے ہنوز بھرتے ہیں اور ڈوری اور بدھی اور چوٹی اور جھرولا اور تاتے گلے میں ڈالتے ہیں، یہ امور اخص شرع ہیں یا نہیں اور ان امور کا کرنے والا مشرک ہوتا ہے یا نہیں؟ ہمارے شہر چورو ریاست بیکانیر میں اندر ان مسائل کے بحث ہورہی ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتا کہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اللّٰھم احفظنا (اے اللہ! ہماری حفاظت فرما۔ت) آدمی حقیقۃً کسی بات سے مشرک نہیں ہوتا جب تک غیر خدا کو معبود یا مستقل بالذات وواجب الوجود نہ جانے۔ بعض نصوص میں بعض افعال پر بلااطلاق شرک تشبیہا یا تغلیظا یا بارادہ و مقارنت باعتقاد منافی توحید وامثال ذلک من التاویلات المعروفۃ بین العلماء وارد ہوا جیسے کفر نہیں مگر انکار ضروریات دین اگرچہ ایسی ہی تاویلات سے بعض اعمال پر اطلاق کفر آیا ہے یہاں ہر گز علی الاطلاق شرک وکفر مصطلح علم عقائد کہ آدمی کو اسلام سے خارج کر دیں اور بے توبہ مغفور نہ ہوں زنہار مراد نہیں کہ یہ عقیدہ اجماعیہ اہلسنت کے خلاف ہے ہر شرک کفر ہے اور کفر مزیل اسلام، اور اہلسنت کا اجماع ہے کہ مومن کسی کبیرہ کے سبب اسلام سے خارج نہیں ہوتا ایسی جگہ نصوص کو علی اطلاقہا کفر وشرک مصطلح پر حمل کرنا اشقیائے خوارج کا مذہب مطرود ہے اور شرک اصغر ٹھہرا کر پھر قطعاً مثل شرک حقیقی غیر مغفور ماننا وہابیہ نجدیہ کا خبط مردود، واللہ المستعان علی کل اعنود (اللہ تعالٰی ہی سے مدد مانگی جاتی ہے ہر عناد کرنے والے کے مقابلے میں۔ت) شرح عقائد میں ہے:

الاشراك هو اثبات الشريك فی الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس اوبمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام[1]۔	اشراک یعنی شرک اللہ تعالٰی کی الوہیت میں کسی کو شریک سمجھنا ہے یعنی وجوب وجود میں شریک ماننا جیسے مجوس یا عبادت کے استحقاق میں شریک بنانا جیسے بتوں کے پجاری۔ (ت)

[1] شرح العقائد النسفیہ بحث واللہ تعالٰی خالق لافعال العباد دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۶۱

متون عقائد میں ہے:

الکبیرۃ لاتخریج العبد المومن من الایمان ولا تدخلہ فی الکفر [1]۔	کوئی گناہ کبیرہ بندہ مومن کو ایمان سے نکال کر کفر میں داخل نہیں کرتا۔(ت)

نذر ونیاز کہ مسلمین بقصد ایصال بارواح طیبہ حضرات اولیاء کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتھم (اللہ تعالٰی ہمیں ان کی برکتوں سے مستفید فرمائے۔ت) کرتے ہیں ہرگز قصد عبادت نہیں رکھتے نہ انھیں معبود والہ و مستحق عبادت جانتے ہیں، نہ یہ نذر شرعی ہے بلکہ اصطلاح عرفی ہے کہ سلاطین وعظماء کے حضور جو چیز پیش کی جائے اسے نذور نیاز کہتے ہیں اور نیاز تو اس سے بھی عام تر ہے۔عام محاورہ ہے کہ مجھے فلاں صاحب سے نیاز نہیں، میں تو آپ کا نیاز مند ہوں، فقیر نے اپنے فتاوی میں ان اطلاقت کی بحث شافی لکھی ہے اور خود بھی کبائر مانعین سے ان کا اطلاق ثابت کیا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

حضرت امیر وذریہ طاہرہ او راتمام امت برمثال پیراں و مرشداں می پیرستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ می دانند و فاتحہ ودرود وصدقات ونذر بنام ایشاں رائج ومعمول گردیدہ چنانچہ باجمیع اولیاء ہمیں معاملہ است [2]۔	جناب امیر اور ان کی پاکیزہ اولاد کو تمام امت کے لوگ عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور تکوینی معاملات کو ان سے وابستہ خیال کرتے ہیں اسی لئے فاتحہ درود وصدقات خیرات اور نذر ونیاز کی کارگزاریاں لوگوں میں ان کے نام کے ساتھ رائج اور معمول بن گئی ہیں جیسا کہ دیگر اولیاء کرام کے معاملے میں یہی صورت حال ہے۔(ت)

محبوبان خدا کی طرف تقرب مطلقاً ممنوع نہیں جب تک بروجہ عبادت نہ ہو، تقرب نزدیکی چاہنے رضامندی تلاش کرنے کو کہتے ہیں اور محبوبات بارگاہ عزت مقربان حضرت صمدیت علیہم الصلٰوۃ والسلام کی نزدیکی ورضا ہر مسلمان کو مطلوب ہے اور وہ افعال کہ اس کے اسباب ہوں بجالانا ضرور محبوب، کہ ان کا قرب بعینہٖ قرب خدا اور ان کی رضا اللہ کی رضا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۲﴾" [3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: ایمان والوں کے لئے اللہ تعالٰی اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ انھیں راضی کیا جائے۔(ت)

---

[1] متن شرح العقائد بحث الکبیرۃ دارالاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۸۳۔۸۲، مجموع المتون فی مختلف الفنون فی التوحید الشؤن الدینیہ وولۃ قطر ص ۶۱۵

[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ہفتم درامامۃ تمہید کلام وتقریر مرام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

[3] القرآن الکریم ۹ /۶۲

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الصدقة یبتغی بها وجه الله تعالٰی والهدیة یبتغی بها وجه الرسول وقضاء الحاجة[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عبدالرحمٰن بن علقمة رضی الله تعالٰی عنه۔	صدقے سے اللہ تعالٰی عزوجل کی رضا مطلوب ہوتی ہے اور ہدیہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا اور اپنی حاجت روائی منظور ہوتی ہے (امام طبرانی نے اس کو معجم الکبیر میں حضرت عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

درمختار میں ہے:

فی المنیة انا لانسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی الادمی بهذا النحر ونحوہ فی شرح الوہبانیة عن الذخیرة[2]۔	منیہ میں ہے کہ ہم کسی مسلمان کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس قربانی اور اس جیسے کام سے کسی آدمی کا تقرب چاہتا ہے شرح وہبانیہ میں ذخیرہ کے حوالے سے اسی طرح مذکور ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله انه یتقرب الی الادمی ای علی وجه العبادة لانه المکفر وهذا بعید من حال المسلم[3]۔	مصنف درمختار کا قول ہے کہ کسی آدمی کی تقرب چاہتا ہو یعنی اس تقرب سے عبادت مراد ہو تو یہ کفر ہے اور یہ چیز مسلمان کے حال سے بعید ہے۔ (ت)

ہاں جو شخص عبادت غیر کا قصد کرے ضرور مشرک ہے۔ مگر یہ قصد مسلمان کلمہ گو سے بدے اس کے صریح اقرار کے کہ وہ غیر خدا کو معبود جانتا ہے محض اپنے ظنوں سے ثابت نہ ہوگا، یہ سب سے بدتر بدگمانی ہے اور بدگمانی سب سے سخت تر جھوٹ اور اشد حرام۔

قال الله تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو کیونکہ بعض گمان

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن عبدالرحمن بن علقمہ حدیث ۱۵۹۹۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶ /۳۴۸

[2] درمختار کتاب الذبائح مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۰

[3] ردالمحتار کتاب الذبائح داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۷

الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	گناہ ہوتے ہیں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔رواہ الائمۃ مالک[2] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	لوگوں سے گمان بد کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔الحدیث(ائمہ کرام مثلا امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد، امام ترمذی نے بحوالہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے روات کیاہے۔ت)

مرد کے سر پر چوٹی رکھنا ویسے ہی حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشابہات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء رواہ الائمۃ احمد والبخاری[3] و ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وفیہ احادیث کثیرۃ بالغۃ حدالتواتر۔	اللہ تعالٰی نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں،اور ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ائمہ کرام مثلا امام احمد، بخاری،ابوداؤد، ترمذی،اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو تواتر کی حدتک

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۶،جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی سوء الظن امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰،صحیح البخاری کتاب الوصایا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۸۴،موطاامام مالک ماجاء فی المہاجرۃ کتب خانہ کراچی ص ۷۰۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۱ /۳۳۹،سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸،صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبھین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۷۴،سنن ابی داؤد کتاب اللباس آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۱۰،جامع الترمذی ابواب الادب امین کمپنی دہلی ۲ /۱۰۲

	پہنچی ہوئی ہیں۔(ت)

خصوصا کسی کے نام کی چوٹی کہ رسول کفار ہنود سے ہے یوہیں ڈوری بدھی کلاوہ بھی محض جہالت وبے اصل ہے۔ پنڈا بھرنا، قندوری بھرنا، تاتا میری زبان کے الفاظ نہیں، نہ مجھے ان کے معانی معلوم۔ یہ بھی اگر بدھی چوٹی وغیرہ کے مثل ہوں توان کا بھی وہی حکم ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: از چاٹگام موضع قلادجان مرسلہ نظام الدین ۲۳ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند علماء دین رحمھم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ زید وعمرو ہر دو عالم اندہرگاہ قطعہ فرائض بعبارت صحیحہ ومسئلہ صریحہ پیش ایشاں وقوع آمد پس زید بربنائے نفاق وعداوت دنیاوی گفتہ کہ اکثر جائے فرائض غلط کردہ ودستخط بہ صحیح مسئلہ آں ممنوع وعمرو او لافرائض موصوفہ بغور نظر دیدہ دستخط بداں بر تصحیح مسئلہ آں کردہ اند باز از زبانی زید غلط عبارتش شنیدہ ودستخط خود ازوے منقطع کردہ اند ہر دو عالم موصوف، باوجودیکہ حضرات متدینین ادام اللہ فیوضہم آنرا تحقیق کردہ صحیح فرمودہ اند عبارتش رامغلط گویند، دستخط بداں غیر مشروع پندارند پس دریں واقعہ دماغ وغروری منسوب شوند یانہ وآنانکہ صحیح وجائز راناجائز وحلال راحرام بربنائے دماغ وغروری میدانند کافر گردد یا بارتکاب کبیرہ بیّنوا توجروا۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں (اے علم والو! اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے) زید اور عمرو دونوں عالم ہیں ان دونوں کے سامنے قطعہ فرائض عبارت صحیحہ اور مسئلہ صریحہ کے ساتھ پیش کیا گیا تو زید نے نفاق اور دنیوی عداوت کی بناپر کہہ دیا کہ فرائض کے زیادہ تر مقامات میں غلطی کی گئی ہے لہٰذا اس مسئلے کی صحت پر دستخط کرنا جائز نہیں عمرو نے پہلے فرائض موصوفہ کو غور وفکر سے دیکھا پھر اس مسئلہ کی صحت کو تسلیم کرتے ہوئے دستخط کردئے، ازاں بعد زید کی زبانی اس کی غلط عبارت سنی تو دونوں موصوف عالموں نے اس سے اپنے اپنے دستخط مٹادئے گرچہ دیندار حضرات (اللہ تعالٰی ان کے فیوض وبرکات ہمیشہ پھیلائے) نے اس کی تحقیق کے بعد اس کی تصحیح فرمائی کیونکہ یہ دونوں اس کے عبارت کو غلط کہہ کر اس پر دستخط کو ناجائز سمجھے پس کیا اس واقعہ میں وہ لوگ عالی دماغ اور تکبر کی طرف منسوب ہوں گے؟ اور جو لوگ علو دماغ اور تکبر کی بناء پر صحیح اور جائز کو ناجائز اور حلال کو حرام جانیں کافر قرار پائیں گے یا کبیرہ گناہ کے مرتکب؟ بیان فرماکر اجر وثواب کے مستحق ہوں۔(ت)

الجواب :

دریں سوال کمال اجمال بلکہ اہمال بکار بردہ شدمی بایست نقل آن فتوٰی فرستند تادیدہ شود کہ آیا فی الواقع غلط است وزید بخطائے او بے پردہ وباز عمرو نیز آگاہ ومتنبہ شدہ تصحیح خود ازوے جدا کردہ دریں صورت ہر دو ہر صواب باشند یاحقیقۃً صحیح ست وآنگاہ دیدنی ست کہ مسئلہ ازاں باب ست کہ خطا وانگاہ دیدنی ست کہ مسئلہ ازاں باب ست کہ خطا در فہم او بایشان عارض شود ودریں صورت درآنچہ کردند معذور باشند یاآنچناں نیست کہ بالقصد مکابرہ حق کردہ اند انگاہ لاجرم آثم وبزہ کار شوند فاما کفر نبود مگر آنکہ مسئلہ از ضروریات دین باشد کہ انکار بلکہ شک دراں کفر است۔ والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سوال میں مکمل اجمال بلکہ ناقص اجمال چھوڑ دینے سے کام لیا گیا ہے۔ (یعنی سوال ہی ادھورا ہے) مناسب تو یہ تھا کہ اس فتوی کی نقل ہمراہ سوال بھیجی جاتی تاکہ یہ دیکھا جاتا کہ آیا واقعی وہ غلب ہے اور زید اس کی غلطی کی تہہ تک پہنچا اور عمرو بھی اور وہ اس سے آگاہ اور ہوشیار ہوگئے اس لئے اپنی تصحیح (ضمانت صحت) اس سے الگ کرلی۔ پس اس صورت میں دونوں راہ صواب پر ہیں یا درحقیقت وہ صحیح ہے، پھر یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ اس باب سے ہے کہ اس کے سمجھنے میں ان کو غلطی لاحق ہوگئی اس صورت میں وہ معذور متصور ہوں گے پھر یہ دیکھنا ہے کہ کیا انھوں نے دانستہ حق کا مقابلہ کیا، اگر ایسا ہے تو اس صورت میں وہ ضرور گناہ کے مرتکب ہوئے لیکن کفر پھر بھی نہیں ہوگا الایہ کہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو (اور اس کا صراحۃ انکار ہو تو پھر کفر لازم آئے گا۔ مترجم) کہ اس کا انکار یا اس میں شک کیا جائے تو کفر ہے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اور اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۶: ازیں شہر مرسلہ منشی احمد حسین خرسند نقشہ نویس فیض آباد دفتر اسسٹنٹ ریلوے

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسلمانوں کے حق میں جو آریہ سماجوں میں جاکر کاپی نویسی کرتے ہیں یا پریس میں ہیں یا ان کے اخبار اور مذہبی پرچے روانہ یا تقسیم کرتے ہیں حالانکہ ان پرچوں میں قرآن کریم اور رسول رحیم پر کھلے کھلے اعتراض والزام ہوتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نعوذ باللہ منہا اور علمائے متقدمین ومتاخرین کو کھلی کھلی گالیاں دے جاتے ہیں جس کے شاہد سماجی کتب ترک اسلام، تہذیب الاسلام، آریہ مسافر جالندھر، آریہ مسافر میگزین، مسافر بہرائچ، آریہ پتر بریلی، ستیار تھ پرکاش موجود ہیں، نمونے کے طور پر چن الفاظ نقل ذیل ہیں: ستیا، پرکاش، مسافر،

بہرائچ، آیا ان مسلمانوں سے جو سماجوں میں ملازم ہیں میل جول رکھا جائے اور مسلمان سمجھے جائیں، ایسے مسلمان جو مخالفین اسلام و دشمنان خدا اور رسول کی اعانت کرنے والے ہیں ان کے جنازے کی نماز پڑھنا درست ہے اور ان کے ساتھ شراکت و نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مفصل بیان فرمائے، اللہ اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔

الجواب:

اللہ عزوجل اپنے غضب سے پناہ دے۔ الحمدللہ فقیرے وہ ناپاک ملعون کلمات نہ دیکھے، جب سوال کی اس سطر پر آیا جس سے معلوم ہوا کہ آگے کلمات لعینہ ملعونہ منقول ہوں گے ان پر نگاہ نہ کی، نیچے کی سطریں جن میں سوال ہے باحتیاط دیکھیں، ایک ہی لفظ اوپر سائل نے نقل کیا اور نادانستگی میں نظر پڑا وہی مسلمان کے دل پر زخم کو کافی ہے اب یہ کہ جواب لکھ رہا ہوں کاغذ تہہ کرلیا ہے کہ اللہ تعالٰی ملعونات کو نہ دکھائے نہ سنائے جو نام کے مسلمان کاپی نویسی کرتے ہیں اور عزوجل و قرآن عظیم و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں ایسے ملعون کلمات ایسی گالیاں اپنے قلم سے لکھتے چاہتے ہیں یا کسی طرح اس میں اعانت کرتے ہیں ان سب پر اللہ تعالٰی کی لعنت اترتی ہے وہ اللہ و رسول کے مخالف اور اپنے ایمان کے دشمن ہیں قہر الٰہی کی آگ ان کے لئے بھڑکتی ہے صبح کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں اور شام کرتے ہیں تو اللہ کے غضب میں، اور خاص جس وقت ان ملعون کلموں کو آنکھ سے دیکھتے قلم سے لکھتے۔ مقابلہ وغیرہ میں زبان سے نکالتے یا پتھر پر اس کا ہلکا بھرا بناتے ہیں ہر کلمے پر اللہ عزجل کی سخت لعنتیں، ملائکہ اللہ کی شدید لعنتیں ان پر اترتی ہیں یہ میں نہیں کہتا ہوں قرآن فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۝۵۷"[1]	بیشک وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں اللہ نے ان کے تیار کر رکھا ہے ذلت کا عذاب۔

ان ناپاکوں کا یہ گمان کہ گناہ تو اس خبیث کا ہے جو مصنف ہے ہم تو نقل کردینے یا چھاپ دینے والے ہیں سخت ملعون و مردود وگمان ہے۔ زید کسی دنیا کی عزت دار کو گالیاں لکھ کر چھپوانا چاہے تو ہرگز نہ چھاپیں گے جانتے ہیں کہ مصنف کے ساتھ چھاپنے والی بھی گرفتار ہوں گے مگر اللہ واحد قہار کے قہر و عذاب و لعنت و عتاب کی کیا پرواہ یقینًا یقینًا کاپی لکھنے والا پتھر بنانے والا، چھاپنے والا، کل چلانے والا

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

غرض جان کرکے کہ اس میں یہ کچھ ہے کسی طرح اس میں اعانت کرنے والا سب ایک ہی باندھ کر جہنم کی بھڑکتی آگ میں ڈالے جانے کے مستحق ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "[1]	گناہ اور حد سے بڑھنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینه وهو یعلم انه ظالم فقد خرج من الاسلام، رواه الطبرانی[2] فی الکبیر والضیاء فی صحیح المختارة عن اوس بن شرحبیل رضی الله تعالٰی عنه۔	جو دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اس کی مدد دینے چلا وہ یقینا اسلام سے نکل گیا (امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء نے صحیح مختارہ میں حضرت اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

یہ اس ظالم کے لئے ہے جو گرہ بھر زمین یا چار پیسے کسی کے دبالے یا زید و عمرو کسی کو ناحق سست کہے اس کے مددگار کو ارشاد ہوا کہ اسلام سے نکل جاتا ہے نہ کہ یہ اشد ظالمین جو اللہ ورسول کو گالیاں دیتے ہیں ان باتوں میں ان کا مددگار کیونکر مسلمان رہ سکتا ہے۔ طریقہ محمدیہ او عراس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من آفات الید کتابة مایحرم تلفظه من شعر المجون والفواحش والقذف والقصص التی فیها نحو ذٰلك ولاهاجی نثر اونظما والمصنافات المشتملة علی مذاهب الفرق الضالة فان القلم احدی اللسانین فکانت الکتابة فی معنی الکلام بل ابلغ منه لبقائها علی صفحات اللیالی والایام والکلمة تذهب فی الهواء و الاتبقی[3] اهمختصرا۔	ہاتھ کی آفتوں سے ایک ہے کہ وہ کچھ لکھا جائے جس کا بولنا حرام ہے یعنی جیسے مذمت کے اشعار، فحش باتیں۔ گالی گلوچ اور وہ واقعات جو اسی قسم کی باتوں پر مشتمل ہوں اور ہجوں کرنا خواہ نثر میں ہو یا نظم میں اور گمراہ فرقوں کے مذاہب پر مشتمل تصنیفات اس لئے کہ بولنے والی زبان کی طرح قلم بھی ایک زبان ہے (جس کے ذریعے اظہار خیال ہوتا ہے) لہٰذا لکھنا بولنے ہی کی طرح ہے بلکہ بولنے سے بھی زیادہ بلیغ ہے جبکہ (زبان سے ادا ہونے والے) کلمات ہوا میں (منتشر ہو کر) گم ہو جاتے ہیں اور باقی نہیں رہتے مختصرا۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبة الفیصلیه بیروت ۱/ ۲۲۷

[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقه المحمدیه الصنف الخامس مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۳۔۴۴۴

ایسے اشد فاسق فاجر اگر توبہ نہ کریں تو ان سے میل جول ناجائز ہے ان کے پاس دوستانہ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے۔ پھر مناکحت تو بڑی چیز ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اگر تجھے شیطان (غلط قسم کی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت کا حکم) بھلادے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

اور جو ان میں اس ناپاک کبیرہ کو حلال بتائے اس پر اصرار واستکبار و مقابلہ شرع سے پیش آئے وہ یقیناً کافر رہے اس کی عورت اس کے نکاح سے باہر ہے اس کے جنازے کی نماز حرام۔ اسے مسلمانوں کی طرح غسل دینا، کفن دینا، دفن کرنا، اس کے دفن میں شریک ہونا، اس کی قبر پر جانا سب پر حرام ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	جب ان کافروں میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز مت پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

فقیر کے یہاں فتاوی مجموعہ پر نقل ہوتے ہیں، میں نے نقل فرمانے والے صاحب سے کہہ دیا ہے کہ ان ملعون الفاظ کی نقل نہ کریں، سنا گیا ہے کہ سائل کا قصد اس فتوے کے چھاپنے کا ہے میں درخواست کرتا ہوں کہ ان ملعونات کو نکال ڈالیں ان کی جگہ دو ایک سطریں خالی صرف نقطے لگا کر چھوڑ دیں کہ مسلمانوں کی آنکھیں ان لعنتی ناپاکوں کے دیکھنے سے باذنہ تعالٰی محفوظ رہیں، فاللہ خیر حافظ وھو ارحم الراحمین (اللہ تعالٰی سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۷: از گونڈا ملک اودھ مرسلہ مسلمانان گونڈا عموماً و حافظ عبدالعزیز صاحب مدرس انجمن اسلامیہ گونڈا ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ

زید نے پیشتر جس کو عرصہ قریب چار سال کے ہوا تین چار شخصوں کے سامنے یہ کلمات توہین و بے ادبی کے کہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے گناہ کیا اور گناہ میں مبتلا رہے جب بہت کچھ کہا گیا تو پھر زید نے بلا توبہ یہ کلمہ کہا کہ اچھا ہی نبی معصوم سہی مگر ہم سوائے انبیاء کے کسی کو قطعی جنتی نہیں کہہ سکتے۔ اور یہ کلمات ساٹھ ستر مسلمانوں کے سامنے مکرر سہ کرر کہے، اس کا جواب زید کو دیا گیا کہ تم نے یہ بھی خلاف کلام اللہ و حدیث شریف کے کہا

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۸۲

کیونکہ عشرہ مبشرہ واصحاب بدر وشہداء وغیرہ وغیرہ ضرور قطعی جنتی ہیں اور ان کی نسبت حدیث وکلام پاک میں حکم آچکا ہے مگر زید نے ایک نہ مانی اور یہ ہی کہتا رہا کہ ہم ہرگز نہیں کہہ سکتے بلکہ فوجداری کرنے کو مستعد وامادہ ہوگیا، بروقت استفسار علمائے دین نے فتوی دیا کہ زید ایسے کلمات کہنے سے قطعاً بدمذہب وگمراہ وبے دین وخارج ازادائرہ اہلسنت وجماعت ہے۔ اور اس کے پیچھے نماز ناجائز کیا بلکہ بالکل باطل ہے اس کو مناسب ہے کہ توبہ کرے جبکہ زید مذکور کو توبہ کرنے کے واسطے کہا گیا تو اول تو اس نے کلمات بالا کے کہنے سے انکار کیا جب سب لوگوں پر پورے طور سے کلمات ناشائستہ بالا کا کہنا ثابت ہوگیا تو پھر یہ حیلہ کیا کہ فلاں فلاں دو شخصوں کے روبرو ہم نے توبہ کرلی، اور ان دو شخصوں کا نام لیا جو زید کے دست واحباب ہیں اور جنھوں نے سابقا مثل زید کے یہ کہا تھا کہ ایسے کلمات زید نے نہیں کہے اور پھر وہی دونوں شخص کہنے لگے کہ زید نے توبہ کرلی ہے۔ لیکن دیگر صاحبان نے اس کہنے زید اور ان کے احبابوں کے کہنے کو تسلیم نہ کیا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی ترک کردی جب علماء سے دریافت کیا کہ زید دو شخص کو گواہ دیتا ہے کہ ان کے روبرو توبہ کرلی وہ شاہد ہیں تو یہ توبہ لائق پذیرائی ہے یا نہیں۔ تو عالم صاحب نے ارقام فرمایا کہ جب زید نے کلمات ضلالت علانیہ ساٹھ ستر مسلمانوں کے مجمع میں کہے اور مسلمانوں کو اپنی گواہی پر گواہ کرلیا اس کو لازم ہے کہ یونہی علی الاعلان توبہ کرکے مسلمانوں کو ان کلمات کے ضلالت ہونے اور اپنے رجوع کرنے پر گواہ کرلے جبکہ خود زید زندہ ہے تو توبہ کرسکتا ہے شہادت کی کیا حاجت ہے۔ اور مفتی صاحب نے یہ حدیث شریف بھی ارقام فرمادی ہے:

اذا علمت سیئۃ فاحدث عندھا التوبۃ السر بالسر و العلانیۃ بالعلانیۃ، رواہ الطبرانی[1] فی معجمہ الکبیر۔	جب تم کوئی گناہ کرو تو اسی وقت توبہ کرو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدگی ہے اور اعلانیہ گناہ کی توبہ اعلانیہ، چنانچہ امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اسے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور مولوی صاحب نے یہ کل مسئلہ تحفہ حنفیہ میں طبع کراکے شائع کرادیا ہے۔ اب پھر بعد چار سال کے دو تین آدمیوں کے سامنے کلمات لاطائل کا اقرار کرکے توبہ کرلی ہے اور یہ تین شخص ضرور معتبر اور معتمد ہیں مگر جس وقت زید نے ایک مجمع میں وہ کلمات بیہودہ کہے تھے اس وقت یہ صاحب اس مجمع میں نہ تھے

[1] المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۲۰ /۱۵۹، کنز العمال برمز حم فی الفردوس حدیث ۱۰۱۸۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴ /۲۰۹

اور معاملہ کو ضرور سنا تھا، ایک مفتی صاحب سے جو اس بارہ میں استفسار کیا گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ جب دو تین شخص معتبر توبہ کے شاہد ہیں اور وہ اس کی توبہ کی خبر دیتے ہیں تو یہ بھی ایک قسم کا اعلان ہے جب مجمع میں کہتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کے رو برو توبہ کرلی ہے تو اخبار عن التوبۃ جو مجمع میں ہوا بمنزلہ توبہ کے ہے پس اعلان حاصل ہوگیا اس لئے یہ توبہ معتبر و صحیح ہوگی اس کا اعتبار کرلینا چاہئے اگرچہ اس فرمان عالم صاحب کو مان لیا گا مگر دوسرے صاحبوں نے کہا کہ آپ سے بھی استفسار لیا جائے یعنی دیگر علماء سے تاکہ کامل اطمینان ہو جائے۔

الجواب:

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ کی توفیق ہی سے کہتاہوں۔ت) اس مسئلہ میں مجملا تحقیق حق یہ ہے کہ وہ گناہ جو خلق پر بھی ظاہر ہو جس طرح خود اس کے لئے وہ تعلق ہیں ایک بندے اور خدا میں کہ اللہ عزوجل کی نافرمانی کی اس کا ثمرہ حق جل وعلا کی معاذاللہ ناراضی اس کے عذاب منقطع یا ابدی کا استحقاق دوسرا بندے اور خلق میں کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ آثم وظالم یا گمراہ کافر بحسب حیثیت گناہ ٹھہرے اور اس کے لائق سلام وکلام و تعظیم و کرام واقتدائے نماز وغیرہا امور و معاملات میں اس کے ساتھ انھیں برتا کرنا ہو۔ یوہیں اس سے توبہ کے لئے بھی دو رخ ہیں، ایک جانب خدا، اس کا رکن اعظم بصدق دل اس گناہ سے ندامت ہے فی الحال اس کا ترک اور اس کے آثار کا مٹانا اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا یہ صحیح عزم، یہ سب باتیں سچی پریشانی کو لازم ہیں۔ ولہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الندم توبة[1] رواہ احمد والبخاری فی التاریخ وابن ماجة والحاکم عن ابن مسعود والحاکم والبیھقی فی شعب الایمان عن انس والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم	ندامت توبہ ہے (امام احمد اور امام بخاری نے تاریخ میں، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا امام حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان

[1] مسند امام احمد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۷۶، سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر التوبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۳، المستدرک للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۲۴۳، شعب الایمان حدیث ۷۰۳۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۳۸۷

فی الحلیۃ عن ابی سعید الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم وھو حدیث صحیح۔	میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے اسے روایت کیا۔امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابوسعید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسے روایت کیااور وہ صحیح حدیث ہے۔(ت)

یعنی وہی سچی صادقہ ندامت کہ بقیہ ارکان توبہ کو مستلزم ہے اسی نام توبۃ السر ہے۔دوسرا جانب خلق کہ جس طرح ان پر گناہ ظاہر ہوااور ان کے قلوب میں اس کی طرف سے کشیدگی پیدا ہوئی اور معاملات میں اس کے ساتھ اس کے گناہ لائق انھیں احکام دئے گئے اسی طرح ان پر اس کی توبہ ورجوع ظاہر ہو کہ ان کے دل اس سے صاف ہوں اور احکام حالت برات کی طرف مراجعت کریں یہ توبہ علانیہ ہے توبہ سر سے تو کوئی گناہ خالی نہیں ہوسکتا اور گناہ علانیہ کے لئے شرع نے توبہ علانیہ کا حکم دیا ہے امام احمد کتاب الزہد میں بسند حسن اور طبرانی معجم الکبیر اور بیہقی شعب الایمان میں بسند جید سیدنا معاذ بن جبل سے اور ویلمی مسند الفردوسی میں انس بن مالک سے موصولا اور امام احمد زہد میں عطار بن یسار سے مرسلا بالفاظ عدیدہ مطولہ ومختصرہ راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیك بتقوی اللہ عزوجل مااستطعت و اذکر اللہ عزوجل عند کل حجر وشجر واذا علمت سیئۃ فاحدث عندھاتوبۃ السر بالسر والعلانیۃ بالعلانیۃ[1]۔ ھذا لفظ احمد عن معاذوفی مرسلہ من قولہ اذا عملت سیئۃ الحدیث[2]۔ولفظ الدیلمی اذا احد ثت ذنبا فاحدث عند توبۃ ان سر افسر وان علانیۃ فعلانیۃ[3]۔	اللہ عزوجل سے تقوی لازم رکھ اور ہر پتھر اور پیڑ کے پاس اللہ کی یاد کر،اور جب کوئی گناہ کرے اس وقت توبہ لا۔خفیہ کی خفیہ اور آشکارا کی آشکارا۔(یہ حضرت معاذ کے حوالے سے مسند احمد کے الفاظ ہیں اور مسند احمد کی مرسل حدیث ہیں ان کے قول اذا عملت (الحدیث) تک الفاظ میں اور محدث ویلمی کے الفاظ ہیں)جب تجھ سے نیا گناہ ہو تو فوراً نئی توبہ کر۔نہاں کی نہاں،اور عیاں کی عیاں۔

---

[1] الزھد لاحمد بن حنبل مقدمہ الکتاب دار الدیان للتراث القاہرۃ ص ۳۵

[2] اتحاف السادۃ المتقین بر مزاحمد فی الزھد عن عطار بن یسار مرسلا دار الفکر بیروت ۸/ ۶۰۳

[3] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن انس حدیث ۱۰۲۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۲۰

اقول: وباللہ التوفیق (اللہ تعالٰی کی عطا کردہ توفیق ہی سے میں کہتا ہوں۔ت) اس حکم میں بکثرت حکمتیں ہیں:

اول: اصلاح ذات بین کا حکم ہے یعنی آپس میں صفائی اور صلح رکھو، یہ گناہ علانیہ میں توبہ علانیہ ہی پر موقوف کہ جب مسلمان اس کے گناہ سے آگاہ ہوئے اگر توبہ سے واقف نہ ہوں تو ان کے قلوب اس سے ویسے ہی رہیں گے جیسے قبل توبہ تھے۔

دوم: جب وہ اسے برا سمجھتے ہوئے ہیں تو اس کے ساتھ وہی معاملات بعد و تنفر رکھیں گے جو بدون کے ساتھ درکار ہیں علی الخصوص بدمذہب لوگ جیسا زید کا حال ہے یہ بہت برکات سے محرومی کا باعث ہوگا۔

سوم: جب یہ واقع میں تائب ہولے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ [1]۔	گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ (ت)

تو اب مسلمانوں کے وہ معاملات نظر بواقع بیجا ہوں گے اور انھیں اس بیجا پر خود یہ شخص حامل ہوا کہ اگر اپنی توبہ کا اعلان کردیتا ہے تو کیوں وہ معاملات رہتے تو لازم ہوا کہ انھیں مطلع کردے جیسے کسی کے کپڑے میں نجاست ہو اور وہ مطلع نہیں تو جاننے والے پر اسے خبر دینی ضروری ہے۔

چہارم: ایسے گناہوں میں جو بددینی ہے جیسے صورت مسئولہ میں زید کے وہ کلمات خبیثہ ان میں ایک اور سخت آفت کا اندیشہ ہے کہ اگر یہ مر گیا اور مسلمانوں پر اس کی توبہ ظاہر نہیں اور بدمذہب کی مذمت اس کے مرنے پر بھی جائز بلکہ کبھی شرعاً واجب ہے تو اہل سنت اسے برا اور بددین اور گمراہ کہیں گے اور ان کے سید و مولٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں زمین میں اللہ عزوجل گواہ بتادیا ہے آسمان میں اس کے گواہ ملائکہ ہیں اور زمین میں اہلسنت تو ان کی گواہی سے اس پر سخت ضرر کا خوف ہے اور وہ خود اس میں تقصیروار ہے کہ اعلان توبہ سے ان کا قلب صاف نہ کردیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک جنازہ گزرا حاضرین نے اس کی تعریف کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے فرمایا:۔ "**وجبت**" واجب ہوگئی، ایک دوسرا جنازہ گزرا اس کی مذمت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "**وجبت**" واجب ہوگئی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ

[1] کنز العمال برمزہ 'ق' طب عن ابن مسعود حدیث ۱۰۲۴۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۲۲۰

کیا واجب ہو گئی۔ فرمایا:

ھذا اثنیتم علیہ خیرا فوجبت لہ الجنۃ و ھذا اثنیتم علیہ شرا فوجبت لہ النار انتم شھداء اللہ فی الارض۔ رواہ احمد والشیخان [1] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	پہلے کی تم نے تعریف کی اس کے لئے جنت واجب ہو گئی، دوسرے کی مذمت کی اس کے لئے دوزخ واجب ہو گئی، تم اللہ تعالٰی کے گواہ ہو زمین میں، (امام احمد، بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اسے روایت کیا۔ت)

اور یہ نہ بھی ہو تو اتنا ضرور ہے کہ علماء و صلحاء اہلسنت اس کی تجہیز میں شرکت اور اس کے جنازہ پر نماز سے احتراز کریں گے شفاعت اخیار سے محروم رہے گا، یہ شناعت کیا کم ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ کی پناہ۔ت)

پنجم: اصل یہ کہ گناہ علانیہ دوہرا گناہ ہے کہ اعلان گناہ دوہرا گناہ بلکہ اس گناہ سے بھی بدتر گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل امتی معافی الا المجاہرین، رواہ الشیخان [2] عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الاوسط عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میری سب امت عافیت میں ہے سوان کے جو گناہ آشکارا کرتے ہیں (بخاری و مسلم نے حضرت بوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اور امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایزال العذاب مکشوفا عن العباد لما استتروا بمعاصی اللہ فاذا اعلنوھا	ہمیشہ اللہ کا عذاب بندوں سے دور رہے گا جبکہ وہ اللہ تعالٰی کی نافرمانیوں کو ڈھانپیں

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ثناء الناس علی المیت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، صحیح مسلم کتاب الجنائز باب فی وجوب الجنۃ والنار بشھادۃ المومنین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۸

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب ستر المؤمن علی نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶، صحیح مسلم کتاب الزہد باب عقوبۃ من یامر بالمعروف الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۱۲، المعجم الاوسط حدیث ۴۴۹۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۵۲-۲۵۱

استرجبوا عذاب النار، رواہ فی مسند[1] الفردوس عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اور چھپائیں گے پھر جب علانیہ گناہ ور نافرمانیاں کریں گے تو وہ عذاب کے مستحق اور سزا وار ہو جائیں گے محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔(ت)

اعلان پر باعث نفس کہ جرأت وجسارت وسرکشی وبے حیائی اور مرض کا علاج ضد سے ہوتا ہے جب مسلمانوں کے مجمع میں اپنی ندامت وپشیمانی ظاہر کرے گا اور اپنے قول یا فعل یا عقیدہ کی بدی وشناعت پر اقرار لائے گا تو اس سے جو انکساری پیدا ہوگا اس سرکشی کی دوا ہوگا، فکر حاضر میں اس وقت اتنی حکمتیں خیال میں آئیں اور شریعت مطہرہ کی حکمتوں کو کون حصر کرسکتا ہے ان میں اکثر وجوہ یہ ہوتا ہے کہ جن جن لوگوں کے سامنے گناہ کیا ہے ان سب کے مواجدہ میں توبہ کرے مگر یہ کثرت مجمع کی حالت میں مطلقًا اور بعض صورتیں ویسے بھی حرج سے خالی نہیں اور حرج مدفوع بالنص ہے تاہم اس قدر ضرور چاہئے کہ مجمع توبہ مجمع گناہ کے مشابہ ہو سب میں ادنٰی درجہ کا اعلان اگرچہ دو کے سامنے بھی حاصل ہوسکتا ہے۔

کما اجاب علماؤنا تمسك الامام مالك فی اشتراط الاعلان بحدیث اعلنوا النكاح ان من اشهد فقد اعلن كما فی مختصر الكرخی ومبسوط الامام محرر المذهب وغیرهما۔	جیسا کہ ہمارے علماء کرام نے حضرت امام مالک کو ان کے استدلال سے جواب دیا کیونکہ امام مالک نے حدیث اعلنوا النکاح (لوگو! نکاح کا اعلان کیا کرو) سے نکاح کے لئے اسے شرط قرار دیا ہے ہمارے ائمہ نے فرمایا: جو شخص نکاح پر گواہ بنائیگا تو بلاشبہہ اس نے نکاح کا اعلان کردیا۔(گویا حدیث میں اعلان سے تشہیر مراد ہے۔مترجم) جیسا کہ مختصر کرخی اور مذہب تحریر کرنے والے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی مبسوط اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔(ت)

مگر وہ مقاصد شرح یہاں بے مشاکلت ومشابہت حاصل نہ ہوں گے ولہذا علامہ مناوی نے فیض القدیر میں اس حدیث کی شرح میں لکھا:

احدث عندهاتوبة تجانسها مع رعاية المقابلة وتحقق	گناہ کے ہوتے ہی ایسی نئی توبہ کریں جو اس گناہ کی مجانس (اس کی مثل) ہو باوجودیکہ اس

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۸۷۵۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۹۶

المشاکلة[1] اھ مختصرًا۔	میں رعایت مقابلہ وتحقق مشاکلت ہو(مختصرا عبارت مکمل ہوئی)۔(ت)

سو کے سامنے گناہ کیا اور ایک گوشہ میں دو کے آگے اظہار توبہ کردیا تو اس کا اشتہار مثل اشتہار گناہ نہ ہو اور وہ فوائد کہ مطلوب تھے پورے نہ ہوئے بلکہ حقیقۃً وہ مرض کہ باعث اعلان تھا توبہ میں کمی اعلان پر بھی وہی باعث ہے کہ گناہ تو دل کھول کر مجمع کثیر میں کرلیا اور اپنی خطا پر اقرار کرتے عار آتی ہے چپکے سے دو تین کے سامنے کہہ لیا وہ انکساری کہ مطلوب شرع تھا حاصل ہونا درکنار ہنوز خودداری واستنکاف باقی ہے اور جب واقع ایسا ہو تو حاشا توبہ سر کی بھی خبر نہیں کہ وہ ندامت صادقہ چاہتی ہے اور اس کا خلوص مانع استنکاف، پھر انصاف کیجئے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی ہے اور اس مجمع میں توبہ نہ کرنا خود بھی اسی خودداری واستنکاف کی خبر دے رہا ہے ورنہ گزشتہ توبہ کا قصہ پیش کرنا گواہوں کے نام گنانا ان سے تحقیقات پر موقوف رکھنا مگر یہ جھگڑا آسان تھا یا مسلمانوں کے سامنے یہ دو حرف کہہ لینا کہ الٰہی! میں نے اپنے ان ناپاک اقوال سے توبہ کی، پھر یہاں ایک نکتہ اور ہے اس کے ساتھ بندوں کے معاملے تین قسم ہیں ایک یہ کہ گناہ کی اس کی سزا دی جائے اس پر یہاں قدرت کہاں، دوسرے یہ کہ اس کے ارتباط واختلاط سے تحفظ وتحرز نہ کیا جائے کہ بدمذہب کا ضرر سخت معتذر ہوتا ہے، تیسرے یہ کہ اس کی تعظیم وتکریم مثل قبول شہادت واقتدائے نماز وغیرہ سے احتراز کریں، فاسق وبدمذہب کے اظہار توبہ کرنے سے قسم اول تو فورا موقوف ہوجاتی ہے الا فی بعض صورت مستثنیات مذکورۃ فی الدر وغیرہ (مگر بعض ان صورتوں میں جو درمختار وغیرہ میں مذکور ہیں۔ت) مگر دو قسم باقی ہنوز باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ اس کی صلاح حال ظاہر ہو اور مسلمان اس کے صدق توبہ پر اطمنان حاصل ہو اس لیے کہ بہت عیار اپنے بچاؤ اور مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے زبانی توبہ کرلیتے ہیں اور قلب میں وہی فساد بھرا ہوا ہے۔ عراق میں ایک شخص صبیغ بن عسل تمیمی کے سر میں کچھ خیالات بدمذہبی گھومنے لگے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور عرضی حاضر کی گئی طلبی کا حکم صادر فرمایا وہ حاضر ہوا امیر المومنین نے کھجور کی شاخیں جمع کر رکھیں اور اسے سامنے حاضر ہونے کا حکم دیا فرمایا تو کون ہے؟ کہا میں عبداللہ صبیغ ہوں، فرمایا اور میں عبداللہ عمر ہوں اور ان شاخوں سے مارنا شروع کیا کہ خون بہنے لگا پھر قید خانے بھیج دی، جب زخم اچھے ہوئے پھر بلایا اور ویسا ہی مارا پھر قید کردیا سہ بارہ پھر ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ بولا یا امیر المومنین! واللہ اب وہ

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر للمناوی حدیث ۶۳ے۷ دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۰۶

ہوا میرے سر سے نکل گئی، امیر المومنین نے اسے حاکم یمن حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بھیج دیا اور حکم فرمایا کہ کوئی مسلمان اس کے پاس نہ بیٹھے وہ جدھر گزرتا اگر سو آدمی بیٹھے ہوتے سب متفرق ہوجاتے یہاں تک کہ ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرضی بھیجی کہ یا امیر المومنین! اب اس کا حال صلاح پر ہے اس وقت مسلمانوں کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت فرمائی، دارمی سنن اور نصر مقدسی وابوالقاسم اصبہانی دونوں کتاب الحجہ ابن الانباری کتاب المصارف اور لالکائی کتاب السنۃ اور ابن عساکر تاریخ دمشق میں سلیمان بن یسار سے راوی:

رجل من بنی تمیم یقال له صبیغ بن عسل قدم المدینة وکان عندہ کتب فکان یسأل عن متشابه القراٰن فبلغ ذٰلك عمر رضی اللہ تعالٰی عنه فبعث الیه وقد اعدله عراجین النحل فلما دخل علیه قال من انت قال انا عبداللہ صبیغ قال عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وانا عبداللہ عمر واوما الیه فجعل یضربه بتلك العراجین فما زال یضربه حتی فما زال یضربه حتی شجه وجعل الدم یسیل علی وجهه فقال حسبك یا امیر المومنین واللہ فقد ذهب الذی اجد فی رأسی [1]۔	قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص جس کو "صبیغ بن عسل" کہا جاتا تھا مدینہ منورہ آیا اس کے پاس کچھ کتابیں تھیں اور قرآن مجید کے تشابہات کے بارے میں پوچھتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے ایک آدمی بھیج کر اسے اپنے ہاں بلالیا اور اس کے لئے کھجوروں کی چند بڑی ٹہنیاں تیار رکھیں جب وہ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا، میں عبداللہ صبیغ ہوں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں اللہ تعالٰی کا بندہ عمر ہوں، پھر اس کی طرف بڑھے اور ان ٹہنیوں سے اسے مارنے لگے اسے مسلسل مارتے رہے یہاں تک کہ وہ زخمی ہوگیا اور اس کے چہرے پر خون بہنے لگا، اس نے کہا بس بھی کریں کافی ہوگیا ہے امیر المومنین! خدا کی قسم میں اپنے دماغ میں جو کچھ پاتا تھا وہ نکل گیا ہے یعنی ختم

[1] تنہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ صبیغ بن عسل دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۸۷، سنن الدارمی حدیث ۱۴۶ دار المحاسن للطباعۃ القاہرۃ ۱/ ۵۱

ولنصر وابن عساکر عن ابی عثمان النھدی عن صبیغ کتب یعنی امیرالمومنین الی اھل البصرۃ ان لاتجالسوا صبیغا قال ابوعثمٰن فلوجاء ونحن مائۃ لتفرقناعنه [1]۔وللدارمی وابن عبد الحکیم ابن عساکر عن مولی ابن عمر قال قال له عمر عماتسأل فحدثه فارسل الی عمر یطلب الجرید ضربه بھا حتی ترك ظھرہ دبرۃ ثم ترکه حتی برء ثم دعا به لیعود به فقال صبیغ یا امیر المومنین ان کنت ترید قتلی فاقتلنی قتلا جمیلا وان کنت ترید تداوینی فقد و الله برئت فاذن له الی ارضه وکتب له الی ابی موسٰی الاشعری ان لایجالسه احد من المسلمین فاشتد ذٰلك علی الرجل	ہوگیا ہے نصر مقدسی اور ابن عساکر نے ابوعثمان نہدی کے حوالے سے صبیغ سے روایت کی،امیر المومنین نے اہل بصرہ کو لکھا کہ وہ صبیغ کے پاس نہ بیٹھا کریں،چنانچہ ابوعثمان نے بیان کیا(کہ اس حکم کے بعد لوگوں کی یہ حالت ہوگئی کہ)اگر وہ شخص آتا اور ہم ایک سو کی تعداد میں موجود ہوتے تو ہم ادھر ادھر بکھر جاتے،دارمی،ابن عبدالحکیم اور ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عمر کے آزاد کردہ غلام سے روایت کی غلام نے کہا حضرت عمر فاروق نے اس سے دریافت فرمایا:تو کس بارے میں سوال کرنا چاہتاہے،اس نے جواب دیا اور بیان کیا۔پھر امیر المومنین نے لاٹھیاں منگوانے کے لیے میرے پاس آدمی بھیجا اور لاٹھیاں منگواکر اس سے مارا پیٹا یہاں تک کہ اس کی پیٹھ زخمی ہوگئی،اسے اس حالت میں رخصت کردیا تاآنکہ وہ صحت یاب ہوکر ٹھیک ہوگیا،پھر اسے طلب کیا تاکہ اسے مزید زدوکوب کریں،صبیغ مذکور نے عرض کی اے امیر المومنین!اگر مجھے ماڈالنا چاہتے ہیں تو مجھے مار ڈالیں اور اگر میرا علاج کرنا چاہتے ہیں تو خدا کی قسم اب میں ٹھیک ہوگیا ہوں،امیر المومنین نے پھر اسے اپنے وطن جانے کی اجازت دے دی اور اس کے بارے میں حضرت

[1] تھذیب دمشق الکبیر ترجمه صبیغ بن عسل داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ /۳۸۷

فکتب ابو موسٰی الی عمر ان قد حسنت هیأته ان ائذن للناس فی مجالسته [1] ولابن الابناری ولنصر و اللالکائی وابن عساکر عن السائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنه وذکر القصة قال فلم یزل یعنی صبیغا وضیعا فی قومه حتی هلك وکان سید قومه [2]۔	ابوموسٰی اشعری کی طرف یہ ہدایت تحریر بھیجی کہ کوئی مسلمان اس شخص کے پاس نہ بیٹھنے پائے، یہ حکم اسے گراں گزرا، کچھ عرصہ بعد ابوموسٰی اشعری نے امیر المومنین کو لکھا کہ اس کی حالت اچھی ہوگئی ہے۔آپ نے انھیں جواب بھیجا کہ اب لوگوں کو اس کے پاس بیٹھنے کی اجازت دے دیں، ابن ابی الابناری نصر مقدسی لالکائی اور ابن عساکر نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت فرمائی کہ انھوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ پھر ہمیشہ صبیغ اپنی قوم (بے قدر) کہتر ہوگیا یہاں تک کہ اسے موت آگئی، باوجودیہ کہ وہ اپنی قوم کا سردار تھا۔(ت)

پھر صحت توبہ پر اطمینان کتنی مدت میں حاصل ہوتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں کرسکتے جب اس شخص کی حالت کے لحاظ سے اطمینان ہوجائے کہ اب اس کی اصطلاح ہوگئی اس وقت اس سے دو قسم اخیر کے معاملات بر طرف ہوں گے، فتاوٰی امام قاضی خاں پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

الفاسق اذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر علیه اثر التوبة والصحیح ان ذٰلك مفوض الی رائی القاضی [3]۔	بدکردار جب تائب ہوجائے تب بھی اس کی شہادت مقبول نہ ہوگی جب تک کہ کچھ زمانہ بیت جائے تاکہ اس پر توبہ کے آثار ہو جائیں، اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسئلہ قاضی کی رائے پر منحصر ہے۔ (یعنی جب قاضی کو اس سے مکمل اطمینان ہوجائے توپھر شہادت مقبول ہوگی۔ مترجم)۔(ت)

ظاہر ہے کہ یہ بات نظر بحالات مختلف ہوجاتی ہے ایک سادہ دل راست گو سے کوئی گناہ ہوا اس نے توبہ کی اس کے صدقہ پر جلد اطمینان ہوجائے گا اور دروغ گو مکار کی توبہ کا اعتبار نہ کریں گے اگرچہ ہزار مجمع میں تائب ہو، امام اجل ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہ، الربانی بدائع میں

---

[1] تهذیب دمشق الکبیر ترجمه صبیغ بن عسل ۶ /۳۸۷ وسنن الدارامی حدیث ۱۵۰ /۱ /۵۱

[2] تهذیب دمشق ترجمه صبیغ بن عسل داراحیاء التراث العربی بیروت ۶ /۳۸۷

[3] فتاوٰی ہندیه کتاب الشهادات الباب الرابع الفصل الثانی نورانی کتب خانه پشاور ۳ /۴۶۸

فرماتے ہیں:

المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ ولا تقبل شھادتہ ابدا وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سھوا اوابتلی بہ مرۃ ثم تاب [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی دروغ گوئی یعنی جھوٹ بولنے میں مشہور ہو تواس کے لئے کوئی عدالت نہیں لہٰذا کبھی بھی اس کی شہادت مقبول نہیں ہوسکتی اگرچہ تائب ہوجائے۔ بخلاف اس شخص کے جس نے بھول کر جھوٹ کہہ دیا یا کبھی کبھار اس سے غلط بیان ہوگئی پھر اس نے توبہ کرڈالی (تواس کی شہادت توبہ کرنے کے بعد مقبول ہوگی، مترجم) اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں:

زید کہتاہے کہ حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ صحابہ سے افضل ہیں اور ایصال نفع ونقصان کے مالک ہیں چنانچہ مجھ کو ان کی گیارھویں کرنے سے ترقی ہوئی، گیارھویں اور مولود میرا ایمان ہے۔ عمرو کہتاہے کہ حضرت محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ صحابہ کرام سے افضل نہیں اور نہ مالک نفع وضرر ہیں البتہ ان کی مقدس روح کو فاتحہ شرینی وغیرہ کاثواب پہنچانا موجب خیر وبرکت ہے۔ گیارھویں اور مولود اقدس مروجہ داخل ایمان نہیں کیونکہ میں نے یہ دونوں اٰمنت باللہ کے معنی میں سے نہیں سنے، لیکن یہ بات ضرور ہے کہ ذکر ولادت جناب رسالتمآب علیہ افضل التحیات کامشروع طورپر کرنا ایمان کے لوازمات سے ہے اور باعث فلاح دارین ہے ___ کس کا قول درست ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے افضل کہنا گمراہی ہے اور بعطائے الٰہی مالک نفع وضرر کہنے میں حرج نہیں، مسلمان جب ایسا لفظ کہتاہے اس کی مراد یہی ہوتی ہے نہ یہ کہ معاذاللہ بذات خود بے عطائے الٰہی مالک نفع وضرر جانے کہ یہ کفر خاص ہے اور کوئی مسلمان اس قصہ سے نہیں کہتا۔ مجلس میلاد مبارک ویازدہم شریف میں دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت خصوصی فعل اس طور پر توفرائض حتی کہ نماز وروزہ بھی داخل ایمان وجزء ایمان نہیں، **اٰمنت باللہ** (میں اللہ پر ایمان لایا۔ت) میں ان کا بھی ذکر صریح نہیں، دوسری حیثیت مقصد ومنشاء یعنی محبت وتعظیم حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محبت وتعظیم اہلبیت وصحابہ واولیاء وعلماء رضی اللہ تعالٰی

[1] بدائع الصنائع کتاب الشھادۃ فصل اما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹

عنہم بھی اس میں داخل ہے یہ ضرور رکن ایمان ہے:

قال اللہ تعالٰی "وَتُعَزِّرُوۡہُ وَتُوَقِّرُوۡہُ ؕ"[1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا ان کی (یعنی حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) تعظیم وتوقیر کرو۔ (ت) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں میں اس وقت تک کوئی ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک اس میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤ (یعنی وہ سب سے زیادہ مجھے محبوب رکھے)۔ اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۹ تا ۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید نے ایک شخص کو حقہ بھر کر دیا، شخص مذکور نے حقہ لے کر ایک شعر پڑھا، زید نے لاعلمی کی وجہ سے یہ کہا **سمع اللہ لمن** ہمیں کیا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) دیگر سوال یہ ہے کہ جس شخص کی قرابت داری رافضیوں سے ہو اور ان کے کھانے پینے میں اور زیست ومرگ میں بھی شامل ہو اور کوئی سمجھائے تو اس کا یہ جواب کہ ہم سے یہ ترک ہو نہیں سکتا۔

(۳) اور مسئلہ سوم یہ ہے کہ جو شخص سود خور سے محبت قلبی رکھے اور بعد مرگ اس کے مال کی پیروی بہت سی کرے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۴) چہارم زید کی والدہ کا زید کی شادی کے وقت تک یہ عقیدہ تھا کہ حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے برابر کسی صحابی کا رتبہ نہیں ہے۔ **بینوا توجروا**۔ (بیان کرو تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) پہلا لفظ ناپاک جس نے بکا اسے نئے سرے سے کلمہ پڑھنا چاہئے اور اپنی عورت سے تجدید نکاح کرے **لانہ استھزاء بکلمۃ الحمد الالٰھی عزجلالہ** (اس لئے کہ یہ اللہ تعالٰی (کہ جس کا جلال ورعب غالب ہے) کے کلمہ حمد کے ساتھ مذاق ہے۔ ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

(۲) رافضیوں سے میل جول حرام ہے اور اس کا مرتکب اگر رافضی نہ بھی ہو تو سخت درجہ کا فاسق فاجر ضرور ہے اور جب وہ اس پر اصرار کرتا ہے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ خود اس سے ملنا جلنا ترک کردیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)"[1]۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: اگر شیطان تمھیں بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

(۳) سود خور سے محبت اگر پنی کسی قرابت، رشتہ، جائز احسان کی وجہ سے ہے تو اس قدر پر انسان مجبور ہے اور بے اس کے اس سے بھی خلط ملط منع ہے۔

فی التفسیر الاحمدی بماذکر شمول الکریمۃ المتلوۃ لکل کافر والمبتدع والفاسق ان القعود مع کلھم ممنوع[2]۔	تفسیر احمدی میں یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اوپر ذکر کردہ آیہ کریمہ ہر کافر بدعتی اور فاسق کو شامل ہے یہ بیان فرمایا کہ ان سب کے پاس بیٹھنا شرعاً منع ہے۔ (ت)

اور بعد مرگ اس کے مال کی پیروی سے اگر مراد یہ ہے کہ اس کا سود جو لوگوں پر پھیلا ہوا تھا وصول میں کوشش کی جب تو یہ کوشش کرنے والا بھی سود خوار کی طرح ملعون ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ اکل الربا و مؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ[3]۔	سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والے سب پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔ (ت)

اور اگر کسی مال حلال کے لئے کوشش کی تو حرج نہیں۔

(۴) زید کی والدی عقیدہ مذکورہ کے سبب اہلسنت سے خارج اور ایک گمراہ فرقے تفضیلیہ میں داخل ہے جن کو ائمہ دین نے رافضیوں کا چھوٹا بھائی کہا ہے مگر اس سے زید پر کچھ الزام

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[2] التفسیرات الاحمدیہ تحت آیۃ وما علی الذین یتقون من حسابھم مطبعہ کریمیہ بمبئی ص ۳۸۸

[3] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

نہیں جبکہ وہ اس عقیدہ میں شریک نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ ٹیلہ مرسلہ نادر حسین صاحب ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

زید نے بھنگی کے گھر پر جاکر اس کے گھر کے کھانے پکے ہوئے پر فاتحہ جناب شاہ بدیع الدین یعنی مدار صاحب دے کر کچھ دام اور شیرینی اور خشک آٹا وغیرہ اپنے گھر لاکر استعمال میں لایا اور سالہا سال سے ایسا ہی کیا کرتا ہے یعنی وہ اپنا اسے پیر سمجھتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کا یہ فعل شرعاً جائز تھا یا ناجائز؟ اگر جائز تھا تو احکام شرعیہ کے کون شے کے جواز سے؟ اور اس کے لائے جنس کا کھانا دوسرے مسلمان کو چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز تھا تو اس کی نسبت کیا حکم؟ مسلمانوں کو اس سے بچنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب:

زید بیقید کا یہ فعل بہت ناپاک وبد ہے۔ یہاں علی العموم بھنگی کفار ہیں، اور کافر کی کوئی نیاز کوئی عمل قبول نہیں، نہ ہرگز اس پر ثواب ممکن جسے پہنچایا جائے۔

قال اللہ تعالٰی "وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَاعَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے (قرآن مجید میں) ارشاد فرمایا: اور ہم نے ان کاموں کا ارادہ کیا جو انھوں نے (دنیاوی زندگی میں) کئے پھر ہم انھیں بکھرا ہوا گرد وغبار بنا کر اڑادیں گے۔ (ت)

اس کے کھانے پر فاتحہ دینا اس کا ثواب پہنچنے کا اعتقاد ہے اور یہ قرآن عظیم کے خلاف ہے زید پر توبہ فرض ہے بلکہ تجدید اسلام ونکاح چاہئے، بھنگی کا صدقہ جو یہ شخص لاتا اور کھاتا ہے اسلام کو ذلیل اور مسلمانوں کو متنفر کرتا ہے مسلمان اسے نہ کھائیں، اور یہ شخص تائب نہ ہو تو اسے بھنگیوں ہی پر چھوڑدیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴: از ڈیسہ اسحاق اللہ ملک گجرات مرسلہ پیرزادہ محمد معصوم شاہ صاحب ۱۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

بخدمت جناب مجدد ہند مولانا مولوی صاحب احمد رضا خاں صاحب، بعد تسلیم کے گزارش حال یہ ہے کہ آپ کے نام پیر ڈیسہ سے فتوٰی لکھا ہے وہ شخص مولوی اشرفعلی کا پیرو ہے اور یہاں پر چار سو مکان اہلسنت وجماعت کے ہیں ان کو مولوی اشرفعلی کے سپرد کرنا چاہتا ہے یعنی ہمارے ہاں

---

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

دستور ہے کہ شادی میں نکاح کے وقت تاشہ بجایا کرتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ غیر مقلد ہماری جماعت میں نہ آنے پائیں مگر یہ شخص اشر فعلی کے پیرو ہو کر تاشہ بجانا منع کرتا ہے اور جس شے میں گناہ نہ ہو اس کو بھی منع کرتا ہے اس واسطہ آپ اسحاق اللہ کے نام پر لکھنا تاکہ ہم ان شیطانوں کے پھندوں سے بچیں اگرچہ یہاں پر تاشہ بجن بند ہووے تو ہم کو اپنے مذہب سے پھر جانے کا خوف ہے۔

الجواب:

جناب پیرزادہ صاحب دام مجدہم تسلیم!

شرح مطہر نے شادی میں دف جس میں جلاجل نہ ہوں اور قانون موسیقی پر نہ بجائیں جائز رکھا ہے۔ڈھول تاشے باجے جس طرح رائج ہیں جائز نہیں ناجائز بات کو اگر کوئی بدمذہب یا کافر منع کرے تو اسے جائز نہیں کہا جاسکتا، کل کو کوئی وہابی ناچ کو منع کرے تو کیا اسے بھی جائز کردینا ہوگا، سنی مسلمانوں کو دین پر ایسا بودا پوچ اعتقاد نہ چاہئے کہ گناہ کی اجازت نہ ملے تو دین ہی سے پھر جائیں، دین پر اعتقاد ایسا چاہئے کہ **لاتشرك بالله وان حرقت** (اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر اگرچہ تجھے جلادیا جائے۔ت) اگر کوئی جلا کر خاک کردے تو دین سے نہ پھرے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَیْرُ ۣاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۣانْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۱﴾" [1]۔ **و العیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔**	کچھ لوگ کنارے پر کھڑے اللہ کو پوجتے ہیں اگر کوئی بھلائی پہنچی جب تو خوش ہیں اور کوئی آزمائش ہوئی تو الٹے منہ پلٹ گئے ایسوں کا دنیا وآخرت دونوں میں گھاٹا ہے یہی صریح زیاں کاری ہے۔اللہ تعالٰی کی پناہ۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

سود کھانا اور جوا کھیلنا اور زانی وغیرہا سب فعل بد کی گناہ ایک برابر ہے یا نہ؟ اور ایسے آدمی کے ساتھ کھانا پینا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سب افعال حرام اور سخت کبائر ہیں، اور ان میں سے کسی فعل کا مرتکب مستحق نار وغضب جبار ہے

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

پھر زنا کہ سخت خبیث کبیرہ ہے اس میں اگر حق العبد شامل نہ ہو تو سود اور جوا اس سے بدتر ہیں سود م کی نسبت صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الربٰو ثلث وسبعون حوبا ادناھن ان یقع الرجل علی امہ [1]۔	سود کھانا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے ان میں سے سب سے ہلکا گناہ ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے۔

اور اگر زنا میں حق العبد بھی شامل ہے تو وہ سود اور جوئے دونوں سے بدتر ہے کہ سود اور جوئے کا اثر مال پر ہے اور زنا کا ناموس پر اور ناموس مال سے عزیز تر ہے۔ایسے لوگوں کے ساتھ کھانا کھانا نہ چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶تا۲۹: از مقام سوجت مارواڑ بازار کے اندر مسئولہ شیخ ننے میاں کلاہ فروش داہن منڈی

(۱) یہ کہ کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھلا کر تقدیر کا بھلا یا برا دریافت کرنا۔

(۲) اور بیچاری نوجوان بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو برا سمجھنے اور نکاح ثانی کرنے والوں پر طعن کرنا۔

(۳) اور بیاہ شادیوں میں طوائف اور بھانڈ نچانا

(۴) اور جوئے کا آنکہ لگانا ہار جیت کا جیسا کہ اکثر ہندو مہاجن وغیرہ لگایا کرتے ہیں ایسا کام کرنے والے حنفی المذہب اور اہلسنت و جماعت رہے یا نہیں، کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) کاہنوں اور جوتشیوں سے ہاتھ دکھا کر تقدیر کا بھلا برا دریافت کرنا اگر بطور اعتقاد ہو یعنی جو یہ بتائیں حق ہے تو کفر خالص ہے۔اسی کو حدیث میں فرمایا:

فقد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	بے شک اس سے انکار کیا جو کچھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اتارا گیا۔(ت)

اور اگر بطور اعتقاد و تیقن نہ ہو مگر میل و رغبت کے ساتھ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔اسی کو حدیث میں فرمایا:

[1] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب التغلیظ فی الرباء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۵

[2] جامع الترمذی کتاب الطہارت بب ماجاء فی کراھیۃ ایتان الحائض امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹

لم یقبل اللہ لہ صلٰوۃ اربعین صباحا۔[1]	اللہ تعالٰی چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ فرمائیگا۔

اور اگر ہزل واستہزاء ہو تو عبث ومکروہ حماقت ہے۔ ہاں اگر بقصد تعجیز ہو تو حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) نکاح ثانی کو برا سمجھنا اور اس پر طعن کرنا اگر محض بربنائے رسم ورواج ومصالح عرفیہ ہے نہ یوں کہ اسے شرعاً حرام جانیں یا شرعاً حلال جان کر تحلیل تکمیل شرع کو برا سمجھے تو چنداں مورد الزام نہیں۔

کما فصلناہ باطیب تفصیل فی رسالتنا عقائد التھانی فی حکم النکاح الثانی۔	جیسا کہ ہم نے اس مسئلہ کی بہت عمدہ تفصیل اپنے رسالہ عقائد التھانی فی حکم نکاح الثانی میں بیان کی ہے۔ (ت)

اور اگر اسے شرعاً حرام سمجھتا ہے تو حکم کفر ہے اور شرعاً حلال جان کر تحلیل شرع کو معاذ اللہ برا جانتا ہے تو صریح مرتد، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) طوائفوں کا ناچ مطلقاً حرام قطعی ہے جس کی حرمت پر متعدد آیات قرآنیہ ناطق ہیں بھانڈ جس طرح نقلیں بنایا اور لوگوں کو ہنسایا کرتے ہیں یہ بھی شرعاً حرام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قعد وسط الحلقۃ فھو ملعون[2]۔	جو مجلس بری کے درمیان بیٹھا وہ ملعون ہے۔ (ت)

اور مزامیر کے ساتھ ان کا گانا بھی حرام ہے اور اگر لچے توڑے کے ساتھ ناچتے ہوں تو یہ بھی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جو ابھی بنص قطعی قرآن حرام ہے مگر ان افعال کے کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے مستحق عذاب نار ہوتا ہے مگر حنفیت یا سنیت سے خارج نہیں ہوتا جب تک اعتقاد میں فرق نہ ہو **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اطاعت والدین وبرادران واجب ہے یا فرض؟ اور در صورت ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلاً زنا کرنا، چوری کرنا، داڑھی منڈانا،

[1] جامع الترمذی کتاب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر امین کمپنی دہلی ۲/ ۸

[2] جامع الترمذی کتاب الادب ماجاء فی کراھیۃ القعود وسط الحلقہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

یا کتروانا، ترک اطاعت ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے، اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ داڑھی منڈانا یا زنا کرنا یا چوری کرنا چھوڑ دو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ تو ضرور کروں گا۔ اس حالت میں طاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے تو کافر ہوا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں، ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگر اس کے سبب یہ امور جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں۔

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت (فرمانبرداری) نہیں۔ (ت)

ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں تو ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کر سکتا بلکہ غیبت میں ان کے لئے دعا کرے، اور ان کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ تو ضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگر مطلقاً کفر نہیں جب تک حرام قطعی کو حلال جاننا یا حکم شرعی کی توہین کے طور پر نہ ہو اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت منع نہ کی جائے گی ہاں اگر معاذاللہ یہ انکار بروجہ کفر ہو تو وہ مرتد ہو جائیں گے اور مرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں رہا۔ بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر نہیں، ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہے۔ اور بلاوجہ شرعی ایذارسانی تو کسی مسلمان کی حلال نہیں، اور اللہ تعالٰی سب مخلوق سے زیادہ جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۱: از پیلی بھیت کچہری کلکٹری مرسلہ جناب مولوی عرفان علی صاحب رضوی برکاتی بیسلپوری ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

اہل ہنود کے میلوں میں مثل دسہرہ وغیرہ میں جو مسلمان دیکھنے کی غرض سے جاتے ہیں کیا ان کی عورتیں نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں؟ کیا تجارت پیشہ لوگوں کو بھی جانا ممنوع ہے؟

الجواب:

ان کا میلہ دیکھنے کے لئے جانا مطلقاً ناجائز ہے۔ اگر ان کا مذہبی میلہ ہے جس میں وہ اپنا

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۶۶

کفر وشرک کریں گے کفر کی آوازوں سے چلائیں گے جب تو ظاہر ہے اور یہ صورت سخت حرام منجملہ کبائر ہے پھر یہ بھی کفر نہیں اگر کفری باتوں سے نافر ہے ہاں معاذاللہ ان میں سے کسی بات کو پسند کرے یا ہلکا جانے تو آپ ہی کافر ہے اس صورت میں عورت نکاح سے نکل جائے گی اور یہ اسلام سے ورنہ فاسق ہے۔ اور فسق سے نکاح نہیں جاتا، پھر بھی وعید شدید ہے اور کفریات کو تماشا بنانا ضلال بعید ہے۔ حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریك من عمل بہ، رواہ ابو یعلی[1] فی مسندہ وعلی بن معبد فی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورواہ الامام عبداللہ بن المبارك فی کتاب الزھد عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ وھو عند الخطیب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ من سود مع قوم فھو منھم[2]۔	جو کسی قوم کا جتھا بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے اور جو کسی قوم کا کوئی کام پسند کرے وہ اس کام کرنے والوں کا شریک ہے (امام ابویعلی نے اپنی مسند میں اس کو روایت فرمایا اور علی بن معبد نے کتاب الطاعۃ والمعصیۃ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے اسے روایت کیا اور امام عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمۃ نے کتاب الزہد میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول سے اس کو روایت کیا جبکہ وہ خطیب کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے جو کسی قوم کے ساتھ ہو کر ان کا جتھا بڑھائے تو وہ انہی میں شمار ہے۔ت)

اور اگر مذہبی میلہ نہیں لہو ولعب کا ہے جب بھی ناممکن کہ منکرات وقبائح سے خالی ہو اور منکرات کا تماشا بنانا جائز نہیں۔ رد المحتار میں ہے:

کرہ کل لھو والاطلاق	ہر کھیل مکروہ یعنی ناپسندیدہ کام ہے اور اس کو

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ بحوالہ ابی یعلی وعلی بن معبد کتاب الجنایات المکتبۃ الاسلامیہ ۳ /۳۴۶

[2] کنزالعمال بحوالہ حن عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۱۰، تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۴۱۶۷ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰ /۴۰

شامل لنفس الفعل واستماعه [1]۔	مطلق (بغیر کسی قید) ذکر کرنا اس کے کرنے اور سننے دونوں کو شامل ہے۔(ت)

طحطاوی صدر کتاب بیان علوم مخفی ذکر شعبدہ میں ہے:

یظهر من ذٰلك حرمة التفرج علیهم لان الفرجة علی المحرم حرام [2]۔	اس سے کھیل (تماشا) پر خوشی منانے کی حرمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ کسی حرام کام پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔(ت)

یعنی شعبدہ باز بھان متی بازیگر کے افعال حرام ہے اور اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے کہ حرام کو تماشا بنانا حرام ہے خصوصا اگر کافروں کی کسی شیطانی خرافات کو اچھا جانا تو آفت اشد ہے اور اس وقت تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم کیا جائے گا۔ غمز العیون میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتی قالوا فی رجل قال ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترك المضاجعة عند هم حال الحیض حسن فهو کافر [3]۔	ہمارے مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو وہ کافر ہوگیا انھوں نے یہاں تک شدت اختیار فرمائی کہ اگر کسی شخص نے (آتش پرستوں کے بارے میں کہا کہ ان کا طعام کھانے کے وقت خاموش رہنا اچھی بات ہے اور اسی طرح ایام ماہواری میں عورت کے پاس نہ لیٹنا عمدہ بات ہے تو وہ کافر ہے، (یعنی اہل کفر کی بات کو بھی اچھا کہنا یا سمجھنا خالص اسلام میں موجب کفر ہے)۔ (ت)

اور اگر تجارت کے لئے جائے تو اگر میلہ ان کے کفر وشرک کا ہے جانا ناجائز وممنوع ہے کہ اب وہ جگہ ان کا معبد ہے اور معبد کفار میں جانا گناہ۔ تیمیہ پھر تتارخانیہ پھر ہندیہ میں ہے:

یکرہ للمسلم الدخول فی البیعة والکنیسة وانما یکرہ من حیث انه مجمع الشیاطین [4]۔	یہودیوں کی عبادت گاہ اور عیسائیوں کے گرجے (چرچ) میں کسی مسلمان کا داخل ہونا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیاطین کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۳

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار خطبة الکتاب دارالمعرفة بیروت ۱/ ۳۱

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامی کراچی ۱/ ۲۹۵

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

بحر الرائق میں ہے:

والظاھر انھا تحریمیۃ لانھا المرادۃ عند اطلاقھم [1]۔	ظاہر یہ ہے کہ کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہے کیونکہ "عند الاطلاق" وہی مراد ہوا کرتی ہے۔(ت)

بلکہ ردالمحتار میں ہے:

فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولی [2]۔	جب وہاں جانا اور داخل ہونا حرام ہے تو نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔(ت)

اور اگر لہو ولعب کا ہے اور خود اس سے بچے نہ اس میں شریک ہو نہ اسے دیکھے نہ وہ چیزیں بیچے جو ان کے لہو ولعب ممنوع کی ہوں تو جائز ہے پھر بھی مناسب نہیں کہ ان کا مجمع ہر وقت محلِ لعنت ہے تو اس سے دوری ہی میں خیر وسلامت ہے ولہذا علماء نے فرمایا کہ ان کے محلّہ میں ہو کر نکلے تو جلد لمکتا ہوا گزر جائے، غنیہ ذوی الاحکام پھر فتح اللہ المعین، پھر طحطاوی میں ہے:

ھم محل نزول اللعنۃ فی کل وقت ولا شك انہ یکرہ السکون فی جمیع یکون کذٰلك بل وان یمر فی امکنتھم الا ان یھرول ویسرع وقد ردت بذٰلك اٰثار۔	اس لئے کہ ہر وقت مقامات کفار پر خدا کی لعنت برستی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی مجلس (اور جگہ) میں ٹھہرنا مکروہ ہے (ناپسندیدہ امر) ہے بلکہ ان کے مقامات کے قریب جب کبھی گزرنا پڑے تو جلدی سے دوڑ کر گزرے، چنانچہ آثار یہی وارد ہوا ہے۔(ت)

اور اگر خود شریک ہو یا تماشا دیکھے یا ان کے لہو وممنوع کی چیز بیچے تو آپ ہی گناہ وناجائز ہے، درمختار میں ہے:

قدمنا معزیا للنھر ان ماقامت المعصیۃ بعینہ یکرہ بیعہ تحریما والافتنزیھا [3]۔	ہم نے "النہر الفائق" کی طرف نسبت کرتے ہوئے پہلے بیان کردیا ہے جس کے ساتھ "بعینہٖ" گناہ قائم ہو اس کا فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر کراہتِ تنزیہی ہوگی(ت)

---

[1] ردالمحتار بحوالہ بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ مطلب تکرہ الصلٰوۃ فی الکنسیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار بحوالہ بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ مطلب تکرہ الصلٰوۃ فی الکنسیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

فتاوی عالمگیری میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارۃ ومعہ فرسہ وسلاحہ وھو لایرید بیعہ منھم لم یمنع ذٰلك منہ [1]۔	جب کوئی مسلمان دار حرب (دار کفر) میں کاروبار کے لئے جانا چاہے اور اس کے ساتھ گھوڑا اور ہتھیار وغیرہ ہوں اور وہ انھیں (وہاں) بیچنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو تو اسے نہ روکا جائے۔ (ت)

ہاں ایک صورت جواز مطلق کی ہے وہ یہ کہ عالم انھیں ہدایت اور اسلام کی طرف دعوت کے لئے جائے جبکہ اس پر قادر ہو یہ جانا حسن و محمود ہے اگرچہ ان کامذہبی میلہ ہو ایسا تشریف لے جانا خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا ثابت ہے مشرکین کا موسم بھی اعلان شرک ہوتا لبیک میں کہتے:

لاشریك لك الا شریکا ھو لك تملکہ وماملك۔	تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جس کا تو مالک ہے مگر وہ تیرا مالک نہیں۔ (ت)

جب وہ سفہاء لاشریک تک پہنچے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے: ویلکم قط قط خرابی ہو تمھارے لئے بس بس یعنی آگے استثنانہ بڑھاؤ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

مسئلہ ۳۲: مسئولہ اکبر یار خاں محصل چندہ مدرسہ اہلسنت باشندہ شہر کہنہ روز پنجشنبہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

اس مسئلہ میں کہ حرام اور کفر اور سود کھانے میں کون ساگناہ صغیرہ ہے اور کون سا کبیرہ ہے؟ مہربانی فرماکر کے جواب بالتفصیل وارد ہونا چاہئے؟

الجواب:

لا الٰہ الا اللہ، کفر ہر کبیرہ سے بدتر کبیرہ ہے اور سود بھی کبیرہ ہے "اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ" [2] (جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بیحیائی کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں مگر یہ کبھی (شاذونادر) ان سے کوئی غلطی سرزد ہوجائے یقینا تمھارا پروردگار وسیع بخشش والا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

مسئلہ ۳۳۳و۳۳۴: ازبنارس محلّہ کچی باغ مدرسہ مظہر العلوم حافظ نور محمد طالب علم ساکن مئوی روز پنجشنبہ تاریخ ۹ محرم ۱۳۳۴ھ

(۱) بدعت سیئہ کاعامل ومعتقد گناہ کبیرہ کے عامل سے زیادہ فاسق ہے یا کم یابرابر؟

(۲) غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، کاص کروہ جھوٹ جن سے خلق خدامیں فتنہو، دو دوست میں یا شوہر بی بی میں یا باپ بیٹے میں یا بھائی بھائی میں اُس جھوٹ سے رنجش ہوجائے باہم جدائی ہوکے گھر کی خرابی کی نوبت آجائے، اور مسلمان کے عیب کی تلاش وتجسّس میں رہنا، کوئی مسلمان اگر پوشیدگی سے کوئی گناہ کرتاہو تو اس کی تجسّس میں لگے رہنا اور پتا پاتے پر یا محض اپنی شبہ وقیاس سے اس کو فاش کرنا شہرت دینا کس درجہ کاگناہ ہے اور گناہان مذکورہ بالاکا مرتکب فاسق و مستحق لعنت خدااور رسول ہے یانہیں؟ اور یہ سب گناہ شرعادرجہ فسق میں زنا سے کم ہے یازیادہ یابرابر؟ جواب مفصل اور مدلل درکار ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرواور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) عمل بدعت سیئہ مکروہ وحرام وصغیرہ وکبیرہ ہر قسم ہے تو اس کامرتکب مطلقاً فاسق بھی نہیں ہوسکتاجب تک اصرار نہ کرے اور اعتقاد بالبدعۃ السیئۃ یعنی کسی عقیدہ قطعیہ اجماعیہ اہلسنت کے خلاف اعتقاد رکھنے والا ضرور ہر کبیرہ عمل سے بدتر کبیرہ کا مرتکب اور فاسق عملی سے بدتر فاسق ہے۔ غنیہ میں ہے:

فسق الاعتقاد اشد من فسق العمل[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اعتقاد میں فسق، عمل کے فسق سے بدتر ہے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

(۲) یہ سب گناہان کبیرہ ہیں اور ان کا مرتکب فاسق و مستحق لعنت، حدیث میں فرمایا:

الغیبۃ اشد من الزنا[2] ۔	غیبت سخت ہے زنا سے۔

اور ظاہر ہے کہ قتل مومن غیبت سے اشد ہے۔ اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج"[3] ۔	فتنہ قتل سے سخت تر ہے۔

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

[2] شعب الایمان حدیث ۶۷۴۱، ۶۷۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۳۰۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الغیبۃ الی آخرہ دار الکتاب بیروت ۸ /۹۱

[3] القرآن الکریم ۲ /۱۹۱

اور ان سب میں حق العباد ہے تو اس زنا سے ضرور بدتر ہے۔ جس میں حق العباد نہ ہو مگر وہ جھوٹ جس سے کسی کا ضرر نہ ہو کہ بے مصلحت شرعی ہو تو گناہ وضرور ہے مگر اسے زنا کے برابر نہیں کہہ سکتے کہ یہ صغیرہ ہے بعد اصرار کبیرہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵: از موضع سوہاوہ ضلع بجنور محلّہ مولویاں مسئولہ حفظ الرحمٰن روز شنبہ ۱۷/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جو مسلمان نماز پڑھتے ہے قبلہ کی طرف، لیکن تصویر کو سجدہ کرتا ہے۔ اس کو کافر کہنا چاہئے یا نہیں؟ اگر کافر کہا جائے تو قول امام **لایکفر اھل القبلۃ** (امام اعظم کے نزدیک) اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی۔ت) کی کیا توجیہ ہے؟ نیز بخاری میں ہے حضرت انس سے روایت ہے کہ فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے: "جو ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف متوجہ ہو، ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے، اس کے لئے اللہ ورسول کا ذمہ ہے اس کے ذمہ میں اللہ کا عہد نہ توڑو"۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ فقط

الجواب:

سجدہ تحیت اگر بت یا چاند یا سورج کو کرتا ہے ضرور اس پر حکم کفر ہے، کفر اگرچہ عقد قلبی ہے مگر جس طرح اقوال زبان اس پر دلیل ہوتے ہیں یوہیں بعض افعال جن کو شریعت نے ٹھہرادیا ہے کہ یہ صادر نہیں ہوتے مگر کافر سے انھیں سے اشیاء مذکورہ کو سجدہ ہے یا معاذاللہ مصحف شریف کو نجاست میں پھینک دینا یا کسی نبی کی شان میں گستاخی،

کما صرح بہ علماؤنا المتکلمون فی المسایرۃ وشروح المقاصد والمواقف والفقہ الاکبر وغیرھا۔	جیسا کہ اس کی تصریح ہمارے متکلمین علماء نے (متعدد کتب عقائد) مثلاً المسایرہ، شروح، مقاصد، المواقف اور فقہ اکبر وغیرہ میں (اچھے انداز سے) فرمائی ہے۔(ت)

یوہیں تصویر اگر مشرکین کے معبودان باطل کی ہو تو اسے سجدہ کرنے پر بھی مطلقاً حکم کفر ہے۔

لاشتراک العلۃ بل لافرق بینھا وبین الوثن الا بالتسطیح بالتجسیم۔	اس لئے کہ علت مشترک ہے (لہٰذا حکم بھی ایک ہے) بلکہ اس میں (یعنی تصویر) اور بت میں سوائے جسمانیت اور کوئی فرق نہیں (مراد یہ کہ وثن (بت) میں جسم ہے جبکہ عکسی اور نقشی تصویر میں جسم نہیں)۔(ت)

اور اگر ایسی نہیں تو اسے سجدہ کرنا مطلقاً حرام وکبیرہ ہے مگر کفر نہیں جب تک بہ نیت عبادت

نہ ہو، جس صورت پر حکم کفر نہیں اس پر تو حدیث فقہ اکبر سے کوئی اشتباہ ہی نہیں اور جن صورتوں پر حکم کفر ہے ان پر جواب ظاہر ہے اہل قبلہ وہی ہے کہ ضروریات دین پر ایمان لاتا ہو اور کوئی قول وفعل قاطع ایمان اس سے صادر نہ ہو ورنہ صرف قبلہ کی طرف ہماری کی سی نماز پڑھنا اور ہمارا ذبیحہ کھانا بنصوص قطعیہ قرآن ایمان کے لئے کافی نہیں، منافقین یہ سب کچھ کرتے تھے اور یقینا کافر تھے۔

قال تعالٰی "لَا يَأْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى" [1] وقال تعالٰی "اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾" [2] الٰی اٰخر الرکوع الشریف، قال تعالٰی "وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ" [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ (اہل نفاق) نماز ادا نہیں کرتے مگر جی ہارے سستی سے، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ یقینا آپ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں، اور اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق نرے جھوٹے ہیں، آخر رکوع شریف تک (یہی ذکر ہے)۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر آپ ان سے پوچھیں (کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو) تو جھوٹ کہہ دیں گے یہ تو ہم ہنسی کھیل کررہے ہیں، (ان سے) فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی، اس کی آیتوں اور اس کے رسول (گرامی) سے ہنسی مذاق کررہے ہو (یعنی کیا تم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ اپنے مذاق کا محل کسی کو بنارہے ہو) لہٰذا اب بے جا بہانے نہ بناؤ کیونکہ اب تم اپنے ایمان کے بعد (کھلے) کافر ہوگئے ہو۔ (ت)

مسئلہ شرح فقہ اکبر وردالمحتار وغیرہما میں مصرح ہے اور ہم نے تمہید ایمان وغیرہ میں بارہا اسے مفصل کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۴

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

مسئلہ ۳۶ تا۴۱: مسئولہ سید منظور حسین بتوسط احمد حسن خاں رضوی نجیب آباد محلّہ بوعلیخان مرحوم ضلع بجنور ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

اعلیحضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت صاحب حجت قاہرہ، مؤید ملت طاہرہ جناب مولانا صاحب ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، !

حضور کا کیا ارشاد ہے حضور کا فضل ہمیشہ رہے درباہ مسئلہ ذیل: کل یہاں نجیب آباد کے بازاروں گلی کوچوں میں مسلمانوں کی ایک جماعت (جس میں پڑھے لکھے بلکہ متعدد ذی اثر ومقتدر شرفاء قصبہ بھی شامل تھے اور جن میں سے بعض تو عوامی کی زبانوں پر **معاذ اللہ** دین کا جھنڈا، اسلام کا رکن واسلام کا پایہ وغیرہ وغیرہ ناموں سے مشہور ہیں) بہ معیت ایک ہجوم کفار ہنود رنگ پاشی کرتی مغلظ وشرمناک ہولیاں گاتی، جے جے کے نعرے بلند کرتی، دکانوں پر سے مسلمانوں کو ہولی بازی میں حصہ لینے کے لئے بالجبر کھینچتی اور ہر سامنے آنے والے ہندو مسلمان پر رنگ برساتی ہوئی گزری، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، مسلمانوں کی داڑھیاں (جن کے تھیں) چہرے کپڑے گلال ورنگ میں شڈوب تھے باؤلوں دیوانوں کی طرح بے ہوش، آپے سے باہر کودتے پھاندتے چیختے چلاتے پھرتے تھے، غرض ہر باغیرت مسلمان کے پیش نظر ایک ہولناک وحشت خیز منظر جماعت مذکورہ نے بعض غیور مسلمانوں کے مطالبہ کرنے پر یہ جواب دیا کہ یہ حرکت شنیعہ بدیں وجہ کی گئی ہے کہ اس طرح (ان کے زعم میں) ہندو مسلم باہم متحد ومتفق ہوجائیں اور کہ ایسا کرنے میں کوئی دینی مضرت نہیں ہے مسلمان پہلے بھی کھیلا کرتے تھے، بلکہ ایک مقام پر کسی مولوی صاحب نے بھی شرکت کی تھی ہم ہنود کے کندھوں پر تعزیے رکھا کر بدلہ لیں گے جو (ان کے زعم میں) دینکا نفع عظیم ہے اب دریافت طلب امور ذیل ہیں:

(۱) معاذ اللہ اگر کسی نے حرکت مذکورہ جائز جان کی کی،

(۲) یا قصدا برضا ورغبت اس کا ارتکاب کیا (جیسا کہ ظاہر ہے کہ جماعت مذکورہ نے کیا اگر وہ نہ چاہتے تو کفار مذکور ہرگز ایسا نہ کرتے، نہ پیشتر کبھی یہاں ایسا ہوا چنانچہ امسال بھی شہر کے اکثر باحمیت مسلمان بحمدہ تعالٰی اس ناپاک وخفیف حرکت سے مجتنب ومحفوظ رہے)

(۳) یا اگر کسی مسلمان نے جماعت مذکورہ کے فعل کو بجائے رنج ونفرت وحقارت کی نگاہ سے دیکھنے کے بنظر مسرت وعظمت واستحسان دیکھا بلکہ غیور معترضین سے الٹا معارضہ کیا اگرچہ خود شریک نہیں ہوا۔

(۴) یا اگر کوئی مسلمان یا جماعت مذکورہ کو قبل از اعلانیہ توبہ رکن اسلام سمجھے یا حرکت مذکورہ کی تعریف

کرے یا کسی طرح اس کا ساتھ دے تو ہر چہار اشخاص کے ایمان و نکاح وبیعت پر کسی قسم کا ناقص اثر تو نہیں پڑتا ہے۔ اگر ناقص اثر پڑتا ہے تو ان سے کسی طرح توبہ کرائی جائے۔

(۵) اور کیا ایسا اتحاد جائز ہے، جواب مدلل و مفصل وآسان عبارت میں اور حتی الامکان جلد عطا ہو تاکہ ہر مسلمان سمجھ سکے اور جو بروز جمعہ مساجد میں اعلان کرکے مسلمانوں کو اس قبیح حرکت سے ڈرایا اور بچایا جانے ورنہ معاذاللہ ممکن ہے کہ رسم ناپاک نجیب آباد میں ہمیشہ کے لئے قائم ہوجائے اور نمونہ ملعونہ کی تقلید تمام ضلع بلکہ دور دور شہروں میں کی جائے۔

(۶) نیز ارشاد فرمائے کہ اگر جماعت مذکورہ جناب کے حکم شرعی پر عمل کرکے تائب نہ ہو تو عام مسلمان ان سے سلام کلام کریں یا نہیں؟ جواب دستخط اقدس و مہر شریف سے مزین ہو۔

ہم مستفیان اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضور بباعث ہجوم کام نہایت عدیم الفرصت ہیں لیکن امر ہذا اگر حضور سے (کہ صدی موجود میں واحد نافذ اسلام ہیں) نہ عرض کیا جائے اور کہا جائیں اللہ تعالٰی حضور کو ہم غریبوں کے سروں پر تاعرصہ دراز باعافیت وعزت صحت سلامت باکرامت اعداء دین اللہ پر نمایاں طور پر مظفر ومنصور مع جمیع متبعین قائم رکھے اور شب وروز اپنی بے انتہاء برکات نازل فرماتا رہے بطفیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہ اجمعین برحمتک یاارحم الراحمین۔

الجواب:

ظاہر ہے کہ افعال شنیعہ مذکورہ سخت ملعون ہیں جس نے انھیں مستحسن جانا باتفاق ائمہ کرام کافر ہے۔ غمز العیون البصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعلال الکفار کفر باتفاق المشائخ[1]۔	جس (بدنصیب) نے کفار کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا سمجھا (اور اس کی تحسین کی) تو وہ مشائخ کے اتفاق سے کافر ہو گیا۔ (ت)

یہ لوگ تو اسلام سے خارج ہوگئے ان کی عورتیں نکاح سے نکل گئیں ان کی بیعتیں جاتی رہیں نیز جس نے ان افعال کو جائز و حلال جانا اور ان پر راضی ہوا اور ان پر معترضین سے معارضہ کیا یہ لوگ بھی اسی حکم میں ہیں کہ مشرکین کے تہوار کی خوشی منانا ان کے ایسے افعال ملعونہ میں شرکت کرنا معصیت قطعیہ ہے۔ اور معصیت قطعیہ کا استحلال کفر ہے۔ اور جنھوں نے ان افعال ملعونہ کو ملعون و شنیع ہی جانا اور انھیں برا جان کر

[1] غمز عیون البصائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

اپنی شیطانی مصلحت کے خیال سے شرکت کی ان کے قلب کا حال اللہ عزوجل جانتا ہے مرتکب کبائر ہوئے مستحق عذاب نار ہوئے سزوار لعنت ہوئے مگر عنداللہ کافرنہ ہوئے، لیکن شرع ظاہر پر حکم فرماتی ہے، حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم[1]۔	جو کسی قوم کے سے مشابہت پیدا کرے گا وہ انھیں میں سے ہوگا۔

دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم[2]۔	جو کسی قوم کی جماعت بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔

ان پر بھی توبہ اور تجدید اسلام فرض ہے تائب ہوں اور نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں اور وہ مصلحت ملعونہ اتحاد کہ ان کے قلب میں ابلیس نے القاء کی، وہ خود کب حلال ہے۔ کافر و مومن میں اتحاد کیسا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ"[3]	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ ٹھہراؤ۔

اور فرماتا ہے:

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ"[4]	ایمان والے ایمان والوں کے سوا کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

اور فرماتا ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ	تم نہ پاؤ گے انھیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور قیامت کے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے مخالفت کی اللہ و رسول کی اگرچہ وہ ان کے باپ ہوں یا

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

[2] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۵۱۶۷ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰ /۴۰، اتحاف السادۃ المتقین کتاب الحلال والحرام الباب السادس دار الفکر بیروت ۶ /۱۲۸

[3] القرآن الکریم ۶۰ /۱

[4] القرآن الکریم ۳ /۲۸

اَوۡ اِخۡوَانَهُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَهُمۡ ؕ "[1]	بیٹے ہوں یا بھائی ہوں یا کنبے والے ہوں۔

اور فرماتا ہے:

"وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ؕ "[2]	تم میں جو ان سے دوستی رکھے گا وہ انھیں میں سے ہے۔

کفار میں امور دنیوی مثل تجارت وغیرہا میں موافقت کی جاسکتی ہے جہاں تک مخالفت شرع نہ ہو مگر ان کے امور مذہبی میں موافقت اور وہ بھی معاذاللہ اس حد تک ضرور لعنت الٰہی اترنے کی باعث ہے اور وہ بیہودہ خیال کہ ہم ان سے تعزیہ مسلمانوں کی کوئی عید نہیں بلکہ جُہال نے اسے موسم ماتم بنا رکھا ہے مسلمانوں کا کوئی امر مذہبی نہیں بلکہ مذہب میں ممنوع ونارواہے۔ ہندوؤں کے مذہب میں ان کی ممانعت نہیں، اودھ میں بہتیرے ہندو آپ ہی تعزیہ بناتے اور اٹھاتے ہیں بخلاف ہولی کہ عید کفار ہے اور ان کا مذہبی شعار ہے اور دین اسلام میں سخت حرام ہے تو یہ اس کا معاوضہ کیسے ہوسکتا ہے، ایسا ملعون اتحاد منانے والے کیا ہنود سے یہ قرار داد لے سکتے ہیں کہ وہ عید الضحی میں ان کا ساتھ دیں گے گائے یہ پچھاڑن چھوٹی سی بچھیا وہ بھی لٹائیں گے سیر بھر یہ کھائیں تو پاؤ بھر وہ بھی کھالیں گے، ایسا ہوتا تو کچھ جاہلانہ معاوضہ کا گمان ممکن تھا کہ عید الضحیٰ مسلمانوں کی عید ہے اور گاؤ کشی ان کا مذہبی مسئلہ اور ہندوؤں کے یہاں حرام ہے ان سے کہہ کر دیکھیں کیا جواب ملتا ہے اس وقت کھل جائے گا کہ اس ملعون اتحاد کی تالی ایک ہی ہاتھ سے بجی ہندوؤں اپنے مذہب پر قائم ہیں اور تم مسلمان اپنے دین سے نکل گئے ایسوں کو رکن اسلام کہنا اسلام کی توہین کرنا ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت دے اور شیطان ملعون کے دھوکوں سے بچائے اگر یہ لوگ نہ مانیں اور ایسے ہی اعلان کے ساتھ توبہ نہ کریں جس اعلان کے ساتھ وہ کفریات کئے تھے تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کو چھوڑ دیں ان سے میل جول سلام کلام سب ترک کردیں،

قال اللہ تعالیٰ: "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾"[3] واللہ تعالیٰ اعلم۔	اگر کہیں تمھیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ہر گز ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۲: مرسلہ صالح محمد خاں سابق مدرس ساکن قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر ۵/ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ کیا حال ہے ایسے شخص کا جو گناہان مندرجہ ذیل کا مرتکب ہو اوہ شخص مسلمان رہا یا نہیں اور نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ایک شخص نے جان بوجھ کر بسبب دنیوی رنجش کے قصداً فعل حلال شرعی کو حرام کردیا۔

(۲) غیر مقلدین کو جو اپنے کو عامل بالحدیث مشہور کرتے ہیں اور امامان مجتہدین رحمہم اللہ تعالٰی کو بدعتی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں ان کو درباہ شخصے خلاف شرع مدد دی۔

(۳) شرعی معاملہ میں عمداً بحلف جھوٹی شہادت دی۔

(۴) چار مسلمانان اہلسنت وجماعت حنفی مذہب واقف مسائل شرعی کے روبرو شرعی فعل حلال و جائز کو برحق اور سچا تسلیم کرکے پھر اس کلمہ حق سے منحرف ہو کر ناجواز کا قائل ہوا اور یہ شخص پیش امام مسجد بھی ہے آیا نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ مع دلیل وحوالہ کتاب اللہ وحدیث رسول اللہ یا عبارت فقہیہ مرتب فرمایا کرمزین بمہر خاص فرمائیں۔

(۵) اگر قاضی شہر کے علاوہ دوسرا کوئی شخص مطابق شرع شریف نکاح پڑھادے لیکن اندراج اس کا رجسٹر قاضی شہر مذکور میں نہ ہو تو وہ نکاح جائز و صحیح ہے یا نہیں؟ جواب مرحمت ہو۔ **بینواتوجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ایسے لوگ سخت گنہگار بلکہ گمراہ ہیں کہ حق کے مقابل باطل کی اعانت کرتے ہیں، ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے بلکہ جب تک توبہ نہ کریں مسلمانوں کو ان سے بالکل قطع علاقہ کردینا چاہئے کہ وہ ظالم ہیں اور ظالم بھی کس پر دین پر، اور اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [1]	اگر تمھیں شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔(ت)

قاضی کا رجسٹر شرعاً کوئی شرط نکاح نہیں، رجسٹر آج سے نکلے ہیں، پہلے نکاح کیونکر ہوتے تھے ہاں یادداشت کے لئے درج ہونا بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۴۳: مرسلہ حافظ عبدالمجید خاں حنفی از قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر ۵ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اہل ہنود میں کم زیادہ ایک ہفتہ تک شام سے آدھی رات تک یا بعد تک ایسی مجلس ہوتی رہے کہ جس میں رام و کچھمن وراون وسیتا وغیرہ عورت ومرد کے قسم قسم کی تصویریں دکھائی جائیں اور ساتھ ہی ان کے طرح طرح کا باجا بجاکر بھجن وغیرہ گانا گایا جائے اور ان تصویروں کو نعوذ باللہ معبود حقیقی سمجھیں اور ہر طرح کے فحش ولغویات پیدا ہوتے ہوں تو ایسی مجلسوں میں ان مسلمانوں کو جو ازروئے تحقیق مذہب اسلام ایسی تقاریب کی برائیوں سے بھی فی الجملہ واقف ہوں اور نمازی بھی ہوں شریک مجلس ہونا اور دلچسپی حظ نفس اٹھانا وبعض بعض شبیہ ناپاک پر نظر ڈالنا وبعض شبیہ عورات پر شہوت کی نظر ڈالنا اور مثل عقائد باطلہ اہل ہنود تعریف وتوصیف سوانگ وتماشہ میں بتالیف قلوب مشرکین تائید یا ہوں ہاں کرنا اور عشاء وفجر کی نمازیں بایں نمط کہ عشاء بمصروفی تماشہ وفجر کی نماز غلبہ نیند سے قضا کرنا وباعتراض بعض مانعین یہ کہنا کہ ہم تو حق وباطل میں امتیاز ہوجانے کی غرض سے شامل ہوتے ہیں اور ایسی ہی بے سود تاویلات کرنا اور زینت مجلس کے واسطے اپنے گھروں سے جاجم ودیگر فرش وچوکیات وپارچہ وزیورات دینا اور بوقت اختتام جلسہ اپنی نام آوری یا فخر یا شخصیت یا اہل ہنود میں اپنی وقعت ہونے یا بصورت نہ دینے کے اپنی ذلت وحقارت جان کر ہمراہ اہل ہنود روپیہ روپیہ دینا بالخصوص وہ مسلمان جو کسی مسافر مسکین کو باوجود مقدرت آنہ دوآنہ نہ دے سکتے ہوں اور اس مجلس کی شیرینی جو بنام نہاد پرشاد تقسیم ہوتی ہے کھانا تو ایسے مسلمانوں کے واسطے ازروئے احکام شرع شریف کیا کیا حکم ہے صاف صاف مع عبارت قرآن مجید وحدیث شریف وفقہ مبارک جداگانہ ہر امور مستفسرہ صدر کا جواب مفصل ارقام فرمائیں اللہ تعالٰی اجر دے گا **فقط والسلام علی ختم الکلام** (کلام کے اختتام پر سلام ہو۔ت) (یعنی آپ کو الوداعی سلام ہو)۔

الجواب:

ایسے لوگ فساق فجار کبائر مستحق عذاب نار وغضب جبار ہیں، مسلمان کو حکم ہے راہ چلتا ہوا کفار کے محلّہ سے گزرے تو جلد نکل جائے کہ وہ محل لعنت ہے نہ کہ خاص ان کی عبادت کی جگہ، جس وقت وہ غیر خدا کو پوج رہے ہوں قطعاً اس وقت لعنت اترتی ہے اور بلاشبہ اس میں تماشائیوں کا بھی حصہ ہے۔ یہ اس وقت ہے کہ محض تماشا مقصود ہو اور اسی غرض سے نقد واسباب دے کر اعانت کی جاتی ہو اور اگر ان افعال ملعونہ کو اچھا جاننا یا ان تصاویر باطلہ کو وقعت کی نگاہ سے دیکھا یا ان کے کسی حکم کفر پر ہوں ہاں کہا جیسا کہ سوال میں مذکور، جب تو صریح کفر ہے۔ غمز العیون

میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[1]۔	جس شخص نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا سمجھا تو مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بلاشک وشبہ کافر ہوگیا ہے۔(ت)

ان لوگوں کو اگر اسلام عزیز ہے اور یہ جانتے ہیں کہ قیامت کبھی آئے گی اور واحد قہار کے حضور جانا ہوگا تو ان پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور ایسی ناپاک مجلسوں سے دور بھاگیں نئے سرے سے کلمہ اسلام اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں ورنہ عذاب الٰہی کے منتظر رہیں،

قال اللہ تعالٰی: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۰۸)"[2]۔	اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، کیونکہ وہ انسان کا کھلا اور واضح دشمن ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۴تا۵۲: مرسلہ محمد سوداگر پارچہ الموڑہ متصل مسجد کارخانہ بازار ۱۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ:

(۱) زید خاکروب نے مع اپنی ایک بی بی اور جوان لڑکی کے قبول اسلام کی درخواست کی چنانچہ ان کو فوراً مسلمان کرلیا گیا، کیا فوراً ہی ان کو اپنا حقہ دینا اور ان کے ساتھ کھانا پینا وغیرہ درست ہے یا نہیں؟

(۲) مسماۃ ہندہ جو اس خاکروب نو مسلم کی جوان نومسلمہ لڑکی ہے اس کو مسلمان کرنے والے عالم کے پیچھے کیا نماز درست ہے حالانکہ اس کے پیچھے اب تک نماز پڑھتے تھے؟

(۳) کسی عالم باعمل اور صالح پر جس نے خاکروب کی جوان لڑکی کو مسلمان کیا ہو کیا یہ اتہام کرنا گناہ نہیں کہ تو نے اپنے نفس کے لئے اس کو مسلمان کیا ہے اور تو اس سے آشنائی کرے گا۔

(۴) اگر ایک بار قبول اسلام کرنے کے بعد وہ خاکروب پھر اپنی قوم میں مل گیا ہو اور دوبارہ قبول اسلام کی درخواست کرے تو کیا اس کے مسلمان کرنے میں کچھ تامل کرنا چاہئے حالانکہ خوف ہے کہ آریہ اور عیسائی فوراً اس کو لے لیں گے۔

(۵) اگر خاکروب کو مسلمان کرنے اور اس کے ساتھ کھانے پینے سے اس خوف سے پرہیز کرے

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

کہ اس کے ہمسایہ ہنود اس پر ہنسیں گے اور اعتراض کریں گے تو یہ اس مسلمان کی مذہبی کمزوری ہے یا اس کو کیا کہیں گے؟

(٦) کیا شریعت اسلام کے نزدیک ایک برہمن سے ایک خاکروب ناپاک اور نجس تر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ برہمن کو سخت شرک کی وجہ سے زیادہ ناپاک سمجھنا چاہئے۔

(٧) مستند علمائے دین کے فتاوٰی کو جو شخص ہیچ و پوچ سمجھ کر اس پر عمل نہ کرے اور کہے کہ فتوٰی وہی ہے جو ہمارا دل گواہی دے، ایسا شخص شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

(٨) اگر کوئی مسلمان نومسلم خاکروب کے ساتھ حقہ پینے، کھانا کھانے پر ایک مسلمان کی ہنسی اڑائے وہ مسلمان کیسا ہے؟

(٩) خاکروب کی بالغہ لڑکی جو مسلمان ہوگئی ہے کیا اس کے پانے کا اس کا شوہر خاکروب مستحق ہے یا قبول اسلام سے پیشتر باقاعدہ طور پر اس کے ماں باپ کے یہاں سے اس کی رسم رخصت عمل میں نہ آئی ہو اور دوران مقدمہ میں (جو اس کے شوہر نے اس کے نام دائر کیا ہے) مسلمان ہوگئی ہو۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

(١) اسلام لاتے ہی معاہر قوم والے کو غسل کرنا چاہئے خصوصاً وہ قوم کہ نجاست سے تلوث جن کا پیشہ ہو مسلمان کرتے ہی ان کو خوب پاک کرکے نہلادیں اس کے بعد معًا ان کے ساتھ کھائیں پئیں۔

(٢) جو کافر تلقین اسلام چاہے اسے تلقین فرض ہے اور اس میں دیر لگانا اشد کبیرہ بلکہ اس میں تاخیر کو علماء نے کفر لکھا اگر بلاوجہ شرعی دیر کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز ناجائز ہوتی نہ کہ وہ فرض بجالایا اس بناء پر اس کے پیچھے نماز میں تامل کریں۔

(٣) مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بے شک کچھ گمان گناہ ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ	غیر یقینی بات کے پیچھے نہ جا بیشک کان اور آنکھ

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ "[1]	اور دل سب سے پرسش ہونی ہے۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]	بدگمانی سے دور بھاگو بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

(۴) ہرگز تامل جائز نہیں، بارگاہ عزت وہ بارگاہ کرم ہے کہ ع

بازآ باز آ ہر آنچہ ہستی بازآ — گر کافر و رند و بت پرستی باز آ

ایں درگہ مادرگہ نا امیدی نیست — صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

(جو کچھ بھی تو ہے اس کام سے مکرر سہ کرر رک جا یعنی اسے چھوڑ دے، اگر تو کافر ہے اوباش اور بت کا پجاری ہے تاہم اس کو چھوڑ دے، یہ دروازہ (یعنی اللہ تعالٰی کی بارگاہ) ہمارے ناامید ہو کر لوٹ جانے کا دروازہ نہیں، اگر تو نے سو مرتبہ بھی توبہ کرکے توڑ دی تو پھر بھی (اس بارگاہ کی طرف) لوٹ آؤ۔ت)

(۵) کافروں کے غلط طعنہ کا لحاظ کرنا اور اس کا خیال نہ کرنا کہ اس مسلمان کی دل شکنی ہوگی کسی ایسے ہی کا کام ہے جو نرا جاہل ہے۔ یا معاذاللہ کافروں کی طرف مائل ہے۔

(۶) کفر کی نجاست میں برہمن خاکروب سے نجس تر ہیں مگر ظاہری نجاست سے تلوث اس کو زائد رہتا ہے والہٰذا مسلمانوں میں رائج ہے کہ خاکروب کی چھوئی چیز سے جیسا احتراز کرتے ہیں برہمن کی چھوئی ہوئی سے نہیں کرتے لیکن یہ اسی وقت ہے جب تک وہ مسلمان نہ ہوا جب اسلام لے آیا اور طہارت کرلی اب وہ اپنا بھائی ہے۔

(۷) یہ شخص اگر خود عالم کامل نہیں تو مستند علمائے دین کے فتوے نہ ماننے کے سبب ضال وگمراہ ہے، قرآن عظیم نے غیر عالم کے لئے یہ حکم دیا کہ عالم سے پوچھو نہ یہ کہ جس پر تمہارا دل گواہی دے عمل کرو۔ قال اللہ تعالٰی:

"فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ "[3]	علم والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی ظن السوء امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

جاہل کیا اور جاہل کا دل کیا:

نعم من کان عالما فقیہا مبصرا ماھرا متبحرا فھو مامور بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استفت قلبک وان افتاک المفتون[1]۔	ہاں اگر وہ عالم، فقیہ (یعنی قانون فقہ جاننے والا) بصیرت رکھنے والا علم میں مہارت اور تجربہ رکھنے والا اور علم کا سمندر ہو تو اسے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ اپنے دل سے فتوٰی پوچھئے اگرچہ تمھیں مفتیان کرام کچھ فتوٰی دیں (ت)

(۸) یہ ہنسی اڑانے والا سخت گنہ گار ہوگا، قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ "[2]۔	اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم سے ہنسی مذاق نہ کرے، کیا خبر، شاید وہ (جن سے ہنسی مذاق کیا گیا) ہنسی کرنے والوں سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے ہنسی مذاق کریں شاید وہ ہنسی مذاق کی جانے والی عورتیں ان سے بہتر ہوں (مقصد یہ کہ کوئی کسی دوسرے کو کہتر اور کمتر نہ سمجھے ہوسکتاہے کہ انجام کے لحاظ سے وہ کمتر اس بالاتر سے اچھا اور افضل ہو)۔ (ت)

کیا معلوم کہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اس ہنسنے والے سے وہ خاکروب ہی بہتر ہو۔

(۹) عورت جب مسلمان ہوجائے حکم یہ ہے کہ اس کے شوہر سے اسلام کے لئے کہا جائے اگر مان لے فبہا وہ اس کی عورت ہے اور نہ مانے تو اس کا یہ انکار کرنا اس نکاح کو ساقط کرتاہے یہ حکم اس وقت ہے کہ حاکم اسلام اس پر اسلام پیش کرے اور وہ نہ مانے جہاں حاکم اسلام نہیں عورت تین حیض کا انتظار کرے، اس مدت میں اگر وہ مسلمان نہ ہو نکاح زائل ہوجائے گا، بہرحال مسلمہ عورت پر کافر کو شرعاً کوئی دعوی نہیں پہنچتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: مسئولہ مولوی محمد واحد صاحب ۱۳/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مستحبات کو بدعت سیئہ کہہ کر روکنے والے یا (قرون ثلثہ میں نہ تھے) کہہ کر منع کرنے والے کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ایسے لوگوں کو کسی مسجد کا امام مستقل

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب عجائب القلب بیان مایؤاخذ بہ العبد من وساوس القلوب الخ دار الفکر بیروت ۷/ ۲۹۸، کنز العمال برمز تخ عن وابعۃ حدیث ۲۹۳۲۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۵۰

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۱

بنانا یامدرس مقرر کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

کتب عقائد میں تصریح ہے کہ تحلیل حرام و تحریم حلال دونوں کفرہیں یعنی جو شے مباح ہو جیسے اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا اسے ممنوع جاننے والا کافر ہے جبکہ اس کی اباحت وحلت ضروریات دین سے ہو یا کم از کم حنفیّہ کے طور پر قطعی ہو ورنہ اس میں شک نہیں کہ بے منع خدا و رسول منع کرنے والا شریعت مطہرہ پر افتراء کرتا ہے اور اللہ عزوجل پر بہتان اٹھاتا ہے اور اس کا ادنٰی درجہ فسق شدید وکبیرہ وخبیثہ ہے۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ" [1]۔	اور جو کچھ تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں (اس کے متعلق یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو (یادرکھو) جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوتے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی (نیز اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ ت)

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ" [2]	اللہ تعالٰی کے ذمے وہی لوگ جھوٹا الزام لگاتے ہیں (جو درحقیقت) ایمان نہیں رکھتے (ت)

فاسق ومرتکب کبیرہ و مفتری علی اللہ ہونا ہی اس کے پیچھے نماز ممنوع اور اسے امام بنانا ناجائز ہونے کے لئے بس تھا، فتاوٰی الحجہ و غنیہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون [3]۔	اگر لوگوں نے کسی فاسق (مرتکب گناہ کبیرہ) کو امام بنا کر آگے کیا تو لوگ گنہ گار ہونگے (ت)

تبیین الحقائق وطحطاوی میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ و	کیونکہ اس کو (یعنی فاسق کو) آگے کھڑا کرنے

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

قد وجب علیھم اھانتہ شرعا [1]۔	میں اس کی تعظیم ہے جبکہ لوگوں پر شرعا اس کی توہین ضروری ہے۔(ت)

مگر یہ وجہ منع کہ سوال میں مذکور آج کل اصول وہابیت مردودہ مخذولہ سے ہے اور وہابیہ بے دین ہیں اور ان کے پیچھے نماز باطل محض، فتح القدیر میں ہے:

الصلٰوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز [2]۔	اہل ہوا(خواہش پرست) کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔(ت)

انھیں امام ومدرس بنانا حرام قطعی اور اللہ ورسول کے ساتھ سخت خیانت، اور مسلمانوں کی کمال بدخواہی، صحیح مستدرک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل علی عشرۃ رجلا وفیھم من ھو ارضی ﷲ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین [3]۔	اگر کسی نے دس آدمیوں پر ایک شخص کو حاکم بنایا جبکہ ان میں وہ شخص بھی تھا جو اس حاکم سے اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند تھا، تو اس حاکم بنانے والے شخص نے اللہ تعالٰی، اس کے رسول اور مسلمانوں سے خیانت کی۔(ت)

اور اگر ان کے عقائد کفر پر مطلع ہوکر ان کے استحسان یا آسان سمجھنے سے ہو تو امام ومدرس بنانے والا خود کافر ہوجائے گا۔

فان الرضی بالکفر کفر ومن انکر شیئا من ضروریات الدین فقد کفر ومن شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [4]۔	پس کفر سے خوشنودی کفر ہے، اور جو کوئی ضروریات دین سے کسی بات کا انکار کرے تو وہ بلاشبہ کافر ہے۔ پھر جو کوئی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔(ت)

کسی مسجد یا مدرسہ کے مہتمم کیا روا رکھیں گے کہ اپنے اختیار سے اسے امام ومدرس کریں جو ان کے ماں باپ کو علانیہ مغلظہ گالیاں دیا کرے، ہرگز نہیں، پھر وہابیہ تو اللہ عزوجل کے محبوب

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] فتح القدیر باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[3] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام ۴/ ۹۲ و نصب الرایۃ کتاب ادب القاضی ۴/ ۶۳

[4] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین خطبہ الکتاب مکتبہ نوریہ لاہور ص ۱۳

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علانیہ گالیاں دیتے لکھتے چھاپتے ہیں، وہ کیسا مسلمان کہ اسے ہلکا جانے اور ایسوں کو مدرس وامام کرے۔ اللہ تعالٰی سچا اسلام دے اور اس پر سچی استقامت عطا فرمائے اور اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی محبت دے اور ان کے دشمنوں سے کامل عداوت ونفرت عطا فرمائے کہ بغیر اس کے مسلمان نہیں ہو سکتا اگرچہ لاکھ دعوی اسلام کرے اور شبانہ روز نماز روزے میں منہمک رہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین [1]۔	(لوگو!) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کی نگاہوں میں اس کے والدین، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (ت)

کاش مسلمان اتنا ہی کریں کہ اللہ ورسول کی محبت وعظمت کو ایک پلہ میں رکھیں اپنے ماں باپ کی الفت وعزت کو دوسرے میں، پھر دشمنان وبدگویان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتنا ہی برتاؤ کریں جو اپنی ماں کو گالیاں دینے والے کے ساتھ برتتے ہیں تو یہ صلح کلی یہ بے پرواہی، یہ سہل انگاری یہ نیچیری ملعون تہذیب، سدراہ ایمان نہ ہو ورنہ ماں باپ کی محبت وعزت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت وعزت سے زائد ہو کر ایمان کا دعوی محض باطل اور اسلام قطعاً زائل۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ت) **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ ت)

"الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْۤا اَنْ يَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾" [2]	کیا لوگ اس گھمنڈ میں پڑگئے کہ وہ صرف اتنا کہنے پر کہ ہم ایمان لائے، چھوڑ دئے جائینگے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی۔ (ت)

زبان سے سب کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اللہ ورسول کی محبت وعظمت سب سے زائد ہے مگر عملی کارروائیاں آزمائش کرادیتی ہیں کہ کون اس دعوے میں جھوٹا اور کون سچا۔

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾" [3] وصلی اللہ تعالٰی وسلم وبارک علی	اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو نہ پھیر جبکہ تو نے سیدھی راہ دکھادی اور ہمیں اپنے پاس رحمت سے نواز دے یقیناً تو ہی

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۸

مالکنا و مولینا والاٰل والاصحاب اٰمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بہت زیادہ عطا کرنیوالا ہے۔ ہمارے مالک و مولٰی پر اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکات کا نزول فرمائے اور ان کی آل اور ساتھیوں پر بھی (درود وسلام اور برکات نازل ہوں) اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۴: از شاہجہان پور مرسلہ منصور حسن خاں صاحب تحصیلدار ۹ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

اس وقت ہندوستان میں بہت زور کے ساتھ حکومت خود اختیاری کی بحث چھڑی ہوئی ہے۔ حکومت خود اختیاری کے یہ معنی ہیں کہ برائے نام انگریزوں کی نگرانی رہے گی اور حکومت درحقیقت باشندگان ہندوستان کے ہاتھ میں ہوگی، اگر گورنمنٹ نے اسے عطا کردیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندو صاحبان جو اعداد اور تمول میں ہم سے بہت زائد ہیں ہم پر فوقیت رکھیں گے بحالت موجودہ ہندو صاحبان کا مسلمانوں کے معاملات میں جو رویہ ہے اس پر مندرجہ ذیل واقعات روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) کانپور کے پریڈ گراؤنڈ پر ہندو مجارٹی نے فیصلہ دیا کہ مسلمان نماز جنازہ نہ پڑھیں۔

(۲) ساور اجمیر شریف میں یہ احکام نافذ کردئے گئے کہ مسلمان عقیقہ اور قربانی میں بکرا بکری بھی ذبح نہ کرنے پائیں۔

(۳) جبلپور میں تراویح کے وقت باجا بجانا فرض سمجھا گیا اور کسی ہندو تعلیم یافتہ سے مسلمانوں کی فریاد پر توجہ تک نہ کی مسجدوں میں نماز بند کردی گئی۔

(۴) بنگال میں شبرات کی رخصت تک ہندو سپرنٹنڈنٹ کی وجہ سے مسلمانوں کو نہ مل سکی۔

(۵) بنگال کی کونسل میں سرسنہار نے رخصت نماز جمعہ کی مخالفت کی اس لئے ریزولیوشن مسٹر ابوالقاسم نے واپس لے لیا، اگر ہندو ممبر مل کر ووٹ دیتے تو ریزولیوشن پاس ہوجاتا۔

(۶) صوبہ متحدہ میں پیران کلیر شریف کی چھوٹی سی سڑک بننے میں ہندوؤں نے ووٹ نہیں دئے اور سید آل نبی صاحب کا ریزولیوشن پاس نہ ہوسکا۔

(۷) الہ آباد اور لکھنو میں اب تک ہندو میونسپلٹیوں کو چھوڑے ہوئے ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کے ساتھ گورنمنٹ نے رعایت کی ہے۔

(۸) ہندو لیڈروں نے جو کانگریس کے ارکان وعناصر ہیں میونسپلٹی کے قانون سے اس لئے مخالفت کی کہ مسلمانوں کو تین جگہ ان کی تعداد سے زیادہ دے دیں اس کے متعلق صرف اخبار لیڈر اور آنریبل مالوی جی اور ہندو سبھا کے جلسوں کا مطالعہ کافی ہے خصوصی اس جلسہ کا جو بنارس میں راجہ

رامپال سنگھ کی صدارت میں ہوا تھا۔

(۹) بنگال گورنمنٹ کے بار بار اصرار پر بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو کلر کی لائین میں نہیں گھسنے دیا جس کے لئے گورنمنٹ کو آخری کارروائی کرنی پڑی۔

(۱۰) ہندو ممبروں نے جو مشترکہ ووٹ سے کونسلوں میں جاتے ہیں کبھی مسلمانوں کے حق میں اپنی رائے نہیں دی، نہ مسلمانوں کے حقوق کا خیال کیا۔

(۱۱) چندوسی میں ہندوؤں نے لٹھ کے ذریعہ محفل میلاد شریف بند کردی۔

(۱۲) اردو کی مخالفت صرف مالوی جی اور چنتامنی جی ہی نہیں کرتے ہیں بلکہ مسٹر گاندھی بھی کرتے ہیں اور نہایت شائستگی سے سمجھاتے ہیں کہ جب تک مسلمان ہندی حروف نہ سیکھ لیں اس وقت تک انھیں اردو خط میں اجازت دی جائے۔

(۱۳) قربانی کا مسئلہ ہمیشہ زیر بحث نہیں بلکہ موجب کشت وخون رہتا ہے اور زبردستی مسلمانوں کو اپنے فرائض سے روکا جاتا ہے اور کوشش اس بات پر کی جاتی ہے کہ بکرا بکری بھی وہ نہ ذبح کرنے پائیں۔

(۱۴) نوکریوں کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے ہر صوبہ میں مسلمانوں کو محبان وطن اور ہوم رول اصحاب گھسنے نہیں دیتے۔

مندرجہ بالا واقعات پر نظر ڈالنے کے بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمانوں کو اس شورش میں جو ہندو صاحبان اس کے متعلق کررہے ہیں مذہبا شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا"[1]	ضرور ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہود اور مشرکوں کو پاؤ گے۔

اور فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۚۖ	اے ایمان والو اوروں کو اپنا ولی دوست نہ سمجھو وہ تمھاری ضرر رسانی میں گئی نہیں کرتے۔ ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو، دشمنی ان کے منہ سے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ "[1]	ظاہر ہو رہی ہے اور وہ جو ان کے سینوں میں دبی ہے بہت زیادہ ہے ہم نے روشن نشانیاں تمھیں بتادیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔

اس ارشاد الٰہی کے بعد کیا کوئی عاقل دیندار مسلمان ہنود کی شورش میں ان کا ساتھ دینا روا رکھے گا اور وقت پر زبانی باتوں کے دھوکے میں آکر بالآخر ان سے اسلام و مسلمین کے ساتھ نیک برتاؤ اور دلی دوستی کی امید رکھے گا اس حکومت با اختیار کا حاصل اگر ہندوستان میں صرف اس قدر ہوا کہ اوپر کی کونسلوں میں ہندو ممبر بکثرت کردئے گئے اور امور انتظامیہ کے سوا دیگر احکام میں ان کی رائے سنی گئی اور کثرت پر فیصلہ ہوا جب تو ظاہر کہ ہر طرح ہنود کی جیت ہے انھیں کی کثرت رہے گی اور انھیں کی بات جیسا کہ بعض وقائع مذکورہ سوال اس کا نمونہ ہیں، نیچر کی کمیٹیوں میں ان کے اور تمھارے حالات وعادات جو سنے گئے وہ اور بھی ان کے مؤید ہیں یعنی یہ کہ بہت ہنود نہ فقط اپنے حفظ حقوق بلکہ مسلمانوں کی پامالی حقوق میں بیدریغ کوشش کرتے ہیں، اور بہتیرے مسلمان ممبر دم نہیں مارتے بلکہ بعض تو صلح کل وبے تعصب بننے کو الٹا ان کا ساتھ دیتے ہیں مسلمانوں کی تعداد ایک تو کم تھی ہی اور بھی کم رہ جاتے ہیں، آخر بارہا پالی ہنود کے ہاتھ رہتا ہے، اب اس کا اثر جزئیات پر پڑتا ہے، اس حالت میں کلیات پر پڑے گا، گورنمنٹ کو مسلمانوں ہندوؤں کے معاملہ میں نہ کسی کی طرفداری نہ کسی سے خصومت، جب ہندوستانی ممبر بڑھے اور کثرت ہنود کی ہوئی اب احکام ان رایوں سے فیصل ہو کر آئیں گے جو ایک قوم کی ذاتی طرفداری اور دوسروں کی ذاتی مخالف ہے اس وقت وہ اسی لئے مسلمان کو بلارہے ہیں کہ یوں اختیارات اپنے کرلیں اور انھیں کی کوششوں سے ان کی حقوق پامال کرنے پر خاطر خواہ قادر ہو جائیں گے جب یہ جم گئی پھر کیا ہوتا ہے ع

دریغ سود ندارد چو کار رفت از دست

(جب کام ہاتھ سے نکل جائے تو پھر پشیمان ہونے کا کچھ فائدہ نہیں۔ت)

ع مرد آخر بین مبارک بندہ است

(نتیجہ کو دیکھنے والا مرد بابرکت آدمی ہے۔ت)

اور اگر بالفرض حکومت خود اختیاری اپنے حقیقی معنی پر ملی تو وقت سخت تر ہے غور کرو اس وقت کہ

---
[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

ملک ان کے ہاتھ میں نہیں تمھارے مذہبی شعائر میں کتنی رکاوٹیں ڈالتے ہیں، رات دن کوشاں رہتے ہیں، اور اپنی کثرت تعداد و کثرت مال کے سبب کچھ نہ کچھ کامیاب ہوتے رہتے ہیں، جب اختیارات ان کے ہاتھ میں ہوئے اس وقت کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے مثلاً اس وقت تو قربانیاں ان قیود وحدود کے ساتھ کہ ان کا لگایا جانا بھی شورش ہنود کے باعث ہے ہو بھی جاتی ہیں، اس وقت قتل انسان سے بڑھ کر جرم ٹھہریں گی اور مسلمانوں کو مجبورانہ اپنا یہ شعار دینی بند کرنا پڑے گا کیا گورنمنٹ تنہا تمھیں ملک دے دے گی کہ اس میں خالص احکام اسلام جاری کرو، یہ تو ممکن نہیں، نہ تنہا ان کو ملے، پھر شرکت رکھوگے یا ملک بانٹ لوگے کہ ایک حصہ میں تم اسلامی احکام جاری کرو ایک میں وہ اپنے مذہبی احکام جو تمھاری شریعت کی رو سے احکام کفر ہیں، بر تقدیر ثانی ظاہر ہے کہ ہندوستانی کا کوئی شہر اسلامی آبادی سے خالی نہیں تو ان لاکھوں مسلمانوں پر اپنی شریعت مطہرہ کے خلاف احکام تم نے اپنی کوشش متفقہ سے جاری کرائے اور اس کے تم ذمہ دار ہوئے اور

"وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾" [1]	جو کچھ اللہ تعالٰی نے نازل فرمایا) بندوں پر اتارا) جو لوگ اس کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی کافر، ظالم اور نافرمان ہیں۔ (ت)

کے تمغے پائے۔ بر تقدیر اول کیا ہنود راضی ہوجائیں گے کہ ملک مشترک ہو اور احکام تنہا احکام اسلام ہرگز نہیں، آخر تمھیں ان کے ساتھ کسی نہ کسی قانون خلاف اسلام پر راضی ہونا اور اپنی رضا وسعی سے مسلمانوں کو اس کا پابند کرنا پڑے گا اور قرآن عظیم سے وہی تین خطابوں کا تمغہ ملے گا یہ سب اس وقت ہے کہ جھگڑا نہ اٹھے اور اگر پھوٹ پڑی اور تجربہ کہتا ہے کہ ضرور پڑے گی اس وقت اگر ہنود حسب عادت آپ بے قصور بنے اور سب ڈھلی بگڑی تمھارے سر ڈالی تو زمین میں بیٹھے بٹھائے فساد اٹھانے اور حکم الٰہی "لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" [2] (لوگو! اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ت) کی مخالفت کرکے خود اپنی اور لاکھوں ناکردہ مسلمانوں کی جان وعزت معرض خطرہ میں ڈالنے کا ذمہ دار کون ہوگا، اللہ عزوجل سیدھی سمجھ دے، آمین! واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴، ۴۷، ۴۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

مسئلہ ۵۵: خیر آباد اودھ ضلع سیتاپور مرسلہ سید امتیاز حسن صاحب انریری مجسٹریٹ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ زید مسلمان ہے اور اس کے گلے میں ہندو مذہب کی ایک کتاب بید جزدان میں مثل کلام مجید کے بطور حمائل کے پڑا ہے۔ زید کو علم ہے کہ میرے گلے میں ہندو مذہب کی کتاب ہے یا اور کوئی غیر معظم کتاب ہے مگر کافر اس کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ شخص مسلمان ہے اور اس کے گلے میں کلام مجید ہے یہ سمجھ کر اس کتاب کی جس کو وہ کافر اپنے خیال میں کلام مجید سمجھتے ہوئے توہین کرنا چاہتا ہے زید اس کی حفاظت کرتا ہے محض اس وجہ سے کہ یہ کافر کلام اللہ سمجھ کر توہین کرتا ہے ایسی صورت میں مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ زید کے شریک ہوں اور اس کافر کے حملہ کو روکیں یا سمجھ کر کہ اس کے اندر غیر مذہب کی کتاب ہے اور کوئی معظم چیز نہیں ہے سکوت اختیار کریں اور زید کو لعنت ملامت کریں، شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر زید کو کوئی نقصان پہنچے اور اس کے معاونین کو مدد کرنے سے تکلیف پہنچے تو وہ عنداللہ ماجور (اللہ تعالٰی کے نزدیک اجر وثواب دئے ہوئے۔ت) ہوں گے، مشرح جواب تحریر فرمائے۔ فقط

الجواب:

سوال تمثیلی ساختہ معلوم ہوتا ہے مثال میں بسا اوقات فرق رہ جاتا ہے جس کے سبب حکم بدل جاتا ہے اگرچہ تمثیل قائم کرنے والا اپنے ذہن میں یہ سمجھے کہ میں نے اصل واقعہ کا بالکل چربہ اتار لیا ہے بہرحال اس صورت مستفسرہ کا حکم یہ ہے کہ زید بوجوہ قابل سخت ملامت ہے اول تو سب سے پہلے اس کا جرم شدید یہ ہے کہ اس نے ایک کافر مذہب کی کتاب کو معاذاللہ قرآن مجید سے تشبیہ دی جزدان میں رکھا، گلے میں حمائل کے طور پر ڈالا، یہ خود اس نے قرآن عظیم کی توہین کی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک کنیز کو دیکھا کہ بیبیوں کی طرح دوپٹہ اوڑھے جارہی ہے اس پر درہ لیا اور فرمایا:

ای وفار القی عنك الحمار اتتشبھین بالحرائر[1]۔	اے بدبو والی! اپنی اوڑھنی اتار، کیا بیبیوں کے مشابہ بنتی ہے۔

اور اگر واقعی اس نے کافر مذہب کی کتاب **معاذاللہ** مثل قرآن کریم مستحق تعظیم سمجھا جب تو وہ خود ہی کافر مرتد ہے ورنہ کم از کم مبتلائے حرام ضرور ہے، اور اس حرام کے باقی رکھنے ہی نے اس ہندو کو غلط فہمی پیدا کی تو یہ اس کا دوسرا جرم ہے کہ حرام پر مصر ہے۔ پھر اس کے سبب جو فتنہ فساد پیدا ہوگا اسی کا منشا یہی اس کا اصرار علی الحرام ہے کیوں نہیں اسے جزدان سے نکال کر فوراً پھینک دیتا ہے کہ یہ تیرے ہی مذہب کی ناپاک کتاب ہے اس کی جتنی چاہے توہین کر، یوں یہ خود بھی حرام سے بچے اور فتنہ بھی فرو ہو، اب کہ یہ ایسا نہیں کرتا خود بانی فتنہ ہے۔ یہ اس کا تیسرا جرم ہے۔ اگر پٹا تو ایک پوتھی

[1] الدر المنثور تحت آیۃ ذلك ادنی ان یعرفن فلایؤذین منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۲۲۱

کی حمایت میں پٹااور مارا بھی تو ایک پوتھی کے پیچھے مارا، اور اگروہ غالب آیا اور اس نے اس کتاب کی توہین جسے اس نے اپنے فعل واصرار باطل سے اسے معاذاللہ قرآن عظیم باور کرایا ہے تو اس ہندو کے زعم میں توہین قرآن عظیم پر قادر ہونا اور اس معاملہ دینیہ مذہبیہ میں مسلمان پر فتح پانا اس کا منشا بھی یہی شخص ہے اور اگروہ مغلوب ہوا اور اس نے مارا اور جیل خانہ گیا محض بلاوجہ شرعی بلکہ برخلاف وجہ شرعی ایک گناہ پر اصرار کے لئے اپنے نفس کو سزا و ذلت پر پیش کیا اور یہ بھی بحکم حدیث حرام ہے۔ اور یہ اس کا چوتھا جرم ہے۔ بہر حال یہ شخص سخت ملامتوں کا مستحق وسزاوار ہے جو اس کی اعانت کرینگے وہ بھی ان جرائم سے حصہ لیں گے اور گناہ پر مدد دے کر گنہ گار ہوں گے،

قال اللہ تعالٰی: ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان [1]۔	لوگو! گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔(ت)

ان پر لازم ہے کہ اگروہ فتنہ اٹھاتا ہے یہ فرو کریں اور زعم کافر میں توہین اسلام نہ ہونے دیں اس کے گلے سے لے کر جزدان سے نکال کروہ ہندوانی پستک اس ہندو کے سامنے پھینک دیں کہ فتنہ بند ہو اور وہ جرائم مذکورہ سب مسدود۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶تا۵۸: از رائے پور چھینتگڑھ مرسلہ گوھر علی عرائض نویس نیاپارہ اکھاڑا

(۱) کہ جہاں مسلمان بستے ہیں وہاں ایک شراب کی بھٹی ہے چند لوگ شیعہ اس راہ سے گزرے جو اپنی قوم میں مقرر ہیں انھیں معلوم ہوا کہ یہاں پر مسلمان شراب پیا کرتے ہیں تو انھوں نے ایک انجمن مقرر کیا اور اپنی قوم کے چند لوگوں کو سکریٹری پریزیڈنٹ انجمن بنایا اور اس میں سنیوں کو ممبر مقرر کیا، ازروئے شرعی سنی بھی ان کی رائے سے موافقت کرسکتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

(۲) اس انجمن میں دو مسئلے پیش ہیں کہ کوئی سنی شراب پئے یا زنا کرے اس کو خارج از قوم کردینا اور شادی وغمی میں شریک نہ ہونا زنا کس حالت میں سمجھا جائے گا جبکہ کوئی شخص کسی عورت سے صرف بات کررہا ہے یا عورت مذکورہ اس کے گھر میں کسی مزدوری کے لئے بیٹھی ہے یا کسی پیشرو شخص کے مکان کو ضرورت سے آتی ہے کیونکہ اس شہر میں مزدور عورتیں بہت ہیں جو آدمی تنہا نوکری پیشہ وجن کی مستورات نہیں وہ ان کو اپنے گھروں میں کام کرنے کے ساتھ تعلق ہے اور وہ شخص باہر کھڑا ہوا اندر مکان کا حال کیا جانتا ہے کہ مکان کے اندر کیا ہورہا ہے علمائے دین

---
[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

باطن کے حالات کی نسبت کیا بیان کرتے ہیں، کیا یہی زنا کی صورتیں ہیں۔

(۳) شیعہ قوم سے سنی کہاں تک شریک ہوسکتے ہیں؟

ان اوپر کہئے ہوئے وجوہ کی نسبت حضور کرم فرما کر اس فقیر کو جواب سے سرفراز فرمائیں تو بڑی مہربانی ہوگی، خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے گا۔

الجواب:

(۱) سنیوں کو غیر مذہب والوں سے اختلاط میل جول ناجائز ہے خصوصا یوں کہ وہ افسر ہوں یہ ماتحت۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اگر تجھے شیطان کبھی بھول میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔ (ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولا یفتنونکم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تم ان سے دور رہو اور وہ تم سے دور رہیں کہیں تمھیں گمراہ نہ کردیں اور فتنے میں نہ ڈال دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) زنا نہیں ثابت ہوسکتا جب تک چار مرد عاقل بالغ، ثقہ، متقی، پرہیزگار اپنی آنکھ سے ایسا مشاہدہ نہ بیان کریں جیسے سرمہ دانی میں سلائی، بغیر اس کے جو شخص کسی مسلمان کی نسبت زنا کی تہمت رکھے گا بحکم قرآن مجید اسی کوڑوں کا مستحق ہوگا پھر اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود، ہاں یہ ضرور ہے کہ اجنبی عورت سے خلوت حرام ہے۔ جو لوگ انھیں نوکر رکھتے ہیں ضرور مکان میں دونوں تنہا ہوتے ہوں گے، اور اسے شرع نے حرام فرمایا۔

(۳) کہیں تک بھی نہیں، آیت وحدیث میں مطلقًا ممانعت فرمائی، بلکہ حدیث خاص اس قوم کا نام لے کر آئی کہ:

یاتی قوم لھم نبز یقال لھم الرافضۃ لایشھدون جمعۃ	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایک قوم آنے والی ہے ان کا بدلقب ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

ولاجماعة ویطعنون السلف [1] فلا تجالسوہم ولا تواکلوھم ولاتشاربوہم ولا تناکحوہم واذا مرضوا فلاتعودوہم واذا ماتوا فلا تشھدوھم ولا تصلوا علیھم ولاتصلوامعھم [2]۔	انھیں رافضی کہا جائے گا وہ نہ جمعہ پڑھیں گے نہ جماعت، اورامت کے اگلوں پر طعنہ کریں گے، تم ان کے پاس مت بیٹھنا، ان کے ساتھ کھانا نہ کھانا، ان کے ساتھ پانی نہ پینا، ان کے ساتھ شادی بیاہت نہ کرنا، وہ بیمار پڑیں تو انھیں پوچھنے کو نہ جانا، مرجائیں تو ان کے جنازہ پر نہ جانا، نہ ان پر نماز پڑھنا، نہ ان کے ساتھ نماز پڑھنا۔

دیکھو حدیث نے موت وحیات کے سب تعلق کو ان سے قطع کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۹: از قصبہ کرت پور ضلع بجنور محلّہ مدھو پاڑہ مرسلہ منشی منیر الدین صاحب ۲۲/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی مسلمان دسہرہ کی جھنڈی کے جلسہ میں ہنود کا شریک ہو یا اس میں گنگا پھری یا بنیٹی یا دیگر کھیل خود کھیلے یا دوسروں کو کھلائے یا اس میں کسی قسم کا باجا خود بجائے یا دوسروں سے بجوائے یا کوئی راگ خود گائے یا اوروں سے گوائے یا اس میں کسی قسم کی امداد دامے درمے قلمے جلوس مذکور کی رونق افزائی کی نیت سے کرے یا اس جلوس کا تماشا تفریحا اور دوسروں کو ترغیب دیکھنے کی دلائے یا میل ملاپ باہمی کی وجہ سے شرکت کرے یا دیگر اغراض دنیا کے باعث ہنود سے بامید حصول خوشنودی ہنود جلوس کی اعانت میں سرپرستانہ پیش آئے یا ایسی سرپرستی کا ارادہ کرے اور اس حد تک کہ اگر اس جلوس میں اس مقام کے رواج ودستور کے خلاف منجانب ہنود امور جدیدہ کے اضافہ کرنے کی آمادگی ہو اور اس کی اطلاع پاکر خواہ اس کا ظہور دیکھ کر وہاں کے غرباء مسلمانان بخوف ہیجان فتنہ حسب ضابطہ کچہری اس کے انسداد کی کوشش وچارہ جوئی کریں اور کوئی شخص مسلمان سر برآوردہ خواہ رئیس حکام رس بذات خود یا بذریعہ اپنے آدمیوں کے خود دار ریاست واستطاعت یا سرپنچی ومنبری کے مسلمانان کو چارہ جوئی سے باز رکھے اور تخویف دلائے یا اگر مسلمانان بامید انصاف گورنمنٹ بلاخوف وخطر مصروف چارہ جوئی رہیں اور مسلمان مانع چارہ جوئی جانب دار اہل ہنود ہو کر امر جدید کو جلوس مذکور میں اپنی کوشش سے اضافہ کرے اور اس جلوس مذکور میں ایسی نمایاں سعی وپیروی کرے کہ جس سے ایک مسجد کے اُس احترام میں فرق آجائے جس کو حکام ضلع نے بلحاظ عبادت گاہوں کے بذریعہ احکام تحریری منظور کیا ہو یعنی باوجود ممانعت حاکم علاقہ کے مسجد مسلمانان

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ الفضل بن غانم ۶۷۹۰ دار الکتاب العربی بیروت ۱۲/ ۳۵۸

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ و ۳۲۵۲۹ و ۳۲۵۴۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۲۹، ۵۴۰، ۵۴۲

کے گرد پچاس پچاس قدم دونوں طرف باجا گاجا شور وغل ہر قسم اہل جلوس جھنڈی سے کرادے تو ایسا مسلمان نیز مسلمانان متذکرہ بالا شرعًا کسی گناہ کے مرتکب ہیں آیا بدعت یا فسق یا کفر یا ارتداد اور دیگر مسلمانان کو ان سے میل جول رکھنا کیسا ہے؟ بصراحت وتفصیل فتوٰی میں ارقام فرمایا جائے۔ فقط۔

الجواب:

مراسم کفر کی اعانت اور ان میں شرکت ممنوع وناجائز وگناہ اور مخالفت حکم الٰہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

حدیث میں ارشاد ہوا:

من سود مع قوم فھو منھم وفی لفظ من کثر سواد قوم فھو منھم[2]۔	جو کسی قوم کی جماعت میں شریک ہو کر ان کا گروہ بڑھائے وہ انھیں میں سے ہے۔

خصوصا توہین مسجد پر اعانت کہ بہت سخت تر ہے پھر اگر یہ باتیں شامت نفس اور طمع دنیا سے ہوں تو صرف استحقاق جہنم ہے اور اگر کسی رسم کفر کے پسند ورضا کے ساتھ ہوں تو کھلا کفر ہے۔ غمز العیون میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[3]۔	جس شخص نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو وہ باتفاق مشائخ کافر ہوگیا۔ (ت)

مسلمانوں کو ایسے شخص سے میل جول منع ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾"[4]	اگر تمھیں شیطان کسی بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] کنزالعمال بحوالہ خط عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۰، کنزالعمال بحوالہ الدیلمی عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[3] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[4] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اور فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ"[1]	(لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔(ت)

مسئلہ ۶۰تا۶۲: از گودھرہ مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن بن مولوی محمد عیسٰی صاحب ۲۳ / ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) قصبہ لوناواڑہ میں ہنود بکثرت رہتے ہیں یہ لوگ بماہ ساون آٹھ روز تہوار مناتے ہیں اس کو اپنی اصطلاح میں "پچوسن" کہتے ہیں، ان دنوں میں آٹھ روزے بھی اپنے مذہب کے موافق رکھتے ہیں اور جاندار شیئ کو مارنا اور تکلیف دینا برا سمجھتے ہیں، چنانچہ مسلمان تیلیوں کو اس بناء پر گھانی چلانے سے روکتے ہیں اس لئے کہ تلوں میں کچھ کیڑے جو ہوتے ہیں وہ پل جاتے ہیں، اس آٹھ روز گھانی نہ چلانے کے عوض میں روپے بھی دینا چاہتے ہیں پس مسلمانوں کو اس آٹھ روز گھانی نہ چلانا اور روپیہ لے کر اس امر میں ان کی اتباع کرنا کیسا ہے؟

(۲) جو مسلمان کہ ہنود کے تہوار میں ان کی موافقت کرے اور اس کو منائے اس کے لئے کیا وعید ہے؟

(۳) کسی قصبہ کا رئیس مسلمانوں کو کہے کہ تم ہنود کے تہواروں میں ان کی اتباع کرو ورنہ تم کو سخت اذیت پہنچاؤں گا، پس مسلمانوں کو اس امر میں رئیس کی اتباع درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوٰی[2]۔	(یاد رکھو) اعمال کا مدار ارادوں پر ہے اور آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔(ت)

اگر اس سے تیلیوں کی نیت ان کی موافقت اور ان کی رسم مذہبی میں شرکت ہے تو حرام ہے۔ اور حرام فعل کی اُجرت میں جو کچھ لیا جائے وہ بھی حرام کہ اجارہ نہ معاصی پر جائز ہے نہ اطاعت پر، اور اگر انھوں نے یہ سمجھا کہ واقعی تیل پیلنا فعل شنیع ہے کہ اس سے کیڑے پِس جاتے ہیں تو یہ وہی خیالات باطلہ ہنود کی شرکت ہوئی، ایسا ہو تو یہ فعل ہمیشہ ناجائز ہے اور ناجائز کا ترک واجب اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اجرت اس پر لینا حرام، اور اگر انھوں نے یہ سمجھا کہ ہمارا وہ کام ایک مباح شرعی ہے کچھ واجب تو نہیں کہ اس کا کرنا ضرور ہو آٹھ دن محنت سے بچتے ہیں، اور مفت کے دام مال مباح کافر سے ملتے ہیں یہ سمجھ کر آرام کریں اور دام لئے تو حرام نہیں، پھر بھی اغراض فاسدہ کفار کی تحصیل نامناسب ہے ایسے موہومات کہ کیڑے ہوں گے اور پس جائیں گے شرعًا عرفًا عقلًا کسی طرح قابل اعتبار نہیں ورنہ رات کو چلنا منع ہو جائے کیا معلوم اندھیرے میں کوئی چیونٹی پس جائے بلکہ پانی پینا منع ہو جائے کیا معلوم اس میں کوئی باریک کیڑا ہو کہ نظر نہ آتا ہو، بلکہ خوردبین سے مشاہدہ ہوا ہے کہ دودھ اور پانی سب میں یقینا کیڑے ہوتے ہیں، اور یہی مطابق قانون فطرت ہے کہ رطوبت میں حرارت جب عمل کرے گی فیضان روح ہوگا، تو دین و دنیا سب کی عافیت تنگ ہو جائے، ایسے بیہودہ خیال کسی طرح موافق اسلام نہیں ہو سکتے، صحیح حدیث میں ہے:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یفتش التمر عما فیه، رواہ الطبرانی [1] فی المعجم الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند حسن، واللہ تعالٰی اعلم۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس وہم کو پالنے سے منع فرمایا کہ کھاتے وقت چھوہارا توڑ کر اس کی تلاشی لیجائے کہ اس میں کوئی کیڑا تو نہیں (طبرانی نے معجم الکبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اسے روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر ان کے مذہبی تہوار کو اچھا جان کر منائے گا اسلام سے خارج ہو جائے گا، غمز العیون میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ [2]۔	جس آدمی نے کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھا تو مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ کافر ہو گیا۔ (ت)

ورنہ فسق و معصیت ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) اللہ عزوجل کی معصیت میں کسی کا اتباع درست نہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن عمر حدیث ۴۰۸۶۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۲۶۰

[2] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفصل الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۶۳: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار رضوی برکاتی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مباہلہ کیا ہے۔اور وہ کس وقت، کس سے، کس طرح کیا جاتا ہے؟

الجواب:

مباہلہ یہ کہ دو فریق جمع ہو کر اپنا اپنا دعوٰی بیان کریں اور ہر فریق دعا کرے کہ ان دونوں میں جو جھوٹا ہو اس پر لعنت الٰہی ہو، یہ جائز ہے،اور اب تک مشروع ہے **کما نص علیہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اس پر نص کی گئی ہے۔ت) مباہلہ ہر اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ اپنے قول کی حقانیت پر یقین قطعی ہو، مشکوک یا مظنون بات پر مباہلہ سخت جرأت ہے مثلاً ہم کسی شافعی المذہب سے اس امر پر مباہلہ نہیں کرسکتے کہ قرأت خلف الامام ناجائز ہے۔نہ شافعی ہم سے مباہلہ کرسکتا ہے کہ واجب ہے۔اور ہم اور وہ دونوں غیر مقلدوں سے اس پر مباہلہ کرسکتے ہیں کہ امام اعظم و امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہما ائمہ دین ہیں اور ان کی تقلید جائز،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۴: از اودیپور میواڑ راجپوتانہ اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

اس شہر میں روافض فرقہ اسمعیلیہ بوہر ہوں کے امام بڑے ملا آئے ہیں ان کا دعوی ہے کہ "میں داعی وقت ہوں،امام اور عامل میں ہی مقرر کرتا ہوں، میں قوم کا مالک و مختار ہوں" ان کو بوہرے سیدنا کے لفظ سے پکارتے ہیں،جب یہ شہر میں آئے تو ان کی سواری بڑی شان و شوکت کے ساتھ مع دو تین ہزار بوہروں کے مدرسہ اسلامیہ حنفیّہ جس راستہ میں واقع ہے اس طرف ہو کر نکلی تو مدرسہ حنفیّہ کے ممبران سنت جماعت حنفی مذہب والوں نے مدرسہ کو رنگ برنگ کے کاغذ کے پھریروں سے آراستہ کیا،اور ایک بڑے سرخ کپڑے پر بڑے بڑے کاغذ کے حروف بنا کر "خوش آمدید" لکھا اور بڑے ملا صاحب کے نظارے کے لئے آویزاں کردیا اور جب ملا صاحب کی سواری مدرسہ کے قریب آئی تو حنفی ممبران مدرسہ نے ادب کے ساتھ ملا صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے اور گلدستے نذر کئے اور ان کے سر پر پھول اُچھالے اور بعد میں ممبران مدرسہ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۵۰ مکتبہ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۲۰۸ و ۲۰۹

ملاصاحب کی قیام گاہ میں ملاصاحب کو مدرسہ میں آنے کی دعوت دینے کو گئے، توملاصاحب نے ان لوگوں کو دس دس بیس روپے کاانعام دے کر رخصت کیا، اب ارشاد فرمائیں کہ حنفیوں کا بوہرے فرقہ کے امام کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا کیسا ہے۔اگران ممبروں نے اس لالچ سے کہ ملا صاحب مدرسہ میں کچھ روپیہ دے جائیں گے ایسا کیا تو یہ ان کا ایسا کرنا کیسا ہے اور یہ لوگ حنفی مذہب کے مدرسہ کے ممبر مانے جانے کے قابل ہیں یا نہیں اور بے پڑھے مسلمانوں پر اس کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:

جن لوگوں نے ایسا کیا انھوں نے اپنے لئے جہنم کا سامان پورا کرلیا انھوں نے بدفعلی سے عرش الٰہی کو ہلادیا، انھوں نے واحد قہار کا غضب اپنے سرلیا، انھوں نے قرآن عظیم کی تحقیر کی، انھوں نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی، یہ اسی بنا پر ہے کہ انھوں نے روپیہ کے لالچ سے ایسا کیا اگر دل سے اسے ان تعظیموں کا مستحق جانتے توکھلے کافر ہوتے، اور اب بھی فقہاء کے اطلاق ان کے بارے میں بہت سخت ہیں کہ وہ بخوشی بلاضرورت ان ملعون حرکات کے مرتکب ہوئے ہیں ان پر فرض ہے کہ جس اعلان کے ساتھ ان ناپاک حرکتوں سے شیطان پھیلایا اور بے پڑھے مسلمانوں کا دین ڈھایا ابلیس لعین کا پھریرا سربازار اڑایا اسی اعلان کے ساتھ عام مجمعوں میں توبہ کریں اور مناسب کہ از سرنو کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں، اگر توبہ نہ مانیں تو ایسے لوگ اس قابل بھی نہیں کہ مسلمان ان کو اپنے پاس بیٹھنے دیں سنی مدرسے کی رکنیت تو بڑی چیز ہے، اس حال پر بھی جو انھیں رکن مدرسہ دینیہ رکھیں گے اللہ ورسول و مسلمین سب کے خائن وبدخواہ ہوں گے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ" [1]	ظالموں کی طرف میل نہ کروکہ تم کو دوزخ کی آگ لگے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوا:

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸" [2]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

دو حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلك العرش رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة وابو یعلی فی المسند والبیهقی فی شعب الایمان[1] عن انس وابن عدی فی الکامل عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے (محدث ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں روایت کیا ہے اور ابو یعلٰی نے اپنی مسند میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس کے حوالے سے اور ابن عدی نے "الکامل" میں حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے روایت کیا (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو۔ت)

نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سلم علی صاحب بدعة اولقیه بالبشر اواستقبله بما یسره فقد استخف بما انزل علی محمد رواہ الخطیب[2] عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	جو کسی بدمذہب کو سلام کرے یا اس سے بکشادہ پیشانی ملے یا ایسی بات کے ساتھ اس سے پیش آئے جس میں اس کا دل خوش ہو اس نے اس چیز کی تحقیر کی جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اتاری گئی (اسے خطیب نے حضرت ابن عمر (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) سے روایت کیا۔ت)

نیز چھ حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ہدم الدین۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة عن عبد الله بن بشیر وابن عدی وابن عساکر عن ام المؤمنین الصدیقة والحسن بن سفین فی مسندہ وابونعیم فی الحلیة عن معاذ بن جبل	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے دین کے ڈھادینے پر مدد دی (امام طبرانی نے معجم کبیر اور ابونعیم نے الحلیہ میں عبداللہ بن بشیر سے اس کو روایت کیا۔ ابن عدی اور ابن عساکر نے مسلمانوں کی ماں سیدہ عائشہ صدیقہ سے اور حضرت حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابونعیم نے الحلیۃ میں معاذ بن جبل کے حوالہ سے

[1] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ترجمہ سابق بن عبداللہ الرقی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۳۰۷

[2] تاریخ بغداد ترجمہ عبدالرحمن بن نافع ۵۳۷۸ دارالفکر بیروت ۱۰/ ۲۶۴

والسخری فی الابانة عن ابن عمرو ھو وابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم والبیھقی فی شعب الایمان عن ابراھیم بن میسرة التابعی المکی الثقة مرسلا[1]۔	اور السخری نے الابانۃ میں عبداللہ ابن عمر کے حوالے سے اور اس نے ابن عدی نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کو روایت کیا، نیز امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابراہیم بن میسرہ جو کہ تابعی مکی اور قابل اعتماد ہیں نے بصورت ارسال اس کو روایت کیا۔ت)

دو حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر و العلانیة بالعلانیة رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد[2] والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن جید واحمد ایضا فیه عن عطاء بن یسار مرسلا۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً توبہ کر، پوشیدہ کی پوشیدہ اور علانیہ کی علانیہ، (امام احمد نے کتاب الزہد اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اچھی اور عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا، نیز امام احمد نے اسی میں عطا بن یسار سے بطور مرسل روایت فرمائی۔ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا من عصابة	جس نے کسی گروہ پر ایسے کو افسر بنایا کہ اس گروہ

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن عبداللہ بن بشیر حدیث ۱۰۲۱۱ موسسة الرسالہ بیروت ۴/ ۲۱۹، الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ترجمہ الحسن بن یحیی ابو عبدالملک الخشنی دار الفکر بیروت ۲/ ۷۳۶، شعب الایمان دار الدیان للتراث بیروت ص ۳۵، حلیة الاولیاء وشرح خالد بن معدان ۳۱۸ دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۲۱۸، تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ حسن بن یحیٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۳

[2] کتاب الزہد لامام احمد بن حنبل دار الدیان للتراث القاہرہ ص ۳۵، المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل حدیث ۳۳۱ المکتبہ الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۱۵۹

وفیھم من ھو ارضی اللہ منہ فقد خان اللہ ورسولہ والمؤمنین، رواہ الحاکم[1] وصححہ وابن عدی والعقیلی والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میں اس سے زیادہ اللہ کو پسندیدہ شخص موجود ہے اس نے اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مسلمانوں سب کی خیانت کی، (ابن حاکم نے اس کو روایت کرکے صحیح قرار دیا، ابن عدی، عقیلی، طبرانی اور خطیب بغدادی نے حضرت ابن عباس سے اس کو روایت کیا (اللہ تعالٰی باپ، بیٹے دونوں سے راضی ہو)۔ت)

فتاوی ظہیریہ امام ظہیر الدین واشباہ والنظائر محقق زین وتنویر الابصار شیخ الاسلام غزی ودرمختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر ولوقال لمجوسی یااستاد تبجیلا کفر[2]۔	اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو بطور عزت وتوقیر سلام کیا تو وہ کافر ہوجائے گا، کیونکہ کافر کی عزت افزائی کفر ہے، اور اگر کسی نے آتش پرست کو تعظیم کے طور پر "اے استاد" کہا تو وہ کافر ہوگیا۔ت)

فصول عمادی وعقد الفرائد ودرمختار وجامع الفصولین ونورالعین ومحیط وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

مایکون کفرااتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا ومافیہ خلاف یؤمر بالاستغفار والتوبۃ و تجدید النکاح[3]، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو چیز بالاتفاق کفر ہے وہ عمل اور نکاح کو باطل کردیتا ہے اس کی اولاد، اولاد زنا ہوگی اور جس چیز کے کفر ہونے میں اختلاف ہے تو ارتکاب کرنے والے کو توبہ استغفار اور تجدید نکاح کا حکم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاحکام دارالفکر بیروت ۴/ ۹۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

مسئلہ ۶۵: از ریاست لشکر گوالیار بازار پاٹنگر مسئولہ عطا حسین صاحب مہتمم مدرسہ تعلیم القرآن واقع مسجد بازار مذکور ۱۵ صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد، کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اعلان کرنے والے صاحب کی بابت جو باوجود اہل علم اور سنت وجماعت ہونے کے اپنے اعلان کی سطر چودہ وپندرہ میں تحریر فرماتے ہیں، اعتراض اول یہ کہ اعلان کے شروع میں نہ حمد ہے۔ نہ نعت۔ اعتراض دوم سطور پندرہ وچودہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وسیلہ بھی تحریر نہیں، یہ دونوں اعتراض صحیح ہیں یا غلط؟ اگر صحیح ہیں تو اعلان کرنے والے صاحب کے حق میں شرعی حکم کیا ہے؟ اور وہ اہل سنت وجماعت کہے جاسکتے ہیں؟ اور اگر غلط ہے تو کس طرح؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت) امید ہے کہ حسب ذیل پتہ پر جواب باصواب سے مطلع فرمائیں گے تاکہ اس کو شائع کردیا جائے۔

الجواب:

جب سوال میں اعلان دہندہ کے سنی ذی علم ہونے کا اقرار ہے تو سنی خصوصا ذی علم پر ایسی باتوں میں مواخذہ کوئی وجہ نہیں رکھتا، شروع میں حمد ونعت، نہ لکھنا ممکن کہ بلحاظ ادب ہو کہ ایسے پرچے لوگ احتیاط سے نہیں رکھتے، اور وقت تحریر زبان سے ادا کرلینا کافی ہے۔ جیسا کہ امام ابن الحاجب نے کافیہ میں کیا مسلمان پر نیک گمان کا حکم ہے،

قال اللہ تعالٰی: "ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا" [1]۔	مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو اپنے لوگوں پر اچھا گمان کرنا چاہئے۔ (ت)

سطر چودہ میں ہے: "وہ ہماری خطاؤں کو محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے"، اس میں توسل کا ذکر نہیں تو **معاذاللہ** توسل سے انکار بھی تو نہیں، اور سنی کیونکر انکار کرے گا اور انکار کرے تو سنی کب ہوگا، مسلمان کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے توسل رچا ہوا ہے اس کی کوئی دعا توسل سے خالی نہیں ہوتی اگرچہ بعض وقت زبان سے نہ کہے، مولٰنا قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

اے بسا ناوردہ استثنا بہ گفت ۔۔۔ جان او با جان استثناست جفت [2]

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] مثنوی معنوی دفتر اول حکایت عاشق شدن بادشاہ بر کنیزک نورانی کتب خانہ پشاور ص ۵

(اے شخص کہ بسا اوقات تیرے کلام میں استثناء نہیں لایا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی جان استثناء کی جان سے گانٹھی ہوئی ہے۔ت)

اور "محض" کا لفظ معاذاللہ توسل کی نفی نہیں، دین ودنیا وجسم وجان میں جو نعمت کسی کو ملی اور ملتی ہے اور ابدالآباد تک ملے گی سب حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے اور حضور کے مبارک ہاتھوں سے ملی اور ملتی ہے اور ابدالاباد تک ملیگی قال النبی انما انا قاسم ،واللہ المعطی[1] دینے والا اللہ ہے ور بانٹنے والا میں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

بایں ہمہ جو نعمت ہے اللہ عزوجل کے محض فضل وکرم سے ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وسیلہ وواسطہ وقاسم ہر نعمت ہونا یہ بھی تو محض فضل وکرم الٰہی جل وعلا ہے۔ "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ"[2] اے محبوب اللہ کی کتنی رحمت ہے کہ تم ان کے لئے نرم ورحیم ومہربان ہوئے۔ والحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ہر تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا۔ حضور پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو۔ت)

اعتراض اگرچہ صحیح نہیں مگر میں معترض کے اس حسن اعتقاد کی داد دیتا ہوں کہ توسل اقدس کا ذکر نہ آنا اسے ناگوار ہوا، جزاہ اللہ خیرا. واللہ تعالٰی اعلم۔ (اللہ تعالٰی سائل کو بہت اچھا صلہ عطا فرمائے، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۶۶: از ڈربن ناٹال جنوبی افریقہ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب قادری برکاتی رضوی میرٹھی ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے معزز اہل علم مسئلہ ذیل کے متعلق تمہارا کیا ارشاد ہے۔ت) حکومت کی طرف سے اعلان ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص ہندوستان سے باہر جانا چاہے یا باہر سے ہندوستان آنا چاہے تو اس کو گورنمنٹ سے ایک اجازت نامہ جس کو بزبان انگریزی پاسپورٹ کہتے ہیں لینا ضروری ہوگا ورنہ داخلہ خارجہ کی اجازت نہ دی جائے گی، یہ اجازت نامہ نہیں مل سکتا تاوقتیکہ ایک تصویر کم از کم نصف حصہ اعلٰی بدن کی اجازت لینے والا داخل کرے اس تصویر کی تین نقلیں ہوں گی جو تینوں بھیجی جائیں گی دو گورنمنٹ میں محفوظ رہیں گی اور ایک اجازت نامہ کے ساتھ واپس مل جائے گی جس کا اجازت گیرندہ کو اپنے پاس رکھنا ضروری ہے بعض اشخاص مسلمین اپنے اہل وعیال سے دور بعض

[1] مسند احمد بن حنبل ترجمہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۳۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

تجارتی کاروبار میں مبتلا نقل وحرکت کے بغیر چارہ نہیں، بعض علماء کو اعلاء کلمۃ الحق کے لئے باہر جانے یا جاکر واپس آنے کی ضرورت ایسی اشد شدید ضروریات میں کہ جہاں بعض شکلوں میں سخت ترین دینی نقصانات بھی ہیں اجازت لینے کی غرض سے نصف حصہ اعلیٰ بدن کی تصویر کھنچوانا بذریعہ فوٹو گراف جائز ہے یا نہیں اور اس اجازت نامہ کو اپنے پاس رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

شک نہیں کہ ذی روح کی تصویر کھینچنی بالاتفاق حرام ہے اگرچہ نصف اعلیٰ بلکہ صرف چہرہ کی ہی ہو کہ تصویر چہرہ کا نام ہے۔امام طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح معانی الاثار میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی **الصورۃ الرأس**[1] (سر کی تصویر کے لئے یہ حکم نہیں کیونکہ وہ جائز نہیں،اس لئے کہ تصویر چہرہ ہی کا نام ہے۔ت) اگرچہ ان کے پاس رکھنے میں خلاف ہے اور صحیح ومعتمد یہ ہے کہ ان کا بھی رکھنا حرام ہے جیسا پوری تصویر کا مگر جبکہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے یاذلت وخواری کی جگہ مثلاً فرش پا انداز میں ہو یا چہرہ بگاڑدیں کاٹ دیں محو کریں کہ ان صورتوں میں پوری تصویر بھی رکھنی جائز ہے یا ضرورت ومجبوری ہو جیسے سکہ کی تصویریں، اس کی کامل تحقیق ہمارے رسالہ "**عطایا القدیر فی حکم التصویر**" (اللہ تعالیٰ قدرت وطاقت رکھنے والے کی عطائیں تصویر کا حکم،بیان کرنے میں۔ت) میں ہے اور ان صورتوں میں اگرچہ رکھنا جائز ہے کھینچنا ان کا بھی حرام ہے:

لاطلاق نصوص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی احادیث متواترۃ ثم اطلاق الائمۃ فی کتب متکاثرۃ۔	اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کے متعلق متواتر حدیثوں میں مطلق نصوص وارد ہوئیں،اور پھر ائمہ کرام نے متعدد کتابوں میں اس کو علی الاطلاق (بغیر کسی قید کے) ذکرفرمایا ہے۔(ت)

اور جس کا کھینچنا حرام ہے کھنچوانا بھی حرام ہے۔شرع مطہرہ کا قاعدہ ہے:

ماحرم اخذہ حرم العطاؤہ[2] **قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"**[3]۔	جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (لوگوں!) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ مدد نہ کیا کرو۔

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب التصاویر فی الثوب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۰۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۸۹

[3] القرآن الکریم ۵ /۲

وقال تعالٰی "کَانُوۡا لَا یَتَنَاہَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡہُ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾" [1]	اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو برا کام لوگ کیا کرتے ہیں اہل کتاب اس کے کرنے سے ایک دوسرے کو نہ روکتے، کتنا بڑا رویہ ہے جو وہ کیا کرتے تھے۔(ت)

مگر مواضع ضرورت مستثنٰی رہتے ہیں، الضرورات تبیح المحظورات [2] (ضرورتیں(مجبوریاں) ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔(ت) اور حرج نہیں بین وضرورت ومشقت شدیدہ کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہے۔

"مَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ؕ" [3] لاضرر ولاضرار [4]۔ "یُرِیۡدُ اللہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ۫" [5]۔	اللہ تعالٰی نے دین اسلام میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، نہ تو کسی سے نقصان اٹھاؤ اور نہ کسی کو نقصان پہنچاؤ اللہ تعالٰی تم پر آسانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہے وہ تمھیں کسی تنگی میں ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔(ت)

ہاں مجرد تحصیل منفعت کے لئے کوئی ممنوع مباح نہیں ہوسکتا مثلاً جائز نوکری تیس ۳۰ روپیہ ماہوار کی ملتی ہو اور ناجائز ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ کی تو اس ایک سو بیس روپے ماہانہ نفع کے لئے ناجائز کا اختیار حرام ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل اٰخر نفسه من النصارٰی لضرب الناقوس کل یوم بخمسة دراهم ویعطی فی عمل اٰخر کل یوم درهم علیه ان یطلب الرزق من موضع اٰخر [6]۔	ایک شخص نے عیسائیوں کے ہاں اجرت پر بگل بجانے کی ملازمت اختیار کی اس شرط پر کہ اسے یومیہ پانچ درہم ملیں گے، اور کسی دوسرے (جائز کام پر) ہر روز اسے ایک درہم دئے جانے کا وعدہ ہوا تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ دوسری جگہ رزق حلال تلاش کرے لہٰذا تھوڑی اجرت پر جائز کام کرے اور زیادہ پر حرام کام نہ کرے)

---
[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[5] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[6] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور دہلی ۴/ ۷۸۰

اس سوال کے ورود پر ہم نے ایک رسالہ "جلی النص فی اماکن الرخص" (۱۳۳۷ھ) (مقامات رخصت میں واضح اور ظاہر نص کا بیان۔ت) تحقیقات جلیلہ پر مشتمل لکھا ان تمام مباحث کی تنقیح و تشریح اس میں ہے تصویر کھنچوانے میں معصیت بوجہ اعانت معصیت ہے پھر اگر بخوشی ہو تو بلاشبہ خود کھینچے ہی کی مثل ہے یونہی اگر اسے کھنچوانا مقصود نہیں بلکہ دوسرا مقصد مباح مثلاً کوئی جائز سفر، مگر قانوناً تصویر دینی ہوگی تو اگر وہ مقصد ضرورت وحاجت صحیحہ موجب حرام وضرورت مشقت شدیدہ تک نہ پہنچا جب بھی ناجائز کہ منفعت کے لئے ناجائز جائز نہیں ہو سکتا، اور اگر یہ حالت ہے تو ایسی صورت میں فعل کی نسبت فاعل پر مقتصر رہتی ہے اور یہ اس نیت سے بری اور اپنے اوپر سے دفع حرج وضرر کا قاصد ہونے کے سبب "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1] (کوئی شخص کسی دوسرے کا شخص کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ت) اور انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[2] (یاد رکھو اعمال کا دارومدار ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ت) کا فائدہ پاتا ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

ماذکر انہ لایتوصل الی الحج الا بارشائھم فتکون الطاعۃ سبب المعصیۃ فیہ نظر بل الاثم فی مثلہ علی الاخذ لا المعطی علی ما عرف من تقسیم الرشوۃ فی کتاب القضاء[3]۔	جو کچھ ذکر کیا گیا یہ ہے کہ ادائیگی حج کا سوائے رشوت دینے کے اور کوئی ذریعہ نہیں، تو پھر (اس صورت میں) طاعت گناہ کا سبب ہو جائے گی، اس پر اعتراض اور اشکال ہے وہ یہ ہے کہ اس نوع کے مسائل میں رشوت لینے والے کو گناہ ہوگا نہ کہ دینے والے کو جیسا کہ کتاب القضاء میں "تقسیم رشوت" کے عنوان سے معلوم ہوا۔ (ت)

اہل وعیال کے پاس جانے یا انھیں لانے کی ضرورت ہے بیشک ضرورت ہے رؤف ورحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت ہرگز یہ حکم نہ دے گی کہ تصویر لیں گے تم یہیں رہو اور انھیں سمندر پار پڑا رہنے دو کہ نہ تم ان کی موت وحیات میں شریک ہو سکو نہ وہ تمھاری، تجارت اگر پہلے سے وہاں تھی اور اب اسے قطع کرکے مال وہاں سے لانے کے لئے ایک بار جانا ہے اگر نہ جائے تو مال جائے تو یہ بھی صورت اجازت ہے کہ شرع میں مال شقیق نفس ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۶۴

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲

[3] فتح القدیر کتاب الحج مقدمۃ یکرہ الخروج الی الحج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۳۲۹

قال اللہ تعالٰی " اَمْوَالَکُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ قِیٰمًا " [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) تمھارے وہ مال کہ جنھیں اللہ تعالٰی نے تمھارے ٹھہراؤ اور قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔(ت)

اور اگر تجارت قائم رکھنے کو جانا ہے مگر ایک ہی بار کہ پھر وہیں توطن کا ارادہ ہے یا بارہا، مگر تصویر اول ہی بار لی جائے گی تو یہ بھی جواز میں ہے کہ ایک بار جانے سے چارہ نہیں، اور اگر ہر بار تصویر دینی ہوگی تو دو صورتیں ہیں:- اول یہ کہ اس کے پاس ذریعہ رزق وہی تجارت ہے اور وہ تجارت وہیں چلتی ہیں، اگر یہاں مال آٹھالائے بیکار جائے یا نقصان شدید اٹھائے تو یہ بھی حرج وضرر کی صورت میں آگیا والحرج مدفوع، اور اگر اس کے قطع میں معتد بہ ضرر نہیں یا وہ تجارت یہاں بھی چلے گی اگرچہ نفع کم ملے گا تو صرف بغرض قطع ایک بار جانے کی اجازت ہے دوبارہ کی نہیں کہ منفعت کے لئے ناروا، روا کرنا ناروا، اعلائے کلمۃ اللہ میں تین صورتیں ہیں اگر کچھ کافروں نے وہاں سے اسے لکھا کہ ہم تمھارے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوں گے آکر ہمیں مسلمان کر لو، تو لازم ہے کہ جائے کہ اس کے لئے فرض نماز کی نیت توڑ دینا واجب ہوتا ہے۔ حدیقہ ندیہ بحث آفات الید میں ہے:

وقال ذمی للمسلم اعرض علی الاسلام یقطع وان کان فی الفرض کذا فی خزانۃ الفتاوی [2]۔	اگر کسی ذمی کافر نے مسلمان سے کہا کہ مجھ پر اسلام پیش کیجئے، تو وہ فرض نماز کی نیت توڑدے (اور پہلی فرصت میں اس کافر کو مسلمان کردے) خزانۃ الفتاوٰی میں یونہی مذکور ہے۔(ت)

یا وہاں کچھ کفار اسلام کی طرف مائل ہیں کوئی ہدایت کرنے والا ہو تو ظن غالب رہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس صورت میں بھی اجازت ہوگی فان الظن الغالب ملتحق بالیقین (کیونکہ ظن غالب (یعنی غالب گمان) یقین کے ساتھ لاحق ہے۔ ت) بلکہ اس صورت میں بھی وجوب چاہئے کہ ایسی حالت میں تاخیر جائز نہیں، کیا معلوم کہ دیر میں شیطان راہ ماردے اور یہ مستعدی جاتی رہے اور یہاں یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کچھ میں ہی تو متعین نہیں کہ ہر ایک یہی خیال کرے تو کوئی نہ جائے گا اور اگر یہ بھی نہیں عام کفار کی سی حالت ہے تو بحمد اللہ دعوت اسلام ایک ایک ذرہ زمین کو پہنچ چکی، ولہذا اب قتال کفار میں تقدیم دعوت صرف مستحب ہے۔ ہدایہ میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵

[2] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الخامس المکتبہ النوریۃ الرضویہ لائلپور ۲/ ۴۵۹

یستحب ان یدعو من بلغتہ الدعوۃ مبالغۃ فی الانذار ولایجب ذٰلك[1]۔	جس شخص کو دعوت اسلام پہنچ گئی ہو تو اسے ڈراوے میں مبالغہ کرتے ہوئے دوبارہ اسلام کی دعوت دینا مستحب ہے لیکن واجب نہیں۔(ت)

اب یہ صرف منفعت کے درجہ میں آگیا اس کے لئے اجازت نہ چاہئے، ہاں اگر معلوم ہو کہ وہاں ہنوز دعوت اسلام پہنچی ہی نہیں تو تبلیغ واجب ہے یہ صورت دوم کی مثل ہو کہ اجازت میں رہے گا، ظاہر ہے کہ صورت سوال وہ نئی تازی حال کی صورت ہے کہ کتب میں ہونا درکنار اس سے پہلے کبھی سننے ہی میں نہیں آئی، فقیر نے جو کچھ ذکر کیا تفقہا ہے اور مولٰی تعالٰی سے امید صواب و ثواب ہے،

فان اصبت فمن ربی ولہ الحمد وان اخطأنت فمنی و من الشیطان واللہ ورسولہ عنہ بریئان جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم .واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر میں مصیب ہوا(مراد یہ کہ میں نے ٹھیک کہا) تو پھر یہ میرے پروردگار کی طرف سے ہے اور اگر میں خطاکار ہوا تو پھر یہ میرا قصور اور شیطان کا وسوسہ ہے لہذا اللہ تعالٰی اور اس کا محبوب رسول دونوں اس سے بری الذمہ ہیں، اللہ تعالٰی بڑی شان والا اور بلند مرتبہ ہے۔ رسول گرامی پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو، اور اللہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔(ت)

---

[1] الہدایہ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیہ کراچی ۲ /۵۴۰

رسالہ
جلی النص فی اماکن الرخص ۱۳۳۷ھ
(مقامات رخصت کے بیان میں واضح نص)

مسئلہ ۶۷: بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے ان کی اجمالی تفصیل کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی بعث نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشریعۃ سمحۃ سھلۃ غراء بیضاء لیلھا کنھارھا وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علی من احل لنا الطیبات وحرم علینا الخبائث ووضع عنا ما کان علی الامم الخالیۃ من الاصرو الاغلال واو زارھا وعلی الہ وصحبہ واولیائہ وحزبہ الذین جعلھم	اللہ تعالٰی کے مقدس نام سے شروع کرتاہوں جو بے حد رحم کرنے والامہربان ہے ہر قسم کی تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے کہ جس نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایسی شریعت دے کر بھیجا جو کشادہ، نرم، آسان اور بے حد روشن ہے جس کی رات دن کی طرح ہے۔ اور عمدہ درود اور سب سے زیادہ کامل سلام ان پر نازل ہو کہ جنھوں نے ہمارے لئے پاک اور ستھری چیزیں حلال فرمادیں، اور گندی چیزی ہم پر حرام کردیں، اور جو بوجھ طوق اور گناہ گزشتہ امتوں کے ذمے تھے وہ ہم سے اتار دیئے، اور ان کی اولاد، صحابہ، دوست اور ان کے گروہ پر بھی (درود و

ربھم امۃ وسطا فقالوا بالحق وقاموا بالعدل وفاز وابفیوض الشریعۃ وانوارہا وعلینا بھم و لھم وفیھم یاارحم الراحمین ابدالابدین فی کل ان وحین عدد اوبار الھدایا واصواف الضحایا واشعار ہا اٰمین!	سلام ہو) جن کو ان کے پروردگار نے درمیانی امت بنایا، پھر انھوں نے حق بیان فرمایا اور انصاف قائم کیا، اور شریعت کے فیوضات وانوار کی وجہ سے کامیاب ہوئے، پھر ان کی وجہ سے ہم پر اور ان کے لئے اور ان کے اندر، اے سب سے بڑے رحم کرنے والے ! ہر لمحہ اور ہمیشہ ہمیشہ رہے، قربانی کے اونٹوں کے بال اور مینڈھوں کی اون اور بکریوں کے بالوں کی تعداد کے مطابق رہے، یا اللہ! ہماری اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔(ت)

اما بعد، یہ چند سطور کاشفۃ الستور بعون الغفور لامعۃ النور (چند سطریں پردہ اٹھانے والی، گناہ بخشنے والے روشن نور کی مدد سے۔ت) اس بیان میں ہیں کہ بعض اوقات بعض ممنوعات میں رخصت ملتی ہے۔ اس کی اجمالی تفصیل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ ہر ممنوع کسی نہ کسی وقت مباح ہوسکتا ہے نہ ہر وقت ایسا کہ کسی نہ کسی ممنوع میں رخصت کی قابلیت رکھتا ہے ادھر اس کے متعلق بعض قواعد فقہیہ میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے،

ایک: اصل یہ ہے کہ **درء المفاسد اھم من جلب المصالح**[1] مفسدہ کا دفع مصلحت کی تحصیل سے زیادہ اہم ہے۔

حدیث ذکر کی جاتی ہے: **ترك ذرۃ مما نھی اللہ عنه افضل من عبادۃ الثقلین**[2]۔ ایک ذرہ ممنوع شرعی کا چھوڑ دینا جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔

یہ قاعدہ مطلقًا لحاظ نہی بتاتا ہے۔

دوم: الضرورات تبیح المحظورات[3] مجبوریاں ممنوح کو مباح کردیتی ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اس کا استنباط کریمہ "**فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ**"[4] و کریمہ

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ اداراۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"[1] میں ہے یعنی مقدور رھر پرہیزگاری کرو اللہ کسی جان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتا، یہ مطلقًا لحاظ ضرورت فرماتا ہے۔

سوم: من ابتلی بلیتین اختار اھونہما[2] دو بلاؤں کا مبتلا ان میں ہلکی کو اختیار کرے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ کریمہ "اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[3] (مگر وہ شخص کہ جس پر زبردستی کی جائے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ت) سے ماخوذ ہے یہ قاعدہ دونوں اطلاق نہیں کرتا بلکہ موازنہ چاہتا ہے۔

چہارم: الضرر یزال[4] (نقصان کو دور کیا جاتا ہے۔ت) ضرر مدفوع ہے۔ قال عزوجل "مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ"[5] (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) تم پر دین میں کوئی تنگی نہ رکھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاضرر ولا ضرار، رواہ ابن ماجۃ[6] عن عبادۃ واحمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند حسن۔	نہ ضرر لو نہ ضرر دو، (ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبادہ سے روایت کیا اور امام احمد نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ت)

ارتکاب ممنوع بھی ضرر ہے تو یہ اصل اول سے موافق ہے اور انسانی ضرورت بھی ضرر ہے تو اصل دوم کے مطابق ہے۔

پنجم: المشقۃ تجلب التیسیر[7] مشقت آسانی لاتی ہے۔ اور اسی کے معنی میں ہے ماضاق

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[2] کشف الخفاء حدیث ۲۳۹۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۰۷، الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[4] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۱۸

[5] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[6] سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۱۳

[7] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۰۵

امر الا اتسع [1] (کوئی معاملہ تنگ نہیں ہوا مگر اس میں کشادگی رکھی گئی۔ت) مولٰی سبحانہ فرماتا ہے:

"یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ٘" [2]	اللہ تمھارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

اس کا دائرہ ضرورت و مجبوری سے وسیع تر ہے۔

ششم: ماحرم اخذہ حرام اعطاؤہ [3] جس کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام۔

قال تعالٰی: "لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ٘" [4] **ہفتم: انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوٰی** [5]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) گناہ اور حد سے بڑھنے پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر ایک کے لئے اس کی نیت۔

قال عزوجل:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ٘ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ٘" [6]۔	ایمان والو! آپ ٹھیک رہو دوسرے کا بہکنا تمھیں ضرر نہ دے گا جب تم راہ پر ہو۔

ہم دیکھتے ہیں حج میں مدت سے ٹیکس لئے جاتے ہیں اور اس سے حج ممنوع نہیں ہو جاتا، تجارتوں پر صدہا سال سے تمام دنیا میں ٹیکس اور چنگیاں ہیں اس اس سے تجارت بند نہیں کی جاتی یہ قاعدہ ہفتم کے موافق ہے لیکن سود کا لینا دینا دونوں حرام، حدیث صحیح میں دونوں پر لعنت فرمائی، دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

الراشی والمرتشی کلاہما فی النار [7]۔	رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنم میں ہیں۔

یہ قاعدہ ششم کے مطابق ہے لہذا بقدر وسعت ان مواقع واماکن کا بیان چاہئے جہاں رخصت

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ ۱/ ۱۱۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

[4] القرآن الکریم ۵/ ۲

[5] صحیح البخاری باب کیف ماکان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

[7] کنز العمال بحوالہ طب ص حدیث ۱۵۰۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳، الترغیب والترہیب ترہیب الراشی والمرتشی مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۸۰

ملتی ہے اور جہاں نہیں کہ ان قواعد کے موارد واضح ہوں نیز مسائل کثیرہ ومباحث غزیرہ باذنہ تعالٰی روشن ولائح ہوں نیز اس شریعت مطہر کی رحمتیں اور اس کا اعتدال اور برخلاف شرائع یہود نصارٰی سختی ونرمی محض سے انفصال ظاہر ہوں **وباللہ التوفیق** (اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں: مراتب پانچ ہیں:

(۱) ضرورت **(۲)** حاجت **(۳)** منفعت **(۴)** زینت **(۵)** فضول

امام محقق علی الاطلاق نے اسے اقسام اکل میں دکھایا اور ضرورت یہ بتائی کہ بے اس کے ہلاک یا قریب ہلاک ہو، اور حاجت یہ کہ حرج ومشقت میں پڑے، باقیوں کی تعریف نہ فرمائی مثال بتائی، منفعت گیہوں کی روٹی بکری کا گوشت، زینت حلوا، مٹھائی، فضول طعام شبہہ حرام، **ونقلہ فی غمز العیون**[1] **من قاعدۃ الضرر یزال واقتصر علیہ** (غمز العیون میں اسے اس قاعدے سے نقل فرمایا کہ نقصان دور کیا جائے۔ اور اسی پر اکتفاء کیا۔ت)

فقیر بقدر فہم کلام عام کرے **فاقول:** (پس میں کہتا ہوں) پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامت شرائع الٰہیہ ہے دین وعقل ونسب ونفس ومال عبث محض کے سوا تمام افعال انھیں میں دورہ کرتے ہیں اب اگر فعل (کہ ترک بمعنی کف کو کہ وہی مقدور وزیر تکلیف ہے نہ کہ بمعنی عدم **کما فی الغمز وغیرہ** بھی شامل) اگر ان میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہو تو یہ مرتبہ **ضرورت** ہے جیسے دین کے لئے تعلم ایمانیات وفرائض عین، عقل ونسب کے لئے ترک خمر وزنا، نفس کے لئے اکل وشرب بقدر قیام بنیہ، مال کے لئے کسب ودفع غصب امثال ذلک، اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوق مشقت وضرر وحرج ہے تو **حاجت** جیسے معیشت کے لئے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں ابتدائے زمانہ رسالت **علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ** (صاحب رسالت پر عمدہ درود اور ثناء ہو۔ت) میں ان مبارک مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا، ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

والبیوت یومئذ لیس فیہا مصابیح، رواہ الشیخان[2]۔	گھروں میں ان دنوں چراغ نہیں ہوتے تھے بخاری ومسلم نے اسے روایت کیا۔(ت)

[1] غمز عیون البصائر القاعدۃ الخامسۃ الضرر یزال ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی الفروش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۶، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المصلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۸

مگر عامہ کے لئے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعث مشقت وحرج ہے، اور اگر یہ بھی نہ ہو مگر حصول مفید ہے نفس فائدہ مقصودہ اس سے حاصل ہوتا ہے، تو منفعت جیسے مکان کے ہر دالان میں ایک چراغ، اور اگر فائدہ مقصودہ کی تحصیل اس پر نہیں بلکہ ایک امر زائد زیب وزیبائش بقدر اعتدال کے لئے ہے تو زینت جیسے چراغ کی جگہ فانوس، اور اگر اس سے اتنا فائدہ بھی نہیں یا اس میں افراط اور خروج عن الحد ہے فضول جیسے بے کسی نیت محمودہ کے گھر میں چراغاں، اب مواضع ضرورت کا استثناء تو بدیہی جس کے لئے اصل دوم کافی اور اس کی فروع معروف ومشہور اور استفسار سے بعید ومہجور، مثلاً کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے بیٹھ کر پڑھے ورنہ لیٹ کر ورنہ اشارہ سے **الی غیر ذٰلک ممالا یخفی** (ان کے علاوہ باقی صورتیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ت) اس کے لئے تمام ممنوعات کہ کسی حال میں قابل اباحت یا متحمل رخصت ہوں یا مرخص ہوجاتے ہیں نہ مثل زنا وقتل ناحق مسلم کہ کسی شدید سے شدید ضرورت کے لئے بھی مرخص نہیں ہوسکتے، یہاں تک کہ اگر صحیح خوف قتل کے سبب بھی ان پر اقدام کرے گا مجرم ہوگا، حکم ہے کہ باز رہے اگرچہ قتل ہوجائے، اگر مارا گیا اجر پائے گا **کما نصوا علیہ اصولا وفروعا** (جیسا کہ اصول وفروع کے لحاظ سے ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) پھر اپنی ضرورت تو ضرورت ہے ہی دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی لحاظ فرمایا گیا۔ مثلاً:

(۱) دریا کے کنارے نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ڈوبنے لگا اور یہ بچا سکتا ہے لازم ہے کہ نیت توڑے اور اسے بچائے، حالانکہ ابطال عمل حرام تھا۔

قال تعالٰی "لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو اپنے اعمال کو باطل نہ کیا کرو۔(ت)

(۲) نماز کا وقت تنگ ہے ڈوبتے کو بچانے میں نکل جائے گا، بچائے، اور نماز قضاء پڑھے اگرچہ قصداً قضا کرنا حرام تھا۔

(۳) نماز کا وقت جاتا ہے اور قابلہ اگر نماز میں مشغول ہو بچے پر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے نماز کی تاخیر کرے۔

(۴) نماز پڑھتا ہے اور اندھا کنویں کے قریب پہنچا، اگر یہ نہ بتائے وہ کنویں میں گر جائے نیت توڑ کر بتانا واجب ہے۔ اشباہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴۷/ ۳۳

تخفیفات الشرع انواع الخامس تخفیف تاخیر کتاخیر الصلٰوۃ عن وقتھا فی حق مشتغل بانقاذ غریق ونحوہ[1]۔	شریعت کی سہولتوں کی کئی قسمیں ہیں، پانچویں قسم یہ ہے کہ تاخیر کی سہولت ہے۔جیسے دو شخص جو کسی ڈوبتے ہوئے کو بچائے تو اس کا اپنی نماز میں تاخیر کرنا۔(ت)

ردالمحتار کتاب الحج میں ہے:

جاز قطع الصلٰوۃ اوتاخیرہا لخوفہ علی نفسہ اومالہ او نفس غیرہ اومالہ کخوف القابلۃ علی الولد والخوف من تردی اعمی وخوف الراعی من الذئب وامثال ذٰلك[2]۔	نماز توڑ نا دینا یا اس میں تاخیر کرنا جائز ہے جبکہ کسی شخص کو اپنی جان یا اپنے مال کا خطرہ ہو، یا کسی دوسرے کی جان ومال کے تباہ ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے دایہ کا بچے کی پیدائش کے وقت ڈر یا اندھے کے کنویں میں گرنے کا خوف، یا چرواہے کا بھیڑیئے سے خطرہ، یا اس قسم کے دوسرے مواقع (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ بھی حقیقۃً اپنے نفس کی طرف راجع کہ یہ شرعاً ان کے بچانے پر مامور ہے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش نبشینم گناہ است

(اگر میں یہ دیکھوں کہ اندھا اور کنواں ہے تو اگر اس موقع پر خاموش رہوں تو گناہ ہے۔ت)

ولہٰذا جن کا نفقہ اس پر لازم ہے بے ان کا بندوبست کیے حج کو نہ جائے اور جن کا نفقہ اس پر نہیں اگرچہ اس کے چلے جانے سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس پر لحاظ لازم نہیں کہ یہ یہاں رہتا جب بھی تو انھیں نفقہ دینے کا شرعاً مامور نہ تھا، پھر عالمگیریہ میں ہے:

کرھت خروجہ(ای للحج)زوجتہ واولادہ او من سواھم ممن تلزمہ نفقتہ وھو لایخاف الضیعۃ علیھم فلا باس بان یخرج ومن لاتلزم نفقتہ لوکان حاضرا فلاباس بالخروج مع کراہتہ وان	اگر اس کی بیوی اور بچے یا ان کے علاوہ دوسرے افراد کنبہ کہ جن کا خرچہ اس پر لازم ہے اگر یہ حج کے لئے جائے اور یہ سب اس کے جانے کو پسند نہ کریں اور اسے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کے جانے میں کوئی حرج نہیں اور جن لوگوں کا خرچہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ ادارۃ القرآن وعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الحج دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۴۴

کان یخاف الضیعۃ علیھم[1]۔	اس پر لازم نہیں، اگر یہ موجود ہو تو ناپسندیدگی کے باجود اس کے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو۔(ت)

اور **زینت وفضول** کے لیے کسی ممنوع شرعی کی اصلا رخصت نہ ہوسکنا بھی ایضاح سے غنی جس پر اصل اول بدرجہ اولٰی دلیل وافی ورنہ احکام معاذاللہ ہوائے نفس کا بازیچہ ہوجائیں،

اقول: یوہیں مجرد **منفعت** کے لئے کہ وہ اصل مدلول اصل اول اور اس پر کتب معتمدہ میں فروع کثیرہ دال:

(۱) حقنہ بضرورت مرض جائز ہے اور منفعت ظاہرہ مثلا قوت جماع کے لئے ناجائز ہے۔ ردالمحتار میں ذخیرہ امام اجل برہان الدین محمود سے ہے:

یجوز الاحقان للمرض فلواحتقن لا لضرورۃ بل لمنفعۃ ظاہرۃ بان یتقوی علی الجماع لایحل عندنا[2] اھ	بیمار کے لئے حقنہ کرنے کی اجازت ہے اگر اس نے بغیر ضرورت حقنہ لیا کسی ظاہری فائدے کے لے مثلا اس لئے کہ جماع پر قوی ہو تو ہمارے لئے یہ حلال نہیں اھ(ت)

اس پر حواشی فقیر میں ہے:

اقول: ھذا ظاہر اذا کان معہ من القوۃ مایقدر بہ علی اداء حق المرأۃ فی الدیانۃ وتحصین فرجھا اما اذا عجز عن ذٰلك فھل یعد ضرورۃ الظاہر لالانہ بسبیل من ان یطلقھا فتنکح من شاءت فان الواجب علیہ احد امرین امساك بمعروف او تصریح باحسان فان عجز عن الاول لم یعجز عن	**میں کہتاہوں** کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جب اس میں قوت مردمی موجود ہو کہ جس کی وجہ سے یہ عورت کا حق ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہے دیانت اور حفاظت فروج کے لحاظ سے لیکن اگر یہ اس سے عاجز ہے تو کیا اس کو بھی ضرورت میں شمار کیا جائے گا ؟ ظاہر یہ ہے کہ صورت ضرورت میں شمار نہیں، کیونکہ ز کہ اس صورت میں یہ عورت کو طلاق دے دے تو پھر وہ جس سے چاہے نکاح کرلے، کیونکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسک الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۷

الاخر نعم المعهود فی الهندان النساء یتعیرن بالزواج الثانی تعیراشدیدالکن ہذا من قبلهن بجهلهن لیس علیه فیه اخذ فلیتأمل[1] انتهی ما کتبت علیه۔	اس پر دو باتوں میں سے ایک واجب ہے۔ یا بھلائی کے ساتھ روک رکھنا یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دینا، اگر یہ پہلی بات سے عاجز ہوگیا تو دوسری سے عاجز نہیں، ہاں البتہ ہندوستان میں مشہور ومتعارف یہ ہے کہ عورتیں دوسرا نکاح کرنے سے سخت عار محسوس کرتی ہیں، لیکن یہ پابندی عورتوں کی طرف سے عائد کردہ ہے ان کی ناسمجھی کی وجہ سے، اس میں اس پر کوئی گرفت نہیں، اس بات میں غور وفکر کرنا چاہئے، یہ آخر عبارت ہے جو میں نے اس کے حاشیہ میں لکھی۔ (ت)

(۲) حلال کام میں تیس ۳۰ روپیہ مہینہ پاتا ہے اور نصرانی ناقوس بجانے پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہوار دیں گے اس منفعت کے لئے یہ نوکری جائز نہیں۔

(۳) یوہیں بھٹی کے لئے شیرہ نکالنے کی، فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

رجل اٰجر نفسه من النصارٰی لضرب الناقوس کل یوم بخسمة دراہم ویعطی فی عمل اٰخر کل یوم درهم قال ابراهیم بن یوسف رحمه الله تعالٰی لاینبغی ان یؤاجر نفسه منهم انما علیه ان یطلب الرزق من موضع اٰخر وکذا لو اٰجر نفسه منهم بعصر العنب للخمر لان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لعن العاصر[2] اھ۔	ایک آدمی عیسائیوں کے ہاں بگل بجانے کی نوکری اختیار کرتا ہے کہ اسے ہر دن اس کام پر پانچ درھم ملیں گے لیکن اگر کوئی دوسرا جائز کام کرے تو اس پر یومیہ ایک درہم ملے گا امام ابراہیم بن یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ عیسائیوں کے ہاں بگل بجانے کی نوکری کرے، بلکہ اس کے لئے لازم ہے کہ وہ کسی دوسری جگہ سے رزق حلال تلاش کرے، اور یہی حکم ہے اس شخص کا جو شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑنے کی ملازمت کرتا ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس باب میں جن بدنصیبوں پر لعنت فرمائی ان میں انگور نچوڑنے والا بھی شامل ہے (عبارت مکمل ہوگئی)۔ (ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

اقول: ولاینبغی ھھنا بمعنی لایجوز بدلیل قولہ "علیہ"فانہ لایجاب وبدلیل تشبیہ فی الحاکم بما صح علیہ اللعن۔	**اقول:** (میں کہتاہوں)لاینبغی یہاں بمعنی لایجوز ہے۔یعنی اس کے لئے یہ جائز ہی نہیں،اور اس کی دلیل مصنف کا یہ قول"علیہ" ہے کیونکہ لفظ علی ایجاب کے لئے آتا ہے اور اس دلیل سے کہ مصنف نے اس مسئلے کو حکم میں اس سے تشبیہ دی کہ جس پر لعنت ہے۔(ت)

(۴و۵) موچی کو نیچری وغیرہ فاسقانہ وضع کا جوتا بنانے یا درزی کو ایسی وضع کے کپڑے سینے پر کتنی ہی اجرت ملے اجازت نہیں، کہ معصیت پر اعانت ہے۔خانیہ میں متصل عبارت مذکورہ ہے:

وکذا الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذٰلك کثیراجر لا یستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ [1] اھ، **اقول:** ولایستحب ھھنا للنھی لاجل التشبیہ المذکور و بدلیل الدلیل ففی الخانیۃ مسئلۃ الطبل لایجوز لانہ اعانۃ علی المعصیۃ [2] وفی اوائل شھادات الھندیۃ عن المحیط الاعانۃ علی المعاصی من جملۃ الکبائر [3]۔	اور یہی حکم ہے موچی اور درزی کا کہ جب اسے کسی ایسی چیز کے لینے اور بنانے پر اُجرت دی جائے جو فاسقوں کی وضع اور شکل کا لباس ہو،اور اس میں اسے زیادہ اجرت دینے کا وعدہ کیا جائے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ یہ کام کرے اس لئے کہ گناہ پر یہ دوسرے کی امداد کرنا ہے۔اھ **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) یہاں "لا یستحب" بمعنی نہی ہے تشبیہ مذکور کی وجہ سے،اور دلیل کی دلیل کی وجہ سے چنانچہ فتاوٰی قاضی خاں میں طبلہ بجانے کے متعلق ہے کہ جائز نہیں اس لئے کہ یہ گناہ پر امداد دینا ہے اور فتاوٰی عالمگیری کی بحث"اوائل شہادات"میں محیط سے نقل کیا کہ گناہ کے کاموں میں کسی کی امداد کرنا کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔(ت)

(۶) لکڑی جنگل سے مفت مل سکتی ہے اور ایک شخص لینے نہیں دیتا جب تک اسے رشوت نہ دو،دینا حرام،بحرالرائق میں ہے:

وفی القنیۃ قبیل التحری الظلمۃ تمنع الناس من الاحتطاب من	قنیہ کی بحث تحری،سے تھوڑا پہلے یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ظالم لوگ چراگاہ سے لوگوں کو لکڑیاں نہیں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر ولاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۴

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الشھادات الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۱

المروج الا بدفع شیئ الیھم فالدفع والاخذ حرام لانہ رشوۃ[1]۔	لانے دیتے جب تک کہ انھیں کچھ نہ دے، اور دینا اور لینا دونوں حرام ہیں اس لئے کہ یہ رشوت ہے۔(ت)

(۷) کعبہ معظّمہ کی داخلی کس درجہ منفعت عظیمہ ہے مگر بے لئے دئے نہ کرنے دیں تو جائز نہیں کہ اس پر لینا حرام ہے تو دینا بھی حرام، اور حرام محض منفعت کے لئے حلال نہیں ہوسکتا، ردالمحتار میں ہے:

فی شرح اللباب ویحرم اخذ الاجرۃ لمن یدخل البیت اویقصد زیارۃ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بلاخلاف بین علماء الاسلام وائمۃ الانام کما صرح بہ فی البحر وغیرہ اھ وقد صرحوا بان ما حرم اخذہ حرم دفعہ الا لضرورۃ ولا ضرورۃ ہنا لان دخول البیت لیس من مناسك الحج[2] اھ۔	شرح لباب میں ہے اس شخص کو اجرت دینا حرام ہے جو کسی کو کعبہ شریف کے اندر لے جائے، یا وہ مقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنے کا ارادہ کرے، اس مسئلہ میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ علماء اسلام اور ائمہ انام میں سے کسی کا اختلاف نہیں جیسا کہ "بحررائق" وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی اھ، اہل علم نے یہ تصریح فرمائی کہ جس چیز کا لینا حرام اس چیز کا دوسرے کو دینا بھی حرام ہے۔ مگر یہ کہ خاص مجبوری ہو، اور یہاں کوئی مجبوری نہیں، کیونکہ کعبہ شریف کے اندر داخل ہونا احکام حج میں سے نہیں اھ (ت)

اس پر حواشی فقیر میں ہے:

ولاہو واجبا فی نفسہ فمن الجھل ارتکابہ لاتیان مستحب بل این الاستحباب مع لزوم الحرام وما عن الامام رضی اللہ تعالٰی عنہ من بذلہ شطر مالہ للسدنۃ لیبیت لیلۃ فی الکعبۃ الشریفۃ	اور یہ اس بناء پر بذاتہٖ واجب بھی نہیں تو پھر مستحب ادا کرنے کے لئے اجرت دینے کا ارتکاب جہالت ہے بلکہ لزوم حرام کے ساتھ استحباب کیسے ہوسکتا ہے۔ اور جو کچھ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے مال کا کچھ حصہ خادمان کعبہ کے لئے خرچ کیا تاکہ خانہ کعبہ میں رات گزاریں اور وہاں

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۲

[2] ردالمحتار کتاب الحج باب الھدی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶۔۲۵۵

فختم فیہا القراٰن الکریم فی رکعتین **فاقول:** یجب انہ کان بعد التصریح بنفی الاجرۃ والصریح یفوق الدلالۃ کمانصوا علیہ فی الخانیۃ وغیرہا۔	دو نفلوں میں پورا قرآن مجید ختم کریں، **فاقول:** (پس میں کہتاہوں) ضروری ہے کہ یہ کام نفی اجرت کی تصریح کے بعد ہو، اور صریح کلام دلالت سے فائق (اوپر) ہوتا ہے، جیسا کہ فتاوٰی قاضیخاں وغیرہ میں ائمہ کرام کی اس پر تصریح موجود ہے۔ (ت)

(۸) وقف اگر قابل انتفاع نہ رہے اسے بیچ کر اس کے عوض دوسری زمین خرید کر وقف کر سکتے ہیں لیکن اگر وہ قابل انتفاع ہے اور اس کی قیمت کو دوسری جگہ وہ زمین مل سکتی ہے کہ اس سے سوحصے زائد منفعت رکھتی ہو تبدیل جائز نہیں، فتح القدیر میں ہے:

الاستبدال لا عن شرط ان کان لخروج الوقف عن انتفاع الموقوف علیہم بہ فینبغی ان لا یختلف فیہ وان کان لالذٰلك بل امکن ان یوخذ بثمن الوقف ما ھو خیر منہ فینبغی ان لا یجوز لان الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیہ دون زیادۃ اخری[1] (ملتقطا)	تبادلہ کرنا بغیر شرط جبکہ وقف "موقوف علیہ" کے لئے قابل انتفاع نہ ہو، مناسب ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہ کیا جائے، اور اگر یہ نہ ہو (یعنی وقف قابل انتفاع ہو) لیکن وقف کو فروخت کردیا جائے اور اس کے بدل اس سے اعلٰی اور عمدہ زمین خرید لی جائے تو مناسب ہے کہ یہ صورت جائز نہ ہو، کیونکہ واجب یہ ہے کہ جس حالت پر پہلے وقف تھا اسی حالت پر اسے باقی رکھا جائے اور اس میں کوئی زیادت اور اضافہ نہ کیا جائے۔ (ت)

بالجملہ مسائل بکثرت ہیں کہ محض منفعت بیع ممنوع نہیں ہو سکتی۔

فانقلت الیس فی سیر الہندیۃ عن الذخیرۃ وفی کراھیتہا عن المحیط مانصہ وان اراد الخروج للتجارۃ الی ارض العدو	اگر کہا جائے کہ کیا فتاوٰی عالمگیری بحث سیر، بحوالہ ذخیرہ اور بحث کراہیۃ بحوالہ محیط میں یہ مذکور نہیں کہ جس کی اس نے تصریح فرمائی اگر تجارت کے لئے سرزمین دشمن کی طرف

[1] فتح القدیر کتاب الوقف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۴۰

بامان فکرہا(ای الابوان)خروجه فان کان امرا یخاف علیه منه وکانوا قوما یوفون بالعهد یعرفون بذٰلك وله فی ذٰلك منفعة فلا باس بان یعصیهما [1] اھ فقد ابیح عصیانهما للمنفعة اقول: یجب ان یراد به ما اذا کان نهیهما لمجرد محبة وکراہة فراقه غیر جازم ولذا فرضوا خروجه بامان وکونهم معروفین بالوفاء حتی لا یخاف علیه منه اما اذا خیف لم یحل له الخروج بغیر اذنهما لان نهیهما اذن یکون نهی جزم ففی الکتابین بعده وانکان یخرج فی تجارة ارض العدو مع عسکر من عساکر المسلمین فکرہ ذٰلك ابواہ او احدہما فان کان ذٰلك العسکر عظیما لا یخاف علیهم من العدو بالکبر الرائ فلا باس بان یخرج وان کان یخاف علی العسکر من العدو	اجازت نامہ لے کر جانا چاہے لیکن والدین اس کے وہاں جانے کو ناپسند کریں، اگر معاملہ پر امن ہو، اس میں کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ ہو، اور وہ وعدہ وفا کرتے ہوں اور اس وصف میں مشہور ومعروف ہوں اور اس کا بھی وہاں جانے میں فائدہ ہو، تو پھر اس صورت میں والدین کا حکم نہ ماننے میں کوئی حرج نہیں اھ (یہاں دیکھئے کہ) حصول فائدہ کے لئے والدین کی نافرمانی کو جائز اور مباح قرار دیا گیا **اقول:** (میں کہتا ہوں) واجب ہے کہ اس سے وہ صورت مراد ہو کہ جس میں والدین کا اور اسے روکنا محض محبت اور شفقت کے طور پر ہو اور اس کی جدائی کا ناپسند ہونا غیر یقینی ہو، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے خروج کو امن اور وہاں کے لوگوں کا وفادار ہونے میں مشہور ومعروف ہونے پر مسئلہ کو فرض کیا یہاں تک کہ اسے اس معاملہ میں کوئی خوف وخطرہ نہ ہو، لیکن اگر خطرہ واندیشہ ہو تو پھر والدین کی اجازت بغیر اس کا باہر جانا اور سفر کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ دریں صورت ان کی نہی یقینی ہوگی، پھر ازیں بعد دو کتابوں میں مذکور ہے اگر کاروبار کے لئے دشمن کے ملک میں اسلامی فوجوں میں سے کسی اسلامی فوج کے ساتھ باہر جائے تو والدین یا ان میں سے کوئی ایک اس جانے کو ناپسند

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۸۹، فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵۔۶۶

الغالب الرائ لایخرج بغیر اذنهما و کذٰلك ان کانت سریة اوجریدة الخیل لایخرج الاباذنهما لان الغالب ہو الهلاك فی السرایا [1] اھ فتسمیة عصیانا بحسب الصورة الا تری ان العبد بسبیل من خیرة نفسه فی نہی الشرع الارشادی الغیر الجازم فکیف بنہی الابوین کذٰلك لو لم یرد ذٰلك فکیف یحل عصیانهما لمنفعة مالیة وہذا نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم قائلا ولا تعقن والدیك وان امراك ان تخرج من اہلك ومالك رواه احمد [2] بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی الله تعالٰی عنه ولفظه فی اوسط الطبرانی اطع والدیك وان اخرجاك من مالك وعن کل شیئ ہو لك [3] فافہم وتثبت بالتنبه فلیس الفقه الابالتفقه و لا تفقه الا بالتوفیق۔

کریں، پس اگر یہ لشکر عظیم ہو کہ ان کی موجودگی میں غالب رائے کے مطابق دشمن سے کوئی خطرہ اور کھٹکا نہ ہو تو پھر اس صورت میں اس کے باہر جانے میں کچھ حرج نہیں لیکن اگر لشکر اسلام کو غالب رائے کے مطابق دشمن سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ وخطرہ ہو تو پھر والدین کی اجازت کے بغیر نہ جائے اور اسی طرح اگر فوجی دستہ یا گھڑ سواروں کا رسالہ ہو تو بغیر اجازت والدین باہر نہ جائے کیونکہ فوجی دستوں میں غالبا ہلاکت ہوا کرتی ہے اھ پھر اس کو "عصیان" کہنا بلحاظ صورت ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ شرعی غیر جازم نہیں اور شادی کے باوجود بندے کو اپنے نفس کا اختیار رہوتا ہے، پھر جب والدین کی نفی بھی ایسی ہے تو کیسے نہ ہوگا اگر یہ مراد نہ ہو تو پھر ان کا "عصیان" دنیاوی مالی فائدے کے لئے کیسے جائز ہوگا، یہ ہمارے حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمارہے ہیں" اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اگرچہ وہ تمھیں اہل وعیال اور مال سے الگ ہونے کا حکم دیں" امام احمد نے ہمارے اصولوں کے مطابق سند حسن کے ساتھ اس کو روایت فرمایا، اور امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کو روایت فرمایا۔ اور اس کے الفاظ "اوسط طبرانی" میں

[1] فتاوی ہندیہ کتاب السیر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۸۹، فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ معاذ بن جبل دار الفکر بیروت ۵/ ۲۳۸

[3] المعجم الاوسط للطبرانی ترجمہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ المعارف الریاض ۸/ ۴۶۰

یہ ہیں: "(اے شخص!) اپنے والدین کی اطاعت کیجئے اگرچہ تمھیں تمھارے مال اور تمھارے ہر مملوکہ شے سے تمھیں الگ اور برطرف کردیں" اس کو خوب سمجھ لیجئے، اور ہوشیاری سے ثابت قدم رہیے، کیونکہ فقہ بغیر سمجھے نہیں ہوسکتی، اور سمجھ بوجھ حصول توفیق کے بغیر نہیں ہوسکتی ت) رسالہ جلی النص فی اماکن الرخص ختم شد)

مسئلہ ۶۸و۶۹: مسئولہ عبدالرحیم صاحب دکان محمد عمر صاحب عطار محلّہ پاٹہ نالہ لکھنو

حضرت قامع ضلالت قیم ومروج سنت حسنا تکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) جناب کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ زید نے مؤذن مسجد کی اذان کے ساتھ تمسخر کیا یعنی لفظ حیّ علی الصلوٰۃ سن کریوں مضحکہ اڑایا "بھیالٹھ چلا" آیا زید کے لئے حکم ارتداد وسقوط نکاح ثابت ہوا یا نہیں؟ اور زید کا نکاح ٹوٹا یا نہیں؟ اس کی منکوحہ اس پر حرام ہوئی یا نہیں؟ اور بغیر دوبارہ نکاح میں لائے ہوئے وطی کرنا حرام اور زناکاری ہے یا نہیں؟ اور بعد علم اگر منکوحہ زید نہ مانے اور ہمبستری ہوتی رہے تو منکوحہ زید پر بھی شرعاً جرم زنا عائد ہوگا یا نہیں؟

(۲) زید نے ایک مرتبہ شعار اسلام داڑھی کے متعلق کہا کہ میں داڑھی نہیں رکھوں گا مجھے ان خفاش پروں کی ضرورت نہیں، یہ بھی دین کے ساتھ استہزاء اور موجب ردت وسقوط نکاح ہے یا نہیں؟ اور زید کا عذر کہ ہم کو مسئلہ معلوم نہ تھا لہٰذا ہمارا نکاح باقی ہے۔ شریعت میں مقبول ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) اذان سے استہزاء ضرور کفر ہے اگر اذان ہی سے اس نے استہزاء کیا تو بلاشبہہ کافر ہوگیا، اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، یہ اگر پھر مسلمان ہو اور عورت اس سے نکاح کرے اس وقت وطی حلال ہوگی ورنہ زنا، اور عورت اگر بلا اسلام ونکاح اس سے قربت پر راضی ہو وہ بھی زانیہ ہے۔ اور اگر اذان سے استہزاء مقصود نہ تھا بلکہ خاص اس مؤذن سے بایں وجہ کہ وہ غلط پڑھتا ہے تو اس حالت میں زید کو تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) داڑھی کے ساتھ استہزاء بھی ضرور کفر ہے۔ زید کا ایمان زائل اور نکاح باطل اور عذر جہل غلط وعاطل کہ زید نہ کسی دور دراز پہاڑ کی تلی کا رہنے والا ہے نہ ابھی تازہ ہندو سے مسلمان ہوا ہے کہ اسے نہ معلوم ہو کہ داڑھی شعار اسلام ہے۔ اور شعار اسلام سے استہزاء اسلام سے

استہزاء ہے۔ہاں یہ ممکن ہے کہ اس سے نکاح ٹوٹ جانا نہ جانتا ہو، مگر اس کا نہ جاننا اس کے نکاح کو محفوظ نہ رکھے گا شیشے پر پتھر پھینکے شیشہ ضرور ٹوٹ جائے گا اگرچہ یہ نہ جانتا ہو کہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۰: مسئولہ حکیم محمد اکبر صاحب جگدیش کا چوک اودے پور میواڑ

جس شخص کے عقائد کا ٹھکانہ نہ ہو دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟

الجواب:

عقائد کا ٹھکانہ نہ ہونا کئی معنی پر مشتمل ہوتا ہے۔کبھی یہ کہ اس کی صحت عقیدہ پر اطمینان نہیں، کبھی یہ کہ یہ مذبذب العقیدہ متزلزل العقیدہ ہے۔کبھی سنیوں کی سی باتیں کرتا ہے، کبھی بدمذہبوں کی سی،ان دونوں پر معنی اسلام سے خارج ہونا لازم نہیں ہوتا،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۱تا۷۳: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب مسجد جامع خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ

(۱) ہمزاد کیا ہے؟اس کے تسخیر کے لئے عمل کرنا کیسا ہے؟

(۲) آسیب،چڑیل وغیرہ شہید وغیرہ جو مشہور ہیں صحیح ہے یا غلط؟

(۳) دست غیب اور مصلی کے نیچے سے اشرفی وغیرہ کا نکلنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ہمزاد از قسم شیاطین ہے۔وہ شیطان کہ ہر وقت آدمی کے ساتھ رہتا ہے وہ مطلقًا کافر ملعون ابدی ہے سوا اس کے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھا وہ برکت صحبت اقدس سے مسلمان ہوگیا، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامنکم من احد الا وقد وکل اللہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملئکۃ قالوا وایاك یارسول اللہ قال وایای الا ان اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر [1] اھ.اعنی علی	لوگو! تم میں سے کوئی شخص نہیں کہ جس کے ساتھ ہمزاد جن اور ہمزاد فرشتہ نہ ہو،لوگوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ تعالٰی نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلمان ہوگیا

[1] صحیح مسلم کتاب صفۃ المنافقین باب تحریش الشیطان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷۶،مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۵

روایۃ الفتح المؤیدۃ بما یأتی من الاحادیث۔	لہٰذا وہ مجھے سوائے بھلائی کے کچھ نہیں کہتا، اھ اس سے میری مراد فتح الباری کی روایت ہے کہ جس کی تائید آئندہ احادیث سے ہوتی ہے۔(ت)

اسی طرح طبرانی نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی اور بزار حضرت عبداللہ بن عباس یا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین کان شیطانی کافرا فاعاننی اللہ علیہ حتی اسلم[1] الحدیث	دوسرے انبیاء کرام پر دو باتوں میں مجھے فضیلت بخشی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اس پر قوت دی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا الحدیث (ت)

بیہقی وابونعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فضلت علی اٰدم بخصلتین کان شیطانی کافر افاعاننی اللہ علیہ حتی اسلم وکن ازواجی عونالی وکان شیطان اٰدم کافراوزوجتہ عونالہ علی خطیئتہ[2]۔	حضرت آدم پر مجھے دو خصلتوں میں فضیلت دی گئی، ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے اس پر غلبہ دیا یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا اور میری بیویاں میری مددگار ہیں، اور حضرت آدم کا شیطان کافر رہا اور انکی بیوی نے خطا پر ان کی مدد کی۔(ت)

اس کی تسخیر جو سفلیات سے ہو وہ تو حرام قطعی بلکہ اکثر صورتوں میں کفر ہے کہ بے ان کے خوشامد اور مدائح ومرضیات کے نہیں ہوتی، اور جو علویات سے ہو تو اگرچہ بصولت وسطوت ہے مگر اس کا ثمرہ غالبا اپنے کاموں میں شیطان سے ایک نوع استعانت سے خالی نہیں ہوتا کہ وہ غلبہ قاہرہ کہ:

"وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾"[3]	اور ان میں سے جو کوئی اس کے حکم سے منہ پھیرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔(ت)

---

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۲۴۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۱۴۶، مجمع الزوائد البزار باب عصمتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن القرین ۸/ ۲۲۵ وباب منہ خصائص ۸/ ۲۶۹

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۴۸۸

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲

جو استجابت دُعا "هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ "[1] (مجھے ایسی بادشاہی دے ڈال جو میرے بعد کسی کے لائق نہ ہو۔ت) سے تاشی ہر ایک کو کہاں نصیب اور بالفرض نہ بھی ہو تو کافر شیطان کی مخالطت ضرور مورث تغیر احوال وحدوث ظلمت، حضرت سیدنا شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ کم از کم وہ ضرر کہ صحبت جن سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے و العیاذ باللہ،تو راہ سلامت اس سے بعد ومجانبت ہی میں ہے،رب عزوجل تو اس دعا کا حکم دے کہ " اَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸ "[2] (اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتاہوں اس سے کہ شیطان میرے پاس حاضر ہوں۔ت) اور یہاں یہ رٹ لگائی جائے کہ حاضر شو حاضر شو والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔(حاضر ہوجا،حاضر ہوجا،اور اللہ تعالٰی کی پناہ،اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

(۲) ہاں جن اور ناپاک روحیں مردوعورت احادیث سے ثابت ہیں اور وہ اکثر ناپاک موقعوں پر ہوتی ہیں،انھیں سے پناہ کے لئے پاخانہ جانے سے پہلے یہ دعا وارد ہوئی:اعوذباللہ من الخبث والخبائث[3]۔میں گندی اور ناپاک چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔(ت) وہ سخت جھوٹے کذاب ہوتے ہیں اپنا نام کبھی شہید بتاتے ہیں اور کبھی کچھ،اس وجہ سے جاہلان بے خرد میں شہیدوں کا سر پر آنا مشہور ہوگیا ورنہ شہداء کرام ایسی خبیث حرکات سے منزہ ومبرا ہیں،واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) ہاں صحیح ہے مگر اس عملداری میں کمیاب بلکہ نایاب ہے۔دست غیب کے نہایت درجہ کا حاصل اب صرف فتوح ظاہرہ و وسعت رزق ہونا ہے۔پھر اگر دست غیب اس طرح ہو کہ جن کو تابع کرکے اس کے ذریعہ سے لوگوں کے مال معصوم منگوائے جائیں تو اشد سخت حرام کبیرہ ہے اور اگر سفلیات سے ہو تو قریب کفر اور علویات سے ہو تو خود یہ شخص مارا جائے گا یا کم از کم پاگل ہوجائے گا یا سخت سخت امراض وبلایا میں گرفتار ہو اعمال علویہ کو ذریعہ حرام بنانا ہمیشہ ایسے ثمرے لاتا ہے اور اس کے حرام قطعی ہونے میں کیا شبہہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:(لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ۔ت)

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۸

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۰۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

اور اگر کسی دوسرے کی ملک معصوم نہ لائی جاتی ہو بلکہ خزانہ غیب سے اس کو کچھ پہنچایا جائے یا مال مباح غیر معصوم اور وہ جن کہ مسخر کیا جائے مسلمان ہو نہ کہ شیطان، اور اعمال علویہ سے ہو نہ کہ سفلیہ سے اور اسے منگا کر مصارف محمودہ یا مباحہ میں صرف کرے، نہ کہ معاذاللہ حرام واسراف میں، تو یہ عمل جائز ہے، اور جو اس طریقے سے ملے اس کا صرف کرنا بھی جائز کہ جس طرح کسب حلال کے اور طُرق ہیں اسی طرح ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ دست غیب کا، سب سے اعلیٰ عمل قطعی عمل، یقینی عمل، جس میں تخلف ممکن نہیں اور سب اعمال سے سہل تر خود قرآن عظیم میں موجود ہے، لوگ اسے چھوڑ کر دشوار ظنیات بلکہ وہمیات کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس سہل وآسان یقینی و قطعی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًاۙ وَّ یَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جو اللہ سے ڈرے تقوٰی و پرہیزگاری کرے اللہ تعالٰی عزوجل ہر مشکل سے اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہوگا۔

اور دست غیب کسے کہتے ہیں، اسی طرح لوگ عمل حُب کے پیچھے خستہ وخوار پھرتے ہیں، اور نہیں ملتا، اور حُب کا سہل و یقینی قطعی عمل قرآن عظیم میں مذکور ہے اس کی غرض نہیں کرتے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے قریب ہے کہ یہ رحمان ان کے لئے محبت کردے گا (دلوں میں ان کی حب ڈال دے گا)

نسأل اللہ حسن التوفیق (ہم اللہ تعالٰی سے حسن توفیق مانگتے ہیں۔ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: مرسلہ حامد علی طالب عالم مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نصیر الدین طوسی ملوم ومذموم کو بلفظ مولی الاعظم اور قدوۃ العلماء الراسخین اور نصیر الملۃ والدین قدس سرہ تعالٰی نفسہ روح رمسہ (بڑا مولی، پختہ علماء کے پیشوا، دین اور ملت کے مددگار، اللہ تعالٰی ان کے نفس کو پاک کرے اور ان کی ہڈیوں کو آرام پہنچائے۔ت) سے تعبیر کرے تو ایسے کو فاسق یا کافر نہ جاننے والا دائرہ اسلام سے خارج ہوا یا

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۹۶

نہیں، اگر نہ ہوا تو فاسق بھی ہوا یا نہیں؟ امید کہ دلیل عقلی و نقلی سے اس کا اثبات فرمایا جائے۔

الجواب:

طوسی کا رفض حد کفر نہ تھا بلکہ اس نے حتی الامکان اپنے اگلوں کے کفر کی تاویلات کیں، اور نہ بن پڑی تو منکر ہو گیا اور اس کی ایسی توجیہ گناہ ضرور ہے اور منطقی فلسفی شراح و محشین معصوم نہیں جہاں جہاں اس نے خلاف اہلسنت کیا ہے اس کا رد کر دیا گیا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵: ۲۳ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ جو مشہور ہے کہ گھر اور گھوڑا اور عورت منحوس ہوتے ہیں اس کی کیا اصل ہے؟

الجواب:

یہ سب محض باطل و مردود خیالات ہندوؤں کے ہیں، شریعت مطہرہ میں ان کی کوئی اصل نہیں، شرعاً گھر کی نحوست یہ ہے کہ تنگ ہو، ہمسائے برے ہوں، گھوڑے کی نحوست یہ کہ شریر ہو، بدلگام، بدرکاب ہو، عورت کی نحوست یہ کہ بدزبان ہو، بدرویہ ہو، باقی وہ خیال کہ عورت کے پھیرے سے یہ ہوا، فلاں کے پھیرے سے یہ، یہ سب باطل اور کافروں کے خیال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۶: از جاورہ مرسلہ مصاحب علی صاحب امام مسجد چھیپیاں ۲۷ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص تعزیہ ثواب و عبادت جان کر خود بنائے اور لوگوں کو بنانے کی ترغیب دے اور تعزیہ دیکھ کر تعظیماً کھڑا ہو جائے اور اس پر فاتحہ پڑھے اور تعزیہ کے ساتھ ننگے پیر تعظیماً چلے اور مرثیہ بھی پڑھواتا جائے شاہ مولینا عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ نے اپنے فتاوٰی کی جلد اول میں لکھا ہے کہ جو بدعت کو عبادت سمجھ کر کرے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے[1] اور اس پر ابن ماجہ کی ایک حدیث لائے ہیں اس کا مضمون یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

"بدعتی اسلام سے ایسا صاف نکل جاتا ہے جیسے گوندھے ہوئے آٹے سے بال صاف[2]"

تو شاہ صاحب کے قول "خارج اسلام ہے" سے کیا مطلب ہے یعنی ایسا شخص کافر و مرتد ہے یا گمراہ

---

[1] فتاوٰی عزیزیہ رسالہ بیع کنیزان مطبع مجتبائی دہلی (فوٹو سٹیٹ) ۱/ ۱۷

[2] سنن ابن ماجہ مقدمہ باب اجتناب البدع والجدل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶

ورافضی ہے۔ بہر نوع ایسے شخص کا ذبح کیا ہوا جانور حرام یا حلال؟ ایسے شخص کی نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ جولوگ ایسے تعزیہ پرست کے مرید ہوں ان کا کیا حکم ہے؟ ایسے تعزیہ پرست اور بت پرست میں کیا فرق ہے؟ ایسے تعزیہ پرست پر لعنت آتی ہے یانہیں؟ کیا بزرگان چشت سے کسی بزرگ نے تعزیہ بنایا یا بنوایا یا تعظیم دی ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

تعزیہ ضرور ناجائز وبدعت ہے مگر حاشا کفر نہیں کہ نماز جنازہ ناجائز یا ذبیحہ مردار یا بت پرستوں میں شمار ہو، افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں، یہ حدیث ابن ماجہ قطع نظر اس سے کہ شدید الضعف ہے اپنے امثال کی طرح اسلام کامل سے مأول یا بدعت مکفرہ پر محمول، ورنہ ہر بدعت سیئہ کفر ہو جبکہ اس کا صاحب استحسان کرے اور یہی غالب ہے۔ اور بدعت عقیدہ تو مطلقاً کفر ہو جانا لازم کہ اس کی تعریف ہی یہ کہ:

مااحدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وجعل دیناقویما وصراطا مستقیما کمافی البحر الرائق[1]۔	جو حق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے (بطور یقین) ہمیں موصول ہوا اس کے خلاف کوئی نیا عقیدہ ایجاد کرکے اس کو ٹھیک اور سیدھا دین قرار دینا جیسا کہ بحر الرائق میں مذکور ہے (بدعت اعتقاد کرے)۔(ت)

حالانکہ باجماع امت بعض بدمذہبیاں کفر نہیں، فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر وعالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

الروافض ان فضل علیا علی غیرہ فھو مبتدع وان انکر خلافۃ الصدیق فھو کافر[2]۔	اگر رافضی (کٹر شیعہ) جناب علی کو دوسرے خلفاء پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے لیکن اگر حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کا انکار کرے تو پھر وہ کافر ہے۔(ت)

خلاصہ وغیرہ میں ہے:

اذقال ان للہ یدا اورجلا کما	جب یہ کہے کہ بندوں کی طرح اللہ تعالٰی کے ہاتھ،

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۴۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر باب احکام المرتدین نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴، خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

للعباد فھو کافر وان قال جسم لا کاجسام فھو مبتدع[1] ۔	پاؤں ہیں، تو وہ کافر ہے اور اگر کہے کہ اللہ تعالٰی کا جسم ہے لیکن دوسرے اجسام کی طرح نہیں تو وہ بدعتی ہے۔(ت)

نیز اسی میں ہے:

وجملۃ ان من کان اہل قبلتنا ولم یغل فی ھواہ حتی لم یحکم بکونہ کافرا یجوز الصلٰوۃ خلفہ ویکرہ[2]۔	خلاصہ کلام اگر ہماری طرح اہل قبلہ ہیں، اور اپنی خواہش پرستی میں حد سے بڑھے ہوئے درجہ غلو میں نہیں یہاں تک کہ ان کے کافر ہونے کا فیصلہ نہیں کیا گیا تو ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔(ت)

ہزار ہا مسائل متواترہ اسی تفصیل پر دال ہیں تو حکم مطلق کیسے صحیح ہوسکتا ہے ہاں افعال مذکورہ سوال کا مرتکب قابل بیعت نہیں کہ شرائط پیر سے اس کا سنی العقیدہ غیر فاسق معلن ہونا ہے اور لعنت بہت سخت چیز ہے ہر مسلمان کو اس سے بچایا جائے بلکہ لعین کافر پر بھی لعنت جائز نہیں جب تک اس کا کفر پر مرنا قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہو، **والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷: از مانیاوالہ ڈاک خانہ قاسم پور گڈھی ضلع بجنور مرسلہ سید کفایت علی صاحب ۵/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مولوی قصبہ دیوبند مدرسہ مولوی اشرفعلی تھانوی کے یہاں سے سند یافتہ ہو ویسے ہی عقائد میں حقہ، سگریٹ وپان نماز خوردونوش میں شرکت، یہ سب باتیں چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

دیوبندیوں کے عقائد والے مرتد ہیں ان کے ساتھ کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا میل جول سب حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۸: از گونڈل کاٹھیاوار مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶/ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فریمیسن کیا ہے اور اس میں داخل ہونے والے کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

فریمیسن سحر ہے اور جہاں تک اس کی نسبت معلوم ہوا وہ انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام پر ایمان کے سلب کے لئے رکھا گیا ہے **فلھذا** اس میں صرف مسلمان یا کتابی کو لیتے ہیں، معاذ اللہ جو اس کے اثر کا

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

معمول ہو جاتا ہے بظاہر اپنے دین پر جو پہلے تھا زیادہ مستقیم ہو جاتا ہے اور باطن میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے محض انکار "نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ۝۳۶" [1] (لہذا ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں پھر وہ اس کا ہم نشین ہو جاتا ہے۔ (اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے)۔ت) کا کھلا مصداق ہو جاتا ہے۔ ایک شیطان علانیہ اس کے ساتھ رہتا ہے جسے وہ دیکھتا ہے اور اس سے باتیں کرتا ہے اور وہ اسے یہ راز ظاہر کرنے سے ہر وقت مانع رہتا ہے، اور یہی سبب ہے کہ فریمیسن اگر شہر کے ایک کنارے سے گزرے تو دوسرے کو جو شہر کے دوسرے کنارے پر ہے اطلاع ہو جاتی ہے۔ ایک کا شیطان دوسرے کے شیطان کو اطلاع کر دیتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از موضع ہری پورہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو مسلمان کافر کو نفع پہنچائے اور مسلمانوں کو ضرر اور مسلمانوں کو ضرر، اور مسلمانوں کو برا کہے اور کافروں کو اچھا سمجھے اور ان کی طرفداری کرے اور مسلمانوں کی نہیں، کیا حکم ہے اس شخص پر اور دائرہ اسلام میں ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تفصیل واقعہ کی لکھی جائے اجمالی لفظ ہولناک ہوتے ہیں، اور تفصیل معلوم کی جائے تو کچھ سے کچھ نکلتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: از مراد آباد حسن پور مرسلہ عبدالرحمٰن مدرس ۸/ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کواکب فلکی کے اثرات سعد و نحس پر عقیدت رکھنا کیسا ہے؟ اور تعویذات میں عامل کو ان کی رعایت کہاں تک درست ہے؟

الجواب:

مسلمان مطیع پر کوئی چیز نحس نہیں اور کافروں کے لئے کچھ سعد نہیں، اور مسلمان عاصی کے لئے اس کا اسلام سعد ہے۔ طاعت بشرط قبول سعد ہے۔ معصیت بجائے خود نحس ہے اگر رحمت وشفاعت اس کی نحوست سے بچالیں بلکہ نحوست کو سعادت کر دیں، "فَاُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ" [2] (یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالٰی ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیتا ہے۔ت) بلکہ کبھی گناہ

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

یوں سعادت ہوجاتا ہے کہ بندہ اس پر خائف وترساں وتائب وکوشاں رہتاہے وہ دُھل گیااور بہت سی حسنات مل گئیں، باقی کواکب میں کوئی سعادت ونحوست نہیں اگر ان کو خود مؤثر جانے شرک ہے اور ان سے مدد مانگے تو حرام ہے ورنہ ان کی رعایت ضرور خلاف توکل ہے۔

اشعۃ اللمعات میں ہے: آنچہ اہل عزائم وتکسیر می کنند مثل تبخیر وتلوین وحفظ ساعات نیز مکروہ وحرام ست نزد اہل دیانت و تقوٰی کذا قال العلماء[1]۔	جو کچھ اہل عزائم اور اصحاب تکسیر کرتے ہیں جیسے تبخیر (یعنی بخورات کا استعمال کرنا) اور تلوین (یعنی مصلی وغیرہ کو ستاروں کے خصوصی رنگوں کی طرح رنگین کرنا) اور ان کی ساعات کی حفاظت کرنا پس یہ بھی اہل دیانت اور احباب تقوٰی کے نزدیک مکروہ اور حرام ہے۔ (چنانچہ) علمائے کرام نے اسی طرح فرمایا ہے۔ (ت)

تبخیر سے مراد حسب رعایت کواکب وقت اس کے بخورات خاصہ کا استعمال، ورنہ تعظیم ذکر وتلاوت کے لئے عود ولوبان سلگانا مستحب ہے، اور تلوین سے مراد مصلی وغیر کو الوان خاصہ کواکب سے رنگین کرنا اور فقیر نے اس کے ہامش پر لکھا۔

یعنی چونکہ مقصود استعانت بکواکب باشد حرام ست کہ استعانت بانچہ استقلال او بزعم مشرکان راسخ شدہ است روا نبود ورنہ مکروہ وترک اولٰی ست کہ از اعمال اہل توکل نیست ومشابہتے دارد بافعال آنان وظاہر ست کہ اگر استعانت بکواکب نباشد واہل تجربہ صلحاء بتجربہ دانستہ باشد کہ مراعات ایں امور ہمچوں مراعات اوزان و تخصیصات کثیرہ در ادویہ مقصود وبقضاء اللہ تعالٰی مے افتد دریں حال باکے نیست خود اشد ہم فی امر اللہ عزوجل امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی ہنگام استسقاء بمراعات منزل قمر	چونکہ اصل مقصود ستاروں سے طلب امداد ہے اس لئے حرام ہے اس لئے کہ ان اشیاء سے مدد لینا جائز نہیں کہ جن کا استقلال مشرکین کے خیال میں پختہ ہوگیا ہے ورنہ مکروہ اور ترک اولٰی ہے (یعنی بہتر کام نہ کرنا) اس لئے کہ یہ ارباب توکل کے اعمال میں سے نہیں بلکہ ان دوسرے لوگوں کے افعال سے مشابہ ہے اور یہ ظاہر ہے بشرطیکہ طلب امداد ستاروں سے نہ ہو اور صالح اہل تجربہ اپنے تجربہ سے جانتے ہیں کہ ان امور کی رعایت کرنا بالکل اسی طرح ہے جس طرح اوزان اور بے شمار تخصیصات کی رعایت کرنا

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الطب والرقی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۳/ ۵۹۸

امر فرمود وہمبرین محمول باشد آنچہ شاہ محمد غوث گوالیاری وحضرت شیخ محمد شناوی وغیرہما اجلہ اکابر قدست اسرارہم کردہ اندو درکتب نفیسہ خود ہا ہمچو جواہر وشروح آن باوتصریح فرمودہ فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق [1]۔	دواؤں میں مناسب مقصود، اور وہ اللہ تعالٰی کے فیصلہ کے مطابق واقع ہو (اور ان کا ظہور ہو) پس اس صورت میں کچھ ڈر نہیں (کیا غور نہیں کرتے) کہ خود وہ بزرگ ہستی جو اللہ تعالٰی غالب اور جلیل القدر کے معاملات میں بہت سخت گیر تھے یعنی مومنوں کے امیر حضرت عمر، سب سے بڑے فرق کرنے والے (یعنی حق وباطل میں معیار اور کسوٹی)، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو، نے طلب باراں کی دعا مانگتے وقت منزل قمر کی رعایت کرنے کا حکم فرمایا، اور اسی پر وہ سب باتیں قیاس شدہ ہیں جو شاہ محمد غوث گوالیاری اور حضرت شیخ محمد شناوی اور ان کے علاوہ دوسرے جلیل القدر اکابرین نے (ان کے اسرار ورموز پاک کردئے جائیں) اپنی اپنی عمدہ کتابوں میں ذکر فرمائیں، جیسا کہ جواہر خمسہ اور اس کی شروح میں ان کی صراحت فرمائی، لہٰذا توفیق ہونی چاہئے، اور حصول توفیق اللہ تعالٰی کے فضل وکرم ہی سے ہوسکتی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۱: از شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ کلن خاں ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے پالے کی بازی بدی، پھر ایک شخص کے سمجھانے سے منکر ہوگیا، جب پالے والے مصر ہوئے اور کھیل پر مجبور کیا تو اس معصیت کے بچانے کی غرض سے دو شخصوں نے جھوٹ کہہ دیا کہ اس نے بازی نہیں بدی تھی، پس بازی والوں نے ان دو شخصوں سے طعنا پوچھا کیا تمھارے یہاں فقیری میں جھوٹ بولنا اور حرام کھانا جائز ہے؟ ان شخصوں نے جواب دیا: ہاں اس میں جائز ہے۔ اور نیت جانب خیر سے یہ الفاظ کہے، پس اس صورت میں ان پر کیا معصیت ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

سوال میں حرام کھانا بھی تھا اور حرام کھانا کبھی جائز نہیں ہوتا جس وقت جائز ہوتا ہے اس وقت وہ حرام نہیں رہتا اگر "ہاں جائز ہے" کہنے میں حرام کھانا بھی اس نے مراد لیا تو البتہ سخت لفظ کہا توبہ لازم ہے بلکہ تجدید اسلام چاہئے، اور اگر صرف جھوٹ بولنے کی نسبت کہا کہ ایسی صورت میں جہاں حرام سے بچنا ہوتا ہو خلاف واقع بات کہنا جائز ہے تو حرج نہیں، اگرچہ اس میں بھی تفصیل ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

[1] حاشیہ امام احمد رضا خاں علی اشعۃ اللمعات

مسئلہ ۷۲ تا ۷۵: از محلّہ کچی باغ مسئولہ خلیل الرحمٰن بنارسی ۶/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

معدن عالم صوری ومخزن اسرار معنوی جناب مولانا حافظ مفتی احمد رضاخاں دام ظلہ بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بکمال ادب ملتجی ہوں براہ کرم اپنے اوقات گرانمایہ سے چند منٹ حرج فرماکر جواب سوالات مرسلہ مزین فرماکر بصیغہ بیرنگ پتہ ذیل سے مرحمت فرماکر مجھ مترصد کو شاد فرمائے، ان مسائل کی یہاں سخت ضرورت ہے۔ ہم سب اعلیحضرت دام فیضہ کے معتقدین سے ہیں لہٰذا ہم سب بیحد انتظار کرتے رہیں گے، اگر جلد جواب سے مزین فرماکر مرحمت فرمایا جائے تو عنایت لطف وکرم ہے۔ اس سے پیشتر حقیر نے اعلیحضرت کے دارالافتاء سے ڈھائی سونسخے رسالہ "**انفس الفکر**" منگوا کر مسلمانوں کو تقسیم کیا جس سے بہ نسبت سال گزشتہ سال پیوستہ کے امسال باوجود کوشش بلیغ دشمنان دین کے قربانی گاؤ بکثرت المضاعف ہوئی، **الحمدللہ** حضور کا فیض ایسا ہی ہے۔ زیادہ بجز تمنائے حصول زیارت اور کیا عرض کروں فقط۔

آپ کا خادم عاصی خلیل الرحمٰن عفی عنہ بنارسی از محلّہ کچی باغ مؤرخہ ۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ ہجری

(۱) یہ کہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جس میں عرصہ پچیس سال سے خزانہ گورنمنٹ سے امداد ماہوار ایک سو روپے مقرر ہے جس سے یہ درسگاہ جس میں کتب فقہ واحادیث وقرآن شریف کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس میں ممبران خلافت کمیٹی نے جو تجویز پاس کیا ہے کہ گورنمنٹ سے امداد نہ لینا چاہئے، پس استفسار ہے کہ یہ امداد جو گورنمنٹ سے عرصہ پچیس سال سے برابر ملتی ہے اب لینا جائز ہے یا نہیں؟ مدرسہ ہذا میں سوائے تعلیم دینیات کے ایک حرف کسی غیر ملت وغیر زبان کی نہیں ہوتی۔

(۲) یہ کہ زید جو اس درسگاہ دینی کا منتظم وخادم ہے بسبب حسن انتظام گورنمنٹ نے خطاب دیا ہے اور یہ خطاب بھی عرصہ دس سال سے ملا ہے ممبران خلافت کمیٹی نے یہ بھی پاس کیا ہے کہ گورنمنٹ کو خطاب واپس کردینا چاہئے پس ایسی حالت میں کہ جس خدمت انتظام درسگاہ تعلیم علوم دین کے صلہ میں خطاب دیا ہے اندیشہ ہے کہ واپس کرنے میں یہ امداد بھی نہ ملے ایسی حالت میں خطاب کا واپس کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ زید جلسہ خلافت کمیٹی میں اس سبب سے شرکت نہیں کرتا کہ اس میں اہل ہنود جن کو اس وقت ممبران خلافت کمیٹی اپنا بھائی کہتے ہیں اور ان سے اس قدر ارتباط بڑھا رکھا ہے کہ تلک مہراج کے مرنے کے غم میں بروز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر ننگے پیر جمع ہو کر تلک مہراج کے لے دعا اور فاتحہ اور نماز کا ان کی مغفرت کے لئے اشتہار شائع کیا اور قربانی گاؤ کو بخاطر اہل ہنود منع کرتے ہیں اور بکری قربانی کرنا افضل وفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتلاتے ہیں اور نقصان اور عدم جواز قربانی گاؤ میں رسالے چھاپتے ہیں اور جلسہ خلافت کمیٹی میں کل دشمنان دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسپیچ وتقریر کراتے ہیں جو اپنی کتاب "**الجرح علی ابی حنیفۃ**" میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی کو سگ وزندیق وبے علم و

صدہا باتیں ناشائستہ ناگفتہ بہ لکھا ہے۔ اگر ایسے شخصوں کی تقریر نہ سننے کی غرض سے اور کفار کی اعانت وشرکت نہ کرنے کی غرض سے اگر زید ایسے جلسوں میں نہ شریک ہو تو کیا بوجہ ان امور متذکرہ بالا کے زید قابل ملامت وناقابل امامت ہے۔ کیونکہ جو لوگ کہ ان وجوہ سے شرکت نہیں کرتے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتلاتے ہیں، ان لوگوں نے اس قدر ارتباط ان کفاروں سے بڑھا رکھا ہے کہ جس وقت ان میں کوئی مقرر ونامور کسی شہر میں جاتا ہے تو اہل اسلام ان کفاروں کی گاڑیاں بدست خود کھینچ لاتے ہیں، ان کفاروں نے اس قدر تعصب اپنے مذہب میں بڑھا رکھا ہے کہ یہاں بعض مسجد میں اذان نہیں کہنے دیتے، بعض مسجدوں کے فرش پر جو ان کی پرستش کے درخت کی ڈالیں لٹکی ہوئی ہیں جس سے حوض دہ در دہ کا پانی پتیوں کے گرنے اور سڑنے سے متغیر ومتعفن ہوجاتا ہے اس درخت کی ڈال کو تعصب مذہبی سے نہیں کاٹتے، بعض مسجد پر صحن مسجد میں جو ان کا بت پرستش کا نصب ہے اس کی پرستش کے لئے فرش مسجد پر سے جو سجدہ گاہ مسلمانان ہے بپائے نجس مرور کرتے ہیں، مگر افسوس کہ مسلمانان اہل ہنود کو اپنا بھائی بناتے ہیں اور ان کی خاطر داری سے گاؤ کی قربانی بند کرنے میں بہر نوع کوشش تام کرتے ہیں اپنے مساجد کی بے حرمتی ونقصان اور اذان بند ہونے کا جو بعض مسجد پر بند کر رکھا ہے کچھ صدمہ وخیال نہیں ہوتا، آیا ایسے دشمنوں کے جلسہ میں نہ شرکت ہونے سے کیا آدمی گنہگار ہوتا ہے قابل امامت نہیں رہتا۔

(۴) یہ کہ زید جو پنجگانہ وبروز جمعہ وخطبہ ثانیہ. بروز جمعہ وخطبہ عیدین وغیرہا میں بیشتر مسلمانان کی جماعت کثیر میں یہ اعلان تمام دعاء وترقی جاہ وجلال وقیام سلطنت سلطان اعظم والی سلطنت روم بلاد عرب کے لئے محافظت مقامات مقدسہ حرمین شریفین کے لئے دعا کرتا ہے اور خطبہ نباتہ جس کے خطبہ ثانیہ میں سلطان المعظم کے لئے خلد اللہ مبلکہ کے لئے دعا دراز طبع ہے پڑھتا ہے سامعین آمین کہتے ہیں، آیا اس طریق پر دعا کرنا سلطان المعظم کے لئے جائز ہے یا جلسہ کفار اور غیر مقلدین میں شریک ہوکر دشنام دہی کرنا اور اظہار وفاداری سلطان المعظم کے لیے کرنا جائز ہے، زید پر بیحد حملہ اس امر کا ہے کہ تو کیوں نہیں ایسے جلسوں میں شریک ہوتا، اس لئے طرح طرح کی بندشیں عدم جواز امامت وواپسی خطاب وغیرہ کے لئے حملہ کرتا ہے، پس آیا اس صورت سے دعا کرنا بعد نماز ودرمیان خطبہ جائز ہے یا اس جلسہ مخالفین میں؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا بالصواب**

(کتاب کے حوالہ سے (مسئلہ کو) بیان فرماؤ اور راہ صواب یعنی راہ راست کا اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) جبکہ وہ مدرسہ صرف دینیات کا ہے اور امداد کی بناء پر انگریزی وغیرہ اس میں داخل نہ کی گئی تو اس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، تعلیم دینیات کو جو مدد پہنچی تھی اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) خطاب واپس کرنا نہ کرنا کوئی مسئلہ شرعی نہیں اور اگر یہ اندیشہ صحیح ہے کہ واپسی خطاب میں امداد بھی بند ہوجائے گی تو واپس کرنا حماقت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) اگر یہ امور واقعی ہیں تو ایسے جلسوں کی شرکت حرام ہے اور جو ان میں شریک ہو قابل ملامت اور ناقابل امامت ہے۔ نہ وہ کہ احتراز کرے، دشمنان دین سے احتراز فرض ہے، اور فرض کا تارک موجب ملامت اور مانع امامت ہے نہ کہ اس کا بجالانا، اور کافر کے لئے دعائے مغفرت وفاتحہ خوانی کفر خالص وتکذیب قرآن عظیم ہے **کما فی العالمگیریة وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری اور اس کے علاوہ دوسرے فتاووں میں مسئلہ مذکور ہے۔ت) اور ان کے خار وبوار کے لئے یہی بہت تھا کہ مشرک کے ماتم میں سرننگا کیا اور اس پر ظلم شدید یہ کہ عبادت گاہ واحد قہار کو مشرک کا ماتم گاہ بنایا پھر اس کے لئے نماز کا اشتہار پورا پورا موجب لعنت جبار قہار ہے۔

قال اللہ تعالٰی " لَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو اس پر نماز نہ پڑھو اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو۔ (ت)

بلاشبہہ یہ اشتہار دینے اور اس پر عمل کرنے والے سب قطعی مرتد ہیں وہ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں نکاح سے "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ٘ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ "[2] (اللہ تعالٰی انھیں مارے وہ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) اور قربانی گاؤ شعار اسلام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىٕرِ اللّٰهِ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ہم نے بدنہ (قربانی کا جانور) کو تمھارے لئے اللہ تعالٰی کی نشانیوں میں سے کیا ہے۔ (ت)

اور ہندوستان میں اس کا جاری رکھنا واجب ہے کما حققناہ فی انفس الفکر فی قربان البقر (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق (اپنے ایک رسالہ بنام) **انفس الفکر فی قربان البقر** (بہت عمدہ سوچ گائیوں کی قربانی کرنے میں) میں کردی۔ت) اور خوشنودی ہنود کے لئے اس کا بند کرنا حرام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۸۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۶

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو (اور مائل نہو) ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ (ت)

ناپاکوں کافروں مرتدوں کو واعظ مسلمین بنانے والے اسلام کو ڈھاتے ہیں اور کفر ولعنت الٰہی کی نیو چنواتے ہیں حدیث تو بد مذہب کی توقیر پر فرماتی ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام [2]۔	جس نے کسی بد مذہب کی توقیر کی اس نے دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دی۔ (ت)

نہ کہ کفار و زنادقہ مثل وہابیہ وغیر مقلدین و دیوبندیہ وغیرہم کو واعظ مسلمین و پیشوائے دین بنانا کہ صراحۃً اسلام کو کند چھری سے ذبح کرنا ہے۔ افسوس کہ گائے کی قربانی بند اور ذبح اسلام کے نعرے بلند مگر اسلام گائے سے بھی گیا گزرا، عزت وجبروت ہے اس کے لئے جس نے ان کی دل الٹ دئے اور آنکھیں پلٹ دیں کہ ان کو اسلام کفر سوجھتا ہے اور کفر اسلام۔

فسبحن مقلب القلوب والابصار ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انك انت الوھاب۔	پاک اور منزہ ہے دلوں اور آنکھوں کا پھیرنے والا اے ہمارے پرورد گار! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کردیجئے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنی بارگاہ سے رحمت عطا کر دیجئے، یقینا تو بلامعاوضہ بہت زیادہ بخشش اور عطافرمانے والا ہے۔ (ت)

کفار اور مشرکین سے اتحاد و وداد حرام قطعی ہے۔ قرآن عظیم کے نصوص اس کی تحریم سے گونج رہے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اتنا کافی ہے کہ:

"وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ" [3]۔	واحد قہار فرماتا ہے کہ تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا وہ بیشک انھیں میں سے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد اور وہ بھی "بیشک" کے ساتھ، آخر اس کے نتائج ظاہر ہیں کہ کفار سے اتحاد و وداد منانے والے موافق ارشاد الٰہی بیشک منھم (انہی میں سے) ہوگئے، کیا آج تک کبھی ہوا تھا

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] کنز العمال حدیث ۱۱۰۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

کہ مشرک کے ماتم میں مسلمان سر برہنہ ہوئے ہوں، مسلمانوں نے مسجد کو اس کی ماتم گاہ بنایا ہو، مسلمانوں نے اس کے لئے دعا و نماز کا اشتہار دیا ہو۔ مسلمان مشرکوں کی گاڑی کے بیل بنے ہوں، اور یہ ہونا ہی تھا کہ جب اسلام چھوڑا انسانیت خود گئی، اب جو چاہے بیل بنے چاہے گدھا کہ اللہ عزوجل فرماچکا:

"اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ"[1]۔	وہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے زیادہ بھٹکے ہوئے۔(ت)

بلکہ فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ"[2]	وہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔(ت)

کافر تو کافر فاسق کی تعریف پر حدیث میں فرمایا:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذلك العرش[3]۔	جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔

نہ کہ مشرک کی تعظیم اور وہ بھی اس درجہ عظیم۔

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ"[4]۔	(لوگو!) آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں مستور ہیں۔(ت)

سائل بیچارہ اس کا شاکی ہے کہ ہندوؤں نے اذان بند کی اور یہ کیا اور یہ کیا، ان مسلمان کہلانے والوں نے اس کے برعکس یہ کچھ کیا، یہ شکایت محض بے جا ونادانی ہے۔ ہندو اپنے دین باطل پر قائم ہیں وہ کیوں چھوڑیں دین تو انھوں نے چھوڑا ہے۔ ہر جھوٹ انھیں کی طرف سے چاہئے ایسے لوگوں کے جلسوں میں شرکت ہرگز جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) جلسہ مخالفین کا حکم اوپر گزرا اور سلاطین اسلام وممالک اسلام واماکن مقدسہ اسلام کے لئے دعا خطبہ جمعہ وخطبہ عیدین میں اور ہر نماز کے بعد مستحب ومندوب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۷

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

رساله
الرمز المرصف علی سوال مولٰنا السید اٰصف
(مولانا سید آصف کے سوال پر مضبوط اشارہ)

مسئلہ ۸۶: از کانپور فیل خانہ قدیم مسئولہ جناب مولٰنا مولوی سید محمد آصف صاحب قادری برکاتی رضوی ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم (یاحبیب محبوب اللہ روحی فداک) قبلہ کونین وکعبہ دارین دامت برکاتھم۔	اللہ تعالٰی کے مقدس نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔ ہم اللہ تعالٰی کی نئی نئی تعریف کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم پر نئے نئے انداز سے درود بھیجتے ہیں، اے اللہ کے محبوب کے حبیب! میری روح آپ پر قربان ہو دونوں جہاں کے قبلہ اور دنیا واخرت کے کعبہ، ان کے فیوض وبرکات ہمیشہ رہیں۔ (ت)

بعد تسلیمات فدویانہ تمنائے حصول سعادت آستانہ بوسی التماس ایں کہ بفضلہٖ تعالٰی کمترین بخیریت ہے صحتوری ملازمان سامی کی مدام بارگاہ احدیث سے مطلوب، اشتہار اسلامی پیام میں عبدالماجد کے اس لکھنے پر کہ "مسلمان ڈوب رہا ہے نا مسلم تیراک ہاتھ دے تو جان بچانا چاہئے یا نہیں" یوں

درج ہے کہ "مسلمان کو اگر ڈوبنے پر یقین نہ ہو ہاتھ پاؤں مار کر بچ جانے کی امید ہو یا کوئی مسلمان فریاد رس خواہ کوئی درخت وغیرہ ملنے کا ظن ہو تو کافر کو ہاتھ دینے کی اجازت نہیں الخ"۔ معلوم ہوتا ہے کہ کفار سے معاملت کی بھی اجازت نہ ہو ان سے علاج بھی نہ کرائے "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا"[1] (وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ت) سے کیا مقصود ہے آیا دین کے معاملہ میں کفار محارب فی الدین نقصان پہنچانے میں کمی نہ کریں گے یا ہر معاملہ میں اور ہر وقت جب موقع پائیں اور ایک کافر گو غیر محارب ہو تفسیر کبیر میں آیہ کریمہ "لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ" الی اٰخر الایۃ (اللہ تعالٰی تمھیں ان لوگوں سے نہیں روکتا جو تم سے جنگ نہیں کرتے الی اخر الآیۃ۔ت) کے متعلق لکھاہے:

وقال اهل التاویل هذه الایة تدل علی جواز البر بین المشرکین والمسلمین وان کانت الموالاة منقطعة[1]۔	(امام رازی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ) ائمہ تفسیر نے اس آیۃ کے متعلق فرمایا کہ یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اہل شرک اور اہل اسلام کے درمیان حسن سلوک کرنا جائز ہے اگرچہ موالات منقطع ہے(ت)

رسالہ الرضا بابت ماہ ذیقعدہ حصہ ملفوظات ص ۸۶ میں ہے: "حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھیں سے خلق فرماتے ہیں جو رجوع لانے والے ہوتے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے اور کفار و مرتدین کے ساتھ ہمیشہ سختی فرمائی الخ" بعض کفار کی انکھوں میں سلائی پھیرنا تو قصاصا تھا کیا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم قبل نزول آیت "یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ"[2] (اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو۔ت) نرمی نہ فرماتے تھے اور کیا رجوع نہ لانے والے تھے ان سے ہمیشہ بشدت پیش آتے تھے یا پہلے ان سے بھی نرمی سے پیش آتے، کفار مختلف طبائع کے تھے، اور ہیں بعض کو اسلام اور مسلمانوں سے سخت عداوت ہے اور بعض کو بہت کم۔ کیا سب سے یکساں حکم ہے یا امر المعروف (نہی عن المنکر میں ان سے حسب مراتب تدریجاً سختی کرنے کا حکم ہے اور محارب و غیر محارب کا فرق ہے۔ حضور فدوی کو اس مسئلہ میں کہ مرتدہ کا نکاح باقی رہتا ہے لیکن فتاوٰی کی کتابوں کے خلاف ہونے کی وجہ خلجان رہتا ہے حضور کے فتاوٰی میں اور کتابوں کے خلاف لکھاہے گو بعض احکام بوجہ اختلاف زمانہ مختلف ہو جاتے ہیں، لیکن

---

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر الکبیر) تحت آیۃ لاینھکم اللہ عن الذین الخ مطبعۃ البھیمۃ المصریۃ مصر ۲۹/ ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

فتاوٰی ہندیہ جو قریب زمانہ کی ہے اس میں بھی نہیں ہے اگرچہ بوجہ سلطنت اسلامیہ نہ ہونے کے مرتدہ پر احکام شریعت نہیں جاری کیے جاسکتے ہیں مثل ضرب وغیرہ کے، لیکن جب وہ اسلام سے خارج ہوگئی تو نکاح کا باقی رہنا کیسا، کیا وہ ترکہ بھی اپنے سابق شوہر کا شرعًا پائے گی اور اس کے مرنے پر اس کا جو پہلے شوہر تھا ترکہ اس کا شوہر پائے گا، اگر کفار غیر محارب کے ہمراہ محارب کفار کا مقابلہ کیا جائے اور محارب کفار کہ غیر محارب کے امداد سے نقصان پہنچایا جائے تو کیا گناہ ہے اسی "اسلامی پیغام" میں ہے "اب جو قرآن کو جھٹلائے" "وہ مشرک یا مرتد کو ڈوبنے سے نجات دینے والا حامی ومددگار جانے" کیا نعوذ باللہ جتنے مسلمان کفار سے علاج کراتے ہیں اور معاملات میں ان سے مدد لیتے ہیں سب قرآن کو جھٹلاتے ہیں فقط والتسلیم عریضہ ادب فدوی محمد آصف یغفر اللہ لہ ولوالدیہ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات بحرمۃ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم (اللہ تعالٰی اسے اس کے والدین اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو حضور نبی کریم کے طفیل بخش دے، ان پر صلوٰۃ وسلام کا نزول ہو۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم، مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔	اللہ تعالٰی کے عظیم نام سے شروع جو بیحد رحم کرنے والا ہے، ہم اللہ تعالٰی کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم پر درود بھیجتے ہیں مولانا گرامی! اللہ تعالٰی تمھاری عزت وتوقیر فرمائے تم پر سلام ہو اور اللہ تعالٰی کی برکت اور اس کی برکتیں ہوں۔(ت)

ارشاد الٰہی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا"[1] (اے ایمان والو! اپنے سوا غیروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ وہ تمھیں نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ت) عام ومطلق ہے کافر کو راز دار بنانا مطلقًا ممنوع ہے اگرچہ امور دنیویہ میں ہو وہ ہرگز تا قدر قدرت ہماری بدخواہی میں کمی نہ کریں گے "قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ"[2] "وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾"[3] (فرمادیجئے اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا اور بات کرنے میں اللہ تعالٰی سے زیادہ سچا کون ہوسکتا ہے۔ت) سیدنا امام اجل حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث لاتستضیئوا بنار المشرکین[4] (مشرکین کی آگ سے روشنی نہ لو) کی

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹

تفسیر فرمائی کہ اپنے کسی کام میں ان سے مشورہ نہ لو اور اسے اسی آیہ کریمہ سے ثابت بتایا، ابویعلی مسند اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر وابن حاتم تفاسیر اور بیہقی شعب الایمان میں بطریق ازہر بن راشد انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تستضیئوا بنار المشرکین قال فلم تدر ماذلك حتی اتوالحسن فسألوہ فقال نعم، یقول لا تستشیروھم فی شیئ من امورکم قال الحسن و تصدیق ذٰلك فی کتاب اللہ تعالٰی ثم تلا ھذہ الایۃ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ[1]۔	انس بن مالک نے فرمایا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) شرک کرنے والوں کی آگ سے روشنی نہ لو، فرمایا: ہم نہ سمجھے کہ اس کا مفہوم کیا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ حسن بصری کے پاس گئے ان سے اس کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ "اپنے کسی کام میں شرک کرنے والوں سے مشورہ نہ لو" حضرت حسن نے فرمایا کہ اس کی تصدیق اللہ تعالٰی کی کتاب میں موجود ہے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، اے ایمان والو! اپنے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ (ت)

امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی آیت کریمہ سے کافر کو محرر بنانا منع فرمایا ابن ابی شیبہ مصنف اور ابنائے حمید وابی حاتم رازی تفاسیر میں اس جناب سے راوی:

انہ قیل لہ ان ھھنا غلاما من اھل الحیرۃ حافظا کاتبا فلوا تخذتہ کاتبا قال اتخذت اذا بطانۃ من دون المؤمنین[2]۔	حضرت عمر فاروق کی بارگاہ میں عرض کی گئی کہ یہاں حیرہ کا رہنے والا ایک غلام ہے جو حافظ اور کاتب ہے اگر آپ اس کو اپنے ہاں کاتب مقرر کردیں تو (کیا ہی اچھا ہوگا) اس پر ارشاد فرمایا کہ پھر تو میں نے مسلمانوں کو چھوڑ کر اس کافر کو اپنا راز دار بنالیا۔ (ت)

تفسیر کبیر میں انھیں امور دنیویہ میں ان سے مشاورت و موانست کو سبب نزول کریمہ اور اس سے

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ یٰایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ الخ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۴/ ۳۸، شعب الایمان حدیث ۹۳۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۰

[2] تفسیر لابن ابی حاتم تحت آیۃ یایھا الذین اٰمنوا لاتتخذوا بطانۃ الخ حدیث ۴۰۳۸ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمہ ۳/ ۷۴۳

نہی مطلق کے لئے بتایا اور اسے اس گمان کا کہ ان سے مخالفت تو دین میں ہے دنیوی امور میں بدخواہی نہ کریں گے، رد ٹھہرایا کہ:

ان المسلمین کانوا یشاورونهم فی امورهم و یؤانسونهم لما کان بینهم من الرضاع والحلف ظنا منهم انهم خالفوهم فی الدین فهم ینصحون لهم فی اسباب المعاش فنهاهم الله تعالٰی بهذه الایة عنه. فمنع المؤمنین ان یتخذوا بطانة من غیر المومنین فیکون ذٰلك نهیا عن جمیع الکفار وقال تعالٰی یایها الذین اٰمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء ومما یؤکد ذٰلك ماروی انه قیل لعمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه ههنا رجل من اهل الحیرة نصرانی لا یعرف اقوی حفظا ولااحسن خطا منه. فان رأیت ان تتخذه کاتبا فامتنع عمر رضی الله تعالٰی عنه من ذٰلك و قال اذا اتخذت بطانة من غیر المومنین فقد جعل عمر رضی الله تعالٰی عنه هذه الایة دلیلا علی النهی عن اتخاذ النصرانی بطانة[1]۔	مسلمان اپنے دنیوی معاملات میں کافروں سے مشورہ کیا کرتے تھے اور ان سے موانست رکھتے تھے اس لئے دونوں کے درمیان رضاعت اور قسمیں تھیں، پس مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ اگرچہ کافر دین میں ان کے مخالف ہیں تاہم اسباب معاش وغیرہ میں ان کے خیر خواہ ہیں، پھر اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اس آیۃ مذکورہ میں کافروں کے ساتھ رواداری اور راز داری سے منع فرمایا لہٰذا اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو اہل ایمان کے علاوہ غیروں کو راز دار بنانے کی ممانعت فرمائی، پھر یہ تمام کافروں سے نہی ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اور اس کی اس روایت سے تاکید ہوتی ہے کہ جس میں یہ مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں یہ درخواست کی گئی کہ یہاں اہل حیرہ میں سے ایک شخص عیسائی ہے اس کی یادداشت (قوت حافظہ) بھی بڑی قوی ہے اور خط بھی خوبصورت (یعنی خوشنویس) ہے اگر آپ مناسب سمجھیں تو اپنے ہاں اسے منشی مقرر کرلیں، ارشاد فرمایا پھر تو میں غیر مسلموں کو اپنا راز دار بنالیا، لہٰذا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس آیۃ مذکورہ کو اس پر دلیل ٹھہرایا کہ عیسائی کو راز دار بنانے کی ممانعت ہے۔ (ت)

اس سے جملہ انواع معاملت کیوں ناجائز ہوگئے۔ بیع وشراء اجارہ واستئجار وغیرہا میں کیا راز دار

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة یایها الذین آمنوا لاتتخذوا بطانة الخ مطبعة البهیمة المصریة مصر ۸ /۱۰۔۲۰۹

بنانا یااس پر اعتماد کرنا ہے جیسے چمار کو دام دئے جوتا گنٹھوالیا، بھنگی کو مہینہ دیا پاخانہ اٹھوالیا، بزار کو روپے دئے کپڑا مول لے لیا، آپ تاجر ہے کوئی جائز چیز اس کے ہاتھ بیچی دام لے لئے وغیرہ وغیرہ، ہر کافر حربی کافر محارب ہے حربی و محارب ایک ہی ہے جیسے جدلی و مجادلی۔ وہ ذمی و معاہد کا مقابل ہے۔ راز دار بنانا ذمی و معاہد کو بھی جائز نہیں، امیر المومنین کا وہ ارشاد ذمی ہی کے بارے میں ہے یونہی موالات مطلقًا جملہ کفار سے حرام ہے حربی ہو یا ذمی، ہاں صرف در بارہ بر واحسان ان میں فرق ہے معاہد سے جائز ہے کہ

"لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ"[1] (اللہ تعالٰی تمھیں ان لوگوں سے (معاملات کرنے سے) نہیں روکتا جو دین میں تم سے جنگ نہیں کرتے۔ت) اور عربی سے حرام کہ "اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ"[2] (البتہ ان لوگوں سے تمھیں منع فرماتا ہے جو دین میں تم سے جنگ کرتے ہیں۔ت) عبارت کبیر منقولہ سوال کا یہی مطلب ہے یہی قول اکثر تاویل اور اسی پر اعتماد و تعویل ہے۔ اور ائمہ حنفیہ کے یہاں تو اس پر اتفاق جلیل ہے خود کبیر میں زیر کریمہ لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ ہے:

الاکثرون علی انهم اهل العهد وهذا قول ابن عباس والمقاتلین والکلبی[3]۔	اکثر ائمہ تفسیر کی رائے یہ ہے کہ اس سے اہل عہد مراد ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس۔ دو مقاتلوں اور کلبی کا یہی قول ہے۔(ت)

ہم نے المحجة المؤتمنه میں یہ مطلب نفیس ۱جامع صغیر امام محمد و ۲ہدایہ و ۳درر الحکام و ۴غایۃ البیان و ۵کفایہ و ۶جوہرہ نیرہ و ۷مستصفٰی و ۸نہایہ و ۹فتح القدیر و ۱۰بحر الرائق و ۱۱کافی و ۱۲التبیین الحقائق و ۱۳تفسیر احمدی و ۱۴فتح اللہ المعین و ۱۵غنیہ ذوی الاحکام و ۱۶معراج الدرایہ و ۱۷عنایہ و ۱۸محیط برہانی و ۱۹جوی زادہ و ۲۰بدائع امام ملک العلماء سے ثابت کیا حضور رحمۃ للعلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمۃ للعلمین ہیں قبل ارشاد واغلظ علیهم (کافروں اور منافقوں پر سختی کرو۔ت) انواع انواع کے نرمی و عفو و صفح فرمائے خود اموال غنیمت میں مؤلفۃ القلوب کا ایک سہم مقرر تھا مگر اس ارشاد کریم پر عفو وسفہ کو نسخ فرمادیا اور مؤلفۃ القلوب کا سہم ساقط ہوگیا۔

"وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا"[4]۔	فرمادیجئے حق تمھارے رب کی طرف سے ہے لہٰذا جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کرے یقینا ہم نے ظالموں کے لئے ایک ایسی آگ تیار کر رکھی ہے کہ جس کی دیواروں نے انھیں گھیرے میں لے رکھا ہے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۶۰/ ۸

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۹

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ لاینهکم الذین لم یقاتلوکم الخ مطبعة البهیة المصریة مصر ۲۹/ ۳۰۳

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۹

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے افضل الاساتذہ امام عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالٰی عن جن کی نسبت امام فرماتے ہیں میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا وہ کریمہ واغلظ علیہم کو فرماتے ہیں:

نسخت ھذہ الاٰیۃ کل شیئ من العفو والصفح [1]۔	اس آیت کریمہ نے ہر قسم کی معافی اور در گزر کرنے کو منسوخ کردیا ہے۔(ت)

قرآن عظیم نے یہود مشرکین کو عداوت مسلمین میں سب کافروں سے سخت تر فرمایا:

"لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَۃً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَھُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا" [2]	تم اہل ایمان سے عداوت کرنے میں سب سے زیادہ یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے۔(ت)

مگر ارشاد:

"یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ ؕ وَمَاْوٰىھُمْ جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۷۳﴾" [3]	اے نبی مکرم! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کیا کرو، اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ (ت)

عام آیہ اس میں سب کا استثناء نہ فرمایا کسی وصف پر حکم مرتب ہونا اس کی علیت کا مشعر ہوتا ہے یہاں انھیں وصف کفر سے ذکر فرما کر اس پر جہاد وغلظت کا حکم دیا تو یہ سزا ان کے نفس کفر کی ہے۔نہ کہ عداوت مومنین کی، اور نفس کفر میں وہ سب برابر ہیں، **الکفر ملۃ واحدۃ** (سارا کفر ایک ہی ملت ہے۔ت) ہاں معاہد کا استثناء دلائل قاطعہ متواترہ ہے سے ضرورۃ معلوم ومستقر فی الاذہان کہ حکم جاہد سن کر اس کی طرف ذہن جاتا ہی نہیں **فنفس النص لم یتعلق بہ ابتداء کما افادہ فی البحر الرائق** (پھر نفس نص ابتداء ہی اس سے متعلق نہیں (یعنی معاہد کو نص شامل ہی نہیں) جیسا کہ البحر الرائق میں یہ افادہ پیش کیا ہے۔(ت) تفاوت عداوت پر بنائے کار ہوتی تو یہود کو حکم مجوسی سے سخت تر ہوتا ہے حالانکہ امر بالعکس ہے اور نصارٰی کا حکم یہود سے کم تر ہوتا ہے حالانکہ یکساں ہے۔ذمی وحربی کافر کا فرق میں بتا چکا ہوں اور یہ کہ ہر حربی محارب ہے حسب حاجت ذلیل قلیل ذمیوں سے حربیوں کے مقاتلہ (مقابلہ میں مدد لے سکتے ہیں ایسی جیسے سدھائے ہوئے مسخر کتے سے شکار میں، امام سرخسی نے شرح صغیر

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ واغلظ علیہم الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۳-۱۲۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۸۲

[3] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

میں فرمایا:

والاستعانۃ باھل الذمۃ کالاستعانۃ بالکلاب [1]۔	ذمی کافروں سے مدد لینا سدھائے ہوئے کتوں سے مدد لینے کی طرح ہے۔(ت)

اور بروایت امام طحاوی ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم وصاحبین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس میں بھی کتابی کی تخصیص فرمائی مشرک سے استعانت مطلقًا ناجائز رکھی اگرچہ ذمی ہوان مباحث کی تفصیل جلیل "**المحجۃ المؤتمنۃ**" میں ملاحظہ ہو۔رہا کافر طبیب سے علاج کرانا خارجی یاظاہر مکشوف علاج جس میں اس کی بدخواہی نہ چل سکے وہ تو "لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ط" [2] (وہ کافر تمھیں نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کریں گے۔ت) سے بالکل بے علاقہ ہے اور دنیاوی معاملات میں بیع وشراء واجارہ واستیجار کی مثل ہے۔ہاں اندرونی علاج جس میں اس کے فریب کی گنجائش ہو اس میں اگر کافروں پر یوں اعتماد کیا کہ ان کو پانی مصیبت میں ہمدرد اپنا ولی خیر خواہ اپنا مخلص بااخلاص خلوص کے ساتھ ہمدردی کرکے اپنا دوست بنانے والا اس کی بیکسی میں اس کی طرف اتحاد کا ہاتھ بڑھانے والا جانا تو بیشک آیہ کریمہ کا مخالف ہے اور ارشاد آیت جان کر ایسا سمجھا تو نہ صرف اپنی جان بلکہ جان وایمان وقرآن سب کا دشمن اور انھیں اس کی خبر ہوجائے اور اس کے بعد واقعی دل سے اس کی خیر خواہی کریں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ تو مسلمان کے دشمن ہیں اور یہ مسلمان ہی نہ رہا فانہ منھم [3] (وہ انہی میں سے ہے۔ت) ہوگیا،ان کی تو دلی تمنا یہی تھی:

قال تعالٰی "وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَآءً" [4]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا)ان کی آرزو ہے کہ کسی طرح تم بھی ان کی کسی طرح تم بھی ان کی طرح کافر بنو تو تم اور وہ ایک سے ہوجاؤ۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)____ مگر **الحمدللہ** کوئی مسلمان آیہ کریم پر مطلع ہوکر ہرگز نہ جانے گا اور جانے تو آپ ہی اس نے تکذیب قرآن کی،بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ ان کا پیشہ ہے اس سے روٹیاں کماتے ہیں ایسا کریں تو بدنام ہوں دکان پھیکی پڑے،کھل جائے تو حکومت کا مواخذہ ہو سزا ہو یوں

[1] شرح الجامع الصغیر للسرخسی (محمد بن احمد)

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۸۹/۴

بدخواہی سے باز رہتے ہیں تو اپنے خیر خواہ ہیں نہ کہ ہمارے، اس میں تکذیب نہ ہوئی، پھر بھی خلاف احتیاط و شنیع ضرور ہے خصوصا یہود و مشرکین سے خصوصا سربرآوردہ مسلمان کو جس کے کم ہونے میں وہ اشقیاء اپنی فتح سمجھیں وہ جسے جان وایمان دونوں عزیز ہیں اس بارے میں کریمہ "لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا"[1] کسی کافر کو راز دار نہ بناؤ وہ تمھاری بد خواہی میں گئی نہ کریں گے۔ وکریمہ "وَ لَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً"[2] اللہ ورسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو دخیل کار نہ بنانا، وحدیث مذکور لاتستضیئوا بنار المشرکین[3] (مشرکوں کی آگ سے روشنی نہ لو) بس ہیں۔ اپنی جان کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دینے سے زیادہ کیا راز دار ودخیل کار ومشیر بنانا ہوگا، امام محمد عبدری ابن الحاج مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

واشد فی القبح واشنع ماارتکبه بعض الناس فی هذا الزمان من معالجة الطبيب والكحال الكافرين اللذين لايرجی منهما نصح ولاخير بل يقطع بغشهما واذيتهما لمن ظفرا به من المسلمين سيما ان كان المريض كبيرا فی دينه اوعلمه[4]۔	یعنی سخت تر قبیح و شنیع ہے وہ جس کا ارتکاب آجکل بعض لوگ کرتے ہیں، کافر طبیب اور سیتے سے علاج کرانا، جن سے خیر خواہی اور بھلائی کی امید در کنار یقین ہے کہ جس مسلمان پر قابو پائیں اس کی بد سگالی کرینگے اور اسے ایذا پہنچائیں گے خصوصا جبکہ مریض دین یا علم میں عظمت والا ہو۔

پھر فرمایا:

لهم لا يعطون لاحد من المسلمين شيئا من الادوية التی تضرها ظاهرا لانهم لو فعلوا ذلك لظهر غشهم و انقطعت مادة معاشهم لكنهم يضيفون له من الادوية مايليق	یعنی وہ مسلمان کو کھلے ضرر کی دوانہیں دیتے کہ یوں تو ان کی بدخواہی ظاہر ہو جائے اور ان کی روزی میں خلل آئے بلکہ مناسب دوا دیتے اور اس میں اپنی خیر خواہی وفن دانی ظاہر کرتے ہیں اور کبھی مریض اچھا ہو جاتا ہے جس میں ان کا نام ہو اور معاش خوب چلے

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۹ /۱۶

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه المكتب الاسلامی بيروت ۳ /۹۹

[4] المدخل لابن الحاج فصل فی المزين الكحال والطبيب الكافرين دار الكتب العربی بيروت ۴ /۱۱۴

بذلك المرض ویظهرون الصنعة فیه و النصح وقد یتعافی المریض فینسب ذلك الی حذق الطبیب و معرفته لیقع علیه المعاش کثیرا بسبب ماوقع له من الثناء علی نصحه فی صنعة لکنه یدس فی اثناء وصفه حاجة لایفطن لما فیها من الضرر غالبا وتکون تلك الحاجة مما تنفع ذلك المریض وینتعش منه فی الحال،لکنه یبقی المریض بعدها مدة فی صحة و عافیة ثم یعود علیه بالضرر فی اٰخر الحال وقد یدس حاجة اخری کما تقدم لکنه ان جامع انتکس ومات وکذالك یفعل فی حاجة اُخری یصح المریض بعد استعمالها لکنه اذا دخل الحمام انتکس ومات وقد یدس حاجة اخری فاذا استعملها المریض صح واقام من مرضه لکن لها مدة فاذا انقضت تلك المدة عادت بالضرر علیه،وتختلف المدة فی ذلك،فمنها ما یکون مدتها سنة اواقل او اکثر الی غیر ذلك من غشهم و هو کثیر ثم یتعلل عدواللّٰه بان هذا مرض اٰخر دخل علیه فلیس له فیه حیلة فلوسلم منه لعاش وصح ویظهر التأسف والحزن علی ما اصاب المریض ثم یصف بعد ذلك اشیاء تنفع لمرضه لکنها لاتفید بعد ان فات الامر فیه فینصح حیث لاینفع نصحه فمن یری ذلك منه یعتقد انه من الناصحین وهو من اکبر الغاشین وقد قیل:؎

اور اسی کے ضمن میں ایسی دوا دیتے ہیں کہ فی الحال مریض کو نفع دے اور آئندہ ضرر لائے یا ایسی دوا کہ اس وقت مرض کھودے مگر جب مریض جماع کرے مرض لوٹ آئے اور مرجائے یا ایسی کہ سردست تندرست کردے مگر جب حمام کرے مرض پلٹے اور موت ہو یا ایسی کہ اسی وقت مریض کھڑا ہوجائے اور ایک مدت سال بھر یا کم وبیش کے بعد وہ اپنا رنگ لائے اور ان کے سوا ان کے فریبوں کے اور بہت طریقے ہیں، پھر جب مرض پلٹا تو اللہ کا دشمن یوں بہانے بناتا ہے کہ یہ جدید مرض ہے اس میں میرا کیا اختیار ہے اور مریض کی حالت پر افسوس کرتا ہے پھر صحیح نافع نسخے بتاتا ہے مگر جب بات ہاتھ سے نکل گئی کیا فائدہ، تواس وقت خیر خواہی دکھاتا ہے جب اس سے نفع نہیں، دیکھنے والے اسے خیر خواہ سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سخت تربد خواہ ہے۔

کل العداوۃ قد ترجی ازالتھا الاعداوۃ من عاداك فی الدین [1]	ہر عداوت کے ازالہ کے لئے امید کی جاسکتی ہے سوائے اس شخص کے جو تیرے ساتھ دین میں عداوت رکھے۔

پھر فرمایا:

وقد یستعملون النصح فی بعض الناس ممن لاخطر لھم فی الدین ولا علم وذٰلك ایضا من الغش لانھم لولم ینصحوا لما حصلت لھم الشھرۃ بالمعرفۃ بالطب ولتعطل علیھم معاشھم وقد ینفطن لغشھم ومن غشھم نصحھم لبعض ابناء الدنیا لیشتھروا بذٰلك وتحصل لھم الحظوۃ عندھم وعند کثیر ممن شابھھم ویتسلطون بسبب ذٰلك علی قتل العلماء والصالحین وھذا النوع موجود ظاہر. وقد ینصحون العلماء و الصالحین وذٰلك منھم غش ایضا لانھم یفعلون ذٰلك لکی تحصل لھم الشھرۃ وتظھر ضعتھم فیکون سببا الی اتلاف من یریدون اتلافه منھم وھذا منھم مکر عظیم [2]۔	یعنی وہ کبھی عوام کے علاج میں خیر خواہی کرتے ہیں اور یہ بھی ان کا مکر ہے کہ ایسا نہ کریں تو شہرت کیسے ہو روٹیوں میں فرق آئے اور کبھی ان کے فریب پر لوگ چرچ جائیں، یوہیں یہ فریب ہے کہ بعض رئیسوں کا علاج اچھا کرتے ہیں کہ شہرت اور اس کے نزدیک اور اس جیسوں کی نگاہ میں وقعت ہو پھر علماء وصلحاکے قتل کا موقع ملے اور ایسے اب موجود وظاہر ہیں اور کبھی علماء وصلحاکے علاج میں بھی خیر خواہی کرتے ہیں اور یہ بھی فریب ہے کہ مقصود ساکھ بندھن ہے پھر جس عالم یا دیندار کا قتل مقصود ہے اس کی راہ ملنا اور یہ ان کا بڑا مکر ہے پھر اپنے زمانے کا ایک واقعہ ثقہ معتمد کی زبانی بیان فرمایا کہ مصر میں ایک رئیس کے یہاں ایک یہودی طبیب تھا رئیس نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے نکال دیا وہ خوشامدیں کرتا رہا یہاں تک کہ رئیس راضی ہوگیا کافر وقت کا منتظر رہا پھر رئیس کو کوئی سخت مرض ہوا، میں طبیب مغربی سے طب پڑھ رہا تھا لوگ انھیں بلانے آئے انھوں نے عذر کیا لوگوں نے اصرار کیا، گئے، اور مجھے فرماگئے میرے آنے تک بیٹھے رہنا، تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کانپتے تھر تھراتے واپس آئے، میں نے کہا خیر ہے۔ فرمایا میں نے پوچھا کہ یہودی نے کیا نسخہ دیا، معلوم ہوا کہ وہ رئیس کا کام تمام کرچکا، میں اندر نہ گیا کہ ایک تو اس کے بچنے کی امید نہیں

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۶-۱۱۵

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷-۱۱۶

	پھر یہ اندیشہ کہ کہیں یہودی میرے ذمے نہ رکھ دے رئیس کل تک نہ بچے گا، وہی ہوا کہ صبح تک اس کا انتقال ہوگیا، پھر فرمایا کہ بعض لوگ کافر طبیب کے ساتھ مسلمان طبیب کو بھی شریک کرتے ہیں کہ جو نسخہ وہ بتائے مسلمان کو دکھالیں، یوں اس کے مکر سے امن سمجھتے ہیں اور اس میں کچھ حرج نہیں جانتے۔

فرمایا:

وهذا ليس بشيئ ايضاً من وجوه **الاول** ان المسلم قد يغفل عن بعض ماوصفه **الثاني** مافيه اقتداء الغير به **الثالث** مافيه الاعانة لهم على كفرهم بما يعطيه لهم، **الرابع** ما فيه ذلة المسلم لهم **الخامس** مافيه تعظيم شانهم سيما ان كان المريض رئيسا وقد امر الشارع عليه الصلٰوة والسلام بتصغير شانهم وهذا عكسه [1]۔	یہ بوجوہ کچھ نہیں، ایک تو ممکن کہ جو دوا کافر نے بتائی اس وقت مسلمان طبیب کے خیال میں اس کا ضرر نہ آئے پھر اس کو دیکھا دیکھی اور مسلمان بھی کافر سے علاج کرائیں گے۔ فیس وغیرہ جو اسے دی جائے وہ اس کے کفر پر مدد ہوگی، مسلمان کو اس کے لئے تواضع کرنی پڑے گی، علاج کی ناموری سے کافر کی شان بڑھے گی خصوصاً اگر مریض رئیس تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی تقیر کا حکم دیا اور یہ اس کا عکس ہے۔

پھر فرمایا:

ثم مع ذٰلك مايحصل من الانس والودلهم وان قل الامن عصم الله وقليل ماهم وليس ذٰلك من اخلاق اهل الدين [2]۔	پھر ان سب وجوہ کے ساتھ یہ ہے کہ اس سے ان کے ساتھ انس اور کچھ محبت پیدا ہوجاتی ہے اگرچہ تھوڑی ہی سہی سوا اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے اور وہ بہت کم ہیں اور کافر سے انس اہل دین کی شان نہیں۔

پھر فرمایا:

ومع ذلك يخشى على دين بعض من يستطبهم من المسلمين [3]۔	ان سب قباحتوں کے ساتھ سخت آفت یہ ہے کہ کبھی ان سے علاج کروانے والے کے ایمان پر اندیشہ ہوتا ہے۔

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴ /۱۸۔۱۱۷

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴ /۱۲۰

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتب العربی بیروت ۴ /۱۲۰

پھر اپنے بعض ثقہ معتمد برادران دینی کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان کے یہاں بیماری ہوئی مریض نے ایک یہودی طبیب کی طرف رجوع پر اصرار کیا، انھوں نے اسے بلایا، وہ علاج کرتا رہا ایک دن اسے خواب میں دیکھا کہ ان سے کہتا ہے کہ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کا دین قدیم ہے اسی کو اختیار کرنا چاہئے۔ اور یوہیں میں کیا کیا بکتا رہا، یہ ترساں ولرزاں جاگے اور عہد کرلیا کہ اب وہ میرے گھر نہ آنے پائے راستے میں بھی وہ جہاں ملتا یہ اور راہ ہوجاتے کہ مبادا اس کا وبال انھیں پہنچے، امام فرماتے ہیں:

فھذا قد رحم بسبب انہ کان معتنی بہ فیخاف من استطبھم ولم یکن معتنی بہ ان یھلك معھم ولو لم یکن فیہ الا الخوف من ھذا الامر الخطر لکان متعینا ترکہ فکیف مع وجود ما تقدم[1]۔	ان صاحب پر تو یوں رحمت ہوئی کہ زیر عنایت تھے جو ایسا نہ ہو اور ان سے علاج کرائے اس پر خوف ہے کہ ان کے ساتھ ہلاک ہوجائے ان کے علاج میں اس شدید خطرناک خوف کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تو اس قدر سے اس کا ترک لازم ہوتا نہ کہ اور شناعتوں کے ساتھ جن کا ذکر گزرا۔

ان امام ناصح رحمہ اللہ تعالٰی کے ان نفیس بیانوں کے بعد زیادت کی حاجت نہیں اور بالخصوص علمائے وعظمائے دین کے لئے زیادہ خطر کا مؤید امام مارزی رحمہ اللہ تعالٰی کا واقعہ ہے علیل ہوئے ایک یہودی معالج تھا اچھے ہوجاتے پھر مرض عود کرتا کئی بار یوہیں ہوا، آخر اسے تنہائی میں بلا کر دریافت فرمایا اس نے کہا اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو ہمارے نزدیک اس سے زیادہ کوئی کار ثواب نہیں کہ آپ جیسے امام کو مسلمانوں کے ہاتھ سے کھودوں، امام نے اسے دفع فرمایا، مولی تعالٰی نے شفا بخشی، پھر امام نے طب کی طرف متوجہ فرمائی اور اس میں تصانیف کیں اور طلبہ کو حاذق اطباء کردیا اور مسلمانوں کو ممانعت فرمادی کہ کافر طبیب سے کبھی علاج نہ کرائیں، یہود کے مثل مشرکین ہیں کہ قرآن عظیم نے دونوں کو ایک ساتھ مسلمانوں کا سب سے سخت تر دشمن بتایا اور "لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ" تو عام کفار کے لئے فرمایا۔

عورت کا مرتد ہوکر نکاح سے نہ نکلنا تمام کتب ظاہر الروایۃ وجملہ متون وعام شروح وفتاوٰی قدیمہ سب کے خلاف ہے اور سب کے موافق، خلاف ہے قول صوری کے اور موافق ہے قول ضروری کے، قول ضروری اور صوری کا فرق میرے رسالہ اجل الاعلام بان الفتوٰی مطلقًا علی قول الامام (بالکل ظاہر اور واضح اعلان ہے کہ فتوٰی دینا علی الاطلاق امام کے قول پر ہے۔ت) میں ملے گا کہ میرے فتاوٰی

[1] المدخل لابن الحاج فی فصل فی المزین وسائس الطبیب الکافر دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

جلد اول ف میں طبع ہوا اور اس کا قول ضروری کے موافق ہونا میرے فتوئے سے کہ بجواب سول علی گڑھ لکھا ظاہر اس کی نقل حاضر ہوگی اور یہ حکم صرف نکاح میں ہے باقی تمام احکام ارتداد جاری ہوں گے، نہ وہ شوہر کا ترکہ پائے گی نہ شوہر اس کا اگر اپنے مرض الموت میں مرتدہ نہ ہوئی ہو، نیز جب تک وہ اسلام لائے شوہر کو اسے ہاتھ لگانا حرام ہوگا، عالمگیری منشاء مسئلہ مذکورہ سے خالی نہیں باب نکاح الکفار میں دیکھئے:

لواجرت کلمۃ الکفر علی لسانھا مغایظۃ لزوجھا او اخراجا لنفسھا عن حبالتہ اولاستیجاب المھر علیہ بنکاح مستانف تحرم علی زوجھا فتجبر علی الاسلام ولکل قاض ان یجدد النکاح بادنی شیئ ولو بدینار سخطت او رضیت ولیس لھا ان تتزوج الا بزوجھا قال الھندوانی اخذ بھذا قال ابو اللیث وبہ ناخذ کذا فی التمرتاشی [1]۔	اگر کسی منکوحہ عورت نے اپنی زبان پر کلمہ کفر جاری کیا اپنے شوہر کو طیش دلاتے ہوئے یا اپنی ذات کو اس سے باہر کرنے کے لئے یا اس لئے کہ اس پر جدید نکاح سے مہر واجب ہو تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جائے گی پھر اسے اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا، اور ہر قاضی کے جائز ہے کہ وہ بالکل کسی معمولی چیز سے دوبارہ اس کا نکاح پڑھادے اگرچہ ایک اشرفی ہی کیوں نہ ہو، چاہے عورت ناراض ہو یا راضی، اور عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے، فقیہ ہندوانی نے فرمایا کہ میں اسی کو اختیار کرتا ہوں، فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں، یونہی تمرتاشی میں مذکور ہے۔(ت)

اسی کے بیان میں درمختار میں ہے:

صرحوا بتعزیرھا خمسۃ وسبعین وتجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوی والوالجیۃ [2]۔	فقہاء کرام نے تصریح فرمائی کہ عورت کو پچھتّر کوڑے سزا دی جائے اور اسلام لانے پر مجبور کیا جائے اور بالکل معمولی مہر سے جدید نکاح کیا جائے جیسے کہ ایک اشرفی وغیرہ، اور اسی پر فتوٰی ہے ولوالجیہ (ت)

یہ احکام اسی طرح مذہب کے خلاف ہیں جب مرتدہ ہوتے ہیں نکاح فوراً فسخ ہوگیا کہ ارتداد احدھما فسخ فی الحال

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۳۹

[2] درمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

ف: رسالہ اجل الاعلام فتاوٰی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد اول کے صفحہ ۹۵ پر موجود ہے۔

(میاں بیوی دونوں میں سے کسی ایک کا اسلام سے روگردانی کرنا فوراً نکاح کو ختم کردیتا ہے۔ت) پھر بعد عدت دوسرے سے اسے نکاح ناجائز ہونا کیا معنی اور پہلے سے تجدید نکاح پر جبر کیا معنی، کیوں نہیں جائز کہ وہ کسی سے نکاح نہ کرے اور اس تجدید میں زبردستی ادنٰی سے ادنٰی مہر باندھنے کا ہر قاضی کو اختیار ملنا کیا معنی، مہر عوض بضع ہے اور معاوضات میں تراضی شرط

اقول: (میں کہتا ہوں) بلکہ ان اکابر کے قول ماخوذ و مفتٰی بہ کو کہ قول ائمہ بخارا ہے فتوائے ائمہ بلخ رحمہم اللہ تعالٰی سے جسے فقیر نے باتباع نہر الفائق وغیرہ اختیار کیا بعد نہیں تجدید نکاح بنظر احتیاط ہے اور شوہر پر حرام ہوجانا موجب زوال نکاح نہیں، بارہا عورت ایک مدت تک حرام ہوجاتی ہے اور نکاح باقی ہے جیسے بحال نماز و روزہ رمضان واعتکاف واحرام و حیض و نفاس، یونہی جبکہ زوجہ کی بہن سے نکاح کرکے قربت کرنے زوجہ حرام ہوگئی یہاں تک کہ اس کی بہن کو جدا کردے اور اس کی عدت گزر جائے بلکہ کبھی ہمیشہ کے لئے حرام ہوجاتی ہے اور نکاح زائل نہیں جیسے حرمت مصاہرت طاری ہونے سے کہ متارکہ لازم ہے تو نکاح قائم ہے اور زن مفضاۃ کہ سبیلین ایک ہوجائیں نکاح میں اصل خلل نہیں، اور حرمت ابدی، دائم ہے والمسائل منصوص علیہا فی الدر وغیرہ من الاسفار الخ (مسائل مذکورہ کی درمختار وغیرہ بڑی کتابوں میں صراحت کردی گئی الخ۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

(رسالہ "الرمز المرصف علی سوال مولٰنا السید اٰصف" ختم شد)

مسئلہ ۸۷: از وزیر احمد مدرس مہارانا ہائی اسکول اودے پور میواڑ ۱۲/ محرم ۱۳۳۹ھ

بُت یا تعزیہ کا چڑھاوا مسلمان کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان کے نزدیک بت اور تعزیہ برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ تعزیہ بھی جائز نہیں، بت کا چڑھاوا غیر خدا کی عبادت ہے اور تعزیہ پر جو ہوتا ہے وہ حضرات شہدائے کرام کی نیاز ہے، اگرچہ تعزیہ پر رکھنا لغو ہے۔ بت کی پوجا اور محبوبان خدا کی نیاز کیونکر برابر ہو سکتی ہے اس کا کھانا مسلمانوں کو حرام ہے، اور اس کا کھانا بھی نہ چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۸: از شہر کہنہ مسئولہ محمد خلیل الدین احمد صاحب ۱۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ۸ محرم الحرام کو روافض جریدہ اٹھاتے ہیں گشت کے وقت ان کو اگر کوئی اہل سنت وجماعت شربت کی سبیل لگا کر شربت پلائے یا ان کو چائے بسکٹ یا کھانا کھلائے اور ان کی شمول میں کچھ اہلسنت وجماعت بھی ہوں اور کھائیں پئیں، تو یہ فعل کیسا ہے اور اس سبیل وغیرہ میں چندہ دینا کیسا ہے؟

الجواب:

یہ سبیل اور کھانا چائے بسکٹ کہ رافضیوں کے مجمع کے لئے کئے جائیں جو تبرا ولعنت کا مجمع ہے ناجائز وگناہ ہیں اور ان میں چندہ دینا گناہ ہے۔ اور ان میں شامل ہونے والوں کا حشر بھی انھیں کے ساتھ ہوگا۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم[1]**۔ وقال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ"**[2] **وقال تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۠"**[3]**۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی کسی جماعت کو بڑھائے (اور اس میں اضافہ کرے) تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

مسئلہ ۸۹: از موضع لاہور بڑا بازار مسئولہ اللہ دتہ زرگر ۱۶/ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع مزنگ لاہور میں فرقہ وہابیہ ودیوبندیہ نے اس بات پر بہت زور دے رکھا ہے بلکہ جابجا اشتہار جاری کئے ہیں کہ محرم شریف کے دنوں میں تعزیہ نکالنا اور سبیل لگانا اور گھوڑا نکالنا سخت گناہ ہے برائے مہربانی ان کی تردید فرمائیں، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

سبیل لگانا ضرور جائز ہے۔ دیوبندی ضرور گمراہ ہیں بے دین ہیں، البتہ تعزیہ ناجائز ہے۔ اور گھوڑا نکالنا نقل بنانا ہے اور اکابر کی نقل بنانی بے ادبی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۰: خلیل الرحمٰن خاں صاحب رکن انجمن خادم الساجدین قاضی ٹولہ ۱۳/ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گاندھی کا جلوس جو آنے والا ہے اس کو لیڈر یعنی ہادی اور رہبر سمجھ کر اور یہ جان کر کہ اس کا بڑا رتبہ بڑی عزت ہے اور اس کے آنے سے شہر کی خاک پاک ہو جائے گی اس کا استقبال شاندار بنانے کے لئے جانا کیسا ہے۔ اور یہ جو بعض جاہلوں نے مشہور کیا ہے کہ کوئی کسی نیت سے جائے مطلقاً کافر ہو جائے گا، یہ سچ ہے یا افتراء؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اس جلوس میں شرکت حرام ہے اور اسے شاندار بنانے کی نیت بدخواہی اسلام ہے اور اس کی آمد سے شہر کی خاک پاک ہونے کا خیال تکذیب کلام ذی الجلال والاکرام ہے۔ اور صرف تماشا دیکھنے کی نیت سے جانا ہرگز کفر نہیں البتہ یہ بھی حرام ہے۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

التفرج علی المحرم حرام [1]۔	حرام کام پر خوش ہونا حرام ہے۔(ت)

یہ جس نے کہا کہ مطلقاً جانے پر حکم کفر ہے محض افتراء کیا، البتہ ایسی تعظیم کو ائمہ نے کفر لکھا ہے جبکہ بلا اکراہ ہو، اشباہ والنظائر وتنویر الابصار ودرمختار وغیرہ میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا کفر [2]۔	اگر کسی نے ذمی کافر کی تعظیم کرتے ہوئے سلام دیا تو کافر ہو گیا۔(ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار مقدمۃ الکتاب دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱

[2] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

انھیں میں ہے:

لوقال لمجوسی یا استاد تجبیلا یکفر[1]۔	اگر آتش پرست کو عزت افزائی سے "اے استاد" کہا تو کافر ہوجائے گا۔(ت)

جو صرف تماشا دیکھنے کو جائے اور شریک تعظیم نہ ہو اسے افر کہنا وہابیوں کا شیوہ ہے ان کے یہاں یہ مسئلہ ہے کہ ہنود کے میلوں میں جانے سے مطلقًا کافر ہوجاتا ہے اور بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے حالانکہ وہابیہ خود کافر ہیں، تماشا کافر نہیں ہوسکتا البتہ کو گنہگار ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱: از شہر محلّہ قانون گویاں مسئولہ دردی بیگ ۱۳/ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مولوی شوکت علی اور مولوی مسٹر گاندھی ان کے جلسہ میں جانا چاہئے یا کہ نہیں؟ اور جیسا حکم حضور دیں۔

الجواب:

اس جلسہ میں جانا حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲ تا ۹۴: از کراچی کمپ (سندھ) صدر بازار مسئولہ سیٹھ حاجی ابوبکر وحاجی ایوب عفااللہ عنہ رکن اعلی مجلس منتظمہ مدرسہ اسلامیہ جماعت میمنان ۲۲ صفر ۱۳۳۹ھ

الحمدللہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی رسولہ و حبیبہ سیدنا وسید المرسلین محمد واٰلہ الطیبین الطاھرین وصحبہ اجمعین۔	سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور درود وسلام اس کے رسول اور اس کے حبیب پر ہو جو ہمارے آقا اور رسول کے سردار ہیں جو کہ محمد کریم ہیں اور ان کی پاک صاف اولاد پر اور ان کے تمام ساتھیوں پر۔(ت)

فامابعد! کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان ومسند آرایان شرع متین حضرت سیدنا وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس باب میں کہ:

(۱) آج کل کی شور شہائے سیاسی میں ہندوستان کے اہل اسلام کو ارباب حکومت ہند سے شرعًا قطع علائق ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کس حد تک؟

(۲) نیز ایک ایسے صوبہ میں جس کی قریبًا پچاسی فیصد آبادی اسلامی فلاحین اور کاشتکاروں

[1] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

پر مشتمل ہے جن کے سالانا محاصل اراضی کا ایک حصہ تعلیمی امداد کے ذیل وصولی کرکے پھر سے حصہ رسدی اور بلا تفریق مذہب وملت ومدارس مروجہ امدادیہ کو تقسیم کیا جاتا ہے۔آیا اس حصہ رسدی امداد سے جو ایک طرح سے اپنی ہی رقم ادا کردہ کا حصہ واپس کردہ ہے استفادہ کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز، خصوصاً ایسے مدارس ومکاتب کے لئے جو کامل اسلامی اہتمام کے ماتحت جاری ہیں اور جن کے دینی ومذہبی شعبہ تعلیم پر ارباب حکومت ہرگز کسی نہج معترض نہیں ہوتے اور جن کے نصاب تعلیم کا سرکاری حصہ مروجہ تعلیم بھی کسی خفیف سے خفیف شائبہ موانع شرعیہ سے جزءً اوکلاً پاک ہے مثلاً کلام مجید، حدیث شریف، فقہ حنفیہ وغیرہ کی تعلیم وتدریس کی پوری پوری آزادی کے پہلو بہ پہلو صرف علوم مروجہ مثل ریاضیات، تاریخ، جغرافیہ اور کتب اردو بھی اس اہتمام خاص کے ساتھ پڑھانے کی اجازت ہے کہ بجائے مقررہ مدارس گورنمنٹی کے کتب السلام پڑھائی جائیں جن کا بیشتر حصہ ارکان خمسہ اسلامی تشریح وتوضیح سے مملو اور خالص ومستند اسلامی تاریخ مثل سریات وغزوات نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معمور ہے اس امداد سے متمتع ہونا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) نیز بصورت جواز جو شخص (مسلمان) محض مشرکین ہنود سے خراج تحسین وآفرین حاصل کرنے کے لئے ایسے اسلامی مدارس کے لئے جن میں غریب ومفلس وکم استطاعت طلباء اور مساکین ویتامٰی کی تعلیم وتدریس دینی ودنیوی کا اہتمام مفت ہوتا ہو اور انھیں سال بھر میں دوبار سرد وگرم پوشاکیں بمناسبت موسم مفت بہم پہنچائی جاتی ہیں اور محض اللہ پاک کے بھروسہ پر اور کافی امدادی فنڈ کے بل بوتے پر ہی ان کی رہائش وخورش کا انتظام مناسب بھی زیر غور ہے نیز ان بیکس طلباء کو آئندہ اپنی تعلیمات دینی ودنیوی کے اس اہتمام کے یعنی اہتمام پابندی جملہ اشعار اسلام کے ساتھ جاری رکھتے ہیں للہ اور محض حسبۃً لوجہ اللہ ہر طرح کی ممکن امداد دی جاتی ہے اسی امدادی سرکاری سے دست کشی پر مجبور کرکے اسے نقصان صریح پہنچانا چاہتا ہو محض بایں خیال کہ چونکہ بعض مشرکین ہنود اسے ناجائز قرار دیتے ہیں لہذا یہ شرعاً بھی ناجائز ہے۔اس کے باب میں شرعاً کیا رائے ان کی درست ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) حکومت ہو یا رعیت ہند کی ہو یا کہیں کی، ہر شخص سے جتنا تعلق حدود شرعی سے باہر نہیں، اپنے تنوع احوال پر جائز یا مستحسن یا فرض ہے اور جو کچھ حد سے باہر ہو باختلاف احوال مکروہ یا ممنوع یا حرام ہے یہ حکم جیسا پہلے تھا اب بھی ہے جدید شورشوں نے جو نئے احکام جاری کئے بے اصل ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جو مدارس ہر طرح خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے احادیث کثیرہ ان کے فضائل سے مملو ہیں، ایسے مدارس کے لئے گورنمنٹ

اگر اپنے پاس سے امداد کرتی ہے بلا شبہ اس کا لینا جائز تھا اور اس کا قطع کرنا حماقت خصوصاً جبکہ اس کے قطع سے مدرسہ نہ چلے کہ اب یہ سد باب خیر تھا اور مناع للخیر پر وعید شدید وارد ہے، نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہو، اب دوہری حماقت بلکہ دونا ظلم ہے کہ اپنے مال سے اپنے دین کو نفع پہنچانا بند کیا اور جب وہ مدارس اسلامیہ میں نہ لیا گیا گورنمنٹ اپنے قانون کے مطابق اسے دوسرے مدارس غیر اسلامیہ میں دے گی تو حاصل یہ ہوا کہ ہمارا مال ہمارے دین کی اشاعت میں صرف نہ ہو بلکہ اور کسی دین باطل کی تائید میں خرچ ہو کیا کوئی مسلم عاقل اسے گوارا کرسکتا ہے، ردالمحتار میں قبیل باب المرتد ہے:

وفی اواخر الفن الثالث من الاشباہ اذا ولی السلطان مدرسا لیس باھل لم تصح تولیته وفی البزازیة السلطان اذا اعطی غیر المستحق فقد ظلم مرتین بمنع المستحق واعطاء غیرہ اھ ففی توجیه ھذہ الوضائف لابناء ھؤلاء الجھلة ضیاع العلم والدین و اعانتھم علی اضرار المسلمین[1] ـ واللہ تعالٰی اعلم۔	الاشباہ والنظائر کے تیسرے فن کے آخر میں ہے کہ اگر بادشاہ کوئی ایسا پڑھانے والا استاد مقرر کرے کہ جو قابل نہ ہو تو اس کا تقرر کرنا صحیح نہیں، اور فتاوٰی بزازیہ میں ہے کہ جب بادشاہ کسی غیر مستحق کو کچھ دے تو اس نے دگنا ظلم کیا، ایک یہ کہ مستحق کو نہ دیا، دوسرا یہ کہ غیر مستحق کو دے دیا (اھ) پس یہ وظائف اس قسم کے جاہلوں کو دینا علم اور دین کو ضائع کرنا ہے۔ اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے پر ان کی مدد کرنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۳) ظاہر ہے کہ اس کی یہ رائے باطل و مضر ہے اور مشرک کے کہنے کو شرع کا حکم ماننا سراسر خلاف اسلام ہے احمق جاہلوں نے آج کل مشرکین کو اپنا خیر خواہ سمجھ رکھا ہے۔ اور یہ صراحۃً قرآن عظیم کی تکذیب ہے اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ "[2] ـ	وہ تمہاری نقصان رسانی میں گئی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مشقت میں پڑو بے شک عداوت ان کے منہوں سے ظاہر ہوچکی ہے اور وہ جو ان کے دلوں میں دبی ہے اور بڑی ہے بے شک ہم نے نشانیاں صاف بیان فرمادیں اگر تمہیں سمجھ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۸۱

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۱۸

مسئلہ ۹۵ تا ۹۷: از سندیلہ ضلع ہردوئی مکان چودھری نبی جان صاحب مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب دامانی ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے شریعت وطریقت اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے کہ ۱رابطہ شیخ بدعت اور شرک ہے اور نماز میں کفر ہے۔ اور مکتوب ۳۰ جلد ثانی مکتوبات امام ربانی صاحب کی یہ تاویل کرتاہے کہ وہ حالت بے اختیار کی تھی اور بے اختیاری خیال نماز میں جائز ہے۔ عمرو کہتاہے کہ یہ مذہب فرقہ اسمعیلیہ کا ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ قول زید کا حق ہے یا عمرو کا اگر قول عمرو کا حق ہے تو حکم کفر مطابق حدیث شریف زید پر عائد ہوگا یا نہیں؟ اور زید پر تعزیر شرعی آئے گی یا نہیں؟ زید چونکہ علم سے ناواقف ہو کر فتوی دے بیٹھا تو مورد حدیث **فافتوا بغیر علم فضلوا واضلو**[1] (پھر انھوں نے بغیر علم فتوی دیا تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ت) کا ہوگا یا نہیں؟

اگر کوئی ایسا کامل ظہور ہو کہ جس کے فیض سے علاوہ فوائد دینی ودنیوی کے صدہا لوگ نمازوں میں روتے نظر آئیں اگر کوئی اس فیض کو روکنے کی کوشش کرے تو مورد "**یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ**"[2] (اور وہ دوسروں کو اللہ تعالٰی کے راستہ سے روکتے ہیں۔ ت) کا ہوگا یا نہیں؟

۲دوسرا امر یہ کہ علماء سابق کہ جن کا تقوی ار تبحر علمی شہرہ آفاق تھا انھوں نے مسائل اختلافیہ فقہیہ میں ایک جانب کو راجح سمجھ کر عوام میں رائج اور شائع کردیا اور عوام میں بلحاظ فتنہ وفساد اس اختلاف کو ظاہر نہ کیا، اب اس زمانہ میں بعض علماء نے دوسری جانب کو عوام میں شائع کرکے فتنہ اور فساد میں ڈال دیا کہ اول تو عوام کہنے لگے کہ ہم کس کس مولوی کی مانیں کہ کوئی مولوی کچھ کہتاہے کوئی کچھ کہتاہے، دوسرا علمائے سابق کہ تقوی اور تبحر علمی میں مشہور تھے ان پر الزام غلطی کا لگا کر ضمناً راستہ جہنم کا دکھایا۔

۳تیسرے پہلے تو ذبح قبور اور ذبح فوق العقدہ اور ضاد ظا اور سنت فجر وغیرہ میں جھگڑا کرکے انا اعتبار جمایا پھر رفع یدین اور جہر آمین تک بھی پہنچیں گے کہ یہ بھی حدیث سے ثابت ہے توجب ان علماء سابق سے تقلید چھڑائی حالانکہ ان کے دلائل ترجیح کی کتابوں میں موجود ہیں کہ بعض رسالہ صیقل میں راقم نے ذکر کیے ایسا ہی بڑے اماموں سے بھی تقلید چھڑا کر اپنا مقلد بنا کر چھوڑیں گے تو ایسے مولویوں کا کیا حکم ہے؟ المستفتی خاکسار محمد مقیم الدین دامانی

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۵

الجواب:

دربارہ رابطہ قول عمرو حق ہے اور قول زید سراسر باطل۔ رابطہ شیخ بلا شبہہ جائز و مستحسن وسنت اکابر ہے فقیر کا رسالہ "الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ" اسی مسئلہ کے بیان میں ہے عبارت مکتوبات کی تاویل کہ زید نے کی، تاویل نہیں، تحویل و تبدیل ہے۔ اور اسے شرک وکفر کہنا مسئلہ وہابیت ہے۔ اور وہابیہ خود مشرک وکافر ہیں، کسی شخص مسلم پر بلاوجہ شرعی حکم تکفیر بحسب ظواہر احادیث صحیحہ ونصوص صریحہ جمہور فقہاء خود قائل کے لئے مستلزم کفر ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد باء بہ احدھما [1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو "اوکافر" کہے، تو وہ کفر دونوں میں سے کسی ایک پر لوٹ پڑتا ہے۔ (ت)

اور اس پر ضرور تعزیر شرعی لازم ہے کہ حاکم اسلام کی رائے پر ہے سلطان اسلام یا اس کے مقرر کردہ حکام ضرب وحبس سے قتل تک اسے تعزیر دے سکتے ہیں، تعزیر ہم لوگوں کے ہاتھ میں نہیں، ہمارے پاس اسی قدر ہے کہ اس سے میل جول سلام کلام ترک کریں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم و لا یفتنونکم [2]۔ و قال تبارک و تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [3]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گمراہوں سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ تمھیں گمراہ نہ کریں اور تمھیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت)

بے علم فتوٰی دینے والا اگرچہ جاہلوں کا مقتدا ہو تو ضرور حدیث فضلوا واضلوا (وہ خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کا۔ ت) کا مصداق ہے آپ بھی گمراہ ہوا اور انھیں بھی گمراہ کرے گا کہ صدر حدیث یوں ہے:

اتخذ الناس رؤسا جھالا	لوگوں نے جاہل سرداروں کو (سربراہ) بنالیا پھر

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۰۱

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰

[3] القرآن الکریم ۶ /۶۸

فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[1]۔	ان سے اسلامی مسائل دریافت کئے گئے تو انھوں نے بے علمی سے فتوے دیئے، خود بھی بھٹک گئے اور دوسروں کو بھی بہکا دیا۔(ت)

اور اگر مقتدائے دیگران نہ ہو تو اس حدیث سے کسی حال بچ کر نہیں جاسکتا کہ:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض[2]۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے آسمان وزمین کے فرشتے اس پر لعنت کریں۔(ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) نماز میں حضور قلب وخشوع وخضوع مغز مقصود واعز مطلوب ہے اگر واقعی کسی کامل کے فیض سے حاصل ہو جو شرائط اربعہ مشیخت کا جامع ہے تو اس سے روکنے والے بیشک "فَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ"[3] (پھر وہ اوروں کو اللہ تعالٰی کی راہ سے روکتے ہیں۔ت) کے مصداق ہیں باطل یا ضعیف یا مشکوک مسائل پھیلا کر مسلمانوں میں اختلاف وفتنہ وفساد ڈالنا حرام ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بشروا ولاتنفروا[4]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بشارت دیا کرو، نفرت نہ دلایا کرو۔(ت)

جو بنا علم کسب شہرت کے لئے ایسا کرے عالم نہیں، عالم دین نائب رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور مسلمانوں میں بلاوجہ شرعی اختلاف وفتنہ پیدا کرنا نیابت شیطان، حدیث میں ہے:

الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظها[5]۔	فتنہ سورہا ہے اس کے جگانے والے پر اللہ کی لعنت۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۰/۱

[2] کنزالعمال حدیث ۲۹۰۱۸ موسسة الرساله بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۶

[4] صحیح البخاری کتاب العلم ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یتخولھم بالموعظة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[5] کشف الخفاء حرف الفاء حدیث ۱۸۱۵ دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۷۷

مسئلہ ۹۸: از قصبہ مالیگاؤں ضلع ناسک احاطہ بمبئی مسئولہ سیکریٹری انجمن ہدایت اسلام ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

بحضور ہادی متین مدظلہ العالی پس از سلام سنت والاسلام ہم چند دردمند مسلمانان قصبہ مالیگاؤں خدمت اقدس میں عرض پرداز ہیں کہ آیا گاندھی کو مہاتما کہنا جائز ہے؟ نان کوآپریشن میں ہم شریک ہوں یا نہیں؟ اور ہمارے مدرسہ میں گورنمنٹ سے گرانٹ ملتی ہے آیا ہمارے لئے اس کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ یہ بات واضح رائے عالی ہے کہ گورنمنٹ مالگزاری کے ساتھ بطریق ابواب ہم لوگوں سے بنام نہاد تعلیم، ڈاکخانہ، سڑک، شفاخانہ وغیرہ وغیرہ روپیہ وصول کرلیتی ہے تو یہ روپیہ ہمارا ہی ہے جو ہم کو ملتا ہے۔ زیادہ ادب!

الجواب:

گاندھی خواہ کسی مشرک یا کافر بدمذہب کو مہاتما کہنا حرام اور سخت حرام ہے۔ "مہاتما" کے معنی ہے روح اعظم۔ یہ وصف سیدنا جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ہے۔ مخالفان دین کی ایسی تعریف اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلذلك العرش [1]۔ رواہ ابویعلی فی مسندہ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنھا۔	جب فاسق کی مدح کی جاتی ہے رب عزوجل غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔ (ابویعلی نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس سے اس کو روایت کیا اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا۔ت)

جب فاسق کی مدح پر یہ حکم اس مشرک کی مدح پر اور ایسی عظیم مدح پر کیا حال ہوگا، نان کوآپریشن کہ آج کل کے لیڈر بننے والوں نے نکالا محض بے بنیاد ہے شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں، شرع شریف میں ہر کافر سے مطلقاً ترک موالات کا حکم ہے۔ مجوس ہوں یا ہنود، نصارٰی یا یہود، خصوصاً وہابیہ وغیرہم مرتدین عنود، اور عام طور پر صاف ارشاد ہوا:

"لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ	مسلمان مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے اسے اللہ سے کچھ

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ سابق بن عبداللہ الرقی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۳۰۷، شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ "[1]	علاقہ نہیں۔

اور صاف تر فرمادیا:

"وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ "[2]	جو تم میں ان سے دوستی کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

ان ساختہ لیڈروں نے معاملت کا نام موالات رکھ کر اسے تو مطلقاً حرام بلکہ کفر ٹھہرایا، اور مشرکوں سے موالات بلکہ اتحاد بابلکہ ان کی غلامی وانقیاد کو حلال بلکہ موجب رضائے الٰہی بنالیا ہر طرح اللہ ورسول وشریعت پر سخت افتراء کیا، جس مدرسہ میں تعلیم خلاف شرع ہوتی ہو اور کسی طرح مخالفت شرع ہو وہ خود ہی ناجائز ہے اور ناجائز پر امداد لینی بھی ناجائز، ورنہ جو امداد نہ کسی امر خلاف شرع سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہو اس میں حرج نہیں خصوصاً جبکہ ہمارا ہی روپیہ ہم کو دیا جاتا ہے اسے حرام کہنا شریعت پر افتراء ہے۔

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ۶۹ "[3]	جو لوگ اللہ تعالٰی کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی بامراد نہیں ہوسکتے۔ (ت)

مسائل موالات وامداد کے روشن بیان میں ہماری کتاب "**المحجة المؤتمنه فی اٰیة الممتحنة**" زیر طبع عـــہ ہے اس سے تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: از امروہہ محلّہ گذری مسئولہ سید خادم علی صاحب ۱۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طرف تو خلافت اسلامیہ کے دردناک مصیبت میں عالم اسلامی گھرا ہوا ہے اور مسلمانوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور دوسری طرف ہندوستان کے بعض مقامات پر مرزائیوں کا بعض مقامات پر شیعوں کا زور بڑھ رہا ہے وہ لوگ اہلسنت وجماعت سے مذہبی چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں اور عوام کا بہکا کر اور مطاعن مذہب سنا سنا کر اکثر کو مذہب میں متشکک اور بعض کو بالکل برگشتہ بنارہے ہیں اور اس مقصد کے لئے ان کے یہاں بہت سی انجمنیں

عـــہ: فتاوٰی رضویہ کی جلد ۱۴ میں شامل اشاعت کر دی گئی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

قائم ہیں اور بہت سے رسائل موقت وشیوع وجاری ہیں ہزاروں روپیہ ماہوار وہ لوگ ان کاموں میں صرف کررہے ہیں آیا اس قت بحالت موجودہ اہلسنت کو وعظ کی مجالس قائم کرکے عوام کے خیالات کو صاف کرنے اور ان کو شکوک وشبہات سے بچانے کی غرض سے ان کا جواب دینا اور رد کرنا اور اگر فریق ثانی مباحثہ پر آمادہ ہو اور مطالبہ کرے تو اس کا انتظام کرنا چاہئے یا نہیں اور اگر چاہئے تو یہ کام فرض ہے یا واجب؟ مستحب یا ناجائز؟ اور اگر زمانہ حال کا لحاظ کرکے اس طرف سے چشم پوشی کی جائے تو یہ فعل جائز ہے یا ناجائز، اور بعض ایسے مخصوص مقامات پر جہاں ان لوگوں کا زور ہے ان کی مدافعت کے لئے دو ایک ٹوٹی پھوٹی انجمنیں بھی قائم ہیں اور وہ کبھی کبھی ان کا رد کرتی ہیں اب ان انجمنوں کا قائم رکھنا اور مدافت کرتے رہنا چاہئے یا ان کاموں کو ترک کردینا چاہئے اور اس وقت ان امور مس روپیہ صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض لیڈران قوم جن میں کچھ مولوی بھی ہیں جو آج کل مسئلہ خلافت میں بڑے بڑے کام کررہے ہیں زمانہ موجودہ میں کسی رد وجواب اور بحث مباحثہ کو اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی کاموں میں اشتغال کو مسئلہ خلافت کے اہتمام میں مخل خیال فرماکر ناجائز فرماتے ہیں، ان کی یہ رائے صحیح اور ان کا یہ حکم قابل پابندی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

جب کوئی گمراہ بددین رافضی ہو یا مرزائی، وہابی ہو یا دیوبندی وغیرہم **خذلهم الله تعالٰی اجمعین** (اللہ تعالٰی ان کو بے یارو مددگار چھوڑے۔ت) مسلمانوں کو بہکائے فتنہ وفساد پیدا کرے تو اس کا دفع اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع فرض اعظم ہے جو اس سے روکتا ہے "**یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ یَبْغُوْنَہَا عِوَجًا**"[1] میں داخل ہے کہ اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔ اور خلافت کمیٹی کا حیلہ اللہ کے فرض کو باطل نہیں کرتا نہ شیطان کے مکر کو دفع کرنے سے روکنا شیطان کے سوا کسی کا کام ہوسکتا ہے۔ جو ایسا کہتے ہیں اللہ عزوجل اور شریعت مطہرہ پر افتراء کرتے ہیں مستحق عذاب نار وغضب جبار ہوتے ہیں۔ ادھر ہندو سے وداد واتحاد منایا، ادھر روافض ومرزائیہ وغیرہم ملاعنہ کا سد فتنہ ناجائز ٹھہرایا، غرض یہ ہے کہ ہر طرف سے ہر طرح سے اسلام کو بے چھری حلال کردیں اور خود مسلمان بلکہ لیڈر بنے رہیں،

"**وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۵۸﴾**"[2] (اور اللہ تعالٰی ظالم لوگوں کو راہ نہیں

[1] القرآن الکریم ۷/ ۴۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۸

دکھاتا۔ت) مسلمانوں پر فرض ہے کہ ایسے گمراہوں، گمراہ گرو، بے دینوں کی بات پر کان نہ رکھیں، ان پر فرض ہے کہ روافض و مرزائیہ اور خود ان بے دینوں یا جس کا فتنہ اٹھتا دیکھیں سد باب کریں، وعظ علماء کی ضرورت ہو وعظ کہلوائیں، اشاعت رسائل کی حاجت ہو اشاعت کرائیں، حسب استطاعت اس فرض عظیم میں روپیہ صرف کرنا مسلمانوں پر فرض ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما ظهرت الفتن اوقال البدع فليظهر العالم علمه ومن لم يفعل ذٰلك فعليه لعنة الله والملئكة والناس اجمعين لايقبل الله منه صرفا ولاعدلا[1]۔	جب ظاہر ہوں فتنے یا فساد یا بدمذہبیاں اور عالم اپنا علم اس وقت ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے۔اللہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل،

جب بدمذہبوں کے دفع نہ کرنے والے پر لعنتیں ہیں تو جو خبیث ان کے دفع کرنے سے روکے اس پر کس قدر اشد غضب ولعنت اکبر ہوگی۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾"[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور ظالم جلدی جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۰تا۱۰۲: از اجکوٹ کاٹھیاوار مسئولہ قاضی سید عبدالاول صاحب سنی حنفی ۱۳جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مشرک کا لکچر مسجد میں ہو اور سننے کو مشرک اور مسلمان مسجد میں جمع ہوں اور تالی اور جے اور اللہ اکبر کے نعرے بلند کریں، تو آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ زید کہتا ہے کہ یہ جائز ہے اور علمائے دین نے فتوی دیا ہے اس بابت دہلی وغیرہ شہروں میں ایسا ہوا ہے۔

(۲) اور اس روز جمعہ تھا تو جائے نماز اور مصلی وغیرہ بچھے ہوئے تھے اور اس کے اوپر کھلے پیر پھرنے والے مشرک پیر دھوئے بغیر پھرتے رہے تو اب یہ جائے نماز اور مصلی دھو کر پاک کئے جائیں یا نہیں؟

(۳) اور مولی شوکت علی و محمد علی اور گاندھی وغیرہ خلافت کے نام کا جو چندہ کررہے ہیں اس چندہ میں

---
[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۷۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۱ وصحیح البخاری ۲/ ۱۰۸۴

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

روپیہ دیا جائے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

(نوٹ): یہاں پر راجکوٹ میں ایک گاندھی کا چیلا آیا ہوا ہے اور لکچر کرکے ہنود مشرک اور مسلمان کو ایک کرنا چاہتا ہے اور مسلمان کثرت سے شامل ہورہے ہیں اور مالی امداد بھی دے رہے ہیں اور آئندہ بھی خوف ہے کہ مسجد میں لکچر ہوں گے للہ آپ بہت جلد اس مسئلہ کا جواب مرحمت فرمائیں تاکہ اس خرافات کا بندوبست ہو۔

الجواب:

(۱) یہ حرام حرام سخت حرام ہے، توہین مسجد ہے۔ تعظیم مشرک ہے۔ تذلیل اسلام ہے۔ جہاں ہوا ابلیس کے فتوے سے ہوا کسی مسلمان عالم اسلام نے اس کے جواز کا فتوٰی نہ دیا، اور جو پابندی اسلام سے آزاد اور کفر ابلیس کے غلام ومنقاد ہوں نہ وہ قابل فتوٰی نہ ان کے بکنے پر التفات روا۔ **والتفصیل فی المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ** (اس کی تفصیل رسالہ **المحجۃ المؤتمنۃ فی اٰیۃ الممتحنۃ** میں بیان کی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کتا اگر جانماز پر چلا جائے اور اس کے پاؤں اور جانماز دونوں خشک ہوں تو بالاتفاق اس کا دھونا لازم نہیں آتا تو مشرکوں کے یوں پھرنے سے مسجد کو توہین ضرور ہوئی مگر مصلّٰی ناپاک نہ ہوئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) گاندی کو امام بنانا ہندوؤں مشرکوں سے اتحاد منانا سخت سے سخت حرام کبیرہ ودشمنی اسلام ہے۔ اسلام کی بیخ کنی کے لئے چندہ دینا کسی مسلمان کا کام نہیں۔

قال اللہ "فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ"[1]۔	یعنی اس وقت تو مال دے رہے ہیں پھر قیامت میں اس دینے کی حسرت اٹھائیں گے ہاتھ چاٹیں گے کہ مال بھی دیا اور خدا کا غضب بھی سر پر لیا پھر مغلوب ومقہور کرکے جہنم میں پھینک دئے جائیں گے۔

ترکوں کی حمایت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام دھوکے کی ٹٹی بنا رکھا ہے۔ صاف چھاپ چکے ہیں کہ اگر ترکی مسئلہ حسب خواہش فیصل بھی ہوجائے جب بھی ہماری کوشش برابر جاری رہے گی جب تک گنگا جمنا کی مقدس زمینیں آباد نہ کرالیں، صاف چھاپ چکے ہیں کہ اگر ترک بھی ہندوستان پر چڑھ آئیں تو ہم ان سے بھی لڑیں گے تو اصل غرض ہندوؤں کی جے منانا اور گنگا جمنا کی زمینوں کو مقدس کرانا ہے ایسی کفری غرض کے لئے چندہ دینا اسلام کی دشمنی اور اللہ واحد قہار کی سخت ناراضی ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] القرآن الکریم ۸/ ۳۶

مسئلہ ۱۰۳: ضلع بھاگلپور ڈاک خانہ سبور موضع ابراہیم پور مسئولہ محمد شریف عالم صاحب ۱۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید، عمرو، بکر تین اشخاص ہیں جن کی تعریف ذیل میں درج ہے:

(۱) زید ایک وہابی کافر مرتد شخص ہے۔

(۲) عمرو ایک پکا سنی خوش عقیدہ مسلمان ہے لیکن زید مذکور کے مکان پر جاتا آتا ہے۔اس سے ہم کلام ہوتا ہے اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے لیکن زید مذکور کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا اور نہ مناکحت کرتا ہے بلکہ اس سے عقیدہ و نفرت رکھتا ہے اور اس کے کفر میں شک نہیں کرتا،ایسی صورت میں کیا عمرو بھی مثل زید کے عندالشرع وہابی کافر مرتد ہوجائے گا یا صرف فاسق گنہگار ہوگا یا کچھ بھی نہیں؟

(۳) بکر ایک پکا سنی خوش عقیدہ مسلمان ہے اور زید مذکور کے نہ مکان پر آتا جاتا ہے۔نہ اس سے گفتگو کرتا نہ اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے نہ زید مذکور کے پیچھے نماز پڑھتا اور مناکحت کرتا ہے بلکہ اس کو کافر مرتد سمجھتا اس کے کفر میں شک نہیں کرتا اس سے نفرت دینی و دنیوی ہر دو پہلو رکھتا ہے ہاں عمرو مذکور سے جو پکا سنی صحیح العقیدہ ہے راہ ورسم رکھتا ہے اس سے ہم کلام ہوتا ہے اس کے یہاں کھاتا پیتا ہے اس کے گھر پر جاتا آتا ہے۔ایسی صورت میں کیا بکر مذکور مثل زید کے عندالشرع وہابی کافر مرتد ہوجائیگا یا صرف فاسق گنہگار ہوگا یا وہابی اور نہ فاسق ہوگا بلکہ مسلمان صحیح العقیدہ رہے گا،صورت مذکورہ بالا نمبر ۲ و نمبر ۳ کا جواب بالتفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:

صورت مذکورہ میں عمرو بکر دونوں سنی مسلمان ہیں ان میں کوئی کافر یا گمراہ نہیں مگر عمرو فاسق گنہگار ہے کہ مرتد سے میل جول رکھتا ہے۔

وقد قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ"[1] ۔وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2] ۔	اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:(لوگو!)ظالموں کی طرف مائل نہ ہو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی،اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:ان سے بچو،کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں اور تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

اور بکر کا عمرو سے ملنا اگر بربنائے مصلحت شرعیہ ہو کہ اس سے امید ہے کہ اس کی نصیحت مانے اور زید سے ملنا چھوڑ دے تو حرج نہیں ورنہ نامناسب ہے خصوصا اس حالت کہ بکر کوئی اعزاز علمی و دینی رکھتا ہو کہ ایسے کو فاسق سے بے ضرورت اختلاف مکروہ ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمشھور المقتدٰی بہ الاختلاط الی رجل من اھل الباطل والشر الابقدر الضرورۃ لانہ یعظم امرہ بین ایدی الناس ولوکان رجلا لایعرف یداربہ لیدفع الظلم عن نفسہ من غیر اثم فلا باس بہ کذا فی الملتقط[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شخص مشہور ہو اور لوگوں کا پیشوا ہو اسے اہل باطل اور صاحب شر لوگوں سے میل ملاپ رکھنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر قدرے ضرورت کی اجازت ہے کیونکہ لوگوں میں اس کی شان معظم ہے لیکن اگر کوئی شخص غیر معروف ہو تو اس سے مصالحت رکھنا تاکہ اپنی ذات سے بغیر گناہ ظلم کا دفاع ہو جائے اور اس میں کوئی حرج نہیں، فتاوٰی ملتقط میں اسی طرح مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از شہر محلّہ ذخیرہ چاہ چڑیماراں مسئولہ شمشیر علی قادری رضوی ۱۱رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

حضور پرنور اعلٰحضرت قبلہ وکعبہ دام برکاتہم، حضور! یہ جلسہ وہابیوں ک جو ۲۴، ۲۵، ۲۶، مارچ کو متصل مسجد نومحلّہ ہونے والا ہے اس میں اہلسنت وجماعت خصوصا حضور کے مریدین کو جلسہ مذکور میں شریک ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ اہل وہابیوں وہاں جائیں گے، ایسے جلسے میں جہاں وہابی ہوں ہم اہلسنت وجماعت کو جانا جائز ہے یا ناجائز؟ امید کہ حضور اپنے مہر اور دستخط سے مشرف فرمائیں تاکہ ہم اہل السنت والجماعت شریک ہونے سے پرہیز کریں، بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)
شمشیر علی قادری رضوی محلّہ ذخیرہ چاہ چڑیماراں بریلی نیاز محمد رضوی شمس الحسن رضوی ذخیرہ

الجواب:

وہ کہ وہابیہ ودیوبندیہ ومخالفان دین وغلامان مشرکین کا جلسہ ہو اس میں سنی کو شرکت کیسے حلال ہو سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2]۔	ان سے دور بھاگو اور انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

[2] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ کے متوسلین کو بالخصوص تاکید ہے کہ یک لخت ایسے لوگوں سے دور رہیں تاکہ اپنے رب جل وعلا اور اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نزدیک رہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۵تا۱۲۴: از بدایوں مرسلہ عبدالماجد از نام حبیب الرحمٰن ۱۲رجب ۱۳۳۹ھ

(۱) خلافت ترک صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) خلیفۃ المسلمین سے بغاوت کرنے والے کے لئے کیا حکم آیا ہے اس باغی سے قتال واجب ہے یا نہیں؟

(۳) بادشاہ اسلام سے کوئی غیر مسلم حکومت جنگ کرے ممالک اسلامیہ پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر جس طرح ممکن ہو بادشاہ کی اعانت اور حکومت کو نقصان پہنچانا فرض ہے یا نہیں؟

اہل اسلام کو یہ جائز ہے یا نہیں کہ خلیفہ کے مقابلے میں کفار نصارٰی کی مالی امداد کریں

(۵) مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ یا نہیں کہ حکومت نصارٰی کی فوج میں ملازم ہو کر اپنے برادران اسلام سے مقابلہ مقاتلہ کریں۔

(۶) شرعا ان لوگوں کے واسطے کیا سزا مقرر ہے جو مخالف اسلام لشکر کے ساتھ شریک ہو کر عمدا مسلمانوں کو قتل کریں۔

(۷) نصارٰی کی وہ ملازمتیں جن میں خلاف شرع فیصلے کرنے پڑتے ہیں (مثلاً ڈپٹی کلکٹری وغیرہ) جائز ہیں یا نہیں، ارشاد باری عزاسمہ:

"وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴿۴۴﴾"[1] "وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴿۴۵﴾"[2] "وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴿۴۷﴾"[3]	اور جو کوئی اللہ تعالٰی کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ کافر ہیں، اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں، اور جو اللہ کے اتارے ہوئے کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ نافرمان ہیں۔ (ت)

کے کیا معنٰی ہیں:

(۸) یونہی انریری مجسٹریٹی جس میں قانون کی پابندی لازم ہے اگرچہ وہ خلاف شریعت ہو جائز ہے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۵

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۷

یاحرام؟اور بموجب فرمان الٰہی :

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [1]	گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔(ت)

مسلمانوں پر اس کا ترک واجب ہے یانہیں؟

(۹) نصارٰی سے موالات جائز ہے یانہیں؟ یونہی ان کی تعظیم درست ہے یانہیں؟

(۱۰) یہاں مذہبی منافرت میں نصارٰی کا حکم ہنود سے سخت ہے یانہیں؟

(۱۱) بڑے دن میں نصارٰی کو ڈالی دینا حرام ہے یانہیں؟

(۱۲) کسی نصرانی حاکم یا شہزادے کے جلوس میں شرکت کیسی ہے؟ ایسے شخص پر جو اس جلوس میں شریک ہو لزوم کفر وتجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم ہے یانہیں؟

(۱۳) نصارٰی سے ترک معاملت بیع وشراء وغیرہ جائز ہے یانہیں؟

(۱۴) مشرکین سے اس طور پر مدد لینا کہ کوئی بات خلاف شرع لازم نہ آتی ہو جائز ہے یاناجائز؟

(۱۵) مسلمانوں کو علی گڑھ کالج کی امداد حرام ہے یاکیا؟

(۱۶) لڑکوں کو اس میں پڑھنا اور پڑھوانا درست ہے یانہیں؟

(۱۷) اس کی ملازمت کیسی ہے؟

(۱۸) جزیرۃ العرب خصوصا مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ بالخصوص حرم شریف کے اندر مشرکین ویہود ونصارٰی کے داخل ہونے کی ممانعت ہے یانہیں؟

(۱۹) جو شخص قصداً ان کو حرمین محترمین کے اندر داخل کرے اور اس کا باعث ہو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

(۲۰) بلاد اسلامیہ ومقامات متبرکہ اور مساجد خصوصا مسجد اقصٰی کا قبضہ ہوجانے یا بیحرمتی ہونے کی حالت میں مسلمانوں پر جلسے کرنا ریزولیوشن پاس کرنا وغیرہ فرض ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) ترک اور تو نے کیا جانا کیا ترک۔ صدہا سائل سے حامیان دین متین اور حافظان بیضہ دین خادمان حرمین محترمین اور ماںاان قلب وعین ان کے اختیار نہ خلفاء کہ بیسوں خلفاء کہلانے والوں سے افضل واعلٰی خیر خواہی ونصیحت اور بقدر قدرت اعانت کی فرضیت لفظ خلافت پر موقوف جاننا جہالت

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور اس کے لئے محض بلاوجہ احادیث متواترہ واجماع صحابہ واجماع تابعین واجماع ائمہ دین وعقیدہا جملہ اہلسنت وجماعت کارد کرنا اور خارجیوں معتزلیوں کادامن پکڑنا ضلالت۔

(۲) یہ سوال اول پر متفرع تھا۔

(۳) جوجس قدر پر قادر ہو شرع اسی قدر کااسے حکم فرماتی ہے اس سے آگے بڑھانا شرع پر زیادت اور اللہ پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

(۴) لفظ خلیفہ سائل نے حماقۃً بڑھایا کیا سلطنت اسلام کی بدخواہی میں حرج نہیں رسیدیں دیں مدد یں دیں چندے دئے، طبّی وفد کاسامان کہ جنگ بلقان میں مسلمانوں نے ترک کے لئے خریدا تھا گورنمنٹ کو دے دے جو بمقابلہ ترک استعمال میں آیا۔

(۵) مسلمان بادشاہ کی فوج میں بھی نوکر ہو کر خواہ بے نوکری مسلمانوں سے مقاتلہ کسی حال میں جائز نہیں مگر باغیوں خارجیوں وامثالہم سے تواہل خلافت کمیٹی جن کا مقولہ ہے کہ ہم ہندی قوم پرست ہیں ہمارا فرض ہے کہ ترکی بھی ہندوستان پر چڑھائی کرے توہم اس کے خلاف تلواریں اٹھائیں، خلافت کمیٹی کے طور پر بھی کافر وخارج از اسلام ہیں۔

(۶) اس کاجواب جواب سابق سے واضح ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عمداً قتل ناحق مسلم اشد کبائر سے ہے اگرچہ لشکر مسلمین کے ساتھ ہو اس کی سزا اگر پارٹی دے سکتی ہے توپہلے اپنے لیڈروں کو دے جن کا قول مذکور ہوا۔

(۷) شرع مطہر کا حکم عام ہے اسلامی ریاست خواہ اسلامی سلطنت کی بھی وہ ملازمت جس میں خلاف شرع حکم کرنا ہو جائز نہیں، قصداً خلاف شریعت حکم کرنا اگر براہ عناد یا استحسان یا استحلال مخالفت یا استخفاف حکم شریعت ہو کفر ہے ورنہ ظلم وفسق، اور یہ کچھ ملازمت ہی پر موقوف نہیں، نہ مقدمات سے خاص ویسے ہی جو شخص خلاف ماانزل اللہ حکم کرے گا انھیں صورتوں پر کافر، ظالم، فاسق ہے جیسے یہ لوگ کہ ہندوؤں سے اتحاد منارہے ہیں، ان سے استمداد کر رہے ہیں ان سے بھائی چارہ گانٹھ رہے ہیں انھیں رہنما اور آپ ان کے پس رو بن رہے ہیں معاملہ دینی میں ان کی اطاعت کر رہے ہیں جو وہ کہتے ہیں وہی مانتے ہیں انھیں مسجدوں میں لیجا کر مسلمانوں کاواعظ بناتے ہیں ان کی خاطر شعار اسلام بند کرتے ہیں ان کے معاہد وحلیف بنتے ہیں انھیں اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں وغیرہ وغیرہ کہ تمام لیڈر بننے والے ان میں مبتلا ہیں اور انھیں باتوں کا عوام کو حکم دیتے ہیں سب انھیں آیات کفرون، ظلمون، فسقون کے تحت میں داخل ہے کہ یہ سب باتیں خلاف ماانزل اللہ ہیں۔

(۸) اس کا جواب جواب سابق سے واضح۔

(۹) موالات کسی غیر مسلم بلکہ کسی غیر سنی سے جائز نہیں، مجرد دنیوی معاملات سوائے مرتد سب جائز ہے ہنود وہابیہ ودیوبندیہ سے جو موالاتیں خلافت کمیٹی والے کر رہے ہیں وہ سخت حرام وتباہی دین وموجب لعنت رب العالمین ہے کتابیوں سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہے ں، جیسے ہنود مشرکین سے بدتر مرتدین ہے ں جیسے وہابیہ خصوصا دیوبندیہ سائلوں کی وہ پارٹی ہنود وہابیہ کی کیا کیا تعظیمیں کررہی ہے جو حسب روشن تصریحات فقہائے کرام کفر ہے۔ کیا پارٹی زیر حکم شریعت نہیں یا مسئلہ تعظیم کفار سے ہنود وہابی، دیوبندی مستثنٰی ہیں، ہرگز نہیں، ہاں صورت ضرورت سلطنت مستثنٰی ہے **کما یفیدہ مافی المدارك والمفاتیح وغیرھما** (جیسا کہ مدارک اور تفسیر کبیر وغیرہ میں اس کا افادہ پیش فرمایا۔ ت) خود قرآن عظیم اس استثناء پر دال۔ "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ"[1] (اور اللہ تعالٰی فساد کرنے والے اصلاح کرنے والے کو جانتا ہے۔ ت)

(۱۰) مذہبی منافرت بحسب مراتب کفر وضلالت ہے۔ ہنود مشرک بت پرست ہیں اور شرک بدترین اصناف کفر سے ہے۔ تو ہنود ہی سے مذہبی منافرت اشد وآکد ہے۔ اور ہنود سے بھی سخت تر منافت کے مستحق وہابیہ دیوبندیہ ہیں کہ مرتدین ہیں لیکن ہندوؤں اور دیوبندیوں سے اتحاد منایا جارہا ہے، انھیں جگر کا پارا آنکھ کا تارا بنایا جارہا ہے۔ اسلام واحد قہار کے حضور تمھارا شاکی ہے۔

(۱۱) بڑے دن کا حکم پارٹی کے جگری بھائیوں کی ہولی دوالی سے خفیف تر ہے اور ماتھوں پر ہندوؤں سے قشقے لگوانا سب سے سخت تر۔ اگر ثابت ہو کہ یہ دن ولادت سیدنا عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ہے تو بے شک شرع میں ہر نبی کا روز ولادت صاحب عظمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وجوہ فضیلت روز جمعہ سے پہلی وجہ یہی ارشاد فرمائی کہ اس میں تخلیق سیدنا آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام ہوئی، صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر یوم طلعت علیه الشمس یوم الجمعة فیه خلق اٰدم[2]	سب سے بہتر دن کہ جس پر سورج طلوع ہوا ہو روز جمعہ ہے۔ اس میں حضرت آدم (علیہ الصلٰوۃ والسلام) پیدا کئے گئے۔ الحدیث (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۲

ابن ماجہ نے ابولبابہ ابن عبدالمنذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان یوم الجمعۃ سید الایام واعظمھا عند اللہ تعالٰی فیہ خمس خصال خلق اللہ فیہ اٰدم [1]۔	یقینا روز جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ تعالٰی کے نزدیک ان سب سے عظیم تر ہے۔اس میں پانچ خصلتیں ہیں۔ایک یہ کہ اس میں اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا۔(ت)

اگر کوئی اس نکتے سے غافل ہو کر (جس سے آج بڑے بڑے لیڈر بننے والے اور تمام عوام غافل ہیں کہ شرع مطہر میں تاریخ قمری معتبر ہے نہ کہ شمسی، علماء نے فرمایا اپنے معاملات میں بھی مسلمانوں کو اس کے اعتبار کی اجازت نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۬ۙ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یقینا مہینوں کا شمار اللہ تعالٰی کے نزدیک بارہ مہینے ہیں نوشتہ الٰہی میں، جب سے اس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے، ان میں چار عزت وحرمت رکھتے ہیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔(ت)

اسے روز ولادت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام جان کر بہ نیت تعظیم نبوت نہ کہ بہ نیت تشبہ نصارٰی تعظیم کرے، وہ ہرگز ہولی دوالی کی تعظیم مثل نہیں ہوسکتا کہ وہ اسی غفلت نکتہ کے باعث غلطی ہوئی، اور یہ کفر ہے، تنویر الابصار میں ہے:

الاعطاء باسم النیروز والمھر جان لایجوز وان قصد تعظیمہ یکفر [3]۔	نیروز اور مہرجان کے نام پر کچھ دینا جائز نہیں، اگر ان کی تعظیم کا ارادہ کرے تو کافر ہوجائے گا۔(ت)

پھر ڈالی والوں کی نیت بوجہ سلطنت خوشامد ہوتی ہے جس میں کسی نہ کسی وجہ پر عوام کو ابتلاء ہے اور خود لیڈر بننے والوں کو اب تک یا آج سے پہلے کل تک تھا بلکہ غناء کے سبب خوشامد مسلمان امراء کے ساتھ

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ والسنۃ فیہا باب فی فضل الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۷

[2] القرآن الکریم ۹ /۳۶

[3] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۰

کب رواہے،

من تواضع لغنی لاجل غناہ ذھب ثلث دینہ[1]۔	جس نے کسی مالدار کی اس کے سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے عزت وتواضع کی اس کا دوحصے دین ضائع ہوگیا۔(ت)

اس سے بچتے ہیں تو وہی بچتے ہیں جن کو اللہ عزوجل نے نعمت زہد وقناعت ومجانبت امراء عطافرمائی ہے "وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ"[2] (اور وہ بچنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ت)

یوں بھی تحائف ہوولی ودوالی ناجائز تر ہیں کہ بلاوجہ کفار کی طرف میل ہیں خصوصاجب اس اتحاد ملعون کے سبب ہوں جس کی آگ نے آج مشتعل ہوکر ان لوگوں کا دین یکسر پھونک دیا۔

(۱۲) عجب کی وہ پارٹی جسے عمر بھر ایسی ہی باتوں اور ان سے زائد میں ابتلا رہااور ہنود کے ساتھ بہت اخبث واخنع ہیں اب علانیہ مبتلا ہے ایسے سوال ان بندگان خدا سے کرے جن کو ہمیشہ تلوث دنیا سے بکرمہ تعالٰی محفوظ رکھا ایسے افعال اگر بضرورت صحیحہ ہوں محذور نہیں اور خوشامد سلطنت کے لئے ہوں جب بھی شرکت کفر نہیں کہ لزوم کفر ہو، آگے حکم وفرق اسی طرح ہیں جو ابھی گزرے خوشامد سلطنت نہ اضطرار ہے نہ مفید دین ٹھہرا کر خالص طیب قلب سے استحسان واختیار. بخلاف پرستش جلوس گاندھی وغیرہ مشرکین کہ اس اتحاد ملعون کی بناپر ہے جسے بہبود دین بنا کر غایت درجہ استحسان میں بتایا جاتا ہے تو وہ ضرور شرکت کفر ہے۔اور اس پر لزوم کفر اور تجدید ایمان ونکاح کا حکم، ہاں جسے نہ یہ اتحاد منظور تھا نہ تعظیم شرک مقصود محض بطور تماشا جلوس گاندھی میں شریک ہوا اس پر بھی لزوم کفر نہیں، البتہ اتنا کہا گیا اور یہ ضرور حق ہے کہ حرام فعل کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔

(۱۳) معاملات مجردہ مثل بیع وشرائے اشیاء مباحہ شرع نے کسی خاص قوم سے واجب کئے نہ حرام، مباح کا فعل وترک یکساں ہے جب تک خارج سے کوئی وجہ داعی یا مانع نہ پیدا ہو مگر کسی امر مباح کو شرعافرض ٹھہرالینا جائز جیسا پارٹی والے کررہے ہیں یہ قطعاً حرام اور شریعت مطہرہ پر افتراء واتہام ہے

(۱۴) ان مشرکین سے دین میں مدد لینی ہی حرام ہے۔ کوئی بات خلاف شرع لازم نہ آنا کیا معنی، اس کی تفصیل المحجۃ المؤتمنہ میں ہے:

(۱۵و۱۶) کالج ہو یا مدرسہ اگرچہ کیسا ہی دینی کہلاتا ہو اعتبار تعلیم کا ہے اگر اس میں دین اسلام یا مذہب اہلسنت یا شریعت مطہرہ کے خلاف تعلیم دی جاتی تلقین کی جاتی ہے تو اس کی امداد بھی حرام

[1] کشف الخفاء حدیث ۲۴۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۴

اوراس میں پڑھنا پڑھوانا بھی حرام، علی گڑھ کالج زمانہ پیر نیچر میں ان باتوں کا معدن تھااور اب اس کی حالت جہاں تک معلوم ہے عام کالجوں کی ہے مسلمانوں بچوں کو زندیق و بے دین بنانے کی خاص لگاتار جان توڑ کوشش جو پیر نیچر کو تھی ظاہرا اب اس میں اس کا جانشین کوئی نہیں۔ایک انگریزی کی تعلیم گاہ ہے جس میں حساب، ریاضی، ہندسہ، جبر و مقابلہ وغیرہ علوم جائزہ کے ساتھ سائنس وجغرافیہ بھی پڑھائے جاتے ہیں کہ بعض کفریات پر مشتمل ہیں جس طرح درس نظامی کے عام مدارس میں فلسفہ قدیمہ پڑھاتے ہیں وہ کیا کفریات سے خالی ہے قدم زمانہ وقدم عقول وقدم افلاک وقدم انواع عناصر خالقیت عقول ومسئلۃ الواحد لای صدر عنہ الاالواحد (اور یہ مسئلہ ہے کہ سے صرف ایک ہی صادر ہوتا ہے۔ت) فلاسفہ قدیم کا یہ خیال ہے) ونفی علم جزئیات وغیرہا کثیر کفریات کیا اس میں نہیں پھر اگر پڑھانے والے پڑھائیں اور پوری کوشش سے اس کا رد طلبہ کے ذہن نشین نہ کریں تو وہ سب نظامی مدارس علی گڑھ کالج ہی ہیں اور اگر علی گڑھ کالج کے معلم حرکت ارض وسکون شمس وغیرہا کفریات کا رد متعلّمین کے ذہن نشین کریں تو وہ بھی ایک مدرسہ نظامیہ کے رنگ پر ہے۔ہاں اب خصوصیت کے ساتھ تمام ہندوستان میں تعلیم کفر و تلقین ارتداد وسلب ایمان کا مرکز مدرسہ دیوبند ہے جو کمیٹی کے شیخ الہند اور بہت جوشیلے لیڈروں کا مرجع وماوی ہے یونہی دہلی، سہارن پور، میرٹھ، بریلی وغیرہا کے مدرسے جو اسی مدرسہ دیوبند کی فاسد شاخیں ہیں ان سب میں امداد قطعاً حرام اور پڑھنا پڑھانا حرام قاطع اسلام،اب علی گڑھ کے متعدد پڑھے ہوئے مسلمان پائے لیکن دیوبند اور اس کی شاخوں کا رنگ جس پر چڑھا وہ اللہ ورسول کو گالیاں دینے والا مرتد ہی نظر پڑا۔

(۱۷) کالج ہو یا مدرسہ جس کی ملازمت اعانت کفر یا ضلال یا حرام کے لئے ہو باختلاف احوال کفر یا ضلال یا حرام ہے،اور جو ملازمت اس سے پاک ہو اس میں حرج نہیں،اور اگر کوئی عالم خدا شناس خداترس، سنی المذہب، حامی دین،ایسی جگہ تعلیم کی ملازمت اس نیت سے کرے کہ کفریات سے طلبہ کو بچاؤں گا ان کا رد ذہن نشین کروں گا گمراہی کی طرف نہ جانے دوں گا،اور ایسا ہی کرے تو اس کے لئے اجر عظیم ہے۔وہ بازار میں ذاکر کے مثل ہے کہ اموات میں زندہ ہے نہیں نہیں بلکہ جو موت کے منہ میں ہیں انھیں زندگی کی طرف لانے والا۔

(۱۸و۱۹) حرم شریف سے سائلوں کی مراد مسجد الحرام شریف ہے ورنہ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ خود حرم ہیں بلکہ ان کے گرد وپیش کے جنگل بھی، مسجد الحرام شریف نہ صرف مسجد الحرام، کسی مسجد میں کسی کافر حربی کا لے جانا مطلقاً ناجائز ہے خصوصا یہ ظلم جو اہل پارٹی نے متعدد مساجد کے ساتھ برتا کہ ان میں مشرکین کو بطور استعلاء لے گئے اور انھیں واعظ مسلمین بنا کر مسلمانوں سے اونچا کھڑا کیا اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم کے مسند پر جلوہ دیا یہ خاص وحی شیطان ومخالف دین وایمان ہوا پھر اسکی حلت پر زور دینا اور اغوائے مسلمین کے لئے اس کے جواز میں رسائل لکھنا صریح نیابت ابلیس اور اپنے باطنی کفر کی تلبیس ہے جزیرہ عرب شریف میں کفار کو ساکن ومتوطن کرنا ناجائز ہے مگر مدتوں سے سلاطین جہاں حدود وغیرہ احکام شرعیہ بدل دیئے اس حکم پر بھی عامل نہ رہے تجارت وغیرہا کے لئے نہ آمد ورفت ممنوع نہ اس کی اجازت مدفوع۔

(۲۰) جلسے اور ریزولیوشن اگر معاملہ مسجد کانپور میں کئے جاتے تو ضرور امید منفعت تھی جس کا بیان "ابانۃ المتواری" سے واضح ہے۔ ملک اور وہ بھی اتنا وسیع اور وہ بھی مسلمانوں کا اور وہ بھی نصارٰی سے محض چیخ وپکار کی بناء پر واپس مل جانا کسی طرح قرین قیاس نہیں، شرع مطہر مہمل بات فرض نہیں کرتی، ہندوستان یا ذرا سا لکھنو ہی واپس لینے کے لئے لیڈر بننے والوں میں جن جن کے باپ دادا اہل علم تھے انھوں نے کتنے جلسے کئے کتنے ریزولیوشن پاس کئے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۵: از بھاگلپور مسئولہ عظمت حسین صاحب پیشکار سب جج، ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک شخص پکا سنی ہے اور اس کے یہاں برادری کی قید ہے اور چند لوگ اس کی برادری کے پکے وہابی ہیں، ان وہابیوں کی چند عورات زید سنی کے یہاں آیا کرتی ہیں اور زید ان کی پوری خاطر مدارات کرتا ہے اور پلاؤ قورمہ پکا کر کھلاتا ہے مطابق فتوی حسام الحرمین کے زید سنی رہا یا وہابی ہوگیا؟ آیا اسلام میں اس کے کسی قسم کا فرق آیا یا نہیں؟ دائرہ اسلام کے اندر رہا یا خارج ہوگیا؟ بیان زید یہ ہے کہ ہم اس کے عقیدہ کو برا سمجھتے ہیں مگر بخیال رشتہ کے اس کی خاطر کرتے ہیں بینوا توجروا

الجواب:

اگر فی الواقع زید اس کے مذہب کو برا اور وہابیہ کو کافر جانتا ہے تو وہ اس حرکت سے وہابی تو نہ ہوا مگر گنہ گار فاسق ضرور ہوا، اس پر توبہ لازم ہے اور آئندہ احتیاط فرض، برادری ہی کب رہی جب دین مختلف ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۝۲۳ "[1]	اے ایمان والو! اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور جو ان سے دوستی کرے گا تو وہی پکا ظالم ہوگا۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتصاحب الا مؤمنا ولایاکل طعامك الاتقی، رواہ احمد وابوداؤد الترمذی [1] وابن حبان والحاکم باسانید صحیحۃ عن ابن سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	رفاقت نہ کر مگر مسلمان سے، اور تیرا کھانا نہ کھائے مگر پرہیز گار یعنی سنی، (امام احمد، ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن حبان اور امام حاکم نے صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا، انھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۶ تا ۱۳۶: از مہرونا گھاٹ ڈاکخانہ قصبہ لار ضلع گورکھپور مسئولہ شیخ عباس و شیخ غوث علی و شیخ فضل حسین و شیخ رخت علی زمینداران ۲۲ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ذیل کے مسائل میں، زید خیالات مندرجہ کی عام پر طور پر تبلیغ کرتا ہے جواب بحوالہ نام کتاب و عبارت وصفحہ وسطر درکار ہے۔

(۱) مشرک و کفار کے جنازہ میں مشایعت، کاندھا دینا اہل اسلام کے لئے نہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

(۲) مساجد و عیدگاہ میں جلسہ وسبھا کرتا ہے اور تمام بت پرست بلاروک ٹوک آتے جاتے ہیں جس میں صدر جلسہ وسبھا بت پرست مشرک ہوتا ہے عیدگاہ میں اس مشرک صدر کے لئے کرسی بچھائی جاتی ہے وہ اس پر بیٹھتا ہے اور نام کے اہل اسلام زمین پر ہوتے ہیں ستر عورت مشرکین کا عام طور پر کھلا ہوتا ہے جلسہ میں عام پر طور پر تالیاں بجتی اور مشرکین کے جے کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔

(۳) سوم بکرے کے گوشت کا نرخ چھ پیسے مقرر کیا ہے اس لئے کہ ارزاں دیکھ کر اہل السلام کھائیں اور گائے کے گوشت سے احتراز کریں اور کہتا ہے کہ جو اس مقرر نرخ سے زائد دام لے یا زائد دام سے خریدے وہ سوئر بیچتا ہے اور سوئر خریدتا ہے۔ اور جو نرخ مقرر سے زائد دام دے کر بکرے کا گوشت کھائے وہ سوئر کھاتا ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یؤمر ان یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸، جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی صحبۃ المؤمن امین کمپنی کراچی ۲/ ۶۲

(۴) شوالہ مندر میں جاکر لکچر دیتا ہے جس میں عالم اہل اسلام کو بھی شریک کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جیسے مسلمانوں کا قرآن ایسا ہنود کا وید ہے مسلمانوں کو قرآن پر اور ہنود کو اپنے وید پر عمل کرنا چاہے،

(۵) ہزار داڑھی بڑھاؤ ہزار مسجد بناؤ مسلمان نہیں کچھ ثواب نہیں جب تک ہنود کے ساتھ میل جول کرکے ساتھ ہوکر مالک کی بہبود میں سعی نہ کرو دیس بھگت نہ بنو۔

(۶) مسلمانوں کے امور فیصلہ کے لئے پنچایت مقرر کی ہے جس میں ہنود سرپنچ وپنچ میں ہر قسم کے فیصلہ جات شرعی کو بھی ان پنچوں سے کراتا ہے۔ بعض مواقع پر اہل اسلام نے کہا کہ ہم لوگ فلاں معاملہ کا فیصلہ بحسب شریعت چاہتے ہیں اس میں بھی دیگر اہل اسلام پنچ کے ساتھ ایک مشرک ہندو کو پنچ بناکر شریک فیصلہ کیا جب اہل اسلام نے اس پر اعتماد کیا کہ ہندو شرعی معاملہ میں کیسے پنچ ہوسکتا ہے تو ناراض ہوکر اس ہندو کی خاطر سے بلا فیصلہ اٹھ گیا اور کہا کہ میں اس وقت تک شریک فیصلہ نہیں ہوسکتا جب تک ہندو کو بحیثیت پنچ شریک فیصلہ نہ کروگے۔

(۷) لوگوں کو ترغیب وتحریص کرتا ہے کہ ہندو بھائی کی خاطر سے گائے کا ذبح کرنا اس کا گوشت کھانا چھوڑ دو، اور اگر کوئی چھپا کر دوسرے گاؤں سے گائے کا گوشت لاتا ہے۔ اس پر تشدد کیا جاتا ہے۔

(۸) باجودیہ کہ ہر گاؤں میں قیام کر موقع مسجد کے علاوہ دوسرے مکان اہل اسلام پر آسانی سے ممکن ہے اور ہر اہل اسلام مکان پر قیام کو کہتا بھی ہے لیکن مسجد میں قیام، بود وباش خورد ونوش رکھتا ہے اور ہر وقت مشرکین وعوام کا مجمع عام رہتا ہے جس میں ہر قسم کا فیصلہ مسلم وغیر مسلم ہوتا ہے۔

(۹) مسلمانوں سے محض دباؤ کے خیال سے ایک پرامیسری پرونوٹ ہر فیصلے سے پہلے رکھوالیتا ہے کہ بعد فیصلہ اگر فیصلے سے انکار کروگے تو یہ پرونوٹ کا روپیہ تم سے وصول کرلیا جائے گا یا نقد روپیہ جمع کراتا ہے اور اگر فیصلہ پنچی سے انکار کروگے تو یہ روپیہ سوخت ہوجائے گا، جس خیال کی تبلیغ کرتا ہے اس پر وہ ترک صلوٰۃ وارتکاب منہیات پر جرمانہ ایک مقدار میں وصول کرتا ہے۔

(۱۰) فیصلہ معاملات کے لئے جو لوگ درخواست پنچایت میں دیتے ہیں ان میں سے عہ ۴/ یا کم سے کم ۵/ رسوم وصول کیا جاتا ہے۔

(۱۱) اہل ہنود سے بلا کسی معاوضہ کے بناء مسجد کے لئے زمین لی ہے اور اس کی تعمیر میں بھی ان سے ہر قسم کی مدد لیتا ہے۔

الجواب:

(۱) زید شریعت مطہر پر افتراء کرتا ہے جلد بتائے کہ کہاں شریعت نے مشرک وکافر کے جنازے

کو کندھا دینا اور مشایعت کرنا ضروری بتایا ہے ورنہ کریمہ:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ" [1]	(لوگو! جو کچھ تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں اس کے متعلق یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی کے ذمے جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔(ت)

میں داخل ہونے کا اقرار کرے، حدیث میں تو روافض کے لئے فرمایا: **وذا ماتوا فلا تشھدوھم** [2] (اور جب وہ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ میں حاضر نہ ہوں۔ت) نہ کہ کفار اگر اس کا حکم ہوتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضرور جنازہ ابوطالب کی مشایعت فرماتے۔

(۲) یہ تعظیم مشرک ہے اور تعظیم مشرک کفر ہے۔ ظہیریہ واشباہ ودرمختار میں ہے: **تبجیل الکافر کفر** [3] (کافر کی تعظیم کفر ہے۔(ت) مشرک کا اس طرح مسجد میں لے جانا بلا شبہ حرام ہے۔ المحجۃ المؤتمنہ میں اس کی تفصیل تام ہے۔ اور مساجد وعیدگاہ میں ایسے جلسے اور سبھائیں حرام ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ان المساجد لم تبن لھذا** [4] (مسجدیں اس لئے تعمیر نہیں ہوئیں۔ت) مشرک کی جے پکارنا مشرک کا کام ہے رب عزوجل اس پر غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے **کما فی الحدیث** [5] **عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (جیسا کہ حدیث پاک میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے۔ت)

(۳) یہ اس کے منہ کا سوئر ہے، مسلمانوں پر اس کا کیا اثر ہے۔ وہ اس شریعت پر افترا گر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لاتسعرو** [6] (لوگو! قیمتیں مقرر نہ کرو۔ت) بلکہ اگر بیچنے والے اس کے جبر سے اتنا ارزاں بیچیں تو خریدنا اور کھانا حرام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۵۴۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۲، تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ حسین بن الولید السمین النیسابوری داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۶۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[4] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی کراھیۃ انشاد الضالۃ فی المسجد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۸

[5] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[6] کشف الخفاء حدیث ۳۰۱۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۲۱

" اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ تِجَارَةً عَنۡ تَرَاضٍ مِّنۡكُمۡ "[1]	مگر یہ کہ تجارت تمھاری آپس کی رضامندی سے ہو۔(ت)

(۴) مندر ماوائے شیاطین ہے۔اس میں مسلمانوں کو جانا منع ہے۔ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیة یکرہ للمسلم الدخول فی البیعة و الکنیسة حیث انه مجمع الشیاطین قال فی البحر الظاھر انها تحریمة لانها المرادة عند اطلاقھم اھ فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولی[2]۔	فتاوٰی تاتارخانیہ میں ہے کسی مسلمانوں کو یہودیوں، عیسائیوں کے گرجوں میں جانا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیطانوں کے جمع ہونے کے مکانات ہیں،بحرالرائق میں فرمایاظاہر یہ ہے کہ یہاں کراہت سے کراہتِ تحریمی مراد ہے کیونکہ اطلاق کے وقت یہی مراد ہوا کرتی ہے اھ جب وہاں جانا حرام ہے تو پھر نماز پڑھنا بدرجہ اولٰی حرام ہے۔(ت)

جب اس میں یونہی جانا حرام ہے جن مقاصد فاسد کے لئے زید سا شخص لے جاتا ہو ان کا ذکر،قرآن عظیم کو مثل وید بتانا کفر ہے۔اور ہندوؤں کے وید پر عمل کا حکم کفر ہے اور حکمِ کفر کفر ہے۔

عام کتب میں ہے: **الرضا بالکفر کفر**[3] (کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت)

(۵) مشرکین ہند سے میل جول حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی " وَلَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ "[4]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی۔(ت)

حرام کو مدار اسلام بنانا کفر ہے۔**والتفصیل فی المحجة المؤتمنة** (اور تفصیل **المحجة المؤتمنه** میں ہے۔ت)

(۶) یہ حرام ہے اور بحکم قرآن سخت ضلالت و بے دینی۔

قال اللہ تعالٰی "يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ۝" [5]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:وہ چاہتے ہیں کہ شیطان کے پاس اپنا فیصلہ لے جائیں حالانکہ انھیں حکم دیا گیا کہ اس کا انکار کریں حالانکہ شیطان چاہتا ہے کہ ان کو دور کی گمراہی میں بہکادے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[3] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص ۱۷۷

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[5] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

(۷) یہ حرام ہے۔ بدخواہی اسلام ہے۔ مشرک کی خوشی کو شعار اسلام کا بند کرنا حرام ہے۔ مسلمان پر اس کے جائز فعل کے سبب تشدد کرنا ظلم صریح اور شیطان کا کام ہے۔ خود ان کے بڑے لیڈر مولوی عبدالباری صاحب نے اپنے رسالہ ''قربانی گاؤ'' میں تصریح کردی ہے کہ ہنود کی خاطر یا مروت کے لئے گاؤ کشی چھوڑنا حرام ہے۔ والتفصیل فی الطاریٔ الداری (اور پوری تفصیل رسالہ مذکورہ الطاری الداری میں ہے۔ت)۔

(۸) مسجد میں سکونت وخوردونوش سوائے معتکف کسی کو جائز نہیں، فتاوٰی سراجیہ میں ہے:

یکرہ النوم والاکل فیه لغیر المعتکف[1]۔	معتکف کے علاوہ کسی کو مسجد میں سونا، کھانا پینا مکروہ ہے۔(ت)

اور مشرکین کا مجمع توہین مسجد ہے۔ وانظر المحجة المؤتمنة (اور تفصیل المحجة المؤتمنه میں دیکھئے۔ت)

(۹) وہ نوٹ لکھوانا یا روپیہ جمع کراکر ضبط کرنا یا گناہ پر مالی جرمانہ ڈالنا یہ سب حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اپنے مال آپس میں ناجائز طور پر مت نہ کھاؤ۔(ت)

مالی جرمانہ منسوخ ہوگیا اور منسوخ پر عمل حرام ہے۔

(۱۰) یہ سنت نصارٰی اور شرعًا حرام ورشوت ہے اور رشوت لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الراشی والمرتشی کلاھما فی النار[3]۔	رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخی ہیں۔(ت)

(۱۱) کافر کی زمین پر مسجد تعمیر نہیں ہوسکتی، نہ وہ مسجد مسجد ہوگی، نہ مسجد وقف ہوگی۔

قال اللہ تعالٰی "وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: مسجدیں اللہ تعالٰی کی ہیں۔(ت)

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراھیة باب المسجد نولکشور لکھنؤ ص ۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[3] کنز العمال حدیث ۱۵۰۷۷ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۳

[4] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۸

مسلمان اسے وقف نہیں کرسکتے کہ پرائی ملک ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

الواقف لابدان یکون مالکاله وقت الوقف ملکاباتا [1] ۔	کسی چیز کو وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ وقف کرتے وقت اس چیز کا مکمل طور پر مالک ہو۔ (ت)

مسجد کے لئے کافر وقف نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا اہل نہیں۔

قال اللہ تعالٰی " مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰہِ " [2] ۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: شرک کرنے والوں کو لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے گھروں کی تعمیر کریں۔ (ت)

ہاں اگر کافر کسی مسلمان کو اپنی زمین بیعا یا ہبۃً دے دیتا اور مسلمان کی ملک ہوجاتی وہ اپنی طرف سے وقف کرتا تو جائز تھا اور مشرک سے امور دینیہ میں مدد لینی بھی جائز نہیں، تفسیر ارشاد العقل وتفسیر فتوحات الٰہیہ زیر آیہ کریمہ " لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ " اولیاء (مسلمانوں کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔ت) ہے:

نھوا عن موالاتھم وعن الاستعانة بھم فی الغزو و سائر الامور الدینیة [3] ۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم و علمه جل مجدہ اتم واحکم۔	انھیں (مسلمانوں کو) کافروں کی دوستی سے روک دیا گیا اور غزوات اور تمام دینی کاموں میں کافروں سے مدد لینے کی ممانعت ہے۔ اور اللہ تعالٰی پاک اور برتر سب سے بڑا عالم ہے۔ اور اس بڑی شان والے کا علم زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۷: از پوکھریرا محلّہ نورالحلیم شاہ شریف آباد مسئولہ اراکین انجمن نورالاسلام ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس جلسہ میں وہابی، ندوی، نیچری، دیوبندی، ہندو مقرر، لکچرار، واعظ ہوں اور ان کا صدر دیوبندی وغیرہا یا ہندو ہو ایسے جلسوں میں مسلمانان اہلسنت وجماعت

[1] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۹

[2] القرآن الکریم ۹ /۱۷

[3] الفتوحات الٰھیہ تحت آیۃ لایتخذ المومنون الخ ۳ /۲۸ مصطفی البابی مصر ۱ /۲۵۷

کو شرعاً شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو مسلمان ایسے جلسوں میں شریک نہ ہو وہ خارج از اسلام ہے یا نہیں؟ اس سے ترک موالات کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ایسے جلسوں میں شریک ہونا قطعاً حرام اور سخت مضر اسلام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس مت بیٹھ۔

اللہ تعالٰی ان کے پاس بیٹھنے کو شیطانی کام بتاتا ہے اور بھولے سے بیٹھ گیا ہو تو یاد آنے پر فوراً اٹھ آنے کا حکم فرماتا ہے نہ کہ ان کا وعظ و لکچر سننا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[2]۔	ان سے دور بھاگو انھیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

نہ کہ انھیں مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بٹھانا، انھیں صدر یا واعظ بنانے میں ان کی تعظیم و توقیر ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من وقر صاحب بدعۃ فقد اعان علی ھدم الاسلام**[3]۔ جس نے کسی بد مذہب کی توقیر کی بے شک اس نے دین اسلام ڈھادینے پر مدد کی۔ فتاوٰی ظہیریہ و اشباہ والنظائر و منح الغفار و در مختار وغیرہا میں ہے: **تبجیل الکافر کفر**[4] کافر کی تعظیم کفر ہے۔ تو جو مسلمان ایسے جلسوں میں شریک نہ ہو وہ اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم مانتے ہیں اپنے اسلام کو دستبردِ کفار و مرتدین و شیاطین سے بچاتے ہیں، اس بناء پر جو ان کو خارج از اسلام بتاتا ہے خود خارج از اسلام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **فقد باء بھا احدھما**[5] جو کسی کو کافر کہے اگر وہ کافر

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[2] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[3] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ /۶۱

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۱

[5] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۰۱

نہیں تو یہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے جو ان سے اس بناء پر ترک موالات کرے وہ ابلیس سے موالات کرتا ہے مسلمانوں کو اس سے ترک موالات چاہئے۔

قال اللہ تعالٰی " وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ "[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی، اللہ تعالٰی کی پناہ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۳۸: از بنارس محلّہ مدنپورہ متصل دہتوریاپورہ مسئولہ محمد امین و محمد سلیمان ۱۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

شہر بنارس میں جس میں تاریخ کو آپ کا اشتہار جماعت رضائے مصطفٰی کی طرف سے بابت نکاح کے جو آیا ہے اس پر مخالف لوگ اعتراض کر رہے ہیں ہم لوگ بہت پریشان ہیں لہٰذا ہم نے دوسرے ہفتہ کو جو کاروبار بند کر دیا ہے یہ مسئلہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ بند کرنے سے ہم کو کلمہ پڑھنے کے بعد نکاح دوبارہ کرنے کی ضرورت ہوگی، اور ہم لوگوں کو خلافت کمیٹی سے حکم ہوا تھا کہ تم لوگ ہڑتال کر دو یعنی اپنا کاروبار بند کر دو جس میں سے کچھ لوگ مسجد میں دعا کرنے کے لئے گئے اور کچھ لوگ فضول ادھر ادھر گھومتے رہے، لہٰذا ہم کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے موقع پر جو لوگ دعا مانگنے کے لئے گئے تو ان کے واسطے کیا مسئلہ ہے اور جو لوگ کہ فضول گھومتے رہے ان کے لئے کیا مسئلہ ہے۔ مگر خاص کہ ہڑتال کی وجہ سے بند تھا بالکل کاروبار، مہربانی فرما کر جواب سے جلد مشرف فرمایا جائے۔

الجواب:

مخالفوں کے اعتراض کی پرواہ نہ کیجئے، وہ تو قرآن وحدیث کو پیٹھ دے کر مشرک کے پیرو ہولئے ہیں، مشرک کو اپنا رہنما بنالیا ہے۔ مشرک جو کہتا ہے وہی مانتے ہیں حالانکہ مشرک کی اطاعت کو قرآن مجید نے حرام فرمایا ہے۔ مشرکوں کا سوگ درکنار تین دن بعد مسلمان کا سوگ بھی صحیح حدیثوں نے حرام فرمایا ہے۔ مشرکوں کے سوگ میں بازار بند کرنا مشرک کی تعظیم ہے۔ اور کافر کی تعظیم کو فقہائے کرام نے کفر فرمایا ہے۔ مشرکوں سے اتحاد حرام و کفر ہے۔ مشرک کے حکم سے کاروبار بند کرنا حرام ہے۔ حرام کو حلال وخوب سمجھنا کفر ہے، جن لوگون نے مفسدوں کے مجبور کرنے سے دفع فتنہ کے لئے دکان بند کی ان پر تجدید اسلام ونکاح کا حکم نہیں کہ وہ اس پر راضی نہ تھے، ہاں یہ الزام ہے کہ بلا مجبوری خلاف شرع بات کرنے میں مجبور بن گئے اگر کوئی دس روپے چھیننا چاہتا ہے تو یوں سہل مجبور بن جاتے ہیں اور جن لوگوں نے خوشی سے بند کئے وہ سخت کبیرہ گناہ کے

[1] القرآن الکریم ۱۱ /۱۱۳

مرتکب ہوئے، پھر اگر مشرک کا سوگ منانا یا مشرک کا حکم اس کی فرمانبرداری کو ماننا منظور تھا تو بیشک ان پر لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں، اس کے بعد اگر اپنی عورتیں رکھنا چاہیں تو ان سے دوبارہ نکاح کریں، فضول گھومنا برا ہے، اور دعا اگر اچھی ہے خوب ہے مگر مشرک کا حکم ماننے کو دعا کرنا روزہ رکھنا رسالت میں شرک ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۹: از راندیر ضلع سورت ڈاکخانہ خاص مسئولہ جناب مولانا مولوی فقیر غلام محی الدین صاحب ۲۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کسی ضروری امر کے لئے سورت گیا قریب مغرب ایک مسجد میں پہنچا، امام نے گاندھوی خبثا کے لئے ہار بنائے تھے، اقامت ہونے کے سبب امامت تو مصلی پر کھڑا ہو گیا، یہ خبثا آئے تو اس شخص کو چند احباب نے گھیر کر کہا کہ یہ ہار پہنادو، ان احباب کے کہنے سے شخص مذکور نے ہار پہنا کر اپنی جان چھڑائی اور بعد میں اس امام کے پیچھے امام بلکہ اس مسجد ہی میں نماز نہ پڑھی، اس کے دل میں نہ امام کی عظمت نہ ان خبثا کی عزت، لیکن مجبوراشرماشرمی ہار پہنائے ہیں، اس میں کچھ گناہ ثابت ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ ہار پہنانا عرفاً تعظیم ہے اور یہ لوگ فساق وگمراہ ہیں بلکہ ان میں بعض فنافی المشرکین ہو کر اسلام سے بھی گزر گئے، تعظیم فاسق ناجائز ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمة وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1]۔	چونکہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شریعت میں لوگوں پر اس کی توہین وتذلیل واجب ہے۔(ت)

اور تعظیم کافر کو علماء کرام نے کفر لکھا ہے۔ درمختار وغیرہ میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا کفر لان تبجیل الکافر کفر[2]۔	اگر کافر کے احترام میں اس کو سلام کیا تو کافر ہوگا کیونکہ کافر کا احترام کفر ہے۔(ت)

شخص مذکور نے اس امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی بہت اچھا کیا مگر یہ ہار پہنانا اس سے بڑی خطا ہوئی توبہ فرض ہے منکر کا حکم دینے والے احباب نہ تھے نہ احباب کی خاطر کوئی شرعی مجبوری، ہاں

[1] تبیین الحقائق باب الامامة والحدث فی الصلٰوة المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

اکراہ کی حالت ہوتی تو معذوری تھی، **وھو تعالٰی اعلم** (اور اللہ سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۰: ازرامہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

رئیس المحققین قاطع بیدین عمدۃ الامین دام لطفہ تسلیم کے بعد حضور انور کی خدمت اقدس میں غلامانہ عرض ہے کہ ایک مولوی صاحب نے ارشاد کیا ہے کہ جو شخص غیر مقلدین اور مرزائی کے ساتھ نشست برخاست کرے گا وہ کافر اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی حالانکہ نشست و برخاست ان کے ساتھ برائے امور دنیا ہے قرابت یا کسی امر ضروری کے سبب سے ان کے شریک مجلس ہونا ضروری پڑتا ہے ان کے افعال واقوال کو اچھا نہیں سمجھا جاتا ہے تب بھی ان کی مجلس میں شرکت کفر ہے۔ اب جو حکم شرعی ہو بیان فرمائیں۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

وہابیہ وغیر مقلدین و دیوبندی و مرزائی وغیرہم فرقے آج کل سب کفار مرتدین ہیں ان کے پاس نشست و برخاست حرام ہے ان سے میل جول حرام ہے اگرچہ اپنا باپ یا بھائی بیٹے ہوں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [1] وقال تعالٰی "لَا تَجِدُ قَوۡمًا یُّؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ یُوَآدُّوۡنَ مَنۡ حَآدَّ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَوۡ کَانُوۡۤا اٰبَآءَہُمۡ اَوۡ اَبۡنَآءَہُمۡ اَوۡ اِخۡوَانَہُمۡ اَوۡ عَشِیۡرَتَہُمۡ ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تم لوگوں کو ایسا نہ پاؤ گے کہ جو اللہ تعالٰی اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ ان سے دوستی رکھیں کہ جنہوں نے اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اگرچہ وہ ان کے باپ دادا یا انکے بھائی یا انکے قبیلہ کے لوگ ہوں۔(ت)

اور ان لوگوں سے کسی دنیاوی معاملت کی بھی اجازت نہیں، **کما بیناہ فی المحجۃ المؤتمنہ** (جیسا کہ ہم نے اسے اپنی کتاب **المحجۃ المؤتمنہ** میں بیان کردیا ہے۔ت) ان کے پاس بیٹھنے والا اگر ان کو مسلمان سمجھ کر ان کے پاس بیٹھتا ہے یا ان کے کفر میں شک رکھتا ہے اور وہ ان کے اقوال سے مطلع ہے تو بلاشبہ خود کافر ہے۔ فتاوٰی بزازیہ و مجمع الانہر و در مختار وغیرہا میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر [1]۔	جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا تو بلا شبہ وہ بھی کافر ہوگیا۔(ت)

اور اگر ان کو یقینا کافر جانتا ہے اور پھر ان سے میل جول رکھتا ہے تو اگرچہ اس قدر سے کافر نہ ہوگا مگر فاسق ضرور ہے اور اسے امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی قریب بحرام کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، اور **معاذاللہ** بالآخر اس پر اندیشہ کفر ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح الصدور میں فرماتے ہیں ایک شخص رافضیوں کے پاس بیٹھا کرتا تھا اس کے مرتے وقت لوگوں نے اسے کلمہ طیبہ کی تلقین کی، اس نے کہا نہیں کہا جاتا، پوچھا کیوں؟ کہا یہ دو شخص کھڑے ہیں یہ کہتے ہیں تو ان کے پاس بیٹھا کرتا تھا جو ابوبکر و عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو برا کہتے تھے اب چاہتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر اٹھے نہ پڑھنے دیں گے [2]۔ جب صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو برا کہنے والوں کے پاس بیٹھنے والوں کو یہ حالت ہے تو یہ لوگ تو اللہ جل وعلا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو برا کہتے ہیں ان کی تنقیص شان کرتے ہیں انھیں طرح طرح کے عیب لگاتے ہیں ان کے پاس بیٹھنے والے کو کلمہ نصیب ہونا اور بھی دشوار ہے۔ **نسأل اللہ العفو والعافیة** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت چاہتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱تا۱۴۳: مسئولہ مولٰنا مولوی احمد مختار صاحب میرٹھی مورخہ ۸ شعبان المعظم ۱۳۳۸ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام (اے علماء کرام! آپ کا کیا ارشاد گرامی ہے۔ت)

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کو مجدد، مہدی، مسیح موعود اور پیغمبر صاحب وحی والہام ماننے والے مسلم ہیں یا خارج از اسلام اور مرتد؟

(۲) بشکل ثانی اس کا نکاح کسی مسلمہ یا غیر مسلمہ یا ان کی ہم عقیدہ عورت سے شرعا درست ہے یا نہیں؟

(۳) بصورت ثانیہ جن عورات کا نکاح ان لوگوں کے ساتھ منعقد کیا گیا ہے ان عورات کو اختیار حاصل ہے کہ بغیر طلاق لئے اور بلاعدت کسی مرد مسلم سے عقد نکاح کرلیں، **بینوا اجرکم اللہ تعالٰی** (بیان کرو اللہ تعالٰی تمھیں اجر وثواب عطافرمائے۔ت)

الجواب:

(۱) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت ملنے کا جو قائل ہو وہ تو مطلق کافر مرتد ہے۔ اگرچہ کسی ولی یا صحابی کے لئے مانے۔

---
[1] درمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] شرح الصدور باب مایقول الانسان فی مرض الموت مصطفی البابی مصر ص ۱۶

قال اللہ تعالٰی "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" [1] وقال صلی اللہ علیہ وسلم انا خاتم النبیین لانبی بعدی [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لیکن محمد کریم اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں سے آخر ہیں، حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: میں تمام انبیاء کرام سے آخر میں آیا لہٰذا میرے بعد کوئی نبی نہیں۔(ت)

لیکن قادیانی تو ایسا مرتد ہے جس کی نسبت تمام علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ:

من شك فی کفرہ فقد کفر [3]۔	جس نے ساکے کفر میں شک کیا وہ بھی کافر ہوگیا۔(ت)

اسے معاذاللہ مسیح موعود یا مہدی یا مجدد یا ایک ادنٰی درج کا مسلمان جاننا درکنار جو اس کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر اس کے کافر ہونے میں ادنٰی شک کرے وہ خود کافر مرتد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قادیانی عقیدے والے یا قادیانی کو کافر مرتد نہ ماننے والے مرد خواہ عورت کا نکاح اصلا قطعاً ہرگز زنہار کسی مسلم کافر یا مرتد اس کے ہم عقیدہ یا مخالفت العقیدہ غرض تمام جہان میں انسان حیوان جن شیطان کسی سے نہیں ہوسکتا جس سے ہوگا زنائے خالص ہوگا، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز للمرتد ان یتزوج مرتدۃ ولا مسلمۃ ولاکافرۃ اصلیۃ وکذٰلك لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد کذا فی المبسوط [4]۔	کسی مرتد مرد کے لئے جائز نہیں کو وہ کسی مرتد عورت سے یا کسی اصلی کافر عورت سے نکاح کرے، اسی طرح کسی مرتد عورت کو بھی جائز نہیں کہ وہ کسی شخص سے نکاح کرے، مبسوط میں یونہی ہے۔(ت)

اسی میں درباہ تصرفات مرتد ہے:

منہا ماھو باطل بالاتفاق نحو النکاح لایجوز لہ ان یتزوج امرأۃ مسلمۃ ولا مرتدۃ ولا ذمیۃ ولا حرۃ	مرتد آدمی کے بعض تصرفات بالاتفاق باطل ہیں جیسے نکاح کرنا، لہٰذا مرتد شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان عورت یا اپنے جیسی کسی مرتد عورت یا ذمی

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] اللآلی المصنوعۃ کتاب المناقب دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۳، الموضوعات لابن جوزی کتاب الفضائل باب ذکر انہ لانبی بعدہ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۸۰

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب النکاح الباب لثالث القسم السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

ولو مملوکۃ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کافرہ عورت چاہے آزاد ہو یا لونڈی سے نکاح کرے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۳) جس مسلمان عورت کا غلطی یا جہالت سے کسی ایسے کے ساتھ نکاح باندھا گیا اس پر فرض فرض ہے کہ فورًا فورًا فورًا اس سے جدا ہو جائے کہ زنائے سے بچے،اور طلاق کی کچھ حاجت نہیں،بلکہ طلاق کا کوئی محل ہی نہیں،طلاق تو جب ہو کہ نکاح ہوا ہو،نکاح ہی سرے سے نہ ہوا،نہ اصلا عدت کی ضرورت کہ زنائے کے لئے عدت نہیں،بلا طلاق و بلا عدت جس مسلمان سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔درمختار میں ہے:

نکح کافر مسلمۃ فولدت منہ لایثبت النسب منہ ولا تجب العدۃ لانہ نکاح باطل [2]۔	کسی کافر نے کسی مسلمان عورت سے (اپنے خیال میں) نکاح کرلیا تو اس سے عورت نے بچہ جنا تو اس سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا۔اور نہ عورت پر عدت واجب ہوگی،اس لئے کہ وہ ایک باطل نکاح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای فالوطء،فیہ زنا لایثبت بہ النسب [3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ وطی زنا قرار پائے گی اس سے بچے کا نسب ثابت نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۴: از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں اکثر واعظین لوگوں کو کابل ہجرت کرنے پر مجبور کر رہے ہیں اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

شریعت مجبور نہیں کرتی،ہندوستان میں بکثرت شعائر اسلام اب تک جاری ہیں تو ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک بدستور دارالاسلام ہے،

مابقیت علقۃ من علائق الاسلام فان الاسلام یعلو و لا یعلو	جب تک اسلام کے ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اسلام موجود ہو تو وہ دار اسلام ہے۔کیونکہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۵۵

[2] درمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۳

کما فی جامع الفصولین والدرالمختار و جلائل الاسفار۔	اسلام ہمیشہ غالب ہوتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا، جیسا کہ جامع الفصولین، درمختار اور دوسری بڑی بڑی کتابوں میں (یہ مسئلہ) مذکور ہے۔(ت)

اور دار اسلام سے ہجرت فرض نہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: فتح کے بعد ہجرت جائز نہیں۔(ت)

اور یہ ہجرت جائز ہمیشہ تھی اور اب بھی ہے مگر عالم دین کو جس کے علم کی طرف یہاں کے لوگوں کو حاجت ہے اسے ہجرت ناجائز ہے۔ ہجرت درکنار اسے سفر طویل کی اجازت نہیں دیتے، حتی کہ بزازیہ وتنویر الابصار وغیرہا میں ہے:

فقیہ فی بلدۃ لیس فیھا غیرہ افقہ منہ یرید ان یغزو لیس لہ ذٰلک ولفظ الدر من صدر کتاب الجھاد وعمم فی البزازیۃ السفر ولایخفی ان المقید یفید غیرہ بالاولی [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی شہر میں کوئی ایسا عالم ہو کہ اس سے بڑا اس شہر میں کوئی اور عالم نہ ہو اگر وہ جہاد پر جانا چاہے تو یہ اس کے لئے مناسب نہیں، یعنی وہ جہاد کے لئے نہ جائے، درمختار کے کتاب الجہاد میں ہے کہ فتاوٰی بزازیہ میں سفر کو عام رکھا ہے۔ اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سفر مقید، یہ فائدہ دیتا ہے کہ سفیر غیر مقید میں بطریق اولٰی یہ حکم جاری ہے (اس کی وضاحت یہ ہے جب جہاد کے لئے جانا جائز نہیں تو پھر دوسرے کاموں کے لئے سفر کرنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے) واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۴۵تا۱۴۹: از حسن پور ضلع مراد آباد مسئولہ عبدالرحمٰن مدرس ۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) تمام علماء دیوبند قطعی کافر ہیں جو ان کو کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہیں۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۷، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد الفتح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۱، المعجم الکبیر حدیث ۳۳۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۲۷۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

(۲) جو علمائے دیوبندیہ ظاہر کریں کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں جو منسوب کیا جاتا ہے بلکہ ہم لوگ بھی ایسے عقائد رکھنے والے کو کافر سمجھتے ہیں تو اس حیلہ شرعی سے بریت ہوسکتی ہے یا نہیں۔ علاوہ ازیں وہ تقویۃ الایمان وغیرہ کی عبارت کی تاویل کرکے ان کا اچھا مطلب نکالتے ہیں، تو ایسے علماء کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور یہ لوگ امکان کذب کے قائل ہیں، اور اقرار کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو امکان کذب کا قائل نہیں وہ کافر ہے۔ تو ان کے لئے کیا حکم ہے؟ اور ہم کو گزشتہ نمازیں جو ان کے پیچھے ادا کی گئی ہیں لوٹائی چاہئیں یا نہیں؟

(۳) جو اشخاص نہ عالم ہیں نہ دیوبند کے تعلیم یافتہ، نہ ان سے بیعت وعقیدت رکھتے ہیں محض اپنی لاعلمی عقائد کی وجہ سے ان کو کافر نہیں سمجھتے اور ان کے عقائد بھی ایسے بالکل نہیں ہیں جن پر تکفیر لازم آتی ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا تنہا بہتر ہے۔ اور جو امام مسجدوں کے اور حافظ ایسے ہیں کہ تقویۃ الایمان وغیرہ کو برا سمجھتے ہیں اور نہ ان کے عقائد باطلہ میں صرف علمائے دیوبند کو کافر نہیں سمجھے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں تو کیا ایسے لوگ بھی کافر ہیں اور قابل اقتداء نہیں۔

(۴) کیا یہ حدیث ہے کہ کسی کافر کو بھی کافر نہیں کہنا چاہئے اور کیوں؟ اور اگر کسی نے علمائے دیوبند یا اور کسی کافر کو کہا تو اس کے ذمہ کتنا گناہ ہوگا؟

(۵) مصنف تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، تحذیر الناس، حفظ الایمان، یکروزی کے کون کون ہیں؟ اور شرع شریف میں ان کے لئے کیا حکم ہے؟

مدلل ومفصل جواب حوالہ کتب مع مہر ودستخط فرمادیں، خدائے عزوجل جزائے خیر عطا فرمائے، آمین!

الجواب:

بیشک وہ سب کفار ہیں اور جو ان کے اقوال پر مطلع ہوکر انھیں کافر نہ جانے وہ بھی کافر ہے، علمائے کرام حرمین طیبین نے بالاتفاق ان کی نسبت فرمایا ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جو ان کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر۔
(۲) قال اللہ تعالٰی "یَحۡلِفُوۡنَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ اللہ تعالٰی کی قسمیں

[1] حسام الحرمین علی منح الکفر والمین مقدمۃ الکتاب مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

بِاللّٰہِ مَاقَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا کَلِمَةَ الْکُفْرِ وَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِہِمْ "[1]	کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا اور بیشک وہ کفر کا بول بولے اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔

یہ حیلہ شرعی نہیں حیلہ شیطانی ہے اور اس سے برات نہیں ہوسکتی وہ ملعون عقائد واقوال ان کی کتابوں میں موجود ہیں اور ان پر اب تک مصر ہیں ان کو بار بار چھاپ رہے ہیں تو وہ کافقط ناواقف کے بہلادینے کو ہوتا ہے اور جو واقف ہے مگر ذی علم نہیں اس کے سامنے یہ حیلہ ہوتا ہے کہ ان عبارتوں کا یہ مطلب نہیں، اور جو ذی علم ہے اس کے سامنے یہ ہوتا ہے کہ رنگون پہنچے وہاں سے بھاگا کلکتے میں پیچھا کیا وہاں سے بھی اڑگیا، اہل علم کے سامنے یہ ہوتا ہے کہ میں اس فن سے جاہل ہوں میرے اساتذہ بھی جاہل تھے تم مجھے معقول بھی کردو تو میں وہی کہے جاؤں گا، تقویۃ الایمان کو جو اچھا سمجھے یا امکان کذب ماننے والے کو کافر کہے ان سب پر ستر ستر اور زائد زائد وجوہ سے کفر لازم ہے۔ جس کی تفصیل سبحٰن السبوح و کوکبۃ شھابیہ و کشف ضلال دیوبند شرح الاستمداد وغیرہا میں ہے اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جو پہلے پڑھیں ان کا پھیرنا فرض ہے اور نہ پھیرنا فسق۔

(۳) سائل صورت وہ فرض کرتا ہے جو واقع نہ ہوگی، دیوبندیوں کے عقائد کفر طشت ازبان ہوگئے منکر بننے والے اپنی جان چھڑانے کے لئے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں جو منکر ہو اس سے کہئے فتاوٰی موجود وشائع ہیں دیکھو کہ کافروں کا کفر معلوم ہو اور دھوکے سے بچے اور ان کے پیچھے نمازیں غارت نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمنوں سے دشمنی فرض ہے اس فرض پر قائم ہو تو کہتے ہیں ہمیں کتابیں دیکھنے کی حاجت نہیں، یہ ان کا کید ہے ان کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کی عظمت ہوتی تو جن کی نسبت ایسی عام اشاعت سنتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دشنام دہندہ ہے۔ اس سے فوراً خود ہی کنارہ کشی ہوتے اور آپ ہی اس کی تحقیق کو بیقرار ہوتے، کیا کوئی کسی کو سنتے کہ تیرے قتل کے لئے گھات میں بیٹھا ہے اعتبار نہ آئے تو چل تجھے دکھادیں، وہ یوں ہی بے پروائی برتے گا اور کہے گا مجھے نہ تحقیقات کی ضرورت ہے نہ اس سے احتراز کی حاجت تو یہ لوگ ضرور مکار اور بباطن انھیں سے انفار یا دین سے محض بے علاقہ وبیزار ہوتے ہیں ان کے پیچھے نماز سے احتراز فرض ہے۔ ہاں اگر واقع میں کوئی نوارد یا نرا جاہل یا ناواقف ایسا ہو جس کے کان تک یہ اوازیں نہ گئیں اور بوجہ ناواقفی محض انھیں کافر نہ سمجھا وہ اس وقت تک معذور ہے جبکہ سمجھانے سے فوراً قبول کرے۔

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۷۴

(۴) یہ حدیث پر کافر پرستوں کا افتراء ہے جس نے دیوبندیہ وغیرہم کفار کو کفار کہا اس پر کوئی گناہ نہیں، اللہ عزوجل نے کافر کو کافر کہنے کا حکم دیا "قُلۡ یٰۤاَیُّهَا الۡکٰفِرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ "[1] (اے نبی! فرمادیجئے اے کافرو!) ہاں کافر ذمی کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہتا ہے اسے کافر کہہ کر پکارنا منع ہے اگر اسے ناگوار ہو، درمختار میں ہے:

شتم مسلم ذمیا عزروفی القنیة قال لیھودی او مجوسی یاکافر یأثم ان شق علیه[2]۔	کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو گالی دی تو اس پر تعزیر جاری کی جائے گی، قنیہ میں ہے: کسی یہودی یا آتش پرست کو "اے کافر" کہا تو کہنے والا گنہگار ہوگا اگر اسے ناگوار گزرا۔(ت)

یوں ہی گڑی سلطنت اسلام میں جبکہ کافر کو "او کافر" کہہ کر پکارنے میں مقدمہ چلتا ہو۔

فانه لایحل لمسلم ان یذل نفسه الا بضرورة شرعیة۔	تو کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے مگر جبکہ کوئی شرعی مجبوری ہو۔(ت)

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ کافر کو کافر نہ جانے یہ خود کفر ہے۔

من شك فی عذابه و کفره فقد کفر[3]۔	جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا تو وہ بلاشبہ کافر ہوگیا۔(ت)

اسی طرح جب کسی کافر کی نسبت پوچھا جائے کہ وہ کیسا ہے اس وقت اس کا حکم واقعی بتانا واجب ہے، حدیث میں ہے:

اترعون من ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بما فیه یحذره الناس[4]۔	کیا تم بدکار کا ذکر کرنے سے گھبراتے اور خوف رکھتے ہو تو پھر لوگ اسے کب پہچانیں گے لہٰذا وہ بدکار کا ان برائیوں سے ذکر کرو جو اس میں موجود ہیں تاکہ لوگ اس سے بچیں اور ہوشیار رہیں۔(ت)

یہ کافر کہنا بطور دشنام نہیں ہوتا بلکہ حکم شرعی کا بیان، شرع مطہر میں کافر ہر غیر مسلم کا نام ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۹

[3] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[4] نوادر الاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائة دار صادر بیروت ص ۲۱۳

قال اللہ تعالٰی "هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ"[1] ۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا فرمایا پھر کچھ تمھارے اندر کافر ہیں اور کچھ تمھارے اندر مومن ہیں۔ (ت)

سوال حکم کے وقت حکم کو چھپانا اگریوں ہے کہ اسے یقینا کافر جانتا ہے اور اسے کافر کہنا معیوب نہیں جانتا مگر اپنی مصلحت کے سبب بچتا ہے تو صرف گنہگار ہے جبکہ وہ مصلحت صحیحہ تا حد ضرورت شرعیہ نہ ہو، اور اگر واقعی کافر کو کافر کہنا معیوب وخلاف تہذیب جانتا ہے تو قرآن عظیم کو عیب لگاتا ہے اور قرآن عظیم کو عیب لگانا کفر ہے اور اسے کافر جانتا ہی نہیں تو خود اس کے کافر ہونے میں کیا کلام ہے کہ اس نے کفر کو کفر نہ جانا تو ضرور کفر کو اسلام جانا لعدم الواسطہ کیونکہ کفر اور اسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں) تواسلام کو کفر جانا

لان ماکان کفرا فضدہ الاسلام فاذا جعلہ اسلامافقد جعل ضدہ کفرا لان الاسلام لایضادہ الا الکفر و العیاذ باللہ تعالٰی۔	اس لئے کہ جو کچھ کفر ہو تواس کی ضد اسلام ہے۔ پھر جب کفر کو اسلام ٹھہرایا تو پھر اس کی ضد کفر ہوگی (یعنی اسلام کفر اور کفر اسلام ہوجائے گا) کیونکہ اسلام کے مخالف صرف کفر ہے اور اللہ تعالٰی کی پناہ (ت)

(۵) تقویۃ الایمان وصراط مستقیم ویکروزی کا مصنف اسمٰعیل دہلوی ہے اس پر صدہا وجہ سے لزوم کفر ہے۔ دیکھو "سبحن السبوح" و"کوکبہ شہابیہ" ومتن و"شرح الاستمداد" اور تحذیر الناس نانوتوی وبراہین قاطعہ گنگوہی وحفظ الایمان تھانوی میں قطعی یقینی اللہ ورسول کو گالیاں ہیں اور ان کے مصنفین مرتدین ان کی نسبت علمائے کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے:

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[2] ۔	جو ان کے کفر وعذاب میں شک ہی کرے وہ بھی کافر ہے۔

دیکھو کتاب "مستطاب حسام الحرمین"۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۶۴/ ۲

[2] حسام الحرمین علی منح الکفر والمین مقدمۃ الکتاب مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

مسئلہ ۱۵۰: از دفتر ریلوے انجنئیر سرسہ ضلع حصار مسئولہ سید محمد ابراہیم نقشہ نویس صاحب ۱۳ ذی القعدہ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس شخص کے بارے میں جو حضرت غوث پاک کی توہین اور ان کے خاندان کی بے عزتی روبرو اہل اسلام علانیہ کرتا ہے اوراس پر اصرار کرتا ہے آیا ایسا شخص مومن ہے یا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ ایسے شخص سے سلام یا کلام کرنا مسلمانوں کو چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم قطب اکرم، جگر پارہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین فی نفسہٖ زہر قاتل وموجب بربادی دین ودنیا، بہجہ مقدسہ میں ہے:

تکذیبکم لی سم قاتل لادیانکم وسبب لذھاب دنیاکم واخراکم [1]۔	تم لوگوں کا مجھے جھٹلانا زہر قاتل اور تمھاری دنیا اور آخرت کی تباہی وبربادی کا سبب ہے۔(ت)

اور یہاں نظر بر واقع اس طرح توہین علانیہ کا مرتکب ومصر نہ ہوگا مگر کٹر رافضی بغیض یا پکا وہابی خبیث، اور یہ دونوں قطعاً دائرہ اسلام سے خارج ہیں کما ھو مفصل فی حسام الحرمین و فتاوٰی الحرمین وردالرفضۃ (جیسا کہ مسائل مذکورہ کی پوری تفصیل حسام الحرمین، فتاوی حرمین اور ردالرفضہ میں ہے۔ت) مسلمانوں کو ان سے میل جول رکھنا، سلام کرنا، پاس بیٹھنا، پاس بٹھانا سب حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ورنہ ان جیسے ہی ہوجاؤگے)۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(لوگو!) تم ان سے دور بھاگو، اور انھیں اپنے سے دور کرو، کہیں وہ تمھیں گمراہ نہ کردیں اور تمھیں کسی فتنے میں نہ ڈالدیں، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔(ت)

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر کلمات اخبر بھا عن نفسہ محدثا بنعمۃ ربہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۴

[2] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

مسئلہ ۱۵۱: از بمبئی مرسلہ سید فیاض الدین بریلوی نواب مسجد لائن ۷۵ پوسٹ ۹، ۲۳ ذی القعدہ الحرام ۱۳۳۸ھ

الجواب:

انھوں نے اللہ واحد قہار جل جلالہ اور اس کے رسول حبیب مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دی ابلیس لعین کے قدموں پر اس کی پیروی کی نام اسلام کو ذلیل کیا کفر وکفار کو فروغ دیا غضب الٰہی اپنے سر پر لیا اپنی ملعونہ حرکات سے عرش الٰہی کو لرزادیا کفار کے ساتھ ان کے خاص دفتر میں اپنا چہرہ دکھایا اللہ اور رسولوں اور ملائکہ سب کی لعنت کے کام کئے "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ"[1] (وہ لوگ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ت) میں صراحۃً داخل ہوئے ان پر ہر فرض سے اعظم فرض ہے کہ اپنی ان کفری حرکات سے علی الاعلان توبہ کریں نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں پھر اپنی عورتوں کو رکھنا ہو تو ان سے دوبارہ نکاح کریں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸"[2] الٰی قولہ تعالٰی "اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ"[3]۔	(لوگو!) شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) وہ نہیں انتظار کرتے مگر یہ کہ ان پر چھائے ہوئے بادلوں میں (اللہ تعالٰی کا) عذاب آجائے اور فرشتے نازل ہوجائے اور کافر کا فیصلہ ہوجائے (تو پھر ایمان لانے کا کیا فائدہ)۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله[4] اھ فاذا كان في محض المساكنة فكيف في مثل المعاونة۔	جو کوئی کسی مشرک کے ساتھ جمع ہوا اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کی تو وہ اس جیسا ہوجائے گا اھ جب صرف رہنے سہنے کا یہ حکم ہے تو پھر مدد کرنے میں کتنا سخت حکم ہوگا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۰۸

[3] القرآن الکریم ۲ /۲۱۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض المشرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۹

دوسری حدیث میں ہے:

من کثر سواد قوم فھو منھم[1]۔	جس شخص نے کسی جماعت کو بڑھایا (اور پھیلایا) تو وہ اسی میں شمار ہوگا۔ (ت)

تیسری حدیث میں ہے:

من سود مع قوم فھو معھم[2] اھ فاذا کان ھذا فی مجرد التسوید فکیف مع المشارکۃ المذکورۃ التایید۔	جو کوئی کسی قوم کے ساتھ ہو کر انھیں بڑھائے (اور ان کی کثرت میں اضافہ کرے) تو وہ ان ہی کے ساتھ ہوگا اھ پھر جب طلب کثرت کا یہ حکم ہے تو پھر ان کے ساتھ شراکت مذکورہ کہ جس میں ان کی تائید و تصدیق ہے اس کا کتنا سخت حکم ہوگا۔ (ت)

چوتھی حدیث میں ہے:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتز لذٰلک العرش[3] اھ فاذا کان ھذا فی الفاسق فما ظنک بالکافر المارق۔	جب کسی نافرمان کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالٰی غضب ناک ہوجاتا ہے اور اس وجہ سے اس کا عرش کانپ جاتا ہے اھ جب فاسق کا یہ حکم ہے تو پھر کافر سرکش کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ (ت)

شفاء شریف امام قاضی عیاض و اعلام امام ابن حجر مکی میں ہے:

وکذا (یکفر) من فعل فعلا اجمع المسلمون علی انہ لا یصدر الا من کافر وان کان صاحبہ مصرحا بالاسلام مع فعلہ[4]۔	اور اسی طرح وہ شخص کافر ہوجائے جس نے کوئی ایسا کام کیا کہ مسلمانوں کا جس پر اتفاق ہے کہ ایسا کام بغیر کسی کافر کے نہیں ہوسکتا اگرچہ وہ کام کرنے والا اپنا کام کرنے کے باوجود اسلام کا اظہار کرے۔ (ت)

جامع الفصولین و منح الروض الازھر میں ہے:

من خرج الی السدۃ کفر اذ فیہ	جو کوئی کفار کی مجلس میں جائے تو کافر ہوگیا اس لئے

---

[1] کنز العمال بحوالہ عن ابن مسعود حدیث ۲۴۷۳۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[2] کنز العمال بحوالہ خط عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۰

[3] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۳۰

[4] الاعلام بقواطع الاسلام الفصل الثالث مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۷۸

اعلان الکفر وکانہ اعان الیہ [1] اھ فاذا کان ھذا فی کانہ فکیف فی انہ۔	کہ اس میں کفر کااعلان ہے گویا وہ اس کے پاس امداد کے لئے گیا ہے اھ، جب گویا میں یہ حکم ہے تو پھر اصل اور تحقیق میں کیا حکم ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی امام ظہیر الدین واشباہ والنظائر وتنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لوسلم علی الذمی تبجیلا یکفر لان تبجیل الکافر کفر اوقال لمجوسی یااستاذ تبجیلا کفر [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی ذمی کافر کو تعظیم کے طور پر سلام دے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ کافر کی تعظیم کفر ہے۔ اگر کسی نے آتش پرست کو بطور تعظیم "اے کافر" کہا تو کافر ہوگیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۲: واقع در بارہ عالیہ بھر چونڈی شریف اسٹیشن ڈھر کی ضلع سکھر (سند) مسئولہ عاکف فقیر عبداللہ قادری ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم۔

بخدمت تاج الفقہاء سراج العلماء المدققین حامی السنۃ والدین غیاث الاسلام والمسلمین مجدد مائۃ حاضر جناب سید احمد رضا خاں صاحب قادری بعد الوف تسلیمات مع التکریمات بصد آداب واضح برائے عالی باد کہ مسئلہ ہجرت معروفہ معلومہ کہ در ہندوسندھ کہ بتمام جوش وخروش علماء وقت بفرضیت او قائل شدہ اند واعظ دینیہ وزاہد وجاہد بعام وخاص بمجالس مخصوصہ بشدت وحدت تمام دریں بارہ گشتہ اند بحدیکہ از اکثر علماء وقت مقال بدین منوال رفتہ کہ	بخدمت فقہا کے تاج، باریک بین علمائے کرام کے چراغ، سنت اور دین کے مددگار، اسلام اور مسلمانوں کے فریاد رس اس موجودہ صدی کے مجدد، جناب سید احمد رضا خاں صاحب قادری، ہزاروں ہزاروں سلام عزت واحترام کے ساتھ، سیکڑوں قسم کے آداب بجالاتے ہوئے حضور کی رائے عالی پر ظاہر ہو کہ مسئلہ ہجرت جو مشہور ومعروف ہے کہ ہند اور سند میں پورے جوش وخروش سے وقت علماء اس کی فرضیت کے قائل ہوگئے ہیں پس دینی وعظ کرنے والے گوشہ نشین زاہد اور جہاد کرنیوالے عام اور خاص خصوصی مجالس میں انتہائی

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۳، منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحاً الخ مصطفی البابی مصر ص۱۸۶

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

ہر آنکہ ہجرت نکنند ویا قائل بفرضیت او نشوند خارج از ایمان اندوزنان برایشاں حرام گردند آیا آں مفتی الزمان دریں مسئلہ کہ منزلۃ الاقوام است چہ فرمایند بدلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ دریں باب چہ تحریر دارند براہ نوازش وعنایت بترسیم حقیقت مسئلہ حق مسئولہ شتاب بہ جواب سرفراز فرمایند کہ مادر فرضیت واستحبابیت ایں ہجرت سخت متردد ومتشکک ومضطرب حال مذبذب بایم تاکید مزید۔	وحدت اختیار کرتے ہوئے اس معاملہ میں ایک ہوگئے ہیں یہاں تک کہ اکثر علماء سے اس طرز پر گفتگو کرتے وقت وہ اس طرف گئے ہیں، جو لوگ ہجرت نہیں کرتے یا اس کی فرضیت کے قائل نہیں تو وہ ایمان سے خارج ہیں اور منکوحہ عورتیں ان پر حرام ہیں، کیا زمانے کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں شواہد کے پیش نظر اس باب میں کیا تحریر رکھتے ہیں رائے نوازش اور نظر عنایت سے اس مسئلہ مسئولہ کا جلدی جواب عنایت فرماکر سرفراز فرمائیں اس لئے کہ ہم اس ہجرت کے فرض اور مستحب ہونے میں سخت تردد، شک اور اضطراب اور تذبذب میں اپنے آپ کو پاتے ہیں اور مزید تاکید سے عرض کرتے ہیں۔ (ت)

الجواب:

بحمداللہ ہندوسند تاحال داراسلام است **کما حققناہ فی رسالتنا اعلام الاعلام بان ھندستان دارالاسلام** جمعہ وعیدین واذان واقامت وغیرہا بکثرت شعار اسلام جاری ست وشہرے کہ دارالاسلام بود تا رشتہ از رشتہاء اسلام برجاست ہمچناں دارالاسلام ست کہ اسلام غالب ست ومغلو نتواں شد وللہ الحجۃ البالغۃ در جامع الفصولین ست **مابقی شیئ من احکام دارالاسلام تبقی دارالاسلام علی ماعرف ان الحکم اذا ثبت بعلۃ فی**	اللہ تعالٰی کی تعریف وستائش کرتے ہوئے گزارش ہے کہ ہندوستان ابھی تک داراسلام ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ موسومہ "اعلام الاعلام بان ہندوستان دار الاسلام" میں اس کی تحقیق کی ہے نماز، جمعہ، عیدین، اذان اور اقامت وغیرہ بے شمار شعائر اسلامیہ اس میں جاری ہیں اور جو شہر کہ داراسلام سے کوئی رشتہ قائم ہے تو وہ حسب سابق دارالاسلام ہی ہے کیونکہ اسلام غالب ہے اور کبھی مغلوب نہیں ہوسکتا اور کامل دلیل اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ جامع الفصولین میں ہے جب تک داراسلام کا کوئی حکم باقی ہو تو وہ دار الاسلام ہی رہے گا، جیسا کہ معلوم ہے کہ کوئی حکم جب کسی

مابقی شیئ من العلۃ یبقی الحکم ببقائہ[1] ھکذا ذکر شیخ الاسلام ابوبکر فی شرح سیر الاصل۔ ودر فصول عمادی ست دارالاسلام لاتصیر دارالحرب اذا بقی شیئ من احکام الاسلام وان زال غلبۃ اھل السلام[2] امام ناصر الدین فرماید مابقیت علقۃ من علائق الاسلام یترجح جانب الاسلام[3]۔ و در شرح نقایہ است ان الدار محکومۃ بدارالاسلام ببقاء حکم واحد فیھا کما فی الحمادی[4] وغیرھا وہجرت از دارالحرب فرض است نہ از دارالاسلام، قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاھجرۃ بعد الفتح رواہ الشیخان[5]۔ ہجرت خاصہ کہ بر شخصے خاص بوجہ خاص لازم آید چیزے دیگر ست وآواز محلّہ بمحلہ بلکہ از خانہ بخانہ دیگر توان شد والیھا الاشارۃ فی حدیث من	علت کی وجہ سے ثابت ہو تو جب تک وہ علت موجود رہے گی وہ حکم باقی رہے گا، شیخ الاسلام حضرت ابوبکر نے شرح سیر الاصل میں اسی طرح بیان فرمایا۔ اور فصول عماوی میں ہے کہ دارالاسلام میں جب تک کوئی حکم اسلامی موجود ہو تو وہ "دارحرب" نہ ہوگا اگرچہ مسلمانوں کا غلبہ ختم ہوگیا ہے۔ امام ناصر الدین فرماتے ہیں کہ جب تک اسلام کے رشتوں میں سے کوئی رشتہ باقی ہو تو اسلام کی جانب ترجیح ہوگی۔ اور "شرح نقایہ" میں مذکور ہے کہ اگر ملک میں ایک بھی اسلامی حکم باقی ہو تو اس پر دارالاسلام کا حکم لگایا جائے گا جیسا کہ "حمادی" وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور ہجرت کرنا دار کفر سے فرض ہے نہ کہ دارالاسلام سے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فتح مکّہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں، بخاری ومسلم نے اسے روایت فرمایا۔ خاص ہجرت کہ کسی شخص پر کسی خاص وجہ کی بناء پر لزم ہو تو یہ ایک دوسری بات ہے۔ ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ تک بلکہ ایک گھر سے دوسرے گھر تک آواز پہنچ سکتی ہے۔

[1] جامع الفصولین الفصل الاول فی القضاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] فتاوٰی جامع الفوائد بحوالہ فصل العمادی کتاب الجہاد مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۴۴

[3] فتاوٰی جامع الفوائد ناصر الدین مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۴۵

[4] جامع الرموز کتاب الجہاد مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۵۷

[5] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب وجوب النفیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۶، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد الفتح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۱

فر بدینہ [1] الحدیث، واما ہجرت عامہ نباشد مگر از دار الحرب و ادعائے فرضیتش از دارالاسلام باطل محض ست و اصلی ندارد و تفوہ بتکفیر فرضیت غلو فی الدین ست و تکفیر تارک ازاں ہم بالاتر ضلال مبین ست مگر آنانترسند از احادیث کثیرہ ناطقہ بانکہ اکفار مسلم کفرست قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایما امرء قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما فان کان کما قال والا رجعت علیہ رواہ مسلم [2] والترمذی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما موجب ہجرت اگر تسلط نصارٰی است او نہ از امروز ست صد سال بیش می گزرد اینہا و آباء ایناں تاحال قیامت داشتند وبرزعم خود بترک تخم کدام حکم کاشتند واگر چیزے ست کہ در ممالک دیر ناشیئ پس ایں حکم عجیبے ست کہ حادثے بملکے رود ہجرت از ملک دیگر واجب شود، نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ جو کوئی اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا الحدیث، لیکن عام ہجرت سوائے دار حرب کے نہیں ہوسکتی لہٰذا دارالاسلام سے ہجرت کی فرضیت کا دعوٰی کرنا بلاشبہہ باطل ہے یہ اپنے اندر کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اور جو کوئی اس کی فرضیت کا انکار کرے اسے کافر قرار دینا دین میں بڑی زیادتی ہے پھر تارک کی تکفیر اس سے بھی بڑھ کر گمراہی ہے، مگر کیا وہ لوگ اس بات سے نہیں ڈرتے کہ بے شمار روایات اس پر ناطق ہیں کہ کسی مسلمان کو کافر قرار دینا کفر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس آدمی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو یہ کفران دونوں میں سے کسی ایک پر پلٹ جائے گا، لہٰذا اگر کہنے والے کے مطابق وہ کافر ہے تو وہی کافر ہوگا ورنہ کہنے والے پر کفر لوٹ آئے گا، امام مسلم اور امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس حدیث کو روایت کیا (جو لوگ ہجرت کے قائل ہیں اور اسے فریضہ ایمان قرار دیتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ) ہجرت کرنے کا سبب اور وجہ کیا ہے؟ اگر عیسائیوں کا تسلط ہے تو وہ کوئی آج نہیں ہوا بلکہ آج سے سو سال پہلے کا ہے پھر اتنی مدت پر یہ لوگ اور ان کے باپ دادے اب تک یہاں کیوں ٹھہرے رہے اور اپنے خیال میں ہجرت نہ کرکے انھوں نے کون سے حکم کا بیج بویا؟ اور اگر ہجرت

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن مردویہ تحت آیۃ ۱۹/۵۷ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۱۷۶

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ یاکافر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، جامع الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی من رمی اخاہ بکفر امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸

	کسی ایسے کم کی وجہ سے ہے جو کسی دوسرے ممالک میں پیدا ہو گیا، تو پھر یہ حکم عجیب ہے کہ کوئی جدید حادثہ کسی ملک یں پیدا ہو جائے تو پھر ہجرت کرنا کسی دوسرے ملک پر واجب ہو جائے۔ (خلاصہ کلام) ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کی دعا کرتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۳ و ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی کی زبان سے کلمہ کفر نکل گیا یا اللہ ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالی دی پھر نادم ہو کر فوراً توبہ کی، اب بی بی اس کی نکاح میں اس کی رہے گی یا نہیں؟

(۲) یہ جو مسئلہ مشہور ہے کہ اگر کوئی جاہل عالم کو گالی دے تو بی بی پر اس کے طلاق واقع ہو جاتی ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو عالم کو کس مرتبہ کا ہونا اور گالی کا کس مرتبہ کا ہونا شرط ہے اور اگر عالم بدخو یا فاسد العقیدہ کو گالی دے یا صحیح العقیدہ کو کسی بات پر خواہ دنیاوی یا اُخروی یا مسئلہ اختلافی لے کر جھگڑا کرکے باہم گالی گلوچ کی، یہ جھگڑا مابین دو عالموں کے ہو تو شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جس نے کلمہ کفر قصداً کہا یا اللہ یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی وہ کافر ہو جاتا ہے اس کی عورت نکاح سے نکل جاتی ہے پھر اگر مسلمان ہو اور توبہ کرے عورت کو اختیار ہے کہ اس سے دوبارہ نکاح کرے خواہ بعد عدت کے اور سے کرے۔

(۲) عالم دین کو برا کہنا اگر اس کے عالم دین ہونے کے سبب ہے تو کفر ہے اور عورت نکاح سے باہر، خواہ برا کہنے والا خود عالم ہو یا جاہل، اور عالم سنی العقیدہ کی توہین جاہل کو جائز نہیں، اگرچہ اس کے عمل کیسے ہی ہوں، اور بدمذہب وگمراہ اگرچہ عالم کہلاتا ہو اسے برا کہا جائے گا مگر اسی قدر جتنے کا وہ مستحق ہے۔ اور فحش کلمہ سے ہمیشہ اجتناب چاہیے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۵ تا ۱۵۸: از آرہ محلّہ نوادہ ڈاک بنگلہ مرسلہ محبوب علی وعبدالغفور صاحب آخری ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

ایک پنڈت صاحب ساکن بلیا کے وہ آج کل آرہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جا مجمع کرکے لکچر دیا کرتے ہیں بعد ختم لکچر کے پنڈت صاحب اکثر موقعوں پر خود اپنے ہاتھ ہندوؤں مسلمانوں کو ٹیکا دیتے ہیں بعد اس کے مسلمان سے گلے ملتے ہیں مگر قبل ٹیکا دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے یہاں ممانعت ہے یا نہیں؟ اس پر چند مسلمانوں نے جواب دیا کہ کوئی ممانعت نہیں ہے اور نہ ٹیکے سے انکار ہے۔ اس کہنے پر وہ ٹیکا دیتے ہیں اور گلے ملتے ہیں اور اسی لکچر کے اندر یہ کہا کہ ہندو و مسلمان ایک دل ہو کر اپنے اپنے گھروں میں انتظام کریں بلکہ اس کے انتظام کے لئے چند

مسلمان ممبر بنائے گئے اور یہ رائے مانی کہ اس غلہ کو بیچ کر ایک جگہ جمع کیا جائے، اسی رائے کو دونوں فریق نے پاس کرکے ایک ہندو کے یہاں جمع کرنے کے لئے قرار دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ دونوں فریق کی رائے سے یہ پیسہ اپنے کار خیر کے لئے خرچ کریں، اب میں علمائے دین سے اس امر کو دریافت کرتا ہوں کہ وہ شراکت کا پیسہ ہم لوگ اپنے کار خیر میں جیسے مسجد کی مرمت یا تجہیز وتکفین مدارات میت وغیرہ وغیرہ میں لاسکتے ہیں یا نہیں۔اور ایک روز پنڈت صاحب نے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہم اپنے رامائن کا اور مسلمانوں کے قرآن مجید کی اور انگریزوں کی بائبل کی یعنی تینوں کتابوں کی پوجا کریں گے، اس کے انتظام اور اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈولہ جس کو وہ لوگ سنگاسن کہتے ہیں اس کو بڑے تکلف کے ساتھ ہار پھول سے سجوا کر اس کے اندر ایک طرف رامائن یاک طرف بائبل اور بیچ میں قرآن مجید منگوا کر رکھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بھجن گاتے اور ڈھول وجھانج وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے ہوئے اپنے مندر کے اندر لیجا کر رکھا، خیر کہا ہماری شریعت میں علماء نے اس امر کو کہ کلام پاک غیر مذہب میں بے دین کی مجلس میں لے جانا اور یہ برتاؤ کرنا اور مندر کے اندر لیجا کر رکھنا کیا جائز ہے؟ جب مسلمانوں سے کہا گیا تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہوا اگر ایسا کیا گیا کیونکہ ہم لوگوں نے شہر کے ایک ایک مولوی صاحب سے دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔اور ٹیکا کے بارے میں بھی یہی جواب ملا، ان سب واقعات کو لکھ کر خدمت بابرکت میں اپنے علمائے دین شرع متین کے پیش کرتا ہوں کہ فی الحقیقت یہ سب بات شرع کے اندر جائز ہے یا نہیں جیسا کہ یہاں پر مسلمان ہم کو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے یہ سب مولوی صاحب سے دریافت کرلیا ہے لہٰذا ذیل چند جملے درج کرتا ہوں جو مضمون بالا کا لب لباب ہو سکتا ہے ان سوالوں کے جواب سے بالتفصیل سرفراز فرمایا جائے تاکہ ان بھائی مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرکے ان کی اصلاح کی جائے، ان کے عقائد درباہ مذکورہ درست نہیں ہیں اور ان کی ان خود پرستیوں کی پوری پوری گوشمالی ہو جائے، وہ مذہب پر دھبہ لگانے والی حرکت سے باز آکر راہ راست پر آجائیں، اس لئے گزارش خدمت عالی ہے کہ جلد جواب اسی پرچہ کی پشت پر تحریر فرمائیں،

(۱) مسلمانوں کو پیشانی پر ٹیکا لگانا خواہ وہ کسی قسم کا مانند زعفران وصندل وغیرہ کے ہو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہندوؤں کے شال غول باندھا کر گاتے بجاتے رامائن وغیرہ ہندوؤں کی کتابوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ سنگاسن وغیرہ میں رکھ کر ہندوؤں کی مجلس میں جانا جہاں پر "رام چندر کی جے" کی صدا بلند ہوتی ہو مسلمانوں کے لئے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) قرآن مجید کا دوسری کتابوں کے شامل مانند رامائن بائبل وغیرہ ہندوؤں کے ساتھ پوجا کیا نا خواہ مندر کے اندر لیجانا اور اس کے اہتمام میں مسلمانوں کا شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟

(۴) ہندوؤں کے شامل چندہ جمع کرنا اور اس چندہ سے رفاہ عام مسلمان کرنا مثلاً مرمت مسجد تجہیز و تکفین میت لاوارث مسلمانی، امداد بیوگان، مسلم یا یتیم بچوں کی تربیت و تعلیم وغیرہ وغیرہ ممنوع ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ماتھے پر قشقہ (ٹیکا) لگانا خاص شعار کفر ہے اور اپنے لئے جو شعار کفر پر راضی ہو اس پر لزوم کفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **من تشبہ بقوم فھو منہ**[1] جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انھیں میں سے ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

عبادۃ الصنم کفر ولا اعتبار فی قلبہ وکذا لوتزنر بزنار الیھود والنصاری دخل کنیستھم اولم یدخل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بت کی پوجا کرنا کفر ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی نے یہودیوں اور عیسائیوں کا زنار گلے میں ڈالا چاہے ان کے گرجوں میں جائے نہ جائے، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) مسائل یہ پوچھتا ہے کہ وہ حرکات ملعونہ جائز ہیں یا نہیں۔ یہ پوچھے کہ کفر ہے یا نہیں۔ ان کی عورتیں نکاح سے نکلیں یا نہیں ان حرکات سے۔ جامع الفصولین منح الروح الازہر میں ہے:

من خرج الی السدۃ (قال القاری ای مجمع اھل الکفر) کفر لان فیہ اعلام الکفر وکانہ اعان علیہ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی (دارالاسلام کو چھوڑ کر) کفار و مشرکین کے مجمع میں جائے (السدۃ۔ محدث ملا علی قاری نے فرمایا: اس کا معنی مجمع اہل کفر ہے) تو وہ کافر ہوگیا کیونکہ اس میں کفر کا اعلان ہے۔ گو یا وہ کفر پر ان کی امداد کر رہا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

[2] الاشباہ والنظائر کتاب السیر والردۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۲۹۵

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۶، جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۳

(۳) قرآن عظیم کا مندر میں لیجانا اس کی توہین ہے اور قرآن عظیم کی توہین کفر اور رامائن کی پوجا اگر کفر نہ ہوئی تو دنیا میں کوئی بات کفر نہیں ہو سکتی، اور کفر کے اہتمام میں شریک ہونا اور اس پر راضی ہونا کفر ہے **الرضا بالکفر کفر** (کفر پر راضی ہونا کفر ہے۔ت) وہ لوگ اسلام سے نکل گئے اور ان کی عورتیں ان کے نکاح سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) ممنوع ہے اور سخت ممنوع ہے شرکت کے سبب اگر ان کا روپیہ ہمارے یہاں کے کار خیر میں میں صرف ہوگا تو مسلمان کا روپیہ ان کے کفر کے کاموں میں صرف ہوگا جن کو وہ کار خیر سمجھتے ہیں مثلاً مندروں کی اعانت بتوں کی زینت وغیرہ، اور ان پر راضی ہونا کفر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از امرتسر کٹرہ پرجہ مرسلہ غلام محمد صاحب دکاندار ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرح متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ اگر ہجرت ہی کرنی ہے تو بجائے کابل کے مدینہ منورہ ہجرت کروں گا کم از کم یہ تو ہوگا کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز پڑھنے سے بچاس ہزار نماز کا ثواب ہوگا اور کہتا ہے دین مدینہ منورہ سے نکلا ہے اور پھر اسی طرف پلٹ جائے گا، پس اس جگہ سے کون جگہ افضل ہوگی، اور اس زمانہ میں جبکہ نصارٰی کا قبضہ اس جگہ سے ہے کابل سے ہزار درجہ اس جگہ کی ہجرت کو افضل کہتا ہے اور اپنے لئے باعث سلامتی دین وشفاعت تصور کرتا ہے، زید کا یہ خیال درست ہے یا نہیں؟ یہ ہجرت اس کی درست ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور اگر ہجرت میں یہ نیت کرے کہ جب تک بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ پر کفار کا قبضہ ہے اتنی مدت اپنے وطن میں نہ آئے گا، ایسی نیت اس کی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

زید کے بالائی خیالات سب صحیح ہیں بیشک مدینہ طیبہ سے کسی شہر کو نسبت نہیں ہو سکتی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

والمدینۃ خیر لھم لو کانوا یعلمون[1]۔	مدینہ ان کے لئے سب سے بہتر ہے اور وہ جانیں۔

مگر مدینہ طیبہ میں مجاورت ہمارے ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے کہ حفظ آداب نہ ہو سکے گا اور قبضہ کفار کا بیان غلط ہے اور ہو تو یہ نیت کہ ان کے قبضہ تک وہیں رہے گا الٹی نیت ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] صحیح البخاری فضائل المدینۃ باب من رغب عن المدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۲، صحیح مسلم کتاب الحج باب ترغیب الناس فی سکنی المدینہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۵

مسئلہ ۱۶۰و۱۶۱: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۳۳ مرسلہ حکیم سعید الرحمٰن صاحب دہلوی ۱۳ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

حضرت اقدس جناب مولانا صاحب قبلہ دام فیضہ السلام علیکم، مزاج گرامی ! نہایت ادب سے مگر بیتابی کے ساتھ خدمت والا میں گزارش ہیں کہ براۓ کرم امور ذیل کا جواب مرحمت فرما کر خادم کی تسلی فرمائیں۔

(۱) مسائل خلافت اسلامیہ وہجرت عن الہند کے متعلق مولوی عبدالباری اور ابوالکلام وغیرہ نے جو کچھ آواز اٹھائی ہے یہ حدود اسلامیہ وشرعیہ کے موافق ہے یا خلاف؟

(۲) ہر لحاظ سے جناب والا کی خاموشی کن مصالح کی بنا پر ہے؟ اگر موافق ہے تو کیوں ان اصحاب کی تائید میں آواز نہیں اٹھاتے؟ اور اگر خلاف ہے تو دوسرے مسلمانوں کو خطرناک ہلاکت سے نہیں روکا گیا جناب والا نے اپنے لیے کیا راہ عمل تجویز فرمائی ہے؟

الجواب:

مقصد بتایا جاتا ہے اماکن مقدسہ کی حفاظت، اس میں کون مسلمان خلاف کرسکتا ہے اور کاروائی کی جاتی ہے کفار سے اتحاد مشرک لیڈروں کی غلامی و تقلید قرآن وحدیث کی عمر کو بت پرستی پر نثار کرنا مسلمانوں کا قشقہ لگوانا، کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا، رامائن کی پوجا میں شریک ہونا، مشرک کا جنازہ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کی جے بولتے ہوئے مرگھٹ کو لے جانا، کافروں کو مسجد میں لیجا کر مسلمانوں کا واعظ بنانا، شعار اسلام قربانی گاؤ کو کفار کی خوشامد میں بند کرنا ایک ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام وکفر کی تمیز اٹھادے اور بتوں کے معبد پر آگ کو مقدس ٹھہرائے، اور اسی طرح کے بہت اقوال احوال افعال جن کا پانی سر سے گزر گیا اور جنھوں نے اسلام پر یکسر پانی پھیر دیا، کون مسلمان ان میں موافقت کرسکتا ہے ان حرکات خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جارہے ہیں اس سے زیادہ کیا اختیار ہے پاکی ہے اسے جو مقلب القلوب والابصار ہے۔ **وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ گناہوں سے تحفظ اور نیکی بجالانے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی بلند شان والے۔ بڑی عظمت والے کی توفیق سے ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۲تا۱۶۴: از گوری ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ عبدالجبار صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شخص نماز نہیں پڑھتا ہے لوگوں نے زبردستی نماز پڑھنے کو کہا اور اس نے انکار کیا، اس صورت میں انکار کرنے والے اور تاکید کرنے والے کے ایمان میں نقص آیا یا نہیں؟ اگر نقص کیا تو کس درجہ کا؟ بصورت اکراہ وخوف سزا اسے جبر یہ نماز پڑھتا ہے۔ نہ معلوم نماز ریا ادا کرتا ہے

یاخلوص، لیکن ظاہر اسباب زبردستی دباؤ ہے۔ پس نماز عام جاہل کے دباؤ سے مقبول ہے یا نہیں؟
(۲) ذابح البقر جس نے اپنا پیشہ ذبح کرنا مویشیوں کا ونفع اٹھانا فروخت گوشت سے ہمیشہ اختیار کرلیا ہے بخشا جائے گا یا نہیں؟ وپرسش خون ناحق کا یوم الحشر میں ہوگا یا نہیں؟
(۳) ایک مسلمان نذر لغیر اللہ کھاتا ہے اور امداد مخلوق مثل شیخ سدو وخواجہ خضر وکالی بھوانی وغیرہ تعزیہ پرستی سے طلب کرتا ہے وبصورت حصول مراد نہیں نذر دینے سے ضرر جان ومال کا تصور کرتا ہے۔ ان صورتوں میں نقص ایمان واقع ہوا یا نہیں؟ وذبیحہ اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) تاکید کرنے والے پر الزام نہیں، اور انکار اگریوں ہے کہ تیرے کہنے سے نہیں پڑھتا تو گناہ ہی ہے اور اگر فرضیت نماز سے انکار کرے تو کفر **کمافی جامع الفصولین**[1] **وغیرہ** (جیسا کہ جامع الفصولین وغیرہ میں ہے۔ت)

قبول وعدم قبول کو بیان اوپر گزرا سقوط فرض ہوجائے گا **لاریاء فی الفرائض کما فی الاشباہ وغیرھا** (فرائض میں دکھاوا نہیں جیساکہ الاشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ت) مسلمانوں پر بدگمانی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ذبح بقر کو خون ناحق کہنا کلمہ کفر ہے اور اس کی بخشش نہ جاننا ضلالت وگمراہی اور اس پیشے کے جواز میں کوئی شبہ نہیں اور ذابح البقر کی وعید موضوع وبے اصل ہے حوالہ اس پر ہے جوان دعاوی باطلہ کا مدعی ہوا الٹا مطالبہ جہالت وہابیہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) کالی بھولالی سے مدد مانگنے والے کو مسلمان کہنا کفر ہے۔ کہنے والے پر تجدید اسلام وتجدید نکاح لازم ہے۔ اور کالی بھوانی، شیخ سدو اور ارواح خبیثہ کے ساتھ نبی اللہ خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد کو ملانا صریح گمراہی اور اور نبی اللہ کی توہین اور امام الوہابیہ مخزولی کی طرز لعین ہے۔ توبہ فرض ہے اور جب وہ کالی بھوانی سے مدد مانگتا ہے تو قطعاً کافر مشرک ہے اس کے ایمان کے نقصان کمال اور اس کے ذبیحہ سے سوال نادانی ہے۔ نہ اسکے بعد کسی امر محتمل سے بحث کی حاجت نہ کہ جائز مستحب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ص ۳۰۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رساله

برکات الامداد لاھل الاستمداد ۱۳۱۱ھ

(مدد طلب کرنے والوں کے لئے امداد کی برکتیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۶۵: از سہسواں محلّہ شہباز پورہ مرسلہ احمد نبی خان ۱۴/ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیۃ **وایاك نستعین** کے معنی وہابی یوں بیان کرتا ہے کہ استعانت غیر حق سے شرک ہے۔

دیکھ حصر نستعین اے پاک دیں — استعانت غیر سے لائق نہیں

ذات حق بیشک ہے نعم المستعان — حیف ہے جو غیر حق کا ہو دھیان

اور علمائے صوفیہ کرام کا عقیدہ یوں ظاہر کرتا ہے کہ حضرت مصلح الدین سعدی شیرازی رحمہ اللہ تعالٰی کا بھی یہی ایمان تھا کہ ع

ندار یم غیر از تو فریاد رس

(ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں رکھتے۔ت)

اور حضرت مولانا نظامی گنجوی رحمہ اللہ تعالٰی بھی دعا میں عرض کرتے تھے۔

بزرگا بزرگی دہا بیکسم توئی یاوری بخشش ویاری رسم

(اے بزرگ! بزرگی عطافرما کہ میں بیکس ہوں، تو ہی حمایت کرنے والا اور میری مدد کو پہنچنے والا ہے)

اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قصہ دلچسپ وعبرت دلہا بیان کرتا ہے جو تحفۃ العاشقین میں لکھا ہے کہ ایک روز آپ نماز پڑھ رہے تھے جب نستعین پر پہنچے بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش ہوا فرمایا: جب رب العالمین ایاک نستعین فرمائے اور میں غیر حق سے مانگوں مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا، دوسری آیت شریف جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قصہ کی کہ انی وجہت وجھی للذی سے بیان کرتا ہے اور بہت سی آیت شریفہ اور حدیث پاک اور قول علماء وصوفیہ بتاتا ہے لہٰذا مستدعی خدمت عالی ہوں کہ تردید اس کی مرحمت ہو کہ اس وہابی سے بیان کروں جواب قرآن کا قرآن سے، حدیث کا حدیث سے، اقوال کا اقوال سے، ارشاد فرمائے گا اور معنی لفظی ہوں، **بینوا توجروا** راقم نیاز احمد نبی خاں، سہسوان

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وبہ نستعین والصلوٰۃ والسلام علی اعظم غوث اکرم ومعین محمد وٰالہ واصحابہ اجمعین۔	سب حمدیں اللہ تعالیٰ کے لیے، اور اسی سے ہم مدد چاہتے ہیں، اور صلوٰۃ وسلام سب سے بڑے بزرگی والے غوث ومددگار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔ (ت)

الحمد للہ آیات کریمہ تو مسلمان کی ہیں اور حضرت مولٰنا سعدی ومولٰنا نظامی قدس سرہ السامی کے جو اشعار نقل کئے وہ بھی حق ہیں، مگر وہابی حق باتوں سے باطل معنی کا ثبوت چاہتا ہے جو ہرگز نہ ہوگا آیہ کریمہ انی وجّہت وَجْہِیَ کو تو اس مقام سے کوئی علاقہ ہی نہیں اس میں توجہ بقصد عبادت کا ذکر ہے کہ میں اپنی عبادت سے اسی کا قصد کرتا ہوں جس نے پیدا کئے زمین وآسمان، نہ یہ کہ مطلق توجہ کا جس میں انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے استعانت بھی داخل ہوسکے، جلالین شریفین میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر فرمائی۔

قالوا لہ ماتعبد قال انی وجہت وجھی قصدت بعبادتی الخ۔[1]	یعنی کافروں نے سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تم کسے پوجتے ہو فرمایا: میں اپنی عبادت سے اس کا قصد کرتا ہوں جس نے بنائے آسمان وزمین۔

[1] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۶/ ۷۹ اصح المطابع دہلی ص ۱۱۹

آیت میں اگر مطلق توجہ مراد ہو تو کسی کی طرف منہ کرکے باتیں کرنا بھی شرک ہو نماز میں قبلہ کی طرف توجہ بھی شرک ہو کہ قبلہ بھی غیر خدا ہے خدا نہیں، اور رب العزت جل وعلا کا ارشاد ہے:

"حَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ" [1]۔	جہاں کہیں ہو اپنا منہ قبلہ کی طرف کرو۔

معاذاللہ شرک کا حکم دینا ٹھہرے، مگر وہابیہ کی عقل کم ہے۔ آیہ کریمہ وایاک نستعین مناجات سعدی ونظامی میں استعانت و فریاد رسی ویاوری دیاری حقیقی کا حضرت عزوجل وعلا میں حصر ہے نہ کہ مطلق کا، اور بلاشبہہ حقیقت ان امور بلکہ ہر کمال بلکہ ہر وجوہ ہستی کی خاص بجناب احدیت عزوجل ہے استعانت حقیقیہ یہ کہ اسے قادر بالذات ومالک مستقل وغنی بے نیاز جانے کہ بے عطائے الٰہی وہ خود اپنی ذات سے اس کام کی قدرت رکھتا ہے، اس معنی کا غیر خدا کے ساتھ اعتقاد ہر مسلمان کے نزدیک شرک ہے نہ ہرگز کوئی مسلمان غیر کے ساتھ اس معنی کا قصد کرتا ہے بلکہ واسطہ وصول فیض وذریعہ ووسیلہ قضائے حاجات جانتے ہیں اور یہ قطعاً حق ہے۔ خود رب العزت تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا: "وَابۡتَغُوۡۤا اِلَيۡهِ الۡوَسِيۡلَةَ" [2] اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

بایں معنی استعانت بالغیر ہرگز اس سے حصر ایاك نستعين کے منافی نہیں، جس طرح وجود حقیقی کہ خود اپنی ذات سے بے کسی کے پیدا کئے موجود ہونا خالص بجناب الٰہی تعالیٰ وتقدس ہے۔ پھر اس کے سبب دوسرے کو موجود کہنا شرک نہ ہوگیا جب تک وہی وجود حقیقی نہ مراد لے۔ حقائق الاشیاء ثابتة پہلا عقیدہ اہل اسلام کا ہے۔ یونہی علم حقیقی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور تعلیم حقیقی کہ بذات خود بے حاجت بہ دیگرے القائے علم کرے، اللہ جل جلالہ سے خاص ہیں، پھر دوسرے کو عالم کہنا یا اس سے علم طلب کرنا شرک نہیں ہوسکتا جب تک وہی معنی اصلی مقصود نہ ہوں، خود رب العزت تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم میں اپنے بندوں کو علیم وعلماء فرماتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد کرتا ہے:

"يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ" [3] یہ نبی انھیں کتاب وحکمت کا علم عطا کرتا ہے۔

یہی حال استعانت وفریاد رسی کا ہے کہ ان کی حقیقت خاص بخدا اور بمعنی وسیلہ وتوسل وتوسط غیر کے لئے ثابت اور قطعاً روا، بلکہ یہ معنی تو غیر خدا ہی کے لئے خاص ہیں اللہ عزوجل وسیلہ وتوسل وتوسط بننے سے

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۱۴۴

[2] القرآن الکریم ۵ /۳۵

[3] القرآن الکریم ۳ /۱۶۴

پاک ہے۔اس سے اوپر کون ہے کہ یہ اس کی طرف وسیلہ ہوگا اور اس کے سوا حقیقی حاجت روا کون ہے۔کہ یہ بیچ میں واسطہ بنے گا، ولہذا حدیث میں ہے جب اعرابی نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ! ہم حضور کو اللہ تعالٰی کی طرف شفیع بناتے ہیں اور اللہ عزوجل کو حضور کے سامنے شفیع لاتے ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سخت گراں گزرا دیر تک سبحان اللہ فرماتے رہے۔پھر فرمایا:

ویحك انه لایستشفع باللّٰه علی احد شان اللّٰه اعظم من ذٰلک، روہ ابوداؤد [1] عن جبیر بن مطعم رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	ارے نادان ! اللہ کو کسی کے پاس سفارشی نہیں لاتے ہیں کہ اللہ کی شان اس سے بہت بڑی ہے (اسے ابوداؤد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اہل اسلام انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے یہی استعانت کرتے ہیں جو اللہ عزوجل سے کیجئے تو اللہ اور اس کا رسول عــہ۱ غضب فرمائیں اور اسے اللہ جل وعلا کی شان میں بے ادبی ٹھہرائیں، اور حق تو یہ ہے کہ اس استعانت کے معنی اعتقاد کرکے جناب الٰہی جل وعلا سے کرے تو کافر ہوجائے مگر وہابیہ کی بد عقلی کو کیا کہئے، نہ اللہ عــہ۲ کا ادب نہ رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے خوف، نہ ایمان کا پاس خواہی نخواہی اس استعانت کو ایاک نستعین میں داخل کرکے جو اللہ عزوجل کے حق میں محال قطعی ہے اسے اللہ تعالٰی سے خاص کئے دیتے ہیں۔ایک بیوقوف وہابی نے کہا تھا ؎

جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے　　　وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے کہا ؎

توسل کر نہیں سکتے خدا سے　　　اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

یعنی یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ خدا سے توسل کرکے اسے کسی کے یہاں وسیلہ وذریعہ بنائے اس وسیلہ بننے کو ہم اولیائے کرام سے مانگتے ہیں کہ وہ دربارہ الٰہی میں ہمارا وسیلہ وذریعہ وواسطہ قضائے حاجات ہوجائیں اس بے وقوفی کے سوال کا جواب اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں دیا ہے۔

عــہ۱: جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔　عــہ۲: جل جلالہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی الجهیمة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۴

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴿۶۴﴾ "[1]	اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم یعنی گناہ کرکے تیرے پاس حاضر ہوں اور اللہ سے معافی چاہیں اور معافی مانگے ان کے لئے رسول، تو بیشک اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا مہربان پائیں گے۔

کیااللہ تعالٰی اپنے آپ نہیں بخش سکتا تھا۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ اے نبی! تیرے پاس حاضر ہوں اور تو اللہ سے ان کی بخشش چاہے تو یہ دولت ونعمت پائیں گے۔ یہی ہمارا مطلب ہے۔ جو قرآن کی آیت صاف فرمارہی ہے۔ مگر وہابیہ تو عقل نہیں رکھتے۔ خدارا انصاف! اگر آیہ کریمہ ایاك نستعین میں مطلق استعانت کا ذات الٰہی جل وعلا میں حصر مقصود ہو تو کیا صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی سے استعانت شرک ہوگی، کیا یہی غیر خدا ہیں، اور سب اشخاص واشیاء وہابیہ کے نزدیک خدا ہیں یا آیت میں خاص انھیں کا نام لے دیا ہے کہ ان سے شرک اوروں سے روا ہے۔ نہیں نہیں، جب مطلقاً ذات احدیت سے تخصیص اور غیر سے شرک ماننے کی ٹھہری تو کیسی ہی استعانت کسی غیر خدا سے کی جائے ہمیشہ ہر طرح شرک ہی ہوگی کہ انسان ہوں یا جمادات، احیاء ہوں یا اموات، ذوات ہوں یا صفات، افعال ہوں یا حالات، غیر خدا ہونے میں سب داخل ہیں، اب کیا جواب ہے آیہ کریمہ کا کہ رب جل وعلا فرماتا ہے:

"اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ"[2]	استعانت کرو صبر ونماز سے۔

کیا صبر خدا ہے جس سے استعانت کا حکم ہوا ہے۔ کیا نماز خدا ہے جس سے استعانت کو ارشاد کیا ہے۔ دوسری آیت میں فرماتا ہے:

"وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪"[3]	آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر۔

کیوں صاحب! اگر غیر خدا سے مدد لینی مطلقاً محال ہے تو اس حکم الٰہی کا حاصل کیا، اور اگر ممکن ہو تو جس سے مدد مل سکتی ہے اس سے مدد مانگنے میں کیا زہر گھل گیا۔

احادیث مبارکہ: ___ حدیثوں کی تو گنتی ہی نہیں بکثرت احادیث میں صاف صاف حکم ہے۔ کہ ___ صبح کی عبادت سے استعانت کرو ___ شام کی عبادت سے استعانت کرو ___

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

کچھ رات رہے کی عبارت سے استعانت کرو ___ علم کے لکھنے سے استعانت کرو ___ سحری کے کھانے سے استعانت کرو ___ دوپہر کے سونے سے وصدقہ سے استعانت کرو ___ عورتوں کی خانہ نشینی میں انھیں نگار کھنے سے استعانت کرو ___ حاجت روائیوں میں حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو ___ کیا یہ سب چیزیں وہابیہ کی خدا ہیں کہ ان سے استعانت کا حکم آیا۔ یہ حدیثیں خیال میں نہ ہوں تو مجھ سے سنئے:

(۱) البخاری والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اِسْتَعِیْنُوْا بِالْغُدْوَۃِ وَالرَّوْحَۃِ وَشَیْئٍ مِّنَ الدُّلْجَۃِ [1]۔	امام بخاری اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: صبح وشام اور رات کے کچھ حصہ میں عبادت سے استعانت کرو۔(ت)
(۲) الترمذی عن ابی ھریرۃ [2]۔	ترمذی نے ابوہریرہ سے روایت کیا۔(ت)
(۳) والحکیم الترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استعن بیمینك علی حفظك [3]۔	حکیم ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اپنے حافظہ کی امداد کرو اپنے ہاتھ سے۔(ت)
(۴) ابن ماجہ والحاکم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استعینوا بطعام السحر علی صیام النہار وبالقیلولۃ علی قیام اللیل [4]۔	ابن ماجہ اور حاکم اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دن کے روزے رکھنے پر سحری کے کھانے سے استعانت کرو اور رات کے قیام کے لئے قیلولہ سے استعانت کرو۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب الدین یسر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الرخصۃ فیہ امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۱

[3] کنز العمال حدیث ۲۹۳۰۵ ۱۰/ ۲۴۵ و مجمع الزوائد کتاب العلم باب کتاب العلم ۱/ ۱۵۲

[4] سنن ابن ماجۃ ابواب الصیام باب ماجاء فی السحور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۳، المستدرك للحاکم کتاب الصوم الاستعانۃ بطعام السحر دار الفکر بیروت ۱/ ۴۱۵

(۵)الدیلمی فی مسند الفردوس عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم استعینوا علی الرزق بالصدقة[1]۔	دیلمی نے مسند فردوس میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ رزق پر صدقہ سے استعانت کرو۔(ت)
(۶)ابن عدی فی الکامل عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم استعینوا علی النساء بالعری فان احدھن اذا کثرت ثیابها واحسنت زینتها اعجبها الخروج[2]۔	ابن عدی نے کامل میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ عورتوں کے خلاف استعانت حاصل کرو تنگی لباس سے، کیونکہ جب وہ ان کے جوڑے زیادہ ہوں گے اور ان کی زینت اچھی بنے گی وہ باہر نکلنا پسند کریں گی۔(ت)
(۷)الطبرانی فی الکبیر والعقیلی و ابن عدی وابو نعیم فی الحلیة والبیهقی فی الشعب عن معاذ بن جبل[3]۔	طبرانی نے کبیر میں اور عقیلی اور ابن عدی اور ابو نعیم نے حلیہ میں اور بیہقی نے شعب میں معاذ بن جبل سے روایت کیا۔(ت)
(۸)والخطیب عن ابن عباس[4]۔	خطیب نے ابن عباس سے روایت کیا(ت)
(۹)والخلعی فی فوائدہ عن امیر المؤمنین علی ن المرتضی[5]۔	خلعی نے اپنی فوائد میں امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔ت(ت)
(۱۰)والخرائطی فی اعتلال القلوب عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی الله تعالٰی عنهم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	خرائطی نے اعتلال میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حاجت روائیوں میں

[1] کنز العمال بحوالہ فر عن عبداللہ بن عمرو حدیث ۱۵۹۶۱ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۳۴۳
[2] کنز العمال بحوالہ عد عن انس حدیث ۴۴۹۵۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۷۲
[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ خالد بن معدان دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۱۵
[4] تاریخ بغداد ترجمہ حسین بن عبیداللہ ۴۱۲۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۸/ ۵۷
[5] الجامع الصغیر حدیث ۹۸۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۶

استعینوا علی انجاح الحوائج بالکتمان[1]۔	حاجتیں چھپانے سے استعانت کرو۔(ت)

یہ دس حدیثیں تو افعال سے استعانت میں ہوئیں، بیس۲۰ حدیثیں اشخاص سے استعانت میں لیجئے کہ تیس۳۰ احادیث کا عدد کامل ہو۔

حدیث ۱۱: احمد وابوداؤد وابن ماجہ بسند صحیح ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: انا لانستعین بمشرك[2] ہم کسی مشرک سے استعانت نہیں کرتے۔

اگر مسلمان سے استعانت بھی ناجائز ہوتی تو مشرک کی تخصیص کیوں فرمائی جاتی، ولہذا امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے ایک نصرانی غلام وثیق نامی سے کہ دنیاوی طور کا امانت دار تھا ارشاد فرماتے ہیں:

اَسْلِمْ اَسْتَعِنْ بِكَ عَلٰی اَمَانَةِ الْمُسْلِمِیْنَ۔	مسلمان ہوجا کہ میں مسلمانوں کی امانت پر تجھ سے استعانت کروں۔

وہ نہ مانتا تو فرماتے ہم کافر سے استعانت نہ کریں گے۔

حدیث ۱۲: امام بخاری تاریخ میں حبیب بن یساف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لانستعین بالمشرکین علی المشرکین[3]۔ورواہ الامام احمد ایضًا۔	ہم مشرکوں سے مشرکوں پر استعانت نہیں کرتے۔(امام احمد نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۱۳: صحیح بخاری وصحیح مسلم وسنن نسائی میں ہے چند قبائل عرب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] کنز العمال بحوالہ عق، عد، طب، حل، ھب عن معاذ بن جبل، الخرائطی فی اعتلال القلوب عن عمر خط وابن عساکر خل فی فوائدہ عن علی، حدیث ۱۶۸۰۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی المشرك یسھم لہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۶۸، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب الاستعانۃ بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الجہاد باب فی الاستعانۃ بالمشرکین ادارۃ القرآن ۱۲/ ۳۹۴، مسند احمد بن حنبل حدیث جد خبیب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۵۴

علیہ وسلم سے استعانت کی، حضور والا نے مدد عطا فرمائی۔

عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اتاہ رعل وذکوان وعصیة وبنو لحیان فزعموا انھم قد اسلموا واستمدوہ علی قومھم فامدھم النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم[1] الحدیث۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رعل، ذکوان، عصیہ اور بنولحیان قبائل کے لوگ آئے اور انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ وہ اسلام قبول کرچکے ہیں اور اپنی قوم کے لئے آپ سے مدد طلب کی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی مدد کی۔الحدیث۔ (ت)

حدیث ۱۴: صحیح مسلم وابوداؤد وابن ماجہ ومعجم کبیر طبرانی میں ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور پرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں، عرض کی میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں حضور کی رفاقت عطا ہو، فرمایا بھلا اور کچھ، عرض کی بس میری مراد تو یہی ہے، فرمایا تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے، قال کنت ابیت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فاتیته بوضوئه وحاجته فقال لی سل، ولفظ الطبرانی فقال یوما یاربیعة سلنی فاعطیك رجعنا الی لفظ مسلم فقال فقلت اسألك مرافقتك فی الجنة. قال اوغیر ذٰلک۔ قلت ھو ذاک. قال فاعنی علی نفسك بکثرۃ السجود[2]۔

الحمد للہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر فقرہ سے وہابیت کش ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اعنّی فرمایا کہ میری اعانت کر، اسی کو استعانت کہتے ہیں، یہ درکنار حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مطلق طور پر سَلْ فرمانا کہ مانگ کیا مانگتا ہے، جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرما سکتے ہیں، دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلاتقیید وتخصیص فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب العون بالمدد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۱

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب فضل السجود والحث علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۳، المعجم الکبیر عن ربیعہ بن کعب حدیث ۴۵۷۶ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/ ۵۸

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

از اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ و تخصیص نکرد بمطلوبی خاص معلوم میشود کہ کارہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی تعالٰی علیہ وسلم ہرچہ خواہد وہر کراخواہد باذن پروردگار خود بدہد فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم[1]۔	مطلق سوال کے متعلق فرمایا "سوال کر"جس میں کسی مطلوب کی تخصیص نہ فرمائی، تومعلوم ہوا کہ تمام اختیارات آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دست کرامت میں ہیں، جو چاہیں جس کو چاہیں اللہ تعالٰی کے اذن سے عطا کریں، آپ کی عطا کا ایک حصہ دنیا وآخرت ہے اور آپ کے علوم کا ایک حصہ لوح وقلم کا علم۔(ت)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

یوخذ من اطلاق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامر بالسؤال ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خزائن الحق[2]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور کو قدرت بخشی ہے کہ اللہ تعالٰی کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمائیں۔(ت)

پھر لکھا:

وذکر ابن سبع فی خصائصہ وغیرہ ان اللہ تعالٰی اقطعہ ارض الجنۃ یعطی منہا ماشاء لمن یشاء[3]۔	یعنی امام ابن سبع وغیرہ علماء نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص کریمہ میں ذکر کیا ہے کہ جنت کی زمین اللہ عزوجل نے حضور کی جاگیر کردی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں بخش دیں۔(ت)

امام اجل سیدی ابن حجر مکی قدس سرہ، الملکی "جوہر منظّم" میں فرماتے ہیں:

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب السجود وفضلہ فصل اول مکتبہ نبویہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۹۶

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲ /۶۱۵

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ مکتبۃ حبیبیہ کوئٹہ ۲ /۶۱۵

انه صلی تعالٰی علیه وسلم خلیفة الله الذی جعل خزائن کرمه وموائد نعمه طوع یدیه وتحت ارادته یعطی منها من یشاء ویمنع من یشاء [1] ۔	بے شک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے خلیفہ ہیں، اللہ تعالٰی نے اپنے کرم کے خزانے اور اپنی نعمتوں کے خوان حضور کے دست قدرت کے فرمانبردار اور حضور کے زیر حکم وارادہ واختیار کردئے ہیں کہ جسے چاہیں عطا فرماتے ہیں اور جسے چاہیں نہیں دیتے۔(ت)

اس مضمون کی تصریحیں کلمات ائمہ وعلماء واولیاء وعرفاء میں حد تواتر پر ہیں جو ان کے انوار سے دیدہ ایمان منور کرنا چاہے فقیر کا رسالہ سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الورٰی (۱۲۹۷ھ) مطالعہ کرے۔

اس جلیل حدیث میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جنت مانگی کہ اسألك مرافقتك فی الجنة یارسول الله! میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا سے مشرف ہوں، وہابیہ کے طور سے یہ کیسا کھلا شرک ہے مگر اس کی شکایت کیا، ابھی فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بجواب سوال دہلی ایک نفیس رسالہ "اکمال الطامة علی شرك سوی بالامور العامة" تالیف کیا اور بتوفیقہ تعالٰی اس میں تین سو ساٹھ آیتوں حدیثوں سے ثبوت دیا کہ وہابیہ کے طور پر حضرات انبیاء کرام وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خود حضرت رب العزت جل جلالہ تک معاذ اللہ کوئی شرک سے محفوظ نہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اشراک بمذہبے کہ تاحق برسد
مذہب معلوم واہل مذہب معلوم

(ایک مذہب میں شرک اللہ تعالٰی تک پہنچتا ہے وہ سب کو معلوم ہے اور مذہب والے بھی سب کو معلوم ہیں)

حدیث ۱۵ تا ۲۸: چودہ ۱۴ حدیثوں میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه [2] ۔	خیر طلب کرو نیک رویوں کے پاس۔

[1] الجوہر المنظم الفصل السادس المطبعة الخیریة مصر ص ۴۲

[2] التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸ دار الباز مکة المکرمة ۱/ ۱۵۷، موسوعه رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۱ مؤسسة الکتب الثقافیة بیروت ۴۹/۲، کشف الخفاء حدیث ۳۹۴ دار الکتب العلمیه بیروت ۱۲۲/۱

وفی لفظ (دوسرے الفاظ میں):

اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ[1]۔	نیکی اور حاجتیں خوبصورتوں سے مانگو۔

وفی لفظ (بالفاظ دیگر):

اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہ[2]۔	جب نیکی چاہو تو خوبرویوں کے پاس طلب کرو،

وفی لفظ (دوسرے لفظوں میں):

اذا طلبتم الحاجات فاطلبوھا عند حسان الوجوہ[3]۔	جب حاجتیں طلب کرو خوش چہروں کے پاس طلب کرو۔

وفی لفظ بزیادۃ (اضافہ کے ساتھ دیگر الفاظ میں):

فان قضٰی حاجتك قضاھا بوجه طلق و ان ردك ردك بوجه طلق، اخرجه الامام البخاری فی التاریخ[4] وابو بکر بن ابی الدنیا فی قضاء[5] الحوائج وابو یعلی فی مسندہ[6] والطبرانی فی الکبیر والعقیلی[7] وابن عدی[8]	خوش جمال آدمی اگر تیری حاجت روا کرے گا تو بکشادہ روئی اور تجھے پھیرے گا تو بکشادہ پیشانی۔(اسے امام بخاری نے تاریخ میں، ابوبکر بن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں ابویعلٰی نے اپنی مسند میں طبرانی نے کبیر میں۔ عقیلی نے عدی نے

[1] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۸۱

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ یعلی بن ابی الاشدق الخ دار الفکر بیروت ۷/ ۲۷۴۲، کنز العمال حدیث ۱۶۷۹۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶/ ۵۱۶

[3] اتحاف السادۃ کتاب الصبر والشکر بیاں حقیقۃ النعمۃ الخ دار الفکر بیروت ۹/ ۹۱

[4] التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۸ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۱/ ۱۵۷

[5] موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۴ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۲/ ۵۱

[6] مسند ابی یعلی عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ۴۷۴۰ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۸۶)

[7] الضعفاء الکبیر حدیث ۵۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۲۱

[8] الکامل لابن عدی ترجمہ حکم بن عبداللہ بن سعد دار الفکر بیروت ۲/ ۶۲۲

والبیهقی فی شعب الایمان[1] وابن عساکر[2]۔	بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے روایت کیا۔ت)
(۱۵) عن ام المؤمنین الصدیقة وعبد بن حمید فی مسنده، وابن حبان فی الضعفاء وابن عدی فی الکامل[3] والسلفی فی الطیوریات۔	**(۱۵)** حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کو عبد بن حمید نے اپنی مسند اور ابن حبان نے ضعفاء اور ابن عدی نے کامل اور سلفی نے طیوریات میں ذکر کیا۔ (ت)
(۱۶) عن عبدالله بن عمر الفاروق، وابن عساکر[4] وکذا الخطیب[5] فی تاریخهما۔	**(۱۶)** حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت کو اور ابن عساکر اور ایسے ہی خطیب نے اپنی اپنی تاریخ میں ذکر کیا۔(ت)
(۱۷) عن انس بن مالك بلفظ التمسواء والطبرانی فی الاوسط[6] والعقیلی[7] والخرائطی فی اعتلال القلوب وتمام فی فوائده وابو سهل عبد الصمد بن عبد الرحمن البزار فی جزئه وصاحب المهروانیات۔	**(۱۷)** حضرت انس بن مالک کی روایت میں المتسوا کا لفظ ہے اور اس کو طبرانی نے اوسط اور عقیلی اور خرائطی نے اعتلال القلوب اور تمام نے اپنی فوائد میں اور ابو سہیل عبدالصمد بن عبد الرحمٰن بزار نے اپنی جزء میں اور مہروانیات والے نے روایت کیا ہے۔(ت)
(۱۸) عن جابر بن عبدالله والدارقطنی فی الافراد[8] بلفظ ابتغوا والعقیلی و	**(۱۸)** حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کہ دارقطنی "ابتغوا" کے لفظ کے ساتھ اور عقیلی اور

[1] شعب الایمان حدیث ۳۵۴۱و۳۵۴۲ دارالکتب العلمیه بیروت ۳/ ۲۷۸

[2] کنز العمال بحواله ابن عساکر عن عائشه حدیث ۱۶۷۹۳ موسسة الرساله بیروت ۶/ ۵۱۶

[3] الکامل لابن عدی ترجمه یعلی بن اشدق دارالفکر بیروت ۷/ ۲۷۴۲

[4] تهذیب تاریخ ابن عساکر ترجمه خیثمه بن سلیمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸

[5] تاریخ بغداد ترجمه ۱۲۸۷ محمد بن محمد المقری دارالکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۶

[6] المعجم الاوسط حدیث ۶۱۱۳ مکتبه المعارف ریاض ۷/ ۱۷

[7] الضعفاء الکبیر حدیث ۶۲۸ دارالکتب العلمیه بیروت ۲/ ۱۳۹

[8] کنز العمال بحواله قط فی الافراد حدیث ۱۶۷۹۲ موسسة الرساله بیروت ۶/ ۵۱۶

ابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج[1] و الطبرانی فی الاسط وتمام والخطیب فی رواۃ مالک۔	ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں اور طبرانی نے اوسط میں اور تمام اور خطیب نے رواۃ مالک میں ذکر کیا ہے۔(ت)
(۱۹)عن ابی ہریرۃ وابن النجار فی تاریخہ[2]۔	(۱۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کو ابن النجار نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے۔(ت)
(۲۰)عن امیر المومنین علی المرتضی والطبرانی فی الکبیر[3]۔	(۲۰) حضرت امیر المومنین علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کو طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا۔
(۲۱)عن یزید بن خصیفہ عن ابیہ عن جدہ ابی خصیفہ بلفظ التمسوا وتمام فی الفوائد۔	(۲۱) حضرت یزید بن خصیفہ نے اپنے والد انھوں نے یزید کے دادا ابی خصیفہ سے "المتسوا" کے لفظ کے ساتھ اور تمام نے فوائد میں ذکر کیا۔
(۲۲)عن ابی بکرۃ والخطیب[4] وتمام ولفظ التمسوا والبیہقی فی الشعب والطبرانی[5]۔	(۲۲) حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کو اور خطیب اور تمام نے "المتسوا" کے لفظ کو اور بیہقی نے شعب میں اور طبرانی نے ذکر کیا۔(ت)
(۲۳)عن عبداللہ بن عباس ھذا الاخیر منھم خاصۃ عن ابن عباس باللفظ الثانی وابن عدی عن ام المومنین باللفظ الثالث،واخرجہ بن عدی فی الکامل والبیہقی فی الشعب[6]۔	(۲۳) یہ آخری ان سے خاص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثانی لفظ کے ساتھ اور ابن عدی نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تیسرے لفظ کے ساتھ اس کو ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ذکر کیا۔(ت)

[1] موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۳ موسسۃ الکتب بیروت ۲ /۵۱

[2] کشف الخفاء بحوالہ ابن النجار فی تاریخ بغداد حدیث ۵۲۷ موسسۃ الکتب العلمیہ ۱ /۱۶۰

[3] المعجم الکبیر عن ابی خصیفہ حدیث ۹۸۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲ /۳۹۶

[4] تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن محمد ابو بکر المقری ۱۲۸۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۲۲۶

[5] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۱ /۸۱

[6] شعب الایمان حدیث ۱۰۸۷۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ /۲۳۵

(۲۴)عن عبداللہ بن جراد باللفظ الرابع، واحمد بن منیع فی مسندہ عن الحجاج بن یزید۔	(۲۴) حضرت عبداللہ بن جراد سے چوتھے لفظ کے ساتھ اور احمد بن منیع نے اپنی مسند میں حجاج بن یزید نے ذکر کیا۔(ت)
(۲۵)عن ابیہ یزید القسملی[1] باللفظ الخامس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ہذہ کلہا مسندات وابو بکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ۔	(۲۵)اس نے اپنے باپ یزید قسملی سے پانچویں لفظ کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین یہ تمام مسندات اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ذکر کیا۔(ت)
(۲۶)عن ابن مصعب[2] الانصاری و (۲۷)عن عطاء[3] و(۲۸)عن الزہری[4] مرسلات۔	(۲۶)ابن مصعب انصاری سے اور (۲۷) عطاء سے (۲۸)اور زہری سے سب مرسلات ہیں۔

امام محقق جلال الملۃ والدین سیوطی فرماتے ہیں: الحدیث فی نقدی حسن صحیح[5] یہ حدیث میری پرکھ میں حسن صحیح ہے۔

قلت وقولہ ہذا لاشك حسن صحیح فقد بلغ حد التواتر علی رائی (میں کہتا ہوں اور ان کا یہ قول حق ہے بیشک یہ حسن صحیح حد تواتر کو پہنچی ہے میری رائے میں)

حضرت عبداللہ بن رواحہ یا حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

قد سمعنا نبینا قال قولا — ھو لمن یطلب الحوائج راحۃ
اغتدوا واطلبوا الحوائج ممن — زین اللہ وجہہ بصباحۃ[6]

یعنی بے شک ہم نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک بات فرماتے سنا کہ وہ حاجت مانگنے والوں کے لئے آسائش ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ صبح کرو اور حاجتیں اس سے مانگو جس کا چہرہ اللہ تعالٰی نے گورے رنگ سے آراستہ کیا ہے۔ رواہ العسکری۔

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ القسی حدیث ۵۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۶۰
[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۷ کراچی ۹ /۱۰
[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۸ کراچی ۹ /۱۰
[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب ماذکر فی طلب الحوائج حدیث ۶۳۲۹ کراچی ۹ /۱۰
[5] کشف الخفاء تحت حدیث ۵۲۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۶۰
[6] الدرالمنثور فی الاحادیث المشتہرہ تحت حدیث ۸۸ المکتب الاسلامی بیروت ص ۶۸

حدیث۲۹: کہ حضرت پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ فرماتے ہیں:

اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی[1]۔	فضل میرے رحمدل امتیوں کے پاس طلب کرو کہ ان کے سائے میں چین کروگے کہ ان میں میری رحمت ہے۔

وفی لفظ (اور دوسرے الفاظ میں۔ت):

اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمۃ من امتی ترزقوا تنجحوا[2]۔	اپنی حاجتیں میرے رحمدل امتیوں سے مانگو رزق پاؤگے مرادیں پاؤگے۔

وفی لفظ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بالفاظ دیگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت):

یقول اللہ عزوجل اطلبوا الفضل من الرحماء من عبادی تعیشوا فی اکنافھم فانی جعلت فیھم رحمتی[3]۔ رواہ باللفظ الاول ابن حبان والخرائطی فی مکارم الاخلاق والقضاعی فی مسند الشھاب والحاکم فی التاریخ وابوالحسن الموصلی وبالثانی العقیلی و الطبرانی فی الاوسط وبالثالث العقیلی، کلھم عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے فضل میرے رحمدل بندوں سے مانگو ان کے دامن میں عیش کروگے کہ میں نے اپنی رحمت ان میں رکھی ہے۔ روایت کیا پہلی حدیث کو ابن حبان اور خرائطی نے مکارم الاخلاق میں اور قضاعی نے مسند الشہاب میں اور حاکم نے تاریخ میں، اور ابوالحسن موصلی نے اور دوسری حدیث کو عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں، اور تیسری حدیث کو عقیلی نے یہ ساری حدیثیں ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی گئیں۔(ت)

حدیث۳۰: کہ حضور والا ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا المعروف من رحماء امتی	میرے نرم دل امتیوں سے نیکی واحسان مانگو

---

[1] کنز العمال بحوالہ الخراطی فی مکارم الاخلاق حدیث ۱۶۸۰۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۹

[2] کنز العمال بحوالہ عق وطس عن ابی سعید خدری حدیث ۱۶۸۰۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۸

[3] الضعفاء الکبیر حدیث ۹۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳

تعیشوا فی اکنافھم. اخرجه الحاکم[1] فی المستدرك عن امیر المومنین علی المرتضی کرم الله وجهه الاسنی۔	ان کے ظل عنایت میں آرام کروگے۔(اسے حاکم نے مستدرک میں امیر المومنین علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنی سے روایت کیا۔ت)

انصاف کی آنکھیں کہاں ہیں، ذرا ایمان کی نگاہ سے دیکھیں یہ سولہ بلکہ سترہ حدیثیں کیسا صاف صاف واشگاف فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے نیک امتیوں سے استعانت کرنے ان سے حاجتیں مانگنے، ان سے خیر واحسان کرنے کا حکم دیا کہ وہ تمھاری حاجتیں بکشادہ پیشانی روا کرینگے، ان سے مانگو تو رزق پاؤگے، مرادیں پاؤگے، ان کے دامن حمایت میں چین کروگے ان کے سایہ عنایت میں عیش اٹھاؤگے۔

یارب! مگر استعانت اور کس چیز کا نام ہے۔اس سے بڑھ کر اور کیا صورت استعانت ہوگی، پھر حضرات اولیاء سے زیادہ کون سا امتی نیک ورحمدل ہوگا کہ ان سے استعانت شرک ٹھہرا کہ اس سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جائے گا، **الحمدللہ** حق کا آفتاب بے پردہ وحجاب روشن ہوا، مگر وہابیہ کا منہ خدا نے مارا ہے انھیں اس عیش چین آرام، خیر، برکت، سایہ رحمت، دامن رافت میں حصہ کہاں، جس کی طرف مہربان خدا مہربان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے امتیوں کو بلارہا ہے ع

گر بر تو حرام ست حرامت بادا

(اگر تجھ پر حرام ہے تو حرام رہے۔ت)

والحمدللہ رب العلمین تیس حدیث کا وعدہ **بحمداللہ** پورا ہوا، آخر میں تین ۳ حدیثیں وہابیت کش اور سنتے جایئے کہ عدد وتر اللہ عزوجل کو محبوب ہے:

حدیث ۳۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا ضل احدکم شیئا واراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یاعباد الله اعینونی یاعبادالله اعینونی یا عبادالله اعینونی فان الله عباد الایراھم[2]۔ (والحمدلله)	جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہوجائے یا راہ بھول جائے اور مدد چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔اے اللہ کے بندو

[1] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۲۱

[2] المعجم الکبیر عن عتبه بن غزوان حدیث ۲۹۰ المکتبه الفیصیلة بیروت ۱۷/ ۱۸۔۱۱۷

رواہ الطبرانی عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میری مدد کرو۔ کہ اللہ کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا وہ اس کی مدد کرینگے (والحمدللہ) (اسے طبرانی نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۳۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے **فلیناد یاعباد اللہ احبسوا** تو یوں ندا کرے اے اللہ کے بندو! روک دو، عباداللہ اسے روک دیں گے، **رواہ ابن السنی**[1] **عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اسے ابن السنی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۳۳: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یوں ندا کرے **اعینوا یا عباداللہ** مدد کرو اے اللہ کے بندو۔ **رواہ ابن ابی شیبہ**[2] **والبزار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما** (اسے ابن ابی شیبہ اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

یہ حدیثیں کہ تین صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے روایت فرمائیں قدیم سے اکابر علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی کی مقبول و معمول و مجرب ہیں، اس مطلب کی قدرے تفصیل اور ان حدیثوں کی شوکت قاہرہ کے حضور وہابیہ کی حرکت مذبوحی کا حال دیکھنا ہو تو فقیر کا رسالہ "**انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار**" ملاحظہ ہو۔ اور اس سے زائد ان حضرات کی بری حالت حدیث اجل و اعظم **یا محمد انی توجھت بك الی ربی**[3] (یا محمد! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔ ت) کے حضور ہے کہ وہ حدیث صحیح و جلیل و مشہور منجملہ اعظم واکبر احادیث استعانت ہے جس سے ہمیشہ ائمہ دین مسئلہ استعانت میں استدلال فرماتے رہے۔ اس کی تفصیل بھی فقیر کے اسی رسالے میں مسطور ہے کہ یہاں بخوف تطویل ذکر نہ کی۔

---

[1] عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی باب مایقول اذا انفلتت الدابۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۷۰

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الدعائ باب مایدعو بہ الرجل الخ حدیث ۹۷۷۰ ۱۰/ ۳۹۰

[3] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۷، المستدرك للحاکم کتاب صلوۃ التطوع دار الفکر بیروت ۱/ ۳۱۳ و ۵۱۹

اقوال علماء: رہے اقوال علماء ان کا نام لینا تو وہابی صاحبوں کی بڑی حیاداری ہے صدہا قول علماء اہلسنت وائمہ ملت کے نہ صرف ایک بار بلکہ بار بار نہ صرف ایک آدھ رسالے بلکہ تصانیف کثیرہ اہلسنت میں ان حضرات کے سامنے پیش ہوچکے، دیکھ چکے، سن چکے، جانچ چکے، جن کے جواب سے آج تک عاجز ہیں اور بحوالہ تعالٰی قیامت تک عاجز رہیں گے۔ مگر آنکھوں کے ڈھلے پانی کا علاج کیا کہ اب بھی اقوال علماء کا نام لئے جاتے ہیں یعنی ہزار بار مارا تو مارا اب کی بار مار لو تو جانیں۔ سبحان اللہ!

[1]شفاء السقام امام علامہ مجتہد فہامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی و[2]کتاب الافکار امام اجل اکمل سیدی ابو زکریا نووی و[3]احیاء العلوم وغیرہ تصانیف عظیمہ امام الانام حجۃ الاسلام قطب الوجود محمد غزالی و[4]روض الریاحین و[5]خلاصۃ المفاخر، و[6]نشر المحاسن وغیرہا تصانیف جلیلہ امام اجل اکرم عارف باللہ فقیہ محقق عبداللہ بن سعد یافعی و[7]حصن حصین امام شمس الدین ابوالخیر ابن جزری و[8]مدخل امام ابن الحاج محمد عبدری مکی و[9]مواہب لدینہ ومنح محمدیہ امام احمد قسطلانی و[10]افضل القری لقری ام القری و[11]جوہر منظم و[12]عقود الجمان وغیرہ تصانیف امام عارف باللہ سیدی، ابن حجر مکی و[13]میزان امام اجل عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی وحرز [14]ثمین ملا علی قاری و[15]مجمع بحار الانوار علامہ طاہر فتنی و[16]لمعات التنقیح و[17]اشعۃ اللمعات و[18]جذب القلوب و[19]مجمع البرکات و[20]مدارج النبوۃ وغیرہا تالیف شیخ الشیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی و[21]فتاوٰی خیریہ خیر الملۃ والدین رملی و[22]مراقی الفلاح علامہ حسن وفائی شرنبلالی و[23]مطالع المسرات علامہ فاسی وشرح [24]مواہب علامہ محمد زرقانی و[25]نسیم الریاض علامہ شہاب الدین خفاجی وغیرہا تصانیف کثیرہ علمائے کرام وسادات اسلام جن کی تحقیق وتنقیح واثبات وتصریح استمداد واعانت سے زمین وآسمان گونج رہے ہیں، اگر مطالعہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تو کیا [1]تصحیح المسائل و[2]سیف الجبار و[3]بوارق محمدیہ وغیرہا تصانیف نفیسہ عمادالسنۃ معین الحق حضرت مولانا فضل رسول قدس سرہ المقبول بھی نہ دیکھیں یہ تو عام فہم زبان اردو فارسی میں خاص تمھارے ہی مذہب نامذہب کے رد میں تصنیف ہوئیں اور بحمد اللہ بارہا مطبوع ہو کر راحت قلوب صادقین وغیظ صدور مارقین ہوا کیں، علی الخصوص کتاب جلیل فیوض ارواح اقدس جس میں خاندان عزیزی کے صدہا اقوال صریحہ قاتل وہابیت قبیحہ منقول، مگر ہے یہ کہ ع

بیحیا باش وآنچہ خواہی کن

بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کرے۔ت

تصانیف فقیر غفراللہ تعالٰی لہ سے [5]کتاب حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات و[6]رسالہ انہار الانوار من یم صلاۃ الاسرار و[7]رسالہ انوار الانتباہ فی حل ندا یارسول اللہ

و^۸^رسالہ الاھلال بفیض الاولیاء بعد الوصال و^۹^کتاب الامن والعلی لنا عتی المصطفی بدافع البلاء خصوصًا کتاب مستطاب^۱۰^سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الورٰی وغیرہا میں جابجا بکثرت ارشادات واقوال ائمہ وعلماء واولیائے کرام مذکور یہاں ان کے ذکر سے اطالت کی حاجت نہیں اور خود اسی تحریر میں جو اقوال حضرت شیخ محقق ومولانا علی قاری وامام ابن حجر مکی رحمہم اللہ تعالٰی زیر حدیث ۱۴ مذکور ہوئے قتل وہابیت کو کیا کم ہیں، پھر وہابی صاحب کی اس سے بڑھ کر پرلے سرے کی شوخ چشمی یہ کہ علماء کے ساتھ صوفیاء کرام کا نام پاک بھی لے دیا، کیا وہابیت وحیا میں ایسا ہی تناقض تام ہے کہ ایک آن کو بھی حیا کا کوئی شمہ وہابیت کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

در بارۂ استعانت صوفیاء کرام کے اقوال افعال، اعمال سے دفتر بھرے ہیں دریا بہہ رہے ہیں اس دیدے کی صفائی کا کیا کہنا، ذرا آنکھوں پر ایمان کی عینک لگا کر حضرت شیخ محقق مولنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کا ترجمہ مشکوٰۃ شریف ملاحظہ ہو، اس مسئلہ میں حضرات اولیائے کرام قدست اسرارھم سے کیا ذکر کرتے ہیں فرماتے ہیں:

آنچہ مروی ومحکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں خارج از حصر است ومذکور ست در کتب ورسائل ایشاں ومشہور است میاں ایشاں کہ حاجت نیست کہ آں راذکر کنیم وشاید کہ منکر ومتعصب سود نہ کند او راکلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلك[1]۔	مشائخ اہل کشف سے کامل لوگوں کی ارواح سے استمداد اور استفادہ گنتی سے باہر ہے اور ان کی کتب ورسائل میں مذکور ہے اور ان میں مشہور ہے لہٰذا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ ان کے کلمات منکر ومتعصب لوگوں کو فائدہ نہ دیں۔ اللہ تعالٰی اس سے محفوظ رکھے(ت)

اللہ اکبر، ان منکران بے دولت کی بے نصیبی یہاں تک پہنچی کہ اکابر علماء وعرفاء کو کلمات

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۴۰۲

حضرت اولیائے کرام سے انھیں نفع پہنچنے کی امید نہ رہی اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔یوں نہ مانئے تو آزمالیجئے اور ان ہزار در ہزار ارشادات بیشمار سے امتحانا صرف ایک کلام پاک فرزند دلبند صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کریں جو بتصریح اعاظم اولیاء سید الاولیاء وامام الاصفیاء وقطب الاقطاب وتاج الاوتاد ومرجع الابدال ومفزع الافراد اور باعتراف اکابر علماء امام شریعت وسردار امت ومحی دین وملت ونظام طریقت وبحر حقیقت وعین ہدایت ودریائے کرامت ہے۔وہ کون،ہاں وہ سید الاسیاد واہب المراد سیدنا ومولٰنا وملاذنا وماؤنا وغوثنا وغیثنا حضرت قطب عالم وغوث اعظم سید ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الاکرام وعلی آلہ وعلیہ وبارک وسلم،اور وہ کلام پاک نہ ایسا کہ کسی ایسے ویسے رسالے یا محض زبانوں پر مشہور ہوا بلکہ اکابر واجلہ ائمہ کرام وعلمائے عظام مثل امام اجل عارف باللہ سید الفقراء ثقہ ثبت،حجت فقیہ محدث راویۃ الحضرۃ والعلیۃ القادریۃ سیدنا امام ابوالحسن نورالدین علی بن الجریر لخمی شطنوفی پھر امام کرام شیخ الفقہاء فرد الوفاء عالم ربانی لوائے حکمت یمانی سیدنا امام عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی مکی پھر فاضل اجل فقیہ اکمل محدث اجمل شیخ الحرم المحترم مولٰنا علی قادری حنفی ہروی مکی وبقیۃ السلف جلیل الشرف صاحب کرامات عالی وبرکات معالی ومولٰنا محمد ابوالمعالی سلمی معالی پھر شیخ شیوخ علماء الہند محقق فقیہ عارف نبیہ مولٰنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کبرائے ملت وعظمائے امت قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم وافاض علینا من برکاتہم وانوارہم نے اپنی تصانیف جلیلہ جمیلہ ومستندہ ومثل بہجۃ الاسرار شریف وخلاصۃ المفاخر ونزہۃ الخاطر الفاتر وتحفۂ قادریہ واخبار الاخیار وزبدۃ الآثار وغیرہ میں ذکر وروایت فرمایا کہ حضور پرنور جگرپارہ شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ فعلیہ وبارک وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث فی کربۃ کشف عنہ ومن نادانی باسمی فی شدۃ فرجت عنہ ومن توسل بی الی اللہ فی حاجۃ قضیت لہ ومن صلی رکعتین یقراء فی کل رکعۃ بعد الفاتحۃ سورۃ الاخلاص احدی عشرۃ مرۃ ثم یصلی ویسلم علی رسول اللہ	جو کسی مصیبت میں مجھ سے فریاد کرے وہ مصیبت دور ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دفع ہو اور جو اللہ عزوجل کی طرف کسی حاجت میں مجھ سے وسیلہ کرے وہ حاجت پوری ہو،اور جو دو رکعت نماز پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر سلام پھیر کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد السلام ویذکرنی ثم یخطو الی جھۃ العراق احدی عشرۃ خطوۃ ویذکر اسمی ویذکر حاجتہ فانھا تقضی باذن اللہ تعالٰی[1]۔ یقول العبد صدقت یا سیدی یا مولائی رضی اللہ تعالٰی عنک وعن کل من کان لک ومنک فالحمدللہ الذی جعل وارث ابیک المرسل رحمۃ ومولی النعمۃ و صلی اللہ تعالٰی علی ابیک وعلیک وعلی کل من انتمی الیک وبارک وسلم وشرف وکرم اٰمین اٰمین یاارحم الراحمین والحمدللہ رب العالمین۔	درود وسلام بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلے اور میرا نام لے اور اپنی حاجت کا ذکر کرے تو بیشک اللہ تعالٰی کے حکم سے وہ حاجت روا ہو۔ یہ بندہ (یعنی احمد رضا) عرض کرتا ہے کہ میرے آقا مولٰی! آپ نے سچ فرمایا اللہ تعالٰی آپ سے اور آپ کے متوسلین اور آپ کی اولاد سے راضی ہو، تمام حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے آپ کے والد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وارث، رحمت اور آقائے نعمت بتایا، اللہ تعالٰی آپ کے والد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ پر اور آپ سے منسوب سب پر رحمتیں نازل فرمائے اور برکتیں اور سلامتی اور کرم فرمائے، آمین یاارحم الراحمین۔ والحمدللہ رب العالمین (ت)

حضرت ابوالمعالی قدس سرہ العالی کی روایت میں الفاظ کریمہ **کشفتُ فرّجتُ قضیت** بصیغہ متکلم معلوم ہیں، وہ ان کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

عمر بزاز قدس سرہ میگوید من شنیدہ ام از حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ہر کہ در کربتے بمن استغاثہ کند **کشفت عنہ** دور گردانم آن کربت راازو، وہر کہ در شدتے بنام من نداکند **فرجت عنہ** خلاص بخشم اور اازاں	عمر بزاز فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ جو شخص مصیبت میں مجھ سے استغاثہ کرے گا میں مدد کروں گا، اس سے اس کی تکلیف دور کروں گا اور جو سختی میں مجھے ندا کرے گا اس کی سختی کو دور

[1] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراہم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

شدت وہر کہ درحاجتے توسل بمن کند در حضرت جل وعلا قضیت لہ حاجت اورا برآرم[1]۔	کردوں گا اور خلاصی دلاؤں گا، اور جو اپنی حاجت میں مجھ سے توسل کرے گا اللہ تعالٰی کے دربار میں اس کی حاجت پوری کروں گا۔ (ت)

علامہ علی قاری بعد ذکر روایت فرماتے ہیں:

قَدْ جُرِّبَ ذٰلِكَ مِرَارًا فَصَحَّ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ[2]۔	بیشک یہ بارہا تجربہ کیا گیا ٹھیک اترا، اللہ تعالٰی کی رضا شیخ پر ہو۔ (ت)

فقیر غفرلہ نے اس نماز مبارک کی ترکیب وبعض نکات ولطائف غریب میں ایک مختصر رسالہ مسمّٰی بہ ازہار الانوار من صباء صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) میں اس کے ہر ہر فعل کے ثبوت کو کافی، ہر ہر جز کے احادیث کثیرہ واقوال ائمہ وحکم شرعیہ سے اثبات وافی ہیں ایک مفصل رسالہ نفیسہ بر فوائد جلیلہ مسمّٰی بہ "ازہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)" تصنیف کیا جس کی خداداد شوکت قاہرہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے وللہ الحمد۔ ایمان سے کہنا یہ وہی اولیاء ہیں جن پر تم یہ جیتا بہتان اٹھاتے ہو مگر وہ تو حضرات اولیاء تمھیں منکر متعصب فرماہی چکے، تم پر ارشادات اولیاء کا کیا اثر ہو، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ عنان قلم روکتے روکتے سخن طویل ہوا جاتا ہے۔ چند فوائد ضروریہ لکھ کر ختم کیا چاہئے۔

فائدہ ضروریہ

حضرت امام سفیان ثوری قدس سرہ النوری کی نقل قول میں مخالف نے ستم کار سازی کو کام فرمایا ہے۔ اصل حکایت شاہ عبدالعزیز صاحب کی فتح العزیز سے سنئے، لکھتے ہیں:

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در نماز شام امامت میکرد، چوں ایاك نعبد وایاك	شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے شام کی نماز میں امامت فرمائی جب ایاک نعبد و

[1] تحفہ قادریہ باب دہم فی التوسل الیہ الخ قلمی ص۷۶

[2] نزہۃ الخاطر والفاتر

نستعین گفت بیہوش افتاد، چوں بخود آمد گفتند اے شیخ! تراچہ شدہ بود؟ گفت چوں **وایاك نستعین** گفتم ترسیدم کہ مرا بگویند کہ اے دروغ گو! چرا از طبیب دارو می خواہی واز امیر روزی واز بادشاہ یاری می جوئی، ولہذا بعضے از علماء گفتہ اند کہ مرد را باید کہ شرم کند ازانکہ ہر روز وشب پنج نوبت در مواجہہ پروردگار خود استادہ دروغ گفتہ باشد، لیکن دریںجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہے کہ اعتماد برآں غیر باشد واو را مظہر عون الٰہی نداند حرام است، واگر التفات محض بجانب حق است واو را مظاہر عون دانستہ ونظر بہ کارخانہ اسباب وحکمت او تعالٰی درآں نمودہ بغیر استعانت ظاہری نماید، دور از عرفان نخواہد بود، ودر شرع نیز جائز وروا ست، وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اند ودر حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر،[1]	**ایاك نستعین** پر پہنچے بیہوش ہو کر گر پڑے، جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے دریافت کیا، اے شیخ! آپ کو کیا ہوگیا تھا؟ فرمایا: جب ایاک نستعین کہا تو خوف ہوا کہ مجھ سے یہ نہ کہا جائے اے جھوٹے، پھر طبیب سے دوا کیوں لیتا ہے۔ امیر سے روزی اور بادشاہ سے مدد کیوں مانگتا ہے؟ اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ انسان کو خدا سے شرم کرنی چاہئے کہ پانچ وقت اس کے حضور کھڑا ہو کر جھوٹ بولتا ہے مگر یہاں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ غیر اللہ سے اس طرح مدد مانگنا کہ اسی پر اعتماد ہو اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر نہ جانا جائے حرام ہے اور اگر توجہ حضرت حق ہی کی طرف ہے اور اس کو اللہ کی مدد کا مظہر جانتا ہے اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب پر نظر کرتے ہوئے ظاہری طور پر غیر سے مدد چاہتا ہے تو یہ عرفان سے دور نہیں، اور شریعت میں بھی جائز اور روا ہے اور انبیاء اور اولیاء نے ایسی استعانت کی ہے۔ اور در حقیقت یہ استعانت غیر سے نہیں ہے بلکہ یہ حضرت حق سے ہی استعانت ہے۔ (ت)

مخالف صاحب نے دیکھا کہ حکایت اگر صحیح طور پر نقل کریں تو ساری قلعی کھل جاتی ہے طبیبوں سے دوا چاہنی، امیروں سے نوکری مانگنی، بادشاہوں سے مقدمات وغیرہا میں رجوع کرنا سب شرک ہوا جاتا ہے جس میں خود بھی مبتلا ہے۔ لہٰذا از طبیب دوا وغیرہ الفاظ کی جگہ یوں بتایا کہ "غیر حق سے مدد مانگو مجھ سے زیادہ بے ادب کون ہوگا" تاکہ جاہلوں کے بہکانے کو اسے بہ زور زبان

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تفسیر سورہ فاتحہ پارالم افغانی دارالکتب دہلی ص۸

حضرت انبیاء واولیاء علیہم السلام والثناء سے استعانت پر جمائیں اور آپ حکیم جی سے دوا کرانے، نواب راجہ کی نوکری کرنے، منصف ڈپٹی کے یہاں نالش لڑانے کو الگ بچ جائیں، سبحان اللہ کہاں وہ تبتل تام واسقاط تدبیر واسباب کا مقام جس کی طرف امام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس قول میں ارشاد فرمایا جس کے اہل مریض ہوں تو دوانہ کریں۔ بیماری کو کسی سبب کی طرف نسبت نہ فرمائیں، عین معرکہ جہاد میں کوڑا ہاتھ سے گر پڑے تو دوسرے سے نہ کہیں آپ ہی اتر کے اٹھائیں، اور کہاں مقام شریعت مطہرہ واحکام جواز ومنع وشرک واسلام مگران ذی ہوشوں کے نزدیک کمال تبتل وشرک متقابل ہیں کہ جو اس اعلٰی درجہ انقطاع محض وتفویض تام پر نہ ہو امشرک ٹھہرایا، **انا للہ وانا الیہ راجعون**۔

ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو، اسی حکایت کے بعد شاہ صاحب نے کیسی تصریح فرمادی کہ استعانت بالغیر وہی ناجائز ہے کہ اس غیر کو مظہر عون الٰہی نہ جانے بلکہ اپنی ذات سے اعانت کا مالک جان کر اس پر بھروسا کرے، اور اگر مظہر عون الٰہی سمجھ کر استعانت بالغیر کرتا ہے تو شرک وحرمت بالائے طاق، مقام معرفت کے بھی خلاف نہیں خود حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام نے ایسی استعانت بالغیر کی ہے۔

مسلمانو! مخالفین کے اس ظلم وتعصب کا ٹھکانا ہے کہ بیمار پڑیں تو حکیم کے دوڑیں، دوا پر گریں، کوئی مارے پیٹے تو تھانے کو جائیں، رپٹ لکھائیں، ڈپٹی وغیرہ سے فریاد کریں، کسی نے زمین دبالی کہ تمسک کا روپیہ نہ دیا تو منصف صاحب مدد کیجیو، جج بہادر خبر لیجیو، نالش کریں، استغاثہ کریں، غرض دنیا بھر سے استعانت کریں اور حصر **ایاك نستعین** کو اس کے منافی نہ جانیں، ہاں انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء سے استعانت کی اور شرک آیا، ان کاموں کے وقت آیت کا حصر کیوں نہیں یاد آتا، وہاں تو یہ ہے کہ ہم خاص تجھی سے استعانت کرتے ہیں، کیا مخالفین کے نزدیک "خاص تجھی" میں بید، حکیم، تھانیدار، جمعدار، ڈپٹی، منصف، جج وغیرہ سب آگئے کہ یہ اس حصر سے خارج نہ ہوئے، یا **معاذ اللہ** آیہ کریمہ کا حکم ان پر جاری نہیں، یہ خدا کے ملک سے کہیں الگ بستے ہیں، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

غرض مخالفین خود بھی دل میں خوب جانتے ہیں کہ آیہ کریمہ مطلق استعانت بالغیر کی اصلا ممانعت نہیں، نہ وہ ہرگز شرک یا ممنوع ہوسکتی ہے بلکہ استعانت حقیقیہ ہی رب العزۃ جل وعلا سے خاص فرمائی گئی ہے اور اس کا اختصاص کسی طرح حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام

سے استعانت جائزہ کا منافی نہیں ہوسکتا مگر عوام بیچاروں کو بہکانے اور محبوبان خدا کا نام پاک ان کی زبان سے چھڑانے کو دیدہ و دانستہ قرآن وحدیث کے معنی بدلتے ہیں، تو بات کیا سر کی کھلی اور دل کی بند ہیں، پاؤں تلے کی نظر آتی ہے۔ حکیم جی کو علاج کرتے، تھانیدار کو چوریاں نکالتے، نواب راجہ کو نوکریاں دیتے، ڈپٹی منصف کو مقدمات بگاڑتے سنبھالتے، آنکھوں دیکھ رہے ہیں، ان کہ امداد واعانت سے کیونکر منکر ہوں اور حضرات علیہ انبیاء واولیاء علیہم ال۔صلوٰۃ والثناء سے جو باطن وظاہر قاہر و باہر مددیں پہنچ رہیں ہیں، وہ نہ دل کے اندھوں کو سوجھیں اور نہ ہی اپنے نصیبے میں ان کی برکات کا حصر سمجھیں پھر بلا کیونکر یقین لائیں، جیسے معتزلہ خذلھم اللہ تعالٰی کہ ان کے پیشوا ظاہری عبادتیں کرتے کرتے مرگئے، کرامات اولیاء کی اپنے میں بو نہ پائی، ناچار منکر ہوگئے ع

چونہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(جب انھوں نے حقیقت کو نہ سمجھا تو افسانہ کی راہ اختیار کی۔ت)

پھر ان حضرات کو ڈپٹی، منصف، حکیم سے خود بھی کام پڑتا رہتا ہے ان سے استعانت کیونکر شرک کہیں، معہذا ان لوگوں سے کوئی کاوش بھی نہیں۔ دل میں آزار تو حضرات انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء سے ہے۔ ان کا نام تعظیم ومحبت سے نہ آنے پائے ان کی طرف کوئی سچی عقیدت سے رجوع نہ لائے۔ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾"[1] (عنقریب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

فائدہ مہمّہ

مخالفین بیچارے کم علموں کو اکثر دھوکا دیتے ہیں کہ یہ تو زندہ ہیں فلاں عقیدہ یا معاملہ ان سے شرک نہیں، وہ مردہ ہیں ان سے شرک ہے۔ یا یہ تو پاس بیٹھے ہیں ان سے شرک نہیں، وہ دور ہیں ان سے شرک ہے وعلی ھذا القیاس طرح طرح کے بیہودہ وسواس، مگر یہ سخت جہالت بے مزہ ہے جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے شرک ہی ہوگا۔ اور ایک کے لئے شرک نہیں تو کسی کے لئے بھی شرک نہیں ہوسکتا، کیا اللہ کے شریک مردے نہیں زندے ہوسکتے ہیں دور کے نہیں ہوسکتے پاس کے ہوسکتے ہیں، انبیاء نہیں ہوسکتے حکیم ہوسکتے ہیں، انسان نہیں ہوسکتے۔

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

فرشتے ہوسکتے ہیں، حاشاللہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا، تو مثلاً جو بات نداخواہ کوئی شے جس اعتقاد کے ساتھ کسی پاس بیٹھے ہوئے زندہ آدمی سے شرک نہیں وہ اسی اعتقاد سے کسی دور والے یا مردے بلکہ اینٹ پتھر سے بھی شرک نہیں ہوسکتی، اور جو ان میں سے کسی سے شرک ٹھہرے وہ قطعاً یقینا تمام عالم سے شرک ہوگی، اس استعانت ہی کو دیکھئے کہ جس معنی پر خدا سے شرک ہے یعنی اسے قادر بالذات ومالک مستقل جان کر مدد مانگنا۔ بہ ایں معنی اگر دفع مرض میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا حاجت فقر میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے، بلکہ کسی سے روز مرہ کے معمولی کاموں ہی میں مدد لے جو بالیقین تمام مخالفین روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھادے یا کھانا پکادے، یا پانی پلادے سب شرک قطعی ہے کہ جب یہ جانا کہ اس کام کے کر دینے پر انھیں خود اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر اور شرک میں کیا شبہہ رہا، اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی مظہر عون الٰہی وواسطہ و سیلہ وسبب سمجھنا اس معنی پر حضرات انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء سے کیوں شرک ہونے لگی، مگر حکیم، امیر، جج، اولاد، نوکر، جورو، ان سب کو مظہر عون وسبب ووسیلہ جاننا جائز ہے۔ اور ان حضرات عالیہ کو کہ وہ اعلی مظہر واعظم سبب وافضل وسائل بلکہ منتہی الاسباب وغایۃ الوسائط ونہایۃ الوسائل ہیں، ایسا سمجھنا شرک ہوگیا، ہزار تف۔ بریں بے عقلی ونا انصافی، غرض پانی وہیں مرتا ہے کہ جو کچھ غصہ ہے۔ وہ حضرات محبوبان خدا کے بارے میں ہے۔ جورو، یار، بچے مددگار، نوکر، کار گزار مگر انبیاء، واولیاء کا نام آیا اور سر پر شرک کا بھوت سوار یہ کیا دین ہے۔ کیسا ایمان ہے! ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمین اس نکتے کو خوب محفوظ ملحوظ رکھیں، جہاں ان چالاکوں، عیاروں کو کوئی فرق کرتے دیکھیں کہ فلاں عمل یا فلاں اعتقاد فلاں کے ساتھ شرک ہے فلاں سے نہیں، یقین جان لیجئے کہ نرے جھوٹے ہیں، جب ایک جگہ شرک نہیں تو اس اعتقاد سے کسی جگہ شرک نہیں ہوسکتا، واللہ الھادی الی طریق سوی۔

فائدہ ضروریہ

مخالفین جب سب طرح عاجز آجاتے ہیں اور کسی طرف راہ مفر نہیں پاتے تو ایک نیا شگوفہ

چھوڑتے ہیں کہ صاحبو! ہم بھی اسی استعانت کو شرک کہتے ہیں جو غیر خدا کو قادر بالذات ومالک مستقل بے عطائے الٰہی جان کر کی جائے، اور اپنی بات بنانے اور خجلت مٹانے کو ناحق ناروا بیچارے عوام مومنین پر جیتا بہتان باندھتے ہیں کہ وہ ایسا ہی سمجھ کر انبیاء واولیاء سے استعانت کرتے ہیں ہمارا یہ حکم شرک انھیں کی نسبت ہے۔ اس ہارے درجہ کی بناوٹ کا لفافہ تین طرح کھل جائے گا۔

اولًا: صریح جھوٹے ہیں کہ صرف اسی صورت کو شرک جانتے ہیں ان کے امام خود تقویۃ الایمان میں لکھ گئے ہیں:

"کہ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بخود ہے خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ہوتا ہے۔"[1]

کیوں اب کہاں گئے وہ جھوٹے دعوے۔

ثانیًا: ان کے سامنے یوں کہئے کہ یا رسول اللہ! حضور کو اللہ تعالٰی نے اپنا خلیفہ اعظم ونائب اکرم وقاسم نعم کیا، دنیا کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، خزانوں کی کنجیاں، مدد کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں حضور کے دست مبارک میں رکھیں، روزانہ دو وقت تمام امت کے اعمال حضور کی بارگاہ میں پیش کرائے، یا رسول اللہ! میرے کام میں نظر رحمت فرمائے اللہ کے حکم سے میری مدد وعافیت فرمائے۔

اب ان لفظوں میں تو صراحۃً قدرت ذاتی کا انکار اور مظہر عون الٰہی کی تصریح ہے ان میں تو معاذاللہ اس ناپاک گمان کی بو بھی نہیں آسکتی، یہ کہتے جائے اور ان صاحبوں کے چہرے کو غور کرتے جائے، اگر بکشادہ پیشانی سے سنیں اور آثار کراہت وغیظ ظاہر نہ ہو جب تو خیر، اور اگر دیکھئے کہ صورت بگڑی، ناک بھوں سمٹی، منہ پر دھوئیں کی مانند تاریکی دوڑی، تو جان لیجئے کہ دلی آگ اپنا رنگ لائی ع

کھوٹے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

سبحان اللہ! میں عبث امتحان کو کہتا ہوں بارہا امتحان ہو ہی لیا، ان صاحبوں میں نواب دہلوی مصنف ظفر جلیل تھے، حدیث عظیم وجلیل ثابت یامحمد انی توجھت بك الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی[2] کہ صحاح ستہ سے تین صحاح جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ،

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷

[2] جامع الترمذی ابواب لدعوات ۲/ ۱۹۷ والمستدرك کتاب صلٰوۃ التطوع ۱/ ۳۱۳، وکتاب الدعا ۵۱۹، سنن ابن ماجہ ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی صلٰوۃ الحاجۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

میں مروی اور اکابر محدثین مثل امام ترمذی وامام طبرانی وامام بیہقی وابوعبداللہ حاکم امام عبدالعظیم منذری وغیرہم اسے صحیح فرماتے آئے ہیں جسے خود حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قضائے حاجت کے لئے تعلیم، اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے زمانہ اقدس اور حضور کے بعد زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاجت روائی کا ذریعہ بنایا، اس میں کیا تھا، یہی نا کہ یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ وہ میری حاجت روا فرمائے، اس میں معاذاللہ قدرت بالذات کی کہاں بو تھی جو نواب صاحب کو پسند نہ آئی کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد کا پاس نہ صحابہ وتابعین کی تعلیم وعمل کا لحاظ نہ اکابر حفاظ حدیث کی تصحیح کا خیال، سخت ڈھٹائی کے ساتھ حاشیہ ظفر جلیل پر حدیث صحیح کو بزور زبان وزور بہتان رد کرنے کے لئے عقل وشرع کی قید سے بے دھڑک بے پر کی اڑادی کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں، **اناللہ وانا الیہ راجعون**۔

اس واقعہ عبرت خیز کا بیان ہمارے رسالہ انہار الانوار میں ہے۔ اب دیکھئے کہ نہ فقط اولیاء بلکہ خود حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم افضل الصلوۃ والثناء سے استعانت جائز ومحمودہ، خود حضور اقدس کی فرمودہ، صحابہ وتابعین کی معمولہ ومقبولہ، صحیح حدیث میں ان لوگوں کا یہ حال ہے "قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ(۱۱۹)" [1]۔

ثالثاً: سب جانے دو، سرے سے یہ ناپاک ادعا ہے کہ بندگان خدا محبوبان خدا کو قادر مستقل جان کر استعانت کرتے ہیں، ایک ایسی سخت بات ہے جس کی شناعت پر اطلاع پاؤ تو مدتوں تمھیں توبہ کرنی پڑے اہل لا الٰہ الا اللہ پر بدگمانی حرام، اور ان کے کام کہ جس کے صحیح معنی بے تکلف درست ہوں خواہی نخواہی **معاذاللہ** معنی کفر کی طرف ڈھال لے جانا قطعاً گناہ کبیرہ ہے۔ حق سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [2]	اے ایمان والو! بہت گمانوں کے پاس نہ جاؤ، بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ"	پیچھے نہ پڑ اس بات کے جو تجھے تحقیق نہیں۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۹

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

"اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ "[1]	بیشک کان آنکھ، دل سب سے سوال ہونا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ"[2]	کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اسے سنا تو مسلمان مردوں عورتوں نے اپنی جانوں یعنی اپنے بھائی مسلمانوں پر نیک گمان کیا ہوتا۔

اور فرماتا ہے:

"یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ ﴿۱۷﴾ "[3]	اللہ تمھیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[4] رواہ مالك والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔ (اسے امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افلا شققت عن قلبه[5] رواہ مسلم وغیرہ۔	تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھا (اسے امام مسلم وغیرہ نے روایت کیا۔ت)

علماء کرام فرماتے ہیں کلمہ گو کے کلام میں اگر ننانوے ۹۹ معنی کفر کے نکلیں اور ایک تاویل اسلام کی پیدا ہو تو واجب ہے اسی تاویل کو اختیار کریں اور اسے مسلمان ٹھہرائیں کہ حدیث میں آیا ہے۔

الاسلام یعلو ولایعلٰی[6] رواہ الرؤیانی	اسلام غالب رہتا ہے اور مغلوب نہیں کیا جاتا،

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

[4] صحیح بخاری باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[5] سنن ابی داؤد باب علی مایقاتل المشرکون آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۵۵

[6] سنن الدارقطنی کتاب النکاح باب المهر دار المحاسن للطباعة قاهرة ۳/ ۲۵۲

والدارقطنی والبیہقی والضیاء والخلیل عن عائذ بن عمر المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم۔	(اسے رؤیائی، دارقطنی، بہیقی، ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

نہ کہ بلاوجہ منہ زوری سے صاف ظاہر، واضح، معلوم، معروف معنی کا انکار کرکے اپنی طرف سے ایک ملعون، مردود، مصنوع مطرود احتمال گھڑیں اور اپنے لئے علم غیب اور اطلاع حال کا دعوی کرکے زبردستی وہی ناپاک مراد مسلمانوں کے سر باندھیں، قیامت تو نہ آئے گی، حساب تو نہ ہوگا، ان بہتانوں، طوفانوں پر بارگاہ قہار سے مطالبہ جواب تو نہ ہوگا، ہاں ہاں جواب تیار کر رکھو اس سخت وقت کے لئے جب مسلمانوں کی طرف سے جھگڑتا آئے گا، لا الہ الا اللہ ہاں اب جانا چاہتے ہیں ستمگر لوگ کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں، یوں اعتبار نہ آئے تو اپنے کذب کا امتحان کرلو، اہل استعانت سے پوچھو تو کہ تم انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والسلام والثناء کو عیاذا باللہ خدا یا خدا کا ہمسر یا قادر بالذات یا معین مستقل جانتے ہو یا اللہ عزوجل کے مقبول بندے اس کی سرکار میں عزت ووجاہت والے اس کے حکم سے اس کی نعمتیں بانٹنے والے مانتے ہو، دیکھو تو تمھیں کیا جواب ملتا ہے۔

امام علامہ خاتمۃ المجتہدین تقی الملۃ والدین فقیہ محدث ناصر السنۃ ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب مستطاب شفاء السقام میں استمداد واستعانت کو بہت احادیث صریحہ سے ثابت کرکے ارشاد فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھذا لا یقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ ومنعہ من باب التلبیس فی الدین و التشویش علی عوام الموحدین[1]۔ صدقت یا سیدی جزاك اللہ عن الاسلام و	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور انور کو خالق اور فاعل مستقل ٹھہراتے ہوں یہ تو اس معنی پر کلام کو ڈھال کر استعانت سے منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے اے میرے آقا! آپ نے سچ فرمایا اللہ تعالٰی

[1] شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام الباب الثامن فی التوسل الخ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۷۵

المسلمین خیرا۔ اٰمین!	آپ کو سلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین(ت)

فقیہ محدث علامہ محقق عارف باللہ امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی کتاب افادت نصاب جوہر منظّم میں حدیثوں سے استعانت کا ثبوت دے کر فرماتے ہیں:

فالتوجه والاستغاثة به صلی الله تعالٰی علیه وسلم بغیرہ لیس لهما معنی فی قلوب المسلمین غیر ذٰلك و لایقصد بهما احد منهم سواہ فمن لم یشرح صدرہ لذٰلك فلیبك علی نفسه نسأل الله العافیة و المستغاث به فی الحقیقة هو الله و النبی صلی الله تعالٰی علیه واسطة بینه وبین المستغیث فهو سبحٰنه مستغاث به والغوث منه خلقا وایجادا والنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مستغاث والغوث منه سببا وکسبا[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضور اقدس کے سوااور انبیاء واولیاء علیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کی طرف توجہ اور ان سے فریاد کے یہی معنی مسلمانوں کے دل میں ہیں اس کے سوا کوئی مسلمان اور معنی نہیں سمجھتا ہے نہ قصد کرتا ہے تو جس کا دل اسے قبول نہ کرے وہ آپ اپنے حال پر روئے، ہم اللہ تبارک وتعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں حقیقتاً فریاد اللہ عزوجل کے حضور ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے اور اس فریادی کے بیچ میں وسیلہ و واسطہ ہیں، تو اللہ عزوجل کے حضور فریاد ہے اور اس کی فریاد رسی یوں ہے کہ مراد کو خلق وایجاد کرے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور فریاد ہے اور حضور کی فریاد رسی یوں ہے کہ حاجت روائی کے سبب ہوں اور اپنی رحمت سے وہ کام کریں جس کے باعث اس کی حاجت روا ہو۔

مخالف کو کریما کا مصرعہ یاد رہا کہ:

نداریم غیر از تو فریاد رس

(ہم تیرے سوا کوئی فریاد کو پہنچنے والا نہیں رکھتے۔ت)

اور وہ بیشک حق ہے جس کے معنی ہم اوپر بیان کر آئے مگر یہ یاد نہ آیا کہ اس کے کبرائے طائفہ کے اکابر وعمائد حضور پر نور سیدنا ومولانا وغوثنا وماوٰینا حضرت غوث اعظم غوث الثقلین صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وآبائہ الکرام وعلیہ وعلی مریدیہ ومحبیہ و بارک وسلم کو فریاد رس مان رہے ہیں۔

[1] الجوہر المنظم الفصل السابع فیما ینبغی للزائر الخ المطبعۃ الخیریہ مصر ص ۶۲

شاہ ولی اللہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

امروز اگر کسے را مناسبت بروح خاص پیدا شود وازآں جافیض بردار غالبا بیروں نیست ازآنکہ ایں معنی بہ نسبت پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد یا بہ نسبت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	آج اگر کسی کو روح خاص سے مناسبت پیدا ہو جائے اور وہاں سے فیضیاب ہو تو غالبا بعید نہیں کہ یہ کمال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مناسبت سے حاصل ہوا ہوگا یا بہ نسبت غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ملا ہوگا۔ (ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبوبیت بیان کرکے فرماتے ہیں:

ایں مرتبہ ازاں مراتب است کہ ہیچکس راز ازبشر نہ دادہ اند، مگر بہ طفیل ایں محبوبے برخے از اولیاء امت اورا شمہ محبوبیت آں نصیب شدہ مسجود خلائق و محبوبیت دلہا گشتہ اند مثل حضرت غوث الاعظم و سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما[2]۔	یہ وہ مرتبہ ہے جو کسی انسان کو نصیب نہ ہوا، ہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طفیل سے اس کا کچھ حصہ اولیائے امت تک پہنچا، پھر یہ حضرات اس کی برکت سے مسجود خلائق اور محبوب قلوب ہوئے جیسے حضرت غوث الاعظم اور سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء قدس اللہ سرہما (ت)

مرزا مظہر جانجاناں اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

آنچہ درتاویل قول حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ نوشتہ اند[3]۔	حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کہ "میرا قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے" کی تاویل میں انھوں نے لکھا ہے۔ (ت)

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ الاکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ حیدر آباد ص ۶۲

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) سورۃ الم نشرح مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۲۲

[3] کلمات طیبات فصل دوم درمکاتیب مرزا مظہر جانجاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۹

انہی کے ملفوظات میں ہے:

التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ علیہ ایشاں بسیار معلوم باشد باہیچ کس از اہل ایں طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک آں حضرت بحالش مبذول نیست [1]۔	غوث الثقلین کی توجہ اپنے سلسلے سے وابستہ حضرات کی طرف بہت معلوم ہوئی ہے آپ کے سلسلے کے کسی ایسے شخص سے ملاقات نہ ہوئی جو آپ کی توجہ سے محروم ہیں۔(ت)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی سیف المسلول میں لکھتے ہیں:

فیوض و برکات کارخانہ ولایت اول بریک شخص نازل می شود وازاں تقسیم شدہ بہریک از اولیائے عصرمی رسد وبہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط اوفیضے نمی رسد ایں منصب عالی تاوقت ظہور سید الشرفاء حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلانی بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بودہ چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد،ایں منصب مبارک بوئے متعلق شدہ تاظہور محمد مہدی ایں منصب بروح مبارک حضرت غوث الثقلین متعلق باشد ولہٰذا آں حضرت قدمی ہٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ فرمودہ، وقول حضرت غوث الثقلین اخی وخلیلی کان موسٰی بن عمران نیز براں دلالت دارد [2]۔	کارخانہ ولایت کے فیوض پہلے ایک شخص پر نازل ہوئے۔ پھر اس سے منقسم ہو کر ہر زمانے کے اولیاء کو ملے اور کسی ولی کو ان کے توسط کے بغیر فیض نہ ملا، حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ظہور سے قبل یہ منصب عالی حسن عسکری علیہ السلام کی روح سے متعلق تھا، جب غوث الثقلین پیدا ہوئے تو یہ منصب آپ سے متعلق ہوا اور محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا، اس لئے آپ نے فرمایا میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ پھر غوث پاک کا یہ قول "میرے بھائی اور دوست موسٰی بن عمران تھے" بھی اس پر دلالت کرتا ہے(ت)

یہ سب ایک طرف، خود امام الطائفہ میاں اسمٰعیل دہلوی صراط مستقیم میں اپنے پیر کا حال لکھتے ہیں:

"روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و	حضرت غوث الثقلین اور حضرت خواجہ بہاؤالدین

---

[1] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

[2] السیف المسلول لقاضی ثناء اللہ پانی پتی (مترجم اردو) فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۵۲۷

جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ[1]۔	نقشبند کی ارواح مبارکہ ان کے حال پر متوجہ تھیں۔(ت)

اسی میں ہے:

شخصیکہ در طریقہ قادریہ قصد بیعت مے کند البتہ او رادر جناب غوث الاعظم اعتقادے عظیم بہم می رسد (الی قولہ) کہ خود رااززمرہ غلامان آن جناب می شمارد اھ ملخصا[2]۔	ایک شخص نے قادری طریقے میں بیعت کا ارادہ کیا یقینا اس کو جناب حضرت غوث الثقلین میں بہت گہرا اعتقاد تھا (الی قولہ) خود کو آنجناب کے غلاموں میں شمار کیا اھ ملخصا(ت)

اسی میں ہے:

اولیائے عظام مثل حضرت غوث الاعظم وحضرت خواجہ بزرگ[3] الخ۔	اولیائے عظام جیسے غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت خواجہ بزرگ(ت)

یہی امام الطائفہ اپنی تقریر ذبیحہ مندرج مجموعہ زبدۃ النصائح میں لکھتے ہیں:

اگر شخصے بزے راخانہ پرور کند تا گوشت او خوب شود واو راذبح وپختہ فاتحہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندہ بخوراند خللے نیست[4]۔	اگر کوئی شخص کوئی بکرا گھر میں پالے تاکہ اس کا گوشت اچھا ہوجائے اور اس کو ذبح کرکے پکا کر غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ دلائے اور لوگوں کو کھلائے تو کوئی خلل نہیں۔(ت)

ایمان سے کہیو، "غوث الاعظم" کے یہی معنی ہوئے کہ "سب سے بڑے فریاد رس" یا کچھ اور۔ خدا کو ایک جان کر کہنا "**غوث الثقلین**" کا یہی ترجمہ ہوا کہ "جن وبشر کے فریادرس" یا کچھ اور، پھر یہ کیسا کھلا شرک تمھارا امام اور اس کا سارا خاندان بول رہا ہے قول کے سچے ہو تو ان سب کو ذرا جی کراکرکے مشرک بے ایمان کہہ دو، ورنہ شریعت کیا ان کی خانگی ساخت ہے کہ فقط باہر والوں کے لئے خاص ہے گھر والے سب اس سے مستثنٰی ہیں۔

---

[1] صراط مستقیم خاتمہ دربیان پارہ از وارادات ومعاملات الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۱۶۶

[2] صراط مستقیم تکملہ باب چھارم دربیان طریق الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۱۴۷

[3] صراط مستقیم تکملہ دربیان سلوک ثانی راہ ولایت المکتبہ السلفیہ لاہور ص۱۳۲

[4] زبدۃ النصائح رسالہ نذور

افسوس اس امام کی تلون مزاجیوں نے طائفہ کی مٹی اور بھی خراب کی ہے۔آپ ہی تو شرک کا قانون سکھائے جس کی بناء پر طائفہ کے نواب بھوپالی بہادر دبی زبان سے کہہ بھی گئے، غوث اعظم یا غوث الثقلین کہنا شرک سے خالی نہیں اور آپ ہی جب تلون کی لہر آئے تو اپنی موج میں آکر انھیں گہرے میں دھکا دے اور خود دور کھڑا قہقہے لگائے کہ

"اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾"[1] (میں تجھ سے الگ ہوں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہاں کا رب ہے) اب یہ بیچارے رویا کریں ؎

اپنا بیڑا کھے گئے اور ہو گئے ندیا پار
بانھ نہ میری تھام لی سو آن پڑی منجدھار

کون سنتا ہے الحق ؎

دو گونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را بلائے صحبت لیلٰی وفرقت لیلٰی
(مجنوں کی جان کے لئے دوہرا دکھ اور عذاب ہے صحبت لیلٰی کی مصیبت اور لیلٰی کا فراق)

ضعف الطالب والمطلوب o لبئس المولٰی ولبئس العشیر، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم، نعم المولٰی ونعم النصیر، والحمد للہ رب العالمین، وقیل بعدا للقوم الظلمین، وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین غوث الدنیا وغیاث الدین سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ امین!	طالب ومطلوب کمزور ہوئے، تو برا مددگار اور برا خاندان، ہمیں اللہ تعالٰی کافی اور وہ اچھا وکیل، نیکی کی طرف پھرنا اور قوت صرف اللہ تعالٰی کی مدد سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ وہی اچھا مددگار اور اچھا آقا ہے۔ اور رب العالمین کے لئے تمام حمدیں، اور ظالم قوم کو کہا گیا تمھارے لئے بُعد ہے۔ وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین غوث الدنیا وغیاث الدین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔ آمین! (ت)

الحمد للہ کہ یہ نہایت اجمالی جواب اور اتنے اجمال پر کافی ووافی موضع صواب چند جلسات میں ۱۶/ شعبان المعظم روز مبارک جمعہ ۱۳۱۱ھ ہجریہ قدسیہ کو بوقت عصر تمام اور بلحاظ تاریخ

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۶

برکات الامداد لاھل الاستمداد (۱۳۱۱ھ) نام ہوا، نفعنی اللہ بہ وبسائر تصانیفی والمسلمین فی الدارین بالنفع الاتم، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

تمّت

کتبــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
فقہ شنہشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ ۱۳۲۶ھ

(لفظ شہنشاہ کا مفہوم اور یہ کہ بیشک محبوبانِ خدا کا بعطاء الٰہی دلوں پر قبضہ ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۶۶: از کانپور محلّہ فیل خانہ کہنہ مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل۔ مرسلہ سید محمد آصف صاحب ۸/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

حامی سنت، ماحی بدعت جناب مولانا صاحب دَامَتْ فُیُوْضُھُمْ، بعد سلام مسنون الاسلام، التماس مرام اینکہ ان دنوں جناب والا کا دیوان نعتیہ کمترین کے زیر مطالعہ ہے۔ بصد آداب ملازمان کی خدمت بابرکت میں ملتمس ہوں کہ وہ مصرع کے الفاظ شرعا قابل ترمیم معلوم ہوتے ہیں اور غالبا اس ہیچمدان کی رائے سے ملازمان سامی بھی متفق ہوں اور ودر صورت عدم اتفاق جواب باصواب سے تشفی فرمائیں ع

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو

اس مصرح میں لفظ "شہنشاہ" خلاف حدیث ممانعت در بارہ قول ملک الملوک ہے بجائے "شہنشاہ" اگر "مرے شاہ" ہو تو کسی قسم کا نقصان نہیں، دوسرا یہ مصرع حضرت غوث اعظم قدس سرہ، کی تعریف میں: ع

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

صحیح حدیث شریف سے ثابت ہے کہ دل خداوند کریم کے قبضہ قدرت میں ہیں، اور وہی ذات مقلب القلوب ہے، چونکہ اس ہیچمداں سراپا عصیان کو ملازمان جناب والا سے خاص عقیدت وارادت ہے۔ لہٰذا امیدوار ہے کہ یہ تحریر محض اَلدِّیْنُ النُّصْحُ (دین نصیحت ہے۔ت) پر محمول فرمائی جائے، بخدا فدوری نے کسی اور غرض سے نہیں لکھا۔

عریضہ ادب سید محمد آصف عفی عنہ

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ هو الشاہ، والشّاہ الشاهنشاہ، لا ملك سواہ، فمن ادعا دونه فقد ضل وتاہ، وصلی اللہ تعالٰی علیه سید العالم، مالك الناس دیان العرب والعجم، الذی ملك الارض ورقاب الامم، وعلی اله وصحبه وبارك وسلم، اٰمین!	سب حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جو حقیقی بادشاہ اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے سوا کوئی حقیقی بادشاہ نہیں ہے تو جو اس کے غیر کو مقابلہ میں سمجھے تو وہ گمراہ اور بھٹکا ہوا ہے۔ اور اللہ تعالٰی رحمت نازل فرمائے جہاں کے سردار، عرب وعجم کے جزا دہندہ جوروئے زمین اور امتوں کے مالک بنے اور آپ کی آل پاک واصحابہ پر اور برکت اور سلامتی فرمائے۔ آمین۔ (ت)

کرم فرمائے مکرم ذی الطف والکرم مکرمی سیدی محمد آصف صاحب زید کرمہم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

نوازش نامہ تشریف لایا، ممنون فرمایا، حق سبحانہ وتعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ کے صرف انھیں دو مصرعوں میں تامل فرماتے سے شکر الٰہی بجالایا کہ اس میں **بحمداللہ تعالٰی** آپ کی سنیت خالصہ اور محبت و تعظیم حضور پر نور سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثناء کا شاہد پایا، ورنہ قوم بے ادب خذلہ اللہ تعالٰی کے نزدیک تو ان اوراق میں **معاذاللہ** ہزاروں شرک بھرے ہیں، کہ ان دو لفظوں کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں، حالانکہ **بحمداللہ تعالٰی** اس میں جو کچھ ہے اکابر ائمہ دین واعاظم عرفائے کاملین کے ایمان کامل

کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ جیسا کہ فقیر کی کتاب "سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الورٰی" کے مطالعہ سے ظاہر ہے۔ وللہ الحمد۔ اب شکریہ کے ساتھ بتوفیقہ تعالٰی جواب عرض کروں، امید کہ جس خالص اسلامی محبت سے یہ اطلاع دی اسی پر ان جوابوں کو مبنی سمجھ کر ویسی ہی نظر سے ملاحظہ کرینگے، وباللہ التوفیق۔

جواب سوال اول: لفظ "شہنشاہ" اوّلاً بمعنی سلطان عظیم السلطنۃ محاورات میں شائع، وذائع ہے۔ اور عرف ومحاورہ کو افادہ مقاصد میں دخل تام، قال اللہ تعالٰی: "وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ"[1] (اور بھلائی کا حکم دو۔ ت)

خود ہمارے فقہاء کرام میں امام اجل علاء الدین ابوالعلاء لیثی ناصحی رحمۃ اللہ تعالٰی کا لقب "شاہان شہد، ملک الملوک" تھا ائمہ وعلمائے مابعد جوان کے فتاوٰی نقل کرتے ہیں اسی لقب سے انھیں یاد فرماتے ہیں اور وہ جناب فقاہت مآب خود اپنے دستخط! انھیں الفاظ سے کرتے، امام رکن الدین ابوبکر محمد بن المفاخرین عبدالرشید کرمانی جواہر الفتاوٰی کتاب الاجارہ باب سادس میں فرماتے ہیں:

قال الامام القاضی ملك الملوك ابوالعلاء الناصحی لماسئل عمن اجر ارضاموقوفة مائة سنة هل یجوز افتی ببطلان الاجارة معشر من زمرة الفقهاء قطعالازما وبذلك افتی للمتدین حسبة کیلا اکون بما احرز ظالما ملك الملوك ابوالعلا مجیبه لمعز دین اللہ مدعوا دائما[2]۔	امام، قاضی، شاہوں کے شاہ ابوالعلا ناصحی سے یہ استفتاء کیا گیا کہ ایک شخص نے ایک موقوفہ زمین سال بھر کے لئے اجارہ میں دی تو کیا اس کا یہ فعل از روئے شرع جائز ودرست ہے ۱۲م، فقہاء کی ایک جماعت نے فتوٰی دیا کہ یہ اجارہ قطعی اور لازمی طور پر باطل ہے۔ ۱۲م، میرا عدم جواز کا یہ فتوٰی دینا دینداروں کے لئے کافی ہے تاکہ میں اپنی جمع کردہ چیزوں کی وجہ سے ظالم نہ ہو جاؤں۔ ۱۲م شاہوں کے شاہ ابوالعلاء اس کا مجیب ہے دین الٰہی کے غلبہ کے لئے ہمیشہ دعا گو ہے۔ ۱۲م

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۹۹

[2] جواہر الفتاوٰی کتاب الاجارۃ الباب السادس قلمی نسخہ ورق ۱۳۸ صفحہ ۲۷۵

اسی کی ۳ کتاب القضاء میں ایک اور مسئلہ اس جناب سے بایں عنوان نقل فرمایا:

قال القاضی الامام ملك الملوك ابو العلاء الناصحی [1]۔	قاضی امام شاہوں کے شاہ ابو العلاء ناصحی نے کہا ۱۲م۔

پھر ۴ تیسرے مسئلے میں فرمایا:

قال القاضی الامام ملك الملوك هذا الماعرض علیه محضر [2]۔	قاضی امام، شاہوں کے شاہ نے یہ کہا، جب ان کے پاس دستاویز پیش کیا گیا۔ ۱۲م

۵ اس میں ان کا منظوم فتوٰی نقل کیا جس کے آخر میں فرمایا:

شاهان شه ملك الملوك ابو العُلاء نظم الجواب، منظما و مفصلا۔	شاہوں کے شاہ ابو العلاء نے اس جواب کو نظم اور ترتیب اور تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ۱۲م

۶ پھر فرمایا: قال ملك الملوك [3] (شاہوں کے شاہ نے فرمایا۔ ت) اور ان کا چوتھا فتوٰی نقل کیا جس کے ۷ آخر میں فرمایا:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلا نظم الجواب لکل من هو قد عرف	شہنشاہ وقت ابو العلاء نے اس جواب کو ہر جانکار شخص کے لئے مرتب کیا۔ ۱۲م

۸ پھر ان کا پانچواں فتوٰی نقل فرمایا جس کے دستخط یوں فرمائے ہیں:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب مبینا لمناره [4]	شاہوں کے شاہ ابو العلاء نے جواب کو یوں مرتب فرمایا کہ اس کے ہر پہلو کو واشگاف کردیا۔ ۱۲م

۹ پھر ان کا چھٹا فتوٰی نقل کیا جس کے دستخط ہیں:

شاهان شه ملك الموك ابو العلاء هادی امیر المومنین لقد نظم [5]۔	شاہوں کے شاہ ملک الملوک ابو العلاء مسلمانوں کے امیر ورہبر نے اس جواب کو مرتب کیا۔ ۱۲م

۱۰ یونہی کتاب الوقف میں ان کے متعدد فتاوے نقل فرمائے ازاں جملہ ایک کلام کا ختم یہ ہے:

---

[1] جواهر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[2] جواهر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[3] جواهر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[4] جواهر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۳ ورق ۱۷۷

[5] جواهر الفتاوٰی کتاب القضاء ص ۳۵۴ ورق ۱۷۷

ملك الملوك ابو العلاء مجيبه معز دين الله يشكر داعيا[1]۔	شاہوں کے شاہ ابوالعلاء اس کا مجیب ہے جو دین الٰہی کے غلبہ کے لئے شکر کے ساتھ دعا کرتا ہے۔۱۲م

"ایک کے آخر میں ہے:

شاهان شه ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب لمن تعفى باله[2]۔	شہنشاہ ملک الملوک ابوالعلاء نے یہ جواب اس شخص کے لئے مرتب کیا جو اللہ عزوجل کی پناہ کا طالب ہے۔۱۲م

یونہی ۱۲ تا ۱۵ کتاب البیوع میں ان کے چار "فتوے نقل فرمائے ہر ایک کی ابتداء انھیں لفظوں سے کی:

قال القاضی الامام ملك الملوك[3]۔	قاضی، امام، ملک الملوک نے کہا۔(ت)

"غرض کتاب مستطاب ان کے فتاوئے صواب اور ان کے ان گرامی الفاظ سے مشحون ہے۔

علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب درمختار رحمہما اللہ تعالٰی نے فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارہ میں نوازل سے نقل فرمایا:

قال سئل ملك الملوك ابو العلاء فيمن اُجر دار موقوفة مائة سنة[4] الخ۔	شاہوں کے شاہ ابوالعلاء سے اس شخص کے بارے میں استفتاء کیا گیا جس نے ایک قف کی ہوئی زمین کو سال بھر کے لئے اجرت میں دیا تو کیا حکم ہے۔۱۲م

"اسی کی کتاب القضا باب خلل المحاضرہ والسجلات میں درباره ساعی فرمایا:

فحول المتاخرين افتوا بجواز قتله حتى قال ملك الملوك الناصحی رحمه الله تعالٰی[5]۔	متاخرین میں معتمد و مستند علماء نے فتوٰی دیا ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرنا جائز ہے حتی کہ شاہوں کے شاہ ناصحی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے ۱۲م۔

---

[1] جواہر الفتاوٰی کتاب الوقف، قلمی ص ۳۰۹ ورق ۱۵۵

[2] جواہر الفتاوٰی کتاب الوقف ص ۳۱۰ ورق ۱۵۵

[3] جواہر الفتاوٰی کتاب البیوع الباب السادس قلمی نسخہ ص ۲۵۹ ورق ۱۳۰

[4] فتاوٰی خیریہ کتاب الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۲ /۱۲۱

[5] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲ /۲۰

۱۸پھر ان کا منظوم فتوی نقل فرمایا:

القتل مشروع علیه واجب زجرا له والقتل فیه مقنع شاهاں شه ملك الملوك ابو العلاء نظم الجواب لکل من هو یبرع [1]۔	ایسے شخص کو قتل کرنا مشروع بلکہ اس کے زجر وتوبیخ کے لئے واجب ہے اور اس میں قتل عین عدل ہے۔شاہوں کے شاہ ملک الملوک ابوالعلاء نے ہر فضیلت وعلم رکھنے والوں کے لئے اس جواب کو مرتب کیا ۱۲م

۱۹حضرت عمدۃ العلماء والاتقیاء زبدۃ العرفاء والاولیاء مولوی معنوی سیدی محمد جلال الملۃ والدین رومی بلخی قدس سرہ الشریف مثنوی شریف میں ایک بادشاہ کی حکایت میں فرماتے ہیں:

گفت شاہنشاہ جزائش کم کنید در بجنگد نامش از خط برزنید [2]	بادشاہ نے کہا اس کی اجرت کم کردی جائے اور اگر وہ آمادہ جنگ ہو تو روزنامچہ سے اس کا نام نکال دو۔۱۲م

۲۰نیز ابتدائے مثنوی مبارک میں فرماتے ہیں:

تا سمر قند آمدند آن دو امیر پیش آں زرگر زشاہنشہ بشیر [3]	بادشاہ کے دونوں امیر (ایلچی) شہر سمرقند آئے اور اس مرد زرگر کو بادشاہ کی جانب سے خوشخبری دی ۱۲م

۲۱وہی فرماتے ہیں:

پیش شاہنشاہ بروش خوش نباز تا بسو زد بر سر شمع طراز [4]	اس خوش نصیب مرد زرگر کو بادشاہ کے پاس لے آئے تاکہ اس شمع طراز معشوقہ پر اسے قربان کردے۔۱۲م

۲۲اسی میں فرمایا:

ہم ز انواع اوانی بے عدد کانچناں در بزم شاہنشاہ سزد [5]	اور بہت سے مختلف قسم کے برتن بھی (بنا) جو بادشاہوں کی بزم مسرت کی زیب وزینت نہیں ۱۲م

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب ادب القاضی باب خلل المحاضر والسجلات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۰

[2] مثنوی معنوی در بیان آنکہ ترك الجواب جواب مقرر ایں سخن الخ نورانی کتب خانہ پشاور دفتر چہارم ص ۳۸

[3] مثنوی معنوی فرستادن بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص ۹

[4] مثنوی معنوی فرستادن بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص ۹

[5] مثنوی معنوی فرستان بادشاہ رسولاں سمرقند در طلب زرگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص ۹

۲۳حضرت عارف باللہ داعی الی اللہ سیدی مصلح الدین سعد شیرازی قدس سرہ، فرماتے ہیں:

جمال الانام مفخر الاسلام سعد ابن الاتابك الاعظم شاهنشاه المعظّم مالك رقاب الامم مولٰی ملوك العرب و العجم [1]۔	مخلوق کے جمال، اسلام کے لئے قابل فخر، سعد ابن اتابک اعظم، قابل عظمت شہنشاہ لوگوں کی گردنوں کے مالک عرب وعجم کے بادشاہوں کے مولٰی وآقا ۱۲م۔

۲۴نیز فرماتے ہیں: ؎

بارعیت صلح کن وزجنگ خصم ایمن نشین زانکہ شاہنشاہِ عادل رارعیت لشکراست [2]	رعایا کے ساتھ خیر خواہی سے پیش آ، اور پھر دشمن کی جانب لڑائی سے بے خوف رہ، کیونکہ عادل بادشاہ کے لئے رعایہ ہی لشکر ہے۔ ۱۲م۔

۲۵نیز فرماتے ہیں: ؎

شہنشہ برآشفت کاینک وزیر تعلل میندیش وحجت مگیر [3]	بادشاہ نے غصے سے کہا اے وزیر! بہانہ مت بنا اور حجت مت لا ۱۲م

۲۶نیز فرماتے ہیں: ؎

سرپُر غرور از تحمل تہی حرامش بود تاج شاہنشہی [4]	جو سر صبر و تحمل سے خالی اور کبرہ ونخوت سے پر ہو وہ بادشاہی کے تاج سے محروم ہوتا ہے۔ ۱۲م

۲۷نیز فرماتے ہیں: ؎

دواں آمدش گلہ بانے زپیش شہنشہ برآورد تغلق زکیش [5]	بادشاہ کے پاس سامنے سے ایک چرواہا دوڑتا آیا بادشاہ نے (اسی وقت) تیر ترکش سے نکال لیا ۱۲م

---

[1] گلستان سعدی دیباچہ کتاب دانش سعدی تہران ایران ص ۱۲

[2] گلستان سعدی باب اول تہران ایران ص ۳۰

[3] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۳۴

[4] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۳۸

[5] بوستان باب اول ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور ص ۴۲

۲۸ محبوب محبوب الٰہی حضرت عارف باللہ سیدی خسرو قدس سرہ، اواخر قران السعدین صفت تخت شاہی میں فرماتے ہیں: ؎

کیست جز از وے کہ نہد پائے راست پیش شکوہ کہ شہنشاہ راست[1] ۔	اس کے سوا کون ہے جو بادشاہ کی شان و شوکت کے سامنے سیدھا پاؤں رکھے ۱۲م

۲۹ عارف باللہ اما العلماء حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی تحفۃ الاحرار میں فرماتے ہیں:

زد بجہاں نوبت شاہنشہی کوکبہ فخر عبید اللّٰہی[2]	حضرت عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ستارہ افتخار نے دنیا میں اپنی شہنشاہی کا نقارہ بجادیا ۱۲

۳۰ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

خان بن خان شہنشاہ شہنشاہ نژاد آنکہ مے زیبد اگر جان جہانش خوانی[3]	خان بن خان خاندانی شاہوں کے شاہ جسے جان جہاں کا خطاب زیب دیتا ہے۔ ۱۲م۔

۳۱ نیز فرماتے ہیں: ؎

ہم نسل شہنشہ زمان است ہم نقد خلیفہ زمین است[4] ۔	زمانہ کے بادشاہوں کا ہم رتبہ، خلیفہ زمین کا ہم جنس ہے۔ ۱۲م

۳۲ حضرت مولانا نظامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں: ؎

گزارندہ شرح شاہنشہی چنیں داد پرسندہ را آگہی[5]	احکام شاہی کی تفصیل سنانے والے نے سائل کو یوں آگاہ کیا۔ ۱۲م

۳۳ مخدوم قاضی شیخ شہاب الدین تفسیر بحر مواج میں فرماتے ہیں:

"سلطان السلاطین خداوند باعزو تمکین بادشاہ سلیمان فراخ"[6]

1

2 تحفۃ الاحرار

3 دیوان حافظ ردیف الیاء حامد اینڈ کمپنی لاہور ص ۳۸۳

4 دیوان حافظ ترکیب بند حامد اینڈ کمپنی لاہور ص ۴۶۹

5

6 تفسیر بحر مواج

غرض کلمات اکابر میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے، ہمیں کیا لائق ہے کہ ان تمام ائمہ ورفقہاء وعلماء وعرفاء رحمہم اللہ تعالٰی قدست اسرارھم پر طعن کریں وہ ہم سے ہر طرح اعرف واعلم تھے، لہٰذا واجب کہ بتوفیق الٰہی نظر فقہی سے کام لیں، اور اس لفظ کے منع وجواز میں تحقیق مناط کریں کہ مسئلہ قطعاً معقول المعنی ہے نہ کہ محض تعبدی

فاقول: وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) ظاہر ہے کہ اصل منشائے منع اس لفظ کا ستغراق حقیقی پر حمل ہے یعنی موصوف کا استثناء تو عقلی ہے کہ خود اپنے نفس پر بادشاہ ہونا معقول نہیں۔ اس کے سوا جمیع ملوک پر سلطنت اور یہ معنٰی قطعاً مختص بحضرت عزت عزجلالہ ہیں، اور اس معنی کے ارادے سے اگر غیر پر اطلاق ہو تو صراحۃ کفر ہے کہ اس کے استغراق حقیقی میں رب عزوجل بھی داخل ہوگا یعنی معاذاللہ موصوف کو اس پر بھی سلطنت ہے یہ ہر کفر سے بدتر کفر ہے۔ مگر حاشاہرگز کوئی مسلمان اس کا ارادہ کرسکتاہے نہ زنہار کلام مسلم میں یہ لفظ سن کر کسی کا اس طرف ذہن جاسکتاہے، بلکہ قطعاً قطعاً عہد یا استغراق عرفی ہی مراد اور وہی مفہوم ومستفاد ہوتا ہے کہ قائل کا اسلام ہی اس ارادہ پر قرینہ قاطعہ ہے۔ جیسا کہ علماء نے موحد کے اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقَلَ (موسم ربیع نے سبزہ اگایا) کہنے میں تصریح فرمائی، نیز فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل حلف لایدخل ھذہ الدار الا ان یحکم علیہ الدھر فدخل ھل یحنث (اجاب) لا، وھذا مجاز لصدورہ عن الموحد والحکم القضاء واذا ادخلھا فقد حکم ای قضی علیہ رب الدھر بدخولھا وھو مستثنٰی من یمینہ، فلاحنث[1]۔	ایک ایسے شخص کے بارے میں استفتاء کیا گیا جس نے یہ قسم کھائی تھی کہ اس گھر میں داخل نہ ہوں گا، جب تک کہ اس پر زمانہ کا حکم نہ ہو، پھر وہ اس گھر میں داخل ہوا تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائیگی، جواب نفی میں ملا، چونکہ موحد سے یہ جملہ صادر ہوا اس لئے مجاز قرار پائے گا اور حکم بمعنی قضاء ہے وار جب وہ شخص داخل ہوا تو اس کا دخول رب الدہر کے حکم اور قضاء سے ہوا ہے اور یہ اس قسم سے مستثنٰی ہے لہٰذا حانث نہ ہوگا الخ۔

اب رہا یہ کہ استغراق حقیقی اگرچہ نہ مراد نہ مفہوم مگر مجرد احتمال ہی موجب منع ہے۔ یہ قطعاً

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الایمان دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۷

باطل ہے۔یوں توہزاروں الفاظ کہ تمام عالم میں دائر وسائر ہیں منع ہوجائیں گے، پہلے خود اسی لفظ "شہنشاہ" کی وضع وترکیب لیجئے، مثلاً قاضی القضاۃ امام الائمہ شیخ الشیوخ، شیخ المشائخ، عالم العلماء، صدر الصدور، امیر الامراء، خان خاناں بگاء بگ وغیرہما کہ علماء ومشائخ وعامہ سب میں رائج ہیں، شیخ المشائخ، سلطان الاولیاء، محبوب الٰہی اور شیخ الشیوخ حضرت سید ناشہاب الحق والدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا لقب ہے۔جواھر الفتاوٰی کتاب اصول الدین وکتاب اصول فقہ وکتاب الایمان وکتاب الغصب وکتاب الدعوٰی وکتاب الکراھت وغیرہا سب کے باب سادس میں امام علاء الدین سمرقندی کو عالم العلماء فرمایا۔

امام اجل عبدالرحمٰن اوزاعی امام اہل الشام کہ امام اعظم ابوحنیفہ وامام مالک کے زمانے میں تھے اور تبع تابعین کے اعلٰی طبقے میں ہیں، امام مالک کو عالم العلماء فرمایا کرتے۔زرقانی علی الموطا میں ہے:

اما مالك فهو الامام المشهور صدر الصدور أكمل العقلاء واعقل الفضلاء كان الاوزاعی اذا ذكر مالكا قال قال عالم العلماء وعالم اهل المدينة ومفتی الحرمين[1]۔	امام مالک تو مشہور امام ہیں، رئیسوں میں رئیس، عقلاء میں کامل تر، فضلا میں سب سے فہیم، امام اوزاعی جب امام مالک کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ عالم العلماء مدینہ والوں کے عالم اور حرمین طیبین کے مفتی نے فرمایا ہے۔۱۲م

امام الائمہ امام محمد بن خزیمہ حافظ الحدیث کا لقب ہے۔قاضی القضاۃ اسلامی سلطنتوں کا معرف عہدہ ہے۔عامہ کتب فقہ میں اس کا اطلاق موجود، اور ائمہ کی زبانوں پر شائع، درمختار کتاب القضاء میں ہے:

لايستخلف قاض نائبا الا اذا فوض اليه كجعلتك قاضی القضاة وهو الذی يتصرف فيهم مطلقا تقليد اولا[2]۔	کوئی بھی قاضی اپنا نائب اس وقت مقرر کرسکتا ہے جب اس کو نائب بنانے کے اختیارات سپرد کردئے گئے ہوں مثلاً یہ کہے میں نے تمھیں قاضی القضاۃ بنایا۔قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) وہ ہے جسے علی الاطلاق تصرف کا حق حاصل ہوچاہے تقلید ہو یا نہ ہو ۱۲م۔

---

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك مقدمة الكتاب دار المعرفة بیروت ۱/۲و۳

[2] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۸

بحر الرائق و ردالمحتار کتاب الوقف میں ہے:

قولهم فی الاستدانة بامر القاضی المراد به قاضی القضاة وفی کل موضع ذکر والقاضی فی امور الاوقاف [1]۔	استدانت بامر القاضی میں ان کی مراد قاضی سے " قاضی القضاۃ" ہے اور امور اوقاف میں جہاں بھی " قاضی "کا لفظ آیا ہے اس سے یہی (قاض القضاۃ) مراد ہے۔ ۱۲م۔

امیر الامراء، خان خاناں، بگاء بگ عربی فارسی ترکی تین مختلف زبانوں کے الفاظ ہیں اور معنٰی ایک، یعنی سرور سرواں، سردار اسرداراں، سید الاسیاد، اور اگر امیر امر بمعنی حکم سے لیجئے تو امیر الامراء بمعنی حاکم الحاکمین، شک نہیں کہ ان الفاظ کو عموم و استغراق حقیقی پر رکھیں تو قاضی القضاۃ وحاکم الحاکمین وعالم العلماء وسید الاسیاد حضرت رب العزت عزوجل ہی کے لئے خاص ہیں اور دوسرے پر ان کا اطلاق صریح کفر، بلکہ بنظر حقیقت اصلیہ صرف قاضی وحاکم وسید وعالم بھی اسی کے ساتھ خاص،

قال اللہ تعالٰی: " وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۠ ﴿۲۰﴾ " [2]۔	اور اللہ سچا فیصلہ فرماتا ہے اور اس کے سوا جن کو پوچتے ہیں وہ کچھ فیصلہ نہیں کرتے، بیشک اللہ ہی سنتا دیکھتا ہے۔

وقال اللہ تبارک وتعالٰی:

" لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۠ ﴿۸۸﴾ " [3]۔	اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف پھرے جاؤ گے۔

وقال اللہ تعالٰی:

" اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ " [4]۔	حکم نہیں مگر اللہ کا۔

وقال اللہ تعالٰی:

" وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۲﴾ " [5]۔	وہی علم وحکمت والا ہے۔

وقال اللہ تعالٰی:

" یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ	جس دن اللہ جمع فرمائے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۲۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[5] القرآن الکریم ۶۶/ ۲

"مَاذَآ اُجِبۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَا ؕ "[1]	تمھیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

وفد بنی عامر نے حاضر ہو کر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: اَنْتَ سَیِّدُنَا حضور ہمارے سید ہیں۔ فرمایا: اَلسَّیِّدُ اللہُ سید تو خدا تعالیٰ ہی ہے۔

رواہ احمد ابوداؤد[2] عن عبداللہ بن الشخیر العامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	اسے روایت کیا ہے احمد اور ابوداؤد نے عبداللہ بن شخیر عامری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے (ت)

یوں ہی نہ ملک الملوک بلکہ صرف مالک ہی، قال اللہ تعالیٰ:

"لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۫ "[3]	اسی کے لئے ملک اور اسی کے لئے تعریف۔

وقال اللہ تعالیٰ:

"لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ "[4]	آج کس کی بادشاہی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسی حدیث مَلِكُ الْمُلُوْك کی تعلیل میں فرمایا: لَا مَلِكَ اِلَّا اللہُ بادشاہ کوئی نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ رواہ مسلم[5] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اسے روایت کیا ہے مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔ ت) اور امام الائمہ، شیخ الشیوخ شیخ المشائخ اپنے استغراق حقیقی پر یقیناً حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ خاص، اور دوسرے پر اطلاق قطعاً کفر کہ اس کے عموم میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی داخل ہوں گے، اور معنی یہ ٹھہریں گے کہ فلاں شخص معاذاللہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی شیخ وامام ہے۔ اور یہ صراحۃً کفر ہے۔ مگر حاشا ان تمام الفاظ میں نہ ہرگز یہ معنی قائلین کی مراد نہ ان کے اطلاق سے مفہوم ومفاد اور اس پر

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی کراھیۃ التماح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۶، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۴

[3] القرآن الکریم ۶۴/ ۱

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

[5] صحیح مسلم کتاب الادب باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

دلیل ظاہر و باہر یہ ہے کہ متکبر مغرور جبار سلاطین کہ اپنے آپ کو مابدولت واقبال اور اپنے بڑے عہدہ داروں، امراء وزراء کو بندہ حضور وفدوی خاص لکھتے ہیں جن کے تکبر کی یہ حالت کہ اللہ ورسول کی توہین پر شاید چشم پوشی بھی کرجائیں، مگر ہر گز اپنی ادنٰی سی توہین پر در گزر نہ کریں گے، یہی جبار انہیں امراء کو قاضی القضاۃ امیر الامراء وخان خاناں وبگاء بگ خطاب دیتے اور خود لکھتے، اور اوروں سے لکھواتے، اور لوگوں کو کہتے، لکھتے دیکھتے، سنتے اور پسند ومقرر رکھتے ہیں بلکہ جو انکے اس خطاب پر اعتراض کرے عتاب پائے اگر ان میں استغراق حقیقی کا ادنٰی ابہام بھی ہوتا جس سے متوہم ہوتا کہ یہ امراء خود ان سلاطین پر بھی حاکم وافسر وبالاو برتر وسردار وسرور ہیں، تو کیا امکان تھا کہ اسے ایک آن کے لئے بھی روا رکھتے، تو ثابت ہوا کہ عرف عام میں امثال الفاظ میں استغراق حقیقی ارادۃ وافادۃ ہر طرح قطعاً یقینا متروک ومہجور ہے۔ جس کی طرف اصلا خیال بھی نہیں جاتا، بعینہٖ بداہۃً یہی حال شاہنشاہ کا ہے۔ کیا پکے مجنون کے سوا کوئی گمان ہو سکتا ہے کہ امام اجل ابوالعلاء علاء الدین ناصحی امام اجل ابوبکر رکن الدین کرمانی، علامہ اجل خیر الملۃ والدین رملی، عارف باللہ شیخ مصلح الدین _____ عارف باللہ حضرت امیر، عارف باللہ حضرت حافظ، عارف باللہ حضرت مولوی معنوی، عارف باللہ حضرت مولانا نظامی، عارف باللہ حضرت مولانا جامی، فاضل جلیل مخدوم شہاب الدین وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم وقدست اسرارھم کے کلام میں یہ ناپاک معنی مراد ہونا درکنار، اسے سن کر کسی مسلمان کا وہم بھی اس طرف جاسکتا ہے تو بے ارادہ وبے افادہ اگر مجرد احتمال منع کے لئے کافی ہوتا وہ تمام الفاظ بھی حرام ہوتے حالانکہ خواص وعام سب میں شائع وذائع ہیں خصوصا قاضی القضاۃ کہ انہیں فقہائے کرام کا لفظ اور قدیما وحدیثا کے ان کے عامہ کتب میں موجود ہے۔ اس میں اور شہنشاہ میں کیا فرق ہے۔ لاجرم امام قاضی عیاض مالکی المذہب نے فرمایا:

ومنھم قولھم شاہ ملوك وكذا مایقولون قاضی القضاۃ[1] اھ نقلہ فی المرقاۃ۔	ان میں بادشاہوں کا بادشاہ اور یوں وہ قاضی القضاۃ کا قول کہتے ہیں اھ مرقات میں اس کو نقل کیا۔ (ت)

اسی کی مانند امام حجر شافعی المذہب نے زواجر میں اپنے یہاں کے بعض ائمہ سے نقل کیا۔

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب اسامی الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۷، اکمال المعلم بفوائد مسلم باب تحریم التسمی بملك الاملاك دار الوفاء بیروت ۷ /۱۹، ۲۰

مگر جانتے ہو کہ یہ قاضی القضاۃ عــــہ کس کا لقب ہے اور کب سے رائج ہے۔ سب میں پہلے یہ لقب ہمارے امام

عــــہ: امام ماوردی کا لقب "اقضی القضاۃ" تھا:

کمافی ارشاد الساری [1] وظنی انہ اول من تسمی بہ و زعم الامام البدر ان ھذا ابلغ من قاضی القضاۃ لانہ افعل التفصیل قال ومن جھلاء ھذا الزمان من مسطری سجلات القضاۃ یکتبون للنائب اقضی القضاۃ وللقاضی الکبیر قاضی القضاۃ [2] اھ واقرہ الامام القسطلانی اقول و عندی ان الامر بالعکس فان اقضی القضاۃ من لہ مزیۃ فی القضاء علی سائر القضاۃ و لایلزم ان یکون حاکما علیھم ومتصرفا فیھم بخلاف قاضی القضاۃ کما نقلناعن الدرالمختار و نظیرہ املك الملوك یصدق اذا کان اکثر ملکا عنھم بخلاف ملك الملوك فھو الذی نسبۃ الملوك الیہ کنسبۃ الرعایا الی الملوك کمالایخفی فھذا ھو الابلغ وبہ یندفع اعتراض الامام الماوردی وﷲ الحمد منہ عفی عنہ۔

جیسا کہ ارشاد الساری میں ہے: اور گمان یہ ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کا یہ نام رکھا گیا اور امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالٰی کا گمان ہے کہ اقضی القضاۃ زیادہ ابلغ ہے قاضی القضاۃ کی نسبت کیونکہ اس میں افعل تفصیل ہے اور انھوں نے فرمایا ہمارے زمانے کے جاہل قاضیوں کے دفتری لوگ مثلا نائب قاضی، کو اقضی القضاۃ لکھتے ہیں اور قاضی کبیر کو قاضی القضاۃ لکھتے ہیں اھ، اس کلام کو امام قسطلانی نے ثابت رکھا ہے میں کہتا ہوں حالانکہ میرے نزدیک معاملہ بالعکس ہے کیونکہ اقضی القضاۃ وہ ہے جس کے فیصلے دوسرے قاضیوں کی نسبت زیادہ ہوں اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ قاضیوں کا حاکم ہو اور ان کے متعلق اختیار رکھتا ہو اس کے برخلاف قاضی القضاۃ ہے جیسا کہ ہم نے درمختار سے نقل کیا ہے اس کی نظیر املک الملوک کا مصداق کثیر مملکت والا دوسروں کے مقابلہ میں۔ بخلاف ملک الملوک اس کو کہتے ہیں جو بادشاہوں کا سردار ہو جس طرح کہ بادشاہ کے لئے رعایا ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں لہٰذا یہ ابلغ ہے اس سے امام ماوردی کا اعتراض ختم ہوگیا، اللہ تعالٰی کے لیے ہی تمام حمدیں ہیں۔ (ت)

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الادب دارالکتب العربی بیروت ۹/ ۱۱۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض لاسماء الی اللہ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

مذہب سیدنا امام ابویوسف تلمیذ اکبر سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کا ہوا اور اس زمانہ خیر کے ائمہ کرام تبع تابعین و اتباع اعلام نے اسے مقبول و مقرر رکھا، اور جب سے آج تمام علمائے حنفیہ اور بہت دیگر علمائے مذاہب ثلاثہ میں رائج وجاری و ساری ہے۔ امام اجل علامہ بدرالملۃ والدین محمود عینی حنفی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری شریف میں فرماتے ہیں:

اول من تسمّٰی قاضی القضاۃ ابویوسف من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما وفی زمنہ کان اساطین الفقہاء و العلماء والمحدثین فلم ینقل عن احد منھم عنکار عن ذٰلک[1]۔	یعنی سب میں پہلے جس کا لقب قاضی القضاۃ ہوا امام اعظم کے شاگرد امام ابویوسف ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما، اس جناب نے یہ لقب قبول فرمایا اور ان کے زمانہ میں فقہاء وعلماء ومحدثین کے اکابر وعمائد تھے، ان میں کسی سے اس کا انکار منقول نہ ہوا۔

اب ثابت ہوا کہ وہ طعن نہ فقط انھیں ائمہ وفقہاء واولیاء پر ہوگا جن سے لفظ "شہنشاہ" کی سندیں گزریں، بلکہ ائمہ تبع تابعین اور ان کے اتباع اور امام مذہب حنفی ابویوسف اور اس وقت سے آج تک کے تمام علماء حنفیہ اور بکثرت علمائے بقیہ مذاہب سب پر طعن لازم آئے گا اور اس پر جرأت ظلم شدید وجہل مدید ہوگی، لاجرم بات وہی ہے کہ لفظ جب ارادۃ وافادۃ ہر طرح سے شناعت سے پاک ہے تو صرف احتمال باطل سے ممنوع نہ کردے گا ورنہ سب سے بڑھ کر نماز میں تَعَالٰی جَدُّكَ حرام ہو، کہ دوسرے معنی کس قدر شنیع وفظیع رکھتا ہے۔ ہاں صدر اسلام میں کہ شرک کی گھٹائیں عالمگیر چھائی ہوئی تھیں، فقیر وقطمیر کے ساتھ نہایت تدقیق فرمائی جاتی کہ توحید بروجہ اتم اذہان میں متمکن ہو، ولہٰذا نہ فقط شہنشاہ بلکہ اَنْتَ سَیِّدُنَا کے جواب میں ارشاد ہوا اَلسَّیِّدُ اللہ سید اللہ ہی ہے۔ ابوالحکم کنیت رکھنے پر فرمایا:

ان اللہ ھو الحکم والیہ الحکم فلم تکنی اباالحکم رواہ ابوداؤد[2] والنسائی عن ابی شُرَیح	بے شک اللہ ہی حکم ہے اور حکم کا اعتبار اسی کو ہے تو تیری کنیت ابوالحکم کیوں ہے (اس کو

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الی اللہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغیر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۱، سنن النسائی ادب القضاۃ باب اذا حکموا رجلا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۴

رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	روایت کیا ہے ابوداؤد اور نسائی نے ابی شریح رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

غلاموں کو ارشاد ہوا تھا:

لَایَقُوْلُ الْعَبْدُ لِسَیِّدِہٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللّٰہُ [1]۔ رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	غلام اپنے آقا کو مولٰی نہ کہے کیونکہ تمہارا مولٰی تو اللہ تعالٰی ہی ہے (اسے روایت کیا مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔(ت)

ایک حدیث شریف میں آیا:

لَاتُسَمُّوْا اَبْنَائَکُمْ حَکِیْمًا وَّلَا اَبَاالْحَکَمِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَالْحَکِیْمُ الْعَلِیْمُ۔ رواہ عطاء عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم ذکرہ الامام البدر [2] محمود فی عمدۃ القاری۔	اپنے بیٹوں کا نام حکیم یا ابوالحکم نہ رکھو کہ اللہ تعالٰی ہی حکیم وعلیم ہے۔اس کو عطا نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے (اسے امام بدر محمود نے عمدۃ القاری میں روایت کیا ہے۔ت)

۵،۶ ایک حدیث شریف میں آیا:

اَبْغَضُ الْاَسْمَاءِ اِلَی اللّٰہِ خَالِدٌ وَّمَالِكٌ وَذٰلِكَ اِنَّ اَحَدًا لَیْسَ یَخْلُدُ وَالْمَالِكُ ھُوَاللّٰہُ۔ ذکرہ الامام البدر [3] عن الداودی۔	اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ نام خالد اور مالک ہے اس لئے کہ کوئی ہمیشہ نہ رہے گا اور مالک اللہ تعالٰی ہی ہے (اسی کو امام بدر نے داؤدی سے ذکر کیا ہے۔)

یوں ہی عزیز وحکم ناموں کو تبدیل فرمادیا۔ سنن ابی داؤد میں ہے:

غَیَّرَ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم اِسْمَ عَزِیْزٍ وَّ الْحَکَمِ۔ قال ترکت اسانیدھا اختصارًا [4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسم عزیز وحکم کو تبدیل فرمادیا، فرمایا اس کی سانید کو بوجہ اختصار ترک کردیا۔(ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الالفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الادب باب البغض الاسماء ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

[3] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری الادب باب البغض الاسماء ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۲۱۵

[4] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تغیر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۱

حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتسمه عزیزا۔ رواہ احمد[1] والطبرانی فی الکبیر عن عبد الرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اس کا نام عزیز نہ رکھ۔(اس کو روایت کیا ہے احمد اور طبرانی نے کبیر میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔(ت)

نیز حدیث شریف میں ہے:

نھی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اَنْ یُّسَمَّی الرَّجُلُ حَرْبًا وَّوَلِیْدًا اَوْ مُرَّۃً اَوْ اَبَا الْحَکَمِ۔ رواہ[2] الطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ حرب یا ولید یا مرۃ یا حکم نام رکھا جائے۔(اس کو طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حالانکہ یہ الفاظ اوصاف غیر خدا کے لئے خود قرآن عظیم واحادیث، اقوال علماء میں بکثرت وارد، قال اللہ تعالٰی:

"سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۳۹﴾"[3]	سردار اور ہمیشہ کے لئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَّاَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ"[4]	اور دونوں کو عورتوں کا میاں (سید) دروازے کے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَکَمًا مِّنْ اَهْلِهَا"[5]	تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورتوں والوں کی طرف سے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبدالرحمن المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۱۷۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۹۹۹۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۰ /۸۹

[3] القرآن الکریم ۳ /۳۹

[4] القرآن الکریم ۱۲ /۲۵

[5] القرآن الکریم ۴ /۳۵

وقال اللہ تعالٰی:

"وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ" [1]	اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا" [2]	اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔

وقال اللہ تبارك وتعالٰی:

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ" [3]	تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے۔

وقال اللہ تعالٰی عن عبدہٖ زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام:

"وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ" [4]	اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے۔

وقال اللہ تعالٰی:

"هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ" [5]	انھیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

وقال اللہ تعالٰی:

"فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ" [6]	یہ تو ان کے مالک ہیں۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ" [7]	اور وہ پکاریں گے اے مالک!

وقال اللہ تعالٰی:

"وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ" [8]	اور ہم نے اسے حکمت دی۔

وقال اللہ تعالٰی:

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا" [9]	اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۲
[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۲
[3] القرآن الکریم ۶۶/ ۴
[4] القرآن الکریم ۱۹/ ۵
[5] القرآن الکریم ۲/ ۸۱و۸۲
[6] القرآن الکریم ۳۶/ ۷۱
[7] القرآن الکریم ۴۳/ ۷۷
[8] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۰
[9] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۹

وقال اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠(۸)"[1]	عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لئے ہے مگر منافقوں کو خبر نہیں۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا سید وُلدِ اٰدم۔ رواہ مسلم[2] وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں تمام اولاد آدم کا سید (سردارہ) ہوں۔ (اسے روایت کیا ہے مسلم اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اِنَّ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّد رواہ البخاری[3] عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک یہ میرا بیٹا سید ہے (یعنی حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو روایت کیا ہے امام بخاری نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہ۔ رواہ الترمذی[4] وحسنہ وابن ماجۃ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ اور اس کا رسول ہر بے مولی کے مولٰی ہے۔ (اس کو روایت کیا ہے ترمذی نے اور اسے حسن کہا اور ابن ماجہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْھِمْ بِحُکْمِ اللہ،	بے شک تم نے ان یہود کے بارے میں وہ حکم

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۵، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی التخیر بن الانبیاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۶

[3] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۰

[4] جامع الترمذی ابواب الفرائض باب ماجاء فی میراث الخال امین کمپنی کراچی ۲/ ۳۱، سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۰۱

رواہ مسلم [1] عن عائشہ وعن ابی سعید ن الخدری و النسائی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	دیا جو خدائے تعالٰی کا حکم تھا(اس کو مسلم نے عائشہ اور ابی سعید خدری سے اور نساء نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔ت)

اسی حدیث شریف میں ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے حکم کے لئے فرمایا۔انھوں نے عرض کی:

اللہ ورسولہ احق بالحکم رواہ الحافظ [2] محمد بن عائذ فی المغازی بسندہٖ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حکم دینا تو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کا حق ہے(اس روایت کیا ہے حافظ محمد بن عائذ نے مغازی میں اپنی مسند کے ساتھ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیما یروی الطبرانی فی اوسط۔

حَکِیْمُ اُمَّتِیْ عَوَیْمَر۔ [3]	میری امت کے حکیم عویمر(ابودرداء) ہیں۔

انصار کرام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

یا رسول اللہ اَنْتَ وَاللہ اَلْاَعَزُّ العزیز [4]۔رواہ ابوبکر ابن ابی شیبۃ استاد البخاری ومسلم عن عروۃ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	یارسول اللہ!خدا تعالٰی کی قسم حضور ہی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔(اسے روایت کیا ہے ابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری ومسلم نے عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

صرف حضور ہی کے لئے عزت ہے عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن عبداللہ ابن ابی منافق نے اپنے باپ سے فرمایا:

انك الذلیل ورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	بے شک تو ہی ذلیل ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز قتال من نقض العہد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵

[2] المواہب اللدنیہ غزوہ بنی قریظہ حکم سعد بن معاذ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۶۷

[3] کنز العمال بحوالہ طس حدیث ۳۳۵۰۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۷۱۸

[4] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت آیۃ وللہ العزۃ ولرسولہ الخ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۶/ ۲۲۶

علیہ وسلم العزیز، رواہ الترمذی [1] عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ونحوہ الطبرانی عن اسامۃ بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	علیہ وسلم ہی عزیز وصاحب عزت ہیں (اسے روایت کیا ہے ترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔یونہی طبرانی نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

صحابہ کرام میں بیس ۲۰ سے زائد کا نام حکم ہے۔ تقریباً دس کا نام حکیم۔اور ساٹھ سے زیادہ کا خالد،اور ایک سو دس ۱۱۰ سے زیادہ کا مالک ___ ان وقائع اوان کے امثال کثیرہ پر نظر سے ظاہر ہے کہ ایسی نہی میں شرع مطہر کا مقصود کیا تھااور اس پر قرینہ واضحہ یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس کی تعلیل یوں ارادہوئی کہ:

لَامَلِكَ اِلَّا اللّٰہ [2] خدا تعالٰی کے سوا کوئی بادشاہ ہی نہیں۔

ظاہر ہے کہ حصر اسی السید ھو اللہ ومولکم اللہ (سید اللہ تعالٰی ہی ہے اور تمھارا مولٰی اللہ تعالٰی ہے۔ت) کے قبیل سے ہے۔ ورنہ خود قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی " [3]	اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا۔

اور فرمایا:

"وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ" [4]	اور بادشاہ بولا کہ انھیں میرے پاس لے آؤ۔

اور فرمایا:

"اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْیَةً" [5]	بیشک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں۔

امام بخاری نے بھی اپنی صحیح میں اس معنٰی کی طرف اشارہ کیا۔حدیث انما الکرم قلب المؤمن (مومن کا دل کرم کاخزانہ ہے) کے نیچے فرماتے ہیں:

وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما المفلس الذی یفلس یوم القیمہ	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: صحیح معنٰی میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المنافقون امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۵

[2] صحیح مسلم کتاب الادب باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۳

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۰

[5] القرآن الکریم ۲۷/ ۳۴

كقوله انما الصرعة الذی يملك نفسه عند الغضب كقوله لاملك الا الله فوصفه بانتهاء الملك ثم ذكر الملوك ايضًا قال ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها[1] اھ	حالت افلاس میں ہو جس طرح آپ کا یہ ارشاد گرامی کہ حلیم وبردبار وہ شخص ہے جو غیظ وغضب میں اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھے، اور اسی کے ہم مثل آپ کا یہ ارشاد بھی ہے۔ "بادشاہت تو صرف اللہ کے لئے ہے: یہاں ذات باری تک بادشاہت کی انتہاء مانی گئی حالانکہ دوسروں کے لیے بھی بادشاہ ہونے کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ فرمایا: بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے اھ ۱۲م

وہابیہ وخوارج اسی نکتہ جلیلہ سے غافل ہو کر شرک وکفر میں پڑے کہ اللہ تعالٰی تو "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[2] حکم تو اللہ ہی کا ہے۔فرماتا ہے، مولٰی علی نے کیسے ابو موسٰی کو حکم فرمایا____ اللہ تعالٰی تو "اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝"[3] فرماتا ہے۔ مسلمانوں نے انبیاء واولیاء سے کیسے استعانت کی____ اللہ تعالٰی تو "قُلْ لَّا يَعْلَمُ"[4] الاية فرماتا ہے۔ اہلسنت نے کیسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اطلاع غیوب مان لی____ اور اندھوں نے نہ دیکھا کہ وہی خدا تعالٰی "فَابْعَثُوْا حَكَمًا"[5] ایک پنچ بھیجو____ اور "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪"[6] اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو____ اور "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ"[7] اور صبر اور نماز سے مدد چاہو____ اور "اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[8] سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے____ اور "يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪"[9] چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے____ اور "تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ"[10] یہ غیب کی خبریں ہم تمھاری طرف وحی کرتے ہیں____ اور "يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ"[11] بے دیکھے ایمان لائے، وغیرہا فرمارہا ہے "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ"[12] تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ ۱۲م

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الکرم قلب المؤمن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۱/ ۴

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۵

[5] القرآن الکریم ۴/ ۳۵

[6] القرآن الکریم ۵/ ۲

[7] القرآن الکریم ۲/ ۴۵

[8] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۷

[9] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[10] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۹

[11] القرآن الکریم ۲/ ۳

[12] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، اس مقصد کی شرع کی نظر واقعہ تحریم خمر پر ہے کہ ابتداء میں نقیر ومزفت جرہ وحنتم یعنی مضبوط برتنوں میں نبیذ ڈالنے سے منع فرمایا تھا کہ تساہل نہ واقع ہو، جب اسکی حرمت اور اس سے نفرت مسلمانوں کے دل میں جم گئی اور اس سے کامل تحفظ واحتیاط نے قلوب میں جگہ پائی۔ فرمایا:

ان ظرفا لایحل شیئا ولا یحرمه [1]۔	برتن کسی چیز کو حلال وحرام نہیں کرتا۔

بالجملہ ان اکابر ائمہ وعلماء واولیاء نے مقصود پر نظر فرما کر لفظ شاہنشاہ کا اطلاق فرمایا اور جن کی نظر لفظ پر گئی منع بتایا کما نقله فی التتارخانیه (جیسا کہ تتارخانیہ میں نقل کیا گیا ہے۔ت) دونوں فریق کے لئے ایک وجہ موجہ ہے "لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا" [2] (ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے وہ اس طرف پھریگا) اس کی نظیر واقعہ نماز ظہر یا عصر ہے کہ جب یہودی بنی قریظہ پر لشکر کشی فرمائی عسکر ظفر پیکر میں اس منادی کا حکم فرمایا کہ:

من کان سامعا مطیعا فلا یصلین العصر الا فی بنی قریضة۔	جو بات سنتا اور حکم مانتا ہو وہ ہر گز عصر نہ پڑھے مگر آبادی بنی قریضہ میں۔

صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم رواں ہوئے، راہ میں وقت عصر ہوا، اس پر دو فرقے ہوگئے بعض نے کہا لانصلی حتی نأتیها ہم تو جب تک اس آبادی میں نہ پہنچ جائیں نماز نہ پڑھیں گے کہ ہمیں ارشاد فرمادیا ہے کہ نماز وہیں پہنچ کر پڑھنا۔ بعض نے کہا بل نصلی لم یرد منا ذلك بلکہ ہم نماز راہ ہی میں پڑھ لیں گے، ارشاد سے مقصود جلدی تھی نہ یہ نماز قضا کردی جائے، غرض کچھ نے نماز راہ میں پڑھ لی اور جاملے، کچھ نے نہ پڑھی، یہاں تک کہ عشاء کے وقت وہاں پہنچے۔ دونوں فریق کا حال بارگاہ اقدس میں معروض ہوا، ولم یعنف واحدا منهم، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان میں سے کسی پر اعتراض نہ فرمایا۔ رواه الائمة منهم الشیخان [3] عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما (اس کو ائمہ حدیث خصوصا شیخین نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب النهی عن الانتباذ فی الحتنم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۸

[3] صحیح البخاری ابواب صلٰوۃ والخوف باب صلٰوۃ الطالب والمطلوب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

علماء فرماتے ہیں ایک فریق نے مقصود پر نظر کی اور دوسرے نے لفظ کو دیکھا۔

اقول: یعنی اور اس پر عمل خلاف مقصود نہ تھا بخلاف جمود ظاہریہ کہ مقصود سے یکسر دور پڑتا، اور احکام شرعیہ کو **معاذ اللہ** محض بے معنی ٹھہراتا ہے **کما ھو مَعْھُوْدمِن دابھم** (جیسا کہ ان کی عادت معروف ہے۔ت) لہٰذا فریقین میں کسی پر ملامت نہ فرمائی، یہی حال یہاں ہے۔

ثانیًا: اسے یوں بھی تحریر کرسکتے ہیں کہ مانعین نے ظاہر نہی پر نظر کی کہ اس میں اصل تحریم ہے اور اطلاق کرنے والوں نے دیکھا کہ لفظ ارادۃ وافادۃ ہر طرح شناعت سے پاک ہے تو نہی صرف تنزیہی ہے کہ منافی جواز واباحت نہیں، جس طرح حدیث میں ارشاد ہوا۔

لَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ [1]۔	غلام اپنے آقا کو اپنا رب نہ کہے۔

اور فرماتا ہے:

لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَسْقِ رَبَّكَ اَطْعِمْ رَبَّكَ وَضِّیْ رَبَّكَ وَلَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ رَبِّیْ [2]۔	تم میں سے کوئی نہ کہے کہ اپنے رب کو پانی پلا۔ اپنے رب کو کھانا کھلا، اپنے رب کو وضو کرا، اور نہ کوئی کسی کو اپنا رب کہے۔

اور علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ نہی صرف تنزیہی ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی شرح صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں:

النھی للادب وکراھۃ التنزیہ لا للتحریم [3]۔	ممانعت بطور ادب ہے اور کراہت تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

امام بخاری اپنی صحیح میں فرماتے ہیں:

باب کراھۃ التطاول علی الرقیق و قولہ عبدی وامتی وقال اللہ تعالٰی "الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ" وقال عبدا	یہ باب ہے اس بارے میں کہ غلام پر زیادتی مکروہ ہے اور آقا کے اس قول کے سلسلہ میں کہ میرا عبد اور میری باندی ہے۔ اور اللہ تعالٰی عزوجل کا یہ ارشاد "اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا"

[1] صحیح مسلم کتاب الفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] صحیح مسلم کتاب الفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۸

[3] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الالفاظ باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۸

مملوکا واذکرنی عند ربك ای عند سیدك [1]۔	اور فرمایا: عبد مموک اور مجھے اپنے رب یعنی اپنے آقا کے پاس یاد کرو۔ ۱۲م

امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ذکر ھذا کلہ دلیلا لجواز ان یقول عبدی وامتی وان النھی الذی ورد فی الحدیث عن قول الرجل عبدی و امتی وعن قولہ اسق ربك ونحوہ للتنزیہ لاللتحریم [2]۔	یہ تمام باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ (مملوک اور مملوکہ) کو "عبدی" اور "امتی" (میرا بندہ اور باندی) کہنا جائز ہے۔ اور احادیث کریمہ میں جو یہ وارد ہے کہ کوئی ادمی "عبدی" (میرا عبد) اور امتی (میری باندی) نہ کہے، یونہی اپنے رب کو پانی پلا" نہ کہے یا اس قسم کی دیگر ممانعت تو یہ تحریم کے لئے نہیں بلکہ تنزیہہ کے لئے ہے۔ ۱۲م

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری شریف میں فرماتے ہیں:

فان قلت قد قال تعالٰی اذکرنی عند ربك وارجع الی ربك اجیب انہ و رد لبیان الجواز والنھی للادب و التنزیۃ دون التحریم [3]۔	اگر یہ اعتراض ہو کہ اللہ تعالٰی عزوجل نے فرمایا ہے "مجھے اپنے رب کے پاس یاد کرو" اور اپنے رب کی طرف لوٹو" تو جواب یہ ہوگا کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے اور نہی تحریم کے لئے نہیں بلکہ تادیبا اور تنزیہا ہے۔ ۱۲م

ثالثاً: مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں نقل کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل زبور مقدس میں فرماتا ہے:

اَمتلَاَتِ الاَرْضُ مِنْ تَحْمِیْدِ اَحْمَدَ وَتَقْدِیْسِہٖ، وَمَلَكَ الْاَرْضَ وَرِقَابَ الاُمَمِ [4]۔	زمین بھر گئی احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمد اور اس کی پاکی کے بیان سے، احمد مالک ہوا تمام زمین اور سب امتوں کی گردنوں کا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۶

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۳/ ۱۱۰

[3] ارشاد الساری کتاب العتق باب کراھیۃ التطاول علی الرقیق الخ دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۴

[4] تحفہ اثنا عشریہ باب ششم دربحث نبوت وایمان انبیاء علیھم الصلٰوۃ والسلام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

امام احمد مسند، اور عبداللہ بن احمد زوائد مسند، اور امام طحاوی شرح معانی الآثار اور امام بغوی وابن السکن وابن ابی عاصم وابن شاہین وابن ابی خیثمہ وابو یعلی بطریق عَدیدہ حضرت اعشٰی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ وہ خدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فریادی آئے اور اپنی عرضی حضور میں گزار دی جس کی ابتداء یہ تھی:

یَامَالِكَ النَّاسِ وَدَيَّانَ الْعَرَبِ۔	اے تمام آدمیوں کے مالک اور عرب کے جزا وسزا دینے والے!

مسند احمد وشرح معانی الآثار میں مَالِكَ النَّاسِ [1] ہے اور زوائد مسند نیز ثلثہ متصلہ کی روایت سے بعض نسخ میں یَامَلِكَ النَّاسِ وَدَيَّانَ الْعَرَبِ [2] یعنی اے تمام آدمیوں کے بادشاہ اور عرب کے جزاء دہندہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی فریاد کو سن کر حاجت روائی فرمائی، پر ظاہر کہ آدمیوں اور امتوں میں سلاطین وغیر سلاطین سب داخل ہیں۔ جب حضور تمام ادمیوں کے مالک، تمام آدمیوں کے بادشاہ، تمام امتوں کی گردنوں کے مالک ہیں تو بلاشبہہ تمام بادشاہوں کے بھی مالک تمام سلاطین کے بھی بادشاہ تمام بادشاہوں کی گردنوں کے بھی مالک ہوئے، مَلِکَ النَّاسِ کا نسخہ تو عین مدعا ہے اور مَالِکَ النَّاسِ اس سے بھی اعظم واعلی ہے کہ بادشاہ لوگوں پر حاکم ہوتا ہے ان کی گردنوں کا مالک نہیں ہوتا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحکم آیت وحدیث جلل تمام بادشاہوں کی گردنوں کے بھی مالک ہیں۔ وللہ الحمد۔

زمخشری معتزلی نے کشاف سورہ ہود میں زیر قولہٖ تعالٰی وانت احکم الحاکمین اقضی القضاۃ پر اعتراض کیا۔ امام ابن المنیر سنی نے انتصاف میں اس کا رد فرمایا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا: اقضاکم علی [3] (علی رضی اللہ عنہ تم سب سے زیادہ فیصلے کرنیوالے ہیں۔ ت) اس سے جواز ثابت

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عمرو بن العاس المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۰۱، شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب الشعر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۰

[2] مسند ابو یعلی حدیث ۶۸۳۶ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۶ /۲۳۰، مجمع الزوائد بحوالہ عبداللہ بن احمد کتاب النکاح ۴ /۲۳۱ وکتاب الادب باب جواز الشعر الخ ۸ /۱۲۷

[3] فیض القدیر بحوالہ ابن المنیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفۃ بیروت ۱ /۲۲۰

ہوتا ہے یعنی جب اقضٰی کی اضافت سب کی طرف ہے۔ اور اس میں قضاۃ بھی داخل۔ تو اَقۡضَاکُمۡ سے اقضی القضاۃ بھی حاصل، ظاہر ہے کہ اقضاکُمۡ عموم میں مالك الناس و مَلِكِ النَّاس ومَالِكِ رِقَابِ الْاُمَمِ کے برابر نہیں کہ وہ بظاہر صرف مخاطبین سے خاص ہے، تو ان الفاظ کریمہ سے مالک الملوک وملک الملوک ومالک رقاب الملوک وشہنشاہ بدرجہ اولٰی ثابت پس آیت وحدیث میں ان ارشادات عالیہ کا آنا دلیل روشن ہے کہ نہی صرف اسی طور پر ہے جیسے مولٰی وسید کہنے سے منع فرمایا حالانکہ قرآن وحدیث خود ان کا اطلاق فرمارہے ہیں وللہ الحمد۔

رابعًا: اگر یہاں کوئی حدیث دربارہ نہی ثابت بھی ہو تو کلام مذکور اس کے لئے کافی ووافی ہے نظر دقت میں یہاں ایک حدیث ابن النجار ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سمع رجلا یقول شاھان شاہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اَللّٰہُ مَلِكُ الْمُلُوْكِ [1]۔	یعنی ایک شخص نے دوسرے کو پکارا: اے شاہان شاہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سن کر فرمایا: شاہان شاہ اللہ ہے۔ اس کی تو صحت بھی ثابت نہیں۔

رہی حدیث جلیل صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ صحیحین وسنن ابی داؤد وجامع الترمذی میں مروی:

اخنع الاسماء عنداللہ یوم القیمۃ رجل تسمّٰی مَلِكَ الْاَمْلَاك [2]۔	روز قیامت اللہ تعالٰی کے نزدیک سب ناموں میں زیادہ ذلیل وخوار وہ شخص ہے جس نے اپنا نام مالک الاملاک رکھا۔

یہ بداہۃً طالب تاویل ہے کہ وہ شخص خود نام نہیں، اور اس روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہ شخص سب سے برا نام ہے۔ علماء نے اس میں دو ۲ تاویلیں فرمائیں:

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۴۵۹۹۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۹۶

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الی اللہ تعالٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۶، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر اسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۲، جامع الترمذی کتاب الادب باب مایکرہ من الاسماء امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۷، صحیح مسلم کتاب الالفاظ باب تحریم بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

ایک یہ کہ مجازاً نام سے ذات مراد ہے۔ یعنی روز قیامت اللہ تعالٰی کے نزدیک سب آدمیوں سے بدتر وہ شخص ہے جس نے اپنا یہ نام رکھے۔

دوسری یہ کہ خبر میں حذف مضاف ہے یعنی اللہ تعالٰی کے نزدیک روز قیامت سب ناموں سے بدتر یہ نام ہے۔

مصابیح واشعۃ اللمعات وسراج المنیر شرح جامع صغیر میں تاویل ثانی ذکر کی، امام قرطبی نے مفہم، اور امام نووی نے منہاج اور علامہ حفنی نے حواشی جامع الصغیر میں اول پر جزم واختصار کیا، فیض القدیر میں قرطبی سے ہے:

المراد بالاسم المسمی بدلیل روایۃ اغیظ رجل و اخبثه[1]۔	نام سے ذات مراد ہے کیونکہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں "آدمیوں میں سب سے بدتر اور خبیث" ۱۲م

شرح امام نووی میں ہے:

قالوا معناہ اشد ذلا وصغارا یوم القیامۃ والمراد صاحب الاسم وتدل علیه الروایۃ الثانیۃ اغیظ رجل[2]۔	علماء نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ ذلیل وحقیر، اور اس سے مراد مسمّٰی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں اغیظ رجل (لوگوں میں سب سے بدتر) کا لفظ بتارہا ہے۔ ۱۲م

حواشی حفنی میں ہے:

اخنع الاسماء ای مسمی الاسماء بدلیل قوله رجل لانه المسمی لاالاسم[3]۔	ناموں میں سب سے زیادہ ذلیل یعنی نام والوں میں سب سے زیادہ ذلیل، کیونکہ ایک روایت میں رجل (آدمی) کا لفظ آیا ہے۔ اور آدمی مسمّٰی ہے نہ کہ اسم ۱۲م

علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ، پھر علامہ قسطلانی نے شرح بخاری پھر علامہ مناوی نے فیض القدیر،

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الالفاظ باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

[3] حواشی الحفنی علی الجامع الصغیر مع السراج المنیر المطبعۃ الاھریۃ المصریۃ مصر ۱/ ۶۸

پھر تیسیر شروح جامع الصغیر اور علامہ طاہر نے مجمع البحار، اور علامہ قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں دونوں ذکر فرمائیں، طیّبی پھر ارشاد الساری پھر فیض القدیر نے اشارہ کیا کہ تاویل اول ابلغ ہے۔

حیث قال اَعْنِی الطیبی یمکن ان یراد بالاسم المسمی ای اخنع الرجال کقوله سبحانه وتعالٰی سبح اسم ربك الاعلٰی وفیه مبالغة لانه اذا قدس اسمه عما لا یلیق بذاته فذاته بالتقدیس اولی واذا کان الاسم محکوما علیه بالصغار والھوان فکیف المسمی به[1] اھ نقله فی فیض القدیر ونحوہ فی الارشاد۔	چنانچہ طیّبی نے کہا یہاں اسم سے مسمّٰی مراد لیا جاسکتا ہے یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ ذلیل وپست، جیسا کہ اللہ عزوجل کا یہ ارشاد "اپنے رب اکبر کے نام کی پاکی بولو" اور اس میں مبالغہ ہے کیونکہ جب نامناسب چیزوں سے اسم الٰہی کی تقدیس ضروری ہے تو خود ذات باری تقدیس کی کتنی مستحق ہوگی، لہٰذا جب (ملک الملوک جیسے) نام پر ذلت (حقارت) کا حکم ہے تو اس کے مسمّٰی کا کیا حال ہوگا ۱۲م۔

مرقاۃ نے تصریح کی کہ یہی تاویل بہتر ہے:

حیث قال بعد نقله نحوما مرعن القبض ومثل مافی الارشاد مانصه، وھذا التاویل ابلغ واولی لانه موافق لروایة اغیظ رجل اھ[2]۔	چنانچہ فیض القدیر کی مذکورہ عبارت کے ہم معنی اور عبارت ارشاد کے ہم مثل ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ تاویل بلیغ تر اور سب سے بہتر ہے کیونکہ یہ اس روایت کے مطابق ہے جس میں ایسے نام رکھنے والوں کو سب سے زیادہ خبیث بتایا ۱۲م

بلکہ تاویل دوم پر افعل التفضیل اس کے غیر پر صادق آئے گا، کہ بلاشبہہ ملک الاملاک نام رکھنے سے اللہ یا رحمٰن نام رکھنا بدرجہا بدتر وخبیث تر ہے۔ ابوالعتاہیہ شاعر کی نسبت منقول ہوا کہ اس کی دو۲ بیٹیاں تھیں ایک کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن۔ والعیاذ باللہ تعالٰی: ذکر کیا جاتا ہے کہ پھر اس نے اس سے توبہ کرلی تھی، فیض القدیر علامہ مناوی میں ہے:

---

[1] شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسماء ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۶۸

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسماء المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸/ ۵۱۶

من العجائب التی لاتخطر بالبال مانقله ابن بزیزة عن بعض شیوخه ان اباالعتاهیة کان له ابنتان تمسی احدٰیهما الله والاخرٰی الرحمٰن وهذا من عظیم القبائح وقیل انه تاب[1]۔	ابن بزیزہ نے اپنے بعض مشائخ سے ایک ایسی تعجب خیز بات نقل کی ہے جس کا دل میں خطرہ بھی نہیں گزرتا، وہ یہ کہ ابو العتاہیہ کے دو بیٹیاں تھیں، ایک کا نام اللہ اور دوسری کا نام رحمٰن رکھا تھا، اور یہ تو بڑی ہی قبیح بات ہے اور ایک قول کے مطابق وہ اس سے تائب ہوگیا تھا ۱۲م۔

اور قاطع ہر کلام یہ کہ حدیث کی تفسیر کرنے والا خود حدیث سے بہتر کون ہوگا، یہی حدیث صحیح مسلم شریف کی دوسری روایت میں ان لفظوں سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اغیظ رجل علی الله یوم	قیامت کے دن سب سے زیادہ عــہ خدا کے غضب

عــــہ: تبعنا فیه الشراح وقد اضطربوا فی تاویل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اغیظ رجل علی الله اضطرابًا کثیرا وحاملهم علیه ان ظاهرا للمغیظ کون اشد تغیظا علی الله فیکون الغیظ صادرا منه و متعلقا به تعالٰی وهو خلاف عن المقصود فان المراد بیان شدة غضب الله تعالٰی علیه وهذا معنی ماقال الطیبی ان علی ههنا لیست بصلة لاغیظ کمایقال اغتاظ علی	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "اغیظ رجل علی اللہ" کی تاویل میں ہم نے شارحین حضرات کو بہت مضطرب پایا، اس تاویل پر ان کو آمادگی اس لئے ہوئی کہ حدیث کے ظاہر الفاظ میں وہ شخص اللہ تعالٰی پر شدید غیظ والا ہے تو غیظ بندے سے صادر ہو کر اللہ تعالٰی سے متعلق ہوگا حالانکہ یہ خلاف مقصود ہے کیونکہ مقصد تو یہ بیان کرنا ہے کہ اللہ تعالٰی کا شدید غضب اس شخص پر ہوگا اور طیّبی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کا بھی یہی معنٰی ہے کہ "علی" یہاں پر "اغیظ" کا صلہ نہیں ہے جیسے کہ اغتاظ علی (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۳۰۳ دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۰

القیمة واخبثه واغیظه	میں اور سب سے بڑھ کر خبیث اور سب سے زیادہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صاحبه ویغیظ علیه وهو مغیظ مختنق لان المعنی یاباه کما لایخفی ثم اخذ فی التاویل فقال ولکن بیان کانه لما قیل اغیظ رجل قیل علی من؟ قیل علی الله [1] اھ. وانت تعلم انه لم یأت بشیئ وانما جعله صلة الاغیظ کما کان وقال القاضی الامام اسم تفضیل بنی للمفعول [2] اھ۔اقول و انت تعلمانه خلاف الاصل ثم بهٰذا التاویل لما صار الغیظ مضافا الی الله تعالٰی وهو محال منه لانه غضب العاجز عن الانتقام کما فی المرقاة احتاجوا الی تاویله بانه مجاز عن عقوبته کما فی النهایة والطیبی والمرقاة ثم بعد هذا الکل لم یتضح کلمة علی. فالتجأ القاری الی انه علی حذف مضاف ای بناء علی حکمه تعالٰی [3] اھ. اقول: ولا یخفٰی علیك مافیه

صاحبه "اور "یغیظ علیه "میں صلہ بن رہا ہے کیونکہ "علٰی" کا "اغیظ "کے لئے صلہ ہونا معنی کے خلاف ہے جیسا کہ ظاہر ہے، طیّبی نے یہ بیان کرنے کے بعد تاویل شروع کی، گویا بیان یوں ہے کہ جب "اغیظ رجل" کہا گیا تو سوال ہوا کہ کس پر، تو جواب میں کہا گیا اللہ پر اھ، حالانکہ آپ پر واضح ہے کہ یہ تاویل بے مقصد ہے اور "علی" ویسے ہی "اغیظ" کا صلہ رہا ہے۔اور قاضی نے تاویل میں فرمایا کہ اغیظ اسم تفضیل مفعول کے معنٰی میں ہے اھ، **اقول**: (میں کہتاہوں) آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ بھی خلاف اصل ہے نیز یہ کہ جب غیظ کی اضافت اللہ تعالٰی کی طرف ہوئی تو اللہ تعالٰی کے لئے یہ معنی محال ہے کیونکہ یہ انتقام سے عاجز والا غضب ہے۔(جبکہ اللہ تعالٰی عجز سے پاک ہے) جیسا کہ مرقاۃ میں ہے سب اس کی تاویل پر ہیں کہ یہ کلام اس شخص پر اللہ تعالٰی کے عقاب وعذاب سے مجاز ہے جیسا کہ نہایہ، طیّبی، مرقاۃ

(باقی برصفحہ آ)

[1] شرح الطیبی کتاب الادب باب الاسامی حدیث ۴۷۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۶۸و۶۹

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۱۶

[3] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۱۵

رجل کان یسمّٰی مَلِكَ الاَمْلاك لاَمَلِكَ الا الله [1]۔	خدا کا مبغوض وہ شخص ہے جس کا نام ملک الاملاک کہا جاتا ہے بادشاہ کوئی نہیں خدا تعالٰی کے سوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

من البعد الشدید وبالجملۃ رجع الکلام علی تاویلھم الی ان اشد الناس مغضوبیۃ بناءً علی حکم اللہ تعالٰی وانا **اقول**: وباللہ التوفیق ان جعلنا الغیظ وھو غضب العاجز صادرا عن الرجل وعلی صلۃ لہ تخلصنا عن ذٰلك کلہ ولا نسلم اباء المعنی فان المجرم المعذب الکافر بعظمۃ الملك ونعمتہ لابدلہ من التغیظ علی الملك عند حلول نقمتہ بہ وکلما کان اشد عذابا کان اشد تغیظا والتھابا فکان کنایۃ عن انہ اشد الناس عذابا وناسب ذکرہ بھذا الوجہ اشارۃ الی کونہ متکبرا علی ربہ منازعالہ فی کبریائہ متکبرا علی ربہ منازعالہ فی کبریائہ فاذا احس مس العذاب جعل یتغیظ علی من لایقدر علیہ ولایستطیع الفرار منہ وقد کان یزعم مساواۃ فی العظمۃ والاقتدار فمن یقدر تغیظہ الاالواحد القھار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ ۱۲ منہ عفی عنہ۔

میں ہے لیکن اس کے باوجود کہ "علی" کی وضاحت نہ ہوسکی اس لئے ملا علی قاری "لفظ اللہ" سے قبل مضاف مقدر ماننے پر مجبور ہوئے یعنی اغیظ رجل علی حکم اللہ تعالٰی اھ۔

اقول: (میں کہتاہوں) تجھ پر مخفی نہیں ہے کہ اس تاویل میں شدید بعد ہے خلاصہ یہ کہ ان حضرات کی تاویل کا ماحاصل یہ ہے کہ وہ شخص اللہ تعالٰی کے حکم پر لوگوں میں سے شدید مغضوب ہوگا حالانکہ میں کہتاہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے مگر ہم غیظ کو عاجز کا غضب قرار دے کر اس کا صدور شخص مذکور سے بنائیں تو ہم تمام اعتراض سے بچ جائیں گے اور اس معنی کا انکار ہمارے لیے قابل قبول نہ ہوگا کیونکہ عذاب میں مبتلا ہونیوالے اللہ تعالٰی کی عظمت ونعمت کے منکر شخص کو لازما اپنے ملک ہونے کی بناء پر عذاب کی وجہ سے غصہ آئیگا، اور جیسے جیسے عذاب کی شدت ہوگی اس کے غصے میں شدت آئیگی تو یہ تمام لوگوں سے بڑھ کر عذاب سے کنایہ ہے۔ اس انداز سے اس کے ذکر کی مناسبت میں اپنے رب تعالٰی پر تکبر اور اس کی کبریائی میں مقابل بننے کی طرف اشارہ ہے توجب اس کو عذاب ہوگا تو اپنے گمان میں اللہ تعالٰی کی عظمت واقتداء میں مساوی ہونے کے باوجود عذاب سے خلاصی میں اپنے بے بسی پر غیظ میں آئیگا تو اس کے غیظ کی مقدار کو اللہ تعالٰی کے بغیر کوئی نہ جان سکے گا، والعیاذباللہ تعالٰی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

---

[1] شرح مسلم کتاب الالفاظ باب تحریم التسمی بملك الاملاك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

بالجملہ حدیث حکم فرمارہی ہے کہ اس نام والا روز قیامت تمام جہان سے زیادہ خدا تعالٰی کے غضب وعذاب میں ہے۔امام قاضی عیاض نے فرمایا: **ای اکبر من یغضب علیہ**[1] یعنی سب سے بڑھ کر جس پر غضب الٰہی ہوگا۔علامہ طیبی نے کہا: **یعذبہ اشد العذاب اللہ تعالٰی** اسے سخت تر عذاب فرمائے گا۔**نقلھما فی المرقاۃ**[2] (انھیں مرقاۃ میں نقل کیا گیا ہے۔ت) اور شک نہیں کہ سب سے سخت تر عذاب وغضب نہ ہوگا مگر کافر پر اور "**ملك الاملاک**" نام رکھنا بالاجماع کفر نہیں ہوسکتا، جب تک استغراق حقیقی مراد نہ لے، تو حاصل حدیث یہ نکلا کہ جس شخص نے بدعوی الوہیت وخدائی اپنا نام ملک الاملاک رکھا اس پر سب سے زیادہ سخت عذاب وغضب رب الارباب ہے، اور یہ قطعاً حق ہے اور اسے مانحن فیہ سے علاقہ نہیں، **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

خامسًا: اس معنی حق حقیقت سے جس میں وہ نام رکھنے والا ضرور صفت خاص رب العزت بلکہ الوہیت سے بھی بڑھ کر منزلت کا مدعی قطعاً مستحق اشد العذاب الابدی ہے تنزل لیجئے تو علماء نے سبب نہی یہ بتایا ہے کہ اس نام سے اس کا متکبر ہونا پیدا ہے۔شرح مشکوٰۃ علامہ طیبی میں ہے:

المالك الحقیقی لیس الاھو ومالکیۃ الغیر مستردۃ الی مالك الملوك فمن تسمی بھذا الاسم نازع اللہ سبحٰنہ فی رداء کبریائہ واستنکف ان یکون عبداللہ لان وصف المالکیۃ مختص باللہ تعالٰی لا یتجاوزہ و الملوکیۃ بالعبد لایتجاوزہ فمن تعدی طورہ، فلہ، فی الدنیا الخزی والعار وفی الاخرۃ والالقاء فی النار[3]۔	مالک حقیقی تو صرف وہی ذات ہے اور دوسروں کی بادشاہت وملکیت اسی شہنشاہ کی رہینِ منّت تو جس نے "ملک الملوک" اپنا نام رکھا تو اس نے کبریائی کی چادر میں اللہ سے منازعت مول لی اور اپنے کو بندہ خدا ہونے سے تکبر کیا کیونکہ مالک ہونا ایک ایسا وصف ہے جو ذات باری کے ساتھ خاص ہے۔دوسروں میں یہ پایا نہیں جاسکتا، یونہی مملوک ہونا یہ بندوں کے ساتھ خاص ہے ان سے متجاوز نہیں ہوسکتا، تو جو اس دارہ کار سے آگے بڑھ گیا وہ دنیا میں رسوا اور ذلیل اور آخرت میں عذاب نار کا سزاوار ہے۔۱۲م۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ القاضی کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۶

[2] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ الطیبی کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۱۷

[3] شرح الطیبی علی المشکوۃ کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹ /۷۵

مرقاۃ میں ہے:

الملك الحقیقی لیس الا ھو وملکیة غیرہٖ مستعارۃ فمن سمی بھذا الاسم نازع الله بردائه وکبریائه و لما استنکف ان یکون عبدالله جعل له الخزی علی رؤس الاشھاد[1]۔	مالک حقیقی تو ہی ذات ہے اور دوسروں کی ملکیت عارضی لہٰذا جس نے اس نام "ملک الملوک" سے اپنا نام رکھا، اس نے ردائے الٰہی اور اس کی کبرایائی سے منازعت کی، اور جب اس نے بندہ خدا ہونے سے تکبر کیا تو علی الاعلان ذلت ورسوائی اس کے لئے مقرر کردی گئی۔ ۱۲م

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

لامالك لجمیع الخلائق الا الله ومالکیة الغیر مستردۃ الی ملك الملوك فمن تسمی بذٰلك نازع الله فی رداء کبریائه واستنکف ان یکون عبدالله[2]۔	مخلوقات کا مالک تو صرف اللہ ہے۔ اور غیر کا مالک ہونا اسی شہنشاہ کا صدقہ ہے تو جس نے یہ (ملک الملوک) نام رکھا تو اس نے اللہ عزوجل سے اس کی کبریائی کی چادر مول لی اور بندہ الٰہی ہونے سے تکبر کیا۔ ۱۲م

بعینہٖ یونہی سراج المنیر میں ہے: من قوله فمن تسمّٰی بذٰلك[3] الخ۔ ارشاد الساری میں ہے:

المالك الحقیقی لیس الا ھو مثل مامر عن الطیبی الی قوله استنکف ان یکون عبدالله وزاد فیکون له الخزی والنکال[4]۔	مالک حقیقی تو صرف وہی ذات ہے استنکف ان یکون عبد الله (اللہ کا بندہ ہونے سے تکبر کیا) تک من وعن طیّبی کے قول کی طرح، البتہ اس میں یکون لہ الخ کا لفظ زائد ہے یعنی اس کے لئے ذلت ورسوائی ۱۲م

---

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی تحت حدیث ۴۷۵۵ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸ /۵۱۵

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۳۰۳ اخنع الاسماء عندالله مکتبه الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۱۔۵۲

[3] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر حدیث ۳۰۳ اخنع الاسماء عندالله المطبعة الازہریه المصریة مصر ۱/ ۶۸

[4] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب البغض الاسماء الخ دار الکتاب العربی بیروت ۹ /۱۸۔۱۱۷

ان سب عبارات کا حاصل یہ کہ علت نہی ہے کہ اس نے تکبر کیا اور اللہ تعالٰی کا بندہ بننے سے نفرت کی، ان کلمات کو اگر ان کی حقیقت پر پرکھئے جب تو وہی وجہ سابق ہے کہ حدیث اسی کی نسبت ہے جو حقیقی اصل شاہنشی یعنی الوہیت کا مدعی اور عبدیت سے منکر ہو ورنہ کم از کم اس قدر ضرور کہ علت منع تکبر بتاتے ہیں، تو ممانعت خود اپنے آپ شہنشاہ کہنے سے ہوئی کہ اپنے تعظیم کی ور اپنے آپ کو بڑا جانا، دوسرے نے اگر معظم دینی کی تعظیم کی اسے خدا تعالٰی کے بڑا کئے سے بڑا جانا تو اسے تکبر سے کیا علاقہ، اب یہ حدیث اس طریق کی طرف راجع ہوئی کہ آقا کو منع فرمایا کہ اپنے غلام کو اپنا بندہ نہ کہے حالانکہ قرآن وحدیث واقوال جمیع علمائے امت میں واقع ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ"[1]	اور اپنے لائق بندوں۔

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم:

لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فرسہ صدقۃ[2]۔	مسلمان کے عبد (غلام) اور گھوڑے میں صدقہ نہیں۔

اس مسئلے کی تحقیق فتاوائے فقیر میں بحمد اللہ تعالٰی بروجہ اتم ہے۔ امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

قال فی مصابیح الجامع ساق المؤلف فی الباب قولہ تعالٰی والصالحین من عبادکم وامائکم وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قوموا الی سیدکم تنبیھا علی ان النھی انما جاء متوجھا علی جانب السید اذھو فی مظنۃ الاستطالۃ وان قول الغیر ھذا عبدُ زید	مصابیح الجامع میں فرمایا کہ مؤلف کا باب کی مناسبت سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد اپنے لائق بندوں اور کنیزوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول "اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ" پیش کرنا اس بات پر تنبیہ کے لئے ہے کہ ممانعت خود ذات سید کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے کیونکہ یہ کبر کی جاہے رہا کسی غیر کا یہ کہنا یہ زید کا عبد (غلام)

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۶، سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب صدقہ الرقیق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۲۵، سنن ابن ماجہ ابوب الزکوٰۃ باب صدقۃ الخیل والرقیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۱

و ھذا امۃ خالد جائز لانہ یقولہ اخبارا وتعریفا و لیس فی مظنۃ الاستطالۃ والاٰیۃ والحدیث مما یوید ھذا الفرق[1]۔	ہے، یہ خالد کی باندی ہے۔تو یہ جائز ہے کیونکہ اس قول سے مقصود خبر دینا اور تعریف کرنا ہے یہاں تک کبر ونخوت کی کوئی جگہ نہیں،آیت کریمہ اور حدیث پاک سے بھی اسی فرق کی تائید ہوتی ہے۔۱۲م

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ہے:

المعنی فی ذٰلك کل راجع البراءۃ من الکبر[2]	یہ معنی کبر ونخوت سے براءت کے لیے ہے ۱۲م۔

شرح السنہ امام بغوی پھر مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے:

معنی ھذا راجع الی براءۃ من الکبر والتزام الذل والخضوع۔[3]	یہ تمامی تاویلات کبر اور ذلت وخواری کے التزام سے براءت کے لئے ہے ۱۲م۔

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ ساری ممانعتیں تکبر سے بچنے کے لئے ہیں اور یہ کہ تکبر خود اپنے کہنے میں ہو سکتا ہے دوسرے کو کہتے ہیں میں تکبر کا کیا محل۔ پھر اپنے آپ کو کہنے میں بھی حقیقۃً حکم نیت پر دائر ہوگا، اگر بوجہ تعلی و تکبر ہے قطعاً حرام، ورنہ نہیں،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرءٍ مانوٰی[4]۔	اعمال کا دار ومدار نیتوں پر ہے۔اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے کیا۔

اس کی نظیر یہی کہ اپنے غلام کو "اے میرے بندے" کہنا بہ نیت تکبر نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، امام نووی پھر امام عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

المراد بالنھی من استعملہ علی جھۃ التعاظم لامن	ممانعت سے مراد اس خاص صورت میں ممانعت ہے جب اسے بڑائی بیان کرنے کے لئے استعمال

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب الکراھیۃ التطاول علی الرقیق دارالکتاب العربی بیروت ۴ /۳۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق باب الکراھیۃ التطاول علی الرقیق ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۳ /۱۱۰

[3] شرح السنۃ للبغوی باب یقول العبد بمالکہ الخ تحت حدیث ۳۳۸۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۲/ ۳۵۱، مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الادب باالاسامی حدیث ۴۷۶۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۲۰

[4] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

مرادہ التعریف[1]۔	کرے اور جس کی مراد دوسرے کی تعریف ہو اس کے لئے ممانعت نہیں۔ ۱۲م

مرقاۃ میں ہے:

ولذا قیل فی کراھۃ ھذا الاسماء ھو ان یقول ذٰلک علی طریق التطاول علی الرقیق والتحقیر لشانہ والا فقد جاء بہ القراٰن قال اللہ تعالٰی والصالحین من عبادکم وامائکم وقال اذکرنی عند ربک[2]۔	اس وجہ سے بعض علماء نے کہا ایسا نام رکھنا اس وقت مکروہ ہے کہ جب کہنے والے کا مقصد غلام پر فخر کرنا اور اس کی شان کی حقارت ظاہر کرنا ہو ورنہ خود قرآن ناطق ہے اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: "اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا" او فرماتا ہے: "اور اپنے آقا کے پاس ہمیں یاد کرو" ۱۲م

اشعۃ اللمعات میں ہے:

وگفتہ اند کہ منع ونہی از اطلاق عبد واُمہ بر تقدیرے است کہ بروجہ تطاول و تحقیر تصغیر باشد والا اطلاق عبد واَمہ در قراٰن و احادیث آمدہ[3]۔	علماء نے فرمایا ہے کہ (اپنے غلام اور اپنے باندی پر) عبد اور اَمہ کا اطلاق اس صورت میں منع ہے کہ جب یہ از راہ تکبر اور تحقیر و تصغیر ہو، ورنہ خود قرآن واحادیث میں لفظ عبد اور اَمہ موجود ہے۔ ۱۲م

دوسری نظیر اپنے آپ کو عالم کہنا ہے کہ بر سبیل تفاخر حرام ورنہ جائز، حدیث میں شریف میں ہے:

من قال انا عالم فھو جاھل، رواہ الطبرانی فی الاوسط[4]۔	جو شخص یہ کہے میں عالم ہوں وہ جاہل ہے (اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے اوسط میں

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب العتق ادارۃ الطباعۃ لنیریۃ بیروت ۱۳ /۱۱۳

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب تحت حدیث ۴۷۶۰ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۵۲۰

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب الاسامی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴ /۴۷

[4] المعجم الاوسط حدیث ۶۸۴۲ مکتبہ المعارض ریاض ۷ /۴۳۳

عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

حالانکہ نبی اللہ سیدنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: "اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ۝" [1] بے شک میں حفاظت کرنے والا ہوں عالم ہوں۔

تیسری نظیر اسبال ازار ہے یعنی تہبند یا پائچے ٹخنوں سے نیچے خصوصاً زمین تک پہنچتے رکھنا کہ اس کے بارے میں کیا کیا سخت وعیدیں وارد، یہاں تک کہ فرمایا:

ثلثة لایکلمھم اللہ یوم القیمة ولاینظر الیھم ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم المسبل ازارہ والمنان و المنفق سلعته بالحلف الکاذب، رواہ [2] الستة الا البخاری عن ابی ذر النجاری علیہ رضوان الباری۔	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی روز قیامت ان سے بات نہ کرے گا اور ان کی طرف نظر نہ فرمائیگا اور انھیں پاک نہیں کرے گا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ یہ تہبند لٹکانے والا اور دے کر احسان رکھنے والا، اور جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال چلتا کرنے والا (اسے روایت کیا گیا صحاح ستہ میں بخاری کے سوا ابی ذر نجاری رحمۃ اللہ علیہ سے۔ت)

پھر جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی:

اِنَّ اِزاری یسترخی الا ان تعاھدہ۔	یارسول اللہ! بیشک میرا تہبند ضرور لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کی خاص احتیاط اور خیال رکھوں۔

فرمایا:

انت لست ممن یفعله خُیَلاَءَ۔	تم ان میں سے نہیں جو براہ تکبر و ناز ایسا کریں۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۷۸، سنن الدارمی کتاب البیوع باب ۶۳، حدیث ۲۶۹۸ دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ ۲/ ۱۸۰۔ سنن النسائی کتاب البیوع باب المنفق سلعتہ بالحلف الکاذب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۱۱، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب ماجاء فی کراھیۃ الایمان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۰

رواہ الشیخان [1] وابوداؤد والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(اسے روایت کیا شیخان اور ابوداؤد اور نسائی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ت)

سادساً: عــہ حدیث میں ممانعت ہے تو نام رکھنے کی، کسی کے وصف میں کوئی بات بیان کرنے اور نام رکھنے میں بڑا بل ہے۔آخر نہ دیکھا کہ حدیثوں میں عزیز وحکم وحکیم نام رکھنے کی ممانعت آئی،اور عزت وحکم وحکمت سے قرآن وحدیث میں بندوں کا وصف فرمایا گیا جن کی سندیں اوپر گزریں، نیز اس کی نظیر حابس الفیل وسائق البقرات ہے کہ رب عزوجل کے یہ نام رکھنا حرام اور وصف وارد،جب واقعہ حدیبیہ میں ناقہ قصواء شریف بیٹھ گیا،اور لوگوں نے کہا ناقہ نے سرکشی کی،تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:نہ اس نے سرکشی کی نہ اس کی یہ عادت ولکن حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيْل [2] اسے حابس فیل نے روک دیا، یعنی جس نے ابرہہ کے ہاتھی کو بٹھادیا اور کعبہ معظّمہ پر حملہ کرنے سے روکا تھا۔عزوجلالہ،زرقانی علی المواہب میں علامہ ابن المنیر سے ہے:

یجوز اطلاق ذٰلك فی حق اللہ تعالٰی فیقال حبسھا اللہ حابس الفیل وانما الذی یمکن ان یمنع تسمیته سبحانه حابس الفیل ونحوہ اھ قال الزرقانی وھو مبنی علی الصحیح من الاسماء توقیفه [3]۔	اللہ تبارک وتعالٰی پر اس کا اطلاق جائز ہے۔اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ حابس فیل نے اسے روک لیا،ہاں ممانعت اس صورت میں ہو سکتی ہے جب "حابس فیل" یا اس کے ہم معنی کو اسم الٰہی قرار دے دیا جائے،زرقانی نے کہا اس کی بناء وہ قول صحیح ہے جس میں اسمائے الٰہی کو توفیقی قرار دیا ہے۔۱۲م

عــہ:الوجوہ الخمسة الاول عامة وہذا خاص بغیر التسمیة ۱۲منه عفی عنه۔	پہلے پانچ وجوہ عام اور یہ غیر تسمیہ سے خاص ہے ۱۲منہ (ت)

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۷،صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ازارہ من غیر خیلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۶۰،صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۹

[2] المواہب اللدنیہ بیان صلح الحدیبیہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۹۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ امر الحدیبیہ دار المعرفۃ بیروت ۲ / ۱۸۴

اکیدر بادشاہ دومۃ الجندل کے واقعہ میں حضرت بُجیر طائی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ؎

تبارك سائق البقرات انی رأیت اللہ یھدی کل ھاد [1]۔	اللہ تبارک وتعالٰی گائیوں کو چلانے والا ہے میں نے اللہ تعالٰی کو ہر رہنما کا رہنما پایا ہے۔(ت)

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا کلام پسند کیا اور فرمایا:

لایَفْضُضِ اللہ فَاکَ۔ رواہ ابن السکن [2] وابو نعیم ومندہ۔	اللہ تیرا منہ بے دندان نہ کرے (نوے برس جئے کسی دانت کو جنبش نہ ہوئی) (اس کو روایت کیا ابن السکن اور ابونعیم اور ابن مندہ نے۔ت)

یہ ہے تمام وہ کلام کہ ان اکابر متقدمین ومتاخرین ائمہ دین وفقہائے معتمدین وعرفائے کاملین کی طرف سے فقیر نے حاضر کیا، اور ممکن کہ خود ان کے پاس اسے بھی بہتر جواب ہو، "وَفَوْقَ كُلِّ ذِىْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ﴿۷۶﴾" [3]۔

سابعًا: اس سب سے قطع نظر کرکے یہی فرض کرلیجئے کہ **معاذاللہ** ان تمام اکابر پر طعن ثابت ہو اور جواب معدوم، تو انصافًا فقیر کا مصرع اب بھی اس روش پر نہیں کہ ان ائمہ وعلماء نے قطعاً غیر خدا کو شہنشاہ وقاضی القضاۃ کہا ہے حتی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی نہیں بلکہ کسی عالم یا ولی یا نرے حکام دنیوی کو، اور وہ مصرع اس معنی میں ہر گز متعین نہیں۔ ہم پوچھتے ہیں لفظ شہنشاہ حضرت عزجلالہ سے مخصوص ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو سرے سے منشاء شبہہ زائل، اور اگر ہے تو جو لفظ اللہ عزوجل کے لئے خاص تھا اسے غیر اللہ پر کیوں حمل کیجئے؟ شہنشاہ سے اللہ ہی کیوں نہ مراد لیجئے کہ روضہ بمعنی قبر نہیں بلکہ خیابان اور کیاری کو کہتے ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "فَهُمْ فِىْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ﴿۱۵﴾" [4] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی۔ت) قبر پر اس کا اطلاق تشبیہ بلیغ ہے جیسے رَاَیْتُ اَسَدًا یَرْمِیْ (میں نے شیر کو تیر اندازی کرتے دیکھا) حدیث شریف میں قبر مومن کو روضۃ من ریاض الجنۃ [5] فرمایا جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری، تو روضہ شہنشاہ کے معنی ہوئے

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم ذکر ماکان فی غزوۃ تبوك عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۹۲

[2] شرح الزرقانی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن مندہ وابونعیم وابن السکن دار المعرفۃ بیروت ۳ /۷۸

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶

[4] القرآن الکریم ۳۰ /۱۵

[5] جامع الترمذی ابواب صفۃ یوم القیمۃ امین کمپنی دہلی ۲ /۶۹

الٰہی خیابان، خدا کی کیاری، اس میں کیا حرج ہے، جب قرآن عظیم نے مدینہ طیبہ کو ساری زمین کو اللہ عزوجل کی طرف اضافت فرمایا:

"اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا"[1]۔	کیا خدا کی زمین یعنی زمین مدینہ کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے۔

توخاص روضہ انور کو الٰہی روضہ شاہنشاہی خیابان، ربانی کیاری کہنے میں کیا حرج ہے، **وللہ الحمد**،

بایں ہمہ جب فقیر بعون القدیر آیت وحدیث سے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا **مَالِكُ النَّاس**، **مَلِكُ النَّاسِ**، **مَالِكُ الْاَرْضِ**، **مَالِكُ رِقَابِ الْاُمَمِ** ہونا ثابت کرچکا تو لفظ پر اصرار یا روایت خلاف پر انکار کی حاجت نہیں، یہ بھی ہمارے علماء سے بعض متاخرین کا قول ہے اس کے لحاظ بجائے "شاہنشاہ طیبہ" کہئے، کہ وہ شاہ طیبہ بھی ہیں اور شاہ تمام روئے زمین بھی اور شاہ تمام اولین وآخرین بھی جن میں ملوک وسلاطین سب داخل بادشاہ ہو یا رعیت، وہ کون ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دائرہ غلامی سے سرباہر نکال سکتا ہے۔

محمد عربی کہ ابروئے ہر دو سرا است　　　　کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سراو

(محمد عربی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں جہانوں کی عزت ہیں جو ان کے در کی خاک نہیں اس کے سرپر خاک)

وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ولیکن ھذا ھذا اٰخرا لکلام فی المسئلۃ الاول الحمد للہ فی الاولٰی والاخرٰی۔	اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو ہمارے آقا مولٰی پر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب سب پر، یہ پہلے مسئلہ میں آخری کلام ہے۔ دنیاو اخرت میں تمام حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔(ت)

جواب سوال دوم: الحق اللہ عزوجل ہی مقلب القلوب ہے سب کے دلوں، نہ صرف دل بلکہ عالم کے ذرے ذرے پر حقیقی قبضہ اسی کا ہے۔ مگر نہ اس کی قدرت نہ محدود نہ اس کی عطاء کا باب وسیع مسدود، "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾"[2] بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے "وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾"[3] اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں، وہ علی الاطلاق فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۹۷

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۰

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۰

"وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ" [1]	اللہ تعالٰی اپنے رسولوں کو جس پر چاہے قبضہ و قابو دیتا ہے۔

اس کا اطلاق اجسام وابصار واسماع و قلوب سب کو شامل ہے وہ اپنے محبوبوں کو جس کے چاہے دست وپا پر قدرت دے چاہے چشم و گوش پر، چاہے دل وہوش پر، اس کی قدرت میں کمی نہ عطا میں تنگی، کیاملائکہ دلوں میں القائے خیر نہیں کرتے، نیک ارادے نہیں ڈالتے، برے خطروں سے نہیں پھرتے؟ ضرور سب کچھ باذن اللہ کرتے ہیں پھر دلوں میں تصرف کے اور کیا معنی، قال اللہ تعالٰی:

"اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىِٕكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ" [2]	جب وحی فرماتا ہے تیرا رب فرشتوں کو کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو تم دل قائم رکھو مسلمانوں کے۔

سیرت ابن اسحاق وسیرت ابن ہشام میں ہے بنی قریضہ کو جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راہ میں اپنے کچھ اصحاب پر گزرے، ان سے دریافت فرمایا: تم نے ادھر جاتے ہوئے کوئی شخص دیکھا؟ عرض کی: دحیہ بن خلیفہ کو نقرہ جنگ پر سوار جاتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا:

ذاك جبریل بعث الی بنی قریضة یزلزل بھم حصونھم ویقذف الرعب فی قلوبھم [3]۔	وہ جبریل تھا کہ بنی قریظہ کی طرف بھیجا گیا کہ ان کے قلعوں میں زلزلے اور ان کے دلوں میں رعب ڈالے۔ ۱۲م

امام بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا جلس القاضی مجلسه ھبط علیه ملكان یسددانه ویوفقانه ویرشدانه مالم یجر فاذا جار عرجا وترکاه [4]۔	جب قاضی مجلس حکم میں بیٹھتا ہے تو دو فرشتے اترتے ہیں کہ اس کی رائے کو درستی دیتے ہیں اور اسے ٹھیک بات سمجھنے کی توفیق دیتے ہیں اور اسے نیک راستہ سمجھاتے ہیں جب تک حق سے میل نہ کرے جہاں اس نے میل کیا فرشتوں نے اسے چھوڑا اور آسمان پر اڑ گئے۔ ۱۲م

[1] القرآن الکریم ۵۹ /۶

[2] القرآن الکریم ۸/ ۱۲

[3] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام مع الروض الانف غزوہ بنی قریظہ مکتبہ فاروقیہ ملتان ۲ /۱۹۵

[4] السنن الکبرٰی کتاب آداب القاضی باب من ابتلی بشیئ الخ دار صادر بیروت ۱۰ /۸۸

دیلمی مسند الفردوس میں صدیق اکبر وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما، دونوں سے روای کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو لم ابعث فیکم لبعث عمر اید اللہ عمر بملکین یوفقانه ویسدد انه فاذا اخطأ صرفاه حتی یکون صوابا[1]۔	اگر میں بھی تم میں ظہور نہ فرماتا تو بیشک عمر نبی کیا جاتا۔ اللہ عزوجل نے دو فرشتوں سے تائید فرمائی ہے کہ وہ دونوں عمر کو توفیق دیتے اور ہر بات میں اسے راہ پر رکھتے، اگر عمر کی رائے لغزش کرنے کو ہوتی ہے وہ پھیر دیتے ہیں یہاں تک کہ عمر سے حق ہی صادر ہوتا ہے۔ ۱۲م

ملائکہ کی شان تو بلند ہے۔ شیاطین کو قلوب عوام میں تصرف دیا ہے جس سے فقط اپنے چنے ہوئے بندوں کو مستثنٰی کیا ہے کہ:

"اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ"[2]	میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں۔

قال اللہ تعالٰی:

"یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾"[3]	شیطان جن اور لوگ، لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

وقال اللہ تعالٰی:

"شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ"[4]	شیطان آدمی اور جن ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں بناوٹ کی بات دھوکے کی۔ ۱۲م

بخاری، مسلم، ابوداؤد مثل امام احمد، حضرت انس بن مالک اور مثل ابن ماجہ حضرت ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۱۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۳۷۲

[2] القرآن الکریم ۱۷ /۶۵

[3] القرآن الکریم ۱۱۴ /۵و۶

[4] القرآن الکریم ۶ /۱۱۲

ان الشیطٰن یجری من الانسان مجری الدم[1]۔	بے شک شیطان انسان (آدمی) کی رگ رگ میں خون کی طرح ساری وجاری ہے۔

صحیحین وغیرہما میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "جب اذان ہوتی ہے شیطان گوز زناں بھاگ جاتاہے کہ اذان کی آواز نہ سنے، جب اذان ہوچکتی ہے پھر آتاہے۔ جب تکبیر ہوتی ہے پھر بھاگ جاتاہے، جب تکبیر ہوچکتی ہے پھر آتاہے **حتی یخطرا بین المرء ونفسہ یقول اذکر کذا اذکر کذا لما لم یکن یذکرہ، حتی یظل الرجل مایدری کم صلی**[2] یہاں تک کہ آدمی اور اس کے دل کے اندر حائل ہوکر خطرے ڈالتاہے کہتا ہے کہ یہ بات یاد کروہ بات یاد کران باتوں کے لئے جو آدمی کے خیال میں بھی نہ تھیں، یہاں تک کہ انسان کو یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ کتنی پڑھی" امام ابوبکر ابی الدنیا کتاب مکائد الشیطان، اور امام اجل ترمذی نوادر الاصول میں بسند حسن، اور ابویعلٰی مسند، اور ابن شاہین کتاب الترغیب، اور بیہقی شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان الشیطان واضع خطمہ علی قلب ابن اٰدم فان ذکر اللہ خنس وان نسی التقم قلبہ فذٰلك الوسواس	بیشک شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل پر رکھے ہوئے ہے، جب آدمی خدا تعالٰی کو یاد کرتاہے شیطان دبک جاتاہے اور جب آدمی (ذکر سے) غفلت کرتاہے (بھول جاتاہے) تو شیطان اس کا

[1] صحیح البخاری باب الاعتکاف ۱/ ۲۷۲ کتاب بدء الخلق ۱/ ۴۶۴ کتاب الاحکام ۲/ ۱۰۶۳ قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب المعتکف یدخل البیت لحاجتہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان باب فضل التاذین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۵، صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب فضل الاذان وھرب الشیطن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۸، صحیح مسلم کتاب المساجد باب السھو فی الصلٰوۃ والمسجود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۱، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۳، ۵۲۲، ۴۶۰

الخناس [1]۔	دل اپنے منہ میں لے لیتا ہے تو یہ ہے (شیطان خناس) وسوسہ ڈالنے والا دبک جانیوالا۔

لمہ شیطان ولمہ ملکہ دونوں مشہور اور حدیثوں میں مذکور ہیں پھر اولیاء کرام کو قلوب میں تصرف کی قدرت عطا ہونی کیا محل انکار ہے۔ حضرت علامہ سلجماسی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کتاب ابریز میں اپنے شیخ حضرت سیدی عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عوام جو اپنے حاجات میں اولیاء کرام مثل حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استعانت کرتے ہیں نہ کہ اللہ عزوجل سے، حضرات اولیاء نے ان کو قصدا ادھر لگالیا ہے کہ دعا میں مراد ملنی نہ ملنی دونوں پہلو ہیں، عوام (مراد) نہ ملنے کی حکمتوں پر مطلع نہیں کئے جاتے، تو اگر بالکلیہ خالص اللہ عزوجل ہی سے مانگتے پھر مراد ملتی نہ دیکھتے تو احتمال تھا کہ خدا کے وجود ہی سے منکر ہوجاتے، اس لئے اولیاء نے ان کے دلوں کو اپنی طرف پھیر لیا کہ اب اگر (مراد) نہ ملنے پر بے اعتقادی کا وسوسہ آیا بھی تو اس ولی کی نسبت آئے گا جس سے مدد چاہی تھ، اس میں ایمان تو سلامت رہے گا۔

حدیث اول: اور سنئے، مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری کتاب مستطاب نُزْهَةُ الْخَاطِرِ الْفَاتِرِ فی ترجمۃ سیدی الشریف عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

روی الشیخ الجلیل ابو صالح المغربی رحمه الله تعالٰی انه قال قال لی سیدی الشیخ ابو مدین قدس سره، یا ابا صالح سافر الی بغداد وأت الشیخ محی الدین عبدالقادر لیعلمك الفقر، فسافرت الی بغداد فلما رأیته رأیت رجلا مارأیت اکثر هیبة منه (فساق الحدیث الی اٰخره الی ان قال) قلت یا سیدی ارید ان تمدنی ملك بهذا الوصف فنظر نظرة	یعنی شیخ جلیل ابوصالح مغربی رحمہ اللہ تعالٰی نے روایت کی، مجھ کو میرے شیخ حضرت ابوشعیب مدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے ابوصالح! سفر کرکے حضرت شیخ محی الدین عبد القادری کے حضور حاضر ہو کر وہ تجھ کو فقر تعلیم فرمائیں، میں بغداد گیا جب حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا میں نے اس ہیبت و جلال کا کوئی بندہ خدا نہ دیکھا تھا حضور نے مجھ کو ایک سو بیس ۱۲۰ دن یعنی تین چلے خلوت میں بٹھایا پھر میرے پاس تشریف لائے اور قبلہ کی طرف

[1] شعب الایمان حدیث ۵۴۰ دار المکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۰۳، نوادر الاصول الاصل التاسع والخمسون والمائتان الخ دار صادر بیروت ص ۳۵۴

فتفرقت عن قلبی جواذب الارادات کما یتفرق الظلام بهجوم النهار وانا الآن انفق من تلك النظرة[1]۔	اشارہ کرکے فرمایا: اے ابوصالح! ادھر کو دیکھو تجھ کو کیا نظر آتا ہے؟ میں نے عرض کی۔ کعبہ معظّمہ، پھر مغرب کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: ادھر دیکھ تجھے کیا نظر آتا ہے۔ میں نے عرض کی: میرے پیر ابومدین۔ فرمایا: کدھر جانا چاہتا ہے کعبہ کو یا اپنے پیر کے پاس؟ اپنے پیر کے پاس۔ فرمایا: ایک قدم میں جانا چاہتا ہے یا جس طرح آیا تھا؟ میں نے عرض کی: بلکہ جس طرح آیا تھا: یہ افضل ہے۔ پھر فرمایا: اے ابوصالح! اگر تو فقر چاہتا ہے تو ہرگز بے زینہ اس تک نہ پہنچے گا اور اس کا زینہ توحید ہے اور توحید کا مدار یہ ہے کہ عین السر کے ساتھ دل سے ہر خطرہ مٹا دے لوح دل بالکل پاک وصاف کرلے، میں نے عرض کی: اے میرے آقا! میں چاہتا ہوں کہ حضور اپنی مدد سے یہ صفت مجھ کو عطا فرمائیں، یہ سن کر حضور نے ایک نگاہ کرم مجھ پر فرمائی کہ ارادوں کی تمام کششیں میرے دل سے ایسی کافور ہوگئیں جیسے دن کے آنے سے رات کی اندھیری، اور میں آج تک حضور کی اسی ایک نگاہ سے کام چلارہا ہوں۔

دیکھئے خاطر پر اس سے بڑھ کر اور کیا قبضہ ہوگا کہ ایک نگاہ میں دل کو تمام خطرات سے پاک فرمادیا اور نہ فقط اسی وقت بلکہ ہمیشہ کے لئے۔

امام اجل مصنف بہجۃ الاسرار کی جلالت شان اور اس کتاب جلیل کی صحت وعظمت

فائدہ: یہ حدیث جلیل حضرت اما اجل سید العلماء شیخ القراء عمدہ العرفاء نور الملۃ والدین ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنونی قدس سرہ العزیز نے صرف دوواسطہ سے حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مرید ہیں، امام جلیل الشان، شیخ القراء، ابوالخیر شمس الدین محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی مصنف حصن حصین شریف کے استاذ ہیں، امام ذہبی صاحب میزان الاعتدال ان کی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے، اور طبقات القراء میں ان کی مدح ستائش کی اور ان کو اپنا امام یکتا لکھا۔

حیث قال علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد المقری نور الدین	چنانچہ کہا کہ علی بن یوسف بن جریری لخمی شطنونی نور الدین امام یکتا، مدرس قراءت اور

[1] نزهة الخاطر الفاتر فی ترجمة عبدالقادر

شیخ القراء بالدیار المصریة [1]۔	بلاد مصری کے شیخ القرء ہیں ۱۲م

اور امام اجل عارباللہ سیدی عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی یمعنی رحمہ اللہ تعالٰی "فی آمرۃ الجنان میں اس جناب کو ان مناقب جلیلہ سے یادرفرمایا:

روی الشیخ الامام الفقیہ العالم المقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافی اللخمی فی مناب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندہ [2]الخ	شیخ امام زبردست فقیہ مدرس قراءت علی ابن یوسف بن جریر بن معضاد شافی لخمی نے شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ روایت بیان کی۔ ۱۲م

اورامام اجل شمس الملۃ والدین ابوالخیر الجزری مصنف حصن حصین نے نہایۃ الدرائت فی اسماء الرجال القرائت میں فرمایا:

علی بن یوسف بن جریر بن فضل بن معضاہ نورالدین ابوالحسن اللخمی الشطنونی الشافعی الاستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریة ولد بالقاہرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر من القاہرۃ وتکاثر علیہ الناس لاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحا فلوکان ظھر لکان من اجود شروحھا توفی یوم السبت اوان الظھر دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلث عشرۃ وسبع مائۃ رحمہ اللہ تعالٰی۔ [3] (مختصرًا)	یعنی علی بن یوسف نور الدین ابوالحسن شافعی استاد محقق اپنے کمال والے جو عقلوں کو حیران کردے، بلاد مصر کے شیخ قاہرہ مصر میں پیدا ہوئے اور مصر کی جامع ازہر میں صدر تعلیم پر جلوس فرمایا، ان کے فوائد و تحقیق کے سبب خلائق کا ان پر ہجوم ہوا، میں نے سنا کہ شاطبیہ پر بھی اس جناب نے شرح لکھی، یہ شرح اگر ظاہر ہوتی تو ان کی تمام شرحوں سے بہتر شروح میں ہوتی، روز دوشنبہ بوقت ظہر وفات پائی اور بروز یک شنبہ بستم ذی الحجہ ۱۳ے۷ھ میں دفن ہوئے، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ انتہی ۱۲م

[1] زبدۃ الآثار بحوالہ طبقات المقرئین مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۳

[2] مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ مایعتبر من حوادث الزمان

[3] زبدۃ الآثار بحوالہ نہایۃ الدرایات فی اسماء الرجال والقرأت مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۵

اور امام اجل جلال الملۃ والدین سیوطی نے "حسن المحاضرۃ باخبار مصر والقاھرۃ" میں فرمایا:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنونی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ تصد للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ [1]۔	یعنی علی بن یوسف ابوالحسن نور الدین امام یکتا ہیں، اور بلاد مصر میں شیخ القراء پھر ان کا مسند تعلیم پر جلوس اور طلبہ کا ہجوم اور تاریخ ولادت ووفات اسی طرح ذکر فرمائی۔

نیز امام سیوطی نے اس جناب کا تذکرہ اپنی کتاب "بغیۃ الوعادۃ" میں لکھا اور اس میں نقل فرمایا کہ:

لہ الید الطولٰی فی علم التفسیر [2]۔	علم تفسیر میں اس جناب کو ید طولٰی تھا۔

اور حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ نے کتاب "زبدۃ الاسرار" میں اس جناب کے فضائل عالیہ یوں بیان فرمائے:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری، الاوحد البارع نورالدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ واسطتان وھو داخل فی بشارۃ قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ طوبٰی لمن رانی ولمن راٰی من رانی ولمن رای من رانی [3]۔	یعنی امام اجل، فقیہ، عالم، مدرس قرائت یکتا، عجب صاحب کمال نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی، ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صرف دو واسطے ہیں اور وہ حضور پر نور سرکار غوثیت کی اس بشارت میں داخل ہیں کہ شادمانی ہے اسے جس نے مجھ کو دیکھا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والوں کو دیکھا اور اسے جس نے میرے دیکھنے والے کے دیکھنے والوں کو دیکھا۔ انتہی

ان امام اجل یکتا نے کہ ایسے اکابر ائمہ جن کی امامت وعظمت وجلالت شان کے ایسے مداح ہوئے، اپنی کتاب مستطاب بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار شریف میں (کہ امام اجل یافعی وغیرہ اکابر اس سے سند لیتے آئے امام اجل شمس الملۃ والدین ابوالخیر ابن الجزری مصنف حصن حصین نے یہ کتاب مستطاب

[1] حسن المحاضرۃ باخبار مصر والقاھرۃ
[2] بغیۃ الوعاۃ للیسوطی
[3] زبدۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۵

حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر حنفی وشطوطی رحمہ اللہ تعالٰی سے پڑھی، اور حدیث کی طرح اس کی سندھ حاصل کی اور علامہ عمر بن عبدالوہاب حلبی نے اس کی روایات معتمد ہونے کی تصریح کی، اور حضرت شیخ محقق محدث دہلوی نے زبدۃ الآثار شریف میں فرمایا:

ایں کتاب بہجۃ الاسرار کتابے عظیم وشریعت ومشہور است [1]۔	یہ کتاب بہجۃ الاسرار ایک عظیم شریعت اور مشہور کتاب ہے۔ ۱۲م

اور زبدۃ الاسرار شریف میں اس کی روایات صحیح وثابت ہونے کی تصریح کی) یوں بسند صحیح روایت فرمائی کہ:

حدثنا الفقیه ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحیم بن حجاج بن یعلی الفاسی المالکی المحدث بالقاهرة ۶۷۱ھ قال اخبرنا جدی حجاج بفاس ۶۲۳ھ قال حججت مع الشیخ ابی محمد صالح بن ویرجان الدکالی رضی الله تعالٰی عنه ۵۸۸ھ فلما کنا بعرفات وافینا بها الشیخ ابا القاسم عمر بن مسعود المعروف بالبزار فتسالما وجلسا یتذکران ایام الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه فقال الشیخ ابومحمد قال لی سیدی الشیخ ابو مدین رضی الله تعالٰی عنه یاصالح سافر الی بغداد الحدیث [2]۔	یعنی فقیہ محدث ابوالحجاج نے ہم سے حدیث بیان کی کہ میرے جدامجد حجاج بن یعلی بن عیسٰی فاسی نے مجھے خبر دی کہ میں نے شیخ ابومحمد صالح کے ساتھ ۵۸۸ھ میں حج کیا، عرفات میں ہم کو حضرت شیخ ابوالقاسم عمر بزار ملے، دونوں شیخ بعد سلام بیٹھ کر حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر فرمانے لگے، ابومحمد صالح نے فرمایا مجھ سے میرے شیخ حضرت شعیب ابومدین نے فرمایا: اے صالح! سفر کرکے بغداد حاضر ہو، الی آخرہ۔

تنبیہ: یہاں سے معلوم ہوا کہ ان شیخ کا نام گرامی صالح ہے اور کنیت ابومحمد نزہۃ الخاطر میں ابوصالح واقع ہوا سہو قلم ہے۔

---

[1] زبدۃ الآثار مع زبدۃ الاسرار خطبہ الکتاب مطبع بکسلنگ کمپنی جزیرہ ص ۲

[2] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۲

حدیث دوم: اور سنیے، اسی حدیث جلیل میں ہے کہ حضرت صالح یہ روایت فرماچکے تو حضرت سید عمر بزار قدس سرہ، نے فرمایا:

وانا ایضا کنت جالسا بین یدیه فی خلوته فضرب بیده فی صدری فاشرق فی قبله نورعلی قدر دائرة الشمس ووجدت الحق من وقتی وانا الی الاٰن فی زیادة من ذٰلك النور [1]۔	یعنی یونہی میں بھی ایک روز حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے خلوت میں حاضر تھا حضور نے اپنے دست مبارک کو میرے سینے پر مارا، فوراً ایک نور قرص آفتاب کے برابر میرے دل میں چمک اٹھا، اور اس وقت سے میں نے حق کو پایا، اور آج تک وہ نور ترقی کررہا ہے۔

حدیث سوم: اور سنیے، امام ممدوح اسی بہجۃ الاسرار شریف میں بایں سند راوی:

حدثنا الشیخ ابوالفتوح محمد ابن الشیخ ابی المحاسن یوسف بن اسمٰعیل التیمی البکری البغدادی قال اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی قال الخبرنا الشیخ العارف ابوالخیر بشر بن محفوظ ببغداد بمنزله الحدیث۔	یعنی ہم سے شیخ ابوالفتوح محمد صدیق بغدادی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو سید ابوجعفر محمد علوی نے خبر دی کہ ہم سے شیخ عارف باللہ ابوالخیر بشر بن محفوظ بغدادی نے اپنے دولت خانے پر بیان فرمایا کہ ایک روز میں اور بارہ صاحب اور (جن کے نام حدیث میں مفصل مذکور ہیں) خدمت اقدس حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر تھے کہ حضور نے فرمایا: لِیَطْلُبْ کُلٌّ مِّنْکُمْ حَاجَةً اُعْطِیْهَا لَه، تم میں سے ہر ایک ایک ایک مراد مانگے کہ ہم عطا فرمائیں (اس پر دس صاحبوں نے دینی حاجتیں متعلق علم ومعرفت اور تین شخصوں نے دنیوی عہدہ ومنصب کی مرادیں مانگیں جو بتفصیل مذکور ہیں)

حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

"كُلًّا نُّمِدُّ هٰۤؤُلَآءِ وَ هٰۤؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَ مَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾"۔	ہم ان اہل دین اور اہل دنیا سب کی مدد کرتے ہیں تیرے رب کی عطا سے، اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۵۳

خدا کی قسم! جس نے جو مانگا تھا پایا، میں نے یہ مراد چاہی تھی کہ ایسی معرفت مل جائے کہ واردات قلبی میں مجھے تمیز ہوجائے کہ یہ وارد اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ اور یہ نہیں (اوروں کو ان کی مرادیں ملنے کی تفصیل بیان کرکے فرماتے ہیں):

واما انا فان الشیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ وضع یدہ علی صدری وانا جالس بین یدیہ فی مجلسہ ذٰلک فوجدت فی الوقت العاجل نورا فی صدری وانا الی الاٰن افرق بہ بین مواردا الحق والباطل وامیز بہ بین احوال الھدٰی والضلال وکنت قبل ذٰلک شدید القلق لالتباسھا علی[1]۔	اور میری یہ کیفیت ہوئی کہ میں حضور کے سامنے حاضر تھا، حضور نے اسی مجلس میں اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا کہ فوراً ایک نور میرے سینے میں چمکا کہ آج تک میں اسی نور سے تمیز کرلیتا ہوں کہ یہ وارد حق ہے اور یہ باطل، یہ حال ہدایت ہے اور یہ گمراہی اور اس سے پہلے مجھے تمیز نہ ہوسکنے کے باعث سخت قلق رہا کرتا تھا۔

حدیث چہارم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب جلیل میں اس سند عالی سے راوی کہ: اخبرنا ابو محمد الحسن ابن ابی عمران القرشی وابومحمد سالم بن علیا الدمیاطی قال اخبرنا الشیخ العالم الربانی شہاب الدین عمر السہروردی الحدیث یعنی ہمیں ابو محمد قرشی وابو محمد میاطی نے خبر دی، دونوں نے فرمایا کہ ہمیں شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ سہروردیہ نے خبر دی کہ مجھ علم کلام کا بہت شوق تھا، میں نے اس کی کتابیں ازبر حفظ کرلی تھیں اور اس میں خوب ماہر ہوگیا تھا میرے عم مکرم پیر معظم حضرت سیدی نجیب الدین عبدالقاہر سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھ کو منع فرماتے تھے اور میں بازنہ آتا تھا ایک روز مجھے ساتھ لے کر بارگاہ غوثیت پناہ میں حاضر ہوئے، راہ میں مجھ سے فرمایا: اے عمر! ہم اس وقت اس کے حضور حاضر ہونے کو ہیں جس کا دل اللہ تعالٰی کی طرف سے خبر دیتا ہے دیکھو ان کے سامنے باحتیاط حاضر ہونا کہ ان کے دیدار سے برکت پاؤ۔

جب ہم حاضر بارگاہ ہوئے میرے پیر نے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: اے میرے آقا! یہ میرا بھتیجا علم کلام میں آلودہ ہے میں منع کرتا ہوں، نہیں مانتا، حضور نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! تم نے علم کلام میں کون سی کتاب حفظ کی ہے؟ میں نے عرض کی: فلاں فلاں کتابیں۔

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فضول من کلامہ مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۳۰و۳۱

فامریدہ علی صدری فواللہ مانزعہا وانا احفظ من تلك الکتب لفظۃ وانسائی اللہ جمیع مسائلہا ولکن وفراللہ فی صدری العلم اللدنی فی الوقت العاجل فقمت من بین یدیہ وانا انطق بالحکمۃ وقال لی یاعمر انت اخر المشھورین بالعراق، قال وکان الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ سلطان الطریق والتصرف فی الوجود علی التحقیق۔ حضور نے دست مبارک میرے سینے پر پھیرا، خدا تعالٰی کی قسم! ہاتھ ہٹانے نہ پائے تھے کہ مجھے ان کتابوں سے ایک لفظ بھی یاد نہ رہا، اور ان کے تمام مطالب اللہ تعالٰی نے مجھے بھلادیے، ہاں! اللہ تعالٰی نے میرے سینے میں فوراً علم لدنی بھردیا، تو میں حضور کے پاس سے علم الٰہی کا گویا ہو کر اٹھا، اور حضور نے مجھ سے فرمایا ملک عراق میں سب سے پہلے نامور تم ہوگئے یعنی تمھارے بعد عراق بھر میں کوئی اس درجہ شہرت کو نہ پہنچے گا، اس کے بعد امام شیخ الشیوخ سہروردی فرماتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادری رضی اللہ تعالٰی عنہ بادشاہ طریق ہیں اور تمام عالم میں یقیناً تصرف فرمانے والے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

پھر امام مذکور بسند خود حضرت شیخ نجم الدین تفلیسی رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت فرماتے ہیں میرے شیخ حضرت شیخ الشیوخ نے مجھے بغداد مقدس میں چلے میں بٹھایا تھا، چالیسویں روز میں واقعہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت شیخ الشیوخ ایک بلند پہاڑ پر تشریف فرما ہیں اور ان کے پاس بکثرت جواہر ہیں اور پہاڑ کے نیچے انبوہ کثیر جمع ہے حضرت شیخ پیمانے بھر بھر کر وہ جواہر خلق پر پھینکتے ہیں اور لوگ ٹوٹ رہے ہیں جب جواہر کمی پر آتے ہیں خود بخود بڑھ جاتے ہیں گویا چشمے سے ابل رہے ہیں، دن ختم کرکے میں خلوت سے باہر نکلا اور حضرت شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ جو دیکھا تھا عرض کروں۔ میں کہنے نہ پایا تھا کہ حضرت شیخ نے فرمایا: جو تم نے دیکھا وہ حق ہے۔ اور اس جیسے کتنے ہی، یعنی صرف اپنے ہی جواہر نہیں جو تم نے دیکھے، بلکہ اتنے اتنے اور بہت سے ہیں، یہ وہ جواہر ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے علم کلام کے بدلے میرے سینے میں بھر دئے ہیں[1]، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

اس سے بڑھ کر دلوں پر قابو اور کیا ہوگا کہ ایک ہاتھ مار کر تمام حفظ کی ہوئی کتابیں یکسر محو فرمادیں کہ نہ ان کا ایک لفظ یاد رہے اور نہ اس علم کا کوئی مسئلہ اور ساتھ ہی علم لدنی سے سینہ بھردیں۔

حدیث پنجم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب جلیل الفتوح میں اس سند عالی سے راوی: حدثنا الشیخ الصالح ابوعبداللہ محمد بن کامل بن ابو المعالی الحسینی قال سمعت

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعابشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۲ و ۳۳

الشیخ العارف ابا محمد مفرج بن بنهان بن رکاف الشیبانی یعنی ہم سے شیخ صالح ابو عبداللہ محمد حسینی نے حدیث بیان کی کہ میں نے شیخ عارف ابو محمد مفرج کو فرماتے سنا کہ جب حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شہرہ ہوا فقہائے بغداد سے سو فقیہ کو فقاہت میں سب سے اعلٰی اور ذہین تھے، اس بات پر متفق ہوئے کہ انواع علوم سے سو مختلف مسئلے حضور سے پوچھیں، ہر فقیہ اپنا جدا مسئلہ پیش کرے تاکہ انھیں جواب سے بند کردیں، یہ مشورہ گانٹھ کر سو مسئلے الگ الگ چھانٹ کر حضور اقدس کی مجلس وعظ میں آئے، حضرت شیخ مفرج فرماتے ہیں میں اس وقت مجلس وعظ میں حاضر تھا جب وہ فقہاء آکر بیٹھ لئے حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سر مبارک جھکایا اور سینہ انور کی ایک بجلی چمکی جو کسی کو نظر نہ آئی مگر جسے خدا نے چاہا اس بجلی نے ان سب فقیہوں کے سینوں پر دورہ کیا۔ جس جس کے سینے پر گزرتی ہے وہ حسرت زدہ ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ پھر وہ سب فقہاء ایک ساتھ سب چلانے لگے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور سر ننگے ہو کر منبر اقدس پر گئے اور اپنے سر حضور پر نور کے قدموں پر رکھے، تمام مجلس سے ایک شور اٹھا جس سے میں نے سمجھا کہ بغداد پھر ہل گیا، حضور پر نور ان فقیہوں کو ایک ایک کرکے اپنے سینہ مبارک سے لگاتے اور فرماتے تیرا سوال یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے، یونہی ان سب کے مسائل اور ان کے جواب ارشاد فرمادئے۔

جب مجلس مبارک ختم ہوئی تو میں ان فقیہوں کے پاس گیا اور ان سے کہا: یہ تمھارا حال کیا ہوا تھا؟ بولے:

لما جلسنا فقدنا جمیع مانعرفه من العلم حتی کانه نسخ منا فلم یمر بنا قط فلما ضمنا الی صدره رجع الی کل منا مانزع عنه من العلم ولقد ذکرنا مسائلنا التی هیأنا حاله وذکر فیها اجوبته [1]۔	جب ہم وہاں بیٹھے جتنا آتا تھا دفعۃً سب ہم سے گم ہوگیا ایسا مٹ گیا کہ کبھی ہمارے پاس ہو کر نہ گزرا تھا، جب حضور نے ہمیں اپنے سینہ مبارک سے لگایا ہر ایک کے پاس اس کا چھینا ہوا علم پلٹ آیا، ہمیں وہ اپنے مسئلے بھی یاد نہ رہے تھے جو حضور کے لئے تیار کرکے لے گئے تھے۔ حضور نے وہ مسائل بھی ہمیں یاد دلائے اور ان کے وہ جواب ارشاد فرمائے جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھے۔

اس سے یہ زیادہ قلوب پر اور کیا قبضہ درکار ہے کہ ایک آن میں اکابر علماء کو تمام عمر کا پڑھا لکھا

[1] بهجة الاسرار ذکر وعظه رضی اللہ تعالٰی عنه مصطفی البابی مصر ص۹۶

سب بھلادیں اور پھر ایک آن میں عطا فرمادیں۔

حدیث ششم: اور سنیے، امام ممدوح اسی کتاب مبارک میں اس سند جلیل سے راوی کہ: **اخبرنا الشیخ ابو الحسن علی بن عبداللہ الابھری وابو محمد سالم الدمیاطی اصوفی قالا سمعنا الشیخ شھاب الدین السھروردی الحدیث۔** یعنی ہمیں ابوالحسن ابہری و ابو محمد اسالم الدمیاطی الصوفی نے خبر دی، دونوں نے فرمایا کہ ہم نے حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو فرماتے سنا کہ میں ۶۰ھ میں اپنے شیخ معظم وعم مکرم سیدی نجیب الدین عبدالقادر سہروردی کے ہمراہ حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر ہوا، میرے شیخ نے حضور کے ساتھ عظیم ادب برتا، اور حضور کے ساتھ ہمہ تن گوش بے زبان ہو کر بیٹھے جب ہم مدرسہ نظامیہ کو واپس آئے میں نے اس ادب کا حال پوچھا۔ فرمایا:

کیف لا اتادب مع من صرفه مالکی فی قلبی وحالی وقلوب الاولیاء واحوالهم ان شاء امسکها وان شاء ارسلها[1]۔	میں کیونکر ان کا ادب نہ کروں جن کو میرے مالک نے دل اور میرے حال اور تمام اولیاء کے قلوب و احوال پر تصرف بخشا ہے۔ چاہیں روک لیں چاہیں چھوڑ دیں۔

کہئے قلوب پر کیسا عظیم قبضہ ہے۔

حدیث ہفتم: اور سنیے، اور سب سے اجل واعلٰی سنیے، امام ممدوح قدس سرہ، اسی کتاب عالی نصاب میں اسی سند صحیح سے روایت فرماتے ہیں کہ: **حدثنا الشیخ ابو محمد القاسم بن احمد الھاشمی الحرمی، الحنبلی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن علی الخباز قال اخبرنا الشیخ ابو القاسم عمر بن مسعود البزار، الحدیث۔**

یعنی شیخ ابو محمد ہاشمی ساکن حرم محترم نے ہم سے حدیث بیان کی کہ انھیں عارف حضرت ابوالحسن علی خباز نے خبر دی کہ انھیں امام اجل عارف اکمل سیدی عمر بزار نے خبر دی کہ میں ۱۵ / جمادی الآخرہ ۵۵۶ھ روز جمعہ کو حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہمراہ جامع مسجد کو جاتا تھا، راہ میں کسی شخص نے حضور کو سلام نہ کیا، میں نے اپنے جی میں کہا سخت تعجب ہے، ہر جمعہ کو تو خلائق کا حضور پر وہ اژدحام ہوتا تھا کہ ہم مسجد تک بمشکل پہنچ پائے تھے آج کیا واقعہ ہے کہ کوئی سلام تک نہیں کرتا، یہ بات

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ ابو النجیب عبدالقاہر السهروردی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

ابھی میرے دل میں پوری آنے بھی نہ پائی تھی کہ حضور پر نور رضی اللہ تعالی عنہم نے تبسم فرماتے ہوئے میری طرف دیکھا اور معالوگ تسلیم و مجرا کے لئے چاروں طرف سے دوڑ پڑے، یہاں تک کہ میرے اور حضور کے بیچ میں حائل ہوگئے، میں اس ہجوم میں حضور سے دور رہ گیا، میں نے اپنے جی میں کہا کہ اس حالت میں تو وہی پہلا حال اچھا تھا یعنی دولت قرب تو نصیب تھی، یہ خطرہ میرے دل میں آتے ہی معا حضور نے میرے طرف پھر کر دیکھا اور تبسم فرمایا: اور ارشاد کیا: اے عمر! تم ہی نے اس کی خواہش کی تھی، **اوما علمت ان قلوب الناس بیدی ان شئت صرفتها عنی وان شئت اقبلت بها الی**[1] یعنی کیا تمھیں معلوم نہیں کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں چاہوں تو اپنی طرف سے پھیر دوں اور چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کرلوں، **رضی اللہ تعالٰی عنہ ورحمنا بہ وجعلنا لہ وبہ الیہ ولم یقطعنا بجاھہ لدیہ اٰمین**۔

یہ حدیث کریم (مذکورہ بالا) بعینہٖ انھیں الفاظ سے مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے نزہۃ الخاطر الفاتر شریف میں ذکر کی، عارب باللہ سیدی نور الملۃ والدین جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں اس حدیث کو لا کر ارشاد اقدس کا ترجمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

نادانستی کہ دلہائے مردماں بدست من است اگر خواہم دلہائے ایشاں راز خود بگردانم واگر خواہم روئے در خود کنم[2]۔	تو نہیں جانتا کہ لوگوں کے دل میرے ہاتھ میں ہے اگر چاہوں تو ان لوگوں کے قلوب از خود پھیر دوں اور اگر چاہوں تو اپنی طرف متوجہ کرلو ۱۲م۔

یہی تو اس سگ کوئے قادری غفرلہ بمولاہ نے عرض کیا تھا، ع

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

اور دو شعر بعد میں عرض کیا تھا: ؎

کنجیاں دل کی خدا نے تجھے دیں ایسی کر کہ یہ سینہ ہو محبت کا خزینہ تیرا

اس قصیدہ مبارک کے وصل چہارم میں ان اشقیاء کا رد تھا جو حضور پر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تنقیص شان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے ناپاک کلموں سے غلامان بارگاہ کے قلب پر کیا کچھ صدمہ نہیں پہنچتا اپنے اور اپنے خواجہ تاشوں کی تسکین کو وہ مصرع تھا جس طرح دوسری جگہ عرض کیا ہے ؎

رنج اعدا کا رضا چارہ ہی کیا ہے جب انھیں آپ گستاخ رکھے حلم و شکیبائی دوست

---

[1] بهجة الاسرار فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله مصطفی البابی مصر ص ۷۶

[2] نفحات الانس من حضرات القدس ترجمہ شیخ ابو عمرو یفینی از انتشارات کتاب فروشی محمودی ص ۵۲۱

اور یہ اس آیہ کریمہ کا اتباع ہے کہ:

"لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَمَعَھُمْ عَلَی الْھُدٰی فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْجٰھِلِیْنَ ﴿۳۵﴾"[1]	اللہ چاہتا تو سبھی کو ہدایت پر جمع فرمادیتا تو نادان نہ بن۔

اب اس کلام کو ایک حدیث مقید مسلمین ومحافظ ایمان ودین پر ختم کریں، امام ممدوح قدس سرہ، فرماتے ہیں:

حدثنا الشیخ الفقیہ ابوالحسن علی بن الشیخ ابو العباس احمد بن المبارک البغدادی الحریمی قال اخبرنا الفقیہ الشیخ محمد بن عبداللطیف الترمسی البغدادی الصوفی قال کان شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا تکلم بالکلام العظیم یقول عقیبہ باللہ قولوا صدقت وانما اتکلم عن یقین لاشك فیہ انما انطق فانطق واعطی فافرق واومر فافعل والعھدۃ علی من امرنی ولدیۃ علی العاقلۃ تکذیبکم لی سم ساعۃ لادیانکم وسبب لاذھاب دنیاکم واخرکم اناسیاف اناقتال و یحذرکم اللہ نفسہ لو لالجام الشریعۃ علی لسانی لا خبرتکم بما تاکلون وماتدخرون فی بیوتکم انتم بین یدیّ کالقواریر یری مافی بطونکم وظواھرکم	یعنی حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کوئی عظیم بات فرماتے اس کے بعد ارشاد فرماتے تم پر اللہ عزوجل کا عہد ہے کہ کہو حضور نے سچ کہا میں اس یقین سے کلام فرماتا ہوں جس میں اصلا کوئی شک نہیں میں کہلوایا جاتا ہوں تو کہتا ہوں اور مجھے عطا کرتے ہیں تو تقسیم فرماتا ہوں اور مجھے حکم ہوتا ہے تو میں کام کرتا ہوں، اور ذمہ داری اس پر ہے جس نے مجھے حکم دیا، اور خون بہا مددگاروں پر، تمھارا میری بات کو جھٹلانا تمھارے دین کے حق میں زہر ہلاہل ہے جو اسی ساعت ہلاک کردے اور اس میں تمھاری دنیا وآخرت کی بربادی ہے۔ میں تیغ زن ہوں، میں سخت کش ہوں، اور اللہ تعالٰی کی روک میری غضب سے ڈراتا ہے۔ اگر شریعت کی روک میری زبان پر نہ ہوتی تو میں تمھیں بتادیتا جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہو، تم سب میرے سامنے شیشے کی طرح ہو، تمھارے فقط ظاہر ہی نہیں بلکہ جو کچھ تمھارے دلوں کے اندر ہے وہ سب ہمارے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳۵

لولالجام الحکم علی لسانی لنطق صاع یوسف بما فیه لکن العلم مستجیر بذیل العالم کیلا یبدئ مکنونة[1]۔ صدقت یاسیدی واللہ انت الصادق المصدوق من عند اللہ وجلی لسان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه و علیك وبارك وسلم وشرف ومجد وعظم وکرم۔	پیش نظر ہے اگر حکم الٰہی کی روک میری زبان پر نہ ہوتی تو یوسف کا پیمانہ خود بول اٹھتا کہ اس میں کیا ہے، مگر ہے یہ کہ عالم عالم کے دامن سے لپٹا ہوا پناہ مانگ رہا ہے کہ راز کی باتیں فاش نہ فرمائے۔اے میرے آقا! آپ نے سچ فرمایا۔ قسم خدا کی اللہ عزوجل کے نزدیک اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق آپ بڑے سچے ہیں، آپ پر بھی اللہ کی رحمت وبرکت اور سلام۔ ۱۲م۔

یہ مختصر عجالہ بصورت رسالہ ظاہر ہوا، اور اس میں دو مسئلوں پر کلام تھا، ایک لفظ "شہنشاہ" دوسرے یہ کہ قلوب پر سید اکرم مولائے افخم حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قبضہ وتصرف ہے۔ لہٰذا مناسب کہ اس کا تاریخی نام فقه شهنشاہ وان القلوب بیدالمحبوب بعطاء اللہ رکھا جائے۔

والحمدللہ رب العالمین، وافضل الصلوٰۃ والسلام علی افضل المرسلین واٰله وصحبه وابنه وحزبه اجمعین۔ اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

کتبـــــــــــــــــــــــــه

عبدہ المذنب احمد رضاؔ البریلوی عفی عنه

بمحمدن المصطفی علیه افضل التحیة والثناء

---

[1] بهجة الاسرار کلمات اخیر بها عن نفسه مصطفی البابی مصر ص ۲۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

آثار مقدسہ اور اُن سے تبرک وتوسل

رسالہ

بدر الانوار فی اٰداب الاٰثار ۱۳۲۶ھ

(آثار مقدسہ کے آداب کے بارے میں روشنیوں کا ماہِ کامل)

فصل اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۶۷: اجمیر شریف درگاہ معلی مرسلہ سید حبیب اللہ قادری دمشقی طرابلسی شامی ۲۸/ جمادی الاآخرہ ۱۳۲۳ھ

ماقولکم دام فضلکم (اللہ تعالٰی کا ہمیشہ آپ پر فضل ہو آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے۔ت) ایک شخص اپنے وعظ میں صاف انکار کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور حضور کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلا باقی نہیں، نہ صحابہ کے پاس تبرکات شریفہ سے کچھ تھا نہ کبھی کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا، امید کہ اس کا جوب بحوالہ احادیث وکتاب ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. الحمد للہ حمدا یکافئنی فضلہ وانعامہ ویحلنا برضاہ دار المقامۃ دارا ذات برکۃ وسلامۃ لامخافۃ فیہا والاسامۃ والصلوۃ والسلام	اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ اللہ تعالٰی کے لئے تمام حمدیں جو مجھے اپنے فضل وانعام میں کفایت دے اور ہمیں اپنی رضا سے برکت اور سلامتی والے گھر (جنت) میں

علی نبی التھامة خیر من لبس الجبة والنعل والعمامة وعلی اله وصحبه ذوی الکرامة الناصحین لامته المبلغین احکامه، المعظمین اٰثارہ بعدہ وامامه صلوٰۃ تنمی وتنمی الی یوم القیمة۔	داخل کرے جہاں خوف ہے نہ تکلیف اور صلوٰۃ وسلام تہامہ کے نبی پر جو جبہ وچپل اور عمامہ پہننے والوں میں سب سے افضل ہیں اور آپ کی آل واصحاب کرامت والوں پر جو امت کے مخلص اور ان کو احکام پہنچانے والے ہیں اور آپ کے آثار مبارکہ کی آپ کے بعد اور سامنے بھی تعظیم کرنے والے ہیں، بڑھنے والی صلوٰۃ قیامت تک بڑھتی رہے۔(ت)

امابعد، یہ فتاوٰی ہیں متعلق تبرکات شریفہ وآثار لطیفہ کہ ان کا ادب کیسا ہے اور ان کے ثبوت میں کیا دیکھا ہے اور بے سند ہوں تو کیا چاہئے اور زیارت پر نذرانہ لینے دینے مانگنے کے مسئلے جن کا فقیر سے سوال ہوا اور مجموع کا بدر الانوار فی اٰداب الآثار نام ٹھہرا، والحمدﷲ رب العٰلمین والصلوٰۃ علی المولٰی والہ اجمعین۔

ایسا شخص آیات واحادیث کا منکر اور سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے اس پر توبہ فرض ہے اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گمراہ بے دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۶﴾ فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۚ۬ "[1]	بیشک سب میں پہلا گھر کہ لوگوں کے لئے مقرر فرمایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کو راہ دکھاتا اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کا پتھر۔

جس پر کھڑے ہو کر انھوں نے کعبہ معظّمہ بنایا ان کے قدم پاک کا نشان اس میں بن گیا، اجلہ محدثین عبد بن حمید وابن جریر و ابن المنذر وابن ابی حاتم وارزقی نے امام اجل مجاہد تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کی:

قال اثر قدمیه فی المقام اٰیة بینة[2]۔	فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دونوں قدم پاک کا اس پتھر میں نشان ہو جانا یہ کھلی نشانی ہے جسے اللہ عزوجل آیات بینات فرمارہا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۹۶

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳/ ۹۶ المطبعة المیمنیه مصر ۴/ ۸، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۹۶ مکتبه نزار مکة المکرمة ۳/ ۷۱۱

تفسیر کبیر میں ہے:

الفضیلة الثانیة لهذا البیت مقام ابراهیم وهو الحجر الذی وضع ابراهیم قدمه علیه فجعل الله ما تحت قدم ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام من ذٰلك الحجر دون سائر اجزائه کالطین حتی غاص فیه قدم ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام وهذا مما لایقدر علیه الا الله تعالٰی۔ولا یظهره الا علی انبیاء۔ثم لما رفع ابراهیم علیه الصلوٰة والسلام قدمه عنه خلق فیه الصلوبة الحجریة مرة اخری۔ثم انه تعالٰی ابقی ذٰلك الحجر علی سبیل الاستمرار والدوام فهذه انواع من الاٰیات العجیبة و المعجزات الباهرة اظهرها الله تعالٰی فی ذٰلك الحجر[1]۔	یعنی کعبہ معظّمہ کی ایک فضیلت مقام ابراہم ہے یہ وہ پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا قدم مبارک رکھا تو جتنا ٹکڑا ان کے زیر قدم آیا تر مٹی کی طرح نرم ہوگیا یہاں تک کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا قدم مبارک اس میں پیر گیا اور یہ خاص قدرت الٰہیہ و معجزہ انبیاء ہے پھر جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قدم اٹھایا اللہ تعالٰی نے دوبارہ اس ٹکڑے میں پتھر کی سختی پیدا کردی کہ وہ نشان قدم محفوظ رہ گیا پھر اسے حق سبحنہ نے مدتہا مدت باقی رکھا تو یہ اقسام اقسام کے عجیب وغریب معجزے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس پتھر میں ظاہر فرمائے۔

ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ان کل واحد من اثر قدمیه فی صخرة صماء و غوصه فیها الی الکعبین والانة بعض الصخور دون بعض و ابقائه دون سائر اٰیات الانبیاء علیهم الصلوٰة و السلام وحفظه مع کثرة الاعداء طوف سنة اٰیة مستقلة[2]۔	یعنی اس ایک پتھر کو مولٰی تعالٰی نے متعدد آیات فرمایا اس لئے کہ اس میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان قدم ہوجانا ایک اور ان کے قدموں کا گٹوں تک اس میں پیر جانا دو اور پتھر کا ایک ٹکڑا نرم ہوجانا باقی کا اپنے حال پر رہنا تین اور معجزات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم میں اس معجزے کا باقی رکھنا چار اور باوصف کثرت اعداء ہزاروں برس اس کا محفوظ رہنا پانچ، یہ ہر ایک بجائے خود ایک آیت معجزہ ہے۔

[1] مفاتیح الغیب (التفیسر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۹۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۸/ ۱۵۵

[2] ارشاد العقل السلیم تحت آیۃ ۳/ ۹۶ دار احیاء التراث العربی بیروت الجزء الثانی ۶۱

مولٰی سبحانہ تعالٰی فرماتا ہے:

"قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ "[1]	بنی اسرائیل کے نبی شمویل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا کہ سلطنت طالوت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمھارے پاس تابوت جس میں تمھارے رب کی طرف سے سکینہ ہے اور موسٰی وہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں، فرشتے اسے اٹھا کر لائیں، بے شک اس میں تمھارے لئے عظیم نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

وہ تبرکات کیا تھے، موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ مقدسہ وغیرہا، ان کی برکات تھیں کہ بنی اسرائیل اس تابوت کو جس لڑائی میں آگے کرتے فتح پاتے اور جس مراد میں اس سے توسل کرتے اجابت دیکھتے، ابن جریر وابن ابی حاتم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

وبقیۃ مماترک اٰل موسٰی عصاہ ورضاض الالواح۔[2]	تابوت سکینہ میں تبرکات موسویہ سے ان کا عصا تھا اور تختیوں کی کرچیں۔

وکیع بن الجراح وسعید بن منصور وعبد بن حمید وابن ابی حاتم وابو صالح تلمیذ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، قال:

کان فی التابوت عصا موسٰی وعصا ھٰرون وثیاب موسٰی وثیاب ہرون ولوحان من التوراۃ والمن وکلمۃ الفرج لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم و سبحن اللہ رب السمٰوت السبع ورب العرش العظیم والحمدللہ رب العالمین۔[3]	تابوت میں موسٰی وہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے عصاء اور دونوں حضرات کے ملبوس اور توریت کی دو تختیاں اور قدرے من کہ بنی اسرائیل پر اترا اور یہ دعائے کشائش لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم الخ۔

معالم التنزیل میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۲/ ۲۴۸ المطبعۃ الیمنیۃ مصر ۲/ ۳۶۶

[3] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم حدیث ۲۴۸۵، ۲۴۸۶ مکتبۃ نزار مکۃ المکرمہ ۲/ ۴۷۰

کان فیہ عصاموسٰی ونعلاہ وعمامۃ ھرون وعصاہ الخ [1]۔	تابوت میں موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کا عصا اور ان کی نعلین اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ و عصا الخ (ت)

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعا بالحلاق وناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ ثم دعا اباطلحۃ الانصاری فاعطاہ ایاہ ثم ناول الشق الایسر فقال احلق فحلقہ فاعطاہ اباطلحۃ فقال اقسمہ بین الناس [2]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجام کو بلا کر سر مبارک کے داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا پھر ابو طلحہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلا کر وہ سب بال انھیں عطا فرمادئے پھر بائیں جانب کے بالوں کو حکم فرمایا اور وہ ابو طلحہ کو دئے کہ انھیں لوگوں میں تقسیم کردو۔

صحیح بخاری شریف کتاب اللباس میں عیسٰی بن طہمان سے ہے:

قال اخرج الینا انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ نعلین لھما قبالان فقال ثابت البنانی ہذا نعل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3]۔	انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ دو نعل مبارک ہمارے پاس لائے کہ ہر ایک میں بندش کے دو تسمے تھے ان کے شاگرد رشید ثابت بنانی نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعل مقدس ہے۔

صحیحین میں ابوبردہ سے ہے:

قال اخرجت الینا عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کساء ملبدا وازارا غلیظا فقالت قبض روح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک رضائی یا کمبل اور ایک موٹا تہبند نکال کر ہمیں دکھایا اور فرمایا کہ وقت وصال اقدس حضور پرنور

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۲۴۸ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان ان السنۃ یوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۱

[3] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۸، صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۱

علیہ وسلم فی ھٰذین [1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یہ دو کپڑے تھے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

انہا اخرجت جبۃ طیالسیۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت ہذہ جبۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت عند عائشۃ فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضی نستشفی بہا [2]۔	یعنی انھوں نے ایک اُونی جبہ کسروانی ساخت نکالا، اس کی پلیٹ ریشمین تھی اور دونوں چاکوں پر ریشم کا کام تھا اور کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جبہ ہے ام المومنین صدیقہ کے پاس تھا ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تھے تو ہم اسے دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے اور اس سے شفا چاہتے ہیں۔

صحیح بخاری میں عثمٰن بن عبداللہ بن موہب سے ہے:

قالت دخلت علی ام سلمۃ فاخرجت الینا شعرا من شعر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخضوبا [3]۔	میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے خدمت میں حاضر ہوا انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے موئے مبارک کی ہمیں زیارت کرائی اس پر خضاب کا اثر تھا۔

یہ چند احادیث خاص صحیحین سے لکھ دیں اور یہاں احادیث میں کثرت اور اقوال ائمہ کا تواتر بشدت اور مسئلہ خود واضح، اور اس کا انکار جہل فاضح ہے لہٰذا صرف ایک عبارت شفاء شریف پر اقتصار کریں، فرماتے ہیں:

ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ ومالمسہ اوعرف بہ وکانت فی	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا ایک جزیہ بھی ہے کہ جس چیز کو حضور سے کچھ علاقہ ہو حضور کی طرف منسوب ہو حضور نے اُسے

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد ۱/ ۴۳۸ و کتاب اللباس باب الاکسیہ والخماص ۲/ ۸۶۵ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب اللباس باب التواضع فی اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۔۱۹۳

[2] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب والفضۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] صحیح البخاری باب یذکر فی الشیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

قلنسوۃ خالد بن الولید رضی اللہ تعالٰی عنہ شعرات من شعرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسقطت قلنسوتہ فی بعض حروبہ فشد علیھا شدۃ انکر علیہ اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثرۃ من قتل فیھا فقال لم افعلھا بسبب القلنسوۃ بل لما تضمنتہ من شعرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لئلا اسلب برکتھا وتقع فی ایدی المشرکین ورأی ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما واضعایدہ علی مقعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من المبنر ثم وضعھا علی وجھہ [1] (ملخصًا) اللھم ارزقنا حب حبیبك وحسن الادب معہ ومع اولیائہ اٰمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وبارك وسلم وعلیھم اجمعین۔	چھوا ہو یا حضور کے نام پاک سے پہچانی جاتی ہو اس سب کی تعظیم کی جائے خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ٹوپی میں چند موئے مبارک تھے کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے لئے ایسا شدید حملہ فرمایا جس پر اور صحابہ کرام نے انکار کیا اس لئے کہ اس شدید وسخت حملہ میں بہت مسلمان کام آئے خالد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرا یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہ تھا بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا کہ مبادا اس کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگیں اور ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کو دیکھا گیا کہ منبر اطہر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جو جگہ جلوس اقدس کی تھی اسے ہاتھ سے مس کرکے وہ ہاتھ اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (ملخصًا) اے اللہ! ہمیں اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام کی محبت اور حسن ادب نصیب فرما۔ آمین! (ت)

خالد بن ولید کی حدیث ابویعلی اور عبداللہ بن عمر کی حدیث ابن سعد نے طبقات میں روایت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ ۱۶۸: از بستی مرسلہ مولوی مفتی عزیز الحسن صاحب رجسٹرار ۹/ شوال ۱۳۱۰ھ

جناب مولانا سراپا فیض مجسم علم وحلم، معظم ومکرم دام مجدہم، پس از سلام مسنون باعث تکلیف آنجناب یہ ہے کہ ایک شخص برکت آثار بزرگان سے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ بزرگوں کے خرقہ وجبّہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

وغیرہما سے کوئی برکت حاصل نہیں ہوتی، چونکہ وہ پڑھے لکھے ہیں یہ امر قرار پایا ہے کہ اگر سو برس سے قبل کے کسی عالم نے اپنی کتاب میں اس برکت کو تحریر کیا ہو تو میں مان لوں گا، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے جبہ وغیرہ میں گفتگو نہیں ہے۔ والسلام۔

الجواب:

برکت آثار بزرگان سے انکار آفتاب روشن کا انکار ہے معہذا جب برکت آثار شریفہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور پر ظاہر کہ اولیاء وعلماء حضور کے ورثاء ہیں تو ان کے آثار میں برکت کیوں نہ ہوگی کہ آخر وارث برکات ووارث ایراث برکات ہیں، فقیر غفراللہ تعالٰی کہ اتمام حجت کے لئے چند عبارات ائمہ وعلماء کہ وہ سب آج سے سو برس پہلے اور بعض پانسو چھ سو برس پہلے کے تھے حاضر کرتا ہے۔ کتب مطبوعہ کا نشان جلد وصفحہ بھی ظاہر کردیا جائے گا، کہ مراجعت میں آسانی ہو،

(۱) امام اجل زکریا نووی جن کی ولادت باسعادت ۶۳۱ھ اور وفات شریف ۶۷۷ھ میں ہوئی شرح صحیح مسلم شریف میں زیر حدیث عتبان بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ: انی احب ان تاتینی وتصلی فی منزله فاتخذه المصلی (میری تمنا ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لاکر کسی جگہ نماز پڑھ لیں تاکہ میں اس جگہ کو نماز پڑھنے کے لئے متعین کرلوں۔ ت) فرماتے ہیں:

فی ہذا الحدیث انواع من العلم وفیه التبرك باٰثار الصالحین وفیه زیارة العلماء والصلحاء والکبار و اتباعهم وتبریکهم ایاهم[1]۔	اس حدیث میں کئی قسم کے علوم ومعارف ہیں اور اس میں بزرگان دین کے آثار سے تبرک اور علماء صلحاء، اور بزرگوں اور ان کے متبعین کی زیارت اور ان سے برکات کا حصول ثابت ہے۔ (ت)

(۲) نیز اسی حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فی حدیث عتبان فی ہذا فوائد کثیرة منها التبرك بالصالحین واٰثارهم والصلوٰة فی المواضع التی صلوا بها وطلب التبریك منهم[2]۔	حضرت عتبان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث میں بہت فوائد ہیں ان میں سے صالحین اور ان کے آثار سے تبرک اور ان کی جائے نماز پر نماز اور ان سے تبرکات حاصل کرنا ثابت ہے۔ (ت)

---

[1] المنهاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الایمان باب الدلیل علی ان من رضی باللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷

[2] المنهاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب المساجد باب الرخصة فی التخلف عن الجماعة لعذر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۳

(۳)اسی میں زیر حدیث ابو جحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ **فخرج بلال بوضوئہ فمن نائل و ناضح** (حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی لے کر باہر نکلے لوگوں نے اس پانی کو مل لیا، کسی کو پانی مل گا اور کسی نے اس پانی کو چھڑک لیا۔ت)فرمایا:

فیہ التبرک باٰثار الصالحین واستعمال فضل طھورہم وطعامھم وشرابھم ولباسھم[1]۔	اس حدیث سے بزرگان دین کے آثار سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہوتا ہے اور اس کے وضو سے بچے ہوئے پانی طعام مشروب اور لباس کے استعمال سے برکت حاصل ہونا ثابت ہے۔(ت)

(۴)اسی میں زیر حدیث انس رضی اللہ تعالٰی **مایوتی باناء الاغمس یدہ فیہ** (مدینہ کے خدام پانی سے بھرے ہوئے اپنے اپنے برتن لے کر آتے حضور ہر برتن میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے۔ت)فرمایا:

فیہ التبرک باٰثار الصالحین[2]۔	اس میں صالحین کے آثار سے تبرک ثابت ہے۔(ت)

(۵)اسی میں زیر حدیث ابوایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ **اکل منہ وبعث بفضلۃ الی** (طعام سے کھایا اور بقیہ میری طرف بھیج دیا۔ت)فرمایا:

قال العلماء فی ہذہ انہ یستحب للاکل والشارب ان یفضل مما یاکل ویشرب فضلۃ لیواسی بہا من بعدہ لاسیما ان کان ممن یتبرک بفضلتہ[3]۔	علماء کرام نے فرمایا اس میں فائدہ ہے کہ کھانے اور پینے والے کو مستحب ہے کہ اپنے کھانے پینے سے کچھ بچا رکھے تاکہ دوسرے حصہ پائیں خصوصاً ایسے لوگوں جن کے بچے ہوئے سے تبرک حاصل کیا جاتا ہو۔(ت)

(۶)اسی میں زیر حدیث سأل عن موضع اصابعہ **فیتتبع موضع اصابعہ** (آپ کی انگشت مبارک کے مقام سے متعلق پوچھتے تو آپ کی انگشت مبارک کی جگہ تلاش کرتے۔ت)فرمایا:

فیہ التبرک باٰثار الخیر فی الطعام وغیرہ[4]۔	اس میں آثار صالحین سے تبرک طعام وغیرہ میں ثابت ہے۔(ت)

---

[1] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الصلوٰۃ باب سترۃ المصلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۶

[2] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الفضائل باب قربہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۶

[3] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۳

[4] المنہاج لشرح صحیح مسلم بن الحجاج کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۳

(۷) امام احمد بن محمد قسطلانی متوفی ۹۲۳ھ ارشادالساری شرح صحیح البخاری میں زیر حدیث ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فجعل الناس یتمسحون بوضوئہ فرماتے ہیں:

استنبط منه التبرك بما یلامس اجساد الصالحین [1]۔	اس میں صالحین کے اجسام سے مس کرنیوالی چیز سے تبرک کا ثبوت ہے۔ (ت)

(۸) اسی میں زیر حدیث انی واللہ ماسألته لالبسها انما سألته لتکون کفنی فرمایا:

فیه التبرك بأٰثار الصالحین قال اصحابنا لایندب ان یعد نفسه کفنا الا ان یکون من اثرذی صلاح فحسن اعادہ کما ھنا [2] انتھی ملخصا۔	اس میں آثار صالحین سے تبرک کا ثبوت ہے۔ ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ کسی صالح کے اثر والا کفن اپنے لئے تیار کرنا بہترین کفن جیسے یہاں حدیث میں ہے انتہی ملخصا۔ (ت)

(۹) مولٰنا علی قاری مکی متوفی ۱۰۱۴ھ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث سنن نسائی کے نیچے کہ طلق بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ بقیہ آب وضوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور سے مانگ کر اپنے ملک کو لے گئے یہ فائدہ لکھ کر کہ:

فیه التبرك بفضله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ونقله الی البلاد نظیرہ ماء زمزم۔	اس میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے استعمال سے بچی ہوئی چیز سے تبرک حاصل کرنا اور اسے دوسرے شہروں میں لے جانا آب زمزم کی نظیر ہے۔ (ت)

فرمایا:

ویوخذ من ذٰلك ان فضلة وارثیه من العلماء و الصلحاء کذٰلک [3]۔	اور اس سے اخذ ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے وارثوں علماء وصلحاء کا بچا ہوا بھی اسی طرح متبرک ہے۔ (ت)

(۱۰) مولٰنا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ نے اشعۃ اللمعات میں فرمایا:

دریں حدیث استحباب است بہ بقیہ آب وضوے وپس ماندہ آنحضرت ونقل آں بلادو	اس حدیث میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے وضو سے بچا ہوا پانی اور دیگر پسماندہ اشیاء کا متبرک ہونا

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ابواب سترۃ المصلی باب السترۃ بمکۃ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۶۷

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ابواب الجنائز باب من استعد الکفن فی زمن نبی دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۳۹۶

[3] مرقاۃ المفاتیح باب المساجد مواضع الصلٰوۃ افضل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۲۰

مواضع بعیدہ مانند آب زمزم وآنحضرت چوں در مدینہ مے بود آب زمزم را از حاکم مکہ مے طلبید و تبرک مے ساخت وفضلہ وارثان او کہ علماء و صلحاء اند و تبرک بآثار و انوار ایشاں ہم بریں قیاس ست[1]۔	اور ان کو دوسرے بعید شہروں میں منتقل کرنے کی نظیر آب زمزم شریف ہے۔ جب آپ مدینہ منورہ میں تھے تو آپ حاکم مکہ سے اب زمزم طلب فرماتے اور متبرک بناتے اور آپ کے وارث علماء وصلحاء کی بچی ہوئی چیز اور ان کے آثار وانوار کا اسی پر قیاس ہے۔ (ت)

(۱۱) امام علامہ احمد بن محمد مصری مالکی معاصر شیخ محقق دہلوی نے کتاب مستطاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال میں امام اجل خاتمۃ المجتہدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی شافعی متوفی ۷۵۶ء کا ایک کلام نفیس تبرک بہ آثار امام شیخ الاسلام ابوزکریا نووی قدست اسرار ہم میں نقل فرمایا:

وھذا لفظ حکی جماعۃ من الشافعیۃ ان الشیخ العلامۃ تقی الدین ابا الحسن علیا السبکی الشافعی لما تولی تدریس دارالحدیث بالاشرافیۃ بالشام بعد وفاۃ الامام النووی احد من یفتخر بہ المسلمون خصوصا الشافعیۃ انشد لنفسہ۔ وفی دارالحدیث لطیف معنی الی بسط لھا اصبو واٰوی لعلی ان امس بحر وجھی مکانا مسہ قدم النواوی واذا کان ہذا فی اٰثار من ذکر فما بالك باٰثار من شرف	اس بات کو شوافع کی ایک جماعت نے حکایت کیا ہے کہ علامہ شیخ تقی الدین ابوالحسن علی سبکی شافعی جب شام میں امام نووی کی وفات کے بعد مدرسہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے تو انھوں نے اپنے متعلق یہ پڑھا: دارالحدیث میں ایک لطیف معنی سے بسط کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف میں مائل اور راجع ہوں یہ کہ ہوسکتا ہے کہ محبت کی شدت میں اس جگہ کو اپنے چہرے سے مس کروں جس کو امام نووی کے قدموں نے مس کیا ہے جب یہ مذکور حضرات کے آثار کا معاملہ ہے تو اس ذات کے آثار کے متعلق تیرا حال کیا ہوگا جس ذات سے سب نے

[1] اشعۃ اللمعات باب المساجد مواضع الصلوٰۃ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۳۱

الجمیع بہ[1]۔	شرف پایا۔(ت)

(۱۲) شاہ ولی اللہ دہلی متوفی ۱۱۷۴ھ فیوض الحرمین صفحہ ۲۰ میں لکھتے ہیں:

من اراد ان یحصل لہ ماللملاء السافل من الملئکۃ فلا سبیل الی ذٰلك الا الاعتصام بالطھارۃ و الحلول بالمساجد القدیمۃ التی صلی فیھا جماعات من الاولیاء الخ[2]۔	جو شخص ملاء سافل کے فرشتوں کا مقام چاہتا ہے اس کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ طہارت اور قدیم مساجد جہاں اولیائے کرام نے نماز پڑھی ہو، میں داخل ہونے کا التزام کرے الخ۔(ت)

(۱۳) اسی میں ہے ص ۴۹:

ان الانسان اذا صار محبوبا فکان منظورا للحق و للملاء الاعلی عروساجمیلا فکل مکان حل فیہ انعقدت و تعلقت بہ ہمم الملاء الاعلی وان ساق الیہ افواج الملئکۃ وامواج النور لاسیما اذا کانت ہمتہ تعلقت بھذا المکان والعارف الکامل معرفۃ وحالا لہ ھمۃ یحل فیھا نظر الحق یتعلق باھلہ ومالہ وبیتہ و نسلہ ونسبہ وقرابتہ واصحابہ یشمل المال والجاہ وغیرہا ویصلحھا فمن ذٰلك تمیزت ماٰثر الکمل من ماٰثر الکمل من ماٰثر غیرھم[3]۔	تحقیق جب انسان محبوب بن جاتا ہے تو وہ حق تعالٰی کا منظور اور ملاء اعلٰی کا خوب صورت دولھا بن جاتا ہے تو وہ جس مکان میں ہوتا ہے وہاں ملاء اعلی، کی ہمتیں مرکوز ہو جاتی ہیں اور فرشتوں کی فوج اور نور کی امواج اس جگہ وارد ہوتی ہیں خصوصا وہ مکان جہاں اس کی ہمت مرکوز ہوتی ہے اور معروف میں کامل عارف کی ہمت میں حق تعالٰی کی نظر رحمت مرکوز ہوتی ہے جس کا عارف کے اہل مال، گھر، نسل ونسب، قرابت اور اس کے اصحاب سے یوں تعلق ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ہر چیز کو وہ تعلق شامل ہو جاتا ہے اسی بناء پر لوگوں کے آثار کامل اور غیر کامل حضرات کے آثار سے ممتاز ہوتے ہیں (ت)

[1] فتح المتعارف فی مدح خیر النعال

[2] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۵ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۶۲

[3] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۲۰ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۹۔۱۳۸

(۱۴) اسی میں ہے ص ۵۷:

ان تامر المعرفة لروحه تحديق و غاية بكل شيئ من طريقته ومذهبه وسلسلته ونسبه وقرابته وكل ما يليه وينسب اليه وعنايته هذه يختلف بها عناية الحق [1]۔	بیشک تمام معرفت والے کی روح کو اپنے متعلق ہر چیز طریقہ، مذہب، سلسلہ، نسب وقرابت بلکہ اس کی طرف ہر منسوب پر نظر واہتمام ہوتا ہے جس کی وجہ سے حق تعالٰی کی عنایت اس کو شامل ہوجاتی ہے۔(ت)

(۱۵) یہی شاہ صاحب ہمعات میں لکھتے ہیں:

از ینجاست حفظ اعراس مشایخ ومواظبت زیارت قبور ایشاں والتزام فاتحہ خواندن وصدقہ دادن برائے ایشاں واعتنائے تمام کردن بہ تعظیم آثار واولاد ومنتسبان ایشاں [2]۔	اسی وجہ سے مشایخ کے عرس ان کے قبروں کی زیارت، ان کے لئے فاتحہ خوانی اور صدقات کا اہتمام والتزام ضروری ہوجاتاہے اور ان کے آثار واولاد اور جو چیز ان کی طرف منسوب ہو ان کی تعظیم کا مکمل اہتمام لازم قرار پاتاہے۔(ت)

(۱۶) انھیں شاہ صاحب کی انفاس العارفین میں ہے:

درحرمین شخصے از بزرگان خود کلاہ حضرت غوث الثقلین تبرک یافتہ بود شبے درواقعہ حضرت غوث الاعظم رادید کہ می فرمایند ایں کلاہ بہ ابوالقاسم اکبرآبادی برساں آں شخص برائے امتحان یک جبہ قیمتی ہمراہ آں کلاہ کردہ گرفت کہ ایں ہر دو تبرک حضرت غوث الاعظم ہستند حکم شد کہ بشمار سانم حضرت شاں بسیار خوش شد گرفتند آن شخص گفت کہ برائے شکر حصول ایں تبرک اہل شہر را	حرمین شریفین میں ایک ایسا شخص مقیم تھا جسے حضرت غوث الاعظم کی کلاہ مبارک تبرکا سلسلہ وار اپنے آباء واجداد سے ملی ہوئی تھی جس کی برکت سے وہ شخص حرمین شریفین کے نواح میں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور شہرت کی بلندیوں پر فائز تھا ایک رات حضرت غوث الاعظم کو (کشف میں) اپنے سامنے موجود پایا جو فرمارہے تھے کہ یہ کلاہ ابو القاسم اکبرآبادی تک پہنچادو، حضرت غوث اعظم کا

[1] فیوض الحرمین (مترجم اردو) مشہد ۲۶ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۶۱، ۱۶۲

[2] ہمعات ہمہ ۱۱ اکادیمہ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدرآباد ص ۵۸

دعوت کنید فرمودند کہ وقت صبح بیائید مردمان بسیار بوقت صبح آمدند طعامہائے خوب خوردند وفاتحہ خواندند بعد آں پرسید ند کہ شمار مرد فقیر ہستید ایں قدر طعام از کجا آمد فرمود کہ جبہ رافروختم وتبرک رانگاہداشتم ہمہ گفتند کہ للہ الحمد کہ تبرک بمستحق رسید[1]۔	یہ فرمان سن کر اس شخص کے دل میں آیا کہ اس بزرگ کی تخصیص لازما کوئی سبب رکھتی ہے، چنانچہ امتحان کی نیت سے کلاہ مبارک کے ساتھ ایک قیمتی جبہ بھی شامل کرلیا اور پوچھ گچھ کرتے حضرت خلیفہ کی خدمت میں جاپہنچا اور ان سے کہا کہ یہ دونوں تبرک حضرت غوث اعظم کے ہیں اور انھوں نے مجھے خواب میں حکم دیا ہے کہ یہ تبرکات ابوالقاسم اکبر آبادی کو دے دو، یہ کہہ کر تبرکات ان کے سامنے رکھ دئے، خلیفہ ابوالقاسم نے تبرکات قبول فرماکر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، اس شخص نے کہا یہ تبرک ایک بہت بڑے بزرگ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں لہذا اس شکریے میں ایک بڑی دعوت کا انتظام کرکے رؤسائے شہر کو مدعو کیجئے، حضرت خلیفہ نے فرمایا کل تشریف لانا ہم کافی سارا طعام تیار کرائیں گے آپ جس جس کو چاہیں بلالیجئے، دوسرے روز علی الصباح وہ درویش روسائے شہر کے ساتھ آیا دعوت تناول کی اور فاتحہ پڑھی فراغت کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ آپ تو متوکل ہیں ظاہری سامان کچھ بھی نہیں رکھتے، اس قدر طعام کہاں سے مہیا فرمایا؟ فرمایا کہ اس قیمتی جبے کو بیچ کر ضروری اشیاء خریدی ہیں، یہ سن کر وہ شخص چیخ اٹھا کہ میں نے اس فقیر کو اہل اللہ سمجھا تھا مگر یہ تو مکار ثابت ہوا، ایسے تبرکات کی قدر اس نے نہ پہچانی، آپ نے فرمایا چپ رہو جو چیز تبرک تھی وہ میں نے محفوظ کرلی ہے اور جو سامان امتحان تھا ہم نے اسے بیچ کر دعوت شکرانہ کا انتظام کرڈالا، یہ سن کر وہ شخص متنبہ ہوگیا اور اس نے تمام اہل مجلس پر ساری حقیقت حال کھول دی جس پر سب نے کہا کہ الحمدللہ تبرک اپنے مستحق تک پہنچ گیا۔ (ت)

اسی طرح صدہا عبارات ہیں جس کے حصر واستقصاء میں محل طمع نہیں، یہ سب ایک طرف فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ حدیث صحیح سے ثابت کرے کہ خود حضور پر نور سید یوم النشور افضل صلوات اللہ تعالٰی واجل تسلیمات علیہ وعلٰی آلہ وذریاتہ آثار مسلمین سے تبرک فرماتے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔ طبرانی معجم اوسط اور ابونعیم حلیہ میں حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] انفاس العارفین (مترجم اردو) قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید اسلامک بک فاؤنڈیشن لاہور ص ۷۷

یبعث للمطاہر فیوتی بالماء فیشربہ یرجوبہ برکۃ ایدی المسلمین [1]۔	مسلمانوں کی طہارت گاہوں مثل حوض وغیرہ سے جہاں اہل اسلام وضو کیا کرتے پانی منگا کر نوش فرماتے اور اس سے مسلمانوں کے ہاتھوں کی برکت لینا چاہتے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ وبارک وکرم۔

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر ج ۲ ص ۲۶۹، پھر علامہ علی بن احمد عزیزی سراج المنیر ج ۳ ص ۱۴۷ شروح جامع صغیر میں اس حدیث کی نسبت فرماتے ہیں: باسناد صحیح [2] (صحیح اسناد کے ساتھ ہے۔ت) علامہ محمد حفنی اپنی تعلیقات علی الجامع میں فرماتے ہیں:

یرجوبہ برکۃ الخ لانھم محبوبون للہ تعالٰی بدلیل ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین [3]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقیہ آب وضوئے مسلمین میں اس وجہ سے امید برکت رکھتے کہ وہ محبوبان خدا ہیں۔ قرآن عظیم میں فرمایا بیشک اللہ دوست رکھتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور دوست رکھتا ہے طہارت والوں کو۔

اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اعلٰی واجل واکبر، یہ حضور پرنور سید المبارکین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کی خاک نعلین پاک تمام جہانوں کے لئے تبرک دل وجان وسرمہ چشم دین وایمان ہے وہ اس پانی کو جس میں مسلمانوں کے ہاتھ دھلے تبرک ٹھہرائیں اور اسے منگا کر بغرض حصول برکت نوش فرمائیں حالانکہ واللہ مسلمانوں کے دست وزبان ودل وجان میں جو برکتیں ہیں سب انھیں نے عطا فرمائیں، انھیں کی نعلین پاک کے صدقے میں ہاتھ آئیں، یہ سب تعلیم امت وتنبیہ مشغولان خواب غفلت کے لئے تھا کہ یوں نہ سمجھیں تو اپنے مولٰی وآقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فعل سن کر بیدار اور برکت آثار اولیاء وعلماء کے طلبگار ہوں، پھر کیسا جاہل ومحروم ونافہم ملوم کہ محبوبان خدا کے آثار کو تبرک نہ جانے اور اس سے حصول برکت نہ مانے

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۹۸ مکتبہ المعارف ریاض ۱/ ۴۴۳

[2] التیسیر لشرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکور مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۶۹، السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث مذکور المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ مصر ۳/ ۱۵۱

[3] تعلیقات للحفنی علی ہامش السراج المنیر المطبعۃ الازہریۃ المصریۃ مصر ۳/ ۱۵۱

ولا حول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ واولیائہ وعلمائہ وامتہ وحزبہ اجمعین اٰمین۔ واللّٰہ وتعالٰی اعلم۔

فصل سوم

مسئلہ ۱۶۹: غرہ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تبرک آثار شریفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیسا اور اس کے لئے ثبوت یقینی درکار ہے۔ یا صرف شہرت کافی ہے اور نعلین شریفین کی تمثال کو بوسہ دینا کیسا ہے اور اس سے توسل جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ تمثال نعل شریف کے اوپر بعد بسم اللہ کے لکھتے ہیں:

اللھم ارنی برکۃ صاحب ھذین النعلین الشریفین۔	یااللہ! مجھے ان نعلین پاک کی برکت سے نواز۔(ت)

اور اس کے نیچے دعائے حاجت لکھتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

فی الواقع آثار شریفہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تبرک سلفا وخلفا زمانہ اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک بلانکیر رائج ومعمول اور باجماع مسلمین مندوب ومحبوب بکثرت احادیث صحیحہ بخاری ومسلم وغیرہما صحاح وسنن وکتب حدیث اس پر ناطق جن میں بعض کی تفصیل فقیر نے کتاب البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ میں ذکر کی۔ اور ایسی جگہ ثبوت یقینی یا سند محدثانہ کی اصلا حاجت نہیں اس کی تحقیق وتنقیح کے پیچھے پڑنا اور بغیر اس کے تعظیم وتبرک سے باز رہنا سخت محرومی کم نصیبی ہے ائمہ دین نے صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام سے اس شے کا معروف ہونا کافی سمجھا ہے۔ امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

من اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابہ واکرام مشاھدہ وامکنتہ من مکۃ والمدینۃ ومعاھدہ ومالمسہ علیہ الصلوٰۃ والسلام او اعرف بہ[1]۔	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے تمام متعلقات کی تعظیم اور آپ کے نشانات اور مکہ مکرمہ ومدینہ منورہ کے مقامات اور آپ کے محسوسات اور آپ کی طرف منسوب ہونے کی شہرت والی اشیاء کا احترام یہ سب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تعظیم وتکریم ہے۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

اسی طرح طبقۃً فطبقۃً شرقاً غرباً عرباً عجماً علمائے دین وائمہ معتمدین نعل مطہر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے آنکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے اور دفع امراض وحصول اغراض میں اس سے توسل فرمایا کئے، اور بفضل الٰہی عظیم وجلیل برکات وآثار اس سے پایا کئے۔ علامہ ابو الیمن ابن عساکر وشیخ ابواسحق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علماء نے اس باب میں مستقل کتابیں تصنیف کیں اور علامہ احمد مقری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف سے ہے۔ محدث علامہ ابوالربیع سلیمن بن سالم کلاعی وقاضی شمس الدین ضیف اللہ رشیدی وشیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقری وسید محمد موسی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح وشیخ محمد بن فرج سبتی وشیخ محمد بن رشید فہری سبتی وعلامہ احمد بن محمد تلمسانی موصوف وعلامہ ابوالیمن ابن عساکر وعلامہ ابوالحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی وامام ابوبکر احمد ابومحمد عبداللہ بن حسین انصاری قرطبی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین نے نقشہ نعل مقدس کی مدح میں قصائد عالیہ تصنیف فرمائے ان سب میں اسے بوسہ دینے سر پر رکھنے کا حکم واستحسان مذکور اور یہی مواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی وشرح مواہب علامہ زرقانی وغیرہما کتب جلیلہ میں مسطور **وقد لخصنا اکثر ذٰلك فی کتابنا المزبور** (اور ہم نے اکثر کا خلاصہ اپنی مذکور کتاب میں ذکر کیا ہے۔ت)

علماء فرماتے ہیں جس کے پاس یہ نقشہ متبرکہ ہو ظلم ظالمین وشر شیطان وچشم زخم حاسدین سے محفوظ رہے عورت دردزہ کے وقت اپنے داہنے ہاتھ میں لے آسانی ہو، جو ہمیشہ پاس رکھے نگاہ خلق میں معزز ہو زیارت روضہ مقدس نصیب ہو یا خواب میں زیارت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہو، جس لشکر میں ہو نہ بھاگے جس قافلہ میں ہو نہ لٹے، جس کشتی میں ہو نہ ڈوبے جس مال میں ہو نہ چُرے، جس حاجت میں اس سے توسل کیا جائے پوری ہو جس مراد کی نیت سے پاس رکھیں حاصل ہو، موضع درد ومرض پر اسے رکھ کر شفائیں ملی ہیں، مہلکوں مصیبتوں میں اس سے توسل کرکے نجات وفلاح کی راہیں کھلی ہیں، اس باب میں حکایت صلحاء وروایات علماء بکثرت ہیں کہ امام تلمسانی وغیرہ نے فتح المتعال وغیرہ میں ذکر فرمائیں اور بسم اللہ شریف اس پر لکھنے میں کچھ حرج نہیں، اگر یہ خیال کیجئے کہ نعل مقدس قطعاً تاج فرق اہل ایمان ہے مگر اللہ عزوجل کا نام وکلام ہر شے سے اجل واعظم وارفع واعلٰی ہے۔ یونہیں تمثال میں بھی احتراز چاہئے تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی جاتی کہ نام الٰہی یا بسم اللہ شریف حضور کی نعل مقدس پر لکھی جائے تو پسند نہ فرماتے مگر اس قدر ضروری ہے کہ نعل بحالت استعمال وتمثال محفوظ عن الابتذال میں تفاوت بدیہی ہے اور اعمال کا

مدارنیت پر ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جانوران صدقہ کی رانوں پر حبیس فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں وقف ہے۔ت) داغ فرمایا تھا حالانکہ ان کی رانیں بہت محل بے احتیاطی ہیں۔ بلکہ سنن دارمی شریف میں ہے:

اخبرنا مالك بن اسمعیل ثنا مندل بن علی الغزی حدثنی جعفر بن ابی المغیرۃ عن سعید بن جبیر قال کنت اجلس الی ابن عباس فاکتب فی الصحیفۃ حتی تمتلی ثم اقلب نعلی فاکتب فی ظھورہما [1] واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	مالک بن اسمٰعیل نے خبر دی کہ مندل بن علی الغذی نے بیان کیا کہ مجھے جعفر بن ابی مغیرہ نے سعید بن جبیر کے حوالے سے فرمایا کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس بیٹھا ایک کاغذ پر لکھ رہا تھا کہ وہ کاغذ پر ہوگیا پھر میں نے اپنا جوتا الٹا کر کے لکھا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۱۷۰: مسئولہ حضرت سید حبیب اللہ زعبی دمشقی طرابلسی جیلانی وارد حال بریلی ۱۷/ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ جو لوگ تبرکات شریف بلاسند لاتے ہیں ان کی زیارت کرنا چاہئے یانہیں؟ اور اکثر لوگ کہتے ہس کہ آج کل مصنوعی تبرکات زیادہ لئے پھرتے ہیں یہ ان کا کہنا کیسا ہے؟ اور جو زائر کچھ نذر کرے اس کا لینا جائز ہے یانہیں؟ اور جو شخص خود مانگے اس کا مانگنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار وتبرکات شریفہ کی تعظیم دین مسلمان کا فرض عظیم ہے تابوت سکینہ جس کا ذکر قرآن عظیم میں ہے جس کی برکت سے بنی اسرائیل ہمیشہ کافروں پر فتح پاتے اس میں کیا تھا "بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰی وَاٰلُ هٰرُوْنَ" [2] موسی اور ہارون علیہما الصلوٰۃ والسلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات سے کچھ بقیہ تھا۔ موسی علیہ السلام کا عصا اور ان کی نعلین مبارک اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمامہ وغیرہا، ولہٰذا تواتر سے ثابت کہ جس چیز کو کسی طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے

---

[1] سنن الدارمی باب من اخص فی کتابۃ العلم حدیث ۵۰۷ دار المحاسن قاہرہ ۱/ ۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

کوئی علاقہ بدن اقدس سے چھونے کا ہو تا صحابہ و تابعین وائمہ دین ہمیشہ اس کی تعظیم و حرمت اور اس سے طلب برکت فرماتے آئے اور دین حق کے معظم اماموں نے تصریح فرمائی ہے کہ اس کے لئے کسی سند کی بھی حاجت نہیں بلکہ وہ چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک سے مشہور ہو اس کی تعظیم شعائر دین سے ہے۔ شفا شریف و مواہب لدنیہ ومدارج شریف وغیرہا میں ہے:

من اعظامه صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعظامه جمیع اسبابه ومالمسه اوعرف به صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ہے ان تمام اشیاء کی تعظیم جسکو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ علاقہ ہو اور جسے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چھوا ہو یا جو حضور کے نام پاک سے مشہور ہو۔

یہاں تک کہ برابر ائمہ دین و علمائے معتمدین نعل اقدس کی شبیہ و مثال کی تعظیم فرماتے رہے اور اس سے صدہا عجیب مددیں پائیں اور اس کے باب میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائیں، جب نقشے کی یہ برکت و عظمت ہے تو خود نعل اقدس کی عظمت و برکت کو خیال کیجئے پھر ردائے اقدس جبہ مقدسہ و عمامہ مکرمہ پر نظر کیجئے پھر ان تمام آثار و تبرکات شریفہ سے ہزاروں درجے اعظم و اعلیٰ و اکرم واولیٰ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناخن پاک کا تراشہ ہے کہ یہ سب ملبوسات تھے اور وہ جزء بدن والا ہے اور اس سے اجل و اعظم و ارفع و اکرم حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ریش مبارک کا موئے مطہر ہے مسلمانوں کا ایمان گواہ ہے کہ ہفت آسمان و زمین ہر گز اس ایک موئے مبارک کی عظمت کو نہیں پہنچتے اور ابھی تصریحات ائمہ سے معلوم ہولیا کہ تعظیم کے لئے نہ یقین درکار ہے نہ کوئی خاص سند بلکہ صرف نام پاک سے اس شے کا اشتہار کافی ہے ایسی جگہ بے ادراک سند تعظیم سے باز نہ رہے گا مگر بیمار دل پر آزار دل جس میں نہ عظمت شان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بروجہ کافی نہ ایمان کامل اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ" [2]	اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اس پر، اور اگر سچا ہے تو تمھیں پہنچ جائیں گے بعض وہ عذاب جن کا وہ تمھیں وعدہ فرماتا ہے۔

اور خصوصاً جہاں سند بھی موجود ہو پھر تو تعظیم و اعزاز و تکریم سے باز نہیں رہ سکتا مگر کوئی کھلا کافر یا چھپا

---

[1] کتاب الشفاء للقاضی فصل ومن اعظامه الخ المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۴۸۔۴۷

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۲۸

منافق۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اور یہ کہنا کہ آج کل اکثر لوگ مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں مگر یوہیں مجمل بلاتعین شخص ہو یعنی کسی شخص معین پر اس کی وجہ سے الزام یا بدگمانی مقصود نہ ہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں، اور بلا ثبوت شرعی کسی خاص شخص کی نسبت حکم لگادینا کہ یہ انھیں میں سے ہے جو مصنوعی تبرکات لئے پھرتے ہیں ضرورتًا ناجائز وگناہ وحرام ہے کہ اس کا منشا صرف بدگمانی ہے اور بدگمانی سے بڑھ کر کوئی جھوٹی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [1]۔	بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے۔

ائمہ دین فرماتے ہیں:

انماینشوء الظن الخبیث من القلب الخبیث [2]۔	خبیث گمان خبیث ہی دل سے پیدا ہوتا ہے۔

تبرکات شریفہ جس کے پاس ہوں ان کی زیارت کرنے پر لوگوں سے اس کا کچھ مانگنا سخت شنیع ہے۔ جو تندرست ہو اعضاء صحیح رکھتا ہو نوکری خواہ مزدوری اگرچہ ڈلیا ڈھونے کے ذریعہ سے روٹی کما سکتا ہو اسے سوال کرنا حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سوی [3]۔	غنی یا سکت والے تندرست کے لئے صدقہ حلال نہیں۔

علماء فرماتے ہیں:

ماجمع السائل بالتکدی فھو الخبیث [4]۔	سائل جو کچھ مانگ کر جمع کرتا ہے وہ خبیث ہے۔

اس پر ایک تو شناعت یہ ہوئی، دوسری شناعت سخت تو یہ ہے کہ دین کے نام سے دنیا

---

[1] صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ۲/ ۳۱۶، جامع الترمذی ابواب البر ۲/ ۲۰ مؤطا امام مالک باب ماجاء فی المہاجرۃ ص ۷۰۲

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ ایاکم والظن الخ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۹۲

[4] ردالمحتار کتاب الکراہیۃ ۵/ ۲۴۷ و فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ ۵/ ۳۴۹

کماتا ہے اور "یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا[1]" (میری آیات کے ذریعہ قلیل رقم حاصل کرتے ہیں۔ت) کے قبیل میں داخل ہوتا ہے۔

تبرکات شریفہ بھی اللہ عزوجل کی نشانیوں سے عمدہ نشانیاں ہیں ان کے ذریعہ سے دنیا کی ذلیل قلیل پونجی حاصل کرنے والاد نیا کے بدلے دین بیچنے والا ہے شناعت سخت تر یہ ہے کہ اپنے اس مقصد فاسد کے لئے تبرکات شریفہ کو شہر بشہر دربدر لئے پھرتے ہیں اور کس و ناکس کے پاس لے جاتے ہیں یہ آثار شریفہ کی سخت توہین ہے۔ خلیفہ ہارون رشید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے عالم دار الہجرۃ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے درخواست کی تھی کہ ان کے یہاں جاکر خلیفہ زادوں کو پڑھا دیا کریں، فرمایا: میں علم کو ذلیل نہ کروں گا انھیں پڑھنا ہے تو خود حاضر ہوا کریں، عرض کی: وہی حاضر ہونگے مگر اور طلباء پر ان کو تقدیم دی جائے، فرمایا: یہ بھی نہ ہوگا سب یکساں رکھے جائیں گے آخر خلیفہ کو یہی منظور کرنا پڑا ــــ یونہی امام شریک نخعی سے خلیفہ وقت نے چاہا تھا کہ ان کے گھر جاکر شہزادوں کو پڑھا دیا کریں، انکار کیا۔ کہا: آپ امیر المومنین کا حکم ماننا نہیں چاہتے۔ فرمایا: یہ نہیں بلکہ علم کو ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔

رہا یہ کہ بے اس کے مانگے زائرین کچھ اسے دیں اور یہ لے۔ اس میں تفصیل ہے شرع مطہر کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ **المعہود عرفاً کالمشروط لفظاً** (عرفاً مقررہ چیز لفظاً مشروط کی طرح ہے۔ت) یہ لوگ تبرکات شریفہ شہر بشہر لئے پھرتے ہیں ان کی نیت وعادت قطعاً معلوم کہ اس کے عوض تحصیل زر و جمع مال چاہتے ہیں یہ قصد نہ ہو تو کیوں دور دراز سفر کی مشقت اٹھائیں، ریلوں کے کرائے دیں، اگر کوئی ان میں زبانی کہے بھی کہ ہماری نیت فقط مسلمانوں کو زیارت سے بہرہ مند کرنا ہے تو ان کا حال ان کے قال کی صریح تکذیب کر رہا ہے ان میں علی العموم وہ لوگ ہیں جو ضروری ضروری طہارت وصلوٰۃ سے بھی آگاہ نہیں اس فرض قطعی کے حاصل کرنے کو کبھی دس پانچ کوس یا شہر ہی کے کسی عالم کے پاس گھر سے آدھ میل جانا پسند نہ کیا مسلمانوں کو زیارت کرانے کے لئے ہزاروں کوس سفر کرتے ہیں پھر جہاں زیارتیں ہوں اور لوگ کچھ نہ دیں وہاں ان صاحبوں کے غصے دیکھئے پہلا حکم یہ لگایا جاتا ہے کہ تم لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ محبت نہیں گویا ان کے نزدیک محبت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایمان اسی میں منحصر ہے کہ حرام طور پر کچھ ان کی نذر کر دیا جائے، پھر جہاں کہیں سے ملے بھی مگر ان کے خیال سے تھوڑا ہو ان کی سخت شکایتیں اور مذمتیں ان سے سن لیجئے اگرچہ وہ دینے والے صلحاء وعلماء ہوں اور مال حلال سے دیا ہو اور جہاں پیٹ بھر کے مل گیا وہاں کی لمبی چوڑی تعریفیں لے لیجئے اگرچہ وہ دینے والے فساق فجار بلکہ بد مذہب ہوں اور مال حرام سے دیا ہو قطعاً معلوم ہے کہ وہ زیارت نہیں کراتے بلکہ لینے کے لئے اور زیارت کرنے والے بھی جانتے ہیں کہ ضرور کچھ دینا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۴

پڑے گا تو اب یہ صرف سوال ہی نہ ہوا بلکہ بحسب عرف زیارت شریفہ پر اجارہ ہو گیا اور وہ بچند وجہ حرام ہے۔

اولا زیارت آثار شریفہ کی کوئی ایسی چیز نہیں جو زیر اجارہ داخل ہو سکے۔

کما صرح بہ فی ردالمحتار وغیرہ ان مایؤخذ من النصاری علی زیارۃ بیت المقدس حرام [1]۔ وھذا اذا کان حراما اخذہ من کفار دور الحرب کالروس وغیرہم فکیف من المسلمین ان ہو الا ضلال مبین۔	جس طرح اس کی تصریح ردالمحتار وغیرہ میں ہے کہ بیت المقدس کی زیارت کے عوض عیسائیوں سے وصولی حرام ہے یہ حربی کافروں اور سرداروں وغیرہ سے وصولی حرام ہے تو مسلمانوں سے وصولی کیسے حرام نہ ہو گی یہ نہیں مگر کھلی گمراہی۔(ت)

ثانیاً: اجرت مقرر نہیں ہوئی کیا دیا جائے گا اور جو اجارے شرعا جائز ہیں ان میں بھی اجرت مجہول رکھی جانا اسے حرام کر دیتا ہے نہ کہ جو سرے سے حرام ہے کہ حرام در حرام ہوا، اور یہ حکم جس طرح گشتی صاحبوں کو شامل ہے مقامی حضرات بھی اس سے محفوظ نہیں جبکہ اس نیت سے زیارت کراتے ہوں اور ان کا یہ طریقہ معلوم ومعروف ہو، ہاں اگر بندہ خدا کے پاس کچھ آثار شریفہ ہوں اور وہ انھیں بہ تعظیم اپنے مکان میں رکھے اور جو مسلمان اس کی درخواست کرے محض لوجہ اللہ اسے زیارت کرا دیا کرے کبھی کسی معاوضہ نذرانہ کی تمنا نہ رکھے، پھر اگر وہ آسودہ حال نہیں اور مسلمان بطور خود قلیل یا کثیر بنظر اعانت اسے کچھ دے تو اس کے لے لینے میں اس کو کچھ حرج نہیں باقی گشتی صاحبوں کو عموما اور مقامی صاحبوں میں خاص ان کو جو اس امر پر اخذ نذور کے ساتھ معروف ومشہور ہیں شرعا جواز کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی مگر ایک وہ یہ کہ خدائے تعالٰی ان کو توفیق دے نیت اپنی درست کریں اور اس شرط عرفی کے رد کے لئے صراحۃً اعلان کے ساتھ ہر جلسے میں کہہ دیا کریں کہ مسلمانو! یہ آثار شریفہ تمھارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں ولی معزز ومکرم کے ہیں کہ محض خالصا لوجہ اللہ تعالٰی تمھیں ان کی زیارت کرائی جاتی ہے ہرگز ہرگز کوئی بدلہ یا معاوضہ مطلوب نہیں، اس کے بعد اگر مسلمان کچھ نذر کریں تو اسے قبول کرنے میں کچھ حرج نہ ہوگا، فتاوٰی قاضی خاں وغیرہا میں ہے: ان الصریح یفوق الدلالۃ [2] (کہ صراحت کو دلالت پر فوقیت ہے۔ت)

---

[1]

[2] ردالمحتار کتاب النکاح ۲/ ۳۵۷ و کتاب الدعوٰی ۴/ ۴۳۷

اور اس کی صحت نیت پر دلیل یہ ہوگی کہ کم پر ناراض نہ ہو بلکہ اگر جلسے گزر جائیں لوگ فوج فوج زیارتیں کرکے یوں ہی چلے جائیں اور کوئی پیسہ نہ دے جب بھی اصلا دل تنگ نہ ہو اور اسی خوشی وشادمانی کے ساتھ مسلمانوں کو زیارت کرایا کرے، اس صورت میں یہ لینا دینا دونوں جائز وحلال ہوں گے اور زائرین ومزور دونوں اعانت مسلمین کا ثواب پائیں گے اس نے سعادت وبرکت دے کر ان کی مدد کی انھوں نے دنیا کی متاع قلیل سے فائدہ پہنچایا، اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه رواہ مسلم [1] فی صحیحه عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تم میں سے جس سے ہوسکے کہ اپنے مسلمان بھائی کو نفع پہنچائے، پہنچائے (اسے مسلم نے اپنی صحیح میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیه۔رواہ الشیخان [2]۔	اللہ اپنے بندہ کی مدد میں ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہے (اسے امام بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ت)

علی الخصوص جب یہ تبرکات والے حضرات سادات کرام ہوں تو اب کی خدمت اعلٰی درجہ کی برکت وسعادت ہے۔

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کا صلہ دنیا میں نہ پائے میں بہ نفس نفیس روز قیامت اس کا صلہ عطا فرماؤں گا" اور اگر زیارت کرانے والے کو اس کی توفیق نہ ہو تو زیارت کرنے والے کو چاہیے خود ان سے صاف صراحۃً کہہ دے کہ نذر کچھ نہیں دی جائے گی خالصا لوجہ اللہ اگر آپ زیارت کراتے ہیں کرائے اس پر اگر وہ صاحب نہ مانیں ہرگز زیارت نہ کرے کہ زیارت ایک مستحب ہے اور یہ لین دین حرام، کسی مستحب شے کے حاصل کرنے کے واسطے حرام کو اختیار نہیں کرسکتے، الاشباہ والنظائر وغیرہا میں ہے:

ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ [3]۔	جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔(ت)

[1] صحیح مسلم باب استحباب الرقیۃ من العین الخ نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن نور محمد اصح المطابع کراچی ۲/ ۳۴۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول ۱/ ۱۸۹ و ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ ۲/ ۵۶

در مختار میں ہے: **الاٰخذ والمعطی اٰثمان**[1] (لینے اور دینے والے دونوں گنہ گار ہوں گے۔ت)

اسی در مختار میں تصریح ہے کہ جو تندرست ہو اور کسب پر قادر ہو اسے دینا حرام ہے کہ دینے والے اس سوال حرام پر اس کی اعانت کرتے ہیں اگر نہ دیں خواہی نخواہی عاجز ہو اور کسب کرے اور اگر اس کی غرض زیارت کرنے والے صاحب نے قبول کرلی تو اب سوال واجرت کا قدم درمیان سے اٹھ گیا بے تکلف زیارت کرے دونوں کے لئے اجر ہے اس کے بعد حسب استطاعت ان کی نذر کردے، یہ لینا دینا دونوں کے لئے حلال اور دونوں کے لئے اجر ہے۔ بحمد اللہ فقیر کا یہی معمول ہے اور توفیق خیر اللہ تعالٰی سے مسئول ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: بتاریخ ۹/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

جناب من! ایک نئی بات سنی گئی ہے اس کی بابت عرض کرتا ہوں اطمینان فرمائے۔

سوال: نقل روضۂ منورہ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور نقل روضہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تعزیہ میں کیا فرق ہے شرعًا کس کی تعظیم کم وبیش کرنا چاہئے، اعنی کون افضل ہے۔ اور زیارت کرنا روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی درست ہے یا نہیں، یعنی نقل روضہ منورہ کو جو مقبول حسین کے یہاں ہے بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ کاریگر کی کاریگری دیکھ لو۔ لفظ زیارت کا کہنا اور وقت زیارت درود شریف پڑھنا اور مثل اصل کے تعظیم کرنا درست ہے ہرگز نہیں چاہئے، اتنا کہنا تو مثل نسبت درست کہتے ہیں الا بالکل تعظیم کرنا محض برا بتاتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو مثل ہنود کے جانتے ہیں اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب:

روضہ منورہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نقل صحیح بلاشبہہ معظمات دینیہ سے ہے اس کی تعظیم وتکریم بروجہ شرعی ہر مسلمان صحیح الایمان کا مقتضاء ایمان ہے۔ ع

اے گل بتو خرسندم تو بوئے کسے داری

(اے پھول میں تجھے اس لئے سونگھتا ہوں کہ تجھ میں کسی کی خوشبو ہے۔ت)

اس کی زیارت بآداب شریعت اور اس وقت درود شریف کی کثرت ہر مومن کی شہادت قلب وبداہت عقل

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۳

مستحب ومطلوب ہے۔علامہ تاج فاکہانی فجر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلك ان من لم یمکنه زیارة الروضة فلیبرز مثالها ولیلثمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل کما قد بان مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع و الخواص بشهادة التجربة الصحیحة ولذا جعلواله من الاکرام والاحترام مایجعلون للمنوب عنه[1]۔	یعنی روضہ مبارک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نقل میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ اقدس کی زیارت نہ ملے وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے کہ یہ نقل اسی اصل کے قائم مقام ہے جیسے نعل مبارک کا نقشہ منافع وخواص میں یقینا خود اس کا قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ گواہ ہے ولہذا علمائے دین نے اس کی نقل کا اعزاز واکرام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

اسی طرح دلائل الخیرات ومطالع المسرات وغیرہما معتبرات میں ہے اس بحث کی تفصیل جمیل فقیر کے رسالہ **شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ** ۱۳۱۵ھ میں ہے یہاں لفظ زیارت کی ممانعت محض جہالت ہے اور **معاذاللہ** درود شریف کی ممانعت اور سخت حماقت اور صراحۃً شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔

علامہ طاہر فتنی مجمع البحار میں اپنے استاد امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل فرماتے ہیں:

من استقیظ عند اُخذ الطیب وشمه الی ماکان علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من محبته للطیب فصلی علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لما وقر فی قلبه من جلالته واستحقاقه علی کل امة ان یلحظوا بعین نهایة الاجلال عند رؤیة شیئ من اٰثارہ او مایدل علیها فهو اٰت بماله فیه اکمل الثواب الجزیل وقد استحبه العلماء لمن رأی	خوشبو والے کے پاس خوشبو دیکھ کر متوجہ ہوا اور اسے سونگھا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام خوشبو کو پسند فرماتے تھے تو اس وقت درود شریف پڑھا اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جلالت شان کا دل میں وقار پایا اور تمام امت پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ استحقاق جانتے ہوئے کہ آپ کے آثار مبارکہ کو دیکھتے ہوئے ان کی تعظیم واہتمام کو ملحوظ رکھیں تو خوشبو سونگھنے پر درود شریف پڑھنے والے

[1] فجر منیر

شیئا من اٰثارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا شك ان من استحضر ماذکرتہ عند شمہ للطیب یکون کالرائی شیئ من اٰثارہ الشریفۃ فی المعنی فلیس بہ الا اکثار من الصلٰوۃ والسلام علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حینئذٍ [1] اھ مختصرا۔	نے اس پر کامل اور بھاری ثواب پایا جبکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آثار کو دیکھنے والے کے لئے علماء کرام نے اس کو مستحب قرار دیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ خوشبو سونگھنے پر مذکورہ امور کو مستحضر کرنے والے نے گویا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آثار شریفہ کو معنی دیکھا تو اس وقت صرف درود شریف کی کثرت ہی اس کو مناسب ہے اھ مختصرا (ت)

اسی ارشاد جمیل میں صاف تصریح جلیل ہے کہ تمام امت پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق ہے کہ جب حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار شریفہ سے کوئی چیز دیکھیں یا وہ شے دیکھیں جو حضور کے آثار شریفہ سے کسی چیز پر دلالت کرتی ہو تو اس وقت کمال ادب و تعظیم کے ساتھ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور لائیں اور درود وسلام کی کثرت کریں و لہٰذا جو خوشبو لیتے یا سونگھتے وقت یاد کرے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے دوست رکھتے تھے وہ بھی گویا معنیً آثار شریفہ کی زیارت کررہا ہے اسے اس وقت درود پڑھنے کی کثرت مسنون ہونی چاہئے تو نقل روضہ مبارک کہ صاف صاف مایدل علیہا میں داخل ہے اس کی زیارت کے وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر درود وتسلیم کیوں نہ مستحب ہوگی ایسی تعظیم کرنے والے کو معاذاللہ کفار ومشرکین کے مثل بتانا سخت ناپاک کلمہ بیباک ہے قائل جاہل پر توبہ فرض ہے بلکہ از سرِ نو کلمہ اسلام کی تجدید کرکے اپنی عورت سے نکاح دوبارہ کرے کہ اس نے بلاوجہ مسلمانوں کو مثل کفار بتایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا رجلا بالکفر اوقال عدواللہ ولیس کذلك الا حار علیہ رواہ الشیخان [2]۔	جس نے کسی کو کفر کے ساتھ پکارا یا اس کو عدواللہ کہا حالانکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو وہ کلمہ کہنے والے

[1] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتھرۃ علی الالسن مکتبہ الایمان المدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کی طرف لوٹے گا۔اس کو شیخین (بخاری و مسلم) نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

یونہی اگر روضہ مبارک حضرت شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم وجفا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بنا کر محض بہ نیت تبرک بے آمیزش منکرات شرعیہ مکان میں رکھتے تو شرعا کوئی حرج نہ تھا، مگر حاشا تعزیہ ہر گزاس کی نقل نہیں، نقل ہونا درکنار بنانے والوں کو نقل کا قصد بھی نہیں، ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس اصل سے نہ کچھ علاقہ نہ نسبت پھر کسی میں پریاں کسی میں براق کسی میں اور بیہودہ طمطراق پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت اشاعت غم کے لئے ان کا گشت، اور اس کے گرد سینہ زنی ماتم سازشی کی شور افگنی، حرام مرثیوں سے نوحہ کنی، عقل ونقل سے کٹی چھنی، کوئی ان پھپچیوں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے کوئی مشغول طواف کوئی سجدہ میں گرا ہے کوئی اس مایہ بدعات کو معاذاللہ جلوہ گاہ حضرت امام عالی مقام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا منتیں مانتا ہے۔عرضیاں باندھتا حاجت روا جانتا۔ پھر باقی تماشے باجے تاشے مردوں عورتوں کا راتوں کو میل اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طُرہ ہیں، غرض عشرہ محرام الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسموں نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کر دیا، پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریا، وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے، روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں، رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے۔ پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مالک کی اضافت ہو رہی ہے مگر نام تو ہو گیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے، بجتے چلے۔ رنگ رنگ کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن فاسقانہ، یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ ڈھانچ بعینہا حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کے پاک جنازے ہیں: ع

اے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا

گاتے ہوئے مصنوعی کربلا پہنچے، وہاں کچھ نوچ اتار باقی توڑتاڑ دفن کر دئے، یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم ووبال جداگانہ رہے اللہ تعالٰی صدقہ حضرات شہدائے کرام کربلا علیہم الرضوان والثناء کا مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے اور بدعات سے توبہ دے اٰمین اٰمین!

تعزیہ داری کہ اس طریقہ نا مرضیہ کا نام ہے قطعاً بدعت وناجائز وحرام ہے۔ان خرافات کے

شیوع نے اس اصل مشروع کو بھی اب مخدور و محظور کردیا کہ اس میں اہل بدعت سے مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے وما یؤدی الی محظور محظور (جو چیزیں ممنوع تک پہنچائے وہ ممنوع ہے۔ت)۔ حدیث میں ہے اتقوا مواضع التھم [1] (تہمت کے مواقع سے بچو۔ت) اور وارد ہوا:

من کان یومن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقفن مواقف التھم [2]۔	جو شخص اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت کے مواقع میں ہرگز نہ کھڑا ہو۔ (ت)

لہٰذا درباره کربلائے معلّٰی اب صرف کاغذ پر صحیح نقشہ لکھا ہوا محض بقصد تبرک بے آمیزش منہیات پاس رکھنے کی اجازت ہوسکتی ہے والسلام علی من اتبع الھدٰی، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

(ختم شد رسالہ بدر الانوار فی اٰداب الاٰثار)

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۸۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷، اتحاف السادۃ المتقین کتاب عجائب القلب دار الفکر بیروت ۷/ ۲۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۲۴۹

رسالہ

شفاء الوالہ فی صور الحبیب و مزارہ و نعالہ ۱۳۱۵ھ

(محبوب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کے مزار اور آپ کے نعلین مقدسہ کے نقشوں میں غمزدہ کی شفاء)

مسئلہ ۱۷۲ تا ۱۷۵: از ریاست ریواں مرسلہ مولوی عبدالرحیم خاں ۲۶/ذی القعدہ ۱۳۱۵ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام فی ھذہ المسائل (اے علماء کرام! ان مسائل کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ ت):

(۱) بنانا تصویر آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بغرض حصول ثواب زیارت کے درست وجائز ہے یانہ؟ اور بنانے والا اور خریدار مثوب ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی تصویر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تصویر براق نبوی و نیز تصویر حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام بناکر یا بنوا کر واسطے حصول ثواب زیارت کے اپنے پاس رکھے اور اکثر مجالس میلاد نبوی میں تصاویر مذکورین کو بتکلف تمام نمائشًا بوقت ذکر معراج شریف حاضرین مجلس کے روبرو پیش کرے، اور یقین اس امر کا دلائے کہ گویا حضور معراج کو تشریف لئے جاتے ہیں اور لوگوں کو لمس وبوسہ کے لئے ہدایت و فہمائش کرے تو یہ فعل اس کا شرعًا جائز ہوسکتا ہے اور امور مندرجہ سوالات دوم مشروع ہوں گے یا غیر مشروع؟

(۳) نقشہ روضہ مقدسہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغرض حصول ثواب زیارت بنواکر اپنے پاس

رکھنا اور یہ گمان کرنا کہ جس طرح اصل کی تعظیم وتکریم سے ہم کو ثواب حاصل ہوتا ہے تعظیم نقل وشبیہ سے بھی ثواب حاصل ہوتا ہے کیسا ہے۔ جائز ہے یا کیا؟ اور دلائل الخیرات میں جو نقشہ روضہ مطہرہ کا دیا گیا ہے دراصل دینا چاہئے یا نہیں؟

(۴) بصورت ناجوازی وغیر مشروع ہونے تصاویر کے ان تصاویر کو کیا کرنا چاہئے اور نقشہ روضہ مطہر دلائل الخیرات میں سے نکال دینا بہتر ہوگا یا بدستور باقی وقائم رکھنا؟ **افتونا بالصواب و اسقونا بالجواب توجروا بالاجرین وتکرموا فی الدارین** (ہمیں ٹھیک ٹھیک فتوٰی دو اور بہترین جواب سے سرفراز فرماؤ تاکہ تمہیں دوہرا اجر ملے اور دونوں جہان میں عزت پاؤ۔ت)

الجواب:

اللھم لك الحمد صل علی نبیك نبی الحمد واٰله وصحبه الخیار بالحمد اسألك حسن الادب وصدق الحب لحبیبك الكریم علیه وعلٰی اله افضل الصلوٰۃ والتسلیم رب انی اعوذبك من ہمزات الشیطین واعوذ بك رب ان یحضرون۔	اے اللہ! درحقیقت تیرے ہی لئے سب تعریف وتوصیف ہے اور نزول رحمت فرما اپنے نبی پر جو نبی حمد ہیں، اور ان کی آل اور ان کے ساتھیوں پر رحمت نازل فرما جو اچھی حمد کرنے والے ہیں ____ ہم تجھ سے بہترین ادب اور تیرے حبیب مکرم کی سچی محبت کا سوال کرتے ہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر سب سے بہتر درود ہو، اے میرے پروردگار! بیشک میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے پروردگار! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ (شیاطین) میرے پاس (شر کے لئے) حاضر ہوں۔(ت)

اللہ عزوجل پناہ دے ابلیس لعین کے مکائد سے سخت ترکید یہ ہے کہ آدمی سے حسنات کے دھوکے میں سیآت کراتا ہے اور شہد کے بہانے زہر پلاتا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین اس مسکین تینوں تصویرات مذکورہ بنانے والے ان کی زیارت ولمس وتقبیل کرانے والے نے گمان کیا کہ وہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حق محبت بجالاتا اور حضور کو راضی کرتا ہے حالانکہ حقیقۃً وہ اپنی ان حرکات باطلہ سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح نافرمانی کر رہا ہے اس پر پہلے ناراض ہونے والے حضور والا ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ حضور سرور عالم صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازًا اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا ہے اور اس پر سخت سخت وعیدیں ارشاد کیں اور ان کے دور کرنے مٹانے کا حکم دیا، احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں، یہاں بعض مذکور ہوتی ہیں:

حدیث ۱: صحیحین ومسند امام محمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مصور فی النار یجعل اللہ لہ بکل صورۃ صورہ نفسا فتعذبہ فی جہنم[1] ۔	ہر مصور جہنم میں ہے اللہ تعالٰی ہر تصویر کے بدلے جو اس نے بنائی تھی ایک مخلوق پیدا کرے گا کہ وہ جہنم میں اسے عذاب کرے گی۔

حدیث ۲: انھیں میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصورون[2] ۔	بیشک نہایت سخت عذاب روز قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے ۔

حدیث ۳: انھیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالٰی ومن اظلم ممن ذھب یخلق خلقا کخلقی فلیخلقوا ذرۃ اولیخلقوا حبۃ او لیخلقوا شعیرۃ[3] ۔	اللہ عزوجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جو کا دانہ تو بنادیں۔

حدیث ۴: صحیحین وسنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ المتفق علیہ کتاب اللباس باب التصاویر مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۸۵، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۲، مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۰۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، صحیح بخاری کتاب اللباس باب التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰

ان الذین یصنعون ھذہ الصور یعذبون یوم القیمۃ یقال لھم احیوا ماخلقتم[1]۔	بیشک یہ جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کئے جائیں گے ان سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

حدیث ۵: مسند احمد و صحیحین و سنن نسائی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من صور صورۃ فان اللہ معذبہ حتی ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ[2]۔	جو کوئی تصویر بنائے تو بیشک اللہ تعالٰی اسے عذاب کرے گا یہاں تک کہ اس میں روح پھونکے اور نہ پھونک سکے گا۔

حدیث ۶: مسند احمد وجامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یخرج عنق من النار یوم القیمۃ لہ عینان تبصران و اذنان تسمعان ولسان ینطق یقول انی وکلت بثلثۃ بکل جبار عنید وبکل من دعا مع اللہ الھا اٰخرو بالمصورین[3]۔	قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کے دو آنکھیں ہوں گی دیکھنے والی اور دو کان سننے والے اور ایک زبان کلام کرتی وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلط کی گئی ہوں جو اللہ تعالٰی کا شریک بتائے اور ہر ظالم ہٹ دھرم اور تصویر بنانے والے ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب عذاب المصورین یوم القیمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱، سنن النسائی کتاب الزینۃ ذکر مایکلف اصحاب الصور یوم القیامۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۰

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۶، صحیح مسلم کتاب البیوع باب تحریم صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۴۱و۲۴۶، سنن النسائی کتاب الزینۃ ذکر مایکلف اصحاب الصور الخ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۰۰

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ جھنم باب ماجاء فی صفۃ النار امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۱، مسند احمد بن حنبل از مسند ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۶

حدیث ۷: امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد اهل النار عذابا یوم القیمة من قتل نبیا او قتله نبی اوامام جائر وہولاء المصورون ولفظ احمد اشد الناس عذابا یوم القیمة رجل قتل نبیا اوقتله نبی او رجل یضل الناس بغیر علم او مصور یصور التماثیل [1]۔	بیشک روز قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل کیا یا بادشاہ ظالم یا جو شخص بے علم حاصل کئے لوگوں کو بہکانے لگے اور ان تصویر بنانے والوں پر۔

حدیث ۸: بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمة من قتل نبیا اوقتله نبی اوقتل احد والدیه والمصورون وعالم لم ینتفع بعلمه [2]۔	بیشک روز قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وہ ہے جو کسی نبی کو شہید کرے یا کوئی نبی اسے جہاد میں قتل فرمائے یا جو اپنے ماں باپ کو قتل کرے اور تصویر بنانے والے اور وہ عالم جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔

حدیث ۹: امام مالک وامام احمد وامام بخاری وامام مسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قدم رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من سفر و قد سترت سهوة لی بقرام فیه تمأثیل فلما راٰه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سفر سے تشریف فرما ہوئے تھے میں نے ایک کھڑکی پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واپس تشریف لائے اسے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۶۰، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۳ خثیمہ بن عبدالرحمن دارالکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۲۲، مسند امام احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن مسعود المکتبہ الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۷

[2] شعب الایمان حدیث ۷۸۸۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۹۷

تلون وجهه وقال یا عائشة اشد الناس عذابا عندالله یوم القیمة الذین یضاهؤن بخلق الله [1] وفی روایة للشیخین قام علی الباب فلم یدخل فعرفت فی وجه الکراهیة فقلت یا رسول الله اتوب الی الله والی رسوله فماذا اذنبت فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اصحاب هذه الصور یعذبون یوم القیمة فیقال لهم احیوا ما خلقتم و قال ان البیت الذی فیه الصور لا تدخله الملئکة [2] وفی اخری لهما تناول الستر فهتکه وقال من اشد الناس عذابا یوم القیمة الذین یشبهون بخلق الله [3]۔	ملاحظہ فرماکر رنگ چہرہ انور کا بدل گیا اندر تشریف نہ لائے، ام المومنین فرماتی ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ! میں اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ پردہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالٰی کے یہاں سخت تر عذاب روز قیامت ان مصوروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں ان پر روز قیامت عذاب ہوگا ان سے کہا جائے گا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

حدیث ۱۰: ابوداؤد وترمذی ونسائی وابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبریل علیه الصلٰوة والسلام فقال لی مر برأس التماثیل یقطع فتصیر کهیأة الشجرة و امر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطأن [4] هذا مختصرا۔	میرے پاس جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حاضر ہو کر عرض کی حضور! مورتوں کے لئے حکم دیں کہ ان کے سر کاٹ دئے جائیں کہ پیڑ کی طرح رہ جائیں اور تصویر دار پردے کے لئے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

---

[1] صحیح البخاری ۲/ ۸۸۰ وصحیح مسلم ۲/ ۲۰۱ وسنن النسائی ۲/ ۳۰۰ ومسند احمد بن حنبل ۶/ ۸۳و۲۱۹

[2] صحیح البخاری ۲/ ۸۸۱ وصحیح مسلم ۲/ ۲۰۱

[3] صحیح مسلم ۲/ ۲۰۰ وصحیح البخاری ۲/ ۸۸۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الصور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۷، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی الملئکۃ لاتدخل بیتا الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۴

حدیث ۱۱تا۱۴: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر اور صحیح مسلم میں حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور نیز اسی میں حضرت ام المومنین میمونہ اور مسند امام احمد میں بسند صحیح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

انا لاندخل بیتا فیه کلب وصورۃ[1]۔	ہم ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

حدیث ۱۵: احمد ونسائی وابن اماجہ وابن خزیمہ وسعید بن منصور حضرت امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل امین نے عرض کی:

انها ثلث لم یلج ملك مادام فیها واحد منها کلب او جنابة اوصورۃ روح[2]۔	تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی گھر میں ہوگی کوئی فرشتہ رحمت وبرکت کا اس گھر میں داخل نہ ہوگا کتا یا جنب یا جاندار کی تصویر۔

حدیث ۱۶و۱۷: مسند احمد و صحیح بخاری و صحیح مسلم وجامع الترمذی وسنن نسائی وابن ماجہ میں حضرت ابوطلحہ اور سنن ابی داؤد و نسائی و صحیح ابن حبان میں حضرت امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدخل الملئکة بیتا فیه کلب ولاصورۃ[3]۔	رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

حدیث ۱۸: نسائی وابن ماجہ وشاشی وابویعلی اور ابونعیم حلیہ اور ضیاء صحیح مختارہ میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۸۱ وصحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۱۹۹و۲۰۰

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۵

[3] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الصور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۶، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان الملائکۃ لاتدخل بیتا امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۳، سنن النسائی کتاب الزینۃ التصاویر ۲/ ۲۹۹ و کتاب الطہارۃ ۱/ ۵۱

صنعت طعاما فدعوت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجاء فرأی تصاویر فرجع(زاد الاربعۃ الا خیرون)فقلت یا رسول اللہ مارجعك بابی وامی قال ان فی البیت سترا فیہ تصاویر وان الملئکۃ لاتدخل بیتا فیہ تصاویر [1]۔	میں نے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کی دعوت کی حضور تشریف فرما ہوئے پردے پر کچھ تصویریں بنی دیکھیں،واپس تشریف لے گئے(آخری چار میں یہ اضافہ ہے)میں نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر نثار کس سبب سے حضور واپس ہوئے،فرمایا گھر میں ایک پردے پر تصویریں تھیں اور ملائکہ رحمت اس گھر میں نہیں جاتے جس میں تصویریں ہوں۔

حدیث ۱۹: صحیح بخاری وسنن ابی داؤد میں حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یترك فی بیتہ شیئا فیہ تصالیب الا نقضہ [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس چیز میں تصویر ملاحظہ فرماتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔

حدیث ۲۰: مسلم وابوداؤد وترمذی حبان بن حصین سے راوی:

قال لی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ الا ابعثك علی مابعثنی علیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لاتدع صورۃ الاطمستہا ولاقبرا مشرفا الاسویتہ [3]۔ورواہ ابو یعلی [4] و ابن جریر فلم یسمیا حبان انما قالا عن علی انہ دعا صاحب شرطتہ	مجھ سے امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں تمہیں اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مامور فرما کر بھیجا کہ جو تصویر دیکھو اسے مٹادو اور جو قبر حد شرع سے زیادہ اونچی پاؤ اسے حد شرع کے برابر کردو(بلندی قبر میں حد شرع ایک بالشت ہے)

[1] سنن النسائی کتاب الزینۃ التصاویر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۰،کنز العمال بحوالہ الشاشی ع حل ص حدیث ۹۸۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۳۱و ۱۳۲

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۸۰ وسنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۱۶

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز ۱/ ۳۱۲ وسنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب تسویۃ القبر ۲/ ۱۰۳،جامع الترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی تسویۃ القبر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۵

[4] مسند ابی یعلی حدیث ۳۳۸ مؤسسۃ الرسالہ علوم القرآن بیروت ۱/ ۱۹۹

فقال لہ فذکرا بمعناہ۔	(اس کو ابویعلٰی اور ابن جریر دونوں نے روایت کیا مگر ان دونوں نے حبان بن حصین کانام نہیں بلکہ یوں فرمایا کہ حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) سے روایت ہے کہ انھوں نے اپنے کوتوال کو بلایا اور اس سے ارشاد فرمایا۔ آگے دونوں نے حدیث کا مفہوم ذکر فرمایا۔ (ت)

حدیث ۲۱: امام بسند جید امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے حضور نے ارشاد فرمایا:

ایکم ینطلق الی المدینۃ فلا یدع بہا وثنا الا کسرہ ولا قبرا الاسواہ ولا صورۃ الالطخہا۔	تم میں کون ایسا ہے مدینے جا کر ہر بت کو توڑ دے اور ہر قبر برابر کردے اور ہر تصویر مٹادے۔

ایک صاحب نے عرض کی: یا رسول اللہ۔ فرمایا: تو جاؤ۔ وہ جاکر واپس آئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے سب بت توڑ دئے اور سب قبریں برابر کردیں اور سب تصویریں مٹادیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من عاد لصنعۃ شیئ من ہذا فقد کفر بما انزل علی محمد [1]۔	اب جو یہ سب چیزیں بنائے گا وہ کفروانکار کریگا اس چیز کے ساتھ جو محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر نازل ہوئی۔

والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

مسلمان بنظر ایمان دیکھے کہ صحیح وصریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں اور یہ تمام احادیث عام شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کسی طریقے کی تخصیص نہیں تو معظمین دین کی تصویروں کو ان احکام خدا اور رسول سے خارج کرنا محض باطل و وہم عاطل ہے بلکہ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصاویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اور خود ابتدائے بت پرستی انھیں تصویرات معظمین سے ہوئی، قرآن عظیم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورۂ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فرمایا ود، سواع، یغوث، یعوق، نسر [2] یہ پانچ بندگان صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بنا کر ان کی مجلسوں میں قائم کیں، پھر بعد کی آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۷

[2] القرآن الکریم ۷۱/ ۲۳

صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ودو سواع ویغوث ویعوق ونسر اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما ہلکوا اوحی الشیطن الی قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون انصابا وسموہا باسماھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلك اولئك وتنسخ العلم عبدت[1] ھذا مختصرا۔	ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے نام ہیں جب وہ فوت ہوگئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ جہاں وہ بیٹھتے تھے وہاں ان کی مجالس میں ان کے بت نصب کرواور ان کے نام لیا کرو، تو وہ ایسا ہی کرنے لگے، پھر اس دور میں تو ان کی عبادت نہیں ہوئی مگر جب وہ لوگ ہلاک ہوگئے اور علم مٹ گیا سابق لوگوں کے بارے میں جہالت کا پردہ چھا گیا تو رفتہ رفتہ ان مجسموں کی عبادت وپرستش شروع ہوگئی، یہ حدیث کے مختصر الفاظ ہیں۔(ت)

باایں ہمہ اگر وساوس وہوا جس سے تسکین نہ پائیں تو احادیث صحیحہ صریحہ سے خاص تصاویر معظمین کا جزئیہ لیجئے۔

حدیث ۲۲: صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

انہ قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البیت فوجد فیہ صورۃ ابراہیم وصورۃ مریم علیہما الصلٰوۃ والسلام فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما لھم فقد سمعوا ان الملٰئکۃ لاتدخل بیتا فیہ صورۃ الحدیث[2] ھذا لفظہ فی الانبیاء وفیہ ایضا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تو وہاں آپ نے حضرت ابراہیم اور سیدہ مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر پائیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہوجاؤ کہ آگاہ ہوجاؤ کہ تصویریں بنانے والوں نے بھی یہ بات سن رکھی تھی (یعنی ان کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی ہوئی تھی کہ) بیشک جس گھر میں تصویر ہو وہاں فرشتے نہیں آتے (الحدیث) یہ الفاظ حدیث کتاب الانبیاء میں

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر باب ودًّا و سواعا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ عزوجل واتخذ اللہ ابراھیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۳

لما رأی الصور فی البیت لم یدخل حتی امر بھا فمحیت الحدیث[1] وفی المغازی فاخرج صورۃ ابراھیم واسمعیل علیھما الصلٰوۃ والسلام[2] الحدیث ہذہ کلھا روایات البخاری وذکر ابن ھشام فی سیرتہ قال وحدثنی بعض اھل العلم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخل البیت یوم الفتح فرأی فیہ صور الملئکۃ وغیرھم فرأی ابراھیم علیہ الصلٰوۃ والسلام مصورا فذکر الحدیث الی ان قال ثم امر بتلك الصور کلھا فطمست[3]۔	آئے ہیں، اور اسی میں ہے ___ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کعبہ شریف میں تصویریں دیکھیں تو اندر داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ ان کے متعلق حکم فرمایا تو وہ مٹادی گئیں الحدیث، اور مغازی میں ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما الصلٰوۃ والسلام کی تصاویر باہر نکال دی گئیں الحدیث، یہ سب بخاری شریف کی روایات ہیں اور ابن ہشام نے اپنی سیرت میں بیان فرمایا کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتح کے روز بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے تو وہاں فرشتوں وغیرہ کی تصاویر دیکھیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ دیکھا، پھر بقیہ حدیث ذکر فرمائی، یہاں تک کہ فرمایا پھر تمام تصاویر کے بارے میں حکم فرمایا کہ مٹادی جائیں تو وہ مٹادی گئیں (ت)

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز فتح مکہ کعبہ معظّمہ کے اندر تشریف فرما ہوئے اس میں حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیل وحضرت مریم وملائکہ کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام وغیرہم کی تصویریں نظر پڑیں کچھ پیکر دار کچھ نقش دیوار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویسے ہی پلٹ آئے اور فرمایا خبردار رہو بیشک ان بنانے والوں کے کان تک بھی یہ بات پہنچی ہوئی تھی کہ جس گھر میں کوئی تصویر ہو اس میں ملائکہ رحمت نہیں جاتے، پھر حکم فرمایا کہ جتنی تصویریں منقوش تھیں سب مٹادی گئیں اور جتنی مجسم تھیں سب باہر نکال دی گئیں انھیں بھی حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ وحضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی ابنیہما الاکرم وعلیہا وبارک وسلم کی تصویریں بھی باہر لائی گئیں جب تک کعبہ معظّمہ سب تصاویر سے پاک نہ ہوگیا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے قدم اکرم سے اسے شرف نہ بخشا۔

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۳

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۱۴

[3] سیرۃ النبی لابن ہشام امر الرسول بطمس ما بالبیت من صور دار ابن کثیر ۴/ ۳۲

حدیث ۲۳: مسند امام احمد میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

قال کان فی الکعبۃ صور فامر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمر بن الخطاب ان یمحوھا فبل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ثوبا ومحاھا بہ فدخلھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما فیھا منھا شیئ [1]۔ وفی حدیثہ عند الامام الواقدی وکان عمر قد ترك صورۃ ابراھیم فلما دخل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راھا فقال یاعمر الم آمرك ان لاتدع فیھا صورۃ ثم رای صورۃ مریم فقال امحواما فیھا من الصور قاتل اللہ قوما یصورون ما لایخلقون [2]۔ ھذا مختصرًا۔	حضرت جابر نے فرمایا ایام جاہلیت میں کعبہ شریفہ کے اندر تصویریں تھیں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم فرمایا کہ تصویری نقوش مٹادو، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے گیلے کپڑے کے ساتھ ان نقوش کو مٹادیا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی تصویری نقش موجود نہ تھا، اس سند میں امام واقدی کا یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہاں حضرت ابراہیم علیہم السلام کی تصویر چھوڑ دی تھی یعنی اسے نہیں مٹایا تھا۔ پھر جب اندر تشریف لے جا کر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم نے اسے دیکھا تو ارشاد فرمایا اے عمر! کیا میں نے تمھیں حکم نہ دیا تھا کہ یہاں کوئی تصویر باقی نہ رہنے دو، پھر آپ نے سیدہ مریم کی تصویر دیکھی تو فرمایا یہاں جتنی بھی تصویریں ہیں ان سب کو مٹا دیا جائے اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو برباد کرے جو ایسی چیزوں کی تصویریں بناتے ہیں جنھیں وہ پیدا نہیں کرسکتے۔

حدیث ۲۴: عمر بن شبہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخل الکعبۃ فامرنی فاتیتہ بماء فی دلو فجعل یبل الثوب ویضرب بہ علی الصور و یقول قاتل اللہ قوما یصورون ما لا یخلقون [3]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف میں داخل ہوئے تو مجھے حکم فرمایا تو میں پانی کا ڈول بھر کر لایا آپ خود بنفس نفیس اس پانی سے کپڑا تر کرنے لگے پھر ان تصویروں پر وہ بھیگا ہوا کپڑا رگڑتے ہوئے فرمانے لگے اللہ تعالٰی ایسے لوگوں کو ہلاک کرے جو ایسی چیزوں کی تصویر کشی کرتے ہیں جنھیں وہ پیدا نہیں کرسکتے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل از مسند جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۹۶

[2] کتاب المغازی للواقدی شان غزوۃ الفتح موسسۃ الاعلمی بیروت ۲/ ۸۳۴

[3] فتح الباری بحوالہ عمر بن شبہ کتاب المغازی مصطفی البابی مصر ۹/ ۷۸، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب العقیقہ حدیث ۵۲۶۵ وکتاب المغازی حدیث ۱۸۷۵۶ ۸/ ۲۹۶ و ۱۴/ ۴۹۰

حدیث ۲۵: ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان المسلمین تجردوا فی الازرو اخذ وا الدلاء و ارتجزوا علی زمزم یغسلون الکعبۃ ظھرھا وبطنھا فلم یدعوا اثر امن المشرکین الامحوہ اوغسلوہ[1]۔	(اس وقت) مسلمانوں نے اپنی اپنی چادریں اتاریں اور ڈول میں آب زمزم بھر بھر کر کعبہ شریف کو اندرون وبیرون سے خوب دھونے لگے چنانچہ مشرکین کے تمام نشانات شرک دھوڈالے اور مٹادئے۔(ت)

حاصل ان احادیث کا یہ ہے کہ کعبہ میں جو تصویریں تھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم فرمایا کہ انھیں مٹادو۔ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دیگر صحابہ کرام چادریں اتار اتار کر امتثال حکم اقدس میں سرگرم ہوئے زمزم شریف سے ڈول کے ڈول بھر کر آتے اور کعبہ کو اندر باہر سے دھویا جاتا، کپڑے بھگو بھگو کر تصویریں مٹائی جاتیں، یہاں تک کہ وہ مشرکوں کے آثار سب دھو کر مٹادئے، جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر پائی کہ اب کوئی نشان باقی نہ رہا اس وقت اندر رونق افروز ہوئے، اتفاق سے بعض تصاویر مثل تصویر ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نشان رہ گیا تھا، پھر نظر فرمائی تو حضرت مریم کی تصویر بھی صاف نہ دھلی تھی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک ڈول پانی منگا کر بنفس نفیس کپڑا تر کرکے ان کے مٹانے میں شرکت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اللہ کی مار ان تصویر بنانے والوں پر۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

فی حدیث اسامۃ انہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم دخل الکعبۃ فرأی صورۃ ابراھیم فدعا بماء فجعل یمحوھا وھو محمول علی انہ بقیۃ تخفی علی من محاھا اولا[2]۔	حضرت اسامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کعبہ شریف کے اندر تشریف لے گئے تو کچھ تصاویر انمٹی دیکھ کر پانی منگوایا اور انھیں اپنے دست اقدس سے خود مٹانے لگے، یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ بعض تصویروں کے کچھ نشانات باقی رہ گئے تھے جنھیں پہلی دفعہ مٹانے والا نہ دیکھ سکا، (تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دوبارہ انھیں مٹادیا) (ت)

حدیث ۲۶: صحیحین میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

لما اشتکی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض میں بعض

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب المغازی حدیث ۱۸۷۶۵ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴/ ۴۹۴

[2] فتح الباری کتاب المغازی باب این رکز النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح مصطفی البابی مصر ۹/ ۷۷، ۷۸

ذکر بعض نسائه کنیسة یقال لها ماریة وکانت ام سلمة وام حبیبة اتتاارض الحبشة فذکرتا من حسنها وتصاویر فیها فرفع رأسه فقال اولئك اذا مات فیهم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا فیه تلك الصور اولئك شرار خلق الله[1]۔ فی المرقاۃ الرجل الصالح ای من نبی او ولی تلك الصور ای صور الصلحاء تذکیرا بهم وترغیبا فی العبادۃ لاجلهم الخ۔[2]	ازواج مطہرات نے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا اور حضرت ام المومنین ام سلمہ وام المومنین ام حبیبہ ملک حبشہ میں ہو آئی تھیں ان دونوں بیبیوں نے ماریہ کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سر اٹھا کر فرمایا یہ لوگ جب ان میں کوئی نیک بندہ نبی یا ولی انتقال کرتا ہے اس کی قبر پر مسجد بنا کر اس میں تبرکا اس کی تصویر لگاتے ہیں یہ لوگ بدترین خلق ہیں۔(ت) مرقاۃ (از محدث علی قاری) میں ہے مرد صالح یعنی وہ نبی یا ولی فوت ہو جاتا اس کی تصاویر بناتے اور لٹکایا کرتے تھے ان کی یادگار اور ان کی وجہ سے عبادت میں رغبت دلانے کے لئے الخ (ت)

حدیث ۲۷: امام بخاری کتاب الصلوۃ جامع صحیح میں تعلیقا بلا قصہ اور عبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ اپنے اپنے مصنف اور بیہقی سنن میں اسلم مولی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولا مع القصہ راوی جب امیر المومنین ملک شام کو تشریف لے گئے ایک زمیندار نے آکر عرض کی میں نے حضور کے لئے کھانا تیار کرایا ہے میں چاہتا ہوں حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ ہمچشموں میں میری عزت ہو امیر المومنین نے فرمایا:

انالاندخل کنائسکم من اجل الصور التی فیها[3]۔	ہم ان کنیسوں میں نہیں جاتے جن میں یہ تصویریں ہوتی ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، صحیح البخاری کتاب الجنائز باب المسجد علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب التصاویر الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۸۲

[3] المصنف لعبد الرزاق باب التماثیل وماجاء فیه حدیث ۱۹۴۸۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱۰/ ۳۹۷، صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ فی البیعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲

بالجملہ حکم واضح ہے اور مسئلہ مستبین اور حرکات مذکورہ حرام بالیقین اور ان میں اعتقاد ثواب ضلال مبین اس شخص پر فرض ہے کہ اس حرکت سے باز آئے اور حرام میں ثواب کی امید سے نہ خود گمراہ ہو نہ جاہل مسلمانوں کو گمراہ بنائے ان تصویروں کو ناآباد جنگل میں راہ سے دور نظر عوام سے بچا کر اس طرح دفن کردیں کہ جہال کو ان پر اصلا اطلاع نہ ہو یا کسی ایسے دریا میں کہ کبھی پایاب نہ ہوتا ہو نگاہ جاہلان سے خفیہ عمیق کنڈے میں یوں سپرد کریں کہ پانی کی موجوں سے کبھی ظاہر ہونے کا احتمال نہ ہو، "وَاللّٰہُ یَھۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾ "[1] (اور اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ت) یہ سب متعلق بتصاویر ذی روح تھا۔ رہا نقشہ **روضۂ مبارکہ** اس کے جواز میں اصلا مجال سخن وجائے دم زدن نہیں، جس طرح ان تصویروں کی حرمت یقینی ہے یوں ہی اس کا جواز اجماعی ہے۔ ہر شرع مطہر میں ذی روح کی تصویر حرام فرمائی، حدیث پانزدہم میں اس قید کی تصریح کردی، حدیث اول میں ہے کہ ایک مصور نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت والا میں حاضر ہو کر عرض کی، میں تصویریں بنایا کرتا ہوں اس کا فتوٰی دیجئے، فرمایا: پاس آ، وہ پاس آیا، فرمایا: پاس آ۔ وہ اور پاس آیا یہاں تک کہ حضرت نے اپنا دست مبارک اس کے سر پر رکھ کر فرمایا کیا میں تجھے نہ بتادوں وہ حدیث جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنی، پھر حدیث مذکور مصوروں کے جہنمی ہونے کی ارشاد فرمائی، اس نے نہایت ٹھنڈی سانس لی، حضرت نے فرمایا:

ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بھذا الشجر وکل شیئ لیس فیہ روح [2]	افسوس تجھ پر اگر بے بنائے نہ بن آئے تو پیڑ اور غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں بنایا کر۔

ائمہ مذاہب اربعہ وغیرہم نے اس کے جواز کی تصریحیں فرمائیں تمام کتب مذاہب اس سے مملو ومشحون ہیں ہرچند مسئلہ واضح اور حق لائح ہے مگر تسکین اوہام وتثبیت عوام کے لئے ائمہ کرام علماء اعلام کی بعض سندیں اسباب میں پیش کروں کہ کن کن اکابر دین واعاظم معتمدین نے مزار مقدس اور اس کے مثل نعل اقدس کے نقشے بنائے اور ان کی تعظیم اور ان سے تبرک کرتے آئے اور اسباب میں کیا کیا کلمات روح افزائے مومنین وجانگزائے منافقین ارشاد فرمائے:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل از مسند عبداللہ بن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۰۸، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۲، صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۶

(۱)امام عثیم بن نسطاس تابعی مدنی۔
(۲)امام محدث جلیل القدر ابو نعیم صاحب حلیۃ الاولیاء
(۳)امام محدث علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی حنبلی
(۴)امام ابوالیمن ابن عساکر
(۵)امام تاج الدین فاکہانی صاحب فجر منیر۔
(۶)علامہ سید نور الدین علی بن احمد سمہودی مدنی شافعی صاحب کتاب الوفاء ووفاء الوفاء۔
(۷)سیدی عارف باللہ محمد بن سلیمن جزولی صاحب الدلائل۔
(۸)امام محدث فقیہ احمد بن حجر مکی شافعی صاحب جوہر منظّم۔
(۹)علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس فی احوال النفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔
(۱۰)علامہ سیدی محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی شارح مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ۔
(۱۱) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی صاحب جذب القلوب۔
(۱۲) محمد العاشق بن عمر الحافظ الرومی حنفی صاحب خلاصۃ الاخبار ترجمہ خلاصۃ الوفاء وغیرہم ائمہ وعلماء نے مزار اقدس واکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقبور مقدسہ حضرات صدیق وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نقشے بنائے۔ مواہب اوراس کی شرح میں ہے:

(قدروی ابوداؤد والحاکم من طریق القاسم بن محمد بن ابی بکر)الصدیق(قال دخلت علی عائشۃ فقلت یا امہ اکشفی لی عن قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)و صاحبیہ الحدیث(زاد الحاکم فرأیت رسول اللہ)ای قبرہ(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مقدماً وابابکر راسہ بین کتفی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	امام ابوداؤد اور حاکم نے حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کی سند سے روایت کیا۔ فرمایا: میں سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے ان سے عرض کیا: اماں جان! حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے دوساتھیوں کی قبور سے پردہ اٹھادیجئے، (الحدیث) امام حاکم نے یہ اضافہ کیا(جب مائی صاحبہ نے قبور سے پردہ اٹھایا) تومیں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر سب سے آگے دیکھی اور دوسری دو قبروں کی صورت یہ تھی کہ ابوبکر صدیق

وسلم وعمر راسه عند رجلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم)قال ابو الیمن بن عساکر وھذہٖ صفته۔	کا سر مبارک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دو کندھوں کے پاس تھا جبکہ فاروق اعظم کا سر مبارک حضور کے مبارک پاؤں کے متوازی و متصل تھا، امام ابوالیمن بن عساکر نے فرمایا صورت نقشہ سامنے ہے:

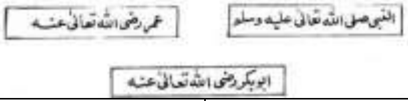

(وروی ابوبکر الاجری)الحافظ الامام توفی فی محرم سنة ست وثلثمائة(فی کتاب صفة قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن عثیم بن نسطاس المدنی)تابعی مقبول کما فی التقریب(قال رأیت قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی امارة عمر بن عبدالعزیز فرأیته مرتفعا نحوا من اربع اصابع و رأیت قبر ابی بکر وراء قبرہ ورأیت قبر ابی بکر اسفل منه)ورواہ ابو نعیم بزیادة وصورہ لنا۔	امام حافظ ابوبکر آجری (متوفی محرم ۳۰۶ھ) نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر کے بیان میں ارشاد فرمایا: عثیم بن نسطاس مدنی تابعی (جو مقبول رواۃ میں سے ہیں جیسا کہ التقریب میں ہے) سے روایت ہے فرمایا میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ خلافت میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اقدس کی زیارت کی، قبر اطہر زمین سے چار انگشت کے بقدر بلند تھی اور میں نے دیکھا کہ جناب صدیق اکبر کی قبر مبارک اس کے پیچھے اور اس سے نیچے تھی، محدث ابونعیم نے کچھ اضافہ کرتے ہوئے راویت کیا ہے اور ہمارے لئے اس کی یہ تصویری صورت بیان فرمائی: (ت)

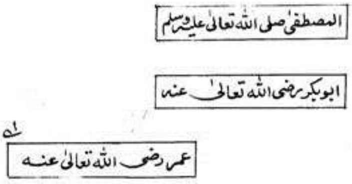

[1]

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الثانی دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۹۴

(وقد اختلف اہل السیر وغیرہم فی صفۃ القبور المقدسۃ علی سبع روایات اوردہا) ابوالیمن (ابن عساکر فی) کتابہ (تحفۃ الزائر) والصحیح منہا روایتان احدہما ماتقدم عن القاسم والاخری وبہا جزم رزین وغیرہ وعلیہا الاکثر کما قال المصنف فی الفصل الثانی وقال النووی انہا المشہورۃ والسمہودی انہا اشہر الروایات ان قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی القبلۃ مقدما بجدارہا ثم قبر ابی بکر حذاء منکبی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقبر عمر حذا منکبی ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہما وہذا صفتہا:	سیرت نگاروں نے قبور مقدسہ کی وضع یا ساخت میں جو اختلاف کیا ہے اس سلسلے میں سات روایات پائی جاتی ہیں، ابوالیمن ابن عساکر نے وہ روایات اپنی کتاب ''تحفہ الزائر'' میں بیان کی ہیں ان میں سے صرف دوروایات صحیح ہیں ایک ان میں سے وہ ہے جو ابوالقاسم کے حوالے سے بیان ہوچکی ہے۔ اور دوسری روایت وہ جس پر محدث رزین وغیرہ نے اعتماد کیا ہے اور اسی پر اکثر اہل علم قائم ہیں جیسا کہ مصنف نے دوسری فصل میں فرمایا امام نووی کہتے ہیں کہ یہی مشہور ہے اور علامہ سمہودی نے فرمایا: زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر دیوار قبلہ سے متصل سب سے آگے ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شانوں کے بالمقابل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر ہے پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شانوں (کندھوں) کے بالمقابل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر ہے۔ یہ ان قبور کی صورت ساخت ہے: (ت)

ومرت واحدۃ من الضعیفۃ ولاحاجۃ لذکر باقیہا [1] اھ مافی المواہب و شرحہا ملتقطا قلت وقد ذکر السبع جمیعا الامام البدر محمود العینی فی عمدۃ القاری فراجعہا ان ہویت۔	ایک ضعیف روایت گزر چکی ہے اور بقیہ کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں جو کچھ موہب لدنیہ اور اس کی شرح میں منتخب کردہ عبارت تھی وہ مکمل ہو گئی، میں کہتا ہوں کہ پوری سات روایتوں کو امام بدرالدین محمود عینی نے اپنی شہر آفاق تصنیف عمدۃ القاری (شرح صحیح بخاری) میں ذکر فرمایا ہے اگر خواہش مطالعہ ہو تو اس سے رجوع کیا جائے۔ت)

مطالع المسرات میں ہے:

وضع المولف صفۃ الروضۃ ھکذا۔	مؤلف نے روضہ کی ساخت بیان کی جو کہ نقشہ ذیل کے مطابق کچھ اس طرح ہے۔(ت)

ابوبکر مؤخر قلیلا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلفہ وعمر خلف رجل ابی بکر وروی ابوداؤد والحاکم وصحح اسنادہ عن القاسم بن محمد الحدیث قال السمھودی وھذا ارجح ماروی عن القاسم ثم صورھا عن ابن عساکر ھکذا۔	حضرت ابوبکر رصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ تھوڑا پیچھے ہیں اور حضرت عمر فاروق حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں والی حد سے قدرے پیچھے ہیں، امام ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت قاسم بن محمد سے روایت کی ہے۔(الحدیث) علامہ سمہودی نے فرمایا کہ یہ زیادہ راجح ہے جو کچھ حضرت قاسم سے روایت کیا گیا ہے پھر انھوں نے ابن عساکر کے حوالے سے اس کی تصویر (نقشہ) کچھ اس طرح بیان فرمائی: (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدینۃ المقصد العاشر الفصل الثانی دارالمعرفۃ بیروت ۸/ ۲۹۶۔۲۹۵

قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم | قبر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ

قبر ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ

وصدر ابوالفتح ابن الجوزی بوضعها هکذا ونسب ابن حجر هذه الصفة الی الاکثر [1] اھ مختصرا۔ **قلت** وقع ههنا فی الکتاب تخلیط واضطراب نبهت علیه علی هامشه وزاده سید المرتضی فی النقل عنه فی شرح الاحیاء لم اجده فی نسختی شرح الدلائل ولا ہو صحیح فی نفسه وذٰلك انه لم یذکر فی المطالع عن ابن الجوزی صورة جدیدة فکان قوله ہکذا اشارة الی مامر و ہو الذی نسبه ابن حجر الی الجمهور والاکثر کما ستمسع فیما یذکر اما المرتضی فنقل تصویره عن المطالع عن ابن الجوزی بعد قوله

حافظ ابوالفرج بن جوزی نے ان کی وضع (یعنی قبور مقدسہ کی ساخت) کچھ اس طرح بیان فرمائی اور علامہ ابن حجر نے اس صورت وضع کو اکثر اہل علم سے منسوب کیا ہے (مختصر عبارت مکمل ہوئی) **میں کہتاہوں** کہ اس کے باوجود یہاں کتاب میں کچھ خلط ملط اور اشتباہ پایا جاتاہے میں نے اس پر اس کے حاشیہ میں تنبیہ کی ہے سید مرتضی نے شرح احیاء العلوم میں اپنے حاشیہ میں تنبیہ فرماتے ہوئے ان سے نقل کرنے میں کچھ اضافہ فرمایا لیکن میں نے اسے شرح دلائل الخیرات کے اپنے نسخہ میں نہیں پایا اور فی ذاتہٖ وہ صحیح بھی نہیں اس لئے کہ مطالع المسرات میں ابن جوزی کے حوالے سے کوئی نئی صورت نہیں ذکر کی گئی لہذا ابن جوزی کا قول ہکذا اسی گزشتہ قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ وہی ہے جس کو علامہ ابن حجر نے جمہور اور اکثر کی طرف سے منسوب کیا ہے جیسا کہ آئندہ ذکر کیا جاتاہے آپ سنیں گے لیکن سید مرتضی نے اس کی تصویر مطالع المسرات سے ابن جوزی کے قول ہکذا کہنے کے بعد کچھ اس طرح نقل فرمائی ہے جو نقشہ ذیل

[1] مطالع المسرات المکتبہ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ص ۱۴۹۔ ۱۴۸

ھکذا ھکذا۔	سے ظاہر ہے: (ت)

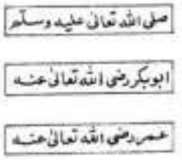

ثم عقبه بقوله ونسب ابن حجر ہذاہ الصفة الی الاکثر [1] الخ فلا ادری لعل ھذا الغلط فی التصویر من النساخ واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر اسے اپنے اس قول کے بعد لائے ہیں کہ علامہ ابن حجر نے اس صفت کو اکثر کی طرف منسوب کیا ہے الخ میں نہیں جانتا کہ شاید تصویر میں یہ لفظ غلطی کرنے والوں کی طرف سے اضافہ ہوگیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

جوہر منظّم امام ابن حجر میں ہے:

یسن له بل یتاکد علیه اذا فرغ من السلام علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یتاخر الی صوب یمینه قدر ذراع للسلام علی ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه وکرم وجهه لان راسه عند منکب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ثم یتاخر الی یمینه ایضا قدر ذراع للسلام علی سیدنا عمر رضی اللہ تعالٰی عنه لان راسه عند منکب ابی بکر وہذہ صورة القبور الثلثة الکریمة علی الاصح المذکور وعلیه الجمهور،	تاکیدی سنت ہے کہ جب زائر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سلام پیش کرنے سے فارغ ہو تو حضرت ابوبکر صدیق کو سلام پیش کرنے کے لئے بقدر ایک ہاتھ اپنی دائیں جنوبی سمت پیچھے ہٹ جائے (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو اور ان کے چہرے کو رونق بخشے) کیونکہ ان کا سر مبارک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شانوں کے بالمقابل ہے پھر دائیں جانب ایک ہاتھ کے بقدر مزید پیچھے ہو جائے تاکہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں سلام پیش کرسکے کیونکہ ان کا سر مبارک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کندھوں کے بالمقابل ہے۔ زیادہ صحیح قول مذکور کے مطابق

[1] اتحاف السادۃ المتقین الجملۃ العاشرۃ صفۃ الروضۃ المشرفۃ الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۴۲۱۔۴۲۰

ثم قال بعد التصویر اخترت وضعها علی ہذہ الکیفیة لانها لمطابقة للواقع عند توجه الزائر الیهم[1] الخ۔	قبور ثلاثہ کی یہی صورت واقع ہے اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے پھر تصویر کے بعد فرمایامیں نے اس کیفیت کے مطابق صورت وضع قبر اختیار کی ہے اس لئے کہ یہی واقع کے مطابق ہے جب زائر ان کی طرف منہ کرے الخ (ت)

اگر معاذاللہ دلائل الخیرات شریف سے نقشہ مقدسہ نکالا جائے تو نہ صرف دلائل بلکہ ان سب کتب احادیث وسیر وغیرہما کے اوراق چاک کئے جائیں اور ان ائمہ محدثین کے بنائے ہوئے نقشوں کا کیا علاج ہوجو زمانہ تابعین وتبع تابعین سے قرنا فقرنا روایت حدیث میں نقشے بناتے آئے اللہ عزوجل افراط وتفریط کی آفت سے بچائے دلائل الخیرات شریف کو تالیف ہوئے پونے پانسوبرس گزرے جب سے یہ کتاب مستطاب شرقاغرباعربا عجما تمام جہاں کے علماء واولیاء وصلحاء میں حرزجان ووظیفہ ودین وایمان ہورہی ہے، یہ حسن قبول خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زید وعمر کے مٹائے نہیں مٹ سکتا۔

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند　　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے سارے شیر اسی سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں لہٰذا کسی حیلہ سے لومڑی اس سلسلہ کو کیسے کاٹ سکتی ہے۔ت)

ہاں اب نئے زمانے فتنہ کے گھرانے میں وہ گمراہ بھی پیدا ہوئے جو عیاذا باللہ دلائل الخیرات کو معدن شرک وبدعات کہتے ہیں مگر ان کے بکنے سے امت مرحومہ کا اتفاق واطباق نہیں ٹوٹ سکتا۔

مہ فشاند نور وسگ عوعو کند　　　ہر کسے بر خلقت خودمی تند

(چاند نور بکھیرتا ہے مگر کتے اسے بھونکتے ہیں، درحقیقت ہر ایک اپنی اپنی تخلیق میں تنا ہوا اور کسا ہوا ہے۔ت)

کشف الظنون میں ہے:

دلائل الخیرات آیة من اٰیات اللہ یواظب بقراء ته فی المشارق والمغارب وللدلائل اختلاف فی النسخ لکثرة روایتها عن المؤلف رحمه اللہ تعالٰی	یعنی کتاب دلائل الخیرات اللہ تعالٰی کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے کہ مشارق ومغارب میں ہمیشہ پڑھی جاتی ہے اس کے نسخے مختلف ہیں کہ مؤلف رحمہ اللہ تعالٰی سے اس کی روایت بکثرت ہوئی مگر

[1] الجوہر المنظم الفصل السابع فیما ینبغی للزائر فعله الخ المکتبة القادریہ جامع نظامیہ لاہور ص ۵۰

لکن المعتبر نسخة ابی عبدالله محمد السهیلی کان المؤلف صححها قبل وفاته بثمان سنین سادس ربیع الاول ۸۶۲ھ [1] ملخصاً۔	معتبر ابو عبداللہ محمد سہیلی کا نسخہ ہے کہ مؤلف قدس سرہ نے وصال شریف سے آٹھ برس پہلے ششم ربیع الاول ۸۶۲ھ کو اس کی تصحیح فرمائی تھی۔

(۱۳) علامہ محمد بن احمد بن علی فاسی قصری مطالع میں فرماتے ہیں:

اعقب المؤلف رحمه الله تعالٰی ورضی عنه، ترجمة الاسماء بترجمة صفة الروضة المبارکة موافقا وتابعا للشیخ تاج الدین الفاکہانی فانه عقد فی کتاب الفجر المنیر بابا فی صفة القبور المقدسة ومن فوائد ذٰلك ان یزور المثال من لم یتمکن من زیارة الروضة ویشاهده مشتاق ویلثمه ویزداد فیه حبا وشوقا [2]۔	مؤلف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فصل اسماء طیبہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد صفت روضہ مبارکہ کی فصل بہ تبعیت وموافقت امام تاج الدین فاکہانی ذکر فرمائی کہ انھوں نے بھی اپنی کتاب فجر منیر میں خاص ایک باب ذکر کیا اور اس میں بہت فائدے ہیں از انجملہ یہ کہ جسے روضہ مبارکہ کی زیارت میسر نہ ہوئی وہ اس نقشہ پاک کی زیارت کرے مشتاق اسے دیکھے اور بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت اور حضور کا شوق اس کے دل میں بڑھے۔

اللھم ارزقنا اٰمین (اے اللہ! ہمیں بھی یہ نصیب فرما اور ہماری یہ درخواست قبول فرما۔ ت)

(۱۴) اسی میں ہے:

قد کنت رأیت تألیفا لبعض المشارقة یقول فیما انه ینبغی لذاکر (اسم) الجلالة من المریدین ان یکتبه بالذهب فی ورقة ویجعله نصب عینیه فاذا صور قاری ہذا الکتاب الروضة صورة حسنة بالوان حسنة و خصوصا بالذهب فهو من معنی ذٰلك [3]۔	میں نے بعض علماء مشرق کی تالیف میں دیکھا کہ جو مرید اسم پاک اللہ کا ذکر کرے اسے چاہئے کہ نام پاک اللہ ایک ورق میں سونے سے لکھ کر اپنے پیش نظر رکھے تو جب اس کتاب کو پڑھنے والا روضہ مقدسہ کی خوبصورت تصویر خوشنما رنگوں سے رنگین خصوصاً آب زر سے بنائے تو وہ اسی قبیل سے ہے۔

---

[1] کشف الظنون باب الدال المھلة دلائل الخیرات منشورات مکتبہ المثنی بغداد ۱/ ۷۵۹

[2] مطالع المسرات المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ص ۱۴۴

[3] مطالع المسرات المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ص ۱۴۵

(۱۵)اسی میں ہے:

وقد ذکر بعض من تکلم علی الاذکار و کیفیتة التربیة بھا انه اذا کمل لا اله الا الله بمحمد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلیشخص بین عینیه ذاته الکریمة بشریة من نور فی ثیاب من نور یعنی لتنطبع صورته صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی روحانیته و یتألف معھا تألفا یتمکن به من الاستفادة من اسراره والاقتباس من انواره صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال فان لم یزرق تشخص صورته فیری کانه جالس عند قبره المبارك یشیر الیه متی ماذکره فان القلب متی ماشغله شیئ امتنع من قبول غیره فی الوقت الی اٰخر کلامه فیحتاج الی تصویر الروضة المشرفة والقبور المقدسة لیعرف صورتھا و یشخصھا بین عینیه من لم یعرف من المصلین علیه فی ھذا الکتاب وھم عامة الناس وجمھورھم[1]۔	بعض اولیاء کرام جنھوں نے ذکر وشغل سے تربیت مریدین کی کیفیت ارشاد کی بیان فرماتے ہیں کہ جب ذکر لا الہ الا اللہ کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کامل کرلے تو چاہئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور اپنے پیش نظر جمائے بشری صورت نور کی طلعت نور کے لباس میں تاکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ اس کے آئینہ دل میں جم جائے اور اس سے وہ الفت پیدا ہو جس کے سبب حضور کے اسرار سے فائدہ لے حضور کے انوار کے پھول چنے اور جسے یہ تصور میسر نہ ہو وہ یہی خیال جمائے کہ گویا مزار مبارک کے سامنے حاضر ہے اور ہر بار جب ذکر میں نام پاک آئے تصور میں مزار اقدس کی طرف اشارہ کرتا جائے کہ دل جب ایک چیز سے مشغول ہوجاتا ہے پھر اس وقت دوسری چیز قبول نہیں کرتا، تو اب روضہ مطہرہ وقبور مطہرہ کی تصویر بنانے کی حاجت ہوئی کہ جن دلائل الخیرات پڑھنے والوں نے ان کی زیارت نہ کی اور اکثر ایسے ہی ہیں وہ انھیں پہچان لیں اور ذکر کے وقت ان کا تصور ذہن میں جمائیں۔

(۱۶)اسی میں ہے:

وقد استنابوامثال النعل عن النعل وجعلوه له من الاکرام والاحترام ماللمنوب عنه وذکروا له خواصا و برکات وقد جربت وقال فیه اشعارا	علمائے کرام نے نعل مقدس کے نقشے کو نعل مقدس کا قائم مقام بنایا اور اس کے لئے وہی اکرام واحترام جو اصل کے لئے تھا ثابت ٹھہرایا اور اس

[1] مطالع المسرات المکتبہ النوریۃ رضویۃ فیصل آباد ص ۱۴۴، ۱۴۵

کثیرۃ والفوا فی صورتہ ورووہ بالاسانید وقد قال القائل: اذا ما الشوق اقلقنی الیھا ولم اظفر بمطلوبی لدیھا نقشت مثالھا فی الکف نقشا وقلت لناظری قصرا علیھا[1]	نقشہ مبارک کے لئے خواص وبرکات ذکر فرمائے اور بلاشبہ وہ تجربے میں آئے اور اس میں بکثرت اشعار کہے اور اس کی تصویر میں رسالے تصنیف کئے اور اسے سندوں کے ساتھ روایت کیا اور کہنے والے نے کہا: جب اس کی آتش شوق میرے سینے میں بھڑکتی ہے اور اس کا دیدار میسر نہیں ہوتا اس کی تصویر ہاتھ پر کھینچ کر آنکھ سے کہتا ہوں اسی پر بس کر۔

(۱۷) علامہ تاج فاکہانی فجر منیر میں فرماتے ہیں:

من فوائد ذلك ان من لم یمکنہ زیارۃ الروضۃ فلیبرز مثالھا ولیلثمہ مشتاقا لانہ ناب مناب الاصل کما قد ناب مثال نعلہ الشریفۃ مناب عینھا فی المنافع والخواص شھادۃ التجربۃ الصحیحۃ و لذا جعلوا لہ من الاکرام والاحترام مایجعلون للمنوب عنہ الخ۔[2]	نقشہ روضہ مبارک کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ اقدس کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کرے اور شوق دل کے ساتھ اسے بوسہ دے کہ یہ مثال اسی اصل کے قائم مقام ہے جیسے نقشہ نعل مقدس منافع وخواص میں بالیقین اس کا قائم مقام ہے جس پر صحیح تجربہ شاہد عدل ہے ولہذا علمائے دین نے نقشے کا اعزاز واعظام وہی رکھا جو اصل کا رکھتے ہیں۔

(۱۸) حضرت مصنف دلائل قدس سرہ العزیز اس کی شرح کبیر میں اسے نقل فرماتے اور علامہ ممدوح کی متابعت ظاہر کرتے ہیں:

حیث قال انما ذکرتھا تابعا للشیخ تاج الدین الفاکھانی فانہ عقد فی کتابہ الفجر المنیر بابا فی صفۃ القبور المقدسۃ و	چنانچہ مصنف دلائل الخیرات نے فرمایا میں نے علامہ تاج الدین فاکہانی کے اتباع میں اس کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ موصوف نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کی صورت وضع

[1] مطالع المسرات المکتبہ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ص ۱۴۴

[2] فجر منیر

قال ومن فوائد ذٰلك[1] الخ۔	میں ایک باب باندھا اور فرمایا ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے الخ۔ (ت)

(۱۹) امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن خلف السلمی الشہیر بابن الحاج المترلی الاندلسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نقشہ نعل مقدس کے بیان میں مستقل کتاب تالیف فرمائی۔

(۲۰) اسی طرح ان کے تلمیذ شیخ عزیز ابوالیمن ابن عساکر نے نفیس وجلیل کتاب مسمّٰی بہ خدمت النعل للقدم المحمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھی جس کے ساتھ اکابر ائمہ نے مثل کتب حدیث روایۃً وسماعاً وقرائۃً اعتنائے تام کیا۔

(۲۱) امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قدذکر ابوالیمن ابن عساکر تمثال نعله الکریمة علیه افضل الصلوٰة والتسلیم فی جزء مفرد رویته قرائة وسماعا وکذا افرده بالتالیف ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف السلمی المشهور بابن الحاج من اهل المریة بالاندلس وکذا غیرهما واللّٰه در ابی الیمن بن عساکر حیث قال۔

یا منشدا فی رسم ربع خال ومناشدًا لدوارس الاطلال
دع ندب آثار وذکر مآثر لاحبة بانوا وعصر خال
والثم ثری الاثر الکریم فحبذا ان فزت منه بلثم ذا التمثال
صافح بها خدا اوعفر وجنة فی تربها وجدا وفرط تغال،
یاشبه نعل المصطفٰی روحی الفدا لمحلك الاسی الشریف العال
هملت لمرآك العیون وقدنأی مرمی العیان بغیرما اہمال،
وتذکرت عهد العقیق فتاثرت شوقًا عقیق المدمع الهطال
اذکرتنی قدما لها قدم العلاء والجود والمعروف والافضال
لوان خدی یحتذی نعلا لها لبلغت من نیل المنی آمال
اوان اجفانی لوطء نعالها ارض سمت عزا بذا الاذلال
اهبا لالتقاط[2]

خلاصہ یہ کہ ابوالیمن ابن عساکر نے نقشہ نعل اقدس کے باب میں ایک مستقل جز تالیف کیا جسے میں نے استاد پر پڑھ کر اور استاد سے سن کر روایت کیا اور اسی طرح ابن الحاج اندلسی وغیرہما علماء نے اس

[1] مطالع المسرات المکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴

[2] اللمواہب اللدینہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۶ تا ۴۶۸

بارہ میں مستقل تصنیفیں کیں اور اللہ عزوجل کے لئے ہے خوبی ابوالیمن ابن عساکر کی کیا خوب قصیدہ مدح شبیہ شریف میں لکھا ہے جس میں فرماتے ہیں اے فانی کی یاد کرنے والے ان چیزوں کی یاد چھوڑ اور تبرکات شریفہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاکبوسی کر، زہے نصیب اگر تجھے اس تصویر نعل مبارک کا بوسہ ملے اپنا رخسارہ اس پر رکھ اور اس کی خاک پر اپنا چہرہ مل، اے نعل مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر! تیری عزت وشرف بلند پر میری جان قربان تجھے دیکھ کر آنکھیں ایسی بہ نکلیں کہ اب تھمنا بہت دور ہے تجھے دیکھ کر انھیں مدینے کی وادی عقیق میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفتار یاد آگئی لہٰذا اب اپنے اشک رواں کے سرخ سرخ عقیق نچھاور کررہے ہیں، اے تصویر نعل مبارک! تو نے مجھے وہ قدم پاک یاد دلادیا جس کے بلندی وجود واحسان وفضل قدیم سے ہیں، اگر میرا رخسارہ تراش کر اس قدم پاک کے لئے کفش بناتے تو دل کی تمنا بر آتی یا میری آنکھ ان کی کفش مبارک کے لئے زمین ہوتی تو اس زمین ہونے سے عزت کا آسمان بن جاتی ع

جزاك الله خيرا يا ابا اليمن

(اے ابوالیمن! اللہ تعالیٰ تمھیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ت)

(۲۲) ابوالحکم بن عبدالرحمٰن الشہیر بابن المرحل کہ فضلائے مغاربہ سے ہیں امام بقیۃ الحفاظ ابن حجر عسقلانی نے تبصیر میں ان کا ذکر لکھا وصف نقش مبارک میں ان کا قصیدہ غرا شیخ ابن الحاج نے اپنی کتاب مذکور میں ذکر کیا امام قسطلانی نے اسے مااحسنہا کہا یعنی کیا خوب فرمایا، اس کے بعض ابیات کریمہ مواہب میں یہ ہیں:

مثال لنعلى من احب هويته	فها انا فى يومى وليلى لاثمه
أُجر على راسى ووجهى اديمه	والثمه طورا وطورا الازمه
امثله فى رجل اكرم من مشى	فتبصره عينى وما انا حالمه
احرك خدى ثم احسب وقعه	على وجنتى خطوا هناك يداومه
ومن لى بوقع النعل فى حر وجنتى	لماش علت فوق النجوم براجمه
ساجعله فوق الترائب عوذة	لقلبى لعل القلب يبرد حاجمه
واربطه فوق الشوؤن تميمة	لجفنى لعل الجفن يرقاء ساجمه
الا بابى تمثال نعل محمد	لطاب لحاذيه وقدس خادمه
يود هلال الافق لو انه هوى	ينرا حمنا فى لثمه ونزاحمه

سلام علیہ کلما ھبت الصبا وغنت باغصان الاراك حمائمہ [1]

اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تصویر نعل پاک کو میں دوست رکھتا اور رات دن اسے بوسہ دیتا ہوں اپنے سر اور منہ پر رکھتا اور کبھی چومتا کبھی سینے سے لگاتا ہوں، میں اپنے دھیان میں اسے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پائے اقدس میں تصور کرتا ہوں تو شدت صدق تصور سے گویا اپنی آنکھوں سے جاگتے میں دیکھ لیتا ہوں اس نقش پاک کو اپنے رخسارے پر رکھ کر جنبش دیتا اور یہ خیال کرتا ہوں کہ گویا وہ اسے پہنے ہوئے میرے رخسارے پر چل رہے ہیں آہ کون ایسی صورت کردے کہ وہ پائے مبارک جو ستارگان آسمان ہشتم کے سروں پر بلند ہوئے ان کی کفش مبارک چلنے میں میرے رخسارے پر پڑے میں نقشہ نعل پاک کو اپنے سینے پر دل کا تعویز بنا کر رکھوں گا شاید دل کی آنکھ ٹھنڈی ہو، میں اسے سر پر آنکھوں کا تعویذ بنا کر باندھوں گا شاید بہتی پلکیں رکیں، سن لو تصویر کفش مقدس پر میرا باپ نثار، کیا اچھا ہے اس کا بنانے والا اور جو اس کی خدمت کرے پاک ہوجائے، ماہ نور کی تمنا ہے کاش آسمان سے اتر کر اس نقشہ مبارک کے بوسے میں ہم اور وہ باہم مزاحمت کرتے، اللہ عزوجل کا سلام اترے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جب تک باد صبا چلے اور جب تک درخت اراک کی ڈالیوں پر کبوتر گونجیں، **اللھم صل وسلم وبارك علیہ وعلی الہ وامتہ ابدا آمین** (یا اللہ! ان پر درود وسلام اور برکت نازل فرما اور ان کی آل اور امت پر ہمیشہ ہمیشہ اپنی رحمت فرما، یہی میری دعا ہے اسے قبول فرما۔ ت) **(۲۳)** نیز مواہب لدنیہ میں ہے:

من بعض ماذکر من فضلھا وجرب من نفعھا و برکتھا ماذکرہ ابو جعفر احمد بن عبدالمجید وکان شیخا صالحا ورعا قال حذوت ھذا المثال لبض الطلبۃ فجاءنی یوم فقال رأیت البارحۃ من برکۃ ھذا النعل عجبا اصاب زوجی وجع شدید کادیھلکھا فجعلت النعل علی موضع الوجع و قلت اللھم ارنی برکۃ صاحب ھذا النعل فشفاھا اللہ للحین [2]۔	اس مثال مبارک کے فضائل جو ذکر کیے گئے ہیں اور اس کے منافع وبرکات جو تجربے میں آئے ان میں سے وہ ہیں جو شیخ صالح صاحب ورع وتقوی ابو جعفر احمد بن عبدالمجید نے بیان فرمائے کہ میں نے نعل مقدس کی مثال اپنے بعض تلامذہ کو بنادی تھی ایک روز انھوں نے آکر کہا رات میں نے اسے اس مثال مبارک کی عجیب برکت دیکھی میری زوجہ کو ایک سخت درد لاحق ہوا کہ مرنے کے قریب ہوگئی میں نے مثال مبارک موضع درد پر رکھ کر دعا کی کہ الٰہی! اس کی برکت سے شفاء دے اللہ عزوجل نے فورا شفا بخشی۔

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۹

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۹

(۲۴) نیز امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابواسحاق ابراہیم بن الحاج فرماتے ہیں کہ ان کے شیخ الشیخ ابوالقاسم بن محمد فرماتے ہیں:

وممّا جرب من برکتہ ان من امسکہ عندہ متبرکا بہ کان لہ امانا من بغی البغاۃ وغلبۃ العداۃ وحرزا من کل شیطان مارد وعین کل حاسد وان امسکت المرأۃ الحامل بیمینھا وقد اشتد علیھا الطلق تیسر امرھا بحول اللہ تعالٰی وقوتہ[1]۔	نقشہ نعل مبارک کی آزمائی ہوئی برکات سے یہ ہے کہ جو شخص بہ نیت تبرک اسے اپنے پاس رکھے ظالموں کے ظلم اور دشمنوں کے غلبے سے امان پائے، اور وہ نقشہ مبارک ہر شیطان سرکش اور حاسد کے چشم زخم سے اس کی پناہ ہوجائے اور زن حاملہ میں شدت دردزہ میں اگر اسے اپنے داہنے ہاتھ میں لے بعنایت الٰہی اس کا کام آسان ہو۔

(۲۵) علامہ ابن حجر مقری تلمسانی نے اس باب میں دو مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ایک النفحات العنبریۃ فی وصف نعل خیرا لبریۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ وجیز ونافع ہے۔ دوسری فتح المتعال فی مدح خیر النعال کہ بسیط وجامع ہے ان کتب مبارک میں عجب عجب فضائل وبرکات ودفع بلیات وقضائے حاجات کے جو اس نقشہ مبارکہ سے مشاہدہ کئے اور سلف صالح ومعاصرین صالحین نے دیکھے بکثرت بیان فرمائے ان کا ذکر باعث تطویل ہے جو چاہے فتح المتعال مطالعہ کرے اب ہم بنظر اختصار ان باقی ائمہ واعلام کے بعض گرامی نام شمار کرنے پر اقتصار کریں جنھوں نے نقشہ مبارکہ بنوایا، بناکر اپنے تلامذہ کو عطا فرمایا۔ اس سے تبرک کیا، اس کی مدحیں لکھیں، اس سے فیض وبرکت حاصل کرنے، اسے سر آنکھوں پر رکھنے، بوسہ دینے کی ترغیبیں کیں، احادیث کی طرح باہتمام تام اس کی روایتیں فرمائیں، جسے تفصیل دیکھنی ہو فتح المتعال وغیرہ کی طرف رجوع لائے، وباللہ التوفیق۔

(۲۶) امام اجل ابواویس عبداللہ بن عبداللہ بن اویس ابوالفضل بن مالک بن ابی عامر اصبحی مدنی کہ اکابر علماء مدینہ طیبہ وائمہ محدثین ورجال صحیح مسلم وسنن ابی داؤد وترمذی ونسائی وبن ماجہ اور تبع تابعین کے طبقہ اعلٰی سے ہیں، امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہنوئی اور بھتیجے یعنی ان کے حقیقی چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں، ۱۶۷ھ میں انتقال فرمایا: انھوں نے خود اپنے واسطے امام مالک وغیرہ اکابر تابعین وتبع تابعین کے زمانے میں نعل اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مثال بنواکر اپنے پاس رکھی اور قرنًا فقرنًا

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث الفصل الثالث لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۷

اس مثال کے نقشے ہر طبقے کے علماء لیتے رہے۔

(۲۷) ان کے صاحبزادے امام مالک کے بھانجے اسمٰعیل بن ابی اویس کہ امام بخاری وامام مسلم کے استاذ اور رجال صحیحین اور اتباع تبع تابعین کے طبقہ اعلی سے ہیں اور امام شافعی وامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہما کے معاصر، ۲۲۶ہجری میں وفات پائی۔

(۲۸) ان کے شاگرد ابویحیٰی بن ابی میسرہ۔

(۲۹) ان کے تلمیذ ابو محمد ابراہیم بن سہل سبتی۔

(۳۰) ان کے شاگرد ابوسعید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ مکی۔

(۳۱) ان کے تلمیذ محمد بن جعفر تمیمی۔

(۳۲) ان کے تلمیذ محمد بن الحسین الفارسی۔

(۳۳) ان کے شاگرد شیخ ابوزکریا عبدالرحیم بن احمد بن نصر بن اسحاق بخاری۔

(۳۴) ان کے تلمیذ شیخ فقیہ ابوالقاسم حلی ابن عبدالسلام بن حسن رمیلی۔

(۳۵) ان کے شاگرد شیخ عیاض۔

(۳۶) دوسرے تلمیذ اجل امام اکمل حافظ الحدیث قاضی ابوبکر بن العربی اشبیلی اندلسی۔

(۳۷) ان دونوں کے شاگرد امام ابن العربی کے صاحبزادے فقیہ ابو زید عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ۔

(۳۸) ان کے تلمیذ ابن الحیہ۔

(۳۹) ان کے شاگرد شیخ ابن البر تونسی۔

(۴۰) ان کے تلمیذ شیخ ابن فہد مکی۔

(۴۱) ح امام اجل ابن العربی ممدوح کے دوسرے شاگرد ابوالقاسم خلف بن بشکوال۔

(۴۲) ان کے تلمیذ ابو جعفر احمد بن علی اوسی جن کے شاگرد ابوالقاسم بن محمد اور ان کے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم بن الحاج ان کے شاگرد ابوالیمن ابن عساکر مذکورین ہیں جن کے اقوال طیبہ اوپر مرقوم ہوئے۔

(۴۳) ح امام اسمٰعیل بن ابی اویس مدنی ممدوح کے دوسرے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم ابن الحسین۔

(۴۴) ان کے شاگرد محمد بن احمد خزاری اصبہانی۔

(۴۵) ان کے تلمیذ ابوعثمٰن سعید بن حسن تستری۔

(۴۶) ان کے شاگرد ابوبکر محمد بن علی منقری۔

(۴۷) ان کے تلمیذ ابوطالب عبداللہ بن حسن بن احمد عنبری۔

(۴۸)ان کے شاگرد ابو محمد عبدالعزیز بن احمد کنانی۔

(۴۹)ان کے تلمیذ ابو محمد ہبۃ اللہ بن احمد بن محمد اکفانی دمشقی۔

(۵۰)ان کے شاگرد حافظ ابوطاہر احمد بن محمد بن احمد اسکندرانی۔

(۵۱)ان کے تلمیذ ابو عبداللہ محمد بن عبدالرحمٰن تجیبی۔

(۵۲)ان کے شاگرد ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ سبتی ان کے تلمیذ ابواسحٰق ابراہیم بن الحاج سلمٰی ممدوح ان کے شاگرد ابن عساکر۔

(۵۳)ان کے تلمیذ بدر فارقی، یہ تین سلسلے مثل سلاسل حدیث تھے ان کے علاوہ

(۵۴)امام ابو حفص عمر فاکہانی اسکندرانی۔

(۵۵) شیخ یوسف تتائی مالکی۔

(۵۶) فقیہ ابو عبداللہ بن سلامہ۔

(۵۷) فقیہ محدث ابویعقوب۔

(۵۸)ان کے شاگرد ابو عبداللہ محمد بن رشید فہری۔

(۵۹)حافظ شہیر ابوالربیع بن سالم کلاعی۔

(۶۰)ان کے تلمیذ حافظ ابو عبداللہ بن الابار قضاعی۔

(۶۱)ابو عبداللہ محمد بن جابر دادی۔

(۶۲)خطیب ابو عبداللہ بن مرزوق تلمسانی۔

(۶۳)ابن عبدالملک مراکش۔

(۶۴) شیخ ابوالحضال۔

(۶۵)ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن عبدالحق انصاری معروف بابن القصاب۔

(۶۶) شیخ فتح اللہ حلبی بیلونی۔

(۶۷) قاضی شمس الدین ضعیف اللہ ترابی رشیدی۔

(۶۸) شیخ عبدالمنعم سیوطی۔

(۶۹) محمد بن فرج سبتی۔

(۷۰) شیخ ابن حبیب النبی جن سے علامہ تلمسانی نے نقشہ مقدسہ کی عجیب برکت شفاہا روایت کی۔

(۷۱) سید محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح۔

(۷۲) سید جمال الدین محدث صاحب روضۃ الاحباب۔

(۷۳) علامہ شہاب الدین خفاجی جنھوں نے فتح المتعال کی تعریف کی اور ہو مصنف حسن فرمایا یعنی وہ خوب کتاب ہے۔

(۷۴) فاضل کاتب چلپی صاحب کشف الظنون۔

(۷۵) فاضل علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح مواہب ومؤطا امام مالک۔

اب اور پانچ ائمہ کرام کے اسماء طیبہ عالیہ پر اختتام کیجئے جن کی امامت کبری پر اجماع اور ان کی جلالت شان وعظمت مکان مشہور ومعروف بلاد وبقاع:

(۷۶) امام اجل حافظ الحدیث زین الدین عراقی استاذ امام الشان ابن حجر عسقلانی صاحب الفیہ سیرت وغیرہا۔

(۷۷) ان کے ابن کریم علامہ عظیم سیدی ابوزرعہ عراقی۔

(۷۸) امام اجل سراج الفقہ والحدیث والملۃ والدین بلقینی۔

(۷۹) امام جلیل محدث نبیل حافظ شمس الدین سخاوی۔

(۸۰) امام اجل واکرم علامہ عالم خاتم الحفاظ والمحدثین جلال الملۃ والشرع والدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رضی اللہ تعالٰی عنہم وعنا بہم یوم الدین آمین یارب العالمین۔

بالجملہ مزار اقدس کا نقشہ تابعین کرام اور نعل مبارک کی تصویر تبع تابعین اعلام سے ثابت اور جب سے آج تک ہر قرن وطبقہ کے علماء وصلحا میں معمول اور رائج ہمیشہ اکابر دین ان سے تبرک کرتے اور ان کی تکریم وتعظیم رکھتے آئے ہیں تو اب انھیں بدعت شنیعہ اور شرک وحرام نہ کہے گا مگر جاہل بیباک یا گمراہ بددین مریض القلب ناپاک والعیاذ باللہ من مھاوی الھلاک (اللہ تعالٰی کی پناہ ہلاکت وبربادی کے ٹھکانوں سے۔ت) آج کل کے کسی نوآموز قاصر ناقص فاتر کی بات ان اکابر ائمہ دین واعاظم علماء معتمدین کے ارشادات عالیہ کے حضور کسی ذی عقل دیندار کے نزدیک کیا وقعت رکھتی ہے، عاقل منصف کے لئے اسی قدر کافی ہے واللہ الھادی وولی الایادی بہ ثقتی وعلیہ اعتمادی (اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت دکھانے والا ہے اور جملہ احسانات وانعامات کا مالک ووالی ہے پس اسی پر بھروسا واعتماد ہے۔ت) الحمدللہ کہ یہ مجمل جواب موضع صواب اواخر ذی الحجہ مبارک ۱۳۱۵ھ کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ شفاء عــہ الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ (۱۳۱۵ھ) (حیرت زدہ (عاشق) کی شفا (صحت یابی) صور حبیب ان کے مزار اور ان کے جوتوں کے دیدار میں ہے۔ت) نام ہو، الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی

عــہ: ہمزہ بے مرکز ملحوظ العدد ست ۱۲۔

سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ اجمعین اٰمین، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

(سب خوبیاں خدا کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار (مربی) ہے اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر اور ساتھیوں پر رحمت نازل فرمائے، اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ اور اس جلیل القدر ذات کا علم بہت کامل واکمل اور نہایت درجہ پختہ و محکم ہے۔ ت)

اس تحریر کے چند ماہ بعد آج کل کے بعض ہندی عــہ صاحبوں نے اس کے مخالف تحریریں پیش کیں جن میں کسی امام معتمد یا عالم مستند سے اس کے خلاف پر اصلا سند نہ دی گئی، ہم ابھی گزارش کرچکے ہیں کہ ارشادات ائمہ دین وعلماء معتمدین کے مقابل ایں وآں کے بے سند اقوال کیا قابل استدلال، قرون ثلاثہ میں باوصف تحقق ضرورت اس کی طرف قولا وفعلا اصلا توجہ نہ پائے جانے کا جواب بھی واضح ہوچکا کہ زمانہ تابعین وتبع تابعین سے متوارث ہے، اور ضرورت شرعیہ بمعنی افتراض ووجوب نہ ہونا، تو بدیہی یوہیں بایں معنی کہ کوئی امر مامور بہ فی الشرع عیناً اس پر موقوف ہو واضح المنع نہ سہی مسلم کہ مقتضی عین موجود مذکر حاصل موانع مقصود جس سے باوصف تحقق خطور بالبال وخصوص احتیاج بالقصد امتناع پر اطباق واجماع مفہوم ہو اور جہاں ایسا نہیں وہاں عدم وقوع ہرگز مفید کف قصدی نہیں کہ وہی مقدور ہے اور اس میں اتباع **وقد حققنا ہذہ المباحث فی کتابنا المبارك ان شاء اللہ تعالٰی البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ** (ان مباحث کی تحقیق ہم نے اپنی بابرکت کتاب میں کردی ہے کتاب کا نام ہے **البارقۃ الشارقۃ علی مارقۃ المشارقۃ** (چمکدار تیز تلواریں دین سے نکلنے والے مشرقی خوارج پر)۔ ت) اس قضیہ کو اگر یوہیں مرسل رکھیں تو صدہا مسائل شرعیہ خود صاحب تحریر مذکور کے تحریرات کثیرہ اس کے ناقض و مناقض موجود ہیں جن میں بعض ہمارے رسالہ **سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلاۃ العید** (عید مبارک کی خوشیاں نماز عید کے بعد دعا کے جواز میں۔ ت) بحوالہ جلد وصفحہ مذکور ہوئیں، رہا یہ کہ نقشہ کعبہ معظّمہ وروضہ منورہ کو ان کا عین یا تمام احکام میں مساوی سمجھنا کہ نقشہ کعبہ کے طواف سے حج ادا ہوجائے اور حج کے بعد نقشہ روضہ کے پاس حاضر زیارت مقدسہ کی حاضری سے مغنی ہوجائے یہ کسی جاہل کا بھی زعم نہیں، ایسے اوہام باطلہ البتہ مشرکین وروافض کو پیدا ہوتے ہیں، رسالہ اسلمی میں قطع نظر اس سے کہ وہ کیا اور کیسا رسالہ

عــہ: یعنی فتوی عبدالحی لکھنوی ۱۲۔

اور کہاں تک محل استناد میں پیش ہونے کی لیاقت رکھتا ہے اسی وہم پر اعتراض ہے وہ اس طریقہ انیقہ پر جو ائمہ کرام وعلمائے اعلام میں معمول ومقبول رہا اصلا وارد نہیں، **وباﷲ التوفیق واﷲ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔** (اﷲ تعالٰی کے فضل ہی سے توفیق حاصل ہے اور اﷲ پاک اور برتر سب سے بڑا عالم ہے۔ ت)

(رسالہ **شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ** ختم شد)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

تصوف وطریقت وبیعت وسجادہ نشینی وغیرہ

تصور شیخ، مراقبہ، پیری مریدی کے آداب نیز سچے اور جھوٹے پیر کا بیان

مسئلہ ۱۷۶: از شہر کہنہ ۱۷/ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ستار بجاتا ہے وصف اس میں یہ ہیں حافظ قرآن ہے۔ خاندان چشتیہ میں بیعت ہے۔ بے دینوں سے نفرت رکھتا ہے، خداوند تعالٰی کے فضل وکرم سے اس کے مکان پر سب خورد وکلاں نمازی ہیں یعنی بالغ اور نابالغ کو خدا تعالٰی نے اپنے فضل وکرم سے یہ وصف دیا ہے اور حکم خدا اور سول سے اس کو کسی وقت میں انکار نہیں اگرچہ اس کا ظاہر نقصان ہو، جب کوئی اس کو ستار بجانے سے منع کرتا ہے تو جواب منع کرنے والے کو یوں دیتا ہے کہ بیشک میں خطاوار خدا تعالٰی کا بلکہ از حد گنہگار ہوں کہ فی زمانہ مسلمانوں میں کوئی خطاوار مجھ سے بڑھ کر نہ ہوگا مگر ستار میں نے خدا تعالٰی کے ذکر یاد کرنے کے واسطے سیکھا ہے وہ یاد کرنا یہ ہے کہ اکثر جانوروں کی بولیاں اس سے سمجھ میں آتی ہیں جو شخص عاقل اور ذی فہم ہیں اس وقت خوب جان لیتے ہیں اس بات کو کہ ادنٰی درجہ کی اشیاء خدا کے ذکر میں مشغول ہوں اور ہم اشرف المخلوقات ہو کر خدا کی یاد سے غافل ہوں پھر بہت سا افسوس کرکے خدا تعالٰی کے ذکر میں مشغول ہوجاتے ہیں اس کو علم معرفت کہتے ہیں اور درجے چار[۴] ہیں: [۱]شریعت، [۲]طریقت، [۳]معرفت، [۴]حقیقت، علمائے دین سے ہر ایک کے معنی دریافت کرلو یعنی شریعت کے معنی لغت میں کیا ہے۔ اور اصطلاح میں کیا۔ اسی طرح پر طریقت، معرفت

حقیقت کے معنی بتا کر حکم فرمائیں کہ اس طرح پر خدا تعالٰی سے محبت کا سلسلہ پیدا کرنا چاروں طریقوں میں منع ہے ان شاء اللہ تعالٰی فورًا چھوڑ دوں گا، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت میں باہم اصلا کوئی تخالف نہیں اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور سمجھ کر کہے تو گمراہ بددین، شریعت حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اقوال ہیں، اور طریقت حضور کے افعال، اور حقیقت حضور کے احوال، اور معرفت حضور کے علوم بے مثال، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ الی مالایزال (ان پر (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر) ان کی آل پر اور اصحابہ کرام پر اللہ تعالٰی رحمت برسائے جب تک مولٰی تعالٰی فرمائے۔ت)

رسالہ
نَقَاءُ السَّلَافَہ فِیْ اَحْکَامِ الْبیْعَۃِ وَالْخِلَافِہ ۱۳۱۹ھ
(بیعت وخلافت کے احکام میں خوبصورت نچوڑ)

مسئلہ ۱۷۷: ۲۵/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۸ھ

زید کہتا ہے کہ میں مسلمان اور مسلمان کے یہاں پیدا ہوا، روز پیدائش سے طریقہ اسلام پر اہلسنت وجماعت کا پیرو، غیر طریقے کی بے جابات جو خلاف سنت ہے حجت کو تیار، اور جو باتیں پیر بتاتا ہے وہ قرآن وحدیث سے بتاتا ہے وہ باتیں مجھ کو معلوم ہیں۔ پہلے سے عمل کرتا ہوں اور نہیں بھی، پھر روز قیامت کو گروہ امتیان حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اٹھیں گے پھر کیا ضرورت ہے بیعت کرنے کی اور سلسلے میں آنے کی؟ ایک فقرہ جواب اس خیال جاہلانہ کا لکھ دیجئے تاکہ وسوسہ شیطانی دل سے دور ہوجائے آئندہ توبہ واستغفار کریں، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

قرآن وحدیث میں شریعت، طریقت، حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائل شریعت ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین انکی شرح نہ فرماتے تو علماء نہ سمجھتے اور علماء کرام اقوال ائمہ مجتہدین کی تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشادات ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز

رہتے اور اب اگر اہل علم عوام کے سامنے مطالب کتب کی تفصیل اور صورت خاصہ پر حکم کی تطبیق نہ کریں، تو عام لوگ ہر گز ہر گز کتابوں سے احکام نکال لینے پر قادر نہیں، ہزار جگہ غلطی کریں گے اور کچھ کا کچھ سمجھیں گے اس لئے یہ سلسلہ مقرر ہے کہ عوام آج کل کے اہل علم ودین کا دامن تھامیں اور وہ تصانیف علمائے ماہرین کا اور وہ مشائخ فتوٰی کا اور وہ ائمہ ہدٰی کا اور وہ قرآن وحدیث کا، جس شخص نے اس سلسلے کو توڑا وہ اندھا ہے۔ جس نے دامن ہادی ہاتھ سے چھوڑا عنقریب کسی عمیق، (گہرے) کنویں میں گراچاہتا ہے۔ امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

لو قدان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدور الذی قبلہ لا انقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولا تفصیل مجمل وتامل یااخی لولا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل بشریعتہ مااجمل فی القراٰن لبقی علی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتھدین لو لم یفصلوا مااجمل فی السنۃ ابقیت السنۃ علی اجمالھا وھکذا الی عصرنا ھذا[1] الخ۔	اگر بالفرض اہل زمانہ تجاوز کرجائیں اپنے اوپر والوں سے طرف اس زمانہ کے کہ وہ ان سے پہلے ہو تو ان کا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملنا منقطع ہوجائے گا، اور وہ مشکل کو واضح کرنے اور مجمل کی تفصیل کی راہ نہ پائیں، غور کرائے بھائی، اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قرآن کے اجمال کی اپنی شریعت سے تفصیل نہ فرماتے تو قرآن اپنے اجمال پر باقی رہتا جیساکہ تحقیق اگر ائمہ مجتہدین حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کے اجمال کی تفصیل نہ کرتے تو سنت اپنے اجمال پر باقی رہتی اور ایسے ہی ہمارے اس زمانہ تک الخ (ت)

اسی میں ہے:

کما ان اشارع بین لنا بسنتہ ما اجمل فی القراٰن و کذلك الائمۃ المجتھدین بینوا لنا ما اجمل فی احادیث الشریعۃ ولو لابیانھم لنا ذٰلك لبقیت الشریعۃ علی اجمالھا	جیساکہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی سنت کے ساتھ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل کی ہے، اور ایسے ائمہ مجتہدین نے ہمارے لئے احادیث شریعت کے اجمال کا بیان فرمایا ہے اور بالفرض ان کا بیان نہ ہوتا تو شریعت اپنے اجمال پر باقی

[1] المیزان الکبرٰی فصل ومما یدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوال علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷

وہکذا القول فی اہل کل دور بالنسبة للدور الذین قبلھم الی یوم القیمة فان الاجمال لم یزل ساریا فی کلام علماء الامة الی یوم القیمة ولو لا ذٰلك ماشرحت الکتب ولاعمل علی الشروح حواش کمامر [1]۔	رہتی، اور یہی بات ہر اہل دور کی بنسبت اپنے پہلے دور والوں کی ہے قیامت تک، اس لئے کہ اجمال علماء امت کے کلام میں قیامت تک جاری رہتا، اگر ایسانہ ہوتا تو کتابوں کی شرحیں اور شرحوں پر حواشی نہ لکھے جاتے۔ جیسا کہ گزرچکا۔(ت)

غیر مقلدین اس سلسلے کو توڑ کر گمراہ ہوئے اور نہ جانا کہ: ع

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند　　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(دنیا کے تمام شیر اس سلسلہ میں بندھے ہوئے ہیں لومڑی اپنے حیلہ سے اس سلسلہ کو کیسے کمزور بناسکتی ہے۔ت)

جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن کہ دقائق سلوک اور حقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے۔ یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے، بڑے بڑوں کو شیطان لعین نے اس راہ میں ایسامارا کہ تحت الثرٰی تک پہنچادیا، تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے، ائمہ کرام فرماتے ہیں: آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم زاہد کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں، میزن الشریعۃ میں ارشاد فرمایا:

فعلم من جمیع ماقررناہ وجوب اتخاذ الشیخ لکل عالم طلب الوصول الی شھود عین الشریعة الکبرٰی و لواجمع جمیع اقرانہ علی علمہ وعملہ وزہدہ و ورعہ و لقبوہ بالقطبیة الکبرٰی فان لطریق القوم شروطا لایعرفھا الا المحققون منھم دون	پس معلوم ہوا اس تمام سے جو کہ ہم نے ثابت کیا ہے شیخ کے پکڑنے کا وجوب ہر عالم کے لئے جو طلب کرے عین شریعت الکبرٰی کے مشاہدہ تک پہنچنے کو اگرچہ اس کے تمام ہم عصر اس کے علم وعمل اور زہد وورع پر جمع ہوجائیں، اور اس کو قطبیت کبرٰی کا لقب دیں اس لئے کہ اس قوم (یعنی صوفیہ) کے طریق کی کچھ شرطیں ہیں جن کو کہ سوائے ان کے محققین کے

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۶

الدخیل فیھم بالدعاوی والاوہام وربما کان من لقبوہ بالقطبیۃ لایصلح ان یکون مریدا القطب[1] الخ۔	کوئی نہیں پہچان سکتا نہ کہ وہ لوگ جو صرف اپنے دعاوی اور اوہام کے ساتھ ان میں داخل ہوتے ہیں اور بسا اوقات جن کو انھوں نے قطب ہونے کا لقب دیا ہے وہ اس لائق نہیں ہے کہ کسی حقیقی قطب کا مرید ہو۔(ت)

یہ اس لئے جو اس راہ کا چلنا چاہے اور ہمت پست کوتاہ دست لوگ اگر سلوک نہ بھی چاہیں تو انھیں توسل کے لئے شیخ کی حاجت ہے یوں اللہ عزوجل اپنے بندوں کو بس تھا۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ"[2]	کیا خدا اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

مگر قرآن عظیم نے حکم فرمایا:

"وَابۡتَغُوۡۤا اِلَیۡہِ الۡوَسِیۡلَۃَ"[3]	اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔

اللہ کی طرف وسیلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف وسیلہ مشائخ کرام، سلسلہ بہ سلسلہ جس طرح اللہ عزوجل تک بے وسیلہ رسائی محال قطعی ہے یونہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک رسائی بے وسیلہ دشوار عادی ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صاحب شفاعت ہیں اللہ عزوجل کے حضور وہ شفیع ہونگے اور ان کے حضور علماء و اولیاء اپنے متوسلوں کی شفاعت کریں گے، مشائخ کرام دنیا و دین و نزع و قبر و حشر سب حالتوں میں اپنے مریدین کی امداد فرماتے ہیں، میزان الشریعہ میں ارشاد فرمایا:

قد ذکرنا فی کتاب الاجوبۃ عن ائمۃ الفقھاء و الصوفیۃ ان ائمۃ الفقھاء والصوفیۃ کلھم یشفعون فی مقلدیھم و یلاحظون احدھم عندطلوع روحہ و عند سوال منکر ونکیر لہ وعند	تحقیق ہم نے ذکر کیا ہے کتاب الاجوبہ عن ائمۃ الفقہاء و الصوفیہ میں کہ فقہاء اور صوفیہ سب کے سب اپنے متبعین کی شفاعت کریں گے اور وہ اپنے متبعین اور مریدین کے نزع کی حالت میں روح کے نکلنے اور منکر نکیر کے سوالات

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل ان القائل کیف الوصول الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۳۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

النشر والحشر والحساب والمیزان والصراط ولا یغفلون عنھم فی موقف من المواقف [1] الخ۔	نشر وحشر اور حساب اور میزان عدل پر اعمال تلنے اور پر صراط گزرنے کے وقت ملاحظہ فرماتے ہیں اور تمام مواقف میں سے کسی ٹھہرنے کی جگہ سے غافل نہیں ہوتے الخ (ت)

اس محتاج وبے دست وپا سے بڑھ کر کون احمق اپنی عافیت کا دشمن کون جو اپنی سختیوں کے وقت اپنے مددگار نہ بنائے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استکثروامن الاخوان فان لکل مؤمن شفاعة یوم القیمة رواہ ابن النجار [2] فی تاریخه عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ کے بکثرت نیک بندوں سے رشتہ وعلاقہ محبت پیدا کرو کہ قیامت میں ہر مسلمان کامل کو شفاعت دی جائے گی کہ اپنے علاقہ والوں کی سفارش کرے، (اس کو ابن النجار نے اپنی تاریخ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

اور بالفرض معاذاللہ اور کچھ نہ ہوتا تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اتصال سلسلہ کی برکت کیا تھوڑی تھی جس کے لئے علماء کرام آج تک حدیث کی سندیں لیتے ہیں یہاں کہ رتن ہندی وغیرہ کی اسانید سے طلب برکت کرتے ہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی اصابہ فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں:

انتقیت عن المحدث للرحال جمال الدین محمد بن احمد بن امین الاقشھری نزیل المدینة النبویة فی فوائد رحلته اخبرنا ابوالفضل وابو القاسم بن ابی عبداللہ بن علی بن ابراھیم بن عتیق اللواتی المعروف بابن الخباز المھدوی (فذکر بسندہ حدیثا عن خواجه رتن) قال وذکر خواجه رتن بن عبداللہ انه شھد	کوچ کرنے والے محدث جمال الدین محمد بن احمد بن اقشہری مدینہ منورہ میں رہائش پذیر سے خبر دیا گیا، میں اپنی فوائد رحلت میں بیان کیا ہم سے ابوالفضل اور ابوالقاسم ابن عبداللہ بن ابراہیم بن عتیق اللواتی المعروف بہ بن خباز مہدوی کہ انھوں نے اپنی سند سے حدیث ذکر کی حضرت خواجہ رتن سے فرمایا اور ذکر کیا کہ خواجہ رتن بن عبداللہ نے کہ تحقیق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] المیزان الکبرٰی فصل فی بیان جملة من الامثلة المحسوسة مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۳

[2] کنز العمال بحوالہ ابن نجار عن انس حدیث ۲۴۶۴۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۹/ ۴

مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخندق وسمع منہ ہذاالحدیث ورجع الی بلاد الھند ومات بھا وعاش سبع مائۃ سنۃ ومات لسنۃ ست وتسعین وخمسمائۃ وقال الاقشھری وہذا السند یتبرک بہ وان لم یوثق بصحتہ[1]۔	کی معیت میں غزوہ خندق میں حاضر ہوئے اور آپ سے اس حدیث کو سنا اور ہندوستان کے شہروں میں واپس آئے اور وہاں فوت ہوئے اور سات سو سال زندہ رہے اور ۵۹۶ھ میں وفات پائی، اور اقشھری نے فرمایا اس سند سے برکت حاصل کی جاتی ہے اگرچہ اس کی صحت کا وثوق (اعتماد) نہیں ہے۔(ت)

توسلاسل واسانید اولیائے کرام کا کیا کہنا خصوصا سلسلہ عالیہ علیہ حضور پر نور سید نا غوث اعظم قطب عالم صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وابائہ الکرام وعلیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میرا ہاتھ میرے مرید پر ایسا ہے جیسے زمین پر آسمان"[2]

اور فرماتے ہیں: "اگر میرے مرید کا پاؤں پھسلے گا میں ہاتھ پکڑلوں گا"[3]

اسی لئے حضور کو پیر دستگیر (ہاتھ پکڑنے والے) کہتے ہیں ____ اور فرماتے ہیں:

"اگر میرا مرید مشرق میں ہو اور میں مغرب میں ہوں اور اس کا پردہ کھلے میں ڈھانک دوں گا"[4]

اور فرماتے ہیں: مجھے ایک دفتر دیا گیا حد نگاہ تک کہ اس میں میرے مریدوں کے نام تھے قیامت تک اور مجھ سے فرمایا گیا وھبتھم لك[5] یہ سب ہم نے تمھیں دے ڈالے"

رواھا عنہ الائمۃ الثقات رضی اللہ تعالٰی	اس ارشاد کو معتمد ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے

---

[1] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ انس بن عبداللہ ۲۷۵۹ دار صادر بیروت ۱/ ۵۳۷

[2] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

[3] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

[4] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۹۹

[5] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۰

عنهم ، وعنابهم ، اٰمين۔ والله تعالٰی اعلم۔	آپ سے روایت کیا ہے۔ آمین ! واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۸: مرسلہ حضور پر نور مولٰنا حضرت سید نا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب مارہری دامت برکاتہم ۱۲۹۸ھ

یہ سوال چند امور متعلقہ خلافت وسجادہ نشینی حضرات اولیائے کرام سے استفسار تھا جس کے مقاصد تقریر وجواب سے واضح ہیں۔

الجواب:

الحمدلله والصلٰوة والسلام علی حبيبه المصطفٰی واله الکرام السادات الشرفا وصحابة العظام والاولياء العرفاء وعلينا معهم دائما ابدا۔

اما بعد، خلافت حضرات اولیائے کرام نفعنا الله ببرکاتهم فی الدنيا والاخرة (نفع دے ہم کو اللہ تعالٰی ان کی برکات سے دنیا اور آخرت میں) دو۲ طرح ہے: ۱عامہ اور ۲خاصہ۔

عامہ یہ کہ مرشد مربی (تربیت دینے والا) اپنے مریدین اقارب اور اجانب سے جس جس کو صالح ارشاد ولائق تربیت سمجھے اپنا خلیفہ ونائب کرے اور اسے اخذ بیعت وتلقین اذکار واشغال واوراد واعمال وتربیت طالبین وہدایت مسترشدین کے لئے مثال خلافت کرامت فرمائے، یہ معنی صرف منصب دینی ہے اور اس میں تعدد خلفاء بیحد وانتہا جائز وواقع حضور سید العالمین مرشد الکل محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب صحابہ کرام بایں معنی حضور کے خلفاء تھے اور اسی خلافت کو وراثت انبیاء سے تعبیر کیا گیا ہے اور بایں معنی علمائے دین ومشائخ کاملین اہل شریعت وطریقت تابقیام قیامت سب حضرت رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ کے نواب خلفاء ہیں اور یہ خلافت حیات مستخلف (جس کا خلیفہ ہو) اسے مجتمع ہوتی ہے کما لا يخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

اور خاصہ یہ ہے کہ اس مرشد مربی کے بعد وصال یہ شخص اس کی مسند خاص پر جس پر اس کی زندگی میں سوا اس کے دوسرا نہ بیٹھ سکتا جلوس کرے اور تمام نظم ونسق ورتق وفتق وجمع وتقسیم وعزل ونصب خدام وتقدیم وتاخیر مصالح وتولیت اوقاف درگاہی وقوامت مصارف خانقاہی میں اس کی جگہ قائم ہو، یہ معنی بھی ہر چند باطن ان کا دین ہے مگر روئے بظاہر بسوئے دنیا رکھتے ہیں۔

کما قال سيدنا علی کرم الله تعالٰی وجهه	جیسے حضرت سید نا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

فی خلافة سیدنا الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه رضیه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[1]۔	حضرت سیدنا صدیق اکبر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی خلافت کے بارے میں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آپ کو ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا تو بس ہم اس کو اپنی دنیا کے لئے کیوں پسند نہ کریں۔(ت)

یہ خلافت خلافت وامامت کبرٰی سے بہت مشابہ ولہذا احیات مستخلف سے مجتمع نہیں ہوتی اسی کو سجادہ نشینی کہتے ہیں یہاں مرجع اول مستخلف ہے کہ جس شخص کو وہ ولیعہد کرے یا اس کے لئے قریب وصال وصیت کر جائے بشرطیکہ وہ وصیت شرعاً معتبر اور وصی مذکور اہل ولائق اور متعلق درگارہ کچھ اوقاف ہوں تو ان کی تولیت کی بھی صلاحت رکھتا ہو وہی سجادہ نشین قرار پائے گا اور باوجود اس کے نص مقبول ومعتبر شرعی کے کام کو ناتمام جان کر بحث ارباب شورٰی واہل حل وعقد کے سامنے پیش نہ کریں گے کما فی الامامۃ الکبرٰی والخلافۃ العظمٰی (جیسا کہ امامت کبرٰی اور بڑی خلافت ہے) اور مجرد تقریر وعدم انکار نص صریح کے مقابل خصوصاً جبکہ نص متاخر ہو ہرگز رنگ قبول نہیں پاسکتی مثلاً اگر کوئی شخص اس مرشد مربی کے حضور کہے کہ بعد حضور زید سجادہ نشین ہے یا کسی شخص کی تحریر، اس مضمون پر مشتمل اس مرشد مربی کے سامنے پڑھی جائے اور وہ اس قول یا تحریر کو سن کر سکوت فرمائے بعدہ وصیت سجادہ نشینی بنام عمرو یا باشتراک زید وعمرو کرے تو یہ وصیت ہی معتبر ہوگی اور وہ سکوت پایہ اعتبار سے ساقط رہا۔

والدلیل علی ذٰلك قاعدتان من الفقة الاولٰی لا ینسب الی ساکت قول[2] والاخری ان الصریح یفوق الدلائل[3]۔	اور دلیل اس پر دو قانون فقہ کے ہیں پہلا خاموش کی طرف کوئی قول منسوب نہیں ہوتا، دوسرا تحقیق صریح دلالت پر راجح ہوتا ہے۔(ت)

اور اگر نص صریح دو پائے جائیں ایک میں تصریح وصیت زید کے لئے ہو اور دوسرے میں عمرو خواہ دونوں کے لئے، اور ان میں ایک کی تاریخ دوسرے سے متاخر ہو، تاہم دونوں نص معمول بہ (عمل کیا جائے گا) رہیں گے اور زید وعمرو دونوں وصی قرار پائیں گے، ہاں اگر نص متاخر میں نص اول سے

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر بیعۃ ابی بکر دار صادر بیروت ۳/ ۱۸۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۴

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

رجوع اور وصی پیشین کو معزول کیا ہے تو بیشک متاخر متقدم کا ناسخ ہو جائے گا۔

وھذا کما فی ردالمحتار عن ادب الاوصیاء عن التتارخانیة اوصی الی رجل ومکث زمانا فاوصی الی اٰخر فھما وصیان فی کل وصایاہ سواء تذکر ایصاہ الی الاول او نسی لان الوصی عندنا لاینعزل مالم یعزل الموصی حتی لو کان بین وصیته مدة سنة او اکثر لاینعزل الاول عن الوصایہ[1]۔	اور یہ جیساکہ ردالمحتار میں ادب الاوصیاء سے وہ تاتارخانیہ سے کسی نے کسی مرد کو اپنا وصی (نائب) بنایا اور کچھ زمانہ ٹھہرا تو دوسرے مرد کو وصی (نائب) بنادیا تو وہ دونوں اس کے تمام وصایا میں نائب ہوں گے، برابر ہے کہ پہلے شخص کو نائب بنانا ایسے یاد ہو یا بھول گیا ہو کیونکہ وصی (نائب) ہمارے مذہب میں جب تک وصیت کرنے والا معزول نہ کرے معزول نہیں ہوتا حتی کہ دونوں وصیتوں کے درمیان مدت ایک برس یا زیادہ ہو پھر بھی پہلا وصی (نائب) ہونے سے معزول نہ ہوگا۔ (ت)

اور اگر اس کا نص نہیں تو اس درگاہ وخانقاہ میں جو دستور قدیم سے چلا آیا ہے اس پر کاربندی ہوگی یا اہل حل وعقد جس پر اتفاق کریں مگر ان دونوں صورتوں میں یہ ضرور ہے کہ شخص مذکور اس مرشد مربی سے خلافت عامہ بطور مقبول رکھتا ہو ورنہ بسبب تعامل یا ہمارے بلاد میں بوجہ عدم قضاۃ اتفاق ناس سے تولیت اوقاف اگرچہ صحیح ہو جائے مگر سجادہ نشینی ہرگز درست نہ ہوگی کہ وہ خلافت خاصہ ہے اور کوئی خاص بے عام کے متحقق نہیں ہو سکتا اور خلافت عامہ بے اجازت صحیحہ زنہار حاصل نہیں ہوتی، حضرت اسد العارفین سیدنا ومولانا حضرت سید شاہ حمزہ علی مارہری قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی اپنی بیاض شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

معلوم باد کہ خلافت مشائخ کہ دریں ولایت مروج ست بر ہفت نوع ست، بعضے ازاں مقبول بعضے ازاں مجہول، اول اصالۃً دوم اجازۃً، سوم اجماعًا، چہارم وراثۃً، پنجم حکمًا، ششم تکلیفًا، ہفتم اویسیًا، اما اصالۃً آنکہ بزرگے بامر الٰہی شخصے راخلیفہ	معلوم ہو کہ مشائخ کی خلافت کہ اس ولایت ہندو پاک میں مروج ہے سات قسموں پر ہے۔ بعض مقبول ہیں اور بعض مجہول، پہلی قسم اصالۃً ہے۔ اور دوسری اجازۃً، تیسری اجماعًا، چوتھی وراثۃً، پانچویں حکمًا، چھٹی تکلیفًا، ساتویں اویسیًا، اصالۃً یہ کوئی بزرگ اللہ تعالٰی کے حکم سے کسی

[1] ردالمحتار کتاب الوقف فصل یراعی شرط الواقف فی اجازتہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۱۰

خود گیر دو جانشین خود گرداند۔ **اقول:** وذٰلك كما فی الحديث عنه صلى الله تعالٰی عليه وسلم ماقدمت ابابكر وعمر ولكن الله قدمهما [1] وعنه صلى الله تعالٰی عليه وسلم سألت الله ثلثا ان يقدمك يا علی فابٰی علی الاتقديم ابی بكر [2] وقال صلى الله تعالٰی عليه وسلم يابی الله والمؤمنون الا ابی بكر [3] الی غير ذٰلك من الاحاديث، رجعنا الی كلام سيدنا حمزه قدس سره العزيز واجازة آنکه شیخے مریدے راخواہ وارث خواہ بیگانہ قابل کار دیدہ برضا ورغبت خود خلیفہ کرد۔ **اقول:** كاستخلاف امير المومنين حسن بن علی رضی الله تعالٰی عنهما)۔ واجماعا آنکہ شیخے ازیں عالم نقل کرد کسے راخلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یامریدے رابخلافت	شخص کو اپنا خلیفہ اور جانشین بنالے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں ہے میں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آگے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالٰی نے ان کو مقدم کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہے کہ میں نے اے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ! تمھارے بارے میں اللہ تعالٰی سے تین مرتبہ سوال کیا کہ وہ آپ کو مقدم کرے لیکن اللہ تعالٰی نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا دوسرے کو مقدم کرنے سے انکار فرمایا ہے اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا اور کو امام بنائے جانے پر اللہ تعالٰی اور مومن انکار کرینگے ان کے علاوہ دیگر احادیث مبارک میں بھی یونہی آیا ہے۔ ہم سیدنا حمزہ قدس سرہ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اجازۃ یہ کہ کوئی شیخ کسی مرید کو خواہ وہ وارث ہو یا بیگانہ کام کے لائق دیکھ کر اپنی رضا اور رغبت سے اپنا خلیفہ کرے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) جس طرح

[1] كنز العمال ابن النجار عن انس حديث ۳۲۷۰۶ موسسة الرساله بيروت ۱۱/ ۵۷۲

[2] كنز العمال حديث ۳۲۶۳۷ و۳۲۶۳۸ و۳۵۶۸۰ موسسة الرساله بيروت ۱۱/ ۵۹-۵۵۸ و۱۲/ ۵۱۵

[3] الطبقات الكبرٰى لابن سعد ذكر الصلوٰة التی امر بها رسول الله ابابكر عند وفاته دار صادر بيروت ۳/ ۱۸۰

وے تجویز نمایند۔	امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت امیر المومنین حسن بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ بنایا، اور اجماعا یہ کہ شیخ اس عالم سے انتقال کرجائے اور کسی کو خلیفہ نہ بنائے قوم اور قبیلہ شیخ کے وارث یا کسی مرید کو شیخ کا خلیفہ یعنی جانشین تجویز کرلیں۔
اقول: کاستخلاف اھل الحل والعقد امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ بعد شھادۃ امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ)اما ایں خلافت نزدیک مشائخ روا نیست وایں نوع خلافت راخلافت اختراعی گویند۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جس طرح اہل حل وعقد یعنی اصحاب الرائے نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بعد حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ بنایا) لیکن یہ خلافت مشائخ کے نزدیک روا نہیں، اور اس قسم کی خلافت کو اختراعی خلافت کہتے ہیں۔
اقول: یعنی لانعدام الخلافۃ العامۃ المشروطۃ لصحۃ الخلافۃ الخاصۃ فی باب الطریقہ اما علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ فقد کان من اجل خلفاء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)و وراثیہ آنکہ مشایخے ازیں جہاں واگزاشت وخلیفہ راجائے خود نگزاشت وراثے کہ شایان ایں امر بود بر جادہ او نشست وخود راخلیفہ گرفت۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یعنی بوجہ معدوم ہونے اس خلافت عامہ کے جو کہ خلافت خاصہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے لیکن علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جلیل القدر خلفاء سے تھے)اور وراثیہ یہ کہ کوئی شیخ اس جہاں سے انتقال کرجائے اور اپنی جگہ خلیفہ نہ چھوڑے کوئی اس بزرگ کا وارث جو کہ اس امر خلافت کا اہل ہو وہ اس کی جگہ بیٹھ جائے اور اپنے آپ کو خلیفہ بنائے۔
اقول: کخلافۃ الامیر معاویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بعدابن عمہ امیر المومنین الغنی قبل تفویض الامام المجتبٰی ایاہ وہذا ان ثبت انہ کان یدعی قبلہ انہ خلیفۃ والا فقد صح انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان ینکر دعوی الخلافۃ و	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جیسے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت ان کے چچا کے بیٹے امیر المومنین عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضرت امام مجتبٰی حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد کرنے سے پہلے، اور یہ تب ہے جبکہ ثابت ہوجائے کہ وہ خلافت کا دعوٰی اس سے قبل کرتے اور

یقول انی لاعلم انه یعنی علی کرم الله تعالٰی وجهه افضل منی واحق بالامر ولکن الستم تعلمون ان عثمان قتل مظلوما وانا ابن عمه وولیه اطلب بدمه، رواه یحیٰی بن سلیمٰن الجعفی شیخ البخاری فی کتاب الصفین [1] بسند جید عن ابی مسلم الخولانی واما بعد تفویض الامام المجتبٰی ایاہ فلا شك انه امام حق وامیر صدق کما بینه العلامة ابن حجر فی الصواعق [2] ایں نوع رامشائخ منظور نداشتہ اند۔ واحیانا آں شیخ او را در باطن امر فرماید روا بود کہ نزد صوفیہ حکم ارواح جائزست۔	تحقیق یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دعوی خلافت کا انکار فرماتے تھے اور فرماتے بیشک میں جانتاہوں کہ علی کرم اللہ وجہہ مجھ سے افضل ہیں اور خلافت کے زیادہ حقدار ہیں لیکن کیا تم جانتے ہو کہ تحقیق عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ ظلماً قتل کئے گئے ہیں اور میں ان کے چچا کا بیٹا ان کا بھائی اور ان کا ولی ہوں میں ان کے خون کا بدلہ طلب کرتاہوں، اس کو یحیٰی بن سلیمان الجعفی شیخ البخاری نے کتاب الصفین میں سند جید کے ساتھ ابومسلم الخولانی سے روایت کیا۔ لیکن امام مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب امر خلافت ان کو تفویض یعنی سپرد کردیا تو بیشک وہ امام حق اور امیر صادق تھے جیسا کہ اس کو علامہ ابن حجر مکی نے صواعق میں بیان فرمایا ہے۔ اس قسم کو مشائخ نے منظور نہیں رکھا۔ اور احیاناً کسی وقت وہ شیخ اس کو باطن میں حکم فرمائیں تو جائز ہے اس لئے کہ صوفیہ کے نزدیک ارواح کا حکم جائز ہے۔
اقول: وح یرجع الی الاویسیة کما ان سید ابا الحسن الخرقانی خلیفة سیدی ابی یزید البسطامی قدس الله تعالٰی اسرارهما ولکن لایسلم هذا لکل مدع مالم نعلم ثقته وعدالته اویشهد له اهل الباطن) الی اخر ماافادہ واجاد قدس الله تعالٰی	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس وقت حضرات اویسیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا جیسا کہ حضرت سیدی ابوالحسن الخرقانی حضرت سیدی ابویزید البسطامی قدس سرہما کے خلیفہ تھے لیکن یہ امر ہر مدعی سے تسلیم نہیں کیا جائیگا۔

[1] کتاب الصفین لیحیٰی بن سلیمان الجعفی

[2] الصواعق المحرقة الخاتمة فی بیان اعتقاد اهل السنة الخ مکتبۃ مجیدیہ ملتان ص ۲۱۸

سرہ العزیز۔	تاوقتیکہ ہم کو اس کی عدالت اور ثقہ ہونے کا علم نہ ہو یا اہل باطن حضرات اس کے متعلق شہادت نہ دیں یہاں سے آخر تک جو کہ حضرت مارہری قدس سرہ العزیز نے افادہ فرمایا اور اچھی باتیں فرمائیں۔(ت)

ہاں بعد صحت خلافت عامہ تعامل (یعنی خلیفہ جیسا معاملہ کرنا) اور اجماع معتبر کافی ہے۔

لان المعہود عرفا کالمشروط لفظا[1] وما راٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن[2]۔	اس لئے کہ جو شے عرف میں معروف (مقرر) ہو وہ گویا لفظًا مشروط ہے۔ (لفظوں میں شرط قرار دی گئی ہے) جو چیز کہ مسلمان اس کو اچھی دیکھیں تو وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی اچھی ہے۔(ت)

ایسی جگہ عرف غالب یہی ہے کہ اکبر اولاد کو استحقاق ہوتا ہے اور اس کے ہوتے دوسرا نہیں ہوسکتا، مگر جبکہ وہ اہلیت سے عاری ہو یا مستخلف (شیخ) صرف دوسرے کے نام یا دوسرے کو اس کا شریک و سہیم بنا کر) وصیت معتبرہ کرجائے تو البتہ اس پر عمل سے چارہ نہیں اور جس طرح مستخلف کا کسی مصلحت شرعیہ کی بناپر قرابت دار قریبہ کو بالکلیہ محروم کردینا روا ہے یونہی دوسرے کو بربنائے مصلحت اس کا شریک و سہیم کرنا، اور وجوہ مصلحت سے ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جب اس منصب شریف کا ایک رخ جانب دنیا اور دوسرا جانب دین ٹھہرا تو جو تنہا ایک امر میں رشد کافی رکھتا ہے اس سے تمام انتظامات کا تکفل غیر مظنون (کفیل بننا غیر یقینی) لہذا اگر مستخلف (شیخ) عارف بالصالح (مصلحتوں کا عارف ہو) اپنے اقارب سے ایک کا رشد ادھر اور دوسرے کا ادھر، زائد دیکھے تو کون مانع ہے کہ وہ عارف صاحب بصیرت وعالم عــہ۱ بعواقب الامور الارشد فی الدین کو خلیفہ وبنظر جہت اخری ارشد فی الدنیا کو اس کا شریک و بازو کردے تاکہ باتفاق آراء ایک ہیئت اجتماعیہ حاصل ہو کہ اس منصب عظیم کے تمام احیاء کا تحمل بروجہ احسن ظہور میں آئے اور امامت کبرٰی میں جو تعدد ناجائز ہو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہاں اثنینیت عــہ۲ مظنہ فتن عظیمہ ومعارک ہائلہ ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) مثل مشہور

عــہ۱: معاملات کے نتائج کا جاننے والا، دین میں سب سے زیادہ ہدایت والا، سیدھے راستے چلنے والا اور دوسری جہت کے لحاظ سے دنیوی معاملات میں سب سے بہتر جاننے والا ہو۔

عــہ۲: دو کا ہونا بہت بڑے فتنوں کے پیدا ہونے اور تباہ کرنے والے معرکوں کی جائے گاہ ہے۔ ۱۲

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ دارالفکر بیروت ۳/ ۷۸

دو بادشاہ دراقلیمے نگنجد (دو بادشاہ ایک ولایت میں نہیں سماتے) اور یہ خلافت ہر چند امامت کبرٰی سے بغایت مشابہ ولہٰذا وہ کثرت وتعدد جو خلافت اولٰی میں واقع یہاں متصور نہیں لیکن تمام احکام میں اس سے اتحاد نہیں رکھتی اسی لئے قرشیت مشروط نہ ہوئی اور جس مصلحت پر تمثیلا فقیر نے تقریر کی مثلا اگر اثنینیت واقع ہو کوئی دلیل اس کے بطلان پر ظاہر نہیں **ومن ادعی فعلیه البیان** (اور جو دعوی کرے اس پر بیان لازم۔ت) اور صرف تولیت اوقاف میں تو اپنے محل پر تعدد نظار بدیہی الجواز (اس کی متعدد نظیریں واضح جواز کی دلیل ہے) ہاں اس میں شک نہیں کہ رسم سجادہ نشینی میں عام متوارث وحدت ہے۔ (جو عام جاری رسم چلی آرہی ہے وہ وحدت ہے) اور بلاوجہ وجیہ (معقول وجہ کے بغیر) اس کی مخالفت نہ چاہئے مگر کلام اس میں ہے کہ جب مرشد مربی کہ اعرف بالمصالح واعلم بالشان ہے دو[۲] کو جانشین فرماچکا تو اس کے رد کی طرف کوئی سبیل نہیں، ہاں صورت مذکورہ میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ ارشد فی الدین اصل جانشین اور دوسرا ناظرہ ومشرف (دیکھ بھال کرنے والا) ہے،

کما اشرنا الیه واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب وصلی اللّٰه تعالٰی علی سیدنا محمد والہ والاصحاب والخلفاء والنواب والاتباع والاحباب اٰمین۔	جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اللہ بے عیب اور برتر صواب کو بہتر جاننے والا ہے اور اس کے پاس ہے اصل لکھا ہوا، اور درود بھیجے اللہ تعالٰی ہمارے سردار محمد اور آل اور اصحاب اور خلفاء اور نائبین اور تابعین اور دوستوں پر۔ آمین (ت)

مسئلہ ۱۷۹: مع رسالہ "زیب غرفہ" بغرض تصدیق دربارہ منع تعدد بیعت مرسلہ جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب مرحوم و مغفور مصنف رسالہ "**انوار ساطعه**" از میرٹھ ۲۳/ شوال ۱۳۰۹ھ

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰه الواحد الاحد المنزہ من کل شرك وعدد و الصلٰوۃ والسلام علی النبی الاوحد واٰلہ وصحبه و تابعیھم فی الرشد من الازل الی ابد الابد۔	سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو کہ واحد احد ہے ہر شرک اور متعدد ہونے سے پاک ہے اور رحمت کاملہ اور سلامتی ہو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جو یکتا ہیں مخلوق ہیں اور ان کی آل اور اصحاب اور ہدایت میں ان کی اتباع کرنے والوں پر ہو ازل سے لے ابد تک۔ (ت)

فی الواقع بے ضرورت صحیحہ صادقہ ملجئہ (مجبور کرنے والا) باوجود پیر غیر کے ہاتھ پر بیعت ارادت سے احتراز تام لازم سمجھے وھوالمختار وفیہ الخیر وفی غیرہ ضیر ایما ضیر (یہی مختار ہے اس میں بہتری اس کے غیر میں نقصان ہے کامل نقصان ۔ت) پریشان نظری وآوارہ گردی باعث محرومی ہے والعیاذ باللہ رب العالمین۔

یاھذا قرآن عظیم صاف صاف فرمارہا ہے کہ "رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ"[1] (ایک غلام صرف ایک مولا کا۔ت) ہی ہونا بھلا ہے۔

"هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾"[2]	کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے۔(ت)

یاھذا پیر صادق قبلہ توجہ ہے اور قبلہ سے انحراف نماز کو جواب صاف باآنکہ "فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[3] (تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ یعنی خدا کی رحمت تمہاری طرف متوجہ ہے۔ت) فرماتے ہیں پھر طالبان وجہ اللہ کو حکم یہی سناتے ہیں کہ:

"حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ"[4]	تم جہاں کہیں ہو پس اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔(ت)

یہ محل تحری ہے اور صاحب تحری کا قبلہ قبلہ تحری۔

یاھذا ارباب وفا آقایان دنیا کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے در پر جانا کور نمکی جانتے ہیں ع

سر اینجا سجدہ اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

(سر اس جگہ ہے سجدہ اس جگہ بندگی اس جگہ قرار واطمینان اس جگہ ہے۔ت)

پھر احسانات دنیا کو احسانات حضرت شیخ سے کیا نسبت عجب اس سے کہ محبت واخلاص پیر کا دعوی کرے اور اس کے ہوتے این وآن کا دم بھرے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴و۱۵۰

چو دل با دلبری آرام گیرد ز وصل دیگرے کے کام گیرد

نہی صد دستہ ریحاں پیش بلبل نخواہد خاطرش جز نگہت گل

(جب دل ساتھ ایک محبوب کے آرام پکڑے دوسرے کے ملنے سے کب مقصود پکڑے گا، بلبل کے سامنے نیاز بو کے سو دستے رکھے تو لیکن پھول کی نگہت یعنی خوشبو کے سوا اس کا دل نہیں چاہے گا۔ت)

یاھذا فیض پیر من وسلوٰی ہے اور "لَنۡ نَّصۡبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ"[1] (ہم ہرگز ایک طعام پر صبر نہیں کرسکتے۔ت) کہنے کا نتیجہ برا۔

فلا تکن اسرائیلیا وکن محمدیا یاتك رزقك بکرۃ وعشیا۔	پس تو اسرائیلی نہ ہو تو محمدی بن، تیرے پاس رزق صبح وشام آئے گا۔ت (ت)

یاھذا باپ پدر گل ہے اور پیر پدر دل، مولٰی معتق مشت خاک ہے اور پیر معتق جان پاک، اہل ہوس کے زجر کو یہی حدیث بس ہے کہ "جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کو باپ بتائے یا اپنے مولٰی کے ہوتے غیر کو مولٰی بنائے اس پر خدا وملائکہ وناس سب کی لعنت، اللہ تعالٰی نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل"

الائمۃ الخمسۃ عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادعی الی غیر ابیہ او انتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملٰئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا[2]۔	پانچوں اماموں نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے انھوں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا: جو شخص اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف ادعا کرے یعنی کسی دوسرے کو باپ بنائے یا اپنے مولٰی کے سوا دوسرے کو اپنا مولی بنائے تو اس پر اللہ تعالٰی اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نہ انکا فرض قبول اور نہ نفل (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۲، جامع الترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء فی من تولی غیر موالیہ الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۳۴، مسند احمد بن حنبل عن علی المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۱

جو لوگ مبتلا عبانہ ان حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں کیا خوف نہیں کرتے کہ مبادا بحکم قیاس جلی اس حدیث صحیح کی وعید شدید سے حصہ پائیں۔

یاھذا سعادت منداں ازلی نے خود باوصف حکم پیر ترک پیر روانہ رکھا، اور پھر ترک بھی کیسا کہ چشمہ کے پاس سے بحر زخار کی بندگی میں آنا بااین ہمہ آستان پیر چھوڑنا گوارانہ کیا، ااور ان کا یہ ادب محبوبان خدا نے پسند فرمایا حضور پر نور سید الاولیاء الکرام امام العرفاء العظام حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت سیدی علی بن ہیتی قدس سرہ الملکوتی کے یہاں رونق افروز ہوئے حضرت علی بن ہیتی نے اپنے مرید خاص ولی بااختصاص سیدی ابوالحسن علی جوسقی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم دیا کہ خدمت حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ملازمت اختیار کریں، اور یہ پہلے فرماچکے تھے کہ میں حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلاموں سے ہوں، سیدی ابوالحسن قدس سرہ پیر سے یہ کچھ سن کر اس پر رونے لگے اور آستانہ پیر چھوڑنا کسی طرح نہ چاہا، حضرت غوث الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں روتا دیکھ کر فرمایا:

مایحب الا الثدی الذی رضع منہ۔	جس پستان سے دودھ پیا ہے اس کے غیر کو نہیں چاہتا۔

اور انھیں حکم فرمایا کہ اپنے پیر کی ملازمت میں رہیں۔

اخرج سیدی الامام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سرہ فی کتابہ بھجۃ[1] الاسرار ومعدن الانوار بسند صحیح عن سیدی ابی حفص عمر البزار قدس اللہ تعالٰی سرہ۔	سیدی امام نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سرہ نے اپنی کتاب بہجۃ الاسرار و معدن الانوار میں اس کو سند صحیح کے ساتھ سیدی ابوحفص عمر البزار (پاکیزہ کرے اللہ تعالٰی ان کے بھید چنے ہوئے کو) سے اخراج کیا ہے یعنی بیان فرمایا اور روایت کیا ہے۔ (ت)

سیدی عارف باللہ امام اجل عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ یقول انما امر علماء الشریعۃ الطالب	یعنی میں نے اپنے سردار علی خواص رحمہ تعالٰی کو فرماتے سنا کہ علمائے شریعت نے طالب کو

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر ابوالحسن علی الجوسقی مصطفی البابی مصر ص ۲۰۵

بالتزام مذہب معین وعلماء الحقیقۃ المرید بالتزام شیخ واحد[1]۔	حکم دیا ہے کہ مذہب ائمہ میں خاص ایک مذہب معین کی تقلید اپنے اوپر لازم کرے اور علمائے باطن نے مرید کو فرمایا کہ ایک ہی پیر کا التزام رکھے (ت)

اس کے بعد ولی موصوف قدس سرہ المعروف نے ایک روشن مثال سے اس امر کو واضح فرمایا ہے امام علامہ محمد عبدری مکی شہیر بابن الحاج رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مدخل شریف میں فرماتے ہیں:

المرید یعظم شیخہ ویؤثرہ علی غیرہ ممن ھو فی وقتہ لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول من رزق فی شیئ فلیلزمہ[2] (الٰی اٰخر ما افاد واجاد ہذا مختصرًا)	یعنی مرید اپنے پیر کی تعظیم کرے اور اسے تمام اولیائے زمانہ پر مرجح رکھے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی شیئ میں رزق دیا جائے چاہئے کہ اسے لازم پکڑے۔

اسی میں ہے:

ان المرید لہ اتساع فی حسن الظن بھم وفی ارتباطہ علی شخص واحد یعول علیہ فی امورہ ویحذر من تقضی اوقاتہ لغیرہ فائدۃ[3]۔	مرید کے لئے وسعت اس میں ہے کہ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ کے ساتھ گمان نیک رکھے اور ایک شیخ کے دامن سے وابستہ ہو رہے اور اپنے تمام کاموں میں اس پر اعتماد کرے اور بے فائدہ تضییع اوقات سے بچے۔ (ت)

فائدہ: یہ حدیث کہ امام ممدوح نے معضلاً ذکر کی حدیث حسن ہے۔

اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان[4] بسند حسن عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو عند ابن ماجۃ من حدیثہ	اخراج کیا اس کو بیہقی نے شعب الایمان میں سند حسن کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور یہی روایت ابن ماجہ کے نزدیک

---

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان قلت فاذا انفک قلب الولی عن التقلید الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۳

[2] المدخل لابن الحاج حقیقۃ اخذ العہد دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۳ و ۲۲۴

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی دخول المرید الخلوۃ دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۱۶۰

[4] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۸۹

ومن حدیث امر المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ من بورك لہ فی شیئ فلیزمہ[1]۔	آپ کی حدیث اور حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ جس کو کسی شے میں برکت دی گئی ہو تو چاہے اسے لازم پکڑے۔(ت)

اور اس سے یہ استنباط عجب نفیس واحسن۔

والحمدللہ علی مارزق ومن والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامن والہ وصحبہ وکل من اٰمن واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہ احکم۔	اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں اس کے عطا فرمانے اور احسان کرنے پر اور صلوٰۃ وسلام ہو اس کے ایسے رسول پر جو سب سے زیادہ احسان کرنے والے ہیں اور ان کی آل واصحاب پر جو ایمان لائیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم پورا ہے اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸۰: ۱۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مین کہ زید کہتا ہے اور اپنی کتاب میں لکھتا ہے **من لا شیخ لہ فی الدنیا فشیخ لہ شیطان فی الاخرۃ** یعنی جس کا شیخ نہیں ہے بیچ دنیا کے پس شیخ ہے واسطے اس کے شیطان بیچ اخرت کے یعنی قیامت کے روز گروہ شیطان میں شیطان کے ساتھ اٹھایا جائے گا، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **الشیخ فی قومہ کالنبی فی الامہ**[2] یعنی شیخ بیچ قوم اپنی کے مثل نبی کے ہے بیچ امت اپنی کے یعنی جس طرح نبی سے ہدایت امت کی ہوتی ہے اس طرح شیخ یعنی مرشد سے مرید کو ہدایت ہوتی ہے جس قوم پر نبی نہیں آیا ہے وہ قوم گمراہ ہے ایسا ہی جو شخص بے پیر ہے وہ گمراہ ہے۔

حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے راحت القلوب میں ارقام فرمایا ہے، جو شخص پلہ دامن اولیاء اللہ میں نہیں ہے یعنی بے پیر ہے وہ شخص دائرہ اسلام سے باہر ہے یہاں تک کہ

---

[1] الاسرار المرفوعۃ بحوالہ سنن ابن ماجۃ حدیث ۸۸۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۲۵

[2] المقاصد الحسنۃ حدیث ۶۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷

بندگی اس کی قبول نہیں ہوتی، نماز وروزہ اس کا ایسا ہے جیسا چراغ بے روغن، اور بعض حضرات صوفیہ کرام نے فرمایا: بے پیر کے سلام کا جواب ہداک اللہ دینا چاہئے جس کس نے علیک جواب بے پیر کو جان کر دیا اس نے ساتھ شیطان کے آشنائی کی، بیت:

اگر بے پیر کارے پیش گیرد ہلاکی راز بہر خویش گیرد

(اگر بغیر پیر کے کوئی کام پکڑے تو وہ ہلاکت کو اپنے لئے پکڑے گا۔ت)

ع بنا گرو کی مالا جپنا جنم اکارت جائے۔

(پیشوا اور شیخ کے سوا تسبیح پھیرنا اور درود و وظیفہ کرنا زندگی برباد کرنے کے برابر ہے۔ت)

اور بکر کہتا ہے کہ میں کسی شخص بیعت نہیں ہوں اور نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں اور احکامات شرع شریف اور کلام مجید کو اور جو علمائے دین فرماتے ہیں برحق جانتا ہوں لیکن کسی پیر فقیر کا مرید نہیں ہوں اور نہ مرید ہونے کو برا کہتا ہوں، تو اس صورت میں بموجب کہنے زید کے بکر کی کوئی عبادت کسی قسم کی درگاہ باری تعالٰی میں قبول نہیں سب عبادت بکر کی بلا مرید ہوئے برباد گئی اور سلام علیک بکر سے ناجائز ٹھہری اور بکر دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اور گروہ شیاطین کے ساتھ بکر کا حشر ہوگا تو اس صورت میں بکر کیا کرے؟

الجواب:

شیخ یعنی مرشد و راہنما و ہادی راہ خدا دو طور پر ہے: عام ہادی کلام اللہ وکلام ائمہ شریعت وطریقت کلام علمائے اہل ظاہر و باطن ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ، ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ، اور خاص یہ کہ زید کسی خاص بندہ خدا ہادی مہتدی قابل پیشوائی وہدایت جامع شرائط بیعت کے ہاتھ پر بیعت کرے اور اپنے اقوال وافعال وحرکات وسکنات میں اس کی ہدایت مطابقہ شریعت وطریقت کا پابند رہے۔ شیخ مرشد بمعنی اول ہر شخص کو ضرور اور ایسا بے پیر قطعاً دائرہ اسلام سے دور، اس کی عبادت تباہ ومہجور، اور اس سے ابتداء بسلام ممنوع، ومحظور، اور روز قیامت گروہ شیطان میں محشور، قال اللہ تعالٰی:

"یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ"[1]	جس دن ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ لائیں گے۔

[1] القرآن الکریم ۱۷/۷۱

جب اس شخص نے ائمہ ہدی کو اپنا مرشد وامام نہ مانا تو امام ضلالت یعنی شیطان لعین کا مرید ہوا، لاجرم روز قیامت اسی کے گروہ میں اٹھے گا، **والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی**۔ مگر کلمہ گویوں میں اس طرح کے بے پیرے چار گروہ ہوسکتے ہیں۔

اول: وہ کافر جو سرے سے قرآن وحدیث ہی کو نہ مانے جیسے نیچری کو حدیثوں کو صراحۃً مردود وبے سود بتاتے ہیں اور قرآن کے یقینی قطعی معانی حق کو رد کرکے اپنے دل سے گھڑ کر کہانی پہیلی بناتے ہیں **لعنھم اللہ لعنا کبیرا**۔

دوم: غیر مقلد کہ بظاہر قرآن وحدیث کو مانتے اور ارشادات ائمہ دین وحاملان شرع متین کو باطل و نامعتبر جانتے ہیں یہ سلسلہ بیعت توڑ کر براہ راست خدا اور رسول سے ہاتھ ملایا چاہتے ہیں، "**وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ**" [1] (اور عنقریب جان لیں گے کیسا پلٹا کھائیں گے۔ت)

سوم: وہابیہ مقدلین کہ اگرچہ بظاہر فروع فقہیہ میں تقلید ائمہ کا نام لیتے ہیں مگر اصول وعقائد میں صراحۃً سواد اعظم کے خلاف چلتے ہیں اور مقامات ومناسب وتصرفات ومراتب اولیائے کرام کے نام سے جلتے ہیں۔

چہارم: اسی طرح تمام طوائف ضالہ بدمذہب گمراہ رافضی خارجی معتزلہ قدری جبری وغیرہم **خذلھم اللہ** کہ ان سب نے راہ ہدی چھوڑ کر اپنی ہوا کو امام بنایا اور اپنا سلسلہ بیعت شیطان لعین سے جا کر ملایا، **قال اللہ تعالٰی**:

"**اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ**" [2]	کیا تو نے دیکھا وہ شخص جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود ٹھہرایا، (ت)

بالجملہ کلمہ جامعہ یہی ہے کہ جو اہل ہوا ہیں یعنی مخالفان اہلسنت وجماعت وہی اس معنی پر بے پیر صادق اور ان تمام احکام کے ٹھیک مستحق ہیں "**قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ**" [3] (اللہ تعالٰی ان کو ہلاک کرے کہاں اوندھے پھرتے ہیں۔ت) سنی صحیح العقیدہ کہ ائمہ ہدی کو مانتا تقلید ائمہ ضروری جانتا اولیائے کرام کا سچا معتقد تمام عقائد میں راہ حق پر مستقیم وہ ہرگز بے پیر نہیں دو چاروں مرشداں پاک یعنی کلام خداو

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۴۵ /۲۳

[3] القرآن الکریم ۹ /۳۰

رسول وائمہ علمائے ظاہر و باطن اس کے پیر ہیں بلکہ اگر اسی حالت پر ہے تو مثل اور لاکھوں مسلمانان اہلسنت کے اس کا ہاتھ شریعت مطہرہ کے ہاتھ میں ہے اگرچہ بظاہر کسی خاص بندہ خدا کے دست مبارک پر شرف بیعت سے مشرف نہ ہوا ہو۔

عہد ما بالب شیریں دہنا بست خدائے　　　ماہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند

(ہمارے عہد کو میٹھے منہ والے لوگوں سے خدا نے باندھ دیا ہے ہم سب بندے ہیں اور یہ لوگ آقا و مولٰی ہیں۔ت)

شیخ و مرشد بمعنی دوم سے بھی اس شخص کو چارہ نہیں جو سلوک راہ طریقت چاہے یہ راہ ایسی نہیں کہ آدمی اپنی رائے سے یا کتابیں دیکھ بھال کر چل سکے اس میں ہر شخص کو نئے مشکلات اپنی اپنی قابلیت وحالات کے لائق پیش آتے ہیں جس کی عقد وکشائی بے توجہ خاص رہبر کامل نہیں ہو سکتی مگر اس کے ترک پر وہ جبروتی احکام لگا دینا محض باطل وکذب عاطل وظلم صریح اور دین الٰہی پر افترائے صحیح ہے اول تو اس راہ کے قاصد اقل قلیل، اور جو طلب بھی کرے اسے اس زمانہ تاریکی وظلمت وغیبت اکثر اصحاب ولایت وہجوم دنیا طلبان ریا خصلت میں شیخ کامل ہر وقت میسر آنا مشکل ہے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

(یعنی بہت سے ابلیس صفت شکل وصورت میں آدمی ہیں پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

ہزاروں علماء وصلحاء گزرے کہ بظاہر اس خاص طریقت بیعت میں ان کا انسلاک ثابت نہیں، کیا معاذاللہ انھیں ان سخت احکام کا مصداق کہا جاسکتا ہے۔ اور جو منسلک بھی ہوئے کیا سب ہوش سنبھالتے ہی منسلک ہوگئے تھے حاشا بلکہ بہت اس وقت جبکہ علم ظاہر میں پایہ عالیہ امامت تک پہنچ چکے تھے اس وقت تک عیاذ باللہ ان احکام کے مستحق تھے یہ سخت جہالت فاضحہ واضحہ ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

پہلی حدیث جو زید نے بیان کی کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اس کا نشان نہیں ہاں قول اولیاء ہے اور دوسری حدیث: **الشیخ فی قومہ کالنبی فی امہ**[1] (شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں)۔ جسے ابن حبان نے کتب الضعفاء اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو رافع

---

[1] المقاصد الحسنۃ حدیث ۶۰۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا فرمایا اگرچہ امام ابن حجر عسقلانی اور ان سے پہلے ابن تیمیہ نے موضوع اور امام سخاوی نے باطل کہا مگر صنیع امام جلیل جلال سیوطی سے ظاہر کہ وہ صرف ضعیف ہے باطل وموضوع نہیں انھوں نے یہ حدیث دووجہ سے جامع صغیر میں ایراد فرمائی۔

حیث قال الشیخ فی اہلہ کالنبی فی امتہ والخلیل فی مشیختہ وابن النجار من ابی رافع [1] الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ حب(ابن حبان)فی الضعفاء والشیرازی فی الالقاب عن ابن عمر [2]۔	جیسے فرمایا کہ شیخ اپنے اہل یعنی اپنی قوم میں ایسے ہے جیسا کہ نبی اپنی امت میں، اسے ذکر کیا خلیل نے اپنی کتاب مشیخت میں اور ابن نجار نے ابورافع سے روایت کی، شیخ اپنے بیت میں جیسے نبی اپنی قوم میں، ابن حبان نے ضعفاء میں اور شیرازی نے القاب میں حضرت ابن عمر سے روایت کی۔(ت)

اور خطبہ کتاب میں وعدہ فرمایا کہ اس میں کوئی حدیث موضوع نہ لاؤں گا۔

حیث قال ترکت القشر واخذات اللباب وصنتہ عما تفرد بہ وضاع اوکذاب [3]۔	چھلکے کو چھوڑا میں نے اور مغز کو لیا میں نے، اور جس چیز کے ساتھ گھڑنے والا یا جھوٹ بولنے والا اکیلا ہوا اس سے بچایا میں نے۔(ت)

مگر اس سے اس قدر ثابت کہ ہادیان اخدا کی اطاعت لازم ہے۔ اس میں کیا کلام ہے اس کے لئے خود آیہ کریمہ:

" اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ " [4]	اطاعت کرو تم اللہ تعالٰی کی اور اطاعت کرو رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اپنے صاحب امر کی۔(ت)

کافی ہے قول اصح وارجح پر اولی الامر سے مراد علمائے دین ہیں کہ علمائے شریعت وطریقت دونوں کو شامل، اس سے زیادہ یہ معنی اس کے لینا کہ جس نے بیعت ظاہری کسی کے ہاتھ پر نہ کی وہ گمراہ

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۹۶۹ و ۴۹۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۰۶

[2] الجامع الصغیر حدیث ۴۹۶۹ و ۴۹۷۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۰۶

[3] الجامع الصغیر خطبۃ المؤلف دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

ہے ہر گز مفاد حدیث نہیں یہ افتراء و تہمت یا جہل وسفاہت ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، ہاں بیعت و امامت کبرٰی کے لئے صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

من خلع یدا من طاعۃ لقی اللہ یوم القیمۃ لاحجۃ لہ ومن مات ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ رواہ مسلم [1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جس نے کھینچا ہاتھ کو اطاعت سے ملے گا اللہ تعالٰی کو اس حال میں کہ اس کے پاس قیامت کے دن کوئی دلیل نہ ہوگی، اور جو مرجائے اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا پٹکا نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ روایت کیا اس کو مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ (ت)

یہ بھی اس صورت میں ہے کہ امام موجود ومتیسر ہو۔

کما لایخفی والا فلایکلف اللہ نفسا الاوسعھا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے ورنہ اللہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کے وسعت کے مطابق۔ **واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۱: از کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد مرسلہ حضرت سید شاہ ابوالمحمود مولٰنا مولوی احمد اشرف میاں صاحب اشرفی دام مجدھم ۱۷/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے عظام وحضرات مشائخ کرام اس مسئلہ میں کہ پانسو برس کا زمانہ ہوا زید وعمرو دونوں برادر حقیقی کو ایک ہی مرشد یعنی اپنے والد ماجد سے علیحدہ علیحدہ دو خرقے عطا ہو کر خلافت وسجادہ نشینی حاصل ہوئی، زید خلف اکبر برابر اپنے مرشد کے یوم العرس خرقہ عطیہ مرشد کو خاص خانقاہ ومرشد میں پہن کر فاتحہ عرس حسب دستور مشائخ کرتا رہا یونہی آٹھ پشت تک زید کے خاندان میں خلافت خاندانی وخرقہ پوشی بحیثیت سجادہ نشینی قائم رہی اٹھویں پشت کا اخیر سجادہ نشینی بکر پانی زوجہ ہندہ اور برادر وخلیفہ خاص خالد کو چھوڑ کر انتقال کرگیا ہندہ بعد وفات شوہر خرقہ مذکورہ لے کر اپنے میکے چلی گئی خالد سے سلسلہ بیعت وخلافت خاندانی قریب سو برس سے جارہ ہے مگر بوجہ مذکور خرقہ پوشی اس مدت میں نہ ہوسکی، عمرو خلف اصغر کی نسل میں نو پشت تک خرقہ پوشی ایک روز قبل عرس ہوا کہ خاص روز عرس کی خرقہ پوشی نسل خلف اکبر میں

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

ہوئی جب زمانہ خالد میں خرقہ نہ رہنے کے سبب وہ رسم ادانہ ہوسکی رشید نے کہ نسل عمرو کا نواں[۹] سجادہ نشین اور معاصر خالد تھا دونوں روز خرقہ پوشی کی اب عمرو کے سلسہ میں حامد اور زید کے خاندان میں محمود ہے جس نے علاوہ بیعت وخلافت خاندانی بزرگ ہوا خرقہ بھی واپس لیا اور رسم رفتہ پھراز سرنو تازہ کی، اب حامد اس کے استحاق خرقہ پوشی میں منازع ہے مرشد مرشد محمود تک خلافت خاندانی بہت معززین اہل خاندان وغیر ہم کو مسلم اور ان میں مشہور ہے بعض اکابر اہل خاندان نے اپنے رسائل شائع شدہ میں بھی اسے درج کیا ہے، مرشد محمود کو کہ ثقاب عدول سے تھے ان کے مرشد نے خلافت نامہ تحریری دستخطی اپنے قلم مبارک سے دیا جسے خود ان کے صاحبزادے وغیرہ بہت جانتے ہیں انھوں نے مدت سے اس سلسلہ کو اجرا فرمایا، لوگ ان کے پھر محمود پھر خلیفائے محمود کے مرید ہوتے رہے اور ہوتے ہیں کبرائے علماء ومشائخ عصر نے محمود کو خلیفہ وسجادہ نشین خاندان مانا اور اس پر مہریں کی ہیں بلکہ خود مرشد مرشد محمود نے ایک خط دستخطی کے القاب میں نام محمود کے ساتھ لفظ سجادہ نشین تحریر فرمایا، کیا اس صورت میں یہ سلسلہ خلافت وسجادہ نشینی ثابت ومسلم مانا جائے گا یا انکار بعض منازعین کے باعث تسلیم نہ ہوگا، اور چار سو برس تک رسم خرقہ پوشی خاندان محمود میں جاری رہ کر تقریبا سو برس تک بوجہ مذکور منقطع اور حامد کے یہاں دونوں روز خرقہ پوشی ہونے سے اب حق محمود زائل ہوگیا، یا وہ اس رسم کو تازہ کرسکتا ہے حامد کو بوجوہ مذکورہ یوم العرس خصوصا حدود خانقاہ میں خرقہ پوشی محمود سے تعرض ومزاحمت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ **بینو توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ (دریافت کردہ صورت) میں محمود کی خلافت خاندانی وسجادہ نشینی ضرور ثابت ومسلم ہے اور انکار منازعین اصلا مسموع نہیں شرعًا وعقلًا ایسے امور کے ثبوت کے دو طریقے ہیں ایک اتصال سند، دوسرے شہرت ____ تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ محمود کو دونوں وجہ شہرت بروجہ احسن حاصل، تو نفی نافی قطعاً نامسموع وباطل (نفی کرنے والے کی نفی نہ سنی ہوئی) فتح القدیر وبحر الرائق ونہر الفائق ومنح الغفار ورد المحتار میں ہے:

طریق نقلہ لذلك عن المجتہد احد امرین اما ان یکون لہ سند فیہ اویاخذہ من کتاب معروف تد اولتہ الایدی نحو کتب محمد بن الحسن ونحوھا	اس قول کو مجتہد سے نقل کرنے کا طریقہ دو میں سے ایک ہے یا تو یہ کہ اس کی سند اس میں موجود ہو یا اس کو کسی مشہور کتاب سے پکڑے جو ہاتھوں میں متداول ہو جیساکہ محمد بن حسن کی کتابیں اور

من التصانیف المشھورۃ للمجتھدین لانہ بمنزلۃ الخبر المتواتر المشھور ھکذا ذکر الرازی[1]۔	ان کی مثل مجتہدین کی مشہور تصانیف اس لئے کہ وہ بمنزلہ خبر متواتر مشہور کے ہے، رازی نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔(ت)

جب بتصریح ائمہ کرام دین خدا واحکام شرع ومسائل حلال وحرام وفتوٰی وقضا متعلق بدماء ومحارم میں انھیں دو طریقہ سند و شہرت سے صرف ایک کا وجود کافی جس کی بناء پر اجرائے حدود وقصاص تک کیا جائے گا امر سجادہ نشینی میں دونوں کا اجتماع بھی کافی نہ جاننا سراسر بعید از انصاف ہے سند کی تو یہ حالت ہے کہ زید مسموع القول جب کوئی حدیث یا مسئلہ فقہیہ اپنے شیخ سے روایت کرے اور اس میں تصریح سماع بھی نہ ہو، تاہم امام بخاری وغیرہ بعض ائمہ کے نزدیک شیخ و تلمیذ کی صرف کبھی ملاقات ہونا تسلیم کے لئے بس ہے اور امام مسلم وغیرہ جمہور اکابر کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں محض معاصرت یعنی دونوں کا ایک زمانہ میں ہونا اور امکان لقاہی کافی ہے۔ ہمارے علماء کے نزدیک یہی مذہب صحیح ہے نہ کہ جب وہ کہے کہ میں نے سنا یا مجھے خبر دی یا مجھ سے حدیث بیان کی کہ اب تو بالاجماع بے شرط مذکور قبول اور صاحب سند سے دعوی سماع پر گواہ مانگنا ضروری جاننا باجماع ائمہ باطل ومخذول امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں فرماتے ہیں:

زعم القائل الذی افتتحنا الکلام علی الحکایۃ عن قولہ ان کل اسناد فیہ فلان عن فلانہ وقد احاط العلم بانھما کانا فی عصر واحد وجائز ان یکون سمعہ منہ غیر انہ لم تجد فی الروایات انھما التقیا لم یکن حجۃ وھذا القول مخترع مستحدث والمتفق علیہ بین اھل العلم قدیما وحدیثا ان الروایۃ ثابتۃ و الحجۃ بھا لازمۃ	گمان کیا ہے اس قائل نے کہ شروع کیا ہم نے کلام کو اس کے قول کی حکایت پر تحقیق ہر استاد کہ اس میں فلان عن فلاں ہو، اور حال یہ کہ علم نے اس کا احاطہ کیا ہو کہ وہ دونوں ایک ہی زمانہ میں ہوں اور جائز ہے کہ اس نے اس سے سنا ہو سوا اس کے کہ ہم روایات میں نہ پائیں ان کی باہم ملاقات کو کہ وہ حجت نہ ہو اور یہ قول نیا گھڑا ہوا ہے اور پرانے اور نئے اہل علم میں یہ اتفاقی بات ہے کہ روایت ثابت ہے اور حجت اس کے ساتھ لازم ہے مگر یہ کہ اس

[1] ردالمحتار بحوالہ الفتح والبحر والمنح کتاب القضاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۰۶

الاان تکون ہناك دلالۃ بینۃ ان الراوی لم یلق من روی عنہ اھ[1] ملخصا۔	جگہ دلالت ظاہر کہ روای نے جس سے روایت کی ہے اس سے ملاقات نہیں کی اھ ملخصا۔ (ت)

شرح امام نووی میں ہے:

ھذا الذی صار الیہ مسلم قد انکرہ المحققون وقالو اھذا ضعیف والذی ردہ ھوالمختار الصحیح الذی علیہ ائمۃ الفن علی بن المدینی والبخاری وغیرھما[2]۔	یہ وہ ہے جس کی طرف مائل ہوئے ہیں امام مسلم، حال یہ ہے کہ محققوں نے اس کا انکار کیا ہے اور انھوں نے کہا ہے یہ ضعیف ہے اور جس کو اس نے رد کیا ہے وہی مختار صحیح ہے جس پر ائمہ فن علی بن المدینی اور امام بخاری وغیرہما جمع ہوئے ہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

مانقل عن البخاری من انہ اعلم بقولہ لایعرف سماع بعض ھؤلاء من بعض فبناء علی اشتراطہ العلم باللقی والصحیح الاکتفاء بامکان اللقی[3]۔	جو نقل کیا گیا ہے امام بخاری سے کہ انھوں نے ضعیف قرار دیا ہے ساتھ اپنے قول کہ نہیں پہچانا جاتا سننا بعض ان حضرات کا بعض سے، تو یہ اس پر مبنی ہے کہ ان کے نزدیک ملاقت کا علم ہونا شرط ہے اور صحیح یہ ہے کہ ملاقات کا امکان ہی کافی ہے۔ (ت)

نیز کتاب الزکوۃ فصل فی البقر میں فرمایا:

قول الجمھور الاکتفاء بالمعاصرۃ مالم یعلم عدم اللقاء و شرط البخاری ابن المدینی العلم باجتماعھما ولو مرۃ	جمہور کا قول کفایت کرتا ہے ہم عصر ہونے کے ساتھ جبکہ ملاقات کے نہ ہونے کا علم نہ ہو اور شرط قرار دیا ہے امام بخاری اور ابن المدینی نے ان کے اجتماع کو اگرچہ ایک ہی مرتبہ ہوا ہو۔

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱و۲۲

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱

[3] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

والحق خلافه[1] اھ ملتقطا۔	حال یہ ہے کہ حق اس کے خلاف ہے اھ ملتقطا(ت)

زید وعمرو کی خلافت وسجادہ نشینی درکنار خود حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحابیت (جس کا اثر اعمال سے گزر کر عقائد تک پہنچتا ہے کہ صحابہ کی تعظیم ومحبت ضروری، مذہب اہلسنت اور معاذاللہ ان کی توہین وتنقیص گمراہی وضلالت) اس کے بارے میں محققین علماء فرماتے ہیں، ثقہ عادل کا خود اپنی خبر دینا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرف صحبت حاصل ہوا کافی ہے اگرچہ کسی دوسرے طریقے سے اس کی صحابیت کا اصلاً ثابت نہ ہو جبکہ وہ ایسے وقت میں تھا کہ فضل اسے ملنا متصود ہو، امام ابن حجر عسقلانی فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں:

الفصل الثانی فی الطریق الی معرفة کون الشخص صحابیا وذٰلك باشیاء اولها ان یثبت بطریق التواتر انه صحابی ثم بالاستفاضة والشهرة ثم بان یروی عن احد من الصحابة ان فلانا له صحبة مثلا وکذا عن احاد التابعین بناء علی قبول التزکیة من واحد وهو الراجح ثم بان یقول هو اذا کان ثابت العدالة والمعاصرة انا صحابی[2]۔	دوسری فصل کسی شخص کے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابی ہونے کی پہچان کے طریق میں اور چند چیزوں سے ہے، اول یہ کہ تواتر کے طریق سے ثابت ہو کہ وہ صحابی ہے پھر ساتھ طریق استفاضہ اور شہرت کے، پھر بایں طور کہ کسی صحابی سے روایت کیا جائے کہ فلاں کو صحبت نصیب ہے مثلا اور ایسے ہی کسی ایک تابعی سے بنا پر قبول کرنے تزکیہ کے کسی ایک سے اور یہی راجح ہے پھر بایں طور کہ کہے وہ جب کہ اس کی عدالت اور ہم عصر ہونا ثابت ہو کہ میں صحابی ہوں۔(ت)

مسلم الثبوت میں ہے:

اخبار العدل عن نفسه بانه صحابی اذا کان معاصرا لاکالرتن لیس کتعدیله نفسه[3]۔	کہ عادل کا خبر دینا اپنی ذات کے بارے میں کہ وہ صحابہ ہے جبکہ وہ ہمعصر ہو، خواجہ رتن کی طرح نہ ہو اپنی تعدیل کے حکم میں نہیں ہے۔(ت)

[1] فتح القدیر کتاب الزکوٰۃ فصل فی البقر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۳۳

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة خطبة الکتاب الفصل الثانی دار صادر بیروت ۱/ ۸

[3] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنة مسئله اخبار عن نفسه الخ مطبع انصاری دہلی ص ۱۹۸

کتنے صحابہ ہیں جن کی احادیث ائمہ حدیث قدیم وحدیث نے اپنے صحاح ومسانید وسنن معاجیم میں تخریج فرمائیں نہ ان کے پاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی فرمان تھا کہ فلاں ہمارے حضور بارگاہ علام پناہ سے شرف یاب ہوا نہ ان سے اس پر کوئی شہادت لی گئی نہ اور صحابہ کا محضر طلب ہوا ان ثقات کا خود ہی کہا کہ:

سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم شهدت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا ہے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔(ت)

مسموع ومقبول ہوا۔

کما افاده الامام ابو عمر بن عبدالبر فی الاستیعاب و اقره علیه حافظ الشان۔	جیسا کہ افادہ فرمایا ہے امام ابوعمر بن عبدالبر نے استیعاب میں اور ثابت رکھا ہے اس پر حافظ الشان ابن حجر نے (ت)

شہرت وہ چیز ہے جس سے رشتہ خلافت درکنار رشتہ نسب کہ صدہا احکام حلال وحرام وحقوق وذمام کا مدار ہے شرعا وعقلا اجماعا عرفا ہر طرح ثابت ہوجاتا ہے ہم شہادت دیتے ہیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پسر اطہر اور امام زین العابدین حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے خلف مطہر ہیں سوا شہرت کے ہمارے پاس اس پر اور کیا دلیل ہے۔ فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

اما النسب فصورته اذا سمع من انسان ان فلانا ابن فلان الفلانی، ومعه ان یشهد بذٰلك وان لم یعاین الولادة علی فراشه الا یری انا نشهد ان ابابکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه ابن ابی قحافة وما رأینا اباقحافه رضی الله تعالٰی عنه[1]۔	لیکن نسب تو صورت اس کی یہ ہے کہ سنا کسی انسان سے تحقیق فلاں بیٹا فلاں کا فلان ہے تو اس کو گنجائش ہے اس بات کی شہادت دے اس کی اگرچہ اس کے فرش پر اس کی ولادت کا اس نے معائنہ نہ کیا ہو، کیا نہیں دیکھتا کہ ہم گواہی دیتے ہیں اس بات کی کہ تحقیق ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ابوقحافہ کے بیٹے ہیں حالانکہ ہم نے ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا نہیں۔(ت)

[1] خلاصة الفتاوٰی کتاب الشهادة الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵۲/۴

اور دونوں طریق ثبوت کرناکافی سمجھا جائے تو تمام سلاسل اولیاء اللہ سے **معاذاللہ** ہاتھ دھونا ہو کیا کوئی قادر ہے کہ شروع سلسلہ سے منتہی تک ہر بندہ خدا کا اپنے شیخ سے خلافت واجازت پانا ان کے سوااور کسی طریقہ انیقہ سے ثابت کرسکے، حاشا وکلا تو اس کے انکار میں عیاذا باللہ تمام سلاسل کا انکار لازم آتا ہے۔**وھو کما تری** (یہ وہ معاملہ جسے آپ سمجھتے ہیں) اور جب دلیل شرعی سے محمود کا سلسلہ سجادہ نشینی وخلافت ثابت تو خانقاہ مبارک میں رسم خرقہ پوشی سے اسے مانع ہونے کا کوئی حق حامد کو نہیں، نہ حامد خوہ کسی کا انکار قابل قبول ہوسکتا ہے۔ عقل ونقل کا قاعدہ اجماعیہ ہے کہ نفی پر مثبت مقدم ہوتا ہے دو ثقہ گواہی دیں کہ زید وہندہ کا نکاح ہوااور ہزار گواہ ہوں کہ نہ ہواان نافیوں کی بات ہر گز نہ سنی جائے گی کہ اس کا حاصل صرف اپنے علم کی نفی ہے یعنی ہمارے سامنے نہ ہوااور اس سے نفی وقوع لازم نہیں آتی، اصول مسلمہ میں سے ہے:

المثبت مقدم علی النافی لان من یعلم حجۃ من لا یعلم۔	مثبت نافی پر مقدم ہے اس لئے کہ ہو جاتا ہے وہ حجت ہے اس پر جو نہیں جانتا۔ (ت)

الاشباہ میں ہے:

بینۃ النفی غیر مقبولۃ الا فی عشر (الی قولہ) وفی ایمان الھدایۃ لافرق بین ان یحیط علم الشاھد اولا[1]۔	نفی کی دلیل غیر مقبول ہے مگر دس چیزوں میں ہدایہ کی کتاب الایمان میں ہے کہ نہیں فرق درمیان اس کے کہ گواہ کا علم احاطہ کرے یا نہ (ت)

دور کیوں جائے سلاسل طریقت ہی دیکھئے ہر سلسلہ میں بتوسط امام حسن بصری حضرت امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے انتساب موجود حالانکہ جماہیر اکابر ائمہ محدثین کہ فن رجال میں انھیں پر اعتماد اور انھیں کی طرف رجوع ہے۔ حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ان کے لئے سماع ہر گز نہیں مانتے مگر اسی قاعدہ عقلیہ ونقلیہ **المثبت مقدم علی النافی لان من حفظ حجۃ علی من لم یحفظ** (مثبت نافی پر مقدم ہے اس لئے کہ جس نے محفوظ رکھا اس کی بات حجت ہے اس پر جس نے محفوظ نہ رکھا) نے اتصال سلاسل میں اصلا خلل نہ آنے دیا جب اثبات کے سامنے ایسے اکابر کی نفی مقبول نہ ہوئی توآج کل کے کسی صاحب کا انکار کیا اثر ڈال سکتا ہے۔ رہا سو برس تک اس رسم کا بعذر

[1] الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۵۲-۳۵۱

مذکورہ ادانہ ہونا وہ بعد ثبوت سجادہ نشینی کا قابل احتجاج ہے حامد کے یہاں چار سو برس تک روز عرس خرقہ پوشی نہ ہونے نے اسے ممنوع نہ کیا حالانکہ اول یہ امر اس کے خاندان میں نہ تھا تو محمود کے یہاں چار سو برس جاری رہ کر سو برس بعذر منقطع ہونا کیا مخل ہوسکتا ہے، شرع کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ: **البقاء اسھل من الابتداء**، ابتداء سے بقاء آسان ہے۔(ت) بنی اسرائیل سے عمالقہ تابوت سکینہ چھین لے گئے مدتہا مدت کے بعد واپس آیا تھا تو کیا ان کا حق تبرک اس سے زائل ہوگیا تھا۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ "[1]	اور کہا ان کو ان کے نبی نے تحقیق نشانی اس کی شاہی کی یہ ہے کہ آئے گا تابوت تمھارے پاس اس میں تمھارے رب کی طرف سے سکینت ہوگی۔(ت)

یا جب قرامطہ مخذولین کعبہ معظّمہ سے حجر اسود اکھیڑ کر ہجر کو لے گئے اور بائیس برس بعد مسلمانوں نے بحمد اللہ تعالٰی واپس پایا تو کیا اہل اسلام یا اہل بیت الحرام کا حق تبرک واستلام اس میں باقی نہ رہا، یہ امور واضحہ ہیں نہایت درجہ روشن وصاف، **والانصاف خیر الاوصاف واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم**۔ (اور انصاف تمام اوصاف سے بہتر ہے اور اللہ تعالٰی پاک اور برتر سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۸۲:

چہ می فرمایند علمائے دین کہ بردست کدام کس بیعت نمودن جائز وعدم جواز ست وکدام کس قابل مرشد شدن ست وباینہمہ کسیکہ قابل بیعت نمود نیست واگر کسے رابیعت نماید بحق اوشان چہ حکم ست۔	کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ کس شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا جائز ہے اور کس کے ہاتھ پر ناجائز ہے اور کون شخص مرشد ہونے کے قابل ہے اور باوجود ان سب باتوں کے جو شخص بیعت کرنے کے قابل نہیں اگر وہ کسی کو بیعت کرے اس کے حق میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

بیعت گرفتن ودر مسند ارشاد نشستن را از چار	بیعت لینے اور مسند ارشاد پر بیٹھنے کے لئے چار

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴۸

شرط نا گزیرست: **یکے** آنکہ سنی صحیح العقیدہ باشد زیرا کہ بدمذہبیاں سگان دوزخ اند بدترین خلق چنانچہ درحدیث آمدہ ست۔ **دوم** عالم بعلم ضروری بودن کہ ع بے علم نتواں خدارا شناخت **سوم** اجتناب کبائر کہ فاسق واجب التوہین است ومرشد واجب التعظیم ہردو چہ گونہ بہم آید۔ **چہارم** اجازت صحیحہ متصلہ **کما اجمع علیہ اھل الباطن**۔ ہر کہ از نہا ہیچ شرطے رافاقدست اور انشاید پیر گرفتن۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔	شرطیں ضروری ہیں: **ایک** یہ کہ سنی صحیح العقیدہ ہو اس لئے کہ بدمذہب دوزخ کے کتے ہیں اور بدترین مخلوق، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ **دوسری** شرط ضروری علم کا ہونا، اس لئے کہ بے علم خدا کو پہچان نہیں سکتا۔ **تیسری** یہ کہ کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنا اس لئے کہ فاسق کی توہین واجب ہے اور مرشد واجب التعظیم ہے دونوں چیزیں کیسے اکٹھی ہوں گی۔ **چوتھی** اجازت صحیح متصل ہو جیسا کہ اس پر اہل باطن کا اجماع ہے۔ جس شخص میں ان شرائط من سے کوئی ایک شرط نہ ہو تو اس کو پیر نہیں پکڑنا چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۱۸۳: ۸/ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں احمد ایک ولی اللہ امام وقت کا مرید وغلام اور امام ممدوح کی طرف سے مجاز وماذون ہے بعد وصال شریف اپنے شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احمد کو بوجہ کثرت ذنوب خیال تجدید بیعت آیا احمد نے اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی بعض تصانیف میں دیکھا تھا کہ اگر شیخ تک بوجہ وصال یا بعد کے وصول نہ ہوسکے اور تجدید بیعت چاہے تو شیخ کے کپڑے پر تجدید کرے بایں لحاظ احمد نے مولانا حسین بن حسن خلیفہ وسجادہ نشین حضرت شیخ سے جامہ شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی استدعا کی مولانا نے فرمایا جب جانشین شیخ موجود ہے کپڑے کی کیا حاجت ہے۔احمد کے بھی ذہن میں آیا کہ واقعی نیابت جانشین نیابت جامہ سے اتم واکمل ہونی چاہئے اس نیت سے مولانا کے ہاتھ پر بیعت کی مگر کبھی اپنا شیخ حضرت ولی اللہ امام ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا دوسرے کو نہ جانا نہ قراءت شجرہ طیبہ میں کسی اور کا نام داخل کیا، نہ جو شجرے اپنے بیعت کرنے والوں کو دئے ان میں کبھی حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد کوئی نام

لکھااب جانشین موصوف کو بوجہ تجدید مذکور یہ خیال ہے کہ احمد میرا مرید ہے اور احمد اپنے ذہن میں اپنی بیعت اولٰی پر ہے۔ اس صورت میں امر حق کیا ہے۔احمد چاہتا ہے کہ اگر میرے خیال کی غلطی ثابت ہو تو میں تائب ہو کر از سر نو دست مولٰنا پر بیعت مستقلہ بجالاؤں اور اگر اسی کا خیال صحیح ہے تو شرع مطہر سے اس پر کیا دلیل ہے کہ باوصف یکہ احمد نے دوبارہ بیعت دست مولٰنا پر کی، مولٰنا کا مرید متصور نہ ہو۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مستفسرہ میں احمد کا خیال ہے صحیح ہے وہ اپنی بیعت اولٰی پر ہے بوجہ تجدید مذکور جانشین موصوف کا مرید قرار نہ پائے گا۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔	سوائے اس کے نہیں کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور سوا اس کے نہیں کہ ہر آدمی کے لئے وہ ہے جو اس نے نیت کی۔ (ت)

شرع مطہر سے اس پر دلیل واضح حضرت سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل اور حضرت امیر المومنین امام العارفین مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا قول ہے:

وناھیك بھما قدوۃ فی الدین۔	تیرے لئے ان دونوں حضرات کا دین میں پیشوا ہونا کافی ہے۔ (ت)

جب حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی خطائے اجتہادی سے رجوع فرما کر دست حق پرست حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ پر تجدید بیعت چاہی ظالم کے ہاتھ سے زخمی ہوچکے تھے امیر المومنین علی تک وصول کی طاقت نہ تھی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کا ایک سپاہی گزرا اسے بلا کر حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے ہاتھ پر تجدید بیعت فرمائی اور روح اقدس جوار اقدس رحمت الٰہی میں پہنچی، امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے یہ حال سن کر فرمایا:

ابی اللہ ان یدخل طلحۃ الجنۃ الا وبیعتی فی عنقہ۔	اللہ عزوجل نے طلحہ کا جنت میں جانا نہ مانا جب تک میری بیعت ان کی گردن میں نہ ہو۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۰

دیکھو امیر المومنین نے اس بیعت کو اپنی ہی بیعت قرار دیا نہ کہ لشکری کی، اور حضرت طلحہ نے امیر المومنین ہی کو امیر المومنین مستحق بیعت سمجھا نہ کہ معاذاللہ لشکری کو۔

ذٰلك برھانان من ربك وقد عرضته علی محقق الشریعة والطریقة مولٰینا محب الرسول عبدالقادر القادری البدایونی حفظه اللہ تعالٰی عن شر کل مجونی وفتونی فاقرہ وصوبه واستحسنه واعجبه، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	یہ دونوں برہان تیرے رب کی طرف سے ہیں اور تحقیق میں نے پیش کیا اس کو شریعت و طریقت کے محقق مولانا محب رسول عبدالقادر قادری بدایونی پر، اللہ تعالٰی ان کو محفوظ رکھے ہر بے حیا اور فتنین کے شر سے، پس اس کو ثابت رکھا اور اس کو صواب قرار دیا اور اس کو عجیب اور مستحسن قرار دیا، اور اللہ تعالٰی پاک ہر عیب سے اور برتر ہے سب سے زیادہ جاننے والا اور اس کا علم جلیل اس کی بزرگی اتم اور مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۸۴: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خاں صاحب ۲۰/ شوال ۱۳۱۴ھ

اگر عورت نیک خصلت پابند شریعت واقف طریقت اپنے ہاتھ پر عورتوں اور مردوں کو بیعت کرنا شروع کردے تو از روئے طریقت اور شریعت یہ بیعت درست ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب مع عبارات تحریر فرمائیں۔

الجواب:

اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ داعی الی اللہ کا مرد ہونا ضرور ہے لہٰذا سلف صالحین سے آج تک کوئی عورت نہ پیر بنی نہ بیعت کیا۔ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لن یفلح قوم ولو امرھم امرأۃ [1] رواہ الائمة احمد و البخاری والترمذی والنسائی	ہر گزوہ قوم فلاں نہ پائے گی جنھوں نے کسی عورت کو والی بنایا، اس کو ائمہ کرام احمد و بخاری و

[1] صحیح البخاری کتاب الفتن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۲، جامع الترمذی ابوب الفتن امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۱، سنن النسائی کتاب ادب القضاۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۰۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی بکرۃ المکتب الاسلامیة بیروت ۵/ ۵۱

عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ترمذی اور نسائی نے ابوبکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ میزان الشریعۃ کتاب الاقضیہ میں فرماتے ہیں:

قد اجمع اھل الکشف علی اشتراط المذکورۃ فی کل داع الی اللہ تعالٰی ولم یبلغنا ان احدا من نساء السلف الصالح تصدرت لتربیۃ المریدین ابدا النقص النساء فی الدرجۃ وان ورد الکمال فی بعضھن کمریم بنت عمران وآسیۃ امرأۃ فرعون فذٰلك کمال بالنسبۃ للتقوٰی والدین لابالنسبۃ للحکم بین الناس وتسلیکھم فی مقامات الولایۃ، وغایۃامر المرأۃ ان تکون عابدۃ وزاھدۃ کرابعۃ العدویۃ[1]، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ فقط	بیشک اہل کشف نے اجماع کیا ہے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کے لئے مرد ہونا شرط قرار دینے پر، اور نہیں پہنچی کہ ہم کو خبر کہ سلف صالحین کی عورتوں میں سے کوئی عورت مریدین کی تربیت کرنے کے درپے ہوئی ہو ہمیشہ بوجہ عورتوں کے درجہ میں ناقص ہونے کے، اگرچہ ان کے بعض میں کمال وارد ہوا ہے۔ جیسے کہ مریم بن عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی، پس یہ کمال تقوٰی اور دین کے لحاظ سے ہے نہ کہ لوگوں کے درمیان حکومت کرنے کی نسبت سے اور ان کو مقامات ولایت میں چلانے کی وجہ سے عورت کی غایت امر یہی ہے کہ وہ عابدہ زاہدہ ہو، جیسا کہ رابعہ عدویہ بصریہ، اور اللہ سبحنہ وتعالٰی سب سے زیادہ علم جاننے والا ہے اور اس کا علم بزرگ تر، اکمل اور مضبوط ہے۔ فقط۔(ت)

رسالہ

نقاء السلافۃ فی البعیۃ والخلافۃ

ختم شد

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی کتاب الاقضیہ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۹

(مندرجہ ذیل مسئلہ فتاوٰی افریقہ سے منقول ہے)

مسئلہ ۱۸۵:

اگر زید کا پیر و مرشد نہ ہو تو وہ فلاح پائے گا یا نہیں؟ اور اس کا پیر و مرشد شیطان ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ رب عزوجل حکم کرتا ہے:
وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور ڈھونڈو طرف اس کی وسیلہ۔

الجواب:

ہاں اولیاء کرام قدسنا اللہ باسرارہم کے ارشاد سے دونوں باتیں ثابت ہیں اور عنقریب ہم ان دونوں کو قرآن عظیم سے استنباط کریں گے، ایک یہ کہ بے پیرا فلاح نہ پائے گا، حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ، عوارف المتعارف شریف میں فرماتے ہیں:

سمعت کثیرا من المشائخ یقولون من لم یر مفلحا لا یفلح[1]۔	یعنی میں نے بہت اولیائے کرام کو فرماتے سنا کہ جس نے کسی فلاح پائے ہوئے کی زیارت نہ کی وہ فلاح نہ پائے گا۔

دوسرے یہ کہ بے پیر کا پیر شیطان ہے عوارف شریف میں ہے:

روی عن ابی یزید (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	یعنی سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

[1] عوارف المعارف الباب الثانی مطبعۃ المشہد الحسینی ص ۷۸

انہ قال من لم یکن لہ استاد فامامہ الشیطان [1]۔	مروی ہوا کہ فرماتے ہے جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

رسالہ مبارکہ امام اجل ابوالقاسم قشیری میں ہے:

یجب علی المرید ان یتادب بشیخ فان لم یکن لہ استاذ لایفلح ابدا ھذا ابو یزید یقول من لم یکن لہ استاذ نا فامامہ الشیطان [2]۔	یعنی مرید پر واجب ہے کہ کسی پیر سے تربیت لے کہ بے پیرا فلاح نہ پائے گا۔ یہ میں ابویزید کہ فرماتے ہیں جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہے۔

پھر فرمایا:

سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول الشجرۃ اذا انبتت بنفسھا من غیر غارس فانھا تورق ولکن لا تثمر کذٰلک المرید اذا لم یکن لہ استاذ یأ خذ منہ طریقۃ نفسا فنفسا فھو عابد ھواہ لایجد نفاذا [3]۔	یعنی میں نے حضرت ابوعلی دقاق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ پیڑ جب بے کس بونے والے کے آپ سے اُگے تو پتے لاتا ہے مگر پھل نہیں دیتا یونہی مرید کے لئے اگر کوئی پیر نہ ہو جس سے ایک ایک سانس پر راستہ سیکھے تو وہ اپنی خواہش نفس کا پجاری ہے راہ نہ پائے گا۔

حضرت سیدنا میر سید عبدلواحد بلگرامی قدس سرہ، سبع سنابل شریف میں فرمات ہیں:

چو پیرت نیست پرتست ابلیس　　　　که راه دین نہ زدست از مکر و تلبیس [4]

(جب تیرا پیر نہیں ہے تو تیرا پیر ابلیس ہے کہ اس نے دین کی راہ ماری ہے مکر وفریب سے۔ت)

یہ مقام بہت تفصیل وتوضیح چاہتاہے، **فاقول**: **وباللہ التوفیق** (میں کہتاہون اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) فلاح دو ۲ قسم کی ہے:

اول: انجام کار رستگاری اگرچہ **معاذاللہ** سبقت عذاب کے بعد ہو، یہ عقیدہ اہلسنت میں ہر مسلمان کے لئے لازم اور کسی بیعت ومریدی پر موقوف نہیں اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی مطبعۃ المشھد الحسینی ص ۷۸

[2] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[3] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۱

[4] سبع سنابل

بلکہ ابتدائے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے، بالاخران کے لئے بھی یہ فلاح ثابت۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اہل محشر اور انبیاء سے مایوس پھر کر میرے حضور حاضر ہوں گے میں فرماؤں گا انا لھا میں ہوں شفاعت کے لئے۔ پھر اپنے رب سے اذن چاہوں گا وہ مجھے اذن دے گامیں سجدے میں گروں گا ارشاد ہوا۔ یا محمد ارفع راسک وقال تسمع وسل تعطہ واشفع تشفع اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ تمھاری بات سنی جائے گی اور مانگو تمھیں عطا کیا جائے گا، اور شفاعت کرو کہ تمھاری شفاعت قبول ہے۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت میری امت، فرمایا جائے گا جاؤ جس کے دل میں جَو بھر ایمان ہو اسے دوزخ سے نکال لو، انھیں نکال کر میں دوبارہ حاضر ہوں گا سجدہ کروں گا وہی ارشاد ہوگا کہ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنا جائے گا مانگو کہ دیا جائے گا، شفاعت کرو کہ قبول ہے، میں عرض کروں گا اے میرے رب! میری امت میری امت۔ ارشاد ہوگا جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو نکال لو، میں انھیں نکال کر سہ بارہ حاضر ہو کر سجدہ کروں گا فرمائے گا اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ، اور جو کہو منظور ہے جو مانگو عطا ہے شفاعت کرو مقبول ہے، میں عرض کروں گا اے میرے رب میری امت میری امت، ارشاد ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم تر ایمان ہو اسے نکال لو میں انھیں نکال کر چھوتھی بار حاضر وساجد ہوں گا ارشاد ہوگا اے محمد! پنا سر اٹھاؤ اور کہو کہ سنیں گے مانگو کہ دیں گے شفاعت کرو کہ قبول کرینگے۔ میں عرض کروں گا الٰہی! مجھے ان کے نکالنے کی اجازت دے جنھوں نے تجھے ایک جانا ہے۔ ارشاد ہوگا یہ تمھارے سبب نہیں بلکہ مجھے اپنے عزت وجلال وکبریا وعظمت کی قسم ہر مؤحد کو اس سے نکال لوں گا[1]

اقول: یہ ان کے بارے میں رد شفاعت حضور نہیں بلکہ عین قبول ہے کہ حضور کے عرض کرنے ہی پر تو جہنم سے نکالے گئے، فقط یہ فرمایا گیا ہے کہ ان کو رسالت سے توسل کا موقع نہ ملا مجرد وعقل جنتے ایمان کے لئے کافی تھی یعنی توحید اسی قدر رکھتے تھے، ثم اقول معنی حدیث کی یہ تقریر کہ ہم نے کی اس سے ظاہر ہوا کہ یہ اس حدیث صحیح کے معارض نہیں کہ فرمایا:

مازلت اتردد علی ربی فلا اقوم فیہ مقاما الا	میں اپنے رب کے حضور آتا جاتا رہوں گا جس

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب کلام الرب یوم القیمۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۱۹۔۱۱۱۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۰

شفعت حتی اعطانی اللہ من ذٰلك ان قال یا محمد ادخل من امتك من خلق اللہ من شھد ان لا الہ الا اللہ یوما واحدا مخلصا ومات علی ذٰلك رواہ احمد[1] بسند صحیح عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	شفاعت کے لئے کھڑا ہوں گا قبول ہو گی، یہاں تک کہ میرا رب فرمائے گا کہ تمام مخلوق میں جتنی تمھاری امت ہے ان میں جو توحید پر مرا ہو اسے جنت میں داخل کر دو۔(اسے احمد نے بسند صحیح حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

کہ یہاں کلام امت میں ہے تو یہاں لا الہ الا اللہ سے پورا کلمہ طیبہ مراد ہے جیسا کہ انھوں نے امام احمد صحیح ابن حبان حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

شفاعتی لمن شھد ان لا الہ الا اللہ ملخصا وان محمد رسول اللہ یصدق لسانہ قلبہ وقلبہ لسانہ[2]۔ اللھم اشھد وکفی بك شھیدا انی اشھد بقلبی ولسانی انہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حنیفا مخلصا وما انا من المشرکین والحمدللہ رب العالمین۔	میری شفاعت ہر اس شخص کے لئے ہے جواللہ کی توحید اور میری رسالت پر اخلاص سے گواہی دیتا ہو کہ زبان دل کے موافق ہو اور دل زبان کے۔ الٰہی! گواہ ہو جا اور تیری ہی گواہی کافی ہے کہ میں اپنے دل و زبان سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسکے رسول ہیں سب باطل دینوں سے کنارہ کرتا ہوا خالص اسلام والا ہو کر، اور میں مشرکوں میں سے نہیں اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔(ت)

دوم: کامل رستگاری کہ بے سبقت عذاب دخول جنت ہو اس کے دو پہلو ہیں:

اول: وقوع یہ مذہب اہلسنت میں محض مشیت الٰہی پر ہے جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہو اور چاہے تو ایک [عہ] گناہ صغیرہ پر گرفت کرلے اگرچہ لاکھوں حسنات رکھتا ہو۔

عہ: اگرچہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۷۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۰۷، موارد الظمآن باب جامع فی البعث والشفاعۃ حدیث ۲۵۹۴ المطبعۃ السلفیہ مکۃ المکرمہ ص ۶۴۵

یہ عدل ہےاور وہ فضل:

"فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ"[1]	جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب کرے۔(ت)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت سے بے گنتی اہل کبائر ایسی فلاح پائیں گے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔رواہ احمد[2]	میری شفاعت میری امت سے کبیرہ گناہوں والوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لقولہ تعالٰی "وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴿۳۱﴾ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ"[3] وقولہ تعالٰی "اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾"[4] قولہ تعالٰی "اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾"[5] ۱۲ منہ غفرلہ.

ارشاری تعالٰی ہے اور نیکی کرنے والوں کو نہایت اچھا صلہ عطا فرمائے وہ جو گناہوں اور بے حیائیوں سے بچتے ہیں مگر اتنا کہ گناہ کے پاس گئے اور رک گئے، بیشک تمھارے رب کی مغفرت وسیع ہے۔اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمھیں ممانعت ہے تو تمھارے اور گناہ ہم بخش دیں گے اور تمھیں عزت کی جگہ داخل کریں گے،اور اللہ تعالٰی کا فرمان ہے بے شک نیکیاں برائیوں کی مٹادیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ فی الشفاعۃ ۲/ ۲۹۶ و جامع الترمذی ابواب صفۃ القیمۃ ۲/ ۶۲،سنن ابن ماجہ ابو باب الزہد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۲۹،مسند احمد بن حنبل عن انس دار الکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۱۳،شعب ایمان حدیث ۳۱۰،۳۱۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۷،السنن الکبرٰی کتاب الجنایات دار صادر بیروت ۸/ ۱۷،موارد الظمان حدیث ۲۵۹۶ص ۶۴۵ و المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۵۴ /۱۱/ ۱۸۹

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۱ و ۳۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۳۱

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴

وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم والبیہقی وصححہ عن انس بن مالك والترمذی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن جابر بن عبد الله والطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس والخطیب عن کعب بن عجرۃ وعن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنھم اجمعین۔	کے لئے ہے (یہ حدیث احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی وبن حبان وحاکم وبیہقی نے انس بن مالک سے روایت کی، اور بیہقی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ترمذی وابن ماجہ وابن حبان و حاکم نے جابر بن عبدالله سے روایت کی، اور طبرانی نے معجم الکبیر میں عبدالله بن عباس سے اور خطیب نے کعب بن عجرہ سے اور عبدالله بن عمر سے، رضی الله تعالٰی عنہم اجمعین۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خیرت بین الشفاعۃ وبین ان یدخل شطر امتی الجنۃ فاخترت الشفاعۃ لانھا اعم واکفی اترونھا للمؤمنین المتقین لاولکنہا للمذنبین المتلوثین الخطائین رواہ احمد[1] بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر باسناد جید عن ابن عمر وابن ماجۃ عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنھم۔	مجھ سے میرے رب نے فرمایا تم کو اختیار ہے چاہے شفاعت لے لو چاہے یہ کہ تمھاری آدھی امت بلا عذاب داخل جنت ہو۔ میں نے شفاعت اختیار فرمائی کہ وہ زیادہ عام اور زیادہ کافی ہے کیا اسے ستھرے مومنوں کے لئے سمجھتے ہو۔ نہیں بلکہ وہ گناہگاں آلودہ بزرگاروں سخت خطاکاروں کے لئے ہے۔ (یہ حدیث احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے معجم کبیر میں بہ سند جید عبدالله بن عمر سے روایت کی، اور ابن ماجہ نے ابن موسٰی اشعری سے رضی الله تعالٰی عنہم۔ت)

بلکہ وہ بھی ہونگے جن کے گناہ نیکیوں سے بدل دئے جائیں گے۔ قال اللہ تعالٰی:

"فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝" [2]	الله ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور الله بخشنے والا مہربان ہے۔

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۹، مسند احمد بن حنبل عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

حدیث میں ہے ایک شخص روز قیامت حاضر لایا جائے گا، ارشاد ہوگا اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کرو اور بڑے بڑے ظاہر نہ کرو۔ اس سے کہا جائے گا تو نے فلاں فلاں دن یہ یہ کام کئے وہ مقر ہوگا اور اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ ارشاد ہوگا **اعطوہ مکان کل سیئۃ حسنۃ** اسے ہر گناہ کی جگہ ایک نیکی دو۔ اب کہہ اٹھے گا کہ الٰہی! میرے اور بہت سے گناہ ہیں وہ تو سننے میں آئے ہی نہیں، یہ فرما کر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتنا ہنسے کہ آس پاس کے دندان مبارک ظاہر ہوئے **رواہ الترمذی**[1] **عن ابن ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ترمذی نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت) بالجملہ وقوع کے لئے سوا اسلام اور اللہ ورسول کی رحمت کے اور کوئی شرط نہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

دوم: امید یعنی انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہوں کہ اگر انہی پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلاعذاب داخل جنت کیا جائے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے کہ

"سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ"[2]	جلدی کرو اپنے رب کی مغفرت اور اس کی جنت کی طرف جس کی چوڑان آسمان وزمین کے پھیلاؤ کی مانند ہے۔(ت)

اس لئے کہ کسب انسانی اسی سے متعلق یہ پھر دو۲ قسم:

اول: فلاح ظاہر، حاشا اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر دارو کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمال جوارح پر مقصور ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزہ کرلیا اور متقی بن گئے اگرچہ باطل ریا وعجب وحسد وکینہ وحب مدح وحب جاہ ومحبت دنیا وطلب شہرت وتعظیم امراء وتحقیر مساکین واتباع شہوات ومداہنت۱ وکفران ۲ نعم وحرص، وبخل وطول ۳ امل وسوئے ظن وعناد حق اور اصرار باطل ومکر وغدر وخیانت وغفلت وقسوت ۴ وطمع وتملق ۵ واعتماد خلق ونسیان خالق۶ ونسیان موت وجرات علی اللہ ونفاق واتباع شیطان وبندگی نفس ورغبت بطالت ۷ وکراہت عمل و۸ قلّت خشیت وجزع ۹ وعدم ۱۰ خشوع وغضب ۱۱ للنفس وتساہل ۱۲ فی اللہ وغیرہا مہلکات ۱۳ آفات سے گندہ ہو رہا ہو جے سے مزبلہ پر زربفت

۱ دین میں سستی ۲ نعمتوں کی ناشکری ۳ لمبی آرزو ۴ دل کی سختی ۵ چاپلوسی ۶ خدا کو بھول جانا ۷ باطل کی رغبت ۸ ڈر کی کمی ۹ بے صبری ۱۰ خشوع کا نہ ہونا ۱۱ نفس کے لئے ناراض ہونا ۱۲ اللہ کے بارے میں سستی کرنا۔ ۱۳ ہلاک کرنے والی آفتیں (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب صفۃ جہنم باب ماجاء ان للنار نفیس الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۳

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۱

کا خیمہ اوپر زینت اور اندر نجاست پھر کیا یہ باطنی خباثتیں ظاہری صلاح پر قائم رہنے دیں گی،
حاشا معاملہ پڑنے دیجئے کون کسی ناگفتنی ہے کہ نہ کہیں گے کون سی ناکردنی ہے کہ اٹھار کھیں گے اور پھر بدستور صالح عوام کی کیا گنتی آج کل بہت علمائے ظاہر اگر متقی ہیں بھی تو اسی قسم کے **الا من شاء اللہ وقلیل ماھم** (اگر جو اللہ تعالٰی چاہے اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ت) میں اسے زیادہ مشرح کرتا مگر کیا فائدہ کہ حق تلخ ہوتا ہے اسسے نفع پانا اور اپنی اصلاح کی طرف آنا درکنار بتانے والے کے الٹے دشمن ہو جاتے ہیں مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ ہزار اوف اس نام علم پر کہ آجکل بہت بے دین مرتدین اللہ ورسول کی جناب میں کیسی کیسی سخت گالیاں بکتے لکھتے اور چھاپتے ہیں ان سے کان پر جوں نہ رینگے، کہیں بے پروائی کہیں آرام خواہی، کہیں نیچری تہذیب کہیں طمع کی تخریب، کہیں ملاقات کا پاس کہیں اس کا ہراس (ڈر) کہ ان مرتدوں کا رد کریں، مسلمانوں کو ان کا کفر بتائیں تو یہ سر ہو جائیں گے اخباروں اشتہاروں میں ہماری مذمتیں گائیں گے، ہزاروں جھوٹے بہتان لگائیں گے کون اپنی عافیت تنگ کرے، ان ناپاک وجوہ کے باعث وہاں خموشی اور خود ان سے اعمال میں خطا بلکہ عقائد میں غلطی ہوا سے کوئی بتائے تو نہ اب وہ تہذیب نہ آرام طلبی، نہ بے پروائی، نہ سلامت روی، بلکہ جامے سے باہر ہو کر جس طرح بنے اس کی عداوت میں گرمجوشی حق کا جواب نہ بن آئے تو عناد و مکابرہ سے کام لینا حتی کہ کتابوں کی عبارتیں گھڑلیں، جھوٹے حوالے دل سے تراش لیں کہ کہیں اپنی ہی بات بالا رہے۔ عوام کے سامنے شیخی کرکری نہ ہو یا وہ جو وعظ وغیرہ کے ذریعے سے مل رہتا ہے اس میں کھنڈت نہ پڑے۔ کیا اس کا نام تقوی ہے حاش للہ بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدگویوں کے مقابل وہ خواب خرگوش اور اپنے نفس کی بے جا حمایت میں یہ جوش وخروش، تو یہ کہتا ہے کہ اللہ اور رسول کی عظمت سے اپنے نفس کی عظمت دل میں سوا ہے۔ اب اسے کیا کہیئے سوا اس کی طرف

انا للہ وانا الیہ راجعون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم	بیشک ہم اللہ ہی کے لئے میں اور ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہمیں اور نہیں طاقت اور نہ قوت مگر ساتھ اللہ بلند تر عظمت والے کے۔ (ت)

بالجملہ اس صورت کہ فلاح سے علاقہ نہیں صاف ہلاک ہے بلکہ فلاح ظاہر یہ کہ دل وبدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ میں سب بجالائے، نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے، نہ کسی صغیرہ پر مصر رہے نفس کے خصائل ذمیمہ اگر دفع نہ ہو تو معطل رہیں، ان پر کار بند نہ ہو، مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کرکے ہاتھ کشادہ رکھے، حسد سے تو محسود کی برائی نا چاہئے۔ **علی ھذا القیاس** کہ یہ جہاد اکبر ہے اور اس کے بعد مواخذہ نہیں بلکہ اجر عظیم ہے۔ حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلاث لم تسلم منها هذا ا لامة الحسد و الظن و الطیرة الاانبئکم بالمخرج منها اذا ظننت فلا تحقق واذا حسدت فلاتبغ واذا تطیرت فامض، رواہ رستہ فی کتاب[1] الایمان عن الامام الحسن البصری مرسلا ووصله ابن عدی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ اذاحسدتم فلاتبغوا واذا ظننتم فلا تحققوا واذا تطیرتم فامضوا وعلی الله فتوکلوا[2]۔	تین خصلتیں اس امت سے نہ چھوٹیں گی، حسد، بدگمانی اور بدشگونی، کیامیں تمھیں ان کا علاج نہ بتادوں، بدگمانی آئے تو اس پر کاربند نہ ہو اور حسد آئے تو محسود پر زیادتی نہ کراور بدشگونی کے باعث کے سے کام رک نہ رہو(اس حدیث کو رستہ نے کتاب الایمان میں امام حسن بصری سے بے ذکر صحابہ سے روایت اور ابن عدی نے متصل ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب تمھارے دل میں حسد آئے توزیادتی نہ کرو اور بدگمانی آئے تو اسے جما نہ دواور بدشگونی آئے تو رکو نہیں اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔ت)

یہ فلاح قوی ہے اس سے آدمی سچا متقی ہو جاتا ہے۔ ہم نے اسے فلاح ظاہر بایں معنیں کہا کہ اس میں جو کچھ کرنا نہ کرنا ہے اس کے احکام ظاہر وواضح ہوچکے ہیں "قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ"[3]۔ (بیشک ہدایت ظاہر ہوگئی گمراہی سے۔ت)

دوم: فلاح باطنی کہ قلب وقالب رذائل سے متخلی اور فضائل سے متجلی کرکے بقایائے شرک خفی دل سے دور کئے جائیں یہاں تک کہ **لا مقصود الا الله** (کوئی مقصود نہیں سوائے اللہ کے۔ت) پھر **لامشهود الا الله** (کوئی نظر میں نہیں سوائے اللہ کے) پھر **لاموجود الا الله** (کوئی وجود ذاتی نہیں رکھتا سوائے اللہ کے) متجلی ہو یعنی اولا ارادہ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدم ہو پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اسی کے لئے ہے باقی سب ظلال وپرتو، یہ منتہائے فلاح وفلاح احسان ہے۔ فلاح تقوٰی میں توعذاب سے دور اور جنت کا چین تھا کہ:

"فَمَنۡ زُحۡزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدۡخِلَ الۡجَنَّةَ	جو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کیاگیاوہ ضرور

[1] کنز العمال بحوالہ ستہ فی کتاب الایمان حدیث ۴۳۷۸۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۲۷و۲۸

[2] کنز العمال بحوالہ عد عن ابی ہریرہ حدیث ۷۴۴۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۴۶۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۶

فَقَدۡ فَازَ ؕ"[1]	فلاح کو پہنچا۔

اور فلاح احسان سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔

"اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾ "[2]	خبردار! اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(ت)

بہرحال اس فلاح کے لئے ضرور پیر و مرشد کی حاجت ہے چاہے قسم اول کی ہو یا دوم کی۔

اقول: اب مرشد بھی دو۲ قسم ہے:

اول: عام کہ کلام اللہ وکلام الرسول ائمہ شریعت وطریقت وکلام علمائے دین اہل رشد وہدایت ہے اسی سلسلہ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلام علماء، علماء کا رہنما کلام ائمہ ائمہ کا مرشد کلام رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فلاح ظاہر ہو یا فلاح باطن اسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے ہے بلاشبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

دوم: خاص کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ صحیح الاعمال جامع شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے، یہ مرشد خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں۔ پھر دو قسم ہے:

اول شیخ اتصال (بنائے فوقانی) یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو جائے اس کے لئے چارہ نہیں شرطیں ہیں:

(ا) شیخ کا سلسلہ باتصال صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع کے ذریعہ سے اتصال ناممکن۔ بعض لوگ بلا بیعت محض بزعم وراثت اپنے باپ دادا کے سجادے پر بیٹھ جاتے ہیں یا بیعت تو کی تھی مگر خلاف نہ ملی تھی بلااذن مرید کرنا شروع کردیتے ہیں یا سلسلہ ہی وہ ہو کہ قطع کردیا گیا اس میں فیض نہ رکھا گیا لوگ براہ ہوس اس میں اذن وخلافت دیتے چلے آتے ہیں۔ یا سلسلہ فی نفسہٖ اچھا تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہ انتفائے بعض شرائط قابل بیعت نہ تھا اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے ان صورتوں میں اس بیعت

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۵

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۲

سے ہر گز اتصال حاصل نہ ہوگا، بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جدا ہے۔

(۲) شیخ سنی العقیدہ ہو بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک آج کل بہت کھلے ہوئے بددینوں بلکہ بے دینو حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر ودشمن اولیاء ہیں مکاری کے لئے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار خبردار احتیاط احتیاط ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　　پس بہر دستے نباید داد دست

(بہت سے ابلیس انسانی شکلوں میں ہیں پس ہر ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

(۳) عالم ہو اقول علم فقہ اسی کی اپنی ضرورت کے قابل کافی اور لازم کہ عقائد اہلسنت سے پورا واقف کفر واسلام وضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہو جائے گا ع

فمن لم یعرف الشر فیوما یقع فیه

(جو شر سے آگاہ نہیں ایک دن اس میں پڑ جائیگا۔ت)

صدہا کلمات وحرکات ہیں جن سے کفر ولازم آتا ہے اور جاہل براہ جہالت ان میں پڑ جاتے ہیں، اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ ان کے قول یا فعل سے کفر سرزد ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے تو یہ بھی کرلے مگر وہ جو سجادہ مشیخت پر ہادی ومرشد بنے بیٹھے ہیں ان کی عظمت کہ خود ان کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے۔

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ"[1]	جب اس سے کہا جائے اللہ تعالٰی سے ڈر تو اسے اور ضد چڑھتی ہے گناہ کی۔ (ت)

اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا، اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے۔ قول وفعل کفر سے جو بیعت فسخ ہو گئی اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اس جدید شیخ کے نام سے دین اگرچہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو یہ ان کا نفس کیونکر گوارا کرے، نہ اسی پر راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں مرید کرنا چھوڑیں لاجرم وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا جاری رکھیں گے لہٰذا علم عقائد ہونا لازم ہے۔

(۴) فاسق معلن نہ ہو، اقول اس شرط پر حصول اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعث فسخ نہیں مگر

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب ہے۔ دونوں کا اجتماع باطل، تبیین الحقائق امام زیلعی وغیرہ میں دربارہ فاسق ہے:

فی تقدیمۃ للامامۃ تعظیمۃ قد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[1]۔	امامت کے لئے اسے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور شرع میں تواس کی توہین واجب ہے۔(ت)

دوم: شیخ ایصال کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ مفاسد نفس انفس کے فسادات ومکائد شیطان (شیطان کی مکاریاں) ومصائر ہوا (خواہشات کا شکار) سے آگاہ ہو، دوسرے کی تربیت جانتا اور اپنے متوسل پر شفقت تامہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اسے مطلع کرے ان کا علاج بتائے جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب، عوارف شریف میں فرمایا: یہ دونوں قابل پیری نہیں۔

اقول: اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریق تربیت سے غافل، بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب، اور اول اولٰی ہے۔

اقول: اس لئے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید، پھر بیعت بھی دو۲ قسم ہے:

اوّل: بیعت برکت کہ صرف تبرک کے لئے داخل سلسلہ ہوجانا آج کل عام بیعتیں یہی ہیں، وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اغراض فاسدہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ خارج از بحث ہے۔ اس بیعت کے لئے شیخ اتصال کہ شرائط اربع کا جامع ہو بس ہے۔

اقول: بیکار یہ بھی نہیں، مفید اور بہت مفید، اور دنیا واخرت میں بکارآمد ہے۔ محبوبان خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھا جانا ان سے سلسلہ متصل ہوجانا فی نفسہٖ سعادت ہے۔

اوّلاً: ان کے خاص غلاموں سالکان راہ سے اس امر میں مشابہت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم[2]۔	جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرلے وہ انہی میں سے ہے۔

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الامامۃ الخ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲

سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ عوارف المعارف شریف میں فرماتے ہیں:

واعلم ان الخرقة خرقتان خرقة الارادة وخرقة التبرك والاصل الذی قصده المشایخ للمریدین خرقة الارادة وخرقة التبرك تشبه بخرقة الارادة فخرقة الارادة للمرید الحقیقی وخرقة التبرك للمتشبه ومن تشبه بقوم فهو منهم[1]۔	واضح ہو کہ خرقے دو ہیں: خرقہ ارادات وخرقہ تبرک، مشائخ کا مریدوں سے اصل مطالعہ خرقہ ارادت ہے اور خرقہ تبرک کو اس سے مشابہت ہے تو حقیقی مرید کے لئے خرقہ ارادت ہے اور مشابہت چاہنے والوں کے لئے خرقہ تبرک اور جو کسی قوم سے مشابہت چاہے وہ انہی میں ہے۔(ت)

ثانیًا: ان غلامان خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہونا ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

(بلبل کو یہی کہ پھول کی صحبت ہو کافی ہے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هم القوم لایشقی بهم جلیسهم[2]۔	وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

ثالثًا: محبوبان خدا آیہ رحمت ہیں، وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کرلیتے ہیں اور اس پر نظر رحمت رکھتے ہیں امام یکتا سیدی ابوالحسن نورالملۃ والدین علی قدس سرہ، بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں: حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کہ اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ آپ کے مریدوں میں شمار ہوگا فرمایا:

من انتمی الی وتسمّٰی لی قبله الله تعالٰی و تاب علیه ان کان علی سبیل مکروه وهو من جملة اصحابی وان ربی عزوجل وعدنی ان یدخل اصحابی واهل مذهبی وکل محب	جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے غلاموں کے دفتر میں شامل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اسے توبہ دے گا اور وہ میرے مریدوں کے زمرے

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ص۷۹

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات ۲/ ۱۹۹ و مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۵۳ و ۳۵۹ و ۳۸۳

لی الجنۃ[1]۔	میں ہے اور میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے مریدوں اور ہم مذہبوں اور میرے ہر چاہنے والے کو جنت میں داخل فرمائے گا (والحمدللہ رب العالمین)

دوم: بیعت ارادت کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخ مرشد ہادی برحق واصل حق کے ہاتھ میں بالکل سپرد کردے اسے مطلقًا اپنا حاکم ومالک ومتصرف جانے، اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے کوئی قدم بے اس کی مرضی کے نہ رکھے اس کے لئے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اس کے کچھ کام اگر اس کے صحیح نہ معلوم ہوں انھیں افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مثل سمجھے اپنے عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے اپنی ہر مشکل اس پر پیش کرے غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔ یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصود ومشائخ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے یہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لی ہے جسے سیدنا عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ:

بایعنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی السمع والطاعۃ فی العسر والیسر والمنشط والمکرہ وان لاننازع الامر اھلہ[2]۔	ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چون چرانہ کریں گے،

شیخ ہادی کا حکم رسول کا حکم ہے اور رسول کا حکم اللہ کا حکم اور اللہ کے حکم میں مجال دم زدن نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ	کسی مسلمان مرد وعورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کسی معاملہ میں کچھ فرمادیں تو پھر انھیں کام کا کوئی اختیار رہے اور جو اللہ ورسول کی نافرمانی

[1] بھجۃ الاسرار ذکر فصل اصحابہ وبشراھم مصطفی البابی مصر ص۱۰

[2] صحیح بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سترون بعدی امورا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ لہ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۴

ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا ﴿۳۶﴾ "[1]	کرے وہ کھلا گمراہ ہوا۔

عوارف شریف میں ارشاد فرمایا:

دخوله فی حکم الشیخ دخوله فی حکم الله ورسوله واحیاء سنة المبایعة[2]۔	شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ ورسول کے زیر حکم ہونا ہے اور اس بیعت کی سنت کازندہ کرنا۔

نیز فرمایا:

ولایکون هذا الالمرید حصر نفسه مع الشیخ وانسلخ من ارادة نفسه وفنی فی الشیخ بترك اختیار نفسه[3]۔	یہ نہیں ہوتا مگراس مرید کے لئے جس نے اپنی جان کو شیخ کی قید کردیا اور پانے ارادے سے بالکل باہر آیا اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہوگیا۔

پھر فرمایا:

ویحذر الاعتراض علی الشیوخ فانه السم القاتل للمریدین، وقل ان یکون مرید یعترض علی الشیخ بباطنه فیفلح، ویذکر المرید فی کل ما اشکل علیه من تصاریف الشیخ قصة الخضر علیه السلام کیف کان یصدر من الخضر تصاریف ینکرها موسٰی، ثم لما کشف له عن معناها بان بزلموسی وجه الصواب فی ذٰلك فهکذا ینبغی للمرید ان یعلم ان کل تصرف اشکل علیه صحته من الشیخ عند الشیخ فیه	پیروں پر اعتراض سے بچے کہ یہ مریدوں کے لئے زہر قاتل ہے۔ کم کوئی مرید ہوگا جو اپنے دل میں شیخ پر کوئی اعتراض کرے پھر فلاح پائے، شیخ کے تصرفات سے جو کچھ اسے صحیح نہ معلوم ہوتے ہوں ان میں خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام کے واقعات یاد کرلے کیونکہ ان سے وہ باتیں صادر ہوتی تھیں بظاہر جن پر سخت اعتراض تھا (جیسے مسکینوں کی کشتی میں سوراخ کردینا، بے گناہ بچے کو قتل کردینا) پھر جب وہ اس کی وجہ بتاتے تھے ظاہر ہوجاتا تھا کہ حق یہی ہے تھا جو انھوں نے کہا، یوں ہی مرید کو یقین رکھنا چاہیئے کہ شیخ کا جو فعل

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرة مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۸

[3] عوارف المعارف الباب الثانی عشرة مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۸

بیان وبرھان للصحة[1]۔	مجھے صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ شیخ کے پاس اس کی صحت پر دلیل قطعی ہے۔

اما ابوالقاسم قشیری رسالہ میں فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابو عبدالرحمٰن سلمی کو فرماتے سنا کہ ان سے ان کے شیخ حضرت ابو سہل صعلوکی نے فرمایا:

من قال الاستاذہ لم ،لایفلح ابدا[2]۔	جو اپنے پیر سے کسی بات میں کیوں کہے گا کبھی فلاح نہ پائے گا۔

نسأل الله العفو والعافية (اللہ تعالٰی سے ہم معافی اور عافیت ک دعا کرتے ہیں۔ت)

جب یہ اقسام معلوم ہولئے تو اب حکم مسئلہ کی طرف چلئے، مطلق فلاح کے لئے مرشد عام کی قطعاً ضرورت ہے۔ فلاح تقوٰی ہو یا فلاح احسان مرشد سے جدا ہو کر ہر گز نہیں مل سکتی اگرچہ مرشد خاص رکھتا بلکہ خود مرشد خاص بنتا ہو، **اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) پھر اس سے جدائی دو طرح ہے:

اوّل: صرف عمل میں جیسے کسی کبیرے کا مرتکب یا صغیرے پر مصر، اور اس سے بدتر ہے وہ جاہل کہ علماء کی طرح رجوع ہی نہ لائے اور اس سے بدتر کہ باوصف جہل ذی رائے بنے، احکام علماء میں اپنی رائے کو دخل دے یا حکم کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑے اور اسے حدیث وفقہ سے بتادیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے جب بھی اس کو حق کہے، بہر حال یہ لوگ فلاح پر نہیں۔ اور بعض بعض سے زائد ہلاکت میں ہیں مگر صرف ترک عمل کے سبب نہ بے پیرا ہو نہ اس کا پیر شیطان جبکہ اولیاء وعلمائے دین کا سچے دل سے معتقد ہو اگرچہ شامت نفس نافرمانی پر لائے کہ بیعت جس طرح باعتبار پیر خاص دو[۲]قسم تھی یوں ہی باعتبار مرشد عام بھی، اگر اس کے حکم پر چلتا ہے، بیعت ارادت رکھتا ہے ورنہ بیعت برکت سے خالی نہیں کہ ایمان واعتقادت تو ہے تو گنہ گار سنی اگر کسی پیر جامع شرائط اربعہ کا مرید ہے فبہا اور نہ بوجہ حسن اعتقاد مرشد عام کے متتسبوں میں ہے اگرچہ نا فرمانی کے باعث فلاح پر نہیں دوم منکر ہو کہ جدائی مثلاً (ا) وہ ابلیس مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں انہی میں وہ جھوٹے مدعیان فقر جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرہ مطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ص۷۹

[2] رسالة القشیریة باب حفظ قلوب المشائخ وترک الخلاف علیھم مصطفی البابی مصر ص۱۵۰

یہاں تک کہ بعض خبیثوں صاحب سجادہ بلکہ قطب وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے۔ سب پنڈت ہیں، عالم تو وہ جو انبیائے نبی اسرائیل کے سے معجزے دکھائے (۲) وہ دہرئے ملحد فقیر وولی بننے والے کو کہتے ہیں شریعت راستہ ہے ہم تو پہنچ گئے، ہمیں راستے سے کیاکام، ان خبیثوں کا رد ہمارے رسالے "مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء" میں ہے،

اماابوالقاسم قشیری قدس سرہ، رسالہ مبارک میں فرماتے ہیں:

ابوعلی الروذباری بغدادی اقام بمصر ومات بھا سنۃ اثنتین وعشرین و ثلثمائۃ صحب الجنید والنوری اظرف المشائخ واعلمھم بالطریقۃ سئل عمن یسمع الملاھی ویقول ھی لی حلال لانی وصلت الی درجۃ لا توثر فی اختلاف الاحوال فقال نعم قد وصل ولکن الی سقر۔[1]	یعنی سیدی ابوعلی روذباری رضی اللہ تعالٰی عنہ بغدادی ہیں۔ مصر میں اقامت فرمائی اور اسی میں ۳۲۲ھ میں وفات پائی، سیر الطائفۃ جنید و حضرت ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اصحاب سے ہیں، مشائخ میں ان سے زیادہ علم طریقت کسی کو نہ تھا۔ اس جناب میں سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا اور کہتاہے یہ میرے لئے حلال ہیں اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا کہ احوال کا اختلاف مجھ پر کیوں اثر نہیں ڈالتا، فرمایا ہاں پہنچا تو ضرور مگر کہاں تک جہنم تک،

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ، کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں: حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کچھ لوگ کہتے ہیں ان التکالیف کانت وسیلۃ الی الوصول وقد وصلنا شریعت کے احکام تو وصول کے وسیلہ تھے اور ہم دارصل ہوگئے، فرمایا صدقوا فی الوصول ولکن الی سقر والذی یسرق ویزنی خیر ممن یعتقد ذٰلك[2] وہ سچ کہتے ہیں، واصل تو ضرور ہوئے مگر جہنم تک، چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہے۔

(۳) وہ جاہل اجہل یا ضال اضل کہ بے پڑھے کتابیں پڑھ کر بزعم خود عالم بن کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے جیسا کہ قرآن وحدیث ابوحنیفہ وشافعی سمجھتے تھے ان کے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ ان سے بھی

---

[1] الرسالۃ القشیریۃ منھم ابوعلی احمد بن محمد الروذھاری مصطفی البابی مصر ص۲۶

[2] الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر المبحث السادس والعشرون داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۳و۲۷۲

بہتر کہ انھوں نے قرآن وحدیث کے خلاف حکم دئے، یہ ان کی غلطیاں نکال رہے ہیں، یہ گمراہی بددین غیر مقلد ہے۔

(۴) اس سے بدتر وہابیت کی اصل علت کہ تقویۃ الایمان پر سر منڈا بیٹھے، اس کے مقابل قرآن وحدیث پس پشت پھینک دئے اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اس ناپاک کتاب کے طور **معاذاللہ** مشرک ٹھہریں اور یہ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر اسی کے مسائل پر ایمان لائیں۔

(۵) ان سے بدتر ان میں دیوبندی کہ انھوں نے گنگوہی ونانوتوی وتھانوی اپنے احبار ورہبان کفر کو اسلام بنانے کے لئے اللہ ورسول کو سخت سخت گالیاں قبول کیں۔

(۶) قادیانی **(۷)** نیچیری **(۸)** چکڑالوی **(۹)** روافض **(۱۰)** خوارج **(۱۱)** نواصب **(۱۲)** معتزلہ وغیرہم۔

بالجملہ جملہ مرتدین یا ضالین معاندین دین کہ سب مرشد عام کے مخالف ومنکر ہیں، یہ اشد ہالک ہیں اور ان سب کا پیر شیطان اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں بلکہ خود پیر وولی وقطب بنیں۔ **قال اللہ تعالٰی**:

" اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ "[1]	شیطان نے انھیں اپنے گھیرے میں لے کر اللہ تعالٰی کی یاد بھلادی وہی شیطان کے گروہ ہیں سنتا ہے شیطان ہی کے گروہ زیاں کار ہیں۔

فلاحِ تقوٰی

اقول: (میں کہتا ہوں) اس کے لئے مرشد خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے یہ جیسا کہ اوپر گزرا، فلاں ظاہر ہے اس کے کلام واضح ہیں، آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے اعمال قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود اور کتب ائمہ مثل امام ابوطالب مکی وامام حجۃ الاسلام الی وغیرہما میں مشروح تو بے بیعت بھی اس کی راہ کشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح، یہ جب کہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیر متقی سنی بھی بے پیرا نہیں،

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۹

متقی کیونکر بے پیرا، یا معاذاللہ مرید شیطان ہوسکتاہے اگرچہ کسی کاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہوکہ یہ جس راہ میں ہے اس میں مرشد عام کے سوا مرشد خاص کی ضرورت ہی نہیں، تو جتنا پیرا سے درکار ہے حاصل ہے۔ تو اولیاء کا قول دوم کہ جس کے لئے شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے اس سے متعلق نہیں ہوسکتا اور قول اول کہ بے پیر افلاح نہیں پاتا۔ یہ تو بداہۃ اس پر صادق نہیں فلاح تقوٰی بلاشبہہ فلاح ہے اگرچہ فلاح احسان اس سے اعظم واجل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُكَفِّرۡ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَنُدۡخِلۡكُمۡ مُّدۡخَلًا كَرِيۡمًا ﴿۳۱﴾"[1]	اگر تم گناہوں سے بچے تو ہم تمھاری برائیاں مٹادیں گے اور تمھیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے۔

یہ بلاشبہہ نفوز عظیم ہے مولٰی تعالٰی نے اہل تقوٰی واہل احسان دونوں کے لئے اپنی معیت ارشاد فرمائی:

"اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾"[2]	بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے اور ان کے جو اہل احسان ہیں۔

یہ کیسا افضل عظیم ہے اور فلاح کے لئے کیا چاہئے اقول بات یہ ہے کہ تقوٰی عموماہر مسلمان پر فرض عین ہے اور اس فلاح اعلی یعنی عذاب سے رستگاری کے لئے بفضل الٰہی حسب وعدہ صادقہ کافی ووافی، احسان یعنی سلوک راہ ولایت اعلٰی درجے کا مطلب و محبوب ہے مگر اس کی طرح فرض نہیں ورنہ اولیاء کے سواکہ ہر دور میں صرف ایک لاکھ بیس ہزار ہوتے ہیں باقی کروڑہا کروڑ مسلمان ہزارہا علماء وصلحاء سب معاذاللہ تارک فرض وفساق ہوں اولیاء نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعورت نہ دی کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا واپس فرمایا فرض دے واپس کرنا کیونکر ممکن تھا:

"لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ؕ"[3] "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰهَا ؕ"[4]	اللہ کسی جان کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت بھر اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اتنے کی جو اسے دیا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[4] القرآن الکریم ۶۵/ ۷

عوارف شریف میں ہے:

اماخرقة التبرك فيطلبها من مقصوده التبرك بزی القوم ومثل هذا لایطالب بشرائط الصحة بل یوصی بلزوم حدود الشرع و مخالطة هذا الطائفة لتعود علیه برکتهم ویتادب بادابهم فسوف یرقیه ذٰلك الی الاهلیة الخرقة الارادة فعلی هذه خرقة التبرك مبذولة لکل طالب وخرقة الارادة ممنوعة الامن الصادق الراغب[1]۔	جو شخص خرقہ تبرک کاخواہاں ہے تواس کا مقصود صرف یہ ہے کہ وہ صوفیائے کے اس لباس سے برکت حاصل کرے اس کے لئے وہ تمام شرائط ملحوظ نہیں رکھے جاتے جو خرقہ وارادت کے لئے ضروری ہیں بلکہ صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیاء کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اسے خرقہ ارادت کااہل کردے یہی وجہ ہے کہ خرقہ تبرک تو ہر طالب حقیقت کو دیا جاسکتا ہے مگر خرقہ ارادت صرف طلب صادق کے لئے مخصوص ہے۔(ت)

توظاہر ہوا کہ اس کاترک نافی فلاح نہیں۔نہ کہ معاذاللہ مرید شیطان کردے۔

اکابر علماء وائمہ میں ہزار ہا وہ گزرے ہیں جن سے یہ بیعت خاصہ ثابت نہیں یاکی توآخر عمر میں بعد حصول مرتبہ امامت اور وہ بھی بیعت برکت جیسے امام ابن حجر عسقلانی نے سیدی مدین قدس سرہ،کے دست مبارک پر،اقول ہاں جواس کاترک بوجہ انکار کرے اسے باطل ولغو جانے وہ ضرور گمراہ اور بے فلاں و مرید شیطان ہے جب کہ اس انکار مطلق ہو،اور اگر اپنے عصر و مصر میں کسی کو بیعت کے لئے کافی نہ جانے تواس کاحکم اختلاف منشا سے مختلف ہوگا،اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو "اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ "[2] کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں،اور اگر بلاوجہ شرعی اپنی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تو یہ بھی میری کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ مفلح نہیں۔اور اگر ان میں وہ باتیں ہیں کہ اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بنظر احتیاط بچتا ہے تو الزام نہیں۔

ان من الحرم سوء الظن دع مایریك الی مالایریبک۔	بیشک احتیاط میں داخل ہے،برا پہلو بچنے کے لئے سوچ لینا جس بات میں تجھے دغدغہ ہو اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر جو بے دغدغہ ہو۔

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۸۰

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

فلاح انسان

فلاح انسان کے لئے بے شک مرشد خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخ ایصال کی شیخ اتصال اس کے لئے کافی نہیں اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعت ارادت ہو، بیعت برکت یہاں بس نہیں اس راہ میں وہ شدید باریکیاں اور سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب وفراز سے آگاہ وماہر حل نہ کرے حل نہ ہوں گے نہ کتب سلوک کا مطالعہ کام دے گا کہ یہ دقائق تقوی کی طرح محدود نہیں جن کا ضبط کتاب کرسکے الطرق الی اللہ بعدد انفاس الخلائق اللہ تک راستے اتنے ہیں جتنی تمام مخلوقات کی سانسیں، حضور سیدنا غوث رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ان اللہ لایتجلی لعبد فی صفتین ولا فی صفۃ لعبدین[1] الخ۔ رواہ فی البھجۃ الشریفۃ وفیہ ثنیا یطول شرحھا۔	اللہ تعالیٰ عزوجل نہ ایک بندے پر دو صفتوں میں تجلی فرمائے نہ ایک صفت سے دو بندوں پر (یہ ارشاد مبارک بہجۃ الاسرار شریف میں روایت کیا اور اس میں ایک استثناء ہے جس کی شرح طویل ہے۔ت)

اور ہر راہ کی دشواریاں، باریکیاں، گھاٹیاں جدا ہیں جن کو نہ یہ خود سمجھ سکے گا نہ کتاب بتائے گی اور وہ پرانا دشمن مکار پرفن ابلیس لعین ہر وقت ساتھ ہے۔ اگر بتانے والا آنکھیں کھولنے والا ہاتھ پکڑنے والا امداد فرمانے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے کس گھاٹی میں ہلاک کرے، ممکن ہے کہ سلوک درکنار معاذاللہ ایمان تک ہاتھ سے جائے جیسا کہ اس کا کہنا بارہا واقع ہوچکا ہے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابلیس کے مکر کو رد فرمانا اور اس کا کہنا اے عبدالقادر! تمھیں تمھارے علم نے بچالیا ورنہ اسی دھوکے سے میں نے ستر اہل طریق ہلاک کئے ہیں، معروف ومشہور اور کتب ائمہ مثل بہجۃ الاسرار شریف وغیرہا میں مروی (یعنی یہ روایت لکھی ہوئی ہے) ومسطور۔

اقول: حاشا یہ مرشد عام کا عجز نہیں بلکہ اس کے سمجھنے سے سالک کا عجز ہے مرشد عام میں سب کچھ ہے "**مَافَرَّطْنَافِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ**"[2] ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی مگر احکام

---

[1] بہجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشیئ من عجائب احوالہ مصطفی البابی مصر ص ۸۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۳۸

ظاہر عام لوگ نہیں سمجھ سکتے جس کے سبب عوام کو علماء علماء کو ائمہ، ائمہ کو رسول کی طرف رجوع فرض ہوئی کہ:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ "[1]	ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

یہی حکم یہاں بھی ہے اور یہاں اہل اللہ کروہ مرشد خاص باوصاف مذکورہ ہے تو جو اس راہ میں قدم رکھے اور (۱) کسی کو پیر نہ بنائے (۲) کسی مبتدع (۳) کسی جاہل کا مرید ہو جو پیر اتصال بھی نہیں (۴) ایسے پیر کا مرید ہو جو صرف پیر اتصال ہے قابل ایصال نہیں اور اس کے بھروسے پر یہ راہ طے کرنا چاہے (۵) شیخ ایصال ہی کا مرید ہو مگر خود رائی برتے اس کے احکام پر نہ چلے تو یہ شخص اس فلاح کو نہ پہنچے گا، اور اس راہ میں ضرور اس کا پیر شیطان ہوگا جس سے تعجب نہیں کہ اسے فلاح بلکہ نفس ایمان سے دور کردے **والعیاذ باللہ رب العالمین اقول:** بلکہ اس کا نہ ہونا ہی تعجب ہے یہ نہ سمجھو کہ غلطی پڑے گی تو اسی قدر کہ اس راہ میں بہکے گا یہ فرض نہ تھی کہ اس کے نہ پانے سے اصلی فلاح نہ رہے۔ نہیں نہیں عدو لعین تو دشمن ایمان ہے وقت و موقع کا منتظر ہے وہ کرشمے دکھاتا ہے جن سے عقائد ایمانی پر حرف آتا ہے۔ آدمی ایک بات سنے ہوئے ہے اور اب آنکھوں سے اس کے خلاف دیکھے تو کس قدر مشکل ہے کہ اپنے مشاہدے کو غلط جانے اور اسی اعتقاد پر جمارہے حالانکہ **لیس الخبر کالمعاینۃ** شنیدہ کے بعد مانند دیدہ (سنی ہوئی بات دیکھنے کے مانند کب ہو سکتی ہے۔ ت) پیر کامل کو چاہئے کہ ان شبہات کا کشف کرے۔ رسالہ مبارک اما قشیری میں ہے:

اعلم ان فی ھذہ الحالۃ قلما یخلوالمرید فی اوان خلوتہ فی ابتداء ارادتہ من الوساوس فی الاعتقاد[2] الی اٰخر ما افاد واجاد علینا بہ وعلیہ رحمۃ الملك الجواد۔	واضح ہو کہ اس حالت میں ابتدائے ارادت کے زمانہ خلوت میں کم کوئی مرید ہوگا جسے عقائد میں وسوسہ نہ آتے ہو آخر مفید او جید بیان تک، اور ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو۔ (ت)

ثم اقول: غالب یہی ہے کہ بے پیر اس راہ کا چلنے والا ان آفتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے اور گرگ شیطان اسے بے راعی کی بھیڑ پاکر نوالہ کرلیتا ہے اگرچہ ممکن کہ لاکھوں میں ایک ایسا ہو جسے

[1] القرآن الکریم ۱۶ / ۴۳ و ۲۱

[2] الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین مصطفی البابی مصر ص ۱۸۲

جذب ربانی ہی کفایت و کفالت کرے اور بے توسط پیر اسے مکائد نفس و شیطان سے بچا کر نکال لے جائے اس کے لئے مرشد عام مرشد خاص کا کام دے گا۔ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے مرشد خاص ہوں گے کہ بے توسط نبی کوئی وصول ممکن نہیں مگرت یہ ہے تو نہایت نادر ہے اور نادر کے لئے حکم نہیں ہوتا **ثم اقول:** بے مرشد خاص اراہ میں قدم رکھنے والوں میں بڑا خوش نصیب وہ ہے کہ ریاضتیں چلے مجاہدے کرے اور اس پر اصلاح فتح یاب نہ ہو راہ ہی نہ کھلے جس کی شواریاں پیش آئیں یہ آپنی فلاح تقوے پر قائم رہے گا دو ۲ شرط سے: ایک یہ کہ اس کا مجاہدہ اسے عجب نہ دلائے اپنے آپ کو اوروں سے اچھا نہ سمجھنے لگے، ورنہ فلاح تقوی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ دوسرے یہ کہ عظیم محنتوں کے بعد محرومی کی تنگ دلی کسی عظیم امر میں نہ ڈال دے کہ کوئی کلمہ سخت کہہ بیٹھے یا دل سے منکر ہو جائے کہ اس وقت فلاں تو در کنار اس کا پیر شیطان ہو جائے گا اور اگر اپنی تقصیر سمجھا اور تذلل وانکسار پر قائم رہا تو اس حکم سے مستثنٰی رہے گا یوں کہ جب راہ نہی کھلی تو راہ چلا ہی نہیں اور اس کے مثل ہوا جو فلاح تقوی پر مقتصر رہا۔ **اقول:** قرآن کریم کے لطائف لامتناہی ہیں اس بیان سے آیہ کریمہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞" [1]	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جان لڑاؤ اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ (ت)

کے مبارک جملوں کا حسن ترتیب واضح ہوا، یہ فلاح احسان کی طرف دعوت ہے اس کے لئے تقوی شرط ہے تو اولا اس کا حکم فرمایا کہ **اتقوا اللہ** (اللہ سے ڈرو۔ت) اب کہ تقوی پر قائم ہو کر راہ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور یہ عادۃً بے وسیلہ شیخ ناممکن ہے لہٰذا دوسرے مرتبہ میں قبل سلوک تلاش پیر کو مقدم فرمایا: وابتغوا الیہ الوسیلۃ (اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ت) اس لئے کہ **الرفیق ثم الطریق** (پہلے ساتھ تلاش کرو پھر راستہ لو۔ت) اب کہ سامان مہیا ہو لیا اصل مقصود کا حکم دیا کہ **جاھدوا فی سبیلہ** اس کی راہ میں مجاہدہ کرو **لعلکم تفلحون** تاکہ فلاح احسان پاؤ۔

جعلنا اللہ من المفلحین بفضل	اللہ ہمیں فلاح والوں میں کرے اس کی رحمت کے

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

رحمتہ بھم انہ ھوالرؤف الرحیم وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علی من بہ الصلاح والفلاح ولی الہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین اٰمین۔	فضل سے جو فلاح والوں پر رکھی بیشک وہی بڑا مہربان رحم والا ہے اور اللہ درود وسلام وبرکت اتارے ان پر جن کے صدقے میں ہر صلاح وفلاح ہے اور ان کے آل واصحاب اور ان کے بیٹے حضور غوث اعظم اور ان کے سب گروہ پر آمین۔(ت)

ثم اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس میں راہ فلاح وسیلہ پر موقوف کہ اس کو اس پر مرتب فرمایا تو ثابت ہوا کہ یہاں بے پیرا فلاح نہ پائے گا اور جب فلاح نہ پائے گا خاسر ہوگا تو حزب اللہ سے نہ ہوا حزب الشیطان سے ہوگا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾"[1] "اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۲۲﴾"[2]	سنتا ہے شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے سنتا ہے اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے۔

تو دوسرا جملہ بھی ثابت ہوا کہ بے پیرے کا پیر شیطان ہے جس کا بیان ابھی گزرا **نسأل اللہ العفو والعافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

بالجملہ **حاصل تحقیق** یہ چند جملے ہوئے:

(۱) ہر بدمذہب فلاح سے دور ہلاکت میں چورہ۔ مطلقاً بے پیرا ہے، اور ابلیس اس کا پیر، اگرچہ بظاہر کسی انسان کا مرید ہو بلکہ خود پیر بنے راہ سلوک میں قدم رکھے نہ رکھے ہر طرح **لایفلح وشیخہ الشیطان** (فلاح نہیں پائے گا اور اس کا پیر شیطان ہے۔ ت) کا مصداق ہے۔

(۲) سنی صحیح العقیدہ کہ راہ سلوک نہ پڑا اگر فسق کرے فلاح پر نہیں مگر پھر بھی نہ بے پیرا ہے نہ اس کا پیر شیطان بلکہ جس شیخ جامع شرائط کا مرید ہو اس کا مرید ہے ورنہ مرشد عام کا۔

(۳) یہ اگر تقوٰی کرے تو فلاح پر بھی ہے اور بدستور اپنے شیخ یا مرشد کا عام کا مرید غرض سنی کا مضایق سلوک میں نہ پڑا کسی خاص بیعت نہ کرنے سے بے پیرا نہیں ہوتا نہ شیطان کا مرد ہاں فسق کرے تو فلاح پر نہیں اور متقی ہو تو مفلح بھی ہے۔

(۴) اگر مضایق سلوک میں بے پیر خاص قدم رکھا اور راہ کھل ہی نہیں نہ کوئی مرض مثل عجب وانکار پیدا ہو تو اپنی پہلی حالت پر ہے اس میں کوئی تغیر نہ آیا شیطان اس کا پیر نہ ہوگا اور متقی تھا

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

توفلاح پر بھی ہے۔

(۵) یہ مرض پیدا ہوئے توفلاح پر نہ رہا اور بحالت انکار وفساد عقیدہ مرید شیطان بھی ہو گیا۔

(۶) اگر راہ کھلی توجب تک پیر ایصال کے ہاتھ پر بیعت ارادت نہ رکھتا ہو غالب ہلاک ہے اس بے پیرے کا پیر شیطان ہوگا اگرچہ بظاہر کسی نا قابل پیر یا محض شیخ اتصال کا مرید یا خود شیخ بنتا ہو۔

(۷) ہاں اگر محض جذب ربانی کفالت فرمائے توہر بلا دور ہے اور اس کے پیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

الحمدللہ! یہ وہ تفصیل جمیل وتحقیق جلیل ہے کہ ان اوراق کے سوا کہیں نہ ملے گی، بیس برس ہوئے جب بھی یہ سوال ہوا اور ایک مختصر جواب لکھا گیا تھا جس کی تکمیل وتفصیل یہ ہے کہ اس وقت قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی۔

والحمدللہ رب العالمین وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی سید المرسلین وصحبہ اجمعین، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ
مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء ۱۳۲۷ھ
(علماء اور شریعت کی افضلیت پر اہل معرفت کا کلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۸۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ووارثان انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علی نبینا وعلیہم اجمعین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ حدیث شریف العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ت) میں علمائے شریعت وطریقت دونوں داخل ہیں، اور جامع جو شریعت وطریقت ہیں وہ وراثت کے رتبہ اعظم واجل ودرجہ اتم واکمل پر فائز ہیں، اور عمرو کا بیان ہے:

(۱) شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات وسنن ومستحبات وچند مسائل حلال وحرام کا، جیسے صورت وضو ونماز وغیرہ۔

(۲) اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالٰی کا۔

(۳) اس میں حقیقت نماز وغیرہ منکشف ہوتی ہے۔

(۴) یہ بحر ناپیدا کنار ودریائے ذخار ہے اور وہ بمقابلہ اس دریا کے ایک قطرہ ہے۔

(۵) وراثت انبیاء کا یہی وصول الی اللہ مقصود ومنشاء اور یہی شان رسالت ونبوت کا مقتضی خاص اسی کے لئے وہ مبعوث ہوئے۔

(٦) بھائیو! علمائے صوری وقشری کسی طرح اس وراثت کی قابلیت نہیں رکھتے۔

(۷) نہ وہ علمائے ربانی کہے جاسکتے ہیں۔

(۸) ان کے دام تزویر سے اپنے آپ کو دور رکھنا العیاذ باللہ یہ شیطان ہیں۔

(۹) منزل اصل طریقت کے سدراہ ہوئے ہیں۔

(۱۰) یہ باتیں میں اپنی طرف سے نہیں کہتا، بہت سے علمائے حقانی واولیائے ربانی نے اپنی اپنی تصانیف میں ان کو تصریح سے لکھا ہے الی آخر الہذیانات التماس یہ کہ ان دونوں میں کس کا قول صحیح اور اس مسئلہ کی کیا تنقیح ہے۔ اگر عمرو غلطی پر ہے تو اس پر کوئی شرعی تعزیر بھی ہے یا نہیں؟ وہ کہتا ہے میری غلطی جب ثابت ہوگی کہ میرے اقوال کا ابطال اولیاء کے اقوال ہدایت مآل سے کیا جائے ورنہ نہیں۔ بینوا بالتفصیل التام توجروا یوم القیام (پوری تفصیل بیان کرو اور روز قیامت اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

الحمد للّٰه الذی انزل الشریعة وجعلها للوصول الیه ہی الذریعة لمن ابتغی الیه طریقا دونها فقد خاب و ھوی وضل وغوٰی وافضل الصلوٰة واکمل السلام علی اکرم الرسل و افضل داع الی سبل السلام الذی شریعته ھی الطریقة بعین الحقیقة فبها الوصول الی العلی الاکبر ومن خالفها فسیصل ولکن الی این الی سقر وعلی اٰله واصحابه وعلمائه واحزابه وارثی علمه و حاملی اٰدابه اٰمین یارب العالمین * اللھم لك الحمد رب انی اعوذبك من ہمزات الشیطین واعوذبك رب ان یحضرون۔	تمام حمدیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے شریعت نازل فرمائی اور اس کو اپنی طرف وصول کا ذریعہ بنایا یہی وسیلہ ہے اس کی طرف جانے والے کا کوئی اور راستہ ہو تو وہ ناکام ہو اور خواہش نفس گمراہی اور ضلالت میں مبتلا رہے تمام رسولوں سے اکرم رسول پر افضل صلوٰۃ واکمل سلام ہو جو سب سے بہتر دعوت دینے والا سلامتی کی راہ کا یہ وہ ذات ہے جس کی شریعت ہی طریقت اور عین حقیقت ہے اسی کے سبب اللہ تعالٰی کے دربار میں وصول ہے اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پہنچے گا کہاں جہنم میں، آپ کی آل پاک وصحابہ وعلماء اور جماعت پر جو آپ کے علم کے وارث ہیں اور آپ کے آداب کے حامل ہیں، آمین یارب العالمین، یا اللہ! حمد تیرے ہی لئے، میرے رب! میں تیری پناہ لیتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے اور تیری پناہ لیتا میرے رب! ان کے حاضر ہونے سے۔ (ت)

زید کا قول حق و صحیح اور عمرو کا زعم باطل و قبیح والحاد صریح ہے۔اس کے کلام شیطنت نظام میں دس فقرے ہیں ہم سب کے متعلق مجمل بحث کریں کہ ان شاء اللہ الکریم مسلمانوں کو مفید و نافع اور شیطانوں کی قالع و قامع ہو **وباللہ التوفیق**۔

(۱) عمرو کا قول کہ شریعت چند احکام فرض وواجب وحلال وحرام کا نام ہے محض اندھا پن ہے۔شریعت تمام احکام جسم وجان و روح و قلب وجملہ علوم الٰہیہ ومعارف نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت و معرفت ہے ولہٰذا باجماع قطعی جملہ اولیائے کرام تمام حقائق کو شریعت مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے۔اگر شریعت کے مطابق ہوں حق ومقبول ہیں ورنہ مردود ومخذول، تو یقینا قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے۔شریعت ہی مناط ومدار ہے۔شریعت ہی محکم ومعیار ہے۔ شریعت "راہ" کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کا ترجمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ، یہ قطعاً عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص، یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت ہر نماز بلکہ ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر ثبات واستقامت کی دعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ "اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝"[1] ہم کو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ چلا ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ، عبداللہ بن عباس وامام ابو عالیہ وامام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

الصراط المستقیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم وصاحباہ،رواہ عن ابن عباس الحاکم[2] فی صحیحہ وعن ابی العالیۃ من طریق عاصم الاحول عنہ عبد بن حمید وابناء جریج وابی حاتم وعدی و عساکر وفیہ ابی حاتم وعدی وعساکر وفیہ فذکرنا ذٰلک للحسن فقال صدق ابو العالیۃ ونصح[3]۔	صراط مستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدق وعمر فاروق ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما(اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ابوالعالیہ سے بطریق عاصم الاحول ان سے عبد بن حمید اور جریج وابی حاتم وعدی اور عساکر کے بیٹوں نے اور اس میں ہے کہ ہم نے یہ حدیث حسن سے ذکر کی تو انھوں نے فرمایا ابوالعالیہ نے خالص سچ کہا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۱/ ۵

[2] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر شرح الصراط المستقیم دارالفکر بیروت ۲/ ۲۵۹

[3] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تفسیر سورۃ الفاتحہ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۱/ ۳۰

یہی وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے۔ قرآن عظیم میں فرمایا: "اِنَّ رَبِّیۡ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۵۶﴾"[1] بیشک اس سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جس کا مخالف بددین گمراہ ہے، قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیۡ مُسۡتَقِیۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمۡ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِهٖ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾"[2]	(شروع رکوع سے احکام شریعت بیان کرکے فرماتا ہے) اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ جاؤ کہ وہ تمھیں اس کی تاکید فرماتا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو۔

دیکھو قرآن مجید نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے اور اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دور پڑے گا۔

(۲) عمرو کا قول کہ طریقت نام ہے وصول الی اللہ کا محض جنون وجہالت ہے۔ ہر دو حرف پڑھا ہوا جانتا ہے۔ کہ طریق طریقہ طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن مجید خدا تک نہ پہنچائے گی، بلکہ شیطان تک جنت میں نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن مجید باطل ومردود فرماچکا۔ لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے کہ اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے اس کا اس سے جدا ہونا محال وناسزا ہے جو اسے شریعت سے جدا جانتا ہے اسے راہ خدا سے توڑ کر راہ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا طریقت حقہ راہ ابلیس نہیں قطعاً راہ خدا ہے تو یقیناً وہ شریعت مطہرہ ہی کا ٹکڑا ہے۔

(۳) طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباع شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو ہوتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں اسی نار جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔

(۴) شریعت کو قطرہ طریقت کو دریا کہنا اس مجنون پکے پاگل کا کام ہے جس نے دریا کا پاٹ

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۵۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۳

کسی سے سن لیا اور نہ جانا کہ یہ وسعت نہ ہوتی تو اس میں کس گھر سے آتی، شریعت منبع ہے اور طریقت اس میں سے نکلا ہوا ایک دریا۔ بلکہ شریعت اس مثال سے بھی متعالی ہے۔ منبع سے پانی نکل کر دریا بن کر جن زمینوں پر گزرے انھیں سیراب کرنے میں اسے منبع کی احتیاج نہیں۔ نہ اس سے نفع لینے والوں کو اصل منبع کی اس وقت حاجت، مگر شریعت وہ منبع ہے کہ اس سے نکلے ہوئے دریا یعنی طریقت کو ہر آن اس کی احتیاج ہے منبع سے اس کا تعلق ٹوٹے تو یہی نہیں کہ صرف آئندہ کے لئے مدد موقوف ہوجائے فی الحال جتنا پانی آچکا ہے چند روز تک پینے، نہانے، کھیتیاں، باغات سینچنے کا کام دے نہیں نہیں منبع سے اس کا تعلق ٹوٹتے ہی یہ دریا فوراً فنا ہوجائے گا، بوند تو بوند نم کا بھی نام نظر نہ آئے گا، نہیں نہیں، میں نے غلطی کی، کاش اتنا ہی ہوتا کہ دریا سوکھ گیا، پانی معدوم ہوا، باغ سوکھے، کھیت مرجھائے، آدمی پیاسے تڑپ رہے ہیں، ہرگز نہیں، بلکہ یہاں سے اس مبارک منبع سے تعلق چھوٹتے ہی یہ تمام دریا البحرالمسجور ہو کر شعلہ فشاں آگ ہوجاتا ہے جس کے شعلوں سے کہیں پناہ نہیں، پھر کاش وہ شعلے ظاہری آنکھوں سے سوجھتے تو جو تعلق توڑنے والے جلے خاک سیاہ ہوئے تھے اتنے ہی جل کر باقی بچ جاتے کہ ان کا یہ انجام دیکھ کر عبرت پاتے مگر نہیں وہ تو "نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ"[1] ہے۔ اللہ کی بھڑکاتی ہوئی آگ کہ دلوں پر چڑھتی ہے۔ اندر سے دل جل گئے، ایمان خاک سیاہ ہوگئے۔ اور ظاہر میں وہی پانی نظر آرہا ہے دیکھنے میں دریا اور باطن میں آگ کا دہرا، آہ آہ کہ اس پردے نے لاکھوں کو ہلاک کیا، پھر دریا منبع کی مثال سے ایک اور فرق عظیم ہے جس کی طرف اشارہ گزرا کہ نفع لینے والوں کو اس وقت منبع کی حاجت نہیں، مگر حاشا یہاں منبع سے تعلق نہ توڑیئے کہ پانی باقی رہے اور آگ نہ ہوجائے جب بھی ہر آن منبع سے اس کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے وہ یوں کہ یہ پاکیزہ شیریں دریا جو اس برکت والے منبع سے نکل کر اس دار الالتباس کی وادیوں میں لہریں لے رہا ہے۔ یہاں اس کے ساتھ ایک سخت ناپاک کھاری دریا بھی بہتا ہے۔ "هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ"[2] ایک خوب میٹھا شیریں ہے اور ایک سخت نمک کھاری، وہ دریائے شور کیا ہے شیطان ملعون کے وسوسے دھوکے، تو دریائے شیریں سے نفع لینے والوں کو ہر آن احتیاج ہے کہ ہر نئی

[1] القرآن الکریم ۱۰۴/ ۶و۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۵۳

لہرپر اس کی رنگت مزے بو کو اصل منبع کے لون طعم ریح سے ملاتے رہیں کہ یہ لہر اس منبع سے آئی ہے یا شیطانی پیشاب کی بدبو کھاری دھار دھوکا دے رہی ہے۔ سخت دقت یہ ہے کہ اس پاک مبارک منبع کی کمال لطافت سے اس کا مزہ جلد زبان سے اتر جاتا ہے۔ رنگت بو کچھ یاد نہیں رہتی اور ساتھ ہی ذائقہ شامہ باصرہ کا معنوی حس فاسد ہوجاتا ہے کہ آدمی منبع سے جدا ہو اور اسے گلاب اور پیشاب میں تمیز نہیں رہتی، ابلیس کا کھاری بدبو رنگ موت عنٹ عنٹ چڑھاتا اور گمان کرتا ہے کہ دریائے طریقت کا شیریں خوشبو خوش رنگ پانی پی رہا ہوں، لہٰذا شریعت منبع و دریا کی مثال سے بھی نہایت متعالی ہے وللہ المثل الاعلیٰ شریعت مطہرہ ایک ربانی نور کا فانوس ہے۔ کہ دینی عالم میں اس کے سوا کوئی روشنی نہیں اس کی روشنی بڑھتے بڑھتے صبح اور پھر آفتاب اور پھر اس سے بھی غیر متناہی درجوں زیادہ تک ترقی کرتی ہے جس سے حقائق اشیاء کا انکشاف ہوتا اور نور حق تجلی فرماتا ہے یہ مرتبہ علم میں معرفت اور مرتبہ تحقیق میں حقیقت ہے تو حقیقت بین وہی ایک شریعت ہے کہ باختلاف مراتب اس کے مختلف نام رکھے جاتے ہیں جب یہ نور بڑھ کر صبح روشن کے مثل ہوتا ہے ابلیس لعین خیر خواہ بن کر آتا ہے اور اس سے کہتا ہے "اطفی المصباح فقد اشرق الاصباح" چراغ ٹھنڈا کر کہ اب تو صبح خوب روشن ہوگئی، اگر آدمی دھوکے میں نہ آیا اور نور فانوس بڑھ کر دن ہوگیا ابلیس کہتا ہے کیا اب بھی چراغ نہ بجھائے گا آفتاب روشن ہے۔ احمق اب تجھے چراغ کی کیا حاجت ہے۔ ع

ابلہے کو روز روشن شمع کافوری نہد

(بیوقوف روشن دن کافوری شمع رکھتا ہے۔ ت)

ہدایت الٰہی اگر دستگیر ہے تو بندہ لاحول پڑھتا اور اس ملعون کو دفع کرتا ہے کہ او عدو اللہ! یہ جسے تو دن یا آفتاب کہہ رہا ہے آخر کیا ہے۔ اسی فانوس کا تو نور ہے۔ اسے بجھایا تو نور کہاں سے آئے گا، اس وقت وہ دغاباز خائب و خاسر پھرتا ہے اور بندہ "نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُؕ"[1] (نور پر نور ہے اور اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے۔ ت) کی حمایت میں نور حقیقی تک پہنچتا ہے اور اگر دم میں آگیا اور سمجھا کہ ہاں دن تو ہوگیا اب مجھے چراغ کی کیا حاجت ہے ادھر فانوس بجھا اور معًا اندھیرا گھپ کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا۔ جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

" ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ یَدَهٗ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَاؕ وَ مَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ﴿۴۰﴾ "[1]	ایک پر ایک اندھیریاں ہیں، اپنا ہاتھ نکالے تو نہ سوجھے اور جسے خدا نور نہ دے اس کے لئے نور کہاں۔

یہ ہیں وہ کہ طریقت بلکہ حقیقت تک پہنچ کر اپنے آپ کو شریعت سے مستغنی سمجھے اور ابلیس کے فریب میں آکر اس الٰہی فانوس کو بجھا بیٹھے کاش یہی ہوتا کہ اس کے بجھنے سے جو عالمگیر اندھیرا ان کی آنکھوں میں چھایا جسے دن دہاڑے چوپٹ کر دیا ان کو اس کی خبر ہوتی کہ شاید توبہ کرتے فانوس کا مالک ندامت والوں پر مہر رکھتا ہے۔ پھر انھیں روشنی دیتا، مگر ستم اندھیر تو یہ ہے کہ دشمن ملعون نے جہاں فانوس خاموش کرائی اس کے ساتھ ہی معًا اپنی سازشی بتی جلا کر ان کے ہاتھ میں دے دی یہ اسے نور سمجھ رہے ہیں اور وہ حقیقۃً نار ہے۔ یہ مگن ہیں کہ شریعت والوں کے پاس کیا ہے۔ ایک چراغ ہے ہمارا نور آفتاب کو لئے جارہا ہے۔ وہ قطرہ اور یہ ایک دریا ہے۔ اور خبر نہیں کہ وہ حقیقۃً نور ہے۔ اور یہ دھوکے کی ٹٹی، آنکھ بند ہوتے ہی حال کھل جائے گا کہ ع

باکہ باختہ عشق درشب دیجور

(اندھیری رات میں کس سے عشق بازی کی۔ ت)

بالجملہ شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اس قدر ہادی کی زیادہ حاجت ولہذا حدیث میں آیا حضور سیدی عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

المتعبد بغیر فقه کالحمار فی الطاحون، رواه ابونعیم فی الحلیة[2] عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه۔	بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں (اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

قصم ظهری اثنان جهل	دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی (یعنی وُہ

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

متنسک وعالم متہتك[1] ۔	بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بیباکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اور اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمان تک پہنچی وہ طریقت ہے۔ دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی اور نہ صرف نیو کہ بلکہ اعلٰی حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے۔ اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائے اوپر سے بھی گر پڑے گی، احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کرکے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے۔ نیو سے دیوار جدا کرلی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ "فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ"[2] اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی، والعیاذ باللہ رب العالمین اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد، رواہ الترمذی[3] وابن ماجة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	ایک فقیہ شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

بے علم مجاہدہ والوں کو شیطان انگلیوں پر نچاتا ہے منہ میں لگام، ناک میں نکیل ڈال کر جدھر چاہے کھینچے پھرتا ہے "وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾"[4] اور وہ اپنے جی میں سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کررہے ہیں۔

(۵) عمرو کا طریقت کو غیر شریعت جان کر حصر کردینا کہ یہی مقصود ہے انبیاء صرف اس کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ صراحۃً شریعت مطہرہ کو معاذاللہ معطل ومہمل ولغو باطل کردینا ہے اور یہ صریح

1

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۰

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳، سنن ابن ماجه باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۴

کفر وارتداد اور وہ زندقہ والحاد موجب لعنت ابعاد ہے۔ہاں یہ کہنا تو حق ہے کہ اصل مقصود وصول الی اللہ ہے۔مگر حیف اس پر جو اپنی جہالت شدیدہ سے نجانے یا جانے اور عناد شریعت کے باعث نہ مانے کہ وصول الی اللہ کا راستہ یہی شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے وبس، ہم اوپر قرآن مجید سے ثابت کرآئے ہیں کہ شریعت کے سوااللہ تک راہیں بند ہیں، طریقت اگر وہ اپنے زعم میں کسی راہ مخالف کا نام سمجھا ہے تو حاشا وہ خدا تک پہنچائے بلکہ وہ مسدود اور اس کا چلنے والا مردود، اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اس کی تہمت ملعون ومطرود، کیا کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی کو شریعت کے خلاف دوسری راہ کی طرف بلایا ہے حاشا وکلا۔

(٦) جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمر بھر اسی کی طرف بلایا اور یہی راستہ ہمارے لئے چھوڑا تو اس کا حامل اس کا خادم اس کا حامی اس کا عالم کیونکر ان کا وارث نہ ہوگا، ہم پوچھتے ہیں اگر بالفرض شریعت صرف فرض واجب سنت مستحب حلال وحرام ہی کے علم کا نام ہو تو یہ علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے یا ان کے غیر سے اگر اسلام کا دعوی رکھتا ہے تو ضرور کہے گا کہ حضور ہی سے ہے۔پھر اس کا عالم حضور کا وارث نہ ہوا تو اور کس کا ہوگا، علم ان کا ترکہ پھر اس پانے والا اس کا وارث نہ ہو اس کے کیا معنی۔اگر کہے کہ یہ علم تو ضرور ان کا ہے مگر دوسرا حصہ یعنی علم باطن اس نے نہ پایا لہٰذا وارث نہ ٹھہرا تو اے جاہل ! کیا وارث کے لئے یہ ضرور ہے کہ مورث کا کل مال پائے یوں تو عالم میں کوئی صدیق ان کا وارث نہ ٹھہرے گا، اور ارشاد اقدس **ان العلماء ورثۃ الانبیاء معاذاللہ** غلط بن کر محال ہوجائے گا، کہ ان کا کل علم تو کسی کو مل ہی نہیں سکتا اور اگر بالفرض غلط شریعت وطریقت دو جدا راہیں بنیں اور قطرہ دریا کی نسبت جانیں جس طرح یہ جاہل بکتا ہے جب بھی علمائے شریعت سے وراثت انبیاء کا سلب کرنا جنون محض ہوگا، کیا ترکہ مورث سے تھوڑا حصہ پانے والا وارث نہیں ہوتا، جسے ملا ان کے علم میں سے تھوڑا ہی ملا "**وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا﴿۸۵﴾**"[1] اگر یہ شریعت طریقت کی **معاذاللہ** برائی فرض کرلیں تو انصافا حدیث ان مسخرگان شیطان پر الٹی پڑے گی یعنی علمائے ظاہری وارثان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء ٹھہرینگے اور علمائے باطن **عیاذا باللہ** اس سے محروم، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی بھی ہوتے ہیں اور ولی بھی ان کے علوم نبوت یہ ہیں جن کو شریعت کہتے ہیں، جن کی طرف وہ عام امت کو دعوت کرتے ہیں، اور علوم ولایت وہ ہیں جن کو یہ جاہل طریقت کہتا ہے اور وہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

خاص خاص لوگوں کو خفیہ تعلیم ہوتے ہیں تو علمائے باطن کہ علوم ولایت کے وارث ہوئے وارثان اولیاء ٹھہرے نہ کہ وارثان انبیاء، وارثان انبیاء یہی علمائے ظاہر رہے جنھوں نے علوم نبوت پائے، مگر یہ اس جاہل کی اشد جہالت ہے۔حاشا نہ شریعت وطریقت دو راہیں ہیں نہ اولیاء کبھی غیر علماء ہو سکتے ہیں علامہ مناوی شرح جامع صغیر پھر عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

علم الباطن لایعرف الامن عرف علم الظاھر [1]۔	علم باطن نہ جانے گامگر وہ جو علم ظاہر جانتاہے۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وما اتخذاللہ ولیا جاھلا [2]۔	اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ بنایا۔

یعنی بنانا چاہا تو پہلے اسے علم دے دیا اس کے بعد ولی کیا کہ جو علم ظاہر نہیں رکھتا علم باطن کہ اس کا ثمرہ ونتیجہ ہے کیونکر پاسکتا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ کے متعلق بندوں کے لئے پانچ علم ہیں: علم ذات، علم صفات، علم افعال، علم اسماء، علم احکام۔

ان میں ہر پہلا دوسرے سے مشکل تر ہے۔جو سب سے آسان علم احکام میں عاجز ہو گا سب سے مشکل علم ذات کیونکر پاسکے گا اور قرآن شریف انھیں مطلقاً وارث بتارہاہے حتی کہ ان کے بے عمل کو بھی یعنی جبکہ عقائد حق پر مستقیم اور ہدایت کی طرف داعی ہو کہ گمراہ اور گمراہی کی طرف بلانے والا وارث نبی نہیں نائب ابلیس ہے **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔ہاں رب عزوجل نے تمام علماء شریعت کو کہاں وارث فرمایا ہے یہاں تک کہ ان کے بے عمل کو بھی، ہاں وہ ہم سے پوچھئے، مولیٰ عزوجل فرماتا ہے:

"ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَاۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾" [3]	پھر ہم نے کتاب کا وارث کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی متوسط حال کا اور کوئی بحکم خدا بھلائیوں میں پیشی لے جانے والا یہی بڑا فضل ہے۔

1

2

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۲

دیکھو بے عمل کہ گناہوں سے اپنی جان پر ظلم کر رہے ہیں انھیں بھی کتاب کا وارث بتایا اور نرا وارث ہی نہیں بلکہ اپنے چنے ہوئے بندوں میں گنا، احادیث میں آیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

سابقنا سابق ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفورله والحمدلله رب محمد الرؤف الرحیم علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والتسلیم، رواه العقیلی وابن لال و ابن مردویه والبیهقی فی البعث والبغوی فی المعالم [1] عن امیر المومنین عمر، والبیهقی وابن مردویه عن ابن عمر وابن النجار عن انس رضی الله تعالٰی عنهم۔	ہم میں کا جو سبقت لے گیا وہ تو سبقت لے ہی گیا اور جو متوسط حال کا ہوا، وہ بھی نجات والا ہے اور جو اپنی جان پر ظالم ہے اس کی بھی مغفرت ہے، (والحمدللہ رب محمد الرؤف الرحیم علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم۔ اسے عقیلی، ابن لال، ابن مردویہ اور بیہقی نے بعث میں اور بغوی نے معالم میں امیر المومنین عمر سے اور بیہقی اور ابن مردویہ نے ابن عمر سے اور ابن نجار نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

عالم شریعت اگر اپنے علم پر عامل بھی ہو چاند ہے کہ آپ ٹھنڈا اور تمھیں روشنی دے ورنہ شمع ہے کہ خود جلے مگر تمھیں نفع دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل الذی یعلم الناس الخیر وینسٰی نفسه مثل الفتیلة تضیئ للناس وتحرق نفسها، رواه البزار [2] عن ابی هریرة والطبرانی عن جندب بن عبدالله الازدی وعن ابی برزة الاسلمی رضی الله تعالٰی عنهم بسند حسن۔	اس شخص کی مثال جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا اور اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اس فتیلہ کی طرح ہے کہ لوگوں کو روشنی دیتا ہے اور خود جلتا ہے اس کو بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے حضرت جندب بن عبداللہ ازدی اور حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

[1] معالم التنزیل تحت آیۃ ۳۲/۳۵ مصطفی البابی مصر ۵/ ۳۰۲

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی والبزار مصطفی البابی مصر ۱/ ۷-۱۲۶ و ۳/ ۲۳۵

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا قرأ الرجل القراٰن واحتشی من احادیث رسول اللہ صلی علیہ وسلم وکانت ھناك غریزۃ کان خلیفۃ من خلفاء الانبیاء رواہ الامام الرافعی فی تاریخہ[1] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب آدمی قرآن مجید پڑھ لے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں جی بھر کر حاصل کرے اور اس کے ساتھ طبیعت سلیقہ دار رکھتا ہو تو وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نائبوں سے ایک ہے۔(اسے امام رافعی نے اپنی تاریخ میں ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دیکھو حدیث نے وارث تو وارث خلیفۃ الانبیاء ہونے کے لئے صرف تین شرطیں مقرر فرمائیں قرآن وحدیث جانے اور ان کی سمجھ رکھتا ہو، خلیفہ ووارث میں فرق ظاہر ہے آدمی کی تمام اولاد اس کی وارث ہے مگر جانشین ہونے کی لیاقت ہر ایک میں نہیں۔

(۷) جب قرآن مجید نے سب وارثان کتاب کو اپنے چنے ہوئے بندے فرمایا، تو وہ قطعاً اللہ والے ہوئے اور جب اللہ والے ہوئے تو ضرور ربانی ہوئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾"[2]	ربانی ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لئے کہ تم پڑھتے ہو۔

اور فرماتا ہے:

"اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌۚ یَحْكُمُ بِهَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِیْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَیْهِ شُهَدَآءَۚ"[3]	بیشک ہم نے اتاری توریت اس میں ہدایت و نور ہے اس سے ہمارے فرمانبردار نبی اور ربانی اور دانشمند لوگ یہودیوں پر حکم کرتے تھے یوں کہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان ٹھہرائے گئے اور وہ اس سے خبر دار تھے۔

[1] کنز العمال بحوالہ الرافعی فی تاریخہ حدیث ۲۸۶۹۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۷۹

[3] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

ان آیات میں اللہ عزوجل نے ربانی ہونے کی وجہ اور ربانیوں کی صفات اس قدر بیان فرمائیں کہ کتاب پڑھنا پڑھانا اس کے احکام سے خبر دار ہونا اور اس کی نگہداشت رکھنا اس کے ساتھ حکم کرنا، ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف علمائے شریعت میں ہیں تو وہ ضرور ربانی ہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

ربانیین فقهاء معلمین، رواه ابن ابی حاتم[1] عن سعید بن جبیر۔	ربانی کے معنی ہیں فقیہ مدرس (اسے ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا۔ت)

نیز وہ اور ان کے تلامذہ امام مجاہد و امام سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

ربانیین علماء فقهاء رواه عن ابن عباس ابن جریرة وابن ابی حاتم وعن مجاهد ابن جریر و عن ابن جبیر الدرامی[2] فی سننه۔	ربانی عالم فقیہ کو کہتے ہیں (اسے ابن عباس ابن جریرة وابن حاتم سے اور مجاھد ابن جریر وابن جبیر دارمی کی سنن میں روایت کیا گیا۔ت)

(۸) جبکہ اللہ عزوجل علمائے شریعت کو اپنا چنا ہوا بندہ کہتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھیں اپنا وارث اپنا خلیفہ انبیاء کا جانشین بتاتے ہیں تو انھیں شیطان نہ کہے گا مگر ابلیس یا اس کی ذریت کا کوئی منافق خبیث یہ میں نہیں کہتا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثه لایستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام وذوالعلم وامام مقسط رواه ابو الشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی[3] فی الکبیر	تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر منافق منافق بھی کون سا کھلا منافق۔ ایک بوڑھا مسلمان جسے اسلام ہی میں بڑھاپا آیا، دوسرا عالم دین، تیسرا بادشاہ مسلمان عادل، (اس کو

---

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۷۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۲/ ۶۹۱

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیۃ ۳/ ۷۹ مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۲/ ۶۹۲، جامع البیان (تفسیر ابن جریر) بحوالہ مجاہد وابن عباس المطبعۃ المیمنۃ مصر الجزء الثانی ص ۲۱۲، سنن الدارمی باب فضل العلم والعالم حدیث ۳۲۷ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۸۱

[3] المعجم الکبیر عن ابی امامہ حدیث ۷۸۱۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸، کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲

عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسنہ الترمذی فی غیر ھذا الحدیث۔	ابوالشیخ نے توبیخ میں جابر سے اور طبرانی نے کبیر میں ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایبغی علی الناس الاولد بغی والامن فیہ عرق منہ۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	لوگوں پر زیادتی نہ کرے گا مگر ولد الزنا یا وہ جس میں اس کی کوئی رگ ہو۔ (اسے طبرانی نے کبیر میں ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

جب عام لوگوں پر زیادتی کے بارے میں یہ حکم ہے پھر علماء کی شان ارفع واعلٰی ہے بلکہ حدیث میں لفظ ناس فرمایا، اور اس کے سچے مصداق علماء ہی ہیں۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: سئل ابن المبارک من الناس فقال العلماء [2] یعنی ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تلمیذ رشید عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حدیث وفقہ ومعرفت وولایت سب میں امام اجل ہیں ان سے کسی نے پوچھا کہ ناس یعنی آدمی کون ہیں، فرمایا: علماء۔ امام غزالی فرماتے ہیں: "جو عالم نہ ہو امام ابن المبارک نے اسے آدمی نہ گنا اس لئے کہ انسان اور چوپائے میں علم کا فرق ہے، انسان اس سبب سے انسان ہے نہ جسم کے باعث کہ اس کا شرف جسمانی طاقت سے نہیں کہ اونٹ اس سے زیادہ طاقت ور ہے۔ نہ بڑے جثہ کے سبب کہ ہاتھی کا جثہ اس سے بڑا ہے۔ نہ بہادری کے باعث کہ شیر اس سے زیادہ بہادر ہے۔ نہ خوراک کی وجہ سے کہ بیل کا پیٹ اس سے بڑا ہے نہ جماع کی غرض سے کہ چڑوٹا جو سب میں ذلیل چڑیا ہے اس سے زیادہ جفتی کی قوت رکھتا ہے آدمی تو صرف علم کے عہ لئے بنایا گیا اور اسی سے

عہ: قال تعالٰی "وَمَاخَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ | اللہ تعالٰی نے فرمایا اور نہیں پیدا کیا جن وانس کو (باقی برصفحہ آیندہ)

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الخلافۃ باب فی عمال السؤالخ دارالکتاب بیروت ۵/ ۲۳۳و۶/ ۲۵۸، کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۱۳۰۹۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۳۳

[2] احیاء العلوم کتاب العلم الباب الاول مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۷

اس کا شرف ہے [1] انتہی"۔

(۹) بیانات بالا سے واضح ہے کہ علمائے شریعت ہر گز طریقت کے سدراہ نہیں بلکہ وہی اس کے فتح باب اور وہی اس کے نگاہبان راہ ہیں، ہاں وہ طریقت جسے بندگان شیطان طریقت نام رکھیں اور اسے شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جدا کریں علماء اس کے لئے ضرور سدراہ ہیں علماء کیا خود اللہ عزوجل نے اس راہ کو مسدود و مردود و ملعون و مطرود فرمایا اوپر گزرا کہ علمائے شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ہر آن ہے اور یہ طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ ورنہ حدیث میں اسے چکی کھینچنے والا گدھا فرمایا۔ تو اگر علماء نے تمھیں گدھا بننے سے روکا کیا گناہ کیا۔

(۱۰) عمرو کا اپنی خرافات شیطانیہ توہین شریعت وسب وشتم علمائے شریعت علمائے مقامی واولیائے ربانی کی طرف نسبت کرنا اس کا محض کذب مہین وافترائے لعین ہے۔ اس کی خواہش کے مطابق ہم صرف حضرات اولیاء کرام قدست اسرارہم کے ارشادات عالیہ محض بطور نمونہ ذکر کریں جن سے شریعت مطہرہ کی عظمت ظاہر ہو اور یہ کہ طریقت اس سے جدا نہیں اور یہ کہ طریقت اس کی محتاج ہے اور یہ کہ شریعت ہی اصل کار ومدار ومعیار ہے غرض جو بیانات ہم نے کئے ان سب کا ثبوت وافی اور عمرو کے دعاوی وخرافات ملعونہ کا رد کافی **وباللہ التوفیق**۔

قول۱: حضور پر نور سید الافراد قطب الارشاد غوث عالم قطب عالم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لاتری لغیر ربك وجودا مع لزوم الحدود وحفظ الاوامر والنواهی فان انخرم	غیر خدا کو موجود نہ دیکھنا اس کے ساتھ ہو تو اس کی باندھی ہوئی حدوں سے کبھی جدا نہ ہو اور اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اِلَّا لِيَعۡبُدُوۡنِ ﴿۵۶﴾ " [2] | مگر عبادت کے لئے۔ (ت)

سیدنا امام ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجل اکابر صوفیہ کرام سے ہیں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: **الالیعرفون**۔ [3] یعنی ہم نے نہیں پیدا کیا جن وانس کو مگر معرفت حاصل کرنے کے لئے۔ ۱۲۔

---

[1] احیاء العلوم کتاب العلم الباب الاول مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۷

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۶

3

فیك شیئ من الحدود فاعلم انك مفتون قد لعب بك الشیطان فارجع الی حکم الشرع والزمه ودع منك الهوی لان کل حقیقة لاتشهد له الشریعة فهی باطلة[1] (الطبقات الکبرٰی)	ہرامر ونہی کی حفاظت کرے اگر حدود شریعت سے کسی حد میں خلل آیا تو جان لے کہ تو فتنہ میں پڑاہوا ہے بیشك شیطان تیرے ساتھ کھیل رہا ہے تو فوراً حکم شریعت کی طرف پلٹ آاور اس سے لپٹ جا اور اپنی خواہش نفسانی چھوڑ اس لئے کہ جس حقیقت کی شریعت تصدیق نہ فرمائے وہ حقیقت باطل ہے۔

سعادت مند کے لے حضور پر نور سید الاولیاء غوث العرفاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ایك یہی ارشاد کافی ہے کہ اس میں سب کچھ جمع فرمادیا ہے۔وللہ الحمد۔

قول ۲: حضور پر نور غوث الثقلین غیاث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اذا وجدت فی قلبك بغض شخص اوحبه فاعرض افعاله علی الکتب والسنة فان کانت محبوبة فیهما فاحبه وان کانت مکروهة فاکرهه لئلا تحبه بهواك وتبغضه بهواك قال الله ولاتتبع الهوی فیضلك عن سبیل الله[2]۔	جب تو اپنے دل میں کسی کی دشمنی یا محبت پائے تو اس کے کاموں کو قرآن وحدیث پر پیش کر،اگر ان میں پسندیدہ ہوں تو اس سے محبت رکھ اور اگر ناپسند ہوں تو کراہت،تاکہ اپنی خواہش سے نہ کوئی دوست رکھے نہ دشمن،اللہ تعالٰی فرماتا ہے: خواہش کی پیروی نہ کر کہ تجھے بہکادیگی خدا کی راہ سے۔

قول ۳: حضور پر نور غوث الاغواث رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الولایة ظل النبوة والنبوة ظل الالهیة وکرامة الولی استقامة فعل علی قانون قول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم[3]۔	ولایت پر تو نبوت ہے اور نبوت پر تو الوہیت،اور ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیك اُترے۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۴۸ سید عبدالقادر الجیلی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۱

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۴۸ سید عبدالقادر الجیلی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۳۱

[3] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص ۳۹

قول۴: حضور سیدنا محی الدین محبوب سبحانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الشرع حکم محق سیف سطوۃ قھرہ من خالفہ وناواہ واعتصمت بحبل حمایتہ وثیقات عری الاسلام و علیہ مدار امر الدارین وباسبابہ انیطت منازل الکونین[1]۔	شرع وہ ہے جس کے صولت قہر کی تلوار اپنے مخالف ومقابل کو مٹادیتی ہے اور اسلام کی مضبوط رسیاں اس کی حمایت کی ڈوری پکڑے ہوئے ہیں۔دوجہاں کے کام کامدار فقط شریعت پر ہے۔اوراس کی ڈوریوں سے دونوں عالم کی منزلیں وابستہ ہیں۔

قول۵: حضور پرنور سیدنا باز اشہب شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الشریعۃ المطھرۃ المحمدیۃ ثمرۃ شجرۃ الملۃ الاسلامیۃ شمس اضاءت بنورھا ظلمۃ الکونین اتباع شرعہ یعطی سعادۃ الدارین احذر ان تخرج من دائرتہ ایاك ان تفارق اجماع اھلہ[2]۔	شریعت پاکیزہ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درخت دین اسلام کا پھل ہے شریعت وہ آفتاب ہے جس کی چمک سے تمام جہاں کی اندھیریاں جگمگا اٹھیں شرع کی پیروی دونوں جہان کی سعادت بخشی ہے خبردار اس کے دائرہ سے باہر نہ جانا،خبردار اہل شریعت کی جماعت سے جدانہ ہونا۔

قول۶: حضور پرنور سیدالاولیاء قطب الکونین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اقرب الطرق الی اللہ تعالٰی لزوم قانون العبودیۃ والاستمساك بعروۃ الشریعۃ[3]۔	اللہ عزوجل کی طرف سے سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کولازم پکڑنااور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔

قول۷: حضور پرنور سیدنا وارث المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غوث الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

تفقہ ثم اعتزل من عبداللہ بغیر علم کان مایفسدہ اکثر ممایصلحہ خذ	فقہ حاصل کراس کے بعد خلوت نشین ہو جو بغیر علم کے خدا کی عبادت کرے وہ جتنا سنوارے گا

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعابشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۴۰

[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعابشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۴۹

[3] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعابشیئ الخ مصطفی البابی مصر ص۵۰

معك مصباح شرع ربك [1]۔	اس سے زیادہ بگاڑے گا، اپنے ساتھ شریعت الٰہیہ کی شمع لے لے۔

قول ۸: حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میرے پیر حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے دعا دی:

جعلك الله صاحب حديث صوفيا و لاجعلك صوفيا صاحب حديث [2]۔	اللہ تعالٰی تمھیں حدیث داں کرکے صوفی بنائے اور حدیث داں ہونے سے پہلے تمھیں صوفی نہ کرے۔

قول ۹: امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی اس دعائے حضرت سیدی سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شرح فرماتے ہیں:

اشار الى ان من حصل الحديث والعلم ثم تصوف افلح ومن تصوف قبل العلم خاطر بنفسه [3]۔	حضرت سری سقطی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس نے پہلے حدیث وعلم حاصل کرکے تصوف میں قدم رکھا وہ فلاح کو پہنچا، اور جس نے علم حاصل کرنے سے پہلے صوفی بننا چاہا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا، (والعیاذ باللہ تعالٰی)

قول ۱۰: حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی گئی کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ:

ان التكاليف كانت وسيلة الى الوصول وقد وصلنا۔	یعنی احکام شریعت تو وصول کا وسیلہ تھے اور ہم واصل ہوگئے اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت۔

فرمایا:

صدقوا فی الوصول ولكن الى سقر والذی يسرق ويزنی خير ممن يعتقد ذلك ولو انی بقيت الف عام مانقصت من	سچ کہتے ہیں واصل ضرور ہوئے، کہاں تک جہنم تک چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں، میں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض وواجبات

[1] بهجة الاسرار ذكر فصول من كلام مرصعا بشيئ الخ مصطفى البابی مصر ص ۵۳

[2] احياء العلوم كتاب العلم الباب الثانی مطبعة المشهد الحسينی قاہرہ ۱/ ۲۲

[3] احياء العلوم كتاب العلم الباب الثانی مطبعة المشهد الحسينی قاہرہ ۱/ ۲۲

اورادی شیئا الابعذر شرعی [1]۔	تو بڑی چیز ہیں جو نوافل و مستحبات مقرر کرلئے ہیں بے عذر شرعی ان میں سے کچھ کم نہ کروں۔

قول ۱۱: حضرت سیدی ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے رسالہ مبارک میں حضرت سیدی ابوالقاسم جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

من لم یحفظ القراٰن ولم یکتب الحدیث لایقتدٰی بہ فی ھذا الامر لان علمنا ھذا مقید بالکتاب والسنۃ [2]۔	جس نے نہ قرآن یاد کیا نہ حدیث لکھی یعنی جو علم شریعت سے آگاہ نہیں دربارہ طریقت اس کی اقتدا نہ کریں اسے اپنا پیر نہ بنائیں کہ ہمارا یہ علم طریقت بالکل کتاب وسنت کا پابند ہے۔

نیز فرمایا:

الطریق کلھا مسدودۃ علی الخلق الاعلی من اقتفی اثر الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام [3]۔	خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نشان قدم کی پیروی کرے۔

؎ خلاف پیمبر کسے راہ گزید　　　کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

(جس نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچے گا)

قول ۱۲: حضرت سیدنا ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمی بسطامی کے والد رحمہما اللہ تعالٰی سے فرمایا: چلو اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو بنام ولایت مشہور کیا ہے، وہ شخص مرجع ناس ومشہور بہ زہد تھا، جب وہاں تشریف لے گئے اتفاقا اس نے قبلہ کی طرف تھوکا۔ حضرت ابویزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ فوراواپس آئے اور اس سے سلام علیک نہ کی اور فرمایا:

ھذا رجل غیر مامون علی ادب من اداب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکیف یکون مامونا علی مایدعیہ [4]۔	یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آداب سے ایک ادب پر توامین ہے نہیں جس چیز کا ادعا رکھتا ہے اس پر کیا امین ہوگا۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث السادس والعشرون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۵۱

[2] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابی القاسم الجنید بن محمد مصطفی البابی مصر ص ۲۰

[3] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابی القاسم الجنید بن محمد مصطفی البابی مصر ص ۲۰

[4] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابو یزید البسطامی مصطفی البابی مصر ص ۱۵

اور دوسری روایت میں ہے۔فرمایا:

ھذا رجل غیر مامون علی ادب من اداب الشریعة فکیف یکون امیناعلی اسرار الحق[1]۔	یہ شخص شریعت کے ایک ادب پر توامین ہے نہیں اسرار الٰہیہ پر کیونکہ امین ہوگا۔

قول ۱۳: نیز حضرت بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لونظر تم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتقی (وفی نسخة یتربع)فی الھواء فلا تغتروا بہ حتی تنظرواکیف تجدونہ عندالامر والنھی وحفظ الحدود وآداب الشریعة۔[2]	اگر تم کسی شخص کو دیکھوایسی کرامت دیا گیاکہ ہواپر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض،واجب ومکروہ وحرام ومحافظت حدود وآداب شریعت میں اس کاحال کیساہے۔

قول ۱۴: حضرت ابو سعید خراز رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضرت ذوالنون مصری سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہماکے اصحاب اور سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

کل باطن یخالفہ ظاھر فھو باطل[3]۔	جو باطن کہ ظاہر اس کی مخالفت کرے وہ باطن نہیں باطل ہے۔

علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی اس قول مبارک کی شرح میں فرماتے ہیں:

لانہ وسوسة شیطانیة وزخرفة نفسانیة حیث خالف الظاھر[4]۔	اس لئے کہ جب اس نے ظاہر کی مخالفت کی تو وہ شیطانی وسوسہ اور نفس کی بناوٹ ہے۔

قول ۱۵: حضرت سیدنا حارث محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر ائمہ اولیاء معاصرین حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں فرماتے ہیں:

من صحح باطنہ بالمراقبة والاخلاص	جواپنے باطن کو مراقبہ اور اخلاص سے صحیح

[1] الرسالة القشیریة باب الولایة مصطفی البابی مصر ص۱۱۷

[2] الرسالة القشیریة ذکر ابو یزید البسطامی مصطفی البابی مصر ص۱۵

[3] الرسالة القشیریة ذکر ابو سعید خراز مصطفی البابی مصر ص۲۴

[4] الحدیقة الندیة الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۸۶

زین الله ظاهرہ بالمجاهدة واتباع السنة [1]۔	کرے گا۔لازم ہے کہ اللہ تعالٰی اس کے ظاہر کو مجاہدہ وپیروی سنت سے آراستہ فرمادے۔

ظاہر ہے کہ انتفائے لازم کو انتفائے ملزوم لازم تو ثابت ہوا کہ جس کا ظاہر زیور شرع سے آراستہ نہیں وہ باطن میں بھی اللہ عزوجل کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا۔

قول ۱۶: حضرت سیدنا ابوعثمان حیری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجلہ اکابر اولیاء معاصرین حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہیں وقت انتقال اپنے صاحبزادے ابوبکر رحمہ اللہ تعالٰی سے فرمایا:

خلاف السنة یابنی فی الظاہر علامة ریاء فی الباطن [2]۔	اے میرے بیٹے! ظاہر میں سنت کا خلاف اس کی علامت ہے کہ باطن میں ریاکاری ہے۔

قول ۱۷: نیز حضرت سعید بن اسمٰعیل حیری ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

الصحبة مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم باتباع السنة ولزوم ظاهر العلم [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ زندگانی کا طریقہ یہ ہے کہ سنت کی پیروی کرے اور علم ظاہر کو لازم پکڑے۔

قول ۱۸: حضرت سید ابوالحسین احمد بن الحواری رضی اللہ تعالٰی عنہ جن کو حضرت سید الطائفہ ریحانۃ الشام یعنی ملک شام کا پھول کہتے تھے فرماتے ہیں:

من عمل عملًا بلا اتباع سنة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فباطل عمله [4]۔	جو کسی قسم کا کوئی عمل بے اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرے وہ عمل باطل ہے۔

قول ۱۹: حضرت سیدی ابوحفص عمر حداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اکابر ائمہ عرفاء ومعاصرین

---

[1] الرسالة القشيرية ذکر حارث محاسبی مصطفی البابی مصر ص ۱۳

[2] الرسالة القشيرية ذکر ابوعثمن سعید بن اسمعیل الحیری مصطفی البابی مصر ص ۲۱

[3] الرسالة القشيرية ذکر ابوعثمن سعید بن اسمعیل الحیری مصطفی البابی مصر ص ۲۱

[4] الرسالة القشيرية ذکر ابوالحسین احمد بن الحواری مصطفی البابی مصر ص ۱۸

حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں فرماتے ہیں:

من لم یزن افعالہ واحوالہ فی کل وقت بالکتاب و السنۃ ولم یتھم خواطرہ فلا تعدہ فی دیوان الرجال[1]۔	جو ہر وقت اپنے تمام کام احوال کو قرآن وحدیث کی میزان میں نہ تولے او راپنے وارادات قلب پر اعتماد کرلے اسے مردوں کے دفتر میں نہ گن۔

ع راوی کم زززن لاف مردی مزن

قول۲۰: حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضرت سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصحاب اور حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

من رأیتہ یدعی مع اللہ حالۃ تخرجہ عن حد العلم الشرعی فلا تقربن منہ[2]۔	تو جسے دیکھے کہ اللہ عزوجل کے ساتھ ایسے حال کا ادعا کرتا ہے جو اسے علم شریعت کی حد سے باہر کرے اس کے پاس نہ پھٹک۔

قول۲۱: حضرت سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقران سے ہیں فرماتے ہیں:

من الزم نفسہ آداب الشریعۃ نور اللہ تعالٰی قلبہ بنور المعرفۃ ولامقام اشرف من مقام متابعۃ الحبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اوامرہ و افعالہ واخلاقہ[3]	جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالٰی اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔

قول۲۲: حضرت سیدنا ممشاد دینوری رضی اللہ تعالٰی عنہ مرجع سلسلہ چشتیہ بہشتیہ

---

[1] الرسالہ القشیریۃ ذکر ابوحفص عمر الحداد مصطفی البابی مصر ص۱۸

[2] الرسالہ القشیریۃ ذکر ابوالحسین احمد نوری مصطفی البابی مصر ص۲۱

[3] الرسالہ القشیریۃ ذکر ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی مصطفی البابی مصر ص۲۵

فرماتے ہیں:

ادب المرید حفظ آداب الشرع علی نفسہ[1]۔	مرید کا ادب یہ ہے کہ آداب شرع کی اپنے نفس پر محافظت کرے۔

قول ۲۳: حضرت سیدنا سری سقطی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

التصوف اسم لثلاث معان وھوالذی لایطفی نور معرفتہ نور ورعہ ولایتکلم بباطن فی علم ینقضہ ظاھر الکتب او السنۃ ولاتحملہ الکرامات علی ھتك استار محارم اللہ تعالٰی[2]۔	تصوف تین وصفوں کا نام ہیں، ایک یہ کہ اس کا نور معرفت اس کے نور ورع کو نہ بجھائے دوسرے یہ کہ باطن سے کسی ایسے علم میں بات نہ کرے کہ ظاہر قرآن یا ظاہر سنت کے خلاف ہو، تیسرے یہ کہ امتیں اسے ان چیزوں کی پردہ دری پر نہ لائیں جو اللہ تعالٰی نے حرام فرمائیں۔

قول ۲۴: حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید ابوسلیمان دارانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ربما یقع فی قلبی النکتۃ من نکت القوم ایاما فلا اقبل منہ الا بشاھدین عدلین الکتاب والسنۃ[3]۔	بارہا میرے دل میں تصوف کا کوئی نکتہ مدتوں آتا ہے جب تک قرآن وحدیث دو گواہ عادل اس کی تصدیق نہیں کرتے میں قبول نہیں کرتا۔

دوسری روایت میں ہے، فرمایا:

ربما ینکث الحقیقۃ فی قلبی اربعین یوما فلا آذن لھا ان تدخل فی قلبی الا بشاھدین من الکتاب والسنۃ[4]۔	بارہا کوئی نکتہ حقیقت میرے دل میں چالیس چالیس دن کھٹکتا رہتا ہے، جب تک کتاب وسنت کے دو گواہ اس کے ساتھ نہ ہوں میں اپنے دل میں داخل ہونے کا اسے اذن نہیں دیتا۔

---

[1] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ممشاد الدینوری مصطفی البابی مصر ص ۲۷

[2] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابولحسن عن سری بن المغلس السقطی مصطفی البابی مصر ص ۱۱

[3] الرسالۃ القشیریۃ ذکر ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیہ الدارانی مصطفی البابی مصر ص ۱۵

[4] نفحات الانس ذکر ابوسلیمان عبدالرحمن بن عطیہ الدارانی انتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۴۰

قول ۲۵: حضرت عالی منزلت امام طریقت سید نا ابوعلی رود باری بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اجلہ خلفائے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہیں حضرت عارف باللہ سید نا استاذ ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: مشائخ میں ان کے برابر علم طریقت کسی کو نہ تھا۔اس جناب گردوں قباب سے سوال ہوا کہ ایک شخص مزامیر سنتا ہے اور کہتا ہے یہ میرے لئے حلال ہے اس لئے کہ میں ایسے درجے تک پہنچ گیا ہوں کہ احوال کے اختلاف کا مجھ پر کچھ اثر نہیں ہوتا فرمایا:

نعم قد وصل ولکن الی سقر [1]	ہاں پہنچا تو ضرور ہے مگر جہنم تک، والعیاذ باللہ تعالٰی۔

قول۲۶: حضرت سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

التصوف تصفیه القلوب وذکر اوصاف الی ان قال واتباع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الشریعة [2]۔	تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی ہو۔

قول۲۷: امام اجل عارف باللہ ابوبکر محمد ابراہیم بخاری کلاباذی قدس سرہ نے کتاب التعرف لمذہب التصوف جس کی شان میں اولیاء نے فرمایا **لو لا التعرف لما عرف التصوف** (کتاب تعرف نہ ہوتی تو تصوف نہ پہچانا جانا) تصوف کی ایسی ہی تعریف حضرت سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمائی کہ تصوف ان ان اوصاف کا نام ہے۔ان میں ختم اس پر فرمایا کہ:

واتباع الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الشریعة [3]۔	شریعت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اتباع۔

قول۲۸: حضرت سیدی ابوالقاسم نصرآبادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت سید نا ابوبکر شبلی وحضرت سید نا ابوعلی رودباری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اجلہ اصحاب سے ہیں فرماتے ہیں:

التصوف ملازمة الکتاب	تصوف کی جڑ یہ ہے کہ کتاب وسنت کو لازم

[1] الرسالۃ القشیریۃ ابوعلی احمد بن محمد رودباری مصطفی البابی مصر ص ۲۸

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر ابی عبداللہ بن محمد الضبی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲۱

[3] التعرف لمذہب التصوف

والسنة[1] الخ۔	پکڑے رہے۔

قول ۲۹: حضرت سیدی جعفر بن محمد خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ مرید و خلیفہ حضرت سید الطائفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لااعرف شیئا افضل من العلم باللّٰہ و باحکام فان الاعمال لاتزکوا الابالعلم ومن لا علم عندہ فلیس لہ عمل وبالعلم عرف اللّٰہ واطیع ولایکرہ العلم الا منقوص[2]۔	میں کوئی چیز معرفت الٰہی وعلم احکام الٰہی سے بہتر نہیں جانتا۔ اعمال بے علم کے پاک نہیں ہوتے، بے علم کے سب عمل برباد ہیں، علم ہی سے اللہ کی معرفت و معرفت اطاعت ہوئی، علم کو وہی ناپسند رکھے گا جو کم بخت ہو۔

قول ۳۰: حضرت سید داود کبیر بن ماخلا رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ ولی اللہ وعالم جلیل حضرت سید محمد وفا شاذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پیر و مرشد ہیں فرماتے ہیں:

قلوب علماء الظاہر وسائط بین عالم الصفاء ومظاہر الاکدار رحمۃ بالعامۃ الذین لم یصلوا الی ادراک المعانی الغیبۃ والادراکات الحقیقۃ[3]۔	علماء ظاہر کے دل عالم صفاء و مظہر تکدر کے اندر واسطہ ہیں ان عام خلائق پر رحمت کے لئے کہ معانی غیب وعلوم حقیقت تک جن کی رسائی نہ ہو۔

یہ صراحۃً وراثت نبوت کی شان ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ خالق و خلق میں واسطہ ہوں، ان خلائق پر رحمت کے لئے کہ بارگاہ غیب وحقیقت تک جن کی رسائی نہیں۔

قول ۳۱: حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ علیہ سہروردیہ اپنی کتاب مستطاب میں فرماتے ہیں:

قوم من المفتونین لبسوا لبسۃ الصوفیۃ لینتسبوا بہا الی الصوفیۃ وماھم من الصوفیۃ بشیئ بل ھم فی غرور	یعنی کچھ فتنہ کے مارے ہوؤں نے صوفیوں کا لباس پہن لیا ہے کہ صوفی کہلائیں حالانکہ ان کو صوفیہ سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ وہ ضرور غلط میں ہیں بکتے

---

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر ابی القاسم ابراہیم بن محمد النصر آبادی مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲۳

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ذکر سید جعفر بن محمد الخواص مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۹۔۱۱۸

[3] الطبقات الکبرٰی للشعرانی ترجمہ ۲۸۹ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۹۰

غلط یزعمون ان ضمائرهم خلصت الی الله تعالٰی و یقولون هذا هو الظفر بالمراد و الارتسام بمراسم الشریعة رتبة العوام وهذا هو عین الالحاد الزندقة و الابعاد فکل حقیقة ردتها الشریعة فهی زندقة[1]۔	کہ ان کے دل خالص خدا کی طرف ہوگئے اور یہی مراد کو پہنچ جانا ہے اور رسوم شریعت کی پابندی عوام کا مرتبہ ہے ان کا یہ خالص الحاد وزندقہ اللہ کی بارگاہ سے دور کیا جانا ہے اس لئے کہ جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ حقیقت نہیں بے دینی ہے۔

پھر جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ جو چوری اور زنا کرے وہ ان لوگوں سے بہتر ہے[2]۔

قول ۳۲: نیز حضرت الشیوخ سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب مستطاب اعلام الہدٰی و عقیدہ ارباب التقٰی میں عقیدہ کرامات اولیاء بیان کرکے فرماتے ہیں:

ومن ظهر له وعلی یدہ من المخترقات وهو علی غیر الالتزام باحکام الشریعة نعتقد انه زندیق وان الذی ظهر له مکر واستدراج[3]۔	ہمارا عقیدہ ہے کہ جس کے لئے اور اس کے ہاتھ پر خوارق عادات ظاہر ہوں اور وہ احکام شریعت کا پورا پابند نہ ہو وہ شخص زندیق ہے اور وہ خوارق کہ اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوں مکر واستدراج ہیں۔

قول ۳۳: حضرت سیدنا امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

فرقة ادعت المعرفة الوصول و لایعرف(احد هم) هذہ الامور الا بالاسامی ویظن ان ذٰلك اعلی من علم الاولین والاخرین فینظر الی الفقهاء والمفسرین و المحدثین بعین الازرا ویستحقر بذٰلك جمیع العباد و العلماء ویدعی	مختصرًا ایک گروہ معرفت ووصول کا دعوٰی رکھتا ہے حالانکہ معرفت ووصول کا نام ہی نام جانتا ہے اور گمان کرتا کہ یہ سب اگلے پچھلوں کے علم سے اعلٰی ہے تو وہ فقہیوں مفسروں محدثوں سب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور تمام مسلمانوں اور علماء کو حقیر جانتا ہے اپنے

[1] عوارف المعارف الباب التاسع فی ذکر من الصوفیة الخ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۱ و ۷۲

[2] عوارف المعارف الباب التاسع فی ذکر من الصوفیة الخ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص۷۱ و ۷۲

[3] نفحات الانس بحوالہ اعلام الهدی از انتشارات کتاب فروش محمودی تہران ایران ص۲۶

لنفسہ انہ الواصل الی الحق وہو عند اللہ من الفجار و المنافقین[1] (ملخصا)	واصل بخدا ہونے کا ادعا کرتا ہے حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک فاجروں اور منافقوں میں سے ہے اھ

قول ۳۴: حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

ایاك ان ترمی میزان الشرع من یدك فی العلم الرسمی بل بادر الی العمل بکل ماحکم بہ وان فہمت منہ خلاف مایفہمہ الناس مما یجول بینك وبین امضاء ظاہر الحکم بہ فلا تعول علیہ فانہ مکر الٰہی بصورت علم الٰہی من حیث لاتشعر[2]۔	خبردار علم ظاہر میں جو شرع کی میزان ہے اسے ہاتھ سے نہ پھینکنا بلکہ جو کچھ اس کا حکم ہے فورا اس پر عمل کر اور اگر عام علماء کے خلاف تیری سمجھ میں اس سے کوئی ایسی چیز آئے جو ظاہر شرع کا حکم نافذ کرنے سے تجھے روکنا چاہے تو اس پر اعتماد نہ کرنا وہ علم الٰہی کی صورت میں ایک مکر ہے جس کی تجھے خبر نہیں۔

قول ۳۵: نیز حضرت سید محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات میں فرماتے ہیں:

اعلم ان میزان الشرع الموضوعۃ فی الارض ہی ما بایدی العلماء من الشریعۃ فمہما خرج ولی عن میزان الشرع المذکورۃ مع وجود عقل التکلیف وجب الانکار علیہ[3]۔	یقین جان کر میزان شرع جو اللہ عزوجل نے زمین میں مقرر فرمائی ہے وہ یہی ہے جو علماء شریعت کے ہاتھ میں ہے توجب کبھی کوئی ولی اس میزان شرع سے باہر نکلے اور اس کی عقل کہ مدار احکام شرعیہ ہے باقی ہو تو اس پر انکار واجب ہے۔

قول ۳۶: نیز حضرت بحر الحقائق ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ان موازین الاولیاء المکملین لاتخطی الشریعۃ ابدافہم	یقین جان کہ اولیاء مرشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی میزانیں کبھی شریعت سے خطا نہیں

[1] احیاء العلوم کتاب ذم الغرور بیان اصناف المغترین الخ الصنف الثالث المشہد الحسینی قاہرہ ۳/ ۴۰۵

[2] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۶

[3] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۶

محفوظون من مخالفۃ الشریعۃ[1] الخ۔	کرتیں وہ مخالف شرع سے محفوظ ہیں۔

قول ۳۷: نیز حضرت خاتم الولایۃ المحمدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ان عین الشریعۃ ھی عین الحقیقۃ اذ الشریعۃ لھا دائرتان علیا وسفلی فالعلیا لاھل الکشف و السفلی لا ھل الفکر فلما فتش اھل الفکر علی ماقال اھل الکشف فلم یجدوہ فی دائرۃ فکرھم قالوا ھذا خارج عن الشریعۃ فاھل الفکر ینکرون علی اھل الکشف واھل الکشف لاینکرون علی اھل الفکر، من کان ذا کشف وفکر فھو حکیم الزمان فکما ان علوم الفکر احد طرفی الشریعۃ فکذالك علوم اہل الکشف فھما متلازمان ولکن لما کان الجامع بین الطرفین عزیز افرق اھل الظاہر بینھما[2]۔	یقین جان کہ شریعت ہی کا چشمہ حقیقت کا چشمہ ہے اس لئے کہ شریعت کے دو دائرے ہیں ایک اوپر اور ایک نیچے اوپر کا دائرہ اہل کشف کے لئے ہے اور نیچے کا اہل فکر کے لئے، اہل فکر جب اہل کشف کے اقوال کو تلاش کرتے اور اپنے دائرہ فکر میں نہیں پاتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ قول شریعت سے باہر ہے۔ تو اہل فکر اہل کشف پر معترض ہوتے ہیں مگر اہل کشف اہل فکر پر انکار نہیں رکھتے۔ جو کشف وفکر دونوں رکھتا ہے وہ اپنے وقت کا حکیم ہے پس جس طرح علوم فکر شریعت کا ایک حصہ ہیں یونہی علوم اہل کشف بھی، تو وہ دونوں ایک دوسرے کو لازم ہیں اور جبکہ دونوں کناروں کا جامع نادر ہے، لہٰذا ظاہر بینوں نے شریعت وحقیقت کو جدا سمجھا۔

سبحان اللہ! اہل ظاہر اگر علوم حقیقت کو نہ سمجھیں عذر رکھتے ہیں کہ شریعت کے دائرے زیریں میں ہیں، مدعی ولایت جو علم ظاہر سے منکر ہو معلوم ہوا قطعاً جھوٹا کذاب فریبی ہے کہ اگر دائرہ بالا تک پہنچتا تو دائرہ زیریں سے جاہل نہ ہوتا۔ جڑوالے اگر شاخ تراشیں اصل درخت قائم رہے۔ مگر بلند شاخ تک پہنچنے والے جڑ کاٹیں تو ان کی ہڈی پسلی کی خیر نہیں۔ اس عبارت شریفہ سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل ظاہر اگر شریعت وحقیقت کو جدا سمجھیں ان کی غلطی مگر وہ اپنے علم میں کاذب نہیں اور مدعی تصوف اگر انھیں جدا بتائے تو قطعاً دروغ باف ولاف زن ہے۔

[1] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ص۲۶و۲۷

[2] الیواقیت والجواہر الفصل الرابع مصطفی البابی مصر ص۲۶

قول۳۸: نیز حضرت لسان القوم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لایتعدی کشف الولی فی العلوم الالھیۃ فوق مایعطیہ کتاب نبیہ و وحیہ قال الجنید فی ہذا المقام علمنا ہذا مقید بالکتاب و السنۃ وقال الاخر کل فتح لا یشھد لہ الکتاب والسنۃ فلیس بشیئ فلا یفتح لولی قط الا فی الفھم فی الکتاب العزیز فلھذا قال تعالٰی ما فرطنا فی الکتاب من شیئ وقال سبحنہ فی الواح موسی وکتبنالہ فی الالواح من کل شیئ الآیۃ فلاتخرج علم الولی جملۃ واحدۃ عن الکتاب والسنۃ فان خرج احد عن ذٰلک فلیس بعلم ولاعلم ولایۃ معا بل اذا حققتہ وجدتہ جھلا[1]۔	علوم الٰہیہ میں ولی کا کشف اس علم سے تجاوز نہیں کرسکتا جو اس کے نبی کی وحی وکتاب عطافرمارہی ہے اس مقام میں جنید نے فرمایا ہمارا یہ علم کتاب وسنت کا مقید ہے۔اور ایک عارف نے فرمایا جس کشف کی شہادت کتاب وسنت نہ دیں وہ محض لاشیئ ہے تو ہرگز ولی کے لئے کچھ کشف نہیں ہوتا مگر قرآن عظیم کے فہم میں اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا اور موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تختیوں کو فرماتا ہے ہم نے اس کے لئے الواح میں ہر چیز سے کچھ بیان لکھ دیا، تو سوبات کی ایک بات یہ ہے کہ ولی کا علم کتاب وسنت ہے۔ باہر نہ جائے گا اگر کچھ باہر جائے تو وہ علم ہوگا نہ کہ کشف بلکہ تحقیق کرے تو تجھے ثابت ہوجائے گا کہ وہ جہالت تھا۔

قول۳۹: نیز حضرت عین المکاشفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اعلم ایدك اللہ ان الکرامۃ من الحق من اسمہ البر فلا تکون الاللابرار وھی حسیۃ ومعنویۃ.فالعامۃ ما تعرف الاالحسیۃ مثل الکلام علی الخاطر والاخبار المغیبات الماضیۃ والکائنۃ والاٰتیۃ والمشی علی الماء و اختراق الھواوطی الارض والاحتجاب	یقین جان اللہ تیری مدد کرے کہ کرامت حق سبحانہ کے نام بر یعنی محسن کی بارگاہ سے آتی ہے تو اسے صرف ابرار نیکوکار ہی پاتے ہیں اور وہ دو قسم ہے، محسوس ظاہری ومعقول معنوی، عوام صرف کرامت محسوسہ کو جانتے ہیں جیسے کسی کو دل کی بات بتادینا گزشتہ وموجودہ وآئندہ غیبوں کی خبر دینا، پانی پر چلنا، ہوا پر اڑنا۔صدہا منزل زمین ایک قدم میں طے کرنا، آنکھوں سے

[1] الفتوحات المکیۃ لابن عربی الباب الرابع عشروثلثمائۃ فی معرفۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۶

عن الابصار ومعنوية لايعرفها الاالخواص وہی ان تحفظ عليه اٰداب الشريعة و يوفق لاتيان مكارم الاخلاق واجتناب سفسافها والمحافظة على اداء الواجبات مطلقا فی اوقاتها فهذه كرامات لا يدخل مكر ولا استدراج والكرامات التی ذكرنا ان العامة تعرفها فكلها يمكن ان يدخلها المكر الخفی ثم لابد ان تكون نتيجة عن استقامة اوتنتج استقامة والا فليست بكرامة والمعنوية لايدخلها شيئ مما ذكرنا فان العلم يصحبها وقوة العلم وشرفه تعطيك و ان المكر لايدخلها فان الحدود الشرعية لاتنصب حبالة للمكر الالٰهی فانها عين الطريق الواضحة الى نيل السعادة لان العلم ہو المطلوب وبه تقع المنفعة ولو لم يعمل به فانه لايستوی الذين يعلمون والذين لايعلمون فالعلماء هم الامنون من التلبيس[1] اھ اختصار۔	چھپ جانا کہ سامنے موجود ہو اور کسی کو نظر نہ آئیں اور کرامات معنویہ کہ صرف خواص پہچانتے ہیں وہ یہ ہیں کہ اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادتوں سے بچنے کی توفیق دیا جائے تمام واجبات ٹھیک ادا کرنے پر التزام رکھے، ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں اور کرامتیں جنھیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرنہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ظاہری کرامتیں استقامت کا نتیجہ ہوں یا خود استقامت پیدا کریں ورنہ کرامت نہ ہوگی اور کرامت معنویہ میں مکر واستدراج کی مداخلت نہیں اس لئے کہ علم ان کے ساتھ ہے علم کا شرف خود ہی تجھے بتائے گا کہ ان میں مکر کا دخل نہیں اس لئے کہ شریعت کی حدیں کسی کے لئے مکر کا پھندا قائم نہیں کرتیں اس وجہ سے کہ شریعت سعادت پانے کا عین صاف وروشن راستہ ہے علم ہی مقصود ہے اور اسی نے نفع پہنچانا ہے اگرچہ اس پر عمل نہ ہو کہ مطلقًا ارشاد ہوا ہے کہ عالم وبے علم برابر نہیں تو علماء ہی مکرواشتباہ سے امان میں ہیں وبس۔

قول ۴۰: حضرت سیدی ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اقطاب اربعہ سے ہیں یعنی ان چہار میں جو تمام اقطاب میں اعلٰی و ممتاز گنے جاتے ہیں اول حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ دوم سید احمد رفاعی، سوم حضرت سید احمد کبیر بدوی، چہارم حضرت سید ابراہیم دسوقی رضی اللہ تعالٰی عنہم ونفعنا ببرکاتھم فی الدنیا والآخرۃ) فرماتے ہیں:

[1] الفتوحات المکیة للشیخ ابن عربی الباب الرابع والثمانون ومائة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۹

الشریعۃ ھی الشجرۃ والحقیقۃ ھی الثمرۃ[1]۔	شریعت درخت ہے اور حقیقت پھل ہے۔

درخت وثمر کی نسبت بھی وہی بتا رہی ہے کہ درخت قائم ہے تو اصل موجود ہے مگر جو اصل کاٹ بیٹھا وہ نرا محروم ومردود ہے۔ پھر اس کی مثال کی بھی وہی حالت ہے جو ہم منبع وبحر میں بیان کر آئے ہیں، درخت کٹ جائے تو آئندہ پھل کی امید نہ رہی مگر جو پھل آچکے ہیں یہاں درخت کٹتے ہی آئے ہوئے پھل بھی فنا ہو جاتے ہیں اور فنا ہوتے ہی پھر بس نہیں بلکہ انسان کا دشمن ابلیس لعین غلیظ اور گوبر کے پھل جادو سے بنا کر اس کے منہ میں دیتا ہے اور یہ اپنی حالت سے انھیں ثمر حقیقت جان کر خوش خوش نگلتا ہے جب آنکھ بند ہو گئی اس وقت کھلے گا کہ منہ میں کیا بھرا تھا **والعیاذ باللہ تعالٰی** ان درختوں میں قریب تر مثال پان اور اس کی بیل کی ہے خوشبو، خوشرنگ، خوش ذائقہ، مفرح، مقوی دل ودماغ، مصفی خون مطیب نکہت وجہ سرخروئی باعث زینت، اور پھر عجیب خاصہ یہ کہ بیل سوکھے تو اس کے پان جہاں جہاں ہوں معاً سوکھ جائیں گے یہ ایک ادنی مثال شریعت وحقیقت یا اس جاہل کے طور پر شریعت وطریقت کی ہے۔

قول ۴۱: عارف باللہ حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ پیر ومرشد امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

علم الکشف اخبار بالامور علی ماھی علیہ فی نفسھا وھذا اذا حققتہ وجدتہ لایخالف الشریعۃ فی شیئ بل ھو الشریعۃ بعینھا[2]۔	یعنی علم کشف یہ ہے کہ اشیاء جس طرح واقع وحقیقت میں ہیں اسی طرح ان سے خبر دے اسے اگر تو تحقیق کرے تو اصلا کسی بات میں شریعت کے خلاف نہ پائے گا بلکہ وہ عین شریعت ہے۔

قول ۴۲: نیز ولی ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

جمیع مصابیح علماء الظاھر والباطن قد اتقدت من نور الشریعۃ فما من قول من اقوال المجتھدین ومقلدیھم الاوھو مؤید باقوال اھل الحقیقۃ	علمائے ظاہر ہوں خواہ علمائے باطن سب کے چراغ شریعت ہی کے نور سے روشن ہیں، تو ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین کسی کا کوئی قول ایسا نہیں کہ اہل حقیقت کے اقوال اس کی تائید

[1] الطبقات الکبرٰی ترجمہ ابراہیم الدسوقی ۲۸۶ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۹

[2] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ لخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۴

لاشك عندنا فی ذٰلك[1]۔	نہ کرتے ہوں، ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک نہیں۔

نیز فرمایا:

امداد قلبه صلی الله تعالٰی علیه سلم لجمیع قلوب علماء امته فما اتقد مصباح عالم الا عن مشکوٰۃ نور قلب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2]۔	تمام علمائے امت کے دلوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قلب اقدس سے مدد پہنچتی ہے تو ہر عالم کا چراغ حضور ہی کے نور باطن کے شمع دان سے روشن ہے۔

قول ۴۳: نیز یہی مفتوح ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

علم الکشف الصحیح لایاتی قط الاموافقا للشریعة المطهرة[3]۔	سچا علم کشف کبھی نہیں آتا مگر شریعت مطہرہ کے موافق۔

قول ۴۴: حضرت سید افضل الدین اجل خلفائے سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

کل حقیقة شریعة وعکسه[4]۔	حقیقت عین شریعت ہے اور شریعت عین حقیقت۔

قول ۴۵: امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی فرماتے ہیں:

ان الله تعالٰی قد اقدر ابلیس کما قال الغزالی وغیره علی ان یقیم للمکاشف صورة المحل الذی یاخذ علمه منه من سماء او عرش او کرسی او قلم او لوح فربما ظن المکاشف ان ذٰلك العلم عن الله عزوجل	بیشک اللہ تعالٰی نے ابلیس کو قدرت دی ہے جیسے امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر نے تصریح کی ہے کہ صاحب کشف آسمان، عرش، کرسی، لوح، قلم جہاں سے اپنے علوم حاصل کرتا ہے اس مکان کی ساختہ تصویر اس کے سامنے قائم

[1] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحالہ خروج شیئ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

[3] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فان قال قائل ان احدا لایحتاج الی ذوق الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[4] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان استحالۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۵

فاخذ به فضل فاضل فمن هنا اوجبوا على المكاشف انه يعرض مااخذه من العلم من طريق كشفه على الكتاب و السنة قبل العمل به فان وافق فذاك و الاحرام عليه العمل به[1]۔	کردے (اور حقیقت میں وہ عرش کرسی لوح وقلم نہ ہوں شیطان کا دھوکا ہوں اب شیطان اس دھوکے کی ٹٹی سے اپنا علم شیطانی القاء کرے) اور یہ صاحب کشف اسے اللہ عزوجل کی طرف سے گمان کرکے عمل کر بیٹھے خود بھی گمراہ ہوا اور وں کو بھی گمراہ کرے اس لئے ائمہ اولیائے کشف والے پر واجب کیا ہے کہ جو علم بذریعہ کشف حاصل ہوا اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے کتاب وسنت پر عرض کرے اگر موافق ہو تو بہتر ورنہ اس پر عمل حرام ہے۔

نابیناؤ! تم نے شریعت کی حاجت دیکھی شریعت کا دامن نہ تھا مو تو شیطان کچے دھاگے کی لگام دے کر تمھیں گھمائے پھرے، جب تو حدیث نے فرمایا: "عابد بے فقہ چکی کا گدھا"[2]

قول۴۶: نیز امام ممدوح قدس سرہ فرماتے ہیں:

لاتلحق نهاية الولاية بداية النبوة ابدا ولو ان وليا تقدم الى العين التى ياخذ منها الانبياء عليهم الصلوة والسلام لاحترق وغاية امر الاولياء انهم يتعبدون بشريعة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم قبل الفتح عليهم وبعده ومتى ماخرجوا عن شريعة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم هلكوا وانقطع عنهم الامداد فلا يمكنهم ان يستقلوا بالاخذ عن الله تعالى	کبھی ولایت کی نہایت نبوت کی ابتداء تک نہیں پہنچ سکتی اور اگر کوئی ولی اس چشمہ تک بڑھے جس سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السلام فیض لیتے ہیں۔تو وہ ولی جل جائے۔اولیاء کی نہایت کار یہ ہے کہ شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر عبادت بجالاتے ہیں خواہ کشف حاصل ہوا ہو یا نہیں اور جب کبھی شریعت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نکلیں گے ہلاک ہو جائیں گے اور ان کی مدد قطع ہو جائے گی تو انھیں کبھی ممکن نہیں کہ اللہ عزوجل سے خود بالاستقلال لے سکیں اور

[1] المیزان الکبرٰی فصل فان قائل ان احد الایحتاج الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[2] حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ترجمہ ۳۱۸ خالد بن معدان دار الکتاب العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

ابدا وقد تقدم ان جمیع الانبیاء والاولیاء مستمدون من محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	ہم اوپر بیان کر آئے کہ تمام انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مدد لیتے ہیں۔

قول ۴۷: نیز ولی موصوف قدس سرہ فرماتے ہیں:

التصوف انما ھو زبدۃ عمل العبد باحکام الشریعۃ[2]۔	تصوف کیا ہے بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔

قول ۴۸: پھر فرمایا:

علم التصوف تفرع من عین الشریعۃ[3]۔	علم تصوف چشمہ شریعت سے نکلی ہوئی جھیل ہے۔

قول ۴۹: پھر فرمایا:

من دقق النظر علم انہ لایخرج شیئ من علوم اھل اللہ تعالٰی عن الشریعۃ وکیف تخرج علومھم عن الشریعۃ و الشریعۃ ھی وصلتھم الی اللہ عزوجل فی کل لحظۃ[4]۔	جو نظر غور کرے جان لے گا کہ علوم اولیاء سے کوئی چیز شریعت سے باہر نہیں اور کیونکر ان کے علم شریعت سے باہر ہوں حالانکہ ہر ہر لحظہ شریعت ہی ان کے وصول بخدا کا ذریعہ ہے۔

قول ۵۰: پھر فرمایا:

قد اجمع القوم علی انہ لایصلح للتصدر فی طرق اللہ عزوجل الا من تبحر فی علم الشریعۃ وعلم منطوقھا ومفھومھا وخاصھا وعامھا وناسخھا ومنسوخھا و تبحر فی لغۃ العرب حتی عرف مجازاتھا	تمام اولیائے کرام کا اجماع ہے کہ طریقت میں صدر بننے کا لائق نہیں مگر وہ جو علم شریعت کا دریا ہو اس کے منطوق مفہوم خاص عام ناسخ منسوخ سے آگاہ ہو زبان عرب کا کمال ماہر ہو یہاں تک کہ اس کے مجاز اور استعارے وغیرہ

[1] الیواقیت الجواہر المبحث الثانی والاربعون مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۱

[2] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[3] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[4] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

واستعاراتها وغیر ذٰلك فكل صوفی فقیه ولاعكس [1]۔	جانتا ہو تو ہر صوفی فقیہ ہوتا ہے اور ہر فقیہ صوفی نہیں۔

قول۵۱: نیز عارف معروف قدس سرہ فرماتے ہیں:

الكشف الصحیح لا یاتی دائما الا موافقا للشریعة كماهو مقرر بین العلماء [2]۔	سچا کشف ہمیشہ شریعت کے مطابق ہی آتا ہے جیسا کہ اس فن کے علماء میں مقرر ہو چکا ہے۔

قول۵۲: حضرت عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی فرماتے ہیں:

مایدعیه بعض المتصوفة فی زماننا انكم معشر اهل العلم الظاهر تاخذون احكامكم من الكتاب والسنة وانا ناخذ من صاحبه ہذا كفر لامحالة بالاجماع من وجوه الاول التصریح بعدم الدخول تحت احكام الكتاب والسنة مع وجود شروط التكلیف من العقل والبلوغ [3]۔	وہ جو ہمارے زمانے کے بعض صوفی بننے والے ادعا کرتے ہیں کہ اے علم ظاہر والو! تم اپنے احکام کتاب وسنت سے لیتے ہو اور ہم خود صاحب قرآن سے لیتے ہیں یہ بالاجماع قطعاً بوجوہ کثیرہ کفر ہے ازانجملہ یہ عقل وبلوغ شرائط تکلیف ہوتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم زیر احکام شریعت نہیں۔

یہیں فرمایا:

ان اراد بترك العلم الظاهر عدم تعلم ذلك وعدم الاعتناء به لان العلم الظاهر لاحاجة الیه فقد سفه الخطاب الالٰهی وسفه الانبیاء ونسب العبث والبطلان الی ارسال الرسل وانزال الكتب فلا شك فی كفره اشد الكفر [4] (ملتقطا)	اگر علم ظاہر چھوڑنے سے اس کا نہ سیکھنا اور اس کا اہتمام نہ کرنا مراد لے اس خیال سے کہ علم ظاہر کی طرف حاجت نہیں تو اس نے کلام الٰہی کو احمق بتایا اور انبیاء کو بیوقوف ٹھہرایا، رسولوں کے بھیجنے کتابوں کے اتارنے کو عبث وباطل کی طرف نسبت کیا تو کچھ شک نہیں کہ وہ کافر ہے اور اس کا کفر سب سے سخت تر کفر۔

[1] الطبقات الکبرٰی للشعرانی مقدمۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ۱/ ۴

[2] المیزان الکبرٰی فصل فان قال قائل ان احدالا یحتاج الٰی ذوق مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۲

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۵۸تا۱۵۵

[4] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۵۹

قول ۵۳: نیز عارف ممدوح قدس سرہ تعظیم شریعت مطہرہ کے بارے میں حضرات عالیہ سید الطائفہ وسری سقطی وابویزید بسطامی وابوسلیمان دارانی وذوالنون مصری وبشر حافی وابوسعید خراز وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال کریمہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

انظر ایها العاقل الطالب للحق ان هؤلاء عظماء مشائخ الطریقة وکبراء ارباب الحقیقة کلهم یعظمون الشریعة المحمدیة وکیف وهم ماوصلوا الا بذٰلك التعظیم و السلوك علی هذا المسلك المستقیم ولم ینقل عن احد منهم ولا عن غیرهم من السادة الصوفیة الکاملین انه احتقر شیئا من احکام الشریعة المطهرة ولا امتنع من قبوله بل کلهم مسلمون له و یبنون علومهم الباطنة علی السیرة الاحمدیة فلا یغرنك طامات الجهال المتنسکین الفاسدین المفسدین الضالین المضلین الزائغین عن الشرع القویم الی صراط الجحیم خارجین عن مناهج علماء الشریعة المحمدیة مارقین من مسالك مشائخ الطریقة لاعراضهم عن التادب باٰداب الشریعة وترکهم الدخول فی حصونها المنیعة فهم کافرون بانکارها مدعون الاستنارة بانوارها ومشائخ الطریقة قائمون بالاداب الشریعة معتقدون تعظیم احکام الله تعالٰی ولهذا	یعنی اے عاقل! اے حق کے طالب! دیکھ کہ یہ عظمائے مشائخ طریقت یہ کبرائے ارباب حقیقت سب کے سب شریعت مطہرہ کی تعظیم کررہے اور کیوں نہ کریں کہ وہ واصل نہ ہوئے مگر اسی تعظیم اقدس سیدھی راہ شریعت پر چلنے کے سبب یا ان سے یا ان کے سوا اور سرداران اولیائے کاملین کسی ایک سے بھی منقول نہیں کہ اس نے شریعت مطہرہ کے کسی حکم کی تحقیر کی یا اس کے قبول سے باز رہا ہو بلکہ وہ سب اس کے حضور گردن رکھے ہوئے ہیں اور اپنے باطنی علوم کی سیرت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بنا کرتے ہیں تو تجھے زنہار دھوکا میں نہ ڈالیں حد سے گزری ہوئی باتیں ان جاہلوں کی کہ سالک بنتے ہیں خود بگڑے اوروں کو بگاڑتے ہیں آپ گمراہ اوروں کو گمراہ کرتے ہیں شرع مستقیم سے کج ہو کر جہنم کی راہ چلتے ہیں علمائے شریعت کی راہ سے باہر مشائخ طریقت کے مسلک سے خارج اس لئے کہ آداب شریعت اختیار کرنے سے روگردانی کئے اور اس کے مستحکم قلعوں میں پناہ لینے کو چھوڑے بیٹھے ہیں تو وہ انکار شریعت کے سبب کافر ہیں اور دعوے یہ کہ اس کے انوار سے روشن ہیں مشائخ طریقت تو آداب شریعت پر قائم ہیں احکام الٰہی کی تعظیم کے معتقد ہیں اسی لئے

اتحفھم اللہ تعالٰی بالکمالات القدسیة وہولاء المغرورون بالفشار اللابسون حلة العار الذین ہم مسلمون فی الظاہر واذا حققتھم فھم کفار لم یزالوا معتکفین علی اصنام الاوھام مفتونین بمایلقی لھم الشیطان من الوساوس فی الافھام فالویل لھم ولمن تبعھم او حسن امرھم فھم قطاع طریق اللہ تعالٰی [1] اھ ملتقطا۔	اللہ تعالٰی نے انھیں کمالات اقدس کا تحفہ دیا اور یہ اپنی خرافات پر مغرور یہ عار لباس پہنے ہوئے کہ ظاہر میں مسلمان اور حقیقت میں کافر ہیں یہ ہمیشہ اپنے اوہام کے بتوں کے آگے آسن مارے بیٹھے ہیں۔ شیطان جو وسوسے ان کے افکار میں ڈالتا ہے انھیں پر مفتون ہوئے ہیں تو خرابی پوری خرابی ان کے لئے اور اس کے لئے اور ان کے لئے جو ان کا پیرو ہو یا ان کے کام کو اچھا جانے اس لئے کہ وہ راہ خدا کے راہزن ہیں اھ ملتقطا

قول ۵۴: حضرت قطب ربانی محبوب یزدانی مخدوم اشرف جہانگیر چشتی سمنانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار سلسلہ چشتیہ اشرفیہ فرماتے ہیں:

خارق عادت اگر از ولی موصوف باوصاف ولایت ظاہر بود کرامت گویند واگر از مخالف شریعت صادر شود استدراج حفظنا اللہ وایاکم [2]۔	اگر اوصاف ولایت والے ولی سے خارق عادت ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے اور اگر مخالف شریعت سے صادر ہو تو استدراج ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں اور آپ کو محفوظ فرمائے۔ (ت)

قول ۵۵: حضرت سیدی ابوالمکارم رکن الدین خلیفہ حضرت سیدی نور الدین عبدالرحمٰن اسفرائنی خلیفہ وقت حضرت سیدی جمال الدین احمد جوزقانی خلیفہ سیدی رضی الدین لالا خلیفہ حضرت سیدی نجم الدین کبرٰی سردار سلسلہ کبرویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اپنے شیخ ومرشد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں:

ولی تا شریعت رابکمال نگیرد قدم درولایت نتواں نہاد بلکہ اگر انکار کند کافر گردد [3]۔	ولی جب تک شریعت کو مکمل طور پر نہ اپنائے ولایت میں قدم نہیں رکھ سکتا بلکہ اگر اس کا انکار کرے تو کافر ہے۔ (ت)

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقہ المحمدیہ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۸۷تا۱۸۹

[2] لطائف اشرفی لطیفہ پنجم مکتبہ سمنانی کراچی ۱/ ۱۲۶

[3] نفحات الانس ذکر ابی المکارم رکن الدین احمد بن محمد از انتشارات کتابفروشی تہران ایران ص ۴۴۳

قول ۵۶: حضرت سیدی شیخ الاسلام احمد نامقی جامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت سیدی خواجہ مودود چشتی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

اول مصلی رابر طاق نہ وبرو علم آموز کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان است[1]۔	پہلے عبادت کا مصلی طاق پر رکھ اور جاکر علم حاصل کر کیونکہ جاہل شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔(ت)

یہ حکایت شریف بہت نفیس ولطیف ہے۔ اس کا خلاصہ عرض کریں کہ اس کلام کریم کا منشاء معلوم ہو اور حضرت خواجہ مودود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ سرور وسردار سلسلہ عالیہ چشتیہ بہشتیہ ہیں دفع وہم ہو اور آج کل کے بہت مدعیان ناکارکے لئے کہ مسند ولایت کو ترکہ پدری جانتے ہیں۔ باعث ہدایت وعبرت وفہم ہو، حضرت ممدوح سلالہ خاندان اولیائے کرام ہین ان کے آباء کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجلہ اکابر محبوبان خدا سرداران شریعت وطریقت واصحاب علم وکرامت تھے اور ان کے بعد حضرت خواجہ مودود چشتی نے مسند آبائی پر جلوس فرمایا۔ ہزاروں آدمی مرید ہوگئے مگر صاحبزادہ والاقدر ابھی عالم نہ ہوئے تھے نہ راہ طریقت کسی مرشد کامل کی تعلیم سے چلے تھے عنایت ازلی ہی ان کے حال شریف پر متوجہ تھی حضرت شیخ الاسلام قطب الکرام سیدی احمد نامقی جامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ان کی تعلیم وتفہیم کے لئے ہرات بھیجا، یہاں خواص وعام اس جناب کی کرامات عالیہ دیکھ کر مرید ومعتقد ہوئے اور تمام اطراف میں ان کا شہرہ ہوا، صاحبزادہ خواجگان رضی اللہ تعالٰی عنہم کو ناگوار ہوا، قصد فرمایا کہ حضرت والا کو اس ملک سے باہر کریں لشکر مریدان لے کر جنبش فرمائی، اصحاب حضرت شیخ الاسلام کو اس کی اطلاع ہوئی انھوں نے براہ ادب اسے شیخ الاسلام سے چھپایا مگر حضرت خود ہی خوب جانتے تھے ایک دن جب صبح کا ناشتہ حاضر کیا گیا تو ارشاد فرمایا: ایک ساعت صبر کرو کہ کچھ قاصد آتے ہیں، تھوڑی دیر بعد قاصدان صاحبزادہ حاضر ہوئے، حضرت والا نے انھیں کھانا کھلایا پھر فرمایا: تم کہوگے یا میں بتاؤں کہ کس لئے آئے ہو عرض کی: حضرت فرمائیں۔ فرمایا: خواجہ مودود نے تمھیں بھیجا ہے کہ احمد سے کہو وہ ہماری ولایت میں کیوں آیا سیدھی طرح واپس جاتا ہے تو جائے ورنہ جس طرح چاہے نکالا جائے گا، قاصدوں نے تصدیق کی کہ ہاں حضرت خواجہ نے یہی پیام دے کر ہمیں بھیجا ہے حضرت والا نے فرمایا:

[1] نفحات الانس ذکر خواجہ قطب الدین مودود چشتی انتشارات کتابفروشی تہران ایران ص ۳۲۹

کہ ولایت سے یہ دیہات مراد ہیں تو یہ اوروں کی ملک ہیں نہ کہ خواجہ مودود کی، اور اگر ولایت سے یہ لوگ مراد ہیں تو یہ بادشاہ سنجر کی رعیت ہیں تو یوں بادشاہ شیخ الشیوخ ٹھہرے گا، اور اگر ولایت سے وہ مراد ہے جو میں جانتا ہوں اور جسے اولیاء اللہ جانتے ہیں تو کل ہم انھیں دکھادیں گے کہ ولایت کا کام کیا اور کیسا ہوتا ہے قاصدوں کو یہ جواب عطا فرمایا اور ادھر ابر عظیم آیا، اور ایک رات دن ابر برسا دم بھر کو نہ دم لیا۔ دوسرے دن صبح کو حضرت والا نے فرمایا: گھوڑے کسو کہ خواجہ مودود کی طرف چلیں، اصحاب نے عرض کی، ندی چڑھ گئی اب جب تک چند روز بارش موقوف نہ ہو کوئی ملاح کشتی بھی نہیں لے جاسکتا۔ فرمایا: کچھ مشکل نہیں آج ہم ملاحی کریں گے جب سوار ہو کر جنگل میں پہنچے ملاحظہ فرمایا کہ ایک انبوہ مسلح حضرت کے ہمراہ ہے۔ فرمایا: یہ کون لوگ ہیں۔ عرض کی: حضور کے مرید و محب ہیں، یہ سن کر کہ ایک جماعت حضور کے مقابلے کو آئی ہے یہ حضور کے ہمراہ ہولئے، فرمایا: انھیں واپس کرو تیر و تلوار تو سنجر کا کام ہے اولیاء کے ہتھیار اور ہی ہیں، غرض چند خدام کے ساتھ ندی کنارے پہنچے پانی طغیانی پر تھا، فرمایا: آج یہ ٹھہری ہے کہ ہم ملاحی کریں گے، معرفت الٰہی میں کلام فرمانا شروع کیا تمام حاضرین ذوق سے بیخود ہوگئے، فرمایا: آنکھیں بند کرلو اور **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کہہ کر چلو، لوگوں نے ایسا ہی کیا، جس نے آنکھ جلدی کھول دی اس کا جوتا تر ہوا اور جس نے ذرا دیر کر کھولی اس کا جوتا بھی خشک رہا، اور سب نے اپنے آپ کو دریا کے اس پار پایا، قاصدوں نے جو یہ ماجرا دیکھا جلدی کرکے حضرت صاحبزادہ خواجگان کے حضور حاضر ہوئے اور حال عرض کیا، کسی کو یقین نہ آیا، صاحبزادہ دوہزار مرید مسلح کے ساتھ متوجہ ہوئے اور جیسے حضرت شیخ الاسلام سے نظر دوچار ہوئی صاحبزادہ بے اختیار پیادہ ہوئے اور حضرت والا کے پائے مبارک پر بوسہ دیا حضرت ان کی پیٹھ ٹھونکتے اور فرماتے تھے، ولایت کا کام دیکھا تم نہیں جانتے مردان خدا کی فوج سلاح سے نہیں جاؤ سوار ہو ابھی بچے ہو تمھیں نہیں معلوم کہ کیا کرتے ہو۔ جب بستی آئے حضرت شیخ الاسلام مع اپنے اصحاب کے ایک محلّہ میں اترے اور حضرت صاحبزادہ مع مریدان دوسرے محلّہ میں، دوسرے دن ان مریدین صاحبزادہ نے کہا ہم آئے تھے شیخ احمد کو اس ملک سے نکالنے اور آج وہ ہمارے ساتھ ایک ہی گاؤں میں مقیم ہیں کوئی فکر عمدہ کرنی چاہئے، حضرت خواجہ مودود نے فرمایا: میری رائے میں صواب یہ ہے کہ صبح ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے اجازت لیں ان کا کام ہمارے بس کا نہیں۔ مریدوں نے کہا: بلکہ رائے صواب یہ ہے کہ کوئی کام پر جاسوس مقرر کریں جب ان کے قیلولہ یعنی دوپہر کو آرام کا وقت آئے اور لوگ ان کے پاس سے چلے جائیں وہ تنہا رہیں اس وقت ہماری ایک جماعت

آپ کے ساتھ ان کے پاس جائے اور سماع شروع کریں، اور حال لائیں اسی حالت میں کوئی حربہ ان پر ماردیں، حضرت خواجہ نے فرمایا: ٹھیک نہیں، وہ ولی ہیں صاحب کرامات ہیں مگر مریدوں نے نہ مانا، جب دوپہر کو حضرت شیخ الاسلام کے آرام کا وقت آیا خادم نے چاہا کہ بچھونا بچھائے، فرمایا: ایک ساعت توقف کرو کچھ آرام ہوگا ایک کام درپیش ہے، ناگاہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، خادم نے دروازہ کھولا دیکھا کہ حضرت خواجہ مودود ایک انبوہ کے ساتھ تشریف لائے، سلام کرکے سماع شروع ہوا، ساتھ والے نعرے لگانے لگے، انھوں نے چاہا تھا کہ اپنا ارادہ فاسدہ پورا کریں، کہ حضرت شیخ الاسلام نے سر مبارک اٹھا کر فرمایا ہے سہلا ہے سہلا کجائی ہے (اے سہلا! تو کہاں ہے) سہلا نام ایک صاحب شہر سرخس کے ساکن، صاحب کرامات وعاقل، مجنون نما تھے، ہمیشہ حضرت شیخ الاسلام کی خدمت میں رہتے، حضرت کے آواز دیتے ہی وہ فوراً حاضر ہوئے اور ایک نعرہ ان مفسدوں پر لگایا، وہ سب کے سب معاجوتیاں پگڑیاں چھوڑ کر بھاگ گئے صرف صاحبزادہ خواجگان باقی رہے۔ نہایت ندامت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور سر برہنہ کرکے معافی مانگی اور عرض کی: حضرت کو روشن ہے کہ اس دفعہ یہ میری مرضی نہ تھی فرمایا: تم سچ کہتے ہو مگر تم ان کے ساتھ کیوں آئے، عرض کی: میں نے برا کیا حضرت معاف فرمائیں، فرمایا: میں نے معاف کیا جاؤ اور ان لوگوں کو واپس لاؤ اور دو خدمت گار مقرر کرو اور تین دن ٹھہراؤ، حضرت خواجہ مودود نے ایسا ہی کیا، بعد ازاں حضرت شیخ الاسلام کے پاس آکر گزارش کی: جو حکم ہوا تھا بجالایا اب کیا فرمان ہے۔ فرمایا: سجادہ طاق پر رکھو اور اول جاکر علم پڑھو کہ زاہد بے علم مسخرہ شیطان ہے خواجہ نے فرمایا: میں نے قبول کیا اور کیا ارشاد ہے۔ فرمایا: جب تحصیل علم سے فارغ ہو اپنا خاندان زندہ کرو، تمھارے باپ دادا اولیاء وصاحب کرامت تھے، خواجہ مودود نے عرض کی، خاندان زندہ کرنے کو ارشاد ہوتا ہے تو پہلے تبرکاً حضرت والا مجھے مسند پر بٹھادیں، فرمایا: آگے آؤ۔ یہ آگے گئے، حضرت نے ہاتھ پکڑ کر اپنی مسند مبارک کے کنارے پر بٹھایا اور فرمایا: بشرط علم بشرط علم بشرط علم تین بار فرمایا: حضرت خواجہ تین روز اور حاضر خدمت رہے فائدے لئے، نوازشیں پائیں، پھر تحصیل علم کے لئے بلخ بخارا تشریف لے گئے، چار سال میں ماہر کامل ہوئے، ہر شہر میں حضرت سے کرامات ظاہر ہوئیں، پھر چشت کو مراجعت فرمائی، تربیت مریدان میں مشغول ہوئے، اطراف سے طالبان خدا حاضر خدمت ہوئے اور حضرت کی برکت انفاس سے دولت معرفت ورتبہ ولایت کو پہنچے، حضرت خواجہ شریف زندنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نہایت عالی درجہ ولی وعارف وواصل ہیں، اسی جناب کے مرید وتربیت یافتہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم اجمعین [1]۔

[1] نفحات الانس ذکر خواجہ قطب الدین مودود چشتی از انتشارات کتابفروشی محمودی تہران ایران ص۳۲۶تا۳۲۹

قول ۵۷: حضرت مولانا نورالدین جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

اگر صد ہزار خارق عادات برایشاں ظاہر شود چوں نہ ظاہر ایشاں موافق احکام شریعت ست و نہ باطن ایشاں موافق آداب طریقت باشد وآں از قبیل مکرواستدراج خواہد بود نہ از مقولہ ولایت و کرامت[1]۔	اگر لاکھ خارق عادات ظاہر ہوں جب تک ظاہر و باطن شریعت وآداب طریقت کے موافق نہ ہو تو وہ مکر اور استدراج ہوگا ولایت و کرامت کا مصداق نہ ہوگا۔(ت)

بعینہٖ اسی طرح لطائف اشرفی[2] ص۱۲۹ میں ہے۔ پھر دونوں کتابوں میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ عبارت کریمہ منقول قول ۳۲ ذکر فرمائی، فائدہ نفیسہ اسی نفحات الانس شریف میں حضرت شیخ الاسلام عبداللہ ہروی انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول کہ حضرت شیخ احمد چشتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تعریف کرکے فرماتے ہیں:

چشتیاں ہمہ چناں بودند از خلق بیباک ودر باطن پاک ودر معرفت وفراست چالاک ہمہ احوال ایشاں باخلاص وترک ریا بود ہیچ گونہ در شرع سستی روا نداشتندے۔[3]	تمام چشتی حضرات ایسے ہی تھے کہ مخلوق سے بے خوف، باطن میں پاک اور معرفت وفراست میں باکمال ان کے تمام احوال اخلاص اور بے ریائی پر مبنی تھے اور کسی طرح بھی شریعت میں سستی برداشت نہ کرتے۔(ت)

اور نسخہ قدیمہ نفحات شریف میں کہ تین سو برس کا لکھا ہوا ہے یوں ہے:

ہیچگونہ سستی روا نداشتندے در شرع تابتہاون چہ رسد[4]۔	کسی طرح بھی شرع میں سستی روا نہ رکھتے تو کوتاہی کہاں ہوتی۔(ت)

ہمارے چشتی بھائی حضرات چشت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا حال کریم مشاہدہ کریں کہ اصلاً

[1] نفحات الانس القول فی اثبات الکرامۃ للاولیاء ازانتشارات کتابفروشی محمودی تہران ایران ص ۲۶

[2] لطائف اشرفی لطیفہ پنجم مکتبہ سمنانی کراچی ۱۰/ ۱۲۹

[3] نفحات الانس ذکر شیخ احمد چشتی ازانتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۳۴۰

[4] نفحات الانس ذکر شیخ احمد چشتی ازانتشارات کتاب فروشی محمودی تہران ایران ص ۳۴۰

شرع میں سستی وکاہلی بھی جائز نہ رکھتے نہ کہ معاذاللہ احکام شرعیہ کو ہلکا جاننا چشتی ہونے کو بندگی شرع سے پروانہ آزادی ماننا والعیاذباللہ رب العالمین ۔سردار سلسلہ علیہ بہشتیہ حضرت سلطان الاولیاء شیخ المشائخ محبوب الٰہی نظام الحق والدین محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ارشادات عالیہ سنئے فرماتے :

(۱) چندیں چیز می باید تا سماع مباح شود مستمع و مسمع آلہ سماع، مسمع یعنی گویندہ، مرد تمام باشد کودک نباشد وعورت نباشد و مستمع آنکہ می شنود از یاد حق خالی نباشد و مسموع انچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد وآلہ سماع مزامیر است چوں چنگ درباب ومثل آں می باید درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال است [1]۔	چند چیزیں پائی جائیں تو سماع حلال ہوگا، سنانے والے تمام مرد بالغ ہوں بچے اور عورت نہ ہوں سننے والے اللہ تعالٰی کی یاد سے خالی نہ ہوں کلام فحش ومذاق سے خالی ہو اور آلات سماع سرنگی اور طبلہ وغیرہ نہ ہو توایسا سماع حلال ہوگا(ت)

(۲) ایک بار حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کسی نے عرض کی آجکل بعضے خانقاہ دار درویشوں نے مزامیر کے مجمع میں وجد کیا۔فرمایا:

نیکونہ کردہ اند انچہ نامشروع ست ناپسندیدہ ست [2]۔	اچھانہ کیا جو بات شرع میں ناروا ہے وہ کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

(۳) کسی نے عرض کی کہ جب وہ لوگ وہاں سے باہر آئے ان سے کہا گیا کہ تم نے یہ کیا کیا وہاں تومزامیر تھے تم نے وہاں جاکر کیوں قوالی سنی اور وجد کیا، وہ بولے ہم ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں مزامیر کی خبر نہ ہوئی، حضرت شیخ المشائخ نظام الحق والدین نے فرمایا:

ایں جواب ہم چیزے نیست ایں سخن درہمہ معصیتہا بیاید [3]۔	یہ جواب بھی محض مہمل ہے سب گناہوں میں یہی حیلہ ہو سکتاہے۔

[1] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۰۲۔۵۰۱

[2] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۰

[3] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد ص ۵۳۱

دیکھو کیسا قاطع جواب ارشاد ہوا۔ آدمی شراب پیے اور کہہ دے کمال استغراق کے سبب ہمیں خبر نہ ہوئی کہ شراب ہے یا پانی، زنا کرے اور کہہ دے ہمیں تمیز نہ ہوئی کہ جورو ہے یا بیگانی۔

(۴) ایک بار کسی نے عرض کی کہ فلاں موضع میں بعض یاروں نے مجمع کیا اور مزامیر وغیرہ حرام چیزیں ہیں، حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد نیکو نہ کردہ اند[1]۔	میں نے منع فرمادیا ہے کہ مزامیر و محرمات درمیان نہ ہوں، ان لوگوں نے اچھا نہ کیا۔

(۵) حضور کے خلیفہ شیخ محمد بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں حضرت محبوبیت منزلت نے اس باب میں نہایت شدت اور سخت تاکید سے ممانعت فرمائی یہاں تک کہ فرمایا کہ اگر امام نماز پڑھاتا ہو اور جماعت میں کچھ عورتیں بھی ہوں امام کو سہو واقع ہو، مرد تو سبحان اللہ کہہ کر امام کو مطلع کریں عورت بتانا چاہے تو کیا کرے، سبحان اللہ تو کہے گی نہیں کہ اسے اپنی آواز سنانی نہ چاہیے پھر کیا کرے۔

پشت دست بر کف دست زند و کف دست بر کف دست نہ زند کہ آں بہ لہو می ماند تا ایں غایت از ملاہی و امثال آں پرہیز آمدہ است پس در سماع طریق اولٰی کہ ازیں بابت نباشد[2]۔	ہاتھ کی پشت کو ہتھیلی پر مارے ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ مارے کیونکہ تالی لہو میں شمار ہوتی ہے۔ جب یہاں تک کہ آپ لہو والی چیزوں سے پرہیز فرماتے تو سماع میں بطریق اولٰی ضروری ہے کہ ایسا نہ ہو۔ (ت)

شیخ مبارک فرماتے ہیں:

یعنی در منع دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس در سماع مزامیر بطریق اولٰی منع است[3]۔	یعنی تالی بجانے میں منع کے لئے یہ احتیاط تھی تو سماع میں مزامیر سے منع بطریق اولٰی ہے۔ (ت)

سبحان اللہ! جو بندگان خدا تالی کو ناجائز جانیں بندگان نفس ان کے سر ستار اور ڈھولک کی تہمت باندھیں۔

---

[1] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲

[2] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲

[3] سیر الاولیاء باب نہم مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص ۵۳۲

(۶) حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کریمہ فوائد الفواد کہ حضرت کے مرید رشید میر حسن علا سجزی قدس سرہ کے جمع کئے ہوئے ہیں ان میں بھی حضور کا صاف ارشاد مذکور ہے کہ: مزامیر احرام ست [1]۔

(۷) حضور کے خلیفہ حضرت مولانا فخر الدین زراوی قدس سرہ نے حضور کے زمانہ میں حضور کے حکم سے دربارہ سماع ایک رسالہ عربیہ مسمّٰی بہ کشف القناع عن اصول السماع تالیف فرمایا، اس میں ہے:

اماسماع مشایخنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فبریئ عن ھذہ التھمۃ وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعۃ اللہ تعالٰی [2]۔	یعنی ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے پاک ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی کی خبر دیتے ہیں۔

مسلمانوں! یہ سچے یا وہ جو اپنی ہوائے نفس کی حمایت کو ان بندگان خدا پر مزامیر کی تہمت دھرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے بھائی مسلمانوں کو توفیق وہدایت بخشے آمین!

قول ۵۸: حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی کہ اجلہ اولیائے خاندان عالیشان چشت سے ہیں اور صرف ایک واسطہ سے حضرت مخدوم شاہ صفی قدس سرہ الوفی کے مرید ہیں جو صرف ایک واسطہ سے حضرت مخدوم شاہ مینا رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مرید ہیں: حضرت شاہ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

شبے درمدینہ منورہ پہلو بربستر خواب گزاشتم درواقعہ دیدم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معا درمجلس اقدس حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار یاب شدیم جمعے از صحبہ کرام واولیائے عظام حاضر اند دریںنا شخصے ست کہ آنحضرت	میں مدینہ منورہ میں ایک شب بستر خواب پر لیٹا تھا کہ میں نے عالم واقعہ میں دیکھا کہ میں اور سید صبغۃ اللہ بروجی دونوں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہیں اور صحابہ کرام اور اولیائے عظام کی ایک جماعت بھی موجود ہے انھیں میں ایک صاحب ایسے ہیں

[1] فوائد الفواد

[2] کشف القناع عن اصول السماع

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باولب بہ تبسم شیریں کردہ حرفہائے زنند والتفات تمام باومیدارند چوں مجلس آخر شداز سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں شخص کیست کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با اوالتفات بایں مرتبہ دارند گفت میر عبدالواحد بلگرامی ست و باعث مزید احترام او ایں ست کہ سبع سنابل تصنیف او درجناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقبول افتاد[1]۔	جن سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لب شیریں سے تبسم آمیز گفتگو فرمارہے اور ان کی جانب توجہ خاص رکھتے ہیں، جب یہ مجلس برخاست ہوئی تو میں نے سید صبغۃ اللہ صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب تھے جن کی جانب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس درجہ التفات ہے۔ انھوں نے فرمایا یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں، اور اس عزت وکرامت کا باعث یہ ہے کہ ان کی تصنیف کردہ کتاب سبع سنابل شریف بارگاہ نبوی میں سے شرف قبول پاچکی ہے۔ (ت)

یہی حضرت میر قدس سرہ المنیر اسی کتاب مقبول بارگاہ اقدس سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے صاحب تحقیق علمائے راہ دین کہ ورثہ انبیاء اندسہ طائفہ ہستند اصحاب حدیث وفقہاء وصوفیہ[2]۔	اے حق کے طلب کرنے والے وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں کہ ورثہ انبیاء ہیں ان کے تین گروہ ہیں اول محدثین، دوم فقہاء اور سوم صوفیاء (ت)

دیکھو کیسی صریح تصریح ہے کہ علمائے ظاہر وباطن سب وارثان انبیاء کرام ہیں علیہم الصلوۃ والسلام والثناء۔

قول ۵۹: یہی حضرت میر رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

شریعت محمدی ودین احمدی راہے ست سلیم وجادہ ایست مستقیم خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باچندیں ہزار افواج امت ازاولیاء واصفیاء وشہداء وصدیقان بران جادہ رفتہ وآنرااز خار وخاشاک شکوک وشبہات پاک رفتہ اعلام ومنازل آں معین ومبین کردہ از ہر قدمے	شریعت محمدی ودین احمدی وہ راہ سلیم وجادہ مستقیم ہے جس پر خاتم الانبیاء علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ اپنی امت کے ہزارہا اولیاء واصفیاء اور صدیقین وشہداء کے جلو میں گامزن رہے اور اسے ہر قسم کے خس وخاشاک اور شکوک وشبہات سے پاک فرمایا، اس کے مقامات ومنازل متعین و

[1] اصح التواریخ ۱/ ۱۶۸

[2] سبع سنابل سنبلہ اول مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴

نشانے باز دادہ در ہر منزلے نزلے نہادہ ورفع قطاع الطریق را بدرقہ ہمت بہمراہی فرستادہ اگر مہو سے مبتدعے بطریق دیگر دعوت کند باید کہ قول او مسموع ندارند واہل بدعت وضلالت طائفہ باشند کہ خود را در لباس اسلام بہ تلبیس پیدا آرند وعقائد فاسدہ خویش در باطن پوشیدہ دارند ایں جماعت اند اعدائے دین واخوان شیاطین وچوں بنور علم علمائے دین و مشائخ اسلام ظلمات بدعت ایشاں مکشوف میگردد ناچار علمائے شریعت را دشمن پندارند علمائے ربانی کہ نجوم سپہر اسلام اند مردم را از شر ایں شیاطین الانس محفوظ میدارند وانفاس نورانی ایشاں بمشابہ شہب ثواقب پیوستہ ایں مسترقاں (یعنی وزداں) شریعت ازہر جانبے میرانند وبرجم وقذف پراگندہ میگردانند [1]۔	روشن فرمادئے، قدم قدم پر نشانات ہیں اور منزل منزل بنیات اور رہزنوں سے حفاظت کے لیے جگہ جگہ رہنمائی کرنیوالے مقرر ہیں اور اولیائے کرام و صوفیائے عظام کے مسلک قدیم کے بر خلاف کوئی اور راہ دکھاتا ہے کسی اور طریقے کی طرف بلاتا ہے تو اس کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہئے بلکہ حمایت و نصرت حق کی نیت سے اس کی تردید وتغلیط کو منجملہ فرائض دینیہ سمجھنا چاہئے اہل بدعت وضلالت وہی تو ہیں جواز راہ فریب دہی لباس اسلام پہن کر (عوام اہل اسلام میں) آتے اور اپنے عقائد فاسدہ کو پوشیدہ رکھتے ہیں یہی لوگ اعدائے دین واخوان شیاطین ہیں اور چونکہ علمائے دین ومشائخ اسلام کے علم کے نور سے انکی گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں لامحالہ یہ لوگ علمائے شریعت کو دشمن سمجھنے لگے ہیں، علمائے ربانی کہ آسمان اسلام کے روشن ستارے ہیں عوام کو ان شیاطین الانس کے شر سے محفوظ رکھتے ہیں اور اپنے نورانی انفاس سے شہاب ثاقب کی مانند ہمیشہ ان دین کے لٹیروں اور چوروں کو ہر ہر طرف سے ہنکاتے اور ان پر لعنت ورد کے پتھر مار مار کر دُور دُراتے رہتے ہیں۔(ت)

اس جاہل نے کہ علمائے شریعت کو **معاذاللہ** شیاطین کہا تھا **الحمدللہ** کہ اولیائے کرام کی زبان درفشاں سے اللہ عزوجل نے ثابت کردیا کہ یہ جاہل اور اس کے ہم مشرب ہی شیاطین ودشمنان دین ہیں اور ہزار درہزار حمد اس کے وجہ کریم کو یہ کلمات عالیات بارگاہ رسالت میں معروض ہو کر مسجل بمہر قبول ہولئے **وللہ الحمد**۔

قول ۶۰: یہی سید جلیل عارف جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہ اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

چند شرائط می دان کہ بے آن شرائط اصلا پیری مریدی درست نیست یکے آنکہ پیر	پیری مریدی چند شرائط پر مبنی ہے جن کے بغیر پیری مریدی صحیح نہیں، ان شرائط میں پہلی شرط

[1] سبع سنابل سنبلہ اول مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص۸تا۹

مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم آنکہ پیر درادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد سوم آنکہ پیر راعقائد درست بود موافق مذہب سنت و جماعت پیری و مریدی بے ایں سہ شرائط اصلا درست نیست [1]۔	یہ ہے کہ پیر مسلک صحیح رکھتا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرعیہ ادا کرے، اور تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقائد مذہب اہلسنت و جماعت کے مطابق ہوں یہ وہ شرطیں ہیں جن کے بغیر پیری و مریدی ہرگز صحیح نہیں ہوسکتی۔ (یعنی اتباع احکام شریعت میں سست اور کاہل نہ ہوں) (ت)

پھر شرط اول کی تفصیل ارشاد فرماکر شرط دوم کے متعلق فرمایا:

شرط دوم پیر آنست کہ عالم وعامل باشد بر جملہ عبادات بر انواع ودرادائے احکام قاصر ومتہاون نبود واگر برانواع عبادات عالم نبود عامل نتواند شد، واز حد شرع بیفتد پس پیری رانشاید زیراکہ ہر کہ از مقام حقیقت بیفتد بر طریقت قرار گیرد، و ہر کہ از شریعت بیفتد گمراہ کردد وگمراہ پیر رانشاید امادر ویشے کہ مرجع خلائق بوداو رااحتیاط در جزئیات شریعت فرض لازم ست باید کہ یک دقیقہ از دقائق شرع ازوفوت نشود کہ وسیلہ گمراہی مریدان ست بجہت آنکہ گویند کہ پیر ما ایں چنیں کار کردہ است پس اوضال و مضل گردد [2]۔	پیری کی دوسری شرط کی توضیح یہ ہے کہ پیر کو عامل باعمل ہونا ضروری ہے، شریعت کی مقررہ فرمودہ عبادات واحکام میں کوتاہی اور سستی کو دخل نہ دے اب اگر کوئی شخص عبادات و (فرائض وواجبات، سنن ومستحبات، محرمات ومکروہات) سے واقف نہیں تو ظاہر ہے کہ وہ ان پر عمل نہ کرسکے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ حد شریعت سے گرجائے گا، اور اب پیر بننے کا اہل نہ رہے گا، اس لئے جو شخص مقام حقیت سے گرتا ہے وہ طریقت پر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے شرعیت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شخص شریعت سے گرتا ہے وہ گمراہی میں پڑجاتا ہے۔ اور گمراہ آدمی پیری کے قابل نہیں، پھر جو درویش کہ مرجع خلائق ہو اس پر شریعت کے احکام جزئی کی احتیاط فرض ولازم ہوجاتی ہے لہٰذا اس پر فرض ہے کہ شریعت کے آداب ومستحبات سے بھی کسی ادب ومستحب سے غافل نہ رہے اور اسے فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز مریدوں کی گمراہی کی سند ہوجاتی ہے۔

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص۳۹و۴۰

[2] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۲

	اور مریدیں اسے حجت بنا کر کہتے ہیں کہ ہمارے پیر صاحب نے تو یہ کیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ گمراہ و گمراہ کن بن جاتے ہیں۔(ت)

پھر تینوں شرطیں بیان کرکے فرمایا:

مرید کہ پیررا بایں ہر سہ شرائط موصوف یابد بیعت با او کند کہ جائز و مستحسن است واگر در پیرازیں ہر سہ شرائط یکے مفقود بود بیعت با او جائز نہ باشد واگر کسے از سبب نادانی باو بیعت کردہ باشد باید کہ ازاں بیعت بگردد[1]۔	غرض یہ کہ مرید جب پیر کو ان تینوں شرطوں کا جامع پائے تو اب اس کے ہاتھ پر بیعت کرے کہ جائز و مستحسن ہے اور اگر پیر میں ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس سے بیعت جائز نہیں بلکہ اگر کسی نے نادانستہ ایسے پیر سے بیعت کرلی تو اس پر اس بیعت کا توڑ دینا واجب ہے۔(ت)

خاتمہ رزقنا اللہ حسنہا

یہ بظاہر اگرچہ ساٹھ ۶۰ قول ہیں مگر حقیقۃً چالیس ۴۰ اولیاء کرام کے اسی ۸۰ ارشادات عالیہ ہیں کہ صدر کلام میں ۱ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد امر چہارم میں اور ۲ امام مالک اور ۳ امام شافعی کے اقوال امر ششم میں اور ۴ سید الطائفہ کا ارشاد زیر قول ۱۱، ۵ سیدی نابلسی کا زیر قول ۱۴، ۶ ایک ولی کا قول جن سے شیخ اکبر نے استفسار کیا بضمن قول ۳۸، ۷ علی خواص کا قول زیر قول ۴۲، ۸ علامہ نابلسی کا زیر قول ۵۲، ۹ حضرت خواجہ مودود کا قول بضمن قول ۵۶، ۱۰ شیخ الاسلام ہروی کا ایک قول اور حضرت سلطان الاولیاء محبوب ۱۱ تا ۱۶ الٰہی کے چھ اور حضرت شیخ ۱۷، ۱۸ محمد بن مبارک مرید شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دو قول، یہ سب زیر قول ۵۷، اور حضرت میر عبدالواحد کے دو قول ۱۹ تا ۲۰ زیر قول ۶۰، یہ بیس ۲۰ شمار میں آئے۔

رسالہ

مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء

ختم شد

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۳

رسالہ
الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ ۱۳۰۹ھ
(وہ یاقوت جو خالص عقد رابطہ کا ذریعہ ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۸۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صورت شیخ کو واسطہ وصول فیض جان کر وقت ذکر یا مراقبہ کے اس کا تصور کرتا ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اشتغال نقشبندیہ کے بیان میں اپنی کتاب قول الجمیل میں فرمایا ہے:

و اذا غاب الشیخ عنه یتخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته [1]۔	جب کسی کا شیخ غائب ہو تو محبت اور تعظیم کے ساتھ اس کی صورت کو اپنی آنکھوں کے سامنے خیال کرے تو اس کی صورت وہی فائدہ دے گی جو اس کی مجلس دیتی ہے۔(ت)

اس طور پر کہ حق سبحانہ وتعالٰی کی ذات پاک سے مرشد کے لطائف میں فیض نازل ہو کر مرید کے لطائف

[1] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل السادس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۱ و ۸۲

پر وارد ہوتا ہے۔ اور یہ بھی جب تک کہ اس کو مناسبت کاملہ ذات حق سبحانہ وتعالٰی سے نہ ہو اور جب مناسبت کاملہ پیدا ہو جائے پھر ضروری نہ جانے اور مرشد کو فقط واسطہ اور وسیلہ فیض کا جانتا ہے۔ نہ عالم الغیب جانے نہ حاضر و ناظر اور معبود و مسجود مقرر کرے بلکہ ان امور کا غیر خدا کے واسطے ثابت کرنا شرک سمجھے جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو اس کی سند قرآن ہے یا حدیث یا قول مجتہد یا اجماع؟ اگر نہیں جائز تو ادلہ اربعہ سے اس کے لئے کون سی دلیل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ الذی ہدٰنا لربط القلوب باعظم برزخٍ بین الامکان والوجوب والصلٰوۃ والسلام علی اجمل مطلوب اجل وسیلۃ لاصلاح الخطوب صلٰوۃ تمحو رین العیوب وتمثل فی الفواد صورۃ المحبوب منشھدا بالتوحید لعلام الغیوب وبالرسالۃ الکبرٰی لشفیع الذنوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسائط الکرم قال الفقیر عبدالمصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی لمّ اللہ تعالٰی شعثہ وتحت اللواء الغوثی بعثہ۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جس نے دلوں کے ربط کے لئے امکان اور وجوب کے درمیان برزخ اعظم کی رہنمائی عطا فرمائی اور صلٰوۃ وسلام خوبصورت مطلوب اور خطرات کی اصلاح کے لئے جلیل وسیلہ پر، ایسی صلٰوۃ جو عیوب کو مٹادے اور دلوں میں محبوب کی صورت کو قائم کردے علام الغیوب کی توحید اور شفیع المذنبین کی رسالت کبرٰی کی شہادت دیتے ہوئے، صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وصحبہ پر جو برگزیدہ واسطے ہیں، ز فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی کہتا ہے اللہ تعالٰی اس کو پراگندگی سے محفوظ فرمائے اور حضور غوث اعظم کے جھنڈے تلے اٹھائے۔(ت)

تصور شیخ بروجہ رابطہ جسے برزخ بھی کہتے ہیں جس طرح حضرات صوفیہ صافیہ قدسنا اللہ تعالٰی باسرارھم الوافیہ میں خلفا عن سلف معمول وماثور اور ان کی تصانیف منیفہ ومکتوبات شریفہ وملفوظات لطیفہ میں بتواتر مذکور ومسطور وغیر مسطور کہ شبح شیخ حاشا بلکہ عین شیخ (کہ شیخ حضوراً وغیبۃً مرآت ملاحظہ ہے۔ اور کار حقیقۃً کار روح جو بعد صفائی کدورات حیوانیہ وانجلائے ظلمات نفسانیہ صورت واحدۃ شہادت وہیاکل متکثرہ مثالیہ میں، دفعۃً ہزار جگہ کام کرسکتی ہے جیسا کہ بارہا مشاہدہ

ومرئی اور حضرات اولیاء سے بکثرت مروی اور عالم رؤیا میں بے شرط ولایت جاری، جسے افعال عجیبہ و تصرفات غریبہ روح انسانی پر اطلاع حاصل وہ جانتاہے کہ یہ تو اس کے بحار ذاخرہ وامواج قاہرہ سے ایک قطرہ قلیلہ ہے اور خود بعد تمرن واعتیاد و تکامل مناسبت اس صورت متخیلہ کا بے اعانت تخییل حرکت وکلام اور مشکلات راہ میں قیام واہتمام اور دقائق وحقائق کا شفاہًا حل تام کماتشھد بہ شھود الشھود و التجربۃ (جیساکہ مشاہدہ اور تجربہ گواہ ہے۔ت) دلیل جلی وسلیل ہے کہ یہ فقط پیکر مخزون کا علی عکس المعتاد خزانہ خیال سے حس مشترک کی طرف عود قہقری نہیں بلکہ وہی مرکب مثال میں شہسوار روح کی جولانیاں ہیں اگرچہ خود فاعل کو شعور یعنی شعور بالشعور نہ ہو،

کماھو المشھود لعموم الناس فی غیبۃ الرؤیا۔	جیساکہ عوام الناس کو خواب کے بارے میں معلوم ہے۔ (ت)

ورنہ صدور افعال اختیاریہ کو شعور سے انفکاک نہیں۔

اتقن ھذا فانہ مھم نافع ولاکثر الشبھات حاسم قالع۔	اس کو خوب یاد رکھو کیونکہ یہ اہم نافع ہے اور بہت سے شبہات کو ختم کرتاہے۔(ت)

صرف واسطہ وصول وناؤوان فیض وباعث جمیعت خاطر وزوال تفرقہ ہائے شرعاجائز جس کے منع پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ شرک وکفر کہنا جیساکہ زبان زد سفہائے منکرین ہے۔والناس اعداء لما جھلوا (لوگ جس سے ناواقف ہوں اس کے مخالف ہوتے ہیں۔ت)۔

منعم کنی زعشق وے اے زاہد زماں　　　معذور دارمت کہ تو او راندیدہ

(اے زمانہ کے زاہد! تو مجھے عشق سے منع کرتا ہے مجھے معذور رکھ کیونکہ تو نے اسے دیکھا نہیں۔ت)

ورحم اللہ القائل (اس قائل پر اللہ رحم فرمائے۔ت)۔

جنگ ہفتاد و ملت ہمہ راعذر بنہ　　　چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زوند

(بہتر ۷۲ فرقوں سے جنگ میں ان سب کو معذور جان جب وہ حقیقت سے آگاہ نہیں تو اس راہ پر نہ چلیں گے۔ت)

یا ھذا بقاعدہ اصول وتصادق وتطابق معقول ومنقول، بینہ ذمہ مدعی ہے اور قائل جواز متمسک باصل جسے ہرگز کسی دلیل کی حاجت نہیں، بعض حضرات جہلا یا تجاہلا مانع فقہی وبحثی میں فرق نہ کرکے دھوکا کھاتے ہیں یا مغالطہ دیتے ہیں کہ تم قائل جواز اور ہم مانع ومنکر تو دلیل تم پر چاہئے۔ حالانکہ یہ سخت ذہول وغفلت یا

کید وخدیعت ہے نہ جانا یا جانا اور نہ مانا کہ قول جواز کا حاصل کتنا صرف اس قدر کہ لم ینه عنه یالم یؤمر به ولم ینه عنه (یہ ممنوع نہیں یا نہ مامور ہے نہ ممنوع۔ ت) تو مجوز نافی امر و نہی ہے اور نافی پر شرعا وعقلا بینہ نہیں جو حرام و ممنوع کہے وہ نہی شرعی کا مدعی ہے ثبوت دینا اسکے ذمے ہے کہ شرع نے کہاں منع کیا ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی رسالۃ الصلح بین الاخوان میں فرماتے ہیں:

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالٰی باثبات الحرمة والکراهة الذین لابدلهما من دلیل بل فی الاباحة التی هی الاصل[1]۔	حرام اور مکروہ قرار دینے میں اللہ تعالٰی پر افتراء باندھنے میں احتیاط نہیں ہے ان دونوں حکموں کے لئے دلیل چاہئے بلکہ احتیاط اباحت میں ہے جو اصل حکم ہے۔ (ت)

علامہ علی مکی رسالہ اقتدا بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلة هو الصحة واما القول بالفساد والکراهة فیحتاج الی حجة[2]۔	مسلمہ بات ہے کہ ہر مسئلہ میں اصل صرف اباحت ہے فساد اور کراہت کے حکم کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔ (ت)

غرض مانع فقہی مدعی بحثی ہے اور جواز کا قائل مثل سائل مدعا علیہ جس سے مطالبہ دلیل محض جنون یا تسویل اس کے لئے یہی دلیل بس ہے کہ منع پر کوئی دلیل نہیں۔ مسلم الثبوت میں ہے:

کل ماعدم فیه المدرك الشرعی للحرج فی فعله وترکه فذلك مدرك شرعی لحکم الشارع بالتخییر[3]۔	کسی کام کے کرنے میں اور نہ کرنے میں حرج کے مسئلہ میں کوئی شرعی دلیل نہ ہو تو یہ خود شرعی دلیل ہے کہ شرعا اختیار ہے۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ رسالہ اقامة القیامة علی طاعن القیام لنبی تهامه (۱۲۹۹ھ) ورسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین (۱۳۰۱ھ) وغیرہما میں اس بحث کو واضح کرچکا وللہ الحمد امثال مقام میں نہایت سعی منکرین عدم نقل سے استدلال ہے۔ ذٰلك مبلغهم من العلم (یہی ان کے

---

[1] الصلح بین الاخوان (رسالہ)

[2] الاقتداء بالمخالف (رسالہ)

[3] مسلم الثبوت المقالة الثانیه الباب الثانی مطبع انصاری دہلی ص ۲۴

علم کی پہنچ ہے۔ ت) مگر نزد عقلاء، فضلاء عن الفضلاء یہ بے اصل استناد تشبث بالحشیش وخرط القتاد (تنکے کا سہارا اور مشکل میں پھنسنا ہے۔ ت) عدم نقل، نقل عدم نہیں، نہ عدم فعل منع کو مستلزم، کاش خود معنی جواز لم یؤمر به ولم ینه عنه (نہ اس کا حکم اور نہ اس کی ممانعت ہے۔ ت) کو سمجھتے تو جانتے کہ جس امر سے اس کا ابطال چاہتے ہیں وہ خود اس کی حد کا احد المصادیق ہے۔ کہ نقل مع عدم الطلب فعلا وکفا وعدم ذکر راسا دونوں اسی انعدام امر ونہی کی صورتیں ہیں تو یہ استدلال ایسا ہوا کہ ثبوت اخص کو ارتفاعِ اعم پر دلیل بنائے وھل ھوالا بھت بحت (یہ خاص بہتان ہے۔ ت) یہ بحث بھی فقیر نے اپنے رسائل مذکورہ ونیز رسالہ انھار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ) ورسالہ سرور العید السعید فی حل الدعاء بعد صلٰوۃ العید (۱۳۰۷ھ) وغیرہا میں تمام کردی۔

ولمن احسن تفصیل تلك المباحث ختام المحققین امام المدققین اعلم العلماء سیف السنة علم الاسلام سیدنا الوالد قدس الواجد سرالماجد فی کتابه الجلیل "اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد و القیام" وسفرہ الجمیل "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" و غیرھما من تصانیفه الجیاد علیه الرحمة الجواد۔	ان مباحث کی اچھی تفصیل کرنے والوں میں سب سے بہتر خاتم المحققین علماء کرام کے بڑے سنت کی تلوار، اسلام کے جھنڈے حضرت والد گرامی کی کتاب "اذاقة الاثام لمانعی عمل المولد والقیام" اور کتاب جمیل "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" وغیرہما میں ہے۔ اللہ تعالٰی ان پر رحمت فرمائے۔ (ت)

اور اگر عدم ورود ہی پر مدار منع ٹھہرا تو ایک شغل برزخ ہی پر کیا موقوف، عامہ اشغال وافکار اور ان کے طریق واطوار کہ طبقة فطبقة تمام اکابر اولیائے قدست اسرارہم میں رائج ومعمول رہے سب معاذاللہ بدعت شنیعہ وحرام وممنوع قرار پائیں گے کہ ان میں بہت تو راسًا اور بہت بایں ہیئات خاصہ واوضاع جزئیہ ہرگز حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ وتابعین سے ثابت نہیں ہاں ہاں قول الٰہی عزوجل:

فیمایرویه عنه نبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من عادی لی ولیافقد اٰذنته بالحرب، کمافی الجامع الصحیح وغیرہ [1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اللہ تعالٰی سے روایت فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں جیساکہ صحیح بخاری میں وغیرہ میں ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب التواضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

بھلا کر بہنایت وقاحت اس لازم شنیع کا التزام کرلینا اور جماہیر اساطین طریقت وسلاطین حقیقت کو معاذاللہ مخترع بدعات و مروج سیئات کہہ دینا اگرچہ منکر مکابر کے نزدیک سہل ہو،

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ"[1]	بغض ان کے منہ سے ظاہر اور جو ان کے دلوں میں ہے وہ اس سے بڑھ کر ہے۔(ت)

مگر اتنا یاد رہے کہ یہ مان کر گھر کی بھی جائے گی ذرا امام الطائفہ کے نسبًا دادا، تلمذا دادا، بیعةً پر دادا، جناب شاہ ولی اللہ صاحب کو بھی سن لو کہ وہ قول الجمیل میں جس کی وضع انھیں افکار محدثہ واشغال حادثہ کی ترویج وتعلیم کے لئے ہے کیسا کھلا اقرار فرماتے ہیں:

صحبتنا متصلة الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان لم یثبت تعین الاداب ولا تلك الاشغال[2] اهملخصاً۔	ہماری صحبت تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے اگرچہ خاص یہ آداب واشغال ثابت نہیں۔اھ ملخصا۔

اسی میں ہے:

لاتظن النسبة لاتحصل الابهذا الاشغال بل هذا طریق لتحصیلها من غیر حصر فیها وغالب الرائ عندی ان الصحابة والتابعین کانوا یحصلون السکینة بطرق اخری[3] الخ۔	یہ نہ سمجھنا کہ نسبت بس انھیں اشغال سے حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ بھی اس کی تحصیل کے طریقے ہیں کچھ ان میں حصر نہیں اور میرا زیادہ گمان یہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور ہی طریقوں سے نسبت حاصل فرماتے تھے الخ۔

معلم ثالث وہابیہ مولوی خرم علی صاحب مصنف نصیحۃ المسلمین کے ترجمہ شفاء العلیل میں اس کے بعد لکھتے ہیں:

"مترجم کہتا ہے کہ مصنف نے کلام دلپذیر اور تحقیق عدیم النظیر سے شبہات ناقصین کو جڑ سے اکھاڑ دیا، بعض نادان کہتے ہیں کہ قادریہ چشتیہ نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہ وتابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئی، خلاصہ جواب یہ ہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل السابع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص

[3] القول الجمیل مع شفاء العلیل الفصل الحادی عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

جس امر کے واسطے اولیائے طریقت رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمانہ رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کے مانند ہوئے مجتہدین شریعت نے استنباط احکام ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے، اولیائے طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے جس کو طریقت کہتے ہیں قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ البتہ ہے کہ حضرات صحابہ کو بسبب صفائی طبیعت اور حضور خورشید رسالت تحصیل نسبت میں اشغال کی حاجت نہ تھی بخلاف متاخرین کے ان کو بسبب بعد زمان رسالت کے البتہ اشغال مذکورہ کی حاجت ہوئی، جیسے صحابہ کرام کو قرآن وحدیث کے فہم میں قواعد صرف ونحو کے دریافت کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بالفعل کے عرب اس کے محتاج ہیں واللہ اعلم۔"[1]

امام الطائفہ کے نسبا چچا علماً باپ طریقۃً دادا مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ قول الجمیل میں فرماتے ہیں:

"اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات وہیئات واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے ہیں مناسبات مخفیہ کے سبب سے جن کو مرد صافی الدین اور علوم حقہ کا عالم دریافت کرتا ہے (الی قولہ) تواس کو یاد رکھنا چاہئے[2]"اھ بترجمہ البلہوری۔

مولوی بلہوری اسے نقل کرکے کہتے ہیں: "یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں[3]"

مرزا مظہر جان جاناں صاحب (جنھیں شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے مکتوبات میں نفس زکیہ وقیم طریقہ احمد وداعی سنت نبویہ ومتجلی بانواع فضائل وفواضل کہا) اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں:

"مراقبات باطوار معمولہ کہ درقرون متاخرہ	موجودہ طریقوں کے مراقبات جوآخر زمانہ میں

[1] شفاء العلیل مع القول الجمیل ساتویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۰۷و۱۰۸

[2] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۱و۵۲

[3] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵۲

رواج یافتہ از کتاب وسنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشائخ بطریق الہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند شرع ازاں ساکت ست وداخل دائرہ اباحت "[1]	مروج ہوئے کتاب وسنت سے ماخوذ نہیں ہیں بلکہ مشائخ حضرات نے بطور الہام اللہ تعالٰی سے پائے ہیں جبکہ شریعت ان کی تفصیل سے ساکت ہے اور اباحت کے درجہ میں ہیں ۔(ت)

انھیں کے ملفوظات میں ہے:

"حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ طریقہ نو بیان نمودہ اند[2]"۔	حضرت مجدد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نئے طریقے بیان فرمائے ہیں(ت)

اسی میں ہے:

"حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اند[3]"	حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃاللہ علیہ نے جدید طریقہ بیان فرمایا ہے۔(ت)

بات کے پورے توجب ہیں کہ آنکھیں بند کرکے ان صاحبوں کو بھی بدعتی کہہ بھاگیں ورنہ یہ توستم سینہ زوری ہوئی کہ اکابر محبوبان خدا قرون متطاولہ سے سب **معاذاللہ** مجرم احداث چنیں وچناں ٹھہریں اور ان صاحبوں پر صرف لالچ سے کہ امام الطائفہ کے علاقہ والے ہیں آنچ نہ آئے یہ تو دین نہ ہوا دھینگا مشتی ہوئی،اے حضرت! یہ سب ایک طرف خود امام الطائفہ کی خبر لیجئے وہ سربازار اپنا اور اپنے پیر ومرشد کا بدعتی ومخترع الدین ہونا پکاررہا ہے صراط مستقیم میں لکھتا ہے:

"اشغال مناسبہ ہروقت ریاضت ملائمہ ہر قرن جدا جدامے باشند و لہٰذا محققین ہروقت از اکابر ہر طرق در تجدید اشغال کوششا کردہ اند بناءً علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضا کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعین کردہ شود [4]"	ہر وقت کے مناسب اشغال اور ریاضات ہر زمانہ کے مناسب جدا جدا ہیں اور اسی لئے وقت کے محقق لوگ اپنے طریقہ وسلسلہ کے اکابر سے اشغال کی تجدید میں کوشش کرتے رہے ہیں، اسی بناء پر وقتی مصلحت کے تحت اس کتاب کا ایک باب موجودہ وقت کے اشغال جدیدہ کے بیان کے لئے مختص کیا گیا ہے۔(ت)

[1] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۳
[2] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۰
[3] مکتوبات مرزا مظہر جانجاناں از کلمات طیبات مکتوب یازدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳
[4] صراط مستقیم مقدمۃ الکتاب المکتبہ السلفیہ لاہور ص ۷،۸

خدارا ذرا ہٹ دھرمی کی نہیں سہی خدا لگتی کہو تو نہ صرف اشغال بلکہ تمام بحث تعریف بدعت کا یہیں خاتمہ ہوگیا اب کیا ہوئے وہ قرون ثلثہ کی تخصیص پر جبروتی اصرار، اب کدھر گئی، وہ بات بات پر **من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد**[1] (جس نے نیا عمل جاری کیا جو ہمارے امر میں سے نہیں وہ مردود ہے۔ت) اور **کل بدعة ضلالة وکل ضلالة فی النار**[2] (ہر بدعت ضلالۃ ہے اور ہر ضلالت جہنم میں ہے۔ت) کی تکرار امام وہابیت کیشاں اور ان کے حضرت ایشاں تیرھویں صدی میں بیٹھے خاص امر اعظم دین و وجوہ تقرب رب العالمین میں نئی نئی باتیں گھڑرہے ہیں جن کا خود ان کے اقرار سے تین قرن کیا معنٰی تین تین چھ اور چھ اور چھ بارہ قرن تک نام ونشاں نہیں، لیکن وہ بدعتی ٹھہرتے ہیں نہ ان کے اصل ایمان میں خلل آتا ہے نہ ان کے لئے **اصحاب البدع کلاب اھل النار**[3] (بدعت والے اہل جہنم کے کتے ہیں۔ت) پڑھا جاتا ہے نہ یہ باتیں رد وضلالت وفی النار ہوتی ہیں، یہ **یجوز للوھابی مالا یجوز لغیرہ** (جو غیر کے لئے جائز نہیں وہابی کے لئے جائز ہے۔ت) کا فتوٰی کہاں سے آگیا، اب اسے کیا کہئے، مگر یہ کہ **اذالم تستحی فاصنع ماشئت**[4] (جب تجھے حیا نہیں تو جو چاہے کر۔ت) مولٰی عزوجل ہدایت بخشے، آمین!

خیر بات دور پہنچی خاص مسئلہ شغل برزخ کے متعلق نصوص اکابر وعمائد حاضر کردن مگر حاشانہ ارشادات حضرات اولیائے قدست اسرارہم کہ:

اوّلاً: وہ بنہایت ظہور محتاج اظہار نہیں موافق ومخالف کون نہیں جانتا کہ طریقہ اکابر اولیاء کا معمول رہا اور ان کی تصانیف جلیلہ میں جابجا اس کی روشن تصریحیں ہیں۔

ثانیاً: شاید ان کے ارشاد منکر متعصب کو نفع بھی نہ دیں، ہاں شاید کیوں یقیناً نہ دیں گے کہ منکر خود بھی ارشاد اولیاء سے قولاً و فعلاً اس کے متواتر ثبوت پر مطلع پھر بھی برسر انکار وابطال وادعائے ضلال ہے اللہ تعالٰی کی بےشمار رحمتیں شیخ شیوخ الہند عاشق المصطفٰی وارث الانبیاء ناصر الاولیاء مولانا وبرکتنا حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس اللہ تعالٰی سرہ القوی پر کہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلح ۱/ ۳۷۱ وسنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۷۹، کنزالعمال حدیث ۱۱۰۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] الدرالمنثور تحت آیۃ ۷/ ۱۷۸ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۱۴۷

[3] کنزالعمال حدیث ۱۰۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۸

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

اشعۃاللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"وآنچہ مروی ومحکی ست از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح کمل واستفادہ ازاں خارج از حصرست درکتب و رسائل ایشاں ومشہورست میاں ایشاں وحاجت نیست کہ آں راذکر کنیم وشاید کہ منکر متعصب سود نکند او راکلمات ایشاں عافانا اللہ من ذٰلك [1]"	کاملین کی روح سے استمداد واستفادہ جو اہل کشف مشائخ سے مروی ہے اور ان کی کتب ورسائل میں مذکور ومشہور ہے ان بے شمار مرویات کو ذکر کرنے کی ہمیں حاجت نہیں اور شاید متعصب منکرین کو ان کا کلام سود مند بھی نہ ہو، اللہ تعالٰی ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔(ت)

افسوس ان مدعیان حقانیت کی حالت یہاں تک پہنچی کہ بندگان خدا محبوبان خدا کے کلام ان کے سامنے پیش کرنا عبث وبے سود سمجھتے ہیں بلکہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے مقابلے میں اور بھی گستاخیوں پر نہ اتر آئیں عافانا اللہ تعالٰی من کل ذٰلک (اللہ تعالٰی ہمیں اس سب سے محفوظ رکھے۔ت) لہٰذا میں صرف اقوال علماء پر اکتفا کروں جنھیں مانے بغیر بے چارے مخالف کو چارہ نہیں۔

۱شاہ ولی اللہ صاحب کی ایک عبارت تو سائل نے سوال میں نقل کی جس کے ترجمہ میں ۲معلم ثالث وہابیہ شفاء العلیل میں یوں کہتے ہیں: "جب مرشد اس کے پاس نہ ہو تو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان خیال کرتا رہے بطریق محبت اور تعظیم کے تو اس کی خیالی صورت وہ فائدے دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔[2]"

یہیں ۳مولٰنا شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کیا مولانا نے فرمایا: "حق یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ ترقریب ہے[3] انتہی۔

اب کون کہے کہ شاہ صاحب! یہ وہی راہ ہے جسے کچھ دنوں بعد آپ کے قریب گھر والے ٹھیٹ بت پرستی بتانے کو ہیں، ۴شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ میں فرماتے ہیں:

الطریق الثالث طریق الرابطۃ بالشیخ	یعنی خدا تک پہنچنے کی تیسری راہ شیخ کے ساتھ رابطہ کا

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجہاد باب حکم الاسراء فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۴۰۲

[2] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۱و۸۲

[3] شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۸۰

(الی ان قال)ینبغی ان تحفظ صورتہ فی الخیال و تتوجہ الی القلب الصنوبری حتی تحصل الغیبۃ و الفناء من النفس[1]۔	طریقہ ہے چاہئے کہ اس کی صورت اپنے خیال میں محفوظ رکھ کر قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ اپنے نفس سے غیبت وفنا ہاتھ آئے(ت)

۵اسی میں ہے:

ان وقفت عن الترقی فینبغی ان تجعل صورۃ الشیخ علی کتفک الایمن وتعتبر من کتفک الی قلبک امراً ممتدا وتاتی بالشیخ علی ذٰلک الامر الممتد و تجعلہ فی قلبک فانہ یرجی لک بذٰلک حصول الغیبۃ والفناء[2]۔	یعنی اگر تو ترقی سے رک رہے تو یوں چاہئے کہ صورت شیخ کو اپنے داہنے شانے پر اور شانے سے دل تک ایک امر کشیدہ فرض کرلے اور اس پر صورت شیخ کو لاکر اپنے دل میں رکھے کہ اس سے تیرے لئے غیبت وفنا ملنے کی امید ہے۔

یہ عبارتیں شاہ صاحب نے رسالہ ۶تاجیہ نقشبندیہ سے نقل کیں جن کی نسبت لکھا کہ حضرت والد بزرگوار یعنی ۷شاہ عبدالرحیم صاحب اسے بہت پسند فرماتے اور مریدوں کو اس کے سلسلہ پر چلاتے[3]۔ ۸اسی میں یہ بھی لکھا کہ:

"تفرقہ مستمر ہو تو اپنے مرشد مربی کی صورت خیال میں حاضر کر، امید ہے کہ اس کی برکت سے تفرقہ مبدل بجمعیت ہو[4]"

اسی انتباہ میں رسالہ ۹عزیزیہ سے جس کی اجازت اپنے والد ماجد سے پائی لکھا:

"صورت مرشد پیش خود تصور کردہ بعد ذکر گوید الرفیق ثم الطریق درحق ایشاں ست وبرائے نفی خواطر نفسانی وہواجس شیطانی ووساوس ظلمانی اثرے تمام دارد[5]"	مرشد کی صورت کو پیش خاطر رکھے اور ذکر کے بعد کہے الرفیق اور پھر الطریق مرشد کے حق میں ہے یہ طریق نفسانی خواہشات اور شیطانی وسوسوں کی نفی میں مؤثر ہے۔(ت)

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۴۱و۴۲
[2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۴۲
[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ طریقہ نقشبندیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۳۲
[4] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان دفع وسوسہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۴۷
[5] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان طریقہ چشتیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص۹۲

"اسی رسالہ مذکور سے لکھا:

بلکہ حضرت سلطان موحودیں برہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق والشرع والدین مخدوم مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنیں می فرمودند کہ صورت مرشد کہ ظاہر دید میشود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالٰی ست در پردہ آب وگل واما صورت مرشد کہ درخلوت نمودارم شہود آں مشاہدہ حق تعالٰی ست بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ تعالٰی خلق اٰدم علی صورۃ الرحمٰن من رانی فقد رای الحق در حق اودرست شدہ[1]۔"	بلکہ حضرت شیخ جلال الدین مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس سرہ بمع القابہ یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت کا ظاہری مشاہدہ آب وگل کے پردہ میں اللہ تعالٰی کا مشاہدہ ہے اور مرشد کی خلوت میں نمودار ہونے والی صورت یہ اللہ تعالٰی کا آب وگل کے پردہ کے بغیر مشاہدہ ہے اللہ تعالٰی نے آدم کی صورت رحمٰن کی صفت پر پیدا کی جس نے مجھے دیکھا تو بیشک اس نے حق دیکھا، اس پر درست ثابت ہوگا۔(ت)

"شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں زیر قولہ تعالٰی **واذکر اسم ربك** لکھتے ہیں:

یعنی یاد کن نام پروردگار خود را بر سبیل دوام وہر وقت وہر شغل خواہ بزبان خواہ بقلب خواہ بروح خواہ بہ سر خواہ بخفی خواہ باخفی خواہ بنفس خواہ ذکر یک ضربی خواہ دوضربی خواہ بحبس نفس خواہ بے حبس خواہ بدون برزخ خواہ بابرزخ **الی غیر ذٰلك من الخصوصیات التی استنبطھا الماھرون من اھل الطرائق** وتعین احد الشقین ازیں خصوصیات مذکورہ مفوض بصوابدید شیخ ومرشد ست کہ بحسب حال ہرچہ را اصلح داند تلقین فرمایا ید چنانچہ درآیت دیگر فرمودہ **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم**	اللہ تعالٰی کو ہر وقت اور ہر شغل میں یاد رکھ دل روح، سری، خفی، سانس یک ضربی یا دوضربی ہو یا سانس بند کرکے ہو یا بغیر بند کئے ہو، برزخ کے ذریعے یا بے برزخ وغیرہا خصوصیات جن کو اہل طریقت سے ماہرین نے اخذ کیا ہے ان میں سے کسی مخصوص طریقہ کو متعین کرنا مرشد کی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ حال کے مطابق جس کو مناسب سمجھے اس کی تلقین کرے جس طرح دوسری آیہ کریمہ میں ارشاد ہے کہ اگر تم

[1] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ بیان طریقہ چشتیہ عباسی کتب خانہ کراچی ص ۹۲ و ۹۳

لاتعلمون[1] اھ ملتقطا۔	نہ جانو تو اہل ذکر سے سوال کرو اھ ملتقطا (ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) اس عبارت سے جیسا کہ تصور برزخ کا جواز ثابت ہوا اس کے سوا اور بھی فوائد جلیل حاصل مثلاً:

۱ **ایک**: یہ کہ شغل برزخ کے ساتھ ذکر کرنا اطلاق آیت قرآنی کے تحت میں داخل۔

۲ **دوم**: مطلق ذکر پر قرآن وحدیث میں جو عظیم ترغیبیں آئیں اسے بھی شامل۔

۳ **سوم**: مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اس کا حکم اس کے جمیع مقیدات میں ساری شرع میں صرف اس کی اجازت ان کی اجازت کے لئے کافی جس کے بعد خصوصیات خاصہ کے ثبوت خاص کی حاجت نہیں مطلق اصولی کو مطلق منطقی سمجھنا محض خطا ہے۔

۴ **چہارم**: نیک بات بانضمام اوضاع خاصہ بد نہیں ہوسکتی جب تک اس منضم میں کوئی محذور خاص شرع سے ثابت نہ ہو،

۵ **پنجم**: قائل جواز کو صرف اس قدر بس کہ یہ مقید زیر مطلق داخل، جو ممنوع بتائے وہ مدعی ہے اس صورت خاصہ سے منع ثابت کرے۔

۶ **ششم**: ہیئات عبادات توقیفی ہے ولہذا سیر ووقوف دونوں میں شرع مطہر کا اتباع واجب جہاں وہ تھم رہے ہم آگے نہ بڑھیں جہاں وہ آگے چلے ہم تھم نہ رہیں تو اپنی طرف سے اطلاق مقید وتقیید مطلق دونوں ممنوع جس طرح بعد حصر فی وجہ احداث وجہ، آخر شرع پر زیادت یونہی بعد اطلاق اجازت منع بعض صور شرع کی مخالفت اس توقیف وتوقف کے یہ معنی ہیں نہ وہ کہ عبادات الٰہیہ کو **معاذاللہ** غیر معقول المعنی، سمجھ کر مطلقاً وارد ومورد پر مقتصر کردیجئے **کمازعم المتکلم القنوجی** (جیسا کہ قنوجی متکلم نے سمجھا ہے۔ت)

۷ **ہفتم**: بدعت شرعیہ کی یہ تفسیر کہ جو بات زمانہ اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھی یا جو کام صحابہ نے نہ کیا یا جو کچھ قرون ثلثہ میں نہ تھا۔

کما تزعمه النجدية على تفرق كلهم فيما بينهم تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۱۴﴾ "[2]۔	جیسا کہ نجدی حضرات متفرق باتیں کرتے ہیں "تم ان کو جمع خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں یہ اس لئے کہ وہ بے عقل قوم ہیں" (ت)

۸ **ہشتم**: بدعت لغویہ کہ تفاسیر مذکور حقیقۃً اسی پر منطق ہر گزسیئہ میں منحصر نہیں اس تقدیر پر

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۲۳/ ۸ ص ۲۷۹

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۱۴

قضیہ کل بدعة ضلالة[1] (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) قطعاً عام مخصوص منہ البعض، ہاں اگر بدعت شرعیہ لیجئے یعنی:

ما احدث علی خلاف الحق المتلقی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل شدہ حق کے خلاف کوئی نئی چیز ہو (ت)

تو بیشک وہ اپنی صراحت عموم و محوضت اطلاق پر ہے علماء تفسیر حدیث میں دونوں طرف گئے مگر یہ اعجوبہ ملفقہ کو پہلوں سے تفسیر لیں اور دوسروں سے اطلاق یہ خاص ایجاد حضرات انجاد ہے جس پر شرع سے اصلا دلیل نہیں اور جس کی بناء پر شاہ عبد العزیز وشاہ ولی اللہ سے ہزار برس تک کے ائمہ شریعت وسادات طریقت یاہزاروں تابعین یا صدہا صحابہ بھی معاذاللہ بدعتی قرار پاتے ہیں، اور ان کے بعض جری بیباکوں مثل بھوپالی بہادر وغیرہ نے اس کی صاف تصریح بھی کردی وہ بھی کہاں، خاص امیر المومنین غیظ المنافقین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ "[2] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت)

۹ نہم عدم نقل نقل عدم نہیں۔

۱۰ دہم عدم فعل قاضی منع نہیں کف میں اتباع ہے نہ مجرد ترک میں۔

۱۱ **یازدہم** یہ جاہلی مغالطہ کہ اس طریقے میں کوئی بھلائی ہوتی تو صحابہ ہی کرتے تم کیا ان سے بھی زیادہ دین کی سمجھ رکھتے تو محض بیہودہ ونامسموع ہے۔

۱۲ **دوازدہم** اولیائے کرام کے ایجادات محمود ومقبول ہیں۔

۱۳ **سیزدہم** وہ اہل الذکر ہیں دوسروں کو ان پر اعتراض نہیں پہنچتا بلکہ ان کی طرف رجوع اور جو وہ فرمائیں اس پر عمل چاہئے۔

۱۴ **چہاردہم** کفار سے غیر شعار میں اتفاقی مشابہت ہرگز وجہ ممانعت نہیں ورنہ حبس دم کہ جوگیوں کا مشہور طریقہ ہے ممنوع ہوتا۔

۱۵ **پانزدہم** آیۃ " فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ "[3] (وجوب تقلید میں نص ہے۔ اہل ذکر سے علمائے اہل کتاب

[1] الدر المنثور تحت آیۃ ۷/ ۱۷۸ مکتبہ آیۃ اللہ العظیمی قم ایران ۳/ ۱۴۷

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

مراد لے کر مبحث تقلیدی سے آیت کو بیگانہ بتانا غیر مقلد وہابیوں کی نری جہالت ہے،
اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ مخصوص سبب کا الی ذٰلك من الفوائد مما یستخرجه البصیر الناقد (دیگر فوائد جن کو پرکھنے والے صاحب بصیرت نے ظاہر کیا ہے۔ ت) شاہ صاحب کی یہ نفیس عبارت کس قدر قابل قدر و منزلت کہ معدود حرفوں میں کتنے فوائد نفیسہ بتاگئے اور آدھی بلکہ دو تہائی وہابیت کو خاک میں ملاگئے والحمدللہ رب العالمین۔
اب پھر شمار عبارات کی طرف چلئے، ۱۲"تمام خاندان دہلی کے آقائے نعمت وخداوند دولت ومرجع ومنتہٰی ومفرغ وملجاو سید ومولٰی جناب شیخ مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے مکتوبات کی جلد اول میں فرماتے ہیں:

ہیچ طریقے اقرب بوصول از طریق رابطہ نیست تاکدام دولتمند راباآں سعادت مستسعد سازند[1]"	وصول کے طریقوں میں سے اقرب ترین طریقہ رابطہ ہے کہ بہت سے ابدی دولت والے اس سے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ (ت)

۱۳اسی میں ہے:

"مخدوما مقصد اقصی ومطلب اسنٰی وصول بجناب قدس خداوندی ست جل سلطانہ لیکن چوں طالب در ابتداء بواسطہ تعلقات شتی در کمال تدنس وتنزل ست وجناب قدس او تعالٰی درنہایت تنزہ وترفع ومناسبتے کہ سبب افاضہ واستفاضہ است درمیان مطلوب وطالب مسلوب ست لاجرم از پیر راہ دان راہ بین چارہ نمودہ کہ برزخ بود (الی قولہ) پس درابتدا ودر توسط مطلوب رابے آئینہ پیر نمیتواں دید[2]"	اے میرے مخدوم! سب سے بڑا اور اعلٰی مقصد اللہ جل شانہ تک رسائی ہے لیکن کوئی طالب ابتدائی مرحلہ میں دنیاوی مشاغل کی وجہ سے انتہائی کثافت اور کہتری میں ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالٰی انتہائی پاک اور بلند ذات ہے اس وجہ سے طالب ومطلوب کے درمیان فیض کے حصول وعطا کے لئے کوئی مناسبت نہیں ہے لہذا ضروری ہے راستہ جاننے اور دیکھنے والا مرشد واسطہ بنے، (اور یہاں تک فرمایا) ابتدائی اور درمیانے مرحلہ میں پیر کے آئینہ کے بغیر مطلوب کو نہیں دیکھ سکتا۔ (ت)

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب صد وہشتاد وہفتم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۸۷
[2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۱۶۹ استانبول ترکیہ ۱/ ۲۸۱

[14] جلد دوم میں فرمایا:

"نسبت رابطہ ہموارہ شمار باصاحب رابطہ می دارد وواسطہ فیض انعکاسی می شود شکرایں نعمت عظمی بجابایدآورد"[1]۔	تمھارے رابطہ کی نسبت صاحب رابطہ کے ساتھ ہموار ہو جائے اور فیوض کاواسطہ عکس ڈالے تواس عظیم نعمت کاشکر بجالاناچاہئے۔(ت)

[15] جلد سوم میں لکھا:

پرسیدہ بودند کہ لم ایں چیست کہ چوں درنسبت رابطہ فتور میرود دراتیان سائر طاعات التذاذ نمی یابد بدانند کہ ہماں وجہیکہ سبب فتور رابطہ گشتہ است مانع التذاذ ست (الی قولہ) استغفار بایدنمودتابکرم اللہ سبحنہ اثرآں مرتفع گردد"[2]	آپ سے پوچھاگیاکہ کیاوجہ ہے کہ جب رابطہ والی نسبت میں فتور ہوجائے تمام عبادات کی لذت میں فتور پیدا ہوجاتاہے توفرمایایادرکھوکہ جس وجہ سے رابطہ میں فتورآتا ہے وہی لذت سے مانع ہوجاتی ہے اور (بعد میں یہاں تک فرمایا) اس موقعہ پر استغفار کرنی ضروری ہے تاکہ اللہ تعالٰی اپنے کرم سے اس مانع اثر کواٹھادے۔(ت)

اور [16] ذراوہ بھی ملاحظہ ہوجائے جوانھوں نے مکتوبات کی جلد دوم مکتوب سیم میں فرمایا:

"خواجہ محمد اشرف ورزش نسبت رابطہ از نوشتہ بودند کہ سجدے استیلا یافتہ است کہ درصلوات آں را مسجود خودمے داند ومے بیند واگرفرضا نفی کند منتقی نمیگرددمحبت اطوار ایں دولت متمنائے طلاب است ازھزاراں یکے رامگر بدہند صاحب ایں معاملہ مستعدتام المناسبۃ سبب یحتمل کہ باندک صحبت شیخ مقتداجمیع کمالات واجذب نماید رابطہ راچرا	خواجہ محمداشرف نے نسبت رابطہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سجدے میں رفعت ہوتی ہے جب شیخ کو نمازوں میں مسجود سمجھے اور دیکھے اگر بالفرض وہ اس کی نفی کرے بھی تومنتفی نہ ہو، یہ محبت کاایک مرحلہ ہے طالب حضرات ہزاروں اس دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر حاصل کسی ایک کو ہوتا ہے یہ عطاکامعاملہ مناسبت تامہ کی وجہ سے ہوتا ہے شیخ کی تھوڑی سی صحبت کے سبب کبھی

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب بست وچہارم نولکشور لکھنو، ۲/ ۲۱

[2] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب صدوہفتم نولکشور لکھنو، ۳/ ۱۹۸

نفی کنند کہ او مسجود الیہ است نہ مسجود لہ چرا محاریب ومساجد رانفی نکنند ظہور ایں قسم دولت سعادت منداں رامیسر است نادر جمیع احوال صاحب رابطہ متوسط خود دانند ودر جمیع اوقات متوجہ او باشتند ودررنگ جماعہ بے دولت کہ خود رامستغنی دانند وقبلہ توجہ از شیخ خود منحرف سازند ومعاملہ خود رابرہم زنند"[1]	تمام کمالات شیخ اس طالب میں جذب کردیتا ہے رابطہ کی نفی لوگ کیوں کرتے ہیں حالانکہ شیخ ومقتداء مسجود الیہ ہوتا ہے نہ کہ مسجود لہ، یہ لوگ محراب اور مساجد کی نفی کیوں نہیں کرتے ہیں(حالانکہ وہ بھی مسجود الیہ ہیں) یہ دولت خاص سعادتمندوں کو میسر ہوتی ہے حتی کہ وہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو واسطہ جانتے ہیں اور تمام اوقات میں اسی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ان لوگوں کی طرح نہیں جو بے دولت ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو مستغنی سمجھتے ہیں، اور شیخ سے اپنی توجہ کا قبلہ موڑ لیتے ہیں اور اپنا معاملہ خود خراب کرلیتے ہیں۔(ت)

الحمدللہ اس عبارت باہرہ کاایک ایک کلمہ قاہرہ ازبیخ برکن نجدیت بائرہ ہےوللہ الحجۃ الظاہرہ۔

آمدیم ونصوص علماء کتاب مستطاب ۲۷ حدائق الانوار فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

الحدیقۃ الخامسۃ فی الثمرات التی یجتنیھا العبد بالصلوٰۃ علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والفوائد التی یکتسبھا ویقتنیھا[2]۔	پانچواں حدیقہ ان پھلوں کے بیان میں ہے جنھیں بندہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیج کر چنتا ہے اور ان فائدوں میں جنھیں درود کی برکت سے کسب وتحصیل کرتا ہے۔

پھر چالیس ۴۰ فائدے گنا کر کہتے ہیں:

الاحدی والاربعون من اعظم الثمرات و اجل الفوائد المکتسبات بالصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انطباع صورۃ الکریمۃ فی النفس[3]۔	وہ فائدے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دورد بھیج کر حاصل کرتے ہیں ان میں اجل واعظم فائدوں سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کادل میں نقش ہونا ہے۔

[1] المکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۳۰ نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۶

[2] حدائق الانورا فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار

[3] حدائق الانورا فی الصلوٰۃ والسلام علی النبی المختار

۱۸امام ابوعبداللہ ساحلی رضی اللہ تعالٰی عنہ بغیۃ السالک میں فرماتے ہیں:

ان من اعظم الثمرات واجل الفوائد المکتسبات بالصلوٰۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انطباع صورتہ الکریمۃ فی النفس انطباعا ثابتا متا صلا متصلا و ذٰلك بالمداومۃ علی الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باخلاص القصد وتحصیل الشروط و الاداب و تدبر المعانی حتی یتمکن حبہ من الباطن تمکنا صادقا خالصا یصل بین نفس الذاکر ونفس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویؤلف بینھما فی محل القرب و الصفا[1] الخ۔	ثمرات وفوائد کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دورد بھیج کر حاصل کئے جاتے ہیں ان کے اعظم واجل سے یہ ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا پائدار و مستحکم ودائمی نقش دل میں ہوجائے یہ یوں حاصل ہوتا ہے کہ نیت خالص ورعایت شروط آداب وغور وفکر معانی کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی مداومت کریں یہاں تک کہ حضور کی محبت ایسے سچے خالص طور پر دل میں جم جائے جس کے سبب نفس ذاکر کو نفس اقدس حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال اور محل تقرب و صفامیں باہم الفت حاصل ہو۔

۱۹علامہ فاسی محمد بن احمد بن علی قصری رحمۃ اللہ علیہ مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں فرماتے ہیں:

قد ذکر بعض من تکلم علی الاذکار وکیفیۃ التربیۃ بھا انہ اذا کمل لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلیشخص بین عینیہ ذاتہ الکریمۃ بشریۃ من نور فی ثیاب من نور یعنی لتنطلع صورتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی روحانیتہ ویتالف معھا تالفا یتمکن بہ من الاستفادۃ من اسرارہ و الاقتباس من انوارہ صلی اللہ تعالٰی	یعنی بعض علماء جنھوں نے اذکار اور ان سے تربیت مریدین کی کیفیت بیان کی، فرماتے ہیں کہ جب ذکر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو کامل کرے تو چاہئے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تصور اپنے پیش نظر جمائے بشری صورت نور کی طلعت نور کے کپڑوں میں اس غرض سے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت اس کے آئینہ روح میں منقش ہوجائے اور وہ الفت پیدا ہو جس کے سبب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسرار سے استفادہ اور انوار سے

[1] بغیۃ السالک

علیه وسلم قال فان لم یرزق تشخص صورة فیری کانه جالس عند قبره المبارك یشیر الیه متی ماذکره فان القلب متی ماشغله شیئ امتنع من قبوله غیره فی الوقت الی اخر کلامه فیحتاج الی تصویر الروضة المشرفة والقبور المقدسة لیعرف صورتها یشخصها بین عینیه من لم یعرف من المصلین علیه فی ہذا الکتب وہم عامة الناس وجمهورهم [1] اھملخصا۔	اقتباس کرکے وہی عالم فرماتے ہیں جسے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ کا تصور روزی نہ ہو وہ یہی خیال جمائے کہ گویا مزار مبارک کے سامنے حاضر ہے اور ہر بار ذکر شریف کے ساتھ مزار اقدس کی طرف اشارہ کرتا رہے یہ اس لئے کہ دل کو جب ایک چیز مشغول کرلیتی ہے تو اس وقت دوسری کسی شے کو قبول نہیں کرتا، اسے نقل کرکے علامہ فاسی فرماتے ہیں جب بات یہ ٹھہری تو روضہ مطہرہ و قبور معطرہ کی تصویر بنانے کی حاجت ہوئی کہ جن دلائل الخیرات پڑھنے والوں کو ان کا نقشہ معلوم نہیں اور اکثر ایسے ہی ہیں وہ پہچان لیں اور ان کا تصور پیش نظر رکھیں۔

۲۱شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ جذب القلوب الی دیار المحبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکتاب ترغیب اہل السعادات میں فرماتے ہیں:

از فوائد صلاۃ بر سید کائنات علیه افضل الصلوٰۃ ست تمثل خیال وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در عین کہ لازم کثرت صلاۃ ست بانعت حضور وتوجہ اللهم صل وسلم علیه [2] اھ ملتقطا۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک کے فوائد میں سے یہ ہے کہ آنکھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خیالی صورت قائم ہوجاتی ہے جس کے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت شریف کے ساتھ دورد شریف کی کثرت لازم ہے اور توجہ سے اللهم صل وسلم علیه اھ ملتقطا (ت)

۲۲امام محمد ابن الحاج عبدری مکی قدس سرہ مدخل میں فرماتے ہیں:

من لم یقدر له بزیارة صلی اللہ تعالٰی	یعنی جسے مزار اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴ و ۱۴۵

[2] جذب القلوب الی دیار المحبوب باب ہفدہم مکتبہ نعیمیہ چوک دالگراں لاہور ص ۱۸۰ تا ۱۸۲

علیہ وسلم بجسمہ فلینوھا کل وقت بقلبہ ولیحضر قلبہ انہ حاضر بین یدیہ متشفعا بہ الی من من بہ علیہ کما قال الامام ابومحمد بن السید البطلیوسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی رقعتہ التی ارسلھا الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ابیات۔ الیك افر من زللی وذنبی وانت اذا لقیت اللہ حسبی وزورۃ قبرك المحجوج قدما منای وبغیتی ولوشاء ربی فان احرم زیارتہ بجسمی فلم احرم زیارتہ بقلبی الیك غدت رسول اللہ منی تحید مومن دنف محب ۔[1]	علیہ وسلم کی زیارت جسم سے نصیب نہ ہوئی ہو وہ ہر وقت دل سے اس کی نیت رکھے اور دل میں یہ تصور جمائے کہ میں حضور پر نور صلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے حضور حاضر ہوں حضور سے اس کی بارگاہ میں اپنے لئے شفاعت چاہ رہا ہوں جس نے حضور کی امت میں داخل فرما کر مجھ پر احسان کیا جیسا کہ امام محمد بن السید بطلیوسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی اس عرضی میں کہ مزار پر انوار بھیجی یہ ابیات عرض کیں کہ یارسول اللہ! میں اپنی لغزش وگناہ سے حضور ہی کی طرف بھاگتا ہوں اور جب میں خدا سے ملوں تو حضور مجھے کافی ہیں حضور کی قبر مبارک کی زیارت کی کہ ہمیشہ سے جس کا حج ہوتا ہے (یعنی مسلمان اس کی نیت کرکے دور دور سے حاضر ہوتے ہیں) میری آرزو و مراد ہے۔ اگر میرا رب چاہے اگر جسم سے اس کی زیارت مجھے نصیب نہ ہوئی تو دل کی زیارت سے محروم نہیں ہوں صبحدم حضور کی بارگاہ میں حاضر ہے یارسول اللہ! میری طرف سے ایک مسلمان محب بیمار محبت کا مجرا۔

۲۳امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ اور ۲۴علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

یلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبۃ کما کان یفعل بین یدیہ فی حیاتہ (اذھو حی) ویستحضر علمہ	یعنی زائر ادب وخشوع وتواضع کو لازم پکڑے آنکھیں بند کئے مقام ہیبت میں کھڑا ہو جیسا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم حیات ظاہری میں حضور کے سامنے کرتا کہ

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین الخ دار الکتب العربی بیروت ۱/ ۲۵۸

بوقوفه بین یدیه علیه الصلوٰة والسلام سماعه لسلامه کما ہو فی حال حیاته اذلا فرق بین موته و حیاته فی مشاھدته لامته ومعرفته باحوالھم و نیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذٰلك عندہ جلی لاخفاء به ویمثل (یصور) الزائر وجھه الکریم علیه الصلوٰة و السلام فی ذھنه ویحضر قلبه جلال رتبته و علم منزلته وعظیم حرمته[1] اھملخصا	وہ اب بھی زندہ ہیں اور تصور کرے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاضری سے آگاہ ہیں اس کا سلام سن رہے ہیں بعینہٖ اسی طرح جیسے حال حیات ظاہری میں کہ حضور کی وفات و حیات دونوں ان امور میں یکساں ہیں کہ حضور اپنی امت کو دیکھتے اور ان کے احوال کو پہچانتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ارادوں اور دل کے خطروں سے آگاہ ہیں اور یہ سب باتیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسی روشن ہیں جنھیں اصلا پوشیدگی نہیں اور زائر اپنے ذہن میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرہ کریمہ کا تصور جمائے اور دل میں حضور کی بزرگی مرتبہ وبلندی قدر واحترام عظیم کا خیال لائے۔

۲۵ علامہ رحمت اللہ ہندی تلمیذ امام ابن الہمام منسک متوسط اور ۲۶ علامہ علی قاری مکی اس کی شرح مسلک متقسط میں فرماتے ہیں:

ثم توجه (ای بالقلب والقالب) مع رعایة الادب فقام تجاہ الوجه الشریف متواضعا خاضعا خاشعا مع الذلة والانکسار والخشیة والوقار والھیبة والافتقار غاض الطرف مکفوف الجوارح فارغ القلب (من سوی مرامه) واضعا یمینه علی شماله مستقبلا لوجه الکریم مستدبر القبلة متمثلا صورته الکریمة فی خیالك (ای فی تخیلات بالك لتحسین حالك) مستشعرا	یعنی زائر دل وبدن دونوں سے بنہایت ادب مزار اقدس کی طرف متوجہ ہو کر مواجہہ شریف میں کھڑا ہو تواضع وخشوع و خضوع وتذلل وانکسار وخوف ووقار وہیبت ومحتاجی کے ساتھ آنکھیں بند کئے اعضاء کو حرکت سے روکے دل اس مقصود مبارک کے سوا سب فارغ کئے ہوئے داہنا ہاتھ بائیں پر باندھے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منہ اور قبلہ کو پیٹھ کرے دل میں حضور انور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کی صورت کریمہ کا تصور باندھے کہ یہ خیال تجھے

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیه المقصد العاشر الفصل الثانی دار المعرفة بیروت ۸/ ۳۰۵

بانه علیه الصلوٰة والسلام عالم بحضورك وقیامك وسلامک(ای بل بجمیع افعالك واحوالك وارتحالك ومقامک)وکانه حاضر جالس بازائك مستحضرا عظمته وجلاله صلی الله تعالٰی علیه وسلم [1] اھملخصاً۔	خوشحال کردے گا اور خوب ہوشیار ہوجا کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تیری حاضری وقیام وسلام بلکہ تمام افعال واحوال اور منزل منزل کے کوچ ومقام سے آگاہ ہیں اور یہ تصور کرکہ گویا حضور تیرے سامنے حاضر وتشریف فرماہیں اور حضور کی عظمت وجلال کا خیال اپنے ذہن میں حاضر رکھ۔

۲۷امام مجدالدین ابوالفضل عبداللہ بن محمود موصلی اپنے متن مختار کی شرح اختیار میں پھر علمائے دولت علیہ سلطان اورنگزیب انار اللہ برہانہ فتاوٰی عالمگیری میں فرماتے ہیں:

یقف کما یقف فی الصلوٰة ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه [2]۔	یعنی زائر روضہ منورہ کے حضور دست بستہ باادب یوں کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کریمہ روشن کا تصور باندھے گویا حضور مرقد اطہر میں لیٹے ہیں زائر کو جانتے اور اس کا کلام سنتے ہیں۔

۲۸امام اجل قاضی عیاض نے شفا شریف میں امام ابواہیم تجیبی سے نقل فرمایا کہ وہ فرماتے ہیں:

واجب علی کل مؤمن متی ذکرہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم او ذکر عنده ان یخضع ویخشع ویتوقر ویسکن من حرکته ویاخذ فی هیبته واجلاله بما کان یاخذ نفسه لوکان بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویتادب بماادبنا الله تعالٰی به [3]	ہر مسلمان پر واجب ہے جب حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرے یا حضور کا ذکر اس کے سامنے کیا جائے کہ خشوع وخضوع ووقار بجالائے جسم کا کوئی ذرہ حرکت نہ کرے جس طرح خود حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے خاص حضوری میں رہتا ہے حضور کا ادب کرے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں اس جناب کے لئے مودب ہونا سکھایا۔

---

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۳۷، ۳۳۸

[2] الاختیار لتعلیل المختار فصل فی زیارة قبر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار المعرفه بیروت ۱/ ۱۷۶

[3] الشفا بتعریف حقوق المصطفی فصل واعلم ان حرمة النبی الخ الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیه ۲/ ۳۴

۲۹علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں اس پر فرماتے ہیں:

یفرض ذٰلك ویلاحظه ویتمثله فکانه عنده[1]۔	یعنی ذکر شریف کے وقت یہ فرض ملاحظہ کرے کہ خاص حضوری میں ہوں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کا تصور جمالیا جائے کہ گویا حضور اس کے پاس جلوہ فرما ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

۳۰فاضل رفیع الدین خان مراد آبادی تاریخ الحرمین میں لکھتے ہیں:

شبے در طواف بودم وہجوم بسیار بود بخیال خود حضور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد کردم تصور نمودم کہ آں سرور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام وطوائف ہستند وجماعت صحابہ باآنحضرت طواف میکنند ومن بطفیل ایشاں در مجمع حاضرم وروزے پیش باب بیت اللہ ایستادہ دعا میکردم وباخود قصہ روز فتح یاد کردم وتصور نمودم کہ جناب اقدس نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در دروازہ ایستادہ اند وصحابہ کرام بحسب مرتبہ ومقام خود درخدمت شریف حاضر اند وکفار قریش ترساں وہراساں درحضور آمدہ اند وآنحضرت ازایشاں عفو فرمودہ ملاحظہ ایں حال باعث شد بتوسل ازآنجناب ودعا درحضرت عزت جلت عظمتہ برائے مغفرت خود جمیع اقارب واحباب وقضائے حوائج دین ودنیاو نرجو من اللہ الاجابۃ ان شاء اللہ تعالٰی۔	ایک رات میں طواف کررہا تھا ہجوم کثیر تھا میں نے اپنے خیال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یاد کیا اور تصور کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف فرمارہے ہیں اور صحابہ کرام کی جماعت بھی حضور کے ساتھ طواف کررہی ہے اور میں بھی آپ کے طفیل وہاں مجمع میں حاضر ہوں، اور ایک روز میں بیت اللہ شریف کے آگے کھڑا دعا کررہا تھا کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فتح مکہ والا منظر یاد آیا اور تصور کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح کے روز بیت اللہ شریف کے دروازے پر تشریف فرما ہیں اور صحابہ کرام اپنے مراتب کے لحاظ سے اپنی جگہ پر خدمت میں حاضر ہیں اور کفار مکہ ڈرتے ہوئے پریشان آپ کے سامنے آرہے ہیں اور آپ ان کو معاف فرمارہے ہیں اس تصور کی برکت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے اور اللہ تعالٰی کے دربار میں دعا کے

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفا للعیاض فصل واعلم ان حرمۃ النبی الخ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ۳/ ۳۹۶

دوستاں راکجا کنی محروم توکہ بادشمناں نظر داری [1]	سبب تمام اقارب واحباب کی مغفرت اور حاجتیں تمام دنیاوی اور دینی قبول ہونے کی امید ہوئی ان شاء اللہ تعالٰی، دوستوں کوتو آپ کیا محروم کریں گے آپ تو دشمنوں پر بھی نظر رکھتے ہیں۔(ت)

الحمدللہ! یہ سردست تیس نصوص عظیم الفوائد ہیں اور جو باقی رہ گئے وہ ان سے بہت زائد پھر نصف کہ اس قدر بھی کافی اور مکابر متعسف کو دفتر ناوافی، **نسأل اللہ العفو والعافیہ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت مانگتے ہیں۔ت)

تنبیہ لطیف: یہ توشاہ عبدالعزیز صاحب کی تقریر سے روشن ہولیا کہ جواز برزخ اطلاق آیات قرآنیہ سے ثابت ومستفاد اور یہ بھی کہ حضرت اولیاء کا امور طریقت میں مرجع ومسؤل اور ان کے ارشادات کا معمول ومقبول ہونا آیۂ کریمہ **فاسئلوا اھل الذکر** کا مفاد اور یہ بھی ان کے کلام میں اشارۃً اور تقریر معلم ثالث میں صراحۃً گزرا کہ اولیائے طریقت مثل مجتہدان شریعت ہیں اور خود امام الطائفہ نے بھی صراط المستقیم میں ان کا مجتہد فی الطریقۃ ہونا تسلیم کیا۔ **حیث قال:**

اولیائے کبار از اصحاب طرق کہ امامت درفن باطن شریعت حاصل کردہ واجتہاد در قواعد اصلاح قلب کہ خلاصہ دین متین ست بہم رسانیدہ بودند [2]۔	بڑے بڑے اولیائے کرام اور اصحاب طریقت نے فن باطن شریعت میں امامت حاصل کی اور اپنے اجتہاد سے انھوں نے اصلاح قلب کے قواعد عطا کئے جو کہ کتاب وسنت کا خلاصہ ہے۔(ت)

مگر مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ بطور حضرات نہ صرف جواز برزخ بلکہ اس کی ترغیب شدید وتحریص اکید اور اس کا اقرب الطرق الی اللہ ہونا خود امام المجتہد شریعت کے صریح وروشن اشاروں سے ثابت ہولیا پوچھئے وہ کیونکر، ہاں وہ یوں کہ کلمات مذکورہ جناب شیخ مجدد صاحب پر پھر نظر ڈالیے دیکھئے یہ باتیں ان میں صاف صریح موجود ہیں یا نہیں جب دیکھ لیجئے تواب جناب مرزا مظہر جان جاناں صاحب کا کلام سنئے جنھیں سن چکے کہ امام الطائفہ کے جدوفرجد جناب شاہ ولی اللہ صاحب کیسا کچھ جانتے وہ تصریح فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد نہ فقط طریقت میں مجدد بلکہ شریعت میں بھی امام مجتہد تھے مکتوب پانزدہم میں لکھتے ہیں:

---

[1] تاریخ الحرمین رفیع الدین مراد آبادی

[2] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی ہدایت رابعہ فادہ نمبر ۵ المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۴۱

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نائب کامل آنحضرت اند بنائے طریقہ خود رابر اتباع کتاب وسنت گزاشتہ اند وعلماء دراثبات رفع سبابہ رسالہا مشتمل بر احادیث صحیحہ و روایات فقہیہ حنفیہ تصنیف کردہ اند تابجائیکہ حضرت شاہ یحیٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرزند اصغر حضرت مجدد نیز دریں باب رسالہ تحریر نمودہ اند ودر نفی رفع یک حدیث بہ ثبوت نہ رسیدہ وترک رفع از جناب حضرت مجدد بناعـــہ بر اجتہاد واقع شدہ وسنت محفوظ از نسخ براجتہاد مجتہد مقدم ست[1]۔	حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالٰی عنہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کامل نائب ہیں انھوں نے کتاب وسنت کی پیروی میں اپنے طریقہ کے قواعد بنائے اور علمائے کرام احادیث صحیحہ اور منتخب حنفی روایات پر مشتمل رسائل رفع سبابہ کے مسئلہ کے اثبات میں لکھے حتی کہ مجدد صاحب کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ یحیٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی اس مسئلہ کے اثبات میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا اور لکھا کہ رفع سبابہ کی نفی میں ایک حدیث بھی پایہ ثبوت کو نہ پہنچی اور ترک رفع سبابہ پر حضرت مجدد صاحب نے جو لکھا وہ ان کے اجتہاد پر مبنی ہے جبکہ غیر منسوخ سنت مجتہد کے اجتہاد پر مقدم ہوتی ہے۔(ت)

عـــہ: جاناں ایں سخن مرزا صاحب بہ اجتہاد خود گفتہ باشند ورنہ ملاحظہ مکتوبات حضرت مجدد گواہ عادل ست کہ ترک رفع محض بربنائے تقلید ائمہ حنفیہّ فرمودہ اند وآنہم بمجرد تقدیم ظاہر الروایۃ بر نوادر وترک اتباع احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ بمقابلہ روایت ظاہرہ فقہیہ ایں بار سالہ الکوکبۃ الشہابیۃ دیدن وارد بعونہ تعالٰی بر وہابیہ لہابیہ آتش قہرے باردو باللہ التوفیق ۱۲۔	حضرت مرزا مظہر جان جاناں کا یہ کلام اپنے اجتہاد پر مبنی ہے ورنہ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے مکتوبات کو ملاحظہ کرنے پر واضح گواہی ملتی ہے کہ رفع سبابہ کا ترک خالص امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کی تقلید پر مبنی ہے کہ مذہب کی ظاہر الروایت نوادر کے مقابلہ میں اور صریح صحیح احادیث کی اتباع کی بجائے فقہی ظاہر الروایت کو مقدم رکھا جاتا ہے میرے رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ کا یہ مقام دیکھنا چاہئے وہابیوں پر وہ آتش قہر ہے وباللہ التوفیق ۱۲۔(ت)

[1] کلمات طیبات فصل دوم مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں مکتوبات پانزدہم مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸

اب امام الطائفہ وغیرہ منکرین جنھیں نہ طریقت میں لیاقت نہ شریعت میں مہارت بھلا منصف تجدید واجتہاد توبڑی بات ہے ولی مجدد امام مجتہد کے مقابل ایسوں کی زق زق کون سنتا ہے۔ اگرچہ ع

مغز ما خورد و حلق خود بدرید

(ہمارا مغز کھالیا اور اپنا گلا پھاڑلیا)

تنبیہ الطف: یہاں تک تو امام مجتہد ہی کے قول سے ثبوت تھا امام الطائفہ کے ایمان پر خود ایک معصوم صاحب وحی کی نص جلی سے جواز برزخ ثابت، اب زیادہ توجہ کیجئے گا کہ یہ کیا مگر امام الطائفہ کی سنی ہوتی تو تعجب نہ آتا وہ صراط مستقیم میں تصریح کرتا ہے کہ اولیاء میں جو حکیم ہوتا ہے جسے صدیق وامام ووصی بھی کہتے ہیں اس پر خدا کے یہاں سے وحی آتی ہے اسے نہ صرف بعض احکام کونیہ غیب وشہادات ومعاملات جزئیہ سلوک وطریقت بلکہ خاص احکام کلیہ شریعت وملت بے واسطہ انبیاء بھی پہنچتے ہیں وہ انبیاء کا ہم استاذ ہوتا ہے وہ انبیاء کی مثل معصوم ہوتا ہے اس پر خاص امور شرعیہ میں کچھ تقلید انبیاء مطلقاً ضرور نہیں بلکہ ایک وجہ سے وہ خود محقق ہوتا ہے اس کا علم جسے حکمت کہتے ہیں علم انبیاء سے اصلا کم نہیں ہوتا صرف اتنا فرق ہے کہ انبیاء پر علانیہ وحی آتی ہے اور اس پر پوشیدہ، قال:

پوشیدہ نخواہد ماند کہ صدیق من وجہ مقلد انبیاء مے باشد ومن وجہ محقق در شرائع علوم کلیہ شرعیہ او رابدو واسطہ مے رسد بوساطت نور جبلی وبوساطت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پس در کلیات شریعت وحکم احکام ملت اوراشاگرد انبیاء ہم مے تواں گفت وہم استاذ انبیاء ہم ونیز طریقہ اخذ آں ہم شعبہ ایست از شعب وحی کہ آں را در عرف شرع بنفث فی الروح تعبیر می فرمایند وبعضے اہل کمال آں را بوحی باطنی مے نامند ہمیں معنی را بامامت ووصایت تعبیر می کنند و	پوشیدہ نہ رہے کہ صدیق من وجہ انبیاء کا مقلد ہوتا ہے اور من وجہ شریعت میں محقق ہوتا ہے علوم شرعیہ کلیہ اس کو دو ذریعوں سے حاصل ہوتے ہیں ایک بذریعہ فطری نور اور دوسرا بذریعہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لہذا اس کو شریعت کے کلیات اور احکام کے حکم میں انبیاء کا شاگرد کہہ سکتے ہیں اور انبیاء کا استاذ بھی، نیز ان کا طریقہ اخذ بھی وحی کی طرح ہوتا ہے اس کو عرف شرع میں نفث فی الروح سے تعبیر کرتے ہیں اور بعض اہل کمال اس کو باطنی وحی قرار دیتے ہیں اس معنی میں اس کو امامت اور وصایت سے تعبیر کرتے ہیں اور

علم ایشاں راکہ بعینہٖ علم انبیاء ست لیکن بوحی ظاہری متلقی نشد بحکمت مے نامند، لابد اورا بمحافظتے مثل محافظت انبیاء کہ مسمّٰی بعصمت ست فائز مے کنند وایں حفظ نصیبیہ انبیاء وحکماء ست وہمیں راعصمت نامند ندانی کہ اثبات وحی باطن حکمت و وجاہت وعصمت مرغیر انبیاء رامخالف سنت واز جنس اختراع بدعت ست ندانی کہ ارباب ایں کمال از عالم منقطع شدہ اند اھ ملتقطا[1]۔	اس کا علم بعینہٖ انبیاء کا علم ہوتا ہے لیکن ظاہری وحی نہیں پاتا اس کو حکمت کہتے ہیں اس لئے کہ انبیاء کی طرح اس کو حفاظت حاصل ہوتی ہے جس کو عصمت کہتے ہیں جو انبیاء اور حکماء کو نصیب ہوتی ہے یہ نہ سمجھنا کہ وحی باطن اور حکمت، وجاہت اور عصمت غیر انبیاء کے لئے ثابت کرنا سنت کے خلاف اور نئی اختراع ہے اور بدعت ہے اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ اس کمال کے لوگ دنیا سے ختم ہوچکے ہیں اھ ملتقطا (ت)

صراط مستقیم معوج ونامستقیم چھپی نہیں چھپی ہے مطبوع مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۸۵ھ کے آخر صفحہ ۳۸ سے ثلث صفحہ ۴۲ تک ان کفریات شنیعہ ورفضیات فظیعہ کا جوش دیکھ لیجئے خیر ان کی اصطلاح شیطانی پر حکیم وحکمت کے معنی تو معلوم ہولئے کہ حکمت یہی علوم صدیقیت ہیں جو ان باطنی ساختہ نبیوں کو بذریعہ وحی نہانی ملتے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ یہیں اسی بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کو نہ نرا حکیم بلکہ سید الحکماء کہا، حیث قال:

ایں صدیقیت راجناب سید الحکماء وسید العلماء اعنی الشیخ ولی اللہ بقرب الوجود تعبیر میفرمایند[2]۔	اس صدیقیت کو جناب سید الحکماء وسید العلماء جس سے مراد شاہ ولی اللہ ہیں قرب الوجود سے تعبیر کرتے ہیں۔(ت)

اب کیا شک رہا کہ ان کے یہاں پر شاہ صاحب بھی (**استغفر اللہ**) انھیں چھپے رسولوں بوڑھے معصوموں میں ہیں اور ان کے علوم میں وحی نہانی سے ان پر اترے اور ان کی سن چکے کہ وہ انتباہ وغیرہ میں مثالی برزخ کی کیسی کیسی تجویز وتحسین وتعلیم وتلقین کرتے ہیں پھر اس کا انکار نہ ہوگا مگر اپنے ساختہ پیغمبر کا رد کرکے اپنے طور پر کافر ہوجانا غایت یہ کہ ظاہری پیغمبر کا منکر کھلا کافر اور نہانی کا منکر ڈھکا کافر۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین العزۃ للہ** ان حضرات نے بات بات پر مسلمانوں کو کافر مشرک بنایا یہاں تک کہ

[1] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۳تا۳۶

[2] صراط مستقیم باب اول فصل ثانی المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۵

ان کے مذہب پر صلحاء وتابعین درکنار ان کے ساختہ پیغمبروں سے ہمارے سچے رسولوں تک کوئی ارتکاب شرک سے محفوظ نہ رہا یہ اس کی سزا ہے کہ ہر جگہ اپنے منہ آپ کافر ٹھہرتے ہیں کہ کردو نیافت کماتدین تدان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المنان (جیسا کرے گا بدلہ دیا جائے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المنان۔ ت) مولٰی تعالٰی صدقہ اپنے محبوبوں کا دین حق پر قائم رکھے اور ملت وسنت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دنیا سے اٹھائے اٰمین!

الحمدللہ کہ یہ مختصر جواب مظہر صواب اوائل جمادی الآخرہ ۱۳۰۹ھ میں مرتب اور بلحاظ تاریخ "الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة" ملقب ہوا۔ ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد والہ واصحابہ اجمعین اٰمین الحمدللہ رب العٰلمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مولوی نقی علی خاں قادری ۱۳۰۱ھ
احمد رضا خاں

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
محمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ منشی عبید اللہ حسن قلعہ بھنگیاں امرتسر رجب ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنے مریدوں سے اشعار ذیل سنے اور سن کو خوش ہو بلکہ تمغاء انعام دے ایسا شخص لائق بیعت ہے یا نہیں؟ خدار سیدہ ہے یا نفس کا مطیع اہلسنت ہے یا اہل بدعت؟ شعار یہ ہیں: ؎

آفتاب چرخ علم وفضل شمس العارفین — قبلہ عالم سراج المتقین شاہ جہاں
سید السادات مطلوب علی شیر خدا — عاشق محبوب رب العالمین فخر زماں
ماہر علم لدنی واقف اسرار غیب — قطب عالم غوث اعظم وارث پیغمبراں
کس طرح اہل جہاں پر راز ان کا کھل سکے — راز داں ان کا خدا ہے وہ خدا کے راز داں
اولیاء ہونے کو دنیا میں بہت ہیں اولیاء — ان کی صور ان کی سیرت ان کی عادت کا کہاں
کچھ عجب ہیں یہ بھی حسن وعشق کے راز ونیاز — مدح خواں ان کا خدا ہے وہ خدا کے مدح خوان

الجواب:

حب ثناء غالبا خصلت مذمومہ ہے اور کم از کم کوئی خصلت محمودہ نہیں اور اس کے عواقب خطرناک ہیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حب الثناء من الناس یعمی ویصم۔	ستائش پسندی آدمی کو اندھا بہرا کردیتی ہے۔

رواہ فی مسند الفردوس [1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(اس کو مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر اپنی جھوٹی تعریف کو دوست رکھے کہ لوگ ان فضائل سے اس کی ثناء کریں جو اس میں نہیں جب تو صریح حرام قطعی ہے۔

قال اللہ "لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اَتَوْا وَّ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۸۸﴾" [2] والعیاذ باللہ تعالٰی۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) ہر گز گمان نہ کرنا ان کو جو اپنے کئے پر خوش ہوتے اور دوست رکھتے ہیں کہ بے کئے پر سراہے جائیں تو زنہار انھیں عذاب کے بچاؤ کی جگہ نہ گمان کرنا اور ان کے لئے دردناک مار ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی (ت)

ہاں اگر تعریف واقعی ہو تو اگرچہ تاویل معروف و مشہور کے ساتھ، جیسے شمس الائمہ و فخر العلماء و تاج العارفین وامثال ذٰلک (اماموں کے آفتاب، اہل علم کے لئے فخر، اور عارفوں کے تاج، اور اسی قسم اور نوع کے دوسرے توصیف کلمات (جو مدح کی تعریف وتوصیف ظاہر کریں)۔ت) کہ مقصود اپنے عصر یا مصر کے لوگ ہوتے ہیں اور اس پر اس لئے خوش نہ ہو کہ میری تعریف ہورہی ہے بلکہ اس لئے کہ ان لوگوں کی ان کو نفع دینی پہنچائے گی سمع قبول سے سنیں گے جو ان کو نصیحت کی جائے گی تو یہ حقیقۃً حبِّ مدح نہیں بلکہ حب نصح مسلمین ہے اور وہ محض ایمان ہے "وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ" [3] (اور اللہ تعالٰی اصلاح کرنے والے بگاڑنے والے سے جانتا ہے۔ (یعنی وہ جانتا ہے کون مصلح اور کون مفسد ہے)۔ت) طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

سبب حب الریاسۃ ثلثۃ ثانیہا التوسل بہ الی تنفیذ الحق واعزاز الدین واصلاح الخلق فہذا ان خلا عن المحذور کالریا والتلبیس وترك الواجب	ریاست کی چاہت اور محبت کے تین اسباب ہیں، دوسرا یہ ہے کہ اقتدار اس لئے چاہتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے نفاذ حق اعزاز دین اور لوگوں کی اصلاح کر سکے، اگر یہ ممنوع امور مثلاً ریاء تلبیس، اور واجب اور سنت کے چھوڑنے سے

[1] الفردوس بماثور المخطاب حدیث ۲۷۲۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۴۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

والسنة فجائز بل مستحب قال اللہ تعالٰی عن العباد الصالحین واجعلنا للمتقین اماما[1] اھ ملتقطا۔	خالی ہو تو نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحب (موجب اجرو ثواب ہے) چنانچہ اللہ تعالٰی نے نیک بندوں کی حکایت بیان فرمائی (کہ وہ بارگاہ رب العزت میں عرض گزار ہوتے ہیں) اے پروردگار! ہمیں پرہیزگار اور ڈرنے والے لوگوں کا امام (یعنی پیشوا) بنادے۔ چیدہ اور منتخب عبارت مکمل ہوگئی۔ (ت)

اور جب معاملہ نیت پر ٹھہرا اور دلوں کا مالک اللہ عزوجل ہے تو اس شخص کے حالات پر نظر لازم ہے۔ اگر بے شرع ہے معاصی میں بیباک ہے یا جاہل بے ادراک ہے اور شوق پیری میں انہماک ہے تو خود ہی اس کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں اور اب اس کا ان تعریفوں پر خوش ہونا ضرور قسم دوم میں ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا کہ انھیں عذاب سے دور نہ جانیو ان کے لئے دردناک سزا ہے اور اگر ایسا نہیں بلکہ سنی صحیح العقیدہ صالح الاعمال متصل السلسلہ ہے خلق اللہ کو حق کی طرف دعوت کرتا منکرات سے روکتا باز رکھتا ہے تو ضرور قابل بیعت ہے اور اب اس کے فعل مذکور کو اسی محل حسن پر حمل کرنا فرض اور اس پر بدگمانی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[2]۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[3]۔ الحدیث۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اے مسلمانو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) گمان سے دور بھاگو کہ گمان سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔ الحدیث۔

پھر بھی اسے چاہئے کہ اظہار تواضع میں کمی نہ کرے مریدوں کو اس پر انعام تمغے دے کر اور زیادہ برانگیختہ نہ کرے۔ لوگوں کو اپنے اوپر بدگمانی کی راہ نہ دے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

[1] الطریقۃ المحمدیہ باب حب الناس یعمی ویصم مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۵۴۔۱۵۳، الحدیقہ الندیہ حب الریاستہ الدنیویۃ ھو الخلق الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصلہ آباد ۱/ ۴۲۔۴۴۱

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲ صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی

[3] صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۹۵ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن ۲/ ۳۱۶ و جامع الترمذی ابواب البر باب ماجاء فی سوء الظن ۲/ ۲۰

اپنی نعت کریم کے قصائد سنے اور ان پر انعام عطافرمائے اس پر قیاس نہ کرے خاک کو علام پاک سے نسبت نہ دے ان کی تعظیم ان کی محبت، ان کی ثناء ان کی مدحت سب عین ایمان ہے اور اس کا اظہار واعلان فرض اہم اور ان کا ذکر عین ذکر الٰہی، ان کی ثناء عین حمد الٰہی، امیر المومنین خلیفہ راشد سید نا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور ایک شاعر حاضر ہوا کہ میں نے حضرت کی مدح میں کچھ اشعار کہے ہیں فرمایا میں سننا نہیں چاہتا، عرض کی نعت شریف میں کچھ عرض کیا ہے۔ فرمایا سناؤ ایسے ائمہ راشدین کا اتباع کرے خصوصا قطب عالم غوث اعظم جکیسے الفاظ کہ غالبا وہ اپنے وجدان سے ان الفاظ کو اپنے لئے صادق نہ جان سکے گا۔ **نسأل اللہ العفو والعافیة والتوفیق لاتباع اقوام طریق**۔ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی، صحت اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق مانگتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۸۹: مرسلہ عبدالغفور صاحب جمعدار اسٹیشن سورون ضلع ایٹہ ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

گزارش یہ ہے کہ قادریہ میں سے سدا سہاگن ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو کیا چیز پہننے کا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس مرد پر کہ عورتوں کی وضع بنائے، قادریہ چشتیہ کسی فرقہ کا کوئی شخص سدا سہاگن نہیں پہن سکتا سب کو حرام ہے۔ اللہ ورسول کا حکم عام ہے۔ بعض مجذوبین قدست اسرارہم نے جو کچھ بحال جذب کیا وہ سند نہیں ہو سکتا، مجذوب عقل وہوش دنیا نہیں رکھتا۔ اس کے افعال اس کے ارادہ واختیار صالح سے نہیں ہوتے وہ معذور ہے۔ ع

ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

ع کہ سلطان نگیرد خراج از خراب

(کیونکہ بادشاہ غیر آباد اور ویران زمین سے ٹیکس نہیں لیتا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از شیر گڑھ ضلع بریلی تحصیل بہیڑی ڈاکخانہ خاص درمدرسہ مرسلہ مسمّٰی عظیم اللہ نائب مدرس ۲ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلٰوة علی رسوله محمد واله و	ہر تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے اور اس کے رسول محمد کریم پر نزول رحمت ہو اور ان کی تمام آل اور سب

اصحابہ اجمعین۔	ساتھیوں پر باران رحمت ہو۔ (ت)

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص داڑھی اور مونچھیں اور بھنویں منڈائے ہوئے ہوں تو مسلمانوں کو ایسے شخص کا مرید ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور جو شخص داڑھی مونچھ منڈائے ہو اور کانوں میں مندرے پہنے ہو تو اس کا بھی مرید ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور جو شخص گیسو دراز ہو اور گیسو اس کے مقام ہنسلی سے نیچے ہوں تو ایسے شخص کا بھی مرید ہونا چاہئے یا نہیں یعنی یہ تینوں شخص قابل پیشوائی ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

داڑھی منڈانا حرام ہے بھنویں منڈانا حرام ہے۔ مرد ہو کر کانوں میں مندرے پہنا حرام ہے۔ شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔ مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔ اور جو اللہ ورسول کا ملعون ہو پیشوا نہیں ہو سکتا اس کا مرید ہونا حرام ہے بات یہ ہے کہ عورت کے رحم میں دو خانے ہیں دہنا خانہ لڑکے کے لئے اور بایاں لڑکی کے واسطے، اور نطفہ مرد کا غالب آئے تو لڑکا بنتا ہے اور عورت کا غالب پڑا تو لڑکی بنتی ہے پھر اگر مرد کا نطفہ غالب آیا اور رحم کے سیدھے خانے میں میں پڑا تو لڑکی ہوگی، ظاہر وباطن عورت اور اگر نطفہ مرد کا غالب آیا اور رحم کے بائیں خانے میں گرا تو ہوگا صورت میں لڑکا، مگر دل میں زنانہ، اسے داڑھی منڈانے گہنا پہننے، ہاتھ پاؤں میں مہندی لگانے، عورتوں کے سے بال بڑھا کر چوٹی گندھوانے یا جوڑا باندھنے یا بکھرے ہوئے رکھنے، کلیوں دار غرارہ دار پائچہ پہننے، سرخ نیفہ ڈالنے وغیرہ وغیرہ کسی زنانی وضع کا شوق ہوگا اور اس حالت میں مرد کا نطفہ خفیف غالب تھا تو بالکل زنانہ زنخہ بن جائے گا اور اگر نطفہ عورت کا غالب آیا اور رحم کے دہنے خانے میں گرا ہو تو ہوگی صورت میں لڑکی مگر دل میں مردانی، اسے انگرکھا پہننے، ٹوپی رکھنے، عمامہ باندھنے، گھوڑے پر چڑھنے، تلوار اٹھانے، تیر اندازی کرنے، مردانہ جوتا پہننے وغیرہ وغیرہ کسی مردانی وضع کا ذوق ہوگا بہرحال یہ دونوں خانے بہکے ہوئے اللہ ورسول کے ملعون ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبہات من النساء بالرجال والمتشبہین من الرجال بالنساء،	اللہ کی لعت ان عورتوں پر کہ مردوں کی وضع بنائیں اور ان مردوں پر کہ عورتوں کی وضع اختیار کریں۔

رواہ احمد[1] والبخاری ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(مسند احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

حضور نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا کہ ایک عورت کمان کندھے میں لٹکائے دیکھا رواہ اطبرانی فی معجمہ الکبیر[2] (امام طبرانی نے اپنی معجم کبیر میں اس کو روایت فرمایا۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الرجل یلبس لبسۃ المرأۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل۔ رواہ ابوداؤد[3] والنسائی وابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اللہ کی لعنت اس مرد پر کہ عورتوں کے پہننے کی چیز پہنے اور اس عورت پر کہ مردوں کے پہننے کی چیز استعمال کرے (ابوداؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی" سے اس کو روایت کیا۔ت)

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی، فلاں عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے۔ فرمایا:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ مردانی وضع لے۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۲۹، صحیح بخاری کتاب اللباس باب المتشبھین بالنساء والتشبہات بالرجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی المتشبہات بالرجال الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الادب باب فی المشبہین من الرجال الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۰۲۔۳

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ کسی ایک بات میں مرد کو عورت، عورت کو مرد کی وضع لینی حرام وموجب لعنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گیسو انتہا درجہ شانہ مبارک تک رہتے بس یہیں تک حلال ہے آگے وہی زنانہ خصلت ہے بلکہ علماء نے اس سے بھی ہلکی بات میں مشابہت پر وہی حکم لعنت بتایا۔ درمختار میں ہے:

غزل الرجل علی ھیأۃ غزل المرأۃ یکرہ[1]۔	کسی مرد کا کسی عورت کے بال گوندنے کی طرح اور اس کی ہیئیت پر بال گوندنا مکروہ (ناپسندیدہ) فعل ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما فیہ من التشبہ بالنساء وقد لعن علیہ الصلٰوۃ و السلام والمتشبھین والمتشبھات[2]۔	اس لئے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہے۔ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان مردوں پر لعنت فرمائی (جو عورتوں سے) مشابہت اختیار کریں، اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں۔ (ت)

فتح القدیر ودرمختار میں ہے:

اما الاخذ منھا (ای من اللحیۃ) وھی دون ذٰلک (ای القبضۃ) کما یفعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل یھود الھند ومجوس الاعاجم[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	لیکن داڑھی تراشنا جبکہ مشت بھر سے کم ہو جیسا کہ بعض مغاربہ (مغربی باشندے) اور زنانہ وضع کے مرد کیا کرتے ہیں پس اہل علم میں سے کسی عالم نے اس کو مباح نہیں فرمایا اور پوری داڑھی مونڈنا تو یہ ہند کے یہودیوں اور عجمی آتش پرستوں کا فعل اور طریقہ ہے (جو بالکل ناجائز ہے)۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۱تا ۱۹۲: از شیر گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ عظیم اللہ نائب مدرس ۱۳/ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) جو اشخاص بوجہ لاعلمی کے خلاف شرع پیر مثل داڑھی منڈا اور کانوں میں مندرے پہنے ہوئے اور

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴

[3] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم ومالایفسد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲، فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجہ القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

گیسو دراز کے مرید ہو چکے ہوں ان کی بیعت جائز ہو گی اور ان کو جائے دیگر بیعت ہونے کا حکم ہے یا نہیں؟
(۲) جس پیر کے یہاں قوالی مع مزامیر ہوتی ہو اور اپنے مریدوں کو بھی اسی جلسہ میں شامل کراکے راگ مع مزامیر سنواتا ہو تو ایسے پیر کا مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) فاسق کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں۔ اگر کرلی ہو فسخ کرکے کسی پیر متقی، سنی، صحیح العقیدہ، عالم دین، متصل السلسلۃ کے ہاتھ پر بیعت کرے۔

(۲) مزامیر جائز نہیں۔ حضور سیدنا سلطان المشائخ نظام الحق والدین سردار سلسلہ عاریہہ چشتیہ نظامیہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: "مزامیر حرام ست[1]" (مزامیر حرام ہے۔ ت) ایسے شخص سے بیعت کا حکم ہے جو کم از کم یہ چاروں شرطیں رکھتا ہو:

اول سنی صحیح العقیدہ ہو۔

دوم علم دین رکھتا ہو۔

سوم فاسق نہ ہو۔

چہارم اس کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو،

اگر ان میں سے ایک بات بھی کم ہے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کی اجازت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۳: بمقام بریلی صدر بازار چھاؤنی رسیدہ پاس مظہر حسین کے پہنچے بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بزرگ سے خاندان قادریہ میں بیعت ہے اور اس کی طبیعت خاندان چشتیہ صابریہ میں بھی بیعت ہونے کو چاہتی ہے اور اس کا پیر صرف خاندان قادریہ میں بیعت کرتا ہے اور کسی دوسرے خاندان چشتیہ صابریہ وغیرہ میں بیعت نہیں کرتا۔ اگر زید کسی دوسرے بزرگ سے خاندان چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو جائے اور نیز اس کا پیر زندہ ہو تو ایسی صورت کچھ حرج تو نہیں ہے۔ زید کا خیال ہے کہ وہ دونوں پیروں کو برابر سمجھے گا اور حسب معمول دونوں شجرے پڑھے گا اور دونوں پر عمل کرے گا۔

الجواب:

اکابر فرماتے ہیں ایک شخص کے دو۲ باپ نہیں ہو سکتے۔ ایک وقت میں ایک عورت کے دو۲ شوہر

---

[1] فوائد الفواد

نہیں ہو سکتے ایک مرید کے دو ۲ پیر نہیں ہو سکتے۔ یہ وسوسہ ہے اس پر عمل نہ کیا جائے، یک در گیر محکم گیر (ایک ہی دروازہ پکڑو مگر پکڑو مضبوطی سے۔ت) پریشان نظری والا کسی کی طرف سے فیض نہیں پاتا۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق شیئ فلیلزمہ [1]۔	جس کو کسی چیز میں (یعنی اس کے سبب سے) رزق دیا جائے تو چاہئے کہ اس پر لزوم اختیار کرے۔(ت)

قرآن عظیم کی آیت بھی اسی معنی کا افادہ فرماتی ہے جو کارڈ پر نہیں لکھی جا سکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: مسئولہ جناب حکیم مقیم الدین صاحب بہیڑی ضلع بریلی ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلمان متقی تصور سے بذریعہ میز کہ سہ پایہ ہوتی ہے اور تختہ پر اس کے کچھ ایات قران عظیم کی مع تسمیہ لکھی ہوتی ہے اور میز مذکورہ کے تینوں پایوں پر حروف تہجی لکھے ہوتے ہیں ارواح مسلمانان سے اور اس بات چیت کرتا ہے کہ زید اور چار پانچ اشخاص مسلمان نمازی میز کے آس پاس کرسیوں وغیرہ پر حلقہ باندھ کر آنکھیں بند کرکے مکان پاک صاف میں کہ خالی از عوام ہوتا ہے میز پر ہاتھ رکھ کر جس روح کو میز پر بلانا ہوتا ہے تصور کرتے ہیں کہ فلاں شخص کی روح میز میں داخل ہوئی اور زید کہ تسبیح:

سبحان ذی الملك والملکوت سبحان ذی العزۃ و العظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکمال والجمال والکبریاء والجبروت، سبحان الملك الحی الذی لاینام ولا یموت سبوح قدوس ربنا ورب الملئکۃ والروح۔	اللہ تعالٰی ہر عیب اور نقص سے پاک ہے جو چھوٹی اور بڑی بادشاہی رکھنے والا ہے۔(۱الملك و ۲الملکوت)(۱) بادشاہی (۲) بڑی بادشاہی، جیسا کہ لغت وغیرہ میں مرقوم ہے۔ اللہ پاک ہے جو عزت والا بزرگی والا، رب، طاقت، کمال اجمال اور بڑی رکھنے والا ہے (الجبروت) تسلط رکھنے والا، قدرت اور عظمت والا ہے۔ پاک ہے وہ بادشاہ جو ہمیشہ ہمیشہ زندہ ہے جو کبھی سوتا نہیں اور نہ اس پر کبھی موت طاری ہوتی ہے۔ بڑا منزہ اور بیحد پاک ہے۔ اور وہ ہم سب کا پروردگار ہے۔ تمام فرشتوں اور حضرت جبریل کا بھی پرودگار ہے۔(ت)

کا عامل ہے۔ وقت حلقہ زید اس تسبیح کی تلاوت کرتا ہے۔ اس اثناء میں میز کا پایہ اٹھتا ہے تو سوال کیا جاتا ہے جو کچھ سوال کرنا ہوتا ہے پایوں کے ذریعے سے اگر روح پڑھی ہوتی ہے تو حروف تہجی سے کہ میزے کے پایوں پر لکھے ہوتے ہیں ان کے ذریعہ سے بتلاتی ہے اور ان پڑھ روح سے کلام بہت دشواری سے ہوتا ہے اور بعض روح تو

[1] کنز العمال برمذہب عن انس حدیث ۹۲۸۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۹

بہت کچھ بیان کرتی ہے یہاں تک کہ جو کچھ اس پر عذاب اور ثواب بعد مرنے کے ہوتا ہے بتلادیتی ہے۔اور اپنے گھر وغیرہ کی کیفیت بھی بیان کردیتی ہے۔اور اکثر اتفاق ایسا ہوا کہ جو کچھ کسی نے پڑھ کر بخشا وہ بھی بتلادیا تو کیا ایسی میز سے کسی قسم کی قباحت ازروئے شرع شریف لازم آتی ہے کیونکہ ظاہر میں کوئی فعل خلاف نہیں معلوم ہوتا۔**بینوا توجروا**۔(بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر اس کی حقیقت اسی قدر ہے تو فی نفسہٖ اس فعل میں حرج نہیں معلوم ہوتا جبکہ روحوں کا بلانا واقعیت رکھتا ہو اور یہ بظاہر دشوار معلوم ہوتا ہے۔جو ارواح معذب ومحبوس ہیں **العیاذ باللہ** ان کا آنا کیا معنی اور جو ارواح طیبہ معظّمہ ہیں ان کا یوں بلانا سوء ادب سے خالی نہیں ہوتا بظاہر اس عامل کے صرف تصور کا تصرف ہوتا ہے اس تقدیر پر اسے ارواح کی طرف نسبت کرنا کذب اور دھوکا اور محض ناجائز ہوگا اس کا امتحان بہت آسان ہے جن علوم سے یہ عامل آگاہ نہ ہو ان کے کسی جاننے والے کی روح بلائے اور ان علوم کا سوال کیجئے مثلاً ہندسہ وہیأت کے واسطے نصیر طوسی کی روح بلائے اگر وہ دقائق علوم ہندسہ کا جواب دے دے جن سے یہ عامل ناواقف ہو تو احتمال صدق ہوسکتا ہے اگرچہ دوسرا احتمال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ معلم الملکوت کا کوئی کرشمہ ہو اور اگر جواب نہ دے سکے تو دھوکا ظاہر ہے بعض اوقات تجربہ ہوا ہے کہ میز نے وہی جواب دئے جو عامل کے علم میں ہیں اس سے زیادہ کچھ میز نہ بناسکی، بالجملہ اس سے احتراز چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۹۵: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہاں پرگنہ نواب گنج بریلی مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسئلہ ذیل میں : مرد نمازی اور صالح ناخواندہ کی بیعت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

ناجائز ہے کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۹۶: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن ومولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر پیر کی اولاد کسی دنیا کے معاملات میں ناخوش ہوں اور اس کی کشیدگی کا اثر عورت پر ہو اور مرید یہ کہتا ہے کہ اگر میں قصوروار سمجھا گیا تو میں معافی مانگتا توبہ کرتا ہوں خواہش دنیا میں تلقین کیجئے صراط مستقیم کی تلاش ہے تو اس کی نہ سنی اس مرید کو زیادہ اشتعال وطیش دلاکر گمراہ کیا جاتا ہے یہ جائز ہے؟

الجواب:

سوال بہت مجمل ہے۔کیا دنیا کا معاملہ اور کیا وجہ کشیدگی، اور کسی عورت پر اثر، اور کیا اشتعال و

طیش دلایا، جب تک مفصل نہ معلوم ہو یہ ظاہر نہیں ہو سکتا کہ کس کا قصور ہے۔ مرید اشتعال وطیش کے لئے نہیں بنایا گیا اور معافی تقصیر میں کبھی تاخیر ہی مصلحت ہوتی ہے۔ جیسے حضرت کعب بن مالک اور ان کے دونوں ہمراہیوں کے ساتھ پچاس شب تک کی گئی "حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتۡ عَلَیۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ"[1] یہاں تک کہ اتنی وسیع زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹۷: از شہر کانپور محلّہ موتی محال بر دکان محمد خاں و بادل خاں سوداگران مرسلہ امیر الدین شاہ ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

جناب پیر و مرشد روشن ضمیر مولوی احمد رضا خاں صاحب، السلام علیکم! بعد آداب گزراش خدمت شریف میں یہ ہے کہ میں نے آپ کا نام سنا ہے۔ اور لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ آپ بہت بڑے بزرگ ہیں مگر جب میرا کام آپ سے ہو جائے تو میں سمجھوں، پیر وہ ہی ہے جو پیر میرے میرا پردہ آپ اٹھا سکتے ہیں۔ یا نہیں۔ عمل بات کا جھگڑا ہے اور میں مولا فضل الرحمٰن صاحب کے در کا خادم ہوں صرف بات چیت کرنا چاہتا ہوں جن اور ملائکہ سے۔ پھر آپ کا بیعت بھی ہو جاؤں گا۔

الجواب:

ملائکہ سے ملاقات اور کلام کے لئے ولایت درکار، اور ولایت کسبی نہیں محض عطائی ہے۔ ہاں کوشش اور مجاہدہ کرنے والوں کو اپنی راہ دکھاتے ہے جنوں سے مکالمہ کی خواہش اور مصاحبت کی تمنا اصلاً خیر نہیں۔ کم سے کم جو اس کا ضرر ہے یہ کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ نے تصریح فرمائی اور قرآن عظیم میں ہے کہ متکبروں کا ٹھکانا جہنم، **والعیاذ بہ تعالٰی ھو تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۸

شرب وطعام

دعوت ولیمہ، مہمانی، ذبیحہ، شکار، گوشت وغیرہا سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱۹۸: ۱۱/ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ مرزا باقی بیگ صاحب رامپوری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ہنود جو اپنے معبودان باطلہ کو وذبیحہ کے سوا اور قسم طعام وشیرینی وغیرہ چڑھاتے ہیں اور اس کا بھوگ یا پرشاد نام رکھتے ہیں اس کا کھانا شرعاً حلال ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال ہے **لعدم المحرم** (حرمت کی دلیل ہونے کی وجہ سے۔ت) مگر مسلمان کو احتراز چاہئے **لخبث النسبة** (نسبت کی خباثت کی وجہ سے۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

مسلم ذبح شاة المجوسی لبیت نارھم او الکافر لالھتھم توکل لانه سمی الله تعالٰی ویکرہ للمسلم کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن جامع الفتاوٰی [1] اھ **اقول:** فاذا حلت ھذہ وھی ذبیحة فالمسئول عنه اولٰی بالحل۔	اگر کسی مسلمان نے آتش پرست کی بکری اس کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کے جھوٹے خداؤں کے لئے ذبح کرڈالی تو اسے کھایا جائے گا (یعنی کھانا چاہے تو کھاسکتا ہے) اس لئے کہ مسلمان نے اس پر خدا کا نام لیا ہے لیکن ایسا کرنا مسلمان کے لئے مکروہ ہے تاتارخانیہ میں جامع الفتاوٰی کے حوالہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

	سے اسی طرح منقول ہے۔اھ۔**اقول**:(میں کہتا ہوں)جب یہ ذبیحہ ہونے کے بعد حلال ہے تو پھر جس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا وہ بطریق اولٰی حلال ہے۔(ت)

اور شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی نے مجمع البرکات میں فرماتے ہیں:

مایاتی المجوس فی نیروز ھم من الاطعمۃ یحل اخذ ذٰلك ولا حتراز عنه اسلم کذا فی مطالب المومنین ناقلا عن الذخیرۃ[1] اھ ملخصا اقول فاذا کان الاحتراز عن ھذا اسلم مع انه لیس الاطعاما صنعه لیوم زینتھم فالمستفسر عنه اجدر بالاحتراز واحری کما لایخفی۔	آتش پرست اپنی عید میں جو کھانے وغیرہ لاتے ہیں ان کا لینا حلال ہے ہاں البتہ ان سے بچنا زیادہ سلامتی کی راہ ہے۔اسی طرح مطالب المومنین میں ذخیرہ کے حوالے سے منقول ہے۔ تلخیص پوری ہوئی،اقول(میں کہتا ہوں)جب اس سے بچنا زیادہ سلامتی ہے باجودیکہ یہ صرف وہ کھانا ہے جو انھوں نے اپنی زیب وزینت کے دن کے لئے تیار کیا ہے لہٰذا جس کے متعلق سوال کیا گیا وہ بچنے کے زیادہ قابل اور لائق ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

اگر کفار اس پرشاد کو بطور تصدق بانٹ رہے ہوں جب تو ہرگز پاس نہ جانے یارب مگر بضرورت شدیدہ کہ صدقہ کے طور پر لینے میں معاذ اللہ مسلمان کی ذلت اور گویا کافر کے ہاتھ اس کے ہاتھ پر بالا کرنا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الیدالعلیا خیر من الید السفلی والید العلیا ھی المنفقۃ والید السفلی ھی السائلۃ اخرجۃ الشیخان[2] وغیرھما عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر ہے اور دینے والا ہاتھ اونچا ہے اور مانگنے والا نیچا،(بخاری، مسلم اور ان دو کے علاوہ باقی لوگوں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج کی۔ت)**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس درخت کو پاخانہ وغیرہ کے ناپاک پانی دئے گئے ہوں اس کا میوہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

---

[1] مجمع البرکات

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب لاصدقہ الا عن ظھر غنی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۲، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۲

الجواب:

بلا کراہت جائز ہے۔یہی مذہب ہے اکثر فقہاء کا۔

فی ردالمحتار عن ابی مسعود الزروع المسقیۃ بالنجاسات لاتحرم ولاتکرہ عند اکثر الفقھاء[1] انتھی، واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی شامی میں ابومسعود کے حوالے سے ہے کہ جن کھیتوں کو ناپاک پانیوں سے سیراب کیا گیا تو وہ اکثر فقہاء کے نزدیک حرام اور مکروہ نہیں انتھی واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۰۰: ۱۱رجب ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک برات یہاں سے پیلی بھیت جائے گی میزبان وعدہ کرتا ہے کہ کوئی ممنوع شرعی برات کے ساتھ راہ میں نہ ہوگا اسٹیشن ریل پیلی بھیت پر پہنچ کر سب ہمراہیوں کو کھانا کھلایا جائے گا اور ان میں جو لوگ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز رکھتے ہیں۔انھیں کھانا کھلاتے ہی دلھن کے مکان پر معا بھیج دیا جائے گا کہ وہ علیحدہ مکانوں میں قیام کریں اور ممنوعات کے جلسہ سے بچیں انھیں بھیجنے کے بعد برات ہمراہ باجہ وغیرہ کے دلھن کے گھر جائے گی اور وہاں دوسرے مکان میں ناچ اور آتشبازی وغیرہ ہوگی، اس صورت میں ایسی برات کی شرکت درست ہے یا نہیں؟ اور کچھ لوگوں نے عہد نامہ لکھا تھا کہ جو اپنی شادیوں میں ناچ گانا کریں گے ہم ہرگز ان سے نہ ملیں گے انھیں بھی شرکت چاہئے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر یہ شخص جانتا ہے کہ میری خاطر ان لوگوں کو ایسی عزیز ہے کہ بحالت منکرات شرعیہ میں شرکت سے انکار کروں گا تو وہ مجبورانہ ممنوعات سے باز رہیں گے اور میرا شریک نہ ہونا گوارانہ کریں گے تو اس پر واجب ہے کہ بے ترک منکرات شرکت سے انکار کرے۔خزانۃ المفتین میں ہے:

رجل اتخذ ضیافۃ للقرابۃ اوولیمۃ اواتخذ مجلسا لاھل الفساد فدعا رجلا صالحا الی الولیمۃ قالوا ان کان ھذا الرجل	ایک شخص نے اپنے رشتہ داروں اور قرابتداروں کے لئے عام دعوت طعام یا دعوت ولیمہ کا اہتمام کیا اور ساتھ ہی کھیل تماشے لہو ولعب کی مجلس بھی فسادیوں کے لئے آراستہ کی اور

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۷

بحال لوامتنع عن الاجابة منعهم عن فسقهم لا تباح له الاجابة بل يجب عليه ان لايجب لانه نهى عن المنكر [1]۔	خاندان سے غیر متعلق ایک نیک شخص کو بھی دعوت نامہ بھیجا ائمہ کرام فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص اس دعوت کو قبول نہ کرتے ہوئے انھیں غلط قسم محفل آرائی اور بدکاری سے روک سکتا ہوں تو اس کے لئے اس دعوت کو قبول کرنا مباح نہیں بلکہ اس پر دعوت کو قبول نہ کرنا واجب ہے کیونکہ گناہ سے روکنے کا عمل اس کے لئے مقدم ہے۔(ت)

اور اگر جانتا ہے کہ میری عزت وعظمت ان کی نگاہوں میں ایسی ہے کہ میں ساتھ ہوں گا تو وہ منکرات شرعیہ نہ کرسکیں گے تو اس پر واجب ہے وموجب ثواب عظیم ہے کہ شریک ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

اذا علم انهم يتركون ذٰلك احتراما له فعليه ان يذهب اتقانی [2]۔	جب وہ جانتا ہے کہ اس کے احترام کی وجہ سے وہ گناہ والے کام چھوڑ دیں گے تو اس پر ضروری ہے کہ وہاں جائے اور شرکت کرے۔ اتقانی۔(ت)

اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو اگر جانتا ہے کہ جہاں کھانا کھلایا جائے گا وہیں منکرات شرعیہ ہوں گے اور برات والے کا وعدہ محض حیلہ ہی حیلہ ہے تو ہرگز نہ جائے۔

قال اللہ تعالٰی " فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ " [3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو اور مجلس نہ کرو۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

لو علم قبل الحضور لايحضر لانه لم يلزمه حق الدعوة [4]۔	اگر جانے سے پہلے ہی اسے (منکرات شرعیہ کا) علم ہوجائے تو وہاں نہ جائے کیونکہ اس پر دعورت کا حق لازم نہیں ہوا۔(ت)

کفایہ میں ہے:

لان اجابة الدعوة انما تلزم اذا كانت	اس لئے کہ دعوت قبول کرنا اس وقت لازم ہوتا ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۳۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[4] الہدایۃ کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۳

الدعوۃ علی وجہ السنۃ[1]۔	جبکہ دعوت سنت کے مطابق ہو۔(ت)

اور اگر واقعی ایسا ہی ہے کہ نفس دعوت منکرات سے خالی ہو گی اگرچہ دوسرے مکان میں لوگ مشغول گناہ ہوں تو شرکت میں کوئی حرج نہیں۔

قال تعالٰی "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(ت)

غایت یہ کہ میزبان گنہگارہ ہے پھر شرعاً گنہگار کی دعوت ہے جبکہ وہ خود گناہ پر مشتمل نہ ہو، خزانۃ المفتین میں ہے:

ان لم یکن الرجل بحال لولم یجب لایمنعھم من الفسق لاباس بان یجیب ویعظم وینکر معصیتھم وفسقھم لانہ اجابۃ الدعوۃ واجابۃ الدعوۃ واجبۃ اومندوبۃ فلا یمتنع بمعصیۃ افترنت بھا[3]۔	اگر کسی شخص کی ایسی پوزیشن ہو کہ کہ اگر یہ دعوت قبول نہ کرے تب بھی وہ گناہ اور نافرمانی سے باز نہیں آئیں گے۔تو پھر دعوت کی قبولیت میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔البتہ ان کے گناہ اور نافرمانی کا انکار کرے کیونکہ اس نے تو دعوت قبول کی (یعنی خود کوئی خلاف ورزی نہیں کی) اور دعوت قبول کرنا واجب ہے یا مستحب لہٰذا ایسی دعوت جس سے گناہ پیوست ہو ممنوع نہیں۔(ت)

مگر عالم اگر جانے کہ میری اتنی شرکت پر بھی عوام مجھے متہم ومطعون کرینگے تو نہ جائے کہ مواقع تہمت سے بچنا چاہئے اور مسلمانوں پر فتح باب غیبت ممنوع ہے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم ذکرہ الشرنبلالی وغیرہ[4]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مقامات تہمت سے بچے،اس کو علامہ حسن شرنبلالی وغیرہ نے ذکر کیا۔(ت)

---

[1] الکفایۃ مع الفتح القدیر کتاب الکراھیۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸ /۴۵۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵ /۳۴۳

[4] مراقی الفلاح شرح نور الایضاح مع حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ ص۲۴۹

یونہی وہ عہد کرنے والے نہ جائیں کہ خلاف عہد معیوب ہے۔

قال تعالٰی "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: (لوگوں!) وعدہ پورا کیا کرو کیونکہ وعدہ کے متعلق قیامت کے دن پوچھ ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۱: از اوجین مرسلہ مولوی یعقوب علی خاں ۹ محرم الحرام ۱۳۰۹ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت ومفتیان طریقت دریں مسئلہ کہ زید منصب نیابت وامامت دارد وطعام بخانہ کسانیکہ لحم خوک ومردار پختہ نصارٰے رامی خورانند بخورد ومی گوید کہ پختن مردار وخوک باکے نیست دست بشوید پاک شود وازیں سبب اکثرے مردماں شہر سند کامل دانستہ تناول طعام بخانہ اومی نمایند دریں بارہ حقارت اہل اسلام وتہلکہ ونزاع درمیان مسلماناں واقع گردیدہ پس بحق گویندہ ایں کلام مخالف التیام شرعی وممد ومعاون آنچہ حکم وطعام خوردن برمکان آن شخص کہ دریں کار زشتیہ وناقصہ ملوث اند درست ست یانہ بیان فرمایند بسند کتاب۔ **بینوا توجروا۔**	علمائے شریعت اور مفتیان طریقت اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید ایک مقام پر امامت و نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے لیکن جو لوگ سور اور مردار کا گوشت پکا کر عیسائیوں کو کھلاتے ہیں زید ان لوگوں کے گھروں سے کھانا کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ مردار اور سور کا گوشت عیسائیوں کے لئے پکانے میں کوئی حرج نہیں۔ پکانے کے بعد ہاتھ دھو ڈالے تو پاک ہوجاتے ہیں۔ شہر کے اکثر لوگ زید کے اس طرز عمل کو دیکھ کر ان لوگوں کے گھر سے کھانا کھانے لگے ہیں جبکہ کچھ لوگ اس عمل سے نفرت اور سخت اختلاف کررہے ہیں اور نزاع کی صورت بن گئی ہے۔ لہٰذا کتاب وسنت کی روشنی میں بیان فرمایا جائے کہ شخص مذکور کے بارے میں کیا شرعی حکم ہے اور اس کی معاونت وامداد اور اس سے تعاون کرنے والوں کے بارے میں شریعت کیا فرماتی ہے۔ بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

ہمچوں بیباک فجار کہ بہر خوردن کفار پختن چنیں اخبث نجاسات وانجس محرمات پیشہ ساختہ اند ونظافت طبع ونزاہت	ایسے نڈر، بے خوف اور تقوٰی سے عاری لوگ جو کافروں غیر مسلموں کے لئے خبیث ترین اور نجس وحرام چیزیں پکانے کھلانے کا پیشہ اختیار

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

شرح ہمہ رایک لخت پس پشت انداختہ مسلمان متدین راطعام بخانہ ایشاں فشاید خورد بقطع نظر ازانکہ تجربہ صادقہ شاہد است کہ کثرت مزاولت چیزے حرمتش از نگاہ برمی اندازد پس مظنون آنکہ دراب وظروب خود شان از ناجسات ملعونہ مذکورہ بے احتیاط باشند اقدام بریں امر باعث مطعونی وتہمت باشد ودرحدیث آوردہ اند **من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم** [1] مومن متدین راچہ شایان ست کہ بے ضرورت شرعیہ آبروئے خود ریختہ بررخ خویشتن وبرطعن وتہمت مفتوح سازد وبراہ ران دینی رادرگناہان کبیرہ غیبت وحقد وتنابز بالالقاب وغیرہا اندازاہد درحدیث فرمودہ اند **ایاك ومایسوء الاذن** [2]۔ودرحدیث دیگر ست **ایاك وكل امر یعتذر منه** [3]،زیادتے روایت کنند **فان الخیر لا یعتذر منه** بازایں امر باعث نفرت مسلماناں باشد وتنفیر مسلماناں بے ضرورت شرعیہ قطعاً ممنوع سید عالم فرمود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم **بشروا ولا تنفروا** [4] مقصود شرع ایتلاف

کرتے ہیں۔ایسے لوگوں کے ہاں سے دینداروں اور تقوی دار لوگوں کو کھانا ہرگز نہیں کھانا چاہئے کیونکہ جہاں حرام چیزوں کا استعمال کثرت سے ہو وہاں برتنوں کے ناپاک اشیاء سے آلودہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔اور دیندار و تقوی دار لوگوں کا ایسے لوگوں کے ہاں جانا اور ان کے ہاں سے ایسے مشکوک برتنوں میں کھانا، کھانا عوام الناس کی نگاہوں میں باعث الزام و باعث تہمت ہوسکتا ہے۔حدیث شریف میں ہے: "جو کوئی اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ مقامات تہمت سے بچے" لہٰذا ایسی صورت حال میں الزام، طعن اور تہمت سے بچنا ضروری ہے بصورت دیگر یہ اقدام اپنے دینی بھائیوں کو کبیرہ گناہوں غیبت، بہتان، کینہ اور برے القاب کے استعمال میں مبتلا کردے گا۔حدیث مبارک ہے۔لوگو! جن کاموں کو کان ناپسند کرتے ہیں ان سے بچو اور ایسے کاموں سے پرہیز کرو جن کے ارتکاب پر معذرت کرنی پڑے۔اور بغیر شرعی مجبوری کے مسلمانوں کو متنفر کرنا ممنوع ہے۔
چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمانوں کو خوشخبری دو یعنی سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔شریعت کا مقصد جوڑنا اتحاد پیدا کرنا ہے نہ کہ توڑنا۔عقل سلیم کا تقاضا۔

---

[1] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب ادراك الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغاویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۱۷۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۳۱

[4] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی یتخولہم بالموعظہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶،مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۹۹

است نہ اختلاف وخود قضیہ عقل سلیم نیست بے ضرورتے ملحبہ باجہانے طرف افتادن وبموقف مقت وکراہت قوم استادن درحدیث آمدہ رأس العقل بعد الایمان باللہ التودد والتودد الی الناس[1] وبروایتے دیگر راس العقل بعد الایمان باللہ مداراۃ الناس[2] فقیر احادیث ایں باب در رسالہ خود جمال الاجمال وشرح او کمال الاکمال ہرچہ تمامتر رنگ وتفصیل دادہ ام، بالجملہ عقلا ونقلا ایں چنیں کار شناعتہائے ناموجودہ دارد وعاقبت ہائے نامحمودہ باز چوں کار بفتنہ فساد وتفریق کلمہ مسلمین انجامد سخت جریمہ عظیمہ گردد وقال اللہ تعالٰی "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ"[3]۔ ودرحدیث است الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظھا[4] باز چوں نیک، بنگری آزمودن وانماست	بھی یہی ہے کہ لوگوں کو بیقراری میں ڈال کرنا راض کیا جائے اور کراہت ولزام والی جگہ کھڑے ہونے سے پرہیز کیا جائے، حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے اللہ تعالٰی پر ایمان لانے کے بعد عقل کی بنیاد لوگوں سے دوستی اور محبت رکھتا ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے کے بعد عقل مندی ودانشمندی لوگوں سے صلح جوئی میں ہے۔ فقیر (صاحب فتاوٰی) نے اس باب کی حدیثوں کو اپنے رسالہ جمال الاجمال اور اس کی شرح کمال الاکمال میں تفصیلا بیان کردیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عقل ونقل کے اعتبار سے اس طرح کا کام یا اقدام اپنے اندر کئی قسم کی قباحتیں رکھتا ہے کہ جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اور ایسے کاموں کا انجام مذموم ہوتا ہے جب یہ کام یا اقدام فتنہ وفساد اور مسلمانوں کے درمیان تفریق اور پھوٹ پڑنے کی حد تک جاپہنچے تو جرم عظیم بن جاتا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: فنہ قتل سے بدتر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ فتنہ خوابیدہ (یعنی سویا ہوا ہوتا ہے) جو کوئی اسے بیدار کرے اس پر اللہ تعلٰی کی لعنت ہو۔ اگر آپ اچھی طرح غور کریں تو یہ واضح ہوگا کہ اس قسم کے افعال انہی لوگوں سے سرزد ہوتے ہیں جو

[1] کنزا العمال بحوالہ الشیرازی فی الالقاب حدیث ۴۳۵۸۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۵/ ۹۱۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الادب حدیث ۵۴۸۰ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۶۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

[4] کشف الخفاء حرف الفاء حدیث ۱۸۱۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۷۷

که دریں اعصار وامثال ایں کار نخیز مگر از دست کسانیکه چنداں پرائے دین ندارند و بے باک زیستن وآزاد گزراند راحاصل زندگانی انگارند لیت ولعل چیزے دیگر ست ووقع وفعل دیگر اگر انصاف کنی واقع چنیں ست که درلم وتسلیم فراز مباش بہمیں تقریر نفیس بحمدالله تعالٰی منکشف شد حکم طعام بانصارٰی خوردن وامثال ذٰلک از کارہائے اہل زیغ وفتن نسأل الله السلامة والعز والکرامة باز مقرر فقه است که منسب امامت نشاید داد ہمچوں کسے راکه مردماں را از ونفرتے باشد وکار بتقلیل جماعت کشد اگرچه دریں باب گناہے از ذات آں کس نباشد چوں ولد الزنا واجذام وابرص وغیرھم ایں نکته ہم بنظر داشتنی است وآنکه گفت درپختن خوک ومردار باکے نیست پر غلط گفت بلے بے ضرورت شرعیه تلوث بنجاسات ممنوع ست خاصه بهمچوکارے که حاملش قصد اصلاح ماافسده الله باشد وپختن بہر خوراندن کفار قطعاً ناجائز وحرام ماحرم اخذه حرام اعطاؤه [1] وقال الله تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" [2] والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔

دین اور تقاضائے دین کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ بے خوف ہو کر بالکل آزادانہ لاپروائی والی زندگی گزارنا زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں۔ ٹال مٹول اور لیت ولعل سے کام لینا الگ چیز ہے۔ اور کام کہ گزرنا الگ اور جداگانہ چیز، اگر تم انصاف سے کام لو تو درحقیقت بات یہی درست اور صحیح ہے۔ گو لِمَ اور لانسلم کہہ کر اس سے صف نظر کیا جائے (میں نہیں مانتا اور کیوں کیسے کا تو کوئی علاج نہیں مترجم) پس اس نفیس اور عمدۃ تقریر سے بحمداللہ تعالٰی ظاہر ہوگیا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ مل کر کھانا پینا اور اس قسم کے دوسرے کام کرنا فطرت اور فتنہ باز لوگوں کا شعار ہوتا ہے (مخلص اہل ایمان نہ ایسا کرتے ہیں اور نہ انھیں ایسا کرنا زیب دیتا ہے۔) نیز فقہ میں یہ اصول مسلمہ ہے اور طے شدہ ہے کہ عہدہ امامت ان لوگوں کو نہیں دینا چاہئے جن سے لوگ نفرت کرتے ہوں اور بوجہ نفرت جماعت سے نماز پڑھنا چھوڑدیں اگرچہ عہدہ امات پر فائز ہونے والا بے قصور وبے گناہ ہو جیسے حرامزادہ۔ کوڑھ والا، مرض برص والا۔ اسی طرح دیگر امراض کا شکار آدمی، لہٰذا یہ نکتہ پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور جس کسی نے یہ کہا کہ سور اور مردار کا گوشت پکانے اور غیر مسلموں کو کھلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یا کچھ مضائقہ نہیں اور خطرہ نہیں وہ شخص مذکور غلط بات کہنے کا

---

[1] الاشباه والنظائر الفن الاول القاعدة الرابعة عشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۸۹

[2] القرآن الکریم ۵/۲

مرتکب ہوا بغیر علم و تحقیق کے اس قسم کا فیصلہ صادر کردینا ہرگز مناسب نہیں بغیر شرعی مجبوری کے گندگیوں سے آلودہ ہونا سخت ممنوع اور ناجائز ہے بالخصوص ایسے کاموں سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے جن کا حاصل ان کاموں کی اصلاح کرنے کا ارادہ کرنا ہے جنھیں اللہ تعالٰی نے بگاڑ دیا ہے۔ اور کافروں کو کھانا کھلانے کے لئے مسلمانوں کا اپنے ہاتھوں ناجائز وحرام چیزوں کو پکانا یقینا ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ قاعدہ واصول ہے کہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی والے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔ اور اللہ تعالٰی پاک، برتر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از اوجین مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

چہ مے فرمایند علمائے افضل الکملائے ومفتیان اکمل الفضلاء دریں مسئلہ کہ حلانزد کسے معتبر بہمراہی طباخ رفتہ گفت کہ من می خواہم کہ مردمان اہل اسلام طعام شادی دخترم تیار کنانیدہ بخورند چنانچہ مسلم ضعیف العقیدہ وغیرہ چیزے از قسم خوردنی گرفتہ پختہ بخوردن ازیں حرکات خرافاتیہ اوشان مضحکہ درمیان اہل ہنود اظہر شدہ وجماعت مسلمان خجل پس دعوت مردار خوار وخوکیاں درست است یا حرام وخورندگان دعوت تاتائب نشوند بطریق تنبیہ زمرہ اہل اسلام خارج سازند وپرہیز نمایند جائزست ی نہ کہ دیگراں راعبرت شود وبار دوم ملوث ایں کار خراب نباشند دریں مسئلہ ہرچہ حکم شرعی درحق خورندہ وبزندہ گردد بحوالہ عبارت کتب بیان فرمایند رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

کیا فرماتے ہیں ایسے علمائے جو کاملوں میں اکمل ور فاضلوں میں افضل ہیں کہ ایک غیر مسلم (ہندو) مسلمانوں کی بستی میں کسی معتبر آدمی کے پاس باورچی ہمراہ لے گیا اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ مسلمان لوگ میری بیٹی کی شادی کا کھانا خود اپنے ہاتھوں تیار کرواکر کھائیں (تاکہ کوئی شک وشبہہ نہ ہو) چنانچہ کچھ کمزور عقیدہ والے لوگوں نے کھانے کا سامان وغیرہ لے کر پکایا اور کھایا جس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں میں ہنسی مذاق ہونے لگا اور مسلمان شرمندہ ہوئے، کیا حرام خوروں کی دعوت میں کھانا جائز ہے یا حرام؟ دعوت کھانے والے جب تک تائب نہ ہوجائیں کیا انھیں گروہ اسلام سے بطور تنبیہ خارج تصور کیا جائے اور ان سے اگر علیحدگی اختیار کی جائے تو کیا یہ جائز ہوگی کیونکہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ دوبارہ اس طرح کی گھٹیا حرکت نہ کرنے پائیں۔ اس سلسلے میں کھانے اور پکانے والوں کے بارے میں شرعا کیا حکم ہے؟ بحوالہ عبارات کتب جواب مرحمت فرمایا جائے۔ (ت)

الجواب:

اگرچہ کسان مذکور ایں قدر احتیاط کردن کہ طعام پختہ ہیچوں ناکساں نخوردند بلکہ خوردنیہا گرفتہ خود پختہ بکار بردند اما تاہم ایں کار ختطاوبے جاافتادہ کہ اموال ہیچوں حرام وناپاک پیشگان خبیث ست در حدیث کسب حجام را بسبب ملابست بجاست خون خبیث فرمودہ اند باآنکہ پیشہ او کہ خون کشیدن ست شرعًا حلال است احمد ومسلم وابوداؤد والنسائی عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثمن الکلب خبیث ومہر البغی خبیث وکسب الحجام خبیث[1]۔ پس کسب خوکیاناں بدرجہ اولٰی اخبث واشنع باشد باز ایں کار بحب عرف دیار باعث تنفیر مسلمین وانگشت نمائی در برادران دین مے شود ہرکاریکہ چناں ست شرعامکروہ ناشایانست تاآنکہ علماء گفتہ اند درشہرے کہ مردمان بخضاب اعنی خضاب جائز کہ غیرسوا دست خوکردہ باشند آنجاترک	اگرچہ مذکورہ لوگوں نے اس قدر احتیاط برتی کہ ان نااہلوں کا پکایا ہوا کھانا نہیں کھایا بلکہ کھانے کی اشیاء خود لے کر پکائیں اور اس طرح اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھایا مگر پھر بھی ان کی یہ حرکت نامناسب اور بے جاقرار پاتی ہے۔ حرام اور ناپاک پیشہ کرنے والوں کا مال خبیث (گندہ) ہے، چنانچہ حدیث میں پچھنے لگانے والوں کی کمائی کو ناپاک اور خون کے تلبس کی وجہ سے خبیث فرمایا گیا حالانکہ اس کا پیشہ خون کھینچنا شرعا جائز ہے۔ چنانچہ مسند احمد، مسلم، ابوداؤد اور سنن نسائی میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کتے کی قیمت، بدکار عورت کا مہر یعنی اس کی کمائی اور پچھنے لگانے والے کی کمائی یہ سب خبیث یعنی گندے کام ہیں۔ تو خنزیر خوروں کی کمائی بطریق اولٰی خبیث ہے۔ نیز یہ کام علاقہ کے عرف میں مسلمانوں کی نفرت اور انگشت نمائی کا سبب ہے جبکہ ہر ایسا کام شرعا ممنوع ہے یہاں تک کہ علماء نے فرمایا ہے کہ جس شہر میں جائز خضاب یعنی سیاہ خضاب لگانے کی عادت ہو وہاں خضاب نہ لگانا اور جہاں خضاب

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب تحرم ثمن الکلب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹، سنن ابی داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۳۰

خضاب وجائیکہ تبرک باشند آنجا فعل خضاب مکروہ وناپسندیدہ است زیرا کہ خروج از عادت باعث شہرت و موجب کراہت ست، امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی در حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ فرمود **من کان فی موضع عادۃ اھلہ الصبغ اوترکہ فخر وجہ عن العادۃ شھرۃ ومکروہ**[1] اینہا بآنکہ خضاب وترک ہر دو شرعا رواست وخو کردگان یکے از انہا مراں دیگر راز نہار مخالف دین ودیانت نمے دادند فکیف کہ آں فعل فی نفسہٖ نیز شرعا ناپسندیدگی دارد در عامہ بلاد در اذہان و قلوب عامہ مسلمین نفرت شدیدہ از وجائیگیر باشند وارتکاب ہمچوں افعال پیش ایشاں امارت بیباکی ودناءت قلب وقلّت دین وضعف دیانت بود بچناں رے پرداختن وخود راہدف سہام طعن وملام اہل اسلام ساختن وباجہانے طرف شدہ رعایت شرع ومراعات خاطر مسلمانان یکسر پس پشت انداختن خود چہ زیباست شرع مطہر ہرگز ہمچوں کارے رضاندہد	نہ لگانے کا رواج ہو وہاں خضاب لگانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں شہر کی عادت سے خروج کے باعث بدنامی ہوتی ہے جو کہ مکروہ ہے امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ میں فرمایا جو شخص علاقہ کی عادت خضاب یا عدم خضاب کی عادت سے خروج کرے تو شہرت کی وجہ سے مکروہ ہے حالانکہ خضاب اور ترک خضاب اور عادت کے خلاف کرنا شرعا دین ودیانت کے خلاف نہیں ہے تو ایسے کام کے متعلق کیا حال ہوگا جو شرعا خود ناپسندیدہ ہے اور تمام بلاد میں اسکی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں میں شدید نفرت پائی جاتی ہے اس نوع کے کاموں میں مشغول ہوجانا اور اپنے آپ کو اہل اسلام کے طعن وملامت کے تیروں کا نشانہ بنانا اور دنیا والوں سے ایک طرف ہوجانا شریعت کی رعایت اور اہل اسلام کی مراعات کو یکدم پس پشت ڈال دینا کیسے اچھا ہوسکتا ہے، شریعت مطہرہ اس قسم کے کاموں سے خوش نہیں ہوتی

[1] حدیقۃ الندیہ شرح طریقہ محمدیہ ومنہا ای من الافات اضاعۃ الرجل الخ المکتبہ النوریۃ الرضویۃ لائلپور ۲/ ۵۸۲

کسان مذکور را باید کہ چارہ کار خود سازند و بمجمع مسلمین بتوبہ ومعذرت پردہ زند کہ بے سبب افروختہ اند بآب اعتذار بنشانند وغبار ملالے کہ بر خاطر مسلماناں از جانب آناں نشستہ است بیفشانند حکم ایں قدرست اماکار مسطور باخراج ایشاں از زمرہ مسلمان نیرزد تفریط وافراط ہر دو بدست ومیزان اعتدال بدست حق پرست نظرست۔ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	لہٰذا مذکورہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ اپنے کام کی تدبیر (چارہ) کریں اور مسلمانوں کی مجلس میں توبہ اور معذرت میں مشغول ہوں کہ بغیر سبب جلائی ہوئی آگ کو معذرت کے پانی سے بجھائیں۔ اور بے چینی وتنگ دلی کا گردوغبار جو ان کی طرف سے مسلمانوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے اسے جھاڑ دیں۔ صرف اتنا ہی حکم ہے لیکن یہ کام جو سوال میں بیان کیا گیا ہے کہ انھیں مسلمانوں کے گروہ سے نکال دیا جائے یہ جائز اور مناسب نہیں۔ پس افراط وتفریط (زیادتی وکمی) دونوں ہی برے ہیں۔ اور حق پرستوں کے ہاتھوں میں عدل ترازو محفوظ ہے۔ اللہ تعالٰی پاک، برتر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۳تا۲۰۶: از گلگت چھاؤنی جو نئال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم مکرم سلامت، بعد آداب تسلیمات کے گزارش یہ ہے کہ براہ مہربانی اس کا جواب بہت جلد مرحمت فرمائے گا کیونکہ اس جگہ پر خط عرصہ سے پہنچتا ہے۔ بوجہ برف کے جواب کے واسطے عرصہ دوماہ کا ہونا چاہئے۔ بندہ کو اس وقت سوا آپ کے اور کوئی نہیں یاد آیا۔ امیدوار ہوں کہ اکثر یہاں کے لوگ ناواقف ہیں۔ چند باتیں میں سوال میں لاتا ہوں ان کا جواب دیجئے گا۔ فقط۔

(۱) انگریز کے ولایت کی چند چیزیں ایسی ہیں جو کہ بوجہ یہاں دستیاب نہ ہونے کو ان کو استعمال کرنا اول تو مکھن وہاں سے گائے کے دودھ کا بن کے ٹین کے بکس میں بند ہو کر آتا ہے اس پر گائے کا نمونہ بھی بنا ہوتا ہے اس کو خرچ میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اس طرف سے گائے کا دودھ ٹین کے بکس میں آتا ہے چند شخص کہتے ہیں یہ اچھا ہے چند شخص اعتراض کرتے ہیں دیکھا ہوا کوئی صحیح نہیں بتلاتا صرف سنے ہوئے پر برتتے ہیں۔

(۳) ایک قسم کا دانت صفا کرنے کا بجائے مسواک کے انگریزی برش ہے اس سے دانت خوب صفا ہوتے ہیں چند شخص کہتے ہیں اس کا دستہ ہاتھی دانت کا ہے اور سینگ کے بال ہیں فرض کا اگر سینگ کے بال ہیں ان کو منہ میں لینا کیسا ہے؟ چونکہ کوئی اس سے اصلا خبر نہیں رکھتا عقل سے ہاتھی دانت بتاتے ہیں۔

(۴) یہ کہ بکری ہم نے اپنے ہاتھ سے ذبح کردی اس کو اپنے ہاتھ سے پکایا اس کو انگریز نے اپنے

سامنے رکھ کر چھری اور کانٹے سے علیحدہ کاٹا یہاں تک کہ اس کا ہاتھ نہ لگا ہے اگر اس کو کوئی شخص غفلت سے کھائے تو کیسا ہے؟

الجواب:

(اتا ۳) اصل اشیاء میں طہارت وحلت ہے جب تک تحقیق نہ ہو کہ اس میں کوئی ناپاک یا حرام چیز ملی ہے محض شبہہ پر نجس وناجائز نہیں کہہ سکتے۔ ردالمحتار میں ہے:

لایحکم بنجاستها قبل العلم بحقیقتها[1]۔	حقیقت حال معلوم ہونے سے پہلے اشیاء کی نجاست کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔(ت)

اسی میں ہے:

فی التاتارخانیة من شك فی انائه اوثوبه اوبدنه اصابته نجاسة او لافهو طاهر مالم یستیقن وکذا الآبار والحیاض والحباب الموضوعة فی الطرقات و یستقی منها الصغار والمسلمون والکفار وکذا ما یتخذه اهل الشرك او الجهلة من المسلمین کالسمن و الخبز والاطعمة والثیاب[2] اھ ملخصًا۔	تاتارخانیہ میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنے جسم، لباس یا برتن کے بارے میں شک ہو کہ آیا وہ ناپاک ہیں یا نہیں تو جب تک اس کا شک یقین کی حد تک نہ پہنچے وہ پاک ہی تصور ہوں گے اور یہی حکم ہے کنووں، تالابوں اور گھڑوں کے بارے میں جو راہوں میں رکھے گئے ہوں اور مسلمان، کافر، چھوٹے بڑے سب ان سے سیراب ہوتے ہوں اسی طرح مشرکین وکفار اور جاہل وناواقف مسلمانوں کی تیار کردہ اشیائے خوردو نوش کا حکم ہے (کہ محض شک سے ناپاک متصور نہیں ہوں گی) اھ ملخصًا۔(ت)

ہاں اگر کچھ شبہہ ڈالنے والی خبر سن کر احتیاط کرے تو بہتر ہے **لقوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کیف وقد قیل**[3] (اس لئے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ (اس کے متعلق) ایسا کہا گیا ہے۔ت) مگر ناجائز وممنوع نہیں کہہ سکتے، سینگ ہر جانور یہاں تک کہ مردار کا بھی پاک ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۲

[3] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسئلۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹، مسند امام احمد بن حنبل عن عقبہ بن حرث دارالفکر بیروت ۴/ ۷

اس کی بنی مسواک منہ میں لینی جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

شعر المیتة غیر الخنزیر وحافرھا وقرنھا طاھر[1] اھ ملتقطا۔	سوائے سور کے ہر مردار کے بال، کھر اور سینگ پاک ہوتے ہیں۔ اھ ملتقطا (ت)

البتہ خنزیر کے بالوں کا برش نجس ہے اور اس کا استعمال حرام اس سے دانت مانجنا ایسا ہے جیسے پاخانے سے اور وہ بھی بلاد یورپ سے آتے اور علانیہ بکتے ہیں۔ معلوم ہونے کی صورت میں تو صریح حرام ہی ہے اور شبہہ کی حالت میں بھی بچنا ہے۔ اور اصل تو یہ ہے کہ مسواک کی سنت چھوڑ کر نصرانیوں کا برش اختیار کرنا ہی سخت جہالت وحماقت اور مرض قلب کی دلیل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اس کھانے والے پر کچھ الزام نہیں۔ ہاں کسی کافر خصوصا ان بلاد میں انگریز کے ساتھ کھانے یا معاذاللہ اس کا جھوٹا کھانے یا پینے سے احتراز ضرور ہے۔

لما فیه من مخالفة الکافر وقد قدمنا کراھة مخالطة اھل الباطل والشر مطلقا فکیف الکافر فکیف اذا کان مسلطا بالحکومة والنفوس والموسوسة تحب التقرب الیه ولما فیه من اساء ظنون المسلمین بنفسه وقد روی الامام احمد عن ابی الغادیة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ایاك ومایسوء الاذن[2] ولما فیه من ایقاع غیرہ فی الغیبة ونفسه فی التھمة قد جاء عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنه من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقف التھم بل یروی فی ذٰلك عن النبی صلی اللہ	کیونکہ اس میں کفار سے میل جول پایا جاتا ہے حالانکہ ہم اس سے پہلے اہل باطل اور اہل شر سے مطلقا میل جول کی کراہت بیان کرآئے ہیں پھر کیسے کافر سے اور کیسے حکومت پر جبرا مسلط شخص سے میل جول کا جواز ہوسکتا ہے (یعنی اس کا حال تو زیادہ سنگین اور خطرناک ہے پس یہ کیسے روا ہوسکتا ہے) اور وسوسے ڈالنے والے نفوس تو چاہتے ہیں کہ ان کے تقرب میں گرفتار ہوں نیز اس میں مسلمانوں کے ہاں بدگمانی پائی جانے کا امکان ہوتا ہے۔ امام احمد نے ابو الغادیۃ کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ (اے بندو!) اپنے آپ کو ان کاموں سے بچاؤ جو کانوں کو بُرے

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

تعالٰی علیہ وسلم[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	لگیں اور اس میں دوسروں کو غیبت میں اور اپنے آپ کو تہمت میں ڈالنا ہے جبکہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالٰی او ریوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ مقامات تہمت سے بچے یعنی وہاں نہ ٹھہرے بلکہ اس باب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی روایت کیا کی گئی ہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۰۷: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں : ایک ڈنڈی دار پیالے میں جس میں کچھ بال نہ پڑا ہوا گر ہم نے اس میں چائے بنائی اس کو قوم نصارٰی نے آکر ڈنڈی پکڑ کر صرف اٹھالیااور وہ چائے ہم کو پینا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

جائز ہے۔ مسلمان کے مذہب میں چھوت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸: ۲۰ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ مسلمان جو اینٹ کے کاروبار کرتے ہیں ان کے یہاں کمھار نوکر ہیں،اگر یہ کمھار ہندو کبھی اپنے یہاں سے پوری پکوا کرلائیں یا بازار سے اپنی آمدنی میں سے مٹھائی وغیرہ خرید کرکے دیں تو اس کا لینا اور کھانا درست ہوگا یا نہیں؟اور نیز عام اہل ہنود کے یہاں کے کھانے کا جو طریق رسم کچھ بھیجیں لینا اور کھانا درست ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کافروں کے ہدیے قبول بھی فرمائے اور د بھی فرمائے۔کسرٰی بادشاہ ایران نے ایک خچر نذر کیا۔قبول فرمایا:

الحاکم فی المستدرك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال ان کسرٰی اھدی للنبی صلی اللہ تعالٰی	حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے انھوں نے فرمایا کسرٰی شاہ ایران نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب ادراك الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص۲۴۹، حاشیہ الطحطاوی فصل مایکرہ للصائم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

علیه وسلم بغلة فرکبها بحبل من شعر ثم اردفنی خلفه[1] قال الحافظ الدمیاطی فی ذٰلك نظر لان کسرٰی مزق کتابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فبعید ان یهدی له [2] **اقول:** یرد نظره حدیث الاٰتی واما استبعاده فقد اجاب عنه العلماء بجوابین ذکرهما الزرقانی فی شرحه[3] علی المواهب فی ذکر بغاله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک خچر بطور تحفہ بھیجااور آپ نے اس پر سواری فرمائی جبکہ اس کی لگان بالوں کی رسی تھی اور آپ نے مجھے اپنے پیچھے بٹھایا، حافظ دمیاطی نے فرمایا اس میں اشکال ہے اس لئے کسرٰی نے آپ کا نامہ مبارک چاک کردیا تھا، اور یہ بات ناقابل فہم اور بعید ہے کہ اس نے آپ کے لیے تحفہ بھیجا ہو، **میں کہتاہوں** محدث دمیاطی کے اعتراض کو اگلی حدیث مسترد کررہی ہے۔ رہا اس کا بعید کہنا تو اہل علم حضرات نے اس کے دو جواب دیئے ہیں جن کو علامہ زرقانی نے مواہب اللدنیہ کی شرح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآلہ وسلم کے خچروں کے شمار کے سلسلے میں ذکر کیا ہے۔(ت)

یونہی بادشاہ فدک نے چار اونٹنیاں پر بار نذر کیں۔ قبول فرمائیں، اور بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بخش دیں۔

رواہ ابو اداؤد[4] عن بلال المؤذن رضی الله تعالٰی عنه وفیه انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال لبلال فاقبضهن واقض دینك۔	اس کو امام ابوداؤد نے حضرت بلال مؤذن کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(رضی اللہ تعالٰی عنہ) اس میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: ان پر قبضہ کرکے اپنا قرض ادا کرو۔(ت)

قیصر روم وغیرہ سلاطین کفار کے ہدایا قبول فرمائے۔

احمد والترمذی عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجهه، قال اهدی کسرٰی لرسول الله صلی الله تعالٰی	امام احمد اور ترمذی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا کی ہے کہ آپ نے فرمایا کسرٰی بادشاہ ایران نے حضور صلی اللہ تعالٰی

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة تعلیم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لابن عباس دار الفکر بیروت ۳/ ۵۴۱

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه ذکر بغاله علیه الصلٰوة والسلام دار المعرفة بیروت ۳/ ۳۸۹

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه ذکر بغاله علیه الصلٰوة والسلام دار المعرفة بیروت ۳/ ۳۸۹

[4] سنن ابی داؤد کتاب الخراج والفئی باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۸

علیه وسلم فقبل منه واهدی قیصر فقبل منه واهدت له الملوك فقبل منها[1]۔	علیہ وآلہ وسلم کو تحفہ بھیجا تو آپ نے اس کا تحفہ قبول فرمایا۔اسی طرح قیصر روم (روم کے بادشاہ) نے تحفہ بھیجا وہ بھی آپ نے قبول فرمایا۔اسی طرح دیگر بادشاہوں نے بھی ہدئے بھیجے تو آپ نے وہ بھی قبول فرمائے۔(ت)

قتیلہ بنت عبدالعزٰی بن سعد اپنی بیٹی حضرت سیدتنا اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس آئی اور کچھ گوشت کے زندہ جانور، پنیر، گھی ہدیہ لائی، بنت صدیق نے نہ لیا، نہ ماں کو گھر میں آنے دیا کہ تو کافرہ ہے۔ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا، آیت اتری:

" لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ "[2]	اللہ تعالٰی نے ان کافروں کے ساتھ نیک سلوک سے تمھیں منع نہیں فرماتا جو تم سے دین میں نہ لڑیں۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہدیہ لو اور گھر میں آنے دو[3]۔

رواه الامام احمد عن عامر بن عبدالله بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهم۔	امام احمد نے بن اس کو عامر بن عبداللہ زبیر سے روایت کیا ہے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

یہ حدیثیں تو جواز کی ہیں ___ اور عیاض رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیش از اسلام کوئی ہدیہ یا ناقہ نذر کیا، فرمایا: تو مسلمان ہے؟ عرض کی نہ۔فرمایا:

ان نهیت عن زبد المشرکین رواه عن احمد وابوداؤد والترمذی[4] وقال حسن صحیح۔	میں کافروں کی دی ہوئی چیزیں لینے سے منع کیا گیا ہوں (امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا۔اور امام ترمذی نے فرمایا یہ حسن صحیح ہے۔ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن علی بن ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۴۵۔۹۶، جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول هدایا المشرکین آمین کمپنی اردو بازار لاہور ۱/۱۹۱

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۸

[3] مسند احمد بن حنبل عن علی ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۱۴۵

[4] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول هدایا للمشرکین آمین کمپنی اردو بازار لاہور ۱ /۱۹۱

یونہی ملاعب الاسنہ نے کچھ ہدیہ نذر کیا۔ فرمایا: اسلام لا۔ انکار کیا۔ فرمایا:

انی لا اقبل ہدیۃ مشرک رواہ الطبرانی فی الکبیر[1] عن کعب بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	میں کسی مشرک کا ہدیہ قبول نہیں فرماتا۔ (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے بسند صحیح اسے روایت کیا ہے۔ ت)

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

انا لا نقبل شیئا من المشرکین۔ رواہ احمد[2] والحاکم عن حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	ہم مشرکوں سے کوئی چیز قبول نہیں فرماتے (اس کو امام احمد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اسی طرح اور بھی حدیثیں رد وقبول دونوں میں وارد ہیں:

فمنھم من زعم ان الرد نسخ القبول ورد بجھل التاریخ ومنھم من وفق بان من قبلہ منھم فاھل کتاب لا مشرک کما فی مجمع البحار **اقول:** قد قبل عن کسرٰی ولم یکن کتابیا الا ان یتمسك فی المجوس سنوابھم سنۃ اھل الکتاب غیر ناکحی نسألھم ولا اٰکل ذبائحھم[3]۔	ان میں کچھ وہ لوگ ہیں جن کا خیال ہے کہ ہدیہ رد کرنے سے اس کا قبول کرنا منسوخ ہوا اور یہ غلط ہے کیونکہ تاریخ معلوم نہیں۔ اور بعض نے دونوں میں مطابقت اور موافقت پیدا کی کہ جن کا ہدیہ قبول فرمایا وہ اہل کتاب تھے مشرک نہ تھے جیسا کہ مجمع البحار میں ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ آپ نے کسرٰی شاہ ایران کا ہدیہ قبول فرمایا حالانکہ وہ اہل کتاب نہ میں سے نہ تھا بلکہ مجوس سے تھا۔ مگر یوں استدلال کیا جائے کہ مجوسی نے اہل کتاب کی روش اختیار کی البتہ ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبیحہ کا کھانا جائز نہیں۔ (ت)

اس بارہ میں تحقیق یہ ہے کہ یہ امر مصلحت وقت وہ حالت ہدیہ آرندہ وہدیہ گیرندہ پر ہے اگر تالیف قلب کی نیت ہے اور امید رکھتا ہے کہ اس سے ہدایا وتحائف لینے دینے کا معاملہ رکھنے میں اسے اسلام

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۳۸ المکتبۃ الفیصلیۃ ۱۹ /۷۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن حکیم ابن حزام المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۴۰۳

[3] التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر حدیث ۱۵۳۳ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳ /۱۷۲

کی طرف رغبت ہوگی تو ضرور لے اور اگر حالت ایسی ہے کہ نہ لینے میں اسے کوفت پہنچے گی اور اپنے مذہب باطل سے بیزار ہوگا توہر گز نہ لے، اور گر اندیشہ ہے کہ لینے کے باعث معاذاللہ اپنے قلب میں کافر کی طرف سے کچھ میل یااس کے ساتھ کسی امر دینی میں نرمی ومداہنت راہ پائے گی تو اس ہدیہ کو اگ جانے اور بیشک تحفوں کا رغبت ومحبت پیدا کرنے میں بڑا اثر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تھادوا تحابوا۔رواہ ابو یعلی [1] بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ زاد ابن عساکر وتصافحوا یذھب الغل عنکم [2] وعندہ عن ام المومنین الصدیقۃ رفعتہ تھادوا تزدادوا حبا [3] الحدیث۔	ایک دوسرے کو ہدیہ دے دیا کرو تاکہ آپس کی محبت میں اضافہ ہو، ابویعلی نے اس کو جید سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور ابن عساکر نے یہ اضافہ کیا کہ ایک دوسرے کے ساتھ مصافحہ کیا کرو۔(یعنی ہاتھ ملایا کرو) اس سے تمہارا باہمی کینہ دور ہوگا اور اسی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مرفوعا روایت کیاہے ہدیہ دیا کرو تاکہ تمہاری باہمی محبت میں اضافہ اور ترقی ہو الحدیث (ت)

ایک حدیث میں ہے۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الھدیۃ تذھب بالسمع والقلب والبصر۔رواہ الطبرانی [4] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ حسنہ السیوطی وضعفہ الھیثمی وغیرہ۔	ہدیہ آدمی کو اندھا، بہرا، دیوانہ کردیتا ہے (امام طبرانی نے اس کو معجم کبیر میں عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔امام سیوطی نے اس کی تحسین فرمائی جبکہ ہیثمی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا۔(ت)

نیز حدیث میں ہے۔فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الھدیۃ تعور عین الحکیم ۔اخرجہ الدیلمی [5]	ہدیہ حکیم کی آنکھ اندھی کردیتاہے (دیلمی نے بسند

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۱۱۰

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۱۱۰

[3] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن عائشہ حدیث ۱۵۰۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۱۱۰

[4] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۴۸۸ المکتبہ الفیصلیہ ۱۷ /۱۸۳

[5] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۶۹۶۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳ /۳۳۵

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند ضعیف۔	ضعیف حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ت)

اور اگر نہ کچھ مصلحت ہو نہ کچھ اندیشہ تو مباح ہے چاہے لے چاہے نہ لے۔

وقد بنی الامر فی ذلك علی المصالح علماؤنا الکرام کما نقله فی الباب الرابع عشر من کراهیة الهندیة [1] عن المحیط عن الامام الفقیه ابی جعفر وغیرہ فراجعه۔	ہمارے علماء کرام نے اس معاملہ میں مختلف مصالح پر بنیاد رکھی ہے جیسا کہ اس کو فتاوٰی ہندیہ کی بحث کراہت چودھویں باب میں بحوالہ محیط امام فقیہ ابوجعفر وغیرہ نے نقل کیا ہے لہذا اس کی طرف رجوع کیا جائے۔(ت)

پھر ان کا پکایا ہوا یا ہدیہ دیا ہوا گوشت تو حرام ہے جب تک اپنے سامنے جانور ذبح ہو کر بغیر نگاہ سے غائب ہوئے سامنے نہ پکا ہو اور اس کے سوا پکائی ہوئی چیزیں اور بازار کی مٹھائی دودھ دہی گھی ملائی سب کا ایک حکم ہے کہ فتوی جواز اور تقوی احتراز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: از ملک بنگالہ شہر نصیرآباد قصبہ لاماپڑا مرسلہ محمد علیم الدین صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: ایک شخص مسلمان سود ورشوت وغیرہ حرام کھاتا ہے اور تجارتی وغیرہ حلال پیشہ بھی اس کا ہے یعنی مال مختلط حرام وحلال شے ہے۔ اور وہ نماز پڑھتا نہیں اس کے مکان پر کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جائز بایں معنی تو ہے کہ کھائے گا تو کوئی شے حرام نہ کھائی جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو میرے سامنے آئی بعینہٖ حرام ہے۔

به ناخذ مالم تعرف شیئا حراما بعینه نص علیه محرر المذهب الامام محمد رحمه الله تعالٰی کما فی الذخیرة [2] وغیرها۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شے کے حرام ہونے کو پہچان نہ لیں چنانچہ مذہب قلمبند کرنے والے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اس کی صراحت فرمائی ہے جیسا کہ ذخیرہ وغیرہ کتب میں مذکور ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۸-۳۴۷

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ الظهیریة کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

مگر احتراز اولٰی خصوصاجب کہ غالب حرام ہو۔

خروجا عن الخلاف وکما فی ردالمحتار عن الذخیرۃ عن الامام ابی جعفر احب الی فی دینہ ان لایأکل ویسعہ حکما ان لم یکن(ذٰلک الطعام)غصبا ورشوۃ الخ۔[1]	تاکہ اختلاف سے نکل جائیں جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ذخیرہ کے حوالے سے امام ابو جعفر سے روایت کیا ہے کہ آدمی کے دین کے معاملے میں یہ بات مجھے زیادہ پسند ہے کہ وہ نہ کھائے جبکہ حکم میں اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ طعام مال غصب شدہ اور شوت وغیرہ سے نہ ہوالخ۔(ت)

خصوصًا جب کہ یہ شخص سود اور رشوت لینے کے باعث نہ صرف فاسق بلکہ عباداللہ پر ظالم ہے ایسے فساق سے اظہار بغض و نفرت پر سلف صالح اجماع قائم ہے۔امام حجۃالاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

طرق السلف قد اختلف فی اظہار البغض مع اہل المعاصی وکلہم اتفقوا علی اظہار البغض للظلمۃ و المبتدعۃ وکل من عصی اللہ تعالٰی بمعصیۃ متعدیۃ منہ الی غیرہ[2] الخ۔	علمائے سلف کی روش گناہ کرنے والے کے ساتھ اظہار بغض میں مختلف رہی ہے لیکن ظالموں اور بدعتیوں کے خلاف بغض کرنے پر سب کا اتفاق ہے۔اور جو کوئی گناہ کرکے اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرتا ہے اس کی یہ کاروائی دوسروں تک متجاوز ہوتی ہے۔الخ(ت)

تواس کے یہاں کھانے سے اور زیادہ احتراز چاہئے خصوصا اس کے ساتھ کھانے سے،واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: از بلگرام شریف مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب دوم رجب ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میز پر اور ٹیک لگا کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

ٹیک لگا کر کھانا اگر بہ نیت تکبر ہو تو کراہت کیسی حرام ہے۔

قال تعالٰی "اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ۝۶۰"[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:کیا دوزخ تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا نہیں(یعنی یقینًا ہے)۔(ت)

ورنہ بلاکراہت درست بعض اوقات حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی اس کا فعل

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

[2] احیاء العلوم کتاب آداب الالفۃ واخوۃ بیان البغض فی اللہ مطبعۃ المشہد الحسینی ۲/ ۱۶۸

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مروی،

فقد اخرج ابونعیم عن عبداللہ بن السائب عن ابیہ عن جدہ وقال ھو وھم والصواب ابن عبداللہ بن السائب عن ابیہ عن جدہ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأکل ثریدا متکئا علی سریر ثم یشرب من فخارۃ[1]۔	بیشک عبداللہ بن سائب سے بواسطہ اپنے باپ اپنے دادا، محدث ابونعیم نے اس کو تخریج کیا اور فرمایا۔ یہ وہم ہے ٹھیک یوں ہے ابن عبداللہ بن سائب عن ابیہ عن جدہ (رضی اللہ تعالٰی عنہما) فرمایا میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تخت پر تکیہ لگائے کھانا (ثرید) کھاتے ہوئے دیکھا پھر پختہ مٹی کے برتن سے پانی پیتے ہوئے بھی دیکھا (ت)

ہاں عادت کریمہ زمین پر دستر خوان بچھا کر کھانا تناول فرمانا تھی اور یہی افضل،

اخرج الامام احمد فی کتاب الزھد عن الحسن مرسلا والبزار نحوہ عن ابن ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اتی بطعام وضعہ علی الارض[2]، واخرج الدیلمی فی مسند الفردوس عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صنعھا علی الحضیض ثم قال انما انا عبد اٰکل کما یاکل العبد واشرب کما یشرب العبد[3]، واخرج الدارمی و	امام احمد نے کتاب الزہد میں امام حسن سے بغیر سند (یعنی مرسلًا) تخریج فرمائی، محدث بزار نے اسی کی مثل ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عن سے تخریج فرمائی، جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اسے زمین پر خود رکھ دیتے، محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا تخریج فرمائی یعنی حضرت ابوہریرہ نے حضور اقدس سے روایت کی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا طریقہ کار یہ تھا کہ کھانا زمین پر رکھ کر خود زمین پر بیٹھ جاتے اور فرماتے میں ایک بندہ ہوں اس لئے اس طریقے سے

[1] ابونعیم

[2] الزھد الاحمد بن حنبل دار الدیان للتراث القاھرہ ص ۱۱

[3] اتحاف السادۃ بحوالہ الدیلمی عن ابی ھریرۃ ۸ /۳۹۳ وابن عدی فی الکامل دار الفکر بیروت ۵ /۱۹۷۱

الحاکم وصححه واقروه عن انس رضی الله تعالٰی عنه قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذوضع الطعام فاخلعوا نعالکم فانه اروح لاقد امکم[1] و اخرجه ابو یعلی بمعناه وزادوهو السنة۔	کھاتا اور پیتا ہوں جس طریقے سے ایک غلام یعنی بندہ کھاتا اور پیتا ہے۔ نیز دارمی اور حاکم نے تخریج کی اور اسے صحیح قرار دیا، اور انھوں نے اسے ثابت رکھا اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کھانا رکھا جائے تو اپنے جوتے اتار دو کیونکہ ایسا کرنا تمھارے قدموں کے لئے زیادہ باعث راحت ہے اور ابویعلٰی نے اس مفہوم کی تخریج کی البتہ اس میں یہ اضافہ کیا کہ یہ سنت ہے۔ (ت)

شرعۃ الاسلام اور اس کی شرح میں ہے:

(وضع الطعام علی الارض احب الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی السفرة وهی) ای والحال ان السفرة (علی الارض) لاعلی شیئ اٰخر فوق الارض[2]۔	دستر خوان پر کھانا رکھ کر کھانا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو زیادہ پسند تھا اور حالت یہ ہوتی تھی کہ دستر خوان زمین پر بچھا ہوتا تھا نہ کہ کسی اور چیز پر جو زمین کے اوپر ہو۔

عین العلم اور اس کی شرح میں ہے:

(یاکل علی السفرة الموضوعة علی الارض) فهو اقرب الی ادبه علیه الصلٰوة والسلام و تواضعه لمقام الانعام (فالخوان والمنحل والاشنان والشبع من البدع وان لم تکن مذمومات غیر الشبع) فانه	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس دستر خوان پر کھانا تناول فرماتے جو زمین پر بچھا ہوتا پس مقام انعام میں یہ چیز حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ادب اور تواضع کے زیادہ قریب ہے لہٰذا دستر خوان بچھانا جو زمین کی بجائے کسی اور چیز پر بچھا ہو یہ آپ کو ناپسند تھا چھلنی سے چھانا ہوا آٹا، اشنان، (خوشبودار گھاس)

[1] سنن الدارمی کتاب الاطعمة باب خلع النعال عند الاکل دار المحاسن القاهرة ۲/ ۳۴

[2] شرح شرعة الاسلام لسید علی زاده فصل فی سنن الاکل والشرب مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ ص ۲۴۳

مذموم [1] اھ مختصر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور سیر ہو کر کھانا یہ سب بدعات میں سے ہیں (یعنی سنت میں شامل نہیں) اگر چہ سیری کے علاوہ باقی کام مذموم نہیں البتہ سیری مذموم ہے۔ اھ مختصر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۱: از بریلی محمڈن بورڈنگ ہاؤس بریلی مرسلہ عظمت حسین صاحب ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت وجماعت اس بارے میں کہ آیا شیعوں کے ہمراہ ان کے مکان پر تیار شدہ کھانا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور یہ بات جو مشہور ہے کہ شیعہ اہلسنت وجماعت کو کھانا خراب کھلاتے ہیں اس کا کیا ثبوت عقلی یا نقلی ہے؟ اور نقلی ہے تو کس کی کتاب سے اور کس کتاب سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

روافض کے ساتھ کھانا کھانا، ان کی تقریبات سرور میں دوستانہ شریک ہونا اور جو امور ولاء وودادو محبت پر دلالت کریں ان سے احتراز واجتناب کی نسبت احادیث کثیرہ واقوال ائمہ وافرہ متظافرہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ حدیث ابن جہاں وعقیلی وغیرہما کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتواکلوھم ولاتشاربواھم ولاتجالسوھم [2]۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ پانی پیو نہ ان کے پاس بیٹھو۔

قرآن عظیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ" [3]	میل نہ کرو ظالموں کی طرف کہ تمھیں چھوئے دوزخ کی آگ۔

اور فرماتا ہے:

"فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸" [4]	یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

یہ بات کہ یہ نامقید فرقہ جب اہلسنت کے بعض ناواقفو کو کھانا دیتا ہے خراب کرکے دیتا ہے اس پر

---

[1] شرح عین العلم لملا علی قاری الباب السابع مطبع السلامیہ لاہور ص

[2] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران الاخنس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۱۲۶

[3] القرآن العظیم ۱۱/ ۱۱۳

[4] القرآن العظیم ۶/ ۶۸

کسی دلیل اور برہان عقل کے قیام کے کیا معنی، یہ امور متعلق بشہادت ہیں مشہور اسی طرح ہے **والعلم عنداللہ** (حقیقی علم کامالک اللہ تعالٰی ہے۔ت) اور اس کا پتاان کی ان حرکات سے چلتا ہے جو خاص حرم محترم مکہ معظّمہ میں ان کی بیباکوں سے صادر ہوتی ہوئی سنی ہیں اور بعد اطلاع سزائیں دی جاتی ہیں فقیر جس زمانے میں حاضر الحج تھا خدام کرام کعبہ معظّمہ کی زبانی معلوم ہوا کہ ایک رافضی نے حرم مبارک میں پیشاب کیا کہ اہلسنت کے کپڑے خراب ہوں اس زمانے میں مسموع ہوا کہ کوئی خدا ناترس **معاذاللہ** حجر اسود شریف پر کوئی گندی چیز لگا گیا کہ مسلمان ایذا پائیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۲: ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عرق جو انگریزی دواخانوں میں فروخت ہوتے ہیں اور نہایت ہاضم مشتہی مبہی مسمن بدن ہیں مگر ہم کو ان کی ساخت کی کیفیت بالکل معلوم نہیں، اور ان میں نشہ بھی مطلق نہیں، نہ کچھ سرور اور کیفیت ہے۔ لیکن وہ شراب کے نام سے موسوم ہیں اور بیقیمت گراں فروخت ہوتے ہیں لیکن منشّی مطلق نہیں خواہ کئی گلاس پی لئے جائیں، تو ایسے عرق کے جواز میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اصل یہ ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت واباحت ہے۔ جب تک نجاست یا حرمت معلوم نہ ہو حکم جواز ہے۔

فی ردالمحتار ھذا الدودۃ ان کانت غیر مائیۃ المولد وکان لھا دم سائل فھی نجسۃ والافطاھرۃ فلایحکم بنجاستھا قبل العلم بحقیقتھا [1] اھ و فیہ عن التتارخانیۃ من شك فی انائہ اوثوبہ اوبدنہ اصابتہ نجاسۃ اولافھو طاہر مالم یستیقن وکذا مایتخذہ اھل الشرك کالسمن و الخبزوالاطعمۃ والثیاب [2] اھ ملخصًا۔	ردالمحتار میں ہے۔ اگر کیڑے پانی میں پیدا نہ ہوں اور ان میں بہتا خون ہو تو نجس (ناپاک) ہیں بصورت دیگر یہ پاک ہیں لہٰذا جب تک ان کی حقیقت معلوم نہ ہو ان پر نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اھ اور اسی میں تتارخانیہ کے حوالے سے ہے کہ جس شخص کو اپنے جسم۔ لباس اور برتن کے پاک ہونے میں شک ہو تو جب تک شک یقین میں نہ بدل جائے وہ پاک ہی متصور ہونگے۔ اسی طرح مشرکین کی تیار کردہ اشیاء خوردونوش اور ملبوسات وغیرہ از قسم گھی،

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] ردالمحتار باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۰۲

	مٹھائی، کھانا اور کپڑے وغیرہ اس وقت تک پاک اور قابل استعمال سمجھی جائیں گی جب تک ان میں کسی ناپاک و نجس چیز کی ملاوٹ یا لگاوٹ کا یقین حاصل نہ ہو اھ ملخصا۔ (ت)

مگر ان عرقوں کا بنام شراب مشہور ہونا سخت شبہہ ڈالنے والا ہے۔ اور اس کا مؤید یہ ہے کہ نصارٰی کو شراب سے بے حد اشتغال ہے ان کے یہاں کی رقیق اشیاء میں کم کوئی چیز اس نجاست غلیظہ سے خالی ہوگی اور کچھ نہ ہو تو سپرٹ کی شرکت اکثر ہوتی ہی ہے کوئی ٹنچر اس سے پاک نہیں اور ایسی شرکت اگرچہ موجب سکر نہ ہو نجس وحرام کردیتی ہے اگر شراب کا کچھ میل نہ ہوتا تو اسے شراب کا نام دینے کی کیا وجہ ہوتی، توجب تک حال تحقیق نہ ہو اس سے احتراز ہی میں سلامت ہے۔ حدیث میں ہے:

ایاك ومایسوٴ الاذن [1]۔	جو کچھ کانوں کو برا لگے اس سے بچو۔ (ت)

ہمیں شرع مطہر نے جس طرح بے رکام سے بچنے کا حکم فرمایا برے نام سے بھی احتراز کی طرف بلایا، سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لوگوں نے دریائی سور کا حکم پوچھا، فرمایا: حرام ہے۔ عرض کی: وہ سور نہیں ہوتا۔ فرمایا: تمھیں نے اسے اس نام سے تعبیر کیا۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۲: حامدا ومصلیا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سود خوار کے یہاں کھانا کھانا مسلمانوں کو اور وعظ مولود شریف پڑھ کر اسے سود خوار سے کچھ لینا اور اس کا پیسہ مسجد میں لگانا گیارھویں مولود شریف میں مٹھائی تقسیم کرنا اور کپڑا وغیرہ خیرات کرنا حالانکہ اسی زید سود خوار کے یہاں تجارت چرم فروشی وغیرہ زمینداری مالگزاری بھی ہوتی ہے ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

جب اس کے یہاں رزق حلال کے ذرائع تجارت زراعت بھی موجود ہیں تو امور مذکور میں کچھ حرج نہیں جب تک کسی خاص روپیہ کی نسبت معلوم نہ ہو کہ یہ وجہ حرام سے ہے۔ امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ کما فی الھندیۃ عن الذخیرۃ [2]۔	ہم اس کو لیتے ہیں جب تک کسی معین چیز کا حرام ہونا واضح نہ ہو جیساکہ فتاوٰی عالمگیری میں ذخیرہ سے نقل کیا گیا ہے۔ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

[2] الفتاوٰی الھندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

ہاں بنظر مصالح شریعہ اس کی زجر وتوبیخ اور نگاہ مسلمانان میں اسی کے فعل کی تقبیح کے لئے اس کی دعوت سے احتراز خصوصا مقتداء عالم کو انسب واولیٰ ہے **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ زید نے ظاہر پیر کے نام پر بکرا یا مرغا چڑھایااور رات بھرا گیاری کرائی یعنی بکرے کے گوشت کو آگ کے پاس رکھ کر اور جھنڈی گاڑ کر آگ میں لونگ جلائی اور گھی جلایااور ڈبرو یعنی دف بجوا کر گانا کرایااور اس نے اس گوشت کا کھانا پکوا کر مسلمانوں کی دعوت کی اور جس شخص نے نیاز کرائی ہے وہ مردہ بھی کھاتا ہے۔اس کے یہاں کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اور جو شخص اس قسم کا کھانا نہ کھائے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

مسلمانوں کو اس کے یہاں کھانا کھانااس سے بات چیت کلام سلام کرنا نہ چاہئے جب تک وہ توبہ نہ کرے اس پر توبہ فرض ہے اور از سر نو کلمہ اسلام پڑھے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۵تا۲۱۶: از بنگالہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی اکرم یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) سود خوار کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اگر جواز کی کوئی صورت ہے تو بیان فرمایئے۔

(۲) بے نمازی کے گھر کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟اگر جواز کی کوئی صورت ہو تو ارشاد فرمائے۔اور کبھی کبھی جو شخص نماز پڑھتا ہے اس کو بے نمازی کہنا جائز ہے یا نہیں؟اور جو مطلقاً نہیں پڑھتا ہے اور جو گاہے گاہے پڑھتا ہے ان دونوں شخصوں میں کیا فرق ہے۔**بینوا اللہ،توجروا عنداللہ** (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بیان کرو تاکہ اس کے ہاں اجر وثواب پاؤ۔ت) فقط۔

الجواب:

(۱) جائز ہے جب تک خاص اس شیئ کا جواس کے سامنے لائی گئی حرام ہونا تحقیق نہ ہو۔

فی الھندیۃ عن الظھریۃ عن الفقیہ ابی اللیث قال قال محمد وبہ ناخذ مالك نعرف شیأا حراما بعینہ وھو قول ابی حنیفہ واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم [1] ۔	فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی ظہیریہ، فقیر ابواللیث سے مروی ہے۔فرمایاامام محمد نے ارشاد فرمایا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کی صورت کو نہ جائیں،امام بوحنیفہ اوران کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی مذہب ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

ہاں عالم مقتدا کو بلاضرورت مطلقًا احتراز کرنا چاہئے کہ اس کا گناہ عوام کی نظر میں ہلکا نہ ہوجائے۔

فی الھندیۃ عن المحیط عن الملتقیط یکرہ للمشھور المقتدٰی بہ الاختلاط الٰی رجل من اھل الباطل والشر الا بقدر الضرورۃ لانہ یعظم امرہ بین ایدی الناس [1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی ہندیہ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ کسی مشہور مقتداء اور پیشوا کو اہل باطل اور اہل شر سے میل جول اور آمد ورفت رکھنا مکروہ ہے مگر بقدر ضرورت، کیونکہ وہ لوگوں کے سامنے بڑے ہوجائینگے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) یہاں جواز پہلی صورت سے بھی اظہر ہے کہ ترک نماز کا مال وطعام پر کیا اثر ہے اور عالم مقتدا کو بے ضرورت اس سے احتراز مؤکد تر ہے کہ ترک نماز کبیرہ اخبث واکبر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ترك الصلٰوۃ متعمدا فقد کفر جھارًا رواہ الطبرانی فی الاوسط [2] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس کسی نے جان بوجھ کر نماز چھوڑدی تو وہ کھلم کھلا کافر ہوگیا۔ (یعنی حد کفر تک پہنچ گیا کیونکہ مرتکب کبیرہ بغیر انکار کے کافر نہیں ہوتا جیسا کہ اصول مقررہ ہے) امام طبرانی نے اس کو الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

اور نماز کبھی نہ پڑھنا یا بلاعذر شرعی ترک کردینا احکام میں دونوں یکساں ہیں جب تک توبہ نہ کریں دونوں سخت اشد فاسق مرتکب اخبث کبیرہ ہیں ہاں جتنی بار زیادہ ترک کریگا کبائر کا شمار اور گناہوں کا بار بڑھتا جائے گا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا ۲۲۳: ازاترولی ضلع اعظم گڑھ محلّہ مغلاں مرسلہ اکرام اعظم صاحب ۱۸/ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین متین ملت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم از روئے قرآن وحدیث وفقہ کے اس بارے میں کہ ایک فرقہ مسلمان گازروں یعنی دھوبیوں کا جو اپنا پیشہ پارچہ شوئی کا کرتے ہیں اور اس وقت تک بموجب رواج قدیم اس قصبہ اترولی کے مسلمانوں کے کھانے پینے میں شریک نہیں ہیں یعنی مسلمان یہاں کے ان کا کھانا پانی نہیں کھاتے پیتے ہیں اور اس کو سخت برا سمجھتے ہیں اب وہ فرقہ مسلمان دھوبیوں کا اس امر کا خواہشمند ہے کہ ہمارا کھانا پینا سب مسلمان کھائیں پئیں اور ہم کو مسلمانوں میں ملائیں اور ہم کو احکام شرع سکھائے جائیں اور اب ہم نماز پڑھیں گے اور اس کو ترک نہ کرینگے چنانچہ وہ اکثر نمازی ہوگئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں اور مسجد میں آکر

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

[2] المعجم الکبیر الاوسط للبرانی حدیث ۳۳۷۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴/ ۲۱۱

کلمہ ونماز وغیرہ یاد کرتے ہیں آیا ان مسلمانوں دھوبیوں کو مسلمانوں میں شامل نہ کیا جائے اور ان کو احکام شرع نہ سکھائے جائیں اور ان کا کھانا پانی مسلمان نہ کھائیں پئیں اور ان سے موافق رواج قدیم اس قصبہ کے متنفر رہیں اور ان کی دلجوئی نہ کریں، یا یہ سب امور ان کے ساتھ کئے جائیں؟

(۲) جن مسلمانوں نے ان مسلمانوں دھوبیوں کے گھر کا کھانا پانی کھایا ہے بعد ان کے نمازی ہونے کے کیا وہ مسلمان کھانے والے کچھ گنہگار ہیں یا نہیں؟

(۳) بے نمازی مسلمان دھوبیوں کے گھر کا جو اپنا پیشہ پارچہ شوئی کا کرتے ہیں پینا درست ہے یا نہیں اور اس مسئلہ کا حکم شرعی کیا صرف دھوبیوں کی قوم سے خصوصیت رکھتا ہے یا سب اقوام اہل اسلام اس حکم میں شامل ہیں؟

(۴) جو مسلمان اس قصبہ کے بموجب رواج قدیم کہتے ہیں کہ مسلمانوں دھوبیوں کو مسلمانوں میں نہ ملایا جائے ان کا کھانا پانی نہ کھایا پیا جائے اور ان مسلمانوں کو بھی برا کہتے ہیں جو کہ نمازی مسلمان دھوبیوں کے گھر کا کھا آئے ہیں اور ان سے نفرت رکھتے ہیں۔ مسلمان تنفر کرنے والے اور برا کہنے والے گنہگار ہیں یا نہیں؟

(۵) جو مسلمان بے نمازی یا نمازی پیشہ ناجائز کھلم کھلا کرتے ہیں جیسے نقالی وقوالی وشراب فروشی وسود خواری وغیرہ ان کے گھروں کا کھانا پینا اور مسلمانوں کو جائز ہے یا نہیں؟

(۶) جن اقوام مسلمان نمازی بے نمازی کی عورات بموجب روایت قدیم کے پردہ نشین نہیں ہیں ان کے گھروں کا کھانا پینا اور مسلمانوں کو درست ہے یا نہیں؟

(۷) اہل ہنود کی دکان یا مکان یا ہاتھ کی اشیاء تر وخشک خوردنی یا نوشیدنی غذائی یا دوائی کھنا پینا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) انھیں مسلمانوں میں ملانا اور احکام دین سکھانا فرض ہے اور نفرت دینا دلانا باوصف درخواست تعلیم شریعت سے محروم رکھنا حرام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا**[1] (خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ت)

اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "**لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ**"[2] (تم اسے لوگوں کے لئے ضروریات بیان کرو۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخذلھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

(۲) انھوں نے بہت اچھا کیا ان پر کچھ الزام نہیں۔

(۳) عوامِ ہندوستان نے چھوت کا مسئلہ کفار ہند سے سیکھا ہے۔ دھوبی ہر قسم کے کپڑے طاہر و نجس سب کچھ دھوتے ہیں اس لئے ہندو چھوت مانتے ہیں۔ جاہل مسلمان بھی انھیں کی پیروی کرتے ہیں اور خود ہندوؤں کے مکانوں اور دکانوں سے دودھ، دہی، پوری، کچوری، مٹھائی سب کچھ کھاتے ہیں حالانکہ تمام ہندو سخت گندے رہتے ہیں اور ان کے پانی برتن نہایت گھن کے قابل ہیں مسلمان دھوبیوں سے ظاہر یہی ہے کہ وہ ضرور اپنے کھانے پانی میں طہارت کا خیال رکھتے ہونگے اور ہندوؤں سے اصلا اس کی امید نہیں جس قوم کے یہاں گوبر پوتر ہو یعنی پاک کرنے والا، انھیں طہارت سے کیا علاقہ۔ البتہ جو دھوبی یا کوئی قوم طہارت کا لحاظ نہ رکھے اس کے کھانے پینے سے احتراز بہتر ہے اور نہ کیا جائے تو کچھ گناہ نہیں جب تک کسی خاص کھانے کی نجاست تحقیق نہ ہو، اسی بناء پر ہنود کے یہاں کھانا پینا سوائے گوشت کے جائز رکھا گیا ہے۔ اگرچہ بہتر بچنا ہے۔ **کما نص علیه فی نصاب الاحتساب وغیرہ وبیناہ فی فتاوٰنا غیر مرۃ۔** جیسا کہ نصاب الاحتساب میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں متعدد بار بیان کیا ہے۔ (ت)

(۴) ہاں یہ بے جا و بلاوجہ شرعی تنفر کرنے اور مسلمانوں کو برا کہنے والے گنہگار ہوئے۔

(۵) جس کا ذریعہ معاش صرف مال حرام ہے۔ اس کے یہاں سے بچنا ہی اولٰی ہے **تحرزا عن الخلاف** (اختلاف سے بچتے ہوئے۔ ت) مگر کوئی کھانا حرام نہیں جب تک تحقیق نہ ہو کہ خاص یہ کھانا وجہ حرام سے ہے **عملا باصل الحل** (حل کے اصل ہونے پر عمل کرتے ہوئے۔ ت) ہاں یہ جدام بات ہے کہ ایسے فاسقوں سے خلط ملط مناسب نہیں خصوصًا ذی علم کو۔

(۶) اگر وہ موٹے اور خوب گھیر دار کپڑے پہنے سرے سے پاؤں تک جسم ڈھانپنے نکلتی ہیں کہ سوا منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں کے بال یا گلا یا بازو و کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کچھ ظاہر نہیں ہوتا جب تو حرج نہیں ورنہ وہ عورتیں فاسقہ اور ان کے مرد دیوث ہیں ان سے احتراز کرنا چاہئے۔ اسی بناء پر کہ فاسقوں سے میل جول مناسب نہیں ورنہ اصل کھانے میں حرج نہیں۔

(۷) اس کا جواب نمبر ۳ میں آگیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۴: مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق سعداللہ لودی ڈاکخانہ خسروپور ضلع پٹنہ مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ربیع الآخر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرق تاڑ جس کو اس ہندوستان میں تاڑی کہتے ہیں بذانہ حلال ہے یاحرام، تاڑی ایسی صورت میں کہ شب کو نیا برتن تاڑ میں لگایا جائے اور علی الصباح اتارلیا جائے اور اس میں کسی قسم کا سکہ نہ پید ہو توحلال ہے یا حرام؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

تاڑی فی نفسہٖ ایک درخت کا عرق ہے۔جب تک اس میں جوش وسکر نہ آئے طیب وحلال ہے جیسے شیرہ انگور، لوگوں کا بیان ہے کہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا۔اگر یہ امر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے۔جب جوش لائے ناپاک وحرام ہوئی، مگر اس میں تنقیح طلب یہ امر ہے کہ آیا حرارت ہوا بھی چند گھنٹے یا چند پہر ٹھہرنے کے بعد اس عرق میں جوش وتغیر لاتی ہے یا نہیں، اگر ثابت ہو تو شام کے وقت تاڑی چند پیڑوں سے بقدر معتدبہ نکال کر کسی ظرف میں بند کرکے صبح تک رکھ چھوڑیں تو ہرگز متغیر نہ ہوگی جب تک آفتاب نکل کر دیر تک دھوپ سے اس میں فعل نہ کرے جوش نہیں لاتی تو اس صورت میں وہ بیان مذکور ضرور پایہ ثبوت کو پہنچے گا ورنہ صراحت معلوم ہے کہ شام کو جو گھڑا لگایا جائے گا تاڑی اس میں صبح تک بتدریج آیا کرے گی تو وہ اجزاء کہ اول شام آئے تھے طول مدت کے سبب حرارت ہوا سے ان کا تغیر منظنون ہے اور جوش وتغیر محسوس نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ اجزاء جنھیں مدت اس قدر نہ گزرے کہ ہنوز تغیر کی حد تک نہ پہنچے کثیر وغالب میں اس تقدیر پر اس سے احتراز میں سلامتی ہے۔

مسئلہ ۲۲۵: مرسلہ شیخ ممتاز حسین صاحب از رمپورہ تھانہ بھوجی پورہ پرگنہ بریلی ۱۶جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دولڑکی اور ایک لڑکے نے خاکروب کی لڑکی سے روٹی چھین کر کھالی، ایک لڑکی کی عمر چودہ برس کی اور دوسری کی گیارہ برس کی، اور لڑکے کی عمر دس برس کی اب ان کے ساتھ کھانا کھانا یا ان کے ہاتھ کی کوئی چیز لینا اور کنویں سے پانی بھروانا درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت) بعض صاحبوں نے فرمایا ہے کہ روٹی کے کھانے سے یا خاکروب کے چھونے سے کوئی نقصان نہیں، اگر یہ بات درست ہے تو جس مسلمان کا جی چاہے وہ خاکروب کی روٹی کھائے اور پانی پیئے، پھر علیحدہ کیوں کیا ہے۔خاکروب کو

بھی اپنے کنویں سے پانی بھرنے دینااور اس کو کنویں سے آپ پینا جائز ہے لہٰذا بندہ امیدوار ہے کہ جناب جواب باصواب مع مہر اعلیٰ کے مرحمت فرمائیں۔آپ کا کفش بردار ممتاز حسین۔

الجواب:

اول لڑکی لڑکوں کے مربیوں پر لازم ہے کہ انھیں پوری کافی تنبیہ کریں کہ آئندہ ایسی حرکت پھر نہ کریں اول تو روٹی چھین کر کھانا کیسی ناپاک حرکت ہے۔نابالغ پر اگرچہ گناہ نہ ہو۔مگر ایسی حرکات سے انھیں بچانا لازم ہے ورنہ ان کی یہی عادت رہے گی،اور پھر بدخصلت شرعا معصیت بھی ہوجائے گی،لہٰذا اگرچہ نماز بچوں پر فرض نہیں،حدیث میں ارشاد ہوا:

مروا صبیانکم بالصلوٰۃ اذا بلغوا سبعا و اضربوھم علیھا اذا بلغوا عشرا[1]۔	اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات برس کے ہوں اور نماز پر انھیں مارو جب وہ دس برس کی ہوجائیں۔

دوسرے یہ کہ بھنگی کی روٹی کھانی ضرور شرعا ممنوع اور آدمی کی سخت بے قدری پر دلیل ہے جس نے یہ کہا کہ بھنگی کی روٹی کھانے پینے میں حرج نہیں اس نے محض غلط کہا وہ شریعت مطہرہ کے مصالح سے آگاہ نہیں'جو بات عام مسلمانوں کی نفرت کی موجوب ہو شرعًا منع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولاتنفروا[2]۔	خوشخبری سناؤاور نفرت نہ دلاؤ۔(ت)

۲جس بات میں آدمی متہم ہو مطعون ہوانگشت نما ہو شرعًا منع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقف مواقف التھم[3]۔	جو کوئی اللہ تعالٰی اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ تہمت والے مقامات پر ٹھہرنے سے پرہیز کرے۔(ت)

[1] مسند امام احمد عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۱۸۰

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹،حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب مایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۷۱

جو بات مسلمانوں پر فتح باب غیبت کرے انھیں فتنے میں ڈالے گی اور انھیں فتنے میں ڈالنا حرام ہے۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ؕ۱۰" [1]	بلاشبہ جن لوگوں نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو فتنے میں ڈالا (پھر اس جرم) سے توبہ نہ کی تو ان کے لئے عذاب دوزخ ہے اور جلا دینے والی آگ کا عذاب ہے۔(ت)

مسلمان کہ بھنگیوں سے احتراز کرتے ہیں شرعاً منع نہیں۔نہ شرعاً اصل ہے،اور وہ عادت فاشیہ ہونے کے باعث طبیعت ثانیہ ہو رہا ہے تو ضرور وہ ایسے شخص کے ساتھ کھانا پینا اور اپنے کنویں سے اس کا پانی بھرنا گوارہ نہ کریں گے اب اگر اس نے اس پر صبر کیا تو خود اپنے ہاتھوں بلا میں پڑا۔اپنی عاقبت تنگ کی اور اس کے قریب رشتہ داروں نے بھی اسے برادری سے نکالا تو قطع رحم کا بھی باعث ہوا اور وہ سخت حرام ہے۔اور اگر اس سے صبر نہ ہوا تو ضرور اس کے باعث فتنہ اٹھے فساد پھیلنے کا اندیشہ قوی ہے اور مسلمانوں میں فساد پیدا کرنا حرام ہے۔اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ" [2]	فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت جرم ہے۔(ت)

حدیث میں ہے:

الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظھا [3]۔	فتنہ سوئی ہوئی خرابی ہے لہٰذا جو کوئی اسے جگائے اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔(ت)

غرض بہت وجوہ سے یہ فعل شرعاً نادرست ہے اول لڑکی لڑکوں کو ان کے مربی تنبیہ کریں اور مسلمانوں کو ان سے توبہ کرائیں اس کے بعد ان کے ساتھ کھانا پینے، کنویں سے پانی بھرنے میں حرج نہیں،واللہ تعالٰی اعلم (اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

مسئلہ ۲۲۶تا۲۲۸: بھیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خاں ۲۷ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اکثر موضع میں بدجانور کا گوشت

[1] القرآن الکریم ۸۵ /۱۰

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۹۱

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الرافعی عن انس حدیث ۵۹۷۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲ /۳۷۰

کھاتے ہیں ان کے یہاں کا کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟(ت)

(۲) مسلمانوں کو قصداً شکار سور کا کھانا اور بلم سے مارنا اور کتے سے اور اہل ہنود کو کھلانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) سود لینے والے کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے کہا کہ اگر اس کی آمدنی اور جگہ سے بھی ہے تو اس کے یہاں کھانا کھانا جائز ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جو کفار اس بدجانور کو کھاتے ہیں جیسے ٹھاکر وغیرہ، بہتر یہ ہے کہ ان کے یہاں کی روٹی سے بھی احتراز کیا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ ان کے برتن اور بدن سب نجس ہوتے ہیں، اور یہی حال ان کے بامنوں وغیرہ اقوام کا بھی ہے کہ وہ سوئر نہ کھائیں تو گوبر اور بچھیا کا موت تو ان سب کے نزدیک پاک بلکہ پیتر ہے وہ سب نجس ہیں مگر شریعت آسان ہے جب تک کسی خاص شے میں حرمت یا نجاست کا حال معلوم نہ ہو ہمارے لئے پاک وحلال ہے ورنہ بازار کا دودھ، گھی، مٹھائی سب کا یہی حال ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بیعینہ[1]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں (یعنی عمل کرتے ہیں) جب تک کسی شئی کے حرام ہونے کو پہچان نہ لیں۔(ت)

(۲) سوئر اگر کھیتی وغیرہ کو ضرر دے یا اس سے انسان یا مویشی پر حملہ آوری کا اندیشہ ہو تو اسے کتے سے شکار کرنا خواہ بلم یا بندوق سے مارنا جائز بلکہ مستحب، بلکہ بعض اوقات میں فرض وواجب ہے۔ مگر ہندو وغیرہ کسی کافر کو اس کا کھلانا یا اس کے پاس بھجوانا سخت حرام ہے۔ کہ کھانے اور کھلانا ایک حکم ہے۔ اشباہ میں ہے:

ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ[2]۔	جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔(ت)

(۳) سود خوار کے یہاں نہ کھانا بہتر ہے خصوصاً عالم ومقتداء کو اور فتوٰی وہی ہے کہ جب تک کسی خاص مال کی حرمت معلوم نہ ہو منع نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الفتاوی الھندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۸۹

مسئلہ ۲۲۹: از شہر محلّہ جامع مسجد ۱۴ جمادی الاولٰی

حلال جانور مادہ سے نر جانور حرام جفتی کرے جو بچہ اس سے پیدا ہو خواہ بشکل مادہ یا نر یا دونوں کی شکل ہو وہ بچہ حرام ہوگا یا حلال؟

الجواب:

مادہ جب حلال ہے تو بچہ حلال ہے کہ جانور میں نسب ماں سے ہے نہ کہ باپ سے، **وھو الصحیح کما فی الھدایۃ**[1] **وغیرھا** (اور یہی صحیح ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ (کتب فقہ احناف) میں مذکور ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۰: حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فاتحہ کا کھانا مردوں کو کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

چاہئے، کوئی ممانعت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۱: ضرورت کو حرام چیز کھانا یا استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر بھوک پیاس سے مرتا ہو اور کوئی شے پاس نہیں اور جانے کہ اس وقت کھائے پیئے گا نہیں تو مرجائے گا ایسی صورت حرام شے کھانا پینا اس قدر جس سے اس وقت جان بچ جائے جائز ہے۔ یوہیں اگر سردی سخت ہے اور پہننے کو حرام کے سوا کچھ پاس نہیں اور نہ پہنے تو مرجائے گا یا ضرر پائے گا تو اتنی دیر پہن لینا جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: شراب پینا خدا کے راستے کو روکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

بیشک ضرور روکتا ہے اور اس کے پینے والے پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الھدایۃ

مسئلہ ۲۳۳تا۲۳۷: از بمبئی محلّہ چوٹا بھٹی مسئولہ مولوی عبدالقادر صاحب مدرس اول مدرسہ کمون سیٹھ ۵رجب المرجب ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) اولیائے کرام کے مزارپر واسطے فاتحہ وامداد مردوں اور عورتوں کو جانا درست ہے یا نہیں؟

(۲) شادی میں دف تاشہ بجانا درست ہے یا نہیں؟

(۳) شادی میں لڑکیوں کاگانا درست ہے یا نہیں؟

(۴) تیجہ، دسواں، چہلم کا کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۵) مسائل بالا کو نادرست کہنے والا کیا سمجھا جائے ازروئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) مزارات اولیاء کرام پر بلحاظ آداب ومراعات احکام شرعیہ فاتحہ واستمداد واستفادہ کے لئے مردوں کا جانا جائز ومندوب ومحبوب ومرغوب ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں:

ازاولیاء مدفونین انتفاع واستفادہ جاری ست۔[1]	اہل قبور اولیاء سے فائدہ اور استعفادہ جاری ہے یعنی ہر دور میں لوگوں کا معمول ہے۔(ت)

مگر عورتوں کو حاضری سے روکنا ہی انسب واسلم ہے،

کما افادہ فی الغنیۃ وبیناہ فی فتاوٰنا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ الغنیہ میں اس کا افادہ پیش کیا اور ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) دف کہ بے جلاجل یعنی بغیر جھانجھ کا ہو اور تال سم کی رعایت سے نہ بجایا جائے اور بجانے والے نہ مرد ہوں نہ ذی عزت عورتیں، بلکہ کنیزیں یاایسی کم حیثیت عورتیں اور وہ غیر محل فتنہ میں بجائیں تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ومندوب ہے۔

للامر بہ فی الحدیث والقیود مذکورۃ فی ردالمحتار وغیرہ شرحناھا	حدیث میں مشروط دف کے بجانے کاحکم دیا گیا اور اس کی تمام قیود کو فتاوٰی شامی وغیرہ میں ذکر

[1] تفسیر عزیزی پارہ عم استفادہ ازاولیاء مدفونین سورۃ عبس مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

فی فتاونا۔	کردیا گیااور ہم نے اپنے فتاوی میں اس کی تشریح کردی ہے۔(ت)

اس کے سوااور باجوں سے احتراز کیا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) جواری کا طلاق لڑکوں واور چھوکریوں دونوں پر آتا ہے کنیزوں کا گانا کہ محض طبعی طور پر ہو، نہ قواعد موسیقی پر تعلیم کیا ہوا اور اس میں فحش وغیرہ کوئی امر خلاف شرع نہ ہو، نہ اس میں فی الحال فتنہ ہو نہ آئندہ فتنے کا اندیشہ ہو، محل سرور مثل نکاح وعیدین میں مضائقہ نہیں رکھتا اور بہت چھوٹی چھوٹی لڑکیاں اگر بطور خود کچھ آوازیں نکالیں جو غیر مردوں کو نہ پہنچے تو یہ بھی فی نفسہٖ ایسا منکر نہیں جس پر شرعا مواخذہ ہو اور اپنی حیثیت وعزت وعرف وعادت کے اختلاف سے یہاں اختلاف ہو جائے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) تیجہ، دسواں، چہلم سب جائز ہیں جب بہ نیت محمود وبطور محمود ہو اور ان کا کھانا مساکین و فقراء کے لئے چاہئے برادری کی دعوت کے طور پر نہ ہو۔

فان الدعوۃ انما اشرعت فی السرور لا فی الشرور فتح وغیرہ۔[1]	دعوت کا جواز خوشی میں ہوتا ہے نہ کہ مواقع غم میں، فتح القدیر وغیرہ(ت)

(۵) یہ مسائل محض فرعیہ ہیں مگر اول وچہارم میں مطلقًا کلام ان بلاد میں شعار وہابیہ ہے اور وہابی ایک سخت گمراہ بددین فرقہ ہے جس کا حال الکوکبۃ الشھابیہ وسل السیوف الھندیہ والنھی الاکید وفتاوی الحرمین وحسام الحرمین وغیرہا تصانیف فقیر سے ظاہر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ جناب محمد احمد حسین خاں صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کسی شخص کی ضیافت خواہ مسلمان ہو خواہ کافر نہ کرنی چاہئے اور کس شخص کی نامنظور کرنی چاہئے اور کیوں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مرتد کی نہ دعوت کرے نہ اس کی دعوت میں جائے نہ اس سے کوئی معاملہ میل جول کا رکھے، یونہی کفار خصوصا وہ جو ذمی یعنی سلطنت اسلامیہ میں رہ کر مطیع الاسلام نہ ہوں ان سے بھی کوئی برتاؤ محبت ودوستی کا نہ کرے ہاں مصلحت شرعیہ ہو تو اس کی دعوت کرے بھی اور کھائے بھی جس کی بدمذہبی

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الشھید مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۰۲

حد کفر تک نہ پہنچی ہو اور بلا مصلحت اس سے کیا فاسق معلن بیباک سے بھی بچے خصوصا مضرت دینی کا خوف ہو جب تو احتراز سنت لازم ہوگا مثال یہ ہے کہ ایک شخص کے یہاں شادی میں ناچ یا ناجائز باجا ہے وہ اسے بلاتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ میں جاؤں گا تو اسے روک سکوں گا اسے میرا کہنا ضرور ماننا ہوگا تو بالقصد جائے اور اگر سمجھے کہ میں اپنا شریک ہونا ممنوعات کے نہ ہونے پر موقوف کردوں کہ اگر یہ باتیں نہ کروں تو آؤں گا تو اسے میری ایسی خاطر ہے کہ ان باتوں سے باز رہے گا تو ہرگز نہ جائے جب تک وہ منہیات ترک نہ کردے۔ دوسری مثال اس سے میل جول نرم برتاؤ رکھنے میں امید ہے کہ یہ راہ پر آجائے اس کا دل نرم ہے حق قبول کرلے گا تو حد جائز تک آشتی برتے اور جانے کی میل جول میں مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی محبت اثر کر جائے تو آگ سمجھے دور بھاگے عام لوگوں کو اسی اخیر صورت کا لحاظ چاہئے۔ ولہٰذا حدیث میں صاف فرمایا:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	ان سے دور ہو اور ان کو اپنے سے دور رکھوں کہیں وہ تم کو بہکا نہ دیں کہیں وہ تم کو فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ اور اللہ تعالٰی کی پناہ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم (جس کی بزرگی سب سے بڑھ کر ہے) سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ بختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۹: مرسلہ محمد بشیر الدین طالب عالم مدرسہ امداد العلوم محلّہ بانسمنڈی کانپور ۲۵ صفر ۱۳۳۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ اگر از مال حلال واز مال کسبے چاہے کندہ مال حرام زیادہ باشد آب آں چاہ حلال ست یا حرام وچاہ را چہ حکم ست ویراں کنند یانہ؟ بینوا توجروا۔	اہل علم اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص حلال اور کمائی کے مال سے کنواں کھدوائے جبکہ حرام مال زیادہ نہ ہو تو ایسے کنویں کا پانی استعمال کرنا جائز ہے یا حرام، اور کنویں کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے ویران (غیر آباد) کردے یا نہ کردے؟ بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

آب بر حلال حلال ست لانہ مباح حتی لایملکہ مالك البئر کماھو	بہر حال اس کنویں کا پانی استعمال کرنا جائز ہے اس لئے کہ وہ مباح ہے۔ یہاں تک کہ کنویں کا

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۰

مصرح بہ فی عامۃ کتب المذهب وچاہ را ویران کردن ضرور نیست اگر آں مال حرام زر نقد بود فان اشتراء بہ لایورث خبثا فی المشتری علی مذهب الکرخی المعنی بہ مالم یجتمع علیہ العقد والنقد ولیس معهودا فی البیاعات هنا بل اختار فی الطریقۃ المحمدیۃ الفتوٰی علی القول الثالث ان الخبث لایسری الیہ اصلا ولو اجتمعا واگر نفس خشت وخشت کہ بآنہا تعمیر چاہ کردند مال حرام بود اگر مالک معلوم ست باذن او اباحت توان شد واگر مضائقہ کند قیمت تواں گرفت علی التفصیل المعلوم فی الساجۃ المذکور فی الدر وغیرہ واگر معلوم نیست لقطہ شد پس باذن قاضی وآنجا کہ قاضی نیست باجازت عالم سنی فقہ بلد وصوابدید عمائد مسلمین صرف چاہ تواں شد کمافی الخانیۃ وغیرها۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	مالک بھی اس کا مالک نہیں۔ (یعنی اس میں تصرف اور پابندی کرنے کا اختیار نہیں رکھتا) جیسا کہ مذہب کی عام کتابوں میں تصریح موجود ہے اور کنویں کو غیر آباد کرنا کوئی ضروری نہیں، اگر وہ مال حرام نقدی زر ہو تو اس کے ساتھ اسے خریدنا امام کرخی کے مذہب میں خرید کردہ چیز میں خباثت نہیں پیدا کرتا، اور یہی قابل قبول فتوٰی مذہب ہے بشرطیکہ اس پر عقد اور نقد کا اجتماع نہ ہو پس خرید وفروخت کے باب میں یہاں یہ معہود (متعین) نہیں بلکہ طریقہ محمدیہ میں ایک تیسرے قول کو پسند فرمایا کہ بالکل خباثت اس تک سرایت ہی نہیں کرتی اگرچہ دونوں عقد ونقد کا اجتماع ہو، اگر صرف اینٹ، لکڑی کہ جس سے کنویں کی تعمیر کرتے ہیں حرام مال کی ہو، اگر مالک معلوم ہو تو اس سے اجازت اور اباحت ہوسکتی ہے (یعنی لی جاسکتی ہے) لیکن اگر تنگدل ہو تو قیمت وصول کرلے اس معلوم تفصیل کے مطابق جو درمختار وغیرہ میں مذکور ساگوان لکڑی کے متعلق گزرچکی ہے۔ اور اگر مالک اشیاء معلوم نہ ہو تو پھر وہ چیزیں لقطہ (یعنی گری پڑی چیز) کی طرح ہوگئیں، تو فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ کی تصریح کے مطابق ان چیزوں کو کنویں پر خرچ کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ قاضی اجازت دے اگر وہاں قاضی موجود نہ ہو تو پھر وہاں کے بڑے فقیہ سنی عالم اور عام مسلمانوں کے اکابرین کا صوابدید پر ایسا کیا جاسکتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از مشہر محلّہ بحاری پور متصل مسجد بی بی جی مرحومہ مسئولہ جناب سلطان احمد خاں صاحب ۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۰ھ

خاکی انڈا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے کہ وہ تنہامادہ کی منی منعقدہ مستحیل بطیّب ہے جیسے اور انڈے نر ومادہ دونوں کی منی مستحیل۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۱: ۱۱/جمادی الآخرہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو کہ فی الحال امامت کرتا ہے وہ جا کر نوروز کو رافضی کے یہاں کھانا کھا آیا جبکہ ہم لوگوں نے اس کے پیچھے نماز پڑھنا ترک کیا لوگوں نے اعتراض کرنا شروع کیا کہ امام کے پیچھے نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ ہم نے کہا کہ روافض کے یہاں کھانا پینا مجالست شریعت مطہرہ میں قطعاً حرام ہے ان میں سے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ زمانہ حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم میں یہود ونصارٰی بھی تھے جبکہ انھوں نے حضور پر نور شافع یوم النشور کی دعوت کی حضور نے قبول فرمایا اور تناول بھی فرمایا ہم نے یہ کہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی یہودی ونصرانی کے یہاں تناول نہ فرمایا، اس کے اوپر انھوں نے کہا کہ رنڈی وسود خوار وزانی کے یہاں بھی نہ کھانا چاہئے کیونکہ وہ بھی گناہ کبیرہ کے مرتکب ہیں، اس کے اوپر ہم نے کہا کہ رافضی ویہودی ونصرانی قطعی کافر ہے اس لحاظ سے ہم کو ان کے یہاں کھانا حرام اور رنڈی وزانی وسود خوار سب کے سب گناہ کبیرہ ہیں۔ آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ کافر ہیں، اس پر وہ کوئی ثبوت نہ لاسکے خاموش بیٹھے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافران کے نزدیک بھی نہیں ہیں اب ہم کو بحکم شریعت زید کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے اور روافض وغیر کے یہاں کھانا کیسا ہے؟ اس کا جواب بالتشریح والتوضیح وحوالہ کتاب تحریر فرمائے۔**بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

زانی، شرابی، سود خوار کے یہاں کھانا خلاف اولٰی ہے مگر وہ کافر نہیں۔ اور یہود ونصرانی کافر ہیں پھر یہود ونصاری باوصف کفر کے کافر اصلی میں مرتد نہیں، اور رافضی، وہابی، قادیانی، نیچری، چکڑالوی مرتد ہیں، احکام دنیا میں مرتد سب کافروں سے بدتر ہے۔ اور کافروں کو بادشاہ اسلام جزیہ لے کر اپنے ملک میں رکھے گا بشرطیکہ جزیہ ان کے جان ومال کی حفاظت کرے گا لیکن مرتد کو تین دن سے زیادہ زندہ نہ رکھے گا تین دن میں مسلمان ہوگیا تو بہتر ورنہ سلطان اسلام اسے قتل کردے گا۔ مرتد کے یہاں کھانا کھانے جانا اس سے میل جول سب حرام ہے۔ زید اگر جاہل ہے اور ناواقفی میں یہ حرکت اس سے ہوئی اور اب معلوم ہونے پر علانیہ توبہ کرے تو خیر ورنہ وہ امامت کے قابل نہیں۔ فوراً معزول

کیا جائے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [1] وقال تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ" [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) ظالموں کی طرف مت جھکو (یعنی ان سے میل نہ رکھو) ورنہ تمھیں آگ (دوزخ) چھوئے گی (مرادیہ کہ آتش دوزخ میں داخل ہوجاؤگے) اور نیز ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴۲: ۱/جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ زید خاندان قادریہ وچشتیہ میں خلیفہ ہے اور مولو دخواں بھی ہے، اور علم فارسی میں دخل رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں کلام نعتیہ اس کی تصنیفات بھی موجود ہیں اور حاجی بھی ہے اور یہ زید کو علم تھا کہ بکر قادیانی ہے دانستہ اس کے مکان پر واسطے کھانا کھانے گیا لہذا اس کی نسبت ازروئے شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ اور زید سے محفل مولود شریف پڑھوانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید گنہگار ہوا اس نے حکم شریعت کے خلاف کیا۔ اس سے علانیہ توبہ لی جائے، اگر نہ مانے تو اس سے محفل شریف نہ پڑھوائی جائے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو، اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ ہیڈ ماسٹر اسکول نمبر ۸ شہر تھانہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر کی مارکیٹ جس میں گوشت بکتا ہے اس میں ایک مجوسی نے سوئر کاٹا اور صاف کیا، لوگوں نے گوشت لینا بند کردیا، اور مسلمانوں کا خیال ہے

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

کہ جب تک اس مارکیٹ کا فرش اور وہ مقام جس پر ہم کو شک ہے نکال نہ دیا جائے ہم گوشت اس مقام ہر گز نہ خریدیں گے۔کیا آپ اجازت دیں گے کہ فرش وغیرہ مشکوک اشیاء کو خارج کر دیا جائے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے تاکہ شک رفع ہو اور وہ کیا ہے۔**بینوا توجروا**

الجواب:

اسی ناپاک ملعون جانور کی نجاست مثل پاخانے کے ہے ہر نجاست دھو کر زائل کر دینے سے پاک ہو جاتی ہے اس کے لئے فروش وغیرہ بالکل نکال دینا ضروری نہیں اور نکال دیا جائے تو اور بہتر ہے مگر یہاں زیادہ قابل توجہ یہ ہے کہ مجوسی کے ہاتھ کی بکری ذبح کی ہوئی بھی سور کے مثل ہے۔اور جہاں مجوسی ذابح ہو یا مجوسی بھی ذابح ہو اور اس کا کاٹا ہوا اور مسلمان کا ذبیحہ دلیل صحیح شرعی سے متمیز نہ ہوں وہاں سے کسی حلال جانور کا گوشت خریدنا، کھانا، کھلانا سب حرام ہے۔یونہی اگر مجوسی گوشت بیچتا ہو اور حلفاً کہے کہ یہ جانور مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا ہے جب بھی اس کا خریدکرنا حرام ہے مگر یہ کہ مسلمان نے ذبح کیا اور وہ یا اور مسلمان اس وقت سے خریداری کے وقت تک اس جانور کو دیکھتا رہا یا کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا اور وہ مسلمان کہے کہ یہ میر افلاں مسلمان کا ذبح کیا ہوا ہے اس وقت خریداری جائز ہے، حدیث میں مجوسی کی نسبت ہے:

سنوابهم سنة اهل الکتاب غیرنا کحی نسائهم ولا اٰکل ذبائحهم [1]۔	ان (آتش پرستوں) سے اہل کتاب کے روش اور طریقہ اختیار کرو سوائے اس کے کہ ان کی عورتوں سے نکاح نہ کرو اور نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی التتارخانیه عن جامع الجوامع لابی یوسف من اشترٰی لحماً فعلم انه مجوسی واراد الرد فقال ذبحه مسلم یکره اکله اھ ومفادہ ان مجرد کون البائع مجوسیاً یثبت الحرمة [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	تتارخانیہ میں جامع الجوامع سے حضرت امام ابویوسف سے روایت ہے کہ جس شخص نے گوشت خریدا پھر اسے معلوم ہوا فروخت کرنے والا تو آتش پرست ہے تو اس نے واپس کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے جھٹ کہہ دیا کہ مسلمان نے اس کو ذبح کیا ہے تو اس گوشت کا کھانا مکروہ ہے اھ پس اس کا حاصل یہ ہوا کہ صرف بیچنے والے کا آتش پرست ہونا (گوشت

[1] تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر حدیث ۱۵۳۳ المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ہل ۳ /۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۹

میں) حرمت پیدا کردیتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۴تا۲۴۶: مرسلہ منشی حاجی محمد ظہور خان ۱۷جمادی الآخرہ ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) چند سوداگر مسلمان ایسئے ہیں کہ تجارت بھی کرتے ہیں اور سود بھی کھاتے ہیں اور زمیندار بھی ہیں ایسوں کے یہاں کا کھانا پینااور لڑکی لڑکوں کا بیاہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہنود عام طور پر سود کھاتے اور زمینداری ودکانداری بھی کرتے ہیں ان کے یہاں کا کھانا جو بسبب رسم بھیجتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہر دو شخصوں کے یہاں کا کھانا آئے اور نہ کھایا جائے تو کس کو دیا جائے؟

(۳) ایک شخص بسبب اپنی ضرورتوں کے روپیہ لے کر سود دیتا ہے اس کے یہاں کا کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) اگر معلوم ہو کہ یہ کھانا جو ہمارے سامنے آیا بعینہٖ سود کا ہے مثلاً سود میں چاول لئے تھے یا چاولوں کی کٹوتی بغیر شرائط شرعی کی تھی وہی چاول پکائے ہیں تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ اور اگر مال خریدا ہوا ہے اگرچہ سودی روپے سے تو اس کا کھانا حرام نہیں کہ اس کا وہ روپیہ حرام تھا خریدنا حرام نہ تھا اور کچھ معلوم نہ ہو جب بھی حکم حلت ہے۔ یہ تو اصل اس کھانے کا حکم تھا باقی ایسے لوگوں سے اتحاد میل جول خلاملانہ چاہئے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اگر تمھیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان سے شادی بیاہت کا رشتہ ہرگز نہ کیا جائے کہ اس سے بڑھ کر میل جول اور کیا ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہندو کے یہاں کا گوشت حرام ہے۔ یونہی اگر گھی میں چربی ملی ہوئی ہو تو ہندو سے خریدنا بھی حرام ہے اور اگر ان کی پوجا کا کھانا ہو تو مطلقاً لینا منع ہے۔ اور اگر مفاسد سے خالی ہو تو لے لینے بھی حرج نہیں اور نہ لینا بہتر۔ اور اگر لینے میں اسلام کی طرف اس کی رغبت کی امید ہے تو لینا بہتر، جو کھانا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

ان دونوں جوابوں میں ناجائز بتایا اس کا لینا ہی منع ہے لے لیا ہو تو واپس دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) جو خود سود نہیں کھاتا صحیح ضرورت کے سبب سودی قرض لیتا ہے اس کے یہاں کھانے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷و۲۴۸: از ضلع نینی تال کاشی پور ڈاکٹر اشتیاق علی بروز یکشنبہ ۱۸/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

مخدومی مکرمی جناب مولانا صاحب دام اقبالہ، بعد آداب کے معلوم ہو کہ میں خیریت سے ہوں اور آپ کی خیریت وعافیت کا خواہاں، باعث تکلیف یہ ہے کہ برائے نوازش ذیل سوالوں کا جواب بھیج دیں گے تو بندہ بہت مشکور ہوگا۔

(۱) اہل کتاب کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اہل کتاب عیسائی ہو یا انگریز، ان کا باورچی مسلمان ہو یا عیسائی یہ بات ضرور ہے کہ یہ لوگ شراب پیتے ہیں اور بدجناور کھاتے ہیں۔

(۲) اہل ہنود کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) یہاں عیسائیوں کا خصوصاً انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

لاتواکلوھم ولاتشاربوھم [1]۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو۔

ان کے برتن نجاست سے خالی نہیں ہوتے، اور ان کا باورچی اگرچہ مسلمان ہو ناپاک گوشت پکاتا ہے۔

ومن یرتع حول الحمی یوشك ان یقع فیه [2]۔ وھو تعالٰی اعلم۔	جو کوئی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چرائے تو قریب ہے کہ چراگاہ میں جا پڑے۔ **وھو تعالٰی اعلم۔** (ت)

(۲) ہندوؤں کے ہاتھ پکا ہوا گوشت حرام ہے مگر اس صورت میں کہ مسلمان نے ذبح کیا اور اپنی آنکھ سے غائب ہونے نہ دیا یا اس کے سامنے پکایا اور باقی کھانے اس کے پکائے ہوئے جائز ہیں۔

---

[1] کنز العمال برمز عق عن انس حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب الحلال بین والحرام بین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۵، صحیح مسلم کتاب المسقات باب اخذ الحلال وترك الشبھات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

جبکہ پانی یا برتن میں خلط نجاست معلوم نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۹تا۲۵۱: از بنارس چھاؤنی محلّہ دبٹوری محال تھانہ سکرور رسیدہ مومولوی عبدالوہاب. بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۱صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) یہ کہ اگر کسی شخص کو دعوت دے کر بلائے اور وہ شخص دعوت کھا کر کھانے میں عیب نکالے تو وہ شخص گنہگار شرعاً ہے یا نہیں۔ جائز کہ نہیں۔ مثلاً کہے کہ گھی کم ہے مرچ زیادہ ہے۔

(۲) یہ کہ کسی مرد مسلمان کا سر برہنہ ہو کر کھانا کھانا ازروئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟ اور اس شخص کے ساتھ جو سر برہنہ کھاتا ہو شیطان کھاتا ہے یا نہیں؟ اور خلاف سنت ہے یا نہیں؟

(۳) یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایک شخص کی دعوت کرے تو چند آدمیوں کو لے کر اس شخص کا دعوت میں جانا اور ان لوگوں کو بھی مجبور کرکے دعوت کھلانا جائز ہے یا نہیں حالانکہ یہ لوگ بلادعوت ہیں؟

الجواب:

(۱) کھانے میں عیب نکالنا اپنے گھر پر بھی نہ چاہئے مکروہ وخلاف سنت ہے عادت کریمہ یہ تھی کہ پسند آیا تو تناول فرمایا ورنہ نہیں اور پرائے گھر عیب نکالنا تو مسلمانوں کی دل شکنی ہے اور کمال حرص وبے مروتی پر دلیل ہے۔ گھی کم ہے یا مزہ کا نہیں یہ عیب نکالنا ہے اور اگر کوئی شے اسے مضر ہے اسے نہ کھانے کے عذر کے لئے اس کا اظہار کیا نہ کہ بطور طعن وعیب، مثلاً اس میں مرچ زائد ہے میں اتنی مرچ کا عادی نہیں تو یہ عیب نکالنا نہیں اور اتنا بھی بے تکلفی خاص کی جگہ ہو اور اس کے سبب دعوت کنندہ کو اور تکلیف نہ کرنی پڑے مثلاً دو قسم کا سالن ہے ایک میں مرچ زائد ہے اور یہ عادی نہیں تو اسے نہ کھائے اور وجہ پوچھی جائے بتادے، اور اگر ایک ہی قسم کا کھانا ہے اب اگر نہیں کھاتا تو دعوت کنندہ کو اس کے لئے کچھ اور منگانا پڑے گا اسے ندامت ہوگی اور تنگدست ہے تو تکلیف ہوگی، ایسی حالت میں مروت یہ ہے کہ صبر کرے اور کھائے اور اپنی اذیت ظاہر نہ کرے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) جو بسم اللہ کہہ کر کھانا کھاتا ہے شیطان اس کے ساتھ نہیں کھا سکتا اور جو بغیر بسم اللہ کھائے شیطان اس کے ساتھ کھائے گا اگرچہ سر پر سو کپڑے ہوں، ننگے سر کھانا، ہنود کی رسم ہے اور خلاف سنت ہے ہاں کوئی عذر ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) بلادعوت جو دعوت میں جائے اسے صحیح حدیث میں فرمایا: **دخل سارقا وخرج معیرا**[1] چور بن کر گیا اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ باب ماجاء فی اجابۃ الدعوۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۹

لٹیرا ہو کر نکلا۔ خصوصًا جبکہ دعوت عام نہ ہو تو معہود ومعروف سے زائد آدمی لے جانا سخت ناجائز ہے مثلاً جو لوگ عادی ہیں کہ بے آدمی کے ساتھ لئے ہوئے کہیں نہیں جاتے ان کی جو دعوت کرے گا آپ جانے گا کہ ساتھ آدمی ہوگا **المعروف کالمشروط** (جو بات لوگوں کے عرف اور رواج میں مشہور ہے وہ طے شدہ شرط کی طرح ہے۔ت) ہاں اگر کسی بے تکلفی والے نے دعوت کی اور کچھ حاجتمند ہیں کہ یہ ان کا ساتھ لے گیا اور ان کا بار اس پر نہ پڑے گا خواہ یوں کہ دستر خوان وسیع ہے اور دل فراخ یا یوں کہ ان کی کفالت یہ خود کرے گا اور اسے ناگوار نہ ہوگا تو حرج نہیں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما نے غزوہ خندق میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعوت کی اور دو صاحبوں کے قابل کھانا پکایا، جب یہ دعوت کو عرض کرنے گئے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بآواز بلند ارشاد فرمایا کہ اہل خندق ! جابر تمھاری ضیافت کرتا ہے، وہ ایک ہزار صحابہ کرام تھے رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: جب تک ہم تشریف نہ لائیں کھانا نہ اتارا جائے او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (جیسا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ گھبرائے ہوئے اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی زوجہ مقدسہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے حال بیان کیا کہ یہاں دو ہی آدمیوں کے قابل کھانا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ایک ہزار صحابہ کے تشریف لاتے ہیں، ان بی بی نے کہا: آپ کو اس کی کیا فکر ہے جو لاتے ہیں وہی سامان فرمانے والے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے آٹے اور ہانڈی میں لعاب دہن اقدس ڈالا اور ارشاد فرمایا کہ روٹی پکانے والی بلالو اور ہانڈی چولھے پر رہنے دو۔ اس قلیل آٹے اور گوشت سے ایک ہزار صحابہ کو پیٹ بھر کر کھلادیا اور ہانڈی ویسا ہی جوش مارتی رہی اور آٹا ذرا کم نہ ہوا [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۲: مرسلہ شیخ احمد از بمبئی معرفت حکمت یار خاں بریلی بروز دوشنبہ ۱۱/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ ملفوظ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قمار باز جس کا پیشہ سوائے جوا کے اور کچھ نہ ہو، یا کوئی طوائف ناچنے گانے والی یا کوئی کسبی حرام پیشہ بارھویں شریف یا گیارھویں شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت غوث اعظم قدس سرہ، کی نیاز کرے اس کا کھانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ ارشاد فرمائیں، بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جس کا پیشہ محض حرام کا ہو اس سے مخالطت ویسے ہی نہ چاہئے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخندق قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۹

قال اللہ تعالٰی " وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّکَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّکۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر شیطان تمھیں بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ہر گز ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

اس کے یہاں کھانا اور زیادہ معیوب ہے مگر مذہب صحیح میں نفس طعام حرام نہیں سوا اس صورت کے کہ وہ خود اسے وجہ حرام میں ملا ہو مثلاً اجرت غنا یا زنا یا رشوت زانیہ میں ناج دیا گیا وہ ناج اس کھانے میں ہے یا اس نے اسے زر حرام سے خریدا اور خریداری میں عقد ونقد اسی مال حرام پر جمع ہوئے مثلاً وہ زر حرام دکھا کر کہا اس کے عوض دے دو یہ تو حرام پر عقد ہوا پھر جب اس نے دے دیا وہی زر حرام ثمن میں دیا یہ حرام کا نقد ہوا ان دونوں صورتوں میں وہ کھانا حرام ہے ورنہ نہیں۔

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرام بعینہ ھندیۃ[2] عن الذخیرۃ عن محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم اس کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شے کے متعلق حرام ہونے کو نہ جانیں، فتاوٰی ہندیہ بحوالہ ذخیرہ، حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ اشرف علی طالب علم بنگالی مدرسہ اہلسنت وجماعت بروز پنجشنبہ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک رنڈی سے نکاح کرلیا ہے اور اس رنڈی کا مال اسباب بھی اپنے مکان پر لے آیا ہے اب وہ مال طیب ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس کے گھر میں کھانا پینا کیسا ہے اور اس شخص نے اپنا مال بھی اس رنڈی کے مال میں ملادیا ہے۔ بیان کرو ثواب پاؤگے۔

الجواب:

وہ مال یوں ہر گز طیب نہیں ہوسکتا اور اس نے اپنا مال اس سے ملا کر یہ بھی خبیث کردیا اس کے یہاں کھانا پینا نہ چاہئے جبکہ رنڈی کا مال غالب ہو اور اگر معلوم ہو کہ یہ مال جو سامنے آیا ہے رنڈی کا مال ہے جب تو اس کا کھالینا عین حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

مسئلہ ۲۵۴: بروز شنبہ بتاریخ ۲/ جمادی الاولٰی شریف ۱۳۳۴ھ

کیا حکم ہے شرع مطہرہ کا اس میں کہ دعوت طعام کون سی سنت ہے کہ کس دعوت طعام سے انکار کرنا اور قبول نہ کرنا گناہ ہے؟ بالتفصیل ارشاد ہو۔ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ت)

الجواب:

دعوت ولیمہ کا قبول کرنا سنت مؤکدہ ہے جبکہ وہاں کوئی معصیت مثل مزامیر وغیرہا نہ ہو نہ اور کوئی مانع شرعی ہو، اور اس کا قبول وہاں جانے میں ہے، کھانے نہ کھانے کا اختیار ہے باقی عام دعوتوں کا قبول افضل ہے جبکہ نہ کوئی مانع ہو نہ کوئی اس سے زیادہ اہم کام ہو، اور خاص اس کی کوئی دعوت کرے تو قبول کرنے نہ کرنے کا اسے مطلقاً اختیار ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

دعی الی الولیمۃ ھی طعام العرس وقیل الولیمۃ اسم لکل طعام وفی الھندیۃ عن التمرتاشی اختلف فی اجابۃ الدعوۃ وقال بعضھم واجبۃ لایسع ترکھا و قال العامۃ ھی سنۃ والا فضل ان یجیب اذا کانت ولیمۃ والا فھو مخیر والاجابہ افضل لان فیھا ادخال السرور فی قلب المؤمن واذا اجاب فعل ما علیہ اکل اولا والافضل ان یأکل لو غیر صائم وفی البنایۃ اجابۃ الدعوۃ سنۃ ولیمۃ اوغیرہا و اما دعوۃ یقصد بھا التطاول وانشاء الحمد او	کسی کو ولیمہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی، اور ولیمہ شادی کی دعوت کا نام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ ہر دعوت طعام ولیمہ کہلاتی ہے۔ فتاوی عالمگیری میں امام تمرتاشی سے روایت ہے کہ دعوت قبول کرنے میں اختلاف کیا گیا (یعنی اس کی شرعی حیثیت ونوعیت میں ماہرین قانون فقہ کا اختلاف ہے) چنانچہ بعض ائمہ کے نزدیک دعوت قبول کرنا شرعاً واجب ہے، لہٰذا اس کے ترک کی کوئی گنجائش نہیں لیکن علماء کرام نے فرمایا کہ وہ سنت ہے۔ اور افضل (اور عمدہ) یہ ہے کہ دعوت طعام ضرور قبول کرے بشرطیکہ دعوت ولیمہ ہو ورنہ اسے اختیار ہے کہ (یعنی دعوت قبول کرنے نہ کرنے میں وہ خود مختار ہے) لیکن اجابت بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں ایک مسلمان کے دل کی خوشنودی ہے (کہ اس طرح کرنے سے اس کو دلی مسرت ہوگی جو کہ اسلام میں مطلوب ہے) اور جب دعوت قبول کرلے تو پھر جو کچھ اس کی ذمہ داری ہے اسے نبھائے کھانا

ما اشبهه فلا ینبغی اجابتها لاسیما اهل العلم اھ ومقتضاه انها سنة مؤكدة بخلاف غيرها وصرح شراح الهداية بانها قريبة من الواجب وفی التاتارخانية عن الينابيع لو دعی الى دعوة فالواجب الاجابة ان لم يكن هنالك معصية ولا بدعة و الامتناع اسلم فی زماننا الا اذا اعلم يقينا ان لا بدعة ولا معصية اھ والظاهر حمله على غير الوليمة لما مر تأمل اھ [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	خواہ کھائے یا نہ کھائے، لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ اگر روزہ دار نہ ہو تو کھانا ضرور کھائے، اور البنایۃ شرح الہدایۃ میں ہے کہ اجابت دعوت طعام سنت ہے خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور دعوت ہو، رہی وہ دعوت کہ جس سے نام ونمود، نمائش اور فخر وریا اور قصیدہ گوئی وغیرہ مقصود ہو، تو پھر اس قسم کی دعوت کو قبول نہ کرنا اور مسترد کردینا ہی زیادہ مناسب ہے خصوصا اہل علم حضرات کے لئے (یہی زیادہ موزوں ہے) اھ اور اس کا مقتضا یہ ہے کہ دعوت ولیمہ سنت مؤکدہ ہے جس کے علاوہ یہ حکم نہیں البتہ شارحین ہدایہ نے یہ تصریح فرمائی کہ دعوت کا حکم واجب کے قریب ہے۔ تاتارخانیہ میں ینابیع کے حوالے سے منقول ہے کہ اگر کسی کو شمولیت دعوت کے لئے مدعو کیا جائے تو اسے قبول کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہاں کوئی گناہ اور بدعت کا کام نہ ہو، اور ہمارے زمانے میں زیادہ سلامتی اسی میں ہے کہ دعوت میں شمولیت سے باز رہے۔ ہاں البتہ اگر اسے قوی یقین ہو کہ وہاں کوئی گناہ اور بدعت نہیں (تو پھر ضرور شریک ہو) اور ظاہر یہ ہے کہ اسے غیر ولیمہ پر حمل کیا جائے۔ اس وجہ سے جو بات گزر چکی۔ غور وفکر کیجئے اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۵: از بمبئی سندھرسٹ روڈ نمبر ۹ شیخ امام علی صاحب اسکریم والے روز شنبہ ۶ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

جھینگا مچھلی کا شمار مچھلیوں میں ہے یا نہیں اور اس کا کھانا ہمارے مذہب میں جائز ہے یا مکروہ یا کیا؟ فقط۔

الجواب:

جھینگے میں اختلاف ہے کہ وہ مچھلی ہے یا نہیں۔ اگر مچھلی ہے حلال ورنہ حرام۔ لہٰذا اس سے بچنے میں احتیاط ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶: از ملک کاٹھیاواڑ مقام اڑتیان امین احمد پنجشنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

گوشت ہمیشہ کے واسطے کھانا بعض بولتے ہیں کہ یہ قرآن شریف سے ثابت نہیں اس کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۱

خلاصہ لکھنا۔

الجواب:

قرآن مجید میں گوشت ہمیشہ کھانے کی کہیں ممانعت نہیں۔ یہ غلط بات ہے ہاں نفس پروری کو قرآن مجید نے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ ۲۵۷: بریلی نومحلّہ ۷/صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس امر کے، عشرہ محرم الحرام میں شکار کھیلنا مسلمانوں کو درست ہے یانادرست؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جسے کھانے یا دوا کے لئے کسی جانور کی حاجت ہے وہ اگر بقدر حاجت وہ ایک جانور مار لائے تو یہ کسی کھیل یا تفریح کا فعل نہ ہوگا آیہ کریمہ "اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" [1] (لوگو! جب تم (احرام سے فارغ ہو کر) حلال ہو جاؤ تو پھر شکار کرنا چاہو تو کرسکتے ہو۔ت) اسی کا ذکر ہے مگر بے حاجت مذکورہ تفریح طبع کے لئے جو شکار کیا جاتا ہے وہ خود ناجائز ہے کہ ایک لہو ولعب لوگ خود اسے شکار کھیلنا کہتے ہیں، اور کھیل کے لئے بے زبانوں کی جان ہلاک کرنا ظلم وبے دردی ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الصید مباح الا للتلھی [2]۔	(یادرکھو) شکار کرنا مباح ہے مگر جب کہ بطور کھیل ہو (تو اس کی اجازت نہیں)۔(ت)

اسی طرح وجیز کردری وتنویر الابصار میں ہے تو کھیل اور ناجائز کھیل اور عشرہ محرم۔

انا للہ وانا الیہ راجعون وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے، اور اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۵۸: مرسلہ محمد حسن صاحب فاروقی ضلع پورینہ ڈاکخانہ اسلام پور ۲۲صفر ۱۳۳۵ھ

سود خوار کے مکان کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور جس مال میں کہ سود کا شبہہ ہو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور اگر زید تمام عمر سود کا مال جمع کرتا رہا اور اس کے بیٹے عمرو کو بخوبی معلوم کہ یہ مال تمام سود کا ہے

[1] القرآن الکریم ۵ /۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الصید ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۰۴

تو اس صورت میں بعد مرنے زید کے وہ مال عمرو کے حق میں حلال ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور در صورت نہ معلوم ہونے عمرو کے کہ یہ مال سود کا ہے یا کہ تجارت کا یا اور کوئی کمال حلال کا، مگر در حقیقت وہ مال سود کا تھا، اگر وہ مال حلال سمجھ کر کھائے تو کون گنہگار ہوگا؟ فقط۔

الجواب:

جو چیز بعینہٖ سود میں آئی ہو مثلاً گیہوں یا چاول، اس کا کھانا بلاشبہہ حرام ہے۔ اور اگر سود کے روپے سے خریدی گئی یوں کہ وہ روپیہ دکھا کر کہا گیا کہ اس کے بدلے دے دے اور پھر وہی روپیہ قیمت میں دے دیا تو یہ چیز بھی ناجائز ہوگئی، اور اگر ایسا نہیں تو حرمت نہیں، مگر سود خوار کے یہاں کھانے سے احتراز مناسب ہے۔ اور شبہہ کے مال سے زیادہ احتراز چاہئے مگر حرمت نہیں جب تک معلوم نہ ہو،

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ ہندیۃ[1] عن الذخیرۃ عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ پہچانیں، ہندیہ (فتاوٰی عالمگیری) میں ذخیرہ کے حوالے سے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔ (ت)

وارث اگر جانتا ہے کہ فلاں روپیہ سود کا ہے تو اسے لینا جائز نہیں مورث نے جس سے لیا تھا اسے واپس دے یا تصدق کرے اور اگر کسی معین روپے کی نسبت علم نہیں اتنا جانتا ہے کہ اس میں اس قدر روپے حرام کے ہیں تو اتنا روپیہ مستحق کو پہنچائے، اور اگر یہ بھی نہیں معلوم تو لینے والے پر وبال اور اس کے لئے حلال۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۹: مرسلہ محمد تقی مقام بکسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی رحیم بخش ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

پیشہ تصویر سے اکل وشرب کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب:

تصویر حرام کے پیشہ سے اکل وشرب جائز نہیں کہ وہ کسب خبیث ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۰ و ۲۶۱: از پیلی بھیت محلّہ محمد شیر محمد متصل مارکیٹ گوشت مرسلہ حبیب احمد صاحب ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ہندو کے ہاتھ کا بنایا ہوا کھانا یا شرینی وغیرہ کھانا یا پانی شربت وغیرہ پینا کیسا ہے؟ اور گڑ اور تیل اور گھی وغیرہ جن میں پانی نہیں جذب ہوتا ہے ان کا کھانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ کسی گاؤں میں جہاں

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسلمان نہ ہو یا ریل کے اسٹیشن پر جہاں مسلمان نہ ہو کیا کرنا چاہئے، ایک واعظ نے کہا تھا کہ ہندو کے یہاں کھانے سے دل میں اندھیرا ہوتا ہے اور ایک مرتبہ کھانے سے چالیس یوم تک دعا قبول نہیں ہوتی، جب ایک دفعہ کھانے سے چالیس یوم دعا قبول نہیں ہوتی تو روز مرہ کھانے سے قلب بالکل سیاہ ہو جائے گا تو اس کھانے پر حرام قطعی ہونے کا فتوٰی ہونا چاہئے، امید کہ جواب مشرح تحریر فرمایا جائے۔

(۲) بے نمازی قطعی جسے کلمہ تک اچھی تک یاد نہ ہو اس کے ہمراہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور گاؤں والے جو رشتہ دار ہوں اور صفت مذکور سے موصوف ہوں ان سے کس طرح سلوک کیا جائے؟

الجواب:

(۱) ہندو کے یہاں گوشت کھانا حرام ہے اور اور چیز میں فتوٰی جواز اور تقوٰی احتراز، امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کی حرمت کو نہ پہچانیں (ت)

چالیس دن دعا قبول نہ ہونا محض غلط ہے اور ہندوستان میں رہ کر احتراز دشوار۔

"مَاجَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ"[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے دین (اسلام) میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) فاسقوں کے ساتھ سلوک میں سلف صالح کا عمل مختلف رہا ہے اور اس کا مبنی مصلحت شرعیہ ہے جسے یہ جانے کہ نرمی سے راہ پر آئے گا اس سے ہدایت کے لئے میل جول کرے اور جسے یہ جانے کہ میرے قطع تعلق سے اس پر اثر پڑے گا اور گناہ چھوڑے گا اس سے ہدایت کے لئے قطع کرے مگر ماں باپ سے کہ ان سے قطع کی کسی طرح اجازت نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: ازرائے پور چھتی گڑھ مرسلہ گوہر علی عرائض نویس نیا پارہ اکھاڑا

شراب خواری کی نسبت کیا مسئلہ ہے؟

الجواب:

شراب حرام ہے اور سب نجاستوں گندگیوں کی ماں ہے اس کے پینے والے کو دوزخ میں دوزخیوں کا جلتا لہو اور پیپ پلایا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

مسئلہ ۲۶۳تا۲۶۵: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ ربیع الاآخر ۱۳۳۶ھ

تقریب طعام شادی کی تین صورتیں ہیں، ہرایک کی شرکت کا علیحدہ حکم بیان فرمائیں:

(۱) بعض ایسا کرتے ہیں پہلے لوگوں کو دعوت کھلاکر اسی روز یا دوسرے روز بارات نکالتے ہیں اگرچہ جلسہ دعوت میں باجہ وغیرہ نہیں ہوتا مگر دعوت کھانے والے کو معلوم ہے کہ دوایک روز میں جو بارات یہاں سے نکلے گے اس میں باجہ وغیرہ سب ہوگا۔

(۲) بعض لوگ جب دلھن کو رخصت کرکے گھرلاتے ہیں تب کھانا کرتے ہیں اگرچہ جلسہ دوعوت میں کچھ نہیں ہے مگر بارات میں سب کچھ تھا۔

(۳) دلھن کے گھر دعوت ہے اوراس کے یہاں کچھ باجہ وغیرہ نہیں ہے مگراس کے یہاں جو بارات آئی ہے اس میں باجہ وغیرہ سب کچھ ہے اور دلھن کے گھروالوں کی تین حالتیں ہیں ہرایک کا علیحدہ حکم تحریر فرمائیں:

(۱) بعض تودلھاوالوں کوفرمائش دے کر باجہ وغیرہ منگاتے ہیں:

(۲) بعض نہ فرمائیش دیتے ہیں نہ منع کرتے ہیں۔

(۳) بعض منع کرتے ہیں مگر دولھا نہیں مانتااور باجے کے ساتھ آتاہے۔

ان تینوں میں کس کے یہاں شرکت جائز ہے اور کیااس تیسرے پر شرعاالزام ہوسکتاہے، کیوں نہ اس نے بارات واپس کردی اور کیوں نکاح کردیا، شرکت میں اگر عوام وخواص کافرق ہو تحریر ہو۔

الجواب:

پہلی دوصورتوں میں شرکت دعوت میں کوئی حرج خصوصا نہیں خصوصا دعوت ولیمہ کو سنت ہے اوراس میں بلاعذر شرعی نہ جانامکروہ۔

ومن لم یجب الدعوۃ فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1]۔	جس نے کسی کی دعوت قبول نہ کی اس نے اباالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔(ت)

[1] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایہ کتاب الکراھیۃ الحدیث الثالث المکتبہ الاسلامیہ ۴ /۲۲۱

اور تیسرے صورت میں وہی دو صورتیں ہیں جو اوپر گزریں وہ منکرات مکان دعوت میں ہیں یا دوسرے مکان میں اور وہی احکام ہیں جو اوپر بیان ہوئے، وہ کہ فرمائش کرکے ممنوعات شرعیہ منگاتے ہیں سخت گنہ گار اور ان ممنوعات کے کرنے والوں سننے والوں سب کے گناہوں کے ذمہ دار ہیں ان سب پر گناہ ہوگا اور ان سب کی برابر ان پر۔

من دعٰی الی ضلالۃ فعلیہ وزرھا و وزر من عمل بھا الی یوم القیمۃ لاینقص من اوزارھم شیئا[1]۔	جس شخص نے کسی دوسرے شخص کو گمراہی کی طرف بلایا (اور گمراہی کی دعوت دی) تو اسی داعی پر اس کا گناہ ہے اور اس شخص کا بھی گناہ قیامت تک جس نے اس گمراہی پر عمل کیا لیکن ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ کی جائے گی (یعنی کاسب اور موجد دونوں کی سزا میں کچھ کمی نہ ہوگی)۔(ت)

اور وہ جو نہ منگائیں نہ منع کریں وہ بھی گنہ گار ہیں کہ اپنے یہاں گناہ کرنے سے منع کرنا ہر شخص پر واجب ہے اور وہ کہ منع کریں اور ادھر والے نہ مانیں تو اس کا ان پر الزام نہیں۔

"لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ج"[2]	کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائیگی۔(ت)

اور برات کا پھیر دینا یہ مصالح پر موقوف ہے۔اگر کوئی ضرر نہیں ضرور پھیر دے ورنہ اس ضرر اور اس مفسدہ میں موازنہ کیا جائے جو زیادہ مضر ہو اس سے بچیں۔

من ابتلٰی بلیتین فاختار اھونھما[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی دو مصیبتوں میں مبتلا ہو جائے تو وہ ان دونوں میں سے اسے اختیار کرے جو زیادہ آسان اور ہلکی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۶۶: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدا بخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

تقریب ولادت یا ختنہ یا گھر بھوج یعنی تیاری مکان میں اکثر لوگ کھانا کرتے ہیں یہ اسراف

---

[1] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱، جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء من دعا الی ھذا الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۲، سنن ابن ماجہ باب من سن سنۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۵

[3] اسرار المرفوعۃ حدیث ۸۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۱۵

ہے یا نہیں اور ان دعوتوں میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں جبکہ اس تقریب میں عورتیں مکان کے اندر ڈھولک سے گاتی بجاتی ہیں اگرچہ مجلس دعوت میں کچھ نہ ہو۔

الجواب:

مجلس دعوت میں ہو یا دوسرے مکان میں سب کے احکام مفصل اوپر گزرے، اور جبکہ منکرات شرعیہ نہ ہوں اور کھانا نیت محمودہ سے ہو تو اسراف نہیں۔ اور ریاء و تفاخر کے لئے ہو تو حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از موضع کسگنجہ ڈاکخانہ گھونگچائی تحصیل پورنپور ضلع پیلی بھیت مرسلہ امانت اللہ محرر ۲۱/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید نے ہندوؤں کی کسی تقریب میں کھانا کھایا اس میں گوشت مردار جھٹکے کا جس کو ہندو گردن مویشی کی مار کر کاٹتے ہیں زید کے کھانے کے واسطے نہیں دیا، زید نے گوشت مانگا تو ہندوؤں نے انکار کیا کہ مسلمان جھٹکا نہیں کھاتے ہیں زید نے کہا ہمیں کھانے کو دو ہم جھٹکا کھاتیں ہیں ہندوؤں نے زید کو بھی کھانے کے لئے دیا زید نے کھایا، جب اہل اسلام کو معلوم ہوا تو اسے ترک کرکے کھانا کھلانے اور کھانے سے علیحدہ کر دیا، جب زید تائب ہوا تو اہل اسلام نے اس کا قصور معاف کرکے زید کو از سر نو ایمان کی تلقین کی اور میلاد شریف پڑھوا کر اسے شریک کرلیا جس کو عرصہ پانچ برس کا ہوا، اب زید مذکور نے بہمراہی بکر کے ایک چیتل مردار شیر کی ماری ہوئی کاٹ کر گاؤں میں فروخت کی، ایک سپاہی نے خریدنا چاہا تو بوجہ خوف کے سپاہی کو گوشت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ یہ تمہارے کھانے کا نہیں ہے مردار ہے۔ اس چپراسی نے زید کو زدوکوب کیا، اب شرع شریف کا زید کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زید بقید مسخرہ شیطان ہے، اس کے دین ایمان کا کچھ ٹھیک نہیں، مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے۔ اس سے سلام کلام میل جول سب ترک کر دیں اس کے ہاتھ کا پانی تک کوئی نہ پئے کیا اعتبار ہے کہ وہ ناپاک پانی مسلمان کو پلائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۸: ۲۲/ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

میلاد شریف جس کے یہاں پڑھنے والے کی دعوت کرے تو پڑھنے والے کو چاہئے یا نہیں؟ اور اگر کھایا تو پڑھنے والے کو کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پڑھنے کے عوض کھانا کھلاتا ہے تو یہ کھانا نہ کھلانا چاہئے نہ کھانا چاہئے، اور اگر کھائے گا تو یہی کھانا اس کا ثواب ہوگیا اور ثواب کیا چاہتا ہے بلکہ جاہل میں جو یہ دستور ہے کہ پڑھنے والوں کو عام حصوں سے دونا دیتے ہیں اور بعض احمق پڑھنے والے اگر ان کو اوروں سے دونا نہ دیا جائے تو اس پر جھگڑتے ہیں۔ یہ زیادہ لینا دینا بھی منع ہے اور یہی اس کا ثواب ہوگیا۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا"[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۹: ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کے یہاں کچھ مویشی ہے اور کنبے کا کھانا ہے اس نے میلاد شریف پڑھنے والوں کو بھی کہا ہے کہ تمھاری دعوت ہے تو کھانا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

جب کسی کے یہاں شادی میں عام دوت ہے جیسے سب کو کھلایا جائے گا پڑھنے والوں کو بھی کھلایا جائے گا اس میں کوئی زیادت و تخصیص نہ ہوگی تو یہ کھانا پڑھنے کا معاوضہ نہیں۔ کھانا بھی جائز اور کھلانا بھی جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۰: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیاء مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب سب انسپکٹر ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید کو کوئی خبر خوشی کی آئے اور زید اس کے شکریہ میں کھانا یا مٹھائی تقسیم کی تو کیا اس میں اغنیاء وفقراء دونوں شامل ہوسکتے ہیں یا صرف اغنیاء؟

الجواب:

فقیر اور اغنیاء دونوں شامل ہوسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۱ و ۲۷۲: از پودل سوپول ڈاکخانہ ہیرول ضلع (دربھنگہ بلگرام مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) ہندو کے یہاں کا پکا ہوا، شیرینی یا کوئی چیز مسلمان کو کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور میلاد شریف وغیرہ میں ہندو کے یہں کا پکا ہوا یا بنا ہوا تقسیم کرنا چاہئے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

(۲) میلاد شریف میں قوالی کی طرح پڑھنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) ہندو کے یہاں کا گوشت اور اس کی جس شے کی نسبت معلوم ہو کہ اس میں کوئی چیز حرام یا نجس ملی ہے وہ ضرور حرام ہے اور جس شے کا حال معلوم نہیں وہ جائز ہے مجلس شریف میں بھی اسے خرچ کر سکتے ہیں اور بہتر بچنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قوالی کی طرح پڑھنے سے اگر یہ مراد کہ ڈھول ستار کے ساتھ جب تو حرام اور سخت حرام ہے۔ اور اگر صرف خوش الحانی مراد ہے تو کوئی امر مورث فتنہ نہ ہو تو جائز بلکہ محمود ہے اور اگر بے مزامیر گانے کے طور پر راگنی کی رعایت سے ہو تو ناپسند ہے کہ یہ امر ذکر شریف کے مناسب نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۳: از مدرسہ منظر الاسلام مرسلہ عبدالقوی صاحب بنگالی متعلّم مدرسہ مذکور ارجب المرجب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ صدف کو بجائے چامیس یعنی چمچے کے استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔ سیپ کا کھانا حرام ہے سیپ کے چمچے سے کھانے میں کچھ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۴: از اروہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کہتا ہے کہ عیسائیوں کے ساتھ کھانا پینا، اپنے برتنوں میں کھلانا، ان کے برتنوں میں کھانا اور ان کا حقہ پینا اور ان کو اپنا پلانا جائز ہے۔ دلیل جواز میں یہ آیت پیش کرتا ہے:

"اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫"[1]	(لوگو!) تمہارے لئے ستھری اشیاء حلال کردی گئی اور ان لوگوں کا کھانا جنھیں کتاب دی گئی تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا انکے لئے حلال ہے۔ (ت)

الجواب:

امور مذکور ممنوع ہیں۔ اس میں ان کے ساتھ مجالست ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ بے انصافوں کے۔

[1] القرآن الکریم ۵/۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

علماء فرماتے ہیں۔اس میں قباحت تک ہر کافر وبدمذہب داخل ہے **والقعود مع کلھم ممتنع** (ہر کافر کے ساتھ بیٹھنا ممنوع ہے۔ت) یہ ان کی طرف میل کا موجب ہے۔اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُۙ"[1]	بے انصافوں کی طرف میل نہ کرو کہ تمھیں جہنم کی آگ چھوئے گی۔

بدمذہب کے لئے حدیث میں ارشاد ہے:

لاتؤاکلوھم ولاتشاربوھم[2]	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤنہ پیو۔

نہ کہ جو مسلمان ہی نہیں اس میں مسلمانوں کو اپنے سے نفرت دلانا ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشرواولاتنفروا[3]	بشارت دواور نفرت نہ دلاؤ۔

آیہ کریمہ میں طعام سے مراد ذبیحہ ہے گیہوں، چاول، دودھ، دہی تو مشرک کے یہاں کا بھی حلال ہے جبکہ نجس نہ ہو،اہل کتاب کی کیا تخصیص،ابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم تفاسیر اور بیہقی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ ابن حمید حضرت مجاہد اور عبدالرزاق مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی فرماتے ہیں:

طعام الذین اتو الکتب ذبائحھم[4]	طعام اہل کتاب سے ان کے ذبیحہ حرام مراد ہیں۔

شرع مطہر میں ہر غیر مسلم کافر ہے یہودی ہو یا نصرانی یا مجوسی یا مشرک،جو اہل کتاب کو کافر نہ جانے خود کافر ہے۔اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ"[5]	بیشک وہ جو کافر ہیں کتابی اور مشرک،سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور فرماتا ہے:

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۶۹

[3] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[4] الدرالمنثور بحوالہ ابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی فی السنن وعبد بن عن مجاہد وعبدالرزاق عن ابراہیم النخعی ۲/ ۲۶۱

[5] القرآن الکریم ۹۸/ ۶

"لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ "[1]	بیشک کافر ہیں وہ جو مسیح ابن مریم کو خدا کہتے ہیں۔

مسئلہ ۲۷۵: از موضع سران ڈاکخانہ بشندور تحصیل و ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ ۱۸/ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طعام کو حاضر رکھ کر کھانا سے پہلے دعا کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے بلکہ مطلق دعا مسنون ہے کہ حدیث میں ہے، جب کھانا لاکر رکھا جائے کہو:

بسم اللہ وباللہ بسم اللہ خیر الاسماء فی الارض وفی السماء لایضر مع اسمہ داء اجعل فیہ رحمۃ وشفاء[2]۔	اللہ تعالٰی کے بابرکت نام سے اور اس کی مقدس ذات سے۔ اللہ تعالٰی کے نام سے کہ زمین وآسمان میں جس کے سب سے اچھے نام ہیں، اس کے نام کے ساتھ کوئی بیماری تکلیف نہیں دیتی۔ اللہ تعالٰی اس میں شفاء اور رحمت فرمائے۔ (ت)

یہ دعا نہیں تو کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶و۲۷۷: از بھیرہ ضلع شاہ پور محلہ پراچگان مسئولہ محمد رحیم پراچہ باب لی ۷/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) شہد کا اتارنا جائز ہے یا ممنوع؟ **(۲)** اگر جائز ہے تو شرعاً کچھ بیت النحل میں چھوڑنا لابدی ہے یانہ؟

الجواب:

(۱) و **(۲)** شہد کا اتارنا بلاشبہ جائز ہے:

قال اللہ تعالٰی "يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: شہد کی مکھیوں کے پیٹوں سے ایک مشروب (پینے کی چیز) نکلتا ہے کہ جس کے رنگ الگ الگ (اور جدا) ہیں اس میں لوگوں کے لئے شفا (تندرستی) ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۲

[2] کنز العمال حدیث ۴۰۷۹۹ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۴۹

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۹

اور بیت النحل میں اس کا کچھ حصہ چھوڑنا ضروری نہیں کہ وہ ان کی غذا نہیں ان کی غذا پھل پھول ہیں۔

قال تعالٰی "ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: پھر تو ہر قسم کے پھلوں سے کھالیجئے۔ (ت)

شہد تمام وکمال ہمارے لئے ہے:

قال تعالٰی "خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا" [2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) اللہ تعالٰی نے تمھارے لئے پیدا فرمایا وہ سب کچھ جو زمین میں موجود ہے۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبید اللہ صاحب بنگالی ۱۴/ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی کافر ایک برتن میں کھانا کھائے اور برتن میں کچھ کھانا باقی رہے تو باقی کھانا مسلمان کھاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں حضرت شیخ سعدی قدس سرہ پر کہ فرماتے ہیں:

نیم خوردہ سگ ہم سگ راشاید

(کتے کا جھوٹا کتے ہی کے لائق ہے یعنی وہی کھائے۔ت)

نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **بشروا ولاتنفروا** [3] (خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از جبلپور بازار لارڈ گنج مرسلہ احمد علی محمد کچھی ۱۴/ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم صاحب اپنی ایک گجراتی تصنیف میں تحریر فرماتے ہیں کہ کچا انڈا حرام ہے اور پکا ہوا جائز ہے۔ تو ظاہر فرمائیے کہ اس میں شریعت مطہر کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حلال جانور کا کچا پکا انڈہ سب حلال ہے۔ ہاں وہ کہ خون ہو جائے نجس وحرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

[3] سنن ابی داؤد باب کراھیۃ المراء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

مسئلہ ۲۸۰تا۲۸۲: ازڈاکخانہ شیر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ شبیر الحسن صاحب ۱۲/ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں :

(۱) اہل ہنود کی اشیاء خوردنی کا استعمال ایک مسلمان کے لئے کہاں تک جائز ہے؟

(۲) یونہی اہل ہنود کے ہمراہ کھانا کھانا۔

(۳) کیااوپر کے مسائل کے جواب ہر غیر مسلم پر عائد ہو سکتے ہیں اگر نہ تو غیر مسلم کے بارے میں اوپر کے ہر دو مسائل کا کیاجواب ہوگا؟

الجواب:

(۱) اشیائے خوردنی جو شریعت نے حلال فرمائی ہیں حلال ہیں ہنود کی کوئی تخصیص نہیں کہ وہ چیزیں خاص ہندوؤں کے کھانے کی ہیں ہاں ہندو کے یہاں کا کھانا اگر گوشت ہے حرام ہے اور اس کے سوا ار چیزیں مباح ہیں، جب تک ان کی حرمت یا نجاست تحقیق نہ ہو، اور بچنا اولیٰ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہندو کے ساتھ کھانا کھانے کا سوال بے معنی ہے۔ ہندو کب اسی کے ساتھ کھائے گا۔ اور ایسا ہو تو اسے نہ چاہئے۔ حدیث میں ہے:

لاتواکلوھم ولاتشاربواھم [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو۔

(۳) غیر مسلم چار قسم ہیں: کتابی، مجوسی، مشرک، مرتد، کتابی اگر کتابی ہو ملحد نہ ہو تو اس کا ذبیحہ اور اس کے یہاں کا گوشت بھی حلال ہے اور باقیوں کے یہاں کا گوشت حرام۔ اور مرتد ان میں سب سے خبیث تر ہے اس کے پاس نشست برخاست مطلقاً ناجائز ہے۔ اور ساتھ کھانا ہر کافر کے ساتھ برا ہے۔ پھر اگر اس میں بدمذہبی کی تہمت ہو جیسے نصرانی کے ساتھ کھانا مسلمانوں کے لئے زیادہ باعث نفرت ہو تو اس کا حکم اور سخت تر ہوگا ورنہ اس اصل حکم میں کہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ پانی نہ پیو سب برابر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۳: از آلہ باد مدرسہ سبحانیہ مولوی ابراہیم صاحب ۱۷/ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی لڑکی کی شادی کی اور اس کا مہر لے کر لوگوں کو کھانا کھلایا کھانے تیار ہو جانے پر لڑکی سے اجازت لی یہ کھانا کھانا کیسا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ یہ جائز نہیں کیونکہ بعد تیار ہونے کی اجازت لی ہے تو اس وقت

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۵۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

لڑکی نے مجبوراً اجازت دے دی پہلے اس سے اجازت نہ لی۔

الجواب:

شرع مطہر ظاہر کو دیکھتی ہے جب اس نے اجازت دی اجازت ہو گئی، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ[1]۔	پچھلی اجازت سابقہ وکالت کی طرح ہے۔(ت)

اور یہ احتمال کہ مجبوری سے اجازت دی پہلے سے اجازت لینے میں بھی قائم تھا بلاد اوہام کا اعتبار نہیں، اس کھانے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۴: از چتور گڑھ میواڑ محلّہ چھیپاں بر مکان قاضی اسمٰعیل محمد صاحب مسئولہ جمیع مسلمان کنگرار ۱۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہیجڑہ اگر دعوت کرے اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

ہیجڑے کے یہاں دعوت کھانے کو نہ جایا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۵و۲۸۶: از محلّہ میاں ہٹے ضلع سارن ڈاک خانہ ماجھن مسئولہ عبدالعزیز میاں مدرس مدرسہ ۱۴/ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

(۱) کھڑے ہو کر پانی پینا کیوں منع ہے؟ اس کا ثبوت مع حدیث۔

(۲) روٹی چار ٹکڑے کرکے کیوں کھاتے ہیں اور ایک ہاتھ سے روٹی پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے توڑ کر کیوں کھاتے ہیں۔ اس کا ثبوت مع حدیث دیجئے، اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ کس مذہب میں امام اعظم کے نزدیک یا کس امام کے نزدیک جائز ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) سوائے زمزم شریف وبقیہ وضو کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ ہے۔ اس کی حدیثیں وفقہی بحث کتب علماء میں موجود ہے۔

(۲) روٹی کے چار ٹکڑے کرنا کوئی ضروری بات نہیں، بائیں ہاتھ میں لے کر دہنے ہاتھ سے نوالہ توڑنا دفع تکبر کے لئے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب النکاح باب اولیاء والاکفاء دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۵

مسئلہ ۲۸۷: از رچھا روڈ ضلع بریلی مسئولہ حکیم حمد احسن ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلمان دھوبی کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: از داناپور کیمپ محلہ شاہ ٹوپی مکان جناب حکیم محمد کفیل صاحب مسئولہ حافظ محمد جعفر ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ دسترخوان پر صحابہ کرام یا اور کوئی مہمان طعام تناول فرماتے تھے تو آپ کو جو کچھ اشیائے خوردنی دسترخوان پر موجود تھیں تھوڑی تھوڑی سب چیز لوگوں کو تقسیم کرتے تھے۔ یا خود تناول فرماتے تھے مع حوالہ حدیث مطلع فرمائے۔ اس ہندوستان میں لوگوں نے دسترخوان میں فرسٹ سکینڈ بنا رکھا ہے۔ جیسے انگریزی کلاس ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دسترخوان پر قسم قسم کے متعدد کھانے نہ ہوتے تھے کہ تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم ہوتا **ما اجتمع لونان فی فی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دہن اقدس میں کبھی دو رنگ کے کھانے جمع نہیں ہوئے۔ت) دسترخوان میں فرسٹ سکینڈ سے کیا مقصود ہے۔ ظاہرا یہ کہ کوئی سنت نصارٰی کا اتباع ہوگا حاضرین میں تفریق بدعت ہے اور ایک فریق کی تذلیل ودل شکنی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۹ و ۲۹۰: از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں عالم اہلسنت ناصر ملت علامہ زماں محقق دوراں راس العلماء رئیس الفضلا حضرت مولانا الشیخ الحاج احمد رضا خاں صاحب مجدد المائۃ الحاضرہ ادامہ اللہ تعالٰی بفیوضہ الباطنۃ الظاھرۃ (سنت اور اہل سنت کے عالم دین کے مددگار، زمانے میں سب سے زیادہ جاننے والے، دور حاضر میں مسائل کی تحقیق کرنے والے، علماء کے سرتاج فاضلوں کے امام حضرت مولانا شیخ حاجی احمد رضا خاں صاحب موجودہ صدی کے مجدد، اللہ تعالٰی ظاہر اور باطنی فیض کے ساتھ انھیں ہمیشہ رکھے۔ت)

(ا) دعوت ولیمہ اور طعام کے متعلق ظاہر الروایۃ کا صرف یہ حکم ہے:

رجل دعی الی ولیمۃ او طعام جدھناك لعبا اوغناء فلا باس بان یقعد ویاکل کما فی الجامع الصغیر [1]۔	کسی شخص کو دعوت ولیمہ یا ویسے کھانے کی طرف مدعو کیا گیا پھر اس نے وہاں کھیل کود اور گانا بجانا پایا تو کوئی حرج نہیں کہ وہ وہاں بیٹھ جائے اور کھانا کھائے جیسے کہ جامع صغیر میں موجود ہے۔(ت)

لیکن شرح وفتاوٰی میں اس کے متعلق بہت سے قیدیں ہیں۔ چنانچہ عبارت ہدایہ یہ ہے کہ:

ولو کان ذٰلك علی المائدۃ لاینبغی ان یقعد ان لم یکن مقتدٰی لقولہ تعالٰی فلا تقعد الایۃ وھذا کلہ بعد الحضور ولم علم قبول الحضور ولایحضر الخ ملخصًا [2] وھکذا فی الدر والکنز والھدایۃ وقاضی خاں وغیرھا۔	اگر یہ بدعات کھانے کے دستر خوان کے پاس موجود ہوں تو پھر مناسب نہیں کہ یہ بیٹھے اگرچہ یہ پیشوانہ ہو،اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو" (الآیۃ)اور یہ سب کچھ حاضر ہونے کے بعد ہے۔اگر جانے سے پہلے ہی بدعات کا پایا جانا معلوم ہو تو پھر وہاں نہ جائے الخ ملخصًا۔اور ایسے ہی در، کنز، ہدایہ اور قاضی خاں وغیرہ میں ہے۔(ت)

ظاہر الروایت میں ھنالک عام ہے منزل اور مائدہ دونوں کو شامل،مگر شروح فتاوٰی میں تفریق کرکے جداگانہ حکم لکھا ہے۔اسی طرح رجل عام ہے عالم وجاہل سب کو شامل ہے۔مگر فتاوٰی تفصیل کرکے دونوں کا حکم علیحدہ لکھا علی ھذا **علم قبل الحضور اور بعد الحضور** سے احکام مختلف ہوجاتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ظاہر روایت میں شارحین کی یہ تقییدات معتبر ہوں گی یا نہیں اگر معتبر ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شارحین علیہم الرحمۃ کی تقیید کے موافق جب یہ مسئلہ ہے کہ اگر عامی دعوت میں جائے اور وہاں لعب وغنا پائے اگر مائدہ کے پاس ہو تو چلا آئے اور اگر منزل میں ہو تو کھالے حالانکہ حرمت استماع ملاہی دونوں صورتوں پائی جاتی ہے پھر تشقیق کا حاصل کیا ہے اسی طرح علم قبل الحضور کی صورت میں عام وخاص سب کے لئے ممانعت ہے کہ نہ جائے،اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا شرکت کی ممانعت عام ہے کہ نہ جائے،اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا شرکت کی ممانعت اسی وقت ہے جبکہ کھانے کے وقت لعب وغنا کا وجود ہو اور اگر کھانے کا وقت

---

[1] الجامع الصغیر کتاب الکراھیۃ مسائل من کتاب الکراھیۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۵۲

[2] الھدایہ کتاب الکراھیۃ فصل الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۳

گزار کر دوسرے وقت لعب وغنا کا وجود ہو مگر کھانے کے وقت نہ ہو تو جائز ہے اگر یہ صحیح ہے تو سوال یہ ہے کہ نفس ارتکاب مناہی وملاہی میں دونوں برابر ہیں وجہ تفریق کیا ہے بعض لوگ دوپہر کو کھانا کرتے ہیں اور شام کو برات میں تمامی خرافات باجے وغیرہ رکھتے ہیں تو کیا اس کے یہاں علم قبل الحضور کی صورت میں جائز ہوگا؟

(۲) زید کہتا ہے کہ فی زماننا جو دعوتیں دی جاتی ہیں ان میں عموما فخر وتطاول وانشاء الحمد کا خیال ہوتا ہے اور فقہاء اس قسم کی دعوتوں کو منع فرماتے ہیں لہٰذا وہ کسی دعوت میں نہیں جانا اس کا یہ فعل کیسا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ آج کل حبوب طعام کی بہت بے قدری ہوتی ہے **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) تقیید مطلق وتخصیص عمومات وتفصیل مجمل وتوضیع مبہامات منصب شراح ہے اسی غرض کے لئے وضع شروح ہے وہ اس سے مبائن نہ سمجھے جائیں گے بلکہ مبین **کما فی ردالمختار وغیرہ من معتمدات الاسفار** (جیسا کہ ردالمحتار (فتاوٰی شامی) وغیرہ قابل اعتماد بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ت) استماع یعنی قصد سننا یہ تو اس کا فعل ہے اور اس میں منزل بھی شرط نہیں کہیں ہو اور کتنی ہی دور ہو جہاں سے آواز آئے، یہاں نظر علماء اس عاصی بالقصد کی طرف نہیں بلکہ متقی کی جانب جو اتباع شرع چاہتا ہے اس کے لئے مائدہ ومنزل کا فرق ظاہر ہے مائدہ پر ہو تو فساق کے ساتھ بیٹھنا ہوگا اور آیہ کریمہ "فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸"[1] (یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ت) کا خلاف، بخلاف منزل۔ جب یہ شرکت دعوت کے لئے جاتا ہے اور دعوت کے وقت ملاہی نہیں تو یہ شریک اثم نہ ہو بعد کو وہ جو کچھ کریں ان کا فعل ہے **فافترقا** (پس دونوں فرق ظاہر ہوگیا۔ت) اور یہ حکم شراح ہنوز محل وطالب تفصیل ہے جسے فقیر نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اس کا خلاصہ یہ کہ اس کا ان پر ایسا رعب ہے کہ اس کے سامنے نہ کرسکیں گے تو ضرور جائے کہ اس کا جانا نہی عن المنکر ہے۔ اور اگر انھیں اس سے ایسا علاقہ محبت ہے کہ اس کا شریک نہ ہونا کسی طرح گوارہ نہ کریں گے تو ضرور شرکت سے انکار کرے جب تک وہ ترک ملاہی کا عہد وپیمان نہ دیں، اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو تفصیل وہ ہے کہ شراح نے ذکر فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) قبول دعوت سنت ہے فقہاء کرام کا حکم غیر معین پر ہے اور نہ ہر گز ان کے یہاں تعمیم، نہ اصلا اس پر دلیل قویم۔ وہ تو یہ فرماتے ہیں کہ جہاں ایسا ہو وہاں نہ جانا چاہئے۔ غیر معین پر حکم کسی معیّن

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسلمان کے لئے سمجھ لینا بدگمانی ہے جب تک اس کے قرائن واضحہ نہ ہو اور بدگمانی حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایا کم الظن فان الظن اکذب [2] الحدیث۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ الحدیث۔ (ت)

بحال قصد تفاخر اگر یہ جاتا تو ایک نامناسب ہی بات ہوتی۔ بنایہ امام عینی میں ہے:

اجابة الدعوة سنة ولیمة اوغیرہا وامادعوة یقصد بها التطاول اوابتغاء المحمدة اوما اشبهه فلیس ینبغی اجابتها لاسیما اهل العلم فقد قیل ماضع احدیده فی قصعة غیرہ الااذل له [3]۔ ملخصًا۔	دعوت قبول کرنا سنت ہے خواہ دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور، لیکن جس دعوت میں تفاخر اور مدح سرائی یا اس قسم کی باتیں ہوں تو پھر ایسی دعوت قبول کرنا مناسب نہیں خصوصا علم و فضل رکھنے والوں کے لئے، کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ کسی نے ہاتھ دوسرے کے پیالے میں رکھا تو یہ اس کے لئے ذلت اختیار کرے گا۔ ملخصًا۔ (ت)

اور اب کہ ایک مسلمان پر بلادلیل یہ گمان کیا کہ اس کی نیت ریا و تفاخر و ناموری ہے تو یہ حرام قطعی ہوا، حبوب طعام کی اگر بے ادبی ہوتی ہے تو جائے اور اس سے منع کرے اگر نہ مانے تو وبال ان پر ہے۔ امام ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں میں آج کل دعوت میں جانے کی کوئی نیت نہیں پاتا ہوں سوا اس کے کہ نمک دانی روٹی پر سے اٹھاؤں۔ ہندیہ میں ہے:

لایجوز وضع القصاص علی الخبز و السکرجة کذا فی القنیة قال الامام الصفار لااجد فی نیة الذهاب الی الضیافة سوی ان	روٹی اور چپاتی پر پیالوں کا رکھنا درست نہیں۔ اسی طرح قنیہ میں مذکور ہے۔ امام صفار نے فرمایا میرا دعوت میں جانے کا سوائے اس کے کوئی مقصد

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح بخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[3] البنایہ فی شرح الهدایہ کتاب الکراهیة فصل فی الاکل والشرب المکتبة الامدادیہ مکة المکرمہ ۴/ ۲۰۴

ارفع المملحة عن الخبز کذا فی الخلاصة[1]	نہیں کہ میں نمک دانی روٹی پر سے اٹھالوں ایسے ہی خلاصہ میں ہے۔(ت)

جب یہ نہی عن المنکر کی نیت سے جائے گا ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۱: از ڈاکخانہ گریفہ مقام چٹکل گوری پور ضلع ۲۴ پرگنہ مسئولہ تبارک حسین ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ سود خوار، بے نمازی، شرابی، ہیجڑا، مخنث اور جس کی بی بی سر بازار باہر نکلتی ہوں ان کے ساتھ کھانا کیسا ہے ایک شخص دوسرے کی بی بی کو زبردستی لے آیا ہے تین برس بعد نکاح کیا پہلے شوہر نے اب تک طلاق نہ دی یہ نکاح اور اس کے ساتھ کھانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

سود خوار، بے نمازی، شرابی، مخنث کسی کے ساتھ کھانا نہ چاہئے خصوصا شرابی کہ اس کے ہاتھ اور منہ پاک ہونے کا کچھ اعتبار نہیں جس کی بی بی سرعام بے پردہ پھرتی ہو اگر ستر کامل نہیں کرتی مثلاً سر کے بالوں یا گردن یا پیٹ یا بازوں یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے سے چمکتا ہو اور وہ اس پر مطلع ہے اور منع نہیں کرتا تو دیوث ہے اس کے ساتھ بھی کھانا نہ چاہئے، جو پرائی عورت کو بھگا لایا ہے اور شوہر زندہ ہے اور طلاق نہ دی اور نکاح کرلیا وہ اس نکاح کے بعد بھی زانی ہے۔ اور یہ نکاح باطل محض ہوا ایسے شخص سے میل جول اصلا نہ کیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد ۲۱ شرب وطعام کے عنوان پر ختم ہوگئ

جلد ۲۲ ان شاء اللہ ظروف کے عنوان سے شروع ہوگی۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الحادی عشرۃ فی الکراھیۃ فی الاکل نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۱

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۲

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم 8
بائیسویں جلد 9
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 69
ظروف وزیورات 111
انگوٹھی سونے، چاندی، تانبے، پیتل اور لوہے وغیرہ کے استعمال سے متعلق مسائل 111
رسالہ 131
الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز ۱۳۰۹ھ 131
(سونے اور چاندی کی اشیاء کو استعمال کرنے کے بارے میں مزیدار مختصر کلام 131
لباس ووضع وقطع 155
لحاف، توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتے، وضع وقطع اور رنگ وغیرہ سے متعلق 155
دیکھنا اور چھونا 201
پردہ، حجاب، ستر عورت، زناء، مُشت زنی، دیوثی، خلوت اور بلوغ وغیرہ سے متعلق 201
رسالہ مروج النجاء لخروج النساء ۱۳۱۶ھ (عورتوں کے نکلنے کے بارے میں خلاصی کی چراگاہیں 221
سلام وتحیت وتعظیم سادات 251
مصافحہ، معانقہ، بوسہ دست وپاوقبر، طواف قبراور سجدہ تعظیمی وغیرہ 251
رسالہ 269
صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ 269
(دونوں ہتھیلیوں سے مصافحہ ہونے میں چاندی کی تختیاں 269
رسالہ 341

ابرالمقال فی استحسان قبلۃ الاجلال ۱۳۰۸ھ 341
(بوسہ تعظیمی کے مستحسن ہونے میں درست ترین کلام) 341
الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ ۱۳۳۷ھ (سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کے بارے میں پاکیزہ مکھن) 425
فصل اول: قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم 432
فصل دوم: چالیس حدیثوں سے تحریم سجدۂ تحیّت کا ثبوت 437
فصل سوم: ڈیڑھ سو۱۵۰ نصوص فقہ سے سجدہ تحیت کے حرام ہونے کا ثبوت 458
حواشی 538
داڑھی وحلق وقصر وختنہ وحجامت 571
داڑھی، مونچھ، سروغیرہ کے بالوں، ختنہ اور ناخن وغیرہ سے متعلق مسائل 571
رسالہ 607
لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی ۱۳۱۵ھ 607
(چاشت کی روشنی میں داڑھیاں بڑھانے میں) 607
خاتمہ 674
جدول ان سزاؤں وعیدوں مذمتوں کی جو داڑھی منڈانے کتروانے والوں کے حق میں آیات واحادیث ونصوص مذکورہ سے ثابت ہیں 675

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْهُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّۃ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۲

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ________ فتاوی رضویہ جلد ۲۲
تصنیف ________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین
باہتمام و سرپرستی ________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ________ ۶۹۲
اشاعت ________ جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ / اگست ۲۰۰۲ء
مطبع ________
ناشر ________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ________

ملنے کے پتے

* مکتبہ اہلسنّت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* مکتبہ ضیائیہ، بوہڑ بازار، راولپنڈی
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ۵

ظروف وزیورات ۱۱۱

لباس ووضع قطع ۱۱۵

دیکھنااور چھونا ۲۰۱

سلام وتحیت و تعظیم سادات ۲۵۱

داڑھی، حلق وقصر، ختنہ وحجامت ۵۷۱

فہرست رسائل

○ الطیب الوجیز ۱۳۱

○ مروج النجا ۲۲۱

○ صفائح اللجین ۲۶۹

○ ابر المقال ۳۴۱

○ الزبدۃ الزکیہ ۴۲۵

○ لمعۃ الضحی ۶۰۷

www.dawateislami.net
I.T Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور م یں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔ اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسول الکریم تقریبًا بارہ ۱۲ سال کے مختصر عرصہ میں بائیسویں ۲۲ جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب لامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیہ اور کتاب الحظر والاباحۃ کے حصول اول پر مشتمل اکیس ۲۱ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات، اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ___ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ___ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ___ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ___ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ___ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ___ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ___ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ___ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ___ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ___ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ___ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ___ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ___ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ___ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ___ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰ ___ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ___ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ___ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ــــــ ۱۴۲۲ ــــ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل ــــ ۱۴۲۳ ــــ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس ۲۰ جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ و استفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی رضویہ کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا لہٰذا اکیسویں جلد سے مسائل حظر واباحت کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد میں کتاب الحظروالاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کی مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے شائع کیا ہے وہ غیر مرتب اور غیر مبوب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتداء وانتہا ممتاز نہیں، کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق منتشر طور پر مذکور ہیں اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور وقت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکلا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر عنایت اور اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی کم وقت میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ الحمدُللہ علی ذٰلک۔

کتاب الحظروالاباحۃ کی ترتیب میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) حظروا باحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور) مسائل کے اعتبار سے یکجا بتویب کردی ہے۔

(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلق باب کے تحت درج کیا ہے۔

(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظروالاباحۃ میں شامل مسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(د) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔

(و) جن رسائل کے مندرجات ومشمولات یکجانہ تھے ان کو اکٹھا کردیا ہے۔

(ز) حظروا باحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کردیا ہے۔

(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب سابق ترتیب سے مختلف ہوگئی، لہٰذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔

(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی۔

(ی) اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیر بحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکتے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری "کتاب الحظروالاباحۃ" کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالسبحان بن مولانا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث (کھلابٹ، ہزارہ) کے صاحبزادے اور اساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی کے نواسے ہیں، آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں فارغ التحصیل ہوتے ہی

درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور یہاں سالہا سال آپ نے اہلسنت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دئے، آپ کے آباء واجداد نے ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبدالسبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں۔ مناظرہ ورد بدمذہبیاں خصوصا رد وہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

بائیسویں جلد

یہ جلد "کتاب الحظر ولاباحۃ" کا دوسرا حصہ ہے جو ۲۴۱ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۹۲ صفحات پر مشتمل ہے اس جلد میں بنیادی طور پر جن پانچ ابواب سے متعلق مسائل کو زیر بحث لایا گیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) ظروف وزیورات

(۲) لباس ووضع قطع

(۳) دیکھنا اور چھونا

(۴) سلام وتحیت وتعظیم سادات

(۵) داڑھی، حلق وقصر، ختنہ وحجامت

دیگر کئی ایک ابواب سے مسائل کثیرہ پر ضمناً گفتگو واقع ہوئی لہٰذا راقم الحروف نے مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی ایک فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے نیز اس جلد میں شامل پانچ پر مستقل ابواب سے مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً مندرج تھے، تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی مفصل فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت ابہام پیدانہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اسی جلد کی زینت ہیں:

(۱) **الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ** (۱۳۳۷ھ)

سجدۂ تعظیمی کی حرمت کا مفصل بیان اور اس پر قرآن وحدیث سے دلائل وبراہین

(۲) لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی (۱۳۱۵ھ)

داڑھی کے وجوب، اس کی حد اور اس کو کتروانے یا منڈانے کی مذمت کا مدلل بیان

(۳) الطیب الوجیز فی امتعۃ الورث والابریز (۱۳۰۹ھ)

مرد و عورت کون سی دھاتیں کس وزن تک استعمال کرسکتے ہیں نیز ان کامدار جوتے اور ٹوپی کی حد جواز کا بیان

(۴) مروج النجاء لخروج النساء (۱۳۱۵ھ)

عورتوں کے شرم پردہ کے احکام۔

(۵) صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین (۱۳۰۶ھ)

اس بات کا ثبوت کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہونا چاہئے۔

(۶) ابر المقال فی قبلۃ الاجلال (۱۳۰۸ھ)

بوسۂ تعظیمی کے جواز کا بیان

ان میں سے مقدم الذکر دو۲ رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے جبکہ چار رسائل اب شامل کے گئے ہیں۔

O

حافظ محمد عبدالستار سعیدی	جمادی الاخری ۱۴۲۳ھ
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور	اگست ۲۰۰۲ء

فہرست مضامین مفصّل

ظروف وزیورات		شرع مطہر نے سونے، چاندی کی اباحت اصلیہ کو منسوخ فرمادیا۔	۱۱۲
(انگوٹھی، سونے، چاندی، پیتل اور لوہے وغیرہ کی اشیاء کا استعمال)	۱۱۱	اقول ثانیًا۔	۱۱۲
کرتوں اور صدریوں وغیرہ میں چاندی کے بوتام لگانے سے متعلق سوال۔	۱۱۱	بوتاموں کے ساتھ زنجیریں لگانے سے تزین و تحلی مقصود ہوتا ہے جو مرد کو ناجائز ہے۔	۱۱۲
چاندی کے صرف بوتام ٹانکنے میں حرج نہیں۔	۱۱۱	مرد کے لئے چاندی کی چند چیزوں کا استعمال حرمت سے مستثنٰی ہے۔	۱۱۲
سونے کی گھنڈیوں کی اجازت سے متعلق تصریح فقہاء۔	۱۱۱	اقول ثالثًا۔	۱۱۲
گھنڈی اور بوتام ایک ہی چیز صرف صورت کا فرق ہے۔	۱۱۲	محرمات میں شبہہ مثل یقین ہے۔	۱۱۲
چاندی کی زنجیریں جو بوتاموں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں سخت محل نظر ہیں۔	۱۱۲	ریشم کا لبس یعنی پہننا، اوڑھنا اور جس امر میں ان کی مشابہت ہو ممنوع ہے باقی تمام طرق استعمال روا ہیں۔	۱۱۳
سونے اور چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔	۱۱۲	چاندی کی زنجیروں کو چاندی کے کام پر قیاس کرنا درست نہیں کہ دونوں میں فرق بدیہی ہے۔	۱۱۳

مرد کو ریشمی کمربند ناروا ہے۔	۱۱۳	طیلساں کو گرہ لگانے سے محرم پر دم واجب ہوتا ہے جب پورا دن گرہ لگائے رکھے۔	۱۱۹
چاندی کے پتر کے استعمال سے متعلق ایک حدیث پر گفتگو۔	۱۱۴	زر الطیلساں کا لغوی معنی	۱۱۹
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا جس کے گریبان اور آستینوں اور چاکوں پر ریشم کی خیاطت تھی۔	۱۱۴	حقیقت اصل ہے اور بلا ضرورت مجاز کی طرف عدول جائز نہیں۔	۱۲۰
علی بند اور پری بند نامی خاص زیور کے بارے میں سوال اور اس کا جواب۔	۱۱۵	دوم (دوسرا فائدہ)	۱۲۰
کانچ کی چوڑیاں عورتوں کے لئے جائز بلکہ شوہر کے لئے سنگھار کی نیت سے مستحب ہے اور اگر شوہر یا والدین کا حکم ہو توجواب ہیں۔	۱۱۵	لفظ ذہب منسوج وحجر دونوں کو شامل ہے۔	۱۲۰
مولوی عبدالرحمٰن صاحب گولڑوی کا گھنڈی اور سیم وزر کے بٹنوں سے متعلق ایک علمی سوال۔	۱۱۶	لفظ ذہب حجر میں حقیقت اور کلابتوں پر اس کا استعمال از قبیل تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے۔	۱۲۰
قمیص کا گریبان ریشمی ہو یا اس کے بٹن ریشمی ہوں یا سونے کے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔	۱۱۷	تکمہ فارسی میں زر کا ترجمہ ہے جسے عربی میں زیر، دجہ، جوزہ، جویزہ اور حبہ بھی کہتے ہیں۔	۱۲۱
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے چند قابل لحاظ فوائد کا ذکر۔	۱۱۷	وہ حلقہ جسے اردو میں تکمہ بولتے ہیں فارسی میں انگلہ اور عربی میں عروہ ودعلہ ہے۔	۱۲۱
اول (پہلا فائدہ)	۱۱۷	سوم (تیسرا فائدہ)	۱۲۱
زر کے لئے کپڑے میں سلا ہونا ضروری نہیں بلکہ مخیط ومربوط ومغروز ومرکوز سب کو عام ہے۔	۱۱۷	بٹن بھی گھنڈیوں کی طرح تابع ہیں کہ علماء نے مطلقاً زر کو تابع بتایا اور زر انھیں شامل ہیں۔	۱۲۱
زر کے لغوی معنی کی تحقیق۔	۱۱۷	معنی تابع پر بحث۔	۱۲۱
ملحہ جرمی کے شعر میں واقع لفظ قبطریہ اور لفظ علاقہ کی لغوی تحقیق۔	۱۱۸	تابع کی متبوع سے معیت چاہئے نہ کہ خود اجناس مختلفہ سے ترکب۔	۱۲۱
محرم بحالت احرام طیلساں یعنی بڑی چادر اوڑھ سکتا ہے مگر اس کو گرہ لگانا ممنوع ہے۔	۱۱۹		

انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیل جائز ہے۔	۱۲۱	عورت کو زیور پہن کر نماز پڑھنے کا حکم۔	۱۲۷
جبہ وغیرہ میں ریشم کا ابرہ یا استر مرد کو ناجائز ہے اور اس کے اند ریشم کا حشو جائز ہے۔	۱۲۱	عورت کا بے زیور نماز پڑھنا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نظر میں۔	۱۲۸
چہارم (چوتھا فائدہ)	۱۲۲	بجنے والا زیور عورت کو کب جائز ہے۔	۱۲۸
حلی کا لغوی معنی	۱۲۳	آیہ کریمہ ولا یضربن بارجلھن الخ کی تفسیر۔	۱۲۹
سونے کی تاروں سے منقش مزین کپڑا مرد کے لئے کس قدر جائز ہے۔	۱۲۳	لوہے اور پیتل کا زیور مسلمان کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔	۱۲۹
پنجم (پانچواں فائدہ)	۱۲۳	کانسہ کے برتن میں حرج نہیں اور اس کا زیور پہننا مکروہ ہے۔	۱۲۹
ششم (چھٹا فائدہ)	۱۲۴	سونے کی گھڑی جیب میں ہو تو نماز میں حرج نہیں۔	۱۲۹
ہفتم (ساتواں فائدہ)	۱۲۵	مرد وعورت دونوں کو سونے یا چاندی کی گھڑی میں وقت دیکھنا حرام ہے۔	۱۲۹
سونے چاندی کی زنجیروں کے عدم جواز کی دلیل۔	۱۲۵	جن اشیاء پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھا ہو مرد اس کو استعمال کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ شے فی نفسہٖ ممنوع نہ ہو۔	۱۲۹
عورتوں کو سونے چاندی کا زیور پہننا جائز بلکہ شوہر کے لئے سنگھار کرنا باعث اجر عظیم ہے۔	۱۲۶	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانا ثابت نہیں۔ مٹی یا کاٹھ کے برتن تھے۔ اور پانی کے لئے مشکیزے۔	۱۲۹
دلھن کو سجانا سنت قدیمہ ہے۔	۱۲۶	سونے یا چاندی کی منہال حرام ہے باقی چیزوں یعنی لوہے، پیتل، جست اور یشب وغیرہ پتھروں کی منہال میں حرج نہیں۔	۱۳۰
کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ ان کی منگنیاں آئیں سنت ہے۔	۱۲۶	لڑکیوں کے زیور کے لئے کان چھدوانے کا کوئی خاص حصہ مقرر نہیں البتہ مشابہت کفار سے بچنا ضروری ہے۔	۱۳۰
قدرت کے باجود عورت کا بے زیور رہنا مکروہ ہے۔	۱۲۷	عورتوں کے لئے ناک کا پھول پہننے میں دائیں یا بائیں جہت کی شرعا کوئی تخصیص نہیں۔	۱۳۰
ایک حدیث میں وارد لفظ تعطّر کے معنی کی تحقیق۔	۱۲۷		

تانبہ، پیتل، لوہا اور کانسہ تو عورت کو پہننا بھی ممنوع ہے اس سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔	۱۳۰	سیم وزر کے چراغ میں فتیلہ روشن کرنا ممنوع ہے اگرچہ روشنی لینا مقصود نہ ہو۔	۱۴۶
چاندی کا چھلا عورتیں پہن سکتی ہیں مرد نہیں۔	۱۳۰	مردوں کو چاندی کا چھلا ہاتھ یا پاؤں میں پہننا حرام ہے۔	۱۴۷
مکروہ چیز پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۱۳۰	چاندی کی انگوٹھی بے ضرورت مہر کے لئے پہننا کیسا ہے۔	۱۴۸
مسجد میں امام کو پاؤں دبوانے میں کوئی حرج نہیں۔	۱۳۰	جھوٹے کام کا جوتا پہننا مردوزن کے لئے مکروہ ہے۔	۱۵۰
○ رسالہ **الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز** (مرد اور عورت کون کونسی دھاتیں اور کس وزن تک استعمال کرسکتے ہیں اور کامدار جوتے ٹوپی وغیرہ کے استعمال کی حد جواز کیا ہے۔)	۱۳۱	سونے، چاندی، گلٹ اور ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۱۵۲
انگرکھے اور کرتے میں چاندی سونے کے بوتام بے زنجیر کے لگانے جائز ہیں،	۱۳۱	جس ٹوپی پر ریشم کا کام ہو تو اس کا پہننا جائز ہے یا ناجائز۔	۱۵۲
سونے چاندی کا استعمال مرد کے لئے مطلقًا حرام ہے۔	۱۳۲	ریشم کا ازار بند استعمال کرنا مرد کے لئے ناجائز ہے اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۵۳
چودہ صورتوں میں مرد کے لئے سونے چاندی کا استعمال جائز ہے۔	۱۳۲	لوہے۔ پیتل اور تانبے وغیرہ کا چھلا اور زیور عورتوں کے لئے بھی ناجائز ہے چہ جائیکہ مردوں کے لئے۔	۱۵۳
فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتا پہننا گناہ اور درزی اور موچی کو ایسے کپڑے اور جوتے سینا مکروہ ہے۔	۱۳۷	**لباس وضع وقطع**	
مرد کے لئے شرعًا کیسی انگوٹھی جائز اور کیسی ناجائز ہے۔	۱۴۱	(لحاف توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتا، وضع وقطع، رنگ وغیرہ)	۱۵۵
سونے اور چاندی کی گھڑیاں رکھنا ممنوع ہے۔	۱۴۵	ریشمی کپڑا پہننا مرد کو حرام ہے حدیث میں اس پر شدید وعیدیں وارد ہیں۔	۱۵۵

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ میں ریشم اور بائیں میں سونا لے کر ارشاد فرمایا دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔	۱۵۷	غرارہ پہننا مردوں کے لئے ناجائز ہے۔	۱۶۱
دو طرح کے مروج ومستعمل پائجاموں کی بابت سوال کہ ان میں سے کون سا افضل واستر ہے۔	۱۵۷	کلیوں دار پائچے ہندوستان میں خاص لباس عورت ہیں۔	۱۶۱
اصل سنت ہے مستمرہ فعلیہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازار یعنی تہبند ہے۔	۱۵۸	مسلمان مردوں کو عورتوں سے اور نقال وفساق بدوضع مردوں سے مشابہت حرام ہے۔	۱۶۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پائجامہ پہننے سے متعلق حدیث بشدت ضعیف ہے۔	۱۵۸	ٹخنوں سے نیچے لٹکتے ہوئے پائچے اگر براہ تکبر ہوں تو حرام ورنہ مردوں کے لئے مکروہ وخلاف اولٰی ہیں۔	۱۶۱
نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پائجامہ خریدنا بسند صحیح ثابت ہے۔	۱۵۸	پائچے بالکل گھٹنوں کے قریب تک رکھنا جہال وہابیہ کی اختراعی ہے۔	۱۶۱
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم زمانہ اقدس میں باذن اقدس پاجامہ پہنتے تھے۔	۱۵۹	شرع مطہر کی عادت کریمہ اور ایک مفید قاعدہ کلیہ۔	۱۶۱
امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ روز شہادت پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔	۱۵۹	مرد کے لئے ازار یا پائنچے کو نیم ساق تک رکھنا عزیمت اور کعبین تک رخصت ہے۔	۱۶۲
اللہ تعالٰی سے شرف کلام کے وقت حضرت موسٰی علیہ السلام اونی چادر، جبہ اور پائجامہ پہنے ہوئے تھے۔	۱۵۹	اتنا چست لباس کہ اعضاء کی بناوٹ ظاہر ہو ممنوع ہے۔	۱۶۳
سب سے پہلے پاجامہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہنا۔	۱۵۹	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عورتوں کے لباس سے متعلق پیشگوئی پر مشتمل کی ایک تشریح۔	۱۶۳
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پاجامہ پہننے والی عورتوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنو اور عورتوں کو بھی پہناؤ کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔	۱۶۰	لباس میں ملبوس عورت کو دیکھنا کب جائز ہے اور کب ناجائز ہے۔	۱۶۳
متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے بسااوقات ضعیف حدیث قوی ہوجاتی ہے۔	۱۶۰	ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟	۱۶۴
پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے۔	۱۶۰		

بطور عجب وتکبر ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے والے مرد کے لئے حدیث میں سخت وعید۔	۱۶۴	آدمی کو بدوضع لوگوں کی وضع سے بھی بچنے کا حکم ہے۔	۱۷۲
اسبال اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے۔	۱۶۶	موچی اور درزی کو فاسقوں کی وضع کے جوتے اور کپڑے سینے جائز نہیں اگرچہ اس کی اجرت زیادہ ملتی ہو۔	۱۷۲
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تہبند شریف۔	۱۶۶	ایڑی والی مردانہ جوتی عورتوں کو پہننا ناجائز ہے۔	۱۷۳
تین مبغوض ومغضوب اشخاص۔	۱۶۷	احادیث کریمہ سے مسئلہ کی تائید۔	۱۷۳
اسبال اگر براہِ عجب وتکبر ہے تو حرام ورنہ مکروہ وخلاف اولٰی نہ حرام ومستحق وعید۔	۱۶۷	عورتوں کی طرح مرد کو بال گوندنا مکروہ ہے۔	۱۷۴
ممنوع اسبال وہ ہے جو جانب کعبین سے ہو پنجہ کی جانب سے اگر پائچے پشت پا پر ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اس طرح کا اسبال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔	۱۶۷	محمد بن سلیمان بن حبیب اسدی (تصغیر کے ساتھ) دسویں طبقے کا معتبر راوی ہے۔	۱۷۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ازار مبارک اکثر نصف ساق تک ہوتا تھا۔	۱۶۸	ٹوپی سچی یا جھوٹی سلمہ ستاروں یا ریشم کی شرعا کیسی ہے۔	۱۷۵
نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قمیص مبارک نیم ساق تک تھی اور کم طول بھی وارد ہے، گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا، دامن کے چاک کھلے ہوتے اور ان پر ریشمی کپڑے کے گوٹ تھی، اس زمانے میں گھنڈی تکمے ہوتے تھے، بٹن ثابت نہیں۔ رنگ سبز وسرخ بھی ثابت ہے اور محبوب تر سفید ہے۔	۱۷۰	ریشمی رومال ہاتھ میں لینا، جیب میں ڈالنا اور اس سے منہ پونچھنا جائز بلکہ کندھے پر ڈالنا مکروہ تحریمی ہے۔	۱۷۵
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمامہ اقدس کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ تھا۔	۱۷۱	ریشم کے بارے میں ضابطہ	۱۷۵
بلاوجہ شرعی قوم کے عرف وعارف سے خروج مکروہ ہے۔	۱۷۱	ریشم کا صرف پہننا مرد کو ممنوع ہے نہ کہ باقی طرق استعمال۔	۱۷۶
چوڑی دار پائجامہ پہننا، بوتام لگا کر پنڈلیوں سے چمٹانا اور اس کو شرعی پاجامہ کہنا کیسا ہے۔	۱۷۲		

ریشمی جائے نماز پر نماز پڑھنا جائز ہے۔	۱۷۶	انگریزی ہیٹ اور پتلون پہننا کیسا ہے۔	۱۸۴
ریشمی کپڑا بیچنا اور بیچنے کے لئے کندھے پر اٹھانا جائز ہے۔	۱۷۶	لباس کے بارے میں اصل کلی۔	۱۸۴
پارچہ رینڈی کے بارے میں سوال کہ یہ از قسم حریر ہے یا نہیں۔	۱۷۷	کس کس رنگ کے کپڑے پہننے جائز ہے اور کون سے ناجائز ہیں۔	۱۸۵
ٹسر نامی کپڑے کے بارے میں سوال جو چمک و ملائمت میں ریشم سے کمتر ہوتا ہے۔	۱۷۹	لباس کون سا مسنون اور کونسا خلاف سنت ہے۔	۱۸۶
ریشم اور ٹسر کی تعریف۔	۱۷۹	عمامہ میں سنت یہ ہے کہ اڑھائی گز سے کم اور چھ گز سے زائد نہ ہو اور اس کی بندش گنبدی نما ہو۔	۱۸۶
اصل اشیاء میں اباحت ہے۔	۱۸۰	اعتجار مکروہ ہے۔	۱۸۷
جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو اس پر جرأت ممنوع و معصیت ہے۔	۱۸۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تہبند باندھا، پاجامہ خریدنا اور اس کی تعریف کرنا ثابت ہے مگر پہننا ثابت نہیں۔	۱۸۷
ضابطہ کی تائید قرآن مجید اور اقوال ائمہ سے۔	۱۸۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک میں بٹن ثابت نہیں چاک دونوں طرف تھے اور گریبان سینہ اقدس پر تھا۔	۱۸۷
حریر شرعاً اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کیڑے کے لعاب سے بنایا جاتا ہے۔	۱۸۱	زرد رنگ کا کپڑا پہننا مرد کو خصوصاً عالم کو کیسا ہے۔	۱۸۷
جب تک تحریم ثابت نہ ہو اباحت اصلیہ شرعیہ پر عمل سے کوئی مانع نہیں۔	۱۸۱	خالص ریشمی رومال اگر ہاتھ میں لینے کا ہے تو مرد استعمال کرسکتا ہے اور اگر اوڑھنے کا ہے تو نہیں کرسکتا۔	۱۸۸
شملہ کہاں تک رکھنا مسنون اور کہاں تک مباح اور کہاں تک ممنوع وحرام ہے۔	۱۸۲	کمخواب یا مخمل اگر سوتی ہو تو مرد کو جائز ہے اور ریشمی ہو تو ناجائز ہے۔	۱۸۸
شملہ کی چھ قسمیں ہیں۔	۱۸۲	عورت خاوند کو اپنے ساتھ لٹا کر ریشمی لحاف یا چادر اس کو اوڑھادے تو ناجائز ہے۔	۱۸۸
زعفران اور کسم اگر دوسرے رنگوں میں تھوڑے سے شامل کردئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں۔	۱۸۳	مرد کو ریشمی مخمل ناجائز ہے اور سوتی جائز ہے۔	۱۸۸
نیا کپڑا یا جوتا استعمال کرنے پر کیا پڑھے اور کون سے روز استعمال کرے درزی کو سلنے کے لئے کس روز دے۔	۱۸۴	عورت کو پاجامہ ٹخنا کھول کر پہننا چاہئے یا ڈھانک کر۔	۱۸۸

مرد وعورت کے لئے کونسا لباس سنت اور کون سا خلاف سنت ہے۔	۱۸۹	زرد جوتا مورث سرور فرحت ہے۔	۱۹۶
لباس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس میں تین امور کا لحاظ رکھا جائے (۱) اس کی اصل حلال ہو۔ (۲) رعایت ستر (۳) لحاظ وضع۔	۱۸۹	قرآنی آیت سے زرد جوتے کے باعث سرور ہونے پر استدلال۔	۱۹۶
ہندوؤں کا زنار اور نصارٰی کا ہیٹ استعمال کرنا کفر ہے۔	۱۹۰	سرخ رنگ کے بال میں احادیث نہی واحادیث جواز میں تطبیق۔	۱۹۷
اچکن، چپکن اور شیروانی نئی تراش کے لباس ہیں۔	۱۹۱	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔	۱۹۷
عادت میں جدت ممنوع نہیں۔	۱۹۱	دستار باندھنے کا طریقہ مسنونہ۔	۱۹۸
دھوتی کہ لباس ہنود ہے ممنوع ہے۔	۱۹۲	دو شملے رکھنا سنت ہے۔	۱۹۹
کوٹ پتلون ممنوع ہے۔	۱۹۲	ضمیمہ لباس و وضع قطع	
ترکی ٹوپی کی ابتداء نیچریوں سے ہوئی۔	۱۹۲	جبہ وغیرہ میں ریشم کا ابرہ یا استر مرد کو ناجائز اور اس کے اندر ریشم کا حشو جائز ہے۔	۱۲۱
کفار وفساق کی وضع مخصوص سے احتراز لازم ہے۔	۱۹۳	سونے کی تاروں سے منقش مزین کپڑا مرد کے لئے کس قدر جائز ہے۔	۱۲۳
ایسا لباس پہننا جس سے مسلمان وکافر میں فرق نہ رہے حرام بلکہ کئی صورتوں میں کفر ہے۔	۱۹۳	**دیکھنا اور چھونا**	
جاپانی اور ولایتی سلک کے کپڑے پہننا مرد اور عورت کے لئے جائز ہیں یا نہیں۔	۱۹۴	(پردہ ستر عورت، زنا، مشت زنی، دیوثی، خلوت، بلوغ وغیرہ)	۲۰۱
کون سا مخمل مرد کے لئے جائز ہے اور کون سا ناجائز ہے۔	۱۹۴	جیسے مرد کے لئے غیر عورت کو دیکھنا حرام ہے اسی طرح عورت کے لئے غیر مرد کی طرف نظر کرنا بھی حرام ہے۔	۲۰۱
مرد کو سرخ اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت ہے یا نہیں۔	۱۹۴	مشت زنی فعل ناپاک وحرام ہے حدیث میں اس پر لعنت آتی ہے۔	۲۰۲
معصفر ومزعفر کا معنی۔	۱۹۶		

عدم حرمت مشت زنی کے لئے تین شرائط، سرعام ستر عورت کی خلاف ورزی کرنیوالے فاسق فاجر و لعنتی ہے۔	۲۰۳	علانیہ فاحشہ زانیہ عورتوں کے مرد دیوث ہیں۔	۲۰۹
ستر غلیظ کھول کر بلاوجہ سب کے سامنے آنے والا سخت تعزیر کا مستحق ہے۔	۲۰۳	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے دیوث، مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی۔	۲۰۹
فاحشہ مسلمان عورت سے دوسری مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم ہے اگرچہ حقیقی بہن ہو۔	۲۰۴	والدین کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا۔	۲۱۰
صحبت بد سے برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا، جب پڑ جاتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن جانا قدرے دشوار ہے لہٰذا امان و سلامت جدا رہنے میں ہے۔	۲۰۵	بدکار عورتوں اور دیوث مردوں سے دوستی رکھنے والے قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھیں گے۔	۲۱۰
یار بد بدتر بود از مار بد۔	۲۰۵	روز حشر میں ہر شخص اپنے دوستوں کے ساتھ اٹھے گا۔	۲۱۰
پردہ کے باب میں پیر و غیر پیر کا حکم یکساں ہے۔	۲۰۵	بنی اسرائیل میں پہلی خرابی کیسے آئی۔	۲۱۱
اجنبی جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی پیر وغیرہ کے سامنے آنا منع ہے اور بڑھیا کے لئے مشروط اجازت ہے۔	۲۰۵	فاسقوں کے ساتھ کھانے پینے کا اثر۔	۲۱۱
اپنے پیر و مرشد کے پاؤں چومنا درست ہے۔	۲۰۶	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کا وبال۔	۲۱۱
عورت کب اذن شوہر کے بغیر کسی عارف کامل سے شرف بیعت حاصل کرنے اور علم دین و راہ سلوک سیکھنے جاسکتی ہے اور کب نہیں۔	۲۰۷	بدمذہبوں اور فاسقوں سے مجالست و مواکلت ممتنع ہے۔	۲۱۲
شوہر بیوی کو بلا ضرورت شرعی باہر جانے کی اجازت دے تو دونوں گنہگار ہیں۔	۲۰۸	یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی۔	۲۱۲
غیر منکوحہ عورت سے مرد کا کون سی خدمت کن شرائط کے ساتھ لینا جائز ہے۔	۲۰۸	بروں کے ساتھ اچھوں کی ہلاکت کیوں۔	۲۱۲
جوان اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے۔	۲۰۸	بدمذہب مستحق تذلیل ہیں لہٰذا نماز کی امامت نہیں کراسکتے کیونکہ امامت اعلٰی درجہ کی تعظیم ہے۔	۲۱۲
طوائفوں اور ان کے مردوں سے میل جول ان کو اپنی تقریبات میں بلانا اور ان کے ساتھ کھانا پینا اور اپنی عورتوں کو بے پردہ ان کے سامنے کرنا نہایت شنیع و ناپاک و باعث عذاب ہے۔	۲۰۹		

فاسق کی امامت ممنوع ہے۔	۲۱۲	فحش گوئی کرنے والا منحوس ہے۔	۲۱۵
عورت کی فطرت وخصلت۔	۲۱۲	بدزبان وبے حیاء کے نسب میں خلل ہوتا ہے۔	۲۱۵
صحبت بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا ہے۔	۲۱۲	بچپن کی عادت کم چھوٹتی ہے۔	۲۱۵
اچھی اور بری صحبت کے اثر سے متعلق ایک حکمت بھری حدیث بطور تمثیل۔	۲۱۳	والدین اور بہنوں کی موجودگی میں مکاں کی ایک کوٹھڑی میں اجنبیہ عورت سے خلوت وزناکاری کیسی ہے۔	۲۱۶
فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی ریت ہے۔	۲۱۳	جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپھا، خالو، چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، سب عورت کے لئے اجنبی ہیں۔	۲۱۷
بے حیائی کی بات سے حیاوالا ناراض ہوجاتا ہے۔	۲۱۳	دیور کو حدیث میں موت کہا گیا۔	۲۱۷
شیطان ملعون بے حیائی کا استاد ہے۔	۲۱۳	شوھر کو ناراض کرنے والی عورت کے لئے وعیدات،	۲۱۷
جنت ہر فحش بکنے والے پر حرام ہے۔	۲۱۳	عورت کو شوہر کے خلاف بھڑکانے والے شیطان کے پیارے ہیں۔	۲۱۷
بے ضرورت وحاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی ناجائز وخلاف حیاء ہے۔	۲۱۴	تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی یعنی قبول نہیں ہوتی۔	۲۱۷
حیاایمان ہے اور ایمان والاجنت میں ہے۔	۲۱۴	ناپسندیدہ امام کے لیے وعید شدید۔	۲۱۸
فحش گوئی جفاہے اور جفاوالا دوزخ میں ہے۔	۲۱۴	مستلہ کی تائید میں گیارہ احادیث کریمہ۔	۲۱۷
شرم اور کم سخنی ایمان کی دوشاخیں ہیں۔	۲۱۴	٥رسالہ **مروج النجاء لخروج النساء** (عورتوں کے شرعی پردے کہ خواتین کو کہا جانے کی اجازت اور کہاں جانے کی ممانعت ہے)	۲۲۱
فحش گوئی اور زبان درازی منافقت کے دو ۲ شعبے ہیں۔	۲۱۴	سولہ ۱۶ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۲۲۱
فحش کسی چیز میں داخل ہوتو اس کو معیوب اور حیاء کسی چیز میں داخل ہوتو اس کو مزین کردیتا ہے۔	۲۱۴	ا۔ س مکان میں محارم وغیرہ محارم موجود ہوں وہاں عورتوں کو جانا جائز ہے یا نہیں۔	۲۲۱

۲۔ جس گھر میں نامحرم مرد وعورات ہیں وہاں کسی تقریب میں برقع پہن کر عورت جاسکتی ہے یانہیں۔	۲۲۱	۱۰۔ مکان کے مالک دو ہیں ایک عورت کا خاوند اور دوسرا نامحرم تو وہاں اس کا جانا کیسا ہے۔	۲۲۲
۳۔ کسی ایسے مکان میں عورت کا جانا کیسا ہے جس کا مالک تو اس کا نامحرم ہے مگر اس کی بیوی اس عورت کی محرم ہے اور مالک مکان سے سامنا بھی نہیں ہوگا۔	۲۲۱	۱۱۔ گھر میں محفل عام ہے جس میں باپردہ اور بے پردہ عورتیں۔ محرم ونامحرم مرد سب موجود ہیں مگر یہ عورت چادر کا پردہ کرکے بیٹھ سکتی ہے تو وہاں جانا اس کے لئے کیسا ہے۔	۲۲۲
۴۔ کسی ایسے مکان میں عورت کا جانا کیسا ہے جس کا مالک نامحرم ہے اور اس گھر میں کوئی عورت بھی اس کی محرم نہیں۔	۲۲۱	۱۲۔ جہاں منہیات شرعیہ پر مشتمل تقریب ہو رہی ہو تو وہاں کسی مرد یا عورت کا جانا کیسا ہے اگرچہ الگ تھلگ بیٹھے اور متوجہ ہو۔	۲۲۲
۵۔ گھر کا مالک نامحرم ہے اس گھر میں ایک عورت اس عورت کی محرم ہے مگر وہ عورت گھر کے مالک کی نامحرم ہے اس میں عورت کا جانا جائز ہے یانہیں۔	۲۲۱	۱۳۔ جس گھر کے لوگ کسی عورت کے نامحرم ہوں وہ عورت اپنی محارم عورتوں کے ساتھ وہاں جاسکتی ہے یانہیں۔	۲۲۲
۶۔ جس گھر میں عورات اس عورت کو محرم ہیں اور مالک مکان نامحرم ہے مگر وہ جلسہ عورات میں آتا نہیں وہاں اس عورت کا جانا کیسا ہے۔	۲۲۲	۱۴۔ جہاں عورت کو جانا جائز نہیں وہاں اس کے لئے شوہر کا اتباع جائز ہے یانہیں۔	۲۲۲
۷۔ گھر کا مالک نامحرم ہے مگر وہ گھر میں آتا نہیں اور عورات بھی اس گھر کی نامحرم ہیں تو اس عورت کو جانا جائز ہے یانہیں۔	۲۲۲	۱۵۔ مرد کو اپنی بیوی کو مجالس ومحافل ممنوعہ سے منع کرنے یا نہ کرنے کا کیا حکم ہے اور بیوی پر اتباع وعدم اتباع سے کس درجہ نافرمانی کا اطلاق ہوگا اور مرد کو شریک ہونے یا نہ ہونے کا کیا حکم ہے۔	۲۲۲
۸۔ جس گھر کا مالک محرم ہے اور لوگ نامحرم ہیں تو عورت کا جانا جائز ہے یانہیں۔	۲۲۲	۱۶۔ ایک مکان میں عورتوں کا مجمع الگ اور مردوں کا الگ ہے مگر نامحرم مردوں کی آواز سنتی ہیں ایسی جگہ محفل میلاد وغیرہ منعقد ہو تو اپنی محارم کو وہاں بھیجنا چاہئے یانہیں۔	۲۲۳
۹۔ مالک مکان نامحرم اور دوسرے شخص محرم ہیں۔ نامحرموں سے سامنا نہیں ہوتا تو وہاں عورت کو جانا کیسا ہے۔	۲۲۲	صور جزئیہ کے جواب میں سے قبل مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے سات اصولوں کا بیان۔	۲۲۳
		اصل اول	۲۲۳

عورت کو اپنے محارم مردوں اور عورتوں کے ہاں کسی مندوب یا مباح دینی ودنیوی کام کے لئے جانا مطلقاً جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔	۲۲۳	جواب سوال چہارم۔	۲۲۷
اصل دوم۔	۲۲۳	جواب سوال پنجم۔	۲۲۷
غیر محرم مردوں اور عورتوں کے ہاں کسی تقریب میں عورت کو جانے کی اجازت نہیں چاہئے شوہر کے اذن سے ہو بلکہ اذن دے کر شوہر خود گنہگار ہوگا سوائے چند استثنائی صورتوں کے۔	۲۲۳	جواب سوال ششم۔	۲۲۷
اصل سوم۔	۲۲۳	جواب سوال ہفتم۔	۲۲۷
کسی کے مکان سے مراد اس کا مکان سکونت ہے نہ کہ مکان ملک۔	۲۲۳	جواب سوال ہشتم و نہم۔	۲۲۹
اصل چہارم۔	۲۲۳	جواب سوال دہم۔	۲۲۹
محارم مردوں سے مراد کونسے مرد ہیں۔	۲۲۳	جواب سوال یازدہم۔	۲۲۹
اصل پنجم۔	۲۲۴	جواب سوال دوازدہم۔	۲۲۹
محارم عورتوں سے مراد کون سی عورتیں ہیں۔	۲۲۴	جواب سوال سیزدہم۔	۲۳۰
اصل ششم۔	۲۲۴	جواب سوال چہاردہم۔	۲۳۰
وہ مواضع جو اجانب ومحارم کسی کے مکان نہیں وہاں عورت کے لئے جانا کن صورتوں میں جائز اور کن صورتوں میں ناجائز ہے۔	۲۲۴	جواب سوال پانزدہم۔	۲۳۰
اصل ہفتم۔	۲۲۵	جواب سوال شانزدہم۔	۲۳۰
مکان غیر وغیر مکان میں جانا بشرائط مذکورہ جائز ہونے کی نو صورتیں ہیں۔ [1]قابلہ، [2]غاسلہ، [3]نازلہ، [4]مریضہ، [5]مضطرہ، [6]حاجہ، [7]مجاہدہ، [8]مسافرہ، اور [9]کاسبہ۔	۲۲۵	مرد ڈاکٹر سے اجنبی عورت کو ملاحظہ کرانا جائز نہیں۔	۲۳۴
تنبیہ: نومذکورہ صورتوں کے علاوہ تین صورتیں اور بھی ہیں شاہدہ، طالبہ اور مطلوبہ۔	۲۲۶	زن وشوھر کا باہم ایک دوسرے کو حیات میں چھونا مطلقاً جائز حتی کہ فرج وذکر کو بھی۔	۲۳۴
جواب جزئیات۔	۲۲۶	شوہر بعد وفات اپنی عورت کو دیکھ سکتا ہے۔	۲۳۴
جواب سوال اول۔	۲۲۶	مرد اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔	۲۳۴
جواب سوال دوم۔	۲۲۷	عورت اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔	۲۳۴
جواب سوال سوم۔	۲۲۷	نامحرم عورتوں کو اندھے سے پردہ کرنا لازم ہے۔	۲۳۵

اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے۔	۲۳۵	خسر سے پردہ واجب نہیں مگر جیٹھ اور دیور سے واجب ہے۔	۲۴۰
جوان عورتوں کو دیکھنا ممنوع ہے اور اس پر حجاب لازم ہے۔	۲۳۶	پردہ سے متعلق ضابطہ کلیہ۔	۲۴۰
رنڈیوں کو بلاتوبہ مرید کرنے والا اور انھیں ترک فحاشی کی تلقین نہ کرنے والا پیر فاسق ہے اس کے ہاتھ بیعت ناجائز ہے۔	۲۳۷	جوان ساس کا داماد سے اور خسر کا بہو سے پردہ کرنا کیسا ہے۔	۲۴۰
بہنوئی کا حکم شرع میں بالکل اجنبی کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی زائد۔	۲۳۷	محارم نسبی سے پردہ نہ کرنا واجب اور محارم غیر نسبی سے پردہ کرنا یا نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔	۲۴۰
ایک شخص نے طوائف سے ناجائز تعلق رکھا اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اب وہ تائب ہونا چاہتا ہے مگر خدشہ ہے کہ اگر وہ قطع تعلق کرے تو لڑکی بھی طوائف بن جائے گی۔ ایسی صورت میں اس کے لئے کیا حکم ہے۔	۲۳۷	کسی مرد کا سوتیلی ماں کے ساتھ تنہا کمرے میں رات کو سونا یا روز مرہ کا ایسا برتاؤ اختیار کرنا جیسا میاں بیوی میں ہوتا ہے جس سے لوگ انھیں مشکوک سمجھیں ناجائز ہے اور ایسے برتاؤ سے ان پر احتراز لازم ہے اگرچہ سوتیلی ماں محرمات میں سے ہے۔	۲۴۱
زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔	۲۳۹	عورت کو خوش الحانی سے باآواز بلند پڑھنا کہ نغمہ کی آوز نامحرموں تک جائے حرام ہے۔	۳۴۲
عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہے۔	۲۳۹	مسئلہ کی تائید میں عبارات فقہاء۔	۳۴۲
وعظ ومیلاد کی محفل میں عورت کن شرائط کے ساتھ مسجد میں جاسکتی ہے۔	۲۳۹	عورت کو باآواز بلند تلبیہ کہنے کی اجازت نہیں۔	۲۴۲
جو اپنے اہل زمانہ کو نہ پہنچانے وہ جاہل ہے۔	۲۳۹	عورت کو اپنی آواز اونچی کرنا اور اس میں تمطیط، تلیین اور تقطیع جائز نہیں۔	۲۴۲
عورتوں کو بلاپردہ پیر کے ہاں جانا یا پیر کا عورتوں کو اپنے پاس بلانا کیسا ہے۔	۲۳۹	عورت کو اذان دینا جائز نہیں۔	۲۴۳
ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو عورتوں کا بطور سفر شہر سے باہر جانا اور قبروں پر نیاز وغیرہ دلانا ممنوع اور سخت فتنہ ہے۔	۲۴۰	عورت کو اذان دینا جائز نہیں۔	۲۴۳
چہار شنبہ محض بے اصل ہے۔	۲۴۰	زانی و دیوث فاسق ہیں ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور میل جول سے احتراز چاہئے۔	۲۴۳
عورتوں کا مل کر گھر میں میلاد یا شہادت پڑھنا کہ آواز باہر جائے ناجائز ہے۔	۲۴۰	کن اشخاص سے پردہ نہ کرنا اور ان کو اپنی آواز سنانا اور ان سے گفتگو کرنا عورت کے لئے جائز ہے۔	۲۴۳
عورت کی آواز بھی عورت ہے۔	۲۴۰		

عورتوں کو جنگلوں اور پہاڑوں میں بھیجنے والے اور ان کو غیر محرم مردوں سے ہنسی مذاق کی کھلی اجازت دینے والے مرد دیوث ہیں۔	۲۴۴	ایک طوائف کا باقاعدہ نکاح ہوا اس کی نائکہ اور نائکہ کے پیروکار وکیل اور طوائف کے پرانے یار اب اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح یہ نکاح ناجائز قرار دے دیا جائے تاکہ پھر وہ طوائف پرانی حرامکاریاں شروع کردے۔ اس سلسلہ میں ہر ایک پر حکم شرع کیا ہے۔	۲۴۶
دیوث پر جنت حرام ہے۔	۲۴۴	فضول وبے مقصد بات کے بارے میں فتوٰی نہیں پوچھنا چاہئے۔	۲۴۶
احکام شریعت سے تمسخر واستہزاء اور عالم دین پر لعن طعن کرنا کفر صریح ہے اور اس سے عورتیں نکاح سے نکل جاتی ہیں۔	۲۴۴	جو لوگ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر دیدہ ودانستہ علانیہ کبائر عظیمہ کا ارتکاب کریں ان پر فتوٰی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔	۲۴۶
مشت زنی کرنیوالے کے لئے وعیدات شدیدہ اور اس گناہ سے بچنے کا طریقہ۔	۲۴۴	منکوحہ طوائف کو شوہر سے الگ کرنے اور حرامکاری پر مجبور کرنے والوں سے مسلمانوں کو قطع تعلق کرنا اور ان سے میل جول سلام کلام چھوڑ دینا ضروری ہے۔	۲۴۶
اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ پیر ہو۔	۲۴۴	ایک شخص اپنی بیوی سمیت خسر کے گھر رہتا ہے اور سالی سے زنا کرتا ہے جس سے لڑکی کے باپ دادا سب واقف ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں ان لوگوں کے بارے میں شرعاً کیا حکم ہے۔	۲۴۷
جوان لڑکیوں کا اپنی ماں کے پیر اور پیر کی اولاد کے سامنے آنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۴۵	دیوث لعنتی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔	۲۴۷
بالغ دولھا کے بدن پر محرم ونامحرم عورتیں ابٹن ملا کرتی ہیں یہ عمل کیسا ہے۔	۲۴۵	مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں، نہ اس پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں۔	۲۴۷
شریعت نے مرد وعورت میں مذاق کا کوئی رشتہ نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔	۲۴۵	عورت کا غیر محرم منہار کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور اس سے چوڑیاں ڈلوانا اور شوہر کا اس پر راضی ہونا کیسا ہے۔	۲۴۷
عورتوں کا باہم گلا ملا کر مولود شریف پڑھنا جس سے ان کی آوازیں غیر محرموں کو سنائیں دیں باعث ثواب نہیں بلکہ باعث گناہ ہے۔	۲۴۵		

عورتوں کا غیر محرموں کے ساتھ نوکری کرنا پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۲۴۸	**سلام وتحیت وتعظیم سادات**	
عورتوں کا قبرستان جانا ممنوع ہے اور سینہ زنی حرام۔	۲۴۹	(مصافحہ، معانقہ، بوسہ دست وپاوغیرہ طواف قبر، سجدہ تعظیمی)	۲۵۱
عورتوں کا گھر سے نکلنا اور تعزیہ وغیرہ دیکھنے جانا جائز اور مردوں کا اس کو روا رکھنا بے غیرتی ہے مگر اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور نہ اولاد میں خلل آتا ہے۔	۲۴۹	کپڑوں کے اوپر معانقہ جہاں خوف فتنہ وشہوت نہ ہو مشروع ہے۔	۲۵۱
غیر محرم پیر سے عورت کو پردہ واجب ہے۔	۲۵۰	معانقہ سفر وحضر میں چند شرائط کے ساتھ مطلقاً جائز ہے تخصیص سفر ثابت نہیں۔	۲۵۱
جو پیر عورتوں کے بیچ میں بیٹھ کر حلقہ کرائے اور توجہ ایسی دے کہ وہ اچھلنے کودنے لگیں اور آوازیں بلند کرنے لگیں وہ شرح کی خلاف ورزی اور بے حیائی کا مرتکب ہے اس سے بیعت نہیں ہونا چاہئے۔	۲۵۰	سب سے پہلے معانقہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔	۲۵۲
ضمیمہ دیکھنا اور چھونا		معانقہ افزونی محبت پر ایک قوی دلیل ہے۔	۲۵۲
لباس میں ملبوس عورت کو دیکھنا کب جائز ہے اور کب ناجائز۔	۱۶۳	عبارات ائمہ سے مسئلہ کی تائید۔	۲۵۲
اپنے پیر ومرشد کے پاؤں چومنا درست ہے۔	۲۰۶	کس صورت میں معانقہ ناجائز وحرام ہے۔	۲۵۳
صحابی نے حضور کی اجازت سے آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا۔	۲۴۷	معانقہ کے جواز ونفی پر وارد احادیث میں تطبیق۔	۲۵۳
زمین بوسی حقیقۃً سجدہ نہیں۔	۲۷۱	امام ابو منصور ماتریدی اہل سنت کے پیشوا ہیں۔	۲۵۳
مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ بوسہ میں اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔	۲۷۱	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ فرمایا اور بوسہ دیا۔	۲۵۴
چھونا اور چمٹنا بوسہ کی مثل ہے۔	۲۷۵	حضرت جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔	۲۵۴
بچے کا کوئی ستر نہیں۔	۶۰۴	ایک صحابی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو والہانہ انداز میں گلے لگانا اور آپ کے بدن اطہر کو چومنا۔	۲۵۴
بیگانہ مرد کا بے پردہ عورت کے پاس جانا ہر حالت میں حرام اور پردہ کی حالت میں نفاس وغیر نفاص یکساں ہیں۔	۶۰۴		

حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا تالاب میں صحابہ کرام کے ساتھ تیرنا۔	۲۵۵	قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب ہے اور بے مدرک شرعی تقیید و تخصیص مردود و باطل ہے۔	۲۵۹
فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انھیں اپنا یار کہا،	۲۵۵	احدیث نہی معانقہ کی توجیح۔	۲۶۰
صحابی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بدن اطہر سے لپٹ گیا اور بوسہ دیا۔	۲۵۶	بے حالت سفر معانقہ کے ثبوت پر سولہ احادیث کریمہ۔	۲۶۱
حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بدن اقدس سے چپٹالیا۔	۲۵۶	فضیلت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۲۶۱
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مصافحہ و معانقہ۔	۲۵۶	بدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے حجاب چومنے کے لئے اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حیلہ۔	۲۶۳
قیامت میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شفاعت انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام کی شفاعت جیسی ہوگی۔	۲۵۷	شان علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۴
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی آمد پر کھڑے ہوئے ان کی پیشانی کو چوما اور ان سے بغلگیر ہو کر کچھ دیر انس حاصل فرماتے رہے۔	۲۵۷	شان صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۵
معانقہ کو ہر وقت حرام کہنا محض غلط و باطل اور شریعت مطہرہ پر افتراء ہے۔	۲۵۸	مرتبہ ومقام صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر میں۔	۲۶۵
بعد نماز عید جو معانقہ ہمارے ہاں رائج ہے بشرائط مذکورہ جائز ہے۔	۲۵۸	دل صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں محبت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۲۶۶
علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ چاہئے اور پوشیدہ کی پوشیدہ۔	۲۵۸	شان عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۶
جواز معانقہ کی شرائط۔	۲۵۹	ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے۔	۲۶۷
معانقہ کے جواز میں تخصیص سفر کا دعوی محض بے دلیل ہے۔	۲۵۹		

سنت جب بھی ادا کی جائے سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریح نہی ثابت نہ ہو۔	۲۶۸	مسلمان کو خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑہ ہے۔	۲۷۱
مولوی اسمٰعیل دہلوی نے روز عید معانقہ کو بدعت حسنہ قرار دیا۔	۲۶۸	خواب نبوت کا کون سا حصہ ہے۔	۲۷۱
○ رسالہ **صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین** (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے مسنون ہونے کا ثبوت اور اس کو ناجائز قرار دینے والے غیر مقلد کا رد بلیغ)	۲۶۹	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہ ہوگی مگر مبشرات ہوں گی (حدیث رسول)۔	۲۷۱
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ جائز ہے اکابر علماء نے اس کے مندوب ومسنون ہونے کی تصریح فرمائی۔	۲۶۹	مبشرات سے کیا مراد ہے۔	۲۷۱
مصافحہ بالبدن کی ممانعت پر نام کی بھی کوئی حدیث موجود نہیں۔	۲۷۰	خواب کے مہتم بالشان ہونے کے بارے میں احادیث متوفر ومتواتر ہیں۔	۲۷۱
جائز شرعی کی ممانعت ومذمت پر اترآنا شریعت مطہر پر افتراء کرنا ہے۔	۲۷۰	جو اچھا خواب دیکھے واللہ تعالٰی کی حمد بجالائے اور لوگوں کے سامنے بیان کرے۔	۲۷۲
ایک واقعہ طیبہ اور رؤیائے صالحہ کا ذکر۔	۲۷۰	امام قاضی خاں کو خواب میں دیکھنے پر مصنف علیہ الرحمہ کا اظہار مسرت واطمینان۔	۲۷۲
مصنف علیہ الرحمہ کو خواب میں امام قاضیخاں علیہ الرحمۃ کی زیارت حاصل ہوئی جس میں امام موصوف نے مصنف علیہ الرحمۃ کو مسئلہ دین ورد منکرین کی تعلیم فرمائی	۲۷۰	سنت صحابہ ہے کہ اپنے قول کے مؤید خواب پر شاد ہوئے اور دیکھنے والے کو انعام سے نوازتے۔	۲۷۲
مناقب امام قاضی خاں۔	۲۷۰	مصنف علیہ الرحمۃ نے اس خواب کو کیوں ذکر فرمایا۔	۲۷۳
مستند ایشاں حدیث انس است واو را مفہوم نیست۔ (مقولہ امام قاضیخاں)۔	۲۷۰	غیر مقلدین کا محل استناد حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مذکور لفظ "ید" ہے جس بصیغہ مفرد واقع ہوا ہے۔	۲۷۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواب کو امر عظیم جانتے اور نماز صبح کے بعد پوچھتے کہ آج کی رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔	۲۷۰	امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ نے خاص حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غیر مقلدین کا مستند کیوں بنایا حالانکہ کلمہ "ید" بصیغہ مفرد اس کے علاوہ بھی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔	۲۷۳

جن احادیث مصافحہ میں لفظ "ید" بصیغہ مفرد آیا ہے وہ تین قسم ہیں۔	۷۷۳	اللہ تعالٰی کی راہ میں ایک چھوہارا یا ایک نوالہ خرچ کرنے والے مسلمان کا اجر وثواب۔	۷۷۵
قسم اول۔	۷۷۳	ایک ہاتھ سے مصافحہ والی حدیث کا مطلب۔	۳۷۶
وہ احادیث جن میں مصافحہ کی ترغیب اور اس کے فضائل کا بیان ہے۔	۷۷۳	قسم دوم۔	۷۷۶
حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۷۷۳	وہ احادیث جن میں مصافحہ کے بارے میں وقائع جزئیہ کی حکایت ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں صحابی نے فلاں شخص سے یوں مصافحہ فرمایا۔	۷۷۶
حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۷۷۴	حدیث بتول رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	۷۷۶
حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۳۷۴	حدیث معجم کبیر طبرانی۔	۷۷۷
حدیث براء بن عاذب رضی اللہ تعالٰی عنہ نمبر۱۔	۷۷۴	حدیث طبرانی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔	۷۷۷
حدیث براء بن عاذب رضی اللہ تعالٰی عنہ نمبر۲۔	۷۷۴	ابوداؤد اعمی رافضی سخت مجروح متروک ہے امام ابن معین نے اسے کاذب کہا۔	۷۷۷
خلاصہ احادیث یہ ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں اور اللہ تعالٰی ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔	۷۷۴	وقائع جزئیہ حکم عام کو مفید نہیں۔	۷۷۸
مقام ترغیب وترھیب میں غالباادنٰی کو بھی ذکر کرتے ہیں جب اس قدر پر یہ ثواب وعقاب ہے تو زائد میں کتنا ہوگا۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس سے زائد محذور یا مندوب نہیں۔	۷۷۵	واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا اور قضیہ معین عام نہیں ہوتا۔	۷۷۸
ترھیب کی مثال۔	۷۷۵	وقائع جزئیہ کا مفاد۔	۷۷۸
جو کسی مومن کے قتل پر آدھی بات کہہ کر اعانت کرے وہ اللہ تعالٰی کو اس حال میں ملے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا "خدا کی رحمت سے ناامید"	۷۷۵	کسی واقعے میں دو امروں میں سے ایک کا وقوع چار وجہوں سے ہوسکتا ہے۔	۷۷۸
ترغیب کی مثال۔	۷۷۵		

مفہوم مخالف کے قائلین کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وہ واقعہ جزئیہ میں نہ ہو ورنہ بالاجماع ماعدا سے نفی حکم کو مفید نہ ہوگا۔	۲۷۸	بارہا لفظ ید بصیغہ مفرد لاتے ہیں مگر مراد دونوں ہاتھوں ہوتے ہیں۔	۲۸۴
قسم سوم۔	۲۷۸	سیدنا داؤد علیہ السلام کا عمل قرآن مجید سے ثابت ہے کہ زرہیں بنانا تھا۔	۲۷۵
وہ احادیث جو خاص کیفیت مصافحہ میں وارد ہیں۔	۲۷۸	بہت جگہ ید اور یدین میں کوئی فرق نہیں کرتے اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے ہیں اور ایک ہی امر میں کبھی مفرد اور کبھی تثنیہ بولتے ہیں۔	۲۷۵
غیر مقلدین کے لئے صرف دو حدیثوں سے کچھ بوئے استناد نکل سکتی ہے۔	۲۷۸	افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھنا عقل سے بعید ہے۔	۲۸۵
حدیث اول: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ میں ہاتھ لینا تحیت کی تمامی سے ہے۔	۲۷۸	ائمہ عربیت کا وضع کیا ہوا ضابطہ کہ کن الفاظ میں تثنیہ ومفرد یکساں ہوتے ہیں۔	۲۸۵
مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ حدیث مذکور تین وجوہ سے قابل احتجاج نہیں۔	۲۷۹	اگر بفرض غلط مان لیں کہ لفظ "الید" کا مفہوم مخالف نفی یدین ہے پھر بھی حدیث انس میں مخالفین کے لئے گنجائش استدلال نہیں کہ وہاں لفظ ید بصیغہ مفرد کلام سائل میں ہے نہ کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔	۲۸۷
علماء محدثین یحیٰی بن مسلم طائفی کا حافظہ برا بتاتے ہیں۔	۲۷۹	دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ آیا ہو ورنہ بالاجماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی۔	۲۸۷
حدیث دوم: وہی حدیث انس جس کی طرف امام قاضیخان نے اشارہ فرمایا۔	۲۷۹	نقد وتنقیح پر آئے تو حدیث انس نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف منکر ہے۔	۲۸۷
جواب امام ہمام قاضی خاں علیہ الرحمۃ کی توضیح۔	۲۸۰	حنظلہ بن عبداللہ سدوسی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔	۲۸۷
محققین کے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔	۲۸۰	وہ صحیح الحواس نہیں رہا تھا یحیٰی بن سعید قطان)۔	۲۸۷
افراد ید سے بطور مفہوم مخالف نفی یدین پر استدلال کا بارہ وجوہ سے بطلان۔	۲۸۰		

وہ ضعیف منکر الحدیث ہے (امام احمد)	۲۸۷	دلیل دوم (ثانیًا)	۲۹۱
وہ تعجب خیز روایات لاتا ہے۔ (امام احمد)	۲۸۷	اکابر علماء کرام عامّۂ کتب میں تصریح فرماتے ہیں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے۔	۲۹۱
وہ کوئی چیز نہ تھاآخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا۔ (یحیٰی بن معین)	۲۸۸	مسئلہ مذکورہ پر عبارات کتب سے حوالہ جات۔	۲۹۱
وہ قوی نہیں۔ (امام نسائی)	۲۸۸	غیر مقلدین کو فقہ وفقہاء سے خالص عداوت ہے۔	۲۹۲
ائمہ ناقدین نے امام ترمذی پر اسی بارے میں انتقادات کئے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں سے ہیں جو تصحیح وتحسین میں تساہل رکھتے ہیں۔	۲۸۸	دلیل سوم۔ (ثالثًا)	۲۹۲
امام ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے۔	۲۸۸	امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔	۲۹۲
امام محدث ابوالخطاب ابن دحیہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی حافظ حدیث متقن ہیں۔	۲۸۸	امام اجل حضرت حماد بن زید از دی بصری کا تعارف۔	۲۹۲
حدیث حنظلہ کو امام ائمۃ المحدثین امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الرحمۃ نے تصریحًا منکر فرمایا۔	۲۸۹	مسلمانوں کے امام اپنے زمانے میں چار ہوئے کوفہ سفیان، حجاز میں مالک، شام میں ازاعی اور بصرہ میں حماد بن زید۔	۲۹۳
امام ہمام مرجع ائمہ الحدیث امام احمد بن حنبل کی تضعیف کے مقابل امام ترمذی کی تحسین مقبول نہیں ہوسکتی۔	۲۸۹	حضرت امام الانام شیخ السلام عبداللہ بن مبارک کا تعارف۔	۲۹۳
کسی ایک حدیث میں نہیں کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو منع فرمایا ہو یا ارشاد فرمایا ہو کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کرو۔	۲۹۰	دلیل چہارم (رابعًا)	۲۹۴
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کا ثبوت۔	۲۹۰	غیر مقلد حضرات کا داب کلی اور ان کی جہالت بے مزہ۔	۲۹۴
دلیل اوّلًا (اوّلًا)۔	۲۹۰	عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل ٹھہرانا باطل ہے۔	۲۹۴
مصافحہ دونوں جانب سے صفحات کف ملانا ہے۔	۲۹۰	امام بخاری کو چھ لاکھ اور امام مسلم کو تین لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔	۲۹۴
حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اعتراض اور اس کا جواب۔	۲۹۰	صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔	۲۹۴

امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔	۲۹۴	امام بخاری کا کسی حدیث کو نہ جاننا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام ابوحنیفہ وامام مالک بھی اس حدیث کو نہ جانتے تھے۔	۲۹۶
مسند احمد میں تیس ہزار حدیثیں مذکور ہیں۔	۲۹۴	بخاری ومسلم کے کسی حدیث کے بارے میں عدم علم سے اس حدیث کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔	۲۹۶
شیخین ودیگر ائمہ حدیث نے احادیث صحاح کے استیعاب کا دعوی نہیں کیا۔	۲۹۴	امام ابوحنیفہ وامام مالک کا زمانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے قریب تر اور خیر القرون تھا۔	۲۹۶
ادعائے استیعاب کو فرض کرنے کی صورت میں متعدد خرابیاں لازم آتی ہیں۔	۲۹۴	زمانہ ابوحنیفہ ومالک میں بوجہ قلتِ کذب اور کثرت خیر سند نظیف اور وسائط کم تھے۔	۲۹۶
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ احادیث حضرت ابوہریرہ کی مرویات سے زائد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۲۹۵	ممکن ہے جو حدیث امام ابوحنیفہ ومالک کو پہنچی ہو وہ بخاری ومسلم کو نہ پہنچی ہو یا جو حدیث ان کے پاس بسند صحیح پہنچی ہو وہ بخاری ومسلم تک بذریعہ ضعاف پہنچی ہو۔	۲۹۶
تصانیف محدثین میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ صرف سات سو جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ پانچ ہزار تین سو احادیث پائی جاتی ہیں۔	۲۹۵	محدثین اہل جرح وتعدیل میں سے اکثر کو ائمہ حنفیّہ سے ایک تعنت ہے۔	۲۹۶
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ مصر میں جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔	۲۹۵	مناقب امام ابویوسف علیہ الرحمۃ۔	۲۹۶
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرنے والے تقریباً آٹھ سو افراد تھے۔	۲۹۵	امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی وسعت نظر فی الحدیث کا اعتراف۔	۲۹۷
بخاری ومسلم کا علم محیط نہ تھا۔	۲۹۶	درجہ دوم۔	۲۹۷
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انتہائی قرب رکھنے والے اجلہ صحابہ کرام بھی یہ دعوی نہیں کرسکتے تھے کہ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر اطلاع ہے۔	۲۹۶	جو حدیثیں تدوین میں آئیں وہ ساری محفوظ نہیں ہیں۔	۲۹۷

امام مالک کے زمانہ میں اسی علماء نے موطا لکھیں پھر سوائے دو کے کسی کا پتا باقی نہیں۔	۲۹۷	درجہ پنجم۔	۳۰۲
امام مسلم کی بعض تصانیف معدوم ہوگئیں۔	۲۹۷	حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم نہیں۔	۳۰۳
ہزارہا تصانیف ائمہ کا تذکروں اور تاریخوں میں لکھا ہے مگر کوئی ان کا نشان نہیں دے سکتا۔	۲۹۷	بہت سے حامل فقہ افقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔	۳۰۳
درجہ سوم۔	۲۹۸	بہت سے حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔	۳۰۳
جو تصانیف ائمہ محفوظ ہیں وہ ساری کی ساری ہندوستان میں موجود نہیں۔	۲۹۸	امام اعمش علیہ الرحمۃ کا تذکرہ۔	۳۰۳
درجہ چہارم۔	۲۹۸	امام ابوحنیفہ کو امام اعمش کا خراج تحسین۔	۳۰۴
ہندوستان میں موجودہ تمام کتب حدیث پر غیر مقلدین کی نظر نہیں۔	۲۹۸	فقہاء کرام طبیب اور محدثین کرام عطار ہیں۔	۳۰۴
ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہیں فرمائے۔	۲۹۸	امام ابوحنیفہ کو فقہ وحدیث دونوں میں دسترس حاصل ہے۔	۳۰۴
تراجم وابواب موضوعہ کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں محدثین لکھ دیتے ہیں اور بخیال تکرار اسی کے اعادہ واثبات سے باز رہتے ہیں۔	۲۹۸	حضرت امام شعبی علیہ الرحمۃ کا تعارف۔	۳۰۴
حصر رواۃ ممکن نہیں تو حصر روایات کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔	۲۹۸	محدث شعبی کا فقہاء کرام کو خراج تحسین۔	۳۰۴
ابراہیم بن بکر راویں میں چھ ہیں اور سوائے ابراہیم بن بکر شیبانی کے کسی میں ضعف نہیں۔	۲۹۸	دلیل پنجم (خامسًا)	۳۰۵
امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے۔	۲۹۹	عدم نقل اور نقل عدم میں بہت فرق ہے۔	۳۰۵
کتب جمع الجوامع کا ذکر۔	۲۹۹	عدم والنقل لاینفی الوجود یعنی عدم نقل نافی وجود نہیں۔	۳۰۵
امام قسطلانی کی طرف سے بعض احادیث کی تخریج کا اظہار جن پر دیگر ائمہ حدیث مطلع نہ ہوسکے۔	۳۰۰	عدم نقل اور نقل عدم میں تمیز نہ کرنا مفاسد جہل وتعصب میں سے ہے۔	۳۰۵
عدم علم کو علم بالعدم ٹھہرانا سفاہت ہے۔	۳۰۲		

دلیل ششم (سادسًا)	۳۰۵	لوگوں کاآپس میں محبت کرنااللہ تعالٰی کو پسند ہے۔	۳۰۷
نہ کرنااور بات ہے اور منع فرمانااور بات ہے۔	۳۰۵	سلام، مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ اسباب وذرائع محبت ہے۔	۳۰۷
ممنوع وہ چیز ہے جو حضور اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے منع فرمائی نہ کہ وہ جوآپ نے نہ کی۔	۳۰۵	جو امر جس طرح قوم میں رائج اور ان کے نزدیک الفت و موانست اور اس کی زیادت پر دلیل ہو وہ عین مقصود شرع ہوگا جب تک بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو۔	۳۰۷
قرآن عظیم نے فرمایا وما اٰتاکم الرسول فخذوہ ومانھاکم عنه فانتھوا، یوں نہیں فرمایا مافعل الرسول فخذوہ وما یفعل فانتھوا۔	۳۰۵	بلاد عجمیہ میں بوقت ملاقات مرحبا کی جگہ دیگر کلمات بولنا بدعت وخلاف سنت نہیں، مثلا فارسی میں کہا جاتاہے "خوش آمدید" اور ہندوستان میں "آیئے آیئے تشریف لایئے"۔	۳۰۸
نفی استحباب سے اثبات کراہت لازم نہیں آتا۔	۳۰۶	مصافحہ اہل یمن کا رواج تھا شرع نے اس رسم کو اپنے مقصود یعنی ایتلاف مسلمین کے موافق پاکر مقرر رکھا۔	۳۰۸
فعل دلیل جواز ہے اور عدم فعل دلیل ممانعت نہیں۔	۳۰۶	کسی قوم کی جو رسم مقاصد شرع کے خلاف ہو وہ بیشک ناپسند ہوگی۔	۳۰۸
نہ کردن چیزے دیگراست ومنع فرمودن چیزے دیگر۔	۳۰۶	یہود ونصارٰی کا سلام۔	۳۰۸
دلیل ہفتم (سابعًا)۔	۳۰۶	دلیل ہشتم (ثامنًا)۔	۳۰۹
مصافحہ امور معاشرت سے ایک امر ہے جس سے مقصود شرع باہم مسلمانوں میں ازدیاد الفت اور ملتے وقت اظہار انس ومحبت ہے۔	۳۰۶	جو امر نو پیدا کسی سنت ثابتہ کی ضد واقع ہو اور اس کا فعل فعل سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بے شک ممنوع ومذموم ہے۔	۳۰۹
آپس میں مصافحہ کرنے سے دلوں سے کینے نکل جاتے ہیں۔	۳۰۶	السلام علیکم کی جگہ آجکل عوام ہند میں جو الفاظ مروج ہیں وہ ناجائز ہیں۔	۳۰۹
مصافحہ، معانقہ، اور مرحبا کہنے میں راز یہ ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے اور وحشت دور ہوتی ہے۔	۳۰۷		

دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی سنت کا رافع نہیں۔	۳۰۹	جس امر میں شرع سے نہی نہ آئی ہو اور صدر اول کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کرکے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔	۳۱۲
بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنت ثابتہ سے متصادم ہو۔	۳۰۹	لوگوں کے طریقہ رائجہ کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا اور شرعاً مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔	۳۱۳
مصافحہ کی نظیر تلبیہ حج ہے۔	۳۰۹	حدیث میں شہرت پسندی پر وعید شدید۔	۳۱۳
تلبیہ حج میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم شدت اتباع سنت کے باوجود کچھ الفاظ کا تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اضافہ کرتے تھے۔	۳۰۹	فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۱۴
ہمارے علماء فرماتے ہیں تلبیہ سے مقصود ثناء الٰہی اور اظہار عبودیت ہے لہٰذا اس پر اور کلمات بڑھانا ممنوع نہیں۔	۳۱۰	مصافحہ صدہا سال سے مسلمانوں میں معتاد و مرسوم ہے۔	۳۱۵
مصافحہ سے مقصود جب اظہار محبت ہے تو دوسرے ہاتھ کی زیادت جو کہ ہرگز اس کے منافی نہیں بلکہ بحسب عرف بلاد مؤید و مؤکد ہے زنہار منع نہیں ہو سکتی۔	۳۱۰	مولانا عبدالقادر کا ذکر خیر۔	۳۱۵
دلیل نہم (تاسعًا)	۳۱۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کہاں مستحب اور کہاں کہاں ممنوع ہیں۔	۳۱۵
دونوں ہاتھوں سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہا سال سے متوارث ہے۔	۳۱۰	انگوٹھے چومنے کا ایک ناپسندیدہ طریقہ۔	۳۱۶
جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو وہ بے اصل نہیں ہو سکتی۔	۳۱۰	کفار وہنود کو سلام کیسے کیا جائے اور وہ سلام کریں تو جواب کیسے دیا جائے۔	۳۱۶
دلیل دہم (عاشرًا)۔	۳۱۱	شیوخ کی قدمبوسی مزارات اولیاء پر جھک کر سلام کرنا اور انھیں چومنا شریعت و طریقت کیسا ہے۔	۳۱۷
لوگوں سے وہ برتاؤ کرو جس کے وہ عادی ہیں۔	۳۱۱	وفد عبدالقیس کی بارگاہ رسالتمآب میں آمد اور والہانہ انداز میں دست و پائے اقدس کو چومنا۔	۳۱۸
لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی وارد نہ ہو ہرگز اس میں خلاف نہ کیا جائے۔	۳۱۱	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی دعا سے آپس میں نفرت کرنے والے میاں بیوی ایک دوسرے سے گہری محبت کرنے لگے۔	۳۲۰

ایک صحابیہ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قدم چومے۔	۳۲۰	مولوی اسمٰعیل دہلوی کا فتوٰی۔	۳۲۹
درخت نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر سلام عرض کیا۔	۳۲۱	عالم دین اور دوسرے بزرگوں کے ہاتھ چومنا مستحب ومسنون ومحبوب ہے۔	۳۳۰
صحابی نے باذن حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام آپ کے سراقدس اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔	۳۲۱	ارشادات واقوال ائمہ سے تائید۔	۳۳۰
امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوفہ کی جامع مسجد میں کچھ ائمہ کا مناظرہ۔	۳۲۱	سلطان عادل کے ہاتھ چومنا جائز ہے۔	۳۳۰
مناقب امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۳۲۳	بعد نماز فجر مصافحہ ایک صورت میں مسنون اور ایک صورت میں مباح ہے۔	۳۳۱
مرد کا اپنی اہلیہ کو سلام کہنا جائز وثابت ہے اس پر قرآن وحدیث سے دلائل	۳۲۴	سلام کے جواب میں آداب عرض، تسلیمات یا بندگی کے الفاظ کہے یا صرف ہاتھ ماتھے تک اٹھادیا تو گنہگار ہے کہ یہ الفاظ سلام نہیں اور صرف ہاتھ اٹھادینا کوئی چیز نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔	۳۳۲
گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کہو۔	۳۲۴	الفاظ سلام وجواب سلام۔	۳۳۲
حدیث میں تصریح کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام ازواج مطہرات کو سلام فرماتے۔	۳۲۷	سلام وجواب سلام کے لئے لوگوں نے جو الفاظ اور طریقے خود گھڑ لئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں جواب سلام نہ ہوا۔	۳۳۳
نماز عیدین، جمعہ، فجر، عصر اور وعظ کے بعد مصافحہ اور عیدین کے بعد معانقہ جب منکرات شرعیہ سے خالی ہو تو جائز ہے اور بنیت محمودہ مستحب ومندوب ہے۔	۳۲۷	سلام کا جواب واجب کفایہ ہے۔	۳۳۳
مصافحہ ومعانقہ کے فعل پر جہنمی ومردود ورافضی کا حکم لگانے والا خود ان الفاظ کا مستحق اور ضال ومضل وفاسق ہے۔	۳۲۸	سلام وجواب سلام سے متعلق احادیث کریمہ۔	۳۳۳
ہر نماز کے بعد مصافحہ سنت ہے۔	۳۲۸	یہود ونصارٰی کا سلام۔	۳۳۳
ہر ملاقات کے وقت مصافحہ سنت ہے۔	۳۲۸	ایک حدیث کے اسناد کو امام ترمذی نے ضعیف کہا اس کی وجہ ضعیف پر گفتگو۔	۳۳۳
نماز فجر کے بعد مصافحہ سے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کا فتوٰی۔	۳۲۸		

ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔	۳۳۴	بوسہ تعظیم شرعاً وعرفاً انحاء تعظیم سے ہے۔	۳۴۲
منہ سے لفظ سلام کہا جائے اور ساتھ ہی ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔	۲۳۵	آستانہ کعبہ، مصحف اور دست وپائے علماء واولیاء کا بوسہ جائز ہے۔	۳۴۲
حدیث سے مسئلہ مذکورہ کی تائید۔	۳۳۶	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست وپائے اقدس اور مہر نبوت کو بوسہ دینا ثابت ہے۔	۳۴۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کی جماعت کو سلام کیا۔	۳۳۶	مہر نبوت کو بوسہ دینا ثابت ہے۔	۳۴۲
نماز فجر کے بعد بالالتزام مصافحہ کرنا مسنون ہے یا مستحب یا مکروہ یا عبث؟	۳۳۷	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے منبر شریف کو مس کرکے اپنے چہرے سے لگایا۔	۳۴۲
بزرگان دین مثل پیر، مہتدی وعالم سنی کے ہاتھ چومنا جائز ومستحب بلکہ سنت ہے۔	۳۳۸	روضہ اقدس پر حاضری اور سلام سنت صحابہ ہے۔	۳۴۲
دنیادار کے ہاتھ چومنا منع ہے۔	۳۳۸	جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہوا اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے۔	۳۴۳
عبارات فقہاء سے تائید۔	۳۳۸	حرمین شریفین کے درودیوار کو تبرکاً مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب وولاء کا دستور ہے۔	۳۴۳
ہاتھ چومنا فرض وواجب نہیں۔	۳۳۹	نقش نعل پائے حضور پور نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے کے بارے میں علماء ومشائخ کرام کے ارشادات عالیہ۔	۳۴۵
پیر کا مریدوں کو ہاتھ پاؤں چومنے سے نہ روکنا جائز ہے۔	۳۳۹	نقشہ روضہ مقدسہ کی زیارت اور اس کو بوسہ دینے سے متعلق ارشادات علماء۔	۳۴۹
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے پاؤ چومنے کی صحابی کو اجازت دی۔	۳۳۹	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیوہ وسلم کے وضو کے پانی پر ہجوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۵۰
○ رسالہ **ابر المقال فی قبلۃ الاجلال** (بوسہ تعظیمی کے بارے میں صحیح ترین قول)	۳۴۱	حرمین طیبین کی مجاورت کیوں ممنوع ہے۔	۳۵۱
غلاف کعبہ کے ٹکڑے کو تعظیماً بوسہ دینے کے بارے میں سوال۔	۳۴۱	سلطان اشرف عادل نے دمشق شام میں مدرسہ اشرفیہ بنوایا اس میں ایک دارالحدیث اور نعل مقدس کے لئے ایک خاص مکان بنوایا جس کی زیارت ہر پیر اور جمعرات کو کرائی جاتی۔	۳۵۱

مدرسہ دارالحدیث کے جلیل القدر اساتذہ کرام۔	۳۵۱	امام اجل سید احمد رفاعی کے لئے دست سوال اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمودار ہوا۔	۳۷۵
بوقت اذان وتلاوت نام اقدس صاحب لولاک علیہ الصلٰوۃ والسلام سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے۔	۳۵۲	صحابہ کرام منبر اطہر کو چھو کر چہروں پر لگاتے تھے۔	۳۷۶
اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔	۳۵۴	حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیعت رضوان والا درخت کیوں کٹوایا۔	۳۷۶
مزار کی چوکھٹ کو چومنا کیسا ہے۔	۳۶۶	کافر کو سلام کرنا حرام ہے۔	۳۷۸
اصل کلی یہ ہے کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہ کبریا بالخصوص محبوبا خدا انحاء تعظیم حضرت عزت جل وعلا سے ہے۔	۳۶۶	کس کس کو سلام کرنا جائز نہیں۔	۳۷۸
تعظیم وتوہین کا مدار عرف وعادت پر ہے۔	۳۶۶	کافر، مبتدع یا فاسق کو سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا حیلہ کرے۔	۳۷۸
ایک دقیقہ انیقہ (عجیب باریک نکتہ)۔	۳۶۸	اولیاء، علماء اور معظمان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا مستحب بلکہ مسنون ہے۔	۳۷۹
الامور بمقاصدھا۔	۳۶۹	دست بوسی اور قدمبوسی صحابہ کرام بلکہ خود زمانہ رسالت سے رائج ہے۔	۳۷۹
انحناء، جھکنا کسی کی تعظیم کے لئے کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۳۶۹	تلاوت قرآن کے دوران کسی کو سلام کرنا یا سلام کو جواب دینا کیسا ہے۔	۳۷۹
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بستر بچھانا، وضو کرانا، نعلین اقدس سنبھالنا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد تھا۔	۳۷۰	کن شخصوں کی تعظیم کے لئے تلاوت قرآن موقوف کرسکتا ہے۔	۳۷۹
صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قدم مبارک چومے۔	۳۷۱	کسی کے پاؤں پڑنا یعنی پاؤں پر سر رکھ دینا ممنوع ہے۔	۳۷۹
ایک بزرگ کی دکھی ہوئی آنکھیں حدود مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی صحیح ہوگئیں۔	۳۷۴	پاؤں کو بوسہ دینا اگر کسی معظم دینی کے لئے ہو تو جائز اور مالدار کی دنیوی تعظیم کے لئے ہو تو ناجائز ہے۔	۳۷۹
زمین بوسی کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۳۷۵	اگر کسی دنیادار کے پاؤں کو مجبوراً بوسہ دینا پڑے تو دل میں کراہت رکھنا لازم ہے۔	۳۸۰

کسی کے سلام کے جواب میں جواب سلام کے بجائے کہا کہ تم بہت جھوٹے ہو تمہارا سلام لینا درست نہیں اس پر شرعًا کیا حکم ہے۔	۳۸۰	فعل اختیاری کو تصور بوجہ ماتصدیق بفائدۃ تا سے چارہ نہیں۔	۳۸۷
وہابی، رافضی، غیر مقلد، قادیانی، نیچری اور چکڑالوی کے سلام کو جواب نہیں دینا چاہئے۔	۳۸۱	فعل کبھی مقصود الذاتہٖ ہوتا ہے جیسے نماز، اور کبھی مقصود لغیرہٖ جیسے وضو۔	۳۸۷
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بدمذہب کے سلام کا جواب نہیں دیا۔	۳۸۱	طواف کبھی کعبہ مقصود لذاتہٖ ہوتا ہے کبھی مقصود لغیرہٖ۔	۳۸۷
غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے۔	۳۸۲	طواف کی غایت مقصود تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ کبھی غیر تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے۔	۳۸۷
غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے	۳۸۲	طواف کی اقسام اربعہ اور ان کے احکام۔	۳۸۷
بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔	۳۸۲	قسم اول: نہ طواف مقصود لذاتہٖ ہو نہ اس کی غایت نفس تعظیم۔	۳۸۷
ہر جگہ کے لئے ایک مناسب گفتگو ہر گفتگو کے لئے کچھ خاص مرد، ہر مرد کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش اور ہر گنجائش کے لئے ایک انجام ہے۔	۳۸۲	قسم دوم: طواف مقصود لذاتہٖ ہو اور غایت غیر تعظیم۔	۳۸۸
طواف قبر کے بارے میں مولوی عبدالحمید پانی پتی کا طویل استفتاء۔	۳۸۲	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے کھجوروں کے ڈھیر کا طواف کیا، اس پر بیٹھ گئے جس سے کھجوریں بڑھ گئیں۔	۳۸۸
مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ طواف مزارات حرام ہے یا شرک یا مباح۔	۳۸۶	امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ رات کو مدینہ منورہ کا طواف کیا کرتے۔	۳۸۹
طواف کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی۔	۳۸۶	دوران گشت ایک گھر سے بچوں کے رونے کی آواز سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ خود اپنی پشت پر بیت المال سے آٹا وغیرہ اٹھا کر لائے اور کھانا تیار کرکے بچوں کو کھلایا اور انھیں ہنسایا۔	۳۸۹
نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغیر نہیں کرتا۔	۳۸۷	قسم سوم: طواف وسیلہ مقصود ہو اور غایت تعظیم ہو۔	۳۹۰
نیت وغایت رکن شئی نہیں۔	۳۸۷	قسم چہارم: طواف مقصود لذاتہٖ ہو اور غایت تعظیم۔ اسی کا نام طواف تعظیمی ہے۔	۳۹۱
نیت شرط نماز ہے نہ کہ رکن نماز۔	۳۸۷		

اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کیے گئے ہیں تین نوع ہیں اور تینوں کے احکام۔	۳۹۱	تعرض نفحات کی شان ہی یہ ہے کہ شاید و لعل پر ہو۔	۳۹۵
رکوع تک انحناء کبھی تعظیم کے لئے اور کبھی بلا تعظیم بلکہ کبھی برائے توہین بھی ہوتا ہے۔	۳۹۱	مزارات اولیاء کرام ہر طرف سے ممر اقدام صلحائے عظام ہوتے ہیں۔	۳۹۵
بارگاہ رسالت اور روضہ مطہرہ پر حاضری وقیام کے آداب۔	۳۹۲	حضرت عیسٰی علیہ السلام کے شہروں اور جنگلوں میں دورے کرنے کی وجہ۔	۳۹۵
طواف کبھی مستقیم ہوتا ہے جیسے صفاء مروہ کے درمیان، اور کبھی مستدیر جیسے گرد کعبہ۔	۳۹۳	ایک نکتہ دقیقہ۔	۳۹۵
اوضاع تعظیمیہ برائے عبادت کی اقسام ثلثہ میں سے طواف قسم دوم سے تعلق رکھتا ہے۔	۳۹۳	شریعت مطہرہ نے انسان کو سر سے پاؤں تک جمیع جہات میں جدا جدا احکام رکھے ہیں۔	۳۹۵
آداب زیارت روضہ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۳۹۳	احکام مختلفہ کے ثواب بھی مختلف رنگ کے ہیں۔	۳۹۵
طواف قبر کے جواز کی ایک صورت اور اس کی نفیس توجیہ۔	۳۹۴	سر سے پاؤں تک جملہ جوارح میں معاصی جدا جدا ہیں۔	۳۹۵
روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار شام کو اترتے ہیں اور درود وسلام پیش کرتے ہیں۔	۳۹۴	ہر معصیت ایک جدا رنگ کا مرض ہے۔	۳۹۵
محبوبان خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضہ برکات میں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔	۳۹۴	ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے ہے۔	۳۹۵
مفیض و مستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے۔	۳۹۴	مریض معاصی اس سراپا مجموعہ برکات کے گرد دورہ کرتا ہے کہ اس کے عضو وہر جہت کا مرض دور کرے۔	۳۹۵
حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ ایام منٰی میں مسجد خیف کی صفوں کا دورہ فرماتے کہ کسی کامل کی نظر پڑ جائے۔	۳۹۴	حجاج نے لوگوں کو حجرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھ کر غلیظ لفظ کہا جس پر فقہاء نے اس کی تکفیر کی۔	۳۹۵
اولیاء کرام وارثان سرکار رسالت ہیں۔	۳۹۵	حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے دوران سفر حج ایک قطب کو دیکھا جس نے انھیں اپنے گرد طواف کرنے کو کہا، اس واقعہ سے متعلق مولانا روم کے اشعار۔	۳۹۶
تعرض نفحات رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا خود حدیث میں حکم ہے۔	۳۹۵		

ترجمہ اشعار۔	۳۹۷	افعال حج تعبدی ہیں۔	۴۰۱
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور طواف قبور۔	۳۹۸	منسلک ومسلک ضرور کتب معتمدہ ہیں اور ان کے مصنفین اپنا اجتہاد نہیں لکھتے بلکہ مذہب لکھتے ہیں۔	۴۰۱
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا بیان کردہ نسخہ کشف قبور وکشف ارواح۔	۳۹۸	بوسہ قبر کے جواز وعدم جواز سے متعلق مولوی محمد عبدالحمید پانی پتی کا طویل استفتاء۔	۴۰۱
تحفۃ الموحدین شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب نہیں کسی وہابی نے ان کی طرف منسوب کردی ہے۔	۳۹۸	بوسہ قبر کے جواز میں اختلاف کی بحث اور مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق وتنقیح۔	۴۰۳
عقائد امام احمد بن حنبل نامی کتاب میں جھوٹے عقائد کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔	۳۹۹	عوام کے لئے بوسہ قبر میں معنی ہی احوط ہے بوسہ قبر کا داعی محبت ہے۔	۴۰۳
طواف قبر سے متعلق خلاصہ کلام۔	۳۹۹	مروان نے ایک شخص کو قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر منہ رکھنے سے روکا تو اس نے ایمان افروز جواب دیا۔	۴۰۳
مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۳۹۹	حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضری اور اس پر اپنا چہرہ ملنا۔	۴۰۴
گمان خبیث دل خبیث سے پیدا ہوتا ہے۔	۴۰۰	ابن المنکدر تابعی قبر رسول سے شفاء حاصل کرتے۔	۴۰۵
ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے دارد۔	۴۰۰	امام سبکی دارالحدیث میں اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدم رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت حاصل کرنے کے لئے اپنا چہرہ ملا کرتے تھے۔	۴۰۶
طواف تعظیمی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔	۴۰۱	مزامیر ناجائز ہیں۔	۴۰۷
اللہ تعالٰی کے لئے کعبہ معظّمہ اور صفا ومروہ کے سوا کوئی اور طواف مقرر کیا تو ناجائز ہے۔	۴۰۱	سجدہ غیر خدا کو قطعی حرام ہے۔	۴۰۷
تعظیم الٰہی بطواف امکنہ امر تعبدی غیر معقول المعنٰی ہے۔	۴۰۱	سجدہ تحیہ پہلی شریعتوں میں حلال تھا ہماری شریعت نے حرام فرمادیا۔	۴۰۷

شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حقیقی بہن سے نکاح حلال تھا۔	۴۰۷	کن الفاظ سے عورتوں کو سلام اور جواب سلام کہا جائے۔	۴۰۹
مزامیر وسجدہ تحیہ کو جائز قرار دینے والے پیر اور اس کے مرید قابل امامت نہیں۔	۴۰۷	ایک دقیقہ واجب اللحاظ۔	۴۱۰
السلام علیکم کے جواب میں بھی یہی لفظ کہہ دینا کیسا ہے۔	۴۰۷	نمازوں کے بعد مصافحہ جائز ہے۔	۴۱۰
سلام کے جواب میں لفظ آداب، تسلیمات اور بندگی وغیرہ کہنا کیسا ہے۔	۴۰۷	پیر کی تصویر کو بوسہ دینا۔ احترام سے رکھنا اور سجدہ تحیہ کرنا کیسا ہے۔	۴۱۱
سلام کا اور اس کے جواب بہتر وآسان طریقہ کیا ہے۔	۴۰۸	سجدہ عبادت، سجدہ تحیہ، سجدہ تعظیم، سجدہ شکر اور تقبیل ارض کی تعریفات اور ان میں فرق کیا ہے۔	۴۱۲
ایک شخص نے مجلس میں سلام کہا اور فوراً پلٹ گیا اسکو جاتے وقت بھی سلام کہنا چاہئے۔	۴۰۸	نماز عیدین کے بعد مصافحہ جائز ہے۔	۴۱۴
بار بار کی ملاقات میں مصافحہ کرنا چاہئے یا نہیں اور کن مواقع پر مصافحہ ضروری ہے۔	۴۰۸	لوگوں کی عادت سے خروج باعث شہرت ومکروہ ہے۔	۴۱۵
کسی کو نصیحت وہدایت کرنے پر قدرت کے باوجود خاموش رہنے والے پر کیا حکم ہے۔	۴۰۸	عالم دین، سلطان اسلام اور اپنے استاذ کی تعظیم مسجد اور مجالس خیر میں کی جائے گی البتہ قدموں پر سر رکھنا جہالت ہے۔	۴۱۵
منافقانہ طریقے پر سلام کرنا اور ملنا کیسا ہے۔	۴۰۸	مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھنا چاہئے۔	۴۱۶
خارج نماز آیت سجدہ تلاوت کی گئی تو اس کو سن کر نمازی پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔	۳۰۹	بلاضرورت سلام میں فقط اشارہ پر قناعت بدعت اور سنت یہود ونصارٰی ہے البتہ سلام مسنون کے ساتھ محل حاجت عرفیہ میں اشارہ بھی ہو تو جائز ہے۔	۴۱۶
نماز کی تلاوت سے خارج نماز پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔	۴۰۹	قدمبوسی اور سجدہ تحیہ کے بارے میں سوال کا جواب۔	۴۱۷
ختم نماز پر سلام کی حکمت۔	۴۰۹	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم چومے اور آپ نے منع نہ فرمایا۔	۴۱۷

سجدہ تحیہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔	۴۱۷	سچے محبان اہلبیت کرام کے لئے روز قیامت نعمتیں برکتیں اور راحتیں ہیں۔	۴۲۲
ملائکہ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا۔	۴۱۷	سید وغیر سید دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور صدارت کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہوگی۔	۴۲۲
یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی زوجہ اور گیارہ بیٹوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا۔	۴۱۷	سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے بلکہ نفس اعمال سے تنفر کیا جائے۔	۴۲۳
حضرت یحیٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا جب کہ دونوں ہی شکم مادر میں تھے۔	۴۱۷	سید کی بدمذہبی اگر حد کفر تک پہنچ گئی ہو تو اس کی تعظیم حرام کہ اب وہ سید ہی نہ رہا۔	۴۲۳
علماء حرمین نے علماء دیوبند کی نام بنام تکفیر کی۔	۴۱۷	فضل نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے۔	۴۲۳
نماز پنجگانہ کے بعد مسجد میں نمازیوں کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا جائز اور بنیت حسنہ مستحب و مستحسن ہے اور جہاں مسلمانوں میں اس کی عادت ہو وہاں انکار کرکے تفرقہ وفتنہ پیدا کرنا جہالت اور بربنائے اصول وہابیت ہو تو صریح ضلالت ہے۔	۴۱۸	فضل دو طرح کا ہے ایک فضل ذاتی دوسرا فضل انتساب۔	۴۲۳
بوسہ قبر کے مسئلہ مس بہت اختلاف ہے عوام کے لئے زیادہ احتیاط منع میں ہے۔	۴۱۹	آیہ کریمہ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" میں فضل ذاتی مراد ہے۔	۴۲۳
ابتدا بہ سلام کہاں سنت اور کہاں مکروہ ہے۔	۴۱۹	تعظیم سادات بوجہ فضل انتساب دراصل تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۴۲۳
کن لوگوں پر جواب سلام واجب نہیں	۴۱۹	سجدہ دو قسم ہے سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت، اول غیر خدا کے لئے کفر ہے اور ثانی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔	۴۲۳
سادات کرام کی تعظیم فرض اور توہین حرام ہے۔	۴۲۰	کفر وشرک کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہوسکتا۔	۴۲۳
اولاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، انصار اور عرب کا حق نہ پہچاننے والا تین علتوں سے خالی نہیں۔	۴۲۰	○ رسالہ الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ (متعدد قرآنی آیات، چالیس حدیثوں اور ڈیڑھ سو نصوص فقہ سے سجدہ تعظیمی کی حرمت کا ثبوت)	۴۲۵
محبت آل اطہار کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ آیت قرآنی ہے۔	۴۲۱		

غیر اللہ کو سجدہ عبادت شرک مہین ہے۔	۴۲۹	دعوی مذکور پر تین وجوہ سے استدلال۔	۴۳۵
غیر اللہ کو سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ ہے۔	۴۲۹	سجدہ عبادت کو جائز مان کر کوئی مسلمان نہیں رہتا۔	۴۳۵
سجدہ تحیت کی تکفیر جو جماعت فقہاء سے منقول ہے وہ کفر صوری پر محمول ہے۔	۴۳۰	ایامرکم بالکفر آیۃ میں کفر سے کیا مراد ہے۔	۴۳۵
پیر ومزار کو سجدہ تحیت نہ تو مباح اور نہ ہی شرک حقیقی۔	۴۳۰	ایک آیت کے کئی شان نزول ہو سکتے ہیں اور قرآن کریم اپنی جمیع وجوہ پر حجت ہے۔	۴۳۷
محال ہے کہ مولٰی عزجل کبھی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگرچہ پھر اسے بھی منسوخ فرمائے۔	۴۳۰	سجدہ تحیت ایسا سخت حرم ہے کہ مشابہ کفر ہے۔	۴۳۷
ملائکہ میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے بھی شریک خدا نہیں بنا سکتا۔	۴۳۰	فصل دوم: چالیس حدیثوں سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت۔	۴۳۷
وہابیہ کی طرف سے سجدہ تحیت کو شرک ٹھہرانے سے متعدد قبائح کا لزوم۔	۴۳۰	حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے۔	۴۳۷
جو شرک نہ ہو اس کا جائز وروا ہونا ضروری نہیں۔	۴۳۰	ائمہ وعلماء نے رنگ برنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔	۴۳۷
رسالہ ہذا چھ فصلوں پر مشتمل ہے جن کا اجمالی بیان۔	۴۳۱	غیر خدا کو سجدہ کی حرمت سے متعلق احادیث دو نوع ہیں۔	۴۳۷
فصل اول: قرآن کریم سے سجدہ تحیت کی تحریم۔	۴۳۲	نوع اول سجدہ غیر کی مطلقاً ممانعت	۴۳۷
آیت کریمہ ماکان لبشر الآیۃ کا شان نزول	۴۳۳	حدیث اول۔	۴۳۷
شان نزول میں دوسرا قول۔	۴۳۳	شوہر کا عورت پر کیا حق ہے	۴۳۸
آیہ کریمہ بعد اذ انتم مسلمون میں مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ نصارٰی۔	۴۳۳	اللہ تعالٰی نے عورت پر شوہر کی فضیلت رکھی۔	۴۳۸
صحابہ کرام نے خود حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے سجدہ تحیت کی اجازت مانگی تھی نہ کہ سجدہ عبادت کی۔	۴۳۴		

حدیث دوم۔	۴۳۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو چوپائے اور درخت سجدے کرتے ہیں۔	۴۴۲
اونٹ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔	۴۳۸	رب تعالٰی کی عبادت کرو اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کرو۔	۴۴۲
حدیث سوم۔	۴۳۹	حدیث ہشتم۔	۴۴۳
بگڑے ہوئے اونٹ نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔	۴۳۹	بے قابو اونٹ کو حضور کے سامنے سجدہ کرتے دیکھ کر قوم میں سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور اٹھا۔	۴۴۳
اگر بشر کو سجدہ روا ہو تو عورت کو حکم ہوتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔	۴۴۰	حدیث نہم۔	۴۴۳
حدیث چہارم۔	۴۴۰	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دو مست اونٹوں نے سجدہ کیا آپ نے دونوں کے سر پکڑ کر مالک کے حوالے کیا اور فرمایا ان سے کام لو اور خوب چارہ دو۔	۴۴۴
بکریوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔	۴۴۰	صحابہ کرام کا اعتقاد کہ نعمتیں اور دنیا وآخرت کی ہلاکتوں سے نجات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی برکت اور آپ کے صدقے میں ملتی ہیں۔	۴۴۴
حدیث پنجم۔	۴۴۱	حدیث دہم۔	۴۴۴
بے قابو شتر آب کش سجدے میں گر گیا۔	۴۴۱	حدیث یازدہم۔	۴۴۵
حدیث ششم۔	۴۴۱	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دو[۲] درختوں نے مل کر بردہ بنایا اور قضاء حاجت کے بعد واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔	۴۴۵
اونٹ بولتا ہوا آیا اور بارگاہ رسالت میں سجدہ کیا۔	۴۴۲	ایک بچے پر شیطان کا اثر تھا جسے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دور فرمادیا۔	۴۴۵
اونٹ نے فریاد کی اور سرکار نے اسی پر کرم فرمایا۔	۴۴۲	اونٹ نے فریاد کی تو حضور نے خرید کر اس کو آزاد چھوڑ دیا۔	۴۴۶
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جانوروں کی بولی سمجھتے ہیں۔	۴۴۲	حدیث دوازدہم۔	۴۴۶
حدیث ہفتم۔	۴۴۲		

حضور کے بلانے پر درخت جڑوں کو اکھاڑتا ہوا حاضر خدمت ہوا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔	۴۴۶	حدیث بست وپنجم۔	۴۵۲
صحابی نے حضور کی اجازت سے آپ کے سر اور پاؤں کو بوسہ دیا۔	۴۴۷	نہ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو نہ ہی قبر پر نماز پڑھو۔	۴۵۲
حدیث سیز دہم۔	۴۴۷	حدیث بست وششم۔	۴۵۲
شام کے نصارٰی اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۸	حدیث بست وہفتم۔	۴۵۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمادیا۔	۴۴۸	کسی آدمی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت۔	۴۵۲
حدیث چہاردہم۔	۴۴۸	حیدث بست وہشتم۔	۴۵۲
حدیث پانزدہم۔	۴۴۹	حدیث بست ونہم۔	۴۵۳
اہل یمن ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۹	یہود ونصارٰی نے قبور انبیاء کو محل سجدہ بنایا جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پر لعنت وہلاکت کی دعا کی۔	۴۵۳
حدیث شانزدہم۔	۴۴۹	حدیث سیم۔	۴۵۳
حدیث ہفتدہم تا حدیث بست ویکم۔	۴۵۰	حدیث سی ویکم۔	۴۵۴
حدیث بست ودوم۔	۴۵۰	حدیث سی ودوم۔	۴۵۴
تذییل اول: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلمان فارسی کو سجدہ سے روک دیا۔	۴۵۰	سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض وصال کے احوال۔	۴۵۴
تذییل دوم: سلطنت نصارٰی کا سفیر حضرت کے پاس آیا سجدہ کرنا چاہا مگر آپ نے روک دیا۔	۴۵۱	حدیث سی وسوم۔	۴۵۵
حدیث بست وسوم۔	۴۵۱	حدیث سی وچہارم۔	۴۵۵
تعظیماً جھکنا ممنوع ہے۔	۴۵۱	لوگوں میں سے بدترین مخلوق کون ہے	۴۵۵
نوع دوم: قبر کی طرف سجدہ کرنے کی ممانعت	۴۵۱	حدیث سی وپنجم۔	۴۵۵
حدیث بست وچہارم۔	۴۵۱	حدیث سی وششم وسی وہفتم۔	۴۵۵
قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اورنہ ان پر بیٹھو	۴۵۲		

حدیث و ہشتم۔	۴۵۶	غیر خدا کو سجدہ کبھی کفر ہے اور کبھی صرف حرام۔	۴۶۱
حدیث سی و نہم۔	۴۵۶	بادشاہ یا سردار کے سامنے زمین بوسی اور سجدہ کرنے والے کا حکم۔	۴۶۲
حدیث چہلم۔	۴۵۶	صدر شہید کی عبارت کی توضیح۔	۴۶۵
افادہ: یہود و نصارٰی پر لعنت کیوں فرمائی گئی۔	۴۵۶	غیر خدا کو سجدہ تحیہ شراب پینے اور سور کھانے سے بدتر ہے۔	۴۶۶
اتخاذ القبور مسجدا کی دو۲ صورتیں۔	۴۵۷	جہال کا اپنے پیروں کو سجدہ کرنا بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اگر جائز سمجھے تو کافر ہے۔	۴۶۹
مصنف کی تحقیق کہ صورت دوم اظہر وارجح ہے۔	۴۵۷	اپنے مریدوں کو اپنے آگے سجدہ کرنے کا حکم دینے والے یا اس کو پسند کرنے والے پیر کا حکم۔	۴۶۶
نصرانی یہود سے بدتر کس وجہ سے ہے۔	۴۵۷	قسم دوم: سجدہ تو سجدہ زمین بوسی حرام ہے۔	۴۷۰
فصل سوم: ڈیڑھ سو نصوص فقہ سے سجدہ تحیہ حرام ہونے کا ثبوت اور وہ دو نوع ہے۔	۴۵۸	قسم سوم: زمین بوسی بالائے طاق رکوع کے قریب تک جھکنا منع ہے۔	۴۷۱
نوع اول تین قسم پر ہے۔	۴۵۸	نوع دوم: متعلق مزارات اور یہ بھی تین قسم ہے۔	۴۷۴
قسم اول: نفس سجدہ کا حکم غیر خدا کے لئے مطلقاً حرام ہے۔	۴۵۸	قسم اول: مزارات کو سجدہ یا اس کے سامنے زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع ہے۔	۴۷۴
مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ تحریم سجدہ متفق علیہ ہے اور تکفیر میں چھ قول ہیں۔	۴۵۸	مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ بوسہ میں اختلاف ہے اور احوط منع ہے۔	۴۷۵
زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے بدتر ہے۔	۴۵۹	چھونا اور چمٹنا بوسہ کی مثل ہے۔	۴۷۵
ظہیریہ میں علی الاطلاق تکفیر کا حکم جزمی نہیں بلکہ بعض کی طرف نسبت ہے۔	۴۵۹	قسم دوم: مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں۔	۴۷۶
بلا اکراہ غیر اللہ کو سجدہ پر تکفیر کے بارے میں امام عینی علامہ قہستانی سے اوثق ہیں۔	۴۶۰	قبر کے سامنے رکوع و سجود والی نماز مکروہ ہے۔	۴۷۷
دعوی اتفاق بے محل ہے۔	۴۶۱		

نماز جنازہ قبر کے سامنے پڑھ سکتے ہیں۔	۴۷۸	"کلامی لاینسخ کلام اللہ" حدیث منکر، باطل اور موضوع ہے۔	۴۹۷
بلا جنازہ دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک ظن سلامت ہے۔	۴۷۸	جبرون متہم ہے۔	۴۹۷
قسم سوم: قبر کی طرف مسجد کا قبلہ ہونا منع ہے۔	۴۷۸	مذہب حنفی میں آیت حدیث سے منسوخ ہوسکتی ہے۔	۴۹۷
قبر کے سامنے نماز ممنوع ہے چاہے مسجد میں ہو، مکان میں ہو یا صحرا میں۔	۴۷۹	احکام میں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام اللہ تعالٰی ہی کا کلام ہے۔	۴۹۷
سامنے قبر ہو تو نمازی سترہ رکھ لے۔	۴۷۹	کلام خدا کلام خدا سے منسوخ ہوسکتا ہے۔	۴۹۷
سترہ کی مقدار کیا ہے۔	۴۷۹	ومایںطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔	۴۹۸
امام کا سترہ ساری جماعت کو کافی ہے۔	۴۷۹	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی پیشانی پر سجدہ اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو سجدہ میں بڑا فرق ہے۔	۴۹۸
مسجد کا قبلہ جانب قبر نہ ہو اور نہ ہی جانب حمام ہو۔	۴۷۹	بکر نے سند حدیث میں غلطی کی جو اس کی بے علمی ہے۔	۴۹۸
مسجد البیت کے قبلہ میں حمام یا بیت الخلاء ہو تو کچھ حرج نہیں نہ ہی قبر میں مضائقہ۔	۴۷۹	بے علمی میں بکر نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر افتراء کیا۔	۴۹۸
مسجد البیت میں جنبی کو جانا بلکہ جماع جائز ہے۔	۴۷۹	حدیث "صدق رؤیاک" کا معنی۔	۴۹۹
تحریم مسجد تحیۃ کے بارے میں مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق جو چار فصلوں پر مشتمل ہے۔	۴۸۰	ممانعت سجدہ سے متعلق حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں بکر کی تحریف۔	۴۹۹
فصل اول۔	۴۸۱	حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کا صحیح مفہوم۔	۴۹۹
صحابہ وائمہ واولیاء وکتب پر بکر کے افتراء خود اس کے مستندات سے تحریم سجدہ تحیہ کا ثبوت۔	۴۸۱	انتفائے جزاء انتفائے شرط ہے۔	۴۹۹
فصل دوم۔	۴۹۷	طرفہ جہالت بکر۔	۵۰۰
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بکر کے افتراء اور حدیث سے سجدہ تحیت کی تحریم کا ثبوت۔	۴۹۷		

حدیث قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سجدہ غیر کی حرمت پر استدلال۔	۵۰۰	حدیث قیس۔ حدیث معاذ اور حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بکر نے کیوں چھپایا۔	۵۰۶
دین میں چالاکیاں مسلمان کو نازیباں ہیں۔	۵۰۱	حضور عالم ماکان ومایکون ہیں۔ صدیوں بعد ہونے والے حالات کو خبر پہلے ہی دے دی۔	۵۰۸
بکر نے لاینبغی لبشر ان یسجد لغیر کو حدیث ام المومنین کا تتمہ سمجھا حالانکہ یہ اس سے الگ حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔	۵۰۲	بکر کا استدلال مان لیا جائے تو کتا۔ گدھا اور سور کے اجزاء کثیرہ حلال ہو جائیں گے۔	۵۰۹
ممانعت سجدہ کی احادیث چار الگ الگ واقعات پر مشتمل ہے۔	۵۰۲	تین اصول شرع۔ سنت، اجماع اور قیاس کو رد کرنا مذہب چکڑالوی ہے۔	۵۰۹
بکر کی کج فہمی کہ صحابہ کی خواہش سجدہ کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے سجدہ عبادت کی خواہش سمجھا۔	۵۰۲	فصل سوم۔	۵۰۹
بدگمانی سے بچو کچھ گمان گناہ ہیں۔ (آیۃ)	۵۰۳	اللہ عزوجل پر بکر کے افتراء اور خود اس کے منہ قرآن سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت۔	۵۰۹
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر بدعقیدگی کا گمان کرنے والا مستحق جہنم ہے۔	۵۰۳	سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء خود اللہ تعالٰی پر افتراء ہے۔	۵۰۹
جو شخص رسول کو کفر وارتداد پر سکوت کرنیوالا ٹھہرائے وہ خود کفر وارتداد کے گھاٹ پر پہنچ گیا۔	۵۰۴	اللہ تعالٰی پر بکر کا پہلا افتراء۔	۵۰۹
حدیث میں ہے کہ کوئی شخص ایک بات کہتا ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں سمجھتا اس کے سبب ستر برس کی راہ جہنم میں اتر جاتا ہے۔	۵۰۴	دوسرا افتراء۔	۵۱۰
ہر چیز مجھ کو اللہ تعالٰی کا رسول جانتی ہے سوائے کافر جن اور آدمیوں کے۔ (الحدیث)	۵۰۵	آیت کریمہ "فاینما تولوا فثم وجہ اللہ" حسب حدیث ترمذی شریف قبلہ تحری میں ہے۔	۵۱۰
بے شک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔	۵۰۵	تیسرا افتراء۔	۵۱۰
سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت میں سوائے نیت کے کوئی فرق نہیں۔	۵۰۵	تقرر قبلہ روز اول سے ہے۔	
اخلاص عبادت یہ ہے کہ عبادت غیر کی مشابہت سے بھی بچے۔	۵۰۵	چوتھا افتراء۔	۵۱۱

سجدہ تحیت اور سجدہ عبادت کا امتیاز اللہ تعالٰی اور خود ساجد کے نزدیک نیت سے ہے۔	۵۱۱	قول شاذ ماننے والے پر شرعی الزام شدید عائد ہوگا۔	۵۱۵
اللہ تعالٰی لغو وفضول اور ناقص ومدخل سے منزہ ہے۔	۵۱۱	قول مرجوح پر افتراء اور حکم جہل اور خرق اجماع ہے۔	۵۱۵
بکر کا یہ قول کہ خدا نے اپنی عبادت کے سجدے کے لئے کعبہ کو سمت قرار دیا تاکہ سجدہ عبادت وسجدہ تعظیم میں امتیاز ہوجائے یہ باطل ہے کیونکہ یہ دو حال سے خالی نہیں اور وہ دونوں کفر صریح ہیں۔	۵۱۱	اجماع امت کا توڑنے والا فاسق ہے۔	۵۱۵
بکر کی دلیل سے مندروں میں بتوں کو سجدے جائز ہوگئے۔	۵۱۲	سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے پیران عظام محبوبان خدا ہیں۔	۵۱۵
اب ناسخ کا ناسخ کوئی نہیں۔	۵۱۲	تنبیہ: رسالہ مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء کا تعارف۔	۵۱۵
پانچواں افتراء۔	۵۱۲	شریعت مطہرہ سب پر حجت ہے اور شریعت مطہرہ پر کوئی چیز حجت نہیں۔	۵۱۵
تفسیر بالرائے ممنوع ہے۔	۵۱۲	اولیاء کاملین سے جو قول، فعل، حال بظاہر خلاف شرع منقول ہو تو چارہ وجوہ سے اس کا دفاع ہوگا۔	۵۱۶
نصوص کو ظاہری معنی سے پھیر کر اہل باطن کی طرح باطنی معنی لینا الحاد ہے۔	۵۱۲	ثبوت کامل کے بغیر کسی مسلمان کی طرف کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔	۵۱۶
اس سے بڑھ کر جھوٹا کون جسے قرآن مجید جھٹلائے۔	۵۱۳	آج کل حضرات اولیاء کے نام سے بہت سی جعلی کتابیں نظم ونثر میں شائع ہورہی ہیں۔	۵۱۶
کلام الٰہی میں معنوی تحریف کی ایک صورت۔	۵۱۳	عقائد امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام سے شائع شدہ کتاب من گھڑت ہے۔	۵۱۶
مجوزہ سجدہ تحیت بکر کی ناپاک بدزبانیاں۔	۵۱۴	شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے نام سے بھی بعض جعلی کتابیں چھاپی گئی ہیں۔	۵۱۶
بکر کی قرآن وحدیث وفقہ واجماع اور ائمہ اولیاء پر ایک ملعون تہمت۔	۵۱۴	ہر سنی مسلمان کے کلام میں تاحد امکان تاویل لازم ہے۔	۵۱۶
نوع بشر میں عصمت خاصہ انبیاء ہے۔	۵۱۵	متشابہات کا اتباع کرنا جہالت ہے۔	۵۱۷
اتباع جمہور کا ہوگا۔	۵۱۵		

متشابہات جس طرح اللہ تعالٰی کے کلام میں ہیں اسی طرح اکابر دین کے کلام میں بھی ہیں۔	۵۱۸	ثانیاً قرآن کریم سے سجدہ مبحوث عنہا کا جواز قطعاً ثابت ہونا بوجوہ باطل ہے۔	۵۲۰
فصل چہارم۔	۵۱۸	وجہ اول۔	۵۲۱
سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بحث اور دلائل قاہرہ سے بطلان استدلال مجوزین کا ثبوت۔	۵۱۸	علماء کو اختلاف ہے کہ سجدہ آدم زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا۔	۵۲۱
ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کون سا تھا۔	۵۱۹	یوسف علیہ الصلوٰہ والسلام کو ان کے والدین کے سجدہ کی نوعیت کیا تھی۔	۵۲۱
ابلیس سجدہ آدم سے کیوں باز رہا۔	۵۱۹	بکر کی ایک سخت جہالت۔	۵۲۳
حکم قرآن حدیث سے منسوخ ہوجاتا ہے۔	۵۲۰	امام اجل محمد بن عباد تابعی ہیں اور ام المومنین صدیقہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۵۲۳
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے استدلال بکر پر کئی وجوہ سے رد۔	۵۲۰	امام ابن جریج تبع تابعین سے ہیں امام جعفر صادق کے شاگرد اور فع امام شافعی کے دادا استاد ہیں۔	۵۲۳
اولاً ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم اللہ تعالٰی نے آفرینش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے دیا تھا۔	۵۲۰	جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو فوراً بشکل رکوع بھی ادا ہوجاتا ہے یونہی رکوع نماز میں اس سجدہ کی نیت کرنے سے جبکہ چار آیت کا فصل دے کرنہ ہو۔	۵۲۳
ملائکہ وبشر کے احکام جدا ہیں۔	۵۲۰	وجہ دوم۔	۵۲۴
جو حکم ملائکہ کو دیا گیا وہ شریعت مِن قبلنا نہیں۔	۵۲۰	سجدہ آدم ویوسف ان دونوں کو تھا یا اللہ عزوجل کو۔	۵۲۴
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فعل ممنوع نہیں کرتے۔	۵۲۰	کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔	۵۲۴
شریعت میں کسی فعل کی عدم ممانعت دو طرح سے ہوتی ہے۔	۵۲۰	نص قطعی کے مقابلے میں قیاس کار ابلیس ہے۔	۵۲۸
اباحت شرعیہ اور اباحت اصلیہ میں فرق ہے اباحت اصلیہ حکم شرعی نہیں بلکہ عدم حکم ہے۔	۵۲۰	کعبہ محض پتھروں سے بنے ہوئے مکان کا نام نہیں۔	۵۲۸

وجہ سوم۔	۵۲۹	واقع غیر واقع نہیں ہوسکتا۔	۵۳۶
امام عطاء بن ابی رباح امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔	۵۲۹	سجدہ غایت تعظیم ہے۔	۵۳۶
آیت سورۃ یوسف کی وجہ نفیس۔	۵۲۹	غایت تعظیم کے لئے نہایت عظمت درکار۔	۵۳۶
وجہ چہارم۔	۵۳۱	کم درجہ تعظیم کے لئے انتہادرجے کی تعظیم ظلم صریح ہے۔	۵۳۶
شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا قطعی نہیں۔	۵۳۱	اباحت اصلیہ کا رفع نسخ نہیں۔	۵۳۷
وجہ پنجم۔	۵۳۲	حواشی رسالہ الزبدۃ الزکیۃ۔	۵۳۸
باتفاق عقل ونقل واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا۔	۵۳۲	مریدین کو سجدہ سے منع نہ کرنے والا پیر خطاکار ہے اس پر فرض ہے کہ مریدوں کو سجدہ سے منع کرے اور مریدوں پر فرض ہے کہ اس فعل حرام سے باز آجائیں۔	۵۴۳
قیاس ظنی ہوتا ہے۔	۵۳۲	سجدہ تحیہ اور تواجد کے بارے میں ایک مباحثہ کا حال جس کے مصنف مولوی عبدالقادر جونپوری تھے اور انھوں نے ہی مصنف علہ الرحمۃ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔	۵۴۳
ثالثًا ظنی کے انکار کو ظنی بس ہے۔	۵۳۲	فریق اول کا موقف اور ان کے دلائل	۵۴۳
بکر کا ہدایہ پر افتراء۔	۵۳۳	فریق ثانی کا موقف اور ان کے دلائل۔	۵۴۳
قاضی خاں وردالمحتار پر افتراء۔	۵۳۴	مصنف کا فیصلہ۔	۵۴۹
جو حدیث روایۃً متواتر نہ ہو مگر مقبولاً متواتر ہو اس سے قطعی کا نسخ روا ہے۔	۵۳۴	مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے جواب استفتاء۔	۵۴۹
حدیث لاوصیۃ لوارث سے وصیت والدین واقربین کہ منصوص قرآن تھی منسوخ کی گئی۔	۵۳۴	بلاشبہہ ہماری شریعت مطہرہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ تحیہ حرام فرمایا گیا۔	۵۴۹
متواتر کی دو قسمیں ہیں۔	۵۳۴	شرائع من قبلنا اس وقت تک حجت ہیں کہ ہماری شریعت ممانعت نہ فرماتے منع کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔	۵۴۹
اجماع ناسخ ومنسوخ تو نہیں مگر دلیل نسخ یقینا ہے۔	۵۳۵	اصل اشیاء میں اباحت ہے مگر بعد منع شرع اباحت نہیں رہ سکتی۔	۵۵۰
خبر منسوخ نہیں ہوتی۔	۵۳۵	صحابی کا پیشانی اقدس پر سجدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ تحیہ نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ عبادت تھا البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی اس وقت مسجد یعنی موضع سجود تھی۔	۵۵۰

قدم بوسی سنت سے ثابت ہے۔	۵۵۰	ایک ہی چیز ارادے اور مقصد کے اعتبار سے کبھی حلال اور کبھی حرام سے متصف ہوتی ہے۔	۵۵۴
انحناء یعنی جھکنا دو قسم ہے مقصود اور وسیلہ، دونوں کے حکم کی تفصیل۔	۵۵۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر کہ تم ہمارے مولیٰ ہو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ والہانہ رقص کرنے لگے۔	۵۵۴
وجد کو حرام کہنا عجب ہے کہ وہ حالت اضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا۔	۵۵۱	چلانے کی جائز و ناجائز صورتیں۔	۵۵۵
مورد احکام افعال اختیاریہ ہیں نہ کہ اضطراریہ۔	۵۵۱	غنا اگر منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو تو بلاشبہہ ممنوع ہے۔	۵۵۶
حضرت سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سماع کے حاضرین کو ہدایت کہ تالی کیسے بجائیں۔	۵۵۱	اذکار حسنہ والحانات حسنہ سے سننا کوئی ممنوع نہیں۔	۵۵۶
رقص میں دو صورتیں ہیں: ایک بیخودانہ کہ جائز ہے۔ دوسری بالاختیار، اس کی پھر دو صورتیں ہیں کہ اس میں تثنی و تکسر ہے یا نہیں۔ بصورت اول ناجائز اور بصورت ثانی عوام کو احتراز چاہئے جبکہ خواص کے لئے ممنوع نہیں۔	۵۵۲	حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخر عمر میں سماع ترک فرمادیا تھا کیونکہ گانے والا کوئی اہل نہیں ملتا تھا۔	۵۵۶
تواجد میں نیت صالحہ کی دو صورتیں ہیں ایک عام یعنی تشبہ بصلحاء کرام اور دوسری طالبان راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہو جائے۔	۵۵۲	شیخ ابو طالب مکی علیہ الرحمۃ کے مناقب سماع میں حلال، حرام اور شبہہ کی اقسام ہے۔	۵۵۷
تواجد کی ایک صورت مذموم اور ایک صورت محمود ہے۔	۵۵۲	کون سا سماع اہل صدق کے نزدیک مردود اور گناہ ہے۔	۵۵۸
لذت شہود پا کر وجد غالب ہو تو رقص جائز ہے۔	۵۵۳	صوفیائے کرام کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کے قول و فعل کی کوئی وقعت نہیں بہت سخت بات ہے۔	۵۵۹
حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے خوشی سے سرشار ہو کر رقص کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا۔	۵۵۴		

صوفیائے کرائم سے بڑھ کر اللہ تعالٰی کی طرف جھکنے والا اور ان سے بڑا دیندار کون ہو سکتا ہے۔	۵۵۹	حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے اصحاب نے کہا کہ ہمیں ایک خدا بنادے تو آپ نے فرمایا کہ تم جاہل قوم ہو۔	۵۶۱
تحریم سجدہ تحیہ میں ہماری سند تصریح فقہاء کرام ہے۔	۵۵۹	زناء کو اپنے لئے حلال کرنے والے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمت سے مسئلہ سمجھایا۔	۵۶۱
آیت کریمہ واذا حییتم بتحیۃ کی تفسیر۔	۵۵۹	سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بطور معجزہ نوجوان کے دل سے محبت زنا نکال کر نفرت زنا پیدا کردی۔	۵۶۲
تحیہ کی صورتوں کا ذکر۔	۵۶۰	اشیاء معظّمہ کو تعظیما بوسہ دینا جائز ہے جبکہ کسی حرج شرعی پر مشتمل نہ ہو۔	۵۶۲
وجوب جواب صرف سلام کے لئے ہے نہ کہ ہر تحیت کے لئے۔	۵۶۰	معظمان دینی کے ہاتھ پاؤں چومنا اور ان کو دیکھ کر تعظیما قیام کرنا جائز ہے مگر ہاتھ باندھے کھڑے رہنا نہ چاہئے اور کسی معظم دینی کا خود اس کی خواہش کرنا حرام ہے۔	۵۶۲
آیت کریمہ ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون کی تفسیر۔	۵۶۰	قرآن مجید کو چومنا اور تعظیما سر اور آنکھوں پر رکھنا سینے سے لگانا مستحب ہے۔	۵۶۳
کوئی شریعت جواز کفر نہیں لاسکتی۔	۵۶۰	محارم اور غیر محارم عورتوں کو سلام کہنا کیسا ہے۔	۵۶۳
اللہ تبارک وتعالٰی کا کفر کا حکم نہیں فرماتا۔	۵۶۰	بعد نماز فجر وعصر نمازیوں کا باہم مصافحہ کا التزام عندالاحناف سنت ہے یا مستحب یا مکروہ۔	۵۶۳
سجدہ تحیت قطعاً کفر نہیں۔	۵۶۰	مسجد میں جو لوگ خالی بیٹھے ہوں ان کو سلام کرنا جائز اور جو لوگ نماز، تلاوت یا ذکر وغیرہ میں مشغول ہوں ان کو سلام کہنا مکروہ ہے۔	۵۶۴
مراسیل حسن محدثین کی نظر میں۔	۵۶۰	پیر یا استاد کو سجدہ تعظیمی کیسا ہے اور اس کا مرتکب مومن ہے یا کافر۔	۵۶۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سجدہ عبادت کی درخواست والا شخص کون تھا۔	۵۶۱	غیر خدا کو سجدہ عبادت شرک ہے اور سجدہ تعظیمی شرک نہیں مگر حرام وگناہ کبیرہ ہے۔	۵۶۵

جاہلوں کی مجلس میں عالم آیا تو پہلے سلام آنے والے عالم کو کہنا چاہئے۔	۵۶۵	وضو، وظیفہ، اور تلاوت قرآن مجید میں سلام کا جواب دے یا نہ دے۔	۵۶۹
والدین، استاد اور علماء کے ہاتھ پاؤں چومنے کے جواز پر مولانا مولوی عماد الدین صاحب کے فتوی کے مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے تصدیق وتائید اور انکار کی شق نکالنے والے کی تغلیط۔	۵۶۵	**ضمیمہ سلام و تحیت و تعظیم سادات**	
والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز اور علماء و صلحاء کی دست بوسی سنت مستحبہ ہے۔	۵۶۶	تعظیما جھکنا ممنوع ہے۔	۴۵۱
قدم بوسی اور سجدہ کے معانی اور ان میں فرق۔	۵۶۶	**داڑھی، حلق وقصر، ختنہ وحجامت**	
مسلمانوں پر بدگمانی حرام ہے۔	۵۶۶	(داڑھی، مونچھ، سر وغیرہ کے بالوں، ختنہ اور ناخن وغیرہ سے متعلق مسائل)	۵۷۱
غیر خدا کو سجدہ کرنے والے کو منع کرنا فرض ہے مگر قدمبوسی کو سجدہ سمجھ کر منع کرنا گمان خبیث ہے۔	۵۶۷	داڑھی منڈوانا، کتروانا، چڑھانا اور اس کی تحقیر واستہزاء کیسا ہے۔	۵۷۱
علماء دین ومشائخ صالحین کی دست بوسی وقدمبوسی سنت ہے۔	۵۶۷	داڑھی حد مقرر شرع سے کم نہ کرنا واجب، اہل اسلام کا شعار اور اس کا خلاف ممنوع وحرام اور کفار کا شعار ہے۔	۵۷۱
بزرگان دین کی قدمبوسی ودست بوسی کرنے والے کو مشرک کہنے والا خود تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔	۵۶۷	دس چیزیں فطرت سے ہیں جن میں مونچھیں کم کرنا اور داڑھی بڑھانا شامل ہے۔	۵۷۱
سید کے لڑکے سے خدمت لینا جب شاگرد یا ملازم ہو اس کو مارنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۶۸	داڑھی منڈانا حرام اور یہ افرنگیوں ہنود اور جوالقیوں کا طریقہ ہے۔	۵۷۲
مسلمان کا جھوٹا کھانا کوئی ذلت نہیں حدیث میں اس کو شفاء فرمایا گیا۔	۵۶۸	قلندریہ کن کو کہا جاتا ہے۔	۵۷۲
سید زادہ اپنا سید ہونا چھپائے پھر بھی جن کو معلوم ہے ان پر اس کی تذلیل جائز نہیں۔	۵۶۸	سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو چھوڑنا اور مشرکین ومجوس کی رسم اختیار کرنا مسلمان کامل کا کام نہیں۔	۵۷۲
سنی مسلمان غیر فاسق معلن کو ابتداء السلام کرے، وہ اگر جواب خلاف سنت دے تو اس کو سمجھائے نہ کہ خود سنت سلام ترک کرے۔	۵۶۸		

داڑھی منڈانے میں تغیر خلقت خدا بطریق ممنوع ہے جو اثر اضلال شیطان اور موجب لعنت الٰہی ہے۔	۵۷۲	اعذار باردہ موجب تحلیل محرمات نہیں ہوسکتے ارتکاب ممنوع کے ساتھ ندامت واعتراف جرم لاحق ہو تو وہ باعث تخفیف عذاب اور عزم مع الترک موجب محوگناہ ہوجاتا ہے۔	۵۷۳
مسئلہ کی تائید قرآن حدیث سے۔	۵۷۲	داڑھی کی سنیت قطعی الثبوت ہے اس کی توہین وتحقیر اور اس کے اتباع پر استہزاء بالاجماع کفر ہے۔	۵۷۲
داڑھی غیر جہاد میں چڑھانا ممنوع ہے اور اس پر حدیث سے وعید شدید۔	۵۷۳	داڑھی کی توہین کرنے والے کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی اس کے بعد اولاد حرام ہوگی۔	۵۷۲
داڑھی کتروانا یا منڈانا داڑھی چڑھانے سے بچند وجوہ سخت تر ہے۔	۵۷۳	مسلمانوں پر لازم ہے کہ داڑھی کی تحقیر کرنے والے کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کریں مرنے کے بعد اس کا جنازہ نہ پڑھیں، مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن نہ کریں بلکہ حتی الامکان اس کے ناپاک جنازہ کی تذلیل کریں۔	۵۷۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ناراضگی پر دنیاوآخرت میں ثمرات بدمرتب ہوتے ہیں۔	۵۷۳	بدھ کے دن ناخن کتروانا ازروئے حدیث ممنوع اور موجب برص ہے۔	۵۷۴
داڑھی منڈانے والوں کا سفاہت وضلالت پر مبنی ایک ناقابل اعتبار عذر۔	۵۷۳	ایک عالم کبیر نے حدیث ممانعت کو صحیح الاسناد نہ سمجھتے ہوئے بدھ کے روز ناخن دانستہ تراشے تو فورا برص میں مبتلا ہوئے پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دست اقدس کی برکت سے شفا ہوئی اور فورا تائب ہوئے۔	۵۷۴
اصلاح باطن آرائش ظاہر سے اہم تر ہے مگر اس کے ساتھ افساد ظاہر وارتکاب محرمات کی اجازت نہیں۔	۵۷۳	سر کے بالوں سے متعلق دو سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۵۷۶
تعمیل حکم شرع واتباع سنت شارع ہر گز آراستگی باطن میں خلل انداز نہیں۔	۵۷۳	سر کے بالوں کو منڈانے کی نسبت شرع مطہر میں صرف دو طریقے آئے ہیں۔	۵۷۷
اس پر دلیل کہ داڑھی منڈانے والا اپنے اس دعوی میں جھوٹا ہے کہ اس کا باطن آراستہ ہے۔	۵۷۳		

بال کٹوانے کے چند خلاف سنت طریقے۔	۵۷۷	داڑھی کو جدید شرع تک رکھنا اور زیادہ لمبی ہو تو کاٹنے میں علماء کی آراء۔	۵۸۲
قزع مکروہ ہے۔	۵۷۸	خیر الامور اوسطھا۔	۵۸۳
قزع کی صورت۔	۵۷۸	داڑھی لمبی ہو تو عقل کم ہوتی ہے۔	۵۸۴
چار سوالات پر مشتمل ایک استفتاء۔	۵۸۰	امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی داڑھی مبارک۔	۵۸۴
ایک مشت سے زیادہ داڑھی رکھنا سنت ہے یا مکروہ۔	۵۸۰	سیدنا فاروق اعظم و سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی داڑھی مبارک۔	۵۸۴
فخر عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ریش مبارک کو کبھی ترشوایا ہے یا نہیں؟	۵۸۰	سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حلیہ اور داڑھی مبارک۔	۵۸۵
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی داڑھی کی مقدار کیا تھی۔	۵۸۰	حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ داڑھی کو مشت میں لیتے اور زائد کو کم کردیتے۔	۵۸۵
جواب سوال اول۔	۵۸۱	مشت سے زائد داڑھی میں کمی کرنا خود حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ماثور ہے۔	۵۸۶
داڑھی ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اور اس سے کم کرنا ناجائز ہے۔	۵۸۱	احادیث اور عبارات ائمہ سے اس مسئلہ کی تفصیل کہ مشت سے زائد داڑھی کو کاٹنا ضروری ہے یا نہیں۔	۵۸۶
داڑھی جب واجب ہے تو پھر اس کو سنت کیوں کہا جاتا ہے۔	۵۸۱	جواب سوال دوم۔	۵۹۰
داڑھی کاٹنا کب ناجائز، کب جائز اور کب واجب ہے۔	۵۸۱	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشت سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔	۵۹۰
مقدار ریش ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائیگی۔	۵۸۱	جواب سوال سوم۔	۵۹۰
بدنما صورت بنانا اور اپنے آپ دروازہ مسخریہ کھولنا ناجائز ہے۔	۵۸۲	یہ امر محض بے اصل ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی ایک مشت ہی تھی اس سے زائد نہ ہوتی تھی۔	۵۹۰
مسلمانوں کو استہزاء وغیبت کی آفت میں ڈالنا مرضی شرع مطہر ہرگز نہیں۔	۵۸۲	جواب سوال چہارم۔	۵۹۱
تناسب کے لئے اطراف ریش کو تراشنے کے بارے میں ابن ملک کا قول درست نہیں۔	۵۸۲		

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی داڑھی مبارک سینہ کو بھر دیتی تھی۔	۵۹۱	جواب سوال اول۔	۵۹۶
مجاہدین کولبیں بڑھانے کی اجازت ہےاوروں کو بالاتفاق مکروہ ہے۔	۵۹۲	داڑھی کی حدود۔	۵۹۶
غیر مجاہدین کے لئے سیاہ خضاب کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے۔	۵۹۲	کانوں پر جو رونگٹے ہوتے ہیں وہ داڑھی سے خارج ہیں یونہی گالوں پر جو خفیف بال نکلتے ہیں داڑھی میں داخل نہیں۔	۵۹۶
حضرت عثمان غنی اور امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما بالوں کو خضاب لگایا کرتے تھے۔	۵۹۲	داڑھی کو لحیہ کہنے کی وجہ۔	۵۹۶
حقیقت امر یہ ہے کہ ہم پر اتباع مذہب لازم ہے دلائل میں نظر ائمہ مجتہدین فرما چکے ہیں۔	۵۹۲	دوابروؤں اور چہرے کے بالوں کو کاٹنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہیجڑوں سے مشابہت پیدا نہ ہو۔	۵۹۶
کوئی شخص بالغ ہونے کے بعد مسلمان ہو اس کے ختنہ کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۵۹۳	جواب سوال دوم۔	۵۹
بوقت ضرورت ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔	۵۹۳	لب زیریں کے نیچے جو بال ہیں وہ داڑھی سے جدا نہیں۔	۵۹۷
عبارات فقہاء سے تائید۔	۵۹۳	دارھی کے کسی جز کا مونڈنا جائز نہیں۔	۵۹۷
زمانہ کفر کے بال اتارنے اور ختنہ کرنے کا حکم حدیث میں وارد ہے۔	۵۹۳	لب زیریں کے وسط میں میں جو تھوڑے سے بال ہوتے ہیں ان کو عربی میں عنفقہ اور ہندی میں "بچی" کہا جاتا ہے اور اس کے جانبین میں جو بال ہوتے ہیں ان کو عربی میں "فنیکین" اور ہندی میں "کوٹھے" کہا جاتا ہے۔	۵۹۷
داڑھی اور سر کے بالوں سے متعلق تین سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۵۹۵	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بچی کے منڈانے والے کی شہادت قبول نہ فرماتے۔	۵۹۷
داڑھی کی حدود چہرہ پر کہاں تک ہیں اور خط بنوانے میں کہاں تک احتیاط مناسب ہے۔	۵۹۵	امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے کوٹھوں کو اکھاڑنے والے کی گواہی رد فرمادی۔	۵۹۷
لب زیریں کے نیچے جو بال ہوں ان کا منڈانا کیسا ہے۔	۵۹۵	سفید بال اکھاڑنے مکروہ ہیں۔	۵۹۸
سر کے بال چھوٹے چھوٹے رکھنا جیسا کہ آج کل شائع ہے اور پھر گردن سے ان کی درستگی اور گردن کی صفائی کہاں تک درست ہے۔	۵۹۵		

لب زیریں کے نیچے بال کاٹنے کی بوقت ضرورت اجازت ہے۔	۵۹۹	نومولود کی ناف کاٹنے سے متعلق استفتاء	۶۰۳
جواب سوال سوم۔	۵۹۹	لڑکی یا لڑکے کی ناف کاٹنا ولی وغیر ولی سب کو جائز ہے۔	۶۰۴
نئی نئی تراشیں سب خلافت سنت ہیں۔	۵۹۹	بچے کا کوئی ستر نہیں۔	۶۰۴
گدی کے بال منڈانا پچھنوں کی ضرورت سے جائز اور بلا ضرورت مکروہ ہے۔	۵۹۹	باپ اپنے چھوٹے بچے کا ختنہ کرسکتا ہے۔	۶۰۴
گردن، سینے اور پشت کے بال منڈانے کا حکم۔	۵۹۹	بیگانے مرد کا بے پردہ عورت کے پاس جانا ہر حالت میں حرام اور پردہ کی حالت میں نفاس وغیر نفاس یکساں ہیں۔	۶۰۴
مرد اگر زیر ناف کے بال مقراض سے تراشے اور عورت استرہ لے تو جائز ہے یا نہیں۔	۶۰۰	سر کے بال نصف کان سے کندھوں تک بڑھانا جائز، اس سے زیادہ مرد کو حرام ہے۔	۶۰۵
موئے زیر ناف کو دور کرنے میں مرد وعورت کے لئے حلق ونتف میں سے افضل کیا ہے۔	۶۰۱	بال بڑھانے کے جواز وعدم جواز میں فقراء غیر فقراء سب یکساں ہیں۔	۶۰۵
آیہ کریمہ محلقین رؤسکم ومقصرین میں حج کے حلق وقصر کا ذکر ہے اسے عادی امور سے تعلق نہیں۔	۶۰۱	نسوانی وضع بنانے والے چوٹی کندھوانے یا جوڑا باندھنے والے اور سینہ یا کمر تک بال بڑھانے والے مرد فاسق معلن ہیں۔	۶۰۵
تقصیر حج کا مطلب۔	۶۰۲	فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۶۰۵
سنت یا تو سارے سر پر بال رکھ کر مانگ نکالنا ہے یا سارا سر منڈانا ہے۔	۶۰۲	یہ خیال کہ باطن صاف ہونا چاہئے ظاہر کیسا ہی ہو محض باطل ہے۔	۶۰۵
عبارات ائمہ سے تائید۔	۶۰۲	داڑھی اتنی کتروانا کہ ایک مشت سے کم ہوجائے گناہ وناجائز ہے۔ یونہی ٹھوڑی پر سے کھلوانا حرام ہے۔	۶۰۵
عورتوں کے ختنہ سے متعلق سوال اور اس کا جواب۔	۶۰۲	چھ سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۶۰۵
جہاں لوگ عمامہ کے شملہ سے مذاق کرتے ہوں وہاں شملہ نہ رکھا جائے۔	۶۰۳	داڑھی کا طول کم از کم کس قدر ہے جس سے کم از رکھنے گنہگار ہوگا۔	۶۰۵
جو اپنے اہل زمانہ کے حالات سے بے خبر ہو وہ جاہل ہے۔	۶۰۳		

استرا سے یا قینچی سے داڑھی کاٹنا کیسا ہے یا کوئی فرق ہے۔	۶۰۵	مذہب حنفی یہ پر مشتمل پانی پینا مکروہ ہے۔	۶۰۶
یہ کہنا کہ عرب شریف اسلام کا گھر ہے وہاں کے لوگ داڑھی کٹوا کر چھوٹی کرلیتے ہیں تو دوسروں کے لئے کیا مضائقہ ہے۔ ایسا کہنے والے کے لئے کیا حکم ہے۔	۶۰۵	o رسالہ **لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحی**(داڑھی کے وجوب اور اس کی حد شرع سے متعلق اٹھارہ آیات، بہتر احادیث اور ساٹھ ارشادات علماء پر مشتمل تحقیقی رسالہ اور ولید نامی منکر وجوب کا زوردار رد)	۶۰۷
جس شخص کے لبوں کے بال بڑھے ہوئے ہوں اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے۔	۶۰۶	حدیث مرسل و منقطع میں فرق۔	۶۱۲
داڑھی منڈانے یا کتروانے والے اور لبوں کے بال بڑھانے والوں کی نسبت حکم شرعی کیا ہے۔	۶۰۶	سلمہ بن محمد مجہول ہے۔	۶۱۲
لبوں کے بال کس قدر ہونے چاہئیں۔ لبوں کے بال منڈانے یا باریک کرنے میں کیا قباحت ہے۔	۶۰۶	علی بن جدعان شیعی ضعیف ہے۔	۶۱۲
داڑھی تھوڑی کترنے سے سب منڈادینا خبیث تر ہے۔	۶۰۶	جن احادیث میں اعفاء اللحیہ کا ذکر نہیں وہ ان احادیث کی مخالف نہیں جن میں اس کا ذکر موجود ہے۔	۶۱۲
حرام حرام میں فرق ہے۔	۶۰۶	من تبعیضیہ اس پر دلیل ہے کہ جن بعض کا یہاں ذکر ہے اس کے علاوہ بعض اور بھی ہیں۔	۶۱۲
بھنگ، چرس اور شراب سب حرام ہیں مگر شراب سب میں بدتر ہے۔	۶۰۶	بعض جگہ عدد مذکور سے مقصود حصر نہیں بلکہ اعانت ضبط وحفظ کے لئے صرف مذکورات کا شمار ہوتا ہے۔	۶۱۳
شریعت پر کسی کا قول حجت نہیں۔	۶۰۶	عشر من الفطرۃ کی جگہ حدیث میں اگر الفطرۃ عشر بھی ہوتا جب بھی زیادہ کے منافی نہ تھا۔	۶۱۳
اللہ ورسول سب پر حاکم ہیں اللہ ورسول پر کوئی حاکم نہیں۔	۶۰۶	خصال فطرت کے تعداد کتنی ہے۔ اس بارے میں مختلف احادیث کا بیان۔	۶۱۳
جاہل کہیں کے ہوں ان کا فعل سند نہیں ہوسکتا۔	۶۰۶	فضائل سید المرسلین سے متعلق مصنف کے ایک رسالہ "البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص" کا حوالہ۔	۶۱۳

حضور اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعض خصوصی فضائل کا ذکر۔	۶۱۳	ایضاح حق ازاحت باطل، استیصال شبہات اور استحصال دلائل کے لئے چند تنبیہات۔	۶۱۸
احادیث فضائل وخصاص عدد ومعدود کے مختلف ہونے کے باوجود آپس میں متعارض نہیں۔	۶۱۴	تنبیہ اول۔	۶۱۸
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور ہیں بلکہ حقیقتاً ہر کمال ہر خوبی اور ہر فضل میں عموما اطلاق انھیں تمام انبیاء مرسلین وخلق اللہ اجمعین پر تفضیل تام وعام ومطلق ہے جو کسی کو ملا وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا کسی کو نہ ملا۔	۶۱۴	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو علم اولین وآخرین عطا ہوا۔	۶۱۸
سلسلہ سنس میں اگر یکے از دیگرے ہزار تک سند عدد دروازہ پہنچے تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہوسکتا جب تک مرتبہ واحدہ میں متعدد راوی نہ ہوں۔	۶۱۵	قرآن مجید ہر شے کا روشن بیان اور کامل شرح ہے۔	۶۱۸
سند عالی سے نازل کا اشرف ہونا بالبداہۃ باطل ہے۔	۶۱۵	کتاب اللہ میں تمام احکام جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں بلکہ ازلا ابدا جمیع کوائن وحوادث بالاستیعاب موجود ہیں۔	۶۱۸
ولید نے نقل حدیث میں لم یذکرا ولم یذکروا کا فرق ملحوظ نہیں رکھا۔	۶۱۵	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول کہ اگر میری رسی گم ہوجائے میں اس کی قرآن عظیم ہیں پالوں۔	۶۱۸
آثار موقوفہ ومقطوعہ کو قول رسول ٹھہرانا درست نہیں۔	۶۱۵	حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھوں تو ستر اونٹوں کا بوجھ بن جائے۔	۶۱۹
ابن عباس صحابی اور مجاہد وبکر وطلق تابعی ہیں۔	۶۱۵	علم علی وعمر وصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم کا بیان۔	۶۱۹
تنبیہ۔	۶۱۶	جتنا علم اتنی ہی فہم، جس قدر فہم اس قدر علم۔	۶۱۹
طلق سے ان کا قول دونوں طرح مروی ہے۔	۶۱۶	علم کے مدارج بے حد متفاوت ہیں وفوق کل ذی علم علیم الاٰیۃ۔	۶۱۹
جب حرمت تسلیم ہو تو پھر اباحت کہاں۔	۶۱۷		

عالم امکان میں نہایت نہایات حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیات ہیں۔	۶۱۹	تنبیہ چہارم۔	۶۲۳
نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جو کچھ حکم، جو کچھ رائے، جو کچھ طریقہ اور جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن سے ہے۔	۶۲۰	منکرین حدیث کے نزدیک اجماع بھی باطل ہے۔	۶۲۳
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منکرین حدیث کی خبردی۔	۶۲۰	ولید کی دلیل مان لی جائے تو شریعت محمدی کے تمام اور اوامر و نواہی بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں۔	۶۲۳
حضور پر نور علیہ الصلٰوۃ والسلام آمر، واعظ، ناہی، محرم اور محلل ہیں۔	۶۲۱	تنبیہ پنجم۔	۶۲۴
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی حرام کردہ چیزیں قرآن کی حرام کردہ چیزوں سے بیشتر ہیں۔	۶۲۱	ولید نے حدیث خالفوا المشرکین کے جو معنٰی تراشے وہ کلام رسول سے کھلا استہزاء ہے۔	۶۲۴
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالم ماکان ومایکون ہیں۔	۶۲۲	ولید کے من گھڑت معنی حدیث کا پانچ وجوہ سے رد وابطال۔	۶۲۴
جب تک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی باتیں دل سے نہ مانیں ہرگز مسلمان نہیں ہوں گے۔ طوطے کے زبان سے لاکھ کلمہ رٹے جائیں کیا ہوتا ہے۔	۶۲۲	تنبیہ ششم۔	۶۲۶
تنبیہ دوم۔		فرض وواجب اور اسی طرح حرام ومکروہ تحریمی کا فرق دربارہ اعتقاد ہے مگر عمل میں دونوں کا حکم ایک ہے۔	۶۲۲ ۶۲۶
منکرین حدیث گمراہ قوم صرف حدیثوں کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ قرآن عظیم کو عیب لگانیوالے اور دین متین کو ناقص بتانے والے ہیں۔	۶۲۲	فرض وحرام کا منکر کافر۔ ان کی مخالفت میں گناہ، امتثال میں رہ جائے ثواب اور خلاف میں استحقاق غضب وعذاب ہے۔	۶۲۶
تنبیہ سوم۔	۶۲۳	داڑھی منڈانے کی حرمت کے منکرین کے لئے ایک مثال۔	۶۲۶
ولید پر مناظرانہ گرفت۔	۶۲۳	مکروہ تحریمہ صغیرہ ہے۔	۶۲۶
منکرین حدیث کے تمام خیالات کا حاصل ابطال شرع اور الحاد بیقیدی اصل نیچر ہے۔	۶۲۳	ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ اور ہلکا جاننے سے اشد کبیرہ ہو جاتا ہے۔	۶۲۶

انتباہ: مکروہ تحریمی کو کسی عالم نے قریب بہ حلت نہیں بتایا۔	۶۲۷	حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا استدلال کہ منہیات رسول منہیات خدا ہیں۔	۶۲۹
امام محمد کے نزدیک مکروہ تحریمی عین حرام اور شیخین کے نزدیک حرم کے قریب ترین ہے۔	۶۲۷	ام یعقوب اسدیہ کبار تابعین ثقات و صالحات سے ہیں بعض نے صحابیہ کہا۔	۶۲۹
امام اعظم علیہ الرحمۃ جب شے کو مکروہ کہیں تو اس سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے۔	۶۲۷	امام شافعی علیہ الرحمۃ کی عالمانہ شان کہ قتل زنبور کا حکم محرم کے لئے قرآن سے ثابت فرمایا۔	۶۳۰
تنبیہ ہفتم۔	۶۲۸	احرام باندھے ہوئے زنبور کو قتل کرنے کا حکم فاروق اعظم نے دیا۔	۶۳۱
داڑھی کے وجوب کے منکرین آنکھوں کے نہیں بلکہ دل کے اندھے ہیں۔	۶۲۸	وجہ ثانی۔	۶۳۱
داڑھی بڑھانے کے بارے میں متعدد آیات کریمہ موجود ہیں اور اس میں دو طریق ہیں۔	۶۲۸	آیت کریمہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی تفسیر۔	۶۳۱
اول طریق عموم، یہ دو وجہ پر ہے۔	۶۲۸	رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ سے متعلق احادیث۔	۶۳۲
وجہ اول کہ صحابہ کرام وائمہ اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم امثال مقام میں استعمال فرماتے رہے۔	۶۲۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ کوئی چیز کتنی ہی مرغوب وپسندیدہ موجب شرعا لازم وضروری نہ ہو تو بیان جواز کے لئے گاہے ترک بھی فرمادیتے یا قولا خواہ تقریرا جواز ترک بتادیتے۔	۶۳۴
آیات قرآنیہ سے ثابت ہے کہ نبی کا حکم بعینہٖ اللہ تعالٰی کا حکم ہے اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالٰی کی اطاعت ہے۔	۶۲۸	سنت کی تعریف۔	۶۳۴
وہ تمام احکام جو حدیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہے۔	۶۲۸	واجب کی تعریف، اور سنت اور واجب میں فرق۔	۶۳۴
جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہر گز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔	۶۲۸	دوم طریق خصوص: یہ نفیس طریق وجوہ عدیدہ رکھتا ہے جن سے اعفاء لحیہ کا امر یا طلب یا اس کے خلاف پر وعید یا مذمت ثابت ہو۔	۶۳۴
حدیث میں بعض عورتوں پر لعنت منقول ہے۔	۶۲۹		

وجہ ثالث	۲۳۴	استدلال۔	۲۳۸
ایک آیہ کریمہ کی تفسیر اور فلیغیرن خلق اللہ سے داڑھی بڑھانے پر استدلال۔	۲۳۵	آیت کریمہ لاتاخذ بلحیتی میں لحیہ کا فقط ذکر ہی نہیں داڑھی بڑھانے کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے۔	۲۳۸
وجہ رابع۔	۲۳۶	ہارون علیہ الصلٰوۃ والسلام ان اٹھارہ انبیاء ورسول سے ہیں جن کا نام پاک سورہ انعام کے ایک رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا۔	۲۳۸
آیت کریمہ یا ایھاالذین اٰمنوا لاتحلوا شعائر اللہ سے ثبوت لحیہ پر استدلال۔	۲۳۶	وجہ سابع۔	۲۳۹
بے شک داڑھی شعائر دین اسلام سے ہے ختنہ کلمہ طیبہ کی طرح شعائر دین سے ہے۔	۲۳۶	آیت کریمہ ومن یشاقق الرسول الخ کی تفسیر اور اس سے داڑھی رکھنے پر استدلال۔	۲۳۹
مسلمانان ہند نے ختنہ کا نام مسلمانی کیوں رکھا۔	۲۳۶	روز اول سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے۔	۲۳۹
ختنہ اور داڑھی وجہ امتیاز مومنین وکافرین ہیں۔	۲۳۶	اہل بیت، صحابہ ائمہ اور ہر قرن کے اولیاء امت وعلماء ملت بلکہ قرون خیر کے تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے۔	۲۳۹
وجہ خامس۔	۲۳۷	قرون خیر میں ازالہ تو ازالہ اگر خلقتاً کسی کی داڑھی نہ نکلتی تو سخت تاسف کا اظہار کرتا۔	۲۳۹
داڑھی بڑھانا ملت ابراہیمی کا مسئلہ شریعت ابراہیمی کا طریقہ ہے۔	۲۳۷	داڑھیاں منڈانے اور کتروانے کو علماء متقدمین علامات قیامت سے شمار کرتے تھے۔	۲۳۹
ان آیات کریمہ سے داڑھی کا اثبات جن میں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا اس سے اعراض کو سخت حماقت وسفاہت فرمایا گیا۔	۲۳۷	گناہ کرکے اسے گناہ وقبیح نہ سمجھنا شامت نفس ہے۔	۲۳۹
وجہ سادس۔	۲۳۸	اللہ تعالٰی کے کچھ فرشتے یوں قسم کھاتے ہیں اس کی قسم جس نے فرزندان آدم کو داڑھی سے زینت بخشی۔	۲۳۹
اولئك الذین ھداھم اللہ فبھداھم اقتدہ الاٰیۃ سے داڑھی بڑھانے پر	۲۳۸	صدیق اکبر عثمان غنی اور علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنھم کی داڑھیاں کیسی تھیں۔	۲۴۰

احنف بن قیس کہ اکابر ثقات تابعین میں سے ہیں کے مختصر احوال زندگی۔	۶۴۰	ایرانیوں کی خصائل ذمیمہ کا تذکرہ۔	۶۴۳
آیت کریمہ یزید فی الخلق مایشاء میں ایک تفسیر کے مطابق داڑھی مراد ہے۔	۶۴۰	اسلامی فاتحوں کی شیرانہ تاخت نے سیاہان ہند کے منہ سپید کردیئے ہزاروں مارے لاکھوں قید کئے۔	۶۴۴
قاضی شریح کے احوال وتعارف۔	۶۴۰	ہندو کا معنی غلام ہے۔	۶۴۴
احنف بن قیس اور قاضی شریح کی داڑھی خلقۃً نہیں تھی جس پر وہ بہت افسوس کرتے۔	۶۴۰	نومسلم ہندوستانیوں کے کچھ خصائل رزیلہ کا تذکرہ جن میں داڑھی منڈانا بھی ہے۔	۶۴۴
حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک دراز اور چوڑی تھی۔	۶۴۱	لاجرم داڑھی منڈانے کی خصلت کے عادیوں کو چند حال سے خالی نہ پائے گا۔	۶۴۴
وجہ ثامن۔	۶۴۱	تنبیہ ہشتم احادیث میں۔	۶۴۴
یاایھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ الاٰیۃ کا شان نزول۔	۶۴۲	مشرکوں اور کفار کی مخالفت، داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کے بارے میں مختلف الفاظ پر مشتمل متعدد احادیث۔	۶۴۴
تین آیات سے داڑھی منڈانے کی مذمت اور رکھنے کا ثبوت۔	۶۴۲	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے فرامین ہدایت بنام سلاطین اور سلاطین کارد عمل۔	۶۴۷
شک نہیں کہ داڑھی منڈانا کترنا خصلت کفار ہے۔	۶۴۳	داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے والوں کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دیکھنا پسند نہ فرمایا۔	۶۴۷
داڑھی منڈانے کی خصلت ملعونہ اصل میں مجوسی ملاعنہ کی تھی ان سے کفار نے سیکھی۔	۶۴۳	آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے۔	۶۴۸
دور فاروقی میں عجم کے فتح ہونے، تخت کسرٰی کے ختم اور مجوسیوں کے منتشر ہونے کے کچھ واقعات اور ہنود ہند پر ان کے اثرات۔	۶۴۳	قیامت میں جن بدنصیبوں سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اعراض فرمایا ان کا ٹھکانا کہیں نہیں۔	۶۴۸
ابن سبا یہودی نے مذہب رفض ایجاد کیا جو شدہ شدہ ایران تک پہنچا اور اس کی آڑ میں ایرانیوں نے حضرت فاروق اعظم پر دعوٰی اسلام کے باوجود تبرا ایجاد کیا۔	۶۴۳		

داڑھی باندھنے، کمان کا چھلہ گلے میں لٹکانے اور کسی جانور کی لید یا ہڈی سے استنجا کی ممانعت۔	۶۴۹	داڑھی تراشنا پارسیوں کا کام تھا اب تو بہت سے کفار کا شعار ہے۔	۶۵۲
یزید بن خالد ثقہ ہے۔	۶۴۹	قلندریہ فرقے کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔	۶۵۳
مفضل ابن فضالہ المصری ثقہ فاضل عابد ہیں۔	۶۴۹	کس قدر پوچ عقل ہے ان لوگوں کی جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں کیونکہ انھوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی۔	۶۵۳
عیاش ابن عباس ثقات سے ہے۔	۶۴۹	عورت کی داڑھی مونچھ نکل آئیں تو انھیں صاف کرنا اس کے لئے مستحب ہے۔	۶۵۳
داڑھی باندھنے سے کیا مراد ہے۔	۶۵۰	داڑھی مونڈنا، چننا اور کترنا سب ناجائز اور مرد کو ایسا کرنا حلال نہیں۔	۶۵۴
حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور قاضی عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی نے بے داڑھی کی گواہی رد کردی۔	۶۵۱	عورت کے سر کے بال مونڈنا حرام کہ یہ مردوں سے مشابہت ہے۔ اسی طرح مردوں کا داڑھی مونڈنا بھی حرام کہ یہ عورتوں سے مشابہت ہے۔	۶۵۴
عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی کا تعارف۔	۶۵۱	داڑھی مونڈنا ممنوع ہے کہ یہ کافروں کی عادت ہے۔	۶۵۴
عمر بن عبدالعزیز نے داڑھی چننے والے کی شہادت مسترد کردی۔	۶۵۱	**فائدہ:** جس طرح داڑھی مونڈنا کترنا، بالاتفاق حرام وگناہ ہے یونہی ہمارے ائمہ وعلماء کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بیحد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج وباعث انگشت نمائی ہو مکروہ وناپسندیدہ ہے۔	۶۵۵
داڑھیاں کترنے والے نرے بدنصیب ہیں۔	۶۵۱	عامہ کتب فقہ وحدیث کی تصریح کے مطابق داڑھی کی حد یکمشت ہے۔	۶۵۵
تنبیہ نہم نصوص ائمہ کرام وعلماء عظام میں۔	۶۵۱	حد شرع سے زائد داڑھی کو کاٹنا ہمارے نزدیک مسنون ہے۔	۶۵۵
جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس میں سے کچھ لینا کسی کے نزدیک حلال نہیں۔	۶۵۲	عرب کی قدیم قومی وملکی ومذہبی عادت داڑھی رکھنا ہی ہے وہ اس کے نہ ہونے کو سخت عیب جانتے تھے۔	۶۵۶
داڑھی منڈانے والے کو سزادی جائے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے۔	۶۵۲		

تنبیہ دہم: بقیہ دلائل تحریم میں	۶۵۷	تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے۔	۶۶۹
دلیل اول: داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام ہے۔	۶۵۷	چار شخص صبح وشام اللہ تعالٰی کے غضب میں ہوتے ہیں۔	۶۶۹
سر منڈانا عورت کے حق میں مثلہ ہے جیساکہ داڑھی منڈانا مرد کے حق میں۔	۶۵۷	چار اشخاص پر اللہ تعالٰی نے بالائے عرش سے دنیا وآخرت میں لعنت بھیجی اور فرشتوں نے آمین کہی۔	۶۶۹
عورت کے لئے احرام سے نکلنے کے لئے قصر ہے حلق نہیں۔	۶۵۷	دلیل سوم: داڑھی منڈانا کتروانا کفار سے ان کے شعار میں تشبہ ہے اور وہ حرام ہے۔	۶۷۰
جیسے عورت کے حق میں گیسو بریدہ گالی ہے یونہی مرد کے حق میں داڑھی منڈا۔	۶۵۹	اللہ تعالٰی کے سب سے زیادہ دشمن تین شخص ہیں۔	۶۷۱
جو کسی جاندار کو مثلہ کرے اس پر اللہ تعالٰی وملائکہ وبنی آدم سب کی لعنت۔	۶۶۰	تارک سنت کے لئے وعید شدید پر مشتمل احادیث کریمہ۔	۶۷۱
مثلہ کی تحریم وممانعت پر متعدد احادیث کریمہ کا بیان۔	۶۶۰	خاتمہ۔	۶۷۴
دلیل دوم: داڑھی منڈانا زنانی صورت بننا ہے اور مردوں کہ عورتوں سے تشبہ حرام ہے۔	۶۶۴	جدول ان سزاؤں، وعیدوں، مذمتوں کی جو داڑھی منڈانے اور کتروانے والوں کے حق میں آیات واحادیث ونصوص مذکورہ سے ثابت ہے۔	۶۷۵
عورت ومرد کے جسم ظاہر میں مابہ الامتیاز یہی چوٹی اور داڑھی ہے۔	۶۶۴	سر کے بال مونڈھوں سے زیادہ بڑھالینا جیساکہ آج کل جاہل صوفیوں کا طریقہ ہے حرام ہے۔ اس پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۶۷۸
فرشتوں کی تسبیح کی پاکی ہے اس کی جس نے زینت دی مردوں کو داڑھیوں سے اور عورتوں کو گیسوؤں سے۔	۶۶۵	چالیس روز سے زیادہ ناخن یا موئے بغل یا موئے زیر ناف رکھنے کی اجازت نہیں ورنہ گنہگار ہوگا، ایک آدھ بار کیا تو صغیرہ اور عادت ڈالنے سے کبیرہ ہوجائے گا۔	۶۷۸
داڑھی آفرینش مرد کی تمامی سے ہے۔	۶۶۵	جس شخص کو کام وغیرہ کے لئے مجبوری ہو تو وہ پیتل وغیرہ کا ناخن بنواکر انگلیوں پر چڑھالے۔	۶۷۹
متعدد احادیث سے اثبات کہ مرد عورت کا ایک دوسرے سے تشبہ حرام ہے اور باعث لعنت ہے۔	۶۶۵		

سونے چاندی کے ناخن بناکر استعمال کرنا مرد و عورت دونوں کو ناجائز ہے۔	٦٧٩	بدھ کو ناخن تراشنے کے مستحب ہونے اور موجب برص ہونے کی روایات میں تطبیق وترجیح۔	٦٨٥
جس کے ہاتھ میں رعشہ ہو استرا لے تو زخمی ہونے کا خوف ہے تو وہ نورہ استعمال کرے۔	٦٧٩	بدھ کے روز ناخن کاٹنے کی ممانعت سے متعلق دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔	٦٧٥
نومسلم بالغ کے ختنہ کا کیا حکم ہے۔	٦٧٩	حدیث مذکور اگرچہ ضعیف ہے مگر حدیث صحیح بخاری وقد قیل اس کے مؤید ہے۔	٦٨٦
ختنہ کا حکم حدیث میں ہے۔	٦٧٩	امام ابن الحاج مکی علیہ الرحمۃ کے بدھ کے روز ناخن تراشنے کا عجیب واقعہ۔	٦٨٦
کفر کے بال دور کرنے کا حکم۔	٦٨٠	سارے سر کے بال رکھنا اور تمام کو منڈانا دونوں جائز۔ اول سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دوم سنت امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اول اولٰی ہے۔	٦٨٦
بیاج کے جائز کرنے کا حیلہ مسلمان کی شان نہیں۔	٦٨٠	مردوں کو عورتوں کی مثل کندھوں سے نیچے تک لمبے بال رکھنا حرام وموجب لعنت ہے۔	٦٨٧
جائز حیلہ کی تعلیم خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی اور ائمہ دین نے اس کی متعدد صورتیں ارشاد فرمائیں ہیں۔	٦٨٠	عورتوں کی وضع اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں کی وضع اختیار کرنے والی عورتوں پر حدیث میں لعنت اور وعید شدید۔	٦٨٨
عربستان میں لڑکیوں کے ختنہ کا رواج ہے ہندوستان میں کیوں نہیں۔	٦٨٠	چار انگل کی پیمائش داڑھی کہاں سے چاہئے۔	٦٨٨
مونچھ بڑھانا یہاں تک کہ منہ میں آئے کیسا ہے۔	٦٧٠	داڑھی کو حد مقرر یعنی چار انگل سے کم کرنا منڈانے کی طرح ہی حرام ہے مگر بالکل منڈانے خبیث تر ہے۔	٦٨٩
جاہل فوجی ترکوں کا فعل حجت نہیں۔	٦٨٤	سر اقدس کے بال مبارک رکھنے یا منڈانے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا بیان۔	٦٩٠
بدھ کے روز ناخن تراشنا کیسا ہے۔	٦٨٥	حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عادت کریمہ سر کا تعلق تھی۔	٦٩٠

داڑھی کتروانے، منڈانے اور چڑھانے والوں سے میلاد پڑھوانا نہیں چاہئے۔	۶۹۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ صلعم یاع م یا صللم وغیرہا رموز لکھنا ممنوع اور سخت بیدولتی ہے پور درود لکھنالازم ہے۔	۶۹۲
داڑھی چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ۔	۶۹۱	سب سے پہلے جس شخص نے درود مخفف کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔	۶۹۲
داڑھی کس قدر نیچی رکھنی چاہئے۔	۶۹۱	**ضمیمہ داڑھی، حلق، قصر، ختنہ وحجامت**	
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی حد۔	۶۹۲	ختنہ کلمہ طیبہ کی طرح شعائر دین سے ہے۔	۶۳۶
حضرت علی وحضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی داڑھی مبارک کی مقدار۔	۶۹۲		

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام وسیر		مسلمان کی خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑہ ہے۔	۲۷۱
ہندوؤں کا زنار اور نصارٰی کا ہیٹ استعمال کرنا کفر ہے۔	۱۹۰	خواب نبوت کا کون سا حصہ ہے۔	۲۷۱
دھوتی کہ لباس ہنود ہے ممنوع ہے۔	۱۹۲	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہ ہوگی مگر مبشرات ہوں گی (حدیث رسول)۔	۲۷۱
ایسا لباس پہننا جس سے مسلمان وکافر میں فرق نہ رہے حرام بلکہ کئی صورتوں میں کفر ہے۔	۱۹۳	کفار وہنود کو سلام کیسے کیا جائے اور وہ سلام کریں تو جواب کیسے دیا جائے۔	۳۱۶
احکام شریعت سے تمسخر واستہزاء اور عالم دین پر لعن طعن کرنا کفر صریح ہے اور اس سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہیں۔	۲۴۴	شیوخ کی قدمبوسی مزارات اولیاء پر جھک کر سلام کرنا اور انھیں چومنا شریعت وطریقت میں کیسا ہے۔	۳۱۷
مرتکب کبیرہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں نہ ان پر مرتدوں والے احکام جاری ہوتے ہیں۔	۲۴۷	مصافحہ ومعانقہ کے فعل پر جہنمی ومردود ورافضی کا حکم لگانے والا خود ان الفاظ کا مستحق اور ضال ومضل وفاسق ہے۔	۳۲۸
علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ چاہئے اور پوشیدہ کی پوشیدہ۔	۲۵۸		

آستانہ کعبہ، مصحف اور دست وپائے علماء واولیاء کا بوسہ جائز ہے۔	۳۴۲	سید کی بدمذہبی اگر حد کفر تک پہنچ گئی ہو تو اس کی تعظیم حرام کہ اب وہ سید ہی نہ رہا۔	۴۲۳
حرمین شریفین کے درودیوار کو تبرکا مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب وولاء کا دستور ہے۔	۳۴۳	سجدہ دو قسم ہے سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت، اول غیر خدا کے لئے کفر ہے اور ثانی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔	۴۲۳
نقش نعل پائے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بوسہ دینے اور آنکھوں سے لگانے کے بارے میں علماء ومشائخ کرام کے ارشادات عالیہ۔	۳۴۵	کفر وشرک کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہوسکتا۔	۴۲۳
نقشہ روضہ مقدسہ کی زیارت اور اس کو بوسہ دینے سے متعلق ارشادات علماء۔	۳۴۹	غیر اللہ کو سجدہ عبادت شرک مہین ہے۔	۴۲۹
اصل کلی یہ ہے کہ تعظیم پر منتسب بارگاہ کبریا بالخصوص محبوبان خدا انحاء تعظیم حضرت عزت جل وعلا سے ہے۔	۳۶۶	غیر اللہ کو سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ ہے۔	۴۲۹
کافر کو سلام کرنا حرام ہے۔	۳۷۸	سجدہ تحیت کی تکفیر جو جماعت فقہاء سے منقول ہے وہ کفر صوری پر محمول ہے۔	۴۳۰
غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے۔	۳۸۲	پیر ومزار کو سجدہ تحیت نہ تو مباح اور نہ ہی شرک حقیقی۔	۴۳۰
غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے	۳۸۲	محال ہے کہ مولٰی عزوجل کبھی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگرچہ پھر اسے بھی منسوخ فرمائے۔	۴۳۰
شریعت مطہرہ نے انسان کے سر سے پاؤں تک جمیع جہات میں جدا جدا احکام رکھے ہیں۔	۳۹۵	ملائکہ میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے بھی شریک خدا نہیں بناسکتا۔	۴۳۰
احکام مختلفہ کے ثواب بھی مختلف رنگ کے ہیں۔	۳۹۵	سجدہ عبادت کو جائز مان کر کوئی مسلمان نہیں رہتا۔	۴۳۵
سر سے پاؤں تک جملہ جوارح میں معاصی جدا جدا ہیں۔	۳۹۵	صحابہ کرام کا اعتقاد کہ نعمتیں اور دنیا وآخرت کی ہلاکتوں سے نجات حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی برکت اور آپ کے صدقے میں ملتی ہیں۔	۴۴۴
طواف تعظیمی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔	۴۰۱	مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ تحریم سجدہ متفق علیہ ہے اور تکفیر میں چھ قول ہیں۔	۴۵۸
سجدہ غیر خدا کو قطعی حرام ہے۔	۴۰۷	ظہیریہ میں علی الاطلاق تکفیر کا حکم جزمی نہیں بلکہ بعض کی طرف نسبت ہے۔	۴۵۹

بلا اکراہ غیر اللہ کو سجدہ پر تکفیر کے بارے میں دعوی اتفاق بے محل ہے۔	۴۶۱	اللہ تبارک وتعالٰی کفر کا حکم نہیں فرماتا۔	۵۶۰
جہال کا اپنے پیروں کو سجدہ کرنا بالاجماع گناہ کبیرہ ہے اگر جائز سمجھے تو کافر ہے۔	۴۶۹	سجدہ تحیت قطعاً کفر نہیں۔	۵۶۰
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام پر بدعقیدگی کا گمان کرنے والا مستحق جہنم ہے۔	۵۰۳	پیر یا استاد کو سجدہ تعظیمی کیسا ہے اور اس کا مرتکب مومن ہے یا کافر۔	۵۶۴
جو شخص رسول کو کفر وارتداد پر سکوت کرنیوالا ٹھہرائے وہ خود کفر وارتداد کے گھاٹ پر پہنچ گیا۔	۵۰۴	غیر خدا کو سجدہ عبادت شرک ہے اور سجدہ تعظیمی شرک نہیں مگر حرام وگناہ کبیرہ ہے۔	۵۶۵
بے شک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔	۵۰۵	بزرگان دین کی قدمبوسی ودست بوسی کرنے والے کو مشرک کہنے والا خود تجدید اسلام وتجدید نکاح کرے۔	۵۶۷
سجدہ عبادت اور سجدہ تحیت میں سوائے نیت کے کوئی فرق نہیں۔	۵۰۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ناراضگی پر دنیا وآخرت میں ثمرات بد مرتب ہوتے ہیں۔	۵۷۳
اخلاص عبادت یہ ہے کہ عبادت غیر کی مشابہت سے بھی بچے۔	۵۰۵	داڑھی کی سنیت قطعی الثبوت ہے اس کی توہین وتحقیر اور اس کے اتباع پر استہزاء بالاجماع کفر ہے۔	۵۷۴
سجدہ تحیت اور سجدہ عبادت کا امتیاز اللہ تعالٰی اور خود ساجد کے نزدیک نیت سے ہے۔	۵۱۱	مسلمانوں پر لازم ہے کہ داڑھی کی تحقیر کرنے والے کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ کریں مرنے کے بعد اس کا جنازہ نہ پڑھیں، مسلمانوں کے قبرستان میں اس کو دفن نہ کریں بلکہ حتی الامکان اس کے ناپاک جنازہ کی تذلیل کریں۔	۵۷۴
اللہ تعالٰی لغو وفضول اور ناقص ومدخل سے منزہ ہے۔	۵۱۱	جب تک نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کی باتیں دل سے نہ مانیں گے ہرگز مسلمان نہیں ہونگے، طوطے کی زبان سے لاکھ کلمہ رٹے جائیں کیا ہوتا ہے۔	۶۱۲
نوع بشر میں عصمت خاصہ انبیاء ہے۔	۵۱۵	آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے۔	۶۴۸
بلاشبہہ ہماری شریعت مطہرہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ تحیہ حرام فرمایا گیا۔	۵۴۹	کفر کے بال دُور کرنے کا حکم۔	۶۸۰
کوئی شریعت جواز کفر نہیں لاسکتی۔	۵۶۰		

سیرۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم		حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ فرمایا اور بوسہ دیا۔	۲۵۴
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا جبہ پہنا جس کے گریبان اور آستینوں اور چاکوں پر ریشم کی خیاطت تھی۔	۱۱۴	حضرت جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے گلے لگایا اور بوسہ دیا۔	۲۵۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تانبے اور پیتل کے برتنوں میں کھانا ثابت نہیں۔ مٹی یا کاٹھ کے برتن تھے۔ اور پانی کے لئے مشکیزے۔	۱۲۹	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا تالاب میں صحابہ کرام کے ساتھ تیرنا۔	۲۵۵
اصل سنت مستمرہ فعلیہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازار یعنی تہبند ہے۔	۱۵۸	حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بدن اقدس سے چپٹا لیا۔	۲۵۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ازار مبارک اکثر نصف ساق تک ہوتا تھا۔	۱۶۸	حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مصافحہ و معانقہ۔	۲۵۶
نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قمیص مبارک نیم ساق تک تھی اور کم طول بھی وارد ہے، گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا، دامن کے چاک کھلے ہوتے اور ان پر ریشمی کپڑے کے گوٹ تھی، اس زمانے میں گھنڈی تکمے ہوتے تھے، بٹن ثابت نہیں۔ رنگ سبز وسرخ بھی ثابت ہے اور محبوب تر سفید ہے۔	۱۷۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواب کو امر عظیم جانتے اور نماز صبح کے بعد پوچھتے کہ آج کی رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔	۲۷۰
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عمامہ اقدس کم از کم پانچ اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ تھا۔	۱۷۱	حدیث میں تصریح کہ حضور علیہ الصلٰوۃ وسلام ازواج مطہرات کو سلام فرماتے۔	۳۲۷
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند باندھا، پاجامہ خریدنا اور اس کی تعریف کرنا ثابت ہے مگر پہننا ثابت نہیں۔	۱۸۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کی جماعت کو سلام کیا۔	۳۳۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرتہ مبارک میں بٹن ثابت نہیں چاک دونوں طرف تھے اور گریبان سینہ اقدس پر تھا۔	۱۸۷		

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے پاؤں چومنے کی صحابی کو اجازت دی۔	۳۳۹	اونٹ بولتا ہوا آیا اور بارگاہ رسالت میں سجدہ کیا۔	۴۴۲
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشت سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے تھے۔	۵۹۰	اونٹ نے فریاد کی اور سرکار نے اس پر کرم فرمایا۔	۴۴۲
یہ امر محض بے اصل ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی ایک مشت ہی تھی اس سے زائد نہ ہوتی تھی۔	۵۹۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جانوروں کی بولی سمجھتے ہیں۔	۴۴۲
سر اقدس کے بال مبارک رکھنے یا منڈانے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ کا بیان۔	۶۹۰	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو چوپائے اور درخت سجدے کرتے ہیں۔	۴۴۲
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی حد۔	۶۹۲	رب تعالٰی کی عبادت کرو اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کرو۔	۴۴۲
معجزات وفضائل سید المرسلین		بے قابو اونٹ کو حضور کے سامنے سجدہ کرتے دیکھ کر قوم میں سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور اٹھا۔	۴۴۳
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے کھجوروں کے ڈھیر کا طواف کیا، اس پر بیٹھ گئے جس سے کھجوریں بڑھ گئیں۔	۳۸۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دو مست اونٹوں نے سجدہ کیا آپ نے دونوں کے سر پکڑ کر مالک کے حوالے کیا اور فرمایا ان سے کام لو اور خوب چارہ دو۔	۴۴۴
اونٹ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔	۴۳۸	سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دو[۲] درختوں نے مل کر پردہ بنایا اور قضاء حاجت کے بعد واپس اپنی جگہ پر چلے گئے۔	۴۴۵
بگڑے ہوئے اونٹ نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کردیا۔	۴۳۹	ایک بچے پر شیطان کا اثر تھا جسے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دور فرمادیا۔	۴۴۵
بکریوں نے نبی کریم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو سجدہ کیا۔	۴۴۰	اونٹ نے فریاد کی تو حضور نے خرید کر اس کو آزاد چھوڑ دیا۔	۴۴۶
بے قابو شتر آب کش سجدے میں گر گیا۔	۴۴۱	حضور کے بلانے پر درخت جڑوں کو اکھاڑتا ہوا حاضر خدمت ہوا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ۔	۴۴۶

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مرض وصال کے احوال۔	۴۵۴	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جو کچھ حکم، جو کچھ رائے، جو کچھ طریقہ اور جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن سے ہے۔	۶۲۰
ومایَنطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔	۴۹۸	سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منکرین حدیث کی خبر دی۔	۶۲۰
ہر چیز مجھ کو اللہ تعالٰی کا رسول جانتی ہے سوائے کافر جن اور آدمیوں کے۔ (الحدیث)	۵۰۵	حضور پر نور علیہ الصلٰوۃ والسلام آمر، واعظ، ناہی، محرم اور محلل ہیں۔	۶۲۱
مصور عالم ماکان ومایکون ہیں۔ صدیوں بعد ہونے والے حالات کی خبر پہلے ہی دے دی۔	۵۰۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی حرام کردہ چیزیں قرآن کی حرام کردہ چیزوں سے بیشتر ہیں۔	۶۲۱
سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بطور معجزہ نوجوان کے دل سے محبت زنا نکال کر نفرت زنا پیدا کردی۔	۵۹۲	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالم ماکان ومایکون ہیں۔	۶۲۲
فضائل سید المرسلین سے متعلق مصنف کے ایک رسالہ "البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص" کا حوالہ۔	۶۱۳	آیات قرآنیہ سے ثابت ہے کہ نبی کا حکم بعینہٖ اللہ تعالٰی کا حکم ہے اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اللہ تعالٰی کی اطاعت ہے۔	۶۲۸
حضور اکرم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بعض خصوصی فضائل کا ذکر۔	۶۱۳	**اذان**	
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور ہیں بلکہ حقیقتاً ہر کمال ہر خوبی اور ہر فضل میں عموماً اطلاقاً انھیں تمام انبیاء مرسلین وخلق اللہ اجمعین پر تفضیل تام وعام ومطلق ہے جو کسی کو ملا وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا کسی کو نہ ملا۔	۶۱۴	عورت کو اذان دینا جائز نہیں۔	۲۴۳
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو علم اولین وآخرین عطا ہوا۔	۶۱۸	**امامت ونماز**	
پھر علم نبی تو علم نبی ہے۔	۶۱۹	عورت کو زیور پہن کر نماز پڑھنے کا حکم۔	۱۲۷
عالم ماکان میں نہایت نہایات حضور سید الکائنات علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیات ہیں۔	۶۱۹		

بے زیور عورت کا نماز پڑھنا ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی نظر میں۔	۱۲۸	نیت شرط نماز ہے نہ کہ رکن نماز۔	۳۸۷
سونے کی گھڑی جیب میں ہو تو نماز میں حرج نہیں۔	۱۲۹	مزامیر وسجدہ تحیہ کو جائز قرار دینے والے پیر اور اس کے مرید قابل امامت نہیں۔	۴۰۷
تانبہ، پیتل، لوہا اور کانسہ تو عورت کو پہننا بھی ممنوع ہے اس سے نماز بھی مکروہ ہوگی۔	۱۳۰	خارج نماز آیت سجدہ تلاوت کی گئی تو اس کو سن کر نمازی پر سجدہ واجب نہ ہوگا۔	۴۰۹
مکروہ چیز پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۱۳۰	نماز کی تلاوت سے خارج نماز پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔	۴۰۹
سونے، چاندی، گلٹ اور ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اس کو پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۱۵۲	ختم نماز پر سلام کی حکمت۔	۴۰۹
ریشم کا ازار بند استعمال کرنا مرد کے لئے ناجائز ہے اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۵۳	قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو اور نہ ان پر بیٹھو۔	۴۵۲
ریشمی جانماز پر نماز پڑھنا جائز ہے۔	۱۷۶	نہ قبر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھو نہ ہی قبر پر نماز پڑھو۔	۴۵۲
بدمذہب مستحق تذلیل ہیں، لہٰذا نماز کی امامت نہیں کرسکتے کیونکہ امامت اعلٰی درجہ کی تعظیم ہے۔	۲۱۲	کسی آدمی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کی ممانعت۔	۴۵۲
فاسق کی امامت ممنوع ہے۔	۲۱۲	یہود ونصارٰی نے قبور انبیاء کو محل سجدہ بنایا جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پر لعنت وہلاکت کی دعا کی۔	۴۵۳
تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں جاتی یعنی قبول نہیں ہوتی۔	۲۱۷	قبر کے سامنے رکوع وسجود والی نماز مکروہ ہے۔	۴۷۷
ناپسندیدہ امام کے لئے وعید شدید۔	۲۱۸	نماز جنازہ قبر کے سامنے پڑھ سکتے ہیں۔	۴۷۸
عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہیں۔	۲۳۹	بلا جنازہ دفن کے بعد قبر پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب تک ظن سلامت ہے۔	۴۷۸
دیوث لعنتی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔	۲۴۷	قبر کے سامنے نماز ممنوع ہے چاہے مسجد میں ہو، مکان میں ہو یا صحرا میں۔	۴۷۹

سامنے قبر ہو تو نمازی سترہ رکھ لے۔	۴۷۹	**جنائز**	
امام کا سترہ ساری جماعت کو کافی ہے۔	۴۷۹	شوہر بعد وفات اپنی عورت کو دیکھ سکتا ہے۔	۲۳۴
جو سجدہ تلاوت نماز میں واجب ہو فوراً بشکل رکوع بھی ادا ہو جاتا ہے یونہی رکوع نماز میں اس سجدہ کی نیت کرنے سے جبکہ چار آیت کا فصل دے کرنہ ہو۔	۵۲۳	مرد اپنی مردہ بیوی کو غسل نہیں دے سکتا۔	۲۳۴
کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔	۵۲۴	عورت اپنے مردہ شوہر کو غسل دے سکتی ہے۔	۲۳۴
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۶۰۵	**مناسک حج**	
داڑھی چڑھا کر نماز پڑھنا مکروہ۔	۶۹۱	محرم بحالت احرام طیلسان یعنی بڑی چادر اوڑھ سکتا ہے مگر اس کو گرہ لگانا ممنوع ہے۔	۱۱۹
احکام مسجد		طیلسان کو گرہ لگانے سے محرم پر دم واجب ہوتا ہے جب پورا دن گرہ لگائے رکھے۔	۱۱۹
مسجد میں امام کو پاؤں دبوانے میں کوئی حرج نہیں۔	۱۳۰	عورت کو آواز بلند تلبیہ کہنے کی اجازت نہیں۔	۲۴۲
عالم دین، سلطان اسلام اور اپنے استاذ کی تعظیم مسجد اور مجالس خیر میں کی جائے گی البتہ قدموں پر سر رکھنا جہالت ہے۔	۴۱۵	تلبیہ حج میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم شدت اتباع سنت کے باوجود کچھ الفاظ کا تلبیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اضافہ کرتے تھے۔	۳۰۹
قبر کی طرف مسجد کا قبلہ ہونا منع ہے۔	۴۷۸	ہمارے علماء فرماتے ہیں تلبیہ سے مقصود ثناء الٰہی اور اظہار عبودیت ہے لہذا اس پر اور کلمات بڑھانا ممنوع نہیں۔	۳۱۰
مسجد کا قبلہ جانب قبر نہ ہو اور نہ ہی جانب حمام ہو۔	۴۷۹	تقصیر حج کا مطلب۔	۶۰۲
مسجد البیت کے قبلہ میں حمام یا بیت الخلاء ہو تو کچھ حرج نہیں نہ ہی قبر میں مضائقہ۔	۴۷۹	احرام باندھے ہوئے زنبور کو قتل کرنے کا حکم فاروق اعظم نے دیا۔	۶۳۱
مسجد البیت میں جنبی کو جانا بلکہ جماع جائز ہے۔	۴۷۹		

عورت کے لئے احرام سے نکلنے کے لئے قصر ہے حلق نہیں۔	۶۵۱	شان نزول میں دوسرا قول۔	۴۲۳
نکاح وطلاق وعدّت		آیت کریمہ بعد اذ انتم مسلمون میں مخاطب مسلمان ہیں نہ کہ نصارٰی۔	۴۲۳
کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ ان کی منگنیاں آئیں سنت ہے۔	۱۲۶	ایامرکم بالکفر الآیۃ میں کفر سے کیا مراد ہے۔	۴۳۵
عورتوں کا گھر سے نکلنا اور تعزیہ وغیرہ دیکھنے جانا جائز اور مردوں کا اس کو روا رکھنا بے غیرتی ہے مگر اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا اور نہ اولاد میں خلل آتا ہے۔	۲۴۹	ایک آیت کے کئی شان نزول ہوسکتے ہیں۔	۴۳۷
داڑھی کی توہین کرنے والے کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی اس کے بعد اولاد حرام ہوگی۔	۵۷۴	آیت کریمہ "فاینما تولوا فثم وجه الله" حسب حدیث ترمذی شریف قبلہ تحری میں ہے۔	۵۱۰
نسب		تفسیر بالرائے ممنوع ہے۔	۵۱۲
زنا سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔	۲۳۹	کلام الٰہی میں معنوی تحریف کی ایک صورت۔	۵۱۳
فوائد تفسیریہ		علماء کو اختلاف ہے کہ سجدہ آدم زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا۔	۵۲۱
آیہ کریمہ ولا یضربن بارجلهن الخ کی تفسیر۔	۱۲۸	یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے والدین کے سجدہ کی نوعیت کیا تھی۔	۵۲۱
قرآنی آیت سے زرد جوتے کے باعث سرور ہونے پر استدلال۔	۱۹۶	آیت سورۃ یوسف کی وجہ نفیس۔	۵۲۹
قرآن عظیم نے فرمایا ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا، یوں نہیں فرمایا مافعل الرسول فخذوه وما لم یفعل فانتهوا۔	۳۰۵	آیت کریمہ واذا حییتم بتحیة کی تفسیر۔	۵۵۹
آیہ کریمہ "ان اکرمکم عند الله اتقاکم" میں فضل ذاتی مراد ہے۔	۴۲۳	آیت کریمہ ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون کی تفسیر۔	۵۶۰
آیت کریمہ ماکان لبشر کا شان نزول	۴۲۳	آیہ کریمہ محلقین رؤسکم ومقصرین میں حج کے حلق وقصر کا ذکر ہے اسے عادی امور سے تعلق نہیں۔	۶۰۱

کتاب اللہ میں تمام احکام جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں بلکہ ازلا ابدا جمیع کوائن وحوادث بالاستیعاب موجود ہیں۔	۶۱۸	آیت کریمہ یزید فی الخلق مایشاء میں ایک تفسیر کے مطابق داڑھی مراد ہے۔	۶۴۰
ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول کہ اگر میری رسی گم ہوجائے تواس کو قرآن عظیم میں پالوں۔	۶۱۸	یاایھاالذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ الاٰیۃ کاشان نزول۔	۶۴۲
حضرت علی کرم اللہ وجہہ کافرمان کہ سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھوں توستر اونٹوں کابوجھ بن جائے۔	۶۱۹	تین آیات سے داڑھی منڈانے کی مذمت اور رکھنے کا ثبوت۔	۶۴۲
داڑھی بڑھانے کے بارے میں متعدد آیات کریمہ موجود ہیں اوراس میں دو طریق ہیں۔	۶۲۸	فوائد حدیثیہ	
آیت کریمہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کی تفسیر۔	۶۳۱	چاندی کے پتر کے استعمال سے متعلق ایک حدیث پر گفتگو۔	۱۱۴
ایک آیہ کریمہ کی تفسیر اور فلیغیرن خلق اللہ سے داڑھی بڑھانے پر استدلال۔	۶۳۵	ایک حدیث میں وارد لفظ تعطر کے معنی کی تحقیق،	۱۲۷
آیت کریمہ یا ایھا الذین اٰمنوا لاتحلوا شعائر اللہ سے ثبوت لحیہ پر استدلال۔	۶۳۶	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پائجامہ پہننے سے متعلق حدیث بشدت ضعیف ہے۔	۱۵۸
ان آیات کریمہ سے داڑھی کااثبات جن میں ملت ابراہیمی کی اتباع کاحکم دیا گیااس سے اعراض کو سخت حماقت وسفاہت فرمایا گیا۔	۶۳۷	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پائجامہ خریدنا بسند صحیح ثابت ہے۔	۱۵۸
اولئك الذین ھداھم اللہ فبھداھم اقتدہ الاٰیۃ سے داڑھی بڑھانے پر استدلال۔	۶۳۸	متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے بسا اوقات ضعیف حدیث قوی ہوجاتی ہے۔	۱۶۰
آیت کریمہ لاتاخذ بلحیتی میں لحیہ کا فقط ذکر ہی نہیں داڑھی بڑھانے کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے۔	۶۳۸	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عورتوں کے لباس سے متعلق پیشگوئی پر مشتمل حدیث کی ایک تفسیر۔	۱۶۳
آیت کریمہ ومن یشاقق الرسول الخ کی تفسیر اوراس سے داڑھی رکھنے پر استدلال۔	۶۳۹		

سرخ رنگ کے بال میں احادیث نہی واحادیث جواز میں تطبیق۔	۱۹۷	غیر مقلدین کے لئے صرف دو حدیثوں سے کچھ بوئے استناد نکل سکتی ہے۔	۲۷۸
معانقہ کے جواز ونفی پر وارد احادیث میں تطبیق۔	۲۵۳	حدیث اول: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ میں ہاتھ لینا تحیت کی تمامی سے ہے۔	۲۷۸
احادیث نہی معانقہ کی توجیہ۔	۲۶۰	حدیث دوم: وہی حدیث انس جس کی طرف امام قاضیخاں نے اشارہ فرمایا۔	۲۷۹
بے حالت سفر معانقہ کے ثبوت پر سولہ احادیث کریمہ۔	۲۶۱	بارہالفظ یدٖ بصیغہ مفرد لاتے ہیں مگر مراد دونوں ہاتھوں ہوتے ہیں۔	۲۸۴
مسند ایشاں حدیث انس است واورا مفہوم نیست۔ (مقولہ امام قاضیخاں)۔	۲۷۰	حدیث حنظلہ کو امام المحدثین امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تصریحاً منکر فرمایا۔	۲۸۹
غیر مقلدین کا محل استناد حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مذکور لفظ "یدٖ" ہے جو بصیغہ مفرد واقع ہوا ہے۔	۲۷۳	امام ہمام مرجع ائمۃ الحدیث امام احمد بن حنبل کی تضعیف کے مقابل امام ترمذی کی تحسین مقبول نہیں ہوسکتی۔	۲۸۹
امام قاضی خاں علیہ الرحمۃ نے خاص حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو غیر مقلدین کا متستند کیوں بتایا حالانکہ کلمہ "ید" بصیغہ مفرد اس کے علاوہ بھی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔	۲۷۳	کسی ایک حدیث میں نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنے کو منع فرمایا ہو یا ارشاد فرمایا ہو کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کرو۔	۲۹۰
جن احادیث مصافحہ میں لفظ "ید" بصیغہ مفرد آیا ہے وہ تین قسم ہیں۔	۲۷۳	حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اعتراض اور اس کا جواب۔	۲۹۰
ایک ہاتھ سے مصافحہ والی حدیث کا مطلب۔	۲۷۶	ممکن ہے جو حدیث امام ابوحنیفہ ومالک کو پہنچی ہو وہ بخاری ومسلم کو نہ پہنچی ہو یا جو حدیث ان کے پاس بسند صحیح پہنچی ہو وہ بخاری ومسلم تک بذریعہ ضعاف پہنچی ہو۔	۲۹۶
وہ احادیث جو خاص کیفیت مصافحہ میں وارد ہیں۔	۲۷۸		

ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہیں فرمائے۔	۴۹۸	حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کا صحیح مفہوم۔	۴۹۹
تراجم وابواب موضوعہ کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوتی ہیں جنھیں بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں محدثین لکھ دیتے ہیں اور بخیال تکرار اس کے اعادہ واثبات سے باز رہتے ہیں۔	۴۹۸	حدیث قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سجدہ غیر کی حرمت پر استدلال۔	۵۰۰
حصر رواۃ ممکن نہیں تو حصر روایات کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔	۴۹۸	بکر نے لاینبغی لبشر ان یسجد لغیر کو حدیث ام المومنین کا تتمہ سمجھا حالانکہ یہ اس سے الگ حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔	۵۰۲
امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے حدیث "اختلاف امتی رحمۃ" جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے۔	۴۹۹	ممانعت سجدہ کی احادیث چار الگ الگ واقعات پر مشتمل ہے۔	۵۰۴
امام قسطلانی کی طرف سے بعض احادیث کی تخریج کا اظہار جن پر دیگر ائمہ حدیث مطلع نہ ہوسکے۔	۵۰۰	حدیث قیس، حدیث معاذ اور حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بکر نے کیوں چھپایا۔	۵۰۶
ایک حدیث کے اسناد کو امام ترمذی نے ضعیف کہا اس کی وجہ ضعف پر گفتگو۔	۵۳۳	مراسیل حسن محدثین کی نظر میں۔	۵۶۰
چالیس حدیثوں سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت۔	۴۳۷	حدیث مرسل ومنقطع میں فرق۔	۶۱۲
غیر خدا کو سجدہ کی حرمت سے متعلق احادیث دو نوع ہیں۔	۴۳۷	جن احادیث میں اعفاء اللحیہ کا ذکر نہیں وہ ان احادیث کے مخالف نہیں جن میں اس کا ذکر موجود ہے۔	۶۱۲
"کلامی لاینسخ کلام اللہ" حدیث منکر، باطل اور موضوع ہے۔	۴۹۷	عشر من الفطرۃ کی جگہ حدیث میں اگر الفطرۃ عشر بھی ہوتا جب بھی زیادہ کے منافی نہ تھا۔	۶۱۳
حدیث "صدق رؤیاک" کا معنی۔	۴۹۹	خصال فطرت کے تعداد کتنی ہے۔ اس بارے میں مختلف احادیث کا بیان۔	۶۱۳
ممانعت سجدہ سے متعلق حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میں بکر کی تحریف۔	۴۹۹	سلسلہ سند میں اگر یکے از دیگرے ہزار تک عدد رواۃ پہنچے تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے۔ اس میں تعدد نہیں ہوسکتا جب تک مرتبہ واحدہ میں متعدد راوی نہ ہوں۔	۶۱۵

سند عالی سے نازل کااشرف ہونا بالبداہۃ باطل ہے۔	۶۱۵	بدھ کے روز ناخن کاٹنے کی ممانعت سے متعلق دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔	۶۸۵
ولید نے نقل حدیث میں لم یذکر اور او لم یذکروا کافرق ملحوظ نہیں رکھا۔	۶۱۵	حدیث مذکور اگرچہ ضعیف ہے مگر حدیث صحیح بخاری وقد قیل اس کے مؤید ہے۔	۶۸۶
آثار موقوفہ ومقطوعہ کو قول رسول ٹھہرانا درست نہیں۔	۶۱۵	**جرح وتعدیل**	
طلق سے ان کا قول دونوں طرح مروی ہے۔	۶۱۶	حدیث طبرانی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔	۲۷۷
ولید نے حدیث خالفوا المشرکین کے جو معنٰی تراشے وہ کلام رسول سے کھلا استہزاء ہے۔	۶۲۴	مصنف علیہ الرحمۃ کی تحقیق کہ حدیث مذکور تین وجوہ سے قابل احتجاج نہیں۔	۲۷۹
ولید کے من گھڑت معنی حدیث کا پانچ وجوہ سے رَدوابطال	۶۲۴	نقد وتنقیح پر آئے تو حدیث انس نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف منکر ہے۔	۲۸۷
رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حلیہ مبارک سے متعلق احادیث۔	۶۳۱	ائمہ ناقدین نے امام ترمذی پر اسی بارے میں انتقادات کئے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں سے ہیں جو تصحیح وتحسین میں تساہل رکھتے ہیں۔	۲۸۸
مشرکوں اور کفار کی مخالفت، داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کے بارے میں مختلف الفاظ پر مشتمل متعدد احادیث۔	۶۴۴	امام ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے۔	۲۸۸
مثلہ کی تحریم وممانعت پر متعدد احادیث کریمہ کا بیان۔	۶۶۰	محدثین اہل جرح وتعدیل میں سے اکثر کو ائمہ حنفیّہ سے ایک تعنت ہے۔	۲۹۶
متعدد احادیث سے اثبات کہ مرد عورت کا ایک دوسرے سے تشبہ حرام ہے اور باعث لعنت ہے۔	۶۶۵	**اسماء الرجال**	
بدھ کو ناخن تراشنے کے مستحب ہونے اور موجب برص ہونے کی روایات میں تطبیق وترجیح۔	۶۸۵	محمد بن سلیمان بن حبیب اسدی (تصغیر کے ساتھ) دسویں طبقے کا معتبر راوی ہے۔	۱۷۴

ابوداؤد اعمٰی رافضی سخت مجروح متروک ہے امام ابن معین نے اسے کاذب کہا۔	۲۷۷	بخاری ومسلم کا علم محیط نہ تھا۔	۲۹۶
علماء محدثین یحیٰی بن مسلم طائفی کا حافظہ برا بتاتے ہیں۔	۲۷۹	ابراہیم بن بکر راویوں میں چھ ہیں اور سوائے ابراہیم بن بکر شیبانی کے کسی میں ضعف نہیں۔	۲۹۸
حنظلہ بن عبداللہ سدوسی محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔	۲۸۷	ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔	۳۳۴
وہ صحیح الحواس نہیں رہا تھا یحیٰی بن سعید قطان)۔	۲۸۷	امام عینی علامہ قہستانی سے اوثق ہیں۔	۴۶۰
وہ ضعیف منکر الحدیث ہے (امام احمد)	۲۸۷	جبرون متہم ہے۔	۴۹۷
وہ تعجب خیز روایات لاتا ہے۔ (امام احمد)	۲۸۷	امام اجل محمد بن عباد تابعی ہیں اور ام المومنین صدیقہ، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ اور جابر بن عبداللہ کے شاگرد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۵۲۳
وہ کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا۔ (یحیٰی بن معین)	۲۸۸	امام ابن جریج تابعین سے ہیں امام جعفر صادق کے شاگرد اور امام شافعی کے دادا استاد ہیں۔	۵۲۳
وہ قوی نہیں۔ (امام نسائی)	۲۸۸	امام عطاء بن ابی رباح امام ابوحنیفہ کے استاذ ہیں۔	۵۲۹
امام محدث ابوالخطاب ابن دحیہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی حافظ حدیث متقن ہیں۔	۲۸۸	سلمہ بن محمد مجہول ہے۔	۶۱۲
حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت کردہ احادیث حضرت ابوہریرہ کی مرویات سے زائد ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۲۹۵	علی بن جدعان شیعی ضعیف ہے۔	۶۱۲
تصانیف محدثین میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ صرف سات سو جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت کردہ پانچ ہزار تین سو احادیث پائی جاتی ہیں۔	۲۹۵	ابن عباس صحابی اور مجاہد وبکر وطلق تابعی ہیں۔	۶۱۵
عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ مصر میں جبکہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ منورہ میں سکونت پذیر تھے۔	۲۹۵	ام یعقوب اسدیہ کبار تابعین ثقات وصالحات سے ہیں بعض نے صحابیہ کہا۔	۶۲۹
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرنے والے تقریباً آٹھ سو افراد تھے۔	۲۹۵		

یزید بن خالد ثقہ ہے۔	۶۴۹	لباس کے بارے میں اصل کلی۔	۱۸۴
مفضل ابن فضالہ المصری ثقہ فاضل عابد ہیں۔	۶۴۹	عادت میں جدت ممنوع نہیں۔	۱۹۱
عیاش ابن عباس ثقات سے ہے۔	۶۴۹	کفار وفساق کی وضع مخصوص سے احتراز لازم ہے۔	۱۹۳
فوائد اصولیہ		حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔	۱۹۷
سونے اور چاندی کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔	۱۱۲	قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب ہے اور بے مدرک شرعی تقیید و تخصیص مردود و باطل ہے۔	۲۵۹
شرع مطہر نے سونے، چاندی کی اباحت اصلیہ کو منسوخ فرمادیا۔	۱۱۲	سنت جب بھی ادا کی جائے سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحًا نہی ثابت نہ ہو۔	۲۶۸
محرمات میں شبہہ مثل یقین ہے۔	۱۱۲	جائز شرعی کی ممانعت ومذمت پر اترآنا شریعت مطہر پر افتراء کرنا ہے۔	۲۷۰
حقیقت اصل ہے اور بلا ضرورت مجاز کی طرف عدول جائز نہیں۔	۱۲۰	مقام ترغیب وترہیب میں غالبًا ادنٰی کو بھی ذکر کرتے ہیں جب اس قدر پر یہ ثواب وعقاب ہے تو زائد میں کتنا ہوگا۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس سے زائد محذور یا مندوب نہیں۔	۲۷۵
تابع کی متبوع سے معیت چاہئے نہ کہ خود اجناس مختلفہ سے ترکب۔	۱۲۱	وقائع جزئیہ حکم عام کو مفید نہیں۔	۲۷۸
شرع مطہر کی عادت کریمہ اور ایک مفید قاعدہ کلیہ۔	۱۶۱	واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا اور قضیہ معین عام نہیں ہوتا۔	۲۷۸
ریشم کے بارے میں ضابطہ	۱۷۵	وقائع جزئیہ کا مفاد۔	۲۷۸
اصل اشیاء میں اباحت ہے۔	۱۸۰	کسی واقعے میں دو امروں میں سے ایک کا وقوع چار وجہوں سے ہوسکتا ہے۔	۲۷۸
جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو اس پر جرأت ممنوع و معصیت ہے۔	۱۸۰	مفہوم مخالف کے قائلین کے نزدیک یہ شرط ہے کہ وہ واقعہ جزئیہ میں نہ ہو ورنہ بالاجماع ماعدا سے نفی حکم کو مفید نہ ہوگا۔	۲۷۸
جب تک تحریم ثابت نہ ہو اباحت اصلیہ شرعیہ پر عمل سے کوئی مانع نہیں۔	۱۸۱		

محققین کے نزدیک مفہوم مخالف حجت نہیں۔	۲۸۰	عدم نقل اور نقل عدم میں تمیز نہ کرنا مفاسد جہل وتعصب میں سے ہے۔	۳۰۵
بہت جگہ ید اور یدین میں کوئی فرق نہیں کرتے اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے ہیں اور ایک ہی امر میں کبھی مفرد اور کبھی تثنیہ بولتے ہیں۔	۲۸۵	نہ کرنا اور بات ہے اور منع فرمانا اور بات ہے۔	۳۰۵
افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھنا عقل سے بعید ہے۔	۲۸۵	ممنوع وہ چیز ہے جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمائی نہ کہ وہ جو آپ نے نہ کی۔	۳۰۵
دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ آیا ہو ورنہ بالاجماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی۔	۲۸۷	نفی استحباب سے اثبات کراہت لازم نہیں آتا۔	۳۰۶
عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل ٹھہرانا باطل ہے۔	۲۹۴	فعل دلیل جواز ہے اور عدم فعل دلیل ممانعت نہیں۔	۳۰۶
امام بخاری کا کسی حدیث کو نہ جاننا اس بات کو مستلزم نہیں کہ امام ابوحنیفہ وامام مالک بھی اس حدیث کو نہ جانتے تھے۔	۲۹۶	نہ کردن چیزے دیگر است ومنع فرمودن چیزے دیگر۔	۳۰۶
بخاری ومسلم کے کسی حدیث کے بارے میں عدم علم سے اس حدیث کا عدم وجود لازم نہیں آتا۔	۲۹۶	جو امر جس طرح قوم میں رائج اور ان کے نزدیک الفت و موانست اور اس کی زیادت پر دلیل ہو وہ عین مقصود شرع ہوگا جب تک بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو۔	۳۰۷
عدم علم کو علم بالعدم ٹھہرانا سفاہت ہے۔	۳۰۲	کسی قوم کی جو رسم مقاصد شرع کے خلاف ہو وہ بیشک ناپسند ہوگی۔	۳۰۸
حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم نہیں۔	۳۰۳	جو امر نو پیدا کسی سنت ثابتہ کی ضد واقع ہو اور اس کا فعل فعل سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بے شک ممنوع ومذموم ہے۔	۳۰۹
بہت سے حامل فقہ افقہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔	۳۰۳	دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا کسی سنت کا رافع نہیں۔	۳۰۹
بہت سے حامل فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے، عدم نقل اور نقل عدم میں بہت فرق ہے۔	۳۰۳	بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنت ثابتہ سے متصادم ہو۔	۳۰۹
عدم النقل لاینفی الوجود یعنی عدم نقل نافی وجود نہیں۔	۳۰۵		

جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو وہ بے اصل نہیں ہو سکتی۔	۳۱۰	انتفائے جزاء انتفائے شرط ہے۔	۵۰۰
بوسہ تعظیم شرعاوعرفا انحاء تعظیم سے ہے۔	۳۴۲	سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء خود اللہ تعالٰی پر افتراء ہے۔	۵۰۹
روضہ اقدس پر حاضری اور سلام سنت صحابہ ہے۔	۳۴۲	اب ناسخ کا ناسخ کوئی نہیں۔	۵۱۲
جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے۔	۳۴۳	نصوص کو ظاہری معنی سے پھیر کر اہل باطن کی طرح باطنی معنی لینا الحاد ہے۔	۵۱۲
اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہے۔	۳۵۴	اتباع جمہور کا ہوگا۔	۵۱۵
تعظیم وتوہین کامدار عرف وعادت پر ہے۔	۳۶۸	قول شاذ ماننے والے پر شرعی الزام شدید عائد ہوگا۔	۵۱۵
الامور بمقاصدہا۔	۳۶۹	قول مرجوح پر افتراء اور حکم جہل اور خرق اجماع ہے۔	۵۱۵
نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغییر نہیں کرتا۔	۳۸۷	اجماع امت کا توڑنے والا فاسق ہے۔	۵۱۵
فعل کبھی مقصود لذاتہٖ ہوتا ہے جیسے نماز، اور کبھی مقصود لغیرہٖ جیسے وضو۔	۳۸۷	ہر سنی مسلمان کے کلام میں تاحدامکان تاویل لازم ہے۔	۵۱۶
طواف کبھی مقصود لذاتہ ہوتا ہے کبھی مقصود لغیرہٖ۔	۳۸۷	متشابہات کا اتباع کرنا جہالت ہے۔	۵۱۷
تعظیم الٰہی بطواف امکنہ امر تعبدی غیر معقول المعنٰی ہے۔	۴۰۱	حکم قرآن حدیث سے منسوخ ہو جاتا ہے۔	۵۲۰
جو شرک نہ ہو اس کا جائز وروا ہونا ضروری نہیں۔	۴۳۰	ملائکہ وبشر کے احکام جدا ہیں۔	۵۲۰
قرآن کریم اپنی جمیع وجوہ پر حجت ہے۔	۴۳۷	جو حکم ملائکہ کو دیا گیا وہ شریعت مِن قبلنا نہیں۔	۵۲۰
مذہب حنفی میں آیت حدیث سے منسوخ ہو سکتی ہے۔	۴۹۷	شریعت میں کسی فعل کی عدم ممانعت دو طرح سے ہوتی ہے۔	۵۲۰
احکام میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام اللہ تعالٰی ہی کا کلام ہے۔	۴۹۷	اباحت شرعیہ اور اباحت اصلیہ میں فرق ہے۔	۵۲۰
کلام خدا کلام خدا سے منسوخ ہو سکتا ہے۔	۴۹۷		

اباحت اصلیہ حکم شرعی نہیں بلکہ عدم حکم ہے۔	۵۲۰	شرائع من قبلنا اس وقت تک حجت ہیں کہ ہماری شریعت ممانعت نہ فرمائے منع کے بعد اباحت اصلیہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔	۵۴۹
نص قطعی کے مقابلے میں قیاس کار ابلیس ہے۔	۵۲۸	اصل اشیاء میں اباحت ہے مگر بعد منع شرع اباحت نہیں رہ سکتی۔	۵۵۰
شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا قطعی نہیں۔	۵۳۱	مورد احکام افعال اختیاریہ ہیں نہ کہ اضطراریہ۔	۵۵۱
باتفاق عقول و نقل واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا۔	۵۳۲	ایک ہی چیز ارادے اور مقصد کے اعتبار سے کبھی حلال اور کبھی حرام سے متصف ہوتی ہے۔	۵۵۴
قیاس ظنی ہوتا ہے۔	۵۳۲	اصلاح باطن آرائش ظاہر سے اہم تر ہے مگر اس کے ساتھ افساد ظاہر وارتکاب محرمات کی اجازت نہیں۔	۵۷۳
ظنی کے انکار کو ظنی بس ہے۔	۵۳۲	تعمیل حکم شرع واتباع سنت شارع ہرگز آراستگی باطن میں خلل انداز نہیں۔	۵۷۳
جو حدیث روایتًا متواتر نہ ہو مگر قبولا متواتر ہو اس سے قطعی کا نسخ روا ہے۔	۵۳۴	اعذار باردہ موجب تحلیل محرمات نہیں ہوسکتے۔	۵۷۳
حدیث لاوصیۃ لوارث سے وصیت والدین واقربین کہ منصوص قرآن تھی منسوخ کہی گئی۔	۵۳۴	ارتکاب ممنوع کے ساتھ ندامت واعتراف جرم لاحق ہو تو وہ باعث تخفیف عذاب اور عزم مع الترک موجب محو گناہ ہوجاتا ہے۔	۵۷۴
متواتر کی دو قسمیں ہیں۔	۵۳۴	خیر الامور اوسطہا۔	۵۸۳
اجماع ناسخ ومنسوخ تو نہیں مگر دلیل نسخ یقینا ہے۔	۵۳۵	جو اپنے اہل زمانہ کے حالات سے بے خبر ہو وہ جاہل ہے۔	۶۰۳
خبر منسوخ نہیں ہوتی۔	۵۳۵	شریعت پر کسی کا قول حجت نہیں۔	۶۰۶
واقع غیر واقع نہیں ہوسکتا۔	۵۳۶	اللہ ورسول سب پر حاکم ہیں اللہ ورسول پر کوئی حاکم نہیں۔	۶۰۶
غایت تعظیم کے لئے نہایت عظمت درکار۔	۵۳۶	جاہل کہیں کے ہوں ان کا فعل سند نہیں ہوسکتا۔	۶۰۶
کم درجہ تعظیم کے لئے انتہادرجے کی تعظیم ظلم صریح ہے۔	۵۳۶	من تبعیضیہ اس پر دلیل ہے کہ جن بعض کا یہاں ذکر ہے اس کے علاوہ بعض اور بھی ہیں۔	۶۱۲
اباحت اصلیہ کا رفع نسخ نہیں۔	۵۳۷		

بعض جگہ عدد مذکور سے مقصود حصر نہیں بلکہ اعانت ضبط وحفظ کے لئے صرف مذکورات کا شمار ہوتا ہے۔	۶۱۳	حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا استدلال کہ منہیات رسول منہیات خدا ہیں۔	۶۲۹
احادیث فضائل وخصائص عدد ومعدود کے مختلف ہونے کے باوجود آپس میں متعارض نہیں۔	۶۱۴	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عادت کریمہ تھی کہ کوئی چیز کتنی ہی مرغوب وپسندیدہ موجب شرعا لازم وضروری نہ ہو تو بیان جواز کے لئے گاہے ترک بھی فرمادیتے یا قولا خواہ تقریرا جواز ترک بتادیتے۔	۶۳۴
جب حرمت تسلیم ہو تو پھر اباحت کہاں۔	۶۱۷	سنت کی تعریف۔	۶۳۴
ایضاح حق ازاحت باطل، استیصال شبہات اور استحصال دلائل کے لئے چند تنبیہات۔	۶۱۸	واجب کی تعریف، اور سنت اور واجب میں فرق۔	۶۳۴
فرض وواجب اور اسی طرح حرام ومکروہ تحریمی کا فرق دربارہ اعتقاد ہے مگر عمل میں دونوں کا حکم ایک ہے۔	۶۲۶	**فوائد فقہیہ**	
فرض وحرام کا منکر کافر۔ ان کی مخالفت میں گناہ، امتثال میں رہ جائے ثواب اور خلاف میں استحقاق غضب وعذاب ہے۔	۶۲۶	گھنڈی اور بوتام ایک ہی چیز ہیں صرف صورت کا فرق ہے۔	۱۱۲
مکروہ تحریمہ صغیرہ ہے۔	۶۲۶	مرد کے لئے چاندی کی چند چیزوں کا استعمال حرمت سے مستثنٰی ہے۔	۱۱۲
ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ اور ہلکا جاننے سے اشد کبیرہ ہوجاتا ہے۔	۶۲۶	ریشم کا لبس یعنی پہننا، اوڑھنا اور جس امر میں ان کی مشابہت ہو ممنوع ہے باقی تمام طرق استعمال روا ہیں۔	۱۱۳
وہ تمام احکام جو حدیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں۔	۶۲۸	چاندی کی زنجیروں کو چاندی کے کام پر قیاس کرنا درست نہیں کہ دونوں میں فرق بدیہی ہے۔	۱۱۳
جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔	۶۲۸	کانچ کی چوڑیاں عورتوں کے لئے جائز بلکہ شوہر کے لئے سنگھار کی نیت سے مستحب ہے اور اگر شوہر یا والدین کا حکم ہو تو واجب ہیں۔	۱۱۵

زر کے لئے کپڑے میں سلا ہونا ضروری نہیں بلکہ مخیط ومربوط ومغروز ومرکوز سب کو عام ہے۔	۱۱۷	بلاوجہ شرعی قوم کے عرف وعادت سے خروج مکروہ ہے۔	۱۷۱
بٹن بھی گھنڈیوں کی طرح تابع ہیں کہ علماء نے مطلقاً زر کو تابع بتایا اور زرا نھیں شامل ہے۔	۱۲۱	ریشمی رومال ہاتھ میں لینا، جیب میں ڈالنا اور اس سے منہ پونچھنا جائز بلکہ کندھے پر ڈالنا مکروہ تحریمی ہے۔	۱۷۵
معنی تابع پر بحث۔	۱۲۱	ریشم کا صرف پہننا مرد کو ممنوع ہے نہ کہ باقی طرق استعمال۔	۱۷۶
سونے چاندی کی زنجیروں کے عدم جواز کی دلیل۔	۱۲۵	پارچہ رینڈی کے بارے میں سوال کہ یہ از قسم حریر ہے یا نہیں۔	۱۷۷
دلھن کو سجانا سنت قدیمہ ہے۔	۱۲۶	ٹسر نامی کپڑے کے بارے میں سوال جو چمک وملائمت میں ریشم سے کمتر ہوتا ہے۔	۱۷۹
مرد وعورت دونوں کو سونے یا چاندی کی گھڑی میں وقت دیکھنا حرام ہے۔	۱۲۹	ریشم اور ٹسر کی تعریف۔	۱۷۹
جن اشیاء پر سونے یا چاندی کا پانی چڑھا ہو مرد اس کو استعمال کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ شے فی نفسہ ممنوع نہ ہو۔	۱۲۹	حریر شرعاً اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کیڑے کے لعاب سے بنایا جاتا ہے۔	۱۸۱
ٹخنوں سے نیچے لٹکتے ہوئے پائچے اگر براہ تکبر ہوں تو حرام ورنہ مردوں کے لئے مکروہ وخلاف اولٰی ہیں۔	۱۶۱	عمامہ میں سنت یہ ہے کہ اڑھائی گز سے کم اور چھ گز سے زائد نہ ہو اور اس کی بندش گنبدی نما ہو۔	۱۸۶
مرد کے لئے ازار یا پائنچے کہ نیم ساق تک رکھنا عزیمت اور کعبین تک رخصت ہے۔	۱۶۲	اعتجار مکروہ ہے۔	۱۸۷
اسبال اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے۔	۱۶۶	خالص ریشمی رومال اگر ہاتھ میں لینے کا ہے تو مرد استعمال کرسکتا ہے اور اگر اوڑھنے کا ہے تو نہیں کرسکتا۔	۱۸۸
اسبال اگر براہِ عجب وتکبر ہے تو حرام ورنہ مکروہ وخلاف اولٰی نہ حرام ومستحق وعید۔	۱۶۷	کمخواب یا مخمل اگر سوتی ہو تو مرد کو جائز ہے اور ریشمی ہو تو ناجائز ہے۔	۱۸۸
ممنوع اسبال وہ ہے جو جانب کعبین سے ہو پنجہ کی جانب سے اگر پائچے پشت پر ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں اس طرح کا اسبال ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بلکہ خود سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔	۱۶۷		

لباس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اس میں تین امور کا لحاظ رکھا جائے (۱) اس کی اصل حلال ہو۔ (۲) رعایت ستر (۳) لحاظ وضع۔	۱۸۹	ہاتھ چومنا فرض وواجب نہیں۔	۳۳۹
پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر کا حکم یکساں ہے۔	۲۰۵	انحناء، جھکنا کسی کی تعظیم کے لئے کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۳۶۹
محارم مردوں سے مراد کونسے مرد ہیں۔	۲۲۳	زمین بوسی کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۳۷۵
محارم عورتوں سے مراد کون سی عورتیں ہیں۔	۲۲۴	طواف کا لغوی، عرفی اور شرعی معنی۔	۳۸۶
پردہ سے متعلق ضابطہ کلیہ۔	۲۴۰	نیت وغایت رکن شیئ نہیں۔	۳۸۷
محارم نسبی سے پردہ نہ کرنا واجب اور محارم غیر نسبی سے پردہ کرنا یا نہ کرنا دونوں جائز ہیں۔	۲۴۰	طواف کی غایت مقصودہ تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ کبھی غیر تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے۔	۳۸۷
معانقہ سفر وحضر میں چند شرائط کے ساتھ مطلقاً جائز ہے تخصیص سفر ثابت نہیں۔	۲۵۱	طواف کبھی توہین وتعذیب کے لیے ہوتا ہے۔	۳۸۷
جواز معانقہ کی شرائط۔	۲۵۹	طواف کی اقسام اربعہ اور ان کے احکام۔	۳۸۷
معانقہ کے جواز میں تخصیص سفر کا دعوی محض بے دلیل ہے۔	۲۵۹	اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کیے گئے ہیں تین نوع ہیں اور تینوں کے احکام۔	۳۹۱
نماز عیدین، جمعہ، فجر، عصر اور وعظ کے بعد مصافحہ اور عیدین کے بعد معانقہ جب منکرات شرعیہ سے خالی ہو تو جائز ہے اور بنیت محمودہ مستحب ومندوب ہے۔	۳۲۷	رکوع تک انحناء کبھی تعظیم کے لیے اور کبھی بلا تعظیم بلکہ برائے توہین بھی ہوتا ہے۔	۳۹۱
سلام کے جواب میں آداب عرض، تسلیمات یا بندگی کے الفاظ کہے یا صرف ہاتھ ماتھے تک اٹھادیا تو گنہگار ہے کہ یہ الفاظ سلام نہیں اور صرف ہاتھ اٹھادینا کوئی چیز نہیں جب تک اس کے ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔	۳۳۲	طواف کبھی مستقیم ہوتا ہے جیسے صفا ومروہ کے درمیان، اور کبھی مستدیر جیسے گرد کعبہ۔	۳۹۳
سلام کا جواب واجب کفایہ ہے۔	۳۳۳	اوضاع تعظیمیہ برائے عبادت کی اقسام ثلثہ میں سے طواف قسم دوم سے تعلق رکھتا ہے۔	۳۹۳

افعال حج تعبدی ہیں۔	۴۰۱	داڑھی جب واجب ہے تو پھر اس کو سنت کیوں کہا جاتا ہے۔	۵۸۱
سجدہ عبادت، سجدہ تحیہ، سجدہ تعظیم، سجدہ شکر اور تقبیل ارض کی تعریفات اور ان میں فرق کیا ہے۔	۴۱۴	داڑھی کاٹنا کب ناجائز، کب جائز اور کب واجب ہے۔	۵۸۱
لوگوں کی عادت سے خروج باعث شہرت و مکروہ ہے۔	۴۱۴	مقدار ریش ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائیگی۔	۵۸۱
اتخاذ القبور مسجدا کی دو صورتیں۔	۴۵۷	حقیقت امر یہ ہے کہ ہم پر اتباع مذہب لازم ہے دلائل میں نظر ائمہ مجتہدین فرما چکے ہیں	۵۹۲
سترہ کی مقدار کیا ہے۔	۴۷۹	بوقت ضرورت ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔	۵۹۳
کعبہ محض پتھروں سے بنے ہوئے مکان کا نام نہیں۔	۵۲۸	گدی کے بال منڈانا پچھنوں کی ضرورت سے جائز اور بلاضرورت مکروہ ہے۔	۵۹۹
سجدہ غایت تعظیم ہے۔	۵۳۶	جہاں لوگ عمامہ کے شملہ سے مذاق کرتے ہوں وہاں شملہ نہ رکھا جائے۔	۶۰۳
انحناء یعنی جھکنا دو قسم ہے مقصود اور وسیلہ، دونوں کے حکم کی تفصیل۔	۵۵۰	داڑھی تھوڑی کترنے سے سب منڈا دینا خبیث تر ہے۔	۶۰۶
وجد کو حرام کہنا عجب ہے کہ وہ حالت اضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا۔	۵۵۱	حرام حرام میں فرق ہے۔	۶۰۶
تحریم سجدہ تحیہ میں ہماری سند تصریح فقہاء کرام ہے۔	۵۵۹	مکروہ تحریمی کو کسی عالم نے قریب بہ حلت نہیں بتایا۔	۶۲۷
وجوب جواب صرف سلام کے لئے ہے نہ کہ ہر تحیت کے لئے۔	۵۶۰	امام محمد کے نزدیک مکروہ تحریمی عین حرام اور شیخین کے نزدیک حرام کے قریب ترین ہے۔	۶۲۷
داڑھی کتروانا یا منڈانا داڑھی چڑھانے سے بچند وجوہ سخت تر ہے۔	۵۷۳	امام اعظم علیہ الرحمۃ جب شے کو مکروہ کہیں تو اس سے ان کی مراد کیا ہوتی ہے۔	۶۲۷
قزع مکروہ ہے۔	۵۷۸	عامہ کتب فقہ وحدیث کی تصریح کے مطابق داڑھی کی حد یکمشت ہے۔	۶۵۵
قزع کی صورت۔	۵۷۸	حد شرع سے زائد داڑھی کو کاٹنا ہمارے نزدیک مسنون ہے۔	۶۵۵
داڑھی ایک مشت یعنی چار انگل تک رکھنا واجب ہے اور اس سے کم کرنا ناجائز ہے۔	۵۸۱		

افتاء و رسم المفتی		**مجالس ومحافل**	
جو اپنے اہل زمانہ کو نہ پہچانے وہ جاہل ہے۔	۲۳۹	وعظ ومیلاد کی محفل میں عورت کن شرائط کے ساتھ مسجد میں جاسکتی ہے۔	۲۳۹
فضول وبے مقصد بات کے بارے میں فتوی نہیں پوچھنا چاہئے۔	۲۴۶	عورتوں کا مل کر گھر میں میلاد یا شہادت پڑھنا کہ آواز باہر جائے ناجائز ہے۔	۲۴۰
جو لوگ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر دیدہ ودانستہ علانیہ کبائر عظیمہ کا ارتکاب کریں ان پر فتوی کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔	۲۴۶	عورتوں کا باہم گلا ملا کر مولود شریف پڑھنا جس سے ان کی آوازیں غیر محرموں کو سنائی دیں باعث ثواب نہیں بلکہ باعث گناہ ہے۔	۲۴۵
آداب تلاوت وآداب بارگاہِ رسالت		**امر بالمعروف ونہی عن المنکر**	
تلاوت قرآن کے دوران کسی کو سلام کرنا یا سلام کا جواب دینا کیسا ہے۔	۳۷۹	امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک کا وبال۔	۲۱۱
کن شخصوں کی تعظیم کے لئے تلاوت قرآن موقوف کرسکتا ہے۔	۳۷۹	کسی کو نصیحت وہدایت کرنے پر قدرت کے باوجود خاموش رہنے والے پر کیا حکم ہے۔	۴۰۸
بارگاہ رسالت اور روضہ مطہرہ پر حاضری وقیام کے آداب۔	۳۹۲	مریدین کو سجدہ سے منع نہ کرنے والا پیر خطاکار ہے اس پر فرض ہے کہ مریدوں کو سجدہ سے منع کرے اور مریدوں پر فرض ہے کہ اس فعل حرام سے باز آجائیں۔	۵۴۳
آداب زیارت روضہ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۳۹۳	غیر خدا کو سجدہ کرنے والے کو منع کرنا فرض ہے مگر قدمبوسی کو سجدہ سمجھ کر منع کرنا گمان خبیث ہے۔	۵۶۷
دُرود وسلام		**فحش گوئی**	
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ صلعم یا ص یا ع م یا صللم وغیرہا رموز لکھنا ممنوع اور سخت بیدولتی ہے پورا درود لکھنا لازم ہے۔	۶۹۲	فحش گوئی جفا ہے اور جفا والا دوزخ میں ہے۔	۲۱۴

فحش گوئی اور زبان درازی منافقت کے دو ۲ شعبے ہیں۔	۲۱۴	خواب کے مہتم بالشان ہونے کے بارے میں احادیث متوافر و متواتر ہیں۔	۲۷۱
فحش گوئی کرنے والا منحوس ہے۔	۲۱۵	جو اچھا خواب دیکھے وہ اللہ تعالٰی کی حمد بجالائے اور لوگوں کے سامنے بیان کرے۔	۲۷۲
فضائل ومناقب		امام ابوحنیفہ وامام مالک کا زمانہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے قریب تر اور خیر القرون تھا۔	۲۹۶
امام ابو منصور ماتریدی اہل سنت کے پیشوا ہیں۔	۲۵۳	زمانہ ابوحنیفہ ومالک میں بوجہ قلتِ کذب اور کثرت خیر سند نظیف اور وسائط کم تھے۔	۲۹۶
فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں اپنا یار کہا،	۲۵۵	مناقب امام ابویوسف علیہ الرحمۃ۔	۲۹۶
قیامت میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شفاعت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت جیسی ہوگی۔	۲۵۷	امام ابویوسف علیہ الرحمۃ کا امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی وسعت نظر فی الحدیث کا اعتراف۔	۲۹۷
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی آمد پر کھڑے ہوئے ان کی پیشانی کو چوما اور ان سے بغلگیر ہو کر کچھ دیر انس حاصل فرماتے رہے۔	۲۵۷	امام ابوحنیفہ کو امام اعمش کا خراج تحسین۔	۳۰۴
فضیلت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	۲۶۱	فقہاء کرام طبیب اور محدثین کرام عطار ہیں۔	۳۰۴
شان علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۴	امام ابوحنیفہ کو فقہ وحدیث دونوں میں دسترس حاصل ہے۔	۳۰۴
شان صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۵	محدث شعبی کا فقہاء کرام کو خراج تحسین۔	۳۰۴
مرتبہ ومقام صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر میں۔	۲۶۵	لوگوں کا آپس میں محبت کرنا اللہ تعالٰی کو پسند ہے۔	۳۰۷
دل صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں محبت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۲۶۶	سلام، مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ اسباب وذرائع محبت ہے۔	۳۰۷
شان عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۶۶	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپس میں نفرت کرنے والے میاں بیوی ایک دوسرے سے گہری محبت کرنے لگے۔	۳۲۰
مناقب امام قاضی خاں۔	۲۷۰	درخت نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔	۳۲۱

مناقب امام الائمہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۳۲۳	حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آئی ہے۔	۴۳۷
عالم دین اور دوسرے بزرگوں کے ہاتھ چومنا مستحب ومسنون ومحبوب ہے۔	۳۳۰	اللہ تعالٰی نے عورت پر شوہر کی فضیلت رکھی۔	۴۳۸
سلطان عادل کے ہاتھ چومنا جائز ہے۔	۳۳۰	اگر بشر کو سجدہ روا ہوتو عورت کو حکم ہوتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔	۴۴۰
بزرگان دین مثل پیر، مہتدی وعالم سنی کے ہاتھ چومنا جائز ومستحب بلکہ سنت ہے۔	۳۳۸	سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے پیران عظام محبوبان خدا ہیں۔	۵۱۵
روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ستر ہزار فرشتے صبح اور ستر ہزار شام کو اترتے ہیں اور درود وسلام پیش کرتے ہیں۔	۳۹۴	شریعت مطہرہ سب پر حجت ہے اور شریعت مطہرہ پر کوئی چیز حجت نہیں۔	۵۱۵
اولیاء کرام وارثان سرکار رسالت ہیں۔	۳۹۵	اولیاء کاملین سے جو قول، فعل، حال بظاہر خلاف شرع منقول ہو تو چار وجوہ سے اس کا دفاع ہوگا۔	۵۱۶
مزارات اولیاء کرام ہر طرف سے مر اقدام صلحائے عظام ہوتے ہیں۔	۳۹۵	ثبوت کامل کے بغیر کسی مسلمان کی طرف کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں۔	۵۱۶
سادات کرام کی تعظیم فرض اور توہین حرام ہے۔	۴۲۰	ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم اللہ تعالٰی نے آفرینش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے دیا تھا۔	۵۲۰
محبت آل اطہار کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ آیت قرآنی ہے۔	۴۲۱	انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فعل ممنوع نہیں کرتے۔	۵۲۰
سچے محبان اہلبیت کرام کے لئے روز قیامت نعمتیں برکتیں اور راحتیں ہیں۔	۴۲۲	شیخ ابوطالب مکی علیہ الرحمۃ کے مناقب۔	۵۵۷
سید وغیر سید دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور صدارت کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہوگی۔	۴۲۲	صوفیائے کرام سے بڑھ کر اللہ تعالٰی کی طرف جھکنے والا اور ان سے بڑا دیندار کون ہوسکتا ہے۔	۵۵۹
فضل نسب منتہائے نسب کی افضیلت پر ہے۔	۴۲۳	اشیاء معظّمہ کو تعظیما بوسہ دینا جائز ہے جبکہ کسی حرج شرعی پر مشتمل نہ ہو۔	۵۶۲
فضل دو طرح کا ہے ایک فضل ذاتی دوسرا فضل انتساب۔	۴۲۳	معظمان دینی کے ہاتھ پاؤں چومنا اور ان کو دیکھ کر تعظیما قیام کرنا جائز ہے مگر ہاتھ باندھے کھڑے رہنا نہ چاہئے اور کسی معظم دینی کا خود اس کی خواہش کرنا حرام ہے۔	۵۶۲
تعظیم سادات بوجہ فضل انتساب دراصل تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۴۲۳		

قرآن مجید کو چومنا اور تعظیماً سر اور آنکھوں پر رکھنا سینے سے لگانا مستحب ہے۔	۵۶۳	مسلمان کا جھوٹا کھانا کوئی ذلت نہیں حدیث میں اس کو شفاء فرمایا گیا۔	۵۶۸
والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز اور علماء و صلحاء کی دست بوسی سنت مستحبہ ہے۔	۵۶۶	جس شخص کے لبوں کے بال بڑھے ہوئے ہوں اس کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے۔	۶۰۶
علماء دین و مشائخ صالحین کی دست بوسی و قدمبوسی سنت ہے۔	۵۶۷	بھنگ، چرس اور شراب سب حرام ہیں مگر شراب سب میں بدتر ہے۔	۶۰۶
قرآن مجید ہر شے کا روشن بیان اور کامل شرح ہے۔	۶۱۸	مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی پینا مکروہ ہے۔	۶۰۶
علم علی و عمر و صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم کا بیان۔	۶۱۹	شرم وحیاء	
جتنا علم اتنی ہی فہم، جس قدر فہم اس قدر علم۔	۶۱۹	بے حیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہوجاتا ہے۔	۲۱۳
علم کے مدارج بے حد متفاوت ہیں وفوق کل ذی علم علیم الاٰیۃ۔	۶۱۹	شیطان ملعون بے حیائی کا استاد ہے۔	۲۱۳
امام شافعی علیہ الرحمۃ کی عالمانہ شان کہ قتل زنبور کا حکم محرم کے لئے قرآن سے ثابت فرمایا۔	۶۳۰	بے ضرورت وحاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی ناجائز و خلاف حیاء ہے۔	۲۱۴
ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اٹھارہ انبیاء ورسول سے ہیں جن کا نام پاک سورہ انعام کے ایک رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا۔	۶۳۸	حیا ایمان ہے اور ایمان والا جنت میں ہے۔	۲۱۴
اللہ تعالٰی کے کچھ فرشتے یوں قسم کھاتے ہیں اس کی قسم جس نے فرزندان آدم کو داڑھی سے زینت بخشی۔	۶۳۹	شرم اور کم سخنی ایمان کی دوشاخیں ہیں۔	۲۱۴
شرب و طعام		فحش کسی چیز میں داخل ہو تو اس کو معیوب اور حیاء کسی چیز میں داخل ہو تو اس کو مزین کردیتا ہے۔	۲۱۴
فاسقوں کے ساتھ کھانے پینے کا اثر	۲۱۱	بدزبان و بے حیاء کے نسب میں خلل ہوتا ہے۔	۲۱۵

مصاحبت و مخالطت و مجالست و ہجران و سلوک		کافر، مبتدع یا فاسق کو سلام کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا حیلہ کرے۔	۳۷۸
صحبت بد سے برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا، جب پڑ جاتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن جانا قدرے دشوار ہے لہٰذا امان و سلامت جدا رہنے میں ہے۔	۲۰۵	اگر کسی دنیا دار کے پاؤں کو مجبورا بوسہ دینا پڑے تو دل میں کراہت رکھنا لازم ہے۔	۳۸۰
یار بد بدتر بود از مار بد۔	۲۰۵	طواف قبر کے جواز کی ایک صورت اور اس کی نفیس توجیہ۔	۳۹۴
طوائفوں اور ان کے مردوں سے میل جول ان کو اپنی تقریبات میں بلانا اور ان کے ساتھ کھانا پینا اور اپنی عورتوں کو بے پردہ ان کے سامنے کرنا نہایت شنیع و ناپاک و باعث عذاب ہے۔	۲۰۹	بیاج کے جائز کرنے کا حیلہ مسلمان کی شان نہیں۔	۶۸۰
بدمذہبوں اور فاسقوں سے مجالست و مواکلت ممتنع ہے۔	۲۱۲	جائز حیلہ کی تعلیم خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمائی اور ائمہ دین نے اس کی متعدد صورتیں ارشاد فرمائی ہیں۔	۶۸۰
بروں کے ساتھ اچھوں کی ہلاکت کیوں۔	۲۱۲	**کسب و اجارہ**	
صحبت بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا ہے۔	۲۱۲	فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتا پہننا گناہ اور درزی اور موچی کو ایسے کپڑے اور جوتے سینا مکروہ ہے۔	۱۳۷
اچھی اور بری صحبت کے اثر سے متعلق ایک حکمت بھری حدیث بطور تمثیل۔	۲۱۳	موچی اور درزی کو فاسقوں کی وضع کے جوتے اور کپڑے سینے جائز نہیں اگرچہ اس کی اجرت زیادہ ملتی ہو۔	۱۷۲
زانی و دیوث فاسق ہیں ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور میل جول سے احتراز چاہئے۔	۲۴۳	غیر منکوحہ عورت سے مرد کا کون سی خدمت کن شرائط کے ساتھ لینا جائز ہے۔	۲۰۸
حِیَل		عورتوں کا غیر محرموں کے ساتھ نوکری کرنا پانچ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۲۴۸
بدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے حجاب چومنے کے لئے اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حیلہ۔	۲۶۳		

شہادت وقضاء		ریشمی کپڑا بیچنااور بیچنے کے لئے کندھے پر اٹھانا جائز ہے۔	۱۷۶
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بچی کے منڈانے والے کی شہادت قبول نہ فرماتے۔	۵۹۷	**حدود وتعزیر**	
امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز نے کوٹھوں کو اکھاڑنے والے کی گواہی رد فرمادی۔	۵۹۷	ستر غلیظ کھول کر بلاوجہ سب کے سامنے آنے والا سخت تعزیر کا مستحق ہے۔	۲۰۳
لہو و لعب		منکوحہ طوائف کو شوہر سے الگ کرنے اور حرامکاری پر مجبور کرنے والوں سے مسلمانوں کو قطع تعلق کرنا اور ان سے میل جول سلام کلام چھوڑ دینا ضروری ہے۔	۲۴۶
فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی ریت ہے۔	۲۱۳	داڑھی منڈانے والے کو سزادی جائے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا ہے۔	۶۵۲
عورت کو خوش الحانی سے بآواز بلند پڑھنا کہ نغمہ کی آواز نامحرموں تک جائے حرام ہے۔	۲۴۲	سب سے پہلے جس شخص نے درود مخفف کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔	۶۹۲
عورت کو اپنی آواز اونچی کرنا اور اس میں تمطیط، تلیین اور تقطیع جائز نہیں۔	۲۴۷	**لغت وبلاغت**	
مزامیر ناجائز ہیں۔	۴۰۷	زر کے لغوی معنی کی تحقیق۔	۱۱۷
رقص میں دو صورتیں ہیں: ایک بیخودانہ کہ جائز ہے۔ دوسری بالاختیار، اس کی پھر دو صورتیں ہیں کہ اس میں تثنی وتکسر ہے یا نہیں۔ بصورت اول ناجائز اور صورت ثانی عوام کو احتراز چاہئے جبکہ خواص کے لئے ممنوع نہیں۔	۵۵۲	طلحہ جرمی کے شعر میں واقع لفظ قبطریہ اور لفظ علاقہ کی لغوی تحقیق۔	۱۱۸
غنا اگر منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو تو بلاشبہہ ممنوع ہے۔	۵۵۶	زر الطیلساں کا لغوی معنی	۱۱۹
بیوع		لفظ ذھب منسوج وحجر دونوں کو شامل ہے۔	۱۲۰
لوہے اور پیتل کا زیور مسلمان کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔	۱۲۹		

لفظ ذھب حجر میں حقیقت اور کلابتوں پر اس کا استعمال از قبیل تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے۔	۱۲۰	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم زمانہ اقدس میں باذن اقدس پاجامہ پہنتے تھے۔	۱۵۹
تکمہ فارسی میں زر کا ترجمہ ہے جسے عربی میں زیر، وجہ، جوزہ، جونیرہ اور حبہ بھی کہتے ہیں۔	۱۲۱	امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ روز شہادت پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔	۱۵۹
وہ حلقہ جسے اردو میں تکمہ بولتے ہیں فارسی میں انگلہ اور عربی میں عروہ و دعلہ ہے۔	۱۲۱	اللہ تعالٰی سے شرف کلام کے وقت حضرت موسٰی علیہ السلام اونی چادر، جبہ اور پائجامہ پہنے ہوئے تھے۔	۱۵۹
حلی کا لغوی معنی	۱۹۶	سب سے پہلے پاجامہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہنا۔	۱۵۹
معصفر ومزعفر کا معنی۔	۱۹۶	کلیوں دار پائچے ہندوستان میں خاص لباس عورت ہیں۔	۱۶۱
ائمہ عربیت کا وضع کیا ہوا ضابطہ کہ کن الفاظ میں تثنیہ و مفرد یکساں ہوتے ہیں۔	۲۸۵	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تہبند شریف۔	۱۶۶
مصافحہ دونوں جانب سے صفحات کف ملانا ہے۔	۲۹۰	ترکی ٹوپی کی ابتداء نیچریوں سے ہوئی۔	۱۹۲
قدم بوسی اور سجدہ کے معانی اور ان میں فرق۔	۵۶۶	بنی اسرائیل میں پہلی خرابی کیسے آئی۔	۲۱۱
داڑھی کو لحیہ کہنے کی وجہ۔	۵۹۶	یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی۔	۲۱۲
لب زیریں کے وسط میں جو تھوڑے سے بال ہوتے ہیں ان کو عربی میں عنفقہ اور ہندی میں "بچی" کہا جاتا ہے اور اس کے جانبین میں جو بال ہوتے ہیں ان کو عربی میں "فنیکین" اور ہندی میں "کوٹھے" کہا جاتا ہے۔	۵۹۷	سب سے پہلے معانقہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا۔	۲۵۲
ہندو کا معنی غلام ہے۔	۶۸۴	ایک صحابی کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو والہانہ انداز میں گلے لگانا اور آپ کے بدن اطہر کو چومنا۔	۲۵۴
تاریخ و تذکرہ		صحابی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن اطہر سے لپٹ گیا اور بوسہ دیا۔	۲۵۶

ایک واقعہ طیبہ اور رؤیائے صالحہ کا ذکر۔	۲۷۰	صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔	۲۹۴
مصنف علیہ الرحمہ کو خواب میں امام قاضیخاں علیہ الرحمۃ کی زیارت حاصل ہوئی جس میں امام موصوف نے مصنف علیہ الرحمۃ کو مسئلہ دین ورد منکرین کی تعلیم فرمائی۔	۲۷۰	امام احمد بن حنبل کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔	۲۹۴
امام قاضی خاں کو خواب میں دیکھنے پر مصنف علیہ الرحمہ کا اظہار مسرت واطمینان۔	۲۷۲	مسند احمد میں تیس ہزار حدیثیں مذکور ہیں۔	۲۹۴
سنت صحابہ ہے کہ اپنے قول کے مؤید خواب پر شاد ہوئے اور دیکھنے والے کو انعام سے نوازتے۔	۲۷۲	شیخین ودیگر ائمہ حدیث نے احادیث صحاح کے استیعاب کا دعوٰی نہیں کیا۔	۲۹۴
وہ احادیث جن میں مصافحہ کے بارے میں وقائع جزئیہ کی حکایت ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں صحابی نے فلاں شخص سے یوں مصافحہ فرمایا۔	۲۷۶	ادعائے استیعاب کو فرض کرنے کی صورت میں متعدد خرابیاں لازم آتی ہیں۔	۲۹۴
سیدنا داؤد علیہ السلام کا عمل قرآن مجید سے ثابت ہے کہ زِرہیں بنانا تھا۔	۲۸۵	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انتہائی قرب رکھنے والے اجلہ صحابہ کرام بھی یہ دعوٰی نہیں کرسکتے تھے کہ انھیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر اطلاع ہے۔	۲۹۶
امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں کے ساتھ مصافحہ کیا۔	۲۹۲	جو حدیثیں تدوین میں آئیں وہ ساری محفوظ نہیں ہیں۔	۲۹۷
امام اجل حضرت حماد بن زید ازدی بصری کا تعارف۔	۲۹۲	امام مالک کے زمانہ میں اسی علماء نے موطا لکھیں پھر سوائے دو کے کسی کا پتا باقی نہیں۔	۲۹۷
مسلمانوں کے امام اپنے زمانے میں چار ہوئے کوفہ میں سفیان، حجاز میں مالک، شام میں اوزاعی اور بصرہ میں حماد بن زید۔	۲۹۳	امام مسلم کی بعض تصانیف معدوم ہوگئیں۔	۲۹۷
حضرت امام الانام شیخ الاسلام عبداللہ بن مبارک کا تعارف۔	۲۹۳	ہزارہا تصانیف ائمہ کا تذکروں اور تاریخوں میں نام لکھا ہے مگر کوئی ان کا نشان نہیں دے سکتا۔	۲۹۷
امام بخاری کو چھ لاکھ اور امام مسلم کو تین لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔	۲۹۴	جو تصانیف ائمہ محفوظ ہیں وہ ساری کی ساری ہندوستان میں موجود نہیں۔	۲۹۸

ہندوستان میں موجودہ تمام کتب حدیث پر غیر مقلدین کی نظر نہیں۔	۲۹۸	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے منبر شریف کو مس کرکے اپنے چہرے سے لگایا۔	۳۴۲
کتب جمع الجوامع کا ذکر۔	۲۹۹	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیوہ وسلم کے وضو کے پانی پر ہجوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۳۵۰
امام اعمش علیہ الرحمۃ کا تذکرہ۔	۳۰۳	سلطان اشرف عادل نے دمشق شام میں مدرسہ اشرفیہ بنوایا اس میں ایک دارالحدیث اور نعل مقدس کے لئے ایک خاص مکان بنوایا جس کی زیارت ہر پیر اور جمعرات کو کرائی جاتی۔	۳۵۱
حضرت امام شعبی علیہ الرحمہ کا تعارف۔	۳۰۴	مدرسہ دارالحدیث کے جلیل القدر اساتذہ کرام۔	۳۵۱
دونوں ہاتھ سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہا سال سے متوارث ہے۔	۳۱۰	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بستر بچھانا، وضو کرانا، نعلین اقدس سنبھالنا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد تھا۔	۳۷۰
مصافحہ صدہا سال سے مسلمانوں میں معتاد و مرسوم ہے۔	۳۱۵	صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک چومے۔	۳۷۱
مولانا عبدالقادر قادری کا ذکر خیر۔	۳۱۵	ایک بزرگ کی دکھی ہوئی آنکھیں حدود مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی صحیح ہوگئیں۔	۳۷۴
وفد عبدالقیس کی بارگاہ رسالتمآب میں آمد اور والہانہ انداز میں دست وپائے اقدس کو چومنا۔	۳۱۸	امام اجل سید احمد رفاعی کے لئے دست رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمودار ہوا۔	۳۷۵
ایک صحابیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم چومے۔	۳۲۰	صحابہ کرام منبر اطہر کو چھو کر چہروں پر لگاتے تھے۔	۳۷۶
صحابی نے باذن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے سر اقدس اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔	۳۲۱	حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیعت رضوان والا درخت کیوں کٹوایا۔	۳۷۶
امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوفہ کی جامع مسجد میں کچھ ائمہ کا مناظرہ۔	۳۲۱	دست بوسی اور قدمبوسی صحابہ کرام بلکہ خود زمانہ رسالت سے رائج ہے۔	۳۷۹
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست وپائے اقدس اور مہر نبوت کو بوسہ دینا ثابت ہے۔	۳۴۲	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بدمذہب کے سلام کا جواب نہیں دیا۔	۳۸۱

امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ رات کو مدینہ منورہ کا طواف کیا کرتے۔	۳۸۹	مروان نے ایک شخص کو قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر منہ رکھنے سے روکا تو اس نے ایمان افروز جواب دیا۔	۴۰۳
دوران گشت ایک گھر سے بچوں کے رونے کی آواز سن کر امیر المومنین رضی اللہ عنہ خود اپنی پشت پر بیت المال سے آٹا وغیرہ اٹھا کر لائے اور کھانا تیار کرکے بچوں کو کھلایا اور انھیں ہنسایا۔	۳۸۹	حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روضہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حاضری اور اس پر اپنا چہرہ ملنا۔	۴۰۴
حضرت خواجہ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ ایام منٰی میں مسجد خیف کی صفوں کا دورہ فرماتے کہ کسی کامل کی نظر پڑجائے۔	۳۹۴	ابن المنکدر تابعی قبر رسول سے شفاء حاصل کرتے۔	۴۰۵
حضرت عیسٰی علیہ السلام کے شہروں اور جنگلوں میں دورے کرنے کی وجہ۔	۳۹۵	امام سبکی دار الحدیث میں اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدم رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت حاصل کرنے کے لئے اپنا چہرہ ملا کرتے تھے۔	۴۰۶
حجاج نے لوگوں کو حجرہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرتے دیکھ کر غلیظ لفظ کہا جس پر فقہاء نے اس کی تکفیر کی۔	۳۹۵	شریعت آدم علیہ الصلوۃ والسلام میں حقیقی بہن سے نکاح حلال تھا۔	۴۰۷
حضرت بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ نے دوران سفر حج ایک قطب کو دیکھا جس نے انھیں اپنے گرد طواف کرنے کو کہا، اس واقعہ سے متعلق مولانا روم کے اشعار۔	۳۹۶	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے قدم چومے اور آپ نے منع نہ فرمایا۔	۴۱۷
تحفۃ الموحدین شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب نہیں کسی وہابی نے ان کی طرف منسوب کردی ہے۔	۳۹۸	سجدہ تحیہ پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔	۴۱۷
عقائد امام احمد بن حنبل نامی کتاب میں جھوٹے عقائد کو امام صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔	۳۹۹	ملائکہ نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ کیا۔	۴۱۷
منسک ومسلک ضرور کتب معتمدہ ہیں اور ان کے مصنفین اپنا اجتہاد نہیں لکھتے بلکہ مذہب لکھتے ہیں۔	۴۰۱	یعقوب علیہ الصلوۃ والسلام ان کی زوجہ اور گیارہ بیٹوں نے یوسف علیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ کیا۔	۴۱۷

حضرت یحیٰی علیہ السلام نے حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا جب کہ دونوں ہی شکم مادر میں تھے۔	۴۱۷	صحابی کا پیشانی اقدس پر سجدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ تحیہ نہ تھا بلکہ اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ عبادت تھا البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی اس وقت مسجد یعنی موضع سجود تھی۔	۵۵۰
صحابہ کرام نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سجدہ تحیت کی اجازت مانگی تھی نہ کہ سجدہ عبادت کی۔	۴۳۴	حضرت سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سماع کے حاضرین کو ہدایت کہ تالی کیسے بجائیں۔	۵۵۱
ائمہ وعلماء نے رنگ برنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں۔	۴۳۷	حضرت جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے خوشی سے سرشار ہو کر رقص کیا اور آپ نے منع نہ فرمایا۔	۵۵۴
شام کے نصارٰی اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۸	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ فرمان سن کر کہ تم ہمارے مولٰی ہو حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ والہانہ رقص کرنے لگے۔	۵۵۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سجدہ کرنے سے منع فرمادیا۔	۴۴۸	حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آخر عمر میں سماع ترک فرمادیا تھا کیونکہ گانیوالا کوئی اہل نہیں ملتا تھا۔	۵۵۶
اہل یمن ایک دوسرے کو سجدہ کرتے تھے۔	۴۴۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سجدہ عبادت کی درخواست کرنے والا شخص کون تھا۔	۵۶۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلمان فارسی کو سجدہ سے روک دیا۔	۴۵۰	حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے اصحاب نے کہا کہ ہمیں ایک خدا بنادے تو آپ نے فرمایا کہ تم جاہل قوم ہو۔	۵۶۱
سلطنت نصارٰی کا سفیر حضرت کے پاس آیا سجدہ کرنا چاہا مگر آپ نے روک دیا۔	۴۵۱	زنا کو اپنے لئے حلال کرنے کی درخواست کرنے والے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکمت سے مسئلہ سمجھایا۔	۵۶۱
تقرر قبلہ روز اول سے ہے۔	۵۱۰	قلندریہ کن کو کہا جاتا ہے۔	۵۷۲
سجدہ تحیہ اور تواجد کے بارے میں ایک مباحثہ کا حال جس کے مصنف مولوی عبدالقادر جونپوری تھے اور انھوں نے ہی مصنف علیہ الرحمۃ کی خدمت میں استفتاء بھیجا۔	۵۴۳	ایک عالم کبیر نے حدیث ممانعت کو صحیح الاسناد نہ سمجھتے ہوئے بدھ کے روز ناخن دانستہ تراشے تو فوراً برص میں مبتلا ہوئے پھر خواب میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دست اقدس کی برکت سے شفا ہوئی اور فوراً تائب ہوئے۔	۵۷۴

امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی داڑھی مبارک۔	۵۸۴	احنف بن قیس اور قاضی شریح کی داڑھی خلقۃ نہیں تھی جس پر وہ بہت افسوس کرتے۔	۶۴۰
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حلیہ اور داڑھی مبارک۔	۵۸۵	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک دراز اور چوڑی تھی۔	۶۴۱
سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حلیہ اور داڑھی مبارک۔	۵۸۵	داڑھی منڈانے کی خصلت ملعونہ اصل میں مجوسی ملاعنہ کی تھی ان سے کفار نے سیکھی۔	۶۴۳
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ داڑھی کو مشت میں لیتے اور زائد کو کم کردیتے۔	۵۸۵	دور فاروقی میں عجم کے فتح ہونے، تخت کسرٰی کے ختم اور مجوسیوں کے منتشر ہونے کے کچھ واقعات اور ہنود ہند پر ان کے اثرات۔	۶۴۳
حضرت عثمان غنی اور امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما بالوں کو خضاب لگایا کرتے تھے۔	۵۹۲	ابن سبا یہودی نے مذہب رفض ایجاد کیا جو شدہ شدہ ایران تک پہنچا اور اس کی آڑ میں ایرانیوں نے حضرت فاروق اعظم پر دعوی اسلام کے باوجود تبرا ایجاد کیا۔	۶۴۳
روز اول سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے۔	۶۳۹	ایرانیوں کی خصائل ذمیمہ کا تذکرہ۔	۶۴۳
اہل بیت، صحابہ ائمہ اور ہر قرون کے اولیاء امت وعلماء ملت بلکہ قرون خیر کے تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے۔	۶۳۹	اسلامی فاتحوں کی شیرانہ تاخت نے سیاہان ہند کے منہ سپید کردیئے ہزاروں مارے لاکھوں قید کئے۔	۶۴۴
قرون خیر میں ازالہ تو ازالہ اگر خلقتا کسی کی داڑھی نہ نکلتی تو سخت تاسف کا اظہار کرتا۔	۶۳۹	نو مسلم ہندوستانیوں کے کچھ خصائل رذیلہ کا تذکرہ جن میں داڑھی منڈانا بھی ہے۔	۶۴۴
صدیق اکبر عثمان غنی اور علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی داڑھیاں کیسی تھیں۔	۶۴۰	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فرامین ہدایت بنام سلاطین اور سلاطین کا رد عمل۔	۶۴۷
احنف بن قیس کہ اکابر ثقات تابعین میں سے ہیں کے مختصر احوال زندگی۔	۶۴۰	داڑھی منڈانے اور مونچھیں بڑھانے والوں کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے دیکھنا پسند نہ فرمایا۔	۶۴۷
قاضی شریح کے احوال وتعارف۔	۶۴۰		

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور قاضی عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی نے بے داڑھی کی گواہی رد کردی۔	۶۵۱	سر عام ستر عورت کی خلاف ورزی کرنیوالے فاسق فاجر و لعنتی ہے۔	۲۰۳
عبدالرحمٰن ابن ابی لیلٰی کا تعارف۔	۶۵۱	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے دیوث، مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی۔	۲۰۹
عمر بن عبدالعزیز نے داڑھی چننے والے کی شہادت مسترد کردی۔	۶۵۱	والدین کا نافرمان جنت میں نہیں جائے گا۔	۲۱۰
داڑھی تراشنا پارسیوں کا کام تھا اب تو بہت سے کفار کا شعار ہے۔	۶۵۲	بدکار عورتوں اور دیوث مردوں سے دوستی رکھنے والے قیامت میں انہی کے ساتھ اٹھیں گے۔	۲۱۰
قلندریہ فرقے کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔	۶۵۳	جنت ہر فحش بکنے والے پر حرام ہے۔	۲۱۳
عرب کی قدیم قومی و ملکی و مذہبی عادت داڑھی رکھنا ہی ہے وہ اس کے نہ ہونے کو سخت عیب جانتے تھے۔	۶۵۵	جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپھا، خالو، چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد، سب عورت کے لئے اجنبی ہیں۔	۲۱۷
امام ابن الحاج مکی علیہ الرحمۃ کے بدھ کے روز ناخن تراشنے کا عجیب واقعہ۔	۶۸۶	دیور کو حدیث میں موت کہا گیا۔	۲۱۷
حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عادت کریمہ سر کا حلق تھی۔	۶۹۰	شوہر کو ناراض کرنے والی عورت کے لئے وعیدات۔	۲۱۷
حضرت علی و حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی داڑھی مبارک کی مقدار۔	۶۹۲	عورت کو شوہر کے خلاف بھڑکانے والے شیطان کے پیارے ہیں۔	۲۱۷
ترغیب و ترہیب		دیوث پر جنت حرام ہے۔	۲۴۴
ریشمی کپڑا پہننا مرد کو حرام ہے حدیث میں اس پر شدید وعیدیں وارد ہیں۔	۱۵۵	مشت زنی کرنیوالے کے لئے وعیدات شدیدہ اور اس گناہ سے بچنے کا طریقہ۔	۲۴۴
بطور عجب و تکبر ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے والے مرد کے لئے حدیث میں سخت وعید۔	۱۶۴	وہ احادیث جن میں مصافحہ کی ترغیب اور اس کے فضائل کا بیان ہے۔	۲۷۳
تین مبغوض و مغضوب اشخاص۔	۱۶۷	حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۷۳
مشت زنی فعل ناپاک و حرام ہے حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے۔	۲۰۲	حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۲۷۴

حدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	۲۷۴	غیر خدا کو سجدہ تحیہ شراب پینے اور سور کھانے سے بدتر ہے۔	۴۶۶
حدیث براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمبر ۱۔	۲۷۴	دین میں چالاکیاں مسلمان کو نازیبا ہیں۔	۵۰۱
حدیث براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمبر ۲۔	۲۷۴	بدگمانی سے بچو کچھ گمان گناہ ہیں۔ (آیۃ)	۵۰۳
خلاصہ احادیث یہ ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا ہے اور مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ درخت کے پتوں کی طرح جھڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔	۲۷۴	حدیث میں ہے کہ کوئی شخص ایک بات کہتا ہے اور اس میں کوئی برائی نہیں سمجھتا اس کے سبب ستر برس کی راہ جہنم میں اتر جاتا ہے۔	۵۰۴
ترہیب کی مثال۔	۲۷۵	اس سے بڑھ کر جھوٹا کون جسے قرآن مجید جھٹلائے۔	۵۱۳
جو کسی مومن کے قتل پر آدھی بات کہہ کر اعانت کرے وہ اللہ تعالیٰ کو اس حال میں ملے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا "خدا کی رحمت سے ناامید"	۲۷۵	صوفیائے کرام کے بارے میں یہ کہنا کہ ان کے قول وفعل کی کوئی وقعت نہیں بہت سخت بات ہے۔	۵۵۹
اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک چھوہارا یا ایک نوالہ خرچ کرنے والے مسلمان کا اجر وثواب۔	۲۷۵	سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوڑنا اور مشرکین ومجوس کی رسم اختیار کرنا مسلمان کامل کا کام نہیں۔	۵۷۲
مصافحہ امور معاشرت سے ایک امر ہے جس سے مقصود باہم مسلمانوں میں ازدیاد الفت اور ملتے وقت اظہار انس ومحبت ہے۔	۳۰۶	داڑھی غیر جہاد میں چڑھانا ممنوع ہے اور اس پر حدیث سے وعید شدید۔	۵۷۳
آپس میں مصافحہ کرنے سے دلوں سے کینے نکل جاتے ہیں۔	۳۰۶	داڑھی کے وجوب کے منکرین آنکھوں کے نہیں بلکہ دل کے اندھے ہیں۔	۶۲۸
حدیث میں شہرت پسندی پر وعید شدید۔	۳۱۳	حدیث میں بعض عورتوں پر لعنت منقول ہے۔	۶۲۹
دنیادار کے ہاتھ چومنا منع ہے۔	۳۳۸	داڑھیاں منڈانے اور کتروانے کو علماء متقدمین علامات قیامت سے شمار کرتے تھے۔	۶۳۹
اولاد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، انصار اور عرب کا حق نہ پہچاننے والا تین علتوں سے خالی نہیں۔	۴۲۰	گناہ کرکے اسے گناہ وقبیح نہ سمجھنا شامت نفس ہے۔	۶۳۹
سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے۔	۴۳۷		

شک نہیں کہ داڑھی منڈانا کترنا خصلت کفار ہے۔	۶۴۳	دلیل سوم: داڑھی منڈانا کتروانا کفار سے ان کے شعار میں تشبہ ہے اور وہ حرام ہے۔	۶۷۰
لاجرم داڑھی منڈانے کی خصلت کے عادیوں کو چند حال سے خالی نہ پائے گا۔	۶۴۴	اللہ تعالٰی کے سب سے زیادہ دشمن تین شخص ہیں۔	۶۷۱
قیامت میں جن بدنصیبوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعراض فرمایا ان کا ٹھکانا کہیں نہیں۔	۶۴۸	تارک سنت کے لئے وعید شدید پر مشتمل احادیث کریمہ۔	۶۷۱
داڑھیاں کترنے والے نرے بدنصیب ہیں۔	۶۵۱	سر کے بال مونڈھوں سے زیادہ بڑھالینا جیساکہ آج کل جاہل صوفیوں کا طریقہ ہے حرام ہے۔ اس پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۶۷۸
کس قدر پوچ عقل ہے ان لوگوں کی جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں کیونکہ انھوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی۔	۶۵۳	داڑھی کتروانے، منڈانے اور چڑھانے والوں سے میلاد پڑھوانا نہیں چاہئے۔	۶۹۱
داڑھی مونڈنا ممنوع ہے کہ یہ کافروں کی عادت ہے۔	۶۵۴	**رسم و رواج اور تہذیب وتمدّن**	
جیسے عورت کے حق میں گیسو بریدہ گالی ہے یونہی مرد کے حق میں داڑھی منڈا۔	۶۵۹	ماہ صفر کے آخری چہارشنبہ کو عورتوں کا بطور سفر شہر سے باہر جانا اور قبروں پر نیاز وغیرہ دلانا ممنوع اور سخت فتنہ ہے۔	۲۴۰
جو کسی جاندار کو مثلہ کرے اس پر اللہ تعالٰی وملائکہ وبنی آدم سب کی لعنت۔	۶۶۰	چہارشنبہ محض بے اصل ہے۔	۲۴۰
تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے۔	۶۶۹	بالغ دولھا کے بدن پر محرم ونامحرم عورتیں ابٹن ملاکرتی ہیں یہ عمل کیسا ہے۔	۲۴۵
چار شخص صبح وشام اللہ تعالٰی کے غضب میں ہوتے ہیں۔	۶۶۹	شریعت نے مرد وعورت میں مذاق کا کوئی رشتہ نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔	۲۴۵
چار اشخاص پر اللہ تعالٰی نے بالائے عرش سے دنیا وآخرت میں لعنت بھیجی اور فرشتوں نے آمین کہی۔	۶۶۹	بلاد عجمیہ میں بوقت ملاقات مرحبا کی جگہ دیگر کلمات بولنا بدعت وخلاف سنت نہیں، مثلاً فارسی میں کہا جاتا ہے "خوش آمدید" اور ہندوستان میں "آیئے آیئے تشریف لایئے"۔	۳۰۸

مصافحہ اہل یمن کا رواج تھا شرع نے اس رسم کو اپنے مقصود یعنی ائتلاف مسلمین کے موافق پاکر مقرر رکھا۔	۳۰۸	عورت کب اذن شوہر کے بغیر کسی عارف کامل سے شرف بیعت حاصل کرنے اور علم دین وراہ سلوک سیکھنے جاسکتی ہے اور کب نہیں۔	۲۰۷
یہود ونصارٰی کا سلام۔	۳۰۸	رنڈیوں کو بلا توبہ مرید کرنے والا اور انھیں ترک فحاشی کی تلقین نہ کرنے والا پیر فاسق ہے اس کے ہاتھ بیعت ناجائز ہے۔	۲۳۷
السلام علیکم کی جگہ آجکل عوام ہند میں جو الفاظ مروج ہیں وہ ناجائز ہیں۔	۳۰۹	عورتوں کو بلاپردہ پیر کے ہاں جانا یا پیر کا عورتوں کو اپنے پاس بلانا کیسا ہے۔	۲۳۹
مصافحہ سے مقصود جب اظہار محبت ہے تو دوسرے ہاتھ کی زیادت جو کہ ہرگز اس کے منافی نہیں بلکہ بحسب عرف بلاد مؤید ومؤکد ہے زنہار منع نہیں ہوسکتی۔	۳۱۰	جو پیر عورتوں کے بیچ میں بیٹھ کر حلقہ کرائے اور توجہ ایسی دے کہ وہ اچھلنے کودنے لگیں اور آوازیں بلند کرنے لگیں وہ شرع کی خلاف ورزی اور بے حیائی کا مرتکب ہے اس سے بیعت نہیں ہونا چاہئے۔	۲۵۰
لوگوں سے وہ برتاؤ کرو جس کے وہ عادی ہیں۔	۳۱۱	پیر کا مریدوں کو ہاتھ پاؤں چومنے سے نہ روکنا جائز ہے۔	۳۳۹
لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی وارد نہ ہو ہرگز اس میں خلاف نہ کیا جائے۔	۳۱۱	**منطق**	
جس امر میں شرع سے نہی نہ آئی ہو اور صدر اول کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کرکے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔	۳۱۲	فعل اختیاری کو تصور بوجہ ما وتصدیق بفائدۃٍ ما سے چارہ نہیں۔	۳۸۷
لوگوں کے طریقہ رائجہ کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا اور شرعاً مکروہ وناپسندیدہ ہے۔	۳۱۳	**تصوف**	
سلام وجواب سلام کے لئے لوگوں نے جو الفاظ اور طریقے خود گھڑلئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں جواب سلام نہ ہوا۔	۳۳۳	محبوبان خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضہ برکات میں ان کے احوال مختلف ہوتے ہیں۔	۳۹۴
آداب پیری مریدی			

مفیض ومستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے۔	۳۹۴	**تقبیل ابہامین**	
تعرض نفحات کی شان ہی یہ ہے کہ شاید ولعل پر ہو۔	۳۹۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر انگوٹھے چومنا کہاں مستحب اور کہاں ممنوع ہیں۔	۳۱۵
ہر معصیت ایک جدا رنگ کا مرض ہے۔	۳۹۵	انگوٹھے چومنے کا ایک ناپسندیدہ طریقہ۔	۳۱۶
ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے ہے۔	۳۹۵	**حقہ**	
مریض معاصی اس سراپا مجموعہ برکات کے گرد دورہ کرتا ہے کہ اس کے عضو وہر جہت کا مرض دور کرے۔	۳۹۵	سونے یا چاندی کی منہنال حرام ہے باقی چیزوں یعنی لوہے، پیتل، جست اور یشب وغیرہ پتھروں کی منہنال میں حرج نہیں۔	۱۳۰
تواجد میں نیت صالحہ کی دو صورتیں ہیں ایک عام یعنی تشبہ بصلحاء کرام اور دوسری طالبان راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہوجائے۔	۵۵۲	**حقوق العباد**	
تواجد کی ایک صورت مذموم اور ایک صورت محمود ہے۔	۵۵۲	شوہر کا عورت پر کیا حق ہے	۴۳۸
لذت شہود پاکر وجد غالب ہو تو رقص جائز ہے۔	۵۵۳	**مرض وتداوی**	
سماع میں حلال، حرام اور شبہہ کی اقسام ہیں۔	۵۵۷	مرد ڈاکٹر سے اجنبی عورت کو ملاحظہ کرانا جائز نہیں۔	۲۳۴
کون سا سماع اہل صدق کے نزدیک مردود اور گناہ ہے۔	۵۵۸	**بدگمانی**	
خضاب		مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۳۹۹
غیر مجاہدین کے لئے سیاہ خضاب کی حرمت حدیث صحیح سے ثابت ہے۔	۵۹۲		

گمان خبیث دل خبیث سے پیدا ہوتا ہے۔	۴۰۰	وہابیہ کی طرف سے سجدہ تحیت کو شرک ٹھہرانے سے متعدد قبائح کا لزوم۔	۴۳۰
تصویر		نصرانی یہود سے بدتر کس وجہ سے ہے۔	۴۵۷
پیر کی تصویر کو بوسہ دینا، احترام سے رکھنا اور سجدہ تحیہ کرنا کیسا ہے۔	۴۱۱	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیشانی پر سجدہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ میں بڑا فرق ہے۔	۴۹۸
رَدّبدمذہباں ومناظرہ		بکر نے سند حدیث میں غلطی کی جو اس کی بے علمی ہے۔	۴۹۸
افراد ید سے بطور مفہوم مخالف نفی یدین پر استدلال کا بارہ وجوہ سے بطلان۔	۲۸۰	بے علمی میں بکر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افتراء کیا۔	۴۹۸
اگر بفرض غلط مان لیں کہ لفظ "الید" کا مفہوم مخالف نفی یدین ہے پھر بھی حدیث انس میں مخالفین کے لئے گنجائش استدلال نہیں کہ وہاں لفظ ید بصیغہ مفرد کلام سائل میں ہے نہ کہ کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں۔	۲۸۷	طرفہ جہالت بکر۔	۵۰۰
غیر مقلدین کو فقہ وفقہاء سے خالص عداوت ہے۔ غیر مقلد حضرات کا داب کلی اور ان کی جہالت بے مہ۔	۲۹۲	بکر کی کج فہمی کہ صحابہ کی خواہش سجدہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سجدہ عبادت کی خواہش سمجھا۔	۵۰۲
ہندوستان میں موجودہ تمام کتب حدیث پر غیر مقلدین کی نظر نہیں۔	۲۹۸	بکر کا استدلال مان لیا جائے تو کتا، گدھا اور سور کے اجزاء کثیرہ حلال ہوجائیں گے۔	۵۰۹
وہابی، رافضی، غیر مقلد، قادیانی، نیچری اور چکڑالوی کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔	۳۸۱	تین اصول شرع سنت، اجماع اور قیاس کو رد کرنا مذہب چکڑالوی ہے۔	۵۰۹
علماء حرمین نے علماء دیوبند کی نام بنام تکفیر کی۔	۴۱۷	بکر کا یہ قول کہ خدا نے اپنی عبادت کے سجدے کے لئے کعبہ کو سخت قرار دیا تاکہ سجدہ عبادت وسجدہ تعظیم میں امتیاز ہوجائے یہ باطل ہے کیونکہ یہ دو حال سے خالی نہیں اور وہ دونوں کفر صریح ہیں۔	۵۱۱
نماز پنجگانہ کے بعد مسجد میں نمازیوں کا ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا جائز اور بنیت حسنہ مستحب ومستحسن ہے اور جہاں مسلمانوں میں اس کی عادت ہو وہاں انکار کرکے تفرقہ وفتنہ پیدا کرنا جہالت اور بربنائے اصول وہابیت ہو تو صریح ضلالت ہے۔	۴۱۸		

بکر کی دلیل سے مندروں میں بتوں کو سجدے جائز ہوگئے۔	۵۱۲	لڑکیوں کے زیور کے لئے کان چھدوانے کا کوئی خاص حصہ مقرر نہیں البتہ مشابہت کفار سے بچنا ضروری ہے۔	۱۳۰
مجوزہ سجدہ تحیت بکر کی ناپاک بدزبانیاں۔	۵۱۴	مسلمان مردوں کو عورتوں سے اور نقال وفساق بدوضع مردوں سے مشابہت حرام ہے۔	۱۶۱
بکر کی قرآن وحدیث وفقہ واجماع اور ائمہ اولیاء پر ایک ملعون تہمت۔	۵۱۴	عورتوں کی طرح مرد کو بال گوندنا مکروہ ہے۔	۱۷۴
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے استدلال بکر پر کئی وجوہ سے رد۔	۵۲۰	ٹوپی سچی یا جھوٹی سلمہ ستاروں یا ریشم کی شرعًا کیسی ہے۔	۱۷۵
قرآن کریم سے سجدہ مبحوث عنہا کا جواز قطعاً ثابت ہونا بوجوہ باطل ہے۔	۵۲۰	شملہ کی چھ قسمیں ہیں۔	۱۸۲
بکر کی ایک سخت جہالت۔	۵۲۳	اچکن، چپکن اور شیروانی نئی تراش کے لباس ہیں۔	۱۹۱
بکر کا ہدایہ پر افتراء۔	۵۳۳	زرد جوتا مورث سرور فرحت ہے۔	۱۹۶
قاضی خاں وردالمحتار پر افتراء۔	۵۳۴	عورت کی فطرت وخصلت۔	۲۱۲
منکرین حدیث گمراہ قوم صرف حدیثوں کا انکار ہی نہیں کرتے بلکہ قرآن عظیم کو عیب لگانیوالے اور دین متین کو ناقص بتانے والے ہیں۔	۶۲۲	بچپن کی عادت کم چھوٹتی ہے۔	۲۱۵
ولید پر مناظرانہ گرفت۔	۶۲۳	معانقہ افزونی محبت پر ایک قوی دلیل ہے۔	۲۵۲
منکرین حدیث کے تمام خیالات کا حاصل ابطال شرع اور اکمال بیقیدی اصل نیچر ہے۔	۶۲۳	مولوی اسمٰعیل دہلوی نے روز عید معانقہ کو بدعت حسنہ قرار دیا۔	۲۶۸
منکرین حدیث کے نزدیک اجماع بھی باطل ہے۔	۶۲۳	مبشرات سے کیا مراد ہے۔	۲۷۱
ولید کی دلیل مان لی جائے تو شریعت محمدی کے تمام اوامر ونواہی بیکار ومعطل ہوکر رہ جائیں۔	۶۲۳	جواب امام ہمام قاضی خاں علیہ الرحمۃ کی توضیح۔	۲۸۰
متفرقات		ایک دقیقہ انیقہ (عجیب باریک نکتہ)۔	۳۶۸
علی بند اور پری بند نامی خاص زیور کے بارے میں سوال اور اس کا جواب۔	۱۱۵	ہر جگہ کے لئے ایک مناسب گفتگو ہر گفتگو کے لئے کچھ خاص مرد، ہر مرد کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش اور ہر گنجائش کے لئے ایک انجام ہے۔	۳۸۲

ایک نکتہ دقیقہ۔	۴۹۵	تحیۃ کی صورتوں کا ذکر۔	۵۶۰
لوگوں میں سے بدترین مخلوق کون ہے	۴۵۵	داڑھی منڈانے والوں کا سفاہت وضلالت پر مبنی ایک ناقابل اعتبار عذر۔	۵۷۳
رسالہ "مقال عرفا باعزازِ شرع وعلماء "کا تعارف	۵۱۵	تناسب کے لئے اطراف ریش کو تراشنے کے بارے میں ابن ملک کا قول درست نہیں۔	۵۸۲
آج کل حضرات اولیاء کے نام سے بہت سی جعلی کتابیں نظم ونثر میں شائع ہو رہی ہیں۔	۵۱۶	داڑھی لمبی ہو تو عقل کم ہوتی ہے۔	۵۸۴
عقائد امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام سے شائع شدہ کتاب من گھڑت ہے۔	۵۱۶	بال بڑھانے کے جواز وعدم جواز میں فقراء وغیر فقراء سب یکساں ہیں۔	۶۰۵
شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے نام سے بھی بعض جعلی کتابیں چھاپی گئی ہیں۔	۵۱۶	یہ خیال کہ باطن صاف ہونا چاہئے ظاہر کیسا ہی ہو محض باطل ہے۔	۶۰۵
متشابہات جس طرح اللہ تعالٰی کے کلام میں ہیں اسی طرح اکابر دین کے کلام میں بھی ہیں۔	۵۱۸	داڑھی منڈانے کی حرمت کے منکرین کے لئے ایک مثال۔	۶۲۶
ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کون سا تھا۔	۵۱۹	مسلمانان ہند نے ختنہ کا نام مسلمانی کیوں رکھا۔	۶۳۶
ابلیس سجدہ آدم سے کیوں باز رہا۔	۵۱۹	ختنہ اور داڑھی وجہ امتیاز مومنین وکافرین ہیں۔	۶۳۶
سجدہ آدم ویوسف ان دونوں کو تھا یا اللہ عزوجل کو۔	۵۲۴	عورت ومرد کے جسم ظاہر میں مابہ الامتیاز یہی چوٹی اور داڑھی ہے۔	۶۶۴
چلانے کی جائز وناجائز صورتیں۔	۵۵۵		

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ظروف وزیورات

انگوٹھی سونے، چاندی، تانبے، پیتل اور لوہے وغیرہ کے استعمال سے متعلق مسائل

مسئلہ ۱: از میرٹھ دروازہ کارخانہ داروغہ یادالٰہی صاحب مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۱۲رمضان ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناکرتوں اور صدریوں میں چاندی کے بوتام مع زنجیر لگاتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد فارغ التحصیل کہتے تھے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کرتے شریف میں قریب گریبان چاندی کا پتر لگایا ہے اس قیاس پر بوتام مع زنجیر لگانا جائز ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

چاندی کے صرف بوتام ٹانکنے میں حرج نہیں کہ کتب فقہ میں سونے گھنڈیوں کی اجازت مصرح۔

فی الدرالمختار عن التتارخانیہ عن السیر الکبیر لا بأس بأزرار الدیباج والذھب [1]۔	درمختار میں تتارخانیہ کے حوالے سے سیر کبیر سے منقول ہے کہ ریشم اور سونے کی گھنڈی کے استعمال میں کچھ حرج نہیں۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی اللباس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

اور گھنڈی اور بوتام ایک چیز ہے صرف صورت کا فرق ہے، اور جب سونا جائز تو چاندی بدرجہ اولٰی جائز، مگر یہ چاندی کی زنجیریں کہ بوتاموں کے ساتھ لگائی جاتی ہیں سخت محل نظر ہیں، کلمات آئمہ سے جب تک ان کے جواز کی دلیل واضح کہ آفتاب روشن کی طرح ظاہر و جلی ہو نہ ملے حکم جواز دینا محض جرات ہے کہ چاندی سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے۔ شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

اصل در استعمال ذہب و فضہ حرمت ست[1]۔	سونے اور چاندی کے استعمال کرنے میں اصل حرمت ہے۔ (ت)

یعنی جب شرع مطہر نے حکم تحریر فرما کر ان کی اباحت اصلیہ کو نسخ کردیا تو اب ان میں اصل حرمت ہو گئی، کہ جب تک کسی خاص چیز کی رخصت شرع سے واضح و آشکارا نہ ہو ہر گز اجازت نہ دی جائے گی بلکہ مطلق تحریم کے تحت میں دخل رہے گی ھذا وجہ۔

واقول ثانیًا: ظاہر ہے کہ ان زنجیروں کے اس طرح لگانے سے تزین مقصود ہوتا ہے۔ بلکہ تزین ہی مقصود ہوتا ہے اور ایسے ہی تزین کو تحلی کہتے ہیں، اور علماء تصریح فرماتے ہیں مرد کو سوا انگوٹھی پیٹی اور تلوار کے سامان مثل پرتلے وغیرہ کے چاندی سے تحلی کسی طرح جائز نہیں، تنویر الابصار میں فرماتے ہیں:

لایتحلی ای لایتزین درر[2]۔	چاندی کا کوئی زیور (سوائے مخصوص اشیاء کے) نہ پہنے یعنی اس سے زیب وزینت کا فائدہ نہ اٹھائے درر (ت)

جب یہ زنجیریں مستثنیات سے خارج ہیں تو لاجرم حکم نہی میں داخل ہیں۔

واقول ثالثًا: اس طرح لگانا اگر حقیقۃً زنجیر پہننا نہیں تو پہننے سے مشابہ ہے اور محرمات میں شبہ مثل یقین ہے۔

فی ردالمحتار التعلیق یشبہ اللبس فحرم لذٰلك لما علم ان الشبھۃ فی باب المحرمات ملحقۃ بالیقین رملی[3]۔	ردالمحتار میں ہے کہ لٹکانے کے مشابہ ہے اس لئے حرام ہے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ محرمات کے باب میں شبہہ یقین کا درجہ رکھتا ہے، رملی (ت)

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل باب الخاتم مکتبہ نوری رضویہ سکھر ۳/ ۵۶۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللباس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

انصاف کیجئے تو یہ اس مسئلہ کا گویا صریح جزئیہ ہے، پھر علماء کی تشریح ریشم کے بارے میں ہے جس کا صرف لبس یعنی پہننا اوڑھنا اور جس امر میں ان کی مشابہت ہو ممنوع ہے باقی تمام طرق استعمال روا۔

فی شرح الملتقی للعلائی لاتکرہ الصلٰوۃ علی سجادۃ من الابریشم لان الحرام ھو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوہ فلیس بحرام کما فی صلٰوۃ الجواہر و اقرہ القھستانی وغیرہ [1] اھ نقلہ العلامتان محشیا الدر ط وش واقراہ۔	علامہ علائی کی شرح ملتقی میں ہے ریشمی مصلی پر نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ اس کا صرف پہننا حرام ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے باقی تمام طریقے حرام نہیں جیسا کہ صلٰوۃ الجواہر میں مذکور ہے اس کو قہستانی وغیرہ نے برقرار رکھا ہے اھ اس کو دو علاموں یعنی علامہ شامی اور علامہ طحطاوی نے درمختار کے حواشی میں نقل کرتے ہوئے قائم رکھا ہے۔(ت)

پھر کیا گمان ہے اشیائے فضہ کے باب میں جن کا صور معدودہ کے سوا استعمال مطلقاً ناروا، ردالمحتار میں ہے:

الذی کلہ فضۃ یحرم استعمالہ بای وجہ کان کما قدمناہ ولو بلامس بالجسد ولذا حرم ایقاد العود فی مجمرۃ الفضۃ والساعۃ وقدرۃ التنباك التی یوضع فیھا الماء وان کان لایمسہ بیدہ ولا بفمہ لانہ استعمال فیما صنعت لہ [2] الخ۔	صرف چاندی کا استعمال خواہ کسی طریقے سے ہو اور خواہ جسم کے ساتھ نہ ہو تب بھی حرام ہے۔ لہٰذا چاندی کی انگیٹھی میں عود سلگانا، گھڑی باندھنا، حقہ کا وہ حصہ چاندی کا بنانا جس میں پانی ڈالا جاتا ہے یہ سب حرام ہیں اگرچہ وہ ہاتھ اور منہ سے مس بھی نہ ہونے پائیں کیونکہ اس مقصد کے لئے استعمال ہے جس کے لئے یہ بنائی گئی ہے۔ الخ۔(ت)

اور یہ خیال کہ اگر یہاں چار انگل کے عرض تک کا کام ہوتا ہے جائز ہوتا کہ تابع تھا اسی کی جگہ یہ زنجیریں ہیں انھیں بھی تابع ٹھہرا کر مباح ماننا چاہئے۔ محض خیال محال ہے کام اور زنجیروں میں فرق بدیہی ہے۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مذہب صحیح میں مردوں کو ریشمیں کمربند ناروا ہے کہ وہ پاجامہ تابع نہیں بلکہ مستقل جداگانہ چیز ہے۔ درمختار میں ہے:

تکرہ التکۃ منہ ای من الدیباج وھو الصحیح [3]۔	ریشمی کمربند کا استعمال مکروہ ہے اور یہی صحیح ہے۔(ت)

[1] الدر المنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراھیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء الت التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

[3] درمختار کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

حاشیہ علامہ طحطاوی میں ہے: **ھو الصحیح لانھا مستقلۃ**[1] (یہی صحیح ہے کیونکہ یہ ایک مستقل چیز ہے۔ت) جب کمر بند یا آنکہ پاجامہ کی غرض اس سے متعلق ہے بلکہ جس طرح اس کا لبس معروف و معہود ہے وہ غرض بے اس کے تمام نہیں ہوتی مستقل قرار پایا تو یہ زنجیریں جن سے کپڑے کو کچھ علاقہ نہیں، نہ اس کی کوئی غرض ان سے متعلق کیونکر تابع ٹھہر سکتی ہے اور اگر بالغرض کام کی جگہ لگایا جانا پتر کو بھی کام کے حکم میں کردے تولازم کہ چاندی کے کنگن توڑے، چنپا کلی، جھومر وغیرہا زیور بھی جائز ہیں جبکہ وہ آستینوں، گریبان، ٹوپی وغیرہا میں کام کے قائم مقام ٹانکے جائیں بلکہ واجب کہ وہ زنجیریں اور یہ سب گہنے سونے کے بھی حلال ہوں کہ تابع قلیل ذہب وفضہ دونوں سے روا، ردالمحتار میں ہے:

ویؤید عدم الفرق مامر من اباحۃ الثوب المنسوج من ذھب اربعۃ اصابع[2] **الخ۔**	فرق نہ ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ بمقدار چار انگشت سونے کی تاروں سے بنا ہوا کپڑا مباح ہے الخ (ت)

غرض کوئی وجہ ان زنجیروں کے جواز کی نظر نہیں آئی اور جب تک کلمات ائمہ سے اجازت نہ ثابت ہو حکم ممانعت ہے لما بینا۔

رہی وہ حدیث کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قریب گریبان مبارک چاندی کا پتر لگایا فقیر کو کسی کتاب سے یاد نہیں۔ نہ عادات بلاد اس کی مساعدت کریں کہ گریبانوں میں چاندی کے پتر لگائے جاتے ہوں، ہاں یہ بیشک حدیث میں آیا ہے کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جبہ پہنا جس کے گریبان اور آستینوں اور چاکوں پر ریشم کی خیاطت تھی۔

کما فی حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھما اخرجہ الائمۃ احمد فی المسند والبخاری فی الادب المفرد ومسلم فی صحیحہ وابوداؤد فی السنن[3]**۔**	جیسا کہ سیدہ اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں آیا ہے جس کو ائمہ کرام امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے ادب المفرد میں امام مسلم نے صحیح میں اور امام ابوداؤد نے السنن میں اس کی تخریج فرمائی ہے۔(ت)

---

[1] حاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار المعرفۃ بیروت ۴ /۱۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۶

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۰، سنن ابی داؤد کتاب اللباس والزینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۵، مسند احمد بن حنبل عن اسماء بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۳۴۸۔۳۴۷

اس کے جواز میں کسے کلام ہے خواہ رشم کا کام ہو یا گوٹ سنجاف جبکہ کوئی بوٹی یا ٹکڑہ چار انگل عرض سے زائد نہ ہو پتر کی حدیث کا پتا دینا ذمہ مدعی ہے کہ دیکھا جائے وہ کس مرتبہ کی حدیث ہے اور اس کا مطلب کا اور اس سے مدعی کو تمسک کہاں تک روا۔

سیدین علامتین طحطاوی وشامی حواشی در میں فرماتے ہیں:

الوارد عن الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ لبس الجبة المکفوفة بحریر فلیس فیہ ذکر فضة و لا ذھب [1]۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایسا جبہ زیب تن فرمایا جس پر ریشم کا کام کیا ہوا تھا لیکن اس میں چاندی سونے کا ذکر نہیں۔اللہ تعالٰی پاک برتر اور خوب جاننے والا ہے۔اور اس شرف وعظمت والے کا علم سب سے زیادہ کامل اور پختہ ہے(ت)

مسئلہ ۲: یہ زیور علی بند اور پری بند جو حامل ہذا کے ہمدست مرسل ہے اس کو تحریر فرمائیں کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں بوجہ آوز نکلنے کے عورات کو اور اور مکان مسکونہ اگرچہ علیحدہ قطع رکھتا ہے مگر آمدورفت ہم مستورات کی اور نیز ہمارے مکان ہی کے قطع جات ملصقہ میں غیر بھی رہتے ہیں۔واللہ عندہ حسن الجزاء۔

الجواب:

یہ زیور ہاتھ کا ہے اور اس میں وغیرہا ایسی اشیاء بھی نہیں جن سے زیادہ آواز پیدا ہو اتنی آواز تو ہاتھ کی چوڑیوں سے نکلتی ہے جبکہ پھنسی ہوئی نہ ہوں اس کے پہننے میں کوئی حرج شرعی نہیں آمدورفت سے پاؤں کے گہنے بجتے ہیں نہ ہاتھ کے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳: مرسلہ از چاندہ ضلع بجنور محلّہ پتیا پاڑہ مکان محمد حسین خاں زمیندار

چوڑیاں کانچ کی عورتوں کو جائز ہیں پہننا۔یا ناجائز ہیں؟

الجواب:

جائز ہیں لعدم المنع الشرعی (اس لئے کہ کوئی شرعی مانع نہیں۔ت) بلکہ شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے مستحب وانما الاعمال بالنیات [2] (اعمال کا دارومدار ارادوں پر ہے۔ت) بلکہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۶

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

شوہر یا ماں یا باپ کا حکم ہو تو واجب:

لحرمة العقوق ولوجوب طاعة الزوج فیما یرجع الی الزوجیة۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ والدین اور شوہر کی نافرمانی حرام ہے اور شوہر کی فرمانبرداری بسلسلہ حقوق زوجیت واجب ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴: از گولڑہ ضلع راولپنڈی مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن صاحب ۹ ذی القعدہ ۱۳۲۹ھ

زر بالکسر جس کو ہندی میں گھنڈی کہتے ہیں اور ابریشم و باکلا بتو سیم وزر سے بنائی جاتی ہے جیسا کہ اطراف بمبئی وغیرہ میں ساز صدریہ اور اطراف بخارا وغیرہ میں جبہ وچغہ کی گھنڈیاں ہوتی ہیں اور بوجہ تخلیط رشتہا وخیاطت ان کا تجزء ہو کر تحت تبعیت آجاتی ہے بخلاف بٹن مروجہ سیم وزر کہ بظاہر حکم تبعیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ اس جگہ تبعیت بظاہر با فنگی ودوختگی وخلط سیم وزر مع غیر سیم وزر میں منحصر معلوم ہوتی ہے جیسے عبارات طحطاوی سے مستفاد ہوتا ہے۔

قال فی المنتقی عن محمد لابأس ان تکون عروة القمیص وزرہ حریرا وھو کالعلم یکون فی الثوب ومعه غیرہ فلا باس به وان کان وحدہ کراھته[1]۔	المنتقی میں امام محمد سے روایت ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ کرتے کا گریبان اور اس کی گھنڈی (بٹن) ریشم کے ہوں اور وہ کپڑے میں نشان نقوش کی طرح ہو اگر اس کے ساتھ کچھ اور ہو تو کچھ حرج نہیں، اور اگر اکیلا ہو تو پھر کراہت ہوگی۔ (ت)

اور بٹن مروجہ ای، شے مستقل صورت حلی سوراخ گریبان پیراہن میں معلق معلوم ہوتا ہے پس اگر اس کو حلی کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو ولا یتحلی الرجل بذھب وفضة مطلقا الا بخاتم ومنطقه وحلیة سیف منھا ای فضة اذا لم یرد به التزیین[2] (کوئی شخص مطلقاً سونے اور چاندی کا زیور نہ پہنے مگر یہ کہ انگوٹھی، کمربند اور تلوار کا دستہ چاندی کا ہو یعنی یہ سب چیزیں چاندی کی جائز ہیں بشرطیکہ زیب وزینت اور نمائش کا ارادہ نہ ہو۔ ت) مانع اباحت ہے اور محض تعلیق کے ساتھ تشبیہ دی جائے تو مضمون عبارت والظاھر فی وجھه ان التعلیق یشبه اللبس فحرام لذلك لما علم ان الشبھة فی باب المحرمات ملحقه بالیقن[3] شامی (اس کی وجہ میں ظاہر یہ ہے کہ لٹکانا دراصل پہننے کے مشابہ ہے

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحة باب فی اللبس دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۷۹۔۱۷۸

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب فی اللبس دراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

لہٰذا اس وجہ سے حرام ہے۔کپڑے کے کنارے کے نقوش کی طرح ہے کیونکہ حرام کے باب میں شبہ یقین کے ساتھ وابستہ ہے۔ت) ۔حرمت کی طرف لے جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بٹن مروجہ محض تبریعنی ٹکڑہ سیم وزر کُرتے کے ساتھ معلق ہے نہ یافتہ نہ دوختہ نہ کسی اور چیز کا اس کے ساتھ خلط ہے پس اس کو تابع کہنے اور گھنڈی پر قیاس کرنے کی کیا دلیل ہے، مہربانی فرما کر اطمینان بخش جواب مرحمت فرمائیں و نیز جس علت تعلیق سے زنجیر ناجائز ہے وہی علت بٹن میں موجود ہے پس کیا وجہ ہے کہ بٹن جائز ہو اور زنجیر بٹن ناجائز، و نیز اگر تابع کے یہ معنی ہیں کہ بٹن بدون کرتے کے مستعمل نہیں ہوتا ہے تو یہ بات ازار بند میں بھی موجود ہے حالانکہ ازار بند ریشمی وغیرہ مکروہ ہے۔واللہ اعلم۔ محمد عبدالرحمٰن بقلم خود

الجواب:

درمختار میں ہے:

لاباس بعروۃ القمیص وزرہ من الحریر لانہ تبع[1]۔	قمیص کا گریبان اور اس کے بٹن ریشمی ہوں کوئی حرج نہیں کیونکہ یہ تابع ہیں۔(ت)

سیر کبیر پھر تاتارخانیہ پھر شرح علائی ہے:

لاباس بازرار الدیباج والذھب[2]۔	ریشم اور سونے کے بٹن میں کچھ حرج نہیں۔(ت)

ذخیرہ پھر ہندیہ میں ہے:

لاباس یلبس الثوب فی غیر الحرب اذا کان ازرارہ دیباجا اوذھبا[3]۔	جنگ کے علاوہ اگر ایسا کپڑا پہنے کہ جس کے بٹن ریشمی یا سونے کے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہاں چیز فوائد قابل لحاظ ہیں۔

اول: زر کے لئے کپڑے میں سلا ہونا ضرور نہیں بلکہ مخیط و مربوط مغروز و مرکوز سب کو عام ہے ولہٰذا ائمہ لغت میں اس کی تعریف میں صرف لفظ وضع اخذ کیا جس مس اصل تخصیص خیاطت نہیں، قاموس میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۹

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کت خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

الزر بالکسر الذی یوضع فی القمیص وبالفتح شدہ الازار [1]۔	"اَلزِرّ" اگر حرکت زیر کے ساتھ ہو تو اس کو معنی ہے وہ چیز جو کرنے میں موضوع ہو یعنی رکھی جائے "اگر یہ حرکت زبر کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے اِزرار باندھنا۔(ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:

قال ابن سیدۃ الزر الذی یوضع فی القمیص والجمع ازرار و زَرُوْرُ و ازرّ القمیص جعل لہ زرا و ازرہ شد علیہ ازرارہ وقال ابن الاعرابی زر القمیص اذا کان محلولا فشدہ وزر الرجل شد زرہ [2]۔	ابن سیدہ لغوی نے کہا کہ "زر" وہ چیز ہے جو کرتے میں لگائی جاتی ہے اس کی جمع ازرار اور زَرُوْرُ ہے، ازرّ القمیص اس وقت کہا جاتا ہے جبکہ قمیص کے بٹن لگائے جائیں اور اَزَرّہ، اس قت کہا جاتا ہے جبکہ قمیص پر اس کے بٹن باندھے جائیں، ابن الاعرابی نے کہا جب قمیص کے بٹن کھلے ہوں پھر انھیں باندھے تو اس وقت زرالقمیص کہا جاتا ہے اور زرالرجل کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے بٹن باندھ دئے۔ (جبکہ وہ کھلے ہوں)۔(ت)

ملحہ جرمی کا بھی شعر بھی اس کا پتا دیتا ہے:ؔ

کان زرور القبطریۃ علقت علائقھا منہ بجذع مقوم [3] القبطریۃ ثیاب کتاب بیض والکنایۃ للممدوح و العلائق جمع علاقۃ بالکسر بند۔ فی القاموس وتاج العروس العلاقۃ بالکسر فی السوط ونحوہ کالسیف والقدح والمصحف والقوس وما اشبہ ذٰلك وعلاقۃ السوط	گویا سلکی کپڑے لٹکادئے گئے اور ان کی بندشیں سیدھے تنے سے پیوستہ ہیں۔ القبطریۃ السی کے سفید کپڑے اور ممدوح کی طرف اشارہ ہے۔ "علائق" جمع ہے۔اس کا واحد "علاقہ" ہے حرکت زیر کے ساتھ ہے بمعنی بند ہے۔ چنانچہ القاموس اور اس کی شرح تاج العروس میں ہے "العلاقۃ" بحرکت زیر کوڑا اور اس چیز جیسے تلوار، پیالہ، مصحف، کمان اور اس کے مشابہ

---

[1] القاموس المحیط فصل الزاء من باب الراء مصطفی البابی مصر ۲ /۳۹

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ وباب وجوب الصلٰوۃ فی الثیاب ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ دمشق ۴ /۵۴

[3] تاج العروس فصل الزاء من باب الراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۳۶

مافی مقبضه من السير اھ [1] ثم قالا اعلق القوس جعل لها علاقة وعلقها على الوتد وكذٰلك السوط المصحف والقدح [2]۔	اشیاء میں استعمال ہوتا ہے "علاقۃ السوط" وہ تسمہ جو اس کے دستہ میں لگا ہوا ہو پھر دونوں (صاحب قاموس اور مصنف تاج العروس) نے کہا اعلق القوس اس وقت کہا جاتا ہے جب کمان کو بندھن لگا کر کسی کلی وغیرہ پر لٹکا دے اور یہی حال کوڑے مصحف اور پیالے کا ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ بحال خیاطت فی الثوب زر کو علاقہ سے کیا علاقہ، فتاوٰی ولوالجی پھر شلبی علی التبیین میں ہے:

لاباس بان یلبس المحرم الطیلسان و لایزرہ علیه فان زرہ یوما فعلیه دم لانه صار منتفعا به انتفاع المخیط [3]۔	اس میں کوئی حرج نہیں کہ محرم (بحال احرام) بڑی چادر پہنے لیکن اسے گرہ نہ لگائے پھر اگر پورا دن اسے گرہ لگا رکھی تو اس دم (جانور ذبح کرنا) لازم ہوگا اس لئے کہ اس نے پہنے ہوئے کپڑے کی طرح اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔(ت)

منسک متوسط اور اس کی شرح مسلک متقسط بیان محرمات احرام میں ہے:

(زر الطیلسان) ای ربطه بالزر وعقدہ علی عنقه [4]۔	بڑی چادر کو گرہ لگانا یعنی اسے گرہ لگا کر گردن پر باندھنا۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

ان زر الطیلسان یوما لزمه دم لحصول الاستمساك بالزر مع الاشتمال بالخیاطة [5]۔	اگر بڑی چادر کو دن بھر گرہ لگائے تو اس صورت میں اس پر دم (جانور ذبح کرنا) لازم آئے گا اس لئے کہ بوجہ گرہ لگانے اس کا تھم جانا (رک جانا) حاصل ہوا باوجود یہ کہ سلائی پر بھی شامل ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل العین من باب القاف دار احیاء التراث العربی بیروت ۷ /۲۱

[2] تاج العروس فصل العین من باب القاف دار حیاء التراث العربی بیروت ۷ /۲۲

[3] شلبی علی التبیین کتاب الحج باب لجنایات المطبعة الکبری الامیریه بولاق مصر ۲ /۵۴

[4] المسلك المتقسط شرح المنسك المتوسط فصل فی المحرمات الاحرام دار الکتاب العربی بیروت ص ۸۱

[5] فتح القدیر کتاب الحج باب الجنایات مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۴۴۳

یستحب لبس ازار ورداء فان زرره اوخلله اوعقده اساء ولادم علیه [1] ۔	تہبند اور چادر کا پہننا مستحب ہے پھر اگر اسے گرہ لگائے یا اسے کھولے یا اسے گرہ لگا کر باندھے تو اس نے برا کیا لیکن اس پر دم نہیں (یعنی جانور ذبح کرنا لازم نہیں)۔(ت)

ظاہر ہے کہ طیلسان وچادر میں گھنڈیاں سلی نہیں ہوتی اور اطحام مذکورہ خیاطت پر موقوف نہیں بلکہ بلاخیاطت صورت ربط ہی زیادہ مقصود بالافادہ ہے کہ محرم کا مخیط سے احتراز تو معہود ومشہور ار بجائے خود مذکور ہے ابوداؤد ونسائی وابن خزیمہ وابن حبان وحاکم سب اپنی صحاح میں اور امام اجل ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قلت یا رسول الله انی رجل اصید افاصلی فی القمیص الواحد قال نعم وازرره لوبشوکة [2] ۔	(حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارگاہ سالت میں) عرض کی: میں ایک شکاری آدمی ہوں ایک کرنے میں نماز پڑھ سکتا ہوں، ارشاد فرمایا: ہاں (پڑھ سکتے ہو) لیکن اسے باندھ لو اگرچہ کسی کانٹے ہی سے کیوں نہ ہو، مطلب یہ کہ اسے جوڑ کر نماز پڑھو۔(ت)

یہاں کانٹے کو بھی زر فرمایا،

والاصل الحقیقة والعدول الی المجاز من دون ضرورة غیر مجاز	حقیقت اصل ہے۔اور بغیر کسی ضرورت (حقیقت چھوڑ کر) مجاز کی طرف جانا جائز نہیں۔(ت)

تو بوتام یابٹن نفس معنی زر میں داخل ہیں نہ کہ ان کا گھنڈی پر قیاس ہو۔

دوم: لفظ ذهب منسوج وحرج دونوں کو شامل، بلکہ وہ حجر میں اصل حقیقت پر ہے اور کلابتوں پر اس کا اطلاق از قبیل تسمیۃ الکل باسم الجزء ہے کہ اس میں ریشم بھی ہوتا ہے اور گھنڈیاں انھیں منسوجات سے خاص نہیں بلکہ امراء کے یہاں سونے چاندی اور لعل ویاقوت کی بھی ہوتی۔قال قائلھم (ان کے کسی کہنے والے نے کہا۔ت): ؎

ترانہ تکمہ لعل ست بر قبائے حرر   شدست قطرہ خون منت گریباں گیر

(ریشمی جبے پر تیرے لئے لعل وگوہر کی گھنڈیاں (بٹن) میرے خون کے ایک قطرہ

---

[1] درمختار کتاب الحج فصل فی الاحرام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۶۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یصلی فی قمیص واحد آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۲، شرح معانی لآثار کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی الثوب الواحد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۰

نے تیرا گریبان پکڑ لیا۔ت) تکمہ فارسی میں زر کا ترجمہ ہے جسے عربی میں زِیْر ،دَجَّہ، جَوْزَہ۔جِوِیْزَہ، حبہ بھی کہتے ہیں۔اور وہ حلقہ جسے اردو میں تکمہ بولتے ہیں، فارسی میں انگلہ اور عربی میں عروہ و وعلہ ہے تو سیر کبیر وذخیرہ وتاتارخانیہ ودرمختار و عالمگیریہ وغیرہا کے نصوص مذکورہ سونے کے بٹن کا خاص جزئیہ ہیں، ولاکلام لاحد بعد صرائح النصوص (صریح اور واضح نصوص کے بعد کسی کو کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ت)

سوم: یہیں سے کھل گیا کہ یہ بٹن بھی گھنڈیوں کی طرح تابع ہیں کہ علماء نے مطلقًا زر کو تابع بتایا اور زر انھیں میں شامل مگر تکثیر فوائد کے لئے معنی تابع پر بحث کریں اصلا کسی کتاب سے ثابت نہیں کہ تبعیت کے لئے دوختہ یا بافتہ یا نفس ذات تابع میں سیم وزر وابریشم کا کسی چیز مخلوط ہونا ضرور ہو۔ہاں تابع کی متبوع سے معیت چاہئے کہ نہ خود اجناس مختلفہ سے ترکب، متون مذہب میں تصریح ہے کہ انگوٹھی کے نگ میں سونے کے کیل جائز ہے اور شراح اس کی یہی تعلیل فرماتے ہیں کہ وہ تبع ہے حالانکہ وہ دوختہ بافتہ مخلوب کچھ نہیں۔ نیز تصریح ہے کہ جبہ وغیرہ میں ریشم کا ابرہ یا استر مرد کو ناجائز ہیں کہ دونوں مقصود ہیں اور اس کے اندر ریشم کا حشو جائز کہ وہ تابع ہے حالانکہ یہ بھی نہ بافتہ ہے نہ مخلوط۔اس کے جسے ہرنے کہ دو تین ڈورے ڈالتے ہیں اور اگر نہ ڈالیں جب بھی یقینا حکم نہ بدلے گا کہ علماء نے حشویت پر مدار جواز رکھا ہے اور وہ بغیر ڈورے پڑے بھی حشو ہے تو دختہ بھی نہ ہوا، جامع صغیر محرر مزہب وہدایہ وکنز و وافی ووقایہ ونقایہ وغرر واصلاح وملتقی وددرر وغرہا میں ہے:

حل مسمار الذھب یجعل فی جحر الفص[1]۔	نگینے کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانا جائز ہے۔(ت)

ہدایہ وتبیین الحقائق ومجمع الانہر وجامع الرموز وتکملہ والبحر وشرح نقایہ برجندی ودر وغیرہا میں ہے:

لاباس بمسمار الذھب یجعل فی جحر الفص ای فی ثقبۃ لانہ تابع کالعلم فی الثوب فلا یعد لابسالہ[2]۔	پتھر کے نگینے یعنی اس کے سوراخ میں سونے کی کیل لگانے میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ تابع ہے کپڑے کے نقش ونگار میں کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ تابع ہے کپڑے کے نقش ونگار کی طرح لہٰذا آدمی اسے پہننے والا شمار نہیں کیا جاتا (تاکہ ممانعت پیدانہ ہو)۔(ت)

محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر عالمگیریہ پھر ردالمحتار میں ہے:

لوجعل القز حشو اللقباء فلا باس بہ لانہ تبع ولو جعلت ظھارتہ	اگر جبہ میں ریشم کی بھرتی ہو تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ تابع ہے ہاں اگر ابرہ یا استر

[1] کنز الدقائق کتاب الکراھیۃ ص ۳۶۸

[2] الھدایہ کتاب الحظر والاباحۃ ۴/ ۴۵۵

او بطانته فھو مکروہ لان کلیھما مقصود [1]۔	ریشمی ہو تومکروہ ہے کیوں؟ اس لئے کہ وہ دونوں مقصود ہے۔(ت)

بزازیہ پھر ہندیہ میں ہے:

لاباس بلبس الجبة المحشوة من الخز [2]۔	جس جبے میں ریشم کی بھرتی ہو اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

عبارۂ طحطاوی عن المنتقی عن محمد میں یہی تابع و مستقل کا تفرقہ بنایا گیا ہے کہ یہ شے مستقل نہیں بلکہ دوسرے کے ساتھ ہے اور تنہا ہوتی تو ناروا ہوتی کہ تابع نہ رہتی خود مستقل ہوجاتی اس کے بعد فقیر نے مجمع الانہر میں اس معنی کی تصریح دیکھی روایت مذکورہ کا تتمہ یہ نقل کیا کہ امام محمد نے فرمایا:

لانه اذا کان ھو غیرہ فاللبس لایکون مضافا الیه بل یکون تبعا فی اللبس [3]۔	اس لئے کہ جب تابع غیر متبوع ہو تو پہننا اس کی طرف منسوب نہ ہوگا بلکہ وہ پہننے میں (متبوع کے) تابع ہوگا۔(ت)

صاف روشن ہوگیا کہ غیر سے مراد وہی متبوع ہے نہ یہ کہ گھنڈی تکمے، آنچل، پلو میں ریشم دوسری چیز کے ساتھ مخلوط کرکے لگائیں جب تو جائز ہو اور غیر مخلوط اگرچہ چار انگل سے زائد ہو ممنوع ٹھہرے یہ قطعاً باطل ہے کہ تصریحات تمام کتب کے خلاف ہے بلاشبہہ خاص ریشمی کپڑے کے گوٹ سنجاف پلیٹ کنٹھا ترنج اور ان کے مانند اور توابع سب جائز ہیں جبکہ چار انگل عرض سے زائد نہ ہو اور یہ وہم کسی عاقل کو نہ گزرے گا کہ کپڑا اگرچہ خالص ریشم کا ہو سینے میں ڈورا تو اس کے ساتھ ہوگا یہی معہ غیرہ ہوگیا حالانکہ یہی کیا ضرور کہ ریشم کی گوٹ وغیرہ سوت کے ڈورے سے سییں بلکہ ریشم سے سییں، جیسا کہ اکثر یہی متعارف ہے جب بھی قطعاً بشرط مذکور جائز ہے کیا کوئی اس قید کا پتا بلکہ اس کی ہوا کسی کتاب سے دے سکتا ہے کہ سوت سے سیو تو روا اور ریشم سے تو ناروا، ہرگز نہیں۔ اور حشوکے ریشم کو تو کہیے اس کے ساتے ایک تاگے کی بھی حاجت نہیں، کما عرفت (جیسا کہ تو نے معلوم کرلیا۔ت)

چہارم: سونے چاندے خواہ کلابتوں کے بٹن یا آنچل پلو پر روپہلے سنہرے کلابتوں یا کامدانی

---

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراھیة الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۴

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراھیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

[3] مجمع الانھر کتاب الکراھیة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۳۴

کاکام حلی سے مشابہ نہیں بلکہ خود حلی ہے۔ درمختار میں ہے:

المنسوج بذھب یحل اذا کان ھذا المقدار اربع اصابع والالا یحل للرجل[1]۔	سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا جائز ہے جبکہ اس کی مقدار چار انگلی ہو ورنہ مردوں کے لئے جائز نہیں (جبکہ زائد ہوں) (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الحلی کما فی القاموس مایتزین بہ ولا شك ان الثوب المنسوج بالذھب حلی[2]۔	جس شیئ سے زیب وزینت کی جائے وہ حلی (زیور) ہے جیساکہ قاموس میں ہے اور اس میں کوئی شک وشبہہ نہں کہ جو کپڑا سونے کے تاروں سے بناگیا وہ حلی (زیور) میں شمار ہے۔ (ت)

مگر یہ حلیہ ہی شرع نے جائز فرمایا ہے جبکہ تابع قلیل ہو ولہذا ردالمحتار میں اسے حلی بتا کر مسئلہ شرح کی تائید سے نقل فرمائی:

لاباس بالعلم المنسوج بالذھب للنساء فاما للرجال فقدر اربع اصابع ومافوقہ یکرہ[3]۔	اگر سونے کے تاروں سے کپڑے پر نقش ونگار بنائے جائیں تو عورتوں کے لئے اس کے استعمال کرنے میں کچھ حرج نہیں لیکن مردوں کے استعمال کے لئے (شرط یہ ہے کہ) اس کی مقدار بقدر چار انگشت ہو اور اس سے زائد مکروہ ہے۔ (ت)

عبارات متون لایتحلی الرجل بذھب[4] الخ (مرد کے لئے سونا پہننا جائز نہیں الخ۔ت) میں تحلی باشیائے مستقلہ کا ذکر ہے نہ کہ توابع کا ولہذا چاندی کی انگوٹھی پیٹی پر تلے مستقل ہی چیزوں کا استثناء فرمایا۔ عام مراد ہوتا تو خود ان کی بالاتفاق تصریحات اباحت منسوج بالذھب قدر اربع اصابع وزرو عروہ ذہب وغیرہا کا صریح مناقض ہوتا۔

یہیں سے ظاہر ہوا کہ سونے کے بٹن اور کلابتوں کی گھنڈیوں میں فرق ضائع ہے وہ اگر حلی ہیں تو یہ کیا نہیں اور لایتحلی (جائز نہیں۔ت) استثناء میں ان کا ذکر نہیں تو ان کا بھی نہیں، یوں ہوتا تو گھنڈیاں بھی ممنوع ہوجائیں۔

پنجم: قطع نظر اور تنقیحات مسئلہ تعلیق سے جب حقیقت لبس تابع قلیل میں معاف ہے۔ تو

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۴

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

شبہہ لبس کہ تعلیق میں ہے بدرجہ اولٰی ہدایہ وکافی وتبیین وغیرہا میں ہے:

وھذا لفظ الامام النسفی فی الکافی اجمعنا ان القلیل من الملبوس حلال وھو الاعلام فکذا القلیل من اللبس والاستعمال والجامع انه انموذج لنعیم الآخرۃ ترغیبا فیما ھو فی الاٰخرۃ لامقصود[1]۔	الکافی میں امام نسفی کے یہ الفاظ آئے ہیں ہم نے اس پر اتفاق کیا کہ تھوڑا ملبوس جائز ہے۔اور وہ کپڑے کے نقش ونگار ہیں اور اسی طرح تھوڑا پہننا اور استعمال کرنا بھی (جائز ہے)اور (دونوں میں) جامع یہ ہے کہ یہ طریقہ تعلیم آخرت کے لئے نمونہ ہے تاکہ اموراخرت کی طرف رغبت پیدا ہو لہٰذا بالذات مقصود نہیں (جیساکہ دلائل وشواہد سے معلوم ہوتا ہے۔)۔(ت)

ششم: ہمارا دعوٰی نہ تھاکہ ہر چیز جو دوسرے کے ساتھ استعمال میں آتی ہو مطلقاً تابع ہے واقعات امام صدر شہید وفتاوٰی صغرٰی وفتاوٰی ذخیرہ ومحیط وغایۃ البیان وبعض شروح جامع صغیر وشرح قدروری وفتاوٰی منصوریہ وشرح نقایہ برجندی ومجمع الانہر وغیرہا میں نص فرمایا اور منیۃ الفقہاء وجامع الرموز وتاتارخانیہ وتکملہ طوری وغیرہا میں اسی پر جزم واعتماد کیا کما فصلناہ کل ذٰلك فی فتاوٰنا (جیساکہ ہم نے ان سب باتوں کو (اپنے مشہور زمانہ) فتاوٰی رضویہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) یہاں وارد نہیں بلکہ تبعیت اس لئے کہ لبس اس کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔ہدایہ وتبیین وبرجندی ودر کی عبارتیں گزریں لانه تابع کالعلم فی الثوب فلا یعد لابساله[2] (اس لے کہ وہ تابع ہے جیساکہ کپڑے کے نقش ونگار، پھر اسے پہننے والا شمار نہیں کیا جاتا۔ت)
شرح ملتقی کی عبارت گزری:

اللبس لایکون مضافا الیه بل یکون تبعا فی اللبس[3]۔	پہننا اس کی طرف منسوب نہیں بلکہ وہ پہننے میں تابع ہے۔(ت)

طحطاوی میں ہے:

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶ /۱۵۔۱۴، الہدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۴

[2] الہدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۵

[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراھیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۳۴

وانما جاز منہ کان تبعا لان اللبس لایکون مضافا الیہ [1]۔	اور اس کا وہ حصہ جائز ہے جو تابع ہو، اس لئے کہ پہننا اس کی طرف منسوب نہیں۔(ت)

ہفتم: زنجیروں کے لئے نہ زر کی طرح کوئی نص فقیر نے پایا نہ جواز پر کوئی صاف دلیل بلکہ وہ بظاہر مقصود بنفسہا ہیں۔نہ زر کی طرح کپڑے کی، کوئی غرض ان سے متعلق نہ علم کی طرح ثوب میں مستہلک کہ تابع ثواب ٹھہریں، نہ ان سے سنگار اور زینت کے سوا کوئی فائدہ مقصود اور وہ زیور زناں سے کمال مشابہ ہیں۔ان کی ہیئت وحالت بالکل سہاروں کی سی ہے کہ ایک طرف ان کے کنڈوں میں بالیاں پرو کر ان کو دونوں جانب سے پیشانی کے بالوں میں لاکر کانٹا ڈال کر ملادیتے ہیں وہ بھی ان زنجیروں کی طرح لڑیاں ہی ہیں بلکہ ان سے علاوہ تزین ایک فائدہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ بالیوں کا بوجھ کانوں پر نہ پڑے یہ انھیں اٹھا کر سہارا دئے رہیں اسی لئے ان کو "سہارے" کہتے ہیں۔اور ان زنجیروں کی لڑیاں سوا زینت کے کوئی فائدہ نہیں دیتیں تو بہ نسبت سہاروں کے ان کی لڑیاں جھومر کی لڑیوں سے اشبہ ہیں اور سہاروں کی طرح یہ بھی داخل ملبوس ہیں بلکہ ان کا صرف زینت کے لئے بالذات مقصود اور کپڑے کی اغراض سے محض بے تعلق ونامستہلک ہونا جھومر کی طرح انکے اور بھی زیادہ لبس مستقل کا مقتضی ہے اور ذہب وفضہ میں اصل حرمت ہے تو جب تک صریح دلیل سے جواز ثابت نہ ہو زنجیروں پر عدم جواز ہی کا حکم دیں گے، ہدایہ میں ہے:

الاصل فیہ التحریم [2]۔	اصل اس کی حرمت ہے(یعنی سونے، چاندی میں اصل یہ ہے کہ دونوں مردوں کے لئے حرام ہیں اور عورتوں کے لئے جواز ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

الفضۃ والذہب من جنس واحد والاصل الحرمۃ فیہما [3] اھ ہذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ تعالٰی اعلم۔	سونا، چاندی ایک ہی جنس ہیں۔اور ان دونوں میں اصل حرمت ہے۔(یعنی بلحاظ اصل دونوں حرام ہیں)اور یہ جو کچھ میں نے بیان کیا ہے)یہ میری تحقیق اور عندیہ ہے۔لیکن واقعی اور صحیح علم میرے رب کے پاس ہے، کیونکہ اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۸

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۵

[3] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی اللبس المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۶/ ۱۶

مسئلہ ۵: از پیلی بھیت کچہری کلکٹری مرسلہ جناب مولوی عرفان علی صاحب رضوی برکاتی بیسلپوری ۱۰ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کو زیور پہننا جائز ہے یا ناجائز؟ بر تقدیر اول کیا بجنے اور نہ بجنے والے ہر قسم کے زیوارات سونے اور چاندی کے بلا تخصیص جائز ہیں؟ جائز وناجائز ہر دو صورتوں میں کتب فقہ کی دو ایک عبارتیں اور کم سے کم دو تین حدیثیں نقل فرمادیجئے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

عورتوں کو سونے چاندی کا زیور پہننا جائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَۃِ"۔ [1]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا، کیا وہ جو زیور میں پروان چڑھے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الذھب والحریر حل لاناث امتی وحرام علی ذکورھا، رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ عن زید بن ارقم والطبرانی فی الکبیر عنہ وعن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما [2]	سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں کو حلال اور مردوں پر حرام ہے۔ (ابوبکر بن ابی شیبۃ حضرت زید بن ارقم سے اور طبرانی نے الکبیر میں ان سے اور حضرت واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو راویت کیا ہے۔ ت)

بلکہ عورت کا اپنے شوہر کے لئے گہنا پہننا، بناؤ سنگار کرنا باعث اجر عظیم اور اس کے حق میں نماز نفل سے افضل ہے بعض صالحات کہ کود اور ان کے شوہر دونوں صاحب اولیاء کرام سے تھے ہر شب بعد نماز عشا پورا سنگار کرکے دلھن بن کر اپنے شوہر کے پاس آتیں اگر انھیں اپنی طرف حاجت پاتیں حاضر رہتیں ورنہ زیور ولباس اتار کر مصلی بچھاتیں اور نماز میں مشغول ہو جاتیں۔ اور دلھن کو سجانا تو سنت قدیمہ اور بہت احادیث سے ثابت ہے بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ انکی منگنیاں آتیں۔ یہ بھی سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۱۸

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۵۱۲۵ مکتبۃ الفیضلیۃ بیروت ۵/ ۲۱۱

لوکان اسامة جاریة لکسوته وحلیته انفقه رواہ احمد[1] وابن ماجة عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	اگر حضرت اسامہ لڑکی ہوتے تو میں انھیں زنانہ کپڑے اور زیور پہناتا یہاں تک کہ وہ انھیں استعمال کرتے، چنانچہ مسند احمد اور محدث ابن ماجہ ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے سند حسن کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔(ت)

بلکہ عورتوں کا باوصف قدرت بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ مردوں سے تشبہ ہے۔حدیث میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ تعطر النساء وتشبھھن بالرجال[2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کے تعطّر(یعنی بے زیور رہنے)کو اور مردوں سے مشابہت بنانے والی عورتوں کو ناپسند فرماتے۔(ت)

(حدیث مذکور میں لفظ "**تعطر**" استعمال ہوا ہے جس کا معنی "خوشبو لگانا ہے، مگر) مجمع البحار میں ہے:

قیل ارادتعطل النساء باللام وھی من لاحلی علیھا ولاخضاب واللام والراء یتعاقبان[3]۔	کہا گیا ہے کہ لفظ مذکور سے "تعطّل النساء" حرج لام کے ساتھ مراد ہے اور اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو نہ تو زیور پہنے ہوں نہ خضاب لگائے ہوں پس یہاں لام اور راء ایک دوسرے کی جگہ آتے ہیں۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مولی علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا:

یاعلی مرنسائك لایصلین عطلا[4]۔رواہ ابن اثیر فی النھایة۔	اے علی!اپنے مخدرات کو حکم دو کہ بے گہنے نماز نہ پڑھیں۔(امام ابن اثیر نے النہایہ میں اس کو روایت فرمایا۔ت)

[1] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب الشفاعة فی التزویج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳،مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۳۹

[2] نہایة لابن ابی اثیر باب العین مع الطاء تحف لفظ عطر "المکتبة الاسلامیہ ۳/ ۲۵۶

[3] مجمع بحار الانوار باب العین مع الطاء تحت لفظ "عطر "مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۳/ ۶۲۱

[4] نہایة لابن اثیر باب العین مع الطاء تحت لفظ عطل المکتبة الاسلامیة ریاض ۳/ ۲۵۷

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں "کچھ نہ پائے تو ایک ڈوراہی گلے میں باندھ لے" مجمع بحار میں ہے:

عائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا کرھت ان تصلی المرأة عطلا ولو ان تعلق فی عنقہا خیطا [1]۔	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا عورتوں کے بغیر زیور نماز پڑھنے کو ناپسند فرماتیں (اور فرمایا کرتیں اگر اور کچھ نہ ہو تو ایک ڈوراہی گلے میں لٹکالے۔ (ت)

بجنے والا زیور عورت کے لئے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں مثلاً خالہ، ماموں، چچا، پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ، دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو نہ اس کے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَہُنَّ اِلَّا لِبُعُوۡلَتِہِنَّ" الاٰیۃ [2]۔	عورتیں اپنا سنگار شوہر یا محرم کے سوا کسی پر ظاہر نہ کریں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَا یَضۡرِبۡنَ بِاَرۡجُلِہِنَّ لِیُعۡلَمَ مَا یُخۡفِیۡنَ مِنۡ زِیۡنَتِہِنَّ" [3]	عورتیں پاؤں دھمک کرنہ رکھیں کہ ان کا چھپا ہوا سنگار ظاہر ہو۔

فائدہ: یہ آیہ کریمہ جس طرح نامحرم کو گہنے کی آواز پہنچنا منع فرماتی ہے یونہی جب آواز نہ پہنچے اس کا پہننا عورتوں کے لئے جائز بتاتی ہیں کہ دھمک کر پاؤں رکھنے کو منع فرمایا نہ کہ پہننے کو، بخلاف جہل وہابیہ کہ بجتا گہنا ہی حرام کہتے ہیں۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶و۷: ازکاٹھیاواڑ مسئولہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ۷ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک شخص لوہے اور پیتل کا زیور بیچتا ہے اور ہندو مسلمان سب خرید تے ہیں اور ہر قوم کے ہاتھ

[1] مجمع بحار الانوار باب العین مع الطاء تحت لفظ عطل مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۳ /۶۲۲

[2] القرآن الکریم ۲۴ /۳۱

[3] القرآن الکریم ۲۴ /۳۱

وہ بیچتا ہے۔ غرضکہ یہ وہ جانتا ہے کہ جب مسلمان خرید کریں گے تو اس کو پہنیں گے۔ تو ایسی چیزوں کا فروخت کرنا مسلمان کے ہاتھ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کانسہ جو بشکل پیتل ہوتا ہے استعمال کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) مسلمان کے ہاتھ بیچنا مکروہ تحریمی ہے۔

(۲) کانسہ کے برتن میں حرج نہیں اور اس کا زیور پہننا مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸ و ۹: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار اسمٰعیل صاحب یکم صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت ان مسائل میں:

(۱) سونے یا چاندی کی گھڑی جیب میں رکھنے کی مرد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں۔ نیز اس قسم کی گھڑی جیب میں پڑی ہے اور نماز ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) وہ اشیاء جن پر سونے چاندی کا پانی چڑھا ہو جسے گلٹ کہتے ہیں مرد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سونے کی گھڑی جیب میں ہو تو نماز میں حرج نہیں کہ جیب میں رکھنا پہننا نہیں۔ جیسے جیب میں اشرفیاں پڑی ہوں، ہاں سونے کی گھڑی چاندی کی گھڑی وقت دیکھنا مرد وعورت سب کو حرام ہے کہ عورتوں کو پہننے کی اجازت ہے نہ کہ اور طرق استعمال کی۔

(۲) کرسکتا ہے۔ سونے یا چاندی کا پانی وجہ ممانعت نہیں۔ ہاں اگر وہ شے فی نفسہٖ ممنوع ہو تو دوسری بات ہے جیسے سونے کا ملمع کی ہوئی تانبے کی انگوٹھی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰: از مبارکپور محلّہ مرحی محال متصل کنجڑا محال مرسلہ حافظ محمد جعفر صاحب پیش امام ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تانبے پیتل کے برتن میں طعام تناول پانی نوش فرمایا کرتے یا کسی دوسری چیز کے برتن میں:

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تانبے، پیتل کے برتنوں میں کھانا پینا ثابت نہیں۔ مٹی یا کاٹھ کے برتن تھے اور پانی کے لئے مشکیزے بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱و۱۲: سید صفر علی صاحب ڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنگی موضع خود مئو

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں :

(۱) سونے یاچاندی یاپیتل یاجست یاتانبے یالوہے کی منہنال نیچہ میں لگا کر حقہ پینا جائز ہے؟

(۲) یشب یاکسی دوسرے پتھر کی منہنال استعمال کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) سونے یاچاندی کی منہنال حرام ہے باقیوں میں حرج نہیں۔

(۲) یشب وغیرہ پتھروں کی منہنال جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳و۱۴: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) لڑکیوں کو زیور کے لئے کان چھدوانے کا کوئی خاص حصہ مقرر ہے یاجس حصہ میں زیور پہننا چاہیں وہ حصہ چھدوا سکتی ہیں؟

(۲) عورتیں ناک کا پھول دہنی طرف پہنیں یابائیں؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

(۱) کوئی خاص مقرر نہیں۔ہاں مشابہت کفار سے بچنا ضرور ہے۔ بعض طریقے خاص کفار کے یہاں ہیں جیسے یہاں انوٹ کہتے ہیں ان سے بچیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اس میں کوئی تخصیص شرعی نہیں جدھر چاہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵و۱۶: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ شمس الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں حضور پرنور اعلیحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہر قبلہ مدظلہ العالی کہ :

(۱) چھلہ چاندی یاپیتل کا پہننا کیسا ہے؟ اوراس کے پہنے سے نماز ہوگی یانہیں؟

(۲) مسجد میں امام کو بدن دبوانا کیسا ہے؟ **بینواتوجروا**

الجواب:

(۱) تانبہ، پیتل، کانسہ، لوہا تو عورت کو بھی پہننا ممنوع ہے۔اور اس سے نماز ان کی بھی مکروہ ہے۔اور چاندی کا چھلا خاص لباس زنان ہے مردوں کو مکروہ۔اور مکروہ چیز پہن کر نماز بھی مکروہ۔ مرد کو چاندی کی انگوٹھی ایک نگ کی ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** **(۲)** کوئی حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
الطیب الوجیز فی امتعۃ الورق والابریز ۱۳۰۹ھ
(سونے اور چاندی کی اشیاء کو استعمال کرنے کے بارے میں مزیدار مختصر کلام)

مسئلہ ۱۷: از اکولہ صوبہ برابر مرسلہ حافظ یقین الدین صاحب ۲۷ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گھنڈی تکمہ یا بند کے عوض انگوکھے کرتے ہیں چاندی سونے کے بوتام بے زنجیر لگانے جائز ہیں یا نہیں؟ بعض صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام ہے۔ یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ اگر غلط ہے تو چاندی سونے کی کیا کیا چیزیں استعمال کرنی مرد کو جائز ہیں؟ اور چاندی کی انگوٹھی میں کیا کیا شرطیں ہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

سونے چاندی کے بوتام بطور مذکور لگانے جائز ہیں جن کا جواز سیر کبیر وذخیرہ ومنتقی وتتارخانیہ ودر مختار وطحاوی وہندیہ وغیرہا کتب معتمدہ سے ثابت۔ در مختار میں ہے:

فی التتارخانیۃ عن السیر کبیر لاباس بازار الدیباج والذھب [1]۔	تتارخانیہ میں سیر کبیر سے نقل کیا گیا ہے کہ ریشم اور سونے کی گھنڈیوں کے استعمال میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

[1] در مختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۹

عالمگیری میں ہے:

لاباس بلبس الثوب فی غیر الحرب اذا کان ازرارہ دیبا اور ذھب کذا فی الذخیرۃ[1]۔	جنگ کے بغیر ایسا کپڑا پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں جس کی گھنڈیاں ریشم یا سونے کی ہوں۔اسی طرح ذخیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

اور سونے چاندی کا استعمال مرد کو مطلقاً حرام ہو یہ صحیح نہیں۔شرع مطہر نے جہاں بے شمار صورتوں کی ممانعت فرمائی ہے وہاں بہت سی صورتوں کی اجازت بھی دی ہے۔مثلاً:

(۱) سونے کی گھنڈیاں **کما سمعت انفا** (جیسا کہ ابھی بیان ہوا۔ت)

(۲) سونے کا تکمہ،

فی الدرالمختار عن شرح الوھبانیۃ عن المنتقی لاباس بعروۃ القمیص وزرہ عن الحریر لانہ تبع[2] الخ وستسمع فی اللبس ترخیص الحریر ترخیص النقدین بل سیأتیک نص المسئلۃ عن ردالمحتار۔	درمختار میں شرح وہبانیہ نے "المنتقٰی" سے نقل کیا ہے کہ قمیص کا تکمہ اور اس کی گھنڈیاں ریشمی ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ وہ تابع کی حیثیت رکھتی ہیں الخ۔عنقریب تم سنوگے کہ ریشم کے پہننے میں رخصت دینا سونے چاندی (نقدین) کے استعمال کرنے کی سی رخصت ہے۔عنقریب فتاوٰی شامی کے حوالے سے تمہارے پاس اس مسئلہ کی تصریح آئے گی۔(ت)

(۳) انگوٹھی کے نگ میں سونے کی کیل۔فی الدرحل مسمار الذھب فی حجر الفص[3] (پتھر کے نگینے میں سونے کی کیل لگانا جائز ہے۔ت)

(۴) چاندی کی انگوٹھی کی انگشتری میں سونے کے دندانے۔

فی درالمختار کالاسنان المتخذۃ من الذھب علی حوالی خاتم الفضۃ فان الناس یجوزونہ من غیر نکیر	اور دالمحتار میں ہے کہ جیسے سونے کے دندانے چاندی کی انگوٹھی کے آس پاس لگے ہوں تو جائز ہے کیونکہ لوگ بغیر کسی انکار کے اس کو جائز کہتے ہیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ کراچی ۵ /۳۳۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۰

ویلبسون تلك الخواتم [1]۔	اور اس قسم کی انگوٹھیاں پہنتے ہیں۔(ت)

(۵) کواڑوں یا صندوقچی یا قلمدان وغیرہا میں سونے کی گل میخیں۔ بریخیں اور خود یہ چیزیں سونے چاندی کی ہوں تو عورتوں کو بھی ناجائز یہ بعینہٖ اس صورت کی نظریں ہیں کہ انگرکھا کرتا تاش بادلے کا حرام اور گھنڈی بوتام سونے کے روا کہ یہ قلیل و تابع ہیں۔

فی الھندیۃ لاباس بمسامیر ذھب و فضۃ ویکرہ الباب منه [2]۔	ہندیہ میں ہے سونے یا چاندی کی کیلیں لگانے میں کوئی حرج نہیں البتہ سونے چاندی کا دروازہ بنانا مکروہ ہے۔(ت)

(۶) یوہیں چاندی سونے کے کام کے دوشالے چادر کے آنچلوں۔ عمامے کے پلوؤں، انگرکھے، کرتے، صدری، مرزائی وغیرہا کی آستینوں، دامنوں، چاکوں، پردوں، تولیوں، جیبوں پر ہوں گریبان کا کنٹھا، شانوں پشت کے پان ترنج، ٹوپی کا طرہ، مانگ، گوٹ پر کام، جوتے کا کنٹھا، گچھا۔ کسی چیز میں کہیں کیسی ہی متفرق بوٹیاں یہ سب جائز ہیں بشرطیکہ ان میں کوئی تنہا چار انگل کے عرض سے زائد نہ ہو اگرچہ متفرق کام ملا کر دیکھے تو چار انگل سے بڑھ جائے اس کا کچھ ڈر نہیں کہ یہ بھی تابع قلیل ہے۔ اور اگر کوئی بیل بوٹا تنہا چار انگل عرض سے زیادہ ہو تو ناجائز کہ اگرچہ تابع ہے مگر قلیل نہیں اور کوئی مستقل چیز بالکل مغرق یا ایسے گھنے کام کی ہو کہ مغرق معلوم ہو تو بھی ناروا اگرچہ خود اس کی ہستی ایک ہی انگل عرض کی ہو کہ یہ اگرچہ قلیل ہے مگر تابع نہیں۔ جیسے ریشم یا لچکے پٹھے کے تعویذ یا ریشمی کمر بند یا جوتے کی اڈیوں پنجوں پر مغرق کام یا ریشم یا سونے چاندی کے کام سے مغرق ٹوپی، ہاں ایک قول پر آنچل پلو مطلقاً حلال ہیں خواہ کتنے ہی چوڑے ہوں اس میں کارچوبی دوشالے یا بنارسی عمامے والوں کے لئے بہت وسعت ہے مگر یہ زیادہ قوت اسی پہلے قول کو ہے کہ چار انگل سے زیادہ نہ ہو۔

فی الدرالمختار یحرم لبس الحریر علی الرجل الا قدر اربع اصابع کاعلام الثوب وظاھر المذھب عدم	درمختار میں ہے کہ مرد کے لئے ریشم پہننا حرام ہے البتہ چار انگل کی مقدار ممنوع نہیں جیسے کپڑے پر نقوش وغیرہ بنالینا۔ اور ظاہر مذہب یہ ہے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ کراچی ۵ /۳۳۵

ومثله لو رقع الثوب بقطعة ديباج وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تطريزا ونسجا اذا لم تبلغ كل واحدة من نقشة اربع اصابع وان زادت بالجمع مالم يركله حريرا قال ط وهل حكم المتفرق من الذهب و الفضة كذالك يحرر[1]۔قال فی القنية وكذا فی القلنسوة فی ظاهر المذهب يجوز قدر اربع اصابع وفی التبيين عن اسماء رضی الله تعالٰی عنها انها اخرجت جبة طيالسة عليها لبنة شبر من ديباج كسوانی وفرجاها مكفوفان به فقالت هذه جبة رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم كان يلبسها وفی القاموس كف الثوب كفا خاط حاشيّته ولبنة القميص نبيقته فی الهندية يكره ان يلبس الذكور قلنسوة من الحرير اوالذهب او الفضة اوالكرباس الذی خيط عليه ابريسم كثير اوشق من الذهب اوالفضة اكثر من قدر اربع اصابع اھ وبه يعلم حكم العرقية المسماة بالطافية	طول میں زیادہ ہوں اوریہی حکم ہے اس کپڑے کا جس کو ریشمی پیوند لگا یا گیا ہو اور ظاہر مذہب میں متفرق کو جمع کرنا نہیں اس کا تقاضایہ ہے کہ کپڑے پر ریشمی نقوش خواہ بنائے گئے ہوں یا بُنے ہوئے ہوں جائز ہیں جبکہ اس کا کوئی نقش بھی چار انگلیوں کی مقدار تک نہ پہنچنے پائے اگرچہ جمع کرنے سے زیادہ ہوجائیں بشرطیکہ سارا ریشمی نہ ہو۔علامہ طحطاوی نے فرمایا متفرق سونے چاندی کا جو حکم پہنچا ہے وہ یوں ہی تحریر کیا جاتا ہے۔قنیہ میں ہے اسی طرح ظاہر مذہب کے مطابق ٹوپی میں چار انگشت کے برابر کی مقدار جائز ہے۔ تبیین میں سیدہ اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روایت ہے کہ انھوں نے (زیادت کرانے کے لئے ایک طیالسی جبہ باہر نکالا کہ جس پر ایک بالشت کی مقدار کسروانی ریشم کا گریبان تھا اس کے دونوں اطراف ریشم سے مخطوط تھے پھر مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جبہ مبارک ہے جو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے، قاموس اللغات میں ہے (کف الثوب) اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب کسی چیز کا کنارہ مخطوط ہو، فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ مردوں کو سونا چاندی ریشمی لباس پہننا یا ایسی سوتی ٹوپی پہننا جس پر بہت سے ریشم کی سلائی کی گئی ہو یا سونا چاندی چار انگلیوں کی مقدار سے زیادہ ہو تو یہ عمل مکروہ ہے (عبارت مکمل ہوگئی) اور اس سے عرقیہ جس کو طافیہ کہا جاتا ہے کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے، جب

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۴

جمع المتفرق للتفرق ولو فی عمامة وكذا المنسوج بذهب يحل اذا كان اربع اصابع والا لايحل للرجل وفی السراج عن السير الكبير العلم حلال مطلقا صغيرا كان او كبيرا قال المصنف هو مخالف لما مر من التقييد باربع اصابع وفيه رخصة عظيمة لمن ابتلی به فی زماننا [1] اھ ملخصا۔ وفی ردالمحتار العلم عندنا يدخل فيه السجاف وما يخيط علی اطراف الاكمام ومايجعل فی طوق الجبة وهو المسمی قبة وكذا العروة و الزر و مثله فيها يظهر طرة الطربوش ای القلنسوة مالم تزد علی عرض اربع اصابع وما علی اكناف العباءة علی ظهرها وما فی اطراف الشاش سواء كان تطريزا بالابرة اونسجا ومايركب فی اطراف العمامة المسمی صجقا فجميع ذلك لاباس به اذا كان عرض اربع اصابع وان زاد علی طولها و

کہ متفرق کو جمع نہ کیا جائے اگرچہ پگڑی میں ہو، اسی طرح سونے کی تاروں سے بنے ہوئے کپڑے کا استعمال جائز ہے جبکہ بمقدار چار انگشت ہو، ورنہ مرد کے لئے جائز نہیں۔ سراج میں سیر کبیر کے حوالے سے منقول ہے نقوش علی الاطلاق جائز ہین خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔ مصنف نے فرمایا کہ یہ چار انگلیوں کی قید کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ اس میں بڑی رخصت ہے اس شخص کے لئے جو ہمارے دور میں اس میں مبتلا ہوگیا ہے (ملخص مکمل ہوا) فتاوٰی شامی میں ہمارے نزدیک نقوش میں نقش ونگار پردے کے بھی داخل ہیں اور وہ جس کی آستینوں پر سلائی کی گئی ہو اور جو کچھ طوق جبہ پر کام کیا گیا جس کو "قبہ" کہا جاتا ہے اور اسی طرح تکمہ اور گھنڈی، اور یہی حکم ظاہر ہوتا ہے ٹوپی کے کناروں پر نقش ونگار کا جبکہ وہ چوڑائی میں چار انگشت کی مقدار سے زیادہ نہ ہوں۔ اور جو کچھ گدڑی کے کناروں اور اس کے پشت پر ہو اور جو کچھ سنہری نقش دار لباس کے کناروں پر کام کیا ہوا ہو، خواہ سوئی کے ساتھ بیل بوٹے بنائے گئے ہوں، چاہے بنے ہوئے ہوں یا پگڑی کے کناروں میں جس کو "صجق" کہا جاتا ہے جوڑے گئے ہوں ان سب میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ چوڑائی میں بمقدار چار انگلی ہوں اگرچہ

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۸۔۳۹

فاذا کانت منقشة بالحریر وکان احد نقوشھا اکثر من اربع اصابع لاتحل و ان کان اقل تحل وان زاد مجموع نقوشھا علی اربع اصابع، وفی الھندیة تکرہ عصابة المفتصد وان کانت اقل من اربع اصابع لان اصل بنفسه کذا فی التمرتاشی اھ ط [1] اھملتقطا، **اقول:** وما وقف علیه ط وامر بتحریرہ فھو بحمد ﷲ تعالٰی محرر عندی لاشبھة فیه و لقدرأیتنی کتبت علی ھامشی نسختی ردالمحتار عند قوله وھل حکم المتفرق الخ۔ مانصه، **اقول:** معلوم ان الحریر و الذھب والفضة کلھا متساویة فی حرمة البس حیث حرم فالترخیص فی لبس الحریر ترخیص فیھما واللہ تعالٰی اعلم [2] اھ۔ ثم رأیت العلامة الشامی ذکر بعد نحو ورقتین عین ماذکرته وللہ الحمد حیث قال "قد استوی کل من الذھب والفضة والحریر فی الحرمة فترخیص

اس پر ریشمی نقوش ہوں اور اس کا کوئی ایک نقش چار انگلیوں کی مقدار سے زیادہ ہوں تو جائز نہیں اور اگر کم ہو تو جائز ہے اگرچہ اس کے مجموعی نقوش چار انگلیوں کی مقدار سے بڑھ جائیں۔ فتاوٰی ہندیہ یعنی عالمگیری میں ہے پچھنے لگوانے والے کی پٹی اگر چار انگلیوں کی مقدار سے کم ریشمی ہوں تب بھی اس کا استعمال مکروہ ہے (اس لئے کہ وہ تابع نہیں۔ بلکہ خود بذتہٖ اصل ہے یونہی تمرتاشی میں مذکور ہے (طحطاوی کی عبارت پوری ہوگئی)۔ **میں** (مراد صاحب فتاوٰی) **کہتا ہوں** کہ جس میں علامہ طحطاوی نے توقف کیا تھا اور اس کی تحریر کا حکم دیا تھا بحمد اللہ تعالٰی وہ میرے نزدیک محرر ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں۔ بیشک میں نے ردالمحتار کے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں علامہ موصوف کے قول ھل حکم المتفرق الخ جس کی موصوف نے تصریح فرمائی، لکھا ہے۔ **میں کہتا ہوں** یہ تو معلوم ہے کہ ریشم سونا اور چاندی پہننے کی حرمت برابر ہے۔ کیونکہ سب کا استعمال کرنا حرام ہے۔ لہٰذا ریشم کی رخصت ان سب کی رخصت ہے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے پھر میں نے علامہ شامی کو دیکھا کہ انھوں نے دو اوراق کے بعد بالکل وہی کچھ ذکر کیا جو کچھ میں نے ذکر کیا تھا اللہ تعالٰی ہی لائق حمد وثنا ہے۔ چنانچہ انھوں نے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۶-۲۲۵

[2] جدالممتار علی ردالمحتار

العلم و الکفاف من الحریر ترخیص لهما من غیرہ ایضا بدلالة المساواة ویؤید عدم الفرق مامر من اباحة الثوب المنسوج من ذھب اربعة اصابع وکذا کتابة الثوب بذھب او فضة[1] الخ۔ فهذا تحریرہ ولله الحمد۔	فرمایا سونا، چاندی اور ریشم یہ سب حرام ہونے میں مساوی اور برابر ہیں۔ لہٰذا ریشمی نقش ونگار اور کفاف (کناروں کا مخطوط ہونا) کی رخصت دینا بعینہٖ سونے چاندی کی رخصت دینا ہے۔ کیونکہ دلالت حرمت میں یہ سب برابر ہیں، پس اس بات کی تائید گزشتہ عدم تفریق سے ہوتی ہے کہ سونے چاندی کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا بمقدار چار انگشت مباح ہے اور سونے چاندی کی کتابت (تحریر) کا بھی یہی حکم ہے۔ الخ۔ لہٰذا یہ ان کی تحریر ہے۔ خدا ہی کے لئے حمد وستائش ہے۔ (ت)

ان عبارات سے بھی یہ واضح ہوا کہ چاندی سونے کے کام بشرائط مذکورہ ہر طرح جائز ہیں خواہ اصل کپڑے کی بناوٹ میں ہوں یا بعد کی کلابتوں کامدانی وغیرہ سے بنائے جائیں خواہ کوئی جدا چیز۔ جیسے فیتوں۔ لیس، پیچک، بانکڑی وغیرہا ٹانکی جائے، ہاں یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ عورتوں یا بدوضع آوارہ فاسقوں کی مشابہت نہ پیدا ہو، مثلاً مرد کو چولی دامن میں گوٹا پٹھا ٹانکنا مکروہ ہوگا اگرچہ چار انگل سے زیادہ نہ ہو کہ وضع خاص فساق بلکہ زنانوں کی ہے۔ علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص فاسقانہ وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے (جیسے ہمارے زمانے میں نیچری وردی) تو درزی اور موچی کو ان کا سینا مکروہ ہے کہ یہ معصیت پر اعانت ہے اس سے ثابت ہوا کہ فاسقانہ تراش کے کپڑے یا جوتے پہننا گناہ ہے۔

فی فتاوٰی الامام قاضیخاں ان الاسکاف او الخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیئ من ذی الفساق ویعطی له فی ذٰلك کثیرا جرلا یستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة[2]۔	امام قاضی خاں کے فتاوٰی میں ہے کہ موچی اور درزی اگر بدکار لوگوں کی وضع کے مطابق جوتے اور کپڑے تیار کرنے کی اجرت مانگے اور اسے اس کام پر بہت زیادہ اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا مستحب نہیں رہتا کیونکہ اس میں گناہ پر مدد کرنا پایا جاتا ہے۔ (ت)

(۷) وہ کپڑے پہننے جن پر سونے چاندی کے پانی سے لکھا ہو جائز ہے۔

(۸) یوہی جائز الاستعمال برتنوں وغیرہ پر ان کا ملمع،

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۶

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۰

فی الھندیۃ لایکرہ لبس ثیاب کتب علیھا بالفضۃ والذھب وکذلك استعمال کل مموہ لانہ اذا ذوب لم یخلص منہ شیئ کذا فی الینا بیع [1] اھ وفی الدرحل کتابۃ الثوب بذھب اوفضۃ والمطلی لاباس بہ بالاجماع [2] اھ ملخصا۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے ایسے کپڑے پہننے مکروہ نہیں کہ جن پر سونے یا چاندی سے کتابت کی گئی ہو اور اسی طرح تمام ملمع کاری والے کپڑوں کے استعمال کا یہی حکم ہے کیونکہ جب اسے ڈھالا جائے تو اس سے کچھ برآمد نہیں ہوتا ینابیع میں یہی مذکور ہے۔درمختار میں ہے کہ کپڑے پر سونے چاندی کی کتابت جائز ہے اور ملمع کاری میں بالاجماع کوئی مضائقہ نہیں اھ ملتقطا(ت)

(۹) اسی طرح کسی چیز میں چاندی سونے کے تار پتر جوڑے ہونا بشرطیکہ وہ شیئ جس عضو سے استعمال میں آتی ہے اس عضو کی جگہ سے جدا ہوں مثلاً گلاس یا کٹورے میں وہاں منہ لگا کر پانی نہ پئیں۔ تخت، پلنگ، کرسی، کاٹھی میں موضع نشست پر نہ ہوں، رکاب میں پاؤں ان پر نہ رہے لگام، تلوار، نیزہ، تیر کمان، بندوق قلم آئینہ کے گھر میں ہاتھ کی گرفت سے الگ ہوں، دیچی پوزی میں چاندی سونے کے پھول جائز کہ وہ جسم لگنے کی جگہ نہیں۔ چھڑی میں نیچے کی شام روا اوپر کی ناجائز کہ وہ ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے، حقہ میں چاندی سونے کی مُہنال حرام کہ پینے میں اس سے منہ لگتا ہے مگر دہن نَے سے نیچے سِر کی ہو کہ اسے منہ ہاتھ نہ لگایا جائے تو رواہ وعلی ہذا القیاس اشیائے کثیرہ جنھیں بعد علم قاعدہ فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے اسی قلیل سے تھیں کواڑوں، صندوق، قلمدان، انگوٹھی کے رنگ میں سونے کی کیلیں جن کا ذکر اوپر گزرا۔

فی الدرالمختار حل الشرب من اناء مفضض ای مزوق بالفضۃ والرکوب علی سرج مفضض والجلوس علی کرسی مفضض لکن یشترط ان یتقی موضع الفضۃ بفم وجلوس ونحوہ وکذا الاناء المضبب بذھب او	درمختار میں ہے جس برتن پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا ہو اس سے پانی پینا جائز ہے اور چاندی کی ملمع کاری والی زین پر سوار ہونا اور اسی نوع کی کرسی پر بیٹھنا بھی جائز ہے لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ جہاں چاندی پیوستہ ہو وہاں منہ نہ لگایا جائے اور نہ اس جگہ بیٹھے اور نہ سوار ہو، اسی طرح سے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۴

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۷

فضة والکرسی المضبب بهما وحلیة مرأة و مصحف بهما کما لو جعله فی نصل سیف اوسکین اوقبضتها او لجام او رکاب ولم یضع یده موضع الذهب والفضة [1] اھ ملخصا۔ وفی ردالمحتار **قوله مفضض** وفی حکمه المذهب قهستانی قوله ای مزوق وفسره الشمنی بالمرصع بها قال فی غرر الافکار یجتنب فی المصحف ونحوه موضع الاخذ وفی السرج ونحوه موضع الجلوس وفی الرکاب موضع الرجل و فی الاناء موضع الفم ونحوه فی ایضاح الا صلاح ویجتنب فی النصل والقبضة واللجام موضع الید فالحاصل ان المراد الاتقاء بالعضو الذی یقصد الاستعمال به ففی الشرب لما کان المقصود الاستعمال بالفم اعتبر الاتقاء به دون الید۔ولا یخفی ان الکلام فی المفضض والا فالذی کله فضة یحرم استعماله بای وجه کان ولو بلامس	جس برتن سے سونا چاندی پیوستہ ہوں اور وہ کرسی جس پر یہ دونوں لگے ہوئے ہوں شیشہ اور مصحف جن پر سونے چاندی کا زیور لپٹا ہو، تلوار یا چھری کی دھار یا ان دونوں کے دستے، لگان یا رکاب پر سونا چاندی لگے ہوں لیکن بوقت استعمال ان سے ہاتھ مس نہ ہوں تو یہ سب جائز ہیں۔ردالمحتار میں ہے مصنف کا قول ای مزوق،علامہ شمنی نے اس کی تشریح "المرصع" (یعنی اس پر چاندی کا جڑاؤ ہو) سے فرمائی یعنی وہ جس پر چاندی جڑی ہوئی ہو، غرر الافکار میں فرمایا مصحف اور اس جیسی کسی چیز (جس پر ہاتھ رکھنے والی جگہ پر سونا چاندی پیوستہ ہو) تو اس کے پکڑنے میں پرہیز کرے اور سونے چاندی کو مس نہ کرے۔اسی طرح زین یا کرسی جس کے بیٹھنے کی جگہ پر سونا چاندی لگا ہو تو اس سے پرہیز کرے یعنی اس پر نہ بیٹھے اور رکاب میں پاؤں والی جگہ سونا چاندی ہوت پاؤں نہ رکھے۔ اور برتن میں منہ لگانے کی جگہ سونا چاندی ہو تو منہ نہ لگائے یعنی استعمال نہ کرے۔اور اسی طرح ایضاح الاصلاح میں ہے تیر کے پھل۔ تلوار کے دستے اور لگام کو بھی بایں وجہ ہاتھ نہ لگائے اور اس سے بچے۔حاصل کلام، یہ ہوا کہ اس حصہ جسم اور عضو کو بچایا جائے جو کسی شے کے استعمال کرنے میں مقصود ہوتا ہے۔چونکہ

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶ و ۲۳۷

بالجسد بخلاف القصب الذی یلف علی طرف قبضۃ النتن فانہ تزویق فھو من المفضض فیعتبر اتقاؤہ بالید والفم ولایشبہ ذٰلك مایکون کلہ فضۃ کما ھو صریح کلامھم وھو ظاھر قولہ المضبب ای مشدد بالضباب وھی الحدیدۃ العریضۃ التی یضبب بھا وضبب بالفضۃ شد بھا مغرب. قولہ وحلیۃ مرأۃ الذی فی المنح والھدایۃ وغیرھما حلقۃ بالقاف قال فی الکفایۃ والمراد بھا التی تکون حوالی المرأۃ لا ماتاخذ المرأۃ بیدھا فانہ مکروہ اتفاقا[1] اھ ملتقطا وفی الھندیۃ لاباس بالمضبب من السریر اذا لم یقعد علی الذھب والفضۃ وکذا الثغر[2] اھ ملخصًا۔

پینے کے لئے منہ کا استعمال مقصود ہوتا ہے لہٰذا اس کے بچاؤ کا اعتبار ہوگا نہ کہ ہاتھ کا، اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کلام سونے اور چاندی کی ملمع کاری میں ہے ورنہ جو چیز تمام کی تمام چاندی کی ہو اس کا استعمال تو سرے سے حرام ہے خواہ استعمال ہاتھ سے ہو یا بغیر ہاتھ لگائے ہو۔ بخلاف اس کانے کے جو تمباکو کے کانے کے کنارے پر لپیٹ دیا جاتا ہے کیونہ وہ "تزویق" ہے جو مفضض میں شامل ہے لہٰذا ہاتھ اور منہ سے اس کے بچاؤ کا اعتبار ہوگا اور یہ اس کے مشابہ نہیں جو تمام چاندی ہو جیسا کہ فقہائے کرام کا صریح کلام ہے اور یہی ظاہر ہے مصنف کا ارشاد المضبب یعنی ضباب کے ساتھ باندھا ہوا۔ اور ضباب وہ چوڑا لوہا ہوتا ہے جس کے ساتھ کسی چیز کو باندھا جاتا ہے "ضبب بالفضۃ" کے معنی ہیں چاندی کے ساتھ باندھا گیا (مغرب) قولہ حلیۃ المراٰۃ منح الغفار اور ہدایہ وغیرہ میں یہ لفظ حلقۃ صرف قاف کے ساتھ ہے۔ الکفایۃ میں فرمایا کہ اس سے شیشے کا آس پاس (یعنی چاروں اطراف) مراد ہیں نہ کہ وہ جگہ جس کو عورت اپنے ہاتھ سے پکڑتی ہے کیونکہ وہ تو بالاتفاق مکروہ ہے (ملحض مکمل ہوا) فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ سونے چاندی کے تاروں سے جڑا اور کسا ہوا تخت استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ سونے چاندی والی جگہ پر بیٹھنے سے پرہیز کرے۔ (ت)

یہاں تک جن چیزوں کا جواز بیان ہوا یہ سب اور ان کے سوا بعض اور بھی چاندی سونے دونوں کی جائز ہیں۔ اور بعض اشیاء وہ ہیں کہ سونے کی حرام اور چاندی کی جائز انھیں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۸و۲۱۸

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۴

میں انگشتری ہے جس سے سائل نے سوال کیا۔ شرعا چاندی کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی کہ وزن میں ساڑھے چار ماشہ سے کم ہو پہننا جائز ہے اگرچہ بے حاجت مہر اس کا ترک افضل ہے۔ اور مہر کی غرض سے خالی جواز نہیں بلکہ سنت ہے ہاں تکبر یا زنانہ پن کا سنگار یا اور کوئی غرض مذموم نیت میں ہو تو ایک انگوٹھی کیا اس نیت سے اچھے کپڑے پہننے بھی جائز نہیں اس کی بات جدا ہے۔ یہ قید ہر جگہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ سارا دار ومدار نیت پر ہے۔

فی الدر المختار یتحلی الرجل بخاتم فضة اذالم یرد به التزین ویحرم بغیرها وترك التختم لغیر ذی حاجة افضل وکل مافعل تجبرا کره وما فعل لحاجة لا[1] اھ ملتقطا، وفی الهندیة لبس الثیاب الجمیلة مباح اذا لم یتکبر وتفسیره ان یکون معها کما کان قبلها کذا فی السراجیه[2] اھ **اقول:** وبما فسرت التزین ظهر الجواب عما اورد العلامة الشامی علی استثنائه انه سیأتی ان ترك التختم لمن لایحتاج الی الختم افضل وظاهره انه لایکره للزینة بلا تجبر[3] اھ یعنی ان	در مختار میں ہے کہ آدمی چاندی کی انگوٹھی پہن سکتا ہے بشرطیکہ نیت زیب وزینت کی نہ ہو، اور چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کی بنی ہوئی انگوٹھیاں پہننا حرام ہے۔ جس کو پہننے کی ضرورت نہ ہو اس کے لئے انگوٹھی نہ پہننا زیادہ بہتر ہے اور جو کام تکبر کی وجہ سے کیا جائے مکروہ ہے اور جو کام کسی ضرورت کے تحت کیا جائے وہ مکروہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے کہ اچھا لباس پہننا مباح ہے جبکہ تکبر نہ کیا جائے اور تکبر نہ ہونے کی تشریح یا علامت یہ ہے کہ عمدہ لباس پہننے کے بعد بھی وہی حالت و کیفیت ہو جو پہلے تھی۔ یونہی سراجیہ میں بھی مذکور ہے، **میں کہتاہوں** کہ جو کچھ میں نے "تزئین" کی تشریح کی ہے اس کے استثناء تزئین پر علامہ شامی کے اشکال کا جواب واضح ہوگیا کہ عنقریب آئیگا کہ بغیر حاجت انگوٹھی نہ پہننا (ترک تختم) انگوٹھی پہننے سے بہتر ہے اس سے ظاہر ہے کہ زینت کے لئے پہننا مکروہ نہیں اھ یعنی اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر حاجت انگوٹھی پہننے سے زیب وزینت کے علاوہ کوئی غرض نہیں ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۲

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

المسئلة تفيد الجواز من دون حاجة الختم وح لم يبق غرض الا التزين ورأيتني كتبت على هامشه ما نصه **اقول**:قد فرق وان مسئلة الاكتحال بين الزينة والجمال فهلا يراد به مثله بها فيباح التجمل دون التزين [1] اه وحاصل ماشرت اليه ان الزينة تطلق ويراد بها مايعم الجمال وهو جائز بل مندوب اليه بنية حسنة فان الله جميل يحب الجمال وهو اثر ادب النفس وسهامتها وتطلق ويراد بها ماينحو التخنث والتصنع مثل المرأة وهو مذموم ودليل على ضعف النفس ودناءتها ويرشدك الى الاطلاقين قول علمائنا لايكره دهن شارب ولا كحل اذا لم يقصد الزينة [2] وقولهم كما في الفتح بالخضاب وردت السنة ولم يكن لقصد الزينة [3] مع قوله تعالى قل من حرم زينة الله [4] فليكن	اس کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے **اقول: میں کہتا ہوں** اہل علم نے سرمہ کے مسئلے میں زینت اور جمال کے درمیان فرق کیا ہے پس یہی معنی مماثل یہاں کیوں نہیں مراد لیا جاتا۔ لہٰذا تجمل کے لئے یہ کام مباح ہو نہ کہ زیب و زینت کے لئے اھ جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ کبھی لفظ زینت بول کر اس سے وہ معنی مراد لیا جاتا ہے جو لفظ جمال سے لیا جاتا ہے اور وہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ بشرطیکہ نیت اچھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے یہ ادب نفس اور اس کے حصہ کا اثر ہے کبھی لفظ زینت کا اطلاق کیا جاتا ہے اور اس سے تخنث (ہیجڑا پن) اور تصنع (بناوٹ و نمائش) کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ جذبہ عورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ مذموم ہے اور نفس کی کمزوری، کمینگی اور گھٹیا پن کی علامت ہے۔ پس علمائے کرام کی طرف سے ان الفاظ کے دونوں اطلاق کی وضاحت تمہاری راہنمائی کرے گی۔ مونچھوں کو تیل لگانا اور سرمہ آنکھوں میں لگانا مکروہ نہیں جبکہ زینب وزینت

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] جد الممتار علی رد المحتار

[2] الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم وما لایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵۲

[3] فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۷۰

[4] القرآن الکریم ۷/۳۲

المراد ھناھو المعنی الثانی فلا ایراد ولاتخالف واللہ تعالٰی الموفق ھذا فی ردالمحتار التختم سنۃ لمن یحتاج الیہ کما فی الاختیار وانما یجوز التختم بالفضۃ لو علی ھیأۃ خاتم الرجال امالو لہ فصان او اکثر حرم[1] اھملخصا۔	مقصود نہ ہو، فتح القدیر میں ہے کہ خضاب لگانے کا ذکر حدیث میں وادرد ہوا ہے جبکہ زینت کے ارادہ سے نہ ہو باوجود یہ کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "کس نے اللہ تعالٰی کی زینت کو حرام ٹھہرایا ہے"اللہ تعالٰی ہی اس کی توفیق دینے والا ہے۔ردالمحتار میں ہے کہ عورتوں کے لئے انگوٹھی پہننا سنت ہے انھیں اس کی ضرورت اور حتیاج ہوتی ہے جیسا کہ الاختیار میں ہے چاندی کی انگوٹھی مردوں کے لئے جائز ہے بشرطیکہ انگوٹھی مردانہ وضع کی ہو اور اس کے نگینے دو یا دو سے زیادہ ہوں تو اس کا استعمال ممنوع اور حرام ہے اھ ملخصا (ت)

(۱۰) یوہیں چاندی کی پیٹی **(۱۱)** کمر بند **(۱۲)** تلوار کا پر تلا جائز

فی الدر المختار ولا یتحلی الرجل بذھب وفضۃ مطلقًا الا بخاتم ومنطقۃ وحلیۃ سیف منھا ای الفضۃ[2] اھ۔وفی رد المحتار وحمائلہ من جملۃ حلیتہ شرنبلالیۃ اھ **قلت** ومثلہ للطحطاوی عن ابن السعود عن الشرنبلالی عن البزازیۃ وعنھا نقل فی الھندیۃ وقال فی الغرائب لاباس باستعمال منطقۃ حلقناھا فضۃ[3]۔	درمختار میں ہے کوئی آدمی مطلقًا سونے اور چاندی کا زیور نہ پہنے بجز چاندی کی انگوٹھی کے یا کمر بند (پٹی یا بیلٹ) اور تلوار کو دستہ بھی استعمال کرنا مذکورہ دھاتوں کے سے جائز ہے اھ۔ ردالمحتار (فتاوٰی شامی) میں ہے کہ تلوار کا پر تلا از قسم زیور ہے۔شرنبلالیہ۔**قلت** (میں کہتا ہوں) یوں ہی طحطاوی میں مذکور ہے ابوالسعود بحوالہ شرنبلالی اس نے فتاوٰی بزازیہ سے اس سے فتاوٰی ہندیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ الغرائب میں فرمایا ایسے کمر بند (پٹی یا بیلٹ) کے استعال کرنے کوئی حرج نہیں ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۰

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲،حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۱۸۰

(۱۳) ہلتے دانتوں میں چاندی کا تار باندھنا۔

(۱۴) افتادہ دانت کی جگہ چاندی کا دانت لگانا جائز، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک سونے کے تار اور دانت بھی روا۔

فی الدر المختار لایشد سنہ المتحرک بذھب بل بفضۃ وجوزھما محمد [1] اھ وفی ردالمحتار عن التاتارخانیۃ جدع اذنہ او سقط سنہ فعند الامام یتخذ ذٰلک من الفضۃ فقط وعند محمد من الذھب ایضًا [2] اھ ملخصاً۔	درمختار میں ہے کہ ہلتے ہوئے دانت چاندی سے نہ کہ سونے کی تاروں سے مضبوط نہ کئے جائیں لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے دونوں سے جائز قرار دیا ہے فتاوٰی شامی میں تاتارخانیہ سے نقل کیا گیا ہے کہ کان کٹ جائے یا دانت گر جائے تو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ صرف چاندی کے بنا کر لگائے جائیں جبکہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک سونے کے لگانے بھی جائز ہیں اھ ملخصا۔ (ت)

(۱۵) صاحبین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما حالت جہاد میں سونے چاندی کے خود، زرہ، دستانے بھی جائز رکھتے ہیں مگر امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ناجائز۔

فی الدر المختار استثنی القھستانی وغیرہ استعمال البیضۃ والجوشن والساعدان منھما فی الحرب للضرورۃ [3] اھ وفی خزانۃ المفتین لاباس بالجوشن و البیضۃ من الذھب و الفضۃ فی الحرب [4] اھ وفی رد المحتار قال فی الذخیرۃ قالوا ھذا قولھما [5] الخ۔	درمختار میں ہے قہستانی وغیرہ نے جنگی ضرورت کے پیش نظر سونے چاندی کا خود، زرہ، اور دستانوں کا استعمال جائز قرار دیا ہے خزانۃ المفتین میں ہے جنگ میں سونے چاندی کی زرہ اور خود کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ ذخیرہ میں فرمایا گیا کہ لوگوں نے کہاں ہے کہ یہ قول امام صاحب کے دو [۲] (مایہ ناز) شاگردوں قاضی امام ابو یوسف اور امام محمد کا ہے الخ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

[4] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۵

[5] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۸

اس تفصیل سے بحمدہ اللہ تعالٰی نے اس تحریم مطلق کا بطلان بھی واضح ہوا اور تمام اور مسئلہ کا جواب بھی لائح **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸: از مارہرہ مطہرہ مسئولہ ابوالقاسم حضرت سید اسمٰعیل صاحب دامت برکاتہم ۲۷ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاندی سونے کی گھڑیاں رکھنا یا سیم وزر کے چراغ میں بغرض بعض اعمال کے فتیلہ روشن کرنا جس سے روشنی لینا کہ مقصود متعارف چراغ ہے مراد نہیں ہوتا بلکہ قوت عمل وسرعت اثر وتنبیہ موکلات مقصود ہوتی ہے۔ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

دونوں ممنوع ہیں، علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

قال العلامة الوانی المنهی عنه استعمال الذهب و الفضة اذالاصل فی هذا الباب قوله علیه الصلٰوة و السلام هذان حرامان علی ذکور امتی حل لاناثهم و لما بین ان المراد من قوله حل لاناثهم مایکون حلیا لهن بقی ماعداه علی حرمته سواء استعمل بالذات او بالواسطة اه واقره العلامة نوح و ایده باطلاق الاحادیث الواردة فی هذا الباب اه ابوالسعود ومنه تعلم حرمة استعمال ظروف فناجین القهوة و الساعات من الذهب والفضة[1] اهملخصًا۔	علامہ وانی نے فرمایا کہ سونے چاندی کا استعمال ممنوع ہے اس لئے کہ اصل اس باب میں حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: یعنی سونا، چاندی دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں البتہ ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جب یہ بیان کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد "حل لاناثهم" (ان کی عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ت) سے مراد وہ سونا، چاندی ہے جو عورتوں کے لئے بطور زیور ہو، تو پھر اس کے علاوہ باقی سونا چاندی خواہ بالذات استعمال کیا جائے یا بالواسطہ، اپنی حرمت پر رہے گا اھ علامہ نوح نے اسی کو برقرار رکھا اور مطلق حدیثوں سے اس کی تائید کی جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں۔ ابوسعود کی عبارت پوری ہوئی۔ لہٰذا اس سے قہوہ کی پیالیوں اور سونے چاندی کی گھڑیوں کی حرمت معلوم ہوئی۔ تلخیص پوری ہو گئی۔ (ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۱۷۲

علامہ شامی ردالمحتار میں ان تصریحات علامہ طحطاوی کو ذکر کرکے فرماتے ہیں: وھو ظاھر[1] (اور یہ ظاہر ہے۔ت) اسی میں ہے:

الذی کلہ فضۃ یحرم استعمالہ بای وجہ کان کما قدمناہ ولو بلامس بالجسد ولذا حرم ایقاد العود فی مجمرۃ الفضۃ کما صرح بہ فی الخلاصۃ ومثلہ بالاولی ظروف فنجان القھوۃ والساعۃ وقدرۃ التنباك التی یوضع فیھا الماء وان کان لایمسھا بیدہ ولا بفمہ لان استعمال فیما صنعت لہ[2] الخ۔	جو چیز مکمل چاندی ہے جس طریقے سے بھی اس کا استعمال کیا جائے حرام ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا اگرچہ جسم سے مس نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ چاندی کی انگیٹھی میں "عود" جلانا حرام ہے جیسا کہ خلاصہ میں اس کی تصریح کی گئی اور یہ بطریق اولٰی اس کی طرح ہے کہ قہوے کی پیالیاں گھڑی اور حقہ کے زیریں حصہ کا استعمال جس میں پانی ڈالا جاتا ہے اگرچہ اسے ہاتھ یا منہ سے مس نہ کرے اس لئے کہ جس مقصد کے لئے یہ چیزیں بنائی گئیں ان میں ان کا استعمال ہو رہا ہے۔ الخ (ت)

اور یہ عذر کہ چراغ استصباح یعنی روشنی لینے کے لئے ہوتا ہے اور یہاں اس نیت سے مستعمل نہیں تو جواز چاہیے۔

لما فی الدرالمختار ان ھذا استعملت ابتداء فیما صنعت لہ بحسب متعارف الناس والا فلا کراھۃ[3]۔	اس دلیل سے کہ درمختار میں ہے کہ یہ حکم رتب ہے جب ابتداء جس مقصد کے لئے چیز بنائی گئی لوگوں کے تعارف کے مطابق اس میں استعمال کی جائے ورنہ کراہت نہ ہوگی۔(ت)

نامقبول ہے کہ **اولاً**: عندالتحقیق مطلق استعمال ممنوع ہے اگرچہ خلاف متعارف ہے لاطلاق الاحادیث والادلۃ کما مر (اس لئے کہ اس باب میں احادیث اور دلائل بغیر کسی قید کے مطلق ہیں۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) کٹورا پانی پینے کے لئے بنتا ہے اور رکابی کھانا کھانے کو، پھر کوئی نہ کہے گا کہ چاندی سونے کے کٹورے میں کھانا کھانا یا اس کی رکابی میں پانی پینا جائز ہے۔علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹-۲۱۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

ماذکرہ فی الدرر من اناطۃ الحرمۃ بالاستعمال فیما صنعت لہ عرفا فیہ نظر فانہ یقتضی انہ لو شرب او اغتسل بانیۃ الدھن او الطعام انہ لایحرم مع ان ذٰلك استعمال بلاشبھۃ داخل تحت اطلاق المتون و الادلۃ الواردۃ فی ذٰلك [1] الخ۔	جو کچھ درر میں بیان فرمایا کہ حرمت کا مدار عرفا اس کی بناوٹ کے مطابق استعمال کرنے پر ہے۔اس پر ایک اشکال ہے اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی پانی پئے، یا غسل کرے تیل اور کھانے کے برتن میں تو حرمت نہ ہوں حالانکہ یہ بلا شبہہ استعمال ان متون اور دلائل کے اطلاق کے نیچے داخل ہے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئے ہیں الخ (ت)

ثانیًا: استصباح چراغ خانہ سے مقصود ہوتا ہے یہ چراغ اس غرض کے لئے بنتا ہی نہیں، اور جس غرض کے لئے بنتا ہے اس میں استعمال قطعاً متحقق تو استعمال فیما صنع لہ موجود ہے اور حکم تحریم سے مفر مفقود ہاں اگر سونے یا چاندی کی قلعی کرلیں تو کچھ حرج نہیں۔علامہ عینی فرماتے ہیں:

اما التمویہ الذی لایخلص فلا باس بہ بالاجماع لانہ مستھلك فلا عبرۃ ببقائہ لونا [2] انتھی واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	رہی وہ ملمع سازی کہ جس کا چھٹکارا نہ ہو تو بالاجماع اس کے ہونے میں کچھ حرج نہیں اس لئے کہ وہ اصالتاً ہلاک شدہ ہے لہٰذا اس کی رنگت کا باقی رہنا معتبر نہیں۔عبارت پوری ہوئی۔ اور اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف جائے رجوع اور ٹھکانہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مردوں کو چاندی کا چھلا ہاتھ یا پاؤں میں پہننا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

حرام ہے،

فقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الذھب والفضۃ انھما محرمان علی	سونے چاندی کے متعلق حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: یہ دونوں میری امت کے مردوں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۱۷

[2] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب الکراھیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمہ ۴ /۱۹۸

ذکور امته [1]. **قلت** ولایجوز القیاس علی خاتم الفضة لانه لایختص بالنساء بخلاف مانحن فیه فینهی عنه الاتری الی مافی ردالمحتار عن شرح النقایة انما یجوز التختم بالفضة لو علی هیئة خاتم الرجال امالو له فصان او اکثر حرم [2] انتهی ولان الخاتم یکون للتزین وللختم اما هذا فلاشیئ فیه الاالتزین وقد قال فی الدرالمختار لایتحلی الرجل بفضة الا بخاتم اذالم یرد به التزین [3] اھ ملخصا۔ وفی الکفایة قوله الا بالخاتم هذا اذا لم یرد به التزیین [4] اھ انتهی، والله تعالٰی اعلم۔

پر حرام ہیں **میں کہتاہوں** اس کو چاندی کی انگوٹھی پر قیاس کرنا جائز نہیں (کہ یہ جائز ہے تو وہ بھی جائز ہونا چاہئے) کیونکہ چاندی کی انگوٹھی عورتوں کے ساتھ مختص نہیں بخلاف اس کے جس کی ہم بحث کررہے ہیں (یعنی چاندی کا چھلا) کہ اس سے مردوں کو منع کیا جائے گا کیا تم اس کی طرف نہیں دیکھتے جو فتاوٰی شامی میں شرح نقایہ کے حوالے سے آیا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا اگر مردانہ ہیئت کے مطابق ہو تو جائز ہے لیکن اگر اس کے دو یا نگینے ہو تو حرام ہے اور اس لئے کہ انگوٹھی زیب وزینت اور مہر کے لئے ہوا کرتی ہے لیکن چھلے میں زیب وزینت کے علاوہ کوئی مقصد باقی نہیں رہتا حالانکہ درمختار میں فرمایا کہ مرد سوائے انگوٹھی کے چاندی کا کوئی زیور نہ پہنے اور اس سے بھی زیب وزینت مراد نہ ہو، تلخیص پوری ہوگئی، کفایہ میں ہے کہ مصنف کا یہ کہنا "الا بالخاتم" اس استشناد کا جواز اس وقت ہے جبکہ انگوٹھی پہننے سے زیب وزینت کا ارادہ نہ ہو، عبارت پوری ہوگئی اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد کو چاندی کی انگوٹھی پہننا کیسا ہے، اور بے ضرورت مہر اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

مہر کے لئے چاندی کی انگوٹھی ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشہ سے کم کی جسے مہر کی ضرورت

[1] حاشیه الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة دارالمعرفة بیروت ۴/ ۱۷۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[4] الکفایة مع فتح القدیر کتاب الکراهیة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۵۷

ہوتی ہو بے شبہہ مسنون اور سونے کی یا ایک مثقال سے زیادہ چاندی کی حرام، اور پورے مثقال بھر میں روایتیں مختلف۔ اور حدیث سے صریح ممانعت ثابت تو اسی پر عمل چاہئے۔ اور بے ضرورت مہر ایسی انگشتری پہننا مکروہ تنزیہی بہتر یہ کہ بچے، اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ اس کی ہیئت انگشتری زنانہ سے جدا ہو ورنہ محض ناجائز، جیسے ایک سے زیادہ نگ ہوتا ہے کہ یہ صورت عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

فی درالمختار التختم سنة لمن یحتاج الیه کما فی الاختیار قال القهستانی وفی الکرمانی نهی الحلوانی بعض تلامذته عنه وقال اذا صرت قاضیا فتختم وفی البستان عن بعض التابعین لایختم، الا ثلثة امیر او کاتب او احمق وظاہرہ انه یکرہ لغیر ذی الحاجة لکن قول المصنف افضل کالهدایة وغیرہا بفید الجواز وعبر فی الدرر باولی وفی الاصلاح باحب فالنهی للتنزیه[1] الخ وفیه قوله ولایزیدہ علی مثقال قیل ولا یبلغ به المثقال ذخیرة۔ **اقول**: ویؤیدہ نص الحدیث السابق من قوله علیه الصلوٰة والسلام ولاتتمه	فتاوٰی شامی میں ہے جس شخص کو مہر لگانے کی ضرورت ہو اسے انگوٹھی پہننا سنت ہے جیسا کہ "الاختیار" میں ہے قہستانی نے فرمایا کہ کرمانی میں ہے شمس الائمہ حلوانی نے اپنے بعض شاگردوں کو انگوٹھی پہننے سے منع کیا تھا اور فرمایا تھا کہ جب تو قاضی بن جائے گا تو پھر مہر کی ضرورت کی وجہ سے انگوٹھی پہن لینا، بستان میں بعض تابعین سے مروی ہے کہ صرف تین آدمی انگوٹھی پہنتے ہیں: ایک امیر، دوسرا کاتب اور تیسرا بے وقوف، اس کا بظاہر مفہوم یہ ہے کہ جو صاحب ضرورت نہ ہو اس کے لئے انگوٹھی پہننا مکروہ ہے لیکن مصنف کا قول ہدایہ وغیرہ کی طرح زیادہ عمدہ ہے۔ جو جواز کا فائدہ دیتا ہے چنانچہ درر میں لفظ "اولی" اور اصلاح میں لفظ "احب" سے تعبیر کی گئی یعنی نہ پہننا زیادہ پسندیدہ ہے۔ لہٰذا نہی تنزیہ کے لیے ہے الخ اور اسی میں ہے کہ مصنف کا قول "ولایزیدہ علی مثقال" یعنی مثقال سے زیادہ نہ ہو، اور یہ بھی کہا گیا کہ مثقال تک نہ پہنچے ذخیرہ، **میں کہتا ہوں**

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۳۱

مثقالا[1] انتھی، وفی الھندیة عن المحیط ینبغی ان تکون فضة الخاتم المثقال ولایزاد علیه وقیل لا یبلغ به المثقال وبه ورود الاثر انتھی[2]۔ وفی الخلاصه انما یجوز التختم بالفضة اذا کان علی ھیئة ختم النساء بان کان له فصان اوثلثة یکرہ استعماله للرجال[3] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث سابق کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ انگوٹھی پوری مثقال نہ ہو، عبارت پوری ہوئی۔ فتاوٰی ہندیہ محیط کے حوالے سے مذکور ہے مناسب یہ ہے کہ چاندی کی انگوٹھی صرف ایک مثقال ہو اس سے زیادہ نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ مثقال تک بھی نہ پہنچے چنانچہ اثر میں یہی وارد ہوا ہے۔ عبارت پوری ہوئی، خلاصہ میں ہے چاندی کی انگوٹھی پہننا اس وقت جائز ہے جبکہ مردانہ انگوٹھیوں جیسی ہو لیکن اگر عورتوں کی انگوٹھیوں جیسی بنی ہو کہ اس میں دو یا تین نگینے ہوں تو ایسی انگوٹھی کا مردوں کو استعمال کرنا مکروہ ہے عبارت پوری ہوئی، اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جھوٹے کام کا جوتا مرد وزن کو پہننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ جزئیہ کتب متداولہ میں فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی کی نظر سے نہ گزرا مگر بظاہر یہ ہے **والعلم عنداللہ** (پورا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے۔ت) کہ جھوٹے کام کا جوتا مرد وزن سب کے لئے مکروہ ہونا چاہئے۔

فن المنسوج کغیرہ ولا شك ان النعال عن انواع الملبوسات والنساء والرجل سواء فی کراھة لبس النحاس۔	اس لئے کہ بُنی ہوئی چیز غیر بُنی ہوئی کی طرح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جوتا پہنی ہوئی چیزوں کی اقسام میں داخل ہے۔ اور مرد عورتیں تانبے کے استعمال کے مکروہ ہونے میں برابر ہیں یعنی دونوں کے لئے مکروہ ہے۔ (ت)

ہاسچے کام کا جوتا عورتوں کے لئے مطلقاً جائز اور مردوں کے واسطے بشرطیکہ مغرق نہ ہو

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب العاشر ع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۵

[3] خلاصة الفتاوٰی کتاب الکراھیة الفصل الرابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۷۰

نہ اس کی کوئی بوٹی چار انگل سے زیادہ کی ہو یعنی اگر متفرق کام کا ہے اور ہر بوٹی چار انگل یا کم کی تو کچھ مضائقہ نہیں اگرچہ جمع کرنے سے چار انگل سے زیادہ ہو جائے، خلاصہ یہ ہے کہ جوتی اور ٹوپی کا ایک ہی حکم ہونا چاہئے۔

وفی الفتاوٰی الهندیة یکره ان یلبس الذکور قلنسوة من الحریر والذهب والفضة والکرباس الذی خیط علیه ابریسم کثیر اوشیئ من الذهب اوالفضة اکثر من قدر اربع اصابع [1] انتهی، قال العلامة الشامی وبه یعلم حکم العرقیة المسماة بالطافیة فاذ کانت منقشة بالحریر وکان احد نقوشها اکثر من اربع اصابع لاتحل وان کان اقل تحل وان زاد مجموع نقوشها علی اربع اصابع بناء علی مامر من ان ظاهر المذهب عدم جمع المتفرق [2] انتهی، وقد قال العلامة الشامی ایضاً ان قد استوی کل من الذهب والفضة والحریر فی الحرمة فترخیص الحریر ترخیص غیره ایضاً بدلائل المساواة ویؤید عدم الفرق مامر من اباحة الثوب المنسوج من ذهب اربعة اصابع [3] اھ۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے مردوں کے لئے ریشم یا سونے یا چاندی کی ٹوپی پہننا مکروہ ہے اور اسی طرح وہ سوتی کہ جس پر زیادہ تر ریشم کی سلائی کی گئی ہو ________ یا چار انگلیوں سے زیادہ سونا چاندی لگا ہوا نتہی۔ علامہ شامی نے فرمایا کہ اسے پگڑی اور ٹوپی کے نچلے کپڑے کا حکم معلوم کیا جاسکتا ہے کہ جس کو "طافیہ" کہتے ہیں۔ جب اس میں ریشمی نقوش ہوں اور اس کا کوئی ایک نقش چار انگشت سے زیادہ ہو تو اس کا استعمال جائز نہیں لیکن اگر اس سے کم ہو تو جائز ہے اگرچہ اس کے مجموعی نقوش چار انگلیوں سے زیادہ ہو جائیں۔ یہ اس بناء پر ہے جیسا کہ گزر چکا کہ ظاہر مذہب میں متفرق کو جمع کرنا نہیں انتہی حالانکہ علامہ شامی نے یہ بھی فرمایا کہ سونا چاندی اور ریشم یہ سب حرمت میں برابر ہیں۔ لہذا ریشم میں رخصت دوسری چیزوں کی رخصت کی طرح ہے دلالت مساوی ہونے کی وجہ سے، اور گزشتہ کلام سے عدم فرق کی تائید ہوتی ہے کہ سونے کے تاروں سے بنا ہوا کپڑا چار انگلی تک مباح ہے اھ ملحضاً۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۶

ملخصًا فافھم وتثبت اذبہ تحرر ماکان العلامۃ الطحطاوی متوقفافیہ۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	لہٰذا سمجھئے اور ثابت رہئے، اس سے وہ بھی تحریر ہوگیا جس میں علامہ طحطاوی نے توقف کیا تھا۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کا علم جس کی بزرگی بڑی ہے زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲: از کلکتہ دھرتلا نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام احمد قادر بیگ صاحب ۹/ ذی القعدہ ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سونے، چاندی، گلٹ، ریشم کی چین گھڑی میں لگانا اور اسے لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ **بینواتوجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سونے یاچاندی کے چین تومطلق منع ہے اگرچہ انگرکھے میں نہ لگائی جائے صرف کھونٹی میں لٹکائیں یا گھڑی کے بکس ہی میں گھڑی رکھیں، اور جو چیز ممنوع ہے اس کے ساتھ نماز میں کراہت آئے گی، اور گلٹ میں اگر چاندی زائد یا برابر ہے تواس کا حکم بھی چاندی کا ہے۔اور اگر تانبا غالب ہے تو اس میں اور ریشم کی چین میں میں جبکہ وہ انگرکھے میں نہ لگائی جائیں کوئی حرج نہیں۔رہاانگرکھے میں لگانا اگر یہ لگانا پہننے کے مشابہ ٹھہرے تومکروہ ہوگا اور اس سے نماز بھی مکروہ کہ پہننا تانبے اور ریشم کا ممنوع ہے اور جو ممنوع کے مشابہ ہے مکروہ ہے۔اور اگر پہننے کے مشابہ نہ ٹھہرے تو نہ اس میں حرج نہ نماز میں کراہت، علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام اسی طرف ناظر کہ یہ پہننے سے مشابہ نہیں مگر فقیر کو اس میں تامل ہے اور وہ خود بھی اس پر جزم نہیں رکھتے اور اسے لکھ کر تامل کا حکم فرماتے ہیں تو بہتر ہے اس سے احتراز ہی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳و۲۴: از کلکتہ دھرم تالہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۸ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان دومسئلوں میں:

(۱) ٹوپی جس پر ریشم یاکلابتوں کاکام ایساہو جس نے نصف سے زائد کپڑا چھپالیاہو اس کا پہننا جائز یاحرام اور جس کا تمام کپڑا چھپا لیاہو اس کی نسبت کیاحکم ہے؟

(۲) ازاربند ریشم کامرد کو جائز یاحرام اور اس کے پاجامہ میں ہونے سے نماز کاکیاحال؟

الجواب:

(۱) مغرق کہ تمام کپڑا کام میں چھپ گیا ہو یا ظاہر ہو تو خال خال کہ دور سے دیکھنے والے کو سب کام ہی نظر آئے مطلقاً ناجائز ہے اگرچہ وہ ٹوپی عرض میں چار ہی انگل یا اسے بھی کم ہو یونہی اگر اس میں کوئی بیل بوٹا چار اُنگل عرض سے زائد ہو تو بھی ناجائز اگرچہ سارے کپڑے میں صرف یہی ایک بوٹی ہو، اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو مطلقاً جائز اگرچہ نصف سے زائد کپڑا کام میں چھپا ہوا گرچہ متفرق بوٹیاں جمع کرنے سے چار اُنگل عرض سے زائد کو پہنچے۔

کل ذٰلك محقق فی فتاوٰنا مستفادا من ردالمحتار وغیرہ من الاسفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار وغیرہ کتب معتبرہ سے استفادہ کرتے ہوئے اس تمام کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں کردی گئی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

(۲) مذہب صحیح پر ناجائز ہے کما فی العالمگیریۃ والطحطاویۃ وغیرہما (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ اور طحطاوی وغیرہا میں ہے۔ ت)

اور ناجائز کپڑا پہن کر نماز مکروہ تحریمی کہ اسے اتار کر پھر اعادہ کی جائے۔

کماھو معلوم من الفقۃ فی غیرما موضع نعم الجواز بمعنی الصحۃ حاصل وھو معنی مافی الھندیۃ عن التاتارخانیۃ عن جامع الفتاوی عن محمد بن سلمۃ من صلی مع تکۃ ابریسم جاز وھو مسیئ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فقہ کے متعدد مقامات سے معلوم ہے ہاں جواز اگر صحت کے معنی میں ہو تو صحت حاصل ہے اور یہی معنی مراد ہے جو ہندیہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ جامع الفتاوی محمد بن سلمہ سے منقول ہے کہ جس نے ریشم کے ازاربند کے ساتھ نماز ادا کی جائز ہے مگر وہ گنہگار ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لوہے یا تانبے کا چھلا یہ پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ اس گمان سے پہنتے ہیں کہ ہمیں مہاسے وغیرہ کو مفید ہوتا ہے انھیں بھی جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

چاندی سونے کے سوا لوہے، پیتل، رانگ کا زیور عورتوں کو بھی مباح نہیں چہ جائیکہ مردوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع فی اللبس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۲

کے لئے اور عوام کا یہ احتراز خیال ممانعت شرع کو رفع نہیں کرسکتا کہ اگر ناجائز چیز کو دوکے لئے استعمال کرنا بھی ہو تو وہاں کہ اس کے سوا دوانہ ملے، اور یہ امر طبیب حاذق مسلمان غیر فاسق کے اخبار سے معلوم ہوا اور یہاں دونوں امر متحقق نہیں۔

فی الشامیة عن الجوهرة التختم بالحدید والصفر والنحاس والرصاص مکروہ للرجال والنساء [1] انتهی، وفیها عن غایة البیان التختم بالذهب والحدید والصفر حرام [2] الخ وفی الدر المختار کل تداوی لایجوز الابطاهر وجوزه فی النهایة بمحرم اذا اخبرہ طبیب مسلم ان فیه شفاء ولم یجد مباحا یقوم مقامه [3] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔ فقط۔	فتاوٰی شامی میں جوہرہ کے حوالے سے مذکور ہے لوہے، پیتل، تابنے، اور قلعی کی انگوٹھی مردوں اور عورتوں کو پہننا ممنوع ہے انتہی، اس میں غایۃ البیان کے حوالے سے ہے سونے لوہے اور پیتل کی انگوٹھی پہننا حرام ہے۔ در مختار میں ہے کہ کسی دوا کا استعمال کرنا جائز نہیں مگر جبکہ پاک ہو، نہایہ میں اس حرام دوا کے استعمال کرنے کا جائز قرار دیا ہے کہ جس کے متعلق کوئی مسلمان طبیب بتائے کہ اس میں شفا ہے اور کوئی ایسی مباح دوا نہ پائے جو اس کے قائم مقام ہوسکے الخ۔ اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ فقط (ت)

رسالہ

الطیب الوجیز فی امتعة الورق والابریز

ختم شد

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۹

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۴۶

لباس ووضع وقطع

لحاف، توشک، عمامہ، ٹوپی، جوتے، وضع وقطع اور رنگ وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۲۶: از کلکتہ دھرم تلہ نمبر ۶ مرسلہ جناب مرزاغلام قادر بیگ ۱۲رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ریشمی کپڑا مرد کو پہننا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نہ بلکہ حرام ہے۔ حدیث میں اس پر سخت وعیدیں وارد۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتلبسوا الحریر فانہ من لبسہ فی الدنیا لم یلبسہ فی الاٰخرۃ، رواہ الشیخان [1] عن الامیر المومنین عمر	ریشم نہ پہنو کہ جواسے دنیا میں پہنے گا آخر میں نہ پہنے گا۔ (اس کو بخاری ومسلم نے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت)

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب لبس الحریر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۷، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۱، الترغیب والترھیب بحوالہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ترھیب الرجال من لبسھم الحریر مصطفی البابی مصر ۳/ ۹۶

والنسائی وابن حبان والحاکم وصححه عن ابی سعید الخدری والحاکم عن ابی ھریرة وابن حبان عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	کیا ہے، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور ابن حبان نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔(ت)

نسائی کی ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من لبسه فی الدنیا لم یدخل الجنة [1]۔رواہ عن الامیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو دنیا میں ریشم پہنے گا جنت میں نہ جائے گا۔(امام نسائی نے اس کو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انما یلبس الحریر من لاخلاق له فی الاخرة رواہ الشیخان [2] واللفظ للبخاری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ریشم وہ پہنے گا جس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں(اس کو شیخین(بخاری ومسلم)نے روایت کیا اور الفاظ امام بخاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں۔ت)

ایک حدیث میں ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من لبس ثوب حریر البسه اللہ عزوجل یوم القیمة ثوبا من النار۔رواہ احمد [3] والطبرانی عن جویریة رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	جو ریشم پہنے گا اللہ تعالٰی عزوجل اسے قیامت کے دن آگ کا کپڑا پہنائے گا(امام بخاری وطبرانی نے اس کو سیدہ جویریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ النسائی ترھیب الرجال من لبسھم الحریر الخ حدیث ۲۰ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۰۰

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب لبس الحریر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۷، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث جویریة نبت الحرث المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۲۴، المعجم الاوسط عن جویریة رضی اللہ تعالٰی عنھا حدیث ۱۷۰،۱۷۱ المکتب الفیصلیة بیروت ۲۴/ ۶۵

حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

من لبس ثوب حریر البسه الله تعالٰی یوما من نار لیس من ایامکم ولکن من ایام الله تعالٰی الطوال [1] رواه الطبرانی وقال الله تعالٰی "وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ" [2]۔	جو ریشم پہنے اللہ تعالٰی اسے ایک دن کامل آگ پہنائے گا وہ دن تمھارے دنوں میں سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کے ان لمبے دنوں سے یعنی ہزار برس کا ایک دن (اس کو امام طبرانی نے روایت کیا) جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: بیشک تمھارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور نے اپنے دہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لیا پھر فرمایا:

ان هذین حرام علٰی ذکور امتی۔ رواه ابوداؤد [3] والنسائی۔ والله تعالٰی اعلم۔	بیشک یہ دونوں (ریشم اور سونا) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔ (ابوداؤد اور نسائی نے اسے روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷: از اٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم الله تعالٰی فی جواب هذا السوال (اس سوال کے جواب میں آپ (رحمکم اللہ تعالٰی) کا کیا ارشاد گرامی ہے۔ت): پائجامے دو طرح کے فی زماننا اکثر مروج و مستعمل ہیں: **اوّل:** غرارہ دار فراخ پائچہ جس کا استعمال بیشتر بزرگان دین کرتے ہیں اور اکثر علماء وصلحاء واولیائے امت کے لباس میں داخل ہے۔

دوم: پائچہ عوام مومنین اور بعض خواص علماء خصوصا پچھان کی طرف کے باشندے استعمال کرتے ہیں ان دونوں میں سے کون باعتبار شرح شریف کے افضل واستر ہے اور کس کے استعمال کی بابت شرع سے صریح رخصت ہوسکتی ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ حذیفہ موقوفاء ترھیب الرجال من لبسھم الحریر الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۹۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۷

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الحریر النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۵

الجواب:

اصل سنت مستمرہ فعلیہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین ازار یعنی تہبند ہے۔ اگرچہ ایک حدیث میں مروی ہوا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے عرض کیا۔ حضور پاجامہ پہنتے ہیں۔ فرمایا:

اجل فی السفر والحضر وفی اللیل والنهار فانی امرت بالتر فلم اجد شیئا استر منه۔ رواہ ابو یعلی[1] وابن حبان فی الضعفاء والطبرانی فی الاوسط والدارقطنی فی الافراد والعقیلی فی الضعفاء عنه رضی الله تعالٰی عنه۔	ہاں سفر و حضر میں شب و روز پہنتا ہوں اس لئے کہ مجھے ستر کا حکم ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ ساتر کسی شیئ کو نہ پایا (اس کو ابویعلی اور ابن حبان نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام طبرانی نے الاوسط میں اور امام دار قطنی نے الافراد میں اور امام عقیلی نے کتاب الضعفاء میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

مگر یہ حدیث بشدت ضعیف ہے۔

حتی ان ابا الفرج اورد ہ علی عادته ف الموضوعات والصواب کما بینه الامام السیوطی، واقتصر علیه الحافظ ابن حجر وغیرہ انه ضعیف فقط۔ تفرد به یوسف بن زیاد الواسطی اھ۔	یہاں تک کہ حافظ ابوالفرج ابن جوزی نے اپنی عادت کے مطابق اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ٹھیک بات جیسا کہ امام سیوطی نے بیان فرمائی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے اسی پر اکتفاء کیا وہ یہ ہے کہ وہ صرف ضعیف ہے چنانچہ یوسف بن زیاد واسطی اسے روایت کرنے میں متفرد (یعنی تنہا) ہے اور وہ کمزور ہے۔ (ت)

ہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسے خریدنا بسند صحیح ثابت ہے۔

رواہ الائمة احمد والاربعة وابن حبان وصححه عن سوید بن قیس	ائمہ کرام مثلاً امام احمد و دیگر چار ائمہ اور ابن حبان نے اس کو روایت کیا ہے اور سوید بن قیس کے حوالہ

[1] مجمع الزوائد بحوالہ ابو یعلی والمعجم الاوسط للطبرانی کتاب اللباس باب فی السراویل دار الکتاب العربی بیروت ۵ /۱۲۲

واحمد والنسائی فی القصۃ اخرٰی عن مالك بن عمیرۃ الاسدی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	سے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے۔امام احمد اور امام نسائی نے ایک دوسرے قصے میں حضرت مالک بن عمیرہ اسدی کے حوالے سے روایت کی۔رضی اللہ تعالٰی عنہما۔(ت)

اور ظاہر ہے یہی ہے کہ خریدنا پہننے ہی کے لئے ہوگا۔بہر حال اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم زمانہ اقدس میں باذن اقدس پاجامہ پہنتے کما فی الھدٰی والمواھب وشرح سفر السعادۃ وغیرھا (جیسا کہ الہدٰی،المواہب اور شرح سفر السعادۃ وغیرہ میں مذکور ہے۔ت)امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ روز شہادت پاجامہ پہنے ہوئے تھے کما فی تھذیب الامام النووی وغیرہ (جیسا کہ تہذیب الاسماء امام نووی وغیرہ میں مذکور ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے کہ سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام روز مکالمہ طور اون کا پاجامہ پہنے ہوئے تھے۔

رواہ الترمذی واستقربہ والحاکم وصححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان علی موسٰی یوم کلمہ ربہ کساء صرف وکمہ صوف وجبۃ صوف وسراویل صوف وکانت نعلاہ من جلد حمار میت[1]۔	اس کو امام ترمذی نے روایت کرتے ہوئے برقرار رکھا اور حاکم نے روایت کرکے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کی تصحیح فرمائی۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالٰی نے کلام فرمایا تو اس دن وہ اون کی بنی ہوئی چادر اونی جبہ اونی ٹوپی اور اونی شلوار میں ملبوس تھے البتہ ان کے جوتے مردہ گدھے کی کھال کے بنے ہوئے تھے۔(ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ سب میں پہلے جس نے پاجامہ پہنا ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ہیں،

رواہ ابونعیم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ	ابو نعیم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ

[1] جامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی البس الصوف امین کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۶-۰۷

تعالٰی علیه وسلم اول من لبس السراویل ابراهیم الخلیل۔[1]	تعالٰی علیہ وسلم کافرمان وارشاد ہے کہ سب سے پہلے جس نے شلوار پہنی وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام تھے۔(ت)

تیسری حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کے لئے دعامغفرت کی اور مردوں کو تاکید فرمائی کہ خود بھی پہنیں اور اپنی عورتوں کو بھی پہنائیں کہ اس میں ستر زیادہ ہے۔

رواہ الترمذی والعقیلی والضعفاء وابن عدی و الدیلمی عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجهه بلفظ اللهم اغفر للمتسرولات من امتی یایها الناس اتخذوا السراویلات فانها من استر ثبابکم و حصنوا بها نساء کم اذاخرجن[2] وفی الحدیث قصة و فی اسانیدہ مقال رضبی یتقوی بتعدد طرقه خلافه الصنیع ابی الفرج۔	ترمذی نے اس کو روایت کیااور عقیلی نے کتاب الضعفاء میں ابن عدی اور دیلمی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کی: اے اللہ! میری امت سے پاجامہ پہننے والی عورتوں کو بخشش فرما۔اے لوگو، پاجامہ (یعنی شلوار) پہنا کرو کیونکہ یہ تمھاری لباس ہیں سب سے زیادہ ستر پوش لباس ہے شلوار سے اپنی عورتوں کجو محفوظ کرو جب وہ باہر نکلیں۔اور حدیث میں ایک واقعہ مذکور ہے اس کی سندوں میں اشکال پایا جاتا ہے۔بسا اوقات متعدد سندوں اور طرق کی وجہ سے حدیث قوی ہوجاتی ہے لیکن اس میں علامہ ابوالفرج ابن جوزی کا اپنی کارکردگی کی وجہ سے اختلاف ہے۔(ت)

بالجملہ پاجامہ پہننا بلاشبہہ مستحب بلکہ سنت ہے،

ان لم یکن فعلا فقولا والافلا اقل من الستنان تقریرا کماعلمت۔	اگر فعلی سنت نہ بھی ہو تو قولی سنت ضرور ہے اور اگر یہ بھی نہ ہو کم از کم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تقریری سنت تولا محالہ ہے۔جیساکہ تم نے جان بھی لیا۔(ت)

[1] تهذیب تاریخ ان عساکر ذکر ماکان من امر ابراهیم علیه السلام بعد ذٰلك دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۴۹،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۲۸

[2] کنزالعمال بحواله البزار حدیث ۴۱۸۳۸ مؤسسة الرساله بیروت ۱۵ /۴۶۳،الکامل لابن عدی ترجمہ ابراہیم بن زکریا العلم الخ دارالکتب العلمیه بیروت ۱ /۲۵۵،الموضوعات لابن جوزی کتاب اللباس دارالفکر بیروت ۳ /۴۶

لاجرم فتاوٰی عالمگیریہ میں فرمایا:

لیس السراویل سنۃ وھو من استر الثیاب للرجال والنساء کذا فی الغرائب[1]۔	پاجامہ (شلوار) سنت ہے اور یہ مردوں عورتوں دونوں اصناف کے لئے زیادہ ستر پوش ہے یونہی الغرائب میں مذکور ہے۔(ت)

اور روایت میں کوئی تخصیص پائچہ فراخ وتنگ کی نظر سے نہ گزری، یہ عادات قوم وبلد پر ہے مگر فراخ کے یہ معنی کہ عرض کے پائچے نہ غرارے دار جس میں کلیاں ڈال کر گھیر بڑھایا جاتا ہے۔ یہ مردوں کے لئے بلاشبہ ناجائز ہے کہ ان بلاد میں کلیوں دار پائچے خاص لباس عورات ہیں اور عورتوں سے تشبیہ حرام مرد اگر پہنتے ہیں تو وہی زنانے یا نقال یا بدوضع فساق، ان لوگوں سے بھی مشابہت ممنوع، کما نص علیہ فی الخانیۃ وغیرھا من معتمدات المذھب (جیسا کہ فتاوٰی قاضیخاں وغیرہ مذہب کی معتبر کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ت) یونہی طول میں نہ ٹخنوں سے زائد ہوں کہ لٹکتے ہوئے پائچے اگر براہ تکبر ہوں تو حرام وگناہ کبیرہ ورنہ مردوں کے لئے مکروہ وخلاف اولٰی۔ ہندیہ میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیہ کذا فی الغرائب[2]۔	مرد کا اپنے تہبند کو ٹخنوں کے نیچے تک لٹکانا اگر بربنائے تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ اس طرح الغرائب میں مذکور ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

یکرہ للرجل لبس السراویل المخرفجۃ و ھی التی تقع علی ظھر القدمین کذا فی الفتاوی العتابیۃ[3]۔	مردوں کے لئے ایسے پاجاموں کا استعمال مکروہ ہے جو المخرفجہ یعنی پاؤں کی پشت سے نیچے تک ہوں، یونہی فتاوٰی عتابیہ میں بھی مذکور ہے۔(ت)

گھٹنوں کے قریب ہو جیسا کہ آج کل جہال وہابیہ نے اختراع کیا ہے کہ فراخ پائچے جب اتنے چھوٹے ہوں گے تو بیٹھنے لیٹنے میں ران کا کوئی حصہ کھل جانا مظنون بلکہ مشاہد ہے۔ شرح مطہر کی عادت کریمہ ہے کہ ایسی جگہ جب ایک مقدار کو فرض فرماتی ہے اس کی تکمیل وتوثیق کے لئے ایک حد معتدل تک اس سے زیادت سنت بتاتی ہے عورتوں کا سارا پاؤں عورت تھا تو انھیں ایک بالشت ازار یا پائچے لٹکانے کا حکم عزیمت اور دو بالشت تک رخصت ہوئی کہ قدم ہی تک رکھتیں تو حرکات میں بعض حصہ ساق یا

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

[2] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

[3] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۳۳

کعب کھل جاتا۔

روی النسائی وابوداؤد والترمذی وابن ماجة عن ام المؤمنین ام سلمة رضی الله تعالٰی عنها قالت سئل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کم تجر المرأة من ذیلها قال شبرا قالت اذا ینکشف عنها قال فزراع لایزید علیه [1]۔	نسائی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ عورت اپنے دامن کو کتنی مقدار تک گھسیٹ سکتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایک بالشت تک، عرض کی گئی کہ پھر تو اس کا پاؤں کھل جائے گا،، پھر آپ نے فرمایا کہ کہ پھر ایک ہاتھ تک، اس سے زائد نہ ہو۔ (ت)

یوہیں مرد کا ستر عورت کے گھٹنے کے نیچے تک ہے تو فراخ پائچہ جب وہیں تک ہوگا حرکات میں کوئی حصہ زانوں یا ران منکشف ہوجائے گا لٰہذا نیم ساق تک عزیمت اور کعبین تک رخصت ہوئی کہ تقریباً وہی ایک اور دو بالشت کا حساب ہے۔

فی المواھب وشرحه للعلامة الزرقانی حاصل ماذکر فی ذٰلك الاحادیث ان للرجال حالین حال استجاب وھو ان یقتصر بالازار وغیرہ علی نصف الساق وحال جواز وھو الی الکعبین وکذٰلك النساء حالان حال استحباب وھو مایزید علی ماھو زائد للرجال بقدر ذراع [2] الخ۔	مواہب اللدنیہ اور اس کی شرح جو علامہ زرقانی نے لکھی میں مذکور ہے کہ جو کچھ حدیثوں میں اس سلسلے میں ذکر کیا گیا اس کا خلاصہ اور حاصل یہ ہے کہ مردوں کے لئے دو حالتیں ہیں ایک حالت استحباب ہے اور وہ یہ ہے کہ ازار وغیرہ (تہبند) میں نصف پنڈلی تک اکتفا کرے دوسری حالت جواز ہے اور وہ یہ ہے کہ ٹخنوں تک ہو، اور یونہی عورتوں کے لئے بھی دو حالتیں ہیں ایک حالت جواز ہے اور وہ یہ ہے کہ جتنی مقدار مردوں کے ہاں زائد ہے اس بمقدار ایک ہاتھ اضافہ کرے۔ الخ (ت)

یونہی تنگ پائچے بھی نہ چوڑی دار ہوں نہ ٹخنوں سے نیچے، نہ خوب چست بدن سے سلے۔ کہ

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس ۲/ ۲۰۶ وسنن النسائی کتاب الرینة ذیول النساء ۲/ ۲۹۸، سنن ابن ماجه کتاب اللباس باب ذیل المرأة کم یکون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الذیل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۲

[2] المواھب اللدنیة النوع الثانی فی اللباس باب الخلاصة فی طول الازار المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۳۱، شرح الزرقانی علی المواھب النوع الثانی فی اللباس باب الخلاصة فی طول الازار دار المعرفة بیروت ۵/ ۹

یہ سب وضع فساق ہے۔اور ساتر عورت کاایسا چست ہونا کہ عضو کا پورا انداز بتائے۔یہ بھی ایک طرح کی بے ستری ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی کہ نساء کاسیات عاریات ہوں گی کپڑے پہننے ننگیاں،اس کی وجوہ تفسیر سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کپڑے ایسے تنگ چست ہوں گے کہ بدن کی گولائی فربہی انداز اوپر سے بتائیں گے جیسے بعض لکھنؤوالیوں کی تنگ شلواریں چست کرتیاں۔ردالمحتار میں ہے:

فی الذخیرۃ وغیرھا ان کان علی المرأۃ ثیاب فلا باس ان یتامل جسدھا اذا لم تکن ثیابھا ملتزقۃ بھا بحیث نصف ماتحتھا وفی التتبیین قالوا ولا باس بالتأمل فی جسدھا وعلیھا ثیاب مالم یکن ثوب یبین حجمھا فلا ینظر الیہ حنیئذ لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام من تامل خلف امرأۃ ورأی ثیابھا حتی تبین لہ حجم عظامھا لم یرح رائحۃ الجنۃ ولانہ متی کان یصف یکون ناظرا الی اعضائھا[1] اھ ملخصًا۔	ذخیرہ وغیرہ میں ہے کہ اگر عورت نے لباس پہن رکھا ہو تو اس کے جسم کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ لباس اس قدر تنگ اور چست نہ ہو کہ سب کچھ عیاں ہونے لگے۔التبیین میں ہے کہ ائمہ کرام نے فرمایا جب عورت لباس پہنے ہو تو اس کی طرف دیکھنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ لباس ایسا تنگ اور چست نہ ہو جو اس کے حجم کو ظاہر کرنے لگے (اگر ایسی صورت حال ہو تو پھر اس طرف نہ دیکھا جائے۔مترجم) حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے عورت کو پیچھے سے دیکھا اور اس کے لباس پر نظر پڑی یہاں تک کہ اس کی ہڈیوں کا حجم واضح اور ظاہر ہوگیا تو ایسا شخص (جو غیر محرم کو بغور دیکھ کر لطف اندوز ہونے والا ہے) جنت کی خوشبو تک نہ پائیگا اور اس لئے کہ لباس سے انداز قد و قامت ظاہر ہو تو اس لباس کو دیکھنا مخفی اعضاء کو دیکھنے کے مترادف ہے۔اھ ملخصًا (ت)

نہ بہت اونچے گھٹنوں کے قریب ہوں کہ تنگ پائچوں میں اگرچہ احتمال کشف نہیں مگر پاؤں کے لباس میں جو حد مسنون ہے اس سے تجاوز یہ افراط ہوا،شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رسالہ آداب اللباس میں فرماتے ہیں:

ہمبریں قیاس سراویل کہ در عجم متعارفست	اس پر "سراویل" کو قیاس کرنا چاہئے کہ جو دیار عجم

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ / ۲۳۴

وآں راشلواری گویند بمقدار ازاں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باشد واگرزیر شتالنگ باشد یا دوسہ چین واقع شود بدعت وگناہ است[1]۔	میں مشہور ہے جس کو شلوار کہتے ہیں پس یہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ازار مبارک کی مقدار کے مطابق ہو لیکن اگر ٹخنوں سے نیچے ہو یا دو تین شکن نیچے واقع ہو جائے تو بدعت اور گناہ ہے۔(ت)

یہ افراط بدعت وہابیہ ہند ہے تو ان سے تشبیہ مکروہ ہے۔ غرض ڈھیلے پائچے جب ان قباحتوں اور تنگ ان شناعتوں سے پاک ہوں تو دونوں شرعاً مرخص وپسند اور ادائے مستحب میں کافی وبسند ہیں ہاں غالب عادات علماء واولیاء میں وہی عرض کے پائچے دیکھے گئے اور انھیں کو اصل سنت فعلیہ یعنی تہبند سے زیادہ مشابہت، **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پائچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

پائچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر براہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد۔

اخرج الامام الھمام محمد بن اسمعیل البخاری فی صحیحہ قال حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالك عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لاینظر اللہ یوم القیمۃ	امام ہمام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں تخریج فرمائی اور فرمایا ہم سے عبداللہ ابن یوسف نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہمیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بتایا انھوں نے ابوالزناد سے اس نے اعرج سے اس نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی قیامت کے روز اس

[1] آداب اللباس

الی من جواز ارہ بطرا [1]، **قلت** وبنحوہ روی ابوداؤد ابن ماجۃ من حدیث ابی سعیدن الخدری فی حدیث عبداللہ بن عمر انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من جر ثوبہ مخیلۃ لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ [2] الحدیث واخرج الامام العلام مسلم بن الحجاج القشیری فی صحیحہ قال حدثنا یحیی بن یحیٰی قال قرأت علی مالك عن نافع وعبداللہ بن دینار وزید بن اسلم کلھم یخبرہ عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لاینظر اللہ الی من جرثوبہ خیلا [3] ۔**قلت** وبمثلہ روی البخاری والنسائی والترمذی فی صحاحھم بالاسانید المختلفۃ والالفاظ المتقاربۃ۔	شخص پر نظر شفقت نہیں فرمائے گا جس نے از راہ تکبر اپنے تہبند کو زمین پر گھسیٹا، **قلت** (میں کہتاہوں) یونہی ابوداؤد اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے حضرت عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں روایت کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی تکبر سے ازار لٹکائے (یعنی زمین پر گھسیٹے) تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کی طرف نہیں دیکھے گا، الحدیث امام علام مسلم بن حجاج قشیری نے اپنی صحیح میں تخریج کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے یحیٰی بن یحیٰی نے بیان کی اس نے کہا میں نے حضرت امام مالک کے سامنے پڑھا، امام مالک نے نافع عبداللہ بن دینار اور زید بن اسلم سے روایت کی، ان سب نے حضرت عبداللہ بن دینار اور زید بن اسلم سے روایت کی، ان سب نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی اس کی طرف نہیں دیکھے گا (یعنی اس کی طرف نگاہ رحمت نہیں فرمائے گا) جو از راہ تکبر اپنا کپڑا لٹکائے، قلت (میں کہتاہوں) اس جیسی حدیث بخاری، نسائی اور ترمذی نے اپنی اپنی کتابوں (صحاح) میں مختلف سندوں اور قریبی ویکساں الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب جر ثوبہ من الخبلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۶۱

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۶۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی السبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۸، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲۶۳

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ثوبہ من الخیلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۶۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۴، الجامع الترمذی کتاب اللباس باب ماجاء فی الکراھیۃ الازار امین کمپنی کراچی ۱ /۲۰۶

اور اگر بوجہ تکبر نہیں تو بحکم ظاہر احادیث مردوں کو بھی جائز ہے۔

لاباس بہ کما یرشك الیہ التقیید بالبطر والمخیلۃ۔	تو اس میں کچھ حرج نہیں جیسا کہ اس کی طرف "البطر و المخیلۃ" (اترانا اور تکبر کرنا) کی قید لگانا تمھاری راہنمائی کر رہا ہے۔(ت)

حضرت ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے عرض کیا۔یارسول اللہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! میری ازار ایک جانب سے لٹک جاتی ہے۔فرمایا: تو ان میں سے نہیں ہے جو ایسا براہ تکبر کرتا ہو۔

اخرج البخاری فی صحیحہ قال حدثنا احمد بن یونس فذکر باسنادہ عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من جرثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیمۃ فقال ابوبکر یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلك منہ فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لست ممن یصنعہ خیلاء[1] **قلت** وبنحوہ روی ابوداؤد والنسائی۔	امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کی تخریج فرمائی۔فرمایا ہم سے احمد ابن یونس نے بیان کیا۔پھر اس کی اسناد سے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: جس شخص نے ازراہ تکبر کپڑا اٹکایا اور نیچے گھسیٹا تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا۔اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی۔یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میرا تہبند ایک طرف نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کی پوری حفاظت کرتا ہوں (یعنی حفاظت میں ذرا سی کوتاہی یا لاپرواہی ہو جائے تو تہبند ایک طرف لٹک جاتا ہے) آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو طرز تکبر سے ایسا کرتے ہیں (یعنی علت تکبر نہ ہونے کی وجہ سے تمھارے ازار کے لٹک جانے سے کوئی حرج نہیں **قلت** (میں کہتا ہوں) اسی کی مثل ابوداؤد اور نسائی نے بھی روایت کی ہے۔(ت)

حدیث بخاری ونسائی میں کہ:

ما اسفل الکعبین من الازار ففی النار[2]۔	ازار کا جو حصہ لٹک کا ٹخنوں سے نیچے ہوگیا وہ آگ میں ہوگا۔(ت)

---

[1] الصحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰

[2] الصحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۱

اور حدیث طویل مسلم وابوداؤد میں:

ثلثة لایکلمهم الله یوم القیمة ولاینظر الیهم ولا یزکیهم ولهم عذاب الیم المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الکاذب [1]۔	تین شخص (یعنی تین قسم کے لوگ) ایسے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے قیامت کے دن نہ تو انھیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہوگا: (۱) ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا (۲) احسان جتلانے والا (۳) جھوٹی قسم کھا کر اپنے اسباب کو رائج کرنیوالا (یعنی فروغ دینے والا ہے) (ت)

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں۔ مگر علماء در صورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں:

فی الفتاوٰی العالمگیری اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه کذافی الغرائب [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں ہے مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے اسی طرح غرائب میں ہے۔ (ت)

بالجملہ اسبال اگر براہ عجب وتکبر ہے حرام ورنہ مکروہ اور خلاف اولٰی، نہ حرام مستحق وعید، اور یہ بھی اسی صورت میں ہے کہ پائچے جانب پاشنہ نیچے ہوں، اور اگر اس طرف کعبین سے بلند ہیں گو پنجہ کی جانب پشت پا پر ہوں ہرگز کچھ مضائقہ نہیں۔ اس طرح کا لٹکانا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

روی ابو داؤد فی سننه قال حدثنا مسدد نایحیٰی عن محمد بن ابی یحیٰی حدثنی	امام ابوداؤد نے اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں روایت فرمائی ہے کہ ہم سے مسدد نے بیان کیا اس سے یحیٰی نے اس نے محمد بن ابی یحیٰی سے روایت

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۱، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی اسبال الازار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

عکرمة انه رای ابن عباس یاتزر فیضع حاشیة ازاره من مقدمه علی ظهر قدمه ویرفعه مؤخره قلت لم تاتزر هذه الازارة قال رأیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یاتزرها [1] **قلت** ورجال الحدیث کلهم ثقات عدول ممن یروی عنهم البخاری کما لایخفی علی الفطن الماهر بالفن۔	کی ہے اس نے کہا مجھ سے عکرمہ تابعی نے بیان فرمایا اس نے ابن عباس کو دیکھا کہ جب ازار باندھتے تو اپنی ازار کی اگلی جانب کو اپنے قدم کی پشت پر رکھتے اور پچھلے حصہ کو اونچا اور بلند رکھتے۔ میں نے عرض کی آپ اس طرح تہبند کیوں باندھتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اسی طرح ازار باندھتے دیکھا ہے۔**قلت**(میں کہتا ہوں) حدیث کے تمام روای ثقہ (معتبر) اور عادل ہیں۔ان سے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ذہین۔ فہیم اور ماہر فن پر پوشیدہ نہیں۔ (ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ازیں جا معلوم شود کہ بلند داشتن ازار از جانب پس کافی ست در عدم اسبال [2] اھ۔	اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ازار کو پچھلی جانب یعنی ٹخنوں کی طرف سے اونچا اور بلند رکھنا عدم اسبال (یعنی نہ لٹکانا) میں کافی ہے۔اھ (ت)

ہاں اس میں شبہہ نہیں کہ نصف ساق تک پائچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہیں تک ہوتی تھی۔

فی صحیح مسلم حدثنی ابو الطاھر قال انا ابن وھب قال اخبرنی عمر بن محمد عن عبدالله ارفع ازارك فرفعته ثم قل زد فزدت فازلت اتجرھا بعد فقال بعض القوم الی این	صحیح مسلم شریف میں ہے: مجھ سے ابوطاہر نے بیان کیا اس نے کہا مجھے ابن وہب نے بتایا، اس نے کہا مجھے عمر بن محمد نے حضرت عبداللہ کے حوالے سے بتایا (ان سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا) اپنا ازار اپر کیجئے، میں نے اوپر کیا۔ پھر فرمایا مزید اوپر کیجئے، پھر اس کے بعد

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۱۰

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس فصل ۳ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۳ /۵۵۶

فقال انصاف الساقين[1] وفی حدیث ابی سعید الخدری مما رواہ ابوداؤد و ابن ماجة قال سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول ازارۃ المؤمن الی انصاف ساقیه[2] الحدیث۔	ہمیشہ میں اسے کھینچتا رہا، پھر لوگوں نے پوچھا آپ کس حد تک اوپر کرتے رہے؟ ارشاد فرمایا دو پنڈلیوں کے نصف تک۔ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں آیا ہے جو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت فرمائی۔ راوی نے فرمایا میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ مسلمانوں کا تہبند دونوں پنڈلیوں کے نصف تک ہونا چاہئے۔ الحدیث (ت)

امام نووی فرماتے ہیں:

فالمستحب نصف الساقين والجائز بلاکراھة ماتحته الی الکعبین[3] فی الفتاوٰی العالمگیریة ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق[4] والله تعالٰی اعلم۔	مستحب ہے کہ ازار (تہبند) پنڈلیوں کے نصف تک ہو اور بغیر کراہت جائز ہے کہ نیچے ٹخنوں تک ہو، اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے کہ مناسب ہے کہ ازار ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۹و۳۰: ۲۱ شعبان ۱۳۳۳ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرتہ شریف کتنا نیچا تھا۔ اور گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا یا دائیں بائیں۔ اور چاک مبارک کھلی تھی یا یادوختہ، اور بٹن لگے تھے یا گھنڈی۔ اور کون سی رنگت کا مرغوب تھا؟

(۲) عمامہ شریف کے (کتنے) گز کا لانبا (لمبا) تھا اور وہ گز کتنا لانبا تھا؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم جر الثوب خیلاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۵

[2] سنن ابن ماجہ کتاب اللباس موضع الازار این ھو ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴

[3] شرح الصحیح المسلم للنوی کتاب اللباس باب تحریم جر الثواب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۵

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

الجواب:

(۱) قمیص مبارک نیم ساق تک تھا۔ مواہب شریف میں ہے:

کان ذیل قمیصه وردائه صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی انصاف الساقین[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قمیص مبارک کا دامن اور چادر مبارک یعنی تہبند یہ دونوں آدھی پنڈلیوں تک ہوا کرتے تھے۔(ت)

حاکم نے بتصحیح اور ابوالشیخ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبس قمیصاً وکان فوق الکعبین[2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک ایسا کرتہ زیب تن فرمایا جو ٹخنوں سے اوپر تک زرالمباتھا(ت)۔

اور کم طول کا بھی وارد ہے بیہقی نے شعب الایمان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

کان له صلی الله تعالٰی علیه وسلم قمیص من قطنٍ قصیر الطول قصیر الکم[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک ایسا سوتی کرتہ تھا جس کا طول کم اور آستین مختصر تھی۔(ت)

گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

جیب قمیص آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر سینہ مبارک وے بود چنانکہ احادیث بسیار برآں دلالت دارد وعلمائے حدیث تحقیق ایں نمودہ اند[4]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قمیص مبارک کا گریبان آپ کے سینہ مبارک پر تھا۔ چنانچہ بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور محدثین حضرات نے اس کی تحقیق کی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

تحقیق آنست کہ گریبان پیراہن نبوی صلی اللہ تعالٰی	تحقیق یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مبارک کرتے کا گریبان آپ کے سینہ

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الثالث النوع الثانی مکتب اسلامی بیروت ۲/ ۴۲۸

[2] المستدرك للحاکم کتاب اللباس دارالفکر بیروت ۴/ ۱۹۵

[3] شعب الایمان حدیث ۶۱۶۸ دارالکتب العلمیة بیروت ۵/ ۱۵۴

[4] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

علیہ وسلم بر سینہ بود[1]	مبارک پر تھا۔(ت)

دامن کے چاک کھلے ہونا ثابت ہے کہ ان پر ریشمی کپڑے کی گوٹ تھی اور گوٹ کھلے ہوئے چاکوں پر لگاتے ہیں۔ صحیح مسلم و سنن ابی داوٗد میں اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

انها اخرجت جبة طيالسة كسروانية لها لبنة ديباج وفرجيها مكفوفين بالديباج[2]۔	سیدہ اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ایک طیاسی کسروانی جبہ (لوگوں کو دکھانے کے لئے) باہر نکالا جس کے گریبان پر ریشمی کپڑے کی گوٹ لگی ہوئی تھی اور اس کی دونوں اطراف ریشم گھری ہوئی تھیں۔ (ت)

اس زمانہ میں گھنڈی تکمے ہوتے جن کو زر وعروہ کہتے بٹن ثابت نہیں۔ نہ ان میں کوئی حرج ہے۔ رنگ سبز وسرخ بھی ثابت ہے۔ اور محبوب تر سفید۔ حدیث میں ہے:

البسوالثياب البيض فانها اطهر واطيب وكفنوا فيها موتاكم۔ رواه احمد[3] والاربعة الاعن سمرة بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سفید کپڑے پہنو کہ وہ زیادہ پاکیزہ اور خوب ہیں۔ اور اپنے اموات کو سفید کفن دو۔ (امام احمد اور دیگر ائمہ اربعہ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ ت)

(۲) عمامہ اقدس کے طول میں کچھ ثابت نہیں۔ امام ابن الحاج مکی سات ہاتھ یا اس کے قریب کہتا ہے۔ اور حفظ فقیر میں کلمات علماء سے ہے کہ کم از کم پانچ ہاتھ ہو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہاتھ۔ اور شیخ عبدالحق کے رسالہ لباس میں اکتیس ہاتھ تک لکھا ہے۔ اور ہے یہ کہ یہ امر عادت پر ہے جہاں علماء وعوام کی جیسی عادت ہو اور اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہو اس قدر اختیار کریں۔

فقد نص العلماء ان الخروج عن العادة شهرة و مكروه[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اہل علم نے تصریح کی ہے کہ معاشرے کی عادت سے باہر ہونا باعث شہرت اور مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

[2] صحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۱۹۰ وسنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۰۵

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث سمرہ بن جندب المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۷

[4] الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۵۸۲

مسئلہ ۳۱: ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

علمائے شرع شریف اس بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ چوڑی دار پائجامہ پہننا کیسا ہے اور جو اشخاص بوتام لگا کر پہنتے ہیں پنڈلیوں کو چمٹا ہوا اور تعبیر کرتے ہیں کہ یہ پائجامہ شرعی ہے۔ یہ قول ان کا صحیح ہے یا غلط۔ یعنی اسے شرعی پائجامہ کہنا۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

چوڑی دار پاجامہ پہننا منع ہے کہ وضع فاسقوں کی ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ آداب اللباس میں فرماتے ہیں:

سراویل کہ در عجم متعارف است کہ اگر زیر شتالنگ باشد یا دوسہ چین واقع شود بدعت وگناہ است[1]۔	شلوار جو عجمی علاقوں میں مشہور ومعروف ہے اگر ٹخنوں سے نیچے ہو یا دو تین انچ (شکن) نیچے ہو تو بدعت اور گناہ ہے۔(ت)

یونہی بوتام لگا کر پنڈلیوں سے چمٹا ہوا بھی ثقہ لوگوں کی وضع نہیں۔ آدمی کو بدوضع لوگوں کی وضع سے بھی بچنے کا حکم ہے یہاں تک کہ علماء درزی اور موچی کو فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص فاسقوں کے وضع کے کپڑے یا جوتے سلوائے نہ سیے اگرچہ اس میں اجر کثیر ملتا ہو۔ فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطۃ شیئ من زی الفساق ویعطی لہ فی ذٰلک کثیر الاجر لایستحب لہ ان یعمل لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔	اگر موچی یا درزی سے جب فاسقوں کی وضع کے مطابق کوئی چیز بنوانے یا سلوانے کے لئے اجارہ دی جائے تو اس کام کے لئے اسے بہت اجرت دی جائے تو اس کے لئے یہ کام کرنا بہتر نہیں اس لئے کہ یہ گناہ کے سلسلے میں امداد ہے۔(ت)

تو یہ پاجامہ بھی اس راہ سے شرعی نہ ہوا اگرچہ ٹخنوں سے اونچا ہونے میں حد شرع سے متجاوز نہیں، شرعی کہنا اگر صرف اسی حیثیت سے ہے تو وجہ صحت رکھتا ہے۔ اور اگر مطلقاً مرضی وپسندیدہ شرعی مراد جیسا کہ ظاہر لفظ کا یہی مفاد تو صحیح نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] آداب اللباس

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۰

مسئلہ ۳۲: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ احمد خاں صاحب ۲ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایڑی والی جوتی یعنی مثل جوتی مردوں کے عورت پہن لے تو درست ہے یانہیں؟ مردانی جوتی عورت نمازی کے واسطے پاؤں کو ناپاکی سے بچانے کے لئے بہت خوب ہے۔ خیر جیساشریعت میں حکم ہے باسند بحوالہ کتاب ارشادفرمائیں۔

الجواب:

ناجائز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال و المتشبھین من الرجال بالنساء، رواہ الائمۃ احمد و البخاری وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما[1]۔	اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو مردوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان مردوں پر جو عورتوں سے تشبہہ کریں۔ (ائمہ کرام مثلا مام احمد بخاری، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لعن اللہ الرجل یلبس لبسۃ المراۃ والمرأۃ تلبس لبسۃ الرجل۔ رواہ ابوداؤد والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح[2]۔	اللہ تعالٰی اس مرد پر لعنت کرے جو عورت جیسا لباس پہنے اور عورت پر بھی لعنت کرے جو مرد جیسا لباس پہنے۔ ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبھین بالنساء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی ابوب الاستیذان والادب باب ماجاء فی المتشبھات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجہ ابوب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۳۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

درمختار میں ہے:

غزل الرجل علی ھیأۃ غزل المرأۃ یکرہ [1]۔	عورت کے انداز سے مرد کا بال گوندنا مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لمافیہ من التشبہ بالنساء [2]۔	اس لئے کہ اس میں عورتوں سے مشابہت ہوتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

انما یجوز التختم بالفضۃ لو علی ھیأۃ خاتم الرجال امالو لہ فصان او اکثر حرم قھستانی [3]۔	فقہی اعتبار سے چاندی کی ایسی انگوٹھی پہننا جائز ہے جو مردوں کے لئے مروج ہو لیکن اگر اس میں دو یا دو سے زائد نگینے ہوں تو ایسی انگوٹھی کا استعمال مردوں کے لئے حرام ہے۔ قہستانی (ت)

بلکہ بحمداللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ میں حدیث حسن وارد، سنن ابوداؤد میں ہے:

حدثنا محمد بن سلیمان لُوَین وبعضہ قرأت علیہ عن سفیان عن ابن جزئیج عن ابن ابی ملیکۃ قال قیل لعائشۃ ان امرأۃ تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والرجلۃ من النساء [4] محمد بن سلیمان بن حبیب الاسدی بالتصغیر ثقۃ من العاشرۃ تقریب [5] والبقیۃ ائمۃ جلۃ معروفون وقدکان	(ہم سے محمد بن سلیمان لوین نے بیان کیا اس کا کچھ حصہ میں نے اس کے سامنے پڑھا اس نے سفیان، اس نے ابن جریج، اس نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کی اور کہا۔ت) یعنی ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی مردانی عورتوں پر۔(محمد بن سلیمان بن حبیب اسدی (یہ تصغیر کے ساتھ

[1] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳
[2] ردالمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۴
[3] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱
[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰
[5] تقریب التہذیب لابن حجر العسقلانی ترجمہ ۵۹۴۴ حرف المیم فصل س دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۲

الحکم بالصحۃ لولا عنعنۃ ابن جریج لاجرم قال المناوی [1] فی التیسیر والقاری فی المرقاۃ اسنادہ حسن۔	ہے) دسویں طبقہ کا معتبر راوی ہے۔ تقریب، باقی چند مشہور جلیل القدر ائمہ ہیں۔ حدیث پر صحت کا حکم ہوتا اگر ابن جریج کی روایت میں عنعنہ نہ ہوتا بیشک علامہ مناوی نے التیسیر میں اور ملا علی قاری نے مرقاۃ میں فرمایا کہ اس کی سند حسن ہے۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

تلبس النعل ای التی تختص بالرجال [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	تلبس النعل یعنی عورت اگر ایسا جوتا پہنتی ہے جو مردوں کے لئے مختص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: کیا ہے حکم شرع شریف میں نسبت پہننے ٹوپی سچی یا جھوٹی سلمہ ستارہ یا ریشم کی۔

الجواب:

چار انگل سے زائد ناجائز اور اس کا استعمال ممنوع ہے۔ اور متفرق اریشم کا کام ہو خواہ سونے چاندی کا جمع نہ کیا جائے گا جب تک مثل مغرق کے نظر نہ آتا ہو۔ اور جھوٹے کام کا جزئیہ اس وقت نظر میں حاضر نہیں اگر سونا چاندی غالب یا مساوی ہے تو اس کا حکم سونے چاندی ہی کے مثل ہے اور مغلوب ہے یا صرف تابنا تاہم ظاہرا کراہت سے خالی نہیں خصوصا ایسی حالت میں کہ نساء یا فساق کی وضع مخصوص ہو کہ اس صورت میں کراہت یقینی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴: ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رومال ریشمیں مرد کے واسطے استعمال کرنا یعنی ہاتھ میں یا کندھے پر رکھنا جائز ہے یا ناجائز یا مکروہ؟ اگر مکروہ ہے تو مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

ہاتھ میں لینا جیب میں رکھنا، اس سے منہ پوچھنا یہ سب جائز (اگر بہ نیت تکبر نہ ہو کہ اس نیت سے تو کوئی روا نہیں) اور کندھے پر ڈلنا مکروہ تحریمی۔ اصل یہ ہے کہ ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث لعن اللہ الرجلہ من النساء مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲ /۲۹۲

[2] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الرجل حدیث ۴۴۷۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۲۴۶

کے نزدیک ریشم کا پہننا ہی مرد کو ممنوع ہے نہ کہ باقی طرق استعمال، اور رومال حسب معمول کندھے پر ڈالنا ایک نوع لبس ہے۔ ہاتھ یا جیب میں رکھنا پہننا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

التعلیق یشبه اللبس فحرم لذٰلك لما علم ان الشبهة فی باب المحرمات ملحقة بالیقین رملی، والظاهر ان المراد بالکیس المعلق نحو کیس التمائم المسماۃ بالحمائلی فانه یعلق بالعنق بخلاف کیس الدارهم اذا کان یضعه فی جیبه مثلا بدون تعلیق وفی الدرالمنتقی ولا تکره الصلٰوۃ علی سجادۃ فی الابریسم لان الحرام هو اللبس اما الانتفاع بسائر الوجوہ فلیس بحرام کما فی صلٰوۃ الجواهر واقرہ القهستانی وغیرہ[1]۔	لٹکانا حرام شیئ کا پہننے کے مشابہ ہے اس لئے کہ یہ معلوم ہے کہ محرمات کے باب میں شبہہ یقین کے ساتھ لاحق ہوتا ہے۔ رملی اور ظاہر یہ ہے کہ تھیلا سے مراد لٹکایا ہوا ہے جیسے تعویزات کا تھیلا کہ جس کو حمائلی کہا جاتا ہے کیونکہ اس گلے میں لٹکایا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ دراہم کا تھیلا (بٹوہ) جبکہ اسے بغیر لٹکائے جیب میں رکھا جاتا ہے۔ درمنتقی میں ہے کہ ریشمی مصلی (جائے نماز) پر نماز ادا کرنا مکروہ نہیں۔ اس لئے کہ ریشم کا پہننا حرام ہے۔ لیکن پہننے کے سوا اور طریقوں سے فائدہ اٹھانا حرام نہیں جیسا کہ صلٰوۃ الجواہر میں مذکور ہے اور قہستانی وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

وفی القنیة دلال یلقی ثوب الدیباج علی منکبیه یجوز اذا لم یدخل یدیه فی الکمین وقال عین الائمة الکرابیسی فیه کلام بین المشائخ اھ ووجه الاول ان القاء الثوب علی الکتفین انما قصد به الحمل دون الاستعمال فلم یشبه اللبس المقصود للانتفاع تأمل[2]۔	قنیہ میں ہے کہ دلال نے ریشمی کپڑا بیچنے کے لئے کندھوں پر اٹھا تو یہ جائز ہے جبکہ دونوں ہاتھ آستینوں میں نہ ڈالے۔ عین الائمۃ کرابیسی نے فرمایا اس میں مشائخ کرام کی گفتگو ہے (یعنی اعتراض اور اختلاف ہے) اھ۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ کندھوں پر لٹکانے سے اٹھانا مقصود ہوتا ہے۔ نہ کہ پہننا لہٰذا یہ پہننے کے مشابہ نہیں جو انتفاع سے مقصود ہے۔ غور کیجئے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۶

اسی میں ہے:

الحرام ھو اللبس دون الانتفاع **اقول**: ومفادہ جواز اتخاذ خرقۃ الوضوء منہ بلا تکبر اذ لیس یلبس لاحقیقۃ ولا حکما بخلاف اللحاف والتکۃ وعصابۃ المفتصد تامل [1] اھ ھذا ما ظھر لی واللہ تعالٰی اعلم۔	حرام صرف پہننا ہے صرف فائدہ اٹھانا حرام نہیں **میں کہتا ہوں** اس کا مفاد (حاصل) یہ ہے کہ ریشمی رومال سے اعضائے وضو پونچھنا اگر بلا تکبر ہو تو جائز ہے اس لئے کہ یہ نہ حقیقتاً پہننا ہے نہ حکماً بخلاف لحاف، تکمہ اور فصد کی پٹی کے۔ غور وفکر کیجئے اھ یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** (ت)

مسئلہ ۳۵: از ریاست کوچ بہار ملک بنگال مدرسہ محسنیہ راجشاہیہ مرسلہ مولوی خلیل اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ مذکورہ ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

مخدوم ومکرم من زاد مجد کم بعد از السلام علیکم ملتمس ہوں کہ مرسلا گرامی بنا بر طلب نمونہ پارچہ رینڈی پہنچ کر باعث سرفرازی ہوا حسب فرمائش عالی پارچہ مذکور کا کسی قدر نمونہ مرسل ہے میرا اپنا مسلک یہ ہے کہ پارچہ مذکورہ شرعا مباح الاستعمال ہے اور میں نے یہ مسلک بہت تحقیق اور بڑی جستجو اور قال اقول کے بعد اختیار کیا ہے۔ حضرت مخدومنا وشیخنا ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ تعالٰی کے حضور میں ایک بزرگ کے ساتھ جو اباحت استعمال کے قائل تھے میرا زبانی مباحثہ ہوا میں مدعی حرمت کا تھا آخر محاکمہ مولانائے مغفور سے انھیں کا مدعا صحیح ثابت ہوا یہاں ایک بنگالی مولوی صاحب نے آج کل اس کے حرام ہونے کا بہت بڑا زور وشور سے ایک فتوٰی لکھا ہے بلکہ زہر اگلا ہے کہ مباح کہنے والے کو یکبارگی کافر بنادیا ہے **نعوذ باللہ**!

مخفی باد کہ وجہ حرمت جامہ رینڈی درایۃ وروایۃ ہیچک وجہ بر نمی آرد وآں از قسم حریر منصوص الحرمۃ فی القرآن والحدیث نیست چہ عندالتعمیق والتفتیش بوضوع می پیوندد کہ ماہیت حریر وثوب مسطور الصدر یکے نبود بلکہ فرقے درمیان می باشد غذائے کرم آبریشم برگ تودست	واضح رہے کہ رینڈی کپڑے کی حرمت کی کوئی وجہ عقلا نقلا دکھائی نہیں دیتی اور وہ ریشم کی اس قسم سے نہیں جس کی حرمت قرآن وحدیث میں صراحۃ موجود ہے کیونکہ تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ریشم اور مذکورہ کپڑے میں کوئی مماثلت نہیں بلکہ دونوں کے درمیان فرق ہے۔ اس لئے کہ ریشم کے کیڑے کی

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۷

كماقال النظام الگنجوی۔

کریمے کہ از تود واز برگ تود
زحلواو زار بریشم آورد سود

تو وہماں توت است اہل راجشاہی کہ منبت و مخزن ابریشم ست زراعت توت مے کنند و کرم ابریشم رامی خورانند ومی پرور ندچنانچہ ایں ہمہ بچشم سر دیدہ ام ومی بینم وغزائے کرم جامہ مذکور ورق بیدانجیرست کہ ہندی آں را رینڈی ست وعلاوہ برآں وجہ حرمت حریر تفاخر وتنعّم وزینت و نفاست وتشبہ بالاکاسرہ والجبابرہ واخوت آن ست وایں ہمہ در حریر یافتہ شودنہ در رینڈی و علی فرض المحال اگرآں جامہ از قسم ابریشم ہم باشد پس وجہ عدم حرمت آں ایں خواہد بود کہ مراد از حریر منصوص حریر جید باشد نہ ردی بحکم ضابطہ اصول المطلق ینصرف نظرا الی فردہ الکامل ھذا ماخطر ببالی الکسیر واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الاشیاء نمقه العبد المشتاق الی ربه الجلیل ابواسعیل محمد خلیل اللہ المدرس الاول فی المدرسة المحسنیة الراجشاهیة تجاوز اللہ عن ذنوبه۔

خوراک توت کے پتے ہیں۔ جیسا کہ مولٰنا نظامی گنجوی نے فرمایا:

"وہ ایسا سخی ہے کہ توت اور اس کے پتوں سے اس نے حلوے اور ریشم کا فائدہ عنایت کیا"

"تود" وہی درخت توت ہے جو ریشم کی پیداوار کا ذریعہ ہے چنانچہ راجشاہی کے باشندے توت کی باقاعدہ کاشت کرتے ہیں اور ریشم پیدا کرنے والے کیڑوں کو بطور خوراک کھلاتے ہیں اور ان کیڑوں کی پرورش کرتے ہیں یہ سب کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور دیکھ رہاں ہوں اور مذکورہ کپڑے کیڑے کی خوارک بیدانجیر ہے کہ ہندی میں اس کو رینڈی کہتے ہیں اس کے علاوہ ریشم کی وجہ حرمت، تفاخر، تنعّم، زیب وزینت نفاست اور اکاسرہ جبابرہ یعنی متکبر اور سرکش لوگوں سے مشابہت ہے (کہ وہ نرم و نازک مائئل و نفیس ریشم کو برائے تکبرہ غرور اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھتے ہیں) اور یہ چیزیں توت کے اصل ریشے میں پائی جایت ہے نہ کہ رینڈی میں لیکن اگر بفرض محال وہ کپڑا از قسم ریشم ہی ہو تو پھر اس کے حرام نہ ہونے کی وجہ یہ ہوگی کہ ریشم جس کی حرمت منصوص ہے اس سے اعلی وعمدہ ریشم مراد ہے کہ ردی اور گھٹیا۔ اور اہل اصول کے قاعدہ کے مطابق جب مطلق بولا جائے تو اس سے اس کا "فرد کامل" مراد ہوگا۔ پس یہ عدم حرمت کی چند وجوہات میرے شکستہ دل میں کھٹکتی تھیں جو بیان ہوئیں اللہ تعالٰی حقائق اشیاء کو سب سے بہتر جاننے والا ہے۔ اس کو رب جلیل کا شوق رکھنے والے بندے نے لکھا جو ابواسمٰعیل محمد خلیل اللہ مدرس اول مدرسہ محسنیہ راجشاہیہ میں ہے اللہ تعالٰی اس کے گناہوں سے در گزر فرمائے۔ (ت)

باردوم: از حیدرآباد دکن محلّہ سلطانپور مرسلہ سید عبدالرزاق صاحب وکیل ہائی کورٹ وسیکرٹری اسٹیٹ نواب فخر الملک بہادر وزیر جوڈیشل وپولیس ڈیپارٹمنٹ

بدیں عبارت بعالی خدمت عالی جناب مولوی احمد خاں صاحب قبلہ جو نمونہ کپڑے کا پیش ہے کہا جاتا ہے یہ ٹسر ہے۔ ٹسر اور ریشم کی تعریف ذیل میں ہے:

ریشم: ریشم کے کیڑے پرورش کئے جاتے ہیں جب ان کے انڈے بچے ہوکر بڑے ہوتے ہیں تو پانی میں ان کو جوش دیا جاتا ہے جب وہ گھل جاتے ہیں تو ان سے تار نکالا جاتا ہے وہی ریشم ہے۔

ٹسر: ٹسر کے کیڑے اس ملک میں بھی ہوتے ہیں جیسے بیر کے درخت کے کیڑے۔ یہ مثل ریشم کے کیڑوں کے پرورش نہیں کئے جاتے بلکہ قدرتاً ایک بونڈی میں پرورش پاتے ہیں۔ جب وہ خود بخود ہونے کے بعد مرجاتے ہیں تو بونڈی سے تار نکال لئے جاتے ہیں وہی ٹسر ہے۔

ریشم کی چمک اور ملائمت ٹسر میں نہیں ہوتی۔ اور چنیا سلک عورتوں کے لباس کے کام میں نہیں آتا۔ اور یہ کپڑا مثل چھلواری کے متعدد بار دھل سکتا ہے اور چھلواری سے مضبوط ہوتا ہے۔ اکثر علماء ومشائخ اسے پہنتے ہیں۔ مکہ مکرمہ ومدینہ طیبہ میں بھی علماء و خطباء کو پہنتے دیکھا گیا، اب یہ شبہہ پیدا ہورہا ہے کہ شرعاً اس خاص کپڑے کا پہنا درست ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز جائز ہو سکتی ہے یا نہیں؟ ہم نے حریر، دیبا خبز عہ، کے احکام صحیح بخاری ومسلم ومشکوٰۃ شریف وہدایہ وفتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں تفصیل سے دیکھے لیکن یہ تشفی نہیں ہوئی کہ یہ خاص کپڑا مشروع ہے یا نہیں؟ لہٰذا صرف اس قدر دریافت کرنا منظور ہے کہ یہ کپڑا جو اس کے ساتھ پیش ہے مشروع ہے اور اس سے نماز جائز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج کل اس کپڑے کا بہت رواج ہورہا ہے اس لئے مسلمانوں کو شک وشبہہ سے بچانے کے لئے اس خاص کپڑے کے جواز یا عدم جواز کا فتوٰی ضرور ہے۔

الجواب:

اللھم لك الحمد، جو کپڑا فقیر نے دیکھا ہے اور اس کے متعلق بیان سائل نظر سے گزرا، اس نے صورۃً وصفۃً حریر سے مشابہت نہ پائی۔ یہ بہت خشن کثیف، ردی، اکثر معمولی کپڑوں سے بھی گری حالت میں ہے اسے نعومت، ملاست، نظافت، ایراث، تزین، وتکبر وتفاخر سے کچھ علاقہ نہیں۔ قیمت میں بھی سنا گیا ہے، کہ بہت ارزاں ہے۔ وہ کرم جس سے یہ پیدا ہوتا ہے مسموع ہوا کہ وہ دود القز کے علاوہ اور کیڑا ہے۔ اس کی غذا ورق فرصاد یعنی برگ توت ہے۔ اور اس کی ورق الخروع یعنی برگ بید انجیر جسے ہندی میں انڈی اور دیار بنگلہ میں رینڈی کہتے ہیں۔ اسی مناسبت سے یہ کپڑا وہاں انھیں ناموں

سے مسمّٰی ہے، اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ جب تک شرع سے تحریم ثابت نہ ہو اس پر جرأت ممنوع ومعصیت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝" [1] وقال تعالٰی "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ؕ" [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان لوگوں سے فرمادیں (یعنی دریافت کریں) کیا اللہ تعالٰی نے تمھیں ایسا کرنے کی اجازت دے رکھی ہے یا تم ویسے ہی اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھ رہے ہو؟ (ت) ایک اور مقام پر اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ (لوگو!) تمھاری زبانیں جو کچھ جھوٹ بیان کرتی ہیں اس سلسلے میں یہ نہ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تاکہ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو، یقیناً جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ (ت)

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل [3]۔	اللہ تعالٰی پر افتراء کرنے میں کوئی احتیاط نہیں کہ حرمت اور کراہت ثابت کرے اس لئے کہ ان دونوں کے لئے دلیل ضروری ہے بلکہ احتیاط اس کو مباح کہتے ہیں اس لئے کہ یہی اشیاء میں اصل ہے۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

فی الھدایۃ من فصل الحداد ان الاباحۃ اصل انتھی ویظھر ھذا الاختلاف فی المسکوت عنہ ویتخرج علیھا ما اشکل حال فمنھا الحیوان المشکل امرہ	ہدایہ کی فصل حداد میں ہے کہ اباحت اصل ہے انتہی اور جس چیز سے سکوت ہے (یعنی مسکوت عنہ) میں یہ اختلاف ظاہر ہوتا ہے اباحت پر ان مسائل کی تخریج کی جاتی ہے۔ جن کا حال معلوم کرنا مشکل ہو،

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[3] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

والنبات المجھول وسمیتہ [1]۔	پس ان میں سے ایک تو وہ حیوان ہے جس کا معاملہ مشتبہ ہو اور دوسرے وہ نامعلوم جڑی بوٹیاں ہیں اور ان کا زہریلا ہونا ہے۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

قولہ والنبات المجھول الخ یعلم منہ شرب الدخان [2]۔	مصنف کا اندیشہ ہے والنبات المجھول الخ اس سے دھواں نوشی کا حکم معلوم ہوجاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الذی یظھر ان ھذہ الدودۃ ان کانت غیر مائیۃ المولد وکان لھا دم سائل فھی نجسۃ ولا فطاھرۃ فلا یحکم نجاستھا قبل العلم بحقیقتھا [3]۔	وہ جو ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ان کیڑوں کی جائے پیدائش پانی نہیں اور ان میں بہنے والا خون ہے تو وہ ناپاک ہیں بصورت دیگر پاک ہیں لہٰذا ان کی حقیقت معلوم ہونے سے قبل ان پر نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ (ت)

ادعائے تحریم کے لئے لازم ہے کہ شرع سے خاص اس کپڑے کی حرمت پر دلیل قائم ہو یا ثبوت کافی دیا جائے کہ شرعاً حریر اس کپڑے کو کہتے ہیں کہ جو کیڑے کے لعاب سے بنایا جایا اگرچہ دودالقز کا غیر ہو اگرچہ اس میں کوئی وجہ تزئین وتفاخر وتشبہ بالجبابرۃ والاکاسرۃ کی نہ ہو ودونھما خرط القتاد (اور ان دو کے بغیر صرف کانٹوں پر ہاتھ پھیرنا ہے یعنی سوائے تکلیف کچھ حاصل نہیں۔ت) یہ ایک مثال ہے جو کسی کام کے غیر حصول کے لئے بیان کی جاتی ہے۔ مترجم) بالجملہ جب تک تحریم ثابت نہ ہو اباحت اصلیہ شرعیہ پر عمل سے کوئی مانع نہیں،

قال اللہ تعالٰی "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا" [4] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ جو زمین میں ہے پیدا کیا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول قاعدہ ھل الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۹۸۔۹۷

[2] غمز العیون الفن الاول قاعدہ ھل الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۹۸

[3] ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۲۰

[4] القرآن الکریم ۲/۲۹

مسئلہ ۳۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دستار کے شملہ کہاں تک رکھنا مسنون ہے۔اور کہاں تک رکھنا مباح اور کہاں تک رکھنا ممنوع وغیر مشروع حرام ہے۔اگر کسی شخص نے ڈیڑھ ہاتھ شملہ رکھادوسرے نے بولاڈیڑھ ہاتھ شملہ رکھنا حرام ہے۔آیایہ کہنا بموجب شرع کے ہے یانہیں؟آیایہ قائل گنہگار ہوایانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاجر پاؤ۔ت)

الجواب:

شملے کی اقل مقدار چار انگشت ہے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ اور بعض نے نشستگاہ تک رخصت دی یعنی اس قدر کہ بیٹھنے سے موضع جلوس تک پہنچے،اور زیادہ راجح یہی ہے کہ نصف پشت سے زیادہ نہ ہو جس کی مقدار تقریباوہی ایک ہاتھ ہے۔حد سے زیادہ داخل اسراف ہے۔اور بہ نیت تکبر ہو تو حرام،یونہی نشست گاہ سے بھی نیچا مثلارانوں یازانوں تک یہ سخت شنیع و ممنوع،زاور بعض نے انسان بدوضع آوارہ رندوں کی وضع ہے۔ڈیڑھ ہاتھ کا شملہ اگر بہ نیت تکبر نہ ہو تو اسے حرام کہنا نہ چاہئے۔خصوصا اس حالت میں کہ بعض علماء نے موضع جلوس تک بھی اجازت دی مگر حرام کہنے والے کو گنہگار بھی نہ کہیں گے جبکہ اس نے حرام بمعنی عام یعنی ممنوع لیاہو جو مکروہ تحریمی کو شامل ہے۔اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے:

اقل مقدارِ عذبہ چہار انگشت ست وتطویل آں متجاوز از نصف ظہر بدعت ست وداخل اسبال واسراف ممنوع واگر بطریق تکبر وخیلاء باشد حرام والامکروہ مخالف سنت [1]۔	پگڑی کے شملہ کی کم سے کم مقدار چار انگلیوں کے برابر ہے اور شملے کو اتنا لمبارکھنا کہ آدھی پشت سے بھی آگے چلا جائے بدعت ہے کپڑا لٹکانے میں اسراف ہے جو ممنوع ہے۔اور اگر تکبر اور تفاخر کے طور پر ہو تو حرام ہے۔ورنہ مکروہ اور خلاف سنت ہے۔(ت)

دستور اللباس میں ہے:

از فتاوٰی حجۃ وجامع آوردہ کہ الذنب ستۃ انواع للقاضی خمس وثلثون اصابع وللخطیب احدی وعشرون اصابع وللعالم سبع وعشرون اصابع وللمتعلم سبعۃ عشر اصبعا وللصوفی سبع اصابع وللعامی اربع اصابع [2]۔	فتاوٰی حجۃ اور جامع میں نقل کی گیاہے کہ شملہ کی چھ اقسام ہیں: (۱) قاضی کے لئے ۳۵ انگشت کے بمقدار (۲) خطیب کے لئے بمقدار ۲۱ انگشت (۳) عالم کے لئے بمقدار ۲۷ انگشت (۴) متعلّم کے لئے بمقدار ۱۷ انگشت (۵) صوفی کے لئے بمقدار ۷ انگشت (۶) عام آدمی کے لئے بمقدار ۴ انگشت۔(ت)

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس فصل دوم مطبع نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۴۵

[2] دستور اللباس

شرح شرعۃ الاسلام میں ہے:

قال فی خزانة الفتاوٰی والمستحب ارسال ذنب العمامة بین کتفیه الی وسط الظهر ومنهم من قال الی موضع الجلوس ومنهم من قدر بالشبر[1]۔	خزانۃ الفتاوٰی میں فرمایا: پگڑی کا شملہ دو کندھوں کے درمیان نصف پشت تک لٹکانا مستحب (موجب ثواب) ہے۔اور بعض اہل علم نے فرمایا: سرین تک ہو جبکہ بعض نے اس کی مقدار صرف ایک بالشت بتائی ہے۔(ت)

عین العلم میں ہے:

یرسل الذیل بین الکتفین الی قدر الشبر اوموضع القعود اونصف الظهر وهو وسط مرضی والکل مروی[2]۔	شملہ دو کندھوں کے درمیان ایک بالشت کی مقدار لٹکائے (اور چھوڑے) یا سرین تک ہو یا نصف پشت تک ہو اور یہ متوسط اور پسندیدہ طریقہ ہے اور یہ سب کچھ مروی ہے۔ (ت)

شرح علامہ علی قاری میں ہے:

الاول اشهر واکثر واظهر والکل قد جمعته فی رسالة مستقلة اھ[3]۔والله تعالٰی اعلم۔	پہلا قول اکثر ور زیادہ مشہور ہے اور زیادہ ظاہر ہے اور ان سب اقوال کو میں نے ایک مستقل رسالہ میں جمع کیا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۳۷: مسئولہ مولوی حکیم امجد علی صاحب ۱۱ رجب المرجب ۱۳۳۰ھ

زعفران اور کسم اگر دوسرے رنگوں میں تھوڑے شامل کردئے جائیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر تھوڑے ملائے کہ مستہلک ہوگئے اور ان کا رنگ نہ آیا تو حرج نہیں۔

اذلا حکم للمستهلك ویشیر الیه کلام التنویر کسره لبس	جو چیز نیست ونابود ہوجائے تو اس کے لئے کوئی حکم نہیں۔ صاحب تنویر کا کلام اسی طرف

[1] شرح شرعۃ الاسلام فصل فی سنن اللباس مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۴-۲۸۳

[2] عین اعلم الباب السابع فی الاتباع فی المعیشۃ مطبع امرت پریس لاہور ص ۲۴۸

[3] شرح عین العلم لملا علی قاری (بین السطور) مطبع امرت پریس لاہور ص ۲۴۸

المعصفر والمزعفر الاحمر اوالاصفر للرجال[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اشارہ کرتا ہے معصفر اور زعفرانی سرخ اور زرد رنگ مردوں کے لئے مکروہ ہے۔ اور اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۸: نیا کپڑا یا جوتا استعمال کرنے پر کیا پڑھے اور کون سے روز استعمال کرے؟ درزی کو کون سے روز سلنے کو دے؟

الجواب:

بسم اللہ کہہ کر پہنے اور پہن کر پڑھے۔

الحمدللہ الذی کسانی ھذا و رزقنیہ من غیر حول منی ولاقوۃ[2]۔	سب تعریف اور ستائش اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری قوت وطاقت (بچاؤ و تحفظ کے بغیر مجھے اس کے پہننے کی توفیق بخشی) (ت)

اور کپڑے کے استعمال یا درزی کو دینے کے لئے کوئی خصوصیت نہیں، ہاں منگل کے دن کپڑا قطع نہ کیا جائے۔ مولا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: "جو کپڑا منگل کے روز قطع کیا جائے وہ جلے یا ڈوبے یا چوری ہو جائے" **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: از کالج علی گڑھ کمرہ نمبر ۶ مرسلہ عبدالمجید خاں یوسف زئی سرسید کورٹ ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

زید انگریزی ٹوپی یعنی ہیٹ کو استعمال نہیں کرتا ہے مگر پتلون پہنتا ہے اور پتلون پر ترکی کوٹ پہنتا ہے یہ لباس درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

در بارہ لباس اصل کلی یہ ہے کہ جو لباس جس جگہ کفار یا مبتدعین یا فساق کی وضع ہے اپنے اختصاص و شعاریت کے مقدار پر مکروہ یا حرام یا بعض صور میں کفر تک ہے۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

لبس زی الافرنج کفر علی الصحیح[3]۔	افرنگیوں کا لباس صحیح قول کی بنا پر کفر ہے۔ (ت)

ہیٹ اسی قسم میں ہے اور پتلون قسم اول میں اور دوسرے ملک میں کسی اسلامی قوم کی وضع ہونا کافی

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] عمل یوم واللیلۃ باب مایقول از ستجد ثوبا حدیث ۲۷۱ دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد دکن ص ۷۴

[3] الحدیقہ الندیہ النوع الثامنن من الانواع الستین السخیریہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

نہیں جبکہ اس ملک میں کفار یا فساق کی وضع ہو فان کل بلدۃ وعوائدھا (کیونکہ ہر شہر اور اس کے رہنے وال۔ت) خصوصا اس حالت میں کہ ترک نے بھی یہ وضع بہت قریب زمانے سے اختیار کی اور وہ بھی نہ طوعا بلکہ جبرًا، سلطان محمود خاں کے زمانہ میں سلطنت کی طرف سے اس پر مجبور کیا گیا اور ینگچری فوج نے اس پر مخالفت کی اور کشت وخون وقع ہوا بالآخر بمجبوری مانی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰: مسئولہ حافظ بنو علی صاحب از خاص ضلع بھنڈارہ محلّہ کھم تالاب متوسط ضلع ناگپور ۱۳ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ خام رنگ مثلاً سرخ، سبز، نیلا، پیلا ایسے رنگ کے کپڑے پہن کر نماز جائز ہے یا ناجائز؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

عورت کو ہر قسم کا رنگ جائز ہے جب تک اس میں کوئی نجاست نہ ہو، اور مرد کے لئے دو رنگوں کا استثناء ہے۔ معصفر ار مزعفر یعنی کسم اور کیسر، یہ دونوں مرد کو ناجائز ہیں اور خالص شوخ رنگ بھی اسے مناسب نہیں۔ حدیث میں ہے:

ایاکم والحمرۃ فانھا من زی الشیطان[1]۔	سرخ رنگ سے بچو اس لئے کہ وہ شیطانی صورت اور ہیئت ہے۔(ت)

باقی رنگ فی نفسہٖ جائز ہیں کچے ہوں یا پکے ہاں اگر کوئی کسی عارض کی وجہ ممانعت ہو جائے تو وہ دوسری بات ہے جیسے ماتم کی وجہ سے سیاہ لباس پہننا حرام ہے۔ کما فی الھندیۃ[2] (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ میں ہے۔ت) بلکہ ماتم کے لئے کسی قسم کی تغییر وضع حرام ہے کما فی المرقاۃ شرح المشکوۃ لعلی القاری (جیسا کہ ملا علی قاری کی مرقاۃ شرح المشکوۃ میں ہے۔ت) ولہٰذا ایام محرم شریف میں سبز لباس جس طرح جاہلوں میں مروج ہے ناجائز وگناہ ہے۔ اور اودا یا نیلا یا آبی یا سیاہ اور بدتر واخبث ہے۔ کہ روافض کا شعار اور ان کی تشبہ ہے اس طرح ان ایام میں سرخ بھی ناصبی خبیث بہ نیت خوشی وشادی پہنتے ہیں یونہی ہولی کے دنوں میں چنریاں اور بسنت کے دنوں میں بسنتی کہ کفار ہنود کی رسم ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۷ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۱۴۸، کنز العمال بحوالہ ابن جریر عثمان عن قتادہ حدیث ۴۱۱۷۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۳۱۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکرھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

مسئلہ ۴۱: ز موضع میر پور ضلع پیلی بھیت مرسلہ یوسف علی ۲۳ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ لباس مسنون کیا ہے اور روایت مشہورہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ تہبند ہی استعمال فرمایا اور قمیص بلا بٹن یعنی گھنڈی دار پہنی ہیں تو بھی مسنون ہوا اور جب یہ مسنون ہوا تو اگر کوئی شخص پائجامہ پہنے یا قمیص یا بٹن پہنے یا چین لگائے یا کالر لگائے یہ سب خلاف سنت ہے۔ تو کیا وہ مخالف سنت کہلایا جائے گا اور مثلاً آپ نے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نان جویں ہی تناول فرمائی ہیں اور دعوت میں جیسی بھی تو کیا جو شخص اپنے مکان پر نان گندم کھائے اور نان جو نہ کھائے تو مخالفین سنت میں داخل ہوگا؟ **بینوا توجروا**

(بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سنن زوائد ہیں بہ نیت اتباع اجر ہے ورنہ:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ"[1]	فرمادیجئے اللہ تعالٰی کی زیب وزینت کس نے حرام ٹھہرائی جو اس نے بندوں کے لیے نکالی (یعنی ظاہر فرمائی) اور ستھری روزی (ت)

ہاں یہ ضرور ہے کہ کفار یا بدمذہبوں یا فساق کی وضع نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۲: از بریلی شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ مرسلہ حافظ رحیم اللہ صاحب ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عمامہ شریف کے گز کا باندھا تھا جیسا کہ عرب شریف کے لوگ باندھتے ہیں۔ یہاں کے لوگ باندھتے ہیں اور حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند باندھا تھا کہ پائجامہ پہنا تھا۔ اور حضور کے کرتہ شریف میں گھنڈی لگی تھی یا بٹن اور کرتہ شریف میں چاک کھلے تھے یا نہیں؟ گھنڈی آپ کے کرتہ مبارک میں سامنے تھی یا ادھر ادھر؟

الجواب:

عمامہ میں سنت یہ ہے کہ ڈھائی گز سے کم نہ ہو نہ چھ گز سے زیادہ، اور اس کی بندش گنبد نما ہو جس طرح فقیر باندھتا ہے۔ عرب شریف کے لوگ جیسا کہ اب باندھتے ہیں طریقہ سنت نہیں اسے اعتجار کہتے ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۷ /۳۲

کہ بیچ میں سر کھلا ہے۔ اور اعتجار کو علماء نے مکروہ لکھا ہے۔ رسول اللہ صل اللہ تعالی علیہ وسلم نے تہبند باندھا اور پاجامہ خریدنا اور پاجامہ پہننے کی تعریف فرمانا ثابت ہے پہننا ثابت نہیں۔ کرتہ مبارک میں بٹن ثابت نہیں۔ چاک دونوں طرف تھے، صحیح مسلم شریف میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے:

وفرجیہا مکفوفین بالدیباج [1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کے دونوں چاک ریشم سے سلے ہوئے تھے۔(ت)

گریبان مبارک سینہ اقدس پر تھا۔ اشعۃ اللمعات میں ہے:

جیب قمیص آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر سینہ مبارک وی بود چنانکہ احادیث بسیار برآں دلالت دارد [2]۔	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتہ مبارک کا گریبان آپ کے مقدس سینے پر تھا جیسا کہ بہت سی حدیثیں (ارشادات صحابہ کرام) اس پر دلالت (اور راہنمائی کرتی ہیں۔ ت)

اسی میں ہے:

تحقیق آنست کہ گریبان پیراہن نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر سینہ بود [3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔	تحقیق یہ ہے کہ حضور اکرم صل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کرتے مبارک کا گریبان سینہ اقدس پر تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴۳: از برلٹس گائناڈمرارا پترس حضال وبیچ ایسٹ بنگ مسئولہ عبدالغفور بتاریخ ۲۴ صفر المظفر روز شنبہ ۱۳۳۴ھ

زرد رنگ کپڑا مرد کو پہنا کیسا ہے خصوصا جو شخص اپنے کو عالم کہے اور پھر زرد کپڑا پہنتا ہو۔

الجواب:

زعفران کا رنگا ہوا کپڑا مرد پر حرام ہے۔ اور کسی طرح کا زرد رنگ حرام نہیں۔ ہاں اگر وہ کسی ایسی وضع مخصوص

---

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذہب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۰

[2] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

[3] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۴۴

پر ہے جس سے انگشت نمائی و شہرت ہو تو مطلقاً مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل سنی حنفی قادری رضوی ۱۴رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

رومال خالص ریشمی کپڑے کا مرد استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

رومال سے مراد اگر ہاتھ میں لینے کا ہے تو کرسکتا ہے اور گراوڑنے کا ہے تو نہیں۔

مسئلہ ۴۵: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب یکم صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخمل اور کمخواب سوتی یا ریشمی کا استعمال مرد کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ اس طرف اکثر مسلمان مخمل کی ٹوپی اور سدری وغیرہ پہنتے ہیں۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کمخواب یا مخمل سوتی مرد کو جائز ہے اور ریشمی ناجائز؟ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۶و۴۷: مرسلہ مصاحب علی طالب علم ۱۴صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

(۱) عورت نے اپنے خاوند کو اپنے ساتھ لٹا کر اپنا لحاف ریشمی یا چادر ریشمی خاوند کو بھی اڑھادی تو کیا یہ استعمال ریشمی کپڑے کا بہ تبع عورت کے، مرد کو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرد کو مخمل پہننا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب

(۱) ناجائز ہے اور اوڑھنے میں تبعیت کے کوئی معنی نہیں۔ دونوں مستقل ہیں۔ اور یہ تبعیت کی کوئی صورت نہیں کہ ملک عورت کی ہے یا بناء اس کے لئے ہاں ریشمی توشک پر لیٹنا امام کے نزدیک جائز ہے۔

(۲) ریشمی مخمل ناجائز سوتی جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از بنارس محلّہ پرکنڈہ مسئولہ مولانا مولوی عبدالحمید صاحب ۱۰شعبان ۱۳۳۵ھ

عورات کو پائجامہ ٹخنا کھول کر پہننا چاہئے یا ڈھانک کر؟

الجواب:

عورات کے گٹے ستر عورت میں داخل ہیں غیر محرم کو ان کا دیکھنا حرام ہے۔ عورت کو حکم ہے کہ اس کے پائچے خوب نیچے ہوں کہ چلتے میں ساق یا گٹے کھلنے کا احتمال نہ رہے۔ ردالمحتار میں ہے:

اعضاء عورۃ الحورۃ الساقان مع الکعبین والثدیان الخ۔[1]	آزاد (شریف داری) عورت کا محل ستر (چھپانے کی جگہ) ٹخنوں سمیت دو پنڈلیاں اور دو چھاتیاں ہیں۔ (ت)

مالک وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ ام المومنین ام سلمہ اور ترمذی ونسائی عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

حدیث ام المومنین انہا قالت لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حین ذکر الازار فالمرأۃ یارسول اللہ قال ترخی شبرا قالت اذن تنکشف عنا قال فذراع لاتزید علیہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ سیدہ ام سلمہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی حدیث ہے کہ انھوں نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ جبکہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تہبند کا ذکر فرمایا یارسول اللہ! عورت کا کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا: وہ بالشت بھر (اپنا تہبند) لٹکائے رکھے، عرض کی: پھر اس کا پاؤں برہنہ ہوگا۔ ارشاد فرمایا: ایک ہاتھ چھوڑ دے (یعنی لٹکائے) لیکن اس سے زیادہ تو نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: از موضع گھورٹی ڈاکخانہ کرشن گڑھ ضلع ندیاں مرسلہ نذیر احمد صاحب ۶ جمادی الاولٰی

لباس مسنون مر مردان وزنان چیست وخلافش مثلاً شیروانی و چپکن واچکن وکوٹ انگریزی وفارسی وپاجامہ انگریزی و دھوتی دہ گزری وکلاہ ترکی و انگریزی وغیرہ از لباس مردان وبڈی ہندواں کہ طولش تاکمر وبدن دچسپاں بود وشامیز کہ پیراہن درازست زیرساڑی دہ گزی می پوشدہ وساڑی دہ زراع وغیرہ از لباس زنان رواست	مردوں اور عورتوں کے لئے کون سا لباس سنت ہے اور اس کے مخالف کون سا لباس ہے۔ مثلاً شیروانی، چپکن، اچکن، کوٹ انگریزی اور فارسی، پاجامہ انگریزی، دس گز دھوتی، ترکی اور انگریزی ٹوپی وغیرہ جو مردوں کا لباس ہے اور ہندوؤں کی "بڈی" کہ جس کی درازی کمر تک ہوتی ہے اور وہ جسم سے پیوستہ ہوا کرتی ہے۔ اور "شامیز"

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب شروط الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۴

[2] سنن ابی داوٗد کتاب اللباس باب فی الذیل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۲، سنن النسائی کتاب الزینۃ باب ماجاء فی ذیول النساء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۹۸، جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی ذیول النساء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب ذیل المرأۃ اکم یکون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۴

یانہ؟	کہ لمبا پیراہن ہے جو ساڑھی کے نیچے دس گز کا پہنتے ہیں۔اور ساڑھی کی مقدار دس ہاتھ وغیرہ ہوتی ہے۔یہ عورتوں کا لباس ہے۔کیا یہ دونوں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

کلیہ در لباس آنست کہ در دے رعایت سہ امرے باید کردیکے اصل او حلال باشد ہمچو لباس ریشمیں یازری یار نگین معصر و زعفران کہ مرد را مطلقاً روانیست دوم رعایت ستر آنچہ کہ متعلق بستر است چنانچہ مرد را زیر جامہ و زنان آزاد را از سر تا پا ہمہ لباس پیش اجانب و آنچہ پشت و شکم از ناف تا زیر زانو پوشد پیش محارم و اگر تنہا پیش شوھر خودست حاجت ہیچ ستر ندارد الا حیاء۔واز فروع اینہم ست کہ لباس بموضع ستر آنچناں چسپیدہ کہ ہیأت آن عضو را نماید **کما ذکرہ فی ردالمحتار حققناہ فی ما علقناہ علیہ**۔سوم لحاظ وضع کہ نہ زی کفار باشد نہ طرق وفساق وایں بر دو گونہ است یکے آنکہ شعار مذہب ایشان باشد ہمچوں زنار ہنود و کلاہ مخصوص نصاری کہ ہیٹ نامند بس اینہا کفر بود و اگر شعار مذہب نیست از خصوصیات قوم آنہا آنست ممنوع و ناروا باشد حدیث صحیح **من تشبہ بقوم فھو منھم**[1]	قاعدہ کلیہ لباس پہننے میں یہ ہے کہ اس میں تین امور کی رعایت کرنی چاہئے ایک یہ کہ اصل میں اس کا استعمال کرنا جائز ہو مثلاً جیسے ریشمی یا سنہری لباس۔یا سرخ یا زرد، زعفرانی رنگ کا لباس کہ علی الاطلاق مرد کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔(دوسری بات) ستر کی رعایت ہو اس لباس میں کہ جس کا ستر سے تعلق ہے۔جیسے مرد کئے لئے زیر جامہ۔اور آزاد عورتیں سرے سے لے کر پاؤں تک غیر محرم (اجنبی) مردوں کے سامنے مکمل لباس پہنے ہوں۔البتہ محرم مردوں کے روبرو، پشت اور ناف سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک پردہ پوش ہوں۔ہاں اگر تنہا شوہر کے پاس ہو تو پھر اہتمام ستر کی کوئی ضرورت نہیں لیکن اگر شرم وحیاء مانع ہو تو الگ بات ہے۔اور اس کے ذیلی پہلوؤں میں سے یہ بھی ہے کہ لباس محل ستر پر کچھ اس طرح چسپاں ہو کہ اس عضو کی ہئیت نہ دکھائی دے۔جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ذکر فرمایا اور میں نے اس کے حواشی میں اس کی تحقیق کردی۔(تیسری بات) لباس کی وضع کا لحاظ رکھا جائے کہ کافروں کی شکل و

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

در **صورت اولیٰ** محمول برظاھر خود ست دور ثانیہ بر زجر و تہدید **ودر ثانیہ امر** باختلاف ممالک ومراسم مختلف شود مثلا دربنگالہ ساڑی عام ست مر زنان مسلمات ومشرکات راپس از باب تشبہ نباشد اچکن وچپکن وشیروانی ازتراشہائے جدیدہ است وجدت درعادت ممنوع نیست تامشتمل بر ممنوع شرعی نباشد دررنگ ملبوس مرداں کہ انگرکھا نامند نوپیدا ست فاما منع شرعی باخود ندارد مگر آنگاہ کہ چاک پردہ اش جانب راست باشد کہ بوجہ مشابہت ہنود حرام ست کوٹ انگریزی ممنوع ست وکوٹ فارسی ندیدہ ام واگر خصوصیت بقوم کفرہ یافسقہ دارد نیز ممنوع ست ہمچناں زیر جامہ انگریزی کہ پتلون نامند اگر مانع سجود باشد خود کبیرہ مردود باشد ورنہ بوجہ مشابہت ممنوع بود لباس مسنون ازار ست یعنی تہبند وایں دھوتی بدوجہ ممنوع ست یکے لباس ہنود، دوم اسراف بے سود کہ بجائے دہ گز سہ چار گز کافی بود، کلاہ ترکی ابتدائے اودر نیچریاں شد آناں رابہرہ از اسلام نیست اگر ہم چناں می ماند دریں ممالک حکم جوازش نبودی کہ ایں جاترکان نیند بیدیناں باوعاوی اند مگر حالا مشاہدہ است کہ دربسیارے از مسلمانان نیزایں تپ سرخ سرایت کردہ پس شعار نیچریت نماند اہل علم وتقوی را از واحتراز باید کہ تاحال وضع علماء

صورت اور فاسقوں کے طرز وطریقے پر نہ ہو اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ ان کا مذہبی شعار ہو جیسے ہندوؤں کا زنار اور عیسائیوں کی خصوصی ٹوپی کہ "ہیٹ" کہتے ہیں۔ پس ان کا استعمال کفر ہے۔ اور اگر ان کے مذہب کا شعار تو نہیں لیکن ان کی قوم کا خصوصی لباس ہے تو اس صورت میں بھی اس کا استعمال ممنوع (ناجائز ہے) چنانچہ حدیث صحیح میں فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ اسی میں شمار ہے۔ **پس پہلی دوسری** صورت میں یہ اپنے ظاہر پر محول ہے لیکن دوسری صورت میں ڈانٹ ڈپٹ اور ڈراوے پر محمول ہے۔ اور امر ثانی میں اختلاف ممالک اور مراسم کی بناء پر مختلف ہوجاتا ہے۔ مثلاً بنگلہ دیش میں ساڑھی ایک عام لباس ہے جو میں مسلم اور غیر مسلم دونوں قسم کی شامل ہیں (لہٰذا اس میں کسی ایک کی کوئی خصوصیت نہیں) لہٰذا اس اس حالت میں از قبیل تشبہ نہیں۔ اچکن، چپکن اور شیروانی یہ ایک جدید (نیا) لباس ہے۔ اور عادۃً "جدت" ممنوع نہیں۔ بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی میں شامل نہ ہو، نیز شکل مردانہ لباس کہ جس کو "انگرکھا" کہتے ہیں یہ بھی ایک جدید پیداوار ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ اپنے اندر ممانعت شرعی نہیں رکھتا۔ مگر جبکہ اس کے پردے کا چاک دائیں طرف ہو تو پھر ہندوؤں کی مشابہت کی وجہ سے حرام ہے۔ اور کوٹ انگریزی پہننا منع

وصلحاء شدہ است ہمچناں حال شیروانی کہ کہ اگرچہ عوام را ازہر دو ممانعت برآمد خواص را از واحتراز باید، وبڈی وشامیز، معلوم نشد چیست بہمہ کلیہ کہ بالاگفتہ ایم رجوع باید کرد اگر وضع مخصوص کفار یا فساق ست احتراز لازم ست و نکتہ دیگر یاد باید داشت کہ در ملک وشہر خود ہرچہ وضع مسلماناں باشد اوراترک گفتن ووضع دیگر کہ موجب شہرت و انگشت نمائی باشد اختیار کردن نیز مکروہ ست علماء فرمودہ اند **الخروج عن عادۃ البلد شھرۃ ومکروہ**[1]، لباس مسنون مرزناں و مرداں راچادر وتہبند وجبہ وقمیص بود وسراویل یعنی زیر جامہ نیز کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگرچہ نپوشید، پوشندگان را ستود وخریدن خود ثابت ست زنے در راہ می گزشت پایش لغزیش برفتاد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روئے ازاں سوگردانید حاضران عرضہ داشتند کہ او زیر جامہ دارد فرمود **اللھم اغفر للتسرولات**[2] الٰہی زنان زیر جامہ پوش رامغفرت کن مرداں رافرمودی کہ ازار تانیم ساق دارند کعبین راز نہار نپوشند زنان را یک وجب فروہشتن رخصت دارد عرضہ کردند اذًا ینکشفن یا رسول اللہ ایں گاہ در مشی وغیرہ احتمال انکشاف ست فرمود یک زراع وبیش ازیں[3] نے نیزاز	ہے۔اور کوٹ فارسی میں نے نہیں دیکھا، اگر کافروں یا فاسقوں سے کوئی خصوصیت رکھتا ہو تو پھر اس کا استعمال بھی ناجائز ہے۔اور اسی طرح زیر جامہ انگریزی کہ جس کو "پتلون" کہتے ہیں اگر سجدہ کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے تو پھر گناہ کبیرہ قابل رد ہے۔ورنہ (کمتر یہ ہے) کہ بوجہ مشابہت ممنوع ہے۔لباس مسنون ازار یعنی تہبند ہے۔اور دھوتی دو وجوہ کی بناء پر ممنوع قابل ترک ہے اور ایک اس لئے کہ ہندوؤں کا لباس ہے۔دوسری وجہ بے فائدہ اسراف (فضول خرچہ) ہے۔کیونکہ دس گز کی بجائے صرف چار گزہی کافی ہے۔ترکی ٹوپی کہ اس کی ابتداء نیچریوں سے ہوئی اور ان کا اسلام میں وئی حصہ نہیں۔اگر یہی حالت رہتی تو ان ممالک میں اس کا جواز نہ ہوتا کیونکہ یہاں کوئی ترکی نہیں۔صرف بے دین اس کے استعمال کی عادت رکھتے ہیں۔لیکن اب دیکھنے میں آیا ہے (اور یہ مشاہدہ ہوا ہے) کہ بہت سے مسلمانوں میں بھی یہ سرخ بخار سرایت کرگیا ہے۔لہٰذا اب نیچریت کا شعار نہیں رہا پس اہل علم اور اصحاب تقوی کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے یہاں تک کہ علماء اور صلحاء کا معمول ہوجائے اسی طرح شیروانی کہ اگرچہ عوام کو دونوں سے ممانعت نہیں لیکن خاص لوگوں کو پرہیز کرنا چاہیئے۔بڈی اور شامیز کے متعلق معلوم نہ ہوسکا کہ یہ دونوں

---

[1] الحدیقہ الندیۃ شرح الطریقہ محمدیہ الصنف التاسع تمتۃ الاصناف الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۵۸۲

[2] کنز العمال بحوالہ البزار، عقد، عد، ق فی الادب وغیرہ حدیث ۲۱۸۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵ /۴۶۳

[3] سنن ابی داؤد ۲ /۲۱۲ وسنن النسائی ۲ /۲۹۸ و سنن ابن ماجہ ص ۲۶۴ و جامع الترمذی ۱ /۲۰۶

لباس زنان خمار بودکہ باوسرمی پوشیدند ونطاق کہ بر کمر بالائے ازارمی بستند، واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا چیز ہیں۔ لیکن اسی ضابطہ کلیہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ جس کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اگر کافروں یا فاسقوں کی وضع ہو تو پرہیز کرے۔

(یہاں) ایک اور نکتہ یادرکھنا چاہئے کہ اپنے ملک اور شہر میں عام مسلمانوں کی جو وضع اور طرز وطریقہ ہو اسے چھوڑ دینا اور دوسری وضع جو تشہیر اور انگشت نمائی کا سبب ہے اسے اختیار کرنا مکروہ ہے۔ چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں اپنے شہر کی عادت اور طریقہ کار سے باہر ہوجانا وجہ شہرت اور مکروہ ہے۔ پس مردوں اور عورتوں کا مسنون لباس چادر، تہبند، جبہ، کرتہ ہے۔ شلوار یعنی زیر جامہ، اگرچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے نہیں پہنا لیکن پہننے والوں کی تعریف فرمائی اور آپ کا اسے خریدنا ثابت ہے۔ ایک عورت راہ سے گزر رہی تھی کہ اس کا پاؤں پھسلا اور گر گئی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس طرف سے اپنا منہ پھیر لیا چنانچہ حاضرین نے عرض کی کہ یہ عورت شلوار پہنے ہوئی تھی۔ آپ نے یہ دعا مانگی: "اے اللہ! شلوار پہننے والی عورتوں کو بخش دے" اور مردوں کو حکم دیا کہ تہبند نصف پنڈلی تک رکھیں اور ٹخنوں کو کبھی نہ ڈھانپیں، اور عورتوں کو "ازار" ایک بالشت چھوڑنے کا حکم فرمایا۔ لوگوں نے عرض کی۔ یارسول اللہ (علیک الصلوۃ والسلام) پھر تو برہنہ ہوجائیں گی، یعنی اے اللہ کے رسول: پھر تو ان کے چلنے میں برہنگی کا امکان ہے، ارشاد فرمایا: اچھا ایک ہاتھ لٹکا رکھیں لیکن اس سے زیادہ نہ ہو۔ اور عورتوں کے لباس میں دوپٹہ (خمار) بھی ہے کہ اس سے سر ڈھانپتی ہیں اور تسمہ (نطاق) جو کمر پھر تہبند کے اوپر باندھتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۰: از اردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

ایسا لباس پہننا جس سے فرق کافر مسلمان کا نہ رہے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے۔ (ت)

بلکہ اس میں بہت صورتیں کفر ہیں۔ جیسے زنار باندھنا۔ بلکہ شرح الدرر للعلامۃ عبدالغنی النابلسی بن اسمٰعیل رحمہما اللہ تعالٰی میں ہے:

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

لبس زی الافرج کفر علی الصحیح[1]۔	یعنی صحیح مذہب یہ ہے کہ فرنگیوں کی وضع پہننا کفر ہے۔(ت)

فتاوٰی خلاصہ میں ہے:

امرأۃ شدت علی وسطھا حبلا وقالت ھذا زنار تکفر[2]۔	کسی عورت نے اپنی کمر میں رسی باندھی اور کہا یہ جنیو ہے کافرہ ہو گئی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: از حبیب گنج ضلع علیگڑھ مرسلہ روح اللہ منشی ریاست ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ معمولی جاپانی اور ولایتی کپڑے سلک کے بنے ہوئے جس میں کچھ بے چمک اور کچھ مختلف چمکدار ہوتے ہیں کچھ نرم ہوتے کچھ نہیں ہوتے حریر میں داخل ہیں اور ان کا استعمال مردوزن کو ناجائز ہے یا نہیں؟ ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

سلک کو بعض نے کہا کہ انگریزی میں ریشم کا نام ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تو اعتبار حقیقت کا ہے نہ کہ مجرد نام کا، بربنائے تشبیہ بھی ہوتا ہے جیسے ریگ ماہی مچھلی نہیں۔ جرمن سلور، چاندی نہیں۔ جو کپڑے رام بانس یا کسی چھال وغیرہ چیز غیر ریشم کے ہوں اگرچہ صناعی سے ان کو کتنا ہی نرم اور چمکیلا کیا ہو مرد کو حلال ہیں اور اگر خالص ریشم کے ہوں یا بانا ریشم ہو اگرچہ تانا کچھ ہو تو حرام ہے۔ یہ امر ان کپڑوں کو دیکھ کر یا ان کا تار جلا کر واقفین سے تحقیق کرکے معلوم ہو سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مخمل کا کپڑا مرد کے لئے پہننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جس مخمل پر ریشم کا رواں پورا اچھا ہوا ہوتا ہے اس کا پہننا مرد کو جائز نہیں ورنہ جائز ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از احمد آباد گجرات پانچ پیلی مرسلہ حکیم انور حسین صاحب صفدری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

علمائے کرام اہلسنت وجماعت ادام اللہ فضلہم کا اس بات میں کیا ارشاد ہے کہ سرخ اور

---

[1] الحدیقه الندیه النوع التاسع مع انواع الستین السخریة مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[2] خلاصه الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الجنس السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

زرد (پیلا) رنگ کا کپڑا پہننا مرد کا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے نماز درست ہے نہیں؟ اگر پہننا مکروہ ہے تو اس میں کراہیت تنزیہی ہے یا تحریمی؟ بعض احادیث سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جبہ زیب تن فرمانا ثابت اور زرد ملبوس رنگنا ظاہر۔ مثلاً:

عن جابر بن سمرة قال رأیت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی لیلة مقمرة اضحیان فجعلت انظر الیه والی القمر وعلیه حلة حمراء فاذا ھو احسن عندی من القمر۔ رواه الدارمی والترمذی[1]۔	حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا: میں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو (ایک دفعہ) چاندنی روشن رات میں دیکھا تو پھر آپ کو اور چاند کو مسلسل دیکھنے لگا اور آپ اس وقت سرخ جبہ پہنے ہوئے تھے (پھر آخر میں نے یہ نتیجہ نکالا) کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے زیادہ حسین ہیں (یعنی آسمانی چاند سے مدنی چاند کا حسن بڑھا ہوا ہے) اس کو دارمی اور ترمذی نے روایت کیا (ت)

[کسی نے کیا خوب فرمایا:؎

میں وہ شاعر نہیں جو چاند کہہ دوں ان کے چہرے کو
میں ان کے نقش پا پر چاند کو قربان کرتا ہوں مترجم]

نیز:

عن جابر بن عبدالله قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یلبس بردة الاحمر فی العیدین والجمعة[2] (مواہب) وعن یحیی بن عبدالله بن مالك قال کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصبغ بالورس والزعفران ثیابه حتی عمامته (ابوداؤد)[3]۔	حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں عیدوں اور روز جمعہ سرخ جوڑا پہنا کرتے تھے۔ (مواہب اللدنیہ) اور حضرت یحیی بن عبداللہ بن مالک سے روایت ہے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسم اور زعفران (یعنی سرخ اور زرد رنگ) سے اپنے کپڑے یہاں تک کہ اپنی دستار مبارک بھی رنگین

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء فی الرخصة فی لبس الحمرة الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۴

[2] المواھب اللدنیه النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثواب الاحمر المکتبة الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۵

[3] المواھب اللدنیه بحواله ابی داؤد النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثواب الاحمر المکتبة الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۵

کرتے تھے (ابوداؤد نے اسے روایت کیا ہے)۔(ت)

اور بعض احادیث سے اس کی نہی پیدا و ہویدا۔ مثلاً

عن ابن عمر قال رأی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیّ ثوبین معصفرین فقال ان ھذا لباس الکفار فلا تلبسھا(مسلم[1])ومعلوم ان ذٰلك یصبغ صباغا احمر(مواھب[2])وفی الصحیح انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن التزعفر[3]۔	حضرت عبداللہ بن عمر (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) سے روایت ہے کہ فرمایا: آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے میرے جسم پر "کسم" کے رنگ سے رنگے ہوئے دو کپڑے ملاحظہ فرمائے تو ارشاد فرمایا: یہ کافروں کا لباس ہے لہٰذا اسے نہ پہنو (مسلم) اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ سرخ رنگ سے رنگین کئے ہوئے تھے (مواہب لدنیہ)۔ اور صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زعفرانی (زرد) رنگ سے رنگین کئے ہوئے کپڑوں سے منع فرمایا (یعنی اس رنگ سے رنگین کئے ہوئے کپڑے مت استعمال کرو)۔(ت)

معصفر ومزعفر کی کیا تشریح ہے؟ موجودہ ولایتی پختہ وخام الوان بھی معصفر ومزعفر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:

کسم کا رنگا ہوا سرخ اور کیسر کا زرد جنھیں معصفر ومزعفر کہتے ہیں مرد کو پہننا ناجائز وممنوع ہے اور ان سے نماز مکروہ تحریمی۔ اور ان کے سوا اور رنگ کا زرد بلا کراہت مباح خالص ہے۔ خصوصاً زرد جوتا مورث سرور وفرحت۔

قال سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما واستند بقولہ تعالٰی صفراء فاقع لونھا تسر النظرین[4]۔	چنانچہ زرد جوتے کے متعلق سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ارشاد فرمایا اور اللہ تعالٰی کے اس قول "اس گائے کا رنگ خالص زرد ہے جو دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے" سے استدلال فرمایا۔(ت)

[1] المواھب اللدنیہ النوع الثانی اللباس باب لبس الثواب الاحمر الکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۴، صحیح مسلم کتاب اللباس باب نھی عن لبس الرجل الثوب المعصفر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۳

[2] المواھب اللدنیہ النوع الثانی فی اللباس باب لبس الثوب الاحمر المکتب االاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۴

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس باب نھی الرجل عن التزعفر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۸

[4] القرآن الکریم ۲/ ۶۹

اور خالص سرخ غیر معصفر اضطراب اقوال ہے اور صحیح و معتمد جواز بلکہ علامہ حسن شرنبلالی نے فرمایا: اس کا پہننا مستحب۔ حق یہ کہ احادیث نہی سرخ معصفر کے بارے میں ہیں جیسے حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما مذکور سوال اور احادیث جواز سرخ غیر معصفر میں۔ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سرخ جوڑا پہننا بیان جواز کے لئے ہے۔ منتخب الفتاوٰی میں ہے:

قال صاحب الروضة یجوز للرجال والنساء لبس الثواب الاحمر والاخضر بلاکراھة[1]۔	مصنف روضہ نے فرمایا: مردوں اور عورتوں کے لئے سرخ اور سبز کپڑا پہننا بغیر کراہت جائز ہے۔ (ت)

حاوی میں متعدد کتب سے نقل کیا:

یکرہ للرجال لبس المعصفر والمزعفر و المورس والمحمر ای الاحمر حریرا کان او غیرہ اذا کان فی صبغه دم والافلا[2]۔	"معصر" (کسم کے رنگ سرخ کیا ہوا) اور "مزعفر" (زرد و زعفرانی رنگ) "مورس" (ورس سے رنگا ہوا) اور ویسے سرخ کپڑا خواہ ریشمی ہو یا نہ ہو جبکہ اس کے رنگ کرنے میں خون کی امیزش ہو، مردوں کے لئے ان سب کا استعمال کرنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر خون کی امیزش نہ ہو تو پھر کراہت نہیں۔ (ت)

مجمع الفتاوٰی میں ہے:

لوصبغ بالشجر البقم لایکرہ ولو صبغ بقشر الجوز عسلیا لایکرہ اجماعا[3]۔	اگر کپڑا درخت "بقم" سے رنگ لیا تو اس کا ستعمال مکروہ نہیں۔ نیز اگر اخروٹ کے چھلکے سے شہد جیسی رنگ کرلی تو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ (ت)

تحفۃ الاکمل علامہ حنس شرنبلالی میں جواز کی نقول کثیرہ لکھ کر فرمایا:

وجدنا نص الامام الاعظم علی الجواز ودلیلا قاطعاعلی الاباحة وھو اطلاق الامر باخذ الزینة و وجدنا فی الصحیحین	حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے ہم نے جواز کی تصریح پائی اور اباحت پر ایک دلیل قاطع، اور زیب وزینت اختیار کرنے کے بارے میں ایک "مطلق امر" ہے (یعنی بغیر کسی قید اور پابند کرکے علی وجہ الاطلاق

[1] ردالمحتار بحوالہ منتخب الفتاوی کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۸

[2] ردالمحتار بحوالہ الحاوی الزاھدی کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۸

[3] ردالمحتار بحوالہ مجمع الفتاوی کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۸

علی اوجه الاطلاق موجبه وبه تنتفی الحرمة والکراھة بل یثبت الاستحباب اقتداء بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	زیبائش کاحکم دیا گیا)اوربخاری ومسلم میں ہم نے اس کا موجب (سبب) پالیا۔لہٰذا اس سے حرمت اور کراہت ختم(منتفی) ہو گئی۔بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اقتداء (پیروی) کرتے ہوئے استحباب ثابت ہوگیاہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھذاالنقول مع ماذکرہ عن المجتبٰی و القھستانی وشرح ابی المکارم تعارض القول بکراھة التحریم ان لم یدع التوفیق محمل التحریم علی المصبوغ بالنجس اونحو ذلک۔[2]	یہ متعدد نقول بشمول ان اقوال جو المجتبٰی قہستانی اور شرح ابی المکارم میں مذکور ہیں کراہت تحریمی کے معارض اور متصادم ہیں جبکہ دونوں میں اس طرح موافقت اور مطابقت نہ پیدا کی جائے کہ قول بالحرمۃ کا مبنٰی اور محل یہ ہے کہ رنگ کرنے میں نجاست یا اس جیسی کسی ممنوع اور ناپاک چیز کی ملاوٹ ہو اور اگر یہ نہ ہو پھر قول بالجواز ہے۔(یعنی دونوں قولوں میں درحقیقت کوئی تعارض نہیں)۔(ت)

بایںہمہ انصاف یہ کہ شدت اختلاف کے باعث احتراز اولٰی اور اعتراض بے جا، عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الامام الغزالی فی الاحیاء فی شروط المنکر ان یکون کونه منکرا معلوما بغیر اجتھاد فکل ما ھو فی محل الاجتھاد فلا حسبته فیه[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حجۃ الاسلام امام غزالی نے "احیاء علوم الدین"میں ارشاد فرمایا: منکر کی شرائط میں یہ ہے کہ اس کا منکر ہونا بغیر اجتہاد معلوم ہو پھر جو محل اجتہاد میں ہو۔میں اس کو منکر گمان نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۴: عین الیقین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ مسنونہ دستار باندھنے کا کیاہے دہنی طرف سے یا بائیں طرف سے اور کس طرف سے شروع کرنا کیساہے؟ مع دلیل۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ تحفۃ الاکمل کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[2] ردالمحتار بحوالہ تحفۃ الاکمل کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۸

[3] الحدیقہ الندیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱ /۱۵۷

الجواب:

حدیث میں ہے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجب التیامن فی کل شیئ حتی فی تنعلہ[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بات میں دہنی طرف سے ابتداء کو پسند فرماتے یہاں تک کہ جوتا پہننے میں۔

لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عمامہ کا پہلا پیچ سر کی دہنی جانب جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی محمد ثناء اللہ صاحب طالب علم ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طریقہ مسنونہ دستار باندھنے کا کیا دہنے سے یا بائیں طرف سے۔ اور کس طرف سے شروع کرنا چاہئے؟

الجواب:

دہنی جانب پہلا پیچ لے جائیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحب التیامن فی کل شیئ حتی فی تنعلہ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر کام میں دائیں طرف سے ابتداء کو پسند فرماتے تھے یہاں تک کہ جوتا پہننے میں بھی (ت)

مسئلہ ۵۶: از پیپی ڈاکخانہ خاص ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ مسجد چھنگری مسئولہ مولٰنا مولوی حمد اللہ صاحب قادری محمودی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ بعض صوفیہ بے علم شملہ ثانیہ کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ فقیر کے تلمیذ مولوی اسرار محمد کا بیان ہے کہ یہ جو بعض لوگ جزء اخیر دستار کو بالائے دستار کشادہ رکھتے ہیں جائز ہے کہ دلیل امتناع موجود نہیں تو اصل اباحت پر باقی ہے۔ یہ اصول فقہ کا مسلمہ مسئلہ ہے۔ فقیر نے اپنے تلمیذ کی تائید کی۔ اس بارے میں فیصلہ مفصلہ تحریر فرمائیں۔ والسلام

الجواب:

حدیث سے میرے خیال میں ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو شملے چھوڑے ہیں۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲، اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ کیفیۃ الوضوء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۱، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۰۲

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب النہی عن الاستنجاء بالیمین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲، اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ کیفیۃ الوضوء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۱، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۰۲

خیال ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر دست اقدس سے عمامہ باندھا اور دو شملے چھوڑے۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سر پر اپنے دست انور سے عمامہ باندھنا اور آگے پیچھے دو شملے چھوڑنا سنن ابی داؤد[1] میں ہے۔ تو یہ سنت ہوا نہ کہ **معاذاللہ** بدعت سیئہ۔ فقیر اسی سنت کے اتباع سے بارہا دو شملے رکھتا ہے۔ مگر شملہ ایک بالشت سے کم نہ ہونا چاہئے۔ یہ جو بعض لوگ طرہ کے طور پر چند انگل اونچا سر پر چھوڑتے ہیں اس کا ثبوت میری نظر میں نہیں۔ نہ کہیں ممانعت۔ تو اباحت اصلیہ پر ہے۔ مگر اس حالت میں کہ یہ کسی شہر میں آوارہ وفساق لوگوں کی وضع ہو تو اس عارض کے سبب اس سے احتراز ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔** والسلام۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب العمائم آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۸

دیکھنا اور چھونا

پردہ، حجاب، ستر عورت، زناء، مُشت زنی، دیوثی، خلوت اور بلوغ وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۵۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جیسا کہ مرد کے واسطے غیر عورت کو دیکھنا حرام ہے ویسا ہی عورت کو غیر مرد کی طرف نظر کرنا حرام ہے۔ یا کچھ فرق ہے۔؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

دونوں صورتوں کا ایک حکم کچھ فرق نہیں۔

فان نظر کل الی عورته الاٰخر محرم قطعا وکذا الی غیر العورة ان لم یؤمن الشهوة هو الصحیح فی الفصلین ودرمختار [1] عن التاتارخانیه عن المضمرات اما عند الامن فالمنع لخوف الافتتان لفساد الزمان وفیه ایضًا	کیونکہ ہر ایک کا دوسرے کی عورت (یعنی مقام ستر) کو دیکھنا قطعی حرام ہے اور اسی طرح غیر جائے ستر کو دیکھنا بھی حرام ہے جبکہ شہوت سے امن نہ ہو، دونوں صورتوں میں یہی صحیح ہے۔ درمختار میں تاتارخانیہ سے بحوالہ الضمرات ہے اگر شہوت کا خطرہ نہ ہو تو پھر فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہے۔ اور یہ فساد زمانہ کی وجہ سے ہے۔

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

یتفق الفصلان فافهم والله تعالٰی اعلم۔	اور اسی میں یہ بھی ہے کہ دونوں صورتیں برابر ہیں لہٰذا اس کو سمجھ لیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۵۸: از گلگت چھاؤنی جوئنال مرسل سید محمد یوسف علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کہ زلخ لگانے کا اللہ پاک کیا گناہ فرماتا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

یہ فعل ناپاک حرام وناجائز ہے اللہ جل وعلانے اس حاجت کے پورا کرنے کو صرف زوجہ وکنیز شرعی بتائی ہیں اور صاف ارشاد فرمادیا ہے کہ:

"فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝" [1]	جو اس کے سوا اور کوئی طریقہ ڈھونڈھے تو ہی لوگ ہیں حد سے بڑھنے والے۔

حدیث میں ہے: **ناکح الید ملعون** [2] جلق لگانے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص جوان تیز خواہش ہو کہ نہ زوجہ رکھتا ہو نہ شرعی کنیز اور جوش شہوت سخت مجبور کرے اور اس وقت کسی کام میں مشغول ہوجانے یا مردوں کے پاس جابیٹھنے سے بھی دل نہ بٹے غرض کسی طرح وہ جوش کم نہ ہو یہاں تک کہ یقین یا ظن غالب ہوجائے کہ اس وقت اگر یہ فعل نہیں کرتا تو حرام میں گرفتار ہوجائے گا تو ایسی حالت میں زنا ولواطت سے بچنے کے لئے صرف بغرض تسکین شہوت نہ کہ بقصد تحصیل لذت وقضائے شہوت اگر یہ فعل واقع ہو تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالٰی مواخذہ نہ فرمائے گا۔ پھر اس کے ساتھ ہی واجب ہے کہ اگر قدرت رکھتا ہو فوراً نکاح یا خریداری کنیز شرعی کی فکر کرے ورنہ سخت گنہگار ومستحق لعنت ہوگا۔ یہ اجازت اس لئے نہ تھی کہ اس فعل ناپاک کی عادت ڈال لے اور بجائے طریقہ پسندیدہ خدا ورسول اسی پر قناعت کرے۔ طریقہ محمدیہ میں ہے:

اما الاستمناء فحرام الا عند شروط ثلثة ان یکون عزب وبه شبق وفرط شهوة (بحیث لو لم یفعل	مشت زنی حرام ہے مگر تین شرائط کے ساتھ جواز کی گنجائش ہے: (۱) مجرد ہو اور غلبہ شہوت ہو (۲) شہوت اس قدر غالب ہو کہ بدکاری زناء

[1] القرآن الکریم ۷۰ /۳۱

[2] الحدیقہ الندیہ الصنف السابع من الاصناف التسعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲ /۴۹۱، الاسرار المرفوعۃ فی اخبار الموضوعۃ حدیث نمبر ۱۰۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۵۷

ذٰلك لحملته شدة الشهوة على الزناء او اللواط والشرط الثالث ان يريد به تكسين الشهوة لاقضائها [1] اھ مزیدا من شرحها الحديقة الندية۔	یالونڈے بازی وغیرہ کا اندیشہ ہو (۳) تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے محض تکسین شہوت مقصود ہو نہ کہ حصول لذت۔ طریقہ محمدیہ کی عبارت مکمل ہوگئی جس میں اس کی شرح حدیقہ ندیہ سے کچھ اضافہ بھی شامل ہے۔(ت)

تنویر الابصار میں ہے:

یکون(ای)واجبا عند التوقان [2]۔	غلبہ شہوت کے وقت نکاح کرنا واجب ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قلت وکذا فیما یظهر لو کان لایمکنه منع نفسه عن النظر المحرم او عن الاستمناء بالکف فیجب التزوج وان لم یخف الوقوع فی الزناء [3] واللہ تعالٰی اعلم۔	**میں کہتاہوں** اور اسی طرح کچھ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حالت ایسی ہو کہ یہ اپنے آپ کو نظر حرام اور مشت زنی سے نہ روک سکے تو شادی کرنا واجب ہے۔ اگرچہ زناء میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اللہ تعالٰی ہی بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۹: از گلگت مرسلہ سردار امیر خاں ملازم کپتان اسٹوٹ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جو شخص اپنا ستر غلیظ کھول کر خواہ مخواہ ہر شخص کے سامنے آئے وہ کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

فاسق، فاجر سخت تعزیر شدید کا مستحق ہے۔ حدیث میں اس پر لعنت آئی کہ:

لعن اللہ الناظر والمنظور الیه، رواہ البیهقی فی شعب [4] الایمان عن الحسن مرسلا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه۔	دیکھنے والا اور جس کی طرف دیکھا گیا دونوں ملعون ہیں (یعنی ان پر اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی ہے۔) امام بیہقی نے اس کو شعب الایمان میں بغیر سند نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضرت حسن کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] الطریقه محمدیه الصنف السابع من الاصناف التسعة الاستمناء بالید مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۲۵۵، الحدیقه الندیه الصنف السابع من الاصناف التسعة الاستمناء بالید مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۴۹۱

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۸۵

[3] ردالمحتار کتاب النکاح داراحیاء لتراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۰

[4] شعب الایمان للبیہقی حدیث ۷۷۸۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۶۲

مسئلہ ۶۰: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی ۳۰ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک فاحشہ مسلمہ سے پردہ جو آیا ہے وہ جس مصلحت سے معلوم ہے مگر ایسا موقع ہو کہ باہم فاحشہ اور غیر فاحشہ مسلمہ قرابت اخت عینی کی رکھتے ہوں تو وہ بھی اس حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اگر کبھی کبھی بتقاضائے محبت خون اسے اپنے سے مل لینے دے تو کیا مرتکب کبیرہ ہوگی؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

قول علماء:

لاینبغی للمرأۃ الصالحۃ ان تنظر الیہ المرأۃ الفاجرۃ کما فی السراج الوہاج والھندیۃ وردالمحتار[1]۔	یہ مناسب نہیں کہ نیک اور پارسا عورت کی طرف بدکار عورت دیکھے، جیسا کہ سراج وہاج فتاوٰی ہندیہ اور رد المحتار میں ہے۔(ت)

اور اسی طرح ارشاد الٰہی عزوجل:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اگر تجھے شیطان (بری مجلس سے اٹھ کر چلے جانا) بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ (کم از کم مزید تو) نہ بیٹھو۔ (ت)

ہر صورت کو عام ہے اور مصلحت بھی عام بلکہ ایسی قرابت قریبہ میں برا اثر پڑنے کا زیادہ احتمال کہ اجنبیہ سے نہ اتنا میل ہوتا ہے نہ اس کی طرف اتنا میل۔

والمھاجرۃ لامثال ھذا لایعد من القطع المنھی عنہ فقد صح مثلہ عن الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فی اقل من ھذا منھم عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اس قسم کے چھوڑنے کو اس انقطاع میں شمار نہیں کیا جاتا کہ حدیث میں جس کی نہی وارد ہوئی ہے کیونکہ اس سے کم درجہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس نوع کی کاروائی بصحت ثابت ہے ان میں سے نہیں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں (ت)

ہاں یہ حکم احتیاطی ہے اگر نادراً کبھی کچھ دیر کو اسے مل لینے دے تو کبیرہ نہیں کما یدل علیہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ بالنظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

قولهم لاینبغی (جیسا کہ اس پر ان کے قول "یہ مناسب نہیں" سے دلیل دی جاسکتی ہے) مگر احتیاط ضروری ہے جب دیکھے کہ اب کچھ بھی برا اثر پڑتا معلوم ہوتا ہے فوراً انقطاع کلی کرے اور اس کی صحبت کو آگ جانے، اور انصاف یہ ہے کہ برا اثر پڑتے معلوم نہیں ہوتا اور جب پڑ جاتا ہے تو پھر احتیاط کی طرف ذہن جانا قدرے دشوار ہے لہذا امان وسلامت جدا رہنے ہی میں ہے **وباللہ التوفیق** (اور اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے توفیق میسر آتی ہے۔ت)

مولانا قدس سرہ العزیز مثنوی شریف میں فرماتے ہیں: ؎

تاتوانی دور شو از یار بد — یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمیں بر جان زند — یار بد بر جان وایمان زند [1]

(جب تک ممکن ہو برے یار (ساتھی) سے دور رہو کیونکہ براساتھی برے سانپ سے بھی زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے اس لئے کہ خطرناک سانپ تو صرف جان یعنی جسم کو تکلیف یا نقصان پہنچاتا ہے جبکہ براساتھی جان اور ایمان دونوں کو برباد کردیتاہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت جوان یا بڑھیا کسی عالم شریعت، واقف طریقت جامع شرائط سے بیعت کرے اور اپنے پیر سے فیض لے حجاب شرعی تو ہو یعنی کل بدن چھپا ہوا بلا چہرے کے مگر حجاب عرفی نہ ہو تو یہ بیعت کرنے اور اس طریق سے فیض لینا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

پردہ کے باب میں پیر وغیر پیر ہر اجنبی کا حکم یکساں ہے جوان عورت کو چہرہ کھول کر بھی سامنے آنا منع ہے۔

فی الدرالمختار تمنع المرأة الشابة من کشف الوجه بین رجال لخوف الفتنة [2]۔	درمختار میں ہے کہ جوان عورت کو اندیشہ فتنہ کی وجہ سے مردوں کے سامنے چہرہ کشائی سے روکا جائے۔(ت)

---

[1] گلدستہ مثنوی بکھرے موتی نذیر سنز لاہور ص ۹۴ و ۹۵

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

اسی میں ہے:

امافی زماننافمنع من الشابۃ قھستانی [1]۔	لیکن ہمارے زمانے میں جوان لڑکی کو نقاب کشائی سے منع کیا گیا ہے۔ قہستانی (ت)

اور بڑھیا کے لئے جس سے احتمال فتنہ نہ ہو مضائقہ نہیں۔

فیہ ایضًا اما العجوز التی لاتشتھی فلا بأس بمصافحتھا ومس یدھا ان امن [2]۔	اسی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایسی بوڑھی عورت جو نفسانی یعنی جنسی خواہش نہ رکھتی ہو اس سے مصافحہ کرنے اور اس کے ہاتھ کو مس کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اطمینان خاطر حاصل ہو۔ (ت)

مگر ایسے خاندان کی نہ ہو جس کا یوں بھی سامنے آنا اس کے اولیاء کے لئے باعث ننگ و عار یا خود اس کے واسطے وجہ انگشت نمائی ہو۔

فانا قدامرنا ان ننزل الناس منازلھم کما فی حدیث [3] ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنھا وفی حدیث مرفوع ایاك ومایسوء الاذن [4]۔	اس لئے کہ ہمیں یہ حکم دیا گیا کہ ہم لوگوں سے ان کے مراتب کے مطابق سلوک کریں جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث میں آیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اپنے آپ کو ان باتوں سے بچاؤ جو کانوں کو بری لگیں (ت)

خصوصاً جبکہ اس کے سبب جانب اقربا سے احتمال ثوران فساد ہو فان الفتنۃ اکبر من القتل (کیونکہ فتنہ برپا کرنا قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۲: از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی اپنے پیر و مرشد کے پیر چوم لے بطور بزرگی کے تو درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

جائز ہے۔ ابوداؤد [5] وغیرہ کی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے کحدیث وفد عبدالقیس

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲۔۲۴۱

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲۔۲۴۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغادیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

وغیرھم من الصحابۃ[1] رضی اللہ تعالٰی عنھم (جیسا کہ وفد عبد القیس وغیرہ کی حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے۔ت) اس بارہ میں فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے مفصل کلام لکھا کہ ہمارے مجموعہ فتاوٰی میں منسلک ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۳: از جالندھر محلّہ راستہ متصل مکان ڈپٹی شیخ احمد جان صاحب مرحوم مرسلہ محمد احمد صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نہایت نیک بخت ہے وہ چاہتی ہے کہ کسی بزرگ عالم شریعت اور واقف طریقت سے بیعت حاصل کرکے صفائی قلب اور صفائی باطن حاصل کروں مگر اس کا خاوند اس کار خیر سے بند کرتا ہے۔آیا اگر وہ عورت اپنے خاوند کی چوری کسی صالح بزرگ سے بیعت حاصل کرے تو درست ہے یا نہیں اور بلا اطلاع اپنے خاوند کے تعلیم سلوک باطنیہ کی اپنے پیر سے جا کرلے تو درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا یوم الحساب** (بیان فرماؤ تاکہ بروز قیامت اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

عالم عامل عارف کامل کے ہاتھ پر شرف بیعت حاصل کرنے اور اس سے علم دین وراہ سلوک سیکھنے کے لئے شوہر کی اجازت درکار نہیں۔نہ اس باب میں اس کی ممانعت کا لحاظ لازم جب کہ اس کے حقوق میں کسی خلل کا اندیشہ نہ ہو۔

فی کتاب الجھاد من البحر والنھر والدر وغیرہا انما یلزمھا امرہ فیما یرجع الی النکاح وتوابعہ[2]۔	چنانچہ البحر الرائق، النہر الفائق، الدر وغیرہ اور ان کے علاوہ دیگر کتابوں کتاب الجہاد میں ہے کہ عورت پر مرد کی اطاعت ان معاملات میں ضروری ہے کہ جن کا مرجع نکاح اور اس کے متعلقات ہوں۔

ہاں امر غیر واجب عینی کے سیکھنے کو پیر کے گھر بے اذن شوہر جانے کی اجازت نہیں ہوسکتی بلکہ واجب کے لئے بھی جبکہ شوہر کے توسط سے سیکھ سکتی ہو۔

والمسألۃ دائرۃ فی الکتب سائرۃ وقد فصلناھا بتوفیق اللہ تعالٰی فی کتاب النکاح من فتاوٰنا۔	یہ مسئلہ کتب فقہ میں دائر یعنی گھومنے والا اور سائر یعنی چلنے والا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کے توفیق دینے سے ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی کی بحث نکاح میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] الدر المختار کتاب الجہاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۹

بلکہ اجنبی مردوں کے پاس بے ضرورت شرعیہ باذن شوہر جانے کی اجازت نہیں۔

حتی لو اذن کانا عاصیین کما فی الخلاصۃ والاشباہ [1] والدر وغیرہا من الاسفار الغروان بغیت التفصیل فعلیك بفتاوٰنا ومن لم یعرف ناس زمانہ فھو جاھل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حتی کہ اگر شوہر بیوی کو بغیر ضرورت شرعی باہر جانے کی اجازت دے تو بصورت عمل میاں بیوی دونوں گنہگار ہوں گے جیسا کہ خلاصہ، الاشباہ، الدر اور دوسری بڑی کتابوں میں موجود ہے۔ اگر تمھیں تفصیل مطلوب ہو تو ہمارے فتاوٰی سے رجوع کریں۔ اور جو شخص اپنے زمانے کے لوگوں کی معرفت نہیں رکھتا وہ نرا جاہل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص غیر منکوحہ عورت بالغہ سے خدمت لے اور کوئی شے اس لحاظ سے کہ مجھے ملے اور میں دل خوش کروں اور پاؤں دباؤں اور آپس میں باتیں کروں اور ایک ہی مکان میں رہنا اور عورت مذکورہ غیر محرم ہو تو یہ سب جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

جو عورت حد شہوت کو نہ پہنچے یعنی ہنوز نو برس سے کم عمر کی ہے یا حد فتنہ سے نکل گئی یعنی ضعیفہ بڑھیا بد صورت کریہہ منظر ہے اس سے جائز خدمت یعنی اگرچہ خلوت میں بھی ہو حرام نہیں۔ اور جو عورت اجنبیہ ان دونوں صورتوں سے جدا ہے وہ محل اندیشہ فتنہ ہے اس سے خلوت حرام ہے اور اگر بلا خلوت روٹی پکانے وغیرہ کے کام پر ہے تو مضائقہ نہیں۔ باقی رہا پاؤں دبانا دبوانا اس سے تنہائی میں باتیں کرکے نفس کو خوش کرنا یہ خود صریح حرام اور شیطانی کام ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

مسئلہ ۶۵: از ایوان کچہری فوجداری مجسٹریٹ مرسلہ بخش اللہ خاں ۳ رمضان مبارک ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورات طوائف پیشہ خواہ بلانکاح ایک کی پابند ہوں یا نہ ہوں ان سے اور ان کے ذکور سے اختلاط واتحاد رکھنا اور شادی اور مجلسوں میں اپنے مکانات پر ان کو بطور برادرانہ بلانا اور اپنی عورتوں کو بے پردہ طوائفوں کے سامنے کرنا اور جو لوگ شامل وشریک ان طوائفوں کے رہتے ہیں ان کو بہ نیت ترقی اعزاز وافتخار ایک دسترخوان پر اور دیگر اہل اسلام کو بھی ان کے ساتھ کھلانا پلانا اور ایسے ذکور روانات کے یہاں خود جاکر کھانا اور دوسروں کو طوائفوں کی دعوتوں میں

[1] خلاصہ الفتاوٰی کتاب النکاح الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

لے جانا اور جو مسلمان ایسے برتاؤ کو اچھا نہ سمجھتا ہو اس کو برا کہنا بلکہ اس رواج کے قائم دائم اپنی کوشش کرنا یہ سب جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؟ اور موروثوں کو نابالغ بچوں کو فحش گیت گانے یا فحش کلام کرنے سے منع نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہے؟ کتاب سے بیان فرماؤ رحمٰن سے ثواب پاؤگے۔

الجواب:

ایسی حرکات نہایت شنیع وناپاک اور ایسے اشخاص سراسر خطاکار وبیباک اور ایسے برتاؤ معاذاللہ باعث عذاب وہلاک ہیں، رنڈی اگرچہ بلانکاح ایک کی پابند ہو علانیہ فاحشہ زانیہ اور اس کے مرد قلتبان و دیوث ہیں، یہ سب کے سب ہر وقت اللہ عزوجل کے غضب میں ہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تفتح ابواب السماء نصف اللیل فینادی مناد ہل من داع فستجاب له هل من سائل فیعطی هل من مکروب فیفرج عنه لا یبقی مسلم یدعوالله بدعوة الااستجاب الله عزوجل له الازانیة تسعی بفرجها او عشار، رواه احمد بسند مقارب والطبرانی[1] فی الکبیر واللفظ له عن عثمان بن ابی العاص رضی الله تعالٰی عنه۔	آدھی رات کو آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور منادی ندا کرتا ہے کوئی دعا کرنے والا ہے کہ اس کی دعا قبول فرمائی جائے۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ اسے عطا کریں۔ ہے کوئی مصیبت زدہ کہ اس کی مشکلکشائی ہو۔ اس وقت جو مسلمان اللہ عزوجل سے کوئی دعا کرتا ہے مولٰی سبحانہ وتعالٰی قبول فرماتا ہے مگر زانیہ کہ اپنی فرج کی کمائی کھاتی ہے۔ یا لوگوں سے بے جا محاصل تحصیلنے والا۔ (امام احمد نے اس کو سند مقارب کے ساتھ روایت کیا۔ اور امام طبرانی نے "الکبیر" میں روایت کی اور الفاظ اسی کے ہیں حضرت عثمان بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمائی۔ ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة ابدا الدیوث والرجلة من النساء ومدمن الخمر۔ رواه الطبرانی[2] عن عمار بن یاسر رضی الله تعالٰی عنهما بسند حسن۔	تین شخص کبھی جنت میں نہ جائیں گے دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت اور شرابی (امام طبرانی نے اس کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔)

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۳۳۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۰۵، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الزکوٰۃ باب فی العشارین والعرفاء دارالکتاب بیروت ۳/ ۸۸

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب النکاح باب فیمن یرضی لاہلہ بالخبث دارالکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه و الدیوث و رجلة النساء، رواہ الحاکم فی المستدرك [1] و البیهقی فی الشعب بسند صحیح عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ کو آزار دینے والا اور دیوث اور مرد بننے والی عورت۔ (حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے شعب میں صحیح سند کے ساتھ اسے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

یہ لوگ کہ ان بدکار عورتوں دیوث مردوں سے دوستی رکھتے ہیں روز قیامت انھیں کے ساتھ اٹھیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایحب رجل قوما الا جعله اللہ معهم، رواہ النسائی [2] عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو جس قوم سے محبت رکھے گا اللہ تعالٰی اسے انھیں کے ساتھ کردے گا (اسے نسائی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتهم رواہ الطبرانی [3] فی الکبیر والضیاء فی المختارہ عن ابی قرصافة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو جس قوم سے دوستی کرے گا اللہ تعالٰی انھیں کے گروہ میں اٹھائے گا۔ (طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں حضرت ابوقرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

المرء مع من احب۔ رواہ الشیخان [4] عن ابن مسعود عن انس رضی اللہ تعالٰی	آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہوگا (اس کو امام بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ

[1] المستدرك للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۱/ ۷۲، شعب الایمان حدیث ۱۰۷۹۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشه ۶/ ۱۶۰، ۱۴۵ و کنز العمال حدیث ۲۴۴۲۲ ۱۵/ ۸۶۰

[3] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۱۹ المکتبه الفیصلیة ۳/ ۱۹

[4] صحیح البخاری کتاب الآداب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱، صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب المرء مع من احب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲

عنہما، ہو متواتر۔	تعالٰی عنہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا یہ حدیث متواتر ہے۔ت)

اُن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے کا حال بھی سن لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اول ما دخل النقص علی بنی اسرائیل کان الرجل یلقی الرجل فیقول یاھذا اتق اللہ ودع ما تصنع فانہ لایحل لك ثم یلقاہ من الغد وھو علی حالہ فلا یمنعہ ذٰلك ان یکون اکیلہ وشریبہ وقعیدہ فلما فعلوا ذٰلك ضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض ثم قال لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسٰی ابن مریم ذٰلك بما عصوا وکانوا یعتدون o کانوا لا یتناھون عن منکر فعلوہ لبئس ماکانوا یفعلون o الحدیث۔ رواہ ابوداؤد[1] واللفظ لہ والترمذی وحسنہ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بنی اسرائیل میں پہلی خرابی جو آئی وہ یہ تھی کہ ان میں ایک شخص دوسرے سے ملتا اس سے کہتا اے شخص! اللہ سے ڈر اور اپنے کام سے باز آکہ یہ حلال نہیں پھر دوسرے دن اس سے ملتا اور وہ اپنے اسی حال پر ہوتا تو یہ مرد اس کو اس کے ساتھ کھانے پینے پاس بیٹھنے سے نہ روکتا جب انھوں نے یہ حرکت کی اللہ تعالٰی نے ان کے دل باہم ایک دوسرے پر مارے کہ منع کرنے والوں کا حال بھی انھیں خطا والوں کے مثل ہوگیا۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل کے کافر لعنت کے گئے داؤد و عیسٰی بن مریم کی زبان پر۔ یہ بدلہ ہے ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کو برے کام سے نہ روکتے تھے۔ البتہ یہ سخت بری حرکت تھی کہ وہ کرتے تھے۔ (امام ابوداؤد نے حدیث مذکور کو روایت کیا اور یہ الفاظ انھیں کے ہیں۔ امام ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کے پاس نہ بیٹھ۔

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ المائدۃ تحت آیۃ لعن الذین کفروا الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۳۰، سنن ابی داؤد کتاب الملاحم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

تفسیر احمدی میں ہے:

ھم المبتدع والفاسق والکافر والقعود مع کلھم ممتنع[1]۔	ظالم لوگ بدمذہب اور فاسق اور کافر ہیں ان سب کے پاس بیٹھنا منع ہے۔

مروی ہوا اللہ عزوجل نے یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی میں تیری بستی سے چالیس ہزار اچھے اور ساٹھ ہزار برے لوگ ہلاک کروں گا۔ عرض کی الٰہی! برے تو برے ہیں اچھے کیوں ہلاک ہوں گے۔ فرمایا:

انھم لم یغضبوا بغضبی واٰکلوھم وشاربوھم رواہ ابن ابی الدنیا[2] وابوالشیخ عن ابراھیم عن عمر الصنعانی۔	اس لئے کہ جن پر میرا غضب تھا انھوں نے ان پر غضب نہ کیا اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہے (ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ نے ابراہیم سے انھوں نے عمر صنعانی سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

ایسے لوگ شرعاً مستحق تذلیل واہانت ہیں اور نماز کی امامت ایک اعلٰی درجہ کی تعظیم وتکریم ہے۔ شرع مطہر جس کی اہانت کا حکم دے اس کی تعظیم کیونکر روا ہوگی، ولہٰذا علماء کرام فرماتے ہیں کہ فاسق اگرچہ سب موجود میں سے علم میں زائد ہو اسے امام نہ کیا جائے کہ امامت میں اس کی تعظیم ہو حالانکہ شرعاً اس کی توہین واجب ہے۔ مراقی الفلاح وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

اما الفاسق الاعلم فلا یقدم لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[3]۔	امام کے طور پر کسی فاسق کو برائے امامت آگے کرنا جائز اور درست نہیں خواہ وہ بڑا عالم ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے اور فاسق کی تعظیم نہیں بلکہ ازروئے شرع اس کی توہین ضروری ہوتی ہے۔ (ت)

اپنی عورتوں کو رنڈیوں کے سامنے بے پردہ حجاب کرنے والے ان سے میل ملاقات کرانے والے یا سخت احمق مجنون بدعقل ہیں یا نرے بے حیا بے غیرت بے شرم۔ عورت موم کی ناک بلکہ رال کی پڑیاں بلکہ بارود کی ڈبیا ہے آگ ایک ادنٰی سے لگاؤ میں بھق سے ہوجانے والی ہے عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص اور طینت میں کجی اور شہوت میں مرد سے سو حصہ بیشی، اور صحبت بد کا اثر مستقل مردوں کو بگاڑ دیتا

---

[1] التفسیرات الاحمدیہ زیر آیت وامّا ینسینك الشیطن فلا تقعد مطبعہ کریمیہ بمبئی ص ۳۸۸

[2] فیض القدیر بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت حدیث ۲۱۳۶ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۳۹۹

[3] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۳

ہے۔ پھر ان نازک شیشوں کا کیا کہنا، جو خفیف ٹھیس سے پاش پاش ہوجائیں۔ یہ سب مضمون یعنی عورات کا ناقصات العقل والدین اور کج طبع اور شہوت میں زائد اور نازک شیشیاں ہونا صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوئے ہیں۔ اور صحبت بد کے اثر میں تو بکثرت احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ ازاں جملہ یہ حدیث جلیل کہ مشکوٰۃ حکمت نبوت کی نورانی قندیل ہے۔ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مثل الجلیس الصالح والجلیس السوء کمثل صاحب المسك وکیر الحداد لایعدمك من صاحب المسك اما ان تشتریه اوتجد ریحه وکیر الحداد یحرق بیتك او ثوبك اوتجد منه ریحا خبیثة وفی حدیث ان لم یصبك من سواده اصابك من دخانه، رواه البخاری عن ابی موسٰی الاشعری والمتاخر لابی داؤد والنسائی عن انس رضی الله تعالٰی عنهما۔[1]	اچھے مصاحب اور برے ہمنشین کی کہاوت ایسی ہے جیسے مشک والا اور لوہار کی بھٹی کہ مشک والا تیرے لئے نفع سے خالی نہیں یا تو تو اس سے خریدے گا کہ خود بھی مشک والا ہو جائے گا ورنہ خوشبو تو ضرور پائے گا۔ اور لوہار کی بھٹی تیرا گھر پھونک دے گی یا کپڑے جلادے گی یا کچھ نہیں تو اتنا ہوگا کہ تجھے بدبو پہنچے۔ اگر تیرے کپڑے اس سے کالے نہ ہوئے تو دھواں تو ضرور پہنچے گا۔ (امام بخاری نے اسے حضرت ابوموسٰی اشعری سے روایت کیا ہے اور پچھلی حدیث ابوداؤد ونسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے۔ (ت)

فحش گیت شیطانی رسم اور کافروں کی ریت ہے۔ شیطان ملعون بے حیا ہے اور اللہ عزوجل کمال حیا والا۔ بیحیائی کی بات سے حیا والا ناراض ہوگا اور وہ بے حیاؤں کا استاد انھیں اپنا مسخرہ بنائے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجنة حرام علی کل فاحش ان ید خلها اخرجه ابن ابی الدنیا[2] فی فضل الصمت و ابو نعیم فی الحلیة عن عبدالله بن عمرو	جنت ہر فحش بکنے والے پر حرام ہے۔ (محدث ابن ابی الدنیا نے فضل الصمت میں اور محدث ابو نعیم نے حلیہ، میں حضرت عبداللہ بن عمرو

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب فی العطار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۲، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یومران یجالس آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

[2] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۳۴۵ موسسۃ الرسالہ المکتبہ الثقافیہ بیروت ۵/ ۲۰۶

رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ت)

یونہی بے ضرورت وحاجت شرعیہ لوگوں سے فحش کلامی بھی ناجائز وخلاف حیاء ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحیاء من الایمان والایمان فی الجنۃ والبذاء من الجفاء والجفاء فی النار ،رواہ الترمذی [1] والحاکم و البیہقی فی الشعب عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند صحیح۔	حیاء ایمان سے ہے،اور ایمان جنت میں ہے اور فحش بکنا بے ادبی ہے اور بے ادبی دوزخ میں ہے۔(ترمذی اور حاکم نے اس کی روایت فرمائی اور امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الحیاء والعی شعبتان من الایمان والبذاء والبیان شعبتان من النفاق۔احمد [2] والترمذی وحسنہ الحاکم وصححہ عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	شرم اور کم سخنی ایمان کی دو شاخیں ہیں اور فحش بکنا اور زبان کا طرار ہونا نفاق کے دو شعبے ہیں (امام احمد اور ترمذی نے اس کی روایت اور تحسین فرمائی اور حاکم نے بتصحیح اس کی روایت کی اور سب نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ماکان الفحش فی شیئ قط الاشانہ وماکان الحیاء فی شیئ قط الازانہ۔احمد [3] والبخاری	فحش جب کسی چیز میں دخل پائے گا اسے عیب دار کردے گا اور حیاء جب کسی چیز میں شامل

[1] جامع الترمذی کتاب البروالصلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲،المستدرک للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۱/ ۵۲

[2] جامع الترمذی کتاب البروالصلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳،المستدرک للحاکم کتاب الایمان ۱/ ۵۲ مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ باھلی ۵/ ۲۶۹

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الزہد باب الحیاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۸،مسند احمد بن حنبل عن انس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۶۵

فی الادب المفرد والترمذی وابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔	ہوگی اس کا سنگار کردے گی۔(امام احمد اور بخاری نے "الادب المفرد" میں ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند حسن حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

البذاء شوم۔اخرجه الطبرانی[1] عن ابی الدردا رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔	فحش بکنا منحوس ہے۔(طبرانی نے ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اسے روایت کیا ہے۔ت)

یحیٰی بن خالد نے کہا:

اذا رایت الرجل بذی اللسان وقاحادل علی انه مدخول فی نسبه، حکاه المناوی فی التیسیر[2]۔	جب تو کسی کو دیکھے کہ فحش بکنے والا بے حیاء ہے تو جان لے کہ اس کی اصل میں خطا ہے۔(مناوی نے تیسیر میں اس کی حکایت فرمائی۔ت)

بچپن سے جو عادت پڑتی ہے کم چھوٹتی ہے تو اپنے نابالغ بچوں کو ایسی ناپاکیوں سے نہ روکنا ان کے لئے **معاذاللہ** جہنم کا سامان تیار کرنا اور خود سخت گناہ میں گرفتار ہونا ہے۔

قال الله تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝"[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اس پر سخت درشت خو فرشتے موکل ہیں کہ اللہ کا حکم نہیں ٹالتے اور جو انھیں فرمایا جائے وہی کرتے ہیں۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو نیک عادتوں کی توفیق دے اور بری عادتوں بری باتوں سے پناہ بخشے آمین۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] الجامع الصغیر برمز طب عن ابی الدرداء حدیث ۳۱۹۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر برمز عن ابی الدرداء تحت حدیث ۳۱۹۵ مکتبہ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۴۳۸

[3] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۶۶:

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ کسی لڑکے کو اپنے ماں باپ اور بہنوں کے ایک مکان کی موجودگی میں اسی مکان کی کوٹھری میں کسی غیر عورت کے ساتھ زناکاری اور ہم مجلس ہونا کیسا ہے یعنی ماں باپ کو اس کی حرکت کا متحمل ہونا چاہئے یا نہیں، کیا کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر وثواب پائے۔ت)

الجواب:

زناکاری یااجنبیہ عورت سے خلوت جہاں ہو حرام ہے خصوصًا باپ کے محل حضور میں دوسراکبیرہ سخت واشد اور اس میں شامل ہے یعنی باپ کے ساتھ گستاخی اس کو ایذارسانی، ایسے شخص کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں فرمایاکہ "وہ اور دیوث جنت میں نہ جائیں گے" باپ کو ایسی حرکت ناپاک کا تحمل کرنا ہر گز روانہیں بلکہ جہاں تک حد قدرت ہو باز رکھے۔ نہ باز رہے تو گھر سے دور کرے ورنہ اس کی آفت اس پر بھی آئے گی۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (خدا کی پناہ۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۷تا۷۱: از شہر کہنہ ۲۲ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) زید اپنی زوجہ کو پردہ کرنے کی ہدایت کرتا ہے، دیور، بہنوئی وغیرہ سے پردہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید کی زوجہ پردہ کرنے سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اپنے کنبہ میں ایسے قریب رشتہ کے پردہ کی ممانعت نہیں ہے بلکہ یہ رسم بزرگوں سے جاری ہے میں ہرگز پردہ نہ کروں گی بدیں وجہ دیگر اشخاص کے گھر کی نسبت اور مثال دیتی ہے کہ یہ لوگ بھی اس طریقہ کے پابند نہیں ہیں میں کیونکر پابندی کروں۔

(۳) وہ ہی لوگ جن کو کہ ایسے قریب کے رشتہ کے پردہ سے انکار ہے درپردہ فتنہ وفساد ہیں بلکہ مسماۃ کو ترغیب بد دینے والے اور کہنے والے ہیں کہ ایسے نوایجاد طریقوں سے اب یہ گھر برباد ہوگا۔ ان شخصوں کا یہ خیال بد کیسا ہے اور ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۴) وہ لوگ جو کہ رشتہ میں دیور وبہنوئی وغیرہ پردہ کرنے سے ناراض ہوتے ہیں بلکہ طعن کرتے ہیں کہ یہ خوب نیارسم جاری ہے۔

(۵) زوجہ زوج سے اسی سبب سے کہتی ہے کہ تم مجھ کو طلاق دے دو ورنہ میں پردہ ہرگز نہ کروں گی ان لوگوں سے تو اس زوجہ کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:

جیٹھ، دیور، بہنوئی، پھپا، خالو، چچازاد، ماموں زاد پھپی زاد، خالہ زاد بھائی یہ سب لوگ عورت کے لئے محض اجنبی ہیں بلکہ ان کا ضرر نرے بیگانے شخص کے ضرر سے زائد ہے کہ محض غیر آدمی گھر میں آتے ہوئے ڈرے گا اور یہ آپس کے میل جول کے باعث خوف نہیں رکھتے عورت نرے اجنبی شخص سے دفعۃً میل نہیں کھا سکتی اور ان سے لحاظ ٹوٹا ہوتا ہے۔ ولہذا جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غیر عورتوں کے پاس جانے کو منع فرمایا ایک صحابی انصاری نے عرض کی، یارسول اللہ! جیٹھ دیور کے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا:

الحمو الموت، رواہ احمد[1] والبخاری عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جیٹھ دیور تو موت ہیں۔ امام احمد اور بخاری نے اسے عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

خصوصًا جو وضع لباس وطریقہ پوشش اب عورات میں رائج ہے کہ کپڑے باریک جن میں سے بدن چمکتا ہے یا سر کے بالوں یا گلے یا بازو یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی حصہ کھلا ہو یوں تو خاص محارم کے جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے کسی کے سامنے ہونا سخت حرام قطعی ہے اور اگر بفرض غلط کوئی عورت ایسی ہو بھی کہ ان امور کی پوری احتیاط رکھے کپڑے موٹے سر سے پاؤں تک پہنے رہے کہ منہ کی ٹکلی اور ہتھیلیوں تلووں کے سوا جسم کا کوئی بال کبھی نہ ظاہر ہو تو اس صورت میں جبکہ شوہر ان لوگوں کے سامنے آنے کو منع کرتا اور ناراض ہوتا ہے تو اب یوں سامنے آنا بھی حرام ہوگیا۔ عورت اگر نہ مانے گی اللہ قہار کے غضب میں گرفتار ہوگی جب تک شوہر ناراض رہے گا عورت کی کوئی نماز قبول نہ ہوگی اللہ کے فرشتے عورت پر لعنت کریں گے اگر طلاق مانگے گی منافقہ ہوگی۔ جو لوگ عورت کو بھڑکاتے شوہر سے بگاڑ پر ابھارتے ہیں وہ شیطان کے پیارے ہیں۔

حدیث ۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاتجاوز صلٰوتھم اذانھم العبد الابق حتی یرجع وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط وامام قوم	تین شخصوں کی نماز ان کے کانوں سے اوپر نہیں اٹھتی، آقا سے بھاگا ہوا غلام جب تک پلٹ کر نہ آئے۔ اور عورت کہ سوائے اور اس کا شوہر اس سے

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخلون رجل بامرأۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۷، مسند احمد بن حنبل عن عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۴۹ و ۱۵۳، جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی کراہیۃ الدخول علی المغیبات امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۳۹

وھم له کارھون۔رواہ الترمذی[1] وحسنه عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ناراض ہو اور جو کسی قوم کی امامت کرے اور وہ اس کے عیب کے باعث اس کی امامت پر راضی نہ ہوں (امام ترمذی نے اس کو حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہوئے اس کی تحسین فرمائی۔ت)

حدیث ۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لاترفع صلاتھم فوق رؤسھم شبرا رجل ام قوما وھم له کارھون وامرأۃ باتت وزوجھا علیھا ساخط واخوان متصارمان،رواہ ابن ماجة[2] ابن حبان بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	تین آدمیوں کی نماز ان کے سروں سے بالشت بھراوپر بلند نہیں ہوتی۔ایک وہی امام اور عورت کے سوائے اور شوہر ناراض ہے اور دو بھائی کہ آپس میں علاقہ محبت قطع کئے ہوں۔(ابن ماجہ اور ابن حبان نے بسند حسن اسے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایقبل اللہ لھم صلوۃ ولاتصعدلھم الی السماء حسنة العبدالاٰبق حتی یرجع الی موالیه فیضع یدہ فی ایدیھم والمرأۃ الساخط علیھا حتی یرضی والسکران حتی یصحو رواہ الطبرانی فی الاوسط[3] وابناء خزیمة وحبان فی صحیحھما عن جابر	تین شخصوں کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی نہ کوئی نیکی آسمان کو چڑھے، بھاگا ہوا غلام جب تک اپنے آقاؤں کی طرف پلٹ کر اپنے آپ کو ان کے قابو میں دے۔اور عورت جس سے اس کا خاوند ناراض ہو یہاں تک کہ راضی ہو جائے اور نشے والا جب تک ہوش میں آئے۔(طبرانی نے "الاوسط" میں ابن خزیمہ

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب من ام قوما وہم له کارھون امین کمپنی دہلی ۱/ ۴۷

[2] سنن ابن ماجه ابواب اقامة الصلوٰۃ باب من ام قوما وھم له کارھون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶۹، الترغیب والترھیب بحواله ابن ماجه وابن حبان الترھیب من امامة الرجل القوم لخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۱۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۹۲۲۷ عن جابر بن عبداللہ مکتبه المعارف الریاض ۱۰/ ۰۸،۱۰۷، صحیح ابن خزیمہ حدیث ۹۴۰ المکتب الاسلامی ۲/ ۶۹ و موارد الظمان حدیث ۱۲۹۷ ص ۳۱۵، الترغیب والترھیب بحواله المعجم الاوسط وابن خزیمه وابن حبان والترھیب من شرب الخمر ۳/ ۲۶۱

بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں اس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۴: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا باتت المرأۃ ھاجرۃ فراش زوجھا لعنتھا الملئکۃ حتی تصبح۔رواہ البخاری [1] ومسلم والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب عورت اپنے شوہر کا بچھونا چھوڑ کر سوئے تو صبح تک اس پر فرشتے لعنت کریں(اسے امام بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المرأۃ اذا خرجت من بیتھاوزوجھا کارہ لذلك لعنھاکل ملك فی السماء وکل شیئ تمر علیہ غیر الجن و الانس حتی ترجع۔روہ الطبرانی [2] فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو عورت اپنے گھر سے باہر جائے اور اس کے شوہر کو ناگوار ہو جب تک پلٹ کر نہ آئے آسمان میں ہر فرشتہ اس پر لعنت کرے اور جن وآدمی کے سوا جس جس چیز پر گزرے سب اس پر لعنت کریں(طبرانی نے الاوسط میں ابن عمر رضی اللہ تالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرأۃ سألت زوجھا الطلاق من غیر بأس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ۔رواہ احمد [3] و	جو عورت بے ضرورت شرعی خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔(امام احمد،

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب اذا باتت المرأۃ مہاجرۃ فراش زوجھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۲، صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم امتناعھا من الفراش زوجھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۴

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۵۱۷ مکتبۃ المعارف الریاض ۱/ ۳۱۴

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق کراھیۃ الخلع للمرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹، مسند امام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۷۷، المستدرك للحاکم کتاب الطلاق کراہیۃ سوال الطلاق عن الزوج المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۰

ابوداؤد والترمذی وحسنه وابن ماجة وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری ومسلم واقروہ عن ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی۔ ابن ماجہ ابن حبان اور حاکم نے بخاری و مسلم کی شرط پر اسے صحیح قرار دیا۔ پھر ان سب نے اسے برقرار رکھتے ہوئے حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۷: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المختلعات هن المنافقات رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر بسند حسن عن عقبة بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	خاوندوں سے طلاق مول لینے والیاں وہی منافقہ ہیں۔(امام طبرانی نے معجم الکبیر میں بسند حسن اسے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۸تا۱۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خبب علی امرئ زوجته او مملوکه فلیس منا رواہ احمد [2] والبزار وابن حبان والحاکم وقال صحیح و اقروہ عن بریدة وابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ہریرة والطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔	جو کسی شخص پر اس کی زوجہ یا اس کی باندی غلام کو بگاڑدے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔(امام احمد، بزار، ابن حبان اور حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا یہ حدیث صحیح ہے اور سب نے اسے برقرار رکھتے ہوئے حضرت بریدہ سے روایت کیا۔ ابوداؤد اور حاکم نے سند صحیح کے ساتھ اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔اور طبرانی نے اوسط میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا۔ت)

رہا اس پر طعن کرنا اور نئی رسم بتانا یہ حکم خدا اور رسول پر طعنہ ہے۔ان لوگوں کو اپنے ایمان کی فکر چاہئے اور حکم شرع کے مطابق اپنی ناجائز رسم کی سند پکڑنی اور جاہل بزرگوں کا حوالہ دینا یہ کافروں کی خصلت تھی ان سب پر توبہ فرض ہے۔اللہ تعالٰی مسلمانوں کو نیک توفیق بخشے۔واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۹۳۵ عن عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ المکتبہ الفیصیلة بیروت ۱۷/ ۳۳۹

[2] مسند امام احمد عن بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۵۲، الترغیب والترهیب بحوالہ احمد وبزار وابن حبان کتاب النکاح مصطفی البابی مصر ۳/ ۸۲، مورد الظمآن حدیث ۱۳۱۸ المطبعة السلفیہ ص ۳۲۰، المعجم الاوسط حدیث ۴۸۳۴ ۵/ ۴۲۰ وسنن ابی داؤد کتاب الادب ۲/ ۳۴۷

رسالہ
مروج النجاء لخروج النساء ۱۳۱۶ھ
(عورتوں کے نکلنے کے بارے میں خلاصی کی چراگاہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۷۲ تا ۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) عورات کو اس مکاں میں جہاں محارم وغیر محارم مرد اور عورتیں ہوں جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۲) جس گھر میں نامحرم مرد وعورات ہیں وہاں عورت کو کسی تقریب یا شادی یا غمی میں برقعہ کے ساتھ جانا اور شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) جس مکان کا مالک نامحرم ہے لیکن اس جلسہ عورات میں نہیں ہے اور اس کا سامنا بھی نہیں ہوتا ہے مگر مالک مکان کی جورو اس عورت کی محرم ہے تو اس کو وہاں جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایسے گھر میں جس کے مالک تو نامحرم ہیں۔ مگر اس گھر میں کوئی عورت بھی اس عورت کی محرم نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) ایسے گھر میں کہ جس کا مالک نامحرم ہے۔ مگر وہاں ایک عورت اس عورت کی محرم ہے۔ اور جو عورت محرم ہے وہ مالک مکان کی نامحرم ہے۔ تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) ایسے گھر میں جہاں مالک تو نامحرم ہے مگر اس گھر میں عورات اس عورت کی محرم ہیں اور مالک جو نامحرم ہے وہ گھر میں جہاں جلسہ عورات ہے آتا نہیں ہے تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) جس گھر کا مالک تو نامحرم ہے اور گھر میں آتا نہیں اور عورات بھی اس گھر کی نامحرم ہیں تو اس عورت کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۸) جس گھر کا مالک محرم ہے اور لوگ نامحرم ہیں تو جانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۹) جس گھر میں مالک نامحرم ہے مگر دوسرے شخص محرم ہیں حالانکہ سامنا نامحرموں سے نہیں ہوتا تو اس عورت کا جانا جائز ہے یا ناجائز؟

(۱۰) جس گھر کے دو مالک ہیں ایک اس عورت کا خاوند اور دوسرا نامحرم ہے تو اس گھر میں جانا جائز ہے یا ناجائز۔

(۱۱) جس گھر میں عام محفل ہے جہاں مذکور الصدر سب اقسام موجود ہیں اور عورات پردہ نشین وغیر پردہ نشین دونوں قسم کی موجود ہیں اور مرد بھی محارم اور غیر محارم ہیں مگر یہ عورت نامحرم مرد سے چادر وغیرہ سے پردہ کئے ان عورتوں میں بیٹھ سکتی ہے تو ایسی حالت میں جانا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

(۱۲) جس گھر میں ایسی تقریب ہورہی ہے جس میں منہیات شرعیہ ہورہے ہیں اس میں کسی مرد یا عورت کو اس طرح سے جانا کہ وہ علیحدہ ایک گوشہ میں بیٹھے جہاں مواجہہ تو اس کی شرکت میں نہیں ہے مگر آواز وغیرہ آرہی ہے گو اس آواز وغیرہ ناجائز امور سے اسے حظ بھی نہیں ہے اور نہ متوجہ اس طرف ہے تو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۳) جس گھر میں مالک وغیرہ نامحرم مگر اس عورت کے ساتھ محارم عورات بھی ہیں گو اس گھر کے لوگ ان عورات کے نامحرم ہیں تو اس کو جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۴) شقوق مذکور الصدر میں سے جو شقوق ناجائز ہیں ان میں سے کسی شق میں عورت کو شوہر کا اتباع جائز ہے یا نہیں؟

(۱۵) مرد کو اپنی بی بی کو ایسی مجالس ومحافل میں شرکت سے منع کرنے اور نہ کرنے کا کیا حکم ہے اور عورت پر اتباع وعدم اتباع سے کس درجہ نافرمانی کا اطلاق اور کیا اثر ہوگا اور مرد کو شریک ہونے اور نہ ہونے کا کیا حکم ہے؟

(۱۶) جس مکاں میں مجمع عورات محارم وغیر محارم کا ہو اور عورات محارم و نا محارم ایک طرف خاص پردہ میں باہم مجتمع ہوں اور مجمع مردوں کا بھی ہر قسم کے اسی مکاں میں عورات سے علیحدہ ہو لیکن آواز نامحرم مردوں کی عورات سنتی ہیں اور ایسے مکان میں مجلس وعظ یا ذکر شریف نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام منعقد ہے تو ایسے جلسہ میں اپنے محارم کو بھیجنا یا نہ بھیجنا کیا حکم ہے اور نہ بھیجنے سے کیا محظور شرعی لازم ہوتا ہے اور انعقاد ایسی مجالس کا اپنے زنانہ مکانات میں کیسا ہے اور اس ذاکر یا واعظ کو اپنے محارم یا غیر محارم کے ایسے مکان میں جانا چاہئے یا نہیں **فقط بینوا توجروا عنداللہ الوہاب**(بیان کرو اللہ وہاب سے اجر پاؤ گے۔ت) مقصود سائل عورات محارم سے وہ قرابت دار ہیں جن کے مرد فرض کرنے سے نکاح جائز نہ ہو۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

صور جزئیہ کے عرض جواب سے پہلے چند اصول وفوائد ملحوظ خاطر عاطر رہیں کہ بعونہ عزمجدہ شقوق مذکورہ وغیر مزبورہ سب کا بیان مبین اور فہم حکم کے مؤید و معین ہوں **وباللہ التوفیق**۔

اوّل: اصل کلی یہ ہے کہ عورت کا اپنے محارم رجال خواہ نساء کے پاس ان کے یہاں عیادت یا تعزیت یا اور کسی مندوب یا مباح دینی یا دنیوی حاجت یا صرف ملنے کے لئے جانا مطلقاً جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو مثلاً بے ستری نہ ہو، مجمع فساق نہ ہو۔ تقریب ممنوع شرعی نہ ہو، ناچ یا گانے کی محفل نہ ہو، زنان فواحش وبیباک کی صحبت نہ ہو، چوبے شریعت کے شیطانی گیت نہ ہوں۔ سمدھنوں کی گالیاں سننا سنانا نہ ہو، نامحرم دولھا کو دیکھنا دکھانا نہ ہو، رتجگے وغیرہ میں ڈھول بجانا گانا نہ ہو۔

دوم: اجانب کے یہاں جہاں کے مرد وزن سب اس کے نامحرم ہوں شادی غمی زیارت عیادت ان کی کسی تقریب میں جانے کی اجازت نہیں اگرچہ شوہر کے اذن سے، اگر اذن دے گا خود بھی گنہگار ہوگا سوا چند صور مفصلہ ذیل کے۔ اور ان میں بھی حتی الوسع تستر وتحرز اور فتنہ سے تحفظ فرض۔

سوم: کسی کے مکان سے مراد اس کا مکان سکونت ہے نہ مکان ملک مثلاً اجنبی کے مکان میں بھائی کرایہ پر رہتا ہے جانا جائز بھائی کے مکان میں اجنبی عاریۃً ساکن ہے جانا ناجائز۔

چہارم: محارم میں مردوں سے مراد وہ ہیں جن سے بوجہ علاقہ [عہ] جزئیت ہمیشہ ہمیشہ کو نکاح حرام کہ

عــــہ: ارادالحد المتفق علیہ من ائمتنا واحترز بہ عن اللعان عند ابی یوسف فانہ عندہ حرمۃ ابدیۃ۔

کسی صورت سے حلت نہیں ہو سکتی نہ بہنوئی یا پھوپھا یا خالو کہ بہن پھوپھی خالہ کے بعد ان سے نکاح ممکن علاقہ جزئیت رضاع ومصاہرت کو بھی عام مگر زنان جوان خصوصًا حسینوں کو بلاضرورت ان سے احتراز ہی چاہئے۔اور برعکس رواج عوام بیاہیوں کو کنواریوں سے زیادہ کہ ان میں نہ وہ حیا ہوتی ہے، نہ اتنا خوف، نہ اس قدر لحاظ اور نہ ان کا وہ رعب، نہ عامہ محافظین کو اس درجہ ان کی نگہداشت اور ذوق چشیدہ کی رغبت انجان نادان سے کہیں زائد، **لیس الخبر کالمعاینة** (خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوتی۔ت) تو ان میں موانع ہلکے اور مقتضی بھاری اور صلاح وتقوی پر اعتماد سخت غلط کاری، مرد خود اپنے نفس پر اعتماد نہیں کرسکتا اور کرے تو جھوٹا **اذلاحول ولاقوۃ الا باللہ** نہ کہ عورت جو عقل ودین میں اس سے آدھی اور رغبت نفسانی میں سو گنی۔ہر مرد کے ساتھ ایک شیطان اور ہر عورت کے ساتھ دو۔ایک آگے اور ایک پیچھے، **تقبل شیطان وتدبر شیطان**[1]

والعیاذ باللہ العزیز الرحمٰن اللھم انی اسألك العفو والعافیة فی الدین والدنیا والاٰخرة لی وللمؤمنین وللمؤمنات جمیعا، اٰمین!	اللہ عزیز ورحمٰن بچائے۔یا اللہ! میں تجھ سے دنیا وآخرت میں اپنے لئے اور تمام مومنین ومومنات کے لئے معافی وعافیت طلب کرتا ہوں آمین! (ت)

پنجم: محرم عورتوں سے وہ مراد کہ دونوں میں جسے مرد فرض کیجئے نکاح حرام ابدی ہو ایک جانب سے جریان کافی نہیں مثلاً ساس بہو تو باہم نامحرم ہی ہیں کہ ان میں جسے مرد فرض کریں دوسرے سے بیگانہ ہے سوتیلی ماں بیٹیاں بھی آپس میں محرم نہیں کہ اگر بیٹی کو مرد فرض کرنے سے حرمت ابدیہ ہے کہ وہ اس کے باپ کی مدخولہ ہے مگر ماں کو مرد فرض کرنے سے محض بیگانگی کہ اب وہ اس کے باپ کی کوئی نہیں۔

ششم: رہے وہ مواضع جو محارم واجانب کسی کے مکان نہیں اگر وہاں تنہائی وخلوت ہے تو شوہر یا محرم کے ساتھ جانا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مکان میں شوہر ومحارم کے ساتھ رہنا اور مکان قید وحفاظت ہے کہ ستر وتحفظ پر اطمینان حاصل اور اندیشائے فتنہ یکسر زائل۔تو یوں بھی حرج نہیں اس قید کے بعد استثناء یک روزہ راہ کی حاجت نہیں کہ بے معیت شوہر یا محرم عاقل بالغ قابل اعتماد حرام ہے اگرچہ محل خالی کی طرف۔وجہ یہ ہے کہ عورت کا تنہا مقام دور کو جانا اندیشہ فتنہ سے عاری نہیں تو وہی قید

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب ندب من رأی امراۃ فوقعت فی نفسه الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۹

اس کے اخراج کو کافی، اور اگر مجمع محل جلوت ہے تو بے حاجت شرعی اجازت نہیں خصوصا جہاں فضولیات وبطالات وخطیئات وجہالت کا جلسہ ہو۔ جیسے سیر وتماشے، باجے تاشے، ندیوں کے پن گھٹ، ناؤ چڑھانے کے جمگھٹ، بینظیر کے میلے پھول والوں کے جھمیلے۔ نوچندی کی بلائیں، مصنوعی کربلائیں۔ علم تعزیوں کے کاوے، تخت جریدوں کے دھاوے، حسین آباد کے جلوے، عباسی درگاہ کے بلوے، ایسے مواقع مردوں کے جانے کے بھی نہیں۔ نہ کہ یہ نازک شیشیاں جنھیں صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

رویدك انجشه رفقا بالقواریر [1]۔	انجشہ! دیکھنا، شیشیوں کو آہستہ لے چل۔ (ت)

اور محل حاجت میں جس کی صورتیں مذکور ہوں گی بشرط تستر وتحفظ وتحرز فتنہ اجازت یک روزہ راہ بلکہ نزد تحقیق مناط اس سے کم میں بھی محافظ مذکور کی حاجت۔

ہفتم: یہ اور وہ سب یعنی مکان غیر وغیر مکان میں جانا بشرائط مذکورہ جائز ہونے کی نو ۹ صورتیں ہیں:

(۱) قابلہ **(۲)** غاسلہ **(۳)** نازلہ **(۴)** مریضہ **(۵)** مضطرہ **(۶)** حاجہ **(۷)** مجاہدہ **(۸)** مسافرہ **(۹)** کاسبہ۔

قابلہ: یہ کہ کسی عورت کو دردزہ ہو یہ دائی ہے۔

غاسلہ: جب کوئی عورت مرے یہ نہلانے والی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں اگر شوہر دار ہے تو اذن شوہر ضرور جبکہ مہر معجّل نہ ہو یا تھا تو پاچکی۔

نازلہ: جب اسے کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آئے اور خود عالم کے یہاں جائے بغیر کام نہیں نکل سکتا۔

مریضہ: کہ طبیب کو بلا نہیں سکتی نبض کو دکھانے کی ضرورت ہے اسی طرح زچہ ومریضہ کا علاجًا حمام کو جانا جبکہ وہاں کسی طرف سے کشف عورت اور بند مکان میں گرم پانی سے گھر میں نہانا کفایت نہ ہو۔

مضطرہ: کہ مکان میں آگ لگی یا گرا پڑتا ہے یا چور گھس آئے یا درندہ آتا ہے غرض ایسی کوئی حالت واقع ہوئی کہ حفظ دین یا ناموس یا جان کے لئے گھر چھوڑ کر کسی جائے امن وامان میں جائے بغیر چارہ نہیں اور عضو شق نفس اور مال اس کا شقیق ہے۔

حاجہ: ظاہر ہے اور زائرہ اس میں داخل کہ زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الادب باب المعاریض مندوحۃ عن الکذب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷، مسند احمد بن حنبل مروی از انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۲۷

علیہ وسلم تتمہ حج بلکہ متممہ حج ہے۔

مجاھدہ: جب عیاذا باللہ عیاذا باللہ عیاذا باللہ اسلام کو حاجت اور بحکم امام نفیر عام کی نوبت ہو فرض ہے کہ ہر غلام بے اذن مولٰی ہر پسر بے اذن والدین ہر پردہ نشین بے اذن شوہر جہاد کو نکلے جبکہ استطاعت جہاد وسلاح وزاد ہو۔

مسافرہ: جو عورت سفر جائز کو جائے مثلا والدین مدت سفر پر ہیں یا شوہر نے کہ دور نوکر ہے اپنے پاس بلایا اور محرم ساتھ ہے تو منزلوں پر سرا وغیرہ میں اترنے سے چارہ نہیں۔

کاسبہ: عورت بے شوہر ہے یا شوہر بے جوہر کہ خبر گیری نہیں کرتا۔نہ اپنے پاس کچھ کہ دن کاٹے،نہ اقارب کو توفیق یا استطاعت،نہ بیت المال منتظم۔نہ گھر بیٹھے دستکاری پر قدرت،نہ محارم کے یہاں ذریعہ خدمت،نہ بحال بے شوہری کسی کو اس سے نکاح کی رغبت تو جائز ہے کہ بشرط تحفظ و تحرز اجانب کے یہاں جائز وسیلہ رزق پیدا کرے جس میں کسی مرد سے خلوت نہ ہو حتی الامکان وہاں ایسا کام لے جو اپنے گھر آکر کرلے جیسے سینا پیسنا،ورنہ اس گھر میں نوکری کرلے جس میں صرف عورتیں ہوں یا نابالغ بچے،ورنہ جہاں کا مرد متقی پرہیز گار ہو اور ساٹھ ستر برس کی پیر زال بدشکل کریہہ النظر کو خلوت میں بھی مضائقہ نہیں۔

تنبیہ: ان کے سوا تین صورتیں اور بھی ہیں:شاہدہ،طالبہ،مطلوبہ۔

شاھدہ: وہ جس کے پاس کسی حق اللہ مثل رؤیت ہلال رمضان وسماع طلاق وعتق وغیرہا میں شہادت ہو اور ثبوت اس کی گواہی وحاضری دار القضا پر موقوف خواہ بشرط مذکور کسی حق العبد مثل عتق غلام و نکاح معاملات مالیہ کی گواہی اور مدعی اس سے طالب اور قاضی عادل اور قبول ماموں اور دن کے دن گواہی دے کر واپس آسکے۔

طالبہ: جب اس کا کسی پر حق آتا ہو اور بے جائے دعوی نہیں ہو سکتا۔

مطلوبہ: جب اس پر کسی نے غلط دعوی کیا اور جواب دہی میں جانا ضرور۔

یہ صورتیں بھی علماء نے شمار فرمائیں۔مگر بحمد اللہ تعالٰی پردہ نشینوں کو ان کی حاجت نہیں کہ ان کی طرف سے وکالت مقبول اور حاکم شرع کا خود آکر نائب بھیج کر ان سے شہادت لینا معمول۔یہ بیان کافی وصافی،بحمد اللہ تعالٰی تمام صور کو حاوی ووافی،بعونہٖ تعالٰی اب جواب جزئیات ملاحظہ ہو۔

جواب سوال اول: وہ مکان محارم ہے یا مکان غیر یا غیر مکان اور وہاں جانے کی طرف حاجت شرعیہ داعی یا نہیں سب صور کا مفصل بیان مع شرائط و مستثنیات گزرا۔

جواب سوال دوم: اگر یہ مراد کہ نامحرم بھی ہیں تو وہی سوال اول ہے اور اگر یہ مقصود کہ نامحرم ہی ہیں تو جواب ناجائز مگر بصور استثناء۔

جواب سوال سوم: زن محرم کے یہاں اس کی زیارت عیادت تعزیت کسی شرعی حاجت کے لئے جانا بشرائط مذکورہ اصل اول جائز مگر کتب معتمدہ مثل مجموع النوازل وخلاصۃ وفتح القدیر وبحر الرائق واشباہ وغمزالعیون وطریقہ محمدیہ ودرمختار وابوالسعود و شرنبلالیہ وہندیہ وغیرہ میں ظاہر کلمات ائمہ کرام شادیوں میں جانے سے مطلقًا ممانعت ہے اگرچہ محارم کے یہاں علامہ احمد طحطاوی نے اسی پر جزم اور علامہ مصطفٰی رحمتی وعلامہ شامی نے اسی کا استظہار کیا اور یہی مقتضی ہے حدیث عبداللہ بن عمرو وحدیث خولہ بنت الیمان وحدیث عبادہ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہم کا،

فلتنظر نفس ما ذا تری، (پس ہر جان کو غور کرنا چاہئے جو کچھ غور کرنا ہے۔ت) اور اگر شادیاں ان فواحش ومنکرات پر مشتمل ہوں جن کی طرف ہم نے اصل اول میں اشارہ کیا تو منع یقینی ہے اور شوہر دار کو تو شوہر بہرحال اس سے روک سکتا ہے جبکہ مہر معجّل سے کچھ باقی نہ ہو۔

جواب سوال چہارم: نہ مگر باستثناء مذکور۔

جواب سوال پنجم: وہ مکان اگر اس زن محرم کا مسکن ہے تو اس کے پاس جانا تفصیل مذکور جواب سوم پر ہے ورنہ یوں کہ نامحرموں کے یہاں دو بہنیں جائیں کہ وہاں ہر ایک دوسرے کی محرم ہوگی اجازت نہیں کہ ممنوع وممنوع مل کر نا ممنوع نہ ہوں گے۔

جواب سوال ششم: اگر وہ مکان ان زنان محارم کا ہے تو جواب جواب سوم ہے کہ گزرا ورنہ جواب ہفتم کہ آتا ہے۔

جواب سوال ہفتم: **اللھم انی اعوذبك من الفتن والآفات وعوار العورات** (اے اللہ! فتنوں، آفتوں اور عورتوں کے مکر سے تیری پناہ۔ت) یہ مسئلہ مکان اجانب میں زنان اجنبیہ کے پاس عورتوں کے جانے کا ہے علماء کرام نے مواضع استثناء ذکر کرکے فرمادیا:

وفیما عدا ذٰلك وان اذن کانا عاصیین منه[1]۔	ان کے ماوراء میں اور اگر شوہر اذن دے تو وہ بھی گنہ گار۔

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب النکاح الفصل الخامس عشر فی الحظر والاباحۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

اس نفی کا عموم سب کو شامل پھر ان مواضع میں ماں کے پاس جانا بھی شمار فرمایا اور دیگر محارم کے پاس بھی، اور اس کی مثال خانیہ[1] وغیرہا میں خالہ وعمہ وخواہر سے دی نیز علماء نے قابلہ وغاسلہ کا استثناء کیا اور پر ظاہر کہ وہ نہ جائیں گی مگر عورات کے پاس اگر زنان اجنبیہ کے پاس جانا مواضع استثناء سے مخصوص نہ ہوتا تو استثناء میں مادر وخالہ وخواہر وعمہ وقابلہ وغاسلہ کے ذکر کے کوئی معنی نہ تھے احادیث ثلثہ مشارالیہا میں ارشاد ہوا عورتوں کے اجتماع میں خیر نہیں[2] حدیثین اولیین میں اس کی علت فرمائی کہ وہ جب اکٹھی ہوتی ہیں بیہودہ باتیں کرتی ہیں[3]۔ حدیث ثالث میں فرمایا ان کے جمع ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے صیقل کرنے لوہا تپایا جب آگ ہوگیا کوٹنا شروع کیا جس چیز پر اس کا پھول پڑا جلادی[4] **رواھن جمیعا الطبرانی فی الکبیر** (جمیع احادیث کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا) عورتیں کہ بوجہ نقصان عقل ودین سنگدل اور امر حق سے کم منفعل ہیں **ولذا لم یکمل منھن الا قلیل** (عورتوں سے کوئی کام کامل نہ ہو مگر قلیل۔ت) لوہے سے تشبہ دی گئیں اور نار شہوات وخلاعات کہ ان میں رجال سے سو حصہ زائد مشتعل لوہار کی بھٹی اور ان کا محلے بالطبع ہو کر اجتماع لوہے اور ہتھوڑے کی صحبت اب جو چنگاریاں اڑیں گی دین، ناموس، حیاء، غیرت، جس پر پڑیں گی صاف پھونک دیں گی، سلمٰی پارسا ہے ہاں پارسا ہے وبارک اللہ۔ مگر جان برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں کیا صحبت بد میں اثر نہیں جب قیمیوں سے جدا خود سر وآزاد ایک مکان میں جمع اور قمیوں کے آنے دیکھنے سے بھی اطمینان حاصل **فانما خلقت من ضلع اعوج**[5] کج سے بنی کج ہی چلے گی آپ نادان ہے تو شدہ شدہ سیکھ کر رنگ بدلے گی جسے تشقیف زنان کی پروا نہیں یا حالات زماں سے آگاہ نہیں اول ظالم کا تو نام نہ لیجئے اور ثانی صالح سے گزارش کیجئے ع

معذور دارمت کہ تو اورا ندانديده

(مجھے معذور رکھ کر تونے اسے دیکھا نہیں۔ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب النکاح باب النفقۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۹۴

[2] المعجم الکبیر مروی عن عبداللہ بن عمر حدیث ۱۳۲۲۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۱۷

[3] المعجم الکبیر خولہ بنت الیمان حدیث ۶۳۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۲۴۶، المعجم الاوسط حدیث ۷۱۲۶ مکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۶۴

[4] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الاذکار باب ماجاء فی مجالس الذکر دار الکتب بیروت ۱۰/ ۷۷۔۷۸

[5] صحیح البخاری کتاب الانبیاء ۱/ ۴۶۹ وکتاب النکاح ۱/ ۷۷۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الوصیۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۵

مجمع زنان کی شناعت وہ ہیں کہ لاینبغی ان تذکر فضلا ان تسطر (جن کا ذکر نامناسب ہے چہ جائیکہ لکھا جائے۔ت) جسے ان نازک شیشوں کو صدمے سے بچانا ہو تو راہ یہی ہے کہ شیشیاں شیشیاں بھی بے حاجت شرعیہ نہ ملنے پائیں کہ آپس میں مل کر بھی ٹھیس کھاجاتی ہیں حاجات شرعیہ وہی جو علمائے کرام نے استثناء فرمادیں، غرض احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہلکا نہیں کہ اجتماع نساء میں خیر وصلاح نہیں آئندہ اختیار بدست مختار۔

جواب سوال ہشتم ونہم: ان دونوں سوالوں کا جواب بعد ملاحظہ اصل سوم وجوابات سابقہ ظاہر کہ بعد اسقاط اعتبار ملک ولحاظ سکونت یہ ان سے جدا کوئی صورت نہیں۔

جواب سوال دہم: ملک کا حال وہی ہے جو اوپر گزرا، اور شوہر کے پاس جانا مطلقاً جائز جبکہ ستر حاصل اور تحفظ کامل اور ہر گونہ اندیشہ فتنہ زائل اور موقع غیر موقع ممنوع وباطل ہو۔ اور شوہر جس مکان میں رہے اگرچہ ملک مشترک بلکہ غیر کی ملک ہو اس کے پاس رہنے کی بھی بشرائط معلومہ مطلقاً اجازت بلکہ جب نہ مہر معجّل کا تقاضا نہ مکان مغصوب ہونے کے باعث دین یا جان کا ضرر ہو اور شوہر شرائط سکنائے واجبہ مذکورہ فقہ بجا لایا ہو تو واجب انھیں شرائط سے واضح ہوگا کہ مسکن میں اوروں کی شرکت سکونت کہاں تک تحمل کی جاسکتی ہے اتنا ضروری ہے کہ عورت کو ضرر دینا بنص قطعی قرآن عظیم حرام ہے۔ اور شک نہیں کہ اجنبی مرد تو مرد ہیں سوتن کی شرکت بھی ضرر رساں، اور جہاں ساس، نند، دیورانی، جٹھانی سے ایذا ہو تو ان سے بھی جدا رکھنا حق زنان **والتفصیل فی ردالمحتار**۔

جواب سوال یازدہم: یہ تقریباً وہی سوال ہے محارم کے یہاں بشرائط جائز، جواب سوم بھی ملحوظ رہے ورنہ خدا کے گھر یعنی مساجد سے بہتر عام محفل کہاں ہوگی۔ اور ستر بھی کیسا کہ مردوں کی ادھر ایسی پیٹھ کہ منہ نہیں کرسکتے اور انھیں حکم کہ بعد سلام جب تک عورتیں نہ نکل جائیں نہ اٹھو مگر علماء نے اوّلاً کچھ تخصیصیں کیں جب زمانہ فتن کا آیا مطلقاً ناجائز فرمادیا۔

جواب سوال دوازدہم: اگر جانے میں اس حالت میں جانے سے انکار کروں تو انھیں منہیات کا چھوڑنا پڑے گا تو جب تک ترک نہ کریں جانا ناجائز، اور جانے کہ میں جاؤں تو میرے سامنے منہیات نہ کرسکیں گے تو جانا واجب۔ جبکہ خود اس جانے میں منکر کا ارتکاب نہ ہو۔ اور اگر نہ یہ نہ وہ تو محل عار وطعن وبدگوئی وبدگمانی سے احتراز لازم۔ خصوصاً مقتدا کو۔ ورنہ بشرائط معلومہ جبکہ حالت مذکورہ سوال ہو کہ اسے نہ حظ نہ توجہ، اگرچہ تحریم نہیں مگر حدیث ابن عمر

رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ شہنا کی آواز سن کر کانوں میں انگلیاں دیں اور یہی فعل حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے نقل کیا اس سے احتراز کی طرف داعی خصوصا نازک دل عورتوں کے لئے حدیث انجشہ ابھی گزری اور صلاح پر اعتماد نری غلطی ع

بسا کیں آفت از آواز خیزد

(بہت دفعہ آواز سے آفت آپڑتی ہے۔ت)

ع حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے۔

جواب سوال سیز دہم: جواب پنجم ملاحظہ ہو، عورت کا عورت کے ساتھ ہونا زیادت عورت ہے نہ حفاظت کی صورت سونے پر سونا جتنا بڑھاتے جائے محافظ کی ضرورت ہوگی نہ کہ ایک توڑا دوسرے کی نگہداشت کرے۔

جواب سوال چہاردہم: گناہ میں کسی کا اتباع نہیں ہاں وہ صورتیں جہاں منع صرف حق شوہر کے لئے ہے جیسے مہر معجّل نہ رکھنے والی کا ہفتے کے اندر والدین یا سال کے اندر دے کر محارم کے یہاں جانا وہاں شب باش ہونا یہ اجازت شوہر سے جائز ہوجائے گا۔ والّا لا۔

جواب سوال پانزدہم: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ"[1] (مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ت) مرد کو لازم کہ اپنی اہلیہ کو حتی المقدور مناہی سے روکے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[2] (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل خانہ کو آگ سے بچاؤ۔ عورت بحال نافرمانی دہری گناہگار ہوگی۔ ایک گناہ شرع، دوسرے گناہ نافرمانی شوہر، اس سے زیادہ اثر جو عوام میں مشتہر کہ بے اذن جائے تو نکاح سے جائے غلط اور باطل۔ مگر جبکہ شوہر نے ایسے جانے پر طلاق بائن معلق کی ہو، مرد ہر مجلس خالی عن المنکرات میں شریک ہوسکتا ہے اور نہی عن المنکر کے لئے مجالس منکرہ میں بھی جانا ممکن جبکہ مشیر فتنہ نہ ہو، "وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ"[3] (فتنہ قتل سے بڑا ہے۔ت) مگر تجسّس واتباع عورات ودخول دار غیر بے اذن کی اجازت نہیں۔

جواب سوال شانزدہم: عورتوں کے لئے محرم عورت کے معنی اصل پنجم میں گزرے اور نہ بھیجنے

---

[1] القرآن الکریم ۴ / ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶ / ۶

[3] القرآن الکریم ۲ / ۲۱۷

میں اصلاً محذور شرعی نہیں اگرچہ مجلس محارم زن کے یہاں ہو بلکہ اگر واعظ اکثر واعظان زمانہ کی طرح کہ جاہل وناعاقل وبیباک وناقابل ہوتے ہیں مبلغ علم کچھ اشعار خوانی یا بے سروپا کہانی یا تفسیر مصنوع یا تحدیث موضوع، نہ عقائد کا پاس نہ مسائل کا احتفاظ۔ نہ خدا سے شرم نہ رسول کا لحاظ، غایت مقصود پسند عوام اور نہایت مراد جمع حطام۔ یا ذاکر ایسے ہی ذاکرین غافلین مبطلین جاہلین سے کہ رسائل پڑھیں تو جہال مغرور کے اشعار گائیں تو شعراء بے شعور کے انبیاء کی توہین خدا پر اتہام اور نعت ومنقبت کا نام بدنام، جب تو جانا بھی گناہ بھیجنا بھی حرام۔ اور اپنے یہاں انعقاد مجمع اثام۔ آج کل اکثر مواعظ ومجالس عوام کا یہی حال پر ملال۔ **فاناللّٰہ وانا الیہ راجعون**۔ اسی طرح اگر عادت نساء سے معلوم یا مظنون کہ بنام مجلس وعظ وذکر اقدس جائیں اور سنیں نہ سنائیں بلکہ عین وقت ذکر اپنی کچریاں پکائیں جیسا کہ غالب احوال زنان زمان، تو بھی ممانعت ہی سبیل ہے کہ اب یہ جانا اگرچہ بنام خیر مگر مروجہ غیر ہے ذکر وتذکیر کے وقت لغو ولفظ شرعاً ممنوع وغلط، اور اگر ان سب مفاسد سے خالی ہو اور وہ قلیل ونادر ہے تو محارم کے یہاں بشرائط معلومہ بھیجنے میں حرج نہیں اور غیر محارم یعنی مکان غیر یا غیر مکان میں بھیجنا اگر کسی طرح احتمال فتنہ یا منکر کا مظنہ یا وعظ وذکر سے پہلے پہنچ کر اپنی مجلس جمانا یا بعد ختم اسی مجمع زنان کا رنگ منانا ہو تو بھی نہ بھیجے کہ منکر ونامنکر اور بلحاظ تقریر جواب سوم وہفتم یہ شرائط عام تر، اور اگر فرض کیجئے کہ واعظ وذاکر عالم سنی متدین ماہر اور عورتیں جاکر حسب آداب شرع بحضور قلب سمع میں مشغول رہیں اور حال مجلس وسابق ولاحق وذہاب وایاب بلکہ جملہ اوقات میں جمیع منکرات وشنائع مالوفہ وغیر مالوفہ معروفہ وغیر معروفہ سب سے تحفظ تام وتحرز تمام پر اطمینان کافی ووافی ہو، اور سبحان اللہ کہاں تحرز اور کہاں اطمینان تو محارم کے یہاں بھیجنے میں اصلاً حرج نہیں ہے نہ اجانب **فھذا مما استخیر اللّٰہ تعالٰی فیہ** (یہ وہ جس میں اللہ تعالٰی سے خیر کی دعا ہے۔ت) وجیز کردری میں فرمایا: عورت کا وعظ سننے کو جانا لاباس بہ ہے[1]۔ جس کا حاصل کراہت تنزیہی۔ امام فخر الاسلام نے فرمایا: وعظ کی طرف عورت کا خروج مطلقاً مکروہ ہے۔ جس کا اطلاق مفید کراہت تحریمی، اور انصاف کیجئے تو عورت کا بستر کامل وحفظ شامل اپنے گھر کے پاس مسجد میں صلحاء محارم کے ساتھ تکبیر کے وقت جاکر نماز میں شریک ہونا اور سلام ہوتے ہی دو قدم رکھ کر گھر میں جانا ہرگز فتنہ کی گنجائشوں توسیعوں کا ویسا ہی احتمال نہیں رکھتا جیسا کہ غیر محلّہ غیر جگہ بے معیت محرم

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الفصل الثامن عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۵۷

مکان اجانب واحاطہ مقبوضہ اباعد میں جاکر مجمع ناقصات العقل والدین کے ساتھ مخلے بالطبع ہونا پھر اسے علماء نے بلحاظ زمان مطلقاً منع فرمادیا باآنکہ صحیح حدیثوں میں اس سے ممانعت کی ممانعت موجود اور حاضرین عیدین پر تو یہاں تک تاکید اکید کہ حیض والیاں بھی نکلیں۔ اگر چادر نہ رکھتی ہوں دوسری اپنی چادروں میں شریک کرلیں۔ مصلے سے الگ بیٹھیں خیر ودعاء مسلمین کی برکت لیں تو یہ صورت اولٰی بالمنع ہے شرع مطہر فقط فتنہ ہی سے منع نہیں فرماتی بلکہ کلیۃً اس کا سدباب کرتی اور حیلہ ووسیلہ شرک کے یکسر پر کترتی ہے غیروں کے گھر جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گزر حدیث میں تو اپنے مکانوں کی نسبت آیا **لاتسکنوھن الغرف**[1] عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو۔ یہ وہی طائر نگاہ کے پر کترتے ہیں شرع مطہر نہیں فرماتی کہ تم خاص لیلٰی وسلمٰی پر بدگمانی کرو یا خاص زید وعمرو کے مکانوں کو مظنہ فتنہ کہو یا خاص کسی جماعت زنان کو مجمع نا بایستنی بتاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتی ہے کہ **ان من الخرز سوء الظن** (بدگمانی میں حفاظت ہے۔ت)۔

نگہ دار دآں شوخ در کیسہ دُر که داند ہمہ خلق را کیسہ بُر

(نگاہ رکھ اے ہوشیار آدمی جیب میں موتی والے۔ کیونکہ جیب کترے ہر ایک کو جانتے ہیں۔ت)

صالح وطالح کسی کے منہ پر نہیں لکھا ہوتا ظاہر ہزار جگہ خصوصا اس زمن فتن میں باطن کے خلاف ہوتا ہے۔ اور مطابق بھی ہو تو صالحین وصالحات معصوم نہیں اور علم باطن وادراک غیب کی طرف راہ کہاں اور سب سے در گزرے تو آج کل عامہ ناس خصوصا نساء میں بڑا ہنر آن ہوی جوڑلینا طوفان لگادینا ہے کاجل کی کوٹھڑی کے پاس ہی کیوں جائے کہ دھبا کھائیے۔ لاجرم سبیل یہی ہے کہ بالکل در با ہی جلادیا جائے ع

وہ سرہی ہم نہیں رکھتے جسے سودا ہو سامان کا

شرع مطہر حکیم ہے اور مؤمنین اور مومنات پر رؤف ورحیم۔ اس کی عادت کریمہ ہے کہ ایسے مواضع احتیاط میں مابہ باس کے اندیشہ سے مالا باس بہ کہہ کر منع فرماتی ہے جب شراب حرام فرمائی اس صورت کے برتنوں میں نبیذ ڈالنی منع فرمادی جن میں شراب اٹھایا کرتے تھے کہ زید کہے بارہا ایسے مجامع ہوتے ہیں کبھی فتنہ نہ ہوا جان برادر علاج واقعہ کیا بعد الوقوع چاہئے **ماکل مرۃ تسلم الجرۃ** (مٹکا ہر مرتبہ سالم نہیں رہتا۔ت) ع

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ یحیٰی بن زکریا نمبر ۷۵۲۰ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴/ ۲۲۴

ہر بار سبو زچاہ سالم نرسید
(بھرا مٹکا ہر بار کنویں سے سالم نہیں پہنچتا۔ت)

اکل وشرب وغیرہما کی صدہا صورتوں میں اطباء لکھتے ہیں یہ مضر ہے اور لوگ ہزار بار کرتے ہیں طبیعت کی قوت ضد کی مقاومت تقدیر کی مساعدت کہ ضرر نہیں ہوتا اس سے اس کا بے غائلہ ہونا سمجھا جائے گا خدا پناہ دے۔بری گھڑی کہہ کر نہیں آتی اجنبیوں سے علماء کا ایجاب حجاب آخر اسی سد فتنہ کے لئے ہے پھر سوا چند توفیق رفیق بندوں کے چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹوں کنبے بھر کے رشتہ داروں کے سامنے ہونے کا کیسا رواج ہے اور اللہ بچاتا ہے فتنہ نہیں ہوتا اس سے بدتر عام خدا ناترس ہندیوں کے وہ بدلحاظی کے لباس آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصہ گلو وشکم وساق کا کھلا رہنا تو کسی گنتی شمار ہی میں نہیں،اور زیادہ بانکپن ہوا تو دوپٹہ شانوں پر ڈھلکا ہوا کریب یا جالی باریک یا خاص ململ کا جس سے سب بدن چمکے اور اس حالت کے ساتھ ان رشتہ داروں کے سامنے پھرنا باایںہمہ وہ رؤف ورحیم حفظ فرماتا ہے فتنہ نہیں ہوتا ان اعضاء کا ستر کیا بعینہٖ واجب تھا حاشا بلکہ وہی دواعی وسد باب پھر اگر ہزار بار داعی نہ ہوئے تو کیا وہ حکم حکمت باطل ہو جائینگے شرع مطہر جب مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اصل علت پر اصلا مدار نہیں رکھتی وہ چاہے کبھی نہ ہو نفس مظنہ پر حکم چلے گا فقیر کے پاس تو یہ ہے اور جو اس سے بہتر جانتا ہو مجھے مطلع کرے بہر حال اس قدر یقینی کہ بھیجنا محتمل اور نہ بھیجنا بالاجماع جائز وبے خلل،لہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے نزدیک اسی پر عمل رہا واعظ وذاکر وہ بشرطیکہ جس منکر پر اطلاع پائے حسب قدرت انکار وہدایت کرے ہر مجلس میں جاسکتا ہے **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ **مروج النجا لخروج النساء** ختم شد

مسئلہ ۸۸: از الموڑہ محلّہ نقاری ٹولہ متصل تحصیل مرزا قاسم بیگ عنایت بیگ ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

جناب مولانا صاحب مخدوم ومطاع بندہ زاداللہ اشفاقہم بعد از تسلیم مع التکریم مدعا یہ ہے کہ ایک لڑکی ہے اس نے اپنے نان ونفقہ کا دعوی کیا ہے۔اور اس لڑکی کو اس کے خاوند نے مار کر نکال دیا اس نے اپنے نان ونفقہ کا دعوی کیا ہے مگر اس میں یہ ہے کہ اس لڑکی کا دعوی کیا فوجداری میں صاحب مجسٹریٹ نے یہ حکم دیا کہ بڑے سول سرجن کا ملاحظہ کراؤ تو اس میں یہ ہے کہ اگر بڑا ڈاکٹر ملاحظہ کرے تو اس میں نکاح سے باہر ہوگی یا نہ ہوگی،دیکھنا بڑے ڈاکٹر کا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بڑا ڈاکٹر خواہ چھوٹا،مسلمان ہو خواہ غیر مذہب کا اپنا ہو یا خواہ پرایا۔باپ ہو یا خواہ بیٹا۔غرض

شوہر کے سوا کوئی مرد ہو اسے دکھانا حرام قطعی ہے سخت گناہ شدید ہے۔اول تو نان نفقہ کے دعوے میں عورت کا ستر عورت دکھانے کی ضرورت نہیں، اگر ضرورت ہو بھی کہ مرد دعوی کرے یہ عورت مرد کے قابل نہیں تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ حاکم کسی مسلمان عورت کو حکم دے کہ وہ دیکھ کر بیان کرے مرد کو دکھانا مذہب اسلام کے بالکل خلاف ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: مرسلہ محمد اکرم حسین از دوہری بوساطت مولانا حامد حسین صاحب رامپوری مدرس اول مدرسہ اہل سنت بریلی ۱۵ جمادی الاولی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر اپنی بی بی اور بی بی اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کا چھونا کیسا ہے یعنی مرد کو اپنی عورت کو اور عورت اپنے شوہر کو چھو سکتی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

زن وشو کا باہم ایک دوسرے کو حیات میں چھونا مطلقاً جائز ہے حتی کہ فرج وذکر کو بلکہ بہ نیت صالحہ موجب ثواب واجر ہے **کما نص علیہ سیدنا الامام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ** (جیسا کہ ہمارے سردار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) البتہ بحالت حیض ونفاس زیر ناف زن سے زیر زانو تک چھونا منع ہوتا ہے **علی قول الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما بہ یفتی** (امام اعظم اور قاضی امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ارشاد کے مطابق یہ حکم ہے اور اس کے مطابق فتوی دیا جاتا ہے۔ت) اسی طرح اور عوارض خاصہ مثل اعتکاف واحرام وغیرہا کے باعث ان عوارض تک ممانعت ہو جاتی ہے۔اور شوہر بعد وفات اپنی عورت کو دیکھ سکتا ہے مگر اس کے بدن کو چھونے کی اجازت نہیں **لانقطاع النکاح بالموت** (اس لئے کہ موت واقع ہو جانے سے نکاح منقطع ہو جاتا ہے۔ت) اور عورت جب تک عدت میں ہے شوہر مرد کا بدن چھو سکتی اسے غسل دے سکتی ہے جبکہ اس سے پہلے بائن نہ ہو چکی ہو۔

لبقاء النکاح فی حقہا بالعدۃ نص علی ذٰلک فی تنویر الابصار والدر المختار وغیرہما من معتمدات الاسفار۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ عدت کی وجہ سے عورت کے حق میں اس کا نکاح باقی رہتا ہے چنانچہ تنویر الابصار اور درمختار اور ان کے علاوہ دیگر متعدد بڑی کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۰: ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہ کون اشخاص ہیں کہ جن سے نکاح حرام اور

وہ کون کون ہے جن سے پردہ کرنا درست نہیں۔ **بینوا توجروا**۔(بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

پردہ صرف ان سے نادرست ہے جو بسبب نسب کے عورت پر ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہوں اور کبھی کسی حالت میں ان سے نکاح ناممکن ہو جیسے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، ان کے سوا جن سے نکاح کبھی درست ہے اگرچہ فی الحال ناجائز ہو جیسے بہنوئی جب تک بہن زندہ ہے یا چاچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے بیٹے، یا جیٹھ، دیور ان سے پردہ واجب ہے اور جن سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے کبھی حلال نہیں ہوسکتا مگر وجہ حرمت علاقہ نسب نہیں بلکہ علاقہ رضاعت ہے جیسے دودھ کے رشتے سے باپ، دادا، نانا، بھائی، بھتیجا، بھانجا، چچا، ماموں، بیٹا، پوتا، نواسا، یا علاقہ صہر ہو جیسے خسر، ساس، داماد، بہو، ان سب سے نہ پردہ واجب نہ نادرست ہے کرنا نہ کرنا دونوں جائز اور بحالت جوانی یا احتمال فتنہ پردہ کرنا ہی مناسب۔ خصوصا دودھ کے رشتے میں کہ عوام کے خیال میں اس کی ہیبت بہت کم ہوتی ہے جن سے نکاح حرام ہے ان کی بعض مثالیں اوپر گزریں اور پوری تفصیل آٹھ دس ورق میں آئے گی کتب فقہ میں مفصل مسطور ہے جو خاص امر درپیش ہو اسی سے سوال کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۱: نامحرم عورتوں کو اندھے سے پردہ کرنا لازم ہے اس زمانہ میں یا نہیں؟ اور مقتضٰی احتیاط کیا ہے؟

الجواب:

اندھے سے پردہ ویسا ہی ہے جیسا کہ آنکھ والے سے اور اس کا گھر میں جانا عورت کے پاس بیٹھنا ویسا ہی ہے جیسا آنکھ والے کا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

افعمیاوان انتما الستما تبصرانه[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا تم دونوں اندھی ہو کیا تم اسے دیکھ نہیں رہی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خلوت اجنبیہ کے ساتھ جائز اور زنان شوہر دار پر پردہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

خلوت اجنبیہ کے ساتھ حرام ہے۔ احادیث امیر المومنین عمر وعبداللہ بن عمر وجابر بن سمرہ وعامر

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء احتجاب النساء من الرجال امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱

بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مرفوعاً وارد:

الالا یخلون رجل بامرأۃ الاکان ثالثھما الشیطان [1] وفی الاشباہ وتحرم الخلوۃ بالاجنبیۃ ویکرہ الکلام معھا۔	سن لو یعنی آگاہ ہوجاؤ کہ کوئی مرد کسی غیر محرم عورت کے پاس اکیلا نہیں بیٹھتا مگر حال یہ ہوتا ہے کہ تیسرا ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے۔(لہٰذا وہ لعین انھیں برائی میں ڈالنے کی کوشش کرتا ہے)اور الاشباہ والنظائر(کتب فقہ میں ہے)کہ غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا بیٹھنا(اور خلوت اختیار کرنا) شرعاً حرام ہے اور اس سے باتیں کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے۔(ت)

اور زنان حرام کو بنص قرآن ستر واجب اور جوان عورتوں کو اس زمانہ میں حجاب لازم۔

فی الدرالمختار وینظر من الاجنبیۃ الی وجھھا فحل النظر مقید بعدم الشھوۃ والافحرام وھذا فی زمانھم اما فی زماننا فمنع من الشابۃ قھستانی وغیرہ [2] انتھی ملخصًا [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے کسی اجنبی(غیر متعلقہ)عورت کو (مرد) دیکھ سکتا ہے لیکن اس دیکھنے کا جائز ہونا اس قید سے مقید ہے کہ دیکھنے والا بشہوت نہ دیکھے ورنہ عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور یہ حکم بھی ان کے زمانے میں تھا(مراد یہ کہ زمانہ سابق میں تھا) لیکن اب ہمارے زمانے میں یہ حکم ہے کہ جوان عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔قہستانی وغیرہ میں یہی مذکور ہے انتھی ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۹۳: از محلّہ شہر کہنہ سہسوانی ٹولہ مرسلہ تفضل حسین صاحب

علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ جو شخص نامحرم عورتوں سے اپنی پیٹھ اور ہاتھ اور پیر وقت نہانے کے ملوائے اور وقت سونے کے اپنے پیر دبوائے اور ناچنے والی عورتوں کو یعنی طوائفوں کو مرید کرے اور نال ان لوگوں کا کھائے، اور بعد مرید کرنے وہ طوائفیں جو کام کرتی تھیں وہی کام کرتی رہیں اس شخص کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] جامع الترمذی کتاب الرضاع باب ماجاء فی کراھیۃ الدخول علی المغیبات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۰، جامع الترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹، موارد الظمآن حدیث ۲۳۸۲ کتاب المناقب المطبعۃ السلفیہ ومکتبتہا ص ۵۶۸، المستدرك للحاکم کتاب العلم خطبہ عمر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۴۔۱۱۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الانثی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب فی النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۱۔۲۴۲

الجواب:

نامحرم عورتوں سے ہاتھ اور پیٹھ اور پنڈلیاں ملوانا یا دبوانا اگر نہ تو تنہائی میں ہو نہ محل فتنہ ہو تو حرج نہیں ورنہ گناہ ہے اور رنڈیوں سے اگر توبہ لے کر مرید کرے اور انھیں ہدایت کرے اور وہ نہ مانیں تو انھیں دور کرے اور ان کا حرام مال کسی حال میں نہ لے تو جائز ہے۔ مگر آج کل جو یہ طریقہ رائج ہے کہ دنیا پرست پیر رنڈیوں کو بلاتوبہ مرید کرلیتے ہیں اور انھیں توبہ کی ہدایت نہیں کرتے اور ان کے نہ ماننے پر بقدر مقدور ان پر سختی نہیں کرتے ان سے بیزاری وجدائی نہیں کرتے ان کا حرام مال کھاتے ہیں ایسے پیر ضرور سخت شدید فاسق ہیں جو ایسا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۴: از سنبھل محلّہ کوٹ ضلع مرادآباد مرسلہ حافظ اکرام صاحب ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اپنی حقیقی ہمشیرہ کے شوہر سے عورت کو پردہ کرنا فرض ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بہنوئی کا حکم شرع میں بالکل مثل حکم اجنبی ہے بلکہ اس سے بھی زائد کہ وہ جس بے تکلفی سے آمد ورفت نشست وبرخاست کرسکتا ہے غیر شخص کی اتنی ہمت نہیں ہوسکتی لہٰذا صحیح حدیث میں ہے:

قالوا یا رسول اللہ ارأیت الحمو قال الحمو الموت[1]۔	صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ! جیٹھ، دیور، اور ان کے مثل رشتہ داران شوہر کا کیا حکم ہے۔ فرمایا یہ تو موت ہیں۔

خصوصًا ہندوستان میں بہنوئی کہ باتباع رسوم کفار ہند سالی بہنوئی میں ہنسی ہوا کرتی ہے۔ یہ بہت جلد شیطان کا دروازہ کھولنے والی ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۵: مسئولہ محمد حسین سوداگر لکھیم پور ضلع کھری اودھ بر دکان محمد ضامن علی سوداگر ۴ رجب المرجب ۱۳۳۳ھ

علماء دین اس مسئلہ میں کیا فتوٰی دیتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک طوائف سے تعلقات ناجائز کئے جس کو عرصہ آٹھ برس کا ہوگیا۔ زشروع زمانہ میں طوائف قسم کی رو سے پابند کی گئی مگر بعد کو عہد شکنی کی، ایک سال تک غیر پابندی کے ساتھ تعلقات رہے لیکن بعد کو پھر طوائف نے بہ کوشش خود پابندی اختیار کی۔ ظاہرہ ہرچند کوشش کی لیکن اس وقت تک پابند ظاہر ہے۔ اس درمیان میں ایک لڑکی پیدا ہوئی جو اس

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب لایخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۷، جامع الترمذی ابواب الرضاع ۱/ ۱۳۹ و مسند احمد بن حنبل عن عقبہ بن عامر ۴/ ۱۴۹ و ۱۵۳

وقت تک بعمر گیارہ ماہ ہے وہ شخص اس ناجائز تعلق سے کنارہ کش ہونا چاہتا ہے مگر احباب لوگ رائے دیتے ہیں کہ اگر لڑکی اپنی عمر کو پہنچ کر اپنے پیشہ میں رہی تو اس شخص کا نامہ اعمال خراب ہوگا لہٰذا اس شخص کو یہ دریافت طلب ہے کہ دفعۃً وہ شخص تعلقات سے کنارہ کشی اختیار کرے تو شرع سے اس کے ذمہ گناہ عائد ہوگا یا نہیں، اگر صریح گناہ ہے تو اس کی بریت کی کیا دلیل ہوسکتی ہے اس شخص کے بیوی اور بچے بھی موجود ہیں اس وجہ سے وہ نکاح سے بھی علیحدہ رہنا چاہتا ہے اور وہ شخص عرصہ سات برس سے اسی طوائف کے مکان پر مقیم ہے کبھی گاہے گاہے مہینہ پندرہ روز کو بتلاش روزگار باہر بھی چلا جاتا ہے طوائف اور اس کے دیگر عزیز و اقارب کا مکان ایک ہی ہے لیکن اس کی نشست و برخاست کی سرحد علیحدہ ہے اس میں کسی کا گزر نہیں بے پردگی ضرور ہے بہر حال جو کچھ احکام شرعی و نیز علمائے دین کی رائے ہو بواپسی ڈاک دستخط ثبت فرما کر احقر کے نام روانہ فرمائیں تاکہ اس شخص کو اس سے نجات ملے اور وہ شخص اپنی حرکات ناشائستہ سے توبہ بھی کرتا ہے۔ فقط۔

الجواب:

اللہ عزوجل ہدایت دے، شخص مذکورہ پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً یا تو اس عورت سے نکاح کرلے یا ابھی ابھی اسے جدا کردے جو آن دیر میں گزرے گی استحقاق عذاب الٰہی اس پر برابر رہے گا اور بے اس کے اس کی توبہ ہرگز مقبول نہیں۔ حدیث میں فرمایا کہ:

المستغفر من الذنب وہو مقیم علیہ کالمستھزئی بربہ، رواہ البیہقی[1] فی شعب الایمان وابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو گناہ پر قائم رہ کر توبہ کرے وہ اپنے رب جل جلالہ سے (معاذ اللہ) تمسخر کرتا ہے۔ (امام بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمائی۔ ت)

اور وہ لڑکی شرعاً اس کی لڑکی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **للعاھر الحجر**[2]

[1] شعب الایمان حدیث ۷۱۷۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۴۳۶

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول الموصی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۹

(بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو) اور زانی کے لئے کنکر و پتھر ہیں۔ (یعنی اس سے نسب ثابت نہیں) اور جب یہ توبہ کرے گا وہ اگر گناہ کرے گی اس کا وبال اس پر عائد نہ ہوگا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1]	کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائیگی (روز قیامت)۔ (ت)

ہاں اگر یہ گناہ سے بچ کر آئندہ کسی تدبیر سے لڑکی کو گناہ سے بچاسکے تو ضرور ہے کہ ایسا کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: ازماروا ڑ موضع کنوٹوڑہ علاقہ بھاؤنگر مسئولہ مولوی فضل امیر امام مسجد روز یک شنبہ بتاریخ ۱۲ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

اگر مسجد کے اندر وعظ یا میلاد کی محفل ہوتی ہو تو کیا عورتوں کو مسجد کے اندر باپردہ آنے کی اجازت ہے یا کہ نماز پڑھنا عورتوں کو مسجد کے اندر جائز یا کہ نہیں؟

الجواب:

عورتیں نماز مسجد سے ممنوع ہیں اور واعظ یا میلاد خواں اگر عالم سنی صحیح العقیدہ ہو اور اس کا وعظ و بیان صحیح و مطابق شرع ہو اور جانے میں پوری احتیاط اور کامل پردہ ہو اور کوئی احتمال فتنہ نہ ہو اور مجلس رجال سے دور ان کی نشست ہو تو حرج نہیں مگر مساجد کے جانے میں ان شرائط کا اجتماع خیال و تصور سے باہر شاید نہ ہوسکے، **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل**[2] (جو کوئی اپنے زمانے والوں کو نہ پہچانے تو نادان (اور ناسمجھ) ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۷: از بنارس چھاؤنی محلّہ دبٹوری محال تھانہ سکرور رسیدہ مولوی عبدالوہاب بروز چہار شنبہ بتاریخ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

یہ کہ ایسے شخص کے سامنے جو ابھی جوان ہو اور وہ پیری مریدی کرتا ہو تو عورتوں کو بلاپردہ جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور جبکہ خود پیر صاحب خواہش سے مجبور کرکے بلاتے ہیں۔

الجواب:

بے پردہ بایں معنٰی کہ جن اعضاء کا چھپانا فرض ہے ان میں سے کچھ کھلا ہو جیسے سر کے بالوں کا کچھ

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

حصہ یا گلے یا کلائی یا پیٹ یا پنڈلی کا کوئی جز تو اس طور پو تو عورت کو غیر محرم کے سامنے جانا مطلقاً حرام ہے خواہ وہ پیر ہو یا عالم۔ یا عامی جوان ہو، یا بوڑھا، اور اگر بدن موٹے اور ڈھیلے کپڑوں سے ڈھکا ہے نہ ایسے باریک کہ بدن یا بالوں کی رنگت چمکے۔ نہ ایسے تنگ کہ بدن کی حالت دکھائیں اور جانا تنہائی میں نہ ہو اور پیر جوان نہ ہو، غرض کوئی فتنہ نہ فی الحال ہو، نہ اس کا اندیشہ ہو تو علم دین امور راہ خدا سیکھنے کے لئے جانے اور بلانے میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۸: ماہ صفر کے آخر چہار شنبہ کو عورتیں بطور سفر شہر سے باہر جائیں اور قبروں پر نیاز وغیرہ دلائیں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوازتوجروا**

الجواب:

ہر گز نہ ہو سخت فتنہ ہے۔ اور چہار شنبہ محض بے اصل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۹: مسئولہ مسلمانان جام جودھپور کاٹھیاواڑ معرفت شیخ عبدالستار صاحب پوربند کاٹھیاواڑ متصل قندیل ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

چند عورتیں ایک ساتھ ملک کر گھر میں میلاد شریف پڑھتی ہیں اور آواز باہر تک سنائی دیتی ہے یونہی محرم کے مہینے میں کتاب شہادت وغیرہ بھی ایک ساتھ آواز ملا کر پڑھتی ہیں۔ یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینواتوجروا۔**

الجواب:

ناجائز ہے کہ عورت کی آواز بھی عورت ہے اور عورت کی خوش الحانی کہ اجنبی سے محل فتنہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی بروز شنبہ تاریخ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

بہو اپنے خسر کا پردہ کرے یا نہ کرے۔ اسی طرح جیٹھ دیور کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

جیٹھ اور دیور سے پردہ واجب ہے کہ وہ نامحرم ہیں اور خسر سے پردہ واجب نہیں جائز ہے۔ اس کا ضابطہ کلیہ ہے کہ نامحرموں سے پردہ مطلقاً واجب۔ اور محارم نسبی سے پردہ نہ کرنا واجب اگر کریگی گنہگار ہوگی اور محارم غیر نسبی مثل علاقہ مصاہرت و رضاعت ان سے پردہ کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز۔ مصلحت و حالت پر لحاظ ہوگا۔ اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ مناسب ہے۔ یہی حکم خسر اور بہو کا ہے۔ اور جہاں **معاذاللہ** فتنہ ہو پردہ واجب ہو جائے گا۔ "**وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ**

مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ "[1] (اللہ تعالٰی فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے جانتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱و۱۰۲: از فرخ آباد شمس الدین احمد ۱۸ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

(۱) ایک شخص اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ کبھی تو ایک دالان میں تنہا رات کو سوتا ہے اور دروازہ دالان کا موٹی چکوں سے پردہ دار ہوتا ہے۔ باہر سے اندر کا کچھ حال کسی کو نظر نہیں آتا اور چراغ وغیرہ بھی نہیں ہوتا۔ سوتے وقت اندھیرا کرلیا جاتا ہے، اور کبھی کوٹھری کے اندر ایک شخص اور کوٹھری کے باہر دوسرا شخص اور تیسرا کوئی نہیں۔ اس طرح سے سوتے ہیں۔ اور کبھی تنہا ایک مکان میں۔

(۲) روزانہ کے برتاؤ بالکل ایسے ہیں جیسے میاں بی بی کے ان دونوں کے بہت قریبی لوگوں سے جو سنا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مسائل شریعت معلوم نہیں ہم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ ان دونوں نے آپس میں خفیہ نکاح کرلیا ہے۔ یہ ان لوگوں کا بیان ہے جو اس مکان میں یا تو ہمیشہ رہتے ہیں یا کبھی جاکر دو چار روز رہتے ہیں اور حالات دیکھتے ہیں کیا ان دونوں شخصوں کا ایسا تخلیہ جائز ہے۔ اور ان دونوں یا ایک کے کسی رشتہ دار کو جو چھوٹا ہو اس معاملہ سے منع کرنا چاہئے حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ ان دونوں کو اس بات سے منع کیا جائے گا تو بہت سخت مخالف اور رنجیدہ منع کرنے والے سے ہوں گے۔ فقط۔

الجواب:

(۱) اس کی اجازت نہیں اگرچہ وہ اس پر حرام ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	بیشک شیطان جسم انسانی میں اس کے خون کی طرح رواں دواں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲) ایسے برتاؤ سے ان پر احتراز لازم ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

من کان یؤمن باللہ و بالیوم الاخر فلا یقفن مواقف	جو کوئی، اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر صدق دل سے یقین رکھتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ ابلیس وجنودہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۴

التھم [1]۔	کہ وہ مقامات تہمت میں نہ ٹھہرے (تاکہ بلا وجہ بدنام نہ ہو جائے)۔(ت)

علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ چاہئے۔ یونہی حقیقی رضاعی بہن سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۳: از بنارس محلّہ پیر کنڈہ مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب ۷ شعبان ۱۳۳۵ھ

عورتوں کا بیان میلاد شریف آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زنانی محفل میں بآواز بلند نثر و نظم پڑھنا اور نظم خوش آواز و لحن کے ساتھ پڑھنا اور مکان کے باہر سے ہمسایہ کے مردوں اور نامحرموں کا سننا تو ایسا پڑھنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

عورت کا خوش الحانی سے بآواز پڑھنا کہ نامحرموں کو اس کے نغمہ کی آواز جائے حرام ہے نوازل میں فقیہ ابواللیث میں ہے:

نغمۃ المرأۃ عورۃ [2]۔	عورت کا خوش آواز کرکے پڑھنا "عورۃ" یعنی محل ستر ہے۔(ت)

کافی امام ابوالبرکات نسفی میں ہے:

لاتلبی جھرا لان صوتھا عورۃ [3]۔	عورت بلند آواز سے تلبیہ نہ پڑھے اس لئے کہ اس کی آواز قابل ستر ہے۔(ت)

امام ابوالعباس قرطبی کی کتاب السماع پھر بحوالہ علامہ علی مقدسی امداد الفتاح علامہ شرنبلالی پھر ردالمحتار علامہ شامی میں ہے:

لانجیز لھن رفع اصواتھن ولا تمطیطھا ولا تلیینھا وتقطیعھا لما فی ذٰلک من استمالۃ الرجال الیھن و تحریک الشھوات منھم ،ومن ھذا لم یجز	عورتوں کو اپنی آوازیں بلند کرنا، انھیں لمبا اور دراز کرنا، ان میں نرم لہجہ اختیار کرنا اور ان میں تقطیع کرنا (یعنی کاٹ کاٹ کر تحلیل عروض کے مطابق) اشعار کی طرح آوازیں نکالنا، ہم ان سب کاموں

[1] مراقی الفلاح مع حاشیہ الطحطاوی باب ادراک الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

[2] ردالمحتار بحوالہ النوازل باب شروط الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

[3] ردالمحتار بحوالہ الکافی باب شروط الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

ان تؤذن المرأة[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے اس لئے کہ ان سب باتوں میں مردوں کا ان کی طرف مائل ہونا پایا جائے گا۔اور ان مردوں میں جذبات شہوانی کی تحریک پیدا ہوگی۔اس وجہ سے عورت کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اذان دے۔اور اللہ سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۴: از قصبہ باراں ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ قاضی امتیاز علی صاحب ۶ شوال ۱۳۳۵ھ

زانی اور دیوث سے کہاں تک احتراز کرنا چاہئے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زانی اور دیوث فاسق ہیں ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے میل جول سے احتراز چاہئے۔

قال اللہ "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾ "[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمہیں کبھی شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالم گروہ کے پاس مت بیٹھو۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۵و۱۰۶: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہان پرگنہ نواب گنج بریلی مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام مسائل مفصلہ ذیل میں کہ:

(۱) وہ شخص کتنے ہیں جن سے عورتوں کو پردہ نہ کرنا جائز ہے؟

(۲) کتنے شخص ایسے ہیں جن سے عورتوں کو گفتگو کرنا اور ان کو اپنا آواز سنانا جائز ہے؟

الجواب:

(۱) تمام محارم مگر رضاعی محارم سے جوان عورت کو پردہ اولٰی ہے۔اور ممکن ہو تو محارم صہری سے بھی۔

(۲) تمام محارم اور حاجت ہو اور اندیشہ فتنہ نہ ہو، نہ خلوت ہو تو پردہ کے اندر سے بعض نامحرم سے بھی۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: از ڈاکخانہ چیگانگ محلّہ میدنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر ۵/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

یہاں کے مسلمان اپنی عورتوں کو پہاڑوں اور جنگلوں میں بھیجتے ہیں اور غیر محرم آدمیوں سے کلام اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۷۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

ہنسی مذاق کرتی ہیں بالکل ہی بے دریغ وبے پردہ ہے۔ اگر ان لوگوں کو کوئی عالم وعظ ونصیحت کرے تو اس کو تمسخر واستہزاء کرتے ہیں اور طعن لعن کرتے ہیں حسب شریعت ان لوگوں پر کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ لوگ دیوث ہیں اور دیوث کو فرمایا کہ اس پر جنت حرام ہے۔ دیوثی بھی فقط اس فعل تک ہے وہ جو سائل نے بیان کیا کہ احکام شریعت کے ساتھ تمسخر واستہزاء اور عالم پر طعن ولعن کرتے ہیں یہ تو صریح کفر ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** وہ ایمان سے نکل جاتے ہیں اور ان کی عورتیں نکاح سے۔

قال اللہ تعالٰی " اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ " [1] ۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگ اللہ تعالٰی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے ہو، لہٰذا معذرت نہ کرو اور بہانے نہ بناؤ۔ بلاشبہہ تم ایمان کے بعد کافر ہوگئے ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم**۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: از چتوڑ ضلع مراد آباد تحصیل مرسلہ اشرف علی خاں ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص مجلّوق ہے وہ اپنے اس فعل سے نہیں مانتا ہر چند اس کو سمجھایا ہے آپ تحریر فرمائیں کہ اس کا کیا حشر ہوگا اور اس کو کیا دعا پڑھنا چاہئے جس سے اس کی عادت چھوٹے۔

الجواب:

وہ گنہگار ہے۔ عاصی ہے۔ اصرار کے سبب مرتکب کبیرہ ہے۔ فاسق ہے۔ حشر میں ایسوں کی ہتھیلیاں گابھن اٹھیں گی جس سے مجمع اعظم میں ان کی رسوائی ہوگی اگر توبہ نہ کریں اور اللہ معاف فرماتا ہے جسے چاہے اور عذاب فرماتا ہے جسے چاہے۔ اسے چاہئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جب شیطان اس حرکت کی طرف بلائے فوراً دل سے متوجہ بخدا ہو کر لاحول پڑھے نماز پنجگانہ کی پابندی کرے نماز صبح کے بعد بلاناغہ سورۂ اخلاص شریف کا ورد رکھے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۰۹و۱۱۰: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن ومولوی عبدالعلی ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) اگر پیر ضعیف نہیں ہے جوان ہے اور مستورات اپنی خوشی سے بے پردہ اس کی خدمت کریں ہاتھ پیر دابیں جائز ہے؟

(۲) اگر لڑکیاں جوان جن کی صرف ماں مرید ہے وہ لڑکیاں مع اپنی ماں کے پیر کے اور پیر کی اولاد کے سامنے

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵ و ۶۶

آئیں شوہر یا رشتہ دار کی اجازت اس پر ہے وہ پیر اور وہ عورت اور رشتہ دار اور شوہر سب کو جائز ہے یا حرام ہے؟

الجواب:

(۱) اجنبی جوان عورت کو جوان مرد کے ہاتھ پاؤں چھونا جائز نہیں اگرچہ پیر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) اگر سامنے آنا بے ستری سے ہے کہ کپڑے باریک ہیں جن سے بدن چمکتا ہے یا سر کے بال یا گلے یا کلائیوں کا کوئی حصہ کھلا ہے تو سب کو حرام ہے۔ اور ستر کامل کے ساتھ ہو اور خلوت نہ ہو اور احتمال فتنہ نہ ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۱: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلورمل اسلامیہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ: تخمیناً ماہ سوا ماہ شادی سے قبل دولھا اور دولھن کو ابٹن ملا جاتا ہے اس کے لئے اپنے خویش واقارب برادری کی عورتیں بلائی جاتی ہیں دولھا خود بالغ ہو یا نابالغ ان کو اکثر وہ عورتیں جن سے رشتہ مذاق کا ہوتا ہے وہی بدن وغیرہ سارے بدن میں ابٹن لگاتی ہیں اور اس کے بعد سب کو گڑ تقسیم کیا جاتا ہے یہ اسراف ہے یا نہیں؟

الجواب:

ابٹن ملنا جائز ہے اور کسی خوشی پر گڑ کی تقسیم اسراف نہیں اور دولھا کی عمر نو دس سال کی ہو تو اجنبی عورتوں کا اس کے بدن میں ابٹن ملنا بھی گناہ وممنوع نہیں۔ ہاں بالغ کے بدن میں نامحرم عورتوں کا ملنا ناجائز ہے اور بدن کو ہاتھ تو ماں بھی نہیں لگا سکتی یہ حرام اور سخت حرام ہے۔ اور عورت ومرد کے مذاق کا رشتہ شریعت نے کوئی نہیں رکھا یہ شیطانی وہندوانی رسم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲: از باگ ضلع امجھرہ ریاست گوالیار مکان منشی اوصاف علی صاحب مرسلہ شیخ اشرف علی صاحب سب انسپکٹر ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

عورتیں باہم گلا ملا کر مولود شریف پڑھتی ہیں اور ان کی آوازیں غیر مرد باہر سنتے ہیں تو اب ان کا اس طریقہ سے مولود شریف پڑھنا ان کے حق میں باعث ثواب کا ہے یا کیا؟

الجواب:

عورتوں کا اس طرح پڑھنا کہ ان کی آواز نامحرم سنیں باعث ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۳: مسئولہ تاج محمد صاحب محلّہ مرزاواری از اوجین ملک مالوہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں بارہ کہ مسماۃ ہر دلعزیز طوائف بالغہ نے جلسہ عام سودوسوآدمی میں مسمّٰی دلگداز خاں سے بخوشی خاطر نکاح کیا قاضی صاحب شریعت پناہ کے نائب حسب قاعدہ شہر تشریف لائے اور باقاعدہ نکاح پڑھایا، دوروز منکوحہ مذکورہ ناکح مذکور کے گھر رہی اور پھر چار کوس مقام پر کہ وہاں دلگداز خان کا قیام ہے وہ اسے لے گیا ادھر مسماۃ ہر دلعزیز کی نائکہ مسماۃ دلکش نے بصلاح وکیل دلاور خاں بنام دلگداز خاں فراری کا مقدمہ قائم کرکے ذریعہ پولیس دلگداز خاں کو پھنسادیا اب دلاور خاں وکیل باوجود علم نکاح کے مسماۃ دلکش سے روپیہ محنتانہ معقول رقم کھا کر تدابیر اس قسم کی کررہے ہیں کہ مسماۃ ہر دلعزیز دلگداز خاں سے علیحدہ کی جائے اور سپرد نائکہ ہوکر پیشہ حرام کاری کرے۔ دوران تحقیقات میں مسماۃ ہر دلعزیز کو بھی ورغلادیا ہے کہ وہ اب یہ کہتی ہے کہ میں نے بخوشی خود نکاح نہیں کیا بلکہ مجھے نشہ پلادیا تھا اور ہیچو قسم تعلیم گواہان وغیرہ جھوٹی کارروائی وکیل موصوف ونیز چند پیروکاران مسلمان منجانب مسماۃ دلکش بطمع زر وبعض بسلسلہ تعلقات ناجائز کررہے ہیں اگر ان کی کوشش سے ایسا ہوگیا کہ مسماۃ ہر دلعزیز کا نکاح ناجائز قرار پایا اور وہ سپرد اس نائکہ کے ہوگئی اور طوائف کا پیشہ کرنے لگی اور اس کے بطن سے حرام کاری کی لڑکی پیدا ہوئی اور اس کی اولاد در اولاد تاقیامت حرام کاری کرتی رہی تو اس کا مواخذہ بروز حشر کس سے ہوگا عنداللہ جواب دیں فقط۔

الجواب:

ایسی بات پوچھنا فضول ہے کوئی چھپا ہوا مسئلہ ہوتا تو احتمال ہوتا کہ ان کو معلوم نہیں حکم بتادیا جاتا اور جو لوگ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر دیدہ ودانستہ علانیہ ایسے کبائر عظیمہ کا ارتکاب کریں ان پر فتوی کا کیا اثر ہوگا جان رہے ہیں کہ اللہ واحد قہار کا غضب اپنے سرلے رہے ہیں پھر فتوے سے کیا متاثر ہوسکتے ہیں۔ ہاں مسلمانوں کو چاہئے کہ ایسے لوگوں سے قطعاً قطع تعلق کرلیں اور ان سے سلام کلام میل جول یک لخط چھوڑدیں ایسا نہ ہو کہ ان کی آگ میں یہ بھی جل جائیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸" [1]۔ وقال تعالٰی "وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [2] واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھو، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اور ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تمھیں دوزخ کی آگ چھوئے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

مسئلہ ۱۱۴: مرسلہ نظام خاں از ریوان محلّہ گھر گھر ۲۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا کہتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے نکاح میں ایک بہن ہے دوسری کے ساتھ وہ زنا کا مرتکب ہے۔اور لڑکی کا باپ اور دادا حرام کرنے والے کو رکھے ہوئے ہیں اور ہر قسم کی ان کی مدد کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کے معاون پڑھے لکھے ہیں شریعت سے واقف ہیں مگر اس فعل سے باز نہیں رکھتے اگر یہ تاکید کریں یقینا یہ لوگ اپنے فعل ناشائستہ سے باز رہیں۔ایسی حالت میں یہ لوگ دائرہ اسلام سے باہر ہوئے یا نہیں؟ ان سے سلام کلام،ان کا چھوا کھانا،ان کے پیچھے نماز،ان کی بیمار پرسی،ان کے جنازے کی نماز،ان کو مٹی دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا(بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ اگر واقعی ہے اور اس میں بدگمانی کو دخل نہیں تو وہ مرد وعورت زانی وزانیہ ہیں۔اور وہ اس کے معاون اور شنیع کبیرہ پر راضی ہونے والے،بندوبست نہ کرنے والے دیوث ہیں دیوث پر لعنت آئی ہے اسے امام بنانا ناجائز ہے۔اس سے سلام کلام ترک کردینا مناسب ہے مگر اتنی بات سے وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوئے۔نہ ان پر مرتدین کے احکام آسکیں جب تک معاذاللہ اس کبیرہ کو حلال نہ جانیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۵: از شہر محلّہ کنگھی ٹولہ مسئولہ نبی بخش ۱۱ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر عورتیں منہار کو بلا کر پردہ میں سے ہاتھ نکال کر منہار کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر چوڑیاں پہنتی ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض عورتیں اپنے مردوں کے سامنے منہار کے ہاتھ سے چوڑیاں پہنتی ہیں اور بعض شخص خود اپنے موجودگی میں بلاپردہ کے اپنی عورت کو چوڑیاں پہناتے ہیں۔یہ چوڑیاں غیر مرد کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر خواہ پردہ میں سے یا بلاپردہ کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام حرام ہے۔ہاتھ دکھانا غیر مرد کو حرام ہے۔اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینا حرام ہے۔جو مرد اپنی عورتوں کے ساتھ اسے روا رکھتے ہیں دیوث ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۶: از شہر بریلی مسئولہ ننھے میاں صاحب ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عورت بسبب ناداری کے ایک معتبر جگہ پر ملازم ہے اور زید اور اس کی عورت شریف القوم ہے کپڑا اس طرح پر نہیں استعمال کیا جاتا کہ جس سے ستر کو

نقصان پہنچے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز زید کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے کہ اس کی عورت غیر محرم کے یہاں بے پردہ رہتی ہیں۔ اگر زوجہ زید ملازمت نہ کرے تو صرف تنخواہ زید کافی بسر اوقات کو نہیں ہو سکتی ہے۔

الجواب:

یہاں پانچ شرطیں ہیں:

(۱) کپڑے باریک نہ ہوں جن سے سر کے بال یا کلائی وغیرہ ستر کا کوئی حصہ چمکے۔

(۲) کپڑے تنگ وچست نہ ہو جو بدن کی ہیأت ظاہر کریں۔

(۳) بالوں یا گلے یا پیٹ یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہو۔

(۴) کبھی نامحرم کے ساتھ کسی خفیف دیر کے لئے بھی تنہائی نہ ہوتی ہو۔

(۵) اس کے وہاں رہنے یا باہر آنے جانے میں کوئی مظنہ فتنہ نہ ہو۔

یہ پانچ شرطیں اگر جمع ہیں تو حرج نہیں اور ان میں ایک بھی کم ہے تو حرام پھر اگر زید اس پر راضی ہے یا بقدر قدرت بندوبست نہیں کرتا تو ضرور اس پر بھی الزام ورنہ نہیں۔

قال تعالٰی "لَاتَزِرُوَازِرَةٌوِّزْرَاُخْرٰی"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ (وزن) نہ اٹھائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۷: از ناتھ دوارہ ریاست اودیپور ملک میواڑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط ے اے کارساز قبلہ حاجات کارہا آغاز کردہ ایم رسانی بانتہا الحمدللہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلوٰۃ و السلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔	اللہ تعالٰی کے بابرکت نام سے شروع، جو بے حد رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ (ت) اے کارساز اور اے حاجتوں میں قبلہ (کی حثیت رکھنے والے) ہم نے کاموں کی ابتداء تو کردی لیکن انتہا اور تکمیل پہنچا دینا تیرا کام) ہے۔ (ت) جملہ تعریف وستائش اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پرودگار ہے۔ اور اچھا انجام ان خوش نصیب حضرات کے لئے ہے جو اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور درود وسلام اس کے برگزیدہ رسول محمد کریم پر ہو اور ان کی سب اولاد اور تمام ساتھیوں پر ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب جو کہ علم فقہ وحدیث سے واقف ہیں لوگوں کو پند و وعظ بھی کیا کرتے ہیں مگر ان کی مستورات نہایت بدعت وشرک میں مبتلا ہوتی ہیں جس کا اظہار مندرجہ ذیل ہے کہ محرم شریف کی تاریخ ۱۳ کو مستورات کو جمع کرکے اور ان سے چندہ جمع کروا کر چند اشیاء بازار سے خود جا کر مع مستورات کے خرید کرکے لانا، [1]چاول خام و [2]پھل و [3]مٹھائیاں، و [4]نخود بریاں و [5]پھولی جوار و [6]عطر و [7]اگر بتی وغیرہم مہیا کرکے قبرستان میں مع مستورات مذکورہ کے لے جانا اور وہاں جا کر ایک سفید چادر کا زمین پر بچھانا اور کامل اشیاء مذکورہ بالا کو چادر کے چاروں کونہ اور وہاں حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت وشہیدان کربلا کو اور حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روح مطہر کو حاضر جان کر وہاں مع جملہ مستورات کے سینہ زنی وماتم پرسی کروانا اور خود بھی بے پردگی کرنا بعدہ نہایت ادب وتعظیم کے ساتھ ان اشیاء مذکورہ بالا پر فاتحہ وغیرہ دے کر تقسیم کرنا اور اولاد ودیگر امور کے بارے میں دعا کرنا اور ان مستورات کے خاوندوں کا ان کو ہدایت نہ کرنا اور ایسے شخص کے بارہ میں اللہ ورسول کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص کو شرع شریف میں کیا کہنا لازم آتا ہے اور مسلمانوں کو ایسے آدمیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔ براہ مہربانی جیسا حکم موافق شرع کے ہو وہ مع حدیث وفقہ وحوالہ وآیت کلام اللہ وحدیث کے ارقام فرمادیں تاکہ مستورات خوف خدا کرکے باز آئیں اللہ تعالٰی آپ کو اجر عظیم فرمائے گا۔

الجواب:

عورات کا قبرستان جانا ممنوع ہے۔ اور سینہ زنی حرام ہے۔ اور یہ طریقہ بدعت ہے اور بے پردگی فاحشہ ہے۔ ایسا شخص مبتدع ہے۔ مسلمانوں کو اس سے احتراز چاہئے۔

مسئلہ ۱۱۸: از شہر بالجتی کنواں ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین جن کی بیویاں تعزیہ دیکھنے دروازہ پر جائیں یا نویں محرم الحرام کو تنہا یا دیگر عورات کے ہمراہ یا خورد سالہ بچے کے ہمراہ یا تمام شب تعزیہ دیکھیں اور خاوند محافظ گھر رہیں ان کا نکاح رہا؟ ایسی بیویوں کی اولاد حلالی ہے یا نہیں؟

الجواب:

عورتوں کا گھر سے نکلنا خصوصًا تماشہ دیکھنے کو ناجائز ہے اور مردوں کا اسے روا رکھنا بے غیرتی ہے مگر اس سے نکاح یا اولاد میں کوئی خلل نہیں آتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۹و۱۲۰: از موضع ضلع گوڑگانوہ ڈاک خانہ ڈہنیہ مسئولہ محمد یسین خان ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں:

(۱) پیر سے پردہ ہے یا نہیں؟

(۲) ایک بزرگ عورتوں سے بغیر حجاب کے حلقہ کراتے ہیں اور حلقہ کے بیچ میں خود بزرگ صاحب بیٹھتے ہیں توجہ ایسی دیتے ہیں کہ عورتیں بیہوش ہوجاتی ہیں اچھلتی کودتی ہیں اور اللہ کی آواز مکان سے باہر دور دور سنائی دیتی ہے۔ان سے بیعت ہونا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) پیر سے پردہ واجب ہے جبکہ محرم نہ ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) یہ صورت محض خلاف شرع وخلاف حیاء ہے۔ایسے پیر سے بیعت نہ چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

سلام وتحیت وتعظیم سادات

مصافحہ، معانقہ، بوسہ دست و پا و قبر، طواف قبر اور سجدہ تعظیمی وغیرہ

مسئلہ ۱۲۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید کہتا ہے کہ معانقہ ہر وقت میں حرام اور مصافحہ کرنا مسنون، عمرو کہتا ہے کہ معانقہ کرنا وقت آمد و رفت سفر اور یوم عید اور ہنگام خوشی اور خصوصًا معانقہ کرنا ایک دلیل قوی بنابر افزونی اخلاص ومحبت مابین اہل اسلام ہے۔ جب زید معتقد اس امر کا ہے کہ معانقہ حرام اور مصافحہ مسنون زید مرتکب گناہ صغیرہ کا ہے یا گناہ کبیرہ کا پس جس شخص پر گناہ کبیرہ عاید ہوا یا صغیرہ تو اس پر توبہ جلسہ عام میں آئی یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت) فقط۔

الجواب:

کپڑوں کے اوپر معانقہ جہاں خوف فتنہ، شہوت نہ ہو بلاریب مشروع ہے اس کے جواز پر تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع اور سفر وغیر سفر میں بشرائط مذکورہ مطلقًا جائز۔ تخصیص سفر کی حدیث وفقہ سے ثابت نہیں نہ کہ استغفر اللہ مطلقًا حرام ہو ابو جعفر عقیلی حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم وصالح ودھم وان اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم [1]۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کا مسئلہ دریافت کیا۔ ارشاد فرمایا تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ہے ان کی، اور بیشک پہلے جس نے معانقہ کیا اللہ تعالٰی کے خلیل ابراہیم ہیں علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اس حدیث میں صریح تائید ہے عمرو کے قول کی کہ معانقہ ایک دلیل قوی ہے۔ افزونی محبت پر۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

امامعانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع است خصوصًا نزد قدوم از سفر [2] الخ۔	اگر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو گلے ملنا جائز ہے خصوصًا جبکہ آدمی سفر سے آئے الخ۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وکرہ تحریما تقبل الرجل ومعانقتہ فی ازار واحد، وقال ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی لاباس بالتقبیل والمعانقۃ فی ازار واحد ولو کان علیہ قمیص اوجبۃ جاز بلاکراھۃ بالاجماع وصححہ فی الھدایۃ وعلیہ المتون [3] انتھی ملخصًا۔	کسی مرد کو بوسہ دینا اور اس سے گلے ملنا ایک چادر میں مکروہ تحریمی ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا: ایک ازار میں بوسہ دینے اور معانقہ کرنے میں حرج نہیں اور اگر وہ کرتہ پہنے ہو یا جبہ تو بغیر کسی کراہت کے بالاجماع جائز ہے ہدایہ میں اس کی تصحیح فرمائی اور اسی کے مطابق سارے متون ہیں انتہی ملخصًا۔ (ت)

اور ایسا ہی شیخ محقق نے کافی سے نقل کیا:

حیث قال وگفتہ اند کہ خلاف در جائیست کہ برہنہ تن باشند اما باقمیص وجبہ لاباس بہ است باجماع	شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ لوگوں نے کہا ہے کہ معانقہ وغیرہ میں اس جگہ اختلاف ہے کہ جہاں ننگے ہوں،

[1] الضعفاء الکبیر للعقیلی حدیث ۱۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۵۵

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

وھو الصحیح کذافی الکافی [1]۔	لیکن اگر کرتہ یا جبہ پہنے ہوں تو پھر بالاجماع کوئی حرج نہیں، اوریہی صحیح ہے یونہی کافی میں مذکور ہے۔(ت)

البتہ اگر دونوں ننگے بدن ہوں تو اس صورت کو بعض روایات میں مکروہ کہا ہے۔اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یوں بھی کچھ حرج نہیں۔بیشک جہاں خوف فتنہ ہو مثلاً عورت یا امرد خوبصورت سے معانقہ کرنا خصوصًا جبکہ بنظر شہوت ہو تو اس صورت کی کراہت وعدم جواز میں کسی کو کلام نہیں شرح وقایہ کی کتاب الکراہیۃ میں ہے:

وکرہ تقبیل الرجل و عناقہ فی ازار واحد وجازمع قمیص ومصافحۃ ش عطف علی الضمیر فی جاز ھذا عند ابی حنیفہ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی عنہ لاباس بھما فی ازار واحد و امامع القمیص فلا باس بالاجماع والخلاف فیما یکون للمحبۃ واما بالشھوۃ فلا شک فی الحرمۃ اجماعًا [2] انتھی۔	کسی مرد کو بوسہ دینا اور ایک چادر میں اس سے گلے ملنا مکروہ ہے البتہ کرتہ پہنے ہوں تو جائز ہے۔اور مصافحہ کرنا بھی جائز ہے۔(تشریح)"مصافحتہ"اس عبارت کا عطف "جاز" کی ضمیر پر ہے۔اور یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ہے لیکن امام ابویوسف نے فرمایا:اللہ تعالٰی سب پر رحم فرمائے بوسہ دینا اور معانقہ کرنا اگر ایک چادر میں ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر قمیص پہنے ہو تو پھر بالاتفاق کچھ مضائقہ نہیں۔اور یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ یہ کام پیار ومحبت کے انداز میں ہو لیکن اگر شہوت سے ہو تو پھر اجماعًا حرمت میں کوئی شک نہیں انتہی(ت)

جن روایتوں میں معانقہ سے نفی آئی ہے ان میں جمعا بین الاحادیث یہی صورت مقصود،امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہ اہل سنت کے پیشوا ہیں اس معنی کی تصریح فرمائی کماذکرہ الشیخ المحقق فی شرح المشکوٰۃ(جیسا کہ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں بیان فرمایا۔ت)سو اس صورت میں مصافحہ بھی نادرست ہے کمالایخفی(جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)احادیث کثیرہ میں وارد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام سے بارہا بحالت سفر اور بلاسفر معانقہ فرمایا اور اسے جائز رکھا۔صحیح ترمذی میں عائشہ صدیقہ

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۱

[2] شرح الوقایہ کتاب الکراہیۃ مسئلۃ التقبیل والاعتناق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۵۴تا۵۶

رضی اللہ عنہا سے روایت ہے جب زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ شریف آئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور بوسہ دیا:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قدم زید بن حارثۃ المدینۃ و رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی بیتی فاتاہ فقرع الباب فقام الیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عریانا یجر ثوبہ واللہ ما رأیتہ عریانا قبلہ ولا بعدہ فاعتنقہ وقبلہ[1]۔	سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: جب زید بن حارثہ مدینہ منورہ میں تشریف لائے اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرماتھے۔ جب حضرت زید نے آکر دروازے پر دستک دی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برہنہ ہی اٹھ کر اسی حالت میں ان سے ملنے تشریف لے گئے۔ حالت یہ تھی کہ اس وقت اپنا کپڑا گھسیٹے جارہے تھے خدا کی قسم میں نے آپ کو اس سے پہلے یا اس کے بعد کبھی برہنہ نہیں دیکھا، پھر آپ نے انھیں گلے لگالیا اور انھیں بوسہ دیا۔ (ت)

سنن ابوداؤد اور بیہقی میں شعبی سے مروی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا،

عن الشعبی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تلقی جعفر بن ابی طالب فالتزمہ وقبلہ بین عینیہ[2]۔	امام شعبی سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعفر بن ابی طالب سے ملے تو انھیں گلے لگایا اور دو آنکھوں کے درمیان انھیں بوسہ دیا۔ (یعنی ان کی پیشانی چومی)۔ (ت)

امام احمد وابوداؤد ونسائی وغیرہم بہیسہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی کہ ان کے والد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اذن لے کر قمیص مبارک کے اندر اپنا سر لے گئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گلے لگا کر بوسہ دینا شروع کیا اور عرض کی یا رسول اللہ! کیا چیز روکنا جائز نہیں؟ فرمایا: پانی۔ عن امرأۃ یقال لہا بہیسۃ عن ابیہا قالت استأذن ابی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] جامع الترمذی کتاب الاستیذان والادب باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۸۔۹۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ مابین العینین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

وسلم فدخل بینه وبین قمیصه فجعل یقبل ویلتزم ثم قال یانبی الله ما الشیئ الذی لایحل منعه قال الماء [1] الحدیث۔

امام ابوالقاسم سلیمن بن احمد طبرانی جناب ہالہ بن ابی ہالہ فرزندار جمند حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبرٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور آرام فرماتے تھے۔ان کی آواز سن کر جاگے اور انھیں سینہ اقدس سے لگایا اور بغایت محبت فرمایا۔ہالہ، ہالہ، ہالہ!

عن ھالۃ بن ابی ھالۃ انه دخل علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وھو راقد فاستیقظ فضم ھالۃ الی صدرہ وقال ھالۃ ھالۃ ھالۃ [2]۔

طبرانی معجم کبیر اور ابن شاہین کتاب السنۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع اپنے اصحاب کے ایک غدیر میں تشریف لے گئے۔پھر فرمایا ہر شخص اپنے اپنے یار کی طرف پیرے۔اور خود حضور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف پیر گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا یہ میرا یار ہے۔

عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال دخل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبه فسبح کل رجل منهم الی صاحبه حتی بقی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابوبکر رضی الله تعالٰی عنه فسبح رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی ابی بکر رضی الله تعالٰی عنه حتی اعتنقه ف فقال لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکنه صاحبی ف [3]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے ساتھی ایک تالاب میں داخل ہوگئے۔پھر فرمایا: ہر آدمی اپنے ساتھی کی طرف تیرے۔پھر ہر شخص اپنے اپنے دوست کی طرف تیرنے لگا، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صدیق اکبر رہ گئے پھر آپ اپنے ساتھی ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ تیرنے لگے اور انھیں گلے لگایا اور فرمایا: اگر میں کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا دوست ہے۔(ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب مایجوز منعه آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۵

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۸۰۶ مکتبہ المعارف الریاض ۴/ ۴۷۶

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۷۶ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۱۱/ ۲۶۱

ف: خط کشیدہ الفاظ حدیث المعجم الکبیر کی حدیث ۱۱۹۳۸ میں ۱۱/ ۳۳۹ پر ملاحظہ ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہاں سفر سے آنا جانا بھی نہ تھا اور سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کرتہ اٹھانے کو عرض کیا: حضور نے اپنے بدن اقدس سے کرتہ اٹھادیا وہ حضور کو لپٹ گئے اور تہیگاہ اقدس پر بوسہ دیا اور حضور نے منع نہ فرمایا:

عن اُسید بن حضیر رجل من الانصار قال بینما ھو یحدث القوم وکان فیه مزاح بیننا یضحکھم فطعنه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی خاصرته بعود فقال اصبرنی قال اصطبر قال ان علیك قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحه قال انما اردت ہذا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[1]۔	حضرت اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ جو ایک انصاری آدمی تھے، وہ لوگوں سے باتیں کررہے تھے، اور وہ ہمارے درمیان ایک مزاح کرنے والے آدمی تھے جو لوگوں کو ہنسایا کرتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لکڑی سے ان کے پہلوں میں ٹھونک ماری تو وہ کہنے لگے میرے لئے صبر کیجئے، آپ نے فرمایا: میں صبر کرتا ہوں، وہ کہنے لگے کہ آپ تو کرتہ پہنے ہوئے ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جسم اقدس سے کپڑا اٹھایا تو وہ آپ کے جسم اقدس سے لپٹ گئے اور آپ کے پہلو مبارک کو بوسہ دینے لگے۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو یہی ارادہ رکھتا تھا۔ (ت)

احمد یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں ایک بار حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما دوڑتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے، حضور نے اپنے بدن اقدس سے چپٹا لیا۔ عن یعلی قال ان جاء حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنهما یستبقان الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فضمهما الیه[2]۔

ابوداؤد اپنے سنن میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملتا حضور مجھ سے مصافحہ فرماتے ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا میں گھر میں نہ تھا، جب آیا خبر پائی، حاضر ہوا، حضور نے مجھے اپنے بدن سے لپٹا لیا۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلة الجسد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن یعلی بن مرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۷۲

عن ایوب بن بشیر عن رجل من عنزة انه قال قلت لابی ذر هل کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصافحکم اذا لقیتموه قال مالقیته قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اهلی فلما جئت اخبرت انه ارسل الی فاتیته وهو علی سریره فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود[1]۔	حضرت ایوب بن بشیر قبیلہ عنزہ میں سے ایک صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں فرمایا میں نے حضرت ابوذر سے پوچھا: جب تم لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرتے تو کیا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سے مصافحہ کرتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میری حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی مگر آپ نے مجھ سے مصافحہ کیا، ایک دن آپ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا مگر اس وقت میں گھر پر نہ تھا۔ جب میں واپس آیا اور مجھے آپ کے یاد فرمانے کی اطلاع ہوئی تو حاضر خدمت ہوا اور اس وقت آپ ایک تخت پر جلوہ افروز تھے پھر آپ نے اسی حالت میں مجھے گلے لگایا۔ یہ موقعہ بڑا اچھا اور بڑا شاندار تھا۔ (ت)

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی تفسیر فتح العزیز میں فرماتے ہیں:

حافظ خطیب بغدادی از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت می کند کہ روزے نزد آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر بودیم ارشاد فرمودند کہ حالا شخصے می آید کہ حق تعالٰی بعد ازیں کسے را بہتر از وپیدانہ کردہ است وشفاعت او را روز قیامت مثل شفاعت پیغمبران باشد، جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ گوید ملتے نگزشتہ بود کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف آوردند۔ پس آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برخاستند وبرپیشانی ایشاں بوسہ دادند ودر کنار گرفتہ ساعتے آنست حاصل کردند[2]۔	حافظ خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھے آپ نے ارشاد فرمایا کہ ابھی ایک شخص آئے گا کہ اللہ تعالٰی نے اس کے بعد اس سے بہتر کوئی نہیں پیدا فرمایا۔ قیامت کے دن لوگوں کے حق میں اس کی شفاعت انبیاء کرام کی طرح ہوگی۔ حضرت جابر (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) نے فرمایا کہ کچھ زیادہ دیر نہ گزری کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لے آئے پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے (استقبال) کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے بغلگیر

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی المعانقة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۲

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم سورة اللیل مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۶-۰۷

	ہوئے اور کچھ دیر تک ایک دوسرے سے مانوس ہوتے رہے۔(ت)

یہ سب صورتیں معانقہ بے سفر کی ہیں اور شیخ محقق ترجمہ مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

سیوطی در جمع الجوامع از معصب بن عبداللہ آوردہ کہ چوں آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ابن ابی جہل رادید بایستادہ وبجانب اورفت واعتناق کرد فرمود مرحبا بالراکب المہاجر [1]	علامہ سیوطی "جوامع الجوامع" میں حضرت مصعب بن عبد اللہ سے روایت لائے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عکرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بن ابوجہل کو دیکھ تو اٹھ کھڑے ہوئے اور چند قدم چل کر اس کی طرف تشریف لے گئے پھر اسے گلے لگایا اور ارشاد فرمایا: خوش آمدید اے ہجرت کرنے والے سوار! (ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد، اور فقہاء کا قول سن ہی چکے کہ بے خوف فتنہ کپڑوں کے اوپر معانقہ بالاجماع بلا کراہت جائز ہے تو قول زید کہ معانقہ کرنا ہر وقت میں حرام ہے محض غلط وباطل ہے۔اور شریعت مطہرہ پر کھلا افتراء وہ اپنے اس قول میں صحیح حدیثوں کو جھٹلاتا اور اجماع ائمہ کا خرق کرتا ہے اگر سچا ہے تو حدیث وفقہ سے اپنا دعوی علی الاطلاق ثابت کردے ورنہ خدا اور سول پر بہتان کرنے کا اقرار کرے اور جب معانقہ بشرائط مذکورہ بالا بلا تخصیص وقت وحال حدیث وفقہ سے مشروع ٹھہرا تو جس وقت وجس زمانہ میں کیا جائے گا مشروع ہی رہے گا اور مجرد خصوصیت وقت باعث حرمت نہ ہو جائیگی پس وہ معانقہ جو بعد نماز عید ہمارے زمانہ میں رائج ہے بشرائط مسطورہ بالا بلاشبہہ مشروع وجائز ہے اصل اس کی احادیث واجماع سے ثابت۔گو تخصیص اس وقت کی قرون ثلثہ میں نہ پائی جائے،

کما صرح بمثل ذٰلك الامام العلامۃ النووی فی الاذکار والفاضل علاؤالدین فی الدر المختار وغیرھما فی غیرھما۔	جیساکہ امام نووی نے "الاذکار" میں اور فاضل علاؤالدین نے "در مختار" میں اور ان دونوں کے علاوہ باقی اہل علم نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح فرمائی۔(ت)

اور جو گناہ علانیہ کیا ہو اس کی توبہ بھی علانیہ چاہئے اور پوشیدہ کی پوشیدہ۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو اچھی طرح جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معانقہ بے حالت سفر بھی جائز ہے یانہیں؟ اور زید کہ اسے قدوم مسافر کے ساتھ خاص اور اس کے غیر میں ناجائز بتاتا ہے۔قول اس کا شرعًا

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۳

کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

کپڑوں کے اوپر سے معانقہ بطور بر وکرامت واظہار محبت بے فساد نیت و مواد شہوت بالاجماع جائز، جس کے جواز پر احادیث کثیرہ وروایات شہیرہ ناطق۔اور تخصیص سفر کا دعوٰی محض بے دلیل۔احادیث نبویہ وتصریحات فقہیہ اس بارے میں بروجہ اطلاق وارد۔اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھنا واجب۔اور بے مدرک شرعی تقیید اور تخصیص مردود و باطل ورنہ نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے **کما لایخفی** (جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) ابن ابی الدنیا کتاب الاخوان اور دیلمی مسند الفردوس میں اور ابو جعفر اپنی کتاب میں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

واللفظ للعقیلی انہ قال سئلت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المعانقۃ فقال تحیۃ الامم وصالح ودھم وان اول من عانق خلیل اللہ ابراھیم[1]۔	(الفاظ محدث عقیلی کے ہیں کہ تمیم داری نے فرمایا) میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معانقہ کو پوچھا۔فرمایا: تحیت ہے امتوں کی اور اچھی دوستی ان کی،اور بیشک پہلے معانقہ کرنے والے ابراہیم خلیل اللہ ہیں علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔

خانیہ میں ہے:

ان کانت المعانقۃ من فوق قمیص اوجبۃ جاز عند کل اھ ملخصًا[2]۔	گلے ملنا اگر قمیص یا جبہ پہن کر ہو تو سب کے نزدیک جائز ہے۔اھ ملخصًا(ت)

مجمع الانہر میں ہے:

اذا کان علیھما قمیص اوجبۃ جاز بالاجماع[3] اھ مختصرًا۔	اگر دونوں نے قمیص یا جبہ پہن رکھا ہو تو بالاتفاق جائز ہے اھ مختصرًا(ت)

ہدایہ میں ہے:

---

[1] الضعفاء الکبیر حدیث ۱۱۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۵۵

[2] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الحظر والاباحۃ باب فیما یکرہ من النظر والمس نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۳

[3] مجمع الانہر کتاب الکراہیۃ فصل فی بیان احکام النظر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۱

قالوا الخلاف فی المعانقة فی ازار واحد واما اذا کان علیه قمیص او جبة فلا باس بها بالاجماع وھو الصحیح [1]۔	فقہائے کرام نے فرمایا اختلاف اس معانقہ میں ہے جو صرف ایک چادر کے ساتھ ہو لیکن جب قمیص یا جبہ پہن رکھا ہو تو بالاتفاق گلے ملنے میں کوئی قباحت نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان علیه قمیص او جبة جاز بلا کراھة بالاجماع وصححه فی الھدایة وعلیه المتون [2]۔	اگر آدمی قمیص یا جبہ پہنے ہو پھر معانقہ کرنا بغیر کراہت بالاتفاق جائز ہے۔ ہدایہ میں اس کو صحیح قرار دیا گیا اور متون فقہ اسی کے مطابق ہیں۔ (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

عناقه اذا کان معه قمیص او جبة او غیر لم یکره بالاجماع وھو الصحیح [3] اھ ملخصًا۔	معانقہ کرنا بایں صورت کہ جبہ یا قمیص پہن رکھی ہو بالاتفاق مکروہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے اھ ملتقطا (ت)

اسی طرح امام نسفی نے کافی پھر علامہ اسمٰعیل نابلسی نے حاشیہ درر، اور شیخ محقق نے لمعات میں تصریح فرمائی۔ اور اسی پر فتاوٰی ہندیہ وحدیقہ ندیہ وشرح درر مولٰی خسرو وغیرہا میں جزم کیا اور یہی وقایہ ونقایہ وکنز واصلاح وغیرہا متون کا مفاد اور شروح ہدایہ وحواشی درمختار وغیرہا میں مقرر، ان سب میں کلام مطلق ہے کہیں تخصیص سفر کی بو نہیں۔ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

اما معانقہ اگر خوف فتنہ نباشد مشروع است خصوصًا نزد قدوم از سفر [4]۔	اگر کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو معانقہ جائز ہے بالخصوص اس وقت جبکہ سفر سے واپسی ہو۔ (ت)

یہ خصوصًا بطلان تخصیص پر نص صریح ہے رہیں احادیث نہی ان میں زید کے لئے حجت نہیں کہ ان سے اگر ثابت ہے تو نہی مطلق، پھر اطلاق پر رکھئے تو حالت سفر بھی گئی حالانکہ اس میں زید بھی ہم سے موافق۔ اور توفیق پر چلے تو علماء فرماتے ہیں وہاں معانقہ بروجہ شہوت مراد، اور پر ظاہر کہ ایسی صورت

[1] الھدایة کتاب الحظر والاباحة فصل فی الاستبراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۶۶

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[3] شرح النقایة للبرجندی باب الکراھیة نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۱

[4] اشعة اللمعات کتاب الادب باب المصافحة والمعانقة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

میں تو بحالت سفر بھی بلکہ مصافحہ بھی ممنوع تابمعانقہ چہ رسد، امام فخر الدین زیلعی تبیین الحقائق اور اکمل الدین بابرتی عنایہ اور شمس الدین قہستانی جامع الرموز اور آفندی شیخی زادہ شرح ملتقی الابحر اور شیخ محقق دہلوی شرح مشکوٰۃ اور امام حافظ الدین شرح وافی اور سید امین الدین آفندی حاشیہ شرح تنویر مولٰی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں اور ان کے سوا اور علماء ارشاد فرماتے ہیں:

وهذا لفظ الاکمل قال وفق الشيخ ابو منصور (یعنی الماتریدی امام اهل السنت و سید الحنفیة) بین الاحادیث فقال المکروه من المعانقة ماکان علی وجه الشهوة عبر عنه المصنف (یعنی امام برهان الدین الفرغانی) بقوله فی ازار واحد فانه سبب یفضی الیها فاما علی وجه البر والکرامة اذا کان علیه قمیص اوجبة فلا باس به اھ[1]۔	یہ الفاظ امام اکمل الدین بابرتی کے ہیں انھوں نے فرمایا شیخ ابو منصور ماتریدی جو اہلسنت کے امام اور احناف کے پیشوا ہیں انھوں نے بظاہر باہم متعارض حدیثوں میں مطابقت اور موافقت کی روش اختیار کی، چنانچہ فرمایا وہ معانقہ مکروہ ہے جو شہوانی جذبات کے ساتھ ہو جس کی تعبیر مصنف یعنی امام برہان الدین فرغانی نے اپنے قول "فی ازار واحد" (صرف ایک چادر کے ساتھ) کی ہے کیونکہ یہ ایک ایسا سبب ہے جو شہوت رانی تک پہنچادیتاہے۔ لیکن اگر معانقہ نیکی اور اکرام کے جذبے کے ساتھ ہو اور قمیص یا جبہ پہن کر کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اھ (ت)

اور کیونکر رواہوگا کہ بحالت سفر کے معانقہ کو مطلقاً ممنوع ٹھہرائے حالانکہ احادیث کثیرہ میں ثابت کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہا بے صورت مذکورہ بھی معانقہ فرمایا:

حدیث اوّل: بخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ بطریق عدیدہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

وهذا لفظ مولف منها دخل حدیث بعضهم فی بعض قال خرج النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فجلس بفناء بیت فاطمة رضی الله تعالٰی عنه فقال ادعی الحسن بن	یعنی ایک بار سید دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلایا۔ حضرت زہرا نے

[1] الغنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الکراہیة فصل فی الاستبراء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۸/ ۴۸۵

على فحبسته شيئا فظننت انها تلبسه سخابا او تغسله فجاء يشتد وفى عنقه السخاب فقال النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم بيده هكذا فقال الحسن بيده هكذا حتى اعتنق كل واحد منهما صاحبه فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم اللهم انى احبه فاحببه واحب من يحبه[1]۔	بھیجنے میں کچھ دیر کی میں سمجھا انھیں ہار پہناتی ہوں گی یا نہلا رہی ہوں گی اتنے میں دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے گلے میں ہار پڑا تھا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست اقدس بڑھائے حضور کو دیکھ کر امام حسن نے بھی ہاتھ پھیلا دئے یہاں تک کہ ایک دوسرے کو لپٹ گئے۔ حضور نے گلے لگا کر دعا کی: الٰہی! میں اسے دوست رکھتا ہوں تو اسے دوست رکھ، جو اسے دوست رکھے گا اسے دوست رکھ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث دوم: صحیح بخاری میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

كان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ياخذ بيدى فيقعدنى على فخذه ويقعد الحسن على فخذه الاخرى ثم يضمها ثم يقول اللهم ارحمهما فانى ارحمهما[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر ایک ران پر مجھے بٹھا لیتے اور دوسری پر امام حسن کو پھر دونوں کو لپٹا لیتے۔ پھر دعا فرماتے الٰہی! میں ان پر مہر کرتا ہوں تو ان پر رحم فرما۔

حدیث سوم: اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے:

ضمنى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم الى صدره وقال اللهم علمه الحكمة[3]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لپٹا لیا اور دعا فرمائی: الٰہی! اسے حکمت سکھا دے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب السخاب للصبیان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب وضع الصبی علی الفخذ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۸

[3] صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب ابن عباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۱

حدیث چہارم: امام احمد اپنی مسند میں یعلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انه جاء حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنه عنهما یستبقان الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فضمهما الیه [1]۔	ایک بار دونوں صاحبزادے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آپس میں دوڑ کرتے ہوئے آئے حضور نے دونوں کو لپٹا لیا

حدیث پنجم: جامع ترمذی میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث ہے:

سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ای اهل بیتك احب الیك قال الحسن والحسین وکان یقول لفاطمة ادعی لی ابنی فیشمهما ویضمهما الیه [2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا گیا حضور کو اپنے اہلبیت میں سے زیادہ پیارا کون ہے۔ فرمایا: حسن وحسین۔ اور حضور دونوں صاحبزادوں کو حضرت زہرا سے بلوا کر سینے سے لگاتے اور ان کی خوشبو سونگھتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث ششم: امام ابوداؤد اپنی سنن حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنہما سے راوی:

بینما هو یحدث القوم وکان فیه مزاح بیننا یضحکهم فطعنه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی خاصرته بعود فقال اصبرنی فقال اصطبر قال ان علیك قمیصا ولیس علی قمیص فرفع النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن قمیصه فاحتضنه وجعل یقبل کشحه قال انما	اس اثناء میں کہ وہ باتیں کررہے تھے اور ان کے مزاج میں مزاح تھا لوگوں کو ہنسا رہے تھے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لکڑی ان کے پہلوں میں چبھوئی، انھوں نے عرض کی: مجھے بدلہ دیجئے۔ فرمایا: لے۔ عرض کی: حضور تو کرتا پہنے ہیں اور میں ننگا تھا۔ حضور نے کرتا اٹھادیا انھوں نے حضور کو اپنے کنار میں

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن یعلی رضی اللہ تعالٰی عنه دار الفکر بیروت ۴/ ۱۷۲

[2] جامع الترمذی کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۸

اردت ہذا یارسول اللہ [1]۔	لیا اور تہیگاہ اقدس کو چومنا شروع کیا پھر عرض کی: یارسول اللہ! میرا یہی مقصود تھا۔ع دل عشاق حیلہ گر باشد (عاشقوں کا دل کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ تلاش کرلیتا ہے۔ت) صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی کل من احبہ وبارک وسلم۔

حدیث ہفتم: اسی میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

مالقیتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قط الاصافحنی وبعث الی ذات یوم ولم اکن فی اھلی فلما جئت اخبرت انہ ارسل الی فاتیتہ وھو علی سریرہ فالتزمنی فکانت تلك اجود واجود [2]۔	میں جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا حضور ہمیشہ مصافحہ فرماتے۔ایک دن میرے بلانے کو آدمی بھیجا۔میں گھر میں نہ تھا۔آیا تو خبر پائی حاضر ہوا۔حضور تخت پر جلوہ فرما تھے۔مجھے گلے سے لگایا تو یہ اور زیادہ جید ونفیس تر تھا۔

حدیث ہشتم: ابویعلی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالت رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم التزم علیا وقبلہ ویقول بابی الوحید الشھید [3]۔	میں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور نے مولا علی کو گلے لگایا اور پیار کیا،اور فرماتے تھے میرا باپ نثار اس وحید شہید پر۔

حدیث نہم: طبرانی معجم کبیر اور ابن شاہین کتاب السنہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واصحابہ غدیرا فقال لیسبح کل رجل الی صاحبہ فسبح کل رجل منھم الی صاحبہ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ایک تالاب میں تشریف لے گئے حضور نے ارشاد فرمایا: ہر شخص اپنے یار کی طرف پیرے۔سب نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ صرف

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قبلۃ الجسد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی المعانقۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۲

[3] مسند ابو یعلی ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ۴۵۵۸ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۳۱۸

حتی بقی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر فسبح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ابی بکر حتی اعتنقہ فقال لوکنت ف متخذ اخلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکنہ صاحبی [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق باقی رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کی طرف پیر کر تشریف لے گئے اور انھیں گلے لگا کر فرمایا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرا یار ہے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی صاحبہ وبارک وسلم۔

حدیث دہم: خطیب بغدادی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال کنا عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یطلع علیکم رجل لم یخلق اللہ بعدی احداھو خیر منہ ولا افضل۔ ولہ شفاعۃ مثل شفاعۃ النبیین فما برحنا حتی طلع ابوبکر الصدیق فقام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقبلہ والتزمہ [2]۔	ہم خدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر تھے ارشاد فرمایا اس وقت تم پر وہ شخص چمکے گا کہ اللہ تعالٰی نے میرے بعد اس سے بہتر وبزرگ تر کسی کو نہ بنایا اور اس کی شفاعت انبیاء کی مانند ہوگی ہم حاضر ہی تھے کہ ابوبکر نظر آئے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قیام کیا اور صدیق کو پیار کیا اور گلے لگایا۔

حدیث یازدہم: حافظ عمر بن محمد ملا اپنی سیرت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واقفا مع علی بن ابی طالب اذ اقبل ابوبکر فصافحہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعانقہ وقبل فاہ قال علی اتقبل فا ابی بکر فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا ابا الحسن منزلۃ	میں نے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ کھڑے دیکھا، اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر ہوئے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے مصافحہ فرمایا اور گلے لگایا اور ان کے دہن پر بوسہ دیا۔ مولٰی علی

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۷۶و۱۱۹۳۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۱و۳۳۹

[2] تاریخ بغداد للخطیب بغدادی ترجمہ محمد بن العباس ابوبکر القاص دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۲۴

ف: خط کشیدہ الفاظ حدیث المعجم الکبیر کی حدیث ۱۱۹۳۸ میں ۱۱/ ۳۳۹ پر ملاحظہ ہوں

ابوبکر عندی کمنزلتی عند ربی[1]۔	کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کیا حضور ابوبکر کا منہ چومتے ہیں، فرمایا اے ابوالحسن! ابوبکر کا مرتبہ میرے یہاں ایسا ہے جیسا کہ میرا مرتبہ اپنے رب کے حضور۔

حدیث دوازدہم: ابن عبدربہ کتاب بہجۃ المجالس میں مختصرا اور ریاض نضرہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مطولا صدیق اکبر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ابتدائے اسلام میں اظہار اسلام اور کفار سے ضرب وقتال فرمانا اور ان کے چہرہ مبارک پر ضرب شدید آنا اس سخت صدمہ میں بھی حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خیال رہنا۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالارقم میں تشریف فرما تھے اپنی ماں سے خدمت اقدس میں لے چلنے کی درخواست کرنا مفصلا مروی یہ حدیث بتمامہ ہماری کتاب مطلع القمرین فی ابانۃ العمرین میں مذکور، اس کے آخر میں ہے:

حتی اذاھدأت الرجل وسکن الناس خرجتابہ یتکیئ علیھما حتی ادخلتاہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالت فانکب علیہ فقبلہ وانکب علیہ المسلمون ورق لہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رقۃ شدیدۃ الحدیث[2]۔	یعنی جب پچل موقوف ہوئی اور لوگ سو رہے ان کی والدہ ام الخیر اور حضرت فاروق اعظم کی بہن ام جمیل رضی اللہ تعالٰی عنہما انھیں لے کر چلیں بوجہ ضعف دونوں پر تکیہ لگائے تھے یہاں تک کہ خدمت اقدس میں حاضر کیا دیکھتے ہی پروانہ وار شمع رسالت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر گر پڑے اور بوسہ دینے لگے اور صحابہ غایت محبت سے ان پر گرے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے رقت فرمائی الحدیث۔

حدیث سیزدہم: حافظ ابوسعید شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

صعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم علی المنبر ثم قال این عثمان بن عفان، فوثب وقال ھا انا ذا یارسول اللہ فقال	حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا: عثمان کہاں ہیں۔ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ بے تابانہ اٹھے اور عرض کی: حضور!

[1] سیرت حافظ عمر بن محمد ملا

[2] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۱/ ۷۹

ادن منی فدنا منه فضمه الی صدره و قبل بین عینیه الحدیث۔[1]	میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! فرمایا: پاس آؤ۔ پاس حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں سینے سے لگایا اور آنکھوں کے بیچ میں بوسہ دیا۔ الحدیث۔

حدیث چہاردہم: حاکم صحیح مستدرک بافادۃ التصحیح اور ابویعلٰی اپنی مسند اور ابونعیم فضائل صحابہ میں اور برہان خجندی کتاب اربعین مسمّٰی بالماء المعین اور عمر بن محمد ملا سیرت میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال بینا نحن مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی نفر من المهاجرین منهم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وطلحة والزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لینهض کل رجل الی کفؤه فنهض النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الی عثمان فاعتنقه وقال انت ولی فی الدنیا والاخرة۔[2]	ہم چند مہاجرین کے ساتھ خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے، حاضرین میں خلفاء اربعہ (ابوبکر، عمر، عثمان، علی) وطلحہ و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں ہر شخص اپنے جوڑ کی طرف اٹھ کر جائے، اور خود حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اٹھ کر تشریف لائے اور ان سے معانقہ کیا اور فرمایا: تو میرا دوست ہے دنیا وآخرت میں۔

حدیث پانزدہم: ابن عساکر تاریخ میں حضرت امام حسن مجتبٰی وہ اپنے والد ماجد حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہما سے راوی:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم عانق عثمٰن بن عفان فقال قد عانقت اخی عثمان فمن کان له اخ فلیعانقه۔[3]	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معانقہ کیا اور فرمایا میں نے اپنے بھائی عثمان سے معانقہ کیا جس کے کوئی بھائی ہو اسے چاہئے اپنے بھائی سے معانقہ کرے۔

[1] اشرف النبی (فارسی) باب بست ونہم مطبوعہ تہران ص ۲۸۸و۲۹۰

[2] المستدرك باب فضائل عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ دار لفکر بیروت ۳/ ۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۶۲۴۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۳/ ۵۷

اس حدیث میں علاوہ فعل کے مطلقًا حکم بھی ارشاد ہوا کہ ہر شخص کو اپنے بھائیوں سے معانقہ کرنا چاہئے:

حدیث شانزدہم: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہراء سے فرمایا: عورت کے حق میں سب سے بہتر کیا ہے؟ عرض کی کہ نامحرم شخص اسے نہ دیکھے، حضور نے گلے سے لگالیا اور فرمایا:

ذریۃ بعضھا من بعض [1]۔ اوکما ورد صلی اللہ تعالٰی علی الجیب واٰلہ وبارك وسلم۔	یہ ایک دوسرے کی نسل ہے۔ (ت) جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے اللہ تعالٰی کی رحمت وبرکت اور سلام ہو اس کے حبیب مکرم اور ان کی سب آل پر۔ (ت)

بالجملہ احادیث اس بارے میں بکثرت وارد۔ اور تخصیص سفر محض بے اصل وفاسد، بلکہ سفر وبے سفر ہر صورت میں معانقہ سنت، اور سنت جب ادا کی جائے گی سنت ہی ہوگی تاوقتیکہ خاص کسی خصوصیت پر شرع سے تصریحًا نہی ثابت نہ ہو یہاں تک کہ خود امام مانعین مولوی اسمٰعیل دہلوی اپنے رسالہ نذور میں کہ مجموعہ زبدۃ النصائح میں مطبوع ہوا صاف مقر کہ معانقہ روز عید گوبدعت ہو بدعت حسنہ ہے۔

حیث قال ہمہ اوضاع از قران خوانی وفاتحہ خوانی وطعام خورانیدن سوائے کنند چاہ وامثالہ دعا واستغفار واضحیہ بدعت است گوبدعت حسنہ بالخصوص ست مثل معانقہ عید ومصافحہ بعد نماز صبح یا عصر [2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	چنانچہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے کہا ہے۔ قرآن خوانی فاتحہ خوانی اور کھانا کھلانے کے تمام طریقے بدعت ہیں سوائے کنواں کھدوانے اور اسی نوع کے دوسرے کام، قربانی کرنے اور دعا استغفار کرنے کے۔ گویہ بدعت حسنہ بالخصوص ہیں جیسے عید کے دن گلے ملنا اور نماز فجر اور نماز عصر کے بعد مصافحہ کرنا انتھی اللہ تعالٰی سب کچھ جانتا ہے اور اس شان والے کا علم سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب النکاح الباب الثالث دار الفکر بیروت ۵/ ۳۶۲

[2] زبدۃ النصائح (رسالہ نذور)

رسالہ
صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین ۱۳۰۶ھ
(دونوں ہتھیلیوں سے مصافحہ ہونے میں چاندی کی تختیاں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے یا نہیں؟ اور آج کل جو غیر مقلد لوگ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو ناجائز و خلاف احادیث جانتے ہیں ان کا یہ دعوی صحیح ہے یا غلط؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

الحمدللہ اللھم لك الحمد یا باسط الیدین بالرحمۃ تنفق کیف تشاء، تصافح حمدك بمزید رفدك کما تعانق شکرك والعطاء، صل وسلم وبارك علی من یداہ بحر النوال، ومتبعا الزلال وجنتا البلاء، وعلی الہ وصحبہ و اھلہ وحزبہ ماتصافحت الایدی عند اللقاء واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الباسط کفیہ بالجود والصلۃ وعلی الہ وصحبہ اولی الود والاخاء والفیض والسخاء فی العسر والرخاء الی تصافح الاحباب وتعانق الاخلاء۔ اٰمین الہ الحق امین۔

بیشک، دونوں ہاتھ سے مصافحہ جائز ہے۔ اکابر علماء نے اس کے مسنون ومندوب ہونے

کی تصریح فرمائی اور ہر گز ہر گز نام کو بھی کوئی حدیث اس سے ممانعت میں نہ آئی۔ جائز شرعی کی ممانعت ومذمت پر اترنا شریعت مطہرہ پر افتراء کرنا ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ قبل اس کے کہ اس اجمال کی تفصیل کرے، ایک واقعہ طیبہ ورؤیائے صالحہ ذکر کرتا ہے۔ **وللہ الحمد والمنۃ ومنہ الفضل والنعمۃ**۔

یہ مسئلہ فقیر غفرلہ المولی القدیر سے روز جمعہ ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ کو بعد نماز پوچھا گیا۔ جواب زبانی بیان میں آیا اور ازانجا کہ آج کل قدرے علالت اور بوجہ مشاغل درس قلتِ مہلت تھی قصد کیا کہ جمعہ آئندہ کی تعطیل **ان شاء اللہ تعالٰی** تحریر جواب کی کفیل ہوگی۔ اس اثناء میں سوال مذکور کا خیال بھی دل سے اتر گیا۔ ناگاہ شب سہ شنبہ ۲۳ ماہ مسطور کہ سر بشمال و روبقبلہ میں سوتا اور بخت بیدار تھا۔ خاص صبح کے وقت **بحمد اللہ** دیکھا کہ سمت مدینہ طیبہ سے امام علام، مرشد الانام، قاضی البلاد و مفتی العباد، فقیہ النفس، مقارب الاجتہاد، امام اجل، ابوالمحاسن فخر الملۃ والدین ابوالمفاخر، حسن ابن امام بدرالدین منصور ابن امام شمس الدین محمود ابوالقاسم بن عبدالعزیز اوزجندی فرغانی معروف بہ امام قاضی خاں **قَدَّسَ اللہُ تَعَالٰی سِرَّہٗ، فَاَفَاضَ عَلَیْنَا نُوْرَہٗ**، (جن کے فتاوٰی کے لئے شرقا غربا اعلٰی درجہ کا اعتبار اور اشتہار اور ان کا امام مجتہد، فقیہ النفس اعظم عمائد سے ہونا آشکار) فقیر کے سرہانے تشریف لائے، بلند بالا متوسط بدن، سفید پوشاک زیب تن، وسیع گھیر نیچے دامن، اور بزبان فارسی یہ دو جملے ارشاد فرمائے:

"مسند ایشاں حدیث انس است واو را مفہوم نیست"	اس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ والی حدیث ہے اس کا مفہوم مخالف مراد نہیں۔ (ت)

لفظ یہی تھے یا اس کے قریب، معاً جمال مبارک دیکھتے ہی قلب فقیر میں القاء ہوا کہ یہ امام قاضی خاں رحمہ اللہ تعالٰی ہیں۔ اور کلام مقدس سنتے ہی دل میں آیا کہ اسی مسئلہ مصافحہ کی نسبت ارشاد ہے **والحمد للہ رب العالمین**۔

فقیر غفرلہ اللہ تعالٰی کو اس خواب مبارک کے ذکر سے مخالفین پر حجت لانا مقصود نہیں کہ وہ تو خواب کے اصلا قدر وقیمت نہیں رکھتے اگرچہ احادیث صحیحہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسے امر عظیم جانتے اور اس کے سننے، پوچھنے، بتانے، بیان فرمانے میں نہایت درجے کا اہتمام فرماتے۔ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز صبح پڑھ کر حاضرین سے دریافت فرماتے:

ھَلْ رَاٰی اَحَدٌ اللَّیْلَۃَ رُؤْیَا[1] ۔	آج کے شب کسی نے کوئی خواب دیکھا؟

جس نے دیکھا ہوتا عرض کرتا۔ حضور تعبیر فرماتے۔ احمد و بخاری و مسلم وابوداؤد وترمذی وابن ماجہ وطبرانی وحکیم ترمذی وابن جریر وابن عبدالبر وابن النجار وغیرہم محدثین کبار کے یہاں احادیث انس وابوہریرہ وعبادہ بن صامت وابوسعید خدری و عبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عمرو عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس وجابر بن عبداللہ وعوف بن مالک وابورزین عقیلی وعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کی خواب نبوت کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا عـــہ ہے"[2]

صحیح بخاری میں ابوہریرہ اور صحیح مسلم وسنن ابی داؤد میں عبداللہ بن عباس اور احمد وابنائے ماجہ وخزیمہ وحبان کے یہاں بسند صحیح ام کرز کعبیہ ___ اور مسند احمد میں ام المومنین صدیقہ ___ اور معجم کبیر طبرانی میں بسند صحیح حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی وھذا لفظ الطبرانی (یہ الفاظ طبرانی کے ہیں۔ت) حضور لامع النور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذَھَبَتِ النُّبُوَّۃُ فَلَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قِیْلَ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ یَرَاھَا الرَّجُلُ اَوْتُرٰی لَہٗ[3] ۔	نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہ ہوگی مگر بشارتیں، عرض کی گئی وہ بشارتیں کیا ہیں؟ فرمایا: نیک آدمی کہ خواب خود دیکھے یا اس کے لئے دیکھی جائے۔

اسی طرح احادیث اس بارہ میں متوافر اور اس کا امر عظیم مہتم بالشان ہونا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عـــہ: حدیثیں اس بارے میں مختلف آئیں۔ چو بیسواں، پچیسواں، چھبیسواں، چالیسواں، چوالیسواں پینتالیسواں، چھیالیسواں، پچاسواں، سترھواں، چھہترواں ٹکڑا سب وارد ہیں۔ لہٰذا فقیر نے مطلق ایک ٹکڑا کہا اور اکثر احادیث صحیحہ میں چھیالیسواں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ۱۲ منہ

[1] جامع الترمذی ابواب الرؤیا امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۳، صحیح البخاری کتاب التعبیر باب تعبیر الرؤیا بعد صلوٰۃ الصبح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۴۳، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرؤیا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرؤیا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۹، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۴ او ۱۰۳۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۳۰۵۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۷۹

سے متواتر۔ان کی تفصیل موجب تطویل۔

اور احمد و بخاری و ترمذی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا اَرٰی اَحَدُکُمُ الرُّؤْیَا یُحِبُّہَا فَاِنَّمَا ھِیَ مِنَ اللہِ فَلْیَحْمَدِ اللہَ عَلَیْہَا وَلْیُحَدِّثْ بِہَا غَیْرَہ[1]۔	جب تم میں سے کوئی ایسا خواب دیکھے جو اسے پیارا معلوم ہو تو وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے چاہئے کہ اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالائے اور لوگوں کے سامنے بیان کرے۔

فقیر بے نوا کو اس سے زیادہ کیا پیارا ہوگا کہ ایک امام اجل، رکن شریعت، ہادی ملت اس پر اپنا پر تو اجلال ڈالے۔اور محض اس کی امداد اور ارشاد کے لئے غریب خانہ پر بنفس نفیس کرم فرمائے اور بے سابقہ عرض و درخواست خود بکمال مہربانی مسئلہ دین ورد مخالفین تعلیم کرے۔کیا وہ غریب خستہ فقیر دل شکستہ اس سے امید نہ کرے گا کہ باوجود میرے ان عظیم و شدید گناہوں کے میرا رؤف ورحیم مولٰی عزوجل وعلا میرے ساتھ ایک نظر خاص رکھتا ہے اور مجھ سے ذلیل۔بے وقعت، خوار، بے حیثیت کا افتاء بھی اس بارگاہ رحمت میں گنتی شمار کے قابل ٹھہرائے۔

فالحمدللہ الذی بنعمتہ وجلالہ تتم الصالحات والصلوٰۃ والسلام علی کنز الفقراء، حرز الضعفاء عظیم الرجاء، عمیم العطیات وعلی الہ و صحبہ اجمعین ۔ و الحمدللہ رب العالمین۔	تمامی تعریف ثابت ہے اس معبود حقیقی کے لئے جس کی نعمت وعظمت کے طفیل نیکیاں تمام و کمال کو پہنچیں، اور درود وسلام نازل ہو اس ذات اقدس پر جو فقیروں کا خزانہ، کمزوروں کی پناہ گاہ، بڑی امید والے اور عام بخشش کرنے والے ہیں اور ان کے تمام آل واصحاب پر تمامی تعریف سارے جہاں کے پالنہار کے لئے ہے۔(ت)

معہذا یہ بھی سنت صحابہ سے ثابت کہ جو خواب ایسا دیکھا گیا جس میں ان کے قول کی تائید نکلی اس پر ارشاد ہوئے اور دیکھنے والے کی توقیر بڑھادی، صحیحین[2] میں ہے ابو حمزہ ضبعی نے تمتع حج میں خواب دیکھا

[1] صحیح البخاری کتاب التعبیر باب الرؤیا من اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۳۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناسك باب التمتع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۳

جس سے مذہب ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی تائید ہوئی، ابن عباس نے ان کا وظیفہ مقرر کردیا اور اس روز سے انھیں اپنے ساتھ تخت پر بٹھانا شروع کیا،

ان وجوہ پر نظر تھی کہ فقیر نے یہ خواب ذکر کی، خواب دیکھتے ہی آنکھ کھلی، نماز کا وقت تھا، وضو میں مشغول ہوا، اثنائے وضو ہی میں خیال کیا تو یاد آیا کہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث جامع ترمذی میں مروی کہ سائل نے عرض کی:

افیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم[1]۔	یعنی یارسول اللہ! جب مسلمان مسلمان سے ملے تو اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے۔فرمایا ہاں۔

اس میں لفظ "یدہ" بصیغہ مفرد واقع ہوا لہذا ان صاحبوں کا محل استناد ٹھہرا۔

اب قبل اس کے کہ جواب امام علیہ الرحمۃ المنعام کی توضیح اور دیگر مباحث نفیسہ کی جو بحمد اللہ قلب فقیر پر فائض ہوئے تصریح کروں، پہلے اس کا بیان کرنا ہے کہ امام ہمام قدس سرہ نے خاص حدیث انس کو کیوں ان کا مستند بنایا حالانکہ کلمہ ید بصیغہ مفرد اس کے سوا اور بھی کئی حدیثوں میں آیا، اس تحقیق کے ضمن میں ان شاء اللہ تعالٰی ان حدیثوں سے بھی جواب کھل جائے گا۔

فاقول: وباللہ التوفیق وہ احادیث مصافحہ جن میں لفظ ید بصیغہ مفرد واقع تین قسم ہیں:

قسم اول: احادیث فضائل جن میں مصافحہ کی ترغیب اور اس کی خوبیوں کا بیان ہے ___ مثلاً:

حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما جسے طبرانی نے معجم اوسط اور بیہقی نے شعب الایمان میں بسند صالح روایت کیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَالَقِیَ الْمُؤْمِنَ فَسَلَّمَ عَلَیْهِ وَاَخَذَبِیَدِہٖ فَصَافَحَه تَنَاثَرَتْ خَطَایَاهُمَا کَمَا تَنَاثَرُ وَرَقُ الشَّجَرِ[2]۔	جب مسلمان سے مسلمان مل کر سلام کرتا اور ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرتا ہے ان کے گناہ جھڑپڑتے ہیں جیسے پیڑوں کے پتے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۷۲۴۰ مکتبۃ المعارف ریاض ۱/ ۱۸۴، شعب الایمان فصل فی المصافحہ حدیث ۸۹۵۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۴۷۳

حدیث سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ معجم کبیر طبرانی میں بسند حسن مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَلَقِیَ اَخَاہُ الْمُسلم فاخذ بِیَدِہٖ تَحَاتَتْ عَنْھُمَا ذُنُوبُھُمَا[1]۔	مسلمان جب اپنے بھائی سے مل کر اس کا ہاتھ پکڑتا ہے ان کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔

حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ امام احمد نے ایسی سند سے جس کے سب رجال سوا میمون بن موسٰی مرئی بصری صدوق مدلس کے ثقات عدول ہیں اور نیز ابویعلی وبزار نے روایت کی:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَامِنْ مُسْلِمِیْنِ الْتَقِیَا فَاَخَذَ اَحَدُ ھُمَا بِیَدِ صَاحِبِہٖ اِلَّا مَاکَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَ جَلَّ اَنْ یَّحْضر دُعَا ئَھُمَا وَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اَیْدِیْھِمَا حَتّٰی یَغْفِرَ لَھُمَا[2]۔	جب دو مسلمان ملاقات کے وقت ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اللہ تعالٰی پر حق ہے کہ ان کی دعا قبول فرمائے اور ان کے ہاتھ جدانہ ہونے پائیں کہ ان کے گناہ بخش دے۔

حدیث براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ احمد نے مسند اور ضیاء نے مختارہ میں بسند صحیح روایت کی حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما مسلمین التقیا فاخذ احد ہما بید صاحبہ و تصافحا وحمدااللہ جمیعا تفرقا لیس بینھما خطیئۃ[3]۔	جو دو مسلمان آپس میں مل کر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑیں اور مصافحہ کریں اور دونوں حمد الٰہی بجالائیں بیگناہ ہو کر جدا ہوں۔

نیز **حدیث** براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ بیہقی نے بطریق یزید بن براء تخریج کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایلقی مسلم مسلمافیر حب بہ ویاخذ	جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۵۰ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۲۵۶

[2] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۴۲، الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والبزار وابی یعلٰی الترغیب فی المصافحہ حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن براء بن عازب المکتبۃ الاسلامی بیروت ۴/ ۲۹۳و ۲۹۴

بیدہ الاتناثرت الذنوب بینھما کما یتناثر ورق الشجر[1]۔	ملائے ان کے گناہ برگ درخت کی طرح جھڑ جائیں۔

اقول: اگرمان بھی لیا جائے کہ یہ الفاظ وحدت ید میں ہیں تاہم ان دونوں حدیثوں میں منکرین کے لئے حجت نہیں۔ ہر عاقل جانتا ہے کہ مقام ترغیب وترھیب میں غالبًا ادنٰی کو بھی ذکر کرتے ہیں کہ جب اس قدر پر یہ ثواب یا عقاب ہے تو زائد میں کتنا ہوگا۔ اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ اس سے زائد مندوب یا محذور نہیں۔ ترھیب کی مثال تو یہ لیجئے۔

ابن ماجہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اعان علی قتل مومن بشطر کلمۃ لقی اللہ مکتوبا بین عینیہ ایس من رحمۃ اللہ[2]۔	جو کسی مسلمان کے قتل پر آدھی بات کہہ کر اعانت کرے اللہ سے اس حالت پر ملے کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہو خدا کی رحمت سے ناامید۔

کیا اس کے یہ معنٰی ہیں کہ آدھی بات کہہ کر اعانت کرے تو مستحق عذاب اور ساری بات سے مدد کرے تو نہیں؟ یہاں محل ترغیب ہے زیادہ مثالیں اسی کی سنئے، مثلًا اگر کوئی یوں کہے کہ جو شخص اللہ تعالٰی کی راہ میں ایک پیسہ دے اللہ تعالٰی اس پر رحمت فرمائے اس کے یہ معنٰی نہ ہوں گے کہ دو پیسے دے گا تو رحمت نہ ہوگی۔

بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور امام مالک مؤطا میں بطریق سعید بن یسار مرسلًا اور طبرانی وابن حبان ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور معجم کبیر میں ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

وھذا حدیث ابن حبان فی صحیحہ عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنھا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اللہ	یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان جو ایک چھوہارا یا ایک نوالہ اللہ کی راہ میں دے اللہ تعالٰی اسے ایسا بڑھاتا

[1] شعب الایمان حدیث ۸۹۵۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۴۷۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الدیات باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلمًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱

لیربی لاحد کم التمرة واللقمة کما یربی احد کم فلوه اوفصیله حتی یکون مثل احد[1]۔	اور پالتا ہے جیسے آدمی اپنے بچھڑے یا بوتے کو پرورش کرے یہاں تک کہ بڑھ کر کوہ احد کے برابر ہو جاتا ہے۔

اور صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ یوں ہیں:

قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من تصدق بعدل تمرة من کسب طیب ولا یقبل الله الا الطیب فان الله یتقبلها بیمینه[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو ایک چھوہارے برابر پاک مال سے خیرات کرے اور اللہ تعالٰی قبول نہیں کرتا مگر پاک کو، تو رب عزوجل اسے اپنے داہنے دست قدرت سے قبول فرماتا ہے۔

کوئی احمق سے احمق بھی ان حدیثوں سے یہ معنی نہ سمجھے گا کہ ایک چھوہارے یا ایک ہی نوالہ کی خصوصیت ہے ایک دے گا تو قبول بھی ہوگا اور ثواب بھی بڑھے گا، جہاں دو یا زائد دے پھر نہ قبول کی توقع نہ ثواب کی ترقی ___ نہیں نہیں، بالیقین یہی معنٰی ہیں کہ ایک لقمہ یا ایک خرما بھی ان نیک جزاؤں کا باعث ہے۔ یوں ہی ان احادیث کا یہ مضمون نہیں کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوگا تو وہ ثواب ملے گا دو ہاتھ سے کیا تو ناجائز ہوا یا اجر گیا۔ بلکہ برتقدیر عہ مذکور ان کا اسی قدر مفاد کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ بھی اس جزائے نیک کے لئے کافی ہے۔

قسم دوم: وہ احادیث جن میں وقائع جزئیہ کی حکایت ہے یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا فلاں صحابی نے فلاں شخص سے یوں مصافحہ فرمایا۔

حدیث حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ سنن ابی داؤد میں بروایت ام المومنین

عہ: یعنی اس تقدیر پر کہ وہ الفاظ ارادہ وحدت ید میں فرض کر لئے جائیں۔

---

[1] موارد الظمأن الی زوائد ابن حبان حدیث ۸۱۹ المطبعة السلفیه ص۲۰۹

[2] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب الصدقه من کسب طیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان اسم الصدقه یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶، جامع الترمذی ابوب الزکوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصدقة امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴

صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا مروی:

کانت اذا دخلت علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قام الیها فاخذ بیدها فتقبلها و اجلسها فی مجلسه وکان اذا دخل علیها قامت الیه فاخذته بیده فتقبلته و اجلسته فی مجلسها[1]۔	جب حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا خدمت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتیں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیام فرماتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کے یہاں تشریف لے جاتے وہ حضور کے لئے قیام کرتیں اور دست اقدس لے کر بوسہ دیتیں اور حضور والا کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وبارک وسلم۔

حدیث معجم طبرانی کبیر:

عن ابی داؤد الاعمٰی قال لقینی البراء بن عازب فاخذ بیدی وصافحنی و ضحك فی وجهی فقال تدری لما اخذت بیدك قلت لا الا انی ظننت انك لم تفعله الالخیر۔ فقال ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لقینی ففعل بی ذلك۔[2] الحدیث	یعنی ابوداؤد اعمٰی نے کہا حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھے ملے میرا ہاتھ پکڑا اور مصافحہ کیا اور میرے سامنے ہنسے پھر فرمایا: تو جانتا ہے میں نے کیوں تیرا ہاتھ پکڑا؟ میں نے عرض کی: نہیں مگر اتنا جانتا ہوں کہ آپ نے کچھ بہتر ہی کے لئے ایسا کیا، فرمایا: بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھ سے ملے تو حضور نے میرے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا۔

اقول: یہ بھی اصلا قابل استناد نہیں۔ قطع نظر اس سے یہ حدیث طبرانی پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ ابی داؤد اعمٰی رافضی سخت مجروح متروک ہے۔ امام ابن معین نے اسے کاذب کہا، اور حدیث حضرت زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ممکن کہ ہاتھ پکڑنا بوسہ دینے کے لئے ہو۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی القیام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۸

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی الترغیب فی المصافحۃ حدیث ۳ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۲، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب المصافحۃ الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۳۷

بہر حال ان میں نہیں مگر وقائع جزئیہ کی حکایت اور عقلا ونقلا مبرہن وثابت کہ وہ حکم عام کو مفید نہیں ہزار جگہ ائمہ دین کو فرماتے سنئے گا۔

واقعۃ حال لاعموم لہا قضیۃ عین فلا تعم۔	واقعہ حال کے لئے عموم نہیں اور قضیہ معین عام نہیں ہوتا۔(ت)

خلاصہ یہ کہ ان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ہمیشہ ایسا ہی ہوا یا ہمیشہ ایسا ہی ہونا چاہئے بلکہ صرف اتنا مستفاد کہ اس بار ایسا ہوا پھر کسی واقعے میں دو امروں سے ایک کا وقوع کبھی یوں ہوتا ہے کہ یہ جو واقع ہوا دوسرے سے افضل تھا بوجہ فضیلت اسے اختیار کیا کبھی یوں کہ دونوں مساوی تھے، ایک مساوی کرلیا، کبھی یوں کہ وہ دوسرا ہی افضل تھا اور اس واقعے میں بیان جواز کے لئے یہ مفضول صادر ہوا۔ کبھی یوں کہ اس پر کوئی ضرورت حائل تھی۔

الی غیر ذٰلک من الاحتمالات الکثیرۃ الشائعۃ التی لاتبقی للاستدلال علینا ولا اثرا۔	اس کے علاوہ بہت سے احتمالات مشہور ہیں جو ہمارے خلاف استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتے۔(ت)

اسی لئے جو لوگ مفہوم مخالف کے قائل ہیں وہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ واقعہ جزئیہ میں نہ ہو، ورنہ بالاجماع ماعدا سے نفی کو مفید نہ ہوگا کما نص عَلَیْہِ عُلَمَاءُ الْاُصُوْل (جیسا کہ علمائے اصول نے اس پر نص قائم کی ہے۔ت)

قسم سوم: وہ روایات جو خاص کیفیت مصافحہ میں وارد ہیں۔ یہ البتہ قابل لحاظ ہیں کہ اگر کچھ بوئے استناد نکل سکتی ہے تو انھیں میں ہے، یہ دو حدیثیں ہیں:

حدیث اول: جامع ترمذی میں ہے:

حدثنا احمد بن عبدۃ الضبی نا یحیی بن مسلم الطائفی عن سفین عن منصور عن خیثمۃ عن رجل عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال من تمام التحیۃ الاخذ بالید[1]۔	احمد بن عبدۃ الضبی نے یحیٰی بن مسلم سے اس نے سفین سے انھوں نے منصور انھوں نے منصور انھوں نے خیثمہ انھوں نے ایک شخص کے حوالہ سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی کہ حضور نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاتھ پکڑنا کامل سلام میں سے ہے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

اقول: یہ حدیث بھی لائق احتجاج نہیں۔

اوّلاً: اس کی سند ضعیف ہے۔ جس میں **عن خیثمة عن رجل**۔ ایک مجہول واقع۔

ثانیاً: امام المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری نے یہ حدیث تسلیم نہ فرمائی اور اس کے غیر محفوظ ہونے کی تصریح کی۔ یحیٰی بن مسلم طائفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن پر اس حدیث کا مدار ہے **کما فی الترمذی**[1] جیسا کہ ترمذی میں ہے۔ت) علماء محدثین ان کا حافظہ برا بتاتے ہیں کما فی التقریب (جیسا کہ تقریب میں ہے۔ت) امام بخاری کہتے ہیں میرے نزدیک یہاں بھی ان کے حفظ نے غلطی کی۔ انھوں نے سند مذکور سے حدیث: **لا سمر الا لمصل او مسافر**[2] (رات کی گفتگو صرف نمازی یا مسافر کے لئے جائز ہے۔ یعنی بعد نماز عشاء باتیں کرنا سمر کے معنی رات میں بات کرنا ہے۔ت) سنی بھی بھول کر اس کی جگہ یہ روایت کرگئے حالانکہ یہ تو صرف عبدالرحمٰن بن یزید یا اور کسی شخص کا قول ہے **نقله الترمذی** (اسے ترمذی نے نقل کیا۔ت)

ثالثاً اقول: وباللہ التوفیق اس سب سے درگزریئے اور ذرا غور وتامل سے کام لیجئے۔ تو یہ حدیث دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کا پتا دیتی ہے کہ اس میں **اخذ بالید** بصیغہ مفرد کو تمامی تحیت کا ایک ٹکڑا رکھا ہے۔ نہ یہ کہ صرف اسی پر تمامی وانتہا ہے۔ تحیت کی ابتداء سلام اور مصافحہ تمام اور ایک ہاتھ ملانا اسی تمامی کا ایک ٹکڑا۔

لہٰذا جامع ترمذی میں حدیث ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان لفظوں سے آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تمام تحیتکم بینکم المصافحة[3]۔	تمھارا آپس میں تمامی تحیت کا مصافحہ ہے۔

یہاں "**من**" تبعیضیہ نہ لایا گیا کہ صرف ایک ہاتھ کا ذکر نہ تھا جو ہنوز تمامی کا بقیہ باقی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

حدیث دوم: وہی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ جس کی طرف امام ہمام فقیہ الانام قاضی خاں قدس سرہ نے اشارہ فرمایا۔ جامع ترمذی میں ہے:

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[3] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

حدثنا سوید نا عبداللہ نا حنظلۃ بن عبیداللہ عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ او صدیقہ اینحنی لہ قال لا، قال افیلتزمہ ویقبلہ قال لا، قال فیاخذ بیدہ ویصافحہ قال نعم[1]۔	یعنی ایك شخص نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کوئی آدمی اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی کیا اسے گلے لگائے اور پیار کرے؟ فرمایا: نہیں۔ عرض کی: اس کا ہاتھ پکڑے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا: ہاں۔

اس حدیث کو ترمذی نے حسن بتایا بخلاف اول کہ خود ترمذی نے امام بخاری سے اس کی تضعیف نقل کردی تھی۔ تو ثابت ہوگیا کہ حضرات مخالفین اگر سند لائیں گے تو اسی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، باقی خیریت ــــ لہٰذا امام ممدوح قدس سرہ نے اسی حدیث کی تخصیص فرمائی۔

اب بحمداللہ تعالٰی جواب جناب امام ہمام قدس سرہ کی توضیح سنئے ــــ ظاہر ہے کہ افراد ید سے اس حدیث خواہ کسی حدیث میں اگر نفی یدین پر استدلال ہوگا تو لاجرم بطریق مفہوم مخالف ہوگا اور وہ محققین کے نزدیک حجت نہیں جس کی بحث کتب اصول میں ختم ہوچکی۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت)

اوّلاً: قرآن عزیز میں ہے:

"بِیَدِكَ الْخَیْرُؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ(۲۶)"[2]	تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے بیشك تو ہر چیز پر قدرت والا ہے۔

کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تیرے ایك ہی ہاتھ میں بھلائی ہے؟ **معاذاللہ** دوسرے میں نہیں۔

ثانیاً: احمد، بخاری، مسلم اور ترمذی حضرت سیدنا سعد بن مالك بن سنان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۲۶

ان اللہ تعالٰی یقول لاھل الجنۃ یا اھل الجنۃ فیقولون لبیك یاربنا وسعدیك والخیر فی یدیك الحدیث [1]۔	بیشک اللہ تعالٰی جنتیوں سے فرمائے گا: اے جنت والو۔ عرض کریں گے۔ لبیک اے رب ہمارے! ہم تیری خدمت میں حاضر ہیں، تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔

اسی طرح تفسیر مقام محمود میں حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ نسائی نے بسند صحیح اور حاکم نے بافادہ تصحیح اور طبرانی اور ابن مندہ نے روایت کی ___ یوں آئی:

یجمع اللہ الناس فی صعید واحد فلا تکلم نفس فاول مدعو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیقول لبیك وسعدیك والخیر فی یدیك [2] الحدیث۔	اللہ تعالٰی روز قیامت لوگوں کو ایک میدان میں جمع میں فرمائے گا تو کوئی کلام نہ کرے گا سب سے پہلے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ندا ہوگی، حضور عرض کریں گے: الٰہی! میں حاضر ہوں خدمتی ہوں تیرے دونوں ہاتھوں میں بھلائی ہے۔

ابن مندہ نے کہا:

حدیث مجمع علی صحۃ اسنادہ وثقۃ رجالہ [3]۔	اس حدیث کی صحت اسناد وعدالت رواۃ پر اجماع ہے۔

یونہی حدیث بعث النار میں اللہ تعالٰی کا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا فرمانا ___ اور ان کا جواب میں لبیك وسعدیك و الخیر بیدك [4] عرض کرنا مروی ___ الی غیر ذلك من الاحادیث کیا یہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید کلام الرب مع اہل الجنۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۱، صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا واھلھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷۸، جامع الترمذی ابواب صفۃ الجنۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۸۸

[2] المطالب العالیۃ حدیث ۴۶۴۵ توزیع عباس احمد الباز (مکہ المکرمہ) ۴/ ۳۸۶، المستدرك للحاکم کتاب التفسیر ذکر المقام المحمود دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۳، مجمع الزوائد کتاب البعث باب منہ فی الشفاعۃ دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۳۷۷

[3] المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۴۲

[4] مسند ابی عوانۃ بیان انہ لایدخل الجنۃ الانفس مسلمۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۹

حدیثیں معاذاللہ اس آیت کے مخالف ہیں؟

ثالثًا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ"[1]	توفرماؤ بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

کیااس کے یہ معنٰی ہیں کہ ایک ہی ہاتھ میں فضل ہے؟

رابعًا: فرماتا ہے: بیدہ

"بَلْ یَدٰہُ بِیَدِہٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ"[2]	اسی کے ہاتھ میں ہے قدرت ہر چیز کی۔

کیامعاذاللہ دوسرے ہاتھ میں مالکیت ومقدرت نہیں؟

خامسًا: دیلمی کی حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ید اللہ مبسوطۃ[3]۔	اللہ کا ہاتھ کشادہ ہے۔

کیامعاذاللہ اس کا یہ مفہوم کہ ایک ہی ہاتھ کشادہ ہے قال اللہ تعالٰی:

"مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ یُنْفِقُ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ"[4]	بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں خرچ فرماتا ہے جیسے چاہے۔

سادسًا: حدیث میں ہے:

ید اللہ ملاٰی[5]۔	اللہ تعالٰی کا ہاتھ غنی ہے۔

کیادوسرے ہاتھ سے غنا منفی ہے؟

سابعًا: حدیث شریف میں ہے:

ید اللہ ھی العلیا[6]۔	اللہ ہی کا ہاتھ اونچا ہے۔

کیاعیاذًا باللہ ایک ہی ہاتھ بلند وبالا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۳

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۸۳

[3] کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق برمز "فر" حدیث ۱۰۱۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۷۵

[4] القرآن الکریم ۵/ ۶۴

[5] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورہ ہود ۲/ ۶۷ وکتاب التوحید ۲/ ۱۱۰۲

[6] مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۶ و۳/ ۴۷۳ و۴/ ۱۳۷

ثامنًا: قال اللہ تعالٰی:

"اِذَآ اَخۡرَجَ یَدَهٗ لَمۡ یَكَدۡ یَرٰىهَا" [1]	کافر ایسی اندھیری میں ہے کہ اپنا ہاتھ نکالے تو نظر نہ آئے۔

کیا اس کے یہ معنٰی کہ دونوں ہاتھ نکالے تو نظر آئیں گے۔

تاسعًا: قال اللہ تعالٰی:

"خُذۡ بِیَدِكَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّهٖ وَلَا تَحۡنَثۡ" [2]	اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار اور قسم جھوٹی نہ کر۔

علماء فرماتے ہیں یہ حکم اب بھی باقی ہے یعنی اگر مثلاً کسی نے غصے میں قسم کھائی کہ زید کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ اب غصہ فرو ہوا چاہتا ہے کہ قسم بھی سچی ہو اور زید ضرب شدید سے بچے بھی تو جھاڑو وغیرہ کی سو شاخیں جمع کرکے اسی طرح زید کے بدن پر مارے کہ وہ سب جسم پر جدا جدا پہنچیں کیا اگر دونوں ہاتھ میں جھاڑو لے کر ماریں تو اس ارشاد کا خلاف ہوگا؟

عاشرًا: قال تعالٰی:

"یُعۡطُوا الۡجِزۡیَةَ عَنۡ یَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۲۹﴾" [3]	جزیہ دیں ہاتھ سے ذلیل ہو کر۔

کیا اگر دونوں ہاتھ سے دیں تو تعمیل حکم نہ ہو۔

حادی عشر: بخاری، ابوداؤد اور نسائی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما اور احمد ترمذی و نسائی و حاکم ابن حبان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہٖ [4]۔	مسلمان وہ ہے کہ مسلمان اس کے زبان اور ہاتھ سے امان میں رہیں۔

کیا اس کے یہ معنی کہ ایک ہاتھ سے امان میں ہوں اور دوسرے سے ایذا میں!

ثانی عشر: احمد و بخاری مقداد بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۲۹

[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، جامع الترمذی ابواب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۷

سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مااکل احد طعاما قط خیرا من ان یاکل من عمل یدہ[1]	کسی نے کبھی کھانا اس سے بہتر نہ کھایا کہ اپنے ہاتھ کے کسب سے کھائے۔

اور احمد بسند صحیح اور طبرانی وحاکم حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ اور نیز طبرانی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اطیب الکسب عمل الرجل بیدہ[2]۔	سب سے بہتر کمائی آدمی کی اپنے ہاتھ کا کسب ہے۔

کیا اگر دونوں ہاتھ کا کسب ہو تو وہ کھانا اس فضل سے باہر ہے!

ثم اقول: بلکہ بارہا لفظ ید بصیغہ مفرد لاتے ہیں اور دونوں ہاتھ مراد ہوتے ہیں:

(۱) ید اللہ مبسوطۃ (اللہ تعالٰی جل مجدہ کا دست قدرت کشادہ ہے)

(۲) ید اللہ ملأی (دست قدرت بھرا ہوا ہے)

(۳) ید اللہ ھی العلیا (دست قدرت ہی بلند وبرتر ہے)

(۴) المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ[3] (مسلمان وہ ہے جس کی زبان وہاتھ سے مسلمان محفوظ رہے) میں یہی معنٰی مراد ہیں۔

(۵) حدیث **عمل یدیہ** (اس کے دونوں ہاتھ کا کسب) بھی ایسے ہی موقع پر وارد کہ غالبا کسب انسان دونوں ہاتھ سے ہوتا ہے اسی حدیث مقدام کی اسی صحیح بخاری میں دوسری روایت **من عمل بیدہ** ہے۔

(۶) اسی طرح حاکم وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کرتے:

اللھم انی اسئلك من کل خیر خزائنہ	الٰہی! میں تجھ سے مانگتا ہوں ان سب

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸، مسند احمد بن حنبل عن مقدام بن معدیکرب المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳۱ و ۱۳۲

[2] کنز العمال بحوالہ حم، طب، ك عن رافع بن خدیج حدیث ۹۱۹۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۴/ ۴

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب جامع اوصاف الاسلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

بیدك واعوذبك من کل شر خزائنه بیدك[1]۔	بھلائیوں سے جن کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں اور تیری پناہ مانگتاہوں ان سب برائیوں سے جن کے خزانے تیرے ہاتھ میں ہیں۔

یہ حدیث دونوں جگہ دونوں طورپر مروی ہوئی بیدک اور بیدیک۔

(۷) صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان داؤد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایاکل الا من عمل یدہٖ[2]۔	داؤد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کے عمل سے۔

اور یوہیں حدیث مقدام کے تتمہ میں احمد وبخاری نے روایت کیا:

ان نبی داؤد کان یاکل من عمل یدہٖ[3]۔	بے شک داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھ کے عمل سے ہی کھاتے تھے۔

سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمل قرآن عظیم سے معلوم ہے کہ زرہیں بنانا تھا اور وہ دوہی ہاتھ سے ہوتا ہے۔

لہٰذا صحیح بخاری میں دونوں حدیثوں کی دوسری روایتیں بلفظ "یدہ" آئیں__ پس ثابت ہوا کہ بہت جگہ ید ویدَین میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور بے تکلف تثنیہ کی جگہ مفرد لاتے ہیں اور ایک ہی امر میں کبھی تثنیہ کبھی مفرد بولتے ہیں پھر افراد کو نفی تثنیہ کی دلیل سمجھا کس قدر عقل سے بعید ہے۔

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) میں موارد استعمال اور مواقع خاصہ سے استدلال کرتا ہوں وہ قاعدہ ہی کیوں نہ ذکر کروں جو خاص اسباب میں ائمہ عربیت نے وضع کیا اور ایسے الفاظ میں تثنیہ وافراد یکساں ہونے کا ہمیں عام ضابطہ دیا علامہ زین بن نجیم مصری قدس سرہ نے جہاں خطبہ اشباہ میں فرمایا:

اعملت بدنی اعمال الجد مابین	میں اپنے بدن کو کوشش کے کام میں لایا جو

[1] المستدرك للحاکم کتاب الدعاء دار الفکر بیروت ۱/ ۵۲۵

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہٖ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸

[3] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہٖ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸

بصری ویدی وظنونی[1]۔	میری آنکھ، ہاتھ اور گمان کے درمیان ہے۔

اس پر علامہ ادیب سید احمد حموی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

اطلق الید واراد الیدین لانه اذا کان الشیئان لا یفترقان من خلق اوغیرہ اجزأ من ذکرھما ذکر احدھما کالعین تقول کحلت عینی وانت ترید عینیك و مثل العینین المنخرین عــه والرجلین والخفین و النعلین تقول لبست خفی ترید خفیك کذا فی شرح الحماسة[2]۔	یعنی مصنف نے لفظ ید بولا اور مراد دونوں ہاتھ ہیں کہ دو چیزیں جب آپس میں جدا نہ ہوتی ہوں خواہ اصل پیدائش میں (جیسے ہاتھ۔پاؤں،آنکھ،کان) یا اور طرح (جیسے موزے، جوتے، دستانے کہ جوڑا ہی مستعمل ہے) توان میں ایک کا ذکر دونوں کے ذکر کا کام دیتا ہے۔کہتے ہیں آنکھ میں سرمہ لگایا اور مراد دونوں آنکھوں میں لگانا ہوتا ہے یوہیں نتھنے،قدم، موزے، کفش،تو کہتا ہے میں نے موزہ پہنا اور مراد یہ کہ دونوں موزے پہنے۔اسی طرح شرح حماسہ میں ذکر کیا۔

میں کہتاہوں یہ محاورہ نہ فقط عرب بلکہ فارس۔ہند میں بھی بعینہا رائج، جیسا کہ مطالعہ اشعار سابقین ولاحقین سے واضح ولائح، خیر یہ تو ایک خاص قاعدہ تھا۔علامہ ممدوح نے اس سے چند سطر اوپر اس سے عام تر تصریح فرمائی کہ:

اِسْتِعْمَالُ الْمُفْرَدِ مَوضِعَ الْمثنّٰی عَرَبِیٌّ شَائِعٌ سَائِغٌ[3]۔	یعنی تثنیہ کی جگہ مفرد لانا اہل عرب میں مشہور و مقبول ہے۔

اور اس کی سند میں ابوذؤیب کا شعر پیش کیا۔

فالعین بعدھم کان حداقھا　　　سملت بشوك فھی عور تدمع[4]

(ان ممدوحین کے بعد آنکھ گویا اس کی پتلیاں کاٹنے سے پھوڑدی گئی ہیں تو وہ اندھی ہو کر

عــه: المنخرین الٰی اٰخرہ کذا فی نسختی الغمز والظاھر الرفع۔منه	منخرین میرے غمز کے نسخہ میں اسی طرح ہے،ظاہر یہ ہے کہ مرفوع ہونا چاہئے۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[3] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۹

آنسو بہارہی ہیں۔(ت)

دیکھو، اس نے ایک آنکھ کہا اور دونوں مراد لیں ___ لہٰذا حداق کو جمع لایا ورنہ ایک آنکھ میں چند حدقے نہیں ہوتے، اب تو اوہام جاہلانہ کا کوئی محل ہی نہ رہا۔ اور حدیث سے استناد کا بھرم کھل گیا۔ **والحمدللہ رب العالمین۔**

ثم اقول: وباللہ التوفیق سب سے قطع نظر کیجئے اور بفرض غلط مان ہی لیجئے کہ لفظ "اَلْیَدُ" کا مفہوم مخالف نفی یدین ہوتی ہے تاہم حدیث مذکور محل استناد منکرین یعنی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ میں اس مفہوم کی گنجائش نہیں کہ وہاں تو لفظ یَد بصیغہ مفرد کلام امجد سید اوحد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے ہی نہیں۔ سائل کے کلام میں ہے اس نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کا حکم پوچھا:

فیاخذ بیدہ ویصافحہ۔	کیا اس کا ہاتھ پکڑ کر مصافحہ کرے؟

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سوال کا جواب ارشاد فرمادیا کہ ہاں جائز ہے[1]۔

یہاں نہ دو ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر ہے نہ اس سے سوال، پھر اس کلام سے اس کی نسبت نفی نکالنا محض خیال محال، دنیا بھر کے مفہوم مخالف ماننے والے بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ وہ کلام کسی سوال کے جواب میں نہ آیا ہو ورنہ بالاجماع نفی ماعدا مفہوم نہ ہوگی ___ **صَرَّحَ بِهٖ اَئِمَّةُ الْاُصُوْلِ** (ائمہ اصول نے اس کی صراحت کردی ہے۔ت) ___ مثلاً کوئی سائل سوال کرے صبح کی نماز میں قراءت جہری ہے یا نہیں؟ مجیب کہے ہاں۔ اس سے کوئی عاقل یہ نہ سمجھے کہ ماورائے صبح میں جہر نہیں۔ بلکہ جس قدر سے سوال تھا اسی قدر سے جواب دیا گیا۔ یہ بحمداللہ تعالٰی دوسرے معنی ہیں کلام امام قاضی خاں قدس سرہ کے کہ "اور امفہوم نیست" یعنی اس حدیث میں مفہوم مخالف کا سرے سے محل ہی نہیں۔

وباللہ التوفیق ثم اقول: (اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ پھر میں کہتا ہوں۔ت) یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکور کو قابل احتجاج مان بھی لیں ورنہ اگر نقد و تنقیح پر آئے تو وہ ہر گز نہ صحیح نہ حسن بلکہ ضعیف منکر ہے مدار اس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام یحیٰی بن سعید قطان نے کہا: **ترکتہ عمدا کان قد اختلط**[2] میں نے اسے عمداً متروک کیا صحیح الحواس نہ رہا تھا ___ امام احمد نے فرمایا: **ضعیف منکر الحدیث ہے یحدّث باعاجیب**[3] تعجب خیز روایات لاتا ہے ___

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۷

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱

امام یحیٰی بن معین نے کہا: لیس بشیئ تغیر فی اٰخر عمرہ[1] کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہوگیا تھا ___ امام نسائی نے کہا: ضعیف ایک بار فرمایا: لیس بقوی [2] وہ قوی نہیں۔ ذکر کل ذٰلك الذہبی فی المیزان (ہر ایک کو امام ذہبی نے میزان مین بیان کیا۔ت) یوہیں امام ابوحاتم نے کہا: قوی نہیں ___

فی المغنی للامام الذہبی حنظلۃ السدوسی صاحب انس ضعفہ س، وقال ابوحاتم لیس بالقوی [3]۔	امام ذہبی کی مغنی میں ہے کہ حنظلہ سدوسی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شاگرد کو اس نے ضعیف کہا ہے اور ابوحاتم نے کہا قوی نہیں ہے۔(ت)

لاجرم امام خاتم الحفاظ نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا:

حیث قال حنظلۃ السدوسی ابوعبدالرحیم ضعیف [4]۔	جہاں انھوں نے فرمایا کہ حنظلہ سدوسی ابوعبدالرحیم ضعیف ہے۔(ت)

اگر کہئے کہ امام ترمذی نے جو اس حدیث کی تحسین کی ___ **اقول:** ائمہ ناقدین نے امام ترمذی پر اس بارے میں انتقادات کئے ہیں اور وہ قریب قریب ان لوگوں میں ہیں جو تصحیح وتحسین میں تساہل رکھتے ___ امام عبدالعظیم منذری کتاب الترغیب میں فرماتے ہیں:

انتقد علیہ الحفاظ تصحیحہ لہ بل وتحسینہ [5]۔	حفاظ نے ان کی تصحیح پر بلکہ تحسین پر بھی تنقید کی ہے۔(ت)

ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ولہٰذا لایعتمد العلماء علی تصحیح الترمذی [6]۔	اسی لئے ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے۔(ت)

یہاں تک امام محدث ابوالخطاب ابن دحیہ نے جنھیں شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرۃ العینین

---

[1] میزان الاعتدلال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱
[2] میزان الاعتدلال ترجمہ ۲۳۷۳ حنظلۃ السدوسی دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۲۱
[3] المغنی فی الضعفاء للامام الذہبی
[4] تقریب التہذیب ترجمہ ۱۵۸۸ حنظلۃ السدوسی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۵۰
[5] الترغیب والترہیب کتاب الجمعہ حدیث ۲۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۹۴
[6] میزان الاعتدال ترجمہ ۶۹۴۳ کثیر بن عبداللہ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۴۰۷

فی تفضیل الشیخین میں الحافظ المحدث المتقن [1] کہا۔ تحسین ترمذی کی نسبت وہ کچھ تحریر فرمایا جو امام فخر الدین زیلعی نے "نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ" میں نقل فرماکر مقرر رکھا۔

حیث قال قال ابنُ دِحْیَۃ فی العلم المشھور وکم حسن الترمذی فی کتابہ من احادیث موضوعۃ واسانید واھیۃ منھا ھذا الحدیث [2] اھ یعنی حدیث عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی عدد تکبیرات العیدین۔	جہاں انھوں نے فرمایا کہ ابن دحیہ نے "العلم المشہور" میں کہا ہے کہ ترمذی نے اپنی کتاب میں کتنی ہی موضوع احادیث اور کمزور سندوں کو حسن قرار دیا ہے انہی میں سے یہ حدیث ہے یعنی حدیث عمرو بن عوف المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ عیدین کی تکبیرات کی تعداد کے بیان میں۔(ت)

اور قاطع نزاع یہ ہے کہ خود اسی حدیث حنظلہ کو امام ائمہ المحدثین حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تصریحا فرمادیا کہ منکر ہے ___ امام ذہبی تہذیب میں لکھتے ہیں:

حنظلۃ بن عبداللہ ویقال ابنُ عبیداللہ وقیل ابن ابی صفیۃ السدوسی وامام مسجد بنی سدوس بالبصرہ ابوعبید الرحیم عن انس قال یحیٰی القطان ترکتہ کان قد اختلط وضعفہ احمد وقال یروی عن انس مناکیر منھا قلنا أینحنی بعضنا لبعض [3] اھ ملخصا۔	حنظلہ بن عبداللہ اور ابن عبیداللہ اور ابن ابی صفیہ السدوس بھی ان کو کہا گیا ہے یہ بصرہ میں بنی سدوس کی مسجد کے امام ہیں کنیت ابوعبدالرحیم ہے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں یحیٰی بن قطان نے کہا میں نے ان کو متروک قرار دیا ہے کہ اختلاط ہوگیا تھا اور امام احمد نے ان کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا یہ حضرت انس سے منکرات لاتے ہیں انہی میں سے ہے کہ ہم نے کہا کیا ہم آپس میں ایک دوسرے کے لئے جھکا کریں اھ ملخصا(ت)

امام ہمام مرجع ائمہ الحدیث کی تضعیف کے مقابل امام ترمذی کی تحسین کب مقبول ہوسکتی ہے۔

بالجملہ بحمدہٖ تعالٰی آفتاب روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ منکرین کے ہاتھ میں اصلا کوئی حدیث نہیں جس میں ان کے قول کی بو بھی نکل سکے۔ ثبوت ممانعت تو بڑی چیز ہے اور اگر یہ حدیثیں اور ان جیسی ہزار

---

[1] قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین فصل سوم المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۳۰۰

[2] نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ العیدین مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور ۲/ ۲۲۵

[3] تہذیب التہذیب للذہبی من اسمہ حنظلہ حنظلۃ بن عبداللہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۲/ ۶۲

اور ہوں اور وہ بالفرض سب صحاح وحسان ہوں تاہم تحقیقات بالانے روشن کردیا کہ اصلا مفید انکار نہ ہوں گی ــــ یہ کسی حدیث میں دکھائیں کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تالیٰ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو منع فرمایا یا ارشاد ہوا کہ ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کیا کرو۔ بغیر اس کے ثبوت ممانعت کا دعوی محض ہوس پکانا ہے یا جنون خام۔ والحمدللہ ولی الانعام۔

اب رہا یہ کہ دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت کیا ہے۔

اقول: وباللہ التوفیق، اوّلاً: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

علمنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکفی بین کفیہ التشھد [1] الحدیث۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے کر مجھے التحیات تعلیم فرمائی۔

امام المحدثین امام بخاری نے اپنی جامع صحیح کی کتاب الاستیذان میں مصافحہ کے لئے جو باب وضع کیا اس میں سب سے پہلے اسی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نشان دیا۔ پھر اس باب مصافحہ کے برابر دوسرا باب وضع کیا **بَابُ الْاَخْذِ بِالْیَدَیْنِ** یعنی یہ باب ہے دونوں ہاتھ میں ہاتھ لینے کا۔ اس میں بھی وہی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندا روایت کی، اگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لینا مصافحہ نہ تھا تو اس حدیث کو باب المصافحہ سے کیا تعلق ہوتا۔ صحیح بخاری کی اس تحریر پر دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت۔ ہاں اگر حضرات منکرین جس طرح ائمہ فقہ کو نہیں مانتے اب امام بخاری کی نسبت کہہ دیں کہ وہ حدیث غلط سمجھتے تھے ہم ٹھیک سمجھتے ہیں۔ تو وہ جانیں اور ان کا کام۔

معہذا مصافحہ دونوں جانب سے صفحات کف ملانا ہے اور یہ معنی اس صورت **کفّی بَیْنَ کفیہ** (میرا ہاتھ دونوں ہاتھوں کے بیچ میں لے۔ت) میں ضرور متحقق، تو اس کے مصافحہ ہونے سے انکار پر کیا باعث رہا ــــ بعض جہلاء کا کہنا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے تو ایک ہی ہاتھ تھا۔ یہ محض جہالت وادعائے بے ثبوت ہے۔ دونوں طرف سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاستیذان باب المصافحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۲۶، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشھد فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۴

دونوں ہاتھ ملائے جائیں تو ایک کا ایک ہی ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوگا نہ کہ دونوں ___ وھٰذا ظاھر جدًّا (اور یہ بہت زیادہ ظاہر ہے۔ت) اور جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے دونوں ہاتھ کا ثبوت ہوا تو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے ثبوت نہ ہونا کیا زیر نظر رہا۔

ثانیاً: اکابر علماء عامہ کتب مثل خزانۃ الفتاوٰی وفتاوٰی عالمگیریہ وفتاوٰی زاہدی ودرمختار ومنتقٰی شرح ملتقی ومنیۃ الفقہاء وشرح نقایہ ورسالہ علامہ شرنبلالی ومجمع الانہر شرح ملتقی الابحر وفتح اللہ المعین للعلامۃ السید ابی المسعود الازہری وحاشیہ طحطاوی وحاشیہ شامی وغیرہا میں تصریح فرماتے ہیں کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے سنت ہے۔ ہندیہ میں ہے:

یجوز المصافحۃ والسنۃ فیہا ان یضع یدیہ علی یدیہ من غیر حائل من ثوب او غیرہ کذا فی خزانۃ الفتاوٰی [1]۔	مصافحہ جائز ہے۔ سنت اس میں یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس طور پر رکھے کہ درمیان میں کوئی کپڑا یا اور کوئی چیز حائل نہ ہو، ایسے ہی خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔(ت)

شرح تنویر پھر حواشی الکنز للسید میں ہے:

فی القنیۃ السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ [2]۔	قنیہ میں ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے سنت ہے۔(ت)

شرح متن الحلبی للعلامۃ العلائی پھر ردالمحتار میں ہے:

السنۃ ان تکون بکلتا یدیہ [3]۔	سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرے۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

السنۃ فیہا ان تکون بکلتا یدیہ کما فی المنیۃ [4]۔	مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں سے کرے۔ جیسا کہ منیہ میں ہے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۴

[4] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۶

شرح علامہ شیخی زادہ قاضی رومی میں ہے:

السنۃ فی المصافحۃ بکلتا یدیہ[1]	مصافحہ میں سنت یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے کرے۔(ت)

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

مصافحہ سنت است نزد ملاقات و باید کہ بہر دو دست بود[2]۔	ملاقات کے وقت مصافحہ سنت ہے اور چاہئے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔(ت)

مخالفین کا یہ دعوٰی ہے کہ فقہاء کی جو بات ہم اپنے زعم میں حدیث کے خلاف سمجھیں گے اسے نہ مانیں گے یہاں تک کہ ان کے ارشادات کو اصلاً کسی حدیث کے مخالف نہیں بتاسکتے۔ نہ ماننے کی وجہ کیا ہے مگر یہ کہئے کہ فقہ و فقہاء سے خاص عداوت ہے کہ اگرچہ ان کی بات میں ادعائے مخالف حدیث کی راہ نہ پائیں تاہم قابل تسلیم نہیں جانتے۔

ثالثاً: صحیح بخاری شریف کے اسی باب مذکور میں ہے:

صافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیہ[3]۔	امام حماد بن زید نے امام اجل عبداللہ بن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

تاریخ امام بخاری میں ہے:

حدثنی اصحابنا یحیی وغیرہ عن اسمعیل بن ابراھیم قال رأیت حماد بن زید وجاءہ ابن المبارك بمکۃ فصافحہ بکلتا یدیہ[4]۔	یعنی مجھ سے میرے اصحاب یحیٰی ابوجعفر بیکندی وغیرہ اسمٰعیل بن ابراہیم سے حدیث بیان کی کہ انھوں نے کہا کہ میں نے حماد بن زید کو دیکھا اور ابن المبارک ان کے پاس مکہ معظّمہ میں آئے تھے تو انھوں نے ان سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

یہ امام اجل حماد بن زید ازدی بصری قدس سرہ اجلہ ائمہ تبع تابعین سے ہیں۔ انس بن سیرین و ثابت بنانی و عاصم بن بہدلہ و عمرو بن دینار و محمد بن واسع وغیرہم علمائے تابعین شاگردان حضرت انس

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراہیۃ فصل فی احکام النظر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۱

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآداب باب المصافحہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب الاستیذان باب الاخذ بالیدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۲۶

[4] التاریخ البخاری باب اسمعیل ترجمہ ۱۰۸۴ دارالبازمکہ المکرمہ ۱/ ۳۴۳

بن مالک وعبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس وغیر ہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے علم حاصل کیا۔اور اجلہ ائمہ محدثین و علمائے مجتہدین مثل امام سفیان ثوری وامام یحیٰی بن سعید قطان وامام عبدالرحمٰن بن مہدی وامام علی بن مدینی وغیر ہم کہ امام بخاری وامام مسلم کے اساتذہ واساتذۃ الاساتذہ تھے اس جناب کے شاگرد ہوئے امام عبدالرحمٰن بن مہدی فرمایا کرتے:

ائمۃ الناس فی زمانہم اربعۃسفٰین بالکوفۃ ومالك بالحجاز و الاوزاعی بالشام وحماد بن زید بالبصرۃ[1]	مسلمانوں کے امام اپنے زمانے میں چار ہیں۔کوفہ میں سفیان۔ حجاز میں مالک، شام میں اوزاعی، بصرۃ میں حماد بن زید۔

اور یہ بھی فرماتے:

ما رأیت اعلم من مالك وسفین وحماد بن زید[2]۔	میں نے مالک وسفیان وحماد بن زید سے زیادہ کوئی علم والا نہ دیکھا۔

اور یہ بھی فرماتے کہ:

ما رأیت بالبصرۃ افقہ منہ ولم ار احدا اعلم بالسنۃ منہ[3]۔	میں نے بصرے میں ان سے بڑھ کر کوئی فقیہ نہ دیکھااور میں نے ان سے زیادہ حدیث جاننے والا کوئی نہ پایا۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں:

حماد بن زید من ائمۃ المسلمین[4]۔	حماد بن زید مسلمانوں کے اماموں میں سے ہے۔

اس جناب نے ماہ رمضان ۱۷۹ھ میں وفات پائی،جس دن انتقال ہوایزید بن زریع بصری کو خبر پہنچی فرمایا: **الیوم مات سید المسلمین**[5] آج مسلمانوں کے سردار نے انتقال کیا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

ذکر کل ذٰلك الامام الذہبی فی تہذیب التہذیب۔	امام ذہبی نے ان میں سے ہر ایک کو تہذیب التہذیب میں ذکر فرمایا۔(ت)

اور دوسرے صاحب حضرت الانام علم الہدی شیخ الاسلام عبداللہ بن مبارک مروزی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔عالم میں کون سا قدرے لکھاپڑھا ہے جو اس جناب کی جلالت شان ورفعت مکان سے آگاہ نہیں۔وہ بھی اجلہ ائمہ تبع تابعین سادات محدثین، کبرائے مجتہدین اور امام بخاری ومسلم کے استاذ الاساتذین اور ہمارے امام اعظم کے خاص شاگردان ومستفدین سے ہیں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

[1] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[2] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[3] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[4] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

[5] تہذیب التہذیب من اسمہ حماد بن زید دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۳/ ۱۰

علمائے دین فرماتے ہیں تمام جہاں کی خوبیاں اللہ تعالٰی نے ان میں جمع فرمادی تھیں **قاله فی التقریب**[1] (اسے تقریب میں بیان کیا گیا۔ت) اور فرماتے ہیں جہاں عبداللہ بن مبارک کا ذکر ہوتا ہے وہاں رحمت الٰہی اترتی ہے ذکرہ الزرقانی وغیرہ (اسے زرقانی وغیرہ نے ذکر کیا۔ت) ان کا کچھ تذکرہ دیکھنا چاہو تو سردست شاہ عبدالعزیز صاحب کی **بستان المحدثین**[2] ہی دیکھو۔

ہم نے **بحمداللہ** خاص صحیح بخاری سے ایسے دو امام جلیل تبع تابعین سے دونوں ہاتھ کا مصافحہ ثابت کردیا۔ مخالف بھی تو کہیں سے ممانعت ثابت کرے یا ایسے حضرات تبع تابعین پر بھی **معاذاللہ** بدعت و مخالفت سنت کا گمان ہوگا یا اقرار کردیجئے گا کہ وہ بھی حدیث وسنت نہ جانتے تھے، محدث مجتہد جو کچھ ہیں بس آپ ہی تیرہ صدی کی چھٹن چند جاہلان ہندی وطن **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

رابعًا: ان حضرات کا داب کلی ہے کہ جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل و بے ثبوت ہونے کا حکم لگادیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بناء پر اسے ممنوع و ناجائز ٹھہرادیتے ہیں۔ پھر اس طوفان بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علماء ومشائخ کی تو کیا گنتی حضرات عالیہ ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے ارشادات بھی پایہ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی **معاذاللہ** باطل وغیر ثابت بتاتے ہیں۔ یہ وہ جہالت بے مزہ ہے جسے کوئی ادنٰی عقل والا بھی قبول نہیں کرسکتا ان حضرات سے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ "کے آمدی وکے پیر شدی" (کب آئے اور کب بوڑھے ہوئے۔ت)۔ بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ "**لم ار ولم اجد**" پر اختصار کرتے ہیں یعنی ہم نے نہ دیکھی ہمیں نہ ملی، نہ کہ تمہاری طرح عدم وجدان کہ عدم وجود کی دلیل ٹھہرادیں،

صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں۔ امام بخاری کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ، پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ محفوظ تھیں مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہما ائمہ سے منقول کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے۔ اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنھیں امام نسائی نے مجتبٰی میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں **وهو کما تری** (یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔ت)___ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

مامن اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	اصحاب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی نے

[1] تقریب التہذیب ترجمہ ۳۵۸۱ عبداللہ بن مبارک ۱/ ۵۲۷

[2] بستان المحدثین کتاب الزہد والرقاق ص ۱۴۹ تا ۱۵۹

احد اکثر حدیثا عنه منی الا ماکان من عبدالله بن عمرو فانه کان یکتب ولا اکتب [1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیں سوا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کہ وہ لکھ لیا کرتے اور میں نہ لکھتا۔

دیکھو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ صاف فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں۔ حالانکہ تصانیف محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں۔ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئیں اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پانچ ہزار تین سو۔ علامہ قسطلانی ارشاد میں ارشاد فرماتے ہیں:

یفهم منه جزم ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه بانه لیس فی الصحابة اکثر حدیثا عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم منه الا عبدالله بن عمرو ومع ان الموجود عن عبدالله بن عمرو اقل من الموجود المروی عن ابی هریرة باضعاف لانه سکن مصر وکان الواردون الیها قلیلا بخلاف ابی هریرة فانه استوطن المدینة وهی مقصد المسلمین من کل جهة وروی عنه فیما قاله المؤلف نحو من ثمان مائة رجل وروی عنه من الحدیث خمسة الاف وثلاث مأة حدیث ووجد لعبدالله سبع مأة حدیث [2]۔	اس سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جزم ویقین سمجھ میں آتا ہے کہ صحابہ کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کسی نے اتنی کثیر تعداد میں حدیثیں روایت نہیں کیں سوائے عبداللہ بن عمرو کے، مگر اس کے باجود عبداللہ بن عمرو کی مرویات ابوہریرہ سے کئی گنا کم ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرو مصر میں سکونت پذیر تھے اور احادیث کریمہ کی تلاش و جستجو کرنے والوں کا ورود وہاں بہت کم ہوتا تھا بخلاف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آپ کا تو مدینہ میں ہی قیام تھا جو ہر چہار جانب سے مسلمانوں کا مرجع تھا۔ حضرت مولف علیہ الرحمہ کا کہنا یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرنیوالے لگ بھگ آٹھ سو افراد تھے، اور حضرت ابوہریرہ سے کل پانچ ہزار تین سو حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو کی سات سو حدیث ملتی ہیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کنایة العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العلم باب کنایة العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۶)

اب کہئے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں۔اور کتب حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں۔بس اسی پر قیاس کرلیجئے اور یہیں سے ظاہر کہ ائمہ اربعہ خصوصًاامام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب پر اگران کتب میں حدیثیں نہ ملیں تواس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کے مذہب پر واقع میں حدیث نہیں بلکہ اگر بخاری ومسلم اور ان کے امثال تصریح بھی کردیں کہ فلاں مذہب امام ابوحنیفہ یاامام مالک پر کوئی حدیث نہیں تو بھی منصف ذی عقل کے نزدیک ان کے پاک مبارک مذہبوں میں اصلا قادح نہیں ہوسکتا۔آخر بخاری ومسلم کاعلم محیط نہ تھا، کیاجو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ نے امت مرحومہ تک پہنچایااس سب کاعلم بخاری ومسلم کو حاصل تھا۔خوداجلہ صحابہ کرام جوگاہ بگاہ سفر وحضر میں دائما بارگاہ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ وعلیہم صلوات اللہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضرات خلفائے اربعہ وحضرت عبداللہ بن مسعود وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی یہ دعوی نہیں کرسکتے تھے، کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کل اقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے، کتب احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتاہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں "تا بدیگرے چہ رسد" (دوسروں تک کیا پہنچے۔ت) پھر بخاری ومسلم وغیرہما کیونکر علم کل کادعوی کرسکتے ہیں۔اگروہ نفی کریں بھی تواس کامحصل صرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم پھر اس سے واقع میں حدیث نہ ہونا درکنار، یہ بھی لازم نہیں آتا کہ ابوحنیفہ ومالک کو بھی اپنے مذہب پر حدیث نہ معلوم ہو ان کا زمانہ زمانہ اقدس سے قریب ترتھااوراس وقت تک زمانہ خیر القرون تھا۔بوجہ قلّت کذب وکثرت خیر سندیں نظیف اور وسائط کم تھے، یہ ممکن کہ جو حدیثیں ابوحنیفہ ومالک کے پاس تھیں بخاری ومسلم کو نہ پہنچیں، ممکن کہ جو حدیثیں ان کے پاس بسند صحیح تھیں ان تک بذریعہ روایت ضعاف پہنچیں۔پھر کیونکران کانہ جاننا ان کے نہ جاننے پر قاضی ہوسکتاہے۔امام اجل ابویوسف رحمۃاللہ تعالٰی علیہ (جنھیں محدثین اہل جرح وتعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنت ہے تصریحا صاحب حدیث منصف فی الحدیث واتبع القوم للحدیث لکھتے ہیں۔بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث وکثیر الحدیث جانتے ہیں امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شماراور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان الامام العلامۃ فقیہ العراقین ذکر کیا) یہ ارشاد فرماتے ہیں: بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے کہ میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا میں جانب حدیث جھکتا۔بعد تحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی، امام ابن حجر مکی شافعی خیرات الحسان میں فرماتے ہیں:

عن ابی یوسف ما رأیت احدا اعلم بتفسیر الحدیث ومواضع النکت التی فیه من الفقة من ابی حنیفة وقال ایضا ماخالفته فی شیئ قط فتدبرته الارایت مذہبه الذی ذہب الیه انجٰی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ہو ابصر بالحدیث الصحیح منی وقال کان اذا صمم علی قوله درت علی مشائخ الکوفة ھل اجد فی تقویة قوله حدیثا او اثرا فربما وجدت الحدیثین والثلاثة فاتیته بها فمنها مایقول فیه ہذا غیر صحیح اوغیر معروف فاقول له وما علمك بذٰلك مع انه یوافق قولك فیقول انا عالم بعلم اھل الکوفة[1]۔	حضرت ابویوسف سے روایت ہے کہ میں نے احادیث کی تشریح اور فقہ کی نکتہ آفرینی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے زیادہ جانکار شخص نہیں دیکھا نیز انھوں نے فرمایا میں نے جب بھی کسی مسئلہ میں ان سے مخالفت کی پھر میں نے اس میں غور وخوض کیا تو مجھے یہی محسوس ہوا کہ آخرت میں نجات دینے والا وہی مذہب ہے جس کی طرف امام ابوحنیفہ گئے ہیں۔ مجھ سے زیادہ حدیثوں پر ان کی نظر تھی۔ نیز فرمایا جب وہ کسی بات پر اڑ جاتے ہیں تو میں کوفہ کے مشائخ کے پاس اس غرض سے حاضر ہوتا کہ اس قول کی تقویت میں مجھے کوئی حدیث یا اثر ملے تو بسااوقات مجھے دو تین حدیثیں مل جاتیں، تو میں ان کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتا۔ آپ فرماتے اس میں یہ فلاں حدیث صحیح نہیں ہے یا غیر معروف ہے۔ میں عرض کرتا حضور! یہ آپ کو کیسے معلوم ہو گیا حالانکہ یہ حدیثیں توآپ کے قول کی تائید میں ہیں۔ تو فرماتے کوفہ والوں کے علم ہی سے تو مجھے علم ہوا ہے۔(ت)

خیر **ایک درجہ** تو یہ ہوا۔

درجہ دوئم: اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائیے کتنی باقی ہیں، صدہا کتابیں کہ ائمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہوگئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے۔ امام مالک کے زمانے میں اسّی ۸۰ علماء نے مؤطا لکھیں پھر سوائے مؤطائے مالک ومؤطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتا باقی ہے۔ امام مسلم کے زمانے کو ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری صاحب مستدرک کے زمانے سے ایسا کتنا فاصلہ تھا۔ پھر بعض تصانیف مسلم کی نسبت امام ابن حجر نے حاکم سے نقل کیا کہ معدوم ہیں وعلی ہذہ القیاس صدہا بلکہ ہزارہا تصانیف ائمہ کا کوئی نشان نہیں دے سکتا، مگر اتنا کہ تذکروں تاریخوں میں نام لکھا رہ گیا۔

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

درجہ سوم: اس سے بھی گزرئے جو کتابیں باقی رہیں ان میں سے اس خراب آباد ہند میں کے پائی جاتی ہیں ذرا کوئی حضرت غیر مقلد صاحب اپنے یہاں کی کتب حدیث کی فہرست تو دکھائیں کہ معلوم ہو کہ کس پونجی پر یہ اونچا دعوٰی ہے۔

درجہ چہارم: اب سب کے بعد یہ فرمایئے کہ جو کتابیں ہندوستان میں ہیں ان پر حضرات مدعین کو کہاں تک نظر ہے اور ان کی احادیث کس قدر محفوظ ہیں۔

سبحان اللہ! کیا صرف اتنا کافی ہے کہ جو مسئلہ پیش آیا اسے خاص اسی کے باب میں دو چار کتابوں میں جو اپنے پاس ہیں دیکھ بھال لیا اور اپنے زعم میں باطل میں کوئی حدیث نہ ملی تو بے ثبوت ہونے کا دعوٰی کردیا۔ جان برادر! بارہا واقع ہوگا کہ اس مسئلہ کی حدیث انھیں کتابوں میں ملے گی اور آپ کی نظر اس پر نہ پہنچے گی کہ اول تو ہر مطلب کے لئے محدثین نے تراجم وابواب وضع نہ کئے اور جس کے لئے وضع کئے ان کی مثبت بہت حدیثیں ایسی ہوں گی جو بوجہ دوسری مناسبت کے دیگر ابواب میں لکھ آئے یا لکھیں گے اور یہاں بخیال تکرار ان کے اعادہ واثبات سے باز رہے۔ اگر یوں نہ مانئے اور اپنی وسعت نظر واحاطہ علم کا دعوٰی ہی کیجئے تو حضرات بے امتحان نہیں سہی اپنے میں جس صاحب کو بڑا محدث جانئے معین کیجئے، ہم دس سوال کرتے ہیں کہ ان کی نسبت جو حکم احادیث میں وارد ہو ارشاد فرمائیں پھر دیکھئے ان شاء اللہ تعالٰی کیسے غوطے کھاتے ہیں۔ اللہ عزوجل چاہے تو اکثر کا حکم نہ نکال سکیں گے، اور رب تبارک وتعالٰی کو منظور ہے تو انھیں کتابوں میں ان کی احادیث نکل آئیں گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ دعوٰی اجتہاد کرنے والے کتنے پانی میں تھے۔ وائے بے انصافی ان لیاقتوں پر ائمہ مجتہدین سے ہمسری کا دعوٰی ہیہات ہیہات "چھوٹا منہ بڑی بات" آدمی کو کتنی بھاتی ہے مگر امتحان دیتے وقت مزا آتا ہے۔ ہاں ہاں یہ بات میں نے اس لئے نہیں کہی کہ سنئے اور اڑا جائے، نہیں نہیں ضرور اپنے کسی اعلٰی محدث کا نام رکھئے اور ہم جو سوالات کریں ان کا جواب ان سے بذریعہ احادیث لکھوایئے، ہم بھی تو دیکھیں کس برتے پر تتا پانی! جان برادر! حصر رواۃ ممکن نہیں، حصر رواۃ کیونکر ممکن نہیں۔ ابراہیم بن بکر شیبانی کے ذکر میں امام ابن الجوزی نے کہا:

ابراھیم بن بکر فی الرواۃ ستۃ لااعلم فیھم ضعفا سوٰی ھذا[1]	ابراہیم بن بکر راویوں میں چھ ہیں۔ میں ان میں سے کسی میں ضعف نہیں جانتا سوا اس شیبانی کے۔

[1] میزان الاعتدلال عن ابن الجوزی ترجمہ ۵۶ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴

اس پر امام ذہبی جیسے جلیل القدر عمدۃ الفن امام الشان نے فرمایا:

لوسماھم لافادنا فما ذکر ابن ابی حاتم منھم احدا [1]۔	اگر ان سب کا تذکرہ فرمادیتے تو ہمیں فائدہ بخشتے کہ ابن ابی حاتم نے تو ان میں سے ایک کا بھی تذکرہ نہ کیا۔

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے جن کی جلالت قدر آفتاب نیمروز سے اظہر جب بعض احادیث کہ مشائخ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں یوں فرمایا کہ:

لعل قصور نظرنا اخفاھا عنا۔	امید ہے کہ ہماری نظر کے قصور نے انھیں ہم سے چھپالیا۔

دیکھو علماء یوں فرماتے ہیں اور جاہلوں کے دعوے وہ طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث اختلاف امتی رحمۃ [2] (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ت) امام جلال شلدین سیوطی جیسے حافظ جلیل نے کتاب جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتاسکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی۔ ان بعض علماء کے نام لکھ کر جنھوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا لکھ دیا کہ:

لعله خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا [3]۔	شاید وہ حافظان حدیث کی بعض کتابوں میں روایت کی گئی جو ہم تک نہ پہنچیں۔

یہ وہ امام ہیں کہ فن حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا، جنھوں نے کتاب جمع الجوامع تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا:

قصدت فیه جمیع الاحادیث النبویة باسرھا [4]۔	میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیث نبویہ جمع کردوں۔

اس پر بھی علماء نے فرمایا:

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۶ دار المعرفہ بیروت ۱/ ۲۴

[2] الجامع الصغیر للسیوطی حدیث ۲۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

[3] الجامع الصغیر للسیوطی حدیث ۲۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

[4] الجامع الصغیر للسیوطی خطبہ مؤلف دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/۵

ہذا بحسب ما اطلع علیه المصنف لاباعتبار مافی نفس الامر[1] قاله المناوی۔	یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کو جمع کرنا۔(ت)

وہ اپنے نہ پانے پر یوں فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ان کتب ائمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں۔اور پھر یہ دیکھئے ہوا بھی ایسا ہی، عبارت مذکورہ بعد علامہ مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر نے لکھ دیا الامر کذٰلك[2] یعنی واقع ایسا ہی ہے۔پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت عبدالله بن عباس رضی الله تعالٰی عنہما روایت کی۔اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی، امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

زعم کثیر من الائمة انه لا اصل له[3]	بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لئے کوئی سند نہیں۔

پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔

حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نورٍ (وضوء پر وضو کرنا نورٌ علی نور ہے۔ت) کی نسبت امام عبدالعظیم منذری نے کتاب الترغیب اور امام عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء میں تصریح کردی کہ لم نقف علیه[4] ہمیں اس پر اطلاع نہیں۔حالانکہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔تیسیر میں ہے:

حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نور اخرجه رزین ولم یطلع علیه العراقی کالمنذری فقالا لم یقف علیه[5]۔	وضوء پر وضوء کرنا نورٌ علی نور ہے۔یہ وہ حدیث ہے جس کی تخریج حضرت رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح امام عراقی اس پر مطلع نہیں ہیں تو انھوں نے کہاہم اس پر واقف نہیں ہیں (ت)

---

[1] التسیر شرح الجامع الصغیر خطبہ مؤلف مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵

[2] التسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اختلاف امتی الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۴۹

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابن حجر کتاب العلم الباب الثانی دارالفکر بیروت ۱/ ۲۰۵

[4] الترغیب والترہیب الترغیب فی المحافظۃ علی الوضو۔ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۶۳، المغنی عن حمل الاسفار للعراقی مع احیاء العلوم کتاب الطہارۃ باب فضیلۃ الوضوء مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۳۵

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من توضأ علی طہر مکتبۃ الامام شافعی ریاض ۱/ ۱۲-۴۱۱

اس سے عجیب تر سنئے۔

حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ انھوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوں کے بیچ میں رکھے اور بعد نماز کے فرمایا:

ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ایسا ہی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

اس کی نسبت امام ابوعمر بن عبدالبر نے فرمایا؛ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ اور امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے توکتاب الخلاصۃ میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں بھی صرف اسی قدر ہے کہ ابن مسعود نے ایسا کیا اور یہ نہیں کہ ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حالانکہ بعینہٖ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

فی صحیح مسلم عن علقمۃ والاسود انہما دخلا علی عبداللہ فقال أصلی من خلفکما قالا نعم فقام بینہما فجعل احدھما عن یمینہ والاخر عن شمالہ ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا ثم طبق بین یدیہ ثم جعلھما بین فخذیہ فلما صلی قال ھکذا فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن عبدالبر لایصح رفعہ والصحیح عندھم الوقف علی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ وقال النووی فی الخلاصۃ الثابت فی صحیح مسلم ان ابن مسعود فعل ذٰلک و لم یقل	صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے یہ دونوں حضرات عبداللہ ابن مسعود کے پاس آئے کہا کیا دوسروں نے نماز پڑھ لی ہے۔ دونوں نے عرض کی ہاں حضور، پھر آپ دونوں کے بیچ میں کھڑے ہوگئے ایک کو داہنے طرف دوسرے کو بائیں طرف کرلیا، پھر ہم سبھوں نے رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ پھر دونوں ہاتھ کو ملایا، پھر انھوں نے دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ دیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے توآپ نے فرمایا: ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا، ابن عبدالبر نے کہا: اس روایت کا حضور تک پہنچنا ثابت نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ ابن مسعود تک موقوف ہے۔ امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ صحیح مسلم میں

ہکذا کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یفعلہ قیل کانہما ذہلا فان مسلما اخرجہ من ثلث طرق لم یرفعہ فی الاولین ورفعہ فی الثالثۃ وقال ہکذا فعل الخ [1]۔	یہ روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ایسا کیا۔ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان دونوں سے ذہول ہوگیا کیونکہ امام مسلم نے تین طریقوں سے اسے تخریج فرمایا، پہلی دو روایتیں مرفوع نہیں البتہ تیسری روایت میں انھوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا اسی طرح کیا الخ (ت)

میں یہاں اگر اس کی نظیریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر وحدیث میں مشہور ومتداول کتابوں یہاں تک خود صحاح ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہوجائے، بعض مثالیں اس کی فقیر نے اپنے رسالہ نور عینی فی الانتصار للامام العینی میں لکھیں یہاں مقصود اسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمال علم واحاطہ نظر کا دعوٰی ہے۔ کیا ان ائمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟ ___ کیا نہیں ممکن کہ حدیث انھیں کتابوں میں ہو اور تمھاری نظر سے غائب رہے؟ ___ مانا کہ ان کتابوں میں نہیں کیا سب کتابیں تمھارے پاس ہیں؟ ___ ممکن کہ ان کتابوں میں ہو جو اور بندگان خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں ___ مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں ممکن کہ ان کتابوں میں ہو جو معدوم ہوگئیں مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہوگئی تھیں؟ ___ ممکن کہ ان احادیث میں ہو جو علماء اپنے سینوں میں لے گئے ___ پھر "ہلدی کی گرہ پر پنساری بننا کس نے مانا" اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل سمجھنا اور عدم علم کو علم بالعدم ٹھہرا لینا کیسی سخت سفاہت ہے۔ خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈھ کر بیٹھ رہے اور کہدے ہم تلاش کرچکے تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں کیا اس بات پر عقلاء اسے مجنون نہ جانیں گے! ___ **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

درجۂ پنجم: الطف واہم، ان سب سے گزریئے بفرض ہزار در ہزار باطل تمام جہاں کی اگلی پچھلی سب کتب حدیث آپ کی الماری میں بھری ہیں اور ان سب کے آپ پورے حافظ ہیں آنکھیں بند کرکے ہر حدیث کا پتا دے سکتے ہیں پھر حافظ جی صاحب یہ تو طوطے کی طرح حق اللہ تعالٰی پاک ذات اللہ کی یاد ہوئی۔ فہم حدیث کا منصب ارفع واعظم کدھر گیا۔ لاکھ بار ہوگا کہ ایک مطلب کی حدیث انھیں

---

[1] فتح القدیر باب الصلوٰۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۹

احادیث میں ہوں گی جو آپ کو برزبان یاد ہیں اور آپ کی خواب میں بھی خطرہ نہ گزرے گا کہ اس سے وہ مطلب نکلتا ہے۔ آپ کیا اور آپ کے علم و فہم کی حقیقت کتنی۔ اکابر اجلہ محدثین یہاں آکر زانو ٹیک دیتے ہیں اور فقہائے کرام کا دامن پکڑتے ہیں۔ حفظ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے کیا معنٰی تھے:

رُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰی مَنْ هُوَ اَفْقَهُ مِنْهُ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ[1] رواہ الائمۃ الشافعی والاحمد والدارمی و ابوداؤد والترمذی وصححه والضیاء فی المختارۃ والبیهقی فی المدخل عن زید بن ثابت والدارمی عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنهما ونحوہ لاحمد و الترمذی وابن حبان عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بسند صحیح وللدارمی عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	بہتیرے حاملان فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں اور بہتیرے وہ کہ فقہ کے حامل و حافظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔ اس کی روایت ائمہ شافعی، احمد، دارمی، ابوداؤد اور ترمذی نے کی اور اسے صحیح قرار دیا۔ اور ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت زید ابن ثابت سے اور دارمی نے حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔ اور اسی طرح احمد و ترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی، اور حضرت دارمی کی روایت جو مروی ہے حضرت ابودرداء سے انھوں نے رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

ذرا خدا کے لئے آئینہ لے کر اپنا منہ دیکھئے اور امام اجل سلیمن اعمش کا علم عزیز و فضل کبیر خیال کیجئے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شاگرد جلیل الشان اور اجلہ ائمہ تابعین اور تمام

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی البحث علی تبلیغ السماع امین کمپنی کراچی ۲/ ۹۰، سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل نشر العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹، مسند احمد بن حنبل ۲/ ۲۲۵ و ۳/ ۸۰ و ۸۲ المکتب الاسلامی بیروت، سنن الدارمی باب الاقتداء بالعلماء حدیث ۲۳۴ دارالمحاسن القاهرة ۱/ ۶۵

ائمہ حدیث کے اساتذہ الاساتذہ سے ہیں۔امام ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں فرماتے ہیں کسی نے ان امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامہ سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ اس زمانے میں انھیں امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے) حاضر مجلس تھے،امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم سے پوچھے امام نے فورًا جواب دئے۔امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے،فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرمائیں۔امام اعمش نے کہا:

حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انك تعمل بهذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادله وانت ایها الرجل اخذت بكلا الطرفین [1] ۔	بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ ایک گھڑی میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں اور اے ابوحنیفہ! تم نے فقہ وحدیث دونوں کنارے لئے۔والحمدللہ۔

یہ تو یہ خود ان سے بھی بدرجہا اجل واعظم ان کے استاد اکرم واقدم امام عامر شعبی جنھوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پایا،حضرت امیر المومنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابوھریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاد ہیں جن کا پایہ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زائد نہ ہو،ایسے امام والامقام با آں جلالت شان فرماتے:

انا لسنا بالفقهاء ولکنا سمعنا الحدیث فرویناه الفقهاء من اذا علم عمل۔نقله الذهبی فی تذکرة الحفاظ [2] ۔	ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے،روایت کردی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کارروائی

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون فی سندہ فی الحدیث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

[2] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ۷۷ عامر بن شرحبیل الشعبی دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۷۹

	کریں گے، (اسے ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے۔ت)

مگر آج کل کے نامشخص حضرات کو اپنی یاد و فہم اور اپنے دو حرفی نام علم پر وہ اعتماد ہے جو ابلیس لعین کو اپنی اصل آگ پر تھا کہ دو حرف رٹ کر ہر امام امت کے مقابل **انا خیر منه** (میں اس سے بہتر ہوں۔ت) کی بنیٹی گھمانے کے سوا کچھ نہیں جانتے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم۔**

خامسًا: بالفرض مان ہی لیجئے کہ حدیث واقع میں مروی نہ ہوئی پھر کہاں عدم نقل اور کہاں نقل عدم، یعنی اگر کسی فعل کا کرنا حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور نے کیا ہی نہ ہو، اس کا حاصل اتنا ہوگا کہ حدیث میں اس فعل کا نہ ہونا آیا ان دونوں عبارتوں میں جو فرق ہے ذی عقل پر پوشیدہ نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

عدم النقل لاینفی الوجود[1]۔	کسی مسئلہ کا منقول نہ ہونا وجود کی نفی نہیں کرتا (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں اسی عدم نقل و نقل عدم میں تمیز نہ کرنے کو جہل و تعصب کے مفاسد سے کہتے ہیں:

حیث قال وجدت بعضھم لایمیز بین قولنا لیست الاشارۃ فی ظاہر المذھب وقولنا ظاھرا لمذھب انھا لیست و مفاسد الجھل والتعصب اکثر من ان تحصی[2]۔	میں نے بعض حضرات کو یہاں تک دیکھا کہ وہ ہمارے قول لیست الاشارۃ فی ظاھر المذھب (ظاہر مذہب میں اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں) اور ہمارے قول ظاھر المذھب انھا لیست (ظاہر مذہب اس کے برخلاف ہے) والے اصولی قول میں امتیاز ہی نہیں کرتے جہالت و تعصب کے مفاسد تو بیشمار ہیں۔ (ت)

سادسًا: یہ بھی سہی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس فعل کا نہ کرنا اور بات ہے اور منع فرمانا اور بات، ممنوع وہ چیز ہے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع کی، نہ کہ وہ چیز جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کی، قرآن عظیم نے یوں فرمایا:

"مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[3]	رسول جو تمھیں دے لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰

[2] حجۃ اللہ البالغہ الامور التی لابد منھا فی الصلوٰۃ المکتبہ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

یوں نہیں فرمایا ہے کہ: مَافَعَلَ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَالَمْ یَفْعَلْ فَانْتَھُوْا جو رسول نے کیا کرو اور جو نہ کیا اس سے باز رہو۔
امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت نفل کی نسبت یہ تحقیق فرما کر کہ نہ ان کا فعل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہ کسی صحابی سے ثابت، ارشاد فرماتے ہیں:

الثابت بعد ھذا ھو نفی المندوبیۃ اما ثبوت الکراھۃ فلا الا ان یدل دلیل اٰخر [1]۔	ان سب سے یہ ثابت ہوا کہ مستحب نہیں رہی کراہت وہ ثابت نہ ہوئی، اس کے لئے دوسری دلیل چاہئے۔

امام احمد محمد خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

اَلْفِعْلُ یَدُلُّ عَلَی الْجَوَازِ وَعَدَمُ الْفِعْلِ لَایَدُلُّ عَلَی الْمَنْعِ [2]۔	فعل تو جواز کے لئے دلیل ہوتا ہے اور نہ کرنے سے منع کرنا نہیں سمجھا جاتا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگر است و منع فرمودن چیزے دیگر [3]۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔

پھر کیسی جہالت ہے کہ نہ کرنے کو منع کرنا ٹھہرا رکھا ہے۔
سابعًا: مصافحہ امور معاشرت سے ایک امر ہے جس سے مقصود شرع باہم مسلمانوں میں ازدیاد الفت اور ملتے وقت اظہار انس و محبت ہے حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تصافحوا یذھب الغل عن قلوبکم [4]۔ اخرجہ ابن عدی عن ابن عمر رضی اللہ	آپس میں مصافحہ کرو تمہارے سینوں سے کینے نکل جائیں گے۔ (ابن عدی نے حضرت عبداللہ

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب النوافل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

[2] المواھب اللدنیہ

[3] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلثہ الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

[4] الکامل لابن عدی ترجمہ محمد بن ابی زعیزعۃ الخ دار الفکر بیروت ۶/ ۲۲۱۱، کنز العمال بحوالہ عد عن ابن عمر حدیث ۲۵۳۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۳۰، الترغیب والترھیب بحوالہ مالك عن عطاء الخراسانی الترغیب فی المصافحۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۳۴

تعالٰی عنہما ونحوہ ابن عساکر عن ابی ھریرۃ اولہ تھادوا وتحابوا ونحوھذا اخرجہ مالك فی المؤطا [1] بسند جید عن عطاء الخراسانی مرسلاً۔	ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج کی ہے اور اس کی مثل ابن عساکر نے ابوہریرہ سے روایت کیا جس کی ابتداء ان الفاظ سے ہے ہدیہ لینا دینا چاہئے تم آپس میں محبت کروگے اور اس کی مثل امام مالک نے مؤطا میں جید سند کے ساتھ مراسل طریقہ پر عطاء خراسانی سے روایت کی ہے۔(ت)

شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

السر فی المصافحۃ وقولہ مرحبا بفلان ومعانقۃ القادم ونحوھا انھا زیادۃ المؤدۃ والتبشیش ورفع للوحشۃ والتدابر [2]۔	مصافحہ اور مرحبافلان کو،اور آنے والے سے معانقہ جیسے امور میں محبت اور خوشی زیادہ ہوتی ہے اور ان سے وحشت اور اجنبیت ختم ہوتی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

التحابب فی الناس خصلۃ یرضاھا اللہ تعالٰی وافشاء السلام اٰلۃ صالحۃ لانشاء المحبۃ وکذالك المصافحۃ وتقبیل الید ونحوذلك [3]۔	لوگوں میں محبت وہ خصلت ہے جو اللہ تعالٰی کی رضا کا باعث ہے اور سلام کی عادت محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور یوں ہی مصافحہ اور دست بوسی وغیرہ بھی(ت)

اور بیشك یہ امور عرف وعادت قوم پر مبنی ہوتے ہیں جو امر جس طرح جس قوم میں رائج اور ان کے نزدیك الفت وموانست اور اس کی زیادت پر دلیل ہو وہ عین مقصود شرع ہوگا جب تك بالخصوص اس میں کوئی نہی وارد نہ ہو وجہ یہ کہ اس کی کسی خصوصیت سے شرع مطہر کی کوئی خاص غرض متعلق نہیں۔اصل مقصود سے کام ہے جس ہیئت سے حاصل ہو۔آخر نہ دیکھا کہ انھیں امور میں جو وقت ملاقات بغرض مذکور مشروع ہوئے ایك مرحبا کہنا تھا کہ اس سے بھی خوشدلی اور اس شخص کے آنے پر فرحت ظاہر ہوتی ہے۔حدیث براء ابن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے گزرا کہ حضور صلی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] مؤطا امام مالك باب ماجاء فی المھاجرۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۰۷،کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۰۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[2] حجۃ اللہ البالغۃ آداب الصحبۃ السر فی افشاء السلام الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۹۸

[3] حجۃ اللہ البالغۃ آداب الصحبۃ السر فی افشاء السلام الخ المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۹۷

لایلقی مسلم مسلماً فیرحب بہ ویأخذ بیدہ الا تناثرت الذنوب بینھما[1]۔الحدیث۔	جو مسلمان مسلمان سے مل کر مرحبا کہے اور ہاتھ ملائے ان کے گناہ جھڑ جائیں۔

پھر بلاد عجمیہ میں اس کا رواج نہیں، فارس میں اس کی جگہ خوش آمدی کہتے ہیں۔اور ہندوستان میں آیئے آیئے تشریف لایئے،اوراس کی مثل کلمات ___ اب کوئی عاقل اسے مخالفت حدیث ومزاحمت سنت نہ جانے گا،رات دن دیکھا جاتا ہے کہ خود حضرات منکرین میں دوستوں کے ملتے وقت اسی قسم کے الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔یہ کیوں نہیں بدعت وممنوع وخلاف سنت قرار پاتے۔تو وجہ کیا کہ اصل مقصود شرع وہی اظہار خوشدلی بغرض ازدیاد محبت ہے۔یہ مطلب عرب میں لفظ مرحبا سے مفھوم ہوتا تھا۔یہاں ان لفظوں سے ادا کیا جاتاہے۔تو غرض شریعت کی ہر طرح حاصل ہے۔خود مصافحہ بھی شرع مطہر کا اپنا وضع فرمایا ہوانہیں بلکہ اہل یمن آئے انھوں نے اپنے رسم ورواج کے مطابق مصافحہ کیا،شرع نے اس رسم کو اپنے مقصود یعنی ایتلاف مسلمین کے موافق پاکر مقرر رکھا۔اگر رسم کسی اور طریقے سے ہوتی اور اسکی خصوصیت میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا توشرع اسے مقرر رکھتی اور ایسے ہی وعدہائے ثواب اس پر فرماتی۔ہاں! وہ بات جس میں کسی طرح مقاصد شرع سے مخالفت ہوبے شک ناپسند ہوگی اگرچہ کسی قوم میں اس کی رسم پڑی ہو۔جیسے سلام کے عوض بلاضرورت شرعیہ انگلی یا ہتھیلی کا اشارہ کہ بوجہ مشابہت یہود ونصارے اس سے ممانعت آئی،حدیث ضعیف میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منامن تشبہ بغیرنالاتشبھوا بالیھود ولا بالنصارٰی فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وان تسلیم النصارٰی بالاکف[2] رواہ الترمذی والطبرانی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال الترمذی ھذا حدیث اسنادہ ضعیف۔	ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر سے مشابہت پیدا کرے۔یہود ونصارٰی سے تشبہ نہ کرو کہ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور نصارٰی کا سلام ہتھیلیوں سے ہے(اس کو ترمذی اور طبرانی نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا۔ترمذی نے کہا اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے۔

[1] نصب الرایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء نوریہ رضویہ لاہور ۴ /۵۶۶،شعب الایمان حدیث ۸۹۵۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۴۷۵

[2] جامع الترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام امین کمپنی دہلی ۲ /۹۴

ثامنًا: جو امر نو پیدا کہ کسی سنت ثابتہ کی ضد واقع اور اس کا فعل فعل سنت کا مزیل ورافع ہو وہ بیشک ممنوع ومذموم ہے جیسے السلام علیکم کی جگہ آج کل عوام ہند میں آداب مجرا کورنش، بندگی کا رواج ہے ___ اگر غریب بندے بعض معززوں سے بطریق سنت مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم السلام علیکم کہیں اپنے حق میں گویا گالی سمجھیں، اس احداث نے ان سے سنت سلام اٹھادی۔ یہ بیشک ذم وانکار کے لائق ہے۔ بخلاف دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کے کہ بالفرض اگر سنت میں ایک ہی ہاتھ کا رواج تھا تو دو ہاتھ سے مصافحہ سے وہ بھی ادا ہوئی اور اس کے ساتھ ایک اور امر زائد ہوا جو کسی طرح اس کے منافی نہ تھا، اس میں سنت ثابتہ کا اصلا رد و رفع نہیں پھر ممنوع ومذموم ٹھہرانا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

انما البدع المذمومة ماتصادم السنن الثابتة [1]۔	بدعت مذمومہ وہی ہے جو سنن ثابتہ کا رد کرے۔

یہاں مصافحے کی نظیر تلبیہ حج ہے کہ صحاح ستہ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی قدر منقول:

لبیك اللّٰھم لبیك، لبیك لاشریك لك لبیك، ان الحمد والنعمة لك والملك، لاشریك لك۔

پھر خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما باآں شدت اتباع سنت اس میں یہ لفظ بڑھایا کرتے:

لبیك وسَعدَیْكَ وَالْخَیْرُ بِیَدَیْكَ وَالرَّغْبَاءُ اِلَیْكَ وَالْعَمَلُ۔

اور یہ زیادت امیر المومنین فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی فرماتے کما اخرجہ مسلم [2]۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لبیك عدد التراب زیادہ کیا اخرجہ اسحق بن راھویة فی مسندہ [3]۔

اور سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لبیك ذا النعماء والفضل الحسن بڑھایا اخرجہ ابن سعد فی الطبقات [4]

---

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد المقام الثالث من السماع مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب التلبیة وصفتھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۵

[3] نصب الرایة بحوالہ اسحق بن راہویہ کتاب الحج باب الاحرام نوریہ رضویہ لاہور ۳/ ۲۹

[4] نصب الرایة بحوالہ ابن سعد فی الطبقات کتاب الحج باب الاحرام نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۰

ہمارے علماء اس کی وجہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان المقصود الثناء واظہار العبودیۃ فلایمنع من الزیادۃ علیہ۔قالہ الامام برہان الدین علی ابو الحسن الفرغانی قدس اللہ تعالٰی سرہ الصمدانی فی الھدایۃ ثم الامام فخر الدین الزیلعی فی تبیین[1] الحقائق شرح کنزالدقائق وغیرھما فی غیرھما۔	تلبیہ سے مقصود اللہ تعالٰی کی تعریف اور بندگی کا اظہار ہے تو اس پر اور کلمات بڑھانا ممنوع نہیں (اسے برہان الدین علی ابو الحسن فرغانی قدس سرہ الصمدانی نے ہدایہ میں پھر امام فخر الدین زیلعی نے تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق میں اور دیگر حضرات نے اپنی کتابوں میں فرمایا۔(ت)

یونہی جبکہ مصافحے سے اظہار محبت وازدیاد الفت مقصود تو دوسرے ہاتھ کی زیادت کہ ہرگز اس کے منافی نہیں بلکہ بحسب عرف بلد مؤید ومؤکد ہے۔زنہار ممنوع نہیں ہوسکتی۔

تاسعًا: دونوں ہاتھ سے مصافحہ مسلمانوں میں صدہا سال سے متوارث،ائمہ دین کی عبارتیں اوپر گزریں اور اس کا زمانہ تبع تابعین میں ہونا بھی معلوم ہولیا۔خود ائمہ تبع تابعین نے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔تمام بلاد اسلام مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ سے ہندو سندھ تک علماء وعوام اہل اسلام دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور جو بات مسلمانوں میں متوارث ہو بے اصل نہیں ہو سکتی۔امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

انہ المتوارث ومثلہ لایطلب فیہ سند بخصوصہ[2]۔	وہ متوارث ہے اور ایسی چیز کے لئے کوئی خاص سند درکار نہیں ہوتی۔

محقق علائی دمشقی شرح تنویر میں فرماتے ہیں:

ان المسلمین توارثوہ فوجب اتباعھم[3]۔	بے شک یہ امر مسلمانوں میں متوارث ہے تو ان کا اتباع ضرور ہوا۔

[1] الھدایۃ کتاب الحج باب الاحرام المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۲۱۷،تبیین الحقائق کتاب الحج باب الاحرام المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۲/ ۱۱

[2] فتح القدیر کتاب السرقہ فصل فی کیفیۃ القطع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۷

عاشرًا حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خالقوا الناس باخلاقھم اخرجه الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین [1]۔	لوگوں سے وہ برتاؤ کرو جس کے وہ عادی ہو رہے ہیں (اس کو حاکم نے روایت کیا اور اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا۔ت)

یہ حدیث عسکری نے کتاب الامثال میں یوں روایت کی: خالطوا الناس باخلاقھم [2]۔لوگوں کے ساتھ ان کی عادتوں سے میل کرو۔ ولہٰذا ائمہ دین ارشاد فرماتے ہیں لوگوں میں جو امر رائج ہو جب تک اس سے صریح نہی ثابت نہ ہو ہرگز اس میں اختلاف نہ کیا جائے بلکہ انھیں کی عادات واخلاق کے ساتھ ان سے برتاؤ چاہئے۔ شریعت مطہرہ سنی مسلمانوں میں میل پسند فرماتی ہے اور ان کو بھڑکانا۔ نفرت دلانا۔ اپنا مخالف بنانا، ناجائز رکھتی ہے۔ بے ضرورت تامہ لوگوں کی راہ سے الگ چلنا سخت احمق جاہل کا کام ہے۔ امام حجۃ الاسلام قدس سرہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

الموافقة فی ہذہ الامور من حسن الصحبة والعشرة اذ المخالفة موحشة وکل قوم رسم ولا بد من مخالطة الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیھا حسن العشرة والمجاملة وتطیب القلب بالمساعدة [3]۔	ان امور میں لوگوں سے موافقت صحبت ومعاشرت کی خوبی سے ہے اس لئے کہ مخالفت وحشت دلاتی ہے اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور بالضرورۃ لوگوں کے ساتھ ان کی عادات کا برتاؤ کرنا چاہئے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا، خصوصًا وہ عادتیں جن میں اچھا برتاؤ اور نیک سلوک اور موافقت کرکے دل خوش کرنا ہے۔

یہاں تک کہ فرمایا:

کذالك سائر انواع المساعدات اذا قصد بھا تطییب القلب واصطلح علیھا	ایسے ہی مساعدت کی ساری قسمیں جبکہ اس سے دل خوش کرنا منظور ہو اور کچھ لوگوں نے وہ روش

[1] المغنی عن حمل الاسفار مع احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد مطبعہ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

[2] کنز العمال بحوالہ العسکری فی الامثال حدیث ۵۲۳۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۱۹

[3] احیاء العلوم کتاب آداب السماع الوجد المقام الثالث من السماع مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

جماعة فلا باس بمساعدتهم علیها بل الاحسن المساعدة الافیما ورد فیه نهی لایقبل التاویل [1]۔	قرار دے لی ہو تو ان کے موافق ہو کر اس پر عمل کرنا کچھ مضائقہ نہیں رکھتا۔ بلکہ موافقت کرنا ہی بہتر ہے۔ مگر جس امر میں شرع سے ایسی نہی آگئی ہو جو قابل تاویل نہیں۔

عین العلم میں ہے:

الاسرار بالمساعدة فیما لم ینه عنه و صار معتادا بعد عصرهم حسنة وان کان بدعة [2]۔	جس امر میں شرع سے نہی نہ آئی اور صدر اول کے بعد معمول ہو اس میں موافقت کرکے لوگوں کو خوش کرنا اچھا ہے اگرچہ بدعت ہی سہی۔

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے رسالہ جمال الاجمال لتوقیف حکم الصلوٰۃ فی النعال میں یہ مضمون بہت حدیثوں سے ثابت کیا اور بیشک مقصود شرع کے یہی مطابق ہے مگر جن لوگوں کو مقاصد شریعت سے کچھ غرض نہیں اپنی ہوائے نفس کے تابع ہیں وہ خواہی نخواہی ذرا ذرا سی بات میں مسلمانوں سے الجھتے اور ان کی عادات وافعال کو جن پر شرع سے اصلا ممانعت ثابت نہیں کرسکتے ممنوع وناجائز قرار دیتے ہیں۔ حاشا کہ ان کی غرض حمایت شرع ہو ــــــ حمایت شرع چاہئے تو جن امور کی تحریم وممانعت میں کوئی آیت وحدیث نہ آئی خواہ مخواہ بزور زبان انھیں گناہ ومذموم ٹھہرا کر شرع مطہر پر افتراء کیوں کرتے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾" [3]	اور نہ کہو اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ صرف مقصود ان حضرات کا عوام مسلمین میں تفرقہ ڈالنا اور براہ تلبیس وتدلیس اپنے لئے ایک جدا روش نکالنا اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت کے سامان جمع کرنا ہے کہ اگر وہی مسائل بیان کریں جو تمام علماء اسلام فرماتے ہیں تو ان جیسے اور ان سے بہتر ہزاروں لاکھوں ہیں۔ یہ خاص کرکے کیوں کر گنے جائیں۔ ہاں

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد المقام الثالث من السماع مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت الخ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۲۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

جب یوں فتنہ ڈالیں اور نیا مذہب نکالیں گے تو آپ ہی نزدیک و دور معروف و مشہور ہو جائیں گے۔ آخر نہ دیکھا کہ امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرمایا کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

خروجہ عن العادۃ شھرۃ ومکروہ [1]۔	یعنی جس جگہ جو طریقہ لوگوں میں رائج ہے اس کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو مشہور بنانا شرعاً مکروہ و ناپسند ہے۔

اسی طرح مجمع بحار الانوار میں منقول:

ھو علی عادۃ البلدان فالخروج عنھا شھرۃ ومکروہ [2]۔	یہ علاقوں کی عادت پر ہے جس سے خروج نری شہرت اور ناپسندیدگی ہے۔(ت)

اسی کو مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں ناقل کہ:

خروج از عادت واہل بلد موجب شہرت است و مکروہ است [3]۔	علاقہ والوں کی عادت سے خروج شہرت کے لیے ہوتا ہے اور یہ ناپسند بات ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللہ یوم القیمۃ ثوب مذلۃ ثم یلھب فیہ النار۔ رواہ ابوداؤد [4] وابن ماجۃ عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسن۔	جو شہرت کا لباس پہنے اللہ تعالٰی اسے روز قیامت ذلت کا کپڑا پہنائے پھر اس میں آگ بھڑکادی جائے۔(اس کو ابوداؤد و ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

جب دو ہاتھوں سے مصافحہ اب تمام مسلمانوں میں رائج اور تم کسی حدیث سے اس کی ممانعت ثابت نہیں کرسکتے تو بلاوجہ عادت مسلمین کا خلاف کرنا سوا اپنی شہرت چاہنے نکو بننے اور اس وعید شدید

---

[1] الحدیقہ الندیہ الباب الثانی الصنف التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

[2]

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۰

[4] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۲، سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۶

کے مستحق ہونے کے اور کس غرض پر محمول ہوسکتا ہے ___ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق رفیق عنایت فرمائے (آمین!) یہ چند جملے ہیں کہ بطور اختصار بر سبیل ارتجال زبان قلم سے سیر زد ہوئے اور وہ مباحث نفیسہ واصول جلیلہ جن کی طرف ضمن کلام میں جابجا اشارہ ہوا اگر ان کی تحقیق تام وتنقیح تمام پر آئیں تو مبسوط کتابیں لکھنا چاہئے جسے بیان کافی وارشاد شافی پر اطلاع منظور ہو کتب علماء مثل اذاقۃ الاثام واصول الرشاد وغیرہما تالیف طیبات امام المحققین سراج المدققین حضرت والد قدس سرہ الماجد کی طرف رجوع کرے۔ امید کرتا ہوں کہ اس مسئلہ مصافحہ بالیدین میں یہ مباحث رائقہ وابحاث فائقہ خاص علم فقیر کا حصہ ہوں۔ والحمدللہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین والہ وصحبہ اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

"صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین"

ختم شد

مسئلہ ۱۲۴: از ضلع سورت اسٹیشن سائیں مقام کٹھور مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۰۹ھ

فجر کی نماز کے بعد مصافحہ لیتے ہیں سو جائز ہے یا نہیں ہر روز؟

الجواب:

جولوگ بعد قیام جماعت یا شروع تکبیر آکر نماز میں شامل ہوئے کہ امام ودیگر مقتدین سے قبل نماز

ملاقات نہ کرنے پائے انھیں تو ان سے بعد سلام مصافحہ کرنا قطعاً سنت۔

لانها سنة لانها عند ابتداء کل لقاء و هذا ابتداء لقائهم هذا۔	کہ ہر ملاقات پر مصافحہ کرنا سنت ہے (یعنی ملاقات کا آغاز مصافحہ کرنا مسنون ہے)۔(ت)

اور وہ جو بے لحاظ اس تخصیص کے مصافحہ بعد فجر وعصر یا بعد عصر ومغرب مطلقاً صدہا سال سے مسلمین میں معتاد ومرسوم، اس بارے میں اصح یہی ہے کہ جائز ومباح ہے۔

کما حققه المولی المحقق سیدنا الوالد قدس سره الماجد فی بعض فتاواه وذکرهنا المولی الفاضل زینة عصرنا محب الرسول عبدالقادر القادری فی رسالته المناصحة فی تحقیق المصافحة تحقیقا جمیلا یتضح به الصواب توفیقا انیقا یندفع به الاضطراب۔	جیسا کہ ہمارے والد بزرگوار قدس سرہ الماجد نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق فرمائی، یہاں ہمارے دور کی ایک نفیس اور خوبصورت ہستی عاشق زار رسول والاتبار مولانا فاضل عبد القادر قادری نے اپنے رسالہ المناصحہ فی تحقیق مسائل المصافحة (یعنی باہم خیر خواہی کرنا ہاتھ ملانے کے احکام کی تحقیق بیان کرنے میں) تحقیق پیش فرمائی ہے اور خوبصورت موافقت پیدا کی ہے جس سے حقیقت واشگاف ہوتی ہے۔ اور اضطراب دور ہوتا ہے۔(ت)

علامہ شہاب الدین مصری شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: **الاصح انها مباحة**[1] (زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ مصافحہ کرنا مباح ہے۔ت) ہاں جہاں مداومت سے خوف ہو کہ جہال اس خصوصیت خاصہ کو واجب یا سنت بخصوصہا نہ سمجھنے لگیں وہاں اہل علم کو مناسب کہ ان اوقات میں کبھی کبھی ترک بھی کردیں۔ **هذا هو الانصاف فی امثال الباب والله تعالٰی اعلم بالصواب** (اس قسم کے باب میں یہی انصاف ہے۔ اللہ تعالٰی راہ صواب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲۵: ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوقت سننے اسم پاک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے انگوٹھے چومنے ضرور ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو کس کس موقع اور کون کون محل پر۔ **بینوا توجروا**

---

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافة جسمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۱۳

الجواب:

ضرور بمعنی فرض یا واجب یا سنت مؤکدہ تو اصلا نہیں۔ہاں اذان سننے میں علمائے فقہ نے مستحب رکھا ہے۔اور اس خاص موقع پر کچھ احادیث بھی وارد جو ایسی جگہ قابل تمسک ہیں **کماحققناہ فی رسالتنامنیر العین فی حکم تقبیل الابہامین** (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ **منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین** یعنی آنکھوں کو روشن کرنا انگوٹھے چومنے کے عمل سے میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگر نماز میں یا خطبہ یا قرآن مجید سنتے وقت نہ چاہئے، نماز میں اس کی ممانعت توظاہر، اور استماع خطبہ و قرآن کے وقت یوں کہ اس وقت ہمہ تن گوش ہو کر تمام حرکات سے بازرہنا چاہئے۔پنچایت کے وقت جو آیہ کریمہ "**مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ**"[1] پر اس قدر کثرت سے انگوٹھے چومے جاتے ہیں گویا صدہا چڑیاں جمع ہو کر چہک رہی ہیں یہاں تک کہ دور والوں کو قرآن عظیم کے بعض الفاظ کریمہ بھی اس وقت اچھی طرح سننے میں نہیں آتے۔یہ فقیر کو سخت ناپسند و گراں گزرتا ہے صرف انگوٹھے لبوں سے لگا کر آنکھوں پر رکھنے میں اس وقت کوئی حرج نہ بھی ہو تو بوسہ تعظیم میں آواز نکلنے کا خود حکم نہیں۔ جیسے بوسہ سنگ اسود وآستانہ کعبہ وقرآن عظیم ودست و پائے علمائے وصلحاء نہ کہ ایسی آوازیں کہ چڑیاں بسیرا لے رہی ہیں۔**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔**

مسئلہ ۱۲۶: از بلگرام شریف محلّہ میدانپورہ مرسلہ سید ابراہیم صاحب ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جواب سلام کفار وہنادک کن الفاظ میں دیا جائے؟ اور خود بھی ضرورت اور بے ضرورت ان کو سلام کرے تو کس طور سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

کافر کو بے ضرورت ابتداء بسلام ناجائز ہے **نص علیہ فی الحدیث والفقہ** (حدیث پاک اور فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) اور ہندوستان میں وہ طرق تحیت جاری ہیں کہ بضرورت بھی انھیں سلام شرعی کرنے کی حاجت نہیں مثلا یہی کافی کہ لالہ صاحب، بابو صاحب، منشی صاحب، یا بے سر جھکائے سر پر ہاتھ رکھ لینا **وغیر ذٰلک**، کافر اگر بے لفظ سلام سلام کرے تو ایسے ہی الفاظ رائجہ جواب میں بس ہیں۔اور بلفظ سلام ابتداء کرے تو علماء فرماتے ہیں جواب میں **وعلیک** ہے مگر یہ لفظ یہاں مخصوص باہل اسلام ٹھہرا ہوا ہے۔اور وہ کافر بھی اسے جواب سلام نہ سمجھے گا بلکہ اپنے ساتھ استہزاء

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

خیال کرے گا تو جس لفظ سے مناسب جانے جواب دے لے اگرچہ سلام کے جواب میں سلام ہی کہہ کر۔

فقد نص محمد انہ ینوی فی الجواب السلام فافھم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بیشک امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے تصریح فرمائی کہ جواب میں سلام کی نیت کی جائے۔اور اللہ تعالٰی بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۷: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں بستم ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

چہ مے فرمایند علمائے راہ شریعت وطریقت ومفتیان مطاع حقیقت ومعرفت دریں مسئلہ کہ مرشدان چند مریدان خود راہدایت سخت بپابوسی بدہن کنانیدہ می بوسانند می گویند کہ ایں درست ست وبرمزار بزرگان دین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین خم شدہ سلام نمایند وبرقبر بوسہ می دہند مانند روافض این فعل درشریعت وطریقت درست است یااشد شرک وکفر ؟ بیان فرمایند بعبارت کتب کہ عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور خواہند شد۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت وطریقت ومفتیان راز داران معرفت وحقیقت اس مسئلہ میں کہ بعض شیوخ ومرشدین نے اپنے کچھ مریدین کو ہدایت وتاکید کررکھی ہے کہ وہ ان کے پاؤں کو بوسہ دیا کریں یعنی چوما کریں۔بزرگان دین رحمہم اللہ تعالٰی کے مزارات پر جھک کر سلام کیا کریں اور ان کی قبور کو روافض کی طرح بوسہ دیا کریں بقول ان کے ایسا کرنا جائز ہے۔کیا واقعی شریعت وطریقت میں ایسا کرنے کی اجازت ہے اور یہ شرک وکفر نہیں ہے؟ کتب اسلامی کے حوالے سے بیان فرمائیں تاکہ اللہ تعالٰی کے ہاں ماجور ہوں اور لوگوں کے ہاں مشکور(ت)

الجواب:

بوسہ قبر بمذہب راجح ممنوع است فی شرح عین العلم لعلی قاری ولا یمس ای القبر ولا التابوت والجدار فورد النھی عن مثل ذٰلک بقبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکیف بقبور سائر الانام و	صحیح اور قابل ترجیح مذہب میں کسی بھی قبر کو بوسہ دینے یعنی چومنے کی اجازت نہیں بلکہ ممانعت ہے۔چنانچہ محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی شرح عین العلم میں ہے کہ قبر، تابوت اور دیوار کو ہاتھ نہ لگایا جائے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قبر اطہر کے بارے میں اس طرح کرنے سے روکا اور منع کیا گیا ہے پھر باقی

لایقبل فانه زیادة علی المس فهو اولی بالنهی [1] ہمچناں خم شد سلام دادن فی حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنه عند الترمذی قال اینحنی له قال لا [2]. اما چیزے ازینہا شرک وکفر نتواں بود این غلو وہابیہ ضالہ است ودست و پائے اولیائے وعلماء رابوسہ دادن زنہار ممنوع ھم نیست بلکہ ثابت ودرست ست، وفد عبدالقیس رضی اللہ تعالٰی عنھم چوں بخدمت اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسیدند واز دور نگاہ شان بر جمال جہاں آرائے حضور اقدس سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افتاد بے تابانہ خود را ازپشت سوار یہا افگندند ودواں دواں بحضور رسیدہ بوسہ بردست وپائے اقدس دادند سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انکار نفرمودہ امام بخاری درادب مفرد	لوگوں کی قبور کے ساتھ یہ معاملہ کیسے روا ہوسکتا ہے اور قبر کو بوسہ نہ دیا جائے کیونکہ یہ توہاتھ لگانے سے کہیں بڑھ کر ہے لہٰذا اس کے لئے نہی بطریق اولٰی ہے۔ اسی طرح جھک کر سلام کرنا منع ہے چنانچہ امام ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے، انھوں نے استفسار کیا کیا اسکے آگے جھک جائے، ارشاد فرمایا: نہیں، مگر واضح رہے کہ ان میں سے کوئی کام بھی کفر وشرک نہیں ہوسکتا۔ یہ گمراہ کرنے والے وہابیوں کا غلو ہے۔ جہاں تک اولیاء کرام اور علمائے عظام کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینے کا تعلق ہے تو یہ عمل ہرگز منع نہیں بلکہ جائز اور ثابت ہے، چنانچہ وفد عبدالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچنے کے بارے میں یہ روایت مذکور ہے کہ جب دور سے ان کی نگاہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے جمال جہاں پر پڑی تو وہ بے تاب ہوکر اپنی اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اترے اور دوڑ کر بارگاہ اقدس میں پہنچے اور آپ کے مبارک ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان کو منع نہیں فرمایا (جو بلاشبہ دلیل جواز ہے) امام بخاری الادب المفرد

[1] شرح عین العلم لمنلا علی قاری الباب الثامن مطبع الاسلامیہ لاہور ص ۱۶۷

[2] جامع الترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی المصافحة امین کمپنی دہلی ۲ /۹۷

وامام ابوداؤد در سنن و بیہقی از زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کنند **فجعلنا نتبادر فنقبل یدرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ**[1] ودر حدیث ست کہ زنے از شوئے خودش گلہ پیش حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی الہ آورد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود آیا تو اورادشمن می داری؟ عرضہ داد بلی۔ حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر او را وشوہرا و رافرمود سرہائے خود نزدیک کنید ہمچناں کردند سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیشانی زن بر پیشانی مرد نہادہ دعا کرد کہ خدایا بامیاں ایناں الفت نہ ویکے را محبوب دیگرے کن بازآں زن بخدمت انور رسید وبوسہ بردہن وپائے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چید سرور جہانیاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرسید کہ حالا تو وشوے تو برچہ حالا عرضہ	میں امام ابوداؤد وسنن میں اور امام بیہقی یہ سب حضرت زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ پھر ہم لوگ (خدمت اقدس میں پہنچنے کے لئے) جلدی کرنے لگے پھر ہم (وہاں پہنچ کر) حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مبارک ہاتھ پاؤں کو چومنے لگے۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک عورت نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے شوہر کے خلاف شکایت کی۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ تو اس کو (یعنی اپنے خاوند کو) پسند نہیں کرتی؟ اس نے جواب ہاں میں دیا یعنی مجھے شوہر پسند نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس سے اور اس کے شوہر سے فرمایا کہ تم دونوں اپنے اپنے سر میرے قریب کرو۔ جب دونوں نے اپنے اپنے سر آپ کے بالکل قریب کردیئے تو آپ نے عورت کی پیشانی مرد کی پیشانی پر رکھی اور دعا فرمائی۔ اے اللہ! ان دونوں کے درمیان الفت و محبت رکھ دے انھیں ایک دوسرے کا محبوب بنادے۔ پھر اس عورت نے ایک دفعہ حاضر ہو کر آپ کے چہرہ انور اور آپ کے پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ سردار دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اب اپنے شوہر کے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۵۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب ماجاء فی قبلہ الجسد المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۷ /۱۰۲، الادب المفرد باب ۴۴۵ تقبیل الرجل المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۲۵۳

داد کہ ہیچ نو و کہن و ہیچ پسر نیز مرا ز وے محبوب تر نیست سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود من گواہی می دہم کہ من رسول خدا یم، عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گفت و من گواہی می دہم کہ تو رسول خدا فقیر گوید ومن فقیر یکے از سگان کوئے شما گواہی می دہد کہ واللہ العظیم تو رسول خدائے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الک وصحبک وبارک وکرم۔ البیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان امرأۃ شکت زوجھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اتبغضیہ قالت نعم فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادنیا رؤسکما فوضع جبھتھا علی جبھۃ زوجھا ثم قال اللھم الف بینھما وحبب احدھما الی صاحبہ ثم لقیتہ المرأۃ بعد ذٰلک فقبلت رجلیہ فقال کیف انت وزوجک قال ماطارف ولا تالد ولا ولد احب الی منہ فقال اشھد انی رسول اللہ فقال عمر وانا اشھد انک رسول اللہ [1]۔ ونیز	بارے میں تمھاری کیا کیفیت ہے ؟ اس نے جوابا عرض کیا کوئی جوان کوئی بوڑھا اور کوئی لڑکا مجھے اس سے زیادہ محبوب نہیں، آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں گواہی دیتاہوں کہ میں اللہ تعالٰی کا رسول ہوں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں بھی گواہی دیتاہوں کہ آپ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں۔ فقیر کہتاہے میں بندہ محتاج آپ کی گلی کے کتوں میں سے ایک کتا بھی گواہی دیتاہے کہ اللہ العظیم کی قسم آپ اللہ تعالٰی کے سچے رسول ہیں آپ پر آپ کی آل پر اور آپ کے ساتھیوں پر اللہ تعالٰی کی رحمت وبرکت اور کرم فرمائے، امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اپنے شوہر کے خلاف شکوہ کیا آپ نے فرمایا: کیا تو اس سے بغض رکھتی ہے؟ اس نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم دونوں اپنے سر میرے قریب کرو۔ پھر آپ نے عورت کی پیشانی اس کی شوہر کی پیشانی پر رکھی اور فرمایا: اے اللہ! ان دونوں میں الفت پیدا کردے اور انھیں ایک دوسرے کا محبوب بنادے پھر اس کے بعد اس عورت کی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کے پاؤں مبارک چومے، آپ نے اس سے

[1] دلائل النبوۃ للبیھقی باب ماجاء فی دعائہ لزوجین احدھما یبغض الأخر بالالفہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶ /۲۲۹

درحدیث ست کہ مردے حاضر خدمت شدہ عرضہ داشت کہ یارسول اللہ! مراچیزے بنما کہ باویقینم فزاید فرمود بسوئے ایں درخت رفتہ او را بخواں رفت گفت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترامیخواند درخت ہماندم آمد وبرسید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلام گفت باز گرد باز گشت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آن صحابی راپروانگی داد تابوسہ برسر مبارک وبر دو پائے اقدس زد،الحاکم فی المستدرک وقال صحیح الاسناد ان رجلا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ علمنی شیئا ازداد بہ یقینا فقال اذھب الی تلک الشجرۃ فادعھا فذھب الیھا فقال ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدعوک فجاءت حتی سلمت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم قال لھا ارجعی فرجعت قال ثم اذن لہ فقبل

فرمایا: تمھارے شوہر کا کیا حال ہے؟ تو اس نے کہا: اب مجھے اس سے زیادہ کوئی جوان، بوڑھا اور بچہ محبوب نہیں۔ آپ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ یقینا میں اللہ تعالٰی کا رسول ہوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ تعالٰی کے رسول! مجھے کوئی ایسی چیز دکھاؤ جس سے میرے یقین میں اضافہ ہو۔ ارشاد فرمایا: اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ تمھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلاتے ہیں: وہ شخص اس درخت کے پاس گیا اور اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلارہے ہیں وہ درخت اسی وقت بارگاہ اقدس میں حاضر ہوگیا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ واپس اپنی جگہ پر چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ درخت واپس چلا گیا۔ اس صحابی نے آپ کے سر مبارک اور مبارک ومقدس پاؤں کو بوسہ دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے اجازت دے دی، اور اس نے بوسہ دیا۔ حاکم نے المستدرک میں روایت کی اور فرمایا اس کی سند صحیح ہے کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے عرض کی اے

راسه ورجليه وقال لو كنت امرا احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [1]۔امام اجل سیدنا جعفر صادق وامام سفیان ثوری ومقاتل بن حیان وحماد بن سلمه وغيرهم ائمہ مجتہدین پیش امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم آمدہ گفتند بمارسیدہ است کہ تو در مسائل قیاس بکثرت میکنی امام بایشاں مناظرہ کرد ومذہب خود پیش نمود وگفت کہ پیش از ہمہ عمل بقرآن عظیم میکنم باز بحدیث باز باجماع باز باقوال صحابہ وچوں دریں ہمہ نیابم آں گاہ براہ قیاس شتابم ایں مناظرہ در مسجد جامع کوفہ روز جمعہ از آغاز نہار تاوقت زوال جاری بود آخر ہا ہمہ ائمہ مذکورین برخاستند وبوسہ برسرو زانوئے امام اعظم دادند وگفتند تو سردار علمائے پیش ازیں انچہ نادانستہ بحق تو گفتہ بودیم بما عفو کن امام گفت حق جل وعلا ماوشمار ہم را مغفرت کند الامام العارف الشعرانی قدس سرہ فی المیزان كان ابو مطيع	اللہ تعالٰی کے رسول: مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیں جس سے میرے یقین میں ترقی (زیادتی) ہو، فرمایا اس درخت کے پاس جاؤ اور اسے میرے ہاں بلالاؤ۔ پھر وہ اس درخت کے پاس گیا اور اس سے کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلارہے ہیں چنانچہ وہ درخت بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگیا اور اس نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کیا، پھر آپ نے اس سے ارشاد فرمایا کہ لوٹ جاؤ، وہ حسب ارشاد لوٹ گیا۔ راوی فرماتے ہیں پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس شخص کو اجازت دی تو اس نے آپ کے سر مبارک اور دونوں پاؤں کو بوسہ دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ امام کبیر سیدنا امام جعفر صادق، امام سفیان ثوری، مقاتل بن حیان اور حماد بن سلمہ اور ان کے علاوہ دیگر ائمہ درجہ اجتہاد پر فائز ہونے والے امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں گئے اور امام صاحب سے فرمانے لگے کہ ہمیں یہ اطلاع پہنچی ہے آپ مسائل شرعی میں بہت زیادہ قیاس آرائی سے کام لیتے ہیں۔ امام صاحب نے ان سے مناظرہ کیا اور وضاحت سے اپنا مذہب (نظریہ) پیش کیا اور فرمایا میں تو سب سے پہلے قرآن پر عمل کرتا ہوں اس کے

[1] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ باب حق الزوج علی الزوجۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۷۲

یقول کنت یوما عندالامام ابی حنیفة فی جامع الکوفة فدخل علیه سفین الثوری ومقائل بن حیان وحماد بن سلمة وجعفر الصادق وغیرہم من الفقهاء فکلموا الامام اباحنیفة وقالوا قد بلغنا انک تکثر من القیاس فی الدین وانا نخاف علیک منه فان اول من قاس ابلیس فناظر هم الامام من بکرة نهار الجمعة الی الزوال وعرض علیهم مذہبه وقال انی اقدم العمل بالکتاب ثم بالسنة ثم باقضیة الصحابة مقدما ما اتفقوا علیه علی مااختلفوا فیه وحینئذ اقیس فقاموا کلهم وقبلوا یدیه ورکبته وقالوا له انت سید العلماء فاعف عنافیما مضی منا من وقیعتنا فیک بغیر علم فقال غفر الله لناولکم اجمعین [1] انتهی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

بعد حدیث پھر اجماع امت، پھر اقوال صحابہ کرام پر، جب ان سب میں کوئی مسئلہ نہ پاؤں تو پھر قیاس سے کام لیتا ہوں، یہ مناظرہ جامع مسجد کوفہ میں جمعہ کے دن صبح سے لے کر زوال کے وقت تک جاری رہا۔ بالآخر مذکورہ تمام امام اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے سر اور زانوؤں پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ آپ علماء کرام کے سرخیل ہیں اور ہم اس سے پہلے بے خبری میں آپ کے متعلق جو سنی سنائی کہتے رہے وہ ہمیں معاف کردیں۔ امام صاحب نے فرمایا: اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر مجھے اور آپ سب کو معاف کردے۔ امام عارف عبدالوہاب شعرانی "المیزان" میں فرماتے ہیں حضرت ابو مطیع فرمایا کرتے تھے کہ میں جامع مسجد کوفہ میں امام صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے پاس سفیان ثوری، مقاتل بن حیان حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور بعض دیگر فقہائے کرام تشریف لائے اور امام صاحب سے گفتگو کرنے لگے کہ ہمیں اطلاع پہنچی کہ آپ دین میں زیادہ تر قیاس سے کام لیتے ہیں لہٰذا ہم اس طرز عمل سے خوف محسوس کرتے ہیں کیونکہ سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ شیطان تھا۔ ان کی یہ مناظرانہ گفتگو جمعہ کے روز فجر سے لے کر سورج ڈھلنے تک ہوتی رہی۔ امام صاحب نے اپنا مذہب وموقف ان کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: میں عمل کرنے میں کتاب اللہ کو سب سے مقدم سمجھتا ہوں، پھر سنت کو، پھر صحابہ کرام کے متفق فیصلوں کو ان کے اختلافی فیصلوں سے مقدم سمجھتا ہوں، اور جب قرآن حدیث اور اجماع صحابہ سے کسی مسئلہ میں براہ راست واضح ہدایت اور مثال نہ مل سکے تو پھر اس وقت قیاس کے ذریعے مسئلے کا حل ڈھونڈتا ہوں، یہ سننے کے بعد تمام علماء وفقہاء نے اٹھ کر امام صاحب کے ہاتھوں اور گھٹنوں کو

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل فی بیان ضعف قول من نسب الامام اباحنیفه الی انه یقدم القیاس الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۶و۶۵

	بوسہ دیا اور کہا آپ تو سید العلماء ہیں ہم آپ سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ ہم بلاوجہ بغیر کسی تحقیق کے آپ کے پیچھے پڑے رہے آپ ہماری کوتاہی اور خطا معاف فرمادیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی ہمیں اور آپ سب کو معاف فرمائے، اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۸: از سیتاپور منشی مشرف احمد صاحب سررشتہ دار کلکٹری سیتاپور ۲۹ صفر ۱۳۱۳ھ

عالی جناب مولانا صاحب مخدوم ومطاع نیاز کیشاں زاد مجدکم وافضالکم بعد بجاآوری تسلیم عرض یہ ہے کہ اللہ تعالٰی اور جناب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جب گھر میں داخل ہو تو سلام کرے" حدیث شریف میں ہے کہ باعث برکت ہے۔ اگر گھر میں سوا اہلیہ کے نہ ہو تو زوجہ پر سلام علیک کرے یا نہیں؟ ایک صاحب اس بارہ میں حجت کرتے ہیں کہ ازواج مطہرات پر سلام علیک کرنا کہیں حدیث سے ثابت نہیں ہوا ہے حالانکہ سیاق اس امر پر وارد ہے کہ اہلیہ پر بھی سلام علیک کرنا چاہئے۔ اس کا جواب ان آیات واحادیث سے جن میں گھر جانے کے وقت سلام کرنے کا حکم ہے اور جن سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سلام ازواج مطہرات سے کرنا ثابت ہو ارقام فرمائیں۔ فقط۔

الجواب:

قال اللہ " فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً " [1]۔	(اللہ عزوجل نے فرمایا) جب تم گھروں میں جاؤ تو سلام کرو اپنی جانوں پر ملتے وقت کی اچھی دعا اللہ کی طرف سے برکت والی پاکیزہ۔

معالم التنزیل میں ہے:

ای یسلم بعضکم علی بعض هذا فی دخول الرجل بیت نفسه یسلم علی اهله ومن فی بیته وهو قول جابر وطاؤس والزهری وقتادہ والضحاک وعمرو بن دینار قال قتادہ اذا دخلت بیتک فسلم علی اهلک فهم احق من سلمت علیه [2]۔	یعنی تمہارے بعض بعض کو (ایک دوسرے کو) سلام کیا کریں۔ یہ اس وقت کے لئے ہے کہ جب کوئی شخص اپنے گھر میں جائے تو گھر میں موجود اپنوں اور دیگر وہاں حاضرین کو سلام دے۔ جابر، طاؤس، زہری، قتادہ، ضحاک اور عمرو بن دینار کا یہی قول ہے۔ اور حضرت قتادہ نے فرمایا جب تم اپنے گھر میں جاؤ تو اپنے گھر والوں کو سلام پیش کیا کرو، جن کو تم سلام دیتے ہو ان سے زیادہ حق گھر والے رکھتے ہیں۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[2] معالم التنزیل علی هامش تفسیر خازن تحت آیۃ ۲۴/ ۶۱ مصطفی البابی مصر ۵/ ۹۱

حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

یابنی اذادخلت علی اھلک فسلم یکون برکۃ علیک وعلی اھل بیتک، رواہ عنہ الترمذی وقال حسن غریب[1]۔	اے میرے بیٹے! جب تو اپنے اہل پر داخل ہو تو سلام کر، وہ برکت ہوگا تجھ پر اور تیرے اہل خانہ پر (امام ترمذی نے اس کو حضرت انس سے روایت کیا اور فرمایا حدیث حسن غریب ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلی آلہ نے فرمایا:

اذا دخلتم بیوتکم فسلموا علی اھلھا فان الشیطان اذا سلم احدکم لم یدخل بیتہ، رواہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما[2]۔	جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اہل خانہ پر سلام کرو کہ جب تم میں کوئی گھر میں جاتے سلام کرتا ہے تو شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوتا (خرائطی نے مکارم الاخلاق میں اس کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت)

علامہ مجدالدین فیروزآبادی صراط مستقیم میں فرماتے ہیں:

کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جاء الی البیت بلیل سلم سلامایستمعہ المستیقظون ولاینتبہ منہ الراقدون[3]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب رات کو مکان میں تشریف فرما ہوتے ایسی آواز سے سلام فرماتے کہ جاگنے والے سن لیتے اور سوتے نہ جاگتے۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

سلام سنت ست نزد درآمدن درخانہ براہل خانہ[4]۔	گھر میں داخل ہونے پر گھر والوں کو سلام کرنا سنت ہے۔(ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب فی التسلیم اذا دخل بیتہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۵

[2] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ خرائطی فی مکارم الاخلاق کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۲۷۴

[3] شرح سفر السعادۃ (صراط مستقیم) فصل در اسلام وآداب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۴۱۰

[4] شرح سفر السعادۃ (صراط مستقیم) فصل در اسلام وآداب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۴۱۰

صحیح مسلم وسنن ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا دخل بیتہ بدا بالسواک[1]۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کاشانہ اقدس میں تشریف فرما ہوتے پہلے مسواک فرماتے۔

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

لاجل السلام علی اھلہ فان السلام اسم تشریف فاستعمل السواک للاتیان بہ[2]۔	یہ مسواک اپنے اہل پاک پر سلام فرمانے کے لئے تھی کہ سلام معظم نام ہے تو اس کے ادا کو مسواک فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

عین العلم میں ہے:

یسلم عندالدخول فی بیتہ لئلا یدخل الشیطان معہ وھو مامور بہ[3] اھ ملخصًا۔	اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب اپنے گھر میں داخل ہوں تو گھر والوں کو سلام کریں تاکہ شیطان ان کے ساتھ داخل نہ ہوسکے اھ ملخصًا (ت)

عالمگیری میں محیط سے ہے:

اذا دخل الرجل فی بیتہ یسلم علی اھل بیتہ[4]۔	جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو اپنے گھر والوں کو سلام پیش کرے (ت)

صیرفیہ پھر تاتارخانیہ پھر ہندیہ میں ہے: ویسلم فی کل دخلۃ[5] (گھر میں ہر بار داخل ہوتے وقت سلام کیا جائے۔ت)

بالجملہ یہ سنت قرآن وحدیث سب سے ثابت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب السواک قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب السواک نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷، سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث کان اذا دخل الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۴۸

[3] عین العلم الباب الثامن مطبع السلامیہ لاہور ص ۱۵۴

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۵

[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۵

مسئلہ ۱۲۹: از شہر مذکور

بواپسی ڈاک بعد بجاآوری تسلیم دست بستہ گزارش ہے فتوٰی عطیہ حضور ملا، وہ صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کسی حدیث میں خاص تصریح ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ازواج مطہرات پر سلام کیا، زیادہ بجزآں کیا عرض کروں۔ خاکسار۔

الجواب:

صحیح مسلم شریف کتاب النکاح، باب فضیلۃ اعتاق امتہ ثم یتزوجہا حدیث طویل انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نکاح ام المومنین صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وام المومنین زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا میں ہے:

فجعل یمر علی نسائه فیسلم علی کل واحدۃ منهن سلام علیک کیف انتم یا اهل البیت[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات پر گزرنا شروع فرماتے ان میں ہر ایک پر سلام فرماتے اور سلام علیکم کے بعد مزاج پرسی کرتے۔

دوسری روایت میں ہے:

فخرج رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واتبعته فجعل یتبع حجر نسائه یسلم علیهن[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور میں سایہ دار ہمراہ تھا ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے جاتے اور انھیں سلام فرماتے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۰: از کٹرہ پرگنہ منورہ ضلع گیا مکان سید ابوصالح صاحب خاں بہادر مرسلہ مولوی کریم رضاخاں صاحب ۲۴ صفر ۱۳۱۴ھ

مصافحہ بعد نماز جمعہ وعیدین وصبح وعصر بعد وعظ کے اور یہ معانقہ بعد عیدین کے جائز ہے یا نہیں اور جو کوئی اس فعل کے کرنیوالے کو جہنمی اور مردود اور رافضی کہے اس کا کیا حکم ہے: ؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

مصافحہ ومعانقہ مذکورہ جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہوں جائز ہیں۔ اور بہ نیت محمود مستحب ومندوب

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۰۔۴۶۱

[2] صحیح مسلم کتاب النکاح باب فضیلۃ اعتاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۰۔۴۶۱

اس فعل پر جہنمی و مردود ورافضی کا حکم لگانے والا خود ان الفاظ کا مستحق اور ضال و مضل و فاسق ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سباب المسلم فسق[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔(ت)

غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ درروغرر میں ہے:

المصافحۃ سنۃ عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی ولنا فیھا رسالۃ سمیتھا سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلٰوۃ والسلام[2]۔	مصافحہ کرنا تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے موقع پر سنت ہے۔اسی موضوع پر ہمارا ایک رسالہ ہے جس کا نام سعادۃ اھل الاسلام بالمصافحۃ عقب الصلٰوۃ والسلام رکھا ہے۔(یعنی درود وسلام پڑھنے کے بعد مصافحہ کرنے میں مسلمانوں کے لئے سعادت ہے)۔(ت)

حاشیۃ الکنز للعلامۃ السید الازہری میں ہے:

من المستحب (ای یوم العید) اظھار الفرح و البشاشۃ والتھنیۃ والمصافحۃ بل ھی سنۃ عقب الصلوات کلھا[3]۔	عید کے دن خوشی فرحت اور مبارکباد کا اظہار کرنا اور باہم ایک دوسرے سے مصافحہ کرنا مستحب ہے بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ سنت ہے۔(ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

کذا تطلب المصافحۃ فھی سنۃ عقب الصلٰوۃ کلھا[4]۔	یوں ہی مصافحہ کی طلب کی جائے کیونکہ یہ ہر نماز کے بعد سنت ہے۔(ت)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی شرح مؤطا میں لکھتے ہیں:

قال النووی اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء واما ما اعتادہ	امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ جان لیجئے کہ ہر میل ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے لیکن

---

[1] صحیح البخاری کتاب الآداب باب ماینھی عن السباب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۳

[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیہ الدرر الحکام باب الصلٰوۃ العیدین میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۲

[3] فتح المعین شرح الکنز لملا مسکین باب الصلٰوۃ العیدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۲۵

[4] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام العیدین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۸۹

الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح و العصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ہذا الوجہ ولکن لاباس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ و کونہم حافظوا علیہا فی بعض الاحوال لایخرج ذٰلک البعض من کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلہا **اقول:** ھکذا ینبغی ان یقال فی المصافحۃ یوم العید[1]۔	نماز فجر اور نماز عصر کے بعد عام لوگوں نے مصافحہ کرنے کی جو عادت بنالی ہے شریعت میں اس طریقے کی کوئی اصل نہیں مگر ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اصل مصافحہ سنت ہے لیکن لوگوں کا بعض حالات میں اس کی محافظت کرنا اس بعض کو اس مصافحہ سے نہیں نکالتا کہ جس کی اصل شریعت میں وارد ہوئی ہے۔ **میں کہتاہوں** کہ اسی طرح مناسب ہے کہ عید کے دن مصافحہ کرنے کو کہا جائے۔(ت)

خود مولائے وہابیہ معلم ثانی نجدیہ منکرین زمانہ کے امام الائمہ میاں اسمٰعیل صاحب دہلوی اپنی تقریر ذبیحہ میں اصول وہابیت کو یوں ذبح فرماتے ہیں:

ہمہ اوضاع از قرآن خوانی وفاتحہ خوانی وطعام خورانیدن سوائے کندن چاہ و امثالہ دعا واستغفار واضحیہ بدعت ست گو بدعت حسنہ بالخصوص ست مثل معانقہ روز عید ومصافحہ بعد نماز صبح یاعصر۔[2]	قرآن خوانی وفاتحہ خوانی کے تمام طریقے یوں ہی کھانا کھلانا، یہ سب کام بدعت ہیں گو کہ بدعت حسنہ ہیں جیسے عید کے دن بغلگیر ہونا اور نماز فجر یا عصر کے بعد مصافحہ کرنا (ہاں البتہ میت کے ایصال ثواب کے لئے) کنواں کھودنا اور اسی طرح کا کوئی اور عمل کرنا مثلاً دعا، استغفار اور قربانی کرنا یہ سب کام جائز ہیں۔(ت)

حضرات منکرین جوش پاسداری مذہب میں ائمہ وعلمائے سابقین کو جو چاہیں کہیں اور شاید بکمال جرأت شاہ ولی اللہ صاحب سے بھی آنکھ پھیرلیں، مگر کیا اپنے بڑے پیشوا میاں اسمٰعیل صاحب کو بھی جہنمی مردود رافضی مان لیں گے ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلند مرتبہ اور ذی شان ہے۔ت) تفصیل اسی مسئلہ کی ہمارے رسالہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید (گلے میں ہار عید کے دن بغلگیر ہونے کے جواز

---

[1] مسوی مصفی شرح موطا امام مالک باب یستحب المصافحۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۱

[2] زبدۃ النصائح (رسالہ نذور)

میں۔ت) میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: از کٹرہ پرگنہ منورہ ضلع گیامکان سید ابوصالح صاحب خان بہادر مرسلہ مولوی عبدالکریم خاں صاحب ۲۴ صفر ۱۳۱۴ھ

کسی عالم یا کسی دوسرے بزرگ کا ہاتھ چومنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

ہاں جائز ہے بلکہ مستحب ومندوب ومسنون ومحبوب ہے جبکہ بہ نیت صالحہ محمودہ ہو، امام بخاری ادب مفرد میں اور ابوداؤد و بیہقی زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

فجعلنا نتبادر فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ[1]۔	پھر ہم جلدی کرنے لگے تاکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ کر ان کے ہاتھ اور پاؤں چومیں (ت)

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

لاباس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک درر ونقل المصنف عن الجامع انہ لا باس بتقبیل ید الحاکم المتدین والسلطان العادل وقیل سنۃ مجتبٰی[2]۔	کسی عالم اور پارسا شخص کے بطور تبرک ہاتھ چومنے میں کوئی حرج نہیں (درر) مصنف نے الجامع سے نقل فرمایا کہ دیندار حاکم اور عادل بادشاہ کے ہاتھوں کو بھی بوسہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سنت ہے (مجتبٰی)۔(ت)

رد المحتار میں ہے:

قولہ وقیل سنۃ ای تقبیل ید العادل والسلطان العادل قال الشرنبلالی وعلمت ان مفاد الاحادیث سنیتہ اوندبہ کما	مصنف کا قول "کہا گیا کہ یہ سنت ہے" (یعنی عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھوں کو بوسہ دینا) علامہ شرنبلالی نے فرمایا کہ حدیثوں کا مفاد سنیت یا استحباب ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس کی طرف

[1] الادب المفرد باب ۴۴۵ تقبیل الرجل ص ۳۵۳ والسنن الکبرٰی کتاب النکاح ۷ /۱۰۲، سنن ابی داؤد کتاب الآداب باب قبلہ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۵۳

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۴

اشار الیہ العینی [1]۔	اشارہ کیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قدم عن الخانیة والحقائق ان التقبیل علی سبیل البر بلا شھوۃ جائز بالاجماع [2]۔	فتاوٰی قاضی خاں اور الحقائق کے حوالے سے پہلے بیان کیا گیا کہ نیکی کے انداز پر بغیر شہوت بوسہ دینا بالاتفاق جائز ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

اما علی وجه البر فجائز عند الکل خانیة [3]۔واللہ تعالٰی اعلم	بھلائی کے طریقے پر بوسہ دینا سب کے نزدیک جائز ہے۔ فتاوٰی قاضیخان اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۲: ۱۶رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کہ مصافحہ صبح کے وقت بعد نماز کرنا مسنون ہے یا نہیں اور اگر کسی نے بعد نماز صبح کے مصافحہ کیا تو وہ بدعت ہے یا سنت؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر نماز سے پیشتر آج ملاقات نہ ہوئی تھی بعد نماز ملے یہ مصافحہ خاص مسنون ہے **لکونھا عند اول اللقاء** (اس لئے کہ یہ مصافحہ پہلی ملاقات کے وقت ہوا ہے۔ت) اور اگر پہلے مل چکے تھے تو اب بعد نماز کے گویا بعد غیبت ملاقات جدیدہ ہے مصافحہ مذہب اصح میں مباح ہے۔

کما حققه فی المرقاۃ وقال فی نسیم الریاض انه الاصح [4]۔واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی تحقیق فرمائی گئی، اور نسیم الریاض میں فرمایا: یہی زیادہ صحیح ہے۔واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۲۴

[4] نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الثامن فی نظافة جسمه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دارالکتب العلمیه بیروت ۲ /۱۳

مسئلہ ۱۳۳: ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص ایک جگہ پر بیٹھے ہوں اور ایک شخص نے آکر کہا اسلام علیکم اس کے جواب میں انھوں نے جواب دیا: آداب عرض یا تسلیمات یا بندگی۔ یا ان میں سے ایک شخص نے اپنا ہاتھ ماتھے تک اٹھایا اور منہ سے کچھ جواب نہ دیا۔ پس کفایہ اشخاص مذکورہ اس صورت میں اٹھ گیا یا نہیں؟ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

نہ۔ اور سب گنہگار رہے۔ جب تک ان میں سے کوئی وعلیکم السلام، وعلیک یا اسلام علیکم نہ کہے کہ الفاظ مذکورہ بندگی، آداب، تسلیمات وغیرہا الفاظ سلام سے نہیں ہیں۔ اور صرف ہاتھ اٹھادینا کوئی چیز نہں جب تک اس کے ساتھ کوئی لفظ سلام نہ ہو۔ ردالمحتار میں ظہیریہ سے ہے:

لفظ السلام فی المواضع کلھا السلام علیکم اوسلامٌ علیکم بالتنوین وبدون ھذین کما یقول الجھال لایکون سلاما [1] اھ **اقول**: فلا یکون جوابا لان جواب السلام لیس الا بالسلام اما وحدہ او بزیادۃ الرحمۃ والبرکات لقولہ تعالٰی "اِذَاحُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْابِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا" [2]۔ ومعلوم ان مااخترعوا من الالفاظ اوالاجزاء بالایماء اما ان یکون تحیۃ اولا علی الثانی عدم براءۃ الذمۃ ظاھر لان المامور بہ التحیۃ وعلی الاول لیس عین السلام وھو ظاھر ولا احسن منہ فان المخترع لایمکن ان یکون احسن من الوارد فخرج عن کلا الوجھین و بقی الواجب الکفائی علی کل عین۔	سب مقامات پر لفظ سلام (بصورت) السلام علیکم (بغیر تنوین معرف بہ لام ذکر کرنا) یادوسری صورت تنوین کے ساتھ ذکر کرنا ہے سلامٌ علیکم ان دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی اور صورت اختیار کرنا جائز نہیں جیسے جہلاء کا طریقہ ہے لٰہذا وہ سلام تصور نہیں ہوگا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سلام کا جواب نہ ہوگا کیونکہ لفظ سلام کاجواب اسی لفظ سے ہوسکتاہے یا صرف یہی لفظ جواب میں کہاجائے یااس کے ساتھ رحمت اور برکات کا اضافہ کیا جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ جب تمھیں سلام کیا جائے توتم اس سے بہتر جواب دو اور اگر یہ نہ ہوسکے تو کم از کم وہی لوٹا دو (یعنی اگر کوئی شخص تمھیں اسلام علیکم کہے تو اسے اضافی الفاظ کے ساتھ یوں جواب دو

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

وعلیکم السلام ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔اور اگر یہ نہ ہوسکے تو پھر اتنا ہی جوابًا کہہ دو علیکم السلام)اسی سے معلوم ہوا کہ سلام کا جواب فقط سلام ہی سے ہوسکتا ہے اور یہ معلوم ہی ہے کہ لوگوں نے جو الفاظ یا طریقے سلام کے لئے اشارہ وغیرہ کی صورت میں از خود گھڑلئے ہیں ان کی دو صورتیں ہی ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ وہ تحیہ ہو یعنی سلام تصور ہو اور دوسرے یہ کہ وہ تحیہ یعنی سلام نہ ہو۔بصورت ثانی ذمہ داری پوری نہ ہونا(عدم براءت ذمہ)ظاہر ہے کیونکہ جس بات کا حکم دیا گیا(مامور بہ)وہ تحیہ یعنی سلام ہے اور پہلی صورت میں نہ تو وہ بعینہٖ سلام ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ اس سے بہتر(احسن)۔اس لئے کہ خود ساختہ اور بناوٹی چیز منقول اور وارد شدہ سے کسی طرح اچھی قرار نہیں دی جاسکتی۔پس دونوں صورتوں میں سلام کا جواب نہ ہوا۔لہٰذا واجب کفایہ بذمہ ہر فرد باقی رہااور ادانہ ہوا۔(ت)مرقاۃ شریف میں ہے:

قد صح بالاحادیث المتواترۃ معنی ان السلام باللفظ سنۃ وجوابہ واجب کذٰلک[1]۔	جو احادیث تواتر معنی کے درجے تک پہنچی ہوئی ہیں ان سے بصحت ثابت ہے کہ سلام دینا اس کے الفاظ کے ساتھ سنت ہے اور اس کا جواب دینا بھی اسی لفظ سے واجب ہے۔(ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من تشبہ بغیرنا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصارٰی فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع و تسلیم النصارٰی الاشارۃ بالکف.رواہ الترمذی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما وقال اسنادہ ضعیف[2]قال العلامۃ القاری لعل وجھہ انہ من عمرو بن شیعب عن ابیہ عن جدہ وقد تقدم الخلاف فیہ وان المعتمد ان سندہ حسن	ہمارے گروہ سے نہیں جو ہمارے غیروں کی شکل بنے،نہ یہود سے مشابہت پیدا کرنہ نصارٰی سے کہ یہود کا سلام انگلی سے اشارہ کرنا ہے اور نصارٰی کا سلام ہتھیلی سے اشارہ(امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا ہے اور فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔ملا علی قاری نے فرمایا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ روایت مذکورہ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند کے ساتھ

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ المصابیح کتاب الاداب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی فضل الذی یبدأ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

لاسیما وقد اسندہ السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمرو فارتفع النزاع وزال الاشکال [1] اھ۔**اقول:** رحم اللہ مولانا القاری انما حالہ الامام السیوطی علی ت یعنی الترمذی ففیم یرتفع النزاع ویزول الاشکال ثم لیس تضعیف الترمذی لما ظن فان الجمہور ومنہم الترمذی علی الاحتجاج بعمروبن شعیب وبروایتہ عن عن ابیہ عن جدہ بل الوجہ انہ من روایۃ ابن لہیعۃ اذیقول الترمذی، حدثنا قتبیۃ نا ابن لہیعۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فذکرہ قال الترمذی ہذا حدیث اسنادہ ضعیف وروی ابن المبارک ھذا الحدیث عن ابن لہیعۃ فلم یرفعہ اھ [2] وقد قال فی کتاب النکاح باب	مذکور ہے اور اس میں پہلے اختلاف گزر چکا ہے۔ لیکن معتمد یہ ہے کہ اس کی سند حسن ہے خصوصًا جبکہ امام سیوطی نے جامع صغیر میں اس کو ابن عمرو کی طرف منسوب اور حوالے کیا ہے۔ لہٰذا نزاع ختم اور اشکال زائل ہوگیا۔ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ملا علی پر رحم فرمائے کہ امام سیوطی نے تو اسے "ت" یعنی ترمذی کے حوالے کیا ہے پھر نزاع کیسے ختم اور اشکال کیسے زائل ہوسکتا ہے پھر امام ترمذی کا ضعیف کہنا بھی ملا علی قاری کے خیال اور زعم کے مطابق نہیں اس لئے کہ جمہور نے (جن میں امام ترمذی بھی شامل ہیں) عمرو بن شعیب بروایتہ عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کرنے سے استدلال کیا ہے (لہٰذا یہ وجہ ضعف نہیں ہوسکتی) بلکہ وجہ ضعف یہ ہے کہ حدیث مذکور ابن لہیعہ کی روایت ہے اس لئے کہ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم سے قتیبہ نے بیان کیا (اس نے کہا) ہم سے ابن لہیعہ نے بیان کیا اس نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ سے روایت کی کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر پوری حدیث ذکر فرمائی (اس کے متعلق) امام ترمذی نے فرمایا اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مبارک نے حدیث ابن لہیعہ سے غیر مرفوع روایت فرمائی اھ۔ اور امام ترمذی نے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] جامع الترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی فصل الذی یبدأ بالسلام امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

ماجاء فی من یتزوج المرأۃ ثم یطلقھا قبل ان یدخل بھا رواہ بعین السند ثم قال ھذا حدیث لایصح ابن لھیعۃ یضعف فی الحدیث[1] اھ مختصرًا۔ وکذا ضعفہ فی غیر ہذا المحل فالیہ یشیر ھنا نعم الاظھر عندی ان حدیث ابن لھیعۃ لاینزل عن الحسن وقد صرح المناوی فی التیسیر ان حدیثہ حسن[2]۔	کتاب النکاح میں یہ باب ذکر فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے شادی کرے اور پھر ہمبستری سے پہلے ہی اسے طلاق دے دے (تو کیا حکم ہے امام ترمذی نے بالکل بعینہٖ اسی سند کے ساتھ یہ حدیث بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح نہیں (کیونکہ اس کی سند میں ابن لہیعہ نامی راوی ہے جسے حدیث کے سلسلے میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اھ مختصرا۔ یونہی اس مقام کے علاوہ بھی امام ترمذی نے اس کی تضعیف کی ہے لہٰذا امام ترمذی یہاں اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں (یعنی ابن الہیعہ کے ضعف کی طرف) ہاں البتہ میرے نزدیک زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ابن لہیعہ کی روایت درجہ حسن سے کم نہیں چنانچہ علامہ مناوی نے "التسیر" میں تصریح فرمائی کہ اس کی حدیث حسن ہے۔ (ت)

ہاں لفظ سلام کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔

اخرج الترمذی قال حدثنا سوید نا عبداللہ بن المبارک نا عبدالحمید بن بھرام انہ سمع شھر بن حوشب یقول سمعت اسماء بنت یزید تحدث ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	امام ترمذی نے تخریج کیا اور فرمایا ہم سے سوید نے بیان کیا ہے۔ ان سے عبداللہ بن مبارک نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں ہم سے عبدالحمید بن بہرام نے بیان کیا کہ اس نے شہر بن حوشب کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے اسماء دختر یزید سے سنا کہ وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک دن مسجد میں رسول اللہ

[1] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی من یتزوج الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۳

[2] التیسیر للامام المناوی تحت حرف للام مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۳۲۹

مرفی المسجد یوما وعصبة من النساء قعود فالوی بیدہ ھذا حدیث حسن [1] الخ۔قال الامام النووی وھو محمول علی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمع بین اللفظ والاشارۃ ویدل علی ھذا ان اباداؤد روی ھذا الحدیث وقال فی روایتہ فسلم علینا اھ.قال العلامۃ القاری بعد نقلہ قلت علی تقدیر عدم تلفظہ علیہ الصلٰوۃ والسلام بالسلام لامحذور فیہ لانہ ماشرع السلام علی من مرعلی جماعۃ من النسوان وان مامرعنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام مما تقدم علی السلام المصرح فھو من خصوصیاتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام فلہ ان یسلم ولا یسلم وان یشیر و لایشیر علی انہ قد یراد بالاشارۃ مجرد التواضع من غیر قصد	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا گزر ہوا جبکہ کچھ عورتوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی آپ نے ہاتھ مبارک سے اشارہ فرمایا۔یہ حدیث حسن ہے الخ۔امام نووی نے فرمایا یہ اس بات پر محمول سمجھا جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ نے لفظ سلام اور اشارہ دونوں کو بیک وقت جمع کرکے استعمال کیا(یعنی زبان مبارک سے انھیں سلام کہا اور ہاتھ مبارک سے انھیں متوجہ کرنے کے لئے اشارہ فرمایا جو جائز اور درست اقدام ہے۔مترجم)اور اس پر دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں سلام کیا اھ۔حضرت ملا علی قاری نے اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا میں کہتا ہوں اس تقدیر پر کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک سے لفظ سلام نہ بولا ہو تو پھر کوئی شرعی محذور(خلاف ورزی)نہیں کیونکہ جو کوئی عورتوں کے گروہ کے پاس سے گزرے اس کے لئے انھیں سلام کرنا مشروع نہیں۔اور اگر آپ نے زبان مبارک سے مستورات کی جماعت کو سلام کیا ہو جیسا کہ گزشتہ حدیث میں سلام کرنے کی تصریح موجود ہے تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی آپ کی خصوصیت ہو

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان باب ماجاء فی التسلیم علی النساء امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۴

السلام[1] الخ	لہذا آپ کی مرضی پر منحصر ہے کہ مستورات کے گروہ کو سلام کریں یا نہ کریں۔اشارہ فرمائیں یا نہ فرمائیں۔(گویا آپ کی ذات پر کسی اور کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔مترجم)علاوہ یہ کہ کبھی اشارہ سے بغیر قصد سلام کے صرف تواضع مراد ہوتی ہے الخ۔
اقول: مبنی کلہ علی انہ لم یرد السلام ولایظہر فرق بین ماذکر اولا ومازاد فی العلاوۃ سوی انہ ذکر فیھا للاشارۃ محملاوھو التواضع وھذہ شاھدۃ الواقعۃ سیدتنا اسماء رضی اللہ تعالٰی عنھا شاھدۃ بانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سلم فان لم یحمل علی التلفظ لزم ان تکون نفس الاشارۃ تسلیما وھو معلوم الانتفاء من الشرع فوجب الحمل علی الجمع تأمل لعل لکلامہ محملا لست احصلہ۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں)اس سب کی بنیاد اس پر ہے کہ آپ نے ارادہ سلام نہ فرمایا ہو۔لہذا پہلے مذکورہ کلام اور اس کے علاوہ اضافی کلام میں کوئی فرق ظاہر نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ اس دوسری توجیہ میں اشارہ کا محل تواضع بیان کردیا گیا۔اور اس واقعہ کی عینی گواہ سیدہ اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں جو چشم دید واقعہ بیان فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کو سلام کیا(لہذا اس کا محمل تلفظ ہے۔مترجم)اور اگر اس کو تلفظ پر حمل نہ کیا جائے تو پھر نفس اشارہ کا سلام ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی نفی معلوم ہی ہے۔پھر لامحالہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقہ مذکورہ کو سلام اور اشارہ دونوں کے جمع پر حمل کرنا واجب(ضروری)ہوا۔یہاں اچھی طرح غور وفکر کرلیجئے شاید ان کے کلام کا کوئی اور قابل قدر محمل بھی ہو جو میں نہیں حاصل کرسکا۔اور اللہ تعالٰی پاک۔برتر سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بالالتزام بعد صلوٰۃ فجر مصافحہ کرنا مسنون ہے یا مستحب؟ یا عبث یا مکروہ؟ **بینوا توجروا عنداللہ**(اللہ تعالٰی کے لئے بیان فرماؤ تاکہ اس کے ہاں اجر وثواب پاؤ۔ت)فقط۔

الجواب:

مباح ہے۔فی نسیم الریاض الاصح انہا بدعۃ مباحۃ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم بالصواب(نسیم الریاض میں ہے کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایسی بدعت ہے جو مباح ہے۔اور اللہ تعالٰی

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الآدب الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۴۳۱

[2] نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۱۳

ہی اچھی طرح راہ صواب کا عالم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۳۵تا۱۳۹: مرسلہ عبدالمجید خاں ضلع ہگلی ڈاکخانہ ریشٹرا سرکاری

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں بعد مصافحہ زید نے بکر کا ہاتھ چومہ آنکھوں سے لگایا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مرید اپنے پیر کا ہاتھ بعد مصافحہ چومنا ایک ضروری امر اپنے لئے سمجھے جائز ہے یا نہیں؟

(۳) پیر کو اپنے مرید سے اپنا ہاتھ چوموانا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ہاتھ چومنا کسی کا بزرگ سمجھ کر جائز ہے یا ناجائز؟

(۵) ہاتھ چومنا سنت ہے یا فعل بزرگان دین یا فعل تابعین یا فعل صحابہ کرام؟ جواب ازروئے فقہ وحدیث نہ رسوم شیوخ پابند طریق۔

الجواب:

بزرگان دین مثل پیر مہتدی وعالم سنی کے ہاتھ چومنا جائز بلکہ مستحب بلکہ سنت ہے ہاں کسی دنیادار کا ہاتھ دنیا کے لئے چومنا منع ہے۔ درمختار میں ہے:

لاباس بتقبیل ید العالم والمتورع علی سبیل التبرک[1]۔	کچھ حرج نہیں کہ کسی عالم اور زاہد کے ہاتھوں کو حصول برکت کے لئے بوسہ دیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال الشرنبلالی وعلمت ان مفاد الاحادیث سنیته او ندبه کما اشار الیه العینی[2]۔	علامہ شرنبلالی نے فرمایا: تونے یہ سمجھ لیا کہ حدیثوں کا مفاد (اس کام کا) سنت یا مستحب ہونا ہے جیسا کہ علامہ عینی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

فی المحیط ان التعظیم اسلامه واکرامه جاز وان لنیل الدنیا کره[3]۔	محیط میں ہے اس کی تعظیم اور عزت افزائی کی خاطر (ایسا کرنا) جائز ہے لیکن حصول دنیا کے لئے (ایسا کام کرنا) مکروہ ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

مگر ہاتھ چومنا بایں معنی ضروری نہیں کہ فرض یا واجب ہے۔ہاں رسم وعرف مسلمین میں اس کی دست بوسی شائع ہو تو اسکا ایک فعل مسنون یا مستحب ہے۔احتراز کرکے مسلمانوں کی عادت کاخلاف کرنااور وحشت دلانا یہ جائز نہیں حدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے:

خروجه عن العادة شهرة ومكروه[1]۔	لوگوں کی مقرر عادت سے باہر ہونا (اور اس کا خلاف کرنا) ایک گونہ شہرت (نمائش) اور مکروہ ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشروا ولا تنفروا[2]۔	خوشخبری سناؤاور (لوگوں کو) نفرت نہ دلاؤ۔(ت)

اور پیر کا اپنے مریدوں سے ہاتھ چومانا بایں معنی کہ وہ چومنا چاہیں تو یہ منع نہیں کرتا بلکہ ہاتھ بڑھادیتاہے کوئی حرج نہیں رکھتا بلکہ اگر قدم چومنا چاہیں اور یہ منع نہ کرے جب بھی جائز ہے۔درمختار میں ہے:

طلب من عالم اوزاهد ان يدفع اليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله اجابه وقيل لا[3]۔	کسی عالم یا کسی زاہد (پرہیزگار) سے کسی نیاز مند نے یہ درخواست کی کہ وہ اپنے پاؤں اس کے حوالے کردے اور ان پر اسے تسلط اور قابو پانے کا اختیار دے تاکہ وہ انھیں بوسہ دے تو عالم اور زاہد اس کی درخواست قبول فرمائے،(یعنی پاؤں چومنے کی اجازت دے) اور (ایک ضعیف روایت میں) کہا گیا کہ ایسا کرنے کی اجازت نہ دے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لما اخرجه الحاكم ان رجلااتى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم فاذن له فقبل رجليه[4]۔	اس لئے محدث حاکم نے اس روایت کی تخریج فرمائی کہ ایک صاحب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے (انھوں نے آپ کے پاؤں چومنے کی درخواست کی) تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں اجازت دی تو انھوں نے آپ کے قدم چومے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ محمدیہ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف التسعۃ نوریہ رضویہ ۲/ ۵۸۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال ۱۳۰۸ھ
(بوسہ تعظیمی کے مستحسن ہونے میں درست ترین کلام)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۴۰: از سورت کٹھور مسجد پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب از علیگڑھ مدرسہ مولانا مولوی محمد لطیف اللہ صاحب مرسلہ مولوی سندی صاحب طرفہ ایں کہ از ہر دوجابوقت واحد سوال آمد (طرفہ یہ کہ ایک ہی وقت دونوں جگہوں سے سوال آیا۔ت) ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذامیں کہ شہر موریس میں قبلہ رخ کی دیوار کے ساتھ محراب کے متصل بیت اللہ شریف کے غلاف کا ٹکڑا دو گز لمبا اور سوا گز چوڑا لٹکا ہوا ہے اور وہاں کے باشندے میمن وغیرہ سب سوداگر خاص وعام بعد پنجگانہ اس ٹکڑے کو بوسہ دیتے ہیں اور بعد نماز جمعہ کے تو بوجہ کثرت نمازیوں کے بوسہ دینے میں بہت ہی ہجوم کرتے ہیں۔ کوئی چار بوسے دیتا ہے کوئی زیادہ کوئی کم، جیسا کسی کا موقع لگاویسا ہی اس نے کیا، اور کوئی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے محروم بھی رہ جاتا ہے۔ اور اس امر میں اس کو معظم چیز سمجھا کر کمال کوشش کرتے ہیں۔ کسی قدر جاننے والے لوگ تو تعظیم کا بوسہ دیتے ہیں۔ اور عوام کا حال معلوم نہیں کہ وہ کیا سمجھ کر بوسہ دیتے ہیں

لیکن ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی اس میں بہت مبالغہ کرتے ہیں۔آیا یہ امر شرعا موجب ثواب ہے یا کسی امر خارجی کی وجہ سے مستوجب عذاب ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ،ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بوسہ تعظیم شرعاوعرفاانحاء تعظیم سے ہے اسی قبیل سے ہے بوسہ آستانہ کعبہ وبوسہ مصحف وبوسہ نان وبوسہ دست وپائے علماء واولیاء۔

وکل ذٰلك مصرح به فی الکتب کالدرالمختار [1] من معتمدات الاسفار۔	درمختار جیسی دیگر معتمد کتب میں اس تمام کی تصریح کی گئی ہے۔(ت)

خود احادیث کثیرہ میں صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کادست وپائے اقدس حضور پر نور سید یوم المنشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومہر نبوت کو بوسہ دینا وارد۔

کما فصلنا بعضه فی کتابنا البارقة الشارقة علی المارقة المشارقة۔	جیسا کہ ہم نے بعض کو اپنے کتاب البارقۃ الشارقۃ علی المارقۃ المشارقۃ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔(ت)

اور مانحن فیہ سے اقرب واوفق حدیث عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے کہ انھوں نے منبر انور سرور اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے موضع جلوس اقدس کو مس کرکے اپنے چہرے سے لگایا **رواہ ابن سعد فی طبقاتہ** [2] (ابن سعد نے اپنی طبقات میں اسے روایت کیا۔ت) اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے مروی کہ رمّانا اعطر کو جومزار اقدس وازہر پر ہے یعنی اس کے بازو پر جو گول شکل کاایک کنگرہ سابنادیتے اسے دہنے ہاتھ سے مس کرکے دعامانگا کرتے،امام قاضی عیاض رتعت روحہ فی الریاض شفاشریف میں فرماتے ہیں:

قال نافع کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یسلم علی القبور اُتیه مائة مرة واکثر یجیئ الی القبر فیقول السلام علی النبی،السلام علی ابی بکر ثم ینصرف ورئی (بمعنی ابصر) واضعایدہ علی مقعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضرت نافع رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہماجب حجرہ پاک کی قبروں پر سلام کرنے حاضر ہو کر سو سے زائد مرتبہ کہتے" حضور علیہ الصلوٰہ والسلام پر سلام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام" پھر پلٹتے ہوئے منبر شریف پر

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر منبر رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۲۵۴

من المنبر ثم وضعها علی وجهه وعن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اخلا المسجد حسوا رمانة المنبر التی تلی القبر بیامنهم ثم استقبلوا القبلة یدعون۔[1]	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے بیٹھنے کی جگہ کو ہاتھ سے مس کرکے اپنے چہرے پر لگاتے۔ ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جب مسجد نبوی سے نکلتے تو قبر انور کے کناروں کو اپنے داہنے ہاتھ سے مس کرتے اور پھر قبلہ رو ہو کر دعا کرتے (ت)

غرض شرعاً و عرفاً معلوم و معروف کہ جس چیز کو معظم شرعی سے شرف حاصل ہو اس کا وہ شرف بعد انتہائے مماست بھی باقی رہتا ہے اور اس کی تعظیم اس کی معظم کی انحائے تعظیم سے گنی جاتی ہے اور معاذاللہ اس کی توہین اس معظم کی توہین تاج سلطان کو مثلاً زمین پر ڈالنا صرف اسی وقت اہانت سلطان نہ ہوگا جبکہ وہ اس کے سر پر رکھا ہی بلکہ جدا ہونے کی حالت میں بھی ہر عاقل کے نزدیک یہی حکم ہے یونہی تعظیم۔ شفاء شریف میں ہے:

من اعظامه و اکباره صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظام جمیع اسبابه و اکرام مشاهده وامکنته من مکة المدینة ومعاهده ومالمسه علیه الصلٰوۃ والسلام او عرف به صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی تعظیم میں سے یہ ہے کہ آپ کے تمام اسباب تمام مشاہد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں آپ کے تمام مکانات، متعلقہ اشیاء اور جن چیزوں کو آپ نے مس فرمایا یا جو آپ سے معروف ہیں کی تعظیم و تکریم بجالانا ہے۔ (ت)

اور بیشک تعظیم، منسوب بلحاظ نسبت تعظیم منسوب الیہ ہے۔ اور بیشک کعبہ شعائر اللہ سے ہے تو تعظیم غلاف تعظیم کعبہ و تعظیم شعائر اللہ شرعاً مطلوب۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی حکم زیارۃ قبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلکم عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۷۰

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فعلك ومن اعظامه و اکباره الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

"وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾ "[1]	اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقوٰی ہے۔(ت)

بلکہ نظر ایمان سے مس ولمس کی بھی تخصیص نہیں جس شے کو معظم شرعی سے کسی طرح نسبت سے واجب التعظیم و مورث محبت ہے والہذا بلدۃ طیبہ مدینہ طیبہ سکینہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ کے درودیوار کو مس کرنا اور بوسہ دینا اہل حب وولا کا دستور اور کلمات ائمہ وعلماء میں مسطور، اگرچہ ان عمارات کا زمانہ اقدس میں وجود ہی نہ ہو شرف مس سے تشرف درکنار وللہ در من قال (اللہ تعالٰی کے لئے خوبی جس نے کہا)؎

آمرُّ علی الدیار دیار لیلی　　　اقبل ذاالجدار وذواالجدارا

وصاحب الدیار شغفن قلبی　　　ولکن حب من سکن الدیارا[2]

(میں دیار لیلٰی سے گزرتے ہوئے دیواروں اور دیواروں کو بوسہ دے رہا تھا اور میرے دل میں اس دیار والی رچی بسی ہے لیکن اس دیار کے باسیوں سے محبت ہے۔ت)

شفاء شریف میں ہے:

وجدیر لمواطن اشتملت تربتھا علی جسد سید البشر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدارس ومشاھد وموافقت ان تعظم عرصاتھا وتنستسم نفحاتھا وتقبل ربوعھا وجدراتھا[3] اھ ملخصًا۔	جن مقامات کی مٹی حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے جسد پاک کو لگی ہے ان راستوں، مشاہد اور مواقف کے میدانوں کی تعظیم، فضاؤں کی تکریم، ٹیلوں اور دیواروں کو بوسہ دینا مناسب ہے۔اھ ملخصًا۔(ت)

پھر ارشاد فرماتے ہیں:؎

یادار خیر المرسلین ومن بہ　　　ھدی الانام وخص بالایات

عندی لاجلك لوعۃ وصبابۃ　　　وتشوق متوقد الجمرات

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] شفاء السقام الباب الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۷۳، جواہر البحار ومنہم امام المقری فمن جواہر فرح المتحال فی مدح النعال النبویہ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۷۷، نسیم الریاض فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ دارالفکر بیروت ۳/ ۴۳۴

[3] الشفاء بتعریف المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۵و۴۶

وعلیّ عہدان ملأت محاجری — من تلکم الجدرات والعرصات
لاعفرن مصون شیبی بینہا — من کثرۃ التقبیل والرشفات [1]

(خیر المرسلین جہاں کے ہادی اور معجزات والے کی رہائش گاہ میرے ہاں آپ کی وجہ سے درد، عشق اور اظہار جس سے کنکریاں جل رہی ہیں جس وقت میں ان دیواروں اور میدانوں کی زیارت سے اپنی نگاہوں کو سیراب کروں تو بوسے اور چوسنے کی کثرت سے اپنی سفید ریش کو ضرور مٹی سے ملوث کروں گا۔ت)

اس سے بھی ارفع واعلیٰ واضح وجلی یہ ہے کہ طبقۃً فطبقۃً شرقاً وغرباً عجماً عرباً علمائے دین وائمہ معتمدین نعل مطہر وروضہ معطر حضور سید البشر علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام کے نقشے کاغذوں پر بناتے، کتابوں میں تحریر فرماتے آئے اور انھیں بوسہ دینے والی انکھوں سے لگانے سر پر رکھنے کا حکم فرماتے رہے۔ علامہ ابوالیمن ابن عساکر شیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن خلف سلمی وغیرہما علماء نے اس باب میں مستقل تالیفیں کیں اور علامہ احمد مقری کی فتح المتعال فی مدح خیر النعال اس مسئلہ میں اجمع وانفع تصانیف ہے۔ جزاھم وبھم جزاء حسنا ورزقھم ببرکہ خیر النعال امنا وسکنا اٰمین (اللہ تعالٰی ان کو جزاء حسن اور اس بہتر نعال شریف کی برکت سے امن وسکون عطا فرمائے آمین۔ت)

۱ محدث علامہ فقیہ ابوالربیع سلیمن بن سالم کلاعی رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: ؎

یاناظرا تمثال نعل نبیہ — قبل مثل النعل لامتکبرا [2]

(اے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشہ نعل مبارک دیکھنے والے! اس نقشہ کو بوسہ دے بے تکبر کے)

۲ قاضی شمس الدین صیف اللہ رشیدی فرماتے ہیں: ؎

لمن قدمس شکل نعال طٰہ — جزیل الخیر فی یوم الحسان
وفی الدنیا یکون بخیر عیش — وعز فی النھاء بلاارتیاب
فبادروا لثم الاثار منھا — بقصد الفوز فی یوم حسان [3]

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۴۶

[2] جواھر البحار ومنھم الامام احمد المقری الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۶۳

[3]

نقش نعل طہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مس کرنے والے کو قیامت میں خیر کثیر ملے گی اور دنیا میں یقینا نہایت اچھے عیش وعزت وسرور میں رہے گا تو روز قیامت مراد ملنے کی نیت سے جلد اس اثر کریم کو بوسہ دے)

۳ شیخ فتح اللہ بیلونی حلبی معاصر علامہ مقری نعل مقدس سے عرض کرتے ہیں ؎

فی مثلك یا نعال اعلی النجبا　　اسرار بیمنها شهدنا العجبا
من مرغ خده به مبتهلا　　قد قام له ببعض ماقد وجب [1]

(اے سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نعل مبارک! تیرے نقشہ میں وہ اسرار ہیں جن کی عجیب برکتیں ہم نے مشاہدہ کیں جو اظہار عجز و نیاز کے ساتھ اپنا رخسار اس پر رگڑے وہ بعض حق اس نقشہ مقدسہ کے جو اس پر واجب ہیں ادا کرے)

وہی فرماتے ہیں: ؎

مثال نعل بوطی المصطفٰی سُعدا　　فامد الی لثمه بالذل منك یدا
واجعله منك علی العینین معترفا　　بحق توقیره بالقلب معتقدا
وقبله واعلن بالصلاة علی　　خیر الانام وکرر ذاك مجتهدا [2]

(یہ نقشہ اس نعل مبارک کا جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم سے ہمایوں ہوئے تو اس کے بوسہ دینے کو تذلل کے ساتھ ہاتھ بڑھا اور زبان سے اس کے وجوب و توقیر کا اقرار اور دل سے اعتقاد کرتا ہوا اسے آنکھوں پر رکھ اور بوسہ دے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر باعلان درود بھیج اور کوشش کے ساتھ اسے بار بار بجالا)

۴ سید محمد موسٰی حسینی مالکی معاصر علامہ ممدوح فرماتے ہیں: ؎

مثال نعال المصطفٰی اشرف الورٰی　　به مورد لاتبغی عنه مصدرا
فقبله لثما وامسح الوجه موقنا　　بنیت صدق تلق ما کنت مضما [3]

(مصطفٰی اشرف الخلق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشہ نعل اقدس میں وہ مقام حضور ہے

1
2
3

جس سے تو نے رجوع نہ چاہے تو اسے یقین اور سچی نیت کے ساتھ چہرہ سے لگا دل کی مراد پائے گا)

[۵]محمد بن سبتی فرماتے ہیں:ـ

فمی قبلتھا مثل نعل کریمۃ　　بتقبیلھا یشفی سقام من اسمہ استشفی [1]

(اے میرے منہ اسے بوسہ دے یہ نعل کریم کا نقشہ ہے اس کے بوسہ سے شفا طلب کر مرض دور ہوتا ہے)

[۶]علامہ احمد بن مقری تلمسائی صاحب فتح المتعال میں فرماتے ہیں:ـ

اکرم بتمثال حکی نعل من　　فاق الوری بالشرف الباذخ

طوبی لمن قبلہ منباء　　یلثمہ عن حبہ الراسخ [2]

(کس قدر معزز ہے ان کی نعل مقدس کا نقشہ جو اپنے شرف عظیم میں تمام عالم سے بالا ہیں خوشی ہو اسے جو اسے بوسہ دے اپنی راسخ محبت ظاہر کرتا ہوا)

[۷]علامہ ابوالیمن ابن عساکر فرماتے ہیں:ـ

الثم ثری الاثر الکریم فحبذا　　ان غزت منہ بلثم ذا التمثال [3]

نعل مبارک کی خاک پر بوسہ دے کر اس کے نقشے ہی کا بوسہ دینا تجھے نصیب ہو تو کیا خوب بات ہے)

[۸]علامہ ابوالحکم مالک بن عبدالرحمٰن بن علی مغربی جنھیں علامہ عبدالباقی زرقانی نے شرح مواہب شریف میں احد الفضلاء المغاربۃ (فضلائے مغرب میں سے ایک۔ت) کہا۔ اپنی مدحیہ میں فرماتے ہیں:ـ

مثل نعل من احب ھویتہ　　فھا انا فی یوم ولیلی الثمہ [4]

(میں اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعلین مبارک دوست رکھتا اور رات دن

---

[1]

[2] فتح المتعال

[3]

[4] شرح الزرقانی علی المواھب نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصر ۵/ ۵۷

اسے بوسہ دیتاہوں)

۹امام ابوبکر احمد ابن امام ابومحمد بن حسین انصاری قرطبی فرماتے ہیں: ؎

ونعل خضعنا ھیبة لبھائھا وانا — متی نخضع لھا ابدا نعلو

فضعھا علی اعلی المفارق انھا — حقیقتھا تاج وصورتھا نعل [1]

(اس نعل مبارک کے جلال انور سے ہم نے اس کے لئے خضوع کیا اور جب تک ہم اس کے حضور جھکیں گے بلند رہیں گے تو اسے بالائے سر رکھ کہ حقیقت میں تاج اور صورت پر نعل ہے)

۱۰شرح مواہب میں ان امام کا ترجمہ عظیمہ جلیلہ مذکور اور ان کا فقیہ محدث وماہر وضابط ومتین الدین وصادق الودع وبے نظیر ہونا مسطور امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری نے مواہب اللدنیہ ومنح محمدیہ میں ان امام کے یہ اشعار ذکر نقشہ نعل اقدس میں انشاد کئے اور مدحیہ علامہ ابوالحکم مغربی کما احسنھا [2] (کیا ہی اچھا ہے۔ت) اور نظم ۱۱علامہ ابن عساکر سے للّٰه درہ [3] (اللہ اکیلے اس کی بھلائی ہے) فرمایا۔

۱۲علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

الثم التراب الذی حصل له النداوة من اثر النعل الکریمة ان امکن ذٰلك والا فقبل مثالھا [4]۔	اگر ہوسکے تو وہ اس خاک کو بوسہ دے جسے نعل مبارک کے اثر سے نم حاصل ہوئے ورنہ اس کے نقشہ ہی کو بوسہ دے۔

علامہ تاج الدین فاکہانی نے فجر منیر میں ایک باب نقشہ قبور لامعۃ النور کا لکھا اور فرمایا:

من فوائد ذٰلك ان من لم یمکنه زیارة الروضة فلیزر مثالھا ولیلثمه مشتاقا لانه ناب مناب الاصل	یعنی اس نقشہ کے لکھنے میں ایک فائدہ یہ ہے کہ جسے اصل روضہ عالیہ کی زیارت نہ ملی وہ اس کی زیارت کرلے اور شوق سے اسے بوسہ دے

[1] المواھب اللدنیة بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۷۰

[2] المواہب اللدنیہ بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۸

[3] المواہب اللدنیہ بحوالہ القرطبی لبس النعل المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۷

[4] شرح الزرقانی علی المواہب ذکر نعلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۵/ ۴۸

کما قدناب مثال نعله الشریفة مناب عینها فی المنافع والخواص بشهادة التجربة الصحیحة ولذا جعلواله من الاکرام ولااحترام مایجعلون للمنوب عنه[1] الخ۔	کہ یہ مثال اس اصل کے قائم مقام ہے جیسے نعل مقدس کا نقشہ منافع وخواص میں یقینا یہ اس کا قائم مقام ہوا جس پر تجربہ صحیحہ گواہ ہے والہذا علمائے دین نے نقشہ اعزاز واحترام وہی رکھا ہے جو اصل کا رکھتے ہیں الخ۔

۳؎ سیدی علامہ محمد بن سلیمن جزولی قدس سرہ، صاحب دلائل الخیرات نے بھی علامہ مذکور کی پیروی کی اور دلائل شریف میں نقشہ روضہ مبارک کا لکھا اور خود اس کی شرح کبیر میں فرمایا:

انما ذکرتها تابعا للشیخ تاج الدین الفاکهانی فانه عقد فی کتابه "الفجر المنیر" بابا فی صفة القبور المقدسة وقال ومن فوائد ذٰلک[2] الخ۔	میں نے شیخ تاج الدین فاکہانی کی اتباع میں اس کو ذکر کیا انھوں نے اپنی کتاب الفجر المنیر میں قبور مقدسہ کا باب قائم کیا اور فرمایا اس کے فوائد سے یہ ہے الخ (ت)

۴؎ اسی طرح علامہ محمد بن احمد بن علی فاسی نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں فرمایا:

حیث قال اعقب المؤلف رحمه اللہ تعالٰی ورضی عنه ترجمة الاسماء بترجمة صفة الروضة المبارکة و القبور المقدسة وموافقا فی ذٰلك وتابعا للشیخ تاج الدین فاکهانی فانه عقد فی کتابه الفجر المنیر بابا فی صفة القبور المقدسة ومن فوائد ذٰلك ان یزور المثال من لم	جہاں انھوں نے فرمایا مؤلف رحمہ اللہ تعالٰی نے اسماء کے عنوان کے بعد روضہ مبارک اور قبور مقدسہ کے بیان کے لئے باب قائم فرمایا شیخ تاج الدین فاکہانی کی موافقت کرتے ہوئے کیونکہ انھوں نے اپنی کتاب "الفجر المنیر" میں قبور مقدسہ کے بیان کے لئے عنوان قائم فرمایا اور اس کے فوائد میں یہ بھی ہے کہ جس کا اصل روضہ پاک

[1] الفجر المنیر

[2] شرح دلائل الخیرات للجزولی

یتمکن من زیارۃ الروضۃ ویشاھدہ مشتاقا ویلثمہ ویزداد فیہ حبا وقد استنابوا مثال النعل عن النعل وجعلوا لہ من الاکراہ والاحترام ماللمنوب عنہ وذکر والہ خواصا وبرکات وقد جربت[1] الخ۔	کی زیارت نصیب نہ ہو تو وہ نقش نعل کی زیارت کرے اور بوسہ دے اور خوب محبت کا مظاہرہ کرے علماء نے نعل کے نقشہ کو نعل کے قائم مقام قرار دے کر اس کے لئے وہی اکرام واحترام اقرار دیا جو اصل نعل شریف کے لئے ہے اور انھوں نے اس کے خواص وبرکات ذکر کئے جن کا تجربہ ہوچکا ہے۔(ت)

دیکھو علمائے کرام کے یہ ارشادات نقشوں کے باب میں ہیں جو خود عین منتسب بھی نہیں بلکہ اس کی مثال وتصویر ہیں تو غلاف کعبہ معظم شرعی یعنی کعبہ معظّمہ سے خاص نسبت مس رکھتا ہے اس کی نسبت بہ نیت تعظیم وتبرک ان افعال کے جواز میں شک وشبہہ کیا ہے،

قال المقتضی فی العموم موجود والمانع فی الخصوص مفقود وذلك کاف فی حصول المقصود والحمد ﷲ العلی الودود	عموم کا تقاضا ہے جبکہ خاص کے لئے کوئی مانع نہیں ہے مقصد کے حصول کے لئے یہ کافی ہے۔اللہ تعالٰی بلند وذات کے لئے حمد ہے۔(ت)

رہا لوگوں کا اس پر ہجوم کرنا یہ بھی آج کی بات نہیں قدیم سے آثار متبرکہ پر اہل محبت وایمان یونہی ہجوم کرتے آئے۔ صحیح بخاری شریف وغیرہ کتب حدیث میں ہے جب عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سال حدیبیہ قریش کی طرف سے خدمت اقدس حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں حاضر ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو دیکھا۔

انہ لایتوضأ الا ابتدروا وضوءہ وکادوا یقتلوان علیہ ولا یبصق بصاقا ولایتنخم نخامۃ الا تلقوھا باکفھم فدلکوابھا	یعنی جب حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وضو فرماتے ہیں حضور کے آب وضو پر بیتابانہ دوڑتے ہیں قریب ہے کہ آپس میں کٹ مریں اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] مطالعات المسراقات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۴۴

وجوههم واجسادهم الحدیث [1]	لعاب دہن مبارک ڈالتے یا کھکھارتے ہیں اسے ہاتھوں میں لیتے اور اپنے چہروں اور بدنوں پر ملتے ہیں۔

کادوا یقتتلون علیه کی حالت کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے خود حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مواجہہ عالیہ میں ثابت کادوایکونون علیه لبدا سے کہ یہاں سوال میں مذکور جہاز ائد ہے یونہی بوسہ سنگ اسود پر ہجوم وتنزاحم قدیم سے ہے بالجملہ اس نفس فعل کا جواز یقینی اور جب نیت تبرک وتعظیم شعائر اللہ ہے تو قطعاً مندوب اور شرعا مطلوب مگر پنجگانہ نماز کے بعد علی الدوام اس کی زیارت و تقبیل کاالتزام اور جمعہ کے دن عام عوام کے بیقیدانہ ہجوم واژدحام میں اگر اندیشہ بعضم فاسد دینیہ ہو تو اس تقیید والتزام واطلاق اژدحام سے بچنا چاہئے اور خود ہر وقت پیش نظر معلق رہنا باعث اسقاط حرمت ہوتا ہے ولہٰذا حرمین طیبین کی مجاورت ممنوع ہوئی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بعد حج تمام قوافل پر درہ لئے دروہ فرماتے اور ارشاد کرتے اے اہل یمن یمین کو جاؤ۔اے اہل شام! شام کا راستہ لو۔اے اہل عراق! عراق کو کوچ کرو کہ اس سے تمھارے رب کے بیت کی ہیبت تمھاری نگاہوں میں زیادہ رہے گی" راہ اسلم وطریق اقوم یہ ہے کہ اسے کسی صندوقچے میں ادب وحرمت کے ساتھ رکھیں اور احیانا خواہ مہینے میں کچھ دن قرار دے کر بروجہ اجلال حسن واعظام مستحسن اس کی زیارت مسلمین کو کرادیا کریں جس طرح سلطان اشرف عادل نے شہر دمشق الشام کے مدرسہ اشرفیہ میں خاص درس حدیث کے لئے ایک مکان مسمّٰی بدارالحدیث بنایا اور اس پر جائداد کثیر وقف فرمائی اور اس کی جانب قبلہ مسجد بنائی اور محراب مسجد سے شرق کی طرف ایک مکان نعل مقدس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے تعمیر کیا اور اس کے دروازے پر مسی کواڑ رز سے ملمع کرکے لگائے کہ بالکل سونے کے معلوم ہوتے تھے۔اور نعل مبارک کو آبنوس کے صندوق میں بادب رکھا اور بیش بہا پردوں سے مزین کیا یہ دروازہ ہر دوشنبہ وپنچشنبہ کو کھولا جاتا اور لوگ فیض زیارت سراپا طہارت سے برکات حاصل کرتے۔کماذکر العلامة المقری فی فتح المتعال وغیرہ وغیرہ (جیسا کہ علامہ مقری نے فتح المتعال میں اور ان کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں ذکر کیا ہے) یہ مدرسہ ودارالحدیث مذکور ہمیشہ مجمع ائمہ وعلماء رہا ہے امام اجل ابوزکریا نووی شارح صحیح مسلم اس میں مدرس تھے پھر امام

---

[1] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشرط فی الجہاد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۹، الشفاء الشریف حقوق المصطفٰی فصل فی عادۃ الصحابۃ فی تعظیمہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۳۱

خاتم المجتہدین ابوالحسن تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی صاحب شفاء السقام ان کے جانشین ہوئے یونہی اکابر علماء درس فرمایا کئے۔ سلطان موصوف کے اس فعل محمود پر کسی امام سے انکار وماثور نہ ہوا بلکہ امید کی جاتی ہے کہ خود وہ اکابر اس کی زیارت میں شریک ہوتے اور فیض وبرکت حاصل کرتے ہوں، محدث علامہ حافظ برہان الدین حلبی رحمہ اللہ تعالٰی نور النبراس میں فرماتے ہیں قال شیخنا الامام المحدث امین المالکی:

وفی دار الحدیث لطیف معنی — وفیہا منتہی اربی وسؤلی

احادیث الرسول علی تتلی — وتقبیلی لاثار الرسول [1]

(یعنی ہمارے استاذ امام محدث امین الدین مالکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں مدرسہ دار الحدیث میں ایک لطیف مقصد ہے اور اس میں میرا مقصد اور مطلوب بروجہ کامل حاصل ہے حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں مجھ پر پڑھی جاتی ہے اور حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آثار شریفہ کا بوسہ مجھے نصیب ہوتا ہے)

غرض طریقہ زیارت تو یہ رکھیں پھر جسے یہ ادب وحرمت بے دقت وزحمت شرف بوس مل سکے فبہا ورنہ صرف نظر پر قناعت کرے بوسہ سنگ اسود کہ سنت مؤکدہ ہے۔ جب اپنی یا غیر کی اذیت کا باعث ہو ترک کیا جاتا ہے تو اس بوسہ کا تو پھر دوسرا درجہ ہے۔

ھذا ھو الطریق اسلم والحاکم الوسط القوم الاقوم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	یہ سلامتی کا طریقہ ہے اور درمیانہ حکم مضبوط و قوی ہے اور اللہ تعالٰی زیادہ علم والا ہے اس کا علم اتم واحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱: اکثر مخلوق خدا کا یہ طریقہ ہے کہ وقت اذان اور وقت فاتحہ خوانی یعنی پنجایت پڑھنے کے وقت انگوٹھے چومتے ہیں اور علماء بھی درست بتلاتے ہیں اور حدیث شریف سے ثابت کرتے ہیں آیا یہ قول درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انگوٹھے کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں یہ جو کچھ اس میں روایت کہا جاتا ہے

[1] نور النبراس حافظ برہان الدین حلبی

کلام سے خالی پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مسنون وموکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بیشک غلطی پر ہے۔ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل وارد۔

اخرجه الدیلمی مسند الفردوس و اوردہ الامام السخاوی فی المقاصد الحسنه[1] والعلامة خیر الدین الرملی فی حواشی البحر الرائق وذکرہ العلامة الجراحی فاطال وبدالتیا والتی قال لم یصح فی المرفوع من ھذا شیئ کما اثرہ المحقق الشامی فی رد المختار[2]	اس کو دیلمی نے مسند الفردوس میں امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں خیر الدین رملی نے بحر الرائق کے حاشیہ میں اور علامہ جراحی نے طویل بیان فرمایا اور بحث کے بعد فرمایا اس بارے میں مرفوع صحیح حدیث نہیں ہے جیسا کہ محقق علی شامی نے ردالمحتار میں نقل فرمایا ہے(ت)

اور بعض کتب فقہ میں مثل جامع الرموز شرح نقایہ وفتاوٰی صوفیہ وکنزالعباد وشامی حاشیہ درمختار کے کہ اکثر ان میں مستندات علماء طائفہ اسمعیلیہ سے ہیں وضع ابہامین کو مستحب بھی لکھ دیا۔فاضل قہستانی شرح مختصر وقایہ میں لکھتے ہیں:

واعلم انه یستجب ان یقال عند سماع الاولی من الشھادۃ الثانیة صلی اللہ تعالٰی علیك یا رسول اللہ وعند سماع الثانیة منھا قرۃ عینی بك یا رسول اللہ ثم یقال اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ضفری الابھامین علی الیعینین فانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکون قائد اله الی الجنة کما فی کنز العباد انتھی[3]	جان لو بیشک اذان کی پہلی شہادت کے سننے پر صلی اللہ تعالٰی علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت کے سننے پر قرۃ عینی بک یارسول اللہ کہنا مستحب ہے۔پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن چھوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا کرنے والے کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے جیسا کہ کنزالعباد میں ہے انتہی(ت)

ردالمحتار حاشیہ درمختار میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں:

---
[1] المقاصد الحسنہ حدیث ۱۰۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الاذان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

[3] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فضل الاذان مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۵

ونحوہ فی الفتاوی الصوفیۃ[1] الخ	ایسے ہی فتاوٰی صوفیہ میں ہے الخ (ت)

پس حق اس میں اس قدر کہ جو کوئی بامید زیادت روشنائی بصر مثلاً از قبیل اعمال مشائخ جان کر یا بتوقع فضل ان کتب پر لحاظ اور ترغیب وارد پر نظر رکھ کر بے اعتقاد سنیت وفعل وصحت حدیث وشناعت ترک اسے عمل میں لائے اس پر بہ نظر اپنے نفس فعل واعتاد سنیت کے خیر کچھ مواخذہ بھی نہیں کہ فعل پر حدیث صحیح نہ ہونا اس فعل سے نہی ومنع کہ مستلزم نہیں کما صرح بہ الفاضل علی القاری فی شرح الاربعین وھذا ظاھر جدا (جیسا کہ فاضل علی قاری نے شرح الاربعین میں اس کی وضاحت کی اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) اور صیغہ اعمال میں تصرف استخراج مشائخ کو ہمیشہ گنجائش ہے جیسا کہ تصانیف شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی سے ظاہر اور خود یہ نفس حکم تجویز استخراج بھی ان کے کلام میں مصرح ہوامع میں لکھتے ہیں:

اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطبانسخہائے قرابادین فقیر را معلوم شدہ است کہ در وقت طلوع صبح صادق باسفار مقابل صبح نشستن وچشم را بآں نور دختن ویا رنورا گفتن تا ہزار بار کیفیت ملکیہ را قوت میدہد[2] الخ۔	جاری اعمال میں اجتہاد سے اختراع کا راستہ کشادہ ہے جیسا کہ طبیب حضرات کے ہاں قرابادین کے نسخوں میں ہے اس فقیر کو معلوم ہے کہ از صبح صادق تا روشنی بیٹھنا اور منہ مشرق کی طرف کرنا اور آنکھوں کو صبح کے نور پر لگانا اور یا نور ہزار بار تک پڑھنے سے قوت ملکیہ حاصل ہوتی ہے (ت)

اور اسی میں ہے:

چند نواع از کرامت از ہیچ ولی الاماشاء اللہ منفک نمی شود از انجملہ منامات صادقہ کشف واشراف بر خواطر واز انجملہ ظہور تاثیر ودر دعائے او ورقی واعمال تصریفیہ او تا عاملے بقیض او منتفع شوند[3] الخ	چند کرامتیں ایسی ہیں جو کسی ولی سے جدا نہیں ہو پاتیں جن میں ایک سچی خوابیں اور دلوں کی خواہشوں پر اطلاع اور انہی میں سے دعاؤں کی تاثیر اور دم وغیرہ جاری اعمال اس سے عامل کو فیض حاصل ہوتا ہے الخ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الاذان دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۲۶۷

[2] ہوامع لشاہ ولی اللہ

[3] ہوامع لشاہ ولی اللہ

البتہ اسمعیلیہ کا حکم لزومی والتزامی کہ یہ فعل اور اس کے امثال محض حرام وسخت بد دینی ومثل شرک مخل اصل ایمان اور زنا وقتل ومومن سے بدتر جس کے صغرٰی یعنی فعل ابتداع پر اسمعیلیہ کو خود اقرار اور کبرٰی تصریحات وتقویۃ الایمان سے آشکارا اگرچہ علمائے اسمیعلیہ بنظر مصلحت اس سے تنزل کیا کریں محض باطل ومردود ومخذول ومطرود ہے۔

وعلیھم اثباتہ بالبرھان ولنا رد علیھم باوضع بیان ان شاء اللہ الرحمٰن المستعان۔	اور ان پر شرک اور حرام کو ثابت کرنا لازم ہے اور ہمیں ان کا رد کرنا واضح دلائل سے ان شاء اللہ لازم ہے۔(ت)

اور پنچائت کے وقت اس فعل کا ذکر کسی کتاب میں نہ دیکھا گیا اور فقیر کے نزدیک یہاں پر بنائے مذہب ارجح واصح غالبا ترک زیادہ انسب والیق ہونا چاہئے۔ والعلم بالحق عن الملک العلام الجلیل۔

مسئلہ ۱۴۲: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خان از مکان میر خادم علی اسسٹنٹ ۳ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

چہ میفرمایند علمائے شریعت محمدی وفضلائے طریقہ احمدی دریں مسئلہ کہ مس ابہامین ونہادن علی العینین در وقت اذان موذن وغیرہ فعل وطریقہ انیقہ مستحب صحابہ کرام وسنت خیر البشر آدم علیہ السلام ست او ر اعلائے ظواہر غیر مقلدین بہ سبب حقارت واستخاف واہانت وحرام گویند مرتد وکافر می شوند یا نہ؟ بیان فرمایند بسند کتاب اجر یابند روز حساب رحمۃ اللہ علیکم اجمعین۔	کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت وفضلائے طریقت اس مسئلہ میں کہ مؤذن کی اذان کے وقت اپنی آنکھوں پر انگوٹھے چوم کر لگانا یہ فعل وطریقہ صحابہ کرام اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اس عمل کو غیر مقلدین فرقہ کے لوگ حقارت کے طور پر حرام کہتے ہیں کیا وہ کافر اور مرتد ہوں گے یا نہیں؟ کتاب کے حوالہ سے بیان فرمائیں اللہ تعالٰی اجر عطا فرمائے قیامت کے روز۔ تم پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔(ت)

الجواب:

قال سیدنا اللہ صلی اللہ تعالٰی	سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

علیه وسلم من رأی منکم منکرا فلیغرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذٰلك اضعف الایمان [1] ہر کہ از شما امر ناروا بیند باید کہ بدست خویش تغیرش دہد واگر نہ تواند پس بزبان واگر نتواند پس بدل وآں ضعیف ترین الایمان ست رواہ الائمة احمد والستة الاالبخاری عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه ونیز در حدیث آمد النصح لکل مسلم [2] دین آنست کہ ہر مسلمان راخیر خواہی کنند اصله عند احمد والشیخین و ابی داؤد والنسائی عن تمیم الداری والترمذی و النسائی ابی ھریرۃ واحمد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ پس بیش از جواب امرے ضروری ومہم تر باید شنید خیر البشر وخیرالناس وافضل الخلق واکرم البریہ جناب سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول رب العلمین ست صلی اللہ تعالٰی علیہ علیہم	فرمایا: تم میں سے جب کوئی برائی دیکھے تو ہاتھ سے اسے روکے اور اگر اس کی طاقت نہیں تو زبان سے منع کرے اور اگر اس پر بھی قادر نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ اس کو ائمہ ستہ میں سے بخاری کے علاوہ سب نے اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ نیز حدیث میں ہے ہر مسلمان کی خیر خواہی دین ہے، اس کو امام احمد، شیخین، ابوداؤد اور نسائی نے ابن عباس اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے پس جواب سے قبل ایک ضروری بات اور اھم امر سن لینا چاہئے کہ افضل الخلق اور اکرم الناس اور خیرا لبشر اور اکرم البریۃ جناب سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول رب العالمین ہیں آپ پر اور آپ کی آل واصحاب سب پر دورد وسلام ہو

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النھی عن المنکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۹و۵۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث جریر بن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۵_۶۶، صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدین النصیحۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵_۵۴

وعلی الہ وصحبہ اجمعین کافہ مسلمین بریں معنی اجماع دارند فقیر غفرلہ اللہ المولٰی القدیر در تفضیل مطلق حضور افضل برحق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسالہ مبسوط گرد آوردہ ام مسمّٰی بہ "قلائد نحور الحور من فرائد بحور النور" ملقب بنام تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ۱۳۰۵ھ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین آنجا بہ دہ آیت وصد حدیث نقش حق برکرسی تحقیق نشاندہ ام کہ ہیچ یکے از انبیائے مرسلین وخلق اللہ اجمعین بکمال رفیع وجلال منیع حضور سید العالمین اکرم الاولین والاٰخرین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نمیرسد، ماناکہ قلم سائل طغیان کردد بجائے ابوالبشر خیر البشر سرزد او ارادہ الخیریۃ الجزئیۃ من جھۃ الابوۃ متاؤلا لبعض مایذکر فی الباب والاول اسلم بل ھو المفرع ان سائد الواقع واللہ بذات الصدور اعلم حق آنست کہ ہمچو عبارت احتراز واجب ولازم وفرض متحتم ست واللہ الھادی، اکنوں بجواب مسئلہ پردازیم آرے دریں باب از خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر وریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تمام مسلمانوں کا اس معنی پر اجماع ہے۔ فقیر غفرلہ اللہ المولٰی القدیر (مصنف علیہ الرحمۃ) نے حضور افضل برحق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فضیلت مطلقہ پر مبسوط رسالہ مسمّٰی بہ "قلائد نحور الحور من فوائد بحور النور" ملقب بنام "تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین ۱۳۰۵ھ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین لکھا ہے۔ اس میں دس آیات کریمہ اور سو حدیث شریف سے حق کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کوئی حدیث شریف سے حق کو اجاگر کیا گیا ہے کہ کوئی بھی انبیاء ومرسلین اور تمام مخلوق میں سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے مرتبہ کمال بلند وبالا کو نہ پہنچا، ہوسکتا ہے کہ سائل کا قلم پھسل گیا ہو ابوالبشر کی جگہ آدم علیہ السلام کی خیر البشر لکھنا سرزد ہوگیا ہو یا سائل نے تاویل سے کام لے کر ابوت والی جزوی فضیلت کی بناء پر آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو خیر البشر کہہ دیا ہو۔ جیسا کہ بعض مقامات پر ایسی تاویل سے کام لیا جاتا ہے لیکن پہلا احتمال اگر واقع میں ایسا ہو تو اس میں احتیاط ہے اللہ تعالٰی دلوں کا حال بہتر جانتا ہے حق یہی ہے کہ ایسی عبارت سے پرہیز لازم بلکہ اہم فرض ہے۔ اللہ تعالٰی ہدایت کا مالک ہے۔ اب سوال کے جواب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، یہ درست ہے کہ اس مسئلہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پھول حضرت

امام حسن مجتبٰی وحضرت سیدنا ابوالعباس خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وغیرہم حدیثہا اور کتب علماء مرویست کہ امام شمس الدین سخاوی در مقاصد حسنہ بتفصیل برخے از انہاپرداخت ومحو کلام محدثین کرام محققین اعلام کہ در صحیح وتضعیف وجرح وتوثیق راتساہل وتشدید سپردہ اند آنست کہ دریں باب حدیثے از حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدرجہ صحت فائز نشدہ در مقاصد فرمود **لا یصح فی المرفوع من کل ھذا شیئ**[1] در موضوعات کبیر ست **مایروی فی ھذا فلا یصح رفعہ البتہ**[2] در ردالمحتار علامہ اسمعیل جراحی نقل فرماید **لم یصح فی المرفوع من ھذا شیئ**[3]۔ وبرخادم حدیث مخفی نیست کہ در اصطلاح محدثین نفی صحت نفی حسن ہم نمی کند تا بہ نفی صلاح وتماسک وصلاح تمسک یادعوی وضع چہ رسد، **قال القاری فی الموضوعات قال ابوالفتح الازدی لایصح فی العقل حدیث قالہ ابوجعفر العقیلی**

امام حسن مجتبٰی اور حضرت سیدنا ابوالعباس خضر علیہ الصلٰوۃ و السلام وغیرھم سے علماء کی کتب میں مرویات موجود ہیں جبکہ امام شمس الدین سخاوی نے مقاصد حسنہ میں اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔روایات کی تصحیح وتضعیف اور جرح وتوثیق میں سختی اور نرمی سے کام لینے والے محدثین و محققین کے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی کوئی مرفوع حدیث درجہ صحت کو نہ پہنچی، مقاصد حسنہ میں فرمایا اس مسئلہ کے متعلق کوئی حدیث مرفوع صحت کو نہیں پہنچی۔ موضوعات کبیر میں ہے اس مسئلہ میں مرویات کا مرفوع ہونا یقینا صحیح نہیں ہے۔ ردالمحتار میں علامہ اسمٰعیل جراحی سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے۔ کسی بھی خادم حدیث پر مخفی نہیں ہے۔ کہ محدثین کی اصطلاح میں کسی حدیث کی صحت کا منتفی ہونا اس کے حسن کے انتفاء کو مستلزم نہیں کہ اس سے استدلال کی نفی لازم آئے چہ جائیکہ وہاں حدیث کے موضوع ہونے کا دعوی کیا جائے، ملا علی قاری نے موضوعات میں فرمایا کہ ابوالفتح الازدی نے فرمایا ہے کہ عقل کے متعلق کوئی حدیث صحیح نہیں۔ یہ بات ابوجعفر عقیلی

---

[1] المقاصد الحسنہ حرف المیم حدیث ۱۰۱۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۵

[2] اسرار المرفوعۃ حدیث ۸۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲۱۰

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الاذان داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

وابو حاتم بن حبان انتھی ولایلزم من عدم الصحۃ وجود الوضع کما لایخفی [1] اھ ملخصًا۔ امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام قدس سرہ، فرمود قول من قال فی حدیث انہ لم یصح ان سلم لم یقدح لان الحجۃ لایتوقف علی الصحۃ بل الحسن کاف [2]۔ باز درفضائل اعمال حدیث ضعیفہ باجماع ائمہ مقبول ست نص علیہ غیر واحد من الحفاظ منھم الامام النووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔ باز چوں نیک درنگری کلمات مذکورہ علمائے محدثین ظاہر ست درآنکہ نفی صحت ہمیں باحادیث مرفوعہ مخصوص ست وایں جاخود درآثار موقوفہ کفایتے ست کافیہ وحجتے وافیہ، لاجرم علامہ علی قاری مکی رحمہ اللہ تعالٰی درکتاب مذکور بعد قول مسطور لایصح رفعۃ البتۃ [3] میفرماید قلت واذا ثبت رفعہ الی الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ فیکفی للعمل بہ لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام	اور ابوحاتم بن حبان نے فرمائی ہے اھ اور اس عدم صحت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ واضح ہے اھ ملخصًا۔ محقق علی الاطلاق علامہ کمال الدین محمد بن الہمام نے فرمایا کسی حدیث کے متعلق عدم صحت کا قول اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے حدیث کی حجیت ختم نہ ہوگی کیونکہ حجیت محض صحت پر موقوف نہیں بلکہ حدیث کا حسن ہونا بھی حجیت کے لئے کافی ہے۔ نیز اعمال کے فضائل میں ضعیف احادیث بھی اجماع ائمہ کے مطابق مقبول ہے۔ یہ بات کئی ائمہ وحفاظ حدیث سے منصوصہ ان میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی بھی شامل ہیں اور پھر یہ کہ اس مسئلہ میں علمائے حدیث کے الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو انھوں نے یہاں صرف مرفوع حدیث کی صحت کی نفی فرمائی ہے جبکہ موقوف روایات یہاں حجت کے لئے کافی ہیں، چنانچہ ملا علی قاری نے اپنے قول مذکور "یہ روایت بطور مرفوع صحیح نہیں ہے" کے بعد لکھا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) جب اس روایت کا رفع حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ثابت ہے تو اس پر عمل کے لئے یہ کافی دلیل ہے کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] الاسرار المرفوعۃ تحت حدیث ۱۲۲۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۱۸

[2] فتح القدیر کتاب الطہارۃ فصل فی نواقض الوضوء مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸

[3] الاسرار المرفوعۃ تحت حدیث ۸۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۲۱۰

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین [1] یعنی چوں اسناد ایں فعل بجانب جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ بہ پایہ ثبوت رسید در عمل بسند ست زیراکہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ لازم باد برشماسنت من وسنت خلفائے راشدین من رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین درکنزالعباد وشرح نقایہ علامہ شمس ہروی وفتاوٰی صوفیہ وردالمحتار حاشیہ درمختار وغیرہا اسفار کہ ایں ہمہ از مستندات کبرے مانعین ست باستحباب ایں عمل تصریح رفت سیدی خاتمۃ المحققین امین الدین محمد عابدین شامی قدس سرہ السامی فرماید یستحب ان یقال عند سماع الاولٰی من الشھادۃ الثانیۃ صلی اللہ علیک یارسول اللہ وعند الثانیۃ منھا قرۃ عینی بک یارسول اللہ ثم یقول اللھم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابھامین علی العینین فانہ علیہ الصلٰوۃ والسلام یکون قائدا لہ الی الجنۃ کما فی کنز العباد اھ قھستانی ونحوہ فی الفتاوٰی الصوفیۃ [2] الخ باز اگر بالفرض ہیچ نبودی تا از قبیل اعمال علماء ومشائخ ہست رحمہ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین

نے فرمایا: تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل لازم ہے یعنی چونکہ اس فعل کی اسناد جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ تک پائیہ ثبوت کو پہنچتی ہیں اس لئے عمل کے لئے سند ہے کیونکہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے کہ "تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سنت پر عمل لازم ہے" کنزالعباد، شرح نقایہ، علامہ شمس ہروی، فتاوٰی صوفیہ، رد المحتار حاشیہ درمختار وغیرہا کتب جومانعین حضرات کے بڑوں کی مستند کتابیں ہیں یہ تمام اس عمل کے استحباب پر متفق ہیں سید محمد عابدین شامی قدس سرہ، نے فرمایا: اذان میں پہلی بار شہادت سن کر صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری بار سن کر قرۃ عینی بک یا رسول اللہ کہہ کر آنکھوں پر انگوٹھے رکھ کر کہے اے اللہ! مجھے سمع وبصر سے فائدہ عطا فرما(اس عمل کی برکت سے) حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام اس کے لئے جنت لے جانے میں قیادت فرمائیں گے، جیسا کہ کنزالعباد میں ہے اھ قہستانی فتاوٰی صوفیہ میں اسی طرح کی عبارت ہے الخ۔ پھر بالفرض اگر کوئی روایت بھی نہ ہو تو کم از کم علماء ومشائخ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے اعمال اور وظائف میں

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ والسلام باب الاذن داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۷

که بغرض زیادت روشنائی بصر بجا آورده وبحسن نیت وصدق طویت ببرکت او فائده حاصل کرده اند امام سخاوی رحمه الله تعالیٰ از جمعی کثیر از علماء وصلحاء نقلش نمود، علامه طاہر فتنی علیه رحمة الغنی در مجمع بحار الانوار فرموده **روی تجربة ذلك عن كثيرين**[1] ودر ہمچوں مقام زنہار بورود تصریح درقرآن وحدیث حاجت نیست علماء راسلفاء وخلفاء اجماع عملی وسکوتی قائم ست که درامثال امور بہر جلب سرور سلب شرور گوناگو اعمال واوفاق واذکار اوراد وادعیه ونقوش ورقی وتعاویز برآرند وخود خوانند ونویسند وبکار برند وبه دیگراں تعلیم کنند واجازت دہند وبریں معنی از ہیچ معتمدی انکار نشوند ودر مواہب اللدنیه ومنح فعتمدی انکار نشوند ودر مواہب للدنیه ومنح محمدیه امام قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری ومدارج النبوة شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہما چیزہا ازیں باب مذکور ست، واینک علامه ابن الحاج مکی مالکی صاحب کتاب المدخل که تشدیدے بلیغ وارد درانکار بدع و موادث اوخویشتن در ہمیں کتاب اعمال جدیده بہر غرض عدیده ذکر کرده واز سیدی عارف بالله ابو محمد مرجانی

یہ شامل ہے کہ وہ انکھوں کی بینائی میں اضافہ کے لئے یہ وظیفہ کرتے چلے آئے ہیں اور اپنی حسن نیت اور صدق عزم سے اس وظیفہ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کثیر علماء وصلحاء کی جماعت سے نقل فرمایا ہے۔ علامہ طاہر فتنی علیہ الرحمۃ مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں کثیر بزرگوں سے اس کا مجرب ہونا مروی ہے۔ایسے مقام میں قرآن وحدیث کی تصریح کی کوئی حاجت نہیں علماء کرام کا سلفا خلفا اجماع عملی اور سکوتی چلاآرہا ہے کہ خوشی کے حصول شر کے دفعیہ کے لئے گوناگو اعمال اذکار اوراد، دعائیں، تعویذ ونقوش کرتے خود لکھتے اور پڑھتے اور دوسروں کو تلیم دیتے اور اجازتیں دیتے چلے آرہے ہیں ان امور میں کسی بھی معتمد علیہ شخصیت کا انکار ثابت نہیں۔ مواہب اللدنیہ و منح محمدیہ امام قسطلانی شارح بخاری اور مدارج النبوت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہما میں ایسے بہت سے امور مذکور ہیں،علامہ ابن الحاج مکی مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ جو کہ بدعات کے رد میں شدت فرماتے ہیں نے اپنی کتاب المدخل میں متعدد واغراض کے لئے جدید اعمال ذکر فرمائے ہیں اور انھوں نے اپنے اساتذہ ومشائخ مثلاعارف باللہ ابو محمد مرجانی

---

[1] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتهرة علی الالسن الخ مکتبه دار الایمان المدینة المنورة ۵/ ۲۳۴

وغیرہ مشائخ واساتذہ خود آورد کہ ہر گز چیزے از آنہا از حضرت رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ بلکہ از صحابہ وتابعین ہم روئے ثبوت ندیدہ است بلکہ چیز ہا بینی کہ خود دار مختراعا ایں علماء باشد ہم ازیں باب ست عمل جدی یعنی مرض چیچک کہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی در تفسیر سورۃ بقرۃ ذکر نمود وخود از قول الجمیل وغیرہ تصانیف شاہ ولی اللہ دہلوی چہ پرسی کہ از انجا ازیں قبیل تودہ مخترعات ومحدثات تواں یافتہ شاہ صاحب مذکور در ہوامع شرح حزب البحر سپید گفت کہ "اجتہاد را در اختراع اعمال تصریفیہ راکشادہ ست مانند استخراج اطباء نسخہائے قرابادیں را ایں فقیر معلوم شد است کہ در وقت طلوع رامعلوم شدہ است کہ دروقت طلوع صبح صادق باسفار مقابل صبح نشستن وچشم رابآن نور دوختن و"یانور" راگفتن تاہزار بار کیفیت ملکیہ راقوت میدہد[1] الخ، بالجملہ درجواز ایں فعل اصلا مجال مقال ومحل شبہ واحتمال نیست وہیچ ولیلی از دلائل شرع مرمنع وتحریمش دلالت ندارد وفقیر غفراللہ تعالٰی دریں مسئلہ رسالہ حافلہ

وغیرہ سے یہ اعمال ذکر فرمائے ہیں اور خود فرمایا کہ یہ جدید وظائف واعمال حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام و تابعین تک سے ہر گز ثابت نہیں بلکہ آپ کو معلوم ہے کہ تمام اعمال ان علماء کے ایجاد کردہ ہیں۔انہی امور میں سے چیچک کے لئے ایک عمل تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ تعالٰی نے سورۃ بقرہ میں ذکر فرمایا اس معاملہ میں شاہ ولی اللہ تعالٰی محدث دہلوی کی کتاب قول الجمیل وغیرہ تصانیف کا کیا کہنا ان میں جگہ جگہ اس قسم کے جدید ایجاد کردہ اعمال کا ذکر موجود ہے۔حضرت شاہ صاحب نے ہوامع شرح حزب البحر میں فرمایا کہ "اعمال تصریفیہ میں اجتہاد کو اختراع اعمال میں کافی دخل ہے جسطرح کہ اتباع حضرات قرابادین کے نسخوں میں استخراج کرتے ہیں چنانچہ اس فقیر (شاہ ولی اللہ صاحب) کو معلوم ہے کہ صبح صادق کے طلوع کے وقت مطلع کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا اور اپنی آنکھوں کو صبح کی روشنی کے سامنے کھلا رکھنا اور ہزار بار "یانور" کا ورد کرنا ملکی قوت میں اضافہ کی کیفیت پیدا کرتا ہے الخ۔خلاصہ یہ کہ اس تقبیل ابہامین کے عمل کے جواز میں کسی اعتراض یا شبہہ کی گنجائش نہیں ہے،اور اس کے منع پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔اس فقیر (مصنف علیہ الرحمۃ) کا

---

[1] ہوامع شاہ ولی اللہ

کافلہ مسمّٰی بنام تاریخی منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین تصنیف کردہ ام وآنجا بحول اللہ تعالٰی کلام را باقصی مراتب نقد وتحقیق رسانیدہ ہر کرا ہوائے اطلاع بر قول فیصل وفصل مفصل در سرشت گو خویش بباد بسوئے آن رسالہ مراجعت اینجا جواب سائل راہمیں قدر پسند ست کہ چیزے کہ حرمتش از شرع مطہر ثابت نیست ہر کہ حرامش گوید افترا بر شرع مطہر میکنند وافتراء برخدا ورسول وآسان کارے ست والعیاذ باللہ سبحانہ وتعالٰی، قال ربنا تبارك قدس "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ" [1] ایناں کہ اصول کا سدہ وفروع فاسدہ در دین اختراع کردہ صدہا مباحات شرعیہ بلکہ مستحبات قطعیہ بلکہ سنن ثابتہ رابدعت شنیعہ وحرام شدید بلکہ مخل اصل ایمان وشرک صریح وواجب العقاب وقطعی الوعید میگویند قطعاً برخدا ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دروغ می بندند ودر مغاک ہلاک فقد باء باحدھما [2]
"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ

اس مسئلہ میں ایک مستقل جامع رسالہ مسمّٰی بہ اسم تاریخ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" تصنیف کردہ ہے جس میں اللہ تعالٰی کی مدد سے کلام کو انتہائی مرتبہ تک پہنچانے میں تحقیق وتنقیح سے کام لیا ہے، جس کو اس معاملہ میں قول فیصل پر اطلاع کا شوق ہو تو وہ اس رسالہ میں قول فیصل پر اطلاع کا شوق ہو تو وہ اس رسالہ کی طرف رجوع کرے، یہاں سائل کے لئے جواب میں اتنا ہی کافی ہے۔کہ جس چیز کی حرمت شرعا ثابت نہیں اس کو حرام کہنا شریعت پر افتراء ہے اور اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا آسان کام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تعالٰی پر افتراء کرتے ہوئے اپنی زبانوں سے جھوٹ مت بتاؤ کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے جو لوگ اللہ تعالٰی پر افتراء کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے" ان لوگوں نے دین میں من گھڑت اصول اور فاسد مسائل کا اختراع کرکے صدہا شرعی مباحات بلکہ مستحبات کو بلکہ سنن ثابتہ کو بدعت سیئہ اور حرام بلکہ اصل ایمان کے لئے مخل اور صریح شرک اور واجب العقاب والوعید قرار دیا ہے یہ اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جھوٹ افتراء باندھتے ہیں اور ہلاکت کا راستہ اپناتے ہیں اور متعدد آیات وعید کا مصداق بنتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب من کفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

گذِبًا" [1] وغیرہ ذٰلك من المهالك می اقتند واین معنی ایشاں بجہت رانہ ہمیں بر فسق وارتکاب کبیرہ مقتصرہ دارد بلکہ بجہت عقد قلب واتخاذمذہب بفسق عقیدہ وضلالت بعیدہ وبدعت طریدہ کشد وآنہمہ احکام خلل اصل ایمان و وجوب عذاب وقطیعت عقاب بحکم حدیث انا عند ظن عندی بی [2]۔ وقاعدہ عقلی ونقلی اقرار مرد آزار مرد ہم بروئے ایشاں برگردد وحکم تیر بازگشت پیدا کنند اماہیات کفر چیزے عظیم ست وزنہار آدمی رابر بیارد، از دائرہ اسلام مگر انکار امرے کہ درآوردہ بودش اقرارش ورود فعل اینکار از حضرت ابوالبشر یادیگر انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام ہنوز بپایہ صحت نرسیداست پس کجاتواتر پس گجابودنش از ضروریات دین وخود انکار واستحقاق ایشاں مبنی برآنست کہ ثابت ندانند نہ آنکہ ثابت کہ گویند وراہ اہانت پویند پس تکفیر ازنہار مساعی نیست وخود از عظم خطایائے۔ایں بیباکان زبان بتکفیر مسلماناں کشادن وبکمترین چیزے حکم شرک وکفر سردادن ست وهم

عمل ان کو نہ صرف فسق وگناہ کبیرہ میں مبتلا کرتا ہے بلکہ ان کے دل عقیدہ اور مذہب کی بناپر فسق عقیدہ۔ضلالت وگمراہی شدیدہ سے بڑھ کر ان کے اصل ایمان میں خلل اور عذاب کی قطعیت کی طرف ان کو ڈالتا ہے۔"میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں" حدیث کے حکم کی وجہ سے کہ جیسا کہ عقیدہ ویسا نتیجہ پائیں گے۔اور عقلی ونقلی قاعدہ ہے۔کہ اپنے اقرار پر آدمی پھنس جاتا ہے تاہم کسی پر کفر کا حکم بہت بڑا معاملہ ہے۔ دائرہ اسلام سے کسی شخص کو خارج نہیں کرتا مگر اسلام میں داخل کرنے والے امر کا انکار جبکہ بتقبیل کا عمل حضرت آدم علیہ السلام یا دیگر انبیاء علیہم السلام سے پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا چہ جائیکہ درجہ تواتر کو پہنچے اور ضروریات دین کے درجہ میں ہو جائے ان لوگوں کا اس عمل سے انکار صرف اس بات پر مبنی ہے کہ یہ عمل ثابت نہیں نہ کہ ثابت مان کر از راہ اہانت انکار کرتے ہیں لہذا اس بناء پر ان کو کافر کہنے کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس بناء پر کافر کہنا کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس بناء پر کافر کہنا خود خطرناک معاملہ ہے۔یہ بدبخت لوگ ہیں جو مسلمانوں کو اپنی زبانوں سے کفر میں مبتلا کرتے ہیں اور معمولی معمولی باتوں پر ان کو مشرک اور کافر

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی ویحذرکم اللہ نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب التوبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۴

لؤلون عنه یوم الجزاء وعلیهم لخروج عن عهدته فی دار القضاء حذر باید کہ خصلت شنیعہ وشنعت قطعیہ ایں مبتدعان بخود سرایت نکند وباللہ العصمۃ ارے اگر بظواہر احادیث صحیحہ مثل باء بہا بعدهما وحار علیه وکفر بتکفیره[1]، کہ زاعاظم ائمہ محدثین مثل امام مالک واحمد و بخاری ومسلم و ابوداؤد وترمذی وابن حبان در صحاح ومسانید و سنن وخودشان از حضرات عبداللہ بن عمرو وابوھریرہ وابوذر وابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم روایت نمودند نظر کردہ آید خاصہ کہ ایں جہولان رابزعم خودشان ہم بعمل بر ظواہر احادیث جمعہ ونام ست یا بفتوائے امام فقیہ ابوبکر اعمش وسائر ائمہ بلخ وبسیاری از ائمہ بخارا کہ مکفر مسلم رامطلقاً کافر گویند عمل نمودہ شود بلکہ ہم برمذہب مصحح ومعتمد ومختار للفتوی کہ اگر تکفیر مسلم نہ بروجہ شتم بلکہ بطور اعتقاد وجزم ست کافر گردد ودر درمختار ست به یفتی[2]،	کہتے ہیں یہ قیامت کے روز جوابدہ ہوں گے اور ان کو فیصلہ کے وقت اس الزام کا جواب دینا ہوگا، بہت احتیاط کرنی ضروری ہے تاکہ ان لوگوں کی خصلت قبیحہ اور قطعیہ بدبختی کا ارتکاب لازم نہ آئے، ہاں کافر ومشرک کہنے کی بناء پر کفر دونوں میں کسی کی ایک پر ضرور عائد ہوتا ہے اور ہلاک کرتا ہے اور کسی کی بلاوجہ تکفیر پر کفر کا حکم لازم ہوتا ہے۔ احمد، بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی، اور ابن حبابن نے صحاح مسانید، سنن میں حضرت عبداللہ بن عمر، ابوہریرہ ابوذر اور ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرمائی ہیں، یہ جاہل لوگ جو کہ ظاہر حدیث پر عمل بزعم خواہش لازم کہلاتے ہیں اور اہل حدیث کہلاتے ہیں ان کو غور کرنا چاہیے کہ ان روایات کا مصداق ہیں یانہیں اور کیا امام فقیہ ابوبکر اعمش اور تمام ائمہ بلخ اور بہت سے ائمہ بخارا کا فتوی ہے کہ کسی مسلمان کی تکفیر سے انسان مطلقاً کافر ہوجاتا ہے پر عمل لازم آتا ہے بلکہ معتمد اور صحیح مذہب پر فتوی ہے کہ کسی مسلمان کو بطور اعتقاد جازم کافر قرار دینے سے انسان کافر ہوجاتا ہے اور درمختار میں ہے اسی پر فتوی ہے

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یاکافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] درمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

Majlis of Dawateislami

ودر شرح نقایہ قہستانی انہ المختار [1]۔ ودر ذخیرہ واحکام و جواہرا خلاطی وفصول عمادی وشرح درر وغرر وشرح نقایہ برجندی وشرح وہبانیہ علامہ ابن الشحنہ ونہر الفائق وحدیقہ ندیہ وفتاوٰی ہندیہ وردالمحتار وغیرہا انہ المختار للفتوٰی بالقطع والیقین [2]۔ بریں طائفہ مکفرہ مسلمین حکم کفر وارتداد بلاریب لازم ست چنانکہ من فقیر در رسالہ مسمّٰی بنان تاریخ النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید ۱۳۰۵ھ مفصل گفتہ ام امابحمداللہ تعالٰی مارا ہنوز احتیاط درکاراست واز کفار ایں اہل اکفار اجتناب وانکار کمابینتہ ایضا فیھا وفی غیرھا من تصانیفی وفتاوی واللہ الھادی انہ مولائی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اور شرح نقایہ قہستانی میں "انہ المختار" ذخیرہ احکام جواہر الاخلاطی فصول عمادی۔ شرح درر غرر، شرح نقایہ برجندی، شرح وہبانیہ، علامہ ابن الشحنہ، نہر الفائق، حدیقہ ندیہ فتاوٰی ہندیہ اور ردالمحتار وغیرہا کتب میں انہ المختار للفتوٰی بالقطع والیقین فرمایا ہے تو مسلمانوں کو کافر کہنے والے اس طائفہ پر ان فتاوٰی کی روشنی میں کفر وارتداد کا حکم بلا شک وشبہہ لازم آتا ہے، جیسا کہ اس فقیر (مصنف علیہ الرحمۃ) نے اپنے رسالہ مبارکہ مسمّٰی باسم التاریخ "النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید" میں مفصل بحث ذکر کی ہے تاہم ہمیں بحمدہٖ تعالٰی ابھی احتیاط لازم اور ضروری ہے اور ان کافر بتانے والوں کو کافر کہنے سے اجتناب کریں گے جیسا کہ میں نے اسی رسالہ میں اور دیگر تصانیف میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور وہی میرا مولٰی ہے واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۳: از بہار شریف محلّہ شیخانہ متصل عیدگاہ مرسلہ محمد یسین ومحمد حسین طالبان علم ۹ شوال ۱۳۱۶ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی قبر پر جانے کے وقت دروازے کی چوکھٹ چومنا اور پھر باوجود تعظیم اس پر پیر رکھ کے اندر جانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

اصل کلی یہ ہے کہ تعظیم ہر منتسب بارگاہ کبریا علی الخصوص محبوبان خدا انحائے تعظیم حضرت

[1] جامع الرموز کتاب الحدود فصل فی القذف مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۵۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۸۳

عزت جل وعلا ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ" [1]	جو اللہ تعالٰی کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے پروردگار کے یہاں۔

وقال تعالٰی:

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝۳۲" [2]	جو اللہ کے شعاروں کی تعظیم کرے وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القراٰن غیر الغالی فیہ والجافی عنہ واکرام ذی السطان المقسط [3]۔ رواہ ابوداؤد عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	یعنی بوڑھے مسلمان اور عالم باعمل اور حاکم عادل کی تعظیمیں اللہ تعالٰی کی تعظیم سے ہیں۔ (اسے ابوداؤد نے ابوموسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

اور علمائے کرام قدیماً وحدیثاً فقہاً وحدیثاً تصریحات فرماتے ہیں کہ حرمۃ المسلم حیاً ومیتاً سواء، مسلمانو زندہ ومردہ کی حرمت یکساں ہے، ولہٰذا علماء نے وصیت فرمائی کہ قبر سے اتنا ہی قریب ہو جتنا زندگی دنیا میں صاحب قبر سے قریب ہوسکتا ہے اس سے زیادہ آگے نہ جائے، عالمگیریہ میں ہے:

فی التہذیب یستحب زیارۃ القبور وکیفیۃ الزیارۃ کزیارۃ ذٰلک المیت فی حیاتہ من القرب والبعد کذا فی خزانۃ الفتاوٰی [4]۔	تہذیب میں ہے زیارت قبور مستحب ہے۔ زیارت کی کیفیت یہ ہے کہ جتنا قرب وبعد میت کی زندگی میں اس کی زیارت کے لئے ہوتا تھا بعد مرگ بھی اتنا ہی ہو، خزانۃ الفتاوٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۰

اور شک نہیں کہ تعظیم وتوہین کا مدار عرف وعادت پر ہے کما حققه خاتمة المحققین سیدنا الوالد قدس سره فی اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد (جیسا کہ خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ نے "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) توجس کی تعظیم شرعا مطلوب ہے وہاں جو جو افعال وطرق حسب عرف وعادت قوم کئے جاتے ہیں اسی مطلوب شرعی کی تحت میں داخل ہوں گے جب تک کسی خاص فعل سے نہی شرعی نہ ثابت ہو، جیسے سجدہ یا قبر کی طرف نماز کہ یہ شرعا ممنوع ہیں۔ ولہٰذا امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر، پھر علامہ ابن سندھی نے لباب میں اور ان کے سوا اور علمائے کرام نے زیارت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرمایا:

کلمه کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنًا[1]۔	جو کچھ تعظیم واجلال میں زیادہ داخل ہوں خوب ہے۔

ابن حجر مکی نے جوہر منظّم میں فرمایا:

تعظیم النبی صلی تعالٰی علیه وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیها مشارکة الله تعالٰی فی الالوهیة امر مستحسن عند من نور الله ابصارهم[2]۔ "وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ"[3]	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ان جمیع اقسام تعظیم کے ساتھ جس میں حضرت عزت سے الوہیت ہیں شریک کرنا لازم نہ آئے امر مستحسن ہے ان سب کے نزدیک جن کی آنکھیں اللہ تعالیٰ نے روشن کی ہیں یعنی جنھیں نور ایمان بخشا ہے۔ اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔ (ت)

جب یہ اصل کلی معلوم ہو ہو گئی حکم صور مسئلہ منکشف ہوگیا آستانہ بوسی پر یہ اعتراض کہ اول چومیں گے پھر پاؤں رکھ کر جائیں گے محض نادانی ہے کعبہ معظّمہ ومسجد حرام شریف میں بھی یہی صورت ہے اور ضرورت ایک دوسرے کے منافی نہیں۔ منسک متوسط میں ہے:

ثم یأتی الملتزم ویأتی الباب ویقبل العتبة	طواف کرنیوالا ملتزم پر آئے اور دروازے پر

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منشورة المقصد الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴، لباب المناسك مع ارشاد الساری باب زیارة سید المرسلین فصل ولو توجه الی الزیادة دار الکتب العربی بیروت ص ۳۳۶

[2] الجواہر النظم الفصل الاول المکتبة القادریة جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۲

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

ویدعو ودخل البیت [1] الخ۔	آکر چوکھٹ کو بوسہ دے اور دعا کرکے اندر داخل ہو الخ (ت)

مسلک متقسط میں ہے:

ان یدخل المسجد من باب السلام حافیا وزاد فی کنز العباد ویقبل عتبتہ [2] (ملخصًا)	مسجد حرام میں باب السلام سے ننگے پاؤں داخل ہو، کنز العباد میں یہ لفظ زائد ہے اور بوسہ دے چوکھٹ کو، ملخصًا (ت)

اور شک نہیں کہ آستانہ بوسی عرفا انحائے تعظیم سے ہے اور شرعا اس سے منع ثابت نہیں تو حکم جواز چاہئے، **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) مگر یہاں ایک دقیقہ انیقہ اور ہے جس پر اطلاع نہیں ہوتی مگر بتوفیق حضرت عزت عزجلالہ شرع مطہرہ کا قاعدہ عظیمہ وجلیلہ معروفہ ومشہورہ ہے کہ "**الامور بمقاصدھا**" (امور میں مقاصد کا اعتبار ہے۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما الاعمال بالنیات وانکالکل امری مانوی [3]۔	اعمال نیات کے ساتھ ہیں اور ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ (ت)

انحنا یعنی جھکنے اور پیٹھ دوہری کرنے سے کسی کی تعظیم شرعا مکروہ ہے اور جب بقدر رکوع یا اس سے زائد ہو تو کراہت سخت واشد ہے۔ حدیث میں ہے:

قال رجل یارسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال لا الحدیث، رواہ الترمذی [4] وابن ماجۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ! ہم اپنے کسی بھائی یا دوست کو ملتے ہیں تو کیا ملاقات میں اس کے لئے جھکا جائے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ الحدیث، اس کو ترمذی نے اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل فی صفۃ طواف الوداع دار الکتب العربی بیروت ص ۱۷۰

[2] المسلك المتقسط فصل یستحب ان یدخل المسجد من باب السلام الخ دار الکتب العربی بیروت ص ۷۸

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب ماجاء ان الاعمال بالنیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[4] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء علی الجالس فی الطریق امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷

عالمگیری میں ہے:

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس کذا فی جواھر الاخلاطی،ویکرہ الانحناء عندالتحیۃ وبہ وردالنھی کذا فی التمرتاشی،تجوز الخدمۃ لغیرہ اللہ تعالٰی بالقیام واخذ الیدین و الانحناء و لایجوز السجود الا للہ تعالٰی کذا فی الغرائب [1] انتھٰی **قلت** وکان محمل ھذا علی ما اذا لم یبلغ الرکوع فیکرہ تنزیھا وھو یجامع الجواز کما نصوا علیہ واللہ تعالٰی اعلم۔	سلطان وغیرہ کے لئے جھکنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل مجوس کے فعل کے مشابہ ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے۔اور سلام کے وقت جھکنا مکروہ ہے اس پر نہی وارد ہے۔ جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔ غیر اللہ کی تعظیم کے لئے قیام، مصافحہ،اور جھکنا جائز ہے ہاں سجدہ سوائے اللہ تعالٰی کے کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔یوں غرائب میں ہے اھ **میں کہتاہوں** اس قیام کا محمل وہ قیام ہے جو رکوع کی حدتک نہ ہو کیونکہ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔یہ کراہت جواز کو جامع ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص فرمائی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مگر محل ممانعت یہی ہے کہ نفس انحاء ہے مقصود اصل غرض تعظیم ہو۔

کما ھو مفاد قولہ اینحنی لہ،وفحوی قولھم عندا لتحیۃ،ویعطیہ الحصر فی قولھم بہ وردالنھی۔	جیسا کہ سائل کے قول"کیا اس کے لئے جھکے"اور فقہاء کے قول "عندالتحیۃ" سے مفاد اور ان کے قول"بہ ورد النھی" نے اس کا حصر دیا ہے۔(ت)

اور اگر مقصود کوئی اور فعل ہے اور انحناء خود مقصود نہیں بلکہ اس فعل کا محض وسیلہ وذریعہ ہے تو ہر گز ممانعت نہیں **وھو اظھر من ان یظھر** (یہ ظاہر سے اظھر ہے۔ت) عالم دین یا سلطان عادل کی خدمت کے لئے اس کا گھوڑا باندھنا یا کھول کر حاضر لانا یا بچھونا کرنا، یا وضو کرانا، پاؤں دھلانا یا اس کا جوتا اٹھانا یا مجلس سے اٹھتے وقت اس کی جوتیاں سیدھی کرنا، یہ سب افعال تعظیم وتکریم ہی ہیں اور ان کے لئے جھکنا ضرور مگر انحناء زنہار ممنوع نہیں کہ مقصود ان افعال سے تعظیم ہے نہ جھکنے سے، یہاں تک کہ اگر بے جھکے یہ افعال ممکن ہو جھکنا نہ ہوگا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بستر مبارک بچھانا، وضو کرانا، حضور جب مجلس میں تشریف رکھیں نعلین اقدس اٹھا کر اپنے پاس

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

رکھنا جب تشریف لے چلے حاضر لاکر سامنے رکھنا، یہ دونوں جہان کی عزتیں مبارک، معزز خدمتیں بارگاہ رسالت ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سپرد تھی، بخاری شریف میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

اولیس عندکم ابن ام عبد صاحب النعلین والوسادۃ والمطہرۃ[1]۔	کیا تمھارے ہاں نعلین اور بستر، طہارت والے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) موجود نہیں۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

قال القاضی یرید بہ انہ کان یخدم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویلازمہ فی الحالات کلھا فیصاحبہ فی المجالس ویأخذ نعلہ ویضعھا اذا جلس وحین نھض ویکون معہ فی الخلوات فیسوی مضجعہ ویضع وسادتہ اذا اراد ان ینام ویھی لہ طھورہ ویحمل معہ المطھرۃ اذا قام الی الوضوع[2]۔اھ	قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: مراد یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود حضور کی خدمت میں تمام وقت حاضر رہتے تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی مجلسوں میں ساتھ رہ کر آپ کے نعل مبارک اٹھاتے اور رکھتے جب تشریف فرما ہوتے اور مجلس سے اٹھتے اور تخلیہ میں آپ کے ساتھ رہتے آپ کے بستر مبارک کو درست بچھاتے اور تکیہ رکھتے جب آپ نے آرام فرمانا ہوتا اور طہارت کا انتظام کرتے اور آپ کے ہمراہ لوٹا لے جاتے جب آپ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے جاتے (ت)

اور سب سے اظہر واز ہر وہ حدیثیں ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم مبارک چومنا وارد فقیر نے یہ حدیثیں اپنے فتاوٰی میں جمع کردی ہیں، ازانجملہ حدیث وفد عبدالقیس کہ امام بخاری نے ادب مفرد اور ابوداؤد نے سنن میں حضرت زارع بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

فجعلنا نتبادر فنقبل ید رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورجلہ[3]۔	ہم ایک دوسرے سے بڑھ کر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے (ت)

ظاہر ہے کہ پاؤں چومنے کے لئے تو زمین تک جھکنا ہوگا مگر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب عمار وحذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۹

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناقب باب جامع المناقب الفصل الاول تحت حدیث ۶۲۰۰ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۷۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب قبلۃ الرجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۳، الادب المفرد باب تقبیل الرجل مطبع اثریہ سانگلہ ہل ص ۳۵۳

جائز رکھا کہ مقصود بوسہ قدم سے تعظیم ہے نہ کہ نفس انحناء، یہی سر نفیس ہے کہ علماء کرام نے تحیت و مجرا کے لئے زمین بوسی کو حرام بتایا کہ اس میں جھکنے ہی سے تعظیم کی جاتی ہے یہاں تک کہ زمین کو منہ لگادیا۔ عالمگیریہ میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیة او قبل الارض بین یدیه لایکفر ولکن یاثم لارتکابه الکبیرة وهو المختار کذا فی جواهر الاخلاطی وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی اثم کذا فی التاتارخانیه. وتقبیل الارض بین یدی العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضی اثمان کذافی الغرائب[1] انتهی باختصار.	جس نے سلطان کی سلامی کے لئے سجدہ کیا یا زمین کو بوسہ دیا کافر نہ ہوگا، لیکن کبیرہ گناہ کے ارتکاب کی بناء پر گنہگار ضرور ہوگا پس یہی مختار ہے جیسا کہ جواہر الاخلاطی میں ہے۔ اور جامع صغیر میں ہے عظیم (سلطان) کے سامنے زمین کو بوسہ دینا حرام ہے۔ جبکہ یہ کام کرنے ولا او راس پر خوش ہونے والا گنہگار ہوگا، یوں تاتارخانیہ میں ہے اور علماء اور زاہد لوگوں کے سامنے زمین کو بوسہ دینا جہالت ہے۔ ایسا کرنے والے اور اس پر خوش ہونے والے سب گنہگار ہوں گے جیسا کہ غرائب میں ہے انتہی باختصار (ت)

اور علماء کبار بے تکیرہ وانکار زمین مدینہ طیبہ کو بوسہ دینے اور اس کی خاک پر منہ اور رخسار ملنے کی قسمیں کھاتے ہیں اور ممکن ہو تو وہاں آنکھوں اور سر سے چلنے کی تمنائیں فرماتے ہیں اور اسی کو واجب بلکہ پوردے واجب سے بھی کم بتاتے ہیں کہ یہاں تعظیم بالانحناء مقصود نہیں بلکہ براہ محبت بطور تبرک اس زمین پاک کو بوسہ دینا اس کی خاک سے چہرہ نورانی کرنا بن پڑے تو پاؤں رکھنے سے اس عظمت والے مقام کو بچانا، امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

وجدیر لمواطن اشتملت تربتها علی جسد الشریف ومواقف سید المرسلین ومتبوأ خاتم النبیین واول ارض مس	یعنی لائق ہے ان موضع کو جن کی زمین جسم پاک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قیام گاہیں

[1] فتاوی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۹۔۳۶۸

جلد المصطفٰی ترابھا ان تعظم عرصاتھا وتتنسم نفحاتھا وتتقبل ربوعھا وجدارتھا۔ وعلیّ عھد ان ملأت محاجری من تلکم الجدرات والعرصات لاعفرن مصون شیبی بینھما من کثرۃ التقبیل والرشفات[1] اھ مختصرًا۔	خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائے قرار اور پہلی وہ زمین جس کی مٹی نے جسم پاک مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مس کیا گیا کہ اس کے میدانوں کی تعظیم کی جائے اور اس کی مہکتی ہوئی خوشبوئیں سونگھی جائیں اور منزلیں اور دیواریں چومی جائیں۔ اور مجھ پر عہد ہے کہ اپنی آنکھوں کے گوشے ان دیواروں اور میدانوں سے بھروں گا، خدا کی قسم میں اپنی سفید داڑھی کہ گرد وغبار سے بچائی جاتی ہے ان میدانوں میں کثرت بوسہ بازی سے ضرور خاک آلودہ کروں گا اھ مختصرًا۔

علامہ سندھی تلمیذ امام ابن الہمام نے لباب المناسک میں فرمایا:

اذا وقع بصرہ علی طیبۃ المطیبۃ واشجارھا العطرۃ دعا بخیر الدارین وصلی وسلم علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والاحسن ان ینزل عن راحلتہ بقربھا، ویمشی باکیا حافیا ان اطاق تواضعا للہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکلما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا بل لو مشی ھناك علی احداقہ و بذل المجھود من تذللہ وتواضعہ کان بعض الواجب بل لم یف بمعشار عشرہ[2]۔ اللھم صل وسلم وبارك علیہ و	یعنی جب مدینہ طیبہ او اس کے مہکتے ہوئے درختوں پر نظر پڑے دونوں جہان کی بھلائی مانگے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صلٰوۃ سلام عرض کرے اور بہتر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے قریب سواری سے اترے اور ہوسکے تو روتا ہو برہنہ پا چلے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے تواضع کے لئے اور جو کچھ ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھے خوب ہے بلکہ وہاں آنکھوں کے بل چلے اور تذلل وفروتنی میں پوری کوشش خرچ کردے تو واجب کا ایک حصہ ہو بلکہ سوواں '' بھی ادا نہ ہو۔ یا اللہ! صلٰوۃ وسلام اور برکت ہوآپ صلی اللہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامۃ واکبارہ الخ عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۴۶۔۴۵

[2] لباب المناسك مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین فصل ولو توجہ الی الزیارۃ دارالکتاب بیروت ص ۳۳۶۔۳۳۵

علی الہ وصحبہ کما ینبغی لاداء حقہ العظیم اٰمین۔	علیہ وسلم اور آپ کی آل واصحاب پر کما حقہ۔ آمین۔

امام احمد قسطلانی صاحب ارشاد الساری شرح صحیح بخاری مواہب شریف میں امام حافظ الحدیث فقیہ علامہ ابوعبداللہ محمد بن رشید سے نقل فرماتے ہیں: سفر مدینہ طیبہ میں میرے رفیق ابوعبداللہ وزیر ابن القاسم بن الحکم ساتھ تھے ان کی آنکھیں دکھتی تھیں جب میقات مدینہ طیبہ پر آئے ہم سواریوں سے اتر لئے، پیادہ چلتے ہیں انھیں آثار شفا نظر آئے، فوراً حسب حال ارشاد کیا: ؎

وبالتراب منها اذا کحلنا جفوننا | شفینا فلا بأسا نخاف ولا کربا

نسح سجال الدمع فی عرصاتہ | ونلثم من حب لواطئہ الترابا[1]

جب اس کی خاک کا ہم نے سرمہ لگایا شفاء پائی تو اب کسی شدت وتکلیف کا اندیشہ نہیں ہم آنسوؤں کے ڈول اس کے میدانوں میں بہاتے ہیں اور اس زمین پر چلنے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت میں خاک کو چومتے ہیں۔

پھر خود اپنے حال میں فرماتے ہیں جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور سب اہل قافلہ پیادہ ہوئے میں نے کہا: ؎

اتیتك زائرا وودت انی | جعلت سواد عینی امتطیہ

ومالی لا اسیر علی المآقی | الی قبر رسول اللہ فیہ[2]

میں زیارت کے لئے حضور میں حاضر ہوا اور تمنا تھی کہ اپنے آنکھ کی پتلی پر اس راہ میں چلوں اور کیوں نہ چلوں آنکھوں کے بل اس مزار پاک کی طرف جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرمائیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

کان الشیخ احمد بن الرفاعی کل عام یرسل مع الحجاج السلام علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی امام اجل قطب اکمل حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر سال حاجیوں کے ہاتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام

[1] المواھب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثانی (اشواق) المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۶

[2] المواہب اللدینہ المقصد العاشر الفصل الثانی (اشواق) المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۷۷

فلمازارہ وقف تجاہ مرقدہ وانشد: فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی فھی نائبتی وھذہ نوبۃ الاشباح قد حضرت فامدد یدیک لکی تحظی بھا شفتی فقیل ان الید الشریفۃ بدت لہ فقبلھا فھنیئًا لہ ثم ھنیئًا[1]۔	عرض کر بھیجتے، جب خود حاضر آئے مزار اقدس کے سامنے کھڑے ہوئے اور عرض کی: "میں جب دور تھا تو اپنی روح بھیج دیتا کہ میری طرف سے زمین کو بوسہ دے تو وہ میری نائب تھی، اور اب باری بدن کی ہے۔ کہ جسم خود حاضر ہے دست مبارک عطا ہو کہ میرے لب اس بسے ہرا پائیں۔ کہا گیا کہ دست اقدس ان کے لئے ظاہر ہوا انھوں نے بوسہ دیا تو بہت بہت مبارکی ہو ان کو۔

علامہ احمد بن مقری فتح المتعال میں فرماتے ہیں جب امام اجل علامہ تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی سبکی ملک شام میں بعد وفات امام اجل ابو زکریا مدرسہ جلیلہ اشرفیہ میں دارالحدیث کے درس دینے پر مقرر ہوئے فرمایا:

وفی دار الحدیث لطیف معنی　　الی بسط لھا اصبو واٰوی

لعلی ان امس بحر وجھی　　مکانا مسہ قدم النواوی[2]

"دارالحدیث میں ایک معنی لطیف ہے میں اس کے بستروں کی طرف میل کرتا اور قرار پکڑتا ہوں شاید میرا چہرا لگ جائے اس جگہ پر جہاں امام نوری کے قدم چھوگئے ہوں۔

خلاصہ امر یہ قرار پایا کہ اگر آستانہ بلند ہو کہ بے جھکے بوسہ دے سکے تو بلاشبہ اجازت ہے۔ اور اگر پست خصوصا زمین دوز ہو تو اگر ولی زندہ یا مزار سامنے ہے اس کے مجرے کی نیت سے جھک کر بوسہ دیا تو ناجائز ہے۔ اور اگر محض بنظر تبرک وحب اپنے ہی نفس انحنا سے تعظیم مقصود نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یوں تحقیق چاہئے اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت) پھر بھی عالم متقدا اور اسی طرح پیر اور اس شخص کو جس کے کچھ اتباع ہوں کہ اس کے افعال کا اتباع کریں اسے مناسب ہے کہ اپنے عوام متبعین کے سامنے نہ کرے مبادا وہ فرق نیت پر آگاہ نہ ہوں اور اس کے فعل کو سند جان کر بے محل بجالائیں، ایسی حالت میں صرف اس

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۳/ ۴۴۲

[2] فتح المتعال

قدر کافی ہے کہ آستانہ کو ہاتھ لگا کر اپنی آنکھوں اور منہ پھیر لے جس طرح عبداللہ بن عمر غیرہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم منبر انور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کیا کرتے تھے، شفاء شریف میں ہے:

روی ابن عمرو اضعایدہ علی مقعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المنبر ثم وضعہا علی وجہ، وعن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا خلا المسجد حسوا امّانۃ المنبر التی تلی القبر بمیامنہم ثم استقبلوا القبلۃ یدعون[1]۔	مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما منبر پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹھنے کی جگہ پر اپنا ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرے پر ہاتھ کو رکھتے۔ ابن قسیط اور عتبی سے مروی ہے۔ کہ صحابہ کرام جب مسجد نبوی میں داخل ہوتے تو قبر انور کے کناروں کو اپنے دائیں ہاتھ سے مس کرتے اور پھر قبلہ رو ہو کر دعا کرتے۔ (ت)

یہ دونوں حدیثیں امام ابن سعد نے کتاب الطبقات میں روایت کیں کما فی مناھل الصفافی تخریج احادیث الشفاء (جیسا کہ مناہل الصفافی احادیث الشفا میں ہے۔ ت) علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی جوز التبرک بالانبیاء والصالحین واٰثارھم ومایتعلق بھم مالم یؤد الی فتنۃ اوفساد عقیدۃ و علی ھذا یحمل ماروی عن ابن عمر عــہ رضی اللہ تعالٰی عنہ من انہ قطع الشجرۃ التی واقعت تحتھا البیعۃ لئلا یفتتن بھا الناس لقرب عھدھم	یہ واقعہ اس بات پر دال ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صلحاء اور ان کے آثار اور متعلقات سے تبرک حاصل کرنا جائز ہے جبکہ فتنہ اور عقیدے کے فساد کا احتمال نہ ہو اسی معنی پر محمول ہے جو عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے بیعت رضوان والے درخت کو کاٹ دیا تاکہ نو مسلم لوگ

عــہ: کماھو فی نسختی النسیم وصوابہ عن عمر ۱۲ منہ۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فی حکم زیارۃ قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدالتواب اکیڈمی ملتان ۲/ ۷۰

بالجاھلیۃ فلامنافاۃ بینھما ولاعبرۃ بمن انکر مثلہ من جھلۃ عصرنا وفی معناہ انشدوا۔ امر علی الدیار لیلٰی اقبل ذاالجدار وذاالجدارا وصاحب الدیار شغفن قلبی ولکن حب من سکن الدیارا[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس درخت کی وجہ سے فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں تو تبرک کے جواز اور درخت کٹوانے میں منافات نہیں ہے اور ہمارے زمانے کے جاہلوں کا جو ایسے امور کا انکار کرتے ہیں کوئی اعتبار نہیں اہل محبت آثار کے متعلق شعر کہتے ہیں: میں خاص دیار پر جو لیلٰی کا دیار رہے گزرتا ہوں، میں اس کی دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں، دیار والے میرے دل میں گھر کر چکے ہیں لیکن دیار میں رہنے والوں سے محبت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

"ابر المقال فی استحسان قبلۃ الاجلال"

ختم شد

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل ومن اعظامہ واکبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۳/ ۴۳۴

مسئلہ ۱۴۴: مرسلہ محمد صدیق بیگ صاحب مراد آباد از بریلی

کافر کو سلام کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب واللہ یرجع الیہ مآب (اور اللہ تعالٰی ٹھیک بات کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہر چیز کا مرجع اور ٹھکانا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۴۵: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ جناب احمد حسین صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

سلام کے متعلق جملہ مسائل کیا ہیں؟

الجواب:

سلام کے متعلق بہت مسائل ہیں جو خاص بات دریافت کرنی ہو کیجئے۔ غالباً آپ کی مراد یہ ہوگی کہ کس کس کو سلام کرنا منع ہے۔ ہاں بدمذہب کو سلام کرنا حرام ہے۔ فاسق کو سلام کرنا ناجائز ہے۔ جو برہنہ ہو یا استنجا کر رہا ہو اسے سلام نہ کرے۔ جو کھانا کھا رہا ہو اسے سلام نہ کرے۔ جو اذان یا تلاوت یا کسی ذکر میں مشغول ہو اسے سلام نہ کرے۔ کافر یا مبتدع یا فاسق کو سلام کرنے کی صحیح ضرورت پیش آئے تو لفظ سلام نہ کہے بلکہ ہاتھ اٹھانے یا کوئی لفظ کہ نہ سلام ہو نہ تعظیم کہنے پر قناعت کرے یا مجبور ہو تو آداب کہے یعنی آ میرے پاؤں داب، یا آداب شریعت کہ تو نے اپنے فسق سے ترک کردئے ہیں۔ بجالا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۶: از گورکھپور کا احاطہ مسئولہ حافظ رسول بخش صاحب ۲۱ محرام الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص طالب یا مرید یا عام مسلمان فرط ارادت وجوش محبت سے بنابر حصول برکت تعظیماً تکریماً کسی بزرگ عالم یا صوفی کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دے آنکھوں سے لگائے تو آیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ سلف سے یہ طریقہ

جاری وساری رہااور محمود سمجھا گیا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اولیاء وعلماء ومعظمان دین کے ہاتھ پاؤں چومنا مستحب ہے بلکہ مسنون ہے۔ صحابہ کرام بلکہ خود زمانہ رسالت سے رائج ہیں جس پر بکثرت حدیثیں ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷و۱۴۸: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۴رجب ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) قرآن شریف پڑھنے کے وقت سلام کرنا یالینا کیسا ہے؟

(۲) کن شخصوں کی تعظیم کے لئے تلاوت قرآن مجید کی موقوف کرسکتا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) قرآن شریف پڑھنے والے پر سلام کرنا ناجائز ہے اور اسے اختیار ہے کہ جواب نہ دے، اور قرآن پڑھنے والے کو دوسرے پر سلام کرنے کی اجازت ہے جبکہ وہ معظیم دینی ہو یا اسے سلام نہ کرنے میں اندیشہ مضرت ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) قرآن شریف پڑھنے میں کسی کی تعظیم کو قیام جائز نہیں مگر باپ یا علم دین کا استاذ یا پیرومرشد یا عالم دین یا بادشاہ اسلام یا بمجبوری اس کے لئے کہ اگر قیام نہ کرے تو اس سے ضرر پہنچنے کا ظن غالب ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹: مسئولہ محمود حسن صاحب از بمبئی پوسٹ بائی کھلا ۲۰صفر ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسجد کے اندر نماز سے تمام فارغ ہونے کے بعد مصافحہ کے سوا پاؤں پڑنا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبرہ والہ مع ثبت دو تین علماء ومہر رقم فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

پاؤں پڑنا بایں معنی کہ پاؤں پر سر رکھنا ممنوع ہے۔ اور پاؤں کو بوسہ دینا اگر کسی معظم دینی کی تعظیم دینے کے لئے ہو تو جائز بلکہ سنت ہے احادیث کثیرہ اس پر ناطق ہیں۔ **کمابیناھا فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے ان سب مسائل کو اپنے فتاوٰی میں بیان فرمایا ہے۔ ت) اور اگر کسی مالدار کی دنیوی تعظیم کے لئے ہو تو مطلقًا ناجائز ہے۔

فی الملتقط والهندیة والدر وغیرها	فتاوٰی ملتقط، فتاوٰی عالمگیری، در مختار اور

التواضع لغیر اللہ تعالٰی حرام[1]۔	ان کے علاوہ باقی کتب فقہ میں بھی ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی کی تواضع کرنا حرام۔(ت)

مگر جبکہ صحیح مجبوری شرعی ہو کہ اس کے ترک میں ضرر پہنچنے کا صحیح اندیشہ ہو تو اپنے بچاؤ کے لئے اجازت ہوگی **فان الضرورات تبیح المحظورات** (انسانی ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کردیتی ہیں۔ت) مگر قلب میں اس کی کراہت رکھنا لازم ہے **فان لم یستطع فبقلبه وذلك اضعف الایمان** (اگر کسی گناہ کے کام کو ہاتھ سے نہ روک سکے تو دل سے اسے برا سمجھے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: مسئولہ افتخار الزاہدین صاحب از بمبئی عقب مارکیٹ پولیس کمشنر صاحب آفس ۱۱ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو جو کہ آپس میں عزیز داری رکھتے ہیں اتفاقاً زید ایک راستہ عمرو دوسرے راستہ سے جارہے تھے ایک جا پر دونوں صاحبوں کی ملاقات ہوگئی زید نے بدیدن عمرو فوراً السلام علیکم کہا بجواب اس کے کہ عمرو وعلیکم السلام کہے جواب دیا کہ تم بہت جھوٹے آدمی ہو تمھارا اسلام لینا درست نہیں جواب سلام علیکم نہیں دیا یعنی وعلیکم السلام نہیں کہا، کیا عمرو اللہ پاک اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برحق کے نزدیک گنہگار ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا صدقہ یا کیا معذرت خدا اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چاہئے کہ اس کا دفعیہ ہوجائے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید اگر شرعاً ان الفاظ اور اس طریقہ عمل کا مستحق نہ تھا، جو عمرو نے کہے اور برتا تو عمرو ضرور گنہگار اور حق اللہ و حق العبد دونوں میں گرفتار ہوا، حق اللہ تو یہ کہ اس کے حکم کا خلاف کیا، اس کا ارشاد ہے:

"وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ"[2]	(لوگو!) جب تمھیں سلام کیا جائے تو اس سے بہتر جواب دیا کرو یا وہی الفاظ لوٹا دیا کرو۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۶۸

[2] القرآن الکریم ۴/۸۶

اور دوسرا اس سے اشد، حق اللہ تعالٰی یہ کہ شریعت مطہرہ پر افتراء کیا کہ تیرا اسلام دینا درست نہیں اور حق العبد یہ کہ بلاوجہ شرعی زید نے مسلم کو ایذا دی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلماً فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

اس پر فرض ہے کہ اپنی ان حرکات شنیعہ سے رب العزۃ کے حضور توبہ کرے اور زید سے اپنے قصور کی معافی چاہے۔ اور اگر واقع میں زید اس کا مستحق تھا مثلاً وہابی یا رافضی یا غیر مقلد یا قادیانی یا نیچری یا چکڑالوی تو عمرو پر کچھ الزام نہیں اس نے بہت اچھا کیا اور ایسا ہی چاہئے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت میں کسی نے ایک شخص کا سلام پہنچایا فرمایا:

لاتقرأہ منی السلام فانی سمعت انہ احدث[2]۔ فاذا کان ھذا فی مبتدع فکیف بالکفار کالاولئك الفجار عجل اللہ بھم النار والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسے میرا اسلام نہ کہنا کہ میں نے سنا ہے اس نے بدمذہبی نکالی ہے۔ (ت) جب ایک بدعتی کا یہ حکم ہے کہ تو پھر کافروں کا کیا حکم ہوگا ان فاجروں بدکاروں کی طرح کہ اللہ تعالٰی جلدی انھیں آگ میں پہنچائے۔ اللہ تعالٰی سب سے بڑا زیادہ غالب اور بہت بڑے بخشنے والے کی پناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۱: از بنارس محلہ کچی باغ مرسلہ مولوی خلیل الرحمٰن ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بوسہ دینا قبر اولیاء کرام اور طواف کرنا گرد قبر کے اور سجدہ کرنا تعظیماً از روئے شرع شریف موافق مذہب حنفی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب (کتاب کے حوالے سے بیان فرماؤ اور روز حساب (روز قیامت) اجر وثواب پاؤ۔ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ طب عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۴۳۷۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۰، المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

[2] جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء فی الرضاء بالقضاء امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۸

الجواب:

بلاشبہ غیر کعبہ معظّمہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے۔اور غیر خدا کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔اور بوسہ قبر میں علماء کو اختلاف ہے۔اور احوط منع ہے۔ خصوصامزارات طیبہ اولیاء کرام کہ ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو یہی ادب ہے پھر تقبیل کیونکر متصور ہے یہ وہ ہے جس کا فتوٰی عوام کو دیا جاتا ہے۔اور تحقیق کا مقام دوسرا ہے۔

لکل مقام مقال ولکل مقال رجال ولکل رجال مجال ولکل مجال مآل نسأل اللہ حسن مآل وعندہ علم بحقیقۃ کل حال۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر جگہ کے لئے ایک مناسب گفتگو ہے اور ہر گفتگو کے لائق کچھ خاص مرد ہیں اور ہر مرد کے لئے کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔اور ہر گنجائش کے لئے ایک انجام ہے لہٰذا ہم اللہ تعالٰی سے اچھا انجام چاہتے ہیں کیونکہ اسی کے پاس ہر حال کا حقیقی علم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈا مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب پانی پتی ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہمارے سنی حنفی علماء کثرھم اللہ تعالٰی وابقاہم الی یوم الجزاء (اللہ تعالٰی انھیں زیادہ کرے اور روز قیامت تک انھیں باقی رکھے۔ت)اس میں کیافرماتے ہیں کہ زید سے خالد نے سوال کیاکہ کسی مقبول بارگاہ رب العزت جل جلالہ کی قبر شریف کے طواف کو بعض علماء حرام بلکہ شرک کہتے ہیں اور بعض جائز فرماتے ہیں پس ان میں صحیح قول کس کا ہے۔زید نے جواب دیاکہ اس زمانہ میں جولوگ اپنے کو حنفی کہتے ہیں ان میں تین فرقے ہیں:

(۱) اسحاقیہ،شاہ اسحاق کا پیرو۔

(۲) اسمعیلیہ، مولوی اسمٰعیل دہلوی کا متبع۔

(۳) سنی حنفی، حضرت مولانا فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا احمد رضاخاں صاحب بریلوی دام ظلہ کا مطیع۔

پس **(۱)** اور **(۲)** کے نزدیک بالاتفاق غیر کعبہ شریف کا طواف مثل سجدہ تحیہ کے ہے لیکن اس کے حکم میں دونوں میں اختلاف ہے پہلے فرقہ کے نزدیک حرام ہے۔اور دوسرے کے نزدیک شرک چنانچہ مائۃ مسائل اور مسائل اربعین اور تقویۃ الایمان دیکھنے والے پر یہ بات ظاہر ہے۔حالانکہ بغیر دلیل قطعی کے یہ حرام اور شرک کہنا خود انھیں کے گھر میں آگ لگانا ہے کہ ان کے بزرگوار شاہ ولی اللہ کو مرتکب حرام اور مشرک بنانا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب انتباہ میں اس کے کرنے کاحکم کیا اور **(۳)** فرقے

اعنی سنی حنفی کے نزدیک مطلقاً مثل تعریف اعنی نقل وقوف عرفات کے ہے۔ چنانچہ محقق بدایونی حضرت مولانا فضل رسول صاحب تغمدہ اللہ تعالٰی بغفرانہ واسکنہ بحبوحۃ جنانہ (اللہ تعالٰی انھیں اپنی بخشش سے ڈھانپ دے اور وسط جنت میں انھیں بسائے۔ت) بوارق محمدیہ میں فرماتے ہیں:

وحق آنست کہ طواف درحکم سجدہ تحیۃ نیست مثل تعریف است متقارب بتقبیل[1] اھ بلفظ الشریف۔	حق یہ ہے کہ طواف سجدہ تعظیمی کے حکم میں نہیں بلکہ) وہ تعریف ف کی طرح (مانند) بوسہ دینے کے قریب ہے یعنی اس کا حکم اس کے قریب ہے شریف الفاظ مکمل ہوگئے۔(ت)

اور تعریف کے باب میں علامہ حلبی نے تو شرح منیہ میں مطلقاً لیس بشیئ مندوب ولا مکروہ[2] (اس میں کوئی کام مستحب اور مکروہ نہیں۔ت) فرما کر آخر بحث میں عطا خراسانی علیہ الرحمۃ کا قول۔

ان استطعت ان تخلو بنفسك عشية عرفة فافعل[3]۔	اگر تو یوم عرفہ پچھلے پہر اپنے آپ کو خلوت گزیں بنا سکتا ہے تو بناڈال۔(ت)

دال برندب نقل کرکے اسی کو معتمد بتایا۔ چنانچہ فرمایا:

وھذا ھو المعتمد واللہ تعالٰی سبحنه اعلم۔[4]	اور یہی قابل اعتماد ہے۔ اور اللہ پاک اور برتر سب سے اچھا جانتا ہے۔(ت)

لیکن قول باقلانی علیہ الرحمۃ:

لواجتمعوا لشرف ذٰلك اليوم لسماع الوعظ بلا وقوف و كشف راس جاز بلا كراھة	اگر لوگ اس دن (یعنی روز عرفہ (۹ ذوالحجہ) اس کی شرافت وبزرگی اور وعظ ونصیحت سننے کے لئے کسی جگہ جمع ہوجائیں بشرطیکہ

[1] البوارق المحمدیہ باب اول در عقائد نجدیہ مطبع سویل ملیٹری اپر فنج ص ۴۶

[2] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۳

[3] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۴

[4] غنیہ المستملی شرح منیہ المصلی فروع خروج الی المصلی سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۷۴

ف: ذوالحجہ کی ۹ تاریخ کو اہل عرفات کے ساتھ مشابہت اختیار کرتے ہوئے اجتماعی صورت میں کسی جگہ کھڑا ہونے کو ائمہ فقہ "تعریف" کا نام دیتے ہیں۔ مترجم۔

اتفاقا [1]۔	وقوف عرفات کی نیت اور سر ننگا نہ ہو بالاتفاق بغیر کراہت جائز ہے۔(ت)

سے جس کا حاصل علامہ شامی نے:

ان المکروہ ھو الخروج مع الوقوف وکشف الراس بلا سبب موجب کاستسقاء اما مجرد لا اجتماع فیہ علی طاعۃ بدون ذلك فلا یکرہ [2]۔	مکروہ یہ ہے کہ وقوف اہل عرفات کے ساتھ تشبہ اور بغیر کسی وجہ سر ننگا کرکے نکلے جیسے استسقاء یعنی بارش کی دعا مانگتے وقت سر برہنہ ہوتے ہیں۔یا کچھ نہ ہو بلکہ صرف طاعت و فرمانبرداری کے لئے اجتماع ہو تو مکروہ نہیں۔(ت)

فرمایا،معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کی دو صورتیں ہیں:

(۱) وہ جو کہ اہل عرفہ کی نیت اور صورت اعنی اور کشف رؤس کے ساتھ ہو۔

(۲) وہ جو کہ ایسی نہ ہو بلکہ کسی اور ہی غرض مثل اس روز کے شرف اور وعظ کے سماع کے لئے اور بغیر وقوف اور کشف رؤس کے ہو۔

اور پہلی بقول صحیح مکروہ تحریمی اور دوسری بالاتفاق بلا کراہت جائز۔پس طواف کی بھی دو صورتیں ہوں گی۔

(۱) وہ جو کہ طائفین بیت اللہ عزوجل کی نیت اور صورت کے ساتھ ہو۔

(۲) وہ جو کہ ایسی نہ ہو بلکہ اور صورت اور کسی اور ہی غرض مثلاً محض افاضہ کے لئے جیسے علی مافی صحیح البخاری حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خرما کے ڈھیر کا طواف فرمایا [3] یا محض استفاضہ کے لئے جیسے کسی ولی کے مزار شریف کا طواف یا محض کسی اور ایسی ہی غرض سے ہو جیسے علی مافی الشفاء للقاضی عیاض علیہ الرحمہ کا حلاق کے سر مبارک کو حلق کرنے کے وقت کسی موئے مبارک کے زمین پر گرنے نہ دینے کی غرض سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کرنا [4]۔

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۶۲

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قولہ تعالٰی اذھمت طائفتان منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۰

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل عادۃ الصحابۃ فی تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۳

اور یہ ظاہر ہے کہ بعض اعمال کی صورت ایک ہوتی ہے لیکن نیت کے اختلاف سے حکم مختلف ہو جاتا ہے جیسے سجدہ تحیت اور سجدہ عبادت کہ صورت دونوں کی ایک ہے مگر حکم مختلف کہ پہلا حرام موجب فسق اور دوسرا شرک پس پہلی صورت تو ہم سنی حنفیوں کے نزدیک بھی بالاتفاق ناجائز ہے۔اور صاحب بحر اور نہر وغیرہما کا عدم جواز کا قول اسی صورت پر محمول ہے اور دوسری صورت میں اختلاف ہے بعض غیر حسن فرماتے ہیں اور بعضے مستحسن کہتے ہیں۔فاضل بدایونی علیہ الرحمۃ بوارق محمدیہ ہی میں فرماتے ہیں:

وکراہت ایں اشیاء مختلف فیہ بین الفقہاء وہمچو امور باعث نکیر و نفریں برمرتکبین ہم نمی تواند شد چہ جائے تکفیر چراکہ بسیارے از اکابر تصریح بجواز آں کردہ اند گو نزد جماعتے رجحان بجانب عدم استحسان است وفقیر ہم بہمیں مسلک سالک است [1] اھ۔	ان چیزوں کی کراہت عندالفقہاء "مختلف فیہ" ہے۔یعنی ایک اختلافی چیز ہے۔اور اس قسم کے امور موجب انکار،اور ارتکاب کرنے والوں پر طعن و تشنیع بھی نہیں ہو سکتے،چہ جائیکہ ان کی تکفیر کی جائے،کیوں؟اس لئے کہ بہت سے اکابر نے اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے۔گو ایک گروہ کا عدم استحسان کی طرف رجحان اور میلان ہے۔اور یہ فقیر بھی اسی مسلک کے مطابق گامزن ہے۔اھ (ت)

مگر ما ثلث تعریف قول باستحسان کی صحت کی مقتضی ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور علاوہ اس کے یہ ہے کہ محبت اور عظمت کی بھری ہوئی آنکھیں وہ دیکھا کرتی ہیں جو ان سے خالی آنکھیں نہیں دیکھتیں اور ان آنکھوں والوں کے واسطے وہ جائز ہوتا ہے۔جو ان آنکھوں والوں کے واسطے نہیں ہوتا کیا اس کو نہیں دیکھا جاتا کہ علی مافی الشفاء حضرت امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس حضور کا اسم شریف لیا جاتا تو ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا اور آپ جھک جاتے۔آپ کے جلساء کو یہ بات ناگوار گزرتی،ایک روز عرض کیا کہ یہ آپ کیا کرتے ہیں۔فرمایا:

لو رأیتم لما انکرتم علی ماترون [2]۔	اگر تم لوگ وہ کچھ دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں تو پھر تم اس کارروائی پر انکار نہ کرتے جو مجھ سے دیکھتے ہو (ت)

اور حضرت ابو محذورہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پیشانی پر کچھ بال تھے اتنے بڑے بڑے کہ جب وہ ان کو بیٹھ کر کھول دیتے تھے تو زمین تک پہنچ جاتے تھے،ان سے کہا گیا:ان کو منڈا کیوں نہیں دیتے؟

---

[1] البوارق المحمدیہ باب اول در عقابہ نجدیہ مطبع سویل ملٹری اپر فتح ص ۴۶

[2] کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واعلم ان حرمۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۶

فرمایا:

لم اکن بالذی احلقها وقد مسها رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بیده [1]۔	میں وہ نہیں ہوں جوان بالوں کو مونڈ ڈالوں کہ جن کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ لگے ہیں۔(ت)

حالانکہ انحناء اور قزع کا حکم اہل علم پر ظاہر ہے اور حضرت کابس بن ربیعہ کی صورت سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صورت کے مشابہ تھی پس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر ہوئی آپ نے ان کو بلایا پس جب وہ ان کے گھر میں داخل ہوئے توحضرت امیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے تخت سے اتر کران سے ملاقات کی اور دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور ایک گاؤں مرغاب نام ان کو دیا یہ سب حضور کی صورت مبارک کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کیا۔

باادب باعظمت انسان دیگراند　　　　بے ادب ہم خشک مغزاں دیگراند

(باادب عظمت وشرف والے انسان اور ہیں۔اور بے ادب خشک مغز رکھنے والے (انسان) اور ہیں۔ت)

پس زید کا یہ جواب صحیح ہے یانہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اقول: وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق (میں کہتاہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ت) طواف لغۃً وعرفاً وشرعاً پھیرے کرنے کو کہتے ہیں عام ازیں کہ دو چیزوں کے درمیان آمد ورفت ہو جس میں ایک پھیرے کے مبدا ومنتہی متغائر ہوں گے یاایک ہی چیز کے گرد جس میں دائرہ کی طرح مبداء ومنتہی ایک ہوگا، دونوں صورتوں کو لغت وعرف عرب نے طواف کہا اور دونوں کو شرع مطہر نے طواف مانا، صورت اولٰی صفا ومروہ کے درمیان سعی۔

قال الله تعالٰی "فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا ومروہ کے درمیان چکر لگائے۔(ت)

اور صورت ثانیہ کعبہ معظّمہ کے گرد پھرنا۔

---

[1] کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامه وتوقیره وبره صلی الله تعالٰی علیه وسلم المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۴۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۸

قال اللہ تعالٰی "وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگوں کو چاہئے کہ اس کے قدیم (آزاد) گھر کا طواف کریں۔ (ت)

حقیقت طواف اس قدر ہے۔ نیت وغایت کا اختلاف حقیقت کی تغییر نہیں کرتا کہ نیت وغایت رکن شے نہیں۔ آخر نہ دیکھا کہ ائمہ کرام نے نیت کو شرط نماز قرار دیا نہ کہ رکن نماز، اور غایت کا خروج تو غایت ظہور میں ہے۔ غرض پھیرے کرنا جہاں اور جس طرح اور جس نیت اور جس غرض سے ہو طواف ہی ہے۔ پھر فعل اختیاری کو تصور بروجہ ما وتصدیق بفائدۃ ما سے چارہ نہیں مگر فعل کبھی غایت اصلیہ تک آپ مؤدی ہوتا ہے کبھی دوسرے فعل مؤدی الی الغایۃ کا وسیلہ اول کو مقصود لذاتہٖ کہتے ہیں جیسے نماز اور دوم کو وسیلہ ومقصود لغیرہ جیسے وضو، طواف میں یہ دونوں صورتیں ہیں مثلا گلگشت یعنی تفریح نفس وشم وروائح طیبہ و چستی بدن وتنسم ہوا کے لئے چمن کی روشوں میں ٹہلنا پھرنا خواہ وہ خطوط مستقیم پر ہو یا مثلا کسی حوض کے گرد مستدیر یہاں طواف مقصود لذاتہٖ ہے یا مثلا کسی شیئ کی تقسیم کو حلقہ یا صفوں پہ دورہ کرنا یہاں مقصود لغیرہٖ ہے۔ پھر طواف کی غایت مقصودہ تعظیم ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے غیر کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے امثلہ مذکورہ بلکہ توہین بلکہ تعذیب کے لئے جیسے ڈرل کہ یہاں آمد وشد کہ طواف ہے مقصود لذاتہٖ ہے اور نار سے حمیم، حمیم سے نار کی طرف کفار کے پھیرے کہ یہ طواف مقصود لغیرہ ہے اور دونوں تعذیب کے لئے ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ دوزخی اس کے یعنی آگ اور گرم اور ابلتے ہوئے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔ (ت)

لاجرم طواف چار ۴ قسم ہے:

قسم اول: نہ طواف مقصود لذاتہٖ ہو نہ اس سے غرض وغایت نفس تعظیم بلکہ طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہو اور اس فعل سے کوئی اور حاجت مقصود جیسے سائلوں کا دروازوں پر گشت، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہمیشہ کاشانہ نبوت کا ایسا طواف فرمایا کرتے، ابوداؤد وابن ماجہ ودارمی ایاس بن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۵۵/ ۴۴

لقد طاف باٰل محمد نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولئك بخیارکم۔[1]	آج کی رات بہت سی عورتوں نے ہماری بارگاہ اقدس کا طواف کیا کہ اپنے شوہروں کی شکایت کرتی تھیں وہ تم میں کے بہتر لوگ نہیں جو عورتوں کو ایذا دیتے ہیں۔

اور صحیح حدیث میں بلی کے نسبت فرمایا:

انہا من الطوافین علیکم والطوافات[2]۔	بیشک وہ ان نرومادہ میں ہے جو بکثرت تم پر طواف کرنے والے ہیں۔

قسم دوم: طواف مقصود لذاتہ ہو اور غایت غیر تعظیم، صحیح بخاری شریف میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے میرے والد عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت قرض اور تھوڑے خرمے چھوڑ کر شہید ہوئے میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی حضور کو معلوم ہے کہ میرے باپ احد میں شہید ہوئے اور بہت قرض چھوڑ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ حضور قدم رنجہ فرمائیں کہ قرضخواہ حضور کو دیکھیں یعنی شاید حضور کے خیال سے اپنے مطالبہ میں کمی کردیں، ارشاد فرمایا: جاؤ ہر قسم کے چھوہاروں کے الگ الگ ڈھیر لگاؤ، پھر تشریف فرما ہوئے۔ قرض خواہوں نے حضور کو دیکھا مجھ سے نہایت سخت تقاضے کرنے لگے کہ اس سے پہلے ایسا کبھی نہ کیا تھا یعنی ان کے خیال کے برعکس ہوا، حضور کے تشریف لے جانے سے قرض خواہ اپنا پلہ بھاری سمجھے کہ حضور ضرور ہمارا پورا حق دلادینگے۔ جب حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ حال ملاحظہ فرمایا فطاف حول اعظمھا بیدرا ثلث مرات ثم جلس علیہ حضور نے ان میں سب میں بڑے ڈھیر کے گرد تین بار طواف فرمایا اور اس پر تشریف رکھی پھر ناپ کرانھیں دینا شروع فرمایا حتی ادی اللہ عن والدی امانتہ وسلم اللہ البیادر کلھا[3] یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے میرے باپ کا سب قرض ادا کردیا اور سب ڈھیر سلامت بچ رہے۔

اسی قسم میں ہے عسس کا گرد شہر گشت کرنا ولہٰذا عسس کو عرب میں طائف کہتے ہیں۔ مفردات راغب میں ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی ضرب النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۲، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب القسمۃ بین النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

[2] جامع الترمذی کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی سؤر الہرۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قولہ تعالٰی اذ ھمت طائفتان منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۰

منه الطائف لمن يدور حول البيوت حافظا [1]۔	اس سے (یعنی لفظ طواف سے) لفظ "طائف" ماخوذ ہے۔اور "طائف وہ ہے جو لوگوں کے گھروں کے آس پاس برائے حفاظت چکر لگاتا ہے۔(ت)

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ کا طواف فرمایا کرتے،ابن عساکر تاریخ میں اسلم مولٰی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ طاف لیلۃ فاذا ھو بامرأۃ فی جوف دارلھا وحولھا صبیان یبکون۔ الحدیث۔یعنی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک رات مدینہ طیبہ کا طواف کررہے تھے دیکھاکہ ایک بی بی اپنے گھر میں بیٹھی ہیں اور ان کے بچے ان کے گرد رو رہے ہیں اور چولھے پر ایک دیگچی چڑھی ہے۔امیر المومنین قریب گئے اور فرمایا اے اللہ کی لونڈی ! یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ انھوں نے عرض کی: یہ بھوکے روتے ہیں۔فرمایا: تو اس دیگچی میں کیا ہے؟ میں نے ان کے بہلانے کو پانی بھر کر چڑھادی ہے کہ وہ سمجھیں اس میں کچھ پک رہا ہے۔اور انتظار میں سوجائیں۔امیر المؤمنین فوراً واپس آئے اور ایک بڑی بوری میں آٹا اور گھی اور چربی اور چھوہارے اور کپڑے اور روپے منہ تک بھرے پھر اپنے غلام اسلم سے فرمایا: یہ میری پیٹھ پر لادو۔اسلم کہتے ہیں میں نے عرض کی: یا امیر المومنین ! میں اٹھاکر لے چلوں گا۔فرمایا: اے اسلم ! بلکہ میں اٹھاؤں گا کہ اس کا سوال تو آخرت میں مجھ سے ہونا ہے پھر اپنی پشت مبارک پر اٹھاکر ان بی بی کے گھر تک لے گئے پھر دیگچی میں آٹا اور چربی اور چھوہارے چڑھاکر اپنے دست مبارک سے پکاتے رہے پھر پکاکر انھیں کھلایا کہ سب کا پیٹ بھر گیا۔پھر باہر صحن میں نکل کر ان بچوں کے سامنے ایسے بیٹھے جیسے جانور بیٹھتا ہے اور میں ہیبت کے سبب بات نہ کرسکا امیر المومنین یوں ہی بیٹھے رہے یہاں تک کہ بچے اس نئی نشست کو دیکھ کر امیر المومنین کے ساتھ کھیلنے اور ہنسنے لگے۔اب امیر المومنین واپس تشریف لائے اور فرمایا: اسلم ! تم نے جانا کہ میں ان کے ساتھ یوں کیوں بیٹھا، میں نے عرض کی: نہ۔ فرمایا: میں نے انھیں روتے دیکھا تھا تو مجھے پسند نہ آیا کہ میں انھیں چھوڑ کر چلا جاؤں جب تک انھیں ہنسانہ لوں جب وہ ہنس لئے تو میرا دل شاد ہوا۔ واخرجہ [2] ایضا الدینوری فی المجالسۃ واحمد بن ابراھیم بن شاذان البزار فی مشیختہ (نیز دینوری نے المجالسۃ میں اور

[1] المفردات فی غرائب القرآن باب الطاء مع الواو کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۱۴

[2] کنز العمال برمز "کر" ابن عساکر وبحوالہ الدینور وابن شاذان حدیث ۳۵۹۷۸ موسستہ الرسالہ بیروت ۲/ ۴۹۔۶۴۸، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ذکر شفقتہ علی رعیتہ رضی اللہ تعالٰی چشتی کتب خانہ فیصل آباد ۲/ ۳۸۵

احمد بن ابراہیم بن ساذان البزار نے مشیخۃ میں اس کی تخریج فرمائی۔ت) امام محب الدین طبری ریاض النضرہ پھر شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفا میں مناقب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں: انہ کان یطوف لیلۃ فی المدینۃ فسمع امراۃ تقول[1] یعنی امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک رات مدینہ طیبہ میں طواف کررہے تھے کہ ایک بی بی کو یوں کہتے سنا فذکر الحدیث (پھر پوری حدیث ذکر فرمائی۔ت)

قسم سوم: طواف وسیلہ مقصو ہو اور غرض وغایت تعظیم جیسے نوکر چاکر غلاموں کا اپنے مخدوم وآقا پر طواف اس کے کام خدمت کو اس کے گھر د پھرنا۔

قال اللہ تعالٰی "طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍؕ"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) تمھارے نوکر غلام تمھارے گرد بکثرت طواف کرنیوالے ہیں تین وقت ترک حجاب کے سوا ہر وقت اذن لینے میں انھیں حرج ہوگا۔

اور اہل جنت کے حق میں فرماتا ہے:

"یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَۙ(۱۷)"[3]	ہمیشہ رہنے والے لڑکے ان کے گرد طواف کریں گے۔

اور فرماتا ہے:

"یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍۭۙ(۴۵)"[4]	ان پر طواف کیا جائے گا پیالوں میں وہ پانی لے کر جو آنکھوں کے سامنے بہتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ"[5]	چاندی کے برتن اور کوزے لے کر ان پر طواف کیا جائے گا۔

اس میں وہ صورت بھی آتی ہے کہ طواف غیر کعبہ کا ہو اور غرض وغایت عبادت الٰہی، صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ذکر شفقتہ علی رعیتہ چشتی کتب خانہ فیصل آباد ص ۳۹۲، ازالۃ الخفاء حکایات گشت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۷۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۵۸

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۳۷/ ۴۵

[5] القرآن الکریم ۷۶/ ۱۵

قال سلیمان لاطوفن اللیلة علی تسعین امرأة وفی روایة بمائة امرأة کلھن تاتی بفارس یجاھد فی سبیل اللہ فطاف علیھن [1] الحدیث۔	سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا قسم ہے آج کی رات میں نوے اور ایک روایت میں سو عورتوں پر طواف کروں گا کہ ہر ایک سے ایک سوار پیدا ہوگا جو اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد کرے۔ پھر انھوں نے ان کا طواف کیا۔

صحیح مسلم شریف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یطوف علی النساء بغسل واحد [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک ہی غسل سے اپنی ازواج مطہرات پر طواف کرتے۔

اشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے:

لیس لنا عبادة شرعت من عھد اٰدم الی الاٰن ثم تستمر فی الجنة الا النکاح والایمان [3]۔	ہمارے لئے کوئی عبادت ایسی نہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے اب تک مشروع ہے پھر ہمیشہ ہمیشہ جنت میں مشروع رہے گی مگر ایمان یعنی یادِ خدا اور نکاح یعنی جماع زوجہ۔

قسم چہارم: طواف بھی مقصود لذاتہ ہو اور غرض وغایت بھی تعظیم یعنی نہ طواف کسی اور فعل کے لئے وسیلہ ہو نہ اس سے سوائے تعظیم کچھ مقصود بلکہ نفس طواف سے محض تعظیم مقصود ہو۔اسی کا نام طواف تعظیمی ہے جیسے طواف کعبہ یا طواف صفا ومروہ۔ پھر اوضاع بدن کہ عبادت میں مقرر کئے گئے ہیں تین نوع ہیں۔

ایک وہ کہ تعظیم میں منحصر ہے۔

اور دوسرے وہ کہ وسیلۃً ومقصوداً دونوں طرح پائے جاتے ہیں اور ان کی غایت تعظیم میں منحصر نہیں مگر بحال قصد تعظیم نوع اول سے قریب ہیں جیسے رکوع تک انحنا کہ بلا تعظیم بھی ہوتا ہے۔بلکہ بقصد توہین بھی جیسے کسی کے مارنے کے لئے اینٹ وغیرہ اٹھانے کو جھکنا،اور تعظیم کے لئے بھی ہوتا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد ۱/ ۳۹۵ کتاب النکاح ۲/ ۷۸۸ وکتاب الایمان والنذور ۲/ ۹۸۲،صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاستثناء فی الیمین وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۹

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب جواز نوم الجنب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۴

[3] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵

مگر نہ خود مقصود بلکہ وسیلہ جیسے علماء وصلحاء کی قدمبوسی وغیرہ خدمات کو جھکنا اور بذاتہٖ مقصود بھی ہوتا ہے جیسے سلام کرنے میں رکوع تک جھکنا۔

تیسرے وہ کہ نوع اول سے بعید ہیں جیسے قیام یا قعود یا رکوع سے کم جھکنا، ظاہر ہے کہ ان میں بھی نوع دوم کی طرح قصد و توسل وغایت مختلفہ کی سب صورتیں پائی جاتی ہیں۔

انواع ثلثہ میں حکم عام تو یہ ہے کہ اگر بہ نیت عبادت غیر ہے تو کچھ بھی ہو مطلقاً شرک وکفر ہے۔ اور بے نیت عبادت ہر گز شرک وکفر نہیں اگرچہ سجدہ ہی ہو جب تک کہ وہ فعل بخصوصہ شعار کفر نہ ہوگیا ہو، جیسے بت یا آفتاب کو سجدہ۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) اور جب عبادت غیر کی نیت سے نہ ہو تو ان میں فرق احکام یہ ہے کہ نوع اول غیر خدا کے لئے مطلقاً ناجائز، اور نوع دوم اس وقت ممنوع ہے جبکہ مقصوداً اسی کو بہ نیت تعظیم بجالایا جائے۔ اور نوع سوم مطلقاً جائز ہے اگرچہ اس سے تعظیم مقصود ہو۔ اختیار شرح مختار وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں حاضری روضہ اقدس کی نسبت فرماتے ہیں: **یقف کما یقف فی الصلٰوۃ**[1] حضور کے روضہ انور میں نماز کی طرح کھڑا ہو، منسک متوسط ومسلک متقسط میں ہے:

(ثم توجہ) ای بقلب والقالب مع رعایۃ غایۃ الادب فقام تجاہ الوجہ الشریف خاضعا خاشعا مع الذلۃ و الانکسار والھیبۃ والافتقار واضعا یمینہ علی شمالہ ای تأدبا فی حال اجلالہ[2]۔	یعنی پھر نہایت ادب کی رعایت کے ساتھ روضہ اقدس کی طرف دل اور بدن دونوں سے منہ کرکے چہرہ انور کے مقابل خضوع وخشوع وذلت وانکسار اور حضوری کی ہیبت اور حضور کی طرف محتاجی کے ساتھ سیدھا ہاتھ بائیں پر حضور کے ادب وتعظیم کے لئے باندھے ہوئے کھڑا ہو۔

صحیح حدیث میں ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم حضور کے سامنے ایسے بیٹھتے **کان علی رؤسھم الطیر**[3] گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں یعنی بے حس وحرکت کہ پرندے لکڑی سمجھ کر سر پر آبیٹھیں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحج خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] المسلک المتقسط فی المنسلک المتوسط مع ارشاد الساری دار الکتب العربی بیروت ص ۳۳۷

[3] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب فضل النفقۃ فی سبیل اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۸

شفاء شریف میں ہے:

کان مالك اذا ذکر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یتغیر لونه وینحنی حتی یصعب ذٰلك علی جلسائه[1]۔	سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک آتا ان کا رنگ بدل جاتا اور جھک جاتے یہاں تک کہ حاضران مجلس کو ان کی وہ حالت دشوار گزرتی۔

حدیقہ ندیہ میں ہے:

الانحناء البالغ حدالرکوع لایفعل لاحد کالسجود و لاباس بما نقص من حدالرکوع لمن یکرم من اھل الاسلام[2]۔	یعنی رکوع کی حد تک جھکنا کسی غیر خدا کے لئے نہ کیا جائے جیسے سجدہ اور دینی عزت والوں کے لئے رکوع سے کم جھکنے میں حرج نہیں۔

جب یہ امور سب معلوم ہولئے تو منجملہ اوضاع تعظیمیہ کہ رب عزوجل نے اپنی عبادات کے لئے مقرر فرمائے دونوں قسم کا طواف بھی ہے مستقیم جیسے صفاومروہ میں خواہ متدیر جیسے گرد کعبہ دونوں عبادت ہیں اور دونوں کو قرآن عظیم میں طواف فرمایا۔ تو ان میں فرق بے معنی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ طواف ان انواع ثلثہ سے کس نوع میں ہے۔ ہر عاقل کے نزدیک بدیہیات سے ہے کہ وہ مثل سجود نوع اول سے نہیں ورنہ سجدہ غیر کی طرح مطلقاً حرام ہوتا حالانکہ اس کی تین قسم اول کا جواز ووقوع ہم قرآن عظیم وحدیث کریم وخود فعل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت کرآئے نہ ہرگز وہ مثل قیام نوع سوم سے ہے ورنہ ہر شخص ومکان معظم کا طواف تعظیمی جائز ہوتا بلکہ وہ مثل رکوع نوع متوسط سے ہے کہ اگر نفس طواف سے تعظیم مقصود ہو تو غیر خدا کے لئے ناجائز بلکہ غیر کعبہ وصفاومروہ کا طواف اگرچہ خالصاً اللہ عزوجل ہی کی تعظیم کو کیا جائے، ممنوع وبدعت ہے کہ نفس طواف سے تعظیم امر تعبدی اور امر تعبدی میں قیاس تک جائز نہیں۔ نہ کہ احداث کہ تشریع جدید ہے۔ منسک متوسط میں ہے:

ولایمس عند الزیارة الجدار ولایلتصق به ولا یطوف ولایقبل الارض فانه	زیارت روضہ اقدس کے وقت دیواروں کو ہاتھ نہ لگائے اور نہ ان سے چمٹے اور نہ ان کے آس پاس طواف کرے (یعنی چکر لگائے) اور نہ جُھکے

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی عادۃ الصحابہ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳

[2] الحدیقہ الندیہ الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

بدعة[1]۔	اور نہ زمین چومے، کیونکہ یہ کام بدعت ہے۔(ت)

مسلک متقسط میں ہے:

لایطوف ای لایدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء[2]۔	اور متبرک مقام کا طواف نہ کرے یعنی اس کے گرداگرد نہ گھومے،اس لئے کہ طواف کرنا کعبہ معظّمہ کی خصوصیات سے ہے۔لہٰذا انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں کے آس پاس گھومنا(طواف کرنا)حرام ہے۔(ت)

اور اگر غرض وغایت تعظیم نہ ہو اگرچہ طواف مقصد لذاتہ ہو جیسے قسم دوم میں۔یا طواف مقصود لذاتہ نہ ہو اگرچہ غرض تعظیم ہو جیسے قسم سوم میں،تو بلاشبہ جائز ہے۔اور اگر دونوں سے خالی طواف ہو جیسے قسم اول میں تو یہ بدرجہ اولیٰ۔یہ بحمداللہ تحقیق ناصح ہے۔جس سے حق متجاوز نہیں۔وللہ الحمد طواف قبر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں ہوسکتا اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود بالذات ہے اور اس سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلاشبہہ حرام ہے۔اور اگر طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہے مگر مکان مزار کے گرد قلعی کرنا یا فانوس کہ اس کے اطراف میں نصب ہیں ان کی روشنی کے لئے دورہ کرنا یا مساکین کہ گرد مزار بیٹھے ہیں ان پر کچھ تقسیم کے لئے پھیرا کرنا،یہ بلاشبہہ جائز ہے۔یونہی اگر طواف مقصود بالذات ہو مگر اس سے غرض وغایت تعظیم مزار نہ ہو بلکہ مثلاً محض تبرک واستفادہ ہو تو اس کے منع پر بھی شرع سے کوئی دلیل نہیں۔مزار انور حضور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو ثابت ہے کہ روزانہ صبح کو ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مزار اطہر کے گرد حلقہ باندھے صلٰوۃ وسلام عرض کرتے شام کو وہ بدل دئے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور آتے ہیں کہ صبح تک ماہ رسالت پر ہالہ ہو کر عرض صلٰوۃ وسلام کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است(ہر پھول کا ایک نیا رنگ اور جداگانہ خوشبو ہے۔ت)محبوبان خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضہ برکات میں ان کے احوال مختلف اور مفیض مستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے جو اسے معلوم نہیں کہ ان میں کس کے ساتھ حاصل ہے لہٰذا یہ دریوزہ گر محتاج روضہ اطہر کے گرد دورہ کرتا ہے اس امید پر کہ ان بندگان معصومین پر فرداً فرداً گزرے اور ان میں سے جس کسی کی نظر اس پر پڑ جائے اس کا کام بنادے،علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدی شیخ الشیوخ شہاب الملۃ والحق والدین سہروردی قدسنا اللہ الکریم ایام منٰی

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دار الکتب العربی بیروت ص ۳۴۲

میں مسجد خیف شریف میں صفوں پر دروہ فرماتے ہیں۔ کسی نے وجہ پوچھی، فرمایا:

ان للہ عبادا اذا نظروا الی احد اکسبوہ سعادۃ الابد [1]۔	اللہ کے کچھ بندے ہیں کہ جب ان کی نگاہ کسی پر پڑجاتی ہے اسے ہمیشہ کی سعادت عطا فرماتی ہے میں اس نگاہ کی تلاش میں دورہ کرتا ہوں۔

تو یہ تعرض نفحات رحمۃ اللہ ہوا جس کا خود حدیث میں حکم ہے۔اولیائے کرام وارثان سرکار رسالت ہیں ممکن کہ ملائکہ انکے مزارات کے گرد بھی ہوں اور ایسے امور میں علم درکار نہیں۔ تعرض نفحات کی شان ہی یہ ہے کہ شاید ولعل پر ہو۔معہذامزارات اولیائے کرام ہر جانب سے ممر اقدام صلحائے عظام ہوتے ہیں، سید نا عیسٰی علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی گئ کہ حضور ایک جگہ قیام کیوں نہیں فرماتے، شہروں شہروں جنگلوں جنگلوں دورے کیوں فرماتے ہیں؟ فرمایا: "اس امید پر کہ کسی بندہ خدا کے نشان قدم پر قدم پڑ جائے تو میری نجات ہوجائے "جب نبی اللہ ورسول اللہ کہ خمسہ اولوالعزم میں ہیں کہ صلوات اللہ وسلام علیہم،ان کا یہ ارشاد تو اضع ہے تو ہم سخت محتاج ہیں علاوہ بریں یہاں تک نکتہ دقیقہ اور ہے۔ "وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۳۵ " [2] (اس کو بڑی قسمت اور مقتدر والے ہی پاسکتے ہیں۔ت) شریعت مطہرہ نے انسان کے سر سے پاؤں تک جمیع جہات میں جدا جدا احکام رکھے ہیں،چہرہ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ دہنے ہاتھ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ وعلی ہذا القیاس اور احکام مختلفہ کے ثواب بھی مختلف رنگ کے ہیں۔یونہی سر سے پاوں تک جملہ جوارح میں معاصی جدا جدا ہیں۔اور ہر معصیت ایک جداگانہ رنگ کا مرض ہے۔اور ہر مرض کاعلاج اس کی ضد سے ہے۔تو یہ مریض معاصی اس سراپا مجموعہ برکات کے گرد دورہ کرتا ہے کہ اس کے ہر عضو وہر جہت کی رنگ برنگ برکات سے فیض اور اپنے ہر عضو وہر جہت کا مرض دور کرے،امام مبرد کامل میں پھر امام علامہ عارف باللہ کمال الدین دمیری پھر سیدی علامہ محمد بن عبداللہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

مما کفر بہ الفقہاء الحجاج انہ رأی الناس یطفون حول حجرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	یعنی حجاج نے مسلمانوں کو دیکھ کر روضہ انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کررہے ہیں اس طواف سے اس نے ایک

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

نہایت ملعون لفظ کہا جس پر فقہاء کرام نے اس کی تکفیر کی۔	وسلم فقال انما یطوفون باعواد ورمة [1]۔

وہ زمانہ بکثرت صحابہ کرام کی رونق افروز کا تھا خصوصا مدینہ طیبہ میں تو یہ طواف کرنے والے حضرات اگر صحابہ کرام نہ تھے لا اقل تابعین تھے۔ عارف باللہ حضرت مولوی قدس اللہ سرہ المعنوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

(۱) سوئے مکہ شیخ امت بایزید — از برائے حج وعمرہ می روید

(۲) دید پیرے باقدے ہمچوں ہلال — بود دروے فرد گفتاری رجال۔

(۳) بایزید او راچو از اقطاب یافت — مسکنت بنمود ودر خدمت شتافت

(۴) گفت عزم تو کجاے بایزید — رخت غربت راکجا خواہی کشید

(۵) گفت قصہ کعبہ دارم ازولہ — گفت ہین باخود چہ داری زادرہ

(۶) گفت دارم از درم نقرہ ویست نک بہ — بستد سخت برگوشہ رویست

(۷) گفت طوفے کن بہ گردم ہفت بار — دین نکوتر از طواف حج شمار

(۸) حق آں حقے کہ جانت دیدہ است — کہ مرا بربیت خود بگزیدہ است

(۹) کعبہ ہر چندے کہ خانہ براوست — خلقت من نیز خانہ سراوست

(۱۰) تابکرد آں خانہ رادروے نہ رفت — واندریں خانہ بجز آں حی نرفت

(۱۱) چوں مرادیدی خدا رادیدہ — گرد کعبہ صدق بر گردیدہ

(۱۲) خدمت من طاعت حمد خداست — تانہ پنداری کہ حق از من جداست

(۱۳) چشم نیکوں باز کن در من نگر — تا بہ بینی نور حق اندر بشر

(۱۴) کعبہ رایکبار بیتے گفت یار — گفت یا عبدی مرا ہفتاد بار

(۱۵) بایزیدا کعبہ را دریافتی — صد بہاء وعزیز وصد فریافتی

(۱۶) بایزید آں نکتہا راہوش داشت — ہمچو زریں حلقہ اش در گوش داشت

(۱۷) آمد از وے بایزید اندر مزید — منتہی در منتہی آخر رسید [2]

---

[1] الشرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ

[2] مثنوی معنوی دفتر دوم باب رفتن بایزید بسطامی بہ کعبہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۴۔ ۵۵

(ترجمہ اشعار:

(۱) لوگوں کے پیشوا حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ تعالٰی مکہ معظّمہ کی جانب حج اور عمرہ کے ارادے سے تیز چلے۔

(۲) (راہ میں) نئے چاند کی طرح ایک کُبڑا بزرگ دیکھا اس میں شان وشوکت (دبدبہ) اور مردوں جیسی گفتگو پائی۔

(۳) جب حضرت بایزید نے اسے اقطاب زمانہ میں سے پایا تو عجز وانکساری کا اظہار کرکے اس کی خدمت کے لئے دوڑ دھوپ کرنے لگے۔

(۴) اس نے فرمایا: اے بایزید! کہاں جانے کا ارادہ ہے تونے کہاں جانے کے لئے سامان سفر اختیار کیا ہے۔

(۵) حضرت بایزید نے انھیں جواب دیا کہ آج بڑے شوق سے کعبہ شریف کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ پھر فرمایا وہاں تو اپنے ساتھ کیا زادراہ رکھتا ہے۔

(۶) عرض کی: میں چاندی کے دوسو درھم اپنے پاس رکھتا ہوں، میں نے اپنی چادر کے ایک کونے میں انھیں مضبوط باندھ رکھا ہے۔

(۷) انھوں نے فرمایا: تو سات مرتبہ میرے گردا گرد طواف کر (یعنی چکر لگا) اور پھر طواف حج سے اسے زیادہ بہتر شمار کر۔

(۸) درحقیقت وہ حق ہے جو تیری جان نے دیکھا ہے کہ اس نے مجھے اپنے گھر پر فضیلت اور فوقیت بخشی ہے۔

(۹) اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ کعبہ شریف اس کی بھلائیوں کا گھر (مرکز) ہے لیکن میری تخلیق تو اس کے اندرون خانہ سے ہوئی ہے۔

(۱۰) جب وہ گھر بنایا تو اس کا چکر نہ لگایا، اور اس گھر میں بغیر اس زندہ جاوید کے کوئی دوسرا نہیں آیا۔

(۱۱) جب تونے مجھے دیکھا تو اللہ تعالٰی کو دیکھا، گویا تونے سچائی کے کعبہ کے آس پاس پھیرے لگائے۔

(۱۲) میری خدمت کرنا دراصل اللہ تعالٰی کی اطاعت اور تعریف ہے۔ لہٰذا یہ نہ سمجھنا کہ حق مجھ سے جدا ہے۔

(۱۳) اچھی طرح آنکھ کھول کر مجھے دیکھ تاکہ تو انسانی لباس میں نور حق دیکھے۔
(۱۴) کعبہ شریف کو ایک دفعہ یار نے اپنا گھر فرمایا لیکن اس نے ستر مرتبہ مجھے "اے میرے بندے" کہہ کر بلایا۔
(۱۵) اے بایزید! اگر تو نے کعبہ شریف کو پالیا تو یوں سمجھ لیجئے کہ تو نے سیکڑوں عزت و شوکت اور مرتبے کو پالیا۔
(۱۶) جب وہ باریک باتیں حضرت بایزید کے عقل وہوش میں بیٹھ گئیں تو گویا انھوں نے سنہری بالی اپنے کان میں ڈال لی۔
(۱۷) ان کی زیارت سے حضرت بایزید میں معرفت کا اضافہ ہوگیا اور سلوک میں انتہائی طالب اپنے مدعا کی انتہا کو پہنچ گیا)

جناب شاہ ولی اللہ صاحب انتباہ میں فی سلاسل اولیاء اللہ میں فرماتے ہیں اپنا خلف ناخلف اسمٰعیل دہلوی کی جان پر قہر کی بجلیاں توڑنے کو فرماتے ہیں:

چوں بمقبرہ در آید دوگانہ بروح آں بزرگوار ادا کند بعدہ قبلہ راپشت دادہ بنشیند بعد قل گوید پس فاتحہ بخواند بعدہ ہفت کرت طواف کند وآغاز از راست بکند بعدہ طرف پایان رخسارہ نہد وبیاید نزدیک روئے میت بہ نشیند وبگوید یارب بست ویک بار بعد طرف آسماں بگوید یاروح ودردل ضرب کند یاروح الروح مادام کہ انشراح یابد ایں ذکر بکند ان شاء اللہ تعالٰی کشف قبور وکشف ارواح حاصل آید[1]۔	پھر جب مقبرہ کے پاس آئے تو دو رکعت نوافل اس بزرگ کی روح اقدس کے ایصال ثواب کے لئے ادا کرے۔ اور کعبہ شریف کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھ جائے، پھر سورۃ اخلاص پڑھے پھر فاتحہ پڑھے پھر سات چکر (طواف) بزرگ کے مزار کے گرداگرد لگائے، دائیں طرف سے شروع کرے، پھر بائیں طرف اپنا رخسار رکھے اور میت کے منہ کے نزدیک ہوکر پھر منہ کے نزدیک ہوکر بیٹھے پھر اکیس مرتبہ یارب کا ورد کرے پھر آسمان کی طرف منہ کرکے "یاروح" پڑھے اور اپنے دل پر "یاروح الروح" کی ضرب لگائے جب تک انشراح نہ ہو یہ ذکر کرتا رہے ان شاء اللہ تعالٰی کشف قبور اور کشف ارواح یہ دونوں حاصل ہوجائیں گے۔ (ت)

تحفۃ الموحدین شاہ صاحب کی کتاب نہیں بہت قریب زمانہ میں کسی وہابی صاحب نے شاہ صاحب

[1] الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ذکر برائے کشف قبور آرمی برقی پریس دہلی ص ۱۰۰۔۹۹

کی تصانیف مشہورہ کے رد کو کچھ الٹی سیدھی تکیں جوڑ کر وہابیوں کے ادعائی نام موحد کی طرف اسے نسبت کرکے تحفۃ الموحدین نام رکھا اور بکمال بے ایمانی شاہ صاحب کی طرف منسوب کردیا، بے حیا گمراہ لوگ ایسی اکثر کرچکے ہیں جس کا بیان شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ کی تحفہ اثنا عشرہ وغیرہ میں ہے۔ کہ ابھی قریب زمانہ میں بمبئی میں ایک عربی کتاب بنام عقائد امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ چھپی ہے۔ اس میں بھی یہی کارروائی ہے کم کوئی شیطانی عقیدہ چھوڑا ہوگا جسے اس امام الاسلام سیف السنہ کی طرف نسبت نہ کیا ہو "وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿۲۲۷﴾"[1] (بہت جلد ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) بالجملہ اگر طواف مقصود بالذات نہیں جب تو جواز ظاہر ہے اور اگر مقصود بالذات ہے تو صرف فرق نیات ہے اگر بہ نیت تعظیم قبر ہے تو بلاشبہہ حرام ہے اور تبرک واستفاضہ وغیرہما نیات محمودہ سے ہے تو فی نفسہ اس میں حرج نہیں اور یہ ٹھہرالینا کہ اس میں مسلمان کی نیت طواف سے تعظیم قبر ہے قلب پر حکم ہے اور یہ غیب کا ادعا اور محض حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿۳۶﴾ [2] "وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افلا شققت عن قلبہ حتی تعلم [3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں علم نہیں یقیناً کان، آنکھ اور دل ان سب سے پوچھا جائے گا۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کیا تو نے اس کے دل کو چیر کر دیکھا کہ تجھے معلوم ہوجاتا۔ (ت)

یہ بدگمانی ہے اور مسلمان پر بدگمانی حرام۔

قال اللہ تعالٰی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" [4] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [5]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:) اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) بدگمانی سے بچو کیونکہ گمان کرنا سب سے جھوٹی بات ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب علی مایقاتل المشرکون آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۵۵

[4] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[5] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول عزوجل من بعد وصیۃ یوصی بہا اودین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

ائمہ دین فرماتے ہیں:

الظن الخبیث انما ینشؤ عن قلب الخبیث [1]۔	خبیث گمان خبیث دل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔(ت)

مگر حضرات وہابیہ سے کیا شکایت کہ وہ حضرت مولوی اور حضرت سید العارفین بایزید بسطامی اور ان غوث گرامی سب کو جیسا دل میں جانتے ہیں معلوم وہ توان تابعین پر بھی حکم شرک ہی لگائیں گے جنھوں نے روضہ انور کا طواف کیا، مگر شاہ ولی اللہ صاحب کا معاملہ ذرا ٹیڑھی کھیر ہے۔ ع

پتھر کے تلے دبا ہے دامن

شاہ صاحب یہاں محض سکوت نہیں کررہے ہیں بلکہ مریدین ومستفیدین کو تعلیم فرمارہے ہیں اور اگراسے بھی اوڑھ لیجئے کہ اس وقت شاہ صاحب کو تعلیم حرام ہی کا کچھ ذوق تھا تو ذرا تقویۃ الایمان کی گولی بچاتے ہوئے کہ نرا حرام ہی نہیں بلکہ شرک سکھارہے ہیں اور اس پر بڑی بشاشت سے فرمارہے ہیں کہ یوں کروتوان شاء اللہ تعالٰی یہ حاصل ہوجائے گا، عاقل تو جانتا ہے کہ کسی مکروہ وناگوار بات پر بھی ایسا نہیں کہا جاتانہ کہ شرک وکفر، دھرم سے کہنا اگر دھرم رکھاتے ہو کہ کیا شاہ صاحب یہ لکھ سکتے تھے کہ اے مریدو عزیزو! روز صبح کو مندر میں جاکر سات دفعہ مہادیو جی ڈنڈوت کروتوان شاء اللہ تعالٰی تین تلوک کھل جائیں گے۔ تقویۃ الایمان کے حکم پر شاہ صاحب کے اس کلام اور اس قول کے حکم میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ ہاں یہ امر ضرور قابل لحاظ ہے کہ یہاں نیت جائز ونیت حرام ایسی متقارب ہیں جیسے آنکھ کی سیاہی سے سپیدی تو عوام کے لئے اس میں ہرگز خیر نہیں اور خواص میں سے جو ایسا کرنا چاہے ہرگز عوام کے سامنے نہ کرے۔ ہر سخن وقتے وہر نکتہ مقامے وارد (ہر بات کا وقت ہے اور ہر نکتے کا محل ہے۔ت) یہ بحمداللہ تعالٰی تحقیق حکم ہے اور احتراز واحتیاط ہر طرح اسلم ہے۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔ (اور اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصول توفیق ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۵۳و۱۵۴: مسئولہ سید محمد میاں ۱۷ شوال المکرم ۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا صاحب معظم مکرم دامت برکاتہم العالیہ پس از تسلیم مع التعظیم والتکریم معروض کل جو فتوٰی جناب سے لایا تھا اس کے متعلق بعض امور دریافت طلب رہے:

(۱) جناب فرماتے ہیں کہ نفس طواف سے تعظیم امر تعبدی ہے۔ امر تعبدی سے یہاں کیا مراد ہے اور پھر اس تعظیم سے امر تعبدی ہونے کا کیا ثبوت ہے۔؟

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

(۲) تعظیم سے مراد مطلق تعظیم ہے تو تعظیم قبر کے تعبدی ہونے کا ثبوت درکار ہے اور تعظیم الٰہی مراد ہے تو اس کے تعبدی ہونے سے تعظیم قبر کے لئے طواف کیسے ممنوع وبدعت ٹھہرے گا۔امید کہ جواب باصواب سے ممتاز فرمائیں۔والتسلیم مع التکریم زیادہ ادب۔

الجواب:

حضرت والا! آداب۔ میرے اس بیان میں دو دعوے ہیں: ایک یہ کہ طواف تعظیمی غیر خدا کے لئے حرام ہے۔دوسرے یہ کہ حضرت عزت کے لئے بھی اگر کعبہ معظّمہ وصفاو مروہ کے سوا کوئی اور طواف مقرر کیا تو ناجائز ہے۔اول کا ثبوت عبارات منسک ومسلک میں اور دوم کا یہ بیان کہ تعظیم الٰہی کا بطواف امکنہ امر تعبدی غیر معقول المعنی ہے جس کی تصریح ائمہ نے فرمائی ہے کہ افعال حج تعبدی ہیں۔امید کرتا ہوں کہ اس گزراش سے دونوں سوالوں کا حل ہوگیا۔فقط۔

مسئلہ ۱۵۵: مسئولہ محمد میاں قادری از مارہرہ ۲۰ شوال ۱۳۳۶ھ

حضرت مولانا المعظم المکرم دامت برکاتم العالیہ پس از سلام مسنونہ معروض دربارہ مسئلہ طواف تعظیمی قبر میں بعض اہل لاہور کہتے ہیں کہ جب تعظیم قبر ایک امر جائز کم از کم ہے تو وہ ہیئت اور صورت کے لحاظ سے اپنے اطلاق پر رہنا چاہئے جب تک کہ شرع سے کسی خاص میں کوئی تقیید نہ آئے اور صورت طواف میں بھی مسلک ومنسک کے مصنفین کے منع کرنے کو وہ کافی نہیں سمجھتے اس کی کفایت یا اور کافی سند مذہب کی زیادت کی ضرورت ہے جناب ارشاد فرمائیں۔ فقیر محمد میاں قادری

الجواب:

حضرت والا التسلیم، یا کتاب نامعتمد ہو یا اسے معتمد تر کتب میں اس کا خلاف مصرح ہو ورنہ کتب امام محمد یا مسندات کے سوا تمام متون وشروح وفتاوٰی ردی ہوجائیں گے۔منسک ومسلک ضرور کتب معتمدہ ہیں اور ان کے مصنفین اپنا اجتہاد نہیں لکھتے،بلکہ مذہب کتب مذہب میں اس کا خلاف کس کس نے کیا،اور نہیں تو وجہ رد کیا ہے۔فقط۔

مسئلہ ۱۵۶: مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب از بنارس محلّہ پتراکنڈہ تالاب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ہمارے سنی حنفی علماء کثرھم اللہ تعالٰی وابقاھم الی یوم الجزاء (اللہ تعالٰی انھیں زیادہ کرے اور قیامت کے دن تک انھیں باقی رکھے۔ت) اس میں کیا فرماتے ہیں کہ خالد نے زید سے سوال کیا کہ کسی ولی کی قبر شریف کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ زید نے جواب دیا اس میں علماء کا اختلاف ہے۔بعضے ناجائز فرماتے ہیں بعضے جائز کہتے ہیں لیکن جواز ان کا قولا وفعلا بہت سے اکابر سے منقول ہے ___

مطالب المومنین میں ہے کہ بسند جید وارد ہے۔ کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ جب شام سے مزار اقدس کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے تو روتے تھے اور اپنے چہرہ مبارک کو لٹاتے اعنی مزار قدس سے ملتے تھے۔ اور مسند امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ میں ہے کہ ایک روز مروان نے ایک شخص کو مزار اقدس پر منہ رکھے ہوئے دیکھا تو کہا کہ اے شخص، تو جانتا ہے کہ کیا کرتا ہے۔ تو پھر نزدیک آکر دیکھا تو ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔

خلاصۃ الوفا میں ہے کہ حضرت امام بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص تبرکا منبر شریف کو بوسہ دے اور ہاتھ لگائے مزار اقدس کے ساتھ بھی ثواب کی امید پر ایساہی کرے تو فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

لا بأس بتقبیل قبر والدیہ [1]۔	اپنے والدین کے قبر کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (ت)

اور عینی شرح بخاری میں ہے:

ان تقبیل الاماکن الشریفۃ علی قصد التبرک وکذلك تقبیل ایدی الصالحین وارجلھم فھو حسن محمود باعتبار القصد والنیۃ [2]۔	شریف مقامات کو چومنا بشرطیکہ تبرک کے ارادے سے ہو اور اسی طرح نیک لوگوں کے ہاتھ پاؤں چومنا اچھا اور قابل تعریف کام ہے بشرطیکہ اچھے ارادے اور نیت سے ہو۔ (ت)

اور شاہ عبدالعزیز صاحب کا اپنے باپ دادا کی قبروں کو بوسہ دینا بوارق محمدیہ میں منقول ہے۔

باقی رہا عدم جواز سو بعضے اس کی علت اس کا عادت نصاری سے ہونا بتاتے ہیں اور بعضے اس کا مسنون ہونا فرماتے ہیں، سو پہلی بات میں تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ شرعی ہے جب ہمارے اور غیر کے درمیان کسی امر میں کچھ فرق ہوگیا تو حکم تشبہ باطل ہوتا ہے۔ تنہا عاشورے کے روز نیز روز شنبہ کے روزے کا مکروہ ہونا اور نویں یا گیارھویں اور جمعہ یا یکشنبہ کا ملا دینے سے بلاکراہت جائز ہونا اسی طرح اہل مصیبت کے لوگوں کی تعزیت کے لئے آنے کی غرض سے گھر کے دروازے پر بیٹھنے کا مکروہ ہونا اور گھر کے اندر بیٹھنے کا بلاکراہت

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب ماذکر فی الحجر الاسود ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۹/ ۲۴۱

جائز ہونا کتب فقہ میں مصرح ہے پس کسی ولی کے مزار شریف کو صرف بوسہ دے کے چلا آنا بعجلت مذکورہ مکروہ ہوگا اور جب سلام بھی عرض کیا اور بوسہ بھی دیا اور آنکھوں سے بھی لگایا اور فاتحہ بھی پڑھی تو بلا کراہت جائز ہوگا، اور دوسری بات میں یہ کہ کسی امر کے غیر مسنون ہونے کو اس کا حرام یا مکروہ ہونا لازم نہیں۔ دیکھئے مثلاً نماز کی نیت کے ساتھ تلفظ باجودیکہ علی ماقال الشرنبلالی فی حاشیۃ علی الدرر الغرر ورنہ حضور سے نہ صحابہ کرام سے نہ تابعین سے نہ ائمہ اربعہ سے کسی سے منقول نہیں مگر فقہاء اس کو مستحب فرماتے ہیں پس زید کا یہ جواب صحیح ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

فی الواقع بوسہ قبر میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ وہ ایک امر ہے دو چیزوں داعی ومانع کے درمیان دائر، داعی محبت ہے اور مانع ادب، تو جسے غلبہ محبت ہو اس سے مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے اور عوام کے لئے منع ہی احوط ہے۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزار کا بر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو پھر تقبیل کی کیا سبیل۔ عالم مدینہ علامہ سید نور الدین سمہودی قدس اللہ سرہ خلاصۃ الوفا شریف میں جدار مزار انور کے لمس وتقبیل وطواف سے ممانعت کے اقوال نقل کرکے فرماتے ہیں:

وکتاب العلل والسؤالات لعبداللّٰہ بن احمد بن حنبل سألت ابی عن الرجل یمس منبر رسول اللّٰہ صلی تعالٰی علیہ وسلم ویتبرک بمسہ ویقبلہ ویفعل بالقبر مثل ذٰلک رجاء ثواب اللّٰہ تعالٰی فقال لاباس بہ[1]۔

یعنی احمد بن حنبل کے صاحبزادے فرماتے ہیں میں نے باپ سے پوچھا کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر کو چھوئے اور بوسہ دے اور ثواب الٰہی کی امید پر ایسا ہی قبر شریف کے ساتھ کرے۔ فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

امام اجل تقی الملۃ والدین علی ابن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی شفاء السقام پھر سید نور الدین خلاصۃ الوفاء میں بروایۃ یحیٰی بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی نباتۃ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حنطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا مزار اعطر سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے لپٹے ہوئے ہیں قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ تم کیا کررہے ہیں انھوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا: **نعم اِنّی لم اٰت الحجر انما جئت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ**

---

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۴

تعالٰی علیہ وسلم ہاں میں پتھر کے پاس نہ آیا میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوا ہوں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لاتبکوا علی الدین اذا ولیہ اھلہ ولکن ابکوا علی الدین اذا ولیہ غیر اھلہ[1]۔ دین پر نہ روجب اس کا والی اس کا اہل ہو ہاں دین پر روجب نااہل اس کا والی ہو۔ سید قدس سرہ فرماتے ہیں: رواہ احمد بسند حسن امام احمد نے یہ حدیث بسند حسن روایت فرمائی۔ نیز فرماتے ہیں:

روی ابن عساکر بسند جید عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ان بلالا رای فی منامہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یقول لہ ماھذہ الجفوۃ یا بلال اما ان لک ان تزورنی فانتبہ حزینا خائفا فرکب راحلتہ وقصد المدینۃ فاتی قبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فجعل یبکی عندہ ویمرغ وجھہ علیہ[2]۔	یعنی ابن عساکر نے بسند صحیح ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ شام کو چلے گئے تھے ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہ آیا کہ تو ہماری زیارت کو حاضر ہو، بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ غمگین اور ڈرتے ہوئے جاگے اور بقصد زیارت اقدس سوار ہوئے، مزار پر انوار پر حاضر ہو کر رونا شروع کیا اور اپنا منہ قبر شریف پر ملتے تھے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

لیس الاعتماد فی السفر للزیارۃ علی مجرد منامہ بل علی فعلہ ذٰلک والصحابۃ متوفرون ولم تخف علیھم القصۃ[3]۔	یعنی زیارت اقدس کے لئے شدالرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بکثرت موجود تھے اور انھیں معلوم ہوا کسی نے اس پر انکار نہ فرمایا۔

عالم مدینہ فرماتے ہیں:

[1] شفاء السقام ابواب السابع الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۵۲، وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۹

[2] وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۶

[3] وفاء الوفاء الباب الثامن الفصل الثانی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵۷

ذکر الخطیب بن حملة ان بلالا رضی اللہ تعالٰی عنه وضع خدیه علی القبر الشریف وان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما کان یضع یده الیمین علیه ثم قال ولا شك ان الاستغراق فی المحبة یحمل علی الاذن فی ذٰلك والقصد به التعظیم والناس تختلف مراتبهم کما فی الحیوة فمنهم من لایملك نفسه بل یبادر الیه ومنهم من فیه اناة فیتاخر [1] اھ ملخصا۔ونقل عن ابن الصیف والمحب الطبری جواز تقبیل قبور الصالحین وعن اسمٰعیل التیمی قال کان ابن المنکدر یصیبه الصمات فکان یقوم فیضع خده علی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعوتب فی ذٰلك فقال استشفیت بقبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [2]۔	یعنی خطیب بن حملہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنا داہنا ہاتھ اس پر رکھتے پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں جیسے زندگی میں تو کوئی بے اختیارانہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے۔اور ابن الصیف اور امام محب الطبری سے نقل کیا کہ مزارات اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے۔اور اسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام دشوار ہو جاتا تو وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسارہ قبر انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر رکھتے، کسی نے اس پر اعتراض کیا، فرمایا: میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں،

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں:

تمریغ الوجه والخد واللحیة بتراب الحضرة الشریفة واعتابها فی زمن الخلوة المأمون فیها توهم عامی محذورا شرعیا بسببه امر محبوب حسن لطلابها وامر لابأس به فیما یظهر لکن لمن کان له فی ذٰلك قصد صالح	یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی طرف جائیگا ایسے وقت بارگاہ اقدس کی مٹی اور آستانے پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب و مستحسن ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں مگر اس کے لئے جس کی نیت اچھی ہو اور افراط شوق اور غلبہ محبت

[1] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۵

[2] وفاء الوفاء الفصل الرابع باب مایلزم الزائر من الادب دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۴۰۶

وحملہ علیہ فرط الشوق والحب الطافح[1] ۔	اسے اس پر باعث ہو۔

پھر فرماتے ہیں:

الا انی اتحفك بامر یلوح لك منه المعنی بان الشیخ الامام السبکی وضع خدوجهه علی بساط دارالحدیث التی مسها القدم النووی یسأل برکة قدمه وینوه بمزید عظمة کما اشار الی ذٰلك بقوله وفی دارالحدیث لطیف معنی* الی بسط له اصبو وٰاوی* لعلی ان انال بحر وجهی *مکان مسه قدم النواوی* وبان شیخنا تاج العارفین امام السنة خاتم المجتهدین کان یمرغ وجهه ولحیته علی عتبة البیت الحرام بحجر اسمعیل[2] ۔	یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہوجائیں وہ یہ کہ امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی دارالحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس سرہ العزیز قدم رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لینے اور ان کی زیادت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ دارالحدیث میں ایک لطیف معنی ہے جس کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھوا تھا اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنت خاتمہ المجتہدین آستانہ بیت الحرام میں حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔

بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب ہو جبکہ اکابر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی سے ثابت ہے تو اس پر شورش کی کوئی وجہ نہیں اگرچہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

المسألة متی امکن تخریجها علی قول من الاقوال فی مذهبنا اومذهب غیرنا فلیست بمنکر یجب انکارہ والنهی عنه وانما المنکر ماوقع الاجماع	جب کسی مسئلے کی ہمارے مذہب کے اقوال میں سے کسی قول پر یا کسی دوسرے مذہب پر تخریج ممکن ہو تو ایسا مسئلہ قابل انکار نہیں ہوتا کہ جس کا انکار واجب ہو اور اس سے منع کیا جائے قابل انکار

[1] حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل

[2]

علی حرمتہ والنھی عنہ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ مسئلہ ہوتا ہے کہ جس کی حرمت پر اہل عالم کا اتفاق ہو اور اس سے منع کیا گیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۷: مرسلہ جناب محمد زاہد بخش صاحب از ملک بنگالہ ڈاکخانہ ڈام اکانڈہ موضع فرید پور ضلع میمن سنگھ ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

ایک پیر مرید کرتا ہے اس طریقہ پر کہ اول نے، ڈھول اور طنبورہ اور مردنگ اور سارنگی اور ستار اور بیلا اور تالی بجانا اور گیت گانا اور ناچنا شروع کرتا ہے تو پھر بے ہوش ہوتا ہے۔ اور گانا اور بجانا ایسی زور سے کرتا ہے کہ ایک میل سے سنا جاتا ہے۔ اور اس پیر کے نزدیک جب سب مرید آتے ہیں اول سجدہ کرتے ہیں یا کہ قدم چومتے ہیں تو اس شرط میں اس ملک کے عالم منع کرتے ہیں اور وہ پیر یہ جواب دیتے ہیں کہ سجدہ کرنا قرآن میں جائز ہے پیر کو۔ سورہ یوسف کی اس آیت میں "وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا ۚ"[2] ۔اور حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اوپر کرکے تخت پر بٹھایا اور وہ سب اس کے لئے سجدہ میں گر گئے۔ ت) اور ع وہ پیر یا کہ وہ مرید امامت کریں تو ان کے پیچھے اقتداء کرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

مزامیر ناجائز ہیں اور سجدہ غیر خدا کو حرام قطعی ہے۔ اور قرآن عظیم کی طرف اس کے جواز کی نسبت کرنا افتراء ہے۔ قرآن عظیم نے اگلی شریعت والوں کا واقعہ ذکر فرمایا ہے ان کی شریعت میں سجدہ تحیت حلال تھا ہماری شریعت نے حرام فرمادیا تو اب اس سے سند لانا ایسا ہے جیسے کوئی شراب کو حلال بتائے کہ اگلی شریعتوں میں جہاں تک نشہ نہ دے حلال تھی بلکہ شریعت سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سگی بہن سے نکاح جائز تھا اب اس کی سند لاکر جو حلال بتائے کافر ہوجائے گا، ایسے پیر اور ایسے مریدوں کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ ہے اور پڑھی ہو تو پھیرنا واجب ہے۔ اور انھیں امام بنانا ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۸تا۱۶۳: ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے دوسرے سے السلام علیکم کہا دوسرے نے بھی جواب میں السلام علیکم ہی کہا دیگر یہ کہ سلام کے جواب میں آداب بندگی، تسلیمات وغیرہ وغیرہ کہے ایسی صورت میں اول السلام علیکم کہنے والا خاموش رہے یا کیا کہے اور جواب سلام کا

---

[1] الحدیقۃ الندیہ النوع الثالث والثلاثون المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

مسنون طریقہ سے جس نے نہیں دیا ہے وہ کس خطا کا مرتکب ہوا؟

(۲) دوسرے یہ کہ بہتر اور آسان طریقہ سلام اور اس کے جواب کا کیا ہے کس قدر الفاظ کہنا چاہئے؟

(۳) تیسرے یہ کہ ایک مقام پر چند یا ایک شخص بیٹھا ہو اور کوئی شخص آئے اور بعد سلام علیکم کرنے کے اور کوئی بات چیت کرکے فوراً چلا جائے قیام نہ کرے ایسی صورت میں مذکور کو جاتے وقت پھر السلام علیکم کہنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) چوتھے یہ کہ ان لوگوں کو جو دوسرے دن یا روزمرہ بلکہ کبھی ایک دن میں چند بار بھی ملنے کا اتفاق پڑتا ہو ان کو بعد سلام اور جواب سلام کے اگرچہ دوسرا شخص اپنے کام ضروری میں مصروف ہو مگر مصافحہ کرنا بھی امر ضروری ہے۔ دیگر یہ کہ مصافحہ کون کون سے موقعوں پر کرنا ضروری ہے اور مصافحہ فرض ہے یا واجب یا سنت؟

(۵) پانچویں یہ کہ اگر کوئی مسلمان اگرچہ وہ خود گنہگار ہو اور اپنے آپ کو گنہ گار جانتا بھی ہو لیکن اپنے بھائی مسلمانوں کی حالت خلاف طریقہ اور برتاؤ کو دیکھ کر اور باوجود نصیحت اور ہدایت کرسکنے کے اور نہ کرے تو اس مسلمان مذکور کی بابت کیا حکم ہے؟ دیگر یہ کہ اگر شخص مذکور کسی وجہ خاص یعنی دوسرے کی خفگی وغیرہ کے باعث کچھ نہ کہے مگر خود غمگین ہو اور افسوس کرے اور اس کے حق میں دعائے خیر کرے تو شخص مذکور کچھ اجر پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

(۶) چھٹی یہ کہ منافقانہ طریقے سے ملنا اور سلام کرنا کیسا ہے؟ چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) السلام علیکم کے جواب میں السلام علیکم کہنے سے جواب ادا ہوجائے گا اگرچہ سنت یہ ہے کہ وعلیکم السلام کہے، آداب، تسلیمات، بندگی کہنا ایک مہمل بات ہے اور خلاف سنت ہے، اس کا جواب کچھ ضرور نہیں، وہاں مصلحت پر نظر کرے۔ اگر صورت یہ ہے کہ اس کا جواب نہ دینے سے وہ متنبہ ہوگا اور آئندہ خلاف سنت سے باز رہے گا تو کچھ جواب نہ دے، اور اگر وہ دنیا کے اعتبار سے بڑا شخص ہے اور اسے جواب نہ دینے میں ضرر و ایذا کا اندیشہ ہے تو ویسا ہی کوئی مہمل جواب دے دے۔ اسی طرح اگر اسے جواب نہ دینے سے کینہ پیدا ہوگا یا اپنی ناواقفی کے باعث اس کی دل شکنی ہوگی جب بھی جواب دینا اولٰی ہے اور سلام جب مسنون طریقہ سے کیا گیا ہو اور سلام کرنے والا سنی مسلمان صحیح العقیدہ ہو تو جواب دینا واجب ہے اور اس کا ترک گناہ مگر اجنبی جوان عورت اگر سلام کرے تو دل میں جواب دینا چاہئے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) کم از کم السلام علیکم اور اس سے بہتر ورحمۃ اللہ ملانا اور سب سے بہتر وبرکاتہ شامل کرنا اور اس پر زیادت نہیں۔ پھر سلام کرنے والے نے جتنے الفاظ میں سلام کیا ہے جواب میں اتنے کا اعادہ تو ضرور ہے اور افضل یہ ہے کہ جواب میں زیادہ کہے۔ اس نے السلام علیکم کہا تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے۔ اور اگر اس نے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو یہ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے اور اگر اس نے وبرکاتہ تک کہا تو یہ بھی اتنا ہی کہے کہ اس سے زیادت نہیں۔

(۳) جاتے وقت پھر کہے لیست الاولی باحق من الاخرۃ (پہلا جواب دوسرے سے زیادہ بہتر نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) مصافحہ سنت ہے اور اس کا وقت ابتدائے ملاقات ہے خواہ ابتدائے حقیقی ہو جیسے جو شخص ابھی آیا یا حکمی جیسے کوئی بدمذہب آیا اور بیٹھا اور گفتگو کرتا رہا اور ہدایت پائی اور سنی ہوا تو جتنے حاضرین اہلسنت ہیں ان سب کو اس سے مصافحہ چاہئے جیسا کہ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کا حکم دیا۔ نماز کے بعد بھی مصافحہ اسی ابتدائے حکمی میں داخل ہے کہ نمازی نماز میں دوسرے عالم میں ہوتا ہے ولہذا جو خارج نماز آیت سجدہ کی تلاوت کرے اس کے سننے سے نمازی پر سجدہ واجب نہیں۔ اور نمازی تلاوت کرے تو جو نماز سے باہر ہے اس پر واجب نہیں۔ اس لئے شریعت مطہرہ میں ختم نماز میں ایک، دوسرے پر سلام رکھا۔ دن میں اگر کئی بار ملتا ہو تو ہر بار مصافحہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) احکام الٰہی بجالانا اور گناہ سے خود بچنا ہر شخص پر فرض ہے اور دوسرے کو اتباع شرع کا حکم دینا اور گناہ سے بقدر قدرت منع کرنا ہر اہل پر فرض ہے آپ گناہ کرنے کے سبب دوسرے کو نہ منع کرنا دوسرا گناہ ہے ہاں اگر منع کرنے کے سبب فتنہ وفساد وحشت ونفرت کا ظن غالب ہو تو سکوت کی اجازت ہے اور اس کے ساتھ دل میں غمگین ہونا اور مسلمان بھائی کے لئے دعا کرنا یہ ایمان کی علامت ہے اس پر ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) بلاضرورت ومجبوری شرعی حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۴تا۱۶۸: از اٹاوہ ادریا مسئولہ حیات اللہ بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں:

(۱) آیا عورت مومنہ کو مومنہ سے السلام علیکم کہنا اور اس کا جواب وعلیکم السلام کہنا جائز ہے؟

(۲) عورت مومنہ کا اپنے باپ بھائی دادا سے السلام علیکم کہنا اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا جائز ہے؟

(۳) لڑکے اور بھائی کو اپنی ماں اور بہن سے السلام علیکم کہنا جائز ہے اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا کیسا ہے؟

(۴) عورت کو خاوند سے اور خاوند کو عورت سے السلام علیکم کہنا اور جواب میں وعلیکم السلام کہنا کیسا ہے؟

(۵) عورتوں کو اگر السلام علیکم کہنا درست نہیں تو اور کون الفاظ بروئے شرع آپس میں ملتے وقت کہنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب:

ان سب صورتوں میں السلام علیکم اور جواب وعلیکم السلام کہنا بلاشبہہ جائز ہے زمانہ اقدس میں بھی رواج تھا۔ بیبیوں سے بھی السلام علیکم فرمایا ہے مگر یہاں ایک دقیقہ واجب اللحاظ ہے جو سنت مؤکدہ نہ ہو یا اس کا ایک طریقہ متعین نہ ہو اور بعض طرق عوام میں ایسے اوپری ہوگئے ہوں کہ اس کے بجالانے سے سنت پر ہنسیں گے تو وہاں اس غیر مؤکدہ اور مؤکدہ کے اس طریقہ خاصہ کا ترک ہی مصلحت ہوتا ہے کہ ایک استحباب کے لئے لوگوں کا دین کیوں فاسد ہو سنت پر ہنسنا **معاذ اللہ** کفر تک لے جاتا ہے اور مسلمانوں کو کفر سے بچانا فرض ہے مسئلہ خفاض نساء میں علماء نے اس دقیقہ کی تصریح کی ہے نیز شملہ عمامہ میں فرمایا کہ جہاں جہاں اس پر ہنستے ہیں اور دم سے تشبیہ دیتے ہوں وہاں شملہ نہ چھوڑا جائے، باہم عورتوں کا یا عورتوں سے السلام علیکم کی حالت قریب قریب ایسی ہی ہے اور اسے اچنبا جانیں گے اور اس پر ہنسنے کا احتمال ہے اور لفظ سلام اس کا قائم مقام، **قالوا سلاما قال سلام** تو اس پر اکتفا مناسب۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹: از مقام کیلا کھیڑا تحصیل باز پور ضلع نینی تال مسئولہ عبدالمجید خاں مدرسہ زنانہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

احوال اینست کہ بابت مصافحہ کے کوئی کہتا ہے کہ بعد نماز کے نہیں کرنا چاہئے اور کوئی کہتا ہے کہ بعد نماز کے کرنا چاہئے لہٰذا آپ سے معروض ہوں کہ کون سا قول صحیح تر ہے۔ اور طریقہ بھی صاف الفاظوں میں تحریر فرمائیں تاکہ مخالف زیر ہو۔

الجواب:

نمازوں کے بعد مصافحہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔ نسیم الریاض میں ہے:

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح یہ ہے کہ یہ بدعت مباحہ ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۰ تا ۱۷۱: از موضع سیوہارہ ضلع بجنور محلّہ مولویاں مسئولہ حفظ الرحمٰن روز شنبہ بتاریخ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) زید اپنے پیر کی تصویر کو نہایت احترام سے رکھتا ہے بوسہ دیتا ہے سجدہ تحیت کرتا ہے لہٰذا تصویر کو بوسہ دینا تصویر کو سجدہ تحیت کرنا کیسا ہے۔ ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ نص صریح یا حدیث صحیح یا قول امام سے بحوالہ کتب تحریر فرمادیں۔ اور زید ثبوت سجدہ تحیت میں کتاب انوار العیون فی اسرار المکنون مصنفہ شیخ عبدالقدوس کی یہ عبارت پیش کرتا ہے:

مریدان حضرت شیخ العالم قدس سرہ پیش حضرت شیخ العالم سر پیش می آوردند و سجدہ پیش می رفتند و می نشستند وامر وز ہماں سنت مریداں حضرت شیخ العالم جاری کہ پیش قبر حضرت شیخ العالم و پیش صاحب سجادہ سر بر زمین می نہند و سجدہ می کنند [2]۔	حضرت شیخ العالم قدس سرہ (یعنی شیخ عبدالقدوس گنگوہی) کے مرید سر آگے کرکے ان کے روبرو سجدہ کرتے اور پھر بیٹھتے ہیں۔ آج حضرت شیخ العالم کے مریدوں میں وہی طریقہ جاری وساری ہے۔ کہ حضرت موصوف کی قبر کو سجدہ کرتے ہیں اور پھر ان کے سجادہ نشین کے آگے زمین پر سر رکھ کر انھیں سجدہ کرتے ہیں۔ (ت)

اس قول کے متعلق کیا حکم ہے؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ سجدہ تحیت کے متعلق فقہاء میں اختلاف ہے۔ در مختار میں ہے:

وکذا مایفعلون من تقبیل الارض بین یدی العلماء العظماء فحرام والفاعل والراضی بہ اثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن وھل یکفران علی وجہ العبادۃ والتعظیم	اور اسی طرح جو کچھ جہلا اور نادان کیا کرتے ہیں کہ بڑے بڑے عظیم علماء کے آگے زمین کو بوسہ دیتے (تو یاد رکھو کہ) یہ فعل حرام ہے لہٰذا کرنے والا اور اس سے خوش ہونے والا (دونوں) گنہگار ہیں اس لئے کہ یہ کام بت کی عبادت سے مشابہت رکھتا ہے۔

[1] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

[2] انوار العیون فی اسرار المکنون

کفر وان علی وجه التحیة لاوصار اثما مرتکبا للکبیرة[1] وفی الشامی قال الزیلعی وذکر الصدر الشهید انه لا یکفر بهذا السجود لانه یرید به التحیة[2]۔	اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر اس نے یہ کام بطور عبادت کیا اور اس کی تعظیم کی تو بلا شبہہ کافر ہوگیا۔ اور اگر تعظیم و بزرگی کی خاطر ایسا کیا تو کافر نہ ہوا لیکن پھر بھی گنہگار، گناہ کبیرہ بجالانے والا ہوا۔ اور فتاوٰی شامی میں ہے کہ علامہ زیلعی نے فرمایا امام صدر شہید نے ذکر فرمایا کہ اس طرح سجدہ کرنے سے وہ کافر نہ ہوگا کیونکہ اس سے اس کی مراد صرف تعظیم ہے۔ (ت)

یعنی زیلعی وصدر شہید سجدہ تحیت کرنے والے کو کافر نہیں کہتے۔

(۲) سجدہ عبادت سجدہ تعظیم، سجدہ تحیت، سجدہ شکر، تقبیل ارض ان سب کی تعریف وفرق تحریر فرمادیں نیز ان میں کون مخصوص ہے زندہ بزرگوں کے لئے اور کون ہے قبور وتصاویر کے لئے مع حوالہ کتاب۔

الجواب:

(۱) غیر کو سجدہ بلاشبہہ حرام ہے پھر اگر بروجہ عبادت ہو تو یقیناً اجماعاً کفر ہے اور بروجہ تحیت ہو تو کفر میں اختلاف ہے اس کے حرام ہونے میں اختلاف نہیں اور حق یہی ہے کہ بے نیت عبادت حرام ہے کبیرہ ہے مگر کفر نہیں زیلعی کی عبارت کا صاف یہی مطلب ہے نفی کفر کرتے ہیں نہ کہ نفی حرمت، احادیث صحیح اس بارے میں بکثرت وارد اور کتب ہر چہار مذہب اس کی تحریم پر متفق۔ بعض ملفوظات کہ بعض اولیاء کرام کی طرف بلاسند صحیح متصل منسوب ہوں ایسے مسئلہ جلیہ واضحہ متفق علیہا کے مقابل ہرگز قابل استناد نہیں۔ اور بالخصوص سجدہ قبر کے بارہ میں وہ حدیث موجود ہے۔

ارأیت لومررت بقبری اکنت تسجد له قال فلا تفعل[3]۔	بھلا دیکھئے اگر میری قبر کے پاس سے گزرو تو کیا اس کو سجدہ کرو گے؟ عرض کی: نہیں۔ (ت)

اور تصویر کو سجدہ تو کھلا پھاٹک بت پرستی کا ہے۔ دنیا میں بت پرستی کا آغاز تصاویر کو جانب قبلہ صرف نصب کرنے سے ہوا کما فی صحیح البخاری وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (جیسا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے۔ ت) نہ کہ سجدہ

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

کہ جانب قبلہ نصب سے ہزار ہا درجہ بدتر اور کفر سے ایسا ہی قریب ہے جیسے آنکھ کی سپیدی سے سیاہی۔ تصویر کی تعظیم مطلقاً حرام ہے بلکہ غیر محل اہانت میں اس کا رکھنا ہی حرام ومانع دخول ملائکہ رحمت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولا صورۃ [1]۔	فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ (ت)

یہ سب وساوس ابلیس ہیں۔ مسلمان اگر اس کے ہاتھوں میں نرم ہوا اور وہ اسے ہلاک کردے گا جلد کھچے اور اس عدو مبین سے جدا ہو کر شریعت مطہرہ کی باگ تھام لے "وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۲۱۳﴾" [2] (اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) سجدہ کسی قسم کا شریعت محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ میں غیر خدا کے لئے مطلقاً جائز نہیں اور احکام منسوخہ سے استناد جہل وخرط انقیاد ورنہ سگی بہن سے نکاح بھی جائز ہو اپنا رب حقیقی ومالک بالذات جان کر اس کے حضور غایت تذلل کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا سجدہ عبادت ہے اور معبود نہ جان کر صرف اس کی عظمت کے لئے روبخاک ہونا سجدہ تعظیم ہے اور وقت لقا باہمی موانست کے لئے سجدہ تحیت اور ہر شناسی نعمت کے اظہار کو سجدہ شکر اول وآخر مولی عزوجل کے لیے ہیں۔ پہلا فرض اور پچھلا مستحب۔ اور دوم سوم کہ غیر خدا کے لئے ہوں حرام ہیں کفر نہیں۔ یونہی چہارم بھی، اور پہلا کفر قطعی۔ اور غیر خدا کے لئے تقبیل ارض بھی حرام ہے اور جو کرے اور جس کے لئے کی جائے اور وہ راضی ہو دونوں مرتکب کبیرہ اور بہ نیت عبادت ہو تو یہ بھی کفر کہ عبادت غیر کی نیت خود ہی کفر ہے اگرچہ اس کے ساتھ کوئی فعل نہ ہو۔ ہندیہ میں ہے:

وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی اٰثمان کذا فی التاتارخانیۃ و تقبیل	جامع صغیر میں ہے کسی بڑے کے آگے زمین بوسی حرام ہے۔ اور ایسا کرنے والا اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہیں تاتارخانیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ اہل علم اور

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب اذا قال احدکم امین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۸، جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء ان الملئکۃ لاتدخل الخ امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

الارض بین یدی العلماء والزھاد فعل الجھال و الفاعل والراضی اٰثمان کذا فی الغرائب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع صغیر میں ہے کسی بڑے کے آگے زمین بوسی حرام ہے۔ اور ایسا کرنے والا اس پر راضی ہونے والا دونوں گناہ گار ہیں تاتارخانیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ اہل علم اور زاہدوں کے آگے زمین چومنا جاہلوں (ناواقف لوگوں) کا طریقہ ہے۔ لہٰذا ایسا کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا (دونوں) گنہگار ہیں فتاوٰی الغرائب میں یہی مذکور ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از ضلع گیا پردہ چک ڈاکخانہ شمشیر نگر مسئولہ ابوالبرکات بروز شنبہ بتاریخ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز عید وبقر عید مصافحہ و معانقہ کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہے یا کہ نہیں؟ حدیث مع حوالہ کتب تحریر ہو اور ان اوقات میں مصافحہ کرنا کتب حنفیّہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ فقط۔

الجواب:

احادیث صحیحہ سے مصافحہ کی سنیت ثابت ہے اور خصوصیت وقت اسے ناجائز نہ کردے گی۔ حدیث میں ہے:

صوم یوم السبت لالك ولا علیك[2]۔	صرف سنیچر کے دن روزہ رکھنا نہ تو تیرے لئے مفید ہے نہ مضر۔ (ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی نے مسوی شرح مؤطا میں جواز مصافحہ بعد نماز عید کی اور نسیم الریاض میں مصافحہ بعد صلوۃ کی نسبت ہے:

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث امرأۃ رضی اللہ عنہا دار الفکر بیروت ۶/ ۳۶۸

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ [1] ۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ (بعد از نماز) ایک مباح (جائز) بدعت ہے۔ (ت)

عین العلم میں ہے:

الاصرار بما لم ینہ عنہ حسن [2] ۔	اس کام پر اصرار و تکرار کرنا کہ جس سے منع نہ کیا گیا ہو اچھا کام ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے:

خالقوا الناس باخلاقھم [3] ۔	لوگوں سے اخلاق رکھو ان کے اخلاق کی وجہ سے۔ (ت)

ایسے مباحات کہ عوام میں رائج ہوں وہ موافقت مسلمین کے باعث مباح نہیں بلکہ مستحب ہو جاتے ہیں اور اس میں مخالفت مکروہ ہے۔ اور یہ وہی کرے گا جو اپنی شہرت اور نکو بننا چاہتا ہے۔ شرح صحیح مسلم شریف و مجمع البحار وغیرہما میں ہے:

الخروج عن العادۃ شہرۃ و مکروہ [4] ۔	لوگوں کی عادات سے نکلنا (قدم باہر رکھنا) باعث شہرت اور مکروہ ہے۔ وھو تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۳: نماز کے وقت مسجد میں تمام نمازی کسی شخص کے آنے پر تعظیماً کھڑے ہونا اور مثل سجدے کے قدموں پر سر رکھ کر بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

عالم دین اور سلطان اسلام اور علم دین میں اپنا استاذ ان کی تعظیم مسجد میں بھی کی جائے گی اور مجالس خیر میں بھی کی جائے گی اور مجالس خیر میں بھی اور تلاوت قرآن عظیم میں بھی عالم دین کے قدموں پر بوسہ دینا سنت ہے اور قدموں پر سر رکھنا جہالت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی فصل فی نظافۃ جسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۱۳

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت وآفات اللسان مطبع اسلامیہ لاہور ص ۲۰۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الفائدۃ الثانیۃ الخ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۴

[4] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع تتمۃ الاصناف مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۱۲

مسئلہ ۱۷۴: از پوپوری جتارن مارقوار مسئولہ حبیب اللہ بروز سہ شنبہ ۲ رجب ۱۳۳۴ھ

مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھنا چاہئے یا دعا پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

درود اور دعا دونوں ہوں اور صرف درود کافی ہے۔ کہ الحمدللہ کے بعد ہر دعا سے افضل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵: مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل از شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مورخہ ۹ شعبان یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

سلام کرنا اشارہ کے ساتھ یعنی وقت سلام مسنون ہاتھ پیشانی تک لے جانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بلاضرورت فقط اشارہ پر قناعت بدعت اور یہود ونصارٰی کی سنت ہے اور سلام مسنون کے ساتھ محل حاجت عرفیہ میں اشارہ بھی ہو تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۶: از کلکتہ ڈاک خانہ ہٹ تلابڑاصاحب کاہاٹ محمد غلام فرہاد بروز چہار شنبہ ۱۳ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

مکرمی و معظمی جناب مولانا شاہ عبدالمصطفٰی احمد رضاخاں صاحب بعد آداب وتسلیم معروض آنکہ ہم لوگ احاطہ بنگال ضلع فرید پور تھانہ پالنگ موضع لاکرتلہ میں سب لوگ اہلسنت وجماعت کے ہیں مگر ان میں سے بعض لوگ ایسے حنفی کہلاتے ہیں مگر عقیدہ وہابیت کا ہے یعنی دیوبند کا۔ چونکہ وہ لوگ دیوبند کا کیفیت سے اچھی طرح واقف نہیں اور ہمارے بنگال کا ہادی جونپور کے مولانا کرامت علی صاحب کی اولاد ہیں وہ لوگ بھی دیوبند کے عقیدہ پر چلتے ہیں یعنی قیام وفاتحہ وثانی جماعت وغیرہ کو ناجائز کرتے ہیں لہٰذا ہم لوگ نے حضور کی کتاب کوکبۃ الشہابیۃ اور چند پرچہ کلکتہ منشی لعل خان صاحب سے منگا کر دکھلایا کہ تم لوگوں کا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہے بہرحال ہم لوگ سے اختلاف کرتا رہا مگر اس وقت مسئلہ قدمبوسی اور سجدہ تحیہ میں ہم لوگوں کو بہت مجبور کیا، ہم لوگ قادریہ شریف میں سلسلہ بھاگل پور کے مریدان اسلام آباد احاطہ بنگال کے مولانا شاہ محمد عبدالحہ صاحب سے دست بیعت کیا ہوں انھوں نے سجدہ تحیہ کو جائز رکھتے ہیں اور دیوبندی خلاف ہیں اب ہم لوگوں نے کہا کہ یہ مسئلہ ایسے آدمی سے دریافت کرنا چاہئے جو کہ متوسط سنت وجماعت کے ہیں۔ لہٰذا ہم لوگ حضور کو بمقابلہ مقتدا اسلام اور حامی سنت وجماعت کا جانتا ہوں اب یہاں سے دو فتوٰی دیا جاتا ہے کہ ہم لوگ سجدہ تحیۃ کو جائز رکھتا ہوں اور مقتدا دیوبندی کفر اور حرام ناجائز کہتے ہیں۔ خیر گزارش ضروری یہ ہے کہ حضور اگر جائز کرتے ہیں تو بہت خوب اور اگر ناجائز کریں

بسر تسلیم مان لیتا ہوں مگر امید کرتا ہوں کہ جواب اس طرح ہونا چاہئے کہ فتوی دیوبندی ہم پر غالب نہ ہوجائے، والسلام۔

الجواب:

بزرگان دین کی قدمبوسی بلاشبہ جائز بلکہ سنت ہے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پائے مبارک چومے اور حضور نے منع نہ فرمایا۔ رہا سجدہ تحیت، اگلی شریعتوں میں جائز تھا۔ ملائکہ نے بحکم الٰہی حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت سیدنا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی زوجہ مقدسہ اور ان کے گیارہ صاحبزادوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام جو حضرت سیدنا مریم (علیہا السلام) کے شکم مبارک میں تھے اور سیدنا یحیٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی بہن کے شکم مقدس میں جب حضرت مریم اپنی بہن کے پاس تشریف لائیں ان کی بہن عرض کرتی ہیں:

انی اری مافی بطنی یسجد لما فی بطنك[1]۔	میں دیکھتی ہوں کہ وہ جو میرے پیٹ میں ہے اس کے لئے سجدہ کرتا ہے جو تمھارے پیٹ میں ہے۔

وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی کہ اس کو شرک کہتے اللہ کے رسولوں اور فرشتوں کو شرک کا مرتکب اور اللہ عزوجل کو معاذاللہ شرک کا حکم دینے والا ٹھہراتے ہیں

قال اللہ تعالٰی: "وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا"[2]۔ وقال اللہ تعالٰی "وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ"[3]۔	حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھایا اور وہ سب (والدین وبرادران) حضرت یوسف کے آگے سجدہ کرتے ہوئے گر گئے (ت) اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہہ دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سوائے شیطان کے سب نے سجدہ کیا۔ (ت)

دیوبندیہ خود مرتدین ہیں ان کو مسائل اسلامی میں دخل دینے کا کیا حق۔ علمائے حرمین شریفین نے

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ان اللہ یبشرك بیحیٰی الخ المطبعۃ البہیمۃ مصر الجزء الرابع ص ۳۸، روح المعانی تحت آیۃ ان اللہ یبشرك بیحیٰی مصدقا بکلمۃ الخ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ مصر الجزء الثالث ص ۱۳۰

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

ان کے پیشواؤں کو نام بنام لکھا ہے کہ من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر [1] جو ان کے عقائد پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے خود کافر۔ ہاں ہماری شریعت مطہرہ نے غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت حرام کیا ہے اس سے بچنا فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۷: مرسلہ حکمت یار خاں ساکن بریلی محدث شاہ آباد ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمبئی اور اس کے اطراف وجوانب میں قدیم سے یہ طریقہ جاری ہے کہ ہر جماعت پنجگانہ کے بعد نماز اور دعا خیر سے فارغ ہو کر مصلیان مسجد باہم مصافحہ کرکے رخصت ہوتے ہیں آج کل موضع کرلا میں ایک مولوی صاحب اس کو بدعت قبیحہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی قول وفعل سے یہ ثابت نہیں اس لئے ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے، دوسرے ایک صاحب کا قول ہے کہ مسلمان خانہ خدا میں پنجگانہ نماز ادا کرنے کے بعد باہم مصافحہ کرکے محبت واتفاق واتحاد کا ثبوت دیتے ہیں یہ نہایت مستحسن طریقہ ہے اگر بدعت قبیحہ ہوتا تو علمائے دین ضرور اس سے منع فرماتے حالانکہ آج تک کسی سنی عالم نے اس سے ممانعت نہیں کی۔ پس اس کے لئے قول فیصل بدلائل قوی تحریر فرمائیں کہ رفع نزاع ہو۔ **بینوا توجروا**۔ بیان فرماؤ اور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ وہ جائز اور بہ نیت حسنہ مستحب ومستحسن ہے۔ اور جہاں کے مسلمانوں میں اس کی عادت ہے وہاں انکار سے مسلمانوں میں فتنہ وتفرقہ پیدا کرنا جہالت اور بربنائے اصول وہابیت ہو جیسا کہ آج کل اکثر یہی ہے تو صریح ضلالت **والعیاذ باللہ**۔ نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

الاصح انھا بدعۃ مباحۃ [2]۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایک جائز بدعت ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وقولھم انہ بدعۃ ای مباحۃ	ان کا یہ فرمانا کہ مصافحہ کرنا بدعت ہے یعنی جائز اور

[1] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ص ۹۴

[2] نسیم الریاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

حسنۃ کما افادہ النووی فی اذکارہ وغیرہ فی غیرہ[1]۔	اچھی بدعت ہے جیسا کہ امام نووی نے کتاب الاذکار میں اور دوسرے ائمہ کرام نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

اور تفصیل مرام وازلہ اوہام ہمارے رسالہ وشاح الجید میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۸: موضع کٹیا ڈاک خانہ سکندر پور ضلع فیض آباد مرسلہ محمد ناظر خاں صاحب زمیندار مؤرخہ ۲۴ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

بوسہ قبر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اس مسئلہ میں بہت اختلاف ہے۔ بکثرت اکابر جواز و منع دونوں طرف ہیں اور عوام کے لئے زیادہ احتیاط منع میں ہے۔ خصوصا مزارات طیبہ اولیاء کرام پر کہ ان کے اتنا قریب جانا ادب کے خلاف ہے۔ کم از کم چار ہاتھ فاصلے سے کھڑا ہو **کما فی العالمگیریۃ وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔ت) تو بوسہ کیسے دے سکتا ہے۔**وھو سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۹: از ڈاکخانہ دھامونکے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ مرسلہ محمد قاسم قریشی مدرس مدرسہ مورخہ ۲۷ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

ایک مسلم کو کون کون سے مواقع اور کون کون سے اشخاص پر پہلے السلام علیکم کہنا واجب ہے وکذالک کیا کوئی مواقع واشخاص ایسے بھی ہیں جبکہ تحیات کا جواب دینا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

الجواب:

ابتدا بہ سلام مسلمان سنی صالح پر سنت ہے اور اعلٰی درجہ کی قربت ہے مگر واجب کبھی نہیں سوا اس صورت کے کہ سلام نہ کرنے میں اس کی طرف سے ضرر کا اندیشہ صحیح ہو جن صورتوں میں سلام مکروہ ہے جیسے مصلی یا تالی یا ذاکر یا مستنجی یا آکل پر ان لوگوں کو اختیار ہے کہ جواب دیں یا نہ دیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰تا ۱۸۳: از کلکتہ امر تلا لین ۲۶ گدی دیوان رحمت اللہ مرسلہ حاجی پیر محمد ۳ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) جو لوگ سیدوں کو کلمات بے ادبانہ کہا کرتے ہیں اور ان کے مراتب کو خیال نہیں کرتے بلکہ کلمہ تحقیر آمیز کہہ بیٹھتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

(۲) حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دربارہ محبت واطاعت آل کے لئے کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟

(۳) اور جو لوگ سیدوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے لئے یوم محشر میں آسانی ہوگی یا نہیں؟

(۴) ایک جلسہ میں دو مولوی صاحبان تشریف رکھتے ہیں ایک ان میں سے سید ہیں تو مسلمان کسے صدر بتائیں؟

الجواب:

(۱) سادات کرام کی تعظیم فرض ہے۔ اور ان کی توہین حرام بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جو کسی عالم کو مولویا یا کسی کو میروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی قاصدا بہ الاستخفاف کفر[1]۔	سادات کرام اور علماء کی تحقیر کفر ہے جس نے عالم کی تصغیر کر کے عویلم یا علوی کو علیوی تحقیر کی نیت سے کہا تو کفر کیا۔ (ت)

بیہقی امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے اور ابوالشیخ و دیلمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلاث امامنافقا وامالزنیۃ وامالغیر طھور[2]۔ ھذا لفظ البیھقی من حدیث زید بن جبیر عن داؤد بن الحصین عن ابن ابی رافع عن ابیہ عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ولفظ غیرہ امامنافق واما ولد زنیۃ واما امرء حملت بہ امہ فی غیر طھر[3]۔	جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین علتوں سے خالی نہیں۔ یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔ (یہ بیہقی کے الفاظ زید بن جبیر نے اپنے والد کے حوالہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کئے دوسروں کے الفاظ یوں ہیں۔ یا منافق، ولدزنا یا اس کی ماں نے ناپاکی کی حالت میں اس کا حمل لیا۔ ت)

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

[2] شعب الایمان حدیث ۱۶۱۴ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۲

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۶۲۶

بلکہ علماء وانصار وعرب سے تو وہ مراد ہیں جو گمراہ بددین نہ ہوں اور سادات کرام کی تعظیم ہمیشہ جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچے کہ اس کے بعد وہ سید ہی نہیں نسب منقطع ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱟ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (اے نوح (علیہ السلام)! وہ تیرا بیٹا (کنعان) تیرے گھروالوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔(ت)

جیسے نیچری، قادیانی، وہابی غیر مقلد، دیوبندی اگرچہ سید مشہور ہوں نہ سید ہیں نہ ان کی تعظیم حلال بلکہ توہین و تکفیر فرض، اور روافض کے یہاں تو سیادت بہت آسان ہے کسی قوم کا رافضی ہوجائے، دودن بعد میر صاحب ہوجائے گا، ان کا بھی وہی حال ہے۔ کہ ان فرقوں کی طرح تبرائیان زمانہ بھی عموما مرتدین ہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

(۲) محبت آل اطہار کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ قرآن عظیم کی آیت کریمہ ہے۔

"قُلْ لَّاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰىؕ"[2]۔	(ان سے) فرمادیجئے (لوگو!) اس دعوت حق پر میں تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر رشتہ کی الفت ومحبت (ت)

ان کی محبت بحمد اللہ تعالٰی مسلمان کا دین ہے۔ اور اس سے محروم ناصبی خارجی جہنمی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، مگر محبت صادقہ نہ روافض کی سی محبت کاذبہ جنھیں ائمہ اطہار فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم تمھاری محبت ہم پر عار ہوگی۔ اطاعت عامہ اللہ و رسول کی پھر علمائے دین کی ہے"

قال اللہ تعالٰی "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ"[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کا حکم مانو، اور رسول کا حکم مانو، اور تم میں سے جو صاحب امر ہیں (یعنی امراء وخلفاء)۔ (ت)

اصل اطاعت اللہ و رسول کی ہے اور علمائے دین ان کے احکام سے آگاہ۔ پھر اگر عالم سید بھی ہو تو نور علی نور، امور مباحہ میں جہاں تک نہ شرعی حرج ہو نہ کوئی ضرر سید غیر عالم کے بھی احکام کی اطاعت کرے کہ اس میں اس کی خوشنودی ہے اور سادات کرام کی خوشی میں کہ حد شرع کے اندر ہو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا ہے اور حضور کی رضا اللہ عزوجل کی رضا۔

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

(۳) ہاں سچے محبان اہلبیت کرام کے لئے روز قیامت نعمتیں، برکتیں راحتیں ہیں۔ طبرانی کی حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الزموا مودتنا اھل البیت فانہ من لقی اللہ وھو یودنا دخل الجنۃ بشفاعتنا والذی نفسی بیدہ لاینفع عبدا عملہ الا بمعرفۃ حقنا[1]۔	ہم اہلبیت کی محبت لازم پکڑو کہ جو اللہ سے ہماری دوستی کے ساتھ ملے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی بندے کو اس کا عمل نفع نہ دے گا جب تک ہمارا حق نہ پہچانے۔

(۴) اگر دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور جس کام کے لئے صدارت مطلوب ہے اس کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہے ورنہ ان میں جو عالم یا علم میں زائد یا سنی ہو اور دونوں علم دین میں مساوی ہوں تو جو اس کام کا زیادہ اہل ہو۔

الاتری ان الاحق بالامامۃ الاعلم وما عد شرف النسب الابعد وجودہ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ۔ رواہ البخاری[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیا تم نہیں دیکھتے کہ امامت کے زیادہ لائق وہ شخص ہے جو سب سے بڑا عالم ہو اور شرافت نسب کا شمار نہیں کیا جاتا مگر اس کے پائے جانے کے بعد، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی کام کسی نااہل کے حوالے کیا جائے تو قیامت آنے کا انتظار کیجئے۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ بخوبی جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۴: از ضلع سیتاپور محلہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ وعار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس سید کے مقابل کوئی غیر مثل شیخ، مغل، پٹھان وغیرہ وغیرہ کا آدمی نیک اعمال ہوں تو اس کو سید پر بحیثیت اعمال کے ترجیح

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۲۵۱ مکتبہ المعارف ریاض ۳/ ۱۲۲

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل علما الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہے کہ نسب کو؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگرچہ اس کے اعمال کیسے ہوں ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی ہاں اگر اس کی بدمذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی وہابی قادیانی نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے کہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت وہی نہ رہی۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﱪ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے نوح (علیہ السلام) وہ یعنی تیرا بیٹا تیرے خاندان اور گھرانے والوں میں سے نہیں اس لئے کہ اس کے کام اچھے نہیں۔(ت)

شریعت نے تقوٰی کو فضیلت دی ہے "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ"[2] (اللہ تعالٰی کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ت) مگر یہ فضل ذاتی ہے فضل نسب منتہائے نسب کی افضیلت پر ہے سادات کرام کی انتہائے نسب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ہے۔ اس فضل انتساب کی تعظیم ہر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۵: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ عبدالودود صاحب بنگال قادری برکاتی رضوی طالب علم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

سجدہ کے قسم پر ہے اور کون سا کس لئے خاص ہے اور باقی کیسے ہیں؟

الجواب:

سجدہ دو ۲ قسم ہے سجدہ عبادت و سجدہ تحیت۔ سجدہ عبادت غیر خدا کے لئے کفر ہے اور سجدہ تحیت غیر خدا کے لئے حرام مگر کفر و شرک نہیں۔ کہ اگلی شریعتوں میں جائز تھا اور کفر و شرک کبھی جائز نہیں ہوسکتا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ ۱۳۳۷ھ

(سجدۂ تعظیمی کے حرام ہونے کے بارے میں پاکیزہ مکھن)

مسئلہ ۱۸۶: بار اول از بنارس پھاٹک شیخ سلیم مدرسہ ابراہیمیہ مرسلہ مولوی حافظ عبدالسمیع صاحب ۹ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ قال زید سجدہ تعظیم و تحیت مرشد طریقت کے لئے اب بھی جائز ہے اور استدلال کرتا ہے حضرت آدم علیہ السلام کے مسجود ملائکہ ہونے سے و نیز واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام سے، اور کہتا ہے "فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سٰجِدِیْنَ ﴿۴۶﴾ "[1]۔ ساحروں نے حضرت موسٰی علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ قال عمرو سجدہ تحیت ادیان ماضیہ میں جائز تھا ہماری شریعت غراء محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں وہ حکم منسوخ ہوا۔ جیسا کہ تفسیر جلالین، مدارک، خازن، روح البیان، جامع البیان، تفسیر کبیر، فتح العزیز وغیرہم میں مصرح ہے۔ اور ساحروں کو عرفان حق حاصل ہوا اور انھوں نے معبود حقیقی کو سجدہ کیا۔ جیسا کہ "قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ "[2] (جادوگر کہنے لگے ہم تمام جہانوں کے رب پر

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۲۱

ایمان لے آئے جو حضرت موسٰی اور حضرت ہارون کا پروگار ہے۔ت) اس پر دال ہے نہ کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو سجدہ کیا۔
قال زید آیات اخبار وقصص ناسخ ومنسوخ نہیں ہوتا کمافی نور الانوار (جیسا کہ نورالانوار میں ہے۔ت) لہذا اباحت اس کی باقی ہے۔ قال عمرو علمائے مفسرین نے اس حکم کا منسوخ ہونا مصرح بیان فرمایا۔ قال زید مفسرین کی مجرد رائے ہم پر حجت نہیں تاوقتیکہ کوئی آیت اس کی ناسخ یا ممانعت میں نہ وارد ہو۔ قال عمروآیات قرآنی اس کی ممانعت میں نص صریح ہیں مثلاً:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ"[1]	پس اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔(ت)

پس معلوم ہوا سجدہ عبادت ہے پس عبادت غیر خدا کی شرک ہے نیز

"فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا۩ ﴿۶۲﴾"[2]	پس اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

اور:

"وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾"[3]	اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر تم خاص اسی کی عبادت اور بندگی کرتے ہو۔(ت)

میں لام واسطے تخصیص کے ہے اور ایاہ بھی تخصیص کے لئے آتا ہے۔ لہذا سجدہ مخصوص ذات باری تعالٰی کے لئے ہے اور غیر کے لئے شرک وحرام وکفر۔

قال زید ان آیتوں میں سجدہ عبادت کی تخصیص ہے نہ سجدہ تحیت کی۔ لہذا وہ جائز ہے۔

قال عمرو "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ"[4] (نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو۔ت) سے غیر اللہ کے لئے سجدہ ممنوع ہونا ثابت ہے اگرچہ سجدہ تحیت ہو اور فقہاء ومتکلمین نے اس کو حرام وکفر فرمایا ہے۔

کمافی شرح فقہ اکبر "ملا علی" انجاح الحاجۃ۔	جیسا کہ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری، انجاح الحاجۃ

---

[1] القران الکریم ۲۲/ ۷۷

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۶۲

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

حلبی شرح المنیۃ مالابد منہ، عالمگیری۔	شرح سنن ابن ماجہ، حلبی کبیر وصغرٰی شرح منیۃ المصلی اور مالابدمنہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور عالمگیری میں ہے۔(ت)

نیز احادیث صحیحہ اس کی مخالفت میں بکثرت وارد ہیں۔ قال زید آیت میں یہ کہا ہے لا تسجدوا للانسان (کسی انسان کو سجدہ نہ کرو۔ت) حدیثوں میں جواز ہے عکرمہ بن ابوجہل مشرف باسلام ہوئے اور انھوں نے حضرت کو سجدہ کیا آپ نے منع نہ فرمایا کما فی مدارج النبوۃ وروضۃ الاحباب (جیسا کہ مدارج النبوۃ اور روضہ الاحباب میں ہے۔ت) ایک صحابی نے حضرت کی پیشانی پر سجدہ کیا تو حضرت نے فرمایا تو نے اپنا خواب سچا کیا۔ پس ثابت ہوا کہ سجدہ جائز، کما فی مشکوٰۃ (جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے۔ت) قال عمرو عکرمہ کی روایت سے سجدہ مراد لینا اہل علم پر مخفی نہیں کہ کس قدر سادہ لوح ہے کیونکہ منقول ہے۔

فطأطأ رأسه من الحياء، كما في سيرة الحلبي وسيرة النبوية۔	پس اس نے شرم وحیاء کی وجہ سے اپنا سر جھکا دیا جیسا کہ سیرت حلبیہ اور سیرت نبویہ میں ہے۔(ت)

اور مدارج النبوۃ میں ہے۔

انگاہ از غایت شرمندگی سر در پیش افگند[1]۔	اس وقت غایت شرم وندامت کی وجہ سے اس نے اپنا سر ان کے آگے جھکا دیا۔(ت)

حدیث مشکوٰۃ سے معلوم ہوا کہ پیشانی انور مسجود علیہ تھی نہ مسجود لہ، لہٰذا وہ مفید مدعی نہیں۔ جس چیز پر سجدہ کیا وہ مسجود لہ قرار نہیں پاتی، فتدبر (پس خوب غور وفکر کیجئے۔ت) فالعجب کل العجب (انتہائی حیرت اور تعجب کی بات ہے۔ت) ونیز حدیث قیس ومعاذ بن جبل میں سجدہ تحیت کی نفی صریح وارد ہے۔ لاتفعلوا مشکوٰۃ ابن ماجہ[2] (ایسا مت کرو۔ مشکوٰۃ وابن ماجہ۔ت) نیز دیگر احادیث جو پرچہ صوفی نمبر ۱۲۴ جلد ۲۱ ماہ رجب ۳۷ھ میں شائع ہوچکی ہے ملاحظہ ہو۔ قال زید یہ سب حدیثیں خبر احاد ہیں۔ یہ نفی پر حجت ہو سکتیں ونیز آیات، قرآنی سے اباحت ثابت ہے اگرچہ مورد خاص ہے مگر حکم عام ہے۔ قال عمرو آیات قرآن واحادیث نبوی وتصریحات فقہاء ومتکلمین سے حرمت وکفر

[1] مدارج النبوۃ ذکر عکرمہ بن ابی جہل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۹۹

[2] مشکوٰۃ والمصابیح کتاب النکاح الفصل الثالث مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۸۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

ہونا ثابت ہے اس کی اباحت پر حالت اختیاری میں کوئی روایت ضعیف بھی وارد نہیں لہٰذا دعوی بلادلیل ہے وہ مقبول نہیں۔
پس مفتیان دین بیان فرمائیں کہ قول حق وصواب کس کا ہے۔

"فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ "[1] بینوا توجروا	پھر دو گروہوں میں سے امن کے زیادہ لائق کون ہے اگر تم علم رکھتے ہو (تو بتاؤ) انھوں نے اپنے ایمان میں ظلم کی امیزش نہ کی ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی راہ پانے والے ہیں۔ بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ (ت)

بار دوم: از میرٹھ خیر نگر دروازہ مرسلہ مظہر الاسلام صاحب نبیرہ نواب ممتاز علی خان ۲۹ شوال ۱۳۳۷ھ

مجدد مائۃ حاضرہ حضرت مولانا بالفضل اولنا جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب دامت برکاتہم سلام وآداب کے بعد گزارش خدمت کہ ۲۸ جون ۲۹ رمضان المبارک کو رسالہ نظام المشائخ خدمت والا میں روانہ کرکے استدعا کی گئی تھی کہ براہ کرام سجدہ تحیت کے جواز وعدم جواز کی بابت شرع شریف کے مطابق اپنی قیمتی رائے سے خادم کو مطلع فرمایا جائے تاکہ یہ بے بضاعت جناب کے احسان وکرم کی وجہ سے اس عظیم شام مسئلہ میں تشفی واطمینان حاصل کرسکے چند روز ہوئے کہ جناب کہ معرکۃ الآرا تصنیف جو کہ تقویۃ الایمان کے رد وابطال میں تحریر خادم کی نظر سے گزری اس کے صفحہ ۴۳ پر سجدہ تحیت کے جواز میں جو عبارت مزین ہے وہ حسب ذیل ہے:

"وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ"[2]	اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کہ وہ سب سجدہ میں گرے سوائے ابلیس کے۔
"وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ"[3]	یوسف نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ سب یوسف کے لئے سجدے میں گرے۔

یہ خاک بدہن گستاخ اللہ تعالٰی ملائکہ آدم ویعقوب ویوسف علیہم الصلٰوۃ والسلام سب کا شرک ہوا۔ اللہ تعالٰی نے حکم دیا ملائکہ نے سجدہ کیا آدم راضی ہوئے یعقوب ساجد، یوسف رضامند"

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۸۲_۸۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۰

پھر جناب والا تحریر فرماتے ہیں: "اور یہاں نسخ کا جھگڑا پیش کرنا ہے محض جہالت۔ شرک کسی شریعت میں حلال نہیں ہو سکتا کبھی ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ شرک کا حکم دے اگرچہ اسے پھر کبھی منسوخ بھی فرمادے"

اگر جناب براہ کرام اپنی محققانہ رائے سے اس ناچیز کو مطلع فرمائیں گے تو یہ درحقیقت ایک بہت بڑی اسلامی خدمت متصور ہوگی۔ جناب کی مذکورہ بالا تحریر کے صریح معنی تو یہی سمجھ میں آئے کہ سجدہ تحیت جائز ہے والسلام مع الکرام۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم لك الحمد یا من خشعت له القلوب وخضعت له الاعناق وسجدت له الجباہ * وحرم السجود فی ھذا الدین المحمود * والشرع المسعود * لمن سواہ * صل وسلم وبارك علی اکرم من سجد لك لیلا ونھارا * وحرم السجود لغیرك تحریما جھارا * وعلی اله وصحبه الفائزین بخیرہ * الذین لم یشن اللہ وجوھھم بالخرور بغیرہ * نورنا اللہ بانوارھم * ووفقنا الاتباع اٰثارھم * اٰمین۔	اے اللہ! تعریف وتوصیف تیرے لئے ہے۔ اے وہ ذات کہ جس کے لئے دل عاجز ہوگئے۔ (یعنی ان میں فروتنی پیدا ہوگئی) اور اس کے لئے گردنیں جھک گئیں اور پیشانیاں سجدہ ریز ہوگئیں۔ اور اس اچھے دین اور باسعادت شریعت میں اس کے سوا کسی غیر کو سجدہ حرام ہوگیا۔ اے اللہ! درود وسلام اور برکت نازل فرما اس مقدس ہستی پر جو ان لوگوں میں سب سے بڑے کریم ہیں۔ جنھوں نے رات دن تجھے سجدہ کیا۔ اور تیرے سوا کسی دوسرے کو واضح طور پر سجدہ کرنا حرام فرمایا۔ اور ان کی آل اور ساتھیوں پر (نیز درود وسلام اور برکات نازل ہو) جو اس کی بھلائی میں کامیاب ہوگئے۔ وہ ایسے ہیں کہ کسی غیر کے آگے گرنے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو عیبناک نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے انوار سے روشن فرمائے اور ہمیں ان کے نشانات قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ اے اللہ! ہماری یہ دعا قبول فرمالیجئے! (ت)

مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان جان اور یقین جان کہ سجدہ حضرت عزت جلالہ کے سوا کسی کے لئے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدہ عبادت یقینا اجماعا شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین اور اس کے کفر ہونے میں اختلاف علمائے دین

ایک جماعت فقہاء سے تکفیر منقول اور عندالتحقیق وہ کفر صوری پر محمول۔ کما سیأتی بتوفیق المولٰی سبحنہ وتعالٰی (جیسا کہ اللہ تعالٰی پاک وبرتر کے توفیق دینے سے عنقریب یہ مسئلہ آئے گا۔ ت) ہاں مثل صنم وصلیب وشمس وقمر کے لئے سجدے پر مطلقًا کفار، کما فی شرح المواقف وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ شرح مواقف وغیرہ بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ ت) ان کے سوا مثل پیرومزار کے لئے ہرگز ہرگز نہ جائز ومباح جیسا کہ زید کا ادعائے باطل نہ شرک حقیقی نا مغفور جیسا کہ وہابیہ کا زعم عاطل۔ بلکہ حرام ہے۔ اور کبیرہ وفحشاء۔ "فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ"[1] (اللہ تعالٰی جس کو چاہے معاف کردیتا ہے اور جس کو چاہے سزادیتا ہے۔ ت) ابطال شرک کے لئے تو وہی واقعہ حضرت آدم اور مشہور جمہور پر حضرت یوسف بھی علیہما الصلٰوۃ والسلام دلیل کافی ہے۔ محال ہے کہ مولٰی کہ ملائکہ وانبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام میں سے کوئی کسی مخلوق کو اپنا شریک کرنے کا حکم دے اگرچہ پھر اس منسوخ بھی فرمائے اور محال ہے کہ ملائکہ وانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام میں سے کوئی کسی کو ایک آن کے لئے شریک خدا بنائے یا اسے روا ٹھہرائے، کوکبۃ الشہابیہ میں اسی کا بیان اور زعم وہابی کا ابطال بین البرہان۔ اس کا صرف اتنا مفاد و مقصود کہ وہابی کا شرک باطل و مردود، وہابی نے اس پر شرک نامغفور کا حکم لگا کر آدم ویعقوب ویوسف وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام سب کو معاذاللہ مشرک بنادیا۔ اور رب عزوجل کو (خاک بدہن گستاخی) شرک کا حکم دینے اور جائز رکھنے والا ٹھہرادیا۔ یہ ضرور حق اور افادہ جواز سے اجنبی مطلق کیا جو کچھ شرک نہ ہو سب جائز وروا ہے۔ یوں تو زناء وقتل وشرب وخمر واکل خنزیر سب کچھ حلال ٹھہرتا ہے کہ یہ باتیں بھی شرک نہیں تو معاذاللہ سب جائز ہوئی اور جہل صریح وضلال مبین۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت) اور ابطال اباحت کو احادیث متواترہ اور ائمہ دین کے نصوص وافرہ مسئلہ شرعیہ حدیث وفقہ سے لیا جائے گا اور ان میں اس کی تحریم متواتر اس کے ممنوع وناجائز وگناہ کبیرہ ہونے کی تصریحات متظافر، پرچہ نظام المشائخ دہلی رجب ۱۳۳۷ھ کا اس سوال کے ساتھ آیا اس میں متعلق سجدہ تحریر بے تحریر نے ایک ایسے نام سے انتساب پایا جس کی طرف اس کی نسبت نے عجب تعجب دلایا۔ اس تحریر میں اول تا آخر جہالتیں سفاہتیں عبارات و مطالب میں طرفہ خیانتیں، شرح مطہر پر شدید جراتیں حتی کہ خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سخت حملہ ہائے بے باک حضور ورب حضور پر افتراہائے ناپاک۔ پھر صحابہ وائمہ وفقہاء واولیاء کا کیا ذکر ان

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴

کی رفیع شان میں کمال زبان درازوں کی کیا فکر یہاں تک کہ ان کو نہ صرف جاہل ضدی سنگدل بتایا بلکہ بھر منہ شقی ملعون شیطان راندہ درگاہ ٹھہرایا۔ **وسیجزی اللہ الفاسقین کذٰلک یجزی الظالمین** (عنقریب اللہ تعالٰی نافرمانوں کو سزادے گا اور اسی طرح ظالموں کو بدلہ دے گا۔ت) یہ سب بھی اینہم پر علم تھے کہ اور ضلال کیا کم تھے جب مذہب نہیں کچھ عجب نہیں مگر سخت آفت یہ کہ عبارتیں کی عبارتیں جی سے گھڑیں اور صاف بے دھڑک مشہور کتابوں کی طرف نسبت کردیں تو وہ بھی اس جسارت کی شان سے کہ جلد وصفحہ وباب کے نشان سے مذہبی حالت کچھ سہی۔ جسے ادنی حیاوانسانیت کے دائرے میں رہنا پسند ہو کیونکر ان کا مرتکب ہوسکے اگر نہ رسالہ خبیثہ سیف النقی کی طرح پابند اثر دیوبند ہو نہ کہ ایک مشہور شخص جو پیش خویش صوفی وشیخ بننے کا خواہشمند ہو بہر حال مسلمانوں کو اس کے فریبوں سے بچانا لازم اشد جسے ہم نے بکر سے تعبیر کیا ہے کسے باشد مذکور سوال زید کے جتنے مگر ہیں سب مشتے از خروارہ بکر ہیں لہذا خبر گیری اسی کی کافی آئی **وکل الصید فی جوف الفراء**[1] (ہر شکار فراء کے پیٹ میں ہے۔ت) ایسی تحریرات اگرچہ قطعاً ناقابل التفات بعد اشاعت فاحشہ اس کا انسداد امر مہم۔

اب یہ مبارک جواب بتوفیق الوھاب چھ ۶ فصل پر منقسم:

فصل ۱: قرآن کریم سے سجدہ تحیت کی تحریم، یہ اس کا رد ہے جو بکر نے صفحہ ۸ پر کہا: "کوئی آیت سجدہ انسان کے خلاف قرآن میں کہیں بھی نہیں"

فصل ۲: چالیس حدیثوں سے سجدہ تحیت کی تحریم: یہ اس کا رد ہے جو بکر نے ایک ضعیف حدیث دکھا کر صفحہ ۹ پر کہا: "اسی حدیث کو سجدہ تعظیمی کے مخالف سند میں پیش کیا کرتے ہیں سوائے اس کے اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں" اللہ اکبر۔ متواترہ حدیثوں کے مقابل یہ ڈھٹائی۔

فصل ۳: ایک سودس نصوص فقہ سے سجدہ تحیت کی تحریم۔ یہ اس کا رد ہے جو بکر نے صفحہ ۲۳ پر کہا: "سوائے چند جاہل ضدی لوگوں کے کوئی سجدہ تعظیم کے خلاف نہ تھا" صفحہ ۲۴: "اس سے انکار کرنے والے شیطان کی طرح راندہ درگاہ ہوں گے" صفحہ ۱۰: سجدہ تعظیمی کا انکار موجب لعنت وپھٹکار "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ ﴿۲۲۷﴾ "[2] (بہت جلدی ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ الدیلمی حدیث ۴۴۱۳۸ ۱۶/ ۱۲۱ و تاج العروس فصل الفاء من باب الھمزۃ ۱/ ۹۶

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

فصل ۴: خود بکر کی سندوں اور اسی کے مستندوں اور اسی کے منہ سے قرآن مجید واحادیث متواترہ واجماع علماء واجماع اولیاء سے سجدہ تحیت حرام ہونے کا ثبوت یہ کاہے کارد ہے اسے بکر سے پوچھئے۔

فصل ۵: اس ذراسی تحریر میں بکر کے افتراء اختراع، کذب، خیانت، جہالت، سفاہت، کا اظہار

فصل ۶: سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بحث اور اس سے استدلال مجوز کا قاہر ابطال۔

وباللہ التوفیق والوصول الی التحقیق والحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا والہ وصحبہ اجمعین۔ آمین!	اور اللہ تعالٰی ہی سے کرم سے حصول توفیق ہے۔ اور تحقیق تک رسائی ہوسکتی ہے۔ ہر تعریف اللہ تعالٰی ہی کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ہمارے آقا اور مولٰی اور ان عذاب کی سب آل اور تمام ساتھیوں پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہو اے اللہ! ہماری دعا قبول فرمالیجئے۔ (ت)

فصل اول: قرآن کریم سے سجدۂ تحیت کی تحریم

قال ربنا تبارك وتعالٰی "وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ "[1]۔	(ہمارے رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا) نبی کو یہ نہیں پہنچتا کہ تمہیں حکم فرمائے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب ٹھہرالو کیا نبی تمہیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔

عبد بن حمید اپنی مسند میں سیدنا امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرمایا:

بلغنی ان رجلا قال یارسول اللہ نسلم علیك لما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجدلك قال لا ولکن اکرموا نبیکم واعرفوا الحق لاھلہ	مجھے حدیث پہنچی کہ ایک صحابی نے عرض کی یارسو اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہم حضور کو بھی ایسا ہی سلام کرتے ہیں جیسا کہ آپس میں کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں، فرمایا نہ بلکہ اپنے نبی کی تعظیم کرو اور سجدہ خاص حق خدا کا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

فانہ لا ینبغی ان یسجدوا لاحد من دون تعالٰی فانزل اللہ تعالٰی ماکان لبشر الی قول بعد اذا انتم مسلمون ○[1]	اسے اسی کے لئے رکھو اس لئے کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ سزاوار نہیں اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔

اکلیل فی استنباط التنزیل میں اس آیت کے نیچے یہی حدیث اختصار ذکر کرکے فرمایا: ففیہ تحریم السجود لغیر اللہ تعالٰی[2] (اس میں غیر خدا کے لئے حرمت سجدہ کا بیان ہے۔ت)

تو اس آیہ کریمہ نے غیر خدا کو سجدہ حرام فرمایا: آیت کی ایک شان نزول یہ بھی ہے کہ نصارٰی نے کہا ہمیں عیسٰی نے حکم دیا ہے کہ ہم ان کو خدا مانیں اس پر اتری، امام خاتم الحفاظ نے جلالین میں دونوں سبب یکساں بیان کئے:

نزل لما قال نصارٰی نجران ان عیسٰی امر ھم ان یتخذوا ربا اولما طلب بعض المسلمین السجود لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[3]	آیت مذکورہ اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے عیسائیوں نے کہا کہ حضرت عیسٰی السلام نے انھیں حکم دیا کہ وہ حضرت عیسٰی کو رب بنالیں، یا اس کا نزول اس وقت ہوا جب بعض مسلمانوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انھیں سجدہ کرنے کا مطالبہ کیا۔(ت)

اس نے ظاہر کردیا کہ دونوں سبب قوی ہیں کہ خطبہ میں وعدہ ہے کہ تفسیر میں وہی قول لائیں گے جو سب سے صحیح تر ہو اور بیضاوی ومدارک وابوسعود وکشاف وتفسیر کبیر میں وشہاب وجمل وغیرہم عامہ مفسرین نے اسی سبب اول کو ترجیح دی ہے کہ مسلمانوں نے حضور کو سجدے کی درخواست کی اس پر اتری خود آخر آیت میں فرمایا گیا تمھیں کفر کا حکم دیں بعد اس کہ تم مسلمان ہو تو ضرور مسلمان مخاطب ہیں جو خواہان سجدہ ہوئے تھے نہ کہ نصارٰی۔ مدارک شریف وکشاف میں ہے:

بعد اذا انتم مسلمون یدل علی ان المخاطبین کانوا مسلمین وھم الذین استأذنوہ ان	آیت کے الفاظ "بعد اذا انتم مسلمون" اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آیت کریمہ کے مخاطب مسلمان تھے

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبد بن حمید الحسن تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۴۷

[2] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵۴

[3] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۳/ ۸۰ اصح المطابع دہلی ۱/ ۲۴۰

یسجدوا لہ[1]۔	اور یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے انھیں سجدہ کرنے کی اجازت مانگی۔ (ت)

بیضاوی وارشاد العقل میں ہے:

دلیل ان الخطاب للمسلمین وھم المستأذنون لان یسجدوا لہ[2]۔	آیت میں یہ دلیل ہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں کو ہے۔ اور یہ وہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے حضور پاک سے انھیں سجدہ کرنے کی اجازت مانگی۔ (ت)

کبیر[3] میں قول کشاف نقل کرکے مقرر رکھا فتوحات میں ہے:

یقرب ھذا الاحتمال فی اٰخر الایۃ بعد اذ انتم مسلمون[4]۔	آیت کریمہ کے آخر میں "بعد اذ انتم مسلمون" کے الفاظ اس احتمال کے قریبی ہونے کو چاہتے ہیں۔ (ت)

عنایۃ القاضی میں ہے:

ھذا الفاصلۃ رجیح القول بانھا نزلت فی المسلمین القائلین افلا نسجدلك[5]۔	یہ فاصلہ اس قول کی ترجیح ہے کہ آیت اللہ مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی کہ جو حضور پاک سے عرض کررہے تھے کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں (ت)

تفسیر نیشاپوری میں بھی اس کی تقویت کی اقول وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں) خطاب نصارٰی پر انتم مسلمون میں مجاز کی ضرورت ہے کہ نصارٰی نجران مسلمان کب تھے تو معنی عـــــہ یہ لینے ہونگے ایامرکم اٰباء کم الاولین بالکفر بعد ان کانوا مسلمین۔ کیا عیسٰی تمھارے اگلے

عـــــہ: اقول: وتاویلی ھذا اصح و | اقول: میری یہ تاویل بیضاوی کے حاشیہ میں (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مدارك التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰۔ ۱/ ۱۶۶ وتفسیر کشاف تحت ۳/ ۸۰ انتشارات آفتاب تہران ۱/ ۴۴۰

[2] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) النصف الاول ص ۶۶ وارشاد العقل السلیم تحت آیۃ ۳/ ۸۰ الجزء الثانی ص ۵۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۳/ ۸۰ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر الجزء الثامن ص ۱۲۱

[4] الفتوحات الالٰھیہ تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۹۱

[5] عنایۃ القاضی علی انوازل التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ دار صادر بیروت ۳/ ۴۱

باپ داداؤں کو جوان کے زمانے میں دین حق پر تھے کفر کا حکم کرتے بعد اس کے کہ وہ ایمان لاچکے تھے اور خطاب مسلمین پر کفر حل تاویل کی حاجت ہے کہ مسلمان نے ہر گز سجدہ عبادت نہ چاہا۔

اوّلاً: یہ صحابہ سے معقول تھا روز اول سے توحید کا آفتاب عالم آشکار فرمادیا تھا موافق مخالف نزدیک کا دور ہر شخص جانتا تھا ہر گھر میں چرچا تھا کہ یہ ایک اللہ کی عبادت بلاتے اور شرک کے برابر کسی شیئ کو دشمن نہیں رکھتے تو کسی صحابی سے عبادات نبی کی درخواست اور وہ بھی خود نبی سے کیونکہ متصور تھی خصوصا سجدہ کی درخواست کرنے والے کون تھے، اجلہ صحابہ معاذ بن جنبل وقیس بن سعد و سلمان فارسی حتی کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہم جیسا کہ فصل احادیث میں آتا ہے۔

ثانیاً: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب میں یہی فرمایا کہ ایسا نہ کرو، یہ نہ فرمایا کہ تم عبادت غیر کی درخواست کرکے کافر ہوگئے تمھاری عورتیں نکاح سے نکل گئیں توبہ کرو دوبارہ اسلام لاؤ، پھر عورتیں راضی ہوں توان سے نکاح کرو۔

ثالثاً: سب سے زائد یہ کہ مولٰی تعالٰی بھی تو خود اسی آیت میں ان کو مسلمان بتارہا ہے کہ تم تو مسلمان ہو کیا تمھیں کفر کا حکم دیں۔

لہٰذا امام محمد بن حافظ الدین وجیز میں فرماتے ہیں:

قول تعالٰی مخاطبا الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم ایأمرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون، نزلت حین استأذنوا فی	اللہ عزوجل نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا کیا نبی تمھیں کفر کا حکم دیں بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو یہ آیت اس وقت اتری جب صحابہ نے رسول اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اظهر من تاویل الشهاب فی حاشیة البیضاوی اذ قال وان جاز ان یقال للنصارٰی انامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ای منقادون و مستعدون لقبول الدین الحق ارخاء للعنان واستدراجا[1] اھ ففیه مالایخفی علی نبیه ۱۲ منه۔	شہاب کی اس تاویل سے اصح واظہر ہے جو انھوں نے فرمایا کہ نصارٰی کو یہ کہنا کیا ہم تمھیں کفر کا حکم کرتے جب تم مسلمان ہو چکے اگر جائز ہے تو اس معنی میں کہ مطیع ہو چکے ہو اور دین حق کو قبول کرنے میں رغبت پیدا کرچکے ہو یہ بطور ارضاء عنان و استدراج ہے اھ تو اس تاویل میں اعتراض ہے جو سمجھدار پر مخفی نہیں ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] عنایۃ القاضی علی انوار التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ دار صادر بیروت ۳/ ۴۱

السجود له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ولایخفی ان الاستئذان لسجود التحیة بدلالة بعد اذ انتم مسلمون، ومع اعتقاد جواز سجدة العبادة لایکون مسلماً فکیف یطلق علیهم بعد اذ انتم مسلمون [1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی اور ظاہر ہے کہ انھوں نے سجدہ تحیت کی درخواست کی تھی اس دلیل سے کہ فرماتا ہے کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو اور سجدہ عبادت جائز مان کر مسلمان نہیں رہتا تو یہ کیونکر فرمایا جاتا کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) بعدہ یہی دلیل روشن کررہی ہے کہ کفر سے کفر حقیقی مراد نہیں کہ کفر حقیقی کی درخواست کرکے بھی مسلمان نہیں رہتا پھر کیونکر فرمایا جاتا کہ بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو،

وقد کان استدل به البعض القائلون بان سجدة التحیة کفر مطلقاً، وذکره فی الوجیز دلیلالهم، فانقلب الدلیل علی المدعی وثبت انها لیست بکفر کما علیه الجمهور والمحققون فاحفظ وتثبت وللّٰه الحمد۔	بعض لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو سجدہ تعظیمی کے علی الاطلاق کفر کے قائل ہیں، وجیز میں ان کی دلیل ذکر فرمائی۔ پھر دلیل دعوی پر پلٹ آئی تو یہ ثابت ہوگیا کہ سجدہ تعظیمی کفر نہیں جیسا کہ جمہور اور اہل تحقیق کا یہ موقف ہے۔ لہٰذا اس کو یاد رکھو اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔(ت)

لاجرم کفر سے مراد کفر دون کفر ہوگا جو محاورات شارح میں شائع ہے خصوصا سجدہ کہ نہایت مشابہ پرستش غیر ہے فصل دوم میں زمین بوسی کی نسبت کافی شرح وافی وکفایہ شرح ہدایہ وتبیین شرح کنز ودر مختار ومجمع الانہر وفتح اللہ المعین وجواہر اخلاطی وغیرہا سے آئے گا لانه یشبه عبادة الوثن [2] بت پرستی کے مشابہ ہے، تو سجدہ تو مشابہ تر کفر ہوگا، اس کی صورت بعینہا صورت کفر بلاادنی تفاوت ہے تو کفر صوری ضرور ہے جیسا کہ فصل دوم میں خلاصہ ومحیط ومنح الروض ونصاب الاحتساب وغیرہا سے آتا ہے ان هذا کفر صورة [3] سجدہ صورت کفر ہے۔

وهو احد منازع هذا الاطلاق فی	اہل علم کے کلام میں جو اطلاق ہے اس میں یہ

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوٰی الهندیه کتاب الفاظ تکون اسلاما اوکفرا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۴۳

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] منح الروض الازہر علی الفقه الاکبر فصل فی الکفر المصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

کلامهم کما سیأتی بعونه عزوجل۔	ایک تنازع کی جگہ ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی عزت والے اور بڑی شان والے کی مدد سے عنقریب آئے گا (ت)

بہر حال آیۃ کریمہ میں ایک طریقہ تجوز ہے لہٰذا امام خاتم الحفاظ نے دونوں شان نزول برابر رکھیں اور شک نہیں کہ ایک ایک آیت کے لئے کئی کئی شان نزول ہوتے ہیں اور قرآن کریم اپنے جمیع وجوہ پر حجت ہے کما فی التفسیر الکبیر وشرح المواهب للزرقانی وغیرهما (جیسا کہ تفسیر کبیر اور شارح مواہب اللدنیہ زرقانی وغیرہما میں ہے۔ت) تو قرآن عظیم نے ثابت فرمایا کہ سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے کہ مشابہ کفر ہے والعیاذ باللہ تعالٰی صحابہ کرام نے حضور کو سجدہ تحیت کی اجازت چاہی اس پر ارشاد ہوا کیا تمہیں کفر کا حکم دیں، معلوم ہوا کہ سجدہ تحیت ایسی قبیح چیز ایسا سخت حرام ہے جسے کفر سے تعبیر فرمایا: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سجدہ تحیت کا یہ حکم ہے پھر اوروں کا کیا ذکر۔ واللہ الہادی۔

فصل دوم: چالیس حدیثوں سے تحریم سجدۂ تحیّت کا ثبوت

حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آتی ہے۔ ائمہ وصلحاء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں ہم بتوفیقہ تعالٰی یہاں غیر خدا کو سجدہ حرام ہونے کی چہل حدیث لکھتے ہیں یہ حدیثیں دو ۲ نوع:

نوع اول: سجدہ غیر کی مطلقاً ممانعت۔

حدیث عـــہ **اول ۱:** جامع ترمذی وصحیح ابن حبان وصحیح مستدرک ومسند بزار وسنن بیہقی میں ابوہریرہ

عـــہ: رأیته فی جامع الترمذی وغره فی الدر المنثور [1] تحت قوله عزوجل الرجال قوامون علی النساء للبزار والحاکم والبیهقی وفی نکاح والترغیب، [2] وذیل الجامع [3] الصغیر لابن حبان اقتصر فی هذا علی مرفوعه مشیا من الکتاب علی موضوعه ووقع فی کنز العمال [4] رمزن للنسائی وهو تصحیف ت للترمذی ۱۲منه۔	میں نے یہ حدیث جامع ترمذی میں دیکھی ہے اور اس کو در منثور نے آیۃ کریمہ "الرجال قوامون علی النساء" کی تفسیر میں بزار حاکم اور بیہقی کی طرف منسوب کیا ہے اور ترغیب کے باب نکاح اور جامع صغیر کے ذیل میں اس کو ابن حبان کی طرف منسوب کیا اور اس میں صرف مرفوع حصہ پر اقتصار کیا ہے اپنی کتاب کے موضوع کے مطابق اور کنز العمال میں رمزن نسائی واقع ہے حالانکہ یہ رمزت کی جگہ ن کو ذکر کردیا گیا ہے یعنی ترمذی کے بجائے غلطی سے نسائی کا رمز کردیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

[1] الدر المنثور تحت آیۃ الرجال قوامون الخ ۲/ ۱۵۲

[2] الترغیب والترہیب حدیث ۱۹ /۳/ ۵۴

[3] کنز العمال حدیث ۴۴۷۹۴ /۱۶/ ۳۳۶

[4] کنز العمال حدیث ۴۴۷۷۳ /۱۶/ ۳۳۲

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال جاءت امرأة الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالت یارسول اللہ اخبرنی ماحق الزوج علی الزوجة قال لوکان ینبغی لبشر ان یسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها اذا دخل علیها لما فضله اللہ علیها هذا لفظ البزار[1] والحاکم والبیهقی وعند الترمذی المرفوع منه بلفظ لوکنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[2]۔	ایک عورت نے بارگاہ رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ شوہر کا عورت پر کیا حق ہے۔ فرمایا اگر کسی بشر کو لائق ہوتا کہ وہ دوسرے بشر کو سجدہ کرے تو میں عورت کو فرماتا کہ جب شوہر گھر میں آئے اسے سجدہ کرے اس فضیلت کے سبب جو اللہ نے اسے اس پر رکھی ہے یہ الفاظ بزر، حاکم اور بیہقی کے ہیں۔امام ترمذی کے ہاں مرفوع الفاظ یہ ہیں کہ اگر کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم فرماتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔امام ترمذی فرماتے ہیں حدیث حسن صحیح ہے۔(ت)

حدیث عـــه **دوم**[2]: بزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حائطا فجاء بعیر فسجد له فقالوا هذه بهیمة لاتعقل سجدت لك ونحن نعقل فنحن ان نسجد لك فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لبشر ان یسجد بشر لو صلح لامرت المرأة	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک اونٹ نے حاضر ہو کر حضور کو سجدہ کیا صحابہ نے عرض کی یہ بے عقل چوپایہ ہے اس نے حضور کو سجدہ کیا ہم تو عقل رکھتے ہیں ہمیں زیادہ لائق ہے کہ حضور کو سجدہ کریں۔فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

عـــه: شروح الشفاء الخفاجی والقاری و مناهل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للامام خاتم الحافظ ۱۲منه۔	شفاء شریف کی شروح خفاجی اور قاری کی اور مناہل الصفا تخریج احادیث الشفاء امام خاتم الحفظ کی۔ ۱۲منہ (ت)

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۱۴۶۶ باب حق الزوج علی زوجته مؤسسة الرساله بیروت ۲/ ۱۷۸، المستدرك للحاکم کتاب النکاح ۲/ ۱۸۹ و الترغیب والترهیب بحواله البزار والحاکم ۳/ ۵۴

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی الزوج علی المرأة امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸

ان تسجد لزوجها لما له من الحق علیها[1]۔	آدمی کو لائق نہیں کہ آدمی کو سجدہ کرے ایسا مناسب ہوتا تو میں عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے اس حق کے سبب جو اس کا اس پر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے مناہل الصفا میں فرمایا: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

حدیث عـــہ **سوم** ۳: احمد ونسائی وبزار وابونعیم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کان اهل بیت من الانصار لهم جمل یسنون علیه وانه استصعب علیهم (فذکر القصة الی قوله) فلما نظر الجمل الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خر ساجدا بین یدیه فقال له اصحابه یا رسول الله هذه بهیمة لاتعقل تسجد لك ونحن نعقل فنحن احق ان	یعنی انصار میں ایک گھر کا آبکشی کا اونٹ بگڑ گیا کسی کو پاس نہ آنے دیتا کھیتی اور کھجوریں پیاسی ہوئیں۔ سرکار میں شکایت عرض کی، صحابہ سے ارشاد ہوا چلو باغ میں تشریف فرما ہوں۔ اونٹ اس کنارے پر تھا۔ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف چلے۔ انصار نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ بورانے (باؤلے) کتے کی طرح ہوگیا ہے مبادا حملہ کرے۔ فرمایا ہمیں اس کا اندیشہ نہیں۔ اونٹ حضور کو دیکھ کر

عـــہ: عزاہ لاحمد فی الدر المنثور[2] وله للنسائی فی المواهب[3] وفی الترغیب البزار قال المنذری رواہ النسائی مختصرا[4] اھ ورأیته لابی نعیم فی دلائل النبوة ووقع فی کنز العمال[5] رمز ت للترمذی وهو تصحیف ن للنسائی عکس ماسبق علقه الترمذی عن کثیرین تحت حدیث ابی هریرة الاول منهم الانس رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ غفرلہ۔	در منثور میں احمد اور مواہب میں حمد اور نسائی کی طرف منسوب ہے اور ترغیب میں بزار کا اضافہ ہے۔ امام منذری نے کہا۔ اور اس کو نسائی نے مختصرا روایت کیا ہے اھ اور میں نے ابونعیم کی دلائل النبوۃ میں دیکھا کہ اور گزشتہ غلطی کے برعکس یہاں غلطی ہے اس کو ترمذی نے ابوہریرہ کی حدیث کے تحت حضرات سے بطور تعلیق روایت کیا ہے ان حضرات میں پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہم ہیں۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] مجمع الزوائد بحوالہ احمد والبزار باب فی معجزاته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الخ دار الکتب بیروت ۹/ ۱۷، نسیم الریاض فصل فی الآیات فی ضروب الحیوانات ۳/ ۸۰، ۸۱ و شرح الشفاء لملا علی قاری علی ہامش نسیم الریاض ۳/ ۸۰

[2] الدر المنثور ۲/ ۱۵۴

[3] المواهب اللدنیه معجزات کلام الحیوانات ۲/ ۵۴۹

[4] الترغیب والترهیب حدیث ۲۰ ۳/ ۵۵

[5] کنز العمال حدیث ۷۷ ۴۴ ۱۶/ ۳۳۳

نسجد لك قال لایصلح لبشران یسجد لبشرولو صلح ان یسجد بشر لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من عظم حقه علیها[1] وعند النسائی مختصرًا۔	چلا اور قریب آکر حضور کے لئے سجدہ میں گرا حضور نے اس کے ماتھے کے بال پکڑ کر کام میں دے دیا وہ بکری کی طرح ہو گیا (آگے وہی ہے کہ) صحابہ نے عرض کی ہم تو ذی عقل ہیں ہم زیادہ مستحق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا آدمی کو لائق نہیں کہ کسی بشر کو سجدہ کرے ورنہ میں عورت کو مرد کے سجدے کا حکم فرماتا۔

امام منذری نے کہا اس حدیث کی سند جید ہے اور اس کے راوی مشاہیر ثقہ۔

حدیث عـــہ **چہارم** ۴: امام احمد و بزار و ابو نعیم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال دخل النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حائطا الانصار ومعه ابو بکر وعمر فی رجال من الانصار وفی الحائط غنم فسجدن له فقال ابو بکر یا رسول اللہ کنا نحن احق بالسجود لك من هذه الغنم قال انه لاینبغی فی امتی ان یسجد احد لاحد ولو کان ینبغی ان یسجد احد لاحد	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما ہوئے صدیق و فاروق اور کچھ انصار رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمرکاب تھے باغ میں بکریاں تھیں انھوں نے حضور کو سجدہ کیا صدیق نے عرض کی یا رسول اللہ! ان بکریوں سے ہم زیادہ حقدار ہیں اس کے کہ حضور کو سجدہ کریں، تو فرمایا بیشک میری امت میں نہ چاہئے کہ کوئی کسی کو سجدہ کرے۔

عـــہ: عزاه فی المواهب[2] لابی محمد عبداللہ بن حامد الفقیه فی کتاب دلائل النبوة له فقال الزرقانی مابعد المصنف التجوز فقد رواه احمد والبزار[3] وکذٰلك عزاه لهما الامام السیوطی فی مناهل الصفا فی تخریج حدیث الشفاء ورأیته ابی نعیم فی دلائل النبوة والیه عزا فی الخصائص[4] ۱۲ منه۔	مواہب میں اس کو ابو محمد بن عبداللہ بن حامد فقیہ کی کتاب دلائل النبوۃ کی طرف منسوب کیا ہے تو زرقانی نے کہا مصنف کا مجازا ذکر ہے۔ تو اس کو احمد اور بزار نے روایت کیا اور یونہی امام سیوطی نے مناہل الصفا میں ان دونوں کی طرف منسوب کیا اور میں نے اس کو ابو نعیم کی دلائل النبوۃ میں دیکھا ہے اور امام السیوطی نے خصائص میں اس کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی والعشرون الجزء الثانی عالم الکتب بیروت ص ۱۳۷، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۵۹۔۱۵۸

[2] المواہب اللدنیہ ۲/ ۵۵۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ ۵/ ۱۴۳

[4] الخصائص الکبرٰی ۲/ ۲۶۵

لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[1]۔	اور ایسا مناسب ہوتا تو میں عورت کو شوہر کو سجدے کا حکم فرماتا۔

ملا علی قاری نے شرح الشفاء امام قاضی عیاض میں کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم[۵]: بیہقی وابو نعیم دلائل النبوۃ میں عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

بینما نحن قعود مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا تاہ اٰت فقال یا رسول اللہ ناضح آل فلاں قد ابق علیھم فنھض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (فذکر القصۃ وفیہ سجود البعیر لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) قال فقال اصحابہ یا رسول اللہ بھیمۃ من البھائم تسجد لك لتعظیم حقك فنحن احق ان نسجد لك قال لا لو کنت آمرا احدا من امتی ان یسجد بعضھم لبعض لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن[2]۔	ہم خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے کسی نے آکر عرض کی فلاں گھر کا شتر آبکش بے قابو ہوگیا حضور اٹھے اور ہم ہمراہ رکاب اٹھے ہم نے عرض کی حضور! اس کے پاس نہ جائیں۔ حضور تشریف لے گئے اونٹ کی نظر جمال انور پر پڑنا اور اس کا سجدے میں گرنا صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ایک چوپایہ تو حضور کی تعظیم حق کے لئے حضور کو سجدہ کرے ہم زیادہ اس کے لائق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: نہیں اگر میں اپنی امت میں ایک دوسرے کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورتوں کو فرماتا کہ شوہروں کو سجدہ کریں۔

حدیث ششم[۶]: احمد مسند اور حاکم مستدرک اور طبرانی معجم کبیر اور بیہقی ابو نعیم دلائل النبوۃ اور بغوی شرح سنہ میں یعلٰی بن مرۃ ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	ایک روز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] نسیم الریاض فصل فی الآیات فی ضروب الحیوانات مرکز اہلسنت برکات رضا عجزات للھند ۳/ ۸۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثامن والعشرون ذکر سجود البھائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۵

[2] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثامن والعشرون ذکر سجود البھائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۷

یوماً فجاء بعیر یرغو حتی سجد له فقال المسلمون نحن احق ان نسجد للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال لوکنت اٰمرا احدا ان یسجد لغیر الله تعالٰی لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	باہر تشریف لئے جاتے تھے ایک اونٹ بولتا ہوا آیا قریب آکر حضور کو سجدہ کیا۔ مسلمانوں نے کہا ہمیں تو زیادہ لائق ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو فرماتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

جانتے ہو یہ اونٹ کیا کہتا ہے۔ یہ کہہ رہا ہے کہ اس نے چالیس برس اپنے آقا کی خدمت کی جب بوڑھا ہوا انھوں نے اس کا چارہ کم اور کام زیادہ کر دیا اب کہ ان کے یہاں شادی ہے چھری لی کہ حلال کریں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے مالکوں سے فرما بھیجا کہ اونٹ یہ شکایت کرتا ہے۔ انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! واللہ وہ سچ کہتا ہے۔ فرمایا میں تو چاہتا ہوں کہ تم اسے میری خاطر چھوڑ دو، انھوں نے چھوڑ دیا۔ مطالع المسرات میں کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حدیث ہفتم ۷: مسند امام احمد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان فی نفر من المهاجرین والانصار فجاء بعیر فسجد له فقال اصحابه یا رسول الله تسجد لك البهائم والشجر فنحن احق ان نسجد لك فقال اعبدوا ربکم واکرموا اخاکم ولوکنت آمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جماعت مہاجرین وانصار میں تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ نے آکر حضور کو سجدہ کیا صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ چوپائے اور درخت حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو ہم تو زیادہ مستحق ہیں کہ حضور کو سجدہ کریں۔ فرمایا: اللہ کی عبادت کرو اور ہماری تعظیم۔ اگر میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم کرتا تو عورت کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کا صرف اخیر ٹکڑا کہ "اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم کرتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا" سنن ابن ماجہ میں بھی ہے اور اسی قدر ترغیب میں ابن حبان اور در منثور میں ابوبکر بن ابی شیبہ کی طرف نسبت کیا۔

---

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۶

[2] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۷۶

حدیث ہشتم: ابونعیم دلائل میں ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ سے راوی:

قال اشتری انسان من بنی سلمة جملا ینضح علیه فادخله فی مربد فجرد کیما یحمل فلم یقدر احد ان یدخل علیه الا تخبطه فجاء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فذکر له ذٰلك فقال افتحوا عنه فقالوا انا نخشی علیك یا رسول الله فقال افتحوا منه فقتحوا فلما راٰه الجمل خر ساجدا فسبح القوم وقالوا یارسول الله کنا احق بالسجود من هذه البهیمة قال لو ینبغی شیئ من الخلق ان یسجد لشیئ دون الله ینبغی للمرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	بنی سلمہ میں کسی نے ایک اونٹ آبکشی کو خرید کر سار میں کردیا جب اسے لادنا چاہا جو پاس جاتا اس پر حملہ کرتا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے۔ سرکار میں یہ حال معروض ہوا ارشاد ہوا دروازہ کھولو، کھول دیا۔ اونٹ کی نگاں جمال انور پر پڑنی تھی کہ حضور کے لئے سجدہ میں جاگرا۔ حاضرین میں سبحان اللہ سبحان اللہ کا شور پڑگیا۔ پھر عرض کی: یارسول اللہ! ہم تو اس چوپائے سے زیادہ سجدہ کرنے کے سزاوار ہیں۔ فرمایا: اگر مخلوق میں کسی کو کسی غیر خدا کے لئے سجدہ مناسب ہوتا تو عورت کو چاہئے تھا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

حدیث نہم ۹: ابونعیم غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال خرجنا مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی بعض اسفاره فرأینا عنه عجبا من ذٰلك انا مضینا فنزلنا فجاء رجل فقال یا نبی الله انه کان لی حائط فیه عیشی وعیش عیالی ولی فیه ناضحان فاغتلما علی فمنعانی نفسهما وحائطی وما فیه ولایقدر احد ان یدنو منهما فنهض نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	ہم ایک سفر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رکاب انور میں تھے ہم نے ایک عجیب بات دیکھی ہم ایک منزل میں اترے وہاں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی: یا نبی اللہ! میرا ایک باغ ہے کہ میری اور میرے عیال کی وہی وجہ معاش ہے اس میں میرے دو شتر آبکش تھے دونوں مست ہوگئے ہیں نہ اپنے پاس آنے دیں نہ باغ میں قدم رکھنے دیں کسی کی طاقت نہیں کہ قریب جائے، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع صحابہ کرام اٹھ کر

[1] دلائل النبوۃ الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۶

باصحابه حتی اتی الحائط فقال لصاحبه افتح فقال یانبی الله امرهما اعظم من ذلك قال افتح فلما حرك الباب قبلا لهما جلبة کحفیف الریح فلما انفرج الباب ونظرا الی نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم برکا ثم سجدا فاخذ نبی الله بروسهما ثم دفعهما الی صحابهما فقال استعملهما واحسن علفهما فقال القوم یانبی الله تسجدلك البهائم فبلاء الله عندنا بك احسن حین هدانا الله من الضلالة واستنقذنا بك من المهالك افلا تأذن لنا فی السجود لك فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان السجود لیس لی الاللحی الذی لایموت ولو انی امر احدا من هذه الامة بالسجود لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	اس کے باغ کو گئے، فرمایا کھول دے، عرض کی یانبی اللہ! ان کا معاملہ اس سے سخت تر ہے۔ فرمایا کھول، دروازے کو جنبش ہونی تھی کہ دونوں شور کرتے ہوا کی طرح جھپٹے، دروازہ کھلا اور انھوں نے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا تو فورا سجدے میں گر پڑے۔ حضور نے ان کے سر پکڑ کر مالک کے سپرد کردئے اور فرمایا ان سے کام لے اور چارہ بخوبی دے۔ حاضرین نے عرض کی یانبی اللہ! چوپائے حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو حضور کے سبب ہم پر اللہ کی نعمت تو بہتر ہے، اللہ نے گمراہی سے ہم کو راہ دکھائی اور حضور کے ہاتھوں پر ہمیں دنیا و آخرت کے مہلکوں سے نجات دی کیا حضور ہم کو اجازت نہ دیں گے کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میرے لئے نہیں وہ تو اسی زندہ کے لئے ہے جو کبھی نہ مرے گا امت میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

حدیث دہم ۱۰: طبرانی کبیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رجلا من الانصار کان له فحلان فاغتلما فادخلها حائطا فسد علیهما الباب ثم جاء الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاراد ان یدعوله والنبی صلی الله تعالٰی علیه	اس میں بھی حدیث ہشتم کی طرح دو اونٹوں کا مست ہونا ہے وہ سفر کا قصہ تھا اس میں یہ ہے کہ ان کے مالک انصاری دعا کرانے آئے کہ اللہ تعالٰی ان اونٹوں کو مسخر فرمادے اور حضور تشریف لے گئے دروازہ کھلوایا

[1] دلائل النبوۃ الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البهائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۳۰۷۔۱۳۶

وسلم قاعد ومعه نفر من الانصار (فساق الحدیث وفیه) فقال افتح ففتح الباب فاذا احدا الفحلین قریب من الباب فلما رأى النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم سجد له فشد رأسه وامکنه منه ثم مشى الى اقصى الحائط الى الفحل الاخر فلما رأه وقع له ساجدا فشد رأسه وامکنه منه وقال اذهب فانهما لا یعصیانك وفیه قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لا آمر احدا ان یسجد لاحد ولا آمرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها [1]۔	ایک دروازے کے قریب تھا دیکھتے ہی سجدے میں گرا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے باندھ کر حوالہ مالک کیا پھر منتہائے باغ پر تشریف لے گئے دوسرا وہاں ملا اس نے بھی سجدہ کیا اسے بھی باندھ کر حوالہ کیا اور درخواست سجدہ پر ارشاد ہوا میں کسی کو کسی کے سجدہ کے لئے نہیں فرماتا ایسا فرمانا ہوتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا حکم کرتا۔ تغایر سیاق دلیل ہے کہ یہ جدا واقعہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث یازدہم": عبد بن حمید وابوبکر بن ابی شیبہ ودارمی واحمد وبزار وبیہقی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وهذا لفظ الدارمی فی حدیث طویل مشتمل علی معجزات قال خرجت مع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی سفر (فذکر معجزتین الی ان قال) ثم سرنا ورسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بیننا کانما علی رؤسنا الطیر تظلنا فاذا جمل ناد، حتی اذا کان بین سماطین خر ساجدا (ثم ساق الحدیث الی ان قال) قال المسلمون	"میں ایک سفر میں ہمراہ رکاب والا تھا قضائے حاجت کے لئے پردے کی ضرورت تھی دو پیڑ چار گز کے فاصلے سے تھے مجھ سے فرمایا: اے جابر اس پیڑ سے کہہ دے کہ دوسرے سے مل جا۔ فورا مل گئے۔ بعد فراغ اپنی اپنی جگہ چلے گئے پھر سوار ہوا راہ میں ایک عورت اپنا بچہ لئے ملی۔ عرض کی: یارسول اللہ! اسے ہر روز تین دفعہ شیطان دباتا ہے حضور نے اس سے بچہ لے کر تین بار فرمایا: دور ہوائے خدا کے دشمن! میں

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۰۰۳ المکتبه الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۵۷-۳۵۶

عند ذٰلك یا رسول الله نحن احق بالسجود لك من البهائم قال لاینبغی لشیئ ان یسجد لشیئ ولو کان ذٰلك کان النساء لازواجهن [1]۔	اللہ کا رسول ہوں پھر بچہ اس کی ماں کو دے دیا۔ جب ہم پلٹتے ہوئے اسی منزل میں پہنچے وہی بی بی اپنا بچہ اور دو دنبے لئے حاضر ہوئی عرض کی یا رسول اللہ میرا ہدیہ قبول فرمائیں قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا کہ جب سے بچے کے خلل نہ ہوا۔ حضور نے فرمایا ایک دنبہ لے لو ایک پھیر دو۔ پھر ہم چلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ میں تھے گویا ہمارے سروں پر پرندے سایہ کئے ہیں ناگاہ ایک اونٹ چھوٹا ہوا آیا جب دونوں قطاروں کے بیچ میں ہوا سجدہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مالک حاضر ہو کچھ انصاری جوان حاضر ہوئے کہ یارسول اللہ! یہ ہمارا ہے فرمایا اس کا کیا قصہ ہے۔ عرض کی بیس برس سے ہم نے اس پر آبکشی نہ کی یہ فربہ چربی دار ہے اب چاہا کہ اسے حلال کرکے بانٹ لیں یہ ہم سے چھوٹ آیا۔ فرمایا یہ ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ عرض کی بلکہ یارسول اللہ! وہ حضور کی نذر ہے۔ فرمایا اگر میرا ہے تو اس کے مرتے دم تک اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو، یہ دیکھ کر مسلمان نے عرض کی: یارسول اللہ! چوپاؤں سے زیادہ ہمیں لائق ہے کہ حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: کسی کو کسی کا سجدہ مناسب نہیں ورنہ عورتیں شوہر کو کرتیں"۔

امام جلیل سیوطی نے مناہل میں فرمایا: اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ امام قسطلانی نے مواہب شریف اور علامہ فاسی نے مطالع میں فرمایا: جید ہے۔ زرقانی نے کہا: اس کے سب راوی ثقہ ہے۔

حدیث دوازدہم ۱۲: بزار مسند اور حاکم مستدرک اور ابونعیم دلائل اور امام فقیہ ابواللیث تنبیہ الغافلین میں باسانید خود بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

[1] سنن الدارمی باب ما اکرم الله به نبیه من ایمان الشجر به والبهائم والجن دار المحاسن للطباعة القاہرہ ص ۱۸۔۱۹

واللفظ لابی نعیم تعالی جاء اعرابی الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قد اسلمت فأرنی شیئا ازددبہ یقینا فقال ماالذی ترید قال ادع تلك الشجرۃ ان تاتیك قال اذھب فادعھا فاتاھا الاعرابی فقال اجیبی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمالت علی جانب من جوانبھا فقطعت عروقھا ثم مالت علی الجانب الاٰخر فقطعت عروقھا حتی اتت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالت السلام علیك یا رسول اللہ فقال الاعرابی حسبی حسبی فقال لھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارجعی فرجعت فجلست علی عروقھا وفروعھا فقال الاعرابی ائذن لی یا رسول اللہ ان اقبل راسك ورجلیك ففعل ثم قال ائذن لی ان اسجد لك قال لا یسجد احد لاحد ولو امرت احدا ان یسجد لاحد لا مرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا لعظم حقہ علیھا [1] ولفظ الفقیہ قال اتأذن لی ان اسجد لك قال لاتسجد لی ولا یسجد احد لاحد من الخلق ولوکنت اٰمرا احدا بذٰلك لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا تعظیما لحقہ [2]۔	ایک اعرابی نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ ! میں اسلام لایاہوں مجھے ایسی چیز دکھائے کہ میرا یقین بڑھے۔فرمایا: کیا چاہتاہے۔عرض کی: حضور ! اس درخت کو بلائیں کہ حضور میں حضور فرمایا: جا بلا۔وہ اعرابی درخت کے پاس گئے اور کہا تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاد فرماتے ہیں۔وہ فورا ایک طرف کو اتنا جھکا کہ ادھر کے ریشے ٹوٹ گئے پھر ادھر اتنا جھکا کہ ادھر کے ریشے ٹوٹ گئے پھر چلااور حضور انور میں حاضر ہو کر صاف زبان سے کہا سلام حضوپر اے اللہ کے رسول۔اعرابی نے کہا: مجھے کافی مجھے کافی۔رسول اللہ صلی الہ تعالٰی علیہ وسلم نے درخت سے فرمایا: پلٹ جا، فورا واپس ہوا اور انھیں ریشوں پر مع شاخوں کے بدستور جم گیا۔اعرابی نے عرض کی : یارسول اللہ ! مجھے اجازت عطا ہو کہ سر اقدس اور دونوں پائے مبارک کو بوسہ دوں حضور نے اجازت دی۔پھر عرض کی اجازت عطا ہو کو حضور کو سجدہ کرو۔فرمایا: مجھے سجدہ نہ کرنا مخلوق میں کوئی کسی کے لئے سجدہ نہ کریں میں کسی کے لیے اس کا حکم کرتا تو عورت کو حکم کرتا کہ حق شوہر کی تعظیم کے لئے اسے سجدہ کرے۔حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث سیزدہم ۱۳: امام احمد وابن ماجد وابن حبان وبیہقی عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

واللفظ لابن ماجۃ قال لما قدم معاذ من	جب معاز بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ شام سے آئے تو رسول اللہ

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثالث والعشرون عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۱۳۸

[2] تنبیہ الغافلین باب حق الزوج علی زوجتہ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۴۰۶

الشام سجد للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ماھذا یا معاذ. قال اتیت الشام فوافقتھم یسجدون لاساقفتھم وبطارفتھم فوددت فی نفسی ان نفعل ذٰلك بك فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا تفعلوا فانی لوکنت امرا احدا ان یسجد لغیر اللہ تعالٰی لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ حضور نے فرمایا: معاذ! یہ کیا، عرض کی: میں ملک شام کو گیا وہاں نصارٰی کو دیکھا کہ اپنے پادریوں اور سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں تو میرا دل چاہا کہ ہم حضور کو سجدہ کریں، فرمایا: نہ کرو۔ میں اگر سجدہ غیر خدا کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ حدیث حسن ہے اس کی سند میں کوئی ضعیف نہیں۔ ابن حبان نے اس کو صحیح روایت کیا اور منذری نے اس کے صالح ہونے کا اشارہ کیا۔

حدیث چہاردہم ۱۴: حاکم صحیح مستدرک میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انہ اتی الشام فرأی النصارٰی یسجدون لاساقفتھم و رھبانھم ورأی الیھود یسجدون لاحبارھم و ربانیھم فقال لای شیئ تفعلون ھذا؟ قالو اھذا تحیۃ لانبیاء قلت فنحن احق ان نصنع بنبینا فقال نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم کذبوا علی انبیاء ھم کما حرفوا کتابھم لو امرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا من عظم حقہ علیھا[2]۔	وہ شام کو گئے دیکھا نصارٰی نے اپنے پادریوں اور فقیروں کو سجدہ کرتے ہیں اور یہود اپنے عالموں اور عابدوں کو، ان سے پوچھا یہ کیوں کرتے ہو بولے یہ انبیا کی تحیت ہے۔ معاذ فرماتے ہیں میں نے کہا تو ہمیں زیادہ سزاوار ہے کہ ہم اپنے نبی کو کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اپنے انبیاء پر بہتان کرتے ہیں جیسے انھوں نے اپنی کتاب بدل دی ہے کسی کو کسی کے سجدہ کا حکم فرماتا تو شوہر کے عظیم حق کے سبب عورت کو۔

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

[2] الدر المنثور بحوالہ حاکم عن معاذ بن جبل تحت آیۃ ۴/ ۳۴ مکتبہ آیۃ العظمٰی قم ایران ۲/ ۱۵۴، مجمع الزوائد عن معاذ بن رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب النکاح حق الزوج علی المرأۃ دار الکتاب بیروت ۴/ ۱۰-۳۰۹

حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پانزدہم ۱۵: امام احمد مسند اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور طبرانی کبیر میں معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

انه لما رجع من اليمن قال يارسول الله رأيت رجالا باليمن يسجد بعضهم لبعض افلا نسجد لك قال لو كنت اُمرا بشرا يسجد بشرا لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	وہ جب یمن سے واپس آئے عرض کی یارسول اللہ میں نے یمن میں لوگوں کو دیکھا ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں تو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں، فرمایا: اگر میں کسی بشر کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو سجدہ شوہر کا۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یہ حدیث صحیح ہے اس کے سب راوی رجال بخاری و مسلم ہیں اور جب دونوں حدیثیں صحیح ہیں لاجرم دو واقعے ہیں اول بارشام میں یہود ونصاری کو دیکھ کر آئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کیا جس پر ممانعت فرمائی دوبارہ اہل یمن کو دیکھ کر آئے اب اپنے مولٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کے کمال شوق میں یا تو پہلا واقعہ ذہن سے اتر گیا یا اس میں بوجہ مخالفت یہود ونصاری کہ آخر میں عمل نبوی اسی پر تھا نہی ارشاد کو محتمل سمجھا اور بسبب احتمال نہی حتمی اس بار پہلے کی طرح سجدہ کیا نہیں حرف اذن چاہا اور ممانعت فرمائی گئی واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث شانزدہم ۱۶: ابوداؤد سنن اور طبرانی کبیر میں اور حاکم وبیہقی نے قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال اتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فقلت رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم احق ان يسجد له. قال فاتيت النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم فقلت اني اتيت الحيرة فرأيتهم	میں شہر حیرہ میں (کہ قریب کوفہ ہے) گیا وہاں کے لوگوں کو دیکھا اپنے شہریار کو سجدہ کرتے ہیں میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زیادہ مستحق سجدہ ہیں۔ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ حال وخیال عرض کیا: فرمایا بھلا اگر تمہارے

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۸۔۲۲۷، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ واحمد تحت آیۃ ۴/ ۳۴ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۱۵۳، المعجم الکبیر حدیث ۳۷۳ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ص۱۷۵، ۱۷۴

یسجدون لمرزبان لھم فانت یارسول اللہ احق ان نسجد لك قال ارأیت لو مررت بقبری اکنت تسجد له قلت لا قال فلا تفعلوا لو کنت امرا احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء ان یسجدن لازواجھن لما جعل اللہ لھم علیھن من الحق[1]۔	مزار کو پر گزرو تو کیا مزار کو سجدہ کروگے۔میں نے عرض کی:نہ۔فرمایا:تو نہ کرو۔میں کسی کو کسی کے سجدے کا حکم دیتا تو عورتوں کو شوہروں کے سجدے کا حکم فرماتا اس حق کے سبب جو اللہ تعالٰی نے ان کا ان پر رکھا ہے۔اور ابوداؤد نے سکوت اس حدیث کو حسن بتایا اور حاکم نے تصریحا کہا یہ حدیث صحیح ہے اور ذہبی نے تلخیص میں اسے مقرر رکھا۔کما فی الاتحاف(جیسا کہ اتحاف میں ہے۔ت)

حدیث ہفدہم ۱۷ تا حدیث بست ویکم ۲۱: طبرانی معجم کبیر اور ضیاء صحیح مختارہ میں زید بن ارقم سے موصولا،اور امام ترمذی جامع میں سراقہ بن مالک بن جعشم وطلق بن علی وام المومنین ام سلمہ وعبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تعلیقا راوی،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو کنت اُمرا احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجھا[2]۔	اگر مجھے کسی کو کسی کے لئے سجدے کا حکم ہوتا تو عورت کو فرماتا کو شوہر کو سجدہ کرے۔

حدیث بست ودوم ۲۲: عبد بن حمید امام حسن بصری سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنے کا اذن مانگنے پر وہ آیت اتری کہ کیا تمھیں کفر کا حکم دیں[3]۔یہ حدیث فصل اول میں گزری۔

تذئیل اول: مدارک شریف میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ہے انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا حضور نے فرمایا:

لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الا اللہ	کسی مخلوق کو جائز نہیں کہ وہ کسی کو سجدہ کرے

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱،المستدرك للحاکم کتاب النکاح دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۷،السنن الکبرٰی کتاب القسم والنشوز باب ماجاء فی عظم حق الزوج علی المرأۃ دار صادر بیروت ۷/ ۲۹۱

[2] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸،المعجم الکبیر عن زید بن ارقم حدیث ۵۱۱۶ و ۵۱۱۷ /۵ ۹۰۸-۰۹ وکنز العمال حدیث ۴۴۷۹۹ /۱۶ ۳۳۷

[3] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن تحت آیۃ ۳/ ۸۰ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۲/ ۴۷

تعالٰی [1]۔	ماسوائے اللہ تعالٰی کے۔(ت)

تذئیل دوم: تفسیر کبیر میں بروایت امام سفین ثوری سماک بن ہانی سے ہے:

قال دخل الجاثلیق علی علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ فارادان یسجد لہ فقال لہ علی اسجد للہ ولاتسجدلی [2]۔	امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں سلطنت نصارٰی کو سفیر حاضر ہوگا، حضرت کو سجدہ کرنا چاہا، فرمایا: مجھے سجدہ نہ کرواللہ عزوجل کو سجدہ کرو۔

حدیث بست وسوم ۲۳: جامع ترمذی میں بطریق الامام عبداللہ بن المبارک عن حنظلہ بن عبیداللہ اور سنن ابن ماجہ میں بطریق جریر بن حازم عن حنظلہ بن عبدالرحمٰن الدوسی اور شرح معانی الآثار امام طحاوی میں بطریق حماد بن سلمہ وحماد بن زید ویزید بن زریع وابی ہلال کلھم عن حنظلۃ الدوسی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال قال رجل یا رسول اللہ الرجل منا یلقی اخاہ اوصدیقہ اینحنی لہ قال لا [3]۔	ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم میں کوئی شخص اپنے بھائی یادوست سے ملے تو اس کے لئے جھکے۔ فرمایا: نہ۔

امام طحاوی کے لفظ یہ ہیں:

انھم قالوا یارسول اللہ اینحنی بعضنا لبعض اذا التقینا قال لا [4]۔	صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا ملتے وقت ہم ایک دوسرے کے لئے جھکے فرمایا: نہ امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

نوع دوم: قبر کی طرف سجدہ کی ممانعت حدیث بست وچہارم ۲۴: امام احمد وامام مسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وامام طحاوی ابو مرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مدارک التنزیل(تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲/ ۳۴ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[2] مفاتیح الغیب تحت آیۃ ۲/ ۳۴ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲/ ۲۱۳

[3] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی المصافحۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۷، سنن ابن ماجہ باب المصافحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۱

[4] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب المعانقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۹۹

لاتصلوا الی القبور ولاتجلسوا علیها[1]۔	قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو۔

حدیث بست وپنجم ۲۵: طبرانی معجم کبیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتصلوا الی قبرو ولاتصلوا علی قبر[2]۔	نہ قبر کی طرف نماز پڑھو نہ قبر پر نماز پڑھو۔ تیسیر میں ہے اس حدیث کی سند حسن ہے،

حدیث بست وششم: صحیح ابن حبان میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نهی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الصلوٰة الی القبور[3]۔	قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا۔

علامہ مناوی نے کہا اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

حدیث بست وہفتم ۲۷: ابوالفرج کتاب العلل میں بطریق رشد بن کریب عن ابیہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الا لایصلین احد الی احد ولا الی قبر[4]۔ فیه جبارة عن مندل رضی رشدین	خبردار! ہرگز نہ کوئی کسی آدمی کی طرف نماز میں منہ کرے نہ کسی قبر کی طرف،

حدیث وبست وہشتم ۲۸: امام بخاری اپنی صحیح میں تعلیقا اور امام احمد وعبدالرزاق وابوبکر بن ابی شیبہ ووکیع بن الجراح وابونعیم استاد امام بخاری وابن منیع سند انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

رأنی عمر رضی الله تعالٰی عنه وانا اصلی الی قبر فقال القبر امامك	مجھے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قبر کی طرف نماز پڑھتے دیکھا فرمایا تمھارے

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز ۱/ ۳۱۲ و سنن ابی داؤد کتاب الجنائز ۲/ ۱۰۴، جامع الترمذی ابواب الجنائز ۱/ ۱۲۵ و شرح معانی الآثار کتاب الجنائز ۱/ ۳۴۶

[2] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۲۰۵۱ المکتبه الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۳۷۶

[3] کنز العمال بحواله حب عن انس حدیث ۱۹۱۹۱ مؤسسة الرساله بیروت ۷/ ۳۴۴

[4] العلل المتناهیة لابی الفرج حدیث فی الصلوٰة الی النائم والمتحدث دار نشر الکتب الاسلامیه لاهور ۱/ ۴۳۴

فنہانی [1] وفی روایۃ للوکیع قال لی القبر لاتصل الیہ وفی روایۃ الفضل بن دکین فناداہ عمر القبر القبر فتقدم وصلی وجاز القبر۔	آگے قبر ہے قبر سے بچو قبر سے بچو اس کی طرف نماز نہ پڑھو۔ (اور فضل بن دکین کی روایت میں ہے کہ عمر نے پکارا قبر قبر۔ت) یہ نماز ہی میں قدم بڑھائے کر آگے ہوگئے

حدیث بست ونہم ۲۹: احمد، وبخاری، مسلم، نسائی ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی تعالٰی علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیہود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائہم مساجد قالت ولولا ذٰلك لابرز قبرۃ غیر انہ خشی ان یتخذ مسجدا [2] وفی روایۃ لہم عنہا عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولئك شرار الخلق عند اللہ عزوجل یوم القیمۃ [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی وفات اقدس کے مرض میں فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیا کی قبروں کو محل سجدہ بنالیا اور فرمایا ایسا کرنے والے اللہ عزوجل کے نزدیک روز قیامت بد ترین خلق ہیں۔ام المومنین نے فرمایا: یہ نہ ہوتا تو مزار اطہر کھول دیا جاتا مگر اندیشہ ہوا کہ کہیں سجدہ نہ ہونے لگے لہٰذا احاطہ مخفی رکھا گیا۔

حدیث سیم ۳۰: اجلہ ائمہ مالک ومحمد وبخاری ومسلم وابوداؤد ونسائی وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] کنز العمال بحوالہ عب.ش وابن منیع عن انس حدیث ۲۲۵۱۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۸/ ۱۹۳

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب مایکرہ من اتخاذ المسجد علی القبور موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۷۷،صحیح البخاری باب ماجاء فی قبر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۶،صحیح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۹،صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱،مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۲۱و۲۵۵

[3] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب ہل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۱،صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱

قاتل اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[1]۔	یہود ونصارٰی کو اللہ مارے انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدے کا مقام کرلیا۔

حدیث سی ویکم ۳۱: مسلم اپنی صحیح اور عبدالرزاق مصنف اور دارمی سنن میں ام المومنین وعبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قالا لما نزلت برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طفق یطرح خمیصۃ لہ علی وجھہ فاذا اغتم کشفھا عن وجھہ فقال وھو کذٰلک لعنۃ اللہ علی الیھود و النصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یحذر مثل ماصنعوا[2]۔	نزع روح اقدس کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چادر روئے اقدس پر ڈال لیتے جب ناگوار ہوئی منہ کھول دیتے۔اسی حالت میں فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت انھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مساجد کرلیں، ڈراتے تھے کہ ہمارے مزار پر انوار کے ساتھ ایسا نہ ہو۔

حدیث سی ودوم ۳۲: بزار مسند میں امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ائذن للناس علی فاذنت للناس علیہ فقال لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مسجدا ثم اغمی علیہ فلما افاق قال یا علی ائذن للناس فاذنت لھم فقال لعن	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفات انور کے مرض میں مجھ سے فرمایا: لوگوں کو ہمارے حضور حاضر ہونے دو۔ میں نے اذن دیا۔جب لوگ حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا: اللہ کی لعنت ہو اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ ٹھہرالیں، پھر حضور پر غشی طاری

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ ۱/ ۶۲ و صحیح مسلم کتاب المساجد ۱/ ۲۰۱ وسنن ابی داؤد باب النباء علی القبر ۳/ ۱۰۴

[2] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، صحیح مسلم کتا بالمساجد باب النھی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۱، المصنف عبدالرزاق حدیث ۱۵۸۸ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۰۶، کنز العمال بحوالہ عب عن عائشہ وابن عباس حدیث ۲۲۵۱۸ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۸/ ۱۹۴، سنن الدارمی حدیث ۱۴۱۰ دار المحاسن للطباعۃ ۱/ ۲۶۷

اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مسجدا ثلثا فی مرض موتہ [1]۔	ہوگئی جب افاقہ ہوا فرمایا: اے علی! لوگوں کو اذن دو۔ میں نے اذن دیا فرمایا: اللہ کی لعنت ہوتی ہے اس قوم پر جس نے اپنے انبیاء کی قبریں جائے سجدہ کرلیں۔ تین بار ایسا ہوا۔

حدیث سی وسوم ۳۳: ابوداؤد طیانسی وامام احمد مسند اور طبرانی کبیر میں بسند جید اور ابونعیم معرفۃ الصحابۃ اور ضیاء صحیح مختارہ میں اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فی مرضہ الذی مات فیہ ادخلوا علی اصحابی فدخلوا علیہ وھو متقنع ببرد معافری فکشف القناع ثم قال لعن اللہ الیھود النصارٰی اتخذوا قبور انبیائھم مساجد [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرض وفات شریف میں فرمایا: میرے اصحاب کو میرے حضور لاؤ۔ حاضر ہوئے، حضور نے رخ انور سے کپڑا ہٹا کر فرمایا: یہود ونصارٰی پر اللہ کی لعنت انھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں محل سجدہ قرار دے لیں،

حدیث سی وچہارم ۳۴: امام احمد و طبرانی بسند جید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم احیاء ومن یتخذ القبور مساجد [3]۔	بیشک سب لوگوں سے بدتروں میں وہ ہیں جن کے جیتے جی قیامت قائم ہوگی اور وہ کہ قبروں کو جائے سجدہ ٹھہراتے ہیں۔

حدیث سی وپنجم ۳۵: عبدالرزاق مصنف میں مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شرار الناس من یتخذ القبور مساجد [4]۔	بدتر لوگوں میں ہیں وہ کہ قبروں کو محل سجود قرار دیں۔

حدیث سی وششم ۳۶ وسی وہفتم ۳۷: صحیح مسلم میں جندب اور معجم طبرانی میں کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے:

قال سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبل ان یموت بخمس وھو یقول الا ان من کان قبلکم کانوا یتخذون قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد الا فلا تتخذوا القبور	میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات پاک سے پانچ روز پہلے حضور کو فرماتے سنا خبردار! تم سے اگلے اپنے انبیاء اولیاء کی قبروں کو محل سجدہ گاہ قرار دیتے تھے خبردار۔ تم ایسا

---

[1] کشف الاستار حدیث ۴۳۶ ۱/ ۲۱۹ و ۲۲۰

[2] کنز العمال حدیث ۲۲۵۲۳ ۸/ ۱۹۵

[3] مسند احمد بن حنبل ۱/ ۴۰۵ و ۴۳۵ والمعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۱۳ ۱۰/ ۲۳۳

[4] المصنف لعبد الرزاق ۱/ ۴۰۵

مساجد انی انھا کم عن ذٰلك[1]۔	نہ کرنا ضرور تمھیں اس سے منع فرماتا ہوں۔

تنبیہ: شرح منتقی میں حدیث جندب پر کہا اس کے مانند مضمون طبرانی نے بسند جید زید بن ثابت اور بزار نے مسند میں ابوعبیدہ بن الجراح وابن عدی نے کامل میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا: اس کے ثبوت پر تین حدیثیں اور ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث سی و ہشتم ۳۸: عقیلی بطریق سہل بن ابی صالح عن ابیہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللھم لاتجعل قبری وثنا لعن اللہ قوما اتخذوا قبور انبیائھم مساجد[2]۔	الٰہی: میرے مزار کریم کو بت نہ ہونے دینا اللہ کی لعنت ان پر جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبریں مسجد کرلیں۔

حدیث سی و نہم: امام مالک مؤطا میں عطا بن یسار سے مرسلا اور بزار مسند میں ابوبطریق عطا بن یسار ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے موصولا راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اشد غضب اللہ تعالٰی علی قوم اتخذوا قبور انبیائھم مساجدا[3]۔	اللہ کا غضب اس قوم پر ہوا جس نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محل سجدہ ٹھہرایا۔

حدیث چہلم: عبدالرزاق مصنف میں عمرو بن دینار سے مرسلا راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کانت بنواسرائیل اتخذوا قبور انبیائھم مساجد فلعنھم اللہ تعالٰی[4]	بنی اسرائیل نے اپنے انبیاء کی قبروں کو محل سجدہ کرلیا تو اللہ عزوجل نے ان پر لعنت فرمائی۔ والعیاذ باللہ۔

افادہ: علامہ قاضی بیضاوی پھر علامہ طیّبی شرح مشکوٰۃ پھر علامہ قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

کانت الیھود والنصارٰی یسجدون القبور انبیاھم و یجعلونھا قبلۃ ویتوجھون فی الصلٰوۃ نحوھا فقد اتخذوھا اوثانا فلذلك لعنھم ومنع المسلمین عن مثل ذٰلك[5]۔	یہود ونصارٰی اپنے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مزاروں کو سجدہ کرتے اور انھیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے تو انھوں نے ان کو بت بنالیا، لہٰذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان پر لعنت کی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا۔

[1] صحیح مسلم ۱/ ۲۰۱ والمعجم الکبیر حدیث ۸۹ ۱۹/ ۴۱

[2] الشفاء فصل فی حکم زیارۃ قبر ۲/ ۷۵

[3] مؤطا امام مالك باب جامع الصلوۃ ص ۱۵۹ و کشف الاستار حدیث ۴۴۰ ۱/ ۲۲۰

[4] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۵۹۱ ۱/ ۴۰۶

[5] مرقاۃ المفاتیح حدیث ۷۱۲ ۲/ ۴۱۶

مجمع بحار الانوار میں ہے:

کانوا یجعلونہا قبلۃ یسجدون الیہا فی الصلوٰۃ کالوثن [1]۔	مزارات انبیاء کو قبلہ ٹھہرا کر نماز میں ان کی طرف سجدہ کرتے تھے جیسے بت۔

تیسیر نیز سراج منیر شروح جامع صغیر میں ہے: اتخذوھا جھۃ قبلتھم [2] مراد حدیث یہ ہے کہ انھوں نے مزارات کو سمت سجدہ بنالیا۔ زواجر امام ابن حجر مکی میں ہے:

اتخاذ القبور مسجدا معناہ الصلوٰۃ علیہ او الیہ [3]۔	قبروں کا محل سجدہ بنالینے کے یہ معنی ہیں کہ ان پر یا ان کی طرف نماز پڑھی جائے۔

علامہ تورپشتی نے شرح مصابیح میں دونوں صورتیں لکھیں:

احدھما کانوا یسجدون بقبور الانبیاء تعظیما لھم وقصد العبادۃ۔ ثانیہا التوجہ الی قبورھم فی الصلوٰۃ [4]،	ایک یہ کہ بقصد عبادت قبور انبیاء کو سجدہ کرتے، دوسرے یہ کہ ان کی طرف سجدہ کرتے۔

پھر فرمایا: وکلا الطریقین غیر مرضیۃ۔ دونوں صورتیں ناپسند ہیں۔

شیخ محقق لمعات میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں وفی شرح الشیخ ایضا مثلہ [5] (شیخ کی شرح میں بھی ایسا ہے۔ ت)

شرح امام ابن الحجر مکی م یں بھی یوں ہیں ہے تو ظاہر کہ سجدہ اور قبر کی طرف سجدہ دونوں حرام ہے۔ اور ان احادیث کے تحت میں داخل ہیں، اور دونوں کو وہ سخت وعیدیں شامل۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ ت) بلکہ صورت دوم اظہر وارجح یہود سے عبادت غیر خدا معروف نہیں۔ ولہذا علماء نے فرمایا کہ یہودیت سے نصرانیت بدتر ہے کہ نصارٰی کاخلاف توحید ہے۔ اور یہود کا صرف رسالت میں۔

---

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ "قبر" مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۴/ ۱۹۶

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث قاتل اللہ الیہود الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۱۸۱

[3] الزواجر کتاب الصلوٰۃ اتخاذ القبور مساجد دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[4] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح عن التورپشی باب المساجد الخ مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

[5] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح عن التورپشی باب المساجد الخ مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۳/ ۵۲

درمختار میں ہے:

النصرانی شر من الیہودی فی الدارین [1]۔	عیسائی، یہودیوں سے دونوں جہانوں میں بدتر ہیں۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

لان نزاع النصارٰی فی الالیھات ونزاع الیہود فی النبوات [2]۔	اس لئے کہ عیسائیوں کا(ہم سے اختلاف) الٰہیات یعنی توحید میں ہے جبکہ یہودیوں کا اختلاف رسالت میں ہے۔(ت)

لاجرم محرر مذہب سیدنا امام محمد نے مؤطا میں صورت دوم کے داخل وعید ومشمول حدیث ہونے کی طرف صاف ارشاد فرمایا: باب وضع کیا:

باب القبر یتخذ مسجدا اویصلی الیہ [3]۔	"باب" قبر کو سجدہ گاہ بنایا جائے یا اس کے طرف منہ کرکے نماز پڑھی جائے۔(ت)

اور اس میں یہی حدیث ابوہریرہ لائے۔

قاتل اللہ الیہود اتخذ واقبور انبیائھم مساجد [4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی یہودیوں کو مارے کہ انھوں نے اپنے انبیائے کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

فصل سوم: ڈیڑھ سو ۱۵۰ نصوص فقہ سے سجدہ تحیت کے حرام ہونے کا ثبوت

اور وہ بھی دو ۲ نوع ہیں:

نوع اوّل: تین قسم:

قسم اوّل: نفس سجدہ کا حکم کہ غیر خدا کے لئے مطلقاً حرام ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) تحریم متفق علیہ ہے اور اسی قدر ہمارا مقصود، اور تکفیر میں

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۵

[3] مؤطا للامام محمد باب القبر یتخذ مسجدا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۷۲

[4] مؤطا للامام محمد باب القبر یتخذ مسجدا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ص ۱۷۲

عبارات چھ طور پر آئیں گی: (۱) غیر خدا کے لئے سجدہ کفر ہے۔ اس کا ظاہر الاطلاق ہے۔

(۲) غیر خدا کو سجدہ مطلقًا کفر ہے اس میں تصریح اطلاق ہے۔

(۳) بحال اکراہ کفر نہیں ورنہ کفر یہ قید اولین میں بھی ضروری ہے۔

(۴) غیر کی نیت سے کفر اور اللہ عزوجل کے لئے نیت ہو یا کچھ نیت نہ ہو تو کفر نہیں،

(۵) بہ نیت عبادت کفر، اور بہ نیت تحیت کفر نہیں، اور کچھ نیت نہ ہو جب بھی کفر۔

(۶) غیر کی طرف اصلا کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہ ہو، اور یہی صحیح و معتمد ہے و حق و معتقد ہے اور باقی کفر صوری وغیرہ سے مؤول و باللہ التوفیق۔

نص ۱: تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی جلد اول ص ۲۰۲ (۲) غنیہ المستملی محقق ابراہیم حلبی ص ۳۶۶ (۳) فتح اللہ المعین العلامۃ السید ابی السعود الازہری جلد اول ص ۲۹۰:

التواضع نهاية توجد في السجود ولهذا الوجد لغير الله تعالٰى يكفر [1]۔	تواضع کا ختم سجدہ پر ہے اس نے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے۔

(۴) نصاب الاحتساب قلمی باب ۴۹ **(۵)** کفایۃ شعبی سے:

اذا سجد لغير الله تعالٰى يكفر لان وضع الجهة على الارض لايجوز الالله تعالٰى [2]۔	غیر خدا کو سجدہ کرے تو کافر ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کے لئے جائز نہیں۔

نص ۶: مبسوط الامام جلیل شمس الائمہ سرخسی **(۷)** اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵:

من سجد لغير الله تعالٰى على وجه التعظيم كفر [3]۔	غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔

نص ۸: منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر ص ۲۳۴:

اقول: وضع الجبين اقبح من وضع الخد	**میں کہتا ہوں** زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے

---

[1] تبیین الحقائق باب صلٰوۃ المریض ۱/ ۲۰۲ وغنیۃ المستملی الثانی القیام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۶، فتح المعین باب صلٰوۃ المریض کراچی ۱/ ۲۹۰

[2] فتاوٰی نور الہدٰی بحوالہ المبسوط کتاب الکراھیۃ فصل فیما یصیر بہ المسلم کافرا مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۳۹

[3] جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۵

فینبغی ان لایکفر الایوضع الجبین دون غیرہ لان ھذہ سجدۃ مختصتہ للہ تعالٰی [1]۔ اقول: اوّلًا ان کان علی وجہ العبادۃ کفر ولو لو یزد علی تقبیل ارض او انحناء بل بمجرد النیۃ والافلا کفر فی المعتمد وھو الحق المعتقد وثانیا الجبین احد جانبی الجبھۃ و ھما جبینان وانما السجود وضع الجبھۃ فلیتنبہ۔	بھی بدتر ہے تو چاہئے کہ اس میں کفر نہ ہو اور میں کہ یہ سجدہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں۔ت) **اوّلًا** اگر زمین پر بطور عبادت پیشانی رکھے تو کافر ہوجائے گا اگرچہ زمین چومنے یا صرف جھکنے بلکہ صرف نیت کرنے پر اکتفاء کیا (اور اس سے مزید کچھ نہ کہا) تو قابل اعتماد کیا مذہب میں کفر نہیں لہٰذا یہی حق قابل اعتقاد ہے۔ **ثانیًا** جبین "پیشانی کی ایک جانب اور طرف ہے۔ اور پیشانی میں دو جبین ہیں۔ اور سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔ لہٰذا اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔ (ت)

نص ۹: شرح نقایہ علامہ قہستانی ص ۳۳۵ (**۱۰**) مجمع الانہر ملتقی الابحر جلد ۴ ص ۲۲۰۔ دونوں فتاوٰی ظہیریہ سے (**۱۱**) ردالمحتار علامہ شامی جلد ۵ ص ۴۷۸ جامع الرموز سے:

یکفر بالسجدۃ مطلقًا [2]۔	غیر خدا کو سجدے سے مطلقًا کافر ہوجائے گا۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) امام عینی کے اختصار اور علی قاری کی نقل سے ظہیریہ میں یہ حکم جزمی نہیں بلکہ بعض کی طرف نسبت ہے کہ بعض نے مطلقًا کافر کہا کماسیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) مجمع الانہر و شامی دونوں کے مستند نقل علامہ قہستانی ہیں اور شک نہیں کہ امام عینی ان سے اوثق ہیں لہٰذا ہم نے یہاں ظہیریہ کو نہ گنا۔

نص ۱۲: غایۃ البیان علامہ اتقانی قلمی کتاب الکراھیۃ قبیل فصل من البیع:

اما السجود لغیر اللہ فھو کافر اذا کان من غیر اکراہ [3]۔	غیر خدا کو بلا اکراہ سجدہ کفر ہے۔

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] مجمع الانھر کتاب الکراھیۃ بیروت ۲/ ۵۴۲ وجامع الرموز کتاب الراھیۃ ایران ۳/ ۳۱۵، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[3] غایۃ البیان کتاب الکراھیۃ قبیل نص من البیع (قلمی)

نص ۱۳: منح الروض ص ۲۳۵:

اذا سجد بغیر الاکراہ یکفر عندھم بلا خلاف[1]۔	اگر بلا کراہ سجدہ کیا تو باتفاق علماء کافر ہو جائے گا۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) دعوی اتفاق بے محل ہے **اوّلاً:** بلکہ صحیح و مختارہ وہی تفصیل نیت عبادت و تحیت ہے جن پر نصوص کثیرہ مطلقہ عنقریب آتے ہیں:

ثانیاً: اجلہ اکابر نے خاص صورت عدم اکراہ میں بھی سجدہ تحیت کفر نہ ہونے کی تصریحیں فرمائیں۔ فتاوٰی کبری میں پھر خزانۃ المفتین قلمی کتاب الکراھیۃ نیز واقعات امام صدر شہید پھر خود یہی غایۃ البیان مذکور میں مسئلہ اکراہ لکھ کر فرمایا:

فھذا دلیل علی ان السجود بنیۃ التحیۃ اذا کان خائفا لایکون کفرا فعلی ھذا القیاس من سجد عن السلاطین علی وجہ التحیۃ لایصیر کافرا[2]۔	یہ اس کی دلیل ہے کہ سجدہ تعظیمی جبکہ خائف (اور خطر محسوس کرے) تو کفر نہ ہوگا۔ لہٰذا اسی پر یہ مسئلہ قیاس کیا گیا ہے کہ جو بادشاہوں کو سجدہ تعظیمی کرے تو کافر نہ ہوگا۔

جامع الفصولین جلد دوم میں بعد مسئلہ اکراہ ہے:

فھذا تؤید مامر ان من سجد للسلطان تکریما لا یکفر[3]۔	یہ مسئلہ گزشتہ کلام کی تائید کرتا ہے کہ جس نے کسی بادشاہ کو بطور تعظیم سجدہ کیا تو (اس کاروائی سے) وہ کافر نہ ہوگا۔ (ت)

ثالثاً: خود علی قاری کی عبارت آتی ہے کہ روضہ انور کے سجدے کو صرف حرام کہا نہ کہ کفر،

رابعاً: بلکہ نص ۲۷ میں وہی کہیں گے کہ بعض علماء نے تکفیر کی اور ظاہر تر عدم تکفیر ہے۔ پھر اتفاق درکنار وہ قول راجح بھی نہیں ضعیف و مرجوح ہے۔

نص ۱۴: امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۵۵:

علم من کلامھم ان السجود بین یدی	کلام علماء سے معلوم ہوا کہ غیر کو سجدہ کبھی کفر ہے

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا و کنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] خزانۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۳

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

الغیر منه ماھو کفر ومنه ماھو حرام غیر کفر فالکفر ان یقصد السجود المخلوق و الحرام ان یقصدہ ﷲ تعالٰی معظما به ذٰلك للمخلوق من غیر ان یقصدہ به اولایکون له قصد[1]۔	اور کبھی صرف حرام۔ کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لئے سجدہ کا قصد کرے اور حرام یہ کہ سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے کرے اور مخلوق کی طرف کرنے سے اس کی تعظیم یا یہ کہ اصلا کچھ نہ ہو۔

نص ۱۵: جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان **(۱۶)** پھر ہندیہ جلد ۵ ص ۳۶۸، ۳۶۹ **(۱۷)** نصاب الاحتساب باب ۴۹ **(۱۸)** یہ سب امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے:

وھذا لفظ النصاب وھو اتم من قبل الارض بین ایدی السلطان اوالامیرا اوسجد له فان کان علی وجه التحیة لایکفر ولکن یصیر آثما مرتکبا الکبیرۃ وان کان سجد بنیة العبادۃ للسطان اولم تحضرہ النیة فقد کفر[2]۔	جس نے بادشاہ یا سردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیت تھا تو کافر تو نہ ہوا مگر گنہگار مرتکب کبیرہ ہوا، اور اگر پرستش بادشاہ کی نیت کی یا عبادت و تحیت کوئی نیت اس وقت نہ تھی تو بیشک کافر ہوگیا۔

نص ۱۹: فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی **(۲۰)** اس کا مختصر للامام عینی **(۲۱)** اس سے غمز العیون والبصائر ص ۱۳۱ **(۲۲)** فتاوٰی خلاصہ قلمی قبیل کتاب الھبۃ **(۲۳)** اس سے منح الروض ص ۲۳۵:

وھذا الفظ الامام العینی قال بعضھم یکفر مطلقًا و قال اکثرھم ھو علی وجوہ ان اراد به العبادہ یکفر و ان ارادبه التحیة لایکفر و یحرم علیه ذٰلك وان لم تکن له ارادۃ کفر عندا کثر اھل العلم[3]۔	غیر خدا کو سجدے سے بعض نے کہا مطلقًا کافر ہے، اور اکثر نے اس میں کئی صورتیں ہیں اگر اس کی عبادت چاہی تو کافر ہے اور تحیت کی نیت کی تو کفر نہیں حرام ہے اور اگر کچھ نیت نہ تھی تو اکثر ائمہ کے نزدیک کافر ہے۔

خلاصہ کے لفظ یہ ہیں:

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبیل النجاۃ مکتبۃ الحقیقۃ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۸۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۶۹۔۳۶۸

[3] غمز العیون البصائر بحوالہ العینی فی مختصر الفتاوٰی الظھیریۃ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۵

اماالسجدة لهٰؤلاء الجبابرة فهی کبیرة هل یکفر قال بعضهم یکفر مطلقًا وقال بعضهم(وفی نسخة الطبع اکثر هم)المسالة علی التفصیل ان اراد بها العبادة یکفر وان ارادبها التحیة لایکفر قال وهذا موافق لما قال وهذا موافق لما فی سیر الفتاوٰی والاصل [1]۔	رہاان سلاطین کو سجدہ وہ گناہ کبیرہ ہے۔اور کافر بھی ہوگا یا نہیں بعض نے کہا مطلقًا کافر ہو جائے گا اور اکثر نے فرمایا مسئلہ میں تفصیل ہے اگر عبادت چاہی کافر ہو جائے گا اور تحیت تو نہیں۔ اور یہی اس مسئلہ کے موافق ہے جو فتاوٰی کی کتاب السیر اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتاب مبسوط میں ہے۔

علی قاری نے اسے یوں نقل بالمعنی کیا:

فی الخلاصة من سجد لهم ان ارادبه التعظیم ای کتعظیم الله سبحانه کفروا ان ارادبه التحیة اختار بعض العلماء انه لایکفر اقولوهذا هو الاظهر وفی الظهیریة قال بعضهم یکفر مطلقًا [2]۔ **اقول:** لیس فی الخلاصة لفظ التعظیم بل العبادة فلا حاجة الی ایرادہ ثم تفسیرہ بما یرجع الی العبادة الا ان یکون فی نسخة لفظ التعظیم کما ان فیها بعضهم مکان اکثر هم کنسخة القلم والله تعالٰی اعلم۔	خلاصہ میں ہے جس نے انھیں سجدہ کیا اگر تعظیم کا قصد تھا یعنی مثل تعظیم الٰہی تو کافر ہوگیا اور تحیت کا ارادہ نہ تھا تو بعض علماء نے اختیار فرمایا کہ کافر نہ ہوگا، میں کہتا ہوں یہی ظاہر تر ہے۔اور فتاوٰی ظہیریہ میں ہے کہ بعض نے کہا مطلقًا کافر ہو جائے گا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ خلاصۃ میں لفظ "التعظیم" نہیں بلکہ لفظ "عبادت" مذکور ہے لہٰذا اس کے لانے کی کچھ ضرورت نہیں پھر اس کی ایسے کلام سے تشریح کرنا کہ عبادت کی طرف راجح ہے مگر یہ کہ اس کے ایک نسخہ میں لفظ "تعظیم" موجود ہو جیسا کہ اس کے ایک "نسخہ" میں اکثر ھم کی جگہ **بعضھم** جیسا کہ قلمی نسخہ میں۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

نص ۲۴: امام اجل صدر شہید شرح جامع صغیر میں **(۲۵)** ان سے امام سمعانی خزانۃ المفتین قلمی

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی الجنس الحادی عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۹

[2] منح الروض الازھر الشرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

کتاب الکراھیۃ میں (۲۶) جواہر الاخلاطی قلمی کتاب الاستحسان (۲۷) اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۸ (۲۸) جامع الفصولین جلد ۲ ص ۳۱۴ (۲۹) برمز من مجمع النوازل (۳۰) مرموز جز یعنی وجیز المحیط سے (۳۱) جامع الرموز ص ۵۳۵ (۳۲) جامع الفصولین ص ۱۱ (۳۴) مجمع الانہر جلد ۲ ص ۵۲۰، اور یہ لفظ امام صدر شہید کے ہیں:

من قبل الارض بین یدی السلطان او امیر او سجد له فان کان علی وجه التحیة لایکفر ولکن ارتکب الکبیرة[1]۔	جس نے بادشاہ کو کسی سردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیت ہو کافر نہ ہوگا ہاں مرتکب کبیرہ ہوا۔

جامع الرموز وغیرہ کے لفظ یہ ہیں: لایجوز فانه کبیرة[2] زمین بوسی وسجدہ تحیت ناجائز وکبیرہ ہیں۔ جواہر وہندیہ میں یوں ہے:

لایکفر ولکن یاثم بارتکابه الکبیرة هو المختار[3]۔	یعنی مذہب مختار میں زمین بوسی سجدہ تحیت سے کافر نہ ہوگا مگر مجرم ہوگا کہ اس نے کبیرہ کیا۔

جامع الفصولین کے لفظ دوم یہ ہیں:

اثم لو سجده علی وجه التحیة لارتکاب ماحرم[4]۔	سجدہ تحیت سے گنہگار ہوگا کہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا۔

مجمع الانہر کے لفظ یہ ہیں:

من سجد له علی وجه التحیة لایکفر ولکن یصیر آثما مرتکبا الکبیرة[5]۔	سجدہ تحیت سے کافر تو نہ ہوگا ہاں گنہگار مرتکب کبیرہ ہوگا۔

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ قلمی ۲/ ۲۱۳ و جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون ۲/ ۳۱۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۱۵

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ جواہر الاخلاطی کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون ۵/ ۳۶۸

[4] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[5] مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ فصل فی بیان احکام النظرہ ونحوہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

نص ۳۵: درمختار کتاب الحظر قبیل فصل البیع **(۳۶)** مجمع الانہر محل مذکور:

وهل یکفر ان علی وجه العبادة والتعظیم کفروان علی وجه التحیة لاوصار آثما مرتکبا للکبیرة [1]۔	اس سے کافر بھی ہوگا یا نہیں؟ اگر بروجہ عبادت و تعظیم کرے کافر ہے۔ اور بروجہ تحیت تو کافر نہیں مجرم و مرتکب کبیرہ ہے۔

(۳۷) علامہ ابن عابدین جلد ۵ ص ۳۸۷ کلام مذکور درپر:

تلفیق القولین قال الزیلعی وذکر الصدر الشهید انه لایکفر بهذا السجود لانه یرید به التحیة وقال شمس الائمة السرخسی ان کان لغیر الله تعالٰی علی وجه التعظیم کفر [2]۔	یعنی یہاں دو قول تھے: ایک یہ کہ سجدہ تعظیمی کفر ہے امام شمس الائمہ سرخسی کا یہی قول ہے دوسرا یہ کہ سجدہ تحیت کفر نہیں۔ امام صدر شہید کا یہی مختار ہے شارح نے دونوں کا ایک ایک حصہ لے کر یہ تفصیل کی کہ تعظیم مقصود ہو تو کفر اور تحیت تو نہیں۔

اقول: وبالله التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) امام صدر شہید صرف نفی کفر فرماتے ہیں: سجدہ تحیت کے گناہ کبیرہ ہونے کی خود انھوں نے تصریح فرمائی کہ نص ۲۰ میں گزری اور تعظیم سے کبھی مطلق مراد لیتے ہیں بایں معنی تحیت بھی تعظیم ہے خصوصا تحیت عظماء نص ۴۵ میں امام فقیہ النفس اور نص ۵۱ میں سیدی عبدالغنی قدس سرہ، سے آتا ہے کہ تحیت و تعظیم کو ایک صورت رکھا اور عبادت کے مقابل لیا اور کبھی خاص تعظیم مثل تعظیم الٰہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ نص ۲۳ میں منح الروض سے گزرا اس وقت وہ مساوی عبادت ہے اس کی نظیر قسم دوم میں خود صاحب درمختار کی درمنتقی سے آتی ہے کہ تعظیم کو تحیت کے مقابل لیا قول شمس الائمہ میں یہی مراد ہے تو یہ تلفیق نہیں توفیق ہے دونوں مرادوں کی تحقیق ہے اور اللہ عزوجل ولی توفیق ہے۔

نص ۳۸: کتاب الاصل للامام محمد **(۳۹)** فتاوٰی کتاب السیر **(۴۰)** ان دونوں سے فتاوٰی خلاصہ فتاوٰی قلمی آخر کتاب الفاظ الکفر **(۴۱)** فتاوٰی غیاثیہ ۱۰۷ **(۴۲)** محیط **(۴۳)** اس سے شرح فقہ اکبر ص ۳۵ **(۴۴)** نصاب الاحتساب باب ۴۹ **(۴۵)** وجیز امام کردری جلد ۶ ص ۳۴۳

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۲۴۶

(۴۶) اختیار شرح مختار (۴۷) اس سے علامہ شیخی زادہ شارح ملتقی جلد ۲ ص ۵۲۰:

اذا قال اھل الحرب لمسلم اسجد للملك والا قتلناك فالا فضل ان لایسجد لان ھذا کفر صورۃ والافضل ان لایأتی بما ھو کفر صورۃ وان کان فی حالۃ الاکراہ [1]۔	جب حربی کافر کسی مسلمان سے کہیں بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ ہم تجھے قتل کردیں گے توافضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کہ یہ صورۃ کفر ہے اور صورۃ کفر سے بچنا بہتر اگرچہ حالت اکراہ ہو۔

نص ۴۸: فتاوٰی امام قاضی خان جلد ۴ ص ۷۸۳ (۴۹) اس سے فتاوٰی ہندیہ جلد ۵ ص ۳۶۸ **(۵۰)** نیز اشباہ والنظائر قلمی فن اول قاعدہ ثانیہ **(۵۱)** اس سے حدیقہ ندیہ امام عارف باللہ نابلسی جلد اول ص ۳۸۱ **(۵۲)** خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ **(۵۳)** فتاوٰی کبرٰی سے **(۵۴)** واقعات امام ناطفی **(۵۵)** اس سے عیون المسائل **(۵۶)** اس سے واقعات امام صدر شہید باب العین للعیون برمز وللواقعات **(۵۷)** اس سے غایۃ البیان انزاری قلمی کتاب الکراھیۃ محل مذکور **(۵۸)** واقعات ناطفی سے جامع الفصولین جلد دوم ص ۳۱۴:

لو قال للمسلم اسجد للملك والاقتلناك قالوا ان امروہ بذلك للعبادۃ فالافضل لہ ان لا یسجد کمن اکرہ علی ان یکفر کان الصبر افضل وان امروہ بالسجود للتحیۃ والتعظیم کالعبادۃ فالافضل لہ ان یسجد [2]۔	اگر کافر نے مسلمان سے کہا بادشاہ کو سجدہ کر ورنہ تجھے قتل کر دیں گے، علماء نے فرمایا اگر کافر اس سے سجدہ عبادت کو کہہ رہا ہے توافضل یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے جیسے کفر پر اکراہ میں صبر افضل ہے، اور اگر سجدہ تحیت کو کہہ رہا ہے توافضل یہ ہے کہ سجدہ کرکے جان بچائے۔

اقول: (میں کہتاہوں) ان دس عبارات نے روشن کیا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت شراب پینے اور سوئر کھانے سے بدتر ہے ان میں یہ حکم ہے کہ اگر قتل بلکہ قطع عضو بلکہ ضرب شدید ہی کی تخویف سے ان کے کھانے پینے پر اکراہ کیا جائے تو کھانا پینا فرض ہے ورنہ گنہگار ہوگا، علمگیریہ میں ہے:

اذا اخذ رجلا وقال لا قتلنك او	اگر کسی نے کسی شخص کو پکڑا اور کہا اس سور کا

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ المحیط فصل فی صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضی خاں کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

لتاکلن لحم ھذا الخنزیر یفترض علیہ التناول [1]۔	گوشت کھائے ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ تو اس پر گوشت کھانا (اپنی جان کے تحفظ کے لئے) فرض ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اکرہ علی اکل لحم خنزیر بقتل اوقطع عضو اوضرب مربح فرض فان صبر فقتل اثم [2]۔	اگر کسی کو قتل کی دھمکی یا قطع اندام یا ضرب شدید سے ڈراتے ہوئے سور کا گوشت کھانے پر مجبور کیا گیا (تو ایسی حالت میں) اس پر سور کا گوشت کھالینا (اپنی جان کے تحفظ کے لئے) فرض ہے (پھر اگر اس نے نہ کھایا) اور مصیبت پر صبر کیا اور قتل کردیا گیا تو گنہگار ہوگا۔

لیکن یہاں اگر قتل سے بھی اکراہ ہو تو سجدہ تحیت کرلینا صرف افضل کہا فرض کیسا واجب بھی نہ کیا یعنی جائز یہ بھی کہ قتل ہوجائے اور سجدہ تحیت نہ کرے اگرچہ جان بچالینا بہتر ہے تو ظاہر ہوا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت شراب پینے اور سوئر کھانے سے بھی بدتر ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**، اور ہوا ہی چاہئے کہ اکل خنزیر میں عبادات غیر خدا کی مشابہت نہیں نہ اسے بلااستحلال کسی نے کفر کہا بخلاف سجدہ تحیت کہ ایک جماعت علماء سے اس پر حکم تکفیر آیا اور اس کا دوسرے کے لئے کرنا واحد قہار عزوجلالہ کے حق پر دست اندازی ہے۔ آدمی دین وانصاف رکھتا ہو تو یہی عبارات اس کی ہدایت کو بس ہے۔ **ولایزید الظّٰلمین الا خسارا** (اور ظالموں کے سوائے گھاٹے کے کچھ نہ بڑھائے گا۔ت)

نص۵۹: عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ (۶۰) فتاوٰی غرائب سے:

لایجوز السجود الا للہ تعالٰی [3]۔	سجدہ غیر خدا کے لئے جائز نہیں۔

نص۶۱: اکلیل امام جلیل خاتم الحفاظ سے فصل اول میں گزرا: **فیہ تحریم السجود لغیر اللہ تعالٰی** [4]

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۸

[2] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ فتاوٰی غرائب کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[4] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۵۴

اس آیت سے ثابت ہوا کہ غیر خدا کے لئے سجدہ حرام ہے۔

نص ۶۳: نصاب الاحتساباب ۴۹ (۶۳) ایک تابعی جلیل سے کہ اکابر تابعین طبقہ اولٰی خلافت فاروقی کے مجاہدین سے تھے:

ان السجود فی دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل الا للہ تعالٰی[1]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دین میں اللہ عزوجل کے سوا سجدہ کسی کے لئے حلال نہیں

نص ۶۴: طریقہ محمدیہ قلمی نوع سیز دہم آفات قلب میں تذلل کو حرام بتاکر فرمایا:

ومنہ السجود والرکوع والانحناء للکبراء عنہ الملاقاۃ والسلام وردہ[2]۔	اسی حرام فروتنی سے ہے بزرگوں کے ملتے اور انھیں سلام کرتے یا جواب دیتے وقت انھیں سجدہ یا ان کے لئے رکوع کرنا یا اقرب رکوع تک جھکنا۔

نص ۶۵: منح الروض ص ۲۲۷:

السجد حرام لغیرہ سبحانہ تعالٰی[3]۔	غیر خدا کو سجدہ حرام۔

نص ۶۶: روضہ امام جل ابوزکریا نووی۔

نص ۶۷: پھر امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۱۳:

مایفعلہ کثیرون من الجھلۃ الظالمین من السجود بین یدی المشائخ فان ذٰلك حرام قطعا بکل حال سواء کان للقبلۃ اولغیرھا وسواء قصد السجود للہ تعالٰی اوغفل وفی بعض صورہ مایقتضی الکفر عافانا اللہ تعالٰی من ذٰلك[4]۔	وہ جو بہت ظالم جاہل پیروں کو سجدہ کرتے ہیں یہ ہر حال میں حرام قطعی ہے چاہے قبلہ کی جانب ہو یا اور طرف اور چاہے خدا کو سجدہ کی نیت کرے یا اس نیت سے غافل ہو پھر اس کی بعض صورتیں تو مقتضی کفر ہیں اللہ تعالٰی ہمیں اس سے پناہ دے۔

نص ۶۸: اعلام ص ۵۵:

[1] نصاب الاحتساب

[2] الطریقہ المحمدیہ التذلیل للمخلوق ھو الثالث عشر من آفات القلب مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۲/ ۲۳۸

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا کنایۃ المصطفی البابی حلبی مصر ص ۱۸۷

[4] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ مکتبہ الحقیقیہ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۴۹

قد صرحوا بان سجود جهلة الصوفية بين يدى مشايخهم حرام وفی بعض صوره مايقتضی الكفر [1]۔	بیشک آئمہ نے تصریح فرمائی کہ پیروں کو سجدہ کہ جاہل صوفی کرتے ہیں حرام اور اس کی بعض صورتیں حکم کفر لگاتی ہے۔

نص ۶۹: غایۃ البیان قلمی شرح ہدایۃ العلامۃ الاتقانی محل مذکور بحث سجدہ میں:

ومايفعله بعض الجهال من الصوفية بين يدی شيخهم فحرام محض اقبح البدع فينهون عن ذالك لامحالة [2]	سجدہ کہ بعض جاہل صوفی اپنے پیر کے آگے کرتے ہیں نرا حرام اور سب سے بدتر بدعت ہے وہ جبراً اس سے باز رکھیں جائیں۔

نص ۷۰: وجیز امام حفظ الدین محمد بن محمد کردری جلد ۶ ص ۳۴۳:

وبهذا علم ان مايفعله الجهلة لطواغيتهم ويسمونه پايگاه كفر عند بعض المشائخ وكبيرة عند الكل فلو اعتقدها مباحة يشخه فهو كافر وان امره شيخه به ورضی به مستحسناله فالشيخ النجدی ايضا كافر ان كان اسلم فی عمره [3]۔	یہاں سے معلوم ہوا کہ سجدہ کہ جہال اپنے سرکش پیروں کو کرتے اور اسے پائگاہ کہتے ہیں بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے اور گناہ کبیرہ تو بالاجماع ہے پس اگر اسے اپنے پیر کے لئے جائز جانے تو کافر ہے اور اگر اس کے پیر نے اسے سجدہ کا حکم کیا اور اسے پسند کرکے اس پر راضی ہوا تو وہ شیخ نجدی خود بھی کافر ہوا اگر کبھی مسلمان تھا بھی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) یعنی ایسے متکبر خدافراموش خود پسند اپنے لئے سجدے کے خوہشمند غالباً شرع سے آزاد بے قید وبند ہوتے ہیں یوں تو آپ ہی کافر ہیں اور اگر کبھی ایسے نہ بھی تھے تو حرام قطعی یقینی اجماعی کو اچھا جان کو اب ہوئے والعیاذ باللہ تعالٰی۔

الحمدللہ یہ نفس سجدہ تحیت کے حکم میں ستر نص ہیں کہ سجدہ اللہ واحد قہار ہی کے لئے ہے اور اس کے غیر کے لئے مطلقاً کسی نیت سے ہو حرام حرام کبیرہ کبیرہ۔ **والحمدللہ حمدا کثیرا وصلی اللہ تعالٰی وسلم علی سیدنا ومولٰنا وآلہ وصحبہ تعزیر وتعزیرا اٰمین!**

---

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سب النجاۃ مکتبہ الحقیقۃ دار الشفقت استانبول ترکی ص ۳۸۸

[2] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الستبراء وغیرہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۲۵۶

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الفاظ تکون اسلاما الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۴۳ و ۳۴۴

قسم دوم: سجدہ تو سجدہ زمین بوسی حرام ہے۔ اس پر پندرہ نص قسم اول میں تھے ۱۵ تا ۲۸ و ۲۴ تا ۳۴ و ۳۵ تا ۳۶ کہ دونوں اصالۃً دربارہ تقبیل ارض ہیں ۲۶ اور سنئے کہ مجموع ۴۱ نص ہوں۔

نص ۷۱: جامع صغیر امام کبیر (۷۲) اس سے فتاوٰی تاتارخانیہ (۷۳) اس سے عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ (۷۴) کافی شرح وافی قلمی ہر دو تصنیف امام جلیل ابوالبرکات نسفی صاحب کنز (۷۵) غایۃ البیان علامہ انزاری قلمی شرح ہدایہ ہر دو درکتاب الکراھیۃ قبیل فصل فی البیع (۷۶) کفایہ امام جلال الدین کرمانی شرح ہدایہ جلد ۴ ص ۴۳ (۷۷) تبیین الحقائق امام زیلعی شرح کنز جلد ۶ ص ۲۵ (۷۸) تنویر الابصار امام شیخ الاسلام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی (۷۹) درمختار علامہ مدقق علاؤالدین دمشقی کتاب الحظر محل مذکور (۸۰) مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر جلد ۲ ص ۵۲۰ (۸۱) فتح المعین علی الکنز جلد ۳ ص ۴۰۲ (۸۲) جواہر الاخلاطی قلمی کتاب الاستحسان (۸۳) تکملۃ للعلامۃ الطوری جلد ۸ ص ۲۲۶ (۸۴) شرح الکنز للملامسکین محل مذکور (۸۵) فتاوٰی غرائب (۸۶) اس سے فتاوٰی ہندیہ صفحہ مذکورہ۔ ان سولہ نصوص جلیلہ میں ہے:

مایفعلونہ من تقبیل الارض بین یدی العلماء والعظماء فحرام والفاعل والراضی بہ آثمان [1]۔	عالموں اور بزرگوں کے سامنے چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہ گار۔

کافی وکفایہ وغایۃ و تبیین ودر و مجمع وابوالسعود وجواہر نے زائد کیا۔ لانہ یشبہ عبادۃ الوثن [2] اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔
طوری کے لفظ یہ ہیں لانہ اشبہ بعبدۃ الاوثان [3]۔ ایسا کرنے والا بت پرستوں سے نہایت مشابہ ہے۔

نص ۸۷: علامہ سید احمد مصری طحطاوی جلد ۴ ص زیر قول مذکور در:

یشبہ عبادۃ الوثن لانہ فیہ صورۃ السجود لغیر اللہ تعالٰی [4]۔	زمین بوسی اس لئے بت پرستی کے مشابہ ہے کہ اس میں غیر خدا کو سجدہ کی صورت ہے۔

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵
[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵
[3] تکلمہ البحر الرائق کتاب الکراھیۃ فصل فی الاستبراء وغیرہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/ ۱۹۸
[4] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الکراھیۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۱۹۲

اقول: (میں کہتاہوں) زمین بوسی حقیقۃ سجدہ نہیں کہ سجدہ میں پیشانی رکھنی ضروری ہے جب یہ اس وجہ سے حرام مشابہ بت پرستی ہوئی کہ صورۃً قریب سجدہ ہے توخود سجدہ کس درجہ سخت حرام اور بت پرستی کا مشابہ تام ہوگا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

نص ۸۸: غنیہ ذوی الاحکام للعلامۃ الشرنبلالی جلد اول ص ۳۱۸ (۸۹) متن مواہب الرحمٰن سے:

یحرم تقبیل الارض بین یدی العالم للتحیۃ[1]۔	عالم کے سامنے تحیت کی نیت سے زمین بوسی حرام ہے۔

نص ۹۰: خادمی علی الدرر ص ۱۵۵:

تقبیل الارض والانخناء لیس بجائز بل محرم[2]۔	زمین چومنا اور جھکنا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

نص ۹۱: ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۹ (۹۲) در منتقی شرح ملتقی سے اقسام بوسہ میں:

حرام لارض تحۃ وکفر لھا تعظیما[3]۔	زمین بوسی بطور تحیت حرام اور بروجہ تعظیم کفر ہے۔

نص ۹۳: فتاوٰی ظہیریہ (۹۴) مختصر امام عینی (۹۵) اس سے غمز العیون ص ۳۱ (۹۶) شرح فقہ اکبر ص ۳۳۵:

اما تقبیل الارض فھو قریب من السجود الا ان وضع الجبین اوالخد علی الارض افحش واقبح من تقبیل الارض[4]۔	زمین چومنا سجدے کے قریب ہے اور جبین یا رخسارہ زمین پر رکھنا اس سے بھی زیادہ فحش وقبیح ہے۔

قسم سوم: زمین بوسی بالائے طاق رکوع کے قریب تک جھکنا منع ہے اس پر ۶۴، ۹ دو نص اوپر گزرے، تیس ۳۰ اور سنئے۔

[1] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر والغرر کتاب الکراھیۃ فصل من ملک آمۃ بشراء میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸

[2] حاشیہ الخادمی علی الدرر شرح الغرر کتاب الکراھیۃ فصل قولہ مشربۃ عن محرمہا مطبوعہ عثمانیہ ص ۱۵۵

[3] الدرالمنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ فصل فی بیان احکام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

[4] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳

نص ۹۷: زاہدی(**۹۸**)اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵(**۹۹**)اس سے ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۸(**۱۰۰**) نیز شیخی زادہ علی الملتقی جلد ۲ ص ۵۲۰:

الانخناء فی السلام الی قریب الرکوع کالسجود [1]۔	سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا بھی مثل سجدہ ہے۔

نص۱۰۱: شرعۃ الاسلام (۱۰۲)اس کی شرح مفاتیح الجنان ص ۳۱۲:

(لایقبله ولا ینحنی له)لکونهما مکروهین [2]۔	نہ بوسہ دے نہ جھکے کہ دونوں مکروہ ہیں۔

نص ۱۰۳: احیاء العلوم جلد ۲ ص ۱۲۴(**۱۰۴**) اتحاف السادہ جلد ۶ ص ۲۸۱:

(الانحناء عند السلام منهی عنه)وهو عن فعل الاعاجم [3]۔	سلام کے وقت جھکنا منع فرمایا گیااور وہ مجوسی کا فعل ہے۔

(۱۰۵) عین العلم قلمی باب ثامن (**۱۰۶**) شرح علی قاری جلد اول ص ۲۷۴(**۱۰۷**) ذخیرہ سے (**۱۰۸**) نیز محیط سے:

(لاینحنی)لان الانحناء یکره للسلاطین وغیرهم ولانه صنیع اهل الکتاب [4]۔	سلام میں نہ جھکے کہ بادشاہ ہو یا کوئی کسی کے لئے جھکنے کی اجازت نہیں اور ایک وجہ ممانعت یہ ہے کہ وہ یہود و نصارٰی کا فعل ہے۔

نص۱۰۹: حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد اول ص ۳۸۱:

معلوم ان من لقی احد امن الاکابر فحنی له رأسه او ظهره ولوبالغ فی ذٰلك فمراده التحیة والتعظیم دون العبادة فلا یکفر بهذا الصنیع	معلوم ہے کہ جو اکابر میں کسی سے ملتے وقت اس کے لئے سر یا پیٹھ جھکائے اگرچہ اس میں مبالغہ کرے اس کا ارادہ تحیت و تعظیم ہی کا ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کا تو اس فعل سے کافر نہ ہو جائیگا۔

---

[1] جامع الرموز کتاب الکراهیة ۳/ ۳۱۵ و مجمع الانهر ۲/ ۵۴۲

[2] شرح شرعة الاسلام فصل فی سنن المشی و آدابہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۱۲

[3] اتحاف السادة المتقین کتاب آداب الاخوة والصحبة الباب الثالث دار الفکر بیروت ۶/ ۲۸۱

[4] شرح عین العلم لملا علی قاری بحوالہ المحیط والذخیرة الباب الثامن امرت پریس لاہور ص ۲۱۳

وحال المسلم مشعر بذلك علی کل حال واما العبادة فلا یقصدها الا کافر اصل فی الغالب ولکن التملق الموصل الی هذا المقدار من التذلل مذموم ولهذا جعله المصنف رحمه الله تعالٰی من التذلل الحرام ولم یجعله کفرا [1]۔	بہر حال خود مسلمان کا حال اس نیت کو بتارہا ہے عبادت کا ارادہ تو غالباً وہی کرے گا جو سرے سے کافر ہو۔ہاں اتنی چاپلوسی جو اس حد کے ذلیل بننے تک پہنچادے بد ہے اسی لئے جھکنے کو مصنف رحمہ اللہ تعالٰی نے حرام کہا کفر نہ ٹھہرایا۔

نص ۱۱۰: امام اجل عزالدین بن عبدالسلام (۱۱۱) ان سے امام ابن حجر مکی فتاوٰی کبرٰی میں جلد ۴ ص ۲۴۷ (۱۱۲) ان سے امام عارف نابلسی حدیقہ ص ۳۸۱ میں:

الانحناء البالغ الی حد الرکوع لایفعله احد لا حد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرہ من اهل الاسلام [2]۔ **اقول:** هذا هو الجمع بین النصوص المتوافرة المتظافرة علی المنع وبین مافی الهندیة عن الغرائب تجوز الخدمة الهندیة عن الغرائب تجوز الخدمة لغیر الله تعالٰی بالقیام واخذ الیدین والانحناء [3] اھو قد اشاروا الیه فی النصوص الاربعة التی صدرنا بها فتلك سبعة وبالله التوفیق۔	حد رکوع تک کوئی کسی کے لئے نہ جھکے جیسے سجدہ اور اس قدر سے کم میں حرج نہیں کہ کسی اسلامی عزت والے کے لئے جھکے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) یہی جمع کرنا ہے (یعنی دونوں قولوں میں مواخذہ اور مطابقت پیدا کرنا) درمیان ان نصوص کثیرہ جو باہم ایک دوسرے کی مؤید ہیں اور اس قول کے درمیان جو فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی غرائب سے منقول ہے کہ کسی مخلوق (یعنی غیر خدا) کی قیام مصافحہ کرنے اور جھکنے سے خدمت کرنا جائز ہے اھ بیشک انھوں (ائمہ کرام) نے اس کی طرف ان چار نصوص میں اشارہ فرمایا جن کو ہم پہلے لائے ہیں پس سات ہوگئیں اور اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصول توفیق ہے۔ (ت)

نص ۱۱۳: واقعات امام ناطفی (۱۱۴) ملتقط امام ناصر الدین (۱۱۵) ان دونوں نصاب الاحتساب اول وآخر باب ۴۹ (۱۱۶) جواھرا لاخلاطی کتاب الاستحسان (۱۱۷) اس سے عالمگیری جلد ۵

---

[1] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ والخلق الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

[2] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ بحوالہ ابن حجر فی فتاوٰی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ص ۳۶۹:

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانہ یشبہ فعل المجوس[1]۔	بادشاہ ہو کوئی، اس کے لئے جھکنا منع ہے کہ یہ مجوس کے فعل سے مشابہ ہے۔

نص ۱۱۸: مجمع الانہر جلد ۲ ص ۵۲۱ **(۱۱۹)** فصول عمادی ہے:

یکرہ الانحناء لانہ یشبہ فعل المجوسی[2]۔	جھکنا منع ہے کہ مجوسی کے فعل سے مشابہ ہے۔

نص ۱۲۰: مواہب الرحمٰن **(۱۲۱)** اس سے شرنبلالیہ جلد اول ص ۳۱۸ **(۱۲۲)** محیط **(۱۲۳)** اس سے جامع الرموز ص ۵۳۵ **(۱۲۴)** اس سے ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۷۸:

یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ[3]۔	بادشاہ ہو خواہ کوئی اس کے لئے جھکنا منع ہے۔

نص ۱۲۵: فتاوٰی کبرٰی للامام الہیتمی: الانحناء بالظہر یکرہ[4] پیٹھ جھکانا مکروہ ہے۔

نص ۱۲۶: عالمگیریہ جلد ۵ ص ۳۶۹ **(۱۲۷)** فتاوی امام تمر تاشی سے:

یکرہ الانحناء عند التحیۃ وبہ ورد النھی[5]۔	سلام کرتے جھکنا منع ہے حدیث میں اس سے ممانعت فرمائی ہے۔

نوع دوم: متلق مزارات یہ بھی تین قسم:

قسم اوّل: مزارات کو سجدہ یا ان کے سامنے زمین چومنا حرام اور حد رکوع تک جھکنا ممنوع۔

نص ۱۲۸: منسک متوسط علامہ رحمۃ اللہ تلمیذ امام ابن الہمام **(۱۲۹)** مسلک متقسط شرح ملا علی قاری ص ۲۹۳:

(لایمس عند زیارۃ الجدار) ولایقبلہ (ولا یلتصق بہ ولایطوف ولاینحنی	زیارت روضہ انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (رزقنا اللہ العود المیھاد بقبولہ)

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[2] مجمع الانھر بحوالہ فصول عمادی کتاب الکراھیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۴۲

[3] ردالمحتار بحوالہ المحیط کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[4] الفتاوٰی الکبرٰی لابن حجر مکی باب السیر دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۴۷

[5] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ التمرتاشی کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ولا یقبل الارض فانہ)ای کل واحد(بدعۃ)غیر مستحسنہ[1]۔	(ہمیں اللہ تعالٰی دوبارہ روضہ اطہر کی زیارت نصیب فرمائے بشرطیکہ قبولیت ہو)کے وقت نہ دیوار کریم کو ہاتھ لگائے، نہ چومے، نہ اس سے چمٹے، نہ طواف کرے نہ جھکے نہ زمین چومے کہ یہ سب بدعت قبیحہ ہیں۔

اقول: (میں کہتاہوں) بوسہ میں اختلاف ہے اور چھونا چمٹنا اس کے مثل اور احوط منع اور علت خلاف ادب ہونا۔

لاماقالہ القاری فی القبلۃ انہ من خواص بعض ارکان القبلۃ کیف وقد نصوا علی استحسان تقبیل المصحف وایدی العلماء ارجلھم والخبز۔	وہ بات نہیں جو ملا علی قاری سے بوسہ دینے کے بارے میں صادر ہوئی کہ وہ بعض ارکان قبلہ کے خواص میں سے ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے اس لئے کہ ائمہ کرام نے مصحف شریف اور علمائے کرام کے ہاتھ پاؤں چومنے کے مستحسن ہونے کی تصریح فرمائی۔ نیز روٹی کو بوسہ دینے کی صراحت فرمائی۔(ت)

اور جھکنے سے مراد بدستور تاحد رکوع، اور طواف سے یہ کہ نفس طواف بغرض تعظیم مقصود ہو کما حققناہ فی فتاوٰی بما لا مزید علیہ (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بڑی تفصیل سے اس کی تحقیق کردی کہ جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا۔ت)

نص ۱۳۰: شرح لباب صفحہ مذکورہ:

اما السجدۃ فلا شك انہا حرام فلا یغتر الزائر بمایری من فعل الجاھلین بل یتبع العلماء العالمین[2]۔	رہا مزار انور کو مسجدہ وہ تو حرام قطعی ہے تو زائر جاہلوں کے فعل سے دھوکا نہ کھائے بلکہ علمائے باعمل کی پیروی کرے۔

نص ۱۳۱: زواجر عن اقراب الکبائر جلد اول ص ۱۱۰:

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتتخذوا	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل والیغتنم ایام مقامہ الخ دارالکتب بیروت ص ۳۴۲

[2] المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری فصل والیغتنم ایام مقامہ الخ دارالکتب بیروت ص ۳۴۲

قبری وثنا یعبدی بعدی ای لاتعظموه تعظیم غیر کم لاوثانهم بالسجود له اونحوه فان ذٰلك کبیرة بل کفر بشرطه [1]۔	میرے مزار اقدس کو پرستش کا بت نہ بنانا اس سے یہ مراد ہے کہ اس کی تعظیم سجدے یا اس کے مثل سے نہ کرنا جیسے تمھارے اغیار اپنے بتوں کے لئے کرتے ہیں کہ سجدہ ضرور کبیرہ ہے بلکہ نیت عبادت ہو تو کفر۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

قسم دوم: مزار کو سجدہ درکنار کسی قبر کے سامنے اللہ عزوجل کو سجدہ جائز نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف ہو۔

نص ۱۳۲: طحطاوی الدر جلد اول ص ۱۸۳:

قوله مقبرة لان فیه التوجه الی القبر غالبا الصلٰوة الیه مکروهة [2]۔	مقبرے میں نماز مکروہ ہے کہ اس میں غالبا کسی قبر کو منہ ہوگا اور قبر کی طرف نماز مکروہ ہے

نص ۱۳۳: حلیہ امام ابن امیر الحاج قلمی اواخر مایکرہ فی الصلٰوۃ (۱۳۴) ردالمحتار جلد اول ص ۳۹۴:

المقبرة اذا کان فیها موضع اعد للصلٰوة ولیس فیه قبرولانجاسة وقبلة الی قبر فالصلٰوة مکروهة [3]۔	قبرستان میں جب کوئی جگہ نماز کے لئے تیار کی گئی ہو اور وہاں نہ قبر ہو نہ نجاست مگر اس کا قبلہ قبر کی طرف ہو جب بھی نماز مکروہ ہے۔

نص ۱۳۵: مجتبٰی شرح قدوری **(۱۳۶)** بحر الرائق جلد دوم ص ۲۰۹ (۱۳۷) فتح اللہ المعین جلد اول ص ۳۶۲:

یکره ان یطأ القبراو یجلس اوینام علیه اویصلی علیه اوالیه [4]۔	مکروہ ہے کہ قبر کو پامال کرے یا اس پر بیٹھے یا اس پر چڑھ کر سوئے یا اس پر یا اس کی طرف نماز پڑھے۔ (ت)

(۱۳۸) حلیہ آخر کتاب **(۱۳۹)** شامی ص ۹۳۵:

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب اتخاذ القبور المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[4] فتح المعین باب الجنائز ۹/ ۳۶۲ و بحر الرائق بحوالہ المجتبٰی کتاب الجنائز ۲/ ۱۹۴

تکرہ الصلٰوۃ علیہ والیہ لورود النھی عن ذٰلك[1]۔	قبر پر اور قبر کی طرف نماز منع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔

نص ۱۴۰: تبیین الحقائق امام زیلعی جلد اول ص ۲۴۶:

یکرہ ان ینبغی علی القبر اویقعد علیہ او یصلی الیہ نھی علیہ الصلٰوۃ والسلام عن اتخاذ القبور مساجد[2]۔	قبر کے اوپر کوئی چنائی قائم کرنا یا قبر پر بیٹھنا یا اس کی طرف نماز میں منہ کرنا سب منع ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبروں کو محل سجدہ قرار دینے سے منع فرمایا۔

نص ۱۴۱: زواجر جلد اول ص ۱۱۷:

من ثم قال اصحابنا تحرم الصلٰوۃ الی قبور الانبیاء والاولیاء تبکا واعظاما[3]۔	اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ انبیاء واولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے مزارت شریفہ کی طرف نماز حرام ہے اگرچہ صرف تبرک و تعظیم کی نیت ہو۔

نص ۱۴۲: ایضًا ص ۱۱۶: **(۱۴۳)** بعض ائمہ نے گناہان کبیرہ متعلقہ بقبور میں فرمایا **والصلٰوۃ الیھا**[4] قبر کے سامنے نماز پڑھنا گناہ کبیرہ ہے۔

نص ۱۴۴: ارشاد الساری امام احمد قسطلانی **(۱۴۵)** تحقیق امام الفرج سے:

یحرم ان یصلی متوجھا الی قبرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[5]۔	حرام ہے کہ مزار انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) رکوع سجود والی نماز میں قبر سامنے ہونے کی کراہت اس کی نماز

---

[1] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[2] تبیین الحقائق باب الجنائز فصل السلطان احق فی الصلٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۲۴۶

[3] الزواجر عن اقتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب التخاذ قبور المساجد دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[4] الزواجر عن قتراف الکبائر کتاب الصلٰوۃ باب التخاذ قبور المساجد دار الفکر بیروت ۱/ ۲۴۶

[5] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب حل تنبش قبور الخ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۳۰

ہونے کے سبب نہیں نماز تو جنازہ بھی ہے اور اس میں میت کا سامنے ہونا شرط اور نماز ہی نہ ہوگی اور بغیر نماز دفن کردیا تو جب تک ظن سلامت ہے قبر پر نماز پڑھنا خود حکم شریعت ہے تو قطعاً یہ کراہت نماز کے سبب نہیں بلکہ رکوع و سجود کے باعث اور یقینا معلوم کہ نماز کا رکوع و سجود اللہ عزوجل ہی کے لئے ہے اور مصلی یقیناً استقبال قبلہ ہی کی نیت کرتا ہے نہ کہ توجہ الی القبر کی۔ بایںہمہ صرف قبر کا سامنے ہونا اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ کو ممنوع کرتا ہے تو خود قبر کو سجدہ کرنا یا اسے سجدہ میں قبلہ توجہ بنانا کسی درجہ سخت اشد ممنوع وحرام ہوگا، انصاف شرط ہے اور اس قسم کے نصوص اور نوع دوم کی، احادیث کی باقی تقریر و تقریب آئندہ آئی ہے وباللہ التوفیق۔

قسم سوم: نماز تو نماز قبر کی طرف مسجد کا قبلہ ہونا منع ہے اگرچہ نمازی کا سامنا نہ ہو مثلاً امام کے سامنے کوئی ستون یا انگلی برابر دل کی آدھ گز اونچی لکڑی ہو کہ جماعت کا سامنا نہ رہا۔ پھر بھی مسجد کے قبلے میں قبر کی ممانعت ہے جب تک بیچ میں دیوار حائل نہ ہو۔

نص ۱۴۶: محرر مذہب امام محمد کی کتاب الاصل (۱۴۶) ان سے محیط (۱۴۸) ان سے ہندیہ جلد ۵:

اکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الحمام و القبر[1]۔	میں مکروہ رکھتا ہوں اسے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبلہ کی طرف ہو۔

نص ۱۴۹: غنیہ شرح منیہ ص ۳۶۶:

یکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی الحمام او قبر لانہ فیہ ترک تعظیم المسجد[2]۔	مکروہ ہے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبر کی طرف ہو کہ اس میں مسجد کی بے تعظیمی ہے۔

نص ۱۵۰: خلاصہ جلد اول ص ۵۶:

یکرہ ان تکون قبلۃ المسجد الی حمام او قبر اذا لم یکن بین المصلی وبین ھذا المواضع حائل	مکروہ ہے کہ مسجد کا قبلہ حمام یا قبر کی طرف ہو جبکہ محل نماز اور ان مواضع میں دیوار کی مثل کوئی حائل نہ ہو ہاں بیچ میں دیوار ہو تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[2] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی کراھیۃ الصلوٰۃ فروع فی الخلاصۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۶۶

کالحائط وان کان حائط لایکرہ [1]۔	مکروہ نہیں۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں) یہاں دو مسئلے ہیں:

ایک یہ کہ قبر کے سامنے ممنوع ہے۔ یہ حکم عام ہے مسجد میں ہو خواہ مکان میں خواہ صحرا میں، اور اس کا علاج سترہ ہے۔ کہ انگلی کا دل (موٹائی) اور آدھ گز طول رکھتا ہو، یا صحرا میں مصلی خاشع کے موضع نظر سے دور ہونا **کمافی جامع المضمرات ثم جامع الرموز ثم ردالمحتار والطحطاوی علی مراقی الفلاح** (جیسا کہ جامع المضمرات، جامع الرموز، فتاوٰی شامی اور طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔ت) اور امام کا سترہ ساری جماعت کو کافی ہے تمام کتب میں اس کی تصریح ہے۔ گنگوہی نے کہ عداوت اولیائے کرام سے اپنے فتاوٰی حصہ اول ص ۳۰ میں یہ حکم لگایا کہ "قبرستان میں سب کے واسطے امام اور مقتدی کے سترہ کا حاجت ہے سترہ امام کا مقتدی کو کافی ہونا مرور حیوان اور انسان میں کافی ہے قبور کا حضور مشابہ بشرک وبت پرستی ہے اس میں کفایت نہیں ہر ہر نمازی کے سامنے پردہ واجب ہے" [2] یہ شرع مطہر پر افتراء اور دل سے شریعت گھڑنا ہے۔

دوسرا یہ کہ مسجد کا قبلہ جانب قبر نہ ہو، یہ حکم مسجد سے خاص ہے یہاں تک کہ گھر میں جو جگہ نماز کے لئے مقرر کرلیں جسے مسجد البیت کہتے ہیں اس کے قبلہ میں حمام یا بیت الخلا ہو تو کچھ حرج نہیں نہ قبر میں مضائقہ، **کمانص علیہ فی المحیط الھندیۃ و غیرھا** (جیسا کہ محیط، فتاوٰی عالمگیری اور ان دو کے علاوہ یہ حکم تعظیم مسجد کے لئے ہے **کما افادہ المحقق ابراھیم الحلبی** (جیسا کہ محقق ابراہیم حلبی نے اس کا افادہ پیش کیا ہے۔ت) اور وہ جگہ حقیقۃً مسجد نہیں یہاں تک کہ اس میں جنب کو جانا بلکہ جماع بھی جائز ہے۔ ذخیرہ وحلیہ وغیرہما میں ہے:

لیس لمساجد البیوت حکم المساجد الا تری انہ یدخلہ الجنب من غیر کراھۃ ویأتی فیہ اھلہ ویبیع و یشتری	گھروں کی مساجد کا حقیقی مساجد جیسا حکم نہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ مساجد بیوت میں بغیر کراہت جنبی (ناپاک) داخل ہوسکتا ہے۔ اور وہاں

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۶۰

[2] فتاوٰی رشیدیہ باب قضاء الفوائت محمد سعید اینڈ سنز مسافرخانہ کراچی ص ۲۸۸

من غیر کراھة[1]۔	وہ اپنی منکوحہ سے ہمبستری بھی کرسکتا ہے پھر اس میں بلاکراہت خرید وفروخت بھی ہوسکتی ہے۔(ت)

مسجد حقیقی میں یہ کراہت نہ بعد قلیل سے زائل ہو نہ اس سترہ سے بلکہ دیوار درکار۔

کما سمعت فظھر الجواب وللہ الحمد عما اوردالمحقق الحلبی فی الحلیۃ اذ قال لقائل ان یقول لا یلزم من مفارقة مساجد البیوت لمساجد الجماعات فی الاحکام المذکورہ عدم کراھة الاستقبال المذکور فی الصلوٰۃ فی البیوت بلاحائل بینه وبین ذٰلك بل ینبغی ان یکون ھذا مما یساوی فیه الصلوٰۃ فی البیوت و الصلوٰۃ فی مساجد الجماعات فلیتأمل[2] اھ وتقریر الجواب ظاہر مما قررنا فالتفرقة التی ذکر فی المحیط وغیرہ غیر قائمة والتسوية التی یریدھا المحقق حاصلة والحمدللہ وعلی حبیبه والہ الصلوٰۃ الکاملة اٰمین۔	اللہ تعالٰی ہی کے لئے ستائش وخوبی ہے لہٰذا اس اشکال کا جواب بالکل ظاہر اور واضح ہوگیا کہ جس کو محقق حلبی نے الحلیۃ مس ذکر فرمایا کہ کسی کہنے والے کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ یوں کہے کہ احکام مذکورہ میں مساجد بیوت (گھروں کی مسجدیں) اور مساجد جماعات (وہ مساجد جو نماز باجماعت کے لئے تعمیر ہوئیں) میں فرق بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر لوگ گھروں کی مساجد میں آڑ اور پردہ کے بغیر نماز پڑھیں تو قبلہ کی طرف منہ کرنے میں کراہت نہ ہو،(بلکہ اس صورت میں ضرور کراہۃ ہونی چاہئے) بلکہ مناسب اور موزوں یہ ہے کہ اس حکم میں مسجد بیت اور مسجد جماعات دونوں برابر یا مساوی ہوں،اس کو سوچنا چاہئے اھ۔جو کچھ ہم نے ثابت کیا اس سے تقریر جواب ظاہر ہوگئی۔لہٰذا وہ تفرقہ جو محیط وغیرہ میں ذکر کیا وہ قائم نہیں۔اور وہ "تسویہ" جو محقق موصوف چاہتے ہیں وہ حاصل ہے۔جملہ انواع تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ثابت ہیں۔اور اللہ تعالٰی کے محبوب کریم اور ان کی تمام آل پر کامل رحمتیں نازل ہوں،آمین۔(ت)

ہم اس مختصر بیان کو چار فصل کرتے ہیں:

فصل اول: صحابہ وائمہ واولیاء وکتب پر بکر کے افترا خود اس کے مستندات اور اجماع وفقہ و

1

2 حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

جماہیر اولیاء سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت۔

فصل دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بکر کے افترائ، حدیثوں سے تحریم سجدہ کا ثبوت۔

فصل سوم: اللہ عزوجل پر بکر کے افترائ، خود اس کے منہ قرآن عظیم سے تحریم سجدہ کا ثبوت

فصل چہارم: سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام کی بحث اور دلائل قاہرہ سے بطلان استدلال مجوزین کا ثبوت۔

وباللہ التوفیق والوصول الی ذری التحقیق (اور اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے حصول توفیق ہے اور تحقیق کی چوٹی تک رسائی حاصل ہوسکتی ہے۔ت) ہر فصل میں اس کے متعلق بکر کے اور کمالات کثیرہ کا بھی اظہار ہوگا کہ مسلمان دھوکے سے بچیں وباللہ الھادی (اور اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔ت)

فصل اول: صحابہ وائمہ اولیاء وکتب پر بکر کے فتراء خود اس کے مستندات اور اجماع وفقہ وجماہیر اولیائے سے تحریم سجدۂ تحیۃ کا ثبوت

(۱) بکر نے ص ۱۳ میں عالمگیریہ کی جلد خامس باب ۲۸ صفحہ ۳۷۸ کی طرف نسبت کیا:

قال الامام ابومنصور اذا قبل احد بین یدی احد الارض اوانحنی لہ اوطأطأ لہ راسہ فلا باس بہ لانہ یرید تعظیمہ لاعبادتہ۔	امام ابومنصور نے فرمایا: اگر کوئی شخص کسی کے آگے زمین چومے یا اس کے لئے جھکے یا اپنا سر جھکائے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس سے وہ اس کی تعظیم کا ارادہ رکھتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کرنے کا (ت)

یہ محض افتراء ہے عالمگیری میں اصلا اس عبارت کا نشان نہیں نری خود ساختہ ہے کیا امر دین میں اغوا عوام کے لئے ایسی حرکات کسی مسلمان کہلانے والے کو زیبا ہیں۔

(۲) جلد خامس **(۳)** باب ۲۸ **(۴)** ص ۳۷۸ یہ تین شدید جراتیں ہیں کذب صریح اور اتنی جسارت وشوخ دچشمی سے کہ پوری تعیین مقام بھی کردیجائے **(۵)** اسی عالمگیری کی اسی جلد خامس کتاب الکراھیۃ ۲۸ ص ۳۶۸ میں ہے:

من سجد للسلطان علی وجه التحیة اوقبل الارض بین یدیه لایکفر ولکن یأثم لارتکاب الکبیرة هو المختار کذافی جواہر الاخلاطی[1]۔	یعنی جواہر الاخلاطی ہے بادشاہ کے لئے سجدہ تحیت یا اس کے سامنے زمین چومنے سے مذہب مختار میں کافر تو نہ ہوگا ہاں گنہگار ہوگا کہ اس نے کبیرہ کاارتکاب کیا۔اسے چھوڑا،ایک خیانت۔

(۶) اسی میں وہیں ص ۳۶۹ میں ہے:

وفی الجامع الصغیر تقبیل الارض بین یدی العظیم حرام وان الفاعل والراضی آثمان کذافی التتارخانیة[2]۔	یعنی جامع الصغیر پھر تاتارخانیہ میں ہے.بڑے کے آگے زمین چومنا حرام ہے اور چومنے والا اور وہ کہ اس پر راضی ہو بیشک دونوں مجرم ہیں۔

دو[۲] خیانت۔ (۷) اسی میں اس کے متصل ہے:

وتقبیل الارض بین یدی العلماء والزهاد فعل الجهال والفاعل والراضی آثمان کذافی الغرائب[3]۔	یعنی غرائب علماء ومشائخ کے سامنے زمین بوسی جاہلوں کا کام ہے اور فاعل وراضی دونوں گنہگار۔

تین خیانت۔ (۸) اسی کے متصل ہے:

الانحناء للسلطان اولغیرہ مکروہ لانه یشبه فعل المجوس کذافی جواهر الاخلاطی[4]۔	یعنی جواھر اخلاطی میں ہے بادشاہ خواہ کسی کے لئے جھکنا مکروہ ہے کہ فعل مجوس کے مانند ہے۔

چار خیانت۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں جھکنے سے بقدر رکوع جھکنا مقصود ہے جس طرح رسم مجوس و

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹

ہنود ہے۔ **(۹)** اسی کے متصل ہے:

ویکرہ الانحناء عند التحیۃ وبہ ورد النھی کذا فی التمرتاشی [1]۔	یعنی فتاوٰی امام تمرتاشی میں ہے سلام کرتے وقت جھکنا مکروہ ہے حدیث میں اس سے ممانعت آئی۔

پانچ خیانت (۱۰) اسی کے متصل ہے:

تجوز الخدمۃ لغیر اللہ تعالٰی بالقیام واخذ الیدین والانحناء ولایجوز السجود الا اللہ تعالٰی کذا فی الغرائب [2]۔	یعنی فتاوٰی غرائب میں ہے قیامت اور مصافحے اور جھکنے سے غیر خدا کی خدمت جائز ہے اور سجدہ جائز نہیں مگر اللہ تعالٰی کے لئے۔

چھ خیانت اقول: (میں کہتا ہوں) یہاں خفیف جھکنا مراد ہے کہ حد رکوع عـــہ تک نہ پہنچے۔ حدیقہ ندیہ امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی میں ہے:

الانحناء البالغ حد الرکوع لایفعل لاحد کالسجود ولا بأس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرہ من اھل الاسلام [3]۔	یعنی حد رکوع تک جھکنا غیر خدا کے لئے جائز نہیں جیسے سجدہ اور حد رکوع سے کم میں حرج نہیں کہ کسی اسلامی عزت والے کے لئے جھکیں۔

عالمگیری میں اگر کچھ نہ ہوتا تو دل سے عبارت گھڑ کر اس کے سر باندھنی تہمت تھی نہ کہ اس میں یہ قاہر عبارات اپنے خلاف موجود ہوں اور اسی جلد اسی باب میں ہوں پھر وہ شدید جرات ہزار افتراء کا ایک افتراء ہے۔

(۱۱) پھر کہا ص ۱۱۳ اس کے بعد اسی کتاب میں لکھا ہے۔

وقد تبین بذٰلک ان وضع الجباہ بین یدی المشائخ جائز بلاریب۔	بیشک اس سے ظاہر اور واضح ہوگیا کہ مشائخ کرام کے روبرو زمین پر اپنی پیشانیاں رکھ دینا بلاشک وشبہہ جائز ہے۔

عـــہ: بہ تقیید زاھدی ورد المحتار نمبر ۲۶ میں آتی ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۶۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۶۹

[3] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ محمدیہ الخلق الثانی عشر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۵۴۷

اور ایک عبارت ۳ سطر کی گھڑلی، یہ بھی نرا کذب ہے۔

(۱۲) اسی طرح سو۔۔۔ افتراء کا ایک ہے۔ **(۱۳)** صفحہ ۱۳ میں جامع صغیر کی طرف نسبت کیا:

لاباس بوضع الخدین بین یدی المشائخ۔	مشائخ کے سامنے رخساروں کے رگڑنے میں حرج نہیں۔(ت)

یہ بھی خالص دروغ۔

(۱۴) ویسا ہی سوافتراء کے برابر ہے جامع صغیر کی عبارت ابھی گزری کہ زمین چومنا حرام ہے نہ کہ زمین پر رخسارے رکھنا۔

(۱۵) اسی صفحہ میں فتاوٰی عزیزیہ کہ نسبت ادعا کیا "اس م یں بہت شرح وبسط سے تعظیمی سجدہ کی اباحت پر زور دیا ہے" یہ بھی صریح ہٹ دھرمی ہے۔ فتاوٰی عزیزیہ میں بعد ذکر شبہات یہ جواب قاطع دیا کہ اجماع قطعی ست بر تحریم سجدہ[1] یعنی غیر خدا کو سجدۂ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی قائم ہے۔

(۱۶) تو یہ بھی سو۔۔۔افتراء کے مثل ہوا۔

(۱۷) یہیں یہی مضمون فتاوٰی سراجیہ کی نسبت کیا، یہ بھی خالص جھوٹ ہے سراجیہ بہت شرح وبسط درکنار کا نشان تک نہیں۔

(۱۸) یہی ادعا شرح مشکوٰۃ شیخ محقق کی نسبت کیا، یہ بھی محض بہتان اسی میں تو یہ ہے سجدہ برائے زندہ باید کرد کہ ہر گز نمیرد و ملک اوزائل نگردد[2] (سجدہ اس زندے (خدا) کے لئے کرنا چاہئے جو کبھی مرتا نہیں اور اس کی بادشاہی کبھی زوال پذیر نہیں ہوتی۔ ت)

(۱۹) صفحہ ۱۳ میں عالمگیری سے نقل کیا:

وان امروہ بالسجود للتحیۃ والتعظیم لالعبادۃ فلا فضل لہ ان یسجد۔	اگر کفار نے کسی کو سجدۂ تحیۃ اور تعظیمی کرنے کا نہ کہ سجدہ عبادت کرنے کا، تو افضل یہ ہے کہ وہ سجدہ کرے اھ (ت)

اور اس کی یہ سرخی دی "تعظیمی سجدہ کرنا افضل ہے" یعنی وہی سجدہ جس کی بحث ہے کہ بحالت اختیار زید

---

[1] فتاوٰی عزیزیہ سجدہ تحیۃ مطبع مجتبائی دہلی اول ص ۱۰۷

[2] اشعۃ اللمعات

عمرو کو سجدہ تحیت کرنا، اسے عالمگیری میں افضل لکھا۔ یہ بھاری خیانت ہے۔ عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

ولو قال اهل الحرب للمسلم اسجد للملك والاقتلناك قالوا ان امروه بذلك العبادة فالافضل له ان لایسجد کمن اکرہ علی ان یکفر کان الصبر افضل [1]۔	یعنی اگر حربی کفار مسلمان سے کہیں کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمھیں قتل کردیں گے، یہ جبراً اگر انھوں نے سجدہ عبادت پر کیا تو افضل یہ ہے کہ نہ کرے۔ اور جان دے دے جیسے کفر پر اکراہ میں صبر افضل ہے اور اگر یہ جبر سجدہ تحیت پر کیا تو افضل یہ ہے کہ کرلے اور جان بچالے۔

اس کے بعد وہ عبارت ہے وان امروہ بالسجود للتحیة [2] (اگر دار احرب والے اسے سجدہ تحیت کرنیکا حکم دیں۔ت)
اول سے وہ اری عبارت اڑادی کہ عوام نہ جانیں کہ کلمات حالت اکراہ میں ہے جہاں یہ جانتا ہو کہ نہ کرے تو قتل کیا جائے گا۔ ایسی جگہ جان بچالینے کو افضل کہا ہے۔

(۲۰) غالباً ایسا حوالہ دینے والا سوئر اور شراب بھی بحالت اختیار حلال کرلے گا کہ آخر بحالت اضطرار ان کی اباحت تو خود قرآن عظیم میں ہے:

(۲۱) یہاں تک تو خیانت ہی تھی اب کمال سفاہت وخودکشی ملاحظہ ہو اس عبارت سے استناد کیا جو اس کے زعم میں باطل کی پوری قائل ہے سجدہ تحیت پر قتل سے اکراہ ہو اس وقت سجدہ کرلینا صرف افضل کہا۔ معلوم ہوا کہ جائز یہ بھی ہے کہ نہ کرے اور قتل ہوجائے، تو ظاہر ہوا کہ سجدہ تحیت ایسا سخت حرام ہے جس سے بچنے کو جان دے دینا اور قتل ہوجانا روا ہے تو سئر کھانے سے بھی سخت تر حرام ہوا کہ مضطر یا مکرہ اگر اسے بقدر ضرورت نہ کھائے اور مرجائے یا مارا جائے گنہگار مرے کما نصوا علیه قاطبة (جیسا کہ بالاتفاق ان سب نے اس کی تصریح فرمائی۔ت) عالمگیری میں ہے:

السلطان اذا اخذ رجلا وقال الاقتلنك او لتأكل لحم هذا الخنزير يفترض عليه التناول فان لم يتناول حتی قتل کان آثما [3]۔	اگر بادشاہ نے کسی شخص کو گرفتار کیا اور کہا کہ اس سور کا گوشت کھائے ورنہ میں تمھیں قتل کردوں گا تو اس پر کھانا فرض ہے اگر اس نے نہ کھایا یہاں تک کہ وہ قتل کردیا گیا تو وہ گناہگار ہوگا۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراهیة الباب الثامن ولعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹
[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراهیة الباب الثامن ولعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۹
[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۸

درمختار میں ہے:

اکرہ علی اکل لحم خنزیر بقتل اوقطع عضو اوضرب مبرح فرض فان صبر فقتل اثم [1]	قتل یا قطع اندام یا ضرب شدید کی دھمکی دے کر سور کے گوشت کھانے پر مجبور کیا گیا تو اس پر کھانا فرض ہے۔ (پھر اگر اس نے نہ کھایا) اور صبر کیا تو گناہگار ہوگا۔ (ت)

اکل خنزیر میں اگر اتنا ہی اکراہ ہو کہ نہ کھایا تو انگلی کاٹی جائے تو کھانا فرض، نہ کھائے گنہ گار، اور غیر خدا کو سجدہ تحیت میں اگر قتل سے اکراہ ہو جب بھی سجدہ ضرور نہیں اور جان دے دینی جائز اگرچہ بہتر حفظ جان تھا۔

کتنا فرق عظیم ہوا اور ہونا یہ تھا کہ اکل خنزیر میں عبادت غیر کی مشابہت نہیں بخلاف سجدہ تو اس کا دوسرے کے لئے کرنا واحد قہار جلہ وعلاکے خاص حق پرست درازی ہے۔ آدمی انصاف ودین رکھتا ہو تو صرف یہی نمبر اس کی ہدیت کو بس ہے **ولایزید الظلمین الا خسارًا** (ظالموں کو سوائے نقصان اور گھاٹے کے کچھ نہیں بڑھاتا۔ ت)

(۲۲) پھر کہا "اس قسم کا مضمون فتاوٰی قاضی خاں میں بھی ہے" اس قسم کا مضمون نہیں بلکہ وہ عبادت ہی فتاوٰی قاضی خاں کی ہے عالمگیری نے اسی سے نقل کی ہے تو اس کا حوالہ بھی وہی سخت فریب دہی ہے۔

(۲۳) نہیں نہیں نری فریب دہی نہیں بلکہ خودکشی اور اپنے منہ اپنے زعم باطل کی پوری پیکنی بکر مذکور نے اسی تحریر ص ۱۲ میں کہا "ہدایہ" ردالمختار، فتاوٰی قاضی خان نہایت معتبر کتابیں ہیں قرآن وحدیث کے غور واحقاق کے بعد ان کو مرتب کیا ہے "اسی فتاوٰی قاضی خاں سے ایک ہی صفحے بعد خود وہ عبارت پیش کی جس نے ثابت کردیا کہ سجدہ تحیت اکل خنزیر سے بھی بدتر حرام ہے۔ عرب تو **علی اهلها** کہتے تھے یہاں **علی نفسها تجنی براقش**۔

(۲۴) یہ تو فتاوٰی قاضی خاں کا فیصلہ تھا بکر کی دوسری مسلم کتاب ممدوح کتاب منقح کتاب ردالمحتار کی سنئے درمختار میں فرمایا:

مایفعلونه من تقبل الارض بین یدی العلماء و العظماء فحرام	علماء وبزرگان کے سامنے زمین بوسی جو لوگ کرتے ہیں حرام ہے اور کرنے والا اور اس پر

[1] درمختار کتاب الاکراہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۶

والفاعل والرضی بہ آثمان لانہ یشبہ عبادۃ الوثن[1]	راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں اس لئے کہ وہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

ایسی عمدہ پُر تحقیق کتاب ردالمحتار نے اسے مقرر رکھا۔

(۲۵) پھر درمختار میں فرمایا:

وھل یکفران علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر وان علی وجہ التحیۃ لاوصار آثما مرتکبا للکبیرۃ[2]	یعنی آیا زمیں بوسی سے کافر ہوگا یا نہیں اگر بطور عبادت و تعظیم ہے کافر ہوجائے گا اور اگر بطور تحیت ہے کافر نہ ہوگا ہاں مجرم و مرتکب کبیرہ ہوگا۔

اسی پر اسی نہایت معتمد کتاب ردالمحتار نے فرمایا:

تلفیق لقولین قال الزیلعی وذکر الصدور الشہید انہ لایکفر بھذا السجود لانہ یرید بہ التحیۃ وقال شمس الائمۃ السرخسی ان کان لغیر اللہ تعالٰی علی وجہ التعظیم کفر اھ قال القھستانی وفی الظھیرۃ یکفر بالسجدۃ مطلقا[3]	خلاصہ یہ ہے کہ یہاں دو قول تھے، ایک یہ کہ سجدہ سے مطلقًا کافر ہوجائے گا یہی فتاوٰی ظہیریہ میں ہے اور پھر امام شمس الائمہ سرخسی بھی سجدہ تعظیمی کو مطلقًا کفر فرماتے ہیں دوسرا یہ کہ مرتکب کبیرہ ہوگا مگر کفر نہیں۔ امام صدر شہید نے اسی کو اختیار فرمایا اس لئے کہ اس سے تحیت مقصود ہوتی ہے نہ کہ عبادت

شارح نے ان دونوں قولوں کو یوں فرمایا کہ کافر کہنے والوں کی مراد وہ ہے کہ بروجہ عبادت ہو، اور صرف گناہ کبیرہ کہنے والوں کی مراد ہو ہے کہ محض بروجہ تحیت ہو۔ کہئے اس اعلٰی معتمد کتاب نے بھی دو ہی قول بتائے کفر یا گناہ کبیرہ، جوز کا بھی کہیں پتا دیا۔

(۲۶) پھر اسی پر تحقیق کتاب نے اور رجسٹری کی، اس کے متصل فرمایا:

وفی الزاھدی الایماء فی السلام الی قریب	یعنی مجتبٰی میں ہے کہ سلام میں رکوع کے قریب

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

الرکوع کالسجود فی المحیط انه یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ[1]	تک جھکنا بھی سجدے کے مثل ہے اور محیط میں فرمایا کہ بادشاہ وغیرہ کسی کے لئے جھکنا ہو منع ہے۔

(۲۷) ہنوز بس نہیں، چند سطریں بعد اقسام بوسہ میں فرمایا:

حرام للارض تحیة وکفر لھا تعظیما[2]	زمین بوسی بطور تحیت حرام ہے اور بطور تعظیم کفر۔

افسوس کہ خود بکر معتمد کتابیں زعم بکر کو کیسا کیسا باطل کررہی ہے واللہ الحمد اور آگے آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے **فصل چہارم** آنے دیجئے۔

(۲۸) ص ۲۳ "سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا ہے" یہ جھوٹ لاکھوں جھوٹ کا ایک جھوٹ، اور عامہ اولیائے کرام پر تہمت ہے جس کا رد خود اسی کی مستند سے عنقریب آتا ہے۔

(۲۹تا۴۵) صفحہ ۲۳ "ہر خاندان ہر سلسلہ کے بزرگوں کو تعظیمی سجدہ کرنے کا ثبوت کتابوں میں ہے" حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افتراء، حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی پر افتراء حضرت بہاؤ الحق والدین نقشبندی پر افتراء، حضرت شیخ عبدالواحد بن زید پر افتراء، حضرت خواجہ فضیل بن عیاض پر افتراء، حضرت ابراہیم بن ادھم پر افتراء، حضرت ہبیرہ بصری پر افتراء، حضرت سید الطائفہ جنید پر افتراء، حضرت حبیب عجمی پر افتراء، حضرت عمشاد دینوری پر افتراء، حضرت بایزید بسطامی پر افتراء، حضرت معروف کرخی پر افتراء، حضرت سری سقطی پر افتراء، سلطان ابوالحق کازرونی پر افتراء، حضرت نجم الدین کبری پر افتراء، حضرت سری سقطی پر افتراء، سلطان ابواسحٰق گازرونی پر افتراء، حضرت نجم الدین کبری پر افتراء، حضرت علاؤ الدین طوسی پر افتراء، حضرت ضیاء الدین عبدلا قاہر پر افتراء، یہ حضرات سلسلوں اور خانوادوں کے سردار ہیں ثبوت دے ان کو کب سجدہ ہوا اور انھوں نے جائز رکھا، یہ افتراء بھی ہزاروں افتراؤں کا ایک ہے۔

(۴۶تا۴۸) ان سے بھی بدرجہا سخت سے سخت بیباکی یہ کہ "حضرت علی وصحابہ کبار سے لے کر تمام بڑے بڑے علماء مشائخ اولیاء سے سجدہ تعظیمی ثابت ہے" ص ۲۳۔ یہ مولٰی علی پر افتراء صحابہ کبار پر افتراء، تمام ائمہ کرام پر افتراء، یہ تین افترا لاکھوں افتراؤں کا مجموعہ ہیں۔ بکر سچا ہے تو مولٰی علی یا کسی

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

صحابی یا کسی امام تابعی یا امام اعظم، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام ابویوسف، امام محمد، امام بخاری، امام مسلم یا ان کے یا ان کے کسی ایک شاگرد سے ثبوت صحیح دکھائے کہ انھوں نے کسی غیر خدا کو سجدہ کیا یا اسے جائز بتایا ورنہ قرآن مجید میں جو کچھ کاذبین پر ہے اس سے ڈرے اور جلد سے جلد توبہ کرے، کذب فی الدنیا سے فی الدین سخت تر ہے۔ اور بحکم حدیث **لعنتہ ملائکۃ السماء والارض**[1] (اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔ت) کا استحقاق ہے اور زید وعمرو پر افتراء سے صحابہ وائمہ پر افتراء خبیث تر ہے اور قرآن کریم میں "**اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ**"[2] (جھوٹ وہی لوگ تراشتے (اور باندھتے ہیں) جو در حقیقت ایمان نہیں رکھتے۔ت) کا احقاق ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی الاعلی** (اللہ تعالٰی کی پناہ گناہوں سے بچنا اور حصول نیکی کی طاقت سوائے اللہ تعالٰی بلند وبالا کی توفیق دئے بغیر کسی میں نہیں۔ت)

(۴۹) آگے افتراء واختراع کی اور بھی پوری تند چڑھی کہ "ان سب کا اجماع مسئلہ سجدۂ تعظیمی میں ثابت ہے اور کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا تو پس [عــہ] اگر سجدہ تعظیمی گمراہی بھی ہے تو اجماع امت سے گمراہی اس کی جاتی رہی" ص ۲۳ **انا للہ وانا الیہ رجعون** (یقیناً ہم اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) سچ فرمایا حدیث مجید نے:

حُبُّكَ الشیئَ یُعمِی ویُصِم[3]	کسی چیز کی محبت اندھا وبہرا کردیتی ہے۔(ت)

تعصب آدمی کو اندھا بہرا کردیتا ہے۔ سچ فرمایا رب العزت عزجلالہ نے:

"**فَاِنَّہَا لَا تَعۡمَی الۡاَبۡصَارُ وَ لٰکِنۡ تَعۡمَی الۡقُلُوۡبُ الَّتِیۡ فِی الصُّدُوۡرِ ﴿۴۶﴾**"[4]	آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں وہ دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

سجدہ غیر پر امت کرشن کا فرکا ضرور اجماع ہے جس پنڈت سے چاہوں پوچھ لو جس مندر میں چاہو دیکھ لو لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم اس ملعون تہمت سے بری ہے۔ "**وَ سَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾**"[5] (عنقریب ظالموں کو معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے، ت)

عــہ: تو بھی دو پس ہی رہے فصاحت، ف کہا چھوڑی یوں کہا ہوتا فتوپس کہ تینوں زبانیں جمع ہوجاتیں ۱۲ منہ۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۱۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[3] مسند احمد بن حنبل باقی حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۹۴

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

بلکہ ابھی بکر کے مستند فتاوٰی عزیزی سے سن چکے کہ غیر کے لئے سجدہ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے۔

(۵۰) طرفہ یہ کہ "گمراہی بھی ہے تو اجماع سے جاتی رہی" یعنی امت گمراہی پر اجماع تو کرلیتی ہے لیکن اس اجماع سے گمراہی کی کا یاپلٹ ہو کر ہدایت ہو جاتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ رجعون زہے گمراہی وجنون "لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡـًٔا وَّلَا یَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾"[1] (نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں اور نہ راہ پاتے ہیں۔ت)

(۵۱) صفحہ ۲۰ پر لطائف اشرفی کی عبارت نقل کی اور اس کی ابتداء سے یہ عبارت چھوڑ دی:

اما وضع جبھہ بین یدی الشیوخ بعضے از مشائخ روا داشتہ اما اکثر مشائخ اعراض کردہ اند واصحاب خود را ازاں امتناع ساختہ کہ سجدہ تحیت درامت پیشین بود حال منسوخ ست۔[2]	مشائخ کرام کے سامنے پیشانی زمین پر رکھنا بعض نے اس روایت کو جائز فرمایا اکثر مشائخ نے اس کا انکار کیا ہے اور اس سے اظہار نفرت فرمایا) اور اپنے اصحاب کو اس سے منع فرمایا کہ سجدہ تحیت پہلی امتوں میں جائز تھا لیکن اس امت میں منسوخ ہے۔(ت)

یہ کتنی بھاری خیانت ہے اس کلام لطائف میں بہت لطائف تھے۔

اوّلاً: سجدہ تحیت کی منسوخی جس کا بکر کو انکار ہے۔

ثانیاً: بکر کے ادعائے کاذب اجماع کا رد کہ اکثر اولیاء انکار سجدہ پر ہیں۔

ثالثاً: بلکہ ممانعت سجدہ پر اجماع کا ثبوت کہ بکر نے خود اپنے ادعائے کاذب اجماع کی یونہی مرہم پٹی کی ہے کہ "اکثر اجماع ہے وللاکثر حکم الکل اکثر واسطے کال کا حکم ہے" ص ۲۴۔ اسی کی مستند لطائف سے ثابت ہوا کہ اکثر مشائخ کرام ممانعت سجدہ پر ہیں اور اکثر کے واسطے کا حکم ہے تو تحریم سجدہ پر اجماع اولیائے کرام ثابت ہوا اور اجماع علماء خود ظاہر اور بکر کی دوسری مستند فتاوٰی عزیزیہ میں مصرح تو غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت ہونے پر اولیاء وعلماء کا اجماع ہوا تو یہ بکر خود اپنی مستندوں سے اجامع کا منکر اور علمائے کرام واولیائے عظام سب کا مخالف ہے وکفی بہ خسرانا مبینا (اور یہی کھلا گھاٹا کافی ہے۔ت)۔

رابعًا: بکر کے اس کذب صریح وافترائے قبیح کا رد کہ "سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا تھا" ص ۲۳ وہ فرماتے ہیں جمہور اولیائے منع فرماتے تھے یہ کہتا ہے سب اولیار وار کھتے تھے ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

(دیکھو تو سہی راستے کا فرق کہ کہاں سے کہاں تک ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۰

[2] لطائف اشرفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

خامسًا: الحمدللّٰہ فوائد الفواد وغیرہ کی سند کا خود ہی جواب دے لیا جب جمہور اولیاء کا ممانعت پر ہیں اور اکثر کے لئے حکم کل تو اجماع اولیاء تحریم پر ہوا اجماع کے مقابل کوئی قول سند نہیں ہوسکتا خود بکر نے کہا "اجماع ثابت ہے کوئی شخص انکار کی مجال نہیں رکھتا" ص ۲۳۔

عبارت لطائف میں تین لطائف اور بھی ہیں آیندہ کا انتظار کیجئے، لطائف کے اس کلام میں بکر پر یہ قاہر رد تھے کہ تمام کاروائی دریا برد تھی لہٰذا دو ٹکڑا صاف کتر لیا دین میں ایسی دغا بازی کیا شان اسلام ہے۔

(۵۲) ص ۲۳ میں دلیل العارفین فوائد السالکین تحفۃ العاشقین کا نام لیا اور عبارت نقل نہ کی جہاں بحوالہ صفحہ عبارت نقل کی وہاں تو وہ صریح کذب جری کی راہ لی یہاں کیا اعتبار ہے اور اگر ان میں وہ مضمون ہو اور بکر نے خیانت بھی نہ کی ہو تو **اوّلًا** اسی کا ثبوت درکار کہ یہ کتابیں حضرات منسوخ الیھم رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ہیں بہت کتابیں محض جھوٹ نسبت کرکے چھاپ دی ہیں جس کا ذکر آخر فصل سوم میں آتا ہے۔

(۵۳) ثانیًا: اگر بیان ثقات سے ثابت ہو کہ ان حضرات کی کوئی کتاب اس نام سے تھی تو بلاشبہ یہ مشہور متداول نہیں بلکہ کتب غریبہ پر اعتماد جائز نہیں۔ علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں محقق بحر صاحب بحر الرائق سے ناقل: لایجوز النقل من الکتب الغریبة التی لم تشتھر [1]۔ غیر مشہور کتابوں سے نقل جائز نہیں، فتح القدیر و بحر الرائق و نہر الفائق و منح الغفار وغیرہا میں ہے:

لووجد بعض نسخ النوادر فی زماننا لایحل عزوما فیھا الٰی محمد ولا الی ابی یوسف لانھا لم تشتھر فی عصرنا فی دیارنا ولم تتداول نعم اذا وجد النقل عن النوادر مثلا فی کتاب مشھور معروف کالھدایة والمبسوط کان ذٰلك تعویلا علی ذٰلك الکتاب [2]۔	اگر ہمارے زمانے میں نوادر میں نوادر کا کوئی نسخہ پایا جائے تو اس میں جو کچھ ہے اسے ابویوسف یا محمد کی طرف نسبت کرنا حرام ہے اسی لئے کہ وہ کتاب ہمارے زمانے میں یہاں مشہور و متداول نہیں ہاں نوادر سے اگر مثلاً ہدایہ یا مبسوط کسی مشہور معروف کتاب میں نقل ہو تو اس نقل کا ماننا اس مشہور کتاب کے اعتماد پر ہوگا۔

اپنے زمانے میں غیر مشہور کی قید سے افادہ فرمایا کہ پہلے اگر مشہور بھی تھی تو اب معتبر نہیں نہ کہ

---

[1] غمز العیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر خطبۃ الکتاب ادارۃ القرآن الکریم ۱/۱۶

[2] فتح القدیر کتاب ادب القاضی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۳۶۰

وہ رسالہ کہ کبھی مشہور نہ تھے، نہ ہیں۔ کسی الماری سے کوئی نسخہ نقل ہو کر چھپ جانا اسے کتاب مشہور نہ کردے گا۔

(۵۴) ثالث تمام مدارج طے ہونے کے بعد یہی جواب کافی ووافی کہ جمہور اولیاء وجمیع ائمہ منع پر ہیں تو اجماع ہوا اور اجماع کے خلاف اقوال شان مستند نہیں ہوسکتے۔

(۵۵) یہی عبارت مباحث معدن المعانی میں ہیں۔

(۵۶) جب بکر کی جراتیں یہاں تک ہیں تو اس تحریف کی کیا شکایت کہ لطائف میں دربارہ سجدہ ملائکہ ملتقط سے نقل ہوا:

کان السجدۃ لھا طر فان طرف التحیۃ و طرف العبادۃ فالتحیۃ کانت لاٰدم والعبادۃ ﷲ تعالٰی[1]۔	یعنی اس سجدے کی دو طرفیں تھیں۔ طرف تحیت وطرف عبادت، ان میں تحیت تو حضرت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے تھی اور عبادت اللہ عزوجل کے لئے۔

اسے یوں بنالیا ص ۲۲ کہ سجدہ کی دو قسمیں ہیں: ایک سجدہ تحیت، ایک سجدہ عبادت، پس سجدہ تحیت آدمی کے لئے ہے اور سجدہ عبادت خدا تعالٰی کے لئے" شاید دہلی کے شاعر نے بکر ہی سے کہا تھا کہ ؎

عیار ہو بیباک ہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

(۵۷) ایسا ہی جُل عبارت کا کشاف سے کھیلا اس کی اصل عبارت یہ ہے:

فان قلت کیف جاز لھم ان یسجد والغیر اللہ قلت کانت السجدۃ عندھم جاریۃ مجری التحیۃ والتکرمۃ کالقیام و المصافحۃ وتقبیل الید ونحوھا مما جرت علیہ عادۃ الناس من افعال شھرت فی التعظیم والتوقیر[2]۔	یعنی اگر تو کہے یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام اور ان کے بیٹوں کو غیر خدا کے لئے سجدہ کیسے جائز ہوگیا تو میں کہوں گا ان کے یہاں سجدہ تحیت کا رواج تھا جیسے قیام (مصافحہ ودست بوسی وغیرہ افعال تعظیم وتوقیر جن کا لوگوں میں رواج ہے۔

اسے یہ بنالیا کہ ص ۱۳ " سجدۂ تعظیمی قرن اول سے جاری ہے " اول تو رواج حال میں سجدہ کا نام

[1] لطائف اشرفی فی طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

[2] الکشاف (تفسیر الزمخشری) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ انتشارات آفتاب تہران ۲/ ۳۴۴

کہاں تھا قیام ومصافحہ ودست بوسی کا ذکر تھا جس کا صاف یہ مطلب کہ جیسے اب یہ افعال تحیت ہیں یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانے میں سجدہ تحیت تھا۔ پھر جرت علیہ عادۃ الناس" سے اتنا ثابت کہ زمخشری کے زمانے میں ان کا رواج ہے قرن اول کا یہاں کون سا حرف تھا، نہ قرن اول میں قیام ودست بوسی عادت ناس تھی، وقوع خاص وعادت ناس میں جو فرق نہ کرے جو ہل ہے تو یہ کشاف پر دہورا افترا ہے۔

(۵۸) بکر اس کی عبارت میں بھی قطع وبرید سے نہ چوکا، وہ جو اس نے سوال قیام کیا تھا کہ اگر تو کہے انھیں غیر خدا کے لئے سجدہ جائز ہوگیا صاف اڑادیا جس سے کھلتا تھا کہ ہماری شریعت میں ناجائز ہے جس پر سوال ناشیئ ہوا، اگر ہماری شریعت میں بھی جائز ہوتا تو سوال کا کیا منشا تھا۔

(۵۹) اسی طرح کشاف میں عبادت وتحیت کا فرق بتا کر کہا:

یجوز ان یختلف الاحوال والاوقات فیہ[1]۔	اس میں احوال واوقات کا اختلاف ہوسکتا ہے۔

یعنی جب جائز تھا اب حرام، یہ کسے کہا، سجدہ تحیت کو یا سجدہ عبادت کو، کیا وہ بھی کسی زمانے میں غیر خدا کے لئے جائز وہوسکتا ہے۔ یہ ہے کل جمع کشاف کا کلام جس پر وہ صریح تہمت رکھدی کہ "بہت شرح وبسط سے تعظیمی سجدہ کی اباحت پر زور دیا ہے" ص ۱۴۔

غرض او مفتری نتواں بر آمد کہ اواز خود سخن می آفریند

(جھوٹ کہنے والے سے یہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خود بات کو گھڑلیتا ہے۔ت)

(۶۰) شاہ عبدالعزیز صاحب کو قول افتراء کے ساتھ فعلی افترا سے بھی نہ چھوڑا کہ "وہ خود والدین واولیاء اللہ کے مزارات پر سجدہ تعظیمی ادا کرتے تھے" ص ۱۴۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ**﴿۱۱۱﴾ "[2] اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو۔

(۶۱) یہ وہی شاہ عبدالعزیز صاحب ہیں جن کے فتوٰی سے سن چکے کہ سجدہ تحیت باجماع قطعی حرام ہے یہ وہی شاہ صاحب ہیں جو تفسیر عزیزی میں فرماتے ہیں:

درامتہائے سابقہ جائز بود چنانچہ در قصہ	پہلی امتوں میں سجدہ تعظیمی جائز تھا، جیسا کہ

---

[1] الکشاف عن حقائق التنزیل تحت آیۃ ۲/ ۳۴ انتشارات آفتاب تہران ۱/ ۲۷۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

حضرت یوسف واخوان ایشان واقع شدہ کہ "وخروالہ سجدا درشریعت مااین طریق ہم فیما بین مخلوقات حرام ست بدلیل احادیث متواترہ کہ دیں باب وارد شدہ[1]۔	حضرت ابویوسف کے بھائیوں کے واقعہ میں مذکور کہ انھوں نے یوسف کو سجدہ کیا۔ لیکن ہماری شریعت میں یہ طریقہ بھی لوگوں کا آپس میں اختیار کرنا حرام ہے ان متواتر حدیثوں کی وجہ سے جو اس باب میں وارد ہوتیں۔(ت) تو یہ افتراء بھی سوافتراء ہے۔

(۶۲) جس کی یہ قاہر تصریحیں ہوں اس کے ایک محاورہ کے لفظ مسجود خلائق کو معنی حقیقی شرع پر حمل کرنا اور اس سے اس کے نزدیک جواز نکالنا صریح ہٹ دھرمی ہے یوں تو شاہ صاحب سے بدرجہاں اعلم واعظم حضرت شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی مدارج شریف میں ہے رب عزوجل نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت فرمایا:

تسمیہ کردم او را بمحمد واحد محمود و گردانیدم او را عابد و معبود[2]۔	میں نے ان کا نام محمد، احمد اور محمود رکھا، اور میں نے ان کو عابد اور معبود بنایا (یعنی خدا کی عبادت کرنے والا اور لوگوں کا محبوب اور مخدوم) (ت)

اب یہاں بھی کہنا کہ حضرت محدث دہلوی "معبود" کا لفظ کسی بندے کے حق میں لکھتے ہیں یا کسی خدا کے ص ۱۶، سجدہ تحیت بالائے طاق عبادت مخلوق بھی جائز کرلینا اور یہ "کسی خدا" بھی عجیب لفظ ہے۔ معلوم نہیں بکر کے نزدیک کتنے خدا ہیں شاید کرشن مت کے چھپن کروڑ لئے ہوں۔

(۶۳) بکر نے جو مضمون فوائد الفواد سے نقل کیا بعینہٖ یہی مضمون سیر الاولیاء میں حضرت سلطان الاولیا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

دریں حال کہ او پیش مابود وحید الدین قریشی درآمد و سر بر زمین نہاد۔ شیخ سعدی خویش گوید ؎ ہر جا کہ روئے زندہ دلے برزمین تست ہر جا کہ دست غمزدہ درد عائے تست	اسی حال میں جب وہ میرے سامنے تھا وحید الدین قریشی آیا اور اس سرزمین پر رکھا۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کیا خوب فرماتے ہیں: ؎ "جس جگہ چہرتازہ ہو تو وہ تیری زمین پر بچھا ہے

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت آیۃ ۳۴/۲ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۷۷

[2] مدارج النبوۃ

بزرگے دیگر گوید ؎	اور جس جگہ غمزدہ ہو تو ہاتھ تجھ سے دعا کے لیے ہیں"۔
شعاع روز بہی تابد از جبین کسے	"ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں: ؎
کہ در پرستش تو بر نہد بخاک جبین [1]	"ابد تک روشن شعاع کسی کی پیشانی سے پھوٹتی ہیں کہ تیری پرستش کے لئے وہ پیشانی زمین پر رکھ دیتا ہے" (ت)

یہاں تو نرا مسجود بلکہ پرستش موجود، اب کہہ دینا کہ حضرت سلطان الاولیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذاللہ غیر خدا کے لئے سجدہ عبادت روا جانتے تھے جیسے یہاں پرستش بمعنی عبادت نہیں بلکہ خدمت یونہی وہاں مسجود بمعنی مخدوم ومطاع، یہ خود مشہور معنٰی ہیں اور عام محاورہ میں مستعمل ہے۔ مگر عناد کا کیا علاج۔

(۶۴) بکر کو ہر قسم اختراع میں کمال ہے لغت میں بھی اجتھاد ہے لفظ کے معنی بھی دل سے تراش لیے جاتے ہیں عالمگیری پر افتراء نمبر اول میں یہ لفظ گھڑے "اوطأطأ راسه فلا باس" جس کا صاف ترجمہ یہ تھا" یا سر خم کیا تو حرج نہیں" اسے یہ بنالیا ص ۱۳"، یا اپنے سر کو زمین پر رگڑے تو کچھ مضائقہ نہیں" بکر سے پوچھئے طأطأة کا ترجمہ "زمین پر رگڑنا" کہاں کی زبان ہے۔ مقام حیرت ہے جب اصل عبارت ہی اپنی ساختہ پرداختہ تھی جس کا عالمگیری میں تھل نہ بیڑا تو سرے سے اوسجدله کیوں نہ گھڑلیا اس کی کیا ضرورت آڑے آئی کہ لفظ طأطأ رکھ کر ترجمہ بھی جھوٹا کرے مگر یہ کہ اختراع میں اپنی مہارت دکھائی کہ عبارت بھی دل سے تراشیں پھر اس جھوٹ کا ترجمہ جھوٹ در جھوٹ گھڑیں "ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍ ؕ" [2] (اتنے زیادہ اندھیرے ہیں کہ وہ ایک دوسرے پر چھائے ہوئے ہیں۔ت)

(۶۵) سیر الاولیاء میں تھا: مرید زمین بوسید [3] اس کا ترجمہ یہ تراشہ گیا "مرید زمین پر سر بسجود ہوگیا"۔ اگر ترجمہ کتاب پر یہ حسب عادت بکری افتراء ہے تو ظاہر ورنہ فحوائے حدیث صحیح مسلم "فهو احد الكاذبين" تو وہ ایک جھوٹا ہے۔ت) نقد وقت ہے لطائف میں تھا بعضے اصحاب روایت شرعی ہم آوردہ آند [4] "جس کا ترجمہ بکر نے یہ کیا" بعض اصحاب شرعی کی روایت بھی لاتے ہیں" کہ استمرار پر دلالت کرے حالانکہ اس کا حاصل صرف اس قدر کہ کوئی صاحب اس پر روایت شرعی بھی لائے۔

---

[1] سید الاولیاء باب ششم نکتہ درمیان اعتقاد مرید الخ مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۳۵۰
[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰
[3] سیر الاولیاء باب ششم مؤسسۃ انتشارات اسلامی بیروت ص ۳۵۰
[4] لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

جس سے ظاہر کہ مصنف لطائف نے نہ وہ روایت آپ دیکھی نہ اس پر ایسا اعتماد کہ جزما فرماتے کہ یہاں روایت شرعی بھی ہے بلکہ ایک شخص مجہول کا حوالہ دیا یہ سند نہیں ہو سکتا کہ ارشاد حضرت قدوۃ الکبراء تو درکنار قول صاحب لطائف بھی نہیں نہ ناقل معلوم بلکہ مجہول الاسم والمسمی۔

(۶۶تا۶۹) اس ناقل مجہول کی نقل کی حالت یہاں سے کھلتی ہے کہ اس نے ایک مضمون میں نقل کیا کہ نبی و پیر و بادشاہ و والدین و مولی کو سجدہ تحیت جائز ہے اور بے دھڑک کہہ دیا یہ سب بیان فتاوی قاضیخان اور صغیر خانی اور تیسیر اور سراجی اور خانی اور کافی میں ہے، فتاوی قاضی خان اور افتراء صغیر خانی پر افتراء، سراجی پر افتراء، "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾"[1] (لوگو! اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ت)

(۷۰) جہالت کی یہ حالت کہ فتاوی قاضی خان کو جدا گنا اور خانی کو جدا، حالانکہ یہ وہی ہے۔

(۷۱) تیسیر جسے بکر نے ص ۱۴ پر فتاوی تیسیر کہا ہمارے مذہب کا کوئی فتاوی اس نام کا نہیں اس ناقل اور اب اس کے متبع بکر پر لازم کہ بتائے یہ کیا کتاب کس کی تصنیف اور اس میں یہ مضمون کہاں ہے۔

(۷۲) ملتقط کے معنی میں جو تحریف کی نمبر ۳۲ میں گزری اسی سلسلہ میں لکھا ص ۲۲ حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے "سجدہ تحیت مثل سلام کے ہے اور کچھ نہیں حرج نہیں اگر پیروں کے سامنے رخسارے رکھے جائیں" یہ اگر مقولہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہما شامل کی اتو ابن عباس پر افتراء ہے ورنہ ملتقط پر۔

(۷۳) اگر ابن عباس نے گزشتہ امتوں میں سجدہ تحیت کو بجائے سلام کہا تو ہمیں کیا مضر اور مخالف کو کیا مفید اور اگر یہ مطلب کہ ابن عباس اب سجدہ تحیت کو مثل سلام کہتے ہیں تو قطعاً ان پر افتراء۔ رہا یہ کہ پھر صاحب لطائف نے ایسی افتراء بھری نقل کو درج کتاب کیوں کیا، جب انھوں نے فرمادیا کہ بعض یہ روایت لائے وہ بری الذمہ ہوگئے جیسے بہت محدثین احادیث باطلہ موضوعہ روایت کرتے ارو جانتے کہ جب ہم نے سند لکھ دی ہم پر الزام نہ رہا علاوہ بریں مولنا ملک العلماء بحر العلوم فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں:

العدول من غیر الائمة لایبالون عمن اخذوا و رووا الاتری الشیخ علاء الدولة السمنانی کیف اعتمد علی الرتن الهندی و ای رجل	یعنی اماموں کے سوا اور ثقہ عادل حضرات اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ کس سے لیتے کس سے روایت کرتے ہیں حضرت شیخ علاء الدولۃ سمنانی قدس سرہ کو نہ دیکھا کیونکر رتن ہندی پر اعتماد فرمالیا حضرت

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

یکون مثلہ فی العدالۃ[1]۔	ممدوح کے برابر کون عادل ہوگا۔

(۷۴) ص ۱۴ پر جہاں چند حوالوں میں بے نقل عبارت صرف نام گنائے ہیں جن میں خاص کر معارف وسراجیہ وعزیزیہ وشرح مشکوۃ کے حوالے یقینا جھوٹ ہونا اوپر واضح ہوچکا اور فتاوی تیسیر کوئی فتاوی ہی نہیں انھیں میں چھٹا نام معین الدین واعظ کی تفسیر سورہ یوسف کا ہے بکر جب اس قدر شدید الاجتراء کثیر الافتراء ہے تو اس حوالے پر کیا اعتماد، اور ہو تو تصریحات ائمہ وارشادات حدیث کے مقابل ایک واعظ کی بات سے کیا استناد، یہ حقیقت ہے بکر کی سندوں کی، **ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بلند مرتبہ اور عظیم شان والے اللہ تعالی کی توفیق دینے کے سوا کسی میں نہیں۔ت)

فصل دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بکر کے افتراء اور حدیث سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت

(۷۵) بھلا یہاں تک تو لغت وفقہ وائمہ وصحابہ رضی اللہ تعالی عنھم ہی پر افتراء تھے مگر بکر کی بڑھتی ہمت کیا صبر کرے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر بھی افتراء سے باز نہ آئی ص ۹ پر کہا: خود آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: **کلامی لاینسخ کلام اللہ**[2] میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کرسکتا، یہ حدیث ابن عدی ودارقطنی نے بطریق محمد بن داؤد القنطری عن جبرون بن واقد الافریقی روایت کی ابن عدی نے کامل اور ابن جوزی نے علل میں کہا یہ حدیث منکر ہے، ذہبی نے میزان میں کہا جبرون متہم ہے اس نے قلّت حیا سے یہ حدیث روایت کی ترجمہ، قنطری میں کہا یہ حدیث باطل ہے، ترجمہ افریقی میں کہا یہ حدیث موضوع ہے، امام حجر نے لسان المیزان میں دونوں جگہ ان کے یہ کلام مقرر رکھے، بعد وضوح امر ایک منکر، باطل، موضوع حدیث متہم بالکذب کی روایت کو کہنا کہ حضور نے فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم پر افتراء کی جرأت ہے۔

(۷۶) بکر مدعی حنفیت حنفیت سے جدا چلا، مذہب حنفی میں بیشک آیت حدیث سے منسوخ ہوسکتی ہے **کما ھو مصرح فی کتب اصولھم قاطبۃ** (جیسا کہ اصول کی عام کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے۔ت) احکام میں حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا کلام اللہ عزوجل ہی کا کلام ہے تو کلام خدا کلام خدا ہی سے منسوخ ہوا۔

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۷۵

[2] الکامل فی ضعفاء الرجال ترجمہ جبرون بن واقد الافریقی دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۲

قال اللہ تعالٰی "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ "[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے وہ تو نہیں مگر وحی کہ بھیجی گئی۔

(۷۷) صفحہ ۱۵ پر سرخی دی: "آنحضرت نے خود سجدے کی اجازت دی" یعنی غیر خدا کو سجدہ تحیت کی جس کی بحث ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر منہ بھر کر شدید افتراء ہے "هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۱۱۱﴾ "[2] اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡكَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ "[3]	ایسے جھوٹ افتراء وہی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

لاالٰہ الا اللہ بلکہ حضور نے اسے حرام فرمایا۔

(۷۸) اس سرخی کے نیچے کہا: مشکوٰۃ میں ابن خزیمہ بن ثابت سے ہے کہ انھوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشانی پر اپنے آپ کو سجدہ کرتے دیکھا انھوں نے یہ خواب حضرت سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا تیرا خواب سچا ہے آپ فوراً لیٹ گئے اور ابن خزیمہ کو اپنی پیشانی پر سجدہ کرنے کی اجازت دی" مسلمانو! اس ظلم عظیم کو دیکھو کہاں پیشانی پر سجدہ کہاں خود حضور کو سجدہ، شاید بکر جانماز یا زمین پر سجدہ کرتے یہ سمجھتا ہوگا کہ وہ اس کپڑے یا زمین کے ٹکڑے کو سجدہ کر رہا ہے۔

(۷۹) بے علمی کی یہ حالت کہ مشکوٰۃ شریف میں تھا:

عن ابن خزیمہ بن ثابت عن عمہ ابی خزیمۃ انہ رأی فیما یری النائم [4]۔	یعنی ابن خزیمہ بن ثابت اپنے چچا ابو خزیمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے خواب دیکھا۔

وہ خواب راوی خواب کی طرف نسبت کردیا کہ: ابن خزیمہ بن ثابت نے خواب دیکھا" اور اس جہالت کے صدقے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایک افترا دانستہ کردیا کہ "ابن خزیمہ کو اپنی پیشانی پر سجدہ کی اجازت دی"

(۸۰) ایسی ہی بے علمی اور اس کے سبب نادانستہ افترا یہ ہے کہ حدیث میں تھا:

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۱۶ /۱۰۵

[4] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۹۶

فاضطجع لہ وقال صدق رؤیاك [1]۔	حضور نے پہلوئے مبارک پر آرام کرکے ابوخزیمہ سے فرمایا اپنا خواب سچ کرلو۔

مرقاۃ میں ہے:

(صدق رؤیاک) امر من التصدیق ای اعمل بمقتضاھا [2]۔	اپنے خواب کی تصدیق کردیجئے، یعنی لفظ صَدِّقْ یہ تصدیق کا امر ہے یعنی اس کے مقتضا کے مطابق عمل کیجئے۔(ت)

عربی سمجھ میں نہ آئے تو شیخ محقق کا فارسی ترجمہ سنئے:

گفت آنحضرت صدق رؤیاک راست گردان خواب خود راکہ دیدہ وسجدہ کن بر جبہۃ من [3]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: اپنے خواب کی تصدیق کرو جو تم نے دیکھا ہے لہٰذا میری پیشانی پر سجدہ کیجئے۔(ت) سے یہ بنالیا کہ "آپ نے فرمایا: تیرا خواب سچا ہے"

(۸۱) ممانعت سجدہ غیر اللہ کے بارے میں حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ مسند امام احمد میں ہے نقل کی جس میں ایک اونٹ کا حاضر ہو کر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا اور اس پر صحابہ کی خواہش کہ انھیں بھی اجازت سجدہ ملے اور حضور کا اجازت نہ دینا ہے [4]۔ اور خود کہا ص ۹ "اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ حدیث صاف صاف سجدہ غیر اللہ کی مخالفت کرتی ہے اور کوئی گنجائش رسول خدا کے خلاف عذر کرنے کی باقی نہیں رہتی پھر جو تحریف کلام الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رگ اچھلی ان صاف صاف تصریح الفاظ نبوی کی یوں تبدیل وتغییر کی" ص ۹ "حدیث کے الفاظ میں یہ ہے کہ اگر سجدہ غیر اللہ جائز ہوتا تو میں بیوں کو شوہر کے سجدہ کا امر کرتا اور امر سے وجوب ہوتا ہے لہٰذا حضور کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تعظیمی وجوب کے حد میں جائز ہوتا تو میں عورت پر مرد کا سجدہ واجب کرتا یعنی سجدہ تعظیمی واجب نہیں بلکہ مباح ہے" یہ "یعنی" رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراء ہے حدیث کے کون سے حرف میں ہے کہ "بلکہ مباح ہے" جب حسب اقرار بکر شرط میں صرف ذکر جواز

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الرؤیا الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۹۶

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الرؤیا الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸ /۴۰۶

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الرؤیا الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ ۳ /۶۵۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۷۶

ہے کہ "اگر سجدہ غیر اللہ جائز ہوتا" اور جزا میں وہ امر ہے کہ یقینا منتفی یعنی عورت کو سجدہ کا حکم ہونا اور انتفائے جزا انتفائے شرط ہے تو حدیث کا صاف مفاد سجدہ کا عدم جواز ہوا یعنی جائز ہوتا تو عورت کو حکم ہوتا لیکن عورت کو حکم نہ ہوا تو معلوم ہوا کہ سجدہ جائز نہیں ذکر امر جزا میں ہے کہ "عورت پر سجدہ واجب کرتا" جزا کا وجوب شرط میں کیسے داخل ہو گیا جواز پر ایجاب کا ترتیب بعید نہیں کہ واجب نہ ہوسکے گا مگر وہ جو جواز رکھتا ہو تو حاصل یہ کہ کوئی اگر سجدہ غیر میں جواز کی گنجائش ہوتی تو میں عورت پر مرد کے لئے واجب کر دیتا لیکن وہ جائز نہیں ہوسکتا لہٰذا عورت کو اس کا حکم نہ دیا۔

(۸۲) طرفہ جہالت جبکہ عورت پر وجوب امر سے ہوتا تو قبل امر وجوب نہ ہونا چاہئے تھا۔ نہ یہ کہ سجدہ غیر خدا واجب ہوتا تو میں عورت پر حکم سے واجب کر دیتا۔

(۸۳) صحابہ نے اجازت ہی تو طلب کی تھی نہ کہ ایجاب تو نفی وجوب سے اس کا کیا جواب۔

(۸۴) بکر نے تتمہ حدیث نقل کیا ص ۸: **ولکن لاینبغی لبشر ان یسجد لغیر اللہ**۔ اور خود اس کا ترجمہ کیا "لیکن آدمی کو زیبا نہیں کہ سوا خدا کے کسی کو سجدہ کرے" پھر اس کا یہ مطلب گھڑتا کہ واجب نہیں مباح ہے کیسی کھلی تحریف ہے۔

(۸۵) حدیث قیس بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ سنن ابی داؤد شریف میں ہے جنھوں نے شہر حیرہ میں لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے حاکم کو سجدہ کرتے ہیں واپس آکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضور کو سجدہ کی اجازت مانگی، ارشاد ہوا:

لاتفعلوا لو کنت آمر احدا ان یسجد لاحد لامرت النساء وان یسجدن لازواجهن لما جعل اللہ لهم علیهن من حق[1]	نہ کرو اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو ضرور عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کے سبب جو شوہروں کا ان پر ہے۔

یہاں صریح صیغہ نفی موجود ہے لاتفعلوا سجدہ نہ کرو۔ اب بکر سے کہو اپنی اصول دانی لے کر چلے۔ ص ۹ "شارح علیہ السلام کسی بات کا حکم امر کے صیغہ سے دیں تو وہ کام واجب ہوتا ہے" یونہی شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی بات سے بصیغہ نہی منع فرمائیں تو وہ کام حرام ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ سجدہ غیر حرام ہے اور حدیث کا وہ مطلب گھڑنا کہ "واجب نہیں بلکہ مباح ہے" محض افترائے ناکام۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب فی حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

(۸۶) بکر ہے ہوشیار حدیث ام المومنین صدیقہ نقل کی جس میں صریح صیغہ نہی تھا اور عوام کو دھوکا دینے کو لکھ دیا ص ۹"، اسی حدیث کو سجدہ تعظیمی کے مخالف سند میں پیش کیا کرتے ہیں سوا اس کے اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہے۔ اول تو سند کا حدیث میں حصہ جھوٹ ہم نے بکر ہی کی مسلم سندوں سے ثابت کردیا کہ غیر خدا کو سجدہ تحیت حرام حرام حرام، سوئر کھانے سے بھی بدتر حرام۔

(۸۷) پھر حدیث کا اس ایک میں حصہ سفید جھوٹ، وہ حدیث صدیقہ شاید بکر نے مشکوۃ سے لی ہو کہ بکر کی اس تک رسائی ص ۱۵ سے نمبر ۴۲ میں ہوچکی ہے مشکوۃ کے اسی باب اسی فصل میں اس سے دو حدیث اوپر حدیث قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھی جس میں صریح ممانعت موجود، اس نے چھپالیا اور کہہ دیا۔ اور کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں"۔

(۸۸) نیز وہیں مشکوۃ میں تیسری حدیث معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کا پتا دیا تھا اسے بھی اڑادیا اور کہہ دیا کہ "اور کوئی ثبوت نہیں" دین میں یہ چالاکیاں مسلمان کہلا کر نازیبا ہیں۔ حدیث معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ مسند امام احمد میں بسند رجال صحیح بخاری و صحیح مسلم یوں ہے۔

حدثنا وکیع ثنا الاعمش عن ابی ظبیان عن معاذ بن جبل انه لما رجع من الیمن قال یا رسول الله رأیت رجالا بالیمن یسجد بعضهم لبعض افلا نسجدلك قال لوکنت آمرا بشرا یسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها[1]۔	(ہم سے وکیع نے بیان کیا کہ اعمش نے ابی ظبیان سے انھوں نے معاذ بن جبل سے روایت کیا) یعنی جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ یمن سے واپس آئے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے یمن میں کچھ لوگوں کو دیکھا آپس میں ایک دوسرے کو سجدہ کرتے ہیں، تو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کرے، فرمایا: میں اگر آدمی کو آدمی کے سجدہ کا حکم دینے والا ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(۸۹) اپنے ہی پاؤں پر تیشہ زنی، یہ کہ حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا کے تتمہ میں وہ الفاظ بڑھادئے:

لاینبغی بشر ان یسجد لغیر الله۔	کسی انسان کے لئے لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۲۸۔۲۲۷

اس کی مبلغ علم مشکوٰۃ میں یہ حدیث ام المومنین کا تتمہ نہیں بلکہ چوتھی حدیث سلیمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا حضور نے فرمایا:

لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الاللہ تعالٰی۔اوردہ الامام النسفی فی المدارک [1]۔	کسی مخلوق کو سزاوار نہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرے۔(امام نسفی اس کو مدارک میں لائے ہیں۔ت)

یہ چار واقعہ جدا جدا ہیں حدیث صدیقہ میں اونٹ کا سجدہ دیکھ کر صحابہ نے اجازت چاہی،
قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حیرہ متصل کوفہ میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یمن میں سجدہ حکام دیکھ کر اجازت مانگی اور ہر بار ایک ہی جواب ارشاد ہوا کسی بار اجازت نہ ہوئی۔
سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود سجدہ ہی کرنا چاہا منع فرمایا۔
ان تینوں حدیثوں میں ایک فائدہ اور ہے جس کے لئے بکر نے ان کو چھپایا کہ عنقریب ظاہر ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۹۰) حدیث صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر بکر کا ظلم اشد واخبث حد سے گزر گیا۔ صفحہ ۹ پر کہا "سب سے بڑی بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے صحابہ کی خواہش کو سجدہ عبادت تصور کرکے جواب دیا تھا جبھی تو فرمایا کہ اپنے رب کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کا احترام واکرام بجالاؤ آپ کے ذہن میں سجدہ تعظیمی ہوتا تو عبادت رب کا حوالہ نہ دیتے اور احترام وتعظیم کو عبادت سے الگ کرکے ظاہر نہ فرماتے اس وقت تو آپ کے ذہن میں سجدہ عبادت تھا

اناللہ وانا الیہ راجعون o "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝" [2]۔	(یقیناً ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور (بلاشبہہ اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) کیا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکل رہا ہے وہ تو نرا جھوٹ بک رہے ہیں۔

مسلمانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن پر قرآن کریم میں اترا:

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲/ ۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو خود فرماتے:

ایاك والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔	گمان سے دور رہ کہ گمان سے بڑھ کر کوئی جھوٹ بات نہیں الحدیث۔

وہ اور اپنے صحابہ کرام حاضران بارگاہ پر یہ بدگمانی کہ یہ میری عبادت چاہتے ہیں مجھے دوسرا خدا بنانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون o (ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) کلا واللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تو یہ گمان نہ ہوا نہ اس درخواست سے کسی عاقل کو تعظیم وتکریم کے سوا کوئی گمان عبادت گزرتا مگر بکر نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر یہ خبیث بدگمانی کرکے اپنے لئے استحقاق جہنم کرلیا اگر توبہ نہ کرے۔

(۹۱) یہی نہیں بلکہ اس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور سخت تر الزام ہے حضور نے یہ سمجھا کہ صحابہ میری عبادت کیا چاہتے ہیں اس پر نہ غضب فرمایا نہ انکار نہ صحابہ کو توبہ کی ہدایت نہ تجدید اسلام ونکاح کا حکم اس کا ذکر تک نہ کیا یہ ہلکی سی بات فرما کر چپ ہو رہے کہ میں اس کا حکم کرتا تو عورت کو معاذاللہ وہ گمان فرمایا ہوتا تو اسی قدر فرماتے یا یہ کہ ارے تم عبادت غیر چاہ کر مرتد ہوگئے ارے توبہ کرو اسلام لاؤ اپنی عورتوں سے پھر نکاح کرو۔ ایک بادیہ نشین ناواقف کے منہ سے اتنی بات نکلی تھی کہ ہم حضور کو اللہ تعالٰی کے یہاں شفیع لاتے ہیں اور اللہ تعالٰی کو حضور کے پاس۔ اس پر وہ غضب شدید فرمایا کہ در و دیوار تجلی شان جلال سے بھر گئے دیر تک سبحٰن اللہ سبحٰن اللہ فرماتے رہے پھر اس اعرابی سے فرمایا: اجعلتنی للہ ندا کیا تو نے مجھے اللہ کا ہمسر ٹھہرایا، ویحك اتدری مااللہ افسوس تجھ پر ارے تو جانتا ہے کہ اللہ کیا ہے۔ پھر اس واحد قہار کی عظمت بیان فرمائی رواہ ابوداؤد[3]۔ یہاں مخلص صحابہ حاضران بارگاہ علیہم الرضوان

---
[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب قولہ تعالٰی یا یھا الذین اٰمنوا اجتنبوا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الجھمیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۴

سے معاذاللہ دوسرا خدا بنانے غیر خدا کی پوجا کرنے کی خواہش سمجھتے اور ساکت رہتے ہیں کیا یہ ممکن ہے، کلا واللہ کیا یہ شان رسالت ہے حاشاللہ، جو رسول کو کفر وارتداد پر سکوت کرنے والا ٹھہرائے وہ خود کفر وارتداد کے گھاٹ تک پہنچ گیا کہ نبی کی ایسی شدید توہین کی " هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ "[1] (وہ اس دن ایمان کی بہ نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ت) بکر نے تو یہ سمجھا کہ میں نے حدیث صدیقہ کی مدافعت میں اپنا زرو علم وقلم دکھایا اور نہ جانا کہ اس کے جہل وبیباکانہ قول نے اسے کہاں تک پہنچایا، سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ لایری بھا بأسًا یھوی بھا سبعین خریفا فی النار[2]۔	بیشک آدمی ایک بات کہتا ہے جس میں کچھ برائی نہیں سمجھتا اس کے سبب ستر برس کی راہ جہنم میں اتر جاتا ہے۔

اور فرمایا:

ان الرجل لیتکلم بالکلمۃ من سخط اللہ مایظن ان تبلغ مابلغت فیکتب اللہ علیہ بھا سخطہ الی یوم القیمۃ[3]۔	بیشک آدمی ایک بات ناراضی خدا کی کہتا ہے اس کے گمان میں نہیں ہوتا کہ کہاں تک پہنچی، اس کے سبب اللہ اس پر قیامت تک اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

اللہ عزوجل کی طرف شکر ہے اس پر فتن زمانے سے کہ جسے الٹے سیدھے دو حرج ارود کے لکھنے آگئے وہ مصنف ومحقق ومجتہدین بیٹھا اور دین متین میں اپنی ناقص عقل فاسد رائے سے دخل دینے لگا قرآن وحدیث وعقاید وارشادات ائمہ سب کا مخالف ہو کر پہنچا جہاں پہنچا۔

ویتوب اللہ علی من تاب ومن یتول	اور اللہ توبہ فرماتا ہے جو کوئی توبہ کرے۔ اور

---

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۶۷

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ لیضحك الناس امین کمپنی دہلی ۲ /۵۵، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۳۶، ۲۹۷، سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب کف اللسان فی الفتنۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۴

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث بلال ابن حارث المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۴۶۹، المعجم الکبیر حدیث ۱۱۲۹ مکتبہ فیصلیۃ بیروت ۱ /۳۶۷

فان اللہ ھو الغفور الحمید۔	جو کوئی پھر جائے تو بیشک اللہ تعالٰی بخشنے والا تعریف والا ہے۔ (ت)

(۹۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اونٹ کا سجدہ کرنا کیا حضور کو معبود وخدا بنا کر تھا، حاش للہ۔ معجم کبیر طبرانی میں یعلٰی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن شیئ الایعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن والانس [1]۔	ہر چیز مجھے اللہ کا رسول جانتی ہے سوائے کافر جن اور آدمیوں کے،

یوہیں حیرہ ویمن میں لوگوں کا زمینداروں کو سجدہ کرنا قطعاً سجدہ تحیت ہی تھا نہ کہ سجدہ عبادت، انھیں سجدوں کی بنا پر صحابہ نے حضور کو سجدے کی اجازت مانگی تھی جس سے کسی عاقل کا بھی وہم معبود والہ بنانے کی طرف نہیں جاسکتا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسی باطل سمجھ کا الزام کسی دریدہ دہنی ہے۔

(۹۳) غنیمت ہے کہ سجدہ غیر کی سخت شناعت خود بکر کے منہ ثابت ہوئی، صحابہ وہ صحابہ جن کے کانوں میں ہر وقت لا الٰہ الا اللہ کے نغمے گونج رہے تھے جنھیں بات بات میں توحید کا سبق دیا جاتا جن کے دلوں میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان پہاڑوں زیادہ گراں ومتمکن تھا۔ قرآن عظیم بار بار جن کے ایمان کی گواہی دے چکا تھا دوسرے کو سجدہ تحیت ایسی سخت چیز ہے کہ اس کا فعل نہیں صرف اس کی خواہش سنتے ہی ان کے یہ تمام فضائل جلیلہ اور ان کے ایمان وتوحید کی قوت سب حضور کے ذہن اقدس سے اتر گئے اور یہی خیال گیا کہ یہ مجھے خدا بنانا چاہتے ہیں تو ایسا ناپاک فعل دوسروں کو کیونکر حلال ہوسکتا ہے۔

(۹۴) بیشک سجدہ افعال عبادت سے ہے۔ سجدہ عبادت وسجدہ تحیت میں سوائے نیت کوئی فرق نہیں، سجدہ تو سجدہ زمین بوسی کی نسبت درمختار سے گزرا کہ **یشبہ عبادۃ الوثن** [2] بت پرستی کے مشابہ ہے۔ اور بکر کی مسلم کامل التحقیق ردالمحتار نے اسے مسلم رکھا، اور اخلاص عبادت یہ ہے کہ عبادت غیر کی مشابہت سے بھی بچے، لہٰذا حضور نے ذکر عبادت فرمایا کہ افعال عبادت صرف اپنے رب کے لئے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۷۲ مکتبہ فیصلیہ بیروت ۲۲/ ۲۶۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحہ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

کرواسے اس ناپاک محمل پر ڈھالنا جس سے وہ تین الزام شدید شان رسالت پر عائد کئے سخت خلاف دین ہے۔

(۹۵) خود بکر نے اسی سجدہ تحیت کو کہا ہے ص۱۱"، سجدہ ایک ایسی چیز تھی جس میں سجدہ عبادت شریک تھااور خدا کی عظمت کے انتہائی طریقہ میں خوامخواہ آدم کا شریک ہوتا تھااس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی خود مرضی تھی کہ میری خلافت کی تعظیم وہی ہونی چاہئے جو خود میری ہے اس واسطے آدم کی عزت ایسے طریقے سے کرائی جو خدا کے سوا کسی کو زیبانہ تھاتاکہ سند ہو جائے کہ آدم خلافت کے بعد مجازی حیثت سے آخری تعظیم کا مستحق ہے جو حقیقت میں عبادت کی آخری شان ہے ایسی چیز سے ممانعت کے لئے "اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ" [1] (اپنے رب کی عبادت کرو۔ت) فرمانا کیا مستبعد تھا۔

(۹۶) حدیث قیس وحدیث معاذ وحدیث سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم میں تو"اعبدوا"نہیں ہے یہاں تو"**لا تفعلوا** اور**لا ینبغی**" ہے یہاں کس ذریعہ اس بدگمانی پر ڈھالے گا اسی لئے ان کو چھپایا اور کہہ دیا تھا کہ اور کوئی ثبوت نہیں۔

(۹۷) بکر نے چاند سورج بلکہ بت کو سجدہ اور مہادیو کی ڈنڈوت حلال کرلی جیسے یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عبادت کا ذکر فرمایا اور اس سے بکر نے یہ ٹھہرالیا کہ صرف سجدہ عبادت کو منع کیا ہے یونہی آیہ کریمہ "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ" [2] (لوگو! سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو۔ت) جس میں سجدہ شمس وقمر سے ممانعت اور سجدہ الٰہی کا حکم ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾" [3] اگر تم اسے پوجتے ہو۔ یہاں بھی اللہ عزوجل نے عبادت کا ذکر فرمایا ہے تو یہاں بھی چاند سورج کو صرف سجدہ کی ممانعت ہوئی، اب بت پرستی یا بھوت کسی بلا کو سجدہ تحیت کی ممانعت پر قرآن کریم میں کوئی آیت نہ رہی، کیا بکر کوئی آیت دکھا سکتا ہے، ہرگز نہیں، اب بکر اپنی لفاظیاں یاد کرے اور "انسانی" کی قید سے ہاتھ اٹھا کریوں کہے جو اس نے ص۷ پر کہا ہے قرآن میں کسی سجدہ تعظیم کی ممانعت نہیں ایسی کوئی آیت نہیں جہاں کسی سجدہ کی تعظیم کی ممانعت کی گئی ہو، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تعظیمی سجدہ کے خلاف قرآن خاموش رہنا چاہتا ہے یعنی وہ مسلمانوں سے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۱

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

نہ یہ کہتاہے کہ غیر خدا کو سجدہ کرو نہ یہ کہتاہے کہ تم پر سجدہ تعظیمی حرام کیا گیاہے تم کسی غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا" یہ "کسی" کا لفظ یاد رکھنے کے قابل ہے، اس کے بعد ص ۸ کا نتیجہ دیکھئے "پس جب قرآن نے ایسا کوئی صاف حکم نہیں دیا تو سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا یا ناجائز ثابت نہیں ہوسکتا" دیکھئے کیسی کھلم کھلا بت کی سجدے تعظیم اور بے نیت عبادت مہادیو کی ڈنڈوت حلال کی ہے۔ کیوں نہ ہو جن کا کرشن نبی ہو ان کا دین آپ ہی ایسا ہو۔

(۹۸) چاند سورج کو جسدہ کی ممانعت جو قرآن کریم نے فرمائی اس پر بکر کا یہ عذر ص ۷ و ۸ کہ "اس آیت میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے۔ اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے سورج چاند اور چیز ہے انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے"

اولاً: عجب پادر ہوا ہے اس کے طور پر آیت میں تو چاند سورج کو سجدہ عبادت کی ممانعت ہے کہ فرمایا: "اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ۝۳۷ "[1] (اگر تم خاص اس کی عبادت کرتے ہو۔ت) سجدہ عبادت میں خلیفہ وغیر خلیفہ کا کیا فرق۔

ثانیاً: سجدہ آدم علیہم الصلٰوۃ والسلام سے استناد کی خود بیخکنی کرلی اس آیت میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے (یعنی ملائکہ نے سجدہ کیا) اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے (کہ انسان دوسرے کو سجدہ کرے) فرشتہ اور چیز ہے۔ انسان خلیفۃ اللہ دوسری چیز ہے۔ غیر خلیفہ نے خلیفہ کو سجدہ کیا اس سے خود خلیفہ کا سجدہ کرنا کیسے جائز کرلیا علی نفسہا تجی براقش

(۹۹) قرآن کریم میں سجدہ تحیت کی ممانعت نہ سوجھنی قرآن عظیم سے غلفت پر مبنی، کیا قرآن مجید نے نہ فرمایا:

"اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ"[2]	حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔

کیا قرآن عزیز نے نہ فرمایا:

"مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ"[3]	جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

کیا قرآن حکیم نے نہ فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

"وَ مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ فَاِنَّ لَہٗ نَارَ جَہَنَّمَ "[1]	جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی بیشک اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔

کیا قرآن حمید نے نہ فرمایا:

وَ مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ ٭ وَ مَا نَهٰىکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۘ "[2]	رسول جو تمھیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ تعالٰی سے ڈرو بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

کیا قرآن جلیل نے نہ فرمایا:

"فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَہُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ﴿۶۵﴾ "[3]	اے محبوب، تمھارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک تمھیں حاکم نہ بنائیں اپنے آپس کے اختلاف میں پھر جو تم فیصلہ فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے تنگی نہ پائیں، اور خوب اچھی طرح مان لیں۔

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس نزاع کا فیصلہ نہ فرمادیا کہ **لاتفعلوا** سجدہ تحیت نہ کرو۔ تو قطعاً قرآن عظیم ہی سجدہ تحیت سے منع فرمارہا ہے اور جو اس فیصلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ مانے اس کا حکم جو ارشاد ہوا اللہ تعالٰی مسلمان کو اس سے پناہ دے۔

(۱۰۰) قرآن مجید میں تصریح نہ پانے پر بکر کا وہ حکم ص ۸ جب قرآن نے کوئی صاف حکم نہ دیا تو ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا وہ شدید بدمذہبی ہے جس کی خبر عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہلے ہی دی ہے۔

الا انی اوتیت القراٰن ومثله معه الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا	سنتے ہو مجھے قرآن عطا ہوا اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبر دار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو۔

[1] القرآن الکریم ۷۲ /۲۳

[2] القرآن الکریم ۵۹ /۷

[3] القرآن الکریم ۴ /۶۵

القراٰن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لایحل لکم الحمار الاھلی والاکل ذی ناب من السباع [1] الحدیث	اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام مانو حالانکہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرام کی وہی اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی، سن لو پالتو گدھا تمھارے لئے حلال نہیں۔نہ کوئی کیلے والا درندہ الحدیث۔(ت)

سجدہ تحیت بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرام فرمایا تو وہ حرام ہے اگرچہ قرآم کریم میں اس کی حرمت کی تصریح عوام کو نہ سوجھے۔

(۱۰۱ و ۱۰۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو ۲ مثالیں ارشاد فرمائیں پالتو گدھا اور کیلے والا درندہ ان کی حرمت قرآن میں مصرح نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حرام فرمایا۔ بکر کیوں ماننے لگا وہ یہی کہے گا ص ۸ کہ "جب قرآن نے کوئی صاف حکم نہ دیا تو حرام یا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا" تو بکر نے گدھا اور کتا حلال کرلیا۔

(۱۰۳ تا ۱۱۰) انھیں پر بس نہیں قرآن میں لحم خنزیر کا ذکر ہے گردے کلیجی کھال اور جھجڑی تلی ہڈی کا نام کہاں ہے بلکہ سری پائے بھی عرفاً لحم میں نہیں تو بکر نے سوئر کے اجزا بھی حلال مانے کہ "جب قرآن نے صاف حکم نہ دیا ناجائز ہونا ثابت نہیں ہوسکتا"

(۱۱۱ تا ۱۱۳) غرض صاف حکم قرآن دلیل کا حصر کرکے بکر نے سنت اجماع، قیاس تین اصول شرع کو رد کرکے چکڑالوی مذہب لیا۔

فصل سوم: اللہ عزوجل پر بکر کے افتراء اور خود اسی کے منہ قرآن عظیم سے تحریم سجدہ تحیت کا ثبوت

(۱۱۴) سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء اگرچہ اللہ عزوجل پر افتراء ہے مگر بکر تو صریح خاص کا طالب ہے قرآن میں تصریح نہ ہو تو حدیث نہیں سنتا لہٰذا بالخصوص رب العزت پر بھی جرآتیں کیں ص ۹۵ میں اس کی عبارت دیکھ چکے خود مانا کہ سجدہ تحیت سے خدا کی عظمت کے انتہائی طریقے میں آدم کا شرک ہوتا تھا" پھر اسی کو اللہ کی مرضی ٹھہرایا کہ "خدا کی مرضی تھی کہ میری خلافت کی تعظیم وہی چاہئے جو خود میری ہے" یہ اللہ پر

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹

افتراء ہے اور کھلا شرک اس کے ذمہ باندھنا ایسے ہی افتراؤں کو کفر فرمایا:

"اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ"[1]	ایسے افتراء وہی کرتے ہیں جو مسلمان نہیں

(۱۱۵) ص ٦ پر کہا "خدا نے اپنے عبادت کے سجدے کے لئے کعبہ کو سمت قرار دیا ہے اس میں ایک بڑا فلسفہ پرشیدہ ہے وہ یہ کہ خدا سجدہ عبادت اور سجدہ تعظیم امتیاز قام کرنا چاہتا تھا تاکہ مسلمان جان جائیں کہ سمت کعبہ کا سجدہ عبادت ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں۔ سمت کعبہ مقرر ہونے سے پہلے خدا نے فرمایا تھا:

"فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ"[2]	تم جدھر متوجہ ہو خدا اسی طرف ہے۔

یعنی جس سمت سجدہ کرو خدا ہی کو ہوگا مگر بعد میں سمت کعبہ مقرر ہوگئی اس کی وجہ یہی تھی کہ خدا سجدہ عبادت وسجدہ تعظیم میں فرق کرنا چاہتا تھا جو اس سمت نے کردیا" یہ اللہ عزوجل پر دوسرا افتراء ہے۔ بکر جلد بتائے کہ سمت کعبہ مقرر فرمانے کی یہ وجہ اللہ عزوجل یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہا بتائی ہے "اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾"[3] (کیا تم اللہ تعالٰی کے متعلق وہ کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ت) اللہ ورسول کی طرف بے ثبوت بات نسبت کرنی بھی افتراء ہے "ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۱۱﴾"[4] (اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوی میں سچے ہو۔ت) نہ کہ غلط بات جس کی غلطی ابھی ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۱۶) کریمہ "فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ"[5] (تم جدھر منہ کرو اسی طرف اللہ تعالٰی کا جلوہ ہے۔ت) حسب حدیث جامع الترمذی شریف قبلہ تحری میں ہے اس کا یہ مطلب ٹھہرانا کہ اس آیت کے نزول تک سمت قبلہ مقرر نہ تھی اللہ عزوجل نے اختیار دیا تھا جدھر چاہو نماز پڑھو۔ یہ اللہ تعالٰی پر تیسرا افتراء ہے۔ تقرر قبلہ روز اول سے ہے۔

"اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا"[6]	سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (زمین پر) تعمیر کیا گیا وہ ہے جو مکہ مکرمہ میں بابرکت شان سے موجود ہے۔ (ت)

(۱۱۷) بفرض باطل امتیاز سجدہ عبادت وسجدہ تحیت ہی کے لئے وضع قبلہ ہوتی تو یوں کہ وہ سجدہ جو

---

[1] القرآن الکریم ١٦/ ١٠٥

[2] القرآن الکریم ٢/ ١١٥

[3] القرآن الکریم ٢/ ٨٠

[4] القرآن الکریم ٢/ ١١١

[5] القرآن الکریم ٢/ ١١٥

[6] القرآن الکریم ٣/ ٩٦

دوسرے کو کفر ہے اس سجدہ سے ممتاز ہوجائے جو صرف حرام ہے اللہ عزوجل کا جواز سجدہ تحیت کے لئے یہ امتیاز رکھنا اللہ عزوجل پر چوتھا افترا ہے۔

(۱۱۸) سجدۂ تحیت وسجدہ عبادت کا امتیاز اللہ عزوجل اور خود ساجد کے نزدیک نیت سے ہے ساجد اور اس کا رب جانتا ہے کہ یہ سجدہ کس نیت سے ہے ساجد کو ممتاز قطعی کے امتیاز کی حاجت اور اگر یہ امتیاز ناظر کے لیے رکھا ہے توجب کہ سجدہ تحیت کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں سمت کعبہ بھی ہوگا پھر دونوں سجدوں کا خلط ہوگیا اور امتیاز نہ رہا ناظر اس وقت نہیں کہہ سکتا کہ یہ سجدہ عبادت ہے یا سجدہ تحیت بالجملہ یہ امتیاز ساجد کے لئے رکھا تو لغو وفضول اور ناظر کے لئے تو ناقص ومدخول، اللہ عزوجل ان دونوں سے پاک ومنزہ ہے۔ اور اگر امتیاز محض ذہنی ہے کہ جس میں تقید سمت ملحوظ ہو سجدہ عبادت ہے۔ ورنہ سجدہ تحیت۔ توکام پھر نیت کی طرف عود کرگیا ناظر کو اس سے کیا فائدہ اور ساجد کو اس کی کیا حاجت، امتیاز نیت ان میں بالذات تھا یہ بالعرض کس لئے بہرحال اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت اللہ پر سخت جرات۔

(۱۱۹) نوافل میں بیرون شہر سواری پر اور نوافل وفرائض میں ہنگام تحری اور اس مریض کو بوجہ مرض اور اس ہارب کو کہ بخوف دشمن استقبال پر قادر نہ ہو سمت کعبہ مقرر نہیں اور یہ سب سجدہ عبادت ہیں تو امتیاز باطل۔

(۱۲۰) بکر ہی کی مستند عبارات عالمگیری وفتاوٰی قاضیخان گزرا کہ اگر کفار بادشاہ کے لئے سجدہ عبادت پر اکراہ کریں صبر افضل ہے ظاہر ہے کہ کفار تعیین سمت کعبہ نہ چاہیں گے بلکہ جدھر بادشاہ ہو تو یہ بے تقرر سمت کیونکہ سجدہ عبادت ہوگیا **ولکن الجھلۃ یفترون** (لیکن نادان لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں۔ت)

(۱۲۱) طرفہ یہ کہ امتیاز خدا نے ایسا خفیہ مقرر کیا کہ اس کے رسول کو بھی خبر نہ ہوئی بالا بالا بکر کو چھپی پاتی بھیج دی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدے کی اجازت حضور سے مانگی وہ کب تعیین سمت سے تھی اگر اجازت ملتی تو جدھر حضور جلوہ افروز ہوتے اسی طرف سجدہ کیا جاتا اور زعم بکر میں خدا سجدہ عبادت کا وہ امتیاز مقرر کرچکا تھا کہ یہ پابندی سمت ہو تو اس درخواست سے کسی طرح سجدہ عبادت مفہوم نہ ہوسکتا تھا لیکن بکر کہتا ہے ص ۹ "حضور نے صحابہ کی خواہش کو سجدہ عبادت تصور کیا اس وقت آپ کے ذہن میں سجدہ عبادت تھا۔ اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو بکر کے نزدیک خدا نے ایسا بیہودہ بے معنٰی امتیاز مقرر کیا جس سے رسول تک کو تمیز

نہ ہوئی تو امتیاز کیا خاک ہوا یا زعم بکر میں معاذاللہ رسول اللہ کی عقل اتنی موٹی بکر کی مَت سے بھی گئی گزری کہ خدا کے واضح امتیاز کے بعد بھی تمیز نہ ہوئی اور دونوں کفر صریح ہیں ہم نہ کہتے تھے کہ جاہل کو مصنف ہی بننا سخت آفت کا سامنا ہے نہ کہ محقق نہ کہ مجتہد نہ کہ شارع کہ تصنیف تو تیار ہو جاتی ہے اور ایمان رخصت، **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (گناہ سے بچاؤ اور نیکی کی قوت بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ بڑی شان والے کے کرم کے بغیر کسی میں نہیں۔ت)

(۱۲۲) جب یہ ٹھہری کہ ص ۶ "سمت کعبہ کا سجدہ عبادت کا سجدہ ہے جو غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے سجدے جائز ہیں" تو بلاشبہہ مندروں میں جو سجدے کئے جاتے ہیں غیر مقرر سمت کے ہیں تو بکر نے دوبارہ بتوں اور لنگ جلہری کو سجدے جائز قرار دئے کیونکہ یہی کرشن مت ہے۔

(۱۲۳) جبکہ تقرر سمت سے سجدہ عبادت وسجدہ تحیت میں امتیاز ہوا نزول "**فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ**" تک امتیاز نہ تھا تو قطعاً اس وقت سجدہ تحیت حرام تھا کہ غیر خدا کے لئے وہ فعل جسے عبادت سے کچھ فرق نہ ہو حلال نہیں ہوسکتا اور جب سجدہ تحیت اس وقت حرام تھا تو غیر ملت آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام میں اگر اس کی حلت بھی تھی یقیناً منسوخ ہوگئی اور اب اس ناسخ کا ناسخ کوئی ہے نہیں تو یقیناً سجدہ تحیت حرام ہے اور تاقیامت حرام رہے گا اچھی تقریر سنائی کہ اپنی ساری چنائی آپ ہی ڈھائی۔

(۱۲۴) ص ۱۰ "خدا نے فرمایا ہے: " **فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝** "[1]، عبادت کریں اس گھر کے پالنے والے کی۔ اس صورت میں رب ھذا البیت کا لفظ ہے اور قاعدہ عرب کے بموجب رب کا لفظ ذی روح پر آتا ہے اور کعبہ ذی روح نہیں پتھر کا مکان ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اس بیت سے مراد قلب آدم ہے" یہ اللہ سبحانہ پر پانچواں افتراء بھی ہے اور قرآن کی تفسیر بالرائے بھی اور بتصریح کتب عقائد الحاد بھی کہ معنی ظاہر باطل کرکے باطنیہ کی طرح باطنی گھڑے، متن عقائد امام اجل نسفی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

النصوص تحمل علی ظواھر ھا والعدول عنھا الی معان یدعیھا اھل الباطن الحاد[2]۔	نصوص اپنے ظاہر پر حمل کئے جاتے ہیں، لہٰذا ظاہر معانی سے ہٹ کر اپنے معانی تراش لینا کہ جن کا اہل باطن دعوی کرتے ہیں سراسر بے دینی ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰۶/ ۳

[2] مجموع المتون فی مختلف الفنون متن العقائد النسفیہ فی التوحید الشؤن الدینیۃ دوحہ قطر ص ۶۱۸

(۱۲۵) عرب پر بھی افتراء رب المال ورب الدار نہ سنئے، حدیث میں ہے: **کلا ورب الکعبۃ**[1] (ہر گز نہیں، رب کعبہ کی قسم۔ت) "رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝۱۷"[2] (دو مشرق اور دو مغرب کے رب کی قسم۔ت)

اور فرماتا ہے: "فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ"[3] (متعدد مشرق اور متعدد مغرب کے مالک کی میں قسم کھاتا ہوں۔ت)

اور فرماتا ہے: "وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ۝۴۹"[4] (بیشک وہ شعرٰی ستارے کا رب ہے۔ت)

اور فرماتا ہے: "رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ"[5] (وہ آسمان وزمین کا مالک ہے۔ت)

اور فرماتا ہے: "سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۸۰"[6] (تمھارا رب عزت والا رب ہر عیب سے پاک ہے۔ت)

کیا افق کا وہ حصہ جس سے تحویل سرطان کا آفتاب نکلتا ہے اور وہ جس سے تحویل جدی کا اور وہ حصے جن میں یہ ڈوبتے ہیں اور وہ جن سے ہر روز کا آفتاب نکلتا ہے اور وہ جن میں ڈوبتا ہے اور شعرٰی ستارہ اور وہ آسمان وزمین وعزت یہ سب ذی روح ہیں۔اس سے بڑھ کر جھوٹا کون جسے قرآن جھٹلائے۔

(۱۲۶) یہ عیاری دیکھئے کہ ذی روح پر جمانے کے لئے ترجمہ کیا "اس گھر کے پانے والے" اور نہ جانا کہ گھر کے ساتھ پالنے کا لفظ چسپاں ہی نہیں جب تک گھر سے مجازًا اس کے ساکن مراد نہ لیں۔یہ بھی کلام الٰہی میں معنی تحریف ہے۔

(۱۲۷) مسلمان دیکھیں ہم نے حدیث سے ثابت کردیا کہ سجدہ تحیت حرام ہے خود بکر کی مسلم ونہایت معتمد کتب فقہ سے ثابت کردیا کہ سجدۂ تحیت سوئر کھانے سے بھی بدتر حرام ہے۔اس کے مستند

---

[1] شعب الایمان حدیث ۵۱۵۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۲۹۴

[2] القرآن الکریم ۵۵/ ۱۷

[3] القرآن الکریم ۷۰ /۴۰

[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۴۹

[5] القرآن الکریم ۳۷ /۵

[6] القرآن الکریم ۳۷ /۱۸۰

کی تصریح نے دکھادیا کہ اس کے حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے۔ اسی کے منہ قرآن عظیم نے ثابت کردیا کہ حرام ہے۔ اسی کی مستند لطائف کی تصریح دکھادی کہ جمہور اولیاء اس کی ممانعت پر ہیں، اب بکر کی ناپاک بدزبانیاں دیکھئے ص ۱۰ "تعظیمی کاانکار موجب لعنت وپھٹکار ہے" ص ۲۳ "سوائے چند جاہل وضدی لوگوں کے کوئی شخص اس سجدہ تعظیمی کے خلاف نہ تھا" ص ۲۴ "اس میں مخالفانہ کلام کرنا شقاوت وسنگدلی ہے" ص ۲۴ "اس سے انکار کرنیوالے شیطان کی طرح راندہ درگاہ ہونگے" اب کہئے اس کی یہ لعنت وشقاوت وشیطنت کس کس پر ہوئی قرآن پر، حدیث پر، فقہ پر، اجماع پر، ائمہ پر، اولیاء پر، الحمدللہ کہ یہ سب تو اس تو اس سے پاک ومنزہ ہیں لیکن وہ تمام خباثتیں اپنے قابل ہی پر پلٹیں۔

"وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ "[1] "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ "[2]	ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اب ظالم جان لیں گے کہ اب کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے (ت)

چھٹا فائدہ تھا عبارت لطائف کا کہ بکر ائمہ کرام وفقہائے عظام وعلمائے اعلام بلکہ جمہور حضرات اولیائے فخام کو بھی شیطان ملعون، شقی، سنگدل، راند درگاہ، جاہل، ضدی کہتاہے مگر قرآن عظیم سے نہ سنا " اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ "[3] (خبردار، ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ ت)

(۱۲۸) ہم نے دکھادیا کہ بکر نے ائمہ پر افتراء کئے کتابوں پر چپے جوڑے،، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تہمتیں باندھیں، واحد قہار پر بہتان اٹھائے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، قرآن عظیم تو ایسوں ہی پر لعنت کرتاہے ہاں کرشن مت جدا ہے۔

(۱۲۹) اپنی ان ناپاکیوں کے ہوتے ہوئے اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتا اور قرآن وحدیث وفقہ واجماع وائمہ اولیائ، پر ایک اور ملعون تہمت گھڑتاہے ص ۱۹ "جو لوگ سجدہ تعظیمی کو منع کرتے ہیں وہ حضرت محبوب الٰہی اور ان کے پیران عظام کو جاہل وفاسق بنانا چاہتے ہیں"

لا الٰہ الا اللہ " كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۵﴾ "[4]	اللہ تعالٰی کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ تو نہیں کہتے مگر نرا جھوٹ۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲۹ و ۵۹/ ۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

ہر عاقل مسلمان جانتا ہے کہ نوع بشر میں عصمت خاصہ انبیاء ہے نبی کے سوا کوئی کیسے ہی عالی مرتبے والا ایسا نہیں جس سے کوئی نہ کوئی قول ضعیف خلاف دلیل یا خلاف جمہور نہ صادر ہوا ہو **کل ماخوذ من قولہ ومردود علیہ الا صاحب ھذا القبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**[1] (ہر آدمی کی اس کے کہنے سے گرفت ہوگی، اور اس پر وہ قول لوٹا دیا جائے گا سوائے اس قبر والے کے کہ ان پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو (یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس)۔ت) اتباع جمہور کا ہوگا **علیکم بالسواد الاعظم**[2] (لوگو! بڑی جماعت کو اختیار کرو۔ت) اور قول شاذ ماننے والے پر شرعی الزام شدید عائد ہوگا نہ کہ معاذاللہ صاحب قول پر تصحیح قدوری ودرمختار اور بحر کی مسلم نہایت معتمد محقق منقح کتاب ردالمحتار میں ہے:

الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع[3]۔	قول مرجوح پر حکم اور فتوٰی جہل ہے اور اجماع کا توڑنا۔

اور قطعاً معلوم کہ اجماع امت کا توڑنے والا کم از کم فاسق ائمہ میں کون ایسا ہے حتی کہ صحابہ جس کا کوئی نہ کوئی قول مرجوح نہیں وہ **معاذاللہ** نہ جاہل نہ فاسق لیکن جو قول جمہور کے خلاف ان میں کسی کے قول مرجوح پر حکم یا فتوٰی دے وہ ضرور جاہل وفاسق ہے۔ تو حضرت سیدنا محبوب الٰہی اور ان کے پیران عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم محبوبان خدا ہیں اور جواز سجدہ تحیت کہ جمہور اولیاء واجماع فتوٰی وفقہ وحدیث وقرآن کے خلاف ہے مرجوح ومجہور اور ایسے قول کی سند سے یہ جو اس پر فتوٰی دے رہا ہے جاہل وفاسق ضرور، جاہل وفاسق کی کیا گنتی جبکہ وہ جمہ ائمہ وجمہور اولیاء کو شقی، ملعون، شیطان، راندہ درگاہ کہہ کر خود اہ ایسا ہوچکا "**سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ** ﴿۲۶﴾"[4] (عنقریب وہ کل جان جائیں گے کہ کون بڑا جھوٹا اور لاف زن ہے۔ت)

تنبیہ: فقیر کا رسالہ عہ **مقالہ العرفاء باعزاز شرع وعلماء** ۱۳۲۷ھ ملاحظہ ہو، اکابر اولیاء کے عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ارشادات کثیرہ سے ثابت کیا ہے کہ شریعت مطہرہ سب پر حجت ہے۔ اور

عہ: رسالہ ہذا فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کی جلد ۲۱ ص ۵۲۱ پر مرقوم ہے۔

---

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

[2] سنن ابن ماجہ ابو الفتن باب السواد الاعظم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۲

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۲ و ۶۱۴

[4] القرآن الکریم ۵۴/ ۲۶

شریعت مطہرہ پر کوئی چیز حجت نہیں، حضرات اولیاء جن کی ولایت ثابت و محقق ہے ان سے جو قول یا فعل یا حال ایسا منقول ہو کہ بظاہر خلاف شرع مطہر ہو۔

اوّلاً: اگر وہ سند صحیح واجب الاعتماد سے ثابت نہیں ناقل پر مردود ہے اور دامن اولیاء اس سے پاک بلکہ اولیاء تو اولیاء حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ، نے احیاء شریف میں تصریح فرمائی کہ کسی مسلمان کی طرف کسی کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک ثبوت کامل نہ ہو۔

لاتجوز نسبة مسلم الی کبیرة من غیر تحقیق نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیاً فان ذٰلك ثبت متواترافلا یجوز ان یرمی مسلم بفسق وکفر من غیر تحقیق[1]۔	بغیر تحقیق کئے کسی مسلمان کی کبیرہ گناہ کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں، لیکن ہاں یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ ابن ملجم نے جناب علی (کرم اللہ وجہہ) کو شہید کیا اس لئے کہ یہ تواتر سے ثابت ہے لہٰذا کسی مسلمان کو فسق اور کفر کی تحقیق کئے بغیر تہمت لگانا جائز نہیں۔ (ت)

اور یہ تواتر نہیں کہ کوئی نسخہ کسی کی طرف منسوب کسی المار ی میں ملا چھاپے نے اسے چھاپ کر شائع کردیا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی مجہول ناشناختہ بازار میں کوئی بات منہ سے نکالے اور اسے ہزار آدمی سنیں اور نقل کریں، ناقل ہزار نہیں لاکھ سہی منتہائے سند تو ایک فرد مجہول ہے تو تواتر درکنار صحت ہی نہیں، آج کل حضرات اولیائے کرام کے نام سے بہت کتابیں نظم ونثر ایسی شائع ہورہی ہیں ع

پس بہر دستے نباید داد دست

(لہٰذا ہر ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینا نہ چاہئے۔ت)

یہ چال بعض علماء کے ساتھ بھی چلی گئی ہے۔ایک کتاب عقائد امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام سے چھپی جس سے وہ ایسے ہی بری ہے جیسا اس کا مفتری حیاودیانت سے، شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتابوں میں وہابی کشش دفتر دیکھ کر کسی وہابی نے ان کے نام سے ایک کتاب گھڑی اور چھاپی گئی ہے۔

ثانیاً: اگر بہ ثبوت معتمد ثابت ہو اور گنجائش تاویل رکھتا ہے تاویل واجب اور مخالفت

[1] احیاء العلوم کتاب آفات اللسان الآفة الثامنة اللعن مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ۳ /۱۲۵

مندفع۔اولیاء کی شان توارفع ہر مسلمان سنی کے کلام میں تاحد امکان تاویل لازم، امام علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ القدسی حدیقۃ ندیہ میں فرماتے ہیں:

قال الامام النووی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی ادب العلم والتعلم من مقدمۃ شرح المھذب یجب علی الطالب ان یحمل اخوانہ علی المحامل الحسنۃ فی کلام یفھم منہ نقص الی سبعین محملا ثم قال۔لایعجز عن ذٰلك الاکل قلیل التوفیق[1]۔	امام نووی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شرح مہذب کے مقدمہ "آداب العلم والمتعلم"میں ارشاد فرمایا"طالب پر واجب ہے کہ اپنے بھائیوں کے کلام کو اچھے محمل پر حمل کرے کسی ایسے کلام میں کہ جس میں نقص سمجھا جائے لہٰذا اس کے لئے ستر تک محمل تلاش کرے۔پھر ارشاد فرمایا کہ اس سے عاجز نہیں ہوتا۔مگر ہر ایسا شخص کہ جس کو کم توفیق عنایت کی گئی۔(ت)

ثالثًا: اگر تاویل ناممکن مگر محتمل ہو کہ وہ کلام ان کے مناسب رفیعہ ولایت وامامت تک پہنچنے سے پہلے کا ہے تو اسی پر حمل کریں گے اور نہ اس سے استناد جائز نہ ان پر اعتراض،امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ، میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

یحتمل ان من خطأ غیر من الائمۃ انما وقع ذٰلك منہ قبل بلوغہ مقام الکشف کما یقع فیہ کثیر ممن ینقل کلام الائمۃ من غیر ذوق فلا یفرق بین ماقالہ العالم ایام بدایتہ وتوسطہ ولابینہ ماقالہ یام نھایتہ[2]۔	جن لوگوں نے ائمہ کرام کو(ان کے بعض نظریات کی وجہ سے)انھیں خطاکار ٹھہرایا ہے احتمال ہے کہ یہ ان سے(درجہ عالیہ)مقام کشف تک ان کی رسائی سے پہلے صادر ہوئے ہوں جیسا کہ بہت سے بے ذوق حضرات جب ائمہ کرام کا کلام نقل کرتے ہیں تو وہ اس خطا میں پڑ جاتے ہیں لہٰذا عالم نے ابتدائی اور درمیانی دور اور آخری ایام میں جو کچھ فرمایا ہے یہ لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کرسکتے(ت)

رابعًا: یہ بھی ناممکن ہو تو جن کی ولایت وامامت ثابت و متحقق ہے ان کے ایسے فعل کو افعال خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قبیل سے ٹھہرائیں گے اور ایسے کلام کو متشابہات سے کہ ان پر

---

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الفصل الثانی النوع الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۷۹

[2] المیزان الکبرٰی للشعرانی فصل فی بیان تقریر قولہ من قال الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۳

طعن کریں نہ اس سے بحث اور گمراہ ہے وہ کہ متشابہات کا اتباع کرے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَہَ مِنۡہُ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: وہ لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اللہ تعالٰی کے متشابہ کلام کی پیروی کرتے ہیں۔(ت)

متشابہات جس طرح اللہ ورسول کے کلام میں یونہی ان کے اکابر کے کلام میں ہوتے ہیں کما افادہ اما الطریقۃ لسان الحقیقۃ سیدی محی الملۃ والدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ طریقت کے امام، حقیقت کی زبان، میرے آقا، دین ملت کو زندگی بخشنے والے شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے افادہ فرمایا۔ت) یہ ہے بحمد اللہ سلامت اور اللہ عزوجل کے ہاتھ ہدایت، واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم والحمد اللہ رب العالمین (اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

فصل چہارم: آدم ویوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کی بحث اور دلائل قاہرہ سے بطلان استدلال مجوزین کا ثبوت

مجوزین کے ہاتھ میں لے دے کر جو کچھ سند ہے یہی ہے اور اسے یوں رنگتے ہیں کہ قرآن عظیم سے ثابت ہوا کہ یہ شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ویوسف کا حکم تھا اور شرائع سابقہ قطعاً حجت ہیں جب تک اللہ ورسول انکار نہ فرمائیں اور یہاں انکار نہیں تو قرآن عظیم سے قطعاً جواز ہے اور یہ حکم تاقیامت باقی ہے کہ اول تو یہ خبر ہے اور خبر منسوخ نہیں ہوسکتی اور ہو تو قطعی کا ناسخ قطعی چاہئے وہ یہاں مفقود اور حدیث احاد نا مسموع ومردود، یہ ہے وہ جسے بکر نے طویل تقریرات پریشان میں بیان کیا نصف ص ۱۱ سے اخیر ص ۱۲ تک اور ص ۹ میں ۵ سطریں ص ۲۴ میں ۹ سطریں نیز ص ۴ و ۵ میں ۱۲ سطریں اسی کی تکمیل ہیں غرض ڈیڑھ ورق سے زائد میں یہی ہے بلکہ اس انضباط سے ہے بھی نہیں جو ہم نے ان دو سطروں میں کردیا مگر یہ حقیقۃً نسج العنکبوت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اس میں ایک فقرہ بھی صحیح نہیں جیسا کہ بعونہ تعالٰی ابھی مشاہدہ ہوگا۔

---
[1] القرآن الکریم ۳/۷

(۱۳۰) اگر دین و عقل وادب ائمہ نصیب ہو اگر آدمی آئینہ میں اپنا منہ دیکھے اگر چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانے کو شناخت جانے، اگر ہلدی کی گرہ پر پنساری نہ بننے تو اتنا ہی دیکھنا بس تھا کہ قرآن کریم کی یہ آیتیں ائمہ دین وجماہیر اولیائے کاملین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مخفی نہ تھیں حجت شرائع سابقہ ونسخ وفرق قطعی وظنی کے مسائل یقینا ان کے پیش نظر تھے آخر انھوں نے سجدہ تحیت کی تحریم وممانعت کچھ دیکھ بھال ہی کر رکھی ہوگی یا ایسے پیش یا افتادہ اعتراضوں کی ان میں کسی کو سوجھ نہ ہوئی کیا وہ سب کے سب تم سے بھی علم وفہم عقل ودین میں گئے گزرے تھے۔

(۱۳۱) جانے دو ردالمحتار وفتاوٰی قاضی خاں پر تمھارا ایمان ہے کہ ص ۱۲ "نہایت مشہور معتبر کتابیں ہیں قرآن وحدیث کے غور واحقاق کے بعد ان کو مرتب کیا ہے" ہم نے انھیں کتابوں سے دکھادیا کہ سجدہ تحیت کم از کم حرام وگناہ کبیرہ ہے اور سوئر کھانے سے بھی بدتر، قرآن مجید میں سجدہ آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام کی آیتیں انھیں نہ سوجھیں تو خاک غور واحقاق کیا، یہ بھی جانے دو اسی غور واتحقاق والی ردالمحتار سے اس تمام بے سروپا تقریر کا خاص رد لو، ردالمحتار کی جلد پنجم کتاب الحظر والاباحۃ میں قبیل فصل فی البیع ہے:

اختلفوا فی سجود الملئکۃ قبل کان للہ تعالٰی والتوجہ الی اٰدم للتشریف کاستقبال الکعبۃ وقیل بل لاٰدم علی وجہ التحیۃ والاکرام ثم نسخ بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوامرت احدا ان یسجد لاحد لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجہا تاترخانیۃ قال فی تبیین المحارم والصحیح الثانی ولم یکن عبادۃ لہ بل تحیۃ واکراما ولذا امتنع عنہ ابلیس وکان جائزا فیما مضی کما فی قصۃ یوسف قال ابومنصور الماتریدی وفیہ دلیل علی نسخ الکتاب بالسنۃ [1]۔	یعنی سجدہ ملائکہ میں علماء کو اختلاف ہوا بعض نے کہا سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے تھا اور آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعزاز کے لئے منہ ان کی طرف تھا جیسے کعبہ کو منہ کرنے میں ہے اور بعض نے کہا بلکہ سجدہ ہی آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو تحیت وتکریم کے طور پر تھا پھر اس حدیث سے منسوخ ہوگیا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے یہ تاتارخانیہ میں ہے، اور تبیین المحارم میں فرمایا صحیح قول دوم ہے اور یہ ان کی عبادت نہ تھا بلکہ تحیت وتکریم، ولہذا ابلیس اس سے باز رہا اور سجدہ تحیت اگلی شریعتوں میں جائز تھا جیسا کہ قصہ یوسف علیہ الصلٰوۃ وسلام میں ہے۔ امام اجل علم الہدٰی امام اہلسنت

[1] ردالمحتار باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶

سید نا ابو منصور ماتریدی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس پر دلیل ہے کہ حکم قرآن حدیث سے منسوخ ہو جاتا ہے **انتھی**۔

للہ انصاف، اس پر غور و احقاق قرآن والی مشہور کتاب نے آپ کا کوئی فقرہ کسی فقرے کا کوئی تسمہ لگا رکھا **وللہ الحمد**۔

(۱۳۲) اگر بکر ربقہ تقلید گردن سے نکال کر خود محقق بن کر یہ استدلال کرے تو استغفر اللہ، کیا امکان ہے کہ ایک حرف چل سکے۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ت) **اولا** سرے سے اس کا آدم یا یوسف یا کسی نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت ہونے ہی کا ثبوت دے اور ہر گز نہ دے سکے گا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آفرینش سے پہلے رب عزوجل نے یہ حکم ملائکہ کو دیا تھا۔

"فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۝۲۹ "[1]	جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونک دوں اس وقت تم اس کے لئے سجدہ میں گرنا۔

تو اس وقت نہ کوئی نبی تشریف لایا تھا نہ کوئی شریعت اتری، ملائکہ و بشر کے احکام جدا ہیں جو حکم فرشتوں کو دیا گیا وہ شریعت میں **من قبلنا** (جو انبیاء ہم سے پہلے گزرے، ان کی شریعت۔ت) نہیں، قصہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اتنا ثابت کہ شریعت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں سجدہ تحیت کی ممانعت نہ تھی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فعل ممنوع نہیں کرتے، ممانعت نہ ہونا دونوں طرح ہوتا ہے یا تو ان کی شریعت میں اس کے جواز کا حکم ہو یہ اباحت شرعیہ ہوگی کہ حکم شرعی ہے یا ان کی شریعت میں اس کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو فعل جب تک شرع منع نہ فرمائے مباح ہے یہ اباحت اصلیہ ہوگی کہ حکم شرعی نہیں بلکہ عدم حکم ہے۔ اور جب دونوں صورتیں محتمل تو ہر گز ثابت نہیں کہ شریعت یعقوبیہ میں اس کی نسبت کوئی حکم تھا تو شریعت میں من قبلنا ہونا کب ثابت، بحمدہٖ تعالٰی شبہ کا اصل معنٰی ہی ساقط۔

(۱۳۳) ثانیاً: قرآن عظیم سے سجدہ مبحوث عنہا (جو زیر بحث ہے۔ت) کا جواز قطعاً

[1] القرآن ۱۵/ ۲۹ و ۳۸/ ۷۲

ثابت ہونا بوجوہ باطل:

وجہ اول: علماء کو اختلاف ہے کہ یہ سجدہ زمین پر سر رکھنا تھا یا صرف جھکنا، سر خم کرنا، ابوالشیخ کتاب العظمہ میں امام محمد بن عباد بن جعفر مخزومی سے راوی:

قال کان سجود الملئکۃ لاٰدم ایماء [1]۔	آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملائکہ کا سجدہ اشارہ تھا۔

ابن جریر و ابن المنذر و ابوالشیخ امام عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج سے تفسیر **قولہ تعالٰی** "وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا" (اللہ تعالٰی کے ارشاد خروالہ سجدا یعنی حضرت یوسف کے والدین اور ان کے برادر حضرت یوسف کے لئے سجدے میں گر گئے۔ت) میں راوی:

قال بلغنا ان ابویہ واخوتہ سجدوا یوسف ایماء برؤسھم کھیئۃ الاعاجم وکانت تلك تحیتھم کما یصنع ذٰلك ناس الیوم [2]۔	ہمیں حدیث پہنچی کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ماں باپ بھائیوں کا سجدہ سرے اشارہ کرنا تھا جیسے اہل عجم کے یہاں یہ ان کی تحیت تھی جس طرح اب بھی کچھ لوگ کرتے ہیں کہ سلام میں سر جھکاتے ہیں۔

امام فخر الدین رازی وغیرہ نے محاورات وغیرہ نے عرب سے اس معنی سجدہ کا اثبات کیا، امام بغوی نے معالم التنزیل اور امام خازن نے لباب میں اسی کو اختیار فرمایا اور قول اول کو ضعیف کہا سجدہ ملائکہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن فیہ وضع الوجہ علی الارض انما کان انحناء فلما جاء الاسلام ابطل ذٰلك بالسلام [3]۔	یعنی وہ زمین پر منہ رکھنا نہ تھا صرف جھکنا تھا جب اسلام آیا اسے بھی سلام مقرر کرکے باطل فرمادیا۔

سجدہ یوسف میں فرماتے ہیں:

لم یرد بالسجود وضع الجباہ علی الارض و	یعنی سجدے سے زمین پر پیشانی رکھنا مراد نہیں

---

[1] الدر المنثور بحوالہ ابی الشیخ فی العظمۃ عن محمد بن عباد تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۱/ ۴۸

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن جریر و ابن المنذر و ابی الشیخ عن ابن جریج آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۴/ ۳۸

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸

انما ھا الانحناء والتواضع وقیل وضعوا الجباہ علی الارض علی طریق التحیۃ والتعظیم وکان جائزا فی الامم السابقۃ فنسخ فی ھذا الشریعۃ [1]۔	وہ تو صرف جھکنااور تواضع کرنا تھااور بعض نے کہا بطور تحیت وتعظیم پیشانی ہی زمین پر رکھی اور اگلی امتوں میں جائز تھا۔اس شریعت میں منسوخ ہوگیا۔

بیعنہٖ یونہ خازن میں ہے دونوں امام جلال الدین نے تفسیر جلالین میں اسی پر اقتصار فرمایا۔جلال سیوطی سجدہ آدم میں فرماتے ہیں:

اذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لاٰدم سجود تحیۃ بالانحناء [2]۔	یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے (بطور حکم) فرمادیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو یعنی سجدہ سے بطور تحیت صرف جھکنا مراد ہے۔(ت)

سورہ یوسف میں فرماتے ہیں:

خروالہ سجدا سجود انحناء لاوضع جبھۃ وکان تحیتھم فی ذٰلک الزمان [3]۔	وہ سب حضرت یوسف (علیہ الصلٰوۃ والسلام) کے لئے سجدہ میں گر گئے یعنی ان کے سامنے جھک گئے نہ کہ پیشانی زمین پر رکھی اور یہ کاروائی اس زمانے میں ان کی تحیت یعنی تعظیم تھی۔(ت)

جلال محلّی سورہ کہف میں فرماتے ہیں:

واذ قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم سجود انحناء لاوضع جبھۃ [4]،	اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا حضرت آدم کو سجدہ کرو یعنی ان کے سامنے جھک جاؤ نہ کہ زمین پر پیشانی رکھو۔(ت)

اور یہ دونوں حضرات اصح الاقوال لیتے ہیں۔ خطبہ جلالین میں ہے:

ھذا تکملۃ تفسیر القراٰن الکریم الذی الفہ الامام جلال الدین المحلی علی	یہ قرآن کریم کی تفسیر کا تکملہ ہے جس کو جلال الدین محلّی نے تالیف کیا اس کی طرز پر سب سے

[1] معالم التنزیل علی ھامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۱۲ /۱۰۰ مصطفی البابی مصر ۳ /۳۱۷

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۲ /۳۴ اصح المطابع دہلی نصف اول ص ۸

[3] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۱۲ /۱۰۰ اصح المطابع دہلی نصف اول ص ۱۹۸

[4] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۱۸ /۵۰ اصح المطابع دہلی نصف ثانی ص ۲۴۷

نمطہ من الاعتماد علی ارجح الاقوال[1]۔	زیادہ راجح قول پر اعتماد کرتے ہوئے۔(ت)

توان چاروں اکابر کے نزدیک راجح قول دوم ہے کہ محض جھکنا تھا نہ کہ سجدہ معروفہ، بعض گروہ دیگر کے نزدیک قول اول راجح ہے وبہ اقول لقعوا وخروا (اور میں یہی کہتا ہوں (ترجیح قول اول) اس لئے کہ قرآن مجید میں الفاظ "قعوا" اور "خروا" ہیں یعنی اس کے لئے سجدہ میں پڑ جاؤ اور اس کے لئے وہ سجدہ میں گر گئے۔ بہر حال خود اختلاف نافی قطعیت ہے نہ کہ ترجیح بھی مختلف۔

(۱۳۴) بکر ص ۵ پر اس سے بچاؤ کے لئے زعم کہ سجدے کی صورت سوائے موجودہ شکل کے اور کوئی نہیں ہے۔اور بعض غیر مسلم اقوام میں جو سجدہ کی تعریف ہے وہ اسلامی سجدہ نہیں بلکہ رکوع کے مشابہ ہے" سخت جہالت ہے کیا امام اجل محمد بن تابعی تلمیذ ام المومنین صدیقہ وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن عمر وابوہریرہ وجابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم وامام جلیل احد التابعین ابن جریج تلمیذ امام ہمام جعفر صادق واستاد الاستاذ امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی اور امام محی السنۃ بغوی وامام فخر الدین رازی وامام خازن وامام جلال الدین المحلی وامام جلال الدین سیوطی وغیرہم اکابر معاذاللہ غیر مسلم اقوام سے ہیں یا اصطلاحات کفار سے قرآن عظیم کی تفسیر کرتے ہیں۔

(۱۳۵) سجدہ تلاوت کہ نماز میں واجب ہو فورا بشکل رکوع بھی ادا ہو جاتا ہے یونہی رکوع نماز میں اس سجدہ کی نیت کرنے سے جبکہ چار آیت کا فصل دے کرنہ ہو، اور ایک روایت میں بیرون نماز بھی اس سجدہ میں رکوع کافی ہے۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

(تودی) برکوع وسجود) غیر رکوع الصلٰوۃ و سجودھا (فی الصلٰوۃ لھا) ای للتلاوۃ و تودی (برکوع صلٰوۃ علی الفور[2]۔	جو سجدہ تلاوت کو نماز میں تلاوت کی وجہ سے واجب ہو وہ نماز کے رکوع، سجدہ کے علاوہ الگ رکوع اور سجدہ سے ادا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر نماز میں ایک دو، یا تین آیتیں پڑھنے سے فورًا رکوع کیا تو سجدہ تلاوت اس سے بھی ادا ہو جائے گا بشرطیکہ رکوع میں اسے ادا کرنے کی نیت کرے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وروی فی غیر الظاھر ان الرکوع ینوب عنھا	غیر ظاہر روایت میں مروی ہے کہ رکوع بیرون نماز

---

[1] تفسیر جلالین خطبۃ الکتاب اصح المطابع دہلی ص ۴

[2] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۵

خارج الصلٰوۃ ایضا[1]۔	سجدۂ تلاوت کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔(ت)

جہالت سے شرعی احکام کو غیر اسلامی کردیا۔

(۱۳۶) وجہ دوم: اگر یہ سجدہ مشہور تھا تو ائمہ کو اس میں اختلاف ہے کہ سجدہ آدم ویوسف کو تھا یا سجدہ اللہ عزوجل کو اور آدم و یوسف قبلہ، ابن عساکر وابوابراہیم مزنی سے راوی:

انہ سئل عن سجود الملئکۃ لاٰدم فقال ان اللہ جعل آدم کالکعبۃ[2]۔	یعنی ان سے سجدہ ملائکہ کے بارے میں استفسار ہوا، فرمایا اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کعبہ کی طرح کردیا تھا۔

معالم وخازن وغیرھما میں ہے:

وقیل معنی قولہ اسجدوا لاٰدم ای الی آدم فکان آدم قبلۃ والسجود للہ تعالٰی کما جعلت الکعبۃ قبلۃ للصلوٰۃ والصلوٰۃ للہ تعالٰی[3]۔	یعنی بعض نے کہا معنی آیت یہ ہیں کہ آدم کی طرف سجدہ کرو تو آدم قبلہ تھے اور سجدہ اللہ تعالٰی کو۔ جیسے کعبہ نماز کا قبلہ ہے اور نماز اللہ تعالٰی کے لئے۔

نیز سورہ یوسف میں ہے:

وروی عن ابن عباس معناہ خرواللہ عزوجل۔سجدا بین یدی یوسف والاول اصح[4]۔	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالٰی کے لئے یوسف کے سامنے سجدہ میں گرے، اور اول زیادہ صحیح ہے۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس قول دوم کی تحسین کی۔

حیث قال الوجہ الثانی انھم جعلوا یوسف کالقبلۃ وسجدواللہ شکرا النعمۃ وجدانہ وھذا	جیسا کہ امام رازی نے فرمایا یا کہ دوسری وجہ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف کو قبلہ کی طرح ٹھہرایا تھا (یعنی ان کی طرف سجدہ کیا) لیکن

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۸

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن عساکر تحت آیۃ واذقلنا للملائکۃ اسجدوالاٰدم الخ قم ایران ۱/ ۱۵۰

[3] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۳۴ مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۸

[4] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۱۷

التاویل حسن فانہ یقال صلیت للکعبۃ کما یقال صلیت الی الکعبۃ قال حسان ع الیس اول من صلی لقبلتکم[1]۔	سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے کیا تھا حضرت یوسف کو پالینے کی نعمت کا شکرادا کرتے ہوئے۔اور یہ توجیہ اچھی ہے کیونکہ صلیت للکعبۃ کہا جاتا ہے جیسا کہ صلیت الی الکعبۃ کہا جاتا ہے یعنی دونوں میں کوئی فرق نہیں یعنی میں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی) اور حضرت حسان نے فرمایا ع کیا وہ پہلا شخص نہیں جس نے تمھارے قبلہ کے لئے یعنی اس کی طرف نماز پڑھی۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر محل نزاع سے خارج ہے نزاع اس میں ہے کہ غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کیا جائے ص ۴ پر تحریر بکر کا سرنامہ: "پیروں اور مزاروں کو تعظیمی سجدہ" ص ۵ "عبادت کے سجدے اور تعظیم کے سجدے میں بہت فرق ہیں عبادت کا سجدہ غیر خدا کو کرنے کی ممانعت فرمائی" ص ۶ "عبادت کا سجدہ غیر خدا کو جائز نہیں اور غیر مقرر سمت کے جائز ہیں" ص ۷ "تعظیمی سجدے کے خلاف قرآن خاموش ہے نہ یہ کہتا ہے کہ غیر خدا کو سجدہ کرو نہ یہ کہ غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا" ص ۷ و ۸ "وہ آیت کہ سجدہ نہ کرو سورج اور چاند کو اس میں غیر انسان کے سجدہ کا ذکر ہے اور گفتگو سجدہ انسانی میں ہے" ص ۸ "صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو جانور اور درخت سجدہ کرتے ہیں" ص ۱۱ خدا کی مرضی تھی کہ کلافت کی تعظیم وہی ہو جو میری،اس واسطے آدم کو سجدہ کرایا" ص ۱۵"، مسجود خلائق کسی بندہ کے حق میں لکھتے ہیں یا کسی خدا کے" ص ۱۶"ہر حاضر ہونے والا آپ کو سجدہ تعظیمی کرتا تھا" ص ۱۷ سیر الاولیاء سے:

درامم ماضیہ رعیت مر بادشاہ راوامت مر پیغمبر راسجدہ می کردند[2]۔	پہلی امتوں میں رعیت بادشاہ کو امت پیغمبر کو سجدہ کرتی تھی۔

لطائف سے:

القوم للنبی والمرید للشیخ والرعیۃ للملک والولد للوالدین والعبد للمولٰی[3]۔	قوم،پیغمبر کو،مرید،پیر کو،رعیت،بادشاہ کو،بیٹا والدین کو،اور غلام آقا کو سجدہ کیا کرتے تھے(ت)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۱۸/ ۲۱۲

[2] سیر الاولیاء باب ششم مؤسستہ انتشارات اسلامی لاہور ص ۳۵۱

[3] لطائف اشرفی فی بیان طوائف موتی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنانی کراچی حصہ دوم ص ۹

صفحہ ۲۱:

سجد الرجل للسلطان ولغیرہ یرید بہ التحیۃ لایکفر[1]۔	کسی شخص نے بادشاہ یا کسی اور کو سجدہ کیا کہ جس سے اس کی تعظیم مراد تھی تو وہ (اس کام سے کافر نہ ہوگا۔

صفحہ ۲۲ "سجدہ تحیت آدمی کے لئے ہے سجدہ عبادت خدا کے لئے" ایضا، سجدہ تحیت نبی کے لئے، پیر کے لئے، بادشاہ کے لئے، والدین کے لئے، آقا کے لئے، ایضا" بادشاہ کو سجدہ کیا یا اور کسی کو اور تعظیم کی نیت ہوئی تو کافر نہیں" ص ۲۳ "سجدہ تعظیمی تمام بزرگوں کو کیا جاتا تھا" ایضا "بزرگوں کو تعظیمی سجدہ" ص ۲۴ "مزاروں کو سجدہ" غرض اول تا آخر تحریر بکر شاہد اور خود ہر شخص آگاہ غیر خدا کو سجدہ کرنے میں کلام ہے نہ کہ غیر کی طرف، کعبہ کی طرف ہر مسلمان سجدہ کرتا ہے اور کعبہ کو سجدہ کرے تو کافر۔

(۱۳۷) بکر نے بعلت عادت خود کشی کہ **اوھو فی الخصام غیر مبین** o (وہ کھل کر واضح طور پر جھگڑالو نہیں۔ت) ص ۱۰ پر "سجدہ کی مجازی و حقیقی سمت" کی سرخی دے کر اپنی اگلی پچھلی ساری کاروائی خاک میں ملائی نافع و مضر میں بے تمیزی اس پر لائی کہ وہی قول مان لیا جس پر سجدہ آدم کو سجدہ نزاعی سے کچھ تعلق نہ رہا اور اسی کو اپنے مزعوم سجدہ کا مطلب قرار دیا تصریح کردی کہ "درحقیقت آدم کا سجدہ نہ تھا بلکہ وہ خدا کی جانب سجدہ تھا آدم محض ایک سمت تھے جیسا کعبہ ہمارے سجدوں کی سمت ہے تو کیا پتھروں کا بنا ہوا کعبہ تو سمت سجدہ ہو سکتا ہے اور آدم کا وجود جو خلیفہ اللہ اور انوار الٰہی کا زندہ خزانہ ہے سجدہ کی سمت نہیں ہو سکتا بالکل عیاں ہے کہ کعبہ کی طرح آدم بھی سجدہ تعظیمی کی سمت مجازی ہے" چلے فراغت شہ سارا دفتر گاؤں خورد (سارا دفتر گائے کے کھالیا۔ت) جس شخص کو یہ تمیز نہ ہو کہ اس کے سر میں کیا ہے اور منہ سے کیا نکلتا ہے یہ ادراک نہ ہو کہ وہ اپنا گھر بناتا یا یکسر ڈھارہا ہے اس کا مدارک علیہ میں دخل دینا عجب تماشا ہے۔

(۱۳۸) وہ جو ص ۲۱ پر بحوالہ لطائف مرصاد سے نقل اور ص ۲۲ پر اس کا ترجمہ کیا کہ "مشائخ کے سامنے جو سجدہ کیا جاتا ہے یہ سجدہ نہیں بلکہ تعظیم ہے اپنے معبود کے نور کی جو مشائخ میں جلوہ فگن ہوتا ہے" یہ بھی وہی سارے گھر کا ستیاناس لگالینا ہے۔یہ عبارت لطائف کا ساتواں فائدہ ہے مشائخ

[1] لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی لطیفہ ہفدہم مکتبہ سمنعانی کراچی حصہ دوم ص ۲۹

کو سجدہ کہ مشائخ کے سامنے سجدہ رہ گیا اب کسے روئیں گے۔ وہ چھتیس[۳۶] جگہ لام اور را اور کو جو نمبر ۱۳۴ میں گزرے۔

(۱۳۹) مگر یہ بھی وقتی بول ہے کہ مُنہ سے نکل گیا۔ ہر گز یہ بکر کے دل کی نہیں کہ مشائخ کو سجدہ تحیت نہ ہو صرف اس کے سامنے ہو۔ نہ ہر گز یہ اس کے فاعلوں کی نیت ہوتی ہے بلکہ یقینا مشائخ ومزارات ہی کو سجدہ کرتے اور اسی کا قصد رکھتے اور اسی پر لڑتے جھگڑتے ہیں تو بکر پر "**یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ**"[1] (وہ اپنے مونہوں سے وہ کچھ کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔ت) صادق، ع

مُنہ سے کہتے ہیں جو دل میں نہیں

(۱۴۰) جب یہ ٹھہری کہ سجدہ مشائخ کو نہیں وہ صرف سمت ہیں اور سجدہ اللہ تعالٰی عزوجل کو، تو اب سجدہ عبادت و تحیت کا تعدد و باطل، کیا اللہ کو کبھی سجدہ معبود سمجھ کر ہوگا وہ سجدہ عبادت ہے اور کبھی بغیر معبود سمجھے وہ سجدہ تحیت ہے حاشا اسے ہر سجدہ معبود ہی جان کر ہوگا تو صرف سجدہ عبادت رہ گیا سجدہ تحیت خود ہی باطل ہوا اور صفحہ ۵، ۶، ۷ وغیرہا کی ساری لفاظیاں باطل ولغو ہو گئیں۔

(۱۴۱) لغو ہی نہیں بلکہ مراد بکر پر پانی پھر گئیں۔ جب ہر سجدہ سجدۂ عبادت ہے اور اسے اقرار ہے کہ سجدہ عبادت کے لئے اللہ تعالٰی نے کعبہ کو سمت ٹھہرایا ہے تو مشائخ یا مزارات کو اس کی سمت بنانا اللہ عزوجل سے صریح مخالفت وحرام ہے۔

(۱۴۲) اب شرائع سابقہ اور نسخ اور قطعی وظنی کا سب جھگڑا خود ہی چکا دیا اللہ عزوجل قرآن عظیم میں فرماچکا:

"**حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ**"[2]	تم جہاں کہیں ہو کعبہ ہی کو منہ کرو۔

تو جس طرح اس آیت سے بیت المقدس کا قبلہ منسوخ ہوگیا اور جو اس طرف نماز کا قصد کرے مستحق جہنم ہے یونہی آدم و یوسف علیہما الصلوٰۃ والسلام کے یہاں جو معظمین دین کو سمت بنانا تھا وہ بھی بعینہٖ اسی آیت سے منسوخ ہوگیا اور مشائخ ومزارات کو سمت بنانے والا حکم الٰہی کا مخالف و مستحق نار ہوا جیسے کوئی بہن سے نکاح کرے اس سند سے کہ شریعت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام میں جائز تھا۔ واقعی علی نفسہا تجنی براقش۔

---

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴ و ۱۵۰

(۱۴۳)اب وہ بیہودہ قیاس کہ "کیا پتھروں کا بنا ہوا کعبہ الخ" خود ہی مردود ہو گیا نص قطعی کے مقابل قیاس کار ابلیس ہے کہ:

"اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ۚ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾ "[1]	میں اس (آدم) سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے (آدم کو) کیچڑ سے پیدا کیا۔(ت)

(۱۴۴)اور وہ قیاس میں کتنا اوندھا، پھتروں کا بنا ہوا بے جان کعبہ تو اعلٰی سجدے سجدہ عبادت کی سمت حقیقی ہو اور خلیفہ اللہ زندہ خزانہ انوار الٰہی ادنٰی سجدے سجدہ تحیت کی بھی سمت حقیقی نہ بن سکے صرف مجازی ہو یہ قیاس صحیح ہوتا تو عکس ہوتا۔

(۱۴۵)جب سجدہ مشائخ کی طرف ہے تو سمت حقیقۃً متحقق موجود مشاہد کو مجازی ماننا کن آنکھوں کا کام ہے۔

(۱۴۶)جو آنکھیں مشاہدات کو مجازی مانیں ان سے اس کی کیا شکایت کہ کعبہ ان پتھروں سے بنے ہوئے مکان کا نام نہیں ورنہ پہاڑوں اور کنویں میں نماز باطل ہو ہاں کرشن مت میں کعبہ کی حقیقت اتنی ہی ہوگی کہ پتھر کا گھر جیسے مندر کی موتیں

(۱۴۷)اس بیہودہ قرارداد و بیمعنٰی قیاس کلام حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا رد کر دیاہ۔عبارت سیر الاولیاء کہ بکر نے ص ۱۹ پر جس کا حوالہ دیا قصہ سیاح کے بعد اس کی ابتداء یوں ہے:

بعد فرمود معہذا در پیش من روئے برزمین می آورند من کارہ ام۔	اس کے بعد فرمایا اس کے باوجود لوگ میرے سامنے اپنے چہرے زمین پر رکھ دیتے ہیں۔لیکن میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔(ت)

جب یہ سجدہ اللہ ہی کو ہے خدا کے سجدے کو برا سمجھنا کیا معنٰی، اپنے سمت بنے کو برا جاننا کس لئے کیا" پتھروں کا کعبہ سمت سجدہ ہو سکتا ہے۔اور خلیفۃ اللہ اور انوار الٰہی کا زندہ خزانہ نہیں ہو سکتا، اگر وہ اپنے آپ کو کزانہ انور الٰہی نجانتے تھے تو منع کیوں نہیں فرماتے تھے، یہ کیا حجت ہوئی کہ ص ۱۹ "اپنے شیخ کے ہاں ایسا دیکھا ہے" شیخ تو خزانہ انوار الٰہی تھے یہاں منع کرنے کو معاذاللہ وہاں کی تجہیل و

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۲و ۳۸/ ۷۶

تفسیق سے کیا علاقہ۔

(۱۴۸) صدر کلام سے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا سجدہ تحیت سے کارہ ہونا اڑادیا۔ یہ خیانت کی فہرست میں اضافہ ہے۔

(۱۴۹) یہی رد عبارت لطائف کا کرلیا خود ص ۲۱ حضرت مخدوم سید اشرف جہانگیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عالم کے سوال اور حضرت کے ارشاد کا ترجمہ کیا "ایک مولوی صاحب نے مخدوم سے سوال کیا یہ سجدہ نامشروع ہے مخدوم نے فرمایا میں نے بارہا منع کیا اور اس حرکت سے روکا ہے یہ باز نہیں آتے۔ اللہ کو سجدے سے روکنا اور بار بار منع کرنا اور بکر صاحب کا ترجمہ میں اسے حرکت کہنا کیا معنٰی !

(۱۵۰) عالم نے کہا یہ سجدہ نامشروع ہے حضرت مخدوم نے اس پر انکار نہ فرمایا بلکہ اور تائید فرمائی کہ میں نے تو بارہا منع کیا ہے معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم بھی اسی پر سجدہ کو نامشروع جانتے تھے ورنہ حق سے سکوت درکنار باطل کی تائید نہ فرماتے۔ یہ عبارت لطائف کا اٹھواں فائدہ ہوا، وجہ دوم میں یہ ۱۴ نمبر اس وجہ پر زائد تھا مگر اصل مبحث کے کمال مؤید کہ بکر کے ہاتھوں "یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ" آشکار ہوا اپنے ہاتھوں اپنا گھر ویران کرتے ہیں۔ رہا وبایدی المؤمنین اور مسلمانوں کے ہاتھوں یہ اوپر کے گزشتہ وآئندہ کے کثیر نمبروں سے آشکار "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ۝" [1] (پھر نصیحت اور پند پذیر ہو اے نگاہیں رکھنے والو! ۔ت)

(۱۵۱) وجہ سوم: آیت سورہ یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام میں ایک وجہ نفیس اور ہے جس سے سمت بنانا بھی برقرار نہیں رہتا، ابن عبا بن ابی رباح استاذ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا معنی آیت یہ ہے کہ یوسف کے پانے پر اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ شکر کیا، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں میرے نزدیک آیت کے یہی معنٰی متعین ہیں یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنا از بس بعید ہے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے روا رکھنا ان کے دین وعقل سے مستبعد کہ باپ اور بوڑھے اور نبی اللہ اور علم دین ور درجات نبوت میں ان سے زیادہ اور وہ الٹا انھیں سجدہ کریں، تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہیں:

وھو قول ابن عباس فی روایة	پہلی بات اور وہ عبدالہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

عطاء ان المراد بهذه الاٰية انهم خرواله ای لا جل وجد انه سجد لله تعالٰی و حاصل الکلام ان ذٰلك السجود کان سجود الشکر فالمسجود له هو الله تعالٰی الا ان ذٰلك السجود انما کان لاجله،وعندی ان هذا التاویل متعین لانه لایستبعد من عقل یوسف و دینه ان یرضی بان یسجد له ابوه مع سابقته فی حقوق الابوة و الشیخوخة والعلم والدین وکمال النبوة[1]۔	کاارشاد ہے.بروایت عطا بن ابی رباح رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اس آیۃ خرواله سجدا سے مراد یہ ہے کہ وہ سب حضرت یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پالینے کی نعمت پر اللہ تعالٰی کے لئے سجدہ ریز ہوئے۔لہٰذا خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ سجدہ تو اللہ تعالٰی کے شکرادا کرنے کا سجدہ تھالہٰذا اس میں "مسجودلہ "(وہ جس کے لئے سجدہ کیا جائے "اللہ تعالٰی ہے۔البتہ وہ سجدہ حضرت یوسف کی وجہ سے تھا یعنی ان کو پالینے کی خوشی میں اللہ تعالٰی کاشکرادا کرتے ہوئے اس کے لئے سجدہ بجالایا گیااور میرے (یعنی امام فخر الدین رازی کے) نزدیک یہی تاویل وتوجیہ متعین ہے۔کیوں؟اس لئے کہ حضرت یوسف کی ذہانت اور کمال عقل اور صاحب دین ہونے کی وجہ سے یہ بعید ہے کہ وہ اس بات پر راضی ہوجائیں کہ ان کے بوڑھے باپ جو حقوق ابوت (پدری حقوق) مقام نبوت،بڑھاپے، علم اور دین اور ان تمام اوصاف میں)ان سے درجہ اولویت اور سبقت رکھتے ہوں،ان کے آگے سجدہ کریں۔(ت)

پھر فرمایا:

الوجه الخامس لعل التحية فی ذٰلك الوقت هوا لمسجود وهذا فی غاية البعد لان المبانعة فی التعظيم کانت الیق بیوسف منها یعقوب علیهما الصلٰوة و السلام فلو کان الامر کما قلتم لکان من الواجب ان یسجد یوسف یعقوب علیهما الصلٰوة والسلام[2]۔	**پانچویں وجہ**:اس دور میں،شائد تعظیم کے لئے سجدہ ہوا کرتا تھا(اور جو کچھ مروی ہوا) یہ عقل ہے انتہائی بعید ہے کیونکہ تعظیم میں مبالغۃ اختیار کرنا حضرت یوسف کے زیادہ لائق اور مناسب تھا کہ وہ اپنے والدبزرگوار حضرت یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے کرتے،لہٰذا اگر معاملہ اب ایسا ہے جیسا کہ تم نے کہا تو پھر حضرت یوسف کے لئے واجب تھا کہ وہ اپنے والد گرامی حضرت یعقوب علیہما الصلٰوۃ والسلام کو سجدہ کرتے۔(ت)

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعة البهية المصرية مصر ۱۸/ ۲۱۲

[2] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۱۲/ ۱۰۰ المطبعة البهية المصرية مصر ۱۸/ ۲۱۳

(۱۵۲) وجہ چہارم: سب جانے دو وہ انھیں کو سجدہ معروفہ سہی اور وہ ان کی شریعتوں کا حکم ہی سہی تو شرائع سابقہ کا ہم پر حجت ہونا ہی قطعی نہیں ائمہ اہلسنت کا مختلف فیہ ظنی مسئلہ ہے بعض کے نزدیک وہ اصلاً حجت نہیں، نہ ان پر عمل جائز جب تک ہماری شرع سے کوئی دلیل قائم نہ ہو اور یہی مذہب اکثر متکلمین اور ایک گروہ حنفیہ وشافعیہ کا ہے۔ اور اسی پر امام اہلسنت قاضی ابوبکر باقلانی اور امام فخر الدین رازی و یوسف آمدی ہیں۔ بعض کے نزدیک حجت ہیں جب تک نسخ پر دلیل قائم نہ ہو، اکثر حنفیہ اسی پر ہیں اصول امام فخر الاسلام میں ہے:

قال بعض العلماء یلزمنا شرائع من قبلنا حتی یقوم الدلیل علی النسخ و قال بعضهم لایلزمنا حتی یقوم الدلیل[1]۔	بعض علماء کرام نے فرمایا شرائع (اور ادیان) جو ہم سے پہلے ہوئے ان کے مطابق عمل کرنا ہمارے لئے لازم (اور ضروری) ہے جب تک کوئی دلیل ان کے نسخ پر قائم نہ ہو، بعض نے فرمایا وہ ہم پر لازم نہ ہوں یہاں تک کوئی دلیل (جواز عمل) قائم ہو (ت)

شرح امام عبدالعزیز بخاری میں ہے:

ذهب اکثر المتکلمین وطائفة من اصحابنا واصحاب الشافعی الی انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یکن متعبدا بشرائع من قبلنا وان شریعة کل نبی تنتهی بوفاته علی ماذکر صاحب المیزان اویبعث نبی آخر علی ماذکر شمس الائمة ویتجدد للثانی شریعة اخری فعلی هذالایجوز العمل بها الابما قام الدلیل علی بقائه وقال بعضهم یلزمنافیمالم یثبت انتساخه[2]۔	اکثر اہل کلام اور ہمارے اصحاب میں سے ایک گروہ اور اصحاب امام شافعی اس نظریہ کی طرف گئے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شرائع سابقہ پر عامل نہ تھے کیونکہ ہر نبی کی شریعت اس کی وفات پر منتہی ہو جاتی ہے جیسا کہ صاحب المیزان نے ذکر فرمایا، (یہاں تک کہ) کوئی دوسرا نبی مبعوث ہوتا ہے پھر اس دوسرے نبی کے لئے تجدید شریعت ہوتی ہے جیسا کہ شمس الائمہ نے بیان فرمایا، لہذا شرائع سابقہ پر عمل کرنا جائز نہیں مگر جبکہ اس کے بقا پر کوئی دلیل قائم نہ ہو، اور بعض نے فرمایا

[1] اصول البزدوی باب شرائع من قبلها قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۳۲

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب شرائع من قبلها دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۲

ہمیں ایسے احکام پر عمل کرنا لازم ہے جن کا نسخ ثابت نہ ہو (ت) مسلم الثبوت میں ہے:

وعن الاکثرین المنع وعلیه القاضی و الرازی والآمدی[1]۔	اکثر اہل علم سے اس پر عمل کرنے کی ممانعت منقول ہے۔ چنانچہ قاضی، رازی اور علامہ آمدی کی یہی رائے ہے۔(ت)

(۱۵۳) وجہ پنجم: وہ کوئی حکم عام نہیں وہ واقعہ حال ہیں اور باتفاق عقل و نقل واقعہ حال کے لئے عموم نہیں ہوتا اب جو اس سے ایک عام استنباط کرنا چاہیں تو وہ نہ ہوگا مگر یوں کہ علت جامعہ نکال کر مسکوت عنہ کو منصوص پر قیاس کریں تو نص نہ رہا کہ قطعی ہو بلکہ قیاس کہ ظنی ہے۔

(۱۵۴) ثالثاً: حجت ماننے والے بھی اس حالت میں حجت مانتے ہیں کہ ہماری شرع نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو اور یہاں انکار ثابت ہے کہ فرمایا: **لاتفعلوا**[2] نہ کرو۔ **لاینبغی لمخلوق ان یسجد لاحد الا لله تعالٰی**[3] کسی مخلوق کو غیر خدا کا سجدہ لائق نہیں، بالفرض اگر یہاں ظنیت ہو تو وہاں ظنیت در ظنیت کتنی ظنیتیں ہیں ظنی کے انکار کو ظنی بس ہے اور انکار خاص اس بیان کے ساتھ ہونا کچھ ضرور نہیں ورنہ بکثرت استحالہ لازم آئیں گے، "**وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا**"[4] (اسی جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔ت) سے اصل وفرع مثلاً باپ بیٹی کا نکاح جائز ہو جائے گا، "**وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً**"[5] (اور ان دونوں (آدم وحوا) سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔ت) سے بہن بھائی کا، "**فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ**"[6] (پھر وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے پھر وہ دریا میں) دھکیلے ہوئے لوگوں میں سے ہوگئے۔ت) سے محض بربنائے قرعہ کسی مسلمان کو سمندر میں

[1] مسلم الثبوت فصل فی افعاله الجبلیة الاباحة مسئله نحن والنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم متعبدون الخ مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۷

[2] سنن ابن ماجه ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴، سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیة ۲/ ۳۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱

[5] القرآن الکریم ۴/ ۱

[6] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۴۱

پھینکنا "فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا"[1] (پھر اللہ تعالٰی نے بزرگوں کے غلط کہنے سے اسے بری کردیا۔ت) سے برملا برہنہ نکلنا "وَّ كَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا"[2] (پھر اس عورت (ملکہ سبا) نے اپنی دونو پنڈلیوں سے کپڑا اٹھایا۔ت) سے حرہ اجنبیہ کی ساقین دیکھنا مجمع کو دکھانا "يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ"[3] (وہ (سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام) جو کچھ چاہتے جنات ان کے لیے بنادیتے یعنی پختہ عمارتیں اور مجسمے۔ت) سے زید وعمرو کے بت بنانا "فَطَفِقَ مَسْحًاۢ بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾"[4] (پھر وہ (سلیمان علیہ السلام) ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگے۔ت) سے اپنے نسیان کے بدلے گھوڑے کا قتل الی غیر ذٰلک (اس کے علاوہ اور بہت سی آیت ہیں۔ت)۔

(۱۵۵) بکر نے حسب عادت یہاں بھی تین کتابوں پر افتراء کئے ہدایہ میں امام محمد کا ایک فرق اصطلاح بیان کیا کہ:

المروی عن محمد نصاً ان کل مکروہ حرام الا انه لما لم یجد فیه نصا قاطعا لم یطلق علیه لفظ الحرام[5]۔	یعنی امام محمد کی تصریح ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے مگر جہاں وہ نص قطعی نہیں پاتے وہاں لفظ حرام نہیں کہتے۔

اس کا ترجمہ یہ بیان کیا ص ۱۱ "جس میں کوئی نص قطعی نہ پائی جائے اس پر حرام کا اطلاق نہیں ہوسکتا" وہ صاف صاف تو فرمارہے ہیں کہ ہر مکروہ حرام ہے اور پھر حرام کا اطلاق نہیں ہوسکتا، یہ ھدایہ پر افتراء ہے۔

(۱۵۶) ابتدائے عبادت سے وہ الفاظ کہ امام کی تصریح ہے کہ ہر مکروہ حرام ہے صاف کترلئے کہ چال نہ کھلے، یہ خیانت ہے۔

(۱۵۷) ص ۱۱ ردالمحتار کی عبارت نقل کی:

شرع من قبلنا حجة لنا اذا قصه الله تعالٰی او رسوله من غیر انکار ولم یظهر	جو حضرات ہم سے پہلے ہوئے ان کی شریعت (اور دین) ہمارے لئے دلیل ہے جبکہ اللہ تعالٰی

---

[1] القرآن الکریم ۳۳ /۶۹

[2] القرآن الکریم ۲۷ /۴۴

[3] القرآن الکریم ۳۴ /۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۸ /۳۳

[5] الھدایۃ کتاب الکراھیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۵۰

نسخہ ففائدۃ نزول الاٰیۃ تقریر الحکم الثابت [1]۔	اور اس کارسول گرامی بغیر انکار کئے، اسے بیان فرمائیں اور اس کا نسخ ظاہر اور ثابت نہو۔ پھر نزول آیت کا فائدہ حکم ثابت کو برقرار رکھتا ہے۔ (ت)

اور ص ۱۲ پر اس کا ترجمہ کیا نفیس ہوتا ہے: "تو نزول آیت کا فائدہ حکم ثبوت کو پہنچے گا" زہے بیعلمی۔

(۱۵۸) ص ۱۲ پر قاضی خان کی عبارت الاصل فی الاشیاء الاباحۃ [2] (اشیاء میں اصل ان کا مباح ہونا ہے۔ت) کا یہ ترجمہ کیا تمام اشیاء میں اصلیت مباح ہوتا ہے۔ زہے منشی گری۔

(۱۵۹تا۱۶۱) خیر یہ تو معمولی کمالات بکری ہیں، کہنا یہ ہے کہ ہدایہ وردالمحتار وقاضی خان کی عبارتیں تو یہ نقل کیں اور ص ۱۲ پر نتیجہ یہ دیا "یہ کتابیں صاف صاف کہتی ہیں کہ سابقہ شریعت کی بات کے خلاف کوئی نص قطعی موجود نہ ہو تو اس کے مباح ہونے میں کسی دلیل کی حاجت نہیں" ہدایہ و قاضی خاں کی عبارتوں میں تو شریعت سابقہ کا نام تک نہ تھا، ردالمحتار میں ذکر تھا نص قطعی کا ذکر تک نہ تھا، یہ تینوں کتابوں پر تین افتراء ہوئے۔

(۱۶۲) رابعاً اگر قطعیت درکار ہو تو نمبر ۶۱ میں تفسیر عزیزی سے گزرا کہ سجدہ تحیت حرام ہونے میں متواتر حدیثیں ہیں۔

(۱۶۳) اگر روایۃ متواتر نہ بھی ہو قبولا متواتر ہے کہ تمام ائمہ اسے مانے ہوئے ہیں تو اس سے قطعی کا نسخ روا ہے جیسے حدیث لاوصیۃ لوارث [3] (کسی وارث کے لئے وصیت نہیں۔ت) جس سے وصیت والدین واقربین کو منصوص قرآن بھی منسوخ کہی گئی، امام اجل بخاری کشف الاسرار میں فرماتے ہیں:

ھذا الحدیث فی قوۃ المتواتر اذالمتواتر نوعان متواتر من حیث الروایۃ ومتواتر من حیث ظہور العمل بہ من غیر نکیر	یہ حدیث متواتر کے زمرہ میں ہے۔ اس لئے کہ متواتر کی دو[۲] قسمیں ہیں: (۱) متواتر بلحاظ روایت (۲) اس حقیقت سے متواتر کہ بغیر انکار اس پر ظہور عمل ہے (خلاصہ) (i) متواتر

[1] ردالمحتار

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۸

[3] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ للوارث آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۰

فان ظهورہ یغنی الناس عن روایته وھو بھذہ المثابة فان العمل ظھر به مع القبول من ائمة الفتوٰی بلا تنازع فیجوز النسخ به[1]۔	روایتی (ii) متواتر عملی، کیونکہ اس کا ظہور لوگوں کو اس کی روایت کرنے سے بے نیاز کردیتا ہے۔اور وہ اس درجہ میں ہے کیونکہ اس پر عمل کرنا بالکل ظاہر اور واضح ہوگیا،اور اس کے باوجود ائمہ فتوٰی نے اسے بغیر کسی نزاع کے قبول اور تسلیم کیا ہے۔لہٰذا اس کے ساتھ نسخ جائز ہے۔(ت)

(۱۶۴) نہ سہی تو خود بکر کے مستند فتاوٰی عزیزی سے نمبر ۱۵ میں گزرا کہ سجدہ تحیت حرام ہونے پر اجماع قطعی ہے اجماع اگرچہ ناسخ ومنسوخ نہ ہو دلیل نسخ یقینا ہے کہ:

لاتجتمع امتی علی الضلالة[2]۔	میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔(ت)

کشف میں ہے:

الاجماع لاینعقد البتة بخلاف الکتاب والسنة فلا یتصوران یکون ناسخا لھما ولووجد الاجماع بخلافھا لکان ذٰلك بناء علی نص آخر ثبت عندھم انه ناسخ للکتاب والسنة[3]۔	یقینا اجماع کتاب وسنت کے خلاف کبھی منعقد نہیں ہوتا،لہٰذا یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ اجماع کتاب وسنت کے لئے ناسخ ہوگا،پھر اگر اجماع ان دونوں کے خلاف پایا جائے تو یہ کسی ایسی دوسری نص کی بناء پر ہوگا جو ائمہ کرام کے نزدیک کتاب وسنت کی ناسخ ہوگی۔(ت)

مسلم وفواتح میں ہے:

الاجماع دلیل علی الناسخ کعمل الصحابی خلاف النص المفسر[4]۔	اجماع ناسخ پر دلیل ہے جیسے کسی صحابی کا اپنی نص مفسر کے خلاف عمل کرنا۔(ت)

(۱۶۵) خبر منسوخ نہونے کامسئلہ یہاں پیش کرنا سخت جہالت ہے۔خبر یہ تھی کہ ملائکہ ویعقوب

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تقسیم الناسخ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۷۸

[2] سنن ابن ماجه ابواب الفتن باب السواد الاعظم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۲

[3] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب تقسیم الناسخ دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۷۶

[4] فواتح الرحموت بذیل المستصفی باب فی النسخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۸۱

علیہم الصلٰوۃ والسلام نے سجدہ کیا۔ اسے کون منسوخ مانتا ہے کیا واقع غیر واقع ہو سکتا ہے اس خبر سے یہ حکم مستنبط کرتے ہوئے کہ سجدہ تحیت غیر خدا کو جائز ہے یہ حکم اگر تھا تو منسوخ ہوا، مسلم وفواتح میں ہے:

ھھنا امران الاخبار بتعلق الامر بالخاطبین والامر المتعلق بھم الموجب ولم ینتسخ الخبرلان وقوع الامرواقع ولم یرتفع وانما نسخ الامر المخبر عنه وھو لیس خبرا فماھو خبر لم ینتسخ وما انتسخ لیس بخبر[1]۔	یہاں دو امر ہیں: ایک یہ کہ خبر "امر بالمخاطبین" سے متعلق ہے۔ دوسری یہ کہ جو امر ان سے متعلق ہے وہ موجب ہے۔ لہٰذا خبر میں نسخ نہیں اس لئے کہ وقوع امر واقع ہے کہ جس میں ارتفاع ممکن نہ ہو، البتہ امر مخبر عنہ میں نسخ واقع ہوا ہے۔ اور وہ خبر نہیں، لہٰذا جو خبر ہے وہ منسوخ نہیں اور جو منسوخ ہے وہ خبر نہیں۔ (ت)

(۱۶۶) بکر نے اپنے افتراءات علی اللہ تعالٰی میں زعم کیا تھا ص ۶ "کہ خدا نے قرآن میں فرمایا تھا "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ"[2] تم جدھر متوجہ ہو خدا اسی طرف ہے یعنی جس طرف سجدہ کرو خدا ہی کو ہوگا، بعد میں سمت کعبہ مقرر ہو گئی یہ آیت بھی جملہ خبر یہ تھی کس طرح منسوخ ہو گئی۔

(۱۶۷ تا ۱۷۲) اب باپ بیٹی۔ بہن بھائی کے نکاح اور دیگر امور مذکورہ نمبر ۱۵۴ کی حرمت کی کوئی راہ نہ رہی کہ وہ تمام آیات اخبار ہی تھیں اور "اخبار منسوخ نہیں ہوتے"

(۱۷۳) بلکہ یہ سب زائد حاجت ہے ہم ثابت کر چکے کہ اس سجدہ تحیت کا جواز نص کا حکم نہیں، ہوگا تو قیاس سے قیاس مجتہدین پر ختم ہو گیا۔

(۱۷۴) قیاس بھی سہی تو سجدہ غایت تعظیم ہے۔ خود بکر نے ص ۵ پر کہا" تعظیم کا اظہار اس سے زیادہ انسان اور کسی صورت سے نہیں کر سکتا" ص ۱۱ آخری تعظیم ہے جو حقیقت میں عبادت کی آخری شان ہے" اور غایت تعظیم کے لئے نہایت عظمت درکار، کم درجہ معظم کے لئے انتہا درجہ کی تعظیم ظلم صریح ہے اور اعلٰی معظمین کے حق میں دست اندازی ع

گر فرق مراتب نکنی زندیقی

(اگر تم مراتب کا فرق ملحوظ نہ رکھو گے تو نری بے دینی ہوگی۔ ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی باب فی النسخ جاز نسخ ایقاع الخبر اتفاقا منشورات الشریف قم ایران ۲/ ۷۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

مخلوق میں نہایت عظمت انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے لئے ہے آدم ویوسف علیہما الصلٰوۃ والسلام دونوں نبی تھے تو غیر انبیاء مشائخ ومزارات کو ان پر قیاس کرکے ان کے لئے سجدہ تعظیمی بتانا ظلم شدید ہے اور انبیاء کا حق تلف کرنا۔

(۱۷۵) یہ سب اسے شریعت سابقہ مان کر ہے۔ ہم بیان کرچکے کہ سرے سے اسی کا ثبوت نہیں اب نہ حکم ثابت نہ نسخ کی حاجت سجدہ آدم کا حکم بشر کو نہ تھا ملائکہ کے لئے اب بھی ہو تو ہمیں کیا، سجدہ یوسف بربنائے اباحت اصلیہ ہونا ممکن اور اباحت اصلیہ کا رفع نسخ نہیں، مسلم الثبوت میں ہے:

رفع مباح الاصل لیس بنسخ[1]۔	اصل اباحت کا اٹھ جانا نسخ نہیں۔ (ت)

اس طرح کشف الاسرار میں ہے تو ارشاد حدیث **لاتفعلوا**[2] (ایسا نہ کرو۔ت) واجب القبول اور سجدہ تحیت کا حرام ہونا ہی حکم خدا ور سول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

رسالہ "

الزبدۃ الزکیۃ تحریم سجود التحیۃ"

ختم شد

[1] مسلم الثبوت باب فی النسخ مسئلہ اجمع اھل الشرائع علی جواز عقلا مطبع انصاری دہلی ص ۱۶۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۱، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

حواشی

الزبدۃ الزکیۃ کے بعض صفحات پر مصنف علیہ الرحمۃ کے عربی حواشی جو کہ خالص فنی اور علمی ہیں اور عام قاری سے غیر متعلق ہیں لہٰذا ان کا ترجمہ نہ کیا گیا۔ ان عربی حواشی کو ہر صفحہ اور حدیث و نص کے حوالے سے مرتب کرکے رسالہ کے اخیر میں شامل کیا گیا ہے۔

ص ۴۴۱: حدیث ۵،۶

۱۔ رأیتہ فی دلائل ابی نعیم و عزاہ الفاسی فی مطالع المسرات للبیہقی ۱۲ منہ۔

۲۔ عزاہ فی الخصائص للطبرانی وأبی ورأیتہ لہ وزاد فی آخرہ "فتر کوہ" وعزاہ فی مطلع المسرات لاحمد والحاکم والبیہقی والبغوی ۱۲ منہ

ص ۴۴۴، حدیث ۱۰

۱۔ ذکرہ مستندا فی الجامع الکبیر وقصہ الزرقانی ۱۲ منہ۔

ص ۴۴۵، حدیث ۱۱

۱۔ عزاہ خاتم حفاظ فی الدر المنثور لابن ابی شیبۃ وفی الجامع الکبیر لعبد بن حمید وفی مناھل الصفاء للبقیۃ ۱۲ منہ۔

ص ۴۴۶، حدیث ۱۲

۱۔ رأیتہ لابی نعیم وتلفقیہ وعزاہ فی الدر المنثور والجامع الصغیر للحاکم، وشیخنا السید احمد دحلان فی السیرۃ النبویۃ للبزار ۱۲ منہ۔

ص ۴۴۷، حدیث ۱۳۔

۱۔ رأیتہ فی ابن ماجۃ ورد فی الترغیب ابن حبان، وعزاہ فی الجامع الکبیر لاحمد وفی اتحاف السادۃ للبیہقی ۱۲ منہ

ص ۴۴۸، حدیث ۱۳ میں اقوال کے تحت و حدیث ۱۴

۱۔ قال ابن ماجۃ حدثنا حماد بن زید عن أیوب عن القاسم الشیبانی عن عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

القاسم: ھو من رجال مسلم والنسائی ھو وأزھر صدوقان وحماد وأیوب تفتان جلیلان لایسأل عن مثلھما ۱۲ منہ

۲۔ خاتم الحفاظ فی الدر المنثور ۱۲ منہ۔

ص ۴۴۹۔ حدیث ۱۵ میں اقول کے تحت وحدیث ۱۶

۱۔ رأیته فی المسند عزاہ مرفوعۃ فی الدر المنثور له ولأبی بکر، وفی الجامع الکبیر للطبرانی فی الکبیر ۱۲ منه

۲۔ اذ قال الامام احمد حدثنا وکیع، ثنا الاعمش عن ابی ظبیان عن معاذ بن جبل رضی اللّٰہ تعالٰی عنه انه لما رجع من الیمن۔۔۔۔۔ الحدیث ۱۲ منه

۳۔ رأیته فی ابی داؤد له عزاہ فی الترغیب وللبقیة فی اتحاف السادۃ ۱۲ منه

ص ۴۵۰، حدیث ۱۷ تا ۲۱

۱۔ جمع الجوامع ۱۲ منه

۲۔ بسند حدیث ابی هریرۃ الاول ثم قال وفی الباب عن معاذ بن جبل وسراقة بن مالك بن جعشم وعائشة وابن عباس وعبداللّٰہ بن ابی اوفی وطلق بن علی وام سلمة وأنس وابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهم حدیث ابی هریرۃ حدیث حسن غریب من هذا الوجه اھ ۱۲ منه۔

ص ۴۵۵، حدیث ۳۶، ۳۷ وحدیث ۳۸

۱۔ رأیته فی صحیح مسلم وانما عزاہ فی جمع الجوامع لابن سعد فی الطبقات وتبعه فی الزواجر وزاد حدیث الطبرانی عن کعب رضی اللّٰہ تعالٰی عنه ۱۲ منه۔

۲۔ ذکرہ کالموصول الآتی بعدہ الزرقانی علی المؤطا ۱۲ منه

ص ۴۶۶۔ نصوص ۳۸ تا ۴۷

۱۔ ههنا تنبیهات لابد منها فاقول **اولا** وقع فی نسختی الوجیز "ضرورۃ" مکان "صورۃ" اذ قال الافضل ان لا یسجد لانه کفر، فلا یاتی بما هو کفر ضرورۃ کما قلنا فی الاکراہ علی اجراء کلمة الکفر اھ وهذا تصحیف "صورۃ" بشهادۃ اصله الخلاصة وسائر الکتب وان لم یکن فمتعلق بلا یأتی"، لا ناظر الی "کفر" وکیف یکون اذا بالاکراہ کفرا ضرورۃ، بل المعنی، لا یاتی لاضطرارہ بما هو کفر، فیکون قوله ضرورۃ مکان قولهم وان کان فی حالة الاکراہ۔

وثانیًا، الثلاثۃ الآخیرون ترکوا لفظ صورۃ کالوجیز علی تلک النسخۃ وھو ان ترک صورۃ معنی، معنی ضرورۃ لما علمت ان لا کفر حقیقۃ بالاکراہ ومن الدلیل علیہ قولہ بجمع الانھر عن الاختیار، متصلا بہ، ولو سجد عند السلطان علی وجہ التحیۃ لایصیر کافرا اھ، وقول الوجیز فی مسألۃ متصلا بہ، کفر عند بعض المشائخ اھ۔

وثالثًا، ھھنا سقط شدید فی نسخۃ الخلاصۃ المطبوعۃ اذ کتب بعد قولہ المار فی نمرۃ ۱۹ وان اراد بہ التحیۃ لایکفر، قولہ و الافضل ان لایأتی بما ھو کفر صورۃ اھ فیتوھم الجاھل ان السجدۃ لیست الا خلاف الاصل وکیف سقیم ھذا مع صدر کلامہ، ھی کبیرۃ والعبادۃ الصحیحۃ التامۃ ما نقلنا ثمہ، ذکر تلک المسألۃ المستشھد بھا المذکورۃ فی سیر الفتاوی والاصل فقال اذا قیل لمسلم اسجد للملک والا قتلناک فالافضل ان لا یسجد لانہ کفر، والافضل ان لایاتی بما ھو کفر صورۃ۔۔۔۔اھ فسقط کل ھذا من نسخۃ الطبع من قولہ قال وھذا موافق الی قولہ والافضل فلیعلم۔

ورابعًا: عزا المسألۃ فی الغیاثیۃ ونصاب الاحتساب ومنح الروض عن المحیط الی واقعات الناطفی، وفیہ اختصار، بل اقتصار، وذلک لان الناطفی ذکر کمثل مایأتی فی نمرۃ ۴۵ الی ۵۵ صورتین حکم فی احداھما بان الافضل ان لایسجد لانہ کفر صورۃ وفی الاخری وھی ما اذکر ھو علی سجدۃ التحیۃ بان الافضل ان یسجد والنقلۃ الثلاثۃ حذفوا الصورۃ الاخری، فعم الحکم باطلاقہ الصورتین وانما عبارۃ الناطفی کما فی غایۃ البیان عن واقعات الامام الصدر الشھید عن المسائل عن واقعات الناطفی، ھکذا اذا قیل لمسلم اسجد للملک والا قتلناک فالافضل ان لایسجد لانہ کفر و الافضل ان لایاتی بما کفر صورۃ وان کان فی حالۃ الاکراہ، وان کان السجود سجود التحیۃ فالا فضل ان یسجد لانہ لیس بکفر، فھذا دلیل علی ان السجود بنیۃ التحیۃ اذا کان خائفا لایکون کفرا، فعلی ھذا القیاس لا یصیر من سجد عند السلطان علی وجہ التحیۃ کافرا اھ قال الاتقانی الی ھنا لفظ الواقعات۔۔۔اھ۔

اقول: فعلی ھذا التفصیل تخصیص کونہ کفرا صورۃ اذا الم یأمرہ بسجود التحیۃ ای بل امرہ بسجود العبادۃ خاصۃ۔ واطلقوا کماھو مفاد اطلاق الواقعات الصورۃ المقابلۃ لسجود التحیۃ مستند الی نزع دقیق وھو ان السجود ظاھرا لعبادۃ. فاذا اطلقوا کان الظاھر طلب الکفر فکیف اذا رضوا علی العبادۃ. فان فعل کان آتیًا بما ھو کفر صورۃ اذ لاحقیقۃ مع الاکراہ مادام قلبہ مطمئنا بالایمان فالافضل ان یصبر واذا صرحوا بطلب سجود التحیۃ ولیس بکفر لم یکن الاکراہ علی الکفر فان فعل لم یات بالکفر معنی ولا صورۃ فالافضل حفظ المھجۃ واما علی طریقۃ ھؤلاء الذین ترکوا الصورۃ الاخیرۃ، ومثلھم نص الاصل وغیرہ السبعۃ الباقین۔

فاقول: ومنزوعان الاول ان السجدۃ کفر مطلقًا لکن لا کفر حقیقۃ مع الاکراہ فانہ صورۃ کفر. فالافضل ان یأتی بما مطلقا، والثانی ان لا کفر الا سجود العبادۃ ومعلوم ان المکرہ المطمئن قبلہ بالایمان لاینویھا۔ فلا یکون کفرا حقیقۃ غیر ان السجدۃ کیف کانت ولو بنیۃ التحیۃ او بدون نیۃ انما تقع علی صورۃ کفر اذلا فرق فی الصورۃ ھھنا وبین سجود العبادۃ. فالافضل ان لایأتی بھا مطلقًا والی ھذا النزع الثانی ذھب الامام صاحب الخلاصۃ ثم البزازی اذ جعلا ھذا المسألۃ فی اصل الفتاوی مؤیدہ، الان سجود التحیۃ لیس بکفر. ھکذا ینبغی ان یفھم کلمات العلماء الکرام والحمدللہ ولی الانعام ۱۲منہ۔

ص ۲۷۴، نص ۱۰۰ فصل اول

۱۔ لفظہ فی القھستانی یکرہ الانحناء ای قریب الرکوع کالسجود اھ

اقول: لیس فی القھستانی "لفظۃ یکرہ" انما نصہ ماسمعنك ثم تاویلہ انہ تشبہ الانحناء بالسجود کما قال، المنقول عنہ. انہ کالسجود لا فی الحکم. فیکون غلطا فی الحوالۃ۔ ومخالفا لماقدمہ نفسہ قبل ھذا بثلاثۃ اسطر. ان من سجد علی وجہ یصیر آثما مرتکبا للکبیرۃ۔۔۔اھ فلیتنبہ ۱۲منہ۔

ص ۴۷۴، نص ۱۱۹ فصل اول

۱۔ وقع بعدہ فی الجمع ما نصہ وفی القھستانی یکرہ عند الطبرانی لا عند ابی یوسف۔۔۔۔۔اھ۔

کتبت علیہ اقول، رحمہ اللہ الشارح، وقع منہ سبق نظر، انما نص القھستانی، وفی المحیط انہ یکرہ الانحناء للسلطان وغیرہ انتھت المسئلۃ الی ھھنا، [ثم شرع فی مسئلۃ المتن وعناقہ فی ازار واحد فشرحہ بقولہ [و] یکرہ عند الطرفین لا عند ابی یوسف [عناقہ] الخ وقد قدر المشارح نفسہ ومتنہ قبل ھذا باسطر اذا قال [یکرہ ان ازار بلا قمیص عند الطرفین [وعند ابی یوسف لایکرہ] اھ فسبحان من لایزل ولا ینسی ۱۲ منہ]

ص ۵۰۴، نص ۱۹ فصل دوم

۱۹۔ بکر اگر مصنف سیف النقی جیسا ہے تو رجوع ناممکن "یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لایعودون" اور اگر وہی صاحب ہیں جن کے نام سے یہ تحریر شائع ہوئی تو وہ صوفی بننا چاہتے ہیں اور صوفی فورا رجوع الی الحق کرتا ہے۔ کہ وہ نفس کا بندہ نہیں ہوتا۔ عجب نہیں کہ بنگاہ انصاف اس رسالہ کو دیکھ کر اپنے قول سے توبہ اور سجدہ غیر کی تحریم شائع کریں۔ واللہ الھادی ۱۲ منہ

مسئلہ ۱۸۷: از مرآد آباد مدرسہ اہلسنت باز ار دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود صاحب بنگالی قادری برکاتی رضوی طالبعلم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

ایک شخص کو اس کے مریدین سجدہ کرتے ہیں اس سے دریافت کیا گیا کہ آپ مریدین کو سجدہ سے منع نہیں کرتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں مریدون کو منع بھی نہیں کرتا اور حکم بھی نہیں کرتا۔ ان کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ شخص بہت خطا پر ہے۔ اس پر فرض ہے کہ مریدوں کو منع کرے۔ اور مریدوں پر فرض ہے کہ اس فعل حرام سے باز آئیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۸: از پوسٹ آفس سراج گنج ضلع پابنہ مرسلہ مولوی محمد عبدالقادر صاحب مدرس اول مدرسہ جونپوری ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

فریق اول مولوی محمد سالم جونپوری فریق دوم مولوی عبدالباری نواکھالوی،

بتاریخ ۳۰ دسمبر ۱۹۱۷ء تھانہ قاضی پور مضافات سراج گنج پابنہ فریق اول وثانی کا بموجودگی مجسٹریٹ وافسر پولیس سب ڈویژن سراج گنج مباحثہ ہوا جس میں منصف مانا گیا تھا فریق اول کا یہ بیان ہے کہ سجدہ تحیت انحناء ووضع الجبہہ کے طور پر اور مثل رکوع کے ہر طرح سے کرنا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور غناء ورقص اور وجد اور تالیاں بجانا اور زور سے چلانا اور شور کرنا اور تواجد یعنی اپنے کو زبردستی وجد میں لانا جلسہ میں عوام کو مجتمع کرکے چنانچہ صوفیائے زمانہ حال کیا کرتے ہیں جس میں لوگوں کو اور بچے بوڑھے اور مریضوں کو ایذا پہنچے اور ان کی نیند میں خلل ہو بالکل ناجائز ہے اس دعوی کے دلائل اس فریق نے ذیل میں پیش کئے:

(اول) شرائع سابقہ میں سجدہ تحیت جائز تھا اور ہماری شریعت میں منسوخ ہو گیا بدلیل آیہ قرآنی:

"وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾" [1]	اور نہ تمھیں یہ حکم دے گا کہ تم فرشتوں اور انبیاء کرام کو رب بنالو اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔ (ت)

یہ آیت خاص سجدہ تحیت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کما اخرج عبدالرزاق فی تفسیرہ (جیسا کہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج فرمائی۔ت) ایسا ہی تفسیر بیضاوی و تفسیر کبیر وابوالسعود و تفسیر مدارک میں ہے۔
(دوسری) حدیث لامرت المرأۃ ان تسجد لزوجھا [1] (اگر سجدہ کسی کے لئے جائز ہوتا تو میں عورت (بیوی) کو حکم دیتا کہ شوہر کے لئے سجدہ کرے۔ت) کی ہے کیونکہ سجدہ تحیت کی ممانعت کی حدیث متواتر ہے جیسا کہ تفسیر عزیز وفتاوٰی بزازیہ میں ہے۔اور ردالمحتار میں ہے: فیہ دلیل علی نسخ الکتاب بالسنۃ [2] (اس میں یہ دلیل ہے کہ کتاب اللہ (یعنی کسی آیت قرآنی) کا نسخ حدیث پاک سے جائز اور درست ہے۔ت)
(سوم) یہ کہ ہم مقلد ہیں ہم پر اللہ صاحب کی تقلید واجب ہے اور تمام فقہاء وائمہ نے سجدہ تحیت وغنا ورقص کو حرام لکھا ہے اور اس پر امت کا اجماع بھی ہوگیا ہے اور دیگر دلائل اس پر فریق اوّل کے کتب ذیل میں ہیں نظم الدر ومؤلفہ مولانا عبدالحق مہاجر مکی، مکتوب امام ربانی فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم، فتاوٰی قاضی خاں، عالمگیری، کفایہ وعینی شرح ہدیا۔شامی، اشعۃ اللمعات، ترمذی، عینی شرح بخاری، تفسیر کبیر، جلالین، خازن، بیضاوی، سراج المنیر، کشاف، ابوالسعود، احمدی، تفسیر محی الدین ابن عربی وغیرہا اور فریق ثانی کا یہ دعوی ہے کہ تعظیم کے واسطے سجدہ تحیت کرنا اور اس میں گرنا اور جھکنا جائز ومباح ہے بشریکہ نماز کی ہیئت پر نہ ہو اور نہ پیشانی زمین پر لگائے اور باطہارت نہ ہو اور ہر طرح سے جائز ہے بلکہ بشرطیکہ اس میں ہجو مسلم وہجو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کلمات کفر یا وصف شراب ومزنیہ امر ونہر ہے اور اس میں ترغیب الی العبادۃ اور ایقاظ عن الغفلۃ ہو اور سامع صدق دل اور صدق نیت سے سنے اور قوال بھی برعایت شرائط مذکورہ گائے اور اضطراری حالت میں رقص ووجد وتواجد یعنی بہ تکلف اپنے کو وجد میں لانا سچی نیت سے محمود ہے ورنہ مذموم ہے اور غلبہ اضطرار میں تالیاں بجانا بھی جائز ہے جواز سجدہ تحیت میں اس فریق کے یہ دلائل ہیں:
(اول) آیت: "وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا" الخ [3] (اور یاد کرو جب ہم نے (بطور حکم) فرشتوں سے فرمایا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرو تو سب نے (سوائے شیطان) انھیں سجدہ کیا الخ۔ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الرضاع باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴
[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶
[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۴

(دوم) الاصل فی الاشیاء الاباحة [1] (تمام اشیاء میں اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں۔ (بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو)

(سوم) شرائع من قبلنا حجة لنا مالم یظهر لنا ناسخ فی شرعنا [2] (ہم سے پہلی شریعتوں ہمارے لئے دلیل جب تک ہماری شریعت میں ان کا کوئی ناسخ ظاہر نہ ہو۔ت)

(چہارم) حدیث رؤیا ابن خزیمہ اور ان کا رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پر سجدہ کرنا اور دیگر دلائل کتب ذیل ہے: تفسیر کبیر، ابن مسعود، تفسیر بیضاوی، واحمدی وحسینی وکشاف ومدارک وعزیزی وتفسیر کلائی عبدالکریم گجراتی جس کا ذکر فتاوٰی عزیزی میں ہے اور عالمگیری قاضی خان، مسلم الثبوت وتنقیح تلوتح وغیرہا، میں چونکہ اس میں منصف اور ثالث قرار دیا گیا تھا لہٰذا دونوں فریق کے دلائل میں بلارعایت میں نے غور کیا بیشک ملائکہ نے آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹوں نے یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کو بقول راجح سجدہ تحیت ہی کیا تھا اس وقت سجدہ تحیت جائز تھا اب منسوخ ہوگیا اور بجائے سجدہ تحیت کے اللہ تعالٰی نے ہم کو سلام عطافرمایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

"فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً" [3] الخ۔	جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو (وہاں) اپنے لوگوں کو سلامتی کی دعا دیا کرو وہ دعا جو اللہ تعالٰی کی طرف بڑی بابرکت اور پاکیزہ ہے الخ (یعنی گھروالوں کو سلام کیا کرو)۔ت)

معلوم ہوا کہ اس امت کی تحیت سلام ہے اور اس کی مؤید آیت "وَ اِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّةٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا" [4] (جب تمھیں لفظ دعا سے سلام کیا جائے تو اس سے عمدہ الفاظ سے سلام کرو یا کم از کم وہی الفاظ لوٹا دو۔ت) بھی ہے اس آیت سے تحیت کا جواب دینا فرض ہوا پس اگر تحیت سے یہاں سجدہ تحیت مراد ہو تو سامع کو بھی سجدہ تحیت جوابا کرنا فرض ہوگا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں اور آیت "وَ لَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ النَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا" [5] الخ (اور وہ تمھیں ہرگز یہ حکم نہ دے گا کہ فرشتوں اور

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثالثة ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۸۷

[2] اصول البزدوی باب شرائع من قبلنا قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۳۲، مسلم الثبوت الاصل الثانی السنة مسئلہ نحن والنبی علیہ السلام متعبدون شرائع من قبلنا مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۷

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

[5] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

نبیوں کو "رب" بنالو الخ۔ت) کی ذیل میں مفسرین جیسے تفسیر کبیر، تفسیر ابو السعود، تفسیر کشاف ومدارک وغیرہم لکھتے ہیں کہ یہ آیت سجدہ تحیت کی ممانعت میں نازل ہوئی ہے۔

کما اخرج عبدالرزاق فی تفسیرہ واخرج ابن جریر وابن ابی حاتم عن ابن جریج و عن الحسن قال بلغنی ان رجلا قال یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نسلم علیك کما یسلم بعضنا علی بعض افلا نسجدلك قال لا ولکن اکرموا نبیکم واعرفوا الحق لاھلہ فانہ لاینبغی ان یسجد لاحد من دون اللہ فانزل اللہ تعالٰی ماکان لبشر الخ[1] واخرج عبد بن حمید عن الحسن مثلہ۔	جیسا کہ عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں اس کی تخریج کی، اور ابن جریر اور ابن حاتم نے ابن جریج اور خواجہ حسن بصری سے تخریج کی، فرمایا مجھے یہ اطلاع پہنچی کہ ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ (علیک الصلٰوۃ والسلام) ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جس طرح ہم ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، ہاں البتہ اپنے نبی کی عزت وتوقیر کرو۔ اور حق کو اس کے اہل کے لئے پہچانو کیونکر کسی کے لئے یہ زیبا اور لائق نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے علاوہ کسی کو سجدہ کرے تو پھر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی ماکان لبشر الخ۔ اور عبد بن حمید نے حضرت حسن سے اسی طرح تخریج فرمائی۔ (ت)

علاوہ ازیں تمام کتب احادیث اور کتب فقہ میں اس کی ممانعت بھری پڑی ہے کما لایخفی علی اھل العلم (جیسا کہ اہل علم پر پوشیدہ نہیں۔ت) اور غنا ووجد تواجد ورقص وتالیا بجانا گوان میں بعض امور جیسے غنا ووجد بعض صوفیہ نے رکیک اور کمزور دلائل سے جواز ثابت کیا ہے مگر وہ بالکل لاشیئ ہے کیونکہ صوفیہ کے اقوال وافعال شریعت ومذہب میں حجت نہیں ہوسکتے ولنعم ماقال شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالٰی (حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالٰی کیا خوب فرمایا۔ت)

وجود صوفیہ راغنیمت داں وقول وفعل ایشاں وقعتی ندارد۔	صوفیائے کرام کے وجود کو غنیمت جانئے لیکن ان کا قول اور فعل (کتاب وسنت کے مقابلہ میں) اپنے اندر کوئی قدر وقعت نہیں رکھتا (لہٰذا حجت اور دلیل وہی ہے جو اللہ تعالٰی اور اس کا رسول فرمائیں۔ت)

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن تحت آیۃ ۳/ ۷۹ قم ایران ۲/ ۴۴، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۸/ ۱۱۷، الکشاف ۱/ ۴۴۰، مدارك التنزیل ۱/ ۱۶۶

اور تفسیر احمدی و عوارف وغیرہ میں لکھا ہے کہ جنید رحمہ اللہ تعالٰی اخر عمر میں غنا سے توبہ کرلی تھی۔ قرآن مجید میں اللہ پاک فرماتا ہے:

"وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ"[1]	اور ان میں سے جس پر تو قابو پاسکتا ہے اسے اپنی آواز کے ذریعے (راہ حق سے) پھسلادے۔ (ت)

تفسیر احمدی میں ہے:

ذکر فی الفتاوٰی العمادیة والعوارف قال مجاهد انها تدل علی حرمة التغنی وذٰلك لان قوله استفزز خطاب لابلیس علیه اللعنة ومعناه حرك من استطعت من بنی آدم بصوتك وهو صوت التغنی والمزامیر[2]۔	فتاوٰی عمادیہ اور عوارف میں ذکر کیا گیا کہ امام مجاہد نے فرمایا: آیۃ مذکورہ گانا بجانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد: "استفزز" ابلیس علیہ اللعنۃ کو خطاب ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے اولاد آدم میں سے جس پر تو طاقت پائے (اور اس پر تیرا بس چلے) اسے اپنی آواز سے حرکت میں لا، اور وہ گانے اور اس کے ساز کی آواز ہے۔ (ت)

اور تفسیر احمدی میں تحت آیت "وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ"[3] (اور لوگوں میں کوئی وہ ہے جو کھیل کود کی باتوں کا خریدار اور متلاشی رہتا ہے۔ ت) میں ہے:

انها نزلت فی نضر بن الحارث اشتری کتب الاعاجم وکان یحدث بها قریشا وقیل کان یشتری الفتیات المغنیات الخ وانما قلنا تدل علی حرمة الغناء لان الله تعالٰی قد ذم من یشتغل بهوالحدیث واوعده بعذاب مهین و	(ملا جیون رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا) آیۃ مذکورہ بالا نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی کہ جس نے اہل عجم کی کتابیں خریدیں اور قریش کو پڑھ کر سناتا اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ گانے والی لونڈیاں خریدا کرتا تھا اور یہ جو ہم نے کہا کہ آیۃ مذکورہ گانے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جو

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

[2] التفسیرات احمدیہ تحت آیۃ ۳۱/ ۶ المطبعۃ الکریمیۃ دہلی ص ۶۰۰

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

لھو الحدیث وان کان ظاھرہ عاما فی کل مایلھی عما یعنی الا انہ ذکر فی الفتاوی العمادیۃ وکذا فی العوارف وغیرہ ان ابن عباس وابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما کانا یحلفان انا قد سمعنا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان المراد بہ التغنی و یوافقہ الروایۃ الثانیۃ من النزول فیکون دلیلا علی حرمتہ[1] اھ وقال الطبری واجمع علماء الامصار علی کراھۃ الغناء والمنع منہ وانما فارق الجماعۃ۔	کھیل کی باتوں میں شغل رکھتے ہیں اور انھیں توہین آمیز عذاب سے ڈرایا، اور کھیل کی باتیں اگرچہ بظاہر عام ہیں جو ہر اس چیز کو شامل ہیں جو انسان کو فائدہ بخش کام سے غافل کردے لیکن فتاوٰی عمادیہ اور اسی طرح "عوارف" وغیرہ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اس سے گانا بجانا مراد ہے اور شان نزول کی دوسری روایت اس کی موافقت کرتی ہے لہٰذا یہ حرمت غنا پر دلیل ہے اھ۔ اور امام طبری، نے فرمایا: تمام شہروں کے علماء کرام کا گانے کی کراہت (ناپسندیدگی) اور ممانعت پر اجماع اور اتفاق ہے۔(ت)

ابراہیم بن سعد وعبداللہ عنبری جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس عمرو بن قرۃ آیا اور اس نے غناء فاحشہ کی رخصت چاہی حضرت نے اجازت نہ دی علاوہ بریں تمام فقہائے اور صوفیائے کرام نے غناو رقص وغیرہ سے منع فرمایا ہے۔ مضمرات میں ہے:

من اباح الغناء یکون فاسقا[2]۔	جو گانے بجانے کو مباح قرار دے تو وہ فاسق ہے۔(ت)

اور شیخ شہاب الدین سہروردی عوارف میں فرماتے ہیں:

سماع الغناء من الذنوب[3] الخ۔	گانا سننا گناہ ہے۔ الخ (ت)

اور چونکہ غنا و رقص وغیرہ خصوصًا اس زمانہ فتنہ وفساد میں جیسا کہ صوفی لوگ مجلس قائم کرکے کرتے ہیں عوام وجہال

---

[1] التفسیرات احمدیہ تحت آیۃ ۳۱/ ۶ المطبعۃ الکریمۃ دہلی ص۵۹۹۔۶۰۰

[2] فتاوٰی جامع الفوائد بحوالہ المضمرات کتاب الکراھیۃ فصل فی الغناء مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۲۸

[3] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

کے لئے سخت مضرت رساں و گمراہی ہے پھر اگر وجد یا رقص میں ستر عورت کھل جائے تو حاضرین جلسہ بجائے نیکی حاصل کرنے کے گنہگار ہو جائیں گے۔

یہ کل وجوہات بالا کی طرف نظر کرکے میری یہی رائے ہے کہ سجدہ وتحیت ورقص وغناووجد وتواجد بالکل حرام وناجائز ہے۔ پھر جیسا کہ آج کل کے صوفی گندم نماجو فروش جلسوں میں یا چند آدمی مل کر کرتے ہیں بالکل ناجائز ہے اور مرتکب ان امور مذکور کا گنہگار ہے۔اور جب ان کی حرمت کتاب وسنت وفقہ اواجماع امت سے ثابت ہے تو اس کے مستحل پر کفر کا خوف ہے کیونکہ ابونصر دبوسی قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے روایت کرتے ہیں:

من سمع الغناء من المغنی اورای فعلا من الحرام فحسن ذٰلك باعتقاد اوبغیر اعتقاد یصیر مرتدا فی الحال بناء علی انه ابطل فلایکون الشریعة ومن ابطل حکم الشریعة فلا یکون مؤمنا عند کل مجتهد ولایقبل الله تعالٰی طاعة واحبط الله کل حسنائه[1] الخ کمافی حاشیة جامع الفوائد۔	جس نے کسی گوّیے سے گانا سنا یا کوئی حرام فعل دیکھا اور اعتقاد یا بے اعتقاد اس کو اچھا سمجھا (اور اس کی تحسین کی) تو وہ فورا مرتد ہو جائے گا اس بناء پر کہ اس نے شرعی حکم کو باطل کیا، اورع جو شریعت کے حکم کو باطل کردے وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں ہو سکتا، اور اللہ تعالٰی اس کی کوئی طاعت قبول نہیں فرماتا اور اللہ تعالٰی اس کی ساری نیکیاں ضائع کردیتا ہے الخ۔ جیسا کہ حاشیہ جامع الفوائد میں مذکور ہے۔(ت)

بناء علیہ میرے نزدیک فریق اول کا قول نہایت صحیح اور موافق قرآن وحدیث وفقہ مذہب اہلسنت وصوفیائے کرام ہے اور فریق ثانی کا قول قرآن وحدیث وفقہ جمہور صوفیہ کے بالکل خلاف ہے اور غیر صحیح یہ لوگ سخت غلطی اور دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں ان کو ایسے امور کے ارتکاب سے اجتناب وتوبہ کرنی چاہئے اور وہ دوسروں کو ایسے فعل ناجائز سے حتی الامکان روکیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

محمد عبدالقادر عفی عنہ مدرس اول مدرسہ منیر سراج گنج ضلع پاپنہ بنگال

الجواب:

بلاشبہ ہماری شریعت مطہرہ میں غیر خدا کے لئے سجدہ تحیت حرام فرمایا، تمام کتب اس کی تحریم سے مالامال ہیں۔ شرائع من قبلنا اس وقت تک حجت ہیں کہ ہماری شریعت ممانعت نہ فرمائے اور منع کے

---

[1] حاشیہ فتاوٰی جامع الفوائد کتاب الکراھیة فصل فی الغناء مکتبہ حقانیہ کوئٹہ ص ۴۲۸

بعد اباحت سابقہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ جیسے شراب وغیرہ، اصل اشیاء میں ضرور اباحت ہے مگر بعد ممنوع شرع اباحت نہیں رہ سکتی۔

قال اللہ تعالٰی "مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ" [1]۔	اللہ تعالٰی جو کچھ تمھیں رسول گرامی عطافرمائیں اسے لے لو اور جس سے تمھیں رسول منع فرمائیں اس سے باز رہو۔(ت)

ان صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا پیشانی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سجدہ کرنا حضور کو سجدہ تحیت نہ تھا بلکہ اللہ عزوجل کو سجدہ عبادت اور پیشانی اقدس اس وقت مسجد تھی یعنی موضع سجود، انھوں نے اسی طرح خواب دیکھا تھا اس کی تصدیق کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اجازت عطافرمائی کہ پیشانی انور پر سر رکھ کر اللہ عزوجل کو سجدہ کرلیں۔ فریق ثانی نے سجدہ تحیت کو جائز کہا ہے جب پیشانی زمین کو لگائیں، ہیئت نماز پر نہ ہو، پیشانی زمین پر نہ لگے، باطہارت نہ ہو یہ صریح تناقص ہے جب پیشانی زمین کو نہ لگی سجدہ ہی نہ ہوگا اور باطھارت نی ہونے کی قید عجیب ہے معظمان دینی کو وہ کون سی تعظیم ہے جس میں محدث ہونا شرط ہے شاید مقصود یہ ہو کہ سجدہ نماز کی طرح طہارت اس میں ضروری نجانیں، طرفہ یہ کہ قدمبوسی میں بھی شرط لگائی حالانکہ معظمان دینی کی قدمبوسی بلاشبہ بحال طہارت بھی جائز ہے بلکہ یہی مستحب ہے کہ اس میں تعظیم زائد ہے، فتح القدیر میں فرمایا:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا [2]۔	جس چیز کا ادب اور تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ اچھی ہے۔(ت)

قدمبوسی سنت سے ثابت اور اس میں احادیث کثیرہ وارد، کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) انحناء یعنی جھکنا دو قسم ہے۔ مقصود و وسیلہ، اگر خود نفس انحناء سے تعظیم مقصود نہیں بلکہ دوسرے فعل سے جس کا یہ ذریعہ ہے تو اس صورت میں اس کا حکم اس فعل کا حکم ہوگا قدمبوسی جائز بلکہ مسنون ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی مباح بلکہ سنت ہے اور غیر خدا کو سجدہ تحیت حرام ہے تو اس کے لئے جھکنا بھی حرام ہے۔ دوسری قسم کہ نفس انحناء سے تعظیم مقصود ہو یہ اگر رکوع تک ہے ناجائز وگناہ ہے اور اس سے کم ہے تو حرج نہیں۔ امام عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[2] فتح القدیر باب الھدی مسائل منشورۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

القدسی حدیقہ ندیہ شرح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الانحناء البالغ حد الرکوع لایفعل لاحد کالسجود ولاباس بما نقص من حد الرکوع لمن یکرم من اھل الاسلام [1]۔	رکوع کی حد تک جھکنا کسی کے لئے نہ کیا جائے جیسے سجدہ (یعنی یہ دونوں مخلوق کے لئے روا نہیں) اور اگر رکوع کی حد سے کم جھکاؤ ہو تو پھر معزز اہل اسلام کے لئے ایسا کرنے کا کچھ حرج نہیں (ت)

وجد کو حرام کہنا عجیب بات ہے وہ حالت اضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ تحریم نہ کہ بالاجماع نہ کہ تحلیل پر خوف کفر، یہ احکام اصلا درجہ صحت نہیں رکھتے۔ واللہ یقول الحق ویھدی السبیل (اللہ تعالٰی حق بیان فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ت) یوہیں تصفیق اگر اضطراری جیساکہ فریق ثانی نے ایک بار مطلق کہہ کے دوبارہ اس کو مقید کیا تو بلاشبہ اسے بھی زیر حکم لانا جائز و حرام ٹھہرانا اسی طرح باطل ہے کہ مورد احکام افعال اختیاریہ ہیں نہ کہ اضطراریہ، ہاں اگر بالاختیار نہ ہو تو ضرور مکروہ ہے کہ نساء وفساق سے مشابہت ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

التسبیح للرجال والتصفیق للنساء [2]۔	مرد "سبحان اللہ" کہیں اور عورتیں تالی بجائیں (امام کو نماز میں آگاہ کرنے کے لئے)۔ (ت)

حضرت سیدنا محبوب الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مجلس مبارک سماع کے حاضرین کو فرماتے کہ:

کف دست بر پشت دست زنند، کف دست بر کف دست نہ زنند کہ مشابہہ لہو نگردد [3]۔	ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے ہاتھ کی پشت پر ماریں لہذا ہتھیلی کو ہتھیلی پر نہ ماریں تاکہ کھیل کے مشابہ نہ ہو۔ (ت)

رقص میں بھی دو ۲ صورتیں ہیں اگر بیخودانہ ہے تو سلطانگیر و خراج از خراب (اس لئے کہ بادشاہ کسی غیر آباد اور ویران زمین میں کسی سے ٹیکس نہیں لیتا۔ت) وہ کسی طرح زیر حکم نہیں آسکتا، اور اگر بالاختیار ہے تو

---

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ المبحث الاول المکتب النوریۃ الرضویہ ۱/ ۵۴۷

[2] صحیح البخاری کتاب التھجد باب التصفیق للنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۰، صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب تسبیح الرجل وتصفیق المرأۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۰

[3] فوائد الفوائد

پھر اس کی دو۲ صورتیں ہیں اگر تثنی و تکسر کے ساتھ ہے تو بلاشبہہ ناجائز ہے۔ تکسر لچکا تثنی توڑا یہ رقص فواحش میں ہوتے ہیں اور ان سے تشبہ حرام۔ اور اگر ان سے خالی ہے تو اہل بیعت کو مجلس عالم و محضر عوام میں اس سے احتراز ہی چاہئے، کہ ان کی نگاہوں میں ہلکا ہونے کا باعث ہے۔ اور اگر جلسہ خاص صالحین و سالکین کا ہو تو داخل تواجد ہے۔ تواجد یعنی اہل وجد کی صورت بنناء اگر معاذاللہ بطور ریا ہے تو اس کی حرمت میں شبہ نہیں کہ ریا کے لئے تو نماز بھی حرام ہے۔ اور اگر نیت صالحہ ہے تو ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں، یہاں نیت صالحہ دو ہو سکتی ہیں ایک عام یعنی تشبہ بصلحائے کرام۔

ان لم تکونوا مثلھم فتشبھوا ان التشبہ بالکرام فلاح

(اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو پھر ان سے مشابہت اختیار کرو کیونکہ شرفاء اور معزز لوگوں سے تشبہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔ت)

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	جو کسی قوم سے تشبہ کرے گا وہ انھیں میں سے ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

ان لم تبکوا فتباکوا [2]۔	رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

دوسری نیت طالبان راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہو جائے نیت صادقہ کے ساتھ بتکلف بننا بھی رفتہ رفتہ حصول حقیقت کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔ امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

التواجد المتکلف فمنہ مذموم یقصد بہ الریاء ومنہ محمود وھو التوسل الی استدعاء الاحوال الشریفۃ و اکتسابھا واجتلابھا بالحیلۃ فان للکسب مدخلا فی جلب الاحوال الشریفۃ ولذٰلک	تکلف سے "وجد" طلب طاری کرنا اسکی ایک قسم ہے تو مذموم ہے کہ جس میں دکھاوے (ریا) کا ارادہ کیا جائے اور اس کی ایک قسم محمود (اچھی) ہے کہ جس کو شریفانہ حالات کے چاہنے ان کے اکتساب اور حصول کا حیلہ سازی سے ذریعہ بنایا جائے کیونکہ انسانی کسب کو شریفانہ حالات کے حصول میں ایک

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوٰۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۹۶

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یحضرہ البکاء فی قراءۃ القراٰن ان یتباکی ویتحازن [1]۔	طرح دخل ہوتا ہے اسی لئے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے تلاوت قرآن کے وقت جس شخص کو رونا نہ آئے اسے حکم دیا کہ وہ رونے اور غمگین ہونے کی صورت بنائے۔ (ت)

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی ندیہ میں فرماتے ہیں:

لاشك ان التواجد وھو تکلف الوجد واظھارہ من غیر ان یکون لہ وجد حقیقۃ فیہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی وھو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم [2]۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ "تواجد" بناوٹ اور تکلف سے وجد لانا اور اس کا اظہار کرنا ہے بغیر اس کے کہ اسے حقیقی طور پر حالت وجد ہو، پس اس میں جو حقیقۃً اہل وجد ہیں ان سے تشبہ ہے۔ اور یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شرعا مطلوب ہے (کیا تمھیں معلوم نہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔ (ت)

فتاوٰی علامہ خیر رملی استاذ صاحب درمختار علیہما رحمۃ الغفار میں ہے:

اما الرقص ففیہ للفقھاء کلام منھم من منعہ ومنھم من لم یمنع حیث وجد لذۃ الشھوۃ وغلب علیہ الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر بن ابی طالب لما قال لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اشبھت خلقی وخلقی فی لفظ جعفر اشبہ الناس بی خلقا وخلقا فحجل ای مشی علی رجل واحدۃ	رہا رقص (ناچ) تو اس میں فقہائے کرام کا کلام (اختلاف) ہے پس بعض ائمہ نے تو اس سے منع فرمایا لیکن بعض نے اس سے منع نہیں فرمایا۔ جہاں شہوۃ کی لذت پائے اور اس پر وجد غالب ہو تو (جائز ہے) اور انھوں نے اس واقعہ سے استدلال کیا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جب حضرت بن ابی طالب سے ارشاد فرمایا: تم صورت وسیرت میں میرے مشابہ ہو۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئیں ہیں: جعفر

[1] احیاء العلوم کتاب آدب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثانی المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۹۶۔۲۹۵

[2] الحدیقہ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ الصنف التاسع تتمہ الاصناف التسعۃ المکتبہ نوریہ رضویہ ۲/ ۵۲۵

وفی روایة رقص من لذة هذا الخطاب ولم ینکر علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم رقصه وجعل ذٰلك اصلا لجواز رقص الصوفیة عند مایجدونه من لذة المواجید فی مجالس الذکر والسماع وفی التتارخانیة مایدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش وبهذا افتی البلقینی وبرهان الدین الابناسی وبمثله اجاب بعض ائمة الحنفیه والمالکیة وکل ذٰلك اذاخصلت النیة وکانوا صادقین فی الوجد مغلوبین فی القیام والحرکة عند شدة الهیام والشیئ قدیتصف تارة بالحلال وتارة بالحرام باختلاف القصد والمرام وبتقریر جمیع ماقالوه یطول الکلام [1]۔	سب لوگوں سے صورت وسیرت میں میرے ساتھ سب سے زیادہ مشابہ ہے (یہ سن کر) حضرت جعفر ایک پاؤں پر چلے یعنی رقص کیا۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت جعفر اس خطاب کی لذت اور سرور سے ناچنے لگے، اس کے باوجود حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان کے رقص کرنے پر انکار نہیں فرمایا۔ پس اس کو صوفیائے کرام نے رقص کرنے کے جواز پر دلیل ٹھہرایا گیا ہے جبکہ مجالس ذکر اور سماع میں صوفیائے کرام وجد کی لذت محسوس کریں۔ فتاوٰی تتارخانیہ میں کچھ ایسا کلام ہے جو اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے ان مغلوب الحال لوگوں کے لئے کہ جن کی حرکات رعشہ والے مریض کی حرکات جیسی ہوں (رعشہ ایک مرض ہے جس میں غیر اختیاری طور پر ہاتھ کانپتے رہتے ہیں) چنانچہ علامہ عینی اور برہان الدین ابناسی نے یہی فتوٰی دیا ہے اور بعض حنفی اور مالکی ائمہ کرام نے اسی کے مطابق فتوٰی دیا ہے۔ یہ سب کچھ جائز ہے بشرطیکہ ایسا کرنے والوں کی نیت خالص ہو اور حالت وجد میں سچے ہوں اور قیام وحرکت شدت حیرت اور وارفتگی کی وجہ سے مغلوب ہوں (اور نیم دیوانہ ہو) اور حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی چیز ارادے اور مقصد کے اعتبار سے کبھی حلال اور کبھی حرام سے متصف ہوسکتی ہے اور جو کچھ (اس باب میں) اہل علم نے ارشاد فرمایا اس سب کی تقریر باعث طول کلام ہے۔ (ت)

نہایہ ابن اثیرہ مجمع البحار میں ہے:

قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لزید انت مولٰینافحجل	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت زید سے ارشاد فرمایا: تم ہمارے "مولٰی" ہو۔

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الکراهیة والاستحسان دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۸۲

الحجل ان یرفع رجلا ویقفز علی الاخرٰی من الفرح زادف النهایة وقد یکون بالرجلین الا انه قفز [1]۔	توحضرت زید خوشی اور مسرت، سے ناچنے لگے اس طور پر کہ ایک پاؤں اٹھاتے اور دوسرے پا ناچتے اور نہایہ (ابن اثیر) میں اتنا زیادہ ہے کبھی یہ دوپاؤں سے ہوتا ہے مگر یہ وہ کودے۔ (ت)

چلانا بھی اگر بے اختیاری سے ہو تو مثل وجد کسی طرح زید حکم نہیں آسکتا، اور اگر ریا سے ہے تو نماز بھی حرام ہے۔ اور اگر کوئی نیت فاسدہ نہیں مگر وہاں کسی مریض یا نائم کو تکلیف یا نمازی یا ذاکر یا مشتغل علم کی تشویش ہو تو ممنوع ہے امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں ہے وقت نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرنے والوں کو جہر قرآن سے منع فرمایا اور اگر تمام مفاسد سے پاک ہو تو کوئی حرج نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی منہوات شفاء العلیل میں نور العین فی اصلاح جامع الفصولین علامہ ابن کمال وزیر کا فتوٰی نقل فرماتے ہیں:

مافی التواجد ان حققت من حرج ولا التمایل ان اخلصت من بأس فقمت تسعی علی رجل وحق لمن دعاوہ لاہ ان یسعی علی الرأس الرخصة فیما ذکر من الاوضاع عند الذکر والسماع للعارفین الصارفین اوقاتهم الی احسن الاعمال السالکین المالکین لضبط انفسهم عن قبائح الاحوال فهم لا یستمعون الامن الاله ولایشتاقون الله ان ذکروہ ناحوا وان وجدوہ صاحوا اذا وجد علیهم الوجد فمنهم من طرقته طوارق الهیبة	وجد کی صورت اختیار کرنے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ محقق اور ثابت ہوجائے، جھومنے اور لڑکھڑانے میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ خالص ہو، اگر تو ایک پاؤں پر دوڑے اور ناچ کرے تو یہ اس کے لئے حق ہے کہ جس کو اپنا مولٰی بلائے کہ وہ اپنے سر کے بل دوڑ لگائے۔ اور جن اوضاع (انواع اقسام) میں یہ ذکر کیا گیا کہ ذکر اور سماع کے وقت ان کی اجازت (رخصت) سے وہ ان خداشناس لوگوں کے لئے ہے جو اپنے اوقات کو اچھے کاموں میں صرف کرتے ہیں اور راہ خداوندی پر چلنے والے ہیں مذموم حالات سے اپنے نفس کو قابو رکھنے کی دسترس رکھتے ہیں (یعنی بری حرکات سے انھیں روک سکتے ہیں) پھر وہ

[1] النهایة لابن لاثیر باب الحاء مع الجیم تحت لفظ "حجل" المکتبة الاسلامیة ۱/ ۳۴۶

فخروذاب ومنهم برقت له بوارق اللطف فتحرك وطاب هذا ماعن لی فی الجواب [1] والله تعالٰی اعلم بالصواب۔	اللہ تعالٰی کے سواکچھ نہیں سنتے،اور وہ صرف اس کا اشتیاق رکھتے ہیں اگراس کا ذکر کریں تو یہ آہ وزاری کرتے ہیں اور اگر اسے پائیں تو چیخیں چلائیں جبکہ ان پر وجد طاری ہوجائے پھر ان میں کوئی وہ ہے کہ جس کو مصائب ہیبت دستک دیں تو وہ گر کر پگھل جائے،اور کوئی وہ ہے کہ جس کے لیے لطف وکرم کی بجلیاں چمکیں تو وہ متحرک ہوکر خوش وخرم ہوجائے اس جواب میں مجھ پر یہی کچھ ظاہر ہوا،اور راہ صواب کو سب سے زیادہ اللہ تعالٰی ہی جانتاہے۔ (ت)

غنا اگر منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو مثلاً مزامیر کو حرام ہیں یا عورت کا گانا کہ باعث ہیجان فتنہ ہے یونہی محل فتنہ امرد کا گانا، یا جو کچھ گایا جائے اس کا امور مخالف شرع پر مشتمل ہونا یا ایسے امور پر خیالات کاسدہ وشہوات فاسدہ کے باعث ہوں خصوصاً مجمع عوام میں بلاشبہ ممنوع ہے اور تمام مفاسد سے خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں کما حققناہ فی اجل التحبیر (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ اجل التحبیر میں اس کی تحقیق کردی۔ت)

غنا کا غالب اطلاق انھیں میہجات شہوات باطلہ پر آتا ہے کما نبہ علیه فی ارشاد الساری (جیسا کہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس پر آگاہ کیا گیا ہے۔ت) احادیث واقوال مذمت اسی پر محمول ہیں ورنہ اذکار حسنہ اصوات حسنہ والحانات حسنہ سننے کی کوئی ممانعت نہیں بلکہ اس میں احادیث وارد،اور اب وہ لہو نہیں نہ وہ شیطانی آواز ہے تو آیہ کریمہ "وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ" [2] (اس میں سے جس پر تو قابو پائے (اور تیرا بس چلے) انھیں اپنی آواز سے پھسلا دے۔ت) اس پر صادق نہیں حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو آخر عمر شریف سماع سننا ترک فرمایا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ اب کوئی گانے والا اہل نہ ملتا تھا۔عوارف شریف میں ہے:

قیل ان الجنید ترك السماع فقیل له کنت تستمع فقال مع من قیل له تسمع لنفسك فقال ممن لانهم کانوا لا یسمعون الامن اهل	کہا گیا کہ حضرت جنید بغدادی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سماع چھوڑ دیا تھا ان سے عرض کی گئی آپ سماع پر کاربند تھے (پھر کیوں ترک کردیا؟) آپ نے ارشاد فرمایا: کن لوگوں کے ساتھ ہو کر سنتا

[1] رسائل ابن عابدین رسالہ شفاء العلیل وبل الغلیل الخ سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۲

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

مع اھل فلما فقد الاخوان ترك [1]۔	تھا (مراد یہ کہ وہ اہل تھے) پھر ان سے کہا گیا اپنی ذات کے لئے سنا کریں۔ فرمایا: کس سے سنوں، کیونکہ وہ سماع صرف اہل اسے اور اہل کی معیت میں ہو کر سنا کرتے تھے، پھر جب ایسے احباب نایاب اور ناپید ہوگئے تو سماع چھوڑ دیا۔ (ت)

حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ، نے عوارف شریف میں پہلے ایک باب قبول وپسند سماع میں تحریر فرمایا اور اس میں بہت احادیث وارشادات ذکر فرمائے۔ اور فرمایا:

وقد ذکر الشیخ ابو طالب المکی رحمہ اللہ تعالٰی ما یدل علی تجویزہ ونقل عن کثیر من السلف صحابی وتابعی وغیرھم وقول الشیخ ابی طالب المکی یعتبر لو فورعلمہ وکمال حالہ وعلمہ باحوال السلف ومکان ورعہ وتقواہ وتحریر الاصواب والاول وقال فی السماع حلال وحرام وشبہ فمن سمعہ بنفس مشاھدۃ شھوۃ وھوی فھو حرام ومن سمعہ بمعقولہ علی صفۃ مباح من جاریۃ اوزوجۃ کان شبھۃ لدخول اللھو فیہ ومن سمعہ بقلب یشاھد معانی تدل علی الدلیل ویشدہ طرقات الجلیل فھو مباح وھذا قول الشیخ ابی الطالب المکی وھو الصحیح [2]۔	بیشک شیخ ابوطالب مکی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے کچھ ایسے دلائل وشواہد بیان فرمائے جو سماع کے جواز پر دلالت کرتے ہیں اور بہت سے اسلاف، صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ان کے علاوہ دوسرے اکابرین سے نقل فرمایا، اور شیخ ابوطالب مکی علیہ الرحمۃ کا قول معتبر اور مستند ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ کثیر علم سے معمور ہیں، حال میں صاحب کمالیں۔ اور اسلاف کے حلات کو بخوبی جانتے ہیں۔ اور تقوی وورع میں ان کا ایک خاص مقام ہے۔ اور زیادہ صواب اور زیادہ بہتر امور میں گہری سوچ اور فکر کامل رکھتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: سماع میں حلال، حرام اور شبہ کی اقسام ہیں، لہٰذا جس نے نفس مشاہدہ شہوت اور خواہش کے پیش نظر سماع سنا تو یہ حرام ہے۔ اور جس نے معقولیت کے پیش نظر مباح طریقے سے لونڈی یا اہلیہ سے استفادہ سماع کیا تو اس صورت میں شبہہ پیدا ہوگیا کیونکہ اس میں کھیل داخل ہوگیا۔ اور جس شخص نے ایسے نفیس دل کے ساتھ سماع سنا جو ایسے معانی کا مشاہدہ کررہا تھا جو دلیل کی راہنمائی کرتے ہیں۔

[1] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعہ المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

[2] عوارف المعارف الباب الثانی والعشرون مطبعہ المشھد الحسینی قاہرہ ص ۱۰۹

اور اس کے لئے رب جلیل کے راستے گواہ ہوں۔ لہٰذا یہ سماع مباح ہے۔ شیخ ابوطالب مکی کا یہ ارشاد ہے اور یہی صحیح ہے۔ (ت)
تو وہ کیونکر مطلقاً غنا کو ذنوب سے شمار فرماسکتے ہیں اس کے بعد انھوں نے دوسرا باب انکار سماع میں وضع فرمایا اور یہاں اس سماع پر کلام فرمایا شہوات نفسانیہ پر مشتمل اس میں یہ قول تحریر فرمایا ہے عبارت ملخصاً یہ ہے:

وقد ذکر ناوجه صحة السماع ومایلیق منه باهل الصدق وحیث کثرت الفتنة وزالت العصمة وتصدی للحرص علیه اقوام فسدت احوالهم واکثروا الاجماع للسماع وربما یتخذ للاجتماع طعام تطلب النفوس الاجتماع لذٰلك لارغبة للقلوب فی السماع کما کان من سیر الصادقین فیصیر السماع معلولا ترکن الیه النفوس للشهوات واستحلاء لمواطن اللهو والغفلات وتکون الرغبة فی الاجتماع طلبا لتناول الشهوة و استرواحا لاولی الطرب واللهو والعشرة ولایخفی ان هذا الاجتماع مردود عند اهل الصدق الی ان قال و سماع الغنا من الذنوب[1]۔	بلاشبہہ صحت سماع کی وجہ ہم نے بیان کردی اور وہ کوائف بھی ذکر فرمادئے جوار باب صدق وصفا کے لائق اور موزوں ہیں، جہاں فتنہ بکثرت پھیل جائے عصمت زائل اور ختم ہو جائے اور کچھ لوگ بربنائے حرص اس کے درپے ہوں جن کے حالات بگڑے ہوئے اور خراب ہوں اور وہ سماع کے لئے زیادہ تر اجتماعات کا پروگرام بنائیں اور کبھی اجتماع کو بارونق اور موثر بنانے کے لئے دکھانے کا اہتمام کیا جائے کہ لوگ صرف کھانے کے شوق میں ایسے اجتماع کو تلاش کریں اس لئے نہیں کہ دلوں کو سماع کی طرف رغبت اور چاہت ہے کہ جیسے سچے عاشقوں کی سیرت ہوا کرتی ہے۔ لہٰذا سماع (اصل غرض و غایت کا) بظاہر سبب بن گیا کہ نفوس اس کی طرف طلب شہوات کے لئے مائل ہوگئے اور اس لئے کہ انھیں مقامات لہو (کھیل وتفریح) اور انواع غفلت کی مٹھاس دستیاب ہو جائے۔ لہٰذا مجالس سماع کی طرف رغبت محض طلب شہرت کے لئے ہوگی۔ اور اس لئے کہ عیش وعشرت اور کھیل تماشوں میں دلچسپی رکھنے والوں کو حسب منشاء آرام وراحت حاصل ہو جائے اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایسا اجتماع اہل صدق کے نزدیک مردود ہے یہاں تک کہ یہ فرمایا کہ گانا سننا گناہوں میں شمار ہے۔ (ت)

[1] عوارف المعارف الباب الثالث والعشرون مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ص ۱۱۴

صوفیہ کرام کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا قول وفعل معاذاللہ کچھ وقعت نہیں رکھتا بہت سخت بات ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ"[1]	جو میری جھکے ان کی راہ کی پیروی کر۔

صوفیہ کرام سے زیادہ اللہ کی طرف جھکنے والا کون ہوگا، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

انما یتمسك بافعال اهل الدین[2]۔	دینداروں کے افعال سے سند لائی جاتی ہے۔

صوفیہ کرام سے بڑھ کر اور کون دیندار ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس سرہ، کی عارف سے سند لائی جائز نہ ہونا چاہئے کہ وہ بھی صوفی تھے یونہی حضرت سید الطائفہ جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ترک سے جس کا قول وفعل حجت نہیں اس کا ترک کیا حجت ہوسکتا ہے کہ ترک بھی فعل ہی ٹھہر کر قابل تمسک ہوتا ہے نہ کہ بمعنٰی عدم کہ نہ متعدو رنہ اس میں اتباع منقول کما نص علیه فی غمز العیون والبصائر (جیسا کہ غمز العیون والبصائر میں اس پر نص ہے۔ت) اور شاہ ولی اللہ صاحب کب اپنے آپ کو صوفیہ سے خارج کرسکتے ہیں تو ان کا قول وفعل سب سے بڑھ کر بے وقعت ہونا چاہئے محل ادب میں ایسا ارسال لسان خصوصا پیش عوام غنا کے مفاسد سے سخت تر مفسدہ ہے اس کا جواز تو مختلف فیہ ہے اس کا عدم جواز متفق علیہ ہے بالجملہ فریق ثانی کے اکثر احکام صحیح ہیں اس کی بڑی فاحش غلطی سجدہ تحیت کی تحلیل ہے صحیح یہی ہے کہ سجدہ تحیت حرام ہے یہی مسئلہ ان سب میں بڑا ہے عند التحقیق یہ بھی اس حد تک نہیں کہ قائل خلاف پر اندیشہ کفر ہو۔

کیف وقد به سلطان الاولیاء سیدنا نظام الحق و الدین رضی اللہ تعالٰی عنه واستدل بانه کان واجبا للامر ثم نسخ الوجوب فبقی الندب۔	یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ سلطان الاولیاء سیدنا نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں فرمایا اور اس بات پر استدلال کیا کہ سجدہ صیغہ امر کی وجہ سے پہلے واجب تھا پھر وجوب منسوخ ہوگیا تو استحباب باقی رہ گیا۔(ت)

اسی تحریم میں ہماری سند تصریح فقہائے کرام ہے اور اسی قدر ہمیں بس ہے ہم مقلد ہیں دلیل مجتہد کے پاس ہے آیات سے اس پر استدلال کسی طرح تام نہیں، کریمہ "وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ"[3]۔ (جب تمہیں سلام

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۸۶

کیا جائے۔ت) میں سلام مراد ہے نہ کہ ہر تحیت تحیتیں کثیر ہیں۔ سلام، مصافحہ، معانقہ، قلیل انحناء دست بوسی، قدمبوسی، قیام، انحناتاحد رکوع، سجدہ تحیت سلام سے سجود تک سب تحیت ہی ہیں اور اخیرین کے سواسب جائز بلکہ انحناء کے سواسب حدیث وسنت سے ثابت ہے۔ کیا کوئی عاقل کہہ سکتا ہے کہ اگر بیٹا چومے تو باپ پر بھی فرض ہے کہ اس کے قدم چومے کیونکہ اس نے تحیت کا معاوضہ فرض ہے یہ محض باطل ہے۔ ولہذا کتابوں میں وجوب جواب صرف سلام کے لئے فرمایا ہے۔ کریمہ "اَیَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾"[1] (کیا وہ تمھیں کفر کرنے کا حکم دے گا جبکہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔ت) خود شاہد عدل ہے کہ وہ درباره سجدہ عبادت ہے سجدہ تحیت کو کون کفر کہہ سکتا ہے کفر ہوتا تو اگلی شریعتوں میں کیونکر جائز ہو سکتا کیا کوئی شریعت جواز کفر بھی لاسکتی ہے کفر ہوتا تو رب عزوجل ملائکہ کو اس کا حکم کیونکہ فرماتا کیا رب عزوجل کبھی کفر کا بھی حکم فرماتا ہے تو سجدہ تحیت قطعاً کفر نہیں اور یہ آیت فرمارہی کہ اس چیز کا ذکر ہے جو قطعاً کفر ہے تو اگر درباره سجود نازل ہے تو یقیناً درباره سجدہ عبادت ہی نازل ہے۔ کبیرہ وابوالسعود وکشاف ومدارک جن کا حوالہ دیا گیا ان میں کہیں اس کی تصریح نہیں کہہ یہ سجدہ تحیت کے بارے میں اتری۔ یہاں تفسیر ماثور دو۲ ہیں:

ایک امام ائمہ المفسرین ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جسے ابن ابی حاتم وابن جریر وابن المنذر اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا کہ ابورافع قرظی یہودی اور سی رئیس نصرانی نجراتی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا حضور یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور کی عبادت کریں جیسے نصارٰی نے عیسٰی کو پوجا، فرمایا معاذاللہ غیر خدا کی عبادت نہیں ہو سکتی، نہ مجھے اس کا حکم ہوا نہ میں اس لئے بھیجا گیا[2] **او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (یا جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ت)

دوسری ۲ تفسیر کہ حسن بصری سے مرسلاً ہے وقد قال المحدثون ان مراسیل الحسن عندھم شبه الریح (جبکہ محدثین حضرات نے ارشاد فرمایا حضرت حسن کی مرسل حدیثیں ان کے نزدیک ہوا کے مشابہ ہیں یعنی درجہ اعتبار سے ساقط ہیں۔ت) ایک شخص نے عرض کی ہم حضور کو ایسے ہی سلام کرتے ہیں جیسے آپس میں ایک دوسرے کو کیا ہم حضور کو سجدہ نہ کریں۔ اس پر انکار فرمایا اور یہ آیت[3] اتری۔

تفسیر **اول** کہ ہر طرح اصح واقوی ہے اس پر تو **مطلع صاف** ہے یہودی ونصرانی نے عبادت ہی کو پوچھا تھا جس پر یہ جواب ارشاد ہوا اور اسی تفسیر پر رب عزوجل کا روئے سخن اپنے مسلمان بندوں کی طرف

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۰

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم والبیہقی فی الدلائل تحت آیۃ ۳/ ۸۰ ۲/ ۴۱

[3] الدرلمنثور بحوالہ عبد بن حمید عن الحسن مکتبہ آیۃ اللہ الاعظمی قم ایران ۲/ ۴۶ و ۴۷

رکھنا خبیث سائلوں کی تفسیر اور ان کے حال کی تقبیح ہے کہ یہ حمیر قابل جواب نہیں، اے میرے مسلمان بندو! تم خیال کرو کہ یہ اگر ایسا چاہتے تو تم سے فرماتے کہ تم اپنے غلامان فرمانبردار، پھر کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ تمھیں اسلام کے بعد کفر کا حکم دیتے، **معاذاللہ**، اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ بوجہ خطاب یہ گمان کہ سائل مسلمان تھے جیسا کہ اس معتزلی کی کشاف میں گزرا اور بعض بعد والوں نے اتباع کیا باطل ہے۔ اور اس کی تفسیر صحیح کے خلاف جو سلطان المفسرین صحابی وابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی، دوم مرسل موقطوع اگر ثابت ہو جائے تو اس میں رجلا ہے یعنی ایک شخص نے عرض کی، ضرر یہ کوئی اعرابی بادیہ نشیں کفر کا حکم دیں گے اور ایسے بعض اشخاص سے ایسے سوال کا اصدور مستبعد نہیں بلکہ ہو نا ہی چاہئے تھا۔ رب عزوجل فرماتا ہے: "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ "[1] (ضرور تم زینہ بہ زینہ (بتدریج) چڑھتے جاؤگے۔ت) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگلوں میں کوئی ایسا ہو گزرا ہو جس نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کیا ہو تو ضرور تم میں بھی کوئی ایسا ہوگا "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ "[2] سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ان کے متعدد اصحاب نے سوال کیا "يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ "[3] (اے موسٰی! ہمیں بھی ایک خدا بنادے جیسے ان کے بہت سے خدا ہیں فرمایا بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾ [4] بلکہ تم نرے جاہل ہو۔ تو یہاں بھی اگر کسی بادیہ نشین نو مسلم جاہل ناواقف نے اپنی نادانی سے ایسی درخواست کی کیا بعید ہے اور اسی قرب عہد کے سبب ہدایت فرمادی گئی تکفیر نہ ہوئی جیسے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے **تجھلون** (تم نرے نادان لوگ ہو۔ت) فرمایا نہ کہ **تکفرون** (تم کفر کررہے ہو۔ت) جس طرح ایک جوان حاضر خدمت اقدس ہوا اور آکر بے دھڑک عرض کی یارسول اللہ! میرے لئے زنا حلال کردیجئے۔ نبی سے براہ راست یہ درخواست کس حد کس حد تک پہنچتی ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس کو قتل کرنا چاہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا اور اسے قریب بلایا یہاں تک کہ اس کے زانو زانوئے اقدس سے مل گئے پھر فرمایا: کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص تیری ماں سے زنا کرے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: تیری بہن سے؟

---

[1] القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۸۴/ ۱۹

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۳۸

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۵۵

عرض کی: نہ فرمایا: تیری بیٹی سے؟ عرض کی، نہ۔ فرمایا: تیری پھوپی سے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: تیری خالہ سے؟ عرض کی: نہ۔ فرمایا: تو جس سے زنا کرے گا وہ بھی تو کسی کی ماں بہن بیٹی پھوپھی خالہ ہوگی، جب اپنے لئے پسند نہیں کرتا اوروں کے لئے کیوں پسند کرتا ہے۔ پھر دست اقدس اس کے سینہ پر ملا اور دعا کی: الٰہی! اس کے دل سے زنا کی محبت نکال دے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں اس وقت سے زنا سے زیادہ کوئی چیز مجھے دشمن نہ تھی۔ پھر صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا کہ اس وقت اگر تم اسے قتل کردیتے تو جہنم میں جاتا میری تمھاری مثل ایسی ہے جیسے کسی کا ناقہ بھاگ گیا لوگ اسے پکڑنے کو اسے کے پیچھے دوڑتے ہیں وہ بھڑکتا اور زیادہ بھاگتا ہے اس کے مالک نے کہا تم رہنے دو تمھیں اس کی ترکیب نہیں آتی پھر گھاس کا ایک مٹھا ہاتھ میں لیا اور اسے دکھایا اور چمکارتا ہوا اس کے پاس گیا یہاں تک کہ بٹھا کر اس پر سوار ہوگیا۔ **او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (یا جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۹: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کسی شیئ متبرک کو تعظیما چومنے یا تعظیما اپنے پیر ومرشد اور استاد والدین اور پیرزادہ اور سادات کرام اور علمائے عظام کے ہاتھ اور پاؤں چومنے اور ان لوگوں کو دیکھ کر تعظیما اٹھنے سے کفر وشرکت لازم آتا ہے یا یہ امر جائز ومستحسن ہے اور احادیث شریفہ وفقہ سے ثابت ہے یا نہیں یا یہ کہ لوگوں نے ان کو بدعۃ مثل اور بدرسموں کے ایجاد کیا ہے؟

الجواب:

اشیاء معظّمہ کو تعظیما بوسہ دینا جائز ہے جبکہ کسی حرج شرعی پر مشتمل نہ ہو۔

وقد ثبت عن ابی ایوب الانصاری کما فی مسند الامام احمد وعن عبداللہ بن عمر کما فی الشفاء للامام قاضی عیاض رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	چنانچہ حضرت ابوایوب انصاری سے یہ ثابت ہے جیسا کہ مسند امام احمد میں مذکور ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے جیسا کہ "الشفاء" قاضی عیاض میں موجود ہے۔ اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

اور معظمانِ دینی کے ہاتھ پاؤں چومنا بھی احادیث کثیرہ سے ثابت ہے یونہی انھیں دیکھ کر قیام مگر ہاتھ باندھے

کھڑے رہنانہ چاہئے اور اگر کوئی معظم اس کی خواہش کرے اس کی یہ خواہش حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاما فلیتبوأ مقعدہ من النار[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو کوئی اس بات سے خوش اورع مسرور ہو کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہیں تو اس کو اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۰: از ڈاکخانہ راموچکماء کول ضلع چٹاگانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ مفیض الرحمٰن صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

قرآن مجید کو بعد تلاوت ماتھے پر رکھنا بہ نیت تعظیم کیسا ہے؟

الجواب:

مصحف شریف کو تعظیما سر اور آنکھوں اور سینے سے لگانا اور بوسہ دینا جائز و مستحب ہے کہ وہ اعظم شعائر سے ہے اور تعظیم شعائر تقوی القلوب سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: از کوٹلی لوہاران مغربی ضلع سیالکوٹ مرسلہ ابوالیاس محمد امام الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورتوں کے ساتھ السلام علیکم کا کیا حکم ہے کہنا چاہئے یا نہ؟ اگر کہنا چاہئے تو بوڑھی جوان کا فرق ہے یا نہیں؟ اور اپنے بیگانے کی تمیز ہوگی یا نہیں؟ اور عورتیں آپس میں کن الفاظ سے سلام کیا کریں اور مرد عورتوں سے کن الفاظ سے کہا کریں؟

الجواب:

محارم وازواج پر سلام مطلقاً ہے اور اجنبیات میں جوانوں کو سلام نہ کیا جائے بوڑھیوں کو کیا جائے بلکہ جوانیں اگر سلام نہ کریں تو جواب دل میں دیا جائے انھیں نہ سنائے حالانکہ جواب دینا واجب ہے اور لفظ سلام کا مرد و عورت کا باہم اور ایک دوسرے کے ساتھ مطلقاً السلام علیکم ہے اور سلام بھی کافی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از رام پور مسئولہ محمد سعید

بعد نماز فجر اور عصر مصلحین باہم مصافحہ بالخصوص اور ضروری جان کر کرنا عندالحنفیہ سنت ہے یا مستحب یا مکروہ؟

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

الجواب:

فجر وعصر کے بعد مصافحہ جائز ہے۔ اصل میں سنت ہے اور تخصیص مباح، کما ذکرہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی فی شرح المؤطا والامام النووی فی الاذکار وغیرھما (جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے شرح مؤطا میں اور امام نووی نے اذکار میں اور ان دو کے علاوہ باقیوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے۔ت) اور ضروری عرفی جاننے میں حرج نہیں اور ضروری شرعی خود نفس مصافحہ بھی نہیں حالانکہ سنت ہے نہ اسے کوئی غرض وہ واجب شرعی کہتا ہے، نسیم الریاض میں ہے:

الاصح انہا بدعۃ مباحۃ[1]۔	زیادہ صحیح یہ ہے کہ مصافحہ کرنا ایک جائز بدعت ہے۔(ت)

تمام تفصیل ہمارے رسالہ وشاح الجید ف میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رمضان علی صاحب بنگالی ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کچھ لوگ ایک مسجد میں سنتیں پڑھ رہے ہیں کچھ لوگ تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں اور کچھ تلاوت کلام اللہ شریف کر رہے ہیں اور کچھ لوگ یونہی بیٹھے ہوئے ہیں تو ایسی حالت میں انھیں سلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر کچھ لوگ خالی بیٹھے ہوں ان کو سلام کر سکتا ہے اور جو لوگ نماز یا تلاوت یا ذکر میں ہیں ان کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۴: از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف میں محلّہ دودہان مرسلہ جناب شیخ محمد عمر صاحب ۲۱رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے پیر کو سجدہ تعظیمی کیا کرتا ہے اور جب اس کو منع کیا جاتا ہے کہ تعظیمی سجدہ سوائے خدا کے کسی کو درست نہیں خواہ پیغمبر ہو یا پیر، تو زید مذکور پیر کو سجدہ تعظیمی کرنے کی نفی میں قرآن مجید واحادیث نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت طلب کرتا ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ تعظیمی سجدہ جو اپنے پیر یا استاد کو کیا جاتا ہے از روئے شرع شریف جائز ہے یا حرام؟ اور پیر کو تعظیمی سجدہ کرنے والا مومن ہے یا مشرک۔ فقط۔ بینوا توجروا۔

---

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض الباب الثانی دارلکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳

ف: رسالہ وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید فتاوٰی رضویہ جلد ہشتم مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور میں مرقوم ہے۔

الجواب:

غیر خدا کو سجدہ عبادت شرک ہے سجدہ تعظیمی شرک نہیں مگر حرام ہے گناہ کبیرہ ہے متواتر حدیثیں اور متواتر نصوص فقہیہ سے اس کی حرمت ثابت ہے۔ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحریم پر چالیس حدیثیں روایت کیں اور نصوص فقہیہ کی گنتی نہیں، فتاوٰی عزیزیہ میں ہے کہ اس کی حرمت پر اجماع امت ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۵: از امؤپور میواڑ راجپوتانہ مہارانا اسکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۱۲رمضان ۱۳۳۸ھ

دس آدمی جاہل بیٹھے ہوئے ہوں اور عالم مولوی ان کے پاس آئے تو وہ سلام کریں یا یہ انھیں، پہلے کون کرے؟

الجواب:

آنے والے کو پہلے سلام کرنا چاہئے،اور انکا جاہل ہونا ابتداء السلام کے مانع نہیں جبکہ فاسق نہ ہوں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۶: از دہلی مدرسہ نعمانیہ محلّہ بلی ماراں مرسلہ مولوی عبدالرشید صاحب مہتمم ۵ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین والدین واستاد وعلماء کے ہاتھ پاؤں چومنا زید حرام کہتا ہے۔

جواب: از مولوی عمادالدین صاحب سنبھلی مدرس اول مدرسہ نعمانیہ

بالاتفاق جائز ودرست ہے منصف کے لئے اس قدر کافی ہے معاند منکر کا علاج نہیں۔

قاضی خان، عالمگیری، عینی شرح ہدایہ، درمختار، ردالمحتار، ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف، بوداؤد، اشعۃ اللمعات سے اس کا جواز بلکہ امر ممدوح ہونا ثابت ہوگیا۔ لہٰذا بدتر از بول زید پر کید کا قول باطل ہوا کہ وہ اپنے گھر سے نئی شریعت گھڑتا ہے الخ

تصدیقات کثیرہ: دہلی واجمیر شریف ولاہور والہ اباد وغیرہا

تحریر کفایت اللہ مدرسہ امینیہ:

کسی بزرگ مثلاً والد یا پیر یا عالم کے ہاتھ پاؤں چومنا فی حد ذاتہ مباح ہے اور اس کی اباحت احادیث وروایات فقہیہ سے ثابت ہے جیسا کہ جوابات مذکورہ بالا میں علماء کرام نے مفصل ومدلل بیان فرمادیا ہے البتہ ذرا یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ بہت سے عوام بحیلہ پابوسی پیروں کو سجدہ کرنے لگتے ہیں اور سجدے کی تاویل میں پابوسی کے جواز کو حیلہ بنالیتے ہیں تو اگر کسی ایسی خاص صورت میں کوئی عالم کسی خاص شخص کو پابوسی سے منع کردے تو درحقیقت وہ ممانعت پابوسی کی نہیں بلکہ سجدے کی ہوگی اور صحیح ہوگی اور عوام سے

اس بارے میں اس قدر غلو کرلینا مستبعد نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم، محمد کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی

الجواب (تحریر دارالافتاء)

مولٰنا مولوی عمادالدین صاحب سلمہ کا جواب بہت صحیح ہے، والدین کے ہاتھ پاؤں چومنا جائز ہے۔ اور علماء وصلحاء ورثہ سید الانبیاء علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والثناء کی دست بوسی وقدمبوسی سنت مستحبہ ہے۔

کما فصلناہ فی فتاوٰنا بما لامزید علیہ واکثرنا من الاحادیث الناصبۃ بہ والداعیۃ الیہ وفی ماذکر المجیب کفایۃ واللہ ولی الھدایۃ.	جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس مسئلے کو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا کہ جس پر اضافہ نہیں ہوسکتا اور اس بارے میں ہم بکثرت ایسی حدیثیں لائے جو اس مسئلہ پر قائم اور باعث تھیں۔ اور جو کچھ فاضل مجیب نے (سوال مذکور کے) جواب میں ذکر فرمایا وہ راہنمائی کے لئے کافی ہے۔ اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے کامالک اور ذمہ دار ہے۔ (ت)

اور اس میں انکار کی شق وہی نکالتے ہیں جو تعظیم محبوبات ومقبولان خدا سے منکر ہیں قدمبوسی کو سجدہ سے کیا تعلق۔ قدم بوسی سر بر پانہادن (پاؤں سر پر رکھنا۔ ت) اور سجدہ پیشانی بر زمین نہادن (پیشانی زمین پر رکھنا۔ ت) ہے، مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔ وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[2]۔ وقال سیدی زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ الظن الخبیث انما ینشؤ من القلب الخبیث[3]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے (ت) (سیدی زروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا) گمان خبیث خبیث ہی دل میں پیدا ہوتا ہے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ت)

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا باب قول اللہ عزوجل من بعد وصیۃ یوصی بہا اودین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۴

[3] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۹۰۱ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

ہاں اگر کوئی سجدہ کرے تو اسے منع کرنا فرض ہے یہ دوسری بات ہے قدمبوسی کو سجدہ سمجھ کر منع کرنا وہی گمان خبیث ہے اور براہ تواضع اگر دست بوسی کو بھی منع کرے تو وہ اس سے منع نہیں بلکہ اپنے آپ کو اس قابل نہ سمجھنا ہے،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اعمال کا دار ومدار انسانی ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: از بذلہ بارٹہ ڈاکخانہ خاص تحصیل وضلع ہوشیار پور محمد عطاء الٰہی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ عمر نے اپنے شیخ طریقت کا دست بوسی وپابوسی سے استقبال کیا۔ زید نے جو کہ اپنے آپ کو ایک عالم شخص تصور کرتا ہے فی البدیہہ کہا کہ عمر اس فعل کے ارتکاب سے مشرک ہوگیا اور اس کا نکاح بھی باطل ہوگیا شریعت عزا کا اس مسئلہ میں کیا فیصلہ ہے۔اگر زید کا عمر کو مشرک کہنا جائز نہیں تو زید کس عتاب کا مرتکب ہے؟

الجواب:

علمائے دین ومشائخ صالحین کی دست بوسی وقدمبوسی سنت ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتوی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) زید نے کہ اس بناء پر بلاوجہ مسلمان کو کافر اور اس کے نکاح کو ساقط بتایا وہ بحکم احادیث فقہ خود اس حکم کا قابل ہے از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرے بشرطیکہ وہابی نہ ہوا اور جو وہابی ہے وہ خود مرتد ہے نہ وہ توبہ کرے نہ اس کی توبہ ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ ثم لایعودون [2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے پھر وہ دین کی طرف نہ لوٹیں گے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

[1] الصحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] المستدرك للحاکم کتاب قتال اھل البغی باب صفات الخوارج الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۴۷

مسئلہ ۱۹۸: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سید کے لڑکے سے جب شاگرد ہو یا ملازم ہو دینی یا دنیاوی خدمت لینا اور اس کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ذلیل خدمت اس سے لینا جائز نہیں۔ نہ ایسی خدمت پر اسے ملازم رکھنا جائز۔ اور جس خدمت میں ذلت نہیں اس پر ملازم رکھ سکتا ہے۔ بحال شاگرد بھی جہاں تک عرف اور معروف ہو شرعاً جائز ہے لے سکتا ہے اور اسے مارنے سے مطلق احتراز کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

کوئی لڑکا ایسا ہے کہ ماں اس کی شیخ ہے اور باپ سید اور وہ لڑکا خدمت کرنے کے لئے اپنے کو چھپا کے شیخ کہتا ہے کہ استاد یا آقا کی خدمت کریں اور اُش کھائیں ہر چند منع کیا جاتا ہے لیکن وہ نہیں مانتا ایسی حالت میں کیا کیا جائے اس سے خدمت لی جائے اور اس کو جھوٹا دیا جائے یا نہیں؟

الجواب:

جب معلوم ہے کہ وہ سید کا بیٹا ہے اگرچہ ماں شیخ یا کوئی قوم ہے تو اس کا جواب مسئلہ ماقبل میں گزرا اس کا انکار کچھ معتبر نہیں۔ باقی رہا مسلمان کا جھوٹا وہ کھانا کوئی ذلت نہیں۔ حدیث میں اسے شفا فرمایا وہ مانگے تو اسے اسی نیت سے دیا جائے نہ کہ بہ نیت اوش۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۰: از شہر بالجتی کنواں ۲۵ محرم ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین جو شخص السلام علیکم کے جواب میں سلامت یا سلاملیکم یا سلامالکم یا ولیکم کہے اور اس کو السلام علیکم و علیکم السلام بتایا جائے لیکن وہ غلط کو صحیح جانے یا صحیح کی صحت میں سعی نہ کرے تو اس کو السلام علیک کرنا یا جواب دینا چاہئے یا نہ چاہئے؟

الجواب:

سنی مسلمان غیر فاسق معلن کو ابتداء سلام کرے، وہ اگر جواب خلاف سنت دے سمجھائے، ورنہ اس پر الزام نہیں۔ نہ اس کے سبب سنت سلام ترک کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۱: مولوی عبداللہ صاحب بہادری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وجو، وظیفہ، تلاوت قرآن مجید میں کوئی شخص سلام علیک کرے اس کا جواب دے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وضو میں جواب دے۔ اور وظیفہ وتلاوت میں جواب نہ دینے کا اختیار رکھتا ہے۔ کہ اس حال میں اس پر سلام مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

داڑھی وحلق وقصر وختنہ وحجامت

داڑھی، مونچھ، سر وغیرہ کے بالوں، ختنہ اور ناخن وغیرہ سے متعلق مسائل

مسئلہ ۲۰۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ داڑھی کترانا اور منڈانا اور چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ درصورت ثانی مرتکب کا یہ عذر کہ اگر داڑھی مطابق شرع اور باطن خراب اور برا ہو اس سے بہتر ہے کہ داڑھی خلاف شریعت اور باطن آراستہ ہو صحیح اور دافع الزام ہے یا نہیں؟ اور اگر اس کے ساتھ داڑھی چھوڑنے اور نیچی رکھنے کی تحقیر کرے اور جو ایسا کرتے ہوں ان سے باستہزا پیش آئے اور انھیں تشبیہات وتمثیلات شنیعہ سے یاد کرے تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

داڑھی حد مقرر شرع سے کم نہ کرانا واجب اور حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت دائمی اور اہل اسلام کے شعائر سے ہے اور اس کا خلاف ممنوع وحرام اور کفار کا شعار۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحیة	یعنی دس چیزیں سنت قدیم انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہیں ان سے مونچھیں کم کرانا اور داڑھی

الحدیث، رواہ مسلم[1]۔	حد شرع تک چھوڑ دینا (اس کو مسلم نے روایت کیا۔ت)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح میں فرماتے ہیں:

حلق کردن لحیہ حرام ست وروش افرنج وہنود وجوالقیان کہ ایشاں را قلندریہ نیز گویند وگزاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآں کہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک در دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آں بہ سنت ست چنانکہ نماز عید را سنت گفتہ اند[2]۔	داڑھی منڈانا حرام ہے، یہ افرنگیوں، ہندؤوں اور جوالقیوں کا طریقہ ہے جو قلندریہ بھی کہلاتے ہیں۔اور داڑھی بمقدار ایک مٹھی چھوڑنا واجب ہے اور داڑھی کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ یہ سنت ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دین میں ایک جاری طریقہ ہے یا یہ وجہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت کے ساتھ ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہتے ہیں۔(ت)

اور حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ارشاد فرماتے ہیں:

خالفوا المشرکین واوفوا اللحی واعفوا الشوارب۔رواہ الشیخان[3] فی صحیحھما۔	مشرکین سے مخالفت کرو داڑھیاں پوری اور مونچھیں کم کردو (اس کو بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ت)

اور بعض احادیث میں وارد مونچھیں کم کراؤ اور داڑھیاں چھوڑدو اور مجوسی کی سی شکل نہ بناؤ، سنت سنیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ترک اور مشرکین ومجوس کی رسم اختیار کرنا مسلمان کامل کاکام نہیں، علاوہ بریں اس میں تغییر خلقت خدا بطریق ممنوع ہے اور وہ بنص قرآن اثر اضلال شیطان اور بحکم حدیث رسالت پناہی موجب لعنت الٰہی ہے:

قال اللہ عزاسمہ حاکیا عن ابلیس "وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ	اللہ تعالٰی معزز نام والے نے شیطان کی حکایت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: میں (یعنی

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب السواک الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

" وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ " [1] وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ متفق علیہ [2]۔	شیطان) لوگوں کو ضرور گمراہ کروں گا اور انھیں امیدوں اور آرزوؤں کے سبز باغ دکھاؤں گا اور (بذریعہ وسوسہ اندازی) حکم دوں گا کہ جانوروں کے کان کاٹ ڈالیں اور انھیں کہوں گا کہ اللہ تعالٰی کی خلقت (یعنی بناوٹ) میں تبدیلی کریں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی خال گودنے والی اور گدوانے والی عورتوں پر لعنت کرے، بال اکھاڑنے والی عورتوں پر خوبصورتی کے لئے دانتوں میں (مصنوعی) فاصلہ بنانے والیوں پر اور بناوٹ خداوندی میں ردو بدل کرنے والی عورتوں پر لعنت ہو۔ اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ (ت)

اسی طرح داڑھی غیر جہاد میں چڑھانا ناجائز وممنوع۔ ایسے شخصوں کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: لوگوں کو خبر دے دو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان سے بیزار ہیں رواہ الترمذی اور پر ظاہر کہ داڑھی کتروانا یا منڈانا چڑھانے سے سخت تر ہے کہ اس میں فقط تغییر صفت سنت ہے اور ان میں تغییر یا اعدام اصل معہذا اگر توبہ نصیب ہو تو یہ سریع الزوال اور ان کا ازالہ نہ ہوگا مگر بعد ایک زمانہ کے جب چڑھانے کی نسبت ایسی وعید شدید وارد اور حضور اس کے مرتکب سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائیں تو کترنے اور منڈانے سے کس قدر ناراض وبیزار ہوں گے اور العیاذ باللہ اس حبیب مرتجٰی ورسول مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی وسلم کی ناراضی پر دنیا وآخرت میں جو ثمرات بد مرتب ہیں دل مومن ان سے خوب واقف ہے باقی عذر مذکور فی السوال وہ ہرگز قابل اعتبار نہیں بلکہ قائل کی سفاہت وضلالت پر دال ہے اس میں شک نہیں کہ اصلاح باطن آرائش ظاہر سے اہم تر مگر اس کے ساتھ افساد ظاہر وارتکاب محرمات وممنوعات کی کس نے اجازت دی کیا تعمیل حکم شرع واتباع سنت شارع کہ داڑھی بڑھانے اور نیچی رکھنے میں پائی جاتی ہے آراستگی باطن میں کچھ خلل انداز ہے بلکہ وہ اپنے اس دعوے ہی میں جھوٹا ہے کہ باطن میرا آراستہ ہے اگرچہ داڑھی خلاف شرع ہو کہ اگر فی الواقع باطن اس کا زیور اصلاح سے مزین اور بحکم خدا ورسول منقاد ہوتا تو اتباع سنت چھوڑ کر شعار کفر وشرک وبدعت کی پیروی پسند نہ کرتا اور حکم شرع سن کر سر جھکاتا اپنے فعل شنیع پر مصر نہ ہوتا اور ایسے بیہودہ عذروں کو سپر نہ بناتا استغفر اللہ ایسے اعذار باردہ موجب تحلیل

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹، صحیح مسلم کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۵

محرمات نہیں ہو سکتے نہ ان سے وبال میں کچھ کمی ہو بلکہ موجب زیادت نکال ہیں کہ جب ارتکاب ممنوع کے ساتھ ندامت واعتراف بجرم لاحق ہو تو وہ باعث تخفیف عذاب اور عزم مع الترک موجب محوگناہ ہوجاتی ہے اور جب حکم شرع کے سامنے گردن نہ جھکائیں بلکہ باصرار پیش آئیں اور ایسے جھوٹے بہانوں کا دامن پکڑیں تو شامت اس کی ایک سے ہزار ہوجاتی ہے اور اگر داڑھی چھوڑنے یا نیچی رکھنے کی تحقیر اور ان لوگوں سے کہ ایسا کرتے ہیں استہزاء اور انھیں تشبیہات وتمثیلات قبیحہ سے یاد کرے گا تو قطعاً کافر ہے کہ یہ سنن سے ہے اور اس کی سنیت قطعی الثبوت، ایسی سنت کی توہین وتحقیر اور اس کے اتباع پر استہزاء بالاجماع کفر کما ھو مصرح فی الکتب الفقھیۃ والکلامیۃ (جیسا کہ فقہ اور علم کلام کی کتابوں میں صراحۃً یہ مذکور ہے۔ت) عورت اس کی نکاح سے نکل جائے گی اور بعد اس کے جو بچے ہوں گے اولاد حرام ہوں گے اہل اسلام کو اس سے معاملہ کفار برتنا لازم۔ بعد مرگ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں بلکہ جہاں تک ممکن اس جنازہ ناپاک کی تذلیل کریں کہ اس نے ایسے عزت والے پیغمبر افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کو ذلیل سمجھا العیاذ باللہ، واللہ نسئل حسن الخواتیم والعلم بالحق عند ربی ان ربی خبیر علیم (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ہم اللہ تعالٰی سے خاتمہ بالخیر کا سوال کرتے ہیں اور حق کا علم میرے پروردگار ہی کے پاس ہے۔ بلاشبہہ میرا پروردگار (ہر چیز سے) پوری طرح خبردار اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۰۳: مسئولہ محمد حسین شاگرد رشید احمد گنگوہی ۲۵ شوال ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بدھ کے دن ناخن کتروانا چاہئے یا نہیں؟ اگر نہ چاہئے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نہ چاہئے، حدیث میں اس سے نہی آئی کہ معاذاللہ مورث برص ہوتا ہے۔ بعض علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے بدھ کو ناخن کتروائے، کسی نے بربنائے حدیث منع کیا، فرمایا صحیح نہ ہوئی، فوراً برص ہوگئی، شب کو زیارت جمال بے مثال حضور پر نور محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف ہوئے شافی کافی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنے حال کی شکایت عرض کی، حضور والا صلی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے اس سے نہی فرمائی ہے۔ عرض کی حدیث میرے نزدیک صحت کو نہ پہنچی، ارشاد ہوا تمھیں اتنا کافی تھا کہ یہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمھارے کان تک پہنچی، یہ فرماکر حضور مبرئ الاکمہ والابرص ومحی الموتی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (حضور اندھوں کوڑھیوں

اور مردوں کو صحت وحیات بخشنے والی ہستی پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو۔ت) نے اپنا دست اقدس کہ پناہ دوجہاں ودستگیر بیکساں ہے ان کے بدن پر لگایا فوراً اچھے ہوگئے اور اسی وقت سے توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سن کر ایسی مخالفت نہ کروں گا۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری حنفی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

قص الاظفار وتقلیمها سنة ورد النهی عنه فی یوم الاربعاء وانه یورث البرص وحکی عن بعض العلماء انه فعله فنهی عنه فقال لم یثبت هذا فلحقه البرص من ساعته فرای النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی منامه فشکی الیه مااصابه فقال له الم تسمع نهی عنه فقال لم یصح عندی فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکفیك انه سمع ثم مسح بیده الشریفة فذهب مابه فتاب عن مخالفة ماسمع[1] اھ۔	ناخن کاٹنے سنت ہیں لیکن بدھ کے دن ایسا کرنے سے حدیث میں ممانعت وارد ہوئی کیونکہ اس سے مرض برص (جسم پر سفید داغ پیدا ہوتا ہے۔ بعض اہل علم کی حکایت ہے کہ انھوں نے بدھ کے روز ناخن کٹوائے انھیں اس سے منع کیا گیا لیکن انھوں نے فرمایا یہ حدیث ثابت نہیں، انھیں فوراً مرض برص لاحق ہوگیا پھر انھیں خواب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور انھوں نے آپ سے مرض برص کی شکایت کی آپ نے ان سے فرمایا کیا تم نے بدھ کے روز ناخن کٹوانے کی ممانعت نہیں سنی تھی؟ انھوں نے جواباً عرض کیا کہ ہمارے نزدیک وہ حدیث پایہ صحت کو نہیں پہنچی تھی۔ زاس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمھارے لئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے تھا کہ حدیث سن لی تھی۔ ازاں بعد آپ نے اپنا دست اقدس ان کے جسم پر پھیرا تو فوراً مرض زائل ہوگیا۔ اس کے بعد عالم موصوف نے اسی وقت سماع کردہ حدیث کی مخالفت سے توبہ کی اھ (ت)

یہ بعض علماء امام علامہ ابن الحاج مکی مالکی قدس سرہ العزیز تھے علامہ طحطاوی حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

ورد فی بعض الاثار النهی عن قص	بدھ کے روز ناخن کترنے سے بعض آثار میں نہی

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض فصل واما نظافة جسمه دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۴

الاظفار یوم الاربعاء فانه یورث البرص وعن ابن الحاج صاحب المدخل انه هم بقص اظفارہ یوم الاربعاء فتذکر ذٰلك فترك ثم رای ان قص الاظفار سنة حاضرۃ ولم یصح عندہ النهی فقصها فلحقه ای اصابه البرص فرای النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی النوم فقال الم تسمع نهی عن ذلك فقال یا رسول الله لم یصح عندی ذلك فقال یکفیك ان تسمع ثم مسح صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی بدنه فزال البرص جمیعا قال ابن الحاج رحمه الله تعالٰی فجددت مع الله توبة الی لا اخالف ماسمعت عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابدا [1]۔ والله سبحانه وتعالٰی اعلم بالصواب فقط۔	وارد ہوئی ہے کیونکہ یہ عمل باعث مرض برص ہے ابن الحاج صاحب مدخل سے مروی ہے کہ انھوں نے بدھ کے دن اسی نہی کے پیش نظر ناخن نہ کاٹے پھر خیال آیا کہ ناخن کاٹنے کا عمل تو سنت ہے اور نہی والی روایت صحیح نہیں چنانچہ اسی خیال کے ساتھ ناخن کاٹ ڈالے اور انھیں مرض برص لاحق ہوگیا پھر خواب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، آپ نے فرمایا کیا تم نے ممانعت نہیں سنی تھی؟ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! میرے نزدیک یہ حدیث صحیح نہ تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تمھارے لئے میرے نام کی نسبت سے سننا ہی کافی تھا (یعنی کافی ہونا چاہئے تھا) پھر آپ نے ان کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو مرض برص سے شفا ہوگئی اور مرض مکمل طور پر زائل ہو گیا۔ ابن الحاج رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں پھر میں نے اللہ تعالٰی کے حضور نئے سرے سے توبہ کی کہ اب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت اور حوالے سے جو کچھ بھی سنوں گا اس کی مخالفت کبھی نہیں کروں گا۔ اللہ تعالٰی پاک وبلند وبالا ہے اور راہ صواب کو خوب جانتا ہے۔ فقط۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ [1] سر کے بال جو تالو پر سے کھلوادئے جاتے ہیں آیا درست ہے ان کا منڈوانا یا نہیں؟

[2] دوسرے یہ کہ سر کے بال کتروانا اور ایک انگشت کے قریب رکھنا یا کہ اگلی جانب کے کچھ بڑے اور پیچھے کی جانب سے چھوٹے کرتے ہوں، جو حکم شرع مطہر کا اس بارے میں ہو بیان فرمائیں۔

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۲

اللہ تعالٰی اجر دے گا فقط۔

الجواب:

تالو کے بال منڈانا جس طرح یہاں کے لوگوں عادت ہے بشرطیکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں جسے پان بنوانا کہتے ہیں جائز ہے مگر اولٰی نہیں۔ہاں متفرق مواضع سے قطعے قطعے منڈوانا جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں بیچ سر منڈوادیا آس پاس کے بال چھوڑ دئے اور کنپٹیوں پر ببریاں رکھیں آس پاس منڈوادئے اور گدی پر ایک قطعہ بالوں کا چھوڑ دا ہنے بائیں حلق کئے اسے عربی میں قزع کہتے ہیں اور وہ ممنوع ہے بالوں کی نسبت شرع مطہر میں صرف دو۲ طریقے آئے ہیں:

ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں۔یہ خاص سنت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہے۔حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حلق شعر ثابت نہیں۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دس سال مدینہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال حدیبیہ وعمرۃ القضاء وحجۃ الوداع میں حلق فرمایا علی مانقلہ علی القاری فی جمع[1] الوسائل عن بعض شراح المصابیح (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے۔ت)

دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں یہ حضرت سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف جنابت کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت اور یہ نئی نئی تراشیں ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کتروادینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے یا وسط تالو سے پیشانی تک کھلوادینا یا گدی کے بال منڈانا یا پیشانی سے گدی تک سڑک نکالنا یا منڈے سر خواہ بالوں کی حالت میں یعنی چوڑی قلمیں بڑھا کر رخساروں پر جھکانا یا داڑھی میں ملادینا،یہ باتیں مخالف سنت وخلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہئے۔ردالمحتار میں ہے:

فی الروضۃ للزندویسی ان السنۃ فی شعر الراس اما الفرق او	امام زندویسی کی روضہ میں ہے کہ سنت یہ ہے کہ سر کے بال رکھے جائیں اور ان میں مانگ

[1] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۲

الحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنة و نسب ذٰلك الی العلماء الثلثة و فی الذخیرة ولا باس ان یحلق وسط راسه ویرسل شعره من غیر ان یفتله وان فتله فذٰلك مکروه لانه یصیر مشبها ببعض الکفرة و المجوس فی دیارنا یرسلون الشعر من غیر فتل ولکن لایحلقون وسط الراس بل یجزون التاصیة تاتر خانیه[1]۔	نکالی جائے یا بال منڈوادئے جائیں اور سر بالکل صاف کرادیا جائے، امام طحطاوی نے بیان فرمایا ہے کہ سر منڈوانا سنت ہے اور یہ بات ائمہ ثلثہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔اور ذخیرہ میں یوں مذکور ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ سر کے درمیانی حصہ کو مونڈ ڈالا جائے اور بالوں کو بغیر بٹنے کے کھلا چھوڑ دیا جائے اور اگر انھیں کھلا نہ چھوڑے اور بٹنے والا عمل کرے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کرنے سے بعض کافروں اور آتش پرستوں سے مشابہت ہو جاتی ہے البتہ وہ سر کے درمیانی حصے کو مونڈتے نہیں بلکہ پیشانی والے بالوں کو کاٹ ڈالتے ہیں تاتر خانیہ (ت)

عالمگیری میں ہے:

یکره القزع وهو ان یحلق البعض فیترك البعض قطعامقدار ثلثة اصابع کذا فی الغرائب[2]۔	"قزع "مکروہ ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ سر کے بعض بال مونڈ ڈالے جائیں اور بعض بال بمقدار تین انگشت چھوڑ دئے جائیں اسی طرح الغرائب میں مذکور ہے۔(ت)

مجمع البحار میں ہے:

منه ح نهی عن القزع هو ان یحلق راس الصبی ویترك منه مواضع متفرقة تشبیها بقزع السحاب ط اجمعوا علی کراهته اذا کان فی مواضع متفرقة الا ان یکون لمداوة لانه من عادة الکفرة لقباحته صورة[3]۔	منہ ح، قزع سے منع کیا گیا ہے اور اس کی صورت یہ ہے بچوں کے سروں کے کچھ بال مونڈ ڈالے جائیں اور کچھ بال بادلوں کی ٹکڑیوں کی مانند چھوڑ دیے جائیں، ائمہ کرام اس کی کراہت پر متفق ہیں جبکہ مختلف جگہوں سے اس طرح کیا جائے البتہ برائے علاج ایسا کرنا مستثنیٰ ہے۔ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ کافروں کا معمول ہے اور صورۃ اس کی قباحت کی وجہ سے۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] مجمع بحار الانوار باب القاف مع الرای مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۴/ ۲۷۱

اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث صحیحین:

عن نافع عن ابن عمر قال سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن القزع قیل لنافع ما القزع قال یحلق بعض رأس الصبی ویترك البعض۔	بحوالہ حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام نے سنا کہ آپ نے قزع سے منع فرمایا حضرت نافع سے پوچھا گیا کہ قزع کیا ہوتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا قزع یہ ہے کہ بچہ کے سر کے کچھ بال مونڈ دیئے جائیں اور کچھ رہنے دیئے جائیں۔(ت)

تحریر فرمایا:

گفتہ اند قزع حلق راس است از مواضع متفرقہ آں واگرچہ ظاہر عبارت کہ در تفسیر وے واقع شدہ مطلق است ولیکن شراح ہمہ تصریح کردہ اند بایں قید ودر روایت فقہیہ نیز ہمچنیں آمدہ است[1]۔	کہتے ہیں کہ "قزع" سر کے بالوں کو مختلف مقامات سے مونڈ ڈالنا ہوتا ہے اگرچہ بظاہر وہ عبارت جو تفسیر "قزع" میں واقع ہوئی ہے وہ مطلق ہے لیکن تمام شارحین نے اس قید کا صراحتا ذکر کیا ہے (قید یہ ہے کہ سر کے مختلف حصے مونڈ دیئے جائیں) اور فقہی روایات میں بھی یونہی آیا ہے۔(ت)

شرح شمائل شریف میں ہے:

لم یروتقصیر الشعر منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الامرۃ واحدۃ[2] الخ۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بال کترنے صرف ایک ہی مرتبہ مروی ہیں۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

عن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی یکرہ ان یحلق قفاہ الا عند الحجامۃ کذافی	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہے کہ گدی کے بال مونڈنا مکروہ ہے مگر پچھنے لگوانے کی صورت میں جائز ہیں۔ یونہی الینابیع

---

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۱

[2] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۸۱

الینابیع [1]۔	میں مذکور ہے۔(ت)

عین العلم میں ہے:

یکرہ الزیادۃ فی العارضین بارسال الصدع المتجاوزۃ عن عظمہا [2] اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔	رخساروں پر بالوں کو بڑھانا کنپٹیوں کے بال چھوڑتے ہوئے جوان کی ہڈیوں سے متجاوز ہوں مکروہ ہے اھ ملخصا۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس بڑی شان والے کا علم سب سے زیادہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۰۵تا۲۰۸:

الحمدللہ الذی انبت الشعر علی رؤسنا یزید فی الخلق مایشاء والصلوٰۃ والسلام علی بھجۃ نفوسنا واٰلہ وصحبہ الی یوم الخیراء۔	سب تعریف اس خدائے بزرگ وبرتر کے لئے ہے جس نے ہمارے سروں پر بال اگائے اور وہ جو چاہے خلق میں اضافہ کرتا ہے اور درود وسلام ہو اس محبوب ذات پر جو ہماری جانوں کی رونق ہے اور ان کی اولاد اور ساتھوں پر حسرتوں والے دن یعنی قیامت تک درود وسلام ہو۔(ت)

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) ریش ایک مشت سے زیادہ رکھنا سنت ہے یامکروہ؟

(۲) اور فخر عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ریش مبارک اپنی کو کبھی زیادہ ایک مشت سے ترشوایا ہے یانہیں؟

(۳) اور دیگر سوال یہ ہے کہ زید کہتا ہے کہ سید الموجودات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک ایک مشت سے زیادہ کبھی نہ ہوئی یعنی پیدائشی آپ کی ایک ہی مشت تھی۔

(۴) اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیادہ ایک مشت سے تھی یاایک ہی مشت؟ **بینوا توجروا** (بیان کرواور اجر پاؤ۔ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[2] عین العلم الباب السابع مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۳۵

الجواب:

جواب سوال اول: ریش ایک مشت یعنی چار انگلی تک رکھنا واجب ہے اس سے کمی ناجائز۔ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

گذاشتن آں بقدر قبضہ واجب ست وآنکہ آنرا سنت گویند بمعنی طریقہ مسلوک دین ست یا بجہت آنکہ ثبوت آن بسنت ست چنانچہ نماز عید راسنت گفتہ اند[1]۔	داڑھی بمقدار ایک مشت رکھنا واجب ہے اور جو اسے سنت قرار دیتے ہیں وہ اس معنی میں ہے کہ یہ دین میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جاری کردہ طریقہ ہے یا اس وجہ سے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی سے ہے جیسا کہ نماز عید کو سنت کہا جاتا ہے حالانکہ وہ واجب ہے۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

الاخذ منها وهی دون ذٰلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال[2]۔	داڑھی تراشنا یا کترنا کہ وہ مشت کی مقدار سے کم ہو جائے ناجائز ہے جیسا کہ بعض مغربیت زدہ لوگ اور ہیجڑے کرتے ہیں۔(ت)

غرض لحیہ سے کچھ لینا بھی اسی حالت سے مشروط ہے جبکہ طول میں حد شرع تک پہنچ جائے۔

فی الهندیه من الملتقط لا باس اذا طالت لحیته طولا وعرضا لکنه مقید بما اذا زاد علی القبضة[3]۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ "الملتقط" منقول ہے کہ جب داڑھی طول اور عرض میں بڑھ جائے تو ایک مشت مقدار سے زائد کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔(ت)

اور پر ظاہر کہ مقدار ٹھوڑی کے نیچے سے لی جائے گی یعنی چھوٹے ہوئے بال اس قدر ہوں وہ جو بعض بیباک جہال لب زیریں کے نیچے سے ہاتھ رکھ کر چار انگل ناپتے ہیں کہ ٹھوڑی سے نیچے ایک ہی انگل رہے یہ محض جہالت اور شرع مطہر میں بیباکی ہے غرض اس قدر میں تو علمائے سنت کا اتفاق ہے۔اس سے زائد اگر طول فاحش حد اعتدال سے خارج بے موقع بدنما ہو تو بلاشبہہ خلاف سنت مکروہ کہ

[1] اشعة اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الطهارة باب السواك مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[2] فتح القدیر باب الصیام باب مایوجب القضاة والکفارة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

صورت بدنما بنانا اپنے منہ پر دروازہ طعن مسخریہ کھولنا مسلمانوں کو استہزاء وغیبت کی آفت میں ڈالنا ہرگز مرضی شرع مطہر نہیں، نہ معاذاللہ زنہار کہ ریش اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیاذاً باللہ کبھی حد بدنمائی تک پہنچی سنت ہونا اس کا معقول نہیں۔

وان ذھب بعض العلماء من غیر اصحابنا الی اعفاء اللحی جملۃ واحدۃ وکراھۃ اخذ شیئ منھا مطلقًا وھو الذی اختارہ الامام الاجل النووی والعجب من ابن ملك حیث تابعہ علی ذٰلك مستدرکا بہ علی قول نفسہ ان الاخذ من اطراف اللحیۃ طولھا وعرضھا للتناسب حسن کما نقل عنہ المولی علی القاری فی کتاب الطھارۃ من المرقاۃ[1] والعجب انہ ایضا سکت علیہ ھھنا مع انہ خلاف ما علیہ ائمتنا الکرام کما تری۔	اگرچہ ہمارے اصحاب علم کے سوا کچھ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ داڑھی کو یک لخت مجموعی طور پر بڑھنے دیا جائے اور محدود نہ کیا جائے وہ داڑھی کو تراشنے کے حق میں مطلقًا نہیں اور وہ تراشنے کو مکروہ خیال کرتے ہیں جلیل القدر امام نووی نے اسی چیز کو پسند کیا ہے لیکن ابن ملک پر تعجب ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں امام نووی کی متابعت کرتے ہوئے اپنے قول پر استدراک کیا کہ داڑھی کی اطراف طول وعرض سے تناسب قائم رکھنے کے لئے کچھ تراش خراش کرنا مستحسن یعنی اچھا ہے جیسا کہ اس سے محدث ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکٰوۃ کی بحث طہارت میں نقل کیا ہے اور ان پر بھی تعجب ہے کہ وہ یہاں خاموش رہے حالانکہ یہ اس کے خلاف ہے جس پر ہمارے ائمہ کرام قائم ہیں جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ (ت)

ولہٰذا حدیث میں آیا حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من سعادۃ المرء خفۃ لحیتہ[2]۔ اخرجہ الطبرانی فی الکبیر وابن عدی فی الکامل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	آدمی کی سعادت سے ہے داڑھی کا ہلکا ہونا یعنی یہ کہ بیحد دراز نہ ہو۔ (امام طبرانی نے المعجم الکبیر میں اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے تخریج فرمائی۔ ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطھارۃ باب السواك الفصل الاول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۸۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۲۱۱، الکامل لابن عدی ترجمہ یوسف بن فرق بن لمازۃ قاضی الاھواز دار الفکر بیروت ۷/ ۲۶۲۴، ۲۶۲۵

علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

المراد من ذٰلك عدم طولها جدا لما ورد في ذمه [1]۔	یقیناً اس سے مراد غیر طویل ہے کیونکہ اس کی مذمت میں حدیث وارد ہوئی ہے۔(ت)

امام حجۃ الاسلام غزالی احیاء العلوم پھر مولانا علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

قد اختلفوا فيما طال من اللحية فقيل ان قبض الرجل على لحيته واخذ ماتحت القبضة فلا بأس به و قد فعله ابن عمر و جماعة من التابعين واستحسنه الشعبي و ابن سيرين وكرهه الحسن وقتادة ومن تبعهما وقالوا تركها عافية احب لقوله عليه الصلوٰة و السلام اعفوا اللحى لكن الظاهر هو القول الاول فان الطول المفرط يشوه الخلقة ويطلق السنة المغتابين بالنسبة اليه فلا بأس للاحتراز عنه على بذه النية، قال النخعي عجبت لرجل عاقل طويل اللحية كيف لايأخذ من لحيته فيجعلها بين لحيتين اى طويل و قصير فان التوسط من كل شيئ احسن ومنه قيل خير الامور اوسطها ومن ثم قيل كلما طالت اللحية نقص العقل [2]۔	بے شک داڑھی کے دراز حصہ میں (یعنی اس کی درازی کے بارے میں) اہل علم نے اختلاف کیا ہے پس یہ کہا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد اپنی مشت بھر داڑھی کو پکڑ کر مشت سے زائد بالوں کو کاٹ ڈالے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور حضرات تابعین کے ایک گروہ نے اس طرح کیا تھا اور امام شعبی اور محمد بن سیرین نے اس کو اچھا سمجھا البتہ حضرت حسن بصری اور امام قتادہ اور ان کے ہمنوا لوگوں نے اس کو مکروہ کہا اور انھوں نے فرمایا کہ اسے بڑھتے ہوئے چھوڑ دینا زیادہ مناسب اور پسندیدہ بات ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ داڑھیاں بڑھاؤ، لیکن ظاہر وہی پہلی بات ہے کیونکہ فحش درازی صورت کو بدنما بنادے گی اور اس کی نسبت (لوگوں کی) زبانیں دراز ہوجائیں گی پھر اس نیت سے اس سے بچنے میں کوئی حرج نہیں پھر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ اگر کوئی عقلمند آدمی لمبی داڑھی والا ہو یعنی اس کی داڑھی زیادہ لمبی ہونے لگے تو وہ کیونکر داڑھی نہ تراشے گا، پھر وہ لمبی اور چھوٹی دو قسم کی داڑھیوں کے

[1] نسیم الریاض الباب لثانی فصل الثالث ادارۃ تالیف اشرفیہ ملتان ۱/ ۳۳۱

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

	درمیان کردے گا اس لئے کہ ہر چیز میں میانہ روی اچھی ہوتی ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ بہترین کام درمیانہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے یہ بھی کہا گیا کہ جب بھی داڑھی لمبی ہو تو عقل کم ہوگی۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

اشتھر ان طول اللحیۃ دلیل علی خفۃ العقل[1]۔	مشہور ہے کہ لمبی داڑھی بے وقوف ہونے کی علامت ہے۔(ت)

اور اگر حد سے زائد نہ ہو تو بعض ائمہ سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک کما نص علیہ الامام ابن حجر فی الاصابۃ وکذالك نقل الفاضل ابن عبداللہ الشافعی نزیل المدینۃ الطیبۃ فی کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء عن الامام البغوی (جیسا کہ امام ابن حجر نے "اصابہ" میں تصریح فرمائی ہے اور اسی طرح امام بغوی کے حوالے سے فاضل بن عبداللہ شافعی جو مدینہ طیبہ کے باسی ہیں، نے اپنی کتاب "الاکتفاء "فی فضل الاربعۃ الخلفاء" میں نقل کیا ہے۔ت) امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں:

کان شیخنا شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبد القادر الجیلی نحیف البدن ربع القامۃ عریض الصدر عریض اللحیۃ طویلھا الخ۔ اخرجہ الامام الثقۃ الفقیہ امام القراء سیدی ابوالحسن نور الدین علی الشطنوفی قدس سرہ فی بھجۃ الاسرار[2]۔	ہمارے مرشد حضور شیخ الاسلام محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بدن مبارک دبلا تھا اور قامت شریف میانہ، سینہ مقدس چوڑا، ریش منور پہن ودراز الخ۔ (مستند امام، علم فقہ کے ماہر، قاریوں کے پیشوا سیدی ابوالحسن نورالدین علی شطنوفی قدس سرہ نے بہجۃ الاسرار میں اس کی تخریج فرمائی ہے۔(ت)

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

عادت سلف دریں باب مختلف بود آوردہ اند کہ لحیہ امیر المومنین علی پرمی کرد سینہ اُورا	اسلاف کی عادت اس بارے میں مختلف تھی چنانچہ منقول ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] بہجۃ الاسرار نسبہ وصفتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مصطفی البابی مصر ص ۹۰

وہمچنیں عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین و نوشتہ اند کان الشیخ محی الدین رضی اللہ تعالٰی عنہ طویل اللحیۃ وعریضہا[1]۔	کی داڑھی ان کے سینے کو بھردیتی تھی اس طرح حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی مبارک داڑھیاں تھیں، اور لکھتے ہیں کہ شیخ محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ لمبی داڑھی اور چوڑی داڑھی والے تھے۔(ت)

شاید انھیں آثار کی بناپر شیخ محقق نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

مشہور قدر یک مشت ست چنانکہ کمتر ازیں نباید واگر زیادہ براں بگزارد نیز جائزست بشرطیکہ از حداعتدال نگزرد[2]۔	مشہور مقدار ایک مشت ہے پس اس مقدار سے کم نہیں ہونی چاہئے اور اگر اس سے زیادہ چھوڑدے تو بھی جائز ہے بشرطیکہ اعتدال برتا جائے۔(ت)

اور مدارج میں ایک قول یہ نقل فرمایا کہ علماء ومشائخ کو ایک مشت سے زیادہ رکھنا بھی درست ہے،

حیث قال مشہور در مذہب حنفی چہار انگشت وظاہر آنست کہ مراد آں باشد کہ کم ازیں نمی باید ولیکن در روایت آمدہ است کہ واجب ست قطع زیادہ برآں وگفتہ اند کہ اگر علماء ومشائخ زیادہ براں بگزارند نیز درست ست[3]۔	جیسا کہ فرمایا مذہب حنفی میں مشہور یہ ہے کہ مقدار داڑھی چار انگشت ہو اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے کم نہیں ہونی چاہئے لیکن حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس سے زائد کو قطع کرنا واجب ہے اور فرماتے ہیں اگر علماء اور مشائخ اس سے زائد رکھیں تو بھی جائز ہے۔(ت)

مگر سیدنا عبداللہ بن عمر وابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اپنی ریش مبارک مٹھی میں لے کر جس قدر زیادہ ہوتی کم فرمادیتے۔ بلکہ یہ کم فرمانا خود حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سے ماثور امام محمد کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

اخبرنا ابوحنیفہ عن الھیثم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی	ہم سے امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا ان سے ابوالہیثم نے ان سے حضرت عبداللہ ابن عمر

[1] مدارج النبوت باب اول بیان لحیۃ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الطہارۃ باب السواک فصل اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

عنهما انه كان يقبض على لحيته ثم يقص ماتحت القبضه [1]۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہ حضرت عبداللہ اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑ کر زائد حصہ کو کتر ڈالتے تھے۔(ت)

ابوداؤد و نسائی مروان بن سالم سے راوی:

رأيت ابن عمر رضى الله تعالٰى عنهما يقبض على لحيته فيقطع مازاد على الكف [2]۔	میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا کہ اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر زائد بالوں کو کاٹ ڈالا کرتے تھے۔(ت)

مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ میں ہے:

كان ابوهريرة رضى الله تعالٰى عنه يقبض على لحيته ثم يأخذ مافضل عن القبضه [3]۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑ کر مٹھی سے زائد حصہ کو کتر ڈالتے تھے۔(ت)

فتح القدیر میں ان آثار کو نقل کرکے فرمایا:

انه روى عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم [4]۔	باوجود اس کے کہ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راویت کی گئی۔(ت)

ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اسی کو اختیار فرمایا اور عامہ کتب مذہب میں تصریح فرمائی کہ داڑھی میں سنت یہی ہے کہ جب ایک مشت سے زائد ہو کم کردی جائے بلکہ بعض اکابر نے اسے واجب فرمایا اگرچہ ظاہر یہی ہے کہ یہاں وجوب سے مراد ثبوت ہے نہ کہ وجوب مصطلح، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی بعد روایت حدیث مذکور فرماتے ہیں:

به ناخذ وهو قول ابى حنيفة [5]۔	ہم اسی کو لیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔(ت)

[1] کتاب الآثار باب خف الشعر من الوجہ روایۃ ۹۰۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۹۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصوم باب القول عند الافطار آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲۱

[3] المصنف ابن ابی شیبہ کتاب الحظر والاباحۃ باب ماقالوا من الاخذ من اللحیۃ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۷۴

[4] فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۷۰

[5] کتاب الآثار باب خف الشعر من الوجہ روایۃ ۹۰۰ ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۹۸

نہایہ سے منقول:

بہ اخذ ابوحنیفۃ وابویوسف ومحمد[1] کذا ذکرا بوالیسر فی جامعہ الصغیر۔	اسی کو حضرت امام ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف، اور امام محمد نے اختیار کیا ہے۔ اسی طرح ابوالیسر نے اس کو جامع صغیر میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

مرقاۃ باب الترجل میں ہے:

مقدار قبضہ علی ماھو السنۃ والاعتدال المتعارف[2]۔	مقدار مشت ہی سنت ہے اور مشہور مبنی بر میانہ روی ہے اور یہی راہ اعتدال ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

صرح فی النہایۃ بوجوب قطع مازاد علی القبضۃ بالضم ومقتضاہ الاثم بترکہ الاان یحمل الوجوب علی الثبوت[3]	نہایہ میں تصریح کی گئی ہے کہ داڑھی کے جو بال مقدار مشت سے زیادہ ہوں انھیں کتر ڈالنا واجب ہے (القُبضہ میں "ق" حرکت پیش کے ساتھ ہے) اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ اس کا ترک یعنی ایسا نہ کرنا گناہ ہے مگر یہ کہ یہاں وجوب سے ثبوت مراد لیا جائے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ صرح فی النہایۃ ومثلہ فی المعراج وقد نقلہ عنہا فی الفتح و اقرہ قال فی النہر وسمعت من بعض اعزاء الموالی ان قول النہایۃ یحب بالحاء المھملۃ ولاباس بہ اھ قال الشیخ اسمٰعیل	مصنف کا قول "صرح فی النہایۃ" اور یونہی معراج الدرایہ میں بھی ہے، اور محقق ابن الہمام نے اسی نہایہ سے نقل کرکے اس کو برقرار رکھا ہے، النہر میں فرمایا میں نے (بعض موالی کی نسبت کرنے سے) سنا ہے کہ النہایۃ کا یحب کہنا صرف حاء بے نقطہ کے ساتھ ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں اھ شیخ اسمٰعیل نے

[1] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصوم باب مایوجب القضاء الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۶۹

[2] مرقات المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۱۱

[3] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

ولکنه خلاف الظاهر واستعمالهم فی مثله یستحب قوله الا ان یحمل یؤیده ان ما استدل صاحب النهایة لایدل علی الوجوب لما صرح به فی البحر وغیره ان کان یفعل لایقتضی التکرار والدوام ولذا حذف الزیلعی لفظ یجب وقال ومازاد یقص۔وفی شرح الشیخ اسمعیل لا باس بان یقبض علی لحیته فاذا زاد علی قبضه شیئ جزه کما فی المنیة وھی سنة کما فی المبتغی[1]۔	فرمایا لیکن یہ ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ لوگ اس قسم پر لفظ یستحب استعمال کرتے ہیں مصنف کے قول "الاان یحمل" سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صاحب نہایہ نے جو استدلال کیا ہے وہ وجوب پر دلالت نہیں کرتا، چنانچہ البحرالرائق وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے تھے تو یہ تکرار اور دوام نہیں چاہتا اس لئے علامہ زیلعی نے اس کلمہ یجب کو حذف کردیا اور فرمایا جو کوئی مشت سے زیادہ ہو اسے کتروائے اور شیخ اسمٰعیل کی شرح میں ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں کہ آدمی اپنی داڑھی مٹھی میں پکڑے اور جو بال مٹھی سے زائد ہوں انھیں کتر دے۔ جیسا کہ المنیہ میں ہے اور یہ سنت ہے جیسا کہ المبتغی میں ہے۔(ت)

مرقاۃ میں قول نہایہ نقل کرکے فرمایا:

قوله یجب بمعنٰی ینبغی اوالمراد به انه سنة مؤکدة قریبة الی الوجوب والا فلا یصح علی اطلاقه[2]۔	صاحب نہایہ کا یجب کہنا ینبغی کے معنی میں ہے یعنی مناسب ہے یا اس سے ایسی سنت مؤکدہ مراد ہے جو وجوب کے قریب ہے ورنہ یہ علی الاطلاق صحیح نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو ان یقبض الرجل لحیته فمازاد منها علی قبضة قطعه کذا ذکر محمد فی کتاب الآثار عن	مرد اپنی داڑھی کو اپنی مٹھی میں لے کر زائد حصہ کو کاٹ دے، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الآثار میں امام صاحب کے حوالہ سے یہی ذکر فرمایا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۳

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجیل المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

الامام قال وبه ناخذ محیط اھط [1]۔	اور مزید فرمایا ہم اسی مؤقف کے قائل ہیں محیط اھ ط (ت)

ہندیہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

القص سنة فیھا وھو ان یقبض الی آخر مامر [2]۔	داڑھی کے زائد حصہ کو کتر دینا سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ بقدر ایک مشت داڑھی چھوڑ کر باقی زائد کو کتر ڈالے (ت)

اختیار شرح مختار سے منقول ہے۔

التقصیر فیھا سنة وھو ان یقبض [3] الخ۔	ایک مٹھی بھر داڑھی سے زائد بالوں کا کتر دینا سنت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ داڑھی کو مٹھی بھر میں پکڑ کر زائد حصہ کتر ڈالا جائے الخ (ت)

اسی طرح اور کتب مذہب میں ہے تو ہمارے علما کے نزدیک ایک مشت سے زائد کی سنت ہر گز ثابت نہیں بلکہ وہ زائد کے تراشنے کو سنت فرماتے ہیں۔ تو اس کا زیادہ بڑھانا خلاف سنت مکروہ تنزیہی ہوگا۔ لاجرم مولانا علی قاری نے جمع الوسائل شرح شمائل ترمذی شریف میں فرمایا:

ان کان الطول الزائد بان تکون زیادة علی القبضة فغیر ممدوح شرعا [4]۔	اگر داڑھی زیادہ لمبی ہو یعنی ایک مشت سے زائد ہو تو ایسا ہونا شریعت میں قابل تعریف اور مستحسن نہیں۔ (ت)

رہا شیخ محقق کا اسے جائز فرمانا وہ کچھ اس کے منافی نہیں کہ خلاف اولیٰ بھی ناجائز نہیں، بالجملہ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالیٰ کا حاصل مسلک یہ ہے کہ ایک مشت تک بڑھانا واجب اور اس سے زائد رکھنا خلاف افضل ہے اور اس کا ترشوانا سنت ہاں تھوڑی زیادت جو خط سے خط تک ہو جاتی ہے اس خلاف اولیٰ سے بالضرورۃ مستثنیٰ ہونا چاہئے ورنہ کس چیز کا تراشنا سنت ہوگا۔ **ھذا ما ظھر لی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم** (یہ تحقیق مجھ پر ظاہر ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ پاک بلند وبالا اور بڑا ہے۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحظر والاباحة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[3] الاختیار لتعلیل المختار کتاب الکراہیة فصل فی آداب ینبغی للمؤمن دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۶۷

[4] جمع الوسائل فی شرح الشمائل باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفة بیروت ۱/ ۳۷

جواب سوال دوم: جامع الترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا[1]۔	یعنی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے بال عرض وطول سے لیتے تھے۔

علماء فرماتے ہیں یہ اس وقت ہوتا تھا جب ریش اقدس ایک مشت سے تجاوز فرماتی۔ بلکہ بعض نے یہ قید نفس حدیث میں ذکر کی کما نقل عن التنویر والمفاتیح والغرائب (جیسا کہ تنویر، مفاتیح اور غرائب سے نقل کیا گیا ہے۔ت) مرقاۃ شریف میں ہے:

قید الحدیث فی شرح الشرعۃ بقولہ اذا زاد علی قدر القبضۃ وجعلہ فی التنویر من نفس الحدیث وزاد فی الشرعۃ وکان یفعل ذٰلك فی الخمیس والجمعۃ ولایترکہ مدۃ طویلۃ[2]۔	حدیث میں قید "الشرعۃ" کی شرح میں اس قول سے مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے بال قدر مشت سے زائد ہوجاتے تو آپ زائد بالوں کو کتروادیتے تھے، اور "تنویر" میں قید مذکور کو نفس حدیث قرار دیا گیا ہے۔ اور "الشرعۃ" میں اتنا اضافہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروز جمعہ یا جمعرات کوایسا کرتے تھے اور زیادہ عرصہ نہیں چھوڑتے تھے۔ (ت)

ہمارے علماء کے اقوال گزرے کہ قبضہ سے زیادہ کا تراشنا سنت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ت)

جواب سوال سوم: یہ امر محض بے اصل ہے۔ حدیث مذکور ترمذی اس کا صریح رد ہے کہ اگر قبضہ سے کبھی زائد نہ ہوتی تو عرض وطول سے لینا کیونکر متصور تھا۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

در لحیۂ شریف در طول قدرے معین در کتب بنظر نمی آید و در وظائف النبی گفتہ کہ لحیہ آن حضرت صلی تعالٰی علیہ وسلم	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کی کسی معین مقدار پر درازی کا ذکر مشہور کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی نظر سے نہیں گزرا البتہ

[1] جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء فی الاخذ من اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۳

چہار انگشت بود طبعا یعنی ہمیں مقدار بود از روئے خلقت و دراز و کم نمی شد بریں یافتہ نمی شود [1]۔	وظائف النبی میں کہا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک چار انگشت کے بقدر تھی یعنی قدرتی طور پر ہی مٹھی بھر تھی۔ اور گھٹتی بڑھتی نہ تھی پس اس کا حوالہ نہیں پایا گیا۔ (ت)

ہاں ظاہر کلمات مذکورہ علما یہ ہے کہ ریش انور مقدار قبضہ پر رہتی تھی جب زیادہ ہوتی کم فرمادیتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور شفا شریف میں امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی علیہ کا ارشاد **کث اللحیۃ تملؤ صدرہ** [2] (حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی داڑھی مبارک گنجان تھی جو سینہ مبارک پر چھائی ہوتی تھی۔ ت) اس کے منافی نہیں جبکہ صدر سے نحر یعنی اعلائے صدر مراد ہو۔ نسیم الریاض میں زیر قول مذکور متن ہے:

مثلہ قولھم قد ملأت نحرہ ونحر الصدر اعلاہ او موضع القلادۃ منہ فمراد المصنف رحمہ اللہ تعالٰی اعلی الصدر والا لطالت وقد ثبت قصرھا [3] الخ فاحفظہ فانہ مھم واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی دلیل ان کا یہ قول ہے ملأت نحرہ یعنی اس سے ان کا نحر بھر جاتا تھا اور سینے کا نحر اس کا بالائی حصہ ہوتا ہے یا سینے کی جگہ ہے لہٰذا مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مراد سینے کا اوپر والا حصہ ہے ورنہ آپ کی مقدس داڑھی کہ طویل ماننا پڑے گا جو خلاف واقعہ ہے اور اس کا کترنا بھی ثابت ہے الخ، لہٰذا یہ نکتہ ذہن نشین رہنا چاہئے اس لئے کہ یہ ضروری ہے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

جواب سوال چہارم: ریش مبارک امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی نسبت مدارج سے گزرا: پر می کرد سینہ اُورا [4] (ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ ت) مگر اس میں وہی احتمال قائم کہ سینہ سے مراد سینہ کا بالائی حصہ متصل گلو ہو تو ایک مشت سے زیادت پر دلیل نہ ہوگی۔

---

[1] مدارج النبوۃ باب اول بیان لحیہ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴

[2] الشفاء بتعریف المصطفٰی الباب الثانی فصل الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافۃ ۱/ ۵۰

[3] نسیم الریاض الباب الثانی مبحث شمائلۃ الشریفۃ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱/ ۳۳۱

[4] مدارج النبوۃ باب اول بیان لحیہ شریف مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

ہاں تہذیب الاسماء امام نووی سے اتنا منقول **کانت کثۃ طویلۃ**[1] حضرت مولٰی کی ریش مبارک گھنی دراز تھی اس سے ظاہر قبضہ پر دلالت ہے کہ قبضہ تو اصل مقدار لحیہ شرعیہ ہے جس سے کمی جائز نہیں تو اتنی مقدار سے جب تک زائد نہ ہو طویل نہ کہیں گے۔ ولہٰذا علامہ خفاجی نے ریش اطہر انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تا بسینہ ہونے کے انکار کی یہی وجہ لکھی کہ ایسا ہوتا تو ریش اقدس طویل ہوتی حالانکہ اس کا قصیر ہونا ثابت ہوا ہے اس تقدیر پر ریش مبارک امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں وہ لفظ کہ پر می کرد سینہ اورا (ان کے سینے کو بھر دیتی تھی۔ت) اپنے معنی ظاہر پر محمول رہنا چاہئے **اقول: وباللہ التوفیق** (میں اللہ کی توفیق سے کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) حضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ قول شاید بخیال جہاد ہو کہ بسیاری مو چشم عدو میں مورث زیادت ہیبت ہے ولہٰذا مجاہدین کو لبیں بڑھانے کی اجازت ہوئی حالانکہ اوروں کو بالاتفاق مکروہ۔

کما علی ذٰلك حمل ما عن بعض الصحابۃ الکرام کامیرا لمومنین عثمٰن الغنی و سیدنا الامام الحسن المجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما من الاختضاب بالسواد مع صحۃ الحدیث بتحریمہ لغیر اھل الجہاد۔	جیسا کہ اسی پر محمول کیا گیا جو بعض صحابہ کرام سے ثابت ہوا ہے جیسے امیر المومنین سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور سیدنا حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بالوں کو سیاہ خضاب لگایا کرتے تھے حالانکہ غیر مجاہدین کے لئے حدیث صحیح سے اس کی حرمت ثابت ہے۔(ت)

بنظر اطلاق ارشاد اقدس **اعفوا اللحٰی**[2] (داڑھیاں بڑھاؤ۔ت) ان کا اجتہاد اس طرف مودی ہوا **کما ذھب الیہ الحسن البصری وغیرہ** (جیسا کہ حسن بصری وغیرہ اس طرف گئے ہیں۔ت) تو یہ آثار ہمیں اس امر سے عدول پر باعث نہیں ہو سکتے جو ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک سنت ثابت ہو اور حقیقت امر یہ کہ ہم پر اتباع مذہب لازم۔ دلائل میں نظر ائمہ مجتہدین فرما چکے **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** (اور اللہ تعالٰی پاک و برتر ہے اور خوب جانتا ہے اور اس عظمت وشان والے کا علم کامل اور پختہ ہے۔ت)

[1] تھذیب الاسماء واللغات ترجمہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ ۴۲۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۴۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

مسئلہ ۲۰۹: از گلگت چھاؤنی جو ئنال مرسلہ سید محمد علی صاحب شعبان ۱۳۱۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم مکرم وسلامت۔ بعد آداب تسلیمات کے گزارش یہ ہے کہ براہ مہربانی اس کا جواب بہت جلد مرحمت فرمائے گا کیونکہ اس جگہ پر خط عرصہ سے پہنچتا ہے بوجہ برف کے جواب کے واسطے عرصہ دوماہ کا ہونا چاہئے۔ بندہ کو اس وقت سوا آپ کے اور کوئی یاد نہیں آیا امیدوار ہوں کہ اکثر یہاں کے لوگ ناواقف ہیں اس سوال کا جواب دیجئے گا۔ فقط۔ جو شخص کہ قریب تیس برس کی عمر میں اسلام قبول کرے اس کی سنت کرانا جائز ہے یا ناجائز؟ فقط زیادہ تسلیم۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر ختنہ کی طاقت رکھتا ہو تو ضرور کیا جائے۔ حدیث میں ہے کہ ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الق عنك شعر الكفر ثم اختتن۔ رواہ الامام احمد [1] وابوداؤد عن عثیم بن کلیب الحضرمی الجهنی عن ابیه عن جدہ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	زمانہ کفر کے بال اتار پھر اپنا ختنہ کر (اس کو امام احمد اور امام ابوداؤد نے عثیم بن کلیب حضرمی جہنی سے اس نے اپنے باپ سے اور اس نے اپنے دادا سے روایت کی ہے۔ ت)

ہاں اگر خود کر سکتا ہو تو آپ اپنے ہاتھ سے کرلے یا کوئی عورت جو اس کام کو کر سکتی ہو ممکن ہو تو اس سے نکاح کرادیا جائے وہ ختنہ کردے، اس کے بعد چاہے تو اسے چھوڑ دے یا کوئی کنیز شرعی واقف ہو تو وہ خریدی جائے۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہ ہو سکیں تو حجام ختنہ کردے عـــہ کہ ایسی ضرورت کے لئے ستر دیکھنا دکھانا منع نہیں۔ درمختار میں ہے:

ینظر الطبیب الی موضع مرضها	بوقت ضرورت بقدر ضرورت طبیب جائے مرض

عـــہ: فتاوٰی افریقہ بھی یہ مسئلہ دیکھیں۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطهارۃ باب الرجل یسلم فیؤبالغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵۲، مسند احمد بن حنبل حدیث ابی کلیب رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۵

بقدر الضرورۃ اذالضرورات تتقدر بقدرھا وکذانظر قابلۃ وختان [1]۔	(خواہ وہ جائے پردہ ہو) کو دیکھ سکتا ہے۔اور قدر ضرورت محض اندازے سے ہوگی۔اسی طرح دایہ اور ختنہ کرنے والے کامعاملہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ و ختان کذا جزم بہ فی الھدایۃ والخانیۃ وغیرھما لان الختان سنۃ للرجال من جملۃ الفطرۃ لایمکن ترکھا [2] اھملخصًا۔	مصنف کا ارشاد ہے وختان اسی طرح ہدایہ اور خانیہ اور دیگر کتب میں اس پر یقین ظاہر کیا گیا ہے کیونکہ مردوں کے لئے ختنہ سنت ہے اور ان فطری کاموں میں سے ہے کہ جس کا چھوڑنا مناسب نہیں اھ ملخصا(ت)

درمختار میں ہے:

وقیل فی ختان الکبیر اذا امکنہ ان یختتن نفسہ فعل والالم یفعل الا ان یمکنہ النکاح او شراء الجاریۃ و الظاھر فی الکبیرانہ یختتن [3]۔	بڑی عمرکے آدمی کے ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ خود اپنا ختنہ کرسکے تو خود کرے ورنہ کیا ہی نہ جائے،ہاں اگر اس کے لئے نکاح کرنا یالونڈی خریدنا ممکن ہو توان سے ختنہ کرائے اور ظاہر یہ ہے کہ بالغ آدمی کا بھی ختنہ کیا جائے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الختان مطلق یشمل ختان الکبیر و الصغیر ھکذا اطلقہ فی النھایۃ کما قدمناہ واقرہ الشراح والظاھر ترجیحہ ولذاعبرھناعن التفصیل بقیل [4]۔	ختنہ کرنا مطلق بلاقید ذکر کیا ہے لہذا یہ بڑے اور چھوٹے دونوں کو شامل جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے اور شارحین نے اس کو برقرار رکھا ہے لہذا بظاہر یہی راجح ہے اس لئے یہاں لفظ قیل سے تفصیل کی تعبیر فرمائی گئی۔(ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۷

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۴

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۵

ہندیہ میں ہے:

ذکر الکرخی فی الجامع الصغیر ویختنه الحمامی کذا فی الفتاوٰی العتابیة[1]۔	امام کرخی نے جامع صغیر میں فرمایا کہ بالغ آدمی کا ختنہ حمام والا کرے۔ یونہی فتاوٰی عتابیہ میں مذکور ہے۔(ت)

خلاصہ میں ہے:

الشیخ الضعیف اذا اسلم ولایطیق الختن ان قال اهل البصر لایطیق یترک[2] الخ۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	بہت بوڑھا شخص اگر اسلام قبول کرے اور بوجہ ضعف وکمزوری ختنہ نہ کرسکے یا نہ کراسکے تو چند اہل بصیرت حضرات سے رائے لی جائے اگر وہ کہیں کہ واقعی یہ شخص ختنہ کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے بلاختنہ ہی رہنے دیا جائے اور اس کا ختنہ نہ کیا جائے الخ۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱۰تا۲۱۲: از گوالیار محکمہ ڈاک مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۳ذی القعدہ ۱۳۱۲ھ

مخدوم متاع ونیاز مندانہ، آداب نیاز کے بعد عرض پرداز مسائل ذیل کے جواب عنایت فرمائے جائیں:

(۱) داڑھی کا ارسال تابہ یکمشت تو معلوم ہے مگر اس کے حدود کہاں تک ہیں یعنی چہرہ پر کل بال خواہ آنکھوں تک کیوں نہ ہوں داخل ریش ہیں یا کہاں تک اور خط بنوانے میں کہاں تک احتیاط مناسب ہے؟

(۲) نیچے کے ہونٹ کے نیچے جو وسط میں ذرا سے بال چھوڑ کر ادھر ادھر منڈاتے ہیں جیسے اس شکل میں اس کا منڈانا درست ہے یا کچھ نہ منڈائے خواہ لب زیریں کے نیچے سب بال ہی بال ہوں اور سوامنہ کے کوئی جگہ نہ بچی ہو۔

(۳) بال سر کے چھوڑنا تا بگوش خواہ دوش تک یا سارے سر کے حجامت کرانا تو معلوم ہے لیکن چھوٹے چھوٹے بال بقدر تین چار حجامتوں کے رکھنا جیسا کہ آج کل شائع ہے اور پھر گردن پر سے ان کی درستی گردن کی صفائی یہ کہاں تک جائز ہے؟ زیادہ نیاز۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[2] خلاصۃ الفتاوٰی الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۴۰

الجواب:

جواب سوال اول: داڑھی قلموں کے نیچے سے کنپٹیوں، جبڑوں، ٹھوڑی پر جمتی ہے اور عرضا اس کا بالائی حصہ کانوں اور گالوں کے بیچ میں ہوتا ہے جس طرح بعض لوگوں کے کانوں پر رونگٹے ہوتے ہیں وہ داڑھی سے خارج ہیں، یوں ہی گالوں پر جو خفیف بال کسی کے کم کسی کے آنکھوں تک نکلتے ہیں وہ بھی داڑھی میں داخل نہیں یہ بال قدرتی طور پر موئے ریش سے جدا ممتاز ہوتے ہیں اس کا مسلسل راستہ جو قلموں کے نیچے سے ایک مخروطی شکل پر جانب ذقن جاتا ہے یہ بال اس راہ سے جدا ہوتے ہیں نہ ان میں موئے محاسن کے مثل قوت نامیہ ان کے صاف کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ بسا اوقات ان کی پرورش باعث تشویہ خلق و تقبیح صورت ہوتی ہے جو شرعاہر گز پسندیدہ نہیں، غرائب میں ہے:

کان ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما یقول للحلاق بلغ العظمین فانھما منتھی اللحیۃ یعنی حدھا ولذٰلك سمیت لحیۃ لان حدھا اللحی [1]۔	حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حجام سے فرمایا کرتے تھے کہ دو ہڈیوں تک پہنچ جا، کیونکہ وہ دونوں داڑھی کی حدود یعنی آخری حصہ ہیں اسی لئے داڑھی کو "لحیہ" کہا گیا ہے کیونکہ اس کی حدود جبڑے (اللحی) تک ہیں۔ت)

عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری باب تقلیم الاظفار میں تعریف علامہ ابن حجر ھی اسم لمانبت علی الخدین والذقن (داڑھی دراصل ان بالوں کا نام ہے جو دور خساروں اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ت) کو موہوم پا کر اس پر اعتراض فرمایا:

قلت علی الخدین لیس بشیئ ولو قال علی العارضین لکان صوابا اھ [2]۔	یعنی میں ابن حجر کہتا ہوں، کہ علی الخدین (دونوں رخساروں پر) کہنا ٹھیک نہیں البتہ علی العارضین (دونوں گالوں پر) کہتے تو ٹھیک ہوتا اھ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لابأس باخذ الحاجبین وشعر وجھه	دو ابروؤں اور چہرے کے بالوں کو کاٹنے میں

---

[1] غرائب

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الاظفار محمد امین دمج بیروت ۲۲/۴۶

مالم یتشبه بالمخنث کذا فی الینابیع [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی حرج نہیں بشرطیکہ ہجڑوں سے مشابہت پیدا نہ ہو، اسی طرح ینابیع میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

جواب سوال دوم: یہ بال بداہۃً سلسلہ ریش میں واقع ہیں کہ اس سے کسی طرح امتیاز نہیں رکھتے تو انھیں داڑھی سے جدا ٹھہرانے کی کوئی وجہ وجیہ نہیں۔وسط میں جو بال ذرا سے چھوڑے جاتے ہیں جنھیں عربی میں عنفقۃ اور ہندی میں بچی کہتے ہیں۔داخل ریش ہیں کما نص علیه الامام العینی وعنه نقل فی السیرة الشامیة (جیسا کہ امام بدرالدین عینی نے اس کی تصریح فرمائی اوران سے سیرت شامیہ میں نقل کیا گیا۔ت) ولہذا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوا کہ جو کوئی انھیں منڈاتا اس کی گواہی رد فرماتے کما ذکرہ الشیخ المحدث فی مدارج النبوة (جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں ذکر فرمایا۔ت) تو بیچ میں یہ دونوں طرف کے بال جنھیں عربی میں فنیکین ہندی میں کوٹھے کہتے ہیں کیونکر داڑھی سے خارج ہوسکتے ہیں داڑھی کے باب میں حکم احکم حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **اعفوااللحی واوفرو اللحی** [2] (داڑھیاں بڑھاؤ اور زیادہ کرو۔ت) ہے تو اس کے کسی جز کا مونڈنا جائز نہیں۔لاجرم علماء نے تصریح فرمائی کہ کوٹھوں کا نتف یعنی اکھیڑنا بدعت ہے امیر المومنین عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسے شخص کی گواہی رد فرمائی۔غرائب میں ہے:

نتف الفنیکین بدعة وهو جنبا العنفقة وهی شعر الشفة السفلی [3] وشهد رجل عند عمر بن عبدالعزیز وکان ینتف فنیکیه فرد شهادته [4] اھ وعنها نقل فی الهندیة الی	دونوں کوٹھوں کو اکھاڑنا بدعت ہے اور وہ عنفقہ (بچی) کے دونوں جانب کے بال ہیں اور عنفقہ لب زیریں کے بال ہیں، ایک شخص نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی عدالت میں (کسی معاملے میں) گواہی دی اور وہ شخص دونوں

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[4] غرائب

قوله السفلى وظاهر ان الاثر فى ذٰلك لخصوص النتف ففى معناه الحلق وانما وقع التعبير به نظرا الى ماكانوا تعودوه كما فى قوله صلى الله تعالٰى عليه وسلم لا تنتفوا الشيب [1] وقول الفقهاء يكره نتف الشيئ مع كراهة قصه ايضا لشمول العلة وبه تبين ان ماوقع فى المدارج الشريفة من ان فى حلق العنفقة وتركها خلافا والا فضل تركها اماحلق طرفيها فلا باس به اھ معربا [2] محل تأمل حيث افاده بظاهره كراهة التنزيه وبمقابلته بافضلية الترك الاباحة الخالصة مع ان العنفقة وطرفيها جميعا من اجزاء اللحية وهى واجبة الاعفاء فلا ينبغى الاقدام على ذٰلك مالم يثبت من حديث صحيح اونص من امام المذهب صريح فليتأمل۔	کوٹھوں کے بال اکھاڑنے والا تھا آپ نے اس کی گواہی رد کردی۔ فتاوٰی غرائب سے فتاوٰی عالمگیری میں اس کا قول "السفلی" تک نقل کیا گیا۔اور ظاہر یہ ہے کہ اس میں اکھاڑنے کی خصوصیت کا کوئی اثر نہیں پس اسی کے معنی میں "حلق" ہے یعنی بال مونڈنا ہے۔اور بال اکھاڑنے سے تعبیر ان کی عادت کے مطابق واقع ہوئی ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: سفید بال نہ اکھاڑا کرو۔ اور فقہائے کرام کا ارشاد سفید بال اکھاڑنے مکروہ ہیں۔باوجود یہ کہ ان کے کترنے میں بھی کراہت ہے کیونکہ علت دونوں کو شامل ہے۔اس سے واضح ہوگیا کہ جو کچھ مدارج شریف میں وارد ہے وہ محل تامل یعنی غور وفکر کے لائق ہے کہ عنفقہ کے بال مونڈنے اور نہ مونڈنے میں اختلاف ہے اور بہتر یہ ہے کہ نہ مونڈے جائیں۔لیکن دونوں کناروں کے بال مونڈ دینے میں کوئی حرج نہیں(معرب عبارت پوری ہوگئی) کیونکہ شیخ کی عبارت کا بظاہر مفاد کراہت تنزیہی ہے اور اس کا تقابل "ترک افضل" خالص اباحت بتارہا ہے حالانکہ عنفقہ اور داڑھی کی دونوں اطراف اجزائے داڑھی میں شامل ہیں اور ان کا چھوڑنا واجب ہے۔لہٰذا اس پر جرأت اقدام کسی طرح مناسب نہیں جب تک کسی حدیث صحیح سے یا امام مذہب کی طرف سے کسی صریح نص کے ساتھ ثابت نہ ہو،پس اس میں گہری سوچ سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی نتف الشیب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۲

[2] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

ہاں اگر یہاں بال اس قدر طویل وانبوہ ہو کہ کھانا کھانے، پانی پینے، کلی کرنے میں مزاحمت کریں تو ان کا قینچی سے بقدر حاجت کم کردینا روا ہے۔ خزانۃ الروایات میں تتارخانیہ سے ہے:

یجوز قص الاشعار التی کانت من الفنیکین اذا زحمت فی المضمضۃ او الاکل او الشرب[1]۔	زیریں لب کے دونوں کناروں کے بال کترنے جائز ہیں جبکہ کلی کرنے اور کھانے پینے میں رکاوٹ ہوں۔ (ت)

یہ روایت بھی دلیل واضح ہے کہ بغیر اس مزاحمت کے ان بالوں کا کترنا بھی ممنوع ہے نہ کہ مونڈنا **فان المفاھیم معتبرۃ فی الکتب وکلام العلماء وبالاجماع ھذا ماعندی** (کیونکہ مفہوم مخالف، کتابوں، کلام علماء میں ساتھ اجماع کے معتبر ہے میرے نزدیک تو یہی ہے۔ ت) **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم**۔

جواب سوال سوم: یہ نئی نئی تراشیں سب خلاف سنت ہیں۔

فی الھندیۃ عن التتارخانیہ عن الروضۃ ان السنۃ فی شعر الراس اما الفرق واما الحلق[2]۔	فتاوٰی ہندیہ میں تتارخانیہ سے اور تتارخانیہ نے الروضہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے سر کے بالوں کو مونڈ ڈالنا یا بال رکھ کر ان میں مانگ نکالنا دونوں سنت عمل ہیں۔ (ت)

گردن کی صفائی سے اگر قفا یعنی گدی کے بال منڈانا مراد ہے جس طرح آج کل بعض جہال کا معمول، تو یہ صرف پچھنوں کی ضرورت سے جائز ہے۔ بلاضرورت مکروہ۔

فی الھندیہ عن الینابیع عن الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یکرہ ان یحلق کفاہ الا عند الحجامۃ[3]۔	فتاوٰی ہندیہ میں ینابیع کے حوالے سے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے حوالے سے روایت ہے کہ گدی کے بال مونڈنا مکروہ ہیں سوائے پچھنے لگوانے کی ضرورت کے۔ (ت)

اور اگر ان رونگٹوں کا صاف کرنا مقصود جو گدی کے نیچے صفحہ گردن پر تھوڑے تھوڑے متفرق

---

[1] خزانۃ الروایات باب فی شعور الانسان قلمی نسخہ ص۵۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

نکلتے ہیں تو ظاہرا موئے سینہ وپشت کے حکم میں ہونا چاہئے کہ جائز ہے اور ترک بہتر۔

فی الهندیة عن القنیة فی حلق شعر الصدر والظهر ترك الادب [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی عالمگیری میں بحوالہ قنیہ مذکور ہے سینہ اور پشت کے بال مونڈنے میں ترک ادب ہے یعنی بہتر نہیں۔اھ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۱۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرد اگر اپنے زیر ناف کے بال مقراض سے تراشے یا عورت استرہ لے تو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

حلق وقصر ونتف وتنور یعنی مونڈنا، کترنا، اکھیڑنا، نورہ لگانا سب صورتیں جائز ہیں کہ مقصود اس موضع کا پاک کرنا ہے اور وہ سب طریقوں میں حاصل۔

فی صحیح مسلم ابن الحجاج رضی اللہ تعالٰی عنه عن ابی هریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال قال الفطرة خمس اوخمس من الفطرة الختان و الا ستحداد وتقلیم الاظفار ونتف الابط وقص الشارب [2] قال الشارح النووی واما الاستحداد فهو حلق العانة وهو سنة والمراد به نظافة ذلك الموضع [3] انتهی ملخصًا وبمثله قال الغزالی فی احیائه وغیره فی غیره۔	صحیح مسلم بن الحجاج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا امور فطرت پانچ ہیں۔یا یوں فرمایا پانچ کام فطرت میں سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا (۲) زیر ناف کے بال مونڈنا (۳) ناخن کاٹنا (۴) بغلوں کے بال اکھیڑنا اور (۵) مونچھیں کترنا، شارح صحیح مسلم امام نووی نے فرمایا رہا استحداد تو وہ مقام ستر کے بال مونڈنے ہیں اور وہ عمل سنت ہے اور اس عمل سے اس جگہ کی طہارت مقصود ہے (تلخیص پوری ہوگئی) امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی نے احیاء علوم الدین میں اور دوسروں نے دوسری کتابوں میں اس طرح صراحت فرمائی ہے۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۸

[2] صحیح مسلم کتاب الطهارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[3] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الطهارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

مگر حلق مرد میں بہ نسبت قصر ونتف وتنور کے افضل ہے کہ احادیث خصال وعامہ کتب فقہ میں اس خصلت کا ذکر بلفظ حلق واستحداد وغیرہ۔

قال النووی والافضل فیه الحلق ویجوز بالقص والنتف والنورة[1] وفی الفتاوٰی الهندیة الافضل ان یقلم اظفارہ ویحلق عانته[2] انتهی مختصر۔	امام نووی نے فرمایا کہ زیر ناف بال ہٹانے کے لئے زیادہ بہتر عمل مونڈنا ہے البتہ کترنا، اکھیڑنا اور چونا وغیرہ لگانا بھی جائز ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ناخن کاٹے جائیں اور زیر ناف بال مونڈے جائیں اھ مختصرا (ت)

اور عورت کے لئے بعض علماء نے نتف (اکھاڑنا) حلق (مونڈنا) سے افضل قرار دیا اور بعض علماء نے بالعکس ملا علی قاری مرقاۃ[3] میں پہلا مذہب اختیار کرتے ہیں۔ اور حدیث صحیحین میں وارد: حتی تستحد المغیبة[4] (یہاں تک کہ زیر ناف بال صاف کرے۔ت) اشعۃ اللمعات میں علامہ تورپشتی سے نقل کیا یہاں استحداد سے بال دور کرنا مراد ہے نہ کہ خاص استعمال قدسی ابن عربی محاکمہ کرتے ہیں کہ نوجوان عورت کو احتراز مناسب اور عمر رسیدہ کو مضرت نہیں۔ اور نتف ایام ضعف میں باعث استرخائے فرج تو میانہ کو اس سے بچنا زیبا اور نوجوان میں بوجہ شباب قوت پر احتمال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ مولوی حافظ امیر اللہ صاحب مدرس اول مدرسہ عربیہ درگاہ شریف ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ

"مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ"[5] (تم لوگ اپنے سروں کے بال منڈواتے اور کترواتے ہوئے مسجد حرام میں داخل ہوگے۔ت) سے سر منڈانا اور کترانا مفہوم ہوتا ہے بابو لوگ یا نیا چہرہ منڈاتے نہیں بہت چھوٹے چھوٹے بال رکھتے ہیں ذرا بڑھے کترا ڈالے۔ کیا یہ شکل مقصرین سے مفہوم ہے فقہ میں کیا

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۰۸

[4] صحیح بخاری کتاب النکاح باب طلب الولد قدیمی کتب خانہ ۲/ ، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب استحباب النکاح قدیمی کتب خانہ ۱/ ۴۷۴

[5] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۷

ثابت ہے؟

الجواب:

آیہ کریمہ میں حلق و تقصیر حج کا ذکر ہے۔ تقصیر حج یہ کہ ہر بال سے بقدر ایک پورے کے کم کریں چہارم، سر کے بالوں کی تقصیر واجب ہے کل کی مندوب و مسنون اسے عادی امور سے تعلق نہیں یہ طریقہ کہ ان کفرہ یا بعض فسقہ میں معمول ہے کہ چھوٹی چھوٹی کھونٹیاں رکھتے ہیں جہاں ذرا بڑھیں کتروادیں خلاف سنت و مکروہ ہے سنت یا سارے سر پر بال رکھ کر مانگ نکالنا یا سارا منڈانا۔

فی ردالمحتار عن الروضۃ السنۃ فی شعرا لراس اما الفرق واما الحلق[1]۔	فتاوٰی شامی میں "روضہ" سے نقل کیا گیا کہ سروں کے بالوں میں مانگ نکالنا سنت ہے یا تمام بال منڈوادینا سنت ہے۔ (ت)

اور کراہت اس لئے کہ وضع کفرہ وفسقہ ہے۔

فی الھندیہ عن الذخیرۃ والشامیۃ عن التتارخانیہ عن الذخیرۃ ان یحلق وسط راسہ ویرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ فان فتلہ فذلك مکروہ لانہ یصیر مشابھا ببعض الکفرۃ[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فتاوٰی ہندیہ میں بحوالہ ذخیرہ اور فتاوٰی شامی میں تتارخانیہ سے بحوالہ ذخیرہ منقول ہے اور وہ یہ کہ سر کے چوٹی کے بال منڈوادے اور باقی بال گوندھے بغیر چھوڑدے۔ پھر اگر انھیں گوندھ ڈالے تو یہ عمل مکروہ ہے کیونکہ ایسا کرنا بعض کفار سے مشابہ ہوجائے گا (اور کفار سے مشابہت جائز نہیں) اور اللہ تعالٰی پاک وبلند وبالا اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۵: از شہر کہنہ ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

جناب عالی! قصص الانبیاء میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ میں لکھا ہے کہ بی بی سارا نے بی بی ہاجرہ کے کان چھیدے اور ختنہ کرادی یہ سنت زن و مرد پر قیامت تک قائم رکھیں گے تو عورت کی ختنہ کیسی؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحظر والاباحۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

الجواب:

اندام زن کے دونوں لبوں کے بیچ جو گوشت پارہ تند و بلند سرخ رنگ مثل تاج خروس کے ہے اس میں سے ایک ٹکڑا کھال کا جدا کرتے ہیں یہ ختنہ زنان ہے جہاں اس کا رواج ہے مستحب ہے ان بلاد میں اس کا نشان نہیں۔ اگر واقع ہو تو جہال ہنسیں، اور یہ مسئلہ شرعیہ پر ہنسنا اپنا دین برباد کرنا ہے تو یہاں اس پر اقدام کی حاجت نہیں۔ خود ایک مستحب بات کرنی اور مسلمانوں کو ایسی سخت بلا میں ڈالنا پسندیدہ نہیں۔

کما نصوا علیه فی ترك عذبة العمامة حیث یستهزأ فی الجملة بها ویشبهونها بالذنب ومن لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل وقد کلمنا علی عدة نظائر لهذا فی رسالتنا اطائب التهانی فی حکم النکاح الثانی۔ والله تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فقہاء نے پگڑی کا شملہ نہ چھوڑنے کی تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں اس سے مذاق اور استہزاء کیا جاتا ہو اور عوام اسے "دم" سے تشبیہ دیتے ہوں وہاں شملہ نہ چھوڑا جائے، اور جو کوئی اہل زمانہ کے حالات سے بے خبر ہو وہ بڑا جاہل اور نادان ہے اور ہم نے اس کے چند نظائر (امثال) پر اپنے رسالہ اطائب التہانی فی حکم النکاح الثانی عـــہ (پاکیزہ مبارکبادیں دوسرا نکاح کرنے کے حکم میں) میں کلام کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۱۶: مرسلہ مولوی کازم الدین صاحب بنگالہ شہر کمرلہ تاریخ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی کے لڑکا یا لڑکی پیدا ہوئی ولی وارث کو اس مولود کی ناف بریدہ کرنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو کیا دلیل، بالتفصیل تحریر فرمائے وگر ولی اور وارث نہ کرے کوئی دائی سے کروایا جائز ہے یا نہیں۔ اور اگر دائی سے اس کام کو کراتا ہے لیکن دائی کم یابی کے سبب سے فی لڑکا اتنا روپیہ مانگتا ہے اس کا ولی ووارث اتنا مزدوری دے کر یہ کام نہیں کرواسکتا اس صورت میں خود کرنا جائز ہے یا نہیں اور اگر دائی اس کام کو نہیں کرتی بلکہ اس کی خواند کو بھیجتی ہے یا ملک کا رواج پڑ گیا ہے مردانہ دائی سے یہ کام کروانا ہے اب مسلمانوں کو اتفاق یہ ہوا چونکہ بیگانہ مرد عورت کے نفاس کی حالت میں جانا حرام ہے۔ اگر شریعت میں خود بخود کرنا جائز نکلے اور مفتی بھی فتوٰی دے ہم لوگ خود کرنے کا تو اس حرام کو کیوں اختیار کریں؟ **بینوا**

عـــہ: رسالہ اطائب التہانی۔ فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد ۱۲ میں موجود ہے۔

توجروا واللہ اعلم (بیان فرماؤتاکہ اجر وثواب پاؤ۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

الجواب:

لڑکا یا لڑکی اس کی ناف کاٹنا اس کے ولی غیر ولی سب کو جائز ہے۔در مختار میں ہے:

لاعورۃ لصغیر جدا[1]۔	بلاشبہہ چھوٹے بچے کی کوئی جگہ چھپانے کی نہیں۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں سراج وہاج سے ہے:

للاب ان یختن ولدہ الصغیر[2]۔	یعنی باپ کو جائز ہے کہ اپنے چھوٹے بچے کی ختنے کی کھال کاٹے۔

جب ختنے کی کھال کاٹنا باپ کو جائز ہے تو ناف کا نال کاٹنا بدرجہ اولٰی جائز ہے اور ہرگز ضرور نہیں کہ خواہی نخواہی دایہ ہی سے نال کٹوائے اگرچہ وہ کتنی ہی مزدوری مانگے، یہ محض ظلم ہے۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ؕ"[3]	الہ تعالٰی کسی جان کو تکلیف میں نہیں ڈالتا مگر اس قدر جتنی اس میں ہمت اور گنجائش ہو۔(ت)

یہ جو سائل نے لکھا کہ بیگانہ مرد عورت کی نفاس کی حالت میں جانا حرام ہے یہ بھی محض بے معنی ہے بیگانہ مرد کا بے پردہ عورت کے پاس جانا ہر حالت میں حرام ہے۔اور پردہ کی حالت میں نفاس وغیر نفاس یکساں ہے اور نال کاٹنے کے لئے عورت کے پاس جانے کی کوئی حاجت بھی نہیں۔بچہ کاٹنے والے کے سامنے لاسکتے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۷تا۲۱۹: از شیر گڑھ ڈاکخانہ خاص ضلع بریلی مکان سید احمد علی شاہ مرسلہ بندہ علی طالب عالم

(۱) زید کا طریقہ صوفیانہ ہے اور اس کے بال دراز ہیں یعنی کندھوں تک چھوٹے ہیں آیا وہ شعر طویل نماز کی صحت کے مانع ہے یا نہیں؟

(۲) اور زید کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا نہیں؟ غرضکہ وہ بال نماز کی صحت میں خلل پیدا کرینگے یا نہیں؟

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب شروط الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۶

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

(۳) فقراء کے واسطے بال بڑھانے کا حکم ہے یا نہیں؟ اگر حکم ہے تو کہاں تک؟ کیونکہ بدمذہب اس طریقہ کے منکر ہیں **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

ہاں نصف کان سے کندھوں تک بڑھانا شرعاً جائز ہے اور اس سے زیادہ بڑھانا مرد کو حرام ہے۔ خواہ فقرا ہوں خواہ دنیادار احکام شرع سب پر یکساں ہیں زیادہ میں عورتوں سے تشبہ ہے اور صحیح حدیث میں لعنت فرمائی ہے اس مرد پر جو عورت کی وضع بنائے اور اس عورت پر جو مرد کی وضع بنائے اگرچہ وہ وضع بنانا ایک ہی بات میں ہو۔ جو لوگ چوٹی گندھواتے یا جوڑا باندھتے یا کمر یا سینہ کے قریب تک بال بڑھاتے ہیں وہ شرعاً فاسق معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے یعنی پھیرنا واجب اگرچہ پڑھے ہوئے دس برس گزر گئے ہوں، اور یہ خیال کہ باطن صاف ہونا چاہئے ظاہر کیسا ہی ہو محض باطل ہے۔ حدیث میں فرمایا کہ اس کا دل ٹھیک ہوتا تو ظاہر آپ ٹھیک ہو جاتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۰: از شیر گڑھ تحصیل بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ عظیم اللہ نائب مدرس ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسلمان کو داڑھی کتروانا اور ٹھوڑی کھلوانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

داڑھی اتنی کتروانا کہ ایک مشت سے کم ہو جائے گناہ و ناجائز ہے۔ یونہی ٹھوڑی پر سے کھلوانا حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۱ و ۲۲۶: مسئولہ اکبر یار خاں از شہر کہنہ محصل چندہ مدرسہ اہلسنت وجماعت بروز دوشنبہ بتاریخ ۹ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

(۱) یہ کہ داڑھی کا طول ایک مشت و دو انگشت ہے یا کم یا کس قدر کہ جس سے کم رکھنے میں گنہگار ہوگا؟

(۲) یہ کہ منڈوانا استرے سے اور قینچی سے کتروانا، چھوٹا چھوٹا کرانا ایک ہی بات ہے یا قینیچی سے چاہے جس قدر کتروا کر چھوٹا کردے اس میں حرج نہیں ہے؟

(۳) یہ کہنا کہ عرب شریف اسلام کا گھر ہے وہاں کے لوگ داڑھی کٹوا کر چھوٹا کر لیتے ہیں اگر اور کوئی شخص داڑھی کتروائے تو کیا مضائقہ ہے۔ ایسے کہنے والے شخص کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۴) یہ کہ لبوں کے بال بڑھے ہوئے شخص کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

(۵) یہ کہ ایسے لوگوں کی نسبت یعنی داڑھی منڈوانے والے، کترنے والے۔ لبوں کے بال بڑھانے والے کس خطاکے مرتکب ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۶) یہ کہ مثل داڑھی کے مقدار کے لبوں کے بال کی بابت کہ کس قدر ہوں کیا حکم ہے؟ اگر کوئی شخص لبوں کے بال منڈوائے یا بہت باریک کرے تو کیا قباحت ہے؟

الجواب:

(۱) داڑھی کا طول ایک مشت یعنی ٹھوڑی سے نیچے چار انگل چاہئے اس سے کم کرانا حرام ہے۔

(۲) قینچی سے کترے خواہ استرے سے لے سب یکساں ہے، ہاں تھوڑی کترنے سے سب منڈادینا سخت وخبیث تر ہے کہ حرام حرام میں فرق ہوتا ہے۔ بھنگ، چرس، شراب سب حرام ہیں مگر شراب سب میں بدتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) شریعت پر کسی کا قول و فعل حجت نہیں۔ اللہ ورسول سب پر حاکم ہیں اللہ ورسول پر کوئی حاکم نہیں، یہ فعل وہاں کے جاہلوں کا ہے اور جاہلوں کا فعل سند نہیں ہوسکتا کہیں کے ہوں، ایسا کہنے والا اگر جاہل ہے اسے سمجھا دیا جائے اور اگر ذی علم ہو کر ایسا کہتا ہے یا سمجھانے کے بعد بھی نہ مانے اصرار کئے جائے وہ سخت فاسق و گمراہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۴) اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہوگیا۔ مستعمل پانی کا پینا ہمارے امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصل مذہب میں حرام ہے۔ ان کے نزدیک وہ پانی ناپاک ہوگیا خود اس نے جو پیا ناپاک پیا اور اب جو پئے گا ناپاک پئے گا۔ اور مذہب مفتٰی بہ پر مستعمل پانی کا پینا مکروہ ہے۔ اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پئے گا مکروہ پئے گا۔ ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعًا حرج نہیں۔ اگرچہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) حد شرع سے کم داڑھی رکھنا حد شرع سے زیادہ مونچھیں رکھنا سب خلاف شرع اور مجوسیوں کی سنت اور نصرانیوں کی عادت ہے آدمی اس سے گنہگار ہوتا ہے اور اس کی عادت رکھنے سے فاسق ہوجاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۶) لبوں کی نسبت یہ حکم ہے کہ لبیں پست کرو کہ نہ ہونے کے قریب ہوں البتہ منڈاونا نہ چاہئے اس میں علماء کو اختلاف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ
لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی ۱۳۱۵ھ
(چاشت کی روشنی میں داڑھیاں بڑھانے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۲۲۷: از حیدر آباد ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ولید کہتا ہے داڑھی منڈانا حرام نہیں **الحرام ماثبت ترکہ بدلیل قطعی لا شبھۃ فیہ** (حرام وہ ہے جس کا چھوڑ دینا ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہو کہ جس میں کوئی شک وشبہ نہ پایا جائے۔ت) حرام وہ جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو قرآن شریف میں تو اس کا کہیں حکم نہیں "یَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي"[1] (اے میرے ماں جائے! میری داڑھی نہ پکڑ۔ت) سے کوئی حکم نہیں نکلتا بلکہ ایک بات ہمارے لئے مفید البتہ پیدا ہوتی ہے کہ داڑھی بڑھانا بعض وقت مضر ہوتا ہے دشمن نے بڑی داڑھی پکڑ کر مارنا شروع کیا تو پٹنا ہی پڑا۔ سنن ابی داؤد میں یوں مروی ہے۔

عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء	دس کام فطرت میں سے ہیں: مونچھیں کترنا، داڑھی

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۴

اللحیة الخ حدثنا موسی بن اسمعیل وداؤد بن شعیب قالا حدثنا حماد عن علی بن زید عن سلمة الخ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان من الفطرة المضمضة والاستنشاق بالماء ولم یذکر وا عفاء اللحیة وروی نحوہ عن ابن عباس قال خمس کلھا فی الرؤس ذکر فیہ الفرق ولم یذکر اعفاء اللحیة قال ابوداؤد روی نحوہ حدیث حماد عن طلق بن حبیب ومجاھد وعن بکر المزنی قولھم ولم یذکر اعفاء اللحیة[1]۔	بڑھانا الخ۔ہم سے موسٰی بن اسمٰعیل اور داؤد بن شعیب نے بیان کیا دونوں نے کہا ہم سے حماد نے بیان کیا اس نے علی بن زید اس نے سلمہ سے روایت کیا۔الخ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امور فطرت یہ ہیں: کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا،اس میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں۔ یونہی عبداللہ ابن عباس سے بھی روایت کی گئی (چنانچہ)آپ نے فرمایا: پانچ کام ہیں اور وہ سب سر کے متعلق ہیں ان میں سر میں مانگ نکالنے کا ذکر فرمایا مگر داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں فرمایا۔

امام ابوداؤد نے فرمایا:اسی جیسی حدیث حماد بواسطہ طلق بن حبیب اور مجاہد سے روایت کی گئی ہے اور بکر مزنی سے بھی۔ان سب کا قول مروی ہے مگر اس میں اِعْفَاءُ اللِّحْیَة یعنی داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں۔ت)

حاصل اس کا یہ کہ ان نو دس رواۃ نے یہ روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی جگہ مانگ کو فرمایا اس سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی بڑھانا بھی ویسی ہی سنت ہے جیسے مانگ کا رکھنا،معھذا یہ حدیث مختلف فیہ تو ضرور ہے پس لائق اعتبار نہ رہی۔پھر صحیح بخاری میں یوں ہے:

خالفوا المشرکین قصوا الشوارب واعفوا اللحی[2]۔	مخالفت کرو مشرکین کی،ترشواؤ مونچھ،اور بڑھاؤ داڑھی۔

خالفوا المشرکین یہ جملہ "ففیہ نظر "اس واسطے کہ بعض مشرکین داڑھی بڑھاتے رہتے ہیں پس ان کی مخالفت یہ ہے کہ داڑھی منڈاؤ،اور بعض منڈاتے ہیں تو ان کی مخالفت یہ ہے کہ بڑھاؤ بہر حال بڑھانے اور منڈانے والے دونوں خالفوا المشرکین میں داخل ہیں کیونکہ مخالفت کا حکم عام ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب السواك من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

جس مشرک کی چاہیں مخالفت کریں باقی رہا اس کا جواب "وقصواالشوارب واعفوا اللحی" (مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ت) مخفی نہ رہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ درستگی اخلاق کے واسطے مبعوث ہوئے، اسی لئے ہمارے پیغمبر آخر زمان بھی مبعوث ہوئے، ان پر دین کامل اور نبوت ختم ہوگئی۔ "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ"[1] آج کے دن ہم نے تمھارا دین تم پر کامل کردیا۔ داڑھی بڑھانا اخلاق میں داخل ہے تو باوجود اس کے قرآن کامل کتاب اللہ کی ہے۔ اخلاقی احکام سے خالی ہے تو دین کامل نہ ٹھہرا۔ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ یہ اخلاق میں داخل نہیں اور اس سے ہمارا مطلب حاصل ہو جاتا ہے۔

داڑھی بڑھانا مستحب البتہ ہے یا بہت ہوگا تو سنت۔ لیکن یہ بھی حد اعتدال تک۔

ریش بایدت دوسہ موئے وزنخداں پوشی　　نہ کہ درسایہ اوبچہ دہد خرگوشی

(تجھے ایسی داڑھی چاہئے کہ جس کے چند بال ہوں جو ٹھوڑی چھپادیں۔ نہ کہ ایسی کہ جس کے سائے میں خرگوش بچہ دے۔ت)

قول عرب ہے:

من طال لحیتہ فقد نقص عقلہ۔	جس کی داڑھی طویل (لمبی) ہو اس کی عقل کم ہوتی ہے۔(ت)

بغرض محال تسلیم بھی کرلیں کہ داڑھی بڑھانا فرض یا منڈوانا حرام ہے تو اس کا یہ جواب ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا"[2] (یعنی احرام سے فارغ ہونے کے بعد شکار کرو۔ شکار کرنا صیغہ امر میں فرمایا گیا جو علامت فرضیت ہے لیکن آج تک اس پر عمل درآمد نہ ہوا، سبب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم طبائع پر موقوف رکھا گیا کہ جی چاہے تو شکار کرو۔

حاصل یہ کہ شریعت کے بعض احکام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا نہ کرنا موجب عتاب شرعی نہیں۔ فرضیت یا حرمت قرآن ہی سے ثابت ہوسکتی ہے یا حدیث متواتر یا مشہور ہو، حرام فرض کے مقابلہ میں آتا ہے۔ تو جب داڑھی منڈانا حرام ہوا تو رکھنا فرض ہوا مگر فرض کسی نے نہ لکھا۔

زقرآن سخن گفتہ ام وزحدیث　　سر از من نہ پیچد جزاب لہ خبیث

سخن راست گر تو بگوئی ہے　　بدست حقائق بپوئی ہے

پس اعفائے لحیہ چرا گوئی فرض　　تنت راخباثت مگر گشت مرض

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

گرایدوں کہ قرآں ہمی کامل ست　　　پس اعفائے لحیہ چرا مضمر ست

(قرآن وحدیث کے حوالے سے بات کررہاہوں لہٰذا میری بات سے بیوقوف خبیث کے علاوہ کوئی برانہ منائیگا اگر تو سچی بات کہتا رہے گا تو حقائق کے ہاتھوں میں دوڑتا رہے گا____ پھر تو داڑھی بڑھانے کو کیوں فرض کہتا ہے؟ شاید تیرے جسم میں خباثت کا مرض پیدا ہوگیا ہے۔اے بے ہمت اگر قرآن مجید کامل ہے تو پھر اس میں داڑھی کا ذکر کیوں پوشیدہ ہے۔ت) انتھی۔یہ قول ولید کا کیسا اور داڑھی منڈوانے کا حکم کیا؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ الذی ھدٰنا للاسلام ووفقنا لاقتفاء اٰثار انبیائہ الکرام و اجتناب اقذار الکفرۃ الانجاس الارجاس اللیام و افضل الصلوٰۃ والسلام علی سیدالھادین الی سبیل السلام*الذی اوتی القراٰن ومثلہ معہ فی احکام الاحکام وان رغم انف الملحدین فی الدین المارٰدین الطغام وعلی اٰلہ واصحابہ المتأدبین باٰدابہ الذین اداروا بالقتل والاسر الھدم الرحی علی الجمع المقبوح المنبوح المحلوق اللحی من علوج الاردام ومجوس الاعجام فصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ مظاھر جمالہ وعلینا معھم الی یوم القیمۃ o	اللہ تعالٰی کے نام سے ابتداء کررہاہوں جو بڑا رحم کرنے والا۔مہربان ہے۔تمام تعریفیں اس اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت بخشی اور ہمیں انبیاء کرام کے آثار پر چلنے کی توفیق دی اور کمینے کافروں کی ظاہری باطنی گندگیوں (آلودگیوں) سے بچایا۔اعلی وافضل درود وسلام اس آقا کے لئے جو لوگوں کو سلامتی کی راہوں سے روشناس کرانے والے ہیں وہ جنھیں قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسا اور کلام احکام کی مضبوطی کے لئے عطا کیا گیا ہے اگرچہ امور دین میں کمینے (بے وقوف) بے دین سرکشوں کی ناک خاک آلود ہو، اور درود وسلام ہو آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر۔جو ان کے آداب سے ادب پانے والے ہیں۔وہ جنھوں نے قتل، قید اور شکست کی ایسی چکی چلائی جو قوی کافروں اور عجم کے رہنے والے مجوسیوں کے ایسے گروہ پر جو بگڑے ہوئے بھونکے ہوئے،اور داڑھیاں منڈوائے ہوئے تھے۔پس قیامت تک حبیب خدا ان کی آل اور ان کی معیت ہم سب پر اللہ تعالٰی کی (بے مثال) رحمت ہو۔(ت)

رب انی اعوذبك من همزات الشیٰطین و اعوذبك رب ان یحضرون، قال ربنا تبارك و تعالٰی: "وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِیۡنَ ۱۹۹"[1]	اے میرے پروردگار! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، اے میرے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ وہ میرے پاس حاضر ہوں، ہمارے پروردگار نے ارشاد فرمایا جو پاک اور برتر ہے جاہلوں سے منہ پھیرلے۔

ولید پلید جس کی علمی لیاقت پر ماشاء اللہ خود اسی تحریر کا ایک ایک فقرہ گواہ:

(۱) خاک بر سر مضامین الفاظ تک ٹھیک نہیں نثر، نثرہ نثار نظم نظم پر دیں۔

(۲) عبارت ماثبت ترکہ ترجمہ جس کی حرمت۔

(۳) اصل عبارت خود مضر مقصود کہ ترک حلق یقینا قطعاً متواتر بلکہ ضروریات دین سے ہے۔

(۴) ترجمہ دیکھئے تو دور موجود کہ حرام کی حد میں حرمت ماخوذ۔

(۵) سنن ابی داؤد شریف سے نقل عجب مضحکہ خیز جہل وسفاہت از روئے چالاکی کچھ براہ جہالت اصل حدیث حسن متصل مسند کہ نہ صرف سنن ابی داؤد بلکہ صحیح مسلم وسنن نسائی وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومسند احمد وغیرہا اجلہ کتب مشہورہ میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی کہ خود حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم فرماتے ہیں: دس چیزیں اصل فطرت وشرائع قدیمہ مستمرہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتحیۃ سے ہیں از انجملہ لبیں کتروانی داڑھی بڑھانی یہ حدیث جلیل جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں تخریج فرمایا، امام ابوداؤد نے سکوت کیا، امام ترمذی نے **ھذا حدیث حسن**[2] (یہ حدیث حسن ہے۔ت) کہا، اس کی وقعت چھپانے کو سند تو سند یہ بھی نقل نہ کیا کہ کس کی روایت ہے۔ (ام المومنین) کس کا ارشاد ہے (حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم) دوسری حدیث کہ خود نفس اسناد میں امام ابوداؤد نے اس کی سند میں ارسال یا انقطاع

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۹۹

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، سنن ابی داؤد باب السواك من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی تقلیم الاظفار امین کمپنی کراچی ۲/ ۱۰۰

کا پتا بتادیا تھا تابعی تک رکھتے ہیں تو مرسل ہوتی ہے۔ صحابی تک پہنچاتے ہیں تو منقطع ہوئی جاتی ہے۔ ناقل عاقل ابتداء سے اس کی سند نقل کرلایا۔ جب اس پر آیا صاف قطع کرکے الی اخرہ پردہ چھپایا حالانکہ اہل علم کے نزدیک اسی قدر نقل اس کا حال جاننے کو بس تھی ارسال وانقطاع سے قطع نظر کیجئے خود سند مین سلمہ بن محمد مجہول اور علی بن جدعان شیعی ضعیف واقع، اصل عبارت سنن ابی داؤد یوں ہے:

حدثنا موسٰی بن اسمعیل وداؤد بن شبیب قالا حدثنا حماد عن علی بن زید عــہ۱ ـ عن سلمة عــہ۲ عن محمد بن عمار بن یاسر قال موسٰی عن ابیہ عــہ۳ وقال داؤد عن عمار عــہ۴ بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان من الفطرۃ المضمضہ والا ستنشاق فذکر نحوہ ولم یذکر اعفاء اللحیۃ زادوا الختان[1] الخ۔	موسٰی بن اسمعیل اور داؤد بن شبیب نے ہم سے بیان کیا دونوں نے کہا ہم سے حماد نے بیان کیا، اس نے علی بن زید، اس نے سلمہ بن محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کی، موسی نے کہا (عن ابیہ) یعنی اس نے اپنے باپ سے اسے روایت کیا۔ داؤد نے کہا عن عمار بن یاسر یعنی اس نے عمار بن یاسر سے روایت کی (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: امور فطرت میں سے ہیں: کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا، پھر اس طرح حدیث بیان کی اور داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا اور ختنہ کرنے کا اضافہ فرمایا، الخ (ت)

(۶) پھر اس حدیث کو اس کے مخالف سمجھنا کیسی جہالت بے مزہ اس میں تو خود من تبعیضیہ موجود ہے کہ فرمایا خصال فطرت سے بعض چیزیں یہ ہیں خود معلوم ہوا کہ بعض اور بھی ہیں۔ تو داڑھی بڑھانے

عــہ۱: ضعیف من الرابعۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۴۷۵۰ علی بن زید بیروت ۱/ ۶۹۴)

عــہ۲: مجہول من الخامسۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۲۵۱۷ سلمہ بن محمد بیروت ۱/ ۳۷۹)

عــہ۳: مقبول من الثالثۃ ۱۲ (تقریب التہذیب ترجمہ ۷۰۴۱ موسٰی بن ابی موسٰی بیروت ۲/ ۲۲۹)

عــہ۴: روایتہ عن جدہ مرسلہ ۱۲ میزان۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

کا اس میں ذکر نہ آنا حدیث ام المومنین کا کب مخالف ہو سکتا ہے اور یہ تو جاہلوں سے کیا کہا جائے اہل علم جانتے ہیں کہ ایسی جگہ عدد میں بھی حصر مقصود نہیں ہوتا بلکہ اعانت ضبط وحفظ کے لئے صرف مذکورات کا شمار کرنا، ولہذا ہم اس حدیث دوم کی زیادات یعنی ختان وانتضاح کو بھی خصال فطرت سے مانتے ہیں اور حدیث اول کو باآنکہ اس میں عدد مذکور ہے اس کا نافی نہیں جانتے عشر من الفطرۃ (دس کام فطرت میں سے ہیں۔ت) نہیں الفطرۃ عشر (فطرتی کام دس ہیں۔ت) ہوتا جب بھی زیادہ کے منافی نہ تھا ولہذا ابوبکر ابن نے شرح ترمذی میں العربی خصال فطرت کا عدد تیس تک پہنچایا، اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

مفهوم العدد ليس بحجة لانه اقتصر فی حديث ابی هريرة علی خمس وفی حديث ابن عمر علی ثلث وفی حديث عائشة علی عشر مع ورود غيرها وقد تقدم انها الثلثة عشر واوصلها ابوبكر بن العربی الی ثلثين[1]	عدد کا مفہوم حجت نہیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں صرف پانچ کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں تین پر اور ام المومنین سیدہ عائشہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی حدیث میں دس کا ذکر ہے حالانکہ ان کے علاوہ بھی امور وارد ہوئے ہیں (لہذا اگر مفہوم عدد حجت ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔ مترجم) اور اس سے قبل ذکر ہوا کہ امور فطرت تیرہ ہیں۔ علامہ ابوبکر ابن عربی نے انھیں تیس تک پہنچایا ہے۔(ت)

فتاوٰی فقیر کے مجلد رابع میں مسئلہ بوجوہ افضلیت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تفصیل بازغ دیکھنی ہو تو فقیر کا رسالہ البحث الفاحص عن طرق احادیث الخصائص ملاحظہ کیجئے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھی فرمایا:

فضلت علی الانبياء بست، مسلم[2] عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه۔	میں چھ باتوں میں تمام انبیاء پر فضیلت دیا گیا۔(مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

کہیں فرمایا:

اعطيت خمسا لم يعطهن احد من قبلی۔	مجھے پانچ چیزیں وہ عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطہارۃ فصل فی اللحیۃ عشر الی آخرہ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۹

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

الشیخان [1] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	نہ ملیں (امام بخاری ومسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین۔البزار [2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں انبیاء پر دو باتوں میں فضیلت دیا گیا۔(بزار نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راویت کیا۔ت)

دوسری میں ہے:

ان جبرئیل بشرنی بعشر لم یؤتھن نبی قبلی [3] ابن ابی حاتم وعثمان الدارمی وابونعیم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جبریل نے مجھے دس چیزوں کی بشارت دی کہ مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں۔(ابن ابی حاتم وعثمان الدارمی وابونعیم نے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

طرفہ یہ کہ ان سب احادیث نہ صرف عدد کہ معدود بھی مختلف ہیں کسی میں کچھ فضائل شمار کے گئے کسی میں کچھ کیا یہ حدیثیں **معاذاللہ** باہم متعارض سمجھی جائیں گی یا دو یا دس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فضیلتیں منحصر، حاش للہ ان کے فضائل نامقصور اور خصائص نامحصور، بلکہ حقیقۃً ہر کمال ہر فضل ہر خوبی میں عموما اطلاقا انھیں تمام انبیاء مرسلین وخلق اللہ اجمعین پر تفضیل تام وعام مطلق ہے کہ جو کسی کو ملا وہ سب انھیں سے ملا اور جو انھیں ملا وہ کسی کو نہ ملا، ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(یارسول اللہ! جو جو خوبیاں تمام انبیاء کو دی گئیں وہ تمام تنہا آپ کو دے دی گئیں۔ت)

بلکہ انصافاً جو کسی کو ملا آخر کس سے ملا، کس کے ہاتھ سے ملا، کس کے طفیل سے ملا، کس کے پرتو سے ملا، سی اصل ہر فضل ومنبع ہر جو دوسرا ایجاد وتخم وجود سے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] حیح البخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸، صحیح مسلم کتاب المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

[2] مجمع الزوائد بحوالہ البزار کتاب النبوۃ باب عصمۃ من القرین دارالکتاب بیروت ۸/ ۲۲۵

[3]

ع فانما اتصلت من نورہ بھم

(اس کے نور سے ہی یہ سب کچھ ان تک پہنچا ہے۔ت)

ے انما مثلوا صفاتك للناس کما مثل النجوم الماء

(تمھاری صفات لوگوں کے لئے منعکس ہوگئیں جیسے ستارے پانی میں منعکس ہوجاتے ہیں۔ت) [یعنی اصل صفات توآپ کو بفضلہٖ تعالٰی عطا ہوئیں البتہ دیگر اہل فضل وکمال میں آپ کی صفات کا پرتو اور عکس ہے جیسا کہ پانی میں اس کے صاف وشفاف ہونے کی وجہ سے ستاروں کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ مترجم]

یہ تقریر فقیر نے اس لئے ذکر کی یہ حدیث **خمس من الفطرۃ** (پانچ کام فطرت سے ہیں۔ت) یا **الفطرۃ خمس** (فطرتی کام پانچ ہیں۔ت) یا قول ابن عباس خمس کلھا فی الرأس (پانچ کام سب سر کے متعلق ہیں۔ت) دیکھ کر سفہا کو سودا نہ اچھلے۔

(۷) کمال سفاہت یہ کہ ایک سند کے سب راویوں کو جدا جدا شمار کرکے حکم لگادیا ان نودس رواۃ نے یوں روایت کی حالانکہ سلسلہ سند میں اگر یکے از دیگرے ہزار تک عدد رواۃ پہنچے تو وہ ایک ہی راوی کی روایت ہے اس میں تعدد نہیں ہوسکتا جب تک مرتبہ واحدہ میں متعدد رواۃ نہ ہوں ورنہ سند عالی سے نازل اشرف ہو خصوصا ان کے نزدیک جو کثرت رواۃ سے ترجیح مانتے ہیں حالانکہ یہ بالبداہۃ باطل، وہ تو خیر گزری کہ یہ شخص خود سلمہ تک کوئی سند متصل نہ رکھتا تھا ورنہ آپ سمیت کوئی تیس چالیس گن دیتا کہ اتنے راویوں نے اعفاء ذکر نہ کیا۔

(۸) کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو اپنی ہی نقل کردہ عبارت دیکھتا کہ ابوداؤد نے **لم یذکر اعفاء اللحیۃ** (اس نے داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا۔ت) بصیغہ واحد فرمایا ہے کہ اس راوی نے اعفاء لحیہ کا ذکر نہ کیا یا **لم یذکروا** بصیغہ جمع ظاہرا اپنی نقل میں جو **لم یذکروا اعتقاء اللحیۃ** واقع ہوا اور واؤ طفہ کو واو جمع سمجھا اور سابق ولاحق کے تمام صیغ مفردہ ذکر زاد قال **لم یذکر** سے آنکھیں بند کرکے صاف "**لم یذکروا**" بنالیا کہ تمام رجال سند کو شامل ہو۔

(۹) لطیف تر یہ کہ ان سب رواۃ نے یہ روایت کی کہ آنحضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حدیث میں داڑھی بڑھانے کا ذکر نہ کیا بے علم بے چارہ "قولھم" کے معنی بھی نہیں جانتا اور ناحق وناروا آثار موقوفہ ومقطوعہ کہ قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ٹھہرائے دیتا ہے۔ ابن عباس صحابی ہیں اور مجاہد وبکر وطلق تابعین یہ آثار خود انھیں حضرات کے اپنے قول ہیں نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

وسلم وسلم کے ارشاد۔

تنبیہ: طلق سے ان کا قول بھی دونوں طرح مروی۔ نسائی[1] نے بسند صحیح ان سے دس کامل روایت کیں جن میں توفیر اللحیہ موجود۔

(۱۰) لطف بر لطف یہ کہ ان سب نے اس کی جگہ مانگ روایت کی۔ اللہ اللہ اتنا بے ادراک اور ایسا بیباک، ذرا کسی ذی علم سے عبارت ابی داؤد کا ترجمہ کرا کر دیکھئے کہ وہ مانگ کا ذکر صرف اثر ابن عباس میں بتاتے ہیں یا ان سب کی روایت یہی ٹھہراتے ہیں۔ بے علم کے نزدیک گویا عدم ذکر اعفاء لحیہ کے معنی ہی یہ ٹھہرے ہیں کہ اس کی جگہ مانگ کا ذکر کیا۔

(۱۱) جب جہالت کی یہ حالت تو اس کی کیا شکایت کہ اپنے اس زعم باطل میں فرق واعفاء کا ذکر وشمار میں تبادل سمجھ کر دونوں کا حکم یکساں ٹھہرا دیا۔ ایسا ہوتا بھی تو اس کا حاصل صرف اتنا نکلتا کہ جس بات کا یہاں تذکرہ ہے یعنی خصال فطرت سے ہونا، اس میں دونوں شریک ہیں نہ یہ کہ سب احکام میں یکساں ہیں۔ عمدۃ القاری وفتح الباری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

واللفظ للخطیب ھذا الخصال منھا ماھو واجب کالختان وما ھو مندوب ولا مانع من اقتران الواجب بغیرہ کما قال تعالٰی کلوا من ثمرہ اذا اثمر واتواحقہ یوم حصادہ فایتاء الحق واجب والاکل مباح[2]	الفاظ خطیب بغدادی کے ہیں ان خصائل میں سے بعض واجب ہیں جیسے ختنہ، اور بعض مستحب ہیں، اور کسی واجب کو دوسرے کے ساتھ جوڑنے اور ملانے میں کوئی مانع نہیں جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کھاؤ ان کا پھل جب وہ پھل لائیں اور کٹائی کے دن ان کا حق ادا کرو (یہاں آیت میں) حق ادا کرنا واجب ہے جبکہ کھانا مباح ہے (یہاں واجب، غیر واجب دونوں کا یکجا ذکر ہوا)۔ (ت)

(۱۲) پھر چالاکی یہ کہ اس کے متصل جو امام ابوداؤد نے دوسری حدیث مرفوع حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک اثر امام ابراہیم نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کیا کہ ان میں بھی داڑھی بڑھانے کو شمار فرمایا: ناقل عاقل اسے اڑا گیا۔ عبارت سنن یہ ہے:

وفی حدیث محمد بن عبداللہ بن ابی مریم عن ابی سلمۃ عن ابی ھریرۃ عن	محمد بن عبداللہ بن ابن مریم کی حدیث میں بواسطہ ابو سلمہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الزینۃ باب من السنن الفطرۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۷۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۴۶۲

النبی صلی تعالٰی علیہ وسلم واعفاء اللحیۃ عن ابراھیم النخعی نحوہ وذکر اعفا اللحیۃ والختان[1]	انھوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی اور داڑھی بڑھانا، ابراہیم نخعی سے اسی طرح کی روایت ہے، انھوں نے داڑھی بڑھانا اور ختنہ کرنا دونوں کا ذکر فرمایا۔ (ت)

(۱۳) کمال جہالت دیکھئے کہ اپنے مقام اجتہاد سے تنزل کرکے داڑھی بڑھانے کو فرض منڈانے کو حرام تسلیم کرتا اور اس تسلیم کی تقدیر پر امر اباحت کے لئے ہونے سے جواب دیتا ہے بے عقل سے کون کہے کہ جب حرمت تسلیم پھر اباحت کہاں۔

(۱۴، ۱۵، ۱۶) اللہ عزوجل کے پاک مبارک رسولوں سے استہزاء انھیں بے اعتدالی کا مرتکب بتانا شرع مطہر کو بے اعتدالیوں کا پسند کرنے والا ٹھہرانا، موسٰی کلیم اللہ وہارون نبی اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی نسبت وہ ملعون الفاظ کہ دشمن نے بڑھی داڑھی، الخ۔ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریش مطہر بڑی ہونا قرآن عظیم سے ثابت جان کر پھر وہ ناپاک ملعون شعر دو تین بال پر اعتدال بند اور شریعت وانبیاء کو بڑھانا پسند، ان باتوں کا جواب کفرستان ہند میں کیا ہوسکتا ہے۔ مگر صبح قیامت قریب ہے۔

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ"[3] "وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾"[4]	عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹ جایا کرتے تھے یا انھیں کس کروٹ پر پلٹنا ہوگا۔ فرمادیجئے کیا اللہ تعالٰی اس کی آیات اور اس کے رسولوں کے ساتھ ہنسی مزاح کرتے ہو اور جو لوگ اللہ تعالٰی کے رسول کو دکھ دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ (ت)

جب جہل وجہالت وشیوہ جاہلیت وبقیدی وجرأت کی یہ نوبت تو کلام وخطاب کا کیا محل اور حق کے حضور گردن جھکانے کی کیا امل مگر قرآن عظیم نے جہاں اعراض کا حکم بتایا "فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ"[5] (کھول کر بیان کردو جیسا کہ تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ ت) "لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ"[6] (لوگوں کے لئے واضح

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک من الفطرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۵

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[5] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

[6] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

طور پر) بیان کردہ،ت) بھی ارشاد فرمایا، لہٰذا ایضاح حق وازاحت باطل واستیصال شبہات واستحصال دلائل کے لئے یہ چند **تنبیہیں** مکتوب اور مسلمانوں کے حق میں حضرت حق سے حق پر استقامت مطلوب، **وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب**، (مجھے توفیق نہیں ہوسکتی سوائے اللہ تعالٰی کے فضل وکرم کے، اور میرا اسی پر بھروسا ہے اوراسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ت)

تنبیہ اول: مسلمانو! تمہارے رسول کریم سید عالم عالم اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو رب عزوجل نے علم اولین وآخرین عطا فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم اتارا "**تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ**"[1] ہر چیز کا روشن بیان "**تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ**"[2] ہر شیئ کی کامل شرح، "عـــہ **مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ**"[3] ہم نے کتاب میں کچھ اٹھانہ رکھا۔ اس میں تمام احکام جزئیہ تفصیلیہ ہی نہیں بلکہ ازلا ابدا جمیع کوائن وحوادث بالاستیعاب موجود ہیں۔ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی کہ حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کتاب اللہ فیہ نبأ ماقبلکم وخبر مابعد کم وحکم مابینکم رواہ الترمذی[4]۔	قرآن اس میں خبر ہے ہر اس چیز کی جو تم سے پہلے ہے اور ہر اس شے کی جو تمہارے بعد ہے اور حکم ہے ہر اس امر کا جو تمہارے درمیان ہے۔ (اسے ترمذی نے روایت کیا۔ت)

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

لوضاع لی عقال بعیر لوجدتہ فی کتاب اللہ ذکرہ ابن ابی الفضل المرسی	اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہوجائے تو قرآن عظیم میں اسے پالوں (ابن ابی الفضل مرسی نے

عـــہ: ذکر الامام السیوطی ھذہ الایۃ فی النوع الخامس والستین من کتابہ الاتقان مفید ان المراد بالکتاب القراٰن ۱۲۔	امام سیوطی نے اپنی مشہور تفسیر الاتقان فی علوم القراٰن کی پینسٹھویں نوع میں اس آیت کریمہ کا ذکر فرمایا ہے اور یہ فائدہ بیان فرمایا کہ (یہاں) آیت میں کتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ ۱۲(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۸

[4] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۴

نقل عنه فی الاتقان[1]۔	اسے ذکر فرمایا الاتقان میں ان سے نقل کیا گیا۔(ت)

امیر المومنین علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لوشئت لاوقرت من تفسیر الفاتحة سبعین بعیرا[2]۔	میں چاہوں تو سورہ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھروادوں۔

ایک اونٹ کے من بوجھ اٹھاتا ہے اور ہر من میں کے ہزار اجزاء حساب سے تقریبًا پچیس لاکھ جز آتے ہیں۔ یہ فقط سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے پھر باقی کلام عظیم کی کیا گنتی۔ پھر یہ علم علم علی ہے۔ اس کے بعد علم عمر، اس کے بعد علم صدیق کی باری ہے "ذھب عمر به تسعة اعشار العلم" عمر علم کے نو حصے لے گئے۔ کان ابوبکر اعلمنا ہم سب میں زیادہ علم ابوبکر کو تھا پھر علم نبی تو علم نبی ہے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرض قرآن عظیم وفرقان کریم میں سب کچھ ہے جسے جتنا علم اتنی ہی فہم، جس قدر فہم اسی قدر علم۔

"وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا یَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾"[3]	ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں مگر انھیں صرف علم والے ہی سمجھ سکتے ہیں(ت)

کہاوتیں ارشاد تو سب کے لئے ہوئی ہیں پر ان کی سمجھ انھیں کو ہے جو علم والے ہیں۔ پھر علم کے مدارج بے حد متفاوت "وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾"[4] (ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہے۔ت) عالم امکان میں نہایت نہایات حضور سید الکائنات علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والسلام والتحیات۔ ولہٰذا ارشاد ہوا:

"اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ"[5]	ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ فرمائیں جو کچھ آپ کو اللہ تعالٰی دکھادیا ہے اس کی روشنی میں(ت)

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶
[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۶
[3] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳
[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶
[5] القرآن الکریم ۴/ ۱۰۵

تو حضور کا جو کچھ حکم جو کچھ رائے جو کچھ طریقہ جو کچھ ارشاد ہے سب قرآن عظیم سے ہے "اَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾"[1] (یقینا تمھارے پروردگار کی طرف ہی ہر کام کی انتہاء ہے۔ت) سب قرآن عظیم میں ہے "اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ﴿۴﴾"[2] (وہ تو صرف وحی ہے جو ان پر کی گئی۔ت) مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے علم تام وشامل سے جانا کہ آخر زمانہ میں کچھ بددین مکار بدلگام فاجر ایسے آنے والے ہیں کہ ہمارا جو حکم اپنی اندھی آنکھوں سے بظاہر قرآن میں نہ پائیں گے منکر ہو جائیں گے۔

"بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا یَاْتِهِمْ تَاْوِیْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۳۹﴾"[3]	بلکہ انھوں نے اس کو جھٹلایا جس کو بذریعہ علم وہ احاطہ نہ کرسکے حالانکہ ابھی ان کے پاس اس کی کوئی تاویل نہیں آتی تھی۔ یونہی ان سے پہلے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا پھر، دیکھو ظالموں کا کیسا (عبرتناک) انجام ہوا۔ (ت)

لہٰذا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف ارشاد فرمایا:

الا انی اوتیت القراٰن ومثله معه الا یشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القراٰن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وماوجدتم فیه من حرام فحرموه وان ماحرم رسول الله کما حرم الله رواه الائمة احمد والدارمی[4] وابوداؤد والترمذی و ابن ماجة بالفاظ متقاربة عن المقدام بن معدیکرب رضی الله تعالٰی عنه۔	سن لو مجھے قرآن عطا ہوا اور قرآن کے ساتھ اس کا مثل۔ خبردار نزدیک ہے کہ کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر پڑا کہے یہی قرآن لئے رہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو جو حرام پاؤ اسے حرام جانو، حالانکہ جو چیز رسول اللہ نے حرام کی وہ اسی کی مثل ہے جو اللہ نے حرام فرمائی۔ (ائمہ کرام مثلا امام احمد، دارمی، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے تقریبا ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۴۲

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۴

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۹

[4] جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۱ وسنن ابی داؤد کتاب السنة باب لزوم السنة ۲/ ۲۷۶، مسند احمد بن حنبل عن المقدام ۴/ ۱۳۱ وسنن ابن ماجه مقدمة الکتاب ص ۳، سنن الدارمی باب السنة قاضیة علی کتاب الله دارالمحاسن القاهرہ ۱/ ۱۱۷

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاالفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر مما امرت به اونهیت عنه فیقول لاادری ماوجدنا فی کتاب الله اتبعناه۔ رواه احمد [1] وابوداؤد والترمذی و ابن ماجة والبیهقی فی الدلائل عن ابی رافع رضی الله تعالٰی عنه۔	خبردار! میں نہ پاؤں تم میں کسی کو اپنے تخت پر تکیہ لگائے کہ میرے حکم سے کوئی حکم اس کے پاس آئے جس کا میں نے امر فرمایا یا اس سے نہی فرمائی ہو، تو کہنے لگے میں نہیں جانتا ہم تو جو کچھ قرآن میں پائیں گے اسی کی پیروی کریں گے۔ (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اس کو حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا۔ت)

اور ایک حدیث میں ہے حضور والاصلوٰۃ اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے فرمایا:

ایحسب احدکم متکئا علی اریکته قدیظن ان الله لم یحرم شیئا الا مافی هذا القراٰن الا وانی والله قد امرت ووعظت ونهیت عن اشیاء انها لمثل القراٰن او اکثر۔ رواه ابوداؤد [2] عن العرباض بن ساریة رضی الله تعالٰی عنه۔	کیا تم میں سے کوئی اپنے تخت پر تکیہ لگائے گمان کرتا ہے کہ اللہ نے بس یہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں لکھی ہیں سن لو خدا کی قسم میں نے حکم دئے اور نصیحتیں فرمائیں اور بہت چیزوں سے منع فرمایا کہ وہ قرآن کی حرام فرمائی اشیاء کے برابر بلکہ بیشتر ہیں (امام ابوداؤد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ت)

اس منکر کا داڑھی بڑھانے کے حکم کو کہنا قرآن میں کہیں نہیں اور اسی بناء پر احادیث صحیحہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ کہہ کر رد کردینا کہ داڑھی بڑھانا اخلاق میں ہوتا تو قرآن میں کیوں نہ آتا وہی پیٹ بھرے بے فکرے بے نصیبے بے بہرے کی بات ہے جس کی پیشگوئی حضور

[1] جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۱ و سنن ابی داؤد کتاب السنة ۲/ ۲۷۹ و سنن ابن ماجه مقدمة الکتاب ص ۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب الخراج والامارة باب التعشیر اهل الذمة الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۶

عالم ماکان ومایکون فرما چکے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ سچ فرمایا رب جل وعلانے:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾"[1]	تمھارے پروردگار کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں تمھیں حاکم تسلیم نہ کرلیں۔ پھر تمھارے فیصلہ سے اپنے دلوں میں ذراسی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ اسے دل وجان سے بغیر کسی کھٹک کے مان لیں۔ (ت)

قرآن عظیم قسم کھا کر فرماتا ہے کہ اے نبی! جب تک تیری باتیں دل سے نہ مان لیں ہرگز مسلمان نہ ہوں گے طوطے کی طرح زبان سے لاکھ کلمہ رٹے جائیں کیا ہوتا ہے۔

تنبیہ دوم: مسلمانو! یہ گمراہ قوم جن کی پیشگوئی احادیث مذکورہ میں گزری صرف حدیثوں ہی کے منکر نہیں بلکہ حقیقۃً قرآن عظیم کو عیب لگانے والے اور دین متین کو ناقص وناتمام بتانے والے ہیں حدیثیں تو یوں چھوڑ دیں کہ انبیاء صرف درستی اخلاق کے لئے آتے ہیں حدیثوں کی باتیں اخلاق سے ہوتیں۔ تو قرآن میں کیوں نہ آتیں ورنہ قرآن اخلاقی احکام سے خالی اور دین ناقص ٹھہرتا ہے۔ جب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں یوں بیکار گئیں پھر اور کسی کی بات کا کیا ذکر۔

"فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾"[2] (پھر وہ اس کے بعد (قرآن مجید کے بعد) اور کس چیز پر ایمان لائیں گے۔ ت)

اب گنتی کے وہ احکام رہ گئے جن کی صاف تصریح کتاب اللہ میں ہے ان کے سوا سب اخلاق سے خارج تہذیب واخلاق کے ہزاروں احکام جن میں کوئی ذی عقل نزاع نہ کرسکے **معاذاللہ** اسلام کے نزدیک مہمل ومعطل اور تمامی دین باطل ومختل، مثلاً مردوں کا داڑھی مونچھ منڈوا کر بال بڑھا کر چوٹی گندھوا کر ہاتھ پاؤں میں مہندی رچا کر زنانہ کپڑے گوٹہ پٹھے مسالے کے پہن کر سر سے پاؤں تک جڑاؤ گہنوں سے بن ٹھن کر ہزاروں کے مجمع میں ناچنا بھاؤ بتانا کس آیت میں حرام لکھا ہے اعضائے رجولیت کٹا کر زنخنہ بننا ناک پر انگلی رکھ کر تالیاں بجانا کس سورۃ میں منع آیا ہے۔ **وعلی ھذا القیاس** ہزاروں افعال وسواس خناس اب منکر متکبر سے پوچھا جائے کہ ان افعال اور ان کے امثال کو **معاذاللہ** ملت اسلام میں حلال بتا کر دین کو عیاذاً باللہ سخت بیہودہ ونامہذب بنائے گا یا شرما شرمی حرام ٹھہرا کر نصوص قرآنیہ خالی پا کر **معاذاللہ** قرآن عظیم کو ناقص ناتمام بتائے گا ایسے حضرات کی تمام جدید تحقیقات شقیہ کا اندرونی بخار وہی پادریوں کو خفیہ اعانت دینا اور دین متین کا مضحکہ اڑانا ہوتا ہے "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[3] (عنقریب ظالم جان لیں گے کہ وہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۷۷/ ۵۰

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) بہت اچھا اگر داڑھی منڈانا حرام نہیں کہ قرآن عظیم میں اس کے احکام نہیں تو جہاں اس پر عمل ہے یہ پوری شرافت کے افعال بھی برت کر دکھادیں کہ ان کی تحریم بھی قرآن میں کہیں نہیں۔پوری ہی گائے نہ کھایئے کہ دین نیچر کے کامل مومن کہلایئے،اچھا نہ سہی قرآن میں کہیں ناک کٹانا بھی حرام نہیں لکھا الانف بالانف (ناک کے بدلے ناک۔ت) میں دوسرے کی ناک کاٹنے پر سزا ہے اپنی قطع کرانے کا ذکر کیا ہے ایک کاٹ کر دوسری کہاں سے لایئے گا کہ الانف بالانف کا محل پایئے گا جہاں داڑھی منڈائی ہے۔یہ اونچی گوٹ آنکھوں کی اوٹ جس نے ناحق چہرہ ناہموار کر رکھا ہے اسے بھی دھتا بتائیں لوگ چار ابرو کا صفایا بولتے ہیں یہ پانچوں گانٹھ کمیت ہوجائیں خیر آپ اس پر عمل نہ کریں مگر آپ کی تحریر تو ضرور ہانکے پکارے کہے گی کہ دین اسلام ایسا ناقص دین ہے جس میں ناک کٹانا حرام نہیں یا قرآن عظیم ایسی کتاب ہے جس میں ایسے جرموں پر کچھ الزام نہیں۔

تنبیہ سوم: منکر متکبر کا اثبات حرمت میں قرآن عظیم کے ساتھ حدیث متواتر و مشہور کا نام لے دینا محض عیاری و دنیا سازی یا عجب کورانہ تناقض بازی ہے ہم پوچھتے ہیں جو کسی حدیث متواتر یا مشہور میں آئے قرآن عظیم میں بھی موجود ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو حدیث کی کیا حاجت،اور اس تردید سے کیا منفعت اور اگر نہیں تو اب پوچھا جائے گا کہ وہ حکم داخل اخلاق ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو قرآن عظیم احکام اخلاقی سے خالی اور دین معرض نقص و بے کمالی،اور نہیں تو تمھارا مطلب حاصل کہ ایسے حکم کا شرعی ہونا باطل۔بہت ہو تو مچھلی کا ساشکار سہی،حرمت فرضیت کس نے کہی،مسلمانو! دیکھتے جاؤ کہ ان حضرات کے تمام خیالات کا حاصل بے حاصل وہی ابطال شرع مطہر و اکمال بیقیدی اہل نیچر ہے وبس، "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠" [1] (وہ لوگ جو ظالم ہیں انھیں جلد ہی معلوم ہوجائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹا کھانے والے ہیں۔ت)

تنبیہ چہارم: بعینہٖ اسی دلیل سے اجماع بھی باطل،پھر قیاس کس گنتی شمار میں رہے،اور امر قرآنیہ منکر نے "اِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" [2] (جب احرام سے نکلو تو شکار کرسکتے ہو۔ت) سے اس کا جواب بھی گھڑ دیا۔ہر امر میں یہی احتمال قائم،کیا معلوم کہ یہ انھیں احکام میں ہو جن کا نہ کرنا عقاب درکنار موجب عتاب بھی نہیں پھر ایک یہی چلتا فقرہ تمام نواہی قرآنیہ کو بس ہے کہ جس طرح امر کبھی اباحت کے لئے ہوتا ہے یونہی نہی بھی ارشادی ہوتی ہے غرض ایک ہی کرشمے میں شریعت محمدیہ کے تمام اوامر و نواہی بیکار اور معطل ہو کر رہ گئے۔سچ ہے انسانی آزادی اس کی منادی قید ملت کہاں کی علت،مگر افسوس یہ آنکھوں کے اندھے عقل کے اوندھے سمجھے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

آزاد ہوئے اور حقیقت دیکھو تو برباد ہوئے۔ اللہ واحد قہار کی بندگی سے سر نکالا اور ابلیس لعین کا پٹا گلے میں ڈالا بندگی تو ہر حال رہی اللہ کی نہیں ابلیس کی سہی ع

ببیں کہ از کہ بریدی وباکہ پیوستی

(دیکھو تو سہی کہ تم نے کس سے تعلق توڑا اور کس سے جوڑا یعنی کس سے کٹ کر جدا ہوگئے اور کس سے وابستہ ہو کر مل گئے۔ت)

تنبیہ پنجم: مخالفت مشرکین کے وہ معنی لینا اور داڑھی رکھنے منڈانے دونوں میں مخالفت بتانا کلام پاک حضور سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کھلا استہزاء وتمسخر ہے۔ اللہ اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اطہر اور ایک ناپاک بیباک بے ادراک کا کہنا کہ **فیہ نظر** (اس میں ایک اعتراض واشکال ہے۔ت) پھر اسے دیدہ ودانستہ بازیچہ بنانا " **يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ** "[1] (وہ لوگ کتاب کو سمجھنے کے بعد اسے بدل ڈالتے ہیں جبکہ وہ (اس حقیقت کو) اچھی طرح جانتے ہیں۔ت) کا شیوہ دکھانا۔

اولًا: دنیا میں کون اندھے سے اندھا خلاف مشرکین کا یہ مطلب سمجھے گا کہ مشرکین روٹی کھاتے ہیں تم بھوکے رہو، وہ پانی پیتے ہیں تم پیاسے مرو، خلاف مشرکین شعار مشرکین میں ہے نہ یہ کہ کوئی مشرک ہمارے بعض افعال اختیار کرے، یا جس فعل کو ہماری شرع مطہر نے پسند فرمایا وہ کسی فرقہ مشرکہ سے بھی واقع ہو تو ہم چھوڑ دیں۔

ثانیًا: یہی معنی مراد ہوتے تو معاذاللہ حکم کس قدر فضول ومہمل تھا۔ جو بات ایک کام کرو تو بھی حاصل نہ کرو تو بھی حاصل، اس کے لئے اس کام کا حکم دینا تحصیل حاصل۔

ثالثًا: ترجیح بلامرجح اس کے عکس کا کیوں نہ حکم ہوا کہ خلاف مشرکین اس میں بھی تھا۔

رابعًا: بلکہ ترجیح مرجوح کہ داڑھی منڈے مشرک مہینوں کی راہ دور ایران وغیرہ میں تھے اور داڑھی والے اہل عرب اپنے ہی وطن میں اپنے ہی شہروں میں۔ تو خلاف مشرکین انھیں کے خلاف ظاہر ہوتا یوں تو کوئی ایرانی کبھی اتفاق سے آجاتا تو اپنی مخالفت پاتا پھر بھی خلاف مذہبی نہ سمجھتا بلکہ قومی وملکی کہ اس ملک کے مسلم وکافر سب کو اپنے خلاف دیکھتا۔

خامسًا: اللہ اکبر اگر حدیث فقط اس قدر ہوتی کہ **خالفوا المشرکین** مشرکوں کا خلاف کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

توشاید کسی کچے جنونی پکے مجنونی کو ایسے جنون جاگتے مجنون لے بھاگتے، مگر حدیث میں تو صراحۃً خود اس خلاف کی شرح فرمادی تھی۔اعفوا الشوارب واعفوا اللحی مشرکین کا یوں خلاف کروکہ لبیں ترشواؤاور داڑھیاں بڑھاؤ۔اس کے یہ معنٰی لیناکہ ان کاخلاف کرکے بڑھاؤخواہ ان کی مخالفت کرکے منڈاؤکیسی کھلی تحریف اور کیساصریح استہزاء ہے۔اللہ اکبر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وسعت علم جس طرح عجائب قرآن عظیم غیر متناہی ہیں یوہیں عجائب حدیث کی حد نہیں۔کریمہ: "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ مَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ "[1] (کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کابوجھ (بروز قیامت) نہیں اٹھائے گااور ہم جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں عذاب نہیں دیتے یعنی اتمام حجت کے بغیر مبتلائے عذاب نہیں کرتے۔ت)کے لطائف سے امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے شمار فرمایاکہ دونوں جملے دو۲ ہمشکل مسائل مختلف فیہا کا فیصلہ فرماتے ہیں۔پہلامسئلہ اطفال مشرکین اور دوسرااہل فترت پر دلیل شافی ہےان دونوں کاایک جگہ ارشاد ہونا نظم قرآنی کے عجب دقیقہ سے ہےذکرہ فی رسالۃ فی الابوین الکریمین (امام سیوطی نے حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین کے اسلام کے موضوع پر جورسالہ تحریر فرمایا۔اس میں اس کاذکر فرمایا۔ت) فقیر کہتا ہے امام احمد وطبرانی وضیاء نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تسرولواوائتزوا وخالفوا اھل الکتاب قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اھل الکتاب[2]۔	پاجامہ پہنواور تہبند باندھو اور یہود ونصارٰی کاخلاف کرو اور لبیں ترشواؤاور داڑھیاں وافرکرو یہود ونصارٰی کاخلاف کرو۔

یہود ونصارٰی کے یہاں سترکچھ ضروری نہیں ان کی قومیں اب تک ننگے نہانے کی عادی ہیں حدیث میں ان دوجملوں کاایک جگہ ارشاد ہوناایسے گمراہوں گمراہ پرستوں کے جنون کاکافی علاج ہے جس طرح داڑھی میں مخالفت اہل کتاب کے وہ معنی تراشے یونہی پاجامہ وتہبند میں یہی مطلب پہنائے کہ اہل کتاب ستر عورت کرتے بھی ہیں تو چاہے اس عادت کاخلاف کرکے پاجامہ پہنو چاہے اس کی مخالفت سے ننگے پھرواور پورے مہذب جنٹلمین بنو۔"وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷ "[3]

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی امامہ باہلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۵۔۲۶۴

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

(عنقریب ظالم جان جائیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

تنبیہ ششم: فرض وواجب اور اسی طرح حرام ومکروہ تحریمی میں فرق دربارہ اعتقاد ہے کہ فرض وحرام کا منکر کافر ٹھہرتا ہے۔

امامطلقًا کماعلیہ ظواھر کلمات الفقہاء الامجاد او علی تفصیل فیہ کما علیہ الاعتماد۔	یا مطلقًا جیسا کہ بزرگ فقہاء کرام کے ظاہری کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں یا اس میں تفصیل ہے جیسا کہ اس پر اعتماد ہے۔(ت)

بخلاف اخیرین، مگر عمل میں دونوں کا ایک حکم مخالف میں گناہ واثم امتثال میں رجائے ثواب خلاف میں استحقاق غضب و عذاب۔ کما صرح فی کل کتاب (جیسا کہ تمام کتب میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ت) اہل اسلام اپنے رب کے غضب سے ڈریں اور ان گمراہان گر کی چرب زبانیوں پر توجہ نہ کریں بالفرض اصطلاح حنفی میں "ف رض یا ح رام" کا اختلاف نہ ہوا تو یہ فرض اصطلاحی تمہارے کس کام آئے گا جبکہ غضب جبار وعذاب نار کا استحقاق بہر حال موجود **والعیاذ باللہ الغفور الودود**، یقین جانو اس دن کو داڑھی منڈا واحد قہار کے حضور تمہارا حمایتی نہ بنے گا وہ آپ اپنی بھڑکائی آگ میں جلے بھنے گا آئندہ اختیار بدست مختار، مسلمانو! اس کی ٹھیک مثال یہ ہے کہ کوئی گندہ ناپاک بھینس کا گوبر گدھے کی لید کھایا کرے۔ جب اس سے کہا جائے تو (۰۰) کھاتا ہے کہے اسے (۰۰) (۰۰) نہیں کہتے یہ تو لید گوبر ہے اس نجس سے یہی کہا جائے گا کہ یونہی سہی مگر ہر طرح تیرے منہ میں تو گندگی رہی، مسلمانو! مکروہ تحریمی گناہ صغیرہ سہی مگر بعد اصرار کبیرہ اور ہلکا جانتے ہی فوراً اشد کبیرہ۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصغیرۃ مع الاصرار[1] رواہ فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اصرار سے کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہوجاتا (بلکہ بڑا ہوجاتا ہے) دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے اس کو روایت کیا ہے اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو۔ (ت)

پھر یہ ظالمین براہ چالاکی حرام حرام کی اصطلاح لئے ہوئے ہیں حقیقۃً مباح محض شیر مادر جانتے ہیں جب تو "اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ"[2] (جب تم حلال ہو جاؤ یعنی احرام کی پابندی ختم ہو جائے

---

[1] الفردوس بماثور الخطاب للدیلمی حدیث ۷۹۴۴ ابن عباس دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

اور احرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔(ت) [یعنی حدود حرم سے باہر شکار تمھاری پسند اور چاہت پر موقوف ہے مترجم] کی مثال اور عقاب در کنار عتاب بھی نہ ہونے کا خیال ہے۔ شیطان کے بڑھاوے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

"یَعِدُهُمْ وَیُمَنِّیْهِمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ "[1]	شیطان ان سے وعدہ کرتا ہے اور انھیں امید دلاتا ہے اور شیطان ان سے سوائے دھوکے اور فریب کے کوئی وعدہ نہیں کرتا (یعنی اس کا ہر وعدہ سبز باغ اور فریب ہوتا ہے)۔(ت)

انتباہ: سنا گیا کہ اس منکر متکبر کی طرح کوئی اور حضرت بھی اس مسئلہ میں مخالفت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تلے ہوئے ہیں اس نے اباحت محضہ کا ڈنڈا پکڑا اور وہ اپنے زور زور میں اور راہ چلے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام نہیں۔ اور مکروہ تحریمی میں خود اختلاف ہے کہ وہ حرمت سے قریب ہے یا حلت سے نزدیک مسلمانو! راہ فریب سے دور "لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۵﴾ "[2] (اور ہر گز تمھیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی) یہ ان قائل صاحب کا محض افترائے گندہ وایجاد بندہ ہے آج تک جہاں میں کسی عالم نے مکروہ تحریمی کو قریب بحلت نہ بتایا تمام کتب مذہب موجود ہیں حضرات شیخین وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم میں یہ اختلاف بتایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک مکروہ تحریمی عین حرام ہے اور ان کے نزدیک اقرب بحرام۔ تنویر الابصار وغیرہ عامہ اسفار میں ہے:

کل مکروہ حرام عند محمد وعندهما الی الحرام اقرب[3]۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ہر مکروہ حرام ہے جبکہ امام صاحب اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے نزدیک حرام سے قریب تر ہے۔(ت)

اور عند التحقیق یہ بھی صرف اطلاق لفظ کا فرق ہے معنی سب کا ایک مذہب خود امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ناقل کہ انھوں نے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کی: اذا قلت فی شیئ اکرہ فما رأیك فیه جب آپ کسی شیئ کو مکروہ فرمائیں تو اس میں آپ کی کیا رائے ہوتی ہے؟ قال التحریم فرمایا حرام ٹھہرانا ذکر فی ردالمحتار[4] عن شرح التحریم

---

[1] القرآن الکریم ۴ / ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۳۵ / ۵

[3] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۵

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۴

للامام ابن امیر الحاج عن مبسوط الامام محمد رحمھم اللہ تعالٰی (فتاوٰی شامی میں اس کو شرح التحریر کے حوالے سے ذکر فرمایا جو امام ابن امیر الحاج کی تصنیف ہے انھوں نے مبسوط امام محمد سے نقل فرمایا (اللہ تعالٰی ان سب پر رحم فرمائے)۔ت)

تنبیہ ہفتم: آیات قرآنیہ میں۔ حق فرمایا ہمارے رب جل وعلانے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾"[1]	ہے یوں کہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

ان بے بصیرتوں کو اگر کبھی کھلی آنکھوں سے قرآن عظیم کی زیارت نصیب ہوتی تو جانتے کہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ اس میں ایک دو نہیں بلکہ بکثرت آیات کریمہ میں موجود ہے اس میں دو[2] طریق ہیں: **اول طریق عموم**: یہ دو[2] وجہ پر ہے:

وجہ اول: کہ صحابہ کرام وائمہ اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم امثال مقام میں استعمال فرماتے رہے۔ **آیت ۱: قال اللہ عزوجل**:

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"[2]	جو کچھ یہ رسول کریم تمھیں دے اختیار کرو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

آیت ۲: قال تعالٰی:

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"[3]	اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسول کی اور اپنے علما کی۔

آیت ۳: قال عزوجل:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ"[4]	جو رسول کے فرمانے پر چلا اس نے اللہ کا حکم مانا۔

رب تبارک وتعالٰی ان آیات اور ان کے امثال میں نبی کا حکم بعینہٖ اپنا حکم اور نبی کی اطاعت بعینہٖ اپنی اطاعت بتاتا ہے تو تمام احکام کہ احادیث میں ارشاد ہوئے سب قرآن عظیم سے ثابت ہیں جو اخلاقی حکم حدیث میں ہے کتاب اللہ اس سے ہرگز خالی نہیں اگرچہ بظاہر تصریح جزئیہ ہماری نظر میں نہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

احمد وبخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی وابن ماجہ سب ائمہ اپنی مسند وصحاح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

لعن اللہ الواشمات والمستوشمات و المتنمصات و المتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ۔	اللہ کی لعنت بدن گودنے والیوں اور گدوانے والیوں اور منہ کے بال نوچنے والیوں اور خوبصورتی کے لئے دانتوں میں کھڑکیاں بنانے والیوں اللہ کی بنائی چیز بگاڑنے والیوں پر۔

یہ سن کر ایک بی بی خدمت مبارک میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: میں نے سنا ہے آپ نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ____فرمایا:

مالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو فی کتاب اللہ۔	مجھے کیا ہوا کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اور جس کا بیان قرآن عظیم میں ہے۔

ان بی بی نے کہا: میں نے قرآن اول سے آخر تک پڑھا اس میں کہیں اس کا ذکر نہ پایا__ فرمایا:

اِنْ کُنتِ قَرَاْتِیْہِ لَقَدْ وَجَدْتِیْہِ اما قراتِ ماآتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا۔	اگر تم نے قرآن پڑھا ہوتا یہ بیان اس میں ضرور پاتیں۔ کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی کہ جو رسول تمھیں دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے باز رہو۔

انھوں نے عرض کی: ہاں____ فرمایا: فانہ قد نھی عنہ[1] تو بے شک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان حرکات سے منع فرمایا: منکر دیکھے کہ اس کا خیال وہی ان بی بی کا خیال اور ہمارا جواب بعینہٖ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا جواب ہے یا نہیں۔ یہ بی بی ام یعقوب اسدیہ ہیں کبار تابعین وثقات مصالحات سے

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۴، صحیح البخاری کتاب اللباس باب الموصولۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب صلۃ الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی الواصلۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲، سنن نسائی کتاب الزینۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۹۲

ہونے میں توکلام نہیں اور حافظ الشان نے فرمایا: صحابیہ سے معلوم ہوتی ہیں۔ بہر حال ان کی فضیلت وصلاح قبول حق پر باعث ہوئی سمجھ لیں اوراس کے بعد حدیث کو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتیں

کمارواہ البخاری [1] من طریق عبدالرحمٰن بن عابس عنہارضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جیسا کہ امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن عابس کے طریقہ سے۔اس نے بی بی صاحبہ سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کوروایت کیاہے۔(ت)

ابنائے زمانہ سے گزارش کرنی چاہئے کہ ع

دلامردانگی زین زن بیاموز

(اے دل! اس عورت سے مردانہ جرأت سیکھ۔ت)

ع ولٰکن الھدایۃ لن تنالا　　　بلافضل من المولٰی تعالٰی

(لیکن توہرگزہدایت نہں پاسکے گااللہ تعالٰی کے فضل کے بغیر۔ت)

ایک بار عالم قریش سے سیدناامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مکہ معظّمہ میں فرمایا: مجھ سے جو چاہو پوچھو میں قرآن سے جواب دوں گا۔ کسی نے سوال کیا: احرام میں زنبور کو قتل کرنے کاکیا حکم ہے؟ فرمایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، ما اٰتکم الرسول فخذوہ ومانھکم عنہ فانتھوا وحدثنا سفٰین بن عیینہ عن عبدالملك بن عمیر بن ربعی بن حراش عن حذیفۃ بن الیمان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال اقتدوا بالذین من بعدی ابوبکر وعمر	بسم اللہ الرحمن الرحیم، جوکچھ تمھیں رسول کریم عطا فرمائیں اسے لے لواور جس سے تمھیں منع فرمائیں اس سے باز رہو "اللہ عزوجل نے تو فرمایا کہ ارشاد رسول پر عمل کرو" (ہم سے سفیان بن عیینہ نے فرمایااس نے عبدالملک بن عمیر سے اس نے ربعی بن حراش سے اس نے حذیفہ بن یمان سے انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ ت) کہ رسول اللہ

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الواشمہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹

حدثنا سفین عن مسعر بن کدام عن قیس بن مسلم عن طارق بن شہاب عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ امر بقتل المحرم الزنبور ذکرہ الامام السیوطی فی الاتقان [1]"	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہمیں حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ان دو کی پیروی کرو جو میرے جانشین ہونگے۔ (ہم سے سفیان بن مسعر بن کدام نے بیان کیا انھوں نے قیس بن مسلم سے انھوں نے طارق بن شہاب سے روایت کی) اور ہمیں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث پہنچی کہ انھوں نے احرام باندھے ہوئے کو قتل زنبور کا حکم دیا (امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے اسے الاتقان فی علوم القرآن میں ذکر فرمایا۔ت)

وجہ ثانی: اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت)

آیت ۴: قال جل ذکرہ (اللہ جل جلالہ نے فرمایا:)

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾" [2]	البتہ بیشک تمھارے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چال طریقہ میں اچھی ریت ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور پچھلے دن سے اور بہت یاد کرے اللہ کی۔

اس آیہ کریمہ میں مولٰی جل وعلا اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کے طریق وروش پر چلنے کی ہدایت فرماتا اور مسلمانوں کو یوں جوش دلاتا ہے کہ دیکھو ہماری یہ بات وہ مانے گا جس کے دل میں ہمارا خوف ہماری یاد ہم سے امید قیامت سے دہشت ہوگی اور موافق مخالف حتی کہ نصارٰی ویہود ومجوس وہنود تمام جہاں جانتا ہے کہ اس سرور جہاں وجہانیاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت دائمہ مستمرہ داڑھی رکھنی تھی جس پر تمام عمر مداومت فرمائی محافظت فرمائی تاکید فرمائی ہدایت فرمائی معاذ اللہ کبھی تجویز خلاف نے گنجائش نہ پائی، ہم یہاں بعض احادیث جلیلہ کریمہ یاد کریں کہ ذکر حبیب نور عین وسرور جان وشادابی دل وسیرابی ایمان ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی النوع الخامس والستون مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲۶

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۲۱

حدیث ۱: جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثیر شعر اللحیۃ۔ رواہ مسلم [1] وعنہ عند ابن عساکر [2] کثیر شعر الراس واللحیۃ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ریش مبارک میں بال کثیر وانبوہ تھے (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ ابن عساکر کے نزدیک انہی جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر اور داڑھی مبارک کے بال زیادہ تھے۔ت)

حدیث ۲: ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فخما مفخما یتلالؤ وجھہ تلالؤالقمر لیلۃ البدر ازھر اللون واسع الجبین کث اللحیۃ رواہ الترمذی [3] فی الشمائل والطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب و رواہ ایضا الرؤیانی والبیھقی فی الدلائل وابن عساکر فی التاریخ۔	حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عظمت والے نگاہوں میں عظیم دلوں میں معظم تھے چہرہ مبارک ماہ دوہفتہ کی طرح چمکتا جگمگاتی رنگ، کشادہ پیشانی گھنی داڑھی (اس کو امام ترمذی نے شمائل نبوی میں امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔ نیز رؤیانی نے اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عساکر نے تاریخ میں روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۳: امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں:

بابی وامی کان ربعۃ ابیض مشربا بحمرۃ کث اللحیۃ رواہ ابن عساکر [4] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	میرے ماں باپ ان پر قربان، میانہ قد کے تھے، گورا رنگ جس میں سرخی جھلکتی، گھنی داڑھی، (ابن عساکر نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب اثبات خاتم النبوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۲

[3] شمائل الترمذی جامع الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ امین کمپنی دہلی ص ۲

[4] کنز العمال برمز کر "عن ابی ہریرہ حدیث ۱۸۵۶۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۱۷۲

حدیث ۴: وہی فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضخم الھامۃ عظیم اللحیۃ رواہ البیہقی[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سر مبارک بزرگ اور ریش بڑی تھی (اسے امام بیہقی نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابیض اللون مشربا بحمرۃ ادعج العینین کث اللحیۃ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رنگ گورا، سرخی آمیز آنکھیں بڑی، خوب سیاہ داڑھی گھنی۔

حدیث ۶: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احسن الناس قواما واحسن الناس وجھا واطیب الناس ریحا والین الناس کفا وکانت لہ جمۃ الی شحمۃ اذنیہ وکانت لحیتہ قد ملأت من ھھنا الی ھھنا وامرید یہ علی عارضیہ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم پاک کی بناوٹ تمام جہان سے بہتر چہرہ تمام عالم سے خوب تر مہک سارے زمانے سے خوشبو تر، ہتھیلیاں اپنے رخساروں سے نرم تر، بال کانوں کی لو تک، پھر اپنے رخساروں پر اشارہ کرکے بتایا کہ ریش مبارک یہاں سے یہاں تک بھری ہوئی تھی۔

حدیث ۷: وہی فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابیض الوجہ کث اللحیۃ احمر الاماقی اھدب الاشفار، رواھا جمیعا ابن[4] عساکر الکل مختصرًا۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا منہ گورا، داڑھی گھنی، آنکھوں کے سرخی، پلکیں دراز، (ان سب کو ابن عساکر نے مختصر طور پر روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب صفۃ راس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۱۶

[2] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۸

[3] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۱

[4] تہذیب تاریخ ابن عساکر باب صفۃ خلقہ ومعرفۃ خلقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۲

امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں: کث اللحیة تملؤ صدرہ [1]۔ ریش مطہر گھنی سینہ منورہ کو بھرے ہوئے۔ یہاں "سینہ" سے مراد اس کا بالائی کنارہ ہے کہ گلے کی انتہا ہے صرح بہ الشراح وھوا لواضح الصراح (شارحین نے اس کی تصریح فرمائی جو بالکل واضح اور صاف ہے۔ت) اور عادت کریمہ تھی کہ کوئی امر کیسا ہی مرغوب وپسندیدہ ہو جب شرعا لازم ضروری نہ ہوتا تو بیان جواز کے لئے گاہے ترک بھی فرمادیتے یا قولا خواہ تقریرا جواز ترک بتادیتے اس لئے علمائے کرام نے سنت کی تعریف میں مع الترک احیانا اضافہ کیا یعنی جسے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اکثر کیا اور کبھی کبھی ترک بھی فرمادیا ہو۔ ولہذا محققین فرماتے ہیں کہ ایسی مواظبت دائمہ ہمیشہ دلیل وجوب ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب الاذان میں فرماتے ہیں:

عدم الترك مرة دليل الوجوب [2]۔	ایک مرتبہ بھی نہ چھوڑنا وجوب کی دلیل ہے۔(ت)

نیز باب الاعتکاف میں فرمایا:

هذه المواظبة المقرونة بعدم الترك مرة لما اقترنت بعدم الانكار على من لم يفعله من الصحابة رضى الله تعالٰى عنهم كانت دليل السنة والا كانت دليل الوجوب [3]۔	یہ دوام یعنی ہمیشگی جو کبھی ایک دفعہ بھی نہ چھوڑنے سے مقرون ہو جب ان صحابہ کرام سے جنھوں نے اسے نہ کیا ہو ان سے عدم انکار پر مقترن ہو تو دلیل سنت ہے ورنہ دلیل وجوب ہے۔(ت)

دوم طریق خصوص: اس میں بھی بحمد اللہ تعالٰی فیض جلیل قرآن جلیل سے آیات کثیرہ عبد ذلیل پر فائض برکات ہوئیں **فاقول:** وباللہ التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق ومدد سے ہی کہتا ہوں۔ت) یہ نفیس طریق وجوہ عدیدہ رکھتا ہے جن سے احیائے لحیہ کا امر یا طلب یا اس کے خلاف پر وعید یا مذمت ثابت ہو۔

وجہ ثالث___آیت ۵: قال تعالٰی وتقدس:

"وَاِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ	کافر نہیں پوجتے مگر شیطان سرکش کو جس پر خدا نے لعنت کی اور وہ بولا میں ضرور لے لوں گا تیرے

[1] الشفاء لحقوق المصطفٰی فصل ان قلت الخ عبد التواب اکیڈمی ملتان ۱/ ۳۸

[2] فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان ۱/ ۲۰۹

[3] فتح القدیر باب الاعتکاف مکتبہ نوریہ رضویہ پاکستان ۲/ ۳۰۵

نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ"[1]	بندوں میں سے اپنا ٹھہرا ہوا حصہ اور میں ضرور انھیں بہکا دوں گا اور ضرور خیالی لالچوں میں ڈالوں گا اور ضرور انھیں حکم دوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور بیشک انھیں حکم دوں گا کہ اللہ کی بنائی چیز بگاڑیں گے۔

یہی وہ آیہ کریمہ ہے جس کی رو سے حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زنان مذکورہ پر لعنت فرمائی اور اس کی علت یہی خدا کی بنائی چیز بگاڑنی بتائی، بعینہٖ یہی کیفیت داڑھی منڈانے کی ہے۔منہ کے بال نوچنے والیاں تغیر خلق اللہ کرتی ہیں یوں ہی داڑھی منڈوانے والے تو یہ سب اسی **فلیغیرن خلق اللہ** (تو وہ اللہ تعالٰی کی بناوٹ میں تبدیلی کرینگے۔ت) میں داخل اور شیطان کے محکوم اور اللہ ورسول کے ملعون ہیں۔امام جلال الدین سیوطی اکلیل فی استنباط التنزیل میں زیر آیہ کریمہ فرماتے ہیں:

یستدل بالاٰیة علی تحریم الخصاء والوشم وما یجری مجراه من الوصل فی الشعر وبرد الاسنان و التنمص وھو نتف الشعر من الوجه[2]۔	آیۃ مذکورہ سے استدلال کیاجاتا ہے کہ خصی کرنے،بدن گودنے اور ان جیسے دیگر اعمال مثلا بال جوڑنے،دانتوں میں کشادگی پیدا کرنے اور چہرے کے بال نوچنے کی حرمت پر۔(ت)

تفسیر مدارک شریف میں ہے:

فلیغیرن خلق اللہ بالخصاء اوالوشم او تغیر الشیب بالسواد والتخنث اھ[3] باختصار۔	اللہ تعالٰی کی بنائی ہوئی صورت کو تبدیل کریں گے یعنی خصی کرنے،بدن گدوانے سفید بالوں کو سیاہ کرنے اور زنانہ اوصاف اپنانے میں۔(مختصراً عبارت مکمل ہوئی)۔(ت)

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں زیر حدیث مذکور **المغیرات خلق اللہ** (اللہ کی بناوٹ کو بدلنے والی عورتیں۔ت) فرماتے ہیں:

علت وحرمت مثلہ وحلق لحیہ وامثال آں	مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنا اور داڑھی مونڈنے یا منڈوانے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹، ۱۲۰

[2] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت آیۃ ۴/۱۱۹ مکتبہ اسلامیہ میزان مارکیٹ کوئٹہ ص ۸۲

[3] مدارك التنزيل(تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۴/ ۱۱۹ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲

نیز ہمیں ست[1]۔	اور اس قسم کے دوسرے کام کرنے کے حرام ہونے کی یہی علت اور سبب ہے۔(ت)

وجہ رابع___آیت ۶: قال مجدہ:

"ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ"[2]	بات یہ ہے اور جو بڑائی کرے دین الٰہی کے شعاروں کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں۔

آیت ۷: قال عزشانہ،:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ"[3]	اے ایمان ولو! حلال نہ ٹھہرالو دین خدا کے شعاروں کو۔

شک نہیں کہ داڑھی شعار دین اسلام سے ہے۔امام بدر محمود عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں ختنہ کی نسبت نقل فرماتے ہیں:

انہ شعائر الدین کالکلمۃ وبہ یتمیز المسلم من الکافر[4]۔	ختنہ کرنا کلمہ شریف کی طرح شعائر اسلام میں سے ہے اس سے مسلمان اور کافر میں باہم امتیاز ہوتا ہے۔(ت)

جب ختنہ حالانکہ امر خفی کلمہ طیبہ کے شعائر دین اور وجہ امتیاز مومنین وکافرین قرار پایا یہاں تک کہ مسلمانان ہند نے اس کا نام بھی "مسلمانی" رکھ لیا۔تو داڑھی کہ امر ظاہر ہے اور پہلی نظر اسی پر پڑتی ہے بدرجہ اولٰی شعائر الاسلام ومابہ الامتیاز کرام ولیام ہے اور بعض کفار کا اس میں شریک ہونا منافی شعاریت اسلام نہیں جس طرح ختنہ کرنے میں یہود شریک مسلمین ہیں خود نفس آیات کریمہ ہی میں دیکھئے مورد نزول جانوران ہدی میں کہ حرم محترم کو قربانی کے لئے بھیجے جاتے ہیں انھیں شعار دین الٰہی فرمایا حالانکہ تمام مشرکین عرب اس فعل میں شریک تھے اور جب داڑھی شعار دین ہے اور بے شک یونہی ہے تو بحکم قرآن اس کے ازالہ کو حلال ٹھہرالینا حرام اور اس کی تعظیم تقوی قلوب کا کام۔

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

[4] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۲/ ۴۵

وجہ خامس ___ آیت ۸: قال عزمجدہ:

"اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا" [1]	میں نے تمھاری طرف وحی بھیجی کہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے دین کو اپناؤ (یعنی دین ابراہیمی کی پیروی کرو) جو ہر قسم کے باطل سے الگ تھلگ رہنے والے تھے (ت)

آیت ۹: قال سبحانہ وتعالٰی:

"قُلۡ بَلۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهٖمَ حَنِيۡفًا" [2]	تم فرماؤ بلکہ ہم ابراہیم کا دین لیتے ہیں۔(ت)

آیت ۱۰: قال جلت الاؤہ (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ جس کی بڑی بڑی نعمتیں ہیں۔ت):

"وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ" [3]	اور ملت ابراہیمی سے کون بے رخی کرسکتا ہے سوا اس کے جس کو اس کے نفس نے بیوقوف بناڈالا ہو۔(ت)

آیت ۱۱: قال توالت نعماءہ (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا بندوں پر جس کے انعامات مسلسل اور لگاتار ہیں):

"قَدۡ كَانَتۡ لَكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِيۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ" [4]	بے شک تمھارے لئے حضرت ابراہیم اور ان اہل ایمان حضرات کی زندگیوں میں جو ان کے ساتھی تھے۔ بہترین اقتداء ہے۔(ت)

آیت ۱۲: قال جل ذکرہ (اللہ تعالٰی جس کا ذکر بڑا ہے۔ارشاد فرمایا):

"لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡهِمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَالۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ" [5]	بے شک تمھارے لئے ان میں (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں میں) بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر یقین رکھتا ہو اور جو کوئی ہمارے حکم سے منہ پھیرے تو بیشک اللہ تعالٰی ہی بے پرواہ اور لائق تعریف ہے۔(ت)

ہر ذی علم جانتا ہے کہ داڑھی بڑھانا ملت ابراہیمی کا مسئلہ شریعت ابراہیمی کا طریقہ ہے اور ان

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۰

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۴

[5] القرآن الکریم ۶۰/ ۶

آیات میں رب جل وعلانے ہمیں ملت ابراہیم علی ابنہ الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی اتباع کا حکم دیا اور معاذاللہ اس سے اعراض کو سخت حماقت اور سفاہت فرمایا اور ان کی رسم وراہ اختیار کرنے کی کمال ترغیب دی اور آخر میں فرمادیا کہ جو ہمارے حکم سے پھرے تواللہ بے نیاز بے پرواہ ہے اور ہر حال میں اسی کے لئے حمد ہے۔

وجہ سادس ___ آیت ۱۳: قال تقدست اسماؤہ (اللہ تعالٰی جس کے اسماء پاک ہیں، نے ارشاد فرمایا):

"اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" [1]	یہ انبیاء وہ ہیں جنھیں اللہ عزوجل نے راہ دکھائی تو تو انھیں کی راہ کی پیروی کر۔

صدر کلام میں احمد ومسلم وابوداؤد ونسائی وترمذی وابن ماجہ کی حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے گزری کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية [2] الحديث۔	دس چیزیں شرائع قدیمہ مستمرہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہیں از انجملہ لبیں ترشوانی اور داڑھی بڑھانی۔ الحدیث۔

مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ داڑھی بڑھانی راہ قدیم حضرات رسل علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ہے اور اللہ عزوجل نے فرمایا کہ راہ انبیاء کی پیروی کرو۔ یہاں سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ آیہ کریمہ "لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ" [3] (میری داڑھی نہ پکڑو۔ت) میں لحیہ کا فقط ذکر ہی نہیں بلکہ داڑھی بڑھانے کی طرف اشارہ نکلتا ہے کہ ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی انبیائے کرام بلکہ بالخصوص ان اٹھارہ رسولوں میں ہیں جن کا نام پاک اس رکوع میں بالتصریح ذکر فرما کر ان کی اقتداء کا حکم ہوا،

قال سبحانہ "وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَاَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۸۴﴾" [4]۔	پاک پروردگار نے ارشاد فرمایا اور ان کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسٰی اور ہارون علیہم السلام ہوئے ہیں یونہی نیکی کرنیوالوں کو بدلہ دیا کرتے ہیں (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب السواک من الفطرة آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۸

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۹۴

[4] القرآن الکریم ۶/ ۸۴

وجہ سابع___ آیت ۱۴: قال جل ثناؤہ (اللہ تعالٰی بہت زیادہ تعریف کا حق رکھنے والی ذات، جس کی تعریف بڑی ہے۔نے ارشاد فرمایا):

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِـعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵" [1]	جوخلاف کرے رسول کا حق واضح ہوئے پر اور چلے راہ مسلمانان کے سوا راہ ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں اور جہنم میں ڈالیں اور کیا بری پلٹنے کی جگہ۔

مسلم تو مسلم کفار تک جانتے ہیں کہ روز ازل سے مسلمانوں کی راہ داڑھی رکھنی ہے۔اہلبیت کرام وصحابہ عظام وائمہ اعلام اور ہر قرن وطبقہ کے اولیائے امت وعلمائے ملت بلکہ قرون خیر میں تمام مسلمان داڑھی رکھتے تھے یہاں تک کہ ازالہ توازالہ اگر خلقۃً کسی کی داڑھی نہ نکلتی اس پر سخت تاسف کرتا اور یہ ہر عیب سے بدتر عیب سمجھا جاتا علمائے کرام علامات قیامت میں گنا کرتے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے کہ داڑھیاں منڈائیں کتروائیں گے۔اس پیشگوئی کے مطابق یہ داڑھی منڈوں مخرشوں مترشوں کی تراشیں خراشیں کافروں مشرکوں کی دیکھادیکھی مدتہا مدت کے بعد مسلمانوں میں آئیں وہ بھی رندواوباش وبدوضع لوگوں میں، پھر ان میں بھی جو ایمان سے حصہ رکھتے ہیں اب تک اپنی اس حرکت کو مثل اور معاصی وکبائر کے برا جانتے ہیں اور طریقہ اسلامی سے جدا سمجھتے بلکہ ان میں بعض خوش عقیدہ اپنے معظمین دینی کے سامنے لجاتے انھیں منہ دکھاتے شرماتے ہیں۔الحمدللہ یہ ان کے ایمان کی بات ہے شامت نفس سے گناہ کریں لیکن اسے گناہ وقبیح جانیں مگر چوری سرزوری والوں سے خدا کی پناہ کہ داڑھی رکھنے پر قہقہے اڑا کر شعار اسلام کے ساتھ نفس اسلام وایمان بھی مونڈ کر پھینک دیں۔امام اجل عارف باللہ سیدی محمد بن علی بن عباس مکی قدس سرہ الملکی کتاب مستطاب طریق المرید للوصول الی مقام التوحید پھر امام ہمام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں:

وھذا لفظ المکی قال فی ذکر سنن الجسد ذکر ما فی اللحیۃ من المعاصی والبدع المحدثۃ قد ذکر فی بعض الاخبار ان للہ تعالٰی ملٰئکۃ یقسمون والذی زین	یعنی یہ ذکر ہے کہ ان معصیتوں اور نوپیدا بدعتوں کا جو لوگوں نے داڑھی میں نکالیں حدیث میں ہے اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے ہیں کہ قسم یوں کھاتے ہیں اس کی قسم جس نے فرزند ان آدم کو داڑھی سے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۵

بنی آدم باللحی وفی وصف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه کان کث اللحیة وکذٰلك ابوبکر وکان عثمان طویل اللحیة دقیقها وکان علی عریض اللحیة قد ملأت مابین منکبیه ووصف بعض بنی تمیم من رهط الاحنف بن قیس قال (وعبارة الاحیاء قال اصحاب الاحنف بن قیس) وددنا انا اشترینا للاحنف اللحیة بعشرین الفافلم یذکر حنفه فی رجله ولا عوره فی عینه وذکر کراهیة عدم لحیته وکان عاقلا حلیما وقد روینا من غریب تاویل قوله تعالٰی یزید فی الخلق مایشاء قال اللحی وذکر عن شریح القاضی قال (ولفظ الاحیاء قال شریح) وددت لو ان لی لحیة بعشرة اٰلاف ففی اللحیة من خفایا الهوٰی ودقائق اٰفات النفوس ومن البدع المحدثة ثنتا عشرة خصلة من ذٰلك النقصان منها وذٰلك مثلة وذکر عن جماعة ان هذا من اشراط الساعة[1] اھ ملخصًا۔

زینت بخشی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حلیہ شریف میں سے ریش مبارک گھنی تھی اور ایسے ہی ابوبکر صدیق و عثمان غنی کی داڑھی دراز و باریک مولٰی علی کی داڑھی چوڑی سارا سینہ بھرے ہوئے رضی اللہ تعالٰی عنہم، احنف بن قیس (کہ اکابر ثقات تابعین وعلماء وحکمائے کاملین سے تھے زمانہ رسالت میں پیدا ہوئے ۶۷ھ یا ۷۲ھ میں وفات پائی) عاقل وحلیم تھے (پاؤں میں کج تھا ایک آنکھ جاتی رہی تھی داڑھی خلقۃً نہ نکلی تھی) ان کے اصحاب نہ اس کج پر افسوس کرتے نہ یک چشمی پر بلکہ داڑھی نہ ہونے کی کراہت ذکر کرتے اور کہتے ہمیں تمنا ہے کاش اگر بیس ہزار کو ملتی تو احنف کیلئے داڑھی خریدتے۔ اور تفسیروں سے یہ آیۃ یزید فی الخلق مایشاء کی تفسیر میں ہمیں روایت پہنچی کہ اللہ تبارک وتعالٰی بڑھاتا ہے صورت میں جو چاہے اس سے داڑھی مراد ہے۔ شریح قاضی (کہ اجلہ ائمہ واکابر تابعین سے ہیں زمانہ رسالت میں ولادت پائی بلکہ کہا گیا صحابی ہیں امیر المومنین عمر فاروق پھر امیر المومنین مولی علی کی سرکار میں قاضی تھے امیر المومنین علی فتاوٰی میں ان سے رائے لیتے ۸۰ھ ہجری سے پہلے یا بعد انتقال ہوا داڑھی خلقۃً نہ تھی) وہ فرماتے کہ مجھے آرزو ہے کہ کاش دس ہزار دے کر داڑھی مل جاتی تو داڑھی میں شیطانی خواہشوں کے خفایا اور نفسانی

---

[1] قوت القلوب فی معاملة المحبوب الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/۱۴۲ تا ۱۴۴، احیاء العلوم النوع الثانی فیما یحدث فی البدع الخ مطبعة المشهد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

آفتوں کے دقائق اور نو پید ابدعتوں سے بارہ باتیں لوگوں نے ایجاد کی ہیں ازانجملہ داڑھی کم کرنی اور یہ مثلہ یعنی صورت بگاڑنی ہے اور ایک جماعت علماء سے مروی ہوا کہ یہ قیامت کی نشانیوں سے ہے۔انتہی۔مدارج شریف میں ہے:

آوردہ اند کہ لحیہ امیر المومنین علی پر میکرد سینہ راو ہمچنیں لحیہ امیر المومنین عمر وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ودر حلیہ حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ نوشتہ اند کہ کان طویل اللحیۃ عریضھا[1]۔	منقول ہے کہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی داڑھی مبارک ان کے سینہ اقدس کو ڈھانپ دیتی تھی یا ڈھانپے ہوئی تھی۔اور اسی طرح امیر المومنین عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کی مبارک داڑھیاں تھیں کہ بڑی اور گنجان ہونے کی وجہ سے ان کے سینوں کو ڈھانپ دیتی تھیں۔ اور حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حلیہ مبارک میں تحریر کیا گیا ہے کہ آپ کی ریش مبارک دراز اور چوڑی تھی صلی اللہ تعالٰی علی ابیہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم۔(ت)

وجہ ثامن ــــ آیت ۱۵، ۱۶: قال تبارک شانہ فی البقرۃ وفی الانعام (اللہ تعالٰی جس کی شان بابرکت ہے۔نے سورۃ بقرہ اور سورۃ انعام میں ارشاد فرمایا):

"وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾"[2]	شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بیشک شیطان وہ تمہارا دشمن ہے۔

آیت ۱۷: قال عزوعلا (اللہ تعالٰی غالب اور بزرگ وبرتر ذات نے ارشاد فرمایا):

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ"[3]	اے ایمان والو! شیطان کے رستے پر نہ چلو اور جو شیطان کی راہ چلے تو وہ یہی بے حیائی اور بری بات کا حکم کرتا ہے۔

آیت ۱۸: قال عزمن قائل (کہنے والوں پر جو غالب اور حاوی ہے اس نے ارشاد

---

[1] مدارج النبوۃ باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۸

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۱

فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ(۲۰۸)" "فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ(۲۰۹) هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۠(۲۱۰)" [1]	اے ایمان والو! پورے اسلام میں داخل ہو اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو یقینا وہ تمھارا صریح بدخواہ ہے پھر اگر اس کی طرف جھکو بعد اس کے کہ تمھارے پاس آچکیں الٰہی حجتیں تو جان رکھو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے یہ لوگ کس انتظار میں ہیں مگر یہ کہ آئے ان پر عذاب خدا کا بادل کی گھٹائیں اور فرشتے اور ہوجائے ہونیوالی اور اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں سب کام۔

جلالین میں ہے:

نزل فی عبداللہ بن سلام واصحابہ لما عظموا السبت وکرھوا الابل بعد الاسلام یا ایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم الاسلام کافۃ حال من السلم ای فی جمیع شرائعہ فان زللتم ملتم عن الدخول فی جمیعہ عزیز لایعجزہ شیئ عن انتقامہ منکم ھل ینظرون ینتظر التارکون الدخول فیہ قضی الامر تم امر اھلاکھم۔[2]	یعنی جب حضرت عبداللہ سلام اور ان کے ساتھی رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ اکابر علمائے یہود سے تھے مشرف بہ اسلام ہوئے عادت سابقہ کے باعث تعظیم روز شنبہ کاارادہ کیااور گوشت شتر کھانے سے کراہت ہوئی، رب عزوجل نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ اے ایمان والو! اسلام لائے ہو تو پورا اسلام لاؤ اسلام کی سب باتیں اختیار کرو، یہ نہ ہو کہ مسلمان ہو کر کچھ عادتیں کافروں کی رکھو، اور اگر نہ مانا تو خوب جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے تم پر عذاب لاتے اسے کوئی روک نہیں سکتا پھر فرمایا جو مسلمان ہو کر بعض کفری خصلتیں اختیار کریں وہ کاہے کا انتظار کررہے ہیں یہی نا کہ آسمان سے ان پر عذاب اترے اور ہونے والی ہوچکے یعنی ہلاک وہ تمام کردئے جائیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸تا۲۱۰

[2] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۲/ ۲۰۸ اصح المطابع دہلی ص۳۱

ان آیات میں رب العزت جلا وعلا نے خصلت کفار اختیار کرنے پر کیسی تہدید اکید و وعید شدید فرمائی، اور شک نہیں کہ داڑھی منڈانا کترنا خصلت کفار ہے۔ عنقریب بعونہ تعالٰی بکثرت احادیث معتمدہ سے اس کا بیان آتا ہے۔ اور خود بیان کی حاجت کیا ہے کہ امر آپ ہی واضح اور نیز تقریرات سابقہ سے لائح، اصل میں یہ خصلت ملعونہ مجوس ملاعنہ کی تھی ان سے اور کفار نے سیکھی، جب عہد معدلت مہد امیر المومنین غیظ المنافقین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں عجم فتح ہوا اور کسرٰی خبیث کا تخت ہمیشہ کے لئے الٹ دیا گیا۔ مجوس منحوس کچھ اسلام لائے کچھ بقبول جزیہ رہے کچھ پریشان و سرگرداں دارالکفر ہندوستان میں آنکلے یہاں کے راجہ نے ان سے تعظیم گاؤ و تحریم مادر و دختر و خواہر کا عہد لے کر جگہ دی ہنود بے بہود نے داڑھی منڈانا نوروز و مہرگان بنام ہولی و دیوالی منانا، ان میں آگ پھیلانا وغیرہ ذٰلک من الخصال الشنیعہ ان سے اڑایا مجوس ایران کہ مسلمان ہوئے تھے ان میں بہت بد باطن اپنی تباہی ملک وافسر و تاراج مال و دختر کے باعث دلوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کینہ رکھتے تھے مگر مسلمان کہلا کر اسلام کی عزت و شوکت اسلام کی قوت و دولت اسلام کے تاج و معراج یعنی امیر المومنین کی شان میں گستاخی کی کیا مجال تھی جب ابن صبا یہودی خبیث نے مذہب رفض ایجاد کیا اور شدہ شدہ یہ ناشدنی مذہب ایرانیوں تک پہنچا ان آتش پرست مغبچوں کی دبی آگ نے موقع پایا کہ اہل اسلام میں بھی ایسا مذہب نکلا کہ امیر المومنین پر تبرا کہے اور خاصے مومنین بنے رہیے۔ انھوں نے بہزار جان لبیک کہی اور نئے دین کی تاصیل تفریع بڑھ چلی، باپ دادا کی قدیم سنتیں اپنا رنگ لائیں۔ نوروز منائے، داڑھیاں کتروائیں، اتیان ادبار واباحت واعارت واجارت فرج کی کیا گنتی نکاح محارم تک منظور رہا مگر پردہ حریر عـــہ میں مستور رہا۔

عـــہ: اہلسنت شیعہ رابعضے مسائل قبیحہ طعن میکردند جمعے از علمائے مذہب ایشاں تدبیر دفع بایں صورت کردہ اند کہ از کتب خود آں مسائل محونمودند وکتب قدیمہ را مخفی ساختند مثل لواطت بامملوک و بامادر وخواہر لف حریر [1] ۱۲ تحفہ اثنا عشریہ ملخصًا۔

شیعان کے بعض قبیح مسائل پر اہلسنت طعن کرتے ہیں تو ان کے مذہبی علماء کے ایک گروہ نے ان باتوں کے جواب کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ اپنی کتابوں سے ان مسائل کو حذف کردیا (یعنی نکال دیا) اور پرانی کتابوں کو چھپالیا۔ اپنے غلام کے ساتھ بدکاری کرنا، ماں بہن کے ساتھ ریشم لپیٹ کر ہمبستری کرنا وغیرہ جیسے مسائل ۱۲ تحفہ اثنا عشریہ کی تلخیص۔

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ثانی کید سی و پنجم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۵

ادھر اسلامی فاتحوں کی شیرانہ تاخت نے سیاہان ہند کے منہ سپید کردئے ہزاروں مارے لاکھوں قید کئے یہاں تک کہ ہندو کے معنی ہی غلام ٹھہر گئے۔ یہاں کے نو مسلم مسلم تو ہوگئے مگر ہزاروں اپنے آبائی خصال کے پابند رہے۔ داڑھیاں منڈائیں، بسنت منائیں، سادنی کریں، چنریاں رنگائیں، عورتیں بد لحاظی کے کپڑے پہنیں، کنبے بھر کی سب غیریں سامنے آنے کے واسطے نہیں، شادیوں میں **معاذ اللہ** فحش، سالی بہنوئی میں ہنسی کی ریت، یہاں تک کہ بہت پوربی اضلاع میں چھوت اور چوکا تک مشہود، اور اکثر دیہات میں ہولی دیوالی، بلکہ اس سے زائد شیطنت موجود، پھر اس عملداری میں شیوع نیچریت بے قیدی شرع آزادی نفس کے لئے سونے میں سہاگہ، کچھ اتباع فرنگ، کچھ زنانی امنگ صفائی رخسار کا نصیب جاگا۔ لاجرم اس حرکت کے عادیوں کو چند حال سے خالی نہ پائے گا۔ نسلاً مجوسی یا مذہباً رافضی یا یوربی تہذیب کا دلدادہ نیچری یا جھوٹے متصوفہ یا مبتلائے رفض خفی یا باپ دادا ہندو نو مسلم غافل یا ان صحبتوں کا بگڑا آوارہ نیچری بہر حال اس کا مبدا، ومنبع و مرجع وہی خصلت کفار جس سے خدا ناراض رسول بیزار، جس پر قرآن عظیم میں وہ سخت وعید وہ قاہر مار، آئندہ ماننے نہ ماننے کا ہر شخص مختار، والتوفیق باللہ العزیز الغفار۔

تنبیہ ہشتم: احادیث میں:

حدیث ۱: امام مالک واحمد و بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ وطحاوی حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفروا اللحیۃ[1]۔	مشرکوں کا خلاف کرو مونچھیں خوب پست اور داڑھیاں کثیر ووافر رکھو۔

یہ لفظ صحیحین میں ہے صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے:

انھکوا الشوارب واعفوا اللحی[2]۔	مونچھیں مٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

مسلم، ترمذی ابن ماجہ، طحاوی کی ایک روایت میں ہے:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی[3]۔	خوب پست کرو مونچھیں اور چھوڑ رکھو داڑھیاں۔

روایت امام مالک وابی داؤد۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

[3] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

اور ایک روایت مسلم وترمذی میں ہے:

ان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفا اللحی[1]۔	بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا مونچھیں خوب پست کرنے اور داڑھیاں معاف رکھنے کا۔

حدیث ۲: احمد مسند، مسلم صحیح، طحاوی آثار، ابن عدی کامل، طبرانی اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس[2]۔	مونچھیں کترواؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو آتش پرستوں کا خلاف کرو۔

امام احمد کی روایت میں ہے:

قصوا الشوارب واعفوا اللحی[3]۔	مونچھیں ترشواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

وفروا اللحی وخذوا من الشوارب[4]۔	کثیر کرو داڑھیاں اور مونچھوں میں سے لو۔

دوسری روایت میں زائد کیا۔

وانتفوا الابط وقصوا الاظافیر[5]۔	اور بغلوں کے بال اکھاڑو اور ناخن کاٹو۔

ابن عدی کی روایت ہے:

واعفوا الشوارب واعفوا اللحی[6]۔	مونچھیں خوب کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔

[1] صحیح مسلم کتاب الطہارت باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی اخذ الشارب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۱

[2] صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۹

[4] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۵۰۵۸ المکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۲۹

[5] کنز العمال بحوالہ طس عن ابی ہریرہ حدیث ۱۷۲۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۵۶

[6] الکامل لابن عدی ترجمہ حفص بن واقد بصری دار الفکر بیروت ۲/ ۷۹۹

حدیث ۳: امام ابوجعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تشبھوا بالیھود [1]۔	مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیوں کو معافی دو۔ یہودیوں کی سی صورت نہ بنو۔

حدیث ۴: امام احمد مسند، طبرانی کبیر، بیہقی شعب الایمان ضیا صحیح مختارہ ابونعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قصوا سبالکم ووفروا عثانینکم وخالفوا اھل الکتاب [2]۔	مونچھیں کترواؤ اور داڑھیوں کو کثرت دو۔ یہود و نصارٰی کا خلاف کرو۔

حدیث ۵: طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اوفوا اللحی وقصوا الشوارب [3]۔	پوری کرو داڑھیاں اور تراشو مونچھیں۔

حدیث ۶: ابن حبان صحیح میں اور طبرانی اور بیہقی میمون بن مہران سے راوی۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المجوس فقال انھم یوفرون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم [4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجوسیوں کا ذکر فرمایا وہ اپنی لبیں بڑھاتے اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کا خلاف کرو۔

حدیث ۷: ابن عدی کامل۔ بیہقی شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی [5]۔	مونچھیں خوب پست کرو اور داڑھیاں خوب بڑھاؤ۔

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب حلق الشارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۷

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی امامہ بیروت ۵/ ۲۶۵ و شعب الایمان حدیث ۶۴۰۵ بیروت ۵/ ۲۱۴

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۳۵ و ۱۱۷۲۴ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۵۲ و ۲۷۷

[4] السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب کیف الاخذ من الشارب دار صادر بیروت ۱/ ۱۵۱

[5] شعب الایمان حدیث ۶۴۳۰ ۵/ ۲۱۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ حفص بن واقد بصری ۲/ ۷۹۹

حدیث ۸: ابوعبیداللہ محمد بن مخلد دوری اپنے جزء حدیثی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خذوامن عرض لحاکم واعفوا طولها [1]۔	داڑھیوں کے عرض سے لو اور ان کے طول کو معاف رکھو۔

حدیث ۹: خطیب بغدادی ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایاخذن احدکم من طول لحیته [2]۔	ہرگز کوئی شخص اپنی داڑھی کے طول سے کم نہ کرے۔

حدیث ۱۰: ابن سعد طبقات میں عبداللہ بن عبداللہ سے مرسلاً راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکن ربی امرنی ان احفی شاربی واعفی لحیتی [3]۔	مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ میں اپنی لبیں پست کروں اور داڑھی بڑھاؤں۔

اس حدیث کا واقعہ وہ ہے جو کتاب الخمیس فی احوال الانفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہ کتب معتمدہ میں ہے کہ جب حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہدایت اسلام کے فرامین بنام سلاطین جہاں نافذ فرمائے قیصر ملک روم نے تصدیق نبوت کی مگر بجہت دنیا اسلام نہ لایا مقوقش بادشاہ مصر نے شقہ والا کی کمال تعظیم کی اور ہدایا حاضر بارگاہ رسالت کئے سگ ایران خسرو پرویز قتلہ اللہ نے فرمان اقدس چاک کردیا اور باذان صوبہ یمن کو لکھا دو ۲ مضبوط آدمی بھیج کر انھیں یہاں بلائے۔ باذان نے اپنے داروغہ بانویہ اور ایک پارسی خرخسرہ نامی کو مدینہ طیبہ روانہ کیا۔

انهما حین دخلا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاناقد حلق لحاهما واعفیا شواربهما فکرہ النظر الیهما	یہ دونوں جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے تھے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کی طرف

[1] کنز العمال حدیث ۱۷۲۲۵ بحوالہ ابی عبداللہ محمد بن مخلد فی جزئہ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۵۳

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۲۶۴۱ احمد بن الولید دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۱۸۷

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر اخذ الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من شاربہ دار صادر بیروت ۱/ ۴۴۹

وقال ویلکما من امرکما بهذا قالا ربنا یعنیان کسرٰی فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شواربی [1]۔	نظر فرماتے کراہت آئی اور فرمایا خرابی ہو تمھارے لئے کس نے تمھیں اس کا حکم دیا۔وہ بولے ہمارے رب یعنی خسرو پرویز خبیث نے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مگر مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور لبیں تراشنے کا حکم فرمایا۔

مسلمان اس حدیث کو یاد رکھیں کہ بانویہ خرخسرہ اس وقت تک نہ اسلام لائے تھے نہ احکام اسلام سے آگاہ تھے ان کی یہ وضع دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی صورت دیکھنے سے کراہت کی تو جو مسلمان احکام حضور جان بوجھ کر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف مجوسیوں کے موافق ایسی گندی صورت بنائے وہ کس قدر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کراہیت وبیزاری کا باعث ہوگا۔آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے۔اگر روز قیامت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ مجوس کی صورت دیکھ کر نگاہ فرمانے سے کراہیت فرمائی تو یقین جان کہ تیرا ٹھکانا کہیں نہ رہا،مسلمان کی پناہ،امان،نجات،رستگاری جو کچھ ہے ان کی نظر رحمت میں ہے،اللہ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہیت لائیں۔والعیاذ باللہ ارحم الراحمین،اس کے بعد حدیث میں معجزہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ظہور خسرو پرویز مردود کا ہلاک باذان وبانویہ وخرخسرہ وغیرہم بہت اہل یمن کا مشرف باسلام ہونا مذکور ہے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث ۱۱: سنن نسائی شریف میں ہے:

اخبرنا محمد بن سلمة(ثقة ثبت)ثنا ابن وهب(ثقة حافظ عابد)عن حیوة بن شریح(ثقة ثبت فقیه زاهد)وذکر اخرقبله عن عیاش بن عباس(القتبانی ثقة)ان شییم	محمد بن سلمہ نے ہم کو بتایا اور وہ معتبر اور عادل راوی ہے۔ابن وہب نے ہم سے بیان کیا وہ مستند،حافظ اور عبادت گزار راوی ہے اس نے حیوۃ ابن شریح سے روایت کی جبکہ وہ معتبر،عادل،فقیہ اور زاہد یعنی دنیا سے بے رغبتی کرنے والا راوی ہے۔دوسروں نے اسے عیاش بن عباس سے پہلے ذکر کیا ہے۔یہ

[1] تاریخ الخمیس کتاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی کسرٰی مؤسسة شعبان بیروت ۲/ ۳۵

بن بیتان(القتبانی ثقة)حدثه انه سمع رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنه یقول ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال یا رویفع لعل الحیاۃ ستطول بك بعدی فاخبر الناس انه من عقد لحیته اوتقلد وترا اواستنجی برجیع دابة او عظم فان محمدا بریئ منه[1]۔	القتبانی ہے جو معتبر و مستند آدمی ہے شییم بن بیتان القتبانی مستند ومعتبر راوی ہے اس نے بتایا کہ اس نے رویفع بن ثابت کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا: اے رویفع! میں امید کرتا ہوں کہ تو میرے بعد عمر دراز پائے تو لوگوں کو خبر دینا کہ جو اپنی داڑھی باندھے یا کمان کا چلا گلے میں لٹکائے یا کسی جانور کی لید، گوبر یا ہڈی سے استنجاء کرے تو بے شک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بیزار ہے۔

حدیث ۱۲: سنن ابی داؤد شریف میں اس حدیث کو روایت کرکے فرمایا:

حدثنا یزید بن خالد(ثقة)نا مفضل(هو ابن فضالة المصری ثقة فاضل عابد)عن عیاش(ذاك ابن عباس الثقة)ان شییم بن بیتان اخبره بهذا الحدیث ایضا عن ابی سالم الجیشانی(سفین بن هانی محضرم وقیل له صحبته)عن عبداللہ بن عمر و رضی اللہ تعالٰی عنهما یذکر ذلك وهو معه مرابط بحصن باب الیون[2]۔	یزید بن خالد نے ہم سے بیان کیا اور وہ معتبر و مستند راوی ہے۔ مفضل (جو فضالہ مصری کے بیٹے معتبر، فاضل اور عابد ہیں) نے ہم سے بیان کیا اس نے عیاش (وہ ابن عباس اور ثقہ ہے) سے شییم بن بیتان نے اسے یہ حدیث ابوسالم جیشانی کے حوالے سے بتائی (یعنی سفیان بن ہانی محضرم۔ یہ بھی کہا گیا کہ اس کے لئے شرف صحبت ثابت ہے) اس نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ وہ یہ حدیث بیان فرماتے تھے جبکہ یہ ان کے ساتھ "باب الیون" کے قلعہ میں قید تھا۔ (ت)

[1] سنن النسائی کتاب الزینة من السنن باب عقد اللحیة نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۷۷۔۲۷۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطهارة باب ماینهٰی عنه ان یستنجی به آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶

یعنی اس طرح یہ حدیث حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے روایت فرمائی، حضرت شیخ محقق ومولانا عبدالحق محدث دہلوی لمعات التنقیح میں فرماتے ہیں:

عقد لحیتہ الاکثرون علی ان المراد تجعید اللحیۃ بالمعالجۃ وانما کرہ ذٰلک لانہ فعل من لیس من اھل الدین وتشبہ بھم وقیل کانوا یعقدون فی الحروب فی زمن الجاھلیۃ تکبرا و تعجبا فامروا بارسالھا وذٰلک من فعل الاعاجم وقال التورپشتی یفتلونھا کذا فی مجمع البحار والاول ھو الوجہ[1] اھ مختصرًا۔	داڑھی باندھنے سے مراد اکثر اہل علم کے نزدیک کسی دوا وغیرہ سے اسے پیوست کرنا یا جوڑنا ہے اور اسے بایں وجہ ناپسند فرمایا کہ یہ ان لوگوں کا فعل ہے اور طریقہ ہے جو دیندار نہیں اور ان کی مشابہت اختیار کرنی ہے۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ زمانہ جاہلیت کے ایام گرما میں ازراہ تکبر وعجب اپنی داڑھیوں کو باندھ دیا کرتے تھے اس لئے انھیں داڑھیاں کھلی اور آزاد چھوڑے رکھنے کا حکم دیا گیا اور یہ عجمیوں کی روش تھی اور طریقہ تھا اور علامہ تورپشتی نے فرمایا لوگ ان کو مثل فتیلہ کے بٹ دیا کرتے تھے یونہی مجمع البحار میں مذکور ہے۔ اور پہلا قول ہی اصل سبب اور وجہ ہے عبارت مختصر مکمل ہوئی)۔(ت)

علامہ طیبی حاشیہ مشکوٰۃ پھر علامہ طاہر مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

عقد ای جعدھا بالمعالجۃ ونھی عنہ لما فیہ من التشبہ بمن فعلہ من الکفرۃ[2]۔	یعنی داڑھی باندھنے سے مراد اس کا مجعد ومرغول بنانا ہے کہ یہ کافروں کا فعل ہے اور اس میں ان سے تشبہ ہے۔

داڑھی چڑھانے والے حضرات کو ڈھانے باندھ باندھ کر داڑھی مجعد ومرغول کرتے اور متکبر ٹھاکروں جاٹوں کی صورت بنتے ہیں ان صحیح حدیثوں کو جن کے ہر ہر راوی کی ثقاہت وعدالت ہم نے تقریب التہذیب امام خاتم الحفاظ ابن حجر سے نقل کردی یادرکھیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیزاری وبے علاقگی کو ہلکانہ جانیں اور داڑھی منڈانے کترنے والے زیادہ سخت عذاب وآفت کے منتظر رہیں جب داڑھی باقی رکھ کر اس کی صفت وہیئت میں کافروں سے تشبہ اس درجہ باعث بیزاری محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوا تو سرے سے داڑھی قطع یا حلق کردینا اور پورے پورے مجوسیوں مچھندروں کی صورت

[1] لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب آداب الخلا الفصل الثانی مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۵۰

[2] مجمع بحار الانوار باب العین مع القاف (عقد) مکتبہ دارالایمان ریاض ۳/ ۶۴۰

بننا جس قدر موجب غضب وناراضی واحد قہار ورسول کردگار جل وجلالہ وصلی اللہ تعالٰی وسلم ہو بجا ہے۔

الآثار: حدیث ۱۳و۱۴: امام ابوطالب مکی قوت القلوب اور امام حکیم الامہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

رد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ وابن ابی لیلی قاضی المدینۃ شہادۃ من کان ینتف لحیتہ [1]۔	یعنی امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ و عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی قاضی مدینہ طیبہ (کہ اکابر ائمہ تابعین واجلہ تلامذہ امیر المومنین عثمان غنی وامیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہیں ان دونوں ائمہ ہدٰی نے) داڑھی چننے والے کی گواہی رد فرمادی۔

حدیث ۱۵: یہی دونوں امام مکی وغزالی فرماتے ہیں:

شہد رجل عند عمر بن عبدالعزیز بشہادۃ وکان ینتف فینکیہ فرد شہادتہ [2]۔	ایک شخص نے سادس خلفاء راشدین امیر المومنین عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کے یہاں کسی معاملہ میں گواہی دی اور وہ اپنی داڑھی کا ایک خفیف حصہ جسے کوٹھے کہتے ہیں چنا کرتا تھا امیر المومنین نے اس کی شہادت رد فرمادی۔

حدیث ۱۶و۱۷: امام محمد بن ابی الحسین علی مکی دقائق الطریقہ میں حضرت کعب احبار وابی الجلد (جیلان بن فرادہ اسدی) رحمہم اللہ تعالٰی سے ذکر فرماتے ہیں:

یکون فی اٰخر الزمان اقوام یقصون لحاھم اولئك لاخلاق لھم [3]۔	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ داڑھیاں کتریں گے وہ نرے بے نصیب ہیں یعنی ان کے لئے دین میں حصہ نہیں آخرت میں بہرہ نہیں والعیاذ باللہ رب العالمین (ہذا مختصر)

تنبیہ نہم: نصوص ائمہ کرام وعلمائے اعلام میں:

نص ۱تا۵: امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام فتح القدیر پھر علامہ زین بن نجیم

---

[1] احیاء العلوم کتاب اسرار الطہارۃ النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

[2] احیاء العلوم کتاب اسرار الطہارۃ النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۴

[3] احیاء العلوم عن کعب الاحبار النوع الثانی فصل فی اللحیۃ مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۱۴۵

مصری بحر الرائق پھر علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار شرنبلالی غنیہ ذوی الاحکام، پھر علامہ مدقق محمد بن علی دمشقی درمختار پھر علامہ سیدی احمد مصری حاشیہ مراقی الفلاح سب علماء کتاب الصوم میں فرماتے ہیں:

المعنی للکل واللفظ للحاشیۃ الدرر والغرر الاخذ من اللحیۃ وھی دون القبضۃ کما فعلہ بعض المغاربۃ ومخنثۃ الرجال فلم یبحہ احد واخذ کلھا فعل مجوس الاعاجم والیھود والھنود بعض اجناس الافرنج[1]۔	(مفہوم سب کا ایک ہے البتہ الفاظ حاشیہ الدرر والغرر کے ہیں) یعنی جب داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس میں کچھ لینا جس طرح بعض مغربی اور زنانے زنخے کرتے ہیں یہ کسی کے نزدیک حلال نہیں اور سب لے لینا ایرانی مجوسیوں اور یہودیوں اور ہندیوں اور بعض فرنگیوں کا فعل ہے۔

نص ۶ تا ۱۲: امام برہان الملۃ والدین فرغانی ہدایہ پھر امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق پھر علامہ نجم الدین طوری تکملہ بحر الرائق پھر علامہ شرنبلالی غنیہ پھر سید ابوالسعود ازہری فتح اللہ المعین حاشیہ کنز پھر علامہ سید احمد طحطاوی حاشیہ تنویر پھر علامہ سیدی محمد امین افندی ردالمحتار علی الدرالمختار سب علماء کتاب الجنایات مسئلہ جنایت بحلق لحیہ میں فرماتے ہیں:

یؤدب علی ذٰلک لارتکابہ المحرم (ھذا ھو الکل الا الطرفین فلفظھما) یؤدب علی ارتکاب مالایحل[2]۔	داڑھی مونڈنے والے کو سزادی جائے کہ وہ فعل حرام کا مرتکب ہوا (یہ سب کے الفاظ ہیں سوائے طرفین کے پس ان کے الفاظ یہ ہیں اسے ایسے کام کے کرنے پر سزادی جائے جو حلال نہیں۔ت)

نص ۱۳ تا ۱۷: علامہ تورپشتی مصابیح پھر علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ پھر مولانا علی قاری مکی مرقاۃ پھر علامہ فتنی مجمع البحار پھر شیخ محقق لمعات میں فرماتے ہیں:

قص اللحیۃ کان من صنع الاعاجم وھو	داڑھی تراشنا پارسیوں کا کام تھا اور اب تو بہت

---

[1] غنیہ ذوی الاحکام کتاب الصوم باب موجب الافساد مھری کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۸ وبحر الرائق ۲/ ۲۸۰، حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۷۲ ودرمختار ۱/ ۱۵۲ و فتح القدیر ۲/ ۲۷۰

[2] الھدایہ کتاب الدیات مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۸۴ وتبیین الحقائق ۶/ ۱۳۰ وبحر الرائق ۸/ ۳۳۱، غنیہ ذوی الاحکام مع الدرر کتاب الدیات ۲/ ۱۰۴ وطحطاوی علی الدرالمختار ۴/ ۲۸۰، فتح المعین ۳/ ۴۸۷ و ردالمحتار ۵/ ۳۷۰

الیوم شعار کثیر من المشرکین کالا فرنج والھنود ومن لاخلاق لھم فی الدین من الفرق الموسومة بالقلندریة طھر اللہ عنھم حوزة الدین[1]۔	کافروں کا شعار ہے جیسے فرنگی، اور ہندو اور وہ فرقہ جس کا دین میں کچھ نہیں جو قلندریہ کہلاتے ہیں اللہ تعالٰی اسلامی حدود کو ان سے پاک کرے۔

نص ۱۸و۱۹: کواکب الدراری شرح صحیح بخاری امام کرمانی و مجمع میں ہے:

فسبحٰنہ مااسخف عقول قوم طولوا الشارب واحفوا اللحی عکس ما علیہ فطرة جمیع الامم قد بدلوا فطرتھم نعوذ باللہ[2]۔	سبحان اللہ کس قدر پوچ عقل ہے ان لوگوں کی جنھوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں پست کیں برعکس اس خصلت کے جس پر تمام امم الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فطرت ہے انھوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی خدا کی پناہ۔

نص ۲۰ تا ۲۲: امام ابوالحسن علی ابن ابی بکر بن عبدالجلیل مرغینانی نے کتاب التجنیس والمزید میں اس کے عدم جواز کی تصریح فرمائی۔ لمعات شرح مشکوٰۃ ونصاب الاحتساب باب السادس میں ہے:

ھل یجوز حلق اللحیة کما یفعلہ الجوالیقون الجواب لایجوز ذکرہ فی جنایة الھدایة وکراھة التجنیس[3]۔	یعنی سوال، کیا داڑھی منڈانا جائز ہے جیسے جھولا شاہی فقیر کرتے ہیں؟ جواب: ناجائز ہے ھدایہ کتاب الجنایات اور تجنیس کتاب الکراہیۃ میں اس کی تصریح ہے۔

نص ۲۳و۲۴: تبیین المحارم وردالمحتار میں ہے:

ازالة الشعر من الوجہ حرام الااذا نبت للمرأة لحیة اوشوارب فلاتحرم ازالة بل تستحب[4]۔	منہ کے بال دور کرنا حرام ہے مگر جب کسی عورت کے داڑھی یا مونچھ نکل آئے تو اسے حرام نہیں بلکہ مستحب ہے۔

---

[1] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبۃ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۶۷و۶۸، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴، شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

[2] مجمع بحار الانوار باب الفاء مع الطاء تحت لفظ "فطر" مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۴/ ۱۵۸

[3] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبہ المعارف العلمیہ لاہور ۲/ ۶۷

[4] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۹

نص ۲۵و۲۶: مفہم شرح صحیح مسلم للعلامۃ القرطبی پھر اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

لایجوز حلقھا ولانتفھا ولاقص الکثیر منھا[1]۔	داڑھی کانہ مونڈنا جائز نہ چننا نہ زیادہ کترنا۔

نص ۲۷: امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں:

لایحل للرجل ان یقطع اللحیۃ[2]۔	مرد کو حلال نہیں کہ داڑھی کاٹے۔

نص ۲۸تا۳۰: بعینہٖ یہی الفاظ امام ابوبکر نے فرمائے اور ان سے نوازل اور نوازل سے نصاب الاحتساب باب ثامن میں منقول ہوئے۔ **نص ۳۱و۳۲:** درمختار میں ہے:

فیہ(ای المجتبٰی)قطعت شعر راسھا اثمت ولعنت فی البزازیۃ ولو باذن الزوج لانہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیتہ والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال[3]۔	یعنی مجتبٰی شرح قدوری میں ہے عورت اپنے سر کے بال کاٹے تو گنہگار وملعونہ ہوجائے۔ بزازیہ میں فرمایا کہ اگرچہ شوہر کی اجازت سے اس لئے کہ خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں اسی لئے مرد پر داڑھی کاٹنا حرام ہے اور علت گناہ مردوں کی وضع بنانی ہے یعنی عورت کو موئے سر تراشنے کی حرمت میں یہ علت ہے کہ یہ مردانی وضع ہے جس طرح مرد کو ریش تراشنی حرام ہونے کی علت کہ عورتوں سے تشبہ ہے اور وہ دونوں ناجائز۔

نص ۳۳: علامہ علی قاری شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

حلق اللحیۃ منھی عنہ[4]۔	داڑھی مونڈنے کی شرع میں ممانعت ہے۔

نص ۳۴: علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

اماحلقھا فمنھی عنہ لانہ عادۃ المشرکین[5]۔	داڑھی مونڈنا منع ہے کہ یہ کافروں کی عادت ہے۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطھارۃ واما السنن فعشرۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۹، المفھم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ دار ابن کثیر بیروت ۱/ ۵۱۲

[2] درمختار بحوالہ البزازیہ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[3] درمختار بحوالہ البزازیہ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[4] شرح الشفاء للقاری علی ہامش نسیم الریاض فصل واما نظافۃ جسمہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۴۳

[5] نسیم الریاض فصل واما نظافۃ جسمہ الفکر بیروت ۱/ ۳۴۳۔۴۴

نص ۳۵: اشعۃ اللمعات سے گزرا:

علت در حرمت حلق لحیہ ہمیں ست[1]۔	داڑھی مونڈنے کی وجہ حرمت یہی ہے۔(ت)

ص ۳۶: اسی میں ہے:

حلق کردن لحیہ حرام ست درویش فرنج وہنود جوالقیان ست کہ ایشاں را قلندریہ گویند[2]	داڑھی مونڈنا حرام ہے اور یہ فرنگیوں، ہندیوں اور جھولا شاہیوں جو قلندریہ کہلاتے ہیں، کا طریقہ اور روش ہے۔(ت)

نص ۳۷: فتح المعین بشرح قرۃ العین میں ہے: **یحرم حلق لحیۃ**[3] داڑھی مونڈنا حرام ہے۔

فائدہ: جس طرح داڑھی مونڈنا کتروانا بالاتفاق حرام وگناہ ہے یونہی ہمارے ائمہ وجمہور علماء کے نزدیک اس کا طول فاحش کہ بے حد بڑھایا جائے جو حد تناسب سے خارج وباعث انگشت نمائی ہو مکروہ وناپسند ہے۔ امام قاضی عیاض پھر امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں:

تکرہ الشھرۃ فی تعظیمھا کما تکرہ فی قصھا وجزھا[4]۔	داڑھی کو حد شہرت تک بڑھانا یعنی بہت زیادہ طویل کرنا مکروہ ہے جیسا کہ اس کا کتروانا اور کاٹنا مکروہ ہے۔(ت)

اسی میں ہے: **وکرہ مالك طولھا جدا**[5] (امام مالک نے داڑھی کا بیحد لمبا کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرت عبداللہ بن عمر وحضرت ابوہریرہ وغیرہما صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے افعال واقوال اور ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ ومحرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما وعامہ کتب فقہ وحدیث کی تصریح سے اس کی حد یکمشت ہے۔ ابھی نصوص علماء سے گزرا کہ اس سے کم کرنا کسی نے حلال نہ جانا، قبضہ سے زائد کا قطع ہمارے نزدیک مسنون ہے بلکہ نہایہ میں بلفظ وجوب تعبیر کیا۔ تفصیل اس کی بحر ونہر ودرمختار اور اس کے حواشی وغیرہا کتب فقہ اور مرقاۃ ولمعات ومنہاج وغیرہ کتب حدیث اور قوت القلوب واحیاء العلوم وغیرہا کتب سلوک میں دیکھئے قول عرب کہ اس ناقل ناعاقل نے لکھا اور نہ اس کا قائل جانا نہ مقولہ ہی ٹھیک نقل کیا اس میں

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[2] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ کتاب الطہارۃ باب السواك مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۲

[3] فتح المعین شرح قرۃ العین مسائل الاکتحال والخضاب الخ مطبعۃ عامر الاسلام پورہرس ص ۲۱۹

[4] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب السواك قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

[5] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب السواك قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

اسی طول فاحش ومفرط کی ناپسندی ہے ورنہ نفس طول تو سبزہ آغاز ہوتے ہی حاصل کہ بال اگرچہ ذرہ بھر ہو آخر جسم ہے اور جسم بے طول ناممکن تو مطلق طول کے مذمت نفس لحیہ کی مذمت ہوگی حالانکہ تمام عالم جانتا ہے کہ عرب کی قدیم قومی وملکی ومذہبی عادت ہمیشہ داڑھی رکھنی رہی ہے وہ اس کے نہ ہونے کی مذمت کرتے اور اسے سخت عیب جانتے جس کا کچھذکر اقوال امام شریح واصحاب امام احنف سے گزرا، قوت القلوب شریف میں امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

من عظمت لحیته جلت معرفته [1]۔	جس کی داڑھی عظیم یعنی بڑی ہو اس کی معرفت بڑی ہوگی۔(ت)

اس میں بعض ادیبوں سے نقل فرمایا:

فی اللحیة خصال نافعة منها تعظیم الرجل والنظر الیه بعین العلم والوقار ومنها رفعه فی المجالس والاقبال علیه ومنها تقدیمه علی الجماعة وتعقیله [2]۔	داڑھی کے بہت فوائد ہیں جن میں سے (۱) ایک یہ کہ لوگوں میں داڑھی والے آدمی کی عزت ہوتی ہے (۲) لوگ اس کو عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں (۳) مجالس میں اسے اچھی نشست دی جاتی ہے۔ (۴) لوگ اس کی بات توجہ سے سنتے ہیں (۵) جماعت میں اسے آگے کرتے ہیں (۶) داڑھی کے بغیر آدمیوں کے مقابلے میں داڑھی والے کو فضیلت دی جاتی ہے(ت)

اسی طرح احیاء العلوم میں ہے۔ یہ زنخداں کے دو تین بال جو اس خلیع العذار کے نزدیک حد اعتدال عرب اسے منحوس ومذموم جانتے اور عجم کیا اچھا سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اس پر مثلیں زبان زد ہوئیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ:

خیر الامور اوسطها [3] قال تعالٰی: "وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝" [4] قال تعالٰی:	سب سے بہتر کام میانہ روی والا ہوتا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نیک بندے تنگی اور فراخی یعنی کنجوسی اور فضول خرچی

---

[1] قوت القلوب لابی طالب المکی الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[2] قوت القلوب لابی طالب المکی الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[3] السنن الکبرٰی کتاب صلوٰۃ الخوف باب ماورد من التشدید فی لبس الخز دار صادر بیروت ۳/ ۲۷۳

[4] القرآن الکری۲۵/ ۶۷

" وَابۡتَغِ بَیۡنَ ذٰلِکَ سَبِیۡلًا ﴿۱۱۰﴾ "[1] ۔وقال تعالٰی: " عَوَانٌۢ بَیۡنَ ذٰلِکَ ؕ "[2] ۔	کے درمیان راہ اعتدال پر رہتے ہیں۔اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان دونوں کے درمیان راستہ اختیار کرو،اللہ تعالٰی نے فرمایا: (وہ گائے) نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا بلکہ درمیانی عمر رکھتی ہو۔(ت)

کو سچ کے بارے میں امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اقوال ووقائع بیہقی نے مناقب میں روایت اور امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں زیر حدیث: ایاکم والاشقر الارزق[3] (لوگو! گہری نیلی آنکھوں والے سے بچو۔ت) ذکر کئے جسے دیکھنا ہو وہاں دیکھے۔

تنبیہ دہم: بقیہ دلائل تحریم میں دلیل اول داڑھی منڈانا مثلہ یعنی صورت بگاڑنا ہے اور مثلہ حرام۔اب کتب فقہیہ سے کتاب الحج کا احرام باندھئے۔

نص ۳۸: ہدایہ میں ہے:

حلق الشعر فی حقها مثلة کحلق اللحیة فی حق الرجال[4] ۔	عورت کا بال مونڈنا مثلہ یعنی حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہے جیسا کہ مردوں کا داڑھی مونڈنا (ت)

نص ۳۹: کافی شرح وافی:

لاتحلق ولکن تقصرلان الحلق فی حقها مثلة والمثلة حرام وشعر الراس زینة لها کاللحیة للرجل کما لایحلق لحیته عنه الخروج من الاحرام فکذ الاتحلق شعرها[5] ۔	(احرام کھولتے وقت) عورت سر کے بال نہ مونڈے بلکہ چوٹی سے کچھ بال کتر ڈالے کیونکہ بال مونڈنا اسکے حق میں بمنزلہ مثلہ ہے اور مثلہ حرام ہے۔سر کے بال عورت کی زینت ہیں جیسے داڑھی مرد کے لئے زینت ہے۔جس طرح احرام کی پابندی سے آزاد ہونے کے لئے مرد کو داڑھی مونڈنے کا حکم نہیں اسی طرح عورت کے لئے سر کے بال مونڈنے کا حکم نہیں۔(ت)

نص ۴۰ و ۴۱: امام ملک العلماء ابوبکر مسعود کاسانی بدائع پھر علامہ قاری مسلک متقسط

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۱۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۶۸

[3] المقاصد الحسنہ حرف الھمزۃ تحت حدیث ۲۷۴ دار الفکر بیروت ص ۱۳۶

[4] الھدایہ کتاب الحج فصل وان لم یدخل المحرم الخ المکتبہ العربیہ کراچی ۱/ ۲۳۵

[5] کافی شرح وافی

میں فرماتے ہیں:

حلق اللحیۃ من باب المثلۃ[1]۔	داڑھی مونڈنا از قسم مثلہ کے ہے۔(ت)

نص ۴۲و۴۳: تبیین الحقائق وابوالسعود مصری:

حلق راسہا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی الرجل[2]۔	کسی عورت کا اپنے سر کے بال مونڈنا مُثلہ ہے(حلیہ بگاڑنا ہے) جیسے مرد کا داڑھی مونڈنا(ت)

نص ۴۴: نیز تبیین میں ہے:

لایاخذ من اللحیۃ شیئا لانہ مثلۃ[3]۔	مرد داڑھی کا کوئی ضروری حصہ نہ کترائے کیونکہ ایسا کرنا مثلہ کے زمرے میں آتا ہے۔(ت)

نص ۴۵و۴۶: بحر الرائق وطحطاوی علی الدر واللفظ للبحر:

لاتحلق لکونہ مثلۃ کحلق اللحیۃ[4]۔	کوئی عورت بال نہ مونڈے اس لئے کہ ایسا کرنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا مثلہ ہے۔(ت)

نص ۴۷: برجندی شرح نقایہ:

حلق الرأس فی حقہا مثلۃ کحلق اللحیۃ فی حق الرجل۔[5]	عورت کے لئے اپنے سر کے بال مونڈنا مثلہ ہے جیسے مرد کے لئے داڑھی مونڈنا۔(ت)

نص ۴۸: شرح لباب:

اما المرأۃ فلیس لہا الاالتقصیر لما سبق من ان حلق رأسہا	عورت کے لئے صرف بال کترنے جائز ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ عورت کا اپنے سر کے بال

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحج فصل واما الحلق والتقصیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۱، المسلك المتقسط فی المنسك المتوسط مع ارشاد الساری دار الکتب العربی بیروت ص ۱۵۲

[2] تبیین الحقائق کتاب الحج فصل من لم یدخل مکہ الخ المطبعۃ الکبرٰی الامیریۃ بولاق مصر ۲/ ۳۹، فتح المعین کتاب الحج فصل مسائل شتی تتعلق بافعال الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۹۶

[3] تبیین الحقائق کتاب الحج باب الاحرام المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۲/ ۳۳

[4] بحر الرائق کتاب الحج فصل من لم یدخل مکۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۵

[5] شرح النقایۃ للبرجندی کتاب الحج نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۴۳

مثلۃ کحلق الرجل اللحیۃ[1] ۔	مونڈنا مرد کے داڑھی مونڈنے کے مترادف ہے اور ایسا کرنا مثلہ ہے۔

نص ۴۹: طریق المرید سے گزرا کہ **النقصان منہا مثلۃ**[2] (داڑھی (حدضرورت سے) کم کرنا مثلہ ہے۔ت)

ان سب عبارات کا حاصل یہی ہے کہ مرد کے کو داڑھی منڈانا کترنا مثلہ ہے جیسے عورت کو سر منڈانا، یہ مسئلہ واضحہ جلیلہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام خواص وعوام اس سے آگاہ ہیں ہر ذی عقل مسلم جانتا ہے کہ جیسے عورت کے حق میں گیسو بریدہ گالی ہے یونہی مرد کے لئے داڑھی منڈا، ہاں ناپاک طبائع کا ذکر نہیں، بہتیرے مرد زنانے بنتے محافل میں ناچتے۔ اپنی ماں بہن کے پیچھے طبلہ بجاتے ہیں اور ان حرکات سے اصلا عار نہیں رکھتے جس طرح داڑھی رکھنا افعال قدیمہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہے یونہی یہ اشارہ بھی اقوال قدیم رسل عظام سے:

اذالم تستحی فاصنع ماشئت[3] بیحیا باش وہرچہ خواہی کن۔	جب تم میں حیانہ رہے تو پھر جو مرضی آئے کرتے رہو۔(ت)

اب امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کا ارشاد ابھی گزرا کہ **المثلۃ حرام** (مثلہ کرنا یعنی اپنا حلیہ بگاڑنا حرام ہے۔ت) اشعۃ سے گزرا علت درحرمت مثلہ ہمیں ست[4] (مثلہ کے حرام ہونے کی یہی علت اور وجہ ہے۔ت)

احادیث لیجئے کہ امید کرتا ہوں مجموعا اس تحریر کے سوا شاید نہ ملیں:

حدیث ۱۸: امام احمد وبخاری ومسلم ونسائی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ من مثل بالحیوان[5] ۔	اللہ کی لعنت اس پر جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے۔

طبرانی نے بسند حسن ان سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] المسلك المتقسط فی المنسك المتقسط مع ارشاد الساری دار الکتب العربی بیروت ص ۱۵۱

[2] قوت القلوب فی معاملة المحبوب الفصل السادس والثلاثون دار صادر بیروت ۲/ ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۷، ۶۵۹۔ ۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۲۳۷، ۲۳۸

[4] اشعة اللمعات کتاب اللباس باب الترجل الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۲

[5] صحیح البخاری کتاب الذبائح ۲/ ۸۲۹ و مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر ۱/ ۳۳۸

من مثل بالحیوان فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین [1]۔	جو کسی جاندار کے ساتھ مثلہ کرے اس پر اللہ و ملائکہ و بنی آدم سب کی لعنت۔

حدیث ۱۹: شافعی، احمد، دارمی، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، طحطاوی، ابن حبان، بیہقی، ابن الجار و حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی لشکر بھیجتے سپہ سالار کو وصیت فرماتے:

اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولاتغلوا ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا [2]۔	جہاد کرو اللہ کے نام پر اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ اللہ کے منکروں سے جہاد کرو اور خیانت نہ کرو۔ نہ عہد توڑو، نہ مثلہ کرو۔ نہ کسی بچے کو قتل کرو۔

حدیث ۲۰: امام احمد مسند اور ابن ماجہ سنن اور قاضی عبدالجبار بن احمد اپنی امالی میں حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں ایک لشکر میں بھیجا فرمایا:

سیروا بسم اللہ وفی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ ولاتمثلوا ولاتغدروا ولاتغلوا ولاتقتلوا ولیدا [3]۔	چلو خدا کے نام پر خدا کے راہ میں جہاد کرو خدا کے منکروں سے اور نہ مثلہ کرو نہ بدعہدی نہ خیانت نہ بچے کا قتل۔

حدیث ۲۱: حاکم مستدرک میں حضرت ابن الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

خذ فاغز فی سبیل اللہ فقاتلوا من کفر باللہ لاتغلوا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیدا	لے خدا کی راہ میں لڑ منکران خدا سے جہاد کرو، خیانت نہ کرو نہ مثلہ نہ بچوں کو قتل

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن عمر حدیث ۳۹۹۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۳۸

[2] صحیح مسلم کتاب الجہاد ۲/ ۸۲ و سنن ابی داؤد کتاب الجہاد ۱/ ۳۵۲، جامع الترمذی ابواب الدیات ۱/ ۱۶۹ ابواب السیر ۱/ ۱۹۵ و سنن ابن ماجہ کتاب الجہاد ص ۲۱۰، مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۴۰ و ۵/ ۳۵۸

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۱۰ و مسند احمد بن حنبل ۴/ ۲۴۰

فھذا عھد اللّٰہ وسیرۃ نبیہ[1]۔	کہ یہ اللہ تعالٰی کا عہد اور اس کے نبی کا شیوہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۲۲: بیہقی سنن میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ سے حدیث طویل میں راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کوئی لشکر کفار پر بھیجتے فرماتے:

لاتمثلوا باٰدمی ولا بھیمۃ[2]۔	مثلہ نہ کرو نہ کسی آدمی کو نہ چوپائے کو۔

حدیث ۲۳ تا ۲۵: احمد وبخاری حضرت عبداللہ بن زید اور احمد وابوبکر ابن ابی شیبہ حضرت زید بن خالد اور طبرانی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم عن النھبۃ والمثلۃ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوٹ اور مثلہ سے منع فرمایا۔

حدیث ۲۶ و ۲۷: ابن ماجہ ابوسعید خدری اور امام ابوجعفر طحاوی وسلیمان بن احمد طبرانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ولفظ الطحاوی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ینھٰی ان یمثل بالبھائم[4]۔	(رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا اور طحاوی کے الفاظ ہیں کہ میں نے سنا ہے۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چوپایوں کو مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

حدیث ۲۸ تا ۳۰: ابوبکر بن ابی شیبہ وامام طحاوی وحاکم حضرت عمران بن حصین اور اولین وطبرانی حضرت مغیرہ بن شعبہ اور صرف اول حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

نھی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ نے مثلہ سے

---

[1] کنز العمال برمزک عن ابن عمر حدیث ۱۱۲۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۳۴، المستدرک للحاکم کتاب الفتن دار الفکر بیروت ۴/ ۵۴۱

[2] السنن الکبرٰی کتاب السیر باب ترک قتل من اقتال فیہ الخ دار صادر بیروت ۹/ ۹۱

[3] صحیح البخاری کتاب الذبائح باب مایکرہ من المثلہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۹، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن زید انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۰۷

[4] سنن ابن ماجہ کتاب الذبائح باب النھی عن صبر البھائم وعن المثلۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۷، شرح معانی الآثار کتاب الجنایات باب کیفیۃ القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷

عن المثلۃ[1] ھذا حدیث الحاکم عن عمران ومثلہ لفظ الطبرانی عن ابن عمر وحدثنا المغیرۃ واسماء۔	منع فرمایا۔ (حضرت عمران کے حوالے سے یہ حاکم کی روایت ہے اور اس جیسے الفاظ امام طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمر کے حوالے سے روایت کئے ہیں اور حضرت مغیرہ اور سیدہ اسماء نے ہم سے بیان فرمایا۔ت)

حدیث ۳۱: طبرانی امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے راوی:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینھٰی عن المثلۃ ولو بالکلب العقور[2]۔	میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا کہ مثلہ کرنا منع فرماتے تھے اگرچہ سگ گزندہ کو۔

حدیث ۳۲و۳۳: ابن قانع وطبرانی وابن مندہ بطریق موسٰی بن ابی حبیب حضرت حکم بن عمیر وحضرت عائذ بن قرط رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتمثلوا بشیئ من خلق اللہ عزوجل فیہ روح[3]۔	خلق اللہ میں سے کسی ذی روح کو مثلہ نہ کرو۔

حدیث ۳۴و۳۵: ابوداؤد وطحاوی حضرت سمرہ بن جندب اور بخاری ومسلم قتادہ سے مرسلا راوی:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحثنا علی الصدقۃ وینھانا عن المثلۃ وھذا لفظ ابی داؤد[4] ولفظ الطحاوی قلما خطب خطبۃ الا امرنا فیھا	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدقہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے، یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ اور امام طحاوی کے یہ الفاظ ہیں کہ کوئی ایسا خطبہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب الجنایات ۲/ ۱۱۷ و المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۷۹۸۴ ۹/ ۴۲۳، المعجم الاوسط حدیث ۵۷۳۵ مکتبہ المعارف ریاض ۶/ ۳۴۴، المعجم الکبیر حدیث ۱۳۴۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۴۰۳، کنزالعمال برمزك عن عمران حدیث ۱۱۰۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۳۹۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۶۸ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۱۰۰

[3] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۸۸ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۳۱۸

[4] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی النہی عن المثلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۶

بالصدقة ونهانا فيها عن المثلة[1] ولفظهما فی حدیث العرینین عن قتادة بلغنا ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان بعد ذٰلك یحث علی الصدقة وینھٰی عن المثلة[2] وبمعناہ لابن ابی شیبه والطحاوی عن عمران فی الحدیث المار۔	نہیں ہوتا تھا جس میں صدقہ کرنے کا حکم نہ فرماتے ہوں اور مثلہ کرنے سے منع نہ کرتے ہوں ان دونوں کے الفاظ حدیث "عرینین" میں بحوالہ حضرت قتادہ یہ ہیں: ہمیں یہ اطلاع پہنچی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعدازیں صدقہ کرنے کی ترغیب دلاتے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے۔اور اسی کی ہم معنی ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی گزشتہ حدیث بروایت حضرت عمران مذکور ہے۔(ت)

حدیث ۳۶: طبرانی کبیر میں حضرت یعلٰی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لاتمثلوا بعباداللّٰه[3] اللہ کے بندوں کو مثلہ نہ کرو۔

حدیث ۳۷و۳۸: ابن عساکر وابن النجار حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابن ابی شیبہ مصنف میں عطاسے مرسلاراوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لامثل به کذا فیمثل اللّٰه بی یوم القیمة[4]۔	حاصل یہ کہ جو یہاں مثلہ کرے گا روز قیامت اسے اللہ تعالٰی مثلہ بنائے گا۔

حدیث ۳۹: بیہقی سنن میں صالح بن کیسان سے حدیث طویل میں راوی حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سپہ سالاری پر بھیجتے وقت وصیت میں فرمایا:

---

[1] شرح معانی الاثار للطحاوی کتاب الجنایات باب کیفیة القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۱۷، سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی النهی عن المثلة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۶

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قصه عکل وعرینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰۲

[3] المعجم الکبیر حدیث ۶۹۷و۶۹۸ المکتبه الفیصلیة بیروت ۲۲/ ۲۷۲

[4] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر وابن النجار حدیث ۱۳۴۴۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۵/ ۴۰۸، المصنف لابن ابی شیبه کتاب المغازی حدیث ۱۸۵۸۶ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴/ ۳۸۷

لاتغدروا ولا تمثلوا ولا تجبنوا ولا تغلوا[1]۔	نہ عہد توڑنا، نہ مثلہ کرنا، نہ بزدلی نہ خیانت۔

حدیث ۴۰: سیف کتاب الفتوح میں متعدد شیوخ سے راوی، امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صوبہ ملک یمامہ مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمان بھیجا جس میں ارشاد ہے:

ایاك والمثلة فی الناس فانها ماثم ومنفرة الا فی قصاص[2]۔	لوگوں کو مثلہ کرنے سے بچو کہ وہ گناہ ہے اور نفرت دلانے والا مگر قصاص وعوض میں۔

اللہ اکبر! جب چوپایوں سے مثلہ حرام، چوپائے درکنار کٹکھنے کتے سے ناجائز کتے سے بھی گزریئے حربی کافر سے بھی منع، تو مسلمان کا خود اپنے منہ کے ساتھ مثلہ کرنا کس درجہ اشد حرام وموجب لعنت وانتقام ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

حدیث ۴۱: طبرانی معجم کبیر میں بسند حسن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مثل بالشعر فلیس له عند الله خلاق[3]۔	جو بالوں کے ساتھ مثلہ کرے اللہ عزوجل کے یہاں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

والعیاذ باللہ رب العالمین ___ یہ حدیث خاص مسئلہ مثلہ مومیں ہے بالوں کا مثلہ یہی جو کلمات ائمہ سے مذکور ہوا کہ عورت سر کے بال یا مرد داڑھی یا مرد خواہ عورت بھنویں **کما یفعله کفرة الهند فی الحداد** (جیسے ہندوستان کے کفار لوگ سوگ مناتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔ت) یا سیاہ خضاب کرے **کما فی المناوی والعزیزی والحفنی شروح الجامع الصغیر**، یہ سب صورتیں مثلہ مومیں داخل ہیں اور سب حرام۔

دلیل دوم: داڑھی منڈانا، زنانی صورت بنانا اور عورتوں سے تشبہ پیدا کرنا ہے اور مرد کو عورت عورت کو مرد سے کسی لباس وضع، چال ڈھال میں بھی تشبہ حرام نہ کہ خاص صورت وبدن میں ظاہر کہ عورت ومرد کا جسم ظاہر میں مابہ الامتیاز یہی چوٹی داڑھی ہے۔ اسی طرح تسبیح ملائکہ میں اشارہ وارد ہوا۔ امام زیلعی تبیین الحقائق علامہ اتقانی غایۃ البیان علامہ طوری تکملہ بحر، سب علماء کتاب الجنایات

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب السیر باب ترك قتل من لا قتال فیه من الرهبان الخ دار صادر بیروت ۹ /۹۰

[2] تاریخ الامم والملوك للطبری ذکر خبر حضرموت فی ردتهم دار القلم بیروت ۳/ ۲۷۷

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۹۷۷ المکتبه الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۴۱

اور امام حجۃ الاسلام محمد غزالی کیمیائے سعادت میں ذکر کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان للہ ملئکۃ تسبیحھم سبحن من زین الرجال باللحی والنساء وبالقرون والذوائب [1] (لیس عند الاتقانی فی نسختی لفظ القرون)	بے شک اللہ عزوجل کے کچھ فرشتے ہیں جن کی تسبیح یہ ہے پاکی ہے اسے جس نے مردوں کو زینت دی داڑھیوں سے اور عورتوں کو گیسوؤں سے، بلکہ داڑھی چوٹی سے بھی زیادہ وجہ امتیاز ہے کہ مرد چوٹی بنا سکتا ہے اور عورت داڑھی نہیں نکال سکتی۔ (میرے نسخہ میں اتقانی کے نزدیک "قرون" کا لفظ نہیں ہے)۔(ت)

ولہٰذا نص ۵۰ و ۵۱: امامین جلیلین قوت و احیاء میں فرماتے ہیں:

اللحیۃ من تمام خلق الرجال وبھا تمیز الرجال من النساء فی ظاھر الخلق [2]۔	داڑھی آفرینش مرد کی تمامی سے ہے اور اسی سے متمیز ہوتے ہیں مرد عورتوں سے ظاہری صورت میں۔

لاجرم بزازیہ و در مختار و ردالمحتار کے نصوص گزرے کہ عورت کو موئے سر مرد کو داڑھی کا قطع کرنا حرام ہے کہ اس میں ایک کا دوسرے سے تشبہ ہے۔

نص ۵۲: سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

الحکمۃ فی تحریم تشبہ الرجل بالمرأۃ وتشبہ المرأۃ بالرجل انھما مغیرات لخلق اللہ [3]۔	مرد عورت کا باہم تشبہ حرام ہونے کی حکمت یہ ہے کہ وہ دونوں اس میں خدا کی بنائی چیز بدلتے ہیں۔

یہ اشارہ ہے اسی آیۂ کریمہ "فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللہِ ؕ" [4] کی طرف، یہ تو آیت تھی اب بتوفیق اللہ تعالٰی احادیث لیجئے۔

حدیث ۴۲: امام احمد و دارمی و امام بخاری و ابوداؤد و ترمذی و نسائی و ابن ماجۃ و طبرانی

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الجنایات ۶/ ۱۳۰ و بحر الرائق کتاب الجنایات ۸/ ۳۳۱

[2] قوت القلوب الفصل السادس والثلاثون ۲/ ۱۴۲ و احیاء العلوم النوع الثانی ۱/ ۱۴۴

[3] الحدیقہ الندیہ ومن الآفات اضاعۃ الرجل اولادہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۵۸

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشابھات من النساء بالرجال [1]۔	اللہ کی لعنت ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور ان عورتوں پر جو مردوں کی۔

طبرانی کی روایت یوں ہے:

ان امرأۃ مرت علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم متقلدۃ قوسافقال لعن اللہ المتشبھات من النساء بالرجال والمتشبھین من الرجال بالنساء [2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ایک عورت شانے پر کمان لٹکائے گزری، فرمایا: اللہ کی لعنت ان عورتوں پر جو مردانی وضع بنائیں اور ان مردوں پر جو زنانی۔

حدیث ۴۳: بخاری، ابوداؤد و ترمذی انھیں سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوھم من بیوتکم [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی زنانہ مردوں اور مردانی عورتوں پر۔ اور فرمایا انھیں اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔

حدیث ۴۴: بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اخرجوا المخنثین من بیوتکم [4]۔	زنانوں کو اپنے گھروں سے نکال باہر کرو۔

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۷۴۔ سنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۱۰۔ جامع الترمذی ۲/ ۱۰۲، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب فی المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۳۹

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترھیب من تشبہ الرجل بالمرأۃ الخ مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۰۳

[3] صحیح البخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۷۴ و سنن ابی داؤد کتاب الادب ۲/ ۳۱۸ جامع الترمذی ابواب الادب ۲/ ۱۰۲

[4] سنن ابن ماجہ ابواب الحدود باب المخنثین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱، کنز العمال بحوالہ احمد خ، د، ہ حدیث ۴۵۰۶۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۹۶

حدیث ۴۵: ابوداؤد ونسائی، وابن ماجہ وابن حبان بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اس مرد پر کہ عورت کا پہناوا پہنے اور اس عورت پر کہ مرد کا۔

حدیث ۴۶: ابوداؤد بسند حسن عبداللہ بن ابی ملیکہ سے راوی:

قال قیل لعائشة رضی اللہ تعالٰی عنہا ان امرأة تلبس النعل قالت لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلة من النساء[2]۔	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ عنہا سے عرض کی گئی کہ ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مردانی عورتوں پر لعنت فرمائی۔

حدیث ۴۷: امام احمد بسند صحیح ایک تابعی ہذیلی سے راوی میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خدمت میں حاضر تھا ایک عورت کمان لٹکائے مردانی چال چلتی سامنے سے گزری عبداللہ نے پوچھا یہ کون ہے میں نے کہا ام سعید دختر ابو جہل، فرمایا میں نے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

لیس منا من تشبه بالرجال من النساء ولا من تشبه بالنساء من الرجال[3] ورواہ الطبرانی عن عبد اللہ مختصرًا۔	ہمارے گروہ میں سے نہیں وہ عورت کہ مردوں سے تشبہ کرے اور نہ وہ مرد کہ عوتوں سے (اور اسے طبرانی نے عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے مختصراً روایت کیا۔ت)

حدیث ۴۸: امام احمد بسند حسن اور عبدالرزاق مصنف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخنثی الرجال الذین یتشبھون بالنساء والمترجلات من النساء	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی زنانہ مردوں پر جو عورتوں کی صورت بنیں اور مردانی عورتوں پر جو مردوں کی شکل بنیں اور جنگل کے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۰

المتشابھات بالرجال وراکب الفلاۃ وحدہ[1]۔	اکیلے سوار کو یعنی جو خطرہ کی حالت میں تنہا سفر کو جائے۔

حدیث ۴۹: طبرانی کبیر میں بسند صالح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایدخلون الجنۃ ابدا الدیوث و الرجلۃ من النساء ومدمن الخمر[2]۔	تین شخص جنت میں کبھی نہ جائیں گے دیوث اور مردانی عورت اور شراب کا عادی۔

حدیث ۵۰: احمد، نسائی، حاکم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لاینظراللہ الیھم یوم القیمۃ العاق لوالدیہ والمرأۃ المترجلۃ المتشبھۃ بالرجال ؎ والدیوث[3]۔	تین شخصوں پر اللہ تعالٰی روز قیامت نظر رحمت نہ فرمائے گا ماں باپ کا نافرمان اور مردانی عورت مردوں کی وضع بنانے والی اور دیوث۔

حدیث ۵۱: نسائی سنن اور بزار مسند اور حاکم مستدرک اور بیہقی شعب الایمان میں ان سے راوی:

؎: وفی طریقۃ لاحمد وروایۃ عبدالرزاق بعدھذا والمتبتلین الذین یقولون لانتزوج والمتبتلات اللاتی یقلن ذٰلک وراکب الفلاۃ وحدہ والبائت وحدہ[4] ۱۲منہ	امام احمد کی دوسری سند کے ساتھ اور مصنف عبدالرزاق کی روایت میں اس کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں وہ مرد جو عورتوں سے لاتعلق ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم شادی نہیں کرتے اور الگ تھلگ رہنے والی عورتیں جو یہی کچھ کہتی ہیں اور جنگل و بیابان میں اکیلا سفر کرنے والا سوار اور قوت مردی کے باوجود تنہا رہنے والا مرد۔ (ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۸۹۔۲۸۷

[2] مجمع الزوائد بحوالہ المعجم الکبیر کتاب النکاح باب فیمن یرضی لاہلہ بالخبث دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۲۷

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۳۴، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۵۷

[4] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۸۹

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث ورجلة النساء[1]۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے ماں باپ سے عاق اور دیوث اور مردانی عورت۔

حدیث ۵۲: بیہقی شعب الایمان میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اربعة یصبحون فی غضب الله ویمسون فی غضب الله المتشبھون من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال والذی یاتی البھیمة والذی یاتی بالرجل[2]۔	چار شخص صبح کریں تو اللہ کے غضب میں شام کریں تو اللہ کے غضب ہیں زنانی وضع والے مرد اور مردانی وضع والی عورتیں اور جو چوپائے سے جماع کرے اور اغلامی۔

حدیث ۵۳: طبرانی کبیر میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

اربعة لعنھم الله فوق عرشه وامنت علیھم ملئکة الذی یحصن نفسه عن النساء ولایتزوج ولا یتسری لان لایولد له ولد الرجل یتشبه بالنساء وقد خلقه الله ذکرا والمرأة تتشبه بالرجال وقد خلقھا الله انثی ومضل المسکین[3] وفی اخری	حاصل یہ کہ چار شخصوں پر اللہ عزوجل نے بالائے عرش سے دنیا وآخرت میں لعنت بھیجی اور ان کی ملعونی پر فرشتوں نے آمین کہی وہ مرد جسے خدائے تعالٰی نے نر بنایا اور وہ مادہ بنے عورتوں کی وضع بنائے اور عورت جسے خدا نے مادہ بنایا اور وہ نر بنے مردانی وضع اختیار کرے اور اندھے کو بہکانے یا مسکین

عـــہ: ھذا وعید اٰخر غیر مافی قرینة فالظاھر تعداد الورود ولا تغییر العبارة من الصحابی او راو بعدہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه	یہ دوسری وعید ہے جو ساتھ والی روایت میں نہیں ہے بظاہر تعداد ورود مراد ہے صحابی سے تبدیلی عبارت مراد نہیں یا اس کے بعد کوئی اور راوی ہے اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ (ت)

[1] شعب الایمان للبیہقی باب فی الغیرۃ والمذاق حدیث ۱۰۷۹۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۱۲، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۵۷ و المستدرك للحاکم کتاب الایمان ۱/ ۷۲

[2] شعب الایمان باب فی تحریم الفروج حدیث ۵۳۸۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۵۶

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۱۱۷

عنه اربعة لعنوا فی الدنیا والاخرة وامنت الملئكة رجل جعله الله ذكرا فانث نفسه وتشبه بالنساء وامرأة جعلها الله انثی فتذكرت وتشبهت بالرجال والذی یضل الاعمی ورجل حصور ولم یجعل الله حصورا الا یحیٰی بن زكریا علیه السلام [1]۔	کو راستہ بھلانے والا اور وہ جو اولاد ہونے کے خوف سے نکاح نہ کرے نہ کنیز حلال رکھے راہبان نصاری کی طرح بن رہے۔

حدیث ۵۴: ابن عساکر ابن صالح وہ اپنے بعض شیوخ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن الله الملئكة رجلا تانث وامراة تذكرت [2]۔ والعیاذ بالله رب العالمین۔	اللہ عزوجل اور فرشتوں نے لعنت کی اس مرد پر جو عورت بنے اور اس عورت پر جو مرد۔

دلیل سوم: داڑھی منڈانا کتروانا شعار کفار میں ان سے تشبہ ہے اور وہ حرام۔

تنبیہ ہشتم کی متعدد احادیث میں گزرا کہ یہ خصلت شیعہ مجوس ویہود ومشرکین کی ہے اور نہم کے نصوص عدیدہ میں کہ مجوسیوں یہودیوں ہندؤوں فرنگیوں کی اور حدیث اول وسوم وچہارم میں گزرا مشرکوں کا خلاف کرو یہودیوں کی صورت نہ بنو اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

نص ۵۳ تا ۵۵: لمعات سے گزرا کہ داڑھی باندھنے والے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی بیزاری اس وجہ سے ظاہر فرمائی کہ اس میں بے دینوں سے تشبہ ہے۔[3] علامہ طیبی وعلامہ طاہر سے گزرا کہ وجہ نہی مشابہت کفار ہے [4]۔

نص ۵۶و۵۷: بدائع امام ملک العلماء وشرح منسک متوسط میں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۴۸۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۴۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابن صالح حدیث ۴۳۹۸۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۷۳

[3] لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک مکتبہ المعارف العلمیہ ۲/ ۶۸

[4] شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الطہارۃ باب السواک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۶

حلق اللحیۃ تشبہ بالنصارٰی[1]۔	داڑھی منڈانی نصارٰی کی سی صورت بنانی ہے۔

نص ۵۸: جب درمختار میں فرمایا داڑھی نہ رکھنا یہود وہنود کا کام ہے[2] علامہ طحطاوی نے فرمایا: التشبہ بھم حرام[3] ان سے تشبہ حرام ہے۔

نص ۵۹ و ۶۰: علامہ اسمٰعیل بن عبدالغنی حاشیہ دررو غرر پھر علامہ عبدالغنی بن اسمٰعیل حاشیہ طریقہ محمدیہ نوع ثامن آفات لسان میں فرماتے ہیں:

لبس زی الافرنج کفر علی الصحیح[4] اھ مختصرًا۔	فرنگیوں کی وضع پہننی صحیح مذہب میں کفر ہے اھ مختصرًا۔

حدیث ۵۵: صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ابغض الناس الی اللہ ثلثۃ ملحد فی الحرم ومتبغ فی الاسلام سنۃ الجاھلیۃ ومطلب دم امرئ بغیر حق لیھریق دمہ[5]۔	اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ دشمن تین شخص ہیں حرم شریف میں الحاد و زیادتی کرنے والا اور اسلام میں جاہلیت کی سنت چاہنے والا اور ناحق کسی کی خونریزی کے لئے اس کے قتل کی تلاش میں رہنے والا۔

علامہ طیّبی سے مجمع البحار میں ہے:

اذا ترتب ھذا الوعید علی طالبہ فعلی المباشر اولی[6]۔	جب سنت جاہلیت کی طلب پر یہ وعید ہے تو برتنے والا بدرجہ اولٰی۔

حدیث ۵۶ و ۵۷: بخاری تعلیقا اور احمد وابویعلی وطبرانی کاملا حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور جملہ اخیرہ ابوداؤد ان سے اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن حضرت حذیفہ

---

[1] بدائع الصنائع کتاب الحج فصل واما الحلق والتقصیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴۱، المنسک المتوسط علی لباب المناسک مع ارشاد الساری دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۵۲

[2] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰

[4] الحدیقہ الندیہ النوع الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۲۳۰

[5] صحیح البخاری کتاب الدیات باب من طلب دم الخ قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۲/ ۱۰۱۶

[6] مجمع بحار الانوار باب السنن مع النون تحت لفظ السنن مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۳/ ۱۳۲

صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعل الذل والصغار علی من خالف امری ومن تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	رکھی گئی ذلت اور خواری اس پر جو میرے حکم کا خلاف کرے اور جو کسی قوم سے تشبہ کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

علامہ طیبی سے مجمع وغیرہ میں ہے:

ای من تشبہ بالکفار فی اللباس وغیرہ فھو منھم [2] اھ باختصار۔	یعنی جو کافروں سے لباس وغیرہ میں مشابہت کرے وہ انھیں کافروں میں سے ہے اھ باختصار

حدیث ۵۸: ترمذی وطبرانی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من تشبہ بغیر نا لاتشبھوا بالیھود ولا بالنصاری فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف [3]۔	ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر سے تشبہ کرے، نہ یہود سے تشبہ کرو نہ نصرانیوں سے کہ یہود کا سلام انگلیوں سے اشارہ ہے اور نصارٰی کا ہتھیلیوں سے۔

حدیث ۵۹: مسند الفردوس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من عمل بسنۃ غیرنا [4]۔	جو ہمارے غیر کی سنت پر عمل کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب ماقیل فی الرماح قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۸، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰ و ۹۲، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، المعجم الاوسط حدیث ۸۳۲۳ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۱۵۱

[2] مجمع بحار الانوار باب الشین مع الباء مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۳/ ۱۷۸

[3] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والآداب باب ماجاء فی تبلیغ الاسلام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۹۴

[4] الفردوس بما ثور الخطاب عن ابن عباس حدیث ۵۲۶۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۱۵

حدیث ۶۰: ابن حبان اپنی صحیح میں ابوعثمان سے راوی ہمارے پاس پیشگاہ خلافت فاروقی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمان والا شرف صدور لایا جس میں ارشاد ہے: **ایاکم وزی الاعاجم**[1] پارسیوں کی وضع سے دور رہو۔

تذییل حدیث ۶۱: ابن ماجہ حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یعمل بسنتی فلیس منی[2]۔	جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں۔

حدیث ۶۲: ابن عساکر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من رغب عن سنتی فلیس منی[3]۔	جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ میرے گروہ سے نہیں۔

حدیث ۶۳: خطیب حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خالف سنتی فلیس منی[4]۔	جو میری سنت کا خلاف کرے وہ میرے زمرے سے نہیں۔

حدیث ۶۴: ابن عساکر حضرت ابن الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ بسنتی فھو منی ومن رغب عن سنتی فلیس منی[5]۔	جو میری سنت اختیار کرے وہ میرا اور جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ میرا نہیں۔

حدیث ۶۵: بیہقی شعب میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند صحیح راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ ابن حبان تحت حدیث ۱۰۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر ابی ایوب حدیث ۱۸۱۴۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۹۸

[4] تاریخ بغداد الخطیب ترجمہ ۳۶۷۸ دار الکتب العربی بیروت ۷/ ۲۰۹

[5] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۹۳۴ ۱/ ۱۸۴ وحدیث ۲۲۷۵۴ ۸/ ۲۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت

ان لکل عمل شرۃ ولکل شرۃ فترۃ فمن کانت فترتہ الی سنتی فقد اھتدی ومن کانت الی غیر ذٰلك فقد ھلك [1]۔ ربنا بقدرتك علینا وعجز نا لدیك وبغناك عنا وفا قتنا الیك لاتھلکنا بذنوبنا ولا تواخذنا بما عملنا ولا تجعلنا فتنۃ للقوم الظلمین ربنا انك رؤف رحیم اٰمین والحمد ﷲ رب العلمین وصلی اﷲ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد شفیع المذنبین والہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	یعنی ہر کام کا ایک جوش ہوتا ہے اور ہر جوش کو ایک فتور تو جو فتور کے وقت بھی میری سنت ہی کی طرف رہے ہدایت پائے اور جو دوسری جانب ہو ہلاک ہو جائے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر جو تجھے قدرت کاملہ حاصل ہے اس کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں اور ہمارا تیری بارگاہ میں عجز ونیاز اور تیری ہم سے بے نیازی اور ہمارا تیری طرف احتیاج، ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہمیں ہلاک نہ کرنا اور جو کچھ ہم نے کیا اس پر ہماری گرفت نہ کرنا اور ہمیں ظالموں کے لئے آزمائش نہ بنانا، اے ہمارے پروردگار! یقینا تو بڑی شفقت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ہماری دعا قبول فرما (آمین)، سب تعریف اس اﷲ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا مالک و پروردگار ہے اور ہمارے آقا و مولٰی پر اﷲ تعالٰی کی بے پایاں رحمتیں ہوں جو (حضرت محمد صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم) روز قیامت گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں اور ان کی تمام اولاد اور سب ساتھیوں پر، مولا! اس دعا کو قبول فرما، آمین! (ت)

خاتمہ

رزقنا اﷲ حسنہا (اﷲ تعالٰی اسے (یعنی خاتمہ کو) حسن وجمال سے نوازے۔ت) اب کہ بحمد اﷲ تعالٰی کلام اپنے منتہٰی کو پہنچا اکثر ابنائے زماں کی ہمت اور دین وعلم کی جانب رغبت معلوم کسی دینی تحریر کے چند ورق دیکھنے بھی ان پر بار گراں اور راستانوں دیوانوں کے دفتر الٹ جائیں سیری کہاں، لہٰذا ہم بعض مضامین رسالہ کا ایک جدول میں خلاصہ لکھتے ہیں جنھیں اﷲ ورسول پر ایمان اور روز قیامت پر ایقان ہے ملاحظہ کریں کہ قرآن وحدیث ونصوص ائمہ وعلمائے کرام قدیم وحدیث میں داڑھی منڈانے کتروانے پر کیا کیا ہولناک سزائیں وعیدیں، مذمتیں، تہدیدیں وارد ہیں، ایمانی نگاہ کو یہ جدول ہی کافی۔ اور جو تفصیل چاہے تو یہ

[1] کنز العمال بحوالہ ھب عن ابن عمرو حدیث ۴۴۴۳۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۲۷۶

فتوٰی وافی اب جس میں عذاب الٰہی کی طاقت ہو نیچریان عنود کی بات سنے، مجوس وہنود کی صورت بنے، ان جانگزا آفتوں کو گوارا کرے اور جسے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے محبت ہو اپنا منہ اسلامی بنائے شعائر اللہ کی حرمت بجالائے شعائر کفر سے کنارہ کرے۔ واللہ الہادی وولی الایادی (اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ دکھانے والا گوناگوں احسانات وانعامات کامالک ہے۔ت)

جدول ان سزاؤں وعیدوں مذمتوں کی جو داڑھی منڈانے کتروانے والوں کے حق میں آیات واحادیث ونصوص مذکورہ سے ثابت ہیں

نمبر شمار	سزاومذمت	فرمان عدالت	میزان فرامین
۱	اللہ ورسول کے نافرمان ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	نو ۹۔ آیات ۱۵،۱۳،۸،۷،۲،۱تا۱۸، ۳۲، حدیث ۱ تا۱۰،۱۹تا۳۸،۴۰تا۵۸	۴۱
۲	شیطان لعین کے محکوم ہیں۔	آیت ۵	۱
۳	سخت احمق ہیں۔	آیت ۱۰ نص ۱۸، ۱۹	۳
۴	اللہ ان سے بیزار ہے۔	آیت ۱۴	۱
۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیزار ہیں۔	حدیث ۱۱، ۱۳	۲
۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوایسی صورت دیکھنے سے کراہت آتی ہے۔	حدیث ۱۰	۱
۷	یہودی صورت ہیں۔	حدیث ۳، ۴ نص ۱تا۵	۷
۸	نصرانی وضع ہیں فرنگیوں سے مشابہ ہیں۔	حدیث ۴ نص ۱تا۵، ۱۳تا۱۷، ۳۶، ۵۶، ۵۷	۱۴
۹	مجوس کے پیرو ہیں۔	حدیث ۶، ۲۔ نص ۱تا۵، ۱۳تا۱۷	۱۲
۱۰	ہندوؤں کی صورت مشرکین کی سیرت ہیں۔	حدیث ۱۔ نص ۱تا۵، ۱۳تا۱۷، ۳۴، ۳۶	۱۳
۱۱	مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گروہ سے نہیں۔	حدیث ۷ ۴، ۵۸، ۵۹، ۶۱تا ۶۴	۷
۱۲	انھیں اپنے ہم صورتوں نصارٰی ویہود ومجوس وہنود کے گروہ سے ہیں۔	حدیث ۵۶، ۵۷	۲

۱۳	واجب التعزیر ہیں شہر بدر کرنے کے قابل ہیں۔	حدیث ۴۳، ۴۴۔ نص ۶ تا ۱۲	۹
۱۴	مبدلین فطرت ہیں مغیر خلق اللہ ہیں۔	نص ۱۸، ۱۹، ۳۵، ۳۸ تا ۴۹، ۵۲	۱۶
۱۵	زنانے مخنث ہیں۔	حدیث ۴۳، ۴۸۔ نص ۱ تا ۵	۷
۱۶	خدا کے عہد شکن ہیں۔	حدیث ۲۱	۱
۱۷	ذلیل وخوار ہیں۔	حدیث ۵۶، ۵۷	۲
۱۸	گھنونے قابل نفرت ہیں۔	حدیث ۴۰	۱
۱۹	مردود الشہادت ہیں۔	حدیث ۱۳، ۱۴، ۱۵	۳
۲۰	پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے۔	آیت ۱۸	۱
۲۱	ہلاکت میں ہیں مستحق بربادی ہیں۔	آیت ۱۸ حدیث ۶۵	۲
۲۲	دین میں بے بہرہ آخرت میں بے نصیب ہیں۔	حدیث ۱۶، ۱۷، ۴۱	۳
۲۳	عذاب الٰہی کے منتظر۔	آیت ۱۸	۱
۲۴	اللہ عزوجل کو سخت دشمن ومبغوض ہیں۔	حدیث ۵۵	۱
۲۵	صبح ہیں تو اللہ کے غضب میں، شام ہیں تو اللہ کے غضب میں۔	حدیث ۵۳	۱
۲۶	قیامت کے دن ان کی صورتیں بگاڑی جائیں گی۔	حدیث ۳۷، ۳۸	۲
۲۷	اللہ ورسول کے ملعون ہیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں، اللہ وملائکہ وبشر سب کی ان پر لعنت ہے، فرشتوں نے ان کے لعنتی ہونے پر آمین کہی۔	ہشت احادیث ۱۸، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴۶، ۴۸، ۵۳، ۵۴۔	۸
۲۸	اللہ تعالٰی ان پر نظر رحمت نہ فرمائے گا۔	حدیث ۵۰	۱
۲۹	وہ بہشت میں نہ جائیں گے۔	حدیث ۴۹، ۵۱	۲
۳۰	اللہ عزوجل انھیں جہنم میں ڈالے گا۔ والعیاذ باللہ تعالٰی	آیت ۱۴	۱

الحمدللہ یہ مختصر رسالہ جس میں علاوہ زوائد کے اصل مقصد میں اٹھارہ [۱۸] آیتوں بہتر [۷۲] حدیثوں

ساٹھ ارشادات علماء جملہ ڈیڑھ سو نصوص نے باطل کا ازہاق، حق کا احقاق کیا، غرہ رجب روز جمعہ مبارک ۱۳۰۵ھ ہجریہ قدسیہ کو قمر التمام وبدر سماء اختتام اور بلحاظ تاریخ **لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی** (چاشت کی روشنی داڑھیاں بڑھانے میں۔ت) نام ہوا۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وصلى الله تعالٰى على خير خلقه وسراج افقه سيدنا ومولٰنا محمد واله وصحبه اجمعين اٰمين واخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين والله سبحانه وتعالٰى اعلم وعلمه جل مجده اتم واحكم۔	اے ہمارے پروردگار! ہم سے (اس خدمت کو) قبول فرما، بے شک تو سب کچھ سننے جاننے والا ہے اللہ تعالٰی ان کی ان پر (بے حساب) رحمتیں ہوں **جو تمام مخلوق سے بہتر اور علم ودانش کا (روشن) چراغ** ہیں جو ہمارے آقا و مولا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور ان کی سب آل اور تمام صحابہ کرام پر بھی ہو (مولائے کریم) دعا قبول فرما اور ہماری آخری پکار یہ ہے کہ تمام خوبیاں اور تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مربی ہے۔اللہ تعالٰی کی ذات برتر اور سب سے زیادہ جاننے والی ہے۔ اور اس جلیل القدر کا علم سب سے زیادہ تام (کامل) اور بڑا محکم ہے۔(ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ
لمعۃ الضحٰی فی اعفاء اللحٰی
ختم شد

مسئلہ ۲۲۸: مسئولہ عزیز الحسن طالب علم مدرسہ اہلسنت شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

سر کے بال مونڈھے سے زیادہ بڑھالینا جس طرح کہ آج کل کے متصوفوں نے اختیار کیا ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

صحاح احادیث میں لعنت فرمائی ان مردوں پر جو عورتوں کی وضع بنائیں اور عورتوں پر جو مردوں کی لہٰذا یہ حرام ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۹: ابوبکر علی محمد نو روز چہار شنبہ ۳رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

ایک شخص کھتری کا کام کرتا ہے اور کپڑے میں کنڈیں باندھنے کے لئے چند ناخون رکھوانے کی بہت ضرورت پڑتی ہے تو اب وقت ضرور ناخن رکھوانے کے لئے کیا حکم ہے۔ تحریر فرمائیں فقط۔

الجواب:

چالیس ۴۰ روز سے زیادہ ناخن یا موئے بغل یا موئے زیر ناف رکھنے کی اجازت نہیں، بعد چالس ۴۰ روز کے گنہگار ہوں گے، ایک آدھ بار میں گناہ صغیرہ ہوگا عادت ڈالنے سے کبیرہ ہوجائیگا فسق ہوگا، صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

وقت لنا لفظه عنداحمد وابی داؤد و الترمذی و النسائی وقت لنارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی قص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط و حلق العانة ان لانترك اکثر من اربعین لیلة[1]۔	ہمارے لئے وقت مقرر فرمایا (مسلم شریف کے الفاظ) مسند احمد، ابوداؤد، جامع الترمذی اور سنن النسائی کے الفاظ یہ ہیں وقت لنا یعنی ہمارے لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مونچھیں کترنے، ناخن کاٹنے، زیر بغل بال اکھاڑنے اور زیر ناف بال مونڈنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا کہ ہم میں سے کوئی شخص چالیس دن سے زیادہ نہ چھوڑے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹، سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی اخذ الشارب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۱، سنن النسائی ذکر التوقیت فی ذٰلك نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷، جامع الترمذی ابواب الآداب باب ماجاء فی تقلیم الاظفار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۰

درمختار میں ہے:

کرہ ترکہ وراء الاربعین[1]۔	چالیس روز سے زیادہ چھوڑ دینا مکروہ ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای تحریما لقول المجتبٰی ولا عذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید[2]۔	یہاں کراہت سے مکروہ تحریمی مراد ہے۔المجتبٰی کے اس قول کی وجہ سے کہ چالس دن سے زیادہ دیر لگانے میں کوئی عذر (مقبول) نہیں، لہٰذا اگر ایسا کیا گیا تو پھر عذاب کی دھمکی کا مستحق ہے اھ (ت)

پیتل وغیرہ کے ناخن بنوا کر ایسے کہ انگلیوں پر چڑھ سکیں مثلاً ایک پورے کے قدر انگلی کی شبیہ جسے انگلی میں پہن لیا جائے اور اس پر ناخن بنا ہوا ان سے کام لیا جائے یہ سونے چاندی کے جائز نہیں۔ حتی کہ عورتوں کو بھی احتراز چاہئے کہ یہ صرف پہننا نہیں بلکہ دوسرے کام میں استعمال۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰: از شہر بریلی مسئولہ خورشید حسین ۲۵ شوال ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ہاتھ میں رعشہ ہے وہ استرہ نہیں لے سکتا خوف زخمی ہونے کا ہے تو وہ کیا کرے۔

الجواب:

نورہ استعمال کرے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱: مرسلہ مرزا عبدالرحیم بیگ مدرس مدرسہ جماعت نارواڑی محلّہ رنچھوڑلین کراچی بندر ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک ہندو نومسلم ہوا ہے اب اس کا ختنہ کرنا شرع شریف سے کیا حکم ہے۔آیا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کون سی دلیل ہے اور کس ترتیب سے؟ اور اگر ناجائز ہے تو کس وجہ سے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ)

الجواب:

ہاں ختنہ کا حکم ہے۔حدیث میں ارشاد ہوا:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

الق عنك شعر الکفر واختتن [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے آپ سے کفر کے بال دور کردے اور ختنہ کرے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۳۲و۲۳۳: از موضع بھوٹا بھوٹی بسوٹولانڈ علاقہ جام نگر کاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی اسمٰعیل میاں صدیقی حنفی قادری ابن حاجی امیر میاں ۲۲صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

(۱) زید سوال کرتا ہے کہ اکثر عربستان میں لڑکیوں کو ختنہ کرنے کارواج ہے۔اور ہند میں کیوں رواج نہیں؟

(۲) مسلمان کو مونچھ بڑھانا یہاں تک کہ منہ میں آئے کیا حکم ہے؟ زید کہتا ہے ترکی لوگ بھی مسلمان ہیں وہ کیوں مونچھ بڑھاتے ہیں؟

الجواب:

(۱) لڑکیوں کے ختنہ کرنے کا تاکیدی حکم نہیں اور یہاں رواج نہ ہونے کے سبب عوام اس پر ہنسیں گے اور یہ ان کے گناہ عظیم میں پڑنے کا سبب ہوگا اور حفظ دین مسلمانان واجب ہے لہذا یہاں اس کا حکم نہیں۔اشباہ میں ہے:

لایسن ختانھا وانما ھو مکرمۃ [2]۔	لڑکیوں کا ختنہ کرنا سنت نہیں بلکہ وہ ایک عمدہ کام ہے۔ (ت)

منیۃ المفتی پھر غمز العیون میں ہے:

وانماکان الختان فی حقھا مکرمۃ لانہ یزید فی اللذۃ [3]۔	لڑکیوں کے حق میں ختنہ ایک عمدہ فعل ہے کیونکہ اس سے لذت جماع میں اضافہ ہوتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ختان المرأۃ لیس سنۃ بل مکرمۃ للرجال وقیل	عورت کا ختنہ سنت نہیں بلکہ وہ مردوں کے لئے ایک اچھا طریقہ ہے۔اور یہ بھی کہا گیا کہ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارت باب الرجل یسلم یؤمر بالغسل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی کلیب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۵

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۰

[3] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۷۰

سنة [1] اھ وجزم بہ البزازی فی وجیزہ والحدادی فی سراجہ وقال فی الھندیة عن المحیط اختلف الروایات فی ختان النساء ذکر فی بعضھا انہ سنة ھکذا حکی عن بعض المشائخ وذکر شمس الائمة الحلوانی فی ادب القاضی للخصاف ان ختان النساء مکرمة [2] اھ ورأیتنی کتبت علیہ ای فیکون مستحبا وھو عند الشافعیة واجب فلا یترك ماقلہ الاستحباب مع احتمال الوجوب لکن الھنود لایعرفونہ ولو فعل احد یلومونہ و یسخرون بہ فکان الوجہ ترکہ کیلا یبتلی المسلمون بالاستھزاء بامر شرعی وھذا نظیر ماقال العلماء ینبغی للعالم ان لایرسل العذبة علی ظھرہ وان کان سنة اذا کان الجھال یسخرون منہ ویشبھون بالذنب	سنت ہے اھ اور بزازی نے وجیز میں اس پر اظہار یقین کیا اور حدادی نے اپنی سراج میں اور فتاوٰی عالمگیری میں محیط سے نقل کیا ہے کہ عورتوں کے ختنہ میں اختلافات روایات ہے، چنانچہ بعض میں یہ ذکر کیا گیا کہ وہ سنت ہے۔چنانچہ بعض مشائخ سے اسی طرح حکایت کی گئی،اور شمس الائمہ حلوانی نے خصاف کی ادب القاضی سے ذکر کیا کہ عورتوں کا ختنہ عمدہ فعل ہے اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر تحریر کیا ہے کہ عورتوں کا ختنہ کرنا مستحب ہے لیکن شافعیوں کے نزدیک واجب ہے لہٰذا ایسے کام کو نہ چھوڑا جائے جو کم سے کم مستحب ہے باوجود یہ کہ اس میں وجوب کا احتمال ہے لیکن ہمارے ہاں کے ہندی لوگ اس کو نہیں پہچانتے، لہٰذا اگر یہاں کوئی ایسا کرے تو لوگوں اس کو ملامت کریں گے اور اس کا مذاق اڑائیں گے۔لہٰذا عمدہ وجہ اسے چھوڑ دینا ہے تاکہ لوگ ایک حکم شرعی کے ساتھ ہنسی مذاق میں مبتلا نہ ہوجائیں،اور اس کی نظیر (مثال) وہ ہے کہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا کہ عالم کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی پیٹھ پر (دستار کا) شملہ نہ چھوڑے اگرچہ یہ کام سنت ہے۔اگر ناواقف لوگ (اس فعل سے) مذاق اڑائیں اور اس کو

[1] درمختار مسائل شتی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

فیقعون فی شدید الذنب ھذا واحتج البزازی علی استنانه بان لوکان مکرمة لم تختن الخنثی لاحتمال ان یکون امرأة ولکن لا کالسنة فی حق الرجال [1] اھ وتعقبه العلامة ش فقال ختان الخنثی لاحتمال کونه رجلا وختان الرجل لایترك فلذا کان سنة احتیاطا ولایفید ذٰلك سنیته للمرأة تأمل [2] اھ و کتبت فیما علقت علیه اقول:کان یتمشی ھذالولم یختن منھا الا الذکر اذ لامعنی لختان الفرج قصدا الی الختان لاحتمال الرجولیة وقد صرح فی السراج ان الخنثٰی تختن من کلا الفرجین ولا شك ان النظر الی العورة لاتباح لتحصیل مکرمة [3] اھ

دم سے تشبیہ دیں۔پھر اس طرح کی حرکت سے شدید گناہ میں پڑ جائیں۔اور امام بزازی نے (ختنہ کے) سنت ہونے پر استدلال کیا(اور دلیل پیش کی)اگر یہ کام صرف عمدہ اور اعزازی ہوتا تو پھر ہیجڑے کا ختنہ نہ کیا جاتا اس احتمال پر کہ شاید عورت ہو لیکن یہ اسی طرح نہیں جیسے مردوں کے حق میں سنت ہے۔اھ علامہ "ش" نے بزازی کا تعاقب کیا اور فرمایا کہ ہیجڑے کا ختنہ کرنا اس کے مرد ہونے کے احتمال پر ہے۔اور مرد کا ختنہ کبھی متروک نہیں، پھر اس لئے یہ احتیاطی سنت ہے۔اور یہ بات عورت کے لئے سنیت کا فائدہ نہیں دیتی، غور اور سوچ کیجئے اھ میں نے اپنی تعلیق میں اس کے متعلق تحریر کیا ہے۔میں کہتا ہوں کہ یہ بات چل سکتی تھی جبکہ ان میں سے سوائے مرد کے کسی کا ختنہ نہ کیا جاتا کیونکہ فرج(شرمگاہ)کے قصدا ختنہ کرنے کا صرف اس کی مردانگی (رجولیت)کے احتمال پر کوئی مفہوم اور مطلب نہیں۔اور سراج میں یہ صراحت کی گئی کہ ہیجڑے کے دونوں فرجوں (شرمگاہوں)کا ختنہ کیا جائے،اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ محل ستر(عورۃ)کو کسی عمدہ کام کے حصول کے لئے دیکھنا مباح نہیں ہو سکتا اھ

[1] ردالمحتار بحوالہ البزازی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۹

[2] ردالمحتار بحوالہ البزازی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۹

[3] السراج

لکن هذا هو نص الحدیث فقد اخرج احمد عن والدابی الملیح والطبرانی فی الکبیر عن شداد بن اوس وکابن عدی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم بسند حسن حسنه الامام السیوطی ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال الختان سنة للرجال ومکرمة للنساء [1] **اقول:** ولایندفع الاشکال بما فعل الامام البزازی فانه ان فرض سنة فلیست کل سنة یباح لها النظر الی العورة ومسها الاتری ان الاستنجاء بالماء سنة ولا یحل کشف العورة فان لم یجد سترا وجب علیه ترکه وانما ابیح له ذٰلك فی ختان الرجل لانه من شعائر الاسلام حتی لو ترکه اهل بلدة قاتلهم الامام کما فی فتح القدیر یرو	لیکن یہ صراحۃً حدیث ہے کہ امام احمد نے ابوالملیح کے والد کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں شداد بن اوس کی سند سے جیسا کہ ابن عدی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے نیز امام سیوطی نے اس کی تحسین فرمائی (یعنی اس کو حدیث حسن قرار دیا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ختنہ مردوں کے حق میں سنت ہے اور عورتوں کے لئے ایک عمدہ کام ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ امام بزازی کی کارروائی سے اشکال دفع نہیں ہوتا کیونکہ اگر اس کام کو سنت بھی فرض کرلیا جائے تو بھی نظر الی الفرج کا جواز کیسے ہوگا) اس لئے ہر سنت میں بھی یہ گنجائش نہیں کہ اس کی وجہ سے محل ستر (عورۃ) کو دیکھنا اور مس کرنا مباح ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ پانی سے استنجا کرنا سنت ہے لیکن اگر کوئی باپردہ جگہ نہ ہو تو پھر برسرعام کھلی جگہ ستر ننگا کرکے استنجا کرنا جائز اور مباح نہیں۔ بلکہ اس صورت میں ترک استنجا واجب ہے۔ اور مردوں کے ختنہ میں اس کی اس لئے اجازت دی گئی کہ یہ کام شعائر اسلام میں سے ہے حتی کہ اگر کسی شہر والے اسے چھوڑدیں تو امام ان سے جنگ

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث اسامۃ الهذلی ۵/ ۷۵ والمعجم الکبیر ۱۱۲۷ و۱۱۳ ۷ /۷ /۲۷۴۔ ۲۷۳

التنویر وغیرہما ولیس ھذا منھا فان الشعار یظھر والخفاض مأمور فیه بالاخفاء فسقط الاحتجاج ولا مخلص الا فی قصر ختانھا علی الذکر خلافالما فی السراج الا ان یحمل علی ماذ اختتنت قبل ان تراھق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لڑے (تاکہ وہ اسے قائم کرنے پر آمادہ ہوجائیں) جیسا کہ فتح القدیر اور تنویر اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہے۔ اور یہ اس میں سے نہیں۔ اور شعار کو ظاہر کیا جاتاہے۔ اور اس میں اخفاء کا حکم دیا گیا ہے اور استنجا کرنے میں بصورت پستی شرمگاہ چھپانے کا حکم دیا گیا لہذا استدلال ساقط ہوگیا۔ اور اس سے کوئی چارہ کار نہیں کہ ختنہ کرنا، مرد پر بند رکھا جائے بخلاف اس کے جو کچھ سراج میں ہے، مگر یہ کہ اس کا قول اس پر حمل کیا جائے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ لڑکی کا ختنہ اس کے قریب البلوغ ہونے سے پہلے کرلیا جائے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتاہے۔ (ت)

(۲) مونچھیں اتنی بڑھانا کہ منہ میں آئیں حرام وگناہ وسنت مشرکین ومجوس ویہود ونصارٰی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی درجہ کی حدیث صحیح میں فرماتے ہیں:

احفوا الشوارب واعفوا اللحی ولاتشبھوا بالیھود۔ رواہ الامام الطحاوی [1] عن انس بن مالك ولفظ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما جزوا الشوارب وارخوااللحی وخالفوا المجوس [2]۔	مونچھیں کتر کر خوب پست کر اور داڑھیاں بڑھاؤ یہودیوں اور مجوسیوں کی صورت نہ بنو۔ (امام ابوجعفر طحاوی نے حضرت انس بن مالک سے اس کو روایت کیا ہے۔ اور مسلم شریف کے الفاظ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہیں: ___ مونچھیں کترو اور داڑھیاں چھوڑو اور مجوس کی مخالفت کرو۔ ت)

فوجی جاہل ترکوں کا فعل حجت ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراہیۃ باب حلق الشارب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۷

[2] صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب خصال الفطرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۹

مسئلہ ۲۳۴: از علی گڑھ کٹرہ سعید خاں مرسلہ حافظ سعید احمد صاحب لکھنوی معرفت حافظ محمد عمر صاحب مسجد عطا شہید ۲۵ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

طحطاوی حاشیہ در مختار جلد رابع میں ہے:

ورد فی بعض الاٰثار النھی عن قص الاظافر یوم الاربعاء فانه یورث البرص[1]۔	بعض آثار میں بدھ کے دن ناخن کترنے کی ممانعت آئی ہے کہ اس کام سے مرض برص (پھلبہری) پیدا ہوتا ہے۔ت)

اس کی سند کیا ہے اور یہ روایت کس درجہ کی ہے۔اور یہ روایت بظاہر معارض ہے روایت دیلمی کی:

ومن قلمھا یوم الاربعاء خرج منه الوسواس و الخوف دخل فیه الامن والشفاء[2]۔	جس نے بدھ کے روز ناخن کاٹے اس سے شیطانی وسوسے اور خوف نکل جائیں گے اور اس میں امن اور شفاء داخل ہو جائیں گی(ت)

توان دونوں روایتوں میں تطبیق یا ترجیح کی کیا صورت ہے اور بدھ کے دن ناخن تراشنا کیسا ہوگا؟ در صورت امتناع حافظ ابن حجر کے قول انه یستحب کیفما احتاج الیه (بال کاٹنے مستحب ہیں جس کیفیت (اور نوعیت سے) اس کی ضرورت پڑے۔ ت) کی صحت کی کیا صورت اور در صورت استحباب حافظ کے قول:

ولم یثبت فی کیفیته شیئ ولا فی تعیین یوم له عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[3]۔	ناخن کترنے کی کیفیت (کہ کس طریقے اور ترتیب سے کترے جائیں) اور کس دن کترے جائیں اس بارے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ ثابت اور مروی نہیں۔(ت)

کی صحت کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب:

اصل مسئلہ یہی ہے کہ وہ کیف ماتفق مستحب ومسنون ہے اور دن کی تعیین یا منع میں کوئی حدیث ثابت نہیں،یوم الاربعاء ممانعت کی حدیث دونوں ضعیف ہیں،اگر روز چہار شنبہ وجوب کا دن آجائے مثلاً انتالیس ۳۹ دن سے نہیں تراشے تھے آج بدھ کو چالیسواں دن ہے اگر آج بھی نہیں تراشتا

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۲

[2] الموضوعات لابن الجوزی دار الفکر بیروت ۳/ ۵۳

[3] المقاصد الحسنہ حدیث ۷۷۲ ص ۳۶۲

توچالیس دن سے زائد ہوجائیں گے اور یہ ناجائز ومکروہ تحریمی ہے **کما فی القنیۃ والھندیۃ وغیرھما** (جیسا کہ قنیہ اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) تو اس پر واجب ہوگا کہ بدھ کے دن تراشے لیکن اگر حالت سعت واختیار کی ہے تو بدھ کے دن نہ تراشنا مناسب کہ جانب خطر کو ترجیح رہتی ہے۔ اور حدیث اگرچہ ضعیف ہے مگر حدیث صحیح صحیح بخاری **وقد قیل**[1] (اور بیشک اس بارے میں کہا گیا ہے۔ت) اس کی مؤید ہے۔ امام ابن الحاج مکی علیہ الرحمہ نے بدھ کے دن ناخن تراشنے چاہے پھر خیال کیا کہ حدیث میں ممانعت آئی ہے پھر کہا یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف، تراش لئے فورا ابتلائے برص ہوگئے۔ شب کو زیارت اقدس سے مشرف ہوئے سرکار میں فریاد کی، ارشاد ہوا کیا تمھیں حدیث نہ پہنچی تھی؟ عرض کی حضور میں نے خیال کیا کہ یہ سنت حاضرہ ہے اور حدیث ضعیف، ارشاد ہوا کیا تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے فرمایا ہے۔ پھر دست اقدس ان کے بدن پر مس فرمایا کہ فورا اچھے ہوگئے اٹھے تو اچھے تھے، **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۳۵: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی یا حضرت امامین مطہرین یا حضرات صحابہ کرام یا اولیائے عظام ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔

وقد روی رضی تعالٰی عنه ان تحت کل شعرۃ جنابۃ[2] **ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی**[3]۔	بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہٰذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ ۱/ ۳۳ وجامع الترمذی ابواب الطہارۃ ۱/ ۱۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۶: از جونپور محلہ ملاٹولہ مرسلہ شاہ نظام الحق یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

مردوں کو مثل عورتوں کے لمبے بال کندھے سے نیچے رکھنے جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء و المتشبھات من النساء بالرجال، رواہ الائمۃ احمد[1] و البخاری وابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ عن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اللہ کی لعنت ان مردوں پر کہ کسی بات میں عورتوں سے مشابہت پیدا کریں اور ان عورتوں پر کہ مردوں سے، (ائمہ حدیث مثلا امام احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک عورت مردوں کی طرح کمان کندھے پر لگائے جاتی تھی اسے دیکھ کر یہ فرمایا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[2] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت فرمایا۔ت) ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گئی کہ ایک عورت مردانہ خود پہنتی ہے فرمایا:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس عورت پر کہ کوئی وضع مردانی

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۴، صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبھین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰، جامع الترمذی کتاب الآداب باب ماجاء فی المتشبھات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۲

[2] مجمع الزوائد کتاب الادب باب فی المتشبھین الخ دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۰۳-۱۰۲

رواہ ابوداؤد[1] عن ابن ابی ملیکۃ عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	اختیار کرے۔ (امام ابوداؤد نے ابن ابی ملیکہ کے حوالے سے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمائی۔ت)

کمان یا جوتا اجزائے بدن نہیں۔ جب ان میں مشابہت پر لعنت فرمائی تو بال کہ اجزائے بدن ہیں ان میں مشابہت اور کس درجہ سخت تر ہوگی۔ ولہذا عورت کو حرام ہے کہ اپنے بال تراشے کہ اس میں مردوں سے مشابہت ہے یونہی مردوں کو حرام ہے کہ اپنے بال عورتوں کی طرح بڑھائیں اور وجہ دونوں جگہ وہی مشابہت ہے کہ حرام و موجب لعنت ہے۔ درمختار میں ہے:

قطعت شعر راسہا اثمت ولعنت والمعنی المؤثر التشبہ[2]۔	کسی عورت نے اپنے سر کے بال کاٹے تو وہ اس کام کی وجہ سے گناہگار ہوگی اور اس پر اللہ تعالٰی کی لعنت ہوگی اور اس میں معنی موثر "تشبہ" ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای العلۃ المؤثرۃ فی اثمہا التشبہ بالرجال فانہ لایجوز کالتشبہ بالنساء حتی قال فی المجتبٰی یکرہ غزل الرجل علی ہیأۃ غزل النساء[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	عورت کے گناہگار ہونے میں اثر انداز ہونے والی علت مردوں سے مشابہت ہے اس لئے کہ وہ جائز نہیں۔ جیسے مردوں کی عورتوں سے مشابہت درست نہیں۔ یہاں تک کہ "المجتبٰی" میں فرمایا کہ مردوں کا عورتوں کی ہیئت پر سوت کاتنا مکروہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۷: از موضع سران ڈاکخانہ بشندور تحصیل و ضلع جہلم مرسلہ حافظ سجاد شاہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لحیہ دارز کو چار انگل زنخدان سے نیچے رکھ کر کٹانی چاہئے یا قبضہ مع استخوان لحیین رکھ کر کٹائی جائے؟

الجواب:

مسترسل چار انگل چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

[3] ردالمحتار کتاب الحظر ولاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱

مسئلہ ۲۳۸: داڑھی کی حد شریعت نے کہاں تک مقرر کی ہے اور اگر کوئی شخص حد مقررہ سے کم رکھے تو کیا وہ منڈانے کے برابر ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

داڑھی کم از کم چار انگل چھوڑنا واجب ہے۔ اور اس سے کم رکھنا جائز نہیں حرام ہونے میں یہ بھی منڈانے کے مثل ہے اگرچہ منڈانا خبیث تر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۹: ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی وماثور است کہ موئے مرغول سرآن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرد وآمدہ ونزدیک بدوش رسیدہ آیا رجل امت اجابت آن تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رانیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم رااخذ نمودہ سالک شوند باز وبر تقدیر اول آیا کدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارکش مستحق لوم وعتاب است یا زائد کہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ در رسالہ منار می نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ والاذان والزوائد وتارکھا لایستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ	اے علماء کرام! اللہ تعالٰی تم پر رحمت کے پھول برسائے تمھارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی قدر) گھنگریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱) یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳) اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک طریقہ کو اختیار کرکے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا مذکور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ "منار" میں لکھتے ہیں سنت کی دو۲ قسمیں

وقیامه[1] الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔	ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار (از مولانا عبدالحکیم لکھنوی)۔ (ت)

الجواب:

عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر تمام سر موئے داشتن است از گوش تا دوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر مو جنابت ست مباد کہ آب بجائے نرسد وے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی[2] وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہرچہ مناسب حال خود میبند برآں عمل کنند موئے را اکرام باید فی الحدیث من کان له شعر فلیکرمه[3] اگر اکرام تواند وبحد اسراف نرساند موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال وبرہرچہ ازیں عمل کند مستحق لوم وعتابے نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہٰذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہٰذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہر حال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہٰذا اگر عزت توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی

[1] نور الانوار شرح المنار بحث سنن الہدی والزوائد مطبع علیمی دہلی ص ۱۶۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳

[3] سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۳۰

حدتک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہو جائے لہذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہوگا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۰: از بشارت گنج ضلع بریلی مسئولہ حاجی غنی رضا خاں صاحب رضوی ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ داڑھی منڈایا کترنے والا یا داڑھی چڑھانے والا میلاد شریف پڑھ سکتے ہے یا نہیں اور داڑھی چڑھا کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ان لوگوں سے میلاد شریف نہ پڑھوایا جائے، تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1]۔	اس لئے کہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ لوگوں پر شرعی طور پر اس کی توہین ضروری ہے۔ (ت)

نماز پڑھنا بہرحال فرض ہے اس میں داڑھی چڑھی رکھنا مکروہ ہے۔ کس قدر بیباکی ہے کہ عین حاضری دربار میں صورت مخالف حکم ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۱: از فیروزآباد ضلع آگرہ جامع مسجد مسئولہ جناب محمد ناظم علی صاحب ۲۱ رجب المرجب ۱۳۳۹

علمائے دین وفضلائے واثقین ومفتیان شرع دین متین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ داڑھی کتنی نیچی رکھنا چاہئے اور ریش مبارک حضور سرور عالم صلعم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ تعالٰی عنہ نیز باقی اصحابہ کبائر رضوان اللہ تعالٰی عنہم کی کس قدر نیچی تھی؟ جواب سے معہ حوالہ کتب بہت جلد معزز فرمایئے، بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

ایک مشت نیچی رکھنا واجب ہے اور اس کا تارک فاسق۔ فتح القدیر ودرمختار میں ہے:

اما الاخذ منها وهی دون ذٰلک (ای القبضة) کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه[2]۔	داڑھی جب مشت بھر سے کم ہو تو اسے تراشنا اور کترنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑہ صفت مرد کرتے ہیں کسی نے اس کو مباح نہیں کہا۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الدعا منه والحدث فی الصلوٰۃ مکتبہ الکبرٰی مصر ۱/ ۱۳۴

[2] درمختار کتاب الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وامیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی ریش مبارک اوائل سینہ تک تھی۔امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ریش مبارک زیادہ تھی۔ریش تراشی کی مذمت میں ہمارا رسالہ **لمعۃ الضحی فی اعفاء اللحی** شائع ہوچکا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کے ساتھ صلعم یا ص یا ء م یا صللم وغیرہ رموز لکھنا ممنوع اور سخت بیدولتی ہے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں پہلا شخص جس نے ایسا اختصار کیا اس کا ہاتھ کاٹا گیا،درود پورا لکھنا لازم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

نوٹ

جلد ۲۲ داڑھی وحلق وقصر وختنہ وحجامت کے بیان پر ختم ہوگئی۔

جلد ۲۳ اِن شاء اللہ نماز وطہارت کے عنوان سے شروع ہوگی۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۳

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 6
کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم 9
تئیسویں ۲۳ جلد 10
فہرست مضامین مفصّل 12
فہرست ضمنی مسائل 70
نمازوطہارت 96
(امامت،جماعت،استنجاء،وضو،غسل،تیمّم وغیرہ) 96
روزہ وزکوٰۃ وحج 106
جنائزوزیارت قبورومزارات اولیاء 110
ایصال ثواب وصدقہ وخیرات وسوال 116
رسالہ 136
رادالقحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء ۱۳۱۲ھ 136
(پڑوسیوں کی دعوت اور فقیروں کی غمخواری کے ذریعے قحط اور وباء کو لوٹادینے والا) 136
ذکرودعا 162
نکاح وطلاق 184
محرمات،مہر،عدت،کفو،ولایت 184
نسب 198
رسالہ 202
اراءۃ الادب لفاضل النسب ۱۳۲۹ھ 202
(نسبی فضیلت والے کو ادب کی راہ دکھانا) 202
رسم ورواج 258
ریاء وتفاخر وبدعت واسراف وغیرہ 258

رسالہ 278

ھادی الناسِ فی رُسُوم الاعراس 278

(شادیوں کی رسومات کے بارے میں لوگوں کے لئے راہنما) 278

حدود وتعزیرات 324

آداب 336

مجلس وعظ، مسجد، قبلہ، اذان واقامت، تلاوت، سجدۂ تلاوت، درود وسلام، خطبہ، اوراد و وظائف، عملیات، سفر، استخارہ، فال، جماع، سفارش، مصحف، کتب اور سونے وغیرہ امور سے متعلق آداب 336

رسالہ 412

الکشف شافیا حکم فونو جرافیا ۱۳۲۸ھ 412

(فونو گراف (گراموفون) کے حکم کے بارے میں تسلی بخش وضاحت) 412

رسالہ 472

الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ ۱۳۰۶ھ 472

(ملعونوں کی اذان کے بارے میں نیزے چبھونے والے دلائل) 472

زینت 482

کنگھی، سرمہ، مسی، مسواک، خضاب، مہندی، سنگار وغیرہ سے متعلق 482

رسالہ 496

حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب ۱۳۰۷ھ 496

(سفید بالوں کو کالا کرنے کی حرمت کے بارے میں عیب کو مٹانا) 496

کسب وحصولِ مال 508

خرید وفروخت، اُجرت، رشوت، سُود، قمار، بیمہ، پیشہ، صنعت، قرض، نذرانہ، ہبہ، میراث، غصب وغیرہ اور ذرائع آمدنی، حلال وحرام ومشتبہ سے متعلق مسائل 508

رسالہ 604

خیر الاٰمال فی حکم الکسب والسوال ۱۳۱۸ھ 604

(کمانے اور مانگنے کے حکم میں بہترین امید) 604

علم وتعلیم 624

عالم، متعلّم، مفتی، واعظ، افتاء، کتابت، تقلید، علوم وفنون، تعلیم گاہ سے متعلق 624

مجالس ومحافل 722

میلاد شریف، گیارہویں شریف، مرثیے، ذکرِ شہادت وغیرہ 722

مسئلہ میلاد سے متعلق 760

اعلٰیحضرت کا ایک اہم اور مدلّل فتوٰی 760

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوِی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۳

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۳

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام وسرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۷۶۸

اشاعت ____________ ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ / فروری ۲۰۰۳ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

o پیش لفظ ۵
نماز وطہارت ۹۵
روزہ وزکوٰۃ وحج ۱۰۵
جنائز وزیارت قبور ومزارات اولیاء ۱۰۹
ایصال ثواب وصدقہ وخیرات وسوال ۱۱۵
ذکرودعا ۱۶۱
نکاح وطلاق ۱۸۳
نسب ۱۹۷
رسم ورواج ۲۵۷
حدودو تعزیرات ۳۲۳
آداب ۳۳۵
زینت ۴۸۱
کسب وحصول مال ۵۰۷
علم وتعلیم ۶۲۳
مجالس ومحافل ۷۲۱

فہرست رسائل

o رادالقحط ۱۳۵
o اراءۃالادب ۲۰۱
o ھادی الناس ۲۷۷

o الکشف شافیا ____________ ۴۱۱

o ادلۃ الطاعنہ ____________ ۴۷۱

o حك العیب ____________ ۴۹۵

o خیر الآمال ____________ ۶۰۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔ اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا تیرہ ۱۳ سال کے مختصر عرصہ میں تیئیسویں ۲۳ جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل کتاب الطہارۃ کتاب الصلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیہ اور کتاب الحظروالاباحۃ کے حصہ اول ودوم پر مشتمل بائیس ۲۲ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین، مشمولات، مجموعی صفحات، اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ــــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ــــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ــــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ــــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ــــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ــــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ــــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ــــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ــــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ــــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ــــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ــــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ــــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ــــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ــــــ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ــــــ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ــــــ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ــــــ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

\

۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ____ ۱۴۲۲ ___ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل ___ ۱۴۲۳ ____ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری ___ ۱۴۲۳ ___ اگست ۲۰۰۲	۶۹۲

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی رضویہ کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوا لہٰذا اکیسویں ۲۱ جلد سے مسائل حظر واباحت کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کر رہے ہیں۔

یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد میں کتاب الحظر والاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کی مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے نام سے شائع کیا ہے وہ غیر مرتب اور غیر مبوب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتداء وانتہا ممتاز نہیں، کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق منتشر طور پر مذکور ہیں اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور دقت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکلا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر عنایت اور اعلیحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی کم وقت میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ الحمدللہ علی ذٰلك۔

کتاب الحظر والاباحۃ کی ترتیب میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) حظرواباحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور) مسائل کے اعتبار سے یکجا تبویب کردی ہے۔

(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلق باب کے تحت درج کیا ہے۔

(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل مسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(د) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔

(و) جن رسائل کے مندرجات ومشمولات یکجانہ تھے ان کو اکٹھا کردیا ہے۔

(ز) حظرواباحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کردیا ہے۔

(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے، لہٰذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔

(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی

(ی) اعلیحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیربحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظر والاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی میں نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری "کتاب الحظر والاباحۃ" کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر المدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالسبحان بن مولانا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث

(کھلا بٹ، ہزارہ) کے صاحبزادے اور استاذالاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی کے نواسے ہیں، آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں فارغ التحصیل ہوتے ہی درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور سالہا سال آپ نے اہلسنت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دئے، آپ کے آباء واجداد نے ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبدالسبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمود صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں۔ مناظرہ ورد بدمذہباں خصوصارد وہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

تئیسویں ۲۳ جلد

یہ جلد "کتاب الحظر والاباحۃ" کا تیسرا حصہ ہے جو ۴۰۹ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۷۶۸ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں بنیادی طور پر جن ابواب کو زیر بحث لایا گیا وہ یہ ہیں:

طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جنائز، زیارت قبور، ایصال ثواب، صدقہ وخیرات، سوال، ذکرودعا، نکاح وطلاق، نسب، رسم ورواج، حدود وتعزیر، آداب، زینت، کسب وحصول مال، علم وتعلیم اور مجالس ومحافل۔

دیگر کئی ایک ابواب سے متعلق مسائل کثیرہ پر ضمنًا گفتگو واقع ہوئی، للذا راقم الحروف نے مسائل رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمنًا مندرج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی مفصل فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقت وابہام پیدانہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل سات رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) الکشف شافیا حکم فونو جرافیا (۱۳۲۸ھ)

فونو گراف میں قرآن پاک بھرنے اور سننے نیز اس سے مزامیر وغیرہ کی آوازیں سننے کا حکم

(۲) حك العيب في حرمة تسويد الشيب (۱۳۰۷ھ)

سیاہ خضاب کی حرمت کا سولہ حدیثوں اور اقوال ائمہ سے ثبوت

(۳) رادّ القحط والوبآء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء (۱۳۱۲ھ)

مشترکہ طور پر مسلمان محلّہ داروں کے صدقہ وخیرات کی ایک صورت کا بیان

(۴) اراءۃ الادب لفاضل النسب (۱۳۲۹ھ)

فضیلت نسب کے شرعًا معتبر ہونے یانہ ہونے کا بیان

(۵) ھادی الناس فی رسوم الاعراس (۱۳۱۲ھ)

شادیوں کی بعض رسوم مثلًا سہرا وغیرہ پر حکم شرعی کا روشن بیان

(۶) الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ (۱۳۰۶ھ)

روافض کی اذان اہل سنت وجماعت کو سننا کیسا ہے

(۷) خیر الاٰمال فی حکم الکسب والسوال (۱۳۱۸ھ)

روپیہ کمانا کب فرض، کب مستحب، کب مکروہ، کب حرام اور سوال کرنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔

ان میں سے مقدم الذکر دو رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے جبکہ باقی پانچ رسائل اب شامل کئے گئے ہیں۔ مسئلہ میلاد سے متعلق ایک انتہائی اہم فتوٰی بھی اس جلد میں شامل کیا گیا ہے جو صفحہ ۷۵۹ پر مسئلہ ۴۰۹ زیر عنوان "مجالس ومحافل" مذکور ہے۔

ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

فروری ۲۰۰۳ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

نماز وطہارت (امامت، جماعت، استنجا، وضو، غسل، تیمّم وغیرہ)	۹۵	کون سی غیبت ممنوع اور کونسی غیر ممنوع ہے۔	۹۶
ہندوؤں کے ہاں کھانا کھانے والے اور ایک عورت کو ساتھ لئے پھرنے والے **مولوی کی امامت کیسی ہے۔**	۹۵	ایک جاہل، فاسق وفاجر مرتکب کبیرہ شخص کے امام بننے کے بارے میں سوال۔	۹۷
ہندوؤں کے یہاں کا گوشت وغیرہ کھانا شرعاً کیسا ہے۔	۹۵	سر کے بال ترشوا کر چھوٹے چھوٹے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔	۹۷
کیسی عورت سے معمولی خدمت لینا جائز ہے۔	۹۵	پائنچے ٹخنوں کے نیچے رکھنا مکروہ تنزیہی یعنی صرف خلاف اولٰی ہیں جبکہ بنیت تکبر نہ ہو۔	۹۷
ایک مجمل سوال اور اس کا جواب۔	۹۶	کس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی اور کس کے پیچھے مکروہ تحریمی ہے۔	۹۸
آج کل وہابیہ وغیرہ مبتدعین میں تقیہ بہت رائج ہے۔	۹۶	ولد الزنا کی امامت کا حکم۔	۹۸
غیر سنی امام منافقت کرکے سنیوں کی مسجد میں امامت کرتا ہو تو اس کے اخراج کی تدبیر کرنے والا اجر عظیم کا مستحق ہے۔	۹۶	انگریزی وضع کا بوٹ ممنوع ہے۔	۹۸
		داڑھی کترواکر مشت سے کم کرنا اور سیاہ خضاب لگانا حرام ہے۔	۹۸

فاسق معلن کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ پڑھ لی تو اعادہ واجب ہے۔	۹۸	اگر کوئی کسی کا گھڑا توڑ دے تو اس کا تاوان دے۔	۱۰۱
ڈھول بجانا رقص کرانا ممنوع ہے۔	۹۸	کوئی چیز ہاتھ سے پاک کی جائے تو اس کے پاک ہونے کے ساتھ ہاتھ بھی پاک ہوجاتا ہے۔	۱۰۱
مسلمان پر جھوٹی تہمت زنا گناہ کبیرہ ہے، اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۹۸	جس لباس کا پہننا ناجائز ہو اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۱۰۱
دلدل بدعت، رائج مرثیے معصیت اور ساختہ کربلا مجمع بدعات ہے ان کے مرتکب کو امام بنانا گناہ ہے۔	۹۹	چار سوالوں پر مشتمل استفتاء۔	۱۰۱
ناٹک میں جانے والے امام، واعظ اور شیخ کے بارے میں سوال۔	۹۹	قصداً حلال شرعی کو حرام کرنے والا، غیر مقلدوں کی غیر شرعی امداد کرنے والا، بحلف جھوٹی شہادت دینے والا اور کلمہ حق سے منحرف ہونے والا سخت گنہگار بلکہ گمراہ ہے اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔	۱۰۲
ناٹک مجمع فسقیات ہے اور اس میں جانا نامہذّب ہونے کی دلیل ہے۔	۹۹	ایک جعلی پیر اور درویش کے بارے میں سوال۔	۱۰۲
بے نماز سخت شقی، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر مستحق جہنم ہے۔	۹۹	منکوحہ غیر کو بھگالے جانے والا اور غیر سیّد کو سیّد ظاہر کرنے والا فاسق وفاجر اور مرتکب کبائر ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۱۰۲
انگریزی بال رکھنا خلاف سنت وضع فسّاق ہے۔	۱۰۰	سود خور امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۰۳
آج کل کے روافض اسلام سے خارج ہیں۔	۱۰۰	جو شخص سود خور ہے اور حلال کمائی بھی رکھتا ہے اس کی دعوت قبول کرنے سے احتراز چاہئے اگرچہ اس میں فتوی جواز ہے۔	۱۰۳
بلانکاح کسی کے پاس رہنے والی عورت فاسقہ ہے۔	۱۰۰	جمعہ کے فرضوں اور سنتوں کی نیت کا بیان۔	۱۰۳
فاسقوں کے یہاں کا کھانا فی نفسہٖ حرام نہیں۔	۱۰۰	شوہر کا حکم مانے تو نماز کا وقت ختم ہوجائے گا ایسی صورت میں نماز پڑھے شوہر کا حکم ماننا حرام ہے۔	۱۰۳
فاسقوں سے میل جول نہ چاہئے خصوصاً مقتداء کو۔	۱۰۰	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو کافر جاننا حق ہے ایسے شخص پر تجدید اسلام اور تجدید نکاح ہر گز لازم نہیں۔	۱۰۴
فال کھولنا کبھی کفر اور کبھی معصیت ہوتا ہے۔	۱۰۰		

جماعت مسنونہ سے پہلے الگ الگ نماز پڑھنے والے گنہگار ہیں مگر فرض ادا ہو جائے گا۔	۱۰۴	روافض کی مسجد میں سنی کی نماز کا حکم۔	۳۸۰
جماعت اولٰی سے کچھ لوگ اتفاقاً رہ جائیں تو مصلّی سے ہٹ کر جماعت کرالیں۔	۱۰۴	بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت چِلّے میں کب پاک ہوتی ہے۔ تفصیلی فتوی۔	۳۸۴
ضمیمہ نماز وطہارت		سودی پیسہ سے بنائے ہوئے تالاب سے وضو کرنا جائز ہے۔	۵۴۲
گلی کوچوں میں کھلی پھرنے والی مرغی کے جھوٹے سے وضو کرنا مکروہ ہے۔	۱۱۷	خطبہ جمعہ کے وقت سلام وکلام مطلقاً حرام ہے۔	۵۹۷
عوام کو صلوٰۃ عند الطلوع سے منع نہ کیا جائے۔	۱۷۰	جمعہ وعیدین کے خطبہ میں ساتھ ساتھ ترجمہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۶۸۸
ایک رکعتی نماز جس طرح جواھر خمسہ میں مذکور ہے مذہب حنفی میں ممنوع ہے۔	۱۷۷	علماء کے پیچھے نماز سے منع کرنا اور جاہلوں کو امام بنانا حکم شریعت کا بدلنا ہے۔	۷۱۵
جس جگہ کی پاکی ناپاکی کی تحقیق نہیں وہ پاک ہی ہے اور اس پر نماز جائز ہے۔	۱۸۱	تفریق جماعت وترک جماعت دونوں حرام ہیں۔	۷۱۷
نکاح حرام سے پیدا ہونے والے کی امامت جائز ہے۔	۱۹۱	راستہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۷۲۴
دو بہنوں کے ایک مرد کے ساتھ نکاح کو جائز کہنے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔	۱۹۲	فاسق کو امام بنانے والے گنہگار ہیں۔	۷۲۶
باپ کے غیر کی طرف نسب کو منسوب کرنے والے کی امامت مکروہ ہے۔	۲۰۰	**روزہ وزکوٰۃ وحج**	
امامت صغرٰی کی ترتیب میں شرف نسب بھی وجہ ترجیح ہے۔	۲۰۶	روزہ عصر اور اس کے فوائد	۱۰۵
احق بالامامۃ کون ہے۔	۲۰۶	حدیث وفقہ میں روزہ عصر کی اصل نہیں، بعض مشائخ کے معمولات سے ہے اور اس پر عمل میں حرج نہیں۔	۱۰۵
فاسق کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے۔	۲۹۹	زکوٰۃ وفطرانہ مسجد میں دے تو ادا نہ ہوں گے۔	۱۰۶
اگر کسی کی قرأت بلاقصد اوزان موسیقی سے کسی وزن کے موافق ہو تو اصلاً حرج نہیں حتی کہ نماز میں بھی ایسی تلاوت جائز ہے۔	۳۵۸	خلافت فنڈ میں زکوٰۃ وفطرانہ دینا درست نہیں۔	۱۰۶

زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے۔	۱۰۶	پیر کا روزہ رکھنے کی وجہ۔	۷۵۳
تھیٹر کا روپیہ تماشہ کی اجرت ہے قطعی حرام ہے۔	۱۰۶	**جنائز وزیارت قبور ومزاراتِ اولیاء**	
زکوٰۃ وفطرہ اور تھیٹر کی آمدنی خلافت فنڈ میں دینے سے متعلق سوال کے بے منشاء ہونے کا بیان۔	۱۰۶	زیارت اولیاء اللہ کے واسطے جانا قطعاً جائز ہے۔	۱۰۹
کیا عورت بلااذن شوہر حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں۔	۱۰۶	مردہ پیدا ہونے والے بچے کو نال کاٹے بغیر دفن کیا جائے گا۔	۱۰۹
ضمیمہ روزہ وزکوٰۃ وحج		مردہ کے بالوں میں کنگھی کرنا درست نہیں۔	۱۱۰
ایک یتیم خانہ میں وہابی نیچری وغیرہ بدمذہب شامل ہیں سنی مسلمانوں کو اس میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں، اس میں زکوٰۃ کی مد سے چندہ دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، اور وہ چندہ باعث اجر وثواب ہوگا یا نہیں۔	۱۳۰	سوائے روضہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عورتوں کا مزارات اولیاء ودیگر قبور پر جانا پسندیدہ نہیں۔	۱۱۱
زکوٰۃ کا رکن تملیک ہے۔	۱۳۱	تین سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۱۱۱
حالت روزہ میں مِسّی لگانا منع ہے۔	۴۸۹	سارق، بدمعاش اور فاسق وفاجر جبکہ مسلمان ہو تو اس کی نماز جنازہ فرض ہے۔	۱۱۲
سودی روپیہ سے حج کرنا جائز نہیں، ہاں فرض حج ذمہ سے ادا ہو جائے گا۔	۵۴۲	چوری اور جوئے وغیرہ سے حاصل شدہ مال پر ختم پڑھنا حرام، اس کا کھانا حرام اور اس کو کھانے والا قابل امامت نہیں۔	۱۱۲
حج کو جانے کے لئے مسلمان کمپنی کے ہوتے ہوئے انگریز کمپنی جو کہ سودی معاملہ کرتی ہے کے ذریعے سفر کرنا کیسا ہے، اس سے متعلق چھ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۵۹۸	مال حرام کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنے والا، اس کو قبول کرکے دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا کافر ہے۔	۱۱۲
کس طرح سے استنجا کرنا روزہ کو توڑ دیتا ہے۔	۶۸۰	جس شخص کے پاس مال حرام وحلال مخلوط ہوں اور اس کا خاص حرام ہونا معلوم نہ ہو یا زر حرام سے کوئی چیز خریدی جس کی خریداری میں زر حرام پر نقد وعقد جمع نہ ہوئے ہوں تو اس پر ختم وفاتحہ پڑھنے اور اس کو کھانے میں حرج نہیں اگرچہ خلاف احتیاط ہے۔	۱۱۳

ضمیمہ جنائز وزیارت قبور ومزارات اولیاء		"المرء یقیس علی نفسہ" (ہر شخص دوسرے کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے۔	۱۱۶
نماز جنازہ میں فاتحہ کا بارادہ ثناء پڑھنا مکروہ نہیں۔	۳۳۸	مشرکین کے برتن بغیر دھوئے استعمال کرنا مکروہ ہے۔	۱۱۶
قبر پر اذان دینے کا حکم شرعی۔	۳۷۳	گلی کوچوں میں کھلی پھرنے والی مرغی کے جھوٹے سے وضو کرنا مکروہ ہے۔	۱۱۷
مزارات پر چادر چڑھانا اور اس سے پھول وغیرہ توڑ کر نعت خوانوں کو ہار ڈالنا کیسا ہے۔	۴۰۲	میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شیرینی پر پنج آیت پڑھ کر تقسیم کرنا جائز ہے اور پنج آیت میں شادی غمی کا تفرقہ اور اسے مجلس غم سے مخصوص ماننا باطل وبے اصل ہے۔	۱۱۸
ایام موت کی دعوت قبول نہ کی جائے۔	۵۸۵	اصحاب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی مجلس میں جمع ہوتے تو کسی ایک سے قرآنی سورت کی تلاوت کراتے۔	۱۱۸
زوجہ کا کفن دفن شوہر پر فرض ہے۔	۶۱۱	مسئلہ کی تائید احادیث مبارکہ سے۔	۱۱۸
عزیز واقارب کا کفن دفن کب فرض ہے۔	۶۱۱	مجلس میلاد مبارک میں تلاوت قرآن عظیم ہمیشہ سے معمول علماء کرام وبلاد اسلام ہے۔	۱۱۹
ہر مسلمان کا کفن دفن مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے اور جب ایک شخص میں منحصر ہو جائے تو فرض عین ہو جاتا ہے۔	۶۱۱	اقوال وعبارات ائمہ سے مسئلہ کی تائید۔	۱۱۹
ایصال ثواب وصدقہ وخیرات وسوال		حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کلام پاک کا ثواب پہنچانا جن بزرگوں کے نزدیک جائز ہے ان میں سے چودہ کے اسماء گرامی۔	۱۲۰
بزرگان دین کی نذر ونیاز کے لئے ہندوؤں کی بنائی ہوئی شیرینی خریدنا کیسا ہے۔	۱۱۵	ایصال ثواب کا طریقہ۔	۱۲۱
ہنود عموماً ناپاکیوں میں آلودہ رہتے ہیں لہذا ان کی بنائی ہوئی مٹھائی وغیرہ سے پرہیز چاہئے۔	۱۱۵	اہداء ثواب کے عدم جواز کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ کا نظریہ درست نہیں۔	۱۲۱
"الاصل الطھارۃ" قاعدہ کلیہ ہے۔	۱۱۵	سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے کئی عمرے کئے۔	۱۲۲
"الیقین لایزول بالشک" ضابطہ عام ہے۔	۱۱۶	حضرت علی ابن موفق نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ستر حج کئے۔	۱۲۲

ابن سراج علیہ الرحمۃ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے دس ہزار سے زائد قرآن ختم کئے اور دس ہزار کے قریب قربانیاں کیں۔	۱۲۲	احادیث مبارکہ سے تائید۔	۱۲۶
حضرت ابوالمواہب درود شریف کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدیہ کرتے جس کی برکت سے ایک لاکھ افراد کے شفیع بنادیئے گئے۔	۱۲۲	امور خیر کے لئے چندہ کرنا بدعت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔	۱۲۷
درود پاک کی فضیلت وبرکت۔	۱۲۳	احادیث مبارکہ سے تائید۔	۱۲۷
شریعت میں ثواب پہنچانے کے لئے کوئی دن مقرر نہیں جب چاہیں کریں۔	۱۲۴	مختلف مواقع پر صحابہ کرام کے چندہ اکٹھا کرنے کے متعدد واقعات۔	۱۲۸
کسی کھانے یا شیرینی پر بچے کی فاتحہ دلاکر تقسیم کرنا جائز اور اس کا ثواب پہنچتا ہے۔	۱۲۴	بروز پنجشنبہ فاتحہ اور کھانے کا ثواب میت کی روح کو بخش کر مساکین کو دینا جائز و مستحسن اور باعث اجر وثواب ہے۔	۱۲۹
بچہ اہل ثواب میں سے ہے۔	۱۲۴	میت کے سیم میں چنوں پر کلمہ شریف پڑھنا پھر ان کو اور بتاشوں کو مساکین وغیر مساکین میں تقسیم کرنا جائز مگر بہتر یہ ہے کہ صرف مساکین کو دیئے جائیں۔	۱۲۹
تقریب نکاح وغیرہ میں آکر مانگنے والے نقّالوں کو کچھ دینا کس صورت میں جائز ہے۔	۱۲۵	زید کے پاس کچھ روپیہ وجہ حلال کا اور کچھ حرام کا ہے زید یہ بھول گیا ہے کہ اس میں وجہ حلال کا کتنا روپیہ ہے اب اگر زید اس روپے سے خیرات کرنا چاہے تو کیسے کرے۔	۱۳۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایک شاعر سائل کو کچھ دینے کے بارے میں حضرت بلال کو حکم۔	۱۲۵	ایک یتیم خانہ میں وہابی نیچری وغیرہ بد مذہب شامل ہیں سنی مسلمانوں کو اس میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں، اس میں زکوٰۃ کی مد سے چندہ دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں، اور وہ چندہ باعث اجر وثواب ہوگا یا نہیں۔	۱۳۰
پختنی حلوہ شب برات کی تخصیص عرفی ہے لازم شرعی نہیں۔	۱۲۵	احکام غالب حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں نادر وموہوم کا اعتبار نہیں ہوتا۔	۱۳۰
اجناس سے ایک ایک مٹھی ہر کھانے کے موقع پر مدرسہ دینیہ کی اعانت کے لئے الگ کرلینا جائز ومستحب ہے، ایسا کرنے والے اور اس کے مؤیدین سب کے لئے اجر جزیل ہے۔	۱۲۶	جن صورتوں میں تملیک نہ پائی جائے ان میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔	۱۳۱
علم عبادت سے افضل ہے۔	۱۲۶		

زکوٰۃ کا رکن تملیک ہے۔	۱۳۱	مشترکہ دعوت میں سے اہل دعوت کو کھانا جائز ہے۔	۱۳۶
جمعرات کی فاتحہ جائز، یونہی بزرگوں کا عرس اگر منکرات شرعیہ سے خالی ہو تو جائز ہے۔	۱۳۲	بے منع شرعی ارتکاب ممانعت جہالت وجرات ہے۔	۱۳۶
شعبان کی چودہ تاریخ کو حلوہ پکا کر حضرت اویس قرنی اور سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی فاتحہ دلانے کے بارے میں استفتاء۔	۱۳۲	اہل محلّہ کا مل جل کر کھانا تیار کرنا تاکہ اس میں سے مساکین وفقراء، علماء وصلحاء اعزاء واقارب اورپڑوسی سب ہی کھائیں ابواب جنت کی تعداد کے برابر آٹھ خوبیوں کا حامل ہے۔	۱۳۶
شریعت اسلامیہ میں ایصال ثواب کی اصل ہے۔	۱۳۲	اہمیت وفضیلت صدقہ وخیرات سے متعلق احادیث کریمہ۔	۱۳۷
صدقاتِ مالیہ کا ثواب باجماع ائمہ اہلسنت پہنچتا ہے۔	۱۳۲	صدقہ اللہ تعالٰی کے غضب کو بجھاتا اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔	۱۳۷
تخصیصات عرفیہ از روئے حدیث جائز ہیں۔	۱۳۲	آدھا چھوہارا صدقہ کرنا بھی دوزخ سے بچنے کا سبب ہوسکتا ہے۔	۱۳۸
جواز خصوص کے لئے دلیل خصوص کا ہونا ضروری نہیں۔	۱۳۲	مسلمان کا صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے۔	۱۳۸
منع خصوص کے لئے دلیل خصوص کا ہونا ضروری ہے۔	۱۳۲	اللہ تعالٰی صدقہ کے سبب سے بری موت کے ستّر دروازے دفع فرماتا ہے۔	۱۳۸
جو بات اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع نہیں فرمائی کسی اور کو منع کا حق نہیں۔	۱۳۳	صدقہ برائی کے ستر دروازے بند کرتا ہے۔	۱۳۸
○ رسالہ **رادّ القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء** (مشترکہ طور پر مسلمان محلّہ داروں کے صدقہ وخیرات کی ایک صورت کا بیان)	۱۳۵	صدقہ ستر بلاؤں کو روکتا ہے جن میں سب سے ہلکی جذام وبرص ہیں۔	۱۳۹
ایک علاقے کا رواج ہے کہ جب وہاں ہیضہ، چیچک اور قحط سالی وغیرہ آجائے تو دفع بلا کے واسطے اہل محلّہ مل جل کر دعوت پکاتے ہیں فقراء وعلماء کو بھی کھلاتے ہیں اور خود اہل محلّہ بھی اس میں سے کھاتے ہیں، کیا ایسی صورت میں طعام مطبوخہ کا کھانا محلّہ داروں کو جائز یا نہیں۔	۱۳۵	صبح تڑکے صدقہ دو کہ بلا صدقے سے آگے قدم نہیں بڑھاتی۔	۱۳۹

صدقہ بری قضا کو ٹال دیتاہے۔	۱۳۹	لوگوں کو کھانا کھلانے والے کے فضائل۔	۱۴۸
خفیہ وظاہر کثرت سے صدقہ کرنے سے رزق دیا جاتاہے اور بگڑیاں سنور جاتی ہیں۔	۱۴۰	مہمان اپنا رزق لے کر آتاہے اور کھلانے والوں کے گناہ لے کر جاتاہے۔	۱۵۰
مومن اور ایمان کی کہاوت۔	۱۴۰	دینی بھائیوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت	۱۵۱
اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور اپنا نیک سلوک سب مسلمانوں کو دو۔	۱۴۱	کھانا مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھانے میں برکت ہوتی ہے۔	۱۵۱
جو رزق میں وسعت اور مال میں برکت چاہتاہے۔ وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔	۱۴۱	تین چیزوں میں برکت ہے۔	۱۵۲
تقوٰی وصلہ رحمی سے رزق وسیع، عمر دراز اور بری موت دور ہوتی ہے۔	۱۴۲	ایک آدمی کی خوراک دو کو اور دو کی چار کو کفایت کرتی ہے۔	۱۵۲
تمام نیکیوں سے جلد تر ثواب صلہ رحمی کا ہے۔	۱۴۳	اللہ تعالٰی کا ہاتھ جماعت پر ہے۔	۱۵۲
صلہ رحمی کرنے والے محتاج نہیں ہوسکتے۔	۱۴۳	پسندیدہ ترین کھانا اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ ہے جس پر ہاتھوں کی کثرت ہو۔	۱۵۲
بھلائی کے کام بری موتوں اور آفتوں سے بچاتے ہیں، جو دنیا میں احسان والے ہیں وہی آخرت میں احسان والے ہوں گے۔	۱۴۳	مشترکہ طور پر کھانا تیار کرکے کھانے اور علماء وصلحاء ومساکین واقرباء کو کھلانے سے پچیس فوائد حاصل ہونے کی امید ہے۔	۱۵۳
بھلائی کے کام کرنے والے سب سے پہلے جنت میں جائیں گے۔	۱۴۴	بغرض حصول شفاء ودفع بلا پانچ متفرق اشیاء کو جمع کرنے کا ایک عجیب نسخہ نافعہ۔	۱۵۴
مسلمان بھائی کا دل خوش کرنا موجب مغفرت اور عنداللہ بعد از فرائض محبوب ترین عمل ہے۔	۱۴۴	بزرگان دین اور اسلاف کرام سے منقول متفرقات کو جمع کرنے کی مبارک ترکیبیں۔	۱۵۵
جو اپنے مسلمان بھائی کو اس کی چاہت کی چیز کھلائے اللہ تعالٰی اس پر دوزخ حرام کردے۔	۱۴۶	جمع متفرقات کی کامل نظیر۔	۱۵۶
غریب مسلمانوں کو کھانا کھلانا رحمت کو واجب کردیتاہے۔	۱۴۶	کرامات اولیاء ورؤیائے صالحہ سے لاعلاج مریض درست ہوگئے۔	۱۵۶
اللہ تعالٰی کے ہاں درجہ بلند کرنے والی اشیاء یہ ہیں: (۱) سلام کو پھیلانا، (۲) لوگوں کو کھانا کھلانا، (۳) رات کو نماز پڑھنا جب لوگ سورہے ہوں۔	۱۴۶		

Majlis of Dawatelslami

سات برسوں سے بہنے والا پھوڑا ٹھیک ہوگیا۔	۱۵۶	اللہ ورسول کا ذکر اہم واعظم مقاصد شرع مطہر سے ہے۔	۱۶۸
امام حاکم صاحب مستدرک کے منہ پر نکلے پھوڑے درست ہوگئے۔	۱۵۶	نہی عارض بوجہ عارض راجع بعارض ہوگی نہ عائد بذکر یا بقید عارض تاعروض عارض مختص بافراد مختصہ بعارض۔	۱۶۹
صدقہ وخیرات کو زیادہ نافع بنانے کے لئے چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔	۱۵۷	محل ریاء وسمعہ میں ذکر جہر ممنوع ہے۔	۱۶۹
قحط سالی کے زمانہ میں مسلمانوں کا مل جل کر مشترکہ طور پر کھانا تیار کرکے خود بھی کھانا اور دوسروں کو بھی کھلانا بہت ہی مناسب ہے۔	۱۶۰	موضع نجاسات میں ذکر لسان ناجائز ہے۔	۱۶۹
ضمیمہ ایصال ثواب وصدقہ وخیرات وسوال		حدیث خیر الذکر الخفی کا مطلب۔	۱۶۹
صدقہ واپس نہیں لیا جاتا۔	۵۴۹	جہاں عوارض ظاہرہ ہوں مجرد عوارض خفیہ قلبیہ کی بناء پر مادہ خاصہ میں حکم دینا اساءۃ ظن بالمسلمین ہے۔	۱۷۰
اولیاء کو ایصال ثواب طریق اسلام ہے۔	۵۶۲	جو امر فی نفسہٖ شرعًا خیر ومندوب ہو اور کراہت مجاورہ مختلف فیہا یا مشکوک ہو اور تجربۃً اس کا ترک منجر بہ منہیات اجماعیہ ہو تو ہر گز اس سے منع نصیحت نہیں بلکہ مقصد شرع سے بعد بعید ہے۔	۱۷۰
ذکر ودعا		عوام کو صلوٰۃ عند الطلوع سے منع نہ کیا جائے۔	۱۷۰
میت جہرًا کلمہ پڑھتے ہوئے قبرستان لے جانا پھر واپسی پر کلمہ پڑھتے ہوئے میت کے گھر تک آنا اور اس کلمے کا ثواب میت کو بخش دینا جائز ہے نہیں، اور اس کو کفر وشرک کہنے والا خاطی ہے یا نہیں۔	۱۶۱	ذکر الٰہی سے روکنا ہر گز مصلحت شرعیہ نہیں۔	۱۷۱
مسئلہ جہر مختلف فیہا ہے اور اطلاقات قرآن مجید وارشادات احادیث کثیرہ جانب جواز ونُدب ہیں۔	۱۶۱	عوام کو مسجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے۔	۱۷۱
پچیس احادیث مقدسہ سے مسئلہ کی تائید اور ذکر الٰہی کی فضیلت۔	۱۶۲	تائید میں عبارات ائمہ کرام۔	۱۷۱
نفس ذکر خدااورسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حدذاتہ اصلاً متعلق نہی وقبح نہیں۔	۱۶۸	عبارات علماء سے واضح ہوگیا کہ ذکر جہر میں کراہت بھی ہے تو نہ اس قدر کہ خوبی ذکر کی مقاومت کرسکے۔	۱۷۳

کراہت تنزیہہ کا حاصل خلاف اولیٰ ہے نہ کہ ممنوع وناجائز۔	۱۷۳	بعد نماز بآواز بلند کلمہ شریف پڑھنا کیسا ہے اور اس سے روکنے والا امام کیسا ہے۔	۱۷۸
یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں منکر رشد وانکر کا مرتکب کردیتا ہے۔	۱۷۳	کلمہ طیبہ اصل الاصول اور افضل الاذکار ہے۔	۱۷۸
وقت پھیلنے وباء وبلیات وآندھی وطوفان شدید وغیرہ کے اذان کہنا شرعًا جائز ہے۔ قرآن وحدیث سے دلیل۔	۱۷۴	جس چیز کی تکثیر شارع کو مطلوب ہو اس کی تقلیل چاہنا شارع کی ضد ہے۔	۱۷۹
مجلس میلاشریف سے روکنا ذکر خدا سے روکنا ہے۔	۱۷۵	ذکر بالجہر کن شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۱۷۹
کس صورت میں مجلس میلاد شریف سے کسی کو روکنا درست ہے۔	۱۷۵	جہر مفرط کیا ہے، جہر مفرط کے ساتھ ذکر کرنا شرعًا کیسا ہے۔	۱۸۰
مزدور اوقات مزدوری میں نفلی نماز ادانہ کرے۔	۱۷۵	اجتماعی طور پر ذکر کرنا حسن ہے، صحیح یہ ہے ذکر بجہر جائز ہے مگر چند شرائط کے ساتھ۔	۱۸۰
اپنے تحفظ کی دعا ہر مخالف کے مقابل جائز ہے۔	۱۷۶	عام راستوں میں حمد ونعت سے متعلق سوال۔	۱۸۱
دعاء شر کافر وبدمذہب پر کی جائے۔	۱۷۶	جس جگہ پاکی ناپاکی کی تحقیق نہیں وہ پاک ہی ہے اور اس پر نماز جائز ہے۔	۱۸۱
اللہ تعالٰی کے لئے محبت وعداوت رکھنے والا کامل مومن ہے۔	۱۷۶	کچھ لوگ نماز کے بعد ذکر جلی کرتے ہیں ان پر وجد کی حالت طاری ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں، ایسا کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں۔	۱۸۱
سنی صحیح العقیدہ کے لئے بدعا نہ کی جائے چاہے وہ کتنا ہی مخالف ہو۔	۱۷۷	بدعا کرنا گنہگاروں کے واسطے جائز ہے یا حرام۔	۱۸۲
جواہر خمسہ کیسی کتاب ہے اور اس میں وارد اعمال کیسے ہیں۔	۱۷۷	ذکر جلی جائز ہے۔	۱۸۲
ایک رکعتی نماز جس طرح جواہر خمسہ میں مذکور ہے مذہب حنفی میں ممنوع ہے۔	۱۷۷	حد معین ذکر جلی کی یہ ہے کہ اتنی آواز سے نہ ہو جس میں اپنے آپ کو ایذا ہو یا کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو تکلیف پہنچے۔	۱۸۲

ذکر کرتے کرتے کھڑا ہو جانا، سینہ پر ہاتھ مارنا، ایک دوسرے پر گر پڑنا، لیٹ جانا اور رونا وغیرہ افعال اگر بحالت وجد صحیح ہیں تو حرج نہیں اور اگر ریاء کے لئے ہیں تو حرام ہیں۔	۱۸۲	ایک کا ظن دوسرے کے حق میں کافی نہیں خود اپنے دل کی شہادت چاہئے۔	۱۸۴
ضمیمہ ذکر ودعا		فتاوٰی ہندیہ وغیرہ سے مسئلہ کی تائید اور اخبار عن الاخبار کی متعدد صورتیں۔	۱۸۴
ذکر شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز ہے جبکہ استخفاف کی نیت نہ ہو۔	۷۳۵	نکاح حرام سے پیدا ہونے والے کی امامت جائز ہے۔	۱۹۱
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمہ وقت ذکر الٰہی کرتے تھے۔	۷۳۵	جو نکاح حرام سے پیدا ہوا اس کو نکاح میں بیٹی دینا اور اس کی شادی میں لوگوں کا شامل ہونا جائز ہے۔	۱۹۱
نکاح وطلاق (محرمات، مہر، عدت، کفو، ولایت)		نکاح حرام میں دانستہ شریک ہونے والے سخت گنہگار ہیں۔	۱۹۱
عورت نے خاوند کے مرنے کے بعد دوسرے سے شادی کی توجنت میں کون سے خاوند کے پاس ہوگی۔	۱۸۳	سنّی لڑکی کا غیر مقلد سے نکاح محض ناجائز ہے۔	۱۹۱
کسی عورت کا خاوند دوسرے ملک چلا گیا، اور عورت کی خبر گیری نہیں کرتا، اب عورت نے سنا ہے کہ وہ مرتد ہوگیا ہے تو یہ عورت دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں۔	۱۸۳	غیر مقلدوں سے نکاح پر مجبور کرنے والے سخت ظالم اور زنا کے ساعی ہیں۔	۱۹۱
نکاح پر فساد طاری کی خبر کن شرطوں کے ساتھ مقبول ہے۔	۱۸۳	ایک عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے اس کی بہن سے نکاح قطعی حرام، اس کو درست کہنا کلمہ کفر ہے۔	۱۹۲
مجرد اخبار عن الاخبار کوئی شیئ نہیں۔	۱۸۴	دو بہنوں کو ایک مرد کے ساتھ نکاح کو جائز کہنے والے کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔	۱۹۲
تحری قلب باب احتیاط سے ہے۔	۱۸۴	دو بہنوں کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے والے قاضی اور گواہوں نے اگر حلال جان کر ایسا کیا تو تجدید اسلام و تجدید نکاح کریں۔	۱۹۲
		قاضی کا رجسٹر شرعًا کوئی شرط نکاح نہیں، ہاں یادداشت کے لئے درج ہونا بہتر ہے۔	۱۹۳

ماہ محرم میں نکاح کرنا جائز ہے۔	۱۹۳	غیر سید جو دیدہ دانستہ سید بنتا ہو وہ ملعون ہے۔ اس کا فرض و نفل قبول نہیں۔	۱۹۸
نسبی، رضاعی اور صہری محارم کی تفصیل۔	۱۹۴	باپ کے سوا دوسرے کی طرف نسب منسوب کرنے والے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۱۹۸
عورتوں کا آپس میں ہنسی مذاق مشروط طور پر جائز ہے۔	۱۹۴	لفظ شیخ کے معانی۔	۱۹۹
تین طلاق کے بعد بے حلالہ عورت کو رکھنا حرام، اس سے وطی زناء اور اولاد ولد الزناء ہے۔	۱۹۵	جولاہا کس معنی میں خود کو شیخ کہلا سکتا ہے۔	۱۹۹
ضمیمہ نکاح وطلاق		اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بتانے والے کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔	۲۰۰
بلا نکاح کسی کے پاس رہنے والی عورت فاسقہ ہے۔	۱۰۰	مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے کے لئے سخت وعید۔	۲۰۰
سیدزادی کا غیر سید سے نکاح شرعاً کیسا ہے۔	۲۰۶	باپ کے غیر کی طرف نسب کو منسوب کرنے والے کی امامت مکروہ ہے۔	۲۰۰
چند باطل نکاحوں کی مثالیں۔	۲۰۶	○رسالہ **اراءۃ الادب لفاضل النسب** (فضیلت نسب کے شرعاً معتبر ہونے یا نہ ہونے کا بیان)	۲۰۱
نکاحوں میں کثرت مصارف کچھ ضروری نہیں۔	۳۹۶	جد اعلیٰ کسی کا کاشتکار یا نور باف یا ماہی فروش ہو اس کی اولاد کو ماشا، جولاہا یا شکاری وغیرہ کہہ کر پکارنا جس سے ان کی دل شکنی ہو درست ہے یا نہیں۔	۲۰۲
بیوہ کو دوران عدت کوئی گہنا اور کسی طرح کا سنگار جائز نہیں۔	۴۸۳	علاوہ صحابی النسل کے دوسری قوم کو شیخ کہنا روا ہے یا نہیں۔	۲۰۲
بعد ختم عدت اگر بیوہ نتھ وغیرہ نہ پہنے تو حرج نہیں مگر اس کو ناجائز سمجھنا ممنوع ہے۔	۴۸۳	مولوی محمد لطف الرحمٰن صاحب کا جواب۔	۲۰۲
نسب		اللہ تعالیٰ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔	۲۰۲
ایک مجہول النسب شخص کے بارے میں سوال جو خود کو سیّد کہلاتا ہے۔	۱۹۷	جس نے شریعت کے مطابق کام کرنا چھوڑ دیا اس کا نسب کام نہ دے گا۔	۲۰۲

اعلیحضرت مجدد دین وملت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا فتوی۔	۲۰۴	قریش برکت کے درخت ہیں۔	۲۱۳
کسی مسلمان بلکہ کافر ذمّی کو بھی بلاحاجت شرعیہ ایسے لفظ سے پکارنا جس سے اس کی دل شکنی ہو اور اس کو ایذا پہنچے شرعاً حرام ہے اگرچہ فی نفسہٖ وہ بات سچی ہو۔	۲۰۴	عزت دار اور بہتر قریش ہیں۔	۲۱۳
ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں۔	۲۰۴	اللہ تعالٰی کا انتخاب اور اس کی پسند۔	۲۱۶
جو شخص کسی کو برے لقب سے پکارے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۲۰۴	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے۔	۲۱۸
مسلمان کو ایذا دینے والا رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔	۲۰۴	قبیلہ معد بن عدنان کے لئے موسٰی علیہ السلام کی بد دعا اور اللہ تعالٰی کی وحی۔	۲۱۸
مدار نجات تقوی پر ہے نہ کہ محض نسب پر۔	۲۰۵	سب سے بہترین جان حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی ہے۔	۲۱۹
حدیث "من ابطأہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ" کے معنی۔	۲۰۵	اول با آخر نسبتے دارد۔	۲۲۰
شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق نسب کو معتبر رکھا ہے۔	۲۰۵	احکامات ونکات۔	۲۲۰
سلسلہ طاہرہ وذریت عاطرہ میں انسلاک وانتساب ضرور آخرت میں بھی نافع ہے۔	۲۰۶	عرب کبھی بحال کفر بھی غلام نہ بنائے جائیں گے۔	۲۲۱
سیدزادی کا غیر سید سے نکاح شرعاً کیسا ہے چند باطل نکاحوں کی مثالیں۔	۲۰۶	مشرکین عرب پر جزیہ نہیں رکھا جائے گا۔	۲۲۱
امامت صغرٰی کی ترتیب میں شرف نسب بھی وجہ ترجیح ہے۔	۲۰۶	عربوں کی زمین پر خراج کبھی نہیں لگایا جائے گا وہ بہر حال عشری ہے۔	۲۲۱
احق بالامامۃ کون ہے۔	۲۰۶	اعلٰی درجہ کے اشراف علماء وسادات ہیں۔	۲۲۲
قریش کی خلافت۔	۲۰۶	لغزشیں۔	۲۲۲
امامت کبرٰی قریش کے ساتھ مخصوص ہے۔	۲۰۶	کریموں کی لغزش سے در گزر کرو۔	۲۲۲
اہل قریش کی فضیلت اور مقام ومرتبہ۔	۲۰۸	تنزیل، تعظیم۔	۲۲۳
اسلامی حکومت کے والی قریش ہیں۔	۲۰۸	اخلاق فاضلہ	۲۲۴
فقط ذکر قریش پر مشتمل قرآنی سورۃ۔	۲۱۳	مشاہدہ شاہد ہے کہ شریف میں دیگر اقوام سے حیاء وحمیت وتہذیب ومروّت وغیرہا بکثرت اخلاق حمیدہ موہوبہ ومکسوبہ میں زائد ہیں۔	۲۲۴

قوم فارس کی فضیلت۔	۲۲۵	صحابہ اور اہل بیت کی اولاد کے درجات۔	۲۴۳
اولادِ کسرٰی ہزارہا سال صاحب تخت وتاج رہی۔	۲۲۵	فضائل اہلبیت۔	۲۴۳
امام اعظم اور امام بخاری علیہما الرحمہ فارسیوں میں سے ہیں۔	۲۲۵	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہلبیت سے محبت کرنے والے جنتی ہیں۔	۲۴۵
شرافت ودناءت کسی شہر کی سکونت پر نہیں۔	۲۲۶	آیت کریمہ "ولسوف یعطیك ربك فترضٰی" کی تفسیر۔	۲۴۵
ان دونوں باتوں میں فرق ہے کہ فلاں امام نے نساجی کی اور فلاں نسّاج امام ہوگیا۔	۲۲۶	سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے چار افراد قدسی۔	۲۴۶
انبیاء علیہم السلام نے بکریاں چرائیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں گڈریا نبی ہوگیا۔	۲۲۶	حوض کوثر پر سب سے پہلے کون آئے گا۔	۲۴۶
امانت دار	۲۲۷	تنبیہ نبیہ اور نتیجہ۔	۲۴۷
چار خصلتیں	۲۲۸	آیات واحادیث مذکورہ سے حاصل ہونے والے پانچ فوائد جلیلہ۔	۲۴۷
نیک عورتیں	۲۲۹	حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور آیہ کریمہ الحقنابھم ذریتھم میں تطبیق۔	۲۴۷
کفو میں شادی	۲۲۹	نفی نفع مطلق اور نفی مطلق نفع میں فرق۔	۲۴۸
نفع آخرت	۲۳۱	سلب فضل کلی اور سلب کلی فضل میں فرق۔	۲۴۸
روز قیامت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب تر قریش ہوں گے۔	۲۳۲	رد تقویۃ الایمان	۲۴۹
ترجیح قریش کی ہوگی۔	۲۳۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ وعلاقہ مضبوط تر اور غیر منقطع ہے۔	۲۵۰
حضور علیہ السلام سے قرابت کا نفع۔	۲۳۳	تفاضل انساب ثابت اور شرعًا معتبر ہے۔	۲۵۳
جنت میں بلند درجہ والا کون۔	۲۳۶	آلِ رسول، انصار اور عرب کی تعظیم نہ کرنے والے پر سخت وعید۔	۲۵۳
شفاعت ومغفرت۔	۲۳۷	نسب پر فخر کرنا جائز نہیں۔	۲۵۵
دو یتیموں کی دیوار اور اصلاح اعمال۔	۲۳۹	لفظ شیخ کے معانی اور اطلاقات۔	۲۵۵
واقعہ موسٰی علیہ السلام وخضر علیہ السلام۔	۲۳۹	ابتداءً ہند میں ہر مسلمان کو ترک کہتے تھے۔	۲۵۵
مومن کی اولاد کا ثواب اور اس کا اجر۔	۲۴۱	جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بتائے اس پر جنت حرام ہے۔	۲۵۶

رسم ورواج **(ریاء وتفاخر وبدعت واسراف وغیرہ)**		نومولود کی ولادت سے قبل نیا مکان بنوانا اور پرانے کو منحوس سمجھنا کیسا ہے۔	۲۶۴
لیلۃ القدر کے موقع پر مساجد کو آراستہ کرنا، روشنیوں کا اہتمام کرنا، میلادشریف کی تقریبات میں مکانوں کو سجانا، فانوس اور پھول وغیرہ لگانا، عرسوں کے موقع پر خانقاہوں اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار پرانوار پر ایسا بندوبست کرنا کیسا ہے۔	۲۵۷	بدفالی اور بدشگونی مشرکوں کا طریقہ ہے۔	۲۶۵
حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد "نوّرت مساجدنا نوّر اللہ قبرك یا ابن الخطاب"۔	۲۵۸	مکان مسکونہ میں درخت پپیتا لگانا شرعاً ممنوع ومنحوس نہیں۔	۲۶۶
پیران پیر کا پیوند دینا کیسا ہے، اور اس کی کیفیت کا بیان۔	۲۵۹	خواب میں سفر دلیل ظفر وصحت ہے۔	۲۶۷
دسوندی نام کفار ہنود سے ماخوذ ہے اور مسلمان کو ممانعت ہے۔	۲۶۰	سودی قرض لے کر شادی بیاہ پر کھانا کھلانا اور اس کو کھانا کیسا ہے، کیا ایسے لوگوں کا جنازہ پڑھا جائے گا۔	۲۶۸
مذکر جانور یعنی بیل اور بھینسا کو ہل جوتتے وقت اور مادہ کو بیاہتے وقت قیمت کا دسواں حصہ نکالنا، درختوں کو پیر صاحب کا کرکے استعمال میں لانا حرام سمجھنا، کھیتوں سے پیر صاحب کا حصہ دینا کیسا ہے، نیز پیر صاحب کی بودی، مدار پیر کی چٹیا وغیرہ رسوم کا کیا حکم ہے۔	۲۶۱	بچہ کی ناری چھیدنا سنت ہے اور اس کی خصوصیت کوئی نہیں۔	۲۶۹
کھیت میں حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام کا حصہ دینا کس صورت میں جائز اور کس میں ناجائز ہے۔	۲۶۱	آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحتیابی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض وفات کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔	۲۷۱
ریاء وتفاخر کی نیت سے برادری کو کھانا کھلانا حرام ہے اور صلہ رحمی کی نیت سے مستحب ہے۔	۲۶۳	ماہ صفر کے آخری چہار شنبہ کو ساتوں سلام بے معنی بات ہے۔	۲۷۱
سات گز سے بلند مکان بنانا کیسا ہے۔	۲۶۳	خاتون جنت سیدہ زہراء رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف منسوب ڈوروں کی رسم محض بے اصل ہے۔	۲۷۱
طاق شہید اور طاق پرستی کی رسموں کا کیا حکم ہے۔	۲۶۴		

کچھ مخصوص تاریخوں کو شادی کے لئے نقصان دہ سمجھنا باطل وبے اصل ہے۔	۲۷۲	غیر شرعی حرکات پر شادی میں مسلمان ہرگز شریک نہ ہوں۔	۲۸۰
ازروئے شریعت بہن کے گھر بھائی کا رہنا اور خوشدامن کے گھر داماد کا رہنا جائز ہے یا نہیں۔	۲۷۲	لاطاعة لاحد فی معصیة اللہ تعالٰی۔	۲۸۱
شادی کے موقع پر ہندوؤں کی رسم کے مطابق گانے، باجے، پیشانی پر ہلدی کا ٹیکا لگانے اور لڑکے کی سالگرہ کے روز لچھے میں عمر کی گرہ لگانا ناجائز وگناہ ہے۔	۲۷۴	اعلان نکاح کے لئے دف بجانے کے جواز کی شرطیں۔	۲۸۱
عیدین کے روز مسلمانوں کا شان وشوکت اسلام ظاہر کرنا، توپوں کے فیر کرنا، نشان وگھوڑا اور تاشے بجتے ہوئے عیدگاہ کو جانا کیسا ہے۔ اظہار شوکت کی اصل حج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رمل واضطباع اور صحابہ کرام کو اس کا حکم دینا ہے۔	۲۷۴	شادی وغیرہ کے موقع پر کیسے اشعار پڑھنے کی اجازت ہے۔	۲۸۱
٥رسالہ **ھادی الناس فی رسوم الاعراس**۔ (شادیوں کی بعض رسوم مثلاً سہرا وغیرہ پر حکم شرعی کا روشن بیان)		بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں اور رنڈیوں ڈومنیوں کو ہرگز گھر میں قدم نہ رکھنے دیا جائے۔	۲۸۱
شادی موقع پر آتشبازی، بندوق چھوڑنے، لکڑی کھیلنے، گانے بجانے اور نوشاہ کو پالکی پر سوار کرکے دلہن کے گھر تک لے جانے کا سوال۔	۲۷۷	صحبت بدزہر قاتل ہے۔	۲۸۲
تین کے سوا تمام لہو مسلمان کے لئے ممنوع ہیں۔	۲۷۷	عورتیں نازک شیشیاں ہیں جن کے ٹوٹ جانے کے لئے ایک ادنٰی ٹھیس بھی بہت ہوتی ہے۔	۲۸۲
شادیوں اور شب برات پر آتشبازی حرام ہے۔	۲۷۹	مسائل مذکورہ پر احادیث کریمہ سے دلائل (دف بازی کا مشروط جواز)	۲۸۳
فضول خرچی کی مذمت اور اس پر وعید شدید۔	۲۷۹	شادی وغیرہ میں آتشبازی چھوڑنا جائز ہے یا نہیں۔	۲۸۹
مروج گانے بجانے ممنوع ہیں۔	۲۸۰	اعلان کے لئے شادی میں بندوق چھوڑنے کے بارے میں سوال۔	۲۸۹
ایک ناپاک وملعون رسم کا بیان جس پر صدہا لعنتیں اللہ تعالٰی کی اترتی ہیں۔	۲۸۰	آتشبازی بنانا اور چھوڑنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۲۹۰

ایک مرتکب محرمات شخص کے بارے میں سوال (بزبان فارسی)	۲۹۱	چار چیزیں سنن مرسلین میں سے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔	۳۰۱
لہوولعب میں مستغرق شخص کی مذمت قرآن وحدیث سے۔	۲۹۲	اعلان نکاح وغیرہ کے لئے دف بجانے کے بارے میں مولانا ریاست علی خاں اور مولانا شاہ سلامت اللہ کافتوٰی اور مصنف علیہ الرحمہ کااس پر محققانہ تبصرہ۔	۳۰۴
آیۃ کریمہ "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" کی تفسیر۔	۲۹۲	خلاصہ جواب المولوی ریاست علی خان۔	۳۰۴
مغنیات کی بیع وشراء ممنوع ہے۔	۲۹۳	خلاصہ جواب الشاہ سلامت اللہ فی تائیدہ۔	۳۰۶
واستفز زمن استطعت منھم بصوتک (الآیۃ) میں آواز شیطان سے مراد غناء ومزامیر ہے۔	۲۹۴	جواب از مصنف علیہ الرحمۃ۔	۳۰۹
(بالجملہ) خلاصہ یہ کہ اجنبیہ عورت کا بے حجابانہ مردوں کی مجلس میں آنا آٹھ خرابیوں کا باعث ہے۔	۲۹۶	اعلان نکاح کے لئے اور دیگر افراح مستحبہ میں اظہار سرور کے لئے کب اور کس کو دف بجانا جائز ہے اور کس کو ناجائز ہے۔	۳۰۹
جس کی حرمت ضروریات دین سے ہو اس کو حلال جاننے والا کافر ہے۔	۲۹۶	احادیث کریمہ سے استدلال۔	۳۱۰
بعض لہوہائے ممنوعہ کبیرہ اور بعض ایسے صغیرہ ہوتے ہیں جو اصرار سے کبیرہ ہوجاتے ہیں۔	۲۹۶	اللھو حقیقۃ حرام کلھا۔	۳۱۲
تمام کھیل باطل ہیں سوائے تین کے کہ وہ حق ہیں: تیر اندازی، اسپ تازی اور بازن خود بازی۔	۲۹۷	مولانا ریاست علی خاں اور مولانا شاہ سلامت اللہ علیہما الرحمہ کی تحسین۔	۳۱۴
دنیا کب ملعون ہے۔	۲۹۷	جس کام سے اللہ تعالٰی جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اس سے منع کرنے کا حق کسی کو نہیں۔	۳۱۶
فاسق کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے۔	۲۹۹	وہابیہ تمام جاہل ہوتے ہیں۔	۳۱۶
قلیان کشیدن یعنی حقہ نوشی کا شرعی حکم۔	۲۹۹	وہابی مفتی کو اسراف کا معنی معلوم نہیں۔	۳۱۶
بوقت نکاح خوشبو لگانا اور گلے میں پھول ڈالنا جائز ہے۔	۳۰۰	غرض محمود اور غرض مذموم میں اتفاق کے درمیان بون بعید ہے۔	۳۱۷
خوشبو لگانا سنت اور اس کے پسندیدہ ہونے پر دلائل حدیثیہ۔	۳۰۰	ہر انفاق اسراف نہیں۔	۳۱۷

پھولوں کا سہرا جس میں نلکیاں اور پنّی وغیرہ نہ ہو جائز ہے یا نہیں۔	۳۱۹	حدِ قذف اسی کوڑے ہیں۔	۳۲۴
شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے جس چیز کو اللہ و رسول اچھا بتائیں وہ اچھی، جس کو برا بتائیں وہ بری ہے، اور جس سے سکوت فرمائیں وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے۔	۳۲۰	غیر سلطان کو حد جاری کرنے کا اختیار نہیں۔	۳۲۴
آج کل کے مخالف اہلسنت کی روش ہے کہ جس چیز کو چاہا شرک وبدعت وضلالت کہہ دیا۔	۳۲۰	تعزیر بالمال منسوخ ہے۔	۳۲۴
کسی چیز کو جائز کہنے والا دلیل خاص کا محتاج نہیں بلکہ ناجائز کہنے والا قرآن وحدیث سے دلیل لائے۔	۳۲۰	منسوخ پر عمل جائز نہیں۔	۳۲۴
سوال میں مذکور سہرے کا حکم شرعی۔	۳۲۰	مجمع میں گناہ ہو تو مجمع ہی میں توبہ کی جائے۔	۳۲۴
کون سی نئی بات کو بدعت کہا جاتا ہے۔	۳۲۰	کسی کی منکوحہ کو اپنے پاس رکھ کر زنا کرنے والے کو مسلمان برادری سے نکال دیں۔	۳۲۵
حدیث شریف "من تشبّہ بقوم فھو منھم" کی تشریح و توضیح۔	۳۲۰	مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۳۲۶
بربنائے تشبّہ کسی فعل کی ممانعت کا قاعدہ۔	۳۲۱	ثبوت زنا کے لئے چار گواہ مرد ثقہ متقی درکار ہیں۔	۳۲۶
خلاصہ حکم۔	۳۲۲	بوڑھے زانی کی سزا کیا ہے۔	۳۲۶
ضمیمہ رسم ورواج		اللہ تعالٰی کے سب سے بڑے دشمن تین شخص ہیں۔	۳۲۶
دلدل بدعت، رائج مرثیے معصیت اور ساختہ کربلا مجمع بدعات ہے ان کے مرتکب کو امام بنانا گناہ ہے۔	۹۹	زناکاری اور ناچ گانے کو پیشہ بنانے اور اس کی کمائی کھانے والوں کے ساتھ مسلمانوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہئے۔	۳۲۷
ناٹک مجمع فسقیات ہے اور اس میں جانا نامہذب ہونے کی دلیل ہے۔	۹۹	مسلمان کو زناء کی تہمت بے ثبوت شرعی لگانے والا فاسق، مردود الشہادۃ اور اسّی ۸۰ کوڑوں کا سزاوار ہے۔	۳۲۹
حدود وتعزیرات		گناہ سے توبہ کرنے والے کو پہلے گناہ سے عیب لگانا سخت حرام ہے۔	۳۲۹
حد قذف کے بارے میں طویل استفتاء کا جواب۔	۳۲۴		

زن وشو میں جدائی ڈالنا شیطان کا کام ہے۔	۳۲۹	تغیر قصد سے تغیر حکم ہوجاتا ہے۔	۳۳۷
ایک شخص صاحب علم ہے مگر نماز روزے کا تارک ہے اس کے ساتھ مسلمانوں کو کیا سلوک کرنا چاہئے۔	۳۳۰	جنب کو آیات قرآن بہ نیت ذکرودعا پڑھنا جائز ہے۔	۳۳۷
کسی جرم پر زجراً لیا گیا روپیہ حرام ہے، تعزیر بالمال منسوخ ہے۔	۳۳۱	نماز جنازہ میں فاتحہ کا بارادہ ثنا پڑھنا مکروہ نہیں۔	۳۳۸
منسوخ پر عمل حرام ہے۔	۳۳۱	بوسیدہ قرآن مجید اور دیگر اوراق کو جلادینا کیسا ہے۔	۳۳۸
آداب **(مجلس وعظ، مسجد، قبلہ، اذان واقامت، تلاوت، خطبہ، درود وسلام، اوراد ووظائف، عملیات، سفر، استخارہ، فال، جماع، سفارش، مصحف، کتب اور سونے سے متعلق آداب)**	۳۳۵	مصاحف بوسیدہ کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنے کا طریقہ۔	۳۳۹
معلّمین چارپائی پر بیٹھے یا لیٹے ہوں اور لڑکے کتابیں لئے نیچے بیٹھے ہوں تو کیا حکم ہے۔	۳۳۵	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے احراق مصحف کے وقوع کی وجہ۔	۳۳۹
نفس حروف قابل ادب ہیں اگرچہ جدا جدا لکھے ہوں۔	۳۳۶	بعض کتب حنفیّہ کی طرف منسوب عبارت کہ "پیشاب سے آیت قرآنی کا لکھنا جائز ہے" کا متعدد وجوہ سے رَد اور معترض کی دھوکا دہی کا پردہ چاک۔	۳۴۰
بلاضرورت کتاب پر دوات رکھنا منع ہے۔	۳۳۶	فتاوٰی برہنہ معتبر کتابوں میں معدود نہیں۔	۳۴۱
کتابوں والے صندوق کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔	۳۳۶	رمل کے بارے میں حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توضیح وتشریح۔	۳۴۵
حروف تہجی کلام اللہ ہیں کیونکہ ہود علیہ السلام پر نازل ہوئے۔	۳۳۷	حرام چیز دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ہمارے ائمہ اصل مذہب ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ جائز نہیں۔	۳۴۷
کتب دینیہ کو بے وضو ہاتھ لگانے کے بارے علماء مختلف ہیں۔	۳۳۷	حوالہ جات	۳۴۸
کتابوں کے شروع میں بسم اللہ بطور تبرک لکھی جاتی ہے نہ کہ بطور آیت قرآنی۔	۳۳۷	جوائمہ حقنہ کے لئے بھی ناپاک چیز استعمال جائز نہ جانیں وہ آیات قرآنیہ کو ناپاک چیز سے لکھنا کیسے جائز بتائیں گے۔	۳۴۹

قبلہ رو برہنہ ہو کر اپنی عورت سے صحبت جائز ہے یا نہیں۔	۳۴۶	اگر کسی کی قراءت بلاقصد اوزان موسیقی سے کسی وزن کے موافق ہو تو اصلاً حرج نہیں حتی کہ نماز میں بھی ایسی تلاوت جائز ہے۔	۳۵۸
بحالت برہنگی قبلہ کو منہ یا پشت کرنا مکروہ ہے کچھ آداب قبلہ کا ذکر۔	۳۵۰	فتاوٰی خیریہ سے تائید۔	۳۵۸
رنڈیوں کا مسجد میں چراغ جلانا کیسا ہے۔	۳۵۰	بالقصد راگنی پر قرآن عظیم کو درست کرنا یعنی گانے کی طرح پڑھنا ضرور حرام ہے۔	۳۶۰
ایک مجلس میں بآواز بلند یا خفی چند اشخاص کا تلاوت کرنا اور تھوڑا تھوڑا بانٹ کر پڑھنا کیسا ہے۔	۳۵۱	حمد و نعت، ذکر موت، تذکیر آخرت اور اہوال قیامت وغیرہ سے متعلق اشعار پڑھنا جائز ہیں۔	۳۶۳
آداب تلاوت قرآن کا بیان۔	۳۵۲	سیدنا حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد میں منبر بچھایا جاتا۔	۳۶۳
بوقت قراءت قرآن مجید استماع وخاموشی فرض عین ہے یا فرض کفایہ، ثانی اوسع اور اوّل احوط ہے۔	۳۵۲	بارگاہ رسالت میں حدی خوانی کے لئے صحابہ مقرر تھے۔	۳۶۴
مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق اور دونوں قولوں میں تطبیق۔	۳۵۲	سیدنا براء بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مناقب۔	۳۶۴
ہر خطبہ کی سماعت واجب ہے۔	۳۵۳	حضرت انجشہ حبشی، عبداللہ بن رواحہ اور عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہم حدی خوان بارگاہ رسالت ہیں۔	۳۶۴
چند افراد کا اونچی آواز سے قرآن پڑھنا کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۳۵۳	روز عمرۃ القضاء دخول مکہ کے وقت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے آگے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ رجزیہ اشعار پڑھتے جارہے تھے۔	۳۶۵
وعظ کے درمیان میں واعظ کا اشعار مدحیہ اور حدیثوں کا ترجمہ خوش الحانی سے پڑھنا اور قرآنی آیات کو لحن عرب میں پڑھنا کیسا ہے۔	۳۵۵	بالجملہ ممانعت گانے میں یا معاذاللہ اشعار ہی خود برے ہوں۔	۳۶۵
خوش آوازی کے ساتھ قرآن مجید تلاوت کرنے کی ترغیب میں دس حدیثیں۔	۳۵۵	حدیث میں عورتوں کو کانچ کی بوتلوں سے تشبیہ کیوں دی گئی۔	۳۶۸

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ کی تصنیف "کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع" کا حوالہ۔	٣٦٩	عورت خود اپنا پستان منہ میں لے کر پیتی ہے تو کیا حکم ہے۔	٣٧٧
ایک ہی مکان میں دو بیویوں سے بے پردہ مباشرت کرنا کیسا ہے۔	٣٧٣	محراب کی دیواروں پر آیات کریمہ اس طرح کندہ ہیں کہ خطیب سے نیچے اور پیچھے پڑتی ہیں، کیا حکم ہے۔	٣٧٧
قبر پر اذان دینے کا حکم شرعی۔	٣٧٣	محراب میں کوئی شے شاغل نظر نہ ہونی چاہئے۔	٣٧٨
احکام مسجد سے متعلق چار سوالات پر مشتمل استفتاء۔	٣٧٤	مسجد میں وعظ کس کی اجازت سے ہونا چاہئے۔	٣٧٨
بلاضرورت مسجد میں چراغ جلانا فضول ہے۔	٣٧٥	جو کافی علم نہ رکھتا ہو اسے وعظ کرنا حرام ہے۔	٣٧٨
مسجد کے روپیہ سے چچا کی قبر پکی کرنا حرام ہے۔	٣٧٥	جس شخص کے بیان سے فتنہ اٹھتا ہو اس کو اہل مسجد روک سکتے ہیں۔	٣٧٨
مسجد میں تلاوت قرآن جائز ہے، اگر نماز میں خلل نہ آتا ہو تو بلند آواز سے بھی جائز ہے۔	٣٧٥	جمعہ کی چھٹی ہمیشہ معمول علماء اسلام ہے۔	٣٧٩
بے اعتکاف مسجد میں سونا ممنوع ہے۔	٣٧٥	حاملہ بیوی سے صحبت جائز ہے۔	٣٧٩
بعد نماز فجر طلوع آفتاب سے قبل تلاوت قرآن مجید جائز ہے۔	٣٧٥	مسجد میں چندہ مانگنا کن صورتوں میں جائز ہے۔	٣٨٠
راستے میں چلتے ہوئے قرآن مجید پڑھنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔	٣٧٥	روافض کی مسجد میں سنی کی نماز کا حکم۔	٣٨٠
بیدار ہو کر آیۃ الکرسی پڑھنا کیسا ہے۔	٣٧٥	علماء اور نعت خوانوں کی نقدی وغیرہ میں جو خدمت کی جاتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں۔	٣٨٠
حقہ پیتے ہوئے سبق پڑھانا برا ہے۔	٣٧٦	روزانہ دو پارے تلاوت کرنا افضل ہے یا ترجمہ کے ساتھ پارے کا ایک ربع۔	٣٨٢
کعبہ شریف کی جانب پشت کرکے دیوار مسجد کے سہارے بیٹھنا نامناسب ہے۔	٣٧٦	قرآن پاک کا کونسا ترجمہ پڑھنا چاہئے۔	٣٨٢
بوسیدہ مصحف شریف کو جلانا ممنوع ہے، دفن کرنا چاہئے۔	٣٧٦	تلاوت قرآن کتنی آواز سے کرنا چاہئے۔	٣٨٣
اسپند پر کوئی آیت دم کرکے جلانے میں حرج نہیں۔	٣٧٦	جوتے مسجد کے اندر رکھنا جائز ہے یا نہیں۔	٣٨٣
بیوی کا پستان منہ میں لے کر جماع کرنا کیسا ہے۔	٣٧٦	مقبروں کے در و دیوار پر آیات قرآنی یا اسماء الٰہیہ لکھنا کیسا ہے۔	٣٨٣

بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت چِلّے میں کب پاک ہوتی ہے، تفصیلی فتوی۔	۳۸۴	مسجد کی تاریخ پتھر پر کندہ کراکے مغربی دیوار میں نصب کرنا نیز چندہ دینے والے کا نام پتھر پر کندہ کرانا درست ہے یا نہیں۔	۳۸۹
قطب کی طرف پاؤں کرکے سونے میں کوئی حرج نہیں۔	۳۸۵	شرعًا انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام، صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ اور اولیاء وعلماء کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے کا کیا حکم ہے نیز غیر صحابی کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا کیسا ہے۔	۳۸۹
کعبہ کی طرف پاؤں کرکے لیٹنا کیسا ہے۔	۳۸۵	اخبار روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن کے نام اور آیت قرآنی پر مشتمل مونوگرام بنوانے سے متعلق استفتاء۔	۳۹۰
بیوی سے ہمبستری کس طرح سنت ہے۔	۳۸۵	تعظیم قرآن عظیم ایمان مسلم ہے۔	۳۹۱
دن میں بیوی سے ہمبستر ہونا کیسا ہے۔	۳۸۵	تعظیم اور بے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کو ہے۔	۳۹۱
تکبر وعناد کے طور پر یہ کہنا کیسا ہے کہ ہماری چارپائی مجلس وعظ سے دور بچھاؤ تاکہ کان میں وعظ کی آواز نہ آئے۔	۳۸۶	زمخشری معتزلی کا تفسیر میں بعض ابیات ہزل لانا علماء کرام نے سخت مذموم وخلاف ادب قرار دیا ہے۔	۳۹۱
ہاتھ پر اللہ اور محمد کھدوانا شرعًا کیسا ہے۔	۳۸۷	نقشہ انگشتری مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۳۹۲
لوگوں کے نام کے آگے جو محمد ہے اس پر حرف (ص) لکھنا جائز یا نہیں۔	۳۸۷	مجلس وعظ ونصیحت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام سن کر سامعین کو درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۴
پردیس میں بال بچے دار کو کب تک رہنا چاہئے۔	۳۸۸	وہ مقامات جہاں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔	۳۹۵
ایک پتھر پر "رمضان المبارک" کندہ ہے اس کے اوپر سے گزرنا کہ اس پر پاؤں آئیں کیسا ہے۔	۳۸۸	مسجد بنانا خیر کثیر ہے۔	۳۹۶
رمضان اسماء الٰہیہ سے ہے۔	۳۸۸	نکاحوں میں کثرت مصارف کچھ ضروری نہیں۔	۳۹۶
حروف کی تعظیم خود لازم ہے اگرچہ ان میں کچھ لکھا ہو۔	۳۸۸	گم شدہ شیئ کی دریافت کیلئے یس شریف سے نام نکالا جاتا ہے یا کسی اور طریقے سے چور کا پتہ معلوم کیا جاتا ہے، یہ طریقہ ٹھیک ہے یا نہیں۔	۳۹۶

فال کیا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۷	بوسیدہ قرآن مجید اور مقدس اوراق کو لحد بنا کر دفن کیا جائے نہ کہ شق۔	۴۰۳
انگریزی قلم وروشنائی سے تعویذ لکھنے سے اجتناب چاہئے۔	۳۹۷	جس مکان میں آیات کریمہ واذکار لکھے ہوئے ہوں اس میں جماع وبرہنگی بے ادبی ہے۔	۴۰۴
غیر مذہب کو آیات قرآنی لکھ کر نہ دی جائیں۔	۳۹۷	آیات قرآنی پر مشتمل کچھ کارڈوں پر لکھا ہوتا ہے کہ ۹ یا ۱۱ مرتبہ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کرو ورنہ نقصان ہوگا، یہ محض بے اصل بات ہے۔	۴۰۴
اعمال میں ایّام ووقت اور زکوٰۃ وورد کی کچھ اصل ہے یا نہیں۔	۳۹۷	دوران تلاوت کسی معظم دین کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔	۴۰۵
اعمال حب وبغض وحاجات وغیرہ مسجد میں پڑھے جائیں یا خارج۔	۳۹۸	تماشاگاہوں اور شادی وغیرہ کی مجلسوں میں حمد ونعت وغیرہ پڑھنا کیسا ہے۔	۴۰۵
جو جائز عمل جائز نیت سے ہے اس کی حالتیں دو ہیں۔	۳۹۸	صحن مسجد مسجد ہے، فقہاء اس کو مسجد صیفی کہتے ہیں اور مسقف کو مسجد شتوی۔	۴۰۶
اوراد ووظائف مقررہ کو اتفاقیہ بے وضو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں، ناغہ کی صورت میں ان کی قضا ہے یا نہیں۔	۳۹۹	تعویذات یا آیات قرآنیہ کا نقش جداول میں لکھنے کا حکم۔	۴۰۶
دوران وظیفہ خوانی سلام کا جواب دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۳۹۹	شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ سے کیا مراد ہے۔	۴۰۷
سفر کو جانے کے کس قدر دن ہیں۔	۴۰۰	مسجد میں امام کو بدن دبوانا جائز ہے۔	۴۰۷
اسباب باہر چھوڑ کر خود شہر میں آجانا کسی طرح سفر کی حد میں نہیں آتا۔	۴۰۰	گیارہویں شریف میں تعظیم کے لئے اٹھنا کیسا ہے۔	۴۰۷
اردو اخبارات ردّی میں فروخت کردینا کیسا ہے۔	۴۰۰	ماتم ونوحہ محرم وغیر محرم میں حرام ہے۔	۴۰۷
مسجد کے اندر سوال کرنا اور سائل کو دینا کیسا ہے۔	۴۰۱	رافضیوں کی مجلس میں جانا سخت حرام ہے۔	۴۰۷
آداب مسجد کے متعلق دو حدیثیں۔	۴۰۱	مزارات اولیاء پر شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے۔	۴۰۷
مزارات پر چادر چڑھانا اور اس سے پھول وغیرہ توڑ کر نعت خوانوں کو ہار ڈالنا کیسا ہے۔	۴۰۲	نیک کام سے روکنے والا مناع للخیر ہے اور مناع للخیر ہونا شیطانی کام ہے۔	۴۰۷
ناقابل استعمال بوسیدہ قرآنی اوراق سے متعلق حکم۔	۴۰۳		

نوٹوں پر قرآنی آیت لکھنا ناجائز اور بے ادبی ہے۔	۴۰۸	دعوی دوم	۴۱۴
منبر شریف پر بیٹھ کر میلاد پڑھنا جائز ہے، منبر وعظ وخطبہ کے لئے مختص نہیں۔	۴۰۸	بذریعہ تلاوت جو فونو میں ودیعت ہوا پھر بتحریک آلہ جو اس سے ادا ہوگا سنا جائے گا حقیقۃً وہ قرآن عظیم ہی ہے۔	۴۱۴
منبر مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۴۰۹	مقدمہ اولٰی	۴۱۴
جاہل اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالم کی کتاب پڑھ کر سنائے۔	۴۰۹	آواز کیا ہے، کیونکر پیدا ہوتی ہے، کیسے سننے میں آتی ہے، ذریعہ حدوث کے بعد باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہوجاتی ہے، کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے۔	۴۱۴
جاہل کا وعظ کہنا حرام اور اس کا سننا بھی حرام ہے۔	۴۰۹	آواز کنندہ کی طرف آواز کی اضافت کیسی ہے اور اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے یا نہیں۔	۴۱۴
٥رسالہ **الکشف شافیا حکم فونو جرافیا**۔ (فونو گراف میں قرآن پاک بھرنے اور سننے نیز اس سے مزامیر وغیرہ کی آوازیں سننے کا حکم)	۴۱۱	قرع وقلع کا معنٰی۔	۴۱۴
فوٹو گراف اور فونو گراف میں فرق۔	۴۱۲	آواز کی تعریف	۴۱۴
فوٹو گراف کی تصویر اپنی ذی الصورۃ سے مبائن اور اس کی محض ایک مثال وشبیہ ہوتی ہے۔	۴۱۲	اللہ تعالٰی نے آواز کو گوش سامع تک پہنچانے کے لئے سلسلہ تموّج قائم فرمایا۔	۴۱۵
فونو گراف سے جو سنا جاتا ہے وہ خود اصل قاری کی آواز ہوتی ہے نہ کہ اس کی حکایت وتصویر۔	۴۱۲	ہوا لینت ورطوبت میں پانی سے زائد تر ہے۔	۴۱۵
یہاں دو دعوے ہیں جن کو ثابت کرنا مطلوب ہے۔	۴۱۴	قرع اول سے متحرک ومتشکل ہونے والی ہوائے اول کا موجی سلسلہ قرع بہ قرع سوراخ گوش میں بچھے ہوئے پٹھے تک پہنچ کر اس کو بجاتا ہے جس سے اس میں وہ اشکال وکیفیات پیدا ہوتی ہیں جن کو آواز کہا جاتا ہے پھر اس ذریعے سے لوح مشترک میں مرتسم ہوکر نفس ناطقہ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں۔	۴۱۵
دعوی اول	۴۱۴	ادراک سمعی محض باذن اللہ حاصل ہوتا ہے۔	۴۱۵
فونو سے جو سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہے جس کی صوت اس میں بھری ہے قاری ومتکلم ہو یا آلہ طرب وغیرہ۔	۴۱۴	ہر شیئ کا سبب حقیقی ارادۃ اللہ عزوجل ہے۔	۴۱۵

عالم اسباب میں حدوث آواز کا سبب عادی قرع و قلع ہے۔	۴۱۵	مصنف علیہ الرحمہ نے سبب آواز کے بارے میں قدماء سے اختلاف کیوں کیا۔	۴۱۷
آواز سننے کا سبب عادی تموّج و تجدّد قرع و قلع تا ہوائے جوف سمع ہے۔	۴۱۵	فلاسفہ غلط کاری وخطاء شعاری کے عادی ہیں۔	۴۱۸
جتنا فصل بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج و قرع میں ضعف آتا جاتا ہے۔	۴۱۵	اس بات کا اثبات کہ حدوث آواز کو قرع و قلع بس ہے تموج کی حاجت نہیں۔	۴۱۸
دور کی آواز کم کیوں سنائی دیتی ہے اور ایک حد کے بعد بالکل ختم ہوجاتی ہے۔	۴۱۵	دلیل اول (اوّلًا)	۴۱۸
تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔	۴۱۵	قرع و قلع سے ہوا دبے گی اور اپنی لطافت و رطوبت کے باعث ضرور اس کی شکل و کیفیت قبول کرے گی اسی کا نام آواز ہے اور صرف یہ دبنا تموّج نہیں۔	۴۱۸
زمین سے مخروط ظلی، آنکھ سے مخروط شعاعی اور آفتاب سے مخروط نوری نکلتا ہے۔	۴۱۶	دلیل دوم (ثانیًا)	۴۱۹
مخروطات تموج ہوائی کے اندر جو کان واقع ہوں ایک ایک ٹھپا سب تک پہنچے گا اور سب اس آواز کو سنیں گے جو کان ان مخروطوں سے باہر رہے وہ نہ سنیں گے۔	۴۱۶	اگر تشکل مقروع اپنے بعد کے اجزاء متحرک ہونے کا محتاج ہو تو چاہئے کہ تموج باقی رہے اور تشکل ختم ہوجائے اور یہ باطل ہے۔	۴۱۹
ٹھپوں کے تعدد سے آواز میں تعدد لازم نہ آئے گا۔	۴۱۶	سلسلہ تموّج میں تسلسل باطل ہے۔	۴۱۹
آواز اس شکل و کیفیت مخصوصہ کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ میں قرع یا قلع سے پیدا ہوتی ہے۔	۴۱۶	سبب سے مسبّب کا متخلف ہونا باطل ہے۔	۴۱۹
پانی میں غوطہ لگانے والے دو شخصوں میں سے ایک کی آواز دوسرا سن سکتا ہے۔	۴۱۶	حدوث آواز سے متعلق نظریات فلاسفہ کا ابطال اور ان کے استدلالات کا جواب۔	۴۱۹
پانی اتنا لطیف نہیں جتنی ہوا ہے۔	۴۱۶	تموج حرکت ہے اور حرکت زمانی ہے۔	۴۲۲
تمام حوادث کا سبب حقیقی محض ارادہ الٰہی ہے۔ دوسری چیز اصلًا نہ مؤثر نہ موقوف علیہ۔	۴۱۶	حروف کی تین قسمیں ہیں: ۱لفظیہ، ۲فکریہ، ۳خطیہ۔	۴۲۶
آواز کا ظاہری و عادی سبب قریب قرع و قلع ہے۔	۴۱۷	سننے کا سبب ہوائے گوش کا متشکل بشکل آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور اس قرع کا سبب بذریعہ تموج حرکت کا وہاں تک پہنچنا ہے۔	۴۲۷

ذریعہ حدوث قلع وقرع ہیں اور وہ آنی ہیں حادث ہوتے ہی ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شکل وکیفیت جس کا نام آواز ہے باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضرور نہیں۔	۴۲۷	کیفیات اشکال اصوات کے تحفظ کا پہلے کوئی ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں تھا اب بمشیت الٰہی یہ آلہ ایجاد ہوگیا جس میں آوازیں ایک زمانہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں۔	۴۲۹
آواز کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے۔	۴۲۷	متقدمین یہ آلہ دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ تموج ہوا ختم ہوتا ہے آواز محفوظ ومخزون رہتی ہے۔	۴۲۹
آواز آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف کی صفت ہے، ہوا ہو یا پانی وغیرہ۔	۴۲۷	حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔	۴۳۱
آواز کنندہ کی موت کے بعد آواز قائم رہ سکتی ہے۔	۴۲۸	آواز ملاہی کی علت تحریم تشخصات نہیں بلکہ اس کا لہو ہونا ہے۔	۴۳۱
انقطاع تموّج انعدام سماع کا باعث ہوسکتا ہے نہ کہ انعدام صوت کا۔	۴۲۸	آواز ملاہی میں خصوصیت صورت آلہ کو دخل نہیں بلکہ یہ آوازیں جس آلہ سے بھی پیدا ہوں گی اپنا رنگ لائیں گی۔	۴۳۳
تموج کے دوبارہ حدوث سے تجدید سماع ہوگی نہ کہ دوسری آواز پیدا ہوگی۔	۴۲۸	جب علت حرمت قطعًا حاصل ہو تو حکم حرمت کیونکر زائل ہوسکتا ہے۔	۴۳۳
وحدت آواز وحدت نوعی ہے۔	۴۲۸	یہ بات بداہت کے خلاف ہے کہ فونو سے سازوں کی آوازیں مورث طرب نہیں۔	۴۳۳
واقع میں تمام الفاظ وجملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں، وہ بھی امم مخلوقہ میں سے ایک امت ہیں جو اپنے رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں۔	۴۲۸	لذت کلی مشکک ہے۔	۴۳۳
کلمات ایمان تسبیح رحمٰن کے ساتھ اپنے قائل کے لئے استغفار بھی کرتے ہیں۔	۴۲۸	طرب کا معنی۔	۴۳۳
کلمات کفر اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت بھی کرتے ہیں۔	۴۲۸	علامہ سید محمد عبدالقادالاہدل شافعی کے مؤقف کا دس وجوہ سے رَد۔	۴۳۳
لطافت ورطوبت جس طرح باعث سہولت انفعال ہے یونہی مورث سرعت زوال بھی ہے۔	۴۲۹	اولًا تا عاشرًا۔	۴۳۳
		مقدمہ ثانیہ۔	۴۳۹

وجود شیئ کے چار مراتب ہیں: (۱) وجود فی الاعیان (۲) وجود فی الاذہان (۳) وجود فی العبارۃ (۴) وجود فی الکتابۃ۔	۴۳۹	جن علماء نے معنی ثانی کو ترجیح دی ان کے ہاں پھر اس کے بیان میں عبارات مختلف ہیں۔	۴۴۸
حق حصول اشیاء باشباحہا ہے نہ بانفسہا۔	۴۴۰	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق کہ بصورت صدا پہاڑ وغیرہ سے ٹکرا کر ہواہی دوسری اس کیفیت سے متکیف ہو کر آتی ہے نہ کہ ہوائے اول۔	۴۵۰
ہمارے ائمہ سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عقیدہ صادقہ میں یہ چاروں نحو قرآن عظیم کے حقیقی مواطن وجود و تحقیقی مجال شہود ہیں۔	۴۴۰	پہلی دلیل (اولًا)	۴۵۱
تعریف قرآن مجید اور اس کے مناقب۔	۴۴۰	دوسری دلیل (ثانیًا)	۴۵۱
صورت جبرائیل۔	۴۴۱	اثر قرع دو ۲ ہیں: (۱) تحرک (۲) تشکل۔ جو صدمہ تحرک کو روک دے وہ تشکل کو بھی نہیں رہنے دیتا۔	۴۵۱
کلام اللہ واحد لاتعدد لہ بحال۔	۴۴۳	ایک اعتراض اور اس کا جواب۔	۴۵۲
جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن مرقوم ہے اسی طرح جو فونو میں بھرا گیا اور اب اس سے ادا ہوتا ہے بالکل وہ قرآن ہے نہ کہ غیر قرآن۔	۴۴۳	وجوب سجدہ تلاوت سماع اول پر ہے نہ کہ سماع معاد پر۔	۴۵۲
فونو سے آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت واجب کیوں نہیں ہوتا۔	۴۴۶	سماع صدا سماع معاد ہے۔	۴۵۲
طوطی ومینا کو آیت سجدہ سکھادی جائے تو اس کے سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔	۴۴۶	فونو کی تو وضع ہی اعادہ سماع کے لئے ہے۔	۴۵۲
مجنون کی تلاوت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔	۴۴۶	مقدمہ جلیلہ ممہدہ کے بعد تنقیح اصل مسئلہ۔	۴۵۲
سوتے میں کسی نے آیت سجدہ پڑھی تو کیا سجدہ تلاوت کا وجوب ہوگا۔	۴۴۶	مسئلہ کی صور عدیدہ ووجوہ شتی کا بیان۔	۴۵۲
صدا کس کو کہتے ہیں۔	۴۴۸	وجہ اول	۴۵۲
صدا سے سنائی دینے والی آواز پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔	۴۴۸	اگر فونو کی پلیٹیں نجس مسالا کی بنی ہوئی ہیں تو اس میں قرآن مجید کا بھرنا حرام قطعی اور سخت گناہ ہے اور اس پر مطلع ہونے کے باوجود اس میں قرآن بھروانے والے، سنانے والے اور اس پر راضی ہونے والے سب گنہگار ہوں گے۔	۴۵۲
صدا میں ہوا اسی تموج اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ کی ٹھیس سے وہ تموج زائل ہو کر تموج تازہ اس کیفیت سے متکیف ہم تک آتا ہے۔	۴۴۸		

اسپرٹ قطعًا شراب ہے اور حرام ہونے کے ساتھ پیشاب کی طرح نجس بھی ہے۔	۴۵۳	جس مجلس لہوولغو میں کھیل تماشے کے طور پر قرآن مجید سنا جارہا ہو وہاں اگر کوئی شخص تذکر و تفکر کے طور پر بھی سُنے تو گناہ سے بری نہ ہوگا۔	۴۵۷
نجس کاغذ پر قرآن مجید لکھنا حرام وگناہ ہے۔	۴۵۳	مجلس لہو ولعب میں شریک ہونا ناجائز ہے اس پر آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔	۴۵۷
نجاست کی جگہ قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔	۴۵۳	وجہ چہارم	۴۵۸
حمام میں تلاوت قرآن مکروہ ہے۔	۴۵۳	صلحاء نے خاص جلسہ کرکے فونو سے کسی اچھے قاری کی آواز میں بطور تذکر و تفکر قرآن مجید سنا اور سنانے والا بھی صالح ہے تو اس میں دو ۲ نظریں ہیں۔	۴۵۸
غسل میت سے قبل اس کے پاس تلاوت قرآن کا حکم شرعی۔	۴۵۳	نظر اولٰی	۴۵۸
وجہ دوم	۴۵۵	کوئی فی نفسہٖ جائز کام کفار سے سیکھنے میں حرج نہیں اگرچہ ان ہی کی ایجاد ہو۔	۴۵۸
فقہیات میں ظن یقین کے ساتھ ملتحق ہوتا ہے خصوصًا احتیاط فی الدین کے معاملہ میں۔	۴۵۵	فونو بذات خود معازف ومزامیر سے نہیں۔	۴۵۸
محرمات میں شبہ ملتحق بہ یقین ہے۔	۴۵۵	فونو ایک آلہ مطلقہ ہے جس کی نسبت ہر گونہ آواز کی طرف ایسی ہی ہے جیسے اوزانِ عروضیہ کی کلام کی طرف بلکہ حروف ہجاء کے معنی کی طرف۔	۴۵۸
فونو کا عام طور پر بجانا، سننا، سنانا سب کھیل تماشے کے طور پر ہوتا ہے اور قرآن عظیم کھیل تماشے کے لئے نہیں اُترا۔	۴۵۵	حروف ہجاء من حیث ھی حروف الہجاء علوم رسمیہ میں کسی خاص معنی کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ وہ آلہ تادیہ معانی مختلفہ ہیں ان سے اچھے برے جیسے معانی چاہیں ادا کرسکتے ہیں۔	۴۵۸
قرآن مجید کو کھیل تماشے کے طور پر سننے والوں اور دین کو کھیل تماشا بنانے والوں کے لئے وعید شدید۔	۴۵۵	فونو اس حیثیت سے کہ وہ ایک آلہ مطلقہ ہے اس کو حسن یا قبح سے موصوف نہیں کرسکتے بلکہ وہ حسن وقبح، مدح وذم، منع واباحت اور ثواب وعقاب میں اس چیز کے تابع ہے جو اس سے ادا کی جاتی ہے۔	۴۵۸
وجہ سوم	۴۵۷		

تلوار بہت اچھی بھی ہے اور سخت بری بھی۔	۴۵۸	اللہ تعالٰی کے بتانے سے اصالۃً غیب کا جاننا نبوت کی شان ہے۔	۴۶۶
شعر اچھا بھی ہے اور برا بھی۔	۴۵۹	حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا نعتیہ قصیدہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا جس میں تاقیامت علوم غیبیہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثابت مانا۔	۴۶۶
نظر دقیق	۴۶۱	بالجملہ خلاصہ حکم، یہاں تین چیزیں ہیں: ممنوعات، معظمات، مباحات	۴۶۷
شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ جس چیز سے حرام کو مدد پہنچے اس کو بھی حرام فرمادیتی ہے۔	۴۶۱	اول یعنی ممنوعات کا حکم۔	۴۶۷
جو چیز بنانا ناجائز ہو اس کو خریدنا اور استعمال میں لانا بھی ممنوع ہے۔	۴۶۱	دوم یعنی معظمات کا حکم۔	۴۶۷
خواجہ سراؤں کا خریدنا اور ان سے کام خدمت لینا شرعًا منع ہے۔	۴۶۱	سوم یعنی مباحات کا حکم۔	۴۶۸
بیل اور بکرے کو خصّی کرنا جائز نیز گھوڑی سے خچر لینا بھی جائز ہے۔	۴۶۲	٥رسالہ **الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ**۔ (روافض کی اذان اہلسنت وجماعت کو سننا کیسا ہے)	
جن کو بھیک مانگنا حرام ہے ان کو بھیک دینا بھی گناہ ہے۔	۴۶۳	اہل تشیع نے جو اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کلمہ "خلیفۃ رسول اللہ بلافصل" کہنا اختیار کیا ہے اہلسنت وجماعت کے لئے یہ کلمہ مبغوضہ سننا تبرّا ہے۔	۴۷۲
جس چیز کو بنانا ناجائز اس کو خریدنا اور استعمال میں لانا بھی ناجائز ہے، اور جس چیز کو خریدنا اور کام میں لانا منع نہ ہوگا اس کو بنانا بھی ناجائز نہ ہوگا۔	۴۶۴	تبرا کے معنی اظہارِ برات وبیزاری ہیں۔	۴۷۲
ایک خیال باطل کا دفعیہ	۴۶۴	"علی خلیفۃ رسول اللہ بلافصل" کہنے میں بالتصریح خلافتِ راشدہ حضرات خلفاء ثلٰثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی نفی ہے۔	۴۷۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کی کمسن بچیوں کو یہ کہنے سے کیوں منع فرمایا "وفینا نبیّ یعلم مافی غد"	۴۶۵	روافض کے زعم باطل میں استحقاق خلافت حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی میں منحصر تھا، اور خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے حضرت علی المرتضٰی کا یہ حق چھین لیا تھا۔	۴۷۲

روافض نے گویا حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو عیاذًا باللہ سخت نامرد، بزدل، تارک حق اور مطیع باطل بتایا۔	۴۷۲	ہاں اب داد انصاف طلب ہے۔	۴۷۹
دوستی بے خرداں دشمنی است۔	۴۷۲	**ضمیمہ آداب**	
حضرات خلفاء ثلٰثہ کی ثناء ومدحت اور ادب وعقیدت اہلسنت کے اصول مذہب میں داخل ہے۔	۴۷۳	فال کھولنا کبھی کفر اور کبھی معصیت ہوتا ہے۔	۱۰۰
اذان میں "خلیفہ بلافصل" کا اضافہ خود رافضیوں کے مذہب کے خلاف ہے۔	۴۷۳	موضع نجاسات میں ذکر لسان ناجائز ہے۔	۱۶۹
مصنف علیہ الرحمہ نے روافض کی اپنی کتابوں سے تین امور پر سندیں نقل فرمائی ہیں: (۱) روافض کی حدیث وفقہ کی رو سے اذان ایک محدود عبارت اور معدود کلمات کا نام ہے جن میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔	۴۷۳	وقت پھیلنے وباء وبلیّات وآندھی وطوفان شدید وغیرہ کے اذان کہنا شرعًا جائز ہے۔	۱۷۴
(۲) ان کے نزدیک بھی اذان منقول میں اور عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ ہے اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔	۴۷۳	نجاست کی جگہ قرآن مجید پڑھنا منع ہے۔	۴۵۳
(۳) ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجد ایک ملعون قوم ہے جنہیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں۔	۴۷۳	حمام میں تلاوت قرآن مکروہ ہے۔	۴۵۳
سند امر اول	۴۷۴	غسل میت سے قبل اس کے پاس تلاوتِ قرآن کا حکم شرعی۔	۴۵۳
سند امر دوم	۴۷۶	سودی پیسہ سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز جائز ہے۔	۵۴۲
سند امر سوم	۴۷۶	وظائف واعمال کے اثر کرنے میں تین شرائط ضروری ہیں۔	۵۵۸
تنبیہ لطیف	۴۷۸	مصنف علیہ الرحمہ کے یہاں کی جملہ اجازات ووظائف واعمال وتعویذات میں نماز پابندی سے باجماعت مسجد میں ادا کرنے کی شرط ہے۔	۵۵۸
کلمہ "خلیفہ بلافصل" کے تبرا ہونے کا ثبوت کتب شیعہ سے۔	۴۷۸	طوائف نے حرام کمائی سے مکان خرید کر اس کی آمدنی مسجد کے نام لگادی، کیا اس کو مسجد کے اخراجات میں صرف کرنا جائز ہے۔	۵۸۱

دوران عدّت نکاح ہوا، گواہوں کو جو روپے ملے وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں، لگائے جائیں یا نہیں۔	۵۸۳	جو مباح بنیت محمودہ کیا جائے وہ شرعًا محمود ہو جاتا ہے۔	۶۸۳
طوائف کے کسب سے خرید کردہ جائداد کی آمدنی کو مصارف مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے۔	۵۸۹	مسّی لگانی عورت کو مباح ہے، اگر شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے لگائے تو مستحب ہے۔	۶۸۳
قرآن مجید کا احترام نہ کرنے والے معلم سے پڑھنا حرام۔	۶۸۸	جو دلالۃ النص سے ثابت ہو وہ اسی طرح ہے جیسے نص سے ثابت ہو۔	۶۸۳
معلم اپنے احباب کے ساتھ تخت پر بیٹھتا ہے اور شاگرد قرآن مجید لے کر نیچے، تو یہ سب گستاخ ہیں۔	۷۰۹	بیوہ کو دوران عدت کوئی گہنا اور کسی طرح کا سنگار جائز نہیں۔	۶۸۳
زینت **(کنگھی، سرمہ، مسی، مسواک، خضاب، مہندی، سنگار وغیرہ)**		بعد ختم عدت اگر بیوہ نتھ وغیرہ نہ پہنے تو حرج نہیں مگر اس کو ناجائز سمجھنا ممنوع ہے۔	۶۸۳
عورتوں کے ناک چھیدنے اور نتھنی پہننے کے بارے میں پانچ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۶۸۱	سیاہ خضاب ہر طرح کا سوائے مجاہدین کے سب کو مطلقًا حرام ہے۔	۶۸۴
نتھ یا بلاق کے لئے عورتوں کو ناک چھیدنا جائز ہے۔	۶۸۲	صرف مہندی کا سرخ خضاب سنت مستحبہ ہے۔	۶۸۴
کان کے گہنوں کے لئے عورتوں کا کان چھیدنا جائز ہے۔	۶۸۲	حدیث اور عبارات فقہائے سے مسئلہ کی تائید۔	۶۸۴
کان چھیدنا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعارف ومشہور تھا۔	۶۸۲	روزانہ کنگھی کی ممانعت سے متعلق احادیث کریمہ اور ان کا مطلب۔	۶۸۵
عورتوں کے لئے ناک اور کان چھیدنے کا جواز دلالۃ النص سے ثابت ہے۔	۶۸۲	بنیت صالحہ دن میں کئی بار کنگھی کرنے میں کوئی ممانعت وکراہت نہیں۔	۶۸۶
ناک چھیدنا عورتوں کے لئے امر مباح ہے، فرض وواجب وسنت اصلًا نہیں۔	۶۸۳	حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اکثر دن میں دوبار سر کے بالوں میں تیل ڈالتے تھے۔	۶۸۶

Majlis of Dawateislami

مرد کو تنہا مہندی سے داڑھی میں خضاب کرنا یااس میں کتم کی پتیاں ملانا جائز ہے۔	۴۸۸	اللہ تعالٰی کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والی عورت پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۴۹۳
سیاہ خضاب وسمے کا ہو یا کسی اور چیز کا، مطلقاً حرام ہے، مگر مجاہدین کو جائز ہے۔	۴۸۸	جنگ دھوکا ہے۔(حدیث)	۴۹۴
احادیث کے حوالہ جات	۴۸۸	٥رسالہ **حك العيب فی حرمة تسويد الشيب**۔ (سیاہ خضاب کی حرمت کاسولہ حدیثوں اوراقوال ائمہ سے ثبوت)	
مسّی کسی رنگ کی ہو عورتوں کو علاج دنداں یا شوہر کے واسطے آرائش کے لئے جائز ہے۔	۴۸۹	صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوامطلقاً حرام ہے۔	۴۹۶
حالت روزہ میں مسّی لگانا منع ہے۔	۴۸۹	حدیث اول	۴۹۶
مردیاعورت کو سر میں گھی ڈالنا، پھوڑے پھنسی پر استعمال کرنا جائز ہے۔	۴۸۹	حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سیاہ خضاب سے منع کردیاگیا۔	۴۹۶
مہندی میں نیل ملاکر لگانا مرد کو کس صورت میں جائز اور کس صورت میں ناجائز ہے۔	۴۹۰	حدیث دوم	۴۹۶
ہاتھ پاؤں میں مہندی کی رنگت مرد کے لئے حرام ہے، داڑھی اور سر میں مستحب۔	۴۹۰	پیری کی سفیدی کو سیاہ رنگ کے علاوہ کسی رنگ سے بدلنے کی اجازت۔	۴۹۶
سیاہ خضاب حرام ہے۔	۴۹۱	حدیث سوم	۴۹۶
سیاہ خضاب کی ممانعت پراحادیث کریمہ۔	۴۹۱	سرکاردوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آنے والی قوم کی خبر دی۔	۴۹۶
سیاہ مقول بالتشکیک ہے۔	۴۹۲	سیاہ خضاب لگانے والوں کے لئے وعیدِ شدید۔	۴۹۶
سیاہ خضاب کو کبوتر کے پوٹے سے حدیث میں کیوں تشبیہ دی گئی۔	۴۹۲	حدیث چہارم	۴۹۷
جو سیاہ خضاب لگائے وہ جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔	۴۹۲	اللہ تعالٰی قیامت کے روز سیاہ خضاب کرنے والوں کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا۔	۴۹۷
تحریم سواد سے صرف مباشرانِ جہاد کا استثناء ہے۔	۴۹۲	حدیث پنجم	۴۹۷
زوجہ جواں کے لئے سیاہ خضاب کاجواز ایک روایت مرجوحہ میں آیاہے۔	۴۹۲	اللہ تعالٰی بوڑھے کوّے کو دشمن رکھتا ہے۔	۴۹۷
مرجوح پرفتوی کاحکم جہل وخرق اجماع ہے۔	۴۹۲		

حدیث ششم	۴۹۷	حدیث دوازدہم تا پانزدہم	۴۹۹
زرد خضاب مومن کا، سرخ خضاب مسلمان کا اور سیاہ خضاب کافر کا ہے۔	۴۹۷	ادھیڑ عمر والوں میں سے جوانی جیسی صورت بنانے والا بدترین ہے۔	۴۹۹
حدیث ہفتم	۴۹۸	سیاہ خضاب منہی عنہ ہے۔	۵۰۰
سپیدی نور ہے جس نے اس کو چھپایا اس نے نور کو زائل کیا۔	۴۹۸	حدیث شانزدہم	۵۰۰
سفید بال اکھاڑنا منع ہے۔	۴۹۸	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔	۵۰۰
حدیث ہشتم	۴۹۸	عامہ مشائخ کرام وجمہور ائمہ اعلام کے نزدیک سیاہ خضاب منع ہے۔	۵۰۰
جسے اسلام میں سپیدی آئے وہ اس کے لئے نور ہے جب تک اسے بدل نہ ڈالے۔	۴۹۸	علماء جب کراہت مطلق بولتے ہیں اس سے مراد کراہت تحریم لیتے ہیں۔	۵۰۱
حدیث نہم	۴۹۸	کراہت تحریم کا مرتکب گنہگار اور مستحق عذاب ہوتا ہے۔	۵۰۱
سب سے پہلے بالوں کو مہندی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لگائی۔	۴۹۸	سیاہ خضاب کا حرام ہونا غیر غازی کے حق میں ہے۔	۵۰۱
سب سے پہلے خضاب سیاہ فرعون نے لگایا۔	۴۹۸	بالجملہ قول مذکور ہی مختار ومنصور ومذہب جمہور اور ثابت بارشاد حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۵۰۱
مہندی کے مستحب اور خضاب کے حرام ہونے کی وجہ۔	۴۹۹	احادیث وروایات میں مطلق سیاہ رنگ کی ممانعت ہے خواہ نرا نیل ہو یا مہندی کا میل یا کوئی تیل سب ناجائز ہے۔	۵۰۱
حدیث دہم	۴۹۹	سیاہ خضاب میں کس قدر مہندی ملانے سے حرمت جاتی رہتی ہے۔	۵۰۲
سیاہ خضاب کرنے والوں کا چہرہ اللہ تعالٰی قیامت کے روز کالا کرے گا۔	۴۹۹	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کیسا خضاب لگاتے تھے۔	۵۰۲
حدیث یازدہم	۴۹۹	کون سا خضاب جائز ومحمود ہے۔	۵۰۲
داڑھی منڈانے یا سیاہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی حصہ نہیں۔	۴۹۹	کتم کس چیز کا نام ہے اس کے معنی کی تحقیق۔	۵۰۲
داڑھی منڈانا اور اس کو سیاہ کرنا مثلہ ہے۔	۴۹۹		

مصنف کی تحقیق کہ حناوکتم کے خضاب کارنگ سرخ ہوتا ہے۔	۵۰۳	گانے والے کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ کس صورت میں ہبہ اور کس صورت میں رشوت بنتا ہے۔	۵۰۸
وسمہ کا معنی۔	۵۰۴	زر حرام بعینہٖ پر نقد وعقد کا اجتماع ہو تو اس کا لینا کیسا ہے۔	۵۱۰
اصل خضاب حنا کا ہو اور اس میں کچھ پتیاں نیل کی شریک کرلی جائیں کہ سرخی میں ایک گونہ پختگی آجائے تو جائز ہے۔	۵۰۵	مال حرام وحلال اس طرح مل گئے کہ تمیز دشوار ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا۔	۵۱۲
شراب میں کس قدر نمک ملانے سے سرکہ ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت بدل جاتی ہے۔	۵۰۵	اگر اجیر کو کچھ خبر نہیں کہ زر اجرت، مال حرام سے تو فتوی جواز ہے۔	۵۱۵
الحاصل مدار رنگ پر ہے جو کچھ سیاہ رنگ لائے سب حرام ہے۔		اصل حلت ہے۔	۵۱۵
کسب وحصول مال **(خرید وفروخت، اجرت، رشوت، سود، قمار، بیمہ، پیشہ، صنعت، قرض، نذرانہ، ہبہ، میراث، غصب، ذرائع آمدنی، حلال وحرام ومشتبہ سے متعلق مسائل)**	۵۰۷	بادشاہ کے انعام وعطیات کا حکم شرعی۔	۵۱۵
رنڈیوں اور ڈومنیوں کے ہاں مزدوری کرنا اور نصاری کے پاس نوکری کرنا جائز ہے یا ناجائز۔	۵۰۷	ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں۔	۵۱۶
اصل مزدوری فعل جائز پر سب کے ہاں جائز اور فعل ناجائز پر سب کے ہاں ناجائز ہے۔	۵۰۷	اگر معلوم ہو کہ مستاجر کا مال اکثر حرام ہے تو متقی کا کام اس سے بچنا ہے۔	۵۱۷
اس کی تفصیل کہ جائز مزدوری پر زر اجرت، مال حرام سے لینا کیسا ہے وہ اکل حلال ہے یا نہیں۔	۵۰۷	آدمی کو حظوظ نفس کی وسعتیں خراب کرتی ہیں۔	۵۱۷
رنڈی وغیرہ کی ناجائز آمدنی ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کا حکم رکھتی ہے۔	۵۰۷	تصوف کی چاشنی سے لبریز ایک مختصر اور انتہائی مفید مضمون۔	۵۱۷
وہ صورت کہ رنڈی کو ملنے والا مال رشوت قرار پاتا ہے۔	۵۰۸	حدیث مبارک "الحلال بین الخ" کی نفیس تشریح۔	۵۱۸
ایک صورت میں طوائف کی آمدنی مثل موہوب ہوتی ہے۔	۵۰۸	حمٰی کا معنی۔	۵۱۸
رنڈیاں اور ڈومنیاں ایک صورت میں حاصل ہونے والی آمدنی کی مالک ہو جاتی ہیں۔	۵۰۸		

بعض علماء نے درصورت غلبہ حرام عدم جواز کی تصریح فرمائی۔	۵۱۹	ہر ملزوم معصیت معصیت ہوتا ہے۔	۵۲۶
ازالہ شبہہ کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ صاحب مال یاڈوم خود بیان کریں کہ یہ مال ہمارے پاس وجہ حلال سے آیا ہے تو اب اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں۔	۵۲۰	انگریز کی نوکری خصوصًا باجابجانا کیسا ہے اور اس سے حاصل شدہ کمائی کا کیا حکم ہے۔	۵۲۷
جسے اپنے دین کا کامل پاس ہو وہ غلبہ حرام کی صورت میں احتراز ہی کرے۔	۵۲۱	رزق اللہ عزوجل کے ذمہ ہے۔	۵۲۸
کافر کے لئے رہن کا کاغذ تحریر کرنا مسلمان کو رواہے یا نہیں۔	۵۲۳	حلال روزی تلاش کرنا جہاد فی سبیل اللہ ہے۔	۵۲۹
نفس تحریر رہن نامہ میں کوئی حرج نہیں مگر سودی معاملے والا کاغذ نہ لکھے کہ موجب لعنت ہے۔	۵۲۳	طلب الحلال واجب علی کل مسلم۔	۵۳۰
کفار کے میلہ میں بقصد فروخت اسباب تجارتی جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔	۵۲۳	جھوٹے حیلے حوالے اللہ تعالٰی کے حضور کام نہ آئیں گے۔	۵۳۰
ہر مکروہ تحریمی صغیرہ گناہ ہے۔	۵۲۴	حرام کی کمائی پر نذرونیاز کرنے، اس کو کھانے اور اس پر فاتحہ دلانے والے کے بارے میں سوال۔	۵۳۱
ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہوجاتا ہے۔	۵۲۴	ڈاک کی نوکری ڈپٹی پوسٹماسٹری تک جائز ہے۔	۵۳۳
معابدِ کفار میں مسلمان کو جانا جائز نہیں کیونکہ وہ مجمع شیاطین ہیں۔	۵۲۴	ذی علم مسلمان اگر بنیت ردِّ نصارٰی انگریزی پڑھے تو اجر پائے گا۔	۵۳۳
مسئلہ کی تائید میں عبارات علماء۔	۵۲۴	حساب، اقلیدس اور جغرافیہ وغیرہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں۔	۵۳۳
ہندوستان عند التحقیق دارالحرب نہیں ہے۔	۵۲۴	جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے۔	۵۳۳
مسلمان دارالحرب میں کیا کچھ برائے فروخت لیجاسکتا ہے۔	۵۲۴	وہ کتابیں جن میں نصارٰی کے عقائد باطلہ درج ہیں ان کا پڑھنا روا نہیں۔	۵۳۳
کتب فقہ سے حوالہ جات۔	۵۲۵	حالت صحت میں وارث کے ہاتھ کچھ فروخت کرنا یا ہبہ کرنا جائز ہے۔	۵۳۴
مسلمانوں کا کافروں کے محلّہ سے گزر ہو تو شتابی کرتا ہوا گزر جائے۔	۵۲۵	تنہا ایک وارث کو کوئی شیئ بخش دینا اور دوسروں کے ساتھ اس قسم کی رعایت نہ کرنا کب مکروہ وممنوع ہے اور کب نہیں۔	۵۳۴

طالب علم بیٹے کو دوسری اولاد پر ترجیح دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔	۵۳۴	اصحاب الرقیم کا قصہ۔	۵۳۹
کسی شخص نے سود وغیرہ حرام مال چھوڑ کر انتقال کیا تو اس کے بیٹے کے لئے وہ مال حلال ہوگا یا نہیں۔	۵۳۵	جس چیز کا لینا حرام ہو اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔	۵۴۰
وارث کو صرف اتنا معلوم ہے کہ ترکہ میں مال حرام بھی ملا ہے مگر نہ مال متمیز اور نہ ہی مستحق معلوم تو دیانۃً احتراز افضل ہے اور حکم جواز ہے۔	۵۳۵	سود کے روپیہ سے جو کار نیک کیا جائے اس میں استحقاق ثواب نہیں۔	۵۴۱
عرف میں جو کچھ مشہور ہے وہ اس طرح ہے جیسے لفظ سے شرط کردی جائے۔	۵۳۷	حدیث سے تائید۔	۵۴۱
تلاوت قرآن مجید اور ذکر الٰہی پر اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں۔	۵۳۷	سود خوار پر شرعًا فرض ہے جتنا سود جس جس سے ہے اسے یا اس کی اولاد کو واپس کرے، وہ نہ مل سکیں تو اتنا مال تصدق کرے۔	۵۴۱
گناہ پر ثواب کی امید زیادہ سخت واشد ہے۔	۵۳۷	سود خوری سے توبہ کا طریقہ۔	۵۴۲
اجرت پر قرآن وغیرہ پڑھوانے میں جواز کی صورت۔	۵۳۷	سودی روپیہ سے حج کرنا جائز نہیں۔ ہاں فرض حج ذمہ سے ادا ہوجائے گا۔	۵۴۲
عورت کے نکاح کے بدلے میں لئے ہوئے روپے محض رشوت وحرام ہیں، نہ ان کا کھانا جائز اور نہ ہی مسجد میں لگانا جائز بلکہ لازم ہے کہ جس شخص سے لئے ہیں اس کو واپس دیں۔	۵۳۸	قبولت شیئ اور چیز ہے اور سقوط فرض اور چیز۔	۵۴۲
غیر مسلموں کو کرائے پر کرسیاں دینا مسلمان کے لئے جائز ہے۔	۵۳۸	سودی پیسہ سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز جائز ہے۔	۵۴۲
پیشہ وران ذیل کے بارے میں شرع کیا حکم دیتی ہے: (۱) قاطع الشجر (۲) ذابح البقر (۳) دائم الخمر (۴) بائع البشر۔	۵۳۹	سودی پیسہ سے بنائے ہوئے تالاب سے وضو کرنا جائز ہے۔	۵۴۲
عوام میں مشہور ایک غلط حدیث کی نشاندہی۔	۵۳۹	بیع فاسد سے خریدے ہوئے گھر پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار نے اسے فقیروں پر وقف کردیا تو وہ وقف ہوگیا۔	۵۴۲
ہندہ کو بمعاوضہ زنا جو وظیفہ ملتا تھا وہ حرام قطعی، اور تائبہ ہوجانے کے بعد اگر بلامعاوضہ ملتا رہے تو حلال ہے۔	۵۳۹		

ملک کی خباثت وقف کی صحت سے مانع نہیں۔	۵۴۳	اہلسنت کے مذہب میں آدمی کسی گناہ کے باعث اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔	۵۴۶
مال ربا میں بعد قبضہ عدم ملک نہیں رہتا صرف خبثِ ملک ہوتا ہے۔	۵۴۳	حدیث سے تائید۔	۵۴۶
خبث ملک فقیر کو تصدق میں لینے سے مانع نہیں۔	۵۴۴	گھوڑا یا گدھا کہ بے ذبح مرجائے اس کی کھال کہ پکائی نہ گئی ہو بیچنا خریدنا حرام ہے اس کی دباغت کرنا جائز ہے اور اس کا پیشہ مکروہ ہے ایسا کرنے والے کے ہاں کھانے سے احتراز اولیٰ ہے۔	۵۴۷
سود اور رشوت کا مال توبہ سے پاک ہوجاتا ہے یا نہیں۔	۵۴۴	حدیث میں پچھنے لگانے والے کی کمائی کو حرام کیوں کہا گیا۔	۵۴۸
سود خوار اور راشی کے ہاں نوکری کرنا، تنخواہ لینا اور کھانا کھانا جائز ہے جبکہ وہ چیز جو اسے دے اس کا بعینہٖ مال حرام ہونا معلوم نہ ہو۔	۵۴۴	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اجرت بھی دی۔	۵۴۸
شادی کے وقت دولہا والے لڑکی کے استاد کو بخوشی جو کچھ دیں اس کا لینا جائز ہے اور مجبوری سے دیا تو حرام ہے۔	۵۴۵	رنڈی جو مال اس حرام وناپاک ذریعے سے حاصل کرتی ہے اس کی ملک نہیں ہوتا حکمِ غصب رکھتا ہے۔	۵۴۸
زید کا نابینا باپ اپنی خوشی سے حسب عادت بازار میں سامان فروخت کرنے جاتا ہے تو زید پر الزام نہیں، اور اگر زید اسے مجبور کرتا ہے تو ضرور گنہگار ونالائق ہے۔	۵۴۵	اموال ضائعہ کا مصرف۔	۵۴۸
باپ کا مال بیٹے کو اس کی رضا سے قدر رضا تک حلال ہے ورنہ حرام۔	۵۴۶	اموال ضائعہ کو اپنے ماں باپ اور بیٹے بیٹی پر صدقہ کردینا حلال ہے۔	۵۴۸
باپ کا حق بیٹے پر ہمیشہ رہتا ہے یونہی بیٹے کا حق باپ پر۔	۵۴۶	غیر منقسم ہوناصدقہ کو نقصان نہیں دیتا اگرچہ ہبہ کو نقصان دیتا ہے۔	۵۴۸
بیٹا جب جوان ہوجائے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔	۵۴۶	صدقہ واپس نہیں لیا جاتا۔	۵۴۹
ایک مسلمان عورت ہندہ بیس سال ایک انگریز کے ساتھ رہی، اب تائب ہوئی ہے، کیا اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔	۵۴۶	کوئی شخص سودی کاروبار سے اموال کثیرہ جمع کرکے مرگیا، وارثوں کے لئے وہ حلال ہے یا نہیں۔	۵۵۰

مورث کے سود سے حاصل شدہ ترکہ کو وارث کیا کریں۔	۵۵۰	باجا بجانا ناجائز، ہندوؤں کے ہاں بجانا اور سخت ناجائز اور ان کے شیطانی تہوار میں بجانا اور بھی سخت حرام در حرام ہے۔	۵۵۶
جومال کسی ذریعہ حرام سے حاصل کیا اس سے کوئی جائداد خریدی یا تجارت پر لگایا تو اب اس جائداد یا تجارت کی آمدنی اس شخص یا اس کے لواحقین کے میں مباح ہے یا نہیں۔	۵۵۱	ہنود کے تہوار میں باجا بجانے والا اگر باز نہ آئے تو اس کی مسلمان برادری اس سے بائیکاٹ کرے۔	۵۵۶
کسی ذریعہ حرام سے حاصل کردہ مال سے سبکدوشی کا طریقہ۔	۵۵۱	ہندوؤں کے سودی معاملہ کی وثیقہ نویسی کرنے والے کا استفتاء اور مصنف علیہ الرحمہ کا حکیمانہ جواب اور اس پیشہ کو فوراً ترک کرنے کی تلقین اور قضائے حاجات کے لئے اعمال مجربہ کی تعلیم۔	۵۵۶
مال سود اور مال رشوت وغیرہ کے حکم میں فرق۔	۵۵۱	وظائف واعمال کے اثر کرنے میں تین شرائط ضروری ہیں۔	۵۵۸
مسئلہ استبدال یعنی حرام مال کے عوض کوئی دوسری چیز خریدنا۔	۵۵۲	مصنف علیہ الرحمہ کے یہاں کی جملہ اجازات و وظائف واعمال و تعویذات میں نماز پابندی سے باجماعت مسجد میں ادا کرنے کی شرط ہے۔	۵۵۸
زرحرام پر عقد ونقد کے جمع ہونے کی صورت اور اس کا حکم۔	۵۵۲	تاوان کا روپیہ جمع کرنا کیسا ہے۔	۵۵۸
سود یا عقود فاسدہ کے ذریعے جومال حاصل کیا اس سے خریدی ہوئی شیئ میں خباثت نہیں آئے گی۔	۵۵۲	بلاضرورت شرعیہ ومجبوری صادق سودی روپیہ قرض لینا حرام اور شدید گناہ کبیرہ ہے۔	۵۵۹
وکیل نے مؤکل کی اشرفیاں اپنی اشرفیوں میں ملادیں تو وکیل پر ضمان لازم ہے، اور ضمان میں مؤکل کا تصرف جائز ہے۔	۵۵۴	عقد فاسد سے حاصل شدہ روپیہ خبیث ہے اسے واپس دینا اور عقد کو فسخ کرنا واجب ہے۔	۵۵۹
شراب فروشی سے تائب ہونے والا اب اس سے حاصل شدہ مال کا کیا کرے۔	۵۵۴	جو روپیہ عقد فاسد سے حاصل ہو اس کو امور خیر یا اپنے کسی مصرف میں خرچ نہیں کرسکتا۔	۵۵۹
مال حرام کے تصدق میں مساکین کا غیر اصول وفروع ہونا شرط نہیں۔	۵۵۵		

قرض کی ادائیگی ناپاک روپے سے کی تو قرض دہندہ کے لئے وہ روپیہ پاک رہا یانہیں۔	۵۵۹	مشرکوں سے ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔	۵۶۲
ناپاک روپیہ دو قسم پر ہے۔	۵۵۹	مزارات طیّبہ پر جو کچھ بطور ایصال ثواب پیش کیا جاتا ہے اس خدام سے بطور ہدیہ وشراء لینا جائز ہے۔	۵۶۳
چندہ دے کر واپس لیا اس میں ایک روپیہ زائد آگیا اس کو کھالیا ہے اب کیا حکم ہے۔	۵۶۰	چندہ کا روپیہ چندہ دینے والوں کی ملک رہتا ہے۔	۵۶۳
مجلس میلاد مبارک اعظم مندوبات سے ہے جبکہ بروجہ صحیح ہو۔	۵۶۰	جس کام کے لئے چندہ دیا گیا ہے اس میں صرف نہ ہو تو اس کے لئے حکم شرعی کی تفصیل۔	۵۶۳
جو قوالی یہاں رائج ہے ناجائز ہے۔	۵۶۰	وظیفہ مقرر ہونے کے باوجود قاضیوں کا لوگوں سے زبردستی یا گڑگڑا کر کچھ لینا کیسا ہے۔	۵۶۴
وعدہ خلافی پر قرآنی وعید۔	۵۶۰	گورنمنٹ کی طرف سے محکمہ آبکاری میں ملازمت کرنا جائز ہے یانہیں۔	۵۶۵
تائبہ رنڈی کا ناجائز کمائی سے بنوایا ہوا مکان اس کو جائز ہے یاناجائز۔	۵۶۰	شراب بنانا، بنوانا، بیچنا، بکوانا اور ہر طرح کا تعاون حرام ہے اور ایسے کام میں نوکری ناجائز ہے۔	۵۶۵
ناپاک مال کو پاک کرنے کا حیلہ۔	۵۶۱	ایک عورت پر جن آتا ہے جس کو وہ علانیہ دیکھتی ہے اور وہ عورت کو روپے نوٹ وغیرہ دے جاتا ہے وہ عورت ان نوٹوں کا کیا کرے۔	۵۶۶
حق موروثی قابل بیع نہیں، نہ اس پر کچھ لے سکتا ہے۔	۵۶۲	درخت تاڑ سے تاڑی نکال کر فروخت اور اس کی قیمت لینا ممنوع ہے۔	۵۶۷
جس کو قانون نے حق موروثی ٹھہرایا ہے وہ کوئی شرعی حق نہیں۔	۵۶۲	درزی لوگوں کے کپڑے سے تھوڑا سا بچا کر ٹوپیاں بنالیں تو ان کا خریدنا معصیت وحرام ہے۔	۵۶۷
بت پر چڑھاوا چڑھانا کفر ہے۔	۵۶۲	بیاج (سود) کو جائز کرلینے کا حیلہ کرنا مسلمان کی شان نہیں۔ البتہ بیاج سے نجات حاصل کرنے کا حیلہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔	۵۶۸
اولیاء کو ایصال ثواب طریق اسلام ہے۔	۵۶۲	حاکم نے اپنے محکوم سے قرض لیا، اس پر سود دیا، یا اپنے مطالبات سے کچھ چھوڑ دیا تو اس میں کیا حکم ہے۔	۵۶۸
بت کا چڑھاوا پجاری سے مفت یا شراءً ملے تو اس کا لینا کیسا ہے۔	۵۶۲	حرام سے جتنا بچ سکے بچنا لازم ہے۔	۵۶۹

بحالت اکراہ شرعی جس فعل ناجائز کی رخصت دی جاتی ہے رخصت دیں گے۔	۵۶۹	جس چیز سے بعینہٖ اقامت معصیت ہو اس کا بیچنا جائز نہیں جیسے مزامیر۔	۵۷۶
تخویف واقعی کا اعتبار ہے نہ کہ نری دھمکی کا۔	۵۶۹	ایک قوم کھتری سے متعلق استفتاء۔	۵۷۶
امام نے ایک رنڈی کی نماز جنازہ پڑھادی اور ان کا دیا ہوا نذرانہ قبول کیا اس پر کیا حکم ہوگا۔	۵۷۰	درہم کی مقدار۔	۵۷۸
جتنا واجبی خرچہ ہے مدعا علیہ جھوٹے مدعی سے لے سکتا ہے سچے مدعی سے لینا حرام ہے اور مدعی سچا ہو یا جھوٹا مدعا علیہ سے نہیں لے سکتا۔	۵۷۱	سود لینے اور دینے والے کی مذمت حدیث سے۔	۵۷۸
بھنگی مسلمان ہوا مگر پیشہ ترک نہیں کیا اس کے ہاں دعوت پر جاکر کھانا شرعاً کیسا ہے۔	۵۷۱	عورتوں کا بے پردہ پھرنا حرام، اور ان کے شوہر اگر اس پر راضی ہیں تو دیّوث ہیں۔	۵۷۸
پنڈت کو جو اناج پن میں ملتا ہے وہ جمع کرکے بازار کے بھاؤ سے کم پر فروخت کردیتا ہے اس کا خریدنا جائز اور اس پر نیاز شریف بھی مباح ہے۔	۵۷۳	حسد کار شیطان ہے۔	۵۷۹
روپے کا نوٹ پندرہ آنے کو بیچنا خریدنا مطلقاً جائز ہے۔	۵۷۳	جس رسم میں خود کوئی شرعی برائی نہ ہو اس میں قوم کی موافقت کا حکم ہے۔	۵۷۹
افیون کی تجارت اور خرید وفروخت کے بارے میں حکم شرعی۔	۵۷۳	حرام روپیہ کا مصرف اور اس کے پاک ہوجانے کی صورت۔	۵۸۰
رشوت میں حاصل شدہ مال واپس کرنا یا معاف کرانا از قبیل محال ہوگیا ہو تو برات وتوبہ کی کیا صورت ہوگی اور مال کس مصرف میں صرف کیا جائے۔	۵۷۴	طرفین سے شرط لگانا کیسا ہے اور اس میں جو مال جیتا اس کا کھانا کیسا ہے۔	۵۸۰
ایک گاڑی جانور کے بجائے انسان کھینچتا ہے مناسب معاوضہ کے بدلے اس پر سواری جائز ہے۔	۵۷۵	چونگی کی نوکری جائز ہے۔	۵۸۱
حلال گوشت میں حرام ملا ہو تو اس کو خریدنا مطلقاً حرام، اگر متمیز ہو کہ یہ ٹکڑا حلال ہے اور یہ حرام ہے تو صرف حلال کو خریدنا جائز ہے۔	۵۷۶	نوکر کا خلاف قرارداد کرنا غدر ہے اور غدر مطلقاً حرام۔	۵۸۱
بازاری عوت کے ہاتھ قیمتاً چیزیں فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۷۶	کسی قانونی جرم کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو بلاوجہ ذلت وبلا کے لئے پیش کرنا شرعاً جرم ہے۔	۵۸۱

طوائف نے حرام کمائی سے مکان خرید کر اس کی آمدنی مسجد کے نام لگادی کیا اس کو مسجد کے اخراجات میں صرف کرنا جائز ہے۔	۵۸۱	جو نوید یا نیوتا دیا جاتا ہے وہ قرض ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے، اگر رہ گیا تو مطالبہ رہے گا۔	۵۸۶
ایک مکان اہل محلّہ مسجد کی آمدنی کے لئے خریدنا چاہتے ہیں ایک شخص اس میں حارج ہے وہ خود خریدار ہے اس پر کیا حکم ہے اور مالک مکان کیا کرے۔	۵۸۲	بغیر اجازت مالک درخت سے مسواک کاٹنا، مٹی کا ڈھیلا لینا، چھپّر سے تنکا کھینچنا کیسا ہے۔	۵۸۷
ناچنے گانے کا پیشہ ملعون او رحرام قطعی ہے اس کو حلال جاننا کفر ہے، اس سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے۔	۵۸۳	جس کے پاس سودی کے ساتھ جائز آمدنی بھی ہے اس کے ہاں کھانا کیسا ہے۔	۵۸۷
بزرگان طریقت شیطان خصلت نہیں ہوتے۔	۵۸۳	چوری کا مال خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا دونوں حرام ہیں۔	۵۸۷
دوران عدت نکاح ہوا، گواہوں کو جو روپے ملے وہ مسجد میں لگانا چاہتے ہیں، لئے جائیں یا نہیں۔	۵۸۳	مہاجن سے تجارت کے لئے سودی قرضہ لینا اور اس سے تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور اس کا نفع کیسا ہے۔	۵۸۷
کس کس ضرورت سے سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔	۵۸۴	سود کھانے، کھلانے اور تعاون کرنے والوں پر لعنت۔	۵۸۷
عالم صاحب کو کھانا کھلانے اور فاتحہ دلانے کیلئے بلایا واپسی پر کچھ ہدیہ دیا تو یہ لینا دینا کیسا ہے۔	۵۸۴	طوائف کی ناجائز آمدنی اور جائداد کا مصرف کیا ہوسکتا ہے، اس کے لئے وہ کس صورت میں جائز ہوسکتی ہے۔	۵۸۸
ایام موت کی دعوت قبول نہ کی جائے۔	۵۸۵	طوائف کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا یا جائز شیئ کو کرایہ پر دینا جائز ہے مگر اس کے زرحرام سے اجرت یا قیمت میں لینا حرام ہے۔	۵۸۹
قرض حسنہ دے کر مانگنے کی ممانعت نہیں، ہاں مانگنے میں بیجا سختی نہ کرے۔	۵۸۵	طوائف کے کسب سے خرید کردہ جائداد کی آمدنی کو مصارف مسجد ومدرسہ میں خرچ کرنا کیسا ہے۔	۵۸۹
نادار مدیون کو قرض حسنہ کی صورت میں مہلت دینا فرض ہے۔	۵۸۶	چندہ کا اختیار چندہ دہندوں کو ہے جو یہ کہیں کہ ہمارا چندہ مساوی طور پر تمام مساجد میں تقسیم کیا جائے وہ مساوی تقسیم کیا جائے، اور جو یہ کہیں کہ بعض مساجد کو دیا جائے وہ بعض کو دیا جائے۔	۵۹۰

طوائفیں کہتی ہیں کہ ہم نے کسب کے دام بدل کر مٹھائی خریدی ہے تواس پر فاتحہ وغیرہ سب جائز ہے۔	۵۹۰	غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلاعذر ملے تو حلال ہے۔	۵۹۵
عشرہ محرم میں تخت بنانا بے معنی اور فضول بات ہے، اس کے لئے چندہ لینادینا ناجائز ہے۔	۵۹۱	سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مشرکین قریش کے ساتھ شرط لگائی اور جیتی۔	۵۹۵
کافر اصلی کی نوکری جس میں کوئی غیر شرعی کام نہ کرنا پڑے جائز ہے۔	۵۹۱	جیلوں میں قیدیوں سے جواشیاء تیار کرائی جاتی ہیں ان کا خریدنا اور استعمال کرنا کیسا ہے۔	۵۹۶
دنیوی معاملہ پر کافر اصلی سے بات چیت کرنا اور کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا منع نہیں، نہ ہی اس سے کفر و فسق لازم آتا ہے۔	۵۹۱	رشوت کی تعریف اور اس کا حکم۔	۵۹۷
مرتد کی نوکری، اس سے بات چیت اور اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا منع ہے۔	۵۹۱	تسبیح لکڑی کی ہو یا پتھر کی، جائز ہے مگر بیش قیمت ہونا مکروہ اور سونے چاندی کی حرام ہے۔	۵۹۷
کافر کے عقیدہ کفر پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہوجائے گا۔	۵۹۲	خطبہ جمعہ کے وقت سلام وکلام مطلقًا حرام ہے۔	۵۹۷
بغیر ثبوت وجہ کفر کے مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے بلکہ یہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آتا ہے۔	۵۹۲	کافروں کی فوج میں نوکری جائز ہے یا نہیں۔	۵۹۷
زنا کی کمائی مثل مغصوب حرام ہے، فرض ہے کہ تمام فقراء پر تصدق کردے تب ہی اس کی توبہ مکمل ہوگی۔	۵۹۲	ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے اشد ہے۔	۵۹۷
مسئلہ کی تائید میں حوالہ جات۔	۵۹۲	حدیث سے تائید۔	۵۹۷
مال حرام سے بچنے اور اس سے سبکدوش ہونے کا طریقہ۔	۵۹۲	قادیانی مرتد ہیں ان کے ساتھ خرید وفروخت اور بات چیت کی اجازت نہیں۔	۵۹۸
جان کے بیمہ کی صورت۔	۵۹۴	حج کو جانے کے لئے مسلمان کمپنی کے ہوتے ہوئے انگریز کمپنی جو کہ سودی معاملہ کرتی ہے کہ ذریعے سفر کرنا کیسا ہے اس سے متعلق چھ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۵۹۸
جس کمپنی سے بیمہ کا معاملہ کیا گیا ہے اگر اس میں کوئی مسلمان شریک ہے تو یہ حرام قطعی ہے۔	۵۹۵	افیون کی تجارت دوا کے لئے جائز اور افیونی کے ہاتھ بیچنا ناجائز ہے۔	۶۰۱
بیمہ قمار یعنی جوا ہے۔	۵۹۵		

زندگی کا بیمہ جائز ہے یا نہیں۔	۶۰۱	تانبے اور پیتل وغیرہ کے زیور فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵
بیمہ زندگی کی صورت	۶۰۱	ذرائع کسب میں اساءت کی مثالیں۔	۶۰۵
بیمہ زندگی کا حکم شرعی۔	۶۰۱	اسائت کا حاصل مکروہ تنزیہی سے بڑھ کر ہے اور مکروہ تحریمی سے کمتر ہے۔	۶۰۵
○ رسالہ **خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال**۔ (روپیہ کمانا کب فرض، کب مستحب، کب مکروہ، کب حرام، اور سوال کرنا کب جائز اور کب ناجائز ہے)	۶۰۳	جانب فعل میں ہر مرتبہ طلب کے مقابل جانب ترک میں ایک مرتبہ نہی ضرور ہے۔	۶۰۶
کسب کے لئے ایک مبدا ہے یعنی وہ ذریعہ جس سے مال حاصل کیا جائے اور ایک غایت ہے یعنی وہ غرض کہ تحصیل مال سے مقصود ہو۔	۶۰۳	فرض کے مقابل حرام، واجب کے مقابل مکروہ تحریمی، مندوب کے مقابل مکروہ تنزیہی اور سنت کے مقابل اساءت ہے۔	۶۰۶
کسب کے مبدا وغایت دونوں میں احکام نہ گانہ جاری، اور دونوں کے اعتبار سے کسب پر احکام مختلفہ طاری ہیں۔	۶۰۳	سنت کا رتبہ مندوب سے برتر اور واجب سے کمتر ہے۔	۶۰۶
نفس کسب بے لحاظ مبادی وغایات کوئی حکم خاص نہیں رکھتا۔	۶۰۴	ظہر، مغرب اور عشاء کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے بیع وشراء کا حکم شرعی۔	۶۰۷
ذرائع کسب میں حرام کی مثالیں۔	۶۰۴	طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے خرید وفروخت کیسی ہے۔	۶۰۷
اذان جمعہ کے وقت تجارت مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۴	ذرائع کسب میں مکروہ تنزیہی کی مثالیں۔	۶۰۷
کب مکروہ تحریمہ پر حرمت کا اطلاق صحیح ہے۔	۶۰۴	ذرائع کسب میں مباح کی مثالیں۔	۶۰۸
دوسرے کے سودے پر سودا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵	ذرائع کسب میں مستحب کی مثالیں۔	۶۰۸
بیع من یزید جائز ہے۔	۶۰۵	خدمت اولیاء وعلماء کی نوکری مستحب ہے۔	۶۰۸
تلقی جلب اور شہری کا دیہاتی کے لئے بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵	گھاٹ، چونگی یا بندوبست کی نوکری کب مستحب ہے۔	۶۰۸
نیچری وضع کے جوتے یا کپڑے سینا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵	ذرائع کسب میں سنت کی مثالیں۔	۶۰۸

ہدیہ احباب قبول کرنا اور عوض دینا سنت ہے۔	۶۰۸	کس قدر کھانا پینا اور لباس واجب ہے۔	۶۱۱
افضل واعلیٰ کسب مسنون سلطان اسلام کے زیر نشان جہاد شرعی ہے۔	۶۰۹	غایات کسب میں سنت کی مثالیں۔	۶۱۲
جہاد کی فضیلت واہمیت	۶۰۹	غایات کسب میں مستحب کی مثالیں۔	۶۱۲
انواع کسب میں بہترین جہاد، پھر تجارت، پھر کاشتکاری، پھر صنعت ہے۔	۶۱۰	غایات کسب میں مباح کی مثالیں۔	۶۱۳
ذرائع کسب میں واجب وفرض کی مثالیں۔	۶۱۰	غایات کسب میں مکروہ تنزیہی کی مثالیں۔	۶۱۳
عطیہ والدین قبول کرنا کب واجب اور کب فرض ہے۔	۶۱۰	غایات کسب میں اسائت کی مثالیں۔	۶۱۳
عہدہ قضاء قبول کرنا کب فرض، کب مکروہ اور کب حرام ہے۔	۶۱۰	غایات کسب میں مکروہ تحریمی کی مثالیں۔	۶۱۴
غایات کسب میں فرض کی مثالیں۔	۶۱۰	غایات کسب میں حرام کی مثالیں۔	۶۱۶
کس قدر خورد ونوش اور لباس فرض ہے۔	۶۱۰	احکام کسب	۶۱۶
کفایت اہل وعیال اور ادائے دیون ونفقات مفروضہ فرض ہے۔	۶۱۱	فرض وواجب میں طلب جازم اور سنت ومستحب میں غیر جازم ہے۔	۶۱۷
فرض سے بری الذمہ ہونا فرض ہے۔	۶۱۱	مکروہ تنزیہی سے نہی ارشادی اور مکروہ تحریمی وحرام سے حتمی ہے۔	۶۱۷
مقدمہ فرض بھی فرض ہوتا ہے۔	۶۱۱	مباح نہی وطلب دونوں سے خالی ہے۔	۶۱۷
زوجہ کا کفن دفن شوہر پر فرض ہے۔	۶۱۱	سبب وغرض دونوں اقسام تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہوں تو کسب پر بھی وہی حکم ہوگا اور اگر مختلف اقسام سے ہوں تو پھر تین صورتیں ہیں۔	۶۱۷
عزیز واقارب کا کفن دفن کب فرض ہے۔	۶۱۱	حرام کا ترک فرض اور فرض کا ترک حرام ہے۔	۶۱۸
ہر مسلمان کا کفن دفن مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے۔	۶۱۱	بعض فرض بعض دیگر سے اعظم وآکد ہوتے ہیں اور بعض حرام، بعض دیگر سے اشنع واشد ہوتے ہیں۔	۶۱۸
اور جب ایک شخص میں منحصر ہوجائے تو فرض عین ہوجاتا ہے۔	۶۱۱	شرع میں مامورات کی بنسبت منہیات کا اعتناء شدید تر ہے۔	۶۱۸
غایات کسب میں واجب کی مثالیں۔	۶۱۱	جب طلب ونہی میں سب وجوہ سے تساوی قوت ثابت ہو تو حکم کسب میں جانب نہی کو ترجیح ہوگی اور اگر دونوں کی قوت کم وبیش ہو تو اقوی کا اتباع ہوگا۔	۶۱۸

خوک وخمر کی حرمت مال غیر بے اذن غیر لینے کی حرمت سے زائد ہے اور سد رمق ودفع جوع قاتل وعطش مہلک کی فرضیت ان سب سے اقوی ہے لہذا حالت مخمصہ میں ان اشیاء کا تناول اسی قدر جس سے ہلاکت دفع ہو لازم ہوا۔	۶۱۹	مزدور اوقات مزدوری میں نفلی نماز ادانہ کرے۔	۱۷۵
اگر مضطر کچھ نہیں پاتا مگر یہ کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کر کھائے توحلال نہیں اگرچہ اس شخص نے اجازت بھی دی ہو کہ حرمت انسان اس فرض یعنی دفع ہلاک سے اقوی ہے۔	۶۱۹	مغنیات کی بیع وشراء ممنوع ہے۔	۲۹۳
احکام کسب سے متعلق تحقیق جمیل وضبط جلیل پر مشتمل تقریر منیر مصنف علیہ الرحمۃ کی اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی۔	۶۱۹	علماء اور نعت خوانوں کی نقدی وغیرہ میں جو خدمت کی جاتی ہے اس کی تین صورتیں ہیں۔	۳۸۰
مسئلہ سوال کے حکم کی وضاحت	۶۱۹	اردو اخبارات ردّی میں فروخت کردینا کیسا ہے۔	۴۰۰
غرض ضروری نہ ہو یا ضروری ہو مگر بغیر سوال کے کسی طریقہ حلال سے دفع ہوسکتی ہے توسوال کرنا حرام ہے۔	۶۱۹	اذان جمعہ کے وقت تجارت مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۴
جسے سوال کرنا حرام ہو اس کو دینا بھی ناجائز کہ یہ کسب حرام کا مؤید ہوتا ہے۔	۶۲۰	دوسرے کے سودے پر سودا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵
سوال حلال ہونے کی صورتیں۔	۶۲۰	بیع من یزید جائز ہے۔	۶۰۵
ضمیمہ کسب وحصول مال		تلقی جلب اور شہری کا دیہاتی کے لئے بیع کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵
کیسی عورت سے معمولی خدمت لینا جائز ہے۔	۹۵	نیچری وضع کے جوتے یا کپڑے سینا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵
تھیڑ کا روپیہ کہ تماشہ کی اجرت ہے قطعی حرام ہے۔	۱۰۶	تانبے اور پیتل وغیرہ کے زیور فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔	۶۰۵
بزرگان دین کی نذرونیاز کے لئے ہندوؤں کی بنائی ہوئی شیرینی خریدنا کیسا ہے۔	۱۱۵	ظہر، مغرب اور عشاء کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے بیع وشراء کا حکم شرعی۔	۶۰۷

طلوع فجر کے بعد نماز فجر سے پہلے خرید وفروخت کیسی ہے۔	۶۰۷	جو علم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے ترکہ میں چھوڑا وہ محمود ہے ورنہ مذموم وبدیا لغو وفضول یا دنیا کا کام ہے۔	۶۲۷
خدمت اولیاء وعلماء کی نوکری مستحب ہے۔	۶۰۸	عالم ومولوی کہلانے کا مستحق کون ہے۔	۶۲۷
گھاٹ، چونگی یا بندوبست کی نوکری کب مستحب ہے۔	۶۰۸	فلسفی ونجومی عالم کہلانے کے مستحق نہیں۔	۶۲۷
ہدیہ احباب قبول کرنا اور عوض دینا سنت ہے۔	۶۰۸	اگر کوئی شخص علماء شہر کے لئے وصیت کرجائے تو کون سے علماء اس میں داخل اور کون سے خارج ہوں گے۔	۶۲۸
عطیہ والدین قبول کرنا کب واجب اور کب فرض ہے۔	۶۱۰	مصداق فضائل صرف علوم دینیہ ہیں۔	۶۲۸
مجلس خوانی خصوصًا راگ سے پڑھنے کی اُجرت ناجائز وحرام ہے۔	۶۲۴	جو فنون علوم دینیہ کے لئے آلات ووسائل ہیں وہ بھی مورد فضائل ہیں۔	۶۲۸
طاعت وعبادت پر فیس لینا حرام ہے۔	۶۲۴	علم وہ ہے جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترکہ ہے نہ کہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ ہے۔	۶۲۸
شعر خوانی وزمزمہ سنجی کی فیس لینا محض حرام ہے۔	۶۲۵	علم تین ہیں: قرآن، حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کے ہمسر ہو اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول ہے (حدیث)	۶۲۹
علم وتعلیم (عالم، متعلّم، مفتی، واعظ، افتاء، کتابت، تقلید، علوم وفنون، تعلیم گاہ)	۶۲۳	حدیث کی تشریح اشعۃ اللمعات کے حوالے سے۔	۶۳۰
حدیث "طلب العلم فریضة علٰی کل مسلم ومسلمة" میں کون سا علم مراد ہے۔	۶۲۳	خلاصہ حدیث بزبان امام شافعی علیہ الرحمہ۔	۶۳۰
کون سے علوم کا سیکھنا فرض عین ہے۔	۶۲۳	تعلیم وتعلّم فنون عقلیہ جائز ہے یا نہیں۔	۶۳۱
کچھ علوم فرض کفایہ یا واجب یا سنت یا مستحب ہیں۔	۶۲۶	نفس منطق ایک علم آلی ہے اس کے اصل مسائل سیکھنے میں اصلًا حرج شرعی نہیں۔	۶۳۱
فضیلت وترغیب والے علوم کا ضابطہ۔	۶۲۶	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم صرف ونحو، معانی وبیان وغیرہ کے محتاج نہ تھے۔	۶۳۱
علماء وارث انبیاء ہیں۔	۶۲۶	جو کوئی علم منطق سے ناآشنا ہے اس کے علوم ناقابل اعتبار وناقابل اعتماد ہیں۔	۶۳۱

منطق کے مقدمات قواعد اسلامیہ ہیں۔	۶۳۲	شاگرد کے ذمّے استاد کے حقوق کس قدر ہیں، استاد کے احکام کی نافرمانی میں شاگرد کی نسبت کیا حکم ہے، شاگرد نات کا پردہ استاد سے بعد بلوغ ہونا چاہئے یا قبل بلوغ بھی۔	۶۳۷
امام غزالی علیہ الرحمہ نے منطق کا نام معیار العلوم رکھا ہے۔	۶۳۲	استاد کا حق ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم ہے۔	۶۳۸
علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہئے۔	۶۳۲	عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۶۳۸
بہت سے اجزاء حکمت وفلسفہ شریعت مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ اور بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین ہیں۔	۶۳۲	جس سے اس کے استاد کو اذیت پہنچی وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا۔	۶۳۹
علم زیجات وتوقیت کے فوائد اور احکام شرع میں ان کے منافع۔	۶۳۳	تقلید امام دیگر وقت ضرورت صحیحہ چند شرائط کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے۔	۶۴۰
علوم عقلیہ کے تعلیم وتعلم کو مطلقاً ناجائز بتانا اور بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح تلویح جیسی کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔	۶۳۴	امام شافعی علیہ الرحمہ نے نماز فجر مزار امام اعظم پر پڑھی تو ادباً دعائے قنوت نہ پڑھی۔	۶۴۰
کفریات فلاسفہ۔	۶۳۴	زن مفقود کو چار سال کے بعد امام مالک علیہ الرحمۃ جو اجازت نکاح دیتے ہیں اس کا مطلب۔	۶۴۱
علوم عقلیہ وفلسفیہ پڑھنے اور پڑھانے والے کے لئے شرائط۔	۶۳۵	آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں۔	۶۴۱
فلسفہ کی کتب کو درس نظامی میں کیوں شامل کیا گیا۔	۶۳۶	حفظ قرآن فرض کفایہ، سنت صحابہ وتابعین اور عمدہ قربات میں سے ہے۔	۶۴۲
منطق بلاشبہ مفید وکارآمد اور اکثر جگہ محتاج الیہ۔	۶۳۶	قاری قرآن کے فضائل۔	۶۴۳
کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی پھر دیکھا کہ اس کا کرنا بہتر ہے تو وہ کام کرلے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔	۶۳۷	قرآن مجید بھول جانے پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔	۶۴۵
		علم دین کس قدر فرض ہے۔ ۶۴۷	

فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہونے والے کی مذمت۔	۶۴۸	حدیث اول	۶۵۴
عالم یاحافظ کو بلاقصور بدنام کرنے والا اور خود کو لوگوں کے سامنے عالم اور نیک ظاہر کرنے والا کیسا ہے۔	۶۴۸	عبدالوہاب متروک ہے۔	۶۵۵
علماء حق کی تحقیر معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی کی توہین ہے۔	۶۴۹	حدیث دوم	۶۵۵
تین شخصوں کے حق کو ہلکانہ جانے گامگر کھلامنافق۔	۶۴۹	حدیث سوم	۶۵۵
بلاوجہ شرعی کسی سنی المذہب کوبرا کہنا یااس کی تحقیر کرنا جائز نہیں۔	۶۴۹	جعفر بن نصر ثقہ راویوں سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔	۶۵۶
مسلمان کی ناحق ایذاخدااور رسول کی ایذا ہے۔	۶۴۹	حفص قاری، حفص بن سلیمان ابوداؤد قرأۃ کے امام ہیں۔	۶۵۶
ہرایک کوبراوہی کہے گاجوخود نہایت برااور بدتر ہوگا۔	۶۴۹	حفص بن غیاث حدیث کے امام، ثقہ، فقیہ اور حدیث کی چھ کتابوں کے روایوں میں سے ہیں۔	۶۵۶
اپنے آپ کو بہتر سمجھنا تکبر ہےاور متکبرین کاٹھکانا جہنم ہے۔	۶۵۰	لیث صدوق ہے، مسلم وسنن اربعہ اور تعلیقات بخاری کے رواۃ میں سے ہے۔	۶۵۶
جس عبارت میں صرف لفظ مکروہ ہو اس سے کیاارادہ لیاجائے گا، تحریم یاتنزیہہ۔	۶۵۰	لیث کی جرح وتعدیل سے متعلق ائمہ حدیث کے مختلف اقوال۔	۶۵۷
جو شخص عالم وحافظ ہو کر اپنے لڑکے کو انگریزی تعلیم دلوائے اور دینی علم سے محروم رکھے اور اپنی لڑکیوں کے نکاح غیر شرع سے کرے حشر کے دن اس سے ضرور بازپرس ہوگی۔	۶۵۱	ابن خراش کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال۔	۶۵۷
بوقت ضرورت بقدرحاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریق اُجرت وعدم اجرت استاد کاشاگرد کوبدنی سزادیناجائز ہے مگر یہ سزالکڑی کے بجائے ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہیں ہونی چاہئے۔	۶۵۲	احمد بن فرات امام، حافظ، ثقہ، فقیہ اور حجت ہے۔	۶۵۸
عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعًا کیسا ہے۔	۶۵۳	محمد بن ابراہیم میں توقف پایاجاتاہے، اس کے بارے میں اقوال ائمہ۔	۶۵۹
عورتوں کولکھائی سکھلانے کی ممانعت سے متعلق احادیث کریمہ۔	۶۵۳		

واضح سبب کے بغیر جرح مقبول نہیں۔	۶۶۰	ایک بد عقیدہ جاہل واعظ کا وعظ سننے سے متعلق استفتاء۔	۶۷۹
محدثین جب کہیں "فلان کذّاب" تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔	۶۶۰	جاہل کا وعظ کہنا حرام اور اس کو سننا بھی حرام ہے۔	۶۸۰
محمد بن ابراہیم کے فضائل	۶۶۱	الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول اللہ کہنا باجماع مسلمین جائز و مستحب ہے، اس پر دلائل۔	۶۸۰
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تمام علوم کسی شخصیت میں جمع نہیں ہوسکتے۔	۶۶۲	تقویت الایمان سخت بد دینی وضلالت کی کتاب ہے۔	۶۸۰
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور دیگر ائمہ حدیث واقدی کے مخالف کیوں ہوئے۔	۶۶۳	کس طرح سے استنجا کرنا روزہ کو توڑ دیتا ہے۔	۶۸۰
عقیل ثقہ، حافظ اور حجت ہے۔	۶۶۴	عالم دین سنّی المذہب جو اپنے شہر کے اہل علم میں اعلم ہو وہ ضرور ان کا حاکم شرعی ہے۔	۶۸۱
ابن مریم ثقہ، ثبت اور فقیہ ہے۔	۶۶۴	نہی عن المنکر اپنی شرائط کے ساتھ ضرور فرض ہے مگر وہ زجر و توبیخ میں منحصر نہیں۔	۶۸۱
نافع بن یزید ثقہ اور عابد ہے۔	۶۶۴	دعوت کھانی فی نفسہٖ حلال ہے جب تک معلوم و متحقق نہ ہو کہ جو کھانا ہمارے سامنے آیا ہے بعینہٖ حرام ہے۔	۶۸۱
معرفت تامہ اور ورع تام کے بغیر اسماء الرجال میں کلام کرنا جائز نہیں۔	۶۶۴	عوام کو علمائے دین کی شان میں حسن ظن و حسن عقیدت لازم ہے۔	۶۸۱
حدیث ضعیف پر مقام احتیاط میں عمل کیا جاتا ہے۔	۶۶۹	وہابیوں کے پاس اپنے بچوں کو پڑھانا حرام ہے۔	۶۸۲
ابراہیم بن مہدی مصیصی کیسا راوی ہے۔	۶۷۱	غیر مقلدوں سے مسئلہ دریافت کرنا حماقت ہے۔	۶۸۲
بارہا اختلاف زمانہ سے حکم بدل جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں۔	۶۷۵	سخن پروری یعنی دانستہ باطل پر اصرار ومکابرہ ایک کبیرہ، عبارات علماء میں کچھ الفاظ اپنی طرف سے الحاق کرکے ان پر افتراء دوسرا کبیرہ، علماء کو اساتذہ کو دھوکا دینا تیسرا کبیرہ ہے۔	۶۸۲
قرآن شریف کا ترجمہ اس طرح پر کرنا نیچے ترجمہ میں محذوفات اور مطالب وغیرہ خطوط ہلالی بنا کر لکھ دیے جائیں، جائز ہے یا ناجائز	۶۷۸،		

مسئلہ کی تائید قرآنی آیات سے۔	۶۸۲	جو خود صحیح خواں نہ ہو اس کو جائز نہیں کہ اوروں کو پڑھائے۔	۶۸۸
سند علم کوئی چیز نہیں، علم ہونا چاہئے، اور علم الفتوی پڑھنے سے نہیں آتا۔	۶۸۳	قرآن مجید کا احترام نہ کرنے والے معلم سے پڑھنا حرام۔	۶۸۸
جو علم سے عاری ہو اس کے فتوی پر عمل جائز نہیں۔	۶۸۳	جمعہ وعیدین کے خطبہ میں ساتھ ساتھ ترجمہ پڑھنا خلاف سنت ہے۔	۶۸۸
بغیر علم کے فتوی دینے والے کی مذمت میں احادیث کریمہ۔	۶۸۴	عالم پر زبانی بیان حکم فرض ہے لکھ کر دینا ضروری نہیں۔	۶۸۹
علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم وتعلم اور اس کی اعانت سے متعلق چار سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۶۸۴	لڑکیوں کا غیر مردوں کے سامنے خوش الحانی سے نظم پڑھنا حرام ہے۔	۶۹۰
قرآن مجید بعینہٖ محفوظ ہے اس میں کسی قسم کے دخل بشری سے ایک نقطہ کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔	۶۸۵	بچیوں کو کتابت سکھانا اور عاشقانہ نظمیں پڑھانا ممنوع ہے۔	۶۹۰
غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔	۶۸۵	کوئی شخص کہے کہ میں درمختار کو حدیث کے سامنے نہیں مانتا تو اس کا کیا جواب ہے۔	۶۹۰
عقائد اہل سنت وجماعت کا بیان۔	۶۸۵	جاہل کو عالم مان لینا جہل ہے اور اس کا انجام ضلالت ہے۔	۶۹۰
عقائد شیعہ کا بیان۔	۶۸۵	لزوم مناظرہ کی شرائط کا ذکر۔	۶۹۰
رنڈی کو قرآن مجید پڑھانا کیسا ہے۔	۶۸۶	علم حدیث، تفسیر، اصول اور فقہ کے بغیر فتوی دینے والا مجرم ہے۔	۶۹۱
عالم بے عمل اور جاہل باعمل میں سے کون افضل ہے۔	۶۸۶	عورتوں کو لکھنا سکھانا منع ہے۔	۶۹۱
جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سو گناہ کرلیتا ہے اور ان کو گناہ بھی نہیں سمجھتا۔	۶۸۷	حضرت لقمان علیہ الصلوۃ والسلام نے مکتب میں ایک لڑکی کو تعلیم دلاتے دیکھ کر فرمایا یہ تلوار کس کے لئے صیقل کی جارہی ہے۔	۶۹۲
عالم دین کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔	۶۸۷	غیر مذہب والیوں کی صحبت آگ ہے۔	۶۹۲
مسلمان بچیوں کو تعلیم دلوانے کے بارے میں فتوی۔	۶۸۷	عمران بن حطان رقاشی کا قصہ۔	۶۹۲
فرض عین کا علم حاصل کرنا فرض عین، فرض کفایہ کا فرض کفایہ، واجب کا واجب اور مستحب کا مستحب ہے۔	۶۸۷		

کافرہ عورت سے مسلمان عورت کو پردہ لازم ہے۔	۶۹۲	علم تکسیر علم جفر سے جدا دوسرا فن ہے۔	۷۰۰
بہشتی زیور وغیرہ جیسی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔	۶۹۲	طلسم ونیر نجات سراسر ناجائز ہیں۔	۷۰۰
بے ضرورت محض فخر وحسن کی بناء پر دوسرا مدرسہ قائم کیا ہے تاکہ پہلا بند ہوجائے کیا وہ مسجد ضرار کی طرح ہے۔	۶۹۴	نیرنج شعبدہ ہے اور شعبدہ حرام ہے۔	۷۰۰
ایک شخص منکر قیامت وجمعہ ہے تعلیم جدید میں ترقی پسند اور تعلیم دین میں تنزل پسند ہے۔ اس کے قائم کردہ دینی مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۶۹۴	طلسم تصاویر سے خالی نہیں اور تصویر حرام ہے۔	۷۰۰
کتب فقہاء کرام کا منکر گمراہ ہے۔	۶۹۴	پیر واستاد علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے۔	۷۰۱
حل لواطت کا قائل کافر ہے۔	۶۹۴	والد کی رضامندی کے بغیر دوسرے شہر میں علم دین حاصل کرنے کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں۔	۷۰۲
علم نجوم وجفر وطلسم وغیرہ سے متعلق ایک طویل استفتاء۔	۶۹۵	ماں باپ محتاج ہوں ان کی ہلاکت کا خدشہ ہو تو بیٹے کو سفر پر نہیں جانا چاہئے۔	۷۰۳
جفر ایک نہایت نفیس فن اور حضرات اہلبیت علیہم الرضوان کا علم ہے۔	۶۹۷	بیٹے کو سفر سے روکنا باپ پر کس صورت میں لازم ہے۔	۷۰۴
کتاب "جفر جامع" میں امام جعفر صادق علیہ الرحمہ نے ماکان ومایکون تحریر فرمادیا۔	۶۹۸	مفاسد کا دفاع مصالح کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔	۷۰۵
علم جفر میں لکھی گئی تصانیف اسلاف کا ذکر۔	۶۹۸	علم طب کے استاد اور علم حساب کے استاد میں سے کس کو افضلیت حاصل ہے۔	۷۰۵
نجوم کے دو ٹکڑے ہیں: علم اور فن تاثیر۔	۶۹۸	ماں باپ تحصیل علم دین سے منع کریں تو کیا کرنا چاہئے۔	۷۰۵
علم نجوم سے متعلق قرآن مجید سے استنباط۔	۶۹۸	تعلیم انگریزی وہندی مسلمان کو جائز ہے یا نہیں۔	۷۰۶
نجوم کا فن تاثیر باطل ہے۔	۶۹۹	فلسفہ قدیمہ وجدیدہ کے خلاف اسلامی عقائد کا بیان۔	۷۰۶
حرکات فلکیہ مثل حرکات نبض علامات ہیں۔	۶۹۹	علوم دینیہ کے بعد علوم آلیہ سیکھنے کی ممانعت نہیں۔	۷۰۶
قرآن مجید سے تائید۔	۶۹۹	نفس زبان سیکھنا کوئی حرج نہیں رکھتا۔	۷۰۶
نبض کا اختلاف اعتدال سے طبیعت کے انحراف پر دلیل ہے۔	۷۰۰		

بدمذہب استاد کا صحیح المذہب شاگرد پر کیا حق ہے۔	۷۰۶	جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت کبیرہ ہے۔	۷۱۱
بڑا بھائی والد کے مشابہ ہے۔	۷۰۷	جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتوٰی دے۔	۷۱۲
استاد کا انکار کفران نعمت ہے۔	۷۰۷	سنی عالم دین کی تعظیم باعث اجر عظیم ورضائے خدا ہے۔	۷۱۲
کفران نعمت موجب سزاوعقوبت ہے۔	۷۰۷	مفتی فتوٰی دینے کا ذمہ دار ہے یا وہ جو اس پر عمل کرے۔	۷۱۳
علماء ومشائخ پر اعتراض کا عوام کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔	۷۰۸	کتب دینیات کی طالب علم کو تعلیم دینے سے کسی مدرس کو منع کرنے والوں کا کیا حکم ہے۔	۷۱۳
نذیر احمد کا نہ ترجمہ قرآن صحیح ہے نہ ایمان، وہ منکر خدا تھا۔	۷۰۸	کسی نااہل کو اس کی قابلیت سے باہر علم سکھانا اس کو فتنہ میں ڈالنا ہے۔	۷۱۴
معلم اپنے احباب کے ساتھ تخت پر بیٹھتا ہے اور شاگرد قرآن مجید لے کر نیچے، تو یہ سب گستاخ ہیں۔	۷۰۹	جاہلوں کو حاکم شرع بنانا حرام ہے۔	۷۱۴
قرآن شریف میں عربی عبارات کے نیچے ترجمہ وشان نزول وقصص کا لکھنا جائز ہے۔	۷۰۹	ظالموں کی تعظیم حرام ہے۔	۷۱۴
جن فنون وکتب میں انکار وجود آسمان وگردش آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو ان کو پڑھنا حرام ہے۔	۷۰۹	عالمان دینکی اہانت کفر ہے۔	۷۱۴
انگریزی اور جائز فنون نوکری کے لئے پڑھنا جائز ہے۔	۷۱۰	عالمان دین سے بلاوجہ بغض رکھنے میں خوف کفر ہے۔	۷۱۵
دیوبندی کا وعظ سننا، اس سے فتوٰی لینا، میل جول رکھنا جائز نہیں۔	۷۱۰	علماء کے پیچھے نماز سے منع کرنا اور جاہلوں کو امام بنانا حکم شریعت کا بدلنا ہے۔	۷۱۵
مسئلہ دریافت کرنے پر عالم کی خفگی کیسی ہے۔	۷۱۰	عالم کا یہ کہنا کہ میں نے مسئلہ صحیح بتایا تھا یا غلط مجھ کو یاد نہیں کسی اور سے پوچھ لو، درست ہے یا نہیں۔	۷۱۵
عالم کی خفگی پر بددل ہو کر ترک عمل کیسا ہے۔	۷۱۰	کسی عالم سے پوچھا کہ آپ مسئلہ صحیح وغلط بھی بیان کرتے ہیں، اس پر اس کا جواب دینا کہ ہاں، درست ہے یا نہیں۔	۷۱۵
عالم کی خطاگیری اور اس پر اعتراض حرام ہے۔	۷۱۱	فتوٰی کے لئے سند حاصل کرنا ضروری نہیں، البتہ باقاعدہ تعلیم پانا ضروری ہے۔	۷۱۶

بے علم فتوی دینے والا لعنتی ہے۔	۷۱۶	مرجوع پر فتوی کا حکم جہل وخرق اجماع ہے۔	۴۹۲
علمائے دین کی توہین کرنے والے منافق ہیں۔	۷۱۶	ذی علم مسلمان اگر بنیت ردّ نصاری انگریزی پڑھے تو اجر پائے گا۔	۵۳۳
تفریق جماعت وترک جماعت دونوں حرام ہیں۔	۷۱۷	حساب، اقلیدس اور جغرافیہ وغیرہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں۔	۵۳۳
وعظ کہنا عالم کا منصب ہے، جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں۔	۷۱۷	جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے۔	۵۳۳
کسی نے غلط مسئلہ بیان کیا اور دوسرے نے بغرض اصلاح سوال کیا تو یہ بے جا نہیں۔	۷۱۷	وہ کتابیں جن میں نصاری کے عقائد باطلہ درج ہیں ان کا پڑھنا روا نہیں۔	۵۳۳
علماء وسادات کو ربّ العزت نے اعزاز وامتیاز بخشا ہے تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امر شرع کا امتثال ہے۔	۷۱۸	کتاب وقاری کا نیچے اور کافروں کا چھجوں پر ہونا سخت بے تعظیمی ہے۔	۷۲۴
حفظ مراتب کو ملحوظ رکھنے سے متعلق احادیث کریمہ	۷۱۸	اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا گناہ ہے۔	۷۲۶
علماء وسادات کو ممنوع ہے کہ اپنے لئے امتیاز چاہیں۔	۷۱۸	جاہل کو وعظ گوئی گناہ ہے۔	۷۲۷
کسی شخص کا لوگوں سے اپنے لئے طالب قیام ہونا مکروہ اور لوگوں کا معظم دینی کے لئے قیام مندوب ہے۔	۷۱۹	بے اصل وباطل روایات کا پڑھنا سننا حرام وگناہ ہے۔	۷۳۲
کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔	۷۲۰	بے خواندہ وبے اجازت اساتذہ تفسیر وحدیث بطور وعظ بیان کرنا اور سننا حرام ہے۔	
ضمیمہ علم وتعلیم		روایات موضوعہ پڑھنا بھی حرام اور سننا بھی حرام۔	۷۳۴
جہاں عوارض ظاہرہ ہوں مجرد عوارض خفیہ قلبیہ کی بنا پر مادہ خاصہ میں حکم دینا اساءۃ ظن بالمسلمین ہے۔	۱۷۰	**مجالس ومحافل** **(میلاد شریف، گیارہویں شریف، مرثیے، ذکر شہادت وغیرہ)**	
فتاوٰی برہنہ معتبر کتابوں میں معدود نہیں۔	۳۴۱	امردوں سے مجالس میلاد پڑھوانا درست ہے یا نہیں۔	۷۲۱
جو کافی علم نہ رکھتا ہو اسے وعظ کہنا حرام ہے۔	۳۷۸	وہ کونسی حالتیں ہیں جن کے سبب سے مولود کا پڑھنا سننا ناجائز ہوجاتا ہے۔	۷۲۱
روزانہ دو پارے تلاوت کرنا افضل ہے یا ترجمہ کے ساتھ پارے کا ایک ربع۔	۳۸۲	عورت کے ساتھ دو اور امرد کے ساتھ ستر شیطان ہوتے ہیں۔	۷۲۱
قرآن پاک کا کون سا ترجمہ پڑھنا چاہئے۔	۳۸۲		

امرد کا حکم مثل عورت کے ہے۔	۷۲۱	اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا گناہ ہے۔	۷۲۶
اباحت سماع کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان میں کوئی امرد نہ ہو۔	۷۲۲	جاہل کو وعظ گوئی گناہ ہے۔	۷۲۷
دس خرابیوں پر مشتمل مجلس میلاد کے بارے میں استفتاء۔	۷۲۲	جاہل کا پیر بننا حرام وناجائز ہے۔	۷۲۸
اہل ہنود میلاد میں چندہ دیں تو لینا چاہئے یا نہیں۔	۷۲۲	مشرکوں کی تعریف کرنا اور انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسندیدہ ہے۔	۷۲۹
دینی بات میں مشرکوں سے مدد لینا اور دینی کام کا دارومدار ان کی اجازت پر رکھنا حرام ہے۔	۷۲۳	قیام بوقت میلاد شریف سنت ہے یا مباح، اور اس پر حرف زنی درست ہے یا نہیں۔	۷۲۹
حقوق عامہ میں دست اندازی ناجائز ہے۔	۷۲۴	ذکر میلاد شریف کے وقت جیسا کہ آج کل قیام کرتے ہیں جائز ہے یا نہیں۔	۷۳۰
راستہ میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۷۲۴	خوش الحان چھوکروں سے محفل میلاد میں فارسی واردو غزلیں اور اشعار گانے کی طرز پر پڑھوانا ممنوع ہے۔	۷۳۲
کتاب وقاری کا نیچے اور کافروں کا چھجوں پر ہونا سخت بے تعظیمی ہے۔	۷۲۴	بے اصل وباطل روایات کا پڑھنا سننا حرام وگناہ ہے۔	۷۳۲
حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد نبوی میں منبر بچھایا جاتا۔	۷۲۴	بے خواندہ وبے اجازت اساتذہ تفسیر وحدیث بطور وعظ بیان کرنا اور سننا حرام ہے۔	۷۳۳
مجلس خوانی خصوصًا راگ سے پڑھنے کی اُجرت ناجائز وحرام ہے۔	۷۲۴	ایسے شخص کو بر سر منبر میلاد پڑھنا جو تارک صلوٰۃ شارب خمر، داڑھی کترا اور داڑھی والوں کا مذاق اڑاتا ہو کیسا ہے اور سننے والے گنہگار ہیں یا نہیں۔	۷۳۳
ذکر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجل عبادات سے ہے۔	۷۲۴	روایات موضوعہ پڑھنا بھی حرام اور سننا بھی حرام۔	۷۳۴
طاعت وعبادت پر فیس لینا حرام ہے۔	۷۲۴	لوگوں کو اچھائی کی طرف بلانے والے کا اجر اور برائی کی طرف بلانے والے کا وبال۔	۷۳۴
شعر خوانی وزمزمہ سنجی کی فیس لینا محض حرام ہے۔	۷۲۵	ذکر شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز ہے جبکہ استخفاف کی نیت نہ ہو۔	۷۳۵
فاسق کو امام بنانے والے گنہگار ہیں۔	۷۲۶		

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمہ وقت ذکر الٰہی کرتے تھے۔	۷۳۵	مجلس میلاد وشب برات میں حلوہ تقسیم کرنا، خوشی منانا، آتشبازی چھوڑنا، دن مقرر کرنا اور قیام کرنا کیسا ہے۔	۷۴۴
یہ کلمہ ملعونہ کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں کفر ہے۔	۷۳۶	میلاد شریف کی محفل میں لوگوں کا وجد میں آکر ہاتھ پاؤں مارنا کیسا ہے۔	۷۴۴
بے نمازی مسلمان کے گھر میلاد شریف کی مجلس میں شرکت کرنا کیسا ہے۔	۷۳۶	وجد کی تین صورتیں ہیں۔	۷۴۵
جس کے بارے میں مشہور ہو کہ وہ حرام کار ہے اس سے میلاد پڑھوانا اور چوکی پر بٹھانا ناجائز ہے۔	۷۳۷	مجلس ذکر شہادت اور تجدید سرور وغم روا ہے یا نہیں۔	۷۴۵
ہندو میلاد شریف کے چندے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں یا وہ خود میلاد شریف کرائیں تو جائز ہے یا نہیں۔	۷۳۷	فاتحہ گیارہویں شریف میں ایک رباعی پڑھنے اور طریقہ فاتحہ گیارہویں شریف کے بارے میں سوال۔	۷۴۶
گیارہویں شریف کرنا اور مجلس مبارک میلاد میں قیام کرنا جائز ہے۔	۷۳۸	مجلس میلاد شریف میں ذکر حضرات حسنین بغیر ذکر فضائل صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کیسا ہے۔	۷۴۶
شہداء کربلا کے فضائل ومناقب اور ذکر شہادت جائز ہے جبکہ ماتم کی مجلس نہ بنائی جائے۔	۷۳۸	جس مجلس کا ممبر ہر مذہب کا ہوسکتا ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔	۷۴۷
بطریق روافض واقعات کربلا بیان کرنا اور ذکر صحابہ سے بدمذہبی کی دلجوئی کی وجہ سے اعراض کرنا کیسا ہے۔	۷۳۹	وعظ کے بعد شیرینی تقسیم کرنا جائز ہے۔	۷۴۸
واقعات کربلا بیان کرنے کو امام غزالی وغیرہ اکابر نے کن وجوہ سے حرام کہا۔	۷۴۰	محفل مولود شریف اور مجالس خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری۔	۷۴۸
اہلسنت اور روافض کے طریقہ ذکر شہادت میں فرق۔	۷۴۱	مجلس میلاد میں وقت ذکر ولادت مقدس قیام مستحب ومستحسن ہے۔	۷۴۹
روافض حضرت ابوبکر صدیق وعمر وعثمان اولاد امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر کیوں ترک کرتے ہیں جہاں صحابہ کے بارے میں بدگمانی پھیلائی جائے وہاں ان کے فضائل بیان کرنا واجب بلکہ اہم فرائض ہے۔	۷۴۱	طوائف کے ہاں مجلس میلاد پڑھنا اور اس کی حرام آمدنی سے منگائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا کیسا ہے۔	۷۵۰
مجلس میلاد میں شیرینی کی تقسیم سے متعلق سات سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۷۴۳		

مجلس میلاد میں بعد بیان مولود کے ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور واقعات کربلا پڑھنا جائز ہے یانہیں۔	۷۵۰	حدیثوں میں شہادت شریفہ کا صاف ذکر ہے۔	۷۵۵
محرم میں ذکر شہادت ومصائب شہداء کرکے سوز خوانی ومرثیہ مصنفہ انیس ودبیر پڑھنا حرام ہے۔	۷۵۱	غم پروری ممنوع ہے۔	۷۵۵
ذکر میلاد مبارک بہ تعین ایام وتخصیص ربیع الاول یا بہ تقرر یازدہم ودیگر تواریخ اعراس بزرگان یا دوازدہم شریف تک ہر روز مجلس میلاد کرنا اور حاضرین میں مٹھائی تقسیم یا کھانا تقسیم کرنا کیسا۔	۷۵۲	رافضیوں کی مجلس میں جانا اور مرثیہ سننا حرام۔	۷۵۶
ذکر سیّد المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور ایمان وسرور جان ہے۔	۷۵۲	روافض کی نیاز نہ لی جائے۔	۷۵۶
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں بروز پیر ہوئی۔	۷۵۳	محرم میں سبز اور سیاہ کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔	۷۵۶
پیر کا روزہ رکھنے کی وجہ۔	۷۵۳	مروج میلاد شریف اور سادات اطہار کی نذر ونیاز جائز ہے، اس میں شرکت ثواب ہے۔	۷۵۶
اوقات فاضلہ میں تکثیر اعمال صالحہ مندوب ومطلوب ہے۔	۷۵۳	رافضی سے مجلس شریف پڑھوانا حرام ہے۔	۷۵۷
شیرینی کی تقسیم کے فوائد۔	۷۵۳	مجالس روافض اور ان کی خرافات میں شرکت حرام ہے۔	۷۵۷
ایک گناہگار سنی اپنی نجات کا ذریعہ سمجھ کر مجلس میلاد کرے تو اس میں جانا چاہئے یانہیں۔	۷۵۴	غوث پاک کو ایصال ثواب کے لئے گیارہویں شریف کی مجلس میں کلمہ، درود اور سورہ اخلاص کے بعد "یاغوث" کے ساتھ تسبیح پڑھنا جائز ہے۔ وجود افضل وجہ منع مفضول نہیں ہوتا۔	۷۵۸
جس کو اچھے لوگ اچھا سمجھیں وہ بدباطنوں کے برا سمجھنے سے برا نہیں ہوجاتا۔	۷۵۵	انبیاء واولیاء کی ندا ندائے غیر اللہ نہیں بلکہ اللہ ہی کی ندا ہے۔	۷۵۸
ماہ محرم میں ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ میں واقعات صحیحہ بیان کرنا۔	۷۵۵	غیر اللہ کے لئے تواضع کے حرام ہونے کی توجیہ۔	۷۵۸
قرآن مجید میں تمام ماکان ومایکون کا بیان۔	۷۵۵	مجلس میلاد مبارک سے اہل محلّہ کو منع کرنا کیسا ہے۔	۷۵۸

محفل میلاد شریف وقیام بوقت ذکر ولادت مبارکہ کیسا ہے، کچھ لوگ اس وجہ سے اس کو ناجائز کہتے ہیں کہ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا، ثقات علماء سے خاص اس بارے میں منع وارد ہے، چنانچہ سیرت شامی میں ہے ھذاالقیام بدعۃ لااصل لہاان اقوال کاکیاحال ہے۔	۷۵۹	قیام بوقت ذکر ولادت کے جواز کے لئے اتناہی کافی ہے کہ اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔	۷۶۴
اللہ تعالٰی نے اپنی نعمتوں کے اظہار وبیان اور اپنے فضل ورحمت کے ساتھ مطلقاً خوشی منانے کاحکم دیاہے۔	۷۵۹	قیام مذکور کے مستحسن ہونے کاثبوت	۷۶۴
ولادت صاحب لولاک سب نعمتوں کی اصل ہے۔	۷۶۰	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمانوں کاعین ایمان ہے۔	۷۶۴
حضوراقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوبیوں کے بیان واظہار کاحکم نص قطعی سے ہے۔	۷۶۰	تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواعہ امر مستحسن ہے۔	۷۶۵
مجلس ومحفل میلاد کس کانام ہے۔	۷۶۰	قیام ذکر ولادت شریف ہی کے وقت کیوں۔	۷۶۵
قرون زمانہ کوحاکم شرعی بنانادرست نہیں۔	۷۶۱	کسی کام کاکیا جاناجواز کی دلیل ہے اور نہ کیاجانا عدم جواز کی دلیل نہیں۔	۷۶۶
نیک عمل کسی وقت میں ہونیک ہے اور بد کسی وقت ہو براہے۔	۷۶۱	عبارت شامی کامطلب۔	۷۶۶
حدیث "مَنۡ سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً" کی توضیح	۷۶۱	ہر بدعت مذمومہ نہیں ہوتی۔	۷۶۷
کونسی بدعت ضلالت ہے، نیز اقسام بدعت کابیان۔	۷۶۱	**ضمیمہ مجالس ومحافل**	
بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پراتفاق ہے۔	۷۶۲	میلاد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شیرینی پرپنج آیت پڑھ کر تقسیم کرناجائز ہےاور پنج آیت میں شادی وغمی کاتفرقہ اوراسے مجلس غم سے مخصوص ماننا باطل وبے اصل ہے۔	۱۱۸
میلاد شریف منانا اور اس کے لئے لوگوں کا اجتماع بدعت حسنہ ہے۔	۷۶۲	اصحاب رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کسی مجلس میں جمع ہوتے توکسی ایک سے قرآنی سورت کی تلاوت کراتے۔	۱۱۸
العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق۔	۷۶۳	مجلس میلاد مبارک میں تلاوت قرآن عظیم ہمیشہ سے معمول علماء کرام وبلاد اسلام ہے۔	۱۱۹
ذکرنبی ذکرخداہے۔	۷۶۳	مجلس میلاد شریف سے روکناذکرخداسے روکناہے۔	۱۷۵

کس صورت میں مجلس میلاد شریف سے کسی کو روکنا درست ہے۔	۱۷۵	مجلس میلاد مبارک اعظم مندوبات سے ہے جبکہ بروجہ صحیح ہو۔	۵۶۰

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام وسِیَر		شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق نسب کو معتبر رکھا ہے۔	۲۰۵
آج کل کے روافض اسلام سے خارج ہیں۔	۱۰۰	سلسلہ طاہرہ وذریت عاطرہ میں انسلاک وانتساب ضرور آخرت میں بھی نافع ہے۔	۲۰۶
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو کافر جاننا حق ہے ایسے شخص پر تجدید اسلام اور اور تجدید نکاح ھر گز لازم نہیں۔	۱۰۴	قریش کی خلافت۔	۲۰۶
مال حرام کو صدقہ کرکے امید ثواب رکھنے والا، اس کو قبول کرکے دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا کافر ہے۔	۱۱۲	امامت کبرٰی قریش کے ساتھ مخصوص ہے۔	۲۰۶
اللہ تعالٰی کے لئے محبت وعداوت رکھنے والا کامل مومن ہے۔	۱۷۶	عرب کبھی بحال کفر بھی غلام نہ بنائے جائیں گے۔	۲۲۱
سنّی لڑکی کا غیر مقلد سے نکاح محض ناجائز ہے۔	۱۹۱	مشرکین عرب پر جزیہ نہیں رکھا جائے گا۔	۲۲۱
دو بہنوں کو ایک مرد کے نکاح میں جمع کرنے والے قاضی اور گواہوں نے اگر حلال جان کر ایسا کیا تو تجدید اسلام و تجدید نکاح کریں۔	۱۹۲	عربوں کی زمین پر خراج کبھی نہیں لگایا جائے گا وہ بہرحال عشری ہے۔	۲۲۱
مدار نجات تقوٰی پر ہے نہ کہ محض نسب پر۔	۲۰۵	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہلبیت سے محبت کرنے والے جنتی ہیں۔	۲۴۵

I.T. Majlis of DawateIslami

جس کی حرمت ضروریات دین سے ہو اس کو حلال جاننے والا کافر ہے۔	۲۹۶	معابدِ کفار میں مسلمان کو جانا جائز نہیں کیونکہ وہ مجمع شیاطین ہیں۔	۵۲۴
تعظیم قرآن عظیم ایمان مسلم ہے۔	۳۹۱	ہندوستان عندالتحقیق دارالحرب نہیں ہے۔	۵۲۴
ادراک سمعی محض باذن اللہ حاصل ہوتا ہے۔	۴۱۵	مسلمان دارالحرب میں کیا کچھ برائے فروخت لیجاسکتا ہے۔	۵۲۴
ہر شیئ کا سبب حقیقی ارادۃ اللہ عزوجل ہے۔	۴۱۵	مسلمانوں کا کافروں کے محلّہ سے گزر ہو تو شتابی کرتا ہوا گزر جائے۔	۵۲۵
تمام حوادث کا سبب حقیقی محض ارادہ الٰہی ہے۔ دوسری چیز اصلًا نہ مؤثر نہ موقوف علیہ۔	۴۱۶	گناہ پر ثواب کی امید زیادہ سخت واشد ہے۔	۵۳۷
واقع میں تمام الفاظ وجملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں، وہ بھی امم مخلوقہ میں سے ایک امت ہیں جو اپنے رب تعالٰی کی تسبیح کرتے ہیں۔	۴۲۸	سود کے روپیہ سے جو کار نیک کیا جائے اس میں استحقاق ثواب نہیں۔	۵۴۱
کلمات ایمان تسبیح رحمٰن کے ساتھ اپنے قائل کے لئے استغفار بھی کرتے ہیں۔	۴۲۸	ایک مسلمان عورت ہندہ بیس سال ایک انگریز کے ساتھ رہی، اب تائب ہوئی ہے، کیا اس کا مسلمان ہونا صحیح ہے۔	۵۴۶
کلمات کفر اپنے رب کی تسبیح کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت بھی کرتے ہیں۔	۴۲۸	اہلسنت کے مذہب میں آدمی کسی گناہ کے باعث اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔	۵۴۶
کلام اللہ واحد لاتعدد لہ بحال۔	۴۴۳	بت پر چڑھاوا چڑھانا کفر ہے۔	۵۶۲
حضرات خلفاء ثلٰثہ کی ثناء ومدحت اور ادب وعقیدت اہلسنت کے اصول مذہب میں داخل ہے۔	۴۷۳	ناچنے گانے کا پیشہ ملعون اور حرام قطعی ہے اس کو حلال جاننا کفر ہے، اس سے حاصل ہونے والا مال حرام ہے۔	۵۸۳
کراہت تحریم کا مرتکب گنہگار اور مستحق عذاب ہوتا ہے۔	۵۰۱	کافر اصلی کی نوکری جس میں کوئی غیر شرعی کام نہ کرنا پڑے جائز ہے۔	۵۹۱
کافر کے لئے رہن کا کاغذ تحریر کرنا مسلمان کو روا ہے یا نہیں۔	۵۲۳	دینوی معاملہ پر کافر اصلی سے بات چیت کرنا اور کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا منع نہیں، نہ ہی اس سے کفر وفسق لازم آتا ہے۔	۵۹۱
کفار کے میلہ میں بقصد فروخت اسباب تجارتی جانے کی شرعی حیثیت کیا ہے۔	۵۲۳	مرتد کی نوکری، اس سے بات چیت اور اس کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا منع ہے۔	۵۹۱

کافر کے عقیدہ کفر پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرنے والا کافر ہو جائے گا۔	۵۹۲	عالمان دین کی اہانت کفر ہے۔	۷۱۴
بغیر ثبوت وجہ کفر کے مسلمان کو کافر کہنا سخت گناہ ہے بلکہ یہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آتا ہے۔	۵۹۲	عالمان دین سے بلاوجہ بغض رکھنے میں خوف کفر ہے۔	۷۱۵
غیر مسلم کا مال اس کی خوشی سے بلاغدر ملے تو حلال ہے۔	۵۹۵	مشرکوں کی تعریف کرنا اور انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسندیدہ ہے۔	۷۲۹
قادیانی مرتد ہیں ان کے ساتھ خرید وفروخت اور بات چیت کی اجازت نہیں۔	۵۹۸	یہ کلمہ ملعونہ کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں کفر ہے۔	۷۳۶
کفریات فلاسفہ۔	۶۳۴	جس مجلس کا ممبر ہر مذہب کا ہوسکتا ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔	۷۴۷
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تمام علوم کسی شخصیت میں جمع نہیں ہوسکتے۔	۶۶۲	محفل مولود شریف اور مجالس خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری۔	۷۴۸
الصلوۃ والسلام علیك یارسول اللہ کہنا باجماع مسلمین جائز و مستحب ہے، اس پر دلائل۔	۶۸۰	مجلس میلاد میں وقت ذکر ولادت مقدس قیام مستحب و مستحسن ہے۔	۷۴۹
قرآن مجید بعینہٖ محفوظ ہے اس میں کسی قسم کے دخل بشری سے ایک نقطہ کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔	۶۸۵	ذکر سیّد المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور ایمان وسرور جان ہے۔	۷۵۲
غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔	۶۸۵	اوقات فاضلہ میں تکثیر اعمال صالحہ مندوب ومطلوب ہے۔	۷۵۳
عقائد اہل سنت وجماعت کا بیان۔	۶۸۵	جس کو اچھے لوگ اچھا سمجھیں وہ بد باطنوں کے برا سمجھنے سے برا نہیں ہوجاتا۔	۷۵۵
عقائد شیعہ کا بیان۔	۶۸۵	انبیاء واولیاء کی ندا ندائے غیر اللہ نہیں بلکہ اللہ ہی کی ندا ہے۔	۷۵۸
کتب فقہاء کرام کا منکر گمراہ ہے۔	۶۹۴	غیر اللہ کے لئے تواضع کے حرام ہونے کی توجیہ۔	۷۵۸
حل لواطت کا قائل کافر ہے۔	۶۹۴	**فوائد تفسیریہ**	
فلسفہ قدیمہ وجدیدہ کے خلاف اسلامی عقائد کا بیان۔	۷۰۶	آیت کریمہ "ولسوف یعطیك ربك فترضٰی" کی تفسیر۔	۲۴۵
جن فنون وکتب میں انکار وجود آسمان و گردش آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو ان کو پڑھنا حرام ہے۔	۷۰۹		

آیۃ کریمہ "ومن الناس من یشتری لھو الحدیث" کی تفسیر۔	۲۹۲	حدیث مبارک "الحلال بین الخ" کی نفیس تشریح۔	۵۱۸
واستفزز من استطعت منھم بصوتک (الآیۃ) میں آواز شیطان سے مراد غناء ومزامیر ہے۔	۲۹۴	عوام میں مشہور ایک غلط حدیث کی نشاندہی۔	۵۳۹
شفاعت حسنہ اور شفاعت سیئہ سے کیا مراد ہے۔	۴۰۷	حدیث میں پچھنے لگانے والے کی کمائی کو حرام کیوں کہا گیا۔	۵۴۸
قرآن شریف کا ترجمہ اس طرح پر کرنا نیچے ترجمہ میں محذوفات اور مطالب وغیرہ خطوط ہلالی بنا کر لکھ دیئے جائیں، جائز ہے یا ناجائز۔	۶۷۸	حدیث کی تشریح اشعۃ اللمعات کے حوالے سے۔	۶۳۰
نذیر احمد کا نہ ترجمہ قرآن صحیح ہے نہ ایمان، وہ منکر خدا تھا۔	۷۰۸	خلاصہ حدیث بزبان امام شافعی علیہ الرحمہ۔	۶۳۰
فوائد حدیثیہ		حدیث ضعیف پر مقام احتیاط میں عمل کیا جاتا ہے۔	۶۶۹
حدیث خیر الذکر الخفی کا مطلب۔	۱۶۹	فوائد اصولیہ	
حدیث "من ابطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ" کے معنی۔	۲۰۵	"الاصل الطہارۃ" قاعدہ کلیہ ہے۔	۱۱۵
حدیث شریف "من تشبّہ بقوم فھو منھم" کی تشریح وتوضیح۔	۳۲۰	"الیقین لایزول بالشک" ضابطہ عام ہے۔	۱۱۶
رمل کے بارے میں حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توضیح وتشریح۔	۳۴۵	"المرء یقیس علٰی نفسہ" (ہر شخص دوسرے کو اپنی ذات پر قیاس کرتا ہے۔	۱۱۶
حدیث میں عورتوں کو کانچ کی بوتلوں سے تشبیہ کیوں دی گئی۔	۳۶۸	جواز مخصوص کے لئے دلیل خصوص کا ہونا ضروری نہیں۔	۱۳۲
روزانہ کنگھی کی ممانعت سے متعلق احادیث کریمہ اور ان کا مطلب۔	۴۸۵	منع خصوص کے لئے دلیل خصوص کا ہونا ضروری ہے۔	۱۳۲
سیاہ خضاب کو کبوتر کے پوٹے سے حدیث میں کیوں تشبیہ دی گئی۔	۴۹۲	جو بات اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع نہیں فرمائی کسی اور کو منع کا حق نہیں۔	۱۳۳

بے منع شرعی ارتکاب ممانعت جہالت وجرأت ہے۔	۱۳۶	جس کام سے اللہ تعالٰی جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منع نہ فرمائیں اس سے منع کرنے کا حق کسی کو نہیں۔	۳۱۶
نفس ذکر خدا اور رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حد ذاتہ اصلاً متعلق نہی وقبح نہیں۔	۱۶۸	ہر انفاق اسراف نہیں۔	۳۱۷
اللہ ورسول کا ذکر اہم واعظم مقاصد شرع مطہر سے ہے۔	۱۶۸	شرع شریف کا قاعدہ کلیہ ہے جس چیز کو اللہ ورسول اچھا بتائیں وہ اچھی، جس کو برا بتائیں وہ بری ہے، اور جس سے سکوت فرمائیں وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے۔	۳۲۰
نہی عارض بوجہ عارض راجع بعارض ہوگی نہ عائد بذکر یا بقید عارض تا عروض عارض مختص بافراد مختصہ بعارض۔	۱۶۹	کسی چیز کو جائز کہنے والا دلیل خاص کا محتاج نہیں بلکہ ناجائز کہنے والا قرآن وحدیث سے دلیل لائے۔	۳۲۰
مجرد اخبار عن الاخبار کوئی شیئ نہیں۔	۱۸۴	کون سی نئی بات کو بدعت کہا جاتا ہے۔	۳۲۰
تحری قلب باب احتیاط سے ہے۔	۱۸۴	بربنائے تشبّہ کسی فعل کی ممانعت کا قاعدہ۔	۳۲۱
ایک کا ظن دوسرے کے حق میں کافی نہیں خود اپنے دل کی شہادت چاہئے۔	۱۸۴	منسوخ پر عمل جائز نہیں۔	۳۲۴
ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں۔	۲۰۴	مجمع میں گناہ ہو تو مجمع ہی میں توبہ کی جائے۔	۳۲۴
اول باآخر نسبتے دارد۔	۲۲۰	تغییر قصد سے تغییر حکم ہو جاتا ہے۔	۳۳۷
حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور آیہ کریمہ الحقنابھم ذریتھم میں تطبیق۔	۲۴۷	تعظیم اور بے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کو ہے۔	۳۹۱
نفی نفع مطلق اور نفی مطلق نفع میں فرق۔	۲۴۷	سبب سے مسبّب کا متخلف ہونا باطل ہے۔	۴۱۹
سلب فضل کلی اور سلب کلی فضل میں فرق۔	۲۴۸	حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔	۴۳۱
لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی۔	۲۸۱	آواز ملاہی کی علت تحریم تشخصات نہیں بلکہ اس کا لہو ہونا ہے۔	۴۳۱
صحبت بد زہر قاتل ہے۔	۲۸۲	آواز ملاہی میں خصوصیت صورت آلہ کو دخل نہیں بلکہ یہ آوازیں جس آلہ سے بھی پیدا ہوں گی اپنا رنگ لائیں گی۔	۴۳۳
بعض لہوہائے ممنوعہ کبیرہ اور بعض ایسے صغیرہ ہوتے ہیں جو اصرار سے کبیرہ ہو جاتے ہیں۔	۲۹۶	جب علت حرمت قطعًا حاصل ہو تو حکم حرمت کیونکر زائل ہو سکتا ہے۔	۴۳۳
اللھو حقیقۃ حرام کلھا۔	۳۱۲	فونو اس حیثیت سے کہ وہ ایک آلہ مطلقہ ہے اس کو حسن یا قبح سے موصوف نہیں کر سکتے بلکہ وہ حسن وقبح، مدح وذم، منع واباحت اور ثواب وعقاب میں اس چیز کے تابع ہے جو اس سے ادا کی جاتی ہے۔	۴۵۸

شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ جس چیز سے حرام کو مدد پہنچے اس کو بھی حرام فرمادیتی ہے۔	۴۶۱	جانب فعل میں ہر مرتبہ نہی ضرور ہے۔	۶۰۶
جو چیز بنانا ناجائز ہو اس کو خریدنا اور استعمال میں لانا بھی ناجائز ہے اور جس چیز کو خریدنا اور کام میں لانا منع نہ ہوگا اس کو بنانا بھی ناجائز نہ ہوگا۔	۴۶۴	فرض کے مقابل حرام، واجب کے مقابل مکروہ تحریمی، مندوب کے مقابل مکروہ تنزیہی اور سنت کے مقابل اسائت ہے۔	۶۰۶
جو مباح بنیت محمودہ کیا جائے وہ شرعاً محمود ہو جاتا ہے۔	۴۸۳	سنت کا رتبہ مندوب سے برتر اور واجب سے کمتر ہے۔	۶۰۶
جو دلالۃ النص سے ثابت ہو وہ اسی طرح ہے جیسے نص سے ثابت ہو۔	۴۸۳	مقدمہ فرض بھی فرض ہوتا ہے۔	۶۱۱
علماء جب کراہت مطلق بولتے ہیں اس سے مراد کراہت تحریم لیتے ہیں۔	۵۰۱	فرض وواجب میں طلب جازم اور سنت ومستحب میں غیر جازم ہے۔	۶۱۶
اصل حلت ہے۔	۵۱۵	مکروہ تنزیہی سے نہی ارشادی اور مکروہ تحریمی وحرام سے حتمی ہے۔	۶۱۷
ہر مکروہ تحریمی صغیرہ گناہ ہے۔	۵۲۴	مباح نہی وطلب دونوں سے خالی ہے۔	۶۱۷
ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے۔	۵۲۴	حرام کا ترک فرض اور فرض کا ترک حرام ہے۔	۶۱۸
ہر ملزوم معصیت معصیت ہوتا ہے۔	۵۲۶	شرع میں مامورات کی بنسبت منہیات کا اعتناء شدید تر ہے۔	۶۱۸
عرف میں جو کچھ مشہور ہے وہ اس طرح ہے جیسے لفظ سے شرط کردی جائے۔	۵۳۷	منطق کے مقدمات قواعد اسلامیہ ہیں۔	۶۳۲
جس چیز کا لینا حرام ہو اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔	۵۴۰	علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہئے۔	۶۳۲
کب مکروہ تحریمہ پر حرمت کا اطلاق صحیح ہے۔	۶۰۴	بارہا اختلاف زمانہ سے حکم بدل جاتا ہے، اس کی کچھ مثالیں۔	۶۷۵
اسائت کا حاصل مکروہ تنزیہی سے بڑھ کر ہے اور مکروہ تحریمی سے کمتر ہے۔	۶۰۵	مفاسد کا دفاع مصالح کے حصول سے زیادہ اہم ہے۔	۷۰۵

کفران نعمت موجب سزاو عقوبت ہے۔	۷۰۷	جو امر فی نفسہ شرعًا خیر ومندوب ہو اور کراہت مجاورہ مختلف فیہا یا مشکوک ہو اور تجربۃً اس کا ترک منجر بہ منہیات اجماعیہ ہو تو ہرگز اس سے منع نصیحت نہیں بلکہ مقصد شرع سے بعد بعید ہے۔	۱۷۰
وجود افضل وجہ منع مفضول نہیں ہوتا۔	۷۵۸	ذکر الٰہی سے روکنا ہرگز مصلحت شرعیہ نہیں۔	۱۷۱
فوائد فقہیہ		عوام کو مسجد میں ذکر بالجہر سے منع نہ کیا جائے۔	۱۷۱
زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے۔	۱۰۶	عبارات علماء سے واضح ہوگیا کہ ذکر جہر میں کراہت بھی ہے تو نہ اس قدر کہ خوبی ذکر کی مقاومت کرسکے۔	۱۷۳
بچہ اہل ثواب میں سے ہے۔	۱۲۴	کراہت تنزیہہ کا حاصل خلاف اولٰی ہے نہ کہ ممنوع وناجائز۔	۱۷۳
پختنی حلوہ شب براءت کی تخصیص عرفی ہے لازم شرعی نہیں۔	۱۲۵	اپنے تحفظ کی دعاء ہر مخالف کے مقابل جائز ہے۔	۱۷۶
احکام غالب حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں نادر وموہوم کا اعتبار نہیں ہوتا۔	۱۳۰	دعاء شر کافر وبدمذہب پر کی جائے۔	۱۷۶
جن صورتوں میں تملیک نہ پائی جائے ان میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔	۱۳۱	سنی صحیح العقیدہ کے لئے بددعا نہ کی جائے چاہے وہ کتنا ہی مخالف ہو۔	۱۷۷
شریعت اسلامیہ میں ایصال ثواب کی اصل ہے۔	۱۳۲	جس چیز کی تکثیر شارع کو مطلوب ہو اس کی تقلیل چاہنا شارع کی ضد ہے۔	۱۷۹
صدقات مالیہ کا ثواب باجماع ائمہ اہلسنت پہنچتا ہے۔	۱۳۲	ذکر بالجہر کن شرائط کے ساتھ جائز ہے۔	۱۷۹
تخصیصات عرفیہ ازروئے حدیث جائز ہیں۔	۱۳۲	جہر مفرط کیا ہے، جہر مفرط کے ساتھ ذکر کرنا شرعًا کیسا ہے۔	۱۸۰
مشترکہ دعوت میں سے اہل دعوت کو کھانا جائز ہے۔	۱۳۶	حد معین ذکر جلی کی یہ ہے کہ اتنی آواز سے نہ ہو جس میں اپنے آپ کو ایذا ہو یا کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو تکلیف پہنچے۔	۱۸۲
مسئلہ جہر مختلف فیہا ہے اور اطلاقات قرآن مجید وارشادات احادیث کثیرہ جانب جواز وندب ہیں۔	۱۶۱	نکاح پر فساد طاری کی خبر کن شرطوں کے ساتھ مقبول ہے۔	۱۸۳

تمام کھیل باطل ہیں سوائے تین کے کہ وہ حق ہیں: تیر اندازی، اسپ تازی اور بازن خود بازی۔	۲۹۷	وجوب سجدہ تلاوت سماع اول پر ہے نہ کہ سماع معاد پر۔	۴۵۲
دنیا کب ملعون ہے۔	۲۹۷	سماع صدا سماع معاد ہے۔	۴۵۲
غرض محمود اور غرض مذموم میں اتفاق کے درمیان بون بعید ہے۔	۳۱۷	فونو کی وضع ہی اعادہ سماع کے لئے ہے۔	۴۵۲
تعزیر بالمال منسوخ ہے۔	۳۲۴	خصوصًا احتیاط فی الدین کے معاملہ میں۔	۴۵۵
بعض کتب حنفیہ کی طرف منسوب عبارت کہ "پیشاب سے آیت قرآنی کا لکھنا جائز ہے" کا متعدد وجوہ سے رَد اور معترض کی دھوکا دہی کا پردہ چاک۔	۳۴۰	محرمات میں شبہ ملتحق بہ یقین ہے۔	۴۵۵
بوقت قرات قرآن مجید استماع وخاموشی فرض عین ہے یا فرض کفایہ، ثانی اوسع اور اوّل احوط ہے۔	۳۵۲	اسپرٹ قطعًا شراب ہے اور حرام ہونے کے ساتھ پیشاب کی طرح نجس بھی ہے۔	۴۵۸
مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق اور دونوں قولوں میں تطبیق۔	۳۵۲	فقہیات میں ظن یقین کے ساتھ ملتحق ہوتا ہے۔	
فال کیا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں۔	۳۹۷	کوئی فی نفسہٖ جائز کام کفار سے سیکھنے میں حرج نہیں اگرچہ ان ہی کی ایجاد ہو۔	۴۵۸
صحن مسجد مسجد ہے، فقہاء اس کو مسجد صیفی کہتے ہیں اور مسقف کو مسجد شتوی۔	۴۰۶	فونو بذات خود معازف ومزامیر سے نہیں۔	۴۵۸
فونو سے آیت سجدہ سن کر سجدہ تلاوت واجب کیوں نہیں ہوتا۔	۴۴۶	جو چیز بنانا ناجائز ہو اس کو خریدنا اور استعمال میں لانا بھی ممنوع ہے۔	۴۶۱
طوطی ومینا کو آیت سجدہ سکھادی جائے تو اس کے سننے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔	۴۴۶	خواجہ سراؤں کا خریدنا اور ان سے کام خدمت لینا شرعًا منع ہے۔	۴۶۱
مجنون کی تلاوت پر سجدہ تلاوت واجب نہیں۔	۴۴۶	بیل اور بکرے کو خصّی کرنا جائز نیز گھوڑی سے خچر لینا بھی جائز ہے۔	۴۶۲
سوتے میں کسی نے آیت سجدہ پڑھی تو کیا سجدہ تلاوت کا وجوب ہوگا۔	۴۴۶	جن کو بھیک مانگنا حرام ہے ان کو بھیک دینا بھی گناہ ہے۔	۴۶۳
صدا سے سنائی دینے والی آواز پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوتا۔	۴۴۸		

مہندی کے مستحب اور خضاب کے حرام ہونے کی وجہ۔	۴۹۹	اموال ضائعہ کا مصرف۔	۵۴۸
سیاہ خضاب منہی عنہ ہے۔	۵۰۰	غیر منقسم ہونا صدقہ کو نقصان نہیں دیتا، اگرچہ ہبہ کو نقصان دیتا ہے۔	۵۴۹
عامہ مشائخ کرام وجمہور ائمہ اعلام کے نزدیک سیاہ خضاب منع ہے۔	۵۰۰	مال سود اور مال رشوت وغیرہ کے حکم میں فرق۔	۵۵۱
سیاہ خضاب میں کس قدر مہندی ملانے سے حرمت جاتی رہتی ہے۔	۵۰۲	مسئلہ استبدال یعنی حرام مال کے عوض کوئی دوسری چیز خریدنا۔	۵۵۲
کون ساخضاب جائز ومحمود ہے۔	۵۰۲	زر حرام پر عقد ونقد کے جمع ہونے کی صورت اور اس کا حکم۔	۵۵۲
اصل خضاب حنا کا ہو اور اس میں کچھ پتیاں نیل کی شریک کرلی جائیں کہ سرخی میں ایک گونہ پختگی آجائے تو جائز ہے۔	۵۰۵	مال حرام کے تصدق میں مساکین کا غیر اصول وفروع ہونا شرط نہیں۔	۵۵۵
شراب میں کس قدر نمک ملانے سے سرکہ ہوجاتا ہے اور اس کی حقیقت بدل جاتی ہے۔	۵۰۵	ناپاک روپیہ دو قسم پر ہے۔	۵۵۹
رنڈی وغیرہ کی ناجائز آمدنی ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کا حکم رکھتی ہے۔	۵۰۷	حق موروثی قابل بیع نہیں، نہ اس پر کچھ لے سکتا ہے۔	۵۶۲
وہ صورت کہ رنڈی کو ملنے والا مال رشوت قرار پاتا ہے۔	۵۰۸	جس کو قانون نے حق موروثی ٹھہرایا ہے وہ کوئی شرعی حق نہیں۔	۵۶۲
ایک صورت میں طوائف کی آمدنی مثل موہوب ہوتی ہے۔	۵۰۸	جس چیز سے بعینہٖ اقامت معصیت ہو اس کا بیچنا جائز نہیں جیسے مزامیر۔	۵۷۶
ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں۔	۵۱۶	درہم کی مقدار۔	۵۷۸
قبولت شیئ اور چیز ہے اور سقوط فرض اور چیز۔	۵۴۲	جس رسم میں خود کوئی شرعی برائی نہ ہو اس میں قوم کی موافقت کا حکم ہے۔	۵۷۹
مال ربا میں بعد قبضہ عدم ملک نہیں رہتا صرف خبثِ ملک ہوتا ہے۔	۵۴۳	حرام روپیہ کا مصرف اور اس کے پاک ہوجانے کی صورت۔	۵۸۰
خبث ملک فقیر کو تصدق میں لینے سے مانع نہیں۔	۵۴۴	طرفین سے شرط لگانا کیسا ہے اور اس میں جو مال جیتا اس کا کھانا کیسا ہے۔	۵۸۰
		کس کس ضرورت سے سودی قرض لینے کی اجازت ہے۔	۵۸۴

رشوت کی تعریف اور اس کا حکم۔	۵۹۷	خوک و خمر کی حرمت مال غیر بے اذن غیر لینے کی حرمت سے زائد ہے اور رسد رمق ودفع جوع قاتل و عطش مہلک کی فرضیت ان سب سے اقوی ہے لہٰذا حالت مخمصہ میں ان اشیاء کا تناول اسی قدر جس سے ہلاکت دفع ہو لازم ہوا۔	۶۱۹
بیمہ زندگی کی صورت	۶۰۱	اگر مضطر کچھ نہیں پاتا مگر یہ کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کر کھائے تو حلال نہیں اگرچہ اس شخص نے اجازت بھی دی ہو کہ حرمت انسان اس فرض یعنی دفع ہلاک سے اقوی ہے۔	۶۱۹
کسب کے لئے ایک مبدا ہے یعنی وہ ذریعہ جس سے مال حاصل کیا جائے اور ایک غایت ہے یعنی وہ غرض کہ تحصیل مال سے مقصود ہو۔	۶۰۳	غرض ضروری نہ ہو یا ضروری ہو مگر بغیر سوال کے کسی طریقہ حلال سے دفع ہوسکتی ہے تو سوال کرنا حرام ہے۔	۶۱۹
کسب کے مبدا و غایت دونوں میں احکام نہ گانہ جاری، اور دونوں کے اعتبار سے کسب پر احکام مختلفہ طاری ہیں۔	۶۰۳	جسے سوال کرنا حرام ہو اس کو دینا بھی ناجائز کہ یہ کسب حرام کا مؤید ہوتا ہے۔	۶۲۰
نفس کسب بے لحاظ مبادی وغایات کوئی حکم خاص نہیں رکھتا۔	۶۰۴	سوال حلال ہونے کی صورتیں۔	۶۲۰
کس قدر خورد ونوش اور لباس فرض ہے۔	۶۱۰	اگر کوئی شخص علماء شہر کے لئے وصیت کر جائے تو کون سے علماء اس میں داخل اور کون سے خارج ہوں گے۔	۶۲۸
کفایت اہل وعیال اور ادائے دیون ونفقات مفروضہ فرض ہے۔	۶۱۱	زن مفقود کو چار سال کے بعد امام مالک علیہ الرحمۃ جو اجازت نکاح دیتے ہیں اس کا مطلب۔	۶۴۱
فرض سے بری الذمہ ہونا فرض ہے۔	۶۱۱	آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا مذہب نہیں۔	۶۴۱
کس قدر کھانا پینا اور لباس واجب ہے۔	۶۱۱	جس عبارت میں صرف لفظ مکروہ ہو اس سے کیا ارادہ لیا جائے گا، تحریم یا تنزیہہ	۶۵۰،
سبب وغرض دونوں اقسام تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہوں تو کسب پر بھی وہی حکم ہوگا اور اگر مختلف اقسام سے ہوں تو پھر تین صورتیں ہیں۔	۶۱۷	فرض عین کا علم حاصل کرنا فرض عین، فرض کفایہ کا فرض کفایہ، واجب کا واجب اور مستحب کا مستحب ہے۔	۶۸۷
جب طلب ونہی میں سب وجوہ سے تساوی قوت ثابت ہو تو حکم کسب میں جانب نہی کو ترجیح ہوگی اور اگر دونوں کی قوت کم وبیش ہو تو اقوی کا اتباع ہوگا۔	۶۱۸		

سیرت وفضائل سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم		ذکر کرتے کرتے کھڑا ہوجانا، سینہ پر ہاتھ مارنا، ایک دوسرے پر گرپڑنا، لیٹ جانا اور رونا وغیرہ افعال اگر بحالت وجد صحیح ہیں تو حرج نہیں اور اگر ریاء کے لئے ہیں تو حرام ہیں۔	۱۸۲
آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں، نہ اس دن صحتیابی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرض وفات کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے۔	۲۷۱	اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بتانے والے کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔	۲۰۰
نقشہ انگشتری مبارک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۳۹۲	آدمی کو حظوظ نفس کی وسعتیں خراب کرتی ہیں۔	۵۱۷
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کی کمسن بچیوں کو یہ کہنے سے کیوں منع فرمایا "وفینا نبیّ یعلم مافی غد	۴۶۵"	تصوف کی چاشنی سے لبریز ایک مختصر اور انتہائی مفید مضمون۔	۵۱۷
اللہ تعالٰی کے بتانے سے اصالۃً غیب کا جاننا نبوت کی شان ہے۔	۴۶۶	بزرگان طریقت شیطان خصلت نہیں ہوتے۔	۵۸۳
حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا نعتیہ قصیدہ بارگاہِ رسالت میں پیش کیا جس میں تاقیامت علوم غیبیہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ثابت مانا۔	۴۶۶	جاہل کا پیر بننا حرام وناجائز ہے۔	۷۲۸
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آنے والی قوم کی خبردی۔	۴۹۶	وجد کی تین صورتیں ہیں۔	۷۴۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور پچھنے لگانے والے کو اجرت بھی دی۔	۵۴۸	**فضائل ومناقب**	
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت ربیع الاول میں بروز پیر ہوئی۔	۷۵۳	درود پاک کی فضیلت وبرکت۔	۱۲۳
تصوف وطریقت واخلاق		علم عبادت سے افضل ہے۔	۱۲۶
کچھ لوگ نماز کے بعد ذکر جلی کرتے ہیں ان پر وجد کی حالت طاری ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے پر گرپڑتے ہیں، ایسا کرنا شرعًا جائز ہے یا نہیں۔	۱۸۱	اہل محلّہ کا مل جل کر کھانا تیار کرنا تاکہ اس میں سے مساکین وفقراء، علماء وصلحاء اعزاء واقارب اور پڑوسی سب ہی کھائیں ابواب جنت کی تعداد کے برابر آٹھ خوبیوں کا حامل ہے۔	۱۳۶

اہمیت وفضیلت صدقہ وخیرات سے متعلق احادیث کریمہ۔	۱۳۷	قریش برکت کے درخت ہیں۔	۲۱۳
صدقہ اللہ تعالٰی کے غضب کو بجھاتا اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔	۱۳۷	عزت دار اور بہتر قریش ہیں۔	۲۱۴
آدھا چھوہارا صدقہ کرنا بھی دوزخ سے بچنے کا سبب ہوسکتا ہے۔	۱۳۷	اللہ تعالٰی کا انتخاب اور اس کی پسند۔	۲۱۶
مسلمان کا صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے۔	۱۳۸	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے۔	۲۱۸
تقویٰ وصلہ رحمی سے رزق وسیع، عمر دراز اور بری موت دور ہوتی ہے۔	۱۴۲	سب سے بہترین جان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہے۔	۲۱۹
تمام نیکیوں سے جلد تر ثواب صلہ رحمی کا ہے۔	۱۴۳	اعلٰی درجہ کے اشراف علماء وسادات ہیں۔	۲۲۲
صلہ رحمی کرنے والے محتاج نہیں ہوسکتے۔	۱۴۳	قوم فارس کی فضیلت۔	۲۲۵
بھلائی کے کام بری موتوں اور آفتوں سے بچاتے ہیں، جو دنیا میں احسان والے ہیں وہی آخرت میں احسان والے ہوں گے۔	۱۴۳	روز قیامت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب تر قریش ہوں گے۔	۲۳۲
لوگوں کو کھانا کھلانے والے کے فضائل۔	۱۴۸	صحابہ اور اہل بیت کی اولاد کے درجات۔	۲۴۳
مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور کھلانے والوں کے گناہ لے کر جاتا ہے۔	۱۵۰	فضائل اہلبیت۔	۲۴۳
دینی بھائیوں کو کھانا کھلانے کی فضیلت	۱۵۱	سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے چار افراد قدسی۔	۲۴۶
مشترکہ طور پر کھانا تیار کرکے کھانے اور علماء وصلحاء ومساکین و اقرباء کو کھلانے سے پچیس فوائد حاصل ہونے کی امید ہے۔	۱۵۳	حوض کوثر پر سب سے پہلے کون آئے گا۔	۲۴۶
کلمہ طیبہ اصل الاصول اور افضل الاذکار ہے۔	۱۷۸	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ وعلاقہ مضبوط تر اور غیر منقطع ہے۔	۲۵۰
اہل قریش کی فضیلت اور مقام ومرتبہ۔	۲۰۸	حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد "نوّرت مساجدنا نوّر اللہ قبرك یا ابن الخطاب"۔	۲۵۸
اسلامی حکومت کے والی قریش ہیں۔	۲۰۸	خوشبو لگانا سنت اور اس کے پسندیدہ ہونے پر دلائل حدیثیہ۔	۳۰۰
فقط ذکر قریش پر مشتمل قرآنی سورۃ۔	۲۱۳		

چار چیزیں سنن مرسلین میں سے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام۔	۳۰۱	عالم دین سنّی المذہب جو اپنے شہر کے اہل علم میں اعلم ہو وہ ضرور ان کا حاکم شرعی ہے۔	۶۸۱
مولانا ریاست علی خاں اور مولانا شاہ سلامت اللہ علیہما الرحمہ کی تحسین۔	۳۱۴	عوام کو علماء دین کی شان میں حسن ظن وحسن عقیدت لازم ہے۔	۶۸۱
منبر مسند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۴۰۹	عالم بے عمل اور جاہل باعمل میں سے کون افضل ہے۔	۶۸۶
تعریف قرآن مجید اور اس کے مناقب۔	۴۴۰	عالم دین کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے۔	۶۸۷
طالب علم بیٹے کو دوسری اولاد پر ترجیح دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔	۵۳۴	پیر واستاد علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ ہے۔	۷۰۱
افضل واعلٰی کسب مسنون سلطان اسلام کے زیر نشان جہاد شرعی ہے۔	۶۰۹	علم طب کے استاد اور علم حساب کے استاد میں سے کس کو افضیلت حاصل ہے۔	۷۰۵
جہاد کی فضیلت واہمیت	۶۰۹	سنی عالم دین کی تعظیم باعث اجر عظیم ورضائے خدا ہے۔	۷۱۲
انواع کسب میں بہترین جہاد، پھر تجارت، پھر کاشتکاری، پھر صنعت ہے۔	۶۱۰	علماء وسادات کو ربّ العزت نے اعزاز وامتیاز بخشا ہے تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امر شرع کا امتثال ہے۔	۷۱۸
علماء وارث انبیاء ہیں۔	۶۲۶	حفظ مراتب کو ملحوظ رکھنے سے متعلق احادیث کریمہ	۷۱۸
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم صرف ونحو، معانی وبیان وغیرہ کے محتاج نہ تھے۔	۶۳۱	علماء وسادات کو ممنوع ہے کہ اپنے لئے امتیاز چاہیں۔	۷۱۸
عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصًا نائب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۶۳۸	کسی شخص کا لوگوں سے اپنے لئے طالب قیام ہونا مکروہ اور لوگوں کا معظم دینی کے لئے قیام مندوب ہے۔	۷۱۹
قاری قرآن کے فضائل۔	۶۴۳	ذکر رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجل عبادات سے ہے۔	۷۲۴
محمد بن ابراہیم کے فضائل	۶۶۱	جہاں صحابہ کے بارے میں بد گمانی پھیلائی جائے وہاں ان کے فضائل بیان کرنا واجب بلکہ اہم فرائض ہے۔	۷۴۱

قرآن مجید میں تمام ماکان ومایکون کا بیان۔	۷۵۵	سیدنا حضرت حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد میں منبر بچھایا جاتا۔	۳۶۳
تاریخ وتذکرہ		بارگاہ رسالت میں حدی خوانی کے لئے صحابہ مقرر تھے۔	۳۶۴
سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضور انور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف سے کئی عمرے کئے۔	۱۲۲	سیدنا براء بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مناقب۔	۳۶۴
حضرت علی ابن موفق نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف سے ستر حج کئے۔	۱۲۲	حضرت انجشہ حبشی، عبداللہ بن رواحہ اور عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہم حدی خوان بارگاہ رسالت ہیں۔	۳۶۴
ابن سراج علیہ الرحمۃ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی طرف سے دس ہزار سے زائد قرآن ختم کئے اور دس ہزار کے قریب قربانیاں کیں۔	۱۲۲	روز عمرۃ القضاء دخول مکہ کے وقت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے آگے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ رجزیہ اشعار پڑھتے جارہے تھے۔	۳۶۵
حضرت ابوالمواہب درود شریف کا ثواب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ہدیہ کرتے جس کی برکت سے ایک لاکھ افراد کے شفیع بنادیئے گئے۔	۱۲۲	زمخشری معتزلی کا تفسیر میں بعض ابیات ہزل لانا علماء کرام نے سخت مذموم وخلاف ادب قرار دیا ہے۔	۳۹۱
جواہر خمسہ کیسی کتاب ہے اور اس میں وارد اعمال کیسے ہیں۔	۱۷۷	کان چھیدنا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعارف ومشہور تھا۔	۴۸۲
قبیلہ معد بن عدنان کے لئے موسٰی علیہ السلام کی بددعا اور اللہ تعالٰی کی وحی۔	۲۱۸	حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اکثر دن میں دوبار سر کے بالوں میں تیل ڈالتے تھے۔	۴۸۶
اولاد کسرٰی ہزار سال صاحب تخت وتاج رہی۔	۲۲۵	حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سیاہ خضاب سے منع کردیا گیا۔	۴۹۶
امام اعظم اور امام بخاری علیہما الرحمہ فارسیوں میں سے ہیں۔	۲۲۵	سب سے پہلے بالوں کو مہندی حضرت ابراہیم علیہ الصلٰوۃ و السلام نے لگائی۔	۴۹۸
واقعہ موسٰی علیہ السلام وخضر علیہ السلام۔	۲۳۹	سب سے پہلے خضاب سیاہ فرعون نے لگایا۔	۴۹۸
ابتداءً ہند میں ہر مسلمان کو ترک کہتے تھے۔	۲۵۵	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کیسا خضاب لگاتے تھے۔	۵۰۲

اصحاب الرقیم کا قصہ	۵۳۹	حفص قاری، حفص بن سلیمان ابوداؤد قراءۃ کے امام ہیں۔	۶۵۶
سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مشرکین قریش کے ساتھ شرط لگائی اور جیتی۔	۵۹۵	حفص بن غیاث حدیث کے امام، ثقہ، فقیہ اور حدیث کی چھ کتابوں کے روایوں میں سے ہیں۔	۶۵۶
امام غزالی علیہ الرحمہ نے منطق کا نام معیار العلوم رکھا ہے۔	۶۳۲	لیث صدوق ہے، مسلم و سنن اربعہ اور تعلیقات بخاری کے رواۃ میں سے ہے۔	۶۵۶
امام شافعی علیہ الرحمہ نے نماز فجر مزار امام اعظم پر پڑھی تو ادبًا دعائے قنوت نہ پڑھی۔	۶۴۰	لیث کی جرح وتعدیل سے متعلق ائمہ حدیث کے مختلف اقوال۔	۶۵۷
امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور دیگر ائمہ حدیث واقدی کے مخالف کیوں ہوئے۔	۶۶۳	ابن خراش کے بارے میں ائمہ حدیث کے اقوال۔	۶۵۸
حضرت لقمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکتب میں ایک لڑکی کو تعلیم دلاتے دیکھ کر فرمایا یہ تلوار کس کے لئے صیقل کی جارہی ہے۔	۶۹۲	احمد بن فرات امام، حافظ، ثقہ، فقیہ اور حجت ہے۔	۶۵۸
عمران بن حطان رقاشی کا قصہ۔	۶۹۲	محمد بن ابراہیم میں توقف پایا جاتا ہے، اس کے بارے میں اقوال ائمہ۔	۶۵۹
کتاب "جفر جامع" میں امام جعفر صادق علیہ الرحمہ نے ماکان ومایکون تحریر فرمادیا۔	۶۹۸	عقیل ثقہ، حافظ اور حجت ہے۔	۶۶۴
علم جفر میں لکھی گئی تصانیف اسلاف کا ذکر۔	۶۹۸	ابن مریم ثقہ، ثبت اور فقیہ ہے۔	۶۶۴
حضرت حسّان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد نبوی میں منبر بچھایا جاتا۔	۷۲۴	نافع بن یزید ثقہ اور عابد ہے۔	۶۶۴
واقعات کربلا بیان کرنے کو امام غزالی وغیرہ اکابر نے کن وجوہ سے حرام کہا۔	۷۴۰	ابراہیم بن مہدی مصیصی کیسا راوی ہے۔	۶۷۱
اسماء الرجال		**جرح وتعدیل**	
عبدالوہاب متروک ہے۔	۶۵۵	واضح سبب کے بغیر جرح مقبول نہیں۔	۶۶۰
جعفر بن نصر ثقہ راویوں سے باطل روایات نقل کرتا ہے۔	۶۵۶	محدثین جب کہیں "فلان کذّاب" تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔	۶۶۰
		معرفت تامہ اور ورع تام کے بغیر اسماء الرجال میں کلام کرنا جائز نہیں۔	۶۶۴

لغت		سیاہ مقول بالتشکیک ہے۔	۴۹۲
لفظ شیخ کے معانی۔	۱۹۹	**فلسفہ وسائنس**	
لفظ شیخ کے معانی اور اطلاقات۔	۲۵۵	فوٹو گراف اور فونو گراف میں فرق۔	۴۱۲
قرع و قلع کا معنی۔	۴۱۴	فوٹو گراف کی تصویر اپنی ذی الصورۃ سے مبائن اور اس کی محض ایک مثال وشبیہ ہوتی ہے۔	۴۱۲
طرب کا معنی۔	۴۳۳	فونو گراف سے جو سناجاتا ہے وہ خود اصل قاری کی آواز ہوتی ہے نہ کہ اس کی حکایت وتصویر۔	۴۱۲
صدا کس کو کہتے ہیں۔	۴۴۸	فونو سے جو سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہے جس کی صوت اس میں بھری ہے قاری ومتکلم ہو یاآلہ طرب وغیرہ۔	۴۱۴
تبرا کے معنی اظہارِ برات وبیزاری ہیں۔	۴۷۲	بذریعہ تلاوت جو فونو میں ودیعت ہوا پھر بتحریک آلہ جو اس سے ادا ہوگا سناجائے گا حقیقۃً وہ قرآن عظیم ہی ہے۔	۴۱۴
کتم کس چیز کا نام ہے اس کے معنی کی تحقیق۔	۵۰۲	آواز کی تعریف	۴۱۴
وسمہ کا معنی۔	۵۰۴	اللہ تعالٰی نے آواز کو گوش سامع تک پہنچانے کے لئے سلسلہ تموّج قائم فرمایا۔	۴۱۵
حمّی کا معنی۔	۵۱۸	ہوالینت ورطوبت میں پانی سے زائد تر ہے۔	۴۱۵
منطق		قرع اول سے متحرک ومتشکل ہونے والی ہوائے اول کا موجی سلسلہ قرع بہ قرع سوارخ گوش میں بچھے ہوئے پٹھے تک پہنچ کر اس کو بجاتا ہے جس سے اس میں وہ اشکال وکیفیات پیدا ہوتی ہیں جن کو آواز کہاجاتا ہے پھر اس ذریعے سے لوح مشترک میں مرتسم ہو کر نفس ناطقہ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں۔	۴۱۵
لذت کلی مشکک ہے۔	۴۳۳	عالم اسباب میں حدوث آواز کا سبب عادی قرع وقلع ہے۔	۴۱۵
وجود شیئ کے چار مراتب ہیں: (۱) وجود فی الاعیان (۲) وجود فی الاذہان (۳) وجود فی العبارۃ (۴) وجود فی الکتابۃ۔	۴۳۹	آواز سننے کا سبب عادی تموّج وتجدّد قرع وقلع تاہوائے جوف سمع ہے۔	۴۱۵
حق حصول اشیاء باشباحہا ہے نہ بانفسہا	۴۴۰		

جتنا فصل بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج وقرع میں ضعف آتا جاتا ہے۔	۴۱۵	قرع وقلع سے ہوا دبے گی اور اپنی لطافت ورطوبت کے باعث ضرور اس کی شکل وکیفیت قبول کرے گی اسی کا نام آواز ہے اور صرف یہ دبنا تموّج نہیں۔	۴۱۸
دور کی آواز کم کیوں سنائی دیتی ہے اور ایک حد کے بعد بالکل ختم ہوجاتی ہے۔	۴۱۵	اگر تشکل مقروع اپنے بعد کے اجزاء متحرک ہونے کا محتاج ہو تو چاہئے کہ تموج باقی رہے اور تشکل ختم ہوجائے اور یہ باطل ہے۔	۴۱۹
تموج ایک مخروطی شکل پر پیدا ہوتا ہے۔	۴۱۵	سلسلہ تموّج میں تسلسل باطل ہے۔	۴۱۹
زمین سے مخروط ظلی، آنکھ سے مخروط شعاعی اور آفتاب سے مخروط نوری نکلتا ہے۔	۴۱۶	تموج حرکت ہے اور حرکت زمانی ہے۔	۴۲۲
مخروطات تموج ہوائی کے اندر جو کان واقع ہوں ایک ایک ٹھپا سب تک پہنچے گا اور سب اس آواز کو سنیں گے جو کان ان مخروطوں سے باہر رہے وہ نہ سنیں گے۔	۴۱۶	سننے کا سبب ہوائے گوش کا متشکل بشکل آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور اس قرع کا سبب بذریعہ تموج حرکت کا وہاں تک پہنچنا ہے۔	۴۲۷
ٹھپوں کے تعدد سے آواز میں تعدد لازم نہ آئے گا۔	۴۱۶	ذریعہ حدوث قلع وقرع ہیں اور وہ آنی ہیں حادث ہوتے ہی ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شکل وکیفیت جس کا نام آواز ہے باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضرور نہیں۔	۴۲۷
آواز اس شکل وکیفیت مخصوصہ کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ میں قرع یا قلع سے پیدا ہوتی ہے۔	۴۱۶	آواز کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے۔	۴۲۷
پانی میں غوطہ لگانے والے دو شخصوں میں سے ایک کی آواز دوسرا سن سکتا ہے۔	۴۱۶	آواز آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف کی صفت ہے، ہوا ہو یا پانی وغیرہ۔	۴۲۷
پانی اتنا لطیف نہیں جتنی ہوا ہے۔	۴۱۶	آواز کنندہ کی موت کے بعد آواز قائم رہ سکتی ہے۔	۴۲۸
آواز کا ظاہری وعادی سبب قریب قرع وقلع ہے۔	۴۱۷	انقطاع تموّج انعدام سماع کا باعث ہوسکتا ہے نہ کہ انعدام صوت کا۔	۴۲۸
اس بات کا اثبات کہ حدوث آواز کو قرع وقلع بس ہے تموج کی حاجت نہیں۔	۴۱۸	تموج کے دوبارہ حدوث سے تجدید سماع ہوگی۔	۴۲۸

نہ کہ دوسری آواز پیدا ہوگی۔	۴۲۸	**ظروف**	
وحدت آواز وحدت نوعی ہے۔	۴۲۸	مشرکین کے برتن بغیر دھوئے استعمال کرنا مکروہ ہے۔	۱۱۶
لطافت ورطوبت جس طرح باعث سہولت انفعال ہے یونہی مورث سرعت زوال بھی ہے۔	۴۲۹	**دیکھنا اور چھونا**	
کیفیات اشکال اصوات کے تحفظ کا پہلے کوئی ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں تھا اب بمشیت الٰہی یہ آلہ ایجاد ہوگیا جس میں آوازیں ایک زمانہ تک محفوظ رہ سکتی ہیں۔	۴۲۹	عورتوں کا بے پردہ پھرنا حرام، اور ان کے شوہر اگر اس پر راضی ہیں تو دیّوث ہیں۔	۵۷۸
جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن مرقوم ہے اسی طرح جو فونو میں بھرا گیا اور اب اس سے ادا ہوتا ہے بالکل وہی قرآن ہے نہ کہ غیر قرآن۔	۴۴۳	لڑکیوں کا غیر مردوں کے سامنے خوش الحانی سے نظم پڑھنا حرام ہے۔	۶۹۰
صدا میں ہواسی تموج اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ کی ٹھیس سے وہ تموج زائل ہوکر تموج تازہ اس کیفیت سے متکیف ہم تک آتا ہے۔	۴۴۸	بچیوں کو کتابت سکھانا اور عاشقانہ نظمیں پڑھانا ممنوع ہے۔	۶۹۰
مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق کہ بصورت صدا پہاڑ وغیرہ سے ٹکرا کر ہوا ہی دوسری اس کیفیت سے متکیف ہوکر آتی ہے نہ کہ ہوائے اول۔	۴۵۰	کافرہ عورت سے مسلمان عورت کو پردہ لازم ہے۔	۶۹۲
اثر وقوع دو۲ ہیں: ۱تحرک ۲تشکل۔	۴۵۱	**لباس**	
جو صدمہ تحرک کو روک دے وہ تشکل کو بھی نہیں رہنے دیتا۔	۴۵۱	پائنچے ٹخنوں کے نیچے رکھنا مکروہ تنزیہی یعنی صرف خلاف اولٰی ہیں جبکہ بنیت تکبّر نہ ہو۔	۹۷
طب		انگریزی وضع کا بوٹ ممنوع ہے۔	۹۸
نبض کا اختلاف اعتدال سے طبیعت کے انحراف پر دلیل ہے۔	۷۰۰	جس لباس کا پہننا ناجائز ہو اس میں نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۱۰۱
		محرم میں سبز اور سیاہ کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے۔	۷۵۶

حلق وقصر		بھنگی مسلمان ہوا مگر پیشہ ترک نہیں کیا اس کے ہاں دعوت پر جاکر کھانا شرعاً کیسا ہے۔	۵۷۱
سر کے بال ترشوا کر چھوٹے چھوٹے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔	۹۷	جس کے پاس سودی کے ساتھ جائز آمدنی بھی ہے اس کے ہاں کھانا کیسا ہے۔	۵۸۷
داڑھی کترواکر مشت سے کم کرنا اور سیاہ خضاب لگانا حرام ہے۔	۹۸	دعوت کھانی فی نفسہٖ حلال ہے جب تک معلوم و متحقق نہ ہو کہ جو کھانا ہمارے سامنے آیا ہے بعینہٖ حرام ہے۔	۶۸۱
انگریزی بال رکھنا خلاف سنت وضع فسّاق ہے۔	۱۰۰	**لہو ولعب**	
شرب وطعام		ڈھول بجانا رقص کرانا ممنوع ہے۔	۹۸
ہندوؤں کے یہاں کا گوشت وغیرہ کھانا شرعاً کیسا ہے۔	۹۵	بالقصد راگنی پر قرآن عظیم کو درست کرنا یعنی گانے کی طرح پڑھنا ضرور حرام ہے۔	۳۶۰
فاسقوں کے یہاں کا کھانا فی نفسہٖ حرام نہیں۔	۱۰۰	بالجملہ ممانعت گانے میں یا معاذاللہ اشعار ہی خود برے ہوں۔	۳۶۵
جو شخص سود خور ہے اور حلال کمائی بھی رکھتا ہے اس کی دعوت قبول کرنے سے احتراز چاہئے اگرچہ اس میں فتوٰی جواز ہے۔	۱۰۳	تماشاگاہوں اور شادی وغیرہ کی مجلسوں میں حمد ونعت وغیرہ پڑھنا کیسا ہے۔	۴۰۵
چوری اور جوئے وغیرہ سے حاصل شدہ مال پر ختم پڑھنا حرام، اس کا کھانا حرام اور اس کو کھانے والا قابل امامت نہیں۔	۱۱۲	باجا بجانا ناجائز، ہندوؤں کے ہاں بجانا اور سخت ناجائز اور ان کے شیطانی تہوار میں بجانا اور بھی سخت حرام در حرام ہے۔	۵۵۶
جس شخص کے پاس مال حرام وحلال مخلوط ہوں اور اس کا خاص حرام ہونا معلوم نہ ہو یا زر حرام سے کوئی چیز خریدی جس کی خریداری میں زر حرام پر نقد وعقد جمع نہ ہوئے ہوں تو اس پر ختم وفاتحہ پڑھنے اور اس کو کھانے میں حرج نہیں اگرچہ خلاف احتیاط ہے۔	۱۱۳	ہنود کے تہوار میں باجا بجانے والا اگر باز نہ آئے تو اس کی مسلمان برادری اس سے بائیکاٹ کرے۔	۵۵۶
ہنود عموماً ناپاکیوں میں آلودہ رہتے ہیں لہٰذا ان کی بنائی ہوئی مٹھائی وغیرہ سے پرہیز چاہئے۔	۱۱۵	جو قوالی یہاں رائج ہے ناجائز ہے۔	۵۶۰

اباحت سماع کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ ان میں کوئی امرد نہ ہو۔	۷۲۲	**حقوق العباد**	
خوش الحان چھوکروں سے محفل میلاد میں فارسی واردو غزلیں اور اشعار گانے کی طرز پر پڑھوانا ممنوع ہے۔	۷۳۲	پردیس میں بال بچے دار کو کب تک رہنا چاہئے۔	۳۸۸
امور خیر میں تعاون		زید کا نابینا باپ اپنی خوشی سے حسب عادت بازار میں سامان فروخت کرنے جاتا ہے تو زید پر الزام نہیں، اور اگر زید اسے مجبور کرتا ہے تو ضرور گنہگار ونالائق ہے۔	۵۴۵
اجناس سے ایک ایک مٹھی ہر کھانے کے موقع پر مدرسہ دینیہ کی اعانت کے لئے الگ کرلینا جائز ومستحب ہے، ایسا کرنے والے اور اس کے مؤیدین سب کے لئے اجر جزیل ہے۔	۱۲۶	باپ کا حق بیٹے پر ہمیشہ رہتا ہے یونہی بیٹے کا حق باپ پر۔	۵۴۶
امور خیر کے لئے چندہ کرنا بدعت نہیں بلکہ سنت سے ثابت ہے۔	۱۲۷	شاگرد کے ذمّے استاد کے حقوق کس قدر ہیں، استاد کے احکام کی نافرمانی میں شاگرد کی نسبت کیا حکم ہے، شاگردنات کا پردہ استاد سے بعد بلوغ ہونا چاہئے یا قبل بلوغ بھی۔	۶۳۷
احادیث مبارکہ سے تائید۔	۱۲۷	استاد کا حق ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم ہے۔	۶۳۸
مختلف مواقع پر صحابہ کرام کے چندہ اکٹھا کرنے کے متعدد واقعات۔	۱۲۸	جس سے اس کے استاد کو اذیت پہنچی وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا۔	۶۳۹
تہمت وبہتان وغیبت		ماں باپ محتاج ہوں ان کی ہلاکت کا خدشہ ہو تو بیٹے کو سفر پر نہیں جانا چاہئے۔	۷۰۳
کون سی غیبت ممنوع اور کونسی غیر ممنوع ہے۔	۹۶	بیٹے کو سفر سے روکنا باپ پر کس صورت میں لازم ہے۔	۷۰۴
مسلمان پر جھوٹی تہمت زنا گناہ کبیرہ ہے، اس کے مرتکب کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔	۹۸	بڑا بھائی والد کے مشابہ ہے۔	۷۰۷
مصاحبت ومجالست		استاد کا انکار کفران نعمت ہے۔	۷۰۷
فاسقوں سے میل جول نہ چاہئے خصوصًا مقتداء کو۔	۱۰۰	حقوق عامہ میں دست اندازی ناجائز ہے۔	۷۲۴

حِیَل		**امر بالمعروف**	
اجرت پر قرآن وغیرہ پڑھوانے میں جواز کی صورت۔	۵۳۷	نہی عن المنکر اپنی شرائط کے ساتھ ضرور فرض ہے مگروہ زجر وتوبیخ میں منحصر نہیں۔	۶۸۱
کسی ذریعہ حرام سے حاصل کردہ مال سے سبکدوشی کا طریقہ۔	۵۵۱	لوگوں کو اچھائی کی طرف بلانے والے کا اجر اور برائی کی طرف بلانے والے کا وبال۔	۷۳۴
ناپاک مال کو پاک کرنے کا حیلہ	۵۶۱	**ترغیب وترہیب**	
بیاج (سود) کو جائز کرلینے کا حیلہ کرنا مسلمان کی شان نہیں۔ البتہ بیاج سے نجات حاصل کرنے کا حیلہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔	۵۶۸	بے نمازی سخت شقی، فاسق، فاجر، مرتکب کبائر مستحق جہنم ہے۔	۹۹
رشوت میں حاصل شدہ مال واپس کرنا یا معاف کرانا از قبیل محال ہوگیا ہو تو برأت وتوبہ کی کیا صورت ہوگی اور مال کس مصرف میں صرف کیا جائے۔	۵۷۴	جو رزق میں وسعت اور مال میں برکت چاہتا ہے۔ وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔	۱۴۱
طوائف کی ناجائز آمدنی اور جائداد کا مصرف کیا ہوسکتا ہے، اس کے لئے وہ کس صورت میں جائز ہوسکتی ہے۔	۵۸۸	غیر سید جو دیدہ دانستہ سید بنتا ہو وہ ملعون ہے۔ اس کا فرض ونفل قبول نہیں۔	۱۹۸
مال حرام سے بچنے اور اس سے سبکدوش ہونے کا طریقہ۔	۵۹۳	باپ کے سوا دوسرے کی طرف نسب منسوب کرنے والے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۱۹۸
وکالت		مسلمانوں کو دھوکہ دینے والے کے لئے سخت وعید۔	۲۰۰
وکیل نے مؤکل کی اشرفیاں اپنی اشرفیوں میں ملادیں تو وکیل پر ضمان لازم ہے، اور ضمان میں مؤکل کا تصرف جائز ہے۔	۵۵۴	جو شخص کسی کو برے لقب سے پکارے اس پر فرشتے لعنت کرتے ہیں۔	۲۰۴
تہذیب وتمدّن		مسلمان کو ایذا دینے والا رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے۔	۲۰۴
مشاہدہ شاہد ہے کہ شریف میں دیگر اقوام سے حیاء وحمیت وتہذیب ومروّت وغیرہا بکثرت اخلاق حمیدہ موہوبہ ومکسوبہ میں زائد ہیں۔	۲۲۴	آل رسول، انصار اور عرب کی تعظیم نہ کرنے والے پر سخت وعید۔	۲۵۳

جواپنے باپ کے سوادوسرے کواپناباپ بتائے اس پرجنت حرام ہے۔	۲۵۶	مجلس لہوولعب میں شریک ہونا ناجائز ہے اس پر آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔	۴۵۷
فضول خرچی کی مذمت اوراس پروعید شدید۔	۲۷۹	جوسیاہ خضاب لگائے وہ جنت کی خوشبونہ پائے گا۔	۴۹۲
ایک ناپاک وملعون رسم کابیان جس پر صدہا لعنتیں اللہ تعالٰی کی اترتی ہیں۔	۲۸۰	اللہ تعالٰی کی تخلیق میں تبدیلی کرنے والی عورتوں پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔	۴۹۳
لہوولعب میں مستغرق شخص کی مذمت قرآن وحدیث سے۔	۲۹۲	سیاہ خضاب لگانے والوں کے لئے وعیدِ شدید۔	۴۹۶
اللہ تعالٰی کے سب سے بڑے دشمن تین شخص ہیں۔	۳۲۶	اللہ تعالٰی قیامت کے روز سیاہ خضاب کرنے والوں کی طرف نظر کرم نہ فرمائے گا۔	۴۹۷
خوش آوازی کے بعد قرآن مجید تلاوت کرنے کی ترغیب میں دس حدیثیں۔	۳۵۵	اللہ تعالٰی بوڑھے کوّے کو دشمن رکھتا ہے۔	۴۹۷
مسجد بنانا خیر کثیر ہے۔	۳۹۶	زرد خضاب مومن کا، سرخ خضاب مسلمان کا اور سیاہ خضاب کافر کا ہے۔	۴۹۷
اگرفونو کی پلیٹیں نجس مسالا کی بنی ہوئی ہیں تو اس میں قرآن مجید کا بھرنا حرام قطعی اور سخت گناہ ہے اور اس پر مطلع ہونا کے باوجود اس میں قرآن بھروانے والے، سنانے والے اور اس پر راضی ہونے والے سب گنہگار ہوں گے۔	۴۵۲	سپیدی نور ہے جس نے اس کو چھپایا اس نے نور کو زائل کیا۔	۴۹۸
فونو کا عام طور پر بجانا، سننا، سنانا سب کھیل تماشے کے طور پر ہوتا ہے اور قرآن عظیم کھیل تماشے کے لئے نہیں اُترا۔	۴۵۵	سیاہ خضاب کرنے والوں کا چہرہ اللہ تعالٰی قیامت کے روز کالا کرے گا۔	۴۹۹
قرآن مجید کو کھیل تماشے کے طور پر سننے والوں اور دین کو کھیل تماشا بنانے والوں کے لئے وعید شدید۔	۴۵۵	داڑھی منڈانے یا سیاہ کرنے والے کے لئے اللہ تعالٰی کے ہاں کوئی حصہ نہیں۔	۴۹۹
جس مجلس لہوولغو میں کھیل تماشے کے طور پر قرآن مجید سنا جارہا ہو وہاں اگر کوئی شخص تذکرو تفکر کے طور پر بھی سُنے تو گناہ سے بری نہ ہوگا۔	۴۵۷	ادھیڑ عمر والوں میں سے جوانی جیسی صورت بنانے والا بدترین ہے۔	۴۹۹
		ہندوؤں کے سودی معاملہ کی وثیقہ نویسی کرنے والے کا استفتاء اور مصنف علیہ الرحمہ کا حکیمانہ جواب اور اس پیشہ کو فوراً ترک کرنے کی تلقین اور قضائے حاجات کے لئے اعمال مجربہ کی تعلیم۔	۵۵۶

بلاضرورت شرعیہ ومجبوری صادق سودی روپیہ قرض لینا حرام اور شدید گناہ کبیرہ ہے۔	۵۵۹	**تعزیہ**	
وعدہ خلافی پر قرآنی وعید۔	۵۶۰	ماتم ونوحہ محرم وغیر محرم میں حرام ہے۔	۴۰۷
سود کھانے، کھلانے اور تعاون کرنے والوں پر لعنت۔	۵۸۷	**تعزیر**	
ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے اشد ہے۔	۵۹۷	لغزشیں۔	۲۲۲
قرآن مجید بھول جانے پر سخت وعیدیں وارد ہیں۔	۶۴۵	استاد کا شاگرد کو بدنی سزا دینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی کے بجائے ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہیں ہونی چاہئے۔	۶۵۲
مسلمان کی ناحق ایذا خدا اور رسول کی ایذا ہے۔	۶۴۹	**نفقہ**	
علماء حق کی تحقیر معاذاللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین ہے۔	۶۴۹	بیٹا جب جوان ہوجائے تو باپ پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔	۵۴۶
تین شخصوں کے حق کو ہلکا نہ جانے گا مگر کھلا منافق۔	۶۴۹	**وقف**	
اپنے آپ کو بہتر سمجھنا تکبر ہے اور متکبرین کا ٹھکانا جہنم ہے۔	۶۵۰	بیع فاسد سے خریدے ہوئے گھر پر قبضہ کرنے کے بعد خریدار نے اسے فقیروں پر وقف کردیا تو وہ وقف ہوگیا۔	۵۴۲
سخن پروری یعنی دانستہ باطل پر اصرار ومکابرہ ایک کبیرہ، عبارات علماء میں کچھ الفاظ اپنی طرف سے الحاق کرکے ان پر افتراء دوسرا کبیرہ، علماء کو اساتذہ کو دھوکا دینا تیسرا کبیرہ ہے۔	۶۸۲	ملک کی خباثت وقف کی صحت سے مانع نہیں۔	۵۴۳
جھوٹا مسئلہ بیان کرنا سخت کبیرہ ہے۔	۷۱۱	**حقہ وپان**	
بے علم فتوٰی دینے والا لعنتی ہے۔	۷۱۶	حقہ پیتے ہوئے سبق پڑھانا برا ہے۔	۳۷۶
عورت کے ساتھ دو اور امرد کے ساتھ ستر شیطان ہوتے ہیں۔	۷۲۱		

قلیان کشیدن یعنی حقہ نوشی کا شرعی حکم۔	۴۹۹	جتنا واجبی خرچہ ہے مدعا علیہ جھوٹے مدعی سے لے سکتا ہے سچے مدعی سے لینا حرام ہے اور مدعی سچا ہو یا جھوٹا مدعا علیہ سے نہیں لے سکتا۔	۵۷۱
تصویر		عہدہ قضاء قبول کرنا کب فرض، کب مکروہ اور کب حرام ہے۔	۶۱۰
طلسم تصاویر سے خالی نہیں اور تصویر حرام ہے۔	۷۰۰	**یمین**	
بغض وحسد		کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھالی پھر دیکھا کہ اس کا کرنا بہتر ہے تو وہ کام کرلے اور قسم کا کفارہ ادا کرے۔	۶۳۷
حسد کار شیطان ہے۔	۵۷۹	**مرض وتداوی**	
تقویٰ		حرام چیز دواءً استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ہمارے ائمہ اصل مذہب ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ جائز نہیں۔	۳۴۷
اگر معلوم ہو کہ مستاجر کا مال اکثر حرام ہے تو متقی کا کام اس سے بچنا ہے۔	۵۱۷	**کرامات**	
جسے اپنے دین کا کامل پاس ہو وہ غلبہ حرام کی صورت میں احتراز ہی کرے۔	۵۲۱	کرامات اولیاء ورؤیائے صالحہ سے لاعلاج مریض درست ہوگئے۔	۱۵۶
وارث کو صرف اتنا معلوم ہے کہ ترکہ میں مال حرام بھی ملا ہے مگر نہ مال متمیز اور نہ ہی مستحق معلوم تو دیانۃً احتراز افضل ہے اور حکم جواز ہے۔	۵۳۵	سات برس سے بہنے والا پھوڑا ٹھیک ہوگیا۔	۱۵۶
حرام سے جتنا بچ سکے بچنا لازم ہے۔	۵۶۹	امام حاکم صاحب مستدرک کے منہ پر نکلے پھوڑے درست ہوگئے۔	۱۵۶
دعویٰ وقضاء		**تاوان وضمان**	
وظیفہ مقرر ہونے کے باوجود قاضیوں کا لوگوں سے زبردستی یا گڑگڑا کر کچھ لینا کیسا ہے۔	۵۶۴	اگر کوئی کسی کا گھڑا توڑ دے تو اس کا تاوان دے۔	۱۰۱

تاوان کا روپیہ جمع کرنا کیسا ہے۔	۵۵۸	اذان میں "خلیفہ بلافصل" کا اضافہ خود رافضیوں کے مذہب کے خلاف ہے۔	۶۷۳
رَدِّ بدمذہباں ومناظرہ		کلمہ "خلیفہ بلافصل" کے تبرا ہونے کا ثبوت کتب شیعہ سے۔	۶۷۸
آج کل وہابیہ وغیرہ مبتدعین میں تقیہ بہت رائج ہے۔	۹۶	تقویت الایمان سخت بددینی وضلالت کی کتاب ہے۔	۶۸۰
رد تقویۃ الایمان	۲۴۹	وہابیوں کے پاس اپنے بچوں کو پڑھانا حرام ہے۔	۶۸۲
وہابیہ تمام جاہل ہوتے ہیں۔	۳۱۶	غیر مقلدوں سے مسئلہ دریافت کرنا حماقت ہے۔	۶۸۲
وہابی مفتی کو اسراف کا معنی معلوم نہیں۔	۳۱۶	لزوم مناظرہ کی شرائط کا ذکر۔	۶۹۰
آج کل کے مخالف اہلسنت کی روش ہے کہ جس چیز کو چاہا شرک وبدعت وضلالت کہہ دیا۔	۳۲۰	غیر مذہب والیوں کی صحبت آگ ہے۔	۶۹۲
رافضیوں کی مجلس میں جانا سخت حرام ہے۔	۴۰۷	بہشتی زیور وغیرہ جیسی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔	۶۹۲
مصنف علیہ الرحمہ نے سبب آواز کے بارے میں قدماء سے اختلاف کیوں کیا۔	۴۱۷	بدمذہب استاد کا صحیح المذہب شاگرد پر کیا حق ہے۔	۷۰۶
فلاسفہ غلط کاری وخطاء شعاری کے عادی ہیں۔	۴۱۸	دیوبندی کا وعظ سننا، اس سے فتویٰ لینا، میل جول رکھنا جائز نہیں۔	۷۱۰
حدوث آواز سے متعلق نظریات فلاسفہ کا ابطال اور ان کے استدلالات کا جواب۔	۴۱۹	روافض حضرت ابوبکر صدیق وعمر وعثمان اولاد امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر کیوں ترک کرتے ہیں۔	۷۴۱
علامہ سید محمد عبدالقادر الاہدل شافعی کے مؤقف کا دس وجوہ سے رَد۔	۴۳۳	رافضی سے مجلس شریف پڑھوانا حرام ہے۔	۷۵۷
روافض کے زعم باطل میں استحقاق خلافت حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الاسنیٰ میں منحصر تھا، اور خلفاء ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت علی المرتضیٰ کا یہ حق چھین لیا تھا۔	۴۷۲	مجالس روافض اوران کی خرافات میں شرکت حرام ہے۔	۷۵۷
روافض نے گویا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عیاذًا باللہ سخت نامرد، بزدل، تارک حق اور مطیع باطل بتایا۔	۴۷۲		

متفرقات		شعر اچھا بھی ہے اور برا بھی۔	۴۵۹
تقریب نکاح وغیرہ میں آکر مانگنے والے نقالوں کو کچھ دینا کس صورت میں جائز ہے۔	۱۲۵	دوستی بے خرداں دشمنی است۔	۴۷۲
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ایک شاعر سائل کو کچھ دینے کے بارے میں حضرت بلال کو حکم۔	۱۲۵	مصنف کی تحقیق کہ حنا وکتم کے خضاب کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔	۵۰۳
زید کے پاس کچھ روپیہ وجہ حلال کا اور کچھ حرام کا ہے زید یہ بھول گیا ہے کہ اس میں وجہ حلال کا کتنا روپیہ ہے اب اگر زید اس روپے سے خیرات کرنا چاہے تو کیسے کرے۔	۱۳۰	پیشہ وران ذیل کے بارے میں شرع کیا حکم دیتی ہے: (۱) قاطع الشجر (۲) ذابح البقر (۳) دائم الخمر (۴) بائع البشر۔	۵۳۹
یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں منکر رشد وانکر کا مرتکب کردیتا ہے۔	۱۷۳	ایک عورت پر جن آتا ہے جس کو وہ علانیہ دیکھتی ہے اور وہ عورت کو روپے نوٹ وغیرہ دے جاتا ہے وہ عورت ان نوٹوں کا کیا کرے۔	۵۷۶
عورتوں کا آپس میں ہنسی مذاق مشروط طور پر جائز ہے۔	۱۹۴	جیلوں میں قیدیوں سے جو اشیاء تیار کرائی جاتی ہیں ان کا خریدنا اور استعمال کرنا کیسا ہے۔	۵۹۶
حروف کی تین قسمیں ہیں: لفظیہ، فکریہ، خطیہ۔	۴۲۶	تسبیح لکڑی کی ہو یا پتھر کی، جائز ہے مگر بیش قیمت ہونا مکروہ اور سونے چاندی کی حرام ہے۔	۵۹۷
صورت جبرائیل	۴۴۱	فلسفہ کی کتب کو درس نظامی میں کیوں شامل کیا گیا۔	۶۳۶
فونو ایک آلہ مطلقہ ہے جس کی نسبت ہر گونہ آواز کی طرف ایسی ہی ہے جیسے اوزانِ عروضیہ کی کلام کی طرف بلکہ حروف ہجاء کے معنی کی طرف۔	۴۵۸	علی گڑھ یونیورسٹی میں تعلیم وتعلم اور اس کی اعانت سے متعلق چار سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۶۸۴
حروف ہجاء من حیث ھی حروف الہجاء علوم رسمیہ میں کسی خاص معنی کے لئے وضع نہیں کئے گئے بلکہ وہ آلہ تادیہ معانی مختلفہ ہیں ان سے اچھے برے جیسے معانی چاہیں ادا کرسکتے ہیں۔	۴۵۸	کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔	۷۲۰
تلوار بہت اچھی بھی ہے اور سخت بری بھی۔	۴۵۸		

نمازوطہارت

(امامت، جماعت، استنجاء، وضو، غسل، تیمّم وغیرہ)

مسئلہ ۱: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو مولوی واعظ داں ہو کر گاؤں درگاؤں ہندوؤں کے یہاں کھانا کھائے اور ایک عورت کو ساتھ لئے پھرے **اس کے پیچھے نماز درست** ہے یا نہیں؟ اور وہ امام کے قابل ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہندوں کے یہاں کا گوشت حرام ہے جب تک وہ گوشت اس جانور کا نہ ہو جسے مسلمان نے ذبح کیا اور اس وقت تک مسلمان کی نظر سے غائب نہ ہوا باقی کھانے اگر ان میں وجہ حرمت نہ معلوم ہو تو حلال ہیں ایک عورت کو ساتھ لئے پھرنا نہایت گول لفظ ہے کیسی عورت کیونکر ساتھ لئے پھرنا خادمہ بنا کر یا زوجہ بنا کر یا معاذاللہ فاسد طریقے پر، اور خادمہ ہے تو نوجوان ہے یا حد شہوت سے گزری ہوئی بڑھیا، اور اس سے فقط پکانے وغیرہ کی معمولی خدمت لیتا ہے یا تنہائی میں یکجائی کا بھی اتفاق ہوتا ہے۔ اور زوجہ ہے تو پردہ میں رکھتا ہے یا بے پردہ لئے پھرتا ہے، اگر حد شہوت سے گزری ہوئی بڑھیا ہے۔ یا جوان ہے اور اس سے معمولی خدمت لیتا ہے اور ساتھ اور لوگ بھی ہیں کہ اتفاق خلوت میں نہیں ہوتا یا زوجہ ہے اواسے پردے میں ساتھ رکھتا ہے تو حرج نہیں۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: از برہما ملک بنگالہ مرسلہ عبدالرشید

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی جاہل نے کسی مسجد کے پیش امام عالم کی غیبت کی اور اس امام کے پیچھے نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور دوسرے مکانوں میں اس امام کو جو کھانا وغیرہ مقرر تھے اس نے ان لوگوں سے امام کی برائیاں بیان کرکے سب موقوف کرادیا جب لوگوں نے اس امام کی برائی پر گواہ طلب کیا وہ قاصر ہوگیا۔ان سب صورتوں میں وہ مرتکب گناہ کبیرہ ہوا یا نہیں؟ بر تقدیر اول حسب شرع اس پر کیا سزا لازم آتی ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

یہ سوال سب مجمل ہے اور حال زمانہ مختل ہے۔سب لوگ عالم کہلاتے ہیں اور وہ بوجہ وغیرہ بدمذہب ہونے کے ہزار درجہ فاسق جاہل سے بدتر ہیں اور آج کل وہابیہ وغیرہم مبتدعین میں تقیہ بہت رائج ہے خصوصاً جہاں روٹی کا معاملہ ہو،روٹی کے لئے دین بیچنا ان کے نزدیک بہت آسان بات ہے۔معاملہ غیر ملک کا ہے۔اور غیب کا علم خدا کو ہے اگر صورت واقعہ کہیں یہی ہوں کہ عالم بننے والا پیش امام تقیہ کئے ہوئے سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہو اور کسی سنی کو اس کے حال باطن پر اطلاع ہوگئی تو اس کی تشہیر اور اس کے اخراج کی تدبیر جو کچھ اس سنی نے کی اس پر اجر عظیم کا مستحق ہے اور گواہ نہ پاسکا کہ تقیہ والوں کی حالت پر گواہوں کا ملنا بہت دشوار ہوتا ہے تو اس پر کوئی الزام نہیں،حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اترعون عن ذکر الفاجر متی یعرفہ الناس اذکروا الفاجر بما فیہ یحذرہ الناس[1]۔	کیا تم بدکار کا تذکرہ کرنے کے سلسلے میں رعایت کرتے ہو تو پھر لوگ اسے کب پہچانیں گے لہٰذا بدکار جو جرم کرے اس کا ذکر کیا کرو تاکہ لوگ اس سے ہوشیار رہیں اور بچ سکیں۔(ت)

اور اگر واقع میں وہ عالم سنی ہے،اور اس نے جس عیب کی اشاعت کی اس کے سبب سے مسلمانوں کو ضرر تھا اور اطلاع دینے میں اس کا دفع تھا اور اس نے اس کے ضرر ہی کی نیت سے محض بغرض خیر خواہی مسلمین یہ کاروائی کی جب بھی اس پر الزام نہیں نہ شرعاً ایسی غیبت ممنوع ہے

[1] تاریخ بغداد للبغدادی ترجمہ جارود بن یزید ۳۴۴۵ و حسن بن احمد ۳۵۱۷ بیروت ۷/ ۲۶۲ و ۲۶۸،تاریخ بغداد للبغدادی ترجمہ محمد بن احمد ۳۴۸ دارالکتب العربی بیروت ۱/ ۳۸۲

اور اگر یہ بھی نہ تھا بلکہ صرف اس عالم کی غیبت چنی اور اسے ضرر رسانی کی غرض سے ایسی حرکت کی تو یہ شخص سخت کبیر کا مرتکب ہے اور حاکم شرع کے حضور سخت سزا کا مستحق ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلثة لایستخف بحقھم الامنافق ذوالعلم وذو الشیبة فی الاسلام وامام مقسط [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جائے گا مگر منافق ایک عالم، دوسرا وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید امامت کا بہت شائق ہے جس وقت مقررہ (امام) مسجد نہیں ہوتے ہیں وہ تو وہ باوصف اس کے کہ اس سے (افضل) جماعت میں ہوتے ہیں خود جرأت کرکے مصلی امام پر لپک جاتا ہے اکثر نمازی اس کی اقتداء سے متنفر ہوکر علیحدہ ہوجاتے ہیں کیونکہ ان کی سچی شہادتوں سے تحقیق ہوچکا ہے کہ زید ولدالزنا ہے علاوہ اس کے جھوٹی گواہیاں عدالتوں میں دیتا ہے اور لباس وصورت اس کی خلاف شرع ہے لیکن بعض شخص بوجہ عدم واقفیت اور بعض بسبب قرابت ورعایت کے سکوت کرکے اقتدا کرلیتے ہیں اس کی صورت اور لباس کا نقشہ یہ ہے سر کے بال کترے ہوئے، نہ منڈائے نہ دراز، داڑھی ایک مشت سے کم جس پر سیاہ خضاب، لباس اچکن بٹن دار، جیب گھڑی لگی ہوئی، پاجامہ نیچا، ٹخنے چھپے ہوئے، پاؤں میں بوٹ، بائیں ہاتھ میں کبڑی لکڑی ہے اور وہ علم اور تعزیوں اور میلوں میں جایا کرتا ہے اور رقص ونشاط کے جلسوں میں بھی شریک رہتا ہے بلکہ اپنے یہاں کی تقریبوں میں ڈھول باجا ناچ رنگ کراتا ہے حضرت محمد شیر میاں مرحوم کا مرید ہے صرف اس بیعت سے اپنے آپ کو افضل الخلائق گمان کرتا ہے اور قابل الامامت سمجھتا ہے اگر انصاف کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو پیر کی بھی اطاعت اس میں مطلق نہیں ہے کیا ایسا شخص جو عقیدہ اور عمل اور صورتا اور سیرتا زید جیسا ہو امامت کے اور اہتمام مسجد کے قابل شرعا ہوسکتا ہے اور کیا ان لوگوں کی نماز جو اس کی اقتداء کرتے ہیں فساد وکراہت سے خالی ہوگی احکام شرع مبین جواب تحریر فرمائیں اور زید فرائض وواجبات اور سنن اور مکروہات ومفسدات نماز نہیں جانتا ہے۔

الجواب:

سر کے بال ترشوا کر چھوٹے چھوٹے رکھنا مکروہ تنزیہی ہے کہ خلاف سنت ہے اور پائچے ٹخنے سے نیچے بھی مکروہ تنزیہی یعنی صرف خلاف اولٰی جبکہ بہ نیت تکبر نہ ہو۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

صرح بہ فی العلمیگیریۃ [1] وفیہ حدیث فی صحیح البخاری انك لست ممن یصنعہ خیلاء [2]۔	فتاوٰی عالمگیری میں (مسئلہ مذکورہ کی) تصریح کی گئی اور اس بارے میں صحیح بخاری کی حدیث موجود ہے تم ان لوگوں میں سے نہیں جو بربنائے تکبر ٹخنوں سے نیچے ازار لٹکاتے ہیں۔ (ت)

[حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوال پر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا تھا]

اور ولد الزناء کے پیچھے بنی نماز مکروہ تنزیہی ہے جبکہ وہ سب حاضرین سے مسائل نماز وطہارت کا علم زیادہ نہ رکھتا ہو اور کبڑی لکڑی بھی رکھنا فی نفسہٖ بُرا نہیں جبکہ نیچریہ ونصارٰی سے تشبہ مقصود نہ ہو اور بٹن دار اچکن اور جیب اور اس کی گھڑی مباح ہے مگر انگریزی وضع کا بوٹ ممنوع ہے اور داڑھی کترواکر ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے سیاہ خضاب حرام ہے، عَلم تعزیوں اور فسق کے میلوں اور رقص کے جلسوں میں جانا حرام ہے۔اپنی تقریبوں میں ڈھول جس طرح فساق میں رائج ہے بجوانا، ناچ کرانا حرام ہے۔ان افعال کا مرتکب ضروف فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا جائز نہیں اور پڑھی ہو تو پھیرنا واجب ہے نہ ایسے شخص کو مہتمم مسجد بنانے کی اجازت واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے پیر پر الزام زنا رکھے اور پیر سے وہ گناہ صادر نہ ہو اور پیر مرشد اس بات کو سن کر اس مرید کو عاق کردے اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مسلمان پر زنا کی جھوٹی تہمت رکھنا گناہ کبیرہ ہے۔قرآن عظیم نے اس کو فاسق فرمایا ہے اگر وہ اپنے اس ناپاک حرکت پر اصرار کرے اور تائب نہ ہو تو اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور اس کا پھیرنا واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من جر ازارہ من غیر خیلاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶۰

مسئلہ ۵: مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب از بہرام پور ضلع مرشد آباد بنگال ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زید دعوی کرتا ہے کہ میں سنی ہوں، اور امامت بھی کرتا ہے دلدل لکے آگے مرثیہ پڑھتا ہوا کربلا تک گیا۔ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی کیسی ہے؟

الجواب:

دلدل بدعت ہے اور یہ رائج مرثیے معصیت ہیں اور یہ ساختہ کربلا مجمع بدعات ہے، ایسا شخص فاسق ہے جب تک توبہ نہ کرے اسے امام بنانا گناہ ہے۔غنیہ میں فتاوی حجہ سے ہے، **لوقدموا فاسقا یأثمون**[1] (اور لوگ اگر کسی فاسق کو امامت کے لئے آگے کریں تو گنہگار ہوں گے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶: مسئولہ حافظ نبو علی صاحب از خاص ضلع بھنڈارہ محلّہ کھم تالاب متوسط ضلع ناگپور

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ خاص ضلع بھنڈارہ محلّہ کھتم تالاب میں ایک مولوی صاحب جو کہ مسجد میں پیش امام اور واعظ اور مشائخ بھی ہیں یہ تینوں صفتیں ہو کر جہاں ناٹک گانا بجنا ہوا ایسی جگہ بشوق جاتے ہیں اور آپ مدرسہ انجمن کے مدرس اعظم بھی ہیں یہ فعل شرع میں جائز ہے کیا اور اگر ناجائز ہے تو ایسے پیش امام اور واعظ اور مشائخ کے لئے کیا حکم ہے؟ایسے شخص کی پیش امامی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

ناٹک مجمع فسقیات ہے اور اس میں جانا ضرور خنیع العذار خفیف الحرکات نامہذب بے باک ہونے کی دلیل کافی ہے اور بعد تعود صراحۃً فسق بالاعلان ہے اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنا گناہ اور جتنی پڑھی ہو پھیرنا واجب۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷: از شہر بریلی محلّہ بہاری پور مرسلہ علی احمد قادری ۲۹ شوال ۱۳۳۲ھ

بے نماز اور وہ شخص جو بال انگریزی رکھوائے اس کے واسطے کیا شریعت کا حکم ہونا چاہئے؟

الجواب:

بے نماز سخت شقی فاسق فاجر مرتکب کبائر مستحق جہنم ہے وہ ایسا مسلمان ہے جیسا تصویر

---

[1] غنیہ المستملی فصل الاول بالامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

کا گھوڑا ہے کہ شکل گھوڑے کی اور کام کچھ نہیں، انگریزی بال رکھنا مکروہ وخلاف سنت ووضع فساق ہے ممنوع ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸ و ۹: بروز شنبہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

(۱) ایک عورت بیوہ مسلمان ہے خواہ مذہب شیعہ ہو خواہ مذہب اہلسنت وجماعت نکاح ثانی نہیں کیا اور کسی مسلمان شخص سے مبتلا ہے اس کے گھر کا کھانا پینا جائز ہے یا نہیں یا وہ عورت کسی ایک مشرک کے ساتھ گرفتار ہے ایسی عورت کے یہاں کھانا جائز ہے یا ایسی عورت کے گھر میں اگر کوئی پیش امام دعوت کھائے اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پیش امام کے لئے کچھ کفارہ ہوتا ہے یا نہیں؟

(۲) جو شخص فال کھولتا ہو لوگوں کو کہتا ہوں تمھارا کام ہو جائے گا یا یہ کام تمھارے واسطے اچھا ہوگا یا برا ہوگا یا اس میں نفع ہوگا یا نقصان اس کی امامت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) آج کل کے روافض تو اسلام سے خارج ہیں اور جو عورت بلا نکاح کسی شخص کے پاس رہے فاسقہ ہے اور وہ شخص مشرک ہو تو اس کا فسق اور سخت اور فاسق کے یہاں کھانا اگر وجہ حلال سے ہو فی نفسہٖ حرام نہیں، مگر فاسقوں سے میل جول نہ چاہئے خصوصاً مقتدا کو، پھر اگر دو یا ایک بار ایسا واقع ہو تو ایسا الزام نہیں جس کے سبب اس کے پیچھے نماز میں حرج ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر یہ احکام قطع ویقین کے ساتھ لگاتا ہو جب تو وہ مسلمان ہی نہیں، اس کی تصدیق کرنیوالے کو صحیح حدیث میں فرمایا:

قد کفر بما نزل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	اس نے اس چیز کے ساتھ کفر کیا جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اتاری گئی۔

اور اگر یقین نہیں کرتا جب بھی عام طور پر جو فال دیکھنا رائج ہے معصیت سے خالی نہیں۔ ایسے شخص کو امامت جائز جب تک کوئی فساد عقیدہ نہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی کراھیۃ اتیان الحائض امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹

مسئلہ ۱۰: حاجی عبدالغنی صاحب طالب علم بنگالی مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی بتاریخ ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو غسل کی حاجت تھی ہمراہ کپڑے ناپاک غسل کیا بعد اس پاجامہ کو اتار کر دھونا چاہاجب دھونے لگاتواس ناپاک ہاتھ سے جو پاجامہ کے استعمال سے ناپاک ہوگیا تھا گھڑے اور لوٹا کر چھواتویہ گھڑا بدھنا بھی ناپاک ہوادوسرے شخص نے اس گمان سے کہ زید نے ناپاک ہاتھ لگایا ہے اس گھڑے بدھنے کو توڑ ڈالا، آیا اب اس کو عوض زید پر لازم ہوگا یا عمر پر جس نے توڑ ڈالا ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤاجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

گھڑا جس نے توڑ دیا اس پر تاوان ہے اور اگر پاجامہ پاک کرنے کے بعد ہاتھ لگایا تو یہ ناپاک بھی نہ ہوا کہ جو چیز ہاتھ سے پاک کی جائے اس کے پاک ہونے کے ساتھ ہاتھ بھی پاک ہوجاتا ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از گونڈل کاٹھیاواڑ یکم صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں ایسے کپڑے جو مرد کو ناجائز ہوں ان کے ساتھ نماز پڑھنا کیسا ہے مثلاً زری کی مغرق ٹوپی یا سدری ریشمی پاجامہ انگرکھا یا پیراہن انگشت میں سونے کی انگوٹی بدن پر سونے کا چین وغیرہ۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ناجائز لباس کے ساتھ نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے کہ اس کا اعادہ واجب، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲: از قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر مرسلہ صالح محمد خان صاحب مورخہ ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفیان شرع متین اس بارے میں کہ کیا حال ہے ایسے شخص کا جو گناہان مندرجہ ذیل کا مرتکب ہوا، وہ شخص مسلمان رہا یا نہیں اور نماز اس کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ایک شخص نے جان بوجھ کر بسبب دنیوی رنجش کے قصد فعل حلال شرعی کو حرام کردیا

(۲) غیر مقلدین کو جو اپنے کو عامل بالحدیث مشہور کرتے ہیں اور امامان مجتہدین رحمہم اللہ کو بدعتی اور اصحاب الرائے کہتے ہیں ان کو دربارہ شخصے خلاف شرع مدد دی۔

(۳) شرعی معاملہ میں عمداً بحلف جھوٹی شہادت دی۔

(۴) چار مسلمان اہلسنت وجماعت حنفی مذہب واقف مسائل شرعی کے روبرو شرعی فعل حلال وجائز کو برحق اور سچا تسلیم کرکے پھر اس کلمہ حق سے منحرف ہوکر ناجواز کا قائل ہوا اور یہ شخص پیش امام مسجد بھی ہے آیا نماز پیچھے اس کے جائز ہے یا نہیں مع دلیل وحوالہ کتاب اللہ وحدیث

رسول اللہ باعبارت فقہیہ کے مرتب فرماکر مزین بمہر خاص فرمادیں، **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ایسے لوگ سخت گنہگار بلکہ گمراہ ہیں کہ حق کے مقابل باطل کی اعانت کرتے ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز ناجائز ہے بلکہ جب تک توبہ نہ کریں مسلمانوں کو ان سے بالکل قطع علاقہ کردینا چاہئے کہ وہ ظالم ہیں اور ظالم بھی کس پر، دین پر، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [1]	اور اگر تمھیں شیطان بھلاوے میں مبتلا کردے تو پھر یاد آنے کے بعد کبھی ظالموں کے پاس مت بیٹھو (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳: از جھونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت پیر سید ابراہیم صاحب گیلانی قادری بغدادی مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص اپنے وطن سے نکل کرنا واقف مسلمانوں کے پاس آکر بحیلہ تعلیم امور دینی وطریق درویشانہ پیری ومریدی سلیقہ جاری رکھا حتی کہ اپنے مرید خاص خوجے موچی کے گھر میں رہ کر ان کی لڑکی جو کہ منکوحہ الغیر تھی مع شیر خوار بچے کو بھگا کر دوسرے ملک میں لے گیا اور شیر خوار بچے جو کہ خوجے موچی کا لڑکا ہے سید بنایا اور رفتہ رفتہ ان سے چند اولاد ہوئے ایسے شخص کے بارے میں حد شریعت کون سی قائم ہوگی اور فاجر وفاسق ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ امر واقعی ہے تو ایسا شخص سخت فاسق فاجر مرتکب کبائر ہے مستحق عذاب جہنم ہے اسے امام بنانا گناہ ہے اور اس کے پیچھے نماز مکرہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جس کے پاس مال حلال بھی ہے یعنی اپنی زمین میں زراعت ہوتی ہے اور سود بھی کھاتا ہے اس قسم کے لوگوں کا ہدیہ قبول کرنا اور اس کے دعوات کھانا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

الجواب:

سود خور کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب اور اس کی دعوت قبول کرنے سے احتراز چاہئے۔ پھر بھی دعوت وہدیہ میں فتوٰی جواز ہے جب تک معلوم نہ ہو کہ شے جو ہمارے سامنے پیش کی گئی بعینہٖ وجہ حرام سے ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: از مراد آباد حسن پور مرسلہ عبدالرحمٰن مدرس ۸ ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

جمعہ فرضوں کی اور سنتوں کی اول واخر کی نیت تحریر فرمادیجئے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

جمعہ کی نیت میں فرض جمعہ اور چاہے یہ بھی بڑھائے واسطے اسقاط ظہر کے۔ اور قبل کی سنتوں میں سنت قبل جمعہ اور بعد کی سنتوں میں سنت بعد جمعہ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شوہر کسی کام کے کرنے کا حکم دے اور وقت نماز اتنا ہے کہ اگر اس کے حکم کی تعمیل کرے تو پھر نماز کا وقت باقی نہیں رہے گا تو اس صورت میں عورت نماز پڑھے یا حکم شوہر بجالائے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

نماز پڑھے ایسا حکم ماننا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از شہر کہنہ محلّہ سیلانی مرسلہ جناب محمد حسین صاحب رضوی مورخہ ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کے پاس آیا جس کو عرصہ پانچ یا چھ یوم کا ہوا اور دیگر اشخاص بھی زید کے ساتھ تھے یہ بیان کیا کہ ایک صف پر دو یا تین یا دس آدمی برابر فرض علیحدہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں۔ بکر نے کہا نماز نہیں ہوگی جماعت کرنا چاہئے۔ بکر سے زید نے کہا کہ نماز ہوجائے گی میں نے مسئلہ اپنے مولوی سے دریافت کرلیا ہے اس پر بکر نے کہا کہ میں تم کو کافر جانتا ہوں کیونکہ تم لوگ دیوبند اور گنگوہ کے علماء کی تقلید کرتے ہو اور وہ توہین سرکار مدینہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کرتے ہیں لہٰذا میں توہین کے کرنے والوں کو اور جو ان سے میل جول رکھتے ہیں کافر جانتا ہوں اور میں وہابی سے بات نہیں کرنا چاہتا اور زید میلاد شریف میں قیام کا منکر ہے اور کہتا ہے وہ بدعت ہے، اب زید علمائے دین سے فتوٰی اس مضمون کا لایا ہے کہ بکر نے مجھ کو کافر کہا وجہ کوئی فتوٰی میں تحریر نہیں کی کہ کس وجہ سے کافر کہا ہے اب فتوٰی سب کو دکھاتا ہے اور بیان کرتا ہے کہ بکر توبہ کرے اور جدید

نکاح کرے لہذا آپ فرمائیں کہ بکر توبہ کرے یا زید، بکر زید کو وہابی جانتا ہے اور دیگر دیوبندیوں کو جو کہ توہین کرتے ہیں اور یہ لوگ ان کی تقلید کرتے ہیں سب کو کافر جانتا ہے۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

کیا اللہ کی لعنت سے نہیں ڈرتے وہ لوگ جو شریعت کو دھوکا دیتے ہیں اور جھوٹا سوال بنا کر الٹا فتوی لیتے ہیں اس صورت میں بکر پر وہ حکم ہرگز نہیں ہے بلکہ زید اور اس کے ہم مذہب توہین کرنے والوں پر ہے کہ وہ اسلام سے خارج ہیں، بکر کہ نبی سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والوں کو کافر جانتا ہے بیشک حق پر ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ اور نماز کا مسئلہ یہ ہے کہ ابھی جماعت نہ ہوئی اور کچھ لوگ ایک جگہ تنہا تنہا پڑھیں اور ان میں کوئی امامت کے قابل ہے تو بوجہ ترک جماعت کے گنہگار ہوں گے فرض ادا ہو جائیں گے اور اگر جماعت اولٰی ہو چکی ہے اور کچھ لوگ اتفاق سے رہ گئے جب بھی انھیں چاہئے کہ مصلے سے ہٹ کر جماعت کریں اور رافضیوں اور گنگوہی کی طرح ایک جگہ الگ الگ نہ پڑھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

روزہ وزکوٰۃ وحج

مسئلہ ۱۸: مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل از شہر گونڈل کاٹھیاوار مورخہ ۹ شعبان یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

بعض لوگ اس ملک میں بعد نماز عصر کے اذان مغرب تک کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں، اور اس کو عصر کا روزہ کہتے ہیں اس کے فوائد بہت بیان کئے جاتے ہیں ایک فائدہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وقت سکرات جب شیطان پانی لے کر دھوکا دینے کو آئے گا اس وقت اس روزہ رکھنے والے کو وقت عصر کا معلوم ہوگا اور روزہ کا خیال رہے گا تب کہہ دے گا میں روزہ سے ہوں ہر گز تیرا پانی نہ پیوں گا چنانچہ شیطان لاچار ہو کر چلا جائے گا اور اس روزہ کا رکھنے والا گمراہی سے بچ جائے گا۔ اب کیا یہ روزہ اور اس کے فوائد صحیح ہیں یا نہیں؟ کسی معتبر کتاب میں اس کی کچھ اصل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس پر ثواب سمجھ کر عمل کرنا کیسا ہے؟ فقط۔

الجواب:

حدیث فقہ میں اس کی اصل نہیں معمولات بعض مشائخ سے ہے اور اس پر عمل میں حرج نہیں انسان جتنی دیر شہوات نفسی سے بچے بہتر ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹: از اجمیر شریف متصل امام باڑہ مکان میر گلزار علی صاحب مرسلہ فیاض حسین صاحب ۲۹ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زکوٰۃ اور فطرہ خلافت فنڈ میں دینا نیز آمدنی تھیٹر

جو شرعًا ناجائز ہے اس میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

زکوٰۃ مسجد میں دے تو ادا ہو نہیں سکتی اسے خلافت میں کیسے دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ کا رکن تملیک فقیر ہے۔ درمختار میں ہے:

لاصرف الی مسجد لعدم التملیك وھو الرکن [1]۔	کسی مسجد میں مال زکوٰۃ خرچ کرنا درست نہیں اس لئے کہ اس میں محتاج کو مالک بنانا نہیں پایا جاتا جبکہ تملیک فقیر زکوٰۃ من رکن ہے۔ (ت)

تھیٹر کا روپیہ کہ تماشہ کی اجرت میں لیا جاتا ہے قطعی حرام اور اشد قسم کا حرام ہے مگر سوال بے منشا ہے خلافت فنڈ اگر بالفرض ایسوں کے ہاتھوں میں ہے جو اللہ کو اللہ رسول کو رسول، حلال کو حلال، حرام کو حرم جانتے ہوں تو وہ خود ہی ایسا مال نہ لیں گے، اور اگر ایسوں کے ہاتھوں میں ہو جن کے نزدیک اسلام و کفر میں کوئی وجہ امتیاز نہ ہیں سب برائے نام ہیں جو اپنے اسلام سے بھی صراحۃً انکار کریں، جو کفر کا بول بالا کرنے کے لئے شعار اسلام کی بندش چاہیں جو مشرکوں کے مجمع میں مشرک کی جے بولیں، جو مشرکوں کے ہاتھ سے پانے ماتھے پر قشقے لگوائیں، جو اپنے آپ کو لالہ وپنڈت کہیں جو مساجد میں منبروں پر مشرکوں سے لیکچر دلوائیں جو مشرکوں کی خوشی کے لئے رام لچھمن پر پھول چڑھائیں، جو سخت اشد وہابیوں منکران رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی مجلس کا جسے بزعم خود دینی مجلس سمجھیں صدر بنائیں، جو ایسوں کو کہ اپنے معبود کا ظالم جاہل چور شرابی ہونا جائز رکھیں ایسے کو اللہ جانیں یہ ان کو شیخ الہند و شیخ الاسلام بتائیں جو صاف لکھ دیں کہ ہم ایک ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو بتوں کے معبد کو مقدس بنائے گا تو سوال محض فضول ہے انھیں احتراز کی کیا وجہ اور ان پر اعتراض کا کیا موقع جنھیں کفر و اسلام میں امتیاز نہیں حلال وحرام میں امتیاز کیا معنٰی، بلکہ جن کے نزدیک اسلام کفر اور کفر اسلام ہے ان کے یہاں آپ ہی حرام حلال اور حلال حرام ہے۔ ماعلی مثلہ الخطاء، **واللہ تعالٰی اعلم** (اس قسم کے شخص سے خطا بعید نہیں، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۰: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر عورت حج کو جانا چاہتی ہے

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۱۔۱۴۰

اور شوہر اس کا اس کو منع کرے کسی عذر سے، تو جاسکتی ہے بغیر اجازت شوہر کے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر محرم ساتھ رہے اور حج اس پر فرض ہے تو جائے گی ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

جنائز و زیارت قبور و مزارات اولیاء

مسئلہ ۲۱: از درؤ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۲۲ رجب ۱۳۱۵ھ

زیارت اولیاء اللہ کے واسطے جانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

قطعاً جائز لاطلاق قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الافزوروھا[1]۔ وقد فصلہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء وغیرہ فی غیرہ والمسألۃ افردت بالتالیف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	لوگو! اب قبروں کی زیارت کیا کرو۔ت) حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی نے احیاء العلوم میں اور دیگر ائمہ نے اپنی اپنی کتب میں اس مسئلہ کو تفصیلا بیان کیا ہے اور خاص اس مسئلہ میں مستقل کتب لکھی گئی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۲: از بنگالہ ضلع نواکھالی موضع بھولاکوٹ مرسلہ حیدر علی صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو مولود از شکم مادر مردہ شود تو کس طرح دفن کیا جائے۔ آیا کہ نال کٹوا کر دفن کریں، مع الدلیل بالتفصیل۔ **بینوا توجروا۔**

[1] صحیح مسلم کتاب لجنائز فصل فی الذھاب الی زیارت القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴

الجواب:

اس کا نال کاٹنے کی حاجت نہیں کہ ایذائے بے سبب ہے

اخرج الامام محمد فی کتاب الاٰثار و ابوعبید القاسم بن سلام وابراھیم الحربی کلاھما فی غریب الحدیث عن ابراھیم النخعی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما انما سئلت عن المیت یسرح رأسہ فقالت علام تنصون میتکم [1] واخرج عبدالرزاق فی مصفنہ عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا رأت امرأۃ یکدون رأسہا فقالت علام تنصون میتکم [2] فاذا کان ھذا فی تسریح شعرہ فما ظنك بقطع بضعۃ منہ مع غیر حاجۃ الیہ ولا نفع [3] کمالاتخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

امام محمد نے کتاب الآثار میں ابوعبید قاسم بن سلام اور ابراہیم حربی نے غریب الحدیث میں ابراہیم نخعی کے حوالے سے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تخرج کی کہ ان سے اس عورت کی میت کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا اس کے سر کے بالوں میں کنگھی کی جاسکتی ہے؟ ارشاد فرمایا: کاہے کے لئے تم میت کے بالوں میں کنگھی کرتے ہو (اور اسے تکلیف پہنچاتے ہو یعنی ایسا کرنا مناسب اور ٹھیک نہیں) محدث عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں انہی سے تخریج کی ہے کہ مائی صاحب نے ایک مردہ عورت دیکھی کہ اس کے سر کے بالوں میں لوگ کنگھی کرتے تھے تو آپ نے فرمایا، کیوں اپنے مردہ کے بالوں میں کنگھی کرکے اسے تکلیف پہنچاتے ہو، جب بالوں میں کنگھی کے بارے میں یہ حکم ہے تو پھر اس کے جسم سے گوشت کا ٹکڑا کاٹنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے باوجود یہ کہ اس کی ضرورت بھی نہیں اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۳: مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب مدرس اول مدرسہ قادریہ احمد آباد گجرات دکن محلّہ جمال پور ۲۸ صفر ۱۳۳۹ھ

مولانا موصوف نے ایک رجسٹری بھیجی جس میں بحرالرائق تصحیح المسائل مولانا فضل رسول صاحب

[1] کتاب الاثار باب الجنائز حدیث ۲۲۷ ادارۃ القرآن کراچی ص ۴۶

[2] المصنف لعبدالرزاق حدیث ۶۲۳۲ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۷

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶

رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے عورتوں کے لئے زیارت قبور کی اجازت پر زور دیا تھا ان کو یہ جواب بھیجا گیا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مولٰینا المکرم مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب زید کرمھم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آپ کی دو رجسٹریاں آئیں، تین مہینے سے زائد ہوئے کہ میری آنکھ اچھی نہیں میری رائے اس میں خلاف پر ہے مدت ہوئی، اس بارے میں میرا فتوٰی تحفہ حنفیہ میں چھپ چکا، میں اس رخصت کو جو بحر الرائق میں لکھی مان کر نظر بحالات نساء سوائے حاضری روضہ انور کے کہ واجب یا قریب بواجب ہے۔ مزارات اولیاء یا دیگر قبور کی زیارت کہ عورتوں کا جانا باتباع غنیہ علامہ محقق ابراہیم ہرگز پسند نہیں کرتا خصوصاً اس طوفان بے تمیزی رقص ومزامیر وسرود میں جو آج کل جہال نے اعراس طیبہ میں برپا کر رکھا ہے اس کی شرکت تو میں عوم رجال کو بھی پسند نہیں رکھتا کہ وہ جن کو انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدی خوانی بالحان خوشی پر عورتوں کے سامنے ممانعت فرما کر تھیں نازک شیشیاں فرمایا گیا۔ والسلام

مسئلہ ۲۴تا۲۶: از امرتسر کٹرہ مہان سنگھ ہنسلی گلی کوچہ کمی مسئولہ حاجی غلام محمد صاحب ۶ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص خاندانی سارق اور بڑا مشہور ومعروف وبدمعاش ہو بلکہ گورنمنٹی دفاتر میں نمبر ۱۰ کے بدمعاشوں میں نامزد ہو اور تمام عمر اس کا ذریعہ معاش چوری اور جوا رہا ہو اور صوم وصلوٰۃ کا بھی تارک ہو غرض کہ اس نے اپنی تمام عمر چوری اور جوا اور دیگر افعال قبیحہ میں بسر کی ہو اور آخر کار بلاتوبہ فوت ہوگیا ہو تو ایسے شخص کے جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کے متعلق بروئے فقہ واحادیث نبویہ شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) متوفی مذکور کی جائداد منقولہ وغیرہ منقولہ جو اس نے ذرائع حرام سے جیسے چوری اور جوئے سے پیدا کی ہو اس کا بصورت ختم جمعہ وچہلم وغیرہ خورد ونوش کرنے کے کون لوگ مستحق ہیں اور ان کے لئے کیا حکم ہے؟

(۳) اگر کوئی شخص بحیثیت امام مسجد ہونے کے اس کا جنازہ پڑھے یا پڑھائے اور متوفی مذکور کی جائداد اور مندرجہ ضمن نمبر ۲ جان بوجھ کر بطریق ختم اور چہلم وغیرہا خورد نوش کرے تو اس کے لئے شرع کیا حکم ہے اور وہ قابل امامت رہ سکتا ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) شخص مذکور اگرچہ کیساہی فاسق فاجر تھا اگرچہ بے توبہ مراجبکہ مسلمان تھااس کے جنازہ کی نماز لازم تھی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصلوٰۃ واجبۃ علی کل مسلم برا کان او فاجرا و ان ھو عمل الکبائر [1]۔	ہر مسلمان خواہ نیک ہو یا بد،اس کی نماز جنازہ پڑھنی واجب ہے اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کامرتکب ہو(ت)

درمختار میں ہے:

وھی فرض علی کل مسلم مات خلا اربعۃ [2] الخ ولیس ھذا منھم واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی مسلمان مرجائے تواس پر نماز پڑھنی فرض(کفایہ) ہے سوائے چار آدمیوں کے کہ ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے اور یہ ان میں سے نہیں،واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

(۲) جو مال اس نے بعینہٖ چوری یاجوئے سے حاصل کیااس پر ختم وفاتحہ پڑھنا حرام ہے اوراس کا کھانا حرام ہے مگراسے جس سے وہ مال لیاگیا یا وہ معلوم نہ ہو توفقیر کو بحیثیت مال لاوارثی نہ بحیثیت ایصال ثواب سمجھ کر کھایا وہ قابل امامت نہیں جب تک تائب نہ ہو بلکہ اسے جدید اسلام کاحکم ہے۔عالمگیریہ میں ہے:

لوتصدق علی فقیر بشیئ من مال الحرام یرجوا الثواب یکفر ولو علم الفقیر بذٰلك فدعالہ وامن المعطی فقد کفر کذا فی المحیط [3]۔	اگر کسی محتاج پر حرام مال میں سے کچھ خیرات کرے اور ثواب کی امید رکھے توکافر ہوجائے گا،اگر محتاج کواس مال کے حرام ہونے کاعلم ہو پھر اسے مال دینے کے لئے کوئی بلائے اور وہ اس کے لئے دعا کرے اور دینے والا آمین کہے تو دونوں کافر ہوئے محیط میں یہی مذکور ہے۔(ت)

[1] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلوٰۃ خلف من لایحمدہ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۱

[2] درمختار کتاب الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۲

[3] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

اور اگر اس کے پاس مال حلال بھی تھا اور اس کا خاص حرام سے ہونا معلوم نہیں یا زر حرام سے خریدی ہوئی کوئی چیز ہے جس کی خریداری میں زر حرام پر عقد ونقد جمع نہ ہوئے یعنی یہ نہ ہوا کہ حرام روپیہ دکھا کر کہا ہو کہ اس کے عوض دے دے پھر وہی روپیہ اس کے ضمن میں دیا ہو تو اس پر فاتحہ پڑھنے اور کھانے میں حرج نہیں اگرچہ صورت مذکورہ میں خلاف احتیاط ضرور ہے۔ عالمگیریہ میں ذخیرہ سے ہے امام محمد فرماتے ہیں:

بہ ناخذ مالم نعرف شیأا حرام بیعنہ [1]۔	ہم اس کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شے کے حرام ہونے کو نہ پہچانیں (ت) اگر یہ صورت تھی تو امام پر الزام نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب لکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

ایصال ثواب وصدقہ وخیرات وسوال

مسئلہ ۲۷: ۲۱ صفر یوم سہ شنبہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین کی نذر و نیاز مثل مولود شریف وغیرہ کے ہندوؤں کی بنائی ہوئی شیرینی پر چاہئے یا مسلمان کی اور جہاں مسلمان حلوائی بھی ہوں تو مسلمان کو کن سے خریدنا اولٰی ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

شک نہیں ہنود وعموما سخت ناپاکیوں میں آلودہ رہتے ہیں دھوتیوں میں پیشاب کرتے ہیں اور انھیں اپنے کنوؤں کی من پر کھڑے ہو کر ایک لٹیا پانی بھینچتے ہیں سب چھینٹیں کنویں میں جاتی ہیں، پاخانے میں ڈھیلے لے جانا تو انھیں کہاں نصیب، چھوٹی سی لٹیا ہوتی ہے وہ بھی بارہا آدھی یا پونی، پھر اس میں آبدست اسی میں ہاتھ دھونا، اور اتنا بچالائے جس سے بارہ کلا کئے، مشاہدہ ہوا کہ ان کے حلوائیوں نے اپنی اسی بے احتیاطی کے پانی سے کڑاہی دھوئی اور اسی انگوچے سے پونچھ لی جو سال سال بھر بدلا نہیں جاتا اور اس میں تولوں بلکہ چھٹنکیوں موت ہوتا ہے علاوہ بریں ان کے مذہب میں گائے بھینس کا گوبر اور بچھیا کا موت متر پاک بلکہ پَبِتر یعنی پاک کرنے والا ہوتا ہے تو اس سے احتراز کیا معنی بلکہ اسے مشک وعطر کی جگہ استعمال کرنا ان سے بعید نہیں ایسی حالتوں میں اگرچہ اس شریعت سمحہ سہلہ غرابیضا صلی اللہ تعالٰی علی صاحبہا وآلہ وبارک وسلم نے جب تک کسی خاص شیئ میں وقوع نجاست کا یقین نہ ہو بحکم قاعدہ کلیہ الاصل الطھارۃ و

ضابطہ عام الیقین لایزول بالشک (اشیاء میں اصلا پاکیزگی اور طہارت ہے اور اس کے لئے عام قاعدہ یہ ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا) حکم فتوٰی آسانی فرمائی مگر شبہہ نہیں کہ تقوی حتی الامکان اس سے بچنا ہے خصوصا جبکہ وہ باوصف اپنی گندگیوں ناپاکیوں کے پاک ستھرے نظیف مسلمانوں سے کس درجہ پرہیز رکھتے اور بحکم المرء یقیس علی نفسہ (ہر شخص دوسرے کے بارے میں اپنی ذات کے حوالے سے قیاس کرتا ہے۔ت) معاذاللہ انھیں مچھ سمجھتے ہیں عجب کہ ناپاکوں کو پاکوں سے احتراز ہو اور پاک ناپاک سے اختلاط رکھیں اور ان کی ایسی اوندھی اندھی چھوت پر بھی غیرت نہ کریں مانا کہ اپنے نفس کے لئے نہ بچیں مگر بیشک حضرات بزرگان دین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی سیدھم ومولاھم وعلیہم اجمعین کی نذرونیاز بلکہ عموما وصدقات وامور خیرات میں اس سے احتراز چاہئے کہ یہ امور بامید قبول کیے جاتے ہیں اور حدیث میں ارشاد ہوا:

ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب[1]۔	بیشک اللہ عزوجل طیب ہے نہیں قبول فرماتا مگر پاکی ستھری چیز کو۔

تو اگر علم الٰہی میں ان شیرینیوں کی ناپاکی معاذاللہ باعث عدم قبول ہوئی کیسا خسارہ ہے۔ غرض جہاں تک ممکن ہو ہنود کی ایسی اشیاء سے کھانے پینے عموما اور نذرونیاز فاتحہ صدقات میں خصوصا احتراز اولٰی ہے اور جب مسلمان حلوائی بھی موجود ہوں تو خواہ مخواہ ہنود کی طرف جھکنے کی وجہ کیا ہے، ان سے خریدنے میں علاوہ ان خوبیوں کے یہ کیسا فائدہ ہے کہ اپنے مال کا نفع اپنے بھائی مسلمان ہی کو پہنچا، فتاوٰی ذخیرہ وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

یکرہ الاکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغسل لان الغالب والظاہر من حال اوانیھم النجاسۃ فانھم یستحلون الخمر ویاکلون المیتۃ ولحم الخنزیر ویشربون ذٰلك ویاکلون فی قصاعھم واوانیھم فیکرہ الاکل والشرب	مشرکین کے برتن بغیر دھوئے استعمال کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ غالبا ان کے برتن بظاہر ناپاک ہوتے ہیں بایں وجہ کہ وہ شراب پینا حلال جانتے اور مردار اور سور وغیرہ کھاتے ہیں اور اس مقصد کے لئے اپنے برتن استعمال کرتے ہیں لہذا انھیں دھوئے بغیر ان میں کھانا پینا مکروہ ہے۔ظاہر

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ان اسم الصدقۃ یقع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۶، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء باب الخروج من المظالم دارصادر بیروت ۳/ ۳۴۶

فیھا قبل الغسل اعتبارا للظاھر کما کرہ الترضئ بسور الدجاجۃ المخلاۃ لانھا لاتتوقی عن النجاسۃ فی الغالب الا ان الاصل فی الاشیاء الطھارۃ وتشککنا فی النجاسۃ فلم تثبت النجاسۃ بالشك ھذا حاصل ماذکر عن الذخیرۃ[1]۔	حال کا اعتبار کرتے ہوئے جیسے اس مرغی کے جھوٹے سے وضو کرنا مکروہ ہے جو گلی کوچوں میں آزاد پھرنے والی ہے اس لئے کہ وہ گندگی سے محفوظ نہیں ہوتی البتہ اصل اشیاء میں طہارت ہوتی ہے اور ہمیں نجاست کا محض شک ہو جائے تو شک سے نجاست ثابت نہیں ہوتی خلاصہ از ذخیرہ مذکور ہوا۔(ت)

نصاب الاحتساب میں ہے:

قال العبد اصلحه الله تعالٰی وما ابتلینا من شراء السمن والخل واللبن و الجبن وسائر المائعات من الھنود علی ھذا الاحتمال تلویث اوانیھم وان نسائھم لاتتوقین عن السرقین وکذا یاکلون لحم ماقتلوہ وذٰلك میتۃ فالا باحۃ فتوٰی والتحرز تقوٰی[2] اھملخصا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔	بندہ کہتا ہے کہ اللہ تعالٰی اس کی اصلاح فرمائے اور ہم گھی، سرکہ، پنیر، دودھ اور دیگر تمام سیال چیزیں ہندوؤں سے خریدتے ہیں۔ان کی عورتیں گوبر وغیرہ سے پرہیز نہیں کرتیں، اور ہندو لوگ بغیر ذبح کئے مار ڈالے جانے والے جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اس لئے ان کے برتنوں کے ناپاک ہونے کا احتمال ہوتا ہے ان کے برتنوں کے استعمال کی اباحت ہمارے لئے بربنائے فتوٰی ہے جب کہ ان سے پرہیز کرنا تقوٰی ہے ملخصا۔اللہ تعالٰی پاک برتر اور خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸: از پیلی بھیت محلّہ پکریا مرسلہ شیخ عبدالوہاب صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

حامی دین ومفتی شرع متین جناب مولوی محمد احمد رضاخاں صاحب انار اللہ برہانہ بعد سلام علیک ورحمۃ اللہ غرض ہے کہ مسئلہ حل طلب ارسال حضور ہے.براہ کرم جلد جواب سے مشرف فرمائے.بعد ختم بیان ولادت جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر پنج آیت پڑھ کر شیرینی تقسیم کی جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟اعتراض یہ ہے کہ پنج آیت مخصوص محفل غم کے واسطے ہیں نہ کہ محفل شادی کے

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقہ المحمدیہ النوع الرابع مکتبہ نوریہ رضویہ لائلپور ۲/ ۱۲۷

[2] نصاب الاحتساب

چنانچہ سوم میں بعد ختم کلام مجید پنج آیت پڑھ کے شیرینی تقسیم کرتے ہیں محفل میلاد میں پڑھنا موجب کراہت ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

پنج آیت میں شادی وغمی کا تفرقہ اور اسے مجلس غم سے مخصوص ماننا محض باطل وبے اصل ہے صحابہ کرام کی عادت کریمہ تھی جب کسی مجلس میں جمع ہوتے کسی سے کچھ آیات کلام مجید پڑھ کر سنتے، عالمگیریہ میں ہے:

لوقرأ طمعا فی الدنیا فی المجالس یکرہ وان قرأ لوجہ اللہ تعالٰی لایکرہ وقد کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ واصحابہ اذاجتمعوا امروا احدھم ان یقرأسورۃ من القراٰن کذا فی الغرائب [1]۔	اگر دنیوی لالچ اور طمع کی بنا پر مجلس میں قرآن مجید پڑھا جائے تو یہ مکروہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالٰی کی رضا جوئی کے لئے پڑھا جائے تو مکروہ نہیں اور بے شک اصحاب رسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وصحبہ وسلم) جب کسی مجلس میں جمع ہوتے تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک کو فرمایا کرتے تھے کہ وہ قرآن مجید کی کوئی سورت تلاوت کرے۔ یونہی غرائب میں ہے۔(ت)

حدیث میں ہے حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ھذا القراٰن مأدبۃ اللہ فاقبلوا مادبتہ ما استطعتم رواہ الحاکم [2] وصححہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک یہ قرآن اللہ عزوجل کی طرف سے تمھاری دعوت ہے تو جہاں تک ہوسکے اس کی دعوت قبول کرو۔(حاکم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کرکے اس کی تصحیح فرمائی۔ت)

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کل مؤدب یحب ان یؤتی ادبہ وادب اللہ القراٰن فلا تھجروہ (رواہ	ہر دعوت کرنے والا دوست رکھتا ہے کہ لوگ اس کی دعوت میں آئیں اور اللہ عزوجل کا خوان نعمت قرآن ہے تو اسے نہ چھوڑو (اس کی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۶

[2] المستدرک للحاکم کتاب فضائل القرآن القرآن مأدبۃ اللہ دار الفکر بیروت ۱/ ۵۵۵

البیہقی[1] عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	امام بیہقی نے حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

کیااللہ عزوجل کی دعوت قبول کرنا اور اس کے خوان نعمت سے بہرہ مند ہونا صرف غمی میں چاہئے شادی میں نہیں، لاجرم مجلس میلاد مبارک میں تلاوت قرآن مجید ہمشہ سے معمول علمائے کرام و بلاد اسلام ہے۔ امام جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃاللہ تعالٰی نے اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

اصل المولد الذی ھو اجتماع الناس و قرأۃ ماتیسر من القرآن وروایۃ الاخبار الواردۃ فی مبدأ امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماوقع فیہ من الاٰیات[2] الخ۔	میلاد شریف کی اصل لوگوں کا مجمع ہونا، قرآن مجید کا تلاوت کیا جانا، اوران آیات واحادیث وروایات کو بیان کرنا ہے جوآنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں وارد ہوئی ہیں الخ۔(ت)

امام حافظ ابن حجر عسقلانی استخراج اصل عمل مولد مبارک میں فرماتے ہیں:

والشکر للہ تعالٰی یحصل بانواع العبادۃ کالسجود و الصیام والصدقۃ والتلاوۃ وای نعمۃ اعظم من النعمۃ ببروز ھذا النبی الکریم نبی الرحمۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی ذٰلک الیوم[3]۔	اللہ تعالٰی کا شکر کئی قسم کی عبادات مثلاً صیام، سجود، تلاوت، صدقہ خیرات وغیرہ کے ذریعے ادا ہوجاتا ہے اور نبی کریم جو رحمت والے نبی ہیں ان کے ظہور سے بڑی نعمت اور کون سی ہوسکتی ہے۔(ت)

سیرت علامہ شامی میں ہے:

عمل المولد الذی استحسناہ فانہ لیس فیہ شیئ سوی قرأۃ القراٰن واطعام الطعام وذٰلک خیر وبرو قربۃ[4]۔	میلاد شریف منانا کہ جس کو ہم نے مستحسن قرار دیا ہے اس میں قرآن مجید کی تلاوت (ذکر خدا وذکر رسول) اور کھانا کھلانے کے اہتمام کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اور یہ کام تو کار خیر ہے اور نیکی وقربت الٰہی کا ذریعہ ہے۔(ت)

[1] کنز العمال بحوالہ ھب عن سمرۃ رضی اللہ عنہ حدیث ۲۲۸۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۵۱۴

[2] الحاوی للفتاوٰی حسن المقصد فی عمل المولد دارالفکر بیروت ۱/ ۱۸۹

[3] الحاوی للفتاوٰی بحوالہ ابن حجر حسن المقصد فی عمل المولد دارالفکر بیروت ۱/ ۱۹۶

[4] الحاوی للفتاوٰی بحوالہ سیرت الشامی حسن المقصد فی عمل المولد دارالکتب بیروت ۱/ ۱۹۵

غرض اس مجلس ملائک مانس کے مجلس شادی ہونے کے سبب اس میں قرات پنج آیت پر انکار محض بے معنی ہے۔

نعم حیث یکون منها اهداؤ ثوابها للحضرة العلیة النبویة علیه افضل الصلوٰة والسلام والتحیة فهذا و ان کان مما نازع فیه ابن تیمیة ووافقه بعض لکن الحق الصحیح ماعلیه الجمهور من جواز ذٰلك منهم الامام الاجل تقی الدین علی بن عبدالکافی السبکی والامام البارزی والامام ابن عقیلی الحنبلی والامام الاجل العارف بالله علی ابن الموفق والامام ابوالعباس محمد بن اسحق السراج النیشاپوری و الامام سلطان العلماء عزالدین بن عبدالسلام والامام ابن حجر المکی کما فی عقود الدریة والامام النویری والامام شهاب الدین احمد بن الشلبی الحنفی کما فی ردالمحتار وشیخ الاسلام القایاتی والامام شرف الدین المناوی والامام کمال الدین محمد بن الهمام المحقق المجتهد کما یستفاد منه الامام العارف بالله ابوالمواهب سیدی محمد الشاذلی والامام العارف عبدالوهاب الشعرانی کما سیأتی وغیرهم من العلماء الاجلة المتقدمین والمتأخرین	ہاں البتہ جہاں آیات مبارک کا ثواب بطور ہدیہ بارگاہ عالیہ نبویہ میں پہنچانا مقصود ہو، اس میں اگرچہ حافظ ابن تیمیہ اور ان کے بعض موافقین نے نزاع اور اختلاف کیا ہے مگر حق اور صحیح بات یہی ہے جس پر ائمہ جمہور قائم ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کلام پاک کا ثواب پہنچانا جائز ہے۔ جن بزرگوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے ان میں (۱) جلیل القدر امام تقی الدین علی بن عبدالکافی سبکی (شافعی) ہیں (۲) امام بارزی (۳) امام ابن عقیلی حنبلی (۴) امام کبیر عارف باللہ علی بن موفق (۵) ابوالعباس امام محمد بن اسحٰق سراج نیشاپوری (۶) سلطان العلماء امام عزالدین بن عبدالسلام (۷) امام ابن حجر مکی جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے۔ (۸) امام نویری (۹) امام شہاب الدین احمد بن شلبی حنفی جیسا کہ فتاوٰی شامی میں ہے (۱۰) شیخ الاسلام امام قایانی (۱۱) امام شرف الدین مناوی (۱۲) امام کمال الدین محمد ابن ہمام محقق و مجتہد جیسا کہ ان کے کلام سے مستفاد ہوتا ہے (۱۳) عارف باللہ امام ابوالمواہب سیدی محمد شاذلی (۱۴) امام عارف عبدالوہاب شعرانی جیسا کہ عنقریب ذکر ہوگا۔ ان کے علاوہ دیگر جلیل القدر علماء کرام متقدمین و متاخرین

رحمۃ اللہ علیھم اجمعین۔	ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر فرداً فرداً رحمت فرمائے۔(ت)

فتاوٰی حدیثیہ امام ابن حجر مکی میں ہے:

مایفعلہ الناس الاٰن من سوالھم من اللہ تعالٰی ان یوصل مثل ثواب مایقرؤون الی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ وصحبہ وتابعیھم حسن لا اعتراض علیہ خلاف لمن زعمہ کما بینتہ فی افتاء طویل غیرھذا **اقول:** وزیادہ لفظ مثل علی مذھب الشافعیہ اماعندنا فلا حاجۃ الیھا کماقدعرفت فی موضعہ[1]۔	اب جو کچھ لوگ کرتے ہیں کہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا جاتا ہے کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں اللہ تعالٰی اس کی مثل کا ثواب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم،ان کی سب اولاد،ان کے سب ساتھیوں اور ان کے تابعین کو پہنچادے،تو یہ ایک اچھا طریقہ ہے پس اس پر کسی اعتراض اور اشکال کی گنجائش نہیں،البتہ اختلاف اس میں اس نے کیا ہے جس نے اس کو جائز نہیں سمجھا جیسا کہ اس کے علاوہ میں نے ایک طویل فتوٰی میں اس کو بیان کیا ہے________ **میں کہتاہوں** لفظ"مثل"کا اضافہ شوافع کے مذہب کے مطابق ہے ورنہ ہمارے نزدیک اس اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں جیسا کہ تم اپنی جگہ اس کو پہچان چکے ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ذکر ابن حجر فی الفتاوٰی الفقھیہ ان الحافظ ابن تیمیۃ زعم منع اھداء ثواب القراءۃ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان جنابہ الرفیع لایتجری علیہ الابما اذن فیہ الا تری ان ابن عمر کان یعتمر عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمرا بعد	علامہ ابن حجر نے اپنے فقہی فتاوٰی میں ذکر فرمایا حافظ ابن تیمیہ نے یہ گمان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قراءت کے ثواب کا ہدیہ پیش کرنا منع ہے اس لئے کہ ان کی بلند پایہ ذات پر وہی جراءت کی جاسکتی ہے جس کی ان کے بارے میں اجازت دی گئی ہے[لیکن یہ نظریہ باطل ہے]کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے آپ کے

[1] الفتاوٰی الحدیثیہ

موته من غير وصية وحج ابن الموفق وهو فی طبقة الجنید عنه سبعین حجة وختم ابن السراج عنه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اکثر من عشر الاف ختمة وضحی عنه مثل ذٰلك اھ قلت و رأیت نحو ذٰلك بخط مفتی الحنفیة الشهاب احمد بن الشلبی شیخ البحر نقلا عن شرح الطیبة للنویری ومن جملة مانقله ان ابن عقیل من الحنابلة قال یستحب اهداؤها له صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قلت واقول علماءنا له ان یجعل ثواب عمله لغیره یدخل فیه النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فانه احق بذٰلك حیث انقذنا من الضلالة ففی ذٰلك نوع شکر واهداء جمیل له والکامل قابل الزیادة الکمال [1] الخ۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وصیت کے بغیر آپ کے وصال کے آپ کی طرف سے کئی عمرے کئے، اور حضرت علی بن موفق جو طائفہ جنیدیہ میں سے ہیں، نے آپ کی طرف سے ستر حج ادا کئے، اور ابن سراج نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے دس ہزار سے زائد ختم قرآن مجید کئے اور دس ہزار سے زائد حضور کی طرف سے قربانیاں کیں، میں کہتاہوں کہ میں نے اس طرح مفتی احناف شہاب احمد بن شلبی صحاب بحر الرائق کے استاذ کے اپنے خط سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جو انھوں نے "طیبہ" کی شرح امام نویری سے نقل فرمائی ہے جو کچھ انھوں نے نقل کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حنابلہ میں سے علامہ ابن عقیل نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تلاوت قرآن مجید کا ثواب بطور ہدیہ پیش کرنا مستحب ہے اھ، میں کہتاہوں ہمارے علمائے کرام کا یہ فرمانا کہ آدمی کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل صالح کا ثواب کسی دوسرے کردے سکتاہے [پس اس عموم میں] حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی داخل ہیں کیونکہ آپ اس کے زیادہ لائق اور مستحق ہیں کہ آپ نے ہمیں ہر نوع کی گمراہی سے بچایا اور چھڑایا، اس میں ایک گونہ شکر بھی پایا جاتا ہے اور یہ آپ کے لئے خوبصورت ہدیہ ہے اور کامل زیادت کمال کو قبول کرتا ہے۔ الخ (ت)

لواقع الانوار فی طبقات الاخیار ذکر سیدی ابوالمواہب قدس سرہ، میں ہے:

کان رضی اللّٰه تعالٰی عنه یقول	حضرت ابوالمواہب رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵۔۶۰۶

رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لی انت تشفع لمائۃ الف قلت لہ بم استوجبت ذٰلک یا رسول اللہ قال باعطائک لی ثواب الصلاۃ علی[1]۔	کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا، حضور اقدس نے مجھ سے فرمایا کہ قیامت کے دن تم ایک لاکھ بندوں کی شفاعت کروگے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میں کیسے اس قابل ہوا! ارشاد ہوا: تم مجھ پر جو درود پڑھتے ہو اس کا ثواب مجھے دے ڈالتے ہو (یہ شان اس اس نیک اور اعلٰی عمل کا نتیجہ ہے)۔(ت)

اسی میں ہے:

کان رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول رأیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم قدوھبت لک ثواب صلاتی علیک و ثواب کذا وکذا من اعمالی ان کان ذٰلک ما اردتہ بقولک للسائل الذی قال لک (افاجعل لک ثواب صلاتی کلھا فقلت لہ ذا تکفی ھمک ویغفرلک ذنبک) فقال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نعم ذٰلک اردت ولکن ابق لنفسک ثواب الکذا والکذا فانی غنی عنہ[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	وہ فرماتے تھے (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی اور آپ کی خدمت میں عرض کی کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ پر جو درود پڑھتا ہوں میں نے اس کا ثواب آپ کو بخش دیا اور اپنے فلاں فلاں عمل کا ثواب بھی بخش دیا، اگر آپ نے یہی ارادہ کیا تھا اپنے قول سے اس سائل کے لئے جس نے آپ سے عرض کی تھی کیا میں اپنے پڑھے ہوئے تمام درود کا ثواب آپ کو دے ڈالوں؟ تو آپ نے اس سے فرمایا پھر تو یہ تیرے غموں کے لئے کفایت کرے گا اور تیرے گناہ بخش دئے جائیں گے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں میں نے یہی ارادہ کیا تھا لیکن تو اپنی ذات کے لئے اتنا اتنا ثواب باقی رہنے دے کیونکہ میں اس سے بے نیاز ہوں، اور اللہ تعالٰی پاک، برتر اور خوب اچھی طرح جاننے والا ہے اور اس بڑی عزت والے کا علم نہایت درجہ کامل اور بڑا پختہ ہے۔(ت)

[1] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ذکر الشیخ محمد ابو المواہب مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۳و۷۵

[2] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ذکر الشیخ محمد ابو المواہب مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۳و۷۵

مسئلہ ۲۹و۳۰: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں صاحب رامپوری ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) تین برس کے بچے کی فاتحہ دوجے کی ہونا چاہئے یا سوئم کی ہونا چاہئے؟

(۲) اگر کسی کھانے پر یا شرینی پر بچے کی فاتحہ دے کر مسکینوں کو کھلادے تب اس کھانے کی فاتحہ یا شیرینی کا میت کو ثواب ملے گا یا نہیں۔ جائز ہے یا ناجائز؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) شریعت میں ثواب پہنچانا ہے دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، باقی یہ تعیین عرفی ہیں جب چاہیں کریں انھیں دنوں کی گنتی شرعی جاننا جہالت ہے وبدعت عہ، **واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

(۲) ضرور جائز ہے اور بیشک ثواب پہنچتا ہے اہلسنت کا یہی مذہب ہے،

والصبی لاشك انه من اهل الثواب ونصوص الحدیث وارشادات العلماء مطلقة لاتخصیص فیها، واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	اس میں کوئی شک نہیں کہ بچہ اہل ثواب میں سے ہے (کیونکہ) حدیث شریف کی تصریحات اور علمائے کرام کے ارشادات اس میں بارے میں علمائے کرام کے ارشادات اس بارے میں مطلق مذکور ہیں (کوئی قید مذکور نہیں۔ مترجم) کہ جن میں کوئی تخصیص نہیں، اور اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے (ت)

مسئلہ ۳۱: مسئولہ حافظ محمود حسین ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ھ

نقالوں کو دینا جیسا کہ تقریب نکاح وغیرہ میں آتے اور گھیرتے ہیں اور مانگتے ہیں دینا ان کو

عہ: ایک نجدی شخص رامپور سے آیا منافقانہ سنی بن کر بعض استفتا کئے جن کا جواب اسی جلد میں تھا دارالافتاء سے اسے یہ جلد دی گئی کہ جواب نقل کرلے، اس نے یہ لفظ "بدعت" اضافہ کیا ہے سطر میں جگہ نہ پائی تو نیچے اور بین السطور ہیں، فتاوٰی گنگوہی حصہ اول میں یہ فتوٰی مع اضافہ مفتری نقل کیا اور عبارت "جہالت ہے وبدعت" غلط تھی جس سے ہر ذی عقل نے بھی لیا کہ یہ عبارت فتاوٰی رضویہ کی نہیں لہٰذا براہ چالاکی کہ وہابیہ کی شعار ہے اسے یوں بنالیا "جہالت وبدعت ہے" مسلمانو! وہابیہ کے یہ شیوے ہیں ۱۲۔

شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

اگرانھیں ممنوعات شرعیہ سے اپنے یہاں باز رکھا جائے اور بغیر کسی امر ممنوع شرعی کی اجرت کے احسانا دیا جائے تو جائز ہے بلکہ اگراس نیت سے دیں کہ یہ مسلمان اس مال حلال کو پاکر اکل حلال سے بہرہ مند ہوں اور شاید اس کی برکت سے اللہ تعالٰی ان کو توبہ نصیب فرمائے تو محمود وحسن وباعث اجر ہے۔ صحیح بخاری وصحیح مسلم کی حدیث:

اللھم لك الحمد علی زانیة اللھم لك الحمد علی سارق[1]۔	یااللہ! تیرے لئے ہی تعریف وثنا ہے کہ مال تو بدکار کے ہاتھ میں گیا، اے اللہ! تیرے ہی لئے حمد وستائش کہ مال تو چور کے ہاتھ لگ گیا۔ (ت)

اس پر شاہد عدل ہے اس صورت میں دینے والے کو دینا اور لینے والے کو لینا حلال وطیب ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور اگر یہ صورت ہے کہ نہ دے گا تو اسے مطعون کرتے پھرینگے اس کا مضحکہ اڑائیں گے جیساکہ ان کی عادت سے معروف ومشہور ہے تو اس صورت میں بھی اپنے تحفظ کے لئے دینا جائز وحلال ہے اگرچہ انھیں لینا حرام ہے اس کے جواز پر وہ حدیث شاہد کہ ایک شاعر نے بارگاہ رسالت میں آکر سوال کیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد فرمایا:

اقطع عنی لسانه[2]۔	میری طرف سے اس کی زبان کاٹ دے۔

درمختار وغیرہا میں بھی اس کا جواز مصرح ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲: پختنی حلوہ شب برات کی کیا تخصیص ہے؟

الجواب:

یہ تخصیص عرفی ہے لازم شرعی نہیں۔ ہاں اگر کوئی جاہل اسے شرعا لازم جانے کہ بے حلوے کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب ثبوت اجر المتصدق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۹

[2] السنن الکبرٰی کتاب الشھادات باب ماجاء فی اعطاء الشعراء دار صادر بیروت ۱۰/ ۲۴۱

ثواب نہ پہنچے گا تو وہ خطا پر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: از بنگالہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع میں ایک شخص نے کمال جدوجہد سے ایک مدرسہ اس طور پر قائم کیا کہ از راہ تسہیل امر اطراف کے لوگوں سے استدعا کی کہ ہے مرتبہ گھروں میں کھانا روزانہ پکایا جایا کرے وَے مرتبہ ایک مٹھی ہر اجناس سے یعنی چاول وغیرہ علیحدہ ذخیرہ کردیا کریں اور ختم ماہ پر مدرسہ کے مصارف میں دے دیا کریں، اسی طرح مدت سے یہ مدرسہ جاری ہے اب یہ اعتراض پیدا ہوا ہے کہ یہ طریقہ ناجائز ہے بلکہ غیر اللہ یا شرک یا بدعت کے مشابہ ہے۔ پس دینے والوں اور تائید کرنے والوں کو گنہگار بتاتے ہیں آیا عمل مذکورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دہندہ اور تائید کنندہ اس عمل کا مستحق عذاب ہوگا یا ثواب؟ اگر مستحق عذاب ہو تو اس امر نیک کے باز رکھنے والے اور کارِ خیر کے روکنے والے پر حسب شرع شریف کیا حکم ہے؟ کیا وہ صورت مذکورہ مشابہ غیر اللہ یا شرک یا بدعت کے ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر بدعت ہو تو کسی قسم کی بدعت ہے؟ بادلائل قرآن اور احادیث اور اقوال علماء اور ائمہ مجتہدین مستنبطین کے بیان فرمایا جائے۔

بینوا توجروا عنداللہ (بیان فرماؤ تاکہ تم اللہ تعالٰی کے ہاں اجر وثواب کے مستحق بن جاؤ۔ت)

الجواب:

صورت مذکورہ بلاشبہہ جائز مستحب ومندوب ہے۔ اور اس طرح اعانت مدرسہ کرنے والے اور جو لوگ اس اعانت پر مؤید ہوئے سب کے لئے اجر جزیل وثواب جمیل ہے جبکہ وہ مدرسہ مدرسہ دینیہ اور دینے والوں تائید کرنے والے کی نیت محمودہ ہو اسے بدعت کہنا گناہ بتانا سخت جہالت بلکہ امر محمود شرعی کی تحریم ومذمت ہے اور اسے "مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ"[1] (اللہ تعالٰی نے تم پر حرام کردیا) وہ جانور جسے ذبح کرتے ہوئے اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا۔ت) سمجھنا جسے جاہلان بے خبر صرف لغیر اللہ کہا کرتے نرا جنون ہے۔ جب علم دین کی اعانت وتائید معاذاللہ غیر اللہ کے لئے ٹھہرے تو وہ کون سی چیز ہے جو اللہ کے لئے ہوگی، ایسے جہال سے پوچھا جائے کہ عبادت تو اللہ کے لئے ہے یا اسے بھی غیر اللہ کے لئے جانتے ہو۔ جب وہ اللہ کے لئے ہے تو علم دین تو اس سے بھی بہتر وافضل ہے وہ کیونکر غیر اللہ کے لئے ہوسکتا ہے۔ متعدد حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

فرماتے ہیں:

العلم افضل من العبادۃ رواہ الخطیب [1] وابن عبداللہ فی کتاب العلم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	علم عبادت سے افضل ہے(اس کو خطیب نے روایت کیا اور ابن عبداللہ نے کتاب العلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی روایت کی۔ت)
العلم خیر من العبادۃ [2] ابوعمر فیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علم عبادت سے بہتر ہے۔(ابوعمر نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ت)
العلم افضل من العمل البیہقی [3] فی الشعب عن البعض الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	علم عمل سے افضل ہے(امام بیہقی نے شعب الایمان میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسے روایت کیا۔ت)
العلم خیر من العمل [4] ابوالشیخ عن عبادۃ الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	علم عمل سے بہتر ہے(ابوالشیخ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

وفی الباب احادیث یعسرا حصاؤھا(اس باب میں احادیث کا شمار مشکل ہے۔ت)امور خیر کے لئے مسلمانوں سے اس طرح چندہ کرنا بدعت نہیں بلکہ سنت ہے ثابت ہے جو لوگ اس سے روکتے ہیں "مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ ﴿۱۲﴾" [5] (بھلائی اور امور خیر سے روکنے والا حد سے بڑھنے والا اور گنہگار ہے۔ت) میں داخل ہوتے ہیں۔ صحیحین میں جریر رضی اللہ تعالٰی عنہ

I.T. Majlis of Dawateislami

---

[1] تاریخ بغداد للخطیب ترجمہ ۲۳۳۸ احمد بن محمد ابن الخفاف دارالکتاب العربیہ بیروت ۴/ ۴۳۶، جامع بیان العلم وفضلہ باب تفضیل العلم من العبادۃ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۷

[2] جامع بیان العلم وفضلہ باب تفضیل العلم من العبادۃ دارالفکر بیروت ۱/ ۲۷

[3] شعب الایمان حدیث ۳۸۸۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۴۰۳

[4] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن عبادہ بن صامت مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۸۲

[5] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

سے ہے کچھ۔ برہنہ پا برہنہ بدن صرف ایک کملی کفنی کی طرح چیر کر گلے میں ڈالے خدمت اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے حضور پرنور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی محتاجی دیکھی چہرہ انور کا رنگ بدل گیا۔ بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان کا حکم بعد نماز خطبہ فرمایا بعد تلاوت آیات ارشاد کیا:

تصدق رجل من دینارہ من درھمۃ من ثوبہ من صاع برہ من صاع تمرۃ حتی قال ولو بشق تمرۃ۔	کوئی شخص اپنی اشرفی سے صدقہ کرے کوئی روپے سے کوئی کپڑے سے، کوئی اپنے قلیل گیہوں سے کوئی اپنے تھوڑے چھوہاروں سے، یہاں تک فرمایا: اگرچہ آدھا چھوہارا۔

اس ارشاد کو سن کر ایک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ روپوں کو تھیلا اٹھالائے جس کے اٹھانے میں ان کے ہاتھ تک گئے پھر لوگ پے درپے صدقات لانے لگے یہاں تک کہ دو انبار کھانے اور کپڑے کے ہوگئے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا چہرہ انور خوشی کے باعث کندن کی طرح دمکنے لگا اور ارشاد فرمایا:

من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا بعدہ من غیر ان ینقص من اجورھم شیئ[1]۔	جو شخص اسلام میں کوئی اچھی راہ نکالے اس کے لئے اس کا ثواب ہے اور اس کے بعد جتنے لوگ اس راہ پر عمل کریں گے سب کا ثواب اس کے لئے ہے بغیر اس کے کہ ان کے ثوابوں میں کچھ کمی ہو۔

غزوہ تبوک وغیرہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مسلمانوں کو حکم صدقات دینا اور ہر ایک کا کثیر و قلیل حسب مقدرت حاضر لانا منافقین کا تھوڑا لانے والوں پر اعتراض کرنا کہ اللہ تعالٰی اس کے صدقہ سے غنی ہے زیادہ لانے والوں پر اعتراض کرنا کہ یہ ریاء کے لئے ہے اور اس پر آیہ کریمہ:

"اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ	بے شک لوگ ان ایمانداروں پر جو اپنے دل کے شوق اور خوشی سے خیرات کرتے ہیں الزام

---

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی الصدقۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۷، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب التحریض علی الصدقۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۵۶-۳۵۵

لَایَجِدُوْنَ اِلَّاجُهْدَهُمْ"[1]	لگاتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی نشانہ طعن بنانے ہیں جو اپنی محنت وکوشش سے جو کچھ حاصل کرپاتے ہیں راہ خدا میں خرچ کردیتے ہیں۔(ت)

کانازل ہونا،ایک بار یوہیں صدقات کا چندہ ہونا اس کاانبار ہوجانا،ایک صحابی کا صرف ایک خوشہ لانا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کااسے سب سے اوپر رکھنا وغیرہ وغیرہ وقائع کثیرہ صحاح وغیرہا کتب احادیث میں مذکور ومشہور ہے۔**واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴تا۳۶: ۲۱ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بروز پنجشنبہ فاتحہ اور کھانے کاثواب میت کی روح کو بخش کو جو کچھ ممکن ہوسکے مساکینوں کو بھی دے دیا جائے اس کی نسبت کیا حکم ہے؟

(۲) میت کے سیم میں چنوں پر کلمہ شریف پڑھنااور پھران کو اور بتاشوں کو تقسیم کرنا چاہئے یانہیں؟

(۳) میت کے سیم کے چنے وبتاشے سوائے مساکین کے دوسرے کولینااور کھانا چاہئے یانہیں؟ **بینواتوجروا** (بیان فرماؤاجر پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) جائز اور مستحسن ہے اور باعث اجروثواب ہے اس کے لئے بھی اور اس میت مسلمان کے لئے بھی،اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعه[2]۔	جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو نفع پہنچاسکے تو اسے نفع پہنچائے(ت)

(۲و۳) جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ صرف مساکین کو دئے جائیں اغنیاء کانہ لینا بہتر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۱۵،صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیہ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۳

مسئلہ ۳۷: از سرونج مسئولہ جناب محمد عبدالرشید خان صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

زید کے پاس روپیہ کچھ روپیہ تو جو حلال کا ہے اور کچھ ناجائز کا روپیہ اکٹھا جمع ہے زید یہ بات بھول گیا ہے کہ اس روپے میں جائز طور کا کتنا ہے اور ناجائز طور کا کتنا روپیہ ہے۔اب اگر زید اس روپے سے خیرات کرنا چاہئے تو کس طور سے ت کرے؟

الجواب:

تحری کرے زیادہ سے زیادہ تک ناجائز روپیہ اسے حاصل مالکوں یا وارثوں کو واپس دے اگر ان کا پتا نہ ہو تو اس قدر کل تصدق کردے باقی جتنا روپیہ اس کا رہ گیا ہے اس کا یہ مختار ہے تصدق وغیرہ جس صرف میں چاہے اٹھائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۸:

کراچی میں مسلمانوں کا ایک یتیم خانہ کھلنے والا ہے جس میں وہابی، نیچری، رافضی، لامذہب سب جمع ہیں، سنی مسلمانوں کو اس یتیم خانہ میں شامل ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر فی سبیل اللہ زکوۃ خیرات کی مد سے اس یتیم خانے مین چندہ دیا تو زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ اور وہ چندہ باعث ثواب ہوا یا موجب عذاب؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس میں احتمالاً دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ یتیموں وتربیت کا تمام انتظام صرف اہلسنت کے ہاتھوں میں رہے کسی بدمذہب کا اس میں دخل نہ ہو، نہ ان کی صحبت بچوں کو رہے کہ وہ انھیں اغوا کرسکیں صرف بالائی باتوں میں ان کی شرکت ہو، دوسرے یہ کہ ان امور میں بھی انھیں مداخلت دی جائے یا کم از کم ان کی صحبت بد رہے جس سے بچوں کی گمراہی مظنہ ہو، صورت ثانیہ تو مطلقاً قطعی حرام وبدخواہی اسلام ہے اور اس میں چندہ دینا موجب عذاب وآثار، اور صورت اولٰی شاید محض ایک خیالی ہو واقع کبھی نہ ہو کہ جب وہ برابر کے شریک ہیں ہر کام میں برابر کی شرکت چاہیں گے کیا وجہ ہے کہ وہ نرے غلام بن کر رہنے پر راضی ہوں اور بغرض باطل اگر ایسا ہو بھی تو ان کی صحبت بد سے کیونکر مفر اور علماء تصریح فرماتے ہیں:

ان الاحکام تبنی علی الغالب ولایعتبر النادر فضلا عن الموھوم کمافی	احکام، غالب حالات پر مبنی ہوا کرتے ہیں لہٰذا کسی نادر صورت کا اعتبار نہیں کیا جاتا چہ جائیکہ کسی رسمی اور فرضی صورت کا اعتبار ہو

فتح القدیر[1] وغیرہ۔	جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

لہٰذا حکم وہی ہے کہ ایسی کھچڑی مطلقاً حرام ہے اور اس کی اعانت ہر طرح ناجائز، معہذا اگر فرض کرلیں کہ صورت اولٰی واقع ہو تو اس میں اہلسنت کو ان بے دینوں کی مجالست مصاحبت توقیر سے چارہ نہ ہوگا اور یہ خود حرام ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ "[2]	اگر تمھیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔(ت)

اور حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام[3]۔	جس نے کسی بدعتی آدمی کی تعظیم کی اس نے بلاشبہہ اسلام کے گرانے (مٹانے) پر امداد کی۔(ت)

رہی زکوٰۃ اگر بطور چندہ دی گئی اور چندہ میں خلط کرلی گئی اور عام مصارف میں بلالحاظ تملیک فقیر اٹھتی رہی جب تو ہرگز ادا نہ ہوگی اگرچہ یتیم خانہ خاص اہلسنت کا ہو۔

لماصرحوا بہ ان رکنھا التملیك فلا تجوز فی بناء مسجد اوتکفین میت وغیر ذٰلك وصرحوا ان الخلط استھلك فلا تتادی بہ کما فی الفتاوٰی العالمگیریة وغیرھا۔	اس لئے کہ ائمہ فقہ نے اس مسئلہ کی تصریح فرمائی کہ زکوٰۃ کا رکن تملیک ہے (یعنی زکوٰۃ لینے والے کو مال زکوٰۃ کا مالک بنا دینا) لہٰذا تعمیر مسجد اور تکفین میت اور اس نوع کی دوسری صورتوں میں زکوٰۃ جائز نہ ہوگی (اس لئے کہ ان میں تملیک نہیں پائی جاتی) اور یہ بھی انھوں نے تصریح فرمائی کہ ایک مال کو دوسرے مال میں خلط کرنا یعنی ملانا اسے نیست ونابود کردینا ہے لہٰذا اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیر میں مزکور ہے۔(ت)

اور اگر بطور زکوٰۃ دی جائے اور جدا رکھی جائے اور یتیموں فقیروں کے قبضہ میں دے کہ تملیک

---

[1] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب مایفسد الصوم نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۳۷۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنة مجتبائی دہلی ص ۳۱، شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۶۱

کردی جائے پھر ان کے مصارف میں اٹھائی جائے تو ادا ہو جائے گی وان کان **بعض المنتظمین من غیر اھل الدین** (اگرچہ بعض انتظام کرنے والے دیندار نہ ہوں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: از مقام کیلا کھیڑا تحصیل باندپور ضلع نینی تال مسئولہ عبدالمجید خاں مدرسہ زنانہ بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جمعرات کی فاتحہ یا بزرگوں کے عرس وغیرہ کا صحیح طور سے تحریر فرمائیں۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:

جمعرات کی فاتحہ جائز ہے۔ یوہیں عرس اگر منکرات شرعیہ مثل مزامیر وغیرہا سے خالی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰: مسئولہ ماجد حسین ناظم انجمن تہذیب الاسلام بہرائچ پنجشنبہ ۲ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے کرام ومفتیان اعلام اس مسئلہ میں کہ ماہ شعبان کی چودھویں تاریخ کو عوام اہلسنت میں مدت مدید سے دستور چلا آرہا ہے کہ حلوا پکا کر اس پر حضرت اویس قرنی وحضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہما اور اپنے دوسرے خاندانی لوگوں کا فاتحہ کرتے ہیں اور کچھ حصہ محتاجوں کو اور باقی اعزا واقارب میں تقسیم کیا کرتے ہیں اور اس رسم کو لوگ بطور اتباع سلف کرتے ہیں، بعض علماء نے اس رسم کو بے اصل اور ہنود کی رسوم کے مشابہ فرما کر روکتے ہیں اور بعض اس رواج کو بے ضرر جان کر منع نہیں فرماتے اور بعض کو اصرار ہے کہ یہ رواج قدیم بے سبب نہیں ہے لہذا تارک کو خاطی کہتے ہیں جواب دندان شکن مفصل مدلل ارشاد فرمایا جائے۔ یہ رواج مسلمانوں میں کس زمانہ سے شروع ہوا ہے اور اس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی اصلیت ہے یا نہیں فقط

الجواب:

شریعت اسلامیہ میں ایصال ثواب کی اصل ہے اور صدقات مالیہ کا ثواب باجماع ائمہ اہلسنت پہنچتا ہے اور تخصیصات عرفیہ کو حدیث نے جائز فرمایا کہ:

صوم یوم السبت لالك ولا علیك[1]۔	سنیچر کا روزہ نہ تجھے مفید ہے اور نہ تیرے لئے نقصان دہ ہے۔(ت)

مانعین کی یہ جہالت ہے کہ جواز خصوصی کے لئے دلیل خصوصی مانگتے ہیں اور منع خصوص کے لئے

[1] مسند احمد بن حنبل عن الصماء بنت یسر رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶۸

دلیل خصوصی نہیں دیتے ان سے پوچھئے تم جو منع کرتے ہو آیا اللہ و رسول نے منع کیا ہے یا اپنی طرف سے کہتے ہیں اگر اللہ تعالٰی ورسول نے منع فرمایا ہے تو دکھاؤ کہ کون سی آیت وحدیث میں ہے کہ حلوا ممنوع ہے یا حضرت سید الشہداء حمزہ یا حضرت خیر التابعین اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اس کا ثواب پہنچانا ممنوع ہے یا اعزہ واحبا میں اس کا تقسیم کرنا ممنوع ہے اور جب نہیں دکھا سکتے تو جو بات اللہ و رسول نے منع نہیں فرمائی تم اس کے منع کرنے والے کون، "آٰللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ "[1] (کیا اللہ تعالٰی نے تمھیں (اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ تعالٰی کے ذمہ جھوٹ لگاتے ہو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
رادالقحط والوباء بدعوة الجیران ومواساة الفقراء ۱۳۱۲ھ
(پڑوسیوں کی دعوت اور فقیروں کی غمخواری کے ذریعے قحط اور وباء کو لوٹادینے والا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۴۱: از کانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی احمد اللہ تلمیذ مولوی احمد حسن صاحب ۷ اربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے دیار [عہ] میں اس طرح کا رواج ہے کہ کوئی بلاد میں ہیضہ، چیچک، وقحط سالی وغیرہ آجائے تو دفع بلا کے واسطے جمیع محلّہ والے مل کر فی سبیل اللہ اپنی اپنی حسب استطاعت چاول، گیہوں وپیسہ وغیرہ اٹھا کر کھانا پکاتے ہیں اور مولویوں اور ملاؤں کو بھی دعوت کرکے ان لوگوں کو بھی کھلاتے ہیں اور جمیع محلّہ دار بھی کھاتے ہیں، آیا اس صورت میں محلّہ دار کو طعام مطبوخہ کا کھانا جائز ہوگا یانہ؟ طعام مطبوخہ کھانے کے لئے مانع وغیر مانع پر کیا حکم دیا جاتا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔)

[عہ]: یعنی بنگالہ میں کہ یہ سوال کانپور میں وہیں سے آیا تھا کانپور سے بغرض تحریر جواب بھیجا گیا ۱۲۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ الذی وضع البرکۃ فی جماعۃ الاخوان وقطع الھلکۃ بتواصل الاحباء والجیران والصلٰوۃ والسلام علی صاحب الشفاعۃ مجیب الدعوۃ ومحب الجماعۃ دافع البلاد والوباء والقحط والمجاعۃ وعلی الہ وصحبہ وجماعۃ المسلمین وعلینا فیھم یاارحم الراحمین اٰمین اٰمین اٰمین یاربنا اٰمین۔	تمام تعریفیں اس ذات کے لئے جس نے بھائیوں کے اجتماع میں برکت فرمائی اور اہل محبت اور پڑوسیوں کی ملاقات وصلہ میں مصیبت کو قطع فرمایا اور صلٰوۃ وسلام مالک شفاعت، دعوت قبول، جماعت سے محبت، مصیبت ووبلاء اور بھوک اور قحط کو دفع کرنے والی ذات پر اور ان کی آل واصحاب اور مسلمانوں کی جماعت اور ان کے ساتھ ہم پر یاارحم الراحمین، آمین آمین اے ہمارے رب آمین!

فعل مذکور بقصہ مسطور اور اہل دعوت کو وہ کھانا کھانا شرعاجائز وروا جس کی ممانعت شرع مطہر میں اصلانہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

"لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا جَمِیۡعًا اَوۡ اَشۡتَاتًا"[1]	تم پر کچھ گناہ نہیں کہ کھاؤمل کر یاالگ الگ۔

تو بے منع شرع ارتکاب ممانعت جہالت وجرات۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں کہتاہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) نظر کیجئے تو یہ عمل چند دواؤں کا نسخہ جامعہ ہے کہ اس سے مساکین وفقراء بھی کھائیں گے، علماء وصلحاء بھی عزیز ورشتہ دار بھی قریب واہل جوار بھی تو اس میں بعد وابواب جنت اٹھ خوبیاں ہیں:

(۱) فضیلت صدقہ **(۲)** خدمت صلحاء **(۳)** صلہ رحم **(۴)** مواساۃ جار

(۵) سلوک نیک سے مسلمانوں خصوصا غرباء کادل خوش کرنا **(۶)** ان کی مرغوب چیزیں ان کے لئے مہیا کرنا۔

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

(۷) مسلمان بھائیوں کو کھانا دینا **(۸)** مسلمانوں کا کھانے پر مجتمع ہونا۔

اور ان سب امور کو جب بہ نیت صالحہ ہوں باذن اللہ تعالٰی رضائے خدا عفو و خطاء و دفع بلا میں دخل تام ہے ظاہر ہے کہ قحط، وباء، ہر مصیبت و بلا گناہ کے سبب آتی ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمھیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرمادیتا ہے۔(ت)

تو اسباب مغفرت و رضا و رحمت بلاشبہ اس کے عمدہ علاج ہیں۔اب بتوفیق اللہ تعالٰی احادیث سنئے:

حدیث ۱: حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الصدقه لتطفئ غضب الرب و تدفع میتة السوء، رواه الترمذی[2] وحسنة وابن حبان فی صحیحه عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	بیشک صدقہ رب عزوجل کے غضب کو بجھاتا اور بری موت کو دفع کرتا ہے (اسے ترمذی، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، ترمذی نے اس کی تحسین کی۔ت)

حدیث ۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتقوا لنار ولو بشق تمرة فانها تقیم العوج وتدفع میتة السوء، الحدیث رواه ابو یعلی والبزار[3] عن الصدیق الاکبر رضی الله تعالٰی عنه۔	دوزخ سے بچو اگرچہ آدھا چھوہارا دے کر کہ وہ کجی کو سیدھا اور بری موت کو دور کرتا ہے الحدیث (ابویعلٰی اور بزار نے اسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۳۰

[2] جامع الترمذی ابواب الزکوٰۃ باب ماجاء فی فضل الصدقه امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۴، کنز العمال بحوالہ ت حب عن انس حدیث ۱۵۹۹۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۳۴۸ و ۳۷۱

[3] مسند ابی یعلی عن ابی بکر حدیث ۸۰ مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱/ ۷۵، کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۹۳۳ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/ ۴۴۲

حدیث ۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان صدقة المسلم تزید فی العمر وتمنع میتة السوء، رواہ الطبرانی[1] وابوبکر بن مقیم فی جزئه عن عمرو بن عوف رضی الله تعالٰی عنه۔	بے شک مسلمان کا صدقہ عمر کو بڑھاتا ہے اور بُری موت کو روکتا ہے۔(اسے طبرانی اور ابوبکر بن مقیم نے اپنی جزء میں عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴و۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقة تطفیٔ الخطیئة وتقی میتة السوء رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن رافع بن مکیث الجهنی رضی الله تعالٰی عنه۔	صدقہ گناہ کو بجھاتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے(اسے طبرانی نے کبیر میں رافع بن مکیث الجہنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری روایت میں ہے:

الصدقة تمنع میتة السوء، رواہ احمد[3] عنه والقضاعی عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما۔	صدقہ بری موت کو روکتا ہے(اسے احمد نے رافع بن مکیث سے اور قضاعی نے ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله لیدرؤ بالصدقة سبعین بابا من میتة السوء، رواہ الامام عبدالله بن مبارك فی کتاب البر[4] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	بے شک عزوجل صدقہ کے سبب سے ستر دروازے بری موت کے دفع فرماتا ہے(اسے امام عبداللہ بن مبارک نے کتاب البر میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقة تسد سبعین بابا من السوء۔	صدقہ ستر دروازے برائی کے بند کرتا ہے۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۲۲و۲۳

[2] الترغیب والترهیب بحواله الطبرانی فی الکبیر الترغیب فی الصدقة حدیث ۱۴ مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۱

[3] کنز العمال بحواله القضاعی عن ابی هریرہ حدیث ۱۵۹۸۱ موسسة الرساله بیروت ۶/ ۳۴۵

[4] الترغیب والترهیب بحواله ابن البر فی کتاب البر الترغیب فی الصدقة حدیث ۲۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۲

رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(اسے طبرانی نے کبیر میں رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث ۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ تمنع سبیعن نوعا من انواع البلاء اھونھا الجذام والبرص، رواہ الخطیب [2] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صدقہ ستر بلا کو روکتا ہے جن کی آسان تر بدن بگڑنا اور سپید داغ ہیں (والعیاذ باللہ تعالٰی) (اسے خطیب نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۹۔۱۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

باکروا بالصدقۃ فان البلاء لایخطّاھا، رواہ الطبرانی [3] عن امیر المومنین علی والبیہقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	صبح تڑکے صدقہ دو کہ بلا صدقہ سے آگے قدم نہیں بڑھاتی (اسے طبرانی نے امیر المومنین حضرت علی اور بیہقی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقات بالغدوات یذھبن بالعاھات رواہ الدیلمی [4] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صبح کے صدقے آفتوں کو دفع کردیتے ہیں۔(اس کو دیلمی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ تمنع القضاء السوء	صدقہ بری قضا کو ٹال دیتاہے۔(اس کو

---

[1] المعجم الکبیر عن رافع بن خدیج حدیث ۴۴۰۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۲۷۴

[2] تاریخ البغداد ترجمہ ۴۳۲۶ الحارث بن نعمان دار الکتب العربی بیروت ۸/ ۲۰۸

[3] المعجم الاوسط حدیث ۵۶۳۹ مکتبہ المعارف ریاض ۶/ ۲۹۹، السنن الکبرٰی کتاب الزکوٰۃ باب فضل من اصبح صائما الخ دار صادر بیروت ۴/ ۱۸۹

[4] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۷۴۷ دار الکتب العربی بیروت ۲/ ۴۱۴، الجامع الصغیر بحوالہ الفردوس عن انس حدیث ۵۱۴۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۱۷

(رواہ ابن عساکر [1] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ)	ابن عساکر نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صلوا الذی بینکم وبین ربکم بکثرۃ ذکرکم لہ وکثرۃ الصدقۃ بالسروالعلانیۃ ترزقوا وتنصروا وتجبروا۔رواہ ابن ماجۃ [2] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ عزوجل کے ساتھ اپنی نسبت درست کرو اس کی یاد کی کثرت اور خفیہ وظاہر صدقہ کی تکثیر سے کہ ایسا کروگے تو روزی اور مدد دئے جاؤ گے، تمھاری شکستگیاں درست کی جائیں گی (اسے ابن ماجہ نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۴تا۱۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الصدقۃ تطفیئ الخطیئۃ کما یطفیئ الماء النار،رواہ الترمذی [3] وقال حسن صحیح عن معاذ بن جبل ونحوۃ ابن حباب فی صحیحہ عن کعب بن عجرۃ و کابی یعلی بسند صحیح عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنھم وابن المبارك عن عکرمۃ مرسلا بسند حسن۔	صدقہ گناہ کو بجھادیتا ہے جیسے پانی آگ کو (روایت کیا اسے ترمذی نے اور حسن صحیح کہا، معاذ بن جبل سے اور ایسے ہی ابن حباب نے اپنی صحیح میں کعب بن عجرہ سے، جیسے ابی یعلٰی نے بسند صحیح جابر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور ابن مبارک نے عکرمہ سے مرسلا بسند حسن۔ت)

حدیث ۱۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مثل المؤمن ومثل الایمان کمثل الفرس فی اخیتہ یجول ثم	مسلمان اور ایمان کی کہاوت ایسی ہے جیسے چراگاہ میں گھوڑا اپنی رسی سے بندھا ہوا کہ

[1] تہذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ الخضرا البزاز داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۶۸

[2] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوۃ باب فرض الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۷

[3] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ماجاء فی حرمۃ الصلوۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۶، موارد الظمان حدیث ۱۵۶۹ المکتبۃ السلفیہ مکۃ المکرمۃ ص ۳۷۸

یرجع الی اخبتہ وان المؤمن یسھو ثم یرجع الی الایمان فاطعموا طعامکم الاتقیاء ولو معروفکم المؤمنین رواہ البیھقی فی شعب الایمان [1] و ابونعیم فی الحلیۃ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	چاروں طرف چر کر پھر اپنی بندش کی طرف پلٹ آتا ہے یوں ہی مسلمان سے بھول ہوجاتی ہے پھر ایمان کی طرف رجوع لاتا ہے تو اپنا کھانا پرہیزگاروں کو کھلاؤ اور اپنا نیک سلوک سب مسلمانوں کو دو۔(اسے بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اس حدیث سے ظاہر کہ معالجہ گناہ میں نیکوں کو کھانا کھلانا اور عام مسلمانوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

حدیث ۱۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الصدقۃ وصلۃ الرحم یزید اللہ بھما فی العمر ویدفع بھما میتۃ السوء ویدفع بھما المکروہ المحذور، رواہ ابو یعلی [2] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک صدقہ اور صلہ رحم ان دونوں سے اللہ تعالٰی عمر بڑھاتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے اور مکروہ اور اندیشہ کو دور کرتا ہے۔(اسے ابویعلی نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰: فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من احب ان یبسط لہ فی رزقہ وینسألہ فی اثرہ فلیصل رحمہ، رواہ البخاری [3] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں وسعت مال میں برکت ہو وہ اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے(اسے امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

[1] شعب الایمان حدیث ۱۰۹۶۴ دارلکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۵۲، حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۹۷ عبداللہ بن مبارک دارالکتب العلمیہ بیروت ۸/ ۱۷۹

[2] مسند ابو یعلی عن انس بن مالک حدیث ۴۰۹۰ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۱۴۷، مجمع الزوائد بحوالہ ابو یعلی باب صلۃ الرحم وقطعھا دارالکتاب بیروت ۸/ ۱۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب من بسط لہ فی الرزق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۵

حدیث ۲۱و۲۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سرہ ان یمدلہ فی عمرہ ویوسع لہ فی رزقہ ویدفع عنہ میتۃ السوء فلیتق اللہ ولیصل رحمہ۔ رواہ عبد اللہ ابن الامام فی زوائد[1] المستدرک والبزار بسند جید والحاکم فی المستدرک عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ والحاکم تحوہ فی حدیث عن عقبۃ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جسے خوش آئے کہ اس کی عمر دراز ہو۔رزق وسیع ہو اور بری موت دفع ہو وہ اللہ سے ڈرے اور اپنے رشتہ داروں سے نیک سلوک کرے(اسے عبداللہ ابن امام نے زوائد المسند میں اور بزار نے بسند جید اور حاکم نے مستدرک میں امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور یونہی حاکم نے حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۳: فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صلۃ القرابۃ مثراۃ فی المال محبۃ فی الاھل منسأۃ فی الاجل رواہ الطبرانی[2] بسند صحیح عن عمرو بن سھل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قریبی رشتہ داروں سے سلوک،مال کا بہت بڑھانے والا،آپس میں بہت محبت کرنے والا عمر کا زیادہ کرنے والا ہے۔(اسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ عمرو بن سہل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۴: فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صلۃ الرحم تزید فی العمر رواہ القضاعی[3] عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	صلہ رحم سے عمر بڑھتی ہے(اسے قضاعی نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ زوائد مسند والبزار والحاکم الترغیب فی صلۃ الرحم مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۳۵،المستدرک کتاب البروالصلۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۶۰

[2] المعجم الاوسط حدیث ۷۸۰۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۳۹۷

[3] کنز العمال بحوالہ القضاعی عن ابن مسعود حدیث ۶۹۰۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۵۶

ان اعجل البرثوابا سلة الرحم حتی ان اهل البیت لیکونون فجرة فتنمو اموالهم ویکثر عددهم اذاتواصلوا،رواه الطبرانی [1] عن ابی بکرة رضی الله تعالٰی عنه۔	بے شک سب نیکیوں میں جلد تر ثواب میں صلہ رحم ہے یہاں تک کہ گھر والے فاسق بھی ہو تو ان کے مال زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے شمار بڑھتے ہیں جب آپس میں صلہ رحم کریں، ز(اسے طبرانی نے ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری روایت میں اتنا اور ہے:

ومامن اهل بیت یتواصلون فیحتاجون، رواه ابن حبان [2] فی صحیحه۔	کوئی گھر والے ایسے نہیں کہ آپس میں صلہ رحم کریں پھر محتاج ہو جائیں۔(اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ت)

حدیث۲۶: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صلة الرحم وحسن الخلق وحسن الجوار یعمرن الدیار ویزدن فی الاعمار۔رواه الامام احمد [3] والبیهقی فی الشعب بسند صحیح علی اصولنا عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	صلہ رحم اور نیک خوئی اور ہمسایہ سے نیک سلوک شہروں کو آباد اور عمروں کو زیادہ کرتے ہیں،(اسے امام احمد اور بیہقی نے شعب عن بسند صحیح ہمارے اصول پر ام المومنین الصدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث۲۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صنائع العروف تقی مصارع السوء والاٰفات الهلکات واهل المعروف فی	نیک سلوک کے کام بری موتوں آفتوں ہلاکتوں سے بچاتے ہیں اور دنیا میں احسان والے

---

[1] مجمع الزوائد کتاب البر والصلۃ باب صلۃ الرحم وقطعہا دار الکتاب بیروت ۸/ ۱۵۲،المعجم الاوسط حدیث مکتبہ المعارف ریاض ۲/ ۵۶

[2] موارد الظمأن باب صلۃ الرحم حدیث ۲۰۳۸ المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ ص ۴۹۹

[3] شعب الایمان حدیث ۷۹۶۹ دار الکتب العربیہ بیروت ۶/ ۲۲۶،کنز العمال بحوالہ حم ھب عن عائشہ حدیث ۶۹۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۵۶

الدنیا ھم اھل المعروف الاخرۃ رواہ الحاکم فی[1] المستدرك عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	وہی آخرت میں احسان والے ہوں گے(اسے حاکم نے مستدرک میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۸: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صنائع المعروف تقی مصارع السوء والصدقۃ خفیا تطفئ غضب الرب وصلۃ الرحم زیادہ فی العمر وکل معروف صدقۃ واھل المعروف فی الدنیا ھم اھل المعروف فی الاخرۃ واھل المنکر فی الدنیا ھم اھل المنکر فی الاٰخرۃ واول من یدخل الجنۃ اھل المعروف رواہ الطبرانی[2] فی الاوسط عن ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	بھلائیوں کے کام بری موتوں سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ خیرات رب کا غضب بجھاتی ہے اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک عمر میں برکت ہے ارہر نیک سلوک(کچھ ہو کسی کے ساتھ ہو)سب صدقہ ہے اور دنیا میں احسان والے وہی آخرت میں احسان پائیں گے اور دنیا میں بدی والے وہی عقبٰی میں بدی دیکھیں گے اور سب میں پہلے جو بہشت میں جائیں گے وہ نیک برتاؤ والے ہیں(اسے طبرانی نے اوسط میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان من موجبات المغفرۃ ادخالك السرور علی اخیك المسلم رواہ الطبرانی[3] فی الکبیر والاوسط عن الامام سیدنا الحسن بن علی کرم اللہ تعالٰی وجوھھما۔	بے شک مغفرت واجب کردینے والی چیزوں میں ہے تیرا اپنے بھائی مسلمان کا جی خوش کرنا(اسے طبرانی نے کبیر میں اور اوسط میں امام سیدنا حسن بن علی کرم اللہ وجوھما سے روایت کیا۔ت)

[1] کنز العمال بحوالہ ک فی المستدرک حدیث ۱۵۹۶۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۴۳

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۰۸۲ مکتبہ المعارف ریاض ۷/ ۵۰و۵۱

[3] المعجم الکبیر حدیث ۲۷۳۱و۲۷۳۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۷۳و۸۵، المعجم الاوسط حدیث ۸۲۴۱ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۱۱۶

حدیث ۳۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

احب الاعمال الی اللہ تعالٰی بعد الفرائض ادخال السرور علی المسلم رواہ فیھما[1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اللہ تعالٰی کے فرضوں کے بعد سب اعمال سے زیادہ پیارا عمل مسلمانوں کا جی خوش کرنا ہے۔ (طبرانی دونوں میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳۱تا۳۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افضل الاعمال ادخال السرور علی المؤمن کسوت عورتہ او اشبعت جوعتہ اقضیت لہ حاجۃ رواہ فی الاوسط[2] عن امیر المؤمنین عمر الفاروق الاعظم و نحوہ ابوالشیخ فی الثواب و الاصبھانی فی حدیث عن ابنہ عبداللہ و ابن ابی الدنیا بعض اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	سب سے افضل کام مسلمانوں کا جی خوش کرنا ہے کہ تو اس کا بدن ڈھانکے یا بھوک میں پیٹ بھرے یا اس کا کوئی کام پورا کرے۔ (اسے اوسط میں امیر المومنین عمر فاروق اعظم سے اور ایسے ہی ابوالشیخ نے ثواب اور اصبہانی نے اپنے بیٹے عبداللہ کی حدیث میں اور ابن ابی الدنیا نے بعض اصحاب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من وافق من اخیہ شھوۃ غفرلہ رواہ العقیلی والبزار والطبرانی[3] فی الکبیر عن ابی الدراء رضی اللہ تعالٰی عنہ ولہ	یعنی جس مسلمان کا جی کسی کھانے پینے یا کسی قسم حلال چیز کو چاہتا ہو اتفاق سے دوسرا اس کے لئے وہی شیئ مہیا کردے اللہ تعالٰی عزوجل اس کے لئے مغفرت فرمادے (اسے عقیلی، بزار

[1] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الادب الباب الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۲۹۳، المعجم الاوسط حدیث ۷۹۰۷ مکتبہ المعارف ریاض ۸/ ۳۴۳

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی فی الاوسط الترغیب فی حوائج المسلمین حدیث ۱۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۹۴

[3] الضعفاء الکبیر ترجمہ نصر بن نجیح الباہلی دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۹۶، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی والبزار کتاب الاطعمہ باب فیمن وافق من اخیہ شھوۃ دارالکتاب بیروت ۵/ ۱۸

شواھد فی اللالی۔	اور طبرانی نے کبیر میں ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور لآلی میں اس کے شواہد ہیں۔ت)

حدیث ۳۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اطعم اخاہ المسلم شھوتہ حرمہ اللہ علی النار رواہ البیھقی فی شعب الایمان[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو اپنے بھائی مسلمان کو اس کی چاہت کی چیز کھلائے اللہ تعالٰی اسے دوزخ پر حرم کردے (اسے بیہقی نے شعب الایمان میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳۶: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من موجبات الرحمۃ اطعام المسلم السکین۔رواہ الحاکم[2] وصححہ ونحوہ البیھقی وابواشیخ فی الثواب عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رحمت الٰہی واجب کردینے والی چیزوں میں سے غریب مسلمانوں کو کھانا کھلانا ہے (روایت کیا اسے حاکم نے اور اس کی تصحیح کی، اور ایسے ہی بیہقی اور ابوالشیخ نے ثواب میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ت)

حدیث ۳۷تا۴۶: فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الدرجات افشاء السلام واطعام الطعام والصلٰوۃ باللیل والناس نیام قطعۃ من حدیث جلیل نفیس جمیل مشھور مستفید مفید مفیض،رواہ امام الائمۃ ابوحنیفۃ[3] والامام احمد وعبدالرزاق فی مصنفہ والترمذی والطبرانی عن ابن عباس	یعنی اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا اور ہر طرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اور رات کو لوگوں کے سوتے میں نماز پڑھنا (یہ حدیث جلیل نفس جمیل مشہور و مستفید مفید مفیض کا ایک ٹکڑہ ہے۔روایت کیا اسے امام الائمہ ابوحنیفہ اور امام احمد اور عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں اور ترمذی اور طبرانی نے ابن عباس سے،

[1] شعب الایمان حدیث ۳۳۸۲ دارلکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۲۲

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تحت سورۃ البلد دار الفکر بیروت ۲/ ۵۲۴، شعب الایمان حدیث ۳۳۶۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۱۷، الترغیب والترھیب بحوالہ الحاکم والبیھقی الترغیب فے اطعام الطعام حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۴

[3] جامع الترمذی ابواب تفسیر سورۃ ص امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۵۵ و مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۶۸

واحمد والترمذی [1] والطبرانی وابن مردویة عن معاذ بن جبل وابن خزیمة و الدارمی والبغوی وابن السکن وابونعیم وابن بسطة عن عبدالرحمن بن عایش واحمد [2] والطبرانی عنه عن صحابی و البزار [3] عن ابن عمر وعن ثوبان والطبرانی [4] عن ابی امامة وابن قانع عن ابی عبیدة [5] بن الجراح والدارقطنی وابوبکر النیسابوری فی الزیادات عن انس [6] وابو الفرج فی العلل [7] تعلیقا عن ابی ھریرة وابن ابی شیبة مرسلا عن عبد الرحمن [8] بن سابط رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اور احمد اور ترمذی نے اور طبرانی اور ابن مردویہ نے معاذ بن جبل سے اور ابن خزیمہ اور دارمی اور بغوی اور ابن سکن اور ابونعیم اور ابن بسطہ نے عبدالرحمٰن بن عایش سے اور احمد اور طبرانی نے اس سے صحابی سے اور بزار نے ابن عمرو سے ابن عمرو نے ثوبان سے، اور طبرانی نے ابوامامہ سے، اور ابن قانع نے ابوعبیدہ بن جراح اور دارقطنی اور ابوبکر نیشاپوری نے زیادات میں حضرت انس سے اور ابوالفرج نے علل میں حضرت ابوھریرہ سے تعلیقا اور ابن ابی شیبہ نے مرسلا حضرت عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر تفسیر سورة ص امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۵۶، مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۴۳

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبدالرحمن عن بعض اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۶

[3] مجمع الزوائد عن ثوبان وابن عمرو کتاب التعبیر باب ماجاء فیما راٰہ النبی فی المنام دارالکتاب بیروت ۷/ ۷۶۔۱۷۷

[4] المعجم الکبیر عن ابی امامہ حدیث ۸۱۱۷ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۳۴۹

[5] الدرالمنثور بحوالہ الخطیب عن ابی عبیدة سورة ص مکتبہ آیة اللہ العظمی قم ایران ۵/ ۳۲۰، العلل المتناھیة باب فی ذکر الصورة حدیث ۱۰ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶

[6] کنز العمال عن انس حدیث ۴۴۳۲۱ موسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۲۴۶،۲۴۵

[7] العلل المتناھیة عن ابی ہریرة باب فی ذکر الصورة دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰

[8] العلل المتناہیة باب فی ذکر الصورة دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰

فی رؤیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رب عزوجل ووضعه تعالٰی کفه کما یلیق بجلاله العظیم بین کتفیه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتجلی لی کل شیئ و عرفت [1] وفی روایۃ فعلمت مافی السمٰوٰت والارض [2] وفی اخری مابین المشرق والمغرب [3] وقد ذکرنا ہ مع تفاصیل طرقه وتنوع الفاظه فی کتابنا المبارك ان شاء اللہ تعالٰی سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی و الحمد للہ ماأولٰی۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی اللہ تعالٰی کے دیدار والی روایت میں جس میں ہے "اور اللہ تعالٰی نے اپنی شایان شان کف مبارک کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے کندھوں کے درمیان رکھا تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں تو میرے لئے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لی" دوسری روایت میں ہے "میں نے معلوم کرلی جو چیز بھی زمین وآسمان میں ہے" اور ایک رویات میں ہے "مشرق ومغرب میں جو کچھ ہے" اور ہم نے اس حدیث کو اس کے طرق کے تفصیل اور اختلاف الفاظ کو اپنی مبارک کتاب "سلطنت مصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی" میں ذکر کردیا ہے۔ الحمد للہ (ت)

مرقاۃ شریف میں ہے:

اطعام الطعام ای اعطاه للانام من الخاص والعام [4]۔	کھانا کھلانا یعنی ہر خاص وعام کو کھانا دینا مراد ہے۔ (ت)

حدیث ۴۷: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الکفارات اطعام وافشاء السلام والصلٰوۃ باللیل و الناس نیام، رواہ الحاکم [5] وصحح سندہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	گناہ مٹانے والے ہیں کھانا کھلانا اور سلام ظاہر کرنا اور شب کو لوگوں کے سوتے میں نماز پڑھنا (اسے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

---

[1] العلل المتناہیہ باب فی ذکر حدیث ۱۳ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۲۰

[2] مجمع الزوائد باب فیما رآہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب بیروت ۷/ ۱۷۶

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر تفسیر سوۃ ص امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۵۶

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب المساجد المکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۴۳۲، ۴۵۶

[5] المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ فضیلۃ اطعام الطعام دار الفکر بیروت ۴/ ۱۲۹

حدیث ۴۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اطعم اخاہ حتی یشبعه وسقاہ من الماء حتی یرویه باعدالله من النار سبع خنادق مابین کل خندقین مسیرة خمس مائة عام۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن ابوالشیخ فی الثواب والحاکم مصححا سندہ والبیهقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	جو اپنے مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے پیاس بھر پانی پلائے اللہ تعالٰی اسے دوزخ سے سات کھائیاں دور کردے ہر کھائی سر دوسری تک پانچسو برس کی راہ (اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابوالشیخ نے ثواب میں اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴۹: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله عزوجل یباهی ملئکة بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ رواہ ابوالشیخ [2] عن الحسن البصری مرسلاً۔	اللہ تعالٰی اپنے بندوں سے جو لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے) کہ دیکھو فضیلت اسے کہتے ہیں) (اسے ابوالشیخ نے حسن بصری سے مرسلا روایت کیا۔ت)

حدیث ۵۰و۵۱: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الخیر اسرع الی البیت الذی یوکل فیه من الشفرة الی سنام البعیر، رواہ ابن ماجة [3] عن ابن عباس وابن ابی الدنیا عن	خیر وبرکت اس گھر کی طرف جس میں لوگوں کو کھانا کھلایا جائے اس سے بھی زیادہ جلد پہنچتی ہے جتنی جلد چھری کوہان شتر کی طرف (کہ اونٹ ذبح کرکے سب سے پہلے اس کا کوہان تراشتے ہیں) (اسے

[1] الترغیب والترغیب الترغیب فی الطعام الطعام حدیث ۱۴ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۵، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر باب فیمن اطعم مسلما اوسقاہ دارالکتاب بیروت ۳/ ۱۳۰، المستدرک للحاکم کتاب الاطعمه فضیلة اطعام الطعام دارافکر بیروت ۴/ ۱۲۹، شعب الایمان حدیث ۳۳۶۸ دارالکتب العلمیه بیروت ۳/ ۲۱۸

[2] الترغیب والترہب بحوالہ الشیخ فی الثواب مرسلا مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۸

[3] سنن ابی ماجه ابواب الاطعمه بب الضیافة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۹، ۲۴۸، الترغیب والترهیب بحوالہ ابن ماجة وابن ابی الدنیا مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۷۲

انس رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	ابن ماجہ نے ابن عباس سے اور ابن ابی الدنیا نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵۲: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الملائکة تصل علی احدکم مادامت مائدتہ موضوعة، رواہ الاصبھانی[1] عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	جب تک تم میں سے کسی کا دستر خوان بچھا ہے اتنی دیر فرشتے اس پر درود بھیجتے رہتے ہیں،(اسے اصبہانی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵۳: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الضیف یاتی برزقہ ویرتحل بذنوب القوم یمحص عنھم ذنوبھم رواہ ابو الشیخ[2] عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور کھلانے والوں کے گناہ لے کر جاتا ہے ان کے گناہ مٹادیتا ہے(اسے ابوالشیخ نے ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کا۔ت)

حدیث ۵۴: سیدنا امام حسن مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم کی حدیث میں ہے:

لان اطعم اخالی فی اللہ لقمة احب الی من ان تصدق علی مسکین بدرھم ولان اعطی اخالی فی اللہ درھما احب الی من ان تصدق علی مسکین بمائة درھم، رواہ ابو الشیخ[3] فی الشوارب عنہ عن جدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	بے شک میرا اپنے کسی دینی بھائی کو ایک نوالہ کھلانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ مسکین کو ایک روپیہ دوں، اور اپنے بھائی بھائی کو ایک روپیہ دینا مجھے اس سے زیادہ پیارا ہے کہ مسکین کو سو روپیہ خیرات کروں، (اسے ابوالشیخ نے ثواب میں امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے اپنے نانا جان صلی اللہ تعالٰی

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ اصبہانی حدیث ۱۳ مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۷۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن ابی الدردائ حدیث ۲۵۸۳۵ مؤسسة الرسالہ بیروت ۹/ ۲۴۲

[3] الترغیب والترہیب بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۲۴ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۸

ولعل عــہ الاظھر وقفہ کالذی یلیہ۔	علیہ وسلم سے روایت کیا اور ظاہرا یہ حدیث موقوف ہے بعد والی حدیث کی طرح۔ (ت)

حدیث ۵۵: سیدنا امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ تعالٰی وجہہ الاسنی فرماتے ہیں:

لان اجمع نفرا من اخوانی علی صاع او صاعین من طعام احب الی من ادخل سوقکم فاشتری رقبۃ فاعتقھا[1]۔ رواہ منہ وقفا علیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں اپنے چند برادران دینی کو تین سیر چھ سیر کھانے پر اکٹھا کروں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تمھارے بازار میں جاؤں اور ایک غلام خرید کر آزاد کردوں، اسے ابوالشیخ نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعا روایت کیا۔

حدیث ۵۶: کہ صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! ہم کھاتے ہیں اور سیر نہیں ہوتے فرمایا: اکھٹے ہو کر کھانا کھاتے ہو یا الگ الگ؟ عرض کی: الگ الگ۔ فرمایا:

اجتمعوا علی طعامکم واذکروا اسم اللہ یبارك لکم فیہ۔ رواہ ابوداؤد[2] ابن ماجۃ وحبان عن وحشی بن حرب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جمع ہو کر کھانا کھاؤ اور اللہ تعالٰی کا نام لو تمھارے لئے اسی میں برکت رکھی جائے گی (اسے ابوداؤد، ابن ماجہ اور حبان نے وحشی حرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۵۷: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کلوا جمیعا ولا تفرقوا فان البرکۃ مع الجماعۃ رواہ ابن ماجۃ[3] والعسکری[4]	مل کر کھاؤ اور جدا نہ ہو کہ برکت جماعت کے ساتھ ہے۔ (اسے ابن ماجہ اور عسکری نے مواعظ

عــــہ: اظہر یہ ہے کہ یہ حدیث آئندہ حدیث کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ پر موقوف ہے یعنی انکا فرمان ہے ۱۲۔

---

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۲۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاطعمہ باب فی الاجتماع علی الطعام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۷۲، سنن ابن ماجہ ابواب الطعام باب فی الاجتماع علی الطعام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الطعام باب فی الاجتماع علی الطعام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۴

[4] کنز العمال بحوالہ العسکری فی المواعظ حدیث ۴۰۷۲۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۳۵

فی المواعظ امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ت)

حدث ۵۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

البرکۃ فی ثلثۃ فی الجماعۃ والثرید والسحور رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر والبیہقی فی شعب عن سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	برکت تین چیزوں میں ہے مسلمانوں کے اجتماع اور طعام ثرید اور طعام سحری میں (اسے طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب میں سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعۃ ویداللہ علی الجماعۃ۔رواہ البزار[2] عن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایک آدمی کی خوار کی دو کو کفایت کرتی ہے اور دو کی خوراک چار کو، اللہ تعالٰی کا ہاتھ جماعت پر ہے۔(اسے بزار نے سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶۰: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان احب الطعام الی اللہ تعالٰی ما کثرت علیہ الایدی رواہ ابویعلی والطبرانی[3] وابوالشیخ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک سب کھانوں میں زیادہ پیارا اللہ عزوجل کو وہ کھانا ہے جس پر بہت سے ہاتھ ہوں (یعنی جتنے آدمی مل کر کھائیں گے اتنا ہی اللہ تعالٰی کو زیادہ پسند ہوگا) (اسے ابویعلی اور طبرانی اور ابوالشیخ نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جو مسلمان اس عمل نیک نیت پاک مال سے

---

[1] المعجم الکبیر عن مسلمان حدیث ۶۱۲۷ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۱۵۱، شعب الایمان حدیث ۷۵۲۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۶۸

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الاطعمہ باب الاجتماع علی الطعام موسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۳۳

[3] الترغیب والترھیب بحوالہ ابی یعلی والطبرانی وابی الشیخ عن جابر مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۳۴

شریک ہوں گے انھیں کرم الٰہی وانعام حضرت رسالت پناہی تعالٰی ربہ وتکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے **۲۵ فائدے ملنے کی امید ہے:**

(۱) باذنہ تعالٰی بری موت سے بچیں گے (حدیث ۱۔۲۔۳۔۴۔۵۔۶۔۱۹۔۲۱۔۲۲۔۲۷۔۲۸ گیارہ حدیثیں) ستر دروازے بری موت کے بند ہوں گے۔ حدیث ۶

(۲) عمریں زیادہ ہوں گی۔ حدیث ۳۔۱۹۔۲۰۔۲۱۔۲۲۔۲۴۔۲۸۔ نوحدیثیں۔

(۳) ان کی گنتی بڑھے گی۔ حدیث ۲۵۔ یہ تین فائدے خاص دفع وبا سے متعلق ہیں۔

(۴) رزق کی وسعت مال کی کثرت ہوگی۔ حدیث ۱۳۔۲۰،۲۱،۲۲۔۲۵۔ چھ حدیثیں۔ اس کی عادت سے کبھی محتاج نہ ہوں گے۔ حدیث ۲۵۔

(۵) خیر وبرکت پائیں گے۔ حدیث ۵۰،۵۱،۵۶،۵۷،۵۸۔ پانچ حدیثیں، یہ دونوں فائدے دفع قحط سے متعلق ہیں۔

(۶) آفتیں بلائیں دور ہوں گی۔ حدیث ۷۔۸۔۹۔۱۰۔۱۱۔ ۱۲،۲۷۔ سات حدیثیں۔

بری قضا ٹلے گی حدیث ۲۔ ستر دروازے برائی کے بند ہوں گے حدیث ۷۔ ستر قسم کی بلا دور ہوگی حدیث ۶۔

(۷) ان کے شہر آباد ہوں گے حدیث ۲۶۔

(۸) شکستہ حال دور ہوگی حدیث ۱۳۔

(۹) خوف اندیشہ زائل اور اطمینان خاطر حاصل ہوگا۔ حدیث ۱۹۔

(۱۰) عدد الٰہی شامل حال ہوگی۔ حدیث ۱۳۔۵۹، دو۲ حدیثیں۔

(۱۱) رحمت الٰہی ان کے لئے واجب ہوگی۔ حدیث ۳۶

(۱۲) ملائکہ ان پر دورد بھیجیں گے حدیث ۵۲۔

(۱۳) رضائے الٰہی کے کام کریں گے۔ حدیث ۳۰،۳۱،۳۲،۳۳،۶۰۔ پانچ حدیثیں۔

(۱۴) غضب الٰہی ان پر سے زائل ہوگا۔ حدیث ۱۔

(۱۵) ان کے گناہ بخش جائیں گے۔ حدیث ۴۔۵۔۱۴،۱۵،۱۶،۱۷۔۱۸۔۲۹۔ ۳۴۔۴۷۔۵۳۔ گیارہ حدیثیں۔ مغفرت ان کے لئے واجب ہوگی حدیث ۲۹۔ ان کے گناہوں کی آگ بجھ جائے گی حدیث ۴۔۵۔۱۴۔۱۵۔۱۶۔۱۷۔ چھ حدیثیں یہ دس فائدے دفع قحط دو باہر گونہ امراض وبلاد قضائے حاجات وبرکات وسعادات کو مفید ہیں۔

(۱۶) خدمت اہل دین میں صدقے سے بڑھ کر ثواب پائیں گے۔ حدیث ۵۴۔

(۱۷) غلام آزاد کرنے سے زیادہ اجر لیں گے۔ حدیث ۵۵۔

(۱۸) ان کے ٹیڑھے کام درست ہوں گے۔ حدیث ۲۔

(۱۹) آپس میں محبتیں بڑھیں گے جو ہر خوبی کی متبع ہیں۔ حدیث ۲۳۔

(۲۰) تھوڑے صرف میں بہت کا پیٹ بھرے گا کہ تنہا کھاتے تو دونا اٹھتا، حدیث ۵۹۔ وفیہ احادیث لم نذکرھا (اس بارے میں اور بھی احادیث ہیں جن کو ہم نے ذکر نہیں کیا۔ ت)

(۲۱) اللہ عزوجل کے حضور درجے بلند ہوں گے حدیث ۳۷ تا ۴۶۔ دس حدیثیں۔

(۲۲) مولٰی تبارک وتعالٰی ملائکہ سے ان کے ساتھ مباہات فرمائے گا۔ حدیث ۴۹

(۲۳) روز قیامت دوزخ سے امان میں رہیں گے۔ حدیث ۲۔ ۳۵۔ ۴۸۔ تین حدیثیں ہیں۔

آتش دوزخ ان پر حرام ہوگی۔ حدیث ۳۵۔

(۲۴) آخرت میں احسان الٰہی سے بہرہ مند ہوں گے کہ نہایت مقاصد وغایت مرادات ہے۔ حدیث ۲۷۔ ۲۸۔

(۱۵) خدانے چاہا تو اس مبارک گروہ میں ہوں گے جو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعل اقدس کے تصدق میں سب سے پہلے داخل جنت ہے۔ حدیث ۲۸

اللہ اکبر، غور کیجئے بحمد اللہ کیسا نسخۂ جلیلہ۔ جمیلہ، جامعہ، کافیہ، شافیہ، صافیہ، وافیہ ہے کہ ایک مفرد دو اور اس قدر منافع جانفزا، وفضل اللہ اوسع واکبر واطیب واکثر (اللہ عزوجل کا فضل بہت بڑا، بہت وسیع، بہت پاکیزہ اور بہت زیادہ ہے) علماء تو بفرض حصول شفاء ودفع بلا متفرق اشیاء جمع فرماتے ہیں کہ اپنی زوجہ کہ اس کا مہر کل یا بعض دے وہ اس میں سے کچھ بطیّب خاطر اسے ہبہ کردے ان داموں کو شہد وروغن زیتون خریدے بعض آیات قرآنیہ خصوصا سورۃ فاتحہ اور آیات شفا رکابی میں لکھ کر آب باراں اور وہ نہ ملے تو آب دریا سے دھوئے، قدرے وہ روغن وشہد ملا کر پئے، بعونہ تعالٰی ہر مرض سے شفا پائے کہ اس نے دو شفائیں قرآن وشہد، دو برکتیں باران وزیت اور ہنی ومری زر موہوب مہر پانچ چیزیں جمع کیں۔

لقولہ تعالٰی "نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ" [1] وقولہ تعالٰی "فِیْهِ	یعنی ہم اتارتے ہیں قرآن سے وہ چیز کہ شفا ورحمت ہے ایمان والوں کے لئے شہد میں

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۲

شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ[1]"۔وقولہ تعالٰی "وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا"[2]۔ وقولہ تعالٰی "شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ"[3]۔وقولہ تعالٰی "فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا"[4]۔	شفاء ہے لوگوں کے لئے،اور اتارا ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اور مبارک پیڑ زیتون کا،پھر اگر عورتیں اپنے جی کی خوشی کے ساتھ تمھیں مہر میں سے کچھ دے دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا

ان مبارک ترکیبوں کی طرف حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی شیر خدا مشکل کشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی وحضرت سیدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہدایت فرمائی ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں بسند حسن حضرت مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی سے روای کہ انھوں نے فرمایا:

اذا اشتکی احدکم فلیستوھب من امرأته من صداقھا درھما فلیشتربه عسلا ثم یأخذ ماء السماء فیجمع ھنیئا مریئا مبارکا[5]۔	جب تم میں کوئی بیمار ہو تو اسے چاہئے اپنی عورت سے اس کے مہر میں سے ایک درہم ہبہ کرائے اس کا شہد مول لے پھر آسمان کا پانی لے کر رچتا پچتا برکت والا جمع کرے گا۔

ایک بار فرمایا:

اذا اراد احدکم الشفاء فلیکتب اٰیة من کتاب اللہ فی صحفة ولیغسلھا بماء السماء ولیاخذ من امرأته درھما عن طیب نفس منھما فلیشتربه عسلا فلیشربه فانه شفاء.ذکرہ الامام القسطلانی فی المواھب[6] اللدینة۔	جب تم میں سے کوئی شخص شفا چاہے تو قرآن عظیم کی کوئی آیت رکابی میں لکھے اور آب باراں سے دھوئے اور اپنی عورت سے ایک درہم اس کی خوشی سے لے اس کا شہد خرید کر پئے کہ بیشک شفا ہے۔(امام قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں اسے ذکر کیا ہے۔ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

مرض عوف بن مالك الاشجعی الصحابی	عوف بن مالک اشجعی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۵۰/ ۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۴

[5] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت آیة فکلوا ھنیئا مریئا مکتبہ بزار مصطفی البارنکتة المکرمة ۳/ ۸۶۲،المواھب اللدنیه بحواله ابن ابی حاتم فی التفسیر المقصد الثامن الفصل الاول النوع الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۷۹

[6] المواہب اللدنیه بحواله ابن ابی حاتم فی التفسیر المقصد الثامن الفصل الاول النوع الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۷۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال ائتونی بماء فان اللہ تعالٰی یقول ونزلنا من السماء ماء مبارکا.ثم قال ائتونی بعسل وتلا.الاٰیۃ فیہ شفاء للناس ثم قال ائتونی بزیت وتلا من شجرۃ مبٰرکۃ فخلط ذٰلک بعضہ ببعض شربہ فشفاء[1]۔	علیل ہوئے،فرمایا پانی لاؤ کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی،پھر فرمایا شہد لاؤ۔اورآیت پڑھ کہ اس میں شفا ہے لوگوں کے لئے پھر فرمایا:روغن زیتون لاؤ۔اورآیت پڑھی کہ برکت والے پیڑ سے پھر ان سب کو ملا کر نوش فرمایا شفا پائی۔

توجب متفرقات کا جمع کرنا جائز ونافع ہے تو یہ ایک ہی دواسب خوبیوں کی جامع ہےاس کی کامل نظیر نسخہ امام اجل حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک شاگرد رشید حضرت امام الائمہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ونسخہ جلیلہ رؤیائے حضور پر نور سید المرسلین رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔علی بن حسین بن شقیق کہتے ہیں میرے سامنے ایک شخص نے امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے عرض کی:اے عبدالرحمٰن!سات برس سے میرے ایک زانوں میں پھوڑا ہے قسم قسم کے علاج کئے طبیبوں سے رجوع کی کچھ نفع نہ ہوا۔فرمایا:

اذھب فانظر موضعا یحتاج الناس الی الماء فاحفر ھناك بئرا فانی ارجوا ان تنبع لك ھناك عین ویسلك عنك الدم.ففعل الرجل فبرأ.رواہ الامام البیہقی[2] عن علی قال سمعت ابن المبارك وسئلہ الرجل فذکرہ۔	جا ایسی جگہ دیکھ جہاں لوگوں کو پانی کی حاجت ہو،وہاں ایک کنواں کھود،اور(براہ کرامت یہ بھی)ارشاد فرمایا کہ میں امید کرتا ہوں کہ وہاں تیرے لئے ایک چشمہ نکلے گا اور تیرا یہ خون بہنا تھم جائے گا،اس شخص نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہوگیا(اسے امام بیہقی نے علی سے روایت کیا فرمایا میں نے ابن مبارک سے سنا ان سے ایک شخص نے سوال کیا تو انھوں نے اس حدیث کو ذکر کیا۔(ت)

امام بیہقی فرماتے ہیں اسی قبیل سے ہمارے استاد ابوعبداللہ حاکم(صاحب مستدرک کی حکایت ہے کہ ان کے منہ پر پھوڑے نکلے،طرح طرح کے علاج کئے نہ گئے،قریب ایک سال کے اس حال میں گزرا انھوں نے ایک جمعہ کو امام استاذ ابوعثمان صابونی رحمۃ اللہ تعالٰی سے ان کی مجلس میں

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الثامن الاول دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۱۲۳

[2] شعب الایمان حدیث ۳۳۸۱ دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۲۲۱

دعا کی درخواست کی۔امام نے دعا فرمائی اور حاضرین نے بکثرت آمین کہی، دوسرا جمعہ ہوا کسی بی بی نے ایک رقعہ مجلس میں ڈال دیا اس میں لکھا تھا کہ میں اپنے گھر پلٹ کر گئی اور شب کو ابو عبداللہ حاکم کے لئے دعا میں کوشش کی میں خواب میں جمال جہاں آرائے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئی گویا مجھے ارشاد فرماتے ہیں: **قولی لابی عبد اللہ یوسع الماء علی المسلمین** (ابو عبداللہ سے کہہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے، امام بیہقی فرماتے ہیں وہ رقعہ اپنے استاد حاکم کے پاس لے گیا انھوں نے انے دروازے پر ایک سقایہ بنانے کا حکم دیا۔جب بن چکا اس میں پانی بھروادیا اور برف ڈالی اور لوگوں نے پینا شروع کیا ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ شفاء ظاہر ہوئی پھوڑے جاتے رہے چہرہ اس اچھے سے اچھے حال پر ہوگیا جیسا کبھی نہ تھا۔اس کے بعد برسوں زندہ رہے[1]۔

بالجملہ مسلمانوں کو چاہئے اس پاک مبارک عمل میں چند باتوں کا لحاظ واجب جانیں کہ ان منافع جلیلہ دنیا وآخرت سے بہرہ مند ہوں:

(۱) تصحیح نیت کہ آدمی کی جیسی نیت ہوتی ہے ویسا ہی پھل جاتا ہے نیک کام کیا اور نیت بری تو وہ کچھ کام نہیں **انما الاعمال بالنیات**[2] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت) تو لازم کہ ریا یا ناموری وغیرہ اغراض فاسدہ کو اصلا دخل نہ دیں ورنہ نفع درکنار نقصان کے سزاوار ہوں گے۔**والعیاذ باللہ تعالٰی**

(۲) صرف اپنے سر سے بلا ٹالنے کی نیت نہ کریں کہ جس نیک کام میں چند طرح کے اچھے مقاصد ہوں اور آدمی ان میں ایک ہی کی نیت کرے تو اسی لائق ثمرہ کا مستحق ہوگا **انما لکل امرئ مانوی**[3] (ہر شخص کو وہی حاصل ہوگا جس کی وہ نیت کرے۔ت) جب کام کچھ بڑھتا نہیں صرف نیت کرلینے میں ایک نیک کام کے دس ہوجاتے ہیں تو ایک ہی نیت نہ کرنا کیسی حماقت اور بلاوجہ اپنا نقصان ہے۔ہم اوپر اشارہ کرچکے ہیں کہ اس عمل میں کتنی نیکیوں کی نیت ہوسکتی ہے ان سب کا قصد کریں کہ سب کے منافع پائیں بلکہ حقیقتاً اس عمل سے بلا ٹلنا بھی انہی نیتوں کا پھل ہے جیسا کہ ہم نے احادیث سے روشن کردیا تو بغیر ان نیتوں اعنی صدقہ فقراء وخدمت صلحا وصلہ رحم واحسان جار

---

[1] شعب الایمان تحت حدیث ۳۳۸۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۲۲

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

وغیرہ مذکورات کے بلا ٹلنے کی خالی نیت پوست بے مغز ہے۔

(۳) اپنے مال کی پاکی میں حد درجہ کی کوشش بجالائیں کہ اس کام میں پاک رہی مال لگایا جائے اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی کو قبول فرماتا ہے:

الشیخان والنسائی والترمذی وابن ماجة وابن خزیمة عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ تعالٰی علیه وسلم لایقبل اللہ الا الطیب [1] ھو قطعه حدیث وفی الباب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	شیخین، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا: اللہ تعالٰی قبول نہیں کرتا مگر پاک کو، یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے اور اس باب میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی حدیث مروی ہے۔ (ت)

ناپاک مال والوں کو یہ رونا کیا تھوڑا ہے کہ ان کا صدقہ خیرات، فاتحہ، نیاز کچھ قبول نہیں والعیاذ باللہ تعالٰی۔

(۴) زنہار زنہار ایسا نہ کرکہ کھاتے پیو کہ بلائیں محتاجون کو چھوڑیں کہ زیادہ مستحق وہی ہیں اور انھیں اس کی حاجت ہے تو ان کا چھوڑنا انھیں ایذا دینا اور دل دکھانا ہے۔ مسلمانوں کی دل شکنی معاذاللہ وہ بلائے عظیم ہے کہ سارے عمل کو خاک کردے گی۔ ایسے کھانے کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سب سے بدتر کھانا فرمایا کہ پیٹ بھرنے بلائے جائیں جنھیں پرواہ نہیں اور بھوکے چھوڑ دئے جائیں جو آنا چاہتے ہیں۔

مسلم عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیه وسلم شر الطعام طعام الولیمة یمنعھا من یاتیھا ویدعی الیھا من یاباھا [2] وللطبرانی فی الکبیر	مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: بدترین کھانا اس دعوت ولیمہ کا کھانا ہے کہ جو اس میں آنا چاہتا ہے اسے روک دیا جاتا ہے اور جو نہیں آنا چاہتا اسے بلایا جاتا ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۸۹ صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۲۶، جامع الترمذی کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۸۴ سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ ص ۱۳۳

[2] صحیح مسلم کتاب النکاح باب الامر باجابة الداعی الی دعوة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۳

والدیلمی فی مسند الفردوس بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ یدعی الیہ الشبعان ویحبس عنہ الجائع [1] وفی الباب غیرھما۔	طبرانی نے کبیر میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں سند حسن کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے واسطہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی اس لفظ سے نقل کیا کہ سیر شدہ کو دعوت دی جائے اور بھوکے کو روکا جائے اس باب میں دوسروں نے بھی احادیث روایت کی ہیں۔(ت)

(۵) فقراء کہ آئیں کہ ان کی مدارات وخاطر داری میں سعی جمیل کریں اپنا احسان ان پر نہ رکھیں بلکہ آنے میں ان کا احسان اپنے اوپر جانیں کہ وہ اپنا رزق کھاتے اور تمھارے گناہ مٹاتے ہیں اٹھانے بٹھانے بلانے کھلانے کسی بات میں برتاؤ ایسا نہ کریں جس سے ان کا دل دکھے کہ احسان رکھنے ایذا دینے سے صدقہ بالکل اکارت جاتا ہے۔ **قال اللہ تعالٰی**:

"اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ اَذًىۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۝۲۶۲ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَاۤ اَذًىؕ وَ اللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ۝۲۶۳ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰىۙ كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ" الاٰیۃ [2]۔	جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں پھر اپنے دئے کے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ دل دکھانا ان کے لئے ان کا ثواب ہے اپنے رب کے پاس، نہ ان پر خوف اور نہ وہ غم کھائیں، اچھی بات (کہ یہ ہاتھ نہ پہنچا تو میٹھی زبان سے سائل کو پھیر دیا) اور در گزرے (کہ فقیر نے ناحق ہٹ یا کوئی بے جا حرکت کی تو اس پر خیال نہ کیا اسے دکھ نہ دیا) یہ اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دل ستانا ہو اور اللہ تعالٰی بے پرواہ ہے (کہ تمھارے صدقہ وخیرات کی پرواہ نہیں رکھتا، احسان کس پر کرتے ہو) حلم والا ہے کہ تمھیں بے شمار نعمتیں دے کر تمھاری سخت نافرمانیوں سے در گزر فرماتا ہے تم ایک نوالہ محتاج کو دے کر وجہ بے وجہ اسے ایذا دیتے ہو) اے ایمان والو! اپنی خیرات اکارت نہ کرو احسان رکھنے اور

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۷۵۴ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۱۲/ ۱۵۹، الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۳۶۶۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۷۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۲تا ۲۶۴

دل ستانے سے اس کی طرح جو مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کو (کہ اس کا صدقہ سرے اکارت ہے **والعیاذ باللہ رب العالمین**)

ان سب باتوں کے لحاظ کے ساتھ اس عمل کو ایک ہی بار نہ کریں بار بار بجالائیں کہ جتنی کثرت ہوگی اتنی ہی فقراء وغربا کی منفعت ہوگی اتنی اپنے لئے و دنیاوی و جسمی وجانی رحمت و برکت و نعمت و سعادت ہوگی خصوصا ایام قحط میں۔ تو جب تک عیاذ باللہ قحط رہے روزانہ ایسا ہی کرنا مناسب کہ اس میں نہایت سہل طور پر غرباء و مساکین کی خبر گیری ہوجائے گی اپنے کھانے میں ان کا کھانا بھی نکل جائے گا، دیتے ہوئے نفس کو معلوم بھی نہ ہوگا اور جماعت کی وجہ سے سو کا کھانا دو سو کو کفایت کرے گا۔ قحط عام الرماد میں حضرت سیدنا امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کا قصد ظاہر فرمایا۔ **وباللہ التوفیق وہدایۃ الطریق۔**

الحمدللہ کہ یہ متفرد جواب نفیس ولاجواب عشرہ اوسط ماہ فاخر ربیع الآخر کے تین جلسوں میں تسوید او تبیضا تمام اور بلحاظ تاریخ **رادالقحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء** ۱۳۱۲ھ نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

رسالہ

رادالمقحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواء ماۃ الفقراء

ختم شد

ذکرودعا

مسئلہ ۴۲: از بمبئی مرسلہ مولوی محمد عمرالدین صاحب مع رسالہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ ہمارے اس ملک سندھ اور نیز بمبئی میں قدیم الایام سے یہ مروج ہے کہ جنازہ کے آگے کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** کا ذکر کرتے ہوئے چند آدمی میت کو قبرستان لے جاتے ہیں اور قبرستان پہنچ کراس میت کو بخش دیتے ہیں اوجب واپس لوٹتے ہیں تواس طرح کلمہ طیبہ پڑھتے آتے ہیں اوراس کاثواب میت کے مکان پر پہنچ کراس کو بخش دیتے ہیں آیااس کلمہ کاذکر میت کے آگے اور واپسی کے وقت جہراپڑھنا جائز ہے یانہیں اور میت کواس سے فائدہ ہوتاہے یانہیں؟ اور جو شخص اسے کفروشرک یاحرام قطعی کہے اور مسلمانوں کواس کے باعث مستحق لعن وطعنہ جانے وہ خاطی ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

تحریر فقیر بررسالہ مذکور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللھم لك الحمد (اے اللہ! تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ت) فی الواقع لوگوں کو ذکرمذکور سے منع نہ کیا جائے، مسئلہ جہر مختلف فیہا ہے اور اطلاقات قرآن عظیم اور شادات احادیث کثیر

مثل حدیث قدسی:

وان ذکر نی فی ملأذکرته فی ملأ خیر منهم رواه البخاری[1] ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجة عن ابی هریرة واحمد عن انس بسند صحیح والطبرانی[۳] فی الکبیر والبزار فی المسند باسناد جید و البیهقی فی اشعب کلهم عن ابن عباس والطبرانی[۴] فیه بسند حسن عن معاذ بن انس رضی الله تعالٰی عنهم ولفظ هذا لایذکر فی ملأ الا ذکرته فی الرفیق الاعلی[2] وحدیث[۵] اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا و ماریاض الجنة قال حلق الذکر اخرجه احمد والترمذی[3]	اگر اس نے مجھے کسی مجلس میں یاد کیا تو میں اس سے بہتر مجلس میں یاد کروں گا، (یعنی فرشتوں کی محفل میں) بخاری مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔ امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس سے روایت کیا ہے امام طبرانی نے الکبیر میں بزار نے عمدہ سند سے اپنی منہ میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں پھر ان سب نے حضرت عبدالله ابن عباس سے اسے روایت کیا۔ طبرانی نے "الکبیر" میں سند حسن کے ساتھ حضرت معاذ بن انس رضی الله تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں لایذکر فی الخ وہ مجھے کسی محفل میں یاد نہیں کرے گا مگر میں رفیق اعلی میں اسے یاد کروں گا (حدیث ۵) لوگو! جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرنے لگو تو چر چُگ لیا کرو۔ اس پر صحابہ نے عرض کیا: حضور! جنت کے باغیچے کیا ہیں؟

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] صحیح مسلم کتاب الذکر باب الحث علی ذکر الله قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۳، ۳۴۱، جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۰، سنن ابن ماجه ابواب الدعوات باب فضل العمل ایچ ایم سعید کمپنی ص۲۷۹، صحیح البخاری کتاب الرد علی الجهمیة باب قول ویحذرکم الله نفسه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۹۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰/ ۱۸۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك المکتب الاسلامی بیروت ۳ / ۱۵۰، جامع الترمذی ابواب الدعوة امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸۹

وحسنه والبیهقی فی الشعب عن انس۔ وابن شاهین ۶ فی الترغیب فی الذکر عنه وعن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنهما وحدیث ۷ یا ایها الناس ان لله سرایا من الملئکة تحل وتقف عن مجالس الذکر فی الارض فارتعوا فی ریاض الجنة قالوا واین ریاض الجنة قال مجالس الذکر الحدیث رواه ابن ابی الدنیا وابو یعلی والبزار والطبرانی[1] فی الاوسط والحکیم والحاکم والبیهقی فی الشعب وابن شاهین وابن عساکر عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما صحح الحاکم سنده وحدیث ۸ لایقعد قوم یذکرون الله الا حفتهم الملئکة وغشیتهم الرحمة ونزلت علیهم السکینة وذکرهم الله تعالٰی فیمن عنده۔ اخرجه	فرمایا: ذکر کے حلقے، امام احمد اور ترمذی نے اس کی تخریج فرمائی اور اس کے ساتھ ہی اس کی تحسین بھی فرمائی امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ ابن شاہین نے ترغیب فی الذکر" میں حضرت انس اور حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا اے لوگو! اللہ تعالٰی کے فرشتے اس کا لشکر ہیں جو زمین پر ذکر کی مجالس میں اترتے ہیں لہذا جنت کے باغیچوں میں سے کھاپی لیا کرو یعنی ذکر اذکار میں حصہ لے لیا کرو، صحابہ نے عرض کی باغات جنت کہاں ہیں تو فرمایا کہ ذکر کی محفلیں باغات جنت ہیں (الحدیث) ابن ابی الدنیا، ابویعلٰی بزار، طبرانی نے الاوسط میں حکیم، حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں ابن شاہین اور ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ سے اسے روایت کیا۔ حاکم نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے (حدیث ۸) جب بھی لوگ اللہ تعالٰی کا ذکر کرنے کے لئے کہیں بیٹھتے ہیں تو ان کی شان یہ ہوتی ہے کہ خدا کے فرشتے چاروں طرف سے انھیں گھیر لیتے ہیں اور رحمت الٰہی انھیں ڈھانپ لیتی ہے اور ان پر سکون کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی ان لوگوں میں ان کا تذکرہ فرماتا ہے جو اس کی بارگاہ میں حاضر

[1] الترغیب والترهیب بحواله ابن ابی الدنیا وابی یعلٰی والبزار وغیره مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۰۵

احمد ومسلم [1] والترمذی وابن ماجة وابن حبان وابونعیم فی الحلیة کلھم عن ابی ھریرة و عن ابی سعید۹ الخدری جمیعا رضی اللہ تعالٰی عنھما وحدیث۱۰ اکثروا ذکر اللہ تعالٰی تحتی یقولوا مجنون رواہ احمد [2] وابویعلی وابن حبان والحاکم والبیھقی فی الشعب عن ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح وحدیث" اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون انکم مراؤن اخرجه سعید بن منصور فی سننه واحمد فی کتاب الزھد الکبیر والبیھقی [3] فی الشعب عن ابی الجوزاء اوس بن عبداللہ الرابعی مرسلا۔ووصله الطبرانی فی الکبیر وابن شاھین فی ترغیب الذکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بالفظ اذکروا اللہ ذکرا	رہنے والے ہوتے ہیں۔امام احمد مسلم،ترمذی،ابن ماجہ،ابن حبان اور ابونعیم نے "الحلیۃ" میں حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے تخریج فرمائی۔(حدیث ۱۰) اللہ تعالٰی کا کثرت سے ذکر کیا کرو یہاں تک کہ لوگ دیوانہ کہنے لگیں۔امام احمد ابویعلٰی،ابن حبان،حاکم اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں اچھی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔(حدیث ۱۱) اللہ تعالٰی کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو یہاں تک کہ منافق کہنے لگیں تم ریاکار ہو،سعید بن منصور نے اپنی سنن میں امام احمد نے الزہد الکبیر میں امام بیہقی نے "شعب الایمان" میں ابوالجوزاء اوس بن عبداللہ ربعی کے حوالے سے اس کو مرسل (یعنی منقطع سند) تخریج فرمایا۔ امام طبرانی نے معجم کبیر میں ابن شاہین نے ترغیب الذکر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ "موصولا" ذکر

[1] صحیح مسلم کتاب الذکر باب فضل الاجتماع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵،جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۳،سنن ابن ماجه ابواب الدعوات باب فضل الذکر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۷

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸ و ۷۱،شعب الایمان حدیث ۵۲۶ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۳۹۷

[3] شعب الایمان حدیث ۵۲۷ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۳۹۷

يقول المنافقون انكم تراؤن [1] وحديث ۱۲ غنيمة مجالس اهل الذكر الجنة رواه احمد [2] و الطبرانی فی الكبير عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالىٰ عنهما بسند حسن و حديث ۱۳ يقول الرب عزوجل يوم القيمة سيعلم اهل الجمع من اهل الكرم فقيل ومن اهل الكرم يا رسول الله قال اهل مجالس الذكر فی المساجد اخرجه احمد [3] و ابويعلى وسعيدوابن حبان وابن شاهين والبيهقی عن ابی سعيد رضی الله تعالىٰ۔ وحديث ۱۴ ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خرج على حلقة من اصحابه فقال ماجلسكم ههنا قالوا جلسنا نذكر الله قال اتانی جبريل فاخبرنی ان الله عزوجل	فرمایا لوگو! اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو کہ منافق بول اٹھیں کہ تم دکھاوا کرتے ہو، (حدیث ۱۲) ذکر کرنیوالوں کی مجلسوں کا مال غنیمت ہے۔ امام احمد نے امام طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ (اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو) (حدیث ۱۳) پروردگار عالم جو غالب اور بڑا ہے قیامت کے دن ارشاد فرمائیگا، یہاں جمع ہونیوالے لوگ جلد جان لیں گے کہ اہل کرم کون لوگ ہیں پوچھا گیا یا رسول اللہ! اہل کرم سے مراد کون لوگ ہیں؟ ارشاد فرمایا مساجد میں ذکر کی مجلسیں قائم کرنیوالے۔ امام احمد، ابویعلٰی، سعید بن منصور، ابن حبان، ابن شاہین، اور امام بیہقی نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ (حدیث ۱۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کے حلقہ ذکر میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کے لئے بیٹھے ہیں۔ اس پر ارشاد فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل

[1] المعجم الكبير حديث ۱۲۷۸۶ المكتبہ الفيصلية بيروت ۱۲/ ۱۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبدالله بن عمرو بن العاص المكتب اسلامی بيروت ۲/ ۱۷۷و۱۹۰

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی سعيد الخدری المكتب اسلامی بيروت ۳/ ۶۸

یباھی بکم الملئکة رواہ مسلم[1] والترمذی و النسائی عن معویة بن ابی سفین رضی اللہ تعالٰی عنھما ھذا مختصر وحدیث۱۵ یرحم اللہ ابن رواحة انہ یحب المجالس التی یتباھی بھا الملئکة اخرجہ الحمد[2] بسند حسن عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ و فی الحدیث قصة فیہ التداعی الی مجالس الذکرو استحسان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذٰلک۔ وحدیث۱۶ عن یمین الرحمٰن وکلتایدیہ یمین رجال لیسوا بانبیاء ولا شھداء یغشی بیاض وجوھھم نظر الناظرین یغبطھم النبیون والشھداء بمقعدھم و قربھم من اللہ عزوجل قیل یارسول اللہ من ھم قال ھم	علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے بتایا کہ اللہ تعالٰی تم لوگوں کے ساتھ فرشتوں پر فخر کررہاہے۔ امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے مختصرا روایت فرمایا (حدیث ۱۵) اللہ تعالٰی ابن رواحہ پر رحم فرمائے کہ وہ ان مجالس کو پسند کرتاہے جن کے سبب فرشتوں پر فخر ظاہر کیا جاتاہے۔ امام احمد نے سید حسن کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی۔ حدیث میں ایک قصہ مذکور ہے اور اس میں وہ باتیں بیان ہوئیں ہیں۔ پہلی بات کہ یہ مجالس ذکر کی طرف دوسروں کو دعوت دینا اور دوسری بات حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس عمل کو مستحسن قرار دینا ہے۔ (حدیث ۱۶) اللہ تعالٰی کے دائیں ہاتھ کی طرف (جبکہ اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں) کچھ ایسے مرد ہوں گے جو اگرچہ انبیاء وشہداء میں سے نہیں ہوں گے مگر اس قدر بلند شان کے مالک ہوں گے کہ ان کے چہروں کی تابانی دیکھنے والوں کی نگاہوں پر چھاجائیگی ان کے اس تقریب اور شان کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے آپ سے

[1] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب فضل الاجتماع الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۶، جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۴

[2] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك المکتب اسلامی بیروت ۳/ ۲۶۵

جماع من نوازع القبائل یجتمعون علی ذکر اللّٰہ تعالٰی فینتقون الطائب الکلام کما ینتقی اٰکل التمر طائبہ رواہ الطبرانی فی الکبیر [1] بسند لاباس بہ عن عمرو بن عبسۃ ونحوہ بسند حسن عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما وحدیث ۱۸ کل مجلس یذکر اسم اللّٰہ تعالٰی فیہ تحف بہ الملئکۃ حتی ان الملئکۃ یقولون زیدوا زادکم اللّٰہ ولذکر یصعد بینھم وھم ناشروا اجنحتھم اخرجہ ابوالشیخ [2] عن ابی ھریرۃ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔ وحدیث ۱۹ مامن قوم اجتمعوا یذکرون اللّٰہ عزوجل لایریدون بذٰلك الاوجہہ الا ناداھم منادمن السماء ان قوموا مغفورًا لکم قد بدلت	دریافت کیا گیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ قبائل کے پڑوس والوں کا بڑا گروہ ہوگا، جو ذکر الٰہی کے لئے جمع ہوتے ہیں ان سے پاکیزہ کلام جھڑتا ہے جس طرح کھجوریں کھانے والا عمدہ کھجوریں جھاڑتا ہے۔ امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت عمرو بن عبسہ کے حوالے سے ایسی سند کے ساتھ اس کو روایت فرمایا جس میں کوئی اشتباہ نہیں اور سند حسن کے ساتھ اسی طرح کی حدیث حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (حدیث ۱۸) ہر اس مجلس کو فرشتے گھیر لیتے ہیں جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر کیا جائے اور کہتے ہیں کہ خوب ذکر کرو اللہ تعالٰی تمھارے اجر میں اضافہ کرے اور ذکر ان کے درمیان بلند ہوتا ہے (یعنی اوپر چڑھتا ہے) اور وہ اپنے پروں کو پھیلائے ہوئے ہوتے ہیں۔ ابوالشیخ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی کی سند سے اس کی تخریج کی۔ (حدیث ۱۹) جو لوگ جمع ہو کر اللہ تعالٰی کا ذکر کرتے ہیں اور مقصد صرف اللہ تعالٰی کی رضا ہوتا ہے انھیں آسمان سے ندا کرنے والا ندا کرتا ہے کہ اٹھو تمھاری بخشش ہو گئی ہے۔ میں نے

[1] الترغیب والترھیب الطبرانی الترغیب فی حضور مجالس الذکر حدیث ۱۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۰۶، کنز العمال بحوالہ طب عن عمر بن عبسۃ حدیث ۳۹۳۲۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۲۴۸

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ عن ابی ہریرہ حدیث ۱۸۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۳۶

سیاٰتکم حسنات رواہ احمد [1] بسند حسن وابو یعلی سعید بن منصور والطبرانی فی الاوسط والبزار وابن شاھین والضیاء فی المختارۃ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ والحسن[۲۰] بن سفیان والطبرانی فی الکبیر والبیھقی[۲۱] فی الشعب عن المحنظلیۃ بن الحنظلۃ والعسکری[۲۲] وابوموسٰی کلاھما فی الصحابۃ عن حنظلۃ العشی والبیھقی فی شعب عن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنھم وحدیث[۲۳] طویل ملئکۃ سیاحین سیارۃ فضل رواہ الشیخان [2] وغیرھما عن ابی ھریرۃ والبزار[۲۴] عن انس والطبرانی[۲۵] فی الصغیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وغیر ذٰلک۔	تمھارے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا ہے۔امام احمد نے اس کو اچھی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور دیگرائمہ ابو یعلٰی، سعید بن منصور امام طبرانی نے "الاوسط" میں، بزار، ابن شاہین اور ضیاء نے المختارہ میں حضرت انس بن سفیان سے روایت کیا ہے۔اسی[۲۰] طرح حسن بن سفیان، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور امام بیہقی[۲۱] نے شعب الایمان میں محظلیہ بن حنظلہ سے عسکری[۲۲] اور ابو موسٰی (یہ دونوں صحابہ ہیں) حنظلہ عشمی سے مروی ہے امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ ابن معقل کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے(اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) لمبی حدیث [۲۳] ہے: کچھ فرشتے فضل وشرف کو تلاش کرنے کے لئے (زمین میں) گھومتے اور چکر لگاتے ہیں۔ بخاری، مسلم وغیرہما اور دوسرے ائمہ نے حضرت ابوہریرہ سے اس کی روایت فرمائی۔ بزار[۲۴] نے حضرت انس سے اور طبرانی [۲۵] نے معجم صغیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے اسے روایت کیا ہے۔ اور ان کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ (ت)

جانب جواز وندب ہونے کے علاوہ حق یہ ہے کہ نفس ذکر خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حد ذاتہ اصلا متعلق نہی وقبح نہیں، نہ وہ ہر گز غیر معقول کے معنی بلکہ ذکراہم واعظم مقاصد

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب اسلامی بیروت ۳/ ۱۴۲

[2] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب فضل ذکر اللہ تعالٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴۸، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعا باب فضل مجالس الذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۲

شرع مطہر سے ہے بلکہ اپنے زعم پر وہی اہم و اعظم مقاصد بلکہ حقیقۃً وہی مراد و مقصود و مرجع و مآل جملہ مقاصد ہے نہی عارض بوجہ عارض راجع بعارض ہوگی۔نہ عائد بذکر۔جیسے محل ریاء وسمعہ میں ذکر جہر یا بقید عارض تا عروض عارض مختص بافراد مختصہ بعارض جیسے کہ کنف وغیرہا موضع نجاسات میں ذکر لسان یا ہنگام اغارت من المشرکین یا قصد اخفا من المعاندین ذکر بالاعلان۔

کمابین طرفا منه المحقق العلامة خیر الملة والدین الرملی فی الفتاوی الخیریة لنفع البریة اقول: ولا یذهبن عنك انا لانقول بالمفهوم فالتمسك بمثله قوله عزوجل "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ"[1] لااراه یتم علی اصولنا واما قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی[2] فالخیر لاینفی الخیر بل هو ظاهر فی الجواز کما تری وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم .... ازس..... علی انفسکم فی........ وقد حمل علی بعض ماذکرنا کما بینه فی الوجیز وغیره وبالجملة فا. ....ذات........ان یصیر سفرا مجلدا۔	جیسا کہ اس کا کچھ حصہ محقق کبیر علامہ خیر الملۃ والدین رملی نے الفتاوٰی الخیریۃ لنفع البریۃ (بھلائی پھیلانے والا فتاوٰی مخلوق کے فائدے کے لئے۔ت) میں بیان فرمایا۔میں کہتا ہوں کہ تمھارا ذہن اس طرف نہ جائے کیونکہ ہم مفہوم مخالف کے قائل نہیں کہ اس جیسے ارشاد خداوندی سے دلیل پیش کی جائے،اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کیجئے،میں یہ گمان نہیں کرتا کہ یہ ہمارے اصول و قواعد کے مطابق ہو،رہا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ بہتر ذکر آہستگی والا ہے "میں "خیر" کسی کی نفی نہیں بلکہ یہ جواز میں ظاہر ہے،جیسا کہ تم دیکھتے ہو،حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد .... ازس....علی انفسکم فی.... بیشک وہ کسی بعض اس بات پر محمول کیا گیا جس کو ہم نے بیان کیا جیسا کہ "الوجیز"وغیرہ میں اس کو بیان فرمایا ....وبالجملة ....فا.... وہ ایک ضخیم اور بڑی جلد ہو جاتی۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعد المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۲،۱۸۰،۱۸۷

پھر جہاں عوارض ظاہرہ ہوں مجرد عوارض خفیہ قلبیہ کی بناء پر مادہ خاصہ میں حکم دینا اساءت ظن بالمسلمین ہے جس کی طرف سبیل نہیں۔قال تعالٰی:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ"[1] وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم.... عن قلبه وقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایاکم والظن فان الظن اکذب[2] الحدیث۔	اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمھیں کچھ علم نہ ہو۔(ت) اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے ....اس کے دل سے۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگو! بدگمانی سے بچو،بے شک بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔الحدیث(ت)

عجب کہ کراہت مختلف فیہا پر احتساب اور حرمت مجمع علیہا کا ارتکاب "اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ"[3] (بے شک یہ تو بڑی عجب بات ہے۔ت) مقاصد شرعیہ پر متطلع مطلع کہ جو امر فی نفسہ شرعا خیر و مندوب اور کراہت مجاورہ مختلف فیہا یا مشکوک ہو اور تجربۃً اس کا ترک منجر بہ منہیات اجماعیہ ہو تو ہرگز اس سے منع نصیحت نہیں،بلکہ مقصد شرع سے بعد بعید ہے۔ولہٰذا علمائے کرام فرماتے ہیں عوام کو صلٰوۃ عند الطلوع سے منع نہ کریں۔درمختار میں ہے:

الا العوام فلا یمنعون من فعلها لانهم یترکونها والاداء الجائز عند البعض اولی من الترک کما فی القنیة وغیرهما[4]۔	عوام کو طلوع آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے نہ روکا جائے کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اسے بالکل چھوڑ دینگے اور جو ادا بعض اہل علم کے نزدیک جائز ہے وہ نماز چھوڑ دینے سے بہتر ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[2] صحیح البخاری کتاب الوصایا ۱/ ۳۸۴ و کتاب الادب ۲/ ۱۹۶ قدیمی کتب خانہ کراچی

[3] القرآن الکریم ۳۸/ ۵

[4] درمختار کتاب الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۱

وعزاہ صاحب المصفی الی الامام حمید الدین عن شیخه الامام المحبوبی والی شمس الائمة الحلوانی فی النسفی[1] الخ۔	صاحب مصفی نے اس کو امام حمید الدین انھوں نے اپنے شیخ امام محبوبی کی طرف منسوب کیا ہے نیز انھوں نے شمس الائمہ حلوانی اور امام نسفی کی طرف نسبت کی ہے۔الخ(ت)

اور تجارت متطاولہ شاہد کہ عوام اگر مشتغل بذکر الٰہی نہیں ہوتے مشتغل بفضول کلام ہزل و لغو ہوتے ہیں کہ اجماعا مکروہ وممنوع،اور ذکر الٰہی سے روکنا ہرگز مصلحت شرعیہ نہیں،خصوصا یہاں تو حکمائے شریعت علمائے امت نے عدم منع کو ابتلا بمکروہ اجماع پر بھی موقوف نہ رکھا بلکہ اس میں ذکر خدا اور سول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فی نفسہٖ خیریت خیر کی طرف عوام کی قلّت رغبت پر بنائے کار رکھی اور باوصف بیان حکم مسئلہ انھیں منع نہ کرنے کی تصریح کی۔امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فتاوٰی سے نقل فرماتے ہیں:

ان الذکر بالجھر فی المسجد لایمنع احتراز عن الدخول تحت قوله تعالٰی ومن اظلم ممن منع مسٰجد اللہ ان یذکر فیھا اسمه[2] الخ۔	مسجد میں بآواز بلند ذکر کرنے سے نہ روکا جائے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے باعث کہ اس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جو اللہ تعالٰی کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے لوگوں کو منع کرے۔الخ(ت)

تبیین الحقائق وفتح القدیر ودرر الحکام وبحر الرائق ومجمع الانہر وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے:

قال الفقیه ابوجعفر لاینبغی ان یمنع العامة عن ذٰلك لقلة رغبتھم فی الخیرات[3]۔	فقیہ ابوجعفر نے فرمایا عوام کو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے نہ روکا جائے اس لئے کہ نیک کاموں کی طرف(پہلے ہی) ان کی رغبت کم ہوتی ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۸

[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاستحسان نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۷۸

[3] تبیین الحقائق باب صلوٰۃ العیدین ۱/ ۲۲۴ والدرر الحکام باب صلوٰۃ العیدین ۱/ ۱۴۲،وفتح القدیر باب صلوٰۃ العیدین ۲/ ۴۱ و بحر الرائق باب صلوٰۃ العیدین ۲/ ۱۶۰،ومجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب صلوٰۃ العیدین ۱/ ۱۷۳

محیط پھر ہندیہ میں ہے:

قال الفقیہ ابو جعفر سمعت شیخی ابابکر یقول سئل ابراھیم عن تکبیر ایام التشریق علی الاسواق و الجھر بھا قال ذٰلک تکبیر الحوکۃ وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ یجوز قال الفقیہ وانا لا امنعھم عن ذٰلک[1] کذا فی المحیط۔	فقیہ ابوجعفر نے فرمایا اپنے شیخ ابوبکر سے سنا کہ وہ فرماتے تھے امام ابراہیم سے بازاروں میں بلند آواز سے تکبیرات ایام تشریق کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ جولاہوں کی تکبیر ہے ___ قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ یہ جائز ہے۔ اور فقیہ نے کہا کہ میں لوگوں کو اس سے منع نہیں کرتا محیط میں یوں ہے۔(ت)

بحر و در میں ہے:

ھذا کلہ انماھو بحسب حال الانسان واما العوام فلا یمنعون من تکبیر و کذا التنفل قبلھا[2] مختصرا۔	یہ تمام طریقے انسان کے حال پر مبنی ہیں رہے عوام تو وہ تکبیر کہنے سے نہ روکے جائیں اسی طرح نماز عید سے قبل نفل پڑھنے سے بھی نہ روکے جائیں مختصراً(ت)

طحطاوی و شامی میں زیر قول در ہذا للخواص لکھا:

الظاھر ان المراد الذین لایؤثر عندھم الزجر غلا ولا کسلا حتی یفضی بھم الی الترک اصلا[3]۔	ظاہر یہ ہے کہ خواص سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جن کے نزدیک ممانعت، کھوٹ اور سستی کو نہیں لاتی یہاں تک کہ وہ ان کو بالکل چھوڑنے کی طرف لے جائے۔(ت)

غنیہ میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۹

[2] بحرالرائق کتاب الصلٰوۃ باب العیدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۶۰

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۸، الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب العیدین دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۵۳

قال الفقیہ ابو جعفر الذی عندنا انہ لاینبغی ان یمنع العامۃ من ذٰلك لقلۃ رغبتھم الی الخیرات وبہ ناخذ یعنی انھم اذا منعوا عن الجھر بہ لایفعلونہ سرافینقطعون عن الخیر بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار ھو الافضل[1]۔	فقیہ ابوجعفر نے فرمایا ہمارے نزدیک مناسب نہیں کہ عوام کو تکبیر سے روک دیا جائے اس لئے کہ بھلائی کے کاموں میں وہ کم رغبت رکھتے ہیں لہٰذا ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں یعنی مراد یہ ہے کہ جب وہ ذکر بالجہر سے روک دئے گئے تو وہ آہستہ ذکر بھی نہ کریں گے۔ بخلاف اس عالم کے جو یہ جانتا ہے کہ آہستہ ذکر کرنا افضل ہے۔(ت)

رحمانیہ میں ذخیرہ سے ہے:

بہ اخذ الفقیہ ابواللیث[2]۔	فقیہ ابواللیث نے اسی کو اختیار کیا ہے۔(ت)

ان عبارات علماء سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جہر میں کراہت بھی ہے تو نہ اس قدر کہ خوبی ذکر کی مقاومت کرسکے ولہٰذا جب منع جہر میں ترک ذکر کا مظنہ ہو خوبی ذکر کو ترجیح دیں گے اور کراہت جہر کا لحاظ نہ کریں گے۔ انصافاً یہ شان صرف کراہت تنزیہہ میں ہوسکتی ہے جس کا حاصل خلاف اولٰی ہے نہ کہ ممنوع وناجائز۔

کیف وقد علم ونصوا علیہ ان ترك ذرۃ مما نھی اللہ تعالٰی عنہ افضل من عبادۃ الثقلین[3]۔	حالانکہ یہ معلوم ہوگیا ہے اور اہل علم نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ کسی معمولی سی چیز کو چھوڑدینا کہ جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا۔ جن وانس کی عبادت سے افضل ہے۔(ت)

بالجملہ اس سے منع کرنا ہی خلاف مصالح شرعیہ ہے **فان افسادہ اکثر من اصلاحہ** (اس لئے کہ اس کا بگاڑ اس کی اصلاح سے زیادہ ہے۔ت) نہ کہ معاذاللہ وہ جبروتی احکام کفر وشرک وضلال وحرام کہ نجدیت وجہالت فاضحہ ہیں حکم بحرمت قطعیہ کا بھی محل نہیں چہ جائے ضلالت وکفر۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، بفرض باطل اگر ذکر مذکور بالاتفاق مکروہ ہی ہو، تاہم ایسے احکام باطلہ کی شناعت اس سے ہزار درجہ سخت وبدتر تھی یہ دقائق تدلیس وتلبیس ابلیس لعین سے ہے۔

---

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی باب العیدین سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۷

[2] رحمانیہ

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامس ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

آدمی کو نیکی کے پردے میں منکر اشد وانکر کا مرتکب کردیتا ہے، **ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالٰی عظیم وبرتر کی توفیق میسر ہو۔ت) تحفہ اثنا عشریہ میں ہے:

ہر کہ باجود ایں ہمہ قول جازم نماید بے باک و بے احتیاط ست وہمیں ست شان محتاطین از علمائے راسخین کہ دراجتہادیات مختلف فیہا جزم باحد الطرفین نمی کنند[1]۔	جو کوئی ان تمام باتوں کے باوجود کسی ایک طرف پختہ یقین دکھائے تو وہ بیباک نڈر اور بے احتیاط ہے۔ پس راسخ علماء اور محتاط حضرات کی یہی پہچان ہے کہ وہ مختلف اجتہادی مسائل میں کسی ایک طرف یقین نہیں رکھتے۔(ت)

علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

المسئلة متی امکن تخریجها علی قول من الاقوال فلیست بمنکر یجب انکارہ والنهی عنه وانما المنکر ما وقع الاجماع علی حرمته والنهی عنه[2] **اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**	جب کسی مسئلہ کو چند اقوال میں سے کسی ایک قول پر حمل کیا جاسکے تو وہ ایسا جرم اور گناہ نہیں کہ جس سے روکنا اور جس کا انکار کرنا ضروری ہو لیکن منکر یعنی گناہ وہ ہے جس کی حرمت پر اجماع اور نہی واقع ہو، اھ ملحضًا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔(ت)

مسئلہ ۴۳: ۱۳ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مس کہ لوگ وقت پھیلنے وباء وبلیات وآندھی وطوفان شدید وغیرہ کے اذان کہتے ہیں، یہ امر شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ بادلہ شافیہ مع حوالہ کتب معتبرہ کے بیان فرمائے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

جائز ہے اور جواز کے لئے حدیث صحیح:

مامن شیئ انجی من عذاب اللہ	ذکر الٰہی سے زیادہ کوئی شے اللہ تعالٰی کے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ

[2] الحدیقه الندیه شرح الطریقة المحمدیه القسم النوع الثالث والثلاثون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۰۹

من ذکر اللّٰہ فاذا رأیتم ذٰلك فافزعوا الی ذکر اللّٰہ [1]۔	عذاب سے چھڑانے والی نہیں۔ پھر جب تم عذاب دیکھو تو اس (گھبراہٹ کی) حالت میں اللہ تعالٰی کے ذکر کے ذریعے پناہ حاصل کرو۔ (ت)

اور آیہ کریمہ:

"اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ؕ۲۸" [2]	سن لو! اللہ تعالٰی کے ذکر ہی سے دلوں کو چین واطمینان نصیب ہوتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۴: ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند اشخاص نے مل کر پانچ شخصوں کو مجلس میلاد شریف سے روکا یعنی نہ آنے دیا۔ ذکر الٰہی سننے سے روکنے والا کون ہے اور ذکر الٰہی خاص ہے یا عام لوگوں کے واسطے ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

ذکر الٰہی سب مسلمانوں کے لئے ہے اور مجلس میلاد مبارک جو مطابق رواج حرمین شریفین معتبر روایتوں سے پڑھی جائے اور منکرات شرعیہ سے خالی ہو اس سے روکنا ذکر خدا سے روکنا ہے ایسا شخص اگر بے عذر صحیح مقبول وقابل قبول روکے تو وہ "مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۙ۱۲" [3] ہے یعنی خیر سے روکنے والا خدا کی باندھی ہوئی حدوں سے بڑھنے والا گناہ میں بالقصد پڑھنے والا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ ہاں بضرورت شرعیہ مستحب سے کسی اور امر اہم کے لئے روکے تو الزام نہیں مثل باپ یا ماں علیل ہے بیٹے کے ذمے تیمارداری ہے وہ مجلس شریف سننے جائے تو یہ تکلیف میں رہیں یا اسی قسم کی اور صورتیں تو یہاں روکنے کا اختیار ہے۔ یوہیں مولٰی اپنے خاوند اور آقا اپنے ملازم کو کام کی غرض سے روک سکتا ہے۔

فقد نصوا فی اجیر الواحد علی ماھو اکبر من ھذا وھی الصلٰوۃ النافلۃ فما ظن بالعبد۔ واللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی	فقہائے کرام نے تصریح فرمائی کہ اجرت پر کام کرنے والا آدمی یعنی مزدور اوقات مزدوری میں نفلی نماز نہ ادا کرے جب مزدور کے بارے میں یہ حکم ہے جبکہ وہ زر خریدا اور مملوک بھی نہیں تو زر خرید غلام اور مملوک آدمی کے بارے

[1] جامع الترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی فضل الذکر امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۲۸

[3] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

اعلم۔	میں آپ کیا خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔اور اللہ پاک و برتر اور سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۵: از صاحب گنج گیا مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

مولانا صاحب دام مجدہ السلام علیکم!

مسلمان شخص جب دشمن کسی مسلمان کا ہو تو اس کے کہنے پر بغیر تعیین و تشخص کے خواہ مسلمان کا ہو یا کافر کا اس کے لئے **اللھم خیرلنا وشر لاعدائنا** (اے اللہ! یہ ہمارے لئے بھلائی کا ذریعہ ہو اور ہمارے دشمنوں کے لئے موجب شر ہو۔ت) پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ ونیز واطمس علی وجوہ اعدائنا (اے اللہ ہمارے دشمنوں کے چہروں کو مٹادے۔ت) ونیز **اللھم نجعلك فی نحورھم ونعوذ بك من شرورھم** (اے اللہ! ہم تیرا اوار ان کے سینوں میں پیوست کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔ت) وغیرہ وغیرہ۔

الجواب:

اللھم انا نجعلك فی نحورھم ونعوذبك من شرورھم[1]۔	اے اللہ! ہم تیرا اوار ان کے سینوں میں کرتے ہیں اور ان کی شرارتوں سے تیری پناہ چاہتے ہیں۔(ت)

اپنے تحفظ کی دعا ہے، یہ ہر مخالف کے مقابل روا ہے۔ باقی دعائے شر کافر و بدمذہب پر کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان[2]۔	جس نے اللہ تعالٰی کے لئے (کسی سے) محبت کی اور اللہ تعالٰی کے لئے کسی سے بغض رکھا اور اللہ ہی کے لئے کچھ دیا اور اللہ ہی کے لئے کچھ روکا تو یقیناً اس نے ایمان مکمل کرلیا۔(ت)

[1] الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار باب مایقول اذخاف قوماً دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۴، الاذکار المنتخبۃ من کلام سید الابرار باب مایدعو بہ اذاخاف ناسا وغیرھم دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۰۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی رد الارجاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۷، المعجم الکبیر حدیث ۶۱۴ و ۷۳۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۱۵۹ و ۲۰۸

سنی صحیح العقیدہ پر نہ کی جائے اگرچہ اپنا کتنا ہی مخالف ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباداللہ اخوانا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(لوگو!) ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو بلکہ اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: از قصبہ بشارت گنج ضلع بریلی متصل بڑی مسجد مرسلہ نجو خان فوجدار یعنی باقی والا ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رکعت نماز قاضی الحاجات کے جواہر خمسہ میں مرقوم ہے طریقہ پڑھنے کا یہ ہے کہ اول ایک رکعت کے نیت کرکے اول اس رکعت میں بیس بار الحمد شریف پڑھے ایک بار قل ھو اللہ شریف پڑھے، بعد سلام کے بیالیس بار یہ پڑھے الٰہی بحرمت وہ وقت کہ تو تھا دوسرا کوئی نہ تھا۔ اور سر کے ٹوپی دہنی طرف رکھ دے اور بیالس بار یہ اسم اعظم پڑھے گا آگے بائیں طرف ٹوپی سر کے رکھ دے پھر یہ پڑھے الٰہی بحرمت وہ وقت کہ تو ہوئے دوسرا کوئی نہ ہوئے۔ پھر دعا اور مناجات کرے۔ اگر حدیث شریف سے ثبوت نہ ہو اور کوئی طریق سے یہ نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہو تا جواہر خمسہ میں کیوں لکھتا۔ جواہر خمسہ قابل دید کتاب نہیں ہے؟

الجواب:

ایک رکعت تنہا پڑھنی ہمارے مذہب حنفی میں ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن البتیراء [2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک رکعت پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

جواہر خمسہ بہت عمدہ و مستند کتاب ہے مگر اس میں جو کچھ اعمال ارشاد ہوئے ہیں عام

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب ماینھی عن التحاسد الخ ص ۸۹۶ و باب الھجرۃ ص ۸۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب البروالصلۃ باب تحریم التحاسد الخ و باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۶-۳۱۵

[2] المقاصدۃ الحسنۃ حدیث ۲۸۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۴۲

مسلمانوں کی منفعت کے لئے ہیں نہ کہ کسی خاص گروہ کے واسطے۔یہ نماز اگر ہمارے یہاں ناجائز تو شافعیہ کے نزدیک ایک جائز ہے وہ اس سے فائدہ لے سکتے ہیں۔ان کتابوں کی نظیر بلا تشبیہہ قرابادین اطباء کی طرح ہے کہ وہ ایک مرض کے متعدد نسخے لکھتے ہیں جو نسخہ جس مریض کے مزاج وحالات کے مطابق ہو وہ اسے استعمال کرے کسی مریض کا یہ کہنا کہ اس میں فلاں جزو میرے خلاف ہے یا میرے مذہب میں روانہیں یہ نسخہ کیوں لکھا محض بے جا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۴: مسئولہ محمد رئیس الدین صاحب از رہتک ۲۲صفر ۱۳۳۲ھ

ضلع رہتک کے ایک گاؤں میں جس کا نام پونہی ہے ایک مسجد میں سب لوگ بعد نماز کلمہ شریف بآواز بلند چار پانچ مرتبہ پڑھتے ہیں یہ درست ہے یا کیا اس کا حکم ہے اور جو شخص یا امام منع کرے اس کا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ذکر الٰہی افضل الاعمال بلکہ اصل جملہ اعمال حسنہ صالحہ ہے یہاں تک کہ بعد ایمان اعظم ارکان اسلام نماز سے بھی وہی مقصود ہے،

قال اللہ تعالٰی "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ﴿۱۴﴾"[1]۔	میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔(ت)

اور کلمہ طیبہ کہ اصل الاصول اور افضل الاذکار ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے اچھا ذکر لاالٰہ الا اللہ ہے۔(ت)

اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں ذکر کا مطلق حکم فرمایا اور تعمیم احوال فرمائی:

"یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِہِمْ"[3]	(اللہ تعالٰی کے مقبول بندے) وہ ہیں جو اللہ تعالٰی کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے یاد کرتے ہیں یعنی ہر حال میں خدا کا ذکر کرتے ہیں۔(ت)

بلکہ اس کی تکثیر کا حکم فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۴

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب الحامدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۸

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۱

قال اللہ تعالٰی "وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۱۰"[1]۔ وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکثروا ذکر اللہ حتی یقولوا انہ مجنون[2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اللہ کا ذکر کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاجاؤ۔(ت) (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ کہنے لگیں یہ تو دیوانہ ہے۔

جس چیز کی تکثیر شارع کو مطلوب ہو اس کی تقلیل نہ چاہے گا مگر وہ جسے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ضد ہے۔ رہا خوف ریا وہ متعلق بہ قلب ہے ریا سے اگر نماز ہو تو وہ بھی ناجائز ہے۔ مگر عقل و دین والا ریا سے منع کرے گا نماز سے نہ روکے گا، حضرت سیدی شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین سہروردی قدس اللہ سرہ کے حضور کسی طالب خدا نے عرضی لکھی کہ:

یاسیدی ان عملت داخلنی الریا وان ترکت اخلات الی ارض البطالۃ۔	اے میرے سردار! میں عمل کرتا ہوں جب توریا آجاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہوں تو بیکاری کی زمین پر گراپڑتا ہوں۔

جواب ارشاد فرمایا:

اعمل وتب الی اللہ[3]۔	کام کئے جاؤ اور ریا سے اللہ کی طرف توبہ کرو۔

ہاں دوسرے مسلمانوں کی ایذا نہ ہونے کا لحاظ لازم ہے سوتوں کی نیند میں خلل نہ ہو، نمازیوں کی نماز میں تشویش نہ ہو، کما نص علیہ فی البحر الرائق وردالمحتار وغیرھا(جیسا کہ بحرالرائق اور ردالمحتار میں اس پر نص ہے۔ت) جب وقت لوگوں کی نیند کا ہو یا کچھ نماز پڑھ رہے ہوں تو ذکر کرو جس طرح مگر نہ اتنی آواز سے کہ ان کو ایذا ہو اور جب اس سے خالی ہو تو مختار مطلق ہو کرو اور اتنی کثرت سے کرو کہ منافق مجنون کہیں اور وہابی بدعت، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۶۲/ ۱۰

[2] المستدرک للحاکم کتاب الدعاء باب اکثروا ذکر اللہ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۹

[3]

مسئلہ ۴۸: مسئولہ عبدالحمید ساکن لوشدی تدی پاڑہ ضلع پترہ ڈاکخانہ سیف اللہ کندی بروز دوشنبہ تاریخ ۱۹رجب ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی سوالات مرقومہ ذیل اول جہر مفرط کے ساتھ ذکر کرنا شرعا جائز ہے یانہیں؟ اور جہر مفرط کا حد کیا ہے؟ اوراگر چند لوگ جمع ہوکر ایسے زور سے ذکر کریں کہ نماز وتلاوت ونیند وغیرہ میں خلل واقع ہوجائے تو اس طرح کاذکر کرنا جائز ہوگا یانہیں؟ اوراس دیار میں بعض لوگ اس طرح ذکر کیا کرتے ہیں کہ ان کے ذکر میں اکثر لا الٰہ الا اُل ھملق کا تلفظ سنا جاتاہے یہ بحسب شرع رواہے یانہیں اوراجتماع ہوکر ذکر کرنا کیساہے؟

الجواب:

اجتماع ہوکر ذکر حسن ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ رب عزوجل فرماتاہے:

وان ذکرنی فی ملاذکرتہ فی ملأ خیر منہ[1]۔	اگر کسی شخص نے مجھے کسی مجلس میں یاد کیا(یعنی میراذکر کیا) تو میں اس سے بہتر اوراعلٰی مجلس میں اس کاذکر کرتا ہوں (ت)

ذکر بجہر صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مررتم بریاض الجنۃ فارتعوا قالوا ومارياض الجنۃ.قال حلق الذکر[2]۔	(لوگو!) جب تم جنت کے باغیچوں سے گزرنے لگو تو اچھی طرح کھاپی لیا کرو۔ لوگوں نے عرض کی (اے اللہ تعالٰی کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام!) جنت کے باغیچے کیا ہیں؟ ارشادفرمایا: ذکر کے حلقے۔(ت)

مگر ایسا ہوجس سے کسی کی نماز یاتلاوت یانیند میں خلل آئے یامریض کو ایذا پہنچے ناجائز ہے اوریہ بھی ممنوع ہے کہ طاقت سے زیادہ جہر کرے جس سے اپنے دل ودماغ کو صدمہ پہنچے اسی کا نام جہر مفرط ہے اور وہ الفاظ بے معنی کہ سائل نے لکھے اگر وہ کہتے ہی یہ ہیں تو جہل ہے اوراگر کہتے صحیح الفاظ ہیں اورجہر کے غل سے سننے میں ایسا آتا ہے توالزام نہیں۔ فقط۔

[1] صحیح البخاری کتاب الرد علی الجھمیۃ باب قول اللہ تعالٰی ویحذرکم اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب الحث علی ذکر اللہ تعالٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

[2] جامع الترمذی کتاب الدعوات باب ماجاء فی عقد التسبیح الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۸۹

مسئلہ ۴۹: از شہر محلّہ گندہ نالہ مکان مرزا غلام حیدر بیگ صاحب مرحوم مرسلہ احمد بخش ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

نعت شریف اور حمد جس کی بابت حدیث شریف میں صاف پاک مکان اور جس کے یہاں کلام پاک پڑھا جائے عقیدت درست ہونا شرط ہے اب بجائے اس کے عام راستوں پر جہاں پاکی اور ناپاکی تصدیق نہیں ایسی صورت میں نعت وحمد پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝" [1]	جب جمعہ کی نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور بکثرت ذکر الٰہی کرو کہ تم فلاح پاؤ۔

جمعہ کے نمازیوں کو حکم ہے کہ جمعہ پڑھ کر باہر نکلو تو زمین میں اپنے اپنے کاموں کو پھیل جاؤ اور ذکر الٰہی بکثرت کرو، راستوں میں بھی ذکر الٰہی کا یہاں سے صریح حکم نکلا اور جس جگہ کی پاکی ناپاکی تحقیق نہیں وہ پاک ہی ہے یہاں تک کہ اس پر نماز جائز ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جعلت لی الارض مسجدا وطھورا فایما رجل من امتی ادرکتہ الصلوٰۃ فلیصل [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میرے لئے زمین مسجد اور پاک کرنیوالی بنائی گئی تو میرے امتی کو جہاں کہیں نماز کا وقت آئے نماز پڑھے۔

مسئلہ ۵۰: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگال ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد نماز کے اکثر آدمی ایک جگہ بیٹھ کر ذکر جلی کرتے ہیں اور سب پر حالت وجد طاری ہو گئی اپنے جسم تک کا خیال باقی نہیں رہا۔ ایک دوسرے پر گر پڑتے ہیں کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر ذکر جائز ہو تو کس طرح جائز ہو؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اور اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر بناوٹ ہے حرام اور سخت حرام ہے۔ اور

---

[1] القرآن الکریم ۶۲/ ۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب التیمم قول اللہ عزوجل فلم تجدوا ماء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

واقعی بے اختیاری ہے تو مواخذہ نہیں۔ ذکر اس طرح ہو کہ نہ ریا ہو نہ کسی کو ایذا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۱: از اجمیر شریف ڈاکخانہ گر تیج علاقہ نمبر ۳۰ مرسلہ کمال محمد ۱۴جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

بددعا کرنا گناہگاروں کے واسطے جائز ہے یا حرام؟

الجواب:

سنی مسلمان اگر کسی پر ظالم نہیں تو اس کے لئے بددعا نہ چاہئے بلکہ دعائے ہدایت کی جائے کہ جو گناہ کرتا ہے چھوڑ دے۔ اور اگر ظالم ہے اور مسلمانوں کو اس سے ایذا ہے تو اس پر بددعا میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ذکر جلی کرنا جائز ہے یا نہیں اور آواز کس قدر بلند کرسکتا ہے کوئی حد معین ہے یا نہیں؟ حلقہ باندھ کر ذکر کرتے وقت ذکر کرتے کرتے کھڑے ہوجانا اور سینہ پر ہاتھ مارنا ایک دوسرے پر گر پڑنا، لپٹ جانا، رونا، زاری کی دھوم مچانا کیسا ہے؟

الجواب:

ذکر جلی جائز ہے۔ حد معین یہ ہے کہ اتنی آواز نہ ہو جس سے اپنے آقا کو ایذا ہو یا کسی نمازی یا مریض یا سوتے کو تکلیف پہنچے اور ذکر کرتے کرتے کھڑے ہوجانا وغیرہا افعال مذکورہ اگر بحالت وجد صحیح ہیں تو کوئی حرج نہیں اور معاذاللہ ریا کے لئے بناوٹ ہیں تو حرام **وما بینهما وسط لا یذکر للعوام** (اور ان دونوں کے درمیان کچھ درمیانی درجات ہیں جو عوام کے لئے ذکر نہیں کئے جاسکتے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

نکاح وطلاق

محرمات، مہر، عدت، کفو، ولایت

مسئلہ ۵۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاوند مر گیااور اس عورت نے دوسرا خاوند کرلیا ہو تو وہ عورت جنت میں کون سے خاوند کے پاس ہوگی؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

عورت اپنے آخر ازواج کے لئے ہے۔

مسئلہ ۵۴: از شاہجہانپور مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب **۲۲ ربیع الآخر ۱۳۲۱ھ**

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر زید دس بارہ سال سے برہما کو چلا گیا، زوجہ کی کچھ خبر گیری نہیں کرتا نہ نان نفقہ دیتا ہے نہ کبھی آتا ہے۔ چند آدمی مسلم غیر ثقہ اس کے پاس سے ہو کر آئے تو وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ زید مرتد ہو گیا یعنی دین اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کیا۔ تو اس صورت میں کیا ایک یا دو آدمی غیر ثقہ مسلم کی خبر سے عورت مذکورہ اپنا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر سکتی ہے یا نہیں اور دوسرے شخص کو بنا بر قول ہندہ کے کہ میں نے فلاں شخص سے سنا ہے کہ میرا شوہر مرتد ہو گیا ہے یا بنا بر قول اس شخص کے جو زید کے پاس ہو کر آیا اور کہتا ہے کہ زید نصرانی ہو گیا ہے

نکاح ہندہ مذکورہ سے بلا ظن غالب یا بہ ظن غالب کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ظن غالب کی خبر مذکور میں ضرورت ہے تو صرف ظن غالب ہندہ مذکورہ کا خبر مذکورہ میں اس شخص کے لئے جو نکاح ہندہ سے کرتا ہے کافی ہوگا یا اس شخص کو بھی غلبہ ظن کی اس خبر ارتداد میں ضرورت پڑے گی؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ت)

الجواب:

اصل ان مسائل میں یہ ہے کہ نکاح پر فساد طاری کی خبر جبکہ اس کا کوئی معارض ومنکر ظاہر نہ ہو تو دو شرطوں میں ایک کے ساتھ مقبول ہے یا تو مخبر ثقہ عادل ہو یا صاحب معاملہ جسے خبر دی گئی تحری کرے اور اس کے قلب میں اس کا صدق واقع ہو اور اگر نہ مخبر ثقہ نہ اس کے دل میں اس کا صدق آتا ہے تو ایسی خبر پر عمل ناروا ہے۔ اور اس احد الشرطین کی ضرورت جس طرح عورت کو ہے جو اس خبر کی بنا پر اپنا نکاح ثانی کیا چاہتی ہے یوہیں دوسرے ناکح کو بھی اور اس کے سامنے بھی نفس واقع سے اخبار چاہئے خواہ وہ مخبر بیان کریں خواہ عورت تاکہ مخبر عن الواقع یا تحری قلب کو مساغ ہو مجرد اخبار عن الاخبار کوئی شے نہیں۔ اور تحری قلب باب احتیاط سے ہے ایک کا ظن دوسرے کے حق میں کافی نہیں خود اپنے دل کی شہادت چاہئے۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لو ان رجلا تزوج امرأۃ فلم یدخل بھا حتی غاب عنھا واخبر مخبر انھا قد ارتدت فان کان المخبر عندہ ثقۃ وھو حر اومملوك اومحدود فی قذف وسعه ان یصدق المخبر ویتزوج اربعا سواھا وان لم یکن المخبر ثقۃ وفی اکبر رأیه انه صادق فکذلك وان کان فی اکبر رأیه انه کاذب لم یتزوج اکثر من ثلاث ولو ان مخبرا اخبر	اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور ہمبستری کئے بغیر کہیں چلا جائے اور اسے یہ اطلاع ملے کہ اس کی بیوی مرتد ہوگئی ہے اور اطلاع دینے والا اس کے خیال میں ثقہ یعنی معتبر ہو خواہ آزاد ہو یا غلام تو وہ شخص بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتا ہے کیونکہ وہ عورت بوجہ مرتدہ ہونے کے اس کی بیوی ہی متصور نہیں ہوگی ہاں اگر اطلاع ارتداد دینے والا قابل اعتماد آدمی نہ ہو لیکن اگر مخبر معتبر آدمی نہ ہو

المرأة ان زوجها قد ارتد ذكر فى الاستحسان من الاصل ان لها ان تتزوج بزوج اٰخرى وسوى بين الرجل والمرأة وذكر فى السير ليس لها ان تتزوج بزوج اخر حتى يشهد عندها رجلان اورجل وامرأتان وذكر شمس الائمة السرخسى رحمه الله تعالٰى الصحيح ان لها ان تتزوج لان المقصود من هذا الخبر وقوع الفرقة بين الزوجين وفى هذا لافرق بين ردة المرأة والزوج وكذا لو كانت المرأة صغيرة فاخبره انسان انها ارتضعت من امه واخته صح هذا الخبر ولو اخبره انسان انه تزوجها وهى مرتدة يوم تزوجها اوكانت اخته من الرضاعة و	مگر اس کی غالب رائے میں وہ سچا ہو تو پھر بھی وہی حکم لاگو ہوگااور اگر وہ اس کی غالب رائے میں جھوٹا ہو تو اس صورت میں یہ شخص تین عورتوں سے زائد کے ساتھ بیک وقت نکاح نہیں کرسکتا اسی طرح اگر بتانے والے نے کسی عورت کو یہ اطلاع دی کہ اس کا شوہر مرتد ہوگیا ہے (یعنی دین اسلام سے پھر گیا ہے) تو اصل کی بحث استحسان میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے، ایسی صورت حال میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات رکھی گئی ہے اور "سیر" میں مذکور ہے کہ وہ عورت کسی دوسرے مرد سے نکاح اس وقت تک نہیں کرسکتی جب تک کہ اس کے پاس دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ برائے توثیق موجود نہ ہوں، شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ اگر دوسری جگہ نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے کیونکہ اس خبر سے مقصود میاں اور بیوی دونوں میں وقوع فرقت (جدائی) ہے اور اس صورت میں مرد عورت دونوں میں سے کسی ایک کے مرتد ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ یونہی اگر عورت چھوٹی ہو اور خاوند کو کوئی آدمی یہ بتائے کہ اس بیوی نے تیری والدہ یا بہن کا دودھ پی رکھا ہے تو اس خبر کو صحیح اور درست تسلیم کیا جائے گا اور اگر مرد کو کسی نے یہ اطلاع دی

المخبر ثقة لاینبغی له ان یتزوج اربعا سواھا مالم یشھد بذٰلك عندہ شاھدا عدل لانه اخبر بفساد عقد کان محکوما بصحته ظاھرا فلا یبطل ذٰلك بخبر الواحد بخلاف الاول فان شھد عندہ شاھدا عدل بذٰلك وسعه ان یتزوج اربعا سواھا ولو اتاھا رجل فاخبرھا ان اصل نکاحھا کان فاسدا اوان زوجھا کان اخاھا من الرضاعة او کان مرتدالم یسعھا ان تتزوج بقوله وان کان ثقة کذا فی فتاوٰی قاضی خاں اذا کانت الزوجة مشتھاۃ فاخبرہ رجل ان اباالزوج اوابنه قبلھا بشھوۃ ووقع فی قلبه انه صادق له ان یتزوج باختھا اواربع سواھا بخلاف مالواخبرہ بسبق الرضاع والمصاھرۃ علی	کہ جس عورت سے اس نے نکاح کیا ہے بوقت نکاح وہ عورت مرتدہ تھی یا وہ اس کی رضاعی بہن ہے اور اطلاع دینے والا قابل اعتبار آدمی ہو تو ایسی صورت میں مرد کے لئے دو عادل مرد گواہوں سے تصدیق حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ایک آدمی نے فساد عقد کی اطلاع دی جو بظاہر محکوم بصحت ہے (یعنی صحت عقد ظاہر ہے) لہذا یہ محض ایک شخص کے کہنے سے باطل نہیں ہوگا۔بخلاف پہلی صورت کے لہذا اگر اس کے پاس دو عادل آدمی گواہی دیں تو پھر اس کے لئے گنجائش ہے کہ عورت مذکورہ کے علاوہ بیک وقت چار عورتیں عقد میں رکھے اگر عورت کو کوئی شخص یہ آکر بتائے کہ اس کا اصل نکاح فاسد تھا یا اس کا شوہر دراصل اس کا رضاعی بھائی ہے یا وہ مرتد ہے تو عورت کو محض اس شخص کے کہنے سے دوسری شادی کرلینے کی اجازت نہیں خواہ اطلاع دینے والا ثقہ (معتبر) ہی کیوں نہ ہو فتاوٰی قاضی خاں میں اسی طرح مذکور ہے۔جب زوجہ مشتہاۃ (قابل شہوت) ہو اور اس کے شوہر کو کوئی یہ اطلاع بہم پہنچائے کہ اس کے باپ یا بیٹے نے شہوت سے اس کا بوسہ لیا ہے اور شوہر کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ خبر دینے والا سچا آدمی ہے تو اس صورت میں وہ اس عورت کی بہن سے نکاح کرسکتا ہے

النکاح لان الزوج ثمه ینازعه وفی العارض لاینازعه لعدم العلم فان وقع عنده صدقه وجب قبوله هکذا فی الوجیز الکردری امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غیر ثقة بکتاب الطلاق من زوجها ولا تدری انه کتابه ام لا الا ان اکبر رأیها انه حق فلا باس ان تعتد ثم تتزوج کذا فی محیط السرخسی اذا غاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلثا اومات عنها فلها ان تعتد وتتزوج بزوج اٰخر وان کان المخبر فاسقاتتحری ثم اذا اخبرها عدل مسلم انه مات زوجها انما تعتمد علی خبره اذا قال عاینته میتا او قال شهدت جنازته اما اذا قال اخبرنی	اور وہ بیک وقت اس کے علاوہ چار عورتوں کو عقد میں رکھ سکتا ہے (کیونکہ اس کی بیوی کا عقد باقی نہیں رہا)۔بخلاف اس صورت کے کہ اگر کوئی اسے یہ بتائے کہ نکاح سے پہلے ہی رضاعت (شیر نوشی) یا مصاہرت (حرمت دامادی) موجود تھی اس لئے کہ اس جگہ زوج (شوہر) کو اس معاملہ میں صورت نزاع ہے اور پیدا ہونے والی صورت میں شکل نزاع نہیں پائی جاتی اس لئے کہ اس کا علم ہی نہیں پھر اگر اس کے نزدیک (اس صورت میں) وقوع صدق ہے تو اس کی بات کو قبول کرنا واجب ہے۔امام کردری کی "وجیز" میں یونہی مذکور ہے۔ایک عورت کا شوہر مفقود ہوگیا پھر ایک غیر معتبر مسلمان نے اسے شوہر کی طرف سے طلاق نامہ لاکر دیا لیکن اسے علم نہیں کہ طلاق نامہ اس کے شوہر کا اپنا تحریر کردہ ہے یا کسی اور کا مگر اس کا غالب خیال یہ ہے کہ حقیقت پر مبنی ہے اس صورت میں کوئی حرج نہیں کہ عورت عدت گزار کر نکاح ثانی کرلے۔امام سرخسی کی محیط میں اسی طرح مذکور ہے جب شوہر اپنی بیوی سے غائب ہوجائے اور کوئی عادل مسلمان اس عورت کو یہ اطلاع پہنچائے کہ اس کے شوہر نے اسے تین طلاقیں دے ڈالی ہیں یا وہ وفات پاگیا ہے تو اس عورت کے لئے جائز ہے کہ عدت گزار کر کسی سے نکاح ثانی کرلے اور اگر خبر دینے والا فاسق اور غیر معتبر

مخبر لاتعتمد علی خبرہ کذا فی المحیط۔واذا شھد عدلان للمرأۃ ان زوجھا طلقھا ثلثا وھو یجحد ثم غابا اوماتا قبل الشھادۃ عند القاضی لم یسع المرأۃ ان تقیم معہ وان تدعہ ان یقربھا و لایسعھا ان تتزوج کذا فی المحیط السرخسی۔واذا شھد شاھدان عند المرأۃ بالطلاق فان کان الزوج غائبا وسعھا ان تعتد وتتزوج بزوج اٰخر وان کان حاضرا الیس لھا ذٰلك ولکن لیس لھا ان تمکن من زوجھا کذا فی المحیط ولو ان امرأۃ قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلثا انقضت عدتی فان کانت عدلۃ وسعہ ان یتزوجھا وان کانت فاسقۃ تحری وعمل بما وقع تحریہ	آدمی ہو تو غور و خوض کرے۔اور انتظار کرے پھر جب اسے کسی عادل اور معتبر مسلمان کی طرف سے خاوند کے وفات پاجانے کی اطلاع میسر ہو جائے تو اس کی خبر پر اعتماد کیا جائے مگر وہ بھی اس صورت میں جبکہ وہ یوں اطلاع دے کہ میں نے خود اس کے شوہر کو مرا ہوا دیکھا ہے یا اس کی نماز جنازہ میں شرکت کی ہے لیکن اگر وہ اس طرح اطلاع نہیں دیتا بلکہ یوں کہتاہے کہ مجھے بتانے والے نے بتایا تو اس صورت میں اس کی خبر نا قابل اعتماد خیال کی جائے گی۔محیط میں یوں ہی مذکور ہے۔اور اگر دو عادل شخص عورت کے روبرو یہ گواہی دیں کہ اس کے شوہر نے اسے تین طلاق دے دی ہیں لیکن شوہر انکاری ہو اور قاضی کے روبرو گواہ شہادت دینے سے پہلے ہی غائب ہو جائیں یا وفات پاجائیں تو عورت کے لئے اس مرد کے ہاں ٹھہرنے کی کوئی گنجائش نہیں وہ اس سے علیحدگی اختیار کرلے تاکہ مرد اس سے قربت نہ کرنے پائے۔ لیکن اس عورت کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ کہیں اور نکاح کرلے محیط میں امام سرخسی سے اسی طرح مذکور ہے۔ جب دو گواہ عورت کے روبرو طلاق کی گواہی دیں اگر مرد غیر حاضر ہو تو عورت کے لئے گنجائش ہے کہ عدت سے گزرے اور کسی اور مرد سے نکاح کرلے لیکن اگر شوہر موجود ہو تو پھر اسے یہ اجازت نہیں لیکن عورت کو یہ اجازت حاصل ہے

علیہ کذا فی الذخیرۃ المرأۃ الحرۃ اذا تزوجت رجلا ثم قالت لرجل ان نکاحی کان فاسدا لما ان زوجها علی غیرالاسلام لایسع لهذا ان یقبل قولها ولا ان یتزوجها لانها اخبرت بامر مستنکر وان قالت طلقنی بعد النکاح علی او ارتد عن الاسلام وسعہ ان یعتمد علی خبرها ویتزوجها لانها اخبرت بخبر محتمل واذا اخبرت ببطلان النکاح الاول لایقبل قولها وان اخبرت بالحرمۃ بامر عارض بعد النکاح من رضاع طاری او غیر ذٰلک فان کانت ثقۃ عندہ اولم تکن ثقۃ ووقع فی قلبہ انها صادقۃ فلا باس بان یتزوجها کذا فی فتاوٰی قاضی خان اھ مختصر[1]	کہ وہ شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دے۔ محیط میں یونہی مذکور ہے اگر کسی عورت نے کسی مرد سے کہا کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور میری عدت بھی گزر گئی ہے تو وہ مرد اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ عورت عادلہ ہو، اور اگر عورت فاسقہ ہو یا ناقابل اعتبار ہو تو شخص مذکور غور وفکر سے کام لے اور بعد از غور وفکر اس کے دل میں جو بات آئے (عقد کرلینے یا نہ کرنے کی) تو اس پر عمل کرے۔ ذخیرہ میں اسی طرح مذکور ہے جب کوئی آزاد عورت کسی مرد سے شادی کرے اور پھر کسی اور آدمی سے کہے کہ میرا نکاح فاسد تھا یا یہ کہ میرا شوہر مسلمان نہیں تو اس شخص کے لئے گنجائش نہیں کہ عورت مذکور کی بات قبول کرے (مانے) اور نہ یہ گنجائش ہے کہ اس سے نکاح کرلے۔

کیونکہ اس عورت نے ایک منکر بات کی خبر دی ہے اور اگر کہے شوہر نے نکاح کرنے کے بعد طلاق دے دی تھی یا وہ دین اسلام سے پھر گیا تھا (یعنی مرتد ہوگیا) تو اس صورت میں اس کی خبر پر اعتماد کرنے کی گنجائش ہے اور وہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں عورت نے ایک محتمل خبر دی (جس میں دونوں پہلوں کی گنجائش ہے) لیکن جب وہ پہلے نکاح کے بطلان کی خبر دے تو اس کا قول نہیں مانا جائے گا لیکن اگر نکاح ہونے کے بعد کسی عارضی حرمت (نو پیدا شدہ حرمت) کی خبر دے جیسے طاری رضاعت یا اس طرح کے کسی دوسرے امر کی تو اگر اس کے خیال میں قابل اعتماد ہو یا نہ ہو مگر مرد کے دل میں یہ بات آجائے کہ وہ عورت سچی ہے تو پھر ایسی صورت میں اس سے نکاح کرلینے میں کوئی حرج نہیں یونہی فتاوٰی قاضی خاں میں مذکور ہے۔ اھ مختصراً (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الاول الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۳۔ ۳۱۲

تبیین الحقائق میں اکثر صور مذکورہ اور فساد طاری ومقارن کا تفرقہ مسطورہ بیان کرکے فرمایا:

وعلی ھذا الاصل یدور الفرق [1]۔	اور اسی اصل پر فرق گھومتا ہے (یعنی اس کا دارومدار ہے)۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

المعتبر اکبر رأی المبتلی بہ [2]۔	جو کوئی جس حادثہ میں مبتلا ہے اس کی اپنی غالب رائے معتبر سمجھی جاتی ہے۔ (ت)

فتح القدیر وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے:

وھو لایلزم غیرہ بل یختلف باختلاف مایقع فی قلب کل [3]۔	اور وہ دوسرے پر لازم نہیں بلکہ ہر شخص کے دل میں جو کچھ واقع ہوتا ہے (طبیعتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں اختلاف ہوا کرتا ہے۔ (ت)

ان عبارات سے کل مقاصد واصول کہ فقیر نے ذکر کئے واضح ہوگئے، پس صورت مستفسرہ میں اگر ہندہ ان لوگوں کا بیان سچا جانتی ہے اس کا قلب ان کے صدق پر جمتا ہے تو اسے نکاح ثانی روا ہے نکح دوم سے اگر ہندہ نے کہا کہ اس کا شوہر مرتد ہوگیا یا ان لوگوں نے بیان کیا اور ہندہ منکر نہیں اور اس کے قلب میں ہندہ یا ان مخبروں کا صدق واقع ہو تو اسے بھی ہندہ سے نکاح روا۔ اور اگر ہندہ نے کہا میں نے سنا کہ وہ مرتد ہوگیا تو صرف اس قدر پر اسے روا نہیں کہ ہندہ سے نکاح پر اقدام کرے۔ یوہیں اگر ہندہ یا ان مخبروں نے اسے ارتداد زید کی خبر دی اور اس کا دل ان کے صدق پر نہیں جمتا تو اسے ہندہ سے نکاح روا نہیں اگرچہ ہندہ کے نزدیک وہ لوگ صادق ہوں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۵: از موضع سرنیا مسئولہ امیر علی صاحب ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نکاح حرام سے پیدا

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ مصر ۶/ ۲۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطہارۃ باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب المیاہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۲۸

ہوا تھا باپ زید کا فوت ہوگیا اور والدہ زندہ موجود ہے اب اس لڑکے کی شادی ہے تو اب شادی میں اہل برادری کا شامل ہونا اور سائل کا شامل ہونا اور بکر کا لڑکی نکاح میں دینا زید کو امامت کرنا اور پیشتر جو شخص زید کے باپ کے نکاح میں شریک ہوئے تھے ان سب کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اس کی شادی میں شامل ہونا کچھ جرم نہیں۔ باپ اگر مصلحت جانے اپنی لڑکی کا نکاح بھی اس سے کرسکتا ہے زید کی امامت بلا کراہت جائز ہے جبکہ سب موجودین جماعت میں اسی کو نماز وطہارت کے مسائل کا علم ہو ورنہ دوسرے کی امامت اولٰی ہے زید کے باپ کے اس حرام نکاح کرانے میں جو دانستہ شریک ہوئے تھے سخت گنہگار ہیں ورنہ اگر اس کا فسق علانیہ تھا جب بھی اسے بچنا اولٰی تھا **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۶: ایک شخص نے اپنی لڑکی اپنے بھانجے کو دی تھی محض منگنی ہوئی تھی۔ جب اس شخص کو معلوم ہوا کہ اس کا بھانجا ایک غیر مقلد پیر کا راسخ الاعتقاد مرید ہے اور خود بھی غیر مقلد ہے اب اس نے اپنی لڑکی دینے سے انکار کردیا اور کہتا ہے کہ شرعاً نکاح نہ ہوگا اس پر جماعت نے اسے اپنی جماعت سے خارج کردیا ہے کہ یا تو لڑکی اسے ہی دے یا تو جماعت سے خارج ہو، اس صورت میں جماعت کا کیا حکم ہے۔ اور نکاح شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

غیر مقلد سے نکاح محض ناجائز ہے **کما حققناہ فی ازالۃ العار** (جیسا کہ ہم نے ازالۃ العار میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) اس صورت میں جماعت سخت ظالم اور زنا کی ساعی، اور خود دنیا میں جماعت سے خارج اور آخرت میں نار میں داخل کرنے کی مستحق ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۷: از یرتاپور ضلع بریلی مرسلہ مولوی امیر عالم حسن عرف نوشتہ میاں

زید نے نکاح اپنا کسی عورت سے کرلیا، بعد چند مدت کے پھر اس کی بہن حقیقی سے کرلیا، دونوں بہنیں اس کے نکاح میں حیات ہیں۔ اب نہیں معلوم کہ نکاح دونوں کا درست ہے یا حرام؟ قاضی نے تطمع ولالچ نکاح پڑھا دیا۔ اور وہی نماز بھی پڑھاتا ہے اور کہتا ہے میں نے عالموں سے دریافت کرکے نکاح پڑھایا ہے ایسا نکاح درست ہے۔ اب اس کا پورا ثبوت خادماں کو کیوں نہ

دیا جائے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا یا نکاح پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟ اور حاضران مجلس جو اس میں شریک تھے مع وکیل وشاہد وغیرہ ان کے ذمہ کیا الزام آسکتا ہے؟

الجواب:

یہ نکاح بنص صریح قرآن مجید حرام قطعی حرام قطعی حرام قطعی ہے،

قال اللہ تعالٰی "اَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: دو بہنوں کو (نکاح میں) جمع نہ کرو۔ (ت)

اس نکاح کو درست کہنا صریح کلمہ کفر ہے۔ اس قاضی پر لازم ہے کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھے اور اپنے اس قول نجس سے توبہ کرے اگر عورت رکھتا ہے تو بعد تجدید اسلام اس سے از سر نو نکاح کرے۔ اس لفظ کے بعد جتنی نمازیں اس کے پیچھے پڑھی ہیں سب باطل ہوئیں جس جس نے جو جو نماز پڑھی اس کا پھیرنا اس پر لازم ہے۔ اور اب جب تک تجدید اسلام نہ کرے اس کے پیچھے نماز باطل محض ہے کہ پڑھنا حرام اور پڑھ لی ہو تو پھیرنا فرض، اور اس سے نکاح ہرگز نہ پڑھوایا جائے، تبیین امام زیلعی میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا[2]۔	اس لئے کہ فاسق کو (نماز کے لئے) آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعًا لوگوں پر اس کی توہین واجب ہے۔ (ت)

وکیل وشاہد حاضرین سے جسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس کی بہن اس کے نکاح میں ہے اس پر الزام نہیں، اور جسے معلوم تھا حرام جان کر شریک ہوا وہ سخت گناہ کا مرتکب اور شدید عذاب کا مستوجب ہوا اور جس نے اسے حلال ٹھہرایا اس کا حکم اس قاضی کے مثل ہے اس پر بھی تجدید اسلام لازم اور اس کے بعد خود اپنے نکاح کی تجدید کرے اس مرد پر فرض ہے کہ فورًا اس دوسری بہن کو جدا کردے اور اگر اس سے قربت کرچکا تو اب وہ پہلی بھی اس پر حرام ہوگئی جب تک اس دوسری کو چھوڑ کر اس کی عدت نہ گزر جائے پہلی کو بھی ہاتھ لگانا حرام ہے جب اس کی عدت گزر جائے گی اس وقت وہ پہلی اس کے لئے حلال ہوگی۔ بحر الرائق۔ وحلبی علی الدر المختار میں ہے:

الثانی باطل ولہ وطئ	(الگ الگ عقد نکاح سے دو بہنوں کو جمع کرنا)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

[2] تبیین الحقائق باب الامامہ والحدث فی الصلٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

الاولیٰ الا ان یطأ الثانیة فتحرم الاولی الی انقضاء عدۃ الثانیة[1]۔واللہ تعالیٰ اعلم۔	اگر پہلی سے نکاح کرنا یاد ہو تو دوسری سے نکاح باطل ہے۔ لٰہذا پہلی سے مرد ہمبستری کرسکتا ہے لیکن اگر مرد نے دوسری سے ہمبستری کرلی تو پھر دوسری کی عدت گزرنے تک اس پر پہلی حرام ہوجائے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۵۸: از قصبہ بابلکہ ضلع بلند شہر مرسلہ صالح محمد خاں صاحب مورخہ ۲۸ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ اگر قاضی شہر کے علاوہ دوسرا کوئی شخص مطابق شرع شریف نکاح پڑھادے لیکن اندراج اس کارجسٹر قاضی شہر مذکور میں نہ ہو تو وہ نکاح جائز وصحیح ہے یانہیں؟ جواب مرحمت ہو۔**بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

قاضی کا رجسٹر شرعاً کوئی شرط نکاح نہیں رجسٹر آج سے نکلے ہیں۔پہلے نکاح کیونکر ہوتے تھے۔ہاں یادداشت کے لئے درج ہونا بہتر ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۵۹: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہاں پرگنہ نواب گنج بریلی مورخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ ماہ محرم اور خصوصاً ۹ تاریخ ماہ مذکورہ کی شب میں نکاح کرنا جائز ہے یانہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

جائز ہے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۶۰: مولوی نذیر احمد ساکن سموہاں پرگنہ نواب گنج ضلع بریلی ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں کہ عورتوں کے محارم کون کون ہیں اور رضاعی محارم کون کون اور محارم صہری کون کون ہیں؟اور ہنسی اور مذاق بھی عورتوں کو کرنا جائز ہے یانہیں؟اگر جائز ہے تو کس کس سے؟**بینوا توجروا**

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸۶

الجواب:

فروع یعنی اپنی اولاد واولاد اولاد اور اصول جس کی اولاد میں خود ہے اگرچہ وہ کتنے ہی دور ہوں اور اپنے ماں باپ کی اولاد کتنے ہی دور فاصلہ پر ہوں اور اپنے داد، نانا، پر نانا، دادی، پر دادی، نانی، پر نانی، کی خاص صلبی یا بطنی اولاد یہ سب محارم ہیں اور یہی رشتے دودھ سے بھی مرضعہ ماں ہے اور اس کا شوہر جس کے نطفہ سے دودھ تھا باپ ہے اور جسے دودھ پلا یا وہ اولاد ہے تو اپنی یہ اولاد اور اس کی نسبی ورضاعی کتنی ہی دور اور اپنے ان ماں باپ کے اصول نسبی اور رضاعی کی بلا واسطہ اولاد نسبی، ورضاعی یہ سب رضاعی محرم ہیں۔ اور صہری محرم شوہر کے اصول وفروع نسبی اور رضاعی اور اپنے اصول مثلاً ماں، دادی، نانی، پر دادی، پر نانی کے شوہر اور اپنی فروع مثلاً بیٹی، پوتی، نواسی، پر پوتی، پر نواسی کے شوہر، جائز ہنسی مذاق جس میں نہ فحش ہو، نہ ایذائے مسلم، نہ بڑوں کی بے ادبی، نہ چھوٹوں سے بدلحاظی، نہ وقت ومحل کے نظر سے بے موقع نہ اس کی کثرت اپنی ہمسر عورتوں سے جائز ہے اور شوہر کے ساتھ موجوب اجر اور یہاں کثرت میں بھی حرج نہیں اگر اس کے خلاف مرضی نہ ہو، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۱: از کچھا علاقہ خام ضلع نینی تال مسئولہ محمد الیاس صاحب ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے اپنی عورت منکوحہ کو طلاق دے دی اور ایام عدت بھی گزر گئے اب بکر کا باپ سوتیلا اس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اور وہ عورت بھی اپنے خسر وسوتیلے سے رضامند ہے۔ موافق شریعت کے ان کا نکاح درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاں درست ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۲: از ناتھ دوارہ ریاست اودے پور ملک میواڑ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ایک شخص علم وفقہ وحدیث کے جاننے والے اور وعظ وپند کرنیوالے انھوں نے بسبب ناراضگی کے اپنی زوجہ کو ایک جلسہ میں تین طلاق معہ گواہان کے روبرو اس کو گھر سے علیحدہ علیحدہ کردینا عورت مذکورہ دیگر جگہ سکونت اختیار کرکے ایک سال کامل مدت گزارنا بعد ایک سال کے پھر اسی عورت کو انھیں عالم بالا مذکور نے رضیت حاصل کرکے پھر اپنے مکان میں لے آنا اور پھر اسے اولاد ہونا یہ امر شرع شریف میں جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز ہے تو جو اولاد کہ پیدا ہوئی وہ ولد الزنا ہے یا حلال ہے؟ اگر ولد الزنا ہے تو ایسا شخص ایسے امر کرنے سے مرتکب گناہ کا ہوتا ہے یا نہیں؟ اور

شرع شریف میں ایسے شخص کو کیا کہنا لازم اور کونسی سزا کا سزاوار ہے۔ مسلمان کو ایسے شخص کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنا چاہئے۔ یا لازم آتا ہے؟ اس کا جواب باصواب مع حدیث وفقہ آیت کلام اللہ سے تحریر فرمادیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

الجواب:

تین طلاق کے بعد بے حلالہ اسے پھر رکھنا حرام ہے اور اس سے وطی زنا اور اولاد ولد الزنا، اور وہ مرد عورت دونوں فاسق۔ اور ان کی سزا بہت سخت ہے جو یہاں بیان نہیں ہوسکتی اور اللہ عزوجل کا عذاب شدید ہے، ان مرد عورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں ورنہ مسلمان ان سے میل جول چھوڑ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نسب

مسئلہ ۶۳: مرسلہ عبدالعزیز تاجر چرم مقام قصبہ ٹکاری محلّہ شاہ گنج ضلع گیا بروز دوشنبہ ۱۶ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

ایک شخص مجہول النسب کہ جس کے حسب ونسب سے وہاں کے باشندے پوری آگاہی رکھتے ہیں اور وہ شخص مولوی ہو اور غیر جگہ اپنے کو سید کہتا ہو اور اپنے مکان پر خط اپنے قلم سے سید کرکے اپنا نام لکھتا ہو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

سائل نے اول تو مجہول النسب کہا۔ پھر یہ کہ اس کے نسب سے وہاں کے باشندے پوری آگاہی رکھتے ہیں یہ دونوں باتیں متناقض ہیں شاید یہ مطلب ہو کہ وہاں کے سب باشندوں پر اس کا نسب مخفی ہے لہذا اب اسے مجہول النسب سمجھتے ہیں اس تقدیر پر اس کا اپنے آپ کو سید بنانا کہنا، لکھنا ہمارے علم میں جرم کی حد پر نہیں بلکہ وہ کہتا ہے اور ہمیں اس کا خلاف معلوم وثابت و متحقق نہیں تو ہم اسے سچا ہی خیال کریں گے کہ الناس علی انسابھم (لوگ اپنے نسبوں پر قائم ہیں۔ت) اور ارشاد ہوتا ہے:

"لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ	ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم لوگوں نے وہ افواہ سُنی

اَلْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِہِمْ خَیْرًا"[1]	تو مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں کے بارے میں اچھا گمان کیا ہوتا۔(ت)

ہاں جو واقع میں سید نہ ہو اور دیدہ ودانستہ بنتا ہو وہ ملعون ہے نہ اس کا فرض قبول ہو نہ نفل۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من ادعٰی الی غیر ابیہ او انتمی الی غیر موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ و الملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ صرفا ولاعدلا[2]۔	جو کوئی اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کا دعوی کرے یا کسی غیر والی کی طرف اپنے آپ کو پہنچائے تو اس پر اللہ تعالٰی،فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔اور اللہ تعالٰی اس کے فرائض اور نوافل قبول نہ فرمائے گا۔(ت)

مگر یہ اس کا معاملہ اللہ عزوجل کے یہاں ہے ہم بلادلیل تکذیب نہیں کرسکتے،البتہ ہمارے علم تحقیق طور پر معلوم ہے کہ یہ سید نہ تھا اور اب سید بن بیٹھا تو اسے ہم بھی فاسق ومرتکب کبیرہ و مستحق لعنت جانیں گے۔**واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**(اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم کہ جس کی شان بڑی ہے زیادہ کامل اور بڑا پختہ ہے۔ت)

مسئلہ ۶۴: بروز شنبہ تاریخ ۵ ذوالقعدہ ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مولوی عنایت احمد صاحب نے اپنی کتاب جنان الفردوس کے چودہ ۱۴ صفحہ میں تحریر کیا ہے۔بیان جھوٹی نسب کا،ف: جھوٹ ظاہر کرنا نسب کا بھی بڑا گناہ ہے۔مثلاً شیخ سے سید بن جانا،صحیحین میں ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:جو شخص جان بوجھ کر اپنے باپ کے سوا دوسرے کو باپ کرے اس پر جنت حرام ہے[3]۔اور چودہ صفحہ کے حاشیہ پر یہ تحریر ہے بیان جھوٹی نسب کا ۳۱ ح

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل المدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۲،المعجم الکبیر حدیث ۶۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۳۴

[3] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب من ادعی الی غیر ابیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۱،صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

مشارق ۳۲ ح اعتصام ف ا سوال۔ جولاہے کو شیخ نہ کہے تو جولاہا کہنا چاہئے۔ اگر جولاہا نہ کہے تو کیا کہنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب:

یہ حدیث بیشک صحیح ہے اور دوسری حدیث اس سے سخت تر ہے کہ "جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف اپنا نسب منسوب کرے اس پر اللہ تعالٰی اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اللہ تعالٰی نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل[1]" یہ حکم شامل ہے ہر اس شخص کو کہ سید نہیں اور سید بن بیٹھے۔ شیخ قرشی یا انصاری نہیں اور اپنے آپ کو ایسا شیخ کہے مگر لفظ شیخ کا استعمال متعدد معنی پر ہے۔ ۱پیر اور ۲بزرگ اور ۳استاد اور ۴چار شریف اقوام مشہورہ ہند سے ایک قوم اور ۵سید مغل پٹھان کے سواہر مسلمان، اس پانچویں معنی پر جولاہے۔ دُھنیے ہر قوم کے مسلمان شیخ کہلاتے ہیں اس معنی پر وہ اپنے آپ کو شیخ کہے تو اس حکم کے نیچے داخل نہیں، ہاں اگر جولاہا اور اپنے آپ کو چوتھے معنی پر شیخ کہے کہ ان چار شریف قوموں میں سے میری قوم ہے تو وہ ضرور اس حدیث کے پیچ میں داخل ہوگا اگر واقع میں وہ ایسا نہیں اور اگر واقع میں وہ انھیں شریف اقوام میں سے ہے مثلاً شیخ، انصاری یا علوی یا عباسی یا عثمانی یا فاروقی یا صدیقی ہے اور کپڑا بننے کا پیشہ کرتا ہے تو وہ ضرور سچا ہے اور اس پر کچھ الزام نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۵: از جھونا مارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت پیر سید ابراہیم صاحب گیلانی قادری بغدادی مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص ذات کا فقیر ہے اور کسی خانقاہ میں مجاور ہے بغداد شریف میں جاکر ایک پیر صاحب جو کہ عرصہ دراز سے مفقود الخبر معلوم کرنا اور ہندوستان میں آکر اپنے اصلی باپ کا نام بدل کر اس پیر مرحوم کا فرزند بننا نیز سیادت وطریقت کے دم مارتا تاکہ اس دھوکے وفریب سے اپنا مرید بنائے اور زر وعزت دنیاوی حاصل کرنا ایسے شخص سے جو کہ بلاشبہہ اپنے آپ کو سید کہتا ہو اور اپنی نسب کو چھوڑ کر غوث الاعظم کے نسب میں داخل ہو از روئے شریعت اسلامیہ مرید بنانا اور نماز پڑھانا جائز ہے یا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل مدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۲، المعجم الکبیر حدیث ۶۴ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۳۴

الجواب:

اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بتانے کے لئے حدیث صحیح میں فرمایا ہے کہ اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے اللہ نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔ **من انتمی الی غیر ابیه فعلیه لعنة الله والملئکة والناس اجمعین لایقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً** [1] اور جو مسلمانوں کو دھوکا دے اسے فرمایا ہمارے گروہ سے نہیں **من غشنا فلیس منا** [2] ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ناجائز اور اس کی امامت مکروہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل مدینه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۲

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب من غشنا فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

رسالہ

اراءۃ الادب لفاضل النسب ۱۳۲۹ھ

(نسبی فضیلت والے کو ادب کی راہ دکھانا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ٦٦: افضل الفضلاء اکمل اکملا مولانا مفتی صاحب! تسلیم۔

ایں کہ استفتائے ترسیل خدمت عالی مے شود از دستخط ومہر خویش واز دیگر علماء مزین نمودہ برمنت نہ نہند، چونکہ مسلمان ایں زمان سبب جہالت ازاکثر حرفہ وپیشہ انحراف مے دارند، وصاحب پیشہ راحقیر می شمارند وروز بروز بدائرہ ادبار پامی کشند بربنا، علیہ برائے اصلاح قوم مصلحۃً ایں استفتاء نوشتہ شد زیادہ والسلام	یہ استفتاء جو کہ خدمت عالی میں بھیجا جارہا ہے اپنے اور دوسرے علماء کے دستخط ومہر سے مزین کرکے مجھ پر احسان کریں، چونکہ اس زمانہ کے مسلمان جہالت کے سبب سے اکثر ہنر وپیشہ سے گریز کرتے ہیں، اور صاحب پیشہ کو حقیر جانتے ہیں اور روزانہ دائرہ پستی میں پاؤں رکھتے ہی، اسی بناء پر اصلاح قوم کے لئے مصلحتاً یہ استفتا لکھا گیا۔ والسلام (محمد لطف الرحمٰن البردوانی)

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر جد اعلی کسی کاکاشت کار یا نورباف یاماہی فروش ہو بعدہ اس کی نسل میں یہ پیشہ معمول رہاہو یا متروک ہوگیاہو تو اس صورت میں ان کی اولاد کو ماشا یاجولاہا یا شکاری یا اطراف کہہ کرپکارنا جس سے ان کی دل شکنی ہوتی ہے درست ہے یانہیں؟اور علاوہ صحابی النسل کے دوسری قوم کو شیخ کہنا رواہے یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجرپاؤ۔ت)

الجواب:

بداں کہ قولہ تعالٰی " جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ "[1] (۱) وقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ابطأبه عمله لم یسرع به نسبه [2] وقول دیگر اعملی یافاطمة ولاتقولی انی بنت الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3] باعلی صوت ندا کند کہ شرافت نسب کہ اکثر جہال بہ سبب جہالت وحماقت واز عدم واقفیت حالات بزرگان دین وسلف صالحین وصحابہ کاملین وانبیاء مرسلین، بداں مباہات میکنند نزد حق سبحانہ وتعالٰی بہ چیزے نمی ارزد وبہ منزلہ ھباء منثورا باشد کما قال اللہ تعالٰی "وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ "[4]	اللہ تعالٰی فرماتاہے: تمھیں شاخیں اور قبیلے کیاکہ آپس میں پہچان رکھو بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے شریعت کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا اس کا نسب کام نہ دے گا، دوسرا قول ہے کہ شریعت پر عمل کروائے فاطمہ! اور یہ نہ کہو کہ رسول اللہ کی بیٹی ہوں، بلند آواز سے اعلان کررہاہے کہ شرافت نسب کہ اکثر جاہل لوگ جہالت وحماقت اور حالات بزرگان دین اور سلف صالحین اور صحابہ کاملین اور انبیاء مرسلین کے حالات سے ناواقفیت کی وجہ سے اس پر فخر کرتے ہیں اللہ تعالٰی کے نزدیک بے وقعت ہے مثل ہبا منثورا ہے۔البتہ مرد کی شرافت علم سے ہوتی ہے اور جنھیں علم دیاگیا وہ درجوں میں ہیں

Majlis of DawateIslami

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فی فضل العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۷، موارد الظمان کتاب العلم حدیث ۷۸ المطبعۃ السلفیہ ص ۴۸

[3] اتحاف السادۃ المتقین دارالفکر بیروت ۷/ ۷۷ و ۲۸۱، صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/ ۱۱۴ و کنز العمال حدیث ۴۳۷۵۳ ۱۶/ ۱۹

[4] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

"اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا ؕ" [1] (۲) وقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما العلماء ورثۃ الانبیاء [2] وان فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم [3] (۳) بلکہ شرافت علم فوق شرافت نسب مے باشد کما فی الدر المختار لان شرفۃ العلم فوق شرف النسب و المال، کما جزم بہ البزازی و ارتضاہ الکمال [4] وغیرہ اگر کسے عالم صالح ماہر را بالفاظ مذکورۃ الصدر طعنا وتحقیرا مخاطب سازد بدائر کفر پا نہادہ باشد	اللہ تعالٰی سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے میری فضیلت تمھارے ادنی پر۔بلکہ علم کی شرافت نسب کی شرافت پر فوقیت رکھتی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے:اس لئے کہ علم کی شرافت نسب ومال کی شرافت سے اولٰی ہے۔جیسا کہ اس پر بزازی نے جزم فرمایا ہے اگر کوئی شخص عالم صالح ماہر کو الفاظ مندرجہ بالا سے طعن وتحقیر کے طور پر مخاطب کرے تو دائرہ کفر میں پاؤں رکھے گا۔

حررہ العاجز الفاقر الجانی محمد لطف الرحمٰن البردوانی المخاطب شمس العلماء مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ (بنگال)

نسب میں افضل کون؟

(از اعلیحضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہ)

اللھم لك الحمد یامن خلق الانسان،فجعلہ نسبا و صھرا وکنت قد یرا،صل علی من ارسلتہ من خیر فریقین من خیر شعوب من خیر	یا اللہ تیرے لئے حمد ہے اور وہ ذات جس نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کا نسب اور رشتہ دار بنایا اور تیری ذات قادر ہے اور رحمتیں نازل فرما اس ذات پر جس کو تو نے دو فریقوں میں بہتر

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۲۷

[2] سنن ابن ماجہ باب فضل العلماء الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳

[4] الدرالمختار کتاب النکاح باب الکفائۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۵

قبائل من خیر بیوتا بشیرا ونذیرا، وملکته نفع عترته وقرابته وخدمه وامته وکل من یلوذ بحضرته دنیا واخری، وعلی اله خیر ال وصحبه خیر صحب وبارك وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔	بنا کر بھیجا اور بہتر شریعت اور بہتر قبائل اور بہتر گھروں میں بشیر ونذیر بنایا اور اس کی اولاد قرابت، خادموں، امت اور دنیا و آخرت میں ان کے حضور ہر پناہ لینے والے کے نفع کے لئے تو نے اس کو مالک بنایا اور ان کی بہترین آل پاک اور بہترین صحابہ کرام پر اور برکتیں اور سلامتی کثیر در کثیر نازل فرما۔(ت)

کسی مسلمان بلکہ کافر ذمی کو بھی بلاحاجت شرعیہ ایسے الفاظ سے پکارنا یا تعبیر کرنا جس سے اس کی دل شکنی ہو اسے ایذاء پہنچے، شرعًا ناجائز وحرام ہے۔اگرچہ بات فی نفسہ سچی ہو،فان کل حق صدق ولیس کل صدق حقا(ہر حق سچ ہے مگر ہر سچ حق نہیں) ابن السنی عمیر بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا رجلا بغیر اسمه لعنته الملائکة[1] فی التیسیر ای بلقب یکرھا لا بنحو یا عبداللہ[2]۔	جو شخص کسی کو اس کا نام بدل کر پکارے فرشتے اس پر لعنت کریں تیسیر میں ہے یعنی کسی بد لقب سے جو اسے برا لگے نہ کہ اے بندہ خدا وغیرہ سے۔

طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ[3]۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذادی اس نے مجھے ایذادی اور جس نے مجھے ایذادی اس نے اللہ عزوجل کو ایذادی۔

سنن ابی داؤد میں متعدد اصحاب کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] عمل الیوم واللیلة باب الوعید فی ان یدعی الرجل بغیر اسمه حدیث ۳۹۶ نور محمد کارخانہ کراچی ص ۱۳۷

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من دعا رجلا بغیر اسمه مکتبه الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۱۶

[3] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ و مکتبه المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

من ظلم معاھدا فانا حجیجه یوم القیمة [1]۔	جو کسی ذمی پر زیادتی کرے تو روز قیامت میں اس سے جھگڑا کروں گا۔

بحر الرائق و در مختار میں ہے:

فی القنیة قال لیھودی او مجوسی یاکافر یاثم ان شق علیه و مقتضاہ انه یعزر لارتکابه الاثم [2]۔	جس نے کسی ذمی یہودی یا مجوسی سے کہااے کافر، اور یہ بات اسے گراں گزری تو کہنے والا گنہگار ہوگااور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اسے تعزیر کی جائے گی قنیہ۔

تحقیق مقام ومقال بکمال اجمال یہ ہے کہ مدار نجات تقوی پر ہے علی تبائن مراتبھا و ثمراتھا (فرق مراتب اور اس کے نتائج کے لحاظ سے) نہ کہ محض نسب، ومایضاھیه من الفضائل موھوباتھا ومکسوباتھا (جو فضائل کے مشابہ ہو ان کے وہبی اور کسبی چیزوں میں) لہٰذا محض تقوی بس ہے۔ اگرچہ شرف نسب و تکمیل علوم سمیّہ نہ ہو اور مجرد شریف القوم یا ملا صاحب کہلانا کافی نہیں جبکہ تقوی اصلانہ ہو۔

ان الزبانیة اسرع الی فسقة القراء منھم الی عبدة الاوثان [3]۔	بیشک عذاب کے سپاہی فاسق علماء کی طرف سبقت کریں گے اور یا جیسے، بتوں کے پجاری کی طرف جو عمل میں سست ہوگا فضل نسب میں آگے نہ ہوگا۔

حدیث من ابطأبه عمله لم یسرع به نسبه [4] کے یہی معنی ہیں نہ یہ کہ فضل نسب شرعاً محض باطل و مہجور وہبا منثور، یا شرافت وسیادت، نہ دنیاوی احکام شرعیہ میں وجہ امتیاز، نہ آخرت میں اصلانافع و باعث اعزاز ____ حاشا ایسا نہیں بلکہ شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق نسب کو معتبر لکھاہے۔ اور سلسلہ طاہرہ ذریت عاطرہ میں انسلاک وانتساب ضرور آخرت میں بھی نفع

[1] سنن ابی داؤد کتاب الامارۃ باب تعشیر اھل الذمة اذا اختلفوا بالتجارۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۷۷

[2] الدرالمختار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۹

[3] کنز العمال برمز طب حل حدیث ۲۹۰۰۵ موسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۱

[4] سنن ابی داود کتاب العلم باب فی فضل العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۷، موارد الظمان کتاب العلم حدیث ۷۸ المطبعة السلفیه ص ۴۸

دینے والا ہے۔کتاب النکاح میں سارا باب کفاءت تو خاص اسی اعتبار تفرقہ ومزیت پر مبنی ہے۔سید زادی اگر کسی مغل پٹھان یا شیخ انصاری سے بے رضائے ولی نکاح کرے گی نکاح ہی نہیں ہوگا جب تک بہ سبب فضل علم دین مکافات ہو کر کفاءت نہ ہو گئی ہو۔یونہی اگر غیر اب وجد بشرائط معلومہ نابالغہ کا ایسا نکاح کردیں وہ بھی باطل ومردود محض ہے۔اسی طرح اگر مغلانی۔پٹھانی نابالغہ کسی جولاہے یا دھنیے سے نکاح کرلے۔یا ولی غیر ملزم نابالغہ کا نکاح کردے یہ سب باطل ونامنعقد ہیں **والمسائل مصرح بھا متونا وشروحا وفتاوٰی** (یہ مسائل دیگر متداول کتب متون وشروح اور کتب فتاوٰی میں تفصیل سے درج ہیں) یوں ہی امامت صغرٰی کی ترتیب میں شرف نسب وجہ ترجیح ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

الاحق بالامامۃ الاعلم الی قولہ ثم الاشرف نسبا ثم الانظف ثوبا[1]۔	سب سے زیادہ مستحق امامت وہ ہے جو زیادہ علم رکھتا ہو (مصنف کے اس قول تک) پھر وہ جو باعتبار نسب کے زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کے کپڑے زیادہ ستھرے ہوں۔

درمختار میں ہے:

الاشرف نسبا ثم الاحسن صوتا[2] الخ۔	وہ جو باعتبار نسب کے زیادہ شریف پھر جس کی آواز بہتر ہو۔

قریش کی خلافت

اور امامت کبرٰی میں تو شرع مطہر نے اس درجہ کا لحاظ فرمایا ہے کہ اسے صرف قریش کے ساتھ مخصوص فرمادیا۔غیر قریش اگرچہ عالم اجل ہو امام وخلیفہ نہیں ہوسکتا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الائمۃ من قریش[3] رواہ	تمام خلفاء قریش ہوں گے۔اس کو روایت

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲
[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۲
[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۸۳، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۷۶، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب من قال یؤمھم ذو نسب الخ دار صادر بیروت ۳/ ۱۲۱، السنن الکبرٰی کتاب قتال اہل البغی، باب الائمۃ من قریش دار صادر بیروت ۸/ ۱۴۳، المعجم الکبیر حدیث ۷۲۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۵۲

احمد وابن ابی شیبه والنسائی وابن جریر والحاکم والبیہقی والضیاء فی المختارۃ عن انس رضی الله تعالٰی عنه رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی ذر رضی الله تعالٰی عنه وابوبکر بن ابی شیبه ونعیم بن حماد و ابن السنی فی کتاب الاخوۃ والبیہقی عن امیر المؤمنین علی کرم الله وجهه۔	کیا ہے احمد، ابن ابی شیبہ، نسائی، ابن جریر، حاکم اور بیہقی نے اور ضیاء نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مختارہ میں اور طبرانی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور نعیم بن حماد اور ابن السنی نے کتاب الاخوۃ میں اور بیہقی نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ھذا الامر فی قریش لایعادیھم احد الا اکبه الله علی وجهه فی النار، رواہ الائمة احمد[1] وبخاری و مسلم عن امیر معویة وصدرہ ابوبکر ابن ابی شیبه عن ابی موسٰی الاشعری وابن جریر عن کعب رضی الله تعالٰی عنه۔	بے شک خلافت قریش میں ہے جو ان میں سے بیر رکھے گا اللہ تعالٰی اسے منہ کے بل جہنم میں اُندھا دے گا۔ اسے روایت کیا ہے امام احمد اور بخاری اور مسلم نے امیر معاویہ سے حدیث کے ابتدائی حصہ کو ابوبکر بن ابی شیبہ نے ابی موسٰی اشعری سے اور ابن جریر نے کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الا ان الامراء من قریش۔ رواہ ابویعلی[2] عن امیر المومنین علی کرم الله تعالٰی وجهه الکریم، واحمد والحاکم والطبرانی بلفظ الامراء من قریش	سن لو، امراء وحکام اسلام قریش سے ہیں، اس کو روایت کیا ابو یعلٰی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے احمد حاکم اور طبرانی نے اس لفظ کے ساتھ کہ

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۷، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۵۷، مسند احمد بن حنبل عن معاویہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۹۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث ۱۲۴۳۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۱۷۰

[2] مسند ابو یعلی عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۵۶۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۸۴

الامراء من قریش [1] عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	امراء قریش ہیں "اس کو ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اہل قریش کی فضیلت اور مقام و مرتبہ

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قریش ولاۃ ھذا الامر رواہ احمد [2] عن ابی بکر الصدیق وعن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اسلامی حکومت کے والی قریش ہیں۔اس کو روایت کیا ہے احمد نے حضرت ابوبکر صدیق سے اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قدموا قریشا ولا تقدموھا [3] رواہ الامام الشافعی والامام احمد عن عبداللہ بن خطب والطبرانی فی الکبیر عن عبداللہ بن السائب والبزار عن امیر المومنین علی وابن عدی عن ابی ھریرۃ وابن جریر عن الحارث بن عبداللہ وسیأتی فی حدیث عن انس و الشافعی والبیھقی فی معرفۃ الصحابۃ عن الزھری مرسلا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	قریش کو تقدیم دو اور قریش پر تقدیم نہ کرو۔اس کو روایت کیا ہے امام شافعی اور امام احمد نے عبداللہ بن خطب سے اور طبرانی نے کبیر میں عبداللہ بن سائب سے اور بزار نے امیر المومنین علی سے اور ابن عدی نے ابوہریرہ اور ابن جریر نے حارث بن عبداللہ سے ___ اور عنقریب آئے گا حضرت انس کی حدیث اور شافعی اور بیہقی نے معرفۃ صحابۃ میں زہری سے مرسلا روایت کیا۔رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

بلکہ ایک روایت میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابوبرزہ اسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۴۲۴، المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم دارالفکر بیروت ۴/ ۵۰۱، کنز العمال بحوالہ(ک) حم طب عن ابی موسٰی الاشعری حدیث ۳۳۸۲۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی بکر المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۵

[3] کنز العمال بحوالہ الشافعی البیہقی فی معرفۃ الصحابہ والبزار عن علی الخ (حدیث ۳۳۷۸۹۔۹۰۔۹۱) ۱۲/ ۲۲

یا ایھا الناس لاتتقدموا قریشا فتھلکوا رواہ البیھقی عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	اے لوگو! قریش پر سبقت نہ کرو کہ ہلاک ہوجاؤ گے اسے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

دوسری روایت میں ہے:

فتغلبوا [2] رواہ ابن ابی طالب عن الامام الباقر رضی اللہ تعالٰی عنہ مرسلا وھو عندہ باللفظ الاول عن سھل بن ابی خیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی قریش پر سبقت نہ کرو کہ گمراہ ہوجاؤ گے، اسے روایت کیا ہے ابن ابی طالب نے امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلاً، اور ان کے نزدیک پہلے الفاظ کے ساتھ سہل بن ابی خثیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

اور فرماتا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الناس تبع لقریش فی ھذا الشان، رواہ الشیخان [3] عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم عن جابر والطبرانی فی الاوسط والضیاء عن سھل بن سعد وعبداللہ بن احمد واحمد وابن ابی شیبۃ عن معاویۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وھذا عن سعید بن ابراھیم بلاغا۔	سب لوگ اس کام میں قریش کے تابع ہیں اسے روایت کیا ہے امام بخاری ومسلم نے ابوہریرہ سے اور احمد ومسلم نے جابر سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ضیا نے سہل بن سعد سے اور عبداللہ بن احمد اور احمد وابن ابی شیبہ نے معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے، اور یہ سعید بن ابراہیم سے بلاغاروایت کی گئی ہے۔

حدیث ۲۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

1

2

[3] صحیح البخاری باب المناقب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۶، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹، مسند احمد بن حنبل عن انس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۳۱و۳۷۹، المعجم الکبیر حدیث ۵۵۹۲ مکتبہ المعارف ریاض ۶/ ۲۷۷

قریش صلاح الناس ولا یصلح الناس الا بھم رواہ ابن عدی[1] عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	قریش آدمیوں کی سنوار ہیں لوگ نہ سنوریں گے مگر قریش سے۔ روایت کیا ہے ابن عدی نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔

حدیث ۲۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قریش خالصۃ اللہ تعالٰی[2] رواہ ابن عساکر عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قریش برگزیدہ خدا ہیں۔ اس کو روایت کیا ہے ابن عساکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۲۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من یرد ھوا ن قریش اھان اللہ تعالٰی[3] رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والترمذی والعدنی والطبرانی وابویعلی والحاکم وابونعیم فی المعرفۃ عن سعد بن ابی وقاص وتمام وابونعیم والضیاء عن ابن عباس	جو قریش کی ذلت چاہے اللہ اسے ذلیل کرے اسے روایت کیا ہے احمد، ابن ابی شیبہ ترمذی، عدنی، طبرانی، ابویعلی، حاکم اور ابونعیم نے معرفۃ میں سعد بن ابی وقاص سے اور تمام وابونعیم اور ضیاء نے ابن عباس سے اور طبرانی نے

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ عمر بن حبیب العدوی دارالفکر بیروت ۵/ ۱۶۹۲، کنز العمال بحوالہ عد عن عائشہ حدیث ۳۳۷۹۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۲

[2] تھذیب دمشق الکبیر ترجمہ اسحاق بن یعقوب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۹، تھذیب دمشق الکبیر ترجمہ سلمہ بن العیار داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۳۵، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن عمرو بن العاص حدیث ۳۳۸۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۶

[3] جامع الترمذی ابواب المناقب فضل الانصار وقریش امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۰، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۷۴، مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۱و۱۷۶و۱۸۳، تھذیب دمشق الکبیر ترجمہ اسحاق بن یعقوب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۹، کنز العمال بحوالہ حم ش والعدنی ت طب ع ك وابی نعیم فی المعرفۃ عن سعد بن ابی وقاص وتمام وابی نعیم ۔ض عن ابن عباس کر عن عمرو بن ابی العاص موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۸

والطبرانی فی الکبیر عن انس وابن عساکر عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	کبیر میں انس سے اور ابن عساکر نے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔

حدیث ۲۹تا۳۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قوۃ الرجل من قریش قوۃ رجلین [1]۔ رواہ احمد وابن ابی شیبۃ والطیالسی وابویعلی وابن ابی عاصم و الباوردی والطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرك والبیہقی فی المعرفۃ والضیاء فی المختارہ وابو نعیم فی الحلیۃ عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذافیھا عن علی کرم اللہ وجھہ والطبرانی عن ابن ابی خیثمہ وابن النجار فی حدیث طویل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما اولہ یا ایھا الناس قدموا قریشا ولاتقدموھا [2] وھوایضا قطعۃ من حدیث ابی بکر البار عن سھل۔	ایک مرد قریش کو قوت دو مردوں کے برابر ہے۔اس کو روایت کیا ہے احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، ابویعلی، ابن ابی عاصم ماوردی اور طبرانی نے کبیر میں، اور حاکم نے مستدرک میں، اور بیہقی نے معرفۃ میں۔اور ضیاء نے مختارہ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی سے یہی الفاظ حلیہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اور طبرانی نے ابن ابی خیثمہ سے اور ابن نجار نے طویل حدیث میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ اے لوگو! قریش کو مقدم کرو اور خود مقدم نہ بنو، یہ بھی مذکور ابوبکر عن سہل والی حدیث کا حصہ ہے۔

حدیث ۳۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتؤموا قریشا وائتموھا ولاتعلموا قریشا	قریش کو اپنا پیرو نہ بناؤ اور ان کی پیروی کرو۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن جبیر بن مطعم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۸۱ و ۸۳

[2] المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۱۲۴۳۵ ۱۲/ ۱۶۸ و مسند ابی داؤد الطیالسی حدیث ۱۹۵۱ الجزء الرابع/ ۱۲۸، حلیۃ الاولیاء ترجمہ الامام الشافعی ۴۱۵ دارالکتب العربی بیروت ۹/ ۶۴، المعجم الکبیر حدیث ۱۴۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۱۱۴، کنز العمال بحوالہ ط حم وابن نعیم وابن ابی عاصم والماوردی حب کر طب ق فی المعرفۃ عن جبیر بن مطعم حدیث ۳۳۸۶۴، ۳۳۸۶۵ و ۳۳۸۶۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۴

وتعلموا منها فان امانة الامین من قریش تعدل امانة امینین[1]۔ رواہ ابن عساکر عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ وھو ایضا بمعناہ قطعۃ من حدیث انس۔	قریش پر دعوی استادی نہ رکھو اور ان کی شاگردی کرو کہ قریش میں ایک امین کی امانت دو امینوں کے برابر ہے۔ اسے روایت کیا ابن عساکر نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے یہ بھی اپنے معنی کے اعتبار سے حدیث انس کا حصہ ہے۔

حدیث ۳۷و۳۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اعطیت قریش مالم یعط الناس[2] رواہ الحسن بن سفیان فی مسندہ ابونعیم فی معرفۃ الصحابۃ عن الحلیس رضی اللہ تعالٰی عنہ ونعیم بن حماد عن ابی الزاھریۃ مرسلا وصلہ الدیلمی عنہ عن خنیس رضی اللہ تعالٰی عنہ ھکذا فیما نقلت عنہ بمعجمۃ فنون رواہ مصحفا عن حلیس بمھلۃ فلام۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قریش کو وہ عطا ہوا جو کسی کو نہ ہوا۔ اس کو روایت کیا ہے حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں، ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں حلیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور نعیم بن حماد نے ابی زاہریہ سے مرسلا اور اس کو دیلمی نے عن حلیس عن خنیس رضی اللہ تعالٰی عنہما کہہ کر متصل بنایا ہے "خ" کے بعد "ن" منقول ہے انھوں نے "ح" کے بعد لام سے "حلیس" کہہ کر روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حدیث ۳۹و۴۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فضل اللہ قریشا بسبع خصال لم یعطھا احد قبلھم ولایعطاھا احد بعدھم۔	اللہ تعالٰی نے قریش کو ایسی سات باتوں سے فضیلت دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو ملیں نہ ان کے بعد کسی کو عطا ہوں۔

انی منھم ایک تو یہ ہے کہ میں قریش ہوں (یہ تمام فضائل سے ارفع واعلٰی ہے)___وفیھم الخلافۃ والحجابۃ والسقایۃ اور انھیں میں خلافت اور کعبہ معظّمہ کی دربانی اور حاجیوں کا سقایہ____ونصرھم علی الفیل اور انھیں اصحاب فیل پر نصرت بخشی____وعبدوا اللہ عشر سنین لایعبدہ غیرھم اور انھوں نے دس سال اللہ کی عبادت تنہا کی کہ ان کے سوا روئے زمین پر کسی اور

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۳۳۸۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ حسن بن سفیان وابو نعیم فی المعرفۃ الخ حدیث ۳۳۸۰۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۴

خاندان کے لوگ اس وقت عبادت نہ کرتے تھے (یہی تھے یا ان کے عبید و موالی)___ وانزل اللّٰہ فیھم سورۃ من القراٰن لم یذکر فیھا احد غیرھم لایلف قریش اور اللہ تعالٰی نے ان میں ایک سورۃ قرآن عظیم کی اتاری کہ اس میں صرف انھیں کا ذکر فرمایا اور وہ سورۃ لایلف قریش ہے___

رواہ البخاری فی التاریخ [1] والطبرانی فی الکبیر و الحاکم فی المستدرك والبیھقی فی الخلافیات عن ام ھانی وفی الاوسط عن سیدنا الزبیر رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ولفظھا ھذا ملفق منھما۔	اس کو روایت کیا ہے بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے ام ہانی سے خلافیات میں اور اوسط میں سیدنا زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، اور اس کے الفاظ ان دونوں سے مختلف ہیں۔

حدیث ۴۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یا معشر الناس احبوا قریشا فان من احب قریشا فقد احبنی ومن ابغض قریشا فقد ابغضنی وان اللّٰہ تعالٰی حبب الی قومی فلا اتعجل لھم نقمۃ ولا استکثر لھم نعمۃ [2]۔	اے گروہ مردم! قریش سے محبت رکھو کہ قریش کا دوست میرا دوست ہے اور قریش کا دشمن میرا دشمن ہے۔اور بیشک اللہ تعالٰی نے میری قوم کی محبت میرے دل میں ڈالی کہ ان پر کسی انتقام کی جلدی نہیں کرتا نہ ان کے لئے کسی نعمت کو بہت سمجھوں۔

قریش برکت کے درخت

الاان اللّٰہ تعالٰی علم مافی قلبی من حبی لقومی فسرنی فیھم قال اللّٰہ تعالٰی وانہ لذکرلك	سن لو بیشک اللہ تعالٰی نے جانا جیسی میرے دل میں میری قوم کی محبت ہے۔تو اس نے مجھے ان کے بارے میں شاد کیا کہ ارشاد فرمایا" بیشک

---

[1] کنز العمال بحوالہ تخ طب ك البیھقی فی الخلافیات حدیث ۳۳۸۱۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۷،کنز العمال بحوالہ المعجم الاوسط حدیث ۳۳۸۲۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۷،المستدرك للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ قریش دارالفکر بیروت ۲/ ۵۳۶

[2] کنز العمال حدیث ۳۳۸۷۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۵

ولقومک"فجعل الذکر والشرف لقومی فی کتابہ فالحمد للہ الذی جعل الصدیق من قومی والشھید من قومی والائمۃ من قومی ان اللہ تعالٰی قلب العباد ظھر البطن فکان خیر العرب قریشا وھی الشجرۃ المبارکۃ التی قال اللہ عزوجل فی کتابہ"مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ"یعنی بھا قریش"اصلھا ثابت یقول اصلھا کرم وفرعھا فی السماء"الشرف الذی شرفھم اللہ بالاسلام الذی ھداھم وجعلھم اھلہ،رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر وابن مردویۃ فی التفسیر عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ وھذا مختصرا۔	یہ قرآن ناموری ہے تیری اور تیری قوم کی" تو اسے اپنی کتاب کریم میں میری قوم کے لئے ذکر و شرف رکھا اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میری قوم میں سے صدیق کیا اور میری قوم سے شہید اور میری قوم سے امام بیشک اللہ تعالٰی نے تمام بندوں کے ظاہر و باطن پر نظر فرمائی تو سب عرب سے بہتر قریش نکلے اور وہی برکت والے درخت ہیں۔جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے کہ پاکیزہ بات کی کہاوت ایسی ہے جیسے ستھرا درخت یعنی قریش کہ اس کی جڑ پائدار ہے یعنی ان کی اصل کرم ہے جس کی شاخیں آسمان میں ہیں یعنی وہ جو اللہ نے ان کو اسلام کا شرف بخشا اور انھیں اس کا اہل کیا،اس کو طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ نے تفسیر میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔اور یہ مختصرا ہے۔

عزت داری اور بہتر قریش ہیں

حدیث ۴۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کنانۃ عزالعرب رواہ الدیلمی [2] وابن عساکر عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بنی کنانہ سارے عرب کی عزت ہیں۔اس کو روایت کیا ہے دیلمی اور ابن عساکر نے حضرت ابوذر سے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب وابن مردویہ عن عدی بن حاتم حدیث ۳۳۸۷۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۵

[2] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۴۹۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۰۳، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ذر حدیث ۳۳۹۷۱و ۳۴۰۳۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۵_۶۹

حدیث ۴۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قریش سادۃ العرب۔رواہ الرامھر مزی [1] فی کتاب الامثال عن الوضین بن مسلم مرسلا۔	قریش سارے عرب کے سردار ہیں۔اس کو روایت کیا ہے رامھرمزی نے کتاب الامثال میں وضین بن مسلم سے مرسلا

حدیث ۴۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

عبد مناف عز قریش وقریش تبع لولد قصی والناس تبع لقریش [2]۔رواہ ایضا کذٰلك عن بن الضحاك ھذا مختصر۔	بنی عبد مناف سارے قریش کی عزت ہیں اور قریش اولاد قصی کے تابع ہیں۔اور تمام آدمی قریش کے تابع ہیں اسے بھی رامھرمزی نے کتاب الامثال میں عثمان بن ضحاک سے مرسلا روایت کیا۔یہ مختصر ہے۔

حدیث ۴۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یاابا الدرداء اذا فاخرت ففاخر بقریش رواہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تمام فی فوائدہ وابن عساکر [3]	اے ابودرداء! جب تو فخر کرے تو قریش سے فخر کر۔اس کو روایت کیا ہے ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تمام نے فوائد میں اور ابن عساکر نے۔

حدیث ۴۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خیر الناس العرب وخیر العرب قریش وخیر قریش بنوھاشم۔رواہ الدیلمی [4] عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب آدمیوں سے بہتر عرب ہیں اور سب عرب سے بہتر قرشی،اور سب قریش سے بہتر بنی ہاشم،اس کو دیلمی نے امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

[1] کنز العمال بحوالہ الرامھرمزی فی الامثال حدیث ۳۴۱۱۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۸۸

[2] کنز العمال بحوالہ الرامھرمزی فی الامثال حدیث ۳۴۱۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۸۸

[3] کنز العمال بحوالہ تمام وابن عساکر حدیث ۳۴۱۲۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۸۹،تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ العباس بن عبداللہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۲۲۸

[4] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۲۸۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۷۸

اللہ تعالٰی کا انتخاب اور اس کی پسند

حدیث ۴۷ و ۴۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ اختار من اٰدم العرب واختار من العرب مضر ومن مضر قریشا واختار من قریش بنی ھاشم واختارنی من بنی ھاشم[1] رواہ البیہقی وابن عدی عن ابن عمر والحکیم الترمذی والطبرانی فی الکبیر وابن عساکر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بیشک اللہ تعالٰی نے بنی آدم میں سے عرب کو چنا، اور عرب سے مضر، اور مضر سے قریش، اور قریش سے بنی ہاشم، اور بنی ہاشم سے مجھ کو، اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے اور ابن عدی نے ابن عمر سے اور حکیم ترمذی نے اور طبرانی نے کبیر میں اور ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۴۹ تا ۵۱: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی خلق خلقہ فجعلھم فریقین فجعلنی فی خیر الفریقین ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیر قبیلۃ ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیر ھم بیتا فانا خیرکم قبیلۃ وخیرکم بیتا۔[2] رواہ احمد والترمذی عن المطلب بن ابی وداعۃ والترمذی	اللہ عزوجل نے خلق بنا کر دو فریق کی، مجھے بہتر فریق میں رکھا پھر ان کے قبیلے قبیلے جدا کئے مجھے سب سے بہتر قبیلے میں رکھا پھر قبیلوں میں خاندان بنائے، مجھے سب سے بہتر گھر میں رکھا، پھر میرا قبیلہ تمھارے قبیلوں سے بہتر اور میرا گھر تمھارے گھروں سے بہتر، اسے روایت کیا ہے احمد اور ترمذی

[1] نوادر الاصول الاصل السابع والستون دار صادر بیروت ص ۹۶، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۷۳، کنز العمال بحوالہ ک عن ابن عمر حدیث ۳۳۹۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۴۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۱، مسند احمد بن حنبل عن المطلب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۰ و ۴/ ۱۶۶، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۲۴۷

عن العباس بن عبدالمطلب والحاکم عن ربیعۃ بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	نے مطلب بن ابی وداعہ سے اور ترمذی نے عباس بن عبدالمطلب سے اور حاکم نے ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔

حدیث ۵۲و۵۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ اختار العرب فاختار منھم کنانۃ واختار قریشا من کنانۃ و اختار بنی ھاشم من قریش و اختارنی من بنی ہاشم وفی لفظ ثم اختار بنی عبد المطلب من بنی ھاشم ثم اختار نی من بنی عبد المطلب [1] رواہ ابن سعد عن عبداللہ بن عمیر مرسلا وھو البیھقی وحسنہ عن الامام الباقر وھوباللفظ الاخیر ابن سعد عن جعفر عن ابیہ۔	بے شک اللہ عزوجل نے عرب کو پسند فرمایا، پھر عرب سے کنانہ، اور کنانہ سے قریش اور قریش سے بنی ہاشم اور بنی ہاشم سے مجھے پسند کیا۔ بالفاظ دیگر پھر بنی ہاشم میں سے بنی عبدالمطلب کو چنا پھر عبدالمطلب سے مجھے چنا، اس کو روایت کیا ہے ابن سعد نے عبداللہ بن عمیر سے مرسلا اور اس نے اور بیہقی نے امام باقر سے اس کی تحسین کی اور یہ آخری الفاظ ابن سعد نے جعفر سے انھوں نے اپنے باپ سے۔

حدیث ۵۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ عزوجل اصطفی کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفی قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ہاشم رواہ مسلم [2] والترمذی	بے شک اللہ عزوجل نے اولاد اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کنانہ کو چنا اور کنانہ سے قریش کو چنا اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا، بنی ہاشم سے مجھ کو چن لیا، روایت کیا اسے مسلم اور ترمذی نے

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن عبداللہ بن عبید حدیث ۳۲۱۱۹، ۳۲۱۲۰، ۳۲۱۲۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۵۰، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من انتمی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۲۰و۲۱، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار النسب فی الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/ ۱۳۴

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۵، جامع الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۱

عن واثلۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حضور افضل ترین قبیلہ میں پیدا ہوئے

حدیث ۵۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنا فقرنا حتی کنت فی القرن الذی کنت فیہ۔رواہ البخاری [1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں ہر قرن وطبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقات میں بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقے میں آیا جس میں پیدا ہوا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اسے بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۵۶: کہ فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خرجت من افضل حیین من العرب ھاشم وزھرۃ [2] رواہ ابن عساکر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں عرب کے دو سب سے افضل قبیلوں بنی ہاشم وبنی زہرہ سے پیدا ہوا۔اس کو روایت کیا ابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۵۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جب معد بن عدنان کی اولاد میں چالیس ۴۰ مرد ہوگئے ایک بار انھوں نے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لشکر پر حملہ کرکے مال لے لیا۔ موسٰی علیہ السلام نے ان کے ضرر کی دعا فرمائی۔اب عزوجل نے وحی بھیجی اے موسٰی! انھیں بد دعا نہ کرو کہ انھیں میں سے وہ نبی امی بشیر ونذیر ہوگا جو میرا پیارا ہے اور انھیں میں سے امت مرحومہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوگی جو مجھ سے تھوڑے رزق پر راضی اور میں ان سے تھوڑے عمل پر راضی ہوں گا، فقط ایمان پر انھیں جنت دوں گا کہ ان میں ان کے نبی محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں گے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جو باوصف کمال ورعب دار ہونے کے متواضع ہوں گے۔

اخرجتہ من خیر جیل من امتہ	میں نے ان کو سب سے بہتر گروہ قریش سے

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰۳

[2] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر طھارۃ مولدہ وطیب اصلہ، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۳/ ۲۲۶

قریشا ثم اخرجته من بنی ہاشم صفوۃ قریش فھم خیر من خیر رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	پیدا کیا۔ پھر قریش میں ان کے برگزیدہ بنی ہاشم سے۔ وہ بہتر سے بہتر ہیں اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

نفس میں سب سے بہتر جان حضور

حدیث ۵۸، ۵۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اتانی جبریل فقال یامحمد ان اللہ بعثنی فطفت شرق الارض وغربھا وسھلھا وجبلھا فلم اجد حیاخیرا من العرب ثم امرنی فطفت فی العرب فلم اجد حیاخیرا من مضر ثم امرنی فطفت فی مضر فلم اجد حیاخیرا من کنانۃ ثم امرنی فطفت فی کنانۃ فلم اجد حیا خیرا من قریش ثم امرنی فطفت فی قریش فلم اجد حیاخیرا من بنی ہاشم ثم امرنی ان اختار من انفسھم فلم اجد فیھا نفسا خیرا من نفسک، رواہ الامام حکیم[2] عن الامام الصادق عن الامام الباقر وصدرہ الی مضر الدیلمی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جبریل (علیہ السلام) نے حاضر ہو کر مجھ سے عرض کی کہ اللہ عزوجل نے مجھے بھیجا میں زمین کے پورب، پچھم، نرم وکوہ ہر حصے میں پھرا، کوئی قبیلہ عرب سے بہتر نہ پایا، پھر اس نے مجھے حکم دیا کہ میں نے تمام عرب کا دورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا، پھر حکم فرمایا، میں نے مضر میں تفتیش کی کوئی قبیلہ کنانہ سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا میں نے کنانہ میں گشت کیا، کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا میں قریش میں پھرا کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا، پھر حکم دیا کہ سب میں بہتر نفس تلاش کرو تو کوئی جان حضور کی جان سے بہتر نہ پائی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اسے روایت کیا ہے امام حکیم نے امام صادق سے انھوں نے امام باقر سے اور اس کی ابتداء سے مضر تک دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب علامات نبوت باب فی کرامۃ النبی دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۸

[2] نوادر الاصول الاصل السابع والستون دار صادر بیروت ص ۹۶

حدیث۶۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قال لی جبریل قلبت مشارق الارض ومغاربہا فلم اجد افضل من محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و قلبت مشارق الارض ومغاربہا فلم اجد حیا افضل من بنی ھاشم رواہ الحاکم فی الکنی وابن عساکر[1] عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	(مجھ سے جبریل نے کہا) میں نے زمین کے پورب پچھم سے تلپٹ کئے کوئی شخص محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل نہ پایا، نہ کوئی قبیلہ بنی ہاشم سے بہتر، اس کو روایت کیا ہے حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے صحیح سند کے ساتھ۔

حدیث۶۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الخلافۃ فی قریش[2] رواہ احمد و الطبرانی فی الکبیر عن عتبۃ بن عبدان رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	خلافت قریش میں ہے۔ اس کو روایت کیا ہے احمد اور طبرانی نے کبیر میں عتبہ بن عبدان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ۔

ہم نے احادیث کو اسی مضمون سے شروع کیا تھا اور اسی پر ختم کیا کہ اول باٰخر نسبتے دارد (کہ اول آخر کے ساتھ نسبت رکھتا ہے)

احکامات اور نکات

اور اب بعض دیگر احکام میں فرق دکھا کر اخلاق فاضلہ پھر نفع اخروی کی طرف توجہ کریں۔ تین حکم تو یہ تھے:

(۱) نکاح

(۲) امامت صغری

(۳) امامت کبری

---

[1] کنز العمال بحوالہ حاکم فی الکنی وابن عساکر عن عائشہ حدیث ۳۲۱۲۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۵۱

[2] مسند احمد بن حنبل عن عتبہ بن عبدان المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۸۵، المعجم الکبیر عن عتبہ بن عبدان حدیث ۲۹۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۲۱

(۴) حکم چہارم، عرب کبھی بحال کفر بھی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

(۵) حکم پنجم، ان کے مشرکوں پر جزیہ نہ رکھا جائے گا کہ ان میں جو غلام نہ بن سکے اس پر جزیہ بھی نہیں

(۶) حکم ششم، ان کی زمین سے کبھی خراج بھی نہیں لیا جائے گا وہ بہر حال عشری ہے درمختار میں ہے:

قتل الاساری ان شاء ان لم یسلموا او استرقھم او ترکھم احرارا ذمة لنا الامشرکی العرب[1]۔	مشرکین عرب کے علاوہ دیگر عرب نژاد اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے بارے اختیار ہے کہ قتل کریں یاآزاد یا انھیں غلام بنائے ہمارے ذمے چھوڑ دے

اسی کی فصل فی الجزیہ میں ہے:

توضع علی کتابی ومجوسی ووثنی عجمی لجواز استرقاقه فجاز ضرب الجزیة علیه لاعلی وثنی عربی[2]۔	جزیہ مقرر کیا جائے گا کتابی، مجوسی، اور بت پرست پر، کیونکہ ان کا غلام بنانا جائز ہے، تو ان پر جزیہ مقرر کرنا جائز ہے نہ کہ عربی بت پرست پر۔

اسی کے باب العشر میں ہے:

ارض العرب عشریة[3]۔	عرب کی زمین عشری ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

لان کمالارق علیھم لاخراج علی اراضیھم نھر و تمامه فی الفتح[4]۔	اس لئے کہ جیسا کہ ان پر غلامی نہیں ہے ان کی زمینوں پر خراج بھی نہیں، نہر اس کی کامل بحث فتح میں ہے۔

حدیث ۶۲: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ اوطاس میں فرمایا:

لوکان ثابتا علی احد من العرب رق کان الیوم[5]	اگر کوئی عرب غلام بن سکتا تو آج بنایا جاتا۔

---

[1] درمختار کتاب الجھاد باب الغنم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۲

[2] درمختار کتاب الجھاد فصل فی الجزیه مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۱

[3] درمختار کتاب الجھاد باب العشر والخراج والجزیه مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۴۸، ۳۴۷

[4] ردالمحتار کتاب الجھاد باب العشر والخراج والجزیه داراحیاء التراث العربی بیرت ۳/ ۲۵۴

[5] کنز العمال بحواله طب عن معاذ حدیث ۳۳۹۳۸ موسسة الرساله بیروت ۱۲/ ۴۷

(۷) حکم ہفتم، نہایۃ و تبیین و شافی و فتح و درر وغیرہا میں ہے:

تعزیر اشراف الاشراف وھم العلماء والعلویۃ بالاعلام بان یقول لہ القاضی بلغنی انك تفعل کذا فینزجر[1]۔	یعنی علماء سادات سب سے اعلٰی درجہ کے اشراف ہیں ان سے اگر کوئی تقصیر موجب تعزیر واقع ہو کہ اراذل کرتے تو ضرب و حبس کے مستحق ہوتے، ان کے علاوہ کے لئے اس قدر بس ہے کہ قاضی کہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ ایسا کام کرتے ہیں اس قدر ان کے زجر کو بس ہے۔

لغزشیں

حدیث ۶۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقیلوا الکرام عثراتھم رواہ ابن[2] عساکر عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا قطعۃ من حدیث۔	کریموں کی لغزشوں سے در گزر کرو، اس کو روایت کیا ہے ابن عساکر نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔

حدیث ۶۳تا۶۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

تجافوا عن عقوبۃ ذی المروءۃ الا فی حد من حدود اللہ تعالٰی[3]۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن زید بن ثابت وصدرہ لہ فی کتاب مکارم الاخلاق	اصحاب مروت کی سزا سے در گزر کرو مگر حدود الٰہیہ سے کسی میں۔ اسے روایت کیا ہے طبرانی نے اوسط میں زید بن ثابت سے اور اس کا ابتدائی حصہ ان کی کتاب مکارم الاخلاق میں ہے اور

---

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۷۸، تبیین الحقائق بحوالہ نہایۃ کتاب الحدود باب التعزیر المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۳/ ۲۰۸، فتح القدیر کتاب الحدود باب التعزیر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۱۱۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ۱۵۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۱۰

[3] کنز العمال بحوالہ طس عن زید بن ثابت حدیث ۱۲۹۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۱۰، کنز العمال بحوالہ طب فی مکارم الاخلاق وابی بکر بن المزربان ۱۲۹۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۱۱

ولابی بکر بن المرزبان فی کتاب المروءۃ عن ابن عمر ولمعناہ مع زیادۃ لھذا عن الامام جعفر الصادق رضی اللہ تعالٰی عنھم وفی الباب غیرھم۔	ابوبکر بن مرزبان کی کتاب "المروءۃ" میں ابن عمر سے اور اسی معنی کے ساتھ کچھ زیادہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے اور اس باب میں ان کے غیر سے روایت ہے۔

حدیث ۶۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اقبلوا ذوی الھیئات عثراتھم الا الحدود۔ رواہ احمد[1] و البخاری فی الادب المفرد وابوداؤد عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	عزت داروں کی لغزشیں معاف کرو مگر حدود، اس کو احمد اور بخاری نے ادب المفرد میں اور ابوداؤد نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔

تذییل: تعظیم

حدیث ۶۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایقوم الرجل من مجلسہ الا لبنی ھاشم رواہ الخطیب[2] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	آدمی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی کے لئے نہ اٹھے سوائے بنی ہاشم کے۔ اسے روایت کیا ہے خطیب نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

دوسری روایت میں ہے:

یقوم الرجل من مجلسہ لاخیہ الا بنی ھاشم لا یقومون لاحد رواہ	ہر شخص اپنے بھائی کے لئے اپنی مجلس سے اٹھے مگر بنی ہاشم کسی کے لئے نہ اٹھیں، اس کو

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۸۱، الادب المفرد حدیث ۴۶۵ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۱۳۳، سنن ابوداؤد کتاب الحدود باب فی الحد یشفع فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۵، کنز العمال بحوالہ حم خد عن عائشہ حدیث ۱۲۹۷۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۰۹

[2] تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن علی ۱۰۷۶ دار الکتب العربی بیروت ۳/ ۸۸

الطبرانی[1] فی الکبیر والخطیب۔	طبرانی نے کبیر میں اور خطیب نے روایت کیا۔

اخلاق فاضلہ

مشاہدہ شاہد اور تجربہ گواہ ہے کہ شریف قومیں بحیثیت مجموعی دیگر اقوام سے حیا، حمیت، تہذیب، مروت، سخاوت، شجاعت، سیر چشمی، فتوت، حوصلہ، ہمت، صفائے قریحت وغیرہا بکثرت اخلاق حمیدہ، موہوبہ، مکسوبہ، میں زائد ہوتی ہیں اور سب کا آدم وحوا علیہما الصلوٰۃ والسلام ایک ماں باپ سے ہونا جس طرح تفاوت افراد کا نافی نہیں ایک آدمی لاکھ کے برابر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس شیئ خیرا من الف مثلہ الاالانسان، اخرجہ الطبرانی[2] فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	انسان کے سوا کوئی چیز اس کی ہم جنس ہزار کے برابر نہیں ہوسکتی، اس کو بیان کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

یوں ہی تفاوت اصناف واقوام کا منافی نہیں۔ قریش کی جرات، شجاعت، سماحت، فتوت، قوت، شہامت، اسلام وجاہلیت دونوں میں شہرہ آفاق رہی ہے۔ اور ان میں بالخصوص بنی ہاشم یوں ہی جاہلیت میں بنی باہلہ خست ودناءت سے معروف تھے۔ حتی قال قائلھم (ان میں سے ایک نے کہا۔ ت):

وماینفع الاصل بنی ھاشم　　اذا کانت النفس من باھلہ

ولو قیل للکلب یاباھلی　　عوی الکلب من لؤم ھذا النسب[3]

(بنی ہاشم سے اصل کا ہونا نافع نہیں جب وہ بنی باہلہ کا فرد ہو۔ جب کتے کو "یاباہلی" کہا جائے تو وہ اس نسب کی شرمساری سے مانند ہو جاتا ہے۔ ت)

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۹۴۶ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸ /۲۸۹، کنز العمال بحوالہ طب والخطیب عن ابی امامۃ حدیث ۳۳۹۱۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۴۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۰۹۵ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۶ /۲۳۸، کنز العمال بحوالہ طب والضیاء عن سلمان حدیث ۳۴۶۱۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۹۱

[3] سیر اعلام النبلاء ترجمہ قتیبہ بن مسلم ۱۶۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴ /۴۱۱۔۴۱۰

اسی تفاوت ہمت کے باعث ہے کہ دنیاودین دونوں کی سلطنتیں یعنی سلطنت ملک وسلطنت علم ہمیشہ شریف ہی اقوام میں رہی دوسری قوموں کا اس میں حصہ معدوم یا کالمعدوم ہے۔ عجم میں جو شریف قومیں تھیں اور ہیں خصوصاً اہل فارس ___ حدیث ۴۶ کے تتمہ میں ہے: وخیر العجم فارس[1] (عجمیوں میں بہتر فارس ہیں) تو مصداق حدیث صحیح:

لوکان العلم معلق بالثر یالیناله رجل من اهل فارس۔اصل الحدیث فی الصحیحین عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه ولفظ مسلم لو کان الدین عند الثریالذهب به رجل من فارس اوقال من ابناء فارس حتی یتناوله[2] اعنی امام الائمة مالك الازمة کاشف الغمة،سراج الامة سید نا امام ابوحنیفة و رواه الطبرانی[3] فی الکبیر عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	علم اگر اثر یا پر (کہ آٹھویں آسمان کے ستاروں سے ہے) آویزاں ہوتا تو ایک مرد فارسی وہاں سے لے آتا۔اصل حدیث بخاری ومسلم میں ابوہریرہ سے ہے اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں اگر دین ثریا پر ہوتا تب بھی فارس کا ایک شخص اس کو حاصل کرلیتا۔ یافرمایا: فارس کی اولاد میں سے اس کو حاصل کرلیتا۔وہ شخص امام الائمہ،مالک الازمہ،کاشف الغمہ،سراج الامۃ سید نا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور اس کو طبرانی نے کبیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

سید ناامام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فارسی ہونا کیا مضر، خصوصاً اولاد کسرٰی کہ فارس کی اعلٰی نسل شمار ہوتی ہے جو ہزار ہا سال صاحب تاج وتخت رہی اور ان کی مجوسیت شریف قوم گنے جانے کے منافی نہیں، جیسے قریش کہ زمانہ جاہلیت میں بت پرست تھے اور بلاشبہ وہ تمام جہان کی اقوام سے افضل قوم ہے۔ انھیں فارسیوں میں امام بخاری بھی ہیں (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) یونہی خراسانی کہ وہ بھی فارسی ہیں۔ بلکہ تیسیر میں زیر حدیث:

لوکان الایمان عند الثریا لتناوله رجال	اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوتا تو اس کے علاقے

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۱۷۸، کنز العمال حدیث ۳۴۱۰۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۸۷

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضل فارس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۲

[3] المعجم الکبیر عبداللہ ابن عباس حدیث ۱۰۴۷۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰ /۲۵۱

من فارس۔	(یعنی فارس) کے لوگ اس کو حاصل کرلیتے۔

قیل ارادبفارس ھنا اھل خراسان[1] (کہا جاتا ہے فارس سے مراد یہاں اہل خراسان ہیں۔ت) اور نسب بلاد مثل خراساں و بلخ ومرو دتتز کاذکر خارج از بحث ہے۔ شرافت ودناءت کسی شہر کے سکونت پر نہیں، نہ بعض اکابر کا کوئی پیشہ کرنا اس کے جواز سے زائد دلیل نادر پر حکم۔ فرق ہے اس میں کہ فلاں امام نے نساجی کی اور فلاں نساج کہ قوم نساجین سے تھا امام ہوگیا۔ تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے بکریاں چرائیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں گڈریا نبی ہوگیا۔ اور سو بات کی ایک بات وہ ہے جس کی طرف ہم نے صدر کلام میں اشارہ کیا کہ موازنہ بحیثیت مجموعی ہے نہ کہ فردافردا۔ اور حکم کے لئے غالب بلکہ اغلب کافی۔ اور شک نہیں کہ یوں اخلاق فاضلہ میں شریف قوموں کا حصہ غالب ہے۔ اور احادیث کثیرہ اس پر ناطق متعدد احادیث سے گزرا کہ: ایک قریش کی قوت دو مردوں کے برابر ہوتی ہے۔ اور ایک قریش کی امانت دوآدمیوں کے مثل۔

حدیث ۶۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا اختلف الناس فالعدل فی مضر۔ رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ابن عباس۔	جب لوگ مختلف ہوں تو عدل قوم مضر میں ہے۔ (جس میں سے قریش ہیں)۔ اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں ابن عباس سے۔

حدیث ۷۰: کہ فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قسم الحیاء عشرۃ اجزاء فتسعۃ فی العرب وجزء فی سائر الناس، رواہ الخطیب[3] فی البخلاء عن محمد بن مسلم۔	حیاء کے دس حصے کئے گئے ان میں سے نو حصے عرب میں ہیں اور ایک باقی تمام لوگوں میں، اس کو روایت کیا ہے خطیب نے بخلاء میں محمد بن مسلم سے۔

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث لوکان الایمان عند الثریا مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۳۰۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۱۸ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۷۸

[3] کنز العمال بحوالہ الخطیب فی کتاب البخلاء حدیث ۳۴۱۱۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۸۸

حدیث ۷۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان فلانا اھدی الی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات فظل ساخطالقد ھممت ان لا اقبل ھدیۃ الا من قریشی او انصاری اوثقفی اودوسی، الحدیث۔رواہ احمد[1] والترمذی والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔قال المناوی فی التیسیر لانھم لمکارم اخلاقھم وشرف نفوسھم وطیب عنصر ھم لاتطمح نفوسھم الی ماینتظر الیہ السفلۃ والرعاع من استکثار العوض علی الھدیۃ[2]۔	بے شک فلاں شخص نے ایک ناقہ نذر دیا تھا میں نے اس کے بدلے چھ جوان ناقے عطا فرمائے اور وہ ناراض ہی رہا، بے شک میرا ارادہ ہوا کہ ہدیہ قبول نہ کروں مگر قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی کا، الحدیث۔اس کو روایت کیا ہے احمد اور ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ، مناوی نے تیسیر میں کہا کہ وہ اپنے کرم اخلاق اور شرافت کے باعث کمینوں کی طرح ہدیہ پر زیادہ معاوضے کی نگران نہیں رہتے۔

امانت دار

حدیث ۷۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایملی مصاحفنا الاغلمان قریش وغلمان ثقیف۔ رواہ ابونعیم[3] عن جابر بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمارے مصحف نہ لکھیں مگر قریش وثقیف کے لڑکے (یہ باب امانت سے ہوا) اسے ابونعیم نے جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۷۳ و ۷۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی ثقیف وبنی حنفیہ امین کمپنی دہلی ۲ /۲۳۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۹۲

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان فلانا اھدی لی ناقۃ الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۱ /۳۲۴

[3] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن جابر حدیث ۳۷۹۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴ /۷۷

ان قریشا اھل صدق وامانۃ فمن بغی لھم العواثر کبہ اللہ علی وجھہ رواہ الامام الشافعی وابو بکر ابن ابی شیبۃ والامام احمد[1] والبخاری فی الادب المفرد وابن جریر والشاشی و الطبرانی والضیاء عن رفاعۃ بن رافع الزرنی وابن النجار عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک قریش راستی وامانت والے ہیں تو جو ان کی لغزشیں چاہے اللہ اسے منہ کے بل اوندھا کردے۔اسے روایت کیا ہے امام شافعی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور امام احمد اور بخاری نے ادب المفرد میں اور ابن جریر اور شاشی اور طبرانی اور ضیاء نے رفاعہ بن رافع الزرنی سے اور ابن النجار نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

چار خصلتیں

حدیث ۷۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان فیھم لخصالا اربعا انھم اصلح الناس عند فتنۃ واسرعھم اقامۃ بعد مصیبۃ واوشکھم کرۃ بعد فرۃ وخیرھم لسکین ویتیم وامنعھم من ظلم المملوک، رواہ ابونعیم فی الحلیۃ[2] عن المستورد الفھری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی قریش یا بنی ہاشم میں چار خصلتیں ہیں فتنہ کے وقت وہ سب سے زائد صلاح پر ہوتے ہیں مصیبت کے بعد سب سے پہلے ٹھیک ہوجاتے اور لڑائی میں پسپا بھی ہوں تو سب سے جلد تر دشمن پر پلٹ پڑتے ہیں اور مسکین ویتیم ومملوک کے حق میں سب سے بہتر ہے۔اس کو روایت کیا ہے ابونعیم نے حلیہ میں المستورد الفہری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث رفاعہ بن رافع المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۳۴۰، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث ۱۲۴۳۳ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲ /۱۶۸، المعجم الکبیر حدیث ۴۵۴۴و۴۵۴۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵ /۴۵و۴۶

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ عبداللہ بن وہب ۴۲۵ دارالکتب العربی بیروت ۸ /۳۲۹، کنز العمال بحوالہ حل عن المستورد والفھری حدیث ۳۳۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۳۸، کنز العمال بحوالہ حل عن المستورد والفھری حدیث ۳۳۹۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۴۰و۴۱

نیک عورتیں

حدیث ۷۶ تا ۷۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

خیر الناس رکبن الابل صالح النساء قریش احناہ علی ولد فی صغرہ وارعاہ علی زوج فی ذات یدہ۔ رواہ احمد[1] والبخاری ومسلم عن ابی ھریرۃ وابوبکر ابی شیبۃ عن مکحول مرسلا وابن سعد فی طبقاتہ عن ابن ابی نوفل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عرب کی سب عورتوں میں بہتر قریش کی نیک بیویاں ہیں اپنے چھوٹے چھوٹے بچے پر سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے بڑھ کر نگہبان اسے روایت کیا ہے احمد اور بخاری اور مسلم نے ابوہریرہ سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ نے مکحول سے مرسلا اور ابن سعد نے اپنے طبقات میں ابن ابی نوفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۷۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ والعرق دساس وادب السوء کعرق السوء رواہ البیھقی[2] فی شعب الایمان والخطیب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جیسے سونے چاندی کی مختلف کانیں ہوتی ہیں یونہی آدمیوں کی ہیں۔ اور رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے اور برا ادب بری رگ کی طرح ہے۔ اس کو روایت کیا بیہقی نے شعب الایمان اور خطیب نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

یہیں سے کہتے ہیں کہ: اصل بد از خطاء خطانہ کند (بد اصل غلطی کا مرتکب رہتا ہے۔ت)

کُف میں شادی

حدیث ۸۰ تا ۸۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

[1] صحیح البخاری کتاب النفقات باب حفظ المرأۃ زوجہا فی ذات یدہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۰۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل نساء قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۷۔۸، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۶۹۔۳۱۹۔ ۳۹۳۔۵۰۲

[2] شعب الایمان حدیث ۱۰۹۷۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۴۵۵، تاریخ بغداد ترجمہ احمد بن اسحاق بن صالح الخ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۰

تخیروا لنطفکم فانکحوا الاکفاء وانکحوا الیھم[1] وفی لفظ فان النساء یلدن اشباہ اخوانھن و اخواتھن، رواہ ابن ماجۃ[2] والحاکم والبیھقی و الحاکم فی السنن، وباللفظ الاخر ابن عدی وابن عساکر کلھم عن ام المومنین الصدیقۃ صدرہ عند تمام والضیاء وابی نعیم فی الحلیۃ عن انس وعند ابن عدی والدیلمی عن ابن عمر۔	اپنے نطفے کے لئے اچھی جگہ تلاش کرو۔ کف میں بیاہ ہو اور کف سے بیاہ کر لاؤ کہ عورتیں اپنے ہی کنبے کے مشابہ جنتی ہیں۔ اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ اور حاکم اور بیہقی نے اور حاکم نے سنن میں اور دوسرے الفاظ میں ابن عدی اور ابن عساکر سب نے ام المومنین صدیقہ سے۔ حدیث کا ابتدائی حصہ تمام ضیاء اور ابو نعیم کی حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن عدی و دیلمی کے ہاں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۸۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

تزوجوا فی الحجز الصالح فان العرق دساس، رواہ ابن عدی والدار[3] قطنی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اچھی نسل میں شادی کرو کہ رگ خفیہ اپنا کام کرتی ہے۔ اس کو روایت کیا ہے ابن عدی اور دارقطنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۸۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایاکم وخضراء الدمن المرأۃ الحسناء فی المنبت السوء رواہ	گھوڑے کی ہریالی سے بچو، بری نسل میں خوب صورت عورت ___ اس کو روایت

[1] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب الاکفاء ص ۱۴۲ والسنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الکفاءۃ ۷ /۱۳۳، المستدرک للحاکم کتاب النکاح باب تخیروا لنطفکم الخ دارالفکر بیروت ۲ /۱۶۳

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ عیسٰی بن عبداللہ الخ دارالفکر بیروت ۵ /۱۸۸۳، کنز العمال بحوالہ عد وابن عساکر عن عائشہ حدیث ۴۴۵۵۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶ /۲۹۵

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ ولید بن محمد الموقری دارالفکر بیروت ۷ /۲۵۳۵، کنز العمال بحوالہ عن انس حدیث ۴۴۵۵۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶ /۲۹۶

الرامھرمزی[1] فی الامثال والدارقطنی فی الافراد و الدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا ہے رامہرمزی نے امثال میں اور دار قطنی نے افراد میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۸۵و۸۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

العرب للعرب اکفاء والموالی للموالی اکفاء الاحائك اوحجام رواہ البیھقی[2] عن ام المومنین وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	عرب عرب کے کفو ہیں اور موالی موالی کے۔ مگر جولاہا یا حجام، اس کو روایت کیا ہے بیہقی نے ام المومنین وابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔

نفع آخرت

ظاہر ہے کہ اخلاق فاضلہ باعث اعمال صالحہ ہیں۔ اور اعمال صالحہ نفع آخرت اور اس خصوص میں خصوص بکثرت۔

حدیث ۸۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قریش علی مقدمۃ الناس یوم القیمۃ ولولاان تبطر قریش لاخبرتھا بمالمحسنھا من الثواب عند اللہ۔ رواہ ابن[3] عدی عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قریش روز قیامت سب لوگوں سے آگے ہوں گے اور اگر قریش کے اترا جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں انھیں بتادیتا کہ ان کے نیک کے لئے اللہ کے یہاں کیا ثواب ہے۔ اس کو روایت کیا ہے ابن عدی نے جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷ ۱۵۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۳۸۲، کنز العمال بحوالہ الرامھرمزی فی الامثال حدیث ۳۴۵۸۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۳۰۰

[2] السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الصنعۃ فی الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷ /۱۳۴و۱۳۵

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ اسمعیل بن یحیی مدنی دار الفکر بیروت ۱ /۲۹۹، کنز العمال بحوالہ عن جابر حدیث ۳۳۱۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۲۵

روز قیامت حضور سے قریب تر قریش ہوں گے

حدیث ۸۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان لواء الحمد یوم القیامۃ بیدی وان اقرب الخلق من لوائی یومئذ العرب۔رواہ الامام والترمذی[1] الحکیم والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک روز قیامت لواء الحمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔اور بے شک اس دن تمام مخلوق میں عرب میرے نشان سے زیادہ قریب ہوں گے اسے روایت کیا ہے امام ترمذی حکیم نے اور طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۸۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اول من اشفع لہ یوم القیمۃ من امتی اھل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من اٰمن بی واتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع لہ اولا افضل رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر والدار قطنی فی الافراد والمخلص فی الفوائد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	روز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا۔ پھر درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہیں قریش تک۔ پھر انصار۔ پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی، پھر باقی عرب، پھر اہل عجم۔اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور دار قطنی نے افراد میں اور مخلص نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

[1] شعب الایمان حدیث ۱۶۱۳ دار الکتب العلمیہ بیرت ۲ /۲۳۲، کنز العمال بحوالہ الحکیم طب ھب حدیث ۳۳۹۲۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۴۶، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب المناقب باب ماجاء فی فضل العرب دار الکتاب بیروت ۱۰ /۵۲

[2] المعجم الکبیر عن ابن عمر حدیث ۱۳۵۵۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲ /۴۲۱، کنز العمال بحوالہ طب ك حدیث ۳۴۱۴۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۹۴

ترجیح قریش کی ہوگی

حدیث ۹۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لو انی اخذت بحلقة باب الجنة مابدأت الابکم یا بنی هاشم ، رواه الخطیب [1] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	میں دروازہ بہشت کی زنجیر ہاتھ میں لوں تو اے بنی ہاشم! پہلے میں تمھیں سے شروع کروں۔اسے روایت کیا ہے خطیب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۹۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

أترون انی اذا تعلقت بحلق ابواب الجنة اوثر علی بنی عبدالمطلب احدا۔رواه ابن النجار [2] عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	کیا یہ خیال کرتے ہو کہ جب میں درہائے جنت کی زنجیر ہاتھ میں لوں اس وقت اولاد عبدالمطلب پر کسی اور کو ترجیح دوں گا۔اس کو روایت کیا ہے ابن النجار نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

حضور سے قرابت

حدیث ۹۲ تا ۹۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کل سبب ونسب منقطع یوم القیمة الا سببی ونسبی رواه البزار [3] والطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرك	ہر علاقہ اور رشتہ روز قیامت قطع ہوجائے گا مگر میرا علاقہ اور رشتہ،اسے روایت کیا ہے بزار اور طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے مستدرک

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن الحسن ۵۰۵۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۹/ ۴۳۹

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن ابن عباس حدیث ۳۳۹۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۴۱

[3] المعجم الکبیر حدیث ۲۶۳۳ تا ۲۶۳۵ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۴۵ و حدیث ۱۱۶۲۱ ۱۱/ ۲۴۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح بیروت ۷/ ۱۱۴ و المستدرك کتاب معرفۃ الصحابۃ ۳/ ۱۴۲ کنز العمال حدیث ۳۱۹۱۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۹

وصححه وقال الذهبی اسنادہ صالح والدارقطنی و البیهقی فی السنن والضیاء فی المختارۃ عن امیر المومنین عمر والطبرانی عن ابن عباس وعن المسور بن مخرمة رضی الله تعالٰی عنهم .وهو عند احمد و الحاکم والبیهقی عن المسعر فی حدیث اوله فاطمة بضغة منی [1] وحدیث الفاروق مع قصة تزوجه سیدتنا ام کلثوم بنت علی رضی الله تعالٰی عنهم رواہ سعید بن منصور فی سننه وابن سعد فی الطبقات و ابونعیم فی المعرفة وابن عساکر بطرق ابن راهویة مختصرا۔	میں اور اسے صحیح کہا، اور ذہبی نے کہا اس کی سند صالح ہے۔ اور دار قطنی اور بیہقی نے سنن میں اور ضیاء نے مختارہ میں امیر المومنین عمر سے، اور طبرانی نے ابن عباس اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور یہ حدیث احمد، حاکم اور بیہقی کے ہاں مسعر سے مروی ہے اس حدیث کے اول میں ہے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا میرے گوشت کا قطعہ ہے۔اور حدیث فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث مع قصہ حضرت سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا اپنے ساتھ نکاح مروی ہے۔سعید بن منصور سے سنن میں اور ابن سعد نے طبقات میں اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور ابن عساکر نے متعدد طرق سے اور ابن راہویہ نے مختصرا روایت کیا ہے۔

حدیث ۹۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

کل نسب وصهر ینقطع یوم القیمة الا نسبی و صهری۔رواہ ابن [2] عساکر عن عبدالله بن امیر المومنین عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	ٹوپی اور پاپچے کے سب رشتے قیامت میں منقطع ہو جائیں گے مگر میرے رشتے۔اس کو روایت کیا ابن عساکر نے عبداللہ بن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کیا اور منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا:

مابال اقوام یزعمون ان قرابتی	کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ زعم کرتے ہیں کہ میری

[1] السنن الکبرٰی کتاب النکاح ۷ /۶۴ والمستدرك کتاب معرفة الصحابة ۳ /۱۵۸، کنز العمال بحوالہ حم ك حدیث ۳۴۲۲۳ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۰۸

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۳۹۱۵ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۰۹

لاتنفع کل سبب ونسب منقطع یوم القیمۃ الا نسبی وسببی فانھا موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ۔رواہ البزار[1]۔	قرابت نفع نہ دے گی۔ہر علاقہ ورشتہ قیامت میں منقطع ہو جائے گا مگر میرا رشتہ اور علاقہ کہ دنیا وآخرت میں جڑا ہوا ہے۔اس کو بزار نے روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث صحیح میں یوں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے برسر منبر فرمایا:

مابال رجال یقولون ان رحم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تنفع قومہ یوم القیمۃ بلٰی واللہ ان رحمی موصولۃ فی الدنیا والاخرۃ[2]۔رواہ الحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ وصححہ ابن حجر فی غیر ما مقام۔	کیا خیال ہے ان شخصوں کا کہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قرابت روز قیامت ان کی قوم کو نفع نہ دے گی خدا کی قسم میری قرابت دنیا وآخرت میں پیوستہ ہے۔اسے روایت کیا ہے حاکم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو ابن حجر نے کئی مقام پر صحیح قرار دیا ہے۔

حدیث ۹۷تا۱۰۱: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا اور فرمایا:

مابال اقوام یزعمون ان رحمی لاتنفع بل حتی حاء وحکم۔رواہ الحاکم و ابن عساکر عن ابی بردۃ و معناہ عند الطبرانی وابن مندۃ والدیلمی عن ابی ھریرۃ وابن عمر وعمار معا رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبوجہ اخر عند الطبرانی فی الکبیر[3] عن ام ھانی رضی اللہ تعالٰی عنھا وسیاتی۔	کیا حال ہے ان لوگوں کا کہ گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی ہاں نفع دے گی یہاں تک کہ قبائل حاء وحکم دو قبیلہ یمن کو۔اسے روایت کیا ہے ابن عساکر نے ابی بردہ سے۔اسی معنی کو طبرانی،ابن مندہ اور دیلمی نے حضرت ابو ہریرہ ابن عمر اور عمار سے اجتماعی طور پر روایت کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ایک اور طریق سے طبرانی نے کبیر میں ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور ابھی یہ روایت آئے گی۔

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ البزار کتاب علامات النبوۃ باب فی کرامتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب بیروت ۸ /۲۱۶

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ من اھان قریشیا اھانہ اللہ دار الفکر بیروت ۴ /۷۴، مجمع الزوائد باب ماجاء فی حوض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب بیروت ۱۰ /۳۶۴

[3] مجمع الزوائد کتاب المناقب باب مناقب ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الکتاب بیروت ۹ /۲۵۷

جنت میں بلند درجے والا کون!

حدیث ۱۰۲و ۱۰۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

رأیت کانی دخلت الجنة فرأیت الجعفر درجة فوق درجة زید فقلت ما کنت اظن ان زیدا دون جعفر فقال جبریل ان زیدا لیس بدون جعفر ولکنا فضلنا جعفر القرابته منک۔ رواہ الحاکم [1] عن ابن عباس وابن سعد فی الطبقات عن محمد بن عمر بن علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنھم مرسلا۔ وھذا لفظ ملفق بینھما۔	میں جنت میں گیا تو ملاحظہ فرمایا کہ جعفر بن ابی طالب کا درجہ زید بن ثابت کے درجے سے اوپر ہے۔ میں نے کہا مجھے گمان نہ تھا کہ زید جعفر سے کم ہے۔ جبریل نے عرض کی زید جعفر سے کم تو نہیں مگر ہم نے جعفر کا درجہ اس لئے زیادہ کیا ہے کہ انھیں حضور سے قرابت ہے۔ اس کو روایت کیا ہے حاکم نے ابن عباس سے اور ابن سعد نے طبقات میں محمد بن عمر بن علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مرسلا اور یہ لفظ دونوں میں مختلف ہیں۔

حدیث ۱۰۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من قرأالقراٰن فاستظھرہ فاحل حلالہ وحرم حرامہ ادخلہ اللہ بہ الجنة وشفعہ فی عشرة من اھل بیتہ کلھم قدوجبت لہ النار۔ رواہ ابن [2] ماجة والترمذی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	جس نے قرآن حفظ کیا اور اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام ٹھہرایا اللہ تعالٰی اس کی برکت سے اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے اہل خانہ کے دس افراد کے متعلق اس کی سفارش قبول ہوگی جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی۔ اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ اور ترمذی نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے۔

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ جعفر بن ابی طالب دار صادر بیروت ۴ /۳۸، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳ /۲۱۰

[2] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی فضل قاری القرآن امین کمپنی دہلی ۲ /۱۱۴، سنن ابن ماجہ باب فضل من تعلم القرآن وعلمہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

شفاعت اور مغفرت

حدیث ۱۰۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الحاج یشفع فی اربع مائة من اھل بیت اوقال من اھله بیته ویخرج من ذنوبه کیوم ولدته امه۔ رواہ البزار [1] عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	چارسو عزیزوں قریبوں کے حق میں حاجی کی شفاعت قبول ہوگی۔ حاجی گناہ سے ایسے نکل جاتا ہے جیسا جس دن ماں کی پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اس کو روایت کیا ہے۔ بزار نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۱۰۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الشھید یشفع فی سبعین من اھل بیته رواہ ابوداؤد [2] وابن حبان فی صحیحه عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنه۔	شہید کی شفاعت اس کے ستر اقارب کے بارے میں مقبول ہوگی۔ اس کو ابوداؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۱۰۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الشھید یغفرله اول دفقة من دمه ویزوج حوراوین ویشفع فی سبعین من اھل بیته رواہ الطبرانی [3] فی الاوسط بسند حسن عن ابی ھریرة	شہید کے بدن سے پہلی بار جو خون نکلتا ہے اس کے ساتھ ہی اس کی مغفرت فرمادی جاتی ہے۔ اور دم نکلتے ہی دو۲ حوریں اس کی خدمت کو آجاتی ہیں اور اپنے گھر والوں سے ستّر اشخاص کی شفاعت کا اسے اختیار دیا جاتا ہے اسے

---

[1] کنز العمال بحوالہ البزار عن ابی موسٰی حدیث ۱۱۸۴۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۱۴، الترغیب والترھیب بحوالہ البزار کتاب الحج حدیث ۱۵ مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۶۶، مجمع الزوائد بحوالہ البزار باب دعاء الحجاج والعمار دارالکتاب بیروت ۳/ ۲۱۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الشہید یشفع آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۱، موارد الظمآن حدیث ۱۶۱۲ المطبعۃ السلفیہ ص ۳۸۸

[3] المعجم الاوسط حدیث ۳۳۲۳ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۱۸۱

رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	طبرانی نے اوسط میں بسند حسن ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۱۰۸و۱۰۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

للشہید عنداللہ سبع خصال (الی ان قال) ویشفع فی سبعین انسانا من اقاربہ۔ رواہ احمد[1] بسند حسن والطبرانی فی الکبیر عن عبادۃ بن الصامت والترمذی وصححہ وابن ماجۃ عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہما۔	شہید کے لئے اللہ تعالٰی کے یہاں سات کرامتیں ہیں۔ ہفتم یہ کہ اس کے اقربا سے ستر شخصوں کے حق میں اسے شفیع بنایا گیا۔ اس کو احمد نے بسند حسن اور طبرانی نے کبیر میں عبادہ بن صامت سے اور ترمذی نے اور اسے صحیح کہا اور ابن ماجہ نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔

حدیث ۱۱۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یصف الناس یوم القیمۃ صفوفا فیمر الرجل من اھل النار علی الرجل فیقول یافلان اماتذکر یوم استسقیت فسقیتك شربۃ فیشفع لہ ویمر الرجل علی الرجل فیقول اماتذکر یوم ناولتك طھورا فیشفع لہ ویقول یافلان اماتذکر یوم بعثتنی فی حاجۃ کذا فذھبت لك فیشفع لہ رواہ ابن[2] ماجۃ عن انس	لوگ روز قیامت پرے باندھے ہوں گے ایک دوزخی ایک جنتی پر گزرے گا۔ اس سے کہے گا کیا آپ کو یاد نہیں آپ نے ایک دن مجھ سے پانی پینے کو مانگا میں نے پلایا تھا۔ اتنی سی بات پر وہ جنتی اس دوزخی کی شفاعت کرے گا۔ ایک دوسرے پر گزرے گا کہے گا آپ کو یاد نہیں کہ ایک دن میں نے آپ کو وضو کو پانی دیا تھا اتنے ہی پر وہ اس کا شفیع ہو جائے گا ایک کہے گا آپ کو یاد نہیں کہ فلاں دن آپ نے مجھے فلاں

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ احمد والطبرانی کتاب الجہاد حدیث ۲۷ مصطفی البابی مصر ۲ /۳۲۰، جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد امین کمپنی دہلی ۱ /۱۹۹و۲۰۰، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب فضل الشہادت فی سبیل اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۶

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب فضل صدقہ الماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۰

رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کام کو بھیجا میں چلا گیا تھا اسی قدر پر یہ اس کی شفاعت کریگا۔ اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس سے روایت کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ "جنتی جھانک کر دوزخی کو دیکھے گا ایک دوزخی اس سے کہے گا "آپ مجھے نہیں جانتے" وہ کہے گا" واللہ! میں تو تجھے نہیں پہچانتا، افسوس تجھ پر تو کون ہے" وہ کہے گا میں وہ ہوں کہ آپ ایک دن میری طرف سے ہو کر گزرے اور مجھ سے پانی مانگا اور میں نے پلا دیا تھا اس کے صلہ میں اپنے رب کے حضور میری شفاعت کیجئے" وہ جنتی اللہ عزوجل کے زائروں میں اس کے حضور حاضر ہو کر یہ حال عرض کریگا۔ یارب شفعنی اے میرے رب! تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما" فیشفعہ اللہ مولٰی عزوجل اس کے حق میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ رواہ ابو یعلٰی[1] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ"

دو۲ یتیموں کی دیوار اور اصلاح اعمال

جب مقبولان خدا سے اتنا سا علاقہ کہ کبھی ان کو پانی پلادیا یا وضو کو پانی دے دیا۔ عمر میں اس کا کوئی کام کردیا۔ آخر میں ایسا نفع دے گا تو خود ان کا جز ہونا کس درجہ نافع ہونا چاہئے بلکہ دنیا و آخرت میں صالحین سے علاقہ نسب کا ہونا قرآن عظیم سے ثابت ہے:

"وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ"[2]۔	وہ دیوار شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک تھا تو میرے رب نے اپنی رحمت سے چاہا کہ یہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں۔

خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو ایک دیوار گرتے دیکھی اور ہاتھ لگا کر اسے قائم کردیا اور وہاں والوں نے ان کو اور موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مہمانی دینے سے انکار کردیا تھا اور ان کو کھانے کی حاجت تھی اس پر موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ "آپ چاہتے تو اس پر اجرت لیتے" خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا یہ جواب دیا کہ:

---

[1] مسند ابو یعلٰی حدیث ۳۹۹۳ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۸۲

"یہ دیوار دو یتیموں کی ہے جو ایک مرد صالح کی اولاد میں ہیں اور اس میں نیچے ان کا خزانہ ہے دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا لوگ لے جاتے۔ لہٰذا آپ کے رب عزوجل نے اپنی رحمت سے چاہا کہ دیوار قائم اور خزانہ محفوظ رہے کہ وہ جوان ہو کر نکالیں، ان کے صالح باپ کے صدقہ میں ان پر رحمت ہوئی"

علماء فرماتے ہیں وہ ان بچوں کا آٹھواں یا دسواں باپ تھا۔

حدیث ۱۱۱: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

حفظ الصلاح لابیھما وماذکر عنھما صلاحا۔	ان کے باپ کی صلاح کا لحاظ فرمایا گیا۔ ان کی اپنی صلاح کا کوئی ذکر نہ فرمایا۔

یعنی وہ اگرچہ خود بھی صالح ہوں اور کیوں نہ ہوں گے کہ ان کے لئے خزانہ لازوال محفوظ رکھا تھا سونے کی تختی پر لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ لکھا۔ اور کچھ نصائح و مواعظ۔

کما رواہ ابنا ابی حاتم [1] و مردویۃ فی تفاسیرھما عن ابی ذر وھذا عن علی رضی اللہ تعالٰی عنھما کلاھما عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والشیرازی فی الالقاب والخرائطی فی قمع الحرص وابن عساکر فی التاریخ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما من قولہ۔	جیسا کہ اسے روایت کیا ہے ابن حاتم و مردویۃ نے اپنی تفاسیر میں ابی ذر سے اور یہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ اور شیرازی نے القاب میں اور خرائطی نے قمع الحرص میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے قول سے۔

مگر یہ صلاح کا سبب تھا نہ کہ نتیجہ۔ نتیجہ ان کے باپ کی صلاح کا تھا۔

رواہ الامام عبداللہ بن المبارک و	اس کو روایت کیا ہے عبداللہ بن مبارک اور

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ وکان ابوھما صالحا المطبعۃ المیمنۃ مصر ۶/۱۶، الدرالمنثور بحوالہ ابن مبارک وسعید بن منصور واحمد فی الزہد وابن المنذر وابن ابی حاتم الخ ۴/ ۲۳۵، الدرالمنثور بحوالہ حاتم وابن مردویہ والبزار عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۴/ ۲۳۴، الدرالمنثور بحوالہ الخرائطی فی قمع الحرص وابن عساکر فی التاریخ عن ابن عباس ۴/ ۲۳۵، تفسیر ابن ابی حاتم تحت آیۃ وکان ابوھما صالحا مکتبہ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ ۷/ ۲۳۷۵

الامام احمد[1] فی الزھد وسعید ابن منصور فی سننه وابنا المنذر و ابی حاتم فی تفاسیر هما والحاکم فی المستدرک۔	امام احمد نے زہد میں اور سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں اور ابن منذروابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیروں میں اور حاکم نے مستدرک میں۔

حدیث ۱۱۲ تا ۱۱۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله یصلح بصلاح الرجل ولده وولد ولده ویحفظه فی ذریته والدویرات حوله فما یزالون فی ستر من الله و عافیة، رواه ابن مردویة[2] عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما مرفوعا وابن ابی حاتم عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما من قوله وهذا لفظ والمرفوع بمعناه ونحوه لابن المبارك و ابن ابی شیبة عن محمد بن المنکدر موقوفاً۔	بے شک اللہ تعالٰی آدمی کی صلاح سے اس کی اولاد اور اولاد اولاد کی صلاح فرمادیتا ہے اور اس کی نسل اور اس کے ہمسایوں میں اس کی رعایت فرمادیتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے پردہ پوشی و امان میں رہتے ہیں۔اس کو روایت کیا ہے ابن مردویہ نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعا اور ابن ابی حاتم ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے ان کا قول روایت کیا یہ اس کے الفاظ ہیں اور مرفوع حدیث اس کے معنی میں ہے اور اسی کی مثل ابن مبارک اور ابن ابی شیبہ نے محمد بن منکدر سے موقوفاً روایت کیا۔

اولاد کا ثواب اور اس کا اجر

حدیث ۱۱۵: کعب احبار نے فرمایا:

ان الله یخلف العبد المومن فی ولده ثمانین عاماً۔ رواه احمد[3] فی الزھد۔	اللہ تعالٰی بندہ مومن کی اولاد میں اسّی برس تک اس کی رعایت کرتا ہے۔اس کو احمد نے زہد میں روایت کیا ہے۔

---

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت آیة وکان ابوھما صالحا مکتبہ آیة اللہ العظمی قم ایران ۴/ ۲۳۵

[2] تفسیر ابن ابی حاتم تحت آیة وکان ابوھما صالحا مکتبہ نزار مصطفی الباز مکة المکرمة ۷/ ۲۳۷۵، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم عن ابن عباس وابن مردویہ عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنھما ۴/ ۲۳۵، الدر المنثور بحوالہ ابن مبارک وابن ابی شیبہ عن محمد بن المنکدر موقوفا ۴/ ۲۳۵

[3] الدر المنثور بحوالہ احمد فی الزھد تحت آیة وکان ابوھما صالحا ۴/ ۲۳۵

حدیث ۱۱۶: سیدنا عیسٰی ابن مریم علیہما الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا:

طوبٰی لذریۃ المومن ثم طوبٰی لھم کیف یحفظون من بعدہ۔	مومن کی ذریت کے لئے خوبی وخوشی ہے پھر خوبی وخوشی ہے کیسی۔ اس کے بعد ان کی حفاظت ہوتی ہے۔

اس پر خیثمہ نے وہی آیت تلاوت کی فکان ابوھما صالحا۔

اخرجہ ابن ابی شیبۃ واحمد[1] فی الزھد وابی ابی حاتم عن خیثمۃ۔	اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ اور احمد نے زہد میں اور ابن ابی حاتم نے خثیمہ سے۔

وقال اللہ عزوجل (اور اللہ عزوجل نے فرمایا):

"وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ" [2]۔	اور وہ جو ایمان لائے اور ان کی اولاد ایمان میں ان کی تابع ہوئی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا

حدیث ۱۱۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ یرفع ذریۃ المومن الیہ فی درجتہ وان کانوا دونہ فی العمل لتقربھم عینیہ۔	بیشک اللہ تعالٰی مومن کی ذریت کو اس کے درجہ میں اس کے پاس اٹھالے گا اگرچہ وہ عمل میں اس سے کم ہو تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

پھر یہی آیت کریمہ من شیئ تک تلاوت کی۔ اور اس کی تفسیر میں فرمایا:

مانقصنا الاٰباء بما اعطینا البنین۔ رواہ البزار وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو عند سعید بن منصور وھنادا بناء جریر[3] والمنذر وابن ابی حاتم والحاکم	ہم نے جو اولاد کو عطا کیا اس کے سبب والدین کو کچھ اجر کم نہ فرمایا۔ اسے روایت کیا بزار اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور اس کو سعید بن منصور، ھناد، ابن جریر اور ابن منذر ابن ابی حاتم،

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ واحمد فی الزہد وابن ابی حاتم تحت آیۃ وکان ابوھما صالحا ۴ /۲۳۸، الزہد للامام احمد بن حنبل من مواعظ عیسٰی علیہ السلام دار الدیان للتراث قاہرہ ص ۷۲

[2] القرآن الکریم ۵۲ /۲۱

[3] الدر المنثور بحوالہ البزدوی وابن مردویہ عن ابن عباس تحت آیۃ والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریاتھم الخ ۶ /۱۱۹، الدر المنثور بحوالہ سعید بن منصور وابناء جریر والمنذر ابی حاتم والحاکم والبیھقی تحت آیۃ والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریاتھم الخ ۶ /۱۱۹

والبیہقی فی سننہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ۔	حاکم اور بیہقی نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفًا روایت کیا ہے۔

حدیث ۱۱۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا دخل الرجل الجنۃ سأل عن ابویہ وذریتہ وولدہ فیقال انھم لم یبلغوا درجتك وعملك فیقول یارب قد عملت لی ولھم فیؤمر بالحاقھم بہ۔ رواہ عنہ الطبرانی[1] وابن مردویہ۔	جب آدمی جنت میں جائے گا اپنے ماں باپ اور اولاد کو پوچھے گا۔ ارشاد ہوگا کہ وہ تیرے درجے اور عمل کو نہ پہنچے۔ عرض کرے گا اے رب میرے! میں نے اپنے اور ان کے سب کے نفع کے لئے اعمال کئے تھے۔ اس پر حکم ہوگا کہ وہ اس سے ملادئے جائیں۔ اسے طبرانی نے وابن مردویہ نے اس سے روایت کیا۔

اس کی تصدیق میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کریمہ مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ھم ذریۃ المومن یموتون علی الاسلام فان کانت منازل ابائھم ارفع من منازلھم لحقوا ٰبائھم ولم ینقصوا من اعمالھم التی عملوا شیئا۔ رواہ عنہ ابن ابی حاتم[2]۔	یہ ذریت مومن کا حال ہے جو اسلام پر مریں۔ اگر ان کے باپ دادا کے درجے ان منزلوں سے بلند تر ہوئے تو یہ اپنے باپ دادا سے ملادئے جائیں گے اور ان کے اعمال میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اسے روایت کیا ابن عباس سے ابن ابی حاتم نے۔

صحابہ اور اہل بیت کی اولاد کے درجات

جب عام صالحین کی صلاح ان کی نسل واولاد کو دین ودنیا وآخرت میں نفع دیتی ہے تو صدیق وفاروق وعثمان وعلی وجعفر وعباس وانصار کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی صلاح کا کیا کہنا۔ جن کی اولاد میں شیخ۔ صدیقی وفاروقی وعثمانی وعلوی وجعفری وعباسی وانصاری ہیں۔ یہ کیوں نہ اپنے نسب کریم سے دین ودنیا وآخرت میں نفع پائیں گے۔ پھر اللہ اکبر حضرات علیہ سادات کرام۔

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ الطبرانی وابن مردویۃ تحت آیۃ والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریاتھم الخ ۶/ ۱۱۹

[2] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت آیۃ والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریاتھم الخ ۶/ ۱۱۹

اولاد امجاد حضرت خاتون جنت بتول زہرا کہ حضرت پر نور سید الصالحین سید العالمین سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیٹے ہیں کہ ان کی شان تو ارفع و اعلٰی و بلند و بالا ہے ___ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

" اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ "[1]	اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور رکھے اے نبی کے گھر والو، اور تمھیں ستھرا کردے خوب پاک فرما کر۔

حدیث ۱۲۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان فاطمة احصنت فحرمها الله وذریتها علی النار۔ رواہ تمام فی فوائدہ والبزار وابو یعلی والطبرانی[2] والحاکم وصححه عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه۔	بے شک فاطمہ نے اپنی حرمت پر نگاہ رکھی تو اللہ تعالٰی نے اسے اور اس کی تمام نسل کو آگ پر حرام فرمادیا۔ اسے روایت کیا ہے تمام نے اپنی فوائد میں اور بزار، ابویعلٰی اور طبرانی اور حاکم نے اور اس کی تصحیح کی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۱۲۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

سألت ربی ان لایدخل احدا من اهل بیتی النار فاعطانیها۔ رواہ ابوالقاسم[3] بن بشران فی امالیه عن عمران بن حصین رضی الله تعالٰی عنه وعن الصحابة جمیعا۔	میں نے اپنے رب عزوجل سے مانگا کہ میرے اہل بیت سے کسی کو دوزخ میں نہ لے جائے۔ اس نے میری یہ مراد عطا فرمائی اس کو روایت کیا ہے ابوالقاسم بن بشران نے اپنی امالی میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور تمام صحابہ سے۔

حدیث ۱۲۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا سے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۳

[2] کنز العمال بحوالہ البزار ع طب ك عن ابن مسعود حدیث ۳۴۲۲۰ موسسة الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۸، المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة زہد فاطمة رضی اللہ عنہما دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۲

[3] کنز العمال بحوالہ ابی القاسم بن بشران فی امالیہ حدیث ۳۴۱۴۹ موسسة الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۵

ان اللہ غیر معذبك ولا ولدك۔رواہ الطبرانی[1] بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک اللہ تعالٰی نہ تجھے عذاب فرمائے گا نہ تیری اولاد کو۔اس کو طبرانی نے بسند صحیح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث ۱۲۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انما سمیت فاطمة لان اللہ فطمها وذریتها عن النار یوم القیمة رواہ ابن عساکر[2] عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	فاطمہ زہرا کا نام فاطمہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اسے اور اس کی نسل کو قیامت میں آگ سے محفوظ فرمادیا۔اس کو روایت کیا ہے ابن عساکر نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حضور اور اہلبیت سے محبت کرنے والے جنتی ہیں

حدیث ۱۲۴: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کریمہ ولسوف یعطیك ربك فترضی کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

من رضا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لایدخل احد من اھل بیتہ النار۔رواہ ابن[3] ابن جریر عنہ من طریق السدی۔	یعنی اللہ عزوجل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وعدہ فرماتا ہے کہ بے شک عنقریب تمھارا رب اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رضا یہ ہے کہ حضور کے اہل بیت سے کوئی شخص دوزخ میں نہ جائے۔اسے روایت کیا ہے ابن جریر نے سدی کے حوالے سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

حدیث ۱۲۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۳

[2] فیض القدیر تحت حدیث ۲۰۳، دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۶۸

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ولسوف یعطیك ربك فترضی المطبعۃ المیمنۃ مصر ۳۰/ ۱۲۸، الدر المنثور بحوالہ ابن جریر عن السدی تحت آیۃ ولسوف یعطیك ربك فترضی مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۶/ ۳۶۱

وعدنی ربی فی اھل بیتی من اقر منھم بالتوحید ولی بالبلاغ ان لایعذبھم رواہ الحاکم [1] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ وصححہ ھوثم ابن حجر فی صواعقہ۔ والحمدللہ رب العالمین۔	میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے جو شخص اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لائے گا اسے عذاب نہ فرمائے گا۔اس کو روایت کیا ہے حاکم نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اسے صحیح کہا، پھر ابن حجر نے اپنی صواعق میں۔اور اللہ ہی کے لئے خوبیاں ہیں جو دونوں جہاں کا رب ہے۔

حدیث ۱۲۶و ۱۲۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یا علی ان اول اربعۃ یدخلون الجنۃ انا وانت و الحسن والحسین وذرار ینا خلف ظھورنا،رواہ ابن عساکر [2] عن علی والطبرانی فی الکبیر عن ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اے علی! سب میں پہلے وہ چار کہ جنت میں داخل ہوں گے میں ہوں اور تم، حسن اور حسین،اور ہماری ذریتیں۔ہمارے پس پشت ہوں گی۔اسے روایت کیا ہے ابن عساکر نے علی سے اور طبرانی نے کبیر میں ابی رافع رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔

حدیث ۱۲۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اول من یرد علی الحوض اھل بیتی ومن احبنی من امتی۔رواہ الدیلمی [3] عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	سب سے پہلے میرے پاس حوض کوثر پر آنیوالے میرے اہل بیت ہیں اور میری امت سے میرے چاہنے والے۔اسے روایت کیا ہے دیلمی نے علی کرم اللہ وجہہ سے۔

حدیث ۱۲۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی:

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۰

[2] تھذیب تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۲۱،کنز العمال بحوالہ طب عن محمد بن عبید اللہ حدیث ۳۴۲۰۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۴

[3] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن علی حدیث ۳۴۱۷۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۰

اللھم انھم عترۃ رسولك فھب مسیئھم لمحسنھم وھبھم لی۔	الٰہی! وہ تیرے رسول کی آل ہیں تو ان کے بدکار ان کے نکوکاروں کو دے ڈال اور ان سب کو مجھے ہبہ فرمادے۔

پھر فرمایا: ففعل مولیٰ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔ امیر المومنین نے عرض کی: ما فعل کیا کیا؟ فرمایا:

فعلہ ربکم بکم ویفعلہ بمن بعد کم۔ رواہ الحافظ المحب[1] الطبرانی عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجھہ۔	یہ تمھارے ساتھ تمھارے رب نے کیا جو تمھارے بعد آنے والے ہیں ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا اس کو روایت کیا حافظ محب طبرانی نے امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے۔

تنبیہ نبیہ اور نتیجہ

اقول: ان نصوص جلیلہ قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم سے روشن ہوا کہ:

(۱) حدیث مسلم:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من ابطأ بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ[2]۔	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جو عمل میں پیچھے ہوا اس کا نسب نفع بخش نہ ہوگا۔

میں نفی نفع مطلق ہے نہ کہ نفع نفی مطلق، ورنہ معاذ اللہ کریمہ "اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ"[3] (ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملادیا) کے صریح معارض ہوگی۔

(۲) نہ کہ کریمہ "فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ(۱۰۱)"[4] (تو جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے) کہ ایک وقت مخصوص کے لئے ہے۔

---

[1] طبرانی

[2] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۵

[3] القرآن الکریم ۵۲/ ۲۱

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۰۱

الا تری قوله تعالٰی (کیا آپ دیکھ نہیں رہے اللہ تعالٰی کے ارشاد کی طرف۔ت) ولا یتساءلون (اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے۔ت) مع قوله عزوجل "وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۵﴾ "[1] (اور ان میں ایک نے دوسرے کی طرف منہ کیا پوچھتے ہوئے۔ت)

روی سعید بن منصور فی سننه وابناء حمید والمنذر وابی حاتم عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔قال انها مواقف فاما الموقف الذی لاانساب بینهم ولا یتساءلون عندالصعقة الاولی لا انساب بینهم فیها اذا صعقوا فاذا کانت النفخة الآخر فاذا هم قیام یتساءلون[2]۔	سعید ابن منصور نے اپنی سنن میں اور پسران حمید و منذر اور ابی حاتم نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: مواقف (منازل حضوری) چند ہیں لیکن وہ موقف جس میں نہ رشتے کام آئیں نہ ان کے ذریعہ سفارش، وہ صعقہ اولی (پہلی کڑک) ہے اس میں رشتے کام نہ آئیں گے جب لوگ گھبرائے ہوئے اٹھیں گے۔ اور جب صعقہ ثانیہ ہوگا تو سب کھڑے ہو کر رشتوں سے سوال کریں گے۔

(۳) جبکہ احادیث متواترہ سے فضل نسب، فرق احکام و نفع آخرت بلا شبہ ثابت، تو امثال حدیث۔ الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لاحمر علی اسود[3] (نہ عربی کی فضیلت عجمی پر ہے اور نہ ہی سفید کی کالے پر) وحدیث، انظر فانك لست بخیر من احمر والاسود الا ان تفضله بتقوی[4] (بے شک تم سفید اور کالے سے بہتر نہیں ہو مگر تم کو صرف تقوی سے فضیلت حاصل ہے) میں مثل کریمہ: "اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ؕ"[5] (بے شک تم میں اللہ تعالٰی کے نزدیک مکرم وہ ہے جو پرہیزگار ہے) سلب فضل کلی ہے نہ کہ سلب کلی فضل۔

(۴) حدیث: لا اغنی عنکم من الله شیئا[6] (میں تم کو اللہ سے کچھ بے نیاز

---

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۲۵

[2] الدر المنثور بحواله سعید بن منصور وابناء حمید والمنذر وابی حاتم تحت آیة فلا انساب بینهم ۵/ ۱۵

[3] الترغیب والترهیب الترهیب من احقار المسلم الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[4] الترغیب والترهیب الترهیب من احقار المسلم الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[5] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

[6] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان مات علی الکفر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۴

نہیں کروں گا) میں نفی اغنائے ذاتی ہے نہ کہ معاذاللہ سلب اغنائے عطائی کہ حدیث متواترہ شفاعت، واجماع اہل سنت کے خلاف ہے۔ جیسا کہ وہ طاغی باغی سرکش اپنی تقویۃ الایمان میں لکھتا ہے: "پیغمبر نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنادیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہوسکتا ہے کہ اپنے اختیار کی ہو، سو یہ میرا مال موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ بخل نہیں۔ اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کرسکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست کرے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے[1]" انا للہ وانا الیہ راجعون، اس کا رد بلیغ تو فقیر کی کتاب "الامن والعلی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء" میں دیکھئے اور یہاں خاص اس لفظ پر بعض حدیثیں سنئے۔ اس میں حدیث پوری یوں ہے کہ: امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا کی بالیاں ایک بار ظاہر ہوگئیں اس پر ان سے کہا گیا:

ان محمدالا یغنی عنك من اللہ شیئا۔	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمھیں نہ بچائیں گے۔

وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ واقعہ عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مابال اقوام یزعمون ان شفاعتی لاتنال اھل بیتی وان شفاعتی تنال حاء وحکم، رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ام ھانی رضی اللہ تعالٰی عنھا۔	کیا حال ہے ان لوگوں کا جو زعم کرتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہل بیت کو نہ پہنچے گی۔ بے شک میری شفاعت ضرور قبیلہ حاء وحکم کو بھی شامل ہے۔ اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔

(۵) حدیث ۹۵ کے بعد جو ایک روایت بزار سے گزری اس کے قصے میں اس کی نظیر حضرت صفیہ

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثالث فی ذکر رد الاشراك فی التصرف مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۵۰

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۶۰ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۴۳۴

بنت عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے مروی ہے کہ وہ اپنے پسر کی وفات پر بآواز روئیں، ان سے وہی کہا گیا:

ان قرابتك من محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لا تغنی عنك من اللہ شیئا[1]۔	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قرابت اللہ کے یہاں کچھ کام نہ دے گی۔

حضور سے رشتہ وعلاقہ مضبوط تر ہے

ایک موقعہ پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو جمع فرما کر بر سر منبر ان کا وہ رد جلیل ارشاد فرمایا کہ: "کیا ہوا انھیں جو میری قرابت نافع نہیں بتاتے۔ ہر رشتہ وعلاقہ قیامت سے قطع ہو جائے گا مگر میرا رشتہ وعلاقہ کہ دنیا وآخرت میں پیوستہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" رواہ کما تقدم البزار[2]۔ امام ابن حجر مکی صواعق میں فرماتے ہیں:

قال المحب الطبری وغیرہ من العلماء انه صلی اللہ تعالٰی علیه لایملك لاحد شیئا لا نفعا ولا ضرا لکن عزوجل یملك نفع اقاربه بل وجمیع امته بالشفاعة العامة والخاصة فھو لایملك الا مایملکه له مولاہ کما اشار الیه بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم غیر ان لکم رحما سابلھا ببلالھا وکذا معنی قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	محب طبری وغیرہ علماء نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (بنفسہٖ) کسی چیز کے مالک نہیں۔ نہ نفع کے نہ نقصان کے ہاں اللہ عزوجل نے ان کو مالک بنایا ہے اپنے اقارب بلکہ اپنی تمام امت کے نفع کا شفاعت عامہ وخاصہ کے ذریعہ، تو وہ بذات خود مالک نہیں ہیں۔ ہاں انکے مولٰی نے ان کو مالک بنایا ہے جیسا کہ اس طرف اشارہ فرمایا اپنے اس ارشاد گرامی میں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مگر یہ کہ تمھارے لئے ایک تعلق ہے ______ اور یہی معنی ہیں حضور صلی اللہ تعالٰی

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ البزار کتاب علامات النبوۃ باب فی کرامۃ اصلہ دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۶

[2] مجمع الزوائد بحوالہ البزار کتاب علامات النبوۃ باب فی کرامۃ اصلہ دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۱۶

لااغنی عنکم من اللہ شیئا ای بمجرد نفسی من غیر ما یکرمنی بہ اللہ تعالٰی من نحو شفاعۃ اومغفرۃ وخاطبھم بذٰلك رعایۃ لمقام التخویف والحث علی العمل والحرص علی ان یکونوا اولی الناس حظا فی تقوٰی اللہ تعالٰی وخشیتہ ثم اوما الی حق رحمہ اشارۃ الی ادخال نوع طمانیۃ علیھم وقیل ھذا قبل علمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان الانتساب الیہ ینفع و بانہ یشفع فی ادخال قوم الجنۃ بغیر حساب ورفع درجات اٰخرین واخراج قوم من النار[1]۔	علیہ وسلم کے اس قول کے کہ میں اللہ کے نزدیک تمھیں کسی کام نہ آؤں گا یعنی بطور خود ماسوائے اس کے جس کی اللہ تعالٰی مجھے کرامت بخشے گا جیسے شفاعت یا مغفرت، اور ان سے خطاب فرمایا اس کے ساتھ (تمھیں نفع نہ دوں گا) مقام تخویف کی رعایت کرتے ہوئے اور عمل پر ابھارنے اور اس بات پر حرص دلانے کے لئے کہ وہ اللہ تعالٰی سے ڈرنے اور اس کی خشیت میں لوگوں میں بہتر نصیبے والے ہوں، پھر اشارہ فرمایا اپنے حق تعلق کی جانب، اشارہ فرمایا اس قول تک کہ فرمایا انھیں اطمینان دلادیا اور کہا گیا کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس بات کے جاننے سے پہلے کی بات ہے کہ آپ کی طرف انتساب نفع دیتا ہے اور اس بات کے جاننے سے پہلے کہ وہ امت کو جنت میں بغیر حساب داخل کرے گا۔ اور درجوں پر درجہ بلند کرنے اور امت کو دوزخ سے نکالنے میں شفیع ہوں گے۔ (ت)

اسی میں بعض احادیث نفع نسب کریم ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ولا ینافی ھذہ الاحادیث ما فی الصحیحین وغیرھما انہ لما انزل قولہ تعالٰی وانذر عشیرتك الاقربین فجمع قومہ ثم عم وخص بقولہ لااغنی عنکم من اللہ شیئا حتی قال یافاطمۃ بنت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھا وسلم الخ امالان	اور یہ احادیث منافی نہیں ہے ان احادیث کے جو صحیحین وغیرہ میں ہیں کہ جب اللہ تعالٰی کا فرمان وانذر عشیرتك الاقربین نازل ہوا تو آپ نے اپنی قوم کو جمع فرمایا پھر اپنے قول لااغنی عنکم من اللہ شیئا کو عام وخاص دونوں طریقے سے بیان فرمایا کہ اے فاطمہ بنت محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیھا وسلم) یاتو اس لئے کہ

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الحادی عشر الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۵۸

هذه الرواية محمولة على من مات كافرا اوانها اخرجت مخرج التغليظ والتنفير اوانها قبل علمه بانه يشفع عموما وخصوصًا[1]۔	یہ روایت محمول ہے اس شخص پر جو کافر مرا یا یہ کہ روایت تغلیظ وتنفیر کے طور پر بیان ہوئی یا یہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس بات کے علم سے پہلے کی بات ہے کہ وہ شفاعت عامہ وخاصہ فرمائیں گے (م)

علامہ مناوی تیسیر میں زیر حدیث "کل سبب ونسب" فرماتے ہیں:

لایعارضه قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاهل بیته لا اغنی عنکم من اللہ شیئا لان معناه انه لایملك لهم نفعا لکن اللہ یملکه نفعهم بالشفاعة فهو لایملکه الا ماملکه ربه[2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنے اہلبیت سے لا اغنی عنکم فرمانا اس حدیث کے معارض نہیں اس لئے کہ معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے نفع کے مالک نہیں لیکن اللہ تعالٰی شفاعت کے ذریعہ ان کے نفع کا مالک بنائیگا پس وہ نہیں ہیں مالک مگر اس کے جس کا ان کو ان کے رب نے مالک بنایا۔

حضرت شیخ محقق قدس سرہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

غایت وانذار ومبالغہ درآنست ولا فضل بعضے ازیں مذکورین ودرآمد ایشاں بہشت راشفاعت آں سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرعصاۃ امت را چہ جائے اقربائے خویشاں وے باحادیث صحیحہ ثابت شدہ است وباوجود آں خوف لاابالی باقیست وایں مقام تقاضائے ایں حال گردو تواند کہ احادیث فضل وشفاعت بعد ازاں ورود یافتہ باشند وباالجملہ مامور شداز جانب پروردگار تعالٰی بانذار	اس میں غایت اور انذار اور مبالغہ ہے اور ان مذکور حضرات کی دیگر بعض سے فضیلت نہیں اور آنا ان کا بہشت میں اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہم گنہ گار امت کی شفاعت کرنا چہ جائے کہ اپنے اقرباء کی احادیث صحیحہ سے ثابت ہوئی ہے اور باوجود خوف لاابالی باقی ہے اور یہ مقام اس حال کا متقاضی ہے اور معلوم ہونا چاہئے کہ فضیلت وشفاعت والی احادیث اس کے بعد وارد ہوئی ہیں، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کی طرف

[1] الصواعق المحرقۃ باب الحث علی جسم والقیام لواجب حقھم مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۳۰

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث کل سبب ونسب الخ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۱۳

پس امتثال کرد ایں امر ار[1]۔	سے آپ اس انداز کو بیان کرنے پر مامور تھے۔ پس آپ نے اس امر کو واضح طور پر پورا کیا۔

تفاضل انساب

بالجملہ تفاضل انساب بھی یقیناً ثابت، اور شرعاً اس کا اعتبار بھی ثابت، اور انساب کریمہ کا آخرت میں نفع دینا بھی جزماً ثابت، اور نسب کو مطلقاً محض بے قدر وضائع وبرباد جاننا سخت مردود وباطل۔ خصوصاً اس نظر سے کہ اس کا عموم عرب بلکہ قریش بلکہ بنی ہاشم، بلکہ سادات کرام کو بھی شامل، اب یہ قول اشد غضب وہلاک دیوار سے ہائل اور اسی پر نظر فقیر غفرلہ القدیر کو اس قدر تطویل پر حامل کہ نسب عرب نہ کہ قریش نہ کہ ہاشم، نہ کہ سادات کرام کی حمایت ہر مسلمان پر فرض کامل۔

تعظیم نہ کرنے والے پر لعنت اور وعید

حدیث ۱۳۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من لم یعرف عترتی والانصار والعرب فھو لا حدی ثلث اما منافق واما لزنیۃ واما لغیر فھو حملتہ وامہ علی غیر طھر رواہ الباوردی[2] وابن عدی والبیہقی فی الشعب واٰخرون عن علی کرم اللہ وجھہ۔	جو میری عترت اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین حال سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔ اسے روایت کیا ہے باوردی اور ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے علی کرم اللہ وجہہ سے۔

حدیث ۱۳۱ تا ۱۳۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ستۃ لعنتھم لعنھم اللہ ولکل نبی مجاب الزائد فی کتاب اللہ والمکذب بقدر اللہ والمتسلط بالجبروت لیعزبذٰلك من اذل اللہ و	چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ انھیں لعنت فرمائے، اور ہر نبی کی دعا قبول ہے۔ کتاب اللہ میں بڑھانے والا (جیسے رافضی کچھ آیتیں سورتیں جدا بتاتے ہیں) اور تقدیر الٰہی کا

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الرقاق باب در لواحق ومتممات الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۲۷۲

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۶۲۶

یذل من اعزالله والمستحل لحرم الله والمستحل من عترتی ماحرم الله والتارك سنتی رواہ الترمذی [1] و الحاکم عن ام المومنین والحاکم عن علی و الطبرانی عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنھم اولہ سبعة لعنتھم وزاد المستأثر بالفیئ وسندہ حسن [2]۔	جھٹلانے والا،اور وہ جو ظلم کے ساتھ تسلط کرے کہ جسے خدا نے ذلیل بنایا اسے عزت دے۔اور جسے خدا نے معزز کیا اسے ذلیل کرے۔اور اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال جاننے والا اور میری عترت کی ایذاء وبے تعظیمی روا رکھنے والا،اور جو میری سنت کو برا ٹھہرا کر چھوڑے،اسے روایت کیا ہے ترمذی اور حاکم نے ام المومنین سے اور حاکم نے علی سے اور طبرانی نے عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جس کا آغاز یوں ہے سبعة لعنتھم اس میں والمستأثر بالفیئ کا اضافہ ہے اور اس کی سند حسن ہے۔(ت)

حدیث ۱۳۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من احب ان یبارك له فی اجله وان یمتعه الله بما خوله فلیخلفنی فی اھلی خلافة حسنة،ومن لم یخلفنی فیھم بتك امرہ و ورد علی یوم القیمة مسودا وجھه۔رواہ ابوالشیخ [3] فی تفسیرہ وابونعیم عن عبدالله بن بدر الخطمی۔	جسے پسند ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو خدا اسے اپنی دی ہوئی نعمت سے بہرہ مند کرے تو اسے لازم ہے کہ میرے بعد میرے اہل بیت سے اچھا سلوک کرے۔جو ایسا نہ کرے اس کی عمر کی برکت اڑ جائے اور قیامت میں میرے سامنے کالا منہ لے کر آئے۔اس کو روایت کیا ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں اور ابو نعیم نے عبداللہ بن بدر خطمی سے۔

حدیث ۱۳۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الله عزوجل ثلث حرمات فمن حفظھن حفظه الله دینه ودنیاہ	بے شک اللہ عزوجل کی تین حرمتیں ہیں۔جو ان کی حفاظت کرے اللہ تعالٰی اس کے دین و دنیا

[1] سنن الترمذی کتاب القدر باب ۱۷ حدیث ۲۱۶۱ دار الفکر بیروت ۴/ ۶۱، المستدرك للحاکم کتاب الایمان ۱/ ۳۶ وکتاب التفسیر ۲/ ۵۲۵ وکتاب الاحکام ۴/ ۹۰

[2] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبہ الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۴۳

[3] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ وابی نعیم حدیث ۳۴۱۷۱ موسسة الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۹

ومن لم یحفظھن لم یحفظ اللہ دینہ ولا دنیاہ حرمۃ الاسلام وحرمتی وحرمۃ رحمی۔ رواہ ابوالشیخ[1] وابن حبان والطبرانی۔	محفوظ رکھے، اور جو ان کی حفاظت نہ کرے اللہ اس کے دین کی حفاظت فرمائے نہ دنیا کی ایک اسلام کی حرمت، دوسری میری حرمت، تیسری میری قرابت کی حرمت، اسے روایت کیا ہے ابوالشیخ ابن حبان اور طبرانی نے۔

نسب پر فخر کرنا جائز نہیں

o ہاں نسب پر فخر جائز نہیں۔

o نسب کے سبب اپنے آپ کو بڑا جاننا، تکبر کرنا جائز نہیں۔

o دوسروں کے نسب پر طعن جائز نہیں۔

o انھیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں۔

o نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں۔

o اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں۔

احادیث جو اس باب میں آئیں انھیں معانی کی طرف ناظر ہیں وباللہ التوفیق خدمت گاری اہلبیت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے یہ بیان ایک رسالہ ہوگیا لہٰذا بلحاظ تاریخ اس کا نام اِرَاءَۃُ الادَبْ لِفَاضِلِ النَّسَبْ رکھنا انسب، واللہ تعالیٰ اعلم۔

شیخ بنظر عمر ہر بوڑھا ہے اور بنظر فضل ہر عالم وصالح اگرچہ جوان ہو اور بنظر نسب ہندوستان میں دو محاورے ہیں ایک یہ کہ سید مغل پٹھان کے سوا باقی ہر قوم کا مسلمان شیخ ہے یوں اس کا اطلاق عام ہے جیسے ابتداء ہند میں ہر مسلمان کو ترک کہتے تھے، اسی محاورے پر مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

گفت من آئینہ ام مصقول دوست ترک وہندو در من آں بیند کہ اوست[2]

(اس نے کہا اے دوست! میں صاف شیشہ ہوں کہ ترک اور ہندوستان کے لوگ مجھ میں اسے دیکھتے ہیں۔ت)

[1] کنز العمال بحوالہ طب وابی نعیم عن ابی سعید حدیث ۳۰۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۷۷، المعجم الکبیر حدیث ۲۸۸۱ ۳/ ۱۲۶ و المعجم الاوسط حدیث ۲۰۵ ۱/ ۱۶۲

[2] مثنوی معنوی در بیان آنکہ جنیدن ہر کسے از آنجاست کہ ویست ہر کسے نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ۶۲

دوسرے چار شریف قوموں سے ایک اس طرح البتہ جوان میں کانہ ہو اور اپنے آپ کو شیخ بتائے وہ وعید شدید:

من ادعی الی غیر ابیه فالجنة علیه حرام، رواہ احمد[1] والبخاری و مسلم و ابوداؤد و ابن ماجة عن سعد و عن ابی بکرۃ معارضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو اپنے باپ کے سوا دوسرے کو اپنا باپ بنائے اس پر جنت حرام ہے اس کو روایت کیا ہے احمد اور بخاری اور مسلم اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے سعد سے اور ابی بکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے معامیں داخل ہے ______

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من ادعی الی غیر ابیه فعلیه لعنة اللہ والملئکة والناس اجمعین لایقبل اللہ منه یوم القیمة صرفا ولا عدلا۔ رواہ الستة الا ابن ماجة[2] عن امیر المومنین علی کرم اللہ وجهه وصدرہ احمد وابن ماجة وابن حبان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جو دوسروں کو اپنا باپ بنائے اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت۔ اللہ تعالٰی روز قیامت نہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل اس کو ابن ماجہ کے علاوہ صحاح ستہ نے روایت کیا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور اس کا ابتدائی حصہ امام احمد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبه عبدہ المذنب عبد المصطفٰی احمد رضا عفی عنه بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

رسالہ اراءة الادب لفاضل النسب ختم ہوا

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی ۲/ ۶۱۹ و کتاب الفرائض باب من ادعی الی غیر ابیه ۲/ ۱۰۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب حال من رغب عن ابیه وهو یعلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرجل ینتمی الی غیر موالیه آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۱، سنن ابن ماجه کتاب الحدود ص ۱۹۱ و مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص ۱/ ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۷۹

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینة ۱/ ۴۴۲ و کتاب الفسق باب تحریم تولی العقیق غیر موالیه ۱/ ۴۹۵، سنن ابن ماجه کتاب الحدود باب من ادعی الی غیر ابیه ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۱، مسند احمد ابن حنبل عبداللہ بن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۲۸

رسم ورواج

ریاء وتفاخر وبدعت واسراف وغیرہ

مسئلہ ۶۷: ازاوجین مکان میر خادم علی اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۰۹ھ

چہ می فرمایند علمائے اکمل الکاملین شریعت و مفتیان افضل الفضلاء طریقت دریں مسئلہ کہ درماہ رمضان المبارک کہ شب بست وہفتم مساجد رابقنادیل وبہ تقریب جلسہ مولد شریف مکان رامنقش وآلات بلاد تصویر وفانوس وغیرہ منور سازند سوائے مال وقف وبراعراس خانقاہ بزرگان دین ومزار نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروشنی روشن نمایند درست ست یا حرام، بیان فرمایند بسند عبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔	کیا فرماتے ہیں علماء کاملین علماء شریعت اور فاضلین مفتیان طریقت اس مسئلہ میں کہ لوگوں کا ستائیسویں شب رمضان کے موقع پر مساجد کو آراستہ کرنا روشنیوں کا خصوصی اہتمام کرنا میلاد شریف کی تقریبات کے لئے مکانات کو سجانا، فانوس اور پھول وغیرہ لگانا، بزرگان دین کے سالانہ عرسوں میں خانقاہوں پر اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر اس قسم کا بندوبست کرنا سوائے مال وقف کے درست ہے یا حرام؟ بحوالہ کتب مدلل جواب مرحمت فرمایا جائے اللہ تعالٰی سب پر رحمت فرمائے۔(ت)

الجواب:

تزئین مذکور شرعاً جائز ست قال تعالٰی "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ"[1] ہمچناں روشنی بقدر حاجت و مصلحت نیز وحاجت باختلاف ضیق وسعت مکان وقلت وکثرت مردمان ووحدت و تعدد منازل وغیر ذٰلک مختلف گردددر منزلے تنگ ومجمع قلیل دوسہ چراغ باہمیں یکے بسند ست ودردار وسیع ومجمع کثیر و منازل عدیدہ حاجت تابدہ وبست و بیشتر می رسد امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ بماہ رمضان شب بمسجد درآمد چراغاں دید کہ مسجد درخشاں نورافشاں شدہ است امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ رابہ دعا یاد کردوگفت نورت مساجدنا نور اللہ قبرك یاابن الخطاب[2] ای بن خطاب مساجد مارا نور آگیں کردی خدائے گورت پر نور کند ومسئلہ شمع در مقابرومزارات اقر و ختن را فقیر در رسالہ مستقلہ مسمّٰی بہ طوالح النور فی حکم السرج علی القبور ہرچہ

مذکورہ زیب وزینت شرعاً جائز ہے۔ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے فرمادیجئے کہ اس زینت وزیبائش کو کس نے حرام ٹھہرادیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر فرمائی ہے۔ اسی طرح ضرورت اور مصلحت کے مطابق روشنی کا انتظام کرنا بھی جائز ہے (مختلف حالات کے لحاظ سے ضرورت بدلتی رہتی ہے) مثلاً مکان کی تنگی اور کشادگی۔ لوگوں کی قلّت وکثرت، منازل کی وحدت وتعدد وغیرہ ان صورتوں میں ضرورت اور حاجت میں تبدیل آجاتی ہے۔ تنگ منزل اور تھوڑے مجمع میں دو تین چراغ بلکہ ایک بھی کافی ہوتا ہے۔ کشادہ اور بڑے گھر زیادہ لوگوں اور متعدد منزلوں کے لئے دس بیس بلکہ ان سے بھی زیادہ کی ضرورت پڑتی ہے، امیر المومنین سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ رمضان شریف میں رات کے وقت مسجد نبوی میں تشریف لائے تو مسجد کو چراغوں سے منور اور جگمگاتے ہوئے دیکھا کہ ہر سمت روشنی پھیل رہی تھی آپ نے امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بذریعہ دعا یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اے فرزند خطاب! تم نے ہماری مساجد کو منور وروشن کیا اللہ تعالٰی تمھاری قبر کو منور

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

[2] تاریخ الخلفاء فصل فی اولیات عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۹۷

تمامتر روشن وپرنور کردہ ام ونیز آنجا تحقیق نمودہ کہ حدیث **والمتخذین علیھا السرج** [1] کہ مخالفان دریں باب بادچنگ زنند بقطع نظراز انکہ درسند او باذام ضعیف درایۃ نیز مخالف راغیر نافع ست آرے روشنی لغو وفضول راچنانکہ بعضے مراد مان شب ختم قرآن یا در بعض اعراس بزرگان کنند کہ صدہا چراغ بترتیب عجیب ووضع غریب زیر وبالا برابر نہند درکتب فقہیہ ہمچو غمزالعیون وغیرہ بنظر اسراف منع فرمودہ اند وشک نیست کہ جائیکہ اسراف صادق ست اجتناب قطعاً لازم ولائق است۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	فرمائے، قبرستان اور مزارات پر شمع جلانے کے مسئلہ کو فقیر نے اپنے مالک مستقل رسالہ میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے رسالے کا نام ہے طوالع النور فی حکم السرج علی القبور (نور کے نورانی مطالع قبروں پر چراغاں کرنے کے حکم کے بیان میں۔ ت) میں نے اس میں یہ تحقیق بھی پیش کی ہے کہ حدیث میں قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی جانے والی روایت سے مخالفین جو استدلال اور سہارا لیتے ہیں اس کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس حدیث کی سند میں باذام نامی راوی ضعیف ہے۔ از روئے عقل بھی مخالفین کے لئے مفید نہیں، البتہ روشنی کا بے فائدہ اور فضول استعمال جیسا کہ بعض لوگ ختم قرآن والی رات یا بزرگوں کے عرسوں کے مواقع پر کرتے ہیں سیکڑوں چراغ عجیب وغریب وضع وترتیب کے ساتھ اوپر نیچے اور باہم برابر طریقوں سے رکھتے ہیں محل نظر ہے اور اسراف کے زمرے میں آتا ہے چنانچہ فقہائے کرام نے کتب فقہ مثلاً غمزالعیون وغیرہ میں اسراف (فضول خرچی) کی بنا پر ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں اسراف صادق آئے گا وہاں پرہیز ضروری ہے۔ اللہ تعالٰی پاک۔ برتر اور خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۸: از جالندھر محلّہ راستہ پھگوڑہ دروازہ مرسلہ شیخ محمد شمس الدین صاحب ۲۲ رجب ۱۳۱۰ھ

بعض لوگ جناب پیران پیر کا پیوند دیتے ہیں کیفیت اس کی اس طرح ہے کہ جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اس کا نام پیوندی رکھتے ہیں اور جب سال کا ہو اس کے گلے میں ہنسلی ڈال دیتے ہیں اور اس طرح دوسرے برس ۱۴ یا ۱۵ سال تک جب وہ لڑکا اس عمر تک پہنچادے وہ ہنسلیاں اور لڑکے

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عباس دار الفکر بیروت ۱/ ۲۲۹، جامع الترمذی باب کراھیۃ ان یتخذ علی القبر مسجدا امین کمپنی دہلی ۱/ ۴۳

کی قیمت کرواکے اس کا دسواں حصہ جناب پیران پیر کے نام سے دیتے ہیں اور اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے لڑکا جیتا رہتا ہے اور ایسا ہی جانوروں اگر بیل ہے یا بھینسا ہے تو اسے ہل جوتنے کے وقت اور اگر مادہ ہے تو اس کے بیاہنے کے وقت قیمت کا دسواں حصہ دیتے ہیں اور نیز درختوں کو پیر صاحب کا کرکے اس کا جلانا اور دیگر استعمال میں لانا حرام سمجھتے ہیں حتی کہ وہ بودہا ہو کر گرپڑے اور پڑا پڑا بودہا ہوجائے اور کھیتوں سے بھی حصہ پیر صاحب کے نام دیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے شخص کے حق میں کیا حکم ہے؟ اور نیز بودی یعنی چوٹی مثلاً قوم ہنود بچوں کے سروں پر رکھتے ہیں اگر پوچھا جائے یہ کیا ہے تو پیر صاحب کی بودی بتلاتے ہیں اور ایسے ہی مدار پیر کی چٹا پھر مدت معہود کے بعد اسے پیر صاحب کی منت دے کر نہایت ادب کے ساتھ اپنی رسمیں پوری کرکے منڈواتے ہیں اور جو شخص اس دسوندھی بچہ وغیرہ کی قیمت پاتا ہے اس قیمت اور ہنسلیاں کے دسویں حصہ سے نیاز لیتا ہے آیا ایسے شخص کی امامت اور بیعت درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) دسوندی نام کفار ہنود سے ماخوذ ہے اور مسلمان کو ممانعت ہے کہ کافروں کے نام رکھے **کما صرحوا بہ فی التسمی بیوحنا** وغیرہ (جیسا کہ یوحنا نام رکھنے کے متعلق فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔ت) اور لڑکے کو ہنسلی وغیرہ زیور پہنانا حرام ہے **فان ما حرم اخذہ حرم اعطاءہ**[1] (کیونکہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہے۔ت) اور لڑکے کی قیمت کرنی جہالت ہے اور یہ اعتقاد کہ ایسا کرنے سے لڑکا جیتا ہے اگر اس معنی پر سمجھے ہیں کہ یوں کرینگے تو جئے گا ورنہ مرجائے گا تو سخت جہل بے بہود اعتقاد مردود ومشابہ خرافات ہنود وغیرہم کفار عنود ہے۔ ہاں اگر ان بیہودہ باتوں کو چھوڑ کر صرف اس قدر کرتے کہ مولٰی عزوجل کے نام پر محتاجین کو صدقہ دیتے اور اس کا ثواب نذر روح پر فتوح حضور پر نور غوث الثقلین غیث الکونین صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم کرتے اور نیت یہ ہوتی کہ رب تبارک وتعالٰی صدقے کے سبب بلاؤں سے محفوظ رکھے گا اور بوجہ ایصال ثواب سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برکات رضا ودعا وتوجہ شامل حال ہوں گے اور ان پر محبوب کریم رضوان اللہ تعالٰی علیہ کی بارگاہ میں عقیدت ونیاز مندی کے اظہار سے اللہ سبحانہ وتعالٰی خوش ہوگا اور اس کی خوشی جالب رحمت وسالب زحمت ہوگی اور حیات نہ ہوگی مگر وقت معہود تک اور موت نہ رکے گی مگر اجل معلوم تک تو یہ اعتقاد وعمل

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

صحیح و بے خلل ہوتے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے یعنی ہدایت نصیب فرماتا ہے۔ت)

(۲) یونہیں جانوروں کی قیمت کا دسواں حصہ اگر ان خیالات باطلہ کے طور پر ہے تو مذموم اور صرف اس طریق صحیح پر ہو تو ایک تصدق ہے جس سے دفع بلا مقصود اور بیشک صدقہ رد بلا کرتا اور باذنہٖ تعالٰی موت سے بچاتا ہے اگرچہ قضائے الٰہی کا کوئی پھیرنے والا نہیں نطقت بذٰلك احادیث جمة تغنیك عن سردھا شھرتھا فی الامة (ان باتوں پر جملہ احادیث ناطق ہیں کہ جن کا امت میں مشہور ہونا ہی تمھیں ان کی تفصیل پیش کرنے کی ضرورت سے بے نیاز کردے گا۔ت) رہی ہل جوتنے اور بیاہنے کے وقت کی خصوصیت وہ اگر کسی اعتقاد عمل باطل کے ساتھ نہیں نہ اسے تخصیص شرعی وضروری سمجھا جائے تو لاینفع ولایضر (نہ وہ مفید نہ مضر۔ت) کسائر التخصیصات العرفیه التی لاحاجز علیھا من الشرع (باقی تخصیصات عرفیہ کی طرح کہ شریعت میں جن کی کوئی رکاوٹ نہیں۔ت)

(۳) درختوں کو رب خواہ عبد کسی کے نام کا ٹھہرا کر ان کا جلانا اور صرف میں لانا حرام سمجھنا اپنی طرف سے شریعت جدیدہ نکالنا اور بحیرہ وسائبہ مشرکین کی پیروی کرنا ہے جس پر ردوانکار شدید خود قرآن مجید میں موجود۔

وقال تعالٰی "وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ الی قولہ تعالٰی سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ "[1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور مشرک اپنے خیال میں کہنے لگے یہ چوپائے اور کھیتی جن کی بندش کردی گئی ہے ان کو وہی کھائے گا یا کھاسکے گا جسے ہم چاہیں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک: عنقریب اللہ تعالٰی انھیں سزادے گا اس جھوٹ کی جو وہ بناتے رہتے ہیں۔(ت)

مسلمانوں پر ایسی بدعت شنیعہ باطلہ سے احتراز فرض ہے اللہ تعالٰی سے ڈریں اور جلد توبہ کریں۔

(۴) کھیت میں سے حضور پرنور رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پاک پر حصہ دینا اگر یوں ہے کہ حضور کو اس حصہ کا مالک سمجھا جاتا ہے یا اس دینے سے تصدق لوجہ اللہ منظور نہیں بلکہ حضور کی طرف تقرب بالذات مقصود یا یہ سمجھتے ہیں کہ یوں نہ کریں گے تو حضور معاذاللہ ناراض ہوکر مضرت دیں گے کوئی بلا پہنچے گی تو یہ سب اعتقاد باطلہ وفاسدہ وبدعات سیئہ ہیں اور اگر یوں نہیں بلکہ اللہ عزوجل کے لئے تصدق منظور، تو کھیتوں سے ایسا حصہ دینا خود قرآن عظیم میں مطلوب۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۸

قال تعالٰی "وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ یَوۡمَ حَصَادِهٖ"[1]۔	(لوگو!) کھیتی سے (حقداروں کا) حق اس کی کٹائی والے دن ادا کردیا کرو۔ (ت)

اور اس کے روکنے کی مذمت قصہ اصحاب الجنہ میں مذکور۔

قال تعالٰی "فَتَنَادَوۡا مُصۡبِحِیۡنَ ۝ اَنِ اغۡدُوۡا عَلٰی حَرۡثِكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰرِمِیۡنَ ۝ فَانۡطَلَقُوۡا وَهُمۡ یَتَخَافَتُوۡنَ ۝ اَنۡ لَّا یَدۡخُلَنَّهَا الۡیَوۡمَ عَلَیۡكُمۡ مِّسۡكِیۡنٌ ۝"[2] الاٰیات	اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ باغ والے صبح ہوتے ہی سویرے سویرے ایک دوسرے کو بلانے لگے کہ سویرے اپنی کھیتی کی طرف چلو اگر تم اسے کاٹنے کا ارادہ رکھتے ہو پھر وہ چلنے لگے جبکہ وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے کہ آج تمھارے پاس کوئی محتاج نہیں آنا چاہئے۔ (یعنی کسی محتاج کو اپنے قریب نہ آنا دیا جائے) (ت)

اور اس کا ثواب نذر روح اقدس کرنا اس عمل طیب میں طیب وخوبی ہی بڑھائے گا جبکہ کسی عقیدہ باطلہ کے ساتھ نہ ہو اس صورت میں اسے:

"وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِیۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا"[3] الاٰیۃ۔	جو کھیتی اور جانور اللہ تعالٰی نے پیدا کئے ان میں انھوں نے اللہ تعالٰی کا ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ پھر وہ اپنے خیال میں باطل کی بناء پر کہنے لگے یہ اللہ تعالٰی کا حصہ ہے اور ہمارے شریکوں کا۔ الآیۃ (ت)

میں داخل سمجھنا محض جہالت وزبان زوری ہے **کما لایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

(۵) لڑکوں کے سر پر چوٹی رکھنی ناجائز اور فعل مذکور رسوم ملعونہ کفار سے تشبہ ہے جس سے احتراز لازم۔

(۶) جو شخص اپنے احوال مذکورہ بروجوہ مذمومہ سے صدقہ لیتا ہے اگر ان اعتقادات باطلہ میں ان کا شریک تو خود بھی فاسق ومبتدع ہے جس کی امامت مکروہ اور اس کے ہاتھ پر بیعت جہالت ورنہ ان کے لینے سے احتراز چاہئے مگر ان کے فسق وبدعت کا وبال اس کے سر نہ ہوگا۔

قال تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی"[4]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۸/ ۲۱تا۲۴

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۳۶

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

اور اگر وہ صدقات ان شرعی طریقوں پر ہیں جو ہم ذکر کر آئے اور یہ شخص محل صدقہ لینے میں اصلاحرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۹: از بریلی مرسلہ میلاد خواں یکشنبہ ۱۷ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ھذا میں کہ اکثر برادری میں جو کھانے ہوتے ہیں ان کا قاعدہ یہ ہے کہ بسا اوقات نیت اس کے اندر ریاء وتفاخر کی ہوتی ہے اور اس رسم کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص برادری والا ناداری کی وجہ سے نہ کھلا سکے تو اس کو طعنہ دیتے ہیں اور اس کو ایسا لازمی امر خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر نہ کھلائیں گے تو برادری میں ہماری ناک کٹی ہو جائے گی اور اگر پاس نہیں ہوتا تو اس کام کے لئے سودی روپیہ قرض لیتے ہیں پس عرض ہے کہ اس کھلانے کا طعنہ دینے والے کا شرعًا کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائے۔ت)

الجواب:

یہ کھلانا اگر ریاء وتفاخر کی نیت سے ہے تو حرام ہے۔ اگر طعنہ بے جا سے بچنے کو ہے تو اسے مباح اور طعنہ دینے والوں مجبور کرنے والوں کو حرام،

لحدیث اقطع عنی لسانہ وصرح العلماء باستثنائہ من قاعدۃ ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ [1]۔	بوجہ حدیث مجھ سے اس کی زبان کاٹ دیجئے یعنی اس کا منہ بند کردیجئے، اور علماء کرام نے اس قاعدہ (کہ جس کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے) سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔(ت)

اگر ان وجوہ سے پاک بطور صلہ رحم وسلوک حسن وشکر نعمت ومواسات جیران واحبا مواقع فرحت وسرور جائز شرعی میں ہو تو حسن ومستحب۔

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اعمال کا مدار نیتوں پر ہے ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۰: ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

نیا مکان بنایا جائے تو ارتفاع اس کا سات گز سے زیادہ بنانا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ممنوع ہو تو بحوالہ کتاب جواب مرحمت فرمایا جائے۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدہ الرابع عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

الجواب:

عمارات خیر میں جبکہ نیت خیر بروجہ خیر ہو محمود ہے اور اپنے سکونت وغیرہا کے مکانات میں اگر بحاجت ہو تو مباح اور بہ نیت تفاخر بالدنیا ہو تو حرام، **تتطاول فی البنیان** (عمارتوں کی بلندی اور درازی۔ت) علامات قیامت سے ہے۔ یہی محمل ہے اس حدیث کا کہ جب کوئی شخص سات گز سے زیادہ دیوار اٹھاتا ہے فرشتہ کہتا ہے اے منافق! کہاں تک بلند کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: ۷۱ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ مسئولہ مولوی علی احمد صاحب مصنف تہذیب البیان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ناواقف جاہل لوگ بنام نہاد طاق شہید طاق پرستی کرتے ہیں منتیں مانتے ہیں ریوڑی، گٹا، پھول، ہار طاق پر چڑھاتے ہیں، جھک جھک کر سلام کرتے ہیں اپنی حاجت روائی طاق سے چاہتے ہیں۔ اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کے لئے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ سب رسوم جہالت وحماقت وممنوعات بیہودہ ہیں مگر بت پرستی میں اور اس میں زمین آسمان کا فرق ہے یہ جہال پرستش بمعنی حقیقی نہیں کرتے کہ کافر ہو جائیں گے ہاں گنہ گار ومبتدع ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۲: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پختہ مکان بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

پختہ مکان اگر نیک کاموں کے لئے ہو جیسے مسجد ومدرسہ وخانقاہ وسرا تو ثواب ہے اور اپنی ضرورت وحاجت کے ہو تو مباح، اور تفاخر وتکبر کی نیت سے ہو تو حرام، **واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۳: مسئولہ زین العابدین از بنگالہ ضلع پابنا قصبہ سراج گنج ۴ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں رسوم کہ در ملک بنگال چنانست کہ مردمان برائے تولہ فرزندان خانہ دیگر از خانہ بود وباش جداگانہ بنامی کنند وزادن فرزند در خانہ بود وباش بدفالی شمارند	علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس رسم کے بارے میں کیا فرماتے ہیں کہ بنگال میں یہ رواج ہے کہ نومولود کی ولادت کے لئے اس کی ولادت سے قبل الگ کمرہ تعمیر کیا جاتا ہے اور پہلے سے تعمیر شدہ مکان جہاں وہ رہائش پذیر

چنیں قسم خانہ مخصوص در ہر بار بنا نمودن شرعا درست است یا نہ؟ ودر زمانہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بود یانہ؟	ہوتے ہیں اس میں نئے بچے کی ولادت منحوس خیال کی جاتی ہے۔ کیاان کا یہ اقدام شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور حضرت سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسے ہوتا تھا یا نہیں؟(ت)

الجواب:

ایں رسم شنیع درآں زمان پاک اصلا نہ بود بلکہ بعد آں نیز تا قرون متطاولہ بلکہ ہنوز ہم درعامہ ولایت اسلام ازاں نشانے نیست ایں برسم مشرکین وہنود ماند بلکہ ازاں ہم بالاتر رفتہ است ہندوان نیز ایں چنیں نہ کنند ایں کار اگر بخیال ضلال بد فال نبودی اسراف بودے واللہ تعالیٰ یقول "وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾"[1] اسراف نکنید کہ خدائے دوست ندارد واسراف کنندگان را بلکہ بوجوہ خلو از فائدہ تبذیر بودے واللہ تعالیٰ یقول "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ"[2] مال بے سود برباد دہندگان برادران شیاطین اند حالانکہ بتنی براں وہم شیطانی ست ضلالی دگر برآں افروز سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	یہ قبیح رسم اس پاک زمانے میں بالکل نہ تھی بلکہ اس کے بعد بھی عرصہ دراز تک بلکہ اب تک عام اسلامی ممالک میں اس کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا، یہ ہندوانہ اور مشرکانہ رسوم کے مشابہ بلکہ ان سے بھی بدتر ہے کیونکہ ہندو بھی ایسا نہیں کرتے اگر یہ عمل بدفالی اور گمراہی کے خیال سے نہ ہو تب بھی بوجہ اسراف معیوب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ لوگو! بے جا خرچ کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو فضول خرچ کرنے والے لوگ پسند نہیں تم اسراف نہ کیا کرو اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں بناتا، یہ اقدام متعدد وجوہ کی بناپر فائدے اور بھلائی سے خالی ہے اور تبذیر کے زمرے میں آتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "مال کو بے مقصد برباد کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں" اس وہم کی بنیاد شیطانی ہے مزید یہ کہ اس میں بدفالی

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷

فرمود الطیرۃ من الشرک بدفال گرفتن وبراں کاربند شدن شیوہ مشرکان رواہ الائمۃ الاحمد [1] فی المسند والبخاری فی الادب المفرد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والحاکم فی صحاحھم کلھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح ومعنی الحدیث علی مافسرنا کما افصحت عنہ الاحادیث وحققہ العقول۔واللہ تعالٰی اعلم۔	وبد شگونی والی گمراہی بھی شامل ہے۔آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بری فال نکالنا اور اس پر کار بند ہونا مشرکین کا طریقہ اور دستور ہے،چنانچہ ائمہ کرام مثلا امام احمد نے مسند میں امام بخاری نے الادب المفرد میں ابو داؤد،ترمذی،نسائی،ابن ماجہ اور حاکم نے اپنی صحاح میں بحوالہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سند صحیح کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے حدیث کے وہی معنی ہیں جو ہم نے بیان کردیئے ہیں جیسا کہ احادیث سے واضح اور عیاں ہے۔اور "عقول" نے اس کی تحقیق کی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۴: از اتروالی ضلع اعظم گڑھ محلّہ مغلاں مرسلہ اکرام عظیم صاحب ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وملت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو مسلمان جوابات شرعیہ کو نہ مانے اور اپنے رواجہائے قدیمہ پر اڑا رہے وہ گنہ گار ہے یا کیا ہے؟

الجواب:

جو احکام شرع کے مقابل اپنے رواج پر اڑے وہ سخت گنہ گار ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۵،۷۶: مرسلہ ولی محمد ابونوی والہ از مقام دھوراجی متصل اسکول ملک کاٹھیاواڑ سہ شنبہ ۲۲ شعبان ۱۳۳۲ھ

(۱) حضرت مولانا مقتدانا جناب مولانا مفتی احمد رضاخاں صاحب شمس العلماء دام افضالہ بعد ادائے آداب دست بستہ ملتمس می دارم کہ یہاں عام طور سے تمام شہر متفق ہے کہ درخت پیپتہ جس کو

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۳۸، جامع الترمذی ابواب السیر امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۴، کنز العمال بحوالہ ط،حم،و،ہ،ک حدیث ۲۸۵۶۸،۲۸۵۶۹، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۱۳

ارنڈ خربزہ کہتے ہیں مکان مسکونہ میں لگانا منحوس ہے اور منع ہے چونکہ یہاں یہ بکثرت اور نہایت لذیذ ہیں لہذا التماس ہے کہ اس بارے میں احکام شرعی سے مع حوالہ کتب بالتشریح خبر دار کیجئے؟

(۲) دیگر اگر خواب میں کوئی ریل میں سفر کرتا ہوا خود کو دیکھے اس کی کیا تعبیر ہے؟

الجواب:

(۱) شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں، شرع نے نہ اسے منحوس ٹھہرایا نہ مبارک، ہاں جسے عام لوگ نحس سمجھ رہے ہیں اس سے بچنا مناسب ہے کہ اگر حسب تقدیر اسے کوئی آفت پہنچے ان کا باطل عقیدہ اور مستحکم ہوگا کہ دیکھو یہ کام کیا تھا اس کا یہ نتیجہ ہوا اور ممکن کہ شیطان اس کے دل میں بھی وسوسہ ڈالے، ردالمحتار میں ہے:

اماالدبسی والصلصل والعقعق واللقلق واللحام فلا یستحب اکلھا وان کانت فی الاصل حلالالتعارف الناس باصابة آفة لاکلھا فینبغی ان یتحرز عنه[1] الخ نقله عن غرر الافکار۔	الدبسی (کبوتر کی مانند ایک چھوٹا سا پرندہ ہے در حقیقت یہ جنگلی کبوتر کی ایک قسم ہے) الصلصل (امام جوہری نے کہا کہ یہ فاختہ ہے) العقعق (کوے کی شکل پر کبوتر کے برابر ایک پرندہ ہے لیکن اس کی دم کبوتر کی دم سے دراز ہوتی ہے اور پر بھی اس سے بڑے ہوتے ہیں۔ اس کا رنگ سیاہ اور سفید ہوتا ہے) اللقلق (عجمی نام والا پرندہ ہے جو سانپ کھاتا ہے اس کی حلت اور حرمت میں اختلاف ہے چنانچہ بعض کے نزدیک حلال ہے اور بعض کے نزدیک حرام) اللحم (ایک قسم کی بڑی مچھلی ہے جو سونڈ سے تلوار کی طرح کاٹ دیتی ہے) ماخوذ از حیات الحیوان اول ودوم)، _____ ان سب کا کھانا بہتر نہیں اگر چہ در حقیقت یہ حلال ہیں اس لئے کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ ان کے کھانے سے مصیبت آتی ہے لہٰذا ان کے کھانے سے پرہیز کیا جائے (اگر کھالیا اور تقدیر سے مصیبت آگئی تو عام لوگوں کا عقیدہ خراب ہوجائے گا) علامہ شامی نے غرر الافکار سے اسے نقل فرمایا (ت)

(۲) خواب میں سفر اگر مذموم بات کے لئے نہ ہو تو دلیل ظفر اور مرض سے صحت ہے **لحدیث سافروا تصحوا**[2] (سفر کرو تاکہ تندرست رہو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الذبائح تحت قول الماتن قبیل الخفاش داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۴

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۸۰

مسئلہ ۷۷: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ واحد یار خاں ۴ صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قوم میں یہ دستور ہے کہ وقت شادی یا غمی کے دس بیس روپے اپنے پاس ہوتے ہیں تو سوپچاس روپے سودی لے کر واسطے برادری کے کھانے پینے کا سامان کرتے ہیں اور جب لڑکی اپنے شوہر کے مکان پر جاتی ہے لڑکی کا باپ اپنے ہمراہ سو دوسو آدمی لیجاتا ہے وہ سب لوگ لڑکی کے شوہر کے مکان پر کھانا کھاتے ہیں بعد کھانا کھانے کے لڑکی کا باپ اپنا نیوتہ وصول کرتا ہے پس جس قدر آدمی زیادہ ہوں گے نیوتہ کا روپیہ زیادہ آئے گا اگر قرضدار ہوا یا برباد ہوا تو اس سے کچھ غرض نہیں لڑکا، باپ یا برادر جب تک چار بار روٹی نہ کھائیں نیوتہ نہ دیں گے یعنی منڈھا اور اور برات اور لودایہ وقت کھانوں کے مقرر ہیں۔برادری زور دے کر کھانے لیتی ہے خیر جب لڑکے کا باپ شادی سے فارغ ہو کر قرض ادا کرنے کی طرف متوجہ ہوا تو یہ بات ظاہر ہے کہ گھر والوں کو غریب آدمی کے مکان پر پیٹ بھر کر روٹی اور تن بھر کپڑا جب تک قرض ادا نہ ہو جائے درمیان میں یہ فساد پیدا ہو جاتا ہے کہ لڑکی اپنے ماں باپ کے مکان پر جا بیٹھتی ہے کہ روٹی کپڑا تو ہے نہیں ایسے شوہر کے مکان پر جا کر کیا کروں اور بڑے سے۔بڑے فساد پیدا ہو جاتے ہیں کہ جن کو بیان نہ کرنا بہتر ہے یہ رسم شرعًا یا جہالت کی۔زید کہتا ہے سودی روپیہ جو دے اس پر خدا کی لعنت اور جو کوئی واسطے شان وشوکت کے لئے اس پر بھی خدا کی لعنت اور جو۔برادر کہ جانتے ہیں کہ یہ کھانا پینا سودی روپیہ لے کر ہمارے واسطے کیا گیا ہے پھر جان کر کھائیں تو ان کھانے والوں کے واسطے کیا حکم ہے؟اور جو اس قوم کا آدمی بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کی نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟اور اگر یہ قوم توبہ نہ کرے تو داخل امت محمدی میں ہے یا نہیں؟**بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک سود کھانے والے پر حدیث میں لعنت فرمائی ہے،اور بے ضرورت ومجبوری شرعی جو سود دے سودی قرض لے اس پر بھی لعنت فرمائی اور غم میں تو برادری کا کھانا دینا گناہ ہے اور شادی میں اگرچہ جائز ہے مگر سودی قرض اس کے لئے لینا حرام، وباعث لعنت ہے۔اہل برادری کو معلوم ہو تو انھیں اس کھانے میں شرکت نہ چاہئے کہ انھیں کے لئے وہ اس گناہ کا مرتکب ہوا،اگر لوگ جانیں کہ سودی قرض لے کر جو کھانا کیا جائے برادری اسے نہ کھائے گی تو ہرگز ایسی حرکت نہ کریں،پھر بھی یہ باتیں معاذاللہ کفر نہیں کہ توبہ نہ کریں تو امت میں نہ رہیں یا اس پر جنازہ کی نماز نہ ہو،یہ سب غلط خیال ہیں۔نیوتہ وصول کرنا شرعا جائز ہے اور دینا ضروری ہے کہ وہ قرض ہے اور سو دو سو آدمی دعوت کے لئے ہمراہ لینا بھی جائز ہے جب تک دعوت دینے والے کی مرضی سے ہو وہاں اگر اس کے خلاف مرضی ہو اور مجبوری کے لئے شرماشرمی دے

تو وہ کھانا حرام ہے اور اتنے آدمی لے جانا حرام ہے جانے والے چورین کر جائیں گے، اور لٹیرے بن کر نکلیں گے یہ حدیث کا ارشاد ہے نہ کہ جب دبا کر لیں کہ اس کے صریح حرام ہونے میں کیا کلام ہے اور چار وقت کے کھانے کا بوجھ بلا مرضی ڈالنا اور بغیر اس کے نیوتہ نہ دینا یہ بھی حرام ہے۔ ایسی ناپاک رسموں کا ترک فرض ہے **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** (اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ اور اس کا علم جس کی بزرگی بڑی ہے زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ ت)

مسئلہ ۷۸ تا ۸۰: از ضلع برسیاں ملک بنگال پوسٹ آفس سامر ہاٹھ کاؤ گوریدی مسئولہ رکن الدین احمد روز پنجشنبہ ۱۵ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بعد ولادت مولود ناری چھید کرنا آیا دائی جو گاؤں میں مقرر ہوتی ہے یا جنائی جو ہر گھر کی عورتیں ہوتی ہیں انھوں کے ساتھ کچھ خصوصیت ہے یا جوں توں کر سکتا ہے۔ بر تقدیر ثانی وثالث منکرین پر شرعاً کیا حکم ہے؟

(۲) اگر اہل محلّہ دائی کے ساتھ خصوصیت جان کر اس فعل قبیحہ خاص کے لئے ایمان دار بھائیوں کو اہانت اور بے عزت کریں مثلاً ان لوگوں کے ساتھ اٹھک بیٹھک کھانا پینا نہ کریں بلکہ کہیں کہ اگر شرع میں بھی ہے تو بھی نہ کرنا کیونکہ رواج کے خلاف ہے اور خاص کرکے اس فعل خاص پر رواج کے پابند ہونا ضرور ہے تو شرع میں ان لوگوں پر کیا حکم ہے؟

(۳) شریعت کے خلاف جو رواج ہوا اپنے نام وناموس کی رعایت سے اسی رواج کی پاسداری کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اولٰی کیوں جائز اور اس کی کیا دلیل؟ بر تقدیر ثانی مبنین رواج مذمومہ پر شرعاً کیا حکم ہے؟ **بینوا حکم الکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب کا حکم بیان کرو تاکہ روز حساب اجر وثواب پاؤ۔ ت)

الجواب:

(۱) بچہ کی ناری چھیدنا سنت ہے اور اس کی خصوصیت کوئی نہیں کہ یہ کام دائی جنائی کرے یا باپ بھائی کرے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دائی جنائی کے ساتھ خاص ہے اوروں کو جائز نہیں وہ دل سے مسئلہ نکالتے ہیں اور شریعت پر افتراء کے گنہگار ہوتے ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: تمھاری زبانیں جو کچھ جھوٹ بیان کرتی ہیں اس کے بارے میں یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے تاکہ تم اللہ تعالٰی پر

اَلَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾" [1] واللہ تعالٰی اعلم	جھوٹ باندھو، بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں۔ اور اللہ تعالٰی بڑے علم والا ہے۔ (ت)

(۲) یہ بلاوجہ اپنے بھائیوں سے انقطاع اور مسلمانوں کی ایذاء اور کئی وجہ سے حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ [2]۔	جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالٰی کو ایذا دی (ت)

دوسرے فریق کو بھی چاہئے جب لوگ اس قدر اس سے پریشان ہوتے اور نفرت کرتے ہیں تو کیوں ایسی بات کریں جس سے ایک مباح کے پیچھے باہم تفرقہ وفتنہ ہو ہاں ان میں جو اہل علم ومقتدا و صاحب اثر ہوں وہ کریں تاکہ لوگوں کے قلب سے یہ غلط بات رفع ہوجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) یہ رواج کہ خود نہیں کرتے بجائے خود کچھ خلاف شرع نہیں کہ شریعت نے یہ کام خود کرنا واجب نہ کیا ہاں یہ سمجھنا کہ خود کرنا جائز نہیں اعتقاد باطل ہے اور اگر جائز تو جانتے ہیں مگر بلحاظ عوام بدنامی ومطعونی سے بچنے کو اس پر اصرار کرتے ہیں تو ایک وجہ رکھتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۱: للہ ٹھیرا مرادآباد مسئولہ حافظ محمود حسن روز دوشنبہ بتاریخ ۲۶ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ صفر کے اخیر چہار شنبہ کے متعلق عوام میں مشہور ہے کہ اس روز حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرض سے صحت پائی تھی بنابر اس کے اس روز کھانا اور شیرینی وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اور جنگل کی سیر کو جاتے ہیں علی ہذا القیاس مختلف جگہوں میں مختلف معمولات ہیں کہیں اس روز کو نحس ونامبارک جان کر گھر کے پرانے برتن گلی تڑوالیتے ہیں اور تعویذ وچھلہ وچاندی کہ اس روز کی صحت بخشی جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مریضوں کو استعمال کراتے ہیں یہ جملہ امور بربنائے صحت یابی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمل میں لائے جاتے ہیں لہذا اصل اس کی شرع میں ثابت ہے کہ نہیں؟ اور فاعل عامل اس کا بربنائے ثبوت یا عدم ثبوت گرفتار معصیت ہوگا یا قابل ملامت وتادیب؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

الجواب:

آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحت یابی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کوئی ثبوت بلکہ مرض اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتائی جاتی ہے اور ایک حدیث مرفوع میں آیا ہے:

آخر اربعاء فی الشهر یوم نحس مستمر[1]۔	ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ دائمی نحوست والا دن ہے۔(ت)

اور مروی ہوا کہ ابتدا ابتلائے سیدنا ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسی دن تھی اور اسے نحس سمجھ کر مٹی کے برتن توڑ دینا گناہ واضاعت مال ہے۔ بہر حال یہ سب باتیں بے اصل وبے معنی ہیں **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۲: مسئولہ طوطی ہند اسرار الحق خان وسہیل ہند غلام قطب الدین صاحب از جبلپور چہار شنبہ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

ماہ صفر کے اخیر چہار شنبہ کو ساتوں سلام یعنی "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ ﴿۵۸﴾"[2] وغیرہ جلسہ میں پڑھ کر اور آم کے ساتھ پتوں پر لکھ کر ایک نئے گھڑے میں پانی منگا کر اس میں پتے دھو کر بطور تبرک سب کو پلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

قرآن عظیم کی ہر آیت ہمیشہ نور وہدٰی وبرکت وشفاء ہے اور اس چہار شنبہ کی تخصیص محض بے معنی، بہر حال نفس فعل میں حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۳: از کیلا کھیڑا ڈاکخانہ باز پور ضلع نینی تال مرسلہ محمد عبدالمجید خان صاحب ۱۱ ذی ۱۳۳۵ھ

یہ جو بعض جہلا غرض ڈورے کیا کرتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ خاتون جنت ہر کسی گھر ماہ ساون بھادوں میں جایا کرتی اور ایک ایک ڈورا ان کے کان میں باندھ کر یہ کہا کرتیں کہ پوریاں پکا کر فاتحہ دلا کرلانا اس کی کچھ سند ہے یا واہیات ہے؟

الجواب:

یہ ڈوروں کی رسم محض بے اصل ومردود ہے اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہا کی طرف

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۹۳۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۲

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۵۸

اس کی نسبت محض جھوٹ برا افترا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدا بخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اکثر لوگ ۳، ۱۳ یا ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸ وغیرہ تواریخ پنجشنبہ ویک شنبہ وچہار شنبہ وغیرہ ایام کو شادی وغیرہ نہیں کرتے، اعتقاد یہ ہے کہ سخت نقصان پہنچے گا، ان کا کیا حکم؟

الجواب:

یہ سب باطل وبے اصل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۵: از مقام رام باغ ڈاکخانہ خاص ضلع دیرہ دون مرسلہ حکیم محمد فضل الرحمٰن صاحب مورخہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جیسے یہ مثال یا مثلہ اہل اسلام میں رائج عملدرآمد کے ساتھ ہے کہ بہن کے گھر بھائی کتا اور خوشدامن کے گھر داماد کتا، جہاں تک دریافت ہوا ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثال ہنود کے یہاں قطعی طور پر ارئج ہے مگر اہل اسلام میں نہایت سرگرمی کے ساتھ شامل کرلیا ہے اور اس پر عملدرآمد کیا جاتا ہے وہ لوگ جو بہن کے گھر یا خوشدامن کے گھر رہتے ہیں نہایت بری نظر اور بے عزتی کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں آیا ازروئے شرع شریعت بہن کے گھر بھائی کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور خوشدامن کے گھر داماد کا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ کن وجوہات سے اس کا رواج اسلام میں یا اتفاق سے ہندوستان کے ہر طبقہ میں پھیلا ہوا ہے اس کی اصلیت کیا ہے؟ امید کہ بواپسی مطلع فرمایا جائے۔ فقط

الجواب:

رسم مردود ہنود یہ ہے یہ ہے کہ بہن بیٹی کے گھر کا پانی پینا برا جانتے ہیں کھانا تو بڑی چیز ہے یہ رسم ضرور ناپاک ومردود ہے۔ مولٰی سبحانہ وتعالٰی قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ	نہ اندھے پر تنگی نہ لنگڑے پر نہ بیمار پر نہ آپ تم پر کہ اپنی اولاد کے گھر کھانا کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر یا ماں کے گھر یا بھائیوں کے گھر یا بہنوں کے گھر یا چچا کے گھر یا پھوپی کے گھر یا ماموں کے گھر یا خالہ کے گھر یا جس کی کنجیاں تمھارے

اَعۡمَامِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ عَمّٰتِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ اَخۡوَالِكُمۡ اَوۡ بُيُوۡتِ خٰلٰتِكُمۡ اَوۡ مَامَلَكۡتُمۡ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوۡ صَدِيۡقِكُمۡ ؕ "[1]	اختیار میں ہیں یا اپنے دوست کے یہاں۔

اس اجازت میں جیسے ایک وقت کا کھانا داخل ہے یوں ہی بشرط رضا وعدم بار چند وقت کا خصوصا جبکہ بہن یا ساس یا ان لوگوں کا مکان دوسرے شہر میں ہو اور یہ بعد مدت ملنے کو جائے جب تک یہ نہ جانے کہ ان پر بار و ناگوار نہ ہوگا جہاں تک ایسے تعلقات میں ایسے بعد سے اتنے دنوں بعد مہمان داری معروف ہے بلاشبہہ رہ سکتا ہے ہاں اتنا رہنا کہ اکتا جائے اور ناگوار ہو ناجائز اور وہ کھانا بھی ناجائز اگرچہ ماں باپ ہی کا گھر ہو، ہاں ماں باپ جبکہ محتاج ہو مالدار اولاد کے یہاں جتنے دن چاہیں رہ سکتے ہیں اگرچہ اسے ناگوار ہو کہ اس کے مال میں اتنا ان کا حق ہے اس کی بے مرضی بھی لے سکتے ہیں یہ سب عارضی طور پر رہنے میں کلام تھا اب جو لوگ معیوب جانتے ہوں ان کا زعم بالکل مردود واتباع کفار ہنود ہے۔ رہا دوسرے کے یہاں سکونت اختیار کرنا یہ سوا محتاج ماں باپ کے کسی کے گھر بے اس کی رضا کے اصلا حلال نہیں اگرچہ بھائی یا باپ کے یہاں ہو اگرچہ فقط سکونت ہو کھائے اپنا مگر وہ کسب سے عاجز و محتاج جس کا نفقہ شرع نے اس صاحب مکان پر واجب کیا یہ رہ سکے گا اور کھانا بھی اسی کے سر کھائیگا اسے گوارہ ہو خواہ ناگوار، بھائی ہو یا بہن، ساس اس میں داخل نہیں کہ اس کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہو سکتا ہاں عاجز محتاج کا نفقہ جس پر شرعًا لازم ہے اگر نہ وہ اس کی اولاد میں ہے نہ یہ اس کی اولاد میں تو بے اس کی رضا کے جبرا اس کا بار اس پر ڈالنا بحکم حاکم ہوگا خود یہ اس کا اختیار نہیں رکھتا، ردالمحتار میں ہے:

نفقة قرابة غير الولاد وجوبها لا يثبت الا بالقضاء او الرضاء[2]۔	ایسے رشتے دار کا خرچہ جو اولاد میں شامل نہ ہو اس کے خرچے کا وجوب فیصلہ قاضی یا خرچہ دینے والے کی رضامندی کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتا۔

حکم شرع یہ ہے اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل ہے ظاہرا یہ تخصیص اس خیال سے ہو کہ بہن کا اپنا گھر اور مال غالبا نہیں ہوتا بلکہ اس کے شوہر کا اور وہ اگر ناگواری نہ ظاہر کرے تو غالبًا مروت اور اپنی

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱

زوجہ کی رعایت سے اور ساس جو کچھ کرے گی اپنی بیٹی کے دباؤ سے اور یہ جائز نہیں لہٰذا اس سے احتراز کرنا چاہئے اگرچہ ناگواری ظاہر نہ ہو کہ ظاہر ناگواری ہے اور بہن فقط مثال ہے بیٹی بھتیجی بھانجی کا بھی یہی حال ہے جبکہ مال ومکان ان کے شوہروں کا ہو شرعا بھائی بھتیجے بھانجے کا بھی یہی حاکم ہے جبکہ مروت وخاطر مع ناگواری باطن ہو مگر یہاں مروت خود اس کی ذات کے باعث ہے اور وہاں دی ہوئی بیٹی کے ذریعہ سے لہٰذا اسے زیادہ معیوب سمجھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۶تا۸۸: از شہر کوٹہ راجپوتانہ محلّہ لاڈپورہ معرفت گانس بہروکے مسئولہ الٰہی بخش لوہار ۲۸ جمادی الاولی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) شادی میں ہندوؤں کی رسم کے موافق گانے اور باجے کے ساتھ کمھار کے گھر سے برتن لانے کے واسطے کیا حکم ہے؟

(۲) شادی میں کپڑا پہناتے وقت ہندوؤں کی طرح پیشانی میں ہلدی کا ٹیکا لگانا کیسا ہے؟

(۳) لڑکے کی سالگرہ کے روز لچھے میں عمر کی گرہ لگانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) ناجائز ہے وگناہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ناجائز وگناہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۳) ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۹: از دیوگڑھ میواڑ راجپوتانہ مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں دونوں عیدوں پر مسلمان بڑے تزک واحتشام سے اسلام کی شان وشوکت ظاہر کرتے ہیں یعنی نماز کے لئے جاتے وقت توپوں کے فیر ہوتے ہیں اور نشان وگھوڑا وتاشے بجتے ہوئے عیدگاہ کو جاتے ہیں اور قاضی صاحب شاہی جامہ پہنتے ہیں بعد فراغت نماز دوسرے دروازہ سے شہر میں داخل ہوتے ہیں یہ محض اسلامی شان وشوکت بمقابلہ کفار کی جاتی ہے اور تمام لوازمہ منجانب رئیس ریاست یہاں کے آتا ہے۔ اگر تاشے وغیرہ موقوف کئے جائیں تو فتنہ وفساد برپا ہونے کی صورت میں اس میں کوئی خرابی تو لازم نہیں آتی ہے؟

الجواب:

عید کے لئے نشان لے جانا اور عمدہ لباس پہننا تو سنت ہے اور گھوڑے کی سواری بھی فی نفسہٖ

مسنون ہے اگرچہ عیدگاہ جانے کے لئے وارد نہیں اور مصلحت کے لئے وہاں ہاتھی کی سواری یا کوتل ہاتھی گھوڑے اور توپوں کے فَیر میں بھی حرج نہیں ایسے شہر میں ایسی رسم کو بند کرنا سراسر خلاف مصلحت ہے اس میں صرف غازیوں کا سا طبل ہو جسے دہل کہتے ہیں تاشے نہ ہوں۔

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوٰی[1]۔	کاموں کا مدار ارادوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔(ت)

اظہار شوکت کی اصل حج میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رمل واضطباع اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس کا حکم فرمانا اور شک نہیں کہ وہاں اس طریقہ کے بند کرنے میں مشرکین کی فرحت شادی اور ان کی نگاہوں میں معاذاللہ اسلام کی سُبکی کا باعث ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
ھادی الناسِ فی رُسُوم الاعراس
(شادیوں کی رسومات کے بارے میں لوگوں کے لئے راہنما)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۹۰: از کانپور مدرسہ فیض عام مرسلہ مولوی احمد حسن صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کہ ہمارے دیار میں اس طرح کا رواج ہے کہ شادی کے دن طرح بطرح کا تماشا کرتے ہیں یعنی آتشبازی وبندوق اور گانا بجانا، اور لکڑی کھیلنا وغیرہ ان سب سامان کے ساتھ نوشاہ کو پالکی پر سوار کرکے تماشا کرتے ہوئے دلہن کے مکان میں جاتے ہیں۔ آیا یہ سب امور مذکورہ بحسب شرع شریف جائز ہیں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

نوشہ کو پالکی میں سوار کرنا مباح وجائز ہے لان من الرسوم العامۃ التی لا مضر فیھا من الشرع اس لئے کہ یہ ان عادی رسموں میں سے ہے شریعت میں جن پر کوئی طعن نہیں۔ت) اور لکڑی پھینکنا بندوقیں چھوڑنا اور اس قسم کے سب کھیل جائز ہیں جبکہ اپنے اور دوسرے کی مضرت کا اندیشہ نہ ہو، اور ان سے مقصود ان کوئی غرض محمود جیسے فن سپہگری کی مہارت ہو، نہ مجرد لہو ولعب لانھما من جنس المنضال المستثنٰی فی الحدیث (کیونکہ یہ وہ کھیل ہیں جن کو حدیث میں مستثنٰی قرار دیا گیا ہے۔ت) اور اگر

صرف کھیل کود مقصود ہو تو مکروہ۔

فی الدرالمختار کرہ کل لھو لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کل لھو المسلم حرام الا ثلاثہ ملا عبتہ باھلہ وتادیبہ لفرسہ و مناضلتہ بقوسہ [1] اھ،وفی رد المحتار فی الجواھر قد جاء الا ثر فی رخصتہ المصارعۃ لتحصیل القدرۃ علی المقاتلۃ دون التلھّی فانہ مکروہ اھ والظاھر انہ یقال مثل ذٰلك فی تادیب الفرس والمناضلۃ بالقوس [2] اھ وفیہ عن القھستانی عن الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیۃ یجوز [3] اھ وفی الدر المصارعۃ لیست ببدعۃ الا للتلھی فتکرہ برجندی [4] وفیہ وکذا یحل کل لعب خطر لحاذق تغلب سلامتہ	در مختار میں ہے ہر کھیل مکروہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ مسلمان کے لئے ہر کھیل حرام ہے سوائے تین کے (یعنی مسلمان کے لئے سوائے تین کے باقی ہر کھیل حرام اور ممنوع ہے اور جو تین کھیل مباح ہیں وہ یہ ہیں) (۱) خاوند کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا (دل لگی کرنا) (۲) اپنے گھوڑے سے کھیلنا (اس کی تربیت اور سکھلائی کرنا) اور (۳) اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا اھ، فتاوٰی شامی میں الجواہر کے حوالہ سے ہے کہ حدیث میں باہم کشتی کرنے کی اجازت موجود ہے یعنی جنگ وجہاد کے لئے قوت حاصل کرنے کے لیے نہ کہ کھیل کود کے لیے کیونکہ محض کھیل کود تو مکروہ ہے اھ اور ظاہر یہ ہے کہ اس طرح کا اطلاق گھوڑے کو سکھانے اور کمان سے تیر اندازی کرنے پر کیا جاتا ہے اھ، اسی میں قہستانی سے بحوالہ الملتقط مرقوم ہے جس کسی نے صولجان یعنی گھڑ دوڑ کا کھیل کیا تو یہ جائز ہے اھ۔ در مختار میں ہے کہ باہم کشتی کرنا بدعت نہیں مگر یہ کہ محض کھیل کود کے لئے نہ ہو برجندی اھ اور اسی میں ہے کہ ہر ایسا

[1] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳و۲۵۸

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۸

[4] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

کرمی الرام وصید لحیة ویحل التفرج علیھم حینئذ [1] اھ وفیه عند المباحات والسباحة و الصولجان والبندق ورمی الحجر واشالته بالید و الشباك والوقوف علی رجل [2] الخ فی الشامیة البندق المتخذ من الطین ط و مثله المتخذ من الرصاص [3]۔	کھیل جو کسی ماہر کو کھٹکے میں ڈال دے مگر اس میں سلامتی غالب ہو وہ جائز ہے جیسے کسی تیر انداز کے لئے تیر اندازی کرنا اور کسی قبیلہ کے لئے شکار کرنا، پھر ان پر اس وقت خوشی کرنا جائز ہے اھ انہی مباح کاموں کو شمار کرنے کے سلسلہ میں ہے تیرنا، گھڑ دوڑ کرنا، ڈھیلے پھینکنا، تیر مارنا، (الشباک) آپس میں ایک دوسرے کی بند مٹھیاں کھولنا اور ایک پاؤں پر کھڑا ہونا وغیرہ الخ (یہ سب کھیل جائز اور مباح ہیں) فتاوٰی شامی میں ہے "البندق" جو گارے سے تیار کیا جائے اور اسی کی مانند وہ ہے جو سیسہ سے بنایا جائے۔ (ت)

آتشبازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں تضییع مال ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا۔

قال اللہ تعالٰی " لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ " [4]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کسی طرح بے جا نہ خرچ کیا کرو کیونکہ بے جا خرچ کرنیوالے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بہت بڑا ناشکر گزار ہے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی کرہ لکم ثلثا قیل وقال واضاعة المال وکثرة السوال، رواہ البخاری [5] عن المغیرة بن	بے شک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے تین کاموں کو ناپسند فرمایا: (۱) فضول باتیں کرنا (۲) مال کو ضائع کرنا (۳) بہت زیادہ سوال کرنا اور

---

[1] الدر المختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۹

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶و۲۷

[5] صحیح البخاری کتاب الزکوة باب قول اللہ تعالٰی لا یسئلون الناس الحافا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۰و۲/ ۸۸۴، صحیح مسلم کتاب الاقضیة باب النھی عن کثرة المسائل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵و۷۶

شعبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مانگنا، امام بخاری نے اس کو حضرت مغیرہ بن بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے(ت)

شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

من البدع الشنیعۃ ماتعارف الناس فی اکثر بلاد الھند من اجتماعھم للھو واللعب بالنار، واحراق الکبریت[1] اھ مختصرًا۔	بری بدعات میں سے یہ اعمال ہیں جو ہندوستان کے زیادہ تر شہروں میں متعارف اور رائج ہیں جیسے آگ کے ساتھ کھیلنا اور تماشہ کرنے کے لئے جمع ہونا گندھک جلانا وغیرہ اھ مختصرًا (ت)

اسی طرح یہ گانے بجانے کہ ان بلاد میں معمول ورائج ہیں بلاشبہہ ممنوع وناجائز ہیں خصوصا وہ ناپاک وملعون رسم کہ بہت خران بے تمیز احمق جاہلوں نے شیاطین ہنود ملاعین بے بہود سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس کے حاضرین وحاضرات کو لچھے دار سنانا سمدھیانہ کی عفیف وپاکدامن عورتوں کو الفاظ زنا سے تعبیر کرنا کرانا خصوصا اس ملعون بے حیا رسم کا مجمع زنان میں ہونا ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا، قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا، بے غیرت، خبیث، بے حمیت مردوں کا اس شہدہ پن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کو دکھاوے کہ جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا، مگر بندوبست قطعی نہ کرنا، یہ وہ شنیع، گندی اور مردود رسم ہے جس پر صدہا لعنتیں اللہ عزوجل کی اترتی ہیں اس کے کرنے والے اس پر راضی ہونے والے۔ اپنے یہاں اس کا کافی انسداد نہ کرنے والے سب فاسق فاجر، مرتکب کبائر مستحق غضب جبار و عذاب نار ہیں والعیاذ باللہ تبارک وتعالٰی، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو ہدایت بخشے آمین، جس شادی میں یہ حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز شریک نہ ہوں اور اگر نادانستہ شریک ہوگئے تو جس وقت اس قسم کی باتیں شروع ہوں یا ان لوگوں کا ارادہ معلوم ہو تو سب مسلمان مردوں عورتوں پر لازم ہے کہ فورا اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی جورو بیٹی، ماں، بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں، ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے والعیاذ باللہ رب العالمین۔ زنہار زنہار اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی

[1] ماثبت بالسنۃ ذکر شہر شعبان المقالۃ الثالثۃ ادارہ نعیمیہ رضویہ موچی گیٹ لاہور ص ۲۸۲

بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت ومروت روانہ رکھیں کہ:

لاطاعة لاحد فی معصیة الله تعالٰی[1]۔	الله تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔(ت)

ہاں شرع مطہر نے شادی میں بغرض اعلان نکاح صرف دف کی اجازت دی ہے جبکہ مقصود شرع سے تجاوز کرکے لہو مکروہ و تحصیل لذت شیطانی کی حد تک نہ پہنچے، ولہذا علماء شرط لگاتے ہیں کہ قواعد موسیقی پر نہ بجایا جائے، تال سم کی رعایت نہ ہو نہ اس میں جھانج ہوں کہ وہ خواہی نخواہی مطرب وناجائز ہیں۔ پھر اس کا بجانا بھی مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے۔ نہ شرف والی بیبیوں کے مناسب بلکہ نابالغہ چھوٹی چھوٹی بچیاں یا لونڈیاں باندیاں بجائیں، اور اگر اس کے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے سہاگ ہوں جن میں اصلانہ فحش ہو نہ کسی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق وفجور کی باتیں، نہ مجمع زنان یا فاسقان میں عشقیات کے چرچے نہ نامحرم مردوں کو نغمہ عورات کی آواز پہنچے، غرض ہر طرح منکرات شرعیہ ومظان فتنہ سے پاک ہوں، تو اس میں مضائقہ نہیں۔ جیسے انصار کرام کی شادیوں میں سمدھیانے جاکر یہ شعر پڑھا جاتا تھا:

اتیناکم اتیناکم　　فحیانا وحیاکم[2]

یعنی ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے تمھیں بھی جلائے یعنی زندہ رکھے۔

پس اس قسم کے پاک وصاف مضمون ہوں، اصل حکم میں تو اسی قدر کی رخصت ہے مگر حال زمانہ کے مناسب یہ ہے کہ مطلق بندش کی جائے کہ جہال حال خصوصا زنان زمان سے کسی طرح امید نہیں کہ انھیں جو حد باندھ کر اجازت دی جائے اس کی پابند رہیں اور حد مکروہ وممنوع تک تجاوز نہ کریں۔ لہذا سرے سے فتنہ کا دروازہ ہی بند کیا جائے نہ انگلی ٹیکنے کی جگہ پائیں گی نہ آگے پاؤں پھیلائیں گی، خصوصا بازاری فاجرہ فاحشہ عورتوں، رنڈیوں، ڈومنیوں کو تو ہرگز ہرگز قدم نہ رکھنے دیں کہ ان سے حد شرع کی پابندی محال عادی ہے۔ وہ بے حیائیوں فحش سرائیوں کی خوگر ہوتی ہیں

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۷، ۶۶، المعجم الکبیر حدیث ۳۱۵۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۲۰۸، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب فی الغناء والدف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸

منع کرتے کرتے اپنا کام کر گزریں گی بلکہ شریف زادیوں کا ان آوارہ بدوضعوں کے سامنے آنا ہی سخت بیہودہ وبیجا ہے۔ صحبت بد زہر قاتل ہے اور عورتیں نازک شیشیاں ہیں جن کے ٹوٹ جانے کے لئے ایک ادنی سی ٹھیس بھی بہت ہوتی ہے اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یاانجشۃ رَوَیْدًا بالقواریر [1] (اے انجشہ! ٹھہر جاؤ کہیں کانچ کی شیشیاں ٹوٹ نہ جائیں۔ت) فرمایا۔

ھذا کلہ ظاھر بین عند من نور اللہ تعالٰی بصیرتہ وجمیع مانھینا عنہ فان علیہ دلائل ساطعۃ من القراٰن العظیم والحدیث الکریم والفقۃ القویم بیدان وضوح الحکم اغنانا عن سردھا فلنذکر بعض دلائل علی ماذکرنا اباحتہ فانا نرٰی ناسا یشدد دون الامر یطلقون القول بالتحریم و منھم من یبیح ضرب الدف بشرط ان لایکون معہ شیئ من الشعر وانما یکون محض دف مع ان الاحادیث ترد ذٰلک کما ستعلم مماھنالک اخرج الامام البخاری فی صحیحہ من الربیع بنت معوذ بن عفرا قالت جاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم	یہ سب کچھ اچھی طرح واضح ہے ہر اس بندے پر جس کو اللہ تعالٰی نے دل کی روشنی بخشی ہے اور تمام وہ باتیں جن سے ہم نے منع کیا ہے کیونکہ اس پر قرآن عظیم، حدیث مبارک اور فقہ قویم کے روشن دلائل موجود ہیں لہٰذا واضح حکم نے ہمیں اس کی تفصیل سے بے نیاز کردیا ہے پھر ہم بعض دلائل بیان کرتے ہیں اس مسئلہ پر جس کی اباحت ہم نے پہلے ذکر کردی کیونکہ کچھ لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ میں سختی کرتے ہیں اور مطلق تحریم کا قول ذکر کرتے ہیں (قول بالتحریم مطلق بیان کرتے ہیں) اور کچھ وہ لوگ ہیں جو دف بجانا مباح کہتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ اشعار نہ پڑھے جائیں بلکہ صرف دف بجائی جائے حالانکہ حدیث میں اس کی تردید آئی ہے اور جو کچھ یہاں مذکور ہوگا عنقریب تم جان لوگے امام بخاری نے اپنی صحیح میں ربیع بنت معوذ بن عفراء کے حوالہ سے تخریج فرمائی کہ اس بی بی نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے ہاں

[1] صحیح بخاری کتاب الادب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۸-۱۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم النساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۵، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۵۴

فدخل حسین بن علی فجلس علی فراشی کمجلسك منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من اٰبائی یوم بدر [1] الحدیث۔

واخرج ایضاً عن ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها انها زفت امرأة الی رجل من الانصار فقال نبی الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ماکان معکم لهو فان الانصار یعجبهم اللهو [2]۔

واخرج القاضی المحاملی عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما فی هذا الحدیث انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ادرکیها یا زینب امرأة کانت تغنی بالمدینة [3]۔

تشریف لائے تو حضرت حسین بن علی حاضر خدمت ہوئے اور میرے بچھونے پر اس طرح تشریف فرما ہوئے جیسے تمھارا میرے پاس بیٹھنا ہے اور ہماری کچھ بچیاں دف بجا بجا کر ہمارے اکابر شہداء بدر کے مرثیے پڑھتی رہیں۔الحدیث۔

اور یہ بھی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی سند سے تخریج فرمائی کہ ایک دلہن اپنے انصاری شوہر کے گھر رخصت کی گئی تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمھارے پاس کوئی کھیل (گانے بجانے) کا سامان نہ تھا کیونکہ انصار اس سے جوش میں آتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں، قاضی محاملی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس حدیث کی تخریج فرمائی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے زینب! کسی ایسی عورت سے رسائی حاصل کرو جو مدینہ منورہ میں گانے والی ہو، محدث ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے تخریج فرمائی (اللہ تعالٰی دونوں سے راضی ہو) انھوں نے فرمایا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے قبیلہ انصار میں اپنی ایک قربتدار کا نکاح کیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف بالنکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۳

[2] صحیح البخاری باب النسوة اللاتی یهدین المرأة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۵

[3] فتح الباری بحوالہ المحاملی کتاب النکاح باب النسوة اللاتی یهدین المرأة الخ مصطفی البابی مصر ۱۱/ ۱۳، عمدة القاری کتاب النکاح باب النسوة اللاتی یهدین المرأة الخ ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۲۰/ ۱۴۹

واخرج ابن ماجة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال انکحت عائشة رضی الله تعالٰی عنها ذات قرابة لها من الانصار فجاء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال اهدیتم الفتاة قالوا نعم قال الا ارسلتم معها من تغنی قالت لا فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الانصار قوم فیهم غزل فلو بعثتم معها من یقول اتینکم اتینکم فحیانا و حیاکم [1] فاخرج الطبرانی عن السائب بن یزید رضی الله تعالٰی عنه قال لقی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم جواری یتغنین یقلن تحیونا نحییکم فقال لاتقولوا هکذا ولکن قولوا حیانا وایاکم فقال رجل یارسول الله اترخص للناس فی هذا قال نعم انه نکاح لا سفاح [2] واخرج احمد والترمذی و النسائی وابن ماجة عن محمد بن حاطب الجمحی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال فصل مابین الحلال والحرام الصوت

تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا تم نے اس نوجوان لڑکی کو کوئی ہدیہ (تحفہ) دیا ہے؟ گھر والوں نے عرض کی: جی ہاں، پھر فرمایا: کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی گانے والی بھیجی ہے؟ سیدہ نے عرض کی: جی نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انصار کچھ ایسے لوگ ہیں کہ جن میں غزلیات پڑھنے کا رواج ہے لہٰذا اگر تم لوگ اس دلہن کے ساتھ کوئی ایسا شخص بھیجتے جو کہتا اتینا کم اتینا کم الخ یعنی ہم تمھارے پاس آگئے اللہ تعالٰی ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمھیں بھی زندہ رکھے، امام طبرانی نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے تخریج فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ملاقات چند بچیوں سے ہوئی جو گا رہی تھیں اور یہ کہہ رہی تھیں کہ ہم تمھیں اپنی زندگی بخشتی ہیں تو ہمیں بخشو آپ نے فرمایا: یوں نہ کہو بلکہ یوں کہو حیانا وایاکم اللہ تعالٰی ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمھیں بھی زندہ رکھے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم! کیا آپ لوگوں کو اس بات کی اجازت دیتے ہیں؟ فرمایا: ہاں اے برادر یہ نکاح ہے کوئی بدکاری تو نہیں ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه ابواب النکاح باب الغناء والدف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۶۶۶ المکتبة الفیصلیة بیروت ۷/ ۱۵۲

والدف فی النکاح [1] ۔ واخرج النسائی عن عامر بن سعد قال دخلت علی قرظة بن کعب وابی مسعود الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنھما فی عرس واذا جوار یغنین فقلت انتما صاحبا رسول اللہ تعالٰی وسلم ومن اھل بدر یفعل ھذا عندکم فقالا اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت فاذھب قدرخص لنافی اللھو عند العرس [2] قال الامام البدر محمود العینی فی عمدة القاری تحت الحدیث الاول فی الحدیث فوائد(الٰی ان قال)منھا الضرب بالدف بحضرة الشارع الملة ومبین الحل	امام احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے محمد بن حاطب جمحی کے حوالے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تخریج فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا حلال اور حرام کے درمیان فرق نکاح میں اعلان اور دف بجانے کا ہے۔ امام نسائی نے عامر بن سعد کے حوالہ سے تخریج فرمائی کہ انھوں نے فرمایا کہ میں قرظہ بن کعب اور ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس ایک تقریب شادی میں گیا میں نے دیکھا کہ چند لڑکیاں گارہی تھیں میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اے دو ساتھیو! اور غزوہ بدر میں شریک ہونے والو! تمھارے ہاں یہ کچھ کیا جارہا ہے؟ انھوں نے فرمایا اگر پسند کرتا ہے تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر سن لو اور اگر نہیں پسند کرتا اور نہیں چاہتا تو واپس چلا جا کیونکہ شادیوں میں ہمیں اس کی رخصت دی گئی ہے۔ امام بدرالدین محمود عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کی پہلی حدیث کے ذیل میں فرمایا حدیث میں بہت سے فوائد ہیں (وہ سب شمار کرتے ہوئے) یہاں تک فرمایا ان میں سے

[1] جامع الترمذی ابوب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح امین کمپنی کراچی ۱/ ۱۲۹، سنن النسائی کتاب النکاح اعلان النکاح بالصوت وضرب الدف نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۹۰، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح اعلان النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸، مسند احمد بن حنبل حدیث محمد بن حاطب المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۸ و ۴/ ۲۵۹

[2] سنن النسائی کتاب النکاح اللھو والغناء عند العرس نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۲/ ۹۲

من الحرمة صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واعلان النکاح بالدف والغناء المباح فرقا بینه وبین مایستتر به من السفاح [1] اھ وفی المرقاۃ قیل تلك البنات لم یکن بالغات حد الشھوۃ وکان دفھن غیر مصحوب بالجلاجل قال اکمل الدین الدف بضم الدال اشھر و افصح ویروٰی بالفتح ایضا وفیه دلیل علی جواز ضرب الدف عند النکاح والزفاف للاعلان، والحق بعضھم الختان و العیدین والقدوم من السفر و مجتمع الاحباب المسرور، وقال المراد به الدف الذی کان فی زمن المتقدمین واما ماعلیه الجلاجل فینبغی ان تکون مکروہا بالاتفاق [2] اھ وفی العینی تحت الحدیث الثانی فی التوضیح اتفق العلماء علی جواز اللھو فی ولیمة	ایک فائدہ یہ ہے کہ شارع ملت کی موجودگی میں دف بجائی گئی اور حلت وحرمت ظاہر کرنے والے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسا کیا گیا، اور دف بجاکر اور مباح گانا گا کر نکاح کا اعلان کرو تاکہ نکاح اور خفیہ بدکاری (حلال وحرام) کا فرق واضح ہوجائے، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہا گیا کہ وہ بچیاں نابالغہ تھیں حد بلوغت کو پہنچی ہوئی نہ تھیں اور ان کی دفیں بھی جھاروالی نہ تھیں، امام اکمل الدین نے فرمایا الدف حرکت پیش کے ساتھ زیادہ مشہور ہے اور دال پر زبر کی حرکت کی روایت بھی ہے اور یہ دلیل ہے کہ نکاح کرنے اور دلہن کو رخصت کرنے کے وقت اعلان کے لئے دف بجانا جائز ہے اور بعض نے تقریب ختنہ، عیدین، سفر سے واپسی اور دوستوں کے اجتماع کو بھی تقریب شادی سے ملحق کیا ہے یعنی ان تمام مواقع پر بھی دف بجانے کی اصل اجازت ہے اور فرمایا کہ اس سے وہ دف مراد ہے جو گزشتہ زمانے میں مروج تھی، اور جھار والی دف بجانا بالاتفاق مکروہ ہے۔ علامہ عینی دوسری حدیث کی وضاحت فرماتے ہیں ولیمہ ونکاح کے موقع پر کھیل کود کو اہل علم بالاتفاق

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۰/ ۱۳۶

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۰۱

النکاح کضرب الدف وشبهه[1] الخ وفی المرقاة تحت الحدیث الثانی ماکان معکم لهو"ای الم یکن معکم ضرب دف وقراءة شعر لیس فیه اثم وهذا رخصة عند العرس کذا قیل والاظهر ماقال الطیبی فیه معنی التحضیض کما فی حدیث عائشه رضی الله تعالٰی عنها الا ارسلتم معهم من یقول اتیناکم الحدیث[2] اهملخصًا۔وفیها تحت الحدیث السابع ای وان الله یحب ان تؤتی رخصة کما یحب ان تؤتی عزائمه[3] اه **قلت** فالتحضیض کالتخضیض علی الرخصة لا لانه الافضل فافهم وفی اشعة اللمعات تحت الحدیث السادس تغنی مباح است درنکاح مثل دف[4] اه وفی حظر ردالمحتار قبیل فصل اللبس عن الحسن لا بأس بالدف فی العرس یشتهر وفی السراجیة

مباح اور جائز قرار دیتے ہیں جیسے دف بجانا یا اس کے مشابہ کسی آلہ لہو کو استعمال کرنا الخ، مرقاۃ میں ان الفاظ (ماکان معکم لهو) کے ذیل میں ہے۔کیا تمھارے پاس کوئی دف بجانے والا نہیں اور نہ ایسا کوئی اشعار پڑھنے والا ہے کہ جن میں کوئی گناہ نہیں، شادیوں میں اس کی اجازت ہے یونہی کہا گیا۔اور زیادہ ظاہر وہ بات ہے جو علامہ طیّبی نے ارشاد فرمائی کہ حدیث میں تحضیض یعنی ابھارنے اور اکسانے کا مفہوم پایا جاتا ہے جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روایت میں "الا ارسلتم الخ" کے الفاظ ہیں یعنی کیا تم نے اس لڑکی کے ساتھ اس کو نہ بھیجا جو یوں کہتا (اتیناکم الحدیث) ملخص پورا ہو گیا۔اور اسی میں ساتویں حدیث کے ذیل میں ہے یعنی اللہ تعالٰی پسند کرتا ہے کہ رخصت پر عمل کیا جائے جیسا کہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی عزیمتوں کو ادا کیا جائے (عبارت مکمل) **میں کہتا ہوں** یہ تحضیض اسی طرح ہے جیسے رخصت پر تحضیض، یہ نہیں کہ وہ افضل ہو اس کو سمجھ لیا جائے، اشعۃ اللمعات میں چھٹی حدیث کے ذیل میں ہے

---

[1] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب النکاح باب النسوة اللاتی یهدین الخ ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۳۰/ ۱۴۹

[2] مرقاة المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۰۲

[3] مرقاة المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الثالث مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۱۹

[4] اشعة اللمعات کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۱۲۰

هذا اذا لم یکن له جلاجل ولم یضرب علی هیأة التطرب [1] اھ وفی الهندیة سئل ابو یوسف عن الدف أتکرهه فی غیر العرس بأن تضرب المرأة فی غیر فسق للصبی قال لااکرهه واما اللذی یجیئ منه اللعب الفاحش للغناء فانی اکرهه کذا فی محیط السرخسی ولا باس بضرب الدف یوم العید کما فی خزانة المفتین [2] اھ. وفی شهادات ردالمحتار جواز ضرب الدف فیه(ای فی العرس) خاص بالنساء کما فی البحر عن المعراج بعد ذکره انه مباح فی النکاح ومافی معناه من حادث سرور قال هو مکروه للرجال علی کل حال للتشبه بالنساء [3] والله تعالٰی اعلم۔	کہ نکاح میں گانا بجانا مباح ہے جیسے دف بجانا اھ ______ فتاوٰی شامی کی بحث حظر میں ہے جو فصل اللبس سے کچھ پہلے حضرت حسن سے روایت ہے کہ تشہیر کے لئے تقریب میں دف بجائی جاسکتی ہے اور دف کے بجائے میں کوئی حرج نہیں، سراجیہ میں ہے کہ یہ اجازت اس صورت میں ہے کہ دف بآواز جھار نہ ہو، اور وہ گانے کی طرز پر نہ بجائی جائے، (عبارت مکمل) اور فتاوٰی عالمگیری میں ہے امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دف کے بجانے کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا آپ تقریب شادی کے بغیر اس کو ناپسند کرتے ہیں کہ عورت بغیر حالت فسق کے صرف بچہ کے لئے بجائے، فرمایا میں اس کو ناپسند نہیں کرتا لیکن وہ جو گانے کے لئے فحش کھیل کے طور پر بجائے تو وہ ناپسندیدہ ہے۔ محیط سرخسی میں یونہی مذکور ہے۔ عید کے دن دف بجانے میں کوئی مضائقہ نہیں اسی طرح خزانۃ المفتین میں ہے اھ، ردالمحتار کی بحث شہادت میں ہے کہ شادی میں دف بجانا عورتوں کے ساتھ خاص ہے اس وجہ سے جو بحرالرائق میں معراج سے منقول ہے بعد اس ذکر کرنے کے کہ وہ تقریب نکاح اور خوشی کے موقع سے جو مناسبت رکھتا ہو اس میں دف بجانا مباح ہے۔ اور فرمایا مردوں کے لئے وہ ہر حال میں مکروہ ہے کیونکہ اس میں عورتوں سے مشابہت پائی جاتی ہے اور اللہ تعالٰی بڑا علم والا ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراہیة الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

[3] ردالمحتار کتاب الشهادات باب قبول الشهادت داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۲

مسئلہ ۹۱و۹۲: از موضع ہر نمیگل کمرلاعلاقہ بنگالہ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲ربیع الاول

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

سوال اول: کیاشادی وغیرہ میں آتشبازی چھوڑنا جائز ہے یانہیں؟

سوال دوم: اعلان کے لئے شادی میں بندوق چھوڑنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جواب سوال اول: ناجائز ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾ اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾ "[1]	بے جا خرچ نہ کرو کیونکہ بے جا اور فضول خرچ کرنیوالے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی حرم علیکم عقوق الامھات وأدالبنات ومنعاوھات وکرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السؤال و اضاعۃ المال، رواہ الشیخان[2] عن المغیرۃ بن شعبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک اللہ تعالٰی نے تم پر ماؤں کی نافرمانی حرام کردی اور بچیوں کو زندہ درگور کرنا اور بخل کرنا اور گداگری کرنا اور ادھر ادھر کی فضول باتیں کرنا تم پر حرام کردیا ہے۔ اور فرمایا زیادہ سوال کرنا اور مال کو ضائع کرنا بھی حرام کردیا گیا ہے۔ بخاری ومسلم نے اس کو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

جواب سوال دوم: جائز ہے۔

اخرج الترمذی عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	امام ترمذی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تخریج فرمائی کہ آپ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶و۲۷

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۴، صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النھی من کثرۃ المسائل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵، ۷۶

اعلنوا هذا النکاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف [1]۔وروی احمد بسند صحیح وابن حبان فی صحیحه و الطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیة والحاکم فی المستدرك عن عبدالله بن الزبیر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال اِعْلَنوا النکاح [2]۔والله تعالٰی اعلم۔	لوگو! نکاح کااعلان کیا کرو(یعنی اس کی تشہیر کیا کرو)اور مسجدوں میں نکاح کیا کرواور اس کی تشہیر کے لئے دف بجایا کرو۔امام احمد نے سند صحیح سے ابن حبان نے اپنی صحیح میں طبرانی نے الکبیر میں اور ابونعیم نے الحلیۃ میں اور حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو،اللہ تعالٰی تو بخوبی واقف اور آگاہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۹۳: مسئولہ سید محمود الحسن صاحب نبیرہ ڈپٹی اشفاق حسین صاحب ۲۵رمضان المبارک ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آتشبازی بنانااور چھوڑنا حرام ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ممنوع وگناہ ہے:

لقوله تعالٰی "وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾" [3] ولقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل لهو المسلم حرام الاثلثا [4]۔	کیونکہ اللہ تعالٰی کا قول ہے بے جا خرچ نہ کیا کرو اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاارشاد ہے مسلمان کاہر لہو حرام ہے سوائے تین کے(ت)

[1] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب النکاح الامر بأعلان النکاح دار الفکر بیروت ۲/ ۱۸۳،مسند احمد بن حنبل عن عبدالله بن الزبیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵،حلیة الاولیاء ترجمہ ۳۲۸ عبدالله بن وہب دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۳۲۸،مجمع الزوائد بحواله الطبرانی فی الکبیر کتاب النکاح باب اعلان النکاح دار الکتاب بیروت ۴/ ۲۸۹،موارد الظمآن حدیث ۱۲۸۵ ۱/ ۳۱۳ و کنز العمال حدیث ۴۴۵۳۴ ۱۶/ ۲۹۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۶

[4] الدر المختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸،جامع الترمذی ابواب فضائل الجهاد ۱/ ۱۹۷ وسنن ابن ماجه ابواب الجهاد ص ۲۰۷

مگر جو صورت خاصہ لہو ولعب وتبذیر واسراف سے خالی ہو، جیسے اعلان ہلال، یا جنگل میں یا وقت حاجت شہر میں بھی دفع جانوران موذی یاکھیت یا میوے کے درختوں سے جانوروں کے بھگانے اڑانے کو ناڑیاں پٹاخے تومڑیاں چھوڑنا۔

فان الامور بمقاصدھا وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوٰی [1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ امور اپنے مقاصد پر مبنی ہوا کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اعمال کی بنیاد ارادوں اور نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کا اس نے ارادہ کیا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۴: از موضع بیٹکٹالی ضلع کمرلا ملک بنگالہ مرسلہ مولوی محمد الٰہی بخش ۲۴ شوال ۱۳۱۴ھ

قبلہ شفقت ومرحمت وکعبہ عاطفت وراحت واسطہ حصول عزت ووجہانی وسیلہ وصول سعادت جاودانی ایداللہ افضالہم وعم نوالہ دامت شموس عنایاتہم بازغۃ ناصیۃ فدویت وارادت رابعازہ مفاخرت وسعادت مانند گل رنگیں ساختہ بگزارش مدعا پرداختہ کہ ایں احقر رابرائے چند مسائل بغایت ضرورت افتاد، لہذا بسیار حیران وسرگرداں ست، ونیز کسے راچنداں غربانوازنمے بیند کہ بخوب ترین جواب از کتب معتبرہ ارزانی داشتہ خاطر ایں فدوی راتسکین دہد، وہم تشفی خاطر باشد، لہذا بجاد شان کیوان ایوان معروض دارد کہ ازروئے بندہ نوازی جواب مسائل ذیل را، بطریق فتاوے عطافرمایند۔	قبلہ شفقت ورحمت کعبہ عاطفت ورافت دونوں جہان کی عزت کے حصول کا واسطہ، ہمیشگی سعادت کی رسائی کا وسیلہ، اللہ تعالٰی ان کے جود وکرم کو دوام بخشے۔ ان کی عنایات کا سورج چمکتا رہے۔ ارادت وغلامی کی پیشانی، فخر وسعادت کے پوڈر سے رنگین پھول کی طرح ہوجائے وہ اپنے مدعا کی گزارش کرتا ہے کہ اس عاجز کو چند مسائل کی انتہائی ضرورت پیش آگئی لہذا بہت حیران اور پریشان ہے نیز اس قدر کسی کو غرباء پرور نہیں سمجھتا کہ بہت عمدہ جواب معتبر کتابوں سے نکال کر مفت پیش فرمادیں، جو اس غلام کے دل کو تسکین دے اور قلبی تشفی کا باعث ہو، لہذا غلامانہ حیثیت سے بلند وبالا آسمان ہفتم کی سی بارگاہ میں عرض کناں ہوں کہ بندہ پروری کرتے ہوئے مسائل ذیل کا جواب بصورت فتوٰی عنایت فرمائیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

شخصے اکثر اوقات بعض طائفہ می بیند ودر مجلس ایشاں نشیند ونیز در لہو ولعب غیر مشروعہ کہ در مذہب حنفیہ حرمتش ثابت شدہ مستغرق است، مرتکب ایں محرمات فاسق است یانہ۔ فاسقیت رابخوب ترین دلائل ثابت فرمایند، ونیز آں شخص تنباک کشی مے کنند وکراہت تنباک کشی ثابت کردہ باشند، ودر صلوٰۃ اقتدا بایں شخص کراہیت است یا نہ، زیادہ آفتاب بندہ نوازی ازافق مرحمت گستری درخشاں باد، عرضداشت فدوی محمد الٰہی بخش عفی عنہ

سوال: ایک شخص اکثر اوقات ناچنے والے گروہ کا ناچ دیکھتا ہے اوران کی محفل میں شرکت کرتا ہے نیز ناجائز کھیل و تماشہ جن کی حرمت حنفی مذہب میں ثابت شدہ ہے ان میں مستغرق رہتاہے، کیا ایسا شخص شرعا فاسق کے زمرے میں آتاہے یا نہیں؟ اگر فاسق قرار پاتا ہے تواس کے فسق کو قوی دلائل سے ثابت فرمایا جائے اور وہ شخص تمباکو نوش بھی ہے لہذا تمباکو پینے والے کے عمل کی کراہت ثابت فرمائی جائے، کیا ایسے شخص کی اقتداء نماز میں مکروہ ہے یا نہیں؟ بندہ پروری کاآفتاب رحمت نثار کرنیوالے افق سے ہمیشہ چمکتارہے۔
عرضداشت فدوی محمد الٰہی بخش عفی عنہ (ت)

الجواب:

اللھم اغفرلنا درفاسق وفاجر مرتکب کبائر بودن ایں کس چہ جائے سخن ومجال دم زدن، **قال اللہ تعالٰی** فرمان ایزدی ست: قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ۝۳۰ [1] اے نبی! مسلماناں رافرمائے تاچشمان خود بپوشند، وشرمگاہ خود رانگاہ دارند، ایں پاکیزہ تراست مرایشاں راہر آئینہ خدائے آگاہ است کہ بہر کارے می کنند، **وقال اللہ تعالٰی**
"وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَهْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ﳓ وَّ یَتَّخِذَهَا

یا اللہ بخش دیجئے، اس شخص کے فاسق وفاجر ہونے میں بوجہ کبائر کے مرتکب ہونے کے کیا شک باقی رہ جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کا ارشاد: اے محبوب نبی! مسلمانوں سے فرمادیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ بہتر اور پاکیزہ طریقہ ہے یقینا اللہ تعالٰی پوری طرح باخبر ہے ان کاموں سے جو وہ کیا کرتے ہیں نیز اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا لوگوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو باقاعدہ کھیل کود کی باتیں خریدتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو بربنائے جہالت

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۰

هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ "[1] از مردمان کسے است که مے خرد سخن لاغ وبازی تابر اندازد از راه خدائے نادانسته وسخر گیرد آں را، مرایں کسان کیفرے است خوار کنند، حضرت عبدالله بن مسعود وعبدالله بن عباس وامام حسن بصری وسعید بن جبیر و عکرمه ومجاہد ومکحول وغیرہم ائمه صحابه وتابعین رضی الله تعالٰی عنہم اجمعین دریں آیة کریمه سخن لاغ وبازی رابه غنا وسرور تفسیر فرموده اند۔ چنانچه ابو الصہبا گوئد ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنہما ازیں آیت پرسیدم گفت هو الغناء والله الذی لا اله الا هو او سرود است سوگند بخدائے که ہیچ خدائے نیست جزاو یرددها ثلث مرات [2] سه بار ہمیں سخن وسوگند راتکرار فرمود بلکه خود در حدیث آمده حضور پر نور سید عالم صلی الله تعالٰی علیه وسلم فرمود لایحل تعلیم المغنیات ولا بیعهن واثمانهن حرام وفی مثل هذا نزلت ومن الناس من یشتری لهو الحدیث لیضل عن سبیل الله الحدیث (ترجمہ) روا نیست زنان سرآئنده راآموختن ونه آنہارا خریدن	راہ خدا سے بہکادے اور اس کو یعنی الله تعالٰی کے راستے کو ہنسی مذاق بنادے، ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والی سزا ہے حضرت عبدالله بن مسعود، حضرت عبدالله بن عباس، خواجہ حسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، مکحول، اور ان کے علاوہ دوسرے ائمہ، صحابہ کرام اور تابعین (الله تعالٰی ان سب سے راضی ہو) اس آیت کریموں میں بیہودگی اور کھیل کی بات سے گانا بجانا مراد لیتے ہیں اور اس کی یہی تفسیر فرماتے ہیں۔ ابوالصہباء فرماتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنہما سے آیت مذکور کے متعلق پوچھا، توآپ نے فرمایا کہ اس سے گانا مراد ہے، اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، چنانچہ اس بات اور قسم کا تین مرتبہ تکرار فرمایا، بلکہ خود حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور پر نور صلی الله تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گویّا عورتوں کو تعلیم دینا جائز نہیں اور نہ ہی ان کا خرید وفروخت کرنا جائز ہے بلکہ ان کی قیمت وصول کرنا بھی حرام ہے اسی سلسلہ میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی کہ لوگوں میں کوئی وہ شخص ہے جو یاوہ گوئی والی

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

وفروختن وبہاء آنہا حرام است ودر ہمچنیں کار ایں آیت فرمود آمدہ ست کہ برخے از مردم سخن لاگ مے خرند تا مردماں را از راہ خدا اے دور برند، **رواہ الامام البغوی**[1] **عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنہ۔ وقال اللہ تعالٰی:**

"قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ ؕ وَ مَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ"[2] حق جل وعلا مر ابلیس لعین را فرمود درشو، پس ہر کہ از فرزندان عالم ترا پیروی کند پس ہر آئینہ دوزخ پاداش ہمہ شما است پاداش کامل وسبک سار کن وبلغزاں ہر کہ بروست یابی از ایشاں بآواز خود، الآیۃ، امام مجاہد کہ از اجلہ تلامذہ سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس است رضی اللہ تعالٰی عنہم دریں آیۃ کریمہ آواز شیطان را بغنا ومزامیر تفسیر کردہ است۔ **وقال تعالٰی:**

"وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَ لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا

باتیں خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالٰی کے راستے سے دور کردے، چنانچہ امام بغوی نے حضرت ابوامامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: ابلیس لعین کو مخاطب کرتے ہوئے حکم فرمایا کہ یہاں سے چلا جا پھر اولاد آدم میں جو کوئی تیرے پیچھے جائیگا یقیناً دوزخ ان سب کے لئے پوری اور کامل سزا ہے۔ پھر ان میں سے جس پر تو قابو پائے اپنی آواز سے اسے ہلکا پھلکا کرتے ہوئے پھسلا دے اور ان پر لام باندھ لا اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کا، اور ان کا ساجھی ہو مالوں اور بچوں میں اور انھیں وعدہ دے اور شیطان انھیں وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔ بیشک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں۔ امام مجاہد، جو مفسرین کے بادشاہ حضرت عبداللہ ابن عباس کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) وہ اس آیت کریمہ میں مذکور شیطان کی آواز سے گانا بجانا اور اس کے آلات وغیرہ مراد لیتے ہیں۔

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اے نبی مکرم! مسلمان عورتوں سے فرمادیجئے کہ وہ اپنے دوپٹے

[1] معالم التنزیل علی ہامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۳۱ / ۶ مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۴۔۲۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۳تا۶۵

"لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ" [1] الاٰیۃ۔ یعنی اے نبی! زنان مومنات رافرمائے کہ بزنند سراند از ہائے خود رابر گریبان ہائے خود، (تاسر وموو سینہ وگلو ہمہ نہاں ماند) و نہ نمایند آرائش خود رامگر بشوہران یامحارم۔	اپنے گریبانوں پر ڈالے رکھا کریں تاکہ سر، بال، سینہ اور گلا سب باپردہ ہوجائیں اور اپنی زیبائش کو نمایاں نہ کیا کریں بجز ان کے جوان کے شوہر یادیگر محارم ہیں۔
وقال اللہ تعالٰی فی اٰخر الکریمۃ "وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ(۳۱)" [2] (ترجمہ) وزنان نزنند پاہائے خویش راتا دانستہ شود آنچہ نہاں مے دارند از آرائش خود وہمہ باز گردید بسوئے خدائے تعالٰی اے مسلمانان تابکام رسید (نجات یابید)	اور اللہ تعالٰی نے آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد فرمایا عورتیں اپنے پاؤں زور سے زمین پر نہ ماریں جس سے ان کی مخفی زینت ظاہر ہونے لگے۔ اور اے مسلمانو! تم سب اللہ تعالٰی کی طرف لوٹ جاؤتاکہ مراد پالو۔
وقال تعالٰی: "وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَۚ" [3] (ترجمہ) ونزدیک مشوید کارہائے بے حیائی راہر چہ از آنہا آشکارا است، وہر چہ نہاں است ایں ہمہ آیات وغیر اینہا در تحریم ہمہ اجزائے ایں کار شنیع نص منیع است، ودر احادیث خود کثرتے است کہ احصانتواں کرد۔	نیز ارشاد خداوندی ہے: لوگو! بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤخواہ وہ ظاہر ہوں یا مخفی، یہ تمام آیات اور ان کے علاوہ دوسری آیتیں اس برے کام کے تمام اجزاء کے حرام قرار دینے کے لئے قوی اور مضبوط نصوص ہیں، رہا احادیث کا معاملہ، تو وہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کو احاطہ شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۱

I.T. Majlis of DawateIslami

بالجملہ زن اجنبیہ را ایں چنین بے حجابانہ بمجلس مردان راہ دادن (یکے) وہرچہ تمام تر بر ہفت وآراستہ بودنش (دو) مردمان رابسوئے اوبنظر تلذذ دیدن (سہ) وباعضائے عورت او از سر وموومساعد وبازو وسینہ وگلونگریستن (چہارم) وسرود وزمزمہ اش (پنج)، ولفظ مزامیر برآں آتش تیز وتند (شش) وپائے کوبی آن زن خاصہ با آواز خلخال وزنگلہ زیور (ہفت) ودیگر حرکات فتنہ انگیز وشہوت خیز (ہشت) ایں ہمہ ہا در شرع محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرام وحرام وحرام است، "ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ"[1]۔	(خلاصہ کلام) اس برے عمل میں بہت سی خرابیاں ہیں (۱) غیر محرم عورت کا اس طرح بے پردہ، مردوں کی محفل میں جانا، ہیجان خیز اور فتنے کا باعث ہے (۲) اس کا آراستہ و پیراستہ ہونا اور بن ٹھن کر نکلنا (۳) مردوں کا اسے شہوت کی نگاہ سے حصول لذت کے لئے دیکھنا (۴) اس کے اعضاء مثلا سر، بال، بازو، سینہ اور گلا، ان سب کی طرف دیکھنا (۵) اس کا ترنم سے گیت گانا (۶) گانے بجانے کے آلات استعمال کرنا، یہ ان پر مزید تند و تیز آگ ہے (۷) اس خاص عورت کا زور سے پاؤں زمین پر مارنا کہ جس سے اس کے زیورات کی جھنکار محسوس ہونے لگے (۸) ان سب کے علاوہ، دوسری فتنہ برپا کرنے والی حرکت اور شہوت خیز انداز یہ سب کام حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت میں حرام، حرام اور حرام ہیں اور یہ ایک دوسرے پر مزید اندھیرے ہیں۔ (ت)
الحاصل حرمت ایں فاحشہ شنیعہ از ضروریات دین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تاآنکہ ہر کہ او راحلال داند بالقطع والیقین کافر شود، والعیاذ باللہ تعالٰی ودیگر لہو ہائے نامشروعہ را سائل تفصیل نہ کرد بعضے از لہو ہائے ممنوعہ کبیرہ باشد، وبعضے صغیرہ کہ باصرار کبیرہ شود، وعلی الاجمال در حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم آمدہ است	خلاصہ یہ ہے کہ اس برے اور بے حیائی کے کام کی حرمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین میں واضح ہے۔ یہاں تک کہ جو کوئی اس کو حلال جانے وہ قطعی اور یقینی طور پر کافر ہوجائیگا اللہ تعالٰی کی پناہ، اور دوسرے ناجائز کھیلوں کی سائل نے کوئی تفصیل ذکر نہیں کی لیکن ان میں سے بعض ممنوع اور گناہ کبیرہ ہیں اور بعض گناہ صغیرہ کے زمرے میں آتے ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

کل شیئ یلھو بہ الرجل باطل الا رمیہ بقوسہ وتادیبہ فرسہ وملاعبتہ بامرأتہ فانھن من الحق [1] یعنی ہمہ بازی ہا باطل است مگر تیر اندازی واسپ تازی وبازن خود بازی کہ اینہا از حق است رواہ احمد والدارمی وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن عقبۃ بن عامر والحاکم فی المستدرک عن ابی ھریرہ والطبرانی فی الاوسط عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ وخود مومن را ایں حدیث عام وتام وجامع ونافع بسند است کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود الدنیا ملعونۃ وملعون مافیھا الاماکان منھا للہ عزوجل یعنی بر دنیا نفرین وبر ہر چہ درآن است نفرین مگر آں چہ ازاں برائے خدائے عزوجل باشد، رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ [2]۔ والضیاء فی المختارۃ عن جابر	مگر بار بار کرنے سے وہ بھی کبیرہ ہوجائیں گے، اجمالی طریقہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد میں سے ایک ارشاد یوں ہے کہ جس کھیل میں بھی آدمی مشغول ہو وہ ناجائز ہے مگر تین قسم کے کھیل جائز ہیں: (۱) کمان سے تیر اندازی کرنا (۲) اپنے گھوڑے کو جہاد کے لئے تیار کرنا (۳) اپنی منکوحہ یعنی بیوی سے کھیلنا۔ امام احمد، دارمی۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت عقبہ بن عامر کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ سے اور طبرانی نے اوسط میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق سے اسے روایت کیا ہے (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) خود مرد مومن کے لئے یہ حدیث عام، تام اور یقینی حیثیت کی وجہ سے کافی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے سوائے اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر کی یاد کے سند حسن کے ساتھ اس حدیث کو ابونعیم نے الحلیہ میں ضیاء مقدسی نے

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی فضل الرمی الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۷، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب الرمی فی سبیل اللہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۷، سنن الدارمی کتاب الجہاد باب فی فضل الرمی حدیث ۲۴۱۰ دار المحاسن للطباعۃ قاہرۃ ۲/ ۱۲۴، مسند احمد بن حنبل عن عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۴۴ و ۱۴۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۳۰ محمد بن المنکدر دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۵۷ و ۷/ ۹۰

بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	المختارہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔
درحدیث دیگر فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: الدنیا ملعونة ملعون مافیها الا ما ابتغی به وجه الله تعالٰی یعنی بر دنیا لعنت وبرہرچہ درآں ست لعنت جز آنچہ باو رضائے خدا خواستہ شود، رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن ابی الدردا، رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن۔	اور ایک دوسری حدیث میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے بجز اس کے کہ جس میں اللہ تعالٰی کی رضا جوئی مقصود و مطلوب ہو، امام طبرانی نے "الکبیر" میں اچھی سند کے ساتھ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔
درحدیث آخر ست کہ فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: الدنیا ملعونة ملعون مافیها الا ذکر الله وما والاہ وعالما او متعلما یعنی دنیا ملعونہ است وہر چہ درواست ہمہ ملعونہ جز یادخدا تعالٰی آنچہ پسندیدہ اوست وعالمے یا علم آموزے، روہ ابن ماجه [2] عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ایک اور حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ ارشاد مروی ہے کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب قابل لعنت ہے سوائے اللہ تعالٰی کی یاد اور اس چیز کے جسے اس نے پسند فرمایا، عالم اور علم حاصل کرنے والا ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔
ودر حدیث آخرست کہ فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: الدنیا ملعونة ملعون مافیها الا امرا بمعروف اونهیا عن منکر اوذکر الله یعنی دنیا ملعونہ وہر چیز دنیا ملعونہ جز بہ نیکی فرمودن واز بدی باز داشتن	اور ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہے مگر بھلائی کرنے کا حکم دینا اور برے کام سے روکنا اور اللہ تعالٰی کی یاد اس سے مستثنٰی ہیں

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الکبیر کتاب الزہد باب فی الریاء دارلکتاب بیروت ۱۰/ ۲۲۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب مثل الدنیا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۲ و ۳۱۳

و یاد خدائے تعالیٰ جل جلالہ رواہ البزار[1] عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وعند الطبرانی فی الاوسط کحدیث ابی ھریرۃ[2] رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ و نماز پس فاسق بکراہت شدیدہ مکروہ است کما فی الغنیۃ[3] وغیرھا وقد فصلناہ فی رسالتنا النھی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید۔

و قلیان کشیدن اگر بعقل وحواس فتور آورد چنانکہ وقت افطار رمضان معمول جہال ہندوستان است، خود حرام است لحدیث ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مُسْکِرٍ و مفتر رواہ احمد وابوداؤد[4] بسند صحیح ورنہ اگر تعاہد نکنند ورائحہ کریہہ آرد، مکروہ تنزیہی وخلاف اولٰی باشد آنچنانکہ

(یہ تینوں کام قابل تحسین ہیں) محدث بزار نے اس کو حضرت عبداللہ ابن مسعود (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) سے روایت کیا ہے۔ اور امام طبرانی نے ان سے الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کی طرح روایت کیا ہے۔ رہی یہ بات کہ نماز کا کیا حکم ہے تو واضح ہو کہ فاسق کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے جیسا کہ الغنیہ وغیرہ میں مذکور ہے ہم نے اس مسئلہ کو اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلٰوۃ وراء عدی التقلید میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

رہا حقہ نوشی کا تمباکو نوشی کا مسئلہ، تو اگر وہ عقل اور حواس میں فتور پیدا کرے جیسا کہ رمضان شریف میں افطار کے وقت ہندوستان کے جاہلوں کا معمول ہے تو یہ بطور خود حرام ہے۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ایک حدیث کی وجہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نشہ اور فتور پیدا کرنے والی چیز کا استعمال ممنوع ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے ورنہ اگر اسے معمول نہ بنائیں لیکن قابل نفرت

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ البزار عن ابن مسعود حدیث ۴۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۰

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۸۴ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۴۹

[3] غنیہ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[4] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳، مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتبہ الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

سیر و پیاز خام، واگرازیں ہم خالی است مباح است، کما حققه المولوی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة وغیرہا وقد فصلنا القول فی فتاوٰنا، وَاللهُ سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ جَلَّ مَجْدُہٗ اَتَمُّ وَاَحْکَمُ۔	بدبو پیدا ہو جائے تو مکروہ تنزیہہ اور خلاف اولٰی ہے جیسے کچا لہسن اور پیاز استعمال کرنا اور اگر اس سے بھی خالی ہو یعنی بدبو وغیرہ نہ ہو تو مباح ہے جیسا کہ مولانا عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ وغیرہ میں اس کی تحقیق فرمائی ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس قول کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالٰی پاک و برتر سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے اور اس عظیم شان والے کا علم بڑا کامل اور محکم ہے۔

مسئلہ ۹۵: از کوہ سباتھو، آکسفورڈ رجمنٹ مرسلہ امداد علی صاحب رجمنٹ اسکوتوالی ۲۸ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

عالم علوم ظاہری و باطنی دام فیوضکم۔ تسلیم بصد تعظیم، جناب عالی! یہاں ایک امر میں دو فریق بر سر جنگ ہیں، وہ یہ ہے کہ بوقت نکاح زید کو خوشبو لگانا اور پھولوں کا گلے میں ڈالنا مسنون ہے یا ممنوع، یہاں ایک مولوی کاشمیری پھولوں کا گلے میں ڈالنا ناجائز فرماتے ہیں اور بہت زور دیتے ہیں، لہٰذا امیدوار کو جناب از راہ شفقت بزرگانہ جو بات حق ہو جواب سے مشرف فرمائیں۔

الجواب:

خوشبو لگانا سنت ہے اور خوشبو کی چیزیں پھول پتی وغیرہ پسند بارگاہ رسالت ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہٖ وبارک وسلم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حُبِّبَ اِلَیَّ من دنیاکم النساء والطیب وجعلت قرة عینی فی الصلٰوة رواہ الامام احمد[1] والنسائی والحاکم والبیہقی عن انس رضی اللہ	یعنی تمہاری دنیا میں سے دو چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی، نکاح اور خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی (امام احمد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے سند جید کے ساتھ حضرت

[1] سنن النسائی کتاب عشرة النساء حب النساء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۹۳، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۲۸

تعالٰی عنہ بسند جید۔	انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من عُرِضَ علیہ ریحان فلا یردہ فانہ خفیف المحمل طیب الریح۔رواہ مسلم [1] وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی جس کے سامنے خوشبو نبات پھول پتی وغیرہ پیش کی جائے تو اسے رد نہ کرے کہ اس کا بوجھ ہلکا اور بو اچھی ہے (بوجھ ہلکا یہ کہ پیش کرنے والے پر مشقت نہیں کوئی بھاری احسان نہیں) (امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اربع من سنن المرسلین الختان والتعطر والنکاح والسواک،رواہ الامام احمد والترمذی [2] والبیھقی فی شعب الایمان عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب صحیح۔	یعنی چار باتیں انبیائے مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہیں: ختنہ کرنا اور خوشبو لگانا اور نکاح اور مسواک (امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت فرمایا اور امام ترمذی نے فرمایا حدیث حسن غریب صحیح ہے۔(ت)

بخاری شریف میں ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایرد الطیب	یعنی بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوشبو کی چیز رد نہ فرماتے تھے

[1] صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب باب استعمال المسک الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۹،سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی ردالطیب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۹

[2] جامع الترمذی ابواب النکاح امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۸،شعب الایمان حدیث ۷۷۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۳۷

رواہ ھوالامام احمد[1] والترمذی والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(بخاری، امام احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

ہار کہ گلے میں پہنیں ان میں پھولوں سے اسی قدر زائد ہے کہ ایک ڈورے میں پرولیا ہے اور گلے میں ڈالناوہی خوشبو سے فائدہ لینا ہے اور اپنے جلیس آدمیوں اور فرشتوں کو فرحت پہنچانا ہے کہ کسی برتن میں رکھیں تو اس کا ساتھ لئے پھرنا دقت سے خالی نہیں اور ہاتھ میں لئے رہیں تو ہاتھ بھی رکے اور پھول بھی جلد کملا جائیں۔ تو اس قدر سے ممانعت وحرمت وناجوازی کس طرف سے آگئی۔ امام ابن امیر الحاج محمد محمد محمد حلبی حلیہ میں احادیث متعدد ذکر کرکے فرماتے ہیں:

عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ دخل مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی امرأۃ وبین یدیھا نوی اوحصی تسبح بہ فقال الا اخبرك بما ھو ایسر علیك من ھذا او افضل فقال سبحان اللہ عدد ماخلق اللہ فی السماء وسبحان اللہ عدد ما خلق اللہ فی الارض، وسبحان اللہ عدد مابین ذٰلک، وسبحان اللہ عدد ماھو خالق واللہ اکبر مثل ذٰلك لا الہ مثل ذٰلك ولاحول ولا قوۃ الا باللہ	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معیت میں ایک عورت کے پاس گئے اس کے آگے گٹھلیاں اور کنکریاں پڑی ہوئی تھیں کہ جن پر وہ تسبیح پڑھتی تھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمھیں وہ طریقہ عمل نہ بتادوں جو اس سے زیادہ آسان اور زیادہ بہتر ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: پاک ہے اللہ تعالٰی اس تعداد کے مطابق جو اس نے آسمان میں پیدا فرمائی، اللہ تعالٰی پاک ہے اس تعداد کے مطابق جو اس نے زمین میں پیدا فرمائی، اور اللہ تعالٰی پاک ہے اس تعداد کے مطابق جو ان دونوں کے درمیان ہے اللہ تعالٰی پاک ہے اس تعداد کے مطابق جس کا

[1] صحیح البخاری کتاب الھبہ باب مالا یرد من الھدیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱، صحیح البخاری کتاب اللباس باب من لم یرد الطیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۸، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۳ و ۲۶۱

مثل ذٰلک۔رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح الاسناد فلم ینہاعن ذٰلك وانما ارشدھا الی ماھو ایسر وافضل ولو کان مکروھا لبین لھا ذلك ثم ھذہ الاحادیث مما تشھد بجواز اتخاذ السبحۃ المعروفۃ لاحصاء عدد التسبیح وغیرہٖ من الاذکار من غیران یتوقف علی ورود شیئ خاص فیھا بعینھا بل حدیث سعد ھذا کالنص فی ذٰلك اذلا تزید السبحۃ علی مضمونہ بضم النوٰی و نحرہ فی خیط ومثل ذٰلك لایظھر تاثیرہ فی المنع فلا جرم ان نقل اتخاذ ھا والعمل بھا عن جماعۃ من السادۃ الاخیار۔واللہ سبحانہ الموفق [1]۔	وہ پیدا کرنے والا ہے۔(اور اللہ اسی کے مطابق سب سے بڑا ہے) اللہ اکبر اسی کے مطابق ہے لا الہ الا اللہ اسی کے مطابق ہے اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ اسی کے مطابق ہے(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی کے مطابق گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے) ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں اور حاکم نے اسے روایت کیا اور فرمایا اس کی اسناد صحیح ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورت مذکورہ کو مذکورہ طریق سے تسبیح کرتا دیکھ کر اسے منع نہیں فرمایا بلکہ زیادہ آسان اور افضل طریقہ کی رہنمائی فرمائی، اگر آپ کو اس کا طریقہ پسند نہ ہوتا تو اس کو منع فرمادیتے، یہ احادیث مروجہ تسبیح کے جواز پر دلالت کرتی اور شہادت دیتی ہیں، یہ تسبیح اعداد وشمار اذکار کے لئے بنائی جاتی ہے البتہ اور اورادووظائف کا پڑھنا محض اسی پر موقوف نہیں، حضرت سعد کی حدیث اس کے جواز کے سلسلے میں نص کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ تسبیح مروجہ میں صرف یہی چیز زائد ہے کہ گٹھلیاں کسی دھاگے میں پرو کر مطلوبہ تعداد کے مطابق اسے تیار کرلیا جاتا ہے اور اس نوعیت کے اضافہ میں کوئی تاثیر منع ظاہر نہیں ہوتی۔ بلا شبہہ تسبیح بنانا اور اس کے ذریعے ذکر واذکار کا شغل رکھنا(ایک اچھا عمل ہے)اور عمدہ اکابرین امت کے ایک بڑے گروہ سے منقول ہے اور اللہ تعالٰی پاک ہے اور بندوں کو امور خیر کی توفیق دیتا ہے(ت)

جو اسے ناجائز کہتا ہے وہ شریعت مطہرہ پر افتراء کرتا ہے اگر سچا ہے تو بتائے کہ

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اللہ تعالٰی ورسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کہاں منع فرمایا ہے۔ اور جب اللہ ورسول نے منع نہ فرمایا تو پھر دوسرا اپنی طرف سے منع کرنے والا کون؟ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶: از شاہجہانپور محلّہ خلیل مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب واز رامپور خانقاہ مولینا ارشاد حسین مرسلہ مولوی سلامت اللہ صاحب غرہ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام رحمکم اللہ فی ھذا المرام ان ضرب الدف و البنادیق فی العرس لغرض اعلان النکاح اوفخریۃ ھل یجوز عند الشرع ام لا۔ بینوا بمسند الکتاب توجروا یوم الحساب۔	اے علماء کرام اللہ تعالٰی تم پر رحم وکرم فرمائے، اس مسئلہ میں تم کیا فرماتے ہو کہ شادی میں اعلان نکاح کی غرض سے دف بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور بندوقوں سے ہوائی فائرنگ کرنا خواہ اعلان نکاح کے لئے ہو یا فخریہ طور پر ہو کیسا ہے؟ کتاب وسنت کے حوالے سے بیان فرماؤ تاکہ بروز حساب اللہ تعالٰی کے ہاں اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

خلاصہ جواب المولوی ریاست علی خان

یجوز ضرب الدف بلا جلاجل و البنادیق بغرض اعلان النکاح ولا یجوز فخریۃ ولا تطربا فی الحدیث اضربوا علیہ الدفوف وضرب المدفع یجوز لاعلان افطار الصوم ولزوم الصوم واختتام وقت سحری و وقت نصف النھار وغیرھا کما ھو معتاد مروج فی اکثر بلاد الاسلام خصوصا	اعلان نکاح کی غرض سے دف بجانا جائز ہے جبکہ اس کی آواز گھنگرو اور گھنٹی کی جھنکار کے ساتھ نہ ہو یا اس کے مشابہ نہ ہو، اسی طرح ہوائی فائرنگ بھی جائز ہے مگر فخر وغرر کے طور پر جائز نہیں، چنانچہ حدیث پاک میں ہے کہ نکاح کی تشہیر کے لئے دف بجایا کرو روزہ کے وقت کے آغاز کا اعلان کرنے کے لئے سحری کے وقت، روزہ افطاری کے وقت اور دوپہر وغیرہ کے وقت توپ کا گولہ چھوڑنا جائز ہے جیسا کہ اکثر اسلامی ممالک اور مدائن

فی مکۃ المعظمۃ فعلی ھذا ای تامل فی جواز ضرب البنادیق لغرض اعلان النکاح لانہ مامور باعلان عن لسان صاحب الشرع و فی ردالمحتار ان المدفع یفید غلبۃ الظن وان کان ضاربہ فاسقا لان العادۃ ان الموقت یذھب الی دارالحکم اٰخر النھار فیعین لہ وقت ضربہ فیغلب بھذہ القرائن عدم الخفاء وعدم قصد الافساد والا لزم تاثیم الناس[1] وایضا فیہ والظاھر انہ یلزم اھل القری الصوم بسماع المدافع من المصر لانہ علامۃ ظاھرۃ تفید غلبۃ الظن حجۃ موجبۃ للعمل[2] فثبت ان ضرب المدافع مروج مشروع،وایضا فی ردالمحتار الۃ اللھو لیست محرمۃ لعینھا بل لقصد اللھو منھا امامن	میں معمول ہے بالخصوص مکہ مکرمہ میں یہ طریقہ رائج ہے پس اس بناء پر تشہیر نکاح کے لئے فائرنگ وغیرہ کے جواز کے بارے میں کیا اشکال ہوسکتا ہے(یعنی یہ بلا شبہہ جائز ہے۔ (مترجم) کیونکہ صاحب شرع کی زبان سے اس کے اعلان کا حکم ہے، فتاوٰی شامی میں ہے توپ کا گولہ مفید غلبہ ظن ہے اگرچہ توپ چلانے والا فاسق ہو اس لئے عادۃً اس کام پر مقرر آدمی دن کے آخری حصے میں دار قضا کی طرف جاتا ہے پھر اس کے لئے چھوڑنے کا وقت مقرر کیا جاتا ہے لہٰذا ان قرائن کی وجہ سے غلطی کا ارتکاب نہ ہونے اور فساد پھیلانے کا ارادہ نہ ہونے کا غالب گمان ہوتا ہے ورنہ لوگوں کا گناہگار ہونا لازم آئے گا،اور اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ دیہات والے اگر شہر کی طرف سے توپ کے گولے کی آواز (بطور اعلان شہادت رؤیت چاند) سنیں تو ان پر روزہ رکھنا لازم ہوجائے گا اس لئے کہ یہ ایک ظاہری علامت ہے جو غلبہ ظن کا فائدہ دیتی ہے اور غلبہ ظن ایک ایسی دلیل ہے جو عمل کرنا واجب کردیتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ اس مقصد کے لئے توپیں چلانا مباح اور جائز ہے نیز فتاوٰی شامی میں ہے کہ کھیل کود کے

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۰۶

[2] ردالمحتار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹۱

سامعھا اومن المشتغل بھا [1] اھ قلت وحرمة الاٰت اللھو لقصد اللھو فی غیر العِرسِ واما فی العرس فاللھو مباح من حدیث عائشه زفت امرأة الی رجل من الانصار فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماکان معکم لھو فان الانصار لیعجبھم اللھو رواہ البخاری [2] وھذا علی تسلیم ان البنادیق من الاٰت اللھو والا فلا شناعة فیھا من قبل، واللہ سبحانه اعلم۔	آلات فی نفسہ حرام نہیں بلکہ کھیل تماشے کے ارادے سے ان کا استعمال کرنا حرام ہے خواہ "قصد لہو" سامع کی طرف سے ہو یا انھیں استعمال کرنے اور ان سے شغل رکھنے والے کی طرف سے ہو اھ، **میں کہتاہوں** آلات لہو کی حرمت۔ لہو ولعب کے قصد سے موقع شادی کے علاوہ ہے۔ جہاں تک شادی کا تعلق ہے تو ان کا استعمال حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی وجہ سے مباح ہے، چنانچہ ام المومنین نے ارشاد فرمایا کہ ایک عورت کو (تیار کرکے) ایک انصاری کے پاس بھیجا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس موقع پر ارشاد فرمایا: کیا تمھارے پاس کھیل کود کا سامان نہیں تھا کیونکہ انصار کو کھیل کود سے خوشی ہوتی ہے، امام بخاری نے اس کو روایت کیا ہے اور یہ اس بناء پر ہے کہ اگر یہ تسلیم کرلیں کہ بندوقوں سے فائرنگ وغیرہ "آلات لہو" میں شامل ہے ورنہ اس سے پہلے ان میں کوئی قباحت نہیں، اور اللہ تعالٰی پاک سب کچھ اچھی طرح جاننے والا ہے (جواب مولوی ریاست علی خان مکمل ہوگیا ہے)

خلاصہ جواب الشاہ سلامت اللہ فی تائیدہ

لاریب فی جواز ضرب الدف لاعلان النکاح بل فی سنته فی الفتاوی الغیاثیة ضرب الدف فی النکاح اعلان وتشھیرا سنة ویجب ان یکون بلا سنجات وجلاجل [3] اھ	اعلان نکاح کے لئے دف بجانا کے جواز بلکہ اس کے سنت ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ فتاوٰی غیاثیہ میں ہے: نکاح کے موقعہ پر دف اس کے اعلان اور تشہیر کے لئے سنت ہے اور ضروری ہے کہ دف کی آواز گھنگروٹلیوں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب النکاح باب النسوة اللاتی تھدین المرأة الی زوجھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷۵

[3] فتاوٰی غیاثیہ کتاب الاستحسان الفصل الرابع مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۰۹

وکذا الطبل قال المحقق العینی والطبل انما کان منھیا اذا کان للھو اما لغیرہ فلا بأس کطبل الغزاۃ و العرس [1] وقد صح ضرب الدف لیلۃ العرس وفی الاعیاد عند النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واکد ذلك بما رواہ احمد و الترمذی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح [2] وبما رواہ النسائی عن عامر بن سعد قال دخلت علی قرظۃ وابی مسعود الانصاری فی عرس واذا جوار یغنین فقلت انتما صاحبا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن اھل بدر یفعل ھذا عندکم فقال اجلس ان شئت فاسمع معنا وان شئت اذھب رخص لنا	کے مشابہ زور دار نہ ہو اھ۔اور طبلہ بھی اسی طرح ہے محقق عینی نے فرمایا: طبلہ اس وقت منع ہے جب لہو ولعب کے لئے ہو اگر اس مقصد کے لئے نہ ہو تو کوئی حرج نہیں جیسے اگر اعلان جہاد کے لئے یا شادی وغیرہ کے موقع پر اس کا استعمال اور شادی والی رات دف بجانا جائز ہے اور عید کے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے روبرو دف بجائی گئی اور اس کی تاکید کی گئی اس حدیث سے جو امام احمد اور امام ترمذی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی آپ نے ارشاد فرمایا حلال اور حرام میں فرق نکاح میں دف بجانے اور گیت گانے سے ہے، اور وہ حدیث جس کو امام نسائی نے عامر بن سعد سے روایت کیا ہے انھوں نے فرمایا میں ایک شادی میں قرظہ اور ابو مسعود انصاری کے ہاں گیا وہاں چند بچیاں گیت گا رہی تھیں میں نے (یہ منظر دیکھ کر) کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اے بدری ساتھیو! تمھارے ہاں یہ کام ہو رہا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ اگر مرضی ہو تو ہمارے ساتھ بیٹھ کر تم بھی سنو اور اگر مرضی نہیں ہے تو یہاں سے چلے جاؤ(اور ہمیں نہ ٹوکو) کیونکہ

I.T. Majlis of Dawateislami

[1]

[2] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۹، مسند احمد بن حنبل حدیث محمد بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۸ و ۴/ ۲۵۹

فی اللھو عند العرس [1]۔وفی خزانۃ المفتین لا بأس بأن یکون لیلۃ العرس دف یضرب للشھرۃ و اعلان النکاح۔وقال الفقیۃ ابو اللیث ھذا اذالم یکن علیہ جلاجل اما اذا کان فیکرہ کذا فی الظھیریۃ [2] **اقول:** اطلاق الاحادیث ینادی بجوازہ مع الجلاجل ایضا ولعل القول بالکراہۃ لعلۃ اخری وقد ظھر من کلام المحقق العینی ان دف العرس وطبلہ لیسا داخلین فی اللھو ولو کانا جاز ایضا فی النکاح بنص الحدیث کما افادہ الفاضل المجیب وقد منا التصریح بذٰلك فی روایۃ النسائی وکذا لاشبھۃ فی جواز ضرب البنادیق والمدافع فی العرس وامثالہ۔	ہمیں شادیوں کے مواقع پر کھیل کود کی رخصت دی گئی ہے۔ اور خزانۃ المفتین میں ہے کہ شادی والی رات اعلان نکاح اور شہرت کے لئے اگر دف بجائی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ یہ جواز اس وقت ہے یا اس صورت میں ہے کہ جب دف کی آواز گھنٹی کی جھنکار جیسی ہو لیکن وہ آواز اگر گھنٹی کے مشابہ اور جھنکار والی ہو تو اس کے استعمال (یعنی دف بجانا) مکروہ ہے،یونہی فتاوٰی ظہیریہ میں بھی ہے اھ۔ میں کہتاہوں کہ حدیثوں کا علی الاطلاق وارد ہونا اس بات کا اعلان کررہا ہے کہ "جلاجل" گھنٹی کی جھنکار جیسی آواز ہونے کے باوجود اس کا استعمال جائز ہے اور کراہت والا قول شاید کسی دوسری وجہ سے ہو نیز محقق عینی کے کلام سے ظاہر ہوا کہ شادی میں دف اور طبلہ بجانا لہو میں شمار نہیں ہوتااور اگر شمار ہو بھی تو نص حدیث کی وجہ سے ان کا استعمال جائز ہے اور کراہت والا قول شاید کسی دوسری وجہ سے ہو، نیز محقق عینی کے کلام سے ظاہر ہوا کہ شادی میں دف اور طبلہ بجانا لہو میں شمار نہیں ہوتا اور اگر شمار ہو بھی تو نص حدیث کی وجہ سے ان کا استعمال جائز ہے جیسا کہ فاضل مجیب نے افادہ پیش کیا ہے اور روایت نسائی کے حوالہ سے ہم نے اس کی تصریح قبل ازیں

[1] سنن النسائی کتاب النکاح اللھو والغناء عند العِرس نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۹۲

[2] خزانہ المفتین کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۱

کردی ہے اور اسی طرح شادی وغیرہ میں بندوقوں سے فائرنگ کرنے اور توپ سے گولہ باری کرنے کے جواز میں بھی کوئی شبہہ نہیں۔	

الجواب:

اے اللہ! تیرے ہی لئے سب تعریف ہے اور تیری ہی طرف بندوں کا قصد ہے اور اپنے مبارک حبیب پر رحمت بھیج جو خوشی عطا کرنیوالے شرانگیز کاموں سے روکنے والے اور قیامت کے دن تک ان کی آل اور ساتھیوں پر نزول رحمت ہو۔ہاں اعلان نکاح اور اظہار خوشی کے لئے مستحب مواقع میں دف بجانا جائز اور مباح ہے بلکہ اچھے ارادے سے مندوب ومطلوب ہے لیکن مردوں کے لئے ناپسندیدہ ہے البتہ عورتوں کے لئے جائز ہے جیسا کہ اکابر علماء نے ارشاد فرمایا۔اسی طرح چھوٹی بچیوں کے لئے خواہ آزاد ہوں یا لونڈیاں دف بجانا جائز ہے نہ کہ ان معزز شکل وشباہت رکھنے والی خواتین کے لئے۔چنانچہ درمختار میں ہے۔شادیوں میں دف بجانا جائز ہے۔علامہ شامی نے اپنے فتاوٰی میں لکھا ہے کہ شادیوں میں دف بجانا عورتوں کے ساتھ خاص ہے اس لئے کہ البحرالرائق میں معراج الدرایہ کے حوالے سے منقول ہے کہ اس مسئلہ کے ذکر کرنے کے بعد کہ نکاح اور اس جیسی خوشی کے موقع پر اگرچہ دف بجانا مباح ہے	اللھم لك الحمد والیك الصمد صل علی حبیبك النور مانح السرور وعلی اله وصحبه الی یوم النشور ضرب الدف لاعلان النكاح واظهار السرور فی مستحبات الافراح جائز ومباح مافیه جناح بل مندوب ومطلوب بالقصد المحبوب لكن یكره للرجال بكل حال وانما جواز للنساء علی ماقاله فحول العلماء وانما ینبغی لنحو الجواری من الاماء والذراری دون السردات ذوات الهیأت۔فی الدر المختار جاز ضرب الدف فیه [1] اھ یرید العرس قال فی ردالمحتار جواز ضرب الدف فیه خاص بالنساء كما فی البحر عن المعراج بعد ذكره انه مباح فی النكاح ومافی معناه من حادث سرور قال وهو مكروه للرجال علی

[1] الدرالمختار کتاب الشھادت باب قبول الشھادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۶

کل حال للتشبہ بالنساء [1] اھ، واخرج ابن حبان فی صحیحہ عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کانت عندی جاریۃ من الانصار زوجتہا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا عائشۃ الا تغنین فان ھذا الحی من الانصار یحبون الغناء [2]، قالت القاری قال التورپشتی یحتمل ان یکون علی خطاب الغیبۃ بجماعۃ النساء والمراد منہن من تبعہا فی ذٰلک من الاماء والسفلۃ فان الحرائر لیستنکفن من ذٰلک وان یکون علی خطاب الحضور لہن ویکون من اضافۃ الفعل الی الاٰمر بہ والاٰذن فیہ قلت ویؤیدہ الروایۃ الاٰتیہ ارسلتم معہا من تغنی الخ [3] اما	لیکن ہر حال میں مردوں کے لئے مکروہ ہے کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے اھ۔ چنانچہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حوالے سے تخریج فرمائی مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس قبیلہ انصار کی ایک بچی تھی میں نے اپنی نگرانی میں اس کی شادی کرائی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم گاتی نہیں ہو کیونکہ انصار تو گانے کو پسند کرتے ہیں۔ ملا علی قاری نے فرمایا کہ محدث تورپشتی نے کہا یہاں اس لفظ "تغنین" میں احتمال ہے کہ غیبت کے طریقے پر عورتوں کی جماعت سے خطاب ہو اور ان سے وہ باندیاں اور معمولی عورتیں مراد ہوں جو اس بچی کے ساتھ بارات میں گئیں اس لئے کہ آزاد عورتیں اس کام سے نفرت کرتی تھیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ صیغہ حاضر کے طریقہ پر ہو جس کی مخاطب عورتیں ہوں اور فعل کی اضافت آمر اور اجازت دینے والے کی طرف ہو، میں کہتاہوں کہ آئندہ کی روایت اس کی تائید کرتی ہے جس کے یہ الفاظ ہیں کیا تم نے دلھن کے ساتھ کسی گویّا عورت کو بھیجا ہے؟

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب قبول الشہادۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۲

[2] موارد الظمان زوائد ابن حبان باب الغناء واللعب فی العرس حدیث ۲۰۱۲ المطبعۃ السلفیہ ص ۴۹۴، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ ابن حبان فی صحیحہ کتاب النکاح باب اعلان النکاح مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۷۲

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۱۴

الجلاجل فمن اللهو الباطل و النهی عنها مشهور وفی زبر الصدور مزبور وذٰلك لما فيها من التطريب وقد كرهوا ضرب الساذج علی هيئة الطرب فكيف بما به فی نفسه معيب وقد قدم الفاضل المجيب عن العلامة الشامی عن الفتاوی السراجية ان هذا ای جواز ضرب الدف فی العرس اذا لم تكن له جلاجل ولم يضرب علی هيئة التطرب[1] اھ ولم يثبت وجودها فی الدفوف فی زمن الحديث والرسالة بل هو لهو حديث اخترعه بعده اهل اللعب والبطالة فی المرقاة شرح المشكوٰة (فجعلت جويريات لنا) بالتصغير قيل المراد بهن بنات الانصار لا المملوكات (يضربن بالدف) قيل تلك البنات لم يكن بالغات حد الشهوة وكان دفهن غير مصحوب بالجلاجل. قال اكمل الدين المراد به	رہا یہ کہ دف کی آواز گھنگرو اور گھنٹی کی جھنکار کی طرح ہو تو یہ لہو باطل میں شمار ہے اور اس سے ممانعت مشہور ہے چنانچہ یہ سینوں کی تختیوں پر لکھا ہوا ہے اس لئے کہ اس میں خوش آوازی اور سریلا پن ہے۔ حالانکہ فقہائے کرام نے کسی سادہ چیز کو گانے کی شکل اور ہیئت پر بجانے کو مکرہ قرار دیا ہے پھر اس کا کیا کہنا جو بذاتہ عیب دار ہو، چنانچہ فاضل مجیب علامہ شامی سے بحوالہ فتاوٰی سراجیہ پہلے نقل کیا ہے کہ شادی میں دف بجانے کا جواز اس شرط سے مشروط ہے کہ اس میں ٹن ٹن کی آواز نہ ہو اور وہ گانے کی ہیت پر بھی نہ بجایا جائے اور حدیث اور رسالت کے زمانے میں دف کے لئے ٹن ٹن کی سریلی آواز نہ تھی بلکہ یہ کھیل تماشے کی باتیں زمانہ رسالت کے بعد ارباب باطل نے ایجاد واختراع کرلیں چنانچہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ ہمارے ہاں چند چھوٹی بچیاں تھیں جو دف بجارہی تھیں، یہاں حدیث میں لفظ جویریات ہے جو جویریہ کی جمع اور صیغہ تصغیر ہے کہا گیا کہ ان سے انصار کی چھوٹی بچیاں مراد ہیں لہٰذا باندیاں مراد نہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ مکمل جوان نہ تھیں اور ان کی دف کی آواز سریلی اور ٹن ٹن والی نہ تھی، چنانچہ علامہ اکمل الدین نے فرمایا ان کی دف سے زمانہ متقدمین

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

الدف الذی کان فی زمن المتقدمین واما ماعلیه الجلاجل فینبغی ان یکون مکروها بالاتفاق[1] اھ ملخصًاولا یذھبن عنك ان اللھو حقیقته حرام کلھا دقھا وجلتھا اما ماابیح فی العرس ونحوہ من ضرب الدف وانشاد الاشعار المباحة به القصد المباح اوالمندوب لاللتلھی واللعب المعیوب فانما سمی لھوا صورۃ کماسمیت السنن الثلث ملاعبة الفرس والمرأة والرمی بذٰلك لذٰلك بالضرورۃ فلا منافاۃ بین حدیث قرظة بن کعب وابی مسعود رضی الله تعالٰی عنھما وقول المحقق العینی وغیرہ انما کان منھیا اذا کان للھو امالغیرہ فلا باس کطبل الغزاۃ والعرس[2]۔ قال فی ردالمحتار نقلا عن الکفایة شرح الھدایة اللھو حرام بالنص قال علیه الصلٰوۃ والسلام لھو المؤمن باطل الا فی ثلث تادیبه فرسه

کی دف مراد ہے۔رہی وہ دف کہ جس کی گھنٹی جیسی آواز اور جھنکار ہو تو وہ بالاتفاق مکروہ ہے(ملخص پورا ہوگیا) یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ درحقیقت ہر لہو حرام ہے خواہ آلات لہو کی آواز باریک ہو یا موٹی، رہی یہ بات کہ شادی وغیرہ کے موقع پر دف بجانا مباح ہے اور مندوب ارادے سے جائز اشعار پڑھنا بشرطیکہ معیوب طریقے پر نہ ہو، توان تمام باتوں کے مباح ہونے کا حکم ہے البتہ اسے صورۃً لہو کہا گیا جیسا کہ تین کاموں کو(یعنی عورت اور گھوڑے سے کھیلنا اور تیز اندازی کرنا)جو درحقیقت سنت ہیں،اسی وجہ سے اس ضرورت کی بناء پر انھیں لہو کا نام دیا گیا لہٰذا قرظہ بن کعب اور ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث اور محقق عینی وغیرہ کے کلام میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ دف بجانے کا جواز اس صورت میں ہے کہ جب بطور لہو نہ ہو ورنہ منع ہے۔اس کی مثال جیسے غازیوں کا طبلہ اور شادیوں میں دف بجانا ہے۔ علامہ شامی نے کفایہ شرح ہدایہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ نص کی بنیاد پر لہو حرام ہے چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ تین کھیلوں کے علاوہ مسلمان کا ہر کھیل باطل ہے: (۱) گھوڑے

---

[1] مرقات المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳۰۱/۶

[2]

وفی روایة ملاعبته بفرسه ورمیه عن قوسه وملاعبته مع اهله [1] اھ **قلت** رواه الحاکم عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بلفظ کل شیئ من لهو الدنیا باطل الاثلثة انتضالك بقوسك وتادیبك فرسك وملاعبتك اهلك فانها من الحق هذا مختصر وقال صحیح علی شرط مسلم [2]۔ ونازعه الذهبی وصحح ابو حاتم وابوزرعة ارسله من طریق محمد بن عجلان عن عبدالله بن عبدالرحمن بن ابی حسین قال بلغنی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال فذکره فی نصب [3] الرایة۔ **قلت** محمد صدوق من رجال مسلم (عبدالله ثقة عالم	کو ادب سکھانا یعنی جہاد کے لئے تیار کرنا، ایک دوسری روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اپنے گھوڑے سے کھیلنا (۲) کمان سے تیر اندازی کرنا (۳) اپنی بیوی سے کھیلنا اھ، میں کہتا ہوں کہ امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حدیث مذکور کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے: سوائے تین کھیلوں کے دنیا کا ہر کھیل باطل ہے (۱) اپنی کمان سے تیر اندازی کرنا، (۲) اپنے گھوڑے کو شائستگی سکھانا، (۳) اپنی گھر والی یعنی اہلیہ کے ساتھ کھیلنا، یہ تینوں جائز ہیں۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ حاکم نے کہا کہ یہ شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے۔ علامہ ذہبی نے اس میں نزاع کیا ہے پھر ابوحاتم نے اور ابوزرعہ نے اس کے ارسال کو صحیح قرار دیا ہے جو محمد بن عجلان کے طریقے سے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی حسین سے مروی ہے چنانچہ اس نے کہا کہ مجھے اطلاع پہنچی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا پھر اس نے حدیث مذکور بیان کی، نصب الرایۃ میں یہی کہا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ محمد نامی راوی سچا ہے، مسلم کے رجال میں سے ہے عبداللہ راوی ثقہ اور عالم

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[2] المستدرك للحاکم کتاب الجهاد دارالفکر بیروت ۲/ ۹۵

[3] نصب الرایة لاحادیث الهدایة کتاب الکراهیة فصل فی البیع المکتبة الاسلامیه ریاض ۴/ ۲۷۴

من رجال الستة کلاھما من صغار التابعین فالحدیث صحیح علی اصولنا علی ان النسائی روی بسند حسن عن جابر بن عبداللہ وجابر بن عمیر رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال کل شیئ لیس من ذکر اللہ فھو لھو ولعب الا ان یکون اربعة ملاعبة الرجل امرأته وتادیب الرجل فرسه ومشی الرجل بین الغرضین وتعلیم الرجل السباحة[1] واخرج الطبرانی فی الاوسط عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کل لھو یکرہ الا ملاعبة الرجل امرأته ومشیه بین الھدفین وتعلیمه فرسه[2]۔ فالحدیث صحیح لاشك وکان ھذا ھو مراد الفاضلین الکاملین ذوی الریاسة والسلامة النفاسة والکرامة المجیب

ہے، صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے دونوں اشخاص مذکور چھوٹے تابعین میں سے ہیں لہٰذا حدیث ہمارے اصول وقواعد کے مطابق صحیح ہے اس کے علاوہ امام نسائی نے اچھی سند کے ساتھ اسے جابر بن عبداللہ اور جابر بن عمیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا: "ہر وہ چیز جس میں ذکر الٰہی نہ ہو وہ کھیل اور تماشہ ہے لیکن چار چیزیں اس سے مستثنٰی ہیں (۱) مرد کا اپنی بیوی سے کھیلنا (۲) اپنے گھوڑے کو شائستگی سیکھانا (۳) مرد کا دونشانوں کے درمیان چلنا (۴) تیراکی سیکھنا، امام طبرانی نے "الاوسط" میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ تخریج فرمائی کہ ہر کھیل مکروہ ہے سوائے تین کاموں کے (۱) مرد کا اپنی بیوی سے کھیلنا (۲) تیر اندازی کے دونشانوں کے درمیان چلنا (۳) اپنے گھوڑے کو سکھانا لہٰذا حدیث بلا شبہہ صحیح ہے اور دو فاضلوں کاملوں کی، شادی کے لہو مباح ہونے سے یہی مراد ہے جو ریاست سلامت نفاست کرامت والے ہیں ایک جواب دینے والا اور دوسرا

[1] کنز العمال بحوالہ ن النسائی عن جابر بن عبداللہ وجابر بن عمیر حدیث ۴۰۶۱۲ موسسة الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۱۱

[2] المعجم الاوسط حدیث ۱۷۹ے مکتبة المعارف ریاض ۸/ ۹۰

والمؤید باباحة اللھوفی العرس،اما ضرب بندقة الرصاص لاعلان النکاح فلا شك ان الاعلان مطلوب فیه مندوب الیه فصلا بین النکاح والسفاح الذی یکتم ولا یعلم والمقصود اعلام الاباعد والا قاصی فان الحضور یعلمونه بالحضور ولذا امر بضرب الدفوف واضطراب الاصوات علی وجه المعروف فان العلم للقاضی انما یحصل بما ھو متعارف عندھم وقد شمله قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فصل مابین الحلال والحرام الصوت والدف فی النکاح [1]، رواہ الائمة احمد والترمذی و النسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن محمد بن حاطب الجمحی رضی اللہ تعالٰی حسنه الترمذی و صححه ابن حبان والدارقطنی والحاکم وابن طاھر فلم یخص بالدف بل اطلق الصوت	اس کی تائید کرنے والا ہے۔رہی یہ بات کہ قلعی کی رائفل سے نکاح کی تشہیر اور اعلان کرنا تو یہ مطلوب و مندوب ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں امتیاز ہوجائے کیونکہ بدکاری کو چھپایا جاتا ہے بتایا اور ظاہر نہیں کیا جاتا، جبکہ نکاح کی تشہیر کی جاتی ہے کیونکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ انتہائی دور والے لوگ بھی آگاہ ہوجائیں کیونکہ قریب کے لوگ تو قرب وجوار میں ہونے کی وجہ سے اس معاملے کو بخوبی جانتے ہیں اس لئے دف بجانے اور آوازوں کے پھیلانے کا حکم طریقہ معروف کے مطابق دیا گیا ہے تاکہ قاضی کے لئے حصول علم اس کے مطابق ہوجائے جو لوگوں میں متعارف ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد اس کو شامل ہے کہ حلال حرام میں فرق نکاح کے موقع پر اعلان کرنے اور دف بجانے سے ہے۔چنانچہ ائمہ کرام مثلا احمد، نسائی، ترمذی ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے محمد بن حاطب جمحی کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی۔ابن حبان، دارقطنی، حاکم اور ابن طاہر نے اس کو صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اعلان نکاح کو شارع نے دف بجانے کے ساتھ

[1] جامع الترمذی ابواب النکاح باب ماجاء فی اعلان النکاح امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۹، سنن النسائی کتاب النکاح اعلان النکاح بالصوت الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۹۰، سنن ابن ماجہ ابواب النکاح اعلان النکاح بالصوت الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸، مسند احمد بن حنبل حدیث محمد بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۱۸ و ۴/ ۲۵۹

وغایر بالعطف والبندقة صوت یحصل به الاعلام بل ادخل فی المرام قال القاری ابن الملك المراد الترغیب الی اعلان امر النکاح بحیث لایخفی علی الاباعد قال فی شرح السنة معناه اعلان النکاح واضطراب الصوت به والذکر فی الناس کما یقال فلان قد ذهب صوته فی الناس [1] اھ فالنھی مفقود ویفید المقصود فالجواز موجود المنع مردود وھل لاحد ان ینھی عما لم ینه عنه الله ورسوله جل جلاله وصلی الله تعالٰی علیه وسلم۔ اما زعم بعض جھلة الوھابیة ولعمری مافی الوھابیة الا الجھلة انه اسراف والاسراف حرام فجھل منھم بمعنی الاسراف و	مخصوص نہیں کیا بلکہ صورت کو مطلق رکھا گیا اور دونوں میں حرف "و" تغایر کے لئے بڑھایا گیا اور رائفل سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے کہ جس سے آگاہی نصیب ہوتی ہے بلکہ اسے مقصود میں زیادہ دخل ہے۔ ملا علی قاری نے فرمایا علامہ ابن ملک نے کہا کہ اس سے امر نکاح کے اعلان کرنے کی رغبت مقصود ہے تاکہ دور دراز والے لوگوں پر یہ معاملہ پوشیدہ نہ رہے۔ شرح السنۃ میں فرمایا گیا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نکاح کا اعلان اور اس کی آواز کی نشر واشاعت ہوجائے اور لوگوں میں اس کا تذکرہ ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کی آواز لوگوں میں پھیل گئی اور ان تک پہنچ گئی، خلاصہ کلام یہ کہ نہی مفقود اور افادہ مقصود ہے اور جواز موجود اور ممانعت مردود ہے کیا کسی کے لئے گنجائش ہے کہ جس کام سے اللہ تعالٰی اور اس کے رسول گرامی منع نہ فرمائیں اس سے لوگوں کو روکے ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا، اللہ تعالٰی کی شان عظیم ہے اور اس کے رسول کریم پر اس کی طرف سے ہدیہ درود وتسلیم ہو، رہا بعض جاہل وہابیوں کا یہ خیال کہ یہ اسراف ہے (مجھے اپنی بقا کی قسم وہابیوں میں سوائے جہالت کے کچھ نہیں، لہٰذا قول وہابیہ کہ یہ اسراف ہے اور اسراف حرام ہے۔ تو

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب اعلان النکاح الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۱۴

اعظم منه ان اجهلهم تلا فی تحریمه آیة "اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ"[1] ولم یدر المسكین مافی الانفاق فی غرض محمود وفی مذموم او فی عبث من بون مبین ولو كان كل انفاق شیئ فی غرض مباح بل ومحمود اسرافا مذموما اذا امكن حصوله باقل منه لكان كل توسع فی مأكل او مشرب او منكح او مركب اوملبس او مسكن حراما وهو خلاف الاجماع والنصوص الصریحة بغیر نزاع وهذا ربنا عزوجل قائلا "قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ"[2] وهذا نبینا صلی الله تعالٰی علیه واله وسلم قائلا ان الله تعالٰی یحب ان یرٰی اثر نعمته	ان کا یہ قول معنی اسراف سے جہالت ہے اور اس سے بھی عظیم جہالت ان کے بڑے جاہل سے صادر ہوئی اس نے کام کی حرمت میں قرآن مجید کی آیۃ مبارک پڑھ لی "بے جا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں" اور وہ بیچارہ یہ نہ سمجھا کہ اچھی اور بری غرض اور بے فائدہ کام میں خرچ کرنے میں کتنا واضح اور کھلا فرق ہے اگر ہر خرچ کرنا مباح کام میں بلکہ اچھی غرض میں اسراف اور مذموم ہوتا تو جب اسی کا اس سے معمولی درجہ میں بھی حصول ممکن ہوتا پھر کھانے، پینے، نکاح کرنے، سواری، لباس اور جائے سکونت اور ان سب میں وسعت اختیار کرنا حرام ہوتا حالانکہ یہ اتفاق امت کے بالکل خلاف ہے اور صریح نصوص اس میں بغیر کسی نزاع کے وارد ہیں۔ غور کیجئے کہ ہمارا پروردگار عزت وعظمت کا مالک اپنے محبوب کریم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمارہا ہے، فرما دیجئے کس نے حرام کردی اللہ تعالٰی کی وہ زیب وزینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر فرمائی اور وہ پاکیزہ کھانے کی چیزیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہہ اللہ تعالٰی اس بات کو پسند

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

علی عبدہ رواہ الترمذی[1] وحسنه والحاکم وصححه عن عبدالله ابن عمرو بن العاص رضی الله تعالٰی عنهما مع قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی الحدیث الصحیح بحسب ابن اٰدم القیمات یقمن صلبه[2] الحدیث، وجعل لمن ابی التثلیث وقد اجمعوا علی جوازہ حتی الشبع، و انت تری ھؤلاء الناھین المجترین علی الله تعالٰی "بِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ"[3]۔ ان ھذا حرام وھذا ممنوع یاکلون الالوان ویلبسون الرقاق ویفعلون ولو اجترأوا بعشر ما انفقوا الکفٰی وضرب الدف ایضا لا یخلو عن نفقة اما ثمن واما اجرۃ

فرماتا ہے کہ اپنے کسی بندے پر آثار نعمت دیکھے، چنانچہ امام ترمذی نے اس کو روایت کرکے اس کی تحسین فرمائی، اور حاکم نے اس کو عبداللہ بن عمرو سے روایت کیا اور اس کو صحیح قرار دیا۔ اس کے باوجود کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حدیث صحیح میں یہ ارشاد موجود ہے ابن آدم کے لئے غذا کے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں (الحدیث)۔ یہ اس کے لئے مقرر فرمایا جس نے تین لقموں کا انکار کیا، تم دیکھتے ہو کہ ان روکنے والوں اللہ تعالٰی پر جرات کرنے والوں کو ایسی چیز سے جو ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حرام ہے اور یہ منع ہے کہ لوگ رنگارنگ کھانے کھاتے ہیں باریک اور پتلا لباس پہنتے ہیں اور یہ اور وہ کرتے ہیں۔ کاش وہ لوگ اس دسویں حصے پر اکتفا کرتے جو انھوں نے خرچ کیا تو کافی تھا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ دف بجانا بھی خرچ سے خالی

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان الله یحب ان یری اثرہ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۵، المستدرک للحاکم کتاب الاطعمة باب ماجاء ان الله یحب ان یری اثرہ الخ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۵

[2] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی کراہیة کثرۃ الاکل امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۰، سنن ابن ماجه ابواب الاطعمه باب الاقتصار فی الاکل ایچ ایم سعید کراچی ص ۲۴۸، الترغیب والترھیب الترھیب من الامعان فی الشبع مصطفی البابی مصر ۳/ ۱۳۶

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

ولعله قد يفوق ثمن البارود وانما السرف الصرف الى غرض لايحمد وتعدى القصد وتجاوز الحد فانظر ان هذا من ذلك والله يتولى هداك نعم من اراد التفاخر فذلك الحرام جملة واحدة "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا ۙ﴿۳۶﴾" [1] والاختصاص لهذا بالدف والبندقة بل لو تلاقران ونوى التفاخر لكان حراما محظورا والتالى اثما موزورا كما لايخفى فهذا ما عندنا فى الباب وربنا سبحانه اعلم بالصواب وصلى الله تعالٰى على سيدنا ومولٰنا والاٰل والاصحاب اٰمين۔	نہیں یا تو دف خریدنے پر خرچ آئے گا یا بجانے کی اجرت دینی پڑے گی اور شاید بارود کی قیمت سے زیادہ ہو، اور خالص اسراف یہ ہے کہ ایسی غرض کے لئے خرچ کیا جائے جس میں کوئی حسن وخرابی اور فائدہ نہ ہو اور یہ میانہ روی سے متجاوز ہو لہٰذا غور کیجئے کہ یہ کہاں اور وہ کہاں (بلکہ دونوں میں واضح فرق ہے) اور اللہ تعالٰی تیری ہدایت کا مالک ہے۔ ہاں اگر کسی نے آپس کے خرچ کرنے سے فخر کرنے کا ارادہ کیا تو یہ بالکل حرام ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اترانے والے فخر کرنیوالے کو پسند نہیں کرتا، لہٰذا حرمت کا دف اور بندوق سے کوئی اختصاص نہیں بلکہ اگر آپس میں تفاخر سے تلاوت کلام پاک کی جائے تو یہ بھی حرام اور ممنوع ہے۔ پس اس صورت میں تلاوت کرنے والا گنہ گار اور گناہ برداشتہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں لہٰذا اس باب میں ہماری یہی تحقیق ہے۔ اور ہمارا پاک پروردگار راہ صواب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ہمارے آقا وسردار اور ان کی آل اولاد وصحابہ پر اللہ تعالٰی کی خصوصی باران رحمت ہو۔ آمین! (ت)

مسئلہ ۹۷: از مدراس جنّا دھاری دسگ شب گرامیں اسٹریٹ مرسلہ مولوی حاجی سید عبدالغفار صاحب بنگلوری۔

پھولوں کا سہرا جس میں نلکیاں اور پنی وغیرہ نہ ہو جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

پھولوں کا سہرا جیسا سوال میں مذکور رسوم دنیویہ سے ایک رسم ہے جس کی ممانعت شرع مطہر سے ثابت نہیں نہ شرع میں اس کے کرنے کا حکم آیا ہے تو مثل اور تمام عادات ورسوم مباحہ کے مباح رہے گا۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۶

شرع شریف کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری ہے اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع سے نہ اس کی خوبی نکلے نہ برائی وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اس کے فعل وترک میں ثواب نہ عقاب، یہ قاعدہ ہمیشہ یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر جگہ کام آئے گا آجکل مخالفین اہلسنت نے یہ روش اختیار کرلی ہے۔ جس چیز کو چاہا شرک، حرام، بدعت، ضلالت کہنا شروع کردیا اگرچہ وہ فعل صحابہ کرام یا تابعین عظام یا ائمہ اعلام سے ثابت ہو، اگرچہ وہ فعل اس نیک بات کے عموم واطلاق میں داخل ہو جس کی خوبیاں صریح قرآن مجید وحدیث شریف میں مذکور ہیں پھر سہرے وغیرہ رسمی باتوں کی تو کیا حقیقت ہے اور اس پر طرہ یہ ہوتا ہے کہ اہلسنت سے پوچھتے ہیں تم جو ان چیزوں کو جائز بتاتے ہو قرآن وحدیث میں کہاں جائز لکھا ہے حالانکہ ان کو اپنی خوش فہمی سے اتنی خبر نہیں کہ جائز کہنے والا دلیل خاص کا محتاج نہیں، جو ناجائز کہے وہ قرآن حدیث میں دکھائے کہ ان افعال کو کہاں ناجائز کہا ہے۔ کیا اہلسنت پر لازم ہے کہ وہ جس چیز کو جائز ومباح بتائیں اس کی خاص صورت کا حکم صریح قرآن مجید واحادیث شریف میں دکھائیں اور تم پر کچھ ضرور نہیں کہ جس چیز کو حرام بدعت گمراہی کہو خاص اس کی نسبت ان حکموں کی تصریح کتاب وسنت میں دکھادو۔ ان امور کی قدرے تفصیل مسئلہ قیام میں فقیر نے ذکر کی اور تحقیق کامل تصانیف علمائے اہلسنت میں ہے۔ **شکر اللہ تعالٰی مساعیھم الجمیلۃ**۔

جب یہ قاعدہ شرعیہ معلوم ہولیا تو سہرے کا حکم خود ہی کھل گیا۔ اب جو ناجائز، حرام، بدعت، ضلالت بتائے وہ خود قرآن مجید وحدیث شریف سے ثابت کر دکھائے ورنہ جان برادر! شرع تمھاری زبان کا نام نہیں کہ جسے چاہو بے دلیل حرام وممنوع کہہ دو، اور سفہائے مخالفین جو اس قسم کے مسائل میں حدیث **من احدث فی امرنا**[1] وغیرہ پیش کرتے ہیں محض بے محل واغوائے جہال کہ اس قدر تو طائفہ اسمعیلیہ کو بھی مسلم کہ بدعت ضلالت وہی ہے جو بات دین میں نئی پیدا ہو اور دنیوی رسوم وعادت پر حکم بدعت نہیں ہوسکتا مثلاً انگرکھا پہننا، پلاؤ کھانا یا دولھا کو جامہ پہنانا، دلہن کو پالکی میں بٹھانا، اسی طرح سہرا کہ اسے بھی کوئی دینی بات سمجھ کر نہیں کرتا، نہ بغرض ثواب کیا جاتا ہے بلکہ سب ایک رسم ہی جان کر کرتے ہیں ہاں اگر کوئی جاہل اجہل ایسا ہو کہ اسے دینی بات جانے تو اس کی اس بیہودہ سمجھ پر اعتراض صحیح ہے اسی طرح سہرے کے باب میں حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم**[2] (جو کسی قسم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہوجائے گا۔ ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلح ۱/ ۳۷۱ و صحیح مسلم کتاب الاقضیہ ۲/ ۷۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

پیش کرنا اور یہ کہنا کہ ہندو بھی سہرا باندھتے ہیں تو ان سے مشابہت نکلے گی محض غلط کہ حدیث میں لفظ تشبہ مذکور ہے اور اس کے معنی اپنے آپ کو کسی کے مشابہ بنانا تو حقیقۃً یا حکماً قصد مشابہت پایا جانا ضرور ہے۔ مثلاً ایک شخص کوئی فعل خاص اس نیت سے کرے کہ کفار کی سی شکل پیدا ہو اگرچہ وہ یہ ارادہ نہ کرے مگروہ فعل شعار کفار اور ان کی علامت خاصہ ہو جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں، جیسے سر پر چوٹیاں، ماتھے پر ٹیکہ، گلے میں جینوا، الٹے پردے کا انگرکھا و علی ہذا القیاس، تو بیشک ان صورتوں میں ذم و وعید وارد، اور حدیث "**من تشبہ**" اس پر صادق، نہ یہ کہ مطلقاً کسی بات میں اشتراک موجب ممانعت ہو، یوں تو انگرکھا ہم بھی پہنتے ہیں ہندو بھی پہنتے ہیں پھر کیا اس وجہ سے انگرکھا پہننا ہم پر حرام ہو جائے گا اور اگر پردے کا فرق کفایت کرے تو کیا نلکیوں اور پنی کا نہ ہونا اور اس سہرے کی صورت ان کے سہرے سے جدا ہونا کافی نہ ہوگا، اصل بات یہ ہے کہ بربنائے تشبہ کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا قصد مشابہت ہو یا وہ فعل اہل باطل کا شعار و علامت خاصہ ہو جس کے سبب سے وہ پہچانے جاتے ہوں، یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں اور سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے۔ یہ قاعدہ بھی ضرور یاد رکھنے کا ہے جس سے مخالفین کے اکثر اوہام کا علاج ہوتا ہے۔ درمختار میں بحرالرائق سے منقول:

التشبہ بھم لا یکرہ فی کل شیئ بل فی المذموم وفیما یقصد بہ التشبہ[1]۔	اہل کتاب سے تشبہ ہر چیز میں مکروہ نہیں بلکہ بری بات میں اور وہاں کہ ان سے مشابہت کا قصد کیا جائے۔

مولٰنا علی قاری شرح فقہ اکبر امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون عن التشبیہ بالکفرۃ واھل البدعۃ فی شعارھم، لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ او من	ہم کو یہ منع ہے کہ کفار واہل بدعت کے شعار میں تشبہ کریں نہ یہ کہ ہر بدعت منع ہو اگرچہ مباح ہو اب چاہے وہ اہلسنت کے افعال سے ہو یا کفار و مبتدعین کے فعلوں سے تو مدار کار

[1] الدرالمختار باب یفسد الصلوٰۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۰

افعال الکفرة واھل البدعة فالمدار علی الشعار [1]۔	شعار پر ہے۔

بالجملہ خلاصہ یہ ہے کہ سہرا نہ شرعًا منع نہ شرعًا ضروری یا مستحب، بلکہ ایک دنیوی رسم ہے۔ کی تو کیا، نہ کی تو کیا، اس کے سوا جو کوئی اسے حرام گناہ بدعت ضلالت بتائے وہ سخت جھوٹا، بر سر باطل اور جو اسے ضروری لازم اور ترک کو شرعًا موجب تشنیع جانے وہ نرا جاہل۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبــہ

عبدہ المذنب الفقیر احمد رضاؔ البریلوی عفی عنه

رسالہ

هادی الناس فی رسوم الاعراس

ختم ہوا

---

[1] منح الروض الازھر شرح الفقه الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایة مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

حدود وتعزیرات

مسئلہ ۹۸: مسئولہ مولوی عبدالمنان صاحب از بنگالہ ۲۲ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کئی روز عمرو سے کوئی بات کی تنازع کیا بعد ازاں عمرو کے اوپر سراء محفل محلّہ کے انھوں نے تہمت دیا اور کہا کہ اہل مجلس نے اگر اس کو کھائے تو میں نہیں ہوں اہل مجلس نے کہا کیوں اسی قدر زید نے جواب دیا کہ عمرو بدکار ہے اس کی کے ساتھ پھر عمرو نے اس بات پر مقدمہ دائر کیا حاکم سے ممبر کے پاس حکم آیا کہ یہ مقدمہ صحیح ہے یا نہیں۔ بعد اس کے ممبر نے محلّہ والوں کو پہنچایا کہ یہ معاملہ صحیح ہے یا نہیں ان کو کون نے کہا کے کہا ہاں یہ جو مقدمہ عمرو نے دائر کیا صحیح ہے پھر وہاں زید نے حاضر ہو کر کہا میں اہل مجلس سے اور پچٹین صاحب سے خواستگار ہوں کہ یہ میں نے افترا اور جھوٹ کہا معافی کا خواستگار اس حالت میں عمرو کو اہل محلّہ اور ممبر صاحب نے بلوایا اور کہا ان کو معاف کردو اور انھوں نے ان لوگوں کی بات کو معاف کردیا بعد اس کے قریب ایک سال یا دس ماہ کے پھر کہا زید نے عمرو سے لے کر کھانے میں نہیں ہوں تب سرداران اہل مجلس نے کہا کیا سبب ہے فوراً جواب دیا کہ میں نے پہلے جو بات ظاہر کیا تھا وہی ہے تب سرداران اہل محلّہ نے گواہ طلب کیا اس نے کہا ہے فلاں فلاں شخص اس مجلس میں حاضر ہے ان لوگوں نے بھی کہا کہ آپ کی زبان سے اگلے سال سنا تھا فی الحال ہم لوگ کچھ نہیں جانتے پھر اہل مجلس نے کہا کہ آپ کے اور کوئی گواہ ہے انھوں نے جواب دیا کہ ہے عمرو بکر خالد عبداللہ وغیرہ ان لوگوں نے ان سب نے پوچھا یہ بات زید نے جو کہا صحیح ہے یا نہیں عمرو بکر وغیرہا نے کہا ہم لوگوں نے ایک عورت سے

سنا تھا اس عورت سے بھی پوچھا تو عورت اس وقت مانع ہے پھر جمعہ کے دن سب مصلیوں کے مقابلہ زید سے پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں میں نے بھی سنا اور جو میرا شاہد ہے وہ بھی مانع ہے بلکہ بعضوں کی طرف اشارہ کیا تھا انھوں نے مسجد ہی میں منع کیا اس حال میں زید پر حد قذف لازم آتا ہے یا نہیں۔ اگر آتا تو بالمال ہوسکتا ہے یا نہیں ____________ اگر تعزیرات ساتھ مال کے ہو کس قدر ہوتا ہے کوئی مقدار معین ہو لینا اور اس مال کا مستحق کون ہے؟ از روئے شرع کے مع الدلائل بیان فرمائے اگر وہ شخص توبہ کرے معافی کی امید ہے یا نہیں؟ **بینوا بالکتاب وتوجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان فرمائیے اور روز حساب اجر پائیے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زید ضرور مرتکب قذف کا ہوا اس نے سخت گناہ کبیرہ کیا اسلامی سلطنت میں وہ اسی کوڑوں کا سزاوار تھا۔

قال اللہ "فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۟ " [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑے لگاؤ پھر کبھی بھی ان کی گواہی نہ مانو اور وہی نافرمان ہیں۔ (ت)

مگر یہاں نہ اسلامی سلطنت ہے نہ حدود جاری ہو سکتے ہیں نہ غیر سلطان کو حد کا اختیار ہے اور تعزیر بالمال منسوخ ہے **کما حققہ الامام الطحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی** (جیسا کہ امام طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق کی ہے۔ت) اور منسوخ پر عمل جائز نہیں صرف چارہ کار یہ ہے کہ اسے برادری سے خارج کریں مسلمان اس سے میل جول چھوڑ دیں جب تک توبہ نہ کرے اگر توبہ کرے تو اللہ عزوجل قبول فرمانے والا ہے۔ خود کریمہ مذکورہ میں "اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا" [2] کا استثناء ہے مگر اس کی توبہ صرف یہی نہ ہوگی کہ اللہ عزوجل کے حضور تائب ہو بلکہ لازم ہوگا کہ عمرو سے اپنے قصور کی معافی مانگے کہ وہ نہ صرف حق اللہ بلکہ حق العبد میں بھی گرفتار ہے اور تنہائی میں توبہ بھی کافی نہ ہوگی اس نے مجمع میں گناہ کیا ہے مجمع ہی میں توبہ کرے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئة فاحدث عندها توبة السر بالسرو العلانیة بالعلانیة [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو چھپے گناہ کی خفیہ اور برملا گناہ کی اعلانیہ توبہ کرو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۰۱۸۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰۹

مسئلہ ۹۹: مرسلہ نور اللہ پیش امام وعبدالحق زمیندار وغیرہا ساکنان سردار نگر تھانہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مدد علی نام قوم فقیر ساکن سردار نگر ایک عورت نکاحی بھگالایا اور عرصہ دو برس سے اس سے زنا کرتا ہے جب اس کو ہم لوگوں اور برادری نے تنگ کیا تو مسمّٰی مذکور کو مبلغ سو روپیہ عورت کو لے کر موضع ہرپور پنچایت گیا اور کہا کہ یہ عورت اور یہ روپیہ موجود ہے میرا فیصلہ کرادو، مسمّٰی کلن شاہ و بھلن شاہ وغیرہ ساکنان ہرپور پنچوں نے روپیہ لے کر اپنے پاس جمع کرلیا اور عورت مسمّٰی مذکور کو واپس دے دی اور جس کی بیوی تھی اس کو نہیں دی اور نہ اس کو روپیہ دے کر استعفاء لیا اب جو ہم گاؤں والوں نے مسمّٰی مدد علی کو سخت کیا تو وہ کہتا ہے میں کیا کروں میرا روپیہ پنچوں میں جمع ہے نہ وہ نہ استعفاء دلاتے ہیں اور نہ روپیہ مجھ کو واپس دیتے ہیں کہ میں خود مدعی کو راضی کرلوں، ایسے جھگڑے میں دو برس ہوگئے اب ہم گاؤں والے اس کا کیا تدارک کریں کیونکہ انگریزی عملداری ہے اگر اس کا حقہ پانی بند کریں تو وہ عدالت میں نالشی ہوگا لہٰذا جواب سے مشرف فرمائے جائیں۔ فقط۔

الجواب:

اس شخص پر فرض ہے کہ اس عورت کو اپنے سے جدا کردے اور یہ اس کا عذر جھوٹا ہے کہ میں کیا کروں میرا روپیہ پنچوں کے پاس جمع ہے روپیہ جمع کردینے سے زنا حلال نہیں ہوسکتا، اگر وہ اسے نہ نکالے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس سے میل جول ترک کردیں، برادری سے خارج کردیں اور اس میں ان پر کوئی جرم عائد نہیں ہوسکتا یہ قانون نہیں ہے کہ جو زانی کو اپنا پانی نہ دے وہ مجرم ہے اپنے حقے پانی کا ہر شخص کو اختیار ہے جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے اور اس صورت میں فقط وہی شخص مجرم نہیں بلکہ ان پنچوں پر بھی شرعی الزام بشدت قائم ہے جنھوں نے اس کا روپیہ لے کر دبالیا اور عوت زنا کے لے اسے واپس دی وہ سب عذاب الٰہی کے مستحق ہیں ان پر فرض ہے کہ اس کا روپیہ واپس دیں اور توبہ کریں اور قدرت رکھتے ہوں تو عورت کو اس سے چھڑا کر اس کے شوہر کے پاس بھیج دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۰: مسئولہ احمد الدین کیمپ بوند شنبہ ۱۲ شوال المکرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کہ زید ایک مسجد میں پیش امام ہے اور عام لوگوں نے یہ شہرت دی ہے کہ زید نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے اور جب حلفیہ شہادت

لی گئی عینی شہادت کوئی نہیں دیتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے سنا ہے اور اس سے پوچھو تو وہ یہ کہتا ہے کہ میں نے فلاں سے سنا ہے عینی شہادت کوئی نہیں بیان کرتا ہے ایسی صورت میں بعض اشخاص نے زید کے پیچھے نماز پڑھنی چھوڑ دی ہے اگر احتیاطا ایسی حالت میں زید سے توبہ واستغفار کرائی جائے تو اس کی امامت درست ہوگی یا نہیں اور عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تک علماء فتوی نہ دیں گے تو ہم اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں گے آیا ایسی حالت میں وہ توبہ واستغفار کرے اور پھر نماز پڑھائے تو زید کے پیچھے نماز جائز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر زنا پر عندالشرع شریف کے گواہوں کی ضرورت ہے اور وہ کیسے ہوں؟ فقط

الجواب:

مسلمان پر بدگمانی حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]۔	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ کچھ گمان گناہ ہیں۔(ت)

خاص معائنہ کے چار گواہ مرد ثقہ متقی پرہیزگار درکار ہیں بغیر اس کے جو اسے متہم بزنا کرے گا شرعا اسی کوڑوں کا مستحق ہوگا، زید کی امامت میں کوئی حرج نہیں اور توبہ واستغفار مسلمان کو ہر حال میں چاہئے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱: مرسلہ محمد ظہور سوداگر پارچہ الموڑہ متصل جامع مسجد کارخانہ بازار ۱۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

بوڑھے زانی کی کیا سزا ہے حالانکہ اس کی جوان اور تندرست بی بی اس کے پاس موجود ہو اور وہ ایک مشرکہ سے زنا کرے۔ بینوا توجروا

الجواب:

زنا کی سزا آخرت میں عذاب نار ہے اور دنیا میں حد ہے جس کا سلطان اسلام کو اختیار ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا: "اللہ تعالٰی کے سب سے زیادہ دشمن تین شخص ہیں: مفلس متکبر اور بوڑھا زانی اور جھوٹ بولنے والا بادشاہ"[2] **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۱، کنز العمال حدیث ۴۳۹۳۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۹

مسئلہ ۱۰۲: از امر تسر سید بڈھے شاہ صاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جنھوں نے زناکاری اور ناچنا گانا اپنا پیشہ بنار کھا ہے بلکہ پیشہ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اس فعل شنیع پر اصرار کئے بیٹھے ہیں اور اسی پر ان کی عمر گزرتی ہے اور اس زنا کی آمدنی پر ان کا کھانا پینا پہننا اور تمام امور ہوتے ہیں اہل اسلام کو ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہئے ان کے ساتھ میل جول بات چیت کرنا ان کے یہاں سے کچھ کھانا پینا یا ان کی خیرات صدقات سے کچھ حاصل کرنا یا ان کا کوئی کام کرنا اس کی اجرت لینا یا ان کا جنازہ پڑھنا یا شریک جنازہ ہونا یا انھیں غسل دینا یا ان کے ہاتھ کوئی چیز اس آمدنی کے عوض فروخت کرنا یا ان سے خریدنا وغیرہ وغیرہ شرعًا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

ان سے میل جول نہ چاہئے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر تمھیں شیطان کسی بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آجانے کے بعد کبھی ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ (ت)

بلکہ اور بہت فاسقوں سے اس بارے میں ان کا حکم اشد ہے کہ ان سے ملنے میں آدمی متہم ہوتا ہے اور موضع تہمت سے بچنے کا حکم مؤکد ہے۔ حدیث میں ہے:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاخر فلا یقفن مواقع التھم [2]۔	جو کوئی اللہ تعالٰی اور دن قیامت پر یقین رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ مقامات تہمت میں نہ ٹھہرے (ت)

زنا وغنا پر جو مال حاصل کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی ملک نہیں ہوتا ان کے ہاتھ میں مثل مغصوب ہوتا ہے کما صرح بہ فی الفتاوی العالمگیریۃ وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری اور دوسرے فتاوٰی میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ ت) نہ اس کا اجرت میں لینا جائز نہ کسی چیز کی قیمت میں لینا جائز، صدقہ وہدیہ تو دوسری بات ہے بلکہ وہ جو کچھ کسی فقیر کو دے اسے خیرات کہنا حرام ہے۔ اس پر امید ثواب رکھنے کو علماء نے کفر لکھا ہے۔ اور جو مال بعینہٖ انھوں نے ان حرام افعال کے عوض حاصل کیا اس کا خریدنا بھی حرام اس کا کھانا بھی حرام، ہاں اگر یہ مال انھوں نے خریدا ہو اگرچہ اپنے زر حرام سے اور اس پر

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضۃ نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۴۹

عقد ونقد جمع نہ ہوئے ہوں یعنی یہ نہ ہوا ہو کہ وہ حرام روپیہ دکھا کر کہا کہ اس کے عوض دے دے اور وہی روپیہ ثمن میں دے دیا کہ یوں تو جو کچھ وہ خریدیں وہ بھی حرام ہے **علی ماقالہ الامام الکرخی علیہ الفتوٰی** (اس بناء پر جو کچھ امام کرخی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) ہاں اگر یوں ہوا مثلاً کہا ایک روپیہ کی فلاں چیز دے دے اس نے دے دی اس نے اپنا زر حرام ثمن میں دیا تو اگرچہ اسے ثمن میں صرف کرنا حرام تھا مگر جو چیز خریدی وہ حرام نہ ہوئی ایسی خریدی ہوئی چیز کا ان سے خریدنا جائز ہے اور ناچ وغیرہ اس طور پر خرید کر پکایا ہو تو اس کا کھانا بھی حرام نہیں مگر ان کے یہاں کھانا پینا ویسے ہی ممنوع ہے۔ رہا جنازہ اور اسکی نماز، اگر یہ لوگ مسلمان ہوں تو ضرور فرض ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

الصلوٰۃ واجبۃ علیکم علی کل مسلم یموت براکان او فاجرا وان ھو عمل الکبائر [1]۔	تم پر ہر مسلمان کے جنازے کی نماز فرض ہے وہ نیک ہو یا بد اگرچہ اس نے کبیرہ گناہ کئے ہوں۔

مگر اس قسم کے جو پیشہ ور لوگ ہیں ان کا ایمان سلامت رہنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے ان کے یہاں کی رسم سنی گئی ہے کہ جب لڑکی سے اول بار زنا کراتے ہیں اسے دلھن بناتے ہیں اور نیاز دلاتے ہیں اور مبارک سلامت ہوتی ہے ایسا ہے تو یقیناً وہ سب کافر ہوجاتے ہیں ان پر نماز حرام ان کے جنازہ کی شرکت حرام، **نسأل اللہ العفو والعافیہ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲و۱۰۴: از دبابوں کے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ مرسلہ محمد قاسم صاحب مدرس مدرسہ ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید نے بکر کو زنا کی تہمت لگائی۔

(۲) ایک عورت زانیہ اپنے گناہ سے ایک عالم متدین کے ہاتھ پر تائب ہوگئی ہے لیکن اب بھی چند ایک آدمی اسی کی برادری میں سے اس کو گزشتہ گناہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور میرا سمجھ کر اس کو اس کے خاوند کے گھر میں آباد نہیں ہونے دیتے حالانکہ اس کا خاوند اس کے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۳

آباد کرنے میں راضی ہے۔ایسے اشخاص کے واسطے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) مسلمان کو زنا کی تہمت بے ثبوت شرع لگانے والا فاسق مردود الشہادۃ،اسی کوڑوں کا شرعاً سزاوار ہے یہاں دنیا میں نہیں ہو سکتے،آخرت میں استحقاق عذاب نار ہے۔

(۲) گناہ سے توبہ کرنے والے کو اگلے گناہ سے عیب لگانا سخت حرام ہے ایسے کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مرے گا جب تک خود اس گناہ کا مرتکب نہ ہو،

اخرج الترمذی وحسنہ عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ [1] قال المناوی المراد من ذنب قد تاب منہ کما فسرہ بہ ابن منیع [2] اھ،وقد جاء کذا مقیدا فی روایۃ ذکرھا فی الشرعۃ قالہ فی الحدیقۃ الندیہ۔	امام ترمذی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت فرمائی جبکہ امام ترمذی نے اس حدیث کی تحسین فرمائی جو کوئی اپنے بھائی کو کسی گزشتہ گناہ پر عار دلائے وہ نہ مرے گا مگر جبکہ خود اس گناہ کا مرتکب ہو،امام مناوی نے فرمایا کہ حدیث پاک میں گناہ سے وہ گناہ مراد ہے جس سے کرنے والے نے توبہ کر ڈالی، جیسا کہ ابن منیع نے اس کی وضاحت فرمائی اھ۔اور ایک دوسری روایت میں ذنب کے ساتھ قید مذکور ہے جس کو شرعۃ الاسلام میں نقل فرمایا۔چنانچہ حدیقہ ندیہ میں اس کو بیان فرمایا۔(ت)

اور زن وشو میں جدائی ڈالنا شیطان کا کام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا رواہ ابوداؤد [3] والحاکم بسند	وہ آدمی ہم میں سے نہیں کہ جو دغا بازی سے عورت کو شوہر کے خلاف کردے۔ابوداؤد اور حاکم نے

[1] جامع الترمذی ابواب صفۃ القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

[2] التیسیر شرح جامع الصغیر تحت حدیث من عیر اخاہ الخ مکتبہ امام الشافعی ریاض ۲/ ۴۳۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی من خبب مملوکا الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۷، المستدرك للحاکم کتاب الطلاق دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۶، معجم الاوسط للطبرانی حدیث ۸۰۱۸ مکتبہ المعارف الریاض ۹/ ۱۲

صحیح عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر عن ابن عمر وفی الاوسط کابی یعلی الراوی بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنھم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	صحیح سند سے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا۔اور امام طبرانی نے معجم صغیر میں عبداللہ ابن عمر سے اور معجم اوسط میں ابویعلٰی کی طرح صحیح سند سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵: از ناتھ دوارہ ریاست اودے پور ملک میواڑ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص صاحب علم امرونہی سے واقف ہیں مگروہ شخص نہ کبھی رمضان المبارک کے روزے رکھتے ہیں اور نہ کبھی نماز پڑھتے ہیں، جمعہ کے روز بطور ریاکاری مسجد میں آکر جمعہ ادا کرتے ہیں تواس شخص کے واسطے کیاحکم ہے۔اس شخص کو کیا کہنا چاہئے؟اور مسلمانوں کواس کے ساتھ کیابرتاؤلازم ہے۔اس کاجواب مع حدیث وفقہ کے مرقوم فرمائیں کہ اللہ تعالٰی آپ کواجر عظیم عطافرمائے گا۔

الجواب:

وہ شخص سخت فاسق فاجر مستحق جہنم ہے۔مسلمانوں کواس سے احتراز چاہئے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۶: ازپوسٹ آفس موضع شرشدی ضلع نواکھالی بنگال مرسلہ سید عبدالرحمٰن صاحب یکم ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

قبلہ من مدظلہ بعد سلام وقدمبوسی عرض ہے ایک شخص نے چارپائے وطی کیااس پرایک عالم نے کہاکہ تم اتنے روپیہ بطورزجر کے اداکروتاکہ آئندہ کوئی آدمی مرتکب گناہ نہ ہواس سے روپیہ لے کر مسجد کے لئے چٹائی خرید کردیاگیااب وہ شرعادرست ہے یانہیں؟**بینوا**(بیان فرمائیے۔ت)فتوٰی کی عبارت ذرالمبااور فتوٰی لمباہونے سے عوام زیادہ اعتبار کرتا ہے،چونکہ اس وطی کے لئے کفارہ کاحکم نہیں ہے۔اگرکفارہ ہوتا بیشک غریب کاحق تھا یہ روپیہ زجرًا یاعبرتا لیاگیا ہے اور وہ نیک کام میں صرف کیاگیا بعض اس پرمعترض ہیں،امید ہے حضور عالی جس طرح درست ہوایسا تحریر فرماکرایک فتوٰی بہت جلد بیرنگ روانہ فرمادیں۔ چارپائے کوحسب شرع جیساکرنا ہے کیاگیاہےاس پرکوئی معترض نہیں صرف اس سے جوروپیہ لیاگیااس کومسجد میں صرف کیا گیاہےاس پراعتراض ہے کہ کفارہ مسجد میں خرچ نہیں ہوسکتا ہے جناب عالی!حسب مناسب سوال تحریر فرماکراس کے جواب جواب بدلیل کتب فقہ تحریر فرماکر بہت جلد روانہ بیرنگ کریں تاکہ رفع فساد ہو بہت جلد درکار ہے جس طرح درست ہومسجد کے لئے خرچ کرنادرست ہے تحریر

فرمادیں کیونکہ اس کام میں کفارہ واجب نہیں ایک روپیہ بطور استادی خدمت کے روانہ کیا جاتا ہے دس پانچ عالم کا مہر ودستخط کرا دیں۔ سوال جس پیرا میں حضور تجویز کریں مگر وہ روپیہ مسجد کے خرچ میں درست ہونا درکار ہے۔ حضور تو بحر العلوم ہیں جن کا اسم گرامی تمام جہاں میں مشہور ہے بیرنگ روانہ کرنے سے جلد مل جائے گا مگر لفافہ پر کاتب کا نام ضروری ہے ورنہ ڈاک والا روانہ نہیں کرتا ہے۔

الجواب:

وہ روپیہ کہ اس شخص سے زجرا لیا گیا حرام ہے کہ تعزیر بالمال منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل حرام۔ تنویر الابصار میں ہے:

التعزیر تأدیب دون الحد واکثرہ تسعۃ و ثلاثون سوطا ویکون بہ وبالصفح لا باخذ مال فی المذھب [1]۔	تعزیر ادب سکھانا ہے جو حد سے کم سزا ہے اس میں زیادہ سے زیادہ انتالیس ۳۹ کوڑے ہیں اور یہ کوڑے یا مکے مارنے سے ادا ہوتی ہے۔ معتمد مذہب میں اس میں مال لینا نہیں۔ (ت)

بحر الرائق ودر مختار ورد المحتار میں ہے:

افاد فی البزازیۃ ان معنی التعزیر باخذ المال علی القول بہ امساك شیئ من مالہ منہ مدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ لا ان یاخذہ الحاکم لنفسہ او بیت المال کما یتوھمہ الظلمۃ اذ لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی وفی شرح الآثار (للامام الطحاوی رحمہ اللہ تعالٰی) التعزیر بالمال کان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ [2]۔	فتاوٰی بزازیہ میں یہ افادہ پیش فرمایا کہ مال لے کر تعزیر قائم کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ مجرم کے مال میں سے کچھ مدت کے لئے مال حاکم اپنے پاس رکھ لے تاکہ وہ جرائم سے باز آجائے۔ پھر سدھر جانے پر حاکم وہ مال اس کو لوٹا دے یہ مطلب نہیں کہ حاکم اپنی ذات کے لئے یا بیت المال کے لئے مال جرمانہ اس سے وصول کرے جیسا کہ بعض ظالموں نے وہم کیا ہے کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ بغیر کسی سبب شرعی کے کسی کا مال حاصل کرے، اور شرح آثار امام طحاوی رحمہ اللہ تعالٰی میں ہے کہ مالی تعزیر شروع اسلام میں تھی پھر منسوخ ہوگئی۔ (ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحدود باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب التعزیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۹۔۱۷۸

اور مسجد میں اس روپے کا صرف کرنا حرام۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب۔ رواہ الترمذی وغیرہ عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	یقیناً اللہ پاک ہے وہ سوائے پاک کے کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا ہے۔ امام ترمذی وغیرہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت فرمایا ہے۔(ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لِیَمِیْزَ اللّٰہُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ"[2]	اس لئے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرمادے(ت)

یعنی اس مسجد میں صرف کرنے کا یہ فعل حرام ہے اور صرف کرنے والا مبتلائے آثام ہے اس پر فرض تھا اور ہے کہ یہ روپیہ جس سے لیا اسے واپس دے نہ یہ کہ اسے دوسرے کام خصوصاً مسجد میں صرف کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علی الید ما اخذت حتی تودیہ، رواہ الامام[3] احمد فی مسندہ والائمۃ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ فی سننہم والحاکم فی صحیحہ المستدرك عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جو کچھ ہاتھ نے لیا اس پر ضروری ہے کہ اسے ادا کردے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں اور دوسرے ائمہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اس کو روایت کیا ہے، اور حاکم نے اپنی صحیح مستدرک میں حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اس کو روایت فرمایا ہے۔(ت)

رہیں وہ چٹائیاں کہ اس روپیہ سے خرید کر مسجد میں دیں ان پر اگر عقد ونقد جمع نہ ہوئے تھے تو

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب صلٰوۃ الاستسقاء دار صادر بیروت ۳/ ۳۴۵

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۷

[3] جامع الترمذی کتاب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ موداۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲، مسند احمد بن حنبل عن سمرۃ بن جندب المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۸

مسجد میں ان کا لینا اور استعمال کرنا اور ان پر نماز پڑھنا سب درست ہے اس میں کچھ حرج نہیں عقد ونقد جمع ہونے کے یہ معنی کہ وہی خبیث روپیہ بائع کو دکھا کر کہا ہو کہ اس روپے کے بدلے چٹائیاں دے دے، یہ اس روپیہ پر عقد ہوا پھر وہی روپیہ ثمن میں دے دیا گیا ہو یہ اس روپے کا نقد ہوا، ظاہر کہ یہاں خرید وفروخت میں ایسا بہت نادر ہے غالبا چیز مانگتے ہیں کہ ایک روپیہ کے یہ دے دو پھر زر ثمن ادا کرتے ہیں یہ اگر اس مال خبیث سے ہوا ہو تو اس کا صرف نقد ہوا اس پر عقد نہ ہوا اور اس صورت میں ان چٹائیوں میں کوئی خباثت نہ آئی اور مسجد پر ان کا وقف صحیح ہوگیا اور وہ دینے والے کو واپس نہیں دی جاسکتیں جب تک مسجد میں قابل استعمال ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

غصب عبدا وآجرہ تصدق بالغلۃ کما لوتصرف فی المغصوب والودیعۃ وربح اذا کان مستفیدا بالاجارۃ اوبالشراء بدراہم الودیعۃ اوالغصب ونقدھا وان اشار الیھا ونقد غیرھا اوالی غیرھا اواطلق ونقدھا لا وبہ یفتی[1]۔	جیسا کہ اگر کسی نے کوئی غلام غصب کیا (یعنی کسی سے اس کا غلام زبردستی چھین لیا) پھر اسے مزدوری پر لگایا (اور ٹھیکہ پر دیا) اور غلہ ہو تو پھر اجرت اور غلہ دونوں خیرات کردے جیسا کہ کسی نے غصب کردہ چیز یا امانت میں (بغیر اجازت مالک) کچھ تصرف کیا (بایں طور کہ اسے فروخت کردیا) اور اس سے نفع کمایا اگر وہ متعین ہو اور اس کے تعین کی صورت اشارہ ہے اور امانت یا غصب کردہ دراہم سے اسے خریدنا ہے (یعنی عقد اور نقد دونوں میں زر حرام جمع ہو تو پھر وہ خرید کردہ چیز حرام ہوگی۔ پس اس کا استعمال کرنا جائز نہ ہوگا) پس تعین بالاشارہ اور خرید میں وہی حرام نقدی ہو تو اس حاصل شدہ نفع کو خیرات کردے) اور اگر اوپر والی صورت مذکورہ نہ ہو تو پھر اس کی تین صورتیں ہیں: **(۱)** عقد کے وقت زر حرام کی طرف اشارہ کیا مگر ادائیگی کے وقت کوئی اور نقدی دے دی۔ **(۲)** بوقت عقد کسی اور مال کی طرف اشارہ کیا مگر ادائیگی کے وقت وہی مال حرام دے دیا۔ **(۳)** عقد کرتے وقت ثمن میں اطلاق (یعنی بغیر کسی قید لگانے کے کہہ دیا کہ اتنی رقم فلاں چیز دے دو) لیکن ثمن دیتے وقت وہی زر حرام دے دیا۔ پس ان تینوں صورتوں میں خیرات نہ کرے (کیونکہ حرمت نہیں پیدا ہوئی جیسا کہ ظاہر ہے) اور اسی قول پر فتوی دیا جاتا ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶۔۲۰۵

ردالمحتار میں ہے:

وبه یفتی قاله فی الذخیرة وغیرها کما فی القهستانی ومشی علیه فی الغرر والمختصر والوقایة والاصلاح والیعقوبیة عن المحیط[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور یہی قول قابل فتوی ہے۔ چنانچہ ذخیرہ وغیرہ میں یہی ارشاد فرمایا جیسا کہ جامع الرموز (قہستانی) میں مذکور ہے۔ الغرر، المختصر، الوقایہ اور الاصلاح میں یہی روش اور طرز اختیار فرمائی، اور یعقوبیہ میں المحیط سے یہی منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۱

آداب

مجلس وعظ، مسجد، قبلہ، اذان واقامت، تلاوت، سجدۂ تلاوت، درود وسلام، خطبہ، اوراد و وظائف، عملیات، سفر، استخارہ، فال، جماع، سفارش، مصحف، کتب اور سونے وغیرہ امور سے متعلق آداب

مسئلہ ۱۰۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ۝۷۹ "[1]۔	اسے نہ چھوئیں مگر پاکیزہ لوگ۔(ت)

اور بعض علماء چارپائی پر لیٹے یا بیٹھے ہوتے ہیں اور لڑکے کتابیں لئے ہوئے جن میں بسم اللہ شریف ودیگر آیات قرآنیہ ہوتی ہیں نیچے چٹائی پر بیٹھے رہتے ہیں، پس یہ فعل کیسا ہے؟ اور وہ کتابیں قابل تعظیم ہیں یا نہیں؟ اور شروع پر بسم اللہ لکھنے سے کلام الناس ہوجاتی ہے یا کلام اللہ؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۶/ ۷۹

الجواب:

ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ نفس حروف قابل ادب ہیں اگرچہ جداجدا لکھے ہوں جیسے تختی یا وصلی پر خواہ ان میں کوئی برا نام لکھا ہو جیسے فرعون، ابوجہل وغیرہما، تاہم حرفوں کی تعظیم کی جائے اگرچہ ان کافروں کا نام لائق اہانت وتذلیل ہے۔

فی الھندیہ اذا کتب اسم فرعون اوکتب ابوجھل علی غرض یکرہ ان یرموا الیہ لان لتلك الحروف حرمۃ کذا فی السراجیۃ[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں ہے جب فرعون اور ابوجہل وغیرہ کے نام کسی غرض کے لئے لکھے جائیں تو مکروہ ہے کہ انھیں کہیں پھونک دیں اس لئے کہ ان حروف کی عزت وتوقیر ہے جیسا کہ "سراجیہ" میں مذکور ہے۔(ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ کتاب پر دوات رکھنا منع ہے مگر جب لکھتے وقت ضرورت ہو۔

فی الدرالمختار یکرہ وضع المقلمۃ علی الکتاب الا للکتابۃ[2] ملخصا۔ فی ردالمحتار قولہ الاللکتابۃ الظاھر ان ذٰلك عند الحاجۃ الی الوضع[3] اھ۔	درمختار میں ہے کتاب پر دوات رکھنا مکروہ ہے مگر جبکہ لکھنے کی حاجت ہو تو اس وقت ایسا کرنا جائز ہے۔اھ ملخصا۔ ردالمحتار میں مصنف درمختار کے قول "الا للکتابۃ" کے ذیل میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ جب تک رکھنے کی ضرورت ہو اس وقت تک اجازت ہے۔اھ(ت)

اور تصریح فرماتے ہیں کہ اگر کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب یہ ہے کہ اس کے اوپر کپڑے نہ رکھے جائیں۔

فی العالمگیریۃ:

حانوت اوتابوت فیہ کتب فالادب ان لایضع الثیاب فوقہ[4]۔	کسی صندوق یا الماری میں کتابیں رکھی ہوں تو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر کپڑے نہ رکھے(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[2] درمختار کتاب الطہارت مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الطہارت داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۴

توکیونکر ادب ہوگا کہ کتابیں نیچے رکھی ہوں اور آپ اوپر بیٹھیں کیا ایسے لوگوں کو بے ادبی کی شامت سے خوف نہیں، حروف تہجی خود کلام اللہ ہیں کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئے۔

کما فی ردالمحتار [1] للعلامۃ الشامی عن سیدی عبدالغنی النابلسی عن کتاب الاشارات فی علم القرآء ت للامام القسطلانی رحمھم اللہ تعالٰی۔	جیسا کہ علامہ فتاوٰی شامی میں سیدی عبدالغنی نابلسی کے حوالے سے "کتاب الاشارات فی علم القراءت" میں امام قسطلانی رحمہم اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔(ت)

البتہ کتب دینیہ کو بے وضو ہاتھ لگانے کے بارے میں علماء مختلف ہیں بعض علماء مطلقًا جائز فرماتے ہیں اور بعض مطلقًا مکروہ اور بعض تفصیل کرتے ہیں کہ کتب تفسیر میں مکروہ اور غیر جائز بشرطیکہ ان میں جہاں کوئی آیت لکھی ہو خاص اس پر ہاتھ نہ رکھے اس کی ممانعت میں کوئی کلام نہیں اور یہی تفصیل زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

فی ردالمحتار الاظھر والاحوط القول الثالث ای کراھتہ فی التفسیر دون غیرہ [2] وتمامہ فیہ عن السراج عن الایضاح لا یجوز مس موضع القراٰن منھا [3] الخ۔	ردالمحتار (فتاوٰی شامی) میں ہے کہ زیادہ ظاہر اور زیادہ احتیاط تیسرے قول میں ہے یعنی کتب تفسیر کو بے وضو ہاتھ نہ لگانا جبکہ دوسری کتابوں کو ہاتھ لگانے میں کراہت نہیں الخ اور اس کی پوری بحث ردالمحتار میں سراج بواسطہ ایضاح سے منقول ہے کتابوں میں جہاں قرآن مجید کا کوئی حصہ لکھا ہو وہاں ہاتھ لگانا جائز نہیں الخ(ت)

اور بسم اللہ کہ شروع پر لکھتے ہیں غالبًا اس سے تبرک وافتتاح تحریر مراد ہوتا ہے۔نہ کتابت آیات قرآنیہ،اور ایسی جگہ تغیر قصد سے تغیر حکم ہوجاتا ہے ولہٰذا جنب کو آیات دعا وثنا نہ نیت قرآن بلکہ بہ نیت ذکر ودعا پڑھنا جائز ہے۔

فی الدرالمختار لو قصد الدعاء والثناء	درمختار میں ہے اگر تسمیہ وغیرہا سے دعا،ثناء

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۹

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸و۱۱۹

او افتتاح امر حل فی الاصح حتی لو قصد بالفاتحة الثناء فی الجنازة لم یکرہ[1] الخ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یا کسی کام کے شروع کرنے کا ارادہ کیا جائے تو زیادہ صحیح قول میں جنبی اس کو پڑھ سکتا ہے یہاں تک کہ فرمایا کہ نماز جنازہ میں فاتحہ سے ثناء کا ارادہ کیا جائے تو نماز جنازہ میں فاتحہ کا پڑھنا مکروہ نہیں الخ ملخصًا۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۰۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص متدین متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پارہائے کہنہ فرسودہ قرآن شریف اور قواعد بغدادی اور قواعد ابجد کو جو لڑکوں کے دست مالش سے پھٹے ہوئے تھے اس مصلحت سے کہ ان کی بے ادبی نہ ہو اور پاؤں کے تلے نہ آئیں بدون قصد توہین کے بسند حدیث بخاری کے جو باب جمع القرآن میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے:

امر بما سواہ من القراٰن فی کل صحیفة اومصحف ان یحرق[2]۔	قرآن مجید کے موجودہ متعارف نسخہ کے علاوہ باقی ہر صحیفہ یا مصحف موجود تھا سب کے متعلق خلیفہ سوم نے جلادیئے جانے کا حکم جاری کیا(ت)

ان کو جلادیا آیا یہ شخص اہل سنت کے نزدیک بلحاظ مصلحت وسند مذکور وادلہ شرعیہ کے صواب پر ہے یاخطاپر؟ کتب معتبرہ سے جواب فرمائیں۔بینوا توجروا۔

الجواب:

احراق مصحف بوسیدہ وغیر منتفع علماء میں مختلف فیہ ہے اور فتوٰی اس پر ہے کہ جائز نہیں۔

قال فی الفتاوٰی العالمگیریة المصحف اذا صار خلقا وتعذرت القراءة منه لایحرق بالنار اشار الشیبانی الی هذا فی السیر الکبیر وبه	فتاوٰی عالمگیری میں فرمایا گیا جب مصحف پرانا اور بوسیدہ ہوجائے اور وہ پڑھے جانے کے لائق نہ رہے تب بھی اسے آگ میں نہ جلایا جائے،چنانچہ امام محمد شیبانی نے سیر کبیر میں اس کی طرف اشارہ

[1] درمختار کتاب الطہارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳

[2] صحیح البخاری کتاب فضائل لقرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶

ناخذ کما فی الذخیرۃ[1]۔	فرمایا ہے لہٰذا اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، کتاب ذخیرہ میں اس طرح مذکور ہے۔(ت)

بلکہ ایسے مصاحف کو پاک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کرنا چاہئے۔

فیھا ایضا المصحف اذا صار خلقا لایقرؤمنه ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقة طاھرۃ ویدفن ودفنه اولی من وضعه موضعا یخاف ان یقع علیه النجاسة اونحو ذٰلك ویلحد له لانه لو شق ودفن یحتاج الی اھالة التراب علیه فی ذٰلك نوع تحقیر الا اذا جعل فوقه سقف بحیث لایصل التراب الیه فھو حسن ایضا کذا فی الغرائب[2]۔	اس میں بھی لکھا ہے جب مصحف بوسیدہ ہوجائے اور اسے نہ پڑھا جاسکے اور یہ اندیشہ ہو کہ کہیں گر کر بکھر جائے گا اور بے ادبی ہونے لگے گی تو اسے کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ دفن کردیا جائے اور اسے دفن کرنا زیادہ بہتر ہے بنسبت کسی ایسی جگہ رکھ دینے کے جہاں اسی پر گندگی پڑے اور آلودہ ہوجائے اور لاعلمی میں پاؤں کے نیچے روندا جانے لگے۔ نیز اس کی تدفین کے لئے صندوقچی قبر کی بجائے بغلی قبر بنائی جائے اس لئے کہ اگر صندوق نما قبر بنائی گئی تو دفن کرنے کے لئے اس پر مٹی ڈالنے کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ عمل ایک لحاظ سے بے ادبی والا ہے۔ ہاں اگر مصحف شریف کو قبر میں رکھ کر اوپر چھت بنادی جائے تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے اور نہ اس تک مٹی پہنچے تو بھی اچھی تدبیر ہے اسی طرح فتاوٰی الغرائب میں مذکور ہے۔(ت)

اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ احراق واقع ہوا کما فی حدیث البخاری (جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے۔ت) بغرض رفع فتنہ وفساد تھا اور بالکلیہ رفع اس کا اسی طریقہ پر منحصر کہ صورت دفن میں ان لوگوں سے جنھیں مصاحف محرقہ اور ان کی ترتیب خلاف واقع پر اصرار تھا احتمال اخراج تھا بخلاف مانحن فیہ کہ یہاں مقصود حفظ مصحف ہے۔ بے ادبی اور ضائع ہوجانے سے اور یہ امر طریقہ دفن میں کہ مختار علماء ہے کما امر بنھج احسن (جیسا کہ اس کی تفصیل بہت اچھے انداز سے گزر چکی۔ت) حاصل البتہ قواعد بغدادی وابجد اور سب کتب غیر منتفع بہا ماورائے مصحف کریم کو جلادینا بعد محو اسمائے باری عزاسمہ اور اسمائے رسل وملائکہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین کے جائز ہے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۳

کما فی الدر المختار الکتب التی لاینتفع بھا یمحی عنھا اسم اللہ وملئکتہ ورسولہ ویحرق الباقی [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ عزاسمہ اتم۔	درمختار میں ہے وہ کتابیں اور کاغذات جن سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا ہے ان سے اللہ تعالٰی اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں کے مقدس نام کسی طرح مٹاکر باقی حصہ جلادیا جائے اللہ تعالٰی خوب جانتاہے اور اس کا علم سب سے زیادہ مکمل ہے جس کا نام غالب اور باعزت ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰۹: ازاوجین محلّہ مرزاواڑی مرسلہ شیخ آفتاب حسین وشیخ حامد علی صاحبان ۲۱ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلٰوۃ والسلام علی رسول محمد والہ واصحابہ اجمعین۔	اللہ تعالٰی کے مقدس نام سے شروع جو بیحد رحم کرنے والا مہربان ہے، سب تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود وسلام اس کے رسول مقبول پر ہو اور ان کی تمام اولاد اور ساتھیوں پر۔(ت)

امابعد گزارش خاکسار یہ کہ چند مسئلہ کتب فقہیہ امام اعظم صاحب علیہ الرحمۃ مثل ہدایہ شرح وقایہ وفتاوٰی قاضی خاں ودرمختار وردالمحتار وفتاوٰی عالمگیری وفتاوٰی برہنہ وفتاوٰی سراجیہ خلاف حدیث رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں من جملہ مسائل خلافیہ کے ایک یہ مسئلہ اس میں لکھاہے کہ قرآن شریف کی آیت کاپیشاب سے لکھنا جائز ہے میں اس کا ثبوت دے سکتا ہوں یہ عبارت کتب مذکورہ میں ہے یا اتہام؟ اس کے حق میں کیا حکم ہے؟ بیان فرمادیں۔(محمد رفیع الدین)

الجواب:

الحمد للہ رب العالمین وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد والہ واصحابہ وعلماء امتہ ومجتھدی ملتہ اجمعین اٰمین۔	تمام خوبیاں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پرورش کرنے والا ہے تمام جہانوں کی، اور سب سے بہتر درود اور سب سے کامل سلام رسولوں کے سردار پر ہو جو ہمارے آقا ومولا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں، اور ان کی آل اصحاب، علمائے امت اور مجتہدین مذہب ان سب پر (بالواسطہ) درود وسلام ہو۔آمین،

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں، ت) معترض نے اس عبارت میں متعدد طور پر دھوکے دینے سے کام لیا ہے۔

اولاً: ایہام کیا کہ ہدایہ وغیرہ سب کتب مذکورہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے۔ حالانکہ نہ ہدایہ میں اس کا پتا نہ شرح وقایہ میں نشان، نہ درمختار میں وجود، نہ عالمگیری میں ذکر بول موجود، یہ سب معترض صاحب مغالطہ دہی ہے فتاوی برہنہ فقیر کے پاس نہیں۔ نہ وہ کوئی معتبر کتابوں میں معدود۔

ثانیاً: سراجیہ میں اس کے بعد صراحۃً لکھ دیا **لکن لم ینقل**[1] مگر یہ منقول نہ ہوا، اسی طرح ردالمحتار[2] میں نقل فرمایا۔ تو ان کی طرف حکم جواز کی نسبت کر دینی محض افترا ہے حکم کسی شرط پر مشروط کرکے وجود شرط حکم کو تسلیم نہ کرنا ہے نہ کہ حکم دینا کما لایخفی علی جاھل فضلا عن فاضل (جیسا کہ کسی ان پڑھ سے بھی پوشیدہ نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل سے پوشیدہ ہو۔ت)

ثالثاً: فتاوٰی قاضی خاں میں صاف بتادیا کہ یہ مسئلہ نہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد ہے نہ ان کے اصحاب کا، نہ شاگردان کا نہ شاگردان شاگرد کے کسی شاگرد کا، بلکہ شیخ ابوبکر اسکاف بلخی کا قول ہے کہ چوتھی صدی کے مشائخ سے تھے وہ بھی نہ اس طور پر جس طرح معترض نے بیان کیا جیسا کہ عنقریب آتا ہے تو اس کے باعث یہ ایہام کرنا کہ فقہ امام اعظم کا یہ حکم ہے صحیح فریب دہی ہے۔ **رابعاً:** فتاوٰی قاضی خان کی عبارت یہ ہے:

الذی رعف فلا یرقا دمه فاراد ان یکتب بدمه علی جبهته شیئا من القراٰن، قال ابوبکر الاسکاف رحمه الله تعالٰی یجوز قیل لوکتب بالبول، قال لوکان فیه شفاء لاباس به قیل لوکتب علی جلد میتة قال ان کان فیه شفاء جاز وعن ابی نصر بن سلام	جس شخص کی نکسیر آئے کہ خون بند نہ ہو پھر اس نے اپنے خون سے قرآن مجید کا کوئی حصہ اپنی پیشانی پر لکھنے کا ارادہ کیا ہو (تو شرعاً کیا حکم ہے) ابوبکر اسکاف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ پھر ان سے پوچھا گیا اگر پیشاب سے لکھے (تو پھر کیا حکم ہے) فرمایا اگر اس میں شفاء معلوم ہو تو کچھ حرج نہیں، پھر کہا گیا کہ اگر مردار کی کھال پر لکھے، تو فرمایا اگر اس میں بھی شفاء معلوم ہو تو جائز ہے۔ ابوالنصر بن سلام

[1] فتاوٰی سراجیہ کتاب الکراھیۃ باب التداوی والعلاج نولکشور لکھنؤ ص ۷۵

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

رحمہ اللہ تعالٰی معنی قولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم انما قال ذٰلك فی الاشیاء التی لایکون فیہ شفاء فاما اذا کان فیھا شفاء فلا بأس بہ قال الاتری ان العطشان یحل لہ شرب الخمر حال الاضطرار[1]۔	رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد کہ "بے شک اللہ تعالٰی نے جو کچھ تم پر حرام فرمایا ہے اس میں تمھارے لئے شفا نہیں رکھی" کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ان چیزوں سے متعلق ہے جن میں فی الواقع شفاء نہیں لیکن جن میں شفا موجود ہے تو ان کے استعمال میں کیا حرج ہے کیا تم دیکھتے نہیں کہ پیاسے آدمی کے لئے اضطراری حالت میں شراب کا پینا بھی حلال ہے۔(ت)

اس عبارت سے واضح کہ فقیہ ممدوح سے اس حالت کا سوال ہوا تھا کہ کسی کے دماغ سے ناک کی راہ خون جاری ہے اور کسی طرح نہیں تھمتا اس حالت میں اس کی جان بچانے کو اگر خون یا بول سے لکھیں تو اجازت ہے یا نہیں؟ فقیہ موصوف نے فرمایا اگر اس سے شفا ہو جانا معلوم ہو تو مضائقہ نہیں اور اس کی نظیر یہ بتائی گئی کہ پیاس سے جان جاتی ہو اور سوا شراب کے کوئی چیز موجود نہیں یا بھوک سے دم نکلتا ہو اور سوا مردار کے کچھ پاس نہیں تو اس وقت بمقدار جان بچانے کے شراب و مردار کے استعمال کی شرع مطہر نے رخصت دی ہے تو فقیہ موصوف کا یہ حکم حقیقۃ تین شرطوں سے مشروط تھا:

اوّل: یہ کہ جان جانے کا خوف ہو، جیسا کہ عبارت قاضی خان **فلا یرقادمہ** (اس کا خون بند نہ ہو۔ت) سے ظاہر ہے اور اسی رد المحتار میں کہ اس کا نام بھی معترض نے گن دیا۔ عبارت یوں ہے:

نص مافی الحاوی القدسی اذا سال الدم من انف انسان ولا ینقطع حتی یخشی علیہ الموت[2]۔	(حاوی قدسی میں تصریح فرمائی) یعنی خون ناک سے جاری ہے اور نہیں تھمتا یہاں تک کہ اس کے مرجانے کا اندیشہ ہو۔

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

دوم: اس تدبیر سے اسے شفا ہو جانا بھی معلوم ہو جیسا کہ عبارت قاضی خاں لوکان فیه شفاء [1] (اگر اس میں شفاء معلوم ہو۔ ت) سے ظاہر، اور اسی ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ ہے: وقد علم انه لو کتب ینقطع [2] بتحقیق معلوم ہو کہ لکھا جائے تو خون منقطع ہو جائے گا

سوم: اس کے سوا کوئی اور تدبیر شفانہ ہو جیسا کہ عبارت قاضی خاں حال الاضطرار سے ظاہر، اور اس ردالمحتار میں ہے:

فی النهایة عن الذخیرة یجوز ان علم فیه شفاء ولم یعلم دواء اٰخر [3]۔	(نہایہ میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے) جب جائز ہے کہ اس سے شفا ہو جانا معلوم ہو اور دوسری کوئی دوانہ معلوم ہو۔

اسی میں ہے:

هذا لمصرح فی عبارة النهایة کما مر ولیس فی عبارة الحاوی الا انه یفاد من قوله کما رخص الخ لان حل الخمر والمیتة حیث لم یوجد مایقدم مقامهما [4]۔	عبارت نہایہ میں یہ تصریح کی گئی جیسا کہ بیان گزر چکا، لیکن عبارت حاوی قدسی میں یہ تصریح موجود نہیں مگر یہ کہ اس کے قول "کما رخص" سے افادہ کیا جائے الخ اس لئے کہ شراب اور مردار (وہاں) حلال ہیں جہاں کوئی نعم البدل نہ پایا جائے لہٰذا بصورت دیگر وہ حلال نہیں (ت)

اہل انصاف غور کریں کہ جو حکم ان تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہو جن کے بعد اس میں اصلا استبداد نہیں کہ الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوعات کو مباح کردیتی ہیں۔ ت) شرع وعقل وعرف سب کا مجمع علیہ قاعدہ ہے ان تمام شرائط کو اڑا کر مطلقًا یوں کہہ دینا کہ ان کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن شریف کی آیت کا پیشاب سے لکھنا جائز ہے کون سی ایمان وامانت ودین ودیانت کا مقتضا ہے یہ تو ایسا ہوا کہ کوئی کافر نصرانی یہودی بک دے کہ قرآن مجید میں سور کھانا حلال لکھا ہے۔

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰، ردالمحتار کتاب الطهارة باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

[2] ردالمحتار کتاب الطهارة باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

[3] ردالمحتار کتاب الطهارة باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

[4] ردالمحتار کتاب الطهارة باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

اور ثبوت میں یہ آیت پیش کرے کہ:

"فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ط"[1]	پھر کوئی بیقرار ہو گیا بشر طیکہ بغاوت اور زیادتی کرنیوالا نہ ہو تو اس پر (مردار کھالینے کا) کوئی گناہ نہیں۔ (ت)

یا کوئی مردود نیچری یُوں جھک کمارے کہ کفر کے بول بولنا اللہ تعالٰی نے جائز فرمادیا ہے اور سند میں یہ آیت سنادے کہ:

"اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ"[2]	مگر اس کو کلمہ کفر کہنے کی اجازت ہے کہ جس کو مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان سے مطمئن ہو۔ (ت)

ان مفتری کذابوں سے یہی کہا جائے گا کہ قرآن عظیم نے تو سوئر کھانا اور کلمہ کفر بکنا قطعی حرام کئے ہیں یہ تیرا محض افتراء و بہتان ہے، ہاں دم نکلتا ہو اور کچھ اور میسر نہیں تو جان بچانے کو حرام چیز کھانے کی اجازت دینی یا کوئی ظالم بغیر کفر کے ظاہر کئے مارے ڈالتا ہو یا آنکھیں پھوڑتا یا ہاتھ پاؤں کاٹتا ہو تو دل میں خاص ایمان کے ساتھ حفظ جسم وجان کے لئے کچھ ظاہر کرنے کی رخصت فرمائی یہ قطعاً حق وعین رحمت و مصلحت ہے اور اسے تیرا اس طور پر تعبیر کرنا یقینا بہتان و صریح شرارت وخباثت ہے بعینہٖ یہی جواب ان غیر مقلد صاحبوں کے اعتراض کا سمجھ لیجئے۔

خامسًا: فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ اگر اللہ عزوجل نظر غائر وقت شناس نصیب فرمائے تو عندالتحقیق اس کلام علماء کا مرجع ومآل صاف ممانعت ہے نہ تجویز واجازت کہ وہ شرط فرماتے ہیں کہ جب اس سے شفاء ہو جانا معلوم ہو حالانکہ اس علم کا کوئی ذریعہ نہیں، اگر علم بمعنی یقین لیجئے جب تو ظاہر کہ یقین تو ظاہر وواضح ومجرب ومعقول الاثر داؤں میں بھی نہیں نہایت کار ظن ہے۔

اسی ردالمحتار میں ہے:

قد علمت ان قول الاطباء ولا یحصل بہ العلم[3]۔	بیشک تو نے جان لیا کہ طبیبوں کے قول سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۶

[3] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب المیاہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۴۰

اور اگر ظن کو بھی شامل کیجئے تو یہ لکھنا غایت درجہ از قبیل رقیہ ہوگا نہ از قبیل معالجات ورضحہ طبیہ اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایسے معالجات سے شفاء معلوم ہونا درکنار مظنون بھی نہیں صرف موہوم ہے۔اسی عالمگیری میں فصول عمادی سے ہے:

الاسباب المزیلة للضرر تنقسم الی مقطوع بہ کالماء للعطش والخبز للجوع والی مظنون کا لفصد والحجامة وشرب المسهل وسائر ابواب الطب یعنی معالجة البرودة بالحرارة ومعالجة الحرارة بالبرودة وهی الاسباب الظاهرة فی الطب والی موهوم کالکی والرقیة [1]۔	جن اسباب سے ضرور دور ہوتا ہے وہ دو قسم کے ہیں(۱) یقینی جیسے پانی پیاس دور کرنے کے لئے اور کھانا بھوک کو رفع کرنے کے لئے (۲) ظنی، جیسے خون نکلوانا، پچھنے لگوانا، جلاب آور دوا پینا اور دیگر ابواب طب یعنی سردی کا گرمی سے علاج کرنا، اور گرمی کا سردی سے، اور علم طب میں یہ ظاہری اسباب ہیں اور وہمی اسباب جیسے داغ لگانا اور جھاڑ پھونک یعنی دم کرنا۔(ت)

تو دیکھو علمائے تصریح فرمائی کہ یہ لکھنا جائز جب ہو کہ اس سے شفاء معلوم ہو اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمائی کہ اس سے شفاء معلوم نہیں تو کیا حاصل یہ نکلا کہ یہ لکھنا جائز ہے یا یہ کہ ہرگز جائز نہیں صحیح حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دربارہ رمل سوال ہوا ارشاد فرمایا:

کان نبی من الانبیاء یخط فمن وافق خطه فذاك رواه مسلم [2] فی صحیحه واحمد ابوداؤد والنسائی عن معاویة بن الحکم رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بعض انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کچھ خط کھینچا کرتے تھے تو جس کی لکیریں ان کے خطوں سے موافق ہوں وہ ٹھیک ہے(امام مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں امام محمد، ابوداؤد اور نسائی نے معاویہ بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اب اس حدیث سے ٹھہرادینا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رمل پھینکنے کی اجازت دی ہے حالانکہ حدیث صراحۃ مفید ممانعت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا جواز موافق خط انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے مشروط فرمایا اور وہ معلوم نہیں تو جواز بھی نہیں۔امام نووی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الصلٰوۃ باب تحریم الکلام میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۵

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۳

معناہ من وافق خطه فهو مباح له ولکن لاطریق لنا الی العلم الیقینی بالموافقة فلا یباح والمقصود انه حرام لانه لایباح الابیقین بالموافقة ولیس لنا یقین بها[1]۔	حدیث پاک کا مفہوم اور مراد یہ ہے کہ جس آدمی کی لکیریں بعض انبیاء کرام کی لکیروں کے موافق ہوجائیں تو اس کے لئے (علم رمل) مباح ہے لیکن حصول موافقت کے لئے ہمارے پاس یقینی علم تک رسائی کا کوئی راستہ نہیں لیکن علم مذکور (ہمارے لئے) مباح نہیں اور مقصد یہ ہے کہ وہ حرام ہے کیونکہ یقینی موافقت کے بغیر وہ مباح نہیں ہوسکتا اور یقینی موافقت کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں۔(ت)

یعنی مقصود حدیث تحریم رمل ہے کہ اباحت بشرط موافقت ہے۔اور وہ نامعلوم تو اباحت معدوم۔علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

حاصله ان فی هذا الزمان حرام لان الموافقة معدومة او موهومة[2]۔	یعنی حاصل حدیث یہ ہے کہ رمل اس شریعت میں حرام ہے کہ موافقت معدوم ہے یا موہوم۔

اسی میں امام ابن حجر سے انھوں نے اکثر علماء سے نقل فرمایا:

لایستدل بهذا الحدیث علی اباحته لانه علق الاذن فیه علیه موافقة خط ذٰلك النبی صلی موافقة غیر معلومة فاتضح تحریمه[3]۔	یعنی اس حدیث سے رمل کی اباحت پر استدلال نہ کیا جائے کہ اس میں تو اجازت ان نبی کے خط سے موافقت پر موقوف فرمائی ہے اور یہ موافقت معلوم نہیں تو اس کا حرام ہونا روشن ہوگیا۔

بعینہٖ یہی حالت اس قول علماء کی ہے کہ جب اجازت کتابت علم شفا سے مشروط فرماتے ہیں اور وہ معدوم یا موہوم ہو تو اباحت معدوم۔

هکذا ینبغی التحقیق واللّٰه ولی التوفیق ثم بعد کتابتی لهذا المحل	یونہی تحقیق کرنی چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ پھر میں نے یہ جگہ لکھنے کے بعد

[1] شرح صحیح البخاری للنوعی مع صحیح مسلم کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ ۱/۲۰۳

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب مالایجوز من العمل الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۶۴

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الصلوٰۃ باب مالایجوز من العمل الخ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۶۴

الشامی نقل عن البحر عن الفتح مانصه واهل الطب یثبتون لبن البنت نفعاً لوجع العین واختلف المشائخ فیه قیل لا یجوز وقیل یجوز العلم انه یزول به الرمد ولا یخفی ان حقیقة العلم متعذرة فالمراد اذا غلب علی الظن والاظهر معنی المنع [1] اھ **اقول:** وانت تعلم ان لاوجه فیما نحن فیه بغلبة الظن ایضاً فهو معنی المنع قطعاً وهذا عین مافهمت وﷲ الحمد۔	فتاوٰی شامی کو دیکھا اس میں بحر الرائق بحوالہ فتح القدیر نقل کیا کہ جس کی اس نے تصریح فرمائی کہ اہل طب نے لڑکی کے دودھ کو درد کے لئے مفید قرار دیا ہے اور مشائخ کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے ______ چنانچہ کہا گیا ہے کہ یہ جائز نہیں، اور یہ بھی کہا گیا کہ جائز ہے۔ جبکہ یہ علم ہو جائے کہ اس سے درد چشم زائل ہو جائے گا لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ حقیقت علم تک رسائی مشکل ہے اور مراد یہ ہے کہ جب غالب گمان ہو ورنہ یہی منع کا مفہوم ہے۔ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ تم جانتے ہو کہ یہاں غلبہ ظن کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا یہی قطعی طور پر مفہوم منع ہے اور یہ بعینہٖ وہی ہے جس کو میں نے سمجھا، اور خدا ہی کے لئے تمام خوبیاں ہیں۔ (ت)

سادساطرہ یہ کہ معترض نے چوتھی صدی کے ایک فقیہ کا قول بہزاراں عیار سب شرائط اڑا کر طرح طرح کی تہمت وبہتان کے ساتھ فقیہ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر بزعم خود اعتراض جمانے کے لئے نقل کیا، اور اسی درمختار وردالمحتار وقاضی خاں وعالمگیری وغیرہا عامہ کتب معتمدہ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں جو خود ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اصل مذہب کہ ظاہر الروایۃ ومعتمد فی المذہب ہے اور اس پر تصریحات کثیرہ ہیں وہ سب اڑا گیا کہ بے علم بیچاروں کو دھوکے دے کہ امام الائمہ امام اعظم معاذ اللہ ایسے موحش حکم دیتے تھے معترض اگر کچھ پڑھا لکھا ہے اور اس نے ان کتابوں کے نام کسی سن کر یا رجمایا بالغیب آنکھیں بند کرکے نہ لکھ دیے تو ایمان سے کہے کہ اسی درمختار میں یہیں یعنی کتاب الطہارۃ میں یہ عبارت تو نہ تھی **اختلف فی التداوی بالحرام وظاهر المذهب المنع** [2] حرام چیز دواء استعمال کرنے میں اختلاف ہے اور ہمارے ائمہ کا اصل مذہب ظاہر الروایۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الرضاع داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۰۴

[2] الدالمختار کتاب الطهارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۸

کہ جائز نہیں۔ اسی درمختار کتاب الرضاع میں یہ عبارت تو نہ تھی:

فی البحر لا یجوز التداوی بالمحرم فی ظاھر المذھب [1]۔	یعنی بحر الرائق میں ہے کہ مذہب حنفی ظاہر الروایہ میں حرام چیز سے علاج کرنا جائز نہیں۔

اسی درمختار میں کتاب الحظر والاباحۃ میں یہ عبارت تو نہ تھی:

جاز الحقنه للتداوی بطاھر لا بنجس وکذا کل تداو لایجوز [2]۔	حقنہ بغرض دوا پاک چیز سے جائز ہے ناپاک سے نہیں، اسی طرح کوئی علاج ناپاک چیز سے جائز نہیں۔

اسی ردالمحتار میں بحوالہ درمنتقی قول جواز ذکر کرکے یہ تو نہ تھا کہ المذھب خلافة [3] مذہب حنفی اسی قول کے جواز کے خلاف ہے۔ اسی عالمگیری میں یہ عبارت تو نہ تھی:

تکرہ ابوال الابل ولحم الفرس للتداوی کذا فی الجامع الصغیر [4]۔	اونٹ کا پیشاب اور گھوڑے کا گوشت دوا میں بھی مکروہ ہے ایسا ہی جامع صغیر میں امام محمد میں ہے۔

اسی میں یہ تو نہ تھا:

قال له الطبیب الحاذق علتك لا تندفع الا باکل القنفذ اوالحیة اودواء یحل فیه الحیة لایحل اکله [5]۔	یعنی ساہی یا سانپ یا ایسی دوا جس میں سانپ ڈالا جائے علاج کے لئے بھی کھانا حلال نہیں۔ اگرچہ حکم حاذق کہے کہ تیرا مرض بغیر اس کے نہ جائے گا۔

اسی عالمگیری میں اسی فتاوٰی قاضی خاں سے یہ نہ تھا:

تکرہ البان الاتان للمرض وغیرہ وکذٰلك لحومھا وکذٰلك التداوی	گدھی کا دودھ اور گوشت مرض وغیرہ کسی میں مباح نہیں اور ایسے ہی حرام چیز سے علاج

---

[1] درمختار کتاب النکاح باب الرضاع مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۹

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۵

[5] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثامن عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۵

بکل حرام [1]۔	علاج۔

اسی عالمگیری میں اسی ہدایہ سے یہ تونہ تھا:

لایجوز ان یداوی بالخمر جرحا اودبر دابة ولا ان یسقی ذمیا ولا ان یسقی صبیا للتداوی والوبال علی من سقاہ [2]۔	جائز نہیں کہ شراب سے کسی زخم یا جانور کی لگی ہوئی پیٹھ کا علاج کرنے نہ کسی ذمی کافر کو پلانا جائز نہ دوا کے لئے بچے کو پلانا اور بچے کو پلانا میں وبال پلانے والے پر ہے۔

غیر مقلد صاحبو! خدارا انصاف، جو ائمہ دین تمھارے حقنہ کے لئے بھی کسی ناپاک چیز کا استعمال جائز نہ جانیں وہ قرآن عظیم کی آیات کا ناپاک چیز سے لکھنا کیسے جائز بتائیں گے، ذرا خدا سے ڈر کر بات کیا کرو ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (گناہوں سے محفوظ رہنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں بجز علم والا ہے اور اس کا علم جس کی شان عظیم ہے سب سے زیادہ کامل اور نہایت پختہ ہے۔ت)

مسئلہ ۱۱۰: از علیگڑھ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں قبلہ رو اپنی عورت سے صحبت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر کپڑا اوڑھے ہے بدن چھپا ہوا ہے تو کچھ حرج نہیں اور اگر برہنہ ہے تو ایک تو برہنہ جماع کرنا خود مکروہ، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وقت جماع مرد وزن کو کپڑا اوڑھ لینے کا حکم دیا اور فرمایا: **ولایتجردان تجرد العیر** [3] گدھے کی طرح برہنہ نہ ہو۔ دوسرے بحالت برہنگی قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا دوسرا مکروہ وخلاف ادب۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۵۵

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیة الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۵۵

[3] کنز العمال بحوالہ ابن سعد حدیث ۴۴۸۶۳ موسسة الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۴۸

فی الدرالمختار کرہ تحریما استقبال قبلۃ و استدبارھا الاجل بول اوغائط فلو للاستنجاء لم یکرہ[1] فی ردالمحتار تحریما لما فی المنیۃ ان ترکہ ادب ولما مر فی الغسل ان من اٰدابہ ان لایستقبل القبلۃ لانہ یکون غالبا مع کشف العورۃ حتی لو کانت مستورۃ لاباس بہ ولقولھم یکرہ مدالرجلین الی القبلۃ فی النوم وغیرہ عمدا وکذا فی حال مواقعۃ اھلہ اھ[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار کے آداب استنجاء میں ہے کہ پیشاب اور پاخانہ کی ضرورت کے وقت قبلہ رخ ہو کر یا اس کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر استنجاء کے لئے بیٹھنا پڑے تو مکروہ نہیں۔ردالمحتار میں ہے لم یکرہ یعنی مکروہ تحریمی نہیں اس لئے کہ منیۃ المصلی میں ہے استنجا کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ نہ کرنا مستحب ہے، بحث غسل میں گزرا ہے کہ غسل کرنے میں ادب اور مستحب یہ ہے کہ قبلہ کی طرف منہ نہ کرے، کیونکہ وہ غالبا کشف عورت کے ساتھ ہوگا(یعنی غسل کرتے وقت اسی کی شرمگاہ ننگی ہوگی حتی کہ اگر شرمگاہ پوشیدہ اور ڈھکی ہوئی ہو تو کچھ حرج نہیں)اور ان کے اس کہنے کی وجہ سے نیند وغیرہ میں دانستہ طور پر قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ ہے اسی طرح اپنی بیوی سے ہمبستری کے وقت (پاؤں پھیلانا)۔(ت)واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں اکثر مساجد میں رنڈیاں چراغ جلاتی ہیں آیا انکا چراغ مسجد میں جلانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اس قوم کی عادت سنی گئی کہ ایسے مصارف خیر میں جو کچھ صرف کریں اپنے مال خبیث سے نہیں ہوتا بلکہ قرض لے کر صرف کیا جاتا اور اس کا معاوضہ اپنے مال سے دیا جاتا ہے اور اگر ایسا ہے جب تو اس کے جواز میں اصلا شبہ نہیں اور اس امر میں کہ یہ صرف اپنے مال سے نہیں قرض سے ہے اس کا قول مقبول ومسموع ہے کما نص علیہ فی الھندیۃ من الکراھیۃ وغیرھا وبیناہ فی فتاونا جیسا کہ

[1] درمختار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۷

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ فصل الاستنجاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۷

فتاوٰی عالمگیری بحث کراہت وغیرہ میں اس کی تصریح ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ وہ تیل یا چراغ بعینہٖ انھیں اجرت افعال محرمہ میں ملے ہیں تو حرام ہیں، اسی طرح اگر اپنے حرام مال سے یوں خریدے کہ وہ مال حرم بائع کے سامنے پیش کیا کہ اس کے عوض مثلاً تیل دے دے اس نے دے دیا اس نے وہی مال حرام ثمن میں دیا جب بھی امام کرخی کے قول مفتٰی بہ پر وہ خرید کی ہوئی چیز حرام وخبیث اور اگر ایسا نہیں بلکہ مطلقاً تیل وغیرہ بغیر کسی مال حرام کے دکھائے خریدا اگر قیمت دیتے وقت وہی مال حرام دیا جیسا کہ غالب خرید وفروخت کا یہی دستور ہے تو دو قول مصحح ومفتٰی بہ پر وہ چیز خرید کردہ حلال ہے۔

کما بینه فی الدرالمختار واوضحه الامام عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة وفصلناه فی الحظر من فتاوٰنا۔	جیسا کہ درمختار میں اس کا بیان فرمایا اور امام عبدالغنی نابلسی نے اس کو "الحدیقۃ الندیہ" میں واضح فرمایا اور ہم نے اپنے فتاوٰی کی بحث حضر واباحت میں اس کو مفصل بیان کردیا ہے (ت)

اور اگر حالت معلوم نہ ہو تو فتوٰی جواز اور تقوٰی احتراز۔

کما افاده فی الهندیة عن الذخیرة عن الامام محمد رضی الله تعالٰی عنه واوضحنا فی فتاوٰنا بما یتعین المراجعة الیه۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری بحوالہ ذخیرہ امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کا افادہ پیش کیا اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اسے ایسے طریقہ سے واضح کیا کہ اس کی طرف مراجعت سے وہ متعین ہوجاتا ہے، اور اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب کچھ جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۲و۱۱۳: از ملک بنگالہ ضلع کمرالہ ڈاکخانہ چاند پور مرسلہ منشی عبدالرحمٰن ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک مجلس میں چند آدمی ہو کر قرآن مجید ساتھ آواز بلند کے یا خفی کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) قرآن مجید کو چند آدمی مل کر اس طور پر پڑھنا کہ ایک آدمی کوئی سورت کے نصف یا رُبع یا ایک دو آیت شروع کردے باقی آیتوں کو باقی لوگ انتہائے سورت تک ختم کردیں پس میں آواز ملا کر تقریر جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا بالدلیل مع حوالۃ**

الکتب توجروا بالتحقیق (بحوالہ کتب دلیل کے ساتھ بیان کروتاکہ یقینی طور پر اجروثواب کے مستحق قرار پاؤ۔ت)

الجواب:

(ا) قرآن مجید پڑھا جائے اسے کان لگا کر غور سے سننا اور خاموش رہنا فرض ہے:

قال اللہ تعالٰی "وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: جب قرآن مجید پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر (بغور) سنو اور خاموشی اختیار کروتاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(ت)

علماء کو اختلاف ہے کہ یہ استماع وخاموش فرض عین ہے کہ جلسہ میں جس قدر حاضر ہوں سب پر لازم ہے کہ ان میں جو کوئی اس کے خلاف کچھ بات کرے مرتکب حرام وگنہگار ہوگا یا فرض کفایہ ہے کہ اگر ایک شخص بغور متوجہ ہو کر خاموش بیٹھا سن رہا ہے تو باقی پر سے فرضیت ساقط، ثانی اوسع اور اول احوط ہے۔

فی ردالمحتار فی شرح المنیة والاصل ان الاستماع للقراٰن فرض کفایة لانه لاقامة حقه بان یکون ملتفتا الیه غیر مضیع وذٰلك یحصل بانصات البعض الخ نقل الحموی عن استاذہ قاضی القضاۃ یحیٰی شھیرۃ بمنقاری زادہ ان له رسالة حقق فیھا ان استماع القراٰن فرض عین[2]۔	دوسرے قول میں زیادہ وسعت اور گنجائش ہے جبکہ پہلے قول میں زیادہ احتیاط ہے ردالمحتار میں شرح منیہ کے حوالے سے فرمایا اصل یہ ہے کہ قرآن مجید سننا (شرعا) فرض کفایہ تاکہ اس کا حق قائم ہوجائے اس کی صورت یہ ہے کہ اس کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو اس کو ضائع نہ کرے اور بعض کے خاموش رہنے سے بھی یہ مقصد حاصل ہوجاتا ہے الخ۔ علامہ حموی سے بھی یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے الخ۔ علامہ حموی نے اپنے استاذ قاضی القضاۃ یحیٰی سے (جو منقاری زادہ کے نام سے مشہور تھے) نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنے رسالہ میں تحقیق فرمائی کہ قرآن مجید کا سننا فرض عین ہے۔(ت)

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کے توفیق دینے سے کہتا ہوں۔ت) ظاہر

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۴

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ فصل فی القرأۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۶۶۔۶۷

یہ ہے واللہ تعالٰی اعلم کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے تلاوت قرآن عظیم بآواز کررہا ہے اور باقی لوگ اس کے سننے کو جمع ہوئے بلکہ اپنے اغراض متفرقہ میں ہیں تو ایک شخص تالی کے پاس بیٹھا بغور سن رہا ہے ادائے حق ہوگیا باقیوں پر کوئی الزام نہیں، اور اگر وہ سب اسی غرض واحد کے لئے ایک مجلس میں مجتمع ہیں تو سب پر سننے کا لزوم چاہئے جس طرح نماز میں جماعت مقتدیان کہ ہر شخص پر استماع وانصات جداگانہ فرض ہے یا جس طرح جلسہ خطبہ کہ ان میں ایک شخص مذکر اور باقیوں کو یہی حیثیت واحدہ تذکیر جامع ہے تو بالاتفاق ان سب پر سننا فرض ہے نہ یہ کہ استماع بعض کافی ہو جب تذکیر میں کلام بشیر کا سننا سب حاضرین پر فرض عین ہوا تو کلام الٰہی کا استماع بدرجہ اولٰی۔

ولا یفرق بافتراض الخطبۃ و رودالامر بقولہ تعالٰی "فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ"[1] بخلاف التلاوۃ فان المعتمد وجوب الاستماع لکل خطبۃ ولو خطبۃ ختم القرآن ولو خطبۃ النکاح کما فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار وان حملنا القولین علی ماذکرنا من الصورتین یحصل التوفیق۔	خطبہ کی سماعت فرض ہونے میں اللہ تعالٰی کے اپنے اس ارشاد "فَاسۡعَوۡا اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ" (اللہ تعالٰی کے ذکر (خطبہ) کی طرف جلدی سے جاؤ) میں امر وارد ہونے سے فرق نہ کیا جائے گا بخلاف تلاوت کے کیونکہ سماع خطبہ میں ہر خطبہ شامل ہے اور سماعت واجب ہے خواہ ختم قرآن کا خطبہ ہو یا خطبہ نکاح ہو جیسا کہ فتاوٰی شامی وغیرہ بڑی کتابوں میں مرقوم ہے۔ اگر ہم دو قولوں کو ان دو صورتوں پر حمل کریں کہ جنھیں ہم نے (پہلے بیان کردیا تو دونوں اقوال میں موافقت پیدا ہوجائے گی۔ (ت)

بہر حال اس قدر میں شک نہیں کہ قرآن عظیم کا ادب وحفظ حرمت لازم اور اس میں لغو ولغط حرام وناجائز پس صورت اولٰی میں جہاں مقصود تلاوت وختم قرآن ہے۔ نہ حاضرین کو سنانا اگر سب آہستہ پڑھیں کہ ایک کی آواز دوسرے کو نہ جائے تو عین ادب واحسن واجب ہے۔ اس کی خوبی میں کیا کلام، اور اگر چند آدمی بآواز پڑھ رہے ہیں یوں ہی قاری کے پاس ایک یا چند مسلمان بغور سن رہے ہیں اور ان میں باہم اتنا فاصلہ ہے کہ ایک کی آواز سے دوسرے کا دھیان نہیں بٹتا تو قول اوسع پر اس میں بھی حرج نہیں اور اگر کوئی سننے والا نہیں، یا بعض کی تلاوت بعض اشخاص سن رہے ہیں بعض کی کوئی نہیں سنتا یا قریب آوازیں مختلف ومختلف ہیں کہ جدا جدا سننا میسر ہی نہ رہا تو یہ صورتیں بالاتفاق ناجائز و

---

[1] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

گناہ ہیں اور صورت ثانیہ میں جہاں مقصود سنانا ہے اگر قول احوط پر عمل کیجئے تو چند آدمیوں کا معاً آواز سے پڑھنا صریح حرام ہے اور اگر توفیق مذکور پر نظر کی جائے تو جب بھی یہ صورت سب پر لزوم خاموشی کی ہے اور اگر اس سے قطع نظر کرکے قول اوسع ہی لیجئے تاہم اس صورت کے بدعت وشنیع ہونے میں کلام نہیں۔ آوازیں ملانا گانے وغیرہ کے مناسب حال ہے۔ قرآن عظیم میں یہ ایک نوپیدا امر ہے جس کے لئے دین میں کوئی اصل نہیں اور اس کی تجویز وتزویج میں ایک اور فتنہ عظیم کا اندیشہ صحیحہ ہے آوازیں بنا کر آوازیں ملا کر گانے کی طرح قرآن پڑھنا ہوگا تو ایسے لوگ عبارت کو اپنے لہجوں پر منطبق کرنے کے لئے جگہ جگہ آواز گھٹانے بڑھانے کے عادی ہوتے ہیں نظم میں خیریت ہے قرآن عظیم میں جب ایسا اتار چڑھاؤ کیا جائے گا قطعاً اجماعاً حرام ہوگا لہٰذا ہر طرح سے ممانعت ہی لازم ہے۔ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للقوم ان یقروا القراٰن جملۃ لتضمنھا ترک الاستماع والانصات المامور بھما [1] اھ **اقول:** وبما قراٰن تبیین ان روایۃ القنیۃ ھذہ ھی التی ینبغی اختیارھا فیما نحن فیہ دون روایتھا الاخری لاباس باجتماعھم علی قراءۃ الاخلاص جھرا عند ختم القراٰن ولو قرأ واحد واستمع الباقون فھو اولی [2] اھ فافھم واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	لوگوں کے لئے قرآن مجید کو جملۃ (یعنی بغیر وقفہ کے) پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ ترک سماع اور ترک سکوت پر مشتمل ہے حالانکہ دونوں مامور بہ ہیں اھ **میں کہتا ہوں** کہ جو کچھ ہم نے (قارئین کے روبرو) پڑھا اس سے ظاہر ہوگیا کہ قنیہ کی یہی روایت ہماری اس بحث میں اختیار کرنے کے قابل اور مناسب ہے نہ کہ دوسری روایت (کہ جس میں یہ آیا ہے کہ) ختم قرآن کے وقت کسی مجلس اور اجتماع میں سورہ اخلاص بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ایک شخص پڑھے اور باقی سنیں تو یہ زیادہ بہتر ہے اھ۔ اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے زیادہ علم والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۴: از بڑودہ ملک گجرات محلّہ مغلواڑہ نعلبند وان کا چورہ مکان استاد غریب اللہ ملازم راجہ بڑودہ مرسلہ مولوی محمد اسرار الحق صاحب دہلوی ۷ رجب المرجب ۱۳۱۷ھ

افضل العماء واکمل الکملاء آیۃ من آیات اللہ برکۃ من برکات اللہ مجدد دین نائب سید المرسلین

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

[2] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان باب القراءۃ والدعاء مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص ۱۵۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت مولانا صاحب بریلوی معظمنا ومکرمنا ادامہ اللہ المنان علی رؤس اھل الایمان من الانس والجان بطول حیاتہٖ من بعد آداب تسلیمات خادمانہ دست بستہ معروض خدمت فیضدرجت بوجہ تکلیف دہی جناب قبلہ وکعبہ یہی ہے کہ یہاں ایک بہت بڑا فساد ایک امر میں پھیلا ہوا ہے اور فیصلہ اس کا یہاں علماء وجہلا نے آں قبلہ کی تحریر مبارک پر رکھا ہے لہٰذا جناب تکلیف فرمایا کر اس کا جواب مع دلائل روانہ فرمائیں۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک شخص واعظ ہے اور وعظ کے درمیان اشعار مدحیہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش الحانی کے ساتھ پڑھتا ہے یا وعظ میں حدیثوں کا ترجمہ لحن کے ساتھ نظم میں پڑھتا ہے اور درمیان میں قرآن شریف کی آیات کا لحن عرب میں پڑھتا ہے۔ آیا اس طرح کا پڑھنے والا گنہگار تو نہ ہوگا؟ اور کوئی شخص قرآن شریف کو ذرا بھی لحن کے ساتھ پڑھے گا یا قصائد حسنہ وترجمہ حدیث نظم کو جیسے کہ اکثر اطفال وجوان وپیر قصائد وغیرہ زور سے پڑھتے ہیں اور اسی کے سننے والے اگر اس پر تعریف کریں یا واہ واہ یا سبحان اللہ کہیں گے تو کافر ہوجائیں گے اور ان کی عورتیں نکاح سے باہر ہوجائیں گی یا نہیں؟ یہ بات صحیح ہے یا غلط؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

یہ حکم تکفیر وزوال نکاح صریح غلط وخطا سخت مردود وناسزا شرع مطہرہ پر کھلا افتراء مسلمانوں کو ناحق ناروا کافر بنائنے پر اجترا ہے۔ ایسا کہنے والوں پر توبہ فرض ہے قرآن عظیم خوش الحانی سے پڑھنا جس میں لہجہ خوشنما دلکش پسندیدہ، دل آویز، غافل دلوں پر اثر ڈالنے والا ہو، اور معاذاللہ رعایت اوزان موسیقی کے لئے ہیئت نظم قرآنی کو بدلا نہ جائے، ممدود کا مقصور کا ممدود نہ بنایا جائے، حروف مد کو کثیر فاحش کشش جسے اصطلاح موسیقیان میں تان کہتے ہیں نہ دی جائے زمزمہ پیدا کرنے کے لئے بے محل غنہ ونون نہ بڑھا جائے، غرض طرز ادا میں تبدیل وتحریف راہ نہ پائے بیشک جائز ومرغوب بلکہ شرعًا محبوب ومندوب بلکہ بتاکید اکید مطلوب اعلٰی درجہ کی زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے آج تک اس کے جواز و استحسان پر اجماع علماء ہے۔

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماأذن اللہ لشیئ ماأذن لنبی حسن الصوت یتغنی	اللہ تبارک وتعالٰی کس چیز کو ایسی توجہ ورضا کے ساتھ نہیں سنتا جیسا کسی خوش آواز نبی کے

بالقراٰن یجهر به، رواه الائمة احمد والبخاری[1] ومسلم وابوداؤد والنسائی وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	پڑھنے کو جو خوش الحانی سے کلام الٰہی کی تلاوت بآواز کرتا ہے۔ (ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

للّٰه اشد اذنا الی الرجل احسن الصوت بالقراٰن یجهر به من صاحب القینة الی قینة، رواه ابن ماجة[2] وابن حبان والحاکم وقال صحیح علی شرطهما والبیهقی کلهم عن فضالة بن عبید رضی الله تعالٰی عنه۔	یعنی جس شوق ورغبت سے گانے کا شوقین اپنی گائن کنیز کا گانا سنتا ہے بیشک اللہ عزوجل اس سے زیادہ پسند ورضا واکرام کے ساتھ اپنے بندے کا قرآن سنتا ہے جو اسے خوش آوازی سے جہر کے ساتھ پڑھے (ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں کی شرط پر صحیح ہے اور امام بیہقی نے بھی اس کو روایت کیا ہے تمام نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت فرمایا ہے۔(ت)

تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعلموا کتاب الله وتعاهدوه وتغنوا به، رواه الامام[3] احمد عن عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه۔	قرآن مجید سیکھو اور اس کی نگہداشت رکھو اسے اچھے لہجے پسندیدہ الحان سے پڑھو، (امام احمد نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

Majlis of Dawatelslami www.dawateislami.net

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن ۲ /۷۵۱ وصحیح مسلم کتاب فضائیل القرآن ۱ /۲۶۸، سن ابی داؤد باب کیف یستحب الترتیل فی القرائۃ ۱ /۲۰۷

[2] المستدرک للحاکم کتاب فضائل القرآن دار الفکر بیروت ۱ /۵۷۱، سنن ابن ماجہ باب فی حسن الصوت بالقرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶، السنن الکبرٰی للبیهقی کتاب الشهادات تحسین الصوت القراٰن دار صادر بیروت ۱۰ /۲۳۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۱۴۶

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

زینوا القراٰن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القراٰن حسنا[1]۔ رواہ الدارمی فی سننہ ومحمد بن نصر فی کتاب الصلٰوۃ بلفظ حسنوا[2] و باللفظین رواہ الحاکم فی المستدرك کلھم من البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو کہ خوش آوازی قرآن کا حسن بڑھا دیتی ہے (امام دارمی نے اپنی سنن میں اور محمد بن نصر نے کتاب الصلٰوۃ میں حسنوا کے الفاظ سے اس کو روایت کیا ہے اور دونوں لفظوں سے امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے اور سب نے براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

پانچ حدیثوں صحیح رفعی جلیل میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من لم یتغن بالقراٰن رواہ البخاری[3] عن ابوھریرۃ وابوداؤد عن ابی لبابۃ عبدالمنذر وھو کاحمد وابن حبان عن سعد بن ابی وقاص والحاکم عنہ وعن عائشہ وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	ہمارے طریقے پر نہیں جو قرآن خوش الحانی سے آواز بنا کر نہ پڑھے (امام بخاری نے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا جبکہ امام ابوداؤد نے حضرت ابولبابہ عبدالمنذر سے اسے روایت کیا۔ نیز اس نے امام احمد اور ابن حبان کی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص سے بھی وایت کی ہے اور حاکم نے ان سے یعنی سعد بن ابی وقاص، سیدہ عائشہ صدیقہ اور حضرت ابن عباس (تینوں) سے روایت کی ہے اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔(ت)

دسویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ھذا القراٰن نزل بحزن	بیشک یہ قرآن غم وحزن کے ساتھ اُترا

---

[1] سنن الدارمی باب ۳۳ باب التغنی بالقرآن حدیث ۳۵۰۴ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۳۴۰، المستدرک للحاکم کتاب فضائل القرآن دارالفکر بیروت ۱/ ۵۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ الدارمی ابن نصر حدیث ۲۷۶۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۰۵

[3] صحیح البخاری کتاب التوحید ۲/ ۱۱۲۳ وسنن ابی داؤد باب استحباب الترتیل فی القرآن ۱/ ۲۰۷، مسند احمد بن حنبل ۱/ ۱۷۲ و کنز العمال حدیث ۲۷۶۹ ۱/ ۶۰۵، المستدرک للحاکم کتاب فضائل القرآن ۱/ ۵۶۹

وکابة فاذا قرأتموه فابکوافان لم تبکوا فتبا کوا وتغنوا به فمن لم یتغن به فلیس منا رواہ ابن ماجة [1] و محمد بن نصرفی الصلٰوۃ والبیہقی فی شعب الایمان عن سعد بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تو جب اسے پڑھو گریہ کرو اگر رونا نہ آئے بتکلیف روؤ اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھو جو اسے الحان خوش سے نہ پڑھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں (ابن ماجہ اور محمد بن نصر نے کتاب الصلٰوۃ میں اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد ابن مالک کے حوالے سے اس کو راویت کیا ہے۔ت)

پھر اس کے ساتھ اگر اس کی قراءت بلا قصد اوزان موسیقی سے کسی وزن کے موافق نکلے تو اصلاح حرج والزام نہیں حتی کہ نماز میں بھی ایسی تلاوت جائز وحسن و مستحسن ہے۔علامہ خیر الملۃ والدین رملی ستاذ صاحب در مختار کے فتاوٰی خیریہ لنفع البریۃ میں ہے:

سئل فی امام یقرأ فی الجھریات بصوت حسن علی القواعد المقررة عند اھل العلم بحیث لا یخل بحکم من احکام القراء ۃ لکن یصادف ان یخرج قراءته علی طبق نغم من الانغام المقررة فی الموسیقی من غیر لحن وتطریب ھل یجوز ذٰلك واذا قلتم بالجواز ھل یکرہ ام لا اجاب نعم یجوز ذٰلك ولا یکرہ اذتحسین الصوت بالقرأۃ مطلوب کما صرح به المحقق ابن الھمام فی فتح القدیر وقال فی البحر نقلا عن الخلاصة وتحسین الصوت لا باس به من غیر تغن	اس امام کے متعلق پوچھا گیا جو جہری نمازوں میں اچھی آواز کے ساتھ اہل علم کے ہاں ثابت شد قواعد کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اور ایسا طریقہ اپناتا ہے کہ قراءت کے کسی حکم میں خلل پیدا نہیں ہوتا لیکن اس کے باجود وہ اس خوف کے پیش نظر کتراتا اور اعرض کرتا ہے کہ کہیں اس کی قراءت موسیقی کے نغموں یا گانے کی سروں سے مشابہ نہ ہو کیا اس کا ایسا پڑھنا جائز ہے؟ بصورت جواز کیا یہ مکروہ بھی نہیں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں یہ جائز ہے اور مکروہ بھی نہیں کیونکہ خوبصورت آواز میں قرآن مجید پڑھنا شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ محقق ابن الہمام نے فتح القدیر میں تصریح فرمائی۔ بحر الرائق میں خلاصہ سے نقل کیا گیا کہ تحسین صوت میں کوئی حرج نہیں جبکہ بغیر گانے کے ہو۔اور

[1] سنن ابن ماجہ اقامۃ الصلٰوۃ باب فی حسن الصوت بالقرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۶

وفی التبیان فی آداب حملة القراٰن اجمع العلماء رضی الله تعالٰی عنهم من السلف والخلف من الصحابة والتابعین ومن بعدهم من علماء الامصار ائمه المسلمین علی استحسان تحسین الصوت بالقراٰن واقوالهم وافعالهم مشهورة نهایة الشهرة فنحن مستغنون عن نقل شیئ من افرادها دلائل هذا من حدیث رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مستفیضة عند الخاصة والعامة کحدیث زینوا القراٰن باصواتکم وحدیث ابوموسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال له لقد اوتیت مزمارا من مزامیر داؤد راوه البخاری ومسلم وفی روایة المسلم ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال له لورأیتنی وانا اسمع لقرأتك البارحة رواه مسلم ایضا من روایة بریدة بن الحصیب (ثم ذکر الحدیثین الاولین ببعض ماذکرنا لهما من التخاریج ثم قال) وحدیث ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال	تبیان فی آداب حملۃ القرآن" میں ہے سلف خلف صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد جتنے شہروں میں علماء کرام اور مسلمانوں کے امام ہوئے ہیں ان سب کا اچھی اور خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے مستحسن ہونے پر اتفاق ہے۔ اور اس سلسلے میں ان کے اقوال وافعال بہت مشہور ہیں پس ہم ان کے کسی حصہ کو نقل کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس کے دلائل حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سے عام اور خاص سب لوگوں میں مشہور ہیں جیسا کہ حدیث زیّنوا القراٰن باصواتکم یعنی اپنی آوازوں سے قرآن مجید کو زینت بخشو (مراد یہ کہ خوبصورت لہجے کے ساتھ قرآن مجید پڑھو) اور حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے فرمایا کہ تجھے حضرت داود علیہ الصلٰوۃ والسلام جیسی خوش الحانی عطا ہوئی ہے۔ اس کو امام بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کاش تو مجھے دیکھتا جب میں گزشتہ رات تیری قرأت سن رہا تھا۔ نیز امام مسلم نے اس کو حضرت بریدہ بن حصیب سے بھی روایت کیا ہے پھر وہ دو پہلی احادیث ان تخرجات کے ساتھ ذکر فرمائیں جن کا کچھ حصہ ہم نے ذکر کیا تھا۔ پھر فرمایا حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

من لم یتغن بالقراٰن فلیس منا رواہ ابوداؤد باسناد جید قال جمھور العلماء معنی لم یتغن لم یحسن صوتہ[1] الخ۔	جو کوئی خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید نہ پڑھے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔امام ابوداؤد نے جید سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے جمہور علماء کرام کہتے ہیں کہ لم یتغن کامفہوم لم یحسن صوتہ یعنی اچھی اور خوبصورت آواز کے ساتھ نہ پڑھنا ہے الخ (ت)

اسی میں ہے:

اما تحسین الصوت فلا اظن ان قائلا ما یمنعہ لعدم وجہہ بل کان جماعۃ من السلف یطلبون من اصحاب القراٰۃ بالاصوات الحسنۃ ان یقرؤا وھم یستمعون وھذا متفق علی استحبابہ وھو عادۃ الاخیار والمتعبدین وعباداللہ الصالحین[2]۔	جہاں تک اچھی اور خوبصورت آواز کا تعلق ہے تو میں نہیں خیال کرتا کہ کوئی اس سے منع کرتا ہو اس لئے کہ اس ممانعت کی کوئی وجہ نہیں بلکہ سلف میں ایک جماعت ایسی ہوتی ہے جو پڑھنے والوں سے اچھی آواز کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کا مطالبہ اور تقاضہ کیا کرتی تھی تاکہ وہ لطف اندوز ہوں چنانچہ اس کے مستحب ہونے پر اتفاق پایا جاتا ہے اور یہ اچھے لوگوں، عبادت گزاروں اور اللہ تعالٰی کے نیک بندوں کی عادت اور روش رہی ہے۔(ت)

تو ایسے امر محمود ومسعود کی تحسین پر جو خود ائمہ رسول کو محبوب اور باجماع صحابہ وتابعین وائمہ دین مستحسن ومندوب ہے معاذاللہ کفر وبطلان نکاح کا حکم دینا خیال کیجئے کہاں تک پہنچتا ہے فرق اجماع امت ہے تکفیر جملہ امت کی خبر دیتا ہے۔خود ان قائلوں کو چاہئے کہ بعد توبہ اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں ہاں معاذاللہ بالقصد راگنی پر قرآن عظیم ٹھیک کرنا اس کی درستی کو بے جگہ مد یا حرکت یا غنہ وغیرہا بڑھانا گھٹانا تانیں لینا یہ ضرور حرام اور اس کی تحسین اس پر سبحانہ اللہ وافریں اس سے زیادہ حرام تر ومجمع آثام ہے والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷۷و۱۷۶

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراھیۃ والاستحسان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷۷

اقرؤا القراٰن بلحون لعرب واصواتھا وایاکم ولحون اھل الکتابین واھل الفسق فانہ سیجیئ بعدی قوم یرجعون بالقراٰن ترجیع الغناء والرھبانیۃ والنوح لایجاوز حناجرھم مفتونۃ قلوبھم وقلوب من یعجبھم شانھم رواہ الطبرانی [1] فی الاوسط والبیھقی فی الشعب عن حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قرآن مجید عرب کے لحنوں میں پڑھو اور یہود ونصارٰی اہل فسق کے لحنوں سے بچو کہ میرے بعد کچھ لوگ آنے والے ہیں جو قرآن آآ کرکے پڑھیں گے جیسے گانے کی تانیں اور راہبوں اور مرثیہ خوانوں کی اتار چڑھاؤ قرآن ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا یعنی ان کے دلوں پر کچھ اثر نہ کرے گا فتنے میں ہوں گے ان کے دل اور جنھیں ان کی یہ حرکت پسند آئے گی ان کے دل، (طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

تیسیر شرح جامع الصغیر میں ہے:

(واھل الفسق)من المسلمین الذین یخرجون القراٰن عن موضوعہ بالتمطیط بحیث یزید او ینقص حرفافانہ حرام اجماعا [2]۔	مسلمانوں میں فاسق وہ لوگ ہیں جو قرآن مجید کی تلاوت اور آدائیگی میں کمی بیشی کرتے ہیں یعنی الفاظ وحروف گھٹا یا بڑھا دیتے ہیں اور ایسا کرنا بالاتفاق حرام ہے۔(ت)

خیریہ میں بعد عبارت مذکورہ سابقاً ہے:

ثم قال(ای فی التبیان)قال العلماء رحمھم اللہ یستحب تحسین الصوت بالقراءۃ تزیینھا مالم یخرج عن حد القرأۃ بالتمطیط فان افرط حتی زاد حرفا اواخفاہ فھو حرام انتھی فان قلت	پھر تبیان میں فرمایا علماء کرام (اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے) کہتے ہیں کہ خوبصورت آواز کے ساتھ قرآن مجید کو بنا سنوار کر پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ قراءت کی حد سے تجاوز نہ کرتے ہوئے باہر نہ نکلے پھر اگر اس نے افراط سے کام لیا یعنی کوئی حرف بڑھادیا یا کم اور پست کردیا تو ایسا کرنا

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۲۱۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۱۰۸، شعب الایمان حدیث ۲۶۴۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲ /۵۴۰

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف الھمزۃ تحت حدیث اقراء القرآن مکتبہ الامام الشافعی الریاض ۱ /۱۹۴

ماتصنع فیما نص علیه فی البزازیة وغیرها من کتاب الاستحسان قراءۃ القراٰن بالالحان معصیة والتالی والسامع اٰثمان قلت محله اذا اخرج لفظ القراٰن عن صیغته بادخال حرکات فیه اواخراج حرکات منه او قصر ممدود او مد مقصور اوتمطیط یخفی به القظ او یلبس به المعنی فهو دراء یفسق به القاری ویأثم به المستمع لانه عدل به عن نهجه القویم الی الاعوجاج والله تعالٰی یقول قراٰنا عربیا غیر ذی عوج وان لم یخرجه اللحن عن لفظه قرأته علی ترتیله کان مباحا لانه زاد بالحانه فی تحسینه ویؤید ذٰلك تفسیر کثیر من علمائنا التغنی فی کلام ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما فی الاذان بالتطریب الذی هو اخراج الکلام عن موضوعه الاصلی و صیغته واماتحسین الصوت فلا اظن ان قائلا یمنعه[1] الی اٰخر مامر۔	حرام ہے اھ اگر تو یہ کہے کہ بزازیہ وغیرہ کی "کتاب الاستحسان" میں بیان کردہ صراحت کا کیا جواب ہوگا جس میں یہ مذکور ہے کہ قرآن مجید غیر موزوں لہجوں کے ساتھ بگاڑ کر پڑھنا گناہگار ہوں گے، میں کہتا ہوں اور جواب دیتا ہوں کہ اس کا محل یہ ہے کہ جب لفظ قرآن کو اس کے مخرج سے نکالتے ہوئے اس میں کچھ حرکات داخل یا خارج کردے یا حروف ممدودہ کو مختصر کردے یا غیر ضروری درازی کردے جس سے لفظ کی ہیئت بدل جائے یا اس کے معانی میں اشتباہ پیدا ہوجائے تو ایسا کرنا حرام ہے اس طرح کا پڑھنے والا فاسق اور سننے والا گنہ گار ہوگا کیونکہ اس طرح کرنے سے اس نے اس لفظ کو اس کے درست مقام سے ہٹا کر بدل ڈالا، جبکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ یہ عربی زبان میں قرآن ہے جس میں بالکل کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے۔ اور اگر لہجہ اس لفظ کو اس کی ترتیل کے مطابق پڑھتے ہوئے نہ نکالے تو یہ مباح ہے کیونکہ اس نے اپنے لہجہ سے اس کے حسن میں اضافہ کیا ہے اور اس کی تائید تغنی کی اس تفسیر سے ہوتی ہے جو متعدد علماء کرام نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے کلام التطریب فی الاذان سے فرمائی ہے یعنی وہ اذان میں تطریب کیا کرتے تھے، اور اصل تطریب کلام کو اس کے ٹھکانے اور صیغے سے نکالنے کا نام ہے (اور یہاں صرف خوش الحانی سے آواز بلند کرنا ہے)

[1] فتاوٰی خیریه کتاب الکراهیة والاستحسان دارالمعرفة بیروت ۲ /۱۷۷

	ریا تحسین صوت (آواز کو بنا سنوار کر خوبصورت بنا کر پڑھنا) میرا خیال ہے کہ کوئی بھی اس کو منع کرنے والا نہ ہوگا۔ پھر آخر تک وہی کلام دہرایا گیا جو گزر چکا ہے۔ (ت)

اشعار حسنہ محمودہ کا پڑھنا جن میں حمد الٰہی ونعت رسالت پناہی جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومنقبت آل واصحاب واولیاء وعلمائے دین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بروجہ صحیح اور نجیع مقبول شرعی یا ذکر موت وتذکیر آخرت واہوال قیامت وغیر ذلک مقاصد شرعیہ ہو قطعاً جائز وروا اور خود زمانہ اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک تمام ائمہ دین وعباد اللہ الصالحین میں رائج دیا ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق صلی اللہ تعالٰی علٰی زوجہا الکریم وابیہا وعلیہا وسلم سے ہے:

قالت کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما نافح او فاخر عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد اقدس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں منبر بچھاتے حسان اوپر کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل ومفاخر بیان کرتے حضور کی طرف سے طعنہ ئے کفا کارد کرتے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے جب تک حسان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے اس مفاخرت یا مدافعت میں مشغول رہتا ہے اللہ عزوجل جبریل امین سے اس کی مدد فرماتا ہے۔

پھر ظاہر کہ وعظ کے اشعار حدیث کے ترجمے اس قسم میں داخل ہیں توایسی شعر خوانی کا جواز بالیقین ہے اور جب خوش الحانی خود قرآن عظیم میں مطلوب ومندوب ہوئی تو یہ شعر ہے یہاں اگر الحان کے لئے مد قصر وحرکات وسکنات وغیرہ ہیئات حروف میں کچھ تغیر بھی ہو تو حرج نہیں جب کہ صرف سالہ دہ خوش الحانی ہو اور تمام منکرات شرعیہ سے خالی اس قدر بھی احکام شدید مذکورہ تکفیر وزوال نکاح میں تقریباً ویسی ہی ناپاکی وبیباکی ہے حلال کو حرام مسلمان کو کافر بتانا کس شریعت نے مانا اس قدر کو عرف میں پڑھنا کہتے ہیں نہ کہ گانا کہ موسیقی کے اوزان مقررہ نغمان محررہ طرقات مطربہ قرعات معجبہ اتار چڑھاؤ زیر وبم تان گٹکری تال سم کی رعایت سے رنڈیوں ڈومنیوں مراثیوں ڈھاریوں نقالوں قوالوں وغیرہم میں معمول اور باوضع شرفاء مہذبین صنعا میں معیوب ومخذول محمود ومباح

---

[1] احیاء العلوم بحوالہ صحیحین کتاب آداب السماع والوجد مطبعۃ المشہد الحسینی ۲ /۲۷۴

اشعار کا سادہ خوش الحانی سے پڑھنا بھی زمانہ صحابہ وتابعین وائمہ دین مجوزہ مقبول ہے بلکہ خود بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے ماثور ومنقول بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہونا حضور سنتے اور انکار نہ فرماتے بارگاہ رسالت میں حدی خوانی پر صحابہ مقرر تھے۔کہ اپنی خوش الحانیوں دلکش صدی خوانیوں سے اونٹوں کو راہ روی میں وارفتہ بناتے،انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برادر اکرم سیدنا براء بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ خود موکب اقدس کے حدی خواں تھے عجب آواز دلکش رکھتے اور بہت خوبی سے اشعار حدی پڑھتے یہ اجلہ صحابہ کرام سے ہیں بدر کے سواسب مشاہد میں حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی نسبت فرمایا:بہت الجھے بال میلے کپڑے والے جن کی کوئی پروانہ کرے ایسے ہیں کہ اللہ عزوجل پر کسی بات میں قسم کھالیں توخدا ان کی قسم سچی ہی کرے انھیں میں سے براء بن مالک ہے"[1]

ایک روز انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کے پاس گئے اس وقت اشعار اپنے الحال سے پڑھ رہے تھے انھوں نے کہاکہ آپ کو اللہ عزوجل نے وہ چیز عطافرمائی جو اس سے بہتر یعنی قرآن عظیم فرمایا کیا یہ ڈرتے ہو کہ بچھونے پر مروں گا خدا کی قسم اللہ مجھے شہادت سے محروم نہ کرے گا سو کافر تو میں نے تنہا قتل کئے ہیں اور جو شرکت میں مارے ہیں وہ علاوہ[2] جب خلافت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں قلعہ تستر پر جہاد ہوا ہے اور مسلمانوں کو سخت دقت پیش آئی حدیث مذکور سنے ہوئے تھے ان سے کہا اپنے رب قسم کھائے انھوں قسم کھائی کہ اے رب میرے!کافروں پر ہمیں قابو دے کہ ہم ان کی مشکیں کس لیں اور مجھے اپنے نبی سے ملا،یہ کہہ کر حملہ آور ہوئے اور ان کے ساتھ مسلمانوں نے حملہ کیا ایرانیوں کا سپہ سالار ہر مزان مارا گیا کافر بھاگ گئے اور براء شہید ہوئے رضی اللہ تعالٰی عنہ[3]،اور بیبیوں کے ہودجوں پر انجشہ حبشی رضی اللہ تعالٰی عنہ حدی خوانی کرتے ان کی خوش آوازی مشہور تھی حجۃ الوداع شریف میں حدی پڑھی ہے اور اونٹ گرمائے بہت تیز چل نکلے،سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:اے انجشہ!آہستہ،شیشیوں کے ساتھ[4] نرمی کر،شیشیوں سے مراد عورتیں ہیں،یعنی اونٹ اتنے تیز نہ کروکہ تکلیف ہوگی یا عورتوں کا مجمع ہے خوش الحانی حد سے نہ گزارو،ان کے سوا سیدنا عبداللہ بن رواحہ سیدنا عامر بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے حدی خوانی کرتے چلتے،روز عمرۃ القضاء جب لشکر ظفر پیکر محبوب اکبر صلی اللہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب البراء بن مالک امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۶

[2] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ البراء بن مالک دار صادر بیروت ۱/ ۱۴۳

[3] الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ترجمہ البراء بن مالک دار صادر بیروت ۱/ ۱۴۳،شرح الزرقانی علی المواھب اللدینہ المقصد الثانی الفصل السابع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۷۷

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدینہ المقصد الثانی الفصل السابع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۷۷

تعالٰی علیہ وسلم باہزاراں جاہ وجلال داخل مکہ ہوا ہے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آگے آگے رجز کے اشعار سناتے کافروں کے جگہ پر تیر رساتے جارہے تھے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے منع کیا کہ اے ابن رواحہ! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے اور اللہ جل جلالہ کے حرم کیں یہ شعر خوانی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: پڑھنے دو کہ یہ ان پر تیروں سے زیادہ کارگر ہے۔ اور ایک حدیث میں آیا ارشد فرمایا: اے عمر! ہم سن رہے ہیں تم بھی خاموش رہو بالجملہ ممانعت منازعت جو کچھ ہے گانے میں ہے یا معاذاللہ اشعار ہی خود بُرے ہوں اگرچہ بظاہر نعت و حقیقت کا نام ہو جیسے بے قیدوں کے خلاف شرع شعر کو توہین انبیائے کرام وملائکہ عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام بلکہ تنقیص شان سیدالانام علیہ وعلی آلہ افضل الصلٰوۃ والسلام بلکہ گستاخی وبے ادبی بارگاہ عزت ذی الجلال والاکرام کچھ اٹھانہ رکھیں اور نعت ومنقبت کا نام بدنام یا محل محل فتنہ خواہ فطنہ فتنہ ہو جیسے زن اجنبیہ کا مردوں کے جلسے میں خوش الحانی کرنا یا خارج سے امور نامشروعہ کا قدم درمیان ہو مثلاً مزامیر، تالیاں، لچکا، توڑا، بھاؤ، بتانا جیسے آج کل بعض بے شرم واعظان نیچری مشرب آزادی مذہب نے اپنی مجلس گرم کرنے کا انداز بنارکھا ہے۔ اشعار گائیں مثنوی مولانا روم کے اور رنگ رچائیں مثنوی میر حسن کی دھوم کے الی غیر ذٰلك من المحذورات والمجتنبة والمحظورات المتجلیة (اسکے علاوہ اجتناب کردہ محرمات اور لائے ہوئے ممنوعات ہیں۔ت) یہ تیرہ وتیرہ برت کہ جو چاہے حلال کو حرام کرے ورنہ سادہ خوش الحانی کے ساتھ جائز شعر خوانی کے جواز میں اصلاً جائے کلام نہیں بلکہ اشعار مجموعہ بہ نیت محمودہ اعمال محمودہ ہیں معدود باعث اجر وضائے رب ودود ہیں۔ مواہب اللدنیہ وشروح علامہ زرقانی میں ہے:

کان یحدو بین یدیه علیه الصلٰوة والسلام فی السفر عبدالله بن رواحةٰ الامیر المستنشهد بموتة ای یقول الحداء بضم المهملة وهو الغناء للابل (وفی الترمذی عن انس انه صلی الله تعالٰی علیه	حضرت عبداللہ بن رواحہ سفر میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے سامنے حدی خوانی کیا کرتے تھے یہ امیر لشکر تھے جو غزوہ موتہ شہید ہوئے کان یحدو ای یقول الحداء بعضم المهملة وهو الغناء للابل یعنی "کان یحدو" کے معنی ہیں وہ اونٹوں کی تیز رفتاری کے لئے خوش الحانی سے گیت گایا کرتے تھے۔ الحداء بے نقطہ صرف "ح" کی پیش کے ساتھ اونٹوں کے لئے گیت گانے کو

وسلم دخل مکۃ فی عمرۃ القضیۃ(ابن رواحۃ یمشی بین یدیه ویقول ؎

خلو بنی الکفار عن سبیله
الیوم نضربکم علی تنزیله
ضربا یزیل الهام عن مقیله
ویذهل الخلیل عن خلیله

فقال عمر یا ابن رواحۃ بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وفی حرم اللہ تقول الشعر فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خل عنه یا عمر فلهی فیهم اسرع من نضح النبل، وفی روایۃ انه لما النبل وفی روایه انه لما انکر عمر علیه قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یا عمرانی اسمع فاسکت یا عمر (وعامر بن اکوع) کان یحدو بین یدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم (واستشهد یوم خیبر و انجشه العبد الاسود) کان حسن الحداء وفی الصحیح عن انس کان حسن الصوت (قال انس) فی الصحیحین (کان براء بن مالک) اخو انس

کہا جاتا ہے جامع ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمرۃ القضاء کی ادائیگی کے لئے مکۃ المکرمہ میں داخل ہوئے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ آپ سے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اے کفار کی اولاد! ان کا راستہ کھلا چھوڑ دو آج ہم تمھیں ایسی مار مارینگے کہ کھوپڑیاں تن سے جدا ہوجائیں گی اور دوست اپنے دوست کو بھول جائیگا، اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کیا تو رسول اللہ صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ان کے روبرو اللہ کے حرم میں اشعار پڑھتا ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اسے چھوڑ دو کہ یہ رجزیہ اشعار دشمن پر تیر اندازی سے بھی زیادہ موثر ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انکار فرمایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمرو! میں تو سن رہا ہوں لہٰذا تم خاموش رہو، اور حدیث عامر بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حدی خوانی کیا کرتے تھے اور یہ خیبر میں شہید ہوئے اور حضرت انجشہ حبشی غلام تھے یہ بہترین حدی خواں تھے صحیح میں ہے حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت انجشہ کی آواز خوبصورت تھی صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت ہے

شهد المشاهد الا بدرا قال صلى الله تعالٰى عليه وسلم ربّ اشعث اغبر لايؤبه له لواقسم على الله لابره، منهم البراء بن مالك قال انس فلما كان يوم تستر من بلاد فارس انكشف الناس فقال المسلمون يابراء قسم على ربك فقال اقسم عليك يارب لما منحتنا اكتافهم و الحقتنى بنبيك فحل وحمل الناس معه فقتل هر مزان من عظماء الفرس واخذ سلبه وانهزم الفرس وقتل البراء رواه الترمذى والحاكم وذٰلك فى خلاصة عمر سنة عشرين، (ايحدو بالرجال وانجشه بالنساء وقد كان يحدو وينشد القريض والرجز) وفى الصحيحين عن انس ان انجشه حدا بالنساء فى حجة الوداع فاسرعت الابل فقال صلى الله تعالٰى عليه وسلم يا انجشة رفقا بالقوارير، (اى النساء فشبههن بالقوارير من الزجاج لانه يسرع اليها الكسر فلم يأمن عليه	فرمایا: حضرت براء بن مالک (جو حضرت انس کے بھائی تھے) سوائے بدر کے تمام غزوات میں حاضر رہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بہت سے لوگ بکھرے ہوئے بالوں والے خاک آلود، جن کی کوئی پروانہیں کرتا (عند اللہ) ایسے (اہم) ہیں کہ اگر کسی معاملے میں اللہ تعالٰی کی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالٰی ان کی قسم سچی کردیتاہے، اور انہی میں سے ایک براء بن مالک بھی ہیں۔ حضرت انس نے فرمایا کہ ایران میں قلعہ تستر پر جس دن حملہ کیا گیا لوگ تتر بتر ہوگئے اس موقع پر حضرت براء سے کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے بھروسا پر اس کی قسم کھائیں، چنانچہ حضرت براء نے قسم کھائی اور فرمایا: اے میرے پرودگار! میں تیری ذات کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو نے ہمیں کافروں کے کندھے باندھنے کی طاقت بخشی اور تو نے مجھے اپنے نبی مکرم سے ملایا ہے۔ اس کے بعد حضرت براء نے عام لوگوں کے ساتھ مل کر ایرانیوں پر حملہ کیا ان کا سپہ سالار ہرمزان مارا گیا ایرانیوں کو شکست ہوئی اور فرار ہونے لگے اس کا سامان قبضے میں لے لیا گیا اور حضرت براء شہید ہوگئے، امام ترمذی اور حاکم نے اس کو روایت کیا۔ یہ معرکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دورِ خلافت میں سنہ ۲۰ھ میں ہوا، حضرت براء مردوں کے لئے حدی خوانی کیا کرتے تھے جبکہ انجشہ عورتوں کے

الصلٰوۃ والسلام ان یقع فی قلوبھن حداؤہ وقیل نھاہ لان النساء یضعفن عن شدۃ الحرکۃ) قال الدمامینی وحملہ ھذا اقرب الی ظاھر لفظہ من الحمل علی الاول اھ ملخصاً۔[1]	کجاووں کے قریب جاکر حدی خوانی کرتے، چنانچہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت ہے کہ حضرت انجشہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عورتوں کی سواریوں کے پاس جاکر حدی خوانی کی، جس کے نتیجے میں اونٹ تیز رفتار ہوگئے،اس پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا اے انجشہ! کانچ کی شیشیوں کے ساتھ نرمی اختیار کرو، تمھیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمھارے ساتھ کانچ کی شیشیاں (بوتلیں) بھی ہیں (مراد عورتیں ہیں) کہیں جلدی ٹوٹ نہ جائیں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کو کانچ کی بوتلوں سے تشبیہ دے کر یہ اشارہ فرمایا وہ حدی خوانی اور خوش الحانی سے متاثر نہ ہوجائیں اور یہ مفہوم بھی ہے کہ سواریوں کے بوجہ حدی خوانی تیز رفتار ہوجانے سے وہ کہیں گھبرانہ جائیں کیونکہ وہ فطرتاً کمزور ہوتی ہیں،علامہ دمامینی نے فرمایا اس کو ظاہری الفاظ پر حمل کرنا بنسبت قول اول کے زیادہ مناسب ہے اور موزوں ہے اھ ملخصا (ت)

اصابہ فی معرفۃ الصحابہ میں ہے:

روی البغوی باسناد صحیح عن محمد بن سیرین عن انس قال دخلت علی البراء بن مالک وھو یتغنی فقلت لہ قد ابدلک اللہ ما ھو خیر منہ فقال اترھب ان اموت علی فراشی لا واللہ ماکان اللہ لیحرمنی ذٰلک وقد قتلت مائۃ منفردا سوی من شارکت فیہ۔[2]	امام بغوی باسناد صحیح محمد بن سیرین کے حوالے سے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں انھوں نے فرمایا میں حضرت براء بن مالک کے پاس گیا وہ خوبصورت انداز میں اشعار پڑھ رہے تھے میں نے ان سے کہا بلاشبہہ اللہ تعالٰی نے اس کے بجائے اپ کو وہ چیز عطا فرمائی ہے جو اس سے کہیں بہتر ہے (یعنی قرآن مجید) فرمایا کیا تمھیں یہ خوف ہے کہ میں اپنے بستر پر ہی مرجاؤں گا خدا کی قسم ایسا نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی ایسا نہیں کہ مجھے شہادت سے محروم کردے ایک سوکافر تو خود میرے ہاتھوں

[1] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الرابع ۲/ ۱۶۳ و شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ ۳/ ۳۷۶ و ۳۷۷

[2] الاصابہ فی تمییز الصحابۃ حرف الباء ترجمہ ۶۲۰ البراء بن مالک دار صادر بیروت ۱/ ۱۴۳

	قتل ہوئے ہیں اور ان کے علاوہ جن کے قتل میں میری شراکت اور معاونت ہوئی وہ مزید ہیں۔(ت)

امام ابن حجر مکی کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع میں فرماتے ہیں:

قال جمع من الشافعیة والمالکیة منھم الاذرعی فی توسطه والقرطبی فی شرح مسلم الغناء انشادا و استماعا علی قسمین القسم الاول ما اعتاد الناس استعماله لمحاولة عمل وحمل ثقیل وقطع مفاوز سفر ترویحا للنفوس وتنشیطا لھا کحداء الاعراب بابلھم وغناء النساء لتسکین صغارھن ولعب الجواری بلعبیھن فھذا اذا سلم المغنی به من فحش وذکر محرم کو صف الخمور و الغینات لا شك فی جوازہ ولا یختلف فیه وربما یندب الیه اذا نشط علی فعل خیر کالحداء فی الحج الغزو، ومن ثم ارتجز صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھو والصحابة رضوان اللہ تعالٰی علیھم فی بناء المسجد وحفر الخندق وغیرھما کما ھو مشھور وقد امر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نساء الانصار ان	شوافع اور مالکیہ کے ایک گروہ نے فرمایا ان میں سے امام اذرعی نے توسط میں اور قرطبی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایا: راگ، گانا اور سننا، اس کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ ہے جس کے استعمال کی لوگوں کو عادت ہے کوئی کام کرتے ہوئے بھاری وزن اٹھاتے ہوئے، سفر طے کرتے ہوئے بیابان سے گزرتے ہوئے سواریوں کو تیز قدم کرنے کے لئے دیہاتیوں کا حدی خوانی کرنا، اپنا دل بہلانے اور تسکین وراحت پہنچانے کے لئے خوش الحانی کے ساتھ نغمہ سنج ہونا اور اشعار پڑھنا بشرطیکہ فحش گوئی پر مبنی نہ ہو یہ ہرگز منع نہیں، عورتوں کا بچوں کو بہلانے اور سلانے کے لئے لوریاں دینا، گیت الاپنا اور باندیوں کا کھیل تماشا کرنا بوجہ حد سے تجاوز نہ کرنے کے جائز ہے۔ حد سے تجاوز کرنے سے مراد شراب کی تعریف، گانے والی عورتوں کا تذکرہ وغیرہ ہے۔ یہ امور اگر نہ ہوں تو حدی خوانی کے جائز ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، اور اس میں کوئی اختلاف بھی نہیں بلکہ بعض حالات میں یہ فعل مندوب ہوتا ہے یعنی اچھے کام کے لئے راغب کرے جیسے حج، جہاد وغیرہ میں حدی خوانی یہی وجہ ہے کہ تعمیر مسجد نبوی اور خندق کھودے جانے کے موقع پر خود آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

یقلن فی عرس لهن ۔ اتیناکم اتیناکم فحیاناوحیاکم و کالاشعار المزهدة فی الدنیا الراغبة فی الاخرة فهی من انفع الواعظ فالحاصل علیها اعظم الاجر ویؤید مانقله من نفی الخلاف فی هذا القسم ان ابن عبدالبر وغیره قالوا لاخلاف فی اباحة الحداء واستماعه وهو مایقال خلف نحو الابل من الشعر سوی الرجز وغیره لینشطها علی السیر ومن اوهم کلامه نقل الخلاف فیه فهو شاذ اومؤول علی حالة یخشی منها شیئ خیر لائق القسم الثانی ماینتحله المغنون العارفون یصنعة الغناء المختارون المدن من غزل اشعر مع تلحینه بالتلحینات الانیقة وتقطیعه لها علی النغمات الرقیقة	اور صحابہ کرام نے اشعار پڑھے اور نہ صرف ان دو موقعوں پر بلکہ ان کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی آپ نے اور آپ کے صحابہ نے رجزیہ اشعار پڑھے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انصار کی خواتین کو یہ حکم فرمایا تھا کہ اپنی شادیوں میں عمدہ اشعار پڑھا کریں، "ہم تمھارے پاس آئے ہم تمھارے پاس آئے اللہ تعالٰی ہمیں بھی زندہ رکھے اور تمھیں بھی زندہ رکھے "اسی طرح ان شعار کا استعمال بھی جائز ہے جو دنیا سے رغبت ہٹا کر آخرت کی رغبت دلانے والے ہوں، اسی قسم کے اچھے اشعار پڑھنا بہترین وعظ ہے اور باعث اجر وثواب ہے اور اس کی تائید اس قول سے ہوتی ہے جو امام موصوف نے اس قسم کی نفی کی خلاف کیا کہ علامہ ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا کہ حدی خوانی اور اس کے سننے کے مباح ہونے میں کوئی اختلاف نہیں یہ وہ اشعار گوئی اور حدی خوانی ہوتی تھی جو اونٹوں کو ہانکتے وقت ان کے پیچھے پیچھے کی جاتی تھی بجز رجز وغیرہ کے، اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ اونٹوں کو چلنے میں خوش اور چست رکھا جائے اور جو اس سلسلے میں وہم اور اختلاف نقل ہوا ہے وہ شاذ ہے یا اس کی بھی تاویل کردی گئی کہ یہ اس حالت پر محمول ہے جس میں نامناسب بات کا اندیشہ کیا گیا ہو، دوسری قسم (جس کی نسبت گانے والے کی طرف کریں) جو گانیوالوں

التی تھیج النفوس وتطربھا کحمیا الکوؤس فھذا ھو الغناء المختلف علی اقوال العلماء احدھا انه حرام قال القرطبی وھو مذھب مالک(الی قوله)وھو مذھب ابی حنیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنه وسائر اھل الکوفة [1]۔	کی طرف منسوب ہو،جو فن موسیقی سے ماہر ہوں شائستگی سے غزل شعر کو پسند کریں اپنے لہجہ کے ساتھ خوشنما لہجوں سے اور ان کی تقطیع کریں نغمات رقیقہ پر جو نفوس کو ابھاریں اور آمادہ کریں اور انھیں شراب کے جاموں کا شوق دلائیں پس یہ وہی راگ ہے جس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وہ حرام ہے۔علامہ قرطبی نے فرمایا کہ امام مالک کا یہی مذہب ہے بلکہ فرمایا کہ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور باقی اہل کوفہ مذہب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال الاذرعی ومانسب الی اولئك الصحابة اکثرہ لم یثبت ولو ثبت منه شیئ لم یظھر منه ان ذلك الصحابی یبیح الغناء المتنازع فیه فالمروی عنه عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان غلاما دخل علیه فوجدہ یترنم ببیت اونحو ذلك فعجب منه فقال اذا خلونا قلنا کماتقول الناس فاللّٰه اعلم ماکان ذلك البیت وما کان ترنمه وصفته وصح عن عثمان رضی اللّٰه تعالٰی عنه	امام اذرعی نے فرمایا ان لوگوں اور صحابہ کرام کی طرف جو کچھ منسوب کیا گیا ہے ان میں اکثر حصہ ثابت نہیں اور اگر کچھ ثابت بھی ہوجائے تو اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ صحابہ راگ متنازع فیہ کو مباح کہتے تھے چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ایک غلام ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے دیکھا کہ وہ خوش الحانی سے اشعار پڑھ رہے تھے اسے تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ جب ہم اکیلے اور تنہا ہوتے ہیں تو وہی کچھ کہتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں پس اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے کہ وہ اشعار کیا تھے اور ان کا حال اور کیفیت کیا تھی۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

[1] کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع دار الکتب العلمیہ بیروت ص۵۹تا۶۱

ماتمنیت ای زینت فاطلاق القول بنسبة الغناء المتنازع فیه واستماعه الی ائمة الھدٰی تجاسرولا یفھم الجاھل منه ھذا الغناء الذی یتعاطاہ المغنون المخنثون ونحوھم وقال الشیخ الامام ابراھیم المروزی فی تعلیقه وعن عمرو عبدالرحمٰن بن عوف وابی عبیدة بن الجراح وابی مسعود الانصاری انھم کانوا یترنمون بالاشعار فی الاسفار وکذٰلك عن اسامة بن زیدو عبداللہ بن ارقم وعبداللہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھم والترنم کذٰلك لیس فی محل النزاع اذھو من انواع القسم الاول من القسمین السابقین وقد مر انه لاخلاف وبه یعلم ان الظاھر الذی یتعین القطع به ان غالب ماحکی عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم وعمن بعدھم من الائمة انما ھو من ھذا القسم الذی لاخلاف فیه [1] وتمامه فیه وفیما ذکرنا کفایة، واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم۔	بصحت ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں گیت گاتا ہوں تو اسے میں بنا سنوار لیتاہ ہوں لہٰذا غنا متنازع فیہ اور اس کے سننے کی اجازت کی نسبت ہدایت یافتہ اماموں کی طرف کرنا بہت بڑی جرات ہے اور جاہل آدمی اس سے یہ غنا نہیں سمجھتا جو گانے والے ہیجڑے وغیرہ اختیار کرتے ہیں شیخ امام ابراہیم مروزی نے اپنی تعلیق میں فرمایا حضرت عمر فاروق حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم یہ سب اپنے سفروں کے دوران خوش الحانی سے اشعار پڑھا کرتے تھے اسی طرح حضرت اسامہ بن زید، حضرت عبداللہ بن ارقم اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ہے پس اس طرح کا ترنم محل نزاع نہیں کیونکہ وہ سابقہ دو قسموں سے پہلی قسم میں داخل ہے۔اور پہلے یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں،اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہر بات جس کا قطعی ہونا متعین ہو یہ ہے کہ جس کی حکایت صحابہ کرام اور ان کے بعد ائمہ حضرات کی طرف کی گئی غالبا اسے یہی قسم مراد ہے جس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں،پوری بحث اس میں موموجود ہے اور ہم نے جو کچھ بیان کیا وہ کافی ہے اور اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

[1] کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۶۷۔۶۶

مسئلہ ۱۱۵: از کلکتہ دھرم تلا ۱۲۴ مرسلہ جناب محمد یونس صاحب ۸رجب ۱۳۲۷ھ

علمائے دین سے سوال یہ ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہے کہ عمرو دو زوجہ رکھتا ہے اور دونوں سے مباشرت ایک مکان میں بے پردہ کرتا ہے اور جو اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے اپنی بی بی سے کیا حجاب۔

الجواب:

یہ امر مکروہ و بے حیائی ہے مرد کو بی بی سے حجاب نہیں تو بی بی کو بی بی سے تو ستر فرض ہے اور حیالازم ہے۔ بحر الرائق و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یکرہ ان یطأ احدھما بحضرۃ الاخرٰی حتی اوطلب وطاھا لم یلزمھا الاجابۃ ولا تصیر فی الامتناع ناشرۃ ولا خلاف فی ھذہ المسائل[1]۔	دو بیویوں میں سے کسی ایک سے دوسری کی موجودگی میں ہمبستری کرنا مکروہ ہے اگر شوہر ایک بیوی سے دوسری بیوی کی موجودگی میں اس قسم کا تقاضا کرے تو بیوی کے لئے اس کا تقاضا پورا کرنا ضروری نہیں، اور اس انکار یا رکاوٹ کے سبب وہ نافرمان نہیں ہوگی۔ ان مسائل میں کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔(ت)

ردالمحتار شرح ملتقی اس میں امام قاضیخاں اس میں منتقی امام حاکم الشہید سے ہے:

یکرہ للرجل ان یطأ امرأتہ وعندھا صبی یعقل او اعمٰی اوضرتھا اوامتھا اوامتہ[2]۔	کسی ذی عقل وذی فہم بچے، کسی اندھے، اپنی بیوی کی سوکن اور اپنی یا بیوی کی لونڈی کی موجودگی میں بیوی کے ساتھ ہمبستر ہونا مرد کے لئے مکروہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱۶: بھیڑ ضلع بریلی مرسلہ طابل حسین خان ۲۷ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

قبر پر اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اور ثواب حاصل کیجئے۔ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب النکاح باب القسم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۲۱، فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۴۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۲

الجواب:

قبر پر اذان کہنے میں میت کا دل بہلتا اور اس پر رحمت الٰہی کا اترنا اور سوال جواب کے وقت شیطان کا دور ہونا اور ان کے سوا اور بہت فائدے ہیں جن کی تفصیل ہمارے رسالہ "**ایذان الاجر فی اذان القبر**" میں ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۷تا۱۲۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) زید فجر کے بعد پانچ بجے کے مسجد میں چراغ بغرض رونق وزینت مسجد، نہ کہ بغرض تلاوت اور مطالعہ کتب دینیہ جلادیتا ہے حالانکہ روشنی کی اس وقت ضرورت نہیں ہوتی ہے کیونکہ نمازیوں کی آمد پونے چھ بجے اور جماعت بعد چھ بجے طلوع روشنی صبح صادق میں ہوتی ہے اور علاوہ اس کے سرکاری لالٹین کی روشنی تینوں دروں میں مسجد کے اور صحن میں کافی طور سے ہوتی ہے عمرو جو مہتمم قدیم مسجد کا ہے اور سیکڑوں روپیہ اپنی کوشش موفورہ سے فراہم کرکے مسجد کی ترمیم ودیگر اخراجات میں لگاتارہا ہے بلکہ اب بھی مرمت کرارہا ہے زید کو اس وقت کے فضول بلاضرورت چراغ جلانے سے منع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مسجد کے مال میں اسراف نہ چاہئے مگر زید نہیں مانتا پس ایسی صورت میں چراغ جلانا چاہئے یا نہیں؟

(۲) زید نے مسجد کی مرمت کے نام سے مسلمانوں سے کچھ چندہ جمع کیا اور عمرو مہتمم سے بھی دس روپیہ مرمت کے بہانے سے لئے جو اس کے پاس مرمت مسجد کے لئے رکھے تھے اس روپیہ سے اپنے چچا کی قبر جو مسجد سے باہر تھی پختہ بنواکر مسجد کے اندر داخل کرلی اور بقیہ روپیہ خورد ونوش کرلیا حساب نہیں سمجھایا مسجد کی مرمت کا روپیہ قبر یا اپنے صرف میں لانا کیسا ہے اور وہ شخص شرعًا کسی مواخذہ کے قابل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

(۳) زید کہتا ہے کہ تلاوت قرآن مجید مسجد کے اندر گناہ، نہیں چاہئے۔ عمرو کہتا ہے کہ گناہ نہیں ہے۔ اگر جماعت ہوتی ہو یا کوئی نماز پڑھتا ہو تو دل میں آہستہ پڑھنا اور جبکہ یہ امر مانع نہ ہوں تو بآواز پڑھنا بھی جائز ہے گناہ نہیں، زید کا قول درست ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**

(۴) زید اپنا اثاث البیت مسجد کے حجرہ میں رکھ لیتا ہے جس سے مسجد کے اسباب کو پراگندگی اور مسافروں اور طلباء کو تکلیف ہوتی ہے اور بہنوئی اس کا اکثر اوقات مسجد کے اندر سورہتا ہے یہ فعل زید کا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جبکہ اس وقت مسجد میں کوئی نہیں آتا چراغ جلانا فضول وممنوع ہے خصوصا جبکہ لالٹین کی روشنی ہوتی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) مسجد کے روپیہ سے اپنے چچا کی قبر پکی بنانا حرام تھااور دھوکادے کر لینااور بھی سخت حرام،ایسا شخص فاسق فاجر مرتکب کبائر ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) زید کا قول غلط ہے مسجد میں قرآن عظیم کی تلاوت بیشک جائز ہےاور کسی کے نماز وظیفہ میں خلل نہ آئے تو باآواز پڑھنا بھی جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) مسجد کااسباب پراگندہ اور مسافروں اور طلباء کو ناحق تکلیف دینا حرام ہے۔اور بے اعتکاف کے مسجد میں سونے کی اجازت نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۱: بعد نماز فجر اور آفتاب طلوع ہونے سے قبل قرآن شریف کی تلاوت کرنا جائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بیشک جائز ہے بلکہ بہت اعلٰی وقت ہے جبکہ آفتاب طلوع نہ کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۲: از افریقہ حاجی عبداللہ ویعقوب علی ۲۴ محرم ۱۳۳۱ھ

راستے میں چلے جانااور قرآن مجید پڑھتے جانا راستے میں نجس مکان بھی آتے ہیں جن کی بدبو سے چلنا بھی مشکل ہوتا ہے کیاایسے مکانوں سے چلے جانااور قرآن مجید پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

راستے میں قرآن شریف کی تلاوت دو شرط سے جائز ہے۔ایک یہ کہ وہاں کوئی نجاست نہ ہون،دوسرے یہ کہ راہ چلنا اسے قرآن عظیم پڑھنے سے غافل نہ کرے جہاں نجاست یا بدبو ہو وہاں خاموش رہے جب وہ جگہ نکل جائے پھر پڑھے،**واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم** (اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ جانتا ہےاور اس بزرگی والے کا علم سب سے زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ت)

مسئلہ ۱۲۳: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۴رجب ۱۳۳۱ھ

سونے سے اُٹھ کر آیۃ الکرسی پڑھنا کیسا ہے بعض استاد حقہ پیتے ہیں اور شاگرد کو پڑھاتے جاتے ہیں۔**بینوا توجروا**

الجواب:

سونے سے اٹھ کر ہاتھ دھو کر کلی کرلے اس کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اگر منہ میں حقہ وغیرہ کی بدبو ہو یا کوئی کھانے پینے کی چیز ہو تو بغیر کلی کئے تلاوت نہ کرے جو استاد ایسا کرتے ہیں برا کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از موضع منصور پور متصل ڈاک خانہ قصبہ شیش گڈھ بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ محمد شاہ خان ۳۰ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر صاحبان کو دیکھا گیا ہے کہ کعبہ شریف کی جانب پشت کرکے دیوار مسجد کے سہارے سے بیٹھ کر تسبیح وغیرہ پڑھتے ہیں ایسے صاحبان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

یہ نامناسب ہے حدیث میں ہے:

افضل المجالس ما استقبل بہ القبلۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	سب میں بہتر نشست رو بہ قبلہ ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵و۱۲۶: مسئلہ حافظ عبداللطیف صاحب مدرس مدرسہ حنفیہ سہسوان از سہسوان ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) مصحف مجید جو نہایت بوسیدہ ہوجائے اس کو اولٰی دفن یا احراق اور اگر دفن ہو تو کس جگہ؟

(۲) اسبند پر بعض حفاظ کوئی آیت پڑھ کر پھونکتے ہیں پھر وہ جلایا جاتا ہے یہ فعل کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پائے۔ت)

الجواب:

(۱) مصحف کریم کا احراق جائز نہیں نص علیہ فی الدرالمختار (درمختار میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ت) بلکہ حفاظت کی جگہ دفن کیا جائے جہاں پاؤں نہ پڑیں، اور اگر تھوڑے اوراق ہوں تو اولٰی یہ ہے کہ مسلمانوں کے بچوں کو ان کی تعویذ تقسیم کردئے جائیں۔

(۲) اسپند پر کوئی آیت دم کرکے جلانے میں حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷و۱۲۸: از داناپور کمپ مسئولہ پیر خیر شاہ صاحب ۲۹ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) زید اپنی زوجہ کی پستان منہ میں رکھ کر جماع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لذت زیادہ حاصل ہوتی

[1] کنز العمال برمز طب عن ابن عباس حدیث ۲۵۴۰۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۳۹

ہے کیا اس کو کسی طرح کا ہرج نکاح میں آسکتا ہے یا اس کو ہر حال میں ہمیشہ کے لئے مباح ہے؟

(۲) زید اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ تیری پستان بالکل خورد تری ہیں مجھ کو لذت جماع حاصل نہیں ہوتی اس کی زوجہ نے خاوند کی رضا کے لئے اپنے پستان خود ہی چوسنا اور پینا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے پستان بوجہ دودھ آنے کے خوبصورت بن گئے۔ اب وہ خاوند خوش ہوگیا وہ عورت ایسا کرسکتی ہے کیا اپنا دودھ پی سکتی ہے؟ جواب کتب معتبرہ سے عنایت فرمائیں۔

الجواب:

(۱) صورت مستفسرہ جائز ہے بلکہ اگر نیت محمود ہو تو امید اجر ہے جیسا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے باہم زوجین میں مس شرمگاہ یک دگر فرمایا: **ارجو انهما یوجران علیه**[1] میں امید کرتا ہوں کہ وہ دونوں اس پر اجر دئے جائیں گے۔

اصل یہ ہے کہ شرع مطہر کو جس طرح اپنی حرام فرمائی ہوئی چیز یعنی زناء کے دواعی مبغوض ہیں ویسے ہی اپنی حلال کی ہوئی چیز یعنی جماع زوجہ کے دواعی محبوب ہیں ہاں اگر عورت شیر دار ہو تو ایسا چوسنا نہ چاہئے جس سے دودھ حلق میں چلا جائے اور اگر منہ میں آجائے اور حلق میں نہ جانے دے تو مضائقہ نہیں کہ شیر زن حرام ہے نجس نہیں البتہ روزے میں اس صورت خاص سے احتراز چاہئے۔ **کما نصوا علی کراهة ذوق شیئ الا ضرورة** (جیسا کہ کسی چیز کا چکھنا بغیر کسی ضرورت کے ائمہ فقہ نے اس کے مکروہ ہونے کی تصریح فرمائی۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) یہاں جو بات فرض کی ہے دو وجہ سے مستبعد ہے۔ ایک چھوٹی پستان کا ایسا ہونا کہ عورت جسے خود پی سکے دوسرے اپنے پینے کی وجہ سے دودھ اتر آنا، بہر حال اگر خالی پستان پی لیا مضائقہ نہیں اور اگر دودھ پیا تو حرام ہے بلکہ دودھ کی پستان پینے سے خوبصورت ہوجانا خلاف واقع ہے۔ دودھ بھرے ہونے سے خوبصورتی ہوگی اور خالی ہو کر اور بدصورتی ہوجائے گی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۹: مسئولہ معظم علی صاحب پیش امام جامع مسجد حیدر آباد دکن ۷ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد بلدہ حیدر آباد دکن میں منبر کے پاس جو مصلے کا محراب ہے اس کے گردا گرد آیات قرآنی بخط طغرا سنگ سیاہ پر کندہ ہیں اگر خطیب صاحب منبر پر خطبہ پڑھنے کے لئے کھڑے رہے تو آیت قرآنی نیچے ہوتی ہیں تو کیا آیات قرآنی بوجہ منبر کے نیچے ہونے کے بے ادبی وبے حرمتی ہوتی ہے اگر بے ادبی ہے تو ان آیات کو

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فیما یکرہ من النظر والمس الخ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۸۳

سیمنٹ یا چونے سے پوشیدہ کردیں تو کوئی گناہ تو نہیں؟

الجواب:

دیواروں پر کتابت قرآن عظیم میں رجحان جانب ممانعت ہے اور اگر منبر پر کھڑے ہونے میں اس طرف امام کی پیٹھ ہوتی ہے تو ضرور خلاف ادب ہے اور اگر پاؤں یا مجلس سے بلاسائر نیچے ہیں تو اور زیادہ سوء اور ادب ہے ان حالتوں میں ان کا سمینٹ یا چونے کسی پاک چیز سے بند کردینا حرج نہیں رکھتا بلکہ بہ نیت ادب محمود ہے اور اگر نہ نیچے ہیں نہ پیچھے جب بھی اگر اس قول راجح کے لحاظ سے یا اس لئے کہ محراب میں کوئی شے شاغل۔ نظر نہ ہونی چاہئے بند کرنے میں حرج معلوم نہیں ہوتا۔

فان الامور بمقاصدھا [1] وانما لکل امرئ مانوی ۲ [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کیونکہ کام اپنے مقاصد پر مبنی ہیں، اور ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔اور اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳۰: مسئولہ محمود الحسن گوالیار بروز شنبہ تاریخ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

جامع مسجد میں وعظ کسی کی اجازت سے ہونا چاہئے یا اگر کوئی تقریر وغیرہ کرنا چاہئے اور اس کی قابلیت علم علوم دینیہ میں کافی نہ ہو اور اس کی تقریر اشتعال انگیز ہو کیا اس کو امام مسجد تقریر کرنے سے بند کرسکتا ہے؟

الجواب:

وعظ میں اور ہر بات میں سب سے مقدم اجازت اللہ ورسول ہے جل اللہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کافی علم نہ رکھتا ہو اسے واعظ کہنا حرام ہے او اس کا وعظ سننا جائز نہیں اور اگر کوئی معاذ اللہ بدمذہب ہے تو وہ نائب شیطان ہے اس کی بات سننی سخت حرام ہے اور اگر کسی کے بیان سے فتنہ اٹھتا ہو تو اسے بھی روکنے کا امام اور اہل مسجد سب کو حق ہے۔اور اگر پوری عالم سنی صحیح العقیدہ وعظ فرمائے تو اسے روکنے کا کسی کو حق نہیں۔ **بقولہ تعالٰی**:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالٰی کے گھروں میں اس کا نام لینے سے روکے، اور اللہ تالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۸۳

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

مسئلہ ۱۳۱: از مقام اہور ملک مارواڑ متصل آئرنپورا پیر محمد امیر الدین بروز یک شنبہ بتاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

بروز جمعہ کو مکتوب کے لڑکوں کو چھٹی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو مع حدیث وآیت کے آگاہ فرمائیں فقط۔

الجواب:

جمعہ کی چھٹی ہمیشہ معمول علمائے اسلام ہے اور اسی قدر اس کی سند کے لئے کافی۔ ایسی جگہ بالخصوص آیت یا حدیث ہونا ضرور نہیں اور آیت وحدیث سے یوں نکال بھی سکتے ہیں کہ حدیث صحیح میں جمعہ کی پہلی ساعت سے جمعہ کی طرف جانے کی ترغیب فرمائی تو صبح سے فراغ جمعہ تک تو وقت اہتمام وانتظار جمعہ میں گزرا پڑھنے کا کیا وقت ہے اگر کہئے مسجد میں جاکر پڑھے تو قبل جمعہ حلقہ سے ممانعت فرمائی بعد نماز فرمایا گیا:

"فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ"[1]۔	جب نماز ہوچکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

یہاں بھی تجارت وکسب حلال کا ذکر فرمایا نہ کہ تعلیم علم کا تو معلوم ہوا کہ وہ دن چھٹی کا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۲: از بدایوں کچہری کلکٹری محافظ تھانہ صدر مسئولہ سلامت اللہ نائب محافظ دفتر پٹواری بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسئلہ میں اگر مرد کو معلوم ہو کہ میری بی بی حاملہ ہے تو کس مدت تک عورت سے صحبت کرنا جائز ہے؟ فقط

الجواب:

جب تک بچہ پیدا نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از شاہجہانپور بازار سبزی منڈی محمد رضا خاں سوداگر بروز دوشنبہ ۱۹ رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جامع مسجد اور عیدگاہ میں واسطے ترمیم ان دونوں مسجدوں کی یا کسی اور مسجد کی خواہ اسی شہر میں ہو یا دوسرے شہر میں، جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر کوئی سائل اپنی ذاتی حاجت کے واسطے چندہ طلب کرے یا مؤذن اور امام مسجد اس کے واسطے اعلان

---

[1] القرآن الکریم ۶۲/ ۱۰

کردے تو جائز ہوگا یا ناجائز؟ یا جامع مسجد یا عیدگاہ میں چندہ طلب کرنا وقت قراءت خطبہ کے حکم جواز میں ہے یا عدم جواز میں؟ اور رافضی کی مسجد میں سنی المذہب کا نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ مکروہ یا غیر مکروہ؟ اگر روافض نے مسجد بنوادی ہے اور اس میں روافض نماز کے واسطے کسی وقت حاجر نہ ہوسکے اور سنی لوگ اس کے گردو پیش سکونت رکھتے ہوں اور اس مسجد میں نماز پنجوقتہ پڑھا کریں تو سنیوں کے واسطے موجب قباحت شرعًا ہے یا نہیں؟ نماز اس مسجد میں سنیوں کی بکراہت ادا ہوگی یا بلاکراہت؟ اور علماء جو وعظ مساجد جامع یا غیر جامع میں کہتے ہیں اور حاضرین کو پند ونصائح سناتے ہیں اور وہ ان کی خدمت وتواضع نقود وغیرہ سے کرتے ہیں یہ آمدنی ان کو جائز ہے یا ناجائز؟ اور بعضے صرف حمد ونعت پڑھتے ہیں اور سامعین ان کی خدمت گزاری نقد وجنس سے کرتے ہیں یہ امر مساجد وغیر مساجد میں مباح ودرست ہے یا نہیں اور یہ آمدنی ان کے واسطے درجہ جواز میں ہے یا عدم جواز میں؟ یہ لوگ ماتحت آیہ کریمہ "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ٘" [1] (یہی وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ت) کے داخل ہیں یا خارج؟ اس سے تین حالین کہ مقصود طرفین الصاع اور انتفاع اور نفع رسانی اور مہمان نوازی اور مسافر پروری ہو، **بینوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

خطبہ کے وقت چندہ مانگنا خواہ کوئی بات کرنا حرام ہے اور خالی وقت میں مسجد یا اور کسی دینی کام یا کسی مسلمان حاجتمند کے لئے مانگے جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ آئے سنت سے ثابت ہے اور اپنے لئے مانگنے کی مسجد میں اجازت نہیں، روافض کی بنائی ہوئی مسجد شرعًا مسجد نہیں نماز ایسی ہوگی جیسے کسی گھر میں اگر محلّہ میں کوئی مسجد اہلسنت کی ہے تو اسے چھوڑ کر اس میں پڑھنا ترک مسجد ہوگا اور ترک مسجد بلاعذر شرعی جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

لاصلٰوة لجار المسجد الا فی المسجد [2] ۔	مسجد کے پڑوسی کی نماز سوائے مسجد نہیں ہوتی۔(ت)

اور اگر کوئی مسجد نہیں تو اپنی مسجد بنائیں یا اسی کو مول لے کر وقف کردیں اس میں تین صورتیں ہیں اگر وعظ کہنے اور حمد ونعت پڑھنے سے مقصود یہی ہے کہ لوگوں سے کچھ مال حاصل کریں تو بیشک اس آیہ الکریمہ کے تحت میں داخل ہیں اور حکم "لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا٘" [3] (میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۶

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الصلٰوۃ باب المامومر یصلی خارج المسجد الخ دار صادر بیروت ۳/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۴۱

نہ وصول کرو۔ت) کے مخالف۔ وہ آمدنی ان کے حق میں خبیث ہے خصوصاً جبکہ ایسے حاجتمند نہ ہوں جن کو سوال کی اجازت ہے کہ اب تو بے ضرورت سوال دوسرا حرام ہوگا اور وہ آمدنی خبیث تر وحرام مثل غصب ہے، عالمگیریہ میں ہے:

ماجمع السائل بالتکدی فھو خبیث[1]۔	سائل نے کدوکاوش سے جو کچھ جمع کیا وہ ناپاک ہے۔(ت)

دوسرے یہ کہ وعظ حمد ونعت سے ان کا مقصود محض اللہ ہے اور مسلمان بطور خود ان کی خدمت کریں تو یہ جائز ہے اور وہ مال حلال، تیسرے یہ کہ وعظ سے مقصود تو اللہ ہی ہو مگر ہے حاجتمند اور عادۃً معلوم ہے کہ لوگ خدمت کریں گے اس خدمت کی طمع بھی ساتھ لگی ہوئی ہے تو اگرچہ یہ صورت دوم کے مثل محمود نہیں مگر صور اولیٰ کی طرح مذموم بھی نہیں جسے درمختار میں فرمایا:

الوعظ لجمع المال من ضلالۃ الیھود والنصارٰی[2]۔	مال جمع کرنے کے لئے وعظ کہنا یہود ونصارٰی کی گمراہیوں سے ہے۔

یہ تیسری صورت بین بین ہے اور دوم سے بہ نسبت اولیٰ کے قریب تر ہے جس طرح حج کو جائے اور تجارت کا کچھ مال بھی ساتھ لے جائے جسے "لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ"[3] (تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے پروردگار کا فضل (یعنی رزق حلال) تلاش کرو۔ت) فرمایا۔ لہٰذا فتوٰی اس کے جواز پر ہے۔

افتی بہ الفقیہ ابواللیث رحمہ اللہ تعالٰی کما فی الخانیۃ والھندیۃ وغیرھما والذی ذکرتہ توفیق بین القولین وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم۔	حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی نے اس پر فتوٰی دیا ہے جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں اور فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے اور جو کچھ میں نے بیان کیا ہے یہ دو۲ قولوں کے درمیان موافقت پیدا کرنا ہے اور اللہ تعالٰی ہی سے توفیق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۸

مسئلہ ۱۳۴: مسئولہ عبدالرحمٰن از گگرہ ضلع کھیری بروز شنبہ بتاریخ ۱۱ شعبان المعظم ۱۳۳۴ھ

چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔ت) کہ زید عرصہ اٹھارہ سال سے سفر حضر معمولی علالت میں بہ پابندی بعد ادائے نماز فجر تلاوت قرآن مجید کیا کرتا ہے گو دنیاوی تعلقات اور گوناگوں تفکرات اسے بہت ہی لاحق ہیں مگر وہ اس فرض کو ہر حالت میں انجام دیتا رہتا ہے مگر بوجہ کم استعداد ہونے کے وہ مطالب سے لاعلم رہتا ہے اسی صورت میں وہ مترجم قرآن مجید لفظی اردو یا فارسی کا ترجمہ دیکھ کر روزانہ بجائے دو پارہ ایک ربع یا اس سے کم وبیش تلاوت کرے یا حسب معمول روزانہ دو پارہ تلاوت کرے۔ دونوں میں سے کون افضل ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احب الاعمال الی اللہ ادومہا وان قل [1]۔	اللہ عزوجل کو سب سے زیادہ وہ عمل پسند ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ کم ہو۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل ثم ترک قیام اللیل [2]۔	فلاں کی طرح نہ ہونا تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔

مہینے میں دو ختم خیر کثیر ہے اور جب اٹھارہ سال سے اس کا التزام ہے تو اس میں کمی ہرگز نہ کی جائے وفیہ حدیث عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما (اور اس بارے میں حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث موجود ہے۔ت) قرآن عظیم کے مطالب سمجھنا بلاشبہہ مطلوب اعظم ہے مگر بے علم کثیرہ کافی کے ترجمہ دیکھ کر سمجھ لینا ممکن نہیں بلکہ اس کے نفع سے اس کا ضرر بہت زیادہ ہے جب تک کسی عالم ماہر کامل سنی دیندار سے نہ پڑھے خصوصا اس حالت میں کہ ترجمہ شیخ سعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا آج تک اردو فارسی جتنے ترجمے چھپے ہیں کوئی صحیح نہیں بلکہ ان باتوں پر مشتمل ہیں کہ بے علم بلکہ کم علم کو بھی گمراہ کردیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب القصد والمداومۃ علی العمل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلٰوۃ باب ماجاء فی قیام اللیل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹۵

(اور اللہ تعالٰی حق ارشاد فرماتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے، اور وہ اچھا کارساز ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵: از ملک کاٹھیاواڑ مقام اڑتیان امین احمد پنجشنبہ ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

قرآن شریف کی تلاوت آواز سے کرنا یا آہستہ چاہئے؟

الجواب:

قرآن عظیم کی تلاوت آواز سے کرنا بہتر ہے مگر نہ اتنی آواز سے کہ اپنے آپ کو تکلیف یا کسی نمازی یا ذاکر کے کام میں خلل ہو یا کسی جائز نیند سونے والے کی نیند میں خلل آئے یا کسی بیمار کو تکلیف پہنچے یا بازار یا سرا یا عام سڑک ہو یا لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہیں اور کوئی سننے کے لئے حاضر نہ رہے گا ان صورتوں میں آہستہ ہی پڑھنے کا حکم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از گونڈل کاٹھیاواڑ یکم صفر ۱۳۳۵ھ

اکثر لوگ اپنی اپنی جوتیوں کو بغرض حفاظت مسجد کے اندر لیجا کر اپنے قریب یا کسی گوشہ میں رکھتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

جوتے جن میں نجاست نہ ہو اگر کسی شہ میں رکھ دئے جائیں یا اپنے پاؤں کے سامنے تو حرج نہیں مگر سجدہ کے سامنے نہ ہو کہ نمازی کی طرف رحمت الٰہی موجود ہوتی ہے نہ دہنی طرف کو ادھر ملائکہ ہیں نہ بائیں طرف کہ دوسرے کے دہنی طرف ہوں گے، ہاں اگر یہ کنارہ پر کھڑا ہے کہ اس کے بائیں طرف کوئی نہیں اور دیوار کے ساتھ متصل ہے کہ کسی کے آنے کا بھی احتمال نہیں تو رکھ سکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۷: مرسلہ محمود احمد صاحب از قصبہ دیوی شریف ضلع بارہ بنکی ۱۰ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اسلام ومفتیان شریعت خیر الانام علیہ الصلٰوۃ والسلام کہ جس طرح آگرہ میں مقبرہ تاج محل کے بیرونی پھاٹک واندرونی در وپر ونیز دہلی کی جامع مسجد کے در پر اور بعض دیگر مقدس مقامات ومساجد کے دروں پر آیات قرآن مجید کندہ ہیں اگر کسی بزرگ وبر گزیدہ خدا کے مقبرہ کے دروں پر بایں احتیاط کہ زمین سے سات فٹ بلندی پر جہاں کسی قسم کی بے ادبی کا گمان بھی نہ ہو قرآن مجید کی کوئی سورہ یا اسماء جناب احدیت جل جلالہ سنگ مرمر کے ایسے مضبوط مصالحہ سے لکھے جائیں جو مثل پتھر کے مستحکم ہوں اور جن کا رنگ دھوپ یا پانی سے کبھی تبدیل نہ ہوسکے اور حروف ہمیشہ بدستور قائم رہیں تو شرعاً جائز ہے نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

دیواروں پر کتابت سے علماء نے منع فرمایا ہے **کما فی الھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں ہے۔ت) اس سے احتراز ہی اسلم ہے۔ اگر چھوٹ کر نہ بھی گریں تو بارش میں پانی ان پر گزر کر زمین پر آئے گا اور پامال ہوگا غرض مفسدہ کا احتمال ہے اور مصلحت کچھ بھی نہیں لہٰذا اجتناب ہی چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۸: جناب مولوی صاحب یہ عرض ہے اگر چلے کے اندر عورت مرد سے بولے پھر عورت چالیس دن کا چلہ نہائے تو عورت پاک ہوجائے گی اور نماز روزہ اور قرآن شریف کی عبادتوں کے لائق ہوجائے گی۔ چلے کے اندر عورت نے انکار کیا مرد ناراض ہو یا کہے کہ جی میں آتا ہے کہ میں نکاح کرلوں، عورت کو ان باتوں کا خیال ہو اور بلوالے اس کا مسئلہ، اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے۔

الجواب:

بچہ پیدا ہونے کے بعد جس وقت خون بند ہوجائے اگر چلے کے اندر پھر نہ آئے تو اسی وقت عورت پاک ہوجاتی ہے مثلاً فقط ایک منٹ بھر خون آیا پھر نہ آیا تو بچہ پیدا ہونے کے اسی ایک منٹ تک ناپاکی تھی پھر پاک ہوگئی، نہاکے نماز پڑھے روزہ رکھے، پھر اگر چلے کے اندر خون نہ آیا تو یہ نماز روزے سب صحیح ہوگئے اور اگر پھر آگیا تو نماز روزے پھر چھوڑدے۔ اب اگر پورے چلے یا اس سے کم پر جاکر بند ہوا تو شروع پیدائش سے اس وقت تک سب دن خون کے سمجھے جائیں گے وہ نمازیں جو پڑھیں بیکار گئیں اور وہ فرضی روزے جو رکھے قضا کئے جائیں گے اور اگر چلے سے بھی باہر جاکر بند ہوا اس سے پہلے بچہ پیدا ہونے میں جتنے دن خون آیا تھا اتنے دن ناپاکی کے سمجھے جائیں گے باقی پاکی کے۔ مثلاً گھڑی بھر خون آیا اور بند ہوگیا پھر پچیس دن بعد آیا اور چالیس دن سے پاؤ گھڑی زیادہ تک آیا کہ شروع پیدائش بچہ سے اس وقت تک چالیس دن پاؤ گھڑی کا عرصہ ہوا تو اس سے پہلے اگر کوئی بچہ نہ ہوا تھا جب تو پورا چلہ ناپاکی کا ہوگا فقط پاؤ گھڑی یا جتنا چلے سے بڑھا استحاضہ ہے اس میں وضو کرکے نماز پڑھ سکتی ہے اور روزہ تو بہر حال روا ہے۔ اور اگر پہلے بچہ پر مثلاً بیس دن خون آیا تھا تو بیس دن ناپاکی کے ہیں باقی دن پاکی کے ہیں ان میں نماز روزے نہ رکھے ہوں قضا کرنے ہوں گے یہ حکم ہے۔ اور عورتوں میں جو مشہور ہے کہ خون آئے یا بند ہوجائے چلہ پورا ہی کرکے نہاتی ہیں اور جب تک نمازیں قضا کرتی ہیں یہ سخت حرام ہے۔ رہا خاوند کے پاس جانا اگر چلہ کے اندر خون بند ہوجائے اور اتنے دنوں سے کم ہو جتنے دن اس سے پہلے بچہ میں آیا تھا تو خاوند کے پاس جانا حرام ہے۔ اور اس کا یہ کہنا عورت کسی طرح نہیں مان سکتی مانے گی تو سخت

گنہگار ہوگی توبہ کرے۔اور اگر اتنے دن پورے ہولئے جتنے دنوں اس سے پہلے بچہ میں آیا تھا اس کے بعد بند ہوا اور چلہ ابھی پورا نہ ہوا توجب عورت نہالے گی یا ایک نماز کا وقت اس پر گزر جائے گا اس وقت خاوند کے پاس جاسکتی ہے۔ورنہ ہرگز نہیں۔

مسئلہ ۱۳۹: از جالندھر شہر چوک مرسلہ محمد آمین مؤرخہ ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

قطب کی طرف پاؤں کرکے سونا چاہئے یا نہیں؟ بینواتوجروا

الجواب:

کوئی حرج نہیں وہ ایک ستارہ ہے ستارے سب طرف ہیں۔فقط

مسئلہ ۱۴۰: از محلّہ نالہ بریلی بنن خاں مؤرخہ ۲۸ ذی القعدہ

ایک شخص نے طرف کعبہ شریف کے پیر کئے لیکن اس کو خیال تھا جب اٹھوں گا تو میرا منہ زیارت مقدسہ کی طرف ہوگا میں پڑھتا اٹھوں گا۔

الجواب:

کعبہ معظّمہ کی طرف پاؤں کرکے سونا بلکہ اس طرف پاؤں پھیلانا سونے میں ہو خواہ جاگنے میں۔لیٹے ہو خواہ بیٹھے میں۔ہر طرح ممنوع وبے ادبی ہے۔اور یہ اس کا خیال حماقت ہے۔سنت یوں ہے کہ قطب کی طرف سر کرے اور سیدھی کروٹ پر سوئے کہ سونے میں بھی منہ کعبہ کو ہی رہے۔ہاں وہ مریض جس میں اٹھنے بیٹھنے کی طاقت نہیں اس کی نماز کے لئے ایک طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ پائنتی قبلہ کی طرف ہو اور سر کے نیچے اونچا تکیہ رکھ دیں کہ منہ کعبہ معظّمہ کو ہو پھر یہ ضرورت کے واسطے، غیر مریض اپنے آپ کو اس پر قیاس نہیں کرسکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۱و۱۴۲: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہان پرگنہ نواب گنج بریلی مؤرخہ ۲۷ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسائل مفصلہ ذیل میں:

(۱) بی بی سے ہمبستری کس طرح سنت ہے؟

(۲) دن میں بی بی سے ہمبستر ہونا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) جو وقت تمام شرعی ممانعتوں سے خالی ہو اس میں تین نیتوں سے: [1] طلب ولد صالح کہ توحید ورسالت شہید دے تکثیر امت مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرے۔ [2] عورت کا ادائے حق اور اسے پریشان خاطری وپریشان نظری سے بچانا، [3] یاد الٰہی واعمال صالحہ کے لئے اپنے قلب کا

اس تشویش سے فارغ کرنا یوں کہ نہ اپنی برہنگی ہو نہ عورت کی کہ حدیث میں فرمایا:

ولا یتجردان تجرد العیر [1]۔	دونوں (میاں بیوی) گدھوں کی طرح ننگے نہ ہوں (ہمبستری کے وقت)۔ (ت)

اور اس وقت نہ روبقبلہ ہو نہ پشت بقبلہ، عورت چت ہو اور یہ اکڑوں بیٹھے اور بوس وکنار ومساعی وملاعبت سے شروع کرے جب اسے بھی متوجہ پائے بسم اللہ الرحمن الرحیم جنبنا الشیطن و جنب الشیطان مارزقتنا[2] (اللہ تعالٰی کے نام سے ابتداء جو بیحد رحم کرنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ ہمیں شیطان کے وار سے بچائے اور جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرمایا اس میں شیطان کو ہم سے دور رکھے۔ ت) کہہ کر آغاز کرے اور اس وقت کلام اور فرج پر نظر نہ کرے۔ بعد فراغ فوراجدا نہ ہو یہاں تک کہ عورت کی بھی حاجت پوری ہو، حدیث میں اس کا بھی حکم ہے۔

اللہ عزوجل کی بے شمار درودیں ان پر جنھوں نے ہم کو ہر باب میں تعلیم دی اور ہماری کشتی حاجت دینی ودنیوی کو مہمل نہ چھوڑا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ والہ وصحبہ اجمعین۔

(۲) جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۳: از ریاست جموں کشمیر خاص محلّہ رانگریزاں بخانہ منشی ابراہیم براستہ جہلم مرسلہ محمد یوسف صاحب ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی مولوی صاحب مجلس وعظ میں جو کہ قرآن شریف وحدیث شریف سے ہو کہیں کہ ہماری چارپائی دور بچھادو تاکہ ہمارے کان میں آواز وعظ نہ آئے تکبر اور عناداً، تو ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ واقعی ہے کہ وہ واعظ سنی العقیدہ پورا علم صحیح البیان تھا اور اس شخص نے بلاوجہ شرعی محض تکبر وعناد کے سبب وہ الفاظ کہے تو ضرور گنہگار اور سخت مواخذہ کا سزاوار ہوگا۔

"فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۹﴾ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾" [3]	انھیں کیا ہوا کہ وعظ سے منہ پھیرتے ہیں گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں کہ شیر سے بھاگے ہوں۔

[1] کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن ابی قلابہ حدیث ۴۴۸۶۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۴۸

[2] کنز العمال بحوالہ حم. ق عن ابن عباس حدیث ۴۴۸۴۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۴۵

[3] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۹ تا ۵۱

اور اگر وہ واعظ بدمذہب تھا یا جاہل تھا یا غلط سلط بیان کرتا یا عالم کہ کسی طمع وغیرہ کے سبب الٹی کہتا اس وجہ سے احتراز کیا تو بجا کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴: از جوالا پور ڈاک خانہ خاص تحصیل رڑکی ضلع سہانپور مرسلہ سید امتیاز علی نائب مدرس مدرسہ پرائمری اسکول ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عاجز نے کار ثواب سمجھ کر کیا مگر بعد کو چند اصحاب سے معلوم ہوا کہ یہ کام بالکل ناجائز ہے لیکن اکثر جائز بھی بتلاتے ہیں جس کی وجہ سے بندہ بحر تذبذب میں شب وروز غوطہ زن ہے امید کہ حضرت اس کو مبدل بخوشی کریں گے دراصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ نے اپنے ہر دو ہاتھوں پر ہتھیلی سے چھ چھ انگشت کے فاصلہ پر ایک ہاتھ پر یا اللہ دست ثانی پر یا محمد بذریعہ مشین کھدوالیا ہے۔ بندہ کو اللہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے محبت قلبی ہے۔ بندہ خاندان چشت اہل بہشت نیز ہر چہار خاندان کے زمرہ میں ہے بندہ نے اس غرض سے یہ کام کیا تھا کہ بندہ کے دل سے اللہ ومحمد (عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہر دم نکلتا رہے نیز جو شخص اس کو دیکھے اس کی زبان سے ایک مرتبہ کم از کم یا اللہ یا محمد نکلے، بندہ کی عقل ناقص اس قدر ہے کہ جو کہ ظاہر کی گئی، امید کہ اس مشتبہ کو حضور بندہ کے دل سے دور کرینگے نیز عرض ہے کہ اگر یہ ناجائز ہو تو بندہ کو مطلع کرنا کہ کیا کام کیا جائے گا کہ اللہ جل شانہ بزرگ برتر اپنی رحمت کاملہ سے اس بار عظیم سے سبکدوش کردے یہ مٹانے سے مٹ اور چھیلنے سے چھل بھی نہیں سکتا۔

الجواب:

یہ غالباً خون نکال کر اسے روک کر کیا جاتا ہے جیسے نیل گدوانا، اگر یہی صورت ہو تو اس کے ناجائز ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کا ازالہ ناممکن ہے تو سوا توبہ واستغفار کے کیا علاج ہے مولٰی تعالٰی عزوجل توبہ قبول فرماتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازا دیوان مرسلہ مولوی عبدالودود صاحب بنگالی قادری برکاتی رضوی طالب عالم مدرسہ مذکور ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

لوگوں کے نام کے آگے جو محمد ہے اس پر حرف (ص) اس طرح لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

حرف (ص) لکھنا جائز نہیں نہ لوگوں کے نام پر نہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم کریم پر،

لوگوں کے نام پر تو یوں نہیں کہ وہ اشارہ و درود کا ہے اور غیر انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام پر بالاستقلال درود جائز نہیں اور نام اقدس پر یوں نہیں کہ وہاں پورے درود شریف کا حکم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھے فقط ص یا صلم یا صلعم جو لوگ لکھتے ہیں سخت شنیع وممنوع ہے یہاں تک کہ تاتار خانیہ میں اس کو تخفیف شان اقدس ٹھہرایا **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔

مسئلہ ۱۴۶: از کوہ منصوری ڈاک خانہ کلہڑی کام اپرانڈیا گیٹ مستری حکیم اللہ ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

پردیس میں بال بچے دار کو کب تک رہنا چاہئے؟

الجواب:

بلا ضرورت سفر میں زیادہ رہنا کسی کو نہ چاہئے، حدیث میں حکم فرمایا ہے کہ جب کام ہو چکے سفر سے جلد واپس آؤ اور جو وطن میں زوجہ چھوڑ آیا ہو اسے حکم ہے کہ جہاں تک بن پڑے چار ماہ کے اندر اندر واپس آئے **بذٰلك امر امیر المومنین الفاروق الاعظم علیہ الرضوان** (مومنوں کے حکمران، حق اور باطل میں سب سے بڑے فرق کرنے والے حضرت عمر نے مسلمانوں کو یہی حکم فرمایا تھا انھیں اللہ تعالٰی کی خوشنودی حاصل ہو۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۴۷: از سورت برہان پوری بھاگل مرسلہ سید زین القاری ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

تاریخ کا پتھر جماعت خانہ کے صحن کے پتھر کے نیچے کھڑا نصب کیا گیا ہے کہ جس پتھر پر دوسرا پتھر بچھایا گیا ہے اور یہ دوسرا اوپر کا پتھر نیچے کے کھڑے نصب کئے ہوئے پتھر کے اوپر دو دو انچ لمبا بڑھا ہوا ہے اور اس اوپر کے پتھر سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے یعنی اس پر قدم گرتے ہیں مذکور منصوب پتھر پر ماہ رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ کندہ ہے اس کندہ حرفوں پر لوگوں کے قدم گرتے نہیں ہیں تو آیا اس میں کسی طرح کا حرج ہے کیونکہ لوگ رمضان المبارک لفظ قرآن شریف کا ہونے کی بہت بحث کرتے ہیں عوام الناس میں بہت بُری افواہیں پھیل رہی ہیں اور نفاق کی صورت ہے۔

الجواب:

اوّلاً: "رمضان" اور "المبارک" دونوں کا لفظ کلام شریف کے ہیں، **ثانیاً:** رمضان المبارک "کا نام خود واجب التعظیم ہے بلکہ حدیث میں آیا کہ "رمضان" اسماء الٰہیہ سے ہے۔ **ثالثاً:** کچھ نہ ہوتا تو حروف کی تعظیم خود لازم ہے اگرچہ ان میں کچھ لکھا ہو، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا کتب اسم فرعون اوکتب اسم ابی جھل علی غرض یکرہ	جب فرعون یا ابوجہل کا نام لکھا جائے، کسی غرض کے لئے لکھا جائے تو پھر یہ مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔

ان یرموا الیہ لأن لتلك الحروف حرمة [1]۔	کہ لوگ انھیں پھینک دیں کیونکہ ان حروف کی تعظیم ہے۔(ت)

ان حرفوں پر اگرچہ پاؤں رکھنے میں نہیں آتا پاؤں ان سے اونچا ہوتا ہے یہ خلاف ادب ہے پتھر یہاں سے نکال کر اونچا نصب کریں کہ سر سے بلند رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۸: از الہ آباد سرائے گڈھا دار الطلبہ مرسلہ محمد امیر حسن ۱۸ جمادی الآخری ۱۳۳۶ھ

چند پتھروں میں مسجد کے مختصر تاریخی و نیز تاریخ تعمیر چوب قلم سے کندہ کراکے مسجد کی مغربی دیوار میں محراب کے اوپر نصب کرنا جس سے نمازیوں کی نظر اس پر پڑنے کا احتمال ہے اور نماز میں خیالات بٹنے کا اندیشہ ہے بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

ایک صاحب نے چندہ مسجد بنوانے کی کوشش کی اسی وجہ سے اپنا نام بھی پتھر میں کندہ کرانا چاہتے ہیں آیا نام کا کندہ کرانا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

نام کندہ کرانے کا حکم اختلاف نیت سے مختلف ہوتا ہے اگر نیت ریا و نمود ہے حرام و مردود ہے۔ اور اگر نیت یہ ہے کہ تا بقائے نام مسلمان دعا سے یاد کریں تو حرج نہیں، اور حتی الامکان مسلمان کا کام محمل نیک ہی پر محمول کیا جائے گا، پتھر جبکہ محراب سے اونچا ہوگا نماز میں اس پر نظر پڑنے کی کوئی وجہ نہیں، نماز میں سجدہ کی جگہ نظر رکھنے کا حکم ہے اور اوپر نگاہ اٹھانا تو جائز ہی نہیں، حدیث میں فرمایا گیا کہ ان کی نگاہ اوپر ہی اچک لی جائے اور واپس نہ دی جائے [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۹ و ۱۵۰: از غازی پور محلّہ میاں پورہ مرسلہ علی بخش صاحب محرر رجسٹری ۲۳ شوال ۱۳۳۶ھ

(۱) صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے سوا ائمہ مجتہدین و شہداء و صالحین خصوصًا اولیائے کاملین و علمائے متقین کی شان میں ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا لفظ کہنا کیسا ہے۔ چاہئے یا نہیں؟

(۲) شرعًا انبیاء و مرسلین و ملائکہ و مقربین کے نام کے ساتھ علیہ السلام اور صحابہ کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اولیاء و علماء کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ کہنے کا کیا حکم ہے،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان باب رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰۴۔۱۰۳

ہر ایک کے لئے یہ الفاظ تخصیص کے ساتھ کردئے گئے ہیں یا جس جس کے نام کے ساتھ جو الفاظ چاہیں کہہ سکتے ہیں؟

الجواب:

(۲) رضی اللہ تعالٰی عنہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو تو کہا ہی جائے گا ائمہ واولیائے وعلمائے دین کو بھی کہہ سکتے ہیں کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف وجملہ تصانیف امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی وغیرہ اکابر میں یہ شائع وذائع ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

یستحب الترضی للصحابۃ والترحم للتابعین ومن بعدھم من العلماء والاخیار وکذا یجوز عکسہ علی الراجح [1]۔	صحابہ کرام کے اسمائے گرامی کے ساتھ "رضی اللہ تعالی عنہ" کہنا یا لکھنا مستحب ہے تابعین اور بعد والے علماء کرام اور شرفاء کے لئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ" کہنا یا لکھنا مستحب ہے اور اس کا الٹ بھی راجح قول کی بناء پر جائز ہے یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رحمۃاللہ تعالی علیہ اور دوسروں کے ساتھ رضی اللہ تعالی عنہ۔ (ت)

(۲) صلوٰۃ والسلام بالاستقلال انبیاء وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کے لئے نہیں، ہاں بہ تبعیت جائز ہے جیسے اللھم صلی وسلم علی سیدنا ومولٰینا محمد وعلی آل سیدنا ومولٰینا محمد۔ اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے لئے رضی اللہ تعالٰی عنہ کہا جائے اولیاء وعلماء کو رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم یا قدست اسرارہم، اور اگر رضی اللہ تعالٰی عنہم کہے جب بھی مضائقہ نہیں جیسا کہ ابھی تنویر سے گزرا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: از حیدرآباد دکن مرسلہ محمد اکبر علی صاحب مدیر صحیفہ روزنہ ۱۳ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مونو گرام بنانا چاہتا ہے جس کا نقشہ درج ذیل ہے،

دریافت طلب یہ ہے کہ اس مہر کے چوتھے درجہ میں ایک آیۃ قرآنیہ لکھی ہوئی ہے اس کے اوپر کے تین درجوں میں انگریزی میں اخبار روزانہ صحیفہ حیدرآباد دکن درج ہیں اس میں کوئی امر آیۃ قرآنیہ کی توہین کا تو نہیں ہے اگر ہے تو کس آیت یا حدیث کی بناء پر ہے؟ اگر انگریزی کے عوض، چینی، جاپانی یا اطالوی زبان میں خاص ان کے حروف میں کوئی عبارت لکھ کر نیچے آیۃ قرآنیہ لکھی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ ہے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار مسائل شتّی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰

یا نہیں؟
دوسرا امر یہ ہے کہ اس مونو گرام کو اخبار کے بیرونی طبقی اور دوسرے خط وکتابت کے لفافہ جات پر چھپوایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ طبلق اور لفافہ مثل ملفوفہ کے حفاظت سے نہیں رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو چاک کرکے ردی میں پھینکا جاتا ہے۔اس صورت میں اگر لفافہ جات وطبلق وغیرہ پر اسے چھپوایا جائے تو کیا کوئی حرج شرعی لازم آتا ہے؟ اگر آتا ہے تو کس آیت یا حدیث کی بناء پر؟ المستفتی الفقیر الی اللہ الولی محمد اکبر علی مدیر صحیفہ روزانہ

الجواب:

تعظیم قرآن عظیم ایمان مسلم ہے۔اس کے لئے کسی خاص آیت وحدیث کی کیا حاجت،اور تعظیم وبے تعظیمی میں بڑا دخل عرف کو ہے۔محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

یحال علی المعھود[1]۔	یہ معاملہ عرف اور رواج کے حوالے کیا جاتا ہے۔(ت)

حال قصد التعظیم انگریزی،چینی،جاپانی،جرمنی،لاطینی،جو زبان غیر اسلامی ہو جسے اسلام نے فارسی اور اردو کی طرح اپنا خادم نہ کرلیا جس کی وہ زبان نہ ہو اسے بلاضرورت اس میں کلام نہ چاہئے۔امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ایاکم ورطانۃ الاعاجم رواہ البیھقی[2]۔	عجمی لوگوں کی زبانیں بولنے سے بچو،امام بیہقی نے اس کو روایت کیا۔(ت)

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فانہ یورث النفاق رواہ الحاکم فی صحیحہ المستدرک[3]۔	کیونکہ یہ چیز نفاق پیدا کردیتی ہے حاکم نے اپنی صحیح مستدرک میں اس کو روایت کیا۔(ت)

نہ قرآن مجید کا اس سے ملانا کہ ضم شرعًا وعقلاً وعرفاً مجانست ہے لہٰذا علمائے کرام نے زمحشری معتزلی کا تفسیر میں بعض ابیات ہزل لانا اگرچہ بروجہ استشہاد سخت مذموم ومعیوب وخلاف ادب

---

[1] فتح القدیر

[2] المصنف لعبدالرزاق باب الصلٰوۃ فی البیعۃ حدیث ۱۶۰۹ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ فضل کافۃ العرب الخ مکتب المطوعات الاسلامیہ ۴/ ۸۷

جانا۔علامہ برہان الدین حیدر بن الہروی تلمیذ علامہ تفتازانی پھر فاضل شمس الدین اصبہانی اپنی تفسیر جامع بین الکبیر والکشاف میں کشاف کے محاسن لکھ کر فرماتے ہیں:

الا انہ لاخطأنہ سلوك الطرق الادبیة المتزم فی کتابہ امورا ادھشت رونقه و ابطلت منظره فتکدرت مشارعه و تنزلت زینته منها انه لشغفه باظهار الفضائل والکمالات وان یعرف انه مع تبحره فی العلوم موصوف بلطائف المحارة ونفاس المحاضرة اورد فیه ابیاتا بنی علی الهزل والفکاهة اساسها وھذا امر من الشرع والعقل بعید اھ[1] ملتقطا۔	مگر یہ کہ زمحشری اس وجہ سے ادبی طریقوں پر چلنے سے غلط ہوگیا کہ اس نے اپنی کتاب میں ایسے امور کا اہتمام کیا کہ جن سے ان کی رونق دہشت زدہ ہوگئی اور ان کا منظر باطل ہوگیا اور اس کے پانی کی نالیاں گدلی ہوگئیں اور اس کی زیب وزینت نیچی ہوگئی۔ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ وہ فضائل وکمالات کے اظہار کا دلدادہ ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس بات کا تعارف ہوجائے کہ وہ علوم میں سمندر کی حیثیت رکھنے کے باوجود دلچسپ محاورہ اور نفیس چٹکلوں سے موصوف ہے۔اس لئے اس نے کتاب میں کچھ ایسے اشعار پیش کئے کہ جن کی بنیاد ہنسی مذاق اور خوش طبعی پر ہے۔اور یہ بات شریعت اور عقل کے اعتبار سے امر بعید ہے اھ ملتقطا۔(ت)

نہ کہ انگریزی کا اوپر اور آیہ کریمہ کا نیچے ہونا نہ کہ تین درجے بلندی یہاں علو وسفل ضرور عرفاً تعظیم وبے تعظیمی کا مشعر ہوتا ہے ولہٰذا مروی ہوا کہ انگشتری مبارک حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کہ محمد رسول اللہ منقوش تھا سطر بالا میں کلمہ جلالت تھا اور سطر دوم میں رسول سوم میں نام اقدس اس شکل پر ظاہر جبھی سے مہروں میں یہ رسم ہے کہ نیچے سے اوپر کو پڑھی جاتی ہے۔علامہ اسنوی پھر علامہ ابن رجب وغیرہما فرماتے ہیں:

کتابته کانت من اسفل الی فوق یعنی الجلالة اعلی الاسطر الثلاثة ومحمد اسفلها ویقرا من اسفل[2]۔	مہر میں لکھائی نیچے سے اوپر کی طرف ہوتی ہے یعنی اللہ تعالٰی کا بارعب نام تین سطروں میں اوپر مذکور ہے اور حضور پاک کا اسم گرامی سب سے نیچے ہے اور پھر نیچے کی طرف سے پڑھا جاتا ہے۔(ت)

---

[1]

[2] فتح الباری کتاب اللباس باب ھل یجعل نقش الخاتم الخ مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۴۴۸

شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

بود نقش خاتم سہ سطر یک سطر پایاں محمد وسطر میانہ رسول وسطر دیگر بالا اللہ شیخ محی الدین نووی گفتہ سطر اول اللہ وسطر دوم رسول وسطر سوم محمد بدیں ہیأت [1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی انگوٹھی نقش مبارک کچھ اس طرح تھا کہ ایک سطر میں سب سے نیچے حضور کا اسم گرامی اور درمیانی سطر میں لفظ رسول اور سب سے اوپر والی سطر میں لفظ "اللہ" درج تھا۔ شیخ محی الدین نووی نے فرمایا: حضور پاک کی مہر نقش مبارک (نقشہ مذکور کی طرح تھا) پہلی سطر میں لفظ اللہ، دوسری سطر میں لفظ رسول اور تیسری سطر میں لفظ محمد اس شکل میں درج تھا ۔

علامہ ابن عزیز الدین بن جماعہ فرماتے ہیں: انہ انیق بکمال ادبہ [2] (کمال ادب عزت وعظمت کے یہی زیادہ لائق ہے۔ت)
اور پھر آیہ کریمہ کہ اخبار کی طبلق یا کارڈ یا لفافوں پر چھپوانا ضرور بے ادبی کو مستلزم اور حرام کی طرف منجر، رہے اسس پر چھٹی رسانوں وغیرہم بے وضو بلکہ جنب بلکہ کفار کے ہاتھ لگیں گے جو ہمیشہ جنب رہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔

قال تعالٰی "لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَؕ(۷۹)" [3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: قرآن مجید کو صرف پاک لوگ ہی ہاتھ لگاتے ہیں۔ (ت)

مہریں لگانے کے لئے زمین پر رکھے جائیں گے پھاڑ کر ردی میں پھینکے جائیں گے ان بے حرمتیوں پر آیت کا پیش کرنا اس کا فعل ہوا۔

کردم از عقل سوالے کہ بگہ ایمان چیست ۔۔۔ عقل در گوش ودلم گفت کہ ایمان ادب ست

(میں نے عقل سے یہ سوال کیا کہ تو یہ بتادے کہ ایمان کیا ہے۔ عقل نے میرے دل کے کانوں مس کہا کہ ایمان ادب کا نام ہے۔ت)

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس باب الخاتم الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۶۰

[2] حاشیۃ البجیرمی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المعدن والرکاز المکتبۃ الاسلامی ہ دیار بکر ترکیا ۲/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۷۹

نسأل اللّٰہ حسن التوفیق (ہم اللہ تعالٰی سے اچھی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔ت) اس سوال کا منشا ہی اس کے جواب کو بس تھا کہ قلب کی حالت ایمانی نے ان دونوں باتوں میں خدشہ جانا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: الاثم ماحاك فی صدرك[1] (گناہ وہ جو تیرے دل میں کھٹکے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۲: از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلند شہر مرسلہ امیر حسین صاحب طالب علم ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اندر ینکہ سامعین را در مجلس وعظ ونصیحت اندرون وعظ درود شریف خواندن بر روح پر فتوح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جائز است یاچہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ وعظ ونصیحت کی مجلس کے دوران سننے والوں کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اسم گرامی سن کر درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

درو شریف خواندن بروح پر فتوح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در مجلس وعظ وپند بلا شک وبلا شبہ جائز است بلکہ مستحب حصول ثواب است کما فی ردالمحتار ونص العلماء علی استحبابھا فی مواضع یوم الجمعۃ وغیر ذٰلك ومنھا الوعظ[2] وشر ذمہ قلیلہ وجہلا عدیدہ کہ ایشاں از ضوابط دیں و قواعد شرع متین بہر کامل وحظ اوفر نمی دارند بدون تفرقہ وبغیر امتیاز حق وباطل درود شریف را از قبیل بدعتہ ضلالہ شمار دہ برعدم جواز فتوی دادہ اند قابل اعتبار اصلا نیست چونکہ مخالف کتب شرعیہ است۔ اللہ تعالٰی اعلم بالصواب کتبہ فدوی محمد امیر حسین عفی عنہ۔	حضور کی روح پر فتوح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا مجلس وعظ ونصیحت میں بے شک وشبہہ نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے اور اجر وثواب کا ذریعہ ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں مذکور رہے۔ چنانچہ علمائے کرام نے درود شریف چند مقامات میں پڑھنے کے مستحب ہونے کی تصریح فرمائی، مثلا جمعہ کے دن اور وعظ ونصیحت کے دوران اور ان دو کے علاوہ باقی اچھے مقامات میں لیکن ایک چھوٹی سی جماعت جو چند جاہلوں پر مشتمل ہے کہ جو دین کے ضابطوں اور شرع متین کے قائدوں سے پوری طرح واقف نہیں اور انھیں اچھی طرح نہیں جانتے، اور نہ دین سے پورا حصہ رکھتے ہیں اور وہ تفرقہ اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کئے بغیر درود شریف کو ایک گمراہ کن بدعت شمار کرکے اس کے ناجائز

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تفسیر البر والاثم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۴۸

	ہونے کا فتوٰی دیتے ہیں۔ لہذا ان کا یہ فتوٰی غیر معتبر ہے کیونکہ وہ اسلامی نصاب اور کتب شرعی کے خلاف ہے اللہ تعالٰی راہ صواب کو اچھی طرح جانتا ہے۔ کتبہ فدوی محمد امیر حسین عفی عنہ۔

الجواب:

فی الواقع درود شریف از اعظم مطلوبات و اجل مندوبات وافضل مثوبات است واعظ از او منع نکند مگر گمراہ و درباره سامعین خود احادیث کثیرہ ناطق است کہ ہنگام سماع ذکر اقدس ہر کہ درود نفرستد وعید براو صادق است آرے باید کہ جہر نکنند تا در سماع وعظ خلل نہ یفتد فی الدر المختار والصواب انہ یصلی علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند سماع اسمہ فی نفسہ[1] وفی ردالمحتار وکذا اذا ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجوز ان یصلوا علیہ بالجہر بل بالقلب وعلیہ الفتوٰی رملی[2] ہمدرانست قولہ (فی نفسہ) ای بان یسمع نفسہ او یصحح الحروف فانہم فسروہ بہ وعن ابی یوسف قلبا[3] الخ قلت وعلی الاول عمل المسلمین فی الوعظ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	واقعی درود شریف سب سے بڑا مطلوب، بڑی شان والا، مستحب اور سب سے افضل ثواب، لہذا وہی واعظ درود شریف پڑھنے سے منع کرے گا جو گمراہ ہو، اور وعظ سننے والوں کے متعلق بیشمار حدیثیں ناطق ہیں (یعنی دوران وعظ ان کا درود شریف پڑھنا بتارہی ہیں) کہ حضور اطہر کا ذکر اقدس سن کر جو آدمی ان پر درود نہ بھیجے اس پر عذاب کی دھمکی (جو حدیث میں آئی ہے) بلاشبہ صادق، ہاں یہ ضرور خیال رکھیں کہ بلند آواز سے نہ پڑھیں تاکہ وعظ ونصیحت سننے سے نقصان پیدا نہ ہو، چنانچہ درمختار میں ہے صواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر آپ پر دل میں درود شریف پڑھے، فتاوٰی شامی میں ہے یونہی جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر چھڑ جاتے ہیں تو آپ بلکہ دل میں پڑھیں اور اسی پر فتوٰی ہے۔ رملی۔ اسی میں ہے قولہ یعنی مصنف کا "فی نفسہ" کہنا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس کا نفس سنے (اور اسے سنائے) یا حروف کو صحت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ اہل علم نے

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۰

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔اور قاضی امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ نے اس کی تفسیر (قلبا الخ) مروی ہے یعنی دل میں پڑھے، وعظ میں پہلی بات پر مسلمانوں کا عمل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳: ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے ایک جوان لڑکی ہے اور وہ مسجد بنواتا ہے آیا اس پر مسجد بنوانا لازمہ یا لڑکی کا نکاح کرنا۔فقط۔

الجواب:

مسجد بنانا خیر کثیر ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بنی اللہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[1]۔	جو اللہ کے لئے مسجد بنائے اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے۔

خصوصًا اگر وہاں مسجد کی حاجت ہو تو اس کے فضل کی حد ہی نہیں۔نکاحوں میں کثرت مصارف شرعًا کچھ ضرور نہیں یہ لوگوں نے اپنی رسمیں نکال لی ہیں، رسم کو آدمی جہاں ضروری جانے پورا کرتا ہی ہے مسجد بنانے سے نہ روکا جائے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ

گم شدہ شے کے دریافت کرنے کے لئے یسین شریف سے نام نکالا جاتا ہے یا کسی اور طرح چور کا پتا معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ ٹھیک ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ طریقے نامحمود و مضر ہیں اور ان سے جس کا نام نکلے اسے چور سمجھ لینا حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	گمان سے بچو کیونکہ گمان سے زیادہ جھوٹی بات ہے الحدیث۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] معجم الکبیر للطبرانی حدیث ۷۳۴۲ مکتبۃ المعارف ۸/ ۱۶۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن والتجسس ۲/ ۳۱۶

مسئلہ ۱۵۵: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب مسجد جامع خیر نگر مدرس قومیہ
فال کیا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ سعدی وحافظ وغیرہ کے فالنامے صحیح ہیں یا نہیں؟

الجواب:

فال ایک قسم استخارہ ہے، استخارہ کی اصل کتب احادیث میں بکثرت موجود ہے مگر یہ فالنامے جو عوام میں مشہور اور اکابر کی طرف منسوب ہیں بے اصل و باطل ہیں، اور قرآن عظیم سے فال کھولنا منع ہے۔ اور دیوان حافظ وغیرہ سے بطور تفاؤل جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۶: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قمویہ
انگریزی قلم رو رشنائی سے تعویذ لکھنا کچھ عیب ہے یا حرج ہے۔ اور ہندوستانی قلم وسیاہی کیا ضروری ہے؟

الجواب:

ہاں تعویذات واعمال میں ایسی اشیاء سے احتراز ضرور ہے جس میں ناپاک چیز کا میل ہو اگرچہ بروجہ شہرت وشبہہ جیسے پڑیا کی رنگت اس سے تعویذ نہ لکھا جائے بلکہ ہندوستانی سیاہی سے لکھا جائے رہا قلم وہ مثل سیاہی تعویذ کا جزو نہیں ہو جاتا۔ لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں، ہاں ان کاموں میں انگریزی اشیاء سے احتراز مطلقاً بہتر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ غیر مذہب کو آیت قرآنی لکھ کر دینا بطور تعویذ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا تدبیر کی جائے؟

الجواب: غیر مسلم کو آیات قرآنی لکھ کر دینا ہرگز نہ دی جائیں کہ اساءت ادب کا مظنہ ہے مطلقاً اسماء الٰہیہ و نقوش مطہرہ نہ دین کہ ان کی بھی تعظیم واجب، بلکہ دیں تو ان کے اعداد لکھ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ
اعمال میں ایام ووقت مثلاً حب کے لئے عروج ماہ وقت عشاء بعض کے لئے نزول ماہ وقت ظہر فتوح و دست غیب کے ئے ثابت ماہ وقت صبح وغیرہ وغیرہ کچھ اصل رکھتی ہیں بعض اعمال میں زکوۃ وورد ہے اگر ناغہ ہو تو عمل ہاتھ سے جاتا رہتا ہے بعض کو جلالی باپرہیز اور بعض کو جمالی بے پرہیز بتایا جاتا ہے بعض میں چکی اور کسی میں کتے کی آواز کی قید ہے۔ یہ سب کیسی باتیں ہیں؟

الجواب:

اوقات عشاء وظہر وصبح کی قید ان اجناس میں مطلقہ میں نہیں ہاں عمل فتوح کے لئے ماہ ثابت اور حب کے لئے دو جسدیں اور تفریق کے لئے منقلب اور دواول کے لئے عروج قمر اور آخر کے لئے نزول قمر

اور ہر زکوٰۃ کے لئے التزام ورد مقرر اور اسماء الٰیہ جمالیہ میں صرف ماکولات جلالی یعنی حیوان کا پرہیز کہ لحم وبیض وعسل وسمک کو شامل ہے اور اسماء الٰہیہ جلالیہ میں جلالی وجمالی دونوں اعنی حیوان ومایخرج منہ (جانور اور جو کچھ اس سے برآمد ہو) کا پرہیز اور سوم کا التزام مع اعتکاف تام شرط ہے اور یہ از قبیل استخراج مشائخ بسبب مناسب جلیہ یا خفیہ ہے اور امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ماثور ہے کہ دعاء استسقاکے لئے فرماتے ہیں منزل قمر کا لحاظ کرلو، ہاں معاذاللہ جوان ساعات کو واکب کو موثر سمجھے اس کے لئے حرام ہے نیزان اکابر ان قیود کا اکل وشرب وخلوت وبعد عن الخلق سے اصل مقصود اور ہے اکثر عوام آخرت کے لئے سعی نہیں کرتے اور دنیوی مطلوب کے لئے جان مصیبت میں ڈالنا آسان سمجھتے ہیں لہذا انھوں نے اسماء واذکار الٰہیہ مقاصد عوام کی تحصیل کو مقرر کئے اور یہ قیدیں لگائیں جس سے انھیں کم خوری وکم خوابی وگوشہ نشینی کی عادت پڑے اگر ذکر الٰہی کی برکت مقصود اصلی کی طرف کھینچ لے گئی تو عین مراد ہے ورنہ کم از کم یہ فائدہ نقد وقت ہے کہ کمی اختلاط خلق سے گناہ کم ہوں گے سخت دخشن کھانے اور روزوں کی کثرت سے شہوات نفسانیہ کمزور پڑینگے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۹: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس قومیہ

اعمال حب وبغض وحاجات وغیرہ مسجد میں پڑھے جائیں یا خارج؟ بعض کہتے ہیں مسجد میں پڑھنے سے عبادت میں شمار ہوتے ہیں؟

الجواب:

اعمال مسجد وخارج مسجد دونوں جگہ جائز ہیں جبکہ اس کے لئے مسجد کی جگہ نہ روکے کہ یہ جائز نہیں اور وہ عمل بھی جائز ہو اور اس سے مقصود بھی امر جائز ہو اور اگر عمل اصلا یا قصداً ناجائز ہو تو مسجد میں اور بھی سخت تر حکم رکھے گا مثلا زن وشو میں بغض پیدا کرنا اس کے لئے عمل حرام ہے تو اسے مسجد میں پڑھنا حرام تر ہوگا، یوہیں اعمال سفلیہ کہ اصل میں حرام ہیں مقصود محمود کے لئے بھی مسجد میں حرام تر ہوں گے پھر جو جائز عمل جائز نیت سے ہے اس میں حالتیں دو ہیں، ایک اہل علم کی کہ وہ اسماء الٰہیہ سے تو سل اور اپنے جائز مقصد کے لئے اللہ عزوجل کی طرف تضرع کرتے ہیں یہ دعا ہے اور دعا مغز عبادت ہے مسجد میں ہو خواہ دوسری جگہ، دوم عوام نافہم کہ ان کا مطمح نظر اپنا مطلب دنیوی ہوتا ہے اور عمل کو نہ بطور دعا بلکہ بطور تدبیر بجالاتے ہیں ولہذا حب اثر نہ دیکھیں اس سے بے اعتقاد ہوجاتے ہیں اگر دعا سمجھتے بے اعتقادی کے کیا معنٰی تھے کہ حاکم پر حکم کس کا ایسے اعمال نہ مسجد میں عبادت ہوسکتے ہیں نہ غیر میں بلکہ جب کسی دنیوی مطلب کے لئے ہوں مسجد میں نہ پڑھنا چاہئے **فان المساجد لم تبن لهذا**[1] (اس لئے کہ مساجد اس کام

[1] سنن ابن ماجہ باب النهی عن انشاط الضوال فی المسجد ص ۵۶ و صحیح مسلم کتاب المساجد باب النهی عن نشد الضالة الخ ۱/ ۲۳

کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۰: از میرٹھ مرسلہ مولوی حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ اوراد و وظائف مقررہ کو اتفاقیہ بلاوضو پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ناغہ ہوں تو دوسرے وقت قضاء ہوسکتے ہیں یا نہیں اور پڑھتے میں اگر کوئی شخص سلام کرے یا ہم کلام ہو تو اس کا جواب دیا جائے یا نہیں؟

الجواب:

وظائف جو احادیث میں ارشاد ہوئے یا مشائخ کرام نے بطور ذکر الٰہی بتائے انھیں بلاوضو بھی پڑھ سکتے ہیں اور باوضو بہتر، ان میں حسب حاجت بات بھی کرسکتا ہے یعنی نیک بات مگر وہ وظیفہ جس میں عدم کلام کی شرط فرمادی ہے جیسے صبح وعصر کی نماز کے بعد بغیر پاؤں بدلے بغیر بات کئے دس بار "**لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ لہ الملك ولہ الحمد بیدك الخیر یحیی ویمیت وھو علی کل شیئ قدیر** پڑھنا" اس میں بات نہ کی جائے۔ اور ذاکر پر سلام کرنا مطلقًا منع ہے اور اگر کوئی کرے تو ذاکر کو اختیار ہے کہ جواب دے یا نہ دے۔ ہاں اگر کسی کے سلام یا جائز کلام کا جواب نہ دینا اس کی دل شکنی کا موجب ہو تو جواب دے کہ مسلمان کی دلداری وظیفہ میں بات نہ کرنے سے اہم واعظم ہے۔ یہ وظائف اگر وقت خاص سے مختص ہیں اور وہ وقت نکل گیا تو ان کی قضا نہیں ورنہ دوسرے وقت پڑھ لئے جائیں کہ ثواب ملے اور عادت نہ چھوٹے، یہ احکام وظائف واذکار کے تھے رہے اعمال کہ ارباب عزائم مقرر کرتے ہیں ان کی زکوۃ میں تو روزانہ غسل شرط ہے وہ بھی غسل پاک یعنی بحالت طہارت نہانا، یہاں تک کہ اگر نہانے کی حاجت ہوجائے تو غسل جنابت کرکے دوبارہ پھر نہائے اور ان کی ورد میں کہ عم بجا رہنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے وضو شرط ہے بلاوضو نہیں پڑھ سکتا نہ ان کی زکوۃ یا ورد میں ہرگز بات کرسکتا ہے مگر جو بات شرعًا فی الحال فرض ہو اس کے لئے بمجبوری قطع قراءت لازم، مثل یہ عمل پڑھ رہا ہے اور ماں باپ نے آواز دی جواب دینا فرض ہے۔ یا کسی کافر نے کہا مجھے مسلمان کرلے قطع عمل فرض ہے یہاں تک کہ جو مسلمان ہونا مانگے اس کے لئے تو فرض نماز کی نیت فورًا توڑ دینی واجب ہے یا کوئی مسلمان کنویں میں گرا جاتا ہے کسی لکڑی یا اینٹ سے رکا ہوا ہے اگر دیر کی جائے گی گر پڑے گا اور وہ آواز دے یا یہ دیکھے اور بچانا اس پر متعین ہو تو فرض ہے کہ عمل بلکہ فرض نماز قطع کرے اور اسے بچائے وقس علیہ مگر ان سب صورتوں میں جتنا پڑھ لیا تھا محسوب نہ ہوگا بلکہ از سر نو پڑھے اعمال میں قضا بھی نہیں اگر وسط زکوۃ میں کئی دن ناغہ ہوگیا تو زکوۃ نہ ہوئی پھر ادا کرے اور کسی دن کا ورد ناغہ ہونے کو ہو تو اس کی نیت سے اس دن ایک بار سورۃ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی پڑھ لے وہ ناغہ نہ گنا جائے گا نہ اس کی قضا ہوگی

اور اگر یہ بھی نہ کیا تو عمل ہاتھ سے نکل جائے گا پھر زکوۃ دے غرض ارباب عزائم کے یہاں ہر طرح تشدد ہے اور اللہ و رسول کے یہاں تیسیر، وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۱: از بریلی عقب کوتوالی مسئولہ شاہ محمد خاں ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سفر کے جانے کے کس قدر دن ہیں اور اگر کسی وجہ سے اس روز نہ جانا ہو سکے تو اپنا اسباب اور خود بیرون شہر کر دینے سے سفر کا جانا مانا جائزے گا یا نہیں۔ اسباب باہر چھوڑا اور خود شہر میں چلا آیا تو یہ سفر کی صورت ٹھیک ہے یا نہیں؟ ورنہ جیسا حکم ہو اس کا کاربند ہو جاؤں، **بینوا توجروا** (بیان فرمائے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

ہر سفر پر جانے کو دو شنبہ، پنجشنبہ، شنبہ بہتر ہیں نہ ایسے کہ ان کی رعایت واجب ہو بلکہ حرج نہ ہو تو اولٰی ہے اور حرج ہو تو جس دن بھی ہو اللہ پر توکل کرے اور اسباب باہر چھوڑ کر خود شہر میں آجانا کسی طرح سفر کی حد میں نہیں آسکتا نہ ایسے ٹوٹکو کی حاجت، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: از شہر کہنہ بریلی مسئولہ سید گوہر علی حسین قائم مقام معتمد انجمن خادم المسلمین بریلی ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اردو اخبار کی ردی بازاری دکانداروں کے ہاتھ فروخت کی جائے یا نہیں کیونکہ عموماً اسلامی اخبارات وہندو اخبارات ودیگر صحائف میں اسلامی معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور آیات واحادیث واسمائے مقدسہ کا اندراج ہوتا ہے چونکہ فی الحال انجمن خادم المسلمین بریلی کے دارالمطالعہ میں انگریزی اور اردو اخبارات کی ردی موجود ہے لہٰذا ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ استفتاء حاصل کیا جائے۔

الجواب:

جبکہ ان میں آیت یا حدیث یا اسمائے معظّمہ یا مسائل فقہ ہوں تو جائز نہیں ورنہ حرج نہیں ان اوراق کو دیکھ کر اشیائے مذکورہ میں ان سے علیحدہ کرلیں پھر بیچ سکتے ہیں۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز لف شیئ فی کاغذ فیہ مکتوب من الفقہ وفی الکلام الاولی ان لایفعل وفی کتب الطب یجوز ولو کان فیہ اسم اللہ	کسی چیز کو کسی ایسے کاغذ میں لپیٹنا کہ جس میں علم فقہ کے مسائل لکھے ہوں جائز نہیں، اور کلام میں بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کیا جائے البتہ علم طب کی کتابوں میں ایسا کرنا جائز ہے، اگر اس میں

تعالٰی او اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یجوز محوہ لیلف فیہ شیئ [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کا مقدس نام یا حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا اسم گرامی تحریر ہو تو اسے مٹادینا جائز ہے تاکہ اس میں کوئی چیز لپیٹی جاسکے۔اور اللہ تعالٰی سب کچھ بخوبی جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۶۳: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب فاروقی ۱۲ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، مسجد کے اندر سوال کرنا اپنے یا غیر کے واسطے اور سائل کو دینا اس کے یا غیر کے واسطے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جو مسجد میں غل مچادیتے ہیں نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے صفوں میں پھرتے ہیں مطلقاً حرام ہے اپنے لئے خواہ دوسرے کے لئے، حدیث میں ہے:

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم ورفع اصواتکم رواہ ابن ماجۃ [2] عن واثلۃ بن الاسقع و عبدالرزاق عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں اور بلند آواز سے بچاؤ(محدث ابن ماجہ نے حضرت واثلہ بن اسقع سے اور امام عبدالرزاق نے حضرت معاذ بن جبل سے اس کو روایت کیا،اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو۔ت)

حدیث میں ہے:

من تخطی رقاب الناس یوم الجمعۃ اتخذ جسرا الی جھنم ،رواہ احمد والترمذی [3] وابن ماجۃ عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھلانگیں اس نے جہنم تک پہنچنے کا اپنے لئے پل بنالیا(امام احمد اور جامع ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۲۲

[2] المصنف لعبد الرزاق باب انشاد الضالۃ فی المسجد حدیث ۱۷۲۶ المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۴۴۲، سنن ابن ماجہ کتاب المساجد باب مایکرہ فی المساجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[3] جامع الترمذی کتاب الجمعۃ باب کراھیۃ التخطی یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱ /۶۸، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی النھی عن تخطی الناس یوم الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۷۹

اور اگر یہ باتیں نہ ہوں جب بھی اپنے لئے مسجد میں بھیک مانگنا منع ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سمع رجلا ینشد فی المسجد ضالۃ فلیقل لا ردھا اللہ الیك فان المساجد لم تبن لھذا رواہ احمد ومسلم [1] وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی مسجد میں اپنی گمی چیز دریافت کرنے سنے اس سے کہے اللہ تجھے وہ چیز نہ ملائے مسجدیں اس لئے نہیں(امام احمد اور مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

جب اتنی بات منع ہے تو بھیک مانگنی خصوصا اکثر بلاضرورت بطور پیشہ کے خود ہی حرام ہے یہ کیونکر جائز ہوسکتی ہے ولہذا ائمہ دین نے فرمایا جو مسجد کے سائل کو ایک پیسہ دے وہ ستر ۷۰ پیسے راہ خدا میں اور دے کہ اس پیسہ کے گناہ کا کفارہ ہوں اور دوسرے محتاج کے لئے امداد کو کہنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا جس میں نہ غل شور ہو نہ گردن پھلانگنا نہ کسی کی نماز میں خلل یہ بلاشبہہ جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔اور بے سوال کسی محتاج کو دینا بہت خوب اور مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ثابت ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵و۱۶۶: از شہر بریلی محلّہ جامع مسجد مسئولہ عبدالرحمن صاحب ۱۱صفر ۱۳۳۸ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین کے مزاروں پر کسی اپنے مدعا کے حصول کے لئے بحکم خداوند کریم کا چڑھانا یا کسی پارچے یا پھول کا معہ نعت خوانی مزار موصوف یا اثناء راہ یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) چادر پھول میں سے لڑ توڑ کر بنا کر اس وقت میلاد شریف پڑھنے والوں کے گلے میں ڈال دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) جائز ہے جبکہ منکرات شرعیہ سے خالی ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جائز ہے جبکہ باذن مالک ہو۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجہ باب النھی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۴۹

مسئلہ ۱۶۶: از فیض آباد مرسلہ محمد خلیل ۲۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند قرآن بوسیدہ اور تمام اوراق ان کے پھٹ پھٹ کر علیحدہ ہوگئے ہیں اس حالت میں وہ اوراق ادھر اُدھر زمین پر پائے جاتے ہیں اس طرح نہایت ہی خرابی ہے اور گناہ بھی بیحد ہوتا ہے تو کیا ان کو جلا کر کسی جاری پانی میں ڈالا جائے یا بے جلائے کسی کپڑے میں مع پتھر کے باندھ کر کنویں میں ڈالا جائے۔ بینوا توجروا (بیان فرمایئے ثواب پایئے۔ت)

الجواب:

اسے مثل دفن کریں یعنی ان اوراق کو جمع کرکے پاک کپڑے میں لپیٹیں اور ایسی جگہ جہاں پاؤں نہ پڑتا ہو عمیق بغلی قبر اس کے لائق کھود کر اس میں سپرد کردیں۔ درمختار میں ہے:

المصحف اذا صار بحال لایقرأ فیه یدفن کالمسلم [1]۔	مصحف شریف کی جب ایسی حالت ہوجائے کہ اسے پڑھا نہ جاسکے تو پھر اسے مسلمان کی طرح (احترام سے) دفن کردے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای یجعل فی خرقة طاھرة یدفن فی محل غیر ممتھن لایؤطأ وفی الذخیرة وینبغی ان یلحد له ولا یشق له لانه یحتاج الی اھالة التراب علیه وفی ذٰلك نوع تحقیر الا اذا جعل فوقه سقفا بحیث لایصل الیه فھو حسن ایضا [2] اھ **اقول:** الشق قد ینھدم فاللحد اولٰی۔	یعنی اس صورت میں اسے کسی صورت میں پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی ایسی جگہ دفن کیا جائے جہاں نہ تو اس کی توہین ہو اور نہ لوگوں کے پاؤں سے پامال ہو، اور ذخیرہ میں ہے مناسب یہ ہے کہ اس کے لئے "لحد" (یعنی بغلی قبر) بنائی جائے لیکن "شق" (سیدھی) نہ ہو کیونکہ اس صورت میں اس پر یعنی اس کے اوپر مٹی ڈالنے کی ضرورت میں اس پر یعنی اس کے اوپر مٹی ڈالنے کی ضرورت پیش آئے گی کہ جس میں ایک قسم تحقیر ہے۔ ہاں اگر اس قبر پر چھت بنائی جائے کہ اس تک مٹی نہ پہنچے تو پھر یہ بھی ایک اچھی صورت ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** شق (سیدھی قبر) کبھی گرجاتی ہے لہٰذا بغلی قبر ہی زیادہ بہتر ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الطھارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۹

ہاں جہاں زمین ایسی نرم وکمزور ہو کہ بغلی کے دھنس جائے اندیشہ ہو تواڑانے تختے مضبوط لگا کر قبر بنائیں اور اگر اوراق تھوڑے ہوں تو یہ سب سے اولٰی یہ کہ ایک ایک یا زیادہ کا تعویذ بنا کر اطفال مسلمین کو تقسیم کردیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کانچ کی ایک سطح پر آیات واذکار تیزاب وسپیدی سے الٹے لکھے جاتے ہیں جو دوسری طرف سیدھے دکھائی دیتے ہیں ایسے ایسے تختے ونیز کاغذ میں لکھے ہوئے آیات واذکار کانچ میں مڑھا کر مکان میں برکت وآرائش کے لئے رکھتے ہیں ایسے مکان میں جماع کرنا بے ادبی ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جہاں قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ لکھی ہو کاغذ یا کسی شے پر اگرچہ اوپر شیشہ ہو جو اسے حاجت نہ ہو جب تک اس پر غلاف نہ ڈال لیں وہاں جماع یا برہنگی بے ادبی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۸: از بریلی لال کورتی بازار مرسلہ نیاز احمد اینڈ سنس ۴ رجب المرجب

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ،، ہمارے پاس ہمیشہ ذیل کے مضمون کے کارڈ آتے ہیں **اھدنا الصراط المستقیم صراط، انعمت**۔اس کے علاوہ اور مضمون کے بھی دیتے ہیں اور لکھا ہوتا ہے؟ یا ۱۱ مرتبہ لکھ کر مختلف لوگوں کو تقسیم کرو ورنہ نقصان ہوگا۔مہربانی فرماکر تحریر فرمائیں کہ کیا کرنا چاہئے؟ **والسلام**

الجواب:

یہ محض بے اصل بات ہے اس پر عمل نہ کیجئے ناحق تضیع مال ہے اور وہ دھمکی غلط باطل ہے،ان کارڈوں پر خداترس لوگ آیات کریمہ لکھتے ہیں کہ ان کی نو نقلیں کرکے بھیجو حالانکہ وہ بے وضو بلکہ جنب کو کفار کے ہاتھ میں آتی ہیں اور زمین پر رکھ کر ان پر ڈاک کہ مہریں لگائی جاتی ہے۔قرآن عظیم کی اس بے ادبی کا وبال ان لکھنے والوں پر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹: از مؤپور میواڑ راجپوتانہ مہارانا سکول مرسلہ مولوی وزیر احمد صاحب مدرس ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہوئے عالم یا والدین یا دینی مہتمم مدرسہ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟ تعظیم کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب:

قرآن عظیم کی تلاوت میں سلطان اسلام اور عالم دین اور استاد علم دین اور والدین کی تعظیم کر سکتا ہے وبس۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۰: از مقام آصف آباد ڈاک خانہ بلہار پور ضلع چاند ملک متوسط مرسلہ عبداللہ الرحمٰن صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حمد ونعت میں آداب مقام طہارت کا بخیال حرمت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہاں تک لحاظ کیا جانا لازم ہے کہ حمد ونعت تماشا گاہوں، شادی کی مجلسوں اور دعوت کے ایسے جلسوں میں جس میں لوگ انگریزی وضع کے موافق آداب اسلام کے برعکس کرسیوں پر تبختر سے بیٹھے ہوں اور ارباب نشاط جمع ہوں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس موقع پر جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ادائے حمد ونعت سے بخیال ادب وحرمت تامل پذیر ہو اور انکار کرے تو گناہ تو لازم نہ آئے گا ایسے جلسوں میں آداب ورواج اسلام کے خلاف جوتا پہنے ہوئے میز کے پاس کھڑے ہو کر جبکہ سامعین کرسیوں پر نشست رکھتے ہوں اور قاری زمین پر کھڑا ہو حمد ونعت کے متبرک الفاظ بآواز بلند پڑھنا جائز ہوگا اور اگر کوئی شخص جائز نہ سمجھ کر ایسے موقع پر تامل کرے تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب:

ادب واجلال جہاں تک ممکن ہو بہتر ہے فتح القدیر میں ہے:

کل ماکان فی الادب والاجلال کان حسنا [1]۔	ہر وہ کام جو ادب واحترام میں داخل ہو وہ اچھا ہے۔ (ت)

تماشا گاہوں میں جہاں لوگ لہو ولعب میں مشغول ہوں اور ذکر شریف نہ سنیں گے نعت شریف بآواز بلند پڑھنا ممنوع ہے جس طرح ایسی جگہ قرآن عظیم پڑھنا حرام ہے شادی ودعوت کے جلسوں میں حالت دیکھی جائے اگر حاضرین سب اسی بے ہودہ طرز کے ہیں کہ التفات نہ کریں گے تو وہاں بھی پڑھنا منع اور تامل وانکار کرنے والا کہ بہ نیت ادب وحرمت انکار کرے گا ثواب پائے گا اور اگر وہاں وہ لوگ ہیں کہ متوجہ ہو کر ذکر شریف سنیں گے اگرچہ بعض انگریزی بیہودہ فیشن کے متکبر ومتبختر بھی ہوں تو ممانعت

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۹۴

نہیں اور ایسی جگہ تاویل وانکار بیجا ہے گناہ گار اب بھی نہ ہوگا جبکہ اسی کی نیت ادب واحترام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۱: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ محلّہ حیدر گڑھ مسئولہ فضل احمد امام جامع مسجد ۱۶ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صحن مسجد داخل مسجد ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صحن مسجد مسجد ہے، فقہا اسے مسجد صیفی کہتے ہیں اور حد مسقف کو مسجد شتوی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۲: از بمبئی ۸ مدنپورہ صفی آبادی بردکان جہانگیر مرچ مصالحہ والے مسئولہ عبدالستار صاحب یکم صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ م ین کہ زید کہتا ہے کہ تعویذ کا یا آیات قرآن نقش جداول میں لکھنا خلاف شرع اور ناجائز ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ نہیں، عدد میں خلاف شرع تو نہیں مگر اتنا ضرور ہے کہ حرفوں لکھنا فضیلت رکھتا ہے۔ دونوں میں سے کسی کا قول مطابق شریعت ہے۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

آیات کریمہ واسمائے طیبہ کی برکات سے استفادہ کے دنوں طریقے ہیں جن میں عبارت والفاظ لکھے جائیں وہ جزر کہلاتے ہیں اور زبان تکسیر میں مظہر اور اعداد والے وفق ومضمر، علم اوفاق امام حجۃ الاسلام غزالی وامام فخر الدین رازی وشیخ اکبر محی الدین ابن عربی وغیرہم اجلہ اکابر سے ہے اس میں عدم جواز کی کوئی وجہ نہیں بلکہ محل احراق ونحوہ میں وہی انسب ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۳: سید عرفان علی صاحب رکن انجمن خادم الساجدین رہڑی ٹولہ بریلی ۴ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

"مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا ۝۸۵" [1]	جو کوئی اچھی سفارش کرے تو اس کے لے لئے اس میں حصہ ہے اور جو کوئی بری سفارش کرے تو اس کے لئے اس میں بھی حصہ ہے اور اللہ تعالٰی ہر چیز پر پوری طاقت رکھنے والا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۵

اس آیت شریف کا کیا مطلب ہے اور شفاعت حسنہ اور سیئہ سے کیا مراد ہے؟

الجواب: نیک بات میں کسی کی سفارش کرنا مثلا سفارش کرکے مظلوم کو اس کا حق دلادینا یا کسی مسلمان کو ایذا سے بچالینا یا کسی محتاج کی مدد کرادینا شفاعت حسنہ ہے ایسی شفاعت کرنے والا اجر پائیگا اگرچہ اس کی شفاعت کارگر نہ ہو، اور بری بات کے لئے سفارش کرکے کوئی گناہ کرادینا شفاعت سیئہ ہے اس کے فاعل پر اس کا وبال ہے اگرچہ نہ مانی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۴: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ شمس الدین طالب عالم مدرسہ منظر الاسلام ۱۲ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں حضور پر نور اعلحضرت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملۃ طاہرہ قبلہ مدظلہ العالی کہ مسجد میں امام کو دبوانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

کوئی حرج نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۹: از موضع ہرن پاور ضلع بریلی تحصیل نواب گنج مسئولہ فقیر بخش

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت پیران پیر دستگیر غوث اعظم کی گیارھویں شریف میں تعظیم کو اٹھنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) محرم میں ماتم یا نوحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) رافضیہ کی مجلس میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۴) اولیائے کرام کے کسی مزار پر شیرینی لے جانا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) جو کوئی کسی نیک کام کو جاتا ہے اور اس کو کوئی روکے تو اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب:

(۱) گیارھویں شریف میں قیام سے کوئی ممانعت شرعیہ نہیں مگر یہ تعظیم عرف مسلمین میں ذکر اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خاص ہو رہی ہے اس تخصیص کا لحاظ چاہئے۔

(۲) ماتم ونوحہ محرم ہو یا غیر محرم مطلقاً حرام ہے۔ **(۳)** رافضیوں کی مجلس میں جانا سخت حرام ہے۔

(۴) شرینی اگر ایصال وثواب کے لئے ہو اور وہاں مساکین پر تقسیم کی جائے تو حرج نہیں۔

(۵) اگر وہ کام واقعی نیک ہے اور یہ کسی وجہ شرعی سے اسے نہیں روکتا تو **مناع للخیر** ہے اور **مناع للخیر** ہونا شیطانی کام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از بنارس محلّہ انبیالی منڈی مسئولہ محمد عمر صاحب سنی حنفی قادری رضوی ۴ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ منجانب خلافت کمیٹی ایک روپیہ کا نوٹ شائع ہوا ہے جس میں قرآن پاک کی پوری ایک آیت لکھی پس مسلمان یا ہنود کے ہاتھ فروخت کرنا کیسا ہے کیا مسلمان اس کو ہر حالت پاکی وناپاکی میں لے سکتا ہے یا نہیں اور اس کے فروخت کرنے والے پر کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

اس پرچہ پر کہ ہر کس وناکس ہر پاک وناپاک ہر کافر ومشرک ہر بھنگی چمار کے ہاتھ میں جانے کے لئے وضع کیا گیا ہے قرآن کریم کی آیت لکھنا اسے بے ادبی کے لئے پیش کیا ہے ت بے وضو اس کا چھونا جائز نہیں اگر آیہ کریمہ کے سوا اس میں اور کتابت نہ ہوا اور اگر اور کفایت زائد ہے تو آیہ کریمہ جس جگہ لکھی ہے اس پر بے وضو ہاتھ لگنا حرام ہے اور خواہ اسی رخ ہو جدھر آیت لکھی ہے یا دوسرے رخ ہر طرف ناجائز ہے اور اسے کافر کے ہاتھ فروخت نہ کریں اور اس کا بیچنا بے ابی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۱ تا ۱۸۲: از ریاست کوٹہ راجپوتانہ متصل گھنٹہ گھر مسجد مدار کا چلہ مسئولہ حافظ جان محمد امام مسجد مذکورہ ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جواب مع حوالہ کتب اہلسنت سے مرحمت فرمایا جائے:

(۱) بعد نماز جمعہ کوئی عالم یا میلاد خوان منبر پر بیٹھ کر میلاد شریف پڑھے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور عام طور پر بھی منبر پر بیٹھ کر میلاد شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا منبر محض وعظ وخطبہ ہی کے لئے ہے؟ اگر چند مسلمان زید کو بعد نماز جمعہ مسجد میں منبر پر میلاد شریف پڑھنے کے لئے بٹھائیں اور چند لوگ کہیں کہ اگر تم میلاد شریف پڑھنا ہے تو منبر پر مت بیٹھو بلکہ تخت پر بیٹھو ہم منبر پر نہیں پڑھنے دیں گے اور نہیں پڑھنے دیا۔ ایسے لوگوں کے لئے کا حکم ہے؟

(۲) زید نے محض فقہ کی تین کتابیں پڑھی ہیں، اردو بولنے اور صحیح املا لکھنے کی لیاقت نہیں ہے۔ اور صرف ونحو سے بالکل ناواقف ہے حتی کہ میزان الصرف نہیں جانتا بلکہ صرف ونحو کے پڑھنے کو حرام اور اس کے پڑھنے والے کو اچھا نہیں جانتا اور فارسی بھی نہیں جانتا، ایسے شخص کو منبر پر بیٹھ کر وعظ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر منبر پر بیٹھ جائے تو اس کو مسلمان منبر سے اتار سکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شرع کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

(۱) میلاد شریف منبر پر پڑھنا بلاشبہہ جائز ہے اور یہ فرق کہ میلاد شریف تخت پر ہو منبر پر صرف

خطبہ ووعظ محض نادانی ہے۔میلاد شیرف ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین ذکر الٰہی ہے۔حدیث میں ہے۔رب عزوجل نے فرمایا:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك فقد ذکرنی[1]۔	اے محبوب! میں نے اپنے ذکر سے تمھیں ایک ذکر بنایا تو جس نے تمھارا ذکر کیا اس نے بیشک میرا ذکر کیا۔

تو میلاد شریف خطبہ ووعظ بھی ہے اور خطبہ ووعظ بھی ذکر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خالی نہیں ہوسکتے تو سب شے واحد ہیں ور خود صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد مدینہ طیبہ میں حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالی عنہ کے واسطے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کرکے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت اور مشرکین کا رد سناتے[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) منبر مسند نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔جاہل اردو خوان اگر اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ عالم کی تصنیف پڑھ کر سنائے تو اس میں حرج نہیں جبکہ وہ جاہل فاسق مثلاً داڑھی منڈا وغیرہ نہ ہو کہ اس وقت وہ جاہل سفیر محض ہے اور حقیقۃً وعظ اس عالم کا جس کی کتاب پڑھی جائے اور اگر ایسا نہیں بلکہ جاہل خود بیان کرنے بیٹھے تو اسے وعظ کہنا حرام ہے اور اس کا وعظ سننا حرام ہے۔اور مسلمانوں کو حق ہے بلکہ مسلمانوں پر حق ہے کہ اسے منبر سے اتار دیں کہ اس میں نہی منکر ہے اور نہی منکر واجب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیۃ ص ۱۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۸، احیاء العلوم بحوالہ صحیحین کتاب آداب السماع مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرہ ۲/ ۲۷۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رساله
الکشف شافیا حکم فونوجرافیا ۱۳۲۸ھ
(فونوگراف (گراموفون) کے حکم کے بارے میں تسلّی بخش وضاحت)

مسئلہ ۱۷۳: از ریاست رامپور محلّہ چاہ شور ۱۲رمضان مبارک ۱۳۲۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فونوگراف سے قرآن مجید سننا اور اس میں قرآن شریف کا بھرنا اور اس کام کی نوکری کرکے یا اجرت لے کر یاویسے ہی اپنی تلاوت کا اس میں بھروانا جائز ہے یا نہیں اور اشعار حمد و نعت کے بارہ میں کیا حکم ہے اور عورات کے ناچ گانے یامزامیر کی آواز اس سے سننا بھی ایسا ہی حرام ہے جس طرح اس سے باہر سننا یا کیا؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

الحمد للہ الذی انزل القراٰن ذکرا للعلمین، واغنانا بہ عن الغنا الخبیث ولھو الحدیث وملاھی المبطلین وحرم بغیرتہ ورحمتہ	سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے کہ جس نے تمام جہانوں کی پند ونصیحت کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا اور اس کی برکت سے ہمیں خبیث گانوں، کھیل کی باتوں اور اہل باطل کے کھیل وتماشوں سے بے نیاز کردیا اور اپنی غیرت اور رحمت کی وجہ سے

الفواحش والفتن ماظهر منها وما بطن والصلٰوة والسلام علی سیدنا ومولٰنا محمد سید المرسلین المبعوث بزهق المعازف والمزامیر وکل لهو مهین وعلی اله وصحبه الذین هم لعهدهم بتعظیم الذکر راعون وبلا طمع اجرة ولا کراموفون المنتجبین و المجتنبین عن لهو الحدیث الذین میزالله بسعیهم و رعیهم الطیب من الخبیث ماطرب الورقاء بالالحان وغر القرٰی فی الافنان اٰمین ! ۔	فحش (یعنی بیحیائی کے کام) اور کھلے اور پوشیدہ فتنے حرام کردیئے اور درود وسلام ہمارے آقا و مولیٰ پر ہو جو محمد (کریم) تمام رسولوں کے سردار اور مقتدا ہیں کہ جن کو گانے بجانے کے آلات واسباب اور ہر ذلیل کھیل وتماشہ کے مٹانے اور ختم کرنے) کے لئے بھیجا گیا (نیز درود وسلام) ان کی تمام آل اور تمام ساتھیوں پر ہو کہ جو تعظیم ذکر کی وجہ سے اپنے عہد وپیمان کی رعایت کرتے رہے اور یہ بغیر لالچ اجرت اور کرایہ کے عہد پورا کرتے ہیں اور شرافت رکھنے والے اور کھیل کی باتوں سے بچنے والے تھے، یہ وہ پاکیزہ لوگ تھے کہ جن کی کوشش اور رعایت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے پاک کو ناپاک سے الگ اور جدا کردیا (اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے) جب تک فاختائیں خوش الحانی سے بولتی رہیں اور قمریاں شاخوں پر (جھوم کر) گیت گاتی اور خوش آوازی کرتی ہیں یااللہ ! اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔ (ت)

اس مسئلہ حادثہ میں کلام سے پہلے ایک مبحث جلیل کی تمہید ضرور جس پر انکشاف احکام مقصور، وہ فوٹو گراف سے فونو گراف کا اظہار فرق ہے فوٹو گراف کی تصویر اپنی ذی الصورہ سے مباین اور اسکی محض ایک مثال وشبیہ ہوتی ہے۔ بخلاف اس آلہ کے کہ اس میں اگر کسی قاری کی تلاوت بھری گئی تو اس میں حقیقۃً قرآن عظیم ہی ودیعت ہوا اور اس سے جو سنا جائے وہ حقیقتاً اسی قاری کی آواز ہوگی اور اس سے جو ادا ہوا وہی قرآن عظیم ہوگا جو اس نے پڑھا نہ یہ کہ مسموع اس کی آواز کی کوئی حکایت وتصویر ہو اور یہ جو ادا ہوا قرآن مجید میں نہ ہو اس کی مثال ونظیر ہو، یوہیں اگر آلات طرف وغیرہا کی آواز ہے تو وہ بھی حقیقۃً وہی آواز ہے نہ کہ اس کا نشان وپرداز۔

کما توهمه بعض فضلاء العصر وهو العلامة السید محمد عبدالقادر الاهدل الشافعی المقیم الاٰن بحدیدة اذ جمع فیه رسالة سماها	جیسا کہ بعض فضلائے زمانہ کو وہم ہوگیا (اور مغالطہ لگ گیا) اور وہ علامہ سید محمد عبدالقادر اہدل شافعی ہیں جو آجکل حدیدہ میں رہائش پذیر ہیں انھوں نے اس موضوع پر ایک رسالہ تصنیف فرمایا کہ انھوں نے

"القول الواضح فی ردالخفاء الفاضح" زعم فیھا ان ما یسمع من ذٰلك الصندوق لیس اصوات الاصل ولا مساویا لھا انما یشبھھا فی اصل الصوت کالصدا وھو لھما کالخیال من عالم المثال وبنی علیه جواز ان تسمع منه اصوات الالات اذ ماھی ھی ومایتعدی حکم الاصل الی الحکایة کما قال ابن حجر المکی وغیرہ فی رؤیة صورۃ عورۃ المرأۃ فی المراۃ وقد کنت کتبت فی ابطال ھذا الوھم عدۃ فی مکة المکرمة فی صفر ۱۳۲۴ھ حین عرض علی صاحبنا الفاضل الکامل النبیل النبیه ذوقلب فقیه و طبع وقاد وذھن نقادالشیخ محمد علی المکی المالکی امام المالکیة ومدرس المسجد الحرام ابن مفتیھم بھا مولینا العلامة المرحوم بکرم اللّٰه تعالٰی الشیخ حسین الازھری المکی رسالة له فی ھذا الباب سماھا انوار الشروق فی احکام الصندوق" وھو حفظه اللّٰه

اس کا نام القول الواضح فی ردالخطاء الفاضح (یعنی بالکل واضح اور ظاہر بات رسوا کرنیوالی خطاکے بیان میں) رکھا پس انھوں نے اس میں یہ خیال کیا کہ جو کچھ اس صندوق سے سنائی دیتا ہے وہ اصل آواز اور اس کے مساوی نہیں بلکہ وہ اصل آواز کی شبیہ ہے۔ جیسے آواز بازگشت اور اس کی گونج، جیسے خیال عالم مثال سے، اور اس پر یہ بنیاد رکھی کہ آلات سے آوازیں سننی جائز ہیں، کیونکہ وہ آوازیں اصل اور حقیقی آوازیں نہیں اور حکم اصل حکایت کی طرف متجاوز نہیں ہوتا، جیسا کہ علامہ ابن حجر وغیرہ نے ارشاد فرمایا جیسا کہ آئینہ میں جائے ستر کی صورت کا دیکھنا، اور میں نے اس وہم کو باطل قرار دینے پر چند اوراق مکہ مکرمہ کی اقامت کے زمانے ماہ صفر ۱۳۲۴ھ میں تحریر کئے جب میرے سامنے ہمارے دوست (ساتھی) کامل، فاضل، شریف، سمجھدار، فقیہ دل رکھنے والے بھڑکیلی طبیعت اور ناقد ذہن رکھنے والے، شیخ محمد علی مکی مالکی (امام مالک کے پیروکار) جو کہ مذہب امام مالک رکھنے والوں کے امام اور مسجد حرام میں مدرس اور وہاں ان کے مفتی کے صاحبزادے ہیں اور وہ مولانا علامہ اللہ تعالٰی کے کرم سے ان پر رحم کیا جائے، شیخ حسین ازہری مکی ہیں، اس باب میں اپنا ایک رسالہ بنام انوار الشروق فی احکام الصندوق (یعنی چمکیلے انوار، صندوق کے احکام شرعی کے بیان میں) انھوں نے مجھے پیش کیا اللہ تعالٰی

تعالٰی اجاد فی تحریم سماع الطرب المعتاد لاھل الفساد من فونوغرافیا وبینہ بیانا کافیا وذھب ایضا الی تحریم سماع القراٰن العظیم مطلقا منہ و سنحقق الامر فیہ کما ستری ان شاء اللہ تعالٰی۔	ان کی حفاظت فرمائے کہ انھوں نے اہل فساد کے لئے فونو گراف سے راگ سننے کی حرمت بیان کرنے میں کمال کردیا (بہت اچھا رول ادا کیا) اور کافی بیان فرمایا اور اس طرف بھی گئے ہیں کہ اس سے مطلقاً قرآن عظیم سننا حرام ہے ہم ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب اس امر کی تحقیق پیش کریں گے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔(ت)

یہاں ہم کو دو باتیں بیان کرنی ہیں، ایک یہ کہ فونو سے جو سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ اسی آواز کنندہ کی آواز ہوتی ہے جس کی صورت اس میں بھری ہے قاری ہو خواہ متکلم خواہ آلہ طرب وغیرہا، دوسرے یہ کہ بذریعہ تلاوت جو اس میں ودیعت ہوا پھر تحریک آلہ جو اس سے ادا ہوگا سنا جائے گا حقیقۃً قرآن عظیم ہی ہے۔ ان دونوں دعوؤں کو دو مقدموں میں روشن کریں **وباللہ التوفیق** (اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے حصول توفیق ہے۔ت):

مقدمہ اولٰی: کا بیان ان امور کی تحقیق چاہتا ہے:

(۱) آواز کیا چیز ہے؟ **(۲)** کیونکر پیدا ہوتی ہے؟ **(۳)** کیونکر سننے میں آتی ہے؟

(۴) اپنے ذریعہ حدوث کے بعد بھی باقی رہتی ہے یا اس کے ختم ہوتے ہی فنا ہوجاتی ہے۔

(۵) کان سے باہر بھی موجود ہے یا کان ہی میں پیدا ہوتی ہے۔

(۶) آواز کنندہ کی طرف اس کی اضافت [عہ] کیسی ہے وہ اس کی صفت ہے یا کس چیز کی۔

(۷) اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے یا نہیں۔

ہم اس بحث کو بعونہ تعالٰی ایسی وجہ پر تقریر کریں کہ ساتوں سوالوں کا جواب اسی سے منکشف ہو **فاقول: وباللہ التوفیق** (اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے میں کہتا ہوں۔ت) ایک جسم کا دوسرے سے بقوت ملنا جسے قرع کہتے ہیں یا بسختی جدا ہونا کہ قلع کہلاتا ہے جس ملائے لطیف مثل ہوا یا آب میں واقع ہو اس کے اجزائے مجاورہ میں ایک خاص تشکل وتکیف لاتا ہے اسی شکل وکیفیت

عـــہ: یعنی صفت کی اضافت ہے موصوف کی طرف یا فعل کے فاعل کی طرف یا کیا ۱۲ منہ

مخصوصہ کا نام آواز ہے اسی صورت قرع کی فرع ہے کہ زبان وگلوئے متکلم وقت تکلم کی حرکت سے ہوائے دہن کو بجا کر اس میں اشکال حرفیہ پیدا کرتی ہے یہاں وہ کیفیت مخصوصہ اس صورت خاصہ کلام پر بنتی ہے جسے قدرت کاملہ نے اپنے ناطق بندوں سے خاص کیا ہے یہ ہوائے اول یعنی جس پر ابتداء وہ قرع و قلع واقع ہوا جیسے صورت کلام میں ہوائے دہن متکلم اگر بعینہٖ ہوائے گوش سامع ہوتی تو یہیں وہ آواز سننے میں آجاتی مگر ایسا نہیں لہٰذا حکیم عزت حکمتہ نے اس آواز کو گوش سامع تک پہنچانے یعنی ان تشکلات کو اس کی ہوائے گوش میں بنانے کے لئے سلسلہ تموج قائم فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ایسے نرم وتر اجسام میں تحریک سے موج بنتی ہے جیسے تالاب میں کوئی پتھر ڈالو یہ مجاور اجزائے آب کو حرکت دے گا وہ اپنے متصل وہ اپنے مقارب کو جہاں تک کہ اس تحریک کی قوت اور اس پانی کی لطافت اقتضا کرے یہی حالت بلکہ اس سے بہت زائد ہوا میں ہے کہ وہ لینت ورطوبت میں پانی سے کہیں زیادہ ہے لہٰذا قرع اول سے کہ ہوائے اول متحرک ومتشکل ہوئی تھی اس کی جنبش نے برابر والی ہوا کو قرع کیا اس سے وہی اشکال ہوائے دوم میں بنیں اس کی حرکت نے متصل کی ہوا کو دھکا دیا اب اس ہوائے سوم میں مرتسم ہوئیں یوں ہی ہوا کے حصے بروجہ تموج ایک دوسرے کو قرع کرتے اور بوجہ قرع وہی اشکال سب میں بنتے چلے گئے یہاں تک کہ سوراخ گوش میں جو ایک پٹھا بچھا اور پردہ کھچا ہے یہ موجی سلسلہ اس تک پہنچا اور وہاں کی ہوائے متصل نے متشکل ہو کر اس پٹھے کو بجایا یہاں بھی بوجہ جوف ہوا بھری ہے اس قرع نے اس میں بھی وہی اشکال وکیفیات جن کا نام آواز تھا پیدا کیں اور اس ذریعہ سے لوح مشترک میں مرتسم ہو کر نفس ناطقہ کے سامنے حاضر ہوئیں اور محض باذن اللہ تعالٰی ادراک سمعی حاصل ہوا، الحاصل ہر شے کا سبب حقیقی ارادہ اللہ عزوجل ہے بے اس کے ارادے کے کچھ نہیں ممکن اور وہ ارادہ فرمائے تو اصلاً کسی سبب کی حاجت نہیں مگر عالم اسباب میں حدوث آواز کا سبب عادی یہ قرع وقلع ہے اور اس کے سننے کا وہ تموج وتجدد قرع وطبع تا ہوائے جوف سمع ہے متحرک اول کے قرع سے ملا مجاور میں جو شکل وکیفیت مخصوصہ بنی تھی کہ شکل حرفی ہوئی تو وہی الفاظ وکلمات تھے ورنہ اور قسم کی آواز اس کے ساتھ قرع نے بوجہ لطافت اس مجاور کو جنبش دی اس کی جنبش نے اپنے متصل کو قرع کیا اور وہی ٹھپا کہ اس میں بنا تھا اس میں اتر گیا یونہی آواز کی کاپیاں ہوتی چلی گئیں اگرچہ جتنا فصل بڑھتا اور وسائط زیادہ ہوتے جاتے ہیں تموج وقرع میں ضعف آتا جاتا اور ٹھپا ہلکا پڑتا ہے ولہٰذا دور کی آواز کم سنائی دیتی ہے اور حروف صاف سمجھ نہیں آتے یہاں تک کہ ایک حد پر تموج کہ موجب قرع آئندہ تھا ختم ہو جاتا ہے اور عدم قرع سے اس تشکل کی کاپی برابر والی ہوا میں نہیں اترتی آواز یہیں تک ختم ہو جاتی ہے۔ یہ تموج ایک مخروطی شکل پر ہوتا ہے جس کا

قاعدہ اس متحرک و محرک اول کی طرف ہے اور راس اس کے تمام اطراف مقابلہ میں جہاں تک کوئی مانع نہ ہو جس طرح زمین یہ مخروط ظلی اور آنکھ سے مخروط شعاعی، نہیں نہیں بلکہ جس طرح آفتاب سے مخروط نوری نکلتا ہے کہ ہر جانب ایک مخروط ہوتا ہے بخلاف مخروط ظل کہ صرف جہت مقابل جرم مضی مخروط شعاع بصر کہ تنہا سمت مواجہہ میں بنتا ہے ان مخروطات تموج ہوائی کے اندر جو کان واقع ہوں ایک ایک ٹھپا سب تک پہنچے گا سب اس آواز و کلام کو سنیں گے اور جو کان ان مخروطیوں سے باہر رہے وہ نہ سنیں گے کہ وہاں قرع و قلع واقع نہ ہوا اور ٹھپوں کے تعدد سے آواز متعدد نہ سمجھی جائے گی یہ کوئی نہ کہے گا کہ ہزار آوازیں تھیں کہ ان ہزار اشخاص نے سنیں بلکہ یہی کہیں گے کہ وہی ایک آواز سب کے سننے میں آئی اگرچہ عندالتحقیق اس کی وحدت نوعی ہے نہ کہ شخصی، اس تقریر سے بحمداللہ تعالٰی وہ ساتوں سوال منکشف ہوگئے۔

(۱) آواز اس شکل و کیفیت مخصوصہ کا نام ہے کہ ہوا یا پانی وغیرہ جسم نرم وتر میں قرع یا قلع سے پیدا ہوتی ہے قول مشہور میں کہ ہوا کی تخصیص فرمائی، مواقف اور اس کی شرح میں ہے:

الصوت کیفیة قائمة بالهواء یحملها الهواء الی الصماخ[1]۔	آواز ایک ایسی کیفیت (حالت) ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہوتی ہے پھر ہوا ہی اسے اٹھا کر (یعنی اوپر سوا کرکے) کانوں کے پردے تک پہنچادیتی ہے۔(ت)

مقاصد اور اس کی شرح میں ہے:

کیفیة تحدث فی الهواء بسبب تموجه[2] الخ۔	"آواز" ایک ایسی کیفیت ہے کہ جو ہوا میں اس کی موج پیدا ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ الخ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ نظر بہ اکثر ہے ورنہ ملائے آب میں بھی آواز سنی جاتی ہے۔ دو شخص چند گز کے فاصلہ سے تالاب میں غوطہ لگائیں اور ان میں ایک دو اینٹیں لے کر بجائے تو دوسرے کو ان کا کھٹکا مسموع ہوتا ہے اور اس آواز کا حامل پانی ہی ہے اور کان تک موصل اسی کا تموج کہ پانی کے اندر ہوا نہیں ہوتی ہاں پانی اتنا تر ولطیف نہیں جس قدر ہوا ہے لہٰذا اس کا تشکل و تادیہ دونوں بہ نسبت ملائے ہوا کے ضعیف ہوتے ہیں۔

(۲) اس کا اور تمام حوادث کا سبب حقیقی محض ارادہ الٰہی ہے۔ دوسری چیز اصلانہ موثر

---

[1] شرح المواقف النوع الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۶۰

[2] شرح المقاصد النوع الثانی دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۱۶

نہ موقوف علیہ، اور آواز کا ظاہری وعادی سبب قریب قلع وقرع ہے۔ فقیر نے اس میں قدماء کا خلاف کیا ہے **عملا بالمتیقن تجافیا عن الجزاف** (یقینی بات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اور بے تکی اور بے اصولی باتوں سے کنارہ کش ہوتے ہوئے۔ت) وہ قلع وقرع کو سبب بعید اور تموج کو سبب قریب بتاتے ہیں یعنی قرع سے ہوا میں تموج ہوا اور تموج سے وہ شکل وکیفیت کہ مسمّٰی بہ آواز ہے پیدا ہوتی ہے۔ مواقف وشرح میں ہے:

سبب الصوت القریب تموج الھواء [1]۔	آواز کا سبب قریب اس میں موج پیدا ہونا ہے۔(ت)

مقاصد وشرح میں ہے:

تحدث بالمتوج المعلول للقرع والقلع [2]۔	آواز ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہے جو "قرع" اور "قلع" کے لئے معلول اور وہ دونوں کا اس کے حدوث کے لئے علت ہیں۔(ت)

[ایک جسم کا دوسرے جسم میں پوری قوت سے ملنا "قرع" اور سختی سے الگ ہونا "قلع" کہلاتا ہے۔ مترجم]

مطالع الانظار اصفہانی شرح طوالع الانوار علامہ بیضاوی میں ہے:

القرع والقلع سبب التموج الذی ھو سبب قریب للصوت [3]۔	"قرع" اور "قلع" موج جدا کا سبب ہیں اور وہ آواز کا سبب قریب ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہ اقوال خود ہمارے علماء کے نہیں بلکہ فلاسفہ کے ہیں شرح مقاصد میں ارشاد فرمایا:

الصوت عندنا یحدث بمحض خلق اللہ تعالٰی من غیر تاثیر بتموج الھواء والقرع والقلع کسائر الحوادث وکثیرا ما تورد الاراء الباطلة	آواز ہمارے نزدیک محض تخلیق خداوندی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس میں تموج ہوا اور قرع، قلع کی کوئی مستقل تاثیر نہیں اور یہ حدوث باقی تمام حوادثات کی طرح ہے۔ اور بسا اوقات فلاسفہ

---

[1] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۵۸۔۲۵۷

[2] شرح المقاصد النوع الثالث المسموعات دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۱ /۲۱۶

[3] مطالع الانظار شرح طوالع الانوار

للفلاسفة من غیر تعرض لبیان البطلان الافیما یحتاج الی زیادۃ بیان والصوت عندھم کیفیۃ تحدث فی الھواء بسبب تموجہ المعلول للقرع والقلع[1]۔	کے افکار باطلہ کو تو پیش کردیا جاتا ہے لیکن ان کے بطلان کو نہیں بیان کیا جاتا مگر جبکہ اضافہ بیان کی ضرورت ہو آواز ان کے نزدیک ایک ایسی کیفیت ہے جو ہوا میں اس کے تموج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو "قرع" اور "قلع" کا معلول ہے۔(اور وہ دونوں اس کی علت ہیں)۔(ت)

فلاسفہ خطاکاری وغلط شعاری کے عادی ہیں اور مقتضائے نظر صحیح یہی ہے کہ اس کیفیت کے حدوث کو قلع وقرع بس ہیں تموج کی حاجت نہیں۔

اوّلاً: قرع وقلع سے ہوا دبے گی اور اپنی طاقت ورطوبت کے باعث ضرور اس کی شکل وکیفیت قبول کرے گی اسی کا نام آواز ہے اور صرف یہ دبنا تموج نہیں بلکہ اس کے سبب اس کی ہوائے مجاور متحرک ہوگی اور وہ اپنی متصل ہوا کو حرکت دے گی یہاں یہ صورت تموج کی ہے۔خود مواقف وشرح میں فرمایا:

لیس تموجہ ھذا حرکۃ انتقالیۃ من ھواء واحد بعینہ بل ھو صدم بعد صدم وسکون بعد سکون فھو حالۃ شبیھۃ بتموج الماء فی الحوض اذا القی حجر فی وسطہ[2]۔	بعینہٖ ایک ہوا کا "تموج" حرکت انتقالی نہیں اس لئے کہ بار بار دباؤ اور سکون بعد سکون ہے لہٰذا یہ اس حالت کے بالکل مشابہ ہے کہ جب کسی تالاب کے درمیان پتھر پھینکا جائے تو پانی میں موج (اور لہریں) پیدا ہوجاتی ہیں۔(ت)

شرح مقاصد میں فرمایا:

المراد بالتموج حالۃ مشبھۃ بتموج الماء تحدث بصدم بعد صدم وسکون بعد سکون[3]۔	تموج سے مراد ایک ایسی حالت ہے جو پانی کے تموج سے مشابہ ہے اور وہ نوبت بہ نوبت ٹکراؤ اور سکون بعد سکون کے پیدا ہوتی ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ مقروع اول میں جو تکیف وتشکل ہوا اس کے لئے صرف اسی کا انفعال درکار تھا بعد کے موجی سلسلہ کو اس میں کیا دخل۔اگر فرض کریں کہ مقروع اول کے بعد ہوا نہ ہوتی یا وہ قرع کا اثر

---

[1] شرح المقاصد النوع الثالث دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۱۶

[2] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۵۸

[3] شرح المقاصد النواع الثالث المقصد الاول دارالمعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۲۱۶

نہ قبول کرتی تو خود اس میں تشکل کیوں نہ آتا حالانکہ اس نے دب کر قرع کا اثر قبول کرلیا،

ثانیاً: اگر تشکل مقروع اپنے بعد کے اجزاء متحرک ہونے کا محتاج ہو تو چاہئے کہ تموج باقی رہے اور تشکل ختم ہوجائے کہ اگر بعد کے اجزائے متموجہ بھی متشکل ہوں تو ان کو اپنے بعد کے اجزاء کا تموج درکار ہوگا تو یا سلسلہ تموج میں تسلسل آئے گا یا سبب سے سبب متخلف ہوجائے گا اور وہ دونوں باطل ہیں ہاں بظاہر تموج اس لئے درکار ہے کہ مقروع اول سے اجزائے متصلہ میں نقل تشکل کرے کہ مقروع اول دب کر اپنے متصل دوسرے جز کو قرع کرے گا اور وہ اسی شکل سے متشکل ہوگا پھر اس کے دبنے سے تیسرا مقروع ومتشکل ہوگا اس کی حرکت سے چوتھا الاماشاء اللہ تعالٰی اور حقیقۃً قرع ہی تموج کا سبب ہے اور تشکل کا بھی، قرعات متوالیہ نے تموج مذکور پیدا کیا اور ہر قرع نے اپنے مقروع میں تشکل، تموج کو دخل کہیں بھی نہ ہوا۔

وتفصیل القول ان التموج هوالاضطراب و الاضطراب هو المتقارب بین اجزاء الشیئ وذٰلك اما بان یعلو بعضه یخدرك فی الفوران اویذهب ویجیئ الی غیر جهة العلو والسفل کما فی الترجرج وفیهما المتضارب حقیققة لان الجزء الضارب اولا یصیر مضروبا وبالعکس واما بان یضرب جزء الاول والثانی الثالث وهکذا وهذا هو الواقع فی تموج الماء والهواء واما ماکان فلا بد فی التموج من حرکات متوالیة ولا یقال لشکل ما هو وانتقل ماج واضطرب فزید الماشی لیس متموجا لالغة ولا عرفاً	اور اس بات کی پوری وضاحت یہ ہے کہ "تموج" (یعنی ہوا میں موج پیدا ہونا) اضطراب ہے۔ اور اضطراب اجزائے شے کے درمیان انقسام ہے یعنی اس کا اجزائے شے کے رمیان منقسم ہوجانا ہے اور وہ اس طرح کہ کچھ اجزاء بلند ہوجائیں تو پھر تیرا جوش سست اور ماند پڑے گا۔ یا وہ بلندی اور پستی کے علاوہ کسی دوسری سمت کی طرف آئیں اور جائیں جیساکہ آمد ورفت کی حرکت میں ہوا کرتا ہے اور ان دونوں میں در حقیقت انقسام (تضارب) ہوگا۔ اس لئے کہ جز ضارب، اوّلاً مضروب ہوگا وبرعکس یا پہلا جزء دوسرے کو اور وہ تیسرے کو اور اسی طرح آخر تک۔ پس پانی اور ہوا کے تموج میں یہی واقع ہے لیکن جو بھی ہو تو اس کے تموج میں لگاتار حرکات ضروری ہیں۔ اور شکل کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا ہے۔ البتہ موج والی چیز منتقل اور مضطرب ہوگئی۔ لہٰذا زید

هذا ما نعرف من معنى التموج والهواء بنفس القرع ينفظ ويتشكل وتكيف ولا ـ ـ ـ عـــه۱ ـ ـ ـ على توقفه على تكرر ـ ـ ـ عـــه۲ ـ ـ ـ وامكان قرع الهواء يوجب فيه الموج ولا بد۔	ماشی (چلنے والا) لغت اور عرف میں "متموج" نہیں (یعنی موج والا) کیونکہ تموج سے ہم یہ مفہوم نہیں سمجھتے اور ہوا نفس قرع سے دھکیلی جاتی اور متکیف ہو کر متشکل ہو جاتی ہے۔اور مکرر ہونے پر اس کا توقف نہیں۔ ـ ـ ـ قرع ہوا کہ امکان بلا شبہ اس میں موج پیدا کر دیتا ہے۔(ت)

اگر کہئے قرع کافی نہیں جب تک مقروع اس کا اثر قبول نہ کرے اور اس کا تاثر وہی تحرک ہے اور اس کو تموج سے تعبیر کیا اگرچہ حقیقت تموج وہ ہی کہ اوپر گزری۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) **اوّلاً:** اس میں تسلیم ایراد ہے کہ تموج سے نفس تحرک مقروع مراد ہے۔

ثانیاً: یہ کہنا ایسا ہے کہ فاعل کافی نہں جب تک معلول اس کا اثر قبول نہ کرے تو سبب قریب فاعل نہیں بلکہ معلول کا انفعال ہے۔

هو كما ترى وتحقيقه ان التشكل وان لم يكن الا مع التحريك ولو لم يتحرك لم يتشكل وسلمنا ان هذه ليست معية معلولى علة كوجود النهار واستضاءة الارض بالقيود المعلومية لدى العارف بل للتحرك مدخل فى التشكل لكن لا نسلم ان التحرك مرسم الشكل ويفيض الكيفية بل مرسم هو القرع وان كان مشروطاً بالتحرك فجعل التموج اى التحرك	وہ جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ تشکل بغیر تحریک نہیں ہو سکتا لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر تحرک نہ ہو تو پھر تشکل نہ ہوگا۔اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ یہ "معیت" علت کے دو معلولوں جیسی معیت نہیں جیسے وجود نہار، اور زمین کی روشنی ان قیود کے ساتھ جو ایک عارف کو معلوم ہی ہیں بلکہ "تحرک" کو تشکل میں ایک گونہ دخل ہے لیکن ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ "تحرک" مرسم تشکل اور مفیض کیفیت ہے۔بلکہ مرسم تشکل "قرع" ہے اگرچہ وہ مشروط بالتحرک ہے لہٰذا تموج یعنی تحرک کو

عـــه۱، عـــه۲: یہاں کچھ الفاظ رہ گئے ہیں اس لئے مفہوم واضح نہیں۔ مترجم

سببا قریبا ناشیئ عن اشتباہ الشرط بالسبب کمن یزعم ان قبول المعلول اثر العلۃ ھو السبب القریب لہ فافھم واعلم واللہ تعالٰی اعلم ھذا واستدل العلامۃ قدس سرہ فی شرح المواقف علی کون التموج سببہ القریب بانہ شیئ حصل حصل الصوت واذا انتفی انتفی فانا نجد الصوت مستمرا باستمرار تموج الھواء الخارج من الحلق والالات الصناعیۃ ومنقطعا بانقطاعہ وکذا الحال فی طنین الطست فانہ اذا سکن انقطع لانقطاع تموج الھواء حینئذ[1] اھ۔ **اقول: اوّلًا** لاتموج عند المقروع الاول حین ھو مقروع وان حصل حین کونہ قارعا والصوت موجود فیہ لکونہ مقروعا لا لکونہ قارعا **وثانیا** ینقطع فیما بعد بانقطاع التموج لانقطاع القرع لان القرع فی	سبب قریب قرار دینا (یہ بات) اس اشتباہ سے پیدا ہو گئی کہ شرط کو سبب سمجھ لیا گیا۔ اس شخص کی طرف جو یہ گمان کرتا ہے کہ معلول کا علت کے اثر کو قبول کرلینا اس کے لئے "سبب قریب" ہونے کی دلیل اور علامت ہے پس اس بات کو سمجھ لیجئے اور اچھی طرح جان لیجئے، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے۔ علامہ قدس سرہ نے شرح مواقف میں استدلال کیا کہ آواز کے لئے "تموج" سبب کے قریب ہے کیوں؟ اس لئے کہ جب تموج پیدا ہو تو آواز پیدا ہوتی ہے اور جب تموج منفی ہو تو آواز بھی منفی ہو جاتی ہے کیونکہ ہم آواز کا استمرار حلق اور آلات صناعیہ سے نکلنے والی ہوا کے تموج کے استمرار سے پاتے ہیں اور تموج میں انقطاع سے آواز کا انقطاع پیدا ہو جاتا ہے اور طشت کی چھنکار کا بھی یہی حال ہے جب وہ ساکن ہو جائے تو آواز ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس وقت تموج ہوا میں انقطاع پیدا ہو گیا اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) **اوّلاً:** مقروع اول بحیثیت مقروع اول ہونے کے اس میں کوئی تموج نہیں ہاں البتہ اس میں تموج پیدا ہو جائے گا جبکہ وہ قارع ہوگا۔ اور آواز اس میں موجود ہوگی اس لئے کہ وہ مقروع ہے نہ اس لئے کہ وہ قارع ہے۔ **وثانیاً:** ازیں بعد آواز ختم ہو جاتی ہے۔

[1] شرح المواقف النوع الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۲۵۸

الاجزاء الاخیرۃ انما یصل علی وجہ التموج کما عرفت و**ثالثا** الشیئ ینقطع بانقطاع شرطہ فلا یفید السببیۃ فضل عن الاقربیۃ وتمسك بعضھم بانھم انما لم یجعلوا القرع والقلع سببین للصوت ابتداء حتی یکون التموج والوصول الی السامعۃ سببا للاحساس بہ لا لوجودہ نفسہ بناء علی ان القرع وصول والقلع لا وصول وھما آنیان فلا یجوز کونھما سببین للصوت لانہ زمانی[1] اھ۔

اقول: التموج حرکۃ والحرکۃ زمانیۃ فکیف صار الاٰنی سببا لہ وان جاز فلم لم یجز ان یکون سببا للصوت ابتداء وقرر بان التموج ان کان اٰنیا فقد جعلوا سببا للصوت الزمانی وان کان زمانیا فقد جعلوا القرع والقلع الاٰنیین سببا لہ فجعل الاٰنی سببا للزمانی لزم علی کل تقدیر[2] واجاب عنہ العلامۃ

اس لئے کہ تموج منقطع ہوجاتا ہے کیونکہ قرع منقطع ہوگیا کیونکہ آخری اجزاء میں قرع علی وجہ التموج پہنچتا ہے جیسا کہ تم جانتے ہو، **ثالثا** انقطاع شرط کی وجہ سے شے منقطع ہوجاتی ہے (یعنی شرط نہ ہو تو مشروط بھی نہ پایا جائے گا) لہٰذا یہ سبب ہونے کے لئے مفید نہیں چہ جائیکہ قریب ہونے کے لئے مفید ہو، اور بعض لوگوں نے یہ استدلال پیش کیا کہ اہل علم نے قرع اور قلع کو ابتداء آواز کے لئے سبب نہیں قرار دیا حتی کہ تموج اور وصول الی السامعۃ اس کے احساس کا سبب ہوجائیں نہ کہ اس کے نفس وجود کا اس لئے کہ قرع وصول ہے اور قلع لاوصول ہے۔ اور وہ دونوں "آنی" ہیں لہٰذا یہ دونوں آواز کے لئے سبب نہیں ہوسکتے اس لئے کہ وہ زمانی ہے۔ اھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) تموج حرکت ہے۔۔۔ اور حرکت، زمانی ہوا کرتی ہے پھر جو چیز آنی ہے وہ اس کا کیسے سبب ہوسکتی ہے اور گر یہ جائز ہے تو پھر یہ کیوں نہیں جائز کہ ابتداء آواز کے لئے سبب ہو، اور اس کی تقریر یوں کی گئی کہ "تموج" آنی ہے تو خود انھوں نے اس کو صورت زمانی کے لئے سبب قرار دیا ہے اور اگر وہ زمانی ہے تو پھر انھوں نے قرع اور قلع جو کہ دونوں آنی ہیں اس کے لئے سبب ٹھہرائے، گویا ہر تقدیر پر آنی کا زمانی کے لئے سبب ہونا

---

[1] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۰

[2] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۰

السید الشریف بانہ لا محذور فیہ اذا لم یکن السبب علۃ تامۃ او جزء اخیرا منہا اذ لا یلزم حینئذ ان یکون الزمان موجودا فی الاٰن[1] اھ۔ **اقول:** فلم لا یقال مثلہ فی سببیۃ القرع للصوت وتخلل نحو شرط ینفی کونہ جزء اخیرا ولا ینافی کونہ سببا قریبا کما لایخفی، وتعقب بالتسمك المذکور فی الصحائف بما قد کان ظہر للعبد الضعیف اول ما نظرت التمسك و ہو لنا لانسلم ان الصوت زمانی لان بعض الحروف اٰنی کما یجیئ مع انہ صوت اھ۔ قال الحسن چلپی ولا یخفی علیك انہ فاعہ بما مر من ان الحرف عارض للصوت لانفسہ[2] اھ۔ **اقول:** لایخفی علیك اندفاعہ بما یاتی للعلامۃ حسن نفسہ ان کون الحرف عبارۃ عن تلك الکیفیۃ العارضۃ

لازم آیا۔ علامہ سید شریف جرجانی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس میں کوئی محذور اور ممانعت نہیں جبکہ سبب علت تامہ یا علت تامہ کا جزء، آخری نہ ہو کیونکہ پھر زمانہ کا ان میں موجود ہونا لازم نہیں آتا اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ کیوں نہ کہا جائے کہ اس قسم کا معاملہ قرع کا صوت کے سبب ہونے میں ہے اور شرط جیسی چیز کا تخلل (درمیان میں گھس جانا) اس کے جزاخیر ہونے کی نفی کرتا ہے لیکن اس کے سبب قریب ہونے کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اور صحائف میں استدلال مذکور کا ایک ایسے کلام سے تعاقب کیا گیا جو اس بندہ ضعیف پر پہلی ہی مرتبہ استدلال کو ایک نظر دیکھنے سے ظاہر ہوا، اور معلوم ہوا کہ وہ ہمارا استدلال ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ آواز زمانی ہے کیونکہ بعض حروف آنی ہیں جیسا کہ آگے آئیگا حالانکہ وہ آواز ہیں اھ علامہ حسن چلپی نے فرمایا اس کا دفاع تم پر گزشتہ کلام کی وجہ سے بالکل پوشیدہ نہیں کہ حروف آواز کو عارض ہوتے ہیں لہذا خود آواز نہیں اھ۔

اقول: خود علامہ موصوف کے آئندہ کلام کے پیش نظر تم پر اس کا رد مخفی نہیں (اور وہ یہ ہے کہ) حرف کا کیفیت عارضہ للصوت سے عبارت ہونا شیخ ابو علی ابن سینا

---

[1] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۰

[2] حاشیہ حسن چلپی شرح المواقف النوع الثالث المقصد الاول الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۰

للصوت انما هو عند الشيخ(يعنى ابن سينا شيخ المتفلسفين)عند جمع من المحققين الحرف هو الصوت المعروض للكيفية المذكورة [1] اه اما ما قال بعده ان الاشبه بالحق انما مجموع العارض و المعروض كما صرح به البعض و سيشير اليه الشارح فيما سيأتى [2] اه اراد به قول العلامة ان الحرف قد يطلق على الهيأة المذكورة العارضة للصوت وعلى مجموع المعروض و العارض وهذا نسب بمباحث العربية [3] اهفحسبك فى دفعه مانقل هو عنه قدس سره ان اصحاب العلوم العربية يقولون الكلمة مركبة من الحروف ويقولون للكلم انه صوت كذا فلم لو يكن الحرف عندهم مجموع العارض والمعروض بل عارض الصوت فقط لماصح منهم ذلك [4] اه وانت تعلم ان القول بالمجموع وان كان اقرب اى قول ائمة العربية ان الكلمة صوت لانه حينئذ	شیخ الفلاسفہ کے نزدیک ہے لیکن ایک گروہ محققین کے نزدیک حرف صوت معروض برائے کیفیت مذکورہ سے عبارت ہے اھ لیکن اس کے بعد علامہ موصوف نے فرمایا کہ حق سے زیادہ مشابہ یہ ہے کہ حرف عارض و معروض کے مجموعہ کا نام ہے جیسا کہ بعض نے اس کی تصریح فرمائی۔اور آئندہ کلام میں شارح اس کی طرف اشارہ فرمائیں گے اھ اس سے علامہ موصوف کا وہ قول مراد ہے کہ کبھی حرف کا ہیئت مذکورہ عارضۃ للصوت پر اطلاق کیا جاتا ہے۔اور کبھی عارض و معروض کے مجموعہ پر اطلاق ہوتا ہے۔اور یہ عربی مباحث کے زیادہ مناسب ہے اور تجھے اس کے دفاع میں وہی کافی ہے جو حسن چلپی نے شارح علامہ قدس سرہ سے نقل کیا ہے کہ اصحاب علوم عربیہ فرماتے ہیں کہ "کلمہ "حروف سے مرکب ہے پھر متعدد کلموں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اس طرح کی آواز ہے۔ لہٰذا اگر حرف ان کے نزدیک عارض و معروض کا مجموعہ نہ ہوتا بلکہ حرف "عارض للصوت" ہوتا تو پھر یہ بات ان سے کبھی صحیح نہ ہوتی اھ اور تم جانتے ہو کہ قول بالمجموع اگرچہ ائمہ عربیہ کے قول کے زیادہ قریب ہے کہ "کلمہ "آواز ہے اس لئے کہ پھر اس طور پر

[1] حاشیہ حسن چلپی علی شرح المواقف القسم الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۶۹۔۲۶۸

[2] حاشیہ حسن چلپی علی شرح المواقف القسم الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۹

[3] شرح المواقف القسم الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۷۱

[4] حاشیہ حسن چلپی علی شرح المواقف القسم الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۷۱

تسمية للكل باسم الجزء وعلى الاول تسمية للعارض باسم المعروض وهذا ابعد من ذاك لكن الموافق بقولهم وفاقا كليا هو ماقال المحققون ان الحرف صوت لاعارضة ولا المجموع ولذا قال چلپی نفسه ان كون الحرف عبارة عن نفس المعروض انسب بذٰلك القول من المذهبين ولا مجاز فی ذٰلك الاطلاق على هذا التقدير اصلا اه [1] **اقول:** وكانّ مراد القائل بالمجموع انه المعروض من حيث هو معروض فلا ينافی قول المحققين انه الصوت المعروض وبهذايتم الاستدلال لقول المجموع بكلام ائمة العربية من دون اشكال فاستقر عرش التحقيق على ان الحرف هو الصوت المعروض وبه اندفع التسمك رأسا ورأيت فی كلام امام جميع الفنون الاعرف بكلها من اهلها لسان الحقائق سيدنا الشيخ الاكبر محی الدين ابن العربی رضی الله تعالٰی عنه فی كتابه "الدر المكنون و الجوهر المصوٴن" فی علم الجفر مانصه اما الحرف فلفظ مشترك	تسمیہ کل باسم الجزء اور قول اول کے مطابق تسمیۃ العارض باسم المعروض ہے۔اور یہ اس سے زیادہ بعید ہے۔لیکن وفاق کلی کے طور پر ان کے قول کے موافق وہ ہے۔جو کچھ اہل تحقیق نے فرمایا۔"حرف" صرف آواز ہے۔نہ عارض اور نہ عارض ومعروض کا" مجموعہ " ہے۔اسی لئے خود علامہ چلپی نے فرمایا "حرف" نفس معروض سے عبارت ہو یہ دومذہبوں میں سے اس قول کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس تقدیر پر اس اطلاق میں بالکل مجاز نہیں اھ۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) گویا قائل بالمجموعہ کی مراد یہ ہے کہ وہ معروض بحیثیت معروض ہے لہٰذا یہ ائمہ تحقیق کی رائے کے منافی نہیں کہ وہ صوت معروض ہے پھر اس سے قول بالمجموعہ کا استدلال بغیر کسی اشکال ائمہ عربیہ کے کلام سے تام ہوجاتا ہے پس عرش تحقیق قرار پذیر ہوگئی کہ حرف وہی صوت معروض ہے اور اس سے استدلال بالکل دفع ہوگیا۔میں نے ان کے کلام میں دیکھا جو تمام فنون کے امام سب کی اہلیت رکھتے ہوئے جملہ علوم کے بڑے عارف،حقائق کی زبان ہمارے آقا،سب سے بڑے شیخ دین اسلام کو زندہ کرنیوالے "ابن عربی" رضی اللہ تعالٰی عنہ انھوں نے اپنی کتاب "الدر المکنون والجوھر المصوٴن" جو علم جفر میں ہے اس کی عبارت یہ ہے "حرف" ایک مشترک

[1] حاشیہ حسن چلپی علی شرح المواقف القسم الثانی المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۷

یطلق علی اللفظ من ای جنس من المخلوقات وھو الھواء الخارج من الصدر المنقطع بالشفتین و اللسان المتکیف الی الحروف والاصوات اھ [1] فھو کما تری تجوز منہ رضی اللہ تعالٰی عنہ الا تری انہ جعل فی اٰخر الکلا م الھواء متکیف بالحروف فالحروف کیفیات تحدث فی الھواء لانفسہ کماھو ظاھر ثم رأیتہ قدسنا اللہ تعالٰی بسرہ الکریم صرح بہ نفسہ قبل ھذہ فی توضیح الاتی بہ فی فصل سر الاستنطاق" اذ قال اعلم ان الحروف علی ثلاثۃ انواع فکریۃ و لفظیۃ وخطیۃ فالحروف الفکریۃ وھی صور روحانیۃ فی افکار النفوس مصورۃ فی جواھرھا و الحروف اللفظیۃ ھی اصوات محمولۃ فی الھوی مدرکۃ بطریق الاذنین بالقوۃ السامعۃ والحروف الخطیۃ ھی نقوش خطت بالاقلام فی وجوہ الالواح [2] اھ فھذا ھو الحق الناصع وعلیہ المحققون واللہ تعالٰی اعلم۔	لفظ ہے کہ جس کا اطلاق لفظ پر کیا جاتا ہے خواہ مخلوق کی کسی جنس میں سے ہو،اور وہ ہوا ہے جو سینے سے برآمد ہوتی ہے دو ہونٹوں اور زبان سے قطع کی جاتی ہے حروف اور آواز سے متکیف ہوتی ہے (یعنی وہ ہوا حروف اور آواز کی کیفیت اختیار کرلیتی ہے) جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ شیخ ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مجازی کلام ہے۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ انھوں نے گفتگو کے آخر میں ہوا کو موصوف بہ کیفیت حروف قرار دیا ہے لہٰذا حروف ایسی کیفیات ہیں جو ہوا میں پیدا ہوتی ہیں نفس ہوا نہیں جیسا کہ ظاہر ہے پھر میں نے ان کے کلام میں دیکھا(اللہ تعالٰی ہمیں ان کے بھید کریم کے طفیل پاک فرمائے) خود انھوں نے اس سے قبل اس کی تصریح فصل سر الاستنطاق میں کردی ہے جب کہا جان لیجئے،حروف کی تین قسمیں ہیں(۱) فکری(۲) لفظی(۳) خطی"حروف فکریہ"وہ افکار نفوس میں روحانی صورتیں ہیں جو اپنے جواھر میں تصویر شدہ ہیں"حروف"لفظیہ وہ آوازیں ہیں جو ہوا پر سوار ہیں۔دو کانوں کے ذریعے قوت سامعہ سے ان کا ادراک کیا جاتا ہے "حروف خطیہ"وہ ایسے نقوش،جو قلموں کے توسط سے الواح کے چہروں پر کشید کئے جاتے ہیں اھ پس یہی خالص اور واضح حق ہے اور اسی پر ائمہ تحقیق قائم ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] الدرالمکنون والجواھر المصون

[2] الدرالمکنون والجواھر المصون

(۳) سننے کاسبب ہوائے گوش کا متشکل بشکل آواز ہونا ہے اور اس کے تشکل کا سبب ہوائے خارج متشکل کا اسے قرع کرنا اور اس قرع کاسبب بذریعہ تموج حرکت کا وہاں تک پہنچنا۔

(۴) ذریعہ حدوث قلع وقرع ہیں اور وہ آنی ہیں حادث ہوتے ہی ختم ہوجاتے ہیں اور وہ شکل و کیفیت جس کا نام آواز ہے باقی رہتی ہے تو وہ معدات ہیں جن کا معلول کے ساتھ رہنا ضرور نہیں، کیا نہ دیکھا کہ کاتب مرجاتا ہے اور اس کا لکھا برسوں رہتا ہے یوہیں یہ کہ زبان بھی ایک قلم ہی ہے۔

(۵) ضرور کان سے باہر بھی موجود ہے بلکہ باہر ہی سے منتقل ہوتی ہوئی کان تک پہنچتی ہے طوالع ومقاصد و مواقف وغیرہا میں اس پر تین دلیلیں قائم کی ہیں۔

لانطیل الکلام بذکرھا وذکر مالھا وعلیھا **اقول:** والحق ان الصوت یحدث عند اول مقروع کھواء الفم عند التکلم ثم لا یزال یتجدد حتی یحدث فی الاذن فھو موجود خارج الاذن بعدۃ لا یعلمھا الا اللہ جل وعلا ثم باعلامہ رسولہ اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم باعلام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من شاء من خدمہ واولیائہ اما المسموع بالفعل فلیس الا صوتا حادثا فی الاذن کما علمت فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق۔	ہم ان دلائل و شواہد کے ذکر اور **مالھا** اور **ماعلیھا** (یعنی جو کچھ ان کے لئے ہے اور ان پر وارد ہے) کے ذکر سے کلام کو طویل نہیں کرتے بلکہ میں کہتا ہوں کہ حق یہ ہے کہ آواز اول مقروع کے وقت پیدا ہوتی ہے جیسے بولتے وقت منہ کی ہوا۔ پھر ہمیشہ اس میں تجدید ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ کان میں آواز پیدا ہوجاتی ہے۔ پھر وہ کان سے باہر بھی کچھ دیر تک رہتی ہے کہ جس کو اللہ تعالٰی بلند وبالا اور جلیل القدر کے علاوہ حقیقی طور پر کوئی نہیں جانتا۔ پھر اس کے آگاہ کرنے سے اس کے رسول کریم علیہ وعلی الہ والصلوات والتسلیم) جانتے ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے خدام اور اولیاء میں سے جس کو پسند فرمائیں آگاہ فرمائیں۔ لیکن مسموع بالفعل تو ایک آواز ہے جو کان میں پیدا ہوتی ہے جیسا کہ تم جانتے ہو، لہٰذا توفیق ہونی چاہئے۔ اور اللہ تعالٰی کے کرم سے ہی توفیق حاصل ہوسکتی ہے۔ (ت)

(۶) وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف کی صفت ہے ہوا ہو یا پانی وغیرہ مواقف سے گزرا: **الصوت کیفیۃ قائمۃ بالھواء** [1] (آواز ایک ایسی کیفیت ہے جو ہوا کے ساتھ قائم ہے۔ت)

[1] شرح المواقف النوع الثالث منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۰

آواز کنندہ کی حرکت قرعی وقلعی سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کی طرف اضافت کی جاتی ہے۔

(۷) جبکہ وہ آواز کنندہ کی صفت نہیں بلکہ ملائے متکیف سے قائم ہے تو اس کی موت کے بعد بھی باقی رہ سکتی ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

ان جوابوں کے سوا اور بھی فائدے ہماری اس تقریر سے روشن ہوئے مثلاً:

(۸) انقطاع تموج انعدام سماع کا باعث ہو سکتا ہے کہ کان تک اس کا پہنچنا بذریعہ تموج ہی ہوتا ہے نہ کہ انعدام صوت کا بلکہ جب تک وہ تشکل باقی ہے صوت باقی ہے۔

(۹) یہیں سے ظاہر ہوا کہ دوبارہ اور تموج حادث ہو تو اس سے تجدید سماع ہوگی نہ کہ آواز دوسری پیدا ہونی جبکہ تشکل وہی باقی ہے۔

(۱۰) وحدت آواز وحدت نوعی ہے کہ تمام امثال متجددہ میں وہی ایک آواز مانی جاتی ہے ورنہ آواز کا شخص اول کہ مثلا ہوائے دہن متکلم میں پیدا ہوا کبھی ہمیں مسموع نہیں ہوتا اس کی کاپیاں ہی چھپتی ہوئی ہمارے کان تک پہنچتی ہیں اور اسی کو اس آواز کا سننا کہا جاتا ہے۔

جب یہ امور واضح ہولئے تو اب آلہ فونوگراف کی طرف چلئے حکیم جلت حکمتہ (حکیم مطلق کہ جس کی حکمت بڑی عظیم الشان ہے۔ت) نے جوف سامعہ کی ہوا میں جس طرح یہ قوت رکھی کہ ان کیفیات سے متکیف ہو کر نفس کے حضور ادائے اصوات والفاظ کرے یونہیں یہ حالت رکھی کہ ادا کرکے معاً اس کیفیت سے خالی ہو کر پھر لوح سادہ رہ جائے کہ آئندہ اصوات وکلمات کے لئے مستعد رہے اگر ایسا نہ ہوتا تو مختلف آوازیں جمع ہو کر مانع فہم کلام ہوتیں جس طرح میلوں کے عظیم مجامع میں ایک غل کے سوا بات سمجھ میں نہیں آتی ولہٰذا اب تک عام لوگوں کے پاس ان کیفیات کے محفوظ رکھنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا اگرچہ واقع میں تمام الفاظ جملہ اصوات بجائے خود محفوظ ہیں وہ بھی امم مخلوقہ سے ایک امت ہیں کہ اپنے رب جل وعلا کی تسبیح کرتے ہیں کلمات ایمان تسبیح رحمٰن کے ساتھ اپنے قائل کے لئے استغفار بھی کرتے ہیں اور کلمات کفر تسبیح الٰہی کے ساتھ اپنے قائل پر لعنت۔

کما صرح به امام الحقائق سیدی الشیخ الاکبر رضی الله تعالٰی عنه والشیخ العارف بالله تعالٰی سیدی الامام عبدالوھاب الشعرانی قدس سرہ الربانی۔	جیسا کہ اہل حقائق کے امام، میرے آقا، الشیخ الاکبر (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) نے اس کی تصریح فرمادی۔ اور شیخ اللہ تعالٰی کی معرفت رکھنے والے، امام عبدالوہاب شعرانی ان کا خدائی بھید پاک کیا جائے) نے بھی تصریح فرمادی ہے۔ (ت)

اور اس کا سبب ظاہری یہ تھا کہ ان کیفیات کا حامل ایک نہایت نرم ولطیف ورطب جسم تھا یعنی ہوا یا نہایت کمی کے ساتھ پانی بھی جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا اور جس طرح لطافت و رطوبت باعث سہولت انفعال ہے یونہیں مورث سرعت زوال ہے اسی لئے نقش برآب مثل مشہور ہے تو ان کیفیات اشکال کے تحفظ کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہ تھا اب بمشیت الٰہی ایسا آلہ نکلا جس میں مسالے سے باذن اللہ تعالٰی یہ قوت پیدا ہوئی کہ ہوائے عصبہ مفروشہ کی طرح ہوائے متموج کی ان اشکال حرفیہ وصوتیہ سے متشکل ہو اور اپنے یبس وصلابت کے سبب ایک زمانہ تک انھیں محفوظ رکھے اگلوں کا اس ذریعہ پر مطلع نہ ہونا انھیں اپنے اس تجربہ کے بیان پر باعث ہوا کہ ہم دیکھتے ہیں جب تموج ختم ہو جاتا ہے آواز ختم ہو جاتی ہے کما تقدم عن شرح المواقف (جیسا کہ شرح مواقف کے حوالے سے پہلے گزر چکا ہے۔ت) یہ آلہ دیکھتے تو معلوم ہوتا کہ تموج ہوا ختم ہوا اور آواز محفوظ ومخزون ہے انتہائے تموج سے سننے میں نہیں آتی اس کے لئے دوبارہ تموج ہوا کی محتاج ہے کہ ہمارے سننے یہی کا ذریعہ ہے ورنہ رب عزوجل کہ غنی مطلق ہے اب بھی اسے سن رہا ہے اس آلہ یعنی پلیٹوں پر ارتسام اشکال معلوم ومشاہد ہے ولہذا چھیل دینے سے وہ الفاظ زائل ہو جاتے ہیں جس طرح کاغذ سے خط کے نقش چھل جاتے ہیں اور ان سے خالی کرکے دوسرے الفاظ بھر سکتے ہیں جس طرح لکھی ہوئی تختی دھو کر دوبارہ لکھ سکتے ہیں اور تکرر قرع سے بھی بتدریج ان میں کمی ہوتی اور آواز ہلکی ہوتی جاتی ہے کہ پہلے کی طرح صاف سمجھ میں نہیں آتی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ فنا ہو کر بالآخر لوح سادہ رہ جاتی ہے جب تک ان چوڑیوں پلیٹوں میں وہ اشکال حرفیہ باقی ہیں تحریک آلہ سے جو ہوا جنبش کناں ان اشکال مرسومہ پر گزرتی اپنے رطوبت ولطافت کے باعث بدستور ان کیفیات سے متکیف اور قوت تحریک کے باعث متموج ہو کر اسی طرح کان تک پہنچتی اور یہاں کی ہوا ان اشکال کو لے کر بعینہٖ بذریعہ لوح مشترک نفس کے حضور حاضر کرتی ہے یہ تجدد وتموج کے سبب تجدد سماع ہوا نہ کہ تجدد صوت، کما اسلفنا لہ التحقیق واللہ ولی التوفیق (جیسا کہ ہم نے پہلے اس کی تحقیق کردی۔ اور اللہ تعالٰی حصول توفیق کا مالک ہے۔) تو فونو کی چوڑیاں صرف ہوا ہائے متوسطہ میں سے ایک ہوا کے قائم مقام ہیں فرض کیجئے کہ طبلہ سے گوش سامع تک بیچ میں سو ہواؤں کا توسط تھا کہ طبلہ پر ہاتھ مارنے سے پہلی ہوا اور اس سے دوسری اس سے تیسری یہاں تک کہ سویں ۱۰۰ ہوا نے اشکال صوت طبلہ سے متشکل ہو کر ہوائے جوف گوش کو متشکل کیا اور سماع واقع ہوا یہاں یوں سمجھئے کہ اس نواخت سے یکے بعد دیگرے پچاس ہواؤں نے متشکل ہو کر ہوائے اخیر نے اس آلہ کو متشکل کیا یہ ہوائے پنجاہ ویکم کی جگہ ہوا اب اس سے ہوائے پنجاہ ودوم پھر سوم پھر چہارم متشکل ہو کر سویں نے بدستور ہوائے گوش کو متکیف کیا اور سماع حاصل ہوا تو یقیناً دونوں

صورتوں میں وہی صوت طبلہ ہے کہ بتجدد امثال سو۱۰۰ واسطوں سے کان تک پہنچتی اگرچہ ایک صورت میں سب وسائط ہوائیں ہیں اور دوسری میں بیچ کاایک واسطہ یہ آلہ دونوں میں وہی سلسلہ چلاآتا ہے وہی طبلہ پرہاتھ پڑنا دونوں کامبداء ہے توکیا وجہ کہ ان سوواسطوں سے جو سناگیاوہ تووہی صوت طبلہ ہواور ان سوواسطوں کے بعد جو سناگیاوہ اس کاغیر ہواس کی تصویراس کی مثال ہو یہ محض تحکم بے معنی ہے اصل تشکل اول جو قرع طبلہ سے پیدا ہوااسے لیجئے تو وہ صورت اولٰی میں بھی ننانوے منزل اس پار چھوٹ گیااور یکے بعد دیگرے اس کاسلسلہ قائم رہنا لیجئے تو وہ یقینا یہاں بھی حاصل پھر تفرقہ یعنی چہ۔علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف شرح مواقف میں فرماتے ہیں:

الاحساس بالصوت یتوقف علی ان یصل الھواء الحامل لہ الی الصماخ لا بمعنی ان ھواء واحد بعینہ یتموج یتکیف بالصوت ویصلہ الی القوۃ السامعۃ بل بمعنی انما یجاور ذٰلك الھواء المتکیف بالصوت یتموج ویتکیف بالصوت ایضا وھکذا الی ان یتموج و یتکیف بہ الھواء الراکد فی الصماخ فتدرکہ السامعۃ حینئذ[1]۔	آواز کااحساس اس پر موقوف ہے کہ جو ہوااس کو اٹھا رہی ہے وہ کانوں کے سوراخ تک پہنچے نہ اس معنی سے کہ بعینہٖ ایک ہی ہوامیں تموج پیدا ہو کر وہ کیفیت صوت سے متصف ہوجاتی ہے۔پھر آواز کو قوت سامعہ تک پہنچا دیتی ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو ہوا "متکیف بالصوت" ہے اس کے متصل مجاور جو ہوا ہے اس میں موج پیدا ہوتی ہے پھر وہ بھی جز اول کی طرح متکیف بالصوت ہوجاتی ہے پھر یونہی یہ سلسلہ تموج اور تکیف آگے تک چلتا ہے اور بڑھتا ہے یہاں تک کہ اس ہوامیں موج پیدا ہوتی ہے جو کانوں میں ٹھہری ہے پھر وہ کیفیت صوت سے متصف ہوجاتی ہے پھراس طرح قوت سامعہ آواز کاادارک کرلیتی ہے۔(ت)

اس کے متن مواقف مع الشرح میں ہے:

سبب الصوت القریب تموج الھواء ولیس تموجہ فھذا حرکۃ انتقالیۃ من ھواء واحد بعینہ بل ھو صدم بعد	آواز کاسبب قریب ہوا میں موج پیدا ہونا ہے اور اس کا یہ تموج ایسی حرکت انتقالیہ نہیں جو بعینہٖ ایک ہوا سے ہو۔بلکہ وہ نوبت بہ نوبت

[1] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۶۱۔۲۶۰

صدمہ وسکون بعد سکون [1]۔	دباؤ اور سکون بعد سکون کی وجہ سے ہے۔(ت)

بالجملہ کوئی شک نہیں کہ جو کچھ فونو سے سنی گئی بعینہٖ وہی طبلہ کی آواز ہے اسی کو شرع نے حرام فرمایا تھا اور اسے خیال ومثال کہنا محض بے اصل خیال تھا اور بفرض غلط ایسا ہوتا بھی تو مجوز کے لئے کیا باعث خوشی تھا بالجملہ شرع مطہر نے اس نوع آواز کو حرام فرمایا ہے تشخص تموج بلکہ تشخص تشکل بلکہ تشخص طبلہ کسی کو بھی اس میں دخل نہیں حکم اپنی علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔ آواز ملاہی علت تحرم، وہ تشخصات نہیں بلکہ یہ کہ وہ لہو ہیں۔

کما ینبی عنه اسمها ویشیر الیه قوله تعالٰی "وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ" [2] وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل لهو المؤمن باطل وفی روایة حرام الا فی ثلث [3]۔	جیسا کہ ان کا نام اس سے آگاہ کر رہا ہے اور اسی طرف اللہ تعالٰی کا ارشاد اشارہ کر رہا ہے لوگوں میں کوئی وہ ہے جو کھیل (تماشہ) کی باتوں کا خریدار ہے (اور ان سے دلچسپی اور وابستگی رکھتا ہے) اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "مومن کا ہر کھیل باطل ہے" اور ایک روایت میں ہے: "ہر کھیل حرام ہے مگر تین کھیل" (کہ ان کی اجازت ہے۔)۔(ت)

وہ دل کو خیر سے پھیر کر شہوات وہفوات کی طرف لے جاتے ہیں یہاں تک کہ دل پر ان کے زنگ چڑھ کر مہر ہو جاتی ہے پھر حق بات نہ سنے نہ سمجھے **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)

کما قال عزوجل "بَلۡ ٜ رَانَ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۱۴﴾" [4] وفیه قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان العبد اذا اذنب ذنبا تکتب فی قلبه نکتة سوداء فان تاب ونزع	جیسا کہ اللہ تعالٰی زبردست اور جلیل القدر نے ارشاد فرمایا: بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے ان برے کاموں کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور اس آیت قرآنی کی تفسیر میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا یہ ارشاد موجود ہے: "جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ نشان

[1] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵/ ۵۸۔۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۶

[3] جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد ۱/ ۱۹۷ وسنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۰۷، مسند احمد بن حنبل ۴/ ۱۴۴ و ۱۴۸ و درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[4] القرآن الکریم ۸۳/ ۱۴

واستغفر صقل قلبه وان عاد زادت حتی تعلو قلبه فذالك الران الذی ذکر الله تعالٰی فی القراٰن رواه احمد و الترمذی وصححه والنسائی وابن ماجة [1] واٰخرون عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه وهو معنی حدیث ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء العشب [2] بل هو للبیهقی فی شعب الایمان عن جابر رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وفیه الزرع مکان العشب [3]۔	ابھر آتا ہے اگر توبہ کرے باز آئے اسے اتار پھینکے اور اللہ تعالٰی سے گزشتہ کی بخشش مانگے تو اس کا دل صاف شفاف ہو جاتا ہے۔اور اگر وہی برائی دوبارہ کرے تو وہ نشان بڑھ جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے دل پر غالب آجاتا ہے اور اسے چاروں طرف سے گھیرلیتا ہے)" پس یہی وہ زنگ اور میل ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے جس کا ذکر فرمایا ہے۔امام احمد اور جامع ترمذی نے اس کو روایت کیااور ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی سنن نسائی اور ابن ماجہ اور دوسرے ائمہ حدیث نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت فرمایا،اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث "راگ دل میں اس طرح نفاق اگادیتا ہے جس طرح پانی گھاس اگادیتا ہے" کا یہی معنی ہے۔بلکہ وہ حدیث امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے روایت فرمائی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:اس میں لفظ عشب (گھاس) کی جگہ لفظ الزرع (کھیتی) ہے۔(ت)

غرض ان آوازوں میں بالطبع یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ فتنہ کی طرف کھینچیں اور قدم ثبات کو لغزش دیں۔

وذٰلك قوله تعالٰی وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ [4]۔	اور اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد گرامی ہے جن لوگوں پر تو قابو پاسکتا ہے انھیں اپنی آواز سے لغزش دے۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ ویل للمطففین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶۸ و ۱۶۹

مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ ۲/ ۲۹۷ و سنن ابن ماجه ابواب الزہد ص ۳۲۳

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب ذم الجاہ والریاء بیان ذم حب الجاہ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۳۸

[3] شعب الایمان للبیهقی حدیث ۵۱۰۰ دارالفکر العلمیة بیروت ۴/ ۲۷۹

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

ہر عاقل جانتا ہے کہ اس میں خصوصیت صورت آلہ کو دخل نہیں بلکہ یہ آوازیں جس آلہ سے پیدا ہوں اپنا رنگ لائیں گی تو علت حرمت قطعاً حاصل ہے پھر حکم حرمت کیونکر زائل اور یہ ادعا کہ فونو سے سازوں کی آوازیں مورث طرب نہیں صرف موجب عجب ہیں بداہت کے خلاف ہے بلاشبہہ سازوں سے ان کی آواز سننا جو اثر کرتا ہے۔ وہی فونو سے کہ آواز بلا تفاوت وہی ہے خصوصیت شکل آلہ کا ایراث عدم ایراث طرب میں کیا دخل نہ اضافہ عجب مانع طرب۔

فاندفع مازعم الفاضل المعاصر السید الاھدل حفظه الله تعالٰی انه لا یحصل من سماعه طرب بل عجب وغایة مایدعیه بعضهم حصول اللذة واللذة مع کونها من باب المشکك لیست علة التحریم فقط بل العلة مع ذٰلك کون الاٰلات من شعار الفسقه، والصندوق لم یوضع للضرب ولا قصد له ولا شهر بانه شعار الفساق فانی یتاتی الالحاق اھ بمحصله و قد اتینا فی تلخیصه علی مقصد رسالته اجمع۔ اقول: اولًا ما الطرب الا الفرح والحزن اوخفة تلحقك تسرك اوتحزنك والحرکة والشوق کما فی القاموس [1] وکل ذٰلك معلوم قطعا فی سماع اصوات الالات من الصندوق کسماعها	فاضل ہمعصر سید اہدل حفظہ اللہ تعالٰی کا دفاع ہوگیا کہ صندوق کی آواز سننے سے طرب حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف "عجب" پیدا ہوتا ہے۔ غایۃ مافی الباب یہ ہے کہ جس کا بعض لوگ دعوی کیا کرتے ہیں کہ اس سے لذت حاصل ہوتی ہے اور لذت باوجودیکہ باب تشکیک میں سے ہے تنہا علت حرمت نہیں۔ بلکہ گانے بجانے کے آلات واسباب کا فاسقوں کے شعار میں سے ہونا اور حصول لذت یہ دونوں مل کر علت تحریم ہیں اور صندوق بجانے کے لئے موضوع نہیں۔ اور اس کا یہ مقصد بھی نہیں، اور شعار فساق میں اس کی شہرت بھی نہیں پھر اس کا ان آلات لہو سے کیسے الحاق ہو سکتا ہے۔ عبارت کا خلاصہ پورا اور مکمل ہوگیا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) **اولًا:** طرب صرف خوشی غم حرکت اور شوق اور ایسی خفت جو تجھے لاحق ہو تو تجھے خوش یا غمگین کر دے، جیسا کہ قاموس میں ہے اور یہ سب کچھ یقینی طور پر معلوم ہے اور صندوق سے آوازیں سننے میں موجود ہے جیسا کہ دوسرے آلات

[1] القاموس المحیط فصل الطاء باب الباء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۱

منها سواء بسواء وكلها ههنا لوازم اللذة التی سلم وجودها والخفة ان اخذت بمعنی مایقهره العقل فلیست لازمة بسماع الاٰلات ایضا قرب سامع لها لا یعتریه خفة فی عقله انما ذٰلك لمن انهمك فیها وهی تحصل لمثله فی السماع من الصندوق ایضا و **ثانیًا** هذه الاثار التی تتولد منها هی الکافیة قطعا للتحریم والیها النظر فی النصوص التی تلونا وفی تسمیتها الات الملاهی من دون توقف علی کونها شعار الفسقة حتی لوفرض انعدام الفساق من الدنیا لحرمت الاٰلات لما ذکرنا واین کانت الفسقة اذ قال الله عزوجل لابلیس "وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ"[1] بل هذه الاٰثار هی التی جعلتها شعار الفساق فهو اثر العلة منها لاجزئها نعم مالاباس به	کے سماع میں موجود ہے۔لہٰذا اس باب میں دونوں برابر، دونوں میں کچھ فرق نہیں،اور یہاں یہ سب لوازم لذت ہیں کہ جس کے وجود کو مجوز نے تسلیم کیاہے(مراد یہ ہے کہ ان سب کے لئے حصول لذت لازم ہے) اگر "**خفت**"اس معنی میں لی جائے کہ وہ چیز جو عقل کو مقہور اور مغلوب کردے تو پھر یہ بات سماع آلات میں بھی لازم نہیں، کیونکہ بسااوقات آلات سے راگ سننے والے کی عقل میں بھی کوئی خفت اور فتور عارض نہیں ہوتا۔البتہ یہ اس شخص کے لئے ہوگا جو بصورت استغراق آلات سے راگ سنتے ہیں،استغراق کی صورت میں اگر صندوق سے راگ سنے تو اس سے نیز کیفیت خفت حاصل ہوجائیگی(گویا بصورت استغراق دونوں میں کوئی فرق نہیں۔و**ثانیًا** یہ آثار وکوائف جو سماع الات سے پیدا ہوتے ہیں حرمت کے لئے یقینا کافی ہیں چنانچہ ہماری تلاوت کردہ نصوص میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اوران کا نام آلات لہو رکھنے میں بھی یہی منظور نظر ہے بغیر اس توقف کے کہ فاسقوں کا شعار ہیں یہاں تک کہ اگر فرض کرلیا جائے کہ پوری دنیا میں کوئی فاسق موجود نہیں تو اس کے باوجود بھی سماع راگ ان آلات سے حرام ہوگا اس وجہ سے کہ جس کو ہم نے بیان کردیا ہے(ذرا غور تو کرو)جب اللہ تعالٰی نے شیطان کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا:اولاد آدم میں سے

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

فی نفسه ولم یکن من ما یناقض مقاصد الشرع الشریف وهو ما شعار الفساق یکون النهی عنه لذٰلك التشبه بهم فههنا لك تبنی الامر علی الشعار لا فی مثل ما فی مبحث عنه وکذالك مابه باس فی نفسه وهو ما شعار الفسقة ینهی عنه للوجهین ای لکل منهما لا للمجموع حتی تکون الشعاریة جزء العلة ویقتصر النهی علیها فاذا انتفت انتفی لا قائل به احد من علماء الدنیا،**وثالثًا** وکون اللذة من باب المشکك انما کان یجدی نفعا لوثبت جواز نفس الالتذاذ بتلك الاصوات وتوقفت الحرکة علی مخصوص منها وثبت ان اللذة لاتبلغ ذٰلك الحد لا بالسماع من نفس الآلات دون الصندوق ولم یثبت شیئ من ذٰلك و**رابعًا** ان الصندوق لم یوضع للضرب فنحن	جس پر تو قابو پاسکتا ہے انھیں اپنی آواز سے ڈگمگادے۔(ارے بتاؤ) کہ اس وقت فاسق کہاں تھے بلکہ وہ آثار جن کو تم نے فساق کا شعار قرار دیا وہ ان کے لئے اثر علت ہیں۔علت کا جز نہیں۔البتہ بذاتہٖ جن میں کچھ حرج نہیں اور نہ یہ مقاصد شریعت کے مخالف ہیں۔پھر وہ فساق کا شعار ہوں تو ان سے تشبہ کی وجہ سے ممنوع ہونگے۔پھر یہاں امر شعار پر مبنی ہوگا نہ کہ زیر بحث مقام میں،اور یونہی وہ امور کہ ان کے فی نفسہٖ وجود میں کوئی حرج ہے۔اور شعار فساق ہوں تو ان سے دو وجوہ کی بناء پر ممانعت کی جاتی ہے مفہوم یہ ہے کہ ہر ایک وجہ کی بناء پر لہٰذا مجموعہ مراد نہیں،تاکہ ان کا شعار ہونا علت کا جز ہوجائے،اور نہی صرف ان پر مبنی ہو کہ جب وہ منفی ہوں تو نہی منفی ہوجائے،حالانکہ دنیا کا کوئی عالم اس بات کا قائل نہیں، **وثالثًا** لذت کا باب تشکیک سے ہونا اس وقت فائدہ بخش ہوسکتا ہے کہ جب ان آوازوں سے نفس لذت کا جواز ثابت ہوتا۔اور حرکت مخصوص آوازوں پر موقوف ہوتی۔اور یہ ثابت ہوتا کہ نفس آلات کے سماع سے بغیر صندوق کے لذت اس حد تک نہ پہنچی۔حالانکہ ان میں سے کوئی بات ثابت نہیں **رابعًا** واقعی صندوق بجانے کے لئے نہیں بنایا گیا یہی وجہ

لانحرم نفسه بل سماع صوت ای منه وذلك یکون بوضع القوالب المودعة فیها اصواتها وهی ماوضعت الا لذلك وحینئذ لایقصد من الصندوق الا الضرب وسماعها شعار الفسقه قطعا وبالجملة فالتفرقة بین سماع اصوات الملاهی منها ومن الصندوق ماهی الاجرف هار ماله من قرار **وخامسًا** هذا کله علی فرض ذنب التنزل والا قد اقمنا البرهان علی ان صوت الملاهی المسموع من الصندوق هو عین صوت تلك الملاهی فکیف یفرق بین الشیئ ونفسه وای حاجة الی الالحاق وباللّٰه التوفیق **وسادسا** ثم ان السید نفسه یقول وقد سمعنا حکایته للقراٰن فلم نر الا انها قرأة فصیحة مرتلة بنغمة تمیل الیها النفوس اھ.

اقول: افصحتم بالحق فلا ---عـــہ۱--- القرآن واسدت تلك الغنم الحسان تمیل نفوس العامة و تلك الاصوات الملهیة عن ذکر الرحمن---عـــہ۲---لها الشیطان و ذلك هو الطرب المنهی عنه وعلیه مدار تحریمها فحسب واللّٰه الموفق۔

ہے کہ نفس صندوق کو حرام نہیں قرار دیتے بلکہ اس سے راگ سننے کو حرام کہتے ہیں۔اور یہ اس لئے کہ اس میں ایسے قالب موجود ہیں کہ ان میں آوازیں بھری جاتی ہیں اور وہ قالب اسی مقصد کے لئے بنائے گئے ہیں، پھر اس صورت میں صندوق سے یہی ضرب مقصود ہے۔اور ان لوگوں کا راگ سننا بلاشبہہ شعار فساق ہے۔(خلاصہ کلام) راگ کی آوازیں، آلات لہو اور صندوق کے سننے مس کوئی فرق نہیں۔اور یہ تفرقہ بالکل کھوکھلے گرنیوالے دہانے کی طرح جس کو کوئی قرار اور ثبات نہیں۔**وخامسًا** یہ سب کچھ اس پر مبنی ہے کہ بطریقہ "تنزل" صدور گناہ فرض کرلیا جائے ورنہ ہم نے اس پر دلائل وشواہد قائم کئے ہیں کہ جو راگ کی آواز صندوق سے سنائی دیتی ہے وہ بالکل وہی اصل آواز ہے۔(اس کی حکایت اور مثل نہیں) کیونکہ شے اور اس کی ذات میں کیسے تفرقہ کیا جاسکتا ہے (کیونکہ وہ دونوں باہم عین ہیں) لہٰذا الحاق کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے۔اور اللہ تعالٰی ہی سے حصول توفیق ہے **سادسًا** سید صاحب خود فرماتے ہیں کہ ہم نے قرآن مجید کی حکایت سنی۔اور ہم اس سے یہی سمجھتے ہیں کہ وہ ایک فصیح وبلیغ قراءت ہے جو نغمات سے ترتیل شدہ ہے جس کی طرف نفوس مائل اور راغب ہوتے ہیں اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) بلاشبہہ

عـــہ۱، عـــہ۲: یہاں اصل میں بیاض ہے۔

	تم نے حق ظاہر کر دیا ہے۔ کیا یہ قرآن مجید نہیں، اور جو کچھ ان حسین وجمیل نغموں کے قائم مقام ہے جس کی طرف نفوس عامہ راغب ہوتے ہیں یا وہ آوازیں ہیں جو ذکر "رحمٰن" سے غافل کرنے والی بلکہ شیطان کی طرف راغب کرنے والی۔ اور یہ وہی خوش کن راگ ہے کہ جس سے منع کیا گیا ہے اور اسی پر ان کی حرکات کا مدار ہے اور بس۔ اور اللہ تعالٰی ہی (امور خیر کی) توفیق دینے والا ہے۔ (ت)

بالجملہ شک نہیں کہ طبلہ، سارنگی۔ ڈھولک، ستار یا ناچ یا عورات کا گانا یا فحش گیت وغیرہ وغیرہ جن آوازوں کا فونو سے باہر سننا حرام ہے بلاشبہہ ان کا فونو سے بھی سننا حرام ہے نہ یہ کہ اسے محض تصویر وحکایت قرار دے کر حکم اصل سے جدا کر دیجئے یہ محض باطل وبے معنی ہے۔

سابعًا: اس تصویر مجرد مباین اصل ہونے کا حال تو جب کھلے کہ زید کی ہجو یا اس کے والدین پر گالیاں اس آلہ میں بھر کر سنائی جائیں کیا اس پر وہی ثمرات مرتب نہ ہوں گے جو فونو سے باہر سننے میں ہوتے پھر اپنے نفس کے لئے فرق نہ کرنا اور واحد قہار کی معصیتوں کو ہلکا کرلینے کے لئے یہ تاویلیں نکالنا کس قدر دیانت سے دور ومہجور ہے۔

نسأل اللہ العفو والعافیة اماماذکر السید الاھدل عفا اللہ تعالٰی عنا وعنه من حدیث رؤیة صورة المرأة فی المرأة فاقول: **ثامنًا** تبین لك ان صوت الملاھی من الصندوق ھو عین صوتھا منھا لا مثاله بخلاف عکس المرأة فی المرأة **وتاسعًا** کلام ابن حجر فی التحفة فی باب النکاح عقیب قوله الامام النووی فی منھاجه ویحرم نظر رجل بالغ الی عورة حرة ما نصه خرج مثالھا فلا یحرم نظرہ فی نحو مرأة	ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت چاہتے ہیں رہا یہ کہ جو کچھ سید اہدل نے ذکر فرمایا اللہ تعالٰی ہمیں اور انھیں معاف فرمائے اور وہ آئینہ میں عورت کی شکل وصورت دیکھنے کی بات ہے۔ **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں) **ثامنًا:** تمھارے لیے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ صندوق سے راگ کی آواز سننا بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح آلات راگ سے آواز سنی جائے لہٰذا آواز صندوق ان کی مثل اور حکایت نہیں بخلاف آئینہ میں عورت کا عکس (فوٹو) دیکھنا، **تاسعًا:** علامہ ابن حجر کا کلام تحفہ باب نکاح میں امام نووی کے قول "منہاج" کے بعد کہ کسی بالغ مرد کا کسی آزاد عورت کے ستر کی طرف نگاہ کرنا حرام ہے جس کی انھوں نے تصریح فرمائی۔

كما افتى به غير واحد ويؤيده قولهم لو علق الطلاق برؤيتها لم يحنث برؤيه خيالها فی نحو مرأة لانه لم يرها ومحل ذلك كما هو ظاهر حيث لم يخش فتنة ولا شهوة[1] اھ ومثله فی النهاية للرملی فقد افاد اٰخر اما اباد هذا القياس فان صوت الملاهی نفسه فتنة ولا دخل فيه لخصوص آلة فانه يورث قطعا سماعه من الصندوق مايورث سماعه من غيره فلا فرق بخلاف الخيال فانه غير مشتهی بنفسه ولا صالح لذٰلك فافترقا **وعاشرا** انی لااظن هذا الشرع المطهر يبيح رؤية فرج الاجنبية عارية عن الثياب فی المرآة فان فيه من الفساد والبعد عن مقاصد الشرع مالايخفی ولا اعلم قط رخصته فی ذٰلك عن علمائنا وان حكموا ان برؤية فرج المرأة فی المرآة بشهوة لاتثبت حرمة المصاهرة لانه لم يرفرجها بل مثاله وهو مبنی علی القول بالانطباع دون انعكاس الشعاع والا لكان المرئی نفس الفرج لاخياله۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

تو اس سے عورت کی مثال اور شبیہ (فوٹو) خارج ہے لہٰذا کسی مرد کا آئینہ میں عورت کی شبیہ اور عکس دیکھنا حرام نہیں جیسا کہ بہت سے علماء کرام نے اس کا فتوی دیا ہے۔ اور ان کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر کسی شخص نے عورت دیکھنے پر طلاق منکوحہ کو معلق (موقوف) کردیا تو پھر آئینہ میں عورت کا عکس اور شبیہ دیکھنے سے قسم نہ ٹوٹے گی کیونکہ اس نے عورت نہیں دیکھی بلکہ اس کا عکس دیکھا ہے اور محل (محمل) جیسا کہ ظاہر ہے یہ ہے کہ جہاں فتنہ اور شہوت کا اندیشہ اور خطرہ نہ ہو اھ اور علامہ رملی کے "النہایۃ" میں یونہی مذکور ہے۔ پس اس نے آخر میں وہ افادہ پیش کیا جس نے اس قیاس کو واضح کردیا کہ نفس راگ کی آواز فتنہ ہے پس اس میں خصوصیت آلہ کو کوئی دخل نہیں لہٰذا صندوق سے راگ سننا یقیناوہی کچھ پیدا کرتا ہے جو دوسرے آلات راگ سے سنا جائے تو پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا دونوں کے سماع میں کوئی فرق نہیں بخلاف خیال (اور عکس) کے اس میں بذات خود اشتہا (چاہت) نہیں ہوتی اور وہ اس قابل بھی نہیں ہوتا لہٰذا دونوں میں فرق ہوگیا۔ (اور وجہ افتراق ظاہر ہوگئی) **عاشرا** میں تو اس شریعت پاک کے متعلق یہ گمان نہیں کرسکتا کہ اس نے آئینہ میں برہنہ عورت کی شرمگاہ کو دیکھنے کی اجازت دی ہو۔ (اور اس کو مباح قرار دیا ہو) کیونکہ اس میں ایسا فساد اور مقاصد شریعت سے بعد (دوری) ہے جو کسی پر پوشیدہ نہیں اور مجھے اپنے علمائے کرام سے قطعاً اس کی اجازت اور رخصت معلوم نہیں، اگرچہ انھوں نے یہ حکم دیا ہے کہ آئینہ میں بطور شہوت کسی عورت کی شرمگاہ دیکھنے سے حرمت مصاہرت (حرمت

[1] تحفہ

	دامادی) ثابت نہ ہوگی کیونکہ مرد نے عورت کی شرمگاہ نہیں دیکھی اس کا عکس اور شبیہ دیکھی ہے۔ اور یہ قول انطباع (ٹھپہ لگ جانا) پر مبنی ہے نہ کہ انعکاس شعاع پر۔ ورنہ مرئی نفس شرمگاہ ہوتی نہ کہ اس کا خیال، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مقدمہ ثانیہ: علمائے کرام نے وجود شے کے چار مرتبے لئے ہیں:

(۱) وجود فی الاعیان جس طرح زید کہ خارج میں موجود ہے۔

(۲) وجود فی الاذہان کہ صورت زید جو اس کے لئے مرآت ملاحظہ ہے ذہن میں حاضر ہے۔

(۳) وجود فی العبارۃ کہ زبان سے نام زید لیا گیا،

فان الاسم عبارۃ عن المسمی وفی مسند احمد وسنن ابن ماجۃ وصحاح الحاکم وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربہ عزوجل انا مع عبدی اذا ذکرنی وتحرکت بی شفتاہ[1]۔	کیونکہ نام اپنے مسمّٰی سے عبارت ہے (اور اسی کو ظاہر کرتا ہے) چنانچہ مسند امام احمد، سنن ابن ماجہ، صحیح حاکم، اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے پروردگار عزوجل سے ذکر فرمایا (کہ وہ ارشاد فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں۔ (ت)

(۴) وجود فی الکتابۃ کہ نام زید لکھا گیا:

قال اللہ تعالٰی "یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘"[2]۔	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:) اس نبی کو اہل کتاب اپنے پاس توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] مسند امام بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ الکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۴۰، صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ لاتحرک بہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

ظاہر ہے کہ عامہ اعیان میں یہ دو نحو اخیر بلکہ نحو ثانی بھی شے کے خود اپنے وجود نہیں کہ حصول اشیاء باشباحہا ہے نہ کہ بانفسہا۔

اقول: وھذا ھو عندی حقیقۃ انکار ائمتنا المتکلمین الوجود الذھنی ای ان الشیئ لیس فی الذھن بل شبیھہ و حملہ الامام الرازی علی انکار کونہ علما ثم ذھب بہ المتاخرون الی ماذھبوا والا فانکار قیام معان بالاذھان مما لایعقل عن عاقل فضلا عن اولئک اساطین العلم والعرفان۔	اقول: (میں کہتا ہوں) یہی میرے نزدیک حقیقت ہے اور ہمارے ائمہ اہل کلام کا وجود ذہنی کا انکار کرنا بایں معنی ہے کہ خود شے ذہن میں نہیں ہوتی بلکہ اس کی شبیہ اور مثال ہوتی ہے۔اور امام فخر الدین رازی نے اس بات کو اس پر حمل کیا کہ اس سے علم شے کے ہونے کا انکار مراد ہے۔پھر ائمہ متاخرین اس مسئلہ میں گئے ہیں کہ جس طرف وہ گئے ہیں ورنہ اذہان کے ساتھ قیام معانی کا انکار کرنا کسی صاحب عقل سے غیر معقول ہے (جو تابع فہم نہیں) چہ جائیکہ ان علم وعرفان کے ستونوں سے (اس بات کا انکار ہو)۔(ت)

مگر ہمارے ائمہ سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عقیدہ حقہ صادقہ میں یہ چاروں نحو قرآن عظیم کے حقیقی مواطن وجود و تحقیق مجال شہود ہیں وہی قرآن کہ صفت قدیمہ حضرت عزت عزوجلالہ اور اس کی ذات پاک سے ازلا ابدا قائم و مستحیل الانفکاک ولاھو ولا غیرہ لاخالق ولا مخلوق (جو ازلی ابدی طور پر (اللہ تعالٰی کی ذات کے ساتھ (قائم ہے پس اس کا جدا ہونا محال ہے۔نہ عین ذات ہے اور نہ وہ اس کا غیر ہے۔نہ وہ خالق ہے اور نہ مخلوق۔ت) یقینا وہی ہماری زبانوں سے متلو ہمارے کانوں سے مسموع ہمارے اوراق میں مکتوب ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔والحمدللہ رب العالمین نہ یہ کہ یہ کوئی اور جدا شے قرآن پر دال ہے۔نہیں نہیں، یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں ان میں حقیقۃً وہی متجلی ہے بغیر اس کے کہ وہ ذات الٰہی سے جدا ہوا یا کسی حادث سے ملا یا اس میں حلول کیا یا کسوتوں کے حدوث سے اس کے دامن قدم پر کوئی داغ آیا یا ان کے تکثر سے اس کی طرف تعدد نے راستہ پایا۔

دمبدم گر لباس گشت بدل　　　　شخص صاحب لباس راچہ خلل

(اگر ساعت بہ ساعت لباس بدل گیا تو صاحب لباس کا اس میں کیا نقصان ہے۔ت)

ع مہرے ست دراز تاب خفاش　　　　ایمان باید ترانہ کنگاش

(چمگادڑ طویل کچلی والی کا مہرہے۔تجھ میں ایمان ہونا چاہئے نہ کہ صلاح ومشورہ۔ت)

ابوجہل نے جبرئیل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام کو شتر نر جوان کی شکل میں دیکھا کہ منہ کھولے ہوئے اس پر حملہ کیا

کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ جبرئیل نہ تھے کوئی اور چیز جبریل پر دلالت کرنے والی تھی حاشا یقینا جبرئیل ہی تھے اگرچہ یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ جبریل کی صورت جمیلہ ہر گز صورت جملیہ نہیں لہ ستمأۃ جناح قد سدا الافق (اس کے یعنی جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے چھ سو پر ہیں جو آسمان کے کناروں پر روک بن گیا۔ت) اس راز کو اہل حقائق ہی خوب سمجھتے ہیں ہم پر تسلیم واذعان واجب ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے :

"وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ" [1]	جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموش ہو کر اسے کان سے سنو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔(ت)

اور فرماتا ہے :

"فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ" [2]	تو اسے پناہ دو (یعنی آنے والے کو) تاکہ وہ اللہ تعالٰی کا کلام سنے۔(ت)

اور فرماتا ہے :

"فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" [3]	پڑھو، جس قدر قرآن مجید آسان ہو (یعنی آسانی سے پڑھ سکو۔ت)

اور فرماتا ہے :

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" [4]	یقیناً ہم نے نصیحت کے لئے قرآن مجید آسان کردیا۔ بھلا ہے کوئی نصیحت ماننے والا۔(ت)

اور فرماتا ہے :

"بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ" [5]	بلکہ وہ روشن اور واضح آیتیں ہیں ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جنھیں علم سے نوازا گیا۔(ت)

اور فرماتا ہے :

"وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ" [6]	بیشک وہ پہلے لوگوں کے صحیفوں میں موجود ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶

[3] القرآن الکریم ۷۳/ ۲۰

[4] القرآن الکریم ۵۴/ ۱۷

[5] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۹

[6] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۹۶

اور فرماتا ہے:

"فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَةٍ ﴿ۙ۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿ۙ۱۴﴾ "[1]	وہ باعزت بلند اور پاک صحیفوں میں مرقوم ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ﴿ۙ۲۱﴾ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾ "[2]	بلکہ شرف وبزرگی والا قرآن کریم لوح محفوظ (محفوظ تختی) میں (لکھا ہوا) ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ﴿ۙ۷۷﴾ فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ﴿ۙ۷۸﴾ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴿ؕ۷۹﴾ "[3]	بیشک وہ باعزت قرآن مجید ایک پوشیدہ کتاب میں درج ہے۔ اس کو سوائے پاکیزہ افراد کے اور کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِیۡنُ ﴿ۙ۱۹۳﴾ عَلٰی قَلۡبِکَ لِتَکُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿ۙ۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیۡنٍ ﴿ؕ۱۹۵﴾ "[4] الی غیر ذٰلک من الایات	اسے روح الامین (حضرت جبریل) نے واضح عربی زبان میں تمہارے قلب اطہر پر اتارا تاکہ تم سنانے والے حضرات میں سے ہو جاؤ یہاں تک کہ ان کے علاوہ اور بھی بیشمار اس نوع کی آیات ہیں۔(ت)

دیکھو اسی کو مقرو اسی کو مسموع اسی کو محفوظ اسی کو مکتوب قرار دیا اسی کو قرآن اور اپنا کلام فرمایا۔ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

القراٰن کلام اللہ فی المصاحف مکتوب وفی القلوب محفوظ وعلی الالسنۃ مقرو وعلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منزل ولفظنا بالقراٰن مخلوق وکتابتنا لہ مخلوق وکلام اللہ تعالٰی غیر مخلوق[5]۔	قرآن مجید اللہ کا کلام صحیفوں میں لکھا ہے اور دلوں میں محفوظ ہے اور زبانوں پر پڑھا گیا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات اقدس پر اتارا گیا ہے اور ہمارا قرآن مجید کہ بولنا اور اسی طرح اس کو لکھنا اور پڑھنا مخلوق ہے لیکن بایں ہمہ اللہ کا کلام مخلوق نہیں۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۸۰/ ۱۳و۱۴

[2] القرآن الکریم ۸۵/ ۲۱

[3] القرآن الکریم ۵۶/ ۷۷تا۷۹

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۹۳تا۱۹۵

[5] فقہ اکبر مع وصیت نامہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۴

نیز وصایا میں فرماتے ہیں:

نقر بان القراٰن کلام اللہ تعالٰی و وحیہ وتنزیلہ و صفتہ لاھو ولاغیرہ بل ھو صفۃ علی التحقیق مکتوب فی المصاحف مقرو بالالسن محفوظ فی الصدور من غیر حلول فیھا(الی قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ)واللہ تعالٰی معبود ولا یزال عما کان وکلامہ مقرو ومکتوب ومحفوظ من غیر مزایلۃ عنہ[1]۔	ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالٰی کا کلام اس کی وحی اس کا نازل کردہ اور اس کی صفت ہے۔ لہٰذا وہ عین ہے اور نہ غیر۔ بلکہ بربنائے تحقیق اس کی صفت عالیہ ہے۔ صحیفوں میں لکھا ہوا۔ زبانوں پر پڑھا ہوا، اور سینوں میں حلول کے بغیر محفوظ شدہ۔ (امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد تک) اللہ تعالٰی سچا معبود ہے اور اس کی شان ہمیشہ "الاٰن کما کان" (ایک شان پر جلوہ گر) ہے۔ پس اس کا کلام پڑھا گیا۔ لکھا گیا۔ اور حفاظت شدہ ہے۔ بغیر اس کے کہ اس سے کوئی چیز زائل ہو۔ (ت)

عارف باللہ سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی مطالب وفیہ میں فرماتے ہیں:

لاتظن ان کلام اللہ تعالٰی اثنان ھذا لفظ المقر و والصفۃ القدیمۃ کما زعم ذٰلك بعض من غلبت علیہ اصطلاحات الفلاسفۃ والمعتزلۃ فتکلم فی کلام اللہ تعالٰی بما اداہ الیہ عقلہ وخالف اجماع السلف الصالحین رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان کلام اللہ تعالٰی واحد لا تعدد لہ بحال وھو عند نا وھو عندہ تعالٰی ولیس الذی عندنا	یہ گمان نہ کیجئے کہ اللہ تعالٰی کے دو کلام ہیں ایک یہ پڑھے ہوئے الفاظ دوسری وہ صفت قدیمہ۔ جیسا کہ بعض ان لوگوں نے گمان کیا کہ جن پر فلاسفہ اور معتزلہ کی زبان (اصطلاحات) غالب ہوگئی۔ پھر انھوں نے اللہ تعالٰی کے کلام میں ایسی گفتگو کی کہ جس تک انھیں ان کی ناقص عقل نے پہنچادیا۔ اور انھوں نے اسلاف صالحین کے اجماع کا خلاف کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم باجود یہ کہ اللہ تعالٰی کا کلام ایک ہے کسی حال میں اس کے اندر کوئی تعداد نہیں، لہٰذا جو ہمارے نزدیک ہے وہی اللہ تعالٰی کے نزدیک ہے۔ اور یوں بھی نہیں جو ہمارے پاس ہے وہ غیر ہے اس کا جو اس کے پاس ہے اور نہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالٰی کے

[1] فقہ اکبر مع وصیت نامہ ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۲۹

غیر الذی عندہ ولا الذی عندہ غیر الذی عندنا بل ھو صفۃ واحدۃ قدیمۃ موجودۃ عندہ تعالٰی بغیر اٰلۃ لوجودھا وموجودۃ ایضا عندنا بعینھا لکن سبب اٰلۃ ھی نطقنا وکتابتنا وحفظنا فمتی نطقنا بھذہ الحروف القراٰنیۃ وکتبنا ھا وحفظنا ھا کانت تلك الصفۃ القدیمۃ القائمۃ بذات اللہ التی ھی عندھا تعالٰی ھی عندنا ایضا بعینھا من غیر ان یتغیر من انھا عندہ تعالٰی ولا انفصلت عنہ تعالٰی ولا اتصلت بنا وانما ھی علی ما علیہ قبل نطقنا وکتابتنا وحفظنا [1] الی اٰخر ما اطال واطاب علیہ رحمۃ الملك الوھاب۔	پاس ہے وہ اس کے خلاف ہے جو ہمارے پاس ہے۔ بلکہ وہ ایک ہی صفت قدیمہ ہے جو اللہ تعالٰی کے ہاں موجود ہے جبکہ اس کے وجود میں کسی آلہ کا کوئی دخل نہیں اور وہ بعینہٖ ہمارے پاس بھی موجود ہے مگر اس کا آلہ ہے اور وہ ہمارا بولنا لکھنا اور یاد رکھنا ہے۔ پھر جب ہم ان حروف قرآنیہ کو بولیں انھیں لکھیں اور انھیں یاد کریں تو جو صفت قدیمہ کہ اللہ تعالٰی کی ذات سے قائم ہے جو اس کے حضور موجود ہے یہ وہی ہے جو بعینہٖ ہمارے پاس موجود ہے بغیر اس کے کہ اس میں تبدیلی پیدا ہوجائے اس صفت سے جو اللہ تعالٰی کے حضور موجود ہے اور یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالٰی سے کچھ منفصل (جدا) ہو کر ہم سے متصل (پیوستہ) ہوجائے، بلکہ وہ صفت اب بھی اسی حالت پر موجود ہے جو ہمارے بولنے، لکھنے اور یاد کرنے سے پہلے جس حالت پر موجود تھی۔ علامہ موصوف نے آخر تک یہی طویل اور پاکیزہ کلام فرمایا بخشش کرنے والے، کائنات کے حکمران کی ان پر بے پایاں اور خصوصی رحمت کا نزول ہو۔ (ت)

حدیقہ ندیہ نوع اول فصل اول باب اول میں فرماتے ہیں:

اذا علمت ھذا ظھر لك فساد قول من قال ان کلام اللہ تعالٰی مقول بالاشتراك الوضعی علی معنیین الصفۃ القدیمۃ والمولف من الحروف والکلمات الحادثۃ فانہ قول یؤول بصاحبہ الی اعتقاد الشرك فی صفات اللہ تعالٰی واشارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	جب تمھیں یہ معلوم ہوگیا تو پھر تم پر اس کے اس قول کا فساد ظاہر گیا کہ جس نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالٰی کا کلام اشتراک وضعی کے طور پر دو معنوں پر بولا گیا ہے۔ ایک صفت قدیمہ اور دوسرا وہ جو حروف اور کلمات حادثہ سے مرکب ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا قول ہے جو اللہ تعالٰی کی صفات میں اعتقاد شرک کی طرف راجع (اور پہنچاتا ہے) (لہٰذا یہ قول قطعاً ٹھیک نہیں)

[1] المطالب الوفیہ شرح الفرائد السنیۃ

وسلم هنا فی هذا الحدیث(ای حدیث ان هذا القرآن طرفه بیدالله تعالٰی و طرفه بایدیکم رواه ابن ابی شیبة والطبرانی فی الکبیر [1] عن ابی شریح رضی الله تعالٰی عنه) الی القراٰن تفید انه واحد لا تعدد له اصلا وهو الصفة القدیمة وهو مکتوب فی المصاحف المقرو بالالسنة المحفوظ فی القلوب من غیر حلول فی شیئ من ذٰلك ومن لم یفهم هذا علی حسب ما ذکرنا لصعوبته علیه یجب علیه الایمان به بالغیب کما یؤمن بالله تعالٰی وبباقی صفاته سبحانه وتعالٰی ولا یجوز لاحد ان یقول بحدوث ما فی المصاحف والقلوب والالسنة [2] الی اخرها افاد و اجاد علیه رحمة الملك الجواد۔	اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس حدیث میں یعنی حدیث ذیل میں اس طرف اشارہ ہے۔یہ قرآن مجید اس کی ایک طرف اللہ تعالٰی کے بے مثل ہاتھ میں ہے۔اور اس کی دوسری طرف تمھارے ہاتھوں میں ہے۔تو گویا آپ کا قرآن مجید کی اسی حیثیت کی طرف اشارہ ہے۔محدث ابن ابی شیبہ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے پس اس اشارہ سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالٰی کا کلام ایک ہے اس میں بالکل کوئی تعدد نہیں۔اور وہ صفت قدیمہ ہے جو مصاحف میں لکھا ہوا ہے۔زبانوں سے پڑھا گیا اور دلوں میں ضبط شدہ ہے کہ جس میں کوئی حلول نہیں،اور جو کوئی ہمارے ذکر کردہ بیان کے مطابق اس مسئلہ کو بوجہ اس کے اشکال کے نہ سمجھے تو پھر بھی واجب ہے کہ وہ اس پر اسی طرح ایمان بالغیب رکھے کہ جس طرح اللہ تعالٰی پاک اور برتر کی ذات اور دیگر صفات پر ایمان رکھتا ہے اور کسی کے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ مصاحف میں مرقوم دلوں میں موجود اور زبانوں پر جاری ہے وہ حادث ہے(یہ سب کچھ)آخر تک علامہ موصوف نے افادہ فرمایا اور اس میں کمال کردیا۔لہٰذا اللہ تعالٰی جو پوری کائنات کا بادشاہ اور نمایاں طور پر سخی ہے اس کی ان پر خصوصی رحمت وبرکات کا دائمی نزول ہو۔(ت)

امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی باب مایجوز بیعہ ومالا میں فرماتے ہیں:

قد جعله(ای المکتوب والمصحف)اهل السنة والجماعة حقیقة کلام الله تعالٰی	اہل سنت وجماعت نے جو کچھ مصاحف میں لکھا ہوا ہے اس کو حقیقۃً اللہ تعالٰی کا کلام ٹھہرایا اگرچہ

[1] الترغیب والترهیب بحواله الطبرانی فی الکبیر الترغیب فی اتباع الکتاب والسنة حدیث ۳ مصطفی البابی مصر ۱/ ۷۹

[2] الحدیقه الندیه شرح الطریقه المحمدیه باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۶۲۔۶۱

وان کان النطق بہ واقعا منا فافھم واکثر من ذٰلك لایقال ولایسطر فی کتاب [1]۔	ہماری طرف سے اس کا تلفظ (بولنا) واقع ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کیونکہ اس سے زیادہ نہ کہا جاسکتا ہے اور نہ کسی کتاب میں لکھا جاسکتا ہے۔ (ت)

اور پر ظاہر کہ اس بارہ میں سب کسوٹیین یکساں ہیں جس طرح کاغذ کی رقوم میں وہی قرآن کریم میں مرقوم ہے اسی طرح فونو میں جب کسی قاری کی قراءت بھری گئی اور اشکال حرفیہ کہ ہوائے دہن پھر ہوائے مجاور میں بنی تھی اس آلہ میں مرتسم ہوئیں ان میں بھی وہی کلام عظیم مرسوم ہے اور جس طرح زبان قاری سے جو ادا ہوا قرآن ہی تھا۔ یونہیں اب جو اس آلہ سے ادا ہوگا قرآن ہی ہوگا جس طرح اس آلہ سے اگر حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کی کوئی غزل ادا کی جائے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ وہ غزل نہیں یا حضرت شیخ سعدی قدس سرہ کا کلام نہیں یونہیں جب اس سے کوئی آیہ کریمہ ادا کریں کوئی شبہہ نہیں کرسکتا کہ وہ آیت ادا نہ ہوئی، ضرور ادا ہوئی اور اسی تادیہ سے ہوئی جو اصل قاری کی زبان وگلو سے پیدا ہوا تھا۔

رہا یہ کہ پھر اس کے سماع سے سجدہ کیوں نہیں واجب ہوتا جب کہ فونو سے کوئی آیہ سجدہ تلاوت کی جائے،

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) ہاں فقیر نے یہی فتوی دیا ہے مگر اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ آیت نہیں اس کا انکار تو بداہت کا انکار ہے۔ نہ ہماری تحقیق پر یہاں اس عذر کی گنجائش ہے کہ وجوب سجدہ کے لئے قاری کا جنس مکلّف سے ہونا عند الاکثر وھو الصحیح اور مذہب اصح پر عاقل بلکہ ایک مذہب مصحح پر بالفعل اہل ہوش سے بھی ہونا درکار ہے۔ طوطی یا مینا کو آیت سجدہ سکھادی جائے تو اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ ہوگا۔ اسی طرح مجنون بلکہ ایک تصحیح میں سوتے کی تلاوت سے بھی وجوب نہیں نہ اس پر اگرچہ جاگنے کے بعد اسے اطلاع دے دی جائے کہ تو نے آیت سجدہ پڑھی تھی نہ اس سے سننے والے پر۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

لاتجب بسماعہ من الطیر [2]۔	سجدہ تلاوت واجب نہ ہوگا جبکہ کسی پرندے سے آیت سجدہ سنے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ھو الاصح زیلعی وغیرہ وقیل	اور وہی زیادہ صحیح ہے زیلعی وغیرہ (میں یہی مذکورہ ہے)

[1] المیزان الکبرٰی باب مایجوز بیعہ ومالایجوز مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۷

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۵

تجب وفی الحجة هو الصحیح تاتارخانیة قلت والاکثر علی تصحیح الاول وبه جزم فی نور الایضاح[1]۔	اور یہ بھی کہا گیا بصورت مذکورہ سجدہ تلاوت واجب ہوتا ہے چنانچہ فتاوٰی حجۃ میں ہے کہ یہی صحیح ہے تتارخانیہ، **میں کہتا ہوں** کہ اکثر ائمہ کرام قول اول کی تصحیح پر قائم ہیں۔ چنانچہ نورالایضاح میں اسی پر یقین کیا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

النائم اذا اخبرانه قرأها فی حالة النوم تجب علیه وهو الاصح تتارخانیه و فی الدرایة لا تلزمه هو الصحیح امداد ففیه اختلاف التصحیح واما لزومها علی السامع منه اومن المغمی علیه فنقل فی الشرنبلالیة ایضا اختلاف الروایة والتصحیح وکذا من المجنون[2]۔	سونے والے کو جب بتایا جائے کہ اس نے بحالت خواب آیت سجدہ پڑھی تو اس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔اور یہی زیادہ صحیح ہے۔تتارخانیہ اور درایہ میں ہے۔کہ اس پر(دریں صورت) سجدہ لازم نہیں اور یہی صحیح ہے۔امداد، پس اس میں تصحیح کا اختلاف ہے لیکن سامع (سننے والا)اور بیہوش پر سجدہ تلاوت کا لزوم(تو اس کے متعلق گزارش ہے کہ شرنبلالیہ میں روایۃ اور تصحیح کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔اور اسی طرح دیوانے کے بارے میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قال فی الفتح لکن ذکر الشیخ الاسلام انه لایجب بالسماع من مجنون او نائم او طیرلان السبب سماع تلاوة صحیحة وصحتها التمییز ولم یوجد وهذا التعلیل یفید التفصیل فی الصبی فلیکن هو المعتبر ان کان ممیزا وجب بالسماع منه والافلا اهواستحسنه فی الحلیة[3]۔	فتح القدیر میں فرمایا: لیکن شیخ الاسلام نے ذکر فرمایا اگر دیوانے یا سونے والے یا پرندہ سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ تلاوت واجب نہیں کیونکہ اس کا سبب تلاوت صحیحہ ہے۔اور صحت تلاوت کا مدار تمیز ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گئی۔اور یہ تعلیل اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ یہی تفصیل بچے میں کی جائے گی۔لہٰذا اسی کا اعتبار کرنا چاہئے، کہ اگر بچہ عقل وتمیز رکھتا ہے تو اس سے آیۃ سجدہ سنی گئی تو سجدہ تلاوت واجب ہے ورنہ نہیں اھ اور اس کو حلیہ میں مستحسن قرار دیا گیا ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۶

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب سجود التلاوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۱۶

ہم ثابت کرتے آئے ہیں کہ یہ جو فونو سے سننے میں آئی اس مکلّف عاقل ذی ہوش کی تلاوت ہے نہ کہ اس کی مثال وحکایت۔ پھر آخر یہاں سجدہ نہ واجب ہونے کی کیا وجہ ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں۔ت) ہاں وجہ ہے اور نہایت موجہ ہے کہ گنبد کے اندر یا پہاڑ یا چکنی گچ کردہ دیوار کے پاس اور کبھی صحرا میں بھی خود اپنی آواز پلٹ کر دوبارہ سنائی دیتی ہے جسے عربی میں صدا کہتے ہیں۔ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس کے سننے سے بھی سجدہ واجب نہیں ہوتا، نہ خود قاری پر نہ سامع اول پر جس نے تلاوت سن کر دوبارہ یہ گونج سنی نہ نئے پر جس نے پہلی تلاوت نہ سنی تھی اور یہ صدا ہی سنی کہ حکم مطلق ہے۔ تنویر ودرر میں ہے:

لاتجب بسماعة من الصدٰی[1]۔	آواز بازگشت سے آیت سجدہ سنی تو سجدہ تلاوت واجب نہیں۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

تجب علی المحدث والجنب وکذا تجب علی السامع بتلاوۃ ھؤلاء الا المجنون لعدم اھلیتہ لا نعدام التمییز کالسماع من الصدی کذا فی البدائع والصدی مایعارض الصوت فی الاماکن الخالیۃ[2]۔	بے وضو اور جنبی (ناپاک) پر سجدہ تلاوت ادا کرنا واجب ہے۔ اور اسی طرح ان لوگوں سے تلاوت سننے والے پر بھی سجدہ کرنا واجب ہے مگر دیوانے پر نہیں۔ اس لئے کہ وہ اہلیت سجدہ نہیں رکھتا کیونکہ اس میں عقل اور تمیز نہیں جیسے آواز بازگشت سننے سے وجوب سجدہ نہیں۔ البدائع میں یہی مذکور ہے اور صدی (آواز بازگشت) وہ ہے جو بلند مقامات میں آواز سے ٹکرائے اور اس کے مقابل پیدا ہو جائے۔(ت)

اب صدا میں علماء مختلف ہیں کہ ہوا اسی تموج اول سے پلٹتی ہے یا گنبد وغیرہ کی ٹھیس سے وہ تموج زائل ہو کر تموج تازہ اس کیفیت سے متکیف ہم تک آتا ہے مواقف ومقاصد اور ان کی شروح میں ثانی کو ظاہر بتایا پھر اس ثانی کے بیان میں عبارات مختلف ہیں بعض اس طرف جاتی ہیں کہ پلٹتی وہی ہوا ہے مگر اس میں تموج نیا ہے یہی ظاہر ہے شرح مواقف وطوالع وبعض شروح طوالع سے۔ بعض تصریح کرتی ہیں ہوا ہی دوسری اس کیفیت سے متکیف ہو کر آتی ہے یہ نص مواقف ومقاصد شرح ہے۔ مطالع الانظار کی عبارت پھر متحمل ہے ولہٰذا ہم نے یہ مضمون ایسے الفاظ میں ادا کیا کہ دونوں معنی پیدا کریں۔ مواقف

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب سجود التلاوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۵

[2] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب سجود التلاوۃ مصطفی البابی مصر ۲/۱۱۹

میں ہے:

الظاھر الصدی تموج ھواء جدید لارجوع الھواء الاول [1]۔	ظاہر یہ ہے کہ آواز بازگشت ایک نئی ہوا میں موج پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ پہلی ہوا کا واپس لوٹنا نہیں۔(ت)

شرح میں ہے:

وذٰلك لان الھواء اذا تموج علی الوجه الذی عرفته حتی صادم جسما یقادمه و یردہ الی خلف لم یبق فی الھواء المصادم ذٰلك التموج بل یحصل فیه بسبب مصادمته ورجوعه تموج شبیه بالتموج الاول وقد یظن ان الھواء المصادم یرجع متصفا بتموجه الاول بعینه فیحمل ذٰلك الصوت الاول الی السامع الاتری ان الصدی یکون علی صفته وھیأته وھذا وان کان محتملا الا ان الاول ھو الظاھر [2]۔	یہ اس لئے کہ جب ہوا میں اس وجہ کے مطابق موج پیدا ہو کہ جس کو آپ پہچان چکے حتی کہ اگر وہ کسی ایسے جسم سے ٹکرائے کہ جو اس کے مقابلے میں آئے اور وہ اسے پیچھے کی طرف لوٹا دے تو پھر اس ٹکرانے والی ہوا میں وہ تموج باقی نہ رہے گا بلکہ اس میں تصادم اور رجوع کی وجہ اور سبب سے ایک ایسا تموج پیدا ہوگا جو تموج اول کے بالکل مشابہ اور اس کی شبیہ ہوگا، اور کبھی یہ گمان کیا جاتا ہے کہ ہوا متصادم بعینہٖ یعنی بالکل اس پہلے تموج کے ساتھ متصف رہتے ہوئے واپس لوٹتی ہے پھر اس پہلی ہی آواز کو اٹھا کر سامع تک پہنچا دیتی ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ صدی (بازگشت) اپنی صفت اور ہیئت پر باقی ہوتی ہے اگرچہ اس بات کا احتمال ہے مگر پہلی بات ہی ظاہر ہے۔(ت)

مقاصد میں ہے:

جعل الواصل نفس الھواء الراجع اواخر متکیفا بکیفیته علی ماھو الظاھر [3]۔	نفس ہوا راجع کو واصل قرار دینا یا دوسری ہوا کو جو پہلی کی کیفیت سے متکیف (اور متصف) ہو جیسا کہ یہ ظاہر ہے۔(ت)

شرح میں ہے:

[1] المواقف مع شرحه النوع الثالث المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۲۶۷

[2] شرح المواقف النوع الثالث المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۵ /۶۸، ۲۶۷

[3] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد النوع الثالث دار المعارف النعمانیہ لاہور ا /۲۱۷

ترددوا فی ان حدوثه من تموج الهواء الاول الراجع علی هیأته او من تموج هواء اخر بیننا وبین المقاوم متکیف بکیفیة الهواء الراجع وهذا هو الاشبه[1]۔	ماہرین عقلیات کو اس بات میں تردد (اور تذبذب) ہے کہ آواز کے پیدا ہونے کا اصل سبب کیا ہے۔ آیا وہ پہلی ہوا جو اپنی ہیئت پر لوٹنے والی ہے (وہ اس کے حدوث کا سبب ہے) یا کسی دوسری ہوا کا تموج (لہرانا) جو ہمارے اور جسم کے مقابل کے درمیان واقع ہے جو لوٹنے والی ہوا کی کیفیت سے متصف اور متکیف ہے (وہ آواز کے حدوث کا سبب ہے) اور یہی شبہہ ہے۔ (ت)

طوالع میں ہے:

الصدی صوت یحصل من انصراف هواء متموج عن جبل او جسم املس[2]۔	الصدی آواز بازگشت ایک ایسی آواز ہے جو کسی پہاڑ یا ملائم (چکنا) جسم سے موج والی ہوا کے لوٹنے سے پیدا ہوتی ہے۔ (ت)

اس کی شرح مطالع میں ہے:

فان الهواء اذا تموج وقاومه مصادم کجبل او جدار املس بحیث یصرف هذا الهواء المتموج الی خلف محفوظا فیه هیئاۃ تموج الهواء الاول حدث من ذٰلك صوت وهو الصداء[3]۔	جب ہوا میں تموج یعنی لہر پیدا ہو، اور کوئی ٹکرانے والا جسم (متصادم) اس کے مقابل ہو جائے جیسے پہاڑ یا کوئی ملائم دیوار کہ یہ مقابل جسم اس تموج والی ہوا کو پیچھے پھیر دے اور دھکیل دے کہ اس پہلی ہوا کا تموج اپنی ہیت پر بدستور محفوظ ہو پس اس سے ایک آواز پیدا ہوگی۔ پس وہی "صدی" یعنی آواز بازگشت ہے۔ (ت)

اس کی دوسری شرح میں ہے:

الصدی صوت یحصل من هواء متموج منصرف عن جسم املس یقاوم الهواء المتموج ویمنعه من النفوذ	الصدی آواز بازگشت ایک آواز ہے جو موج والی ہوا جو کسی ملائم جسم کی وجہ سے لوٹتی ہے جو تموج والی ہوا کے مقابل ہوتا ہے۔ اور اس کو

[1] شرح المقاصد النوع الثالث دار المعارف النعمانیه لاہور ۱/ ۲۱۸

[2] طوالع الانوار

[3] مطالع الانظار شرح طوالع الانوار

فیه وبالضرورة ینصرف الهواء المتموج من ذلك الجسم الی الخلف علی مثل الهیأة التی کان علیها وحینئذ یحتمل ان یکون الهواء المتموج المصادم للجسم الاملس یرجع متصفا بتموجه الاول بعینه ویحمل الصوت الی السامع وان یکون سبب الصدی تموج جدید حصل للهواء لانه اذا تموج الهواء حتی صادم جسما املس یقاومه ویرده الی الخلف لم یبق فی الهواء المتصادم ذلك التموج بل یحصل لسبب المصادمة والرجوع تموج شبیه بالتموج الاول فهنا التموج الجدید الذی کان ابتداء ه عند انتهاء الجدید الذی هو سبب الصدی قیل الاظهر هو الثانی ۔[1]	اس میں نفوذ سے روکتا ہے۔لہٰذا اس ضرورت کی بناء پر تموج والی ہوا اس جسم سے اسی پہلی ہیئت پر پیچھے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔لہٰذا اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ تموج والی ہوا جو کسی چکنے اور ملائم جسم سے ٹکراتے ہوئے بعینہٖ پہلے تموج سے متصف رہتے ہوئے لوٹ جائے اور آواز کو اٹھا کر سامع تک پہنچادے۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آواز بازگشت (صدی) کا سبب کوئی تموج جدید ہو جو ہوا کو حاصل ہوا ہو، کیونکہ جب ہوا میں تموج پیدا ہو جبکہ اس سے کوئی ایسا ملائم جسم مقابل ہوجائے جو اسے پیچھے کی طرف لوٹا دے۔پھر ہوا متصادم میں وہ تموج باقی نہ رہے گا بلکہ تصادم اور رجوع کے سبب سے ہوا میں کوئی ایسی موج پیدا ہوجائے جو بالکل تموج اول کی شبیہ ہو۔پس یہ تموج جدید کہ جس کی راہنمائی پہلے تموج کی انتہا سے ہے۔پس یہی آواز بازگشت (صدٰی) کا سبب ہے۔اور کہا گیا کہ یہ دوسری بات زیادہ ظاہر ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بر تقدیر ثانی ظاہر وہی معنی ثانی ہے کہ راجع ہوائے ثانی ہے،

اوّلاً: صدمہ جبل نے اگر ہوائے اول کو روک لیا اور اس کا تموج دور کردیا تو دوبارہ اس میں تموج کہاں سے آیا وہ تصادم تو اس کا مسکن ٹھہرا نہ کہ محرک۔

ثانیاً: اثر قرع دو تھے۔ تحرک و تشکل۔ جو صدمہ تحرک سے روک دے گا تشکل کب رہنے دے گا جو نقش برآب سے بھی نہایت جلد مٹنے والا ہے کیا ہم نہیں دیکھتے کہ پانی کو جنبش دینے سے جو شکل اس میں پیدا ہوتی ہے اس کے ساکن ہوتے ہی معًا جاتی رہتی ہے۔ خود شرح مواقف میں گزرا اذا انتفی انتفی[2] (جب وہ منفی ہوگا تو یہ منفی ہوگا۔ت) اور جب وہ تشکل جاتا رہا تو اب اگر کسی محرک سے پلٹے گی بھی

[1] شرح طوالع الانوار

[2] شرح المواقف المقصد الاول النوع الثانی منشورات الرضی قم ایران ۵/ ۲۵۸

اشکال حرفیہ کہاں سے لائے گی کہ وہ تحریک غیر ناطق سے ناممکن ہیں تواس قول ثانی کی صحیح وصاف تعبیر وہی ہے جو مواقف ومقاصد میں فرمائی یعنی مثلاً مقاومت جبل سے یہ ہوا تو رک گئی مگر اس کا دھکا وہاں کی ہوا کو لگا اور اس کے قرع سے اس میں تشکل وتحرک آیا آواز کا ٹھپا اس میں سے اس میں اتر گیا اور یہ رک گئی کہ نہ اس میں تحرک رہا نہ تشکل۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) شاید قائل کہہ سکے کہ پہلا قول اظہر ہے کہ مصادمت اجسام میں وہی پیش نظر ہے قوت محرکہ جتنی طاقت سے حرکت دیتی ہے پھینکا ہوا جسم اگر راہ میں مانع سے نہیں ملتا اس طاقت کو پورا کرکے رک جاتا ہے اور اگر طاقت باقی ہے اور بیچ میں مقاوم مل گیا تصادم واقع ہوتا ہے اور وہ جسم ٹھوکر کھا کر بقیہ طاقت تحریک کے قدر پیچھے لوٹتا ہے یوں اس قوت کو پورا کرتا ہے جیسے گیند بقوت زمین پر مارنے سے مشاہدہ ہے اور جواب دے سکتے ہیں کہ یہ اس حالت میں ہے کہ دونوں جانب سے تصادم ہو ہوا سا لطیف جسم پہاڑ کے صدمہ سے ٹکر کھا کر پلٹنا ضرور نہیں غایت یہ کہ پھیل جائے بہر حال کچھ سہی اتنا یقینی ہے کہ آواز وہی آواز متکلم ہے خواہ پہلی ہی ہوا اسے لئے ہوئے پلٹ آئی یا اس کے قرع سے آواز کی کاپی دوسری میں اتر گئی اور وہ لائی مگر شرع مطہر نے اس کے سننے سے سجدہ واجب نہ فرمایا قول ثانی پر یہ کہنا ہوگا کہ سماع میں ایجاب سجدہ کے لئے اسی تموج اول سے وقوع سماع لازم ہے اور قول اول پر قید بڑھانی واجب ہوگی کہ وہ تموج محض اس طاقت کا سلسلہ ہو جو تحریک گلو وزبان تالی نے پیدا کی تھی پلٹنے میں وہ قوت تنہا نہ رہی بلکہ تصادم کی قوت دافعہ بھی شریک ہو گئی۔ غرض کچھ کہئے یہی حکم سماع فونو میں ہوگا قول ثانی پر بعینہٖ وہی فونو کا واقعہ ہے کہ تشکل باقی اور متموج ہوائے ثانی اور قول اول پر یہاں بدرجہ اولیٰ عدم وجوب لازم کہ جب بحال بقائے تموج وتشکل معًا صرف تخلل تصادم ورجوع سے ایجاب نہ رہا تو یہاں کہ تموج بدل گیا بروجہ اولیٰ وجوب نہ ہوگا۔ اور مختصر یہ ہے کہ سجدہ سماع اول پر ہے نہ کہ معاد پر اگرچہ خاص اس سامع کی نظر سے مکرر نہ ہو اور شک نہیں کہ سماع صدا سماع معاد ہے۔ اور فونو کی توضع ہی اعادہ سماع کے لئے ہوئی ہے لہٰذا ان سے ایجاب سجدہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب یہ مقدمہ جلیلہ ممہد ہولیا تو اب بتوفیقہ تعالٰی **تنقیح مسئلہ** کی طرف چلئے۔ یہاں صور عدیدہ ووجوہ شتی ہیں:

وجہ اوّل: سب میں پہلے تحقیق طلب ان پلیٹوں گلاسوں کی طہارت ہے۔ مسالا کہ ان پر لگایا جاتا ہے اگر اس میں کوئی ناپاک جز شامل ہے۔ (جس طرح یورپ کی اکثر اشیاء میں معہود ومشہور ہے۔

ان کے یہاں شراب کے برابر کوئی شے حافظ قوت ادویہ نہیں اور تمام تحلیلات اعمال کیمیاویہ میں جن سے ایسی تراکیب کم خالی ہوتی ہیں اسپرٹ کا استعمال لازم ہے اسپرٹ قطعاً شراب ہے سمیت کے سبب قابل شرب نہ ہونا اسے شراب ہونے سے خارج نہیں کرسکتا بلکہ اس کی سمیت ہی غایت جوش واشتداد وسکروفساد سے ہے۔برانڈیاں کہ یورپ سے آتی ہیں ان کے نشہ کی قوتیں اس کے قطرات سے بڑھائی جاتی ہیں فلاں قسم کے نوے قطروں میں اس کا ایک قطرہ ہے فلاں کے سو میں اور شرابیں پینے سے نشہ لاتی ہیں اور اسپرٹ صرف سونگھنے سے تو وہ حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجاست غلیظہ بھی۔**کما ھو الصحیح المعتمد المفتٰی بہ** (جیسا کہ صحیح اور قابل اعتماد،اور وہ بات کہ جس پر فتوٰی دیا گیا ہے۔ت) جب توظاہر ہے کہ قرآن عظیم کا اس میں بھرنا حرام قطعی ہے اور سخت شدید توہین وبے ادبی ہے جب وہ قالب نجس ٹھہرے تو یہ بعینہٖ ایسا ہوگا کہ کاغذ پیشاب میں بھگو کر معاذاللہ اس پر لکھنا جسے مسلمان تو مسلمان کوئی سمجھ والا کافر بھی گوارا نہ کرے گا۔ہمارے علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ نجاست کی جگہ قرآن عظیم پڑھنا منع ہے۔ولہذا حمام میں تلاوت مکروہ ہے۔فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

یکرہ ان یقرأ القراٰن فی الحمام لانہ موضع النجاسات ولایقرأ فی بیت الخلاء[1]۔	مکروہ ہے کہ حمام میں قرآن مجید پڑھا جائے اس لئے کہ وہ محل نجاست ہے۔اور بیت الخلاء (لیٹرین) میں بھی قرآن مجید نہ پڑھا جائے۔(ت)

قنیہ وہندیہ میں ہے:

لاباس بالقراءۃ راکبا وما شیا اذا لم یکن ذٰلک الموضع معدا للنجاسۃ فان کان یکرہ لہ[2]۔	سوار ہونے والے اور پاپیادہ چلنے والے کے لئے قرآن مجید پڑھنے میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں بشرطیکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو،اور اگر گندگی کے لئے بنی ہو تو وہاں تلاوت کرنا مکروہ ہے۔(ت)

بلکہ جن کے نزدیک موت سے بدن نجس ہوجاتا ہے اور غسل میت اسے نجاست حقیقیہ سے تطہیر کے لئے رکھا گیا ہے وہ قبل غسل میت کے پاس بیٹھ کر تلاوت کو منع کرتے ہیں جب تک اسے بالکل ڈھانک نہ دیا جائے کہ نجاست منکشفہ کا قرب ہوگا۔تنویر میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الصلوٰۃ فصل فی قرأۃ القرآن مطبع نولکشور لکھنؤ ۱/۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ القنیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۶

کرہ قراءۃ القراٰن عندہ الی تمامہ غسلہ [1]۔	میت کو غسل دینے تک اس کے پاس قرآن مجید پڑھنا مکروہ ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

علله الشرنبلالی فی امداد الفتاح تنزیھا للقراٰن عن نجاسة المیت لتنجسه بالموت قیل نجاسة خبث وقیل حدث و علیه فینبغی جوازھا کقراءۃ المحدث [2]۔	امداد الفتاح میں علامہ شرنبلالی نے اس کی تعلیل ذکر فرمائی تاکہ قرآن مجید کو میت کی نجاست اور ناپاکی سے بچایا جائے کیونکہ نجاست اسے موت کی وجہ سے ناپاک کردیتی ہے۔ پھر اس نجاست میں اختلاف ہے چنانچہ بعض نے کہا کہ یہ نجاست خبیث ہے جبکہ بعض کے نزدیک حدث ہے۔ لہٰذا اس بنیاد پر مناسب ہے کہ میت کے پاس قرآن مجید پڑھنا جائز ہے جیسے بے وضو کا یاد سے قرآن مجید پڑھنا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وذکر ط ان محل الکراھة اذا کان قریبا منه اما اذا بعد عنه فلا کراھة اھ قلت والظاھر ان ھذا ایضا اذا لم یکن المیت مسجی بثوب یستر جمیع بدنه [3] الخ۔	علامہ طحطاوی نے ذکر کیا کہ اس کراہت کا محل یہ ہے کہ جب میت کے قریب بیٹھا ہو لیکن جب اس سے دور بیٹھا ہے اور قرآن مجید پڑھ رہا ہے) تو پھر کراہت نہ ہوگی اھ میں کہتا ہوں یہ کراہت بھی تب ہوگی کہ جب میت کسی ایسے کپڑے سے جو اس کے سارے جسم کو چھپائے ڈھانپی ہوئی نہ ہو الخ۔(ت)

جب قرب نجاست میں تلاوت منع ہوئی کہ اس ہوا کا جو اشکال حروف قرآن کی حامل ہے محل نجاست پر گزر نہ ہو خود نجس چیز میں معاذاللہ ان اشکال طاہرہ کا مرتسم کرنا کس درجہ سخت حرام ہوگا۔

اقول: وبما بینا ظھر وجه التقیید بان لا یکون جمیع بدنه مسجی فافھم۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جو کچھ ہم نے بیان کیا اس سے قید لگانے کی وجہ ظاہر ہوگئی کہ میت کا پورا جسم ڈھانپا ہوا نہ ہو، پس اچھی طرح سمجھ لیجئے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰-۱۱۹

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۷۳

بلکہ حق یہ ہے کہ اس تقدیر پر جہل مردم وناواقفی حال آلہ وعدم نیت وعدم تنبہ کا قدم درمیان نہ ہو تو دیدہ دانستہ ان میں آیات بھرنے والے کا حکم معاذاللہ القائے مصحف فی القاذورات (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ یہ تو مصحف شریف کو نجاستوں میں پھینکنا ہے۔ ت) کے مثل ہوتا ہم روشن کرچکے کہ تمام جلوہ گاہوں میں وہی صفت الٰہیہ بعینہا حقیقۃً جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس کے لئے معاذاللہ یہ ناپاک کسوت مقرر کرنا کس درجہ ایمان ہی کے مخالف ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، پھر یہ توہین خبیث صرف ان بھرنے والوں ہی کے ماتھے نہ جائے گی بلکہ باوجود اطلاع اسے تحریک دے کر الفاظ قرآنی کی آواز اس سے ادا کرنے والے اس کی خواہش کرکے ادا کرانے والے سننے والے سنانے والے اس پر راضی ہونے والے، باوصف قدرت انکار نہ کرنے والے سب اسی بلائے عظیم میں گرفتار ہوں گے۔ نہ فقط یوں کہ توہین کے مرتکب صرف بھرنے والے ہوں اور یہ اس کے روا رکھنے گوارا کرنے والے نہیں نہیں بلکہ ہر بار بعینہٖ ویسی ہی توہین جدید کے یہ خود پیدا کرنے والے کہ انھوں نے گویا نقوش کتابت قرآنیہ اس نجس میں لکھے انھوں نے الفاظ تلاوت قرآنیہ اس پر گزرتے ہوئے ادا کئے بلکہ اس وقت اس کی تجلی بے پردہ وحجاب جلوہ فرما ہوگی بھری ہوئی چوڑیوں میں نقوش قرآنیہ ہونا ہر شخص نہ سمجھے گا اور اب جو ادا کیا جائے گا کسی کو اس کے قرآن ہونے میں اصلا اشتباہ نہ ہوگا **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم** (گناہوں سے تحفظ اور بھلائی کرنے کی قوت کسی میں نہیں بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ اور بڑی شان والے کی توفیق دینے۔ ت)

وجہ دوم: یہ صورت تو وہ تھی کہ ان کا گلاسوں پلیٹوں کا پلید ونجس ہونا معلوم یا مظنون ہی ہو۔

فان الظن فی الفقهیات ملتحق بالیقین لاسیما مثل امر الاحتیاط فی الدین۔	کیونکہ فقہی مسائل میں گمان، یقین کے ساتھ ملحق ہے۔ خصوصًا اس نوع کے دینی احتیاط کے معاملہ میں۔ (ت)

بلکہ اگر حالت شبہہ ہو جب بھی حکم احتراز ہے۔ کہ محرمات میں شبہہ ملتحق بیقین ہے۔ **کما نص علیه فی الهدایة وغیرها۔** (جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) اب وہ صورت فرض کیجئے کہ پلیٹ وغیرہ کی طہارت یقینی ہو اس کے اجزاء اور بنانے کا طریقہ معلوم ہو جس میں کہیں کسی نجاست کا خلط نہیں تو اس میں ایک کھلی سخت شدید نجاست معنوی رکھی ہوئی ہے وہ یہ کہ اس کا عام بجانا، سننا، سنانا سب کھیل تماشے کے طور پر ہوتا ہے۔ قرآن عظیم اس لئے نہیں اترا اسی عزت والے عزیز عظیم سے پوچھو کہ وہ کھیل کے طور پر اپنے سننے والے کی نسبت کیا فرماتا ہے:

"اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ	لوگوں کے لئے ان کا حساب نزدیک آیا اور وہ

"غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ﴿۱﴾ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَ هُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۲﴾ لَاهِیَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ" [1]	غفلت میں روگرداں پڑے ہیں، نہیں آتا ان کے پاس ان کے رب سے کوئی نیاذکر مگراسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں دل کھیل میں پڑے ہوئے۔

اور فرماتا ہے:

"اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾" [2]	توکیااس کلام کو اچنبا بناتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم کھیل میں پڑے ہو۔

اور فرماتا ہے:

"وَ ذَرِ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَ ذَكِّرْ بِهٖۤ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖۗ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیٌّ وَّ لَا شَفِیْعٌ ۚ وَ اِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا یُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾" [3]	چھوڑدے ان کو جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا اور دنیا کی زندگی نے انھیں فریب دیا اور اس قرآن سے لوگوں کو نصیحت دے کہیں پکڑی نجائے کوئی جان اپنے کئے پر کہ خدا سے جدا نہ اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی اور اگر اپنے چھڑانے کو سارے بدلے دے کچھ نہ لیا جائے یہ ہیں وہ لوگ کہ اپنے کئے پر گرفتار ہوئے انھیں پینا ہے کھولتا پانی اور دکھ کی مار، بدلہ ان کے کفر کا۔

اور فرماتا ہے:

"وَ نَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾" [4] "الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ	دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے فیض سے تھوڑا پانی دو یا وہ رزق جو خدا نے تمھیں دیا وہ کہیں گے بیشک اللہ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کردی ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنالیا اور انھیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا تو آج ہم ان کو بھلادیں گے جیسا وہ بھولے اس دن

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱تا۳

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۵۹ تا ۶۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۷۰

[4] القرآن الکریم ۷/ ۵۰

یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۵۱ "[1]	کاملنا اور جیسا جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

واقعی کفار نے یہ بڑا داؤ مسلمانوں سے کھیلا کہ ان کے دین کی جڑ ان کے ایمان کی اصل قرآن عظیم کو خود ان کے ہاتھوں کھیل تماشا بنوادیا یہ ان لوگوں کے فونو سے قرآن سننے سنانے کا خاص جزئیہ ہے کہ قرآن عظیم نے اس کی ایجاد سے تیرہ سو برس پہلے ظاہر فرمادیا اس سے بڑھ کر اور سخت بلا کیا ہوگی اس سے بدتر اور گندی نجاست کیا ہوگی۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

وجہ سوم: زید اس مجمع لہو ولغو میں ہے تماشے کے طور پر قرآن مجید سنایا جارہا ہے اس کا دعوی ہے کہ میں تذکر و تفکر ہی کے طور پر سن رہا ہوں مجھے لہو مقصود نہیں، اگر یہ صحیح ہو جب بھی وہ گناہ وجرم سے بری نہیں ایسے مجمع میں شریک ہونا ہی کب جائز تھا اگرچہ تیری نیت نیت خیر ہو، کیا قرآن عظیم نے نہ فرمایا:

"وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ "[2]	اور جب تو انھیں دیکھے جو ہماری آیتوں کو مشغلہ بنارہے ہیں تو ان سے منہ پھیر لے یہاں تک کہ وہ کسی اور بات کے شغل میں پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس سے فوراً اٹھ کھڑا ہو،

یہ کیا اسی کی یاددہانی میں دوسری جگہ اس سے بھی صاف تر و سخت تر نہ فرمایا:

"وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ۝۱۴۰ "[3]	بیشک اللہ تعالٰی تم پر قرآن میں حکم اتار چکا کہ جب تم سنو کہ خدا کی آیتوں پر گرویدگی نہیں کی جاتی اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو تم ان کے پاس نہ بیٹھو جب تک وہ اور بات کے شغل میں پڑیں اور وہاں بیٹھے تو تم بھی انھیں جیسے ہو بیشک اللہ تعالٰی منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔

آیتوں کو کھیل بنانے والے کافر ہوئے، اس وقت ان کے پاس بیٹھنے والے منافق ٹھہرے۔

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۰و۵۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۰

یہاں پاس بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہنم میں بھی اکٹھے رہے **والعیاذ باللہ تعالٰی** معالم التنزیل میں ہے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا:

دخل فی ھذہ الایۃ کل محدث فی الدین وکل مبتدع الی یوم القیمۃ [1]۔	اس آیت میں قیامت تک کا ہر مبتدع ہر بد مذہب داخل ہے۔

وجہ چہارم: صلحاء نے خاص اپنا جلسہ کیا جس میں سب نیت صالح والے ہیں اور تفکر وتذکر ہی کے طور اس میں سے قرآن مجید سنا خاص اس سے سننے کی یہ ضرورت تھی کہ اس میں کسی اعلٰی قاری کی نہایت دردناک ودلکش قراءت بھری ہے اس میں سے قرات سنانے والا بھی انھیں میں کا ہے کہ اس نے اس کا بنانا چلانا سیکھ لیا ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اب یہاں دو نظریں ہیں: نظر اولٰی و نظر دقیق۔

نظر اولٰی صاف حکم کرے گی کہ اب اس میں کیا حرج ہے جب پلیٹیں طاہر و پاک فرض کرلی گئیں تو حرج صرف نیت لہو کا رہا اس سے یہ لوگ منزہ ہیں اور بھرنے والوں کی نیت فاسدہ کا ان پر کیا اثر۔

قال اللہ تبارك وتعالٰی "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ" [2]۔	اللہ تبارک وتعالٰی نے ارشاد فرمایا: کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

اور کوئی فی نفسہ جائز کام کفار سے سیکھنے میں حرج نہیں اگرچہ انھیں کی ایجاد ہو جیسے گھڑی، تار، ریل وغیرہا اور فونو بذات خود معازف اور مزامیر سے نہیں کہ اس کے لئے کوئی خاص آواز ہی نہیں جس کے واسطے اسے وضع کیا ہو یا اس سے قصد کیجاتی ہو وہ تو ایک آلہ مطلقہ ہے جس کی نسبت ہر گونہ آواز کی طرف ایسی ہے جیسی اوزان عروضیہ کی کلام کی طرف بلکہ حروف ہجا کی معنی کی طرف حروف ہجا من حیث ہی حروف الہجا علوم رسمیہ میں کسی خاص معنی کے لئے موضوع نہیں بلکہ وہ آلہ تادیہ معانی مختلفہ ہیں جیسے معنی چاہیں ان سے ادا کرسکتے ہیں اچھے ہوں خواہ برے یہاں تک کہ ایمان سے کفر تک سب انھیں حروف سے ادا ہوتا ہے ایسے الہ مطلقہ کو من حیث ہی کذا حسن یا قبیح کسی کے ساتھ موصوف نہیں کرسکتے بلکہ وہ مدح وذم وثواب وعقاب میں اس چیز کا تابع ہوتا ہے جو اس سے ادا کی جائے، تلوار بہت اچھی ہے اگر اس سے حمایت اسلام

---

[1] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیۃ وقد نزل علیکم فی الکتب الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۱۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

کی جائے اور سخت بری ہے۔اگر خون ناحق میں برتی جائے،اسی لئے حدیث میں فرمایا:

الشعر بمنزلة الکلام فحسنه کحسن الکلام و قبیحه کقبیح الکلام۔رواہ البخاری فی الادب[1] المفرد والطبرانی فی المعجم الاوسط عن عبداللہ بن عمرو بن العاص وابو یعلی عنه وعن ام المومنین الصدیقة والدار قطنی عن عروۃ عنها والشافعی عن عروۃ مرسلا رضی اللہ تعالٰی عنهم و اسنادہ حسن۔	شعر بمنزلہ کلام کے ہے تو اس کا اچھا مثل اچھے کلام کے ہے اور اس کا برا مثل برے کے،(امام بخاری نے ادب المفرد میں، امام طبرانی نے المعجم الاوسط میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔اور محدث ابویعلٰی نے ان سے اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے بھی اسے روایت کیا ہے۔اور امام دار قطنی نے بواسطہ حضرت عروہ مائی صاحبہ سے اور امام شافعی نے حضرت عروہ سے بطور ارسال اسے روایت فرمایا ہے۔اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔اس حدیث کی سند درجہ حسن رکھتی ہے۔(ت)

یہ اسی سبب کے اوزان عروضیہ ادائے ہرگونہ کلام کے آلہ ہیں تو ان پر فی انفسها کوئی حکم حسن وقبح نہیں ہوسکتا بلکہ مؤدی بہا کے تابع ہوں گے شعر میں اچھی بات ادا کی جائے تو حدیث صحیح میں ان من الشعر لحکمة[2] (بیشک بعض شعر ضرور حکمت ہوتے ہیں۔ت) ارشاد ہوا ہے اور یاوہ سرائی یا ہرزہ درائی کی جائے تو "الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾"[3] (اور شاعروں کی پیروی اور ان کا اتباع گمراہ کرتے ہیں۔ت) فرمایا گیا وہاں ان اللہ یؤید حسان بروح القدس (اللہ تعالٰی حضرت جبریل سے حضرت حسان کی تائید کرتا ہے۔ت) کی بشارت جانفزا ہے اور دوسری طرف امرؤالقیس صاحب لواء الشعراء الی النار (امرؤ القیس شاعروں کا علمبردار آتش دوزخ میں ہے۔ت) کی وعید جانگزا۔ رواہ الاحمد[4] والبزار عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه (اسے احمد وبزار نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۶۹۲ ریاض ۸/ ۳۴۰ و ادب المفرد حدیث ۸۶۵ مکتبہ اثریہ شیخوپورہ ص ۲۲۳

[2] ادب المفرد حدیث ۸۶۵ باب من قال ان من البیان سحرا الخ المکتبه الاثریه شیخوپورہ ص ۲۲۵،صحیح البخاری کتاب الادب باب مایجوز من الشعراء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۷

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۴

[4] کنز العمال برمز حم وت عن عائشه حدیث ۸۳۲۴۸ مؤسسة الرساله بیروت ۱۱/ ۶۷۲،مسند امام احمد بن حنبل عن عائشه رضی اللہ عنها دار الفکر بیروت ۶/ ۷۲

تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) بعینہٖ یہی حالت فونو کی ہے کہ وہ کسی صوت خاص کے لئے موضوع نہیں جسے معازف ومزامیر میں داخل کرسکیں بلکہ ادائے ہر قسم آواز کاآلہ ہے توحسن وقبح ومنع واباحت میں اسی آواز مؤدی بہ کا تابع ہوگا جب تک خارج سے کوئی مغیر عارض نہ ہو اگراس میں سے مزامیر کی آواز سنی جائے توحکم مزامیر میں ہے اور بہ نیت تذکرہ وعظ وتذکیر کی آواز سنی جائے توحکم وعظ وتذکیر میں اور وعظ ومذکر کاذی روح ہونا کچھ شرط نہیں۔

مرد باید کہ گیر داندر گوش　　　　　وز نبشت ست بند بر دیوار

(مرد کو چاہئے کہ اپنے کانوں سے نصیحت سنے اگرچہ کلمات نصیحت کسی دیوار پر لکھے ہوں۔ت)

آلہ ادا میں فی نفسہٖ کوئی آواز ودیعت ہی نہیں ہوتی آوازیں تورکاوٹوں میں ہیں آلہ محض مثل گلو وحنجرہ ہے جس سے ہر طرح کی صوت نکال سکتے ہیں توخراب وناجائز پلیٹوں کاحکم پاک وجائز قالبوں کی طرف کیوں ساری ہونے لگااور اگر بھرنے والوں نے ایک ہی ریکارڈ کے ایک پہلو پر کچھ آیات یا اشعار حمد ونعت اور دوسرے پر کچھ خرافات بھری ہیں تو یہ بے ادبی وجمع ضدین ان کا فعل ہے خذ ما صفا ودع ما کدر (جو صاف ہولے لو، جو گدلا ہو چھوڑ دو۔ت) پر عمل کرنے والے اس پر کیوں ماخوذ ہوں گے اس کی نظیر کنیز مشترک ہے اس کے ایک صالح مولٰی نے اسے قرآن عظیم پڑھایا دوسرے فاسق نے گانا سکھایا تواس کے گلے سے دونوں چیزوں کااداہوسکنا صالح آقا کواس سے قرآن عظیم سننا منع نہ کردیگا عرف میں اسے باجا کہنا مزامیر ومعازف ممنوعہ کے حکم میں داخل نہ کردے گا۔

فان الامور لمقاصدھا وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی[1]۔	کیونکہ کاموں کااعتبار بلحاظ ان کے مقاصد کے ہے اعمال کامدار ارادوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے کہ جس کااس نے ارادہ کیا ہے۔(ت)

معازف ومزامیر آلات لہو وطرب ہیں جو خاص موسیقی کی آوازیں اداکرنے کو لذت نفسانی ونشاط شیطانی کے لئے وضع کئے گئے ہر غیر ذی روح جس سے آواز کسی مقصد حسن یا مباح کے لئے پیدا کی جائے اس میں داخل نہیں ہوسکتا اگرچہ اس سے آواز نکالنے کو بجانا کہیں یوں توطبل غازی ونقارہ سحری بھی باجا ہے ریل کے انجن میں جو سوراخ دھواں نکالنے کو رکھا جاتا ہے جس سے لوگوں کاجان ومال بچانے کے لئے ان کی اطلاع دہی کو آواز نکالی جاتی ہے اس آواز کو بھی سیٹی یاپپیہا کہتے ہیں مگر

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

یہ نام اس فعل حسن کو ممنوع سیٹی اور پھیپے کے حکم میں نہ کردے گا بالجملہ یہاں جو کچھ حرج آیا نیت لہو سے یا مجمع لہو سے ہے۔ کہ قرآن عظیم کا اس نیت سے سننا لذاتہ حرام قطعی اور اس مجمع میں سننا لغیرہٖ ممنوع شرعی۔ جب یہ دونوں منتفی ممانعت منتفی، یہ نظر اولٰی کی تقریر ہے اور **نظر دقیق** فرمائیگی کہ یہ سب کچھ حق و بجا مگر فعل حرج سے اب بھی نہ بچا، بھرنے والوں کے مقاصد فاسدہ معلوم ہیں کہ لہو و لعب ہے اور اس کے ذریعہ سے ٹکا کمانا تو ان کا بنانا حرام اور اسے استعمال کرنے والے اس حرام کے معین ہوئے اگر لوگ نہ خریدتے نہ سنتے، تو وہ ہر گز قرآن عظیم بھرنے کی جرأت نہ کرتے، شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ جس بات سے حرام کو مدد پہنچے اسے بھی حرام فرمادیتی ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ[1]"۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو(ت)

جو چیز بنانا ناجائز ہو اسے خریدنا استعمال میں لانا بھی منع ہوتا ہے کہ یہ نہ لیں تو وہ کیوں بنائیں ان کا مول لینا اور کام میں لانا ہی انھیں بنانے پر باعث ہوتا ہے ولہذا خواجہ سراؤں کا خریدنا ان سے کام خدمت لینا شرعاً منع ہوا اور ائمہ کرام نے اس کی علت بھی یہی بیان فرمائی کہ آدمی کو خصی کرنا حرام ہے یہ فعل اگرچہ ان خریدنے والوں کا نہیں مگر ان کا خریدنا ہی ان فاسقوں کو اس پر جرأت دلاتا ہے کوئی مول نہ لے تو کیوں ایسی ناپاکی کریں۔ امام ابو جعفر طحاوی معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

لما نھی عن اخصاء بنی اٰدم کرہ بذٰلك اتخاذ الخصیان لان فی اتخاذھم مایحمل من تحضیضھم علی اخصائھم لان الناس اذا تحاموا اتخاذ ھم لم یرغب اھل الفسق فی اخصائھم وقد حدثنا ابن ابی داؤد ثنا القواریری ثنا عفیف بن سالم ثنا العلاء بن عیسی الذھلی قال اتی	جب اولاد آدم کے خصی (نامرد کرنا) کرنے سے منع کردیا گیا پس اسی لئے خصی افراد سے خدمت لینا اور انھیں کسی کام میں استعمال کرنا مکروہ ہے کیونکہ استعمال کرنے سے لوگوں کا انھیں خصی کرنے پر ابھار اور آمادگی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب لوگ انھیں استعمال کرنے سے بچیں اور پرہیز کریں تو پھر بدکار اور اوباش لوگ انسانوں کو خصی کرنے کی طرف رغبت نہ کریں۔ ابن ابی داؤد، القواریری، عفیف بن سالم العلاء بن عیسٰی الذہلی کے چند وسائط

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

عمر بن عبدالعزیز بخصی فکرہ ان یبتاعہ وقال ماکنت لاعین علی الاخصاء فکل شیئ فی ترک کسبہ ترک لبعض اھل المعاصی فلا ینبغی کسبہ[1]۔	سے ہم تک (یعنی امام ابو جعفر طحاوی تک) یہ حدیث پہنچی کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک خصی آدمی کو لایا گیا تو آپ نے اس کو خرید لینا ناپسند کیا اور فرمایا میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ انسان کے خصی کرنے پر بدکرداروں سے تعاون کروں، پھر ہر کام کہ جس کے نہ کرنے سے بعض گناہگاروں سے گناہ چھوٹ جاتا ہے تو پھر نامناسب ہے کہ ایسا کام کیا جائے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

یکرہ استخدام الخصیان لان الرغبۃ فی استخدامھم حث الناس علی ھذا الضیع وھو مثلۃ محرمۃ[2]۔	خصی لوگوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کیونکہ انسان سے خدمت لینے کی رغبت رکھنا لوگوں کو اس برے کام پر امادہ کرنا ہے اور یہ "مثلہ" ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔(ت)

غایۃ البیان میں مختصر امام طحاوی سے ہے:

یکرہ کسب الخصیان وملکھم واستخدامھم وقال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لولا استخدام الناس ایاھم لما اخصاھم الذین یخصونھم[3]،	خصی لوگوں کی کمائی، اور ان کا ملک (یعنی ملکیت) اور ان سے خدمت لینا یہ سب کام مکروہ ہیں، حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ارشاد فرمایا: اگر لوگوں کا ان سے خدمت لینا نہ ہوتا تو پھر جو لوگ انھیں خصی کرتے ہیں وہ کبھی انھیں خصی نہ کرتے (ت)

اسی دلیل سے ہمارے علماء نے بیل بکرے کے خصی کرنے اور گھوڑی سے خچر لینے کا جواز ثابت فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو خصی دنبے قربانی کئے اور خچر پر سواری فرمائی، اگر یہ فعل ناجائز ہوتے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کو کام میں نہ لاتے، شرح معانی الآثار شریف میں ہے:

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب السیر باب انزاء الحمیر علی الخیل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۶

[2] الہدایہ کتاب الکراھیۃ مسائل متفرقہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۲

[3] مختصر الطحاوی کتاب الکراھیۃ یکرہ کسب الخصیان الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۴۳

قد رأینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ضحی بکبشین موجوئین وھما المرضوضان خصاھما والمفعول بہ ذٰلك قد انقطع ان یکون لہ نسل فلو کان اخصاؤھما مکروھا اذا لما ضحی بھما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	بیشک ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی یعنی وہ دو ایسے دنبے تھے کہ جن کے دونوں خصیے کوفتہ تھے۔ اور جس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جائے اس کی نسل ختم ہوجاتی ہے۔ اگر دنبوں کو خصی کرنا مکروہ ہوتا تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام ایسے مکروہ جانورں کی کبھی قربانی نہ کرتے۔ (ت)

اسی کے باب انزاء الحمیر علی الخیل میں ہے:

لوکان مکروہا لکان رکوب البغال مکروھا لانہ لو لا رغبۃ الناس فی البغال ورکوبھم ایاھا لما انزئت الحمیر علی الخیل[2]۔	گدھوں کا گھوڑی سے جفتی کرانا، اگر یہ مکروہ ہوتا تو ضرور خچروں پر سوار ہونا مکروہ ہوتا۔ اس لئے کہ اگر لوگوں کی خچروں کی طرف اور ان کی سواری کی طرف رغبت نہ ہوتی تو کبھی گدھوں سے گھوڑی پر جفتی نہ کرائی جاتی۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاباس باخصاء البھائم وانزاء الحمیر علی الخیل وقد صح ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رکب البغلۃ فلو کان ھذا الفعل حرام لما رکبھا لما فیہ من فتح بابہ[3]۔	چوپایوں کے خصی کرنے میں اور گدھوں سے گھوڑی پر جفتی کرانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے صحیح روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خچر پر سوار ہوئے ہیں اگر یہ کام حرام ہوتا تو آپ کبھی خچر پر سوار نہ ہوتے کیونکہ اس میں برائی کا دروازہ کھلتا ہے۔ (ت)

اسی باب سے ہے کہ قوی تندرست قابل کسب جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں ان کو دینا گناہ ہے کہ ان کا بھیک مانگنا حرام ہے اور ان کو دینے میں اس حرام پر مدد، اگر لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور کوئی

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب اخصاء البھائم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۳۲۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب السیر باب انزاء الحمیر علی الخیل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۱۷۶

[3] الھدایہ کتاب الکراھیۃ مسائل متفرقہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۴۷۲

پیشہ حلال اختیار کریں۔ درمختار میں ہے:

لایحل ان یسأل شیئا من القوت من له قوت یومه بالفعل اوبالقوة کالصحیح المکتسب ویأثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی المحرم[1]۔	یہ حلال نہیں کہ آدمی کسی سے روزی وغیرہ کا سوال کرے جبکہ اس کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہو یا اس میں اس کے کمانے کی طاقت موجود ہو، جیسے تندرست کمائی کرنے والا، اور اسے دینے والا گنہگار ہوتا ہے اگر اس کے حال کو جانتا ہے کیونکہ حرام پر اس نے اس کی مدد کی۔(ت)

یہ اصل کلی یاد رکھنے کی ہے کہ بہت جگہ کام دے گی۔ جس چیز کا بنانا ناجائز ہوگا اسے خریدنا کام میں لانا بھی ممنوع ہوگا اور جس کا خریدنا کام میں لانا منع نہ ہوگا اس کا بنانا بھی ناجائز نہ ہوگا۔

فان رفع التالی یفتح رفع المقدم کما ان وضع المقدم ینتج وضع التالی۔	اس لئے کہ رفع تالی، رفع مقدم نتیجہ دیتی ہے جس طرح وضع مقدم وضع تالی کا نتیجہ دیتی ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اور یہ خیال کہ ایک ہمارے چھوڑے سے کیا ہوتا ہے ہم نہ لینگے تو اور ہزاروں لینے والے ہیں مقبول نہیں، ہر ایک کا یہی خیال رہے تو کوئی بھی نہ چھوڑے تو حکم شرع معطل رہ جائے گا چھوٹے گا یوں ہیں کہ ہر ایک اپنے ہی استعمال کو اس کا ذریعہ اصطناع سمجھے جب سب چھوڑ دینگے آپ ہی بنانا معدوم ہوجائے گا، اور اگر نہ چھوڑیں تو ہر ایک کو اپنی قبر میں سونا اپنے کئے کا حساب دینا ہے اوروں سے کیا کام، ایسی ہی جگہ کے لئے ارشاد ہوا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ"[2]	اے ایمان والو! تم اپنی جان کی اصلاح کرلو تمھیں اوروں کی گمراہی سے نقصان نہیں جبکہ تم خود راہ پر ہو۔

اگر کہے تو یہ ان افعال میں سے جو فی نفسہ مذموم ہیں تلاوت کی آواز گلاس میں ودیعت رکھنا بنفسہٖ مذموم نہیں، ان کی نیت لہو وغیرہ مقاصد ومفاسد نے اسے ممنوع کیا۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) کام واقع سے ہے نہ محض فرض سے، جب واقع یہ ہے تو اس کی حرمت میں شک نہیں اور اس حرام کا دروازہ تمھیں خریدنے والوں کام میں لانے والوں نے کھولا کوئی

---

[1] درمختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

مول نہ لے تو وہ کیوں ایسی ناپاکی کریں پھر عذر کا کیا محل، **واللہ العاصم عن سبیل الزیغ والزلل** (ٹیڑھے اور پھسلنے والے راستوں سے اللہ بچاتا ہے۔ت) اور قرآن عظیم ہی کے حکم میں ہیں اشعار حمد ونعت ومنقبت وجملہ عبارات وکلمات معظّمہ دینیہ کہ نہ ان کو نجس چیز میں لکھنا جائز، یہ وجہ اول ہوئی، نہ انھیں کھیل تماشا بنانا جائز، یہ وجہ دوم ہوئی، نہ انھیں لہو ولغو بنانے کے جلسے میں شریک ہونا جائز، اگرچہ اپنی لعب کی نہ ہو یہ وجہ سوم ہوئی، نہ ان کی خریداری واستعمال سے لہو بنانے والوں کی مدد جائز، یہ وجہ چہارم ہوئی، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لہو مباح میں تو اپنا ذکر کریم ناپسند فرمایا اور انصار کی کمسن لڑکیوں نے بعد تقریب شادی کے گانے میں یہ مصرع پڑھا: ع

وفینا نبی یعلم مافی غد

(ہم میں وہ نبی ہیں جو آئندہ کی باتیں جانتے ہیں)

ان کو منع فرمایا کہ:

دعی ھذہٖ وقولی بالذی کنت تقولین [1]۔	اسے رہنے دو وہی کہے جاؤ جو کہہ رہی تھیں۔

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف اواخر کتاب مسئلہ السماع میں فرماتے ہیں:

ولذا لما دخل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیت الربیع بنت معوذ وعندھا جواریغنین فسمع احدٰھن تقول "وفینا نبی یعلم مافی غد" علی وجہ الغناء فقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دعی ھذا وقولی ما کنت تقولین وھذا شھادۃ بالنبوۃ فزجرھا عنھا وردھا	یہی وجہ ہے کہ جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام ربیع دختر معوذ کے گھر تشریف لے گئے تو ان کے پاس بچیاں گیت گارہی تھیں تو حضور نے ان میں سے ایک کو یہ کہتے سنا کہ ہمارے اندر وہ نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔ وہ بچیاں گیت کے طور پر گارہی تھیں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس کو چھوڑدو اور وہی کہتی رہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ تو اس پر نبوت کی گواہی تھی لیکن حضور علیہ السلام نے

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۷۳

الی الغناء الذی ہو لھو لان ھذا جد محض فلا یقرن بصورۃ اللھو [1]۔	اس کہنے پر انھیں ڈانٹ دیا اور اس گانے کی طرف لوٹا دیا جو ایک کھیل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ یہ ایک خالص سنجیدگی ہے لہٰذا جو چیز صورۃً کھیل ہو اس سے بھی اس کا ملاپ ٹھیک نہیں۔(ت)

یعنی یہ مصرع حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی تھی کہ خدا کے بتائے سے اصالۃً غیب کا جاننا نبوت ہی کی شان ہے تو حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ چاہا کہ اسے صورت لہو میں شامل کیا جائے لہٰذا اس سے روک دیا وہابیہ اس حدیث کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں اور بات صرف اتنی ہے یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اگر نسبت علم امور غیب ہی ناپسند فرماتے تو کن سے، کم فہم عورتوں سے اور وہ بھی لڑکیاں کہ منجر بمعنی ناجائز نہ ہو اور جب مرد عقل مالک بن عوف ہوازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا قصیدہ نعتیہ حضور میں عرض کیا ہے جس میں فرمایا: ع

ومتی تشاء یخبرك عما فی غد [2]

توجب چاہے یہ نبی تجھے آئندہ کی باتیں بتادیں

ان پر کیوں نہ انکار فرمایا حالانکہ انھوں نے تو ان لڑکیوں سے بہت زیادہ کہا جس سے قیامت تک کے کل غیبوں کا بالفعل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معلوم ہونا یا کم از کم ان کا جان لینا حضور کے اختیار میں دے دیا جانا ظاہر جس کی تشریح ہم نے اپنی کتاب "الامن والعلی لناعتی المصطفٰی بدافع البلا "۱۳۱۱ھ "میں ذکر کی انکار فرمانا درکنار حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس قصیدہ کے صلہ میں ان کے لئے کلمہ خیر فرمایا اور انھیں خلعت پہنایا اور انھیں ان کی قوم ہوازن وقبائیل ثمالہ وسلمہ وفہم پر سردار فرمایا:

کما رواہ المعانی فی الجلیس والانیس بطریق الحرمازی عن ابی عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ تعالٰی عنہ وابن اسحاق عن ابی وجزۃ یزید بن عبید السعدی۔	جیسا کہ معانی نے اس کو جلیس وانیس میں حرمازی کے طریق پر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ابن اسحٰق نے ابی وجزہ یزید بن سعدی سے اسے روایت کیا۔(ت)

[1] احیاء العلوم کتاب آداب السماع والوجد الباب الثانی مطبعہ المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۰

[2] تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر تحت آیۃ ۲۷/۹ داراحیاء الکتب العربی مصر ۲/ ۳۴۶

وللہ الحمد جب لہو مباح میں اپنا ذکر پاک پسند نہ فرمایا تو لہو باطل کا کیا ذکر۔

بالجملہ خلاصۂ حکم یہ کہ

یہاں تین چیزیں ہیں: ممنوعات، معظمات، مباحات۔

اوّل: کا سننا مطلقًا حرام و ناجائز ہے اور فونو سے جو کچھ سنا جائے گا وہ بعینہٖ اسی شے کی آواز ہوگی جس کی صوت اس میں بھری گئی مزامیر ہوں ناچ خواہ عورت کا گانا وغیرہا، اصل کا جو حکم تھا بے تفاوت سر مو اس کا ہوگا کہ یہ خود ہی اصل ہے نہ کہ اس کی نقل، طبلہ یا ستار کی آواز ہے تو بلاشبہہ وہ طبلہ اور ستار کی آواز ہے نہ کہ فونو کی، کہ فونو اپنی کوئی آواز نہیں رکھتا اور وہ بھی اسی طبلہ اور ستار کی ہے نہ کہ دوسرے کی اور وہ بھی اسی وقت کی آواز ہے جو بھرتے وقت بجائی گئی تھی نہ کہ اور وقت کی، یوں ہی عورت کا گانا ہے تو یقینا وہ عورت ہی کا گانا ہے نہ کہ فونو کا کہ فونو گانے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور وہ بھی اسی عورت کا گانا ہے نہ کہ دوسری کا اور وہ بھی اسی کا اسی وقت کا گانا ہے جو بھرتے وقت وہ گائی تھی۔

دوم: بھی مطلقًا حرام و ممنوع ہیں، اگر گلاسوں پلیٹوں میں کوئی ناپاکی یا جلسہ لہو ولعب کا ہے تو تحریم سخت ہے اور خود سننے والوں کی نیت تماشا ہے تو اور بھی سخت تر خصوصًا قرآن عظیم میں اور اگر اس سب سے پاک ہو تو ان کے مقاصد فاسدہ کی اعانت ہو کر ممنوع ہے اور سب سے سخت تر وبال ان قاریوں غزل خوانوں پر ہے جو نوکری کرکے یا اجرت لے کر یا مفت گناہ خریدنے کو اپنا پڑھنا اس میں بھرواتے ہیں کہ وہ اصل بانی فساد ہوئے بھرنے والوں اور جب تک وہ گلاس پلیٹ باقی رہیں ان کے سننے والوں سنانے والوں سب کا گناہ ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہوتا رہے گا اگرچہ یہ قبر میں خاک ہوگئے ہوں بغیر اس کے کہ ان سننے سنانے بھرنے بھرانے والوں کے اپنے گناہ میں کچھ کمی ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من سن فی الاسلام سنة سیئة فعلیه وزرها ووزر من عمل بها الی یوم القیمة من دون ان ینقص من اوزارهم شیئًا[1]۔	جس شخص نے اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اس کا گناہ اور جتنے قیامت تک اس پر عمل کریں گے ان سب کا گناہ اس پر ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے گناہوں میں کچھ کمی واقع ہو۔ (ت)

[1] مسند امام احمد بیروت ۴/ ۳۶۱، ۳۵۹ وصحیح مسلم باب من سن سنة الخ ۲/ ۳۴۱ وسنن ابی داؤد ۲/ ۲۷۹

سوم: میں تفصیل ہے اگر پلیٹوں میں نجاست ہے تو حروف وکلمات کا ان میں بھرنا مطلقاً ممنوع ہے کہ حرف خود معظم ہیں کما بیناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کر دیا ہے۔ت) اور اگر نجاست نہیں یا وہ کوئی خالی جائز آواز بے حروف ہے تو جلسہ فساق میں اسے سننا اہل اصلاح کاکام نہیں کہ انھیں اہل باطل سے اختلاط نہ چاہئے اور اگر تنہائی یا خاص صلحاء کی مجلس ہے تو کوئی وجہ منع نہیں اور یہاں ہمارے وہ مباحث کام دیں گے جو نظر اولیٰ میں گزرے پھر اگر کسی مصلحت شرعیہ کے لئے ہے جیسے عالم کو اس کے حال پر اطلاع پانے یا قوت اشغال دینے کے واسطے ترویح قلب کے لئے جب تو بہتر ورنہ اتنا ضرور ہے کہ ایک لایعنی بات ہے۔اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حسن اسلام المرء ترکه ما لایعنیه حدیث صحیح مشهور عن سبعة من الصحابة منهم الصدیق والمرتضی والحسین رضی الله تعالٰی عنه ورواه الترمذی[1] وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	خوبی اسلام یہ ہے کہ آدمی لایعنی بات نہ کرے (حدیث سات صحابہ سے صحیح اور مشہور ہے ان میں سے بعض یہ ہیں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہم، اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔(ت)

یہ بھی اس حالت میں ہے کہ نادرًا ہو عادت ڈالنا اور وقت اس میں ضائع کیا کرنا مطلقاً مکروہ ہوگا۔

لحدیث کل شیئ من لهوالدنیا باطل الا ثلثة رواه الحاکم[2] عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔هذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی واذ	اس حدیث کی وجہ سے کہ دنیا کا ہر کھیل سوائے تین کھیلوں کے باطل ہے۔امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت فرمایا۔یہ سب کچھ میرے نزدیک ہے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الزهد باب ماجاء من تکلم بالکلمة الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۵۵، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۵

[2] المستدرك للحاکم کتاب الجهاد من علم الرمی ثم ترکه الخ دار الفکر بیروت ۲ /۹۵

قد خرجت العجالة فی صورة رسالة ناسب ان نسمیھا الکشف شافیا حکم فونو جرافیا ۱۳۲۸ھ لیکون علما وعلی عام التالیف علما وکان ذٰلك للتاسع عشر من شھر رمضان الذی انزل فیه القراٰن وقت السحور ۱۳۲۸ھ الف وثلثمائة وثمان وعشرین من ھجرة سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیه وعلیھم وعلی آله وصحبه اجمعین اٰمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	اور ٹھیک اور واقعی علم تو میرے رب کے پاس ہے اور یہ جلدی کیا ہوا کام ایک رسالے کی شکل میں معرض وجود میں آگیا مناسب ہے کہ ہم اس کا نام الکشف شافیا حکم فونو جرافیا (یعنی شافی اور مکمل انکشاف فونو گراف کے حکم بیان کرنے میں) رکھیں تاکہ یہ اس کا نام ہو اور اس کے سال تصنیف پر ایک نشان ہو، اور اس کی تصنیف ماہ رمضان کہ جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ سال ہجری ۱۳۲۸ھ سید المرسلین کی ہجرت مبارک کے مطابق محبوب کریم اور تمام رسولوں اور حضور پاک کی سب آل اور تمام صحابہ پر اللہ کی بیحد وبے شمار رحمت و برکات ہوں۔ آمین، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس بزرگی والے کا علم زیادہ کامل اور زیادہ پختہ ہے۔ (ت)

رسالہ

الکشف شافیا حکم فونو جرافیا

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الادلۃ الطاعنہ فی اذان الملاعنہ ۱۳۰۶ھ
(ملعونوں کی اذان کے بارے میں نیزے چبھونے والے دلائل)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ ۱۸۳: ازانجمن محب اسلام مرسلہ مولوی صاحب صدر انجمن ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ بالفعل اہل تشیع نے اپنی اذان وغیرہ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت کلمہ خلیفہ رسول اللہ بلافصل کہنا اختیار کیا ہے۔ پس اہلسنت کو اس کلمہ کا سننا بمنزلہ سننے تبرا کے ہے یا نہیں، اور اس کے انسداد میں کوشش کرنا باعث اجر ہوگی یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وخلفائہ الاربعۃ الراشدین والہ و صحبہ واھل سنتہ اجمعین۔	تمام حمدیں اللہ تعالٰی رب العالمین کے لئے ہیں اور صلوٰۃ وسلام رسولوں کے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان خلفاء اربعہ راشدین اور آپ کی آل وصحابہ اور تمام اہلسنت پر۔ (ت)

الحق یہ کلمہ مغضوبہ مبغوضہ مذکورہ سوال خالص تبرا ہے اور اس کا سننا سنی کے لئے بمنزلہ تبرا سننے سنی کے لیے بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی رب العالمین،** تبرا کے معنی اظہار براءت وبیزاری جس پر یہ کلمہ خبیثہ نہ کنایۃً بلکہ صراحۃً دال ہے کہ اس میں بالتصریح خلافت راشدہ حضرات خلفاء ثلثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نفی ہے اور اس نفی کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ وہ بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسند نشین نہ ہوئے کہ ان کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تخت خلافت پر جلوس فرمانا فرمان واحکام جاری کرنا نظم ونسق ممالک اسلامیہ وتمام امور ملک ومال ورزم وبزم کی باگیں اپنے دست حق پرست میں لینا وہ تاریخی واقعہ مشہور متواتر اظہر من الشّمس ہے جس سے دنیا میں موافق مخالف یہاں تک کہ نصارٰی ویہود ومجوس وہنود کسی کو انکار نہیں بلکہ ان محبان خدا ونوابان مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روافض کو زیادہ عداوت کا مبنٰی یہی ہے ان کے زعم باطل میں استحقاق خلافت حضرات مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی میں منحصر تھا جب بحکم الٰہی خلافت راشدہ اول ان تین سرداران مومنین کو پہنچی روافض نے انھیں معاذاللہ مولٰی علی کا حق چھیننے والا ٹھہرایا اور تقیہ شقیہ کی بدولت حضرت اسد اللہ الغالب کو عیاذاً باللہ سخت نامردودف بزدل وتارک حق ومطیع باطل بتایا ع

دوستی بے خرداں دشمنی ست

(بے عقل لوگوں کی دوستی اصل میں دشمنی ہے۔ت)

"کَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝" [1]	کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے نکلتا ہے نرا جھوٹ کہہ رہے ہیں۔(ت)

تو لاجرم لفظ بلا فصل میں جو نفی ہے اس سے نفی لیاقت واستحقاق مراد، تو اس مجمل لفظ میں غضب وظلم وانکار حق واصرار باطل ومخالف دین واختیار دنیا وغیرہ وغیرہ ہزاروں مطاعن ملعونہ جو قوم روافض اپنے اعتقاد میں رکھتی اور زبان سے بکتی ہے سب دفعۃً موجود ہیں اور لائے نفی سے اپنی براءت وبیزاری کا کھلا اظہار، پھر تبرا اور کس چیز کا نام ہے میں اس واضح بات کے ایضاح کرنے یعنی آفتاب روشن کو چراغ دکھانے میں زیادہ تطویل محض بیکار سمجھ کر صرف اس الزامی نظر پر قناعت کرتا ہوں، اگر کوئی شخص کہے (قوم شیعہ میں بعد عبدالرزاق بن ہمام کے جس نے ۲۱۱ھ میں انتقال کیا بلا فصل بہاؤالدین املی ہونے سے محفوظ اور بظاہر نام اسلام سے محفوظ رہے۔ تو کیا اس نے ان دونوں کے بیچ میں

ف: روافض کے طور پر حضرت مولٰی علی معاذاللہ بزدل تارک حق مطیع باطل ٹھہرے۔

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

جتنے شیعے گزرے مثل طوسی وحلی وکلینی وابن بابویہ وغیرہم سب کو کافر ملعون نہ کہا، نہیں نہیں یقینا اس کے کلام کا صاف صاف یہی مطلب ہے جس کے سبب ہم اہل حق بھی اس لفظ پر انکار کریں گے اور اسے ناپسند رکھیں گے کہ ہمارے نزدیک بھی ان سب پر علی الاطلاق حکم کفر ولعنت جائز نہیں۔ انصاف کیجئے کیا اگر یہ بات علانیہ بر سر بازار پکاری جائے تو شیعہ کو کچھ ناگوار نہ ہوگا یا وہ اسے صریح توہین وتذلیل نہ سمجھیں گے حالانکہ اس بیچ میں جتنے شیعے گزرے کسی کو مدح وعقیدت شیعہ کے اصول مذہب میں داخل نہیں، نہ معاذاللہ قرآن وحدیث یا اقوال ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم ان لوگوں کی نیکی وخوبی پر دال، پھر حضرات خلفائے ثلثہ ف۱ رضوان اللہ تعالٰی علیہم جن کی ثناومدحت وادب وعقیدت ہم اہل سنت کے اصول مذہب میں داخل اور ہمارے نزدیک ہزاروں آیات واحادیث حضرت رسالت واقوال ائمہ اہلبیت صلوات اللہ علیہ وعلیہم سے ان کی لاکھوں خوبیاں تعریفیں مالامال ان کی نسبت ایسا کلمہ مغضوبہ اذان میں پکارا جانا کیونکر ہماری توہین مذہبی نہ ہوگا یا ہمارے دلوں کو نہ دکھائے گا غرض یہ تو وہ روشن وبدیہی بات ہے جس کے ایضاح کو جو کچھ کہئے اس سے واضح تر نہ ہوگا مجھے بتوفیق اللہ عزوجل یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ کلمات جو روافض حال نے سنیوں کی ایذارسانی کو اذان میں بڑھائے ہیں ان کے مذہب کے بھی خلاف ہیں۔

(۱) ان کی حدیث وفقہ کی رو سے بھی اذان ایک محدود عبارت معدود کلمات کا نام ہے جن میں یہ ناپاک لفظ داخل نہیں۔

(۲) ان کے نزدیک بھی اس اذان منقول میں اور عبارت بڑھانا ناجائز وگناہ اور اپنے دل سے ایک نئی شریعت نکالنا ہے۔

(۳) ان کے پیشوا خود لکھ گئے کہ ان زیادتیوں کی موجب ایک ملعون ف۲ قوم ہے جنھیں امامیہ بھی کافر جانتے ہیں۔

میں ان تینوں امور کی سندیں مذہب امامیہ کی معتبر کتابوں سے دوں گا اور ان کی عبارتیں مع صاف ترجمہ کے نقل کروں گا وباللہ التوفیق ولہ الحمد علی ارأۃ سواء الطریق (اللہ تعالٰی سے ہی توفیق ہے اسی کے لئے حمد ہے سیدھا راستہ دکھانے پر۔ت)

ف۱: حضرت خلفائے ثلثہ کی ثناومدحت ادب وعقیدت اہل سنت کے اصول مذہب میں ہے۔

ف۲: روافض کے پیشواؤں نے کہا کہ اذان میں خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلافصل وغیرہ زیادت کی موجد ایک ملعون قوم ہے۔

سند امر اول: شرائع الاسلام شیخ علی مطبوعہ کلکتہ مطبع گلدستہ نشاط ۱۲۵۵ھ کے صفحہ ۳۴ پر ہے:

الاذان علی الاشھر ثمانیة عشر فصلا التکبیر اربع و الشھادة بالتوحید ثم بالرسالة ثم یقول حی علی الصلٰوۃ ثم حی علی الفلاح ثم حی علی خیر العمل و التکبیر بعدہ ثم التھلیل کل فصل مرتان [1]۔	اذان مشہور تر قول پر اٹھارہ کلمے ہیں: تکبیر چار بار اور گواہی توحید کی پھر رسالت کی پھر حی علی الصلٰوۃ پھر حی علی الفلاح پھر حی علی خیر العمل اور اس کے بعد اللہ اکبر پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دو بار۔

خضید حی جو شہید ثانی کہا جاتا ہے اس کی شرح مدارک میں لکھتا ہے:

ھذا مذھب الاصحاب لا اعلم فیه مخالفا والمستند فیه مارواہ ابن بابویه والشیخ عن ابی بکر الحضرمی وکلیب الاسدی عن ابی عبداللہ علیه السلام انه حکی لھما الاذان فقال اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ حی علی الصلٰوۃ حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح حی علی الفلاح حی علی خیر العمل حی علی خیر العمل اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ لا الہ الا اللہ. والاقامة کذٰلک وعن اسمعیل الجعفی قال سمعت ابا جعفر علیه السلام یقول الاذان والاقامة خمسة وثلثون حرفا	اذان کے وہی اٹھارہ کلمے ہونا مذہب تمام امامیہ کا ہے جس میں میرے نزدیک کسی نے خلاف نہ کیا اور اس کی سند وہ حدیث ہے جو ابن بابویہ و شیخ نے ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی سے روایت کی کہ حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام نے ان کے سامنے اذان یوں بیان فرمائی اللہ اکبر ۴، اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمدا رسول اللہ ۲، حی علی الصلٰوۃ ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲، اور فرمایا اسی طرح تکبیر کہے، اور اسمٰعیل جعفی سے روایت ہے میں نے حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ اذان و تکبیر کا مجموعہ پینتیس کلمے ہے۔ پھر حضرت نے اپنے دست مبارک سے ایک ایک کرکے گنے، اذان اٹھارہ

[1] شرائع الاسلام المقدمة السابقة فی الاذان والاقامة مطبعة الآداب فی النجف الاشرف ۱/ ۷۵

فعد ذٰلك بیدہ واحدا واحدا الاذان ثمانیة عشر حرفاً والاقامة سبعة عشر حرفاً واشار المصنف بقوله علی الاشهر الی ماروٰاه الشیخ بسندہ الی الحسین بن سعید عن النصربن سوید عن عبدالله بن سنان قال سألت اباعبدالله علیه السلام عن الاذان فقال تقول الله اکبر الله اکبر اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان لا اله الا الله اشهد ان محمد ا رسول الله، اشهد ان محمد ا رسول الله، حی علی الصلوٰة، حی علی الصلوٰة حی علی الفلاح حی علی الفلاح حی علی خیر العمل حی علی خیر العمل، الله اکبر الله اکبر لا اله الا الله وروی زرارة والفضیل عن ابی عبدالله علیه السلام ،نحو ذٰلك وحکی الشیخ عن بعض الاصحاب تربیع التکبیر فی اخر الاذان وھو شاذ مردود بماتلونا من الاخبار[1] اھملخصا۔	کلمے اور تکبیر سترہ اور وہ جو مصنف (یعنی حلبی نے شرائع الاسلام میں) کہاکہ مشہور تر قول پر اذان کے اٹھارہ کلمے ہیں وہ اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شیخ نے بسند خود حسین بن سعید اس نے نصر بن سوید اس نے عبداللہ بن سنان سے روایت کی کہ میں نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے اذان کو پوچھا، فرمایا یوں کہہ اللہ اکبر ۲۔اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲،اشھد ان محمد ارسول اللہ۲، حی علی الصلوٰۃ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲ (یعنی اس حدیث میں شروع اذان صرف دو تکبیر سے ہے تو اذان کے سولہ ہی کلمے رہیں گے) اور زرارہ وفضیل نے امام ممدوح سے یونہی روایت کی اور شیخ نے بعض امامیہ سے اخر اذان میں چار تکبیریں نقل کیں اور وہ شاذ مردود ہے بسبب ان حدیثوں کے جو ہم نے ذکر کیں اھ ملخصا۔

شہید شیعہ ابوعبداللہ بن مکی لمعہ دمشقیہ میں لکھتاہے:

یکبر اربعاً فی اول الاذان ثم التشهدان ثم حیعلات الثلث ثم التکبیر ثم التهلیل مثنی فهذه ثمانیه عشر فصلا فهذه جملة الفصول	اول اذان میں چار بار اللہ اکبر کہے پھر دونوں شہادتیں پھر تینوں حی علی پھر اللہ اکبر پھر لا الہ الا اللہ ہر کلمہ دوبارہ یہ اٹھارہ کلمے ہیں اور کل یہی ہیں جو شرع میں منقول ہوئے۔

[1] مدارک الاحکام شرح شرائع الاسلام

المنقول شرعا ولا یجوز اعتقاد شرعیة غیر ھذہ لفصل فی الاذان والاقامة کالتشھد بالولایة لعلی [1] اھ ملخصا۔	ان کے سوا اذان اور اقامت ف۱ میں اور کسی کو مشروع جاننا جائز نہیں جیسے اشھد ان علیا ولی اللہ اھ ملخصًا۔

سند امر دوم: اسی مدارک میں ہے:

الاذان سنة متلقاة من الشارع کسائر العبادات فیکون الزیادة فیه تشریعا محرما کما یحرم زیادة "ان محمد واله خیر البریة" فان ذٰلك وان کان من احکام الایمان الا انه لیس من فصول الاذان [2]۔	اذان ایک سنت ہے جسے شارع (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے تعلیم فرمایا مثل اور عبادتوں کے تو اس میں کوئی لفظ بڑھانا اپنی طرف سے نئی شریعت ف۲ ایجاد کرنا ہے اور یہ حرام ہے جیسے "ان محمد واله خیر البریه" کا بڑھانا حرام ہوا کہ یہ اگرچہ احکام ایمان سے ہے مگر اذان کے کلمات سے نہیں۔

اسی میں ہے:

الاذان عبادة متلقاة من صاحب الشرع فیقتصر فی کیفیتھا علی المنقول والروایات المنقولة عن اھل البیت علیھم السلام خالیة عن ھذا اللفظ فیکون الاتیان به تشریعا محرما [3]۔	اذان ایک عبادت ہے کہ صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھی گئی تو اس کی کیفیت میں اسی قدر اقتصار کیا جائے جس قدر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اور حضرات اہل بیت کرام علیہم السلام سے جو روایتیں منقول ہوئیں وہ اس لفظ سے خالی ہیں تو اس کا بڑھانا نئی شریعت تراشنا ہوگا کہ حرام ہے۔

سند امر سوم: شیخ صدوق شیعہ ابن بابویہ قمی کہ ان کے یہاں کے اکابر مجتہدین وارکان مذہب سے ہے۔ کتاب **من لایحضرہ الفقیہ** کے باب الاذان والاقامة للمؤذنین میں لکھتا ہے:

روی ابوبکر ن الحضرمی وکلیب ن الاسدی عن ابی عبد اللہ علیه السلام انه حکی لھما الاذان فقال اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر	ابوبکر حضرمی وکلیب اسدی حضرت ابوعبداللہ علیہ السلام سے روای کہ اس جناب نے ان کے سامنے اذان یوں کہہ کر سنائی اللہ اکبر ۴

ف۱: بعض ائمہ روافض کی تصریح کہ اذان میں اشھد ان علیا ولی اللہ یا اس کے مثل کہنا جائز ہے اور اذان میں اس کی مشروعیت کا اعتقاد باطل ہے۔

ف۲: بعض پیشوایان کی تصریح کہ ۱۸ کلمات منقولہ اذان سے کوئی کلمہ بڑھانا نئی شریعت گھڑنا ہے اور یہ حرام ہے۔

[1] اللمعة الدمشقیه

[2] مدارک الاحکام شرح شرائع الاسلام

[3] مدارک الاحکام شرح شرائع الاسلام

اکبر اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ اشھد ان محمدًا رسول اللہ حی علی الصلٰوۃ حی علی الصلٰوۃ حی علی الفلاح حی علی الفلاح حی علی خیر العمل حی علی خیر العمل، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وقال مصنف ھذا الکتاب ھذا ھو الاذان الصحیح لایزاد فیہ ولا ینقص منہ و المفوضۃ لعنھم اللہ قد وضعوا اخبارا و زادوا فی الاذان محمد وال محمد خیر البریۃ مرتین، وفی بعض روایاتھم بعد اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان علیا ولی اللہ مرتین، ومنھم من روی بدل ذٰلك واشھد ان علیا امیر المومنین حقا مرتین ولا شك فی ان علیا ولی اللہ وانہ امیر المومنین حقا وان محمد والہ صلوات اللہ علیھم خیر البریۃ ولکن لیس ذٰلك فی اصل الاذان وانما ذکرت ذٰلك لیعرف بھذہ الزیادۃ المتھمون بالتفویض المدلسون انفسھم فی جملتنا[1]۔	اشھد ان لا الہ الا اللہ ۲، اشھد ان محمدا رسول اللہ ۲، حی علی الصلٰوۃ ۲، حی علی الفلاح ۲، حی علی خیر العمل ۲، اللہ اکبر ۲، لا الہ الا اللہ ۲، مصنف اس کتاب کا کہتا ہے یہی اذان صحیح ہے نہ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ اس سے کچھ گھٹایا جائے، اور فرقہ مفوضہ نے کہ اللہ ان پر لعنت کرے کچھ جھوٹی حدیثیں اپنے دل سے گھڑیں اور اذان میں محمد وال محمد خیر البریہ ۲ دو بار بڑھایا اور انھیں کی بعض روایات میں اشھد ان محمد رسول اللہ کے بعد اشھد ان علیا ولی اللہ دو بار آیا اور ان کے بعض نے اس کے بدلے اشھد ان علیا امیر المومنین حقا دو بار روایت کیا اور اس میں شک نہیں کہ علی ولی اللہ ہیں اور بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی آل علیھم السلام تمام جہاں سے بہتر ہیں مگر یہ کلمے اصل اذان میں نہیں، اور میں نے اس لئے ذکر کردیا کہ اس زیادتی کے باعث وہ لوگ پہچان لئے جائیں جو مذہب تفویض سے متہم ہیں اور براہ فریب اپنے آپ کو ہمارے گروہ (یعنی فرقہ امامیہ) میں داخل کرتے ہیں۔

دیکھو امامیہ کا شیخ صدوق کیسی صاف صاف شہادت دے رہا ہے کہ اذان کے شروع میں وہی اٹھارہ کلمے ہیں اور ان پر یہ زیادتیاں مفوضہ کی تراشی ہوئی ہیں اور صاف کہتا **لعنھم اللہ تعالٰی**

[1] من لایحضر الفقیہ باب الاذان والاقامۃ الخ دار الکتب الاسلامیہ تہران ایران ۱/ ۸۹۔ ۱۸۸

ان پر اللہ لعنت کرے۔

تنبیہ لطیف: جس طرح بحمداللہ تعالٰی ہم نے یہ امور پیشوایان شیعہ کی تصریحات سے لکھے یونہی مناسب کہ اس کلمہ خبیثہ کا تبرا ہونا بھی انہی کے معتمدین سے ثابت کردیا جائے صدر کلام میں جس واضح تقریر سے ہم نے اس کا تبرا ہونا ظاہر کیا اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ایک امام شیعہ کی شہادت لیجئے کہ اس کی تقریر سے اس ناپاک کلمے کا سبّ صریح ودشنام قبیح ہونا ثابت، ان کا علامہ کتاب المختلف میں لکھتاہے۔

المفاخرة لاتنفك عن السباب اذا المفاخرة انما تتم بذكر فضائل له وسلبها عن خصمه اوسلب رذائل عنه واثباتها لخصمه وهذا معنى السباب [1]۔ نقله بعض محشى الروضة البهية شرح اللمعة الدمشقية على هامشها من كتاب الحج فى تفسير السباب صفحه ۱۶۱۔	دو شخصوں کا آپس میں تفاخر کرنا (کہ ہر ایک اپنے آپ کو دوسرے پر کسی فضل وکمال میں ترجیح دے) باہم دشنام دہی سے خالی نہیں ہوتا کہ مفاخرت یونہی تمام ہوتی ہے کہ یہ شخص کچھ خوبیاں اپنے لئے ثابت کرے اور اپنے مقابل کو ان سے خالی کہے یا بعض برائیوں سے اپنی تبرئی اور اپنے مقابل کے لئے انھیں ثابت کرے۔ اور یہی معنی دشنام دہی کے ہیں۔ اس کو روضہ بہیہ شرح لمعہ دمشقیہ کے بعض محشیٰ نے اس کے حاشیہ پر کتاب الحج میں سباب کی تفسیر میں صفحہ ۱۶۱ پر نقل کیا ہے۔ (ت)

اب کہئے کہ خلافت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضیلت ہے یا نہیں۔ ضرور کہے گا کہ اعلٰی فضائل سے ہے اب کہے "خلیفہ رسول اللہ" کہہ کر آپ نے اسے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے لئے ثابت اور "بلافصل" کہہ کر حضرات خلفائے ثلثہ رضوان اللہ علیہم سے سلب کیا یا نہیں، اقرار کے سوا کیا چارہ ہے۔ اور جب یوں ہے اور آپ کا علامہ گواہی دیتا ہے کہ شرع میں دشنام اسی کا نام، تو کیا محل انکار رہا کہ یہ مبغوض کلمہ معاذاللہ علی الاعلان ہمارے پیشوایان دین کو صاف صاف دشنام دیتاہے پھر تبرانہ بتانا عجیب سینہ زوری ہے۔

[1] کتاب المختلف

ہاں اب داد انصاف طلب ہے

اگر بالفرض یہ کلمہ ملعونہ ان کی اذان مذہبی میں داخل ہوتا اور ان کے یہاں روایات میں آتا تو کہہ سکتے کہ صرف اہلسنت کا دل دکھانا مقصود نہیں بلکہ اپنی رسم مذہبی پر نظر ہے اب کہ یقیناً ثابت کہ کلمہ مذکورہ خود ان کے مذہب میں بھی نہیں۔ نہ صاحب شرع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی روایت نہ حضرات ائمہ اطہار سے اس کی اجازت نہ ان کے پیشواؤں کے نزدیک اذان کی یہ ترتیب وکیفیت بلکہ خود انھیں کی معتبر کتابوں میں تصریح کہ اذان میں صرف اتنا بڑھانا بھی حرام ہے کہ اشھد ان علیاً ولی اللہ اور یہ زیادتیاں اس فرقہ ملعونہ کی نکالی ہوئی ہیں جو باتفاق اہلسنت و شیعہ کافر ہیں، تو ایسی حالت میں اس کے بڑھانے کو ہرگز کسی رسم مذہبی کی ادا پر محمول نہیں کرسکتے بلکہ یقیناً سوا اس کے کہ اہلسنت کو آزار دینا اور ان کا دل دکھانا اور ان کی توہین مذہبی کرنا مدنظر ہے اور کوئی غرض مقصود نہیں، سبحان اللہ! طرفہ بیباکی ہے اگر یہ ناپاک لفظ ان کی اذان مذہبی میں ہوتا بھی تاہم کوئی فریق اپنی اس رسم مذہبی کا اعلان ہی نہیں کرسکتا جس میں دوسرے فریق کی توہین مذہبی یا اس کے پیشوایان دین کی اہانت ہو نہ کہ یہ ناپاک رسم کہ خود شیعہ کے بھی خلاف مذہب ملعون کافروں سے سیکھ کر یہ اعلان کریں اور ہمارے پیشوایان دین کی جناب میں ایسے الفاظ کہہ کر جو بتصریح انھیں کے عمائد کے صریح دشنام ہیں ہمارا دل دُکھائیں کیا اب ہند میں روافض کی سلطنت ہے یا گورنمنٹ ہند شیعہ ہوگئی یا اس نے ہماری توہین مذہبی کی پروانگی دے دی یا شیعی صاحبوں نے کوئی خفیہ طاقت پیدا کرلی جس کے باعث ارتکاب جرم میں دہشت نہ رہی، فالی اللہ المشتکی وعلیہ البلاغ وھو المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰنا محمد والہ وصحبہ اجمعین۔ والحمدللہ رب العالمین۔

رسالہ

ادلۃ الطاعنۃ فی اذن الملاعنۃ

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

زینت

کنگھی، سرمہ، مسی، مسواک، خضاب، مہندی، سنگار وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۱۸۵ تا ۱۸۹: از بمبئی محلّہ چھتری سرنگ متصل مسجد حافظ عبدالقادر چاندے مرسلہ شیخ عبداللہ ولد حاجی اللہ رکھا محرم ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان صورتوں میں کہ ذیل میں معروض ہے:

(۱) کہ دریں زماں عورتوں کو ناک چھیدنا جائز ہے یانہیں؟

(۲) ہم لوگ کاٹھیاواری اور کچھی، اور بعض دیہات ہند میں یہ رواج ہے کہ مرد مرجائے تو عورتیں ناک میں نتھنی پہنتی نہیں اور کہتی ہیں یہ ہمارے مرد کی نشانی ہے اور جب دوسرا مرد کریں گی تب پہنیں گی۔ یہ عقیدہ ان کا درست ہے یانہیں؟

(۳) ناک چھیدنا اہل سنت وجماعت کے نزدیک فرض، واجب، سنت، مستحب ہے یا کیا؟

(۴) اس نہت چھیدنے کو **ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن** [1] (جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔ت) پر حمل کرسکتے ہیں یا کیا؟ کیونکہ عورتوں کی زینت ہے۔

(۵) ناک داہنی طرف کا یا بائیں طرف کا چھیدنا یا کیا کیونکہ اکثر بلاد ہند کی عورتیں بعض داہنی طرف کا اور بعض بائیں طرف کا ناک چھیدتی ہیں وغیرہ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ تم اجر پاؤ۔ت)

[1] المستدرك للحاكم كتاب معرفة الصحابة يتجلی اللہ لعبادۃ عامة ولابی بكر خاصة دارالفكر بيروت ۳/ ۷۸

الجواب:

عورتوں کو نتھ یا بلاق کے لئے ناک چھیدنا جائز ہے جس طرح بالوں، بالیوں، کان کے گہنوں کے لئے کان چھیدنا۔

فی الدرالمختار لاباس بثقب اذن البنت استحسانا ملتقط وھل یجوز فی الانف لم ارہ[1] ملخصا قال العلامۃ الطحطاوی قلت وان کان مما یتزین النساء بہ کما ھو فی بعض البلاد فھو فیھا کثقب القرط وقال العلامۃ السندی المدنی قد نص الشافعیہ علی جوازہ اھ نقلھما العلامۃ الشامی[2] واقر **اقول**: ولاشك ان ثقب الاذن کان شائعا فی زمن النبی صلی تعالٰی علیہ وسلم وقد اطلع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولم ینکرہ ثم لم یکن الا ایلاما للزینۃ فکذا ھذا بحکم المساواۃ فثبت جوازہ بدلالۃ النص المشترك فی العلم بھا المجتھدون وغیرھم کما تقرر فی مقررہ۔	درمختار میں ہے کہ لڑکی کے کان چھیدنے میں بطور استحسان کوئی مضائقہ نہیں کیا ناک چھیدنا بھی جائز ہے۔ میں نے اس کو نہیں دیکھا، لیکن علامہ طحطاوی نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ کام عورتوں کی زیبائش میں شامل ہے جیسا کہ بعض شہروں میں رواج ہے تو پھر یہ بالیوں کے لئے کان چھیدنے کی طرح کا عمل ہے۔ اور علامہ سندھی مدنی نے فرمایا شوافع نے اس کے جائز ہونے کی تصریح کی ہے۔ ان دونوں باتوں کو علامہ شامی نے نقل کرنے کے بعد برقرار رکھا ہے۔ **میں کہتا ہوں** اس میں کچھ شک نہیں کہ کان چھیدنا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں متعارف اور مشہور تھا اور حضور پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر اطلاع پائی مگر ممانعت نہیں فرمائی، یہ دکھ پہنچانا صرف زیب وزینت کے لئے ہوگا، اور اس طرح یہ بھی ہے کیونکہ دونوں کا حکم مساوی ہے۔ پس اس کا جائز ہونا دلالت نص کی بنیاد پر ثابت ہوگیا اس علم سے جس میں مجتہد وغیر مجتہد مشترک ہیں جیسا کہ یہ بات اپنے محل میں ثابت ہوچکی ہے۔ (ت)

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

[2] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۰۹، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۰

اور وہ صرف ایک امر مباح ہے فرض واجب سنت اصلا نہیں ہاں جو مباح بہ نیت محمودہ کیا جائے شرعًا محمود ہو جاتا ہے جیسے مسی لگانی کہ عورت کو مباح ہے اور اگر شوہر کے لئے سنگار کی نیت سے لگائے تو مستحب کہ یہ نیت شرعًا محمود ہے۔اور جب کہ یہ امر زیورہائے گوش کے لئے کان چھیدنے سے کہ خاص زمانہ اقدس حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں رائج تھا اور حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ نے جائز مقرر رکھا بحکم دلالت ثابت تو اس کے لئے اثر ماراٰہ المسلمون (جس کو مسلمان اچھا کہیں تو وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک اچھا ہوتا ہے۔ت) کی طرف رجوع کی حاجت نہیں فان الثابت بدلالۃ النص کالثابت بالنص (کیونکہ جو دلالت نص سے ثابت ہو وہ اسی طرح ہے جیسے نص سے ثابت ہے۔ت) اور دہنے بائیں جانب میں مختار ہیں یہ کوئی امر شرعی نہیں رسم زمانہ پر مبنی ہے جس طرف چاہیں چھیدیں، رہا موت شوہر پر نتھ نہ پہننا ایام عدت تک تو شرعًا ضرور ہے کہ نتھ زیور اور زینت ہے اور بیوہ کو کوئی گہنا کسی طرح کا سنگار جائز نہیں۔

فی الدرالمختار وردالمحتار تحد(ای وجوبا کما فی البحر)مکلفۃ مسلمۃ اذ اکانت معتدۃ بت او موت بترک الزینۃ بحلی(ای بجمیع انواعہ بحروفی قاضی خاں المعتدۃ تجتنب عن کل زینۃ [1] اھ ملتقطًا۔	درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ عدت گزارنے والی عورت سوگ منائے یعنی اس کے لئے ایسا کرنا واجب اور ضروری ہے جیسا کہ البحرالرائق میں ہے۔ مسلمان عورت سوگ منانے کی پابند ہے خواہ وہ طلاق کی عدت گزار رہی ہو یا وفات کی سوگ منانے کا طریقہ یہ ہے کہ کسی قسم کے زیورات نہ پہنے تاکہ زیبائش نہ ہونے پائے (البحرالرائق) فتاوٰی قاضی خاں میں ہے کہ عدت گزارنے والی عورت ہر قسم کی زیب وزینت سے پرہیز کرے اھ ملتقطا (ت)

اور بعد ختم عدت اگر شرعًا نتھ وغیرہ پہننا ناجائز وممنوع سمجھے گنہگار ہوگی کہ یہ معاذاللہ شریعت مطہرہ پر افتراء ہے اور اگر جائز وروا سمجھ کر یوہیں عادۃً نہ پہنے تو حرج نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] درمختار فصل الحداد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۹، ردالمحتار فصل الحداد داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۷۔۶۱۶

مسئلہ ۱۹۰: اشہر کہنہ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

خضاب سیاہ رنگ یعنی مہندی و نیل باہم مخلوط کرکے بلاضرورت شرعی استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ضرورت شرعی کیا کیا ہیں؟ صرف منہدی لگانا مسنون ہے یا نہیں؟ سوائے خضاب مذکورہ بالااور خضاب بھی مثل مازو وہلیلہ وغیرہ کے جائز ہیں یا نہیں؟ جواب مع حوالہ کتاب مرحمت ہو۔

الجواب:

سیاہ خضاب خواہ مازو وہلیلہ و نیل کا ہو خواہ نیل وحنا مخلوط خواہ کسی چیز کا سوا مجاہدین کے سب کو مطلقًا حرام ہے۔ اور صرف مہندی کا سرخ خضاب یا اس میں نیل کی کچھ پتیاں اتنی ملاکر جس سے سرخی میں پختگی آجائے اور رنگ سیاہ نہ ہونے پائے سنت مستحبہ ہے۔ شیخ محقق علامہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ الشریف اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں:

خضاب بسواد حرام ست وصحابہ وغیرہم خضاب سرخ می کردند گاہے زرد نیز اھ ملخصًا[1]۔	سیاہ خضاب لگانا حرام ہے صحابہ اور دوسرے بزرگوں سے سرخ خضاب کا استعمال منقول ہے اور کبھی کبھار زرد رنگ کا خضاب بھی اھ ملخصا۔ (ت)

حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصفرۃ خضاب المؤمن والحمرۃ خضاب المسلم و السواد خضاب الکافر، رواہ الطبرانی فی الکبیر و الحاکم[2] فی المستدرک عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	زرد خضاب ایمان والوں کا ہے اور سرخ اسلام والوں کا اور سیاہ خضاب کافروں کا۔ (طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

محیط پھر منح الغفار پھر ردالمحتار میں ہے:

اما الحمرۃ فھو سنۃ الرجال	رہی سرخی کی بات تو یہ مردوں کے لئے خصوصًا

[1] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۶۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ ذکر عبداللہ بن عمر دارالفکر بیروت ۵/ ۴۸۲

وسیما المسلمین [1]۔	مسلمانوں کے لئے سنت ہے۔(ت)

قاضی خاں پھر شرح مشارق پھر شامی میں ہے:

مذہبنا ان الصبغ بالحناء والوسمۃ حسن [2]۔	ہمارا مذہب یہ ہے کہ مہندی اور وسمہ لگانا اچھا ہے۔(ت)

احادیث میں سیاہ خضاب پر سخت سخت وعیدیں اور مہندی کے خضاب کی ترغیبیں بکثرت وارد ہیں۔

وقد حققنا مسألۃ تحریم السواد مطلقا فی فتاوٰینا فیہ شفاء۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم نے اپنے فتاوٰی میں علی الاطلاق سیاہ خضاب کے حرام ہونے کی ایسے انداز میں تحقیق کی ہے کہ جس میں بیمار طبائع کے لئے شفا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۹۱: مسئولہ حافظ امیر اللہ صاحب ۲۴رجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ضعف بصر کے سبب سے طب میں علاج کے منجملہ ہر روز کئی دفعہ سر و ریش میں کنگھی کرنا بتایا ہے۔اور حدیث میں ایک دفعہ سے زیادہ کنگھا کرنا یا ایک دن کے بعد کرنا آیا ہے اس روایت کی بابت سوال ہے آیا معمول بہ ہے یا نہیں یہ روایت کہاں ہے؟ صورت اولٰی میں بضرورت علاج اجازت ہے یا نہیں؟ نہ بنظر زینت وکبر جو منجر بکبراست و تضییع وقت ہو، بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

احمد وابوداؤد وترمذی ونسائی باسانید صحیحہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

نھی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الترجل الاغباء [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر ناغہ کرکے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الخنثٰی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۲

[2] ردالمحتار کتاب الخنثٰی مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۲

[3] سنن ابی داؤد کتاب الترجل آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۷

نیز ابوداؤد ونسائی کی حدیث میں بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نھانا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان یمشط احدنا کل یوم[1]۔	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص روز کنگھی کرے۔

مقصود احادیث ترفہ وتنعّم کی کثرت اور تزئین وتحسین بدن میں انہماک سے نہیں ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرد کو زنانہ طو پر سنگار اور کنگھی چوٹی میں مشغول نہ چاہئے۔ مرقاۃ میں امام ولی الدین عراقی سے ہے:

ھو نھی تنزیہ لا تحریم والمعنی فیہ انہ من باب الترفۃ وتنعم فیجتنب[2]۔	یہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی اور اس کا معنی یہ ہے یہ آسودگی اور خوشحالی کے باب سے ہے لہٰذا اس کام سے پرہیز کرے۔ (ت)

اور جہاں پر نیت ذمیمہ نہ ہو بلکہ بہ نیت صالحہ مثل علاج وغیرہ دن میں کئی بار کنگھی کرے کوئی حرج وکراہت نہیں،
امام مالک مؤطا میں ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ انھوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

ان لی جمۃ أفارجلھا۔	میرے بال شانوں تک ہیں کیا میں انھیں کنگھی کروں؟

فرمایا: نعم واکرمھا ہاں اور ان کی عزت کر۔

قال فکان ابو قتادہ ربما دھنھا فی الیوم مرتین لما قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[3]۔	یعنی ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اکثر دن میں دو بار بالوں یں تیل ڈالتے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرما دیا تھا ہاں اور ان کی عزت کر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ داڑھی وغیرہ پر مرد کو

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی البول فی المستحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۵

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب اللباس باب الترجل الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۲۶

[3] مؤطا امام مالک کتاب الجامع باب اصلاح الشعر میر محمد کارخانہ کراچی ص ۷۲۱، ۷۲۲

بلا کسی وجہ موجہ کے وسمہ کرنا یا کسی رنگ سے رنگنا جائز ہے یا گناہ؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

تنہا مہندی مستحب ہے اور اس میں کتم کی پتیاں ملا کر کہ ایک گھاس مشابہ برگ زیتون ہے جس کا رنگ گہرا سرخ مائل بسیاہی ہوتا ہے اس سے بہتر اور زرد رنگ سب سے بہتر، اور سیاہ وسمے کا ہو خواہ کسی چیز کا مطلقاً حرام ہے۔ مگر مجاہدین کو۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

مر علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن ھذا قال فمر اٰخر قد خضب بالحناء و الکتم فقال ھذا احسن من ھذا ثم مر اٰخر قد خضب بالصفر فقال ھذا احسن من ھذا کلہ[1]۔	یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ایک صاحب مہندی کا خضاب کئے گزرے فرمایا یہ کیا خوب ہے۔ پھر دوسرے گزرے انھوں نے مہندی اور کتم ملا کر خضاب کیا تھا فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے، پھر تیسرے زرد خضاب کئے گزرے فرمایا: یہ ان سب سے بہتر ہے۔

معجم کبیر طبرانی و مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہی زرد خضاب ایمان والوں کا ہے اور سرخ اہل اسلام کا اور سیاہ خضاب کافروں کا ہے۔ل:

الصفرۃ خضاب المومن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر[2]۔	زرد خضاب ایمان والوں کا ہے اور سرخ اہل اسلام کا اور سیاہ خضاب کافروں کا ہے۔

امام احمد مسند اور ابوداؤد ونسائی وابن حبان وحاکم وضیا اپنی اپنی صحاح اور بیہقی سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی خضاب الصفرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۴

[2] المستدرك علی الصحیحین کتاب معرفۃ الصحابہ ذکر عبداللہ بن عمرو بن العاص دارالفکر بیروت ۳/ ۵۲۶، کنز العمال بحوالہ طب وك عن ابن عمر حدیث ۱۷۳۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۲۸

فرماتے ہیں:

یکون قوم فی اٰخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ[1]۔	آخر زمانے میں کچھ لوگ ہوں گے کہ سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی بو نہ سونگھیں گے۔

طبرانی کبیر اور ابن ابی عاصم کتاب السنہ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیمۃ[2]۔	جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔

علامہ حموی وطحطاوی وشامی فرماتے ہیں:

ھذا فی حق غیر الغزاۃ ولا یحرم فی حقھم للارھاب[3]۔	یہ حکم مجاہدین کے سوا دوسروں کے لئے ہے لہٰذا ان کے لئے سیاہ خضاب کا استعمال حرام نہیں دشمنوں کو ڈرانے اور انھیں مرعوب کرنے کے لئے وہ اس کا استعمال کرسکتے ہیں۔(ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

بصحت رسیدہ است کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خضاب می کرد بحنا وکتم کہ نام گیا ہے است لیکن رنگ آں سیاہ نیست بلکہ سرخ مائل بسیاہی است[4]۔	طریقہ صحت تک یہ راویت پہنچی ہوئی ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کتم گھاس کی پتیاں ملا کر خضاب کیا کرتے تھے جس کا رنگ سیاہ نہیں بلکہ گہرا سرخ مائل بسیاہی ہوا کرتا تھا۔(ت)

اس مسئلے کی تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب ماجاء فی خضاب السواد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۲، سنن النسائی کتاب الزینۃ الخضاب بالسواد ۲/ ۲۷۷ ومسند احمد بن حنبل ۱/ ۲۷۳

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی الدرداء حدیث ۱۷۳۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷۱

[3] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۲

[4] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۷۰

مسئلہ ۱۹۳: از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت کو زیبائش وآرائش کے لئے مسی سیاہ لگانا یا دانتوں کے گرجانے کے خوف سے سیاہ مسی لگانا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

مسی کسی رنگ کی ہو عورتوں کو علاج دنداں یا شوہر کے واسطے آرائش کے لئے مطلقاً جائز بلکہ مستحب ہے۔ صرف حالت روزہ میں لگانا منع ہے۔

فی الدر المختار کرہ **مضغ علك ابیض ممضوغ ملتئم والا فیفطر وکرہ للمفطرین الا فی الخلوۃ بعذر وقیل یباح ویستحب للنساء لانه سواکهن**[1] **فتح** فی رد المحتار قیدہ بذلك لان الاسود وغیرہ الممضوغ وغیر الملتئم یصل منه شیئ الی الجوف[2] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔	درمختار میں ہے سفید گوند کہ جس کے باہم اجزاء ملے ہوئے ہوں اور جو چبائی ہوئی ہو مگر مزید چبائے جانے کے قابل ہو تو اس کے استعمال یعنی چبانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، غیر روزہ دار کے لئے اس کا استعمال بلاعذر مکروہ ہے البتہ عذر کی وجہ سے خلوت میں اس کا چبانا مکروہ نہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح ہے اور مستورات کے لئے اس کا استعمال مستحب ہے اس لئے کہ یہ ان کی مسواک ہے فتح القدیر، فتاوٰی شامی میں ہے کہ مصنف نے اس کو چند شرائط کے ساتھ مشروط یا مقید (اسود، غیر ممضوغ (چبایا ہوا نہ ہو) غیر ملتئم (اجزاء باہم پیوستہ نہ ہوں) اس لئے کہ غیر موصوفہ کے ہونے کی صورت میں اس کا کچھ نہ کچھ حصہ پیٹ میں چلا جاتا ہے الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹۴: از سرنیان ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۴ رجب ۱۳۳۳ھ

عورت یا مرد کو سر میں گھی ڈالنا پھوڑے پھنسی پر استعمال کرنا۔

الجواب:

جائز ہے مگر اس کا خیال رہے کہ سر میں بدبو نہ پیدا ہو دھوتا رہے اگر بدبو آنے لگے گی نماز مکروہ ہوگی، اور مرد کو مسجد میں جانے جماعت میں شریک ہونے سے محروم ہونا پڑے گا، اور یہ جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵۲

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب مایفسد الصوم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۲

مسئلہ ۱۹۵ ۱۹۶: مستفسرہ ذکاء اللہ خاں رضوی روز سہ شنبہ بتاریخ ۸ شعبان ۱۳۳۳ھ

(۱) زید کا قول ہے کہ خضاب مہندی میں ملا کر لگانا جائز ہے۔

(۲) زید کا قول ہے کہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ وقت جہاد داڑھی کتروانا چاہئے۔

الجواب:

(۱) مہندی میں اتنا نیل ملانا جس سے رنگ سیاہ آئے حرام ہے قیامت کے دن ان کے منہ کالے کئے جائیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اختضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ [1]۔	جو سیاہ خضاب کرے قیامت میں اللہ تعالٰی اس کا منہ سیاہ کرے گا۔

ہاں مہندی میں اتنا نیل ملانا جس سے رنگ سرخ ہی رہے مگر اس میں ذرا پختگی آجائے یہ جائز ہے **وھو المراد بالماثور وبما ھو فی الخانیۃ وغیرھا مذکور** (حدیث سے منقول اور خانیہ وغیرہ میں مذکور سے یہی مراد ہے۔ت)

(۲) زید محض جھوٹا ہے قرآن مجید پر افتراء کرتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۷: مسئولہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب محمود آباد مسجد چھاؤنی بریلی ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

رات کے وقت آئینہ دیکھنا منع ہے یا نہیں خصوصاً عورتوں کو کہ اپنے خاوند کے لئے بناؤ سنگھار کرتے وقت آئینہ دیکھنے کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

الجواب:

رات کو آئینہ دیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں، بعض عوام کا خیال ہے کہ اس سے منہ پر جھائیاں پڑتی ہیں اور اس کا بھی کوئی ثبوت نہ شرعاً ہے نہ طبعاً نہ تجربۃً، اور عورت کہ اپنے شوہر کے سنگار کے واسطے آئینہ دیکھے ثواب عظیم کی مستحق ہے ثواب کی بات بے اصل خیالات کی بناء پر منع نہیں ہوسکتی **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: مسئولہ عزیز الحسن طالب علم مدرسہ اہلسنت شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

مردوں کے لئے مہندی کا استعمال شوقیہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس قدر عضو بدن میں؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہاتھ پاؤں میں مہندی کی رنگت مرد کے لئے حرام ہے اور سر اور داڑھی میں مستحب۔

---

[1] مجمع الزوائد کتاب اللباس باب فی الشیب والخضاب دار الکتاب بیروت ۵/ ۱۶۳، کنز العمال برمز طب عن ابی الدرداء حدیث ۱۷۳۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷۱

مسئلہ ۱۹۹: از کلکتہ زکریا اسٹریٹ ۲۲ مولوی عبدالحلیم صاحب میرٹھی ۷ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

خضاب لگانے اور مردوں کی داڑھی مونچھ اور سر کے بال کالے کرنے کے متعلق شریعت بیضا کا کیا حکم ہے؟ یہ حدیث کہ "خضاب لگانے والا جنت کی بو نہ سونگھے گا" کس خضاب سے متعلق ہے۔ نیل و مہندی ملا کر جو خضاب کیا جاتا ہے اور جس سے بال بالکل کالے نہیں ہوتے وہ کس حکم میں ہے؟ اور اگر اسی سے بعض طرق کے تبدل و تغیر کے باعث بالکل سیاہ ہوجائیں تو کیا حکم ہے؟ نوجوان بیوی یا اور بعض کیفیات میں کیا خضاب اسود ناجائز ہونے کی صورت میں استثناء رہے گا؟ اور اگر ایسا ہے تو ان بعض کیفیات کی توضیح کیا ہے؟

الجواب:

سیاہ خضاب حرام ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غیروا ھذا بشیئ و اجتنبوا السواد رواہ مسلم [1] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی حدیث اٰخر من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیمۃ رواہ الطبرانی [2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان بالوں کو کسی چیز سے تبدیل کردو لیکن سیاہی سے بچو، مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے اسے روایت کیا۔ اور ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے جس نے سیاہ خضاب لگایا قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس کا چہرہ سیاہ کرے گا۔ اس کو امام طبرانی نے روایت کیا۔ (ت)

حدیث مذکور فی السوال سیاہ خضاب ہی کے بارے میں ہے خود اسی کے الفاظ کا ارشاد ہے:

یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لایریحون رائحۃ الجنۃ رواہ ابوداؤد [3] والنسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	کچھ لوگ سیاہ خضاب لگائیں گے جیسے کبوتر کے پوٹے ہوں، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔ ابوداؤد و نسائی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۹

[2] کنز العمال بحوالہ طب عن ابی الدرداء حدیث ۱۷۳۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب ماجاء فی خضاب السواد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۲۲، سنن النسائی باب النھی من الخضاب بالسواد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۷۷

سیاہ خضاب مطلقاً حرام ہے اور سیاہ مقول بالتشکیک نیلا، اودا، کاسنی سب سیاہ ہے اور بفرض غلط سیاہ نہ ہو تو قریب سیاہ قطعاً ہے اور حدیث صحیح کاارشاد ہے:

لاتقربوا السواد. رواہ الامام احمد[1] عن انس رضی اللہ عنہ۔	سیاہی کے پاس نہ جاؤ(اس کو امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور حدیث ابوداؤد ونسائی میں کبوتر کے پوٹے سے تشبیہ بھی اسی طرف ناظر، جنگلی کبوتروں کے پوٹے اکثر نیلگوں ہوتے ہیں۔ خاص مہندی کی رنگت گہری نہیں ہوتی جب اس میں کچھ پتیاں نیل کی ملادی جائیں تو سرخ گہرا رنگ ہوجاتا ہے یہ حسن ہے نہ یہ کہ اتنا نیل ملادیا جائے کہ سیاہ کردے، یا پہلے مہندی سے رنگ کر جب بال خوب صاف ہوگئے اس پر نیل تھوپاکہ یہ سب وہی حرام صورتیں ہیں جن کو اجتنبوا (سیاہی سے بچو۔ت) فرمایا، لایجدون رائحۃ الجنۃ (وہ لوگ جنت کی خوشبو نہ پائیں گے۔ت) فرمایا: جس پر سود اللہ وجھہ (اللہ تعالٰی ان کے چہرے سیاہ کردے گا۔ت) آیا۔ شراب کہ خلط نمک سے سرکہ ہوجائے نہ یہ کہ گھڑے بھر شراب میں نمک کی ایک کنکری ڈال کر پی جائے نہ یہ کہ بہت سانمک پھانک کر اوپر سے شراب چڑھائے، تحریم سواد سے صرف مباشران جہاد کا استثناء ہے جیسے اون کو ریشم کا بانا، اور صاحبین کے نزدیک خالص ریشمیں روا ہیں، اور زوجہ جوان کی غرض سے ایک روایت مرجوحہ میں جواز آیا ہے اور مرجوح پر حکم فتوٰی جہل وخرق اجماع ہے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ فتاوٰی ذخیرہ میں فرماتے ہیں:

الخضاب بالسواد للغز ولیکون اھیب فی عین العدو محمود بالاتفاق وان فعل ذٰلك لیزین نفسه للنساء فمکروه علیه عامة المشائخ[2]۔	جہاد میں سیاہ خضاب کی اجازت ہے تاکہ دشمن کی نگاہ میں بارعب اور خوفناک ہوجائے اور یہ بالاتفاق اچھا ہے۔ اور اگر اپنے آپ کو عورتوں کے لئے زیب وزینت دے تو یہ مکروہ ہے اور اسی پر عام مشائخ قائم ہیں۔(ت)

[1] مسند احمد بن حنبل

[2] فتاوٰی ھندیہ بحوالہ الذخیرۃ کتاب الکراہیۃ الباب العشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۹

عقود الدریہ میں ہے: العمل بما علیہ الاکثر [1] (اس پر عمل کرنا جس پر اکثر ہیں۔ت) قول جمہور پر حدیث صحیح صحاح ستہ:

عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والناصمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ [2]۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت فرمایا کہ اللہ تعالٰی ان عورتوں پر لعنت کرے جو "خال" گودنے والی اور خال گدوانے والی ہیں، چہرہ کے بال نوچنے اور نچوانے والی ہیں۔اور خوبصورتی کے پیش نظر دانتوں کے درمیان کشادگی بنانے والی ہیں۔اللہ تعالٰی کی تخلیق میں تبدیل کرنے والی ہیں۔(ت)

شاہد عدل ہے۔عورت زیادہ اس کی محتاج ہے کہ شوہر کی نگاہ میں آراستہ ہو جب اسے یہ امور تغیر خلق اللہ کے سبب حرام وموجب لعنت ہوئے تو مرد پر بدرجہ اولٰی۔

وقد قال تعالٰی "لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ" [3] وقال تعالٰی عن عدوہ ابلیس "وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ" [4]۔	اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) اللہ تعالٰی کی تخلیق (پیدائش) میں کوئی تبدیلی نہیں، نیز اللہ تعالٰی نے اپنے دشمن شیطان لعین سے حکایتاً فرمایا (کہ اس نے کہا) ضرور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ تعالٰی کی تخلیق میں تبدیل کریں گے۔(ت)

نیز حدیث صحیح:

المتشبع بما لم یعط کلابس	ایسی چیز سے سیری دکھانے والا جو اس کو

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوٰی الحامدیۃ

[2] صحیح البخاری کتاب اللباس باب الموصولۃ وباب المستوشمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۹۔۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم فعل الواصلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] القرآن الکریم ۳۰/ ۳۰

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۹

ثوبی زور رواہ الشیخان [1] عن اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	ملی نہیں اس طرح سے جیسے جھوٹ اور فریب کا لباس پہننے والا، بخاری اور مسلم نے اس کو سیدہ اسماء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے (ت)

اس پر وعید کو بس ہے ظاہر ہے کہ یہ خضاب اسی لئے ہوگا کہ عورت پر اظہار جوانی کرے۔ جوان ہے نہیں اور اس کی نگاہ میں جوان بنے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد سے وہ شخص سر سے پاؤں تک جھوٹ اور فریب کا جامہ پہنے ہے۔ اس سے بدتر اور کیا درکار ہے، بخلاف جہاد حدیث متواتر میں ہے **الحرب خدعة** [2] (جنگ دھوکا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب التشبع بما لم ینل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۸۵، صحیح مسلم کتاب اللباس باب النہی عن التزویر فی اللباس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۶۹

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب الحرب خدعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۵، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز الخداع فی الحرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳

رسالہ
حک العیب فی حرمۃ تسوید الشیب ۱۳۰۷ھ
(سفید بالوں کو کالا کرنے کی حرمت کے بارے میں عیب کو مٹانا)

مسئلہ ۲۰۰: از شہر کہنہ مرسلہ محمد شفیع علی خاں صاحب ۲۳ ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وسمہ نیل کا جس سے بال سیاہ ہو جائیں جائز ہے یا نہیں اور نیل میں حنا ملا کر لگانا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

وسمہ نیل حنا ملا کر لگانا جائز ہے بلا کراہت۔

فی الدر المختار ملخصا یستحب للرجل خضاب شعرہ ولحیتہ ولو فی غیر حرب فی الاصح[1] ویکرہ بالسواد وقیل لا مجمع الفتاوٰی، وفی رد المحتار وردان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ	درمختار میں مختصر طور پر مذکور ہے کہ مرد کے لئے اپنے بالوں اور داڑھی کو خضاب کرنا (یعنی رنگین کرنا) اگرچہ صحیح قول کے مطابق جہاد کے بغیر مستحب ہے البتہ سیاہ کرنا مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مکروہ نہیں ہے۔ مجمع الفتاوٰی اور فتاوٰی شامی میں ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق

[1] درمختار کتاب الکراہیۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

خضب بالحناء والکتم [1] اھ، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔ محمد یعقوب علی خاں	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مہندی اور وسمہ سے خضاب کیا (یعنی ان سے بالوں کو رنگدار بنانا) اھ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

الجواب:

صحیح مذہب میں سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے جس کی حرمت پر احادیث صحیحہ و معتبرہ ناطق۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت)

حدیث اول: احمد و مسلم وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی داڑھی خالص سپید دیکھ کر ارشاد فرمایا:

غیروا ھذا بشیئ واجتنبوا السواد [2]۔	اس سپیدی کو کسی چیز سے بدل دو اور سیاہ رنگ سے بچو۔

حدیث دوم: امام احمد اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

غیروا الشیب ولا تقربوا السواد [3]۔	پیری تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے پاس نہ جاؤ۔

حدیث سوم: امام احمد ابوداؤد ونسائی وابن حبان وحاکم بافادہ تصحیح اور ضیا مختارہ اور بیہقی سنن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یکون قوم فی اٰخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ [4]۔	آخر زمانے میں کچھ لوگ سیاہ خضاب کریں گے جیسے کبوتروں کے پوٹے وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔

جنگلی کبوتروں کے سینے اکثر سیاہ نیلگوں ہوتے ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۱

[2] صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب استحباب خضاب الشیب بصفرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۹۹

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۲۴۷

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۲۷۳

ان کے بالوں اور داڑھیوں کو ان سے تشبیہ دی۔

حدیث چہارم: ابن سعد عامر رحمہ اللہ تعالٰی مرسلًا راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی لاینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیمۃ[1]۔	جو سیاہ خضاب کرے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی طرف نظر رحمت نہ فرمائے گا۔

حدیث پنجم: ابن عدی کامل میں اور دیلمی مسند الفردوس میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی یبغض الشیخ الغربیب[2]۔	بیشک اللہ تعالٰی دشمن رکھتا ہے بوڑھے کوّے کو۔

تعلیقات علامہ حفنی میں ہے:

الغربیب ای الذی یسود شیبہ[3]۔	الغربیب وہ ہوتا ہے جو بڑھاپے (کے روپ) کو بدل ڈالے۔ (ت)

عزیزی میں ہے:

الغربیب الذی لایشیب او الذی یسود شیبہ بالخضاب[4]۔	الغربیب وہ ہوتا ہے جو بوڑھا نہ دکھائی دے یا وہ جو اپنے بڑھاپے (کی علامت) یعنی سفید بالوں کو خضاب سے سیاہ کردے۔

حدیث ششم: طبرانی معجم الکبیر میں اور حاکم مستدرک میں عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

الصفرۃ خضاب المومن والحمرۃ خضاب المسلم و السواد خضاب الکافر[5]۔	زرد خضاب ایمان والوں کا ہے اور سرخ اسلام والوں کا اور سیاہ خضاب کافر کا۔

[1] کنز العمال بحوالہ ابن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۱۷۳۳۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷۱

[2] الفردوس بماثور الخطاب عن ابی ہریرہ حدیث ۵۶۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۱۵۳

[3] تعلیقات علامہ حفنی علی ہامش السراج المنیر تحت حدیث ان اللہ یبغض الخ مطبعۃ الازہریۃ المصریہ ۱ /۳۷۹

[4] السراج المنیر تحت حدیث ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب مطبعۃ الازہریۃ المصریہ ۱ /۳۷۹

[5] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ باب الصفرۃ خضاب المومن الخ دار الفکر بیروت ۳ /۵۲۶

حدیث ہفتم: عقیلی وابن حبان وابن عساکر انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الشیب نور من خلع الشیب فقد خلع نور الاسلام [1]۔	سپیدی نور ہے جس نے اسے چھپایا اس نے اسلام کا نور زائل کیا۔

علامہ محمد حفنی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

خلع الشیب ای ازالہ وسترہ بان خضبہ بالسواد فی غیر جہاد [2]۔	خلع الشیب کا مفہوم یہ ہے کہ اس نے بڑھاپے کو زائل کیا اور اسے بغیر جہاد کے سیاہ خضاب لگا کر چھپایا۔ (ت)

علامہ مناوی پھر علامہ عزیزی اس حدیث پر تفریع کرتے ہیں:

فنتفہ مکروہ وصبغہ بالسواد لغیر الجہاد حرام [3]۔	یعنی پس سفید بال اکھیڑنا مکروہ ہے اور سیاہ خضاب غیر جہاد میں حرام۔ (ت)

حدیث ہشتم: حاکم کتاب الکنی والالقاب میں بسند حسن ام سلیم رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من شاب شیبۃ فی الاسلام کانت لہ نوراً مالم یغیرھا [4]۔	جسے اسلام میں سپیدی آئے وہ اس کے لئے نور ہوگی جب تک اسے بدل نہ ڈالے۔ (ت)

حدیث نہم: دیلمی وابن النجار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اول من خضب بالحناء والکتم ابراھیم و اول من اختضب بالسواد فرعون [5]۔	سب میں پہلے حنا وکتم سے خضاب کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں اور سب میں پہلے سیاہ خضاب کرنے والا فرعون۔

---

[1] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ ۱۹۲۳ الولید بن موسٰی الدمشقی دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۵۲۶

[2] تعلیقات الحفنی علی ہامش السراج المنیر تحت حدیث الشیب نور من خلع الخ المطبعۃ الازہریہ مصر ۲/ ۳۵۲

[3] السراج المنیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث الشیب نور من خلع الخ المطبعۃ الازہریہ مصر ۲/ ۳۵۲

[4] کنز العمال بحوالہ الحاکم فی الکنی حدیث ۱۷۳۳۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۸۱

[5] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۰۔۲۹

علامہ مناوی اس حدیث کے نیچے لکھتے ہیں:

فلذلك كان الاول مندوبا والثاني محرما الا للجهاد [1]۔	یعنی اسی لئے پہلا خضاب مستحب ہے اور دوسرا غیر جہاد میں حرام۔

حدیث دہم: طبرانی معجم کبیر اور ابن ابی عاصم کتاب السنۃ میں حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من خضب بالسواد سود اللّٰه وجهه يوم القيمة [2]۔	جو سیاہ خضاب کرے گا اللہ تعالٰی روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔

حدیث یازدہم: نیز معجم کبیر طبرانی میں بسند حسن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مثل بالشعر فليس له عند اللّٰه خلاق [3]۔	جو بالوں کی ہیئات بگاڑے اللہ کے یہاں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں۔

علماء فرماتے ہیں ہیأت بگاڑنا کہ داڑھی مونڈے یا سیاہ خضاب کرے، تیسیر میں ہے:

اى صيره مثلة بالضم بان نتفه او حلقه من الخدود اوغيره بالسواد [4]۔	یعنی بالوں کا مثلہ کرے لفظ مثلہ حروف میم کے پیش کے ساتھ (مفہوم یہ ہے کہ بالوں کی شکل ورنگت کو بدل ڈالے) بالوں کی ہئیت بگاڑنا یہ ہے کہ سفید بال اکھاڑے جائیں یا انھیں رخساروں سے مونڈ دیا جائے یا انھیں سفید نہ رہنے دے اور سیاہ کرڈالے۔(ت)

حدیث دوازدہم تا پانزدہم: ابویعلٰی مسند اور طبرانی معجم کبیر میں واثلہ بن اسقع اور بیہقی شعب الایمان میں انس بن مالک وعبداللہ بن عباس اور ابن عدی کامل میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شر کھولکم من تشبه	تمھارے ادھیڑوں میں سب سے بدتر وہ ہے

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اول من خضب بالحناد الخ مکتب الامام الشافعی الریاض ۱/ ۳۹۲

[2] مجمع الزوائد کتاب اللباس باب ماجاء فی الشیب والخضاب الخ دار الکتب العربی بیروت ۵/ ۱۶۳، کنز العمال بحوالہ طبرانی کبیر حدیث ۱۷۳۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۶۷۱

[3] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۰۹۷۷ مکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۴۱

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من مثل بالشعر الخ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۴۴۴

بشبابکم [1]۔	جو جوانوں کی سی صورت بنائے۔

امام ابوطالب مکی قوت القلوب میں اور امام حجۃ الاسلام احیاء العلوم میں فرماتے ہیں:

الخضاب بالسواد منھی عنه لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر شبابکم من تشبه بشیوخکم وشر شیوخکم من تشبه بشبابکم [2]۔	بالوں کا سیاہ خضاب لگانا ممنوع ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمہارے بہترین جوان وہی ہیں جو بوڑھوں جیسی شکل و صورت بنائیں اور تمہارے بدترین بوڑھے وہ ہیں جو تمہارے جوانوں کی سی شکل و صورت اختیار کریں۔(ت)

حدیث شانزدہم: ابن سعد طبقات میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن الخضاب بالسواد [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔

افسوس کہ ذرا سے نفسانی شوق کے لئے آدمی ایسی سختیوں کو گوارا کرے۔ محیط میں ہے:

الخضاب بالسواد قال عامة المشائخ انه مکروہ [4]۔	عام مشائخ نے فرمایا ہے کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔(ت)

ذخیرہ میں ہے:

علیه عامة المشائخ [5]۔	اسی پر عام مشائخ ہیں۔(ت)

---

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۰۲ مکتبہ الفیصلیة بیروت ۲۲/ ۸۴، مسند ابو یعلی ترجمہ واثلہ بن الاسقع موسسة علوم القرآن بیروت ۶/ ۴۷۸، شعب الایمان حدیث ۷۸۰۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۱۶۸، الکامل لابن عدی ترجمہ الحسن بن ابی جعفر دار الفکر بیروت ۲/ ۷۲۱

[2] احیاء العلوم کتاب اسرار الطھارۃ فصل فی اللحیة عشر خصال الخ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۰۳

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد

[4] ردالمحتار بحوالہ المحیط مسائل شتی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۲

[5] ردالمحتار بحوالہ الذخیرہ کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۱

درمختار میں ہے:

یکرہ بالسواد وقیل لا[1]۔	سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا کہ مکروہ نہیں ہے۔(ت)

ان تینوں عبارتوں کا یہی حاصل کہ عامہ مشائخ کرام و جمہور ائمہ اعلام کے نزدیک سیاہ خضاب منع ہے، علماء جب کراہت بولتے ہیں اس سے کراہت تحریم مراد لیتے ہیں جس کا مرتکب گناہگار و مستحق عذاب ہے والعیاذ باللہ تعالٰی۔ علامہ سید حموی پھر علامہ سید طحطاوی پھر علامہ سید شامی رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

ھذا فی حق غیر الغزاۃ ولایحرم فی حقھم للارھاب[2]۔	یعنی سیاہ خضاب کا حرام ہونا غیر غازی کے حق میں ہے غازیوں کے لئے حرام نہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

پیری نور الٰہی ست و تغییر نور الٰہی بظلمت مکروہ، ووعید درباب خضاب سیاہ شدید آمدہ اھ ملخصًا[3]۔	بالوں کی سفیدی اللہ تعالٰی کا نور ہے اور خدا تعالٰی کے نور کو سیاہی سے بدل دینا شرعًا مکروہ ہے اور سیاہ خضاب کے استعمال کرنے والوں کے لیے سخت وعید ہے، اھ ملخصًا(ت)

اسی میں ہے:

خضاب بسواد حرام ست وصحابہ وغیرہم خضاب سرخ می کردند وگاہے زرد نیز[4] اھ ملخصًا۔	سیاہ خضاب کا استعمال حرام ہے، صحابہ کرام اور ان کے علاوہ دیگر حضرات سرخ خضاب کیا کرتے تھے اور کبھی زرد بھی، اھ ملخصًا۔

بالجملہ یہی قول مختار و منصور ومذہبِ جمہور ثابت بارشاد حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور شک نہیں کہ احادیث وروایات میں مطلقًا سیاہ رنگ سے ممانعت فرمائی تو جو چیز بالوں کو سیاہ کرے خواہ نرا نیل یا مہندی کا میل یا کوئی تیل، غرض کچھ ہو سب ناجائز وحرام اور ان وعیدوں میں داخل ہے، حدیث وفقہ میں اگر صرف نیل خالص کی ممانعت اور باقی سیاہ خضابوں کی اجازت ہوتی

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۳

[2] ردالمحتار مسائل شتی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۲

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۵۷۰

[4] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۵۶۹

تو بیشک مہندی کی آمیزش کام دیتی اب کہ مطلقاً سیاہ رنگ کو حرام فرمایا تو جب تک اس قدر مہندی نہ ملے جو نیل پر غالب آجائے اور اس کی سیاہی کو دور کردے کیاکام دے سکتی ہے کہ وجہ حرمت یعنی بالوں کی ظلمت اب بھی باقی، اور وہ جو حدیث میں وارد کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حنا وکتم سے خضاب فرماتے ہرگز مفید نہیں کہ بتصریح علماء وہ خضاب سیاہ رنگ نہ دیتا تھا بلکہ سرخی لاتا جس میں سیاہی کی جھلک ہوتی، سرخ رنگ کا قاعدہ ہے جب نہایت قوت کو پہنچتا ہے ایک شان سیاہی کی دیتا ہے ایسا خضاب بلاشبہ جائز بلکہ محمود جس کی تعریف صحیح حدیث میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول **رواہ احمد والاربعۃ[1] وابن حبان عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ** (امام احمد اور دیگر چار محدثین اور ابن حبان نے اس کو حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت) شیخ محقق نوراللہ مرقدہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

بصحت رسیدہ است کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خضاب می کرد بحنا وکتم کہ نام گیا ہے ست لیکن رنگ آں سیاہ نیست بلکہ سُرخ مائل بسیاہی ست[2]۔	صحیح طور پر یہ بات ہم تک پہنچی کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مہندی اور کتم (وسمہ) سے خضاب استعمال کیا، کتم ایک گھاس کا نام ہے جس کا رنگ سیاہ نہیں بلکہ سرخ مائل بسیاہی ہوتا ہے۔(ت)

اسی کے قریب علامہ قاری نے جمع الوسائل شرح شمائل شریف ترمذی اور امام احمد قسطلانی نے ارشاد الساری شرح صحیح بخاری شریف میں تصریح فرمائی اور قولِ راجح وتفسیرِ جمہور پر کتم نیل کا نام بھی نہیں بلکہ وہ ایک اور پتی ہے کہ رنگ میں سرخی رکھتی ہے شکل میں برگِ زیتون سے مشابہ ہوتی ہے جسے لوگ حنا یا نیل سے ملا کر خضاب بناتے ہیں۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۲۲، جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی الخضاب امین کمپنی دہلی ۱ /۲۰۸، سنن النسائی کتاب الزینۃ الخضاب بالحناء والکتم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۲۷۷، مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۱۴۷، ۱۵۰، ۱۵۴، موارد الظمآن کتاب اللباس باب تغییر الشیب المطبعۃ السلفیۃ ص ۳۵۵

[2] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳ /۵۷۰

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

الکتم بفتح الکاف والمثناۃ الفوقیۃ نبت یشبہ ورق الزیتون یخلط بالوسمۃ ویختضب بہ[1]۔	کَتم چھوٹے کاف اور تاء کی زبر کے ساتھ بننے والا یہ لفظ ایک قسم کی گھاس کا نام ہے جو زیتون کے پتوں سے مشابہت رکھتی ہے جس کو وسمہ میں ملا کر خضاب کیا جاتا ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الکتم بفتحتین نبت فیہ حمرۃ یخلط بالحناء او الوسمۃ فیختضب بہ[2]۔	کتم کے پہلے دو حروف پر زبر استعمال ہوتی ہے یہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کی رنگت سُرخ ہوتی ہے اس کو مہندی یا وسمہ میں ملا کر خضاب کیا جاتا ہے۔(ت)

ابھی شرح مشکوٰۃ سے گزرا کہ رنگ آں سیاہ نیست [3] الخ (اس کا رنگ سیاہ نہیں ہوتا۔ت)

اقول: بلکہ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ خود حدیثوں سے ثابت کرسکتا ہے کہ حنا وکتم کے خضاب کا رنگ سُرخ ہوتا تھا، صحیح بخاری و مسند امام احمد وسنن ابن ماجہ میں عثمان بن عبداللہ بن موہب سے مروی:

قال دخلت علی ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا فاخرجت شعرا من شعر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخضوبا (زاد الاخیران) بالحناء والکتم[4]۔	یعنی میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے موئے مبارک (جو اُن کے پاس تبرکاتِ شریفہ میں رکھے تھے جس بیمار کو اس کا پانی دھو کر پلاتیں فورًا شفا پاتا تھا) نکالے مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔

انہیں عثمان بن عبداللہ سے انہیں موئے اقدس کی نسبت صحیح بخاری شریف میں مروی:

ان ام سلمۃ ارتہ شعر النبی صلی اللہ	یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے انہیں نبی صلی اللہ

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان احسن ماغیرتم بہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۰۹

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر حدیث اول من خضب بالحناء والکتم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/۳۹۲

[3] اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۵۷۰

[4] صحیح البخاری کتاب اللباس باب مایذکر فی الشیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۷۵

تعالٰی علیہ وسلم احمر [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم کے موئے مبارک سرخ رنگ دکھائے۔

ثابت ہوا کہ حنا وکتم نے سرخ رنگ دیا بلکہ اسی حدیث میں امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی کی دوسری روایت یوں ہے:

شعرا احمر مخضوبا بالحناء والکتم [2]۔	یعنی ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے موئے مبارک سرخ رنگ دکھائے جن پر حنا وکتم کا خضاب تھا۔

تو واضح ہوا کہ کَتم اگرچہ کسی شیئ کا نام ہو مگر روایت مذکورہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت سیاہ خضاب کا گمان کرنا یا اس شے پر نیل اور حنا ملے ہوئے کو مطلقاً جائز سمجھ لینا محض غلط ہے۔ افسوس کہ ہمارے زمانہ کے بعض صاحبوں نے خضاب وسمہ وحنا کی روایات تو دیکھیں اور ان کا مطلب اصلاً نہ سمجھا اول تو وسمہ نیل ہی کو نہیں کہتے بلکہ ایک اور پتی ہے کہ حنا میں مل کر اس کی سرخی تیز کردیتی ہے ورنہ خالص حنا کی سرخی گہری نہیں ہوتی۔ قاموس وتاج العروس میں ہے:

الوسمۃ ورق النیل اونبات اٰخر یخضب بورقہ [3]۔	وسمہ گھاس نما پتوں والی نباتات ہے اس کے پتے خضاب کے طور پر استعمال کئے جاتے ہیں۔(ت)

مغرب میں اسی معنی پر جزم کیا اور وسمہ بمعنی نیل کو قول ضعیف کہا،

حیث قال الوسمۃ شجرۃ ورقھا خضاب وقیل یجفف و یطحن ثم یخلط بالحناء فیقنأ لونہ والاکان اخضر [4]۔	وسمہ کو نیل کہنا ضعیف قول ہے معتمد یہ ہے کہ عرب زبان میں وسمہ ایک درخت کا نام ہے جس کی پتی سکھا کر پیس کر مہندی میں ملاتے ہیں جس سے اس کی سرخی خوب شوخ ہو جاتی ہے ورنہ پھیکی زردی مائل ہوتی ہے۔انتہی۔

یوں توبحمداللہ روایات میں نیل والوں کے لئے اصلاً پتا نہیں اور اگر قاموس کی طرح دونوں معنی مساوی رکھے جائیں جب بھی نیل والوں کا استدلال باطل کہ قطعاً محتمل کہ وہ پتی مراد ہو جو حنا کی سرخی تیز کرتی

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب مایذکر فی الشیب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۵

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن عثمان بن عبداللہ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۹۶

[3] تاج العروس فصل الواو من باب المیم داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۹۳

[4] المغرب

ہے اور بالفرض ان کی خاطر مان ہی لیجئے کہ وسمہ سے نیل مراد تو حاشا وہ روایتیں یہ نہیں کہتیں کہ پہلے مہندی کا خضاب کیجئے جس سے بال خود بخود صاف ہو جائیں اس پر وسمہ چڑھائیے کہ ظلمتیں اپنا پورا عمل دکھائیں نہ یہ کہ برائے نام نیل میں کچھ پتیاں مہندی کی ڈال کر خلط کا حیلہ کیجئے اور روسیاہی کا کامل لطف حاصل کیجئے بلکہ یہ مقصود کہ وسمہ میں اتنی حنا ملے کہ اس پر غالب آ کر رنگ میں سیاہی نہ آنے دے بلکہ یہ مراد کہ اصل خضاب حنا کا ہو اور اس میں کچھ پتیاں نیل کی شریک کرلی جائیں جس سے اس کی سرخی میں ایک گونہ پختگی آجائے اس کی نظیر بعینہٖ یہ ہے کہ شراب میں نمک ملانے کو علماء نے باعث تخلیل و تحلیل فرمایا ہے کہ جب سرکہ ہو گئی حقیقت بدل گئی حلت آگئی کہ اب وہ شراب ہی نہ رہی، ان روایات کو دیکھ کر کوئی صاحب پہلے نمک کھا کر اوپر سے شراب پی لیں یا گھڑے بھر شراب میں ایک کنکری نمک ڈال کر چڑھا جائیں کہ ہم تو نمک ملا کر پیتے ہیں، مقصود یہ تھا کہ نمک اس کا جوش بٹھادے ترش کرکے سرکہ بنادے ایسے حیلے شرع مطہر میں کیا کام دے سکتے ہیں، الحاصل مدارِ کار رنگ پر ہے، بالفرض اگر خالص مہندی سیاہ رنگت لاتی وہ بھی حرام ہوتی اور خالص نیل زرد یا سرخ رنگ دیتا وہ بھی جائز ہوتا، یوں ہی نیل اور مہندی کا میل یا کوئی بلا ہو جو کچھ سیاہ رنگ لائے سب حرام ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

رسالہ

حك العيب فی حرمة تسويد الشيب

ختم ہوا

کسب وحصولِ مال

خرید وفروخت، اُجرت، رشوت، سُود، قمار، بیمہ، پیشہ، صنعت، قرض، نذرانہ، ہبہ، میراث، غصب وغیرہ اور ذرائع آمدنی، حلال وحرام ومشتبہ سے متعلق مسائل

مسئلہ ۲۰۱: از پنجاب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رنڈیوں اور ڈومنیوں کے یہاں مزدوری کرکے کمانا جائز ہے یانہیں؟ اگر نہیں جائز تو نصارٰی کی نوکری کیوں جائز ہے؟ اگر نہیں جائز تو لوگ اس روپیہ سے مساجد ومدارس میں چندہ کیوں دیتے ہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اصل مزدوری اگر کسی فعل ناجائز پر ہو سب کے یہاں ناجائز، اور جائز پر ہو تو سب کے یہاں جائز، اس امر میں رنڈیاں اور غیر رنڈیاں، نصارٰی وہنود وغیرہم سب برابر ہیں۔ کلام اس میں ہے کہ اگر اُن کے یہاں کسی فعل جائز پر مزدوری کی تو آیا زرِ اُجرت اُن کے مال سے لینا روا، اور وہ اکل حلال ہوگا یانہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ رنڈیوں کو جو مال گانے ناچنے یا معاذاللہ زنا کی اُجرت میں ملتا ہے ان کے لئے حرام ہے وہ ہر گز اس کی مالک نہیں ہوتیں وہ ان کے ہاتھ میں مال مغصوب کا حکم رکھتا ہے، نہ انہیں خود اس کا اپنے صرف میں لانا جائز نہ دوسرے کو، وہ مال بعینہٖ اپنے قرض خواہ، کسی چیز کی قیمت، خواہ مزدوری کی اجرت میں، خواہ ویسے ہی بلامعاوضہ بطور ہدیہ، خواہ صدقہ، خواہ کسی طرح لینا روا ہوسکے بلکہ فرض ہے کہ جن جن سے لیا ہے انہیں کو پھیر دیں۔

فی کراھیۃ الھندیۃ عن المحیط عن محمد	فتاوٰی ہندیہ، بحث کراھیۃ میں بحوالہ محیط امام محمد

رحمہ اللہ تعالٰی فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دین لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ[1] الخ وفی حظر ردالمحتار عن السغناقی عن بعض المشائخ کسب المغنیۃ کالمغصوب لم یحل اخذہ[2] اھ۔	سے مروی ہے کہ گانے والی عورت کی کمائی سے اگر قرض ادا کیاجائے تو قرض خواہ کو اس کا لینا جائز نہیں الخ۔ ردالمحتار بحث ممنوعات میں امام سغناقی نے بعض مشائخ کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ گویا مغنیہ کی کمائی غصب شدہ چیز کی طرح ہے لہٰذا اس کا لینا جائز نہیں اھ (ت)

اسی طرح اُن کے آشنا جو مال بطور تحفہ وہدیہ ان کے راضی رکھنے یا ان کا دل اپنی طرف مائل کرنے کو دے آتے ہیں اگرچہ اس وقت خالی ملاقات کو جائیں اور زنا یا غنا کچھ مقصود نہ رکھیں اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ رشوت ہے اور نڈیاں اس کی مالک نہیں ہوجاتیں اس کا واپس دینا بھی واجب ہے۔

فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار آثرا عن القنیۃ مقرا علیہ،مایدفعہ المتعاشقان رشوۃ یجب ردہ ولا تملك[3] اھ۔	حاشیہ طحطاوی بردرمختار میں علامہ طحطاوی نے مصنف قنیہ کے کلام کو برقرار رکھتے ہوئے اس سے نقل کیا ہے کہ عاشق معشوق کو جو کچھ بطور رشوت دے اور اس کے حوالے کرے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اس لئے کہ معشوقہ اس کی مالک نہیں اھ۔(ت)

اگر لینے والے کو معلوم ہوگا کہ یہ مال بعینہٖ وہی ہے انہوں نے گانے، ناچنے، زنا کی اُجرت یا آشناؤں سے تحفہ ہدیہ رشوت میں پایا ہے تو اسے لینا ہرگز روا نہیں۔ اور وہ مال جو انہیں گانے ناچ مجلے میں انعام بلاشرط یعنی اُجرت مقررہ سے زیادہ ملتا ہے ان کے حق میں حکم ہبہ کا رکھتا ہے کہ وہ عقد اجارہ باطلہ جو ان افعال محرمہ پر ہوا یہ مال اس کے تحت میں داخل نہیں بلکہ بہت لوگ بطور خوشنودی کچھ اپنی ناموری کے خیال سے بعض جاہل یہ سمجھ کر کہ ایسے مقامات پر انعام دینا شان ریاست ہے دیا کرتے ہیں تو وہ اس مال کی مالک ہوگئیں، اسی طرح ڈومنیوں کو جو بیل ملتی ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۷۸

فی الخانیة الرجل اذا کان مطربا مغنیا ان اعطی بغیر شرط قالوا یباح له ذلك و ان کان یاخذه علی شرط ،ردالمال علی صاحبه ان کان یعرفه وان لم یعرفه یتصدق به [1] اھ قلت والمسئلة منقولة عن محرر المذھب ،اثرھا فی الھندیة عن المنتقی عن ابراھیم عن محمد وعنھا نقل فی ردالمحتار قال ومثله فی المواھب۔	فتاوٰی قاضی خان میں ہے جب کوئی شخص گانے بجانے والا ہو اوراس کو بغیر کسی شرط کے کچھ دیا گیا تو فقہاء کرام نے اس کو مباح قرار دیا ہے لیکن اگر اسے پہچانتا نہیں تو پھر اسے خیرات کردے اھ ، میں کہتا ہوں یہ مسئلہ صاحب مذہب سے یعنی مذہب قلم بند کرنے والے سے منقول ہے جس کو فتاوٰی عالمگیری میں "المنتقٰی" کے حوالے سے ابراہیم نے امام محمد سے نقل کیا گیا ہے اور اسی سے فتاوٰی شامی میں نقل کیا گیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ المواہب میں اسی کی مثل مذکور ہے۔(ت)

اقول: مگر اس قدر تفرقہ ضرور ہے کہ اگر دینے والے نے یہ مال حسب دستور فی الواقع انعام یا بیل کے طور پر دیا تو ہبہ ٹھہرے گا اور اگر اصل مقصود آشنائی بڑھانا اور اپنی طرف لبھانا ہے تو بیشک رشوت قرار پائے گا اور اسی حکم مغصوب میں داخل ہو جائے گا۔

فانما الامور بمقاصدھا وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2]۔	کاموں کا مدار ان کے مقاصد پر ہے ،اور اعمال کا مدار ارادوں پر ہے لہذا ہر آدمی کے لئے وہی کچھ ہے جو اس نے ارادہ کیا ہے۔(ت)

اور یہ فرق ملاحظہ قرائن سے معلوم ہو سکتا ہے اسی لئے مسموع یوں ہے کہ رنڈی، ڈومنی سے معاذاللہ جس شخص کو آشنائی ہوتی ہے وہ بلاوجہ بھی حسبِ مقدرت انعام کثیر اور جلد جلد بیل دیتا ہے ،یونہی بعض دیہات کی رسم سنی گئی ہے کہ نیوتے والے جو بیل رنڈی کو دیتے ہیں صاحب خانہ کا قرض سمجھ کر دیا جاتا ہے اور وہ اس اجرت مقررہ پر مجرا لیتا ہے تو یہ بیل در حقیقت بیل نہیں بلکہ وہی اجرت ہے اور مغصوب میں داخل لان المعھود عرفا کالمذکور لفظا (اس لئے کہ "معہود" رواج میں مذکور کی طرح ہے۔ت) غرض ان صورتوں سے پاک ہو تو بیشک انعام اور بیل کا روپیہ ان کی ملک خاص ہے اور انہیں خود اس سے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۷۹/۴

[2] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

انتفاع اور دوسرے کو اس میں سے دینا جائز ہے، اس لینے والے کو اگر معلوم ہو کہ مثلاً زرِ اجرت جو اس نے دیا خاص اس مال حلال سے تھا اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر رنڈی کسی سے قرض لے کر اس کی اُجرت دے تو بھی لینا جائز، اب چاہے وہ اپنا قرض کسی مال سے ادا کرتی رہے۔

فی الخلاصة فالحيلة فی مثل هذه المسائل ان يشتری شيئا ثم ينقد ثمنه من ای مالٍ احب وقال ابو يوسف سألت ابا حنيفة رضی الله تعالٰی عنه عن الحيلة فی مثل هذا فاجابنی بما ذكرناه [1] اھ **قلت** وسيأتی سند اٰخر۔	خلاصہ میں ہے کہ اس نوع کے مسائل میں حیلہ یہ ہے کہ وہ شخص کسی سے قرض لے پھر جس مال سے بھی چاہے وہ مقروضہ رقم ادا کردے، قاضی امام ابویوسف نے فرمایا: میں نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس قسم کے مسائل میں حیلہ دریافت کیا تھا تو آپ نے مجھے وہی جواب دیا جو ہم نے بیان کیا ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس کی دوسری سند کا عنقریب ذکر آئے گا۔ (ت)

اور اگر رنڈی مال حرام بعینہٖ نہ دے بلکہ اس مال سے کوئی شے مثلاً غلہ یا کپڑا خرید کر دینا چاہے تو اس کی دو [2] صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ خریدنے میں نقد وعقد دونوں اس مال حرام پر جمع ہوئے یعنی رنڈی نے اپنا حرام روپیہ بائع کے سامنے ڈال دیا کہ فلاں چیز دے دے، اس نے دے دی، یا حرام روپیہ دکھا کر کہا اس کے عوض دے دے۔ اس نے دے دی۔ اس نے یہی زرِ حرام قیمت میں دیا اس صورت میں جو کچھ رنڈی نے خریدا وہ بھی مثل اس روپے کے حرام رہا۔

دوم: یہ کہ نقد وعقد کا زرِ حرام پر اجتماع نہ ہو کسی رنڈی نے نہ روپیہ پہلے سے دیا یا نہ دکھایا بلکہ یونہی کہا کہ ایک روپیہ کی یہ چیز دے دے اس نے دے دی، اس نے قیمت میں زر حرام دیا، یا حلال روپیہ دکھا کر مانگی، پھر دیا حرام، یا حرام دکھا کر طلب کی، پھر دیا حلال کہ وجہیں اولین میں حرام پر عقد، اور ثالث میں اس کا نقد نہ ہوا، اس صورت دوم پر جو چیز رنڈی نے خریدی بہتر تو اس کا بھی نہ لینا ہے۔

لان كثيرا من مشائخنا ذهبوا الی تحريم الابدال مطلقا فيما كان الخبث فيه	اس لئے کہ ہمارے بہت سے مشائخ مطلقاً ابدال کے حرام ہونے کی طرف گئے ہیں اس صورت

[1] خلاصة الفتاوٰی کتاب الکراهية الفصل الرابع المكتبة الحبيبيه کوئٹہ ۴ /۳۴۹

لعدم الملک۔	میں کہ جس میں خباثت پائی جائے ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے۔(ت)

پھر بھی اگرلے لے گاتو رنڈی اپنے افعال پر ماخوذ ہے، یہ خریدی ہوئی چیز نہ اس کے حق میں حرام کہی جائے گی نہ اس لینے والے کے حق میں،

لان جمهور ائمتنا المتاخرين افتوا بقول الامام الكرخي المفصل بالتفصيل المذكور رفقا بالمسلمين نظرا الى حال هذا الزمان الفاشي فيه الحرام بل منهم من زعم حل الابدال مطلقا فيما لايتعين بالتعين في ردالمحتار عن التتارخانية والوالجية الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعا للحرج لكثرة الحرام قال وعلى هذا مشى المصنف في كتاب الغصب تبعاللدرروغيرها[1] اھ وفي فتاوى الامام فخرالدين قاضي خاں اما الذي اشتراه بالثمن اذا لم يكن الشراء مضافا الى الغصب فظاهر اما الذي اشتراه بالثمن واضاف العقد اليه فالعقد لم يقع على الثمن المشار اليه فلا يتمكن الخبث في المبيع[2] اھ.**اقول:** و ھٰهنا تحقيق و ازاحة وهم يعرف بالمراجعة الٰى رسالتنافي اكل الحلال والحرام التي انافي تاليفها	اس لئے کہ ہمارے جمہور ائمہ متاخرین نے امام کرخی کے قول پر فتوٰی دیا ہے جو ذکر کردہ تفصیل میں مفصل ہے۔ مسلمانوں کی آسانی کے پیش نظر اس زمانہ پر نظر رکھتے ہوئے کہ جس میں حرام زیادہ ہے، بلکہ ان میں سے کچھ وہ ائمہ ہیں جو مطلقاً ابدال کے حلال ہونے کا گمان رکھتے ہیں، اس صورت میں جس میں تعیین کے ساتھ شَے متعین نہ ہو، ردالمحتار میں تتارخانیہ اور ولوالجیہ کے حوالے سے منقول ہے کہ آج کے زمانے میں امام کرخی کے قول پر فتوٰی ہے دفع حرج کے لئے کثرت حرام کی وجہ سے، اس نے کہا کہ مصنف نے کتاب الغصب میں یہی روش اختیار کی ہے درر وغیرہ کا اتباع کرتے ہوئے اھ، اور فتاوٰی امام فخر الدین قاضیخان میں ہے لیکن اگر اس نے کسی چیز کو ثمن سے خریدا بشرطیکہ اس اشتراء کی اضافت غصب کی طرف نہ ہو تو اس کا حکم ظاہر ہے لیکن اگر اس نے ثمن سے چیز خریدی اور عقد کی اضافت اس کی طرف کی تو پھر عقد، ثمن مشار الیہ پر واقع نہ ہوا تو مبیع میں

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۱۹

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۷۸

وترصیفہا فی ھذہ الایام واذا تمت فارجوا ان تکون نافعۃ مبارکۃ ان شاء اللہ تعالٰی۔	خباثت پیدا نہ ہوگی اھ۔ **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) یہاں تحقیق اور ازالہ وہم ہے جس کی پہچان ہمارے رسالے کی طرف مراجتعت پر موقوف ہے جو حلال وحرام کے کھانے کے موضوع پر ہے، میں ان دنوں میں اس کی تصنیف وترصیف (ترتیب) کررہاہوں پھر جب وہ مکمل ہوجائے گا تو میں امید رکھتاہوکہ وہ ان شاء اللہ تعالٰی فائدہ بخش اور بابرکت ہوگا۔ (ت)

اور اگر معلوم ہو کہ یہ مال جو وہ مثلاً اُجرت میں دیتی ہے اگرچہ عین حرام نہیں مگر اس میں مال حلال وحرام اس طرح سے ملے ہوئے ہیں کہ تمیز نہیں ہوسکتی یا ہو تو بدقّت تمام ہو مثلاً رنڈی کے پاس دس روپیہ ناپاک کمائی کے تھے اور پانچ انعام یا قرض یا زراعت وغیرہ یا کسی وجہ حلال کے اور اس نے وہ سب ملادیئے اور شناخت نہیں کہ وہ دس کون سے تھے اور یہ پانچ کون سے، تو اس صورت میں جس قدر مال وجہ حلال سے تھا مثال مذکور میں پانچ روپیہ اس قدر لینا تو بلاشبہ جائز ہے۔

فی الفتاوی العالمگیریۃ عن التاتارخانیۃ عن الامام محمد غصب عشرۃ دنانیر فالقی فیہا دینارا ثم اعطی منہ رجلا دینارا اجاز ثم دینارا آخر لا اھ[1]۔	فتاوٰی عالمگیری میں تاتارخانیہ کے حوالے سے امام محمد سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ کسی شخص نے دس دینار چھین لئے پھر ان میں ایک حلال دینار ڈال دیا پھر ان سے ایک شخص نے دیا تو یہ جائز نہیں اھ۔(ت)

اور اس سے زائد مثلاً صورت مفروضہ میں چھٹا روپیہ لینے سے احتراز کرے کہ مذہب صاحبین پر حرام محض ہے، اور عامہ محققین نے اسی پر فتوٰی دیا اور برمذہب امام مکروہ ہونا چاہئے تو ایسے امر میں کیوں پڑے جس کا ادنٰی درجہ کراہت، اور اکثر اکابر کے طور پر حرام،

فی فتاوٰی قاضی خاں ناقلا عن الامام ابی بکر البلخی قیل لہ لو ان فقیرا یاخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان یاخذھا غصبا یحل لہ ذلک قال ان کان	فتاوٰی قاضی خاں نے امام ابوبکر بلخی کے حوالے سے نقل کیا کہ ان سے کہاگیا کہ اگر کوئی محتاج بادشاہِ وقت سے کچھ لیتاہے باوجودیکہ اسے علم ہے کہ بادشاہ نے یہ غصب سے لیا ہے تو اس کے لئے یہ لینا

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الغصب الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۱۴۱

السلطان خلط الدراھم بعضھا ببعض فانہ لاباس بہ وان دفع عین الغصب من غیر خلط لم یجز اخذہ، قال الفقیہ ابو اللیث ھذا الجواب یستقم علی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی لان عندہ اذا غصب الدراھم من قوم وخلط بعضھا ببعض یملکھا الغاصب اما علی قول ابی یوسف ومحمد فانہ لایملکھا الغاصب ویکون علی ملك صاحبھا[1]، **اقول:** واما الکراھۃ علی مذھب الامام فلانہ وان مبلکہ بسبب خبیث و التصدق واجب علیہ وفی ھذا اعراض عنہ، قال الامام شمس الائمۃ السرخسی فی شرح السیر الکبیر، المشتری فاسد اذا ارادبیع المشتری بعد القبض یکرہ شراؤہ منہ الخ قال الشامی لحصولہ للبائع بسبب حرام ولان فیہ اعراضا عن الفسخ الواجب[2] اھ وایضاح المقام مفوض الی رسالتنا المذکورۃ۔

حلال ہے فرمایا کہ اگرچہ بادشاہ نے درہموں کو ایک دوسرے سے ملادیا ہو تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ملائے بغیر عین غصب شدہ چیز حوالے کرے تو اس کا لینا جائز نہیں، فقیہ ابواللیث نے فرمایا کہ یہ جواب امام ابوحنیفہ کے قول پر ٹھیک ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک جب کوئی شخص کچھ لوگوں سے دراھم چھین لے اور پھر انہیں ایک دوسرے سے ملادے تو غاصب ان کا مالک ہوجائے گا۔ لیکن صاحبین کے قول کے مطابق غاصب مالک نہ ہوگا بلکہ وہ اصل مالک کی ملکیت میں رہیں گے، **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) امام کے مذہب پر اس لئے اس صورت میں کراہت ہوگی کہ اگرچہ غاصب سببِ خبیث کی وجہ سے مالک ہوگیا لیکن ان کا خیرات کرنے سے رُوگردانی ہے، امام شمس الائمہ سرخسی نے سیر کبیر کی شرح میں فرمایا کہ خرید شدہ چیز فاسد ہے جب یہ خریدی ہوئی چیز کو قبضہ کرنے کے بعد بیچنے کا ارادہ کرے تو اس کا خرید نامکروہ ہے الخ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا اس لئے کہ یہ سب حرام کی وجہ سے بائع کو حاصل ہوئی اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں فسخ واجب سے اعراض ہے اھ اس

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۹

[2] ردالمحتار بحوالہ شرح السیر الکبیر لشمس الائمہ السرخسی باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

	مقام کی وضاحت کرنا ہمارے مذکورہ رسالے کے حوالے ہے۔(ت)

اور اگر رنڈی نے ایک مال حرام کو دوسرے حرام سے خلط کیا مثلاً ناچ کی اجرت میں اس نے دس روپیہ زید سے پائے تھے اور دس عمرو سے، یہ سب ملادیئے تو اس میں سے ایک روپیہ بھی لینا نہ چاہئے کہ وہ سب وجہ حرام سے ہے جو کچھ لے گا صاحبین حرام بتائیں گے اور امام کے قول پر مکروہ ہونا چاہئے۔

والوجه ماذکرنا انها کعین المغصوب عندهما و کالمشتری فاسدا عنده۔	اس کی وجہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کردیا کہ وہ چیز صاحبین کے نزدیک عین مغصوب کی طرح ہے اور امام صاحب کے نزدیک خرید کی ہوئی چیز کی طرح فاسد ہے۔(ت)

ہاں اگر اس قسم کے روپیہ سے کوئی چیز مثلاً اناج یا کپڑا خرید کردے تو اس مزدور کو اس شَے کا لینا امام کے طور پر بالاتفاق حرام نہیں، اور بر بنائے مذہب صاحبین اسی تفصیل پر رہے گا جو خریدی ہوئی چیز کے بارے میں اوپر گزری۔

اقول: وذٰلك لان الملك ثابت عنده بالخلط ولو خبیثا فلایعمل فیما لایتعین کالدراهم واما عندهما فالخبث لعدم الملك فیعمل فی الصفتین جمیعا علی الاطلاق کما اختار کثیر من المشائخ فلایحل المشتری مطلقا وخالف جماعة فقالوا یحل المشتری بالدراهم مطلقا وقال الکرخی الا اذا عقد علیها ونقد ھٰهنا وبه افتی جمهور المتاخرین کمامر، والتفصیل محمول علی الرسالة۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہ حکم اس لئے ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگرچہ وہ چیز خبیث ہے لیکن خلط ملط کرنے سے مِلک ثابت ہوگئی، پھر جس چیز میں تعین نہیں ہوسکتا جیسا کہ دراہم، تو اس میں اثر نہ ہوگا اور صاحبین کے نزدیک ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس میں خبث پیدا ہوگیا، پھر علی الاطلاق دونوں صفتوں میں اثر ہوگا جیسا کہ بہت سے مشائخ نے اس کو اختیار کیا، لہٰذا خریدی ہوئی چیز مطلقاً حلال نہ ہوگی، لیکن اس میں ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ مطلقاً دراہم سے خریدی ہوئی چیز حلال ہے لیکن امام کرخی نے فرمایا

	مگر جبکہ یہاں اُن پر عقد اور نقد واقع ہو پس اسی پر جمہور متاخرین نے فتوی دیا جیسا کہ گزر چکا ہے، اور تفصیل رسالہ مذکورہ پر محمول ہے۔ (ت)

یہ سب صورتیں اس وقت تھیں جب اسے اس مال کا حال معلوم ہو جو اس کی مزدوری میں دیا جاتا ہے کہ خاص مال رنڈی کے پاس کہاں سے آیا ہے اور اس تک کیوں کر پہنچتا ہے، آیا عین حرام میں سے ہے یا خالص حلال سے؟ یا دونوں مخلوط ہیں؟ یا مال حرام سے خریدا ہوا ہے؟ یا کیا حال ہے؟ اور اگر یہ کچھ نہیں کہہ سکتا نہ اسے کچھ خبر کہ خاص مال جو اسے دیا جاتا ہے یا کس قسم کا ہے، تو اس صورت میں فتوی جواز ہے کہ اصل حلت ہے، جب تک خاص اس مال کی حرمت نہ ظاہر ہو، لینے سے منع نہ کریں گے،

فی الهندیة عن الظهیریة عن الامام الفقیه ابی اللیث اختلف الناس فی اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم یجوز مالم یعلم انه یعطیه من حرام، قال محمد رحمه الله تعالٰی وبه ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی واصحابه [1] اهـ، وفی فتاوی الامام قاضی خان رجل دخل علی سلطان فقدم علیه شیئ من الماکولات قالوا ان اکل منها لاباس به اشتراه بالثمن اولم یشتر الا ان هذا الرجل ان کان یعلم انه غصب بعینه فانه لایحل له ان یاکل من ذٰلک [2]، وفیها ان لم یعلم الآخذ	فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی ظہیریہ کے حوالے سے فقیہ ابو اللیث سے روایت ہے بادشاہ سے انعام لینے کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا کہ لینا جائز ہے جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مالِ حرام سے دیتا ہے، امام محمد نے فرمایا ہم اسی کو لیتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کے حرام ہونے کی شناخت نہ ہو، امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا یہی قول ہے اھ، امام قاضی خان کے فتاوے میں ہے کہ ایک آدمی بادشاہ کے پاس گیا تو اس کے آگے کچھ کھانے کی چیزیں لائی گئیں، فقہاء نے فرمایا کہ اگر وہ یہیں کھائے تو اس میں کوئی حرج نہیں خواہ اس نے قیمت سے خریدی ہوں یا نہ خریدی ہوں، مگر جب یہ شخص جانتا ہو کہ یہ بعینہٖ غصب ہے تو پھر اس کے لئے حلال نہیں کہ انہیں کھائے اھ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۷۸

انه من ماله او من مال غيره فهو حلال حتى يتبين انه حرام[1] اهـ.وفي ردالمحتار عن الذخيرة سئل ابو جعفر عمن اكتسب ماله من امر السلطان و الغرامات المحرمة وغيرذلك هل يحل لمن عرف ذلك ان ياكل من طعامه قال احب الى في دينه ان لا ياكل ويسعه حكما ان لم يكن غصبا[2] او رشوة اهـ و هكذا في الهندية عن المحيط عن الفقيه ابي جعفر و حاشية السيدي الحموي على الاشباه من قاعدة اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام وكون الغالب في السوق الحرام لايستلزم كون المشتري حراما لجواز كونه من الحلال المغلوب والاصل الحل[3] اهـ	اور اسی میں ہے کہ اگر لینے والا یہ نہ جانے کہ وہ لی ہوئی چیز دینے والے کے اپنے مال سے ہے یا کسی دوسرے کے مال سے ہے تو پھر وہ حلال ہے حتی کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ حرام ہے اھ، فتاوٰی شامی میں ذخیرہ کے حوالے سے ہے کہ امام ابو جعفر سے اس آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ جو امر سلطان سے مال کماتا ہے اور اس میں حرام وغیرہ جرمانے بھی شامل ہوتے ہیں لہذا جو شخص ان معاملات کو جانتا پہچانتا ہو کیا اس کے لئے حلال ہے کہ وہ اس کا کھانا کھائے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے دین کے معاملے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ وہ نہ کھائے، اور اس کے لئے اس بات کی حکمًا گنجائش ہے اگر وہ غصب یا رشوت نہ ہو اھ، اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں محیط کے حوالے سے فقیہ ابو جعفر سے روایت ہے الاشباہ والنظائر پر سید حموی کے حاشیہ میں ایک قاعدہ مذکور ہے کہ جب حلال اور حرام جمع ہو جائیں تو حرام غالب ہوگا اور بازار میں حرام کا غالب ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ جو چیز خریدی گئی وہ حرام ہو اس لئے کہ یہ جائز ہے کہ خریدی ہوئی چیز حلال مغلوب ہو حالانکہ حِل اصل ہے اھ (ت)

علماء فرماتے ہیں ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا نہیں یقینی اکل حلال خالص آج کل حکم عنقا کا رکھتا ہے، غنیمت ہے کہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچ جائے،

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۷۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۷

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۴۸

فی الخانیة لایخلو ذلك عن نوع شبهة الا انهم قالوا لیس زماننا زمان الشبهات فعلی المسلم ان یتقی الحرام المعاین[1] اھ وفی الباب الخامس والعشرین من کراهة العالمگیریة عن جواهر الفتاوی فی الجملة ان طلب الحلال من ھٰذہ البلاد صعب وقد قال بعض مشائخنا علیك بترك الحرام المحض فی هذا الزمان فانك لاتجد شیئًا لاشبهة فیه[2] اھ۔	فتاوٰی قاضیخان میں ہے یہ چیز نوع شبہ سے خالی نہیں مگر فقہائے کرام نے فرمایا کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں لہٰذا اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ دیکھے ہوئے حرام سے بچے اھ، فتاوٰی عالمگیری کے پچیسویں باب کراہیۃ میں جواہر الفتاوٰی کے حوالے سے ہے کہ حاصل کلام یہ ہے کہ ان شہروں میں حلال تلاش کرنا کسی قدر مشکل ہے، یہی وجہ ہے ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس زمانے میں تم پر خالص حرام کو چھوڑ دینالازم ہے کیونکہ تم کوئی ایسی چیز نہیں پاسکتے کہ جس میں کوئی شبہہ نہ ہواھ (ت)

مگر تاہم یہ حکم ظاہر کا ہے دیانۃً اگر معلوم ہو کہ اس کا مال اکثر وجہ حرام سے ہے تو متقی کا کام اس سے بچنا ہے جب تک ظاہر نہ ہو کہ یہ خاص مال جو اس کے صرف میں آئے گا وجہ حلال سے ہے، آدمی کو حظوظ نفس کی وسعتیں خراب کرتی ہیں، حق سبحانہ، وتعالٰی نے جب انسان کو بحکم الدنیا خضرة حلوة (دنیا سرسبز میٹھی ہے۔ت) اس سبزہ زار شہد نماز، ہرفروش یعنی دنیا میں بھیجا بمحض رحمت ازلی اس کے قاتل زہر کو الگ چُن کر حد مقرر فرمادی اور نواہی شرعیہ عام منادی سنادی کہ او غافل بکریو! اس احاطہ کے اندر نہ چرنا، تمہارا دشمن بھیڑیا کہ عبارت شیطان سے ہے اسی جنگل میں رہتا ہے یہاں کی گھاس اس وقت کی نظر میں تمہیں ہری ہری دوب لہکتی لہلہاتی نظر آتی ہے مگر خبردار اس میں بالکل زہر بھرا ہے، اب

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الخامس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۴

اس مرغزار کی گھاس تین قسم کی ہو گئی، کچھ سب کو معلوم ہے کہ اسی قطعہ کی ہے جس میں زہر ہے اور کچھ اس ٹکڑے سے بہت دور ہے جسے ہم یقینی اپنے حق میں نافع یا ضرر سے خالی جانتے ہیں اور جو کچھ اس پہلے خطہ کے آس پاس رہ گئی اس میں شبہہ ہے کیا جانئے شاید اس میں کی ہو وذلک۔

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحلال بین والحرام بین ومابینھما مشتبھات لایعلمھن کثیر من الناس [1]۔	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے البتہ ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہات ہیں جن کو بہت سے لوگ نہیں جانتے۔(ت)

توہم میں جن کو اپنی جان پیاری اور ہوش وخرد کی پاسداری تھی انہوں نے تو اس تختہ کی اور کوسوں کا طرار اُبھرا، اور بھولی بھیڑیں اپنی نادانی سے یہی کہتی رہیں کہ ابھی تو وہ ٹکڑا نہیں آیا ہے ابھی تو دور معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ خاص اس خطہ میں جاپڑیں اور زہر کی گھاس نے کام تمام کیا، آدمی کو اگر پلاؤ کی رکابی دی جائے اور کہہ دیں کہ اس کے خاص وسط میں روپیہ بھر جگہ کے قریب سنکھیا پسی ہوئی ملی ہے ڈرتے ڈرتے کناروں سے کھائے گا اور بجائے ایک روپیہ کے چار روپیہ کی جگہ چھوڑ دے گا، کاش ایسی احتیاط جو اپنے بدن کی محافظت میں کرتا ہے قلب کی نگاہداشت میں بجالاتا۔اے عزیز! بادشاہوں کا قاعدہ ہے ایک چراگاہ محصور کر لیتے ہیں کہ رعایا اس میں نہ چرانے پائے، عربی میں اسے حمٰی کہتے ہیں، خدا اور سول کی سچی سلطنت، قاہر بادشاہت میں حمٰی محرمات شرعیہ ہیں، سے اپنے دین وآبرو کا خیال ہے شبہات سے بچے گا کہ مبادا آس پاس چراتے چراتے خاص حمٰی میں پڑے، اور جو نہیں مانتے تو قریب ہے کہ انہیں ایک دن یہ واقعہ پیش آجائے، یہ مثال جو میں نے بیان کی کچھ میری ایجاد نہیں بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح حدیث میں ارشاد فرمائی،

کما اخرجہ البخاری [2] ومسلم وابوداؤد	جیسا کہ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] صحیح البخاری کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب المساقات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸، سنن ابی داؤد کتاب البیوع آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۷، جامع الترمذی ابواب البیوع امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵

والترمذی والنسائی وابن ماجة عن النعمان بن بشیر والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعین۔	اور ابن ماجہ نے نعمان بن بشیر سے تخریج کی، اور طبرانی نے ابن عباس کے حوالے سے ذکر کیا۔ اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔ (ت)

بلکہ بعض علماء نے تو در صورت غلبہ حرام رخصت ہی نہ دی اور عدم جواز کی تصریح فرمائی یعنی جب دینے والے کا اکثر مال وجہ حرام سے ہے تو اس کے مال سے کچھ لینا جائز نہیں جب تک اس خاص چیز کا وجہ حلال سے آنا ظاہر نہ ہو جائے،

ففی الهندیة عن المختار شرح الاختیار لایجوز قبول هدیة امراء الجور لان الغالب فی مالهم الحرمة[1] الخ وفیها ایضا فی فتاوٰی اهل سمرقند رجل دخل علی السلطان فقدم علیه شیئ ماکول فان اشتراه بالمن اولم یشتر ذٰلك ولکن هذا الرجل لا یفهم انه منصوب بعینه حله اکله هکذاذکر و الصحیح انه ینظر الی مال سلطان وبین الحکم علیه هٰکذا فی الذخیرة[2] اهمافی الهندیة **قلت** لکن تصحیح الذخیرة لایعارض قول محرر المذهب محمد به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة واصحابه[3] کما مر نقله عن فتاوی الامام الاجل	فتاوٰی عالمگیری میں المختار شرح اختیار کے حوالے سے یہ قول مذکور ہے کہ ظالم امراء کے ہدیہ کو قبول کرنا جائز نہیں اس لئے کہ ان کا زیادہ تر مال حرام ہوتا ہے الخ۔ اور اسی میں فتاوٰی اہل سمرقند کے حوالے سے مذکور ہے ایک آدمی بادشاہ کے پاس گیا تو اس کے آگے کوئی کھانے کی چیز لائی گئی، اگر دینے والے نے اسے قیمت سے خریدا ہو یا نہ خریدا ہو لیکن یہ لینے والا شخص نہ سمجھ سکا کہ یہ بعینہٖ چھینی ہوئی چیز ہے تو اس کے لئے اس کا کھانا حلال ہے۔ اہل علم نے اسی طرح ذکر فرمایا، لیکن صحیح یہ ہے کہ شخص مذکور بادشاہ کے مال اور اس پر جو شرعی حکم لاگو ہوتا ہے اس پر غور وفکر کرے، ذخیرہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں جو کچھ تھا وہ پورا ہوگیا۔ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) ذخیرہ

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

ظہیر الدین المرغینانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین الٰی یوم الدین۔	کی تصحیح، مذہب قلم بند کرنے والے امام محمد کے قول کے معارض نہیں ہو سکتی کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین شیئ کے حرام ہونے کو نہ پہچانیں، امام ابو حنیفہ اور ان کے ساتھیوں کا یہی قول ہے، جیسا کہ امام اجل ظہیر الدین مرغینانی کے فتاوٰی سے اس کی نقل گزر چکی، اللہ تعالٰی قیامت تک ان پر نزول رحمت فرمائے۔(ت)

ہاں ازالہ شبہہ کے لئے اتنا بھی کافی ہے کہ جب صاحبِ مال رنڈی یا ڈومن خود بیان کریں کہ یہ مال ہمارے پاس وجہ حلال سے ہے ہمیں انعام ملا یا ہم نے قرض لیا یا مثلاً بذریعہ زراعت وغیرہا وجوہِ حلال سے حاصل کیا اگر اس شخص کو ان کے بیان میں فرق ظاہر نہ ہو تو اب لے لینے میں کسی طرح حرج نہیں۔

فی العالمگیریۃ عن الینابیع اھدی الٰی رجل شیئا او اضافہ ان کان غالب مالہ من الحلال فلاباس الا ان یعلم بانہ حرام فان کان الغالب ھو الحرام ینبغی ان لایقبل الھدیۃ ولا یاکل الطعام الا ان یخبرہ انہ حلال ورثۃ او استقرضتہ من رجل [1] اھ وفیہا عن التمرتاشی لایجیب دعوۃ من کان غالب مالہ من حرام مالم یخبر انہ حلال وبالعکس مالم تتبین عندہ انہ حرام [2] اھ وفیہا عن الملتقط اٰکل الربٰو او کاسب الحرام	فتاوٰی عالمگیری میں ینابیع کے حوالے سے مذکور ہے کسی شخص نے کسی کو کوئی چیز بطور ہدیہ دی یا اس نے اس کی مہمان نوازی کی، اگر اس کا زیادہ تر مال حلال ہے تو اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، مگر یہ کہ اسے معلوم ہو جائے کہ یہ حرام ہے، پھر اگر اس کا غالب مال حرام ہو تو مناسب یہ ہے کہ وہ ہدیہ قبول نہ کرے اور نہ طعام کھائے، مگر یہ کہ وہ اسے بتادے کہ یہ حلال ہے کیونکہ میں اس کا وارث ہوا ہوں یا میں نے کسی آدمی سے قرض لیا ہے اھ، اور اسی فتاوٰی عالمگیری میں امام تمرتاشی کے حوالے سے منقول ہے یہ اس شخص کی دعوت قبول نہ کرے جس کا غالب مال حرام ہو، جب تک وہ یہ نہ بتائے کہ وہ حلال ہے اور

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۳

اھدی الیه أو اضافه وغالب ماله حرام لایقبل و لایاکل مالم یخبرہ ان ذٰلك المال اصله حلال ورثه او استقرضه وان کان غالب ماله حلالا لاباس بقبول ھدیته والاکل منه[1] اھ **اقول:** وبمثله فی الخانیة عن الامام الناطفی وعلله لان اموال الناس لاتخلو عن قلیل حرام فیعتبر الغالب[2] اھ ھذا واما ماذکرت من التقیید بان لایظھر عندہ کذب ماقال فیعرف بالمراجعة الی مافی العالمگیریة وغیرھا من تفاصیل الاحکام فی قبول خبر الواحد فارجع واعرف وستوضحه فی الرسالة ان شاء اللہ تعالٰی۔	اس کے عکس میں جب تک اس کے نزدیک حرام ہونا واضح نہ ہوجائے اھ۔اسی میں ملتقط کے حوالے سے ہے کہ سود کھانے والا اور حرام کمانے والا،اگر اس نے کسی کو ہدیہ دیا یا اس کی مہمان نوازی کی،اور حالت یہ تھی کہ اس کا غالب مال حرام ہے تو یہ ہدیہ قبول نہ کرے اور نہ کھائے مگر یہ کہ وہ بتادے کہ اس مال کی اصل حلال ہے،اور یہ اس کا وارث ہوا ہے یا اس نے قرض لیا ہے،اور اگر اس کا زیادہ تر مال حلال ہو تو ہدیہ قبول کرنے یا اس کے کھانے میں کچھ حرج نہیں اھ **اقول:** (میں کہتاہوں)اسی کی مثل فتاوٰی قاضیخان میں امام ناطفی کے حوالے سے مذکور ہے اور انہوں نے یہ تعلیل بیان فرمائی کہ لوگوں کے مال تھوڑے حرام سے خالی نہیں ہوتے لہٰذا غالب کا اعتبار کیا جائے گا اھ،لیکن وہ قید جو میں نے ذکر کی کہ اس شخص کے نزدیک قائل کا جھوٹ ظاہر نہ ہو،پھر عالمگیری وغیرہ میں ایک آدمی کی خبر قبول کرنے کے بارے میں جو تفصیلاتِ احکام ہیں ان کی طرف مراجعت کرنے سے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے،لہٰذا اس کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس کو پہچان لیجئے،اور ہم عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی اپنے رسالہ مذکورہ میں اس کی وضاحت کردیں گے۔(ت)

بالجملہ جسے اپنے دین و تقوٰی کا کامل پاس ہو وہ غلبہ حرام کی صورت میں احتراز ہی کرے جب تک خاص اس شیئ کی حلت کا پتہ نہ چلے ورنہ فتوٰی تو جواز ہی ہے تاوقتیکہ بالخصوص اس چیز کی حرمت پر دلیل کافی نہ ملے،اور یہ ساری تفصیل جو ابتداء سے اب تک ہم نے بیان کی کچھ رنڈیوں یا ڈومنیوں ہی کے ساتھ خاص

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۳

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور دہلی ۴ /۷۷۸

نہیں بلکہ یہ ہوں یاان کاغیر حامد ہو یا محمود، مسلمان ہوں یا ہنود، نصاری ہوں یا یہود، سب کو عام ہے، جو اس قدر سمجھ سکتا ہے کہ نوکریوں اور پیشوں میں کون کون جائز ہے اور کیا ناجائز، اور کس کس طریقہ کامال حلال ہوتا ہے کس کس کا پھر ہمارے اس فتوٰی کو پیش نگاہ رکھے گا، وہ ہر جگہ حکم شرع نکال سکتا ہے کہ کس کے مال کا کیا حکم ہے اور اس سے معاملہ کہاں تک روا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ بہت لوگ جن کا مال وجہ حرام سے ہے مثلاً ایک ان میں رنڈیاں ہیں، مساجد ومدارس وغیرہا امورِ خیر میں اپنا مال کیوں صرف کرتی ہیں۔ یہ اُن کا فعل ہے شرع پر کیا الزام، ہاں اُن میں جن کا مال حلال اور نیت صحیح ہے قابل قبول انہیں کا عمل ہے ورنہ اللہ جل جلالہ، پاک بے نیاز ہے۔

ان الله طیب لایقبل الا الطیب[1] اللھم کما ختمت فتوی ھذہ علی لفظٍ طیب من لفظ طیب صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاختم لی اعمالی واقوالی واحوالی جمیعاً بطیت انك انت الطیب ولاطیب الا من طیب ھذا دعائی لی وللمؤمنین اطیب صلوۃ علی اطیب الاطیبین وعلی اٰله و اصحابله الطیبین الطاھرین وقد فصلنا القول بحمدالله بحیث لایوجد من غیرنا ان شاء الله تعالٰی فاغتنم ھذا التحریر الفرید والتحقیق المفید، والله تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم والحمدلله علی مااٰلھم وعلم۔	یقیناالله تعالٰی پاک ہے وہ پاکیزہ چیز کے بغیر کسی چیز کو قبول نہیں کرتا۔ یااللہ! جس طرح میں نے اپنے اس فتوٰی کو لفظ "طیب" پر ختم کیا جو میں نے پاکیزہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے۔ پس اسی طرح تو میرے لئے میرے اعمال، اقوال اور احوال پاکیزہ طور پر ختم کردے، بلاشبہہ تو پاک ہے اور کوئی پاک نہیں ہوسکتا مگر وہ جسے تو پاک کر دے، میری یہ دعا میرے لئے اور سب مومنوں کے لئے ہے، پاکیزہ تر درود ہو اس پر جو سب پاکیزہ لوگوں میں زیادہ پاکیزہ ہیں اور اُن کی آل اور ساتھیوں پر جوظاہری اور باطنی طور پر طیب اور طاہر ہیں۔ الحمدللہ کہ ہم نے اس قول کو مفصّل بیان کیا کہ ہمارے بغیر ان شاء اللہ تعالٰی یہ تفصیل کہیں نہ پائے جائے گی، لہٰذا اس یکتا تحریر اور مفید تحقیق کو غنیمت سمجھئے، اور اللہ تعالٰی ہی سب سے زیادہ جانتا ہے، اور اسی جلیل القدر بزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ محکم ہے، سب تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے کہ جس نے اس تحقیق کا مجھے الہام فرمایا اور علم دیا۔ (ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

مسئلہ ۲۰۲: ایک کافر اگر دوسرے کے پاس کوئی چیز رکھے تو اس کا کاغذ تحریر کرنا مسلمان کو رواہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

نفس تحریر رہن نامہ میں تو کوئی حرج نہیں خواہ وہ عقد اہلِ اسلام میں ہو یا کفّار میں **لعدم المدرك الشرعی بالنهی عنه** (اس لئے کہ شرعی طور پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔ت) مگر ہاں اگر اس کاغذ میں سُود لکھا جائے اور اسی کی صورتوں سے ہے دیہات کا دخلی رہن یا دکان یا مکان کا کرایہ مرتہن کو زرِاصل کے علاوہ ملنا تو بیشک ایسا کاغذ ہر گز نہ لکھے اگرچہ وہ عقد مسلمانوں میں ہو کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس طرح سود کھانے والے پر لعنت فرمائی یونہیں اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر لعنت آئی، اور ارشاد فرمایا: وہ سب برابر ہیں۔

اخرج مسلم فی صحیح عن سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰکل الربٰو و مؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء[1] انتهی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تخریج فرمائی کہ انہوں نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اس کے لکھنے والے، اس کی گواہی دینے والے، ان سب پر لعنت فرمائی، اور فرمایا یہ سب برابر ہیں انتہی، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۳: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی محمد وصی احمد صاحب سورتی مدرس اول مدرسہ عربیہ حافظ العلوم ۴ صفر ۱۳۰۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہنود کے میلوں میں بقصد فروخت اسباب تجارت کے نہ بقصد موافقت کفار اور تکثیر جماعت اُن کی کے بلکہ صرف بلحاظ تحصیل نفقہ اہل وعیال جانا جائز ہے یا نہیں؟ بر تقدیر اول جواز مع کراہت ہے یا بلا کراہت، اور کراہت تحریمی ہے یا تنزیہی، بر تقدیر عدم جواز یہ معصیت منجملہ کبائر ہے یا صغائر کے قبیل سے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اگر وہ میلہ اُن کا مذہبی ہے جس میں جمع ہو کر اعلان کفر وادائے رسومِ شرک کریں گے تو بقصدِ تجارت

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

بھی جانا ناجائز ومکروہِ تحریمی ہے، اور ہر مکروہِ تحریمی صغیرہ، اور ہر صغیرہ اصرار سے کبیرہ۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ معابدِ کفّار میں جانا مسلمان کو جائز نہیں، اور اس کی علت یہی فرماتے ہیں کہ وہ مجمع شیاطین ہیں، یہ قطعًا یہاں بھی متحقق، بلکہ جب وہ مجمع بغرض عبادت غیر خدا ہے تو حقیقۃً معابدِ کفّار میں داخل کہ معبد بوجہ اُن افعال کے معبد ہیں، نہ بسبب سقف ودیوار،

وھذا ظاھر جدًّا، فی الھندیۃ عن التاتار خانیۃ عن الیتیمۃ، یکرہ للمسلم الدخول فی البیعۃ والکیسۃ وانما یکرہ من حیث انہ مجمع الشیاطین[1]۔	یہ بلاشبہ ظاہر ہے، فتاوٰی عالمگیری میں تاتارخانیہ میں الیتیمہ کے حوالے سے منقول ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کے گرجوں میں جانا مکروہ ہے اور کراہیت کی وجہ یہ ہے کہ وہ شیاطین کی جائے اجتماع ہیں۔(ت)

بحرالرائق میں اسے نقل کرکے فرمایا:

والظاھر انھا تحریمیۃ لانھا المرادۃ عند اطلاقھم[2]۔	اور ظاہر یہ ہے کہ کراہت تحریمی ہے، اس لئے کہ ائمہ کرام کے علی الاطلاق فرمانے سے یہی مراد ہوا کرتی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں اس پر ان لفظوں سے تفریع کی:

فاذا حرم الدخول فالصلٰوۃ اولٰی[3]۔	جب وہاں جانا حرام ہے تو وہاں نماز پڑھنا بطریق اولٰی حرام ہوگا۔(ت)

اور اگر وہ مجمع مذہبی نہیں بلکہ صرف لہوولعب کا میلا ہے تو محض بغرض تجارت جانا فی نفسہٖ ناجائز وممنوع نہیں جبکہ کسی گناہ کی طرف مودی نہ ہو، علماء فرماتے ہیں مسلمان تاجر کو جائز کہ کنیز وغلام وآلات حرب مثلِ اسپ وسلاح وآہن وغیرہ کے سوا اور مال کفّار کے ہاتھ بیچنے کے لئے دارالحرب میں لے جائے اگرچہ احتراز افضل، تو ہندوستان میں کہ عندالتحقیق دارالحرب نہیں، مجمع غیر مذہبی کفرہ میں تجارت کے لئے مال لے جانا بدرجہ اولٰی جواز رکھتا ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۶

[2] بحرالرائق کتاب الدعوٰی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷ /۲۱۴

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

فی الهندیة عن المبسوط قال محمد رحمه الله تعالٰی لاباس بان یحمل المسلم الٰی اهل الحرب ماشاء الا الکراع والسلاح والسبی وان لایحمل الیهم شیئا، احب الی[1]۔	فتاوٰی عالمگیری میں بحوالہ مبسوط درج ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مسلمان دارالکفر میں سوائے گھوڑے، ہتھیار اور غلام کے جو چاہے لیجاسکتاہے اس میں کوئی حرج نہیں البتہ کوئی ایسی چیز لے کر دارِ کفر میں نہ جائے تو پسندیدہ امر ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارة و معه فرسه و سلاحه وهو لایرید بیعه منهم لم یمنع ذٰلك منه[2]۔	جب کوئی مسلمان تجارت اور کاروبار کیلئے دارِ حرب میں داخل ہونا چاہے اور اس کے پاس گھوڑے اور ہتھیار ہوں اور وہ انہیں حربیوں پر فروخت کرنے کاارادہ نہ رکھتاہو تو مذکورہ اشیاء کے لے جانے سے اسے نہ روکا جائے گا۔(ت)

پھر بھی کراہت سے خالی نہیں کہ وہ ہر وقت معاذاللہ محلِ نزولِ لعنت ہیں تواُن سے دوری بہتر، یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں اُن کے محلّہ میں ہو کر گزر ہو تو شتابی کرتا ہوانکل جائے وہاں آہستہ چلنا ناپسند رکھتے ہیں تو رکنا ٹھہرنا بدرجہ اولٰی مکروہ۔

فی الطحطاویة عن ابی السعود عن الشرنبلالیة دارهم محل تنزل اللعنة فی کل وقت ولاشك انه یکره الکون فی جمع یکون کذٰلك بل وان یمر فی امکنتهم الا ان یهرول ویسرع وقدوردت بذٰلك اٰثار[3] الخ قلت والمراد هٰهنا کراهة التنزیه بدلیل مامر فی جواز	طحطاوی میں ابوالسعود کے حوالہ سے شرنبلالیہ سے نقل کیاگیا ہے، وہ ایسی جگہیں ہیں جہاں ہر وقت لعنت برستی رہتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاں ایسی مجلس اور اجتماع ہو وہاں ٹھہرنا مکروہ ہے بلکہ ان مقامات کے پاس سے گزرنا بھی مکروہ ہے الاّ یہ کہ دوڑتے ہوئے جلدی سے گزرجائے (اور وہاں سے نکل جائے)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار

دخول دارھم للتجارۃ وبدلیل ماثبت حدیثا وفقھا من جواز الذھاب الی ضیافتھم کما فی الھندیۃ وغیرھا ونقلوہ عن محرر المذھب محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔	آثار میں یہی وارد ہے الخ قلت (میں کہتاہوں کہ) یہاں مکروہ سے مکروہ تنزیہی مراد ہے اس دلیل سے جو پہلے گزرچکی ہے کہ ان کے گھروں یابستیوں میں بغرضِ تجارت جاناجائز ہے اور اس دلیل سے بھی کہ حدیث اور فقہ سے ثابت ہے کہ ان کی دعوتوں میں جاناجائز ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں مندرج ہے اور اس کو ائمہ فقہ نے راقم المذہب حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیاہے۔(ت)

پھر ہم صدر کلام میں ایما کرچکے کہ یہ جواز بھی اُسی صورت میں ہے کہ اسے وہاں جانے میں کسی معصیت کاارتکاب نہ کرناپڑے مثلاً جلسہ ناچ رنگ کا ہو اور اسے اس سے دور وبیگانہ موضع میں جگہ نہ ہو تو یہ جانا مستلزمِ معصیت ہوگااور ہر ملزوم معصیت معصیت اور جانا محض بغرضِ تجارت ہو نہ کہ تماشا دیکھنے کی نیت کہ اس نیت سے مطلقاً ممنوع اگرچہ مجمع غیر مذہبی ہو۔

وذٰلك لان اعیادھم ومجامعھم لاتنفك عن القبائح الشنیعۃ والمنکرات القطعیۃ والتفرح علی الحرام حرام کما نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ[1]، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ ان کی عیدیں اور مجلسیں بدترین قباحتوں اور رسوا کن منکرات پر مشتمل ہوتی ہیں اور حرام سے خوش ہونا بھی حرام ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں تصریح فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالٰی پاک برتر اور خوب جاننے والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۰۴: از سہسرام محلّہ دائرہ ضلع آرہ مرسلہ حافظ عمر جلیل ۱۶شوال ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درزی اگر رنڈی کاکپڑا سیئے تودرزی کو اس کپڑے کی مزدوری لیناچاہیے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اور اجر پائیے۔ت)

الجواب:

وہ روپیہ جو رنڈی کو زنا یااُجرت یا میل کی رشوت میں ملاہے اس سے اُجرت لیناحلال نہیں ہاں اور قسم کا روپیہ ہو تو جائز جو شرعاً رنڈی کی مِلک ہو، اور اگر اس کے پاس دونوں قسم کے مال ہیں توجب تک معلوم نہ ہو کہ یہ اُجرت جو اُسے دے رہی ہے اسی مال غیر مملوک سے ہے لیناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱

مسئلہ ۲۰۵: از ویلور ضلع مدراس مرسلہ محلّی الدین بادشاہ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص انگریز کی نوکری علی الخصوص بجانے کی مثلاً کسی نقارخانہ پرمامور ہے یا انگریزی باجابجانا اس کے متعلق ہے، شخص مذکور خُوب جانتاہے کہ یہ فعل بُراہے لیکن چونکہ یہ نوکری آباؤاجداد کی کی ہوئی ہے،علاوہ ازیں اس نوکری پرانگریز نے مجبور کیاہے، طرفہ بریں دوسری نوکری نہیں مل سکتی،نہ اتنی استطاعت کہ تجارت کرسکے اور نہ اتنی وسعت کہ چھوڑسکے،اور وہ باجا کسی دیوکے رُوبرو نہیں بجایاجاتا، لیکن چونکہ منجملہ لوازمِ سلطنت سے ہے لہٰذا نہیں چھوڑسکتا،آیا اس مجبوری کا بجانا جائز ہے یانہیں؟ برتقدیر اوّل مرتکب اس فعلِ شنیع کاکیاہوگا؟ بحوالہ کتبِ متداولہ بیان فرمائیں عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں، فقط

الجواب:

ایسا باجابجانے کی نوکری ناجائز اور اس سے جو کچھ حاصل کیاجائے نہ صرف خبیث وناپاک بلکہ مثل مالِ مغصوب ہے یہاں تک کہ اس کامالک نہ ہوگا،نہ اسے کوئی تصرف اس میں حلال، عالمگیری میں ہے:

لاتجوز الاجارۃ علٰی شیئ من الغناء والنوح والمزامیر والطبل(الی قولہ)ولا اجرفی ذٰلك وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی غایۃ البیان[1]۔	گانے بجانے رونے پیٹنے،آلاتِ لہو اور طبل وغیرہ بجانے کی نوکری ناجائز نہیں (صاحب فتاوٰی کے اس قول تک)اور نہ ان کاموں کی کوئی اُجرت ہے۔ہمارے تینوں ائمہ یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، قاضی ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کااس باب میں یہی قول ہے،اور اسی طرح غایۃ البیان میں مذکور ہے۔ت)

اُسی میں ہے:

نقلا عن المحیط عن المنتقی عن ابراھیم عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی امرأۃ نائحۃ اوصاحب طبل اومزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردّہ علٰی	محیط سے منقول ہے اس نے المنتقٰی سے اس نے ابراہیم سے، اس نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے نقل کیاہے ایسی رونے پیٹنے والی عورت یا طبل بجانے والے یا آلاتِ لہو استعمال کرنے والے کے بارے میں فرمایاگیاکہ انہوں نے جومال کمایا

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۹

اصحابه ان عرفهم یرید بقوله علٰی شرط ان شرطوا لها فی اوله مالا بازاء النیاحة او بازاء الغناء وهذا لانه اا کان الاخذ علی الشرط کان المال بمقابلة المعصیة والسبیل فی المعاصی ردها وذٰلك ھٰهنا برد الماخوذ ان تمکن من ردّه بان عرف صاحبه وبالتصدق منه ان لم یعرفه لیصل الیه نفع ماله ان کان لایصل الیه عین ماله [1] الخ۔	امام محمد کے فرمان کے مطابق وہ مال اگر صاحبِ مال سے علٰی شرط لیاگیا یعنی انہوں نے نوحہ گری یاگانے بجانے کے مال میں مال لینے کی شرط رکھی۔جب تو مال بطور شرط ہے تو گویا مال گناہ کی شرط پر لیاگیا اور گناہ کے ذریعے حاصل کردہ مال قابلِ واپسی ہوتا ہے یعنی اس کو صاحبِ مال کی طرف لوٹا دیا جائے۔یہاں یہی صورت ہے اگر لیاہوا مال واپس کیا جاسکتا ہے تو واپس کردیا جائے۔اگر صاحب مال سے تعارف نہیں اور اس کا کوئی پتہ نہیں چل سکتا تو وہ مال خیرات کردیا جائے تاکہ اس مال کا فائدہ مالک تک پہنچ جائے اگرچہ عین مال بظاہر اس تک نہیں پہنچتا الخ(ت)

اور باجے کی ممانعت اسی صورت میں منحصر نہیں کہ دیوکے سامنے بجایا جائے تاکہ اس کے انتفا سے انتفائے معصیّت لازم آئے بلکہ یہ باجا اور دیوکے سامنے باجا جب کہ بجانے والا قصدِ عبادت دیو نہ کرے اصل حرمت میں برابر ہیں،اور معاصی میں باپ دادا کی تقلید ذریعہ نجات نہیں ہوسکتی،اور دوسرا طریقہ رزق کا نہ مل سکنا محض جھوٹ ہے رزق اللہ عزّوجل کے ذمہ ہے جس نے ہوائے نفس کی پیروی کرکے طریقہ حرام اختیار کیا اسے ویسے ہی پہنچتا ہے اور جس نے حرام سے اجتناب اور حلال کی طلب کی اسے رزقِ حلال پہنچاتے ہیں،امام سفیان ثوری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو نوکری حکّام سے منع فرمایا،کہا بال بچّوں کو کیا کروں،فرمایا ذرا سنیو یہ شخص کہتا ہے کہ میں خدا کی نافرمانی کروں جب تو میرے اہل وعیال کو رزق پہنچائے گا اور اطاعت کروں تو بے روزی چھوڑدے گا۔امام عبدالوہاب شعرانی طبقاتِ کبرٰی میں زیرِ ترجمہ امام ممدوح فرماتے ہیں:

نصح یوما انسانا راٰہ فی خدمة الولاة فقال فما اصنع بعیالی فقال الا تسمعون لهذا یقول انه اذا عصی الله رزق عیاله واذا اطاعه ضیعهم [2]۔	امام سفیان ثوری نے ایک شخص کو نصیحت فرمائی جو والیوں کی خدمت میں رہتا تھا،اس نے کہا پھر میں بال بچّوں کا کیا کروں،آپ نے فرمایا کیا تم لوگ اس شخص کی بات نہیں سنتے جو یہ کہہ رہا ہے کہ جب وہ

[1] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراھیة الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

[2] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ سفیان بن سعید الثوری ۹۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۷۲

	اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرے تو اللہ تعالٰی اس کے بال بچّوں کو روزی دے گا اور اگر وہ اس کی اطاعت کرے تو وہ اس کے بال بچّوں کو ضائع کر دے گا۔ (ت)

بلکہ اس بارے میں ایک حدیث بھی مروی کہ عمرو بن قرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! میں بہت تنگ حال رہتا ہوں اس حیلہ کے سوا دوسری صورت سے مجھے رزق ملتا معلوم نہیں ہوتا مجھے ایسے گانے کی اجازت فرمادیجئے جس میں کوئی امر خلافِ حیا نہیں، فرمایا اصلاً کسی طرح اجازت نہیں اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے حلال روزی تلاش کر کہ یہ بھی راہِ خدا میں جہاد ہے اور جان لے کہ اللہ تعالٰی کی مدد نیک تاجروں کے ساتھ ہے۔

اخرج عبدالرزاق فی مصنفه عن یحیٰی بن العلاء عن بشیر بن نمیر عن مکحول ثنا یزید بن عبد ربه عن صفوان بن امیة رضی الله تعالٰی عنه قال کنا عند رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فجاءه عمر وبن قرة فقال یارسول الله ان الله قد کتب علیّ الشقوة وما ارا فی ارزق الا من دفی بکفی فاذن لی بالغناء من غیرفاحشة فقال لا اذن لك ولا کرامة و لانعمة ابتغ علٰی نفسلك وعیالك حلالا فان ذٰلك جهاد فی سبیل الله واعلم ان عون الله تعالٰی مع صالحی التجار هکذا اخرجه فی معرفة الصحابة من طریق الحسن بن الربیع عن عبدالرزاق ذکره الحافظ فی الاصابة[1]۔	محدّث عبدالرزاق نے اپنے مصنّف میں تخریج فرمائی یحیٰی بن علاء کے حوالے سے اس نے بشر بن نمیر اس نے مکحول سے اس نے فرمایا ہم سے فرمایا یزید بن عبدربہ نے اس نے صفوان بن امیہ کے حوالے سے (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) اس نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں حاضر تھے کہ عمرو بن قُرہ آئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! بیشک اللہ تعالٰی نے مجھ پر تنگ دستی لکھ دی اور میں نہیں سمجھتا کہ مجھے رزق دیا جائے گا مگر میرے دف بجانے سے جو میری ہتھیلی میں ہے لہٰذا مجھے ایسے گانے کی اجازت دیں جو فحش نہ ہو۔ آپ نے فرمایا تمہیں قطعًا اجازت نہیں اس عمل میں کوئی شرافت اور فائدہ نہیں لہٰذا اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے حلال روزی تلاش کرو کیونکہ حلال روزی کی تلاش بھی اللہ تعالٰی کی راہ میں (ایک گونہ) جہاد ہے، اور جان لو کہ

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة ترجمہ ۵۹۴۲ عمرو بن قرة دارصادر بیروت ۳ /۱۱

	اللہ تعالٰی کی مدد نیک تاجروں کے ساتھ ہے۔یونہی اس کی تخریج فرمائی معرفۃ الصحابۃ میں حسن بن ابی الربیع کے طریقہ سے بحوالہ عبدالرزاق۔ حافظ نے اس کو الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)

حدیث حسن میں ہے حضور پرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ فرماتے ہیں:

طلب الحلال واجب علٰی کل مسلم. اخرجه الطبرانی فی الاوسط[1] عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	رزقِ حلال کی طلب ہر مسلمان پر واجب ہے۔(امام طبرانی نے اس کو الاوسط میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ت)

یونہی جبراانگریزی کاعذر بھی اظہار غلط ہے انگریز کسی کی نوکری پر اکراہ نہیں کرتے، غرض یہ جھوٹے حیلے حوالے اللہ عزوجل کے حضور کام نہ دیں گے، ملک جبّار قہار سے ڈرے اور حرام سے تائب ہو کر ذریعہ حلال سے حاصل کرے، رزق الٰہی کے ہزاروں دروازے کھلے ہیں آخر باجا بجانا بھی سیکھنے ہی سے آیا ماں کے پیٹ سے لے کر تو نکلا ہی نہ تھا، اور کچھ نہ ہو تو بیس قسم کی مزدوریاں کر سکتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: خدا کی قسم آدمی رسّی لے کر پہاڑ کو جائے لکڑیاں چُنے اُن کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاد کر لائے اُسے بیچ کر کھائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے اور منہ میں خاک بھر لینا حرام نوالہ سے بہتر ہے۔

الامام احمد بسند جیّد عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والّذی نفسی بیده لأن یاخذ احدکم حبله فیذهب به الی الجبل فیحتطب ثمّ یاتی به فیحمله علٰی ظهره فیبیعه فیاکل خیر له من ان یسأل الناس و لأن یاخذ ترابا فیجعله فی فیه خیر له من ان یجعل فی	امام احمد نے اپنی مسند میں عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص اپنی رسّی لے کر پہاڑ کی طرف جائے پھر لکڑیاں اکٹھی کرے اور ان کا گٹھا بنا کر اپنی پیٹھ پر

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۰۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۷۸

فیہ ماحرم اللہ علیہ[1]۔	لاد کر بازار میں لے جائے اور انہیں فروخت کرکے قیمت وصول کردہ سے اپنے کھانے پینے کا بندوبست کرے تو یہ اس کے لئے بھیک مانگنے سے بدرجہا بہتر ہے، اور یہ کہ مٹّی لے کر اپنا منہ بھرلے تو اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا ہے اسے اپنے منہ میں ڈالے۔(ت)

احادیث اس باب میں بکثرت ہیں، اللہ عزّوجل مسلمانوں کو نیک توفیق وہدایت بخشے، آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک شخص نے اپنی معاش علانیہ قمار بازی اور زناکاری کے ذریعہ سے کر رکھی ہے اور کوئی ذریعہ اس کے یہاں آمدنی کا مطلق نہیں ہے اس کے مال میں سے نذرونیاز کے کھانے کا کھانا جس کو اس کی آمدنی کا حال معلوم، کیسا ہے؟ فاتحہ دینے والے کو اس کے مال کی کیفیت معلوم ہے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

اگرجوچیز اس نے حرام کاری یا قمار بازی سے حاصل کی بعینہٖ اسی شے پر نیاز دلائی مثلاً جوئے میں چاول جیتے تھے انہیں کا پلاؤ پکایا، زانیہ کو اس کے آشنانے گوشت بھیجا اسی پر فاتحہ دلائی جب تو وہ نیاز وفاتحہ یقینی مردود اور اس کھانا قطعی حرام، اور فاتحہ دینے والے کو اگر معلوم تھا کہ بعینہٖ یہ وہی شَے ہے تو وہ بھی سخت عظیم شدید گناہ میں گرفتار، یہاں تک کہ فاتحہ دینے دلانے والے دونوں پر معاذاللہ خوفِ کفر ہے دونوں پر لازم کہ کلمہ اسلام نئے سرے سے پڑھیں اور نکاح کی تجدید کریں۔

فی الھندیۃ عن المحیط ولوتصدق علٰی فقیر بشیئ من مال الحرام ویرجوا الثواب یکفر	فتاوٰی عالمگیری میں محیط کے حوالے سے مذکور ہے اگر کسی محتاج پر حرام مال میں سے کچھ خیرات کی جائے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۵۷

ولو علم الفقیر بذلك فدعالہ وامن المعطی فقد کفرا[1]۔	اور ثواب کی امید رکھے تو کافر ہوجائے گا۔ اگر فقیر ومحتاج کو یہ بات معلوم ہو کہ وہ مالِ حرام دے رہا ہے اور اس کے باوجود وہ اسے دعادے اور وہ آمین کہے تو دونوں کافر ہوجائیں گے۔ (ت)

اور اگر وہ چیز بعینہٖ بذریعہ حرام حاصل نہ ہوئی تھی بلکہ ثمن حرام سے خریدی تو دو صورتیں ہیں، اگر حرام روپیہ دکھا کر کہا اس کے بدلے یہ شے دے دے، بائع نے دے دی، اس نے وہی زرِ حرام ثمن دے دیا تو اس صورت میں بھی جو کچھ خریدا مال حرام وخبیث ہی ہے اس پر نہ نیاز ہوسکے نہ فاتحہ، اس وقت میں اس پر فاتحہ دینا دلانا بُرا تو ہے مگر اندیشہ کفر سے دوری ہے

لاختلاف العلماء فمنهم من قال یحل الابدال مطلقا کما فی الدرر وغیرہ من الاسفار الغر۔	علماء کا اس سلسلے میں اختلاف ہے، ان میں سے بعض فرماتے ہین کہ "بدل" مطلقًا حلال ہے جیسا کہ الدرر وغیرہ بڑیف واضح کتب میں مذکور ہے۔ (ت)

اور اگر یہ صورت بھی نہ تھی بلکہ بغیر زرحرام دکھائے یونہی کہا کہ یہ شے مثلًا ایک روپیہ کی دے دے اس نے دے دی اس نے حرام روپیہ ثمن میں دے دیا یا دکھایا تو زرحرام کہ اس کے عوض دے دے جب اس نے دی اس نے وہ روپیہ رکھ لیا اور کوئی حلال ذریعہ کا روپیہ ثمن میں دیا تو اب جو کچھ خریدا مذہب مفتٰی بہ پر حرام نہیں اس پر نیاز وفاتحہ جائز ہے اور اس کا کھانا بھی حرام نہیں۔

فی التنویر تصدق لوتصرف بالشراء بدراھم الودیعۃ والغصب ونقدھا وان اشار الیھا ونقد غیرھا او اطلق ونقدھا لاوبہ یفتی[2] اھ ملخصًا۔	تنویر میں ہے صدقہ کردے، اگر امانت یا غصب شدہ دراہم میں خریداری کے وقت تصرف کیا کہ دراہم کی طرف اشارہ کرتے وقت وہی نقدی دکھائی مگر دیتے وقت ان کی بجائے حلال دراہم دیے یا اطلاق کیا (یعنی حرام درہم دکھائے بغیر کہہ دی اکہ یہ چیز ایک درہم وغیرہ میں دے دے، اس نے دے دی) پھر اس کے

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶،۲۰۵

	عوض وہی حرام نقدی دے ڈالی توان دونوں صورتوں میں حرمت نہیں اور اسی قول پر فتوی دیا جاتا ہے تلخیص پوری ہو گئی۔(ت)

پھر بھی اس سے احتراز بہتر،

لمحل خلاف العلماء فقد قال فی الدر المختار انہ لایحل مطلقا کذا فی الملتقی [1] وللمتوقی عن التھم والزجر علی المرتکب واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ یہ صورت علماء کے اختلاف کا محل ہے، چنانچہ درمختار میں فرمایا گیا کہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ مطلقاً حلال نہیں یونہی "الملتقی" میں ہے، اور اس لئے یہ بات ہے تاکہ آدمی تہمت اور ارتکابِ جرم کی سرزنش سے بچ جائے۔ اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم جس کی عزت وعظمت بڑی ہے سب سے زیادہ اور نہایت درجہ پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ:

(۱) ڈاک کی نوکری جائز ہے یا نہیں؟

(۲) انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) ڈپٹی پوسٹ ماسٹری تک جائز ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رَدِّ نصارٰی انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لئے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اُس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہو جائے ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے اس طرح وہ کتابیں جن میں نصارٰی کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالتِ صحت نفس وثباتِ عقل اپنے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶

ایک وارث کے ہاتھ ایک مکان بیع کیا اور کچھ زرِ نقد بطور ہبہ اس کو دیا کہ اس نے اس سے ایک حقیت خریدی، بعد ایک عرصہ کے مورث فوت ہوا، اب اُس کے اور وارثوں کا بھی اس مکان یا زرِ نقد میں کچھ حق ہے یا نہیں اور وہ بیع وہبہ جائز ٹھہر سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

صورتِ مسئول میں جبکہ وہ بیع وہبہ بحالت ثبات عقل وعدم مرض موت تھی تو ان کے جواز ونفاذ وصحت تمام میں کوئی شبہہ نہیں اب ہرگز ہرگز کسی وارث کا اس مکان یا زرِ نقد میں کوئی حق نہیں، درمختار میں ہے:

لووهب فی صحته کل المال للولد جاز واثم [1]۔	اگر کوئی شخص اپنی صحت وتندرستی میں اپنا سارا مال اپنے بیٹے کو ہبہ کردے تو جائز ہے مگر وہ گناہگار ہوگا۔(ت)

اور سائل کہ ان بیع وہبہ کے جواز وعدم جواز سے پوچھتا ہے اگر اس کا مقصود صحت وعدم صحت عقد ہے جب تو معلوم ہوگیا کہ قطعًا دونوں عقد صحیح ہیں، اور اگر حلت وحرمت سے سوال کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحالتِ صحت وارث کے ہاتھ قیمت مناسب کو بیع کرنے میں توہرگز کوئی کراہت نہیں ہاں تنہا ایک وارث کو کوئی چیز بخش دینا کہ اوروں کے ساتھ اس قسم کی رعایت نہ کرے مکروہ ہے حدیث میں اس کو ظلم فرمایا،

حیث قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتشهدنی علی جور [2]۔	چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ظلم و زیادتی پر گواہ نہ بناؤ۔(ت)

لیکن اس کراہت وممانعت سے اُس بیع یا ہبہ میں کوئی حرج نہیں آتا **کالبیع عند اذان الجمعة** (جیسے اذانِ جمعہ کے وقت خرید و فروخت کرنا۔ت) اور یہ کراہت بھی اس وقت ہے جب سب اولاد برابر ہوں اور بجہت دین آپس میں تفاوت نہ رکھتے ہوں ورنہ اگر مثلًا ایک بیٹا یا بیٹی علم یا تقوی میں اوروں سے زائد یا یہ موہوب لہ تحصیل علم میں مشغول ہے کہ کسب مال کی فرصت نہیں رکھتا تو ایسے شخص کو سب سے زیادہ دینا کوئی حرج نہیں۔ فتاوٰی قاضی خاں

---

[1] درمختار کتاب الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

[2] صحیح مسلم کتاب الهبات باب کراهة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۷

میں ہے:

روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ لاباس بہ اذاکان التفضیل لزیادۃ فضل فی الدین فان کانا سواء یکرہ [1]۔	حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے (کہ اولاد میں سے کسی ایک کو ہبہ کرنے میں) کچھ حرج نہیں جبکہ اس دوسری اولاد میں ترجیح وتفضیل دینا دینی فضل وشرف کی وجہ سے ہو لیکن اگر سب برابر ہوں تو پھر ترجیح مکروہ ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لوکان الولد مشتغلا بالعلم لابالکسب فلاباس بان یفضلہ علی غیرہ کذا فی الملتقط [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر بیٹا حصول علم میں مشغول ہو نہ کہ دنیوی کمائی میں تو ایسے بیٹے کو دوسری اولاد پر ترجیح وتفضیل دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ملتقط میں اسی طرح مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۰: از ملک بنگالہ شہر نصیرآباد قصبہ لاماپڑا مرسلہ محمد علیم الدین صاحب ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے سُود وغیرہ حرام مال چھوڑ کر انتقال کیا اب وہ مال لڑکے کے واسطے حلال ہوگا یانہیں، لڑکا حرام خوری میں ناراض تھا۔

الجواب:

جس جس شخص کی نسبت معلوم ہو کہ فلاں سے اتنا مال سود یارشوت یاغصب یاچوری میں اس کے باپ نے لیا تھا اس پر فرض ہے کہ ترکہ سے اُتنا اُتنا مال اُن لوگوں یااُن کے وارثوں کو واپس دے اگرچہ وہ مال بعینہٖ جدا نہ معلوم ہو جو ان ناجائز طریقوں سے لیا، اور جس مال کی نسبت بعینہٖ معلوم ہو کہ یہ خاص وہی مال حرام ہے توفرض ہے کہ اُسے مال غیر وغصب سمجھے اگرچہ وہ لوگ معلوم نہ ہوں جن سے لیا تھا پھر بحالتِ علم اُن مستحقوں یاان کے وارثوں کو دے ورنہ ان کی نیت سے فقراء پر تصدق کرے، اور اگر اجمالاً صرف اتنا معلوم ہو کہ ترکہ میں مال حرام بھی ملا ہے مگر نہ مال متمیز نہ مستحق معلوم

---

[1] فتاوٰی قاضیخاں کتاب الھبۃ فصل فی ہبۃ الوالد نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۰۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

تو دیانۃً افضل احتراز اور حکم جواز۔

فی ردالمحتار، اذا علم ان کسب مورثه حرام یحل له لکن اذا علم المالك بعینه فلا شك فی حرمته و وجوب ردّه علیه وکذا لایحل اذا علم عین الغصب مثلا وان لم یعلم مالکه والحاصل انه ان علم ارباب الاموال وجب رده علیهم والا فان علم عین الحرام لایحل له ویتصدق به بنیة صاحبه و ان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولایعلم اربابه ولاشیئا منه بعینه حل له حکما والاحسن دیانة التنزه عنه[1] اھ ملخصا، قلت وھذا اعنی الحکم باولویة التنزہ دیانة ھوالمطابق لما فی عامة المعتمدات کالخانیة والتبیین والھندیة وغیرھا وھھنا ابحاث نفیسة ذکرناھا فیما علقنا علی ردالمحتار، واللہ تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے جب اسے معلوم ہو کہ مُورِث کی کمائی حرام ہے تو عدمِ تعیّن کی وجہ سے اس کے لئے حلال ہے لیکن جب مالک معین معلوم ہو تو پھر مال کی حرمت میں کوئی شک نہیں لہٰذا مال اس کے مالک کو واپس کردینا ضروری ہے۔ اسی طرح جب عین غصب یعنی بعینہٖ کوئی شے مغصوب ہو تو اس کا استعمال حلال نہیں اگرچہ مال کا مالک معلوم نہ ہو۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مالکانِ مال معلوم ہوں تو انہیں مال واپس کرنا ضروری ہے لیکن اگر اربابِ مال کو نہیں جانتا اور معیّن شے کے حرام ہونے کا علم رکھتا ہے تو اس صورت میں بھی وہ معین حرام مال اس کے لئے جائز نہیں لہٰذا اس کے مالک کی طرف سے صدقہ کردے، اور اگر مال مخلوط حرام طریقے سے جمع کیا گیا اور یہ اس کے مالکوں کو نہیں جانتا اور نہ کسی معین شے کے حرام ہونے کا علم رکھتا ہے تو ایسی صورت میں یہ، مال قضاکے طور پر اس کے لئے حلال ہے لیکن دیانت و تقوی کے لحاظ سے زیادہ بہتری پرہیز میں ہے اھ ملخصا، میں کہتا ہوں کہ لفظ ھٰذا سے میری مراد یہ ہے کہ بطور دیانت اس مال سے بچنے کا حکم دینا عام معتبر کتابوں کے مطابق ہے جیسے خانیہ، تبیین اور ہندیہ وغیرہ۔ یہاں چند قیمتی ابحاث ہیں۔ چنانچہ فتاوٰی شامی پر جو ہماری تعلیقات ہیں ہم نے وہاں انہیں بیان کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیوع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

مسئلہ ۲۱۱: از ملک بنگالہ ضلع ڈاک خانہ نمازی پور کو چیا موڑا مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے) اس مسئلہ میں کہ در بعض دیار بنگال رمضان المبارک میں میانجی ومنشیوں کو دعوت کرکے مجتمع کرتے ہیں اور مردگان پر ایصالِ ثواب کے واسطے ختم قرآن وختمِ تہلیل وغیرہ پڑھاکے اور زیارتِ قبور کراکے اُجرت دیتے ہیں یعنی اگرچہ پیسہ وغیرہ کا کچھ تعین نہیں کرتے ہیں مگر ہمیشہ دینا واجب جانتے ہیں اور منشی اور میانجی بھی پیسے کے لالچ سے جاتے ہیں، قرینہ اس کا یہ ہے کہ اگر کوئی مکان میں پیسہ نہ دیا تو بارِ دیگر اُس مکان میں نہیں جاتے ہیں، اس قسم کا پیسہ دینا اور لینا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ اور مُردوں پر ایصال ثواب ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جبکہ اُن میں معہود ومعروف یہی لینا دینا ہے تو یہ اُجرت پر پڑھنا پڑھوانا ہوا فان **المعروف عرفا کالمشروط لفظًا** (کیونکہ عُرف ورواج میں جو کچھ مشہور ہے وہ اس طرح ہے کہ جس طرح الفاظ سے شرط طے کی جائے۔ت) اور تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی پر اُجرت لینا دینا دونوں حرام ہے، لینے والے دینے والے دونوں گنہگار ہوتے ہیں کما حققہ فی ردالمحتار وشفاء العلیل وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی شامی، شفاء العلیل اور دیگر کتب میں اس کی تحقق فرمائی گئی۔ت) اور جب یہ فعل حرام کے مرتکب ہیں تو ثواب کس چیز کا اموات کو بھیجے گا، گناہ پر ثواب کی امید اور زیادہ سخت واشد ہے کما فی الھندیۃ والبزازیۃ وغیرھما وقد شدد العلماء فی ھذا ابلغ تشدید (جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری اور بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے، علماء کرام نے اس مسئلہ میں بہت شدّت برتی ہے۔ت) ہاں اگر لوگ چاہیں کہ ایصال ثواب بھی ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ پڑھنے والوں کو گھنٹے دو گھنٹے کے لئے نوکر رکھ لیں اور تنخواہ اتنی دیر کی ہر شخص کی معین کردیں مثلاً پڑھوانے والا کہے میں نے تجھے آج فلاں وقت سے فلاں وقت تک کے لئے اس قدر اجرت پر نوکر رکھا جو کام چاہوں گا لُوں گا وہ کہے میں قبول کیا، اب اتنی دیر کے واسطے اس کا اجیر ہوگیا جو کام چاہے لے سکتا ہے اس کے بعد اس سے کہے فلاں میّت کے لئے اتنا قرآن عظیم یا اس قدر کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ دو، یہ صورت جواز کی ہے۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم کامل اور پختہ ہے۔ت)

مسئلہ ۲۱۲: ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں بھٹیارن کا دستور ہے جب ان میں کوئی عورت بدکاری کرتی ہے خاوند اسے طلاق دے کر چودھری کے سپرد کردیتا ہے پھر جو شخص اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے سرا کے بھٹیارے اس شخص سے جب تک بیس روپے نہ لے لیں نکاح نہیں کرنے دیتے۔ اس عورت کو سرا کی گٹھڑی کہتے ہیں اب گٹھری ہے ہمیں بیس روپے دے دو تو نکاح کرنے دیں گے پھر وہ روپیہ کبھی آپس میں بانٹ لیتے ہیں کبھی اس کا کھانا پکا کر کھالیتے ہیں، اس دفعہ بھی ایک شخص کے ایسے ہی بیس روپے جمع ہیں بھٹیارے چاہتے ہیں ہم انہیں مسجد میں لگادیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ روپے جو باندھے گئے ہیں محض رشوت وحرام ہیں، نہ ان کا کھانا جائز، نہ بانٹ لینا جائز، نہ مسجد میں لگانا جائز، بلکہ لازم ہے کہ جس شخص سے لئے ہیں اسے واپس دیں، وہ اگر بخوشی اجازت دے دیں کہ میری طرف سے مسجد میں صَرف کردو تو جائز ہوگا۔

فی البزازیۃ الاخ ابی ان یزوج الاخت الا ان یدفع الیہ کذا فدفع، لہ ان یأخذ منہ قائما اوھالکالانہ رشوۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فتاوٰی بزازیہ میں ہے کہ اگر کسی بھائی نے اپنی بہن کی شادی کسی چیز کے حصول کے لئے مشروط کردی اور پھر وہ چیز اس کے حوالے کردی گئی تو اس باقی رہنے والی یا ختم ہوجانے والی چیز کالینا مالک کو واپس لیناجائز ہے کیونکہ وہ رشوت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: ۷ رجب ۱۳۱۷ھ عاصی محمد یعقوب

مخدومنا ومکرمنا جناب مولوی صاحب قبلہ دامت برکاتہم، آداب! جلسہ سالانہ آریہ سماج کے واسطے کرسیاں کرایہ پر آریہ مانگتے ہیں شرعًا ایسے جلسے کے واسطے کرایہ پر دینا جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے ابھی اقرار نہیں کیا آنجناب کا جواب آنے پر ان کو جواب دوں گا۔

الجواب:

مکرم سلمکم اللہ تعالٰی! آپ اپنے کرائے سے غرض رکھیں، کرسی پر بیٹھنا حرام نہیں، اس کا

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب النکاح الفصل الثانی عشر المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳۶

کرایہ حرام نہیں، اقوال نامشروع جو بیٹھنے والے کفّار بکیں گے کرسی پر موقوف نہیں کرسی ان میں معین و موید نہیں کوئی وجہ حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۴: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل احمد صاحب ۹ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیشہ وران ذیل کی بابت شرع کیا حکم دیتی ہے۔

(۱) قاطع الشجر **(۲)** ذابح البقر **(۳)** دائم الخمر **(۴)** بائع البشر

الجواب:

حُر آدمی کی بیع اور شراب پینا دونوں حرام قطعی ہیں خصوصًا شرب خمر کی مداومت کہ وہ تو گناہ کبیرہ پر اصرار ہوا جو سخت تر کبیرہ عظیمہ ہوگیا اور ذبح بقر و قطع شجر کے پیشے میں مضائقہ نہیں، یہ جو عوام میں بنام حدیث مشہور ہے کہ "**ذابح البقر وقاطع الشجر**" جنت میں نہ جائے گا" محض غلط ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۵: از بیجاپور گجرات ضلع بڑودہ شمالی کڑی پرانت مرسلہ حافظ محمد بن سلیمان میاں محلّہ بہور واٹر ۱۵ شعبان ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نام ایک طوائف کو خالد ایک امیر نے سَو روپے ماہواری پر نوکر رکھا تاکہ اس سے وطی کرے اور ہر وقت ہم صحبت رہے یکایک ہندہ کو ہدایت ربانی نصیب ہوئی اور اس کام سے تائب ہوئی لیکن اس امیر نے وہی پگار اس کے نام پر برقرار رکھا اور اس کے لڑکے زید نے بعد وفات خالد کے وہی پگار جاری رکھا، وہ ہندہ اس پگار سے کارِ خیر اور مساکین اور یتیم اور رانڈوں کو پرورش کرتی ہے اور خیرات جاری ہے اس سبب سے وہ پگار سے خیرات لینا اور کھانا وغیرہ حلال ہے یا نہیں؟ اور ثواب ہوتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جب تک وہ وظیفہ ہندہ کو بمعاوضہ زنا ملتا تھا ضرور حرام قطعی تھا، نہ اس سے خیرات ہوسکتی تھی، مگر جب ہندہ تائبہ ہوگئی اور اس کے بعد بھی امیر نے وظیفہ جاری رکھا اب اس کے بیٹے کی طرف سے جاری ہے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی گناہ کے معاوضہ میں نہیں یہ ضرور مال حلال ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں قصہ اصحاب الرقیم میں جس کا اشارہ قرآن عظیم میں بھی موجود، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تین مسافر رات کو ایک غار میں ٹھہرے پہاڑ سے

ایک چٹان گر کر غار کے منہ پر ڈھک گئی یہ بند ہو گئے، آپس میں بولے خدا کی قسم یہاں سے نجات نہ پاؤ گے "الاّ ان تدعوا الله بصالح اعمالکم" مگر یہ کہ نیک اعمال کو وسیلہ کرکے حضرت عزوجل سے دعا کرو، ہر ایک نے اپنا اپنا ایک اعلٰی درجے کا نیک عمل بیان کیا اور اس کے توسّل سے دعا کی، چٹان تھوڑی تھوڑی کھلتی گئی، تیسرے کی دعا پر بالکل ہٹ گئی اور انہوں نے نجات پائی۔ان میں ایک دعا یہ تھی کہ میرے چچا کی بیٹی مجھے سب سے زیادہ پیاری تھی میں نے اس سے بدکاری چاہی وہ باز رہی یہاں تک کہ ایک سال قحط میں مبتلا ہو کر میرے پاس آئی "فاعطیتھا عشرین ومائۃ دینار علی ان تخلی بینی وبین نفسھا ففعلت" میں نے اسے ایک سو بیس اشرفیاں اس شرط پر دیں کہ مجھے اپنے اوپر قدرت دے اس نے قبول کیا جب میں نے اس پر دسترس پائی اور قریب ہوا کہ زنا واقع ہو وہ روئی اور کہا میں نے یہ کام کبھی نہ کیا احتیاج نے مجھے مجبور کر دیا اللہ سے ڈر اور ناحق طور پر مہر کو نہ توڑ، میں اس سے ڈرا اور اس فعل سے باز رہا اور وہ اشرفیاں بھی اسی کو چھوڑ دیں "اللّٰھم ان کنت فعلت ذٰلك ابتغاء وجھك ففرّج عنّا مانحن فیه الٰہی! "اگر میں نے یہ کام تیری رضا چاہنے کے لئے کیا ہو تو ہمیں اس بلا سے نجات دے، اس پر چٹان سرکی[1]۔اس حدیث جلیل عظیم سے ظاہر ہے کہ وہ اشرفیاں اس عورت کے لئے مال حلال ہو گئیں ورنہ اس کا اسے رکھنا حرام ہوتا اور جب اسے رکھنا حرام ہوتا اسے چھوڑ دینا اور واپس نہ کرنا حرام ہوتا کہ جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔

ماحرم اخذہ حرم اعطاؤہ[2] والمانع منھما من جھة الشرع لالمجرد حق الغیر فکان یجب علیھما رفعه اعدامًا للمعصیة۔	جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے،ان دونوں کامانع شریعت کی طرف سے ہے نہ کہ محض حقِ غیر، لہٰذا ان دونوں پر گناہ کو زائل اور ختم کرنے کے لئے اس کا دفع واجب تھا(یعنی عورت لینے والی رقم کو اپنے پاس نہ رکھتی اور دینے والا مرد اسے واپس لیتا) جب یہ دونوں کام نہ ہوئے تو معلوم ہوا کہ وہ رقم حلال ہے۔(ت)

حالانکہ وہ اشرفیاں خاص وہی تھیں جو بشرط زنا دی گئی تھیں توبہ نے انہیں بھی حلال کر دیا

[1] صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب من استاجر اجیرًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۳، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب قصة اصحاب الغار قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶

توبعد توبہ جو وظیفہ جدید دیا گیا اس میں حرمت کیونکر آسکتی ہے **وھذا کله ظاھر جدا** (بلاشبہہ یہ سب کچھ خوب ظاہر ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۶ و۲۱۷: از بنگالہ ضلع سلہٹ موضع قاسم نگر مرسلہ مولوی اکرم یکم ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) اگر کسی سود خوار نے سودی روپیہ سے مسجد بنائی یا حج کیا یا حج کروایا یا تالاب کھدوایا یا خیرات کی تو وہ شخص مستحقِ ثواب ہوگا یانہیں؟

(۲) اُس مسجد میں نماز پڑھنا یا حج کرنے والے کو اس سودی روپیہ کا حج کے خرچ میں لانا یا اس تالاب میں وضو و غسل کرنا یا پانی پینا یا اس مال خیرات کو مستحقین خیرات کا لے لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) سود کے روپیہ سے جو کارِ نیک کیا جائے اس میں استحقاقِ ثواب نہیں،

حدیث شریف میں ہے: جو مالِ حرام لے کر حج کو جاتا ہے جب لبیک کہتا ہے ہاتف غیب سے جواب دیتا ہے:

لالبیك ولاسعدیك وحجك مردود علیك حتی ترد ما فی یدیك[1]۔	نہ تیری لبیک قبول، نہ خدمت پذیر، اور تیرا حج تیرے منہ پر مردود ہے یہاں تک کہ تو یہ مال حرام کہ تیرے قبضہ میں ہے اس کے مستحقوں کو واپس دے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ طیّب لایقبل الاّ الطیب[2]۔	بیشک اللہ عزوجل پاک ہے پاک ہی چیز کو قبول فرماتا ہے۔

سودخوار پر شرعاً فرض ہے کہ جتنا سُود جس جس سے لیا ہے اسے واپس دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتہ مالک اور اس کے ورثہ کا نہ چلے تو فرض ہے کہ اتنا مال تصدّق کردے، وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتہ مالک اور اس کے ورثہ کا نہ چلے تو فرض ہے کہ اتنا مال تصدّق کردے اور تصدّق میں فقیر کو مالک کردینا درکار ہے **کما نص علیه فی الخانیة وغیرھا عامة الاسفار** (جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان وغیرہ عام بڑی کتب میں اس کی تصریح

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الحج الباب الثالث دارالفکر بیروت ۴ /۴۳۱

[2] السنن الکبرٰی کتاب صلاۃ الاستسقاء دارالمعرفۃ بیروت ۳ /۳۴۶

کردی گئی۔ت) اور مسجد یا تالاب بنانا یا حج کرنا اصلاً ادائے حکم نہ ہوگا اور اس پر سے گناہ نہ جائے گا، ہاں خیرات کردینے کا حکم ہے یوں اس کی توبہ تمام ہوگی اور ان شاء اللہ تعالٰی گناہ سے بری الذمہ ہوگا اور توبہ کرنے اور حکمِ شرع دربارہ تصدق بجالانے کا ثواب بھی پائے گا اگرچہ خیرات کا ثواب نہ ہوگا کما حققناہ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی پوری تحقیق کردی، اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اس کا علم زیادہ مکمل اور پختہ ہے۔ت)

(۲) حج کا جواب گزر چکا کہ اس روپے کو اس صَرف میں اُٹھانا جائز نہیں، ہاں فرضِ حج ذمّہ سے ادا ہوجائے گا،

فان القبول شیئ اٰخر غیر سقوط الفرض وکان کمن صلی فی ارض مغصوبة۔	کیونکہ کسی شے کا قبول ہونا اور فرض ساقط ہوجانا دونوں ایک نہیں بلکہ الگ الگ چیزیں ہیں یعنی قبولیتِ شے اور چیز ہے اور سقوط فرض اور چیز، جیسا کہ کوئی شخص ناجائز مقبوضہ زمین پر نماز پڑھے تو اگرچہ فرض ساقط ہوجائے گا مگر نماز مقبول نہ ہوگی۔(ت)

اور اگر مسجد یا تالاب بنایا تو اس میں نماز اور اس سے وضو وغیرہ وشرب سب جائز ہے والدلائل تعرف فی فتاوٰنا (دلائل کا تعارف ہمارے فتاوٰی میں موجود ہے۔ت) بلکہ خانیہ وہندیہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

لواشتری رجل دارا شراء فاسدا وقبضها ثم وقفها علی الفقراء والمساکین جاز وتصیر وقفا علی ماوقفت علیه وعلیه قیمتها [1] اھ وتحقیق الکلام فیه فیما علقنا علی ردّالمحتار من اول الوقف۔	اگر کوئی شخص بیع فاسد سے گھر خریدے پھر اس پر قابض ہوجائے پھر اسے فقیروں اور محتاجوں کیلئے وقف کردے تو جن پر یا جن کے لئے وہ گھر وقف کیا گیا وہ وقف قرار پاجائے گا مگر اس کی قیمت کی ادائیگی اس پر لازم ہوگی اھ اس میں تحقیق کلام وہی ہے جس کو ہم نے فتاوٰی شامی کی بحث وقف کے آغاز میں حاشیہ میں بیان کیا ہے۔(ت)

بلکہ جامع المضمرات وعالمگیریہ میں ہے:

[1] فتاوٰی ہندیة بحوالہ فتاوٰی قاضیخان کتاب الوقف نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۵۴

قال ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اذا غصب ارضا فبنی فیھا مسجدا او حماما او حانوتا فلاباس بالصلٰوۃ فی المسجد والدخول فی الحمام للاغتسال وفی الحانوت للشراء ولیس لہ ان یستأجرھا وان غصب دارًا فجعلھا مسجدا لایسع لاحدان یصلی فیہ ولا ان یدخلہ [1] الخ قلت وذکرنا ثمہ ان التفرقۃ فی الدار والارض کانھا مبنیۃ علی غیر الارجح فی مسألۃ غصب الساحۃ بالحاء المھملۃ وایاما کان فدلالتھا علی ماھنا تام کمالا یخفی وبالجملۃ فخبث الملک لایمنع صحۃ الوقف وصحتہ تعتمد آثارہ فافھم۔	امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جب کوئی آدمی زمین غصب کرے یعنی زبردستی چھین لے پھر وہاں مسجد، حمام اور دکان تعمیر کردے تو مسجد میں نماز پڑھنے، حمام میں غسل کرنے اور دکان سے اشیاء خریدلینے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں، البتہ غاصب کیلئے جائز نہیں کہ اسے کرایہ پر دے، اور اگراس نے کوئی حویلی چھین لی پھر اسے مسجد بنادیا تو کسی کے لئے وہاں داخل ہونے اور نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں اھ میں کہتاہوں کہ ہم نے پہلے بھی یہ بیان کردیا کہ گھر اور زمین کے حکم میں فرق کرنا گویا غیر راجح قول پر مبنی ہے جو غصبِ صحن کے مسئلہ میں ہے "الساحۃ" حاء بغیر نقطہ ہی درج ہے پس جو بھی ہو اس کی دلالت یہاں تام ہے جو ظاہر ہے (الحاصل) ملِک کی خباثت وقف کی صحت سے مانع نہیں، اس کی صحت کا دارومدار اس کے آثار پر ہے، یہاں اس کو سمجھ لیا جائے۔ (ت)

اور فقیر کو اس کا خیرات میں لینا تو بدرجہ اولٰی جائز ہے کہ یہ تو عین حکم شرع ہے جبکہ مالک کا پتا نہ رہا ہو اور ویسے بھی مال ربا میں بعد قبضہ عدم ملک نہیں صرف خبث ملک،

فی الرد المحتار عن البحر الرائق عن القنیۃ عن الامام البزدوی ان من جملۃ صور البیع الفاسد جملۃ العقود الربویۃ یملک العوض فیھا بالقبض [2] انتھی۔	ردالمحتار نے بحرالرائق سے بحرالرائق نے غنیہ سے اور قنیہ نے امام بزدوی سے نقل کیا ہے۔ بیع فاسد کی تمام صورتوں میں سُودی معاملات ہیں ان میں قبضہ کرنے کے عوض مالک ہو جاتا ہے انتہی۔

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار باب الربٰو داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۷۶

قلت فماوقع فی مداینات العقود الدریۃ سھو کما نبھت علیہ فیما علقت علی ردالمحتار۔	میں کہتا ہوں جو کچھ عقود الدریہ کی بحث مداینات میں واقع ہوا وہ سہواً ہے اور بھول ہے جیسا کہ میں نے فتاوٰی شامی کی تعلیق (حاشیہ) میں اس پر متنبہ اور آگاہ کیا ہے۔(ت)

اور خبث ملک فقیر کو تصدق میں لینے سے مانع نہیں،

فی الھندیۃ عن الحاوی عن الامام ابی بکر قیل لہ ان فقیرا یأخذ جائزۃ السلطان مع علمہ ان السلطان یأخذھا غصبا ایحل لہ قال ان خلط ذٰلک بدراھم اخری فانہ لاباس بہ[1] الی اٰخرہ۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	چنانچہ عالمگیری میں الحاوی اس نے امام ابوبکر سے نقل کیا ہے کہ ان سے کہا گیا کہ فقیر بادشاہ سے انعام لیتا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ بادشاہ نے وہ انعام یا مال بطورِ غصب لے رکھا ہے تو کیا یہ اس کے لئے حلال ہوگا؟ ارشاد فرمایا کہ اگر وہ دراہم، انعام دوسرے دراہم میں ملاڈالے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں (عبارت مکمل)۔اللہ تعالٰی خوب جانتاہے اور اس کا علم نہایت درجہ مکمل اور پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱۸ از جائس رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ ۱۳۴۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، سُود اور رشوت کامال توبہ سے پاک ہوجاتا ہے اور اس کے یہاں نوکری کرنا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

زبانی توبہ سے حرام مال پاک نہیں ہوسکتا بلکہ توبہ کے لئے شرط ہے کہ جس جس سے لیا ہے واپس دے، وہ نہ رہے ہوں ان کے وارثوں کو دے، پتانہ چلے تو اُتنامال تصدّق کردے، بے اس کے گناہ سے برات نہیں، اس کے یہاں نوکری کرنا، تنخواہ لینا، کھانا کھانا جائز ہے جبکہ وہ چیز جو اسے دے اس کا بعینہٖ مال حرام ہونا نہ معلوم ہو۔

کمافی الھندیۃ[2] عن الذخیرۃ	جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری میں ذخیرہ کے حوالہ سے

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی۔	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے۔اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم والا ہے اور اس کا علم بہت تام اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱۹ از بنگالہ ضلع میمن سنگھ مرسلہ عبداللطیف صاحب ۱۹/رجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) کہ ایک لڑکی کو اُستاد نے اس کے باپ کے یہاں قرآن شریف وغیرہ پڑھایا اور اس مدتِ تعلیم میں والدِ لڑکی نے استاد کو کچھ اُجرت ومشاہیر وغیرہ نہیں دیا پھر بروقت شادی اس لڑکی کے استاد کو دولھا کی طرف والوں سے یعنی دولھا یا والد وغیرہ سے روپیہ دلوایا، گویا نوشاہ والوں نے بغرض مجبوری یا خوشی سے دیا لہٰذا اس صورت میں اس اُستاد کو وہ روپیہ لینا جائز ہوا یا ازروئے شرع شریف کے ناجائز؟

الجواب:

اگر بخوشی دینا لینا جائز ہے، اور مجبوری سے دیا تو حرام۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ "[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) آپس میں اپنے مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تمہاری رضامندی سے تجارت اور کاروبار ہو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۰: از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا والد ایک عرصہ سے اعمٰی ہوگیا ہے دونوں خیاطی کرتے ہیں اور عدد فروخت کے واسطے تیار کرتے ہیں، والدِ زید فروخت مال کے لئے بازار کو دو چار گھنٹے کو جایا کرتا ہے کہ قدیم سے اس کی عادت ہے شرعًا اس میں زید پر تو کوئی الزام نہیں۔ باپ کا مال بیٹے کو کھانا حرام ہے یا حلال؟ دونوں کی خورش یک جائی ہے، باپ کا حق بیٹے پر کب رہتا ہے اور بیٹے کا باپ پر کب تک؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر زید کا باپ اپنی خوشی سے حسبِ عادت جاتا ہے تو زید پر الزام نہیں اگرچہ مقتضائے سعادتمندی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یہ ہے کہ اسے آرام دے اور خود کام کرے، ہاں اگر زید اسے مجبور کرتا ہے تو ضرور گنہگار و نالائق ہے، باپ کا مال بیٹے کو اس کی رضا سے قدر رضا تک حلال ہے ورنہ حرام، شریک ہوں خواہ جدا، باپ کا حق بیٹے پر ہمیشہ رہتا ہے، یونہی بیٹے کا باپ پر، ہاں بعض حقوق وقت تک محدود ہیں جیسے لڑکا جب جوان ہو جائے باپ پر اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۱: از ضلع شیب ساگر ڈاکخانہ انگوری مقام شام گوری ملک آسام مرسلہ عبدالمجید صاحب ۱۱/ شعبان ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید انگریز نے ہندہ مسلمہ کو قریب بیس برس کے عورت بنا کر رکھا اُن کی طرف سے کئی ہولے موجود ہیں، اب ہندہ ضعیفہ ہوئی، ہندہ نے انگریز سے کہا کہ کچھ روزینہ بندوبست کرکے مجھ کو چھوڑ دو ہم آپس میں بھائی بند کے پاس مسلمان ہو کر رہے تاکہ اللہ تعالٰی خاتمہ بالخیر کرے۔ اب ہندہ نے کسی عالم کے پاس چند مسلمان کے مقابل توبہ کیا اور ضامن بھی دیا آمدورفت نہ ہونے کے لئے، فاصلہ درمیان دونوں کے ۳ روزہ کی راہ ہے اسباب حاصلہ اور تنخواہ کے سوا اور کوئی صورت اوقات بسری کے واسطے نہیں اور اگر اسباب حاصلہ اور چار روپیہ روزینہ جاریہ سے منع کیا جائے تو پھر انکار اسلام کا خوف ہے، اب آیا ان صورتوں میں ان کا مسلمان ہونا صحیح ہوگا یا نہ ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

ہندہ کا اسلام صحیح ہے بلکہ اگر اس مدت بست ۲۰ سال میں کہ وہ انگریز کے پاس رہی کوئی قول و فعل کفر نہ کیا تھا تو وہ جب بھی مسلمان تھی اگرچہ اشد سخت ملعون کبیرہ کی مرتکب تھی کہ ایک تو زنا، دوسرے وہ بھی کافر سے۔ اہلسنّت کے مذہب میں آدمی کسی گناہ کے باعث اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر[1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے "اگرچہ زنا کرے اگرچہ چوری کرے، ابوذر کی ناک خاک آلود ہونے کے باوجود (یعنی بالفرض وہ تنگی اور کوفت محسوس کریں تب بھی)۔ (ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اگر بالفرض ہندہ نے اس زمانے میں **معاذاللہ** اپنا دین بدل دیا اور کفر

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۶۶

اختیار کیا تھا اور اب اسلام لاتی ہے تو اب بھی اسلام قبول تھا اگرچہ وہ معاذاللہ اس زنا سے باز بھی نہ آتی کہ زنا کفر نہیں زنا کا وبال رہتا اور اسلام صحیح ہو جاتا، اب کہ وہ بحمداللہ زنا سے بھی جدا ہوئی، اسلام صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں، نہ اس تنخواہ سے ممانعت کی کوئی ضرورت کہ وہ معاوضہ زنا میں نہیں بلکہ صراحۃً اس انگریز سے صاف کہہ دیا ہے کہ اب وہ زنا سے باز رہے گی اور اپنی قوم میں اپنے دین پر رہے گی تو یہ تنخواہ محض بلاعوض اور ہندہ کے لئے حلال ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

الرجل اذاکان مطربا مغنیا ان اعطی بغیر شرط قالوا یباح[1] اھ ومثلہ فی رد المحتار[2] عن الھندیۃ عن المنتقی عن ابراھیم عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔	جب کوئی شخص گانے بجانے والا ہو اگر اسے بغیر کسی تقاضے اور شرط کے کچھ دیا جائے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس کے لئے مباح ہے چنانچہ فتاوٰی شامی میں فتاوٰی عالمگیری سے اس نے المنتقی سے اس نے ابراہیم سے اس نے صاحب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲: از شہر کہنہ ۲۰/ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردار گھوڑے اور گدھے کی گیلی خریدنا جائز ہے یا نہیں اور اس گیلی کھال کو سڑا کر ہاتھ سے ملنا اور بنانا یعنی نجاست صاف کرنا اس غلیظ کام کرنے والے کے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

گھوڑا گدھا کہ بے ذبح مرجائے اس کی کھال کہ پکائی نہ گئی ہو بیچنا خریدنا حرام ہے اور دباغت کرنا جائز ہے اور اس کا پیشہ مکروہ، اور اس کے کھانے سے احتراز اولٰی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اما جلود السباع والحمر والبغال فما کانت مذبوحۃ او مدبوغۃ جاز بیعھا ومالا فلا[3] الخ	لیکن درندوں، گدھوں اور خچروں کی کھالیں اگر ذبح کئے ہوئے جانوروں سے اتاری جائیں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۷

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب البیوع الفصل الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۱۵

وفی الحدیث کسب الحجام خبیث[1] وعللوہ بالتلبس بالنجاسات وقد ثبت ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم احتجم واعطی الحجام[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	یا خود کھالیں پکالی جائیں تو ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے لیکن بصورت دیگر جائز نہیں الخ اور حدیث مبارکہ ہے کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔ ائمہ کرام نے اس کی یہ علت بیان فرمائی کہ اس کا نجاستوں سے تلبس ہوا کرتا ہے اور بلاشبہہ یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پچھنے لگوائے اور لگانے والے کو اجرت بھی دی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲۳: ازمقام کول مانک چوک مسئولہ زوجہ عبدالرشید خان مرحوم ۲۲/شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کسبی نے جو کچھ مال حرام پیدا کیا تھا چہ نقدی وچہ زیور وچہ جائداد خریدی ہوئی اسی مال سے پیدا کی تھی، جب وہ کسبی تائب ہوئی تو اس نے اس قسم مال حرام کو پیدا کردہ اپنا سب کچھ چھوڑ دیا اور اپنی ماں اور بہنوئی سے کہا کہ یہ مجھے درکار نہیں ہے میں نے تم کو چھوڑا، یہ کہہ کر الگ ہوگئی، انہوں نے اس مال اور جائداد کو صرف کرڈالا، اب یہ استفسار ہے کہ یہ دے دینا اس کا اُن کو صحیح ہوگیا یا کیا اور جو صحیح نہ ہوا ہو تو اس کو یہ واپس کرسکتی ہے یا نہیں اور اس غرض سے واپسی چاہتی ہے کہ اگر مل جائے تو اس وقت کی نقدی سے جائداد خرید کرکے اُسے مصرف خیر میں صَرف کرے اس کی کیا صورت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

رنڈی جو مال اُس حرام وناپاک ذریعے سے حاصل کرتی ہے اس کی مِلک نہیں ہوتا حکمِ غصب رکھتا ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ جن سے لیا واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو اُن کے ورثہ کو دے، وہ نہ ملیں تو فقراء پر تصدق کرے، اور ظاہر ہے کہ بعد ایک مدّت مدیدہ کے جو عورت تائب ہو وہ ہرگز حساب نہ لگاسکے گی کہ کب کتنا کس سے لیا، تو جو مال اس کے ہاتھ میں ہے اموال ضائعہ کے قبیل سے ہوا کہ اس کے مصرف فقراء ہیں، اور اس کی ماں بہنیں کہ وہ بھی رنڈیاں اور اُس وقت تک اُسی پیشہ ملعونہ میں آلودہ ہیں اگرچہ اُس ناپاک ذریعہ سے لاکھوں روپے اُن کے پاس ہوں شرعًا محض محتاج ونادار ہیں **لما عرفت من ان**

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۶۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاجارہ باب فی کسب الحجام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۲۹

مابایدیھن غصب لایملکنہ (اس لئے کہ تمہیں معلوم ہوگیا کہ جوکچھ عورتوں کے ہاتھوں میں ہے وہ غصب شدہ ہے جس کی وہ مالک نہیں ہیں۔ت) تووہ بھی اُسی تصدق کی محل ہیں اور ماں ہونا اس صدقہ واجبہ کے منافی نہیں کہ یہ صدقہ خود اُس کے اپنے مال کا نہیں،

کما علم بل اموال ضوائع لایعرف اربابھا فیحل لھا التصدق بھا علی ابیھا وابنھا وامھا وبنتھا وفی الھندیۃ عن القنیۃ لہ مال فیہ شبھۃ اذا تصدق بہ علی ابیہ یکفیہ ذٰلك ولایشترط التصدق علی الاجنبی وکذا اذا کان ابنہ معہ حین کان یبیع ویشتری وفیھا بیوع فاسدۃ فوھب جمیع مالہ لابنہ ھذا خرج من العھدۃ[1] اھ اقول: فاذا کان ھذا فیما قدملکہ ملکافغیمالم یملکہ اظہر واولٰی۔	جیسا کہ معلوم ہوگیا بلکہ یہ اموال ضائعہ کی قسم سے ہے کہ جن کے مالک نامعلوم ہیں لہٰذا ان مالوں کا اپنے ماں باپ اور بیٹے بیٹی پر خیرات کردینا حلال ہے، فتاوٰی عالمگیری میں قنیہ کے حوالے سے مذکور ہے کہ اگر کسی کے پاس مشکوک ومشتبہ مال ہو تو وہ اپنے والد کو بطور صدقہ، خیرات دے دے تو یہ اس کے لئے کافی ہے لہٰذا کسی اجنبی پر صدقہ کرنا شرط نہیں۔اسی طرح جب اس کا بیٹا کاروبارِ خرید وفروخت میں اُس کے ساتھ ہو اور اس کاروباری سلسلے میں فاسد سودے بھی ہوں پھر وہ شخص اپنا تمام مال اس بیٹے کو ہبہ کردے تو وہ شخص اپنا تمام مال اس بیٹے کو ہبہ کردے تو وہ ذمہ داری سے بری الذمہ ہوجائے گا اھ میں کہتاہوں جب یہ حکم اس میں ہے کہ جس کا یہ مالک ہے اور جس کا یہ مالک نہیں تو اس میں اجرائے حکم زیادہ واضح اور زیادہ بہتر ہے۔(ت)

پس اگر اس عورت نے وہ مال اُنہیں دے ڈالا تھا اور اُنہوں نے قبضہ کرلیا جب تو ظاہر ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا اُس کی ماں بہنیں اُس کی مالک ہوگئیں اور وہ مال اُن کے لئے طیب ہوگیا ولایضر الشیوع الصدقۃ وان ضر الھبۃ (صدقہ کو غیر منقسم ہونا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا اگرچہ ہبہ کو نقصان دیتاہے۔ت) اب عورت کو اُن سے واپسی کا اختیار نہیں لان الصدقۃ لاتسترد وکان القرابۃ المحرمۃ مانعۃ لرجوع (اس لئے کہ صدقہ واپس نہیں کیاجاسکتا کیونکہ محرم رشتہ واپس کرنے سے مانع ہے۔ت) اور اگر دے ڈالنا نہ تھا بلکہ صرف آپ اُس ناپاک مال سے بے علاقہ ہونا منظور تھا اور "تم کو چھوڑا" کے یہ معنی تھے کہ تم ہنوز اسی ناپاک پیشے مس ہو تم جانو اور یہ ناپاک مال مجھے اس سے تعلق نہیں اس صورت میں بھی جبکہ انہوں نے قبضہ کرلیا تو ایک مال ضائعہ حق فقراء تھا جس پر فقراء کا قبضہ ہوگیا، یہ عورت اُس کی مالک نہ تھی کہ فقرا سے مطالبہ واپسی کرسکے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

مسئلہ ۲۲۴: از شہر چاٹگام موضع نیاگاؤں از جانب محمد قدرت اللہ عفی عنہ

چہ میفرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ اگر شخصے معاملہ سود نمودہ اموال کثیرہ فراہم نمایند پس رحلت از دارِ دنیا بدار آخرت اموالیکہ از معاملہ جمع شدہ برائے وارثان وغیرہ جائز وحلال باشد یانہ؟	کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورتِ مسئلہ میں کہ ایک شخص نے سُودی کاروبار اورلین دین کرکے بہت سامال اکٹھا کیا پھر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف کوچ کرگیالہذا جومال سودی کاروبار سے جمع کیاگیا وہ اس کے وارثوں وغیرہ کے لئے جائز اور حلال ہے یانہیں؟

الجواب:

اگروارثان دانند کہ ازفلاں فلاں کس ایں قدر ربا گرفتہ است واجب ست کہ بآنہا واپس دہند اگرایشاں نماندہ باشند بوارثان ایشاں رسانند اگروارثان ہم نیابندیا ازسرفلاں فلاں راندانستہ باشند مگرعین اموال ربا معلوم ومعین است آں اموال رابر فقراء تصدّق کنند واگرہیچ درعلم ایشاں نیست جزاینکہ رباھی گرفت ترکہ مراینہا را حلال است فی ردالمحتار الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ علیھم والا فان علم عین الحرام لایحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ وان کان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولایعلم اربابہ ولاشیئا منہ بعینہ حل لہ حکما والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ[1]۔واللہ تعالٰی اعلم	اگرورثاء جانتے ہیں کہ اس قدرمال فلاں فلاں سے بطور سود لیاگیاتوضروری ہے کہ ان کے مالکوں کوواپس کردیں لیکن اگر وہ مالکان وفات پاچکے ہوں تو ان کے ورثاء کو لوٹادیں، اگرورثاء موجودہی نہ ہوں یاان کی تفصیل معلوم نہ ہوسکے اور سودی رقم کی مقرر مقدار معلوم ہو تواس مال معینہ کو فقراء ومساکین میں تقسیم کردیں۔اگرمذکورہ امور میں سے کوئی بات ان کے علم میں نہ ہو توایسی صورتحال میں ورثاء کے لئے اس میت کاترکہ حلال ہے۔چنانچہ فتاوٰی شامی میں ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر اربابِ مال کو جانتا ہے تومال انہیں لوٹادینا ضروری ہے لیکن اگریہ نہیں جانتا اور مال حرام معین کا علم رکھتاہے تواس کے لئے حلال نہیں بلکہ مالک مال کی نیت سے اسے خیرات کردے اور اگرمال مخلوط (ملاجلا) ہو جو حرام طریقہ سے جمع کیاگیااوراس کے مالکوں کونہیں جانتااورنہ اس

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب البیع الفاسد داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۰

	میں سے کسی حرام شَے کو بعینہٖ جانتا ہے تو اس صورت میں اس کے لئے بطور حکم حلال ہے ہاں تقوی اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے پرہیز کرے تو اس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم والا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲۵: از بجنور مرسلہ محمد حسن نائب محافظ دفتر کلکٹری ۲۰/ربیع الاول ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس باب میں کہ کسی شخص نے کچھ مال بذریعہ سُود یا رشوت یا تغنی یا چوری وغیرہ کسی ذریعہ حرام سے حاصل کیا اور اس مال کے ذریعہ سے کوئی جائداد خرید کی یا کامِ تجارت جاری کیا تو اب اس جائداد یا تجارت کی آمدنی اس شخص کے اور اس کے توابعین ولواحقین کے حق میں مباح ہے یا نہیں؟ اگر مباح ہے تو کس صورت اور کس دلیل سے؟ اور اس وبال دارین سے سبکدوش ہونے کا عندالشرع کیا طریقہ ہے؟ فقہ حنفی کی رُو سے مع حوالہ کتب جواب بواپسی ڈاک ارشاد فرمایا جائے۔بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جو مال رشوت یا تغنی یا چوری سے حاصل کیا اس پر فرض ہے کہ جس جس سے لیا اُن پر واپس کردے،وہ نہ رہے ہوں اُن کے ورثہ کو دے،پتانہ چلے تو فقیروں پر تصدق کرے،خرید وفروخت کسی کام میں اُس مال کا لگانا حرام قطعی ہے،بغیر صورت مذکورہ کے کوئی طریقہ اس کے وبال سے سبکدوشی کا نہیں۔یہی حکم سُود وغیرہ عقودِ فاسدہ کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں جس سے لیا بالخصوص انہیں واپس کرنا فرض نہیں بلکہ اسے اختیار ہے کہ اسے واپس دے خواہ ابتداء تصدق کردے،

وذٰلك لان الحرمة فی الرشوة وامثالها لعدم الملك اصلا فهو عنده كالمغصوب فیجب الرد علی المالك او ورثته ما امكن اما فی الربٰو اواشباهه فلفساد الملك وخبثه و اذا قدملكه بالقبض ملكا خبیثا لم یبق مملوك	یہ اس لئے کہ رشوت اور اس جیسے مال میں ملکیت بالکل نہ ہونے کی وجہ سے حرمت ہے لہٰذا وہ مال رشوت لینے والے کے پاس غصب شدہ مال کی طرح ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جس حد تک ممکن ہو وہ مال اس کے مالک یا اس کے ورثاء کو لوٹا دیا جائے پس ایسا کرنا واجب ہے،سُود یا اس جیسی اشیاء میں فسادِ ملک اور خباثت کی بناء پر بوجہ قبضہ اس کا مالک بن گیا تو جس سے

الماخوذ منه لاستحالة اجتماع ملكين على شيئ واحد فلم يجب الرد وانما وجب الانخلاع عنه اما بالرد واما بالتصدق كما هو سبيل سائر الاملاك الخبيثة۔	مال لیا گیا اب اس کی ملکیت باقی نہ رہی (بلکہ ختم ہو گئی) اس لئے کہ ایک چیز پر بیک وقت دو ملِک جمع ہونے محال ہیں (کہ اصل شخص بھی مالک ہو اور سود خور بھی۔ مترجم) للذا مال ماخوذ کا واپس کرنا ضروری نہیں بلکہ اس سے علیحدگی واجب ہے خواہ بصورتِ رد (یعنی لوٹانے کے) ہو یا بصورتِ خیرات، جیساکہ تمام املاک خبیثہ میں یہی طریقہ ہے۔(ت)

ہاں جس سے لیا انہیں یا ان کے ورثہ کو دینا یہاں بھی اولٰی ہے کما نص علیہ فی الغنیۃ والخیریۃ والھندیۃ وغیرھا (جیساکہ غنیہ، خیریہ اور ہندیہ وغیرہ میں اس کی صراحت کی گئی ہے۔ت) رہا استبدال یعنی اس مال کے عوض دوسری چیز خریدنا، اس کی دو صورتیں ہیں اگر وہ مال کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا زروسیم کے سوا اشیاء متعینہ سے تھا جیسے زمین یا کپڑا یا برتن وغیرہا اس کے عوض کوئی جائداد خریدی یا اس سے تجارت کی تو وہ جائداد تجارت سب خبیث وحرام ہے، اور اگر وہ مال سونا چاندی روپیہ اشرفی تھا اور اس سے کوئی جائداد مول لی یا تجارت کی تو مذہب مفتٰی بہ میں اگر عقد ونقد دونوں اس زرِ حرام پر جمع ہوئے یعنی وہی حرام روپیہ بائع کو دکھا کر کہا کہ اس کے عوض فلاں شَے دے دے پھر وہی روپیہ اس کے ثمن میں دے دیا یا پہلے سے وہ حرام روپیہ بائع کو دے دیا اور اس کے بدلے کوئی چیز مول لی تو وہ چیز مطلقاً حرام وخبیث ہے جبکہ یہ روپیہ غصب یا سرقہ یا رشوت واجرتِ زنا یا غنا وامثال ذلک کا ہے جن میں اس کی ملک اصلاً نہیں ہوتی، اور اگر عقد ونقد دونوں جمع نہ ہوئے مثلاً مطلقاً خریدی کہ فلاں چیز دے دے پھر ثمن میں وہ زرحرام دیا یا زرحرام دکھا کر خریدی مگر دیتے وقت دوسرا روپیہ دیا تو وہ خرید کردہ شے پاک ہے۔یونہیں اگر روپیہ ربا وغیرہ عقود فاسدہ سے حاصل کیا تھا اور اس کے عوض کوئی شے خریدی تو اس خریدی ہوئی شے میں خباثت نہ آئے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصدق لو تصرف فی المغصوب والودیعة وربح اذا کان متعینا بالاشارة او بالشراء بدراهم الودیعة او الغصب ونقدها	اگر غصب کردہ چیز اور امانت میں اس نے تصرف کیا اور نفع کمایا ہو تو اسے خیرات کردے جبکہ وہ اشارہ سے متعین ہو اور اگر امانت اور غصب شدہ دراہم سے کوئی چیز خریدی اور وہی دراہم تبادلہ میں

وان اشار الیها ونقد غیرها او الی غیرها او اطلق ونقدهالا وبه یفتی[1]۔	دیئے تو وہ چیز حرام ہے اور اگر ان کی طرف اشارہ کیا لیکن دیتے وقت دوسرے دراہم بصورت نقدی دیئے یا دوسرے دراہم کی طرف اشارہ کیا یا چیز خریدتے وقت ثمن سے اطلاق کیا (کہ فلاں چیز دے دے)، پھر قیمت دیتے وقت وہی حرام درھم دیئے تو اسے خیرات نہ کرے (اس لئے کہ وہ پاک ہے) اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الخبث لفساد الملك انما یعمل فیما یتعین لافیما لایتعین واما الخبث لعدم الملك کالغصب فیعمل فیهما کما بسطه خسرووابن الکمال[2]۔واللّٰه تعالٰی اعلم۔	مِلک فاسد ہونے کی وجہ سے جو خباثت پیدا ہوتی ہے وہ متعین شے پر اثر کرتی ہے۔ جبکہ غیر متعین میں مؤثر نہیں ہوتی لیکن عدمِ ملک کی وجہ سے جو خباثت پیدا ہو جیسے غصب وغیرہ تو وہ متعین، غیر متعین دونوں میں اثر کرتی ہے جیسا کہ خسرو اور ابن کمال نے تفصیل سے اس کو بیان فرمایا۔اور اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۲۶: ازبریلی حاضر کردہ محمد صدیق عفی عنہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد قاسم صاحب نے آٹھ سوروپیہ کے نوٹ واشرفیاں سکتر صاحب کو برائے عمارت جامع مسجد دیئے تھے سکتر صاحب نے چھ سوکا سامان منگوایا دوسو باقی رہے اور کام مسجد کا شروع کروادیا اہل محلّہ نے کسی وجہ سے اس کام کو روکا سکتر صاحب کو اس سے ملال ہوا اور کار سے دست بردار ہوئے اور قصد عمارت کا ترک کردیا، سکتر صاحب سے دریافت کیا گیا کہ حاجی صاحب نے جو روپیہ دیا تھا وہ آپ کے پاس بجنسہٖ یا اس میں کچھ تصرف ہوا ہے، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ حاجی صاحب نے اشرفیاں ونوٹ دیئے تھے میں نے اشرفیاں اپنی اشرفیوں میں ڈال دیں اور نوٹ خزانچی کو

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۶۔۲۰۵

[2] درمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۹

دے دیئے تھے چونکہ اشرفیاں خلط ملط ہوگئیں اب مجھ کو ان کی تمیز بھی باقی نہیں رہی کہ وہ کون سی ہیں اور حاجی صاحب خواہ مجھ سے بالکل روپیہ لے لیں خواہ اشرفیاں خواہ نوٹ، لہٰذا اس صورت مذکورہ میں حاجی محمد قاسم صاحب اس روپیہ میں سے کسی شخص کو سوا سو روپیہ حج کے واسطے دلا سکتے ہیں یا نہیں؟ از روئے شرع مطہر کے اس کی ممانعت تو نہیں ہے؟ اور حاجی صاحب اس کا ثواب عنداللہ تعالٰی پائیں گے؟ **بیّنوا وعنداللہ تعالٰی توجروا** (بیان فرمائیے تاکہ اللہ تعالٰی کے ہاں سے اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

جبکہ وہ اشرفیاں وکیل نے اپنے مال میں خلط کرلیں کہ اب تمیز نہیں ہوسکتی تو وہ مال ہلاک ہوگیا اور وکیل پر اس کی ضمان لازم ہوئی **فان الخلط استھلاك والمستھلك کغاصب مضمون والضمان مغیر** (اس لئے کہ کسی کے مال کو اپنے مال میں ملادینا اسے ہلاک کرتا ہے اور ہلاک کرنے والا غاصب کی طرح ہے اور غصب میں ضمان ہے اور ضمان میں تبدیلی پیدا کرنے والا ہے۔ ت) تو دینے والے کو اس روپے میں تصرف مذکور جائز ہے خصوصًا اب کہ وہ کام ہی ملتوی ہوگیا اور دینے والا اُسے اب بھی کار قربت میں صرف کرنا چاہتا ہے تو یہ صورت ثواب کی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۷: از سرماگنج ضلع مظفر پور مرسلہ مولوی ظہیر الدین یکم ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے یہاں پشتہا پشت سے شراب کی بکری کا روزگار ہوتا تھا اب اس نے ایک لائق وشریف آدمی کی ہدایت وفہمائش پر شراب کی بکری کے روزگار سے تائب ہوکر اس امر کا منجر ہوا کہ جس قدر مال و زر میرے پاس ہے اس کے پاک ہونے کی کیا صورت ہے، جس پر ایک عالم صاحب نے فرمایا کہ بعض علماء کے نزدیک حیلہ شرعی یہ ہے کہ تبادلہ جنس کر ڈالنے سے **ان شاء اللہ تعالٰی** وہ مال پاک ہوجائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم بالصواب**۔ اُسی جلسہ میں دوسرے عالم صاحب نے یہ فرمایا کہ نہیں نہیں ہرگز نہیں وہ مال کسی صورت سے پاک نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس مال کو دریا بُرد کردینا چاہیے بجز دریا بُرد کردینے کے اس مال کے استعمال کی کوئی صورت نہیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ سائل اس مال کو کیا کرے، آیا دریا بُرد کرکے محتاج رہ جائے یا اس کے جواز کی کوئی صورت بھی ہے جیسا کہ عالم صاحب نمبر ایک نے فرمایا ہے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر وثواب پاؤ۔ت) فقط۔

الجواب:

دریا بُرد کردینے کا حکم محض باطل ہے اور دوسری جنس سے بدلنے میں عہدہ برآری نہ ہوگی حکم شرع

جواس کے ذمّہ ہے ادانہ ہوگااس پر شرع مطہر یہ فرض کرتی ہے کہ اس مال کو تصدق کردے، مساکین کو دے ڈالے، بغیر اس کے اس کی توبہ صحیح نہیں، اور اس میں اس کے لئے حیلہ شرعی بھی نکل آئے گا، یہ تصدّق کچھ اجنبی مساکین ہی پر ضرور نہیں بلکہ اپنے محتاج بیٹے یا باپ یا بھائی یابی بی پر بھی کرسکتاہے انہیں دے کر ان کا قبضہ کرادے پھر وہ کل یا بعض جتنا چاہیں اسے ہبہ کردیں پاک ہوجائے گا۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

له مال فيه شبهة اذا تصدق به على ابيه يكفيه ذٰلك ولايشترط التصدق على الاجنبي وكذا اذا كان ابنه معه حين كان يبيع ويشتري وفيها بيوع فاسدة فوهب جميع ماله لابنه هذا، خرج من العهدة كذا في القنية[1]۔	کسی شخص کے پاس مشتبہ اور مشکوک مال ہو تو اسے کسی اجنبی پر ہی خیرات کردیناضروری نہیں بلکہ وہ اپنے والد پر، بھی خیرات کرکے بری الذمہ ہوسکتاہے۔ اسی طرح اگر اس کا بیٹا اس کے ساتھ شریک کاروبار ہو اور خرید وفروخت کرتاہو اور فاسد سودے بھی ہوتے ہوں اور وہ اپنا تمام مال اس بیٹے کو ہبہ کردے تو وہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوجائے گا۔ قنیہ میں اسی طرح مذکور ہے۔ (ت)

اور یہاں تحقیقات عظیمہ فقہیہ ہیں جن کے بیان میں طول ہے اور حاصل حکم اسی قدر ہے، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۸: غرہ ربیع الاول شریف ۱۳۲۷ھ حبیب اللہ شاہ محلّہ باد بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگ باجا بجانے کا پیشہ کرتے ہیں، ہولی کے دن ہندوؤں کے یہاں بھی جاکر بجایا کرتے تھے مگر اب کی مرتبہ سب برادری نے یہ بات کہی کہ یہ بات ذلت کی ہے ہندوؤں کے یہاں نہیں جانا چاہئے سبھوں نے جانا چھوڑا ایک شخص نہیں مانا، اُس سے یہاں تک کہا گیا کہ اگر تم ایسے نہیں مانتے ہو دو تین روپیہ لے لو، خدا کا واسطہ بھی دیا، اس نے اس پر بھی نہ مانا، آخر گیا، ہم لوگوں نے اس کی پنچایت کی، دو آدمی اسے پنچایت میں لانے کے لئے گئے، اس نے کہا تم نے مجھے چھوڑا میں نے تمہیں چھوڑا، تم میرے نزدیک مثل بھنگی کے چمار کے ہو۔ اب ازروئے شرع ایسے شخص کے حکم میں حضور کیا فرماتے ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

الجواب:

باجا بجانا خود ہی ناجائز تھا اور ہندوؤں کے یہاں بجانا اور سخت ناجائز، اور ان کے شیطانی تہوار میں بجانا اور بھی سخت حرام در حرام در حرام، اب کے ان مسلمانوں کو ان کے رب عزوجل نے یہ توفیق دی کہ ہندوؤں کے یہاں نہ بجانے پر اتفاق کرلیا اور خدا نے آنکھیں کھولیں کہ مسلمان ہوکر خدا کے دشمنوں کے سامنے ذلت اٹھانے کو بُرا جانا تو اس پر تمام برادری کو اس ترک میں ان کی پیروی خدا اور رسول کے حکم سے لازم تھی جس شخص نے نہ مانا وہ صرف گنہگار ہی نہیں بلکہ سرکش شریر بدکار ہے اس پر توبہ فرض ہے اگر وہ نہ مانے تو برادری والوں پر لازم کہ اُسے مثل بھنگی چمار کے چھوڑیں اس کی کسی بات میں شریک نہ ہوں نہ اپنی کسی بات میں اسے شریک کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۹: از ضلع متھرا محلّہ بلوچپاڑہ قصبہ نائٹ مرسلہ غلام محمد امیر خاں صاحب حنفی ۲۰/نومبر ۱۹۰۹ء

جناب مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کمترین کا سن اکیاون سال کا ہے اور گیارہ لڑکیاں ہیں۔ پیشہ وثائق نویس کرتا ہوں اور دوسرا کوئی کام نہیں جانتا ہوں۔ مسلمانوں کی سُودی دستاویز لکھنے سے اجتناب کرتا ہوں حتی کہ اس وقت تک میرے قلم سے کسی مسلمان کی کوئی دستاویز نہیں لکھی گئی۔ آج ایک مولوی صاحب کی زبانی یہ مسئلہ سنا کہ کفار کے سودی دستاویزات کہ جس میں فریقین کافر ہوں ہندوستان میں یہ بھی جائز نہیں ہیں اور جیسا گناہ سود کھانے والے کو ہے ویسا ہی کاتب کو اور گواہوں کو ہے۔ پس یہ سن کر مجھ کو خوفِ الٰہی نے اس بات پر مجبور کیا کہ جناب سے اس مسئلہ کو دریافت کروں، اور اگر فی الحقیقت جیسا کہ مولوی صاحب موصوف نے فرمایا ہے حضور بھی فتوٰی دیں تو اللہ تعالٰی پر توکل کرکے اس پیشہ کو چھوڑ دوں اور اللہ تعالٰی کے حضور میں توبہ واستغفار کروں تاکہ اللہ تعالٰی گزشتہ کو معاف کردے۔ حضور بھی میرے حق میں دعائے خیر فرمادیں اور فتوٰی عطا فرمائیں، جمیع حاضرین کی خدمت میں سلام علیک عرض کرتا ہوں۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ	جو اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالٰی اس کے لئے ہے ہر تنگی سے نجات کی راہ رکھے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ پہنچے

عَلَی اللّٰہِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ "[1]	اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو اللہ اسے کافی ہے۔

اے اپنے رب سے ڈرنے والے بندے! بیشک سُود لینا اور دینا اور اس کا کاغذ لکھنا اور پر گواہی کرنا دینا سب کا ایک حکم ہے اور سب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اسے دیکھنے والے، اسے لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی، اور ارشاد فرمایا: یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔ (ت)

فوراً اس کا چھوڑ دینا اور اس سے توبہ کرنا فرض ہے، اور بشارت ہو کہ یہ نیک پاکیزہ کہ اللہ عزوجل کے خوف سے پیدا ہوا بحکم آیت مذکورہ وجہ حلال سے رزق طیب ملنے اور اللہ عزوجل کی رضا کی خوشخبری دیتا ہے اور بیشک جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اللہ اُسے بس ہے۔

فقیر اسلامی محبت سے چند اعمال مجربہ جو بارہا بفضلہٖ تعالیٰ تیر بہدف ثابت ہوئے ہیں آپ کو بتاتا ہے:

(۱) بعد نماز عشا سر برہنہ ایسی جگہ کہ سر وآسمان میں چھت یا درخت وغیرہ کچھ حاجب نہ ہو ۵۰ بار روزانہ پڑھئے **یا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابْ** (اے اسباب کا سبب بنانے والے۔ت) اول آخر ۱۱، ۱۱ بار درود شریف۔ جتنے دنوں زیادہ پڑھے زیادہ نفع ہوگا **اِن شاء اللہ تعالیٰ**، اور ہمیشہ پڑھے تو بہتر۔

(۲) بعد نمازِ مغرب ستارہ قطب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو کر آیہ قطب کہ پارۂ چہارم کے نصف پر ہے "ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً سے عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ "[3] تک ۴۱ بار روز پڑھے ۴۱ روز تک، اول آخر ۱۰، ۱۰ بار درود شریف۔

(۳) خاص طلوع صبح صادق کے وقت، اور نہ ہوسکے تو حتی الامکان سنتِ صبح سے پہلے سو بار روزانہ پڑھیں **سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم**، اول آخر درود شریف ۱۰، ۱۰ بار۔ اس کا ورد ہمیشہ رہے۔ اول وقت پڑھنے کی کوشش ہو مگر اس کے سبب جماعت میں خلل نہ پڑے۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲،۳

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع باب الربٰو قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[3] القرآن الکریم ۳ /۱۵۴

اگر آنکھ دیر میں کھلے سنتیں پڑھ کر اسے شروع کریں، اگر بیچ میں جماعت قائم ہو شریک ہوجائیں، باقی عدد بعد میں پُورا کریں۔ وظائف و اعمال کے اثر کرنے میں تین شرائط ضروری ہیں:

(۱) حُسنِ اعتقاد، دل میں دغدغہ نہ ہو کہ دیکھئے اثر ہوتا ہے یا نہیں، بلکہ اللہ عزّوجل کے کرم پر پورا بھروسا ہو کہ ضرور اجابت فرمائے گا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اُدع اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ[1]۔	اللہ تعالٰی سے اس حال پر دعا کرو کہ تمہیں اجابت کا یقین ہو۔

(۲) صبر و تحمل، دن گزریں تو گھبرائیں نہیں کہ اتنے دن پڑھتے گزرے ابھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوا یوں اجابت بند کردی جاتی ہے بلکہ لپٹا رہے اور لو لگائے رہے کہ اب اللہ و رسول اپنا فضل کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾"[2]	کیا خوب ہوتا اگر وہ اللہ و رسول کے دینے پر راضی ہوجاتے اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب ہمیں عطا فرماتے ہیں اللہ و رسول اپنے فضل سے، بیشک ہم اللہ کی طرف لَو لگائے ہیں۔

حدیث میں ہے:

یستجاب لاحدکم مالم یعجل فیقول قد دعوت فلم یستجب لی[3]۔	تمہاری دعائیں قبول ہوتی ہیں جب تک جلدی نہ کرو کہ میں نے دعا کی اور اب تک قبول نہ ہوئی۔

(۳) میرے یہاں کی جملہ اجازات و وظائف و اعمال و تعویذات میں شرط ہے کہ نماز پنجگانہ باجماعت مسجد میں ادا کرنے کی کامل پابندی رہے وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۰:

ازروئے شرع شریف کے تاوان کا روپیہ جمع کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲ /۱۸۶، مشکوٰۃ المصابیح کتاب الدعوات الفصل الثانی مجتبائی دہلی ص ۱۹۵

[2] القرآن الکریم ۹ /۵۹

[3] صحیح مسلم کتاب کتاب الذکر والدعاء باب انہ لیستجاب للداعی مالم یعجل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۵۲

الجواب:

حرام تاوان کا حرام اور جائز کا جائز۔ سائل نے متعدد سوال گول اور مجمل لکھے جو کسی صورت خاصہ میں حکم معلوم کرنا چاہے اسے مفصل وہ خاص صورت بیان کرنا چاہئے کہ اس کا حکم بتایا جائے۔

مسئلہ ۲۳۱: از سرونج مسئولہ جناب محمد عبدالرشید خاں صاحب ۱۹/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

ایک عزیز زید کا زید کو ازراہِ صلہ رحمی ماہوار وظیفہ دیتا ہے مگر مہاجن سے سودی روپیہ قرض لے کر دیتا ہے کسی اپنی دنیوی وجہ سے، تو ایسے روپے سے خیرات جائز یا ناجائز؟

الجواب:

بلاضرورت شرعیہ ومجبوری صادق سودی روپیہ قرض لینا حرام اور شدید گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح حدیث میں سود لینے والے اور سود کھانے والے کو برابر بتایا اور دونوں پر سخت وعید فرمائی تو یہ روپیہ کہ ایک عقد فاسد سے اس نے حاصل کیا خود خبیث ہے اور اسے واپس دینا اور اس عقد کو فسخ کرنا واجب ہے امور خیر یا اپنے کسی مصرف میں نہیں لاسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۲: از سرونج مسئولہ جناب محمد عبدالرشید خاں صاحب ۱۹/ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

زید نے عمر کو روپیہ قرض دیا، عمر نے ادائیگی روپیہ زید کی ناپاک روپے سے کی، تو ایسی حالت میں روپیہ زید کا پاک رہا یا ناپاک؟

الجواب:

ناپاک روپیہ دو قسم ہے، ایک وہ جو اس شخص کی مِلک ہی نہیں جیسے غصب یا رشوت یا چوری کا روپیہ، یہ روپیہ اس سے نہ کوئی اپنے قرض میں لے سکتا ہے نہ اپنی کسی بیچی ہوئی چیز کی قیمت میں، اور اگر لے گا تو وہ اس کے لئے حرام وناپاک ہوگا جبکہ اسے معلوم ہو کہ دینے والے کے پاس بعینہٖ یہ روپیہ اس وجہ حرام سے ہے۔ اور اگر دینے والے کے پاس علاوہ حرام ہر قسم کا روپیہ ہے اور لینے والے کو معلوم نہیں کہ یہ روپیہ جو کچھ دے رہا ہے خاص وجہ حرام کا ہے تو لینے میں حرج نہیں۔

فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حرامًا لعینہ[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں ذخیرہ سے امام محمد کے حوالے سے یہ روایت نقل فرمائی کہ ہم اسی مسئلہ کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی شیئ کے عین حرام ہونے کا علم نہ ہو۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

دوسری قسم وہ کہ اس کی ملک بروجہ خبیث ہے جیسے وہ روپیہ کہ کسی عقد فاسد سے حاصل کیاجائے یہ بعد قبضہ ملک ہوجاتاہے۔اور دوسرے کو اپنے کسی جائز ذریعہ میں لینا رواہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۳: مرسلہ کفایت اللہ خاں صاحب از موضع ابھئی پور ضلع بریلی ۱۰/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ پیشتر ایک چندہ کیاگیا واسطے مجلس میلاد شریف وقوالی کے،چندہ جمع ہونے کے بعد چند اشخاص نے یہ کہاکہ ہم نے اب کی مرتبہ دیا ہے لیکن آئندہ نہ دیں گے اور اب مسجد کی مرمّت کے واسطے دیں گے،تواس میں اُن کا مبلغ (عہ ۸/) جمع تھا ان کو بجائے (لہ ۸/) کے مبلغ (عہ ۸/) اُن کو دیاگیاکہ یہ لو مسجد کی مرمّت میں لگانا،وہ روپیہ وہ لوگ جنہوں نے چندہ دیا تھا آپس میں تقسیم کرکے کھاگئے،اب اُن کے حق میں کیاحکم ہوتا ہے؟

الجواب:

مجلس میلاد مبارک اعظم مندوبات سے ہے جبکہ بروجہ صحیح ہو جس طرح حرمین طیّبین میں ہوتی ہے اور قوالی کہ یہاں رائج ہے ناجائز ہے اور اس کے لئے چندہ دینا بھی جائز نہیں یہ چندہ کہ اُن کو واپس دیاگیا اگر (لہ ۸/عہ) ہی دئے جاتے جتنا انہوں نے دیا تھا تو انہیں اس کا کھالینا حرام نہ ہوتا وہ ان کی مِلک تھا اور جو وعدہ مسجد میں صَرف کرنے کا کیا تھا اگر اس پر قائم تھے اور بوجہ حاجت اس وقت صرف کرلیا اور دل میں یہ نیت تھی کہ اس کے عوض مسجد میں اتنا لگادیں گے تو اللہ عزّوجل سے وعدہ خلافی بھی نہ ہو اور اگر یہ نیت نہ تھی تو خلاف وعدہ کا وبال ہوا اور معاذاللہ اس کی نحوست شدید ہے۔

قال اللہ تعالٰی "فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ۝"[1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اُن کے دلوں میں نفاق جمادیا اُس دن تک کہ اس سے وہ ملیں گے اس لئے کہ انہوں نے اپنے کئے ہوئے وعدہ کی اللہ تعالٰی سے خلاف ورزی کی اور اس لئے کہ وہ جھوٹ کہا کرتے تھے۔(ت)

مگر وہ ایک روپیہ زائد جو اُن کو دیاگیا اُس کا کھالینا ہر طرح انہیں حرام تھا بہرحال وہ مرتکب غصب وحرام ہوئے اُن پر توبہ فرض ہے اور اس ایک روپیہ کا تاوان دینا لازم۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۴: مسئولہ محمد سید علی صاحب طالب علم از کانپور مسجد حاجی بدلو صاحب سطرنجی محل ۱۳/ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی ایک بازاری عورت یعنی

---
[1] القرآن الکریم ۹/۷۷

رنڈی نے مدتوں سے زناکاری اور رقاصی کرکے بہت مال جمع کیا اور اپنے حالات فسق وفجور ہی میں اس مال سے ایک مکان بنایا اور کئی بیگھہ زمین خریدی اُس عورت کے پاس اور کوئی مال بھی نہ تھا اور ہونے کی صورت متصور نہ تھی جس سے زمین اور مکان کی قیمت دے سکے اب دو تین برس سے اُس عورت نے توبہ کرکے اور بازار چھوڑ کر اُس مکان میں سکونت پذیر ہوئی اور چاہتی ہے کہ اپنی ملک سے عوام وخواص کی دعوت کرے اور کھلائے پلائے اور لوگوں کو اُس کے مکان میں جانا اور کھانا پینا اور خود عورت مذکورہ کو اس مکان وزمین ودیگر اشیاء کہ جو اس مال سے خرید کی ہیں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا بالکتاب** (کتاب کے حوالہ سے بیان فرماؤ۔ت)

الجواب:

اگر اس نے زمین اور مکان کی اینٹ، کڑی وغیرہ اپنے روپے دکھا کر نہ خریدی بلکہ مطلق روپے کو خریدی اور پھر وہ مال حرام زرِ ثمن میں دیا اور بیشک آجکل عام خریداریاں اسی طرح پر ہوتی ہیں تو وہ زمین ومکان اس کے لئے حرام نہیں،

لان الدراھم لاتتعین فی العقود فاذا لم یجتمع علیھا العقد والنقد لم یسر الخبث الی البدل کما ھو قول الامام الکرخی وعلیہ الفتوی۔	اس لئے کہ عقد کے معاملات میں دراہم متعین نہیں ہوتے، پھر جب اُن پر عقد اور نقد جمع نہ ہوں تو خباثت بدل کی طرف سرایت نہیں کرتی، جیسا کہ امام کرخی علیہ الرحمۃ کا ارشاد ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

مگر وہ مال حرام جو اُس کے پاس ہے اُس پر لازم ہے کہ سب تصدق کردے اُس میں سے کوئی پیسہ اپنے کھانے پہننے یا کسی اور مصرف میں اُسے اٹھانا حرام ہے وہ اگر اُسے پاک کرنا چاہے تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ کسی محتاج کو اگرچہ اس کا کیسا ہی عزیز وقریب ہو اپنا وہ کل مال ایک ایک پیسہ ایک ایک تار بہ نیت تصدق دے دے اس میں سے کچھ اپنے پاس نہ رکھے، اور زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ چند محتاجوں پر اس حساب سے تصدق کرے کہ ہر ایک کو چھپن روپے سے کم کا مال پہنچے پھر جن کو اس نے بطور تصدق دیا ہے وہ اپنی خوشی سے اپنی طرف سے تھوڑا یا بہت جتنا اسے ہبہ کردیں وہ اس کے لئے حلال طیب ہوجائے گا اگرچہ کل دے دیں اُس کے بعد اُس کے یہاں کی دعوت وغیرہ کسی امر میں حرج نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۵: از شہر کمرلہ ڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالبعلم مدرسہ منظر اسلام ۲۸/ شوال ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی آسامی نے اپنا حق موروثی اگر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو اس میں زمیندار کو آسامی مشتری سے کچھ روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا بحوالہ کتاب** (کتاب کے حوالے سے بیان کرکے اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

حق موروثی قابل بیع نہیں، نہ اس پر زمیندار کچھ لے سکتا ہے نہ یہ حق جسے قانون نے حق موروثی ٹھہرایا ہے شرعًا کوئی حق ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۶: از ضلع گوڑگاؤں مقام ریواڑی متصل تحصیل حکیم جلال الدین بروز سہ شنبہ بتاریخ ۱۴/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ کوئی جانور یا شیرینی مندر میں بُت پر یا دیبی بھیروں وغیرہ کی تھان پر یا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری وغیرہ کی قبر پر چڑھائی جائے اور اس بت کا پجاری یا تھان کا پجاری یا قبر کا مجاور اُس چڑھاوے کو لے لے اور اس کو بیچے تو مول لینا درست ہے یا نہیں؟ اور مجاور یا پجاری مفت دے تو لینا درست ہے یا نہیں، اور مجاور اور پجاری کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں؟ اور اولیاءِ کرام کی قبر کے چڑھاوے اور بُت یا تھان پر چڑھاوے ایک ہے یا علیحدہ علیحدہ حکم ہے؟ فقط۔

الجواب:

عجب وہ مسلمان کہ اسلام اور کفر میں فرق نہ کرے۔ عجب وہ مسلمان کہ بتوں کے تھان اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مزارات طیبہ کو ایک ساتھ گنے، بُت پر چڑھاوا چڑھانا کفر ہے، اور اولیاء کو ایصال ثواب طریق اسلام، تو مالک پجاری بھی ہو جاتا ہے بیچے تو مول لینے میں حرج نہیں کہ بُت کے چھڑاوے کی خباثت اُس تک منتہی ہو گئی اور مفت دینا اگر اس طرح ہو جیسے اُن کے یہاں پرشاد بٹتا ہے، تو لینا ہرگز جائز نہیں، کہ اُس میں ذلت مسلم ہے اور اگر اس طریقہ پر نہ ہو بلکہ وہ اپنی مِلک میں لے کر اُسے بطور ہدیہ دے تو اُس کا حکم ہدیہ مشرکین کا حکم ہے کہ صور واحکام واقوال مختلف ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے، اور اس خاص صورت سے بچنا ہی بہتر ہے۔ حدیث میں فرمایا:

انّی نھیت عن زبد المشرکین [1]۔	مجھے منع کردیا گیا ہے کہ میں شرک کرنے والوں کا مکھن (ہدیہ) لُوں۔(ت)

مزارات طیّبہ پر جو کچھ بغرض ایصال ثواب حاضر کیا جائے اور عادۃً خدام اُسے تقسیم کرلیتے اور دینے والے جانتے ہیں اور اس پر راضی ہوتے ہیں وہ ان کی مِلک ہے اُن سے ہدیۃً وشراءً دونوں طرح لینا جائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۷: از ضلع شاہجہانپور مقام میران پور کٹرہ محلّہ نادر سانباں ڈاکخانہ خاص روز یکشنبہ بتاریخ ۱۸/صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

جنگِ بلقان کے وقت چند اشخاص نے مل کر چندہ مجروحین وبیوگان ترکوں کے واسطے قصبہ اور دیہات سے جمع کیا اس اثناء میں چندہ فراہم کرنے والوں میں سے ایک شخص نے کچھ روپیہ اپنے صرف میں کرلیا اور آج تک نہیں دیا برابر جھُوٹے وعدے کرتا رہا اور بقیہ روپیہ تھے اس روپیہ کے نہ ملنے کی وجہ سے اب تک نہیں روانہ کیا گیا اب اس روپیہ کو کسی صرف میں لانا چاہئے یا اُن اشخاص کو واپس کردینا چاہئے، یا صرف مسجد یا مدرسہ میں یا مطبع علماء میں صرف کرنا چاہئے اور جس شخص نے وہ روپیہ نہیں دیا ہے اس کی بابت کیا حکم ہے، ایسے شخص اس بار امانت سے سبکدوش ہوجائے جن کے پاس جمع ہے، زیادہ حدِ ادب!

الجواب:

چندہ کا روپیہ چندہ دینے والوں کا مِلک رہتا ہے جس کام کے لئے وہ دیں جب اُس میں صَرف نہ ہو تو فرض ہے کہ انہیں کو واپس دیا جائے یا کسی دوسرے کام کے لئے وہ اجازت دیں اُن میں جو نہ رہا ہو ان کے وارثوں کو دیا جائے یا ان کے عاقل بالغ جس کام میں اجازت دیں، ہاں جو اُن میں نہ رہا اور اُن کے وارث بھی نہ رہے یا پتا نہیں چلتا یا معلوم نہیں ہوسکتا کہ کس کس سے لیا تھا، کیا کیا تھا، وہ مثل مالِ لقطہ ہے، مصارفِ خیر مثل مسجد اور مدرسہ اہل سنت و مطبع اہل سنت وغیرہ میں صَرف ہوسکتا ہے، **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۸:

چہ میفرماید علمائے دین متین اندریں مسئلہ کہ	علمائے دین اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ

[1] المعجم للطبرانی حدیث ۹۹۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۳۶۴، جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی قبول ھدایا المشرکین امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۱

وقتیکہ قضاۃ راوظیفہ مقررہ ازبیت المال باشد ومع ہذا اینادہ بدہ بگردند وبرائے خودہا بلااجازۃ سلطانی خلد اللہ تعالٰی سلطنۃ آمین ثم وثم مال ازخاص رعایا بعضے جبراً وقہراً وبعضے سوالاً وتضرعاً جمع میکنند وخلاف اوجائز می شمارند میخورند نہ آنکہ در معظمات امور مملکت وسطنت صرف میکند پس ایں فعل وقول قضاۃ مذکور موافق شرع قویم وصراط مستقیم ہست ویانہ۔ بیّنوا توجروا۔	جو شرعی جج (قضاۃ) ہیں، بیت المال سے اتنا وظیفہ مقرر ہے مگر اس کے باوجود وہ بستی بستی میں چکر لگاتے ہیں، اور خود اپنے لئے بغیر اجازت شاہی، اللہ تعالٰی اس کی بادشاہی کو ہمیشہ برقرار رکھے، آمین پھر آمین، پھر آمین، خاص رعایا سے مانگتے ہیں، کچھ ان میں جبر اور زبردستی اور کچھ منت وسماجت سے گڑ گڑا کر مال جمع کرتے ہیں اور خلاف کو جائز سمجھتے ہوئے جمع شدہ مال کھاجاتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ بادشاہی اور مملکت کے بڑے بڑے کاموں میں اس کو خرچ کریں، پس جج صاحب ان کا یہ رویہ اور قول شرع مقدس اور صراط مستقیم (سیدھا راستہ) کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرما کر اللہ تعالٰی سے اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

اگر بجبر میگیرند ظالم وغاصب اند قال اللہ تعالٰی " وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ "[1] و قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ[2] واگر بسوال وتضرع میگیرند نیز حرام ست قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتحل الصدقۃ لغنی ولا لذی مرۃ سری[3]۔ درہندیہ وغیرہاست ماجمع السائل	اگر وہ لوگوں سے زبردستی لیتے ہیں تو اس صورت میں ظالم اور غاصب ہیں، چنانچہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگو! ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طریقہ سے نہ کھاؤ۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون، مال اور آبرو۔ اور اگر عاجزانہ طور پر گڑگڑا کر سوال کرتے اور لیتے ہیں تو پھر بھی حرام ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا صدقہ

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۸

[2] صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم ظلم المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن عمرو دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۲، سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب من یعطی من الصدق الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۱

ترجمہ	متن
وخیرات کسی مالدار اور طاقتور اور تندرست آدمی کے لئے حلال نہیں، چنانچہ فتاوٰی ہندیہ وغیرہ میں ہے کاوش اور چھینا جھپٹی سے جو کچھ سائل نے جمع کیا ہے وہ خبیث (ناپاک) مال ہے۔لہٰذا شاہِ اسلام، مقرر کردہ والی، حکّام اور احتساب کرنے والے، بلند عہدہ رکھنے والے، اُن پر فرض ہے کہ ایسے ذلیل سائلوں کو اس کاروائی سے روک دیں۔چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی تم میں سے کوئی برائی دیکھے تو اسے زور بازو سے بدل دے (یعنی اسے بند کردے) اگر یہ طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے اصلاح کرے، اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو پھر اسے دل سے بُرا سمجھے لیکن یہ سب سے ضعیف تر ایمان ہے۔اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے اللہ والے اور پادری انہیں کیوں نہیں روکتے بلاشبہہ بہت بری کاروائی ہے جو وہ سرانجام دے رہے ہوں۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)	بالتکدی فهو خبیث[1] بر سلطانِ اسلام دولاۃ وحکام ومحتسبان ولاۃ مقام فرض است کہ آنہارا ازیں کردار باز دارند قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وذٰلك اضعف الایمان[2] قال اللہ تعالٰی "لَوْلَا یَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۝۶۳"۔[3] نسأل اللہ العفو والعافیة، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۹: حکیم محمد حسن از بہیڑی ضلع بریلی ۶/رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محکمہ آبکاری میں جو کہ گورنمنٹ کی طرف سے ملازمت کرتے ہیں مثلاً جیسے کہ انسپکٹر آبکاری، یہ ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کس وجہ سے اور ناجائز ہے تو کس وجہ سے؟ دلائل بیان فرمایئے فقط۔

الجواب:

شراب کا بنانا، بنوانا، چھونا، اٹھانا، رکھنا، رکھوانا، بیچنا، بکوانا، مول لینا، دلوانا سب

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۳ /۴۹

[3] القرآن الکریم ۵ /۶۳

حرام حرام حرام ہے۔اور جس نوکری میں یہ کام یاشراب کی نگاہداشت اُس کے داموں کاحساب کتاب کرنا ہو سب شرعًا ناجائز ہیں۔

قال اللہ تعالٰی: "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ" [1]۔	(لوگو) گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ الخمر وشاربھا وساقیھا و بائعھا ومبتاعھا وعاصرھا ومعتصرھا وحاملھا والمحمولۃ الیہ واٰکل ثمنھا۔رواہ ابواؤد [2] والحاکم وصححہ عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔واللہ تعالٰی اعلم۔	شراب، اسے پینے والا، پلانے والا، فروخت کرنے والا، خریدنے والا، کشید کرنے والا، کشید کروانے والا، اسے اٹھانے والا، جس تک اٹھا کر لے گیا، اور اس کی قیمت استعمال کرنے والا، اللہ تعالٰی نے ان سب پر لعنت فرمائی۔امام ابوداؤد اور امام حاکم نے اسے روایت کیاہے اور اس نے (یعنی حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند سے اس کی تصحیح فرمائی، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۴۰: مسئولہ مولوی ظفرالدین صاحب مدرس مدرسہ نورالہدی پانکی پور ڈاک خانہ سندرو چہار شنبہ ۱۵/شوال ۱۳۳۴ھ

حضور کاکیاحکم ہے کہ ایک عورت کے اوپر جن آتاہے اور وہ علانیہ اُس کو دیکھتی ہے اور وہ اُس کے پاس آکر روپے وغیرہ نوٹ دے کر جاتاہے توآیااُس نوٹ اور روپے کو صرف کرناچاہئے یانہیں؟اور استعمال میں لاناشرعًا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

وہ جن جوکچھ اُس عورت کو دیتاہے اس کالیناحرام ہے کہ وہ زنا کی رشوت ہے۔درمختار میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب العصیر للخمر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۱، المستدرک للحاکم کتاب الاشربہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۴۵

مایدفعہ متعاشقان رشوۃ[1]۔	آپس میں معاشقہ کرنے والے جو کچھ دیں وہ رشوت میں شمار ہے۔(ت)

اگر وہ لینے پر مجبور کرے لے کر فقراء پر تصدّق کردیا جائے اپنے صَرف میں لانا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۱: از فرخ آباد شمس الدین احمد ۱۸/ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

درخت تاڑ کی فصل فروخت کرنا یعنی تاڑی نکال کر بیچنے کی اجازت دینا اور اس کی قیمت لینا درست ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: مسئولہ ولی محمد کلاہ فروش بازار چوک بہرائچ چہار شنبہ ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ

خیّاط لوگ اُن کپڑوں میں سے جو اُن کے پاس بغرض سلائی لیے جاتے ہیں کچھ تھوڑا کپڑا بمقدار ایک کُلاہ کے بچالیتے ہیں اور اُس کپڑے کی کُلاہ وغیرہ بناکر بدست کُلاہ فروش بہ نسبت شرح قیمت دوسرے ٹوپیوں کے کم قیمت پر فروخت کرلیتے ہیں کوئی شخص بازار کے تمام کُلاہ فروشاں میں سے سوائے ایک شخص کے انکار اُن خیاطوں کی ٹوپیاں وغیرہ خریدنے اور اُن کے منافع سے مستفیض ہونے سے نہیں کرتا ہے، اور محترز کی سعی سے اصلاح حال خیاط لوگوں کی اور خرید کرنے والے کلاہ فروشاں کی غیر ممکن ہے۔ کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین کہ محترز اگر ایسے پارچہ کی ٹوپیاں وغیرہ خیاط لوگوں سے خرید کرلے تو محترز باعثِ معصیّت ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

ضرور معصیت وحرام ہے، اور یہ خیال کہ ان کے پاس چھوڑے تو یہ بند نہیں ہوتا محض بے معنی ہے، اس کا حساب اس پر اور اُن کا حساب اُن پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۳: مرسلہ مرزا عبدالرحیم بیگ مدرس جماعت نارواڑی محلّہ رنچھوڑلین کراچی بندر

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان دین متین:

میں نے سنا ہے کہ بیاج کے جائز ہونے کا بھی آپ نے کوئی حیلہ کیا ہے آیا یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر صحیح ہے تو کس طرح؟ تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤتاکہ اجر پاؤ۔ت)

[1] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۲۶۲

الجواب:

بیاج کے جائز کرلینے کا حیلہ کرلینا مسلمان کی شان نہیں یہ بھی مجھ پر محض افترا ہے میرے فتاوٰی میں جا بجا اس کا رَد موجود ہے۔ اور اگر اس کا نام حیلہ ہے کہ کوئی شرعی جائز صورت کی جائے جس میں نفع حاصل ہو اور بیاج حرام مردود و نجس سے نجات ہو تو اسے خود صاحب شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا **کما فی صحیح البخاری** (جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے۔ت) ائمہ دین نے اس کی متعدد صورتیں ارشاد فرمائیں۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں اُس کے لئے خاص ایک فصل تحریر فرمائی اسے بیاج جائز کرلینا نہ کہے گا مگر گمراہ،اس کی تفصیل میرے رسالہ **کفل الفقیہ** عـــہ میں ہے جو مطبع اہلسنّت سے مل سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ جناب مولوی چودھری عبدالحمید خان صاحب زید مکارمہم رئیس ۱۳/رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ

جناب اعلٰی حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ ادام اللہ ظلالہ علی رؤس الطالبین حاکم اگر اپنے کسی کام کے لئے قرض مانگے اور اس پر سود دے اور جو سود نہ لے اُس سے جو رقم ناجائز لی جاتی ہے اُس میں اسی حساب سے تخفیف کردے اس کی بابت کوئی مطالبہ نہیں،نہ شرط ہے،لہٰذا وہ کمی اُن کے واسطے جائز ہوگی یا نہیں،اگرچہ اس قرض میں حاکم کا حکم اتنا ہے کہ خوشی سے ضرور دینا چاہئے جبر نہیں بایں ہمہ اُس کے ملازمین اپنے اثر سے ہر ایک کو اس کے دینے پر مجبور کرتے ہیں،ان سب باتوں پر غور فرما کر ارشاد فرمایا جائے کہ بموجب اس کے عمل کیا جائے۔ **والسلام مع الاکرام۔**

الجواب:

کوئی زمیندار مثلاً کاشتکاروں سے جبراً کوئی ناجائز رقم وصول کرتا ہو کاشتکار بمجبوری دیتے ہوں پھر اس کا کوئی کام آکر پڑے اور وہ کہے کہ اس کام میں میری مدد کرتو یہ رقم چھوڑ دوں گا یا اتنی تخفیف کردوں گا،تو اس ترک یا تخفیف کا قبول نہ کرنا اس پر واجب ہے کہ جب وہ رقم ناجائز ہے تو جس طرح اُس کا لینا گناہ ہے دینا بھی حرام ہے **ماحرم اخذہ حرام اعطاؤہ**[1] (جس کا

عـــہ: رسالہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام الدراھم فتاوٰی رضویہ جلد ۱۷ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور،میں صفحہ ۳۹۵ پر مرقوم ہے۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۶

لیناحرام اس کا دینا بھی حرام۔ت)۔حرام سے جتنا بچ سکے لازم ہے مگر وہ کام جس کے صلہ میں یہ ناجائز رقم زمیندار چھوڑے اس کا دیکھنا لازم ہے اگر وہ خود ناجائز ہے تو اس میں اسے مدد دینی حرام ہے اور اس رقم کی بچت اس کا عذر نہیں ہو سکتی کہ قم ناجائز کا جبرًا لینا اس کا جُرم ہے اور دوسرے کے ناجائز کام میں شریک ہونا اس کا جرم ہے ہاں اگر وہ اس ناجائز کام پر مجبور کرے اور مجبوری واقعی ہو جس پر وہ زمیندار قدرت رکھتا ہے تو بحالت اکراہ شرعی جس فعل ناجائز کی رخصت دی جاتی ہے رخصت دیں گے اور اس حالت میں اس رقم ناجائز کی کمی قبول کرنا اس پر واجب ہوگا لیکن اگر زمیندار مجبور نہیں کرتا اُس کے نوکر چاکر دباتے ہیں اور وہ اسے مجبور شرعی نہیں کرسکتے تو صرف اُن کی خاطر یا دھمکی سے ناجائز کام جائز نہ ہوجائے گا، اور اگر وہ کام جائز ہے تو اس میں بقدر ضرورت مدد دے کر وہ صلہ قبول کرنا شرعًا واجب ہے **کما مر** (جیسا کہ گزرا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۵: از مقام مذکور مرسلہ چودھری صاحب مذکور ۱۹/رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ

آخر فقرہ جو اس مکتوب میں درج ہے کہ لیکن اگر زمیندار خود مجبور نہیں کرتا اس کے نوکر چاکر دباتے ہیں اور وہ اسے مجبور شرعی نہیں کرسکتے تو صرف اُن کی خاطر یا دھمکی سے ناجائز کام جائز نہ ہوجائے گا، یہ بالکل سچ ہے مگر غور طلب یہ امر ہے کہ وہ نوکر جو ذی اختیار ہوں اور جن کو سزا وجزا کا پُورا اختیار ہو اور جن کی رپورٹ پر اُن کے آقا ضبطی جائداد وغیرہ سب کچھ کرتے ہوں تو اُن کا دبانا یا اظہارِ ناخوشی کرنا اور وعید سے کام لینا ایسا نہ ہوگا جیسا معمولی نوکروں کا کہنا سننا یا دبانا بلکہ اُن کا کہنا سننا دبانا یا وعید سے کام لینا یہ سمجھنا چاہئے کہ ہُو بہو اُس کے آقاؤں کا وہ فعل ہے اگرچہ بظاہر اُن کے آقا اس امر کا اعتراف کرتے ہوں کہ یہ ہمارے حکم کی تعمیل ہماری رعایا کی خوشی پر منحصر ہے۔

الجواب:

ایک تخویف واقع ہوتی ہے معلوم ہے کہ ایسا نہ ہوا تو معاذاللہ ضبطی جائداد وغیرہ ناقابل مضرتوں کا سامنا ہے اور ایک نری دھمکی، ثانی کا اعتبار نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾" [1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) یہ شیطان ہے کہ تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے تو اُن سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۵

اور اول ضرور معتبر ہے اور الامن اکرہ کی حد میں داخل۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۶: کوہ رانی کھیت صدر بازار مرسلہ منشی عنایت خاں صاحب مورخہ ۲۴ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس باب میں کہ پیش امام صاحب رانی کھیت نے ایک رنڈی کی نماز جنازہ پڑھائی کہ جس کا کوئی عمل اور بظاہر وضع نہ لباس مسلمانوں کا تھا اس واقعہ کے چند یوم کے بعد پیش امام صاحب نے نماز جمعہ سے قبل اپنے اس فعل کی تائید میں بطور وعظ کے فرمایا کہ مجھ کو اس کا علم نہیں تھا کہ یہ عورت کون ہے اور جو شخص مجھ کو بلا کر واسطے نماز جنازہ کے لے گیا ہے یہ کون ہے میں نے نہ سمجھا کہ یہ مرد بھڑوا اور یہ عورت رنڈی ہے اور اس نماز جنازہ میں کچھ معاوضہ بھی مولانا صاحب کے نذر کیا جس کو مولانا صاحب نے دورانِ وعظ فرمایا کہ ہم تیراک ہیں ہم تیرنے کے ذریعہ سے غرقاب ہونے سے بچ سکتے ہیں جاہل نہی بچ سکتا ہے اور بازار والوں نے جو مجھ پر نکتہ چینی کی ہے وہ بھی رنڈیوں کے ہاتھ اپنا مال فروخت کرنا بند کردیں کیونکہ رنڈیوں سے مال کے بالعوض بھی پیسہ ناجائز ہی حاصل ہوتا ہے اور جب بازار والے اس میں اتفاق کرلیں تو مجھ کو بھی اُن سے اتفاق ہوگا، اور مولانا صاحب نے یہ فرمایا کہ جو پیسہ اس جنازہ کی نماز میں مجھ کو ملا ہے اس پیسہ کو جیسی اس کی اصلیت ہے ایسی ہی جگہ صَرف کردوں گا مثلاً پائخانہ اٹھانیوالی بھنگن کو دے دُوں گا، اور ایک قصّہ اس ناجائز پیسہ کی صَرف کرنے کی بابت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا ذکر فرمایا کہ ایک بادشاہ کے یہاں خزانہ میں روپیہ کی کمی ہوئی تو انھوں نے وزیر صاحب سے روپیہ حاصل کرنے کی بابت مشورہ کیا تو وزیر صاحب نے ان کو رائے دی کہ فلاں فقیر کے پاس بہت سا روپیہ ہے اس سے روپیہ طلب کیا جائے، غرض کہ فقیر بلایا گیا فقیر سے روپیہ طلب کیا گیا فقیر نے بادشاہ سے عرض کی کہ حضور چونکہ آپ بادشاہِ اسلام ہیں اور جو پیسہ میرے پاس ہے وہ ناجائز طریقہ سے میں نے حاصل کیا ہے لہٰذا وہ پیسہ اچھا نہیں ہے، آپ کے صَرف کے قابل نہیں ہے بادشاہ نے فرمایا کہ رعایا کے مکانات مسمار ہوگئے ہیں ہم بھی تیرے پیسہ کو رعایا کے پاخانوں میں صَرف کردیں گے، اور مولوی عبدالحہ صاحب کے فتوٰی کے حوالہ سے مولانا صاحب نے فرمایا کہ اگر کسی بزرگ یا علمائے دین کی دعوت وغیرہ کرنی ہو اور اس کے پاس پیسہ اچھا نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ کسی دوسرے شخص سے اپنے پیسہ کے بالعوض اچھا پیسہ حاصل کرے اور آپ کی دعوت وغیرہ میں صرف اسی دوران وعظ میں مولانا صاحب یعنی پیش امام صاحب نے متقی شخص کی بزرگی آیاتِ قرآنی سے بڑے شدّومد کے ساتھ ثابت کی ہے چند مسلمانوں کے خیالات میں لفظ تیراک اور جیسا پیسہ ہے جنازہ کی نماز پڑھانے کے عوض میں مولانا صاحب کو حاصل ہوا اور اس کا صَرف ویسی جگہ کردیں گے اور علمائے دین اور بزرگوں کی دعوت وغیرہ دینے

خراب پیسہ کے بجائے دوسرے آدمی سے اچھا پیسہ حاصل کرکے صرف کرنا یہ امور قابلِ اعتراض ہیں۔امید ہے کہ جاب باصواب مرحمت ہو،تاکہ جو شکوک دلوں میں پیدا ہوگئے ہیں وہ رفع ہوں۔

الجواب:

نماز جنازہ پڑھادینے میں حرج نہ تھا جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ اس کی یہ حالت ہے مگر نماز جنازہ پڑھانے پر اُجرت لینی جائز نہیں اگرچہ پاک مال سے نہ کہ ناپاک مال سے کہ دوہرا حرام ہے،اور یہ عذر کہ وہ اپنے یہاں کے پاخانہ میں صَرف کردے گا محض مردود ہے یوں بھی اپنے ہی صرف میں لانا ہوا اور وہ حرام ہے،یہیں سے ثابت ہوا کہ وہ تیراک نہیں اس نے دو غوطے کھائے اور اپنے غرقاب ہونے پر متنبہ بھی نہ ہوا،اور یہ بھی غلط ہے کہ جس کے پاس ناپاک پیسہ ہو وہ اپنے پیسے کے عوض دوسرے پیسہ پاک حاصل کرے اور وہ مطلقًا پاک ہوجائے،بلکہ مسئلہ یوں ہے کہ جس کا مال حرام ہے اس نے اگر اپنا پیسہ کسی کام میں نہ لگایا بلکہ قرض لے کر کوئی کام کیا تو وہ کام جائز ہے اور اگر ایسا شخص کسی کو کچھ دام دے یا دعوت کرے اور کہے کہ یہ میں نے قرض لے کر کی ہے اس کا قول مانا جائے گا جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے،ہاں اس نے سچ کہا کہ دکانداروں کو بھی حرام ہے کہ کوئی چیز حرام مال والوں کے ہاتھ بیچ کر وہ زرِ حرام قیمت میں لے مگر اُس کا یہ کہنا خطا ہے کہ دکاندار اس سے باز آئیں گے تو وہ بھی باز آئے گا اَوروں کا گناہ کرنا اس کے لئے سند نہیں ہوسکتا ہر شخص اپنی اپنی قبر سنبھالے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴۷: از سوائی مادھپور قصبہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ ۱۲/ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

فریق مغلوب سے خرچہ کچہری ڈگری یا مقدمہ میں جبکہ کچہری دلادے تو اس کا لینا شرعًا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جتنا واجبی خرچی ہے مدعا علیہ جھوٹے مدعی سے لے سکتا ہے اور سچے مدعی سے لینا حرام،اور مدعی سچا ہو خواہ جھوٹا مدعا علیہ سے شرعًا نہیں لے سکتا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۸: از بلرام پور محلّہ پورنیا تالاب ضلع گونڈا مرسلہ محمد تیغ بہادر خاں صاحب ۳/جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ایک مہتر حال مسلمان ہوا ترک پیشہ خود نہ کرکے مثل قدیم،اہل اسلام ونیز دیگر اقوام کے جائے ضرور کو صاف کرتا ہے اس نے مسلمانوں کی دعوت کی اپنے کسب سے،چند اشخاص نے اُس کے

گھر کا پکاہوا کھانا کھایا باقی لوگ جو مدعو تھے نیز سکنائے قصبہ نے بدیں وجہ انکار کیا کہ وہ اب تک مثل سابقہ مہتر ہے علاوہ مسلمانوں کی جائے ضرور کے دیگر اقوام کی بھی صاف کرتا ہے دشمنانِ دین سے دلی میل وملاپ کے شارع علیہ السلام مانع ہیں چہ جائیکہ ایسی ذلیل خدمت کا برتاؤ اُن کے ساتھ عمل میں لاکر کیسے کوئی کامل الایمان رہ سکتا ہے لکھنؤ یا اور شہر جہاں بڑے بڑے فضلا موجود ہین کیوں مہتروں کے ساتھ خوردونوش جاری نہیں ہے پہلے علماوفضلا نوش فرمائیں اور رواج دیں تب ہم لوگ کھاسکتے ہیں تمام اہل ہنود اس پر معترض ہیں کہ جن جن مسلمانوں نے بھنگی کے یہاں کھایا ہے اُن لوگوں کے ساتھ ایساہی برتاؤ کیاجائے اور انہیں میں یہ قوم بھی متصور ہو یہاں کے مالک ریاست اہلِ ہنود ہیں اور یہی قوم زیادہ تر با اختیار ہے سب مسلمانوں کی ذریعہ معاش وغیرہ اسی سے ہے اگر عمائدین کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہو تو کس قدر ذلت اہل اسلام کی ہوگی جن صاحبوں نے کھایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ ہمارا دینی بھائی ہے ہم برابر خوردونوش رکھیں گے اور ازدواج کی بابت نہیں معلوم کیا خیال ہو وہ اپنے بھائی کو ایسی ذلیل حالت میں زندگی بسر کرتے نہیں معلوم کیسے ملاحظہ فرمانا پسند کر رہے ہیں جبکہ ہزاروں اور ذرائع معاش جو اس حالت سے طیب وپاک ہیں بآسانی ہوسکتے ہیں کیوں دریغ فرمارہے ہیں اور باعثِ ننگ وعار اسلام ہیں۔

الجواب:

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کسب الحجام خبیث**[1] بھری سنگی لگانے والے کی کمائی خبیث ہے۔

علماء فرماتے ہیں: "**لتلوثہ بالنجاسات**" اس لئے کہ اُسے نجاست سے کام پڑتا ہے۔ تو بھنگی کا پیشہ کس درجہ خبیث تر ہوگا۔

علماء فرماتے ہیں: **لایجوز خدمۃ الکافر باجر** کافر کی خدمت گاری کی نوکری جائز نہیں) کہ اس میں **معاذاللہ** مسلمان کی تذلیل ہے تو ایسی سب سے ذلیل تر خدمت کیونکر حلال ہوسکتی ہے، اور جب وہ مسلمان ہے تو دینی بھائی ضرور ہے مگر دینی بھائی ہونے سے یہ لازم نہیں کہ باوصف اس کی ایسی شنیع حرکت کے وہ مسلمان ہو کر کافروں کے آگے اپنے آپ کو اس درجہ ذلیل کرتا ہے اور حرام اُجرت کھاتا ہے، اُس سے میل جول ایسا ہی رکھیں جیسا صالحین سے، اور جبکہ اس کی کمائی خبیث ہے تو اُسے بھی یوہیں کھائیں جیسے پاک مال کو، اُس پر لازم ہے کہ جب وہ مسلمان ہُوا اس ناپاک پیشہ کو ترک کرے اور کافروں کے سامنے اسلام کا نام ذلیل نہ کرے اُس سے میل جول نہ کیاجائے اور اُس کی ناپاک کمائی کا کھانا نہ کھایاجائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی کسب الحجام آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۳۰

مسئلہ ۲۴۹: از شہر محل باقر گنج مرسلہ عنایت خاں ۱۳/ جمادی الاُخری ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب کافروں کا میلہ دریاپر ہوتا ہے تو یہ پنڈتوں کو اپنے گھر سے دال چاول لے جاکر دیتے ہیں یعنی پُن کرتے ہیں، وہ لوگ اس کو جمع کرکے فروخت کرڈالتے ہیں دکانداروں کے ہاتھ، اور اُن دکانداروں سے ہم لوگ خریدتے ہیں اگر ہم خود اس پنڈت سے خریدلیں بازار سے کچھ زیادہ دی جائیں تو جائز ہے یانہیں، اور اُن کو خرید کراگر نیاز دلوائی جائے مثلاً حضرت پیرانِ پیر کی، جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

اُس اناج کا بازار سے بھی خریدنا حلال، پنڈت سے بھی خریداری جائز، اس پر نیاز شریف بھی مباح۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۰: از جھالراپائن راجپوتانہ مرسلہ محمد نواب علی صاحب سوداگر چرم

یہاں ایک روپے کانوٹ چلاہے اور ریاست سے تنخواہ داروں کو روپیہ کے عوض نوٹ ملتاہے، بازار میں خریدار صراف وغیرہ پندرہ آنے اور ساڑھے پندرہ آنے کو خریدتے ہیں، یہ آنہ اور آدھ آنہ مسلمانوں کو لینا دینا جائز ہے یانہیں؟ اس قسم کا لین دین سُود میں داخل ہوگا یا منافع میں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

روپے کانوٹ پندرہ آنے کو بیچنا خریدنا مطلقاً جائز ہے جبکہ باہم رضامندی اور کوئی مانع شرعی عارض نہ ہو اسے سُود سے کوئی علاقہ نہیں، حدیث صحیح میں ارشاد فرمایا:

اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	جب دو نوع مختلف ہوں تو پھر جس طرح چاہو خرید وفروخت کرو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۵۱: از جھالراپائن راجپوتانہ مرسلہ محمد نواب علی صاحب سوداگر چرم

افیون کی خرید وفروخت جائز ہے یانہیں؟ چونکہ غیر قوم اس سے فائدہ حاصل کررہی ہے اور اہل اسلام محروم ہیں، شرع شریف نے اس قسم کا بٹہ لینادینا اور تجارت کسی طریقہ سے جائز رکھی ہو تو جواب تشریح کے ساتھ مرحمت فرمایا جائے۔

[1] نصب الرایۃ کتاب البیوع المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۴

الجواب:

افیون نشہ کی حدتک کھانا حرام ہے اور اسے بیرونی علاج مثلاً ضماد وطلاء میں استعمال کرنا یاخوردنی معجونوں میں اتنا قلیل حصہ داخل کرنا کہ روز کی قدر شربت نشے کی حدتک نہ پہنچے توجائز ہے اور جب وہ معصیت کے لئے متعین نہیں تو اس کے بیچنے میں حرج نہیں مگر اس کے ہاتھ جس کی نسبت معلوم ہو کہ نشہ کی غرض سے کھانے یاپینے کو لیتا ہے،

لان المعصیة تقوم بعینها فکان کبیع السلاح من اھل الفتنة۔	اس لئے کہ گناہ عین شے کے ساتھ قائم ہوتا ہے پھر اس کی مثال اس طرح ہوتی جیسے "اہل فتنہ "پر ہتھیار فروخت کرنا۔(ت)

اور جب اس کی تجارت مطلقاً حرام نہ ہوئی بلکہ جائز صورتوں پر بھی مشتمل ہوئی توزیادہ مقدار تاجروں کے ہاتھ بیچنااور ہلکا ہوگیا کہ یہاں تعین معصیت اصلاً نہیں اور ان کا نشہ داروں کے ہاتھ بیچناان کا فعل ہے،

وتخلل فعل فاعل مختار یقطع النسبة کما فی الھدایة وغیرھا۔	کسی فاعل، مختار کادرمیان میں گھسنا نسبت کو منقطع کردیتاہے جیساکہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

یہ صورتیں اس کے جواز کی نکلتی ہیں،اور اہل تقوی کو اس سے احتراز زیادہ مناسب۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۲: ازکلکتہ زکریااسٹریٹ ۲۲ مولوی عبدالحلیم میرٹھی ۷/رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

کچہری کاملازم چپراسی جوروپیہ مقدمہ بازوں سے انعام کی صورت میں وصول کرتاہے اور بعض صور میں بجبر درصورتیکہ رشوت کے حکم میں داخل ہو،اب توبہ کرنے کے بعد درآنحالیکہ اُن اشخاص کو واپس کرنااُن سے اجازت لین اور قصور معاف کرانااز قبیل محالات ہوگیاہو کس مصرف میں لایاجائے۔**بیّنواتوجروا۔**

الجواب:

انعام اگر واقعی بطورِانعام بلاجبر ظاہر وبے اندیشہ اضرار آئندہ بطیّب خاطر ہو،حلال ہے اور جوبجبریارشوۃ ہو حرام قطعی وغصب وغیر مملوک ہے جبکہ واپس دینے کی راہ نہ رہی ہو لازم کہ تمام عمر میں جتنے اموال ایسے لئے ہوں سب کی قدر فقرائے مسلمین پر تصدق کرے اگرچہ یہ تصدّق اس کے مال کااستیعاب کرے بے اُس کے اُس سے برات وتوبہ نہیں،اگر یہ بھی پتانہ چلے توبرات مطلقہ کاطریقہ یہ ہے کہ اپناکل مال قلیل وکثیر، نفیر وقطمیر سب کسی مسلمان غیر صاحبِ نصاب پر تصدّق کردے اور اس کے قبضہ میں دے دے

اگرچہ وہ فقیر جس پر تصدّق کیا اس شخص کا جوان بیٹا یا باپ یا بھائی یا بہن یا زوجہ یا اور کوئی قریب یا بعید ہو بعد قبضہ وہ متصدق علیہ اپنی خوشی سے بعض یا کُل مال اسے واپس کردے یعنی اپنی طرف سے اسے ہبہ کرے یا اس پر تصدّق، تو وہ مال اب اس کے لئے طیب ہوجائے گا مطالبہ سے بھی ادا ہوا اور مال بھی پاک وحلال ملا۔ ہندیہ میں ہے:

له مال فيه شبهة اذا تصدّق به على ابيه يكفيه ذٰلك ولايشترط التصدق على الاجنبي وكذا اذا كان ابنه معه حين كان يبيع ويشتري وفيها بيوع فاسدة فوهب جميع ماله لابنه هذا، خرج من العهدة[1]۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کسی کے پاس مشتبہ مال ہے، جب اسے اپنے والد پر خیرات کردے تو یہ اس کے لئے کافی ہے۔ کسی اجنبی شخص پر صدقہ کرنا شرط نہیں۔ اور اسی طرح جب اس کا بیٹا اس کے ساتھ ہو، جبکہ یہ شخص خرید وفروخت کرتا ہو، اور اس کے کاروبار میں کچھ فاسد سودے ہوں تو یہ اپنا سارا مال اپنے اس بیٹے کو ہبہ کردے تو اس صورت میں یہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوجائے گا۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۳: از رنگون مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل ۹/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنّت اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں چندسال سے ایک قسم کی سواری جاری ہوئی ہے یعنی انگریزی ساکت کی ٹم ٹم شکل کا دوچکے والا ہلکا گاڑی ہوتا ہے جسے انسان لے کر دوڑتے ہیں لوگ اُس گاڑی پر سوار ہوتے ہیں اور مناسب معاوضہ گاڑی لے کر دوڑنے والے کو دیتے ہیں غرض گاڑی میں جو کام جانور آتے وہی کام قریب قریب آدمی کرتے ہیں تو کیا اہلِ اسلام کو اس سواری پر سوار ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ لوگ اپنی خوشی سے ایسا کرتے ہیں اور اس پر اُجرت لیتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں جیسے پالکی کے کہار،

وقد مرت محفة سيدنا شيخ الشيوخ السهروردي رضي اللّٰه تعالٰى عنه من العراق الى مكة المكرمة على اعناق الرجال۔ واللّٰه سبحٰنه اعلم۔	بے شک ہمارے سردار شیخ الشیوخ سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ عراق سے لے کر مکہ مکرمہ تک لوگوں کی گردنوں پر سوار ہو کر گئے واللّٰہ سبحٰنہ اعلم۔ (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

مسئلہ ۲۵۴: از بریلی گورنمنٹ بوچڑخانہ مرسلہ نعمت اللہ صاحب ٹھیکہ دار گوشت ۱۵/رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کٹھلہ گوشت بکری کا اس قسم کا ہے کہ ذبحہ و جھٹکہ گردن مارا ہوا دونوں قسم کا شامل ہے اگر خریدنے سے قبل ہم دو شخص اس کو اس ارادے سے خرید کر کہ ذبحہ ایک آدمی اور جھٹکہ ایک آدمی مگر نام میں وہ کام میرے رہے گا اب وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور میرے ذمہ کوئی نقصان شرعی رہا یا کہ نہیں؟

الجواب:

جبکہ حلال گوشت میں حرام ملا ہوا ہے اس کا خریدنا مطلقاً حرام ہے اور اگر متمیّز ہو کہ یہ ٹکڑا حلال کا ہے یہ مردار کا، تو صرف حلال کا خریدنا جائز اور مردار کا خریدنا سخت حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵۵: از شہر جالندھر چوک حضرت امام ناصر الدین صاحب مرسلہ محمد امین صاحب ۲۷/رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بازاری عورت کے ہاتھ قیمتاً چیزیں فروخت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

اُس کے ہاتھ کچھ بیچ کر اس کے زرِ حرام سے قیمت لینا حرام، اُس کے یہاں کوئی اجرت کا کام کرکے اس کے زرِ حرام سے اجرت لینا حرام "**لان الذی عندھن کالمغصوب کما فی الھندیۃ وغیرھا**" (اس لئے کہ جو کچھ اُن بازاری عورتوں کے پاس ہے وہ غصب کردہ (یعنی چھینی ہوئی) چیز کی طرح ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے۔ت) ہاں اگر اس کے سوا کوئی اور ذریعہ حلال بھی اس کے پاس ہو اور لینے والے کو معلوم نہ ہو کہ یہ قیمت یا اجرت کون سے مال سے ہے تو لینا جائز ہے جبکہ وہ چیز کہ بیچی بعینہٖ اس سے اقامت معصیت نہ ہو جیسے مزامیر، ورنہ بیچنا خود ہی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: از سیملیہ علاقہ سیلانہ اسٹیشن نا ملی ضلع رتلام مالوہ ریلوے مرسلہ نور محمد ولد صدیق کھتری ۳۰/رمضان ۱۳۳۷ھ

مسلمانوں میں ایک قوم کھتری ہے جو رنگائی وغیرہ کا پیشہ کرتی ہے، ان کی قوم میں بائیس گوٹ ہیں یعنی فرقہ، اور اُن میں باہم اتفاق تھا، لین دین، کھانا پینا وغیرہ ہوتا تھا۔ اب عرصہ پانچ چھ برس سے آپس میں تکرار فساد ہو کر باہم تنازع پیدا ہوا اور علیحدہ ہوگئے۔ ایک فریق سترہ گوٹ والا اور دوسرا

پانچ گوٹ والا، اور اسی نام سے یہ مشہور ہیں، ایک فریق ستر ا والے اور فریق ثانی دھڑے والے، بناءِ فساد یہ ہے کہ جب اُن میں اتفاق تھا اُس وقت میں شادی غمی کا کھانا وہ اس طرق سے پکتا تھا جس کے گھر خوشی ہوتی تو جملہ پنچ اس کے مکان پر جمع ہوتے ہیں اور دیگچی میں پانی بھر کر پنچوں کے بیچ میں رکھتے ہیں اور ایک برتن علیحدہ گرہ رکھتے ہیں پھر ایک آدمی انہیں سے اٹھ کر پنچوں سے اجازت کھانا پکانے کے واسطے گُڑ گلانے کی طلب کرتا اُن کی زبان میں کہتا (پنچاموکل) یعنی پنچ اجازت گُڑ گلانے کی دو، تو اس وقت پنچ جواب دیتے ہیں (بسم اللہ) یعنی اجازت دی گئی۔ اس وقت پانچ گوٹ والے جن کا نام دھڑے والے ہے پانچ آدمی اُٹھ کر ایک ایک ڈلی گُڑ کی لے کر بسم اللہ کہہ کر اس دیگچی میں ڈال دیتے ہیں، تب کام شروع ہو کر اختتام کو پہنچ جایا کرتا تھا۔ یہ رسم قدامت سے باپ دادا کی قائم تھی، ستر اوالوں کو حسد پیدا ہوا کہ دھڑے والے گڑ گلائیں جب کھانا پکے اور یہ اپنا حق جتاتے ہیں کہ گڑ گلانا ہمارا کام ہے تو ہم کو ایسا کھانا منظور نہیں ہے ہم دھڑے والوں سے علیحدہ ہی اچھے ہیں، اس سبب سے آپس میں دو فریق ایک ستر اوالے اور دوسرے دھڑے والے ہو گئے۔ دھڑے والوں نے تو اپنی رسمِ قدیم قائم رکھی کہ ہم بسم اللہ کے ساتھ اس کام کو کرتے ہیں کوئی شرک کفر نہیں کرتے۔ اور ستر اوالوں نے رسمِ قدیم چھوڑ کر نیا طریقہ اختیار کیا کہ جس کے یہاں کھانا وغیرہ پکے تو مالک کھڑا ہو کر اجازت کھانا پکانے کی مانگ لیتا ہے اور وہ کھانا پکا کر کھالیتے ہیں، ستر اوالے کے کھانے کو دھڑے والے نہیں کھاتے اور دھڑے والوں کا ستر اوالے، اور یہی باعث نفاق ہے، ستر اوالے کہتے ہیں کہ ہم رسمی کھانا نہیں کھاتے، شریعت سے منع ہے، اُس رسم کو چھوڑ کر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ جس کے یہاں کام ہوتا ہے وہ پنچوں سے اجازت ضرور لیتا ہے۔ اگر اور طریقہ سے کھانا پکایا جائے گا تو ستر اوالے بھی نہیں کھائیں گے، ان دونوں فریق میں سے ایک شخص تنہا اپنے مکان سے نکلا اس کا یہ کہنا کہ میں دونوں فریق کی رسم سے علیحدہ ہوں میں تو سنت رسول اللہ کے موافق سب کو دلوا کر پکوا کر جو صاحب کھائیں میں کھلاؤں اور اسی طریق پر میں بھی کھاؤں اور بموجب شریعت عورت کو پردے میں رکھتا ہوں اور بیوپار بھی اس طور پر کرتا ہوں کہ سُود نہ لوں نہ دُوں بموجب شریعت کے کرتا ہوں ستر اوالوں اور دھڑے والوں کی عورتیں باہر پھرتی ہیں پردہ نہیں ہے میرے اس سنتِ رسول اللہ پر چلنے سے فریقین بیزار ہیں اس واسطے دریافت کیا جاتا ہے کہ جوابات علیحدہ علیحدہ مرحمت فرمایا جائے کہ ستر اوالوں کے لئے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے اور دھڑے والوں کے واسطے کیا حکم ہے اور بے چارے تنہا کا جو شریعت پر چل رہا ہے کیا حکم ہوتا ہے؟

الجواب:

(۱) حدیث میں ہے: جو ایک درہم سُود کا دانستہ کھائے گویا اس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا [1]۔ ایک درہم تقریبًا یہاں کے اٹھارہ پیسے کا ہوتا ہے تو فی دھیلا ایک بار ماں سے زنا ہوا۔

(۲) یوں ہی نری سخت مجبوری وناچاری شرعی کے سوا سود دینا بھی ویسا ہی حرام ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سُود کھانے والے اور سُود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں سب پر لعنت فرمائی، اور فرمایا: وہ سب برابر ہیں [2]۔

(۳) عورتوں کا راستوں میں یوں بے پردہ پھرنا کہ سر کا کوئی بال یا گلے کا کچھ حصہ یا کلائی یا پنڈلی کا کھلا ہو یا کپڑے باریک ہوں کہ بال وغیرہ اعضاء مذکورہ میں سے کچھ چمکے (سینے یا پیٹ یا پیٹھ میں سے کچھ کھلا ہونا یا چمکنا تو اور بھی سخت ہے) یہ صورتیں حرام ہیں اور اُن عورتوں کے شوہر اگر اس پر راضی یا ساکت ہیں یا بقدرِ ضرورت بندوبست نہیں کرتے تو سب دیّوث ہیں، اور حدیث میں ہے: دیّوث پر جنت حرام ہے [3]۔

یہ تینوں باتیں یا ان میں سے کوئی جس میں پائی جائے فاسق فاجر مستحق عذاب النار ہے، دھڑے والا ہو یا سترا والا یا کوئی اور، اگر ان باتوں کی ممانعت کے باعث اس شخص تنہا سے بیزار ہیں تو اور اشد سے اشد گناہگار وسزاوارِ غضب جبّار ہیں، ان تین باتوں کا تو یہ جواب ہے، رہا کھانے کا جھگڑا، اُس میں سترا والوں پر چار الزام ہیں:

---

[1] اللآلی المصنوعة کتاب المعاملات دار الکتاب العلمیة بیروت ۲ /۱۲۷و۱۲۸، اتحاف السادة المتقین کتاب آفات اللسان الآفة الخامسة عشر دار الفکر بیروت ۷ /۳۵۳، الترغیب ولترهیب الترهیب من الربا حدیث ۱۵، ۱۲ مصطفی البابی مصر ۳ /۷، ۶، الموضوعات لابن جوزی باب تعظم امر الربا علی الزنا دار الفکر بیروت ۲ /۲۴۵، الکامل لابن عدی ترجمه عبدالله بن کیسان دار الفکر بیروت ۴ /۱۵۴۳، الدر المنثور بحواله ابن ابی الدنیا والبیهقی تحت آیة ۲ /۲۷۵ مکتبة آیة الله العظیمی قم ایران ۱ /۳۶۴

[2] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۷

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۹ـ۱۲۸

(i) ایک یہ کہ دھڑے والوں کا ایک قومی امتیاز جو قدیم سے چلا آتا تھا اس پر حسد کیا اور حسد کار شیطان ہے۔

(ii) دوسرے یہ کہ اس کے سبب جماعت میں تفریق کردی، بندھی گرہ کے دو گروہ مختلف کردیئے کہ یہ اُن کے یہاں نہ کھائیں وہ اُن کے یہاں نہ کھائیں۔

(iii) تیسرے یہ کہ وہ کھانا جسے قدیم سے ان کے باپ دادا اور یہ خود کھاتے آئے اسے اب نفسانیت کے سبب شریعت سے حرام بتایا یہ سخت جرم ہے وہ کھانا نہ اُس رسم کے باعث شرعًا جب حرام تھا نہ اب ہے۔

(iv) چوتھے یہ کہ خود ایک رسم نکالی اور اُس طرح کھانا نہ پکے تو نہ کھائیں گے، تو ان کے منہ خود ان کا کھانا شریعت سے حرام ہوا، رسم کی پابندی اگرچہ عوام حد سے زیادہ کرتے ہیں مگر اس کو شرعًا واجب نہیں جانتے رسم ہی سمجھتے ہیں، تو جس رسم میں خود کوئی شرعی برائی نہ ہو اس میں قوم کی موافقت ہی کا حکم ہے اور اس میں اختلاف ڈال کر نکّو بننا شرعًا معیوب ہے، یہ ایک الزام اس تنہا شخص پر بھی خاص اس بارے میں ہے۔ حدیث میں ہے:

خالقوا الناس باخلاقہم[1]۔	لوگوں سے ان کے اخلاق کے مطابق اخلاق کا برتاؤ اور سلوک کرو۔ (ت)

دھڑے والوں پر اس بارے میں کوئی الزام نہیں، ہاں اگر کوئی شخص اُس گُڑ کی رسم کو ضروری و حکم شرعی جانے تو وہ ضرور جھوٹا اور سخت اشد الزام کا مورد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۷: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی صاحب ۸/شوال ۱۳۳۷ھ

کیا قول ہے علمائے حقانی کا مسئلہ ذیل میں کہ ناجائز روپیہ یعنی سود و شراب و رشوت وغیرہ اگر نیک کام مسجد، مدرسہ، چاہ، نیاز، فاتحہ، عرس وغیرہ میں لگایا جائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس مسجد میں نماز، مدرسہ میں علم اور چاہ کا پانی اور فاتحہ عرس کا کھانا کھائے تو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اسی روپیہ کو خیرات کیا جائے اور امیدِ ثواب رکھی جائے تو کیا حکم ہے؟ ایسے روپیہ کو کسی شرعی حیلہ سے جائز کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور وہ حیلہ کیا ہے؟

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الباب الثانی الفائدۃ الثالثہ دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۴

الجواب:

حرام روپیہ کسی کام میں لگانا اصلاً جائز نہیں، نیک کام ہو یا اور، سوا اس کے کہ جس سے لیا اُسے واپس دے یا فقیروں پر تصدّق کرے۔ بغیر اس کے کوئی حیلہ اُس کے پاک کرنے کا نہیں، اُسے خیرات کرکے جیسا پاک مال پر ثواب ملتا ہے اس کی امید رکھے تو سخت حرام ہے، بلکہ فقہاء نے کفر لکھا ہے۔ ہاں وہ جو شرع نے حکم دیا کہ حقدار نہ ملے تو فقیر پر تصدّق کردے اس حکم کو مانا تو اس پر ثواب کی امید کرسکتا ہے مسجد مدرسہ وغیرہ میں بعینہٖ روپیہ نہیں لگایا جاتا بلکہ اس سے اشیاء خریدتے ہیں خریداری میں اگر یہ نہ ہوا کہ زرحرام دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں چیز دے اُس نے دی اُس نے قیمت میں زرِ حرام دیا تو جو چیز خریدیں وہ خبیث نہیں ہوتی، اس صورت میں فاتحہ و عرس کا کھانا جائز ہے اور اکثر یہی صورت ہے، مسجد میں نماز مدرسہ میں تحصیل علم جائز ہے اور کنویں کا پانی تو ہر طرح جائز ہے اگرچہ اس میں وہ نادر صورت پائی گئی ہو کہ خباثت آئی تو اینٹوں مسالے میں نہ ہ زمین کے پانی میں۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۱: از بھیرہ ضلع شاہ پور محلّہ پراچگان مسئولہ محمد رحیم پراچہ بابلی ۷/ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) کسی امر کے ثبوت یا عدمِ ثبوت پر مسلمین عاقلین کا طرفین سے شرط مالی لگانا حلال ہے یا حرام؟

(۲) طرفین سے ایک کا دعوٰی ثابت ہوجانے پر مطابق شرط دوسرے کی طرف آیا ہوا مال کھانا حلال ہے یا حرام؟

(۳) ایک متقی عالمِ دین کا شرط کو حرام کہہ کر پھر اسی شرط کے مال سے کھالینا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۴) جس مال پر شرط لگائی گئی ہو اس کے استعمال کرنے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا اجزاکم الله** (بیان فرمائے الله آپ کو جزادے۔ ت)۔

الجواب:

(۱) طرفین سے شرط بدنا حرام ہے، تنویر الابصار میں ہے:

حل الجعل ان شرط المال من جانب واحد وحرم لو شرط من الجانبین[1]۔	انعام یافتہ مال حلال ہے اگر شرط ایک طرف سے ہو، اور حرام ہے اگر شرط دونوں طرف سے ہو۔ (ت)

(۲) جب طرفین سے شرط بدی گئی تو جو جیتے اُسے مال لینا اور کھانا اور ہارنے والے کو اُسے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

مال دینا سب حرام لانہ خبیث حصل بسبب خبیث (اس لئے کہ وہ ناپاک ہے کیونکہ ناپاک سبب سے حاصل ہوا ہے۔ت)

(۳) اگر وہ عالم خود ایک فریق تھا تو متقی کب ہوا، حرام کار ہے، اور اسے کھائے تو حرام خور ہے۔ اور اگر یہ کسی فریق میں نہ تھا اور جیتنے والے نے مال لے کر اسے دیا جب بھی حرام ہے کہ وہ مال مغصوب ہے جن سے لیا تھا فرض ہے کہ انہیں پھیر کر دے نہ کہ دوسرے کو، اور اگر جیتنے والے نے مال لیا اور ہارنے والے کی اجازت سے عالم کو دیا تو عالم کے لئے حلال ہے کہ باجازت مالک ہے۔

(۴) اس کا حکم بیان سابق سے واضح ہے جیتنے والے کو حرام اور ثالث کو بھی بلااجازت مالک حرام، ان دونوں صورتوں میں وہ فاسق ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ اور باجازت مالک حلال ہے اور امامت میں مخل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۲: از شہر بریلی مسئولہ شوکت علی صاحب ۱۲/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا حکم ہے اہلِ شریعت کا کہ ملازمت چونگی کی جائز ہے یا نہیں؟ اور حاکمِ وقت کو اس کا روپیہ تحصیلنا جائز ہے یا نہیں، یہ روپیہ رعایا سے تحصیل کرکے رعایا ہی کی آسائش کے واسطے روشنی سڑک وغیرہ کے کام میں لگادیتے ہیں، اور چونگی کا محصول چرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

نیک نیت سے چونگی کی نوکری تحصیل وصول کی جائز ہے **نص علیه فی الدر وغیرہ من الاسفار** الخ (درمختار وغیرہ بڑی کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی الخ۔ت) چوری یعنی دوسرے کا مال معصوم بے اُس کے اذن کے اُس سے چھپا کر ناحق لینا کسی کو بھی جائز نہیں اور نوکر کا خلاف قرارداد کرنا غدر ہے اور غدر مطلقاً حرام ہے نیز کسی قانونی جُرم کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو بلاوجہ ذلت و بلا کے لئے پیش کرنا شرعًا بھی جرم ہے **کما استفید من القراٰن المجید والحدیث** (جیسا کہ قرآن مجید اور حدیث پاک سے معلوم ہوا۔ت) رہا یہ کہ حکام وقت کو اس کا تحصیلنا شرعًا کیسا ہے نہ حکام کو اس سے بحث ہے نہ سائل کو حاکم سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۳: از اگیت پوری ضلع ناسک مرسلہ سعید الدین صاحب ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک طوائف نے اپنی ناپاک کمائی حرام کاری کے روپیہ سے ایک مکان خرید کیا اور اس کو بنام چند اشخاص سپرد کرکے لکھ دیا کہ اس مکان کی آمدنی مسجد کے اصراف میں خرچ کی جائے اور ان کو اس کا اختیار بیع ورہن حاصل نہیں کیا ایسے مکان کی آمدنی

اصراف اخراجاتِ مسجد میں صرف کرنا درست وجائز ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ایسی اشیاء اکثر قرض سے خریدتے ہیں جب تو ظاہر کہ وہ مال حلال ہے ورنہ عام خریداریوں میں عقد ونقد مال حرام پر جمع نہیں ہوتا یعنی یہ نہیں ہوتا کہ حرام روپیہ دکھا کر کہیں اس کے عوض دے دو پھر وہی روپیہ قیمت میں دے دیں، ایسی صورت میں بھی روپے کی خباثت اس شے میں سرایت نہیں کرتی **کماھو مذھب الامام الکرخی المفتی بہ** (جیساکہ امام کرخی کامذہب ہے کہ جس پر فتوی دیا گیا۔ت) ان صورتوں میں اُس مکان کی آمدنی مسجد میں صرف ہوسکتی ہے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۴: از بریلی بازار شہامت گنج مسئولہ عاشق علی دکاندار ۲۶ موجمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

علمائے دین کیافرماتے ہیں ایک شخص کی زمین ہے اُس میں ایک اور شخص رہتاہے عملہ اس کا خام ہے زمیندار زمین فروخت کرنا چاہتاہے اور اہل محلّہ چندہ کرکے خریدنا چاہتے ہیں اس لئے کہ اس مکان کا کرایہ مسجد میں صرف ہوتارہے جو شخص اس میں رہتاہے وہ مسجد کے لئے خریدنے سے ناراض ہے وہ چاہتاہے کہ میں خریدوں، وہ شخص مسلمان ہے، اس زمین کا خریدنا ہم اہل خیر کو جائز ہے یا اس شخص کو جائز ہے؟

الجواب:

ظاہر ہے کہ اس شخص کو مکان کی حاجت ہے کہ کرایہ کے مکان میں رہ رہاہے لہذا اس کا اپنے لئے چاہنا مذموم نہیں، اور اختیار مالک مکان کو ہے جس کے ہاتھ چاہے بیع کرے، اس میں کسی فریق پر کوئی الزام شرعی نہیں۔ **واﷲ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۵: از کانپور محلّہ ٹپکاپور متصل اسٹار پریس مرسلہ برکات احمد صاحب ۱۶۰ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ پیشہ کسب اور ناچ گانے کا کرتی تھی اس کو قدرتی طور پر میلان ہوا کہ پیشہ کسب یعنی زنا چھوڑدے چنانچہ اس نے اس سے توبہ کی پھر وہ ایک بزرگ طریقت زید سے مرید ہوگئی تاہم پیشہ ناچ گانے کا اب تک کرتی ہے پیر صاحب نے اس کو اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اس پیشہ کو اس وقت تک جب تک اس کے پاس ایک معقول سرمایہ جمع ہوجائے کرتی رہے ایسی حالت میں ہندہ اور اس کا مرشد زید کسی گناہ کے مرتکب ہیں اگر ہیں تو بروئے احکام شریعت اُن کی کیا سزا ہے؟

الجواب:

یہ ملعون پیشہ حرام قطعی ہے اگر اسے حلال جانے کافر ہے کہ نصوص قرآنیہ کا منکر ہے **وقد ذکرناھا فی فتاوٰنا** (اس کا ذکر ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردیا ہے۔ت) جو مال اس سے جمع ہوگا حرام حرام مثل مال غصب ہوگا کہ ہندہ نہ اسے اپنے صرف میں لاسکے گی نہ اپنے پیر کے۔ ہندہ صورتِ مذکورہ میں فاسقہ فاحشہ ہے اور جس نے اس کی اجازت دی اور اس ملعون کام سے سرمایہ جمع کرنے کو کہا وہ حرام کا دلال فاسق فاجر ضال ہے، عجب کہ سائل بزرگِ طریقت لکھتا ہے، بزرگان طریقت شیطان خصلت نہیں ہوتے۔ رہی سزا و تعزیر، وہ یہاں کون دے سکتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۶: از موضع بہار ضلع بریلی مرسلہ محمد اسمٰعیل خاں صاحب ۲۲ رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح عدت سے دو مال پیشتر ہوا اس میں جو شاہد گواہ بنے ان کو جو کچھ ملا وہ کچھ تو اسی حصہ اس رقم کا مسجد شریف میں دینا چاہتے ہیں تو صرفہ مسجد میں لگایا جائے کہ نہیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو ہم کو نکاح میں ملا ہے وہ مسجد کے خرچ کے واسطے لے لو۔ **بیّنوا توجروا**۔ (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اگر اُن کو معلوم تھا کہ یہ نکاح عدّت کے اندر ہوا ہے اور پھر شاہد بنے اور اس پر کچھ لیا تو وہ حرام ہے مسجد میں ہر گز نہ لیا جائے، اور اگر معلوم نہ تھا اور شاہد بننے پر اجرت لی جب بھی باطل و مردود ہے نہ لی جائے، اور اگر معلوم نہ تھا نہ اجرت لی مگر دینے والے نے بطور شاہد دیا کہ یہ وقت پر ہماری سی کہیں جب بھی وہ واقع میں ناجائز ہے، شاہد ان کو چاہئے اُسے واپس دیں اور مسجد میں نہ لیا جائے، ہاں اگر یہ صورت ہوتی کہ شاہدوں کو لوگ کبھی کبھی بطور صلہ کچھ دیتے ہیں جس کی عادت نہیں اور اُسی صلے کے طور پر اُن کو دیا جائے اور انہیں نکاح عدّت میں نہ ہونے کی خبر ہوتی تو جائز ہوتا اور مسجد میں لینا بھی جائز ہوتا لیکن ظاہر ایسا ہوتا نہیں لہذا نہ لیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۲۶۷: از دیوگڑھ میواڑ راجپوتانہ مرسلہ عبدالعزیز صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود لینا باری تعالٰی نے حرام فرمایا جسے موافق فرمان خداوندی ہر شخص برا جانتا ہے اس طرح سود دینا بھی برا جانتے ہیں لیکن ایسا شخص جسے روپے کی سخت ضرورت ہے اور قرض حسنہ بھی آج کل کسی کو نہیں دیتا اور میواڑ کے مسلمانوں کی حالت

توبہت کمزور ہے ایسی حالت میں کسی غیر مذہب سے سودی روپیہ لے آئے اور اپنی ضرورت رفع کرے تو کیسا ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز میں تو کوئی قباحت نہیں؟

الجواب:

لوگ بے ضرورت باتوں کو ضرورت ٹھہرالیتے ہیں مثلاً شادی میں کثیر خرچ درکار ہے کچے مکان میں رہتے ہیں پختہ مکان بنانا منظور ہے گزر کے لائق تجارت کررہے ہیں اور بڑا سوداگر بننا مقصود ہے ان اغراض کے لئے سودی قرض لیتے ہیں یہ حرام ہے، اس کا اور سود دینے کا ایک حکم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اُسے لکھنے والے اور اس کے گواہ ان سب پر لعنت فرمائی۔ اور فرمایا وہ سب (گناہ میں) برابر ہیں۔ (ت)

وہاں اگر واقعی ضرورت ہے کہ بے اس کے گزر نہیں مثلاً کھانے پینے کو درکار ہے اور کسب پر قادر نہیں، نہ حاجاتِ ضروریہ سے زائد کوئی چیز قابل بیع پاس ہے یا قرضخواہ کی ڈگری ہوگئی پاس کچھ نہیں، ادا نہ کرے تو رہنے کا مکان یا جائداد کا ٹکڑا کہ ہی ذریعہ معاش ہے نیلام ہوجائے تو ایسی مجبوریوں میں قرض لے سکتا ہے۔ درمختار میں ہے:

یجوز للمحتاج الاستقراض بالربا [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ضرورت مند اور مجبور کو سودی قرض لینا جائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۸: از مفتی محمد احمد بنگالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص عالم صاحب کو دعوت دے کے مکان میں لائیں اور بنظر عزت اچھا کھانا پکا کے کھلائیں اور مربیوں کی ثواب رسانی کے لئے کچھ دعا کرائیں اور آتے وقت اُن کو بطور ہدیہ کچھ للہ دیں تو یہ لینا جائز ہے یا نہیں، اور اجرت علی الطاعۃ اس پر صادق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] صحیح مسلم کتاب المساقات باب الرباء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ القنیہ الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۲۶، بحر الرائق باب الربا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶ /۱۲۶

الجواب:

اگر یہ معہود اصراف ہے بلانے والا جانتا ہے کہ دینا پڑے گا آنے والا جانتا ہے کہ کچھ ملے گا تو یہ مثل اجرت ہے **فان المعروف کالمشروط** (جو بات لوگوں میں مشہور ہو وہ شرط کردہ باب کی طرح ہے۔ت) اور اگر یہ نہیں تو عالم کی خدمت عالم کا اعزاز سب باعث اجر عظیم ہے اور بلا شرط اصراف جو روزانہ ملے جائز ہے اور طریقہ نجات یہ ہے کہ عالم پہلے کہہ دے کہ میں دعا کروں گا پڑھ کر ثواب بخشوں گا مگر ہر گز اس پر عوض نہ لوں گا اس کے بعد کچھ ملے خالص نذر ہے،

فان الصریح یفوق الدلالۃ کما فی الغنیۃ وغیرھا[1]۔	اس لئے کہ صریح قول، دلالت (یعنی اشارہ کنایہ سے) فوقیت یعنی اوپر ہوتا ہے، جسے غنیہ وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

اور یہ دعوت بھی ایام موت میں نہ ہو،

فانھا شرعت فی السرور لافی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرھا[2]۔	کیونکہ دعوت خوشی میں جائز ہے نہ کہ صدمے اور تکلیف میں، جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

ایام موت کی دعوت قبول نہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص دوسرے شخص کو کچھ مال بطور قرض حسنہ دے تو یہ قرض دینے والا قرض لینے والے سے اپنا مال طلب کرسکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور اگر قرض لینے والا مالدار ہے اور قرض ادا نہ کرے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

قرض حسنہ دے کر مانگنے کی ممانعت نہیں، ہاں مانگنے میں بے جا سختی نہ ہو،

"وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ	اگر مقروض تنگدست (اور نادار) ہو تو اسے آسانی

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی باب دعوی الرجلین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۷ ۴۳

[2] فتح القدیر باب الشھید مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲ /۱۰۲

اِلٰی مَیْسَرَۃٍ ؕ"[1]	تک مہلت دینی چاہئے۔(ت)

اور اگر مدیون نادار ہے جب تو اسے مہلت دینا فرض ہے یہاں تک کہ اس کا ہاتھ پہنچے اور جو دے سکتا ہے اور بلاوجہ لیت و لعل کرے وہ ظالم ہے اور اس پر تشنیع وملامت جائز۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطل الغنی ظلم، ولیّ الواجد یحل مالہ وعرضہ[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مالدار کا (ادائیگی قرض میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے، اور پانے والے کا کترانا اور پہلو بچانا اس کے مال اور عزت کو مباح کردیتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ یہاں دستور ہمیشہ سے ہے کہ کسی کی تقریب شادی یا ختنہ یا اور کوئی تقریب ہوئی تو اعزا واقربا، دوست وآشنا کچھ نقد کچھ روٹی، دال، چاول، تیل، دہی، کپڑا وغیرہ لاتے ہیں جس کو نوید یا نوتا کہتے ہیں جو پہلے بطور مدد ومعونت سمجھا جاتا تھا نہ ادا کرنے پر کوئی گرفت یا تقاضا نہیں تھا لیکن اب ان تقریبوں میں میرے یہاں کوئی سامان نوید لائے اور میں کسی وجہ یا بلاوجہ سامان نہ لے گیا اس پر بعد کو تقاضا ہوتا ہے شکایت ہوتی ہے کہ ہم اُن کے یہاں لے گئے وہ میرے یہاں نہ لائے ایسی حالت میں مجھ سے اگر ادا نہ ہوسکے تو اس کے لئے قیامت میں پرسش ہوگی یا نہیں؟ اس کا حق باقی رہا یا نہیں؟ اور بغیر معاف کئے ہوئے اُس کے معاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اب جو نیوتا جاتا ہے وہ قرض ہے اس کا ادا کرنا لازم ہے اگر رہ گیا تو مطالبہ رہے گا اور بے اس کے معاف کئے معاف نہ ہوگا **والمسئلۃ فی الفتاوی الخیریۃ** (اور یہ مسئلہ فتاوٰی خیریہ میں موجود ہے۔ت) چارہ کار یہ ہے کہ لانے والوں سے پہلے صاف کہہ دے کہ جو صاحب بطور امداد عنایت فرمائیں مضائقہ نہیں مجھ سے ممکن ہوا تو اُن کی تقریب میں امداد کروں گا لیکن میں قرض لینا نہیں چاہتا، اس کے بعد جو شخص دے گا وہ اس کے ذمّہ قرض نہ ہوگا ہدیہ ہے جس کا بدلہ ہوگیا فبہا، نہ ہوا تو مطالبہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاستقراض باب مطل الغنی ظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

مسئلہ ۲۷۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

دستور ہے کہ درختوں سے مسواک وپتّہ بلااجازت مالک درخت کے توڑتے ہیں یامٹّی کسی کے مکان کی کلوخ استنجا کے لئے بلااجازت لیتے ہیں، یا تنکا برائے خلالِ دندان کسی کے چھپر سے کھینچ لیتے ہیں اور اس پر کوئی گرفت وتلاش مالک شے کی طرف سے نہیں ہوتی ہے آیا یہ جائز ہے کہ بلااجازت لیں وتصرف میں لائیں یا نہیں؟

الجواب:

ایسی شے جس کی عادۃً اجازت ہے اور اس پر مالک مطلع ہوگا تو اصلاً ناگوار نہ ہوگا اس کے لینے میں حرج نہیں ورنہ حرام ہے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۲: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بواڑاہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسائل کے بارے میں کہ:

(۱) کسی شخص کے پاس چوتھائی حصہ کسی کے پاس نصف کسی کے پاس کل مال سود کا ہے اس کا کھانا کیسا ہے؟ **(۲)** کوئی شخص چوری میں مشہور ہے لیکن لوگوں کو کھلاتا ہے یہ کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) نہ چاہئے احتراز اولٰی ہے اور اگر معلوم ہو کہ یہ گیہوں یاچاول جو ہمارے سامنے کھانے کو آئے عین سود کا ہے تو حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) چوری کامال خود کھانا بھی حرام اور دوسروں کو کھلانا بھی حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۴: سلطان الاسلام احمد صاحب اجمیر شریف

مہاجن سے (اک) روپیہ ماہوار روپیہ سود کے حساب سے قرض لے کر تجارت کرنا جائز ہے یا نہیں اور اس کا نفع حلال ہے یا حرام؟ تفصیل سے تحریر فرمائیں۔

الجواب:

جب تک صحیح ضرورت ومجبوری محض نہ ہو سود لینا اور دینا اور دونوں برابر ہیں، صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا ومؤکلہ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سُود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس کا

وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر۔ اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

بے مجبوری محض ایسی تجارت حرام ہے مگر اس کا نفع حرام نہیں جبکہ عقد صحیح سے ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۵: از شہر باغ احمد علی خاں مسئولہ حاجی خدابخش صاحب ۱۲ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی طوائف اگر اپنا ناجائز حاصل کردہ کو کسی مدرسہ یا مسجد کے نام وقف کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو جواز کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اُجرت زنا وغیرہ میں روپیہ ملتاہے اور وہ وقف نہیں ہوتا، جائداد وقف ہوتی ہے اگر اُس کی خریداری زرِ حرام سے نہ ہوئی یا زرِ حرام اس کے عقد ونقد میں جمع نہ ہوا یعنی یہ نہ ہوا کہ زرِ حرام دکھا کر کہا ہو کہ اس کے عوض یہ جائداد دے دے اور پھر وہی روپیہ ثمن میں دے دیا ہو جب ایسا نہ ہو تو وہ خرید کردہ جائداد حرام نہیں اگرچہ قیمت میں وہ زرِ حرام ہی دیا ہو۔ اس صورت میں تو خود اُسے وقف کرسکتی ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

وان اشار الیھا ونقد ماغیرھا اوالی غیرھا او اطلق نقدھا لا وبہ یفتی [2]۔	اگر کسی شخص نے زرحرام کی طرف اشارہ کیا لیکن معاوضہ ادا کرتے وقت کوئی اور ثمن ادا کئے (جومال حرام نہ تھا) یا جو زر حرام نہ تھا اس کی طرف اشارہ کیا، یا ثمن ذکر کرنے میں اطلاق سے کام لیا (یعنی بغیر قید حلال وحرام ثمن کا ذکر کیا مثلاً یوں کہہ دیا ثمن کے عوض چیز دے دو) لیکن ادائیگی کے لئے وہی حرام نقدی دے دی، تو ان سب صورتوں میں خرید کردہ چیز حرام نہ ہوگی، اور اسی قول پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر خود جائداد اجرت حرام میں ملی یا خریداری میں زرحرام پر عقد ونقد جمع ہوں یا خود زرحرام مسجد یا مدرسہ پر صرف کرنا چاہیں تو ناجائز وحرام ہے لیکن اگر وہ تائب ہو اور اپنا مال حرام اگرچہ خود بعینہ وہی زرحرام ہو مسلمان فقیر پر تصدق کردے اور وہ فقیر اس میں سے بعض یا کل

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۷

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۰۶

روپیہ یا جائداد بعد قبضہ اپنی طرف سے اسے ہبہ کردے اور قبضہ تامہ دے دے تو وہ زر و جائداد اب اس کے حق میں حلال وطیب ہے اسے وقف وغیرہ جمیع امورِ خیر میں صرف کرسکتی ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

له مال فيه شبهة اذا تصدق به على ابيه يكفيه ذلك ولايشترط التصدق على الاجنبى وكذا اذا كان ابنه معه حين كان يبيع ويشترى وفيها بيوع فاسدة فوهب جميع ماله لابنه هذا خرج من العهدة[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔	اگر کسی کے پاس مشتبہ اور مشکوک مال ہو اور وہ اسے اپنے والد پر خیرات کردے تو اس کے لئے یہی کافی ہے، اور یہ شرط نہیں کہ کسی بیگانے پر خرچ کرے اور اسی طرح جب بیٹا والد کے ساتھ اس کے کاروبار میں شریک ہو جبکہ اس کے کاروبار میں کئی فاسد سودے ہوں، پھر اس نے اپنا تمام مال اپنے اس بیٹے کو ہبہ کردیا تو وہ اپنی ذمہ داری سے بری الذمہ ہوجائے گا۔ اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۶: از شہر محلّہ قاضی ٹولہ بلند بیگ ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اپنی کوئی چیز طوائف کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں اور اجرت اس کے کپڑے سینا اور کوئی کام اس کا اجرت پر کرنا اور اس کے گانے وغیرہ کی چیزیں بنانا جائز ہے یا نہیں، یا اس کی آمدنی مسجد یا مدرسے میں لگانا جائز ہے یا نہیں جبکہ وہ جائداد کسب سے خرید کی گئی ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

طوائف کے ہاتھ کسی چیز کا بیچنا یا جائز شے کا کرایہ پر دینا جائز ہے مگر اس کے زرحرام سے قیمت یا اجرت لینا حرام ہے، اور گانے کی چیز بنانے کا سائل مطلب بیان کرے اس کا جواب دیا جائے گا۔ خریداری جائداد میں اگر زرحرام پر عقد و نقد جمع ہوئے یعنی زر حرام دکھا کر کہا کہ اس کے عوض دے دے، اور پھر وہی زرحرام ثمن میں دیا گیا تو وہ جائداد بھی خبیث اور اس کی آمدنی بھی خبیث، اور اس کا مسجد یا مدرسہ میں لینا جائز نہیں، اگر عقد و نقد جمع نہ ہوئے جس طرح عام

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر فی الکسب نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۹

خریداریاں آجکل ہوتی ہیں کہ یہ چیز ہزار روپے کو بیچی کسی خاص روپیہ کا نام نہیں رکھا تو اس صورت میں وہ جائداد اس کے حق میں حرام نہیں اگرچہ ثمن میں زرحرام ادا کیا ہو اس کی آمدنی مسجد وغیرہ میں صرف ہوسکتی ہے مگر مہتمم کو معلوم ہو تو اس سے احتراز کرے، اگر وہ تائب ہوچکی اور توبہ کے بعد اسے اپنی جائداد باوجود وہ روپیہ جو بطور حرام حاصل کیا تھا کسی مسلمان فقیر کو ہبہ کرکے قبضہ دے دیا اس کے بعد اس فقیر نے وہ روپیہ یا جائداد کل یا بعض اسے اپنی طرف سے ہبہ کیا تو وہ اس عورت کے حق میں حلال طیب ہے اور وہ کل کارخیر مدرسہ مسجد وغیرہ میں بلاد غدغہ صرف ہوسکتا ہے اور توبہ کے بعد جو اس پر الزام رکھے سخت گناہ کا مرتکب اور سخت سزا کا مستوجب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۷: از شہر کہنہ محلّہ قاضی ٹولہ مسئولہ انعام اللہ صاحب ۱۸ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہم لوگوں کی قوم پنچایتی ہے اس میں چودھری اور پنچوں نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کردیا ہے کہ فی راس مسجد کو ایک پیسہ ملنا چاہئے لہٰذا ہر ایک محلّہ کا چندہ وہاں کی مسجدوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اعظم نگر میں پانچ مسجدیں ہیں وہاں کا چندہ پانچ مسجدوں میں برابر تقسیم ہوجاتا ہے جس میں چار مسجدیں سابقہ ہیں اور ایک جدید ہے لیکن سب کا حصہ برابر ہے، شہر کہنہ پر ایک مسجد تھی تمام چندہ اسی کو ملا کرتا تھا لیکن اب ایک جدید مسجد تعمیر ہورہی ہے، چودھری اور پنچوں نے فیصلہ کیا کہ جدید مسجد کو تہائی حصہ ملنا چاہئے، چار پانچ شخص بنام مسیت ولد منگل، چھدن ولد سالار بخش، چھوٹے ولد نتھو، کلن ولد گھسو، نظیر ولد سکن حارج ہوتے ہیں کہ مسجد جدید کو کچھ نہ دیا جائے۔ اس پر شرع کیا حکم دیتی ہے کیونکہ جدید مسجد کے بھی منتظم قصاب ہی ہیں۔

الجواب:

چندہ کا اختیار چندہ دہندوں کو ہوتا ہے، جو یہ کہیں کہ ہمارا چندہ مساوی طور پر تمام مساجد کو تقسیم ہو وہ مساوی تقسیم کیا جائے اور جو یہ کہیں کہ بعض مساجد کو دیا جائے ان کا اس بعض کو دیا جائے اور اُن کا چندہ اُس چندہ میں نہ ملایا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۸: از شہر محلّہ اعظم نگر مسئولہ حشمت اللہ ۵ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے قریب رنڈیاں رہتی ہیں اور ان کے آشناؤں سے پیسہ لے کر خرچ کرتی ہیں اور ان کا کوئی پیسہ نہیں ہے اور اگر ہے تو اسی پیسہ کا ہے اور اسی پیسہ سے وہ شیرینی ہمارے سامنے لائی اور کہا فاتحہ دے دو۔ ہم نے

جو عذر کیا تو انہوں نے کہا ہم نے اسے بدل لیا ہے اب ہم نے انکار کیا تو وہ کہتی ہیں کہ تم وہابی ہو، اور اسی میں سے طالب علموں کو اور مدرسہ میں اور مساجد وغیرہ میں خرچ کرتی ہیں، یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ وہ کہتی ہیں کہ ہم نے دام بدل لئے ہیں اور اُن سے خریدی ہے تو اُن کا یہ کہنا قبول کیا جائے گا اور اس کھانے پر فاتحہ وغیرہ سب جائز ہے، **نص علیہ فی عالمگیریۃ** (فتاوٰی عالمگیری میں اس کی صراحت کردی گئی ہے)۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۹: از شہر محلّہ سوداگران مسئولہ سیّد عزیز احمد صاحب ۱۴صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص عشرہ محرم میں تخت بنانے کی غرض سے محلّہ سے چندہ وصول کرتا ہے لہٰذا اس میں چندہ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ پیش امام مسجد نے نمازیوں سے کہا کہ تخت میں چندہ دینا داخل حسنات ہے۔ چنانچہ جملہ نمازیوں میں سے ایک نمازی نے کہا کہ اس میں چندہ وغیرہ دینا میرے نزدیک ناجائز ہے اُس پر پیش امام صاحب نے کہا کہ اگر تم شرکت نہیں کروگے تو تم کو وہابی کہا جائے گا، ایسی صورت میں یہ شخص قابلِ امامت ہے یا نہیں؟

الجواب:

تخت ایک بے معنی وفضول بات ہے اس میں مال صرف کرنا ضائع کرنا ہے اور مال ضائع کرنا جائز نہیں لہٰذا اس میں چندہ دینا ناجائز ہے، امام نے جہالت کی بات کہی اسے سمجھا دیا جائے مگر اتنی بات پر اس کے پیچھے نماز ناجائز نہیں ہوسکتی جبکہ اور کوئی وجہ عدم جواز کی نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۰: آفتاب الدین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۲۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان سنّی نے کسی وہابی یا یہودی یا نصرانی یا کافران میں سے کسی کے ساتھ گفتگو کرے یا ان میں سے کسی کے پاس بیٹھے یا ان میں سے کسی کی نوکری کرے تو آیا وہ مسلمان بھی کافر ہے اگر کافر نہ ہو اور اس مسلمان کو کسی دوسرے شخص نے کافر کہا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

کافر اصلی غیر مرتد کی وہ نوکری جس میں کوئی امر ناجائز شرعی کرنا نہ پڑے جائز ہے اور کسی دنیوی معاملہ کی بات چیت اس سے کرنا اور اس کے لئے کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا بھی منع نہیں اتنی بات پر کافر بلکہ فاسق بھی نہیں کہا جاسکتا، ہاں مرتد کے ساتھ یہ سب باتیں مطلقاً منع ہیں اور کافر اُس وقت بھی نہ ہوگا

مگر یہ کہ اُس کے مذہب و عقیدہ کفر پر مطلع ہو کر اس کے کفر میں شک کرے تو البتہ کافر ہو جائے گا، بغیر ثبوت وجہ کفر کے مسلمان کو کافر کہنا سخت عظیم گناہ ہے بلکہ حدیث میں فرمایا کہ وہ کہنا اسی کہنے والے پر پلٹ آتا ہے۔ **والعیاذ باللّٰہ تعالٰی۔**

واللّٰہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۱: از ضلع رنگپور ڈاک خانہ چلیماری مکتب اسلامیہ بنگالہ مسئولہ جناب عبدالصمد صاحب ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالٰی اندریں کہ مال مکسوب از زنا (زانیہ خواہ از قوم ہنود آیند یا ربا باشد یا از اہل اسلام) بعد از اسلام وتوبہ حلال ست یا حرام؟ **بیّنوا ببراھین الجیاد، توجروا من اللّٰہ الکریم الجواد۔**	اے علمائے کرام، اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے، تمہارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ میں کہ جو مال بدکاری کی وجہ سے حاصل ہو۔ زانیہ خواہ ہندو قوم سے ہو یا سود خواہ مسلمانوں سے حاصل ہو اسلام لانے اور توبہ کرنے کے بعد کیا وہ مال حلال ہے یا حرام؟ عمدہ دلائل سے بیان فرماؤ اور اللہ کریم و سخی سے اجر وثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

حرام ست ومثل مغصوب، فرض است کہ آنہمہ برفقراء تصدق کند تمامی توبہ اش ہمیں ست **فی الھندیۃ عن المحیط عن محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی کسب المغنیۃ ان قضی بہ دینا لم یکن لصاحب الدین ان یاخذہ**[1] **اھ وکتبت علیہ فعدم جواز الاخذ من کسب الموسات اللاتی یبغین بفروجھن۔ وفیھا**	مال مذکور حرام ہے، اور اس کی مثال چھنے ہوئے مال کی طرح ہے، لہذا اس پر فرض ہے کہ اس سب مال کو محتاجوں پر خیرات کردے، لہذا اس کی توبہ کے مکمل ہونے کی یہی صورت ہے۔ چنانچہ فتاوٰی عالمگیری میں محیط کے حوالے سے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت ہے کہ گویا عورت کی کمائی سے اگر قرض ادا کیا جائے تو قرضخواہ کو اس کا لینا جائز نہیں اھ، میں نے اس پر یہ نوٹ لکھا (صاحب فتاوٰی مراد ہے) کیونکہ زانیہ عورتیں اپنی شرمگاہوں کے بدلے میں مال وصول کرتی ہیں

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

عن المحیط عن المفتقی عن ابراھیم عن محمد فی امرأۃ نائحۃ او صاحب طبل اومزمار اکتسب مالا قال ان کان علی شرط ردہ علی اصحابہ ان عرفھم لانہ کان المال بمقابلۃ المعصیۃ فکان الاخذ معصیۃ والسبیل فی المعاصی ردھا وذٰلك ھٰھنا برد الماخوذ ان تمکن من ردہ بان عرف صاحبہ وبالتصدق بہ ان لم یعرفہ لیصل الیہ نفع مالہ[1]اھ وکتبت علیہ اقول:ویجب ان ینظر ان المعروف کالمشروط وکتبت علی قولہ بالتصدق منہ **اقول**:ھذا اذا کان الماخوذ منہ مسلما اما ان کان کافرا فلایحل التصدق منہ ویستحیل ان یصل الیہ نفعہ ولاشك فی وجوب التصدق لالھذا بل لمحو آثار المعصیۃ واخلاء الید من المال الخبیث والتحرز عن معصیۃ	اس لئے ان کی کمائی لینا نہ چاہئے۔فتاوٰی ہندیہ میں محیط کے حوالے سے،المنتقٰی سے بحوالہ ابراہیم عن محمد منقول ہے کہ ناچنے والی عورت یا طبلہ بجانے والا یاگانے بجانے والے آلات استعمال کرنے والے،فرمایا اگر اس شرط پر لینا ہے کہ اس کے ساتھیوں کو واپس کردے گا کیونکہ یہاں مال گناہ کے برابر ہے اور مال مذکور بھی،اور اس طرح کے گناہوں میں مال کو واپس کردینا ہے اور یہاں حاصل کردہ مال لوٹادینا ہے،اگر لوٹانے پر طاقت پائے، اگرمالک کو پہچانتاہو،اگر پہچانتانہیں تو خیرات کردے تاکہ مالک تک اس کے مال کا نفع پہنچے اھ میں نے اس پر نوٹ لکھا **اقول**:(میں کہتاہوں کہ) یہاں ضروری ہے کہ غور کرے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہے۔اور میں نے مصنف کے قول "بالتصدق منہ" پر نوٹ لکھا**اقول**:(میں کہتا ہوں کہ) یہ تب ہوسکتاہے جبکہ جس سے مال لیاگیاہو وہ مسلمان ہو،لیکن وہ اگر کافر ہو تو پھر اس کے مال کو خیرات کرنا جائز نہیں،اور یہ محال ہے کہ کافر کو اپنے مال کا نفع پہنچے،اور اس میں شک نہیں کہ اس صورت میں وجوبِ صدقہ ہے،لیکن مذکورہ وجہ کی بنا پر نہیں،بلکہ نافرمانی کے آثار مٹادینے اور مال خبیث سے اپنے ہاتھ کو خالی کرنے کی وجہ سے ہے،اور اس وجہ سے ہے کہ اپنی ذات کے لئے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الخامس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۹

التصرف فیه لنفسه وقد عرف فی مسائل لا تحصٰی ان ھذا ھو سبیل المال الخبیث وبه یبرؤ عن عھدته آری اگر بزر مکسوب بزنا منقولے خواہ عقارے خرید وشرائی او نقد وعقد بزر حرام جمع نشد چنانکہ ہمیں اکثرست آنگاہ آں چیز مشری بر وحرام نبود کما ھو قول الامام الکرخی وعلیه الفتوی وقد فصلناہ غیر مرۃ فی فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس میں تصرف کرنے کے گناہ سے بچے، اور بے شمار مسائل میں معلوم ہوا کہ مال خبیث سے نجات کا یہی طریقہ ہے۔ لہٰذا اسی طریقے کی بنا پر وہ اس کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوتا ہے، ہاں اگر وہ بدکاری میں حاصل کردہ رقم سے کوئی منقول چیز خواہ زمین ہی ہو خریدے اور اس کی خرید میں عقد و نقد میں زر حرام جمع نہ ہوئی جیسا کہ اکثر یہی طریقہ ہوا کرتا ہے، تو پھر وہ خرید کردہ چیز حرام نہ ہوگی۔ چنانچہ امام کرخی علیہ الرحمۃ کا یہی ارشاد ہے اور اسی پر فتوی ہے، اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں کئی مرتبہ اس کی تفصیل بیان کردی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۲: از مین پوری مسئولہ محمد مجیب اللہ صاحب و مولوی حکیم محمد احمد صاحب علوی ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل ایک عرصہ سے یہ بات رائج ہے کہ لوگ اپنی جان کا بیمہ کراتے ہیں لہٰذا دریافت طلب یہ بات ہے کہ آیا جان کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کی مثال مثلاً ایک شخص جس کی عمر تیس سال کی ہے تاریخ اجرا پالیسی (سند) سے بیس سال تک مبلغ دو سو چھیالیس روپیہ چار آنہ سالانہ ادا کرنے کے بعد مبلغ پانچ ہزار روپیہ خود لے سکتا ہے یا اس کے ورثا قبل از وقت موت واقع ہوجانے پر حاصل کرسکتے ہیں (عالعه ۴/)×۲۰ = (للعمه ۲۵ مما ۴۹ صه عه) = اصل رقم = ۰۰۔۴۹۲۵ روپیہ رقم جو ملے گی ۰۰ —— ۵۰۰۰ روپہ زائد = ۷۵ روپیہ۔ اس کے علاوہ اس اصل روپیہ پر منافع بعوض استعمال روپیہ دیا جاتا ہے۔ یہ منافع اول بیمہ کنندگان یا بیمہ شدگان کو دیا جاتا ہے جن کی مدت بیمہ اختتام کو پہنچتی ہے جس وقت کہ ان کا چندہ بحساب (للعہ/) فیصدی سود در سود اس اصل رقم بیمہ کے برابر ہوجاتا ہے اس منافع میں سے ۱۰ فی صدی کمپنی لیتی ہے اور ۹۰ فیصدی بیمہ کرنے والے کو ملتا ہے بہت توضیح و تشریح کے ساتھ تحریر فرمایا جائے کہ اس طرح روپیہ حاصل کرنا یا اپنا روپیہ اس کمپنی کو دینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب:

جس کمپنی سے یہ معاملہ کیاجائے اگراس میں کوئی مسلمان بھی شریک ہے تومطلقاً حرام قطعی ہے کہ قمار ہےاوراس پر جوزیادت ہے ربا،اور دونوں حرام وسخت کبیرہ ہیں۔اور اگراس میں کوئی مسلمان اصلاً نہیں تو یہاں جائز ہے جبکہ اس کے سبب حفظ صحت وغیرہ میں کسی معصیت پر مجبورنہ کیاجاتاہو جواز اس لئے کہ اس میں نقصان کی شکل نہیں،اگر بیس برس تک زندہ رہا پورا روپیہ بلکہ مع زیادت ملے گا،اور پہلے مرگیا تو ورثہ کو اور زیادہ ملے گا مثلاً سال بھی بعد ہی مرگیا تو دیئے ۲۴۶ روپے چار آنے اور ملے ۵۰۰۰ روپے،ہاں یہ ضرور ہے کہ جوزائد ملے ربا سمجھ کر نہ لے بلکہ یہ سمجھے کہ غیر مسلم کامال اس کی خوشی سے بلاعذر ملا،یہ حلال ہے۔امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

ان ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنه قبل الهجرة حین انزل اللہ تعالٰی الم غلبت الروم قالت له قریش ترون ان الروم تغلب قال نعم فقال هل لك ان نخاطرنا فخاطرهم فاخبرالنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذهب الیهم فزد فی الخطر ففعل و غلبت الروم فارسا فاخذ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنه خطره فاجازه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وهو القمار بعینه بین ابی بکر و مشرکی مکة وکانت مکة دار شرك ولان مالهم مباح انمایحرم علی	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ہجرت سے پہلے جبکہ اللہ تعالٰی نے الم غلبت الروم کے کلمات نازل فرمائے تو قریش نے اُن سے کہا: کیاآپ یہ سمجھتے ہیں کہ رومی غالب آئیں گے؟ فرمایا: ہاں۔ پھر کہا: کیاآپ ہم سے شرط لگاتے ہیں۔ تو حضرت ابوبکر نے اُن سے شرط لگادی۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی تو حضور اقدس نے ارشاد فرمایا: تم اُن کے پاس جاؤ اور شرط میں اضافہ کردو۔ توابوبکر صدیق نے ایساہی کیا۔ تو رومی ایرانیوں پر غالب آگئے۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے شرط وصول کرلی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اس کی اجازت دے دی،صدیق اکبر اور مشرکین کے درمیان بعینہٖ رضامندی جُوا تھا۔بخلاف اُس آدمی کے جو ہمارے پاس دارالسلام میں امن کے لئے سکونت اختیار کرے،

المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرًا فبای طریق یاخذہ حل بعد کونہ برضا بخلاف المستأمن منہم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا الا انہ لایخفی انہ انما یقتضی حل مباشرۃ العقد اذا کانت الزیادۃ ینالہا المسلم و قدالتزم الا صحاب فی الدرس ان مرادھم من حل الربا والقمار اذا حصلت الزیادۃ للمسلم نظرا الی العلۃ وان کان الاطلاق الجواب خلافہ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم[1]۔	لہٰذا اس کا مال امن کی وجہ سے دوسروں کے لئے ممنوع ہے۔اگر شرعی طریقے کے بغیر لیا تو فریب کاری ہوگی، مگر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ کام مباشرتِ عقد کو حلال ہونے کو چاہتا ہے جبکہ اضافہ کسی مسلمان کو حاصل ہو، چنانچہ اصحاب نے درس میں یہ انتظام کیا ہے کہ ان کی مراد سود اور فتوے کے جواز سے یہ ہے کہ جب زیادت مسلمان کو حاصل ہوجائے علّت پر نظر کرتے ہوئے اگرچہ مطلق جواب اس کے خلاف ہے،اور اللہ تعالٰی پاک و برتر سب سے زیادہ جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸۳: از جے پور بیرون اجمیری دروازہ کوٹھی حاجی محمد عبدالواجد علی خاں مسئولہ محمد حامد حسن قادری ۱۴/رمضان

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ اس زمانہ میں عام طور پر جو جیل خانہائے انگریزی یا جیل خانہائے ریاست ہائے ما تحت انگریزی میں جو طرح طرح کی اشیاء تیار ہوتی ہیں ان کاخرید کر استعمال کرنا کیساہے خصوصًاجائے نمازیعنی مصلی وغیرہ خرید کر خود نماز پڑھنا یاان کو مساجد میں بغرضِ نماز بھجوانا۔بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

احتراز چاہئے کہ اُن سے کام جبرًا لیاجاتا ہے پھر بھی اگر اصل مال بائعوں کی ملک ہو تو حکم حرمت نہیں کہ ان کے منافع کااتلاف اس شے کی ذات سے جُدا ہے ھذا ماظھر ولیراجع ولیحرر (یہی بات ظاہر ہوئی اور چاہئے کہ مراجعت کی جائے اور لکھا جائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب الربا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶ /۱۷۸

مسئلہ ۲۸۴تا۲۸۶: از پیلی بھیت محلّہ شیر محمد مکان نمبری ۲۹۴ مسئولہ لطافت حسین خان صاحب ۳رجب ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ رشوت کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کا لینا کیسا ہے؟ اور کس صورت میں لینا جائز ہے اور کس میں ناجائز؟

(۲) تسبیح کس چیز کی ہونی چاہئے؟ آیا لکڑی کی یا پتھر وغیرہ کی؟

(۳) مسجد میں جمعہ کے وقت خطبہ کے وقت سلام وکلام کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) رشوت لینا مطلقاً حرام ہے کسی حالت میں جائز نہیں جو پرایا حق دبانے کے لئے دیاجائے رشوت ہے یوہیں جو اپنا کام بنانے کے لئے حاکم کو دیاجائے رشوت ہے لیکن اپنے اُوپر سے دفع ظلم کے لئے جو کچھ دیاجائے دینے والے کے حق میں رشوت نہیں یہ دے سکتا ہے لینے والے کے حق میں وہ بھی رشوت ہے اور اسے لینا حرام۔

(۲) تسبیح لکڑی کی ہو یا پتھر کی مگر بیش قیمت ہونا مکروہ ہے اور سونے چاندی کی حرام۔

(۳) خطبہ کے وقت سلام وکلام مطلقاً حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۷: از دہلی مدرسہ نعمانیہ فراشخانہ مسئولہ محمد حبیب اللہ صاحب ۲۷شعبان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کافروں کی خصوصاً انگریزوں کی فوج میں نوکری کرنا جس کی وجہ سے مسلمانوں خصوصاً ترکوں اور عربوں اور افغانوں کے مقابلہ میں ان سپاہیوں کو جانا پڑتا ہے اور مسلمانوں کو قتل کرنا پڑتا ہے، آیا یہ نوکری جائز ہے یا حرام یا کفر ہے۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

مسلمان تو مسلمان، بلاوجہ شرعی کسی کافر، ذمّی یا مستامن کے قتل کی نوکری، کافر تو کافر، کسی مسلمان بادشاہ کے یہاں کی شرعاً حلال نہیں ہوسکتی بلکہ ذمّی پر ظلم مسلمان پہ ظلم سے اشد ہے **کما فی الخانیۃ والدر والھندیۃ وغیرھا** (جیسا کہ خانیہ، در اور ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ت) حدیث میں ہے:

من اٰذی ذمیا فانا خصمہ ومن کنت خصمہ خصمتہ یوم القیمۃ[1] رواہ الخطیب عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	جس نے کسی ذمی کافر کو ستایا تو میں اس سے جھگڑا کروں گا اور جس سے میں جھگڑا کروں تو قیامت کے دن جھگڑا کرنے میں غالب آؤں گا۔ خطیب بغدادی نے

[1] تاریخ بغداد ترجمہ داؤد بن علی ۴۳۷۳ دار الکتاب العربی بیروت ۸ /۳۷۰

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر کفر نہیں جب تک استحلال نہ ہو یا خود بوجہ اسلام قتل کماھو مذھب اھل السنۃ والتاویل المعروف فی الکریمۃ (جیسا کہ اہلسنّت کا مذہب ہے، اور آیہ کریمہ میں تاویل مشہور ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۸: از بریلی محلّہ گھیر جعفر خاں مسئولہ قدرت حسین صاحب ۵رمضان ۱۳۳۹ھ

قادیانیوں کے ہاتھ مال فروخت کرنا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجرا۔**

الجواب:

قادیانی مرتد ہیں، اُن کے ہاتھ نہ کچھ بیچا جائے نہ اُن سے خریدا جائے، اُن سے بات ہی کرنے کی اجازت نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ایّاکم وایّاھم**[1] اُن سے دُور بھاگو انہیں اپنے سے دور رکھو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۹: از بمبئی پوسٹ ۹۰ معرفت احمد علی صاحب مسئولہ شیخ فتح محمد صاحب ۵/رمضان ۱۳۳۹ھ

(۱) علمائے دین سے دریافت طلب یہ مسئلہ ہے کہ جو حاجی ادائے فریضہ حج اور زیارت پاک نبی کریم کے بمبئی اور کراچی سے روانہ ہوتے ہیں ان سے دوہرا کرایہ جہاز پر جانے آنے کا لیا جاتا ہے، اس سال جانے آنے کا کرایہ ایک سو چھہتّر روپیہ مقرر ہوا ہے اس میں جانے آنے کا ایک سو دس روپیہ لگایا جاتا ہے اور آنے کے واسطے کمپنی کے پاس پینسٹھ روپیہ جمع رہتا ہے اس وقت تک کہ حاجی اپنے فرض سے فارغ ہو کر واپس نہ آئیں وہ باقی روپیہ بینک گھر میں جمع رہتا ہے کمپنی کی طرف سے اب سوال یہ ہے کہ کمپنی کو اس روپیہ کا سود ملے گا قریب چار ماہ تک کیونکہ اس سے پہلے حاجی واپس نہیں آسکتے اس سود کے بارے میں حاجی گنہگار ہوگا یا نہیں؟

(۲) اسی مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو کمپنی حاجیوں کو دوہرا ٹکٹ دیتی ہے اس کا منیجر انگریز ہے اور وہی مالک ہے اور انگریز کے مذہب میں سود جائز ہے اور جانے والے حاجی اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ہمارا روپیہ ایک انگریز کے پاس جمع ہے اور وہ اس روپیہ سے تا واپسی بلاواسطے فائدہ اٹھائے گا یا سُود میں چلائے گا اتنا سمجھ کر بھی حاجی اس کمپنی میں سفر کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۷۰

(۳) مخفی نہ رہے کہ بمبئی اور کراچی دونوں جگہ سے حاجی روانہ ہوتے ہیں اور ان دونوں مقاموں میں ایک اسلامی کمپنی موجود ہے اور یہ کمپنی ایک طرف کا ٹکٹ حاجیوں کو دیتی ہے انگریزی کمپنی سے بہت کم بھاؤ میں۔ایسا ہوتے ہوئے بھی حاجی آنے جانے کا ٹکٹ لے تو تعاون ہے یا نہیں، حاجی کچھ مواخذہ دار ہوگا یا نہیں؟

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب حاجی چاہیں کہ ہم دوہرا کرایہ دے کر اپنے روپیہ سے غیر مذہب کو مدد نہیں دیں گے اور ایک طرف کا ٹکٹ لیں گے تو گورنمنٹ کمپنی پر ضرور ہے کہ حکم کرے گی کہ ایک طرف کا ٹکٹ دو۔اس صورت میں اُوپر کے سوال میں حاجی بری ہوسکتے ہیں یا نہیں، اور ایسا کرنا ثواب ہے یا گناہ؟

(۵) دیگر یہ کہ اکثر حاجی اثنائے سفر میں فوت ہوجاتے ہیں اور اُن کا کوئی وارث ہمراہ نہ ہو تو ضرور ان کے واپسی کے ٹکٹ ضائع ہوجاتے ہیں اور اس ٹکٹ کا روپیہ بے سبب ایک کمپنی کھاجاتی ہے اگر وہی روپیہ حاجی کے ساتھ حاجی کی کمر میں ہو اور وہ فوت ہوجائے تو ضرور اس کا روپیہ اس کے ہمراہیوں کو ملے گا یا مکہ معظّمہ میں فوت ہوجائے تو کسی معلم کو ملے گا یا راستے میں فوت ہوجائے تو کسی بدوی کو ملے گا جو تینوں بھائی مسلمان ہوں گے ایسی صورت میں حاجی کو ثواب ہوگا یا اوپر کی صورت میں؟

(۶) اور ظلم یہ ہے کہ کمپنی نے ٹکٹ پر چھاپ دیا ہے کہ حاجی کو اگر واپس کرنا ہو تو دس سیکڑہ کاٹ کر حاجی کو روپیہ ملے گا، یہ قانون ہے کہ امانت رکھنے والا اپنی امانت واپس مانگے تو کمیشن میں سُود دے یہ دوہرا سُود ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) حاجی نہ اپنی خوشی سے جمع کرتا ہے نہ اس کی یہ نیت ہے کہ کمپنی سُود لے، اگر لے گی تو اس کا وبال اس پر ہے حاجی پر الزام نہیں،

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ"[1] وتحلل فعل فاعل مختار یقطع النسبة کما فی الهدایة وغیرها۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔فاعل مختار کا فعل درمیان میں آڑے آگیا جو نسبت کو قطع کردیتا ہے، جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۶ /۱۶۴

(۲) اس کا جواب اوپر گزر چکا کہ گناہ نہیں، ہاں اگر کوئی اسلامی کمپنی ایسی موجود ہو جو اسے سود پر نہ چلائے گی اور جو باتیں سفر میں اپنے آرام کی ہیں اُن میں کوئی کمی نہ ہو تو بلاوجہ اسلامی کمپنی پر اُسے ترجیح دینا سخت معیوب ہے، **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

(۳) جب اسلامی کمپنی موجود ہے اور وہ کرایہ بھی کم لیتی ہے اور ایک ہی طرف کا لیتی ہے تو ان ترجیحوں کے ہوتے ہوئے سخت احمق ہوگا جو اس کے غیر کو اختیار کرے مگر اس حالت میں کہ اپنے آرام وغیرہ کی صحیح مصلحت اور ارزاں بعلت و گراں بحکمت نہ ہو بلاوجہ زیادہ کرایہ دینا کوئی نہ چاہے گا اور بالفرض اگر ایسا کوئی نکلے کہ بغیر کسی صحیح مصلحت کے اپنا نقصان گوارا کرے اور اسلامی کمپنی پر غیر اسلامی کو ترجیح دے تو وہ بیشک مواخذہ دار ہے اور اُس پر متعدد مواخذے ہیں۔ **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

(۴) دوطرف کا کرایہ دینے میں بلاوجہ کی پابندیاں اپنے ذمّے ہو جاتی ہیں ممکن ہے کہ یہ وقت موعود تک واپس نہ آسکے یا سرکاروں میں زیادہ حاضر رہنا چاہے جب اس طریقے سے یہ آزادی مل سکتی ہو تو بغیر کسی اہم مصلحت کے پابندی کو اس پر ترجیح نہ دے گا مگر سخت احمق یا وہ جس کے دل میں مرض ہے، **والعیاذ باللّٰہ تعالٰی، واللّٰہ تعالٰی اعلم**

(۵) یہ نیت بھی محمود ہے اور آزادی خود عظیم مقصود ہے اسے ملتے ہوئے بے کسی اہم مصلحت کے پابندی کو ترجیح دینا مردود ہے، **واللّٰہ تعالٰی اعلم**

(۶) یہ صورت اور زیادہ شناعت کی ہے، اور حتی الامکان اس سے بچنا لازم کہ اگرچہ سود نہیں مگر اضاعتِ مال ہے اور وہ بھی شرعًا حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا صحیح بخاری و صحیح مسلم میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان اللّٰہ حرم علیکم عقوق الامھات ومنعًا وھاتِ و وأدَ البنات وکرہ لکم قیل وقال وکثرۃ السوال واضاعۃ المال[1]۔	بے شک اللہ تعالٰی نے تم پر حرام فرمادیا ہے ماؤں کو ایذا دینا اور یہ کہ آپ نہ دو اور اوروں سے مانگو اور بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا اور ناپسند فرماتا ہے تمہارے لئے فضول حکایات اور کثرت سوالات اور مال کا ضائع کرنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۴، صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب النھی عن کثرۃ المسائل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵

مسئلہ ۲۹۵: از دار جلنگ انجمن اسلامیہ مسئولہ ولی الحسن مدرس مدرسہ ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

علمائے اسلام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ افیون کی تجارت اور اس کی دکان کرنا شرعًا جائز ہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

افیون کی تجارت دوا کے لئے جائز اور افیونی کے ہاتھ بیچنا ناجائز ہے،

لان المعصیۃ تقوم بعینہ وکل ماکان کذٰلك کرہ بیعہ کمافی تنویر الابصار۔واﷲ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ گناہ ذات شیئ کے ساتھ قائم ہے اور جس میں اس طرح ہو تو اس کا بیچنا مکروہ ہے جیسا کہ تنویر الابصار میں مذکور ہے۔واﷲ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۲۹۶: از پیلی بھیت کچہری کلکٹری مسئولہ عرفان علی صاحب رضوی شب ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

قبلہ جانم وکعبہ ایمانم ظلہم الاقدس، بعد سلام مسنون عرض ہے کہ زندگی کا بیمہ کرنا شرعًا جائز ہے یاحرام؟

صورت اس کی یہ ہے جو شخص زندگی کا بیمہ کرانا چاہتا ہے اس سے یہ قرار پاجاتا ہے کہ ۵۵سال یا ۶۰ سال یا ۵۰سال کی عمر تک مبلغ دوہزار روپے (للعہ یاے/) ماہوار کے حساب سے تنخواہ سے وضع ہوتے رہیں گے اگر وہ شخص ۵۵سال تک زندہ رہا تو خود اس کو اور اگر مقرر میعاد کے اندر مرگیا تو اس کے ورثاء کو دوہزار یکمشت ملے گا خواہ وہ بیمہ کرانے کے بعد اور اس کی منظوری آنے کے فورًا ہی مرجائے اور اگر میعاد مقرر تک زندہ رہا تو بھی وہی دوہزار ملے گا یہ بیمہ گورنمنٹ کی جانب سے ہورہا ہے کسی کمپنی وغیرہ کو اس سے تعلق نہیں۔بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ یہ بیمہ گورنمنٹ کرتی ہے اور ان میں اپنے نقصان کی کوئی صورت نہیں تو جائز ہے کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اس کے سبب اس کے ذمے کسی خلافِ شرع احتیاط کی پابندی نہ عائد ہوتی ہو جیسے روزوں یاحج کی ممانعت۔واﷲ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال ۱۳۱۸ھ
(کمانے اور مانگنے کے حکم میں بہترین امید)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۹۷: از ملک بنگالہ ضلع پاپناڈاکخانہ سوبگاچہ موضع چر قاضی پور مرسلہ مولوی امید علی صاحب ۲۷/۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کمانا کس وقت فرض ہے، کس وقت مستحب، کس وقت مکروہ، کس وقت حرام، اور سوال کرنا کب جائز ہے کب ناجائز؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مسئلہ بہت طویل الذیل ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار، یہاں اس کے بعض صور وضوابط، پر اقتصار۔

فاقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) کسب کے لئے ایک **مبدء** ہے یعنی وہ ذریعہ جس سے مال حاصل کیا جائے، اور ایک **غایت** یعنی وہ غرض کہ تحصیل مال سے مقصود ہو، ان دونوں میں ذاتًا خواہ عارضًا احکامِ نہ گانہ، [1] فرض، [2] واجب، [3] سنت،

۴مستحب، ۵مباح، ۶مکروہ تنزیہی، ۷اساءت، ۸مکروہ تحریمی، ۹حرام سب جاری ہیں، اور دونوں کے اعتبار سے کسب پر احکام مختلفہ طاری ہیں، نفس کسب بے لحاظ مبادی وغایات کوئی حکم خاص نہیں رکھتا۔

ذرائع میں حرام: جیسے غصب ورشوت وسرقہ وربا، یوہیں زنا وغنا وحکم خلاف **ماانزل اللہ** وغیرہ امورِ محرمہ کی اجرت، تلاوتِ قرآن ووعظ وتذکیر ومیلاد خوانی وغیرہا عبادات بیچ کر اسی طرح جملہ عقود باطلہ وفاسدہ قطعیہ۔

مکروہِ تحریمی: جیسے اذانِ جمعہ کے وقت تجارت۔

فی الدر المختار کرہ تحریما مع صحۃ البیع عند الاذان الاول[1]۔قلت وعبر فی الھدایۃ بالحرمۃ واعترضہ الاتقانی بان البیع جائزلکنہ یکرہ کما صرح بہ فی شرح الطحاوی لان المنع لغیرہ لایعدم المشروعیۃ واشار فی الدر الی جوابہ بقولہ افاد فی البحر صحۃ اطلاق الحرمۃ علی المکروہ تحریما[2] اھ وانا **اقول:**الصحۃ اذا لم تناف المنع لغیرہ لم تناف الحرمۃ ایضا کذٰلک فان المنع ولو لغیرہ لیشمل المنع ظنا فیکرہ وقطعا فیحرم ولاشك ان النھی ھٰھنا قطعی فلاادری ما احوجھم الی تأویل الحرمۃ بالکراھۃ۔	درمختار میں ہے جمعہ کی پہلی اذان کے وقت بیع اگرچہ صحیح ہے لیکن مکروہِ تحریمہ ہے، میں کہتا ہوں اس کراہت کو ہدایہ میں حرمت سے تعبیر کیا ہے اور اس پر اتقانی نے اعتراض کیا کہ بیع صحیح لیکن مکروہ ہے جیسا کہ شرح طحاوی میں یہ تصریح ہے، اس لئے کہ منع لغیرہٖ مشروعیت کو ختم نہیں کرتی اور درمختار میں اس اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بحرالرائق نے افادہ کیا ہے کہ مکروہ تحریمہ پر حرمت کا اطلاق صحیح ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) جس طرح صحت منع لغیرہ کے منافی نہیں اسی طرح وہ حرمت کے منافی بھی نہیں ہے کیونکہ منع اگرچہ لغیرہ ہو وہ منع ظنی اور قطعی دونوں کو شامل ہے منع ظنی ہو تو مکروہ ہے اگر قطعی ہو تو حرام ہے اور بیشک یہاں نہی قطعی ہے تو مجھے معلوم نہیں کہ حرمت کو کراہت سے ان کو تاویل کی کیا حاجت ہوئی۔ (ت)

اسی طرح دوسرا مسلمان جب ایک چیز خرید رہا ہو اور قیمت فیصل ہوگئی ہو اور گفتگو ہنوز

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰

[2] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

قطع نہ ہوئی ایسی حالت میں قیمت بڑھا کر خواہ کسی طور پر خود خرید لینا،

فی الدر کرہ تحریما السوم علی سوم غیرہ ولو ذمیا اومستامنا بعد الاتفاق علی مبلغ الثمن والا لا لانہ بیع من یزید[1] اھ مختصرا۔	درمختار میں ہے کہ کسی کے بھاؤ پر بھاؤ لگانا مکروہِ تحریمی ہے، اگرچہ پہلے بھاؤ والا ذمی ہو یا مستامن ہو جبکہ مبلغ ثمن پر اتفاق ہوچکا ہو ورنہ ثمن پر اتفاق کے بغیر دوسرے کا بھاؤ لگانا مکروہ نہیں کیونکہ اس صورت میں نیلامی والی بیع ہوجائے گی اھ مختصراً(ت)

یونہی تلقی جلب وبیع الحاضر للبادی وتفریق الصغیر من محرمہ وغیرہا کہ مع قیود وشروط کتب فقہ میں مفصل ہیں اسی قسم میں ہے یا نیچری وضع کے کپڑے یا جوتے سینا یا ان اشیاء خواہ تانبے پیتل کے زیوروں وغیرہا کا بیچنا اور جملہ عقود ومکاسب ممنوعہ فضیہ۔

فی ردالمحتار من الحظر عن المحیط بیع المکعب المفضض للرجل ان یلبسہ یکرہ لانہ اعانۃ علی لبس الحرام وان کان اسکافا امرہ انسان ان یتخذ لہ خفا علی زی المجوس او الفسقۃ او خیاطا امرہ ان یتخذ لہ ثوبا علی زی الفساق یکرہ لہ ان یفعل لانہ سبب التشبہ بالمجوس والفسقۃ[2]۔	ردالمحتار میں محیط کی کتاب الحظر سے منقول ہے کہ چاندی کے جڑاؤ والا جوتا مرد کو پہننے کے لئے فروخت کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حرام لباس میں اعانت ہے، اور موچی کو اگر کوئی کہے میرے لئے مجوس یا فسّاق کی وضع والا جوتا بنادے، یا درزی سے کہے کہ فساق والا لباس بنادے تو ان کو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ مجوس اور فسّاق کی مشابہت کا سبب ہوگا۔(ت)

اِساءَت: یعنی وہ کام جسے نہ مکروہِ تنزیہی کی طرح صرف خلافِ اولٰی کہا جائے جس پر ملامت بھی نہیں، نہ تحریمی کی طرح گناہ و ناجائز جس پر استحقاقِ عذاب ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ بُرا کیا قابلِ ملامت ہوا جس کا حاصل مکروہِ تنزیہی سے بڑھ کر ہے اور تحریمی سے کمتر۔

کما جنح الیہ العلامۃ الشامی	جیسا کہ علامہ شامی کا اس طرف میلان ہے

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۱

فی ردالمحتار اقول:ولابد منه فان کل مرتبة للطلب فی جانب الفعل فان بازائها مرتبة فی جانب الترك فالتحریم فی مقابلة الفرض فی الرتبة وکراهة التحریم فی رتبة الواجب،والتنزیه فی رتبة المندوب،کما فی ردالمحتار من بحث اوقات الصلٰوة و قد بقیت السنة،وهی فوق المندوب ودون الواجب فوجب ان یقابلها ماهو فوق کراهة التنزیه دون التحریم وهو الاسائة وقد نصوا علیها فی غیر مافرع وان اغفلها کثیرون فی ذکر الاقسام فلیحفظ قال فی الدر ترك السنة لایوجب فسادا ولاسهوا بل اساءة لو عامدا غیرمستحب [1] الخ وفی ردالمحتار عن التحریر تارکها ای السنة لیستوجبه اساءة ای التضلیل واللوم [2]۔	ردالمحتار میں، **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ ضروری ہے کیونکہ فعل میں طلب کا جو مرتبہ ہے اس کے مقابلہ میں ترک کا مرتبہ ہے، تحریم کا رتبہ بمقابلہ فرض اور مکروہ تحریمی کا بمقابلہ واجب اور مکروہ تنزیہہ بمقابلہ مندوب ہے جیسا کہ ردالمحتار میں نماز کے اوقات کی بحث میں ہے جبکہ سنت کا رتبہ باقی ہے اور وہ مندوب سے فائق اور واجب سے پست ہے تو ضروری ہے کہ اس کے مقابلہ میں حکم مکروہ تنزیہہ سے فائق اور مکروہ تحریمہ سے کم ہو اور یہ مرتبہ اساءت ہے، فقہاء نے اس بحث پر کئی فروعات میں نص فرمائی ہے اگرچہ حکم کے اقسام سے بہت سے لوگوں سے غفلت ہوئی ہے، اس کو محفوظ کرو، درمختار میں فرمایا سنت کے ترک سے فساد کا حکم نہ ہوگا اور نہ ہی سہو کا، بلکہ اساءت کا حکم ہوگا جب غیر مستحب کو قصداً کرے الخ۔ ردالمحتار میں تحریر کے حوالہ سے ہے کہ سنت کا تارک اساءت یعنی ملامت وتضلیل کا مستحق ہوگا۔ (ت)

مثلاً اپنے سے اعلم کے ہوتے ہوئے عہدہ قضاء کی نوکری جبکہ وہ اس پر راضی ہو،

وهو فی الدرالمختار لوقدموا غیرالاولٰی اساؤا بلا اثم [3]،فی ردالمحتار عن التتارخانیة اساء وااذترکوا السنةلکن لایاثمون لانهم	درمختار میں ہے اگر لوگ غیراولٰی شخص کو امام بنائیں تو اساءت کے مستحق ہوں گے گنہگار نہ ہوں گے۔ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے منقول ہے اساءت والے ہوں گے جب وہ سنت کو ترک کریں گنہگار

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صفۃ الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۳

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صفۃ الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۹

[3] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۳

قدموا رجلا صالحا وکذا الحکم فی الامارۃ والحکومۃ اما الخلافۃ وھی الامامۃ الکبرٰی فلایجوز ان یترکوا الافضل وعلیہ اجماع الامۃ[1]۔	نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے صالح شخص کو امام بنایا ہے اگرچہ غیر اولٰی ہے، اور یہی حکم امارت اور حکومت کا ہے لیکن خلافت میں جو امامت کبرٰی ہے یہ جائز نہیں کہ وہ افضل کو ترک کریں اور اس پر اجماع امّت ہے (ت)

اقول: یونہیں ظہر ومغرب وعشاء کے فرض پڑھ کر سنتوں سے پہلے بیع وشراء اور ظاہرًا طلوعِ فجر کے بعد نماز صبح سے پہلے خرید وفروخت بھی اسی قبیل سے ہے جبکہ ضرورت داعی نہ ہو یونہیں ہر وہ کسب کہ خلافِ سنت یا اس کا شغل ترک سنت کی طرف مؤدی ہو۔

مکروہ تنزیہی: جیسے بیع عینیہ جبکہ مبیع بائع کے پاس عود نہ کرے، مثلًا جو قرض مانگنے آیا اسے روپیہ نہ دیا بلکہ دس کی چیز پندرہ کو اس کے ہاتھ بیچی کہ اس نے دس کو بازار میں بیچ لی۔

فی الدر المختار شراء الشیئ الیسیر بثمن غال لحاجۃ القرض یجوز ویکرہ واقرہ المصنف[2] فی اٰخر الکفالۃ، بیع العینۃ ای بیع العین بالربح نسئۃ لیبیعھا المستقرض باقل لیقضی دینہ، اخترعہ اٰکلۃ الربا وھو مکروہ مذموم شرعا لمافیہ من الاعراض عن مبرۃ الاقراض[3]، وفی ردالمحتار عن الفتح ان فعلت صورۃ یعود الی البائع جمیع مااخرجہ اوبعضہ یکرہ تحریما فان لم یعد کما اذا باعہ المدیون فی السوق فلاکراھۃ بل خلاف الاولٰی[4] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے سستی چیز کو قرض کی ضرورت پر مہنگے داموں خریدنا جائز ہے اور مکروہ ہے اس کو مصنّف نے ثابت رکھا ہے، اور انہوں نے باب الکفالہ کے آخر میں بیع عینہ کے متعلق فرمایا یعنی عین چیز کو نفع کے ساتھ ادھار فروخت کرنا تاکہ قرض لینے والا اس کو کم قیمت پر فروخت کرکے حاجت پوری کرے، یہ طریقہ سود خوروں نے ایجاد کیا ہے اور یہ مکروہ اور شرعًا مذموم ہے کیونکہ اس میں قرض دینے کی نیکی سے اعراض ہے، اور ردالمحتار میں فتح القدیر سے منقول ہے کہ یہ ایسی صورت ہو کہ اس میں بائع کی طرف سے دی ہوئی چیز اس کو کل یا بعض واپس لوٹ آتی ہو اس لئے یہ مکروہ تحریمی ہے اور ایسا نہ ہو مثلًا مقروض اس

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۵

[2] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی القرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۴۰

[3] الدر المختار کتاب الکفالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[4] ردالمحتار کتاب الکفالہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۷۹

	چیز کو بازار میں فروخت کرے تومکروہ نہیں بلکہ خلافِ اولٰی ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

مباح: جیسے بن کی لکڑی، جنگل کے شکار، دریا کی مچھلیاں۔

مستحب: جیسے خدمت، اولیاء وعلماء کی نوکری۔

وقدکان انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه یخدم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی شبع بطنه[1]۔	حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف شکم سیری کے عوض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کرتے تھے۔(ت)

یونہی ہروقت کسب جس میں امورِ خیر پر اعانت ہو اگرچہ خیر صرف تقلیل شر وخیر ہو مثلاً گھات یا چنگی یابندوبست کی نوکری اس نیت سے کہ بندگانِ خدا کارکنوں کے جبر وتعدی وظلم وزیادہ ستائی سے بچیں:

فی کفالة الدر، النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا قالوا من قام بتوزیعها بالعدل اجر[2] اھ ملخصا، وفی شهادات ردالمحتار قدمنا عن البزدوی ان القائم بتوزیع هذه النوائب السلطانیة والجبایات بالعدل بین المسلمین ماجور وان کان اصله ظلما[3] الخ **قلت** وکذٰلك نص علیه فی کفایة الهدایة وغیرها۔	درمختار کے باب کفالہ میں ہے کہ ٹیکس اگرچہ ناحق ہوں ان کو فروخت کرنا جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہوتا ہے فقہاء کہتے ہیں جو شخص مزدوری پر یہ سرکاری وصولیاں کرے گا اس کو اتنا عوض دیا جائے گا اھ ملخصًا، ردالمحتار کے باب الشہادات میں ہے کہ بزدوی سے منقول گزرا ہے سرکاری وصولیاں عدل کے ساتھ اجرت پر وصول کرنے پر ثواب ہوگا اگرچہ یہ اصل میں ظلم ہوں الخ۔ **میں کہتاہوں** اسی طرح کفایۃ الہدایہ میں ہے۔(ت)

سنّت: جیسے احباب کاہدیہ قبول کرنااور عوض دینا،

احمد والبخاری وابوداؤد والترمذی عن ام المومنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنهاان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه	احمد، بخاری، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] کنزالعمال حدیث ۳۶۸۳۸و۳۶۸۳۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۲۸۸

[2] الدرالمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[3] ردالمحتار کتاب الشھادات باب القبول وعدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۸

وسلم کان یقبل الهدیة ویثیب علیها[1]۔	ہدیہ وصول کرتے اور اس پر بدل عطافرماتے۔(ت)

اور افضل واعلیٰ کسب مسنون سلطان اسلام کے زیر نشان جہاد شرعی ہے،

احمد وابو یعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال بعثت بین یدی الساعة بالسیف حتی یعبدوا الله تعالٰی وحده لاشریك له وجعل رزقی تحت ظل رمحی[2] الحدیث، واخرج ابن عدی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الزموا الجهاد وتصحوا وتستغنوا[3]۔الشیرازی فی الالقاب عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الطیب کسب المسلم سهمه فی سبیل[4] الله قال المناوی فی التیسیر لان ما حصل بسبب الحرص علی نصرة دین الله تعالٰی لا شیئ اطیب منه فهو افضل من البیع وغیره مما مر لانه کسب المصطفٰی وحرفته صلی الله تعالٰی علیه وسلم[5]۔و	احمد، ابویعلی اور طبرانی کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے قیامت سے آگے تلوار دے کر بھیجاگیا تاکہ لوگ اللہ کی عبادت کریں، اور میرا رزق نیزوں کے سائے میں ہے الحدیث۔ ابن عدی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے تخریج کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جہاد لازمًا کرو تاکہ تم صحت مند اور غنی ہو جاؤ۔ شیرازی نے القاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تخریج کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مسلمان کا پاک کسب اس کا فی سبیل اللہ تیر بنانا ہے۔امام مناوی نے تیسیر میں فرمایا: یہ اس لئے کہ جو چیز اللہ تعالٰی کے دین میں حرص کے طور ہو اس سے بڑھ کر کوئی چیز اطیب نہیں ہے لہٰذا یہ عمل تجارت وغیرہ سے افضل ہے کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کسب و عمل ہے اھ۔اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی قبول الهدایا آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۲

[3] الکامل لابن عدی ترجمه بشر بن آدم بصری دار الفکر بیروت ۲/ ۴۴۹

[4] الجامع الصغیر بحواله الشیرازی فی الالقاب عن ابن عباس حدیث ۱۱۲۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۷۳

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اطیب کسب المسلم الخ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۶۶

فی صید ردالمحتار عن الملتقی ومواھب الرحمٰن فی تفاضل انواع الکسب "افضله الجھاد ثم التجارة ثم الحراثة ثم الصناعة"[1]۔	ردالمحتار کے باب الصید میں ملتقی اور مواہب الرحمٰن سے منقول ہے کہ کسب کے اقسام میں فضیلت والا عمل جہاد ہے، پھر تجارت، پھر کاشتکاری، پھر صنعت کاری۔(ت)

واجب: جیسے قبول عطیہ والدین جبکہ نہ لینے میں اُن کی ایذا مظنون ہو اور اگر تیقن ہو تو فرض ہوگا کہ ایذائے والدین حرام قطعی ہے اور حرام سے بچنا فرض قطعی، اسی طرح عہدہ قضاء کا قبول فرض ہے جبکہ اس کے سوا اور کوئی اہل نہ ہو،

فی الدرالمختار کرہ تحریما التقلد ای اخذ القضاء لمن خاف الحیف ای الظلم او العجز وان تعین له او امنه لایکرہ، فتح، ثم ان انحصر فرض عینا والا کفایة، بحر والتقلد رخصة ای مباح والترک عزیمة عندالعامة، بزازیة فالاولٰی عدمه و یحرم علی غیر الاھل الدخول فیه قطعا من غیرتردد فی الحرمة ففیه الاحکام الخمسة[2]۔	درمختار میں ہے کہ جو شخص قضاء میں ظلم یا عجز کا خطرہ رکھتا ہو اس کو قضاء کا عہدہ قبول کرنا مکروہ تحریمی ہے اور اگر وہی متعین ہو یا کمزوری کا خطرہ وخوف نہ رکھتا ہو تو مکروہ نہ ہوگا، فتح۔ پھر اگر یہ عہدہ اسی پر موقوف ہے تو قبول کرنا فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے، بحر۔ اور قضاء کو قبول کرنا رخصت ہے یعنی مباح ہے اور ترک عزیمت ہے عام فقہاء کے نزدیک، بزازیہ، تو اولٰی یہ ہے کہ نہ قبول کرے اور غیر اہل کے لئے حرام ہے قطعًا بلاتردّد، تو اس میں پانچ حکم ہیں۔(ت)

غایات میں فرض: جیسے خورد ونوش وپوشش بقدر سد رمق وسترِ عورت بلکہ اتنا کھانا جس سے نمازِ فرض کھڑے ہو کر ہوسکے اور رمضان میں روزے پر قدرت ملے۔

فی الدر الاکل فرض مقدار مایدفع الھلاك ویتمکن به من الصّلٰوة قائما وصومه[3] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے ہلاکت سے بچنے کی مقدار کھانا فرض ہے اتنا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکے اور روزہ رکھ سکے، اھ، ملخصًا(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الصید داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۷

[2] الدرالمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۳

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

یوہیں کفایت اہل وعیال وادائے دیون ونفقات مفروضہ۔

فی خزانة المفتین الکسب فرض وھو بقدر الکفایة لنفسه وعیاله وقضاء دیونه ونفقة من یجب علیه نفقته[1]۔	خزانۃ المفتین میں ہے اپنے لئے بطور کفایت، اپنی عیال، قرض کی ادائیگی اور جن کا نفقہ ذمہ میں ہے اس مقدار کے لئے کسب فرض ہے(ت)

یوہیں حج فرض جبکہ بعد فرضیت مال نہ رہا،

لان الذمة قد شغلت وابراؤھا عن الفرض فرض و مقدمة الفرض فرض۔	کیونکہ ذمہ میں بوجھ ہے اور فریضہ سے عہدہ برآ ہونا فرض ہے جبکہ فرض کا مقدمہ بھی فرض ہوتا ہے۔(ت)

زوجہ اگرچہ غنیّہ ہو اس کا کفن دفن شوہر پر ہے، یوہی اقارب کا جبکہ مال نہ چھوڑیں بلکہ ہر مسلمان کا کفن دفن مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے جب ایک شخص میں منحصر ہوجائے فرض عین ہوجائے گا۔

فی التنویر کفن من لامال له علی من تجب علیه نفقته واختلف فی الزوج والفتوی علی وجوب کفنها علیه وان ترکت مالا[2] الخ وفی ردالمحتار الواجب علیه تکفینها وتجهیزها الشرعیان من کفن السنة و الکفایة وحنوط واجرة غسل وحمل ودفن[3]۔	تنویر میں ہے جس کا کفن نہ ہو مال نہ ہونے کی وجہ سے، تو جس پر اس کا نفقہ واجب ہے کفن بھی اس کے ذمہ ہے اور خاوند کے متعلق اختلاف ہے فتوی اس پر ہے کہ بیوی کا کفن واجب ہے اگرچہ بیوی نے اپنا مال چھوڑا ہو، الخ۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ خاوند پر بیوی کی تکفین و تجہیز شرعی شوہر پر واجب ہے جو کفنِ سنّت یا کفنِ کفایہ ہو اور حنوط، غسل کی مزدوری، جنازہ لے جانے اور دفن کا خرچہ شوہر پر واجب ہے۔(ت)

واجب: جیسے اتنا کھانا کہ ادائے واجبات پر قادر ہو زوجہ کا حقِ جماع ادا کرسکے۔

وھذا یعد مرة من واجبات الدیانة و ان لم یجبر علیه قضاء کما فصلناه فی الطلاق من فتاوٰنا۔	یہ واجبات دیانت میں شمار ہے اگرچہ قضاءً اس پر جبر نہ ہوگا جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی طلاق کی بحث میں تفصیل ذکر کی ہے۔(ت)

---

[1] خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۰

[2] الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

کپڑے میں اتنی زیادت کہ انتقالات نماز وغیرہ میں زانو نہ کھلیں، یوہیں صدقہ فطر واضحیہ جبکہ بعد وجوب مال نہ رہا، غرض ہر واجب جس کی تحصیل کو مال درکار۔

سنت: جیسے نماز کے لئے عمامہ وجُبّہ و ردا وغیرہا لباس مسنون و تجمل عیدین وجمعہ وبناوتوسیع وتطیب مساجد وصلہ رحم وہدیہ احباب ومواساءت مساکین وخبر گیری یتامٰی وبیوگان وخدمت مہمانان و امثال ذلک سنن مالیہ یوہیں عطر ومشک وسرمہ وشانہ وآئینہ بصد اتباع اور کھانے میں تہائی پیٹ کی مقدار تک پہنچنا۔

مستحب: جیسے بنائے سقایہ وسبیل وسرا ومدارس وپل وغیرہا۔

فی ردالمحتار عن تبیین المحارم عن بعض العلماء فی ذکر مراتب الاکل "مندوب وھو مایعینه علی تحصیل النوافل وتعلیم العلم وتعلمه"[1]۔	ردالمحتار میں تبیین المحارم کی نقل میں بعض علماء سے منقول ہے کہ کھانا کھانے کے مراتب کئی ہیں جن میں مندوب ومستحب وہ ہے جو نوافل اور تعلیم وتعلم کے لئے معاون بنے۔(ت)

بلکہ مہمان کے ساتھ پورا پیٹ بھر کر کھانا بھی کہ وہ ہاتھ اٹھالینے سے شرما کر بھوکا نہ رہے، یوہیں عورت کی سیر خوری اس نیت سے کہ شوہر کے لئے حفظِ جمال کرے، کم خوری لاغری وشکست رنگ وحسن کی موجب نہ ہو۔

فی الدر عن الوھبانیة وللزوجة التسمین لافوق شبعھا اھ[2] قال الشامی قال الطرسوسی فی الزوجة ینبغی ان یندب لھا ذٰلك وتکون ماجورۃ. قال الشارح ولا یعجبنی اطلاق اباحة ذٰلك فضلا عن ندبه ولعل ذٰلك محمول علی ماذاکان الزوج یحب السمن والا ینبغی ان تکون	درمختار میں وہبانیہ سے منقول ہے کہ بیوی کو فربہ بننا مندوب ہے جو کہ سیر ہو کر کھانے سے زائد نہ ہو اھ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ طرسوسی نے فرمایا ہے کہ بیوی میں یہ بات مستحب ہے اور وہ اجر پائے گی۔ شارح نے فرمایا مجھے اس بات میں اباحت پسند نہیں چہ جائیکہ مستحب ہو، ہوسکتا ہے کہ استحباب کا معاملہ اس صورت میں ہو جب خاوند فربہ پن کو پسند کرتا ہو، ورنہ مناسب یہ ہے کہ بیوی معتدل

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۵

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

موزورہ[1] اھ اقول: فی ھذا الکلام فان الاکل الی الشبع حلال ونیۃ السمن غایتھا کراھۃ التنزیہ نعم عدم الاجر ظاھر ثم ھذا کلہ فی التسمین اما ماذکرت فواضح لاغبار علیہ۔	ہو اھ، اقول: (میں کہتاہوں کہ) اس میں کلام ہے کیونکہ سیر ہونے تک کھانا حلال ہے اور اس میں فربہ ہونے کی نیت زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہہ ہے، ہاں اجر نہ ہونا ظاہر ہے، پھر یہ بحث فربہ ہونے میں ہے لیکن میں نے جو ذکر کیا وہ واضح اور بے غبار ہے۔ (ت)

مباح: جیسے زینت وآرائش، لباس ومکان وزیورِ زناں۔

فی خزانۃ المفتین بعد مامرومباح و ھوالزیادۃ للزیادۃ والتجمل[2]۔	خزانۃ المفتین میں گزشتہ مضمون کے بعد ہے احکام انواع میں ایک نوع مباح ہے جیسے خوبصورتی اور جسم کو بڑھانے کے لئے عمدہ کھانا کھانا۔ (ت)

جبکہ یہ سب امور منکرات ومقاصد مذمومہ سے خالی ہوں ورنہ مذموم ہیں اور مقاصد محمودہ کے ساتھ بھی خالی مباح نہ رہیں گے مستحب ہوجائیں گے۔

فان المباح اتبع شیئ للنیات کما ذکرہ فی البحر الرائق و ردّ المحتار وغیرھما، وذٰلك لخلوہ فی نفسہ عن کل حکم فلایزاحم شیئا یطرأ علیہ من صواحبہ کنیۃ او تأدیۃ الی خیر اوشر کمالایخفی۔	مباح چیز نیّت کے تابع ہوتی ہے جیسا کہ بحر الرائق اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے کیونکہ مباح ہر حکم سے خالی ہوتا ہے لہٰذا کسی بھی طاری ہونے والے حکم سے متعارض نہ ہوگا، مثلاً نیت سے خیر یا شر کسی کی نیت مراد ہوسکتا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

مکروہ تنزیہی: جیسے اپنے لئے انواعِ فواکہ سے تفکّہ،

فی الدّر لابأس بانواع الفواکہ وترکہ افضل[3]۔	درمختار میں ہے مختلف انواع کے پھلوں میں کوئی حرج نہیں جبکہ ترک افضل ہے۔ (ت)

اساءت: جیسے اتباع شہوت نفس ولذّت طبع کے لئے ترفّہ وتنعّم بالحلال میں انہماک اسی نیت

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۵

[2] خزانۃ المفتین کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۰

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

سے عمدہ کھانے، دونوں وقت سیر ہو کر کھانا، باریک نفیس بیش بہا جامے پہنا کرنا، شبانہ روز عورتوں کی طرح کنگھی چوٹی میں گرفتار رہنا کہ یہ امور اگرچہ حدِ حریم وگناہ تک نہ پہنچیں خلافِ سنّت ضرور ہیں،

ولاشك فی توجه اللوم علیه وان لم یستحق العقاب والاحادیث فی ذٰلك كثیرة شهیرة لانسردها مخافة الاطناب **اقول:** وبه علم ان ما جنحت الیه اولٰی مما فی ردالمحتار عن شرح الملتقی فی انواع الکسوة، مباح وهوالثوب الجمیل للتزین فی الاعیاد والجمع مجامع الناس لا فی جمیع الاوقات لانه صلف وخیلاً وربما یغیظ المحتاجین فالتحرز عنه اولٰی، ومکروه وهو اللبس للتكبر[1] اھ وكذا ماذكر من محض الاباحة فی تجمل الجمع والاعیاد والمجامع محمله ما اذا لم ینوالا التجمل اما اذا نوی الاتباع فسنة لاشك کما ذکرت وکذا الکراهة فی التکبر تحمل علی الحرمة فانه حرام وکبیرة عظیمة قطعا۔	اس پر ملامت میں شک نہیں اگرچہ مستحقِ عقاب نہیں ہے، اور اس میں کثیر احادیثِ مشہورہ وارد ہیں، ہم طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کرتے، **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) اس سے معلوم ہوا کہ میرا موقف بہتر ہے اس سے جس کو ردالمحتار نے شرح ملتقی سے نقل کیا ہے کہ لباس کے اقسام مباح ہیں، تو وہ عیدوں، جمعہ، اور مجمع کے لیے مباح ہیں، نہ کہ تمام اوقات میں ہر وقت ایسا کرنا بے مقصد، تکبر وغرور، اور کبھی محتاج لوگوں کو چڑانا ہے، للذا اس سے بچنا بہتر ہے، اور تکبر کے طور پر لباس پہننا مکروہ ہے اھ اور یوں جو انہوں نے عید، جمعہ وغیرہ میں اباحت کا ذکر کیا ہے اس کا محمل بھی وہ ہے کہ تکبر کی بجائے صرف اپنا جمال بنانا مقصود ہو مگر اس نے شریعت کی پیروی میں ایسا لباس پہنا تو سنت ہے تو مذکور میں شک نہیں اور یونہی تکبر کی صورت میں کراہت سے مراد تحریمی ہے کیونکہ تکبر حرام ہے اور عظیم کبیرہ گناہ ہے۔ (ت)

مکروہ تحریمی: جسے محض تکاثر وتفاخر کے لئے جمع اموال۔

فی خزانة المفتین بعد مامرومکروه وهو الجمع للتفاخر والتکاثر وان کان من حل[2]۔	خزانۃ المفتین میں مذکور بیان کے بعد فرمایا: انواع احکام میں ایک نوع مکروہ ہے جیسے اظہار کثرت وفخر کے لئے مال جمع کرنا اگرچہ حلال مال سے ہو۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

[2] خزانة المفتین کتاب الکراهیة قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۰

یوہیں پیٹ سے زیادہ چند لقمے کھانا جن کا معدے میں بگڑ جانا مظنون نہ ہو،

فی الخانیة یکرہ الاکل فوق الشبع اھ[1] **اقول**: وبھٰذا الحمل تندفع المخالفة بینه وبین مایأتی عن الدر من نص التحریم۔	خانیہ میں ہے سیر ہوجانے کے بعد کھانا مکروہ ہے اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس بیان سے درمختار میں آئندہ تحریم کی نص اور اس میں مخالفت ختم ہوگئی (ت)

مگر جبکہ روزے کی قوّت مقصود ہو یا مہمان کا ساتھ دینا۔

فی التنویر مباح الی الشبع لتزید قوته وحرام وھو مافوقه الا ان یقصد قوة صوم الغدا ولئلا یستحیی ضیفه[2] اھ **اقول**: والاستثناء اذا حمل علی ماذکرت صح قطعاً ویکون قوله حرام یشمل المکروہ فلا یکون منقطعا فافھم۔	تنویر میں ہے سیر ہونے تک کھانا مباح ہے جبکہ حصول قوت مقصد ہو اور اس سے زائد حرام ہے، لیکن اگر صبح روزہ رکھنے یا مہمان کے حیاء کے احساس کی وجہ سے زائد کھائے تو حرام نہ ہوگا اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) آپ کے ذکر کردہ پر محمول کیا جائے تو استثناء قطعاً صحیح ہے اور حرام سے مراد مکروہ تحریمہ ہو تو یہ استثناء منقطع نہ ہوگا، غور کرو۔ (ت)

یوہیں لباس شہرت پہننا یعنی اس قدر چمکیلا نادر ہو جس پر انگلیاں اُٹھیں اور بالقصد اتنا ناقص و خسیس کرنا بھی ممنوع ہے جس پر نگاہیں پڑیں یونہی ہر انوکھی اچنبھے کی ہیأت وضع تراش خراش کہ وجہ انگشت نمائی ہو۔ سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ حسن مروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لبس ثوب شھرة البسه اللّٰه یوم القیمة ثوبا مثله[3] وعند ابن ماجة ثوب مذلة[4] زاد ابوداؤد فی روایة ثم یلھب	جس نے شہرت کا لباس پہنا اس کو اللہ تعالٰی بھی ایسا ہی لباس پہنائے گا، اور ابن ماجہ میں "ذلّت کا لباس" اور ابوداؤد کی ایک روایت میں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ ومایکرہ اکلہ الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

[2] الدر المختار کتاب الحظر والاباحۃ ومایکرہ اکلہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۲

[4] سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب من لبس شھرۃ من الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۶

فیه النار [1]۔	" پھر جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا" کے الفاظ ہیں۔ (ت)

جو شہرت کے کپڑے پہنے گا اللہ تعالٰی اسے روزِ قیامت ویسا ہی لباسِ شہرت پہنائے گا جس سے عرصات محشر میں معاذ اللہ ذلّت و تفضیح ہو پھر اُس میں آگ لگا کر بھڑکا دی جائے گی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

فی ردالمحتار عن الدر المنتقی نهی عن الشهرتین وهو ماکان فی نهایة النفاسة او الخساسة [2] اھ **اقول**: ولا یختص بهما بل لوکان بینهما و کان علی هیأة عجیبة غریبة توجب الشهرة وشخوص الابصار کان لباس شهرة قطعا۔	ردالمحتار میں الدرالمنتقٰی سے منقول ہے کہ دو شہرتوں سے منع فرمایا، ایک حد سے زیادہ نفاست اور دوسری حد سے زیادہ رسوائی سے، اھ، **اقول**: (میں کہتا ہوں) ان دونوں سے خاص نہیں بلکہ عجیب و غریب حالت بنانا جو شہرت کا باعث ہو اور لوگوں کے لئے نظارہ بنے وہ قطعاً سب شہرت کا لباس ہے۔ (ت)

حرام: جیسے ریشمی کپڑے، مغرق ٹوپیاں، یوہیں پیٹ سے اوپر اتنا کھانا جس کے بگڑ جانے کا ظن ہو۔

فی الدر حرام فوق الشبع وهو اکل طعام غلب علی ظنه انه افسد معدته وکذا فی الشرب قهستانی [3]۔	درمختار میں ہے سیرابی سے زیادہ وہ کھانا حرام ہے جس کے متعلق ظن غالب ہو کہ وہ معدہ کو خراب کرے گا، اور یونہی پینے کا معاملہ ہے، قہستانی۔ (ت)

جب یہ صورتیں معلوم ہولیں اب احکام کسب کی طرف چلئے، **فاقول**: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) ظاہر ہے کہ کسب یعنی تحصیل مال کو خواہ روپیہ ہو یا طعام یا لباس یا کوئی شے سبب و غرض دونوں سے ناگزیر ہے، اور احکامِ نہ گانہ ۹ میں پہلے چار جانبِ طلب ہیں جن میں فرض و واجب کی طلبِ جازم ہے اور سنت و مستحب کی غیر جازم اور پچھلے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

[3] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

چار جانب نہی ہیں جن میں مکروہ تنزیہی واساءت سے نہی ارشادی اور تحریمی وحرام سے حتمی اور مباح طلب و نہی دونوں سے خالی، اب اگر سبب وغرض دونوں اقسام تسعہ سے ایک ہی قسم کے ہیں جب توظاہر کہ وہی حکم کسب پر ہوگا مثلاً ذریعہ بھی فرض اور غرض بھی فرض، تو ایسا کسب دوہرا فرض ہوگا اور دونوں حرام تو دونا حرام وعلٰی ہذا القیاس اور اگر مختلف اقسام سے ہیں تو تین حال سے خالی نہیں:

اوّلاً: اختلاف جانب واحد مثلاً طلب یا نہی کے اقسام میں ہو جیسے سبب فرض ہو غرض واجب یا سبب مکروہ تنزیہی غرض حرام۔

ثانیاً: اختلاف، اختلاف جانب وسط ہو مثلاً سبب واجب یا حرام اور غرض مباح یا بالعکس، ان دونوں صورتوں میں کسب اشد واقوی کا تابع ہوگا مثلاً فرض ووجوب کا اختلاف ہے تو فرض اور وجوب وسنیت کا تو واجب، اور ایک مباح اور دوسرا اور کسی قسم کا ہے تو کسب اسی قسم کا ہوگا۔

لما مر من ان المباح ساذج عار یکتسی بکل رداء و یتلون بلون کل مایمارج والضعیف من جانب یندرج فی القوی منہ۔	جیسے گزرا کہ مباح، احکام سے خالی ہوتا اور ہر پہلو اختیار کر لیتا ہے، اور ایک طرف سے ضعیف ہو تو اپنے سے قوی میں درج ہوتا ہے۔ (ت)

ثالثاً: اختلاف، اختلاف جانبین ہو یعنی سبب جانب طلب میں ہے اور غرض جانب نہی یا بالعکس، صورتِ اولٰی میں کسب مطلقاً حکم غرض کا مورد رہے گا، مثلاً غرض حرام ہے تو حرمت وگناہ نقد وقت ہے گو سبب فرض واجب ہو حتی کہ اگر سبب اعلٰی درجہ طلب میں ہو یعنی فرض اور غرض ادنٰی درجہ نہی میں یعنی مکروہ تنزیہی جب بھی کسب مکروہ تنزیہی سے خالی نہیں ہوسکتا اگرچہ سبب فی نفسہٖ فرض ہے وجہ یہ کہ کوئی غرض معین، کسب کے لئے لازم نہیں وہ اختلاف نیت سے مختلف ہوسکتی ہے اور ہر وقت اپنے اختیار سے امکانِ تبدل رکھتی ہے، مانا کہ سبب فرض تھا مگر جب اس نے اسے کسی امرِ حرام یا ناپسندیدہ کی نیت سے کیا ضرور حرمت وناپسندی میں گرفتار ہوا کہ ایسی نیت کیوں کی، اگر کوئی نیت فرض یا واجب حاضر نہ تھی تو اقل درجہ نیت مباح پر قادر تھا اس کی نظیر نماز ہے کہ دکھاوے کو پڑھی جائے، اگرچہ نماز فی نفسہٖ فرض ہے مگر نیت خبیثہ موجبِ تحریم ہوگی، اور صورت عکس میں یعنی جب سبب جانب نہی ہو اور غرض جانبِ طلب۔ اگر وہ سبب متعین نہ تھا بلکہ اس کا غیر کہ نہی سے خالی ہو ممکن تھا تو اس صورت

میں بھی کسب مطلقًا مورد نہی ہوگا کہ غرض اگرچہ فرض ہے جب ذریعہ مباح سے مل سکتی تھی تو حرام یا مکروہ کی طرف جانا اپنے اختیار سے ہوا اور اس کا الزام لازم آیا اور اگر سبب متعین تھا کہ دوسرا طریقہ قدرت ہی میں نہیں تواب دو۲ صورتیں ہوں گی:

اوّل: غرض وسبب کی نہی وطلب دونوں ایک ہی مرتبہ میں ہوں مثلًا سبب حرام، غرض فرض سبب مکروہ تحریمی، غرض واجب، سبب میں اساءت، غرض سنت، سبب مکروہ تحریمی غرض واجب سبب میں اساءت، غرض سنت، سبب مکروہ تنزیہی، غرض مستحب اور صرف اسی قدر کافی نہیں بلکہ نوع واحد میں تفاوت وقوت پر بھی نظر لازم کہ حرام کا ترک فرض ہے اور فرض کا ترک حرام، اور بعض فرض، بعض دیگر سے اعظم وآکد ہوتے ہیں، اور بعض حرام بعض دیگر سے اشنع واشد، تو یہ دیکھا جائے گا کہ مثلًا فرض غرض کے ترک سے جو حرمت لازم آئے گی وہ اس حرمت سے کیا نسبت رکھتی ہے جو اس سبب حرام کے ارتکاب میں ہے جب سب وجوہ سے طرفین میں تساوی قوت ثابت ہو تو حکم کسب میں اتباع سبب یعنی جانبِ نہی کو ترجیح رہے گی،

لان اعتناء الشرع بالمنهيات اشد من اعتنائه بالمامورات ولذا قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا امرتکم بشیئ فأتوا منه ما استطعتم واذا نهیتکم عن شیئ فاجتنبوه[1] وروی فی الکشف حدیثا لترک ذرة مما نهی الله عنه افضل من عبادة الثقلین، قاله فی الاشباه[2] ولنا فی المقام تحقیقات نفائس الممنا بکثیر منها فی ما علقنا علی کتاب "اذاقة الاثام	کیونکہ ممنوعات سے متعلق شرع کا حکم مہتم ہوتا ہے جبکہ ماموارت کا اہتمام اس قدر نہیں ہوتا، اسی لئے حضور علیه الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی استطاعت پر بجالاؤ اور جب کسی چیز سے منع کروں تو اجتناب کرو۔ کشف میں مروی ہے کہ اللہ تعالٰی کے منع کردہ سے ذرّہ بھر بھی باز رہنا جن وانسان کی عبادت سے افضل ہے، انہوں نے اشباہ میں بیان کیا ہے، ہمارا یہاں کلام نفیس ہے جس کو ہم نے اپنے والد گرامی قدر کی کتاب "اذاقة الاثام لمانعی

[1] صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب الاقتداء بسنن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۲، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب توقیرہ صلی اللہ علیه وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۵

لمانحی عمل المولد والقیام من تصانیف خاتمة المحققین الاماجد سیّدنا الوالد قدس سرّہ الماجد۔	عمل المولد والقیام "کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔(ت)

دونوں کی قوت کم وبیش ہو اس صورت میں اقوی کا اتباع ہوگا، سبب ہو خواہ غرض۔ مثلاً مالِ غیر بے اذن لینا حرام ہے اور خوک وخمر کی حرمت اس سے بھی زائد اور سدر مق اور دفع جوع قاتل وعطش مہلک کی فرضیت ان سب سے اقوی ہے لہٰذا حالت مخمصہ میں ان اشیاء کا تناول اسی قدر جس سے ہلاک دفع ہو لازم ہوا اور جانب غرض کو ترجیح دی گئی اور اگر مضطر کچھ نہیں پاتا مگر یہ کہ کسی انسان کا ہاتھ کاٹ کر کھائے تو حلال نہیں اگرچہ اس شخص نے اجازت بھی دی ہو کہ حرمت انسان اس فرض سے اقوی ہے لہٰذا جانب سبب کو ترجیح رہی۔

فی الدر الاکل للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام اومیتة او مال غیرہ وان ضمنه فرض، یثاب علیه بحکم الحدیث ولکن مقدار مایدفع الانسان الهلاك عن نفسه[1] اھ وفی الشامیة عن وجیز الکردری ان قال له اٰخر اقطع یدی وکلها لایحل لان لحم الانسان لایباح فی الاضطرار لکرامته[2]۔	درمختار میں ہے: غذا کے لئے کھانا اور پیاس کی وجہ سے پینا اگرچہ حرام، مردار یا غیر کا مال ہو توجب اس کے ضمن میں فرض ہے تو ثواب پائے گا حدیث کے مطابق۔ لیکن یہ اس مقدار کے لئے جس قدر سے انسان اپنے کو ہلاکت سے بچاسکے، اھ، اور شامی کے فتاوٰی میں وجیز کردری سے منقول ہے اگر کسی نے دوسرے شخص کو کہا میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو، تو یہ حلال نہیں کیونکہ انسان کا گوشت اضطراری حالت میں بھی مباح نہیں انسانی کرامت کی وجہ سے۔(ت)

یہ تقریر منیر حفظ رکھنے کی ہے کہ اوّل تا آخر اس تحقیق جمیل وضبط جلیل کے ساتھ اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی وباللہ التوفیق انہیں ضوابط سے دوسرے سوال اعنی مسئلہ سوال کا حکم منکشف ہوسکتا ہے جب غرض ضروری نہ ہو تو سوال حرام، مثلاً آج کا کھانے کو موجود ہے توکل کے لئے سوال حلال نہیں کہ کل تک کی زندگی بھی معلوم نہیں کھانے کی ضرورت درکنار۔ یوہیں رسومِ شادی کے لئے سوال حرام کہ نکاح شرع

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحة مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۳۶

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۱۵

میں ایجاب وقبول کانام ہے جس کے لئے ایک پیسہ کی بھی ضرورت شرعًا نہیں، اور اگر غرض ضروری اور بے سوال کسی طریقہ حلال سے دفع ہوسکتی ہے جب بھی سوال حرام، مثلًا کھانے کو کچھ پاس نہیں مگر ہاتھ میں ہنر ہے یا آدمی قوی تندرست قابل مزدوری ہے کہ اپنی صنعت یا اُجرت سے بقدرِ حاجت پیدا کرسکتا ہے قبل اس کے کہ احتیاج تا بحد مخمصہ پہنچے تو اسے سوال حلال نہیں، نہ اسے دینا جائز کہ ایسوں کو دینا انہیں کسبِ حرام کا مؤید ہوتا ہے اگر کوئی نہ دے تو جھک مار کر آپ ہی محنت مزدوری کریں اور اگر دوسرا طریقہ حلال میسر نہیں حرفت وصنعت کچھ نہیں جانتا نہ محنت ومزدوری پر قادر ہے خواہ بوجہ مرض یا ضعف خلقی یا نازپروردگی یا کسب کرتو سکتا ہے مگر حاجت فوری ہے کسب پر محول کرنا تاتریاق از عراق کا مضمون ہوا جاتا ہے تو سوال حلال ہوگا کہ ہر ان صورتوں میں کارروائی یوہیں ہوسکتی ہے کہ مانگ کرلے یا چھین کر یا چُرا کر یا کوئی حرام یا مردار کھائے اور سرقہ وغصب کی حرمت سوال سے اشد ہے اور حرام ومردار کی غصب وقہر سے بھی سخت تر، یہ صورتیں توظاہر ہیں اور علماء نے بوجہ اشتغال جہاد ومشغولی طلب علم دین، فرصت کسب نہ پانے کو بھی وجوہ معذوری سے شمار فرمایا اور ایسے کے لئے سوال حلال بتایا جب مدار ضرورت غرض وتعین ذریعہ پر ٹھہرا تو کچھ اکل وشرب ہی کی تخصیص نہیں کہ جس کے پاس ایک دن کا قوت ہے اسے سوال مطلقًا منع ہو بلکہ اگر دس دن کا کھانا موجود ہے اور کپڑا نہیں یا کپڑا بھی ہے مگر ہلکا کہ جاڑے کی آفت روک سکتا نہیں اور طریقہ تحصیل کوئی دوسرا نہیں کپڑے کے لئے سوال ناروا نہیں، یوہیں اگر کھانے پہننے سب کو موجود ہے مگر مدیون ہے تو اگر کچھ مال فاضل رکھا ہے جسے بیچ کر ادا کرے یا کما کر دے سکتا ہے تو سوال حرام، اور اگر کمائی سے بعد نفقہ ضروری کے کچھ نہیں بچا سکتا اور قرض خواہ گردن پر چھری رکھے ہوئے ہے تو ادا کے لئے سوال حلال۔

فی الدر المختار لایحل ان یسأل شیئا من القوت من له قوت یومه بالفعل او بالقوة کالتصحیح المکتسب و یأثم معطیه ان علم بحاله لاعانته علی المحرم ولو سأل للکسوة او لاشغاله عن الکسب بالجهاد اوطلب العلم جاز لو محتاجا[1] اھ وفیه من النفقات تجب	درمختار میں ہے جائز نہیں اسے سوال جس کے پاس ایک دن کا گزارہ بالفعل یا بالقوۃ ہے جیسا کہ تندرست شخص کمائی کے قابل ہو اور اس کے حال سے آگاہی کے باوجود اس کو دینے والا گنہگار ہوگا حرام پر اعانت کی وجہ سے، اگر جسم ڈھانپنے کے لئے یا جہاد میں مصروف ہونے کی وجہ سے کسب نہ کرسکنے یا طلب علم کی مصروفیت میں کسب نہ کرسکنے کی وجہ سے سوال کرے تو ضرورت یا حاجت مند ہو تو سوال کرنا جائز ہے اھ، اسی کے

[1] الدر المختار کتاب الزکوٰۃ باب المصرف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۲

ایضا لکل ذی رحم محرم صغیرا او انثٰی ولو بالغة صحیحة او الذکر بالغا عاجزا عن الکسب بنحو زمانة کعمی وعته وفلج زاد فی الملتقی والمختار او لایحسن الکسب لحرفة او لکونه من ذوی البیوتات[1] اھ قال الشامی ای من اھل الشرف[2] الخ، واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	باب النفقہ میں ہے نفقہ واجب ہے ہر نابالغ ذی محرم یا عورت اگرچہ بالغہ صحیحہ یا مرد بالغ ہو لیکن جسمانی معذور ہونے کی وجہ سے کسب سے عاجز ہے جیسے نابینا، ہاتھ پاؤں مفلوج وغیرہ، ملتقی اور مختار میں زائد کیا جو کوئی اچھا کسب نہیں رکھتا یا گھریلو عورتیں اھ۔ شامی نے فرمایا یعنی اہل شرف لوگ الخ۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم (ت)

رسالہ

خیر الأمال فی حکم الکسب والسوال

ختم ہوا۔

---

[1] الدر المختار کتاب الطلاق باب النفقة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۷۶

[2] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقة داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

علم وتعلیم

عالم، متعلّم، مفتی، واعظ، افتاء، کتابت، تقلید، علوم وفنون، تعلیم گاہ سے متعلق

مسئلہ ۲۹۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حدیث **طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم ومسلمۃ** (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ت) میں عموماً ہر علم مراد ہے یا کوئی علم خاص مقصود ہے؟ اگر خاص مقصود ہے تو وہ کون سا علم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

حدیث **طلب العلم فریضۃ علٰی کل مسلم ومسلمۃ**[1] (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔ت) کہ بوجہ کثرت طرق وتعدّد مخارج حدیث حسن ہے اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلبِ علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم واشمل واعلٰی واکمل واہم واجل علم اصول عقائد ہے جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنّی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۶۵۲ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۱۳۱، الجامع الصغیر حرف الطاء حدیث ۵۲۶۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۲۵

کافر یا بدعتی، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائل نماز یعنی اس کے فرائض و شرائط و مفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کرسکے، پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع و شراء، مزارع پر مسائل زراعت، موجر و مستاجر پر مسائل اجارہ، وعلٰی ھذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انہیں میں سے ہیں مسائل حلال و حرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع و اخلاص و توکل وغیرہا اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر و ریا و عُجب و حسد وغیرہا اور اُن کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے جس طرح بے نماز فاسق و فاجر و مرتکب کبائر ہے یونہی بعینہٖ ریاء سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتا ہے نسئل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔ علامہ مناوی تیسیر میں زیر حدیث مذکور لکھتے ہیں:

اراد بہ مالا مندوحۃ لہ عن تعلمہ کمعرفۃ الصانع ونبوۃ رسلہ وکیفیۃ الصّلٰوۃ ونحوھا فان تعلمہ فرض عین[1]۔	اس سے وہ علم مراد ہے جس کے سیکھنے سے کوئی چارہ نہیں، جیسے صانع کی پہچان، رسولوں کی نبوت، کیفیت نماز اور اس جیسے دوسرے مسائل کی معرفت، کیونکہ ان باتوں کا سیکھنا فرض عین ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

اعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین و ھو بقدر مایحتاج لدینہ[2]۔	جان لیجئے! علم سیکھنا اور اسے حاصل کرنا فرض عین ہے، اور اس سے مراد اتنی مقدار ہے کہ جس کی دین میں ضرورت پڑتی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں فصول علامی سے ہے:

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر للمناوی مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۱۱۵

[2] درمختار مقدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶

فرض علی کل مکلف و مکلفة بعد تعلمه علم الدین و الھدایة تعلم علم الوضوء و الغسل والصلٰوۃ و الصوم وعلم الزکٰوۃ لمن له نصاب والحج لمن وجب علیه والبیوع علی التجار لیحترزوا عن الشبھات و المکروھات فی سائر المعاملات وکذا اھل الحرف وکل من اشتغل بشیئ یفرض علیه علمه وحکمه لیمتنع عن الحرام فیه[1]۔	دینی علم اور ہدایت حاصل کرنے کے بعد ہر عاقل، بالغ، مرد، عورت پر وضو، غسل، نماز اور روزہ کے مسائل سیکھنا فرض ہے اور اسی طرح مسائل زکوٰۃ کا، اس شخص کے لئے جاننا، جو صاحبِ نصاب ہے۔ اور حج کے مسائل اس کے لئے جس پر وہ واجب ہے، اور خرید وفروخت کے مسائل جاننا کاروبار کرنے والوں کیلئے تاکہ وہ اپنے تمام معاملات میں مشکوک اور مکروہ کاموں سے بچ جائیں۔ یونہی پیشہ ور اور ہر ایسا آدمی جو کسی کام میں مشغول ہو تو اس پر اس کام کا علم رکھنا فرض ہے، اور اس کا حکم یہ ہے تاکہ وہ اس معاملے میں حرام سے بچ جائے۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

فی تبیین المحارم، لاشك فی فرضیة علم الفرائض الخمس وعلم الاخلاص لان صحة العمل موقوفة علیه وعلم الحلال والحرام وعلم الریاء لان العابد محروم من ثواب عمله بالریاء وعلم الحسد و العجب اذھما یاکلان العمل کماتاکل النار الحطب و علم البیع والشراء والنکاح والطلاق لمن اراد الدخول فی ھٰذہ الاشیاء وعلم الالفاظ المحرمة او المکفرۃ ولعمری ھذا من اھم المھمات فی ھذا الزمان[2]۔	تبیین المحارم میں ہے: اس میں کوئی شک نہیں کہ پنجگانہ فرض نمازوں کی فرضیت جاننا اور حصول اخلاص کا علم رکھنا ضروری ہے کیونکہ ہر عمل کی صحت اس پر موقوف ہے۔ یونہی حلال، حرام کا علم اور ریاء کا علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ عابد ریاکار اپنی ریاکاری کی وجہ سے اپنے عمل کے اجرو ثواب سے محروم ہوتا ہے۔ حسد اور خود بینی کا علم رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں انسانی اعمال کو اس طرح کھاجاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو، خرید وفروخت، نکاح، طلاق وغیرہ کے مسائل جاننا اس شخص کیلئے ضروری ہیں

[1] ردالمحتار مقدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۹

[2] ردالمحتار مقدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۹

	جو ان کاموں کو کرنا چاہیے، یوں ہی حرام اور کفریہ الزام جاننا ضروری ہیں، مجھے اپنی زندگی کی قسم اس زمانے میں یہ سب سے زیادہ ضروری امور ہیں۔(ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں تحت حدیث مسطور فرماتے ہیں:

مراد بعلم دریں جا علمیست کہ ضروری وقت مسلمان ست مثلاً چوں در اسلام درآمد واجب شد بروئے معرفت صانع تعالٰی و صفات وعلم بہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و جزآں ازانچہ صحیح نیست ایمان بے آن و چوں وقت نماز آمد واجب شدآموختن علم باحکام صلاۃ وچوں رمضان آمد واجب گردید تعلم احکام صوم[1] الخ۔	اس جگہ (یعنی حدیث مذکور میں) علم سے وہ علم مراد ہے جو مسلمان ہونے کے وقت ضروری ہے، مثلاً جب کوئی شخص اسلام لائے تو اس پر اللہ تعالٰی اور اس کی صفات کی معرفت، یونہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا علم رکھنا اور اس کے علاوہ وہ اسلامی مسائل کہ جن کو جانے بغیر ایمان صحیح نہیں ہوتا، پھر جب نماز کا وقت آجائے تو مسائل نماز کو سیکھنا ضروری ہے اور جب رمضان شریف آجائے تو احکام روزہ سیکھنے ضروری ہیں الخ (ت)

غرض اس حدیث میں اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے، ہاں آیات واحادیث دیگر کہ فضیلت علماء وترغیب علم میں وارد، وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب، اس کے آگے کوئی درجہ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہوسکتا، اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوف بے تخلیط، و تفسیر قرآن بے افراط و تفریط خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی بیان کہ فی حد ذاتہا امر دینی نہیں مگر فہم قرآن وحدیث کے لئے وسیلہ ہیں، اور فقیر غفراللہ تعالٰی اس کے لئے عمدہ معیار عرض کرتا ہے مراد متکلم جیسے خود اس کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے دوسرے کے بیان سے نہیں ہوسکتی۔ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنہوں نے علم وعلماء کے فضائل عالیہ وجلائل غالیہ ارشاد فرمائے انہیں کی حدیث میں وارد ہے کہ علماء وارث انبیاء کے ہیں انبیاء نے درہم ودینار ترکہ میں نہ چھوڑے، علم اپنا ورثہ چھوڑا جس نے علم پایا اس نے بڑا حصہ پایا،

اخرج ابوداؤد والترمذی وابن ماجۃ	ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۶۱

وابن حبان والبیھقی عن ابی درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فذکر الحدیث فی فضل العلم وفی اٰخرہ ان العلماء ورثۃ الانبیاء وان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولادرھما ورثوا العلم فمن اخذہ اخذ بحظ وافر[1]۔	بیہقی نے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے تخریج فرمائی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ ارشاد فرماتے سنا، پھر انہوں نے فضیلت علم میں حدیث بیان فرمائی اور اس کے آخر میں فرمایا کہ بلاشبہہ علماء انبیا کے وارث ہیں اور انبیاء کرام نے درھم و دینار ورثہ میں نہیں چھوڑے بلکہ انہوں نے وراثت میں علم چھوڑا ہے پھر جس نے اس کو حاصل کیا تو اس نے وافر حصہ حاصل کیا۔(ت)

بس ہر علم میں اسی قدر دیکھ لینا کافی کہ آیا یہ وہی عظیم دولت نفیس مال ہے جو انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ترکہ میں چھوڑا جب تک تو بیشک محمود اور فضائل جلیلہ موعود کا مصداق، اور اس کے جاننے والے کو لقب عالم و مولوی کا استحقاق ورنہ مذموم وبد ہے جیسے فلسفہ ونجوم یا لغو وفضول جیسے قافیہ وعروض یا کوئی دنیا کا کام جیسے نقشہ ومساحت۔ بہر حال اُن فضائل کا مورد نہیں، نہ اس کے صاحب کو عالم کہہ سکیں۔ ائمہ دین فرماتے ہیں جو علم کلام میں مشغول رہے اس کا نام دفترِ علماء سے محو ہو جائے،

فی الطریقۃ المحمدیۃ عن التاتارخانیۃ عن ابی اللیث الحافظ وھو کان بسمرقند متقدما فی الزمان علی الفقیہ ابی اللیث قال من اشتغل بالکلام محی اسمہ من العلماء[2]۔	طریقہ محمدیہ میں تاتارخانیہ کے حوالے سے ابواللیث حافظ سے منقول ہے یہ بزرگ سمرقند کے رہنے والے تھے اور مشہور فقیہ ابواللیث سے زمانے میں پہلے ہوئے ہیں، انہوں نے فرمایا جو علمِ کلام میں مشغول ہوگیا اس کا نام زمرہ علماء سے مٹ گیا۔

سبحان اللہ! جب متاخرین کا علم کلام جس کے اصل اصول عقائد سنت واسلام ہیں بوجہ اختلاط فلسفہ وزیادات مزخرفہ مذموم ٹھہرا اور اس کا مشتغل لقب عالم کا مستحق نہ ہوا تو خاص فلسفہ و

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۷

[2] الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثانی فی منھی عنہا مکتبہ حنفیّہ کوئٹہ ۱/ ۹۳ و ۹۴

منطق فلاسفہ ودیگر خرافات کا کیا ذکر ہے، ولہٰذا حکم شرعی ہے کہ اگر کوئی شخص علمائے شہر کے لئے کچھ وصیت کرجائے تو ان فنون کا جاننے والا ہرگز اس میں داخل نہ ہوگا،

فی الهندیة عن المحیط اذا اوصی لاهل العلم بلدة کذا فانه یدخل فیه اهل الفقه واهل الحدیث ولا یدخل من یتکلم بالحکمة[1] الخ ونقل مثله فی شرح الفقه الاکبر للمتکلمین عن کتب الفتاوٰی لاصحابنا وسمی منها الظهیریة۔	فتاوٰی عالمگیری میں محیط کے حوالے سے روایت ہے اگر کوئی شخص شہر کے اہل علم کے لئے کسی چیز کی وصیت کرجائے تو یقیناً اس میں اہل فقہ اور اہل حدیث داخل ہوں گے لیکن جو علم حکمت میں کلام کرے وہ اس وصیت میں داخل نہیں الخ اور اسی جیسا کلام ہمارے اصحاب کے فتاووں کے حوالے سے "شرح فقہ اکبر" میں متکلمین کے متعلق ذکر کیا گیا ہے ان فتاووں میں سے فتاوٰی ظہیریہ کا خاص نام لیا گیا ہے۔(ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداق فضائل صرف علوم دینیہ ہیں وبس۔ ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم، نہ آیات واحادیث میں مراد، اگرچہ عرف ناس میں باعتبار لغت اسے علم کہا کریں ہاں آلات ووسائل کے لئے حکم مقصود کا ہوتا ہے مگر اسی وقت تک کہ وہ بقدر توسل وتقصد توسل سیکھے جائیں اس طور پر وہ بھی موردِ فضائل ہیں جیسے نماز کے لئے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہے جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے، نہ یہ کہ انہیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے توغل میں عمر گزار دیں نحوی لغوی ادیب منطقی کہ انہیں علوم کا ہو رہے اور مقصود اصلی سے کام نہ رکھے زنہار عالم نہیں کہ جس حیثیت کے صدقہ میں انہیں نام ومقام علم حاصل ہوتا جب وہی نہیں تو یہ اپنی حد ذات میں نہ اُن خوبیوں کے مصداق تھے نہ قیامت تک ہوں، ہاں اسے یہ کہیں گے کہ ایک صنعت جانتا ہے جیسے آہنگر ونجار، اور فلسفی کے لئے یہ مثال بھی ٹھیک نہیں کہ لوہار بڑھئی کو ان کا فن دین میں ضرر نہیں پہنچاتا، اور فلسفہ تو حرام و مضر اسلام ہے، اس میں منہمک رہنے والا اجہل جاہل، اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، ہیہات ہیہات اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفارِ یونان کا پس خوردہ۔ سیّدی عارف باللہ فاضل

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الوصایا الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۱

ناصح عبدالغنی بن اسمٰعیل نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم لم یکونوا یشغلوا انفسھم بھٰذا الفشار الذی اخترعہ الحکماء الفلاسفة بل من اعتقد فی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یعلم ھٰذہ الشقاشق والھذیانات المنطقیة فھو کافر لتحقیرہ علم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] الخ **قلت** فاذا کان ھذا قولہ فی المنطق فما ظنك بالتفلسف الموبق نسأل اللہ العافیة۔	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسے نہ تھے کہ وہ اپنے آپ کو اس خلفشار میں مشغول رکھتے کہ جس کو حکماء فلاسفہ نے ایجاد کیا بلکہ جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ اعتقاد رکھا کہ وہ منطقی یا وہ گوئی اور غیر معقول باتیں جانتے تھے تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کی تحقیر کی الخ۔ **میں کہتا ہوں** جب منطق کے بارے ان کا یہ قول ہے تو پھر تباہ کن فلسفہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت چاہتے ہیں۔ (ت)

اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالفہ شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہا داخل فضولیات ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: علم تین ہیں قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کی ہمسر ہے (گویا اجماع وقیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول۔

اخرج ابوداؤد وابن ماجة والحاکم عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العلم ثلثة اٰیة محکمة او سنّة قائمة اوفریضة عادلة وماکان سواذٰلك فھو فضل [2]۔	ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص (اللہ تعالٰی دونوں سے راضی ہو) کے حوالے سے تخریج کی، انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا علم تین ہیں: (۱) پختہ آیت (۲) سنت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ (یعنی وہ ضروری چیز جو وجوب

[1] الحدیقة الندیة النوع الثانی من الانواع الثلاثة فی العلوم المنتھی عنھا مکتبہ نوری رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۳۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب ماجاء فی تعلیم الفرائض آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۳

عمل میں کتاب وسنت کے برابر ہو) اور جو کچھ ان کے علاوہ ہے وہ زائد ہے۔ (ت) اشعہ میں ہے:

فریضۃ عادلۃ فریضہ کہ مثل وعدیل کتاب وسنت ست اشارت ست باجماع وقیاس کہ مستند ومستنبط انداز ان وبایں اعتبار آنرا مساوی ومعادل کتاب وسنت داشتہ اند وتعبیر ازاں بفریضہ کردند تنبیہ برآنکہ عمل بآنہا واجب ست چنانکہ بہ کتاب وسنت **وماکان سوی ذٰلك فھو فضل** وہرچہ کہ ہست از مواد علوم جزیں پس آں فضل ست ولایعنی۔ ہرچہ **قال اللہ** نے **قال الرسول** فضلہ باشد فضلہ من خواہ اے فضول[1] ملخصًا	"فریضۃ عادلۃ" جو کتاب وسنت کے مماثل اور ان کے برابر ہو، یہ اجماع اور قیاس کی طرف اشارہ ہے، جو ان سے منسوب اور ماخوذ ہو، اسی اعتبار سے اس کو کتاب وسنت کے مساوی اور برابر ٹھہراتے ہیں، اور اس کی تعبیر فریضہ کے ساتھ کرکے اس بات پر آگاہ کیا کہ اس پر کتاب وسنت کی طرح عمل کرنا واجب ہے اور جو کچھ ان تین کے علاوہ ہے وہ فالتو ہے یعنی ان کے علاوہ جو مواد علوم ہے وہ فضول اور لایعنی ہے۔ جو کچھ اللہ تعالٰی اور رسول کا ارشاد نہیں، وہ زائد ہے اسے فضول اسے زائد سمجھو۔ ملخصًا (ت)

اسی حدیث کا پورا خلاصہ ہے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل العلوم سوی القراٰن مشغلۃ　　　الا الحدیث وعلم الفقہ فی الدین[2]

(قرآن وحدیث اور فقہ دینی کے علاوہ تمام علوم ایک مشغلہ ہیں۔ ت)

یہ مجمل کلام ہے باقی تفصیل مقام کے لئے دفتر طویل درکار، جسے منظور ہو احیاء العلوم وطریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ ودرمختار وردالمحتار وغیرہا اسفار علماء کی طرف رجوع کرے۔

وفیما ذکرنا کفایۃ لاھل الدرایۃ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہ اہل دانش کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس جلیل القدر کا علم نہایت کامل اور بڑا پختہ ہے۔ (ت)

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب العلم الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۶۷

[2] دیوان امام الشافعی قافیۃ النون (افضل العلوم) دار الفکر بیروت ص ۳۸۸

مسئلہ ۲۹۹تا۳۰۰: از صاحب گنج گیا مرسلہ مولوی کریم رضا صاحب ۳۰/شوال ۱۳۱۲ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعلیم وتعلم فنون عقلیہ مثل منطق وحکمت وریاضی وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو ملا نظام الدین صاحب کے آج تک ہزاروں علماء دیندار دیدہ ودانستہ برضا ورغبت کیوں اس امر کے پابند رہے اور ہمیشہ درس دیتے رہے، زید کہتا ہے کہ ہر گز اس علم کا پڑھنا پڑھانا جائز نہیں یہاں تک کہ بسبب اشتمال بعض مقامات توضیح وتلویح کے سائل معقول پر اس کتاب کے پڑھانے سے منع کرتا ہے زید کی تقریر سے ترک بعض علوم دینیہ مثل عقائد اور اصول کا لازم آتا ہے۔

(۲) زید عمرو کا استاد ہے اور بوقت درس حدیث کے زید نے عمرو سے عہد لیا تھا کہ تم کبھی فن معقول نہ پڑھانا اب عمرو اکثر کتابیں دینیات کی طلبہ کو پڑھاتا ہے اور چونکہ مسائل عقائد اور اصول فقہ کے بسبب عدم مہارت معقولات کے طلبہ کی سمجھ میں بخوبی نہیں آتے ہیں اور طلبہ عمرو کو تقاضا معقولات کے پڑھانے کا کرتے ہیں، اس صورت میں اگر عمرو بخیال اس کے کہ طلبہ اگر معقولات پڑھیں گے تو فن اصول وغیرہ خوب سمجھیں گے معقولات پڑھائے تو عمرو بسبب نقض عہد استاد کے آثم ہوگا یا نہیں، اگر آثم ہوگا تو اس کا کچھ کفارہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

(۱) نفس منطق ایک عالم آلی وخادم علم اعلی الاعالی ہے اس کے اصل مسائل یعنی مباحث کلیات خمسہ وقول شارح وتقاسیم قضایا وتناقض وعکوس وضاعات خمس کے تعلم میں اصلاً حرج شرعی نہیں، نہ یہ مسائل شرع مطہر سے کچھ مخالفت رکھیں، بیان کرنے والے وائمہ کی مثال میں **کل شیئ معلوم ﷲ دائمًا** (بے شک اللہ تعالٰی کو ہمیشہ ہر چیز کا علم ہے۔ت) کی جگہ **کل فلك متحرك دائمًا** (ہر آسمان ہمیشہ سے حرکت کرنے والا ہے۔ت) لکھیں تو یہ اُن کی تقصیر ہے منطق کا قصور نہیں، ائمہ مؤیدین بنور اللہ المبین اپنی سلامت فطرت عالیہ کے باعث اس کی عبارات واصطلاحات سے مستغنی تھے تو ان کے غیر بیشک ان قواعد کی حاجت رکھتے ہیں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نحو وصرف ومعانی بیان وغیرہا علوم کی احتیاج نہ تھی کہ یہ اُن کے اصل سلیقہ میں مرتکز تھے اس سے ان کے غیر کا افتقار منتفی نہیں ہوتا ولہٰذا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے فرمایا:

من لم یعرف المنطق فلاثقة	جو کوئی علم منطق سے ناآشنا ہے اس کے علوم

لہ فی العلوم اصلا[1]۔	ناقابل اعتبار و ناقابل اعتماد ہیں۔(ت)

بہت ائمہ کرام نے اس سے اشتغال رکھا بلکہ اس میں تصانیف فرمائیں بلکہ اسفار دینیہ مثل کتب اصول فقہ واصول دین کا مقدمہ بنایا، ردالمحتار میں ہے:

اما منطق الاسلامیین الذی مقدماتہ قواعد اسلامیة فلاوجه للقول بحرمته بل سماہ الغزالی معیار العلوم وقدالف فیه علماء الاسلام ومنھم المحقق ابن الھمام فانه اتی منه ببیان معظم مطالبه فی مقدمة کتابه التحریر الاصولی[2]۔	اہل اسلام کی منطق کو حرام کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس کے مقدمات قواعد اسلامیہ ہیں، بلکہ امام غزالی نے تو معیار العلوم (علوم کے پرکھنے کی کسوٹی) قرار دیا ہے اور اس میں علمائے اسلام نے سیکڑوں تصنیفات کی ہیں، انہی میں سے محقق ابن ہمام بھی ہیں انہوں نے اپنی کتاب "التحریر الاصولی" کے مقدمہ میں اس کا ایسا بیان فرمایا جس کے مطالب عظیم ہیں۔(ت)

ہاں علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہئے اس میں منہمک ہوجانے والا سفیہ جاہل اور مقاصد اصلیہ سے محروم وغافل ہے، اسی طرح بہت اجزائے حکمت مثل ریاضی ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایاو مناظر وجر ثقیل وعلم مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاست مدن وتدبیر منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ بیزرہ وعلم زیجات واسطرلاب وآلات رصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات وکائنات الجو وجغرافیہ وغیرہا بھی شریعت مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکارآمد ہیں اگرچہ مقاصد اصلیہ کے سواحاجت سے زیادہ کسی شے میں توغل فضولی وبیہودگی ہے۔

ومن حسن اسلام المرء ترکه مالایعنیه[3]۔	کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی امور کو ترک کردے۔(ت)

[1]

[2] ردالمحتار مقدمہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حسین بن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۱

خصوصًا علم طب کا مفید و محمود و محتاج الیہ ہونا توظاہر یونہی فرائض کے لئے ضروری حساب اور ہمیں معرفت صحیحہ اوقات طلوع فجر کاذب وصادق وشمس وضحوہ کبرٰی واستواء وظل ثانی غایۃ الارتفاع و مثل اول وثانی وغروب شمس و شفق احمر وابیض کہ نماز و سحری وافطار وغیرہا امور دینیہ ومسائل شرعیہ میں ان کی سخت حاجت عامہ کو بروجہ تحقیق قدرت بشری بے علم زیجات یاآلات رصدیہ نامتصور ان کی ناواقفی سے بہت لوگ سخت غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں مثلاً اذہان عامہ میں جما ہوا ہے کہ جس وقت توپ چلی اور جس گھڑی میں بارہ بجے استواء ہوگیا جب تک وقت ظہر نہ آیا تھا اور اس کے بعد شروع ہوگیا حالانکہ دونوں غلط، بعض موسموں میں ہنوز توپ چلنے، بارہ بجنے میں پاؤ گھنٹہ یازائد باقی ہوتا ہے کہ وقت ظہر ہوگیا اور بعض میں سوا بارہ بجے بھی وقت ظہر نہیں ہوتا اوقات سحری وافطار میں عوام جہال کی جنتریوں یاناواقف پڑھے لکھوں کی فہرستوں پر عمل کرتے اور بلاوجہ بزعم احتیاط دونوں جانب تعجیل سحور وتاخیر افطار سے ترک سنت مؤکدہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مصر رہتے ہیں، بعض حضرات بنام حفظ سنت تاخیر سحور و تعجیل افطار میں حد سے متجاوز ہو کر صحت وبطلان صوم کو حالت شک میں ڈال دیتے ہیں، یہ سب علم زیجات سے ناواقفی پر مبنی ہے، ابھی چند سال ہوئے گنگوہ سے آئے ہوئے کچھ مسائل فقیر کے پاس بغرض استصواب آئے جن میں تین سوال متعلق ضحوہ کبرٰی ونیت صوم وصلوٰۃ تھے بعض بے علم مفتیوں نے کہا کہ آج کل بہت عامیوں کے معتمد ٹھہرے ہیں ان میں دو کا جواب تو قطعًا قلم انداز کیا ایک کا جواب جو دیا نہ دینا اس سے ہزار درجہ بہتر تھا وہ فاحش غلطیاں کیں جن سے احکام شرعیہ یکسر منقلب ہوگئے یہ وہی ناواقفی علم زیجات ومیقات تھی زید وعمرو پدر وپسر نے ایک تاریخ معین میں دو مختلف شہروں میں ٹھیک طلوع شمس کے ساتھ انتقال کیا ناواقف فرائض دان بخیال اتحاد وقت موت مطلقًا حکم عدم توریث کرے گا اور واقف اطوال وعروض بلاد ودقائق مرئیہ قطر شمس ومطالع بلدیہ بروج مستخرجہ عند تقارب الامر خصوصًا وقت وقوع کہ دربدرجات عروض ودرج سواجمیعا کما ھوالغالب بموامرہ زیج نہ بمجرد تعدیل بین السطرین کے لحاظ سے حکم صحیح دے گا۔ جامع الرموز میں ہے:

انھم قالوالومات زید وقت الطلوع من اول رمضان مثلًا بالصین کان ترکتہ لاخیہ عمرو قدمات فیہ بسمرقند مع انھما لوماتا معالم یرث احدھما	فقہاء کرام فرماتے ہیں مثلاً زید یکم رمضان کو عین طلوع آفتاب کے وقت چین میں فوت ہوگیا تو اس کا ترکہ اس کے بھائی عمرو کو ملے گا جبکہ وہ بھی اسی وقت سمرقند میں فوت ہو گیا حالانکہ وہ اگر دونوں اکٹھے یکجا مرتے تو ان میں سے کوئی

عن الآخر کما تقرر [1]۔	ایک دوسرے کا وارث نہ ہوتا جیسا کہ (اپنی جگہ) یہ ثابت ہوچکا ہے۔(ت)

یوہیں بعض مسائل حیض ونفاس وعدت وغیرہا میں بھی ان علوم کی حاجت مثلاً عورت ٹھیک وقت غروب شمس حائضہ ہوئی پھر سفر کیا دسویں دن وہاں ٹھیک وقت غروب دم منقطع ہوا، ناواقف مطلقاً اسے عشرہ کاملہ حیض جان کر انقطاع للاکثر کے احکام جاری کرے گا اور واقف بلحاظ امور معلومہ کبھی انقطاع للاقل کہے گا کبھی زیادہ علی العشرہ پر آگاہ ہو کر عادت سے جو دن زائد ہوئے انہیں استحاضہ مانے گا، یوہیں اگر شہر دیگر میں تیسرے دن وقت غروب انقطاع ہوا، ناواقف مطلقاً حیض اور واقف کبھی استحاضہ جانے گا کہ تقادیر حیض میں ایسی ہی تدقیق معتبر ہے۔شرح نقایہ میں ہے: ردالمحتار میں ہے: ای سدس القرص [2] (یعنی آفتاب کی ٹکیہ کا چھٹا حصہ۔ت) غور کیجئے کتنا تفاوت احکام ہوگیا اور تعلیقات میں تو ہزارہا صورتیں نکلیں گی جن کا حکم بے ان علوم کے ہرگز نہ کھلے گا اور فقیہ کو ان کی طرف رجوع سے چارہ نہ ملے گا کما لایخفی علی من اوتی حظا منہا (جیسا کہ اس پر پوشیدہ نہیں جو ان علوم میں سے معمولی حصہ بھی رکھتا ہے۔ت) تو مطلقاً علوم عقلیہ کے تعلیم وتعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے ہاں اکثر طبعیات وعامہ الٰہیات فلاسفہ مخذولین صدہا کفر صریح وشرک جلی پر مشتمل مثلاً زمان وحرکت وافلاک وہیولی وصورت جرمیہ ونوعیہ وسفسطات وانواع موالید ونفوس کا قدم اور خالقیت عقول مفارقہ وانکار فاعل مختار وعلم جزئیات و حشر اجساد وجنت ونار واحالہ خرق افلاک واعادہ معدوم وصدور کثیر عن الواحد وغیرہا اور ان کے سوا اور اجزاء وفروع فلسفہ بھی کفریات صریحہ ومحرمات قبیحہ سے مملو ہیں مثلاً علم طلسمات ونیرنجات جزء التاثیر من علم النجوم واحکام زائچہ عالم وزائچہ موالید وتسییرات وفردارات وسیمیا وغیرہا یہ تو درس میں داخل نہیں طبعیات والٰہیات پڑھائے جاتے ہیں۔

فاقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں توفیق اللہ تعالٰی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ت)

[1] جامع الرموز

[2] ردالمحتار کتاب الطہارۃ باب الحیض داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۸۹

انصافاً ان کی تعلیم و تعلم زہر مہلک و نار محرق ہے مگر بچند شروط: **اوّلاً** انہماک فلسفیات و توغل مزخرفات نے معلم کے نور قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منتفی نہ کردیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علوم ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضرر راشد کی توقع۔

ثانیاً: وہ عقائد حقہ اسلامیہ سنیہ سے بروجہ کمال واقف وماہر اور اثباتِ حق وازہاق باطل پر بعونہٖ تعالٰی قادر ہو ورنہ قلوب طلبہ کا تحفظ نہ کرسکے گا۔

ثالثاً: وہ اپنی اس قدر کو بالتزام تام ہر سبق کے ایسے محل ومقام پر استعمال بھی کرتا ہے ہر گز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اس کا بطلان متعلّم کے ذہن نشین نہ کردے غرض اس کی تعلیم کا رنگ وہ ہو جو حضرت بحر العلوم قدس سرہ الشریف کی تصانیف شریفہ کا۔

رابعاً: متعلّم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفہ ملعونہ کی عظمت ووقعت متمکن نہیں۔

خامساً اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے بعض طبائع خواہی نخواہی زیغ کی طرف جاتے ہیں حق بات اُن کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًاۚ وَ اِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًاؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر درستی اور ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس پر نہیں چلتے اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگتے ہیں۔(ت)

بالجملہ گمراہ ضال یا مستعد ضلال کو اس کی تعلیم حرام قطعی ہے ع

اے لوری کوئی دیت ہے متوازن ہتھیار

سادساً: معلم ومتعلّم کی نیت صالحہ ہو نہ اغراض فاسدہ۔

سابعاً: تنہا اسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ ان کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے منجلی ہوتی رہے ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہ تعالٰی اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا اور اس تعلیم و تعلم سے انتفاع متوقع ہوگا کہ

علمت الشر لا للشر لکن لتوقیه   فمن لم یعرف الشر فیوما یقع فیه

(میں نے شر کو اس سے بچنے کے لئے معلوم کیا نہ کہ شر کے لئے، پھر جو کچھ شر کو

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۶

نہیں پہچانتا تو کسی نہ کسی دن اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ت)

تشحیذ اذہان ہو گی ضلالات فلسفہ کے رَد پر قدرت ملے گی بہت بدمذہب کے مناظرات میں کفار فلاسفہ کا دامن پکڑتے ہیں ان کی دنداں شکنی ہو سکے گی انہیں اغراض سے درس نظامی میں یہ کتب رکھی گئی تھیں کہ اب شدہ شدہ از کجا تا کجا نوبت پہنچی یہاں تک کہ بہت حمقاء کے نزدیک یہی جہالات باطلہ علوم مقصودہ قرار پا گئیں جس کی شناعت کا قدرے بیان فقیر نے اپنے رسالے **مقامع الحدید علٰی خد المنطق الجدید** (۱۳۰۴ھ) میں کیا و باللہ التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی ہی سے توفیق کی طلب اور آرزو ہے، اور اللہ پاک، برتر اور خوب جاننے والا ہے، اور اس کا علم نہایت درجہ کامل اور بڑا پختہ ہے۔ت)

(۲) کلام قدماء واصول فقہ کی سمجھ میں طبعیات والٰہیات فلسفہ کی اصلاً حاجت نہیں،

وقال اللہ تعالٰی "وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾"[1]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگو! وعدہ پورا کیا کرو بے شک وعدہ کے بارے میں پوچھ ہو گی۔(ت)

ہاں منطق بلاشبہہ مفید وکارآمد اور اکثر جگہ محتاج الیہ ہے، میبذی وصدرا و شمس بازغہ وامثالہا کے استثناء سے درس عامہ میں جو عقلیات خالصہ یا نقلیات ممتزجہ صغری وکبری وایساغوجی وقال اقول ومیر ایساغوجی وقطبی ومیر قطبی وشرح تہذیب ومیبذی وجلالی وحاشیہ سید زاہد وحاشیۃ الحاشیہ مولانا بحر العلوم وسلم وملا حسن وحمد اللہ وقاضی ورسالہ قطبیہ وشرح سید زاہد وحاشیہ غلام یحیٰی وشرح عقائد نسفی وجلالی وخیالی وتحریر اقلیدس وتصریح شرح تشریح وشرح چغمینی ومسلم الثبوت وشرح مواقف ومیر زاہد امور عامہ پڑھائی جاتی ہیں فہم کلام واصول ونیز تشحیذ اذہان وتمرین عقول کے لئے بس ہیں اخذ عہد میں مراد استاد اگر وہی کتب محرمہ تھیں جب تو ظاہر کہ ان میں حرج نہیں ورنہ بشرط حاجت بنظر حاجت ورعایت شرائط وصحت نیت تعلیم کر سکتا ہے اگر عہد مؤکد بقسم تھا تو کفارہ یمین ہے ورنہ نہیں،

اخرج الائمۃ احمد والشیخان عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی	ائمہ کرام مثلاً امام احمد اور بخاری ومسلم نے حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا حلفت علی یمین فرأیت غیرها خیرا منها فأت الذی هو خیر وکفر عن یمینک[1]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔	سند سے تخریج فرمائی، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تو کسی کام کے نہ کرنے کی قسم کھائے اور پھر دیکھے کہ اس کام کا کرنا بنسبت دوسرے کام کے بہتر ہے تو بہتر کام ہی کرو البتہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرو۔ اور اللہ تعالٰی پاک، برتر اور خوب جاننے والا ہے اور اس بزرگی والے کا علم بڑا کامل اور نہایت پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۱: از موضع ٹاہ ضلع بریلی معرفت نیاز محمد خاں صاحب ۱۲رجب ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاگرد کے ذمہ استاد معلم کے حقوق کس قدر ہیں اور اس کے ادانہ ہونے میں کیا مواخذہ ہوگا اور استاد کے احکام کی نافرمانی میں شاگرد کی نسبت کیا حکم ہے اور اس مسئلہ میں کہ شاگردنات کاپردہ استاد سے بعد بلوغ ہوناچاہئے یاقبل بلوغ بھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عالمگیری میں وجیزامام حافظ الدین کردری سے ہے:

قال الزندویستی، حق العالم علی الجاهل وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السوأ وهو ان لایفتح بالکلام قبله ولایجلس مکانه وان غاب ولایرد علی کلامه ولایتقدم علیه فی مشیه[2]۔	یعنی فرمایا امام زندویستی نے عالم کا جاہل اور استاذ کا شاگرد پر ایک ساحق ہے برابر اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے۔

اس میں غرائب سے ہے:

ینبغی للرجل ان یراعی حقوق	آدمی کو چاہئے کہ اپنے استاذ کے حقوق واجبہ

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب من سأل الامارۃ وکل الیها قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۸۰و۱۰۵۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب ندب بین یمینًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۷۳

استاذہ وآدابہ لایبخل بشیئ من حالہ[1]۔	کالحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔

یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کرلینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔ اسی میں تاتارخانیہ سے ہے:

یقدم حق معلمہ علی حق ابویہ وسائر المسلمین ویتواضع لمن علمہ خیرا ولوحرفا ولاینبغی ان یخذلہ ولایتاثر علیہ احدا فان فعل ذٰلک فقد فصم عروۃ من عری الاسلام ومن اجلالہ ان لایقرع بابہ بل ینتظر خروجہ[2] اھ۔	یعنی استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لئے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام سے رشتوں سے ایک رسی کھول دی، اور استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے اھ۔
قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یقینا جو لوگ آپ کے حجروں کے باہر سے پکارتے اور آوازیں دیتے ہیں ان میں زیادہ تر بے عقل اور ناسمجھ ہیں، اگر وہ آپ کے باہر تشریف لانے (کا انتظار کرتے ہوئے) صبر کرتے تو یہ ان کے حق میں بہت بہتر ہوتا، اور اللہ تعالٰی بخشنے والا بے حد مہربان ہے۔ (ت)

عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاد علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[4] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں

[1] فتاوٰی عالمگیری کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۷۸

[2] فتاوٰی عالمگیری کتاب الکراہیۃ الباب الثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۷۹۔۳۷۸

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۴

[4] مسند امام احمد بن حنبل مرویات الحکم بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۷

کسی کی اطاعت نہیں۔ت) مگر اس نہ ماننے میں گستاخی و بے ادبی سے پیش نہ آئے فان المنکر لایزال بمنکر (گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں ہوتا۔ت) نافرمانی احکام کا جواب اسی تقریر سے واضح ہوگیا اس کا وہ حکم کہ خلافِ شرع ہو مستثنٰی کیا جائے گا بکمال عاجزی وزاری معذرت کرے اور بچے اور اگر اس کا حکم مباحات میں ہے تو حتی الوسع اس کی بجاآوری میں اپنی سعادت جانے اور نافرمانی کا حکم معلوم ہوچکا، اس نے اسلام کی گرہوں سے ایک گرہ کھول دی۔ علماء فرماتے ہیں جس سے اس کے استاد کو کسی طرح کی ایذا پہنچی وہ علم کی برکت سے محروم رہے گا اور اگر اُس کے احکامات واجبات شرعیہ ہیں جب تو ظاہر ہے کہ اُن کا لزوم دوبارہ ہوگیا ان میں اس کی نافرمانی صریح راہ جہنم ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**۔ رہا پردہ اس میں استاذ وغیر استاذ، عالم وغیر عالم، پیر سب برابر ہیں۔ نو برس سے کم کی لڑکی کو پردہ کی حاجت نہیں اور جب پندرہ برس کی ہو سب غیر محارم سے پردہ واجب، اور نو سے پندرہ تک اگر آثار بلوغ ظاہر ہوں تو واجب، اور نہ ظاہر ہوں تو مستحب خصوصًا بارہ برس کے بعد بہت مؤکد کہ یہ زمانہ قرب بلوغ وکمال اشتہا کا ہے **ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل**[1]۔ **نسأل اللہ العفو والعافیۃ** (جو اپنے زمانے والوں کو نہ پہچانے تو وہ جاہل ہے، ہم اللہ تعالٰی سے عفو اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۰۲: از بنارس محلّہ مدنپورہ اونچی مسجد مرسلہ مولوی محمد عبدالرحمٰن صاحب جشانی شافعی ۱۲ رمضان ۱۳۱۳ھ

ہمارے علمائے اہلسنت رحمہم اللہ تعالٰی اس میں کیا فرماتے ہیں کہ جیسا کہ حنفی کو (بموجب اس کے جو کہ درمختار میں ہے اس بات سے کہ ضرورت کے وقت کسی مسئلہ میں اپنے امام کے سوا دوسرے امام کی تقلید کرنے کا کچھ خوف نہیں ہے لیکن بشرط اس کے کہ اس مسئلہ میں اسی امام کے سب شروط کا التزام کرے اور نیز بموجب اس کے جو کہ شامی میں ہے اس بات سے کہ ابن وہبان نے اپنے منظومہ میں ذکر کیا ہے کہ اگر ضرورت کے وقت امام مالک کے قول پر فتوی دیا جائے تو جائز ہے اور نیز بموجب اس کے جو کہ جامع الرموز میں ہے اس بات سے کہ مفقود کی مدت انتظار کی تعیین میں امام مالک اور امام اوزاعی چار برس تک کے قائل ہیں پھر بعد چار برس اس کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت ہے تو اگر ضرورت کے وقت ہمارے یہاں بھی اس قول کے ساتھ فتوی دیا جائے تو کچھ خوف نہیں) ضرورت کے وقت دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز ہے ایسا ہی ضرورت کے وقت مثلاً مسئلہ انتقاض الوضوء باکل مامستہ النار میں شافعی کو بھی اس کے مذہب کی کس کتاب کے بموجب دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۹

الجواب:

تقلید امام دیگر وقت ضرورت صحیحہ بشرط مذکورہ فی السوال کا جواز متفق علیہ ہے ولہذا حنفی شافعی ہر مذہب کے محتسب کو لکھتے ہیں کہ اپنے ہم مذہب کو جو بات خلاف مذہب کرتے دیکھیں اگر وہ اس میں عذر تقلید غیر پیش کرے احتساب سے ہاتھ اٹھائیں۔ شرح عین العلم میں ہے:

لورأی الشافعی شافعا یشرب النبیذ او ینکح بلا ولی ویطوء زوجته اورأی الحنفی حنفیا یلعب بالشطرنج اولبس الثوب الاحمر فهذا فی محل النظر کما فی الاحیاء والاظهران له الحسبة والانکار اذلم یذهب احد من المحصلین الی ان له ان یاخذ بمذهب غیره بل علی مقلد اتباع مقلده فی کل تفصیل فمخالفة المقلد متفق علی کونه منکرا بین المحصلین وهو عاص بالمخالفة الا انه جوز له تقلید غیره من الائمة فی بعض المسائل فاذا اعتذروا قال انا مقلد للشافعی او الحنفی فی هذا الباب یرتفع عنه الاحتساب[1] اھ مختصرًا۔	اگر کوئی شافعی کسی دوسرے شافعی کو دیکھے کہ وہ نبیذ (جوس) پیتا ہے اور بغیر ولی کے نکاح کرتا ہے اور اس بیوی سے ہمبستری کرتا ہے یا کوئی حنفی کسی دوسرے حنفی کو دیکھے کہ وہ شطرنج کھیلتا ہے یا سرخ لباس پہنتا ہے تو یہ قابل اعتراض ہے جیسا کہ امام غزالی کی الاحیاء میں ہے، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے لئے احتساب اور انکار ہے کیونکہ محصلین میں سے کوئی ادھر نہیں گیا کہ اس کے لئے کسی دوسرے امام کے قول پر عمل کرنا جائز ہے بلکہ مقلد پر ہر تفصیل میں اپنے امام کا اتباع فی المذہب ضروری ہے لہذا امام کی مخالفت کے گناہ ہونے پر محصلین کا اتفاق ہے اور مخالفت امام کا مرتکب گناہ گار ہے ہاں البتہ اس کے لئے دوسرے ائمہ میں سے کسی امام کی بعض مسائل میں تقلید جائز ہے پھر اگر معذرت کرے اور کہے میں اس باب میں امام شافعی یا امام ابوحنیفہ کا مقلد ہوں تو اس سے احتساب اٹھ جائے گا اھ مختصرًا۔ (ت)

اور اس کے اجل شواہد سے خود امام مذہب سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل ہے کہ جب نماز صبح مزار اکرم حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس پڑھی اس میں دعائے قنوت نہ پڑھی نہ بسم اللہ شریف کا جہر کیا، اور اس کا سبب حضرت امام الائمہ کا ادب بیان فرمایا۔

[1] شرح عین العلم

کما ذکرہ الامام ابن حجر المکی الشافعی فی الفصل الخامس والثلثین من الخیرات الحسان [1] من مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان"۔	جیسا کہ امام ابن حجر مکی شافعی نے اس کو "الخیرات الحسان من مناقب الامام اعظم ابی حنیفۃ النعمان" کی ۳۵ ویں فصل میں بیان فرمایا۔(ت)

اور مروی ہوا کہ تکبیرات انتقال میں رفع یدین بھی نہ کیا اور فرمایا:

ادبنا مع ھذا الامام اکثر من ان نظھر خلافہ بحضرتہ۔ ذکرہ القاری فی المرقاۃ [2]۔	اس امام کے ساتھ ہمارا ادب اس سے زائد ہے کہ ہم ان کے حضور ان کا خلاف ظاہر کریں۔ اس کو ملا علی قاری نے مرقاۃ (شرح مشکوٰۃ) میں ذکر فرمایا۔(ت)

یہاں مخالفت مذہب کی ضرورت کو امام ابن حجر مکی شافعی نے خیرات الحسان میں مفصل ذکر فرمایا ہے **من شاء فلیطالعھا** (جو کوئی چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ت) اتنا امر اور ملحوظ خاطر رہے کہ زن مفقود کو چار سال کے بعد اجازت نکاح کہ مذہب امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ جب اس کی خبر منقطع ہونے کو چار برس گزر جائیں یہ بطور خود نکاح کرلے بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ زن مفقود قاضی شرع کی طرف رجوع لائے وہ اپنے حکم سے چار سال کی مہلت آج سے دے اس سے پہلے اگرچہ بیس سال گزر گئے ہوں ان کا کچھ اعتبار نہیں جب یہ چار برس گزر جائیں اور پتا نہ چلے قاضی اپنے حکم سے تفریق کرے اس کے بعد عورت عدت بیٹھ کر نکاح کی مختار ہوسکتی ہے،

کما بینہ العلامۃ الزرقانی المالکی فی شرح المؤطا واوضحناہ فی کتاب النکاح و کتاب المفقود من فتاوٰنا۔	جیسا کہ علامہ زرقانی مالکی نے اس کو شرح مؤطا میں بیان فرمایا، اور ہم نے اپنے فتاوٰی کی بحث نکاح اور بحث مفقود میں اس کی وضاحت کی۔(ت)

یہ بہت غلطی ولغزش کا محل ہے اسے خوب سمجھ لینا چاہئے۔ اسی طرح انتقاض وضو "**باکل مامستہ النار** (آگ پر پکی ہوئی چیز سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ت) ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں کسی کا

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الخامس والثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۹

[2] مرقاۃ المفاتیح

مذہب نہیں بلکہ بعد صدرِ اول اس کے خلاف پر اجماع علماء منعقد ہولیا ہے، امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

ذھب جماھیر العلماء من السلف والخلف الی انه لا ینتقض الوضوء باکل مامسته النار ممن ذھب الیه ابوبکر الصدیق وعمر وعثمان وعلی رضی الله تعالٰی عنھم وھو مذھب مالك وابی حنیفة والشافعی واحمد رحمھم الله تعالٰی وذھبت طائفة الٰی وجوب الوضوء الشرعی باکل مامسته النار وھو مروی عن عمر بن عبدالعزیز والحسن البصری والزھری ثم ان ھذا الخلاف الذی حکیناه کان فی الصدر الاول ثم اجمع العلماء بعد ذٰلك علی انه لایجب الوضؤ باکل مامسته النار[1] اھ باختصار، والله تعالٰی اعلم۔	سلف وخلف (اگلے پچھلے لوگوں) میں سے جمہور علماء کرام کے نزدیک آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جن بزرگوں نے یہ مؤقف ومذہب اختیار کیا ان میں خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہم شامل ہیں۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کا تو یہی مذہب ہے، اور ایک گروہ کا مؤقف یہ ہے کہ ہر پکی ہوئی چیز کھائے سے وضو شرعی واجب ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری اور زہری سے یہ مروی ہے۔ جس اختلاف کی ہم نے حکایت کی ہے وہ صدر اول میں تھا۔ اس کے بعد علماء کرام کا اس پر اجماع منعقد ہوگیا کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنا واجب نہیں اھ باختصار۔ اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۳: (سوال ندارد)

الجواب:

حفظ قرآن فرض کفایہ ہے اور سنت صحابہ وتابعین وعلمائے دین متین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین اور منجملہ افاضل مستحبات عمدہ قربات منافع وفضائل اس کے حصروشمار سے باہر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الحیض باب الوضوء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۶

یجیئ صاحب القراٰن یوم القٰیمة فیقول یارب حله[1] الحدیث۔	یعنی قرآن والا قیامت کے روز آئے گا پس قرآن عرض کرے گا اے رب میرے اسے خلعت عطا فرما تو اس شخص کو تاج کرامت عطا فرمائیں گے، پھر عرض کرے گا اے رب میرے اور زیادہ کر، تو اسے حلہ بزرگی پہنائیں گے، پھر عرض کرے گا اے رب میرے اس سے راضی ہو جا، تو اللہ جل جلالہ اس سے راضی ہو جائے گا۔ پھر اس سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ، اور ہر آیت پر ایک نیک زائد کی جائے گی۔

اور فرماتے ہیں:

یقال یعنی لصاحب القراٰن اقرء وارق ورتل الحدیث رواہ الترمذی[2] وابن ماجه واللفظ للترمذی۔	یعنی صاحب قرآن کو حکم ہوگا کہ پڑھ اور چڑھ اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسے تو اسے دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا کہ تیرا مقام اس پچھلی آیت کے نزدیک ہے جسے تو پڑھے گا (ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا اور الفاظ جامع ترمذی کے ہیں۔ت)

حاصل یہ کہ ہر آیت پر ایک ایک درجہ اس کا جنت میں بلند کرتے جائیں گے جس کے پاس جس قدر آیتیں ہوں گی اسی قدر درجے اسے ملیں گے۔ اور فرماتے ہیں:

مثل القراٰن ومن تعلمه. الحدیث رواہ ابن ماجه[3] والنسائی۔	یعنی حافظ قرآن اگر شب کو تلاوت کرے تو اس کی مثال اس توشہ دان کی ہے جس میں مشک بھرا ہوا ہو اور اس کی خوشبو تمام مکانوں میں مہکے اور جو شب کو سورہے اور قرآن اس کے سینے میں ہو تو اس کی کہاوت مانند اس توشہ دان کے ہے جس میں مشک ہے اور اس کا منہ باندھ دیا جائے الحدیث (ابن ماجہ اور نسائی نے اسے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں:

خیر کم من تعلم القراٰن و	یعنی تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۵

[3] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۱، سنن ابن ماجہ باب فضل من تعلم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

علمه، رواه البخاری[1] والترمذی وابن ماجه۔	سکھائے (بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے اسے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں:

لماسمعت الملئکة القراٰن، الحدیث رواه الدارمی[2]۔	جب فرشتوں نے قرآن سنا بولے خوشی ہو اس امت کے لئے جس پر یہ نازل ہوا، اور خوشی ہو ان سینوں کے لئے جو اسے اٹھائیں گے اور یاد کریں گے، اور خوشی ہو ان زبانوں کے لئے جو اسے پڑھیں گے اور تلاوت کریں گے (اس کو دارمی نے روایت کیا۔ت)

جابجا اللہ جل جلالہ، اور اس کے رسول کریم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے قرآن کی ترغیب و تحریص فرمائی۔ رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

"وَ لَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾"[3]	اور بیشک ہم نے آسان کردیا قرآن کو یاد کرنے کے لئے سو ہے کوئی یاد کرنے والا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعاهدوالقراٰن فوالذی نفسی بیده لهواشد تفصیا من الابل فی عقلها رواه البخاری[4] ومسلم۔	یعنی نگاہ رکھو قرآن کو اور اسے یاد کرتے رہو سو قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ قرآن زیادہ چھوٹنے پر آمادہ ان اونٹوں سے جو اپنی رسیوں سے بندھے ہوں (اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا۔ت)

یعنی جس طرح بندھے ہوئے اونٹ چھوٹنا چاہتے ہیں اور اگر ان کی محافظت واحتیاط نہ کی جائے

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۲، جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۴، سنن ابن ماجہ باب فضل من تعلم القرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹

[2] سنن الدارمی کتاب فضائل القرآن حدیث ۳۴۱۷ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۳۲۷

[3] القرآن الکریم ۵۴/ ۱۷

[4] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۳، صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۸

تو رہا ہو جائیں اس سے زیادہ قرآن کی کیفیت ہے اگر اسے یاد نہ کرتے رہو گے تو وہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا پس تمہیں چاہئے کہ ہر وقت اس کا خیال رکھو اور یاد کرتے رہو اس دولت بے نہایت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اور فرماتے ہیں:

ان الذی لیس فی جوفه شیئ من القراٰن کالبیت الخرب۔ رواہ الترمذی[1]۔	حاصل یہ کہ جسے کچھ قرآن یاد نہیں وہ ویرانے گھر کے مانند ہے یعنی جیسے گھروں کی زینت ان کے رہنے والوں اور عمدہ آرائشوں سے ہوتی ہے اسی طرح خانہ دل کی زینت قرآن مجید سے ہے جسے قرآن یاد ہے اس کا دل آباد ہے ورنہ ویرانہ وبرباد۔

اور فرماتے ہیں:

یا اهل القراٰن لاتوسدوا القراٰن واتلوه حق تلاوته من اٰناء اللیل والنهار وافشوه۔ الحدیث رواہ البیهقی والطبرانی[2]۔	یعنی اے قرآن والو! قرآن کو تکیہ نہ بنالو کہ پڑھ کے یاد کرکے رکھ چھوڑا پھر نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا بلکہ اسے پڑھتے رہو دن رات کی گھڑیوں میں جیسے اس کے پڑھنے کا حق ہے اور اسے افشا کرو کہ خود پڑھو لوگوں کو پڑھاؤ، یاد کراؤ اس کے پڑھنے یاد کرنے کی ترغیب دو نہ یہ کہ جو پڑھے اور خدا اسے حفظ کی توفیق دے اس کو روکو اور منع کرو۔ (بیہقی اور طبرانی سے اس کو روایت کیا۔ ت)

اس سے زیادہ نادان کون ہے جسے خدا ایسی ہمت بخشے اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھودے اگر قدر اس کی جانتا اور جو ثواب اور درجات اس پر موعود ہیں ان سے واقف ہوتا تو اسے جان ودل سے زیادہ عزیز رکھتا زید نادان کو اپنے سوءِ حافظہ یا کسی اور سبب سے حفظ قرآن میں دقت ہو یا تشابہ زیادہ واقع ہوں تو اسے قرآن کا تصور سمجھتا ہے اور اس کے حفظ کو معاذاللہ بیکار وبے ثمر ٹھہراتا ہے یہ وسوسہ شیطان کا ہے کہ اس کے دل میں ڈرلاتا تاکہ سے ایسی نعمت عظمٰی سے محروم رکھے اور راہ راست سے پھیر کر گمراہوں کے گروہ میں داخل کرے، وہ یہ نہیں جانتا کہ جسے قرآن مجید میں زیادہ دقت ومشقت پڑتی ہے اس کا اجر اللہ کے نزدیک دونا ہے، رسول اللہ

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۵

[2] کنز العمال بحوالہ طب، حب حدیث ۲۸۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۱۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الماھر بالقراٰن مع السفرۃ الکرام البررۃ رواہ البخاری [1] ومسلم۔	یعنی جو شخص قرآن مجید میں مہارت رکھتا ہے وہ نیکوں اور بزرگوں اور وحی وکتابت یالوح محفوظ کے لکھنے والوں یعنی انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ ہے، اور جو قرآن کو بزور پڑھتا ہے اور وہ اس پر شاق ہے اس کے لئے دو اجر ہیں۔ (بخاری ومسلم نے اس کو روایت کیا۔ت)

انجام اس وسوسہ ابلیس وفساد باطنی کا یہ ہے کہ وہ قرآن مجید بھول جائے اور ان وعیدوں کا مستحق ہو جو اس باب میں وارد ہوئیں، اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ" [2] الاٰیۃ۔	جو میرے ذکر یعنی قرآن سے منہ پھیرے گا سو اس کے لئے تنگ عیش ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا اور میں توتھا انکھیارا، اللہ تعالٰی فرمائے گا یوہیں آئی تھیں تیرے پاس ہماری آیتیں سو تو نے انہیں بھلادیا اور ایسے ہی آج تو بھلادیا جائے گا کہ کوئی تیری خبر نہ لے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن امرء یقرء القراٰن ثم ینسٰھا الحدیث، رواہ ابو داؤد [3] والدارمی۔	یعنی جو شخص قرآن پڑھ کر بھول جائے گا قیامت کو خدا کے پاس کوڑھی ہو کر رہے گا۔ (ابوداؤد اور دارمی نے اس کو روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں:

عرضت علیّ ذنوب امتی، الحدیث رواہ الترمذی [4]۔	حاصل یہ کہ میری امت کے گناہ میرے حضور پیش کئے گئے تو میں نے گناہ اس سے بڑا نہ دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن کی ایک سورۃ یا ایک آیت یاد ہو پھر وہ اسے بھلادے۔ (اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول النبی صلی علیہ وسلم الماھر بالقرآن ۲/ ۲۶-۱۱۲۵، صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن باب فضیلۃ حافظ قرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۹

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۴

[3] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب التشدید فی من حفظ القرآن آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۷، سنن الدارمی کتاب فضائل القرآن حدیث ۳۳۴۳ نشر السنّۃ ملتان ۲/ ۳۱۵

[4] جامع الترمذی ابواب فضائل القرآن باب من فضائل القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۵

زید پر لازم کہ اس قسم کی خرافات اور گستاخیوں سے باز آئے اور خلاف حکم اللہ اور اللہ کے رسول کے لوگوں کو حفظ کلام اللہ سے نہ روکے بلکہتر غیب دے اور جہاں تک ہوسکے اس کے پڑھانے اور حفظ کرانے اور خود یاد رکھنے میں کوشش کرے تاکہ وہ ثواب جو اس پر موعود ہیں حاصل ہوں اور روز قیامت اندھا کوڑھی ہو کر اُٹھنے سے نجات پائے۔واللہ الهادی الی سبیل الرشاد ومن یضلل اللہ فماله من هاد۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔اللہ تعالٰی سیدھا راستہ دکھانے والا ہے اور جس کو وہ گمراہ کردے اسے کوئی راہ دکھلانے والانہیں۔اور اللہ تعالٰی سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اس کا علم بڑا کامل اور اس کا فیصلہ بڑا محکم ہوتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۰۴: از موضع اٹنگہ چاند پور پرگنہ نواب گنج مرسلہ سید حافظ وحید الدین صاحب ۱۴ شعبان ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں،ایک موضع میں دو قسم کے فریق ہیں،ایک کی اولاد دین کے مدرسے میں علم دین مثل حفظ قرآن شریف وناظرہ وضروریات دین ودنیوی جو کہ ضروری ہیں بہت زمانہ سے سیکھتے ہیں اور تعلیم پاتے ہیں اور ان کے والدین کوشش ان کے میں مصروف ہیں،اور دوسرے فریق نے عرضی دے کر مدرسہ سرکاری کروایا ہے وہ اس کی تائید اور کاروائی میں مصروف ہیں،ہر دو مدرسین کا کیا حکم ہے اور ہر دو فریقین اور طالب علموں کے لئے کیا حکم شرع ہے؟اور کون سے علوم ہیں کہ ان کی فرضیت کا حکم ہے یا اس میں مسلمانوں کو اپنی طبیعت کا اختیار ہے جو علم چاہیں پڑھیں پڑھائیں،ثواب وعقاب سے اس کے لئے آگاہ فرمائیے گا۔بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

علم دین سیکھنا اس قدر ہے کہ مذہب حق سے آگاہ ہو،وضو غسل،نماز،روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔تاجر تجارت،مزارع زراعت،اجیر اجارے،غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو،فرض عین ہے جب تک یہ حاصل کرے،جغرافیہ،تاریخ،وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔حدیث میں ہے:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم ومسلمة[1]۔	ہر مسلمان مرد عورت پر علم کی تلاش فرض ہے۔(ت)

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیه الباب الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۶۳

جو فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو حدیثوں میں اس کی سخت برائی آئی اور اس کا وہ نیک کام مردود قرار پایا، کما بیّناہ فی الزکوٰۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی کی بحث زکوٰۃ میں تفصیلاً بیان کر دیا ہے۔ت) نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں وقت گنوانا، غرض یہ علوم ضروریہ تو ضرور مقدم ہیں اور ان سے غافل ہو کر ریاضی، ہندسہ، طبعیات، فلسفہ یا دیگر خرافات وفلسفہ پڑھنے پڑھانے میں مشغولی بلاشبہہ متعلّم ومدرس دونوں کے لئے حرام ہے اور ان ضروریات سے فراغ کے بعد پورا علم دین فقہ حدیث تفسیر عربی زبان اس کی صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہا آلات علوم دینیہ بطور آلات سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآىٕفَةٌ لِّیَتَفَقَّهُوْا فِی الدِّیْنِ"[1]	پھر ایسا نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلتی تاکہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے۔ (ت)

یہی علوم علم دین ہیں اور انہیں کے پڑھنے پڑھانے میں ثواب، اور ان کے سوا کوئی فن یا زبان کچھ کارِ ثواب نہیں، ہاں جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغت پا کر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرع نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جبکہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑھے ورنہ ؎

مبادا دل آں فرومایہ شاد　　　از بہر دنیا دہد دین بباد

(اللہ کرے اس کمینے کا دل کبھی خوش نہ ہو جس نے دنیا کے لئے دین برباد کر دیا۔ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۵: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں رامپوری　۲۲/صفر مظفر ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی عالم یا مولوی یا حافظ کو بلاوجہ اور بلاقصور بدنام کرے اور آپ لوگوں کے روبرو ناخواندہ آدمی اچھا بنے اور اپنی عقل کے روبرو عالم کو جاہل اور ذلیل سمجھنا اور عالم کی حقارت کرنا لوگوں کی جماعت میں بیٹھ کر اور اپنے آپ کو بہت ذی مرتبہ خیال کرنا اور عالم وغیرہ سب کو برا کلمہ کہنا غرضکہ ہر شخص کو برا کہنا اور ہر شخص پر اعتراض کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۲

الجواب:

سخت حرام سخت گناہ اشد کبیرہ، عالم دین سنی صحیح العقیدہ کہ لوگوں کو حق کی طرف بلائے اور حق بات بتائے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب ہے اس کی تحقیر معاذاللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی موجبِ لعنت الٰہی وعذاب الیم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذو الشیبة فی الاسلام وذوالعلم والامام المقسط۔ رواہ ابوالشیخ فی کتاب التوبیخ عن جابر بن عبد اللہ و الطبرانی[1] فی الکبیر عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	تین شخصوں کے حق کو ہلکانہ جانے گا مگر منافق کھلا منافق، ایک وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا، دوسرا علم والا، تیسرا بادشاہ اسلام عادل (اس کو ابوالشیخ نے کتاب التوبیخ میں جابر بن عبد اللہ سے اور طبرانی نے کبیر میں ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

اور بلاوجہ شرعی کسی سنی المذہب کو برا کہنا یا اس کی تحقیر کرنا ئز نہیں کہ اس میں مسلمان کی ناحق ایذا ہے اور مسلمان کی ناحق ایذا خدا اور سول کی ایذا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی فقد اذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[2] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو ناحق ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی (امام طبرانی نے اس کو الاوسط میں حضرت انس کے حوالے سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ت)

ہر ایک کو برا وہی کہے گا جو خود نہایت برا اور بدتر ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی، رواہ	مسلمان نہیں ہے ہر ایک پر منہ آنے والا اور نہ بکثرت لوگوں پر لعنت کرنے والا اور نہ بے حیائی

[1] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ فی التوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲، المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبہ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

الائمۃ احمد والبخاری فی الادب المفرد والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال الترمذی حسن۔[1]	کے کام کرنے والا اور نہ فحش بکنے والا۔(ائمہ کرام مثلاً امام احمد، امام بخاری نے الادب المفرد میں، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) امام ترمذی نے فرمایا: حدیث حسن ہے۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایبغی علی الناس الا ولد بغی والامن فیہ عرق منہ[2]۔رواہ الطبرانی عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	لوگوں پر ظلم وتعدی نہ کرے گا مگر حرامی یا وہ جس میں کوئی رگ ولادت زنا کی ہے (امام طبرانی نے اس کو المعجم الکبیر میں حضرت ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا ہے۔ت)

رہا اپنے آپ کو بہتر سمجھنا یہ تکبر ہے اس کے لئے یہی آیت کافی ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ۝۶۰"[3]	کیا نہیں ہے دوزخ میں ٹھکانہ تکبر کرنے والوں کا، یعنی ضرور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: ازدرہ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۲۲/رجب ۱۳۱۵ھ

جس عبارت میں کہ صرف لفظ مکروہ ہو تو اس سے کیا ارادہ لیا جائے گا تحریم یا تنزیہہ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہمارے علمائے کرام کے کلام میں غالباً کراہت مطلقہ سے مراد کراہت تحریم ہوتی ہے مگر

---

[1] المستدرک کتاب الایمان دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی اللعنۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹

[2] مجمع الزوائد باب فی عمال السوء ۵/ ۲۳۳ وباب فی اولاد الزنا ۶/ ۲۵۸، کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۱۳۰۹۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۳۳

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

کلیۃً نہیں بہت جگہ عام مراد لیتے ہیں کما فی مکروھات الصلٰوۃ (جیسا کہ نماز کی بحث مکروہات میں مذکور ہے۔ت) بہت جگہ خاص کراہت تنزیہی،

کمالایخفی علی من تتبع کلامھم و قدبیّنہ فی البحرالرائق وردالمحتار وذکرناہ فی کتاب الصلٰوۃ من فتاوٰنا، واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں کہ جس نے ان کے کلام کو تلاش کیا (چھان بین کی) چنانچہ اس کو بحرالرائق اور ردالمحتار میں وضاحت سے بیان فرمایا گیا ہے اور میں نے اس کو اپنے فتاوٰی کی بحث صلٰوۃ میں ذکر کیا ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۰۷: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ مسجد ٹیپو سلطان مرسلہ حافظ محمد عظیم صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص عالم اور حافظ ہو کر اپنے لڑکے کو علم انگریزی تعلیم دلوائے اور دینی علم سے محروم رکھے اور اپنی لڑکیوں کے عقد غیر شرع سے کرے آیا حشر کے دن اس سے بازپرس ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

ضرور بازپرس کا محل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا" [1]	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آتشِ دوزخ سے بچاؤ۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ [2]۔	تم میں سے ہر ایک چرواہا (نگہبان) ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت (زیردست) کے بارے میں بازپرس ہوگی (ت)

نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: الدین النصح لکل مسلم [3] (دین اسلام ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی کرنا ہے۔ت)

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

[2] کنزالعمال حدیث ۱۴۷۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۰

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۱۳، صحیح مسلم باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۵۴

مسئلہ ۳۰۸: مسئولہ مولوی خلیل احمد خاں پشاوری ۱۹ شوال المکرم ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ایں مسئلہ کہ معلم کودکاں رازدن علی الاطلاق مباح ست یا اجرت وغیر اجرت شرط ست۔ بیّنوا توجروا۔	علمائے دین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ استاد اپنے شاگرد بچوں کو بغیر کسی قید وشرط کے بدنی سزادے سکتا ہے یا نہیں؟ کیا بچوں کو اجرت لے کر پڑھانے یا بلااجرت پڑھانے والے کے لئے الگ الگ ضابطہ ہے۔ بیان فرمائیے اجرت پائیے)

الجواب:

زدن معلم کودکاں را وقت حاجت بقدر حاجت محض بغرض تنبیہ واصلاح ونصیحت بے تفرقہ اجرت وعدم اجرت رواست اما باید کہ بدست زنند نہ بچوب ودر کرتے برسہ بارنیفزایند فی ردالمحتار، لایجوز ضرب ولد الحر بامر ابیہ اما المعلم فلہ ضربہ لمصلحۃ التعلیم وقیدہ الطرسوسی بان یکون بغیر اٰلۃ جارحۃ وبان لایزید علی ثلث ضربات، وردہ الناظم بانہ لاوجہ لہ ویحتاج الی نقل و اقرہ الشارح قال الشرنبلالی والنقل فی کتاب الصلٰوۃ یضرب الصغیر بالید لابالخشبۃ ولایزید علی ثلث ضربات[1] اھ بتلخیص۔	ضرورت پیش آنے پر بقدر حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریق اجرت وعدم اجرت استاد کا بدنی سزادینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہئے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے، چنانچہ فتاوٰی شامی میں ہے کہ کسی آزاد بچے کو اس کے والد کے حکم سے مارنا جائز نہیں لیکن استاد تعلیمی مصلحت کے تحت پٹائی کرسکتا ہے۔ امام طرسوسی نے یہ قید لگائی ہے کہ مارپیٹ زخمی کردینے والی نہ ہو اور تین ضربوں سے زائد بھی نہ ہو، لیکن ناظم نے اس قید کو رَد کردیا کہ اس کی کوئی وجہ نہیں لہٰذا نقل کی ضرورت ہے اور شارح نے اس کو برقرار رکھا۔ علامہ شرنبلالی نے فرمایا نقل کتاب الصلٰوۃ میں ہے کہ چھوٹے بچے کو ہاتھ سے سزادی جائے نہ کہ لاٹھی سے اور تین ضربوں سے تجاوز بھی نہ ہونے پائے اھ بتلخیص

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۶

درجامع الصغار استروشنی است ذکر والدی رحمه الله تعالٰی من صلٰوۃ الملتقط اذا بلغ الصبی عشر سنین یضرب لاجل الصلٰوۃ بالید لابالخشب ولا یجاوز الثلث وکذا المعلم لیس له ان یجاوز الثلث قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم لمرداس المعلم ایاك ان تضرب فوق الثلث فانك اذا ضربت فوق الثلث اقتص الله منک[1]۔ والله تعالٰی اعلم۔	جامع صغار استروشنی میں ہے: میرے والد رحمہ اللہ تعالٰی نے بحث صلٰوۃ ملتقط میں ذکر فرمایا کہ جب بچے کی عمر دس سال ہوجائے تو نمازی بنانے کے لئے اسے ہاتھ سے سزادی جائے لاٹھی سے نہیں اور تین مرتبہ سے تجاوز بھی نہ کیا جائے۔ یونہی استاد کے لئے روانہیں کہ تین مرتبہ سے تجاوز کرے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے استاذ کی بچوں کو مارنے کے بارے میں فرمایا: تین مرتبہ سے زائد ضربیں لگانے سے پرہیز کرو کیونکہ اگر تم تین مرتبہ سے زیادہ سزادی تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن تم سے بدلہ لے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۹: ازمارہرہ ضلع ایٹہ سرکار کلاں مرسلہ حضرت شاہ سید مہدی حسن میاں صاحب ۳ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ

عالی جناب مولٰینا صاحب زید مجدکم! اپنا شرعی خیال عورات کے لکھنے کی نسبت ظاہر فرمائیے یہاں عرصہ سے یہ امر معرض بحث میں ہے۔

الجواب:

حضور، عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعًا ممنوع وسنت نصارٰی وفتح باب ہزاران فتنہ اور مستان سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسد شدیدہ پر تجارب حدیدہ شاہد عدل ہیں، متعدد حدیثیں اس کے ممانعت میں وارد ہیں جن کی بعض کی سند عندالتحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف ومحفوظ ہونے کا امام بیہقی نے اعادہ فرمایا اور پھر تعدّدِ طرق دوسری قوت ہے اور عمل امت وقبول علماء، تیسری قوت اور محل احتیاط وسدِّ فتنہ، چوتھی قوت تو حدیث لاا قل حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے۔ بخلاف حدیث شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ حفصہ نے فرمایا کیا حفصہ کو غلّہ کا منتہ نہ سکھائے گی جیسے اسے لکھنا سکھایا، اجازت میں اصلًا کوئی حدیث صریح نہیں۔

[1] احکام الصغار مسائل الصلٰوۃ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۶

احادیث ممانعت: یہ ہیں۔

حدیث اوّل: ابن حبان بطریق یحیٰی بن زکریا بن یزید دقاق، اور بیہقی شعب الایمان میں بطریق مطیر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

قالا حدثنا محمد بن ابراھیم ابوعبداللہ الشامی حدثنا شعیب بن اسحٰق الدمشقی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتسکنوھن الغرف ولاتعلموھن الکتابۃ وعلموھن المغزل وسورۃ النور [1]۔	(دونوں (محدث ابن حبان اور امام بیہقی) نے فرمایا ہم سے محمد بن ابراہیم ابوعبداللہ شامی نے بیان کیا (انہوں نے کہا) ہم سے شعیب ابن اسحٰق دمشقی نے بیان کیا اس نے ہشام بن عروہ سے، اس نے اپنے باپ عروہ سے، اس نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے روایت فرمائی، مائی صاحبہ نے فرمایا۔ ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: عورتوں کو بالاخانوں پر نہ رکھو اور انہیں لکھنا نہ سکھاؤ اور کاتنا اور سورۂ نور تعلیم کرو۔

یہی حدیث حاکم نے صحیح مستدرک میں اسی طریق سے اور بیہقی نے شعب میں بطریق محمد بن محمد بن سلیمان روایت کی:

قال حدثنا عبدالوھاب الضحاک ثنا شعیب بن اسحٰق الحدیث [2] سندا ومتنا۔	اس (محمد بن محمد بن سلیمان) نے کہا ہم سے عبدالوہاب ضحاک نے بیان کیا (اس نے کہا) ہم سے شعیب بن اسحٰق نے بیان کیا یعنی حدیث سند اور متن کے لحاظ سے بیان فرمائی۔ (ت)

حاکم نے کہا صحیح الاسناد [3] اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے اطراف میں کہا:

---

[1] اللآلی المصنوعۃ بحوالہ ابن حبان کتاب النکاح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۸

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر النہی عن تعلیم الکتابۃ للنساء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۶

[3] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر النہی عن تعلیم الکتابۃ للنساء دار الفکر بیروت ۲/ ۳۹۶

بل عبدالوھاب متروك[1] اھ اقول: لان القول فیه ابن عدی فقال بعض حدیثه لایتابع علیه وھذا صادق علی کثیر من رجال الصحیحین۔	بلکہ عبدالوہاب (راوی حدیث) متروک ہے اھ (یعنی محدثین نے اسے نظرانداز کیا ہے۔ مترجم) میں کہتا ہوں کہ محدث ابن عدی نے اس کے متعلق کمزور بات کی ہے کہ اس کی بعض حدیثوں کی متابعت نہیں کی جاتی، یہ قول تو بخاری و مسلم کے بہت سے رجال (رواۃ) پر بھی صادق آتا ہے۔ (ت)

بیہقی نے بطریق اول روایت کرکے کہا ھذا بھذا الاسناد منکر[2] یہ حدیث اس سند سے منکر وغیر معروف ہے۔

خاتم الحفاظ سیوطی نے لآلی میں فرمایا: افاد انه بغیر ھٰذا الاسناد لیس بمنکر[3] یعنی بیہقی نے افادہ کیا کہ حدیث اور سند سے منکر نہیں، معروف و محفوظ ہے **اقول:** وستسمع انه بنفس السند غیر منکر (میں کہتا ہوں عنقریب تو سن لے گا کہ حدیث نفس سند کے اعتبار سے منکر نہیں۔ ت)

حدیث دوم: امام ترمذی، محمد بن علی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتسکنوا نساء کم الغرف ولاتعلمون الکتاب[4]۔	اپنی عورتوں کو بالاخانوں پر نہ بساؤ اور انہیں لکھنا نہ سکھاؤ۔

یہ حدیث امام ابن حجر مکی نے فتاوٰی حدیثیہ میں استنادًا ذکر کی۔

حدیث سوم: ابن عدی کامل میں اور ابن حبان، سند معتمد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال حدثنا جعفر بن سھل ثنا جعفر بن نصر ثنا حفص بن غیاث عن لیث عن	(دونوں (یعنی ابن عدی اور ابن حبان) نے جعفر بن سہل سے (اس نے کہا) جعفر بن نصر نے ہم سے بیان کیا (اس نے کہا) حفص بن

[1] اللآلی المصنوعة بحواله حافظ ابن حجر کتاب النکاح دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۶۸

[2] اللآلی المصنوعة البیھقی فی شعب الایمان کتاب النکاح دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۶۸

[3] اللآلی المصنوعة البیھقی فی شعب الایمان کتاب النکاح دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۶۸

[4] نوادر الاصول للترمذی لاصل الخامس والعشرون والمائتان فی النھی الخ دار صادر بیروت ص ۱۷۰-۲۷۱

مجاھد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتعلموا نسائکم الکتابۃ ولاتسکنوھن العلال[1] ی۔	غیاث نے ہم سے بیان کیا اس نے لیث، اس نے مجاہد، اس نے عبداللہ ابن عباس سے اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی ہے۔ت) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ اور بالائی منزلوں پر نہ بساؤ۔

یہ حدیث بتخریج ابن عدی امام حافظ سیوطی نے الاجر الجزل فی الغزل میں ذکر کی:

وقال ابن الجوزی لایصح، جعفر بن نصر حدث عن الثقات بالبواطیل[2] اھ وقال الحافظ ابن حجر فی الاطراف بعد ذکر الحدیث الاول وقد روی من طریق حفص القاری عن لیث عن مجاھد من ابن عباس رضی اللہ عنھما[3] اھ **اقول:** الظاھر ان ھذہ متابعۃ لحفص بن غیاث فان حفصا القاری امام القراءۃ حفص بن سلیمٰن ابی داؤد و ھذا مصرح بہ عند مخرجیہ، حفص بن غیاث، وھو امام فی الحدیث ثقۃ فقیہ من رجال الستۃ، ولیث صدوق من رجال مسلم والاربعۃ والبخاری فی	حافظ ابن جوزی نے کہا حدیث مذکور صحیح نہیں اس لئے کہ جعفر بن نصر ثقہ راویوں سے باطل روایات نقل کرتا ہے اھ۔ حافظ ابن حجر نے "الاطراف" میں پہلی حدیث ذکر کرنے کے بعد فرمایا: حفص قاری، لیث، مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے حدیث روایت کی گئی اھ۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) ظاہر ہے کہ یہ حفص بن غیاث کی متابعت ہے کیونکہ حفص قاری، حفص بن سلیمان ابوداؤد قرات کے امام ہیں، تخریج کرنے والوں کے نزدیک اس کی تصریح پائی گئی۔ حفص بن غیاث حدیث کے امام، ثقہ، فقیہ اور حدیث کی چھ کتابوں کے رواۃ میں سے ہیں۔ لیث صدوق (سچا) ہے مسلم اور چار دیگر کتابوں (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کے

---

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن نصر دار الفکر بیروت ۳/ ۵۷۵، اللآلی المصنوعۃ بحوالہ ابن حبان کتاب النکاح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۸

[2] اللآلی المصنوعۃ بحوالہ ابن حبان کتاب النکاح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۸

[3] اللآلی المصنوعۃ بحوالہ ابن حجر کتاب النکاح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۶۸

التعلیقات، غیرانه اختلط بأخرہ لکن لم یسقط به حدیثه فقد قال الجمهور هو ممن یکتب حدیثه ذکرہ النووی [1] فی شرح صحیح مسلم، وقال مسلم فی مقدمة صحیحة اسم السترو الصدق و تعاطی العلم یشمله [2] وقد حسن له الترمذی حدیثه فی الحمام، ونقل عن البخاری انه صدوق وربما یهم فی الشیئ فاذا روی عنه حفص القاری خرج جعفر بن نصر، والصواب عندنا فی الامام الجلیل حفص القاری تشیّبه، فقد قال وکیع انه ثقة، و قال الذهبی، هو فی نفسه صادق، اختلف فیه عن احمد فروی حنبل بن اسحٰق عنه، مابه بأس، وروی عنه اخری متروك الحدیث هکذا روی ابن ابی حاتم

رجال میں سے ہیں اور تعلیقات بخاری کے رواۃ میں سے ہیں البتہ زندگی کے آخری حصے میں انہیں اختلاط ہوگیا تھا لیکن اس وجہ سے ان کی حدیث ساقط نہیں قرار پائی۔ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ یہ ان لوگوں میں شمار ہے جن کی حدیث کو لکھا جاتا ہے، امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں یہ بیان فرمایا امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں فرمایا: ستر، صدق اور اخذ علم کا نام اس کو شامل ہے۔ امام ترمذی نے "حدیث حمام" میں اس کی تحسین فرمائی، اور امام بخاری سے نقل کیا گیا کہ وہ صدوق ہے البتہ کبھی کبھار بعض چیزوں میں وہ وہم کا شکار ہو جاتا ہے جب اس سے حفص قاری نے روایت کیا تو جعفر بن نصر درمیان سے خارج ہوگیا، اور ہمارے نزدیک جلیل القدر امام حفص قاری کی توثیق صواب (درست) ہے۔ چنانچہ وکیع بن جراح نے فرمایا کہ وہ ثقہ ہے اور علامہ ذہبی نے فرمایا وہ فی نفسہٖ صادق ہے، امام احمد سے اس کے بارے میں اختلاف نقل کیا گیا ہے چنانچہ حنبل بن اسحٰق نے امام احمد سے یہ روایت کی کہ مابہ بأس یعنی اس میں کوئی حرج نہیں، اور ان سے دوسری روایت نقل کی گئی کہ وہ متروک الحدیث ہے، ابن ابی حاتم

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مقدمة الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مقدمة الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴

عن عبداللہ احمد عن ابیہ وروی ابو علی بن الصواف عن عبداللہ عن ابیہ،صالح،ولیس فیہ لامام معتمد جرح مفسر قادح یسقط حدیثہ،وابن خراش لیس ھناک،قال ابوزرعۃ کان رافضیا خرّج مثالب الشیخین **اقول**:قال عبد ان،وحمل ابن خراش الی بندار عندنا عبدان وضع جزأین صنفھما فی مثالب الشیخین فاجازہ بالفی درھم[1]،قال الذھبی ھذا واللہ الشیخ المعثر الذی ضل سعیہ فما انتفع بعلمہ فلاعتب علی حمیر الرافضۃ،قال ابوبکر بن حمدان المروزی سمعت ابن خراش یقول شربت بولی فی ھذاالشاند خمس مرات[2] اھ وکان جرئیا علی تکذیب الثقات،وھذا احمد بن الفرات الامام الحافظ الثقۃ الفقیہ الحجۃ الذی اطبقوا علی توثیقہ و لم یأت فیہ عن احد من الائمۃ تلیین ولابعض تلیین

نے بواسطہ عبداللہ بن احمد اپنے والد کے حوالہ سے اسی طرح روایت کی۔ابو علی بن صواف نے عبداللہ عن ابیہ کے حوالے سے روایت کی کہ وہ صالح ہے اس کے حق میں کسی مستند امام کی قادح،جرح نہیں جو اس کی حدیث کو ساقط کر دے۔رہا ابن خراش کا معاملہ تو وہ اس طرح کا نہیں چنانچہ ابو زرعہ نے فرمایا کہ وہ رافضی تھا،اس نے مطاعن وعیوب شیخین(حضرت صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما)کی تخریج کی۔**اقول**:(میں کہتاہوں)عبدان نے کہا ابن خراش بندار کے پاس ہمارے نزدیک دوایسے اجزاء اٹھالائے جو کہ مطاعن شیخ میں اس نے تصنیف کئے اور دوہزار درہم انعام پایا۔علامہ ذہبی نے فرمایا خدا کی قسم یہ بوڑھا کذاب عیب لگانے والا ہے جس کی سعی فضول ولاحاصل کاموں میں ضائع ہوئی اس نے اپنے علم سے فائدہ نہ اٹھایا لہذا رافضی گدھوں پر کوئی عتاب نہیں۔ابوبکر بن حمدان مروزی نے کہا میں نے ابن خراش کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے پانچ مرتبہ اس شان میں اپنا پیشاب پیااھ وہ مستند ومعتمد راویوں کو جھٹلانے پر دلیر تھا۔یہ احمد بن فرات امام،حافظ،ثقہ،فقیہ اور حجت تھا کہ جس کی توثیق پر ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ائمہ میں سے کسی امام سے اس کی مکمل یا بعض نرمی(ڈھیلاپن)

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۰۹ عبدالرحمن بن یوسف دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۰۰

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۰۹ عبدالرحمن بن یوسف دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶۰۰

ذکرہ ابن خراش فقال یکذب عمدا قال الذھبی علی ما فی تھذیب التھذیب اٰذی ابن خراش نفسه[1]، وقال فی المیزان بطل قول ابن خراش[2]، ولاغروقد اتھم مالك بن اوس الصحابی رضی الله تعالٰی عنه بالکذب بروایته حدیث ماترکناہ صدقة، لاجرم ان ذکرہ الذھبی فی طبقات الحفاظ ثم اخذ یوجه الٰی ان خاطبه بقوله انت زندیق معاند للحق فلارضی الله عنک، ثم قال مات ابن خراش الی غیر رحمة الله تعالٰی ۲۸۳ھ[3]، اما الحدیث الاول ففیه شعیب ومن فوقه ائمة اجلآّء لایسأل عنھم وانما النظر فی محمد بن ابراھیم۔ **اقول**: ادخله ابونُعیم فی حلیة الاولیاء وقد وصفه المزنی والذھبی والعسقلانی بالزاھد وھم یصفون به	مروی نہیں لیکن ابن خراش نے اس کا ذکر کیا کہ وہ دانستہ جھوٹ بولتا تھا چنانچہ امام ذہبی نے تہذیب التہذیب میں فرمایا ابن خراش نے ان کو دکھ پہنچایا، اور المیزان میں فرمایا کہ ابن خراش کا قول باطل ہے۔ اور کوئی تعجب کی بات نہیں اس لئے کہ اس نے ماترکناہ صدقۃ کی حدیث روایت کرنے پرمالک بن اوس صحابی رسول پر کذاب ہونے کی تہمت لگائی ہے۔ بلاشبہ علامہ ذہبی نے اسے "طبقات الحفاظ" میں ذکر کیاہے پھر رَد کرتے ہوئے اس قول سے مخاطب فرمایا کہ تو زندیق ہے یعنی بے دین ہے، حق سے عناد رکھنے والا ہے، اللہ تعالٰی تجھ سے کبھی راضی نہ ہو۔ ابن خراش اللہ تعالٰی کی رحمت سے محروم ۲۸۳ھ میں رحلت کرگیا۔ جہاں تک پہلی حدیث کا تعلق ہے تو اس میں شعیب اور اس سے اوپر جلیل القدر ائمہ ہیں جن کے متعلق کوئی شبہ یا اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ محمد بن ابراہیم کے بارے میں کچھ توقف پایا جاتا ہے۔ **اقول**: (میں کہتاہوں کہ محدث ابونعیم نے اسے حلیۃ الاولیاء میں شمار کیاہے۔ مزنی، ذہبی اور عسقلانی نے لقب "زاہد" سے اس کی توصیف کی ہے جبکہ اس

[1] تھذیب التھذیب ترجمہ ۱۱۷ احمد بن الفرات دائرۃ المعاف النظامیہ حیدرآباد دکن ۱/ ۶۷

[2] میزان الاعتدال ترجمہ احمد بن فرات ۵۱۴ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۲۸

[3] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن خراش عبدالرحمن بن یوسف دائرۃ المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۲/ ۲۳۰

الاولیاء کما عرف من محاورتھم حتی اقتصر علیه الذھبی فی وصف سیّدالاقطاب الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنه، فھذا توثیق له وای توثیق ومالولی و الکذب حاشاھم ولیس فیه بعد ذٰلك جرح مفسر، حتی قول الدار قطنی کذاب، وتحامل القوم علی الصوفیة الکرام و الحنفیة العظام معروف، و قال الامام النووی فی التقریب لایقبل الجرح الا مبین السبب[1]. قال الامام السیوطی فی التدریب لان الناس مختلفون فی اسباب الجرح فیطلق احدھم الجرح بناء علی ماعتقده جرحا ولیس بجرح فی نفس الامر. قال ابن الصلاح وھذا ظاھر مقرر فی الفقه واصوله وذکر الخطیب انه مذھب الائمة من حفاظ الحدیث کالشیخین وغیرھما ثم ذکر امثلته الی ان قال قال الصیر فی وکذا اذا قالوا فلان کذاب لابد من بیانه لان	لفظ کو وہ اولیاء اللہ کی تعریف وتوصیف ہی کے لئے استعمال کرتے ہیں جیساکہ ان کے محاوروں سے معلوم ہوتا ہے حتی کہ علامہ ذہبی نے سیدالاقطاب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق بھی یہی الفاظ استعمال کرنے پر اکتفاکیا ہے لہٰذا اس کی توثیق ہوئی پس اس سے بڑھ کر اور کون سی توثیق ہوسکتی ہے، ولی اور جھوٹ کا باہم کیاجوڑ اور رابطہ ہے اور اللہ تعالٰی نے تو انہیں اس سے محفوظ رکھا اور اس کے بعد اس بارے میں کوئی مفصل جرح نہیں حتی کہ امام دارقطنی کا کذاب کہنا بھی اور صوفیائے کرام اور حنفیّہ عظام پر لوگوں کا حملہ آور ہونا تو مشہور ومعروف ہے امام نووی نے التقریب میں فرمایاواضح سبب کے بغیر، جرح مقبول نہیں۔ امام سیوطی نے التنذیب میں فرمایا لوگ اسباب جرح میں مختلف ہیں چنانچہ ایک شخص اپنے اعتقاد کے مطابق کسی شے پر جرح کا اطلاق کرتا ہے حالانکہ فی الواقع وہ جرح نہیں ہوتی۔ ابن الصلاح نے کہاکہ یہی فقہ اور اصول فقہ میں ظاہر و مقرر ہے، اور خطیب نے ذکرکیا ہے کہ یہی مذہب ائمہ حفاظ حدیث جیسے بخاری، مسلم اور ان کے علاوہ دیگرائمہ کا ہے پھر اس کے بعد مثالیں ذکرفرمائیں یہاں تک کہ فرمایا امام صیرفی نے کہا۔ اس طرح جب محدثین کہیں کہ فلان کذاب (فلاں جھوٹا ہے) تو اس کا بیان کرنا

[1] تقریب النواوی مع تدریب الراوی النوع الثالث والعشرون قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۸

الکذب یحتمل الغلط کقوله کذب ابومحمد[1] اھ وکتبت علیه وکذٰلك قول ابن مسعود وحذیفة بن الیمان رضی الله تعالٰی عنهما فی دوران السماء کذب کعب،وقد شبه هشام بن عروة ومالك واجلة علی محمد بن اسحٰق انه کذاب،وحافوا علیه ثم لم یذکروا الاما لایثبت به کذب ولاالمرام به اصلا، ویرد لابن اسحٰق الوثاقة لاجرم ان لم یعرج علیه الحافظ فی التقریب۔وانضر فی محمد بن ابراهیم علٰی قوله،منکر الحدیث وکذٰلك لم یزد البیهقی فی حدیثه علی استنکاره بهذا السند،**اقول**:والرجل اعنی محمد بن ابراهیم من المشائخین کما فی المیزان وغیره،الجمع السائح من شتّات العلوم ما لیس	ضروری ہے کیونکہ کذب (جھوٹ) غلطی کا بھی احتمال رکھتا ہے(یعنی شاید اس کی مراد کذاب اور کذب سے غلطی ہو یعنی وہ بہت غلط گو ہے) جیساکہ قائل کا کہنا کہ ابو محمد نے جھوٹ کہا اھ اور میں نے اس پر لکھاہے یونہی ابن مسعود اور حذیفہ یمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کا دورانِ آسمان کے متعلق کعب کے بارے میں فرمانا کذب کعب یعنی کعب نے غلط کہا اور یہ مطلب نہیں کہ اس نے جھوٹ کہا،چنانچہ ہشام بن عروہ، مالک اور دوسرے جلیل القدر لوگوں نے محمد بن اسحٰق کے کذاب ہونے پر شبہ کا اظہار فرمایا لیکن انہوں نے اس پر زیادتی کی۔پھر انہوں نے ایسے امور ذکر کئے جن سے اس کا کذب ثابت نہیں ہوتا اور نہ اس سے کلیۃً مقصد حاصل ہوتا ہے۔اور ابن اسحٰق کے لئے بلاشبہ توثیق وارد ہوئی ہے اگرچہ حافظ نے التقریب میں اس کی موافقت نہیں کی۔اور محمد بن ابراہیم کے بارے میں توقف اس کے اس قول سے کہ وہ منکرالحدیث ہے اور اسی طرح امام بیہقی نے اس سند سے اس کی حدیث میں صرف استنکار کااضافہ کیاہے۔**میں کہتاہوں** محمد بن ابراہیم مشائخ میں سے ہے جیساکہ المیزان وغیرہ میں ہے،وہ اس قدر جامع ہے کہ جو علوم دوسروں کے پاس نہیں وہ ان مختلف

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النواوی النوع الثالث والعشرون قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۹۔۲۵۸

عندالاٰخرین، ومن عادتهم استنكار مالایعرفون فیذکرون عندهم ان مدار حدیث علی فلان ثم سمعوامن یرویه عن غیره انکروه فاذاتکرر ذٰلك منه قالوا مثل الحدیث و ربما تعدوا الی الحکم بالکذب وماهو الا القضاء بالنفی علی الاثبات و الصواب علیه والله تعالٰی اعلم .لم یجتمع کل العلم فی احد بعد نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهذا جهل الحفظ البخاری هو وغیره من الحفاظ کان عندهم ان حدیث المؤمن یاکل فی معا واحدلم یروه عن ابی اسامة غیر ابی کریب ورواه الترمذی من اربعة فقال حدثنابه ابی کریب وابوهشام وابوالسائب وحسین بن الاسود عن ابی اسامة قال ثم سألته محمود ابن غیلان عنه فقال هذا احدیث ابی کریب فسألت البخاری فقال لم نعرفه الامن حدیث	علوم میں سیاحت کرنے والا ہے اور ان کی عادت یہ ہے کہ جس چیز کو وہ نہ جانیں یانہ پہچانیں تواس کاانکار کردیتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ہاں ذکر کرتے ہیں کہ حدیث کامدار "فلاں" پر ہے پھر جیسے ہی یہ سنیں کہ راوی کسی دوسرے سے روایت کررہا ہے تواس کاانکار کردیتے ہیں اور پھر جب اس سے یہ مکرر ہو توکہتے ہیں مثل الحدیث (یعنی یہ اس حدیث کی مثل ہے) اور بعض اوقات جھوٹ اور قضا نفی علی الاثبات کی طرف تجاوز کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے کہ اس بارے میں ثواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام علوم کسی ایک شخصیت میں جمع نہیں ہوسکتے یہی وہ بات ہے جس کوامام بخاری وغیرہ حفاظ حدیث نہیں سمجھ پائے، ان کے نزدیک یہ حدیث کہ "مومن ایک آنت میں کھاتاہے" کو ابوکریب کے بغیر ابواسامہ سے کسی اور نے روایت نہیں کیا حالانکہ امام ترمذی نے اسے چار اشخاص سے روایت کیاہے چنانچہ امام ترمذی فرماتے ہیں ہم سے ابوکریب، ابوہشام، ابو السائب اور حسین ابن اسود سے ابو اسامہ کے حوالے سے بیان کیا۔ ترمذی کہتے ہیں پھر میں نے اس کے متعلق محمود ابن غیلان سے پوچھاتواس نے کہایہ ابو کریب کی حدیث ہے پھر میں نے امام بخاری سے پوچھاتوانہوں نے کہاکہ ہم اس کو حدیث

ابی کریب فقلت حدیث ابی کریب، ومن قبل ھذا اتی الامام الثقۃ الواقدی فانہ روی حدیث ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا افعمیا وان انتما، عن معمر عن الزھری وماکان الحدیث عندھم الاعن یونس عن الزھری فقامت علیہ القیامۃ من کل جانب حتی قال ذٰلک الجبل الشامخ امام السنۃ احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ، لم یزل یدافع اللہ الواقدی حتی روی عن معمر عن الزھری عن نبھان عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا افعمیاوان انتما، فجاء بشیئ لاحیلہ فیہ الحدیث حدیث یونس لم یروہ غیرہ [1] اھ وجعلہ ھوالمفسد لامر الواقدی وفعلہ داء لادوالہ، ولما اراد علی بن المدینی ان یسمع من الواقدی کتب الیہ احمد کیف تستحل ان تکتب عن رجل روی عن معمر حدیث نبھان و ھذا حدیث یونس	ابوکریب کے سوا نہیں پہچانتے۔ میں نے کہا حدیث ابو کریب؟ اور یونہی امام ثقہ واقدی پر یہی کچھ ہوا کیونکہ واقدی نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی ہے جس کے بعض الفاظ یہ ہیں: "کیا تم دونوں اندھی ہو گئی ہو" انہوں نے یہ حدیث معمر سے بواسطہ زہری روایت کی ہے جبکہ ان کے نزدیک یہ حدیث یونس سے بواسطہ زہری مروی ہے، پھر اس لئے اس (یعنی واقدی) پر ہر طرف سے قیامت قائم کی گئی یہاں تک کہ علم و عمل کے کوہِ گراں امام السنۃ احمد بن حنبل جیسی شخصیت نے فرمایا کہ ہمیشہ اللہ تعالٰی واقدی کا دفاع کرتا رہا یہاں تک کہ اس نے معمر بواسطہ زہری اور نبہان کے حوالے سے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے یہ حدیث روایت کی کہ "کیا تم دونوں اندھی ہو گئی ہو" گویا وہ ایسی شے لایا جس کے حل کی کوئی تدبیر نہیں کیونکہ صرف یونس کی حدیث ہے اس کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی اھ پھر یہی چیز واقدی کے بگاڑ کا ذریعہ بن گئی۔ اور یہ بیماری ہے جس کے لئے کوئی دوا نہیں۔ جب علی بن مدینی نے واقدی سے کچھ سننے کا ارادہ کیا تو امام احمد نے انہیں لکھا کہ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ آپ ایسے شخص سے حدیث لکھیں جو معمر سے "حدیث نبہان" روایت کرتا ہے حالانکہ یہ حدیث یونس ہے جس میں

1

تفرد به[1] اھ،مع ان الحديث رواه عن ابن شهاب ثلثة، يونس كما عرفوا ومعمر كما روى الواقدی وثالثهم عقيل قال احمد بن منصور الرمادی(وهو ثقة حافظ حجة)لما قدمت مصر حدثنا ابن ابی مريم ثقة ثبت فقيه)انا نافع بن يزيد(ثقة عابد) عن عقيل عن ابن شهاب فذكر حديث بنهان قال فلما فرغ منه ضحكت فقال لم تضحك فاخبرته بقصة علی واحمد،قال وقال ابن ابی مريم ان شيوخنا المصريين لهم عناية بحديث الزهری قال الرمادی وهذا الحديث فيما ظُلِم فيه الواقدی،بلی ذكر محمد بن ابراهيم،ابن حبان الذی قال فيه الذهبی فی ترجمة عثمان الطائفی اما ابن حبان فانه يقعقع كعادته[2]۔والكلام فی الرجال لايجوز الابعد تمام	وہ متفرد ہےاھ حالانکہ اس حدیث کو ابن شہاب زہری سے تین افراد نے روایت کیاہے(۱)یونس جیسا کہ معروف ہے (۲) معمر جیسا کہ واقدی نے روایت کی(۳) عقیل۔چنانچہ احمد بن منصور رمادی نے کہا وہ یعنی عقیل ثقہ حافظ اور حجت ہے۔جب میں مصر میں آیا تو ابن ابی مریم نے ہم سے بیان کیا(یہ ثقہ،ثبت اور فقیہ ہے) ہمیں نافع بن یزید نے بتایا(یہ بھی ثقہ اور عابد ہے)اس نے عقیل،اس نے ابن شہاب زہری کے حوالے سے روایت کی پھر اس نے حدیث نبہان بیان کی۔ راوی یعنی احمد منصور رمادی نے کہا جب وہ اس کے ذکر کرنے سے فارغ ہواتو میں ہنس پڑا تو اس نے کہا ہنستے کیوں ہو؟ تومیں نے اسے علی بن مدینی اور امام احمد کاواقعہ بتایا تو ابن ابی مریم نے کہا ہمارے مصری شیوخ کے لئے حدیث زہری عنایت ہے،رمادی نے کہا اس حدیث میں واقدی پر ظلم کیاگیا،ہاں ابن حبان نے محمد بن ابراہیم کا ذکر کیاہے ابن حبان وہی ہے جس کے بارے میں عثمان طرائفی کے ترجمہ میں علامہ ذہبی نے فرمایا لیکن ابن حبان تو وہ ویسے ہی کھٹ کھٹ کرتاہے جیسا کہ اس کی عادت ہے۔اور اسماء الرجال میں کلام کرنا جائز نہیں سوائے اس شخص کے جو مکمل

[1]

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۵۳۲ عثمان بن ابراھیم دارالمعرفۃ ۳/ ۴۵

المعرفة وتام الورع، وقال فی ترجمة عبدالعزیز بن ابی وقال ابن حبان روی عن نافع عن ابن عمر نسخة موضوعة، ھکذا قال ابن حبان[1] بغیر بینة، وقال فی ترجمة محمد بن الفضل شیخ البخاری، ابن حبان الخساف المتھور[2] وقال فی ترجمة حجاج بن ارطاة کذا قال ابن حبان ھذا القول مجازفة[3] فھذا قال فیه لاتحل الروایة عنه الاباعتبار کان یضع الحدیث، **اقول:** ماظھر الاکرامة من اللّٰه تعالٰی لمحمد بن ابراھیم، حیث ناقض ابن حبان نفسه فی نفس واح فجعله وضّاعا و جعله ممن یکتب حدیثه و یعتبر به وسبحٰن اللّٰه من وضّاع یعتبر بحدیثه وقدا فحش القول ھکذا فی محمد بن علاقة فقال کان یروی الموضوعات عن الثقات لایحل ذکرہ

معرفت اور تام ورع رکھتا ہو عبدالعزیز بن ابی کے ترجمہ میں کہا ابن حبان نے کہا نافع سے بواسطہ ابن عمر ایک موضوع نسخہ روایت کیا گیا ہے، ابن حبان نے یہ بغیر دلیل کے بیان کر دیا۔ علامہ ذہبی نے محمد بن فضل شیخ بخاری کے ترجمہ میں کہا ابن حبان مشہور فضول گو ہے اور ذہبی نے حجاج بن ارطاۃ کے ترجمہ میں کہا یوں ابن حبان نے کہا، یہ قول تخمینی ہے۔ تو یہ ابن حبان، محمد بن ابراہیم کے متعلق کہتا ہے کہ اس سے روایت کرنا سوائے فہم واعتبار کے حلال نہیں کیونکہ وہ حدیثیں وضع کرتا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس نے اس کا اظہار نہیں کیا مگر یہ کہ اللہ تعالٰی کی طرف سے محمد بن ابراہیم کی کرامت ہے کہ ابن حبان نے نفس واحد میں اپنے آپ سے مناقضہ اور مقابلہ کیا کہ اسے وضّاع (حدیثیں گھڑنے والا) بھی قرار دیا اور اسے ان لوگوں میں بھی شامل کیا کہ جن کی حدیثیں لکھی جاتی ہیں اور ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پاک ہے اللہ تعالٰی۔ کون ایسا وضّاع ہوگا جس کی حدیثوں پر اعتماد کیا جائے اور اسی طرح ابن حبان نے فحش گوئی سے کام لیا کہ محمد بن علاقہ کے بارے میں کہا کہ وہ مستند راویوں سے موضوعات

Majlis of Dawatelslami

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۱۰۱ عبدالعزیز بن ابی دارالمعرفة بیروت ۲/ ۶۲۸

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۸۰۵۷ محمد بن الفضل شیخ البخاری دارالمعرفة بیروت ۴/ ۸

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۱۷۲۶ حجاج بن ارطاة دارالمعرفة بیروت ۱/ ۴۶۰

الا علی جهة القدح فیه فاوله وان کان اهون مما قال فی محمد فاٰخره وھ الحکم اشد وقال الحاکم یروی احادیث موضوعة ذاهب الحدیث وقال الدار قطنی متروك و قال البخاری فی حدیثه نظروهو لا یقول هذا الا فیمن یتهمه غالبا، کما قال الازدی فی عبدالله بن داؤد التمار، و قال الازدی حدیثه یدل علی کذبه وکل ذلك لم یؤثر فیه، فاقتصر الحافظ فی التقریب علی قوله صدوق یخطی وذٰلك لان ابن معین وثقه فکیف تؤثر فی رجل معدود من اولیاء الله تعالٰی فالحدیث حسن ان شاء الله تعالٰی هذا وجه وانعم به من وجه، **والثانی** ان الحدیث جاء عن ثلثة من الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم بطرق متنوعة فنیجبر ضعف بعضها ببعض اذلیس فیها وضّاع ولا کذاب اعنی من تحقق فی ذٰلک، وقد بیّناه فی کتابنا "منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین" من الفائدة ۱۲

روایت کرتا ہے لہٰذا بغیر جرح وقدح کے اس کا تذکرہ کرنا جائز نہیں۔اس کا اول اگرچہ اس کے آخر سے آسان ہے جو کچھ اس نے "محمد" کے بارے میں کہا تاہم آخر جو کہ حکم ہے زیادہ سخت ہے۔اس نے کہا حاکم نے کہا کہ وہ موضوع حدیثیں روایت کرتا ہے (**ذاهب الحدیث**) ہے امام دار قطنی نے کہا متروک ہے۔امام بخاری نے کہا اس کی حدیث میں نظر ہے اور وہ یہ بات اسی کے متعلق کہتا ہے جو غالبًا متہم ہو، جیسا کہ ازدی نے عبداللہ بن داؤد تمار کے بارے میں کہا ہے ازدی نے کہا اس کی حدیث اس کے جھوٹ پر دلالت کرتی ہے اور ان تمام باتوں نے اس پر کوئی اثر نہیں کیا۔لہٰذا حافظ نے التقریب میں اپنے اس قول "**صدوق یخطی** (سچا ہے، غلطی کرتا ہے) پر اکتفاک یا ہے کیونکہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے پھر یہ باتیں کیسے اثر انداز ہو سکتی ہیں اس شخص پر جو اولیاء اللہ میں شمار ہوتا ہو لہٰذا حدیث انشاء اللہ حسن ہے اور یہ ایک وجہ ہے اور کتنی اچھی وجہ ہے۔**دوسری بات** حدیث تین صحابہ سے مختلف طریقوں سے مروی ہے (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) لہٰذا بعض کا ضعف بعض سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں وضّاع کوئی نہیں اور نہ ہی کذاب ہے اور ہم نے اس کو اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابهامین انگوٹھے چومنے سے آنکھوں کا روشن ہوتا) کے فائدہ ۱۲

الیٰ فائدۃ ۱۴ وقال الامام الجلیل السیوطی فی التعقبات علی الموضوعات المتروك والمنکر اذا تعددت طرقه ارتقی الی درجة الضعیف الغریب بل ربما یرتقی الی الحسن[1] اھ وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر الضعیف یصیر حجة بذٰلك لان تعدده قرینة علیٰ ثبوته فی نفس الامر[2] اھ **والثالث** درجت الامة المرحومة علی العمل به من لدن السلف وهلم جرا وفی هذا من تقویة الحدیث مافیه کما بیّناه فی الافادة فی "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" وقال الامام خاتم الحفاظ فی التعقبات قد صرح غیر واحد بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العم به وان لم یکن له سندا یعتمد علی مثله[3] اھ	سے ۱۴ تک بیان کیا ہے چنانچہ جلیل القدر امام علامہ سیوطی نے التعقبات علی الموضوعات میں فرمایا حدیث متروک اور منکر اس صورت میں ضعیف اور غریب کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے جبکہ اس کے طرق یعنی سندیں متعدد ہوں، بلکہ بعض اوقات درجہ حسن تک اس کا ارتفاع ہوجاتا ہے یا ارتقاء ہوجاتا ہے اھ محقق علی الاطلاق کمال ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا حدیث ضعیف تعدّدِ طرق کی وجہ سے حجت ہوجاتی ہے کیونکہ اس کے طرق کا تعدّد اس کے نفس الامری ثبوت پر قرینہ ہے اھ۔ **تیسری بات** امت مرحومہ اس حدیث پر عمل کرنے میں شامل ہے اور یہ زمانہ سلف سے قرناً فقرناً ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ اس میں حدیث کے اندر جو کچھ ہے اس کی تقویت ہے جیسا کہ ہم نے الهاد الکاف فی حکم الضعاف کے افادہ میں بیان کیا ہے، چنانچہ امام خاتم الحفاظ نے التعقبات میں فرمایا۔ بہت سے ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اہل علم اس کو نقل کریں اگرچہ اس کی کوئی ایسی سند نہ ہو جس کی مثل پر اعتماد کیا جائے اھ۔

[1] التعقبات علی الموضوعات باب المناقب المکتبة الاثریة سانگلہ ہل ص ۵۷

[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب النوافل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸۹

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوٰۃ المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل ص ۱۲

وستأتيك اقوال العلماء،وجه اللكهنوى ان يستخرج نساء كاتبات فلم يأت فى هذه الالف و ثلثمائة سنين،الاتسع نسوة،منهن السيدة اسماء بنت الفقيه كمال الدين موسٰى بمدينة زبيه فوفيت سنه ۹۰۴ قال فى"النور السافر فى اخبار القرن العاشر" كان لقولها وقع فى القلوب وربما كتبت الشفاعات الى السطان والقاضى و الامير فتقبل شفاعتها[1] اھ وليس فيه مايغنى بمقصوده فمثل الكتابة لايلزم ان تكون بيد نفسها،وقدورد فى الاحاديث كتب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم الى الملوك وغيرهم،و قد شاع وذاع ان السلطان كتب لفلان كذا مع انه لا يعرف ان يضع سوادا فى بياض ومنهم من لم يعرف الا وضع اسمه فى الامضاء ولم يذكر نص "نزهة الجلساء"فى ترجمة المستكفى بالله،ومريم بنت ابى يعقوب انما قال ذكر الكتابة فى ترجمتها فلعله ذكر كما فى اسماء الزبيدية	عنقریب اقوالِ علماء تیرے ہاں پیش ہوں گے، لکھنوی نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ لکھنے والی عورتوں کا استخراج کیا تو تیرہ سوسال کی مدت میں نو عورتیں بھی منظر عام پر نہ آئیں،ان میں سیّدہ اسماء دختر کمال الدین موسٰی مدینہ زبید میں ہوئیں ان کی وفات ۹۰۴ھ میں ہوئی۔النور السافر فی اخبر القرن العاشر میں کہاگیا کہ لوگوں کے دلوں میں اس کے قول کی وقعت تھی بعض دفعہ وہ بادشاہ،امیر یا قاضی کے دربار میں کئی سفارشیں بصورت درخواست پیش کرتیں تو اس کی سفارشیں قبول کی جاتی تھیں اھ اس میں مقصود تک رسائی والی کوئی شے نہیں کیونکہ ضروری نہیں کہ کتابت انہی کے ہاتھ سے ہو اس لئے کہ بہت سی حدیثوں میں وارد ہواہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بادشاہوں وغیرہ کو خطوط لکھے،اور مشہور ہے کہ بادشاہ نے فلاں کے لئے اس قدر انعام لکھ دیا جبکہ بادشاہ کچھ وہ ہیں جو لکھنا بالکل نہیں جانتے اور کچھ وہ جو صرف اپنا دستخط کرسکتے ہیں یعنی صرف اپنانام لکھ سکتے ہیں اور نزہۃ الجلساء کی تصریح مستکفی باللہ کے ترجمہ میں ذکر نہ کی،اور مریم بنت یعقوب،اس نے کہااس کے ترجمہ میں کتابت ذکر کی گئی ہے،شاید اسی طرح مذکور ہو جیسا کہ اسماء زبیدیہ کے ترجمہ میں مذکور ہے

[1] النور السافر فی اخبار القرن العاشر

فلم تسلم له الاست ولو شاء ان یُحصی الکاتبین من الرجال فی قرن بل یوم واحد مااستطاع فهذا دلیل ای دلیل علی تحرز الامة من تعلیمهن الکتابة مع ما فیها من جلیل الانتفاع۔	پھر اس کے لئے صرف چھ عورتیں ہی بچیں۔اور اگر وہ لکھنے والے مردوں کا ایک صدی بلکہ ایک دن کا شمار کرنا چاہے تو نہ کرسکے۔اور یہ دلیل ہے اور مزید کونسی دلیل ہو اس پر کہ امت مسلمہ میں عورتوں کی تعلیم کتابت سے احتراز اور پرہیز کیا جاتا تھا باوجودیکہ تحرز میں بڑا فائدہ ہے۔
والرابع ان الحدیث الضعیف یعمل به فی مقام الاحتیاط ویشهد له الحدیث الصحیح"کیف وقد قیل"وغیرذٰلک،مما بسطناه فی رسالتنا"الهاد الکاف فی حکم الضعاف"وقال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی"التدریب"یعمل بالضعیف ایضاً فی الاحکام اذا کان فیه احتیاط [1] اھ فی اذکار الامام النووی و فتح المغیث وسیم الریاض،الاحکام لا یعمل فیها الابالحدیث الصحیح و الحسن الا ان یکون فی احتیاط فی شیئ من ذٰلک [2] اھ باختصار،وقال العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیه،الوصل بین الاذان والاقامة یکره فی کل الصلوات لماروی الترمذی عن جابر رضی الله تعالٰی عنه	**چوتھی بات** حدیث ضعیف پر مقام احتیاط میں عمل کیا جاسکتا ہے جبکہ کوئی حدیث صحیح اس کی شہادت دے"کیسے،حالانکہ یہ بھی کہا گیا"اور اس کے علاوہ بھی متعدد باتیں کہی گئیں جن کو ہم اپنے رسالہ "الهاد الکاف فی حکم الضعاف" میں کھول کر شرح وبسط سے بیان کیا ہے امام جلیل القدر جلال الدین سیوطی نے التدریب میں فرمایا حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جاسکتا ہے جبکہ اس میں احتیاط ہو اھ۔امام نووی کی الاذکار اور فتح المغیث اور نسیم الریاض میں ہے کہ احکام میں حدیث صحیح او حسن کے بغیر عمل نہیں کیا جاسکتا الّا یہ کہ اس کے عمل کے سلسلہ میں مقام احتیاط ملحوظ ہو،اھ باختصار، چنانچہ علامہ ابراہیم حلبی نے الغنیہ میں فرمایا ہر نماز میں اذان اور اقامت کے درمیان وصل مکروہ ہے،اس کی وجہ جامع ترمذی کی وہ حدیث ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

[1] تدریب الراوی شرح تقریب النووی النوع الثالث والعشرون الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۳

[2] الاذکار للنووی فصل فی الامر الخ دار الکتاب العربی بیروت ص ۷،۸

وھو وان کان ضعیفا لکن یجوز العمل بہ فی مثل ھذا الحکم[1] اھ مختصرا، وقد اخرج ابوالفرج فی الموضوعات حدیثا من ولدلہ ثلثۃ اولاد فلم یسم احدھم محمدا فقد جھل، بطریق اللیث عن مجاھد عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]، وعلّلہ بان لیث ترکہ احمد وغیرہ فتعقبہ خاتم الحفاظ فی اللاٰلی بان الحارث رواہ عن النضر بن شنقی مرسلا والنضر قال ابن القطان، مجھول قال وھذا المرسل یعضد حدیث ابن عباس ویدخلہ فی قسم المقبول[3] اھ ولہ نظائر جمۃ اوردنا جملۃ منھا فی "الھاد الکاف"۔ اما حدیث الشفاء بنت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت دخل علیّ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا عند حفصۃ	مروی ہے اگرچہ وہ حدیث ضعیف ہے تاہم اس قسم کے حکم میں اس پر عمل کرنا جائز ہے اھ مختصراً، ابوالفرج نے الموضوعات میں یہ حدیث تخریج کی، جس کسی کے ہاں تین بچے پیدا ہوئے پھر اس نے ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھا تو اس نے جہالت کی۔ یہ حدیث بواسطہ لیث، مجاہد اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے انہوں نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس نے حدیث مذکور میں تعلیل ذکر کی (یعنی اسے معلل قرار دیا) کہ لیث کو امام احمد وغیرہ نے چھوڑ دیا ہے اور خاتم الحفاظ نے اللآلی میں اس کا تعاقب کیا ہے کہ حارث نے اس کو نضر بن شنقی سے مرسل (یعنی بلا قید سند) روایت کیا ہے، اور ابن قحطان نے کہا کہ نضر مجہول ہے۔ امام سیوطی نے فرمایا یہ مرسل، حدیث ابن عباس کو تقویت پہنچاتی ہے اور اسے قسم مقبول میں داخل کرتی ہے اھ اس کے لئے بہت سے نظائر ہیں ان سب کو ہم "الھاد الکاف" میں لائے ہیں۔ رہی حدیث شفاء دختر عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہا، اس نے کہا میرے پاس حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ میں سیّدہ حفصہ رضی اللہ

[1] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی سنن الصلٰوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۷۶۔۲۷۷

[2] الموضوعات لابن الجوزی کتاب المبتداء باب التسمیۃ لمحمد دارالفکر بیروت ۱/ ۱۵۴

[3] اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ کتاب المبتداء دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۰۲

فقال لی الا تعلیمین هذه رقیة النملة کما علمتیها الکتابة رواه ابوداؤد[1] فقال (حدثنا ابراهیم بن مهدی المصیصی) وثقه ابوحاتم وقال العقیلی حدث بمناکیر واسند عن یحیٰی بن معین قال ابراهیم بن مهدی جاء بمناکیز قال فی التقریب مقبول وهی درجة قاصرة عمن یقال فیه صدوق سیئ الحفظ اویهم اویخطی اوتغیر بآخره (ناعلی بن مسهر) ثقة له غرائب بعد ما اضر (عن عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز) صدوق یخطی ضعفه ابومسهر وحده (عن صالح بن کیسان) ثقة ثت فقیه (عن ابی بکر بن سلیمٰن بن ابی حثمة ثقة (عن الشفاء) رضی الله تعالٰی عنها فالحدیث لاینزل عن الصالح وهو قضیة سکوت فهذا قد یقال انه یفهم من ظاهره الجواز لکنا رأینا

تعالٰی عنہا بیٹھی ہوئی تھی آپ نے مجھ سے فرمایا کیا تو اسے لکھنا سکھانے کی طرح پھنسی کا دم نہیں سکھاتی۔ امام ابوداؤد نے اس کو روایت کیا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا ہم سے ابراہیم بن مہدی مصیصی نے بیان کیا، ابوحاتم نے اس کی توثیق کی۔ عقیلی نے کہا یہ منکر روایات بیان کرتا ہے اور یحیٰی بن معین سے سند لایا اس نے کہا ابراہیم بن مہدی منکر حدیثیں لایا۔ تقریب میں کہا گیا وہ مقبول ہے اور یہ کم درجہ ہے اس سے کہ جس کے بارے میں کہا جائے صدوق سیئ الحفظ الخ یعنی وہ سچا ہے البتہ اس کا حافظہ خراب ہے یا وہ وہم کرتا ہے یا غلطیاں کرتا ہے یا آخر عمر میں اس میں تبدیلی آگئی تھی۔ ہم سے علی بن مسہر نے بیان کیا کہ وہ ثقہ ہے البتہ اس کے لئے کچھ غرائب ہیں اس کے بعد کہ وہ نابینا ہوگیا تھا اس نے عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز سے روایت کی، وہ سچا ہے البتہ غلطی کر جاتا ہے صرف ابومسہر نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، اس نے صالح بن کیسان سے روایت کی وہ ثقہ ثبت اور فقیہ ہے اس نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ سے روایت کی۔ وہ ثقہ ہے اس نے سیدہ شفاء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی۔ پس حدیث صالح سے نیچے نہیں اترتی اور وہ قضیہ سکوت ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس سے بظاہر

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطب باب فی الرقٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۶

العلماء لایمشون علیه،فمنهم من یقول انما هو تعریض من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بحفصة قررہ الذکی المغربی واستحسنه الحافظ ابوموسٰی جدا وقال التاویل ماذھب الیه الامام التورپشتی الحنفی فی شرح المصابیح ونقله عنه العلامة الطیبی الشافعی فی شرح المشکٰوۃ مقرا علیه وعنه الفتنی فی مجمع البحار ونقل مثله الامام السیوطی فی مرقاۃ الصعود عن النهایة مقتصرا علیه،قال الطیبی و یحتمل الحدیث وجھین آخرین احدھما التحضیض علی تعلیم الرقیة وانکار الکتابة ای ھلا علمتها ما ینفعها من الاجتناب عن عصیان الزوج کما علمتها مایضرھا من الکتابة وثانیهما ان یتوجه الانکار الی الجملتین جمیعا والمراد بالنملة المتعارف بینهم لانها منافیة لحال المتوکلین [1] اھ وتارۃ یقولون لعل ھذا قبل النهی،ذکرہ الشیخ المحقق	جواز سمجھا جاتا ہے لیکن ہم نے علماء کرام کو دیکھا کہ وہ اس روش پر نہیں چلتے لہذا ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیدہ حفصہ پر تعریض ہے، چنانچہ ذکی مغربی نے اس کو برقرار رکھا ہے اور حافظ ابوموسٰی نے یقینا اس کو مستحسن سمجھا اور کہا کہ اس کی تاویل وہ ہے جس کی طرف امام تورپشتی حنفی شرح مصابیح میں گئے ہیں اور اس کو ان سے علامہ طیّبی شافعی نے شرح مشکٰوۃ میں نقل کرکے ثابت رکھا ہے اور ان سے فتنی نے مجمع البحار میں نقل کیا ہے اور امام سیوطی نے اسی کی مثل "مرقاۃ الصعود" میں نہایہ سے نقل کرکے اسی پر اکتفا کیا ہے۔ علامہ طیّبی نے فرمایا حدیث مذکور دو اور وجوہات کا احتمال رکھتی ہے ان میں سے ایک رقیہ (دم کرنا) پر ابھارنا اور اکسانا ہے جبکہ تعلیم کتابت کا انکار کرنا ہے یعنی کیوں نہ تو نے اسے وہ چیز سکھائی جو اسے فائدہ دیتی کہ وہ شوہر کی نافرمانی سے بچنے کا ذریعہ ہے، اور کتابت کیوں سکھائی جو موجب دکھ اور ضرر۔ (دوسری وجہ) یہ ہے کہ انکار دونوں جملوں کی طرف متوجہ ہے اور اس سے مراد وہ ہے جو ان کے درمیان متعارف ہے کیونکہ رقیہ وغیرہ توکل کرنے والوں کے حال کے منافی ہے اھ کبھی یہ کہتے ہیں کہ شاید (یہ اجازت) نہی سے پہلے ہو۔ چنانچہ شیخ محقق

[1] شرح الطیبی علی مشکٰوۃ المصابیح کتاب الطب والرقی الفصل الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۰۶

فی الاشعة واخری خصت به حفصة رضی الله تعالٰی عنها لان نسائه صلی الله تعالٰی علیه وسلم خصصن باشیاء قال الله تعالٰی "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ"[1] وخبر لایعلمن الکتابة یحمل علی عامة النساء خوف الافتتان علیهن نقل القاری فی المرقاة عن بعضهم وکذا الشیخ المحقق واقر علیه وقال القاری یحتمل ان یکون جائز اللسلف دون الخلف لفساد النسوان فی هذا الزمان[2] اھ فدلت کلماتهم هذه علی انهم یکرهون الکتابة لهن، والاعتراض بان کل ذٰلك خلاف الظاهر فان تحققت الامر فانه ادخل فی المقصود فما کانوا لیغفلوا عن ذٰلك فهل تراهم عدلوا الیه الالداع ماالیه عظیم ورأیتنی کتبت علی هامش الاشعة عند ذکر انها خصوصیة	نے اشعۃ اللمعات میں اس کا ذکر فرمایا، اور کبھی کہتے ہیں کہ (یہ اجازت) سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خصوصیت ہے اور یہ ان کے ساتھ مختص ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بعض اشیاء سے مخصوص ہیں، چنانچہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: "اے نبی مکرم کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو"۔اور حدیث کہ "عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ" عام عورتوں پر محمول ہوگی ان کے حق میں فتنہ کے اندیشہ سے۔اس کو ملا علی قاری نے مرقاۃ میں بعض سے نقل کیا ہے اور اسی طرح شیخ محقق نے اس کو برقرار رکھا ہے۔م لاعلی قاری نے کہا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ سلف کیلئے جائز ہو لیکن پچھلے لوگوں کے لئے جائز نہ ہو اس لئے کہ اس زمانے میں عورتوں میں فساد پایا جاتا ہے اھ پھر ان کے یہ کلمات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے کتابت (یعنی لکھائی کا عمل) مکروہ سمجھتے ہیں۔اور یہ اعتراض کہ یہ سب باتیں خلاف ظاہر ہیں، اگر یہ امر ثابت ہوجائے تو س کا مقصود میں زیادہ دخل ہے کیونکہ وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ ان باتوں سے بے خبر ہوں، کیا تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ کیوں اس طرح مڑ گئے مگر اس لئے کہ اس پر کوئی نہ کوئی بڑا داعی اور باعث ہے مجھ یاد ہے کہ

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۲

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الطب والرقی الفصل الثانی المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸/ ۳۲۶

لحفصة مانصه هذا الجواب قدابدته من قبل ان اراه اقول: ومع ذلك لقاء ان يقول ان نفس التشبيه ليس بنص صريح فی الجواز بخلاف، لا تعلموهن، فانه نص فی المنع، علی انها واقعة عين لا عموم لها بخلاف النهی، علی ان حديث الشفاء ان تقدم فمنسوخ او تاخرفلانسلم الا تخصيص حفصة کما رخص النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لزبير وعبدالرحمٰن بن عوف رضی الله تعالٰی عنهما فی لبس الحرير ولنادبة سعد رضی الله تعالٰی عنهما فی النياحة بعهد مانهی عن ذلك فلم يكن الا تخصيص بعض بالترخيص لانسخ الحكم علی الاطلاق، علی ان المقام مقام الحتياط فيقدم الحاظر علی انه لوفرض عدم ورود نهی اصلالكان حال الزمان حاكما بالمنع وكم من حكم	میں نے اشعۃ اللمعات کے حاشیہ پر جو کچھ اس کی تصریح تھی لکھ دی اس ذکر کے ساتھ کہ کتابت سیدہ حفصہ کی خصوصیت ہے پس جواب دیکھنے سے پہلے ہی میں نے اس کا اظہار کر دیا تھا **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کے باوجود کوئی کہنے والا یہ کہہ دے کہ محض تشبیہ، جواز میں کوئی صریح نص نہیں بخلاف لاتعلموھن یعنی عورتوں کو کتابت نہ سکھاؤ۔ یہ ممانعت میں واضح نص ہے۔ علاوہ اس کے یہ ایک معین واقعہ ہے جس میں کوئی عموم نہیں بخلاف حدیث نہی کے۔ علاوہ ازیں حدیث شفاء اگر مقدم ہو تو منسوخ ہے اور اگر مؤخر ہو تو پھر ہم اسے تسلیم ہی نہیں کرتے مگر یہ کہ سیدہ حفصہ کی خصوصیت قرار دی جائے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ریشم پہننے کی رخصت او راجازت دی تھی۔ اور حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ پر نوحہ اور رونے کی اجازت دی۔ اس کے بعد ان کاموں سے منع فرمادیا تا، تو پھر یہ رخصت دینے کی صورت میں بعض کی تخصیص ہوئی لہٰذا علی الاطلاق نسخ حکم نہیں علاوہ ازیں یہ مقام مقام احتیاط ہے لہٰذا مانع کو مقدم کیا جائے گا، اس کے علاوہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ نہی بالکل وارد نہیں ہوئی تو پھر بھی حال زمانہ منع کے لئے حاکم، (یعنی حالات زمانہ میں ممانعت کے لئے کافی ہیں)

یختلف باختلاف الزمان الاتری ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذن للنساء ان یخرجن الی المساجد وقد کن یخرجن علی عھد الرسالۃ بل امر فی العیدین باخراج العواتق وذوات الخدور کما فی الصحیحین[1] بل قال لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ، اخرجہ احمد[2] ومسلم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما ومع ذٰلك اذا فسد الزمان نص الائمۃ بالمنع و قالت ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا لورای النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من النساء مارأینا لمنعھن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[3]۔	بارہا اختلاف زمانہ سے حکم بدل جاتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت دی تھی اور وہ زمانہ رسالتمآب میں مساجد میں جایا کرتی تھیں بلکہ عیدین (چھوٹی، بڑی عید) میں پردہ نشین خوادین کو بھی آپ نے عیدگاہ میں جانے کا حکم صادر فرمار کھا تھا جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایات میں موجود ہے بلکہ آپ نے یہاں تک فرمایا کہ باندیوں کو اللہ تعالٰی کے گھروں (مساجد) میں جانے سے مت روکو۔ امام احمد اور امام مسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج فرمائی۔ پس اس کے باوجود جونہی حالت زمانہ خراب وفاسد ہوگئے تو ائمہ کرام نے صراحتًا عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ارشاد فرمایا اگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عورتوں کے آج کے حالات دیکھتے جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں تو انہیں مسجدوں میں جانے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب العیدین باب اذلم یکن لھا جلباب فی العید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۴، صحیح مسلم کتاب العیدین فصل فی اخراج العواتق وذوات الحدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹۰

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر الکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶ و ۱۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الاذان باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰، صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب خروج النساء الی المساجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ اگلے زمانے کی دوچار بیبیوں کے حال فعل سے استناد کا یہاں کوئی محل نہیں پہلے تو عموماً عورات کو حکم تھا کہ پنجگانہ مسجدوں میں حاضر ہوں، پردہ نشینیں اگرچہ حالت حیض میں ہوں کہ نماز پڑھ بھی نہیں سکتیں محض شرکت برکت دعاکے لئے عیدگاہوں کو ضرور جائیں۔اب یہ احکام کیوں نہ رہے، حضرت ام المومنین حفصہ توام المومنین ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہاآج حضرت فقیہ فاطمہ سمرقندیہ بنت امام علاؤالدین رحمہما اللہ تعالٰی کے مثل کون سی بی بی ہے بلکہ بعد تلاش و تفحص صرف معدود نساء کی کتابت کا پتا چلنا ہی بتادیتا ہے کہ سلفاً خلفاً علماء وعامہ مومنین کا عمل اس کے ترک ہی پر رہا ہے۔مرد ہر زمانے میں لاکھوں کاتب ہوئے اور عورتیں تیرہ سو برس میں معدود۔پُر ظاہر کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے اگر کتابتِ نساء میں حرج نہ ہوتا جمہور امت سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتی، بالجملہ سبیل سلامت اسی میں ہے، لہٰذا ان اجلہ علماء کرام امام حافظ الحدیث ابو موسٰی وامام علامہ تورپشتی وامام ابن الاثیر جزری وعلامہ طیبی وامام جلال الدین سیوطی وعلامہ طاہر فتنی و شیخ محقق مولنا عبدالحق محدّث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے اسی طرف میل فرمایا، وہ ہر طرح ہم سے اعلم تھے اب جو اجازت کی طرف جائے یا حال زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل۔

ومن لم یعرف اھل زمانه فھو جاھل[1].نسأل الله العفووالعافية ثم رأیت بعد ذٰلك کلام الشیخ ابن حجر فی الفتاوی الحدیثیة ذکر فیه حدیث ام المؤمنین وحدیث ابن مسعود ایضا رضی الله تعالٰی عنهما وزاد فقال واخراج الترمذی الحکیم عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه انه صلی الله تعالٰی علیه و سلم قال مر لقمان علی جاریة	(جو اپنے زمانے والوں کے حالات سے آگاہ نہ ہو وہ جاہل اور نادان ہے۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور نادان ہے۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، پھر اس کے بعد میں نے شیخ ابن حجر کا فتاوٰی حدیثیہ میں کلام دیکھا جس میں انہوں ے ام المومین کی روایت اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث ذکر فرمائی اور کچھ اضافہ کرتے ہوئے فرمایا۔ت) یعنی نیز امام ترمذی الحکیم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ لقمان نے ایک

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۹

فی الکتاب فقال لمن یصقل ھذا السیف ای حتی یذبح بہ وحینئذ فیکون فیہ اشارۃ الی علۃ النھی عن الکتابۃ وھی ان المرأۃ اذا تعلمتھا توصلت بھا الی اغراض فاسدۃ وامکن توصل الفسقۃ الیھا علی وجہ اسرع وابلغ واخدع من توصلھم الیھا بدون ذٰلک، لان الانسان یبلغ بکتابتہ فی اغراضہ الی غیرہ مالم یبلغہ برسول ولان الکتابۃ اخفی من الرسول فکانت ابلغ فی الحیلۃ واسرع فی الخداع والمکر، فلاجل ذٰلک صارت المرأۃ بعد الکتابۃ کالسیف الصیقل الذی لایمر علی شیئ الاقطعہ بسرعۃ فکذلک ھی بعد الکتابۃ تصیر لایطلب منہ شیئ الاکان فیھا قابلیۃ الی اجابتہ الیہ علی ابلغ وجہ اسرعہ[1] اھ	لڑکی کو دیکھا کہ مکتب میں سکھائی جارہی ہے فرمایا یہ تلوار کس کے لئے صیقل کی جاتی ہے۔امام ابن حجر فرماتے ہیں اس حدیث میں علت نہی کتابت کی طرف اشارہ ہے کہ عورت لکھنا سیکھ کر خود بھی فاسد غرضوں کی طرف راہ پائے گی اور فاسقوں کو بھی اس تک رسائی کا بڑا موقع مل جائے گا جو لکھنا نہ جاننے کی حالت میں نہ ملتا کہ آدمی وہ بات لکھ سکتا ہے جو کسی کی زبانی نہ کہلا بھیجے گا نیز خط ایلچی سے زیادہ پوشیدہ ہے تو اس میں حیلہ ومکر کی بہت جلد راہ ملے گی لہٰذا عورت لکھنا سیکھ کر صیقل کی ہوئی تلوار ہوجاتی ہے(وہ کسی چیز پر نہیں گزرتی مگر جلدی سے اسے کاٹ کر رکھ دیتی ہے پس عورت لکھائی سیکھنے کے بعد اسی طرح ہوجاتی ہے لہٰذا اس سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا جاتا کہ وہ بڑی جلدی میں بروجہ بلیغ اس دعوے و مطالبے کے قبول کرنے پر آمادہ ہوجاتی ہے اھ۔ (ت)

ہندی مثل نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا "اے بوری کوئی دیت ہے متوازن ہتھیار"۔

وھذا کما تری کلام متین مبین، اعلاہ مورق واسفلہ مغدق وقول سیدنا لقمان الذی جاء فی الحدیث ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ سیف بالیقین و القطع	جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ یہ کلام نہایت پختہ اور واضح ہے جس کا اوپر والا حصہ ہرے بھرے خوبصورت پتوں والا ہے(اعلاہ مورق) اور نچلا حصہ جائے سیرابی ہے(اسفلہ مغدق)اور ہمارے آقا لقمان حکیم کا ارشاد ہے جو حدیث پاک میں وارد ہوا کہ جس کو آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

[1] الفتاوی الحدیثیہ مطلب یکرہ تعلیم النساء الکتابۃ المطبعۃ الجمالیۃ مصر ص ۶۳

لیس بعدہ لعنق الشبهة الا الجزّوالقطع اما ما ذکرالشیخ بعدہ جوابا عن حدیث الشفاء بقوله، **قلت** لیس فیه دلالة علی طلب تعلیمهن الکتابة وانما فیه دلیل علی جوازہ الکتابة ونحن نقول به وانما غایة ان النهی عنه تنزیها لما تقرر فی المفاسد المرتبة علیهاھ **فاقول**: مبنی علی مذهبه فان الامام الشافعی رضی اللّٰه تعالٰی عنه لایقول بسد الذرائع فلایکون حجة علینا لاسیما مع مانرٰی عن فساد الزمان وماتصم بسماعه الآذان ولاحول ولا قوة الاباللّٰه العلی العظیم۔نسأل اللّٰه العفو و العافیة، واللّٰه تعالٰی اعلم۔	روایت فرمایا وہ عورت یقینی اور حتمی طور پر تلوار ہے کہ جس کے بعد گردن کٹنے اور الگ ہونے کے علاوہ کوئی گنجائش نہیں، رہی یہ بات کہ شیخ نے حدیث شفاء کا جواب اپنے اس قول سے ذکر فرمایا۔ **میں کہتا ہوں** کہ عورتوں کی تعلیم کتابت کے مطالبے پر حدیث پاک میں کوئی دلالت نہیں بلکہ اس میں دلیل جواز ہے اور ہم اسی کے قائل ہیں، منکر نہیں، البتہ انتہائی بات یہ ہے کہ اس میں نہی تنزیہہ ہے اس لئے کہ اس پر بہت سے مفاسد کا ترتّب ثابت ہو چکا ہے اھ میں کہتا ہوں (صاحب فتاوٰی) کہ یہ ان کے مذہب پر مبنی ہے اس لئے کہ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ذرائع کی روک تھام کے قائل نہیں لہٰذا یہ ہمارے خلاف حجت (دلیل) نہیں خصوصًا جبکہ ہم فسادِ زمانہ بھی دیکھ رہے ہیں اور وہ خطرناک حالات کہ جن کی سماعت سے کان بہرے ہوں۔ پس گناہوں سے محفوظ رہنے اور نیکی کرنے کی (کسی میں) ہمت و قوت نہیں سوائے خدائے عظیم و کبیر کے فضل و کرم کے۔ اللہ تعالٰی سے ہم مغفرت وعافیت چاہتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۰: ۶ ربیع الثانی ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قرآن شریف کاترجمہ اس طرح پر کرنا کہ نیچے ترجمہ میں محذوفات اور مطالب وغیرہ خطوط ہلالی بناکر لکھ دیئے جائیں جائز ہے یاناجائز؟

الجواب:

الحمدللہ قرآن عظیم بحفظ الٰہی عزوجل ابدالآباد تک محفوظ ہے تحریف محرفین وانتحال منتحلین کو اس کے سراپردۂ عزت کے گردبار ممکن نہیں "لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ" [1] (باطل اس کے آگے اور پیچھے

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲

سے نہیں آسکتا۔ت) حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے قرآن اتارا اور اس کا حفظ اپنے ذمہ قدرت پر رکھا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝" [1] (ہم ہی نے قرآن پاک کو اتارا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ت) توریت وانجیل کچھ تو ملعون احباروں نے اپنے اغراض ملعونہ سے روپے لے کر اپنے مذہب ناپاک کے تعصب سے قصداً بدلیں اور کچھ ایسے ہی ترجمہ کرنے والوں نے اس خلط وخبط کی بنیادیں ڈالیں مرورزماں کے بعد وہ اصل وزیادت مل ملاکر سب ایک ہوگئیں، کلام الٰہی وکلام بشر مختلط ہوکر تمیز نہ رہی۔ الحمد للہ نفس قرآن میں اگرچہ یہ امر محال ہے تمام جہان اگر اکٹھا ہوکر اس کا ایک نقطہ کم بیش کرنا چاہے ہرگز قدرت نہ پائے مگر ترجمہ سے مقصود ان عوام کو معانی قرآن سمجھانا ہے جو فہم عربی سے عاجز ہیں خطوط بلالی نقول ودر نقول خصوصًا مطابع مطابع میں ضرور مخلوط ونامضبوط ہوکر نتیجہ یہ ہوگا کہ دیکھنے والے عوام اصل ارشاد قرآن کو اس مترجم کی زیادت سمجھیں گے اور مترجم کی زیادات کو رب العزۃ کا ارشاد یہ باعث ضلال ہوگا اور جو امر منجر بہ ضلال ہو اس کی اجازت نہیں ہوسکتی اسی لئے علماء مترجمین نے ترجمہ کا یہی دستور رکھا کہ بین السطور میں صرف ترجمہ اور جو فائدہ زائدہ ایضاح مطلب کے لئے ہو وہ حاشیہ پر لکھا انہیں کی چال چلنی چاہئے۔ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۱: ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص وعظ کہتا ہے اور ان صفتوں سے موصوف ہے: اوّلاً مقولہ اس کا الصلوۃ علیک یارسول اللہ کہنا نہ چاہئے حاضر کے واسطے ہے۔ دوسرے بیان کیا روزہ دار کو چاہئے وقت استنجی کے اوپر کو سانس نہ لے اور آپ کو خوب سنبھالے پانی اوپر نہ جائے ورنہ روزہ اس کا تباہ ہوگا روزہ دار اور غیر روزہ دار کے استنجی میں بہت فرق ہے۔ تیسرے آمین کہنے آواز بلند سے شیطان کے برچھے لگتا ہے اگر بہت بلند آواز سے آدمی کہیں تو بہت برچھی لگتی ہیں، اور اس آدمی نے تقویۃ الایمان اور تنبیہ الغافلین اور کچھ آیات وحکایات وحدیث شریف کا ترجمہ بغیر استاد کے مطبوعہ دیکھ کر یاد کرلیا ہے بیان کرتا ہے اور وہ علم ناسخ اور منسوخ آیات اور اقسام حدیث شریف اور صرف ونحو بھی نہ جانے بحدیکہ من وعن وواحد وتثنیہ میں فرق نہیں کرسکتا ہے ایسے آدمی کا وعظ سننے کو اجازت شریعت محمدیہ اہل شرع کے ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

الجواب:

شخص مذکور نرا جاہل اجہل وگمراہ بدمذہب ہے اسے وعظ کہنا حرام اور اس کا وعظ سننا حرام، الصلٰوۃ علیك یارسول اللہ کہنا باجماع مسلمین جائز ومستحب ہے جس کی ایک دلیل ظاہر وباہر التحیات میں السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہے اور اس کے سوا صحاح کی حدیث میں یا محمد انی اتوجہ بك الی ربی فی حاجتی ھٰذہ[1] (اے محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) میں اپنی اس حاجت (ضرورت) میں آپ کو اپنے پروردگار کی طرف متوجہ کرتا ہوں اور آپ کو وسیلہ بناتا ہوں۔ ت) موجود جس میں بعد وفات اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور پکارنا اور حضور سے مدد لینا ثابت ہے مگر ایسے جاہل اجہل کو احادیث سے کیا خبر، جب اسے التحیات ہی یاد نہیں جو مسلمانوں کا ہر بچہ جانتا ہے۔ تقویۃ الایمان سخت بددینی وضلالت کی کتاب ہے اس کا اور اس کے مصنف کا حال فتاوٰی ورسائل علماء عرب وعجم سے ظاہر، سردست فقیر کا رسالہ مسمّٰی بہ الکوکبۃ الشھابیۃ علی کفریات ابی الوھابیۃ عــہ جدید الطبع حاضر من شاء فلیطالعھا حاضر ہے جو چاہے اس کا مطالعہ کرے۔ ت) آمین آواز سے کہنے میں شیطان کے برچھا لگنا اور جس قدر زیادہ بلند آواز سے ہو اسی قدر زیادہ زخم پہنچنا یہ بھی کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ روزہ دار کو یہ بہتر تو ہے کہ استنجا کرنے میں اوپر سانس بقوت نہ لے مگر اس قدر سے روزہ نہ جائے گا، نہ مطلقًا پانی چڑھنے سے جب تک پانی موضع حقنہ تک نہ پہنچے، اور ایسا ہوگا تو درد شدید پیدا ہوگا۔ درمختار میں ہے:

لوبالغ فی الاستنجاء حتی بلغ موضع الحقنۃ فسد الصوم وھذا قلما یکون ولوکان فیورث	استنجا کرنے میں اگر اس تک مبالغہ کیا کہ پانی حقنہ (محل دوا) تک پہنچ گیا تو روزہ فاسد ہوجائے گا اور ایسا

عــہ: رسالہ ہذا (الکوکبۃ الشھابیہ) فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور جلد نمبر ۱۵ میں مرقوم ہے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الدعوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۷، مسند احمد بن حنبل حدیث عثمان بن حنیف المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳۸، سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلٰوۃ ماجاء صلٰوۃ الحاجۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰، المستدرك للحاکم کتاب الصلٰوۃ التطوع ۱/ ۳۱۳ کتاب الدعا ۱/ ۵۱۹ و ۵۲۶ دارالفکر بیروت

داءً عظیما[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بہت کم ہوتا ہے، اگر ہو تو بڑی بیماری پیدا ہوجائے گی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۲: از پیلی بھیت بازار ڈرمنڈ گنج دکان خلیل الرحمٰن عطر فروش مرسلہ محمد مظہر الاسلام صاحب ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں: اگر کوئی عالم یہ دعوی کرتا ہو کہ میں یہاں کے اہم اسلام کا حاکم ہوں اور منہیات شرعی پر زجر وتوبیخ نہ کرتا ہو بلکہ ایسے اشخاص سے کہ جو منہیات شرعی میں مبتلا ہوں ان کے یہاں دعوتیں کھاتا ہو نذرانہ لیتا ہو یعنی شراب خوار، علی الاعلان ہوئے فروش ہو، مسکرات کا ٹھیکیدار ہو رشوت علی الاعلان لیتا ہو، ڈاڑھی منڈاتا ہو، علی الاعلان زنا کرتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ پس ایسے شخصوں سے ملنے کو فخر جانتا ہو ایسے عالم کے واسطے شریعت عالی کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

عالم دین سنی المذہب جو اپنے اہل علم شہر میں اعلم ہو ضرور ان کا حاکم شرعی ہے **کما فی الحدیقۃ الندیۃ**[2] **عن الفتاوی العتابیۃ** (جیسا کہ حدیقہ ندیہ میں فتاوی عتابیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ت) نہی عن المنکر اپنی شرائط کے ساتھ ضرور فرض ہے مگر وہ زجر وتوبیخ میں منحصر نہیں ایسے مرتکبان کبائر کے ساتھ اختلاط میں نظر علماء مختلف رہی ہے اور قول فیصل یہ کہ اس کا فیصلہ عالم ماہر کی نظر پر ہے جو اصلح سمجھے اس پر عمل کرے **کما بیّنہ الامام حجۃ الاسلام فی الاحیاء** (جیسا کہ حجۃ الاسلام (امام غزالی) نے اس کو احیاء العلوم میں بیان فرمایا ہے۔ ت) دعوت کھانا فی نفسہ حلال ہے جب تک معلوم ومتحقق نہ ہو کہ یہ کھانا جو ہمارے سامنے آیا بعینہٖ حرام مال ہے **کما فی الھندیۃ**[3] **عن الذخیرۃ عن الامام محمد** (جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں بحوالہ ذخیرہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ت) بہر حال عوام کو علمائے دین سنیان متین کی شان میں حسن ظن وحسن عقیدت لازم ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

---

[1] درمختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۹

[2] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث مکتبہ نوریہ فیصل آباد ۱/ ۳۵۱

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

مسئلہ ۳۱۳: مسئولہ مولوی حامد علی صاحب طالب علم مدرسہ اہلسنت باشندہ الہ آباد ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وہابیوں کے پاس اپنے لڑکوں کو پڑھانا کیسا ہے اور جو ان کے پاس اپنے لڑکے کو پڑھنے کے لئے بھیجے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

حرام حرام حرام، اور جو ایسا کرے بدخواہ اطفال ومبتلائے آثام۔ قال الله تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھروالوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۴: مرسلہ ڈاکٹر محمد واعظ الحق سعد اللہ لودی ڈاکخانہ خسرو پور ضلع پٹنہ بوساطت مولوی ضیاء الدین صاحب ۱۵ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ

غیر مقلدوں سے مسئلہ دریافت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: غیر مقلدوں سے مسئلہ دریافت کرنا حماقت ہے۔

مسئلہ ۳۱۵: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

براہ سخن پروری عبارت کتب میں اپنی طرف سے چند الفاظ داخل کرکے علماء کرام اور حتی کہ استاد عظام خود کو دھوکا دینا کیا حکم رکھتا ہے جو حکم محقق اس مسئلہ میں ہو بیان فرمائیں وبحث مسئلہ عبارت کتب ہو۔

الجواب:

سخن پروری یعنی دانستہ باطل پر اصرار ومکابرہ ایک کبیرہ۔ کلمات علماء میں کچھ الفاظ اپنی طرف سے الحاق کرکے ان پر افتراء دوسرا کبیرہ۔ علماء کرام اور خود اپنے اساتذ کو دھوکا دینا خصوصًا امر دین میں تیسرا کبیرہ۔ یہ سب خصلتیں یہود لعنہم اللہ تعالٰی کی ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ(۴۲)"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو) حق کے ساتھ باطل نہ ملاؤ اور نہ حق کو چھپانے والے بنو جبکہ تم (حق کو خوب) جانتے ہو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۴۲

وقال اللہ تعالٰی " فَوَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ وَیۡلٌ لَّہُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ " [1]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: خرابی اور بربادی ہے ان لوگوں کے لئے بوجہ ان کے ہاتھوں کی لکھائی کے، اور خرابی ہے ان کے لئے بوجہ ان کی کمائی کے جو وہ کمارہے ہیں۔ (ت)
وقال تعالٰی " یُحَرِّفُوۡنَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡہُ وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾ " [2] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہ لوگ اللہ کے کلام کو سمجھنے اور جاننے کے باوجود بدل ڈالتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۶: از قاضی ٹولہ شہر کہنہ ۷ اذی القعدہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر کوئی شخص جس نے سوائے کتب فارسی اور اردو کے جو کہ معمولی درس میں پڑھی ہوں اور اس نے کسی مدرسہ اسلامیہ یا علماء گرامی سے کوئی سند تحصیل علم نہ حاصل کی ہو اگر وہ شخص مفتی بنے یا بننے کا دعوی کرے اور آیات قرآنی اور احادیث کو پڑھ کر اس کا ترجمہ بیان کرے اور لوگوں کو باور کرائے کہ وہ مولوی ہے تو ایسے شخص کا حکم یا فتوی اور اقوال قابل تعمیل ہیں یا نہیں اور ایسے شخص کا کوئی دوسرا شخص حکم نہ مانے تو اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

سند کوئی چیز نہیں، بہتیرے سند یافتہ محض بے بہرہ ہوتے ہیں اور جنہوں نے سند نہ لی اُن کی شاگردی کی لیاقت بھی ان سند یافتوں میں نہیں ہوتی، علم ہونا چاہئے اور علم الفتوی پڑھنے سے نہیں آتا جب تک مدتہا کسی طبیب حاذق کا مطب نہ کیا ہو مفتیان کامل کے بعض صحبت یافتہ کہ ظاہری درس وتدریس میں پورے نہ تھے مگر خدمت علماء کرام میں اکثر حاضر رہتے اور تحقیق مسائل کا شغل ان کا وظیفہ تھا فقیر نے دیکھا ہے کہ وہ مسائل میں آج کل کے صدہا فارغ التحصیلوں بلکہ مدرسوں بلکہ نام کے مفتیوں سے بدرجہا زائد تھے، پس اگر شخص مذکور فی السوال خواہ بذات خود خواہ بفیض صحبت علماء کاملین علم کافی رکھتا ہے جو بیان کرتا ہے غالبًا صحیح ہوتا ہے اس کی خطا سے اس کا صواب زیادہ ہے تو حرج نہیں اور اگر دونوں وجوہِ علم سے عاری ہے صرف بطور خود اردو فارسی کتابیں دیکھ کر مسائل بتائے اور قرآن وحدیث کا مطلب

[1] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

بیان کرنے پر جرأت کرتا ہے تو یہ سخت اشد کبیرہ ہے اور اس کے فتوی پر عمل جائز نہیں اور نہ اس کا بیان حدیث وقرآن سننے کی اجازت۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرأکم علی الفتیا اجرأکم علی النار [1]۔	جو شخص فتوی دینے میں زیادہ جرأت رکھتا ہے وہ آتشِ دوزخ پر زیادہ دلیر ہے۔

اور ارشاد فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

من قال فی القراٰن برایہ فاصاب فقد اخطاء [2]۔	جس نے قرآن کے معنی پر اپنی رائے سے بیان کئے اس نے اگر ٹھیک کہے تو غلط کہے۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوٴ مقعدہ من النار [3]۔	جو بغیر علم کے قرآن کے معنی کہے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷تا۳۲۰: مرسلہ محمد اسحاق سکریٹری انجمن محمدیہ کوچین ملک ملیبار

(۱) آج کل مسلمان جو تکمیل یونیورسٹی کی کوشش کرتے ہیں اور چندہ فراہم کرتے ہیں وہ ثواب ہے یا نہیں؟

(۲) آیا تکمیل یونیورسٹی دینی ضروریات سے ہے یا نہیں؟

(۳) اس مد میں جو روپیہ دیا جائے وہ صدقہ جاریہ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟

(۴) اس یونیورسٹی میں اہلسنّت شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ بات قرار پائے اور اس کے افسر عہدہ داران اس کا پورا ذمہ قابل اطمینان کریں کہ اس کا حصہ دینیات صرف اہلسنت وجماعت کے متعلق رہے گا جن کے عقائد مطابق علمائے حرمین طیبین ہیں

[1] کنزالعمال بحوالہ الدارمی حدیث ۲۸۹۶۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۸۴

[2] کنزالعمال بحوالہ جندب حدیث ۲۹۵۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۶

[3] کنزالعمال بحوالہ د.ت عن ابن عباس حدیث ۲۲۵۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۶

ہیں انہیں کی کتب نصاب میں ہوں گی، انہیں کے علماء مدرسین ہوں گے، انہیں کی تربیت میں طلباء رہیں گے، غیروں کی صحبت سے ان کو بچایا جائے گا، روپیہ جو اہلسنت سے لیا جائے گا صرف اسی کام میں صرف کیا جائے گا، اس وقت اہلسنت کو اس میں داخل ہونا جائز اور باعث ثواب ہوگا، اور جو کچھ اس میں دیا جائے گا صدقہ جاریہ ہوگا۔ رہا اس کی تکمیل میں کوشش اور چندہ فراہم کرنا، وہ صرف اتنی بات پر بھی ثواب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں ہر مذہب کی تعلیم باقی ہے وہ روپیہ اس لئے جمع نہیں کرتے کہ دین حق کی تعلیم ہو بلکہ حق وناحق دونوں کی تعلیم کو سنیوں کے بچوں کو تعلیم ہوگی کہ قرآن مجید بعینہٖ محفوظ ہے اس میں کسی قسم دخل بشری سے ایک نقطہ کی کمی بیشی ہوئی نہ ہوسکتی ہے، کوئی غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا، تقدیر کی بھلائی برائی سب اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں وہ جو چاہے کرے، ہمارا اور ہمارے افعال نیک وبد کا وہی ایک اکیلا خالق ہے اس کا دیدار روز قیامت حق ہے، خلفائے اربعہ کی امامت برحق ہے ان میں اللہ عزوجل کے یہاں سب سے زیادہ عزت وقربت والے صدیق اکبر ہیں پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم، انہیں بلکہ صحابہ میں سے کسی کو برا کہنے والا جہنمی مردود وملعون ہے اور شیعہ کے بچوں کو تعلیم ہوگی کہ یہ قرآن بیاض عثمانی ہے اس میں سے کچھ آیتیں سورتیں صحابہ نے گھٹادیں بعض الفاظ کچھ کے کم کردیئے جیسے **ائمۃ ھی ازکی من ائمۃ** کی جگہ **امۃ ھی اربی من امۃ** بنا دیا، مولا علی وائمہ اطہار اگلے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل ہیں، تقدیر کی برائی خدا کی طرف سے نہیں، بندہ کے لئے اصلح کرنا لطف سے پیش آنا خدا پر واجب ہے خدا اس کے خلاف نہیں کرسکتا، اپنے اعمال کے ہم خود خالق ہیں، خدا کا دیدار حق نہیں، خلفائے اربعہ میں تین **معاذاللہ** ظالم غاصب ہیں، اُن کو سخت سے سخت برائی سے یاد کرنا گالیاں دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ پھر وہ خود اعلان کرتے ہیں کہ سب سے زائد اہتمام سائنس کی تعلیم کا ہوگا۔ سائنس میں وہ باتیں ہیں جو عقائد اسلام کے قطعًا خلاف ہیں بچوں کی تربیت دینے تہذیب وانسانیت سکھانے کے لئے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا عرب مصر روم شام حتی کہ حرمین شریفین کے علماء ومشائخ میں کوئی اس قابل نہیں ہاں کمال مہذب وشیخ تربیت وپیرافادت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں ان کو اس قدر بیش قرار تنخواہیں ان روپوں سے دی جائیں گی کہ وہ یہاں رہنے پر مجبور ہوں ان کی صحبت وتربیت میں مسلمانوں کے بچے رکھے جائیں گے ان کے اخلاق وعادات سکھائے جائیں گے۔ ایسی صورت میں حال ظاہر ہے ابتداء میں کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے کو بہت سنبھل سنبھل کر بنا بنا کر مقاصد دکھائے گئے ہیں ان میں تو یہ حالت ہے

آئندہ جو کارروائی ہوگی روئیش بیبیں حالش مپرس (اس کا چہرہ دیکھ لیکن اس کا حال نہ پوچھ۔ت) سالہاسال سے جو علی گڑھ کالج انہیں مقاصد کے لئے قائم ہے اس کے ثمرات ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کو نیم عیسائی کر چھوڑا اس کے اکثر تعلیم یافتہ اسلام وعقائد اسلام پر ٹھٹھے اڑاتے ہیں ائمہ وعلماء کو مسخرہ بتاتے ہیں خود غرضی وخود پسندی دنیا طلبی دین فراموشی یہاں تک کہ داڑھی وغیرہ اسلامی وضع سے تنفران کا شعار ہے جب ادھورے کے یہ آثار ہیں تکمیل کے بعد جو ثمرات ہوں گے آشکار ہیں ع

قیاس کن زگلستان او بہارش را

(اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کرلیجئے۔ت)

وباللہ العصمۃ (اور اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے بچاؤ ہوسکتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک رنڈی یہ چاہتی ہے کہ مجھ کو کلام مجید کوئی نیک بخت صالح پڑھادیا کرے، اور اس کو بہت شوق ہے اور منت عاجزی کرتی ہے کہ کلام الٰہی صحیح طور پر پڑھ جائے، اس صورت میں اس کو پڑھانا یا وہ کچھ نذر کرے اس کو لینا جائز ہوگا یانہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اور اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جو شیطان کو دور سمجھتا ہے شیطان اس سے بہت قریب ہے، وہ مستحب چاہتی ہے اور حرام نہیں چھوڑتی یہ بھی شیطان کا مکر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۲: از سنبھل محلّہ کوٹ ضلع مرادآباد مرسلہ حافظ اکرام صاحب ۷ ۲صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عالم بے عمل جاہل باعمل سے فضیلت میں زیادہ ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جاہل، عالم کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا جبکہ وہ عالم عالم دین ہو۔

قال اللہ تعالٰی "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ؕ"[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) تم فرماؤ کیا برابر ہوجائیں گے علم والے اور بے علم۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/۳۹

جاہل بوجہ جہل اپنی عبادت میں سوگناہ کرلیتا ہے اور مصیبت یہ کہ انہیں گناہ بھی نہیں جانتا اور عالم دین اپنے گناہ میں وہ حصہ خوف وندامت کا رکھتا ہے کہ اسے جلد نجات بخشتا ہے، ولہذا حدیث میں ارشاد ہوا کہ عالم کا ہاتھ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اگر وہ لغزش بھی کرے تو اللہ تعالٰی جب چاہے اسے اٹھالے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۳: مسئولہ نجف خاں طالب علم مدرسہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسلمان بچیوں کو ضروری دینی تعلیم قرآن مجید کا ترجمہ، مسئلہ مسائل کی کتابیں اور بقدر حاجت حساب واصول حفظان صحت جس سے ان کو اپنے بچوں کی داشت ونگہداشت میں مدد ملے پردہ کی سخت نگرانی کے ساتھ مسلمان دیندار پابند صوم وصلوٰۃ معلّمہ کے ذریعہ سے پڑھانا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عقائد اہلسنت ومسائل اہلسنت کی کتابیں پڑھائی جائیں، عقائد ومسائل ضروریہ کی تعلیم فرض ہے، حساب وغیرہ بعض مفید باتیں بھی سکھانے میں حرج نہیں، اصول حفظان صحت جہاں تک مسائل اسلامیہ کے خلاف نہ ہوں ان کی تعلیم میں مضائقہ نہیں، اور جو مخالف ہیں جیسے بیماری اڑ کر لگنے کے وسوسے، ان کی تعلیم جائز نہیں، تدبیر منزل بروجہ مطابق شرع وحقوق شوہر واولاد ومذمت کذب وغیبت وضرورت پردہ وحجاب کی بھی تعلیم ہو، مگر عورتوں کو لکھنا سکھانا منع ہے اس سے فتنہ کا چور دروازہ کھلتا ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۴: مستفسرہ محمد میاں طالب علم بہاری بریلی محلّہ سوداگران

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ علم دین حاصل کرنا واجب ہے، فرض ہے یا سنت؟ فقط۔

الجواب:

فرض عین کا علم حاصل کرنا فرض عین، فرض کفایہ کا فرض کفایہ، واجب کا واجب، مستحب کا مستحب، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۵، ۳۲۶: مرسلہ فیض الحق ابوالاسد مدرس مدرسہ اسلامیہ ضلع ایٹہ ڈاک خانہ گنج ڈونڈوارہ موضع حرولہ۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) ایک شخص نے قاعدہ بغدادی نہ قرآن مجید فرقان حمید کسی سے پڑھا اور نہ استعداد وملکۂ استخراج

صحت الفاظ قرآن، اور پھر وہ مسلمانوں کے بچوں کو قرآن شریف پڑھاتا ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ خود و دیگر دوست یاروں کو چارپائی و کرسی پر بٹھاتا ہے اور قرآن شریف نیچے رکھا ہوتا ہے، ایسے معلم اور پڑھانے والے کا اور متعلّمین و پڑھنے والوں کا کیا حکم شرع شریف سے ہے؟ بیّنوا بالکتاب وتوجروا الٰی یوم الحساب (کتاب کے حوالہ سے بیان کرو اور روز حساب اجر و ثواب پاؤ۔ ت)

(۲) غیر مقلدین نے آج کل قصبوں اور دیہاتوں میں مترجم فی السطور خطبے تقسیم کیے ہی ہیں جو کہ اکثر جاہل حنفی پیش امام بھی عید میں ان کو پڑھا کرتے ہیں مع ترجمے کے۔ آیا یہ مذہب حنفی میں جائز ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) قرآن مجید بے پڑھے کوئی شخص صحیح نہیں پڑھ سکتا، جس نے قرآن مجید نہ پڑھا اور استادوں سے صحیح نہ کیا اسے جائز نہیں کہ اوروں کو پڑھائے، نہ لوگوں کو جائز ہے کہ اس سے پڑھیں یا اپنی اولاد کو اس سے پڑھوائیں وہ سب گنہگار ہوتے ہیں۔ جو معلم ایسا ہو کہ آپ اور اس کے یار دوست چارپائیوں اور کرسیوں پر بیٹھیں اور قرآن مجید نیچے زمین پر رکھا ہو اگر اس سے مراد حقیقۃً زمین پر رکھنا ہے اور وہ لوگ ایسا کرتے ہیں تو ان کے اسلام میں کلام ہے مسلمان ہرگز ایسا نہ کرے گا یہ وہی کرسکتا ہے جس کے دل میں قرآن مجید کی عزت اصلًا نہ ہو اور جس کے دل میں قرآن مجید کی عزت اصلًا نہ ہو وہ مسلمان نہیں، اور اگر یہ مراد ہے کہ پڑھنے والے لڑکے زمین پر بیٹھتے ہیں قرآن مجید رحل پر یا ان کے ہاتھوں یا گود میں ہے اور یہ معلم وغیرہ ان سے اونچے بیٹھتے ہیں تو جب بھی سخت بدکار، نابنجار، فساق، فجار، مستحق عذاب نار و غضب جبّار ہیں۔ اور اگر قصدًا بوجہ توہین استخفاف شان قرآن مجید ایسا کرتے ہیں تو آپ ہی کفار ہیں۔ بہرحال ایسے معلم سے پڑھنا پڑھوانا حرام ہے اور اس کے پاس بیٹھنا جائز نہیں۔ **والمولٰی تعالٰی اعلم۔**

(۲) جمعہ و عیدین کے خطبوں میں ساتھ ساتھ اُن کا ترجمہ پڑھنا خلاف سنت ہے اس سے احتراز چاہیے **والمولٰی تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲۷: مرسلہ عبدالعزیز تاجر چرم مقام قصبہ ٹکاری محلّہ شاہ گنج ضلع گیا بروز دوشنبہ تاریخ ۱۶ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

ایک شخص جو عالم ہے اس نے جمعہ کے روز وعظ کے اندر یہ بیان کیا کہ جن لوگوں نے جمعہ کے روز روزہ افطار کیا اور نماز عید پڑھی وہ ناجائز ہے ہم نے فتوٰی غیر عالم سے منگوایا ہے جن کو ضرورت ہو ہمارے مکان پر آکر دیکھ لیں اور عام جمعہ میں فتوٰی نہیں دکھلایا اور جب مکان پر لوگوں نے طلب کیا

تو فتوی دکھلانے سے انکار کیا ایسا فتوی کہ جس سے ہر ایک مسلمان کو تعلق دینی ہے اس کا چھپا رکھنا عالم کے حق میں کیسا ہے؟

الجواب:

اگر کوئی عذر شرعی نہ ہو تو فتوی چھپانا بہت بیجا تھا اگرچہ اعلان کے ساتھ وعظ میں حکم شرعی بیان کردینے کے بعد کتمان علم واخفائے حق کی حد میں نہیں آسکتا کہ عالم پر زبانی بیان حکم فرض ہے خود لکھ کردینا ضروری نہیں کما فی غمزالعیون وغیرہ (جیسا کہ غمزالعیون وغیرہ میں ہے۔ت) نہ کہ اور کا لکھا پیش کرنا مگر جبکہ اس کے پیش کرنے میں عوام کی ہدایت کا ظن غالب ہو اور اسے بلاوجہ شرعی چھپائے تو اب البتہ جرم کی حد میں آجائے گا کہ اس نے مسلمانوں کا خلاف ہدایت پر رہنا پسند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(لوگو!) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کیلئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کیلئے پسند کرتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۸: از کراچی بندر شاپ کیپر صدر بازار بردکان سیٹھ حاجی نور محمد عبدالقادر مسئولہ عبداللہ حاجی روز چہار شنبہ بتاریخ ۸ محرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین کہ یہاں ایک مدرسہ مسلمان لڑکیوں کے لئے کھولا گیا ہے جس میں اس مدرسہ کی معلّمہ مروجہ تعلیم جو فی زمانہ اسکولوں میں لڑکوں کو دی جاتی ہے بعینہ وہی تعلیم لڑکیوں کو دی جاتی ہے یعنی لکھانا و پڑھانا اور حساب ونظمیں یاد کراتی اور سکھاتی ہے، یہ فعل فی زمانہ لڑکیوں کے لئے روا اور جائز ہے یا ممنوع اور ناجائز ہے؟ علاوہ اس کے لڑکیاں بارہ چودہ سال کی بے پردہ آیا کرتی ہیں اور اس مدرسہ کے خادم نوجوان لڑکے ہیں ان کے سامنے اور وقت امتحان کے غیر مردوں کے آگے الحان سے نظمیں پڑھتی ہیں، کیا یہ فعل شرعًا حرام ہے یا نہیں؟ اور لڑکی مشتہاۃ ہونے کے لئے شرعًا کتنی عمر ہونی چاہئے اور ایسے مدرسہ کی تائید کرنے والوں اور ان کے والدین کے لئے جو اپنی لڑکیاں ایسے مدرسہ میں بھیجا کرتے ہیں اور تعلیم مروجہ دلاتے ہیں شرعًا کیا حکم ہے؟ فقط

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

الجواب:

لڑکیوں کا غیر مردوں کے سامنے خوش الحانی سے نظم پڑھنا حرام ہے، اور اجنبی نوجوان لڑکوں کے سامنے بے پردہ رہنا بھی حرام، اور لڑکیوں کو لکھنا سکھانا مکروہ، یونہیں عاشقانہ نظمیں پڑھانا ممنوع، اور ایسے مدرسہ کو مدد دینی شیطان کو اس کے مقاصد میں مدد دینی ہے، اور جو اپنی لڑکیوں کو ایسی جگہ بھیجتے ہیں بے حیا بے غیرت ہیں ان پر اطلاق دیّوث ہوسکتا ہے، نو برس کی عمر کی لڑکی مشتہاۃ ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۹تا۳۳۱: ازبرٹس گائناڈمراراپٹرس حال وپچ ایسٹ بنگ مسئولہ عبدالغفور روز شنبہ ۲۴ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

(۱) اگر ایک شخص نے کہا کہ درمختار کو حدیث کے سامنے نہیں مانتا تو اس کا جواب کیا ہوا؟

(۲) جاہل کو عالم مان لینا کیسا ہے؟

(۳) ایک شخص نے اپنے کو مولانا قرار دیا اور وہ شخص زید کو جانتا ہے کہ وہ وہابی ہے اور زید کہتا ہے کہ میں سنت جماعت ہوں اور دراصل میں زید کے اعتقاد میں کچھ فتور پایا جاتا ہے اور زید مناظرہ کے لئے سنی مولانا کو طلب کرتا ہے تو مولانا کو زید سے مناظرہ کرنا لازم آتا ہے یا کہ نہیں اور سنی مولانا کا زید سے کہ دراصل وہ وہابی ہو مناظرہ نہ کرنا باعث ننگ مذہب سنّت جماعت کے ہے یا کہ نہیں؟

الجواب:

(۱) اس کا جواب وہی مناسب ہے جو قرآن عظیم نے تعلیم کیا ہے کہ:

"سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۵۵﴾" [1]	تم پر (الوداعی) سلام ہو، ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) جہل ہے اور اس کا انجام ضلالت۔ حدیث میں ہے:

حتی اذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(قرب قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے) یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہ رہے گا تو لوگ (بامر مجبوری) رئیس جاہلوں کو (دینی مقتدا)

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۵۵

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

بنائیں گے، پھر ان سے دینی مسائل پوچھیں گے تو وہ بغیر علم فتوے دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوجائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کردیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

(۳) وجوب مناظرہ کے لئے شرائط ہیں، اگر وہ سب پائے جاتے ہیں تو مناظرہ لازم ہے اور اس کا ترک مضر مذہب۔ اور اگر ان میں سے ایک بھی منتفی ہے مثلاً طرف مقابل جاہل ہے یا متعصب معاند ہے جس سے قبول حق کی امید نہیں یا مناظرہ میں فتنہ ہو تو کچھ ضرور نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۳۲: مسئولہ معین الدین احمد ڈاکخانہ بنگلا ضلع میمن سنگھ چہار شنبہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص بغیر علم حدیث و تفسیر واصول و فقہ کے فتوے دے یا لکھے تو کیسا ہے یعنی شرعاً وہ شخص مجرم وماخوذ ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

ضرور مجرم ہے، حدیث میں ہے: **افتوا بغیر علم فضلّوا واضلوا**[1] بے علم کے فتوی دیا تو آپ بھی گمراہ ہوا اور ان کو بھی گمراہ کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۳۳: مسئولہ سیٹھ حاجی اتّو صاحب از پوربندر کاٹھیاواڑ شنبہ ۶ رمضان شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ گجراتی زبان لڑکیوں کو غیر مذہب والی عورتوں سے سیکھوانا یعنی پڑھوانا اور نیز لکھنے کی تعلیم دلوانا جیسے ہندوانی وآریہ مذہب والی عورتوں سے قبل واقفیت ضروری علم دینی کے جائز ہے یا نہیں یعنی اپنے دین حقہ کے مسائل اور دیگر مسائل روزمرہ مثل نماز وروزہ وغیرہ کے پہلے اور نیز اردو کی دنیوی کتابیں پڑھوانے کے واسطے کیا حکم ہے یعنی ہم لوگوں نے مدرسہ قائم کیا ہے اس مدرسہ میں عربی اردو گجراتی علم پڑھایا جاتا ہے، اب ہم علمائے دین سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ گجراتی علم درست ہو تو ہندو عورتوں سے پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکیوں کو لکھنا اور پڑھانا سکھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہی علوم مسلمان عورتوں سے سیکھنا درست ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

عورتوں لڑکیوں کو لکھنا سکھانا منع ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لا تعلموھن الکتابۃ**[2] (عورتوں کو لکھنا نہ سکھاؤ)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ جعفر بن نصر دارالفکر بیروت ۲/ ۵۷۵

اس میں فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: "وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"[1]۔ فتنہ قتل سے بھی سخت ہے۔
حضرت لقمان علی الانبیاء الکرام وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک لڑکی مکتب میں ایسی تعلیم ہوتے ہوئے دیکھی، فرمایا:

لمن یصقل ھٰذا السیف[2]۔	یہ تلوار کس کے لئے صیقل کی جارہی ہے۔

یہ انہوں نے اپنے زمانے کی نسبت فرمایا اب تو جیسے فتنہ کا زمانہ ہے ظاہر اس لئے درمختار وغیرہ میں فرمایا:

من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل[3]۔	جو کوئی اپنے زمانے کے لوگوں کے حالات سے ناواقف ہے وہ نادان ہے (ت)

غیر مذہب والیوں کی صحبت آگ ہے ذی علم عاقل بالغ مردوں کے مذہب اس میں بگڑ گئے ہیں، عمران بن حطان رقاشی کا قصہ مشہور ہے یہ تابعین کے زمانہ میں ایک بڑا محدث تھا خارجی مذہب کی عورت کی صحبت میں معاذاللہ خود خارجی ہوگیا اور یہ دعوی کیا تھا کہ اسے سنّی کرنا چاہتا ہے، جب صحبت کی یہ حالت تو استاد بنانا کس درجہ بدتر ہے کہ استاد کا اثر بہت عظیم اور نہایت جلد ہوتا ہے، اور پھر کمسن لڑکیاں کچی لکڑی جدھر کو پھیری گئی پھر جائیں گی، تو غیر مذہب عورت کی سپردگی یا شاگردی میں اپنے بچوں کو وہی دے گا جو آپ دین سے واسطہ نہیں رکھتا اور اپنے بچوں کے بددین ہوجانے کی پرواہ نہیں رکھتا، شریعت کا تو یہ حکم ہے کہ کافرہ عورت سے مسلمان عورت کو ایسا پردہ واجب ہے جیسا انہیں مرد سے، یعنی سر کے بالوں کا کوئی حصہ یا بازو یا کلائی یا گلے سے پاؤں کے گٹوں کے نیچے تک جسم کا کوئی حصہ مسلمان عورت کا کافرہ عورت کے ساتھ کھلا ہونا جائز نہیں۔ درمختار وتنویر الابصار میں ہے:

والذمیة کالرجل الاجنبی فی الاصح فلا تنظر الی بدن المسلمة[4]۔	ذمیہ زیادہ صحیح قول میں غیر محرم مرد کی طرح ہے لہٰذا وہ کسی مسلمان عورت کے جسم کو نہ دیکھے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۱

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب یکرہ تعلیم النساء المطبعة الجمالیة مصر ص ۶۳

[3] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[4] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة فصل فی النظر والمس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۲

یہ حکم اس کافرہ کی نسبت فرمایا جو سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام ہو کر رہتی ہے پھر اس کا کیا ذکر جو مطیع الاسلام بھی نہیں، اہلسنت وجماعت کے عقیدے اور طہارت ونماز وروزہ کے مسئلے سیکھنا سب پر فرض ہے اور ان کی معتبر کتابیں جیسے عقائد میں مختصر رسالہ عرفان ایمان وغیرہ (نہ وہ کتابیں کہ بے دینوں یا بدمذہبوں نے لکھیں جیسے بہشتی زیور وغیرہ کہ ایسی کتابیں پڑھنا پڑھانا حرام ہے) غرض سنی عالم کی اردو تصنیف صحیح العقیدہ نیک خصلت سے پڑھوانا ضروری ہے ان ضروریات اور قرآن عظیم پڑھنے کے بعد پھر اگر اردو یا گجراتی کی دنیوی کتاب جس میں کوئی بات نہ دین کے خلاف ہو نہ بے شرمی کی، نہ اخلاق وعادات پر برا اثر ڈالنے کی، اور پڑھانے والی عورت سنی مسلمان پارسا حیادار ہو تو کوئی حرج نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۴تا ۳۳۶: از ملک گجرات علاقہ احمد آباد مقام برمگام جامع مسجد غلام محی الدین ۴ شوال المعظم ۱۳۳۴ھ

علمائے شرع متین کی خدمت میں چند سوالات عرض کئے جاتے ہیں:

(۱) ایک شخص نے مدرسہ فخراً وحسداً قائم کیا ہے کہ سابق اس کے سے ایک مدرسہ جاری تھا جو حسبۃً للہ عموماً استفادہ عباد اللہ کے لئے قائم کیا گیا تھا تو اس کے شکست ونیست ونابود کرنے کی غرض سے یہ ثانی مدرسہ بنایا کہ اس مدرسہ قدیمہ میں کوئی نہ پڑھے اور بند ہوجائے حالانکہ مدرسہ ثانیہ کی ضرورت نہ تھی، آیا اس طور سے اور اپنی اغراض نفسانی اور حطام دنیوی سے مدرسہ قائم کرنا جائز ہے؟

(۲) ایک شخص منکر قیامت اور تارک الجماعت اور منکر جمعہ ہے باوجود ان اعتقادات کے تعلیم وتعلم گجراتی اور انگریزی میں ترقی اور دینی علوم میں تنزل پسند کرنے والا شخص ہے تو اگر ایسا شخص مدرسہ قائم کرے تو اس میں دینی تعلیم وتعلم جائز ہے یا نہیں، اور اخلاق بگڑنے کے خوف سے احتراز لازم ہے یا نہیں؟

(۳) ایک شخص شریر اور فتنہ انگیز اور فقہائے کرام کی کتابوں کا منکر اور فعل لواطت کا قائل بلکہ زانی بھی ہے تو ایسے مدرس کے پاس اپنی اولاد کو پڑھانا درست ہے یا نہ؟ اور اس شخص کا کیا حکم ہے؟ **اجیبوا بما ھو صواب۔**

الجواب:

(۱) اگر واقع یہی ہے کہ پہلا مدرسہ تعلیم دین مطابق مذہب اہلسنت وجماعت کے لئے کافی ووافی تھا اور اس پر عقداً وعملاً کوئی اعتراض شرعی نہ تھا تو اس کے قرب میں دوسرا مدرسہ محض بلاحاجت

قائم کرنا عبث بلکہ تفریق قوت ہے لیکن اگر حالت یہ ہے جو سوال میں لکھی تو یہ مدرسہ اس مدرسہ کے توڑنے اور ضرر پہنچانے کے لئے قائم کیا گیا اور پہلا مدرسہ واقعی خالص مدرسہ اہلسنت وجماعت مطابق شریعت ہے، تو اس نیت نامحمود کے ساتھ یہ جدید مدرسہ مسجد ضرار کے حکم میں ہوگا اور اس کے اہل پر اس کا بند کردینا واجب۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام میں ضرر اور ضرار دونوں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جو شخص قیامت کا منکر اور دین کا معاذاللہ تنزل چاہنے والا ہے وہ کسی طرح مسلمان نہیں ہوسکتا اور مرتد کی صحبت آگ ہے نہ کہ اس کے زیر تربیت ہو،

قال اللہ تعالٰی " وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ " [2]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اگر تمہیں کبھی شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ہرگز ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔ (ت)

اور جب وہ دین کا تنزل چاہنے والا ہے تو تعلیم دین کی ترقی اس سے کیونکر متوقع ہے، اس مدرسہ کے پاس نہ جانا چاہئے اور چھوڑ دیا جائے کہ اسی کے خیال والے اس میں پڑھیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) کتب فقہائے کرام کا منکر گمراہ بددین ہے اور حل لواطت کا قائل کافر، ایسے شخص کے پاس بیٹھنا حرام ہے نہ کہ اس سے پڑھنا۔

قال اللہ تعالٰی " وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ " [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں (دوزخ کی) آگ پہنچے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] نصب الرایہ کتاب الدیات باب مایحدث الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴/ ۳۸۴

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

مسئلہ ۳۳۷: مرسلہ حکیم وجیہ الدین احمد صاحب از چھپّرہ ضلع سارن محلّہ بارہ دری ۳ صفر ۱۳۳۵ھ

زبدۃ المحققین قبلہ نمائے آیات اولین، عمدۃ الفواضل، تسلیم بپائے تعظیم پذیرفتہ خدمت فیضدرجت ہو۔ مزاج شریف، کچھ عرض ہے نظر فیض اثر اگر اس طرف متوجہ فرمائی جائے تو حکم العلماء ورثۃ الانبیاء سے مجھ عقیدت آور کو افادہ وامداد کامل پہنچے۔ اس علاقہ ملک شرقیہ کے شہر چھپّرہ میں بہت لوگ مولوی وارث حسن بنارسی کے مریدان ہیں اور خود وہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرید وخلیفہ ہیں جو اپنا سلسلہ مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کے ساتھ درست کرتے وصادق بتاتے اور مولوی اشرف علی دیوبندی جو **فھومنھم** (انہیں میں سے ہے۔ت) ان کی تصانیف سندوشیوع میں لاتے، ہم لوگ صوفیان مستند وصادقان واکابران بے جرم وداغ رہِ سلوک وعرفان کے مقتدی وہدایت یافتہ اور وہ لوگ تصوف غیر مقلدانہ آمیز سے علم افراشتہ، رموز قرآنیہ کا فہم ان کو آسان ہے مطالب حدیث غوامض ان کے کم علم کے برنوک زبان ہے غرض عجب عنوان عمل وایقان ہے یہ بات معلوم ہوئی کہ کوئی کتاب حسام الحرمین ہے جس میں مولوی رشید احمد گنگوہی کی ارتداد بیعت از جانب مولانا امداد اللہ مہاجر مکی بمہر وسند درج ہے، آپ جناب اقدس نے اسے چھپوادیا ہے پس یہ التماس خدمت شریف ہے کہ ایک جلد اس کی اس بندہ ناچیز کو بھی ارسال فرماکر مرہون منت فرمائیں اور اس کے علاوہ اور بھی کوئی رسالہ وغیرہ ان لوگوں کے عقائد یا انفساخ ونادرستی بیعت وغیرہ کے بارہ میں ہو وہ بھی مرحمت ہو۔ دوسری بات یہ کہ اس ہیچمدان کو شوق حصول علم جفر ہوا نقوش وادعیات مرتبہ قاعدہ جفر زیادہ تر اثراتِ بروج وکواکب کے ساتھ مبنی ومحتوی ہیں لہٰذا تھوڑا حصہ علم نجوم کا بھی معلوم کرنا لازم ہوا، اوقات وساعات سبعہ سیارہ ومنازل وبروج سے واقفیت حاصل کرنا ضروری ٹھہرا، پس سلسلہ بندان گنگوہی نے یک دم سرے سے علم نجوم ہی کو کل کفر ٹھہرایا اور بوجوہ ایں کہ احوال مغیبات نجوم وجفر سے دریافت ہوتے لہٰذا علم جفر کو اس کا چھوٹا بھائی بتایا اور ایک حدیث مشکوٰۃ کی ثبوت کفر میں پیش کی کہ کاہن وساحر ومنجم یک حکم رکھتے اور علم نجوم سیکھنا اور سکھانا دونوں ہی کفر۔ یہ کہا گیا کہ علم نجوم کل کفر ہو نہیں سکتا کیونکہ علماء وفضلاء وحکماء ومفسرین ومحدثین کو تھوڑی واقفیت حقیقت اشیاء وجزئیات امور علم نجوم کی بھی ضرور ہے تا استدلال وتردید مذاہب باطلہ کی وہ بخوبی کرسکیں اور اس کی حقیقت وماہیت وافعال وخواص سمجھیں اور بتائیں چنانچہ تمثیل وتطبیق میں مولانا روم علیہ الرحمۃ دفتر اول مثنوی معنوی میں فرماتے ہیں:

(۱) ہر کرا با اخترے پیوستگی ست ... مردرا با اخترے خود ہمتگی ست

(۲) طالعش گر زہرہ باشد باطرب ... میل کلی دارد آں عشق وطلب

(۳) در بود مریخی وخونریز خو   جنگ وبہتان وخصومت جو یداد[1]

(ترجمہ: (۱) جس شخص کو ستاروں سے وابستگی ہے مرد کو ستاروں سے خود ہی ہمت لڑانی چاہئے۔

(۲) عیش وعشرت رکھتے ہوئے، جس کا طالع زہرہ ستارہ ہے وہ مکمل رجحان عشق کی جستجو کی طرف رکھتا ہے۔

(۳) اگر اس کا طالع ستارہ مریخ ہے تو وہ خونریزی کی عادت اور لڑائی جھگڑا اور بہتان تراشی ڈھونڈتا رہتا ہے)

اگر بے وجود ہوتا اور ضلالت کی بات تھی تو مولانا نے اس پر کیوں واقفیت حاصل کی اور مزید برآں دوسرے مسلمانان کے واقفیت عامہ کے لئے کیوں رقم فرمایا۔ علم نجوم اور احکام نجوم جو منجمین پیشینگوئیاں کہہ کر کماتے پھرتے یہ دونوں دو چیز ہے یہ البتہ ضرور ہے اور بیشک ہم اس پر معمل ہیں کہ احکام نجوم پر ہم ایمان نہیں رکھتے کہ بالیقین یہی ہوکے رہے گا ستاروں کو فاعل حقیقی ہم ہرگز نہیں سمجھتے، مصدر خیر وشر ستاروں کو ہم کبھی نہیں جانتے مگرہاں تاثیرات ان کے بیشک مانتے، افعال اثر خوب یا خراب جو اللہ پاک نے ان میں دے کر متعین بکار عالم کیا ہے وہ بیشک بمرضی اللہ پاک یومًا ولیلاً جاری ہوا کرتا،

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ"[2]	اللہ تعالٰی نے رات، دن، سورج اور چاند تمہارے تابع کر دیئے یعنی تمہاری خدمت میں لگادئے۔ اور ستارے اس کے حکم کے پابند ہیں، یقینا ان باتوں میں عقلمند افراد کے لئے قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ (ت)

تفسیر مولانا عبدالحق حقانی میں بہ تفسیر سورہ فاتحہ آیۃ **اهدنا الصراط المستقیم** دربیان وتشریح افراط وتفریط فی العبادات وافراط وتفریط فی العلوم، کے آخر عبارت میں صاف درج ومستنبط ہے کہ علم نجوم وطلسم ونیرنجات وکیمیا وغیرہ علوم ودیگر فنون کا افراط منع ویکدم تفریط بھی ناجائز حالت درمیانی بہتر اور اسی کو حکمت کہتے اور حکمت وجہ کمال انسان اور مصداق صراط مستقیم[3]۔

[1] مثنوی معنوی دفتر اول باب حکایت بادشاہ جہود الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲

[3] تفسیر حقانی تحت آیہ اهدنا الصراط المستقیم دار الاشاعت تفسیر حقانی حقانی منزل دہلی حصہ دوم ص ۳۲

جلد اول فتاوٰی میں مولانا مفسر دہلوی شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کے درج ہے سوالات عشرہ جو شاہ بخارا نے ان کو لکھا تھا اس کے جواب سوال ہفتم میں علم منطق وعلم انگریزی وعلم فارسی وعلم فقہ وعلم نجوم ورمل وعلم قیافہ وسحر کے بارہ میں یہ تحریر کہ جو حکم صاحب آلہ کا وہی حکم آلہ کا اور تحصیل علم کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوسکتا الخ۔ اور اسی دفتر اول فتاوٰی میں بحصہ آخر مرقوم کہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے ایک شخص کو حفظ حرمت وعزت کے لئے انگشتری نقرئی پر اسم عزیز بقاعدہ تکسیر علم جفر کندہ کرانے کو بوقت شرف قمر فرمایا اور تحقیق ساعت شرف اہل نجوم سے کرنے کو فرمایا۔ پس علم جفر اگر بحکم کفریہ تھا تو اس علم کے قاعدہ میں اسم الٰہی کا کیوں نقش بنایا اور علم نجوم بحکم کفریہ تھا تو اس کی ساعت اور اہل نجوم سے تحقیق کر لینے کو کیوں اجازت دیا اور بقول منکران سعد ونحس ستارگان کوئی چیز نہیں تو تخصیص شرف قمر کیا چیز ٹھہری اور مولانا محدث ہو کر خود ان دونوں علم کفریہ کو سیکھا وجانا اور دوسرے اہل اسلام کو کیوں بتایا۔ اب آپ کی خدمت عالی میں بینوا توجروا کی عرض وتصدیع ہے کہ دربارہ امر متذکرہ جو کچھ بحکم آیات وحدیث ثابت ومستنبط ہوتا ہو وہ بدستخط ومہر اپنے زیب قلم فرمائیں تامعترضان عامل بالحدیثان کو دکھلایا جائے اور بسا اکابران دین وعاملان شرع مبین جو ان دونوں علم مذکورہ کو جانتے تھے انہوں پر الزام بدیہ جو عائد ہورہا ہے بطریق احسن دفع کردیا جائے وتوثیق وتصدیق کے لئے زیب قلم فرمودہ آنجناب چوں حرز جاں بحفاظت رکھا جائے۔

الجواب:

حضرات علمائے کرام حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتکریماً نے بالاتفاق رشید احمد گنگوہی واشرفعلی تھانوی واحزابہما کی نسبت نام بنام فتوائے کفر وارتداد دیا ہے اور صاف ارشاد فرمایا ہے:

من شك فی عذابه وكفره فقد كفر [1]۔	جس نے ان کے عذاب اور کفر میں شک کیا وہ بلاشک وشبہہ کافر ہوگیا۔ (ت)

یہاں سے ان کی بیعت کی حالت بھی ظاہر کہ مرتد ہو کر بیعت کیونکر قائم رہ سکتی ہے اس کے لئے حسام الحرمین کا ملاحظہ کافی ہے۔ جفر بیشک نہایت نفیس جائز فن ہے حضرات اہلبیت کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کا علم ہے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے خواص پر اس کا اظہار فرمایا اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے معرض کتابت میں لائے۔ کتاب

[1] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت بریلی ص ۹۲

مستطاب جفر جامع تصنیف فرمائی۔علامہ سید شریف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں: امام جعفر صادق نے جامع میں ماکان ومایکون تحریر فرمادیا[1]۔

سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے الدرالمکنون والجوھر المصوٗن میں اس علم شریف کا سلسلہ سیدنا آدم وسیدنا شیث وغیرہما انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام سے قائم کیا اور اس کے طرق واوضاع اور ان میں بہت غیوب کی خبریں دیں[2]۔

عارف باللہ سیدی امام عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے ایک رسالہ اس کے جواب میں لکھا اس کا انکار نہ کرے گا مگر ناواقف یا گمراہ متعسف۔ نجوم کے دو ٹکڑے ہیں علم وفن تاثیر۔اول کی طرف تو قرآن عظیم میں ارشاد ہے:

"اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۪ۙ﴿۵﴾ "[3] "وَ الشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ۳۸﴾ وَ الۡقَمَرَ قَدَّرۡنٰہُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالۡعُرۡجُوۡنِ الۡقَدِیۡمِ ﴿۳۹﴾ لَا الشَّمۡسُ یَنۡۢبَغِیۡ لَہَاۤ اَنۡ تُدۡرِکَ الۡقَمَرَ وَ لَا الَّیۡلُ سَابِقُ النَّہَارِ ؕ وَ کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾ "[4] "وَ جَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَ النَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَ جَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَ الۡحِسَابَ ؕ وَ کُلَّ	سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں، یہ سورج ہے جو اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے، یہ اس (اللہ تعالٰی) کا اندازہ مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست اور سب کچھ اچھی طرح جاننے والا ہے، ہم نے چاند کے لئے مختلف منازل کا ایک اندازہ کرلیا ہے یہاں تک کہ وہ آخر کار کھجور کی پرانی (اور بوسیدہ) ٹہنی کی طرح ہوجاتا ہے، اور نہ سورج کی یہ طاقت ہے کہ وہ پیچھے سے چاند کو آپکڑے، اور نہ رات میں یہ قوت ہے کہ وہ دن سے آگے نکل جائے، یہ سب کے سب اپنے مرکز (مدار) میں تیر رہے ہیں ہم نے رات اور دن کو (اپنی قدرت کی) دو نشانیاں بنایا لیکن ہم نے رات کی نشانی مٹادی (یعنی اسے مدھم

[1] شرح المواقف المقصد الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۶/ ۲۲

[2] الدرالمکنون والجوھر المصوٗن

[3] القرآن الکریم ۵۵/ ۵

[4] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۸تا۴۰

شَیۡءٍ فَصَّلۡنٰہُ تَفۡصِیۡلًا ﴿۱۲﴾ "[1] "وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ۙ﴿۱﴾ "[2] "تَبٰرَکَ الَّذِیۡ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوۡجًا "[3] " فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿ۙ۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿ۙ۱۶﴾ "[4] "وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ ہٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ "[5] اَلَمۡ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیۡفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَ لَوۡ شَآءَ لَجَعَلَہٗ سَاکِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلۡنَا الشَّمۡسَ عَلَیۡہِ دَلِیۡلًا ﴿ۙ۴۵﴾ ثُمَّ قَبَضۡنٰہُ اِلَیۡنَا قَبۡضًا یَّسِیۡرًا ﴿۴۶﴾ "[6] الی غیر ذٰلك من اٰیات کثیرۃ۔	کردیا)اور دن کی نشانی کو روشن کردیا تاکہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو(یعنی دن کو رزق حلال کی تلاش کرو)تاکہ تم لوگ سالوں کی گنتی اور حساب کو جان سکو، اور ہم نے ہر چیز کو خوب اچھی طرح تفصیل سے بیان کردیا۔برجوں والے آسمان کی قسم۔ بڑا بابرکت ہے(اللہ تعالٰی)جس نے آسمان میں بُرج رکھے۔پھر میں قسم کھاتاہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی۔اور(قسم کھاتاہوں) سیدھی رفتار والے رکے رہنے والے تاروں کی۔اور وہ (خدا کے مقبول بندے)آسمان و زمین کی پیدائش(بناوٹ)میں گہرا غور وفکر کرتے ہیں۔(پھر عرض کرتے ہیں)اے ہمارے پروردگار! تونے یہ سب کچھ بیکار اور بے فائدہ نہیں بنایا۔للذا تمام عیوب ونقائص سے تیری ذات پاک ہے للذا ہمیں آتش دوزخ کے عذاب سے بچا اور محفوظ فرمادے۔کیا آپ نے اپنے پروردگار کے(بے شمار نشانات قدرت میں سے اس نشانی کو)نہیں دیکھا کہ کس طرح سایہ کو پھیلا دیتاہے، اور اگر وہ چاہتا تو ٹھہرا ہوا بنادیتا۔ پھر ہم نے اس کے وجود پر سورج کو دلیل ٹھہرادیا، پھر ہم آہستہ آہستہ اسے (سایہ کو)اپنی طرف سمیٹتے رہتے ہیں۔پس آیات مذکورہ کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآنیہ ہیں(جو علم نجوم کی طرف راہنمائی کرتی ہیں)(ت)

اور اس کا فن تاثیر باطل ہے تدبیر عالم سے کواکب کے متعلق کچھ نہیں کیا گیا نہ ان کے لئے کوئی تاثیر ہے غایت درجہ حرکات فلکیہ مثل حرکات نبض علامات ہیں کما قال اللہ تعالٰی:

"وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجۡمِ ہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۶﴾ "[7]	اور کچھ نشانیاں ہیں اور وہ لوگ ستاروں سے راہ پاتے ہیں۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۸۵/ ۱

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۸۱/ ۱۵و۱۶

[5] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۱

[6] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۵و۴۶

[7] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۶

نبض کا اختلاف اعتدال سے طبیعت کے انحراف پر دلیل ہوتا ہے مگر وہ انحراف اس کے اثر نہیں بلکہ یہ اختلاف اس کے سبب سے ہے اس علامت ہی کی وجہ سے کبھی اس کی طرف اکابر نے نظر فرمائی ہے "فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ۙ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾"[1] (پھر ایک نگاہ ستاروں پر ڈالی تو ارشاد فرمایا میں تو بلاشبہ بیمار ہوں۔ت) زمانہ قحط میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حکم دیا کہ باران کے لئے دعا کرو اور منزل قمر کالحاظ کرلو۔ امیر المومنین مولانا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے منقول ہے:

لاتسافروا والقمر فی العقرب۔	سفر نہ کرو جبکہ چاند برج عقرب میں ہو۔(ت)

اگرچہ علماء نے اس کی یہ تاویل فرمائی ہے کہ عقرب ایک منزل تھی اور قمر ایک راہزن کا نام تھا کہ اس منزل میں تھا۔ علم تکسیر علم جفر سے جدا دوسرا فن ہے اگرچہ جفر میں تکسیر کا کام پڑتا ہے یہ بھی اکابر سے منقول ہے امام حجۃ الاسلام غزالی وامام فخر الدین رازی وشیخ اکبر محی الدین ابن عربی وشیخ ابو العباس یونی وشاہ محمد غوث گوالیاری وغیر ہم رحمہم اللہ تعالٰی اس فن کے مصنف ومجتہد گزرے ہیں اس میں شرف قمر وغیرہ ساعات کا لحاظ اگر اسی علامت کے طور پر ہو جس کی طرف ارشاد فاروقی نے اشارہ فرمایا تو لاباس بہ ہے اور پابندی اوہام منجمین کے طور پر ہو تو ناجائز،

"مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾"[2]	وہ تو نہیں مگر کچھ نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں ورنہ اللہ تعالٰی نے ان کی کوئی سند (دلیل) نہیں اتاری۔ حکم اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو نہیں، پس اس نے یہ حکم فرمایا کہ اس کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو یہی ٹھیک دین ہے، لیکن زیادہ تر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں مانتے۔(ت)

طلسم ونیر نجات سراسر ناجائز ہیں نیرنج تو شعبدہ ہے اور شعبدہ حرام کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ت) اور طلسم تصاویر سے خالی نہیں اور تصویر حرام، (حدیث میں ہے:)

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۸۸و۸۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

اشد الناس عذابا یوم القیمة من قتل نبیا اوقتله نبی والمصورون [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	روز قیامت سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس کو ہوگا کہ جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا اسے کسی نبی نے مار ڈالا، اور تصویریں بنانے والوں کو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۳۸: مرسلہ مولوی محمد بہاؤالدین صاحب موضع سکندر پور ڈاکخانہ کرنڈہ ضلع غازی پور ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

یہاں پر ایک وہابی رہتا ہے وہ شخص پیرو ہے علمائے دیوبند کا، خاص کر مولوی اشرف علی و مولوی رشید احمد کا۔ وہ شخص کہتا ہے کہ پیرو استاد دینی سے مرتبہ زیادہ ہے ماں باپ کا کیونکہ ماں باپ کا مرتبہ قرآن مجید سے زیادہ ثابت ہوتا ہے فقیر نے حدیث پیش کی کہ فضیلت پیرو استاد کی ماں باپ سے زیادہ ہے، اس شخص نے کہا کہ ہم قرآن مجید کے مقابلہ میں حدیث کو نہ مانیں گے، تو سوال یہ کہ حدیث شریف کا انکار کرنے والا کیا ہوا، اور ماں باپ سے مرتبہ زیادہ پیرو استاد کا ہے یا نہیں؟ بادلیل دوبات قلم سے تحریر کردیجئے وہ تحریر سند سمجھوں گا۔ والسلام

الجواب:

پیرو استاد علم دین کا مرتبہ ماں باپ سے زیادہ وہ مربی بدن ہیں یہ مربی روح، جو نسبت روح سے بدن کو ہے وہی نسبت استادو پیر سے ماں باپ کو ہے،

کما نص علیه العلامة الشرنبلالی فی غنیة ذوی الاحکام وقال فیه ذا ابو الروح لا ابو النطف [2]۔	جیسا کہ علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں اس کی صراحت فرمائی چنانچہ اس میں ارشاد فرمایا یہ استاد انسان کے روح کا باپ ہے اس کے مادہ تولید (نطفہ) سے بنے ہوئے جسم کا باپ نہیں۔ لہٰذا جو فرق جسم اور روح میں ہے وہی فرق استاد اور والدین میں ہے۔ (ت)

قرآن عظیم میں ماں باپ کا ذکر فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ ان کے برابر کسی کا حق نہیں بلکہ وہ آیہ کریمہ جس میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو فرمایا، مربیان دین کا مرتبہ ماں باپ سے بہت زائد

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹۷ و ۱۰۵۱۵ المکتبة الفیصلیه بیروت ۱۰/ ۲۶۰ و ۲۶۶

[2] غنیہ ذوی الاحکام

ہونے کی طرف اشارہ فرماتی ہے ظاہر ہے کہ تربیت دین نعمت عظمی ہے اور اس کا شکر قطعًا فرض، مگر ان کا شکر بعینہٖ شکر الٰہی عزوجل ہے اسی واسطے انہیں لِی میں داخل فرمایا ان کے بعد والدین کا ذکر ارشاد ہوا، ورنہ والدین کا حق نبی سے بڑھ جائے گا کہ یہاں جس طرح استاد و پیر کا ذکر نہیں ویسے ہی نبی کا بھی ذکر نہیں۔ دیوبندیوں سے انکار حدیث کی شکایت کیا معنی رکھتی ہے۔ علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی حسام الحرمین دیکھئے کہ یہ لوگ خود حضور رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے مخالف ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳۹: مرسلہ شیخ محمد اکرام الدین طالب علم درجہ حفظ (د) چوک لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ ۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا باپ علوم دینیہ پڑھنے سے زید کو روکتا ہے کیا زید بلا رضامندی اپنے باپ کے طلب علم دین کے واسطے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے شہر میں جاکر علم دین پڑھے درحالیکہ اس کے وطن میں کوئی مولوی حافظ موجود نہیں ہے۔ جواب بحوالہ کتب مسطور فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

طلبِ علم دین اپنی حاجت کے قدر فرض عین اور اس سے زائد فرض کفایہ ہے اس کے باپ کا اس سے روکنا خلاف حکم خدا ہے اور خلاف حکم خدا میں کسی کی اطاعت نہیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت (اور فرمانبرداری) نہیں۔(ت)

فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

لو خرج فی طلب العلم بغیر اذن والدیہ فلابأس بہ ولم یکن ھذا عقوقا[2]۔	اگر حصول علم کے لئے بغیر اجازتِ والدین باہر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور یہ ان کی نافرمانی نہیں۔(ت)

[1] المعجم الکبیر حدیث ۳۱۵۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۲۰۹۔۲۰۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۴

ہاں اگر باپ محتاج ہے اور اگر یہ باہر جائے تو وہ ضائع رہ جائے کوئی ذریعہ قوت نہ اس کے پاس ہو نہ یہ بھیج سکے تو اس کا روکنا بجا ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

قال محمد رحمه الله تعالٰی فی السیر الکبیر اذا اراد الرجل ان یسافر الی غیر الجهاد لتجارة اوحج اوعمرة وکره ذٰلك ابواه فان کان یخاف الضیعة علیها بان کانا معسرین و نفقتهما علیه وماله لایفی بالزاد و الراحلة ونفقتهما فانه لایخرج بغیر اذنهما سواء کان سفرا یخاف علی الولد الهلاك فیه کرکوب السفینة فی البحر اودخول البادیة ماشیافی البرد الشدید اولاوان کان لایخاف الضیعة علیهما بان کانا موسرین ولم تکن نفقتهما علیه.ان کان سفرا لا یخاف علی الولد الهلاك فیه کان له ان یخرج بغیر اذنه ان کان یخاف علی الولد لایخرج الا باذنهما کذا فی الذخیرة وکذاالجواب فیما اذا خرج للنفقة الٰی بلدة اخری ان کان لایخاف علیه الهلاك بسبب هذا الخروج کان بمنزلة السفر للتجارة وان کان یخاف علیه الهلاك کان بمنزلة الجهاد	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیر کبیر میں فرمایا جب کوئی شخص جہاد کے بغیر کسی اور کام کے لئے سفر کرنے کا ارادہ کرے مثلاً کاروبار کرنے یا حج یا عمرہ کرنے کا ارادہ کرے، لیکن والدین اس کے سفر کرنے کو ناپسند کریں، اگر اسے (اپنے باہر جانے کی وجہ سے) والدین کی ہلاکت (اور تلف ہونے) کا خطرہ ہو مثلاً اس طرح کہ وہ دونوں تنگدست اور نادار ہوں اور دونوں کے اخراجات کا یہ ذمہ دار ہو، اور حالت یہ ہو کہ اس کا سرمایہ زاد راہ، سواری اور ان دونوں کے اخراجات کے لئے ناکافی نہ ہو تو پھر اس صورت میں یہ شخص والدین کی اجازت کے بغیر نہ جائے، خواہ ایسا سفر ہو جس میں بیٹے کی ہلاکت کا خطرہ ہو جیسے سمندر میں کسی کشتی پر سوار ہونا یا کسی جنگل بیابان کو شدید سردی کے دنوں میں پیدل طے کرنا، یا ایسا نہ ہو، اگر اسے والدین کی ہلاکت کا خطرہ نہ ہو مثلاً وہ دونوں (والدین) مالدار ہوں اور ان کے اخراجات اس کے ذمے نہ ہوں۔ اگر سفر میں انہیں بیٹے کی ہلاکت کا کوئی خطرہ نہ ہو پس اس صورت میں یہ والدین کی اجازت کے بغیر باہر جاسکتا ہے۔ اور اگر انہیں اسکی جان کا اندیشہ ہو تو پھر بغیر اجازت لئے سفر نہ کرے۔ ذخیرہ میں یہی مذکور ہے اور یہ جواب ہے، جب یہ حصول فقہ کے لئے کسی دوسرے شہر میں جائے، اگر

كذا فی المحيط[1] اھ باختصار، ورأیتنی کتبت علی قوله، لایخرج بغیر اذنهما مانصه اقول: ای حقیقة فانه لا یکون الا اذا کانت عندهما کفایة ولو من قبل غیرهما اما اذا استأذن وهو یعلم ان لاکفاف لهما دونه فقالا غضباسر علی برکة الله تعالٰی فهذا لیس من الاذن فی شیئ وان فرض فلا معتبر به لان اضاعتهما حرام والحرام لایحل باذن احد۔	اس سفر میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہو تو پھر یہ سفر سفر تجارت کی طرح ہے۔ اور اگر ہلاکت کا خوف ہو تو پھر بمنزلہ سفر جہاد ہے۔ محیط میں اسی طرح مذکور ہے اھ باختصار۔ تو نے دیکھا کہ میں نے اس کے قول "لایخرج بغیر اذنهما" وہی کچھ لکھا کہ جس کی اس نے تصریح کی **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہاں "اذن" سے مراد حقیقتًا اذن ہے اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ ان دونوں (والدین) کے پاس بقدر کفایت مال ہو اگرچہ کسی دوسرے کی طرف سے مہیا ہو۔ لیکن اگر یہ اُن سے اجازت مانگے جبکہ یہ جانتا ہے کہ اس کے بغیر ان کے بقدر ضرورت (کفاف) مال نہیں اور وہ غضبناک لہجے میں کہہ دیں اللہ تعالٰی کی برکت کے پیش نظر روانہ ہوجا تو یہ کسی حالت میں "اذن" نہیں اگرچہ فرض کرلیا جائے لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے انہیں ضائع کردینا حرام ہے، اور حرام کسی کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا۔ (ت)

اسی طرح اگر لڑکا امرد خوبصورت محل فتنہ ہے اور تنہا جاتا ہے تو کہا گیا کہ اس صورت میں بھی باپ روک سکتا ہے۔ خانیہ میں بعد عبارت سابقہ ہے:

قیل هذا اذا کان ملتحیا فان کان امرد صبیح الوجه فلابیه ان یمنعه من الخروج[2] اھ	یہ حکم اس وقت ہے جبکہ وہ باریش ہو لیکن اگر وہ لڑکا بے ریش، خوبصورت ہو تو پھر دریں صورت والد اس کے باہر جانے سے یعنی سفر کرنے سے روک سکتا ہے اھ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ اگر وہاں جانے میں اندیشہ فتنہ یقینی ہے یعنی ایسا ظن غالب کہ فقہیات میں ملتحق بہ یقین ہے تو بلاشبہہ باپ روک سکتا ہے بلکہ روکنا لازم ہے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الخ الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۴

فان درء المفاسد اھم من جلب المصالح (کیونکہ مفاسد کادفاع مصالح کے حصول سے زیادہ ضرور کرے۔ت) اور اگر محض وہم ہے تو معتبر نہیں ہے اور اگر متوسط حالت ہے تو علم ضروری سے نہیں روک سکتا اور زائد میں نظر مختلف ہے اور معیار موازنہ مفسدہ و مصلحت ہے کماھو قانون الشرع والعقل فلیکن التوفیق وباللہ التوفیق (جیسا کہ شرعی اور عقلی قانون کا تقاضا ہے پس توفیق حاصل ہونی چاہئے اور اللہ تعالٰی کے کرم سے ہی حصول توفیق ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۴۰: از بریلی محلّہ سوداگری مسئولہ محمد حسین طالبعلم مدرسہ منظر اسلام ۷ شعبان المعظم ۱۳۳۵ھ

صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے عمرو کو علم طب سکھایا اور عمرو نے زید کو علم حساب سکھایا مرتبہ استاد اور شاگرد ہونے میں دونوں برابر ہیں یا کسی کو ایک دوسرے پر افضلیت ہے؟

الجواب:

جمع تفریق ضرب تقسیم جس قدر پر علم فرائض کا توقف ہے طب سے افضل ہے باقی حساب میں توغل سے طب افضل ہے جس نے افضل سکھایا وہ افضل استاد ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴۱: از بریلی مدرسہ اہلسنت مولوی شفیع احمد صاحب طالب علم مدرسہ ساکن بیلپور

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے ماں باپ اگر تحصیل علم فرض سے منع کریں تو اس میں ان کی تعمیل حکم ہرگز نہیں چاہئے اور اگر ان کی قربت میں تحصیل نہ ہوسکے تو سفر کرنا ضرور ہے اگرچہ ماں باپ کو اس کی خدمت کی طرف احتیاج ہو تو یہ قول زید صحیح ہے یا نہیں؟ بیّنوا بالتفصیل ولوکان القلیل توجروا من رب الجلیل (کسی قدر تفصیل سے بیان فرماؤ اگرچہ تھوڑی ہو، اور جلیل القدر پروردگار سے اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

قول زید صحیح ہے مطلقًا جبکہ اس علم کی تحصیل چاہتا ہو جو فرض عین ہے یونہی صحیح ہے اگر بقدر فرض عین جانتا ہو اور فرض کفایہ کی تحصیل چاہے اور وہاں میسر نہ ہو اور اس کے سفر کرنے میں والدین کا ضائع چھوڑنا نہ ہو اور اگر ان کی اضاعت لازم آئے تو فرض عین کے بعد کفایہ کے لئے اس کی اجازت نہیں ہوسکتی کہ ان کا ضائع نہ چھوڑنا اس پر فرض عین ہے ضائع چھوڑنے کے یہ معنی ہیں کہ وہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قادر ہیں یہی کماتا ہے اور انہیں کھلاتا ہے اور اگر تحصیل کفایہ میں مشغول ہوگا

تو ان کے نفقہ سے عاجز ہوگا اور وہ نان شبینہ کو محتاج رہ جائیں گے یا وہ سخت مریض یا اپاہج یا مفلوج ہیں کہ حرکت سے عاجز ہیں اور ان کی خدمت اسی کے متعلق ہے اور وہ اجیر نہیں رکھ سکتے تو تحصیل کفایہ کو سفر ممنوع۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۲: از سوائی مادھوپور قصبہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

تعلیم انگریزی وہندی کی مسلمان کو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

غیر دین کی ایسی تعلیم کہ تعلیم ضروری دین کو روکے مطلقاً حرام ہے، فارسی ہو یا انگریزی یا ہندی، نیز ان باتوں کی تعلیم جو عقائد اسلام کے خلاف ہیں جیسے وجود آسمان کا انکار یا وجود جن وشیطان کا انکار یا زمین کی گردش سے لیل ونہار یا آسمانوں کا خرق والتیام محال ہونا یا اعادہ معدوم ناممکن ہونا وغیر ذلک عقائد باطلہ کہ فلسفہ قدیمہ جدیدہ میں ہیں ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے کسی زبان میں ہو نیز ایسی تعلیم جس میں نیچریوں دہریوں کی صحبت رہے ان کا اثر پڑے دین کی گرہ سست ہو یا کھل جائے، اور اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی وہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۴۳: مولوی افضل صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام مورخہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

چہ میفرمایند علمائے دین کہ یک شخص نزد کسے سبق خواندہ بعدہ معلوم کہ استاد او در دین خود مستقیم نیست ومی گوید کہ امام صاحب نداشتہ واجماع را غلط میداند ومی گوید کہ قادیانی مجدد بود وغیرہ بے ادبی ہا از او دیدہ واو را ترک کرد واو را بسیار ناراضی کرد کہ آیا این شاگرد نزد شرعی ملامت است یانہ اینچنیں استاد حق بر سر شاگرد دارد یانہ؟ **بینوا توجروا۔**	علمائے دین کیا فرماتے ہیں (اس مسئلہ میں کہ) ایک آدمی نے ایک استاد سے سبق پڑھا بعد میں اس کو معلوم ہوا کہ اس کا استاد ٹھیک دین نہیں رکھتا، کہتے ہیں کہ اس کا کوئی امام نہیں (یعنی وہ کسی امام کا پیروکار نہیں) اور وہ اجماع امت کو غلط کہتا ہے اور کہتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی مجدد تھا اور اس کے علاوہ اور کئی ناشائستہ اور بے ادبی کی کتابیں (شاگرد نے) استاد سے دیکھیں اس لئے اس کو چھوڑ دیا اور اس کو سخت ناراض کیا، تو کیا یہ شاگرد اسلامی شریعت میں قابل ملامت ہے یا نہیں، اور اس قسم کا استاد شاگرد پر اپنا حق رکھتا ہے یا نہیں؟ بیان فرمائیے اجر پائیے۔ (ت)

الجواب:

ایں چنیں استاد را بر شاگرد خود ہماں حق است کہ بر ملٰئکہ ابلیس لعین را کہ او را لعنت مے کنند و روز قیامت کشاں کشاں بدوزخ افگنند۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس قسم کے استاد کا اپنے شاگرد پر وہی حق ہے جو شیطان لعین کا فرشتوں پر ہے کہ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور قیامت کے دن گھسیٹ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۴: مولوی افضل صاحب طالب علم مدرسہ منظر اسلام مورخہ ۱۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

سوال دیگر برادر من مرا تعلیم کردہ و بر من ظلم و ستم بیحد کردہ در مال دنیاوی و من باو گفتگو بسیار کردہ ام دریں باب ایں حق دار است یانہ و نزد شرع ملامت ست یانہ؟	دوسرا سوال: میرے بھائی نے مجھے تعلیم دی لیکن اس نے دنیوی مال کے معاملہ میں مجھ پر بیحد ظلم و ستم کیا، پھر میں نے اس سے بہت سی باتیں کیں اس باب میں یہ حقدار ہے یا نہیں؟

الجواب:

برادر کلاں را در حدیث بشابہ پدر شمردہ اند خاصہ کہ استاذ باشد استاذ علم دین خود اعظم از پدر ست برائے مال با او ناحفاظتی نمی شاید کرد بایں ہمہ اگر در گفتگو تجاوز از حد نہ کردہ ست بزہ کار نیست و بوجہ عدم رعایت حق استاذ و برادر کلاں خالی از ملامتی ہم نیست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بڑے بھائی کو حدیث پاک میں والد کے مشابہ شمار کیا ہے جبکہ وہ استاذ بھی ہو۔ علم دین کا استاذ (مرتبہ میں) والد سے بہت بڑا ہے۔ لہذا دنیاوی مال کی وجہ سے اس کی بے حرمتی نہیں کرنی چاہئے تھی، اور ان سب باتوں کے باوجود اگر کلام کرنے میں حد سے تجاوز نہیں کیا تو گنہگار نہیں۔ پس استاذ اور بڑے بھائی کے حق کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے ملامت سے خالی بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴۵: از ریاست جموں کشمیر خاص محلّہ رنگریزاں بخانہ منشی چراغ ابراہیم براستہ جہلم مرسلہ محمد یوسف صاحب ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

اگر کوئی صاحب اہل علم ہو کر اپنے استاد مربی کا انکار کرے کہ ہمارا کوئی استاد نہیں باوجودیکہ گواہ موجود ہوں، تو اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

استاد کا انکار کفران نعمت ہے، اور کفران نعمت موجب سزا و عقوبت،

"وَهَلۡ نُجٰزِيۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ۝" [1] (ہم بدلہ یعنی سزا نہیں دیتے سوائے ان کے ناشکر گزار ہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۶: از فیض آباد مسجد مغلپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

پیر مولوی جو مرید کرتے ہیں نائب رسول بھی کہلاتے ہیں ان کو پیروی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اور ان کے اصحاب اور امامانِ شریعت کی واجب ہے؟

الجواب:

ضرور واجب ہے مگر کسی شخص پر بدگمانی کہ یہ پیروی نہیں کرتا بے کسی ایسی دلیل کے جو آفتاب کی طرح روشن ہو جائز نہیں اور علماء پر عوام کو اعتراض نہیں پہنچتا اور جو مشہور بمعرفت ہو اس کا معاملہ زیادہ نازک ہے ہر عام مسلمان کے لئے حکم ہے کہ اس کے ہر قول و فعل کے لئے ستر محمل حسن تلاش کرو نہ کہ علماء و مشائخ جن پر اعتراض کا عوام کو کوئی حق نہیں یہاں تک کہ کتب دینیہ میں تصریح ہے اگر صراحۃً نماز کا وقت جارہا ہے اور عالم نہیں اٹھتا تو جاہل کا یہ کہنا گستاخی ہے کہ نماز کو چلئے وہ اس کے لئے ہادی بنایا گیا ہے نہ کہ یہ اس کے لئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۴۷: از جونا گڑھ محلّہ کتیانہ مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ محمد حسین ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

نذیر احمد بی، اے، ایل، ایم، کا ترجمہ صحیح ہے یا غلط؟ اور لڑکوں کو مدرسہ میں اس کا ترجمہ پڑھانا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

نذیر احمد کا نہ ترجمہ صحیح ہے نہ ایمان، وہ شخص منکر خدا تھا، جیسے اس نے اور کتابیں نصرانیت و نیچریت آمیز لکھیں جن سے مال کمانا مقصود تھا ویسے ہی یہ ترجمہ بھی کردیا اس سے بھی داموں ہی کی غرض تھی ورنہ جو شخص اللہ ہی کو نہ مانتا ہو وہ قرآن کے ترجمہ کو کیا جانے گا۔ اس کا ترجمہ ہرگز نہ پڑھایا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۴۸: از شہر محلّہ قرلان مرسلہ مولوی حاجی منیر الدین بنگالی متعلّم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۲ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

زید معلم ہے اور اپنے استاد احبابوں کو لے کر تخت پر بیٹھ کر حقہ پیتے ہیں اور اس کے شاگردان

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۷

ایک ڈیڑھ گز کے فاصل زمین پر بیٹھ کر قرآن عظیم پڑھتے ہیں اسے ہر طرح کہا گیا مگر وہ اس فعل سے باز نہیں آتا معاذاللہ اب زید پر کیا حکم ہے اور مسلمانوں کو اس کے ساتھ میل جول کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

وہ معلم اور اس کے ساتھ بیٹھنے والے سب بے ادب گستاخ ہیں اس کو تنبیہ کی جائے اگر نہ مانے تو صاحب مکان پر لازم ہے کہ وہاں سے تخت اٹھالے اور اس پر بھی اسے متنبہ ہوتا نہ دیکھے تو اسے موقوف کردے کہ بے ادب ہے نہ کہ شاگرد کو، مولانا قدس سرہ فرماتے ہیں:

از خدا جوئیم توفیق ادب　　　بے ادب محروم ماند از لطف رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت　　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد [1]

(ہم اللہ تعالٰی سے حصول ادب کی توفیق مانگتے ہیں کیونکہ بے ادب رب تعالٰی کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ بے ادب نہ صرف اپنے آپ کو برے حالات میں رکھتا ہے بلکہ اس کی بے ادبی کی آگ تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴۹: از شہر کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب مدرس دارالعلوم

قرآن شریف میں عربی عبارت کے نیچے اردو میں ترجمہ اور انگریزی یا بنگلہ زبان میں مطالب و شان نزول وقصص کا لکھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے جبکہ فائدے مطابق شرع ہوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵۰: از اردہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں صاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

اس خیال سے انگریزی پڑھنا اور پڑھوانا بچوں کو کہ اس میں عزوجاہ دنیوی ہے یا حصول دنیا کا بڑا ذریعہ ہے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

سائنس وغیرہ وہ فنون وکتب پڑھنی جن میں انکار وجود آسمان وگردش آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو حرام ہے، اور وہ نوکری جو خود حرام یا حرام میں اعانت ہے اس کی نیت سے پڑھنا

---

[1] مثنوی معنوی دفتر اول درخواستن توفیق رعایت ادب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۶

بھی حرام ہے اور اگر جائز فنون جائز نوکری کے لئے پڑھے تو جائز ہے جبکہ اس میں وہ انہماک نہ ہو کہ اپنے ضروریات دین وعلوم فرض کی تعلیم سے باز رکھے ورنہ جو فرض سے باز رکھے حرام ہے اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پر اثر نہ پڑے، اسلامی عقائد وخیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز رزق حاصل کرنے کے لئے حرج نہیں رہی اس سے عزوجاہ دنیوی کی طلب، طلب جاہ خود ناجائز ہے اگرچہ عربی زبان واسلامی علوم سے ہو نہ کہ وہ جاہ کہ استقامت علی الدین کے ساتھ کم جمع ہو۔

قال اللہ تعالٰی " اَیَبۡتَغُوۡنَ عِنۡدَھُمُ الۡعِزَّۃَ فَاِنَّ الۡعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیۡعًا ﴿۱۳۹﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں حالانکہ سب عزت اللہ تعالٰی کے لئے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵۱: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ شاہ خاکی بوڑاہ

دیوبندی کا وعظ سننا، ان سے فتوٰی لینا اور ان کے ساتھ نماز پڑھنا، کھانا، شادی کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

دیوبندی وہابیوں کی اخبث شاخ ہے، اس کا وعظ سننا حرام، اس سے فتوٰی لینا حرام، اس سے میل جول سخت حرام، بلکہ اسے مسلمان جان کر ہو تو کفر، علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[2] (جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵۲: از شہر مسئولہ عبدالحفیظ صاحب طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کسی عالم باعمل کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوا کہ چند مسئلہ شرعیہ دریافت کرکے اس پر عمل کرے مگر عالم نے اس کے ساتھ اخلاق محمدی نہیں برتا اور سخت خفگی ظاہر کی کہ اس کی دہشت سے زید نے ناراض ہو کر اپنے اس ارادہ کو ترک کردیا جس مسئلہ پر عمل کرنے والا تھا چونکہ علمائے باعمل وارث انبیاء ہیں، اخلاق محمدی نہ برتنے سے اور زید کو مسئلہ کی واقفیت نہ ہونے سے وہ عالم موجب عذاب خداوندی کا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۹

[2] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت بریلی ص ۹۲

الجواب:

سائل کاکلام متناقض ہے عالم باعمل بھی کہتا ہے اور اتنا شدید الزام بھی اس پر دھرتا ہے اگر واقعی عالم باعمل ہے تواس کی خفگی اگراس کی کسی معصیت یا بے ادبی شریعت کے سبب ہوگی اسے لازم تھاکہ توبہ کرے اور معافی چاہے نہ یہ کہ اس کے سبب عالم سے کنارہ کش ہو اور مسئلہ پوچھنے کافرض چھوڑ کر اپنی معصیت میں یہ دوگناہ اوراضافہ کرے اور تیسرا یہ کہ عالم پرالزام رکھنا چاہے، فلاح نہیں پاتا وہ جاہل جو خادمان شریعت کاادب نہ کرے اور بالفرض اس کی خفگی اس پر کسی معصیت وبے ادبی شریعت کے سبب نہ ہو بعض وقت انسان کی طبیعت منغص ہوتی ہے اس کاسبب کچھ اور ہوتا ہے اور دوسرے کابات کرنا بھی اس وقت ناگوار ہوتا ہے اس وقت وہ اسے جواب ترشی سے دیتا ہے جواس پر ناراضی کے باعث نہیں ہوتا ایسے وقت کی ترشی اہل سعادت کے لئے قابل لحاظ نہیں، اکابر صدیقین نے فرمایا:

ان لناشیطانالیقربنافاذارأیتموہ فاعتزلوا۔	بے شک ہمارے لئے بھی شیطان ہے جو ہمارے قریب ہوتا ہے جب تم اسے دیکھو توالگ ہٹ جاؤ۔(ت)

یعنی ہم بھی بشر ہیں بشر کاساغصہ ہمیں بھی آتا ہے جب اسے دیکھو تواس وقت ہمیں چھیڑو نہیں بلکہ الگ ہٹ جاؤ۔اور بالفرض یہ بھی نہ سہی بلکہ بلاوجہ محض اس سے کج خلقی کی توضرور اس کاالزام اس عالم پر ہے مگراسے اس کی خطاگیری اور اس پراعتراض حرام ہے اور اس کے سبب رہنمائے دین سے کنارہ کش ہونا اور استفادہ مسائل چھوڑدینا اس کے حق میں زہر ہے اس کاکیانقصان، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: عالم اگراپنے علم پر عمل نہ کرے جب اس کی مثال شمع کی ہے کہ آپ جلے اور تمہیں روشنی دے۔یہ سب اس صورت میں ہے کہ وہ عالم حقیقۃً عالم دین سنی صحیح العقیدہ ہادی راہ یقین ہو ورنہ اگرسنی نہیں توکتناہی خلیق کتناہی متواضع کتناہی خوش مزاج بنے نائب ابلیس ہے اس سے کنارہ کشی فرض ہے اور اس سے فتوی پوچھنا حرام۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵۳: از شہر کہنہ محلّہ لودھی ٹولہ مسئولہ حبیب اللہ خاں ۲۹ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو صاحب جھوٹامسئلہ بیان کریں ان کے واسطے شرع شریف کاکیا حکم ہے؟

الجواب:

جھوٹامسئلہ بیان کرنا سخت شدیدہ کبیرہ ہے اگر قصداً ہے توشریعت پرافتراء ہے اور شریعت پر

افتراء اللہ عزوجل پر افتراء ہے، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ "[1]	وہ جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور اگر بے علمی سے ہے تو جاہل پر سخت حرام ہے کہ فتوٰی دے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض[2]۔	جو بغیر علم کے فتوٰی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

ہاں اگر عالم سے اتفاقاً سہو واقع ہو اور اس نے اپنی طرف سے بے احتیاطی نہ کی اور غلط جواب صادر ہوا تو مواخذہ نہیں مگر فرض ہے کہ مطلع ہوتے ہی فوراً اپنی خطا ظاہر کرے، اس پر اصرار کرے تو پہلی شق یعنی افترا میں آجائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵۴: از شہر محلہ ملوکپور مسئولہ امیر اللہ صاحب ۱۸صفر ۱۳۳۹ھ

حضور والا! السلام علیکم! انجمن خدام المسلمین کو مولوی قطب الدین صاحب نے بغرض استقبال مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی کے بلوایا تھا ممبران انجمن نے ان کا استقبال بریلی جنکشن پر کیا اور وہاں سے ان کی سواری کو اپنے ہاتھوں سے کھینچ کر حضور کے درِ دولت تک لا پہنچایا، پھر حضور کے درِ دولت سے مولوی قطب الدین کے مکان تک اسی شان وشوکت سے پہنچایا مسلمانوں کو ایک عالم دین کے استقبال وخدمت کرنے سے کیا شرع مطہر روکتی ہے، اور یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ حضور کو سخت صدمہ پہنچا اور حضور کی شان گھٹائی، مفصل طور پر جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

وعلیکم السلام، استغفر اللہ، یہ جو سننے میں آیا محض کذب وافترا ہے اور وہ تعظیم کہ مسلمانوں نے سنی عالم کی کی باعث اجر عظیم و رضائے خدا ہے، حدیث میں ارشاد ہوا:

من تواضع للہ رفعہ اللہ[3]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**	جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے عاجزی اختیار کی اللہ اس کو بلند کردیتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[2] کنز العمال حدیث نمبر ۲۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۶

مسئلہ ۳۵۵: از شہر چڑھائی نیب مسئولہ عبدالرحیم صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خدا کے یہاں مفتی فتوی دینے کا ذمہ دار ہے یا وہ بھی جو فتوی پر عمل کرے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وہ مفتی قابل فتوی نہیں یا عامہ مسلمین شہر در بارہ فتوی اس پر اعتماد نہیں کرتے یا فتوی ایسا غلط ہے جس کی صریح غلطی مستفتی پر ظاہر ہے یا عالم معتمد مستند نے اس کے اغلاط ظاہر کردیئے یا فتوی واقعات پر نہیں ہے اور اس میں مفتی نے اصل واقعہ چھپایا اور غلط رخ دکھایا تو مفتی، اس پر عمل کرنے والا دونوں ماخوذ و گرفتار ہیں ورنہ جب تک حق واضح نہ ہو جاہل پر وبال نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵۶: از احمد آباد گجرات محلّہ چھیپیاں پانچ پنپیلی مکان چھینیہ سلطان جی علی جی کوڑے والے مسئولہ غلام نبی صاحب پیرزادہ ۱۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین:

(۱) جولوگ کتب دینیات وغیرہ طالب علم کو تعلیم دینے سے مدرس اول کو منع کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(۲) اور کسی نا اہل کو اس کی قابلیت سے باہر علم سکھانا بغرض مباحثات و مجادلات کے کیسا ہے؟ **بیّنوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا** (شافی بیان فرماؤ اور پورا اجر و ثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

(۱) تعلیم دین اگر بوجہ دین ہے تو اس سے ممانعت منع خیر ہے "**مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾**"[1] (بھلائی سے روکنے والا حد سے گزرنے والا اور گنہگار ہے۔ت) میں داخل ہونا ہے ایسے لوگوں کی بات ہر گز نہ سنی جائے نہ انہیں مدرسہ میں دخل دیا جائے ہاں اگر مدرس اول بدمذہب ہو اور بنام اپنے مذہب فاسد کی اشاعت چاہتا ہو تو اسے روکنا فرض ہے اور یہ تعلیم دین کی ممانعت نہ ہوئی بلکہ تخریب دین کا انسداد ہوا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۱۲

(۲) قابلیت سے باہر علم سکھانا فتنہ میں ڈالنا ہے اور ناقابل کو مباحث ومجادل بنانا دین کو **معاذاللہ** ذلت کے لئے پیش کرنا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا وسد الامر الی غیراھلہ فانتظر الساعة[1]۔**واللہ تعالٰی اعلم**	جب نااہل کو کام سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو(ت)

مسئلہ ۳۵۸: از موضع گھاگرہ ڈاکخانہ پائیکوڑہ ضلع میمن سنگھ مسئولہ مولوی سعید الرحمٰن ۲۹رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موضع گھاگرہ میں لوگوں نے ایک نیاجلسہ قائم کیا ہے بنگلہ میں اس کا نام سمیتی ہے واسطے فیصلہ کرنے مقدمہ وغیرہ کے۔ لیکن اس میں چارپانچ شخص ناقابل علم شریعت سے ناواقف سردار ہوکر اپنی رائے کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں شریعت کے خلاف اور اگر کوئی ان کے خلاف شرع حکم کو نہ مانے تواس کو امامت سے برخاست اور جمعہ وجماعت سے خارج کرتے ہیں اور لوگوں کواس کی دعوت ونماز جنازہ غرض تمام دنیوی اخروی کاموں سے منع کرتے ہیں علماء کی اہانت، ظالموں کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں اور عالموں سے حسد بغض کینہ دل وجان سے کرتے ہیں حتی کہ اہل علم کو حقیر سمجھتے اور کبھی گالیاں بھی دیتے ہیں حسد کی وجہ سے عالموں کو پیچھے اوران پڑھ کو آگے نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں یعنی جاہل کو امامت کا حکم دیتے ہیں، موافق شریعت ان پر کیا حکم ہے اور جو ان کی مدد کرے ان پر کس قدر گناہ ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جاہلوں کو حاکم شرع بنانا حرام ہے اور وہ جو خلاف شرع حکم دیتے ہیں اس کا ماننا حرام ہے، ایسے لوگوں کے لئے قرآن عظیم میں تین الفاظ ارشاد فرمائے: ظالم، فاسق، کافر۔ اور اپنے باطل احکام نہ ماننے والوں کو امامت وجمعہ وجماعات سے خارج کرنا ان کا سخت ظلم ہے اور ان کی نماز جنازہ سے روکنا اور اشد ظلم۔ ظالموں کی تعظیم حرام ہے اور عالمان دین کی اہانت کفر ہے۔ مجمع الانہر میں ہے:

من قال للعالم عویلم قاصدا بہ الاستخفاف کفر[2]۔	جس شخص نے کسی عالم کو بصیغہ تصغیر عُوَیْلَمْ ہلکا جان کر کہا تو وہ کافر ہوگیا۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من سئل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴

[2] مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۹۵

اور عالم دین سے بلاوجہ بغض رکھنے میں بھی خوف کفر ہے اگرچہ اہانت نہ کرے۔ فتاوٰی خلاصہ وغیرہا میں ہے:

من ابغض عالما بغیر وجہ ظاھر خیف علیہ الکفر [1]۔	جس نے کسی عالم سے بغیر کسی وجہ ظاہر کے دشمنی رکھی تو اس پر کفر کا اندیشہ ہے۔(ت)

عالموں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرنا اور جاہلوں کو امام بنانا حکم شریعت کا بدلنا ہے۔ غرض ایسے لوگ شیطان کے مسخرے ہیں مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان سے دور رہیں اور جو ان کی مدد کرتے ہیں وہ انہیں کے مثل ہیں۔ حدیث میں ہے:

من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام [2]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو دانستہ ظالم کی مدد دینے چلے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔

مسئلہ ۳۵۹، ۳۶۰: از گورکھپور محلّہ دھمال مسئولہ سعید الدین ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) عالم کا یہ کہہ دینا کہ میں نے مسئلہ صحیح بیان کیا تھا یا غلط مجھ کو یاد نہیں ہے دوسرے سے پوچھ لو، درست ہے یا نہیں؟

(۲) کسی عالم سے پوچھا کہ آپ صحیح وغلط بھی بیان کرتے ہیں اور اس پر اس کا جواب دینا کہ ہاں، درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) صرف درست نہیں بلکہ واجب ہے اگر اس کو اپنے بیان میں شک ہو گیا ہو اور خود اس کی تنقیح نہ کرسکتا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ مجھ سے کبھی خطا بھی ہوجاتی ہے تو درست ہے اور اگر یہ مراد کہ کبھی قصداً مسئلہ غلط بیان کردیتا ہے تو سخت فسق کا اقرار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الجنس الثامن مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱/ ۲۲۷

مسئلہ ۳۶۱: ازاجمیر مقدس محلہ لاکھی کوٹھری اوپری گلی نزد پیرزادگان مسئولہ کمال الدین ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے کو عوام پر مولوی ظاہر کرے جس نے نہ تو کسی مدرسہ میں تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہو اور نہ جس نے کوئی سند منشی عالم فاضل کی حاصل کی ہو اور خود ساختہ استفتاء پر خود ہی جواب تحریر کردے اور طلباء ومدرسین سے دستخط کرائے اور جس سے اپنی ذات کا ممتنع ہونا مقصود ہو اور جو جید عالم ومولوی صاحبان وقاضی صاحب پر شہرت حاصل کرنے اور زرحاصل کرنے کی غرض سے جاوبیجا حملہ کرے اور جو مدت تک قاضی صاحب کے پیچھے نمازادا کرتا رہا ہو اور چند روز سے قاضی صاحب کے پیچھے نمازادا نہیں کرتا ہے اور صدہا علما قاضی صاحب کے پیچھے نماز ادا کرتے رہے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

سند حاصل کرنا تو کچھ ضرور نہیں، ہاں باقاعدہ تعلیم پانا ضرور ہے مدرسہ میں ہو یا کسی عالم کے مکان پر، اور جس نے بے قاعدہ تعلیم پائی وہ جاہل محض سے بدتر، نیم ملا خطرہ ایمان ہوگا ایسے شخص کو فتوٰی نویسی پر جرأت حرام ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من افتی بغیر علم لعنتہ ملئکۃ السماء والارض [1]۔	جو بے علم فتوٰی دے اس پر آسمان وزمین کے فرشتوں کی لعنت ہے۔

اور اگر فتوٰی سے اگرچہ صحیح ہو وجہ اللہ مقصود نہیں بلکہ اپنا کوئی دنیاوی نفع منظور ہے تو یہ دوسرا سبب لعنت ہے کہ آیات اللہ کے عوض ثمن قلیل حاصل کرنے پر فرمایا گیا:

"اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۷۷﴾" [2]	ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور اللہ ان سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت کرے اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور علمائے دین کی توہین کرنے والا منافق ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن علی حدیث ۲۹۰۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۷۷

ثلثۃ لایستخف بحقھم الامنافق بین النفاق ذو العلم وذوالشیبۃ فی الاسلام و امام مقسط[1]۔	تین شخصوں کا حق ہلکا نہ جائے گا مگر جو منافق کھلا منافق ہو عالم اور وہ جسے اسلام میں بڑھاپا آیا اور سلطان اسلام عادل۔

تحصیل زر کے لئے علماء مسلمین پر بیجا حملہ کرنے والا ظالم ہے اور ظلم قیامت کے دن ظلمات، قاضی مذکور جیسے امام کے پیچھے بلاوجہ شرعی نماز ترک کرنا تفریق جماعت یا ترک جماعت ہے، اور دونوں حرام وناجائز۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۶۲: از یوناور علاقہ پران ملک مالوہ مسئولہ قاسم علی ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اسلام وایمان وشرع شریف کے احکام کو جانتا ہے اور لوگوں کو گناہ سے بچنے کی ہدایت اس آیت کے وسیلے "فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ؕ۹" [2] کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر عالم ہے تو اس کا یہ منصب ہے اور جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۳۶۳: از بھان پورہ مکسر اسٹیٹ مسئولہ مرتضٰی خاں پی سارجنٹ سپرنٹنڈنٹ پولس آفس ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ خالد نے خلاف شرع کوئی مسئلہ بیان کیا اور بکر نے جس کے ذہن میں وہ غلط ہے بغرض اصلاح سوال کیا تو کہا بکر کا یہ سوال غلط ہے اور خالد نے یہ مسئلہ شرعیہ استصوابیہ کو نہیں سمجھا یا تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

بکر کے ذہن میں جبکہ خالد کا مسئلہ صحیح نہ تھا تو بکر کا اسے پوچھنا کچھ بے جانہ ہوا اور خالد کا نہ بتانا سخت بے جا ہوا خصوصًا جبکہ خالد نے مسئلہ غلط بیان کیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۳۸، کنز العمال حدیث ۴۳۸۱۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۹

مسئلہ ۳۶۴: از ملک آسام ضلع گوہتی مرسلہ محمد طیب اللہ ۸ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سید وعالم ایسا ہے کہ تمام شہر کا استاد ہے اور فتوے وفرائض وامامت عیدگاہ اور جنازہ وغیرہ کا کام اسی سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی ضیافت میں اکرامًا یا امتیازًا ایک ہی دستر خوان پر ان کو برتن میں اور مہمان کو پتے میں کھلائیں تو شرعًا یہ درست ہے یا نادرست؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

بلاشبہہ جائز ہے، علماء سادات کو رب العزت عزوجل نے اعزاز وامتیاز بخشا تو ان کا عام مسلمانوں سے زیادہ اکرام امر شرع کا امتثال اور صاحب حق کو اس کے حق کا ایفا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ؕ" [1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) تو فرماکیا برابر ہوجائیں گے عالم اور جاہل۔

جب اللہ جل وعلاہی نے علماء وجہلاء کو برابر نہ رکھا تو مسلمانوں پر بھی ان کا امتیاز لازم، اسی باب سے ہے علمائے دین کو مجالس میں صدر مقام ومسند اکرام پر جگہ دینا کہ سلفًا وخلفًا شائع وذائع اور شرعًا وعرفًا مندوب ومطلوب۔ ام المومنین صدیقہ صلی اللہ تعالٰی علی بعلہا الکریم وعلیہا وسلم کی خدمت اقدس میں ایک سائل کا گزر ہوا اسے ایک ٹکڑا عطافرمادیا ایک شخص خوش لباس شاندار گزرا اسے بٹھاکر کھانا کھلایا اس بارہ میں ام المومنین سے استفسار ہوا، فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر شخص سے اس کے مرتبہ کے لائق برتاؤ کرو۔ دیکھو یہ تفرقہ برتن اور پتّے کے فرق سے کہیں زائد ہے اور عالم وجاہل وسید وغیر سید کا امتیاز سائل وخوش لباس کے امتیاز سے کہیں بڑھ کر۔

ابو داؤد فی سننه عن میمون بن ابی شبیب ان عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها مرّبها رجل علیه ثیاب وهیأة فاقعدته	امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت میمون بن ابی شبیب سے روایت کی ہے کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس سے ایک شخص عمدہ لباس پہنے ہوئے گزرا تو آپ نے اسے

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۹

فاکل فقیل لھا فی ذٰلك فقالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انزلوا الناس منازلھم۔[1]	بٹھا کر کھانا کھلایا پھر آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب سلوک کیا کرو(ت)

امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں فرماتے ہیں:

لایقصّر بالرجل العالی القدر عن درجتہ ولایرفع متضع القدر فی العلم فوق منزلتہ ویعطی کل ذی حق فیہ حقہ وینزّل منزلتہ وقد ذکر عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا قالت امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ننزل الناس منازلھم۔[2]	بلند مرتبہ شخص کی حسب مرتبہ عزت وقدر ہونی چاہئے اس کی توقیر کرنے میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے اور پست درجہ والے کو اس کی حیثیت سے بڑھانا بھی مناسب نہیں اس سلسلے میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا کہ ہم لوگوں سے ان کے مراتب کے مطابق سلوک کیا کریں۔(ت)

ہاں علماء وسادات کو یہ ناجائز وممنوع ہے کہ آپ اپنے لئے سب سے امتیاز چاہیں اور اپنے نفس کو اور مسلمانوں سے بڑا جانیں کہ یہ تکبر ہے اور تکبر ملک جبار جلت عظمتہ کے سوا کسی کو لائق نہیں، بندہ کے حق میں گناہ اکبر ہے،

"اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ۝۶۰"[3] کیا جہنم میں نہیں ہے ٹھکانا تکبر والوں کا۔ جب سب علماء کے آقا سب سادات کے باپ حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انتہا درجہ کی تواضع فرماتے اور مقام ومجلس وخورش وروش کسی امر میں اپنے بندگان بارگارہ پر اختیار نہ چاہتے تو دوسرے کی کیا حقیقت ہے مگر مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ سب سے زائد علماوسادات کا اعزاز وامتیاز کریں یہ ایسا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں سے اپنے لئے طالب قیام ہونا مکروہ اور

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[2] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

لوگوں کا معظم دینی کے لئے قیام مندوب۔ پھر جب اہل اسلام ان کے ساتھ امتیاز خاص کا برتاؤ کریں تو اس کا قبول انہیں ممنوع نہیں، امیر المومنین سیدنا مولٰی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی، کہیں تشریف فرما ہوئے صاحب خانہ نے حضرت کے لئے مسند حاضر کی امیر المومنین اس پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: کوئی گدھا ہی عزت کی بات قبول نہ کرے گا۔

سعید بن منصور فی سننه عن سفٰین بن عیینه عن عمروبن دینار عن محمد بن علی رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال القی لعلی کرم اللّٰه تعالٰی وجهه وسادة فقعد علیها وقال لایابی الکرامة الاحمار رواه الدیلمی [1] عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فذکروه واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	سعید بن منصور نے اپنی سنن میں سفیان بن عیینہ سے انہوں نے عمرو بن دینار سے انہوں نے محمد بن علی سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے وسادۃ (یعنی بچھونا) بچھایا گیا اور آپ اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا: عزت و توقیر کا انکار گدھا ہی کرسکتا ہے۔اور محدث دیلمی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پھر اس نے وہی حدیث بیان فرمائی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] المقاصد الحسنه بحوالہ سعید بن منصور حدیث ۱۳۱۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۴۶۹

مجالس ومحافل

میلاد شریف، گیارہویں شریف، مرثیے، ذکرِ شہادت وغیرہ

مسئلہ ۳۶۵: ازامروہہ مرسلہ مولوی سید محمد شاہد صاحب میلاد خواں ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجالس میلاد میں امردوں کو بازو بناکر پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اور وہ کون سی حالتیں ہیں جن کے سبب سے مولود کا پڑھنا سننا ناجائز ہوجاتا ہے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

امرد کہ اپنی خوبصورتی یاخوش آوازی سے محل اندیشہ فتنہ ہو خوش الحانی میں اسے بازو بنانے سے ممانعت کی جائے گی **فان ھذا الشرع المطھر جاء بسد الذرائع واللہ لایحب الفساد** (کیونکہ یہ پاک شریعت (ناجائز) ذرائع کی روک تھام کرتی ہے اللہ تعالٰی فتنہ وفساد کو پسند نہیں فرماتا۔ت) منقول ہے کہ عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور امرد کے ساتھ ستّر۔ علماء فرماتے ہیں امرد کا حکم مثل عورت کے ہے۔

فی ردالمحتار عن الھندیة عن الملتقط الغلام اذا بلغ مبلغ	ردالمحتار میں بحوالہ ہندیہ اس نے الملتقط سے نقل کیاہے کہ لڑکا جب مردوں کی حد کو پہنچ جائے

الرجال ولم یکن صبیحا فحکمه حکم الرجال وان کان صبیحا فحکمه حکم النساء[1]۔	اور خوبصورت نہ ہو تو وہ مردوں کا حکم رکھتا ہے یعنی اس پر مردوں والے حکم کا اطلاق ہوگا اور اگروہ خوبصورت ہو تو عورتوں کا حکم رکھتا ہے(ت)

علماء نے اباحت سماع کے شرائط میں یہ بھی شمار فرمایا کہ ان میں کوئی امرد نہ ہو۔

فی ردالمحتار عن التتارخانیة عن العیون، له شرائط ستة ان لایکون فیھم امرد[2] الخ۔	فتاوٰی شامی میں تتارخانیہ سے اس نے العیون سے روایت کی ہے کہ سماع کے لئے چھ شرائط ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان میں بے ریش لڑکا نہ ہو الخ۔(ت)

وہ پڑھنا سننا جو منکرات شرعیہ پر مشتمل ہو، ناجائز ہے جیسے روایات باطلہ وحکایات موضوعہ واشعار خلاف شرع خصوصاً جن میں توہین انبیاء وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام ہو کہ آج کل کے جاہل نعت گویوں کے کلام میں یہ بلائے عظیم بکثرت ہے حالانکہ وہ صریح کلمہ کفر ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۶۶: کوہ نینی تال چھوٹا بازار مرسلہ شیخ علی الدین صاحب ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

خدمت میں علمائے دین کی عرض ہے کہ جو مولود شریف چندہ اہل ہنود سے ہوا اس میں بدنی اور مالی شرکت اور اہتمام اہل ہنود رہا اور وقت شروع مولود شریف اہل ہنود کی اجازت سے ہی شروع ہوا اور ان کی اجازت سے ہی ختم ہوا اور ان کی اجازت سے ہی شیرینی تقسیم ہوئی اور نیچے عام سڑک بازار میں فرش ہو کر کتاب پڑھی جاتی تھی اور اوپر دکانوں کے چپ وراست بالاخانوں کے چھجّوں پر اہل ہنود بیٹھے تھے اور ساتھ حکم کے اہتمام کرا رہے تھے اور ہر ایک کام ان کی اجازت سے ہی ہوتا تھا اور یہ شخص ایسے لہجہ سے آواز بنا کر پڑھتا ہے کہ مراثی لوگوں کو مات کرتا ہے جو لوگ بے علم وناواقف ہیں وہ اس کی آواز اور لہجہ پر لوٹ ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس زید نے اپنے پانچ روپے فیس مولود شریف کی پڑھوائی مقرر کر رکھے ہیں بغیر پانچ روپیہ فیس کے کسی کے یہاں جاتا نہیں اور وقت نماز سب سے پہلے سبقت امامت کی کرتا ہے اور اپنے آپ کو "مولوی صاحب" کے لفظوں سے اپنے قلم سے لکھتا ہے اور کچھ معمولی روایتیں علماء دین سے یاد کرلی ہیں اور جمعہ کے روز مسجد میں منبر پر

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

بیٹھ کر وعظ پڑھتا ہے اور پیرامریدی بھی کرتا ہے اور وقت ختم ہونے مولود شریف کے اعلان بآواز بلند اسی زید مولود خواں نے کہا کہ دیکھو ان اہل ہنود صاحبوں کی امداد اور شرکت سے میرے یہاں پر کیسی رونق روشنی وغیرہ کی تم مسلمانوں سے دس حصہ اور بیس حصہ زائد ہوئی۔ لہٰذا اب اس معاملہ میں استفتاء شرعی جو کچھ ہو وہ مشرح ہر فقرہ کا جواب تحریر فرمائیں۔ جملہ اہل اسلام کوہ نینی تال چھوٹا بازار۔

الجواب:

سائلین کے بیان سابق سے واضح ہوا کہ یہ چندہ ہندوؤں نے خود نہ کیا بلکہ زید میلاد خواں نے مجلس کی اور مسلمانوں سے برخلاف ہو کر ہندوؤں سے چندہ لیا اور ان کی امداد سے یہ کام کیا یہ سراپا خلاف شرع ہوا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا لانستعین بمشرک۔ اخرجه احمد وابوداؤد[1] وابن ماجة عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها بسند صحیح۔	ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے (اس کو صحیح سند کے ساتھ امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ت)

علمائے کرام تو امور دین میں کافر کتابی سے اتنی مدد لینی بھی مکروہ رکھتے ہیں کہ اپنی قربانی ذبح کرنے کو اس سے کہے حالانکہ وہ ایک کام خدمت لینا ہے نہ کہ معاذاللہ دینی بات کے لئے مشرکوں سے مانگنا، دینی کام کا دارومدار سب انہیں کی اجازت پر ہونا اسے کوئی سچا مسلمان کامل الایمان گوارا نہیں کرسکتا۔ تنویر الابصار وردّالمحتار وغیرہما میں ہے:

کرہ ذبح الکتابی ای بالامر لانها قربة ولا ینبغی ان یستعان بالکافر فی امور الدین[2] الخ۔	کسی مسلمان کے حکم دینے سے کتابی کا قربانی کے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ قربت ہے یعنی تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے اور یہ مناسب نہیں کہ دینی کاموں میں کسی کافر سے مدد لی جائے۔ الخ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشه صدیقه رضی الله عنها المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۶۸، سنن ابی داؤد کتاب الجهاد باب فی المشرک یسهم له آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹، سنن ابن ماجه ابواب الجهاد باب الاستعانة بالمشرکین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الاضحیة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۸

۲دوسرا امر ناجائز اس مجلس میں یہ تھا کہ عام سڑک پر خصوصاً بازار میں جہاں آمد و رفت کی زیادہ کثرت رہتی ہے فرش کرکے کتاب پڑھنا کہ یہ حقوق عامہ میں دست اندازی ہوئی شریعت میں تو اسی لحاظ سے راستہ میں نماز پڑھنی بھی مکروہ ہوئی نہ کہ بازار کی سڑک پر مجلس۔ درمختار و ردالمحتار میں ہے:

تکرہ الصلٰوۃ فی طریق لان فیہ شغلہ بما لیس لہ لانہا حق العامۃ للمرور[1] اھ مختصراً۔	راستے میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ راستہ اس کام کے لئے نہیں لہٰذا اس کام کا کرنا لوگوں کے گزرنے کے حق کو متاثر کرتا ہے اھ مختصراً (ت)

۳تیسری سخت بیہودہ بات کتاب وقاری کا نیچے اور کافروں کا چھجّوں پر ہونا کہ سخت بے تعظیمی کتاب وذکر شریف تھی، حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو جب حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اپنا ذکر شریف سنتے تو مسجد اقدس میں ان کے لئے منبر بچھاتے وہ اس پر کھڑے ہوکر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت ومدحت اور حضور کے دشمنوں بدگویوں کی مذمت بیان کرتے کمارواہ الامام البخاری فی صحیحہ (جیسا کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے۔ت) نہ کہ معاذاللہ کتاب نیچے اور کافر اونچے ہوں۔

۴زید نے جو اپنی مجلس خوانی خصوصاً راگ سے پڑھنے کی اُجرت مقرر رکھی ہے ناجائز وحرام ہے اس کا لینا اسے ہرگز جائز نہیں اس کا کھانا صراحۃً حرام کھانا ہے اس پر واجب ہے کہ جن جن سے فیس لی ہے یاد کرکے سب کو واپس دے، وہ نہ رہے ہوں تو ان کے وارثوں کو پھیرے، پتا نہ چلے تو اتنا مال فقیروں پر تصدّق کرے، اور آئندہ اس حرام خوری سے توبہ کرے تو گناہ سے پاک ہو۔ اول تو سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر پاک خود عمدہ طاعات واجل عبادات سے ہے اور طاعت وعبادت پر فیس لینی حرام، مبسوط پھر خلاصہ پھر عالمگیری میں ہے:

لایجوز الاستیجار علی الطاعات کالتذکیر ولایجب الاجر[2] اھ ملخصاً۔	نیک کاموں میں اجرت لینا جائز نہیں، جیسے وعظ کرنا۔ اور اجرت واجب نہیں ہوگی اھ ملخصاً (ت)

خلاصہ پھر تتارخانیہ پھر ہندیہ میں ہے:

الواعظ اذا سأل الناس شیئًا فی	جب وعظ کرنے والا مجلس میں اپنے لئے کچھ

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاجارہ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۸

المجلس لنفسہ لایحل لہ ذٰلک لانہ اکتساب الدنیا بالعلم [1]۔	جب وعظ کرنے والا مجلس میں اپنے لئے کچھ مانگے تو اس کے لئے ایسا کرنا حلال نہیں کیونکہ اس میں علم کے ساتھ دنیا کا حصول ہے۔(ت)

قنیہ پھر اشباہ پھر درمختار میں ہے:

ونظم الدر اتم، حیث یقول تسمی شرکۃ صنائع واعمال وابدان ان اتفق صانعان علی ان یتقبلا الاعمال التی یمکن استحقاقھا ومنہ تعلیم کتابۃ وقراٰن و فقہ علی المفتی بہ بخلاف دلالین ومغنین وشھود محاکم وقراء مجالس و تعاز ووعاظ وسوّال [2] اھ۔	درمختار کی عبارت زیادہ تام اور مفصل ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں (شرکت تقبل) جس کو شرکت صنائع واعمال وابدان کہا جاتا ہے (صنائع صنعت کی جمع ہے اس کے معنی ہیں پیشہ اور پیشہ ور کی کارکردگی۔ اعمال اور ابدان، عمل اور بدن کی جمع ہیں۔ چونکہ اس میں غالباً دونوں افراد کا جسمانی کام ہوتا ہے اس لئے اس کو یہ نام دیا گیا) اگر دو پیشہ ور اس بات پر باہمی اتفاق کرلیں کہ وہ ایسا کام لیں گے جس میں استحقاق اجرت ممکن ہے اور اسی شعبہ سے کتابت سکھانا، قرآن مجید اور علم فقہ پڑھانا اس قول کے **مطابق کہ جس** پر فتوٰی دیا گیا ہے۔ بخلاف دو دلالوں کی شرکت کے اور دو گویّوں کی شرکت کے۔ فیصلے کے دو گواہوں، مجلس میں قرآن مجید پڑھنے والوں، تعزیت کرنے والوں، وعظ کرنے والوں اور اصرار کے ساتھ مانگنے والوں کی شرکت کے اھ (ت)

ثانیاً: بیان سائل سے ظاہر کہ وہ اپنی شعر خوانی وزمزمہ سنجی کی فیس لیتا ہے یہ بھی محض حرام۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لاتجوز الاجارۃ علی شیئ من الغناء وقراءۃ الشعر ولااجر فی ذٰلک وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف و محمد رحمھم اللہ تعالٰی کذا فی غایۃ البیان [3] اھ مختصراً۔	گانا اور اشعار پڑھنا (ایسے اعمال ہیں) ان میں سے کسی پر مزدوری اور اجرت لینا جائز نہیں اور نہ ان میں اجرت ہے۔ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی تینوں کا یہ قول اور فتوٰی ہے، چنانچہ غایۃ البیان میں یونہی مذکور ہے اھ مختصراً۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] درمختار کتاب الشرکۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۳

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الاجارۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۴۹

اور ۵ یہیں سے ظاہر ہوا کہ امامت میں اس کا سبقت کرنا بھی گناہ ہے جبکہ حاضرین میں اس کے سوا کوئی اور شخص قرآن مجید صحیح پڑھنے والا سنی صحیح العقیدہ متقی موجود ہو کہ جب یہ علانیہ حرام کھاتا ہے تو کھلا فاسق ہے اور فاسق کو اور لوگ اگر آگے کریں تو گنہگار ہوں نہ کہ خود ہی آگے بڑھ جائے۔ غنیہ میں ہے:

لو قدموا فاسقا یأثمون[1]۔	اگر کسی فاسق کو لوگ امامت کے لئے آگے کریں تو گناہگار ہوں گے۔ (ت)

۶ یوہیں اپنے آپ کو بے ضرورت شرعی مولوی صاحب لکھنا بھی گناہ و مخالف حکم قرآن عظیم ہے۔

قال اللہ تعالٰی "هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۠(۳۲)"[2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اللہ تعالٰی تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے اٹھان دی اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں چھپے تھے تو اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ کہو خدا خوب جانتا ہے جو پرہیزگار ہے۔

اور فرماتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ"[3]	کیا تو نے نہ دیکھا اُن لوگوں کو جو آپ اپنی جان کو ستھرا بتاتے ہیں بلکہ خدا ستھرا کرتا ہے جسے چاہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال انا عالم فهو جاهل۔[4] رواه الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما بسند حسن۔	جو اپنے آپ کو عالم کہے وہ جاہل ہے (امام طبرانی نے الاوسط میں سند حسن کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو روایت کیا ہے۔ ت)

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] القرآن الکریم ۴/ ۴۹

[4] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۶۸۴۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۷/ ۴۳۳

ہاں اگر کوئی شخص حقیقت میں عالم دین ہو اور لوگ اس کے فضل سے ناواقف اور یہ اس سچی نیت سے کہ وہ آگاہ ہو کر فیض لیں ہدایت پائیں اپنا عالم ہونا ظاہر کرے تو مضائقہ نہیں جیسے سیدنا یوسف علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے فرمایا تھا: "اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ عَلِیۡمٌ ﴿۵۵﴾ "[1] (بیشک میں حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔ت) پھر یہ بھی سچے عالموں کے لئے ہے۔

۷ زید جاہل کا اپنے آپ کو مولوی صاحب کہنا دونا گناہ ہے کہ اس کے ساتھ جھوٹ اور جھوٹی تعریف کا پسند کرنا بھی شامل ہوا۔

قال اللہ عزوجل " لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اَتَوۡا وَّیُحِبُّوۡنَ اَنۡ یُّحۡمَدُوۡا بِمَا لَمۡ یَفۡعَلُوۡا فَلَا تَحۡسَبَنَّہُمۡ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الۡعَذَابِ ۚ وَلَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۸۸﴾ "[2]۔	(اللہ عزوجل نے فرمایا) ہرگز نہ جانیو تو انہیں جو اِتراتے ہیں اپنے کام پر اور دوست رکھتے ہیں اسے کہ تعریف کئے جائیں اس بات سے جو انہوں نے نہ کی تو ہرگز نہ جانیو انہیں عذاب سے پناہ کی جگہ میں اور اُن کے لئے دکھ کی مار ہے۔

معالم شریف میں عکرمہ تابعی شاگرد عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول:

یفرحون باضلالھم الناس وبنسبۃ الناس ایاھم الی العلم ولیسوا باھل العلم[3]۔	خوش ہوتے ہیں لوگوں کو بہکانے اور اس پر کہ لوگ انہیں مولوی کہیں حالانکہ مولوی نہیں۔

۸ جاہل کی وعظ گوئی بھی گناہ ہے۔ وعظ میں قرآن مجید کی تفسیر یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث یا شریعت کا مسئلہ اور جاہل کو ان میں کسی چیز کا بیان جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ رواہ الترمذی[4]	جو بے علم قرآن کی تفسیر بیان کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا لے (اس کو امام ترمذی نے

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[3] معالم التنزیل تحت آیۃ ۳/ ۱۸۸ مصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۴۶۵

[4] جامع الترمذی ابواب تفسیر القرآن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹

وصححه عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ت)

اور احادیث میں اسے صحیح وغلط وثابت وموضوع کی تمیز نہ ہوگی، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من یقل علیّ مالم اقل فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ رواہ البخاری [1] فی صحیحه عن سلمة بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو مجھ پر وہ بات کہے جو میں نے نہ فرمائی وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے (امام بخاری نے اپنی صحیح میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔ رواہ الائمة احمد [2] والشیخان والترمذی وابن ماجة عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے علم مسئلہ بیان کیا سو آپ بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا (ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من افتی بغیر علم لعنته ملئکة السماء والارض۔ رواہ ابن عساکر [3] عن امیرالمؤمنین علی کرم اللہ وجهه۔	جو بے علم فتوٰی دے اسے آسمان وزمین کے فرشتے لعنت کریں (ابن عساکر نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے اسے روایت کیا۔ت)

[۹] یوہیں جاہل کا پیر بننا لوگوں کو مرید کرنا چادر سے زیادہ پاؤں پھیلانا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پیر ہادی ہوتا ہے اور جاہل کی نسبت ابھی حدیثوں سے گزرا کہ ہدایت نہیں کرسکتا نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ فقہ ع

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱

[2] صحیح مسلم مقدمة الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹، جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی ذھاب العلم کتاب خانہ رشیدیہ ۲/ ۹۰

[3] الفقیه والمتفقه ماجاء من الوعید الخ ۱۰۴۳ دار ابن جوزیہ جدہ وریاض ۲/ ۳۲۷

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

(کیونکہ جاہل اللہ تعالٰی کو نہیں پہچان سکتا۔ت)

"زید کا مشرکین کی مدح وستائش علی الاعلان خصوصاً منبر پر ذکر شریف بیان کرنا خصوصاً انہیں مسلمانوں پر ترجیح دینا سخت ناپسند رب العزت جل وعلا ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز لذٰلک العرش۔ رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبة[1] وابو یعلی والبیهقی فی الشعب عن انس بن مالک وابن عدی عن ابی هریرة رضی اللّٰه تعالٰی عنهما۔	جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب جل وعلا غضب فرماتا ہے اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے۔(ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ(غیبت کی برائی) میں، ابویعلٰی اور بیہقی نے حضرت انس بن مالک اور ابن عدی نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اس بیان سے تمام مراتب مسئولہ سائلین کا جواب ہوگیا، زید پر لازم کہ توبہ کرے۔اللہ عزوجل توفیق دینے والا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶۷: از درؤ تحصیل کچھا ضلع نینی تال مرسلہ عبدالعزیز خاں ۲۲رجب ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام بوقت میلاد شریف سنت ہے یامباح؟ اور تارک کی اس قیام پر حرف زنی درست ہے یانہ؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر حاصل کیجئے۔ت)

الجواب:

مستحب ہے،

کمانص علیه ائمة ذورواية ورؤية کمافی عقد الجوهر[2] والدرر السنية وغیرهمامن الکتب البهية ولنافیه	جیساکہ ائمہ روایت ورؤیت نے اس کی تصریح فرمائی جیساکہ عقد الجوہر اور درر سنیہ وغیرہ قیمتی کتب میں مذکورہ ہے، اور اس موضوع پر ہمارا

[1] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

[2] عقد الجوھر فی مولد النبی الازھر مطبوعہ جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵ و۲۶

رسالۃ کافیۃ شافیۃ باذن اللہ تعالٰی سیناھا "اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تھامۃ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	ایک رسالہ بنام "اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تھامۃ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس شخص پر قیامت برپا کر دینا جو نبی تہامہ کے لئے قیام تعظیم پر زبان طعن دراز کرے) لکھاہے، یہ اللہ تعالٰی کے حکم سے اپنے موضوع پر کافی اور بیمار ذہنوں کو شفا بخشنے والا ہے۔ (ت)

یوں ترک ہو کہ چند لوگ بیٹھے ہیں ذکر ولادت اقدس آیا تعظیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انکار نہیں مگر اس وقت بیٹھے رہے کہ آخر قیام واجب نہیں ایسے ترک پر طعن نیں، اور اگر یوں ترک ہو کہ مجلس میں اہل اسلام نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کے لئے قیام کیا یہ بلاعذر جما رہا تو قطعاً محل طعن و دلیل مرض قلب ہے، نظیر اس کی شاہد عین یہ ہے کہ کسی مجمع میں بندگان سلطانی تعظیم سلطانی کیلئے سروقد کھڑے ہوں اور ایک نامہذّب بے ادب قصداً بیٹھا رہے ہر شخص اسے گستاخ کہے گا اور بادشاہ کے عتاب کا مستحق ہوگا یوں ہی اگر ترک قیام بربنائے اصول باطلہ وہابیت ہو تو شنیع تر ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۶۸: ازکانپور محلّہ جرنیل گنج مسجد حاجی فرحت مرسلہ محمد سہول ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

ماقولکم ایھا العلماء الکرام اے علماء کرام! تمہارا کیا ارشاد ہے) اس مسئلہ میں کہ ذکر میلاد کے وقت جیسا کہ آج کل قیام کرتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

قیام وقت ذکر ولادت حضور سید الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلٰوۃ والسلام مستحب ومقبول ائمہ کرام وعلماء اعلام ورائج ومعمول حرمین طیبین وجملہ بلاد دارالاسلام ہے شرع مطہر سے اس کے منع پر اصلاً دلیل نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان اس مسئلہ کی تفصیل جلیل کتاب مستطاب اذاقۃ الأثام لمانعی عمل المولد والقیام (ان لوگوں کے گناہ جو میلاد اور قیام سے روکنے والے ہیں۔ ت) تصنیف لطیف حضرت ختام المحققین امام المدققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد ورسالہ اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامۃ تالیف فقیر نحیف ودیگر کتب ورسائل علماء وافاضل میں ہے، علامہ سید جعفر برزنجی مدنی قدس سرہ السنی عقد الجوہر میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القیام عند ذکر ولادتہ الشریفۃ ائمۃ ذو روایۃ ورؤیۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ذکر ولادت شریف کے وقت کھڑا ہونے کو ائمہ روایت ودرایت نے مستحسن قرار دیا ہے لہٰذا اس خوش نصیب کیلئے

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مراھہ ومرماہ خاتمۃ المحدثین[1]۔	خوشخبری ہے جس کا غایت مقصد اور مرکز نگاہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔(ت)

علامہ سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی الدرر السنیہ میں فرماتے ہیں:

من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقرأۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واطعام الطعام وغیرذٰلک مما یعتاد الناس فعلہ من انواع البر فان ذٰلک کلہ من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد اخردت مسائلۃ المولد ومایتعلق بھا بالتالیف واعتنی بذٰلک کثیر من العلماء فالفوا فی ذٰلک مصنفات مشحونۃ بالادلۃ والبراھین فلاحاجۃ لنا الی الاطالۃ بذلک انتھی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں یہ بات بھی شامل ہے کہ ان کی ولادت والی رات میں خوشی منائے، تذکرہ ولادت کرے اور بوقت ولادت قیام کرے، لوگوں کو کھانا کھلائے اور ان کے علاوہ دیگر امورِ خیر بھی انجام دے جن کے کرنے کے عادی ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب کام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں شمار ہوتے ہیں، اور میں نے میلاد رسول اور اس سے متعلقہ مسائل پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور بے شمار علماء نے بھی اس کا اہتمام کیا ہے چنانچہ اس موضوع پر ان حضرات نے ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں جو عقلی ونقلی دلائل سے بھری پڑی ہیں، لہٰذا ہمیں اس موضوع کو طویل کرنے کی چنداں ضرورت نہیں، انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶۹: ازکانپور پرانی سبزی منڈی کی مسجد مرسلہ مولوی احمد علی صاحب ۱۶ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم وکرم فرمائے آپ کا کیا ارشاد ہے) اس مسئلہ میں کہ دیارِ بنگالہ میں آج کل بعض بعض مولوی اور میاں جی دو تین چھوکروں کو جو لحن دلکش ودلآویز رکھتا ہو اردو وفارسی غزل کا وزن گٹکری کا ساتھ تعلیم دیتے ہیں جب کہیں مولود شریف کی دعوت ہوتی ہے تو ان چھوکروں کو ہمراہ لے کر جاتے ہیں اور محفل میلاد شریف ہوگا کر کے عوام وخواص کو اطلاع واعلان کرتے ہیں جب سامعین مجتمع ہوجاتے ہیں تو فارسی وارد و غزل اور قصائد واشعار

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازھر جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵ و ۲۶

[2] الدرر السنیہ

گونا گوں کوان چھوکروں کے سور سے اپنی سور ملا کر اس طور پڑھتے کہ مجال کیا ہے کسی کو جو اس میں اور رنڈیوں کے گانے میں کچھ بھی فرق سمجھے مگر سامعین میں سے اکثر تو ایسے ہیں کہ فارسی واردو تو بالکل نہیں سمجھتے مجرد وزن اور آواز ہی پر فریفتہ و مفتون ہو کر سماعت کرتے ہیں اور گاہ بگاہ عبارت منثورہ سے اپنی زبان میں سمجھادیتے ہیں وہ بھی اکثر بے اصل ہے اس طور پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ایسا پڑھنا ممنوع ہے، یہ پڑھنا نہیں گانا ہے اور امرد کے گانے میں فتنہ ہے، اور فتنے کا بند کرنا واجب۔

فی ردالمحتار عن التاتارخانیہ عن العیون، سماع غناء حرام ومن اباحہ فلمن تخلی عن اللھو وتحلی بالتقوی واحتاج الی ذلک احتیاج المریض الی الدواء ولہ شرائط ستۃ ان لایکون فیھم امرد[1] الخ ملخصاً وفی الخیریۃ عن التتارخانیۃ عن نصاب الاحتساب التغنی واستماع الغناء حرام ومن اباحہ فلمن تخلی عن الھوی ولہ شرائط ان لایکون فیھم امرد ولا مرأۃ[2] الخ ملتقطا۔	فتاوٰی شامی میں بحوالہ تاتارخانیہ "العیون" سے روایت ہے کہ گانا سننا حرام غذا ہے پس جس کسی نے اسے مباح قرار دیا تو یہ اس کے لئے اس صورت میں ہے کہ کھیل وغیرہ سے خالی ہو اور زیور تقوٰی سے آراستہ ہو اور اسے اس کی طرف کچھ اس طرح کی احتیاج اور ضرورت ہو جس طرح مریض کو دوا کی احتیاج ہوتی ہے اور اس کے لئے چھ شرائط ہیں، ایک یہ کہ ان میں کوئی بے ریش لڑکا شریک نہ ہو الخ ملخصا، اور فتاوٰی خیریہ میں تتارخانیہ کے حوالہ سے نصاب الاحتساب سے منقول ہے کہ گانا گانا اور سننا حرام ہے اور جس نے سے مباح کہا تو یہ اس کے لئے ہے جو نفسانی خواہش سے خالی ہو، اور اس کے جواز کی چھ شرائط ہیں، ایک یہ کہ ان میں کوئی بے ریش لڑکا اور کوئی عورت شریک نہ ہو اھ ملتقطا (ت)

یوہیں بے اصل وباطل روایات کا پڑھنا سننا حرام وگناہ ہے، نص علیہ علماء القدیم والحدیث فی کتب الفقہ واصول الحدیث (چنانچہ قدیم علماء کرام نے فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[2] فتاوٰی خیریۃ کتاب الکراہۃ والاستحسان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۷۹

اس کی صراحت فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۷۰: ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانہ میں بہت لوگ اس قسم کے ہیں کہ تفسیر وحدیث بے خواندہ وبے اجازت اساتذہ برسر بازار ومسجد وغیرہ بطور وعظ ونصائح کے بیان کرتے ہیں حالانکہ معنی ومطلب میں کچھ مس نہیں فقط اردو کتابیں دیکھ کے کہتے ہیں، یہ کہنا اور بیان کرنا ان لوگوں کے لئے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

حرام ہے، اور ایسا وعظ سننا بھی حرام، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ من النار، والعیاذ باللہ العزیز الغفار. والحدیث رواہ الترمذی[1] وصححہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس شخص نے قرآن مجید میں بغیر علم کچھ کہا اسے اپنا ٹھکانا دوزخ سمجھ لینا چاہئے۔ اللہ تعالٰی کی پناہ جو سب پر غالب اور سب کچھ بخش دینے والا ہے۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دے کر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے ذکر فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۷۱: از بدایوں ۱۸ محرم ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد حضور خیر العباد علیہ الوف تحیۃ الٰی یوم التناد، میں جو شخص کہ مخالف شرع مطہر ہو مثلاً تارک صلٰوۃ شارب خمر ہو داڑھی کترواتا یا منڈواتا ہو مونچھیں بڑھاتا ہو بے وضو بے ادبی گستاخی سے بروایات موضوعہ تنہا یا دوچار آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر مولود پڑھتا ہو اور اگر کوئی مسئلہ بتائے تنبیہ کرے تو استہزاء ومزاح کرے بلکہ اپنے معتقدین کو حکم کرے کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں کیونکہ جیسے ان کے رخسار صاف ہوتے ہیں ایسے ہی ان کے دل مثل آئینہ کے صاف وشفاف ہے، ایسے شخص سے مولود شریف پڑھوانا یا اس کو پڑھنا یا منبر ومسند پر تعظیماً بیٹھنا بٹھانا بانی مجلس وحاضرین وسامعین کا ایسے اشخاص کو بوجہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب تفسیر القرآن باب ماجاء یفسر القرآن آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۹

خوش آوازی کے چوکی پر مولود پڑھنے بٹھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی سے رب العزت جل مجدہ اور روح حضور فخر عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوش ہوتی ہے یا ناخوش؟ اور پروردگار عالم ایسی مجالس سے خوش ہو کر رحمت نازل فرماتا ہے یا غضب؟ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان محافل میں تشریف لاتے ہیں یا نہیں؟ بانیان اور حاضرین محافل کے مستحق رحمت ہیں یا غضب؟ بیّنوا من الکتاب توجروا عند رب الارباب (کتاب کے حوالے سے بیان فرماؤ تاکہ رب الارباب کے ہاں سے اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

افعال مذکورہ سخت کبائر ہیں اور ان کا مرتکب اشد فاسق وفاجر مستحق عذاب یزداں وغضب رحمٰن اور دنیا میں مستوجب ہزاراں ذلت وہوان خوش آوازی خواہ کسی علت نفسانی کے باعث اسے منبر ومسند پر کہ حقیقۃً مسند حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے تعظیماً بٹھانا اس سے مجلس مبارک پڑھوانا حرام ہے، تبیین الحقائق وفتح اللہ المعین وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں ہے:

فی تقدیم الفاسق تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1]۔	فاسق کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ بوجہ فسق لوگوں پر شرعاً اس کی توہین کرنا واجب اور ضروری ہے۔(ت)

روایات موضوعہ پڑھنا بھی حرام سننا بھی حرام، ایسی مجالس سے اللہ عزوجل اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کمال ناراض ہیں، ایسی مجالس اور ان کا پڑھنے والا اور اس حال سے آگاہی پاکر بھی حاضر ہونے والا سب مستحق غضب الٰہی ہیں یہ جتنے حاضرین ہیں سب وبال شدید میں جداجدا گرفتار ہیں اور ان سب کے وبال کے برابر اس پڑھنے والے پر وبال ہے اور خود اس کا اپنا گناہ اس پر علاوہ اور ان حاضرین وقاری سب کے برابر گناہ ایسی مجلس کے بانی پر ہے اور اپناگناہ اس پر طرہ مثلاً ہزار حاضرین مذکور ہوں تو ان پر ہزار گنا اور اس کا عذاب قاری پر ایک ہزار ایک گنا اور بانی پر دوہزار دوگنا ایک ہزار حاضرین کے اور ایک ہزار ایک اس قاری کے اور ایک خود اپنا، پھر یہ شمار ایک ہی بار نہ ہوگا بلکہ جس قدر روایات موضوعہ جس قدر کلمات نامشروعہ وہ قاری جاہل جری پڑھے گا ہر روایت ہر کلمہ پر یہ حساب وبال وعذاب تازہ ہونا مثلاً فرض کیجئے کہ ایسے سوکلمات مردودہ اس مجلس میں اس نے پڑھے تو ان حاضرین میں ہر ایک پر سو سو گناہ اور اس قاری علم ودین سے عاری پر ایک لاکھ ایک سو گناہ اور بانی پر دولاکھ دوسو، وقس علی ھذا، رسول اللہ

[1] فتح المعین کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۸، تبیین الحقائق باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴، غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذلک من اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اٰثام من تبعہ لاینقص ذٰلک من اٰثامھم شیئا[1]۔ رواہ الائمۃ احمد ومسلم و الاربعۃ عن ابی ھریرۃ۔	جس شخص نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کے جتنے پیروکار ہوں گے ان سب کے اجر وثواب کے برابر اس داعی کو بھی ثواب ہوگا اور پیروکاروں کے اجر وثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، اور جس کسی شخص نے لوگوں کو گمراہی کی طرف دعوت دی تو جتنے لوگ ان کا اتباع کریں گے ان سب کے برابر دعوت دینے والوں کو گناہ ہوگا لیکن گمراہی میں اتباع کرنے والوں کے گناہوں میں بھی ذرہ برابر کمی نہیں ہوگی۔ ائمہ کرام امام احمد، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پاک ومنزہ ہیں اس سے کہ ایسی ناپاک جگہ تشریف فرماہوں البتہ وہاں ابلیس وشیاطین کا ہجوم ہوگا، **والعیاذباللہ رب العالمین** (اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت) ذکر شریف حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باوضو ہونا مستحب ہے اور بے وضو بھی جائز اگر نیت معاذاللہ استخفاف کی نہ ہو، حدیث صحیح میں ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یذکر اللہ علٰی کل احیانہ[2]۔ رواہ الائمۃ احمد و	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمہ وقت اللہ تعالٰی کا ذکر فرمایا کرتے تھے، چنانچہ امام احمد،

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۹۷، جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۲ وسنن ابن ماجہ باب من سن سنۃ حسنۃ الخ ص ۱۹، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۹، صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ حسنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب ذکر اللہ تعالٰی فی حال الجنابۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۲، صحیح البخاری ۱/ ۴۴ و ۸۸ وسنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الرجل یذکر اللہ الخ ۱/ ۴، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ ذکر اللہ تعالٰی علی الخلاء ص ۲۶، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۷۰ و ۱۵۳

مسلم والاربعة الا النسائی عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنہا ورواہ البخاری تعلیقا۔	مسلم، بخاری، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ (سوائے نسائی کے) سب نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی سند سے اس کو روایت کیا البتہ امام بخاری نے بطور تعلیق اس کو روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اگر عیاذا باللہ استخفاف و تحقیر کی نیت ہو تو صریح کفر ہے، یوہیں مسائل شرعیہ کے ساتھ استہزاء صراحۃً کفر ہے،

قال اللہ تعالٰی "قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ" [1]	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے میرے محبوب رسول! ان لوگوں سے فرمادیجئے کیا تم اللہ تعالٰی اس کی آیات اور اس کے رسول سے استہزا اور مذاق کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ کیونکہ تم ایمان کا انکار کرنے والے ہو۔ (ت)

یوہیں وہ کلمہ ملعونہ کہ داڑھی منڈانے والے رکھانے والوں سے بہتر ہیں الخ صاف سنت متواترہ کی توہین اور کلمہ کفر ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (خدا کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اللہ تعالٰی پاک، برتر، سب سے زیادہ علم والا ہے اور اس عزت وتوقیر کے مالک کا علم کامل اور نہایت درجہ پختہ ہے۔ ت) فقط۔

مسئلہ ۳۷۲: از اترولی ضلع اعظم گڑھ محلّہ مغلاں مرسلہ اکرام عظیم صاحب ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

بے نمازی مسلمان کے گھر میلاد شریف کی محفل میں شریک ہونا یا پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مجلس میلاد شریف نیک کام ہے اور نیک کام میں شرکت بری نہیں، ہاں اگر اس کی تنبیہ کے لئے اس سے میل جول یک لخت چھوڑ دیا ہو تو نہ شریک ہوں یہی بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۷۳: از کلی ناگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر علی صاحب ۲ جمادی الآخر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص حرام کرنے والا مولود پڑھتا ہے اور حرام سے توبہ کرتا ہے اور بعد مولود پڑھنے کے پھر حرام کرنے پر کمر باندھے ہے تو اس کے حق میں مولود کا پڑھنا کیسا ہے اور وہ شخص مجلس مولود پڑھنے کے اور بلانے کے قابل ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] القرآن الکریم ۹ / ۶۵، ۶۶

الجواب:

جس شخص کی نسبت معروف ومشہور ہے کہ معاذاللہ وہ حرام کار ہے اس سے میلاد شریف پڑھوانا اور اسے چوکی پر بٹھانا منع ہے،

کما فی تبیین الحقائق وفتح اللہ المعین وغیرھما. فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا[1]۔	جیسا کہ تبیین الحقائق، فتح اللہ المعین اور دیگر کتب میں مذکورہ کہ فاسق کو (امامت کیلئے) آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں لوگوں پر اس کی توہین واجب ہے (ت)

مگر شہرت صحیح ہو نہ جھوٹی بے معنی تہمت، جیسے آج کل بہت نا اہل جاہل خدانا ترس اپنے جھوٹے اوہام کے باعث مسلمانوں پر اتہام لگادیتے ہیں اس سے وہ خود سخت حرام وکبیرہ کے مرتکب اور شدید سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ رہا خالی بلانا وہ مصلحت دینی پر ہے اگر جانے کہ بہ نرمی سمجھانے میں زیادہ اثر کی امید ہے تو یوہیں کرے اور اگر جانے کہ دور کرنے اور سختی برتنے میں زیادہ نفع ہوگا، تو یہی کرے، اور حال یکساں ہے تو شریعت کی غیرت اور دوسروں کی عبرت کیلئے علانیہ دوری بہتر اور اپنے عیبوں پر نظر اور مسلمانوں کے ساتھ رفق ورحمت کے لئے خفیہ نرمی اولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷۴: از محمد صابر عفی عنہ اعظم گڑھ ۲۹ شعبان المعظم ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ہنود میلاد شریف کے چندے میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوں یا خود اہل ہنود انفراداً میلاد شریف کرائیں تو جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہندو سے مسلمان امرِ دین میں مدد نہ لے۔ حدیث شریف میں ہے:

انا لانستعین بمشرک[2]۔	ہم کسی مشرک سے مدد نہیں لیتے (ت)

اور اگر وہ خود شرکت چاہیں تو بطور چندہ شریک نہ کیا جائے کہ اس کے مال سے قربت قائم نہیں ہوسکتی ہاں اگر وہ کسی مسلمان کو تملیک کردے یہ مسلمان چندے میں دے دے مضائقہ نہیں جبکہ اس طور پر لینے میں ہندو کے لئے وجہ استعلا نہ ہو وہ یہ نہ سمجھے کہ مسلمانوں نے مجھ سے استمداد کی میری مدد کے محتاج ہوئے بلکہ احسان مانے کہ میرا مال قبول کرلیا، ہندو اپنے مال سے کوئی کار خیر کرے مقبول نہیں،

---

[1] فتح المعین کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۸، تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[2] مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الجہاد حدیث ۱۵۰۰۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲/ ۳۹۵، سنن ابی داؤد کتاب الجہاد ۲/ ۱۹ وسنن ابن ماجہ ابواب الجہاد ص ۲۰۸، ومسند احمد بن حنبل، عن عائشہ ۶/ ۶۸

"وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور کافروں نے جو کام کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں بکھرے ہوئے ذرات کی طرح کردیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۷۵: بہیڑی ضلع بریلی مرسلہ طالب حسین خاں ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

گیارہویں شریف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قیام مولود جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

گیارہویں شریف اور مجلس مبارک میلاد کا قیام جس طرح مکہ معظّمہ ومدینہ معظّمہ کے علماء کرام اور بلاد دارالاسلام کے خاص وعام میں شائع ہے ضرور جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہا کہ بعد نماز جمعہ ذکر شہداء کربلا رضی اللہ تعالٰی عنہم ہوگا، چنانچہ عمرو نے مسجد میں بعد نماز جمعہ اس کا اعلان اور اشتہار کردیا زید نے درمیان اذکار تعریف وفضائل وذکر شہادت شہداء کربلا رضی اللہ تعالٰی عنہم وگریہ وزاری اہلبیت اطہار اور اہلبیت مطہرات کا اونٹوں پر بے پردہ جانا اور قید خانہ میں مقید ہونا اور یزید پلید کا سر دربار بلانا اور گفتگو ہونا جہاں تک کہ زید کو کتبہائے معتبرہ اہلسنت وجماعت سے یاد تھا بیان کردیا اور اہل سماع کو رقت طاری ہونا اور اس رقت ہونے کی وجہ سے کچھ پڑھنے والے اور سننے والے کو اجر ملنا اور نیز اسی قسم کا جلسہ اپنے مکانوں میں بنظر ثواب منعقد کرنا بخلاف طریقہ روافض کے یعنی تعزیہ وعلم وغیرہ سے اس مکان کو معرار کھنا مذہب اہلسنت والجماعت میں درست ہے یا نہیں اور بعد ختم مجلس شیرینی وشربت وچاء پر فاتحہ وپنج آیت پڑھ کر ثواب شہداء کربلا رضی اللہ تعالٰی عنہم کو پہنچانا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

حضرات کرام کے فضائل ومناقب ومراتب ومناصب روایات صحیحہ معتبرہ سے بیان کرنا سنانا عین ثواب وسعادت ہے اور ذکر شہادت شریف بھی جبکہ مقصود ان کی اس فضیلت اور ان کے صبر واستقامت کا بیان ہو مگر غم پروری کا شرع شریف میں حکم نہیں، نہ غم وماتم کی مجلس بنانے کی اجازت، نہ ایسی باتیں کہی جائیں جس میں ان کی بے قدری یا توہین نکلتی ہو، ماہ ربیع الاول شریف میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا مہینہ ہے اور وہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات کا مہینہ، پھر ائمہ دین وعلمائے کاملین نے اسے ولادت اقدس کی عید بنایا وفات شریف کا ماتم نہ بنایا۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

مسئلہ ۷۷ ۳ تا ۳۷۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں :

(۱) بطریق روافض بغیر ذکر حضرات خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین اہلسنت کے واسطے واقعات کربلا بیان کرنااور بوجہ ہمنامی خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان فرزندان حضرت علی کرم اللہ وجہہ کاتذکرہ منجملہ شہدائے دشت کربلاترک کرنا جائز ہے نہیں؟

(۲) جن مقامات پر آریہ سماج حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اور روافض صحابہ عظام سے بدظنی پھیلاتے ہیں شبانہ روز درمے قدمے سخنے غرضیکہ ہر طرح سے بے حد کوشاں رہتے ہیں وہاں ہر امکانی طریقہ سے عوام کو حفظاً للعقائد ان حضرات کے مناقب اور محامد سے واقف کرنامذہباً واجب ہوگا یانہیں؟

(۳) جو شخص بپاس مخالفین امورمذکورہ سے یہ کہہ کر بازرکھے کہ "اگر تم تعریف کروگے تو وہ دل میں برا کہیں گے" تو ایسے شخص کی اقتداء کرکے مقاصد مخالفین کی تکمیل ہونے دیں یااس سے قطع تعلق کرلیں۔جواب مدلل اور مفصل ارشاد فرماکر ماجور ہوں۔

الجواب:

(۱) افضل اذکار ذکرالٰہی عزجلالہ ہے اور ذکرالٰہی میں سب سے افضل نماز، اگرنماز بھی بطور روافض پڑھی جائے گی ناجائز وممنوع ہے نہ کہ اور اذکار مجالس محرم شریف میں ذکرشہادت شریف جس طرح عوام میں رائج ہے جس سے تجدید حزن ونوحہ باطلہ مقصود اور اکاذیب وموضوعات سے تلویث موجود خود حرام ہے، صواعق محرقہ پھر ماثبت بالسنۃ میں ہے:

ایاہ ثم ایاہ ان یشغلہ ببدع الرافضۃ من الندب و النیاحۃ والحزن اذلیس ذلک من اخلاق المومنین[1] الخ۔	رافضیوں کی بدعات مثلاً رونا پیٹنا، گریہ وزاری کرنااور سوگ منانا وغیرہ میں مشغول ہونے سے بچو اس لئے یہ کام مومنوں کی عادات واخلاق میں سے نہیں الخ۔(ت)

ہاں ذکر فضائل شریف حضرت سیدنا امام حسین ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بروجہ جائز روایات صحیحہ معتمدہ معتبرہ سے ضرور نور عین نور ہے مگر صرف اسی پر اقتصار اور ذکر خلفاء کرام رضی اللہ

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الحادی عشر الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۳

تعالٰی عنہم سے دامن کشی خصوصاً لکھنؤ جیسے محل حاجت میں کہ کوفہ ہند ہے ضرور قابل اعتراض واحتراز ہے۔ قسم اول نسبت امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسین[1]۔	واعظ وغیرہ پر یہ حرام ہے کہ وہ شہادت حسین علیہ السلام کی روایات (بے سند اور بلا تحقیق) بیان کرے۔(ت)

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:

ماذکرہ من حرمۃ روایۃ قتل الحسین لاینافی ما ذکرتہ فی ھذا الکتاب لان ھذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وبراءتھم من کل نقص بخلاف مایفعلہ الوعاظ الجھلۃ فانھم یاتون بالاخبار الکاذبۃ الموضوعۃ ونحوھا ولایبینون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ فیوقعون العامۃ فی بغض الصحابۃ وتنقیصھم[2]۔	امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کی روایات کے متعلق جو حرام ہونے کا ذکر کیا گیا وہ اس کے منافی نہیں جو کچھ میں نے اس کتاب میں بیان کیا، کیونکہ یہ بیان وہ حق ہے کہ جس پر (ایک مرد مومن کا) اعتقاد رکھنا واجب ہے، جو کہ عظمت شان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اور ہر کمی کوتاہی سے ان کی براءت ہے. بخلاف جاہل واعظوں کے (قصہ گو افراد کے) کہ وہ جھوٹی اور موضوع روایات لوگوں کی مجالس میں بیان کرتے ہیں لیکن ان کا محل اور وہ حق بیان نہیں (یعنی سچی اور واقعی بات کو ظاہر نہیں کرتے) کہ جس پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے (پھر اس پردہ پوشی سے) عوام کو بغض صحابہ اور ان کی تنقیص وتوہین میں ڈال دیتے ہیں۔(ت)

اور قسم دوم کی نسبت کتاب العیون پھر شرح نقایہ علامہ قہستانی اواخر کتاب الکراھیۃ میں ہے:

لو اراد ذکر مقتل الحسین ینبغی ان یذکر اولا مقتل سائر الصحابۃ لئلا یشابہ الروافض[3]۔	اگر کوئی واعظ شہادت حسین علیہ السلام کو بیان کرنا چاہے تو اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ پہلے باقی صحابہ کرام کی شہادت کے واقعات لوگوں کو

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الضرابی الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۳

[2] الصواعق المحرقہ بحوالہ الضرابی الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۴

[3] جامع الرموز شرح النقایۃ للقہستانی کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/ ۳۲۳

سنائے تاکہ روافض سے مشابہت نہ ہو کیونکہ وہ صرف شہادت حسین علیہ السلام پر اکتفا کرتے جبکہ اہل سنت صحابہ اور اہلبیت دونوں کاتذکرہ کرتے ہیں۔ (ت) ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

اذا ذکر الصالحون فحیھلا بعمر[1]۔	جب صالحین کا ذکر ہو تو عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کا تذکرہ کرو (ت)

اور ذکر شہادت میں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان اولادِ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا ذکر اس لئے ترک کرنا کہ ان کے اسماء حضرات عالیہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پاک ہیں، صریح رفض واوہام زمانہ روافض خذلہم اللہ کا اتباع ہے کہ مسمّٰی کے باعث اسم سے عداوت ہاتھ باندھ لیتے ہیں اگرچہ وہ نام کسی محبوب کا ہو "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝" [2] (اللہ تعالٰی انہیں مارے کہ وہ کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) اسی لئے یہ بے پیرے دوشنبہ کو پیر کہنے سے احتراز کرتے ہیں مسجد کے تین در نہ بنائیں گے کہ خلفائے ثلٰثہ کا عدد ہے ایسے ہی اوہام پر تو امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

الشیعۃ نساء ھذہ الامّۃ۔	رافضی اس امت کی مادہ ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ضرور واجب بلکہ اہم فرائض سے ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا سب ف اصحابی وظھرت الفتن اوقال البدع ولم یظھر العالم علمہ فعلیہ لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین لایقبل اللہ منہ صرفا وعدلا[3]۔	جب میرے صحابہ کو برا کہا جائے اور فتنے یا فرمایا بدعتیں ظاہر ہوں اس وقت عالم اپنا علم ظاہر نہ کرے تو اس پر اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی لعنت ہے اللہ اس کا فرض قبول کرے نہ نفل۔

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۴۸

[2] القرآن ۹/ ۳۰

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۵۴۵ ۱۱/ ۵۴۳ وفیض القدیر بحوالہ الدیلمی تحت حدیث ۷۵۱ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۰۲، الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۱۲۷۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۱

ف: حدیث کے یہ الفاظ دو حدیثوں کا مجموعہ معلوم ہوتے ہیں کیونکہ کتب احادیث میں ان الفاظ کا مجموعہ کسی جگہ نہیں مل سکا۔ **نذیر احمد سعیدی**

(۳) وہ شخص جو اس عذر باد و باطل سے اس فرض کو منع کرتا ہے یا سخت سفیہ جاہل ہے یا درپردہ ان کفار واشقیا کا ممد و معاون۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ شق ثانی ہو تو اس سے مطلقًا قطع تعلق کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم [1]۔	ان سے دور بھاگو ان کو اپنے سے دور کرو کہیں تم کو گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تم کو فتنے میں نہ ڈال دیں۔

اور شق اول ہو تو اسے سمجھائیں کہ پرانی خباثت کے سبب ہم اپنا فرض کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ" [2]۔	اے ایمان والو! اپنی جانوں کی فکر کرو جو بھٹک گیا وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ (ت)

تو علماء فرماتے ہیں کہ:

لاتترک سنة لاقترانها مع بدعة من غیرہ۔	کسی ایسی سنت کو نہ چھوڑا جائے جو کسی دوسرے کی بدعت کے ساتھ مخلوط ہو۔ (ت)

نہ کہ ایسے مہمل خیال پر اس درجہ اہم فرض کو چھوڑنا اور پھر نتیجہ یہ کہ ان کی خباثتیں فاش وآشکار ہوں اور ادھر سے جواب نہ ہو اور عوام ان کے شکار ہوں آج وہ دل میں برا کہتے ہیں کل سیکڑوں کو علانیہ براکہنے والا بنالیں، ایسی اوندھی مت کا کیا ٹھکانہ ہے، یوں تو اذان بھی حرام ہو جائے گی کہ دور سے سن کر بھی اعداء دین کے کلیجے شق ہوتے ہیں اور خفیہ جو منہ پر آتا ہے بکتے ہیں، اگر یہ جاہل سمجھ جائے فبہا ورنہ معلوم ہوگا کہ جاہل نہیں معاند ہے اس سے بھی قطع تعلق لازم ہوگا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)" [3]	اگر شیطان تمہیں کسی بھلاوے میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایة عن الضعفاء والاحتیاط فی تحملها قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

نسأل اللّٰه العفووالعافیة ولاحول ولاقوة الابالله العلی العظیم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ہم اللہ تعالٰی سے عفواور عافیت چاہتے ہیں۔گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں مگریہ کہ اللہ عالی بلندو بالااوربڑی شان رکھنے والا (کسی کو) توفیق دے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۸۰تا۳۸۶: ازمرسنیا تھانہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ شیخ ممتاز حسین صاحب ۶ربیع الاآخر۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) اکثردیکھا ہے کہ میلاد شریف میں مردوں کو دوحصے اور لڑکوں کوایک حصہ دیاجاتاہے یہ جائزہے یانہیں؟

(۲) چھوٹے بتاسے مٹھی بھردیئے جاتے ہیں کسی کو کم کسی کو زیادہ پہنچتے ہیں اس میں کچھ حرج ہے یانہیں؟

(۳) اگربتاسے ختم ہوگئے اور کچھ آدمی رہ گئے توکچھ حرج ہوا یانہیں؟

(۴) اگرمیلاد شریف بغیر شیرینی کے پڑھا جائے؟

(۵) میلاد شریف ختم ہونے پرمرد کسی کام کے سبب چلاگیا توکچھ گناہ ہوا؟

(۶) میلاد شریف جس کے یہاں ہواس سے کچھ رنج ہو یہ سننے جائے اور شیرینی نہ لے توکیاگناہ ہے؟

(۷) اگرشیرینی تقسیم کے بعد بچ جائے؟

الجواب:

(۱) حسب رواج مردوں کو دوحصے لڑکوں کوایک دینے میں حرج نہیں کہ بوجہ رواج کسی کو ناگوار نہیں ہوتا۔

(۲) مٹھی سے کم بیش پہنچنے میں بھی حرج نہیں مگراتنی کمی نہ ہوکہ اسے ناگوار گزرے اس کی ذلت سمجھی جائے۔

(۳) کچھ آدمی رہ گئے تواگرہوسکے تواور منگاکران کو بھی دے انکار کردینا مناسب نہیں اور نہ ہوسکے توان سے معذرت کرلے۔

(۴) میلاد شریف بغیر شیرینی بھی ہوسکتاہے اصل مراد توذکرشریف ہے۔

(۵) ختم کے بعد جوچلاگیا اس پرکچھ الزام نہیں۔

(۶) میلاد شریف سننے کو حاضرہو اور شیرینی نہ لے توحرج نہیں جبکہ اس میں صاحب خانہ کی دل آزاری نہ ہو ورنہ بلاوجہ شرعی مسلمان کی دل آزاری کی اجازت نہیں۔

(۷) تقسیم کے بعد شیرینی بچ رہے تووہ اس کامال ہے جو چاہے کرے اور بہتریہ ہے کہ اسے بھی عزیزوں

قریبوں ہمسایوں دوستوں مسکینوں پر بانٹ دے کہ جتنی چیز اللہ عزوجل کے لئے نکالی اس میں سے کچھ بچالینا مناسب نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸۷: از کمیلہ ضلع بنگالہ مرسلہ عبدالحکیم صاحب ۲۰ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شب برات میں حلوہ وغیرہ بناتے ہیں اور خوشی کرتے ہیں اور آتشبازی وغیرہ چھوڑتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور روز مقرر کرکے کرنا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ بدعت کہتے ہیں اور وہ کس وقت سے ہے؟ آیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور تسبیح و تہلیل وقرآن مجید پڑھ کر اُجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور مردہ کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور مولود شریف میں اشعار وغیرہ راگ سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اکثر لوگ گاتے ہیں ملک بنگالہ میں کہ جہاں لوگ اردو نہیں سمجھتے ہیں فقط خوش الحانی کو سنتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض لوگ مولود شریف اور قیام کے منکر ہیں آیا مولود شریف حدیث وقرآن سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور قدمبوسی کتنے آدمیوں کی کرنا جائز ہے اور جلسہ میں کوئی خوشی وغیرہ کی بات اگر لوگ سنتے تو ہاتھ کی تالی دیتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

حلوہ وغیرہ پکانا فقراء پر تقسیم کرنا احباب کو بھیجنا جائز ہے اللہ کے فضل ونعمت پر خوشی کرنے کا قرآن مجید میں حکم ہے جائز خوشی ناجائز نہیں۔ آتشبازی اسراف وگناہ ہے۔ دن کی تعیین میں جرم نہیں جبکہ کسی غیرواجب شرعی کو واجب شرعی نہ جانے۔ بدعت کہنے والے خود بدعت میں ہیں۔ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث نے منع نہ فرمایا اس سے منع کرنے والا بدعتی ہے۔ تسبیح و تہلیل وتلاوت قرآن مجید پر اجرت لینا حرام ہے۔ مردہ کو اس کا کچھ ثواب نہیں مل سکتا۔ خوش الحانی جائز ہے جبکہ مزامیر وفتنہ ساتھ نہ ہو۔ میلاد مبارک وقیام کے آج کل منکر وہابیہ ہیں اور وہابیہ گمراہ بے دین۔ میلاد شریف قرآن عظیم کی متعدد آیات کریمہ اور حدیث صحیح سے ثابت ہے جس کی تفصیل اذاقۃ الاٰثام میں ہے قدم بوسی معظمان دینی مثل پیر وعالم دین وسادات وسلطان عادل ووالدین کی جائز ہے، تالی بجانا نصارٰی کی سنت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸۸: از قصبہ بشارت گنج ضلع بریلی بڑی مسجد مرسلہ نجو خاں فوجدار یعنی باتی والہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

مجلس وعظ یا میلاد شریف میں لوگوں کو وجد آجاتے ہیں اس میں پاگل کی طرح ہاتھ اور پاؤں ہلاتے ہیں یہ کیسے جائز ہے یہ کیا بات ہے بعض آدمی سرہلاتے نہ بیہوش ہوتے ہیں یہ کیا بات ہے یہ کیاعلامت عشق ہے یا کیا ہے؟ تحریر فرماکر سرفراز فرمائیں۔ زیادہ سلام

الجواب:

اس کی تین صورتیں ہیں، وجد کہ حقیقۃً دل بے اختیار ہو جائے اس پر تو مطالبہ کے کوئی معنی نہیں، دوسرے تواجد یعنی باختیارِ خود وجد کی سی حالت بنانا، یہ اگر لوگوں کے دکھاوے کو ہو تو حرام ہے اور ریا اور شرک خفی ہے، اور اگر لوگوں کی طرف نظر اصلًا نہ ہو بلکہ اہل اللہ سے تشبہ اور بہ تکلف ان کی حالت بنانا کہ امام حجۃ الاسلام وغیرہ اکابر نے فرمایا ہے کہ اچھی نیت سے حالت بناتے بناتے حقیقت مل جاتی ہے اور تکلیف دفع ہو کر تواجد سے وجد ہو جاتا ہے تو یہ ضرور محمود ہے مگر اس کے لئے خلوت مناسب ہے مجمع میں ہونا اور ریا سے بچنا بہت دشوار ہے، پھر بھی دیکھنے والوں کو بدگمانی حرام ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث [2]۔	گمان سے بچو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی بات ہے،

جسے وجد میں دیکھو یہی سمجھو کہ اس کی حالت حقیقی ہے اور اگر تم پر ظاہر ہو جائے کہ وہ ہوش میں ہے اور باختیار خود ایسی حرکات کر رہا ہے تو اسے صورتِ دوم پر محمول کرو جو محمود ہے یعنی محض اللہ کے لئے نیکوں سے تشبہ کرتا ہے نہ کہ لوگوں کے دکھاوے کو، ان دونوں صورتوں میں نیت ہی کا تو فرق ہے اور نیت امر باطن جس پر اطلاع اللہ ورسول کو ہے جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو اپنی طرف سے بری نیت قرار دے لینا برے ہی دل کا کام ہے۔ ائمہ دین فرماتے ہیں:

الظن الخبیث انما ینشأ من القلب الخبیث [3]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم	خبیث گمان خبیث ہی دل سے پیدا ہوتا ہے۔

مسئلہ ۳۸۹: مسئولہ حافظ عبداللطیف صاحب مدرس مدرسہ حنفیہ سہسوان از سہسوان ۲۸ صفر ۱۳۳۲ھ

مجلس ذکر شہادت جائز یا ناروا، ایک صاحب نے کہا کہ تجدید سرور مختلف فیہ اور تجدید غم باتفاق ناجائز۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب ماینھی عن التحاسد والتدابر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

[3] فیض القدیر تحت حدیث ۲۹۰۱ ایاکم والظن الخ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۲۲

الجواب:

مجلس ذکر شہادت اگر روایات باطلہ سے ہو تو مطلقاً ناروا، اور روایات صحیحہ سے ہو تو اگر تجدید غم وجلب بکاء مقصود ہے بیشک نا محمود ہے اور اگر ذکر فضائل محبوبان خدا، مراد ہے تو مورد رحمت جواد ہے۔

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کاموں کامدار ارادوں پر ہے اور ہر آدمی وہی پائے گا جس کا اس نے ارادہ کیا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۰: از شہر لاہور لنڈا بازار دکان بھگوان داس مرسلہ محمد حسین معمار بریلی والا ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ فاتحہ گیارہویں میں رباعی شریف پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

رباعی یہ ہے؟

سید وسلطان فقیر وخواجہ مخدوم وغریب بادشاہ وشیخ ودرویش وولی ومولانہ

اور اگر یہ رباعی پڑھنا ناجائز ہے توکل طریقہ فاتحہ گیارہویں شریف کا براہ مہربانی تحریر فرمادیجئے۔

الجواب:

یہ رباعی نہ پڑھی جائے اس میں بعض الفاظ خلاف شانِ اقدس ہیں، فاتحہ ایصال ثواب کا نام ہے جو کچھ قرآن مجید ودرود شریف سے ہوسکے پڑھ کر ثواب نذر کرے۔ اور ہمارے خاندان کا معمول یہ ہے کہ سات بار درود غوثیہ، پھر ایک ایک بار الحمد شریف وآیۃ الکرسی، پھر سات بار سورہ اخلاص، پھر تین بار درود غوثیہ۔ درود غوثیہ یہ ہے: اللّٰھم صل علٰی سیّدنا ومولانا محمد معدن الجود والکرم وعلٰی اٰلہ وبارک وسلم۔ اور فقیر اتنا زائد کرتا ہے: وعلٰی اٰلہ الکرام وابنہ الکریم وامتہ الکریمۃ وبارک وسلم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹۱: بتاریخ ۶ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ مجلس میلاد شریف میں ذکر حضرات امام حسنین علیہم السلام کا بغیر ذکر فضائل حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جائز نہیں۔ دوسرا قول زید کا یہ ہے کہ مجلس میلاد مبارک میں ذکر حضرات امام حسنین علیہم السلام کا قطعی جائز نہیں ہے۔ یہ دونوں اقوال زید کے کہاں تک صحیح ہیں؟ بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

الجواب:

مجلس میلاد مبارک مجلس فرحت وسرور ہے اس میں علماء کرام نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات شریف کا تذکرہ بھی پسند نہ فرمایا، اور ذکر شہادت جس طور پر رائج ہے وہ ضرور طریقہ غم پروری ہے۔ رہا حضرات امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے فضائل ومناقب صحیحہ معتبرہ کا ذکر، وہ نور ایمان وراحتِ جان ہے۔ اس سے کسی وقت ممانعت نہیں ہوسکتی جبکہ وجہ صحیح پر بقصد صحیح ہو۔ یہ شرط نہ صرف اس میں بلکہ ہر عمل صالح میں ہے۔ اور یہ بھی کتابوں میں ہے کہ ذکر حضرات حسنین بعد ذکر حضرات صحابہ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم ہو۔ اس سے مطلب یہ نہیں کہ ان کا ذکر کریم بے ذکر صحابہ ناجائز ہے۔ وہ ہر ایک مستقل عبادت ہے کہ ترک ذکر صحابہ عظام بالقصد جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹۲: مرسلہ جناب سید احمد صاحب بن حاجی سید امام حکیم صاحب از اکوٹ ضلع اکولہ یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

جناب حضرت حامی سنت ماحی بدعت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام فضلکم، السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جناب عالی سے عرض ہے کہ یہاں برار میں دوبرس سے مجلس کانفرنس کی ہونا شروع ہوئی ہے اور میرے کو بھی نامہ آیا میں افسوس کرتا ہوں کہ ہر مذہب کا شخص ممبر ہوسکتا ہے کرکے تحریر ہے اب اس مجلس میں جانا ثواب ہے یا کہ حرام ہے۔ چند کلمہ مشعر حالات سے سرور فرمایئے۔ زیادہ چہ مزید توجہ۔

الجواب:

بملاحظہ حضرت سید صاحب مکرم ذی المجد والکرم دام کرمہم۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یہ مجلس نیچریوں کی ہے اس میں شرکت جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾ "[1] وقال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَرۡكَنُوۡۤا اِلَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ "[2] وفی الحدیث عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: "اگر تمہیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو"۔ اور نیز اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: "(لوگو!) ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تمہیں آگ چھوئے گی"۔ اور حدیث میں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

وسلم من کثر سواد قوم فھو منھم. رواہ ابو یعلٰی [1] فی مسندہ وعلی بن معید فی کتاب الطاعۃ والمعصیۃ عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وابن المبارک فی الزھد عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ و الخطیب فی التاریخ عن انس بن مالک عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلفظ من سود مع قوم فھو منھم [2]۔	سے روایت ہے کہ جو کسی قوم کی جماعت بڑھائے وہ انہی میں شامل ہے۔ابویعلٰی نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا۔اور علی بن معید نے کتاب الطاعۃ و المعصیۃ میں عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں،اور عبداللہ ابن مبارک "الزہد"میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔اور خطیب بغدادی تاریخ میں انس بن مالک کے حوالے سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ان الفاظ سے روایت کرتے ہیں:جو کوئی لوگوں کے ساتھ ہو کر جماعت میں اضافہ کرے تو وہ انہی میں سے ہے۔(ت)

پندرہ سال ہوئے کہ اس بارہ میں فتوٰی علمائے کرام حرمین شریفین مسمّٰی بہ **فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین** (حرمین شریفین کے فیصلے،ندوہ کے جھوٹ بولنے پر،زلزلہ برپا کرنے کے بارے میں۔ت) طبع ہوگیا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹۳: ازمانڈلے برمہا سورتی مسجد ۶رجب ۱۳۳۳ھ

وعظ کے بعد شیرینی تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

جائز ہے لعدم المانع بلکہ اس کا عمل زیادہ باعث اجتماع وحضور ذکر واستماع ہوگا وسیلہ خیر خیر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۹۴: مسئولہ حافظ عبدالمجید صاحب از قصبہ تحصیل سوار خاص علاقہ ریاست رامپور بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محفل مولود شریف

---

[1] کشف الخفاء بحوالہ ابی یعلٰی دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۲۴،نصب الرایۃ للاحادیث الھدایۃ کتاب الجنایات من کثر سواد الخ المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۳۴۶

[2] کنزالعمال بحوالہ خط عن انس حدیث ۲۴۶۸۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۰،تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۵۱۶۷ دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۰

میں حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرماہوتے ہیں یا نہیں؟ اور وقت پیدائش کے قیام کرنا مستحب ہے یا بدعت؟ بحوالہ کتاب فقہ یا حدیث بیان فرمائیے۔

الجواب:

مجالس خیر میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تشریف آوری اکابر اولیاء نے مشاہدہ فرمائی اور بیان کیا،

کما فی بھجۃ الاسرار للامام الاوحد ابی الحسن نور الدین اللخمی الشطنوفی وتنویر الحوالک للامام جلال الملّۃ و الدین السیوطی وغیرھما لغیرھما رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم۔	جیسا کہ بہجۃ الاسرار (مصنفہ) امام یکتائے زمانہ ابوالحسن نور الدین علی لخمی شطنوفی نے اور تنویر الحوالک میں امام جلال الدین سیوطی نے اور ان دو کے علاوہ دوسرے حضرات نے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا، ان سب پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو۔ (ت)

مگر یہ کوئی کلیہ نہیں سرکار کا کرم ہے جس پر ہو جب ہو ۔

(۱) اگر بادشہ بردر پیرزن بیاید تو اے خواجہ سبلت من

(۲) ہمیں کرد مورے دعاء سحر کہ مہمانش آید سلیماں مگر

(۳) چہ خوش گفت یک مرغ زیرک بدو سلیماں باید و لے جائے کو

(۱۔ اگر بادشاہ بڑھیا عورت کے دروازے پر قدم رنجہ فرمائے تواے خواجہ (سردار)! تو مونچھوں کو تاؤ نہ دے۔

۲۔ سحری کے وقت ایک چیونٹی نے یہی دعامانگی شاید اس کے ہاں حضرت سلیمان مہمان بن کر تشریف لائیں۔

۳۔ ایک دانا پرندے نے اس سے کیا خوب کہا، حضرت سلیمان تو ضرور جلوہ افروز ہوں مگر کون سی جگہ ہو، ذرا یہ تو کہہ دے۔ ت)

مجلس میلاد مبارک میں وقت ذکر ولادت مقدس قیام جس طرح حرمین شریفین و جمیع بلاد دارالاسلام میں دائر و معمول ہے مستحب و مستحسن ہے۔

قال اللہ عزوجل "وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ"[1]۔	اللہ عزوجل نے فرمایا: ان کی یعنی حضور اکرم کی عزت و توقیر کرو۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

قال اللہ تعالٰی " وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۝۳۲ "[1]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: جو کوئی اللہ تعالٰی کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے تو پھر یہ دلوں کا تقوٰی (پرہیزگاری) ہے۔ (ت)

علامہ سید جعفر برزنجی مدنی عقد الجوہر میں فرماتے ہیں:

وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ائمۃ ذوروایۃ ورؤیۃ فطوبی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	بے شک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے ذکر کرنے کے موقع پر ائمہ صاحب روایۃ اور صاحب مشاہدہ نے قیام کو مستحسن قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس خوش نصیب کے لئے خوشخبری ہو کہ جس کی نگاہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم بجالانا اس کا غایۃ مقصد اور قرار نگاہ کا محل ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۹۵ تا ۳۹۷: مسئولہ بنے خاں سوداگر پارچہ بریلی محلّہ نالہ متصل کڑہ مانڈرائے ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں:

(۱) طوائف جس کی آمدنی صرف حرام پر ہے اس کے یہاں مجلس میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یانہیں؟

(۲) مجلس میلاد شریف میں بعد بیان مولود شریف کے ذکر شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اور واقعات کربلا پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

(۳) رافضیوں کے محرم میں ذکر شہادت ومصائب شہداء بیان کرنا وسوز خوانی ومرثیہ مصنفہ انیس ودبیر پڑھنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

(۱) اس مال کی شیرینی پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو، اور یہ لوگ جب کوئی کار خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں اور اس کے لئے کوئی شہادت کی حاجت نہیں، اگر وہ کہے کہ میں نے قرض لے کر یہ مجلس کی ہے اور وہ قرض اپنے مال حرام سے ادا کیا ہے تو اس کا قول مقبول

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] عقد الجوہر فی مولد النبی الازھر ترجمہ وحاشیہ نور بخش توکلی جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۶،۲۵

ہوگا کما نص علیہ فی الھندیۃ وغیرھا (جیساکہ فتاوٰی عالمگیری اوراس کے علاوہ دوسرے فتاووں میں اس مسئلہ کی تصریح کی گئی۔ت) بلکہ شیرینی اگر اپنے مال حرام ہی سے خریدی اور خریدنے میں اس پر عقد ونقد جمع نہ ہوئے یعنی حرام روپیہ دکھا کر اس کے بدلے خرید کر وہی حرام روپیہ نہ دیا ہو تو مذہب مفتٰی بہ پر وہ شیرینی بھی حرام نہ ہوگی جو شیرینی اسے خاص اُجرت زنا یاغنا میں ملی یااس کے کسی آشنا نے تحفہ میں بھیجی یااس کی خریداری میں عقد ونقد مال حرام پر جمع ہوئے وہ شیرینی حرام اور اس پر فاتحہ حرام ہے، یہ حکم توشیرینی وفاتحہ کا ہوا مگر ان کے یہاں جانا اگرچہ میلاد شریف پڑھنے کے لئے ہو معصیت یامظنہ معصیت یا تہمت یامظنہ تہمت سے خالی نہیں اوران سب سے بچنے کا حکم ہے۔ حدیث میں ہے:

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقع التھم[1]۔	جو اللہ عزوجل اور قیامت کے دن پر ایمان لاتاہے وہ ہرگز تہمت کی جگہ نہ کھڑا ہو۔

توان کی چوکی اور فرش اورہر استعمالی چیز انہیں احتمالات خباثت پر ہے، پھر جو اہل تقوٰی نہیں اسے ان کے ساتھ قرب، آگ اور بارود کاقرب ہے اور جو اہل تقوٰی ہے اس کے لئے وہ لوہار کی بھٹی ہے کہ کپڑے جلے نہیں تو کالے ضرور ہوں گے پھر اپنے نفس پر اعتماد کرنا اور شیطان کو دور سمجھنا احمق کاکام ہے ومن رتع حول الحمی اوشک ان یقع فیہ جو رمنے کے گرد چرائے گا کبھی اس میں پڑ بھی جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) علمائے کرام نے مجلس میلاد شریف میں ذکر شہادت سے منع فرمایا ہے کہ وہ مجلس سرور ہے ذکر حزن اس میں مناسب نہیں کمافی مجمع البحار (جیساکہ مجمع البحار میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) حرام ہے ع

کند ہم جنس باھم جنس پرواز

(ہم جنس اپنے جیسے ہم جنس کے ساتھ پرواز کرتا ہے۔ت)

حدیث میں ارشاد ہوا: لاتجالسوھم[2] اُن کے پاس نہ بیٹھو۔ دوسری حدیث میں فرمایا: من کثر سواد قوم فھو منھم[3] (جو کسی قوم کا مجمع بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی باب ادراک الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۲۴۹

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

[3] تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن عتاب ۵۱۶۷ دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۴۰، کنزالعمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

مسئلہ ۳۹۸: مرسلہ مولوی محمد واحد صاحب ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ذکر میلاد مبارک بہ تعین ایام و تخصیص ربیع الاول شریف یا بہ تقرر یازدہم ودیگر تواریخ اعراس مشائخ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اپنے گھروں میں مسجدوں میں درود شریف یا قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا یادوازدہم شریف تک ہر روز مجلس ذکر میلاد کرنا اور حاضرین سامعین ذکر اقدس کو مٹھائی دینا یا کھانا کھلانا یعنی فرح وسرور ولادت اقدس یا ایام وصال ارباب کمال میں زیادتی عبادات وصدقہ ومبرات اور نظم میں نعت حضرت سید المنعوتین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بخوش الحانی پڑھنا جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

ذکر حضور سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور ایمان وسرور جان ہے ان کا ذکر بعینہٖ ذکر رحمٰن ہے۔**قال تعالٰی**:

"**وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝**"[1] (اے حبیب! ہم نے تمہاری خاطر تمہارا ذکر بلند کردیا ہے۔ت) حدیث میں ہے: اس آیہ کریمہ کے نزول کے بعد سیدنا جبرائیل علیہ الصلٰوۃ والسلام حاضر بارگاہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے اور عرض کی حضور کا رب فرماتا ہے:

اتدری کیف رفعت لک ذکرک۔	کیا تم جانتے ہو میں نے کیسے بلند کیا تمہارے لئے تمہارا ذکر۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی: اللہ اعلم (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت) ارشاد ہوا:

جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی[2]۔	اے محبوب! میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا کہ جس نے تمہارا ذکر کیا بیشک اس نے میرا ذکر کیا۔

اور ماہ ربیع الاول شریف اس کے لئے زیادہ مناسب، جیسے دور قرآن وختم قرآن کے لئے ماہ رمضان کہ اسی مہینے میں اترا،

"**شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ**	ماہ رمضان شریف وہ بابرکت مہینہ ہے کہ جس میں

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ مصر ۱/ ۱۵

فِیۡہِ الْقُرْاٰنُ"[1]	قرآن مجید اتارا گیا (ت)

یہاں اس عالم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رونق افروز ہونا ماہ ربیع الاول میں ہوا ولہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز جان افروز دوشنبہ کو روزہ شکر کے لئے خاص فرماتے اور اس کی وجہ یوں ارشاد فرماتے کہ فیہ ولدت وفیہ انزل علیّ[2] (اسی دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر کتاب اُتری۔ یہ تخصیصات بوجہ مناسبات ہیں تو اُن پر طعن جہل ہے بلا مناسبت تخصیص کو تو فرمایا گیا صوم یوم السبت لالک ولاعلیک[3] یعنی روزہ کے لئے روز شنبہ کی تخصیص نہ تجھے نافع نہ مضر، تو مناسبات جلیلہ کے باعث تخصیص پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے ہاں تخصیص بمعنی توقف کہ اوروں ہو ہی نہ سکے یا بمعنی وجوب شرعی کہ اس دن ہونا شرعاً لازم اور دوسرے دن ناجائز ہو ضرور باطل ہے مگر وہ ہرگز کسی کے ذہن میں نہیں کوئی جاہل سا جاہل بھی ایسا خیال نہیں کرتا **ولکن الوھابیۃ قوم لایعلمون** (وہابی ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں جانتے۔ت) یہی حال یازدہم ودوازدہم وتواریخ وصال محبوبان ذوالجلال کا ہے اور اوقات فاضلہ میں تکثیر اعمال صالحہ بلاشبہ مطلوب ومندوب ہے جس پر قرآن عظیم واحادیث کثیرہ ناطق **ان من افضل ایامکم الجمعۃ فاکثروا فیہا من الصلٰوۃ علیّ**"[4] (بلاشبہ تمہارے ہفتہ کے تمام دنوں میں سے سب سے افضل دن روز جمعہ ہے، لہذا اس دن سب دنوں سے زیادہ مجھ پر درود شریف پڑھو۔ت) درود خوانی وتلاوت قرآن مجید واطعام طعام وصدقات ومبرات کی خوبیاں ضروریات دین سے ہیں محتاج بیان نہیں اور شیرینی کی تخصیص میں فوائد عدیدہ ہیں، **ایک** تو یہ کہ قلب المؤمن حلو یحب الحلوٰ مسلمان کا دل میٹھا ہے مٹھاس کو دوست رکھتا ہے۔

دوم وہ روزانہ عام لوگوں کے استعمال میں نہیں آتی وکل جدید لذیذ ومن وافق من اخیہ شھوۃ غفرلہ (ہر نئی چیز ذائقہ دار ہوتی ہے اور جو کوئی اپنے بھائی سے اس کی چاہت میں موافقت کرے تو اس کے گناہ بخش دیے گئے۔ت)

سوم حسب عرف اغنیا کو بھی اس کے لینے میں باک نہیں ہوتا، بخلاف اس کے کہ روٹی بانٹی جائے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۵

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی قتادۃ الانصاری المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۹۷ و ۲۹۹

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث الصماء بن بسر المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶۸

[4] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب تفریع ابواب الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۰

چہارم جو چیز محبوبانِ خدا سے منتسب ہو جائے سزاوار تعظیم ہو جاتی ہے، شیرینی اس کے لئے زیادہ مناسب کہ اس میں چیز پھینکنے کی نہیں ہوتی۔ نعت شریف ذکر اقدس ہے اور اس کا خوش الحانی سے ہونا مورث زیادت شوق ومحبت۔

امام قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مواہب اللدنیہ شریف میں تصریح فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح شریف الحان خوش کے ساتھ سننا محبت حضور کو ترقی دیتا ہے[1]، اور ولادت اقدس پر اظہار فرحت وسرور خود نص قرآن سے مامور۔ **قال اللہ تعالیٰ**:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"[2]	تم فرماؤ کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت چاہئے کہ اسی پر فرحت وسرور کریں۔

انسان العیون میں ہے: بعض صالحین خواب میں زیارت جمال اقدس سے مشرف ہوئے عرض کی یارسول اللہ! یہ جو لوگ ولادت حضور کی خوشی کرتے ہیں، فرمایا: مَنْ فَرِحَ بِنَا فَرِحْنَا بِهٖ[3] جو ہماری خوشی کرتا ہے ہم اس سے خوش ہوتے ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳۹۹: از رائے بریلی محلّہ جہان متصل مکان سید فدا علی چنگی انسپکٹر مرسلہ حافظ قمر الحسن صاحب ۲۳ شعبان ۱۳۳۵ھ وارد حال بریلی شہامت گنج۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سنی مسلمان از سرتاپا معصیت میں مبتلا ہے اس نے محض اپنی نجات کا ذریعہ خیال کرکے مجلس میلاد شریف منعقد کی ہو اور نہایت وفور شوق سے ذکر رحمۃ للعالمین سرکار دوعالم اپنے آقائے نامدار کا بکثرت سننا اختیار کیا ہو اور نماز بھی پڑھتا ہو اور سچ بھی بولتا ہو اور حلال کمائی مجلس میں صرف کرتا ہو، مسکین الطبع رقیق القلب شریف ابن شریف ہو اور اچھے لوگ اسے اچھا سمجھتے ہوں اور بدباطن لوگ اسے برا سمجھتے ہوں اس کے یہاں میلاد شریف پڑھنا اور جاکر سننا جائز ہے یا نہیں اور اس کو محفل میلاد مقرر کرنا اور ذکر سرور عالم سننا چاہئے یا نہیں؟ اور جو شخص میلاد خواں اپنی بدباطنی سے اس کے یہاں مجلس پڑھنے نہ جائے اور دوسروں کو روکے اور اس کی برائی ناکردہ کی تہمت لگائے وہ گنہگار ہے یا نہیں؟

[1] المواہب اللدنیہ المقصد السابع محبۃ ذکرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۲۔۳۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

[3] انسان العیون

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ اچھے لوگ اسے اچھا سمجھتے ہیں تو بد باطنوں کے برا سمجھنے سے برا نہیں ہوسکتا، نہ لوگوں کی بدگمانی سے کوئی اثر سوا اس کے کہ بدگمانی کرنے والے خود ہی گنہگار ہوں، قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"[1]	اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو اس لئے کہ بعض گمان گناہ ہیں۔(ت)

جھوٹی تہمت رکھنے والا سخت گنہگار و مستحق عذاب ہے اور اس بنا پر اس کے یہاں مجلس مبارک پڑھنے سے لوگوں کو روکنا مناع للخیر ہونا ہے۔ظاہر سوال کا جواب تو یہ ہے اور واقع کا علم اللہ عزوجل کو۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۰۰: از بدایوں اسلام نگر مرسلہ عزیز حسن کانسٹبل ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین شرع متین ان مسئلوں میں:

(۱) حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے میں کوئی پیشین گوئی قرآن وحدیث میں ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو حوالہ کتاب وسطر وصفحہ سے ہو۔

(۲) اگر مجلس کہ جس میں ذکر شہادت حضرت امام زمان علیہ السلام ہو اور واقعات صحیح ذکر کئے جائیں اور وہ ماہ محرم میں ہو علاوہ ازیں اپنے دوستوں اور سامعین کو کچھ از قسم شیرینی ختم مجلس پر تقسیم کی جائے تو جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

(۱) قرآن مجید میں تمام ماکان ومایکون کا بیان ہے،

قال اللہ تعالٰی "نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: ہم نے آپ پر ایک عظیم کتاب نازل فرمائی جو ہر چیز کا واضح بیان ہے۔(ت)

اور حدیثوں میں شہادت شریفہ کا صاف ذکر ہے، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ وغیرہا میں اُن کی تفصیل ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جبکہ روایات صحیحہ بروجہ صحیحہ بیان کی جائیں اور غم پروری وغیرہ ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو ذکر شریف

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

باعث نزول رحمت الٰہی ہے اور تقسیم شیرینی ایک سلوک حسن۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰۲ تا ۴۰۳: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب محرر چونگی ۸ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

(۱) کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ رافضیوں کی مجلس میں مسلمانوں کا جانا اور مرثیہ سننا، ان کی نیاز کی چیز کا لینا خصوصاً آٹھویں محرم کو جبکہ ان کے یہاں حاضری ہوتی ہے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) محرم میں بعض مسلمان ہرے کپڑے پہنتے ہیں اور سیاہ کپڑوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جانا اور مرثیہ سننا حرام ہے ان کی نیاز کی چیز نہ لی جائے، ان کی نیاز نیاز نہیں، اور وہ غالباً نجاست سے خالی نہیں ہوتی، کم از کم ان کے ناپاک قلتین کا پانی ضرور ہوتا ہے، اور وہ حاضری سخت ملعون ہے اور اس میں شرکت موجب لعنت۔

(۲) محرم میں سبز اور سیاہ کپڑے علامت سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے خصوصاً سیاہ کا شعار رافضیاں لیام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰۴: از کاشمیری دروازہ تھانہ ۴، سوندھی ٹھیکیدار مسئولہ امیر حسن بید والے ۹ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجودہ زمانہ میں جو میلاد شریف مروّج ہے اور اس میں شیرینی وغیرہ تقسیم ہوتی ہے اور حضرات سیدان اہل بیت اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی جو نذر و نیاز وغیرہ محرم میں یا غیر محرم شریف میں ہوتی ہے اس میں جاکر شرکت کرنا اور کھانا اور پینا کیسا ہے چاہے کسی قوم میں ہو خواہ شیاہ میں ہو اس کا کھانا پینا یا شرکت دینا کیسا ہے؟ اور جو لوگ اس میں شرکت دینے سے یا شریک ہونے پر منع کرتے ہیں ان کے واسطے مولوی لوگ کیا حکم فرماتے ہیں؟

الجواب:

مجلس مبارک اور نیاز شریف کہ منکرات شرعیہ سے خالی ہیں سب خوب و مستحسن ہیں اور ان میں شرکت باعث ثواب اور ان کا کھانا بھی جائز، اور جو ان کو بلاوجہ شرعی منع کرے باطل پر ہے یہ وہابیہ کا کام ہے لیکن رافضی کے یہاں کی مجالس میں شرکت جائز نہیں، نہ اس کے یہاں کھانا کھایا جائے، اس سے میل جول ہی جائز نہیں اور اگر اس کے یہاں کے کھانے میں گوشت ہے جب تو وہ قطعی حرام و مردار ہے مگر یہ کہ ذبح ہونا اور پکنا اور اس کے سامنے لانا سب مسلمانوں کے زیر نظر ہوا ہو کسی وقت مسلمان کی نگاہ سے غائب نہ ہوا ہو۔ روافض کے یہاں شرکت جو لوگ منع کرتے ہیں حق پر ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰۵ تا ۴۰۶: از نظام آباد ضلع اعظم گڑھ مسئولہ سید اصغر علی صاحب ۹ شعبان چہار شنبہ ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) جو شخص شیعہ ہو اور اپنے مذہب میں سخت ہو اس سے مسلمان حنفیوں کو محفل میلاد شریف پڑھانا چاہئے یا نہیں بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ ایسی روایات پڑھتا ہے جس سے صحابہ اور سنی مذہب کی توہین ہوتی ہے۔

(۲) جو مسلمان سنی مذہب حنفی کا پابند ہو وہ شیعوں کی مجلسوں میں شرکت کرے اور ان کے جلوس کا انتظام (مثل تاشہ، ڈھول، روشنی، جلوس گھوڑی کا جس کو دلدل تابوت کہتے ہیں) کرے اور اس شرکت کو مذہب حنفی کی رو سے جائز سمجھے بالخصوص ایسی مجالس میں شرکت کرنا کہ جس میں روایات خلاف مذہب حنفی پڑھی جاتی ہیں وہ کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

(۱) رافضی سے مجلس شریف پڑھوانا حرام ہے،

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا، تبیین[1] الحقائق وغیرہا۔	اس لئے کہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں لوگوں پر اس کی توہین وتذلیل ضروری ہے، جیساکہ تبیین الحقائق وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

یہ اسی حالت میں ہے کہ وہ کوئی بات کسی صحابی یا مذہب اہلسنت کی توہین نہ کرے اور اگر ایسا کرتا ہے تو جودانستہ اس سے پڑھوائے فقط مرتکب حرام نہیں بلکہ اسی کی طرح گمراہ رافضی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) مجالس روافض اور ان خرافات میں شرکت حرام ہے اور اس کے جائز سمجھنے پر سخت حکم ہے اگر ان مجالس میں مذہب اہلسنت پر حملہ ہوتا ہو توان میں شرکت پر راضی نہ ہوگا مگر گمراہ۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۰۷: از سورت سگرامپورہ محلّہ مولوی اسمٰعیل مرحوم مسئولہ غلام رسول بن عبدالرحیم ۱۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے کرام کہ چند اشخاص نے گیارہویں شب ہر مہینہ میں مجتمع ہوکر بغرض ایصال ثواب

[1] تبیین الحقائق باب الامامت والحدث فی الصلٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

روح پر فتوح حضرت محبوب سبحانی سیدنا عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درود شریف کی تسبیح و کلمہ تہلیل و سورہ اخلاص شریف کے بعد یا غوث یا غوث یا غوث کے ساتھ تسبیح پڑھتے ہیں آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ در صورت جائز ہونے کے بجائے اس کے درود شریف یا کلمہ تہلیل وغیرہ اذکار پڑھیں تو کیسا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

جائز ہے کوئی حرج نہیں اور درود شریف یا تسبیح و تہلیل کا اس سے افضل ہونا وجہ منع نہیں ورنہ سوا افضل الاذکار لاالٰہ الااللہ ہر دعا و ذکر و درود شریف سب ممنوع ہو جائیں بلکہ تمام اذکار کہ قرآن خوانی ان سب سے افضل ہے بلکہ غیر اوقات کراہت نفل میں قرآن خوانی بھی کہ نماز نفل اس سے افضل ہے۔ یہاں ایک نکتہ اور قابل لحاظ ہے سائل نے وقت حاجت و مصیبت ندائے غیر اللہ کا جواز اپنا معتقد بتایا انبیاء و اولیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کی ندا ندائے غیر اللہ نہیں بلکہ اللہ ہی کی ندا ہے کہ وہی نسبت ملحوظ و مناط ندا ہے جس طرح کہ ملتقط و در مختار و عالمگیریہ میں ہے:

التواضع لغیر اللہ حرام[1]۔	غیر اللہ کے لئے تواضع حرام ہے۔

حالانکہ انبیاء و اولیاء اور ماں باپ اور اساتذہ وغیرہم کے لئے تواضع کے حکم سے قرآن و حدیث اور خود یہ کتابیں مالامال ہیں تو وجہ وہی کہ ان کے لئے تواضع غیر اللہ کی تواضع نہیں اللہ ہی کے لئے ہے کہ اسی کی نسبت ملحوظ ہے اسی نکتہ سے غفلت کے سبب وہابیہ خذلھم اللہ تعالٰی شرک جلی میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں کو مشرک کہنے لگے انہیں انبیاء و اولیاء وجود الٰہی کے مقابل مستقل وجود نظر آئے اور ان کی ندا غیر خدا کی ندا جانی، یونہیں ان سے استمداد ان کی تعظیم ہر بات میں وہی غیریت و استقلال کا لحاظ رکھا اور "یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یُّفَرِّقُوۡا بَیۡنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ"[2] (وہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں۔ت) کے مصداق ہوئے، اس کا زیادہ بیان ہمارے رسالہ الاستمداد و کشف ضلال دیوبند میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰۸: از وڈنگر دایہ مہ کانہ گجرات گاڑی کے دروازہ متصل مکان چاندار سول مسئولہ عبد الرحیم احمد آبادی ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ سیّد الاولین والآخرین کی مجلس مبارک سے اہل محلّہ کو منع کرنا کیسا ہے؟

---

[1] در مختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۵۰

بیّنوا توجروا (بیان فرماؤاور اجر وثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

اگر وہ مجلس شریف منکرات شرعیہ سے خالی ہو اور اس وقت منع کرنے کے لئے کوئی ضرورت خاصہ شرعیہ داعی نہ ہو بلکہ صرف اس بنا پر منع کرتا ہے کہ وہابی ہے اور مجلس مبارک کو برا جانتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ وہابیہ گمراہ بددین بلکہ کفار مرتدین ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ میلاد سے متعلق

اعلٰیحضرت کا ایک اہم اور مدلّل فتوٰی

جو پہلے اس جلد میں شامل نہ تھا فتوٰی کی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اسے اس مقام پر شامل کردیا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۴۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محفل میلاد شریف وقیام بوقت ذکر ولادتِ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا ہے بعض لوگ اس قیام سے انکار کرتے ہیں بدیں وجہ کہ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا اور ناجائز بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ثقات علماء سے خاص اس بارے میں منع وارد ہے، چنانچہ سیرت شامی میں ہے: ھذا القیام بدعۃ لا اصل لھا[1] (یہ قیام بدعت ہے اس کی کچھ اصل نہیں ہے۔ت) ان کے اقوال کا کیا حال ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اللہ تعالٰی نے اپنی نعمتوں کا بیان واظہار اور اپنے فضل ورحمت کے ساتھ مطلقًا خوشی منانے کا حکم دیا ہے، قال اللہ تعالٰی:

"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"[2]	اور اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔(ت)

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

وقال اللہ تعالٰی:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"[1]	(اے محبوب! آپ) فرمادیجئے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت (کے ملنے) پر چاہئے کہ (لوگ) خوشی کریں (ت)

ولادت حضور صاحب لولاک تمام نعمتوں کی اصل ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا"[2]	بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷"[3]	(اے محبوب!) اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت دونوں جہان کے لئے۔ (ت)

توآپ کی خوبیوں کے بیان واظہار کانص قطعی سے ہمیں حکم ہوااور کار خیر میں جس قدر مسلمان کثرت سے شامل ہوں اسی قدر زائد خوبی اور رحمت کا باعث ہے، اسی مجمع میں ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر کرنے کانام مجلس و محفل میلاد ہے۔ امام ابوالخیر سخاوی تحریر فرماتے ہیں:

ثم لازال اهل الاسلام فی سائر الاقطار والمدن یشتغلون فی شهر مولده صلی الله علیه وسلم بعمل الولائم البدیعة المشتملة علی الامور البهجة الرفیعة ویتصدقون فی لیالیه بانواع الصدقات و یظهرون السرور یزیدون فی المبرات ویهتمون بقرأة مولده الکریم ویظهر علیهم من برکاته کل فضل عمیم[4] انتهی۔	یعنی پھر اہل اسلام تمام اطراف واقطار اور شہروں میں بماہ ولادت رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمدہ کاموں اور بہترین شغلوں میں رہتے ہیں اور اس ماہ مبارک کی راتوں میں قسم قسم کے صدقات اوراظہار سرور وکثرت حسنات و اہتمام قراءۃ مولد شریف عمل میں لاتے ہیں اور اس کی برکت سے ان پر فضل عظیم ظاہر ہوتا ہے۔ انتہی۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

[4] انسان العیون بحوالہ السخاوی باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳، اعانۃ الطالبین فصل فی الصداق مطلب فی فضل عمل المولد النبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیروت ۳/ ۳۶۵۔ ۶۶

اور قول بعض کا کہ میلاد بایں ہیئت کذائی قرون ثلٰثہ میں نہ تھا ناجائز ہے، باطل اور پراگندہ ہے، اس لئے کہ قرون وزمانہ کو حاکم شرعی بنانا درست نہیں یعنی یہ کہنا کہ فلاں زمانہ میں ہو تو کچھ مضائقہ نہیں اور فلان زمانہ میں ہو تو باطل اور ضلالت ہے حالانکہ شرعاً وعقلاً زمانہ کو حکم شرعی یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح میں دخل نہیں، نیک عمل کسی وقت میں ہو نیک ہے اور بد کسی وقت میں ہو برا ہے۔

ففی الحدیث الشریف من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها [1]، ومن هذا النوع قول سیّدنا عمر رضی الله تعالٰی عنه فی التراویح نعمت البدعة [2]۔	پس حدیث شریف میں ہے: جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو اپنے ایجاد کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور جو اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی اسے ملے گا۔ اسی قسم کا ایک قول سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی دربارہ تراویح ہے کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ (ت)

تو ثابت ہوا کہ ہر امر مستحدث در دین خواہ قرون ثلٰثہ میں ہو یا بعد بمقتضائے عموم "من" کہ حدیث میں "من سنّ سنّة" میں مذکور ہے اگر موافق اصول شرعی کے ہے تو وہ بدعت حسنہ ہے اور محمود ومقبول ہوگا اور اگر مخالف اصول شرعی ہو تو مذموم اور مردود ہوگا۔ قال عیاض المالکی (قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ نے فرمایا:)

ما احدث بعد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فهو بدعة والبدعة فعل ما لا سبق الیه فما وافق اصلا من السنة ویقاس علیها فهو محمود وما خالف اصول السنن فهو ضلالة ومنه قوله علیه الصلٰوة والسلام:	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد جو نیا کام نکالا گیا وہ بدعت ہے اور بدعت وہ فعل ہے جس کا پہلے وجود نہ ہو جس کی اصل سنت کے موافق اور اس پر قیاس کی گئی ہو وہ محمود ہے اور جو اصول سنن کے خلاف ہو وہ ضلالہ، اور نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول مبارک

[1] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سنّ سنة حسنة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱، مسند احمد بن حنبل عن جریر بن عبداللہ المکتب الاسلامیة بیروت ۴/ ۳۶۱-۶۲، سنن ابن ماجہ باب من سن سنة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۸

[2] صحیح البخاری کتاب الصیام باب فضل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۹، انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیته صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳

کل بدعة ضلالة[1] الخ۔	"ہر بدعت گمراہی ہے الخ" اسی قبیل سے ہے۔ (ت)

اور سیرت شامی میں ہے:

تعرض البدعة علی القواعد الشریعة فاذا دخلت فی الایجاب فھی واجبة اوفی قواعد التحریم فھی محرمة او المندوب فھی مندوبة او المکروہ فھی مکروھة او المباح فھی مباحة[2]۔	بدعت کو قواعد شرعیہ پر پیش کیا جائے گا تو وہ جب وجوب کے قاعدہ میں داخل ہو تو واجب، یا اگر حرام کے تحت ہو تو حرام، یا مستحب کے تحت ہو تو مستحب، یا مکروہ کے تحت ہو تو مکروہ، یا وہ مباح کے قاعدہ کے تحت ہو تو مباح ہو گی۔ (ت)

علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

ان کانت مماینذرج تحت مستحسن فی الشرع فھی بدعة حسنة وان کانت مماینذرج تحت مستقبح فی الشرع فھی بدعة مستقبحة[3] انتھی۔	اگر وہ بدعت شریعت کے پسندیدہ امور میں داخل ہے تو وہ بدعت حسنہ ہو گی، اور اگر وہ شریعت کے ناپسندیدہ امور میں داخل ہے تو وہ بدعت قبیحہ ہو گی انتہی۔ (ت)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ وہابیہ کا بدعت کو صرف بدعت سیئہ میں منحصر جاننا اور اس کی کیفیت کی طرف نظر نہ کرنا محض ادعا اور باطل ہے بلکہ بعض بدعت بدعت حسنہ ہے اور بعض بدعت واجبہ ہے جس کلیہ کے تحت داخل ہو ویسا ہی حکم ہوگا، اور یہ شروع میں تحریر ہو چکا ہے کہ ذکر ولادت شریف "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"[4] (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ ت) کے تحت میں ہے تو قطعاً مندوب ومشروع ہوا۔ علامہ ابن حجر نے فتح المبین میں لکھا ہے:

والحاصل ان البدعة الحسنة متفق علی ندبھا وعلی المولد واجتماع	یعنی بدعت حسنہ کے مندوب ہونے پر اتفاق ہے اور عمل مولد شریف اور اس کے لئے لوگوں کا

1

2 الحاوی للفتاوٰی باب الولیمة حسن المقصد فی عمل المولد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۲

3 عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان بیروت ۱۱/ ۱۲۶

4 القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

الناس کذٰلک [1]۔	جمع ہونا اسی قبیل سے ہے۔

لیجئے اس میں مجمع کی تصریح بھی موجود ہے، اور مسلم الثبوت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجھم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غیر نکیر [2]۔	شرع کے عموم کو حجت ماننا اسلاف واخلاف میں بلاانکار مشہور و معروف ہے۔(ت)

اور یہ بھی اسی میں ہے:

والعمل بالمطلق یقتضی الاطلاق [3]۔	مطلق پر عمل میں اطلاق کالحاظ ہوتا ہے۔(ت)

تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے:

العمل بہ ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق [4]۔	اس پر عمل یوں کہ جس پر مطلق صادق آتا ہے اس میں حکم جاری ہوگا۔(ت)

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝" [5]	یعنی اللہ تعالٰی کاذکر بکثرت کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاذکر بعینہٖ خداکاذکر ہے، حق سبحانہ وتعالٰی اپنے پیارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے:

"وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝" [6]	بلند کیا ہم نے تمہارے ذکر کو تمہارے واسطے۔

امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفاء شریف میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں سیدنا ابن عطا قدس سرّہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں:

جعلتک ذکرامن ذکری فمن ذکرک ذکرنی [7]۔	یعنی اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ میں نے تم کو اپنے ذکر میں سے ایک ذکر بنایا پس جو تمہاری یاد کرے اس نے میری یاد کی۔

---

[1] انسان العیون بحوالہ ابن حجر باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۴

[2] مسلم الثبوت الفصل الخامس مسئلہ للعموم صیغ مطبع الانصاری دہلی ص ۷۳

[3] مسلم الثبوت فصل المطلق مادلّ علی فرد منتشر مطبع الانصاری دہلی ص۱۱۹

[4] التقریر والتحریر مسئلۃ الاکثر ان منتھی التخصیص جمع یزید علی نصفہ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۶۶۔۳۶۷

[5] القرآن الکریم ۸/ ۴۵

[6] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[7] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الفصل الاول المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۱۵

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد و تعریف بعینہٖ خدا کی یاد ہے، پس حکم اطلاق جس جس طریقہ سے آپ کی یاد کی جائے گی حسن و محمود رہے گی ایسا ہی قیام بوقت ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اوّلاً، اس کے جواز ثابت کرنے میں ہمیں ضرورت نہیں کیونکہ کل اشیاء میں حلّت ہے، جو کوئی عدم جواز کا دعوی کرے اس پر دلیل وبینہ ہے، ہمارے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ عدم جواز کی کوئی دلیل نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

الحلال مااحلّ اللہ فی کتابہ والحرام ماحرّم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فہو مماعفاعنہ[1]۔	اللہ تعالٰی نے جو اپنی کتاب میں حلال کردیا وہ حلال ہے اور جو حرام فرمادیا وہ حرام ہے اور جس سے سکوت اختیار کیا وہ معاف ہے(ت)

ہاں ہم قیام کے مستحسن ہونے کا ثبوت بھی دیتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمانوں کا عین ایمان ہے اور اس کی خوبی و تعریف قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ"[2]	بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾"[3]	اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"وَ مَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَیْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ"[4]	اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بھلا ہے(ت)

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقہ سے کی جائے گی حسن و محمود رہے گی اور خاص طریقوں کے لئے جداگانہ ثبوت کی ضرورت نہ ہوگی، ہاں اگر کسی طریقہ کی

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمۃ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۹

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

ممانعت شرعاً ثابت ہوگی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا۔امام ابن حجر مکی جوہر منظّم میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امرمستحسن عند من نوراللہ ابصارھم انتھی[1]۔ سواء ورد الشرع بخصوصہ اولم یرد ذٰلک لان مطلق التعظیم وماحث علیہ والیہ فلیعم کل مایسمّٰی باسمہ۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جس سے الوہیۃ الٰہ میں شرکت لازم نہ آئے ہر طرح امر مستحسن ہے ان سب کے نزدیک جن کی آنکھیں اللہ تعالٰی نے روشن کی ہیں انتہی۔خواہ شریعت کا ورود خاص اس امر میں ہو یا نہ ہو یہ اس لئے کہ مطلق تعظیم جس کی طرف اور جس پر متوجہ کی گئی تو اسم کے ہر مسمّٰی کو شامل ہوسکے۔(ت)

جن کی آنکھوں میں اللہ تعالٰی نے نوربصارت بخشا ہے ان کے نزدیک یہ قیام بوقت ذکرولادت شریف آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محض بنظر تعظیم واکرام حضور اقدس بجالاتے ہیں بیشک حسن ومحمود ہے تاوقتیکہ منکرین خاص اس صورت کی ممانعت قرآن وحدیث سے ثابت نہ کریں اور ان شاء اللہ تاقیامت اس کی ممانعت ثابت نہ کرسکیں گے۔

رہا یہ کہ قیام ذکر ولادت شریف ہی کے وقت کیوں ہے اس کی وجہ نہایت روشن اور واضح ہے۔

اوّلاً: صدہاسال سے علمائے کرام اور بلاد اسلام میں یونہی معمول ہے۔

ثانیاً: ائمہ دین کی تصریح ہے کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذات اقدس کے ہے اور صورت تعظیم میں سے ایک صورت وقت قدوم معظم بجالائی جاتی ہے اور ذکرولادت حضور سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی۔

ثالثاً: وقت ولادت شریف حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ملائکہ تعظیم کے واسطے کھڑے ہوئے تھے شرف الانام تصنیف علامہ شیخ قاسم بخاری میں یہ روایت موجود ہے اس لئے ہم بھی جب ذکرولادت شریف کرتے ہیں تو ان ملائکہ کا تشکل پیدا کرتے ہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک واقعہ مرویہ کی صورت اور تشکل پیدا کرنا مستحب ہے چنانچہ بخاری شریف کے صفحہ تین میں روایت ہے کہ وقت نزول وحی رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دل میں پڑھتے اور لبوں کو

---

[1] الجوہر المنظم الفصل الاول مکتبہ قادریہ لاہور ص ۱۲

ہلاتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما جس وقت یہ حدیث روایت کرتے تو اپنے لبوں کو ہلا دیتے جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہلاتے تھے، اور حضرت ابن جبیر بھی ہلاتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ہلاتے دیکھا[1]۔ پس جبکہ صحابہ اور تابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے واقعہ مرویہ کا تشکل اور تمثل ثابت ہے تو ہم بھی واقعہ میلاد میں قیام ملائکہ کا تشکل اور تمثل پیدا کرتے ہیں، باقی صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قیام ملائکہ کا تشکل نہ بنانا اور محفل میلاد شریف کو ہیئت کذائی کے ساتھ آراستہ نہ کرنا مستلزم منع شرعی نہیں۔ امام احمد بن محمد بن قسطلانی بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع الخ۔[2]	کسی کام کا کیا جانا جواز کی دلیل ہے اور نہ کیا جانا منع کرنے کی دلیل نہیں الخ۔ (ت)

علامہ برزنجی عقد الجواہر میں فرماتے ہیں:

قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذورؤیۃ ودرایۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرامہ ومرماہ[3] الخ۔	بیشک آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے میلاد شریف کے ذکر کے وقت کھڑا ہونے کو ان اماموں نے جو صاحب روایت ودرایت ہیں اچھا جانا ہے تو اس شخص کیلئے سعادت ہے جس کی مراد ومقصود کی غرض نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہو الخ۔ (ت)

علی الخصوص حرمین شریفین مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ مبداء ومرجع دین وایمان کے اکابر علماء ومفتیان فضلائے مذاہب اربعہ مدتوں سے میلاد مع قیام کرتے آئے اور اس کے جواز کا فتوٰی دیتے آئے، پھر ان پر ضلالت اور گمراہی کا اطلاق کیونکر ہو سکتا ہے۔ ع

چہ کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

رہا عبارت سیرت شامی سے استدلال، سو وہ سب باطل، کیونکہ علامہ برہان الدین حلبی انسان العیون فی سیرت الامین المامون عبارت مذکورہ کو نقل کرکے شرح میں فرماتے ہیں:

ای لکن ھی بدعۃ حسنۃ لانہ	یعنی لیکن یہ بدعت حسنہ ہے کیونکہ

[1] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳

[2] المواہب اللدنیہ

[3] عقد الجواھر فی مولد النبی الازھر جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵

لیس کل بدعة مذمومة[1]۔	ہر بدعت مذمومہ نہیں ہوتی۔ (ت)

اور اسی مقام میں ہے:

قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ علیہ وسلم من عالم الامة ومقتداء الائمة دیناوورعا الامام تقی الدین السبکی وتابعہ علی ذٰلک مشائخ الاسلام فی عصرہ[2] انتھی۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ مرجع الوھاب۔	دین و تقوٰی میں امت کے عالم اور اماموں کے مقتداء امام تقی الدین سبکی سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ذکر پاک کے وقت قیام ثابت ہے اور آپ کے زمانہ کے مشائخ نے اس معاملہ میں آپ کی پیروی کی ہے انتہی۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ مرجع الوھاب۔ (ت)

کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفٰی النبی الامّی صلی اللہ علیہ وسلم

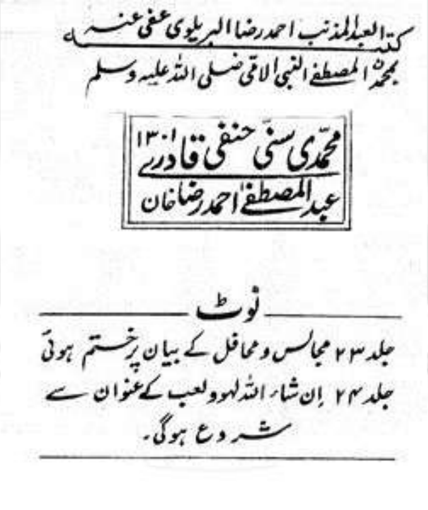

کتبہ العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

نوٹ

جلد ۲۳ مجالس و محافل کے بیان پر ختم ہوئی جلد ۲۴ ان شاء اللہ لہو ولعب کے عنوان سے شروع ہوگی۔

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/ ۸۳

[2] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمدا المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/ ۸۳

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۴

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 6
چوبیسویں جلد 10
فہرست مضامین مفصّل 12
فہرست ضمنی مسائل 54
لہوولعب 76
کھیل، تماشہ، میلہ، مزاح، ناچ، گانا، قوالی، مزامیر، راگ، سماع، موسیقی وغیرہ سے متعلق 76
رسالہ 146
مسائل سماع ۱۳۲۰ھ 146
(قوالی کے مسئلے) 146
امربالمعروف ونہی عن المنکر 168
بیماری اورعلاج معالجہ 178
بیمارپرسی، تیمارداری، دوا، علاج، جھاڑ پھونک، طبابت، اسقاط حمل، مصنوعی دانت وغیرہ سے متعلق 178
الحق المجتلٰی فی حکم المبتلٰی ۱۳۲۴ھ 216
(بیماری کے شکار شخص کے حکم سے متعلق واضح وروشن حق) 216
تیسر الماعون للسکن فی الطاعون ۱۳۲۵ھ 286
(طاعون کے دوران گھر میں ٹھہرنے والوں کے لئے بھلائی کو آسان کرنا) 286
صحبت وموالات ومحبت وعداوت 312
ظلم وایذائے مُسلم وہجران وقطع تعلق 338
جھوٹ وغیبت وبدعہدی وغیرہ 352
دعوٰی وقضاء وشہادۃ 360
حسن سلوک وحقوق العباد 366
ہدایا وتحائف وغیرہ کالین دین 366

رسالہ 384
الحقوق لطرح العقوق ۱۳۰۷ھ 384
(نافرمانی کو ختم کرنے کے لئے حقوق کی تفصیل) 384
رسالہ 452
مشعلۃ الارشاد فی حقوق الاولاد 452
(والدین پر)اولاد کے حقوق کے بارے میں راہنمائی کی قندیل) 452
رسالہ 460
اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد ۱۳۱۰ھ 460
(بندوں کے حقوق کا کفارہ ادا کرنے والے امور کے بارے میں انتہائی حیران کن امداد) 460
سوگ ونوحہ وجزع وفزع 478
تعزیہ اوراس سے متعلقہ بدعات 490
رسالہ 512
اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان شھادۃ ۱۳۲۱ھ 512
(ہندوستان میں تعزیہ داری اور بیان شہادت کے احکام سے متعلق بُلند پایہ فوائد) 512
تشبّہ بالغیر 530
شعارِ کفّار وغیرہ 530
حقہ وپان 554
تصویر 560
رسالہ 572
العطایا القدیر فی حکم التصویر ۱۳۳۱ھ 572
(تصویر کے حکم کے بارے میں قدرت والے کی عطائیں) 572
جانوروں کا پالنا، لڑانا اوران پر رحم وظلم 644
نام رکھنے کا بیان 664
النور والضیاء فی احکام بعض الاسماء ۱۳۲۰ھ 678
(بعض ناموں کے احکام کے بارے میں اُجالا اور روشنی) 678

خطوکتاب 710
بلا اجازت کسی کا خط روکنا، کھولنا، اور پڑھنا وغیرہ 710
سیاسیات 716
ممبری، ووٹ، الیکشن اور تنظیم سازی وغیرہ 716

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡہُ فِیۡ الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۴

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب________فتاوی رضویہ جلد ۲۴

تصنیف________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح________مولانا نظیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات________۷۶۸

اشاعت________ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ/فروری ۲۰۰۳ء

مطبع________

ناشر________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲   ۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

○ پیش لفظ ____ ۵
لہوولعب ____ ۷۵
امر بالمعروف و نہی عن المنکر ____ ۱۶۷
بیماری اور علاج معالجہ ____ ۱۷۷
صحبت و موالات و محبت و عداوت ____ ۳۱۱
ظلم وایذائے مسلم وہجران و قطع تعلق ____ ۳۳۷
جھوٹ وغیبت وبدعہدی وغیرہ ____ ۳۵۱
دعوی وقضاء وشہادۃ ____ ۳۵۹
حسن سلوک وحقوق العباد ____ ۳۶۵
سوگ ونوحہ وجزع وفزع ____ ۴۷۷
تعزیہ اور اس سے متعلقہ بدعات ____ ۴۸۹
تشبّہ بالغیر ____ ۵۲۹
حقہ وپان ____ ۵۵۳
تصویر ____ ۵۵۹
جانوروں کا پالنا، لڑانا، اور ان پر رحم وظلم ____ ۶۴۳
نام رکھنے کا بیان ____ ۶۶۳
خط وکتابت ____ ۷۰۹
سیاسیات ____ ۷۱۵

فہرست رسائل

○ مسائل سماع ____ ۱۴۵

○ الحق المجتلٰی ۲۱۵
○ تیسر الماعون ۲۸۵
○ الحقوق ۳۸۳
○ مشعلۃ الارشاد ۴۵۱
○ اعجب الامداد ۴۵۹
○ اعالی الافادۃ ۵۱۱
○ العطایا القدیر ۵۷۱
○ النور والضیاء ۶۷۷

○

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمدللہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جوادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا۔ اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً تیرہ ۱۳ سال کے مختصر عرصہ میں چوبیسویں ۲۴ جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل کتاب الطہارۃ کتاب الصلٰوۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والتعزیر، کتاب السیر، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الشھادۃ، کتاب القضاء والدعاوی، کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المغاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیہ اور کتاب الحظروالاباحۃ کے حصہ اول ودوم وسوم پر مشتمل تئیس ۲۳ جلدیں شائع ہوچکی ہیں جن کی تفصیل سنین اشاعت، مشمولات، مجموعی صفحات، اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے۔

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ـــــ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ ـــــ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ ـــــ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ ـــــ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲

\

۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر____۱۴۲۲___مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____۱۴۲۳____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری___۱۴۲۳___اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ سوم)			ذوالحجہ____۱۴۲۳____فروری ۲۰۰۳	۷۶۸

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ وفتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس ۲۰ جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب زید مجدہ اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ شائع ہونے والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی رضویہ کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحضر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا لھذا اکیسویں ۲۱ جلد سے مسائل حظر واباحت کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کو انتہا قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم جلد میں کتاب الحظروالاباحۃ کے عنوان پر مشتمل جلد جس کی مکتبہ رضا ایوان عرفان بیسلپور نے جلد دہم اور رضا اکیڈمی بمبئی نے جلد نہم کے شائع کیا ہے وہ غیر مرتب اور غیر مبوب ہے اس میں شامل بعض رسائل کی ابتداء وانتہا ممتاز نہیں، کچھ رسائل بے نام شامل ہیں جبکہ بعض رسالوں کے مندرجات یکجا ہونے کی بجائے متفرق منتشر طور پر مذکور ہیں اس جلد میں شامل دونوں حصوں کے عنوانات ومسائل ایک جیسے ہونے کے باوجود دونوں کی فہرست یکجا نہیں کی گئی۔ لہٰذا اس کی ترتیب وتبویب خاصا مشکل اور وقت طلب معاملہ تھا۔ راقم نے متوکلا علی اللہ اس پر کام شروع کیا تو اللہ تعالٰی کے فضل وکرم، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نظر عنایت اور اعلحضرت علیہ الرحمۃ کے روحانی تصرف وکرامت کے صدقے میں توقع سے بھی

کم وقت میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ الحمدللہ علی ذٰلک۔

کتاب الحظروالاباحۃ کی ترتیب جدید میں ہم نے جن امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) حظروا باحت سے متعلق فتاوٰی رضویہ قدیم کے دونوں مطبوعہ حصوں کی (استفتاء میں مذکور) مسائل کے اعتبار سے یکجا تبویب کردی ہے۔

(ب) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق مسائل مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ باب کے تحت درج کیا ہے۔

(ج) فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظروالاباحۃ میں شامل مسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(د) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(ھ) بے نام رسائل کے ناموں کو ظاہر کیا ہے۔

(و) جن رسائل کے مندرجات ومشمولات یکجا نہ تھے ان کو اکٹھا کردیا ہے۔

(ز) حظروا باحت سے متعلقہ بعض رسائل اعلٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی مناسب جگہ پر شامل اشاعت کردیا ہے۔

(ح) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب سابق ترتیب سے مختلف ہوگئی، لہٰذا پوری کتاب کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے تیار کرنا پڑی۔

(ط) جلد ہذا میں شامل تمام رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست مرتب کی گئی۔

(ی) اعلٰحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بعض مقامات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے تبحر علمی کے پیش نظر ایسے مسائل بھی زیر بحث لے آتے ہیں جو متعلقہ ابواب میں سے کسی کے تحت مندرج نہیں ہوسکے ایسے مسائل کے لئے مفصل فہرست کے بعد ہم نے ضمنی مسائل کے عنوان سے الگ فہرست مرتب کی ہے۔

کتاب الحظروالاباحۃ کے مترجم

سوائے ان رسائل کے جن کو اب فتاوٰی میں نئے سرے سے شامل کیا گیا ہے پوری "کتاب الحظروالاباحۃ" کی عربی اور فارسی عبارات کا مکمل ترجمہ جامع منقول ومعقول، فاضل جلیل، محقق شہیر، مصنف کتب کثیرہ، فخر الدرسین حضرت مولانا علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جو استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد عبدالسبحان بن مولانا مظہر جمیل بن مولانا مفتی محمد غوث (کھلابٹ، ہزارہ) کے

صاحبزادے اور استاذالاساتذہ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد خلیل صاحب محدث ہزاروی کے نواسے ہیں، آپ نے تمام درسیات اپنے والد گرامی سے پڑھیں فارغ التحصیل ہوتے ہی درس وتدریس سے وابستہ ہوگئے اور سالہا سال آپ نے اہلسنت کے معروف ادارے جامعہ رحمانیہ ہری پور میں بطور شیخ الحدیث تدریسی فرائض سرانجام دئے، آپ کے آباء وجداد نے ڈنکے کی چوٹ پر احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ سرانجام دیا، چنانچہ آپ کے والد گرامی حضرت مولانا قاضی محمد عبد السبحان صاحب اور برادر اکبر حضرت مولانا قاضی غلام محمود صاحب رحمۃاللہ تعالٰی علیہا کی متعدد درسی وغیر درسی تصانیف ارباب علم میں معروف ہیں۔ مناظرہ و ردبدمذہبیاں خصوصاردوہابیہ میں ان بزرگوں کی خدمات کو اہل سنت وجماعت میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

چوبیسویں جلد

یہ جلد "کتاب الحظروالاباحۃ" کا چوتھا حصہ ہے جو ۲۸۴ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۷۲۰ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد میں بنیادی طور پر جن ابواب کو زیر بحث لایا گیاہے وہ یہ ہیں:

لہو ولعب، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، بیماری وعلاج، صحبت وموالات، محبت وعداوت، جھوٹ وغیبت وبدعہدی، ظلم وایذا، ہجران وقطع تعلق، دعوی، قضاء، شہادت، حسن سلوک، حقوق العباد، سوگ ونوحہ وجزع وفزع، تعزیہ داری، تشبّہ بالغیر، حقہ وپان، تصویر، جانوروں کی پرورش، نام رکھنا، خط وکتابت اور سیاسیات۔

دیگر کئی ایک ابواب سے متعلق مسائل کثیرہ پر ضمناً گفتگو واقع ہوئی لہذا راقم الحروف نے مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لئے تیار کردی ہے نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً مندرج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ باب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقت وابہام پیدا نہ ہو۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل نو ۹ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں؛

(۱) الحق المجتلٰی فی حکم المبتلٰی (۱۳۲۴ھ)

جذامی کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور اس کی خدمت گزاری وتیمارداری کے باعث ثواب ہونے کا بیان۔

(۲) تیسر الماعون للسکن فی الطاعون (۱۳۲۵ھ)

جہاں طاعون کا مرض پیدا ہوجائے وہاں کے باشندوں سے متعلق حکم شرعی۔

(۳) مشعلۃ الارشاد الٰی حقوق الاولاد (۱۳۱۰ھ)

والدین پر اولاد کے حقوق کا بیان۔

(۴) اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد (۱۳۱۰ھ)

حقوق العباد کی تعریف اور ان کی اہمیت کا بیان اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے۔

(۵) العطایا القدیر فی حکم التصویر (۱۳۳۱ھ)

بزرگوں کی تصاویر بطور تبرک گھر میں رکھنے کا حکم شرعی۔

(۶) مسائل سماع (۱۳۲۰ھ)

متصوفہ زمانہ کی مجلس سماع وسرور کا شرعی حکم جس میں راگ ورقص ومزامیر اور معازف ہر قسم کے ہوتے ہیں۔

(۷) الحقوق لطرح العقوق (۱۳۰۷ھ)

والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق کی تفصیل اور ان کی ادائیگی کے طریقے۔

(۸) اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان الشھادۃ (۱۳۲۱ھ)

تعزیہ کی حرمت، سربازار لنگر لٹانے کی ممانعت اور اہل تشیع کی مجالس مرثیہ کے حکم شرعی کا بیان۔

(۹) النور والضیاء فی احکام بعض الاسماء (۱۳۲۰ھ)

اچھے اور برے ناموں کے احکام کا بیان۔

ان میں سے مقدم الذکر پانچ رسالے پہلے سے فتاوٰی رضویہ قدیم کی کتاب الحظر والاباحۃ میں شامل تھے۔ جبکہ باقی رسائل اب شامل کیے گئے ہیں۔

ذوالحجہ ۱۴۲۳ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

فروری ۲۰۰۳ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین مفصّل

لہوولعب (کھیل، تماشہ، میلہ، مزاح، ناچ، گانا، قوالی، مزامیر، راگ، موسیقی وغیرہ)	۷۵	جہاد کا طبل، سحری کانقارہ، حمام کابوق اور اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہے۔	۸۰
گنجفہ، چوسر اور شطرنج کھیلنا شرعاً کیسا ہے۔	۷۵	بعض بندگان خدا کی طرف سے مزامیر پر اقدام کی توجیہ۔	۸۰
چوسر کے عدم جواز کے بارے میں احادیث کریمہ۔	۷۵	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق وتدقیق (اقول)۔	۸۱
فقہی احکام غالب حالات پر مبنی ہوتے ہیں۔	۷۶	سماع مجرد بے مزامیر کی چند صورتیں۔	۸۳
چوسر وشطرنج کی ممانعت سے متعلق عبارات علماء۔	۷۷	اچھاگانا کچھ شرائط کے ساتھ اہل اللہ کے حق میں جائز ہے۔	۸۴
ہر کھیل مکروہ ہے سوائے تین کے۔	۷۸	گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو اُبھارتا ہے۔	۸۴
راگ اور مزامیر کرانا یاسننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ، اس فعل کا مرتکب فاسق ہے یانہیں۔	۷۸	کونسا سماع جائز ہے اور کس میں نزاع ہے۔	۸۴
مزامیر کی نسبت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت کی طرف کرنا محض باطل ہے۔	۷۹	حمد ونعت کے اشعار مردوں اور عورتوں سے پڑھوانا کیسا ہے، مصنف کی نفیس تحقیق۔	۸۴
چشتی بزرگوں کے ارشادات دربارہ مزامیر۔	۷۹	حسان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد اقدس میں منبر کا بچھایا جانا اور نعت کا سنانا۔	۸۵

انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدی پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انکار نہ فرمایا۔	۸۵	وجد صادق کی شناخت اور اس کی شرائط۔	۹۲
لوگوں کو وعظ وغیرہ کارِ خیر کرنے کے لئے نقارہ یا دف بجانا جائز ہے۔	۸۵	حوالہ جات از کتب فقہاء۔	۹۲
رقص وتمایل کے حلقہ میں تالیاں بجاتے ہوئے "الّا اللہ" کا ذکر کرنا کیسا ہے، اس انداز ذکر کو ناپسند جاننے والوں کو اعراض ذکر کا طعنہ دینے اور تفسیر جلالین کو ظاہری تفسیر کہہ کر حقارت سے اس کا ذکر کرنے والے کا کیا حکم ہے۔	۸۶	آیت کریمہ "ومن اعرض عن ذکری" میں اعراض عن الذکر سے کیا مراد ہے۔	۱۰۰
حلقہ ذکر اگر بروجہ ریاوسمعہ نہ ہو بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو تو امر محبوب ہے۔	۸۷	چلّا کر ذکر کرنے والوں کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مسجد سے نکلوادیا۔	۱۰۱
ذکر کے حلقے جنت کی کیاریاں ہیں۔	۸۷	رقص وتمایل اور تالیوں کے ساتھ ذکر کی محفل سے چلے جانے والوں پر آیت کریمہ "ومن اعرض عن ذکری" کو منطبق کرنے والے نے کئی وجوہ سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔	۱۰۱
رقص بروجہ تصنّع وریاء حرام قطعی وجریمہ فاحشہ ہے۔	۸۸	اللہ تعالٰی ورسول اللہ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء باندھنے والے کے لئے وعید شدید۔	۱۰۱
قوالی میں رقص جائز نہیں۔	۸۸	شرع مطہر کی تحقیر کرنے والا اجماعاً قطعاً کافر ہے۔	۱۰۴
برا کھیل تماشہ کرنے والا مردود الشہادۃ ہے۔	۸۸	تفسیر جلالین شریف یا کسی بھی دینی کتاب کی توہین وتحقیر کا حکم۔	۱۰۴
صوفیہ وغیرہ کے رقص ووجد سے متعلق طریقہ محمدیہ اور شامی کی عبارات۔	۸۹	نصوص اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوا کرتے ہیں۔	۱۰۴
تالیاں بجانا بھی وجوہ مذکور پر ناجائز وممنوع ہے۔	۹۰	مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔	۱۰۵
تالیاں بجانا عاداتِ کفار میں سے ہے۔	۹۱	بالتعیین کسی شخص کی نسبت حکم تصنع وریاء لگادینے سے متعلق علامہ امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمہ کے طویل وجلیل کلام کا خلاصہ۔	۱۰۶
جو فعل حرام ہو اس میں شریک ہونا اور اس کا تماشہ دیکھنا حرام ہے۔	۹۱	سب صوفیہ یکساں نہیں ہوتے۔	۱۰۶
مغلوبین صادقین کا وجد دولت عظمٰی اور نعمت کبرٰی ہے۔	۹۲	آم کھا کر گٹھلیاں ایک دوسرے کو مارنا ممنوع ہے۔	۱۱۱

مزاح کے طور پر چھلکے مارنا مباح ہے۔	۱۱۱	شرع مطہر مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اس کے بعد وجود منشاء حکم پر نظر نہیں رکھتی۔	۱۲۱
بزرگوں کے عرس پر شب کو آتش بازی کرنا اور ایصال ثواب کے لئے پکائے ہوئے کھانے کو لٹانا جس سے وہ پاؤں کے نیچے بھی آتا ہے شرعاً کیسا ہے۔	۱۱۲	احکام فقہیہ میں غالب کالحاظ ہوتا ہے، نادر کے لئے کوئی حکم جدا نہیں کیا جاتا۔	۱۲۱
تاش اور شطرنج وغیرہ کھیلنے کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۱۱۲	جبکہ منشاء تحریم داعی ہونا ہے اور اس میں ہر داعی مستقل تو ایک کی تحریم دوسرے کے وجود پر موقوف نہیں ہوسکتی۔	۱۲۲
ڈھول اور سارنگی کے ساتھ قوالی حرام اور سننے والے گنہگار ہیں۔	۱۱۳	ان الانسان حریص علٰی مامنع۔	۱۲۳
عرس میں ڈھول وغیرہ کے ساتھ قوالی کرنے والوں پر قوالوں اور حاضرین کا بھی گناہ ہے۔	۱۱۳	نفس شے مبذول کی طرف اتنا نہیں کھنچتا جتنا ممنوع کی طرف۔	۱۲۳
مزامیر کی حرمت پر احادیث کثیرہ بالغ بحد تواتر وارد ہیں۔	۱۱۵	بندگان نفس کو نظر اجنبیہ میں نظر حلیلہ سے زیادہ لذت آتی ہے۔	۱۲۳
احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش نہیں ہوسکتے۔	۱۱۵	منع اجلب للشوق ہے۔	۱۲۳
اکابر سلسلہ عالیہ چشت کے اکابرین کرام کے ارشادات دربارہ مزامیر۔	۱۱۶	تین وقتوں میں نماز حرام ہونے کی حکمت۔	۱۲۴
شادی میں بغرض اعلان بندوقیں چھوڑنا ممنوع نہیں۔	۱۱۹	کچھ عرصہ وحی کے رکنے میں حکمت۔	۱۲۴
رسالہ الکشف شافیا کی ایک عبارت کے حوالے سے استفتاء۔	۱۱۹	اصوات فتنہ کی حرمت کی وجہ۔	۱۲۴
حضرت امام غزالی اور شاہ محمد کالپوری علیہ الرحمہ میں سے کسی سے بھی منہ پر کپڑا ڈال کر ڈومنیوں کا گانا ثابت نہیں، نہ ہرگز شرع مطہر میں اس کا پتا، نہ اصول شرع اس کے مساعد۔	۱۲۰	سماع کن شرائط کے ساتھ جائز ہے ایک جامع فتوٰی۔	۱۲۴
شرع میں فتنہ کی طرح داعی فتنہ بھی حرام ہے۔	۱۲۰	علم موسیقی کے تعلم میں وقت ضائع کرنا صالحین کا کام نہیں۔	۱۲۶
دواعی حرام کے لئے مستلزم حرام ہونا ضروری نہیں۔	۱۲۱	ہر شیئ کا علم مطلقاً کیسی ہی ہو عین کمال ہے۔	۱۲۶
حرمت دواعی وقت افضاء پر مقود نہیں۔	۱۲۱		

ممنوع رعایت موسیقی ہے۔	۱۲۷	اوقات سرور میں دف جائز ہے بشرطیکہ اس میں جھانج نہ ہوں اور نہ موسیقی کے تال سرپر بجایاجائے ورنہ ممنوع ہوگا۔	۱۳۷
رعایت فعل اختیاری ہے۔	۱۲۷	علماء وسرداران پر ہدایت ونصیحت فرض ہے۔	۱۳۷
فعل اختیاری کو قصد لازم ہے۔	۱۲۷	اہل معاصی کے ساتھ قطع تعلق میں سلف صالحین کے مسلک مختلف رہے ہیں اور مصالح دینیہ کی رعایت سے دونوں صورتیں جائز ہیں۔	۱۳۷
قصد بے علم ناممکن ہے۔	۱۲۷	تقریب شادی میں خلاف شرع مراسم کاعام رواج ہو تو اس میں نہ جانے کا التزام شرعاً محمود ہے۔	۱۳۸
سماع کے بارے میں شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے ایک شعر کے حوالے سے سوال۔	۱۲۷	مزامیر کی حرمت پر دلائل۔	۱۳۸
اھل وناہل کا تفرقہ سماع مجرد میں ہے نہ کہ مزامیر میں۔	۱۲۸	حرام ہر حال میں حرام رہے گا۔	۱۳۹
کیا قوالی غذائے روح ہے یا غذائے نفس، اور دونوں میں فرق۔	۱۳۰	تھیٹر اور ناٹک وغیرہ کاتماشا دیکھنا حرام ہے۔	۱۳۹
غذائے روح کی پہچان۔	۱۳۰	فاسق معلن کو پیر بنانا حرام ہے۔	۱۳۹
صوفی بے علم شیطان کا مسخرہ ہے۔	۱۳۲	جو مزامیر کو بالاعلان حلال کہتا ہے اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے۔	۱۴۰
اللہ تعالٰی نے کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں کیا۔	۱۳۲	مزامیر کو حلال کہنے والے کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۱۴۰
بغیر علم کے خدا کو نہیں پہچانا جاسکتا۔	۱۳۲	معازف کالفظ جو حدیث میں مذکور ہے سب باجوں کو شامل ہے۔	۱۴۰
کسی خلاف شرع مجلس میں شریک ہوکر کھانا کھانا جائز نہیں۔	۱۳۳	معازف مزامیر سے عام ہے (کیونکہ مزامیر ان باجوں کو کہتے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں)	۱۴۰
کون سا سماع قادریہ وچشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے۔	۱۳۳	نَے (بانسری) مزامیر میں سے ہے۔	۱۴۰
ہارمونیم، ستار اور گراموفون کے بارے میں فتوٰی۔	۱۳۴	شادی میں دف کی اجازت کی تین شرطیں۔	۱۴۱
گانا مع مزامیر مطلقاً ناجائز ہے۔	۱۳۴	شادی میں ڈھول ممنوع ہے۔	۱۴۱
جس کی بارات میں کثرت سے باجے، روشنی اور گھوڑے ہوں اس کا نکاح شرعاً ہوتا ہے یا نہیں اور ایسی بارات میں شرکت سے گناہ ہوگا یا نہیں۔	۱۳۴		

محرم میں تعزیہ داری اور سینہ کوبی حرام ہے۔	۱۴۱	ہمیں شق قلوب، تطلع غیوب اور اساءت ظنون حکم نہیں۔	۱۴۷
گنجفہ، تاش، بھگور ممنوع ہیں۔	۱۴۱	کوئی مجلس اگر فی نفسہٖ منکرات شرعیہ پر مشتمل نہ ہو تو عموم اذن اور شمول دعوت میں حرج نہیں۔	۱۴۷
شطرنج جائز نہیں مگر چھ شرطوں سے۔	۱۴۱	بعض باتیں اختلاف مقاصد یا تنوع احوال سے حسن وقبح میں مختلف ہوجاتی ہیں۔	۱۴۷
ہنود کے میلے میں جانا حرام ہے مگر نکاح نہیں ٹوٹتا جب اسے اچھا نہ جانے۔	۱۴۲	سماع مجرد اہل کو مفید اور نا اہل کو مضر ہے۔	۱۴۷
فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۴۳	بعض باتیں بوجہ دقت وغموض افہام قاصرہ پر موجب فتنہ ہوتی ہیں۔	۱۴۸
چہلم میں باجے کا اہتمام کرنے کے لئے چندہ لینا کیسا ہے۔	۱۴۳	مجلس وعظ وپند بلحاظ پابند بلحاظ پابندی حدود شرعیہ جس قدر عام ہوگی نفع تام ہوگا۔	۱۴۸
تخت تعزیہ خود ناجائز ہے، اس میں باجے حرام در حرام ہیں۔	۱۴۴	مزامیر محرمہ منکر وحرام ہیں۔	۱۴۸
○رسالہ **مسائل سماع** (متصوفہ زمانہ کی مجلس سماع وسرور کا شرعی حکم جس میں راگ ورقص ومزامیر اور معازف ہر قسم کے ہوتے ہیں)	۱۴۵	سماع مجرد کو اولیاء کاملین نے صرف اہل پر محدود فرمایا ہے۔	۱۴۸
پانچ سوالات متعلقہ سماع پر مشتمل استفتاء۔	۱۴۵	کون سا سماع حلال ہے۔	۱۴۸
جواب سوال اوّل۔	۱۴۶	سماع بامزامیر کے بارے میں حضرت خواجہ محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کے فرمودات۔	۱۴۸
جھاڑ فانوس اور شامیانہ فروش وغیرہ فی انفسہا محظور نہیں جب تک کسی منکر شرعی کے ساتھ منضم نہ ہوں۔	۱۴۶	حرمت مزامیر کے بارے میں احادیث حد تواتر پر ہیں۔	۱۴۹
ایک عجیب حکایت	۱۴۷	سماع مزامیر کی نسبت اکابر چشت کی طرف کرنا دروغ بیفروغ ہے۔	۱۵۰
زینت مباحہ بنیت مباحہ مطلقًا اسراف نہیں۔	۱۴۷	متصوفہ کے تمسکات باطلہ کا اجمالی جواب۔	۱۵۰
اسراف حرام ہے۔	۱۴۷	صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے سامنے محتمل اور محکم کے مقابل متشابہ واجب الترک ہے۔	۱۵۰
زینت بروجہ قبیح یا بنیت قبیحہ نہ ہو تو حلال ہے۔	۱۴۷	قول وحکایت فعل میں برابری نہیں۔	۱۵۰
حلال وحرام ایک نہیں ہوسکتے۔	۱۴۷	محرم ومبیح مساوی نہیں۔	۱۵۰

ہوس پرستی کا علاج کسی کے پاس نہیں۔	۱۵۰	موسیقی کا ہلکا درجہ لغو وفضول ہے۔	۱۵۸
سماع مزامیر کی مجلس میں حاضر ہونے والے گنہگار قوال ان سے بڑھ کر اور بلانے والا سب سے بڑھ کر گنہگار ہوگا۔	۱۵۰	وحدۃ الوجود اور حقائق ودقائق تصوف جس طرح صوفیہ صادقہ مانتے ہیں ضرور حق ہیں۔	۱۵۸
رقص بمعنی متعارف ناچ مطلقًا ناجائز ہے۔	۱۵۱	بہت سے حقائق تصوف کو آج کل کے مولوی اور پیر بھی نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ عوام۔	۱۵۸
اقل درجہ رقص کا مکروہ ہے۔	۱۵۱	قوم کی عقل سے ماورا بات کرنے سے اس قوم کے فتنہ میں پڑنے کا خدشہ ہوتا ہے۔	۱۵۹
وجد کون سا جائز اور کون سا ناجائز ہے۔	۱۵۱	جواب سوال چہارم۔	۱۶۰
وجد کے حکم شرعی کے بارے میں ائمہ کرام وفقہاء عظام کے ارشادات۔	۱۵۲	امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرور بنصوص قاطعہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے اور بحال وجوب اس کا تارک آثم وعاصی ہے۔	۱۶۰
تنہائی وخلوت میں بنیت محمودہ وجد ائمہ کرام میں مختلف فیہ ہے۔	۱۵۳	امر بالمعروف ونہی عن المنکر کب واجب، کب غیر واجب اور کب اس کے ترک کی ترغیب ہے۔	۱۶۰
بالجملہ وجد صوفیاء کرام طالبین صادق اصلًا محل طعن نہیں۔	۱۵۶	پیر غوایت اور شیخ ہدایت میں فرق۔	۱۶۲
جواب سوال دوم۔	۱۵۷	جواب سوال پنجم	۱۶۲
محرمات اباطیل کی نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سوء ادب ہے۔	۱۵۷	ہنود قطعًا بت پرست مشرک ہیں۔	۱۶۲
مغلوبین حال کے احوال، اقوال، افعال اور اعمال نہ قابل استناد ہیں نہ لائق تقلید۔	۱۵۸	بتوں کی تعظیم انہیں بارگاہ عزت میں شفیع ماننا اور ان سے شفاعت چاہنا کفر ہے۔	۱۶۲
مثنوی معنوی کے چند اشعار۔	۱۵۸	**ضمیمہ لہوولعب**	
جواب سوال سوم۔	۱۵۸	ناجائز کام کو بطور تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔	۱۷۲
بدیہیات دینیہ سے ہے کہ اوّلًا عقائد اسلام وسنت پھر احکام طہارت ونماز وغیرہا ضروریات شرعیہ سیکھنا سکھانا فرض ہے، انہیں چھوڑ کر کسی مستحب وپسندیدہ علم میں وقت ضائع کرنا حرام ہے۔	۱۵۸	ہندوؤں کے باجا وغیرہ بجانے سے متعلق مسلمانوں کو ان سے مصالحت کی ایک صورت۔	۱۷۴

ہندوؤں کی بارات میں جانا،ان کو اپنی بارات میں بلا کر ڈھول وغیرہ بجانا اور ناچنا کیسا ہے۔	۳۲۵	انواع کلام ممنوع۔	۱۷۰
قوالی مع مزامیر سننا کسی شخص کو جائز نہیں۔	۵۱۰	بے ضرورت شرعیہ دوسرے کی بات کاٹنا ممنوع ہے جبکہ وہ علم شرعی کے ذکر میں ہو۔	۱۷۰
گانا اور مزامیر سننا ہے۔	۵۵۷	مسند وعظ اصل مسند حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔	۱۷۱
امر بالمعروف ونہی عن المنکر		معنی وعظ۔	۱۷۱
قدرت کے باوجود ناقوس بجانے سے منع نہ کرنے والا گنہگار ہے۔	۱۶۷	علماء انبیاء کے وارث ہیں۔	۱۷۱
ازالہ منکر بقدر قدرت فرض ہے۔	۱۶۷	نائب جب مسند نیابت پر ہو تو اس دربار کی توہین اصل سلطان کی توہین ہے۔	۱۷۲
شرعی مجرم کو پناہ دینے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت۔	۱۶۷	تخت علم تعزیے وغیرہ سب ناجائز ہیں۔	۱۷۲
زید حتی الامکان اور امر الٰہی بجالاتا ہے مگر نواہی کا مرتکب بھی ہوتا ہے تو کیا حکم ہے۔	۱۶۸	ناجائز کام کو بطور تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔	۱۷۲
معصیت کے جواب میں آیت کریمہ "ان الحسنٰت یذھبن السیئات" کو دستاویز بنانا جاہل مغرور کا کام ہے۔	۱۶۸	جس کام کا کرنا حرام اس پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔	۱۷۲
عالم دین کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا بندگان خدا کو دینی نصیحتیں دینا جسے وعظ کہتے ہیں ضرور اعلٰی فرائض دین سے ہے۔	۱۶۸	بچوں اور عورتوں کو ناجائز کام کرنے یا اس کا تماشا دیکھنے کی اجازت دینا گناہ ہے۔	۱۷۲
حاضرین کا ادب وخاموشی ورجوع قلب کے ساتھ وعظ کو سننا دینی فرض ہے۔	۱۶۹	سلسلہ اولیاء کرام میں کسی عالم سنی العقیدہ متصل السند شیخ کے ہاتھ پر داخل ہونا برکت عظیمہ ہے	۱۷۳-
وعظ میں دست اندازی کرنا، غل مچانا، گالیاں بکنا، مذہبی توہین اور عادت کفّار ہے۔	۱۶۹	نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔	۱۷۳
ہر خطبہ کو سننا فرض اور اس میں غل کرنا حرام ہے۔	۱۷۰	بھیک مانگنے کے لئے فقیر بننا حرام ہے۔	۱۷۳
خطبہ نکاح سنت ہے۔	۱۷۰	سود خوری، شراب نوشی اور بیع لحم خنزیر وغیرہ منہیات شرعیہ کی حرمت بیان کرنے والے عالم دین سے قطع تعلق کرنے اور مخالفت کرنے والے ظالم ہیں۔	۱۷۳
خطبہ ختم قرآن مستحب ہے۔	۱۷۰		

ہندؤوں کے باجا وغیرہ بجانے سے متعلق مسلمانوں کوان سے مصالحت کی ایک صورت۔	۱۷۴	مزدور گرجے کی تعمیر کے لئے کام کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔	۱۷۹
عورتوں کا کرتی پہننا کیسا ہے۔	۱۷۵	اہلبیت سے متعلق ایک شعر کو دافع وبا سمجھ کر پڑھنے کے بارے میں سوال۔	۱۸۰
ماں کو کرتی پہننے سے روکنے کے لئے سختی کرنا کیسا ہے۔	۱۷۵	محبوبان خدا سے توسل محمود ہے۔	۱۸۰
ضمیمہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر		عدد نافی زیادت نہیں۔	۱۸۰
علماء وسرداران پر ہدایت ونصیحت فرض ہے۔	۱۳۷	علم ونشان مہمل اوران سے توسل باطل ہے۔	۱۸۰
امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرور بنصوص قاطعہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے اور بحال وجوب اس کا تارک آثم وعاصی ہے۔	۱۶۰	اشبہ توسل دعا ہے اور دعا کا طریقہ اخفاء ہے۔	۱۸۰
امر بالمعروف ونہی عن المنکر کب واجب، کب غیر واجب اور کب اس کے ترک کی ترغیب ہے۔	۱۶۰	دفع مرض ہیضہ کے لئے میدان میں اذان دینا کیسا ہے۔	۱۸۱
جس شخص کے گھر کی عورتیں گودنا گودتی ہوں اور وہ منع نہ کرتا ہو وہ قابل ملامت ولائق ترک ہے۔	۳۴۳	بکری کے کان میں سورۂ یٰس اور سورۂ تبارک الذی پڑھ کر دم کرنا، اس کو مکان کے چاروں طرف چکر لگوانا پھر ذبح کرکے سب کو کھلانا کیسا ہے۔	۱۸۱
بیماری وعلاج معالجہ (بیمارپرسی، تیمارداری، دوا، علاج، جھاڑ پھونک، طبابت، اسقاط حمل، مصنوعی دانت وغیرہ)	۱۷۷	ذکر الٰہی کے فضائل۔	۱۸۱
مریض نے دوانہ کی اور مرگیا تو کیا حکم ہے، گنہگار ہوگا یا نہیں۔	۱۷۷	سات کے عدد کو دفع ضرر وآفت میں ایک تاثیر خاص ہے۔	۱۸۳
کھانا کھانے کی قدرت کے باوجود نہ کھائے اور بھوک سے مرجائے تو گنہگار ہوگا۔	۱۷۷	جماعت میں برکت ہے۔	۱۸۴
طوائف مریضہ اگر مطب آئے تو اس کا علاج کرنا کس صورت میں معصیت واعانت معصیت ہوگا اور کس صورت میں نہ ہوگا۔	۱۷۸	دعائے مجمع مسلمین اقرب بقبول ہے۔	۱۸۴
ہر جاندار کی نفع رسانی میں اجر ہے۔	۱۷۸	جہاں چالیس مسلمان صالح ہوں ان میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے۔	۱۸۴

نفل جماعت کثیرہ کے ساتھ مکروہ ہے۔	۱۸۵	برانڈی کا استعمال مریض کو جائز ہے یا نہیں۔	۱۹۳
فضائل صدقہ وضیافت وصلہ رحمی۔	۱۸۵	شراب مطلقاً حرام اور پیشاب کی طرح نجس ہے۔	۱۹۳
وباء کی صورت میں جانور کے کان میں سورۃ یٰسۤ سورۃ ملک پڑھ کر پھونکنا اور اس کو گاؤں کے گرد گھمانا نیز شعر "لی خمسۃ اطفی بھا الخ" لکھ کر آویزاں کرنا کیسا ہے۔	۱۸۷	افیون اور بھنگ وغیرہ کا شرعی حکم۔	۱۹۳
مرض چیچک میں ٹیکہ لگوانا باذن اللہ نفع بخش ہے۔	۱۸۸	کونین وغیرہ کی طرح خشک دوا مضائقہ نہیں رکھتی جبکہ اس میں کسی حرام کا خلط نہ ہو۔	۱۹۴
بیماری میں اصحاب توکل کیا کرتے ہیں۔	۱۸۸	مصنوعی دانت لگانے میں حرج نہیں۔	۱۹۴
طاعون والی جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے سے متعلق سوال۔	۱۸۹	کسی چیز کی حقیقت جانے بغیر اس کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۱۹۴
حدیث فرار عن الطاعون کو مخدوش و مجروح اور اس کے راویوں کو مجہول وغیر ثقہ کہنے والا جاہل یا گمراہ ہے۔	۱۹۰	سونے کا تالو عورتوں کو مطلقاً جائز ہے اور مردوں کو بضرورت چاندی اور ایلومینیم کی تالو کا حکم۔	۱۹۵
حدیث طاعون کی ایک غلط تاویل کا زوردار رَد۔	۱۹۰	سونے کی مصنوعی ناک لگائی جاسکتی ہے۔	۱۹۵
رسالہ سکن الشجون کا مصنف مجہول ہے۔	۱۹۱	شفاخانہ کی دوا استعمال کرنے کا کیا حکم ہے۔	۱۹۵
آیت کریمہ "ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کا مصداق ومطلب۔	۱۹۱	اہل ہنود سے بیماری کی دوا کرانا کیسا ہے۔	۱۹۶
طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے جیسا جہاد سے بھاگنے والا۔	۱۹۱	عملیات یعنی تعویذات وغیرہ کتابوں سے کرنا حق ہے یا باطل۔	۱۹۶
ایک شخص کا مصمم ارادہ تھا کہ اہل وعیال کو کسی دوسری جگہ منتقل کرے اتنے میں طاعون شروع ہوگیا اب انتقال کی اجازت ہوگی یا نہیں۔	۱۹۲	تعویذات میں غیر معلوم المعنی الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔	۱۹۶
ڈاکٹری دوا سیال جس میں شراب کا جزء ہو حکیم مریض کو استعمال کرائے، جائز ہے یا نہیں، حکیم پر گناہ ہے یا نہیں۔	۱۹۳		

محبت وتسخیر کے لئے تعویذات کا حکم۔	۱۹۶	طاعون سے بھاگنے والے کے لئے وعیدات کا ذکر۔	۱۹۹
نفس عمل یا تعویذ میں کوئی امر خلاف شرع ہو یا مقصود میں تو ناجائز ورنہ جائز ہے۔	۱۹۷	مرد اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھا سکتا ہے۔	۲۰۰
کافر کو مضمر تعویذ دینا جائز ہے مظہر نہ دیا جائے۔	۱۹۷	چار مہینے سے قبل مجبوری کی حالت میں اسقاط حمل جائز، اس کے بعد ناجائز۔	۲۰۱
شراب حرام بھی ہے اور نجس بھی، اس کا خارج بدن پر لگانا بھی ناجائز ہے۔	۱۹۸	کھانے پر فاتحہ یا کوئی آیت قرآنی پڑھ کر دم کرنا جائز ہے۔	۲۰۱
افیون حرام ہے نجس نہیں، خارج بدن پر اس کا استعمال جائز ہے۔	۱۹۸	ایسی دوائی پینا جس میں اسپرٹ کی ملاوٹ ہو جائز ہے یا نہیں۔	۲۰۱
بچے کو سلانے یا رونے سے باز رکھنے کے لئے افیون دینا حرام ہے۔	۱۹۸	اسپرٹ شراب کی ایک قسم ہے جو انتہائی تیز ہونے کی وجہ سے تنہا پینے کے قابل نہیں۔	۲۰۱
بستی میں طاعون کی بعض علامات شروع ہو گئی ہیں، اور ابھی کسی کی موت واقع نہیں ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں وہاں سے نکل جانے کی اجازت ہے یا نہیں۔	۱۹۸	برطانیہ سے منگوائی جانے والی شرابوں میں اسپرٹ کے قطرات ملائے جاتے ہیں۔	۲۰۱
یہ کہنا کہ نقل مکانی اور تبدیل آب وہوا ایک گونہ علاج ہے، کیسا ہے۔	۱۹۸	اسپرٹ حرام ہونے کے علاوہ ناپاک بھی ہے۔	۲۰۲
کتنے میت کا جنازہ اکٹھا ہو سکتا ہے۔	۱۹۸	احیاء سنت پر سَو شہیدوں کا ثواب۔	۲۰۲
نابالغ لڑکی اور لڑکے کا جنازہ بالغ کے ساتھ ہو سکتا ہے یا نہیں، اگر ہو سکتا ہے تو دعائیں کیسے پڑھی جائیں۔	۱۹۸	زید کے پاس نسخہ مردانگی (قوت باہ) کا ہے، عمرو کو اس کی سخت ضرورت ہے، مگر زید نہ تو اس کو نسخہ بتاتا ہے اور نہ ہی بنا کر دیتا ہے، وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس سے لوگ اگر حرام کریں گے تو مجھے گناہ ہوگا، اس کا یہ خیال کیسا ہے۔	۲۰۳
لڑکا اور لڑکی نابالغ تھے ان کی شادی ہو گئی، پھر لڑکی بیوہ ہو گئی، تو کیا عقد ثانی کے بارہ میں مدت لیا جائے گا یا نہیں، اگر مدت لیا جائے گا تو کب تک۔	۱۹۸	جس محلّہ یا جس شہر میں طاعون ہو وہاں کے باشندے کسی دوسرے مقام پر نفر من قضاء اللہ الٰی قضاء اللہ کے خیال سے جاسکتے ہیں یا نہیں۔	۲۰۴

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طاعون کے سبب شام نہ جانے کا واقعہ۔	۲۰۴	عورت کو بانجھ کرنا کیسا گناہ ہے، اور اس گناہ کی معافی ہے یا نہیں۔	۲۰۷
کون طبیب اہل ہے اور کون نا اہل۔	۲۰۵	سرطان کھانا حرام ہے۔	۲۰۸
اہل طبیب کب پیشہ طبابت ترک کر سکتا ہے۔	۲۰۵	شراب کو بدن پر ملنا بھی حرام ہے۔	۲۰۸
نااہل کو طبابت میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے۔	۲۰۶	جان حلال دواؤں سے بھی بچ سکتی ہے اگر اللہ تعالٰی کو بچانا	۲۰۸

		منظور ہے، ورنہ حرام دوائیں سوائے گناہ کے کچھ اضافہ نہ کریں گی۔	
بعض اوقات تشخیص یا علاج میں غلطی واقع ہونا منافی اہلبیت نہیں۔	۲۰۶	پوشیدہ طور پر مسلمان کو حرام کھلانے والا سخت گنہگار ہے۔	۲۰۸
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غلطی سے معصوم ہیں۔	۲۰۶	احادیث کریمہ متواترہ سے ثابت ہے کہ طاعون مسلمان کے لئے شہادت ورحمت ہے۔	۲۰۸
بانجھ کے علاج کے بارے میں سوال۔	۲۰۶	بتیس حدیثوں سے تائید۔	۲۰۹
جو اقوی کی مدافعت کرے وہ اضعف کی بدرجہ اولٰی کرے گا۔	۲۰۶	oرسالہ **الحق المجتلٰی فی حکم المبتلی** (جذامی کے پاس اُٹھنے بیٹھنے اور اس کی خدمت گزاری وتیمارداری کے باعث ثواب ہونا کا بیان)	۲۱۵
رجعت عمل کیا چیز ہے۔	۲۰۶	زید کا خون جوش کھا رہا ہے بلکہ ایک دو اعضاء بگڑ گئے، ایسے شخص کے بارے میں اطباء حکم دیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا منع ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرع شریف کا ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۲۱۵
تعویذات احادیث اور ائمہ قدیم وحدیث سے ثابت ہیں۔	۲۰۷	جذام کے مریض سے متعلق متعدد احادیث۔	۲۱۶
اثر تعویذ کے منکر کو حضرت شاہ ابوسعید الخیر کا جواب۔	۲۰۷	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے معیقیب نامی صحابی کو جو جذامی تھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔	۲۲۱
جاہل کو طبیب بننا حرام ہے۔	۲۰۷	حضرت معیقیب کا جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو یمنی اطباء سے علاج کرایا۔	۲۲۲
اسقاط حمل کیسا ہے اور ایسا کرنے والا قاتل ہوگا یا نہیں۔	۲۰۷	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جذامی کو اپنے پاس بٹھایا اور اس کے ساتھ آپ نے کھانا کھایا۔	۲۲۳

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں رکھا اور فرمایا اللہ تعالٰی پر تکیہ اور اللہ تعالٰی پر بھروسا ہے۔	۲۲۳	جذامیوں کو تیز نگاہ سے نہ دیکھو، حدیث چہارم کا محمل یہی ہے۔	۲۳۹
مفضل بن فضالہ بصری ضعیف ہے اور مفضل بن فضالہ مصری اس سے اوثق واشہر ہے۔	۲۲۴	حدیث ششم میں کہ ان ثقفی سے فرمایا پلٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی، متعدد وجوہ رکھتی ہے۔	۲۴۰
لیس بالقوی اور لیس بقوی میں بڑا فرق ہے۔	۲۲۵	حدیث ہفتم کی توجیہ۔	۲۴۱
پندرھویں حدیث کے رواۃ کی جرح وتعدیل۔	۲۲۵	حدیث ہشتم کا مطلب۔	۲۴۱
حدیث لاعدوٰی کے مختلف طرق پر محدثانہ گفتگو۔	۲۲۹	اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔	۲۴۲
اکتیسویں حدیث پر گفتگو اور یہ حدیث دونوں مضمونوں کی جامع ہے۔	۲۳۳	حدیث نہم میں چار وجوہ۔	۲۴۲
بتیسویں حدیث پر محدثانہ گفتگو۔	۲۳۴	حدیث یازدہم ودوازدہم کی توجیہ۔	۲۴۲
حکم مسئلہ کے بارے میں مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق۔	۲۳۷	تیرہویں حدیث سے عدوٰی کی بیخ کنی اور اس کا بے اصل ہونا ظاہر ہے۔	۲۴۲
مختلف احادیث میں تطبیق۔	۲۳۷	اکتیسویں حدیث کی توجیہ۔	۲۴۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی مجذومیوں کے ساتھ عملی کاروائی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بیماری متعدی نہیں۔	۲۳۷	حدیث دوم، سوم، پنجم اور دہم قابل استدلال نہیں ہیں۔	۲۴۳
بیماری متعدی (عدوٰی) ہونے کا خیال باطل ہے۔	۲۳۷	حدیث اول پر کئی طریقوں سے بحث اور گفتگو۔	۲۴۳
اثبات عدوٰی کی احادیث اس درجہ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔	۲۳۷	طرق اول: حدیث اول کے ثبوت میں کلام، یہ طریقہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے۔	۲۴۳
ہشیم اور شریک مدلس ہیں۔	۲۳۹	متعدد احادیث کا حوالہ۔	۲۴۳
تخمین مثل تبیین نہیں۔	۲۳۹	دوم: مجذوم وغیرہ سے بھاگنے کی حدیثیں منسوخ ہیں، احادیث نفی عدوٰی نے انہیں منسوخ کردیا۔	۲۴۸
کوئی حدیث ثبوت عدوٰی میں نص نہیں۔	۲۳۹	سوم: بھاگنے کا حکم اس لئے کہ وہاں ٹھہریں گے تو ان پر نظر پڑے گی جس سے مفاسد عجب وتحقیر وایذاء پیدا ہوں گے۔	۲۵۰

چہارم: امر فرار اس لئے ہے کہ اس کی بدبو وغیرہ سے ایذاء نہ پائیں۔	۲۵۰	جذامی شوہر سے عورت کو فسخ نکاح کی درخواست کا حق نہیں۔	۲۸۲
پنجم: مذہب جمہور کہ دوری وفرار کا حکم وسوسہ ابلیس اور اعتقاد باطل سے بچانے کے لئے ہے۔	۲۵۰	علماء کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس اٹھنا بیٹھنا مباح اور اس کی خدمت گزاری موجب ثواب ہے۔	۲۸۲
امام ابوجعفر طحاوی کے مناقب۔	۲۵۱	o رسالہ **تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون** (جہاں طاعون کی مرض پیدا ہوجائے وہاں کے باشندوں سے متعلق حکم شرعی)	۲۸۵
تطفل علی الطحاوی۔	۲۵۱	طاعون کے خوف سے مقام طاعون سے فرار کرنا کیسا ہے۔	۲۸۵
التوفیق بین الحدیثین۔	۲۵۳	جواز فرار مانا جائے تو حدیث فرار عن الطاعون جو بخاری میں عبدالرحمٰن عوف سے مروی ہے کے کیا معنی ہیں۔	۲۸۵
بزعم اطباء سات بیماریاں متعدی ہیں۔	۲۵۵	درصورت عدم جواز فرار عن الطاعون کس درجہ کی معصیت ہے، کبیرہ یا صغیرہ۔	۲۸۵
اقوال خمسہ مذکورہ کے مطابق عدوی باطل محض ہے اور جلیل القدر صحابہ وائمہ کا یہی مذہب ہے۔	۲۵۶	گناہ صغیرہ یا کبیرہ پر اصرار کرنے والا شرعاً کیسا ہے۔	۲۸۵
طریق سادس وسابع۔	۲۵۷	جان کے خوف کے سبب طاعون سے بھاگنے والے کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۲۸۵
ثامن۔	۲۵۹	طاعون سے بھاگنے والا اور اس کی ترغیب دینے والا کیا ایک درجہ کے گنہگار ہیں یا کم یا زیادہ۔	۲۸۵
دو صحیح حدیثوں میں تطبیق۔	۲۶۴	جو طاعون سے فرار کو بمقابلہ حدیث حرمت فرار صرف جائز ہی نہیں بلکہ احسن سمجھتا ہو وہ شرعاً کیسا ہے	۲۸۶۔
مثبتین عدوٰی پر ہماری طرف سے حجت اوّلاً، ثانیاً۔	۲۶۶	کیا حدیث صحیح کے مقابلہ میں کسی صحابی کا قول یا فعل قابل تقلید ہے۔	۲۸۶
بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح وصحیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک اور طاعون وغیرہما اصلاً کوئی متعدی امراض نہیں ہیں۔ ضعیف الیقین لوگوں کو ان سے دور رہنے کا حکم استحبابی ہے۔	۲۸۱	کیا قولی حدیث پر فعل صحابی کو ترجیح دی جاسکتی ہے۔	۲۸۶
عورت اپنے جذامی شوہر کو ہمبستری سے منع نہیں کرسکتی۔	۲۸۲	بخوف طاعون حفظ صحت کا خیال کرتے ہوئے طاعونی آبادی سے فرار کرکے اسی آبادی کے مضافات وفناء میں سکونت اختیار کرنے والا فرار عن الطاعون کی حرمت والی حدیث کی وعید میں آتا ہے یا نہیں۔	۲۸۶

طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے۔	۲۸۷	فرار عن الطاعون کو احسن سمجھنے والا اگر احادیث تحریم سے باخبر ہے تو صریح گمراہ ہے۔	۲۹۱
طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔	۲۸۷	جس امر میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو اس میں قول صحابی دلیل قول رسول ہے۔	۲۹۲
جہاد میں کفار کی پیٹھ دے کر بھاگنے والے کے لئے وعید شدید۔	۲۸۷	صحابی کا قول مخالف حدیث ہو تو تطبیق کی صورتیں۔	۲۹۲
طاعون والی جگہ باہر والوں کو جانا نہیں چاہئے اور طاعونی آبادی والوں کو وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے۔	۲۸۸	حدیث طاعون اس قبیل سے جس کا بعض بلکہ اکثر صحابہ پر مخفی رہنا جائے عجب تھا۔	۲۹۳
صغیرہ پر اصرار اسے کبیرہ کردیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار اسے سخت تر کبیرہ کردیتا ہے۔	۲۸۹	امیر المومنین فاروق اعظم کو راہ شام میں خبر ملی کہ وہاں طاعون ہے، آپ نے پہلے مہاجرین پھر انصار پھر مشائخ قریش سے مشورہ کیا، سب نے اپنی اپنی رائے دی، پھر عبد الرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سرکار دوعالم علیہ الصلٰوۃ والسلام کی حدیث پیش کی، چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔	۲۹۳
کوئی گناہ اصرار کے بعد صغیرہ نہیں رہتا۔	۲۸۹	حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مناقب۔	۲۹۴
طاعون سے فرار کی ترغیب دینے والا فرار کرنے والے سے اشد وبال میں ہے۔	۲۸۹	حضرت فاروق اعظم نے طاعون سے بھاگنے کی تہمت سے براءت فرمائی۔	۲۹۷
نفس گناہ میں احکام الٰہیہ سے معارضہ کی وہ شان نہیں جو برعکس حکم شرع نہی عن المعروف وامر بالمنکر میں ہے۔	۲۸۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طاعون سے بھاگنا حرام فرمایا ہے اس میں کوئی تخصیص شہر وبیرون شہر کی نہیں۔	۲۹۷
نیکی کی دعوت دینے والے کا اجر اور گمراہی کی دعوت والے کا گناہ و وبال۔	۲۹۰	تحقیق مصنف علیہ الرحمہ کہ الفاظ مختلفہ کے باوجود احادیث متعلقہ طاعون میں کوئی تعارض وتخالف نہیں۔	۲۹۹
طاعون سے فرار کبیرہ ہے اور اس کی ترغیب دینا سخت تر کبیرہ، اور دونوں فاسق ہیں۔	۲۹۰	اولاً	۲۹۹
فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۲۹۰		

تمام الفاظ احادیث میں صرف طاعون سے بھاگنے پر وعید شدید ہے اور صبر کرکے ٹھہرے رہنے کی ترغیب وتاکید ہے شہر، محلے یا حوالی شہر کی کوئی قید نہیں۔	۲۹۹	حدیث میں لفظ یمکث کا فائدہ۔	۳۰۲
جو نقل وحرکت طاعون سے بھاگنے کے لئے ہوگی اگرچہ اسی شہر کے محلوں میں ہو تو وہ ضرور اس وعید شدید میں داخل ہوگی۔	۲۹۹	طاعون واقع ہونے کی صورت میں اپنے شہر میں تین وصفوں کے ساتھ ٹھہرے۔	۳۰۲
ثانیاً	۲۹۹	خامساً،	۳۰۲
حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے استدلال۔	۲۹۹	حدیث میں فرار عن الطاعون کو میدان جہاد کے مماثل قرار دینے سے استدلال۔	۳۰۲
طاعون کو اللہ تعالٰی نے اس امت کے لئے رحمت بنادیا۔	۳۰۰	سادساً،	۳۰۳
طاعون میں صابر ہوکر اپنے گھر میں ٹھہرنے والے کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔	۳۰۰	فرار عن الطاعون کو حرام قرار دینے کی ایک حکمت	۳۰۴
ثالثاً	۳۰۰	صرف طاعون ہی نہیں ہر وبائی مرض سے بھاگنا منع ہے۔	۳۰۴
حدیث مسند احمد اور حدیث بخاری میں اصلاً اختلاف نہیں۔	۳۰۰	فائدہ	۳۰۵
حدیث بخاری میں فی بلدہٖ اور حدیث احمد میں فی بیتہٖ بر سبیل تنازع یمکث اور یقع دونوں سے متعلق ہیں۔	۳۰۱	فرمان رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ میرے پاس جبرائیل بخار اور طاعون لائے میں نے بخار مدینہ میں رہنے دیا اور طاعون ملک شام کو بھیج دیا، طاعون میری امت کے لئے شہادت ورحمت ہے۔	۳۰۵
جس کے شہر میں طاعون واقع ہوا وہ اس شہر سے اور جس کے خود گھر میں واقع ہو وہ اپنے گھر سے نہ بھاگے۔	۳۰۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کوئی لشکر شام کی طرف بھیجتے تو دو باتوں پر یکساں بیعت لیتے، ایک یہ کہ دشمنوں کے نیزوں سے نہ بھاگنا اور دوسرا یہ کہ طاعون سے نہ بھاگنا۔	۳۰۵
شہر یا گھر سے بھاگنا لذاتہٖ ممنوع نہیں بلکہ طاعون کی وجہ سے بھاگنا منع ہے۔	۳۰۱	فرار عن الطاعون کی ترغیب دینے والا ان کا بدخواہ ہے خیر خواہ نہیں۔	۳۰۶
رابعاً،	۳۰۲	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ماں باپ سے بڑھ کرامت پر مہربان ہیں۔	۳۰۶

صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔	۳۰۶	کافر حد درجہ کاظالم ہے۔	۳۱۲
طاعون کوآگ اور زلزلے پر قیاس کرنا باطل ہے۔	۳۰۶	جو مشرک سے یک جاہو اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کی مانند ہے۔	۳۱۲
طاعون کوآیت کریمہ "ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کے تحت داخل سمجھنا وسوسہ محض ہے۔	۳۰۶	اچھے اور برے ہم نشین کی مثال۔	۳۱۳
علی بن زید بن جدعان مستند علماء میں سے نہ تھا بعض نے اس کو شیعی و رافضی کہاہے۔	۳۰۷	اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان اٹھاتا ہے۔	۳۱۴
تنبیہ نبیہ	۳۰۸	آدمی کواس کے ہم نشین پر قیاس کرو۔	۳۱۴
جس طرح طاعون سے بھاگنا حرام ہے اس کے لئے وہاں جانا بھی ناجائز وگناہ ہے۔	۳۰۸	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اصحاب واہلبیت کو برا کہنے والوں سے قطع تعلق کا حکم ہے۔	۳۱۴
تقدیر الٰہی سے بھاگنا اور بلاء الٰہی کامقابلہ کرنا دونوں ممنوع ہیں۔	۳۰۸	تجربہ شاہد ہے کہ ساتھ کھانا مورث محبت و وداد ہوتا ہے۔	۳۱۵
توکل معارضہ اسباب کانام نہیں۔	۳۰۸	کفار کی موالات سم قاتل ہے۔	۳۱۵
اگر فرار ومقابلہ کی نیت نہ ہو تو طاعونی شہر میں آنا جانا کیسا ہے۔	۳۰۸	صحبت قطعاً مؤثر ہے اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب متقلب ہیں۔	۳۱۸
ان حدیثوں کامطلب جو طاعونی شہر میں جانے یا وہاں سے بھاگنے کی ممانعت پر مشتمل ہیں۔	۳۰۹	تاثیر صحبت سے متعلق مولانا رومی کے اشعار	۳۱۸
صحبت وموالات ومحبت وعداوت		شیعہ کے ساتھ برتاؤ کرنا جائز ہے یا نہیں	۳۲۰
کفار کے ساتھ بے تکلفانہ کھانے پینے والے مسلمانوں کا شرعاً کیا حکم ہے۔	۳۱۱	بدمذہب کی محبت آگ ہے اور صحبت ناگ ہے۔	۳۲۰
کافروں سے مخالطت اور ان کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے سے احتراز چاہئے۔	۳۱۱	رافضی کو امام بنانا، اس کے ساتھ کھانا پینا اور بچوں کو اس سے تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں۔	۳۲۱
مخالطت کفار کی ممانعت پر قرآن وحدیث سے پندرہ دلائل۔	۳۱۱	سادات اہل تشیع کے یہاں کی نیاز وغیرہ اہل سنت وجماعت کو لینا کیسا ہے۔	۳۲۲

اہل تشیع کی نیاز کو حرام بتا کر منع کرنے والا ٹھیک کرتا ہے۔	۳۲۳	قادیانیوں کے گھر جا کر کھانا کھانا حرام ہے۔	۳۲۸
ان مسلمانوں پر افسوس ہے جو مسلمانوں کی مخالفت میں ہندوؤں کا ساتھ دیں۔	۳۲۳	وہابی اور شیعہ سے دلی نفرت رکھتے ہوئے ضروری بات چیت میں حرج نہیں۔	۳۲۹
غیر مسلموں کی نفری بڑھانے اور ان کا ساتھ دینے والوں کی مذمت احادیث کریمہ سے۔	۳۲۳	غیر مقلدوں، شراب خوروں اور چنڈو بازوں کی طرف داری کرنا بدمذہبی اور گناہ ہے۔	۳۲۹
ہندوؤں کی بارات میں جانا، ان کو اپنی بارات میں بلا کر ڈھول وغیرہ بجانا اور ناچنا کیسا ہے۔	۳۲۵	وہابی غیر مقلد کے گھر شادی کرنا، اس کے ساتھ نماز پڑھنا اور اس کے گھر کھانا کیسا ہے۔	۳۲۹
ہندو کو مزدوری پر لینا اور مزدوری کی خوراک دینا جائز ہے۔	۳۲۵	کفار سے موالات وتولی کیسی، مولانا حاکم علی صاحب کی طرف سے استفتاء۔	۳۳۰
دلی انس کسی کافر سے حرام ہے، ظاہری میل جول سے بھی اجتناب کیا جائے۔	۳۲۵	موالات ومجرد معاملہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۳۳۱
کافر مرتد مبتدع اور بدمذہب کو بے ضرورت ابتداء بسلام حرام، اور ان سے مخالطت بھی حرام۔	۳۲۶	دنیوی معاملت سوا مرتد کے کسی سے ممنوع نہیں، اس کی چند مثالیں۔	۳۳۱
ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔	۳۲۷	حوالہ جات از کتب اسلاف۔	۳۳۱
ایک شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے اور نیک کام بھی کرتا ہے اس کے ساتھ میل جول کا کیا حکم ہے۔	۳۲۷	**ظلم وایذائے مسلم وہجران وقطع تعلق**	
دو مختلف وجہوں سے محبت وبغض جمع ہو سکتے ہیں۔	۳۲۷	گائے ذبح کرنے پر عمرو نے زید سے جھگڑا کیا اور اس کے خلاف نالش کردی، عمرو کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے۔	۳۳۷
فاسق سے بغض حقیقتاً اس کے فعل کی طرف راجع ہے نہ کہ اس کی ذات کی طرف۔	۳۲۷	تخت محرم کے لئے چندہ نہ دینے والے کے خلاف برادری کا مقاطعہ غلط اور گناہ ہے۔	۳۳۸
چنڈیل قوم سے متعلق سوال جو ہندوؤں جیسے افعال کرتے ہیں۔	۳۲۸	مال یتیم زبردستی اپنے صرف وخرچ میں لانے والا ظالم، فاجر، مرتکب کبیرہ اور مستحق عذاب نار ہے۔	۳۳۹
قادیانی سے مسجد کے لئے پیسے نہ لئے جائیں۔	۳۲۸	قبول عمل وعبادت ہر شخص کا حق سبحانہ، وتعالیٰ کا اختیار ہے۔	۳۳۹
		یتیم کا مال غصب کرکے مالی عبادت کرنا مقبول نہیں۔	۳۳۹

مال حرام سے حج کرنا۔	۳۳۹	لوگوں پر ظلم کرنے والا اور ناحق ان کا مال کھاجانے والا مستحق عذاب نار ولعنت پروردگار ہے۔	۳۴۵
مال یتیم پر قبضہ جمانے والا فاسق ہے جس سے ابتداء بسلام ناجائز ہے مسلمانوں کو اس کے ساتھ میل جول نہیں رکھنا چاہئے۔	۳۴۰	ظلم کا مددگار ظالم ہے۔	۳۴۶
کسی شخص کو توہین کے ساتھ کہنا کہ یہ شخص ر قوم کا جولاہہ ہے، کیسا ہے۔	۳۴۰	ظالم کے مددگاروں پر فرض ہے کہ توبہ کریں۔	۳۴۷
طینۃ الخبال کیا ہے۔	۳۴۱	مظلوم کی دادرسی پر قادر ہونے کے باوجود نہ کرے تو اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔	۳۴۷
سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے۔	۳۴۱	حکم شرع سن کر گناہ پر ڈٹ جانا استحقاق عذاب نار ہے۔	۳۴۸
تعظیم سادات سے متعلق احادیث	۳۴۱	اپنی اولاد سے قطع رحمی کرنے والے شخص کے واسطے کیا حکم ہے۔	۳۴۸
سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرنے والا کافر ہے، اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔	۳۴۲	نافرمان اور بدمذہب اولاد کو چھوڑ دینا قطع رحم نہیں۔	۳۴۸
بلادلیل شرعی کسی کو کہنا کہ یہ صحیح النسب نہیں، اس کی سزا اسّی کوڑے ہے۔	۳۴۲	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے ایک بیٹے سے عمر بھر کلام نہ فرمایا۔	۳۴۹
محدود فی القذف کی شہادت ہمیشہ کو مردود ہے۔	۳۴۲	حضرت مولوی معنوی قدس سرہ، نے اپنے ایک بیٹے کے جنازہ میں شرکت نہ کی۔	۳۴۹
ایذائے مسلم حرام ہے۔	۳۴۲	ایک شخص نے اپنی بیٹی کو شوہر کے پاس جانے سے روک رکھا ہے اور خدا ورسول کا واسطہ دینے پر بھی روانہ نہیں کرتا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔	۳۴۹
جس شخص کے گھر کی عورتیں گودنا گودتی ہوں اور وہ منع نہ کرتا ہو وہ قابل ملامت ولائق ترک ہے۔	۳۴۳	ایذارسانی کے جواب میں ایذارسانی کا شریعت کہاں تک حکم دیتی ہے۔	۳۴۹
ولدالزنا کے ساتھ کھانا اور بشرط علم اس کے پیچھے نماز دونوں درست ہیں۔	۳۴۳	**جھوٹ وغیبت وبدعہدی وغیرہ**	
اس طور پر ولدزناء کو حرامی کہنا جس میں اس کو ایذا ہو جائز نہیں۔	۳۴۳	بدعہدی کی ایک صورت سے متعلق سوال۔	۳۵۱
بہن اور چچا دونوں ذی رحم محرم ہیں کسی سے قطع تعلق جائز نہیں۔	۳۴۴	اپنا حق مردہ زندہ کرنے کے لئے پہلودار بات کرنا جائز ہے، اس کی چند مثالیں۔	۳۵۲

جہاں پہلودار بات سے کام نہ چلے وہاں دفع ظلم واحیاء حق کے لئے صریح کذب کیسا ہے۔	۳۵۳	فاسق وفاجر قاضی شہر کے بارے میں سوال۔	۳۶۱
جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہو وہ آسان کو اختیار کرے۔	۳۵۳	خلاف شرع مقدمہ فیصل کرنا حرام ہے، قرآن مجید میں اس کے لئے تین لفظ ارشاد ہوئے۔	۳۶۲
حوالہ جات	۳۵۳	بارہ سال سے مجرد رہنا اور نکاح نہ کرنا کوئی وجہ مواخذہ نہیں۔	۳۶۲
اگر کسی امر کا وعدہ مستحکم حلف شرع محمدیہ سے کرے تو اس کے خلاف کرنا کیسا ہے۔	۳۵۵	ترک موالات ہر کافر سے مطلقاً فرض ہے۔	۳۶۲
خود جھوٹ بولنا اور دوسرے کو مجبور کرکے جھوٹ بلوانا کیسا گناہ ہے۔	۳۵۶	تارک نماز اور رنڈیوں کا ناچ کرانے والا فاسق وفاجر اور مرتکب کبائر قاضی بنانے کے لائق نہیں، اسے قاضی بنانا حرام ہے۔	۳۶۳
امام کو گزند پہنچانے کے لئے جو شخص بچشم حقارت عوام میں اس کی توہین وہجو کرے اس پر کیا کفارہ ہے۔	۳۵۶	**ضمیمہ دعوی وقضاء وشہادت**	
غیبت زنا سے سخت تر ہے۔	۳۵۸	براکھیل تماشہ کرنے والا مردود الشہادۃ ہے۔	۸۸
غیبت حرام ہے مگر مواضع استثناء میں۔	۳۵۸	محدود فی القذف کی شہادت ہمیشہ مردود ہے۔	۳۴۲
دعوی وقضاء وشہادت		زنا کی تہمت لگانے والا مردود الشہادۃ ہوتا ہے۔	۳۸۷
کچہریوں کو عدالت ومنصفی اور حاکم کو عادل ومنصف کہنے اور کاغذ دعوی وجواب دعوی کی تصدیق وغیرہ سے متعلق چھ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۳۵۹	تصویر دار کپڑا بناکر فروخت کرنے والے کی گواہی مردود ہے۔	۵۵۹
سکوت علی المنکر کب حرام ہے اور کب نہیں۔	۳۶۱	**حسن سلوک وحقوق العباد (ہدایا وتحائف وغیرہ کا لین دین)**	۳۶۵
داڑھی منڈانا شرعاً حرام ہے۔	۳۶۱	طوائف کے تحائف قبول کرنے کے بارے میں استفتاء	۳۶۵
کاغذ دعوی وجواب دعوی کی تصدیق سے مراد کیا ہوتی ہے۔	۳۶۱	رنڈیوں کے مال پانچ قسم پر ہیں، پانچوں کی تفصیل اور احکام۔	۳۶۵
نقل بالمعنی میں وسعت عظیم ہے۔	۳۶۱	حقیقی اور سوتیلی ماں کے حقوق میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۳۶۸
		حقیقی ماں کو ایذا دینی معاذاللہ ورسول کو ایذا دینی ہے۔	۳۶۸

پیر کے مرید پر اور مرید کے پیر پر کیا کیا حقوق ہیں۔	۳۶۸	اولیائے مزنیہ سے معافی مانگنا کب ضروری ہے اور کب نہیں۔	۳۷۴
تفصیل حقوق اللہ وحقوق العبد سے متعلق سوال کا جواب۔	۳۶۹	"مجھے اپنے سب حق معاف کردے" میں کون سے حقوق معاف ہوجاتے ہیں	۳۷۵
والدین کے اولاد پر حقوق۔	۳۷۰	تمام حقوق معاف کرانے کے لئے کون سے الفاظ کے ذریعے معافی مانگی جائے۔	۳۷۵
اولاد کے والدین پر حقوق۔	۳۷۰	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سائل اور نالشی کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔	۳۷۷
اگر والد سے بیٹے کا حق ادا کرنے میں کوتاہی ہوگئی تو پھر بھی والد کے حقوق بیٹے پر سے ساقط نہ ہوں گے۔	۳۷۱	لوگوں کے مراتب و درجات کو ملحوظ رکھو (حدیث)	۳۷۷
بیوی کے شوہر پر حقوق۔	۳۷۱	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایک سائل کو ٹکڑا عطا فرمایا اور ایک کو باعزاز کھانا کھلایا۔	۳۷۸
شوہر کے بیوی پر حقوق۔	۳۷۱	عالم دین وپیشوا کو برادری سے میل جول اور جائز تقریبات میں شرکت ممنوع نہیں۔	۳۷۸
کسی کی بیوی سے زنا کیا، شوہر کو بتائے بغیر کس طرح معاف کراسکتا ہے۔	۳۷۲	صاحب نصاب وقادر علی الاکتساب کو صدقات واجبہ لینا جائز نہیں۔	۳۷۹
حقوق العباد کو جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معافی نہ ہوگی۔	۳۷۲	نظر مسبّب جل وعلا پر رکھ کر جائز اسباب رزق کا اختیار کرنا ہرگز منافی توکل نہیں۔	۳۷۹
غیر کی عورت سے زنا کرنے والا اس عورت سے معافی لینا چاہتا ہے اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔	۳۷۲	توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اعتماد علی الاسباب کا ترک ہے۔	۳۷۹
حقوق اللہ معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں: اول توبہ، دوم عفو الٰہی	۳۷۳	ذمہ زید حقوق العباد ہوں تو کفارہ یا سبکدوشی کی کیا صورت ہے۔	۳۷۹
حقوق العباد معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں:	۳۷۳	عورت پر مرد کے اور مرد پر عورت کے کیا حقوق ہیں۔	۳۷۹
پہلی صورت: جو قابل ادا ہے ادا کرنا ورنہ ان سے معافی چاہنا،	۳۷۳	شوہر کا حق عورت پر ماں باپ سے بھی زیادہ ہے۔	۳۸۰
دوسری صورت: صاحب حق معاوضہ لئے بغیر معاف کردے۔	۳۷۴	قیامت میں مطلق حقوق العباد کے مواخذہ وتصفیہ سے متعلق احوال وآثار وارد ہیں۔	۳۸۱

جانوروں کی خصومت ذمی کی خصومت سے اور ذمی کی خصومت مسلمان کی خصومت سے زیادہ سخت ہے۔	۳۸۱	باپ کے تعلق داروں کے ساتھ بھلائی کی تاکید۔	۳۸۷
○رسالہ **شرح الحقوق الطرح العقوق**۔ **(والدین، زوجین اور اساتذہ کے حقوق کی تفصیل اور ان کی ادائیگی کے طریقے)**	۳۸۳	مسئلہ ثالث	۳۸۷
چارمسائل پر مشتمل ایک استفتاء	۳۸۳	اولاد پر حق پدر زیادہ ہے یا حق مادر۔	۳۸۷
مسئلہ اولٰی	۳۸۳	ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید۔	۳۸۸
نافرمان بیٹے نے باپ کی کل جائداد پر قبضہ کرلیا اور باپ کی تذلیل وتوہین کا مرتکب ہوا وہ کہاں تک گنہگار ہے۔	۳۸۳	احادیث کریمہ سے ثبوت کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے۔	۳۸۸
باپ کی توہین کرنے والا فاسق، فاجر، مرتکب کبائر اور عاق ہے۔	۳۸۳	خدمت میں ماں اور تعظیم میں باپ زائد ہے۔	۳۸۹
باپ کے نافرمان کے لئے وعیدات شدیدہ۔	۳۸۴	مسئلہ رابعہ	۳۹۱
والد کے گستاخ کے لئے سخت وعید پر مشتمل اکیس حدیثیں۔	۳۸۴	مابین زن وشوہر حق زیادہ کس کا ہے اور کہاں تک۔	۳۹۱
مسئلہ ثانیہ	۳۸۶	زوجہ پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ۔	۳۹۱
سوتیلی ماں کا کیا حق ہے اور اس پر تہمت لگانا حرام قطعی ہے خصوصاً تہمت زناء۔	۳۸۶	والدین کے فوت ہوجانے کے بعد اولاد پر لاگو ہونے والے بارہ حقوق کی تفصیل۔	۳۹۱
تہمت زناء لگانے والے کو اسی کوڑے لگتے ہیں۔	۳۸۷	فوت شدہ والدین کے حقوق سے متعلق اکیس احادیث۔	۳۹۳
زنا کی تہمت لگانے والا مردود الشہادت ہوتا ہے۔	۳۸۷	ماں کے حق کے بارے میں صحابی کا سوال اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا جواب۔	۴۰۲
سوتیلی ماں کی تعظیم وحرمت لازمی ہے	۳۸۷	عاق الوالدین کی امامت، اس کے ساتھ معاملات اور اس کے لئے تعزیر شرعی سے متعلق استفتاء۔	۴۰۲
حقیقی ماں کی طرح سوتیلی ماں بھی حرام ابدی ہے۔	۳۸۷		

اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کو ستانا اکبر الکبائر ہے۔	۴۰۳	ماں باپ کو ستانے والا سخت سے سخت تعزیر کا مستحق ہے۔	۴۰۷
والدین کو ستانے والے کے لئے احادیث میں سخت وعیدیں۔	۴۰۳	سرقہ اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہوجائے تو حاکم اس سارق کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دے گا۔	۴۰۷
تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے۔	۴۰۳	ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو بلاکر اپنے تمام حقوق اس کو معاف کردئے اور زید نے بھی جملہ حقوق ہندہ کو معاف کر دیئے، تو اس صورت میں زید کے تمام حقوق اور ہندہ کے حقوق غیر مالیہ معاف ہوگئے مگر ہندہ کے حقوق مالیہ کی معافی اس کے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۴۰۷
تین شخصوں کے فرض ونفل اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا۔	۴۰۳	کیا مقروض کے لئے یہ کافی ہے کہ قرض خواہ سے کہے کہ مجھ پر تمہارا جو قرض ہے مجھے معاف کردو یا ضروری ہے کہ قرض کی مقدار معین کرے۔	۴۰۸
والدین کو ستانے والا اور ان کو گالی دینے والا ملعون ہے۔	۴۰۴	غیبت کب حق العبد ہوتی ہے اور اس کی معافی کی کیا صورت ہے۔	۴۱۰
ماں کو ناراض کرنے والے کی زبان پر وقت نزع کلمہ جاری نہ ہوا۔	۴۰۴	تلامذہ پر اساتذہ کے حقوق کا بیان۔	۴۱۲
عوام بن حوشب ائمہ تبع تابعین میں سے ہیں ان کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا۔	۴۰۵	ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال جو فلسفہ کی کچھ کتب پڑھ کر اپنے دینی علوم کے استاذ کا مقابلہ کرنے لگا اور انہیں امامت سے معزول کرواکر خود ان کی جگہ امام بننے کی کوشش کرنے لگا حالانکہ اس کے استاذ معمر، فقیہ، متقی ہونے کے ساتھ ساتھ سید بھی ہیں۔	۴۱۴
ماں کے گستاخ کا سبق آموز واقعہ۔	۴۰۵	شخص مذکور نے نالائقی کا حق ادا کردیا اور بے شمار وجوہ سے شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھ چکا ہے۔	۴۱۶
کاذب وسارق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۴۰۵	اول (پہلی وجہ)	۴۱۶
ماں کے گستاخ کے پیچھے نماز سخت مکروہ، مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ ہے۔	۴۰۵	استاذ کی ناشکری خوفناک بلا، تباہ کن بیماری اور علم کی برکات کو ختم کرنے والی ہے۔	۴۱۶
عاق الوالدین کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا منع ہے بلکہ اس سے بغض ونفرت رکھنا چاہئے۔	۴۰۶		

دوم (دوسری وجہ)	۴۱۷	شاگرد کو استاذ سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔	۴۲۵
حقوق استاذ کا انکار مسلمانوں بلکہ تمام عقل والوں کے اتفاق کے خلاف ہے۔	۴۱۷	دہم (دسویں وجہ)	۴۲۵
سوم (تیسری وجہ)	۴۱۸	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو تکلیف دینا قطعی حرام ہے۔	۴۲۵
نیکی کو حقیر جاننے کی مذمت	۴۱۸	مسلمانوں کو اذیت دینے والے کے لئے سخت وعید۔	۴۲۵
چہارم (چوتھی وجہ)	۴۱۹	یازدہم (گیارہویں وجہ)	۴۲۶
تعلیم دین کے استاذ کی ابتدائی تعلیم کو حقیر جاننے کا وبال۔	۴۱۹	مسلمان کی بے عزتی کرنے والے کی مذمت	۴۲۶
ایک نیک شخص کا واقعہ جس نے اپنے بیٹے کو سورۃ فاتحہ پڑھانے والے معلم کو چارہزار دینار شکریے کے طور پر پیش کئے۔	۴۱۹	دوازدہم (بارہویں وجہ)	۴۲۷
پنجم (پانچویں وجہ)	۴۲۰	حسد کی مذمت اور حاسد کے لئے احادیث سے وعید شدید۔	۴۲۷
استاذ کا مقابلہ کرنا اس کی ناشکری سے زائد ہے۔	۴۲۰	سیزدہم (تیرہویں وجہ)	۴۲۸
استاذ کے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھنا چاہئے۔	۴۲۰	ایک مسلمان نے کسی عورت کو پیغام نکاح دے رکھا ہو تو دوسرا مت دے۔	۴۲۸
ششم (چھٹی وجہ)	۴۲۲	کسی کے سودے پر سودا کرنا ممنوع ہے۔	۴۲۹
استاذ کے فضائل اور اس کا مقام ومرتبہ	۴۲۲	چہاردہم (چودھویں وجہ)	۴۳۰
ہفتم (ساتویں وجہ)	۴۲۳	اس شخص کی مذمت جو چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا احترام نہ کرے۔	۴۳۰
اپنے آپ کو استاذ سے افضل قرار دینا خلاف مامور ہے۔	۴۲۳	پانزدہم (پندرہویں وجہ)	۴۳۱
استاذ کے ادب واحترام کی تاکید۔	۴۲۴	علماء کے ساتھ برا سلوک کرنے والے کی برائی بیان سے باہر ہے۔	۴۳۱
ہشتم (آٹھویں وجہ)	۴۲۴	تین شخصوں کے حق کو صرف منافق ہی کم سمجھتا ہے۔	۴۳۲
شاگرد کو استاد کے بستر پر نہیں بیٹھنا چاہئے اگرچہ استاذ موجود نہ ہو۔	۴۲۴	شانزدہم (سولہویں وجہ)	۴۳۲
نہم (نویں وجہ)	۴۲۵	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل واولاد کو اذیت پہنچانے کی شدید مذمت۔	۴۳۲

ہفدہم (سترہویں وجہ)	۴۳۴	فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۳
امامت کا زیادہ حقدار کون ہے۔	۴۳۴	فاسق کو امام بنانے والے گناہ عظیم میں مبتلا ہیں متکلمین کی امامت کا بیان۔	۴۴۴
ہژدہم (اٹھارہویں وجہ)	۴۳۴	خلاصہ جواب۔	۴۴۸
علم کو حصول دنیا کا ذریعہ بنانے والے شخص کی مذمت احادیث۔	۴۳۴	○ رسالہ **مشعلة الارشاد الٰی حقوق الاولاد**۔ (والدین پر اولاد کے حقوق کا بیان)	۴۵۱
نوزدہم (انیسویں وجہ)	۴۳۵	باپ پر بیٹے کا حق کس قدر ہے، اور اگر وہ ادا نہ کرے تو اس کے لئے حکم شرعی کیا ہے۔	۴۵۱
علوم فلسفیہ اور منطق پڑھنے کی قباحتیں۔	۴۳۵	اللہ تعالٰی نے والد کا حق ولد پر نہایت اعظم بنایا اور اپنے حق کے برابر اس کا ذکر فرمایا۔	۴۵۱
کونسا علم پڑھنا فرض، کونسا واجب اور کونسا حرام ہے۔	۴۳۶	ولد کا حق والد پر اللہ تعالٰی نے عظیم رکھا۔	۴۵۱
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارگاہ رسالت میں توراۃ پڑھنے اور اس پر حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ناراض ہونے کا تذکرہ۔	۴۳۸	ولد مطلق اسلام پھر خصوص جوار پھر خصوص قرابت پھر خصوص عیال کا جامع ہو کر سب سے زیادہ خصوصیت خاصہ رکھتا ہے۔	۴۵۱
یہ مردود فلسفہ کفر وضلالت سے بھرا ہوا وجہالتوں کا مجموعہ ہے۔	۴۳۹	جس قدر خصوص زیادہ ہوتا جاتا ہے حق اشد وآکد ہوتا جاتا ہے۔	۴۵۱
جس شخص نے شرعی قبیح کے مرتکب کو کہا تونے اچھا کیا ہے، تو وہ کافر ہوگیا۔	۴۴۲	اسی حقوق اولاد کی فہرست جو احادیث مرفوعہ سے مصنف علیہ الرحمہ نے تیار فرمائی جن میں سے اکثر مستحبات ہیں جن کے ترک پر اصلًا مواخذہ نہیں اور بعض پر آخرت میں مطالبہ ہوگا۔	۴۵۲
بستم (بیسویں وجہ)	۴۴۲	آدمی اپنا نکاح رذیل قوم میں نہ کرے بلکہ دیندار لوگوں میں کرے اور حبشیوں میں قرابت نہ کرے۔	۴۵۲
فلسفے کی فضیلت کو فقہ کی فضیلت پر ترجیح دینا ضمنًا علم دین کی توہین ہے۔	۴۴۲	بسم اللہ سے جماع کی ابتداء کرے، شرمگاہ زن پر نگاہ نہ کرے، زیادہ باتیں نہ کرے، اور مرد وزن مکمل برہنہ نہ ہوں۔	۴۵۲
علم دین کی صراحتًا توہین کفر ہے۔	۴۴۲	بچہ کے پیدا ہوتے ہی دائیں کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی جائے اور میٹھی چیز کی گھٹی دی جائے۔	۴۵۲

ساتویں، چودھویں یا اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔	۴۵۲	بچے کو زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر کلمہ طیبہ اور تمیز آنے پر مکمل آداب سکھائے۔	۴۵۴
سر کے بال اتروا کر ان کے برابر چاندی خیرات کی جائے اور بچے کے سر پر زعفران لگایا جائے۔	۴۵۲	دختر کو شوہر کی اطاعت کی تلقین کرے، قرآن پڑھائے اور تلاوت کی تاکید کرے۔	۴۵۴
بچے اچھا نام رکھا جائے اگرچہ بچہ کچا ہو۔	۴۵۲	اولاد کو عقائد اسلام وسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب کی محبت وتعظیم سکھائے۔	۴۵۴
بچے کا نام محمد رکھا جائے تو اس کا احترام کیا جائے۔	۴۵۳	بچہ سات برس کا ہو تو اس کو نماز کی تلقین کرے، علم دین پڑھائے، کھیلنے کا وقت دے مگر بری صحبت سے بچائے اور دس سال کا ہو تو مار کر نماز پڑھائے۔	۴۵۴
بچہ کو نمازی صالحہ شریف القوم عورت سے دودھ پلوایا جائے۔	۴۵۳	دس برس کے بچوں کے بچھونے الگ کردے، جوان ہونے پر نیک سیرت عورت سے شادی کرائے۔	۴۵۵
اپنے حوائج سے جو بچے اس میں محتاج اقرباء کو شامل کرے، پہلا حق عیال واطفال کا ہے۔	۴۵۳	جوان اولاد سے نرمی کے ذریعے کام لے، ان کے لئے ترکہ چھوڑے، میراث سے اولاد کو محروم نہ کرے۔	۴۵۵
حلال روزی بچے کو دے اور اولاد کے ساتھ تنہا خوری نہ برتے۔	۴۵۳	خاص پسر کے پانچ حقوق۔	۴۵۵
بچوں سے پیار کرے اور ان کی دل جوئی کو ملحوظ رکھے۔	۴۵۳	خاص دختر کے پندرہ حقوق۔	۴۵۵
نیا پھل پہلے بچوں کو دے اور کبھی کبھار حسب مقدور انہیں شیرینی وغیرہ کھلائے۔	۴۵۳	دنیا میں بیٹے کے لئے باپ پر گرفت نہیں، نہ بیٹے کے لئے جائز کہ باپ سے جدال ونزاع کرے سوائے چند حقوق کے جو کہ یہ ہیں: نفقہ، رضاعت، حضانت، بعد از حضانت بچے کو اپنی حفظ وصیانت میں لینا، بچوں کے لئے ترکہ باقی رکھنا، ختنہ اور شادی ونکاح۔	۴۵۶
بہلانے کے لئے بچوں سے جھوٹا وعدہ نہ کرے، جو کچھ دے سب بچوں کو برابر دے۔	۴۵۳	o رسالہ **اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العاد**۔ (حقوق العباد کی تعریف اور ان کی اہمیت کا بیان اور ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے طریقے)	۴۵۹
بیمار ہونے پر بچوں کا مناسب علاج کرائے۔	۴۵۴		

حق العبد کی تعریف۔	۴۵۹	دنیا میں اہل حقوق سے حقوق معاف کرا لینا آسان قیامت کے دن اس کی امید مشکل ہے۔	۴۶۳
حقوق العباد کی دو قسمیں دیون اور مظالم، اور کبھی دونوں کو تبعات کہا جاتا ہے۔	۴۵۹	قیامت کے روز ماں باپ بھی اپنی اولاد کو حقوق معاف نہیں کریں گے۔	۴۶۳
دین ومظلمہ میں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔	۴۵۹	اللہ تعالٰی کا کرشمہ کرم اور بندہ نوازی کہ ظالم ناجی اور مظلوم راضی۔	۴۶۳
دونوں میں اجتماعی اور افتراقی مادوں کا بیان۔	۴۵۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دو امتیوں پر کرم خداوندی دیکھ کر ضحک فرمایا۔	۴۶۴
حقوق العباد کی گنتی دشوار ہے۔	۴۶۰	رب تعالٰی کی طرف سے حقوق کی معافی کا وعدہ پانچ فرقوں سے۔	۴۶۶
حقوق العباد کا ضابطہ کلیہ	۴۶۰	پہلا فرقہ: حاجی	۴۶۶
صاحب حق جب تک معاف نہ کرے اس وقت تک کسی قسم کا حق معاف نہیں ہوتا۔	۴۶۰	حاجی کے فضائل اور حقوق کی معافی۔	۴۶۶
حقوق اللہ کو اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معاف نہیں کرسکتا۔	۴۶۰	کس حاجی کے کون سے حقوق اور کس صورت میں معاف ہوتے ہیں۔	۴۶۶
اللہ تعالٰی ہمارا اور ہمارے مال وجان اور حقوق سب کا مالک ہے۔	۴۶۰	میدان عرفات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حاضرین کے تمام گناہوں اور حقوق کی معافی کا اعلان؟	۴۶۷
دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گا، ایک کی پروا نہیں کرے گا، اور ایک سے کچھ نہ چھوڑے گا۔	۴۶۰	دوسرا فرقہ: شہید بحر	۴۶۸
روز قیامت ہر کسی کو اہل حقوق کے حق ان کو دینا پڑیں گے۔	۴۶۱	شہید بحر کی تعریف، وہ مومن جو خاص اللہ تعالٰی کی رضا کی خاطر سمندر میں جہاد کرتے ہوئے ڈوب کر شہید ہو جائے۔	۴۶۸
قیامت کے دن اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ۔	۴۶۱	شہید بحر کے فضائل ومناقب	۴۶۸
مفلس کون ہے۔	۴۶۲	تیسرا فرقہ: شہید صبر	۴۶۹
غیبت زنا سے بدتر ہے۔	۴۶۲	شہید صبر کی تعریف	۴۶۹
		شہید صبر کے فضائل	۴۶۹

التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔	۴۷۰	ترکِ موالات ہر کافر سے مطلقاً فرض ہے۔	۳۶۲
بدمذہب کی کوئی نیکی قبول نہیں، نہ اس پر اجر وثواب مرتب ہوتا ہے۔	۴۷۰	**سوگ ونوحہ وجزع وفزع**	
چوتھا فرقہ: مدیون	۴۷۰	اپنے بچوں کے فوت ہونے پر صبر کرنے کی جزا کیا ہے۔	۴۷۷
کون سے مدیون کا حق اللہ تعالٰی قیامت کو معاف کرائے گا۔	۴۷۰	میت پر چلا کر رونے سے میت کو کچھ تکلیف ہوتی ہے یا نہیں۔	۴۷۷
پانچواں فرقہ: اولیاء کرام	۴۷۱	چلا کر رونا جائز ہے یا نہیں۔	۴۷۷
فضائل اولیاء۔	۴۷۱	حدیث لماثقل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جواز نوحہ پر استدلال کیسا ہے۔	۴۸۵
فضائل صحابہ کرام	۴۷۳	تحریم نوحہ میں احادیث متواتر موجود ہیں۔	۴۸۶
فضائل اہل بدر	۴۷۳	اہل سنت وجماعت کو عشرہ محرم الحرام میں رنج وغم کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۴۸۶
مناقب عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳	مدار ایمان محبت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۴۸۶
محبوبان خدا اول توگناہ کرتے ہی نہیں اور احیاناً کوئی تقصیر واقع ہو تو واعظ وزاجر الٰہی انہیں متنبہ کرتا اور توفیق انابت دیتا ہے۔	۴۷۴	محب کو محبوب کی ہر شیئ عزیز ہوتی ہے۔	۴۸۶
بے حصل معرفت الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا بہت دشوار ہے۔	۴۷۵	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر عیب ونقص سے منزہ و بے مثال ہیں۔	۴۸۷
لاالٰہ الااللہ کا معنی۔	۴۷۵	نوحہ وماتم حرام ہے۔	۴۸۸
ضمیمہ حسن سلوک وحقوق العباد		بیان شہادت کو مجلس میلاد کے ساتھ ملانا حماقت ہے۔	۴۸۸
اہل معاصی کے ساتھ قطع تعلق میں صالحین کے مسلک مختلف رہے ہیں اور مصالح دینیہ کی رعایت سے دونوں صورتیں جائز ہیں۔	۱۳۷	محرم میں سوگ منانا حرام ہے۔	۴۸۸
تقریب شادی میں خلاف شرع مراسم کا عام رواج ہو تو اس میں نہ جانے کا التزام شرعاً محمود ہے۔	۱۳۸	سوائے حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے محرم میں کسی کی نیاز نہ دلانا جہالت ہے۔	۴۸۸
ماں کو کُرتی پہننے سے روکنے کے لئے سختی کرنا کیسا ہے۔	۱۷۵		

تعزیہ اور اس سے متعلق بدعات		علم، تعزیے، مہندی، ان کی منّت، گشت، چڑھاوے، ڈھول تاشے، مجرے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا اور عورتوں کا تعزیے دیکھنے جانا یہ سب باتیں حرام ہیں۔	۴۹۸
تعزیہ بنانا، دیکھنا اور دل سے اس کا معتقد ہونا کیسا ہے، اور ایسا کرنے والے کا کیا حکم ہے۔	۴۸۹	حضرات شہدائے کربلا کی نیاز تبرک ہے۔	۴۹۸
محمدی جھنڈا، تعزیہ بنانا اور اس پر چڑھاوا، خدائی رات میں ڈھول، رنڈی کے ہاں مولود شریف، ایصال ثواب میں شیرینی اور گیارہویں شریف سے متعلق استفتاء کا جواب۔	۴۹۰	عشرہ محرم کے روزے بہت ثواب اور نہایت افضل ہیں۔	۴۹۹
ہرنی کا قصہ۔	۴۹۱	تعزیہ بنانا، اس پر شیرینی وغیرہ کا چڑھاوا اور اس کی تعظیم کا عندالشرع کیا حکم ہے۔	۴۹۹
غازی میاں کا بیاہ محض جاہلانہ رسم ہے۔	۴۹۲	تعزیہ کی ناجوازی کے قائل کو کافر یا مرتد کہنا کیسا ہے۔	۴۹۹
علم تعزیہ، ڈھول تاشہ، امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اسم مقدس کو بتشدید کہنا، سینہ پیٹنا، محرم میں میلہ لگانا وغیرہ رسومات کا شرعی حکم کیا ہے۔	۴۹۲	تعزیہ داری میں غلو کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۴۹۹
کھچڑا پکا کر برادری میں تقسیم کرنا کہاں سے ثابت ہوا۔	۴۹۴	امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح کو ایصال ثواب ہر روز مستحب ومستحسن ہے۔	۵۰۰
نیاز کی چیز معظم ہوتی ہے اس کی بے توقیری ناجائز ہے۔	۴۹۴	تعزیہ، مہندی، روشنی بدعت وناجائز ہے۔	۵۰۰
وہابیوں کو محبوبان خدا کے نام سے عداوت ہے۔	۴۹۴	مجلس ذکر شہادت اور اس میں بیان فضائل ومناقب جائز ہے۔	۵۰۱
فقیر بن کر بلاضرورت بھیک مانگنا حرام ہے۔	۴۹۴	غم پروری اور مرثیہ خوانی ناجائز ہے۔	۵۰۱
محرم میں سبز اور سیاہ کپڑے پہننا۔	۴۹۵	میدان کربلا میں حضرت قاسم کی شادی ومہندی ثابت نہیں۔	۵۰۱
ملفوظات سید عبدالرزاق ہانسوی کی طرف منسوب غلط حکایات کے بارے میں استفسار۔	۴۹۷	عاشورہ کا میلہ لغو، تعزیوں کا دفن اور ان پر فاتحہ جہل وحمق ہے۔	۵۰۱
مصنف علیہ الرحمہ کے بارے میں تعزیہ میں شرکت سے متعلق ایک غلط حکایت۔	۴۹۷	تعزیہ پر جاکر منت ماننا باطل ہے۔	۵۰۱
		تعزیہ داری ناجائز ہے۔	۵۰۲

امامت پر اجرت لینا حلال ہے۔	۵۰۲	تیرہ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۵۰۸
جس کے یہاں حرام وحلال دونوں طرح کی آمدنی ہو اس کا کھانا حرام نہیں۔	۵۰۲	میدان کربلا میں حضرت قاسم کا نکاح ہوا یا نہیں۔	۵۰۸
تعزیہ بنانا شرک نہیں بدعت وگناہ ہے۔	۵۰۳	تعزیہ داری کس وقت سے جاری ہے۔	۵۰۸
شیرینی تقسیم کرنا، کھانا کھلانا، فاتحہ دینا اور نیاز دلانا اگرچہ تعین تاریخ کے ساتھ ہو جائز ہے۔	۵۰۳	فاتحہ ہر وقت جائز ہے۔	۵۰۹
تعزیہ جس طرح رائج ہے ضرور بدعت شنیعہ ہے۔	۵۰۴	امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بعد مائی شہر بانو مدینہ منورہ چلی گئیں۔	۵۱۰
سلطان تیمور نے امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے روضہ انور کی کیسی تصویر رکھی تھی۔	۵۰۴	قوالی مع مزامیر سننا کسی شخص کو جائز نہیں۔	۵۱۰
دبیر وانیس وغیرہ روافض کے مرثیے تبرا پر مشتمل ہوتے ہیں۔	۵۰۴	اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنا جائز ومستحب اور آیت کریمہ سنتے وقت ناجائز ہے۔	۵۱۰
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا۔	۵۰۴	مہندی ناجائز ہے اس کا آغاز کسی جاہل سفیہ نے کیا ہوگا۔	۵۱۰
تعزیہ بنانے سے متعلق سات سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۵۰۵	○رسالہ **اعالی الافادہ فی تعزیۃ الھند وبیان الشھادہ۔** (تعزیہ کی حرمت سربازار لنگر لٹانے کی ممانعت اور اہل تشیع کی مجالس مرثیہ کے حکم شرعی کا بیان)	۵۱۱
جس مجلس میں اہل بیت کی توہین ہو اس میں جانا قطعًا حرام ہے۔	۵۰۷	سوال اول: تعزیہ داری کا کیا حکم ہے۔	۵۱۱
تعزیہ نکالنا، اس کے ساتھ ڈھول نقارے بجانا، قبر کی صورت بنا کر جنازہ نکالنا اور اس پر پھول ڈالنا ناجائز ہے۔	۵۰۷	تعزیہ اپنی اصل کے اعتبار سے درست تھا مگر اب جہّال نے اس اصل کو نیست ونابود کرکے صدہا خرافات خلاف شریعت اس میں تراش لیں۔	۵۱۲
حضرات امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما خواہ کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا کفر ہے۔	۵۰۸	تعزیہ میں خرافاتِ تراشیدہ کا کچھ بیان۔	۵۱۲
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے۔	۵۰۸	سوال دوم: مجالسِ میلاد میں شہادت نامہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔	۵۱۳

آج کل جو شہادت نامے عوام میں رائج ہیں وہ اکثر روایاتِ باطلہ پر مشتمل ہیں لہٰذا ان کا پڑھنا ناجائز ہے۔	۵۱۴	لازم سے انفکاک محال ہے۔	۵۱۷
ربیع الاول شریف کو علماء امت نے ماتم وفات کے بجائے موسم شادی ولادت کیوں ٹھہرایا۔	۵۱۵	ارکان حقیقت کہ ماہیت میں داخل ہوں ان سے قطع نظر ناممکن ہے۔	۵۱۷
روایات صحیحہ پر مشتمل شہادت نامہ پڑھنا کب جائز اور کب ناجائز ہے۔	۵۱۵	ماہیت عرفیہ میں رکنیت تابع عرف ہے۔	۵۱۷
ہر سال امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ماتم کرنا شرعاً مکروہ ہے۔	۵۱۶	نماز عرف شرع میں مجموع ارکان مخصوصہ بہیئت معلومہ کا نام ہے۔	۵۱۷
سوال سوم: شہادت نامہ پڑھنا کیسا ہے اور اس کے اور تعزیہ داری کے احکام میں فرق کیا ہے۔	۵۱۶	ذکر شہادت میں اور تعزیہ میں فرق احکام۔	۵۱۷
ذکر شہادت اگر رویات موضوعہ، کلمات ممنوعہ اور نیت نامشروعہ سے خالی ہو تو عین سعادت ہے۔	۵۱۷	کتاب "سرّ الشادتین" روایات معتبرہ صحیحہ نظیفہ پر مشتمل ہے۔	۵۱۸
شہادت نامہ اور تعزیہ داری میں فرق احکام کے لئے ایک مقدمہ کی تمہید۔	۵۱۷	عوارض قبیحہ سے نفس شیئ مباح یا حسن قبیح نہیں ہوجاتی بلکہ وہ اپنی حد ذات میں اپنے حکم اصلی پر رہتی ہے۔	۵۱۸
شیئ کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے اور کچھ امور زائد کو لوازم وعوارض ہوتے ہیں۔	۵۱۷	تعزیہ داری کا آغاز سلطان تیمور نے کیا۔	۵۱۸
احکام شرعیہ شیئ پر بحسب وجود ہوتے ہیں مجرد اعتبار عقلی ناصالح وجود مطمح احکام شرع نہیں ہوتا۔	۵۱۷	تعزیہ کی نظیر امم سابقہ میں آغاز اصنام ہے۔	۵۱۹
فقہ افعال مکلفین سے باحث ہے تو جو فعلیت میں آنہیں سکتا موضوع سے خارج ہے۔	۵۱۷	ود، سواع، نسر، یغوث اور یعوق دراصل صالحین کے نام ہیں۔	۵۱۹
تغائر اعتبار سے تغائر احکام وہیں ہوسکتا ہے جہاں وہ اعتبارات واقعیہ مفارقہ متعاقبہ ہوں کہ شیئ کبھی ایک کے ساتھ پائی جائے کبھی دوسرے کے ساتھ۔	۵۱۷	سوال چہارم: یوم عاشورہ میں سبیل لگانا، کھانا کھلانا، لنگر لٹانا اور مجلس محرم میں شہادت ومرثیہ سننا کیسا ہے۔	۵۲۰
جو زوائد لوازم الوجود ہوں ان کے حکم سے جدا کوئی حکم حقیقت کے لئے نہ ہوگا۔	۵۱۷	سوال پنجم: مرثیہ خوانی کی جس مجلس میں صوفیاء کرام کے مرثیے پڑھے جائیں اور میر مجلس بھی سنی المذہب ہو اس میں شرکت کیسی ہے۔	۵۲۳

سوال ششم: تعزیہ اور چڑھاوا سے متعلق نو اجزاء پر مشتمل استفتاء اور اس کا ترتیب وار جواب۔	۵۲۳	حدیث من تشبّہ بقوم فھو منھم کا مطلب۔	۵۳۰
سوال ہفتم: شیعہ کی مجلس مرثیہ خوانی میں اہل سنت وجماعت کو شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔	۵۲۶	صورت دوم	۵۳۰
سوال ہشتم: تعزیہ بنانا، اس پر نذر نیاز کرنا، عرائض بنیّت حاجت برآری لٹکانا اور ان افعال کو داخل حسنات وموافق شریعت جاننا کیسا ہے۔	۵۲۷	صحابہ کرام نے رومیوں کے بھیس میں لباس بدل کر کام فرمایا۔	۵۳۰
ضمیمہ تعزیہ اور اس سے متعلق بدعات		سلطان صلاح الدین ایوبی کے زمانے میں دو۲ عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا۔	۵۳۰
محرم میں تعزیہ داری اور سینہ کوبی حرام ہے۔	۱۴۱	زنّار باندھنے کا حکم شرعی۔	۵۳۱
تخت تعزیہ خود ناجائز ہے اس میں باجے حرام در حرام ہیں۔	۱۴۴	صورت سوم	۵۳۲
تخت علم تعزیے وغیرہ سب ناجائز ہیں۔	۱۷۲	انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون وغیرہ پہننا۔	۵۳۲
علم ونشان مہمل اور ان سے توسّل باطل ہے۔	۱۸۰	طیلسان پوشش یہود ہے۔	۵۳۲
تعزیہ داری ناجائز ہے۔	۵۵۷	ہر چیز میں اہل کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں۔	۵۳۳
تشبّہ بالغیر، شعار کفّار وغیرہ		کون سا تشبّہ ممنوع ومکروہ ہے۔	۵۳۴
دھوتی لباس ہند ہے یا خاص ہنود کا لباس۔	۵۲۹	دھوتی خاص شعار کفار نہیں ہے۔	۵۳۴
تشبّہ دو۲ وجہ پر ہے: التزامی ولزومی۔	۵۳۰	عادت وعرف کی خلاف ورزی مکروہ وباعث شہرت ہے۔	۵۳۵
تشبّہ التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں۔	۵۳۰	کوٹ، کالر، نکٹائی، پیشوری پائجامہ، ترکی ٹوپی وبوٹ جوتا پہننا اور انگریزی فیشن کے بال رکھنا کیسا ہے۔	۵۳۵
صورت اول	۵۳۰		

تشبّہ کی ممانعت سے متعلق حدیث حدیث وفقہ سے پچیس مسائل۔	۵۳۶	مرد کو اپنا وسط سر کھلوانا اور پیشانی وقفا کے بال مونڈنا اور گوندھنا کیسا ہے۔	۵۴۳
مسئلہ ا،	۵۳۶	مسئلہ ۱۵، ۱۴۔	۵۴۴
عورت کو مرد اور مرد کو عورت سے تشبّہ حرام ہے۔	۵۳۶	مرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی انگوٹھی ایک نگ کی جائز ہے زیادہ کی ناجائز ہے۔	۵۴۴
مسئلہ ۲	۵۳۶	چاندی کی مردانی انگوٹھی عورت کو نہ چاہئے اور پہنے تو زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔	۵۴۴
مسئلہ ۳	۵۳۸	مسئلہ ۱۸، ۱۷، ۱۶۔	۵۴۵
عورتوں کو ہاتھوں پر مہندی لگانے کا حکم دیا گیا تاکہ مردوں سے مشابہت نہ ہو۔	۵۳۸	مرد کو عورت کی طرح چرخہ کاتنا مکروہ ہے۔	۵۴۵
مسئلہ ۴۔	۵۳۹	عورت کو بلاضرورت گھوڑے پر چڑھنا منع ہے۔	۵۴۵
مسئلہ ۷، ۶، ۵۔	۵۴۰	مرد سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے کہ رافضیوں کا شعار ہے۔	۵۴۵
امام کا محراب میں کھڑا ہونا اور تمام مقتدیوں سے بلند ہونا مکروہ ہے۔	۵۴۰	مسئلہ ۲۰، ۱۹۔	۵۴۸
مسئلہ ۱۰، ۹، ۸۔	۵۴۱	جو ٹوپی لباس روافض تھی علماء نے اس کا پہننا گناہ قرار دیا۔	۵۴۸
نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا امام اعظم کے نزدیک مفسد نماز اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے	۵۴۱	بلاضرورت شرعیہ مجوس کی ٹوپی پہننا کفر ہے۔	۵۴۸
تصویر کی حرمت کی وجہ۔	۵۴۱	مسئلہ ۲۳، ۲۲، ۲۱۔	۵۴۹
تصویر والی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۵۴۱	ماتھے پر قشقہ تلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے۔	۵۴۹
جہت قبلہ میں صلیب ہو تو نماز مکروہ ہے۔	۵۴۱	مسئلہ ۲۴۔	۵۵۰
مسئلہ ۱۱	۵۴۲	زنار باندھنا کفر ہے۔	۵۵۰
مرد کو ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگانا حرام ہے۔	۵۴۲	مسئلہ ۲۵،	۵۵۱
مسئلہ ۱۳، ۱۲۔	۵۴۳	حقّہ وپان	
عورت کو اپنے سر کے بال کترنا حرام ہے۔	۵۴۳	پان جائز اور شیخ فریدالدین گنج شکر وشیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے زمانے سے مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہے۔	۵۵۳

حقہ پینا ایک صورت میں حرام، ایک میں مکروہ اور ایک میں مباح ہے۔	۵۵۳	پان کھانا مباح ہے، مگر بعض عوارض خارجیہ کی وجہ سے کبھی مستحب، واجب، مکروہ اور حرام ہوتا ہے۔	۵۵۷
سر پر پان کھلوانا جائز ہے جبکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں۔	۵۵۳	پان، چُونا، تمباکو اور سرتی کھانا جائز ہے سرتی تمباکو کو کہتے ہیں۔	۵۵۸
حقّے تین قسم ہیں۔	۵۵۴	**تصویر**	
توشہ اصحاب کہف میں حقہ نہ پینے کی کوئی شرط نہیں۔	۵۵۴	جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں۔	۵۵۹
مصالحہ خاصہ کے اسرار اہل باطن جانتے ہیں۔	۵۵۵	تصویر دار کپڑا بنا کر فروخت کرنے والے کی گواہی مردود ہے۔	۵۵۹
حقہ، چرٹ اور بیڑی کا حکم۔	۵۵۵	بُرے کام کے ساتھ ساتھ بُرے نام سے بھی بچنا چاہئے۔	۵۶۰
حقہ پینے والے اور پان کھانے والے کو جماعت میں شریک نہ کرنا کیسا ہے۔	۵۵۵	معظم دینی کی تصویریں توڑنا درست نہیں۔	۵۶۰
پان کئی اولیائے کرام نے کھایا۔	۵۵۶	جاندار کی تصویر بغیر کسی قید کے حرام ہے چاہے دستی ہو یا عکسی، سایہ دار ہو یا بے سایہ۔	۵۶۲
حقہ جائز ہے یا نہیں۔	۵۵۶	بے سایہ تصویر کو جائز قرار دینا صرف بعض روافض کا مذہب ہے۔	۵۶۳
تصویر بنانا، اور بنانے والا شرعاً کیسا ہے۔	۵۵۶	تحریم تصویر کی علت تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے۔	۵۶۵
گانا اور مزامیر سننا کیسا ہے۔	۵۵۷	تصویر کو محفوظ رکھنے کی حرمت کی چند شرائط۔	۵۶۵
کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔	۵۵۷	کیسی تصویر والے کپڑے کا پہننا، اس میں نماز پڑھنا اور بیچنا ناجائز اور کس صورت میں جائز ہے۔	۵۶۶
تعزیہ داری ناجائز ہے۔	۵۵۷	کیمرہ سے بنائی ہوئی تصویر اور بنانے بنوانے والے کا شرعی حکم۔	۵۶۷
حقہ کا پانی پاک ہے۔	۵۵۷	شَے اپنے مقاصد کے اعتبار سے ممنوع یا مشروع ہوتی ہے۔	۵۶۷
تصویر رکھنا تین صورتوں میں جائز ہے۔	۵۵۷	فوٹو ہو یا دستی تصویر، پوری ہو یا نیم قد بنوانا سب حرام ہے اور اس کا عزت سے رکھنا بھی حرام ہے۔	۵۶۸

تصویر فقط چہرہ کا نام ہے۔	۵۶۸	فتح مکہ کے موقع پر کچھ تصویریں نبی اقدس کے حکم پر حضرت فاروق اعظم نے اور کچھ آپ نے خود بنفس نفیس اپنے دست اقدس سے مٹادیں۔	۵۷۷
جاندار کی تصویر کھینچنی حرام ہے۔	۵۶۹	سینے تک تصویر ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔	۵۷۸
○رسالہ **العطایا القدیر فی حکم التصویر۔** **(بزرگوں کی تصاویر بطور تبرک گھر میں رکھنے کا حکم شرعی)**	۵۷۱	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق جلیل۔	۵۷۸
دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یوں ہی ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بناکر گھروں اور مسجدوں میں رکھی گئیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی گئی پھر شدہ شدہ وہی معبود ہوگئیں۔	۵۷۳	اگر تصویر بے سر کی ہو یا اس کا سر کاٹ دیا جائے تو کراہت نہیں۔	۵۷۹
ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے صلحاء کے نام ہیں جنہیں بعد میں بالقاء شیطان لوگوں نے بت بناکر پوجنا شروع کردیا۔	۵۷۳	دیگر اعضاء وجہ وراس کے معنی میں نہیں اگرچہ مدار حیات ہونے میں مماثل ہوں۔	۵۷۹
سب سے پہلے جس غیر اللہ کی عبادت زمین میں کی گئی وہ ود نامی بت ہے۔	۵۷۴	چہرہ ہی تصویر ذی روح میں اصل ہے۔	۵۷۹
صلحاء کی تصویریں بنانے والوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بد ترین مخلوق قرار دیا۔	۵۷۵	شک نہیں کہ فقط چہرہ کو تصویر کہتے ہیں اور عامہ مقاصد تصویر چہرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔	۵۷۹
متواتر حدیثوں میں ہے کہ جس گھر میں تصویر اور کتّا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔	۵۷۶	مقطوع الراس تصویر دار اصل تصویر ہے ہی نہیں۔	۵۸۰
کسی معظم دینی کی تصویر میں کوئی عذر نہیں بلکہ یہ زیادہ موجب وبال ونکال ہے۔	۵۷۷	تطفل علی الطحطاوی (اقول)	۵۸۱
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کوئی معظم دینی نہیں۔	۵۷۷	موجبہ کلیہ کا عکس مستوی موجبہ کلیہ نہیں آتا۔	۵۸۱
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔	۵۷۷	صاحب ہدایہ کے دو کلاموں میں تطبیق اور تدافع کا دفعیہ۔	۵۸۲
دیوار کعبہ پر کفار مکہ نے کن معظمین دینیہ کی تصویریں نقش کی تھیں۔	۵۷۷		

کل مالاینافی الحیاۃ لاینفی الکراھۃ وکل ماینافی الحیاۃ ینفی الکراھۃ لازم نہیں۔	۵۸۵	جہاں تصویر ممنوع رکھی گئی ہو ملائکہ رحمت اس مکان میں نہیں آتے۔	۵۹۰
کل مالاینافی الانسانیۃ لاینفی الحیوانیۃ۔	۵۸۵	جس مکان میں ملائکہ رحمت نہ آئیں وہ ہر جگہ سے بدتر ہے۔	۵۹۰
لیس ان کلما ینافی الانسانیۃ ینفی الحیوانیۃ۔	۵۸۵	جس مکان میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے۔	۵۹۳
مدقق علائی پر تطفل۔	۵۸۵	نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے۔	۵۹۳
امام ابوجعفر طحاوی علیہ الرحمہ کا استدلال واستناد۔	۵۸۵	حدیث جبرائیل مخصوص البعض ہے۔	۵۹۴
مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق (اقول)	۵۸۶	صاحب حلیہ پر تطفل۔	۵۹۵
تصویر میں حیات کسی صورت میں نہیں ہوتی وہ کسی حال میں جملہ اعضائے مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے۔	۵۸۷	علامہ قوام کاکی پر تطفل۔	۵۹۸
تصاویر کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول۔	۵۸۷	کراہت نماز کی تعلیل میں بظاہر سات رنگ کے اقوال ہیں۔	۵۹۹
حضرت جبرئیل کے تصاویر کے سر کاٹنے سے متعلق حکم میں حکمت۔	۵۸۸	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق او راقوال وافادات مشائخ میں تطبیق وتوفیق۔	۵۹۹
مدار حکم حکایت وفہم ناظر پر ہے کہ وہ اس کو زندہ کی تصویر قرار دیتا ہے یا مردہ کی موت وحیات حقیقی پر مدار حکم نہیں۔	۵۸۸	حقیقی مستحق پر تعظیم وہی حقیقی جلیل عظیم عزجلالہ ہے۔	۵۹۹
عبارت درمختار کا مطلب۔	۵۸۸	معظمان دینی کی تعظیم اللہ تعالٰی کی طرف نسبت وعلاقہ سے ہے۔	۵۹۹
مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق جس سے مبحث کے تمام علل واحکام واصول وفروع متجلی ہوتے ہیں۔	۵۸۹	بوڑھے مسلمان، سنی عالم اور عادل بادشاہ کی تعظیمیں اللہ تعالٰی ہی کی تعظیم ہیں۔ (حدیث)	۵۹۹
تصویر ممنوع میں کراہت نماز وحکم ممانعت کی علت عندالمشائخ مشابہت عبادت صنم ہے۔	۵۸۹	جس وجہ کو اس عظیم حقیقی (اللہ تعالٰی) سے علاقہ نہیں وہ اصلاً لائق تعظیم نہیں۔	۶۰۰
نمازی کے کپڑوں میں تصویر ہونے کی ممانعت کی علت حامل صنم سے مشابہت ہے۔	۵۸۹	کیسی تصویر گھر میں ہو تو امتناع ملائکہ رحمت ہوتا ہے۔	۶۰۰
		تینوں علتیں متلازم ہیں اور تینوں سے تعلیل صحیح ہے اور ان میں سے ہر ایک میں حصر بھی کرسکتے ہیں اور مغز تحقیق یہ ہے کہ اصل علت تعظیم تصویر ہے تعظیم ہی سے تشبہ پیدا ہوتا ہے اور تعظیم ہی سے ملائکہ رحمت نہیں آتے۔	۶۰۴

اہانت تصویر والی صورتیں جائز رکھی گئی ہیں۔	۶۰۴	مسئلہ اولٰی	۶۱۱
ہر تعظیم صورت تشبہ عبادت صورت ہے۔	۶۰۵	مسئلہ ثانیہ	۶۱۲
ہر تشبہ عبادت ملائکہ کے لئے قطعاً موجب نفرت ہے۔	۶۰۵	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے علت کراہت کے بارے میں ایک تنقیح عظیم۔	۶۱۳
جو تصویر نمازی کے پس پشت ہو وہ کب مکروہ ہے۔	۶۰۷	نماز میں عدم کراہت کی صورتیں۔	۶۱۳
شرع مطہر نے جس شیئ کی تعظیم حرام اور توہین واجب کی ہے اس کی من وجہ تعظیم اور من وجہ توہین حرام وناجائز ہے۔	۶۰۷	شمع، چراغ، قندیل، لیمپ، لالٹین یا فانوس سامنے ہو تو نماز مکروہ نہیں۔	۶۱۹
جہاں حلال وحرام جمع ہوں وہاں حرام غالب ہوتا ہے۔	۶۰۷	سومنات کا معنی۔	۶۲۷
اعمال صالحہ وسیئہ کا اختلاط ممنوع ہے جیسے بت کو چومنا اور جوتے مارنا۔	۶۰۷	ایک تفریع عجیب اور بحث غریب	۶۲۸
معظمان دینی کی توہین مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہزار بھی ہوں۔	۶۰۸	مصنف علیہ الرحمہ کی بیان کردہ تنقیح پر متعدد سوالات۔	۶۳۲
امام محمد علیہ الرحمہ نے جانماز میں تصویر کا ہونا مطلقاً مکروہ کیوں قرار دیا۔	۶۰۸	سوال اوّل	۶۳۲
تشبہ دو قسم ہے: (۱) عام (۲) خاص	۶۰۸	سوال دوم	۶۳۳
تصویر کو سامنے رکھ کر اس کی طرف افعال نماز بجالانا اخبث واشد ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔	۶۰۹	سوال سوم	۶۳۳
مکان میں تصویر بروجہ تعظیم رکھنا تو قطعاً ممنوع وگناہ ہے مگر اس مکان میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔	۶۰۹	سوال چہارم	۶۳۳
ما لا یؤثر کراھۃ فی الصلوۃ لایکرہ ابقاؤہ۔	۶۱۰	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے سوالات مذکورہ اربعہ کا جواب۔	۶۳۴
انتفاء اخص سے انتفاء اعم لازم نہیں آتا۔	۶۱۰	ایک نکتہ بدیعہ۔	۶۴۰
کراہت نماز تشبّہ خاص میں منحصر نہیں۔	۶۱۰	تصویر کی اہانت وترک اہانت کے بارے میں چار صورتیں۔	۶۴۰
دو مسئلوں میں توفیق وتطبیق۔	۶۱۱		

صورت اول	۶۴۰	جنات کو انذار و تحذیر کے مختلف طریقے	۶۵۱
صورت دوم	۶۴۰	بیل اور بکرے وغیرہ کو خصّی کرنا جائز ہے مگر آدمی کو خصّی کرنا حرام ہے۔	۶۵۳
صورت سوم ۶۴۰ صورت سوم	۶۴۰	سگ، کبوتر، شکرہ اور باز پالنا، ان سے شکار کرانا، بٹیر بازی اور مرغ بازی جائز ہے یا نہیں۔	۶۵۴
صورت چہارم	۶۴۰	ایک عورت ایک بلّی کے سبب سے دوزخ میں گئی۔	۶۵۶
غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض القاب۔	۶۴۱	جو جانور پالو دن میں ستر بار اسے دانہ پانی دکھاؤ۔	۶۵۶
ضمیمہ تصویر		کتا پالنا حرام ہے، جس گھر میں کتّا ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اس سے نیکیاں گھٹتی ہیں۔	۶۵۷
تصویر کی حرمت کی وجہ	۵۴۱	دو ۲ قسم کے کتّے رکھنے کی اجازت ہے۔	۶۵۸
تصویر بنانا اور بنانے والا شرعاً کیسا ہے۔	۵۵۶	جانوروں کو خصّی کرانا بعض صورتوں میں جائز اور بعض میں ناجائز ہے۔	۶۵۸
تصویر رکھنا تین صورتوں میں جائز ہے۔	۵۵۷	آدمی کو خصّی کرنا مطلقاً حرام ہے۔	۶۵۸
جانوروں کا پالنا، لڑانا اور ان پر رحم و ظلم		کبوتر اڑانا، پان، مرغ بازی، بٹیر بازی، اور کنکیا، ڈور، مانجھا وغیرہ فروخت کرنا کیسا ہے۔	۶۵۹
جی لگی کے لئے جانوروں کو پالنا اور انہیں لڑانا جائز ہے یا نہیں۔	۶۴۳	بلی یا کتا وغیرہ اگر آدمیوں کو کاٹتے ہوں تو ان کا قتل درست ہے۔	۶۵۹
پالتو جانوروں کی خبر گیری کی تاکید شدید حدیث میں حیوان پر ظلم ذمی پر ظلم سے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ سخت ہے۔	۶۴۴	کنکیّا لوٹنا حرام، اڑانا منع اور لڑانا گناہ ہے۔	۶۶۰
طوطا، مینا اور بلبل وغیرہ طیور وحشی پالنے میں اختلاف ہے۔	۶۴۵	بلی تکلیف دیتی ہو تو کیا کرنا چاہئے۔	۶۶۰
سانپ کو قتل کرنا مستحب ہے حتی کہ مُحرم حرم میں بھی اس کو مار سکتا ہے۔	۶۴۵	سانپ کو نہ مارنے سے متعلق ایک حدیث کی توجیہ۔	۶۶۰
بحالت احرام کن جانوروں کو مارنا جائز ہے۔	۶۴۶	بندر کو گھر میں پالنا مکروہ ہے۔	۶۶۱
مدینہ طیبہ میں جنّات کا ایک گروہ مسلمان ہوگیا۔	۶۵۱		

گائے بھینس کا بچہ مرجائے تو اس کے چمڑے کو سکھا کر بصورت بچہ کے بنا کر گائے بھینس کے سامنے رکھ کر دودھ دوہنا جائز ہے۔	۶۶۱	علمائے حرمین نے دیوبندیوں کو نام بنام کافر و مرتد بتایا۔	۶۷۰
چیونٹیوں کو دانہ ڈالنا جائز وکار ثواب ہے۔	۶۶۱	معیز الدین کا معنی دین کو پناہ دینے والا، اور یہ نام رکھنا خودستائی وحرام ہے۔	۶۷۱
نام رکھنے کا بیان		نبی محمد نام رکھنا کیوں ناجائز ہے۔	۶۷۱
ایک لڑکے کا نام مطیع الاسلام، دوسرے کا پالس اور بیٹی کا کنول دیوی رکھنا شیطانی حرکت ہے۔	۶۶۳	اپنے آپ کو عبدالنبی کہنا جائز ہے مگر نام عبداللہ رکھا جائے۔	۶۷۲
ناموں کی ایک قسم کفار کے ساتھ مختص ہے جو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔	۶۶۳	احمد بخش، پیر بخش اور مدار بخش وغیرہ نام رکھنا کیسا ہے۔	۶۷۲
صدیقی، رضوی وغیرہ نام کے ساتھ لکھنا جائز ہے۔	۶۶۴	جو اپنا خطاب، جسمانی وضع اور لباس وغیرہ ہندوؤں کی مثل رکھے وہ عالم کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں۔	۶۷۲
حنفی المذہب کو نسبت ظاہر کرنے کے لئے اسرائیلی لکھنا جائز ہے یا نہیں۔	۶۶۴	○رسالہ **النور والضیاء فی احکام بعض الاسماء**۔ (اچھے اور برے ناموں کے احکام کا بیان)	۶۷۷
اسرائیل سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام مبارک ہے۔	۶۶۴	علی جان، نبی جان، محمد جان، محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد، محمد یٰسین، محمد طلحہ، غفور الدین، غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی اور ہدایت علی نام رکھنا کیسا ہے۔	۶۷۷
ہر مسلمان بلکہ تمام عالم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملک ہے۔	۶۶۶	ہدایت علی نام رکھنے کے بارے میں مولانا عبدالحیٔ لکھنوی کے ایک فتوی سے متعلق استفتاء۔	۶۷۷
عبدالمصطفی، غلام علی، پیر بخش، نذر حسین، خادم غوث اور کنیز فاطمہ وغیرہ نام رکھنا جائز ہے یا نہیں۔	۶۶۸	محمد نبی اور نبی احمد نام رکھنے میں ادعائے نبوت حقیقتًا نہ ہونا مسلم مگر صورت ادعاء ضرور ہے حقیقتًا ادعائے نبوت کفر خالص اور صورت ادعاء حرام ومحظور ہے۔	۶۷۷
مصنف علیہ الرحمہ کے تین رسالوں کا حوالہ	۶۶۹	کیا اعلام میں معنی اول ملحوظ نہیں ہوتے ہیں۔	۶۷۸
سنی مسلمان کو لبرا کہنا فاسق ہے۔	۶۶۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بکثرت ایسے اسماء تبدیل فرمائے جن کے معنی اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی۔	۶۷۸
مسجد کے لوٹوں کا پانی ناپاک بتانا باطل ہے۔	۶۷۰		

بیشک تم روز قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤگے، تو اپنے نام اچھے رکھو (الحدیث)	۶۷۹	وہابیہ کے دین فاسد میں محبوبان خدا کا نام ذرا اعزاز وتکریم کی نگاہ سے آیا اور شرک نے منہ پھیلایا۔	۶۹۲
اعلام میں معنی اصلی بالکل ساقط النظر نہیں۔	۶۷۹	پیشوائے وہابیہ کے نزدیک قبر پر شامیانہ کھڑا کرنا مور چھل جھلنا شرک ہے۔	۶۹۲
یسین وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے۔	۶۸۰	وہابیہ کے نزدیک غلام محمد وغلام غوث شرک اور غلام آفتاب ہونا جائز وبے ملام ہے۔	۶۹۲
نام معلوم المعنی منتر جائز نہیں۔	۶۸۰	فارسی میں غلام آفتاب، عربی میں عبدشمس اور ہندی میں سورج داس کا معنی ایک جیسا ہے۔	۶۹۲
غفورالدین نام رکھنا سخت قبیح وشنیع ہے کیونکہ اس کا معنی ہے دین کو مٹانے والا۔	۶۸۱	ہدایت علی نام کا جواز ظاہر وباہر ہے اس میں عدم جواز کی اصلًا بو نہیں۔	۶۹۲
غالبًا اسم ومسمّٰی میں کوئی مناسبت غیب سے ملحوظ ہوتی ہے۔	۶۸۲	مولوی عبدالحیٔ لکھنوی کے ہدایت علی کے عدم جواز سے متعلق فتوی کا خلاصہ۔	۶۹۳
قبیح ناموں کا مسمّٰی پر برا اثر پڑتا ہے۔	۶۸۲	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے مولوی عبدالحہ صاحب کے فتوی کا ردِّ بلیغ۔	۶۹۵
برے نام کے ساتھ نام پاک محمد کو ملانا اس نام کریم کی گستاخی ہے۔	۶۸۳	پہلا رد (اولًا)	۶۹۵
کن کن ناموں کے ساتھ نام محمد کو ملانا جائز نہیں۔	۶۸۳	ممنوع ایہام ہے نہ مجرد احتمال۔	۶۹۵
محمد واحمد نام رکھنے کے فضائل وبرکات پر مشتمل پندرہ احادیث کریمہ۔	۶۸۶	ایہام واحتمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔	۶۹۵
عرف قرآن وحدیث وصحابہ میں مومن اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو۔	۶۸۷	ایہام کی تعریف جس کو تخییل بھی کہا جاتا ہے۔	۶۹۵
بدمذہب جہنّم کے کتے ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔	۶۸۷	مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع وطعن سے خالی رہے گا۔	۶۹۵
سید احمد خان کا مسلک۔	۶۹۰	فائدہ واجب الحفظ	۶۹۶
جن ناموں میں اسماء محبوبان خدا کی طرف لفظ کی اضافت ہو ان کا جواز قطعًا بدیہی ہے۔	۶۹۱	دوسرا رد (ثانیًا)	۶۹۶
غلام اللہ اور اس جیسے نام رکھنا ممنوع ہیں۔	۶۹۲	تیسرا رد (ثالثًا)	۶۹۶

رب العزت نے انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام میں کسی کو ایک کسی کو دو نام اپنے اسماء حسنٰی میں سے عطا فرمائے۔	۶۹۶	گیارھواں رَد (حادی عشر)	۷۰۰
حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسماء طیبہ میں ساٹھ سے زائد اسماء الٰہیہ آئے ہیں۔	۶۹۶	بارھواں رَد (ثانی عشر)	۷۰۰
چوتھا رَد (رابعاً)	۶۹۷	عبدالنبی جیسے نام رکھنے کے بارے میں مولوی عبدالحیٔ لکھنوی صاحب کے فتوٰی پر محققانہ گرفت۔	۷۰۰
مولوی عبدالحیٔ صاحب کے فتوٰی کی بنیاد پر خود ان کا اپنا نام بھی ممنوع وناجائز ہے۔	۶۹۷	لکھنوی صاحب کے فتوٰی کے مخدوش ہونے کی سات وجوہ۔	۷۰۱
مولانا عبدالحلیم صاحب کا ذکر خیر۔	۶۹۸	وجہ اوّل (اوّلاً)	۷۰۱
پانچواں رَد (خامساً)	۶۹۸	عبد وبندہ میں سوا اختلاف زبان کے کوئی فرق نہیں۔	۷۰۱
چھٹا رَد (سادساً)	۶۹۸	عبد وبندہ عربی وعجمی زبان میں الٰہ وخدا اور مولٰی وآقا کے مقابل بولے جاتے ہیں۔	۷۰۱
ساتواں رَد (سابعاً)	۶۹۸	مثنوی معنوی کے ایک شعر سے استدلال۔	۷۰۱
ایصال الی المطلوب اور اراءۃ الطریق دونوں دو معنی خلق وتسبب پر مشتمل ہیں۔	۶۹۸	وجہ دوم (ثانیاً)	۷۰۱
بمعنی خلق دونوں مختص بحضرت احدیت ہیں اور بمعنی سببیت دونوں غیر کے لئے حاصل ہیں۔	۶۹۸	عبد بمعنی بندہ وبمعنی مملوک میں یہ تفرقہ کہ اول شرک اور ثانی خلاف واقع ہے محض بے اصل ہے۔	۷۰۱
جس طرح ہدایت بمعنی خلق غیر خدا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتی اسی طرح بمعنی محض تسبب حضرت عزت جلالہ کی طرف نسبت نہیں پا سکتی۔	۶۹۹	مملوک ملک ذاتی حقیقی وملک عطائی مجازی دونوں کو مشتمل ہے۔	۷۰۱
آٹھواں رَد (ثامناً)	۶۹۹	بندہ بمقابل خدا وخواجہ دونوں طرح مستعمل ہے۔	۷۰۱
انبت الربیع البقل میں قائل کا موحد ہونا ہی قرینہ شافیہ ہے کہ اسناد مجاز عقلی ہے۔	۶۹۹	وجہ سوم (ثالثاً)	۷۰۱
نواں رَد (تاسعاً)	۶۹۹	خود کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مملوک ماننا ائمہ دین، اولیاء معتمدین اور علماء مستندین کی نظر میں مکمل ایمان ہے اور جو اس اعتقاد سے خالی ہے وہ حلاوت ایمان سے بے بہرہ ہے۔	۷۰۱
دسواں رَد (عاشراً)	۶۹۹		

وجہ چہارم (رابعاً)	۷۰۲	خط کاتب کی ملک ہے یا مکتوب الیہ کی۔	۷۱۰
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مالک ہونے پر زبور کی ایک عبارت سے استدلال۔	۷۰۲	کسی کے دوسرے کو خطوط روکنے اور دیکھنے کا اختیار نہیں ورنہ گنہگار ہوگا۔	۷۱۳
وجہ پنجم (خامساً)	۷۰۲	بدگمانی اور تجسّس گناہ ہے۔	۷۱۳
حدیث سے شہادت کہ حضور پرنور علیہ الصلٰوۃ والسلام مالک الناس اور دیّان العرب ہیں۔	۷۰۳	جواب سلام علی الفور واجب ہے تاخیر میں اثم ہوگا۔	۷۱۴
وجہ ششم (سادساً)	۷۰۳	ایک ضعیف السند حدیث	۷۱۴
مولوی عبدالحیٔ صاحب کی غلطی کا منشاء	۷۰۳	جواب کتاب حتی الوسع ضرور دینا چاہئے۔	۷۱۴
معنی مالکیت کی تحقیق	۷۰۴	**سیاسیات (ممبری، ووٹ، الیکشن اور تنظیم سازی وغیرہ)**	۷۱۷
مالکیت حقہ صادقہ کاملہ محیطہ شاملہ تامہ حضور پرنور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو بخلاف کبرٰی حضرت کبریا عزوجل تمام جہان پر حاصل ہے۔	۷۰۴	ممبری کوئی شرعی بات نہیں۔	۷۱۷
وجہ ہفتم (سابعاً)	۷۰۴	خوجہ کو اسلامی جلسہ کا رکن بنانا حرام ہے۔	۷۱۷
حدیث صحیح مسلم سے مولوی صاحب مذکور کا استدلال درست نہیں۔	۷۰۴	قرآن وحدیث سے مسئلہ کی تائید	۷۱۷
حدیث مذکور کی صحیح توجیہ اور دیگر احادیث وآیات قرآنیہ سے اس کی تطبیق وتوفیق۔	۷۰۵	یہ خیال جاہلانہ ہے کہ ۹۴ سینوں میں ایک بدمذہب کیا اثر کرے گی۔	۷۱۸
امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے برسر مجمع صحابہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عبد وخادم کہا۔	۷۰۶	چورانوے قطر گلاب میں ایک بوند پیشاب ڈال دو تو سب پیشاب ہوجائے گا۔	۷۱۸
خط وکتابت (بلااجازت کسی کا خط روکنا، کھولنا اور پڑھنا وغیرہ)	۷۰۹	سلطان المعظم سلطنت روم خلیفۃ المسلمین ہیں یا نہیں، موجودہ حالت میں مسلمانوں کو ان کی ہمدردی کرنی چاہئے یا نہیں۔	۷۱۸
کسی کا خط اس کی اجازت کے بغیر کھولنے اور پڑھنے والا گنہگار و مستحق وعید ہے۔	۷۱۰		

ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر لازم ہے۔	۷۱۸	نامقدور بات پر ابھارنا جو موجب ضرر مسلمین ہو خیر خواہی مسلمین نہیں بدخواہی ہے۔	۷۱۹
ہر فرض بقدر قدرت ہے اور ہر تکلیف بشرط استطاعت۔	۷۱۹		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وسیر		تقدیر الٰہی سے بھاگنا اور بلاء الٰہی کا مقابلہ کرنا دونوں ممنوع ہیں۔	۳۰۸
شرع مطہر کی تحقیر کرنے والا اجماعاً قطعاً کافر ہے۔	۱۰۴	توکل معارضہ اسباب کا نام نہیں۔	۳۰۸
تفسیر جلالین شریف یا کسی بھی دینی کتاب کی توہین و تحقیر کا حکم۔	۱۰۴	ان مسلمانوں پر افسوس ہے جو مسلمانوں کی مخالفت میں ہندوؤں کا ساتھ دیں۔	۳۲۳
ہنود قطعاً بت پرست مشرک ہیں۔	۱۶۲	قبول عمل وعبادت ہر شخص کا حق سبحانہ، وتعالٰی کا اختیار ہے۔	۳۳۹
بتوں کی تعظیم انہیں بارگارہ عزت میں شفیع ماننا اور ان سے شفاعت چاہنا کفر ہے۔	۱۶۲	حکم شرع سن کر گناہ پر ڈٹ جانا استحقاق عذاب نار ہے۔	۳۴۸
محبوبان خدا سے توسل محمود ہے۔	۱۸۰	نظر مسبّب جل وعلا پر رکھ کر جائز اسباب رزق کا اختیار کرنا ہرگز منافی توکل نہیں۔	۳۷۹
جہاں چالیس مسلمان صالح ہوں ان میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے۔	۱۸۴	توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اعتماد علی الاسباب کا ترک ہے۔	۳۷۹
انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام غلطی سے معصوم ہیں۔	۲۰۶	اللہ تعالٰی کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کو ستانا اکبر الکبائر ہے۔	۴۰۳
جس طرح طاعون سے بھاگنا حرام ہے اس کے لئے وہاں جانا بھی ناجائز وگناہ ہے۔	۳۰۸		

کونسا علم پڑھنا فرض، کونسا واجب اور کونسا حرام ہے۔	۴۳۶	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر عیب ونقص سے منزہ وبے مثال ہیں۔	۴۸۷
یہ مردود فلسفہ کفر وضلالت سے بھرا ہوا وجہالتوں کا مجموعہ ہے۔	۴۳۹	تعزیہ کی ناجوازی کے قائل کو کافر یا مرتد کہنا کیسا ہے۔	۴۹۹
جس شخص نے شرعی قبیح کے مرتکب کو کہا تونے اچھا کیا ہے، تو وہ کافر ہوگیا۔	۴۴۲	تعزیہ بنانا شرک نہیں بدعت وگناہ ہے۔	۵۰۳
فلسفے کی فضیلت کو فقہ کی فضیلت پر ترجیح دینا ضمناً علم دین کی توہین ہے۔	۴۴۲	حضرات امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما خواہ کسی غیر نبی کو نبی سے افضل کہنا کفر ہے۔	۵۰۸
علم دین کی صراحتاً توہین کفر ہے۔	۴۴۲	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے۔	۵۰۸
حقوق اللہ کو اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معاف نہیں کرسکتا۔	۴۶۰	ربیع الاول شریف کو علماء امت نے ماتم وفات کے بجائے موسم شادی ولادت کیوں ٹھہرایا۔	۵۱۵
اللہ تعالٰی ہمارا اور ہمارے مال وجان اور حقوق سب کا مالک ہے۔	۴۶۰	ماتھے پر قشقہ تلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے۔	۵۴۹
دفتر تین ہیں، ایک میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ بخشے گا، ایک کی پروانہیں کرے گا، اور ایک سے کچھ نہ چھوڑے گا۔	۴۶۰	زنار باندھنا کفر ہے۔	۵۵۰
روز قیامت ہر کسی کو اہل حقوق کے حق ان کو دینا پڑیں گے۔	۴۶۱	حقیقی مستحق پر تعظیم وہی حقیقی جلیل عظیم عزجلالہ ہے۔	۵۹۹
قیامت کے دن اہل حقوق کے حقوق کی ادائیگی کا طریقہ۔	۴۶۱	معظمان دینی کی تعظیم اللہ تعالٰی کی طرف نسبت وعلاقہ سے ہے۔	۵۹۹
لاالٰہ الا اللہ کا معنی۔	۴۷۵	بوڑھے مسلمان، سنی عالم اور عادل بادشاہ کی تعظیمیں اللہ تعالٰی ہی کی تعظیم ہیں۔ (حدیث)	۵۹۹
مدار ایمان محبت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	۴۸۶	جس وجہ کو اس عظیم حقیقی (اللہ تعالٰی) سے علاقہ نہیں وہ اصلاً لائق تعظیم نہیں۔	۶۰۰
محب کو محبوب کی ہر شیئ عزیز ہوتی ہے۔	۴۸۶	ہر تشبہ عبادت ملائکہ کے لئے قطعاً موجب نفرت ہے۔	۶۰۵
		علمائے حرمین نے دیوبندیوں کو نام بنام کافر ومرتد بتایا۔	۶۷۰

حقیقتًا ادعائے نبوت کفر خالص اور صورت ادعاء حرام ومحظور ہے۔	۶۷۷	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سائل اور نالشی کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے۔	۳۷۷
غالبًا اسم ومسمّی میں کوئی مناسبت غیب سے ملحوظ ہوتی ہے۔	۶۸۲	حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے دواتیوں پر کرم خداوندی دیکھ کر ضحک فرمایا۔	۴۶۴
قبیح ناموں کا مسمّی پر برا اثر پڑتا ہے۔	۶۸۲	حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسماء طیبہ میں ساٹھ سے زائد اسماء الٰہیہ آئے ہیں۔	۶۹۶
برے نام کے ساتھ نام پاک محمد کو ملانا اس نام کریم کی گستاخی ہے۔	۶۸۳	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مالک ہونے پر زبور کی ایک عبارت سے استدلال۔	۷۰۲
کن کن ناموں کے ساتھ نام پاک محمد کو ملانا جائز نہیں۔	۶۸۳	حضور پرنور علیہ الصلٰوۃ والسلام مالک الناس اور دیّان العرب ہیں۔	۷۰۳
عرف قرآن وحدیث وصحابہ میں مومن اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو۔	۶۸۷	نماز وامامت واذان وطہارت ونجاست	
بدمذہب جہنّم کے کتے ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔	۶۸۷	تین وقتوں میں نماز حرام ہونے کی حکمت۔	۱۲۴
جس طرح ہدایت بمعنی خلق غیر خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی اسی طرح بمعنی محض تسبب حضرت عزت جلالہ، کی طرف نسبت نہیں پاسکتی۔	۶۹۹	مزامیر کو حلال کہنے والے کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔	۱۴۰
عبد بمعنی بندہ وبمعنی مملوک میں یہ تفرقہ کہ اول شرک اور ثانی خلاف واقع ہے محض بے اصل ہے۔	۷۰۱	فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے۔	۱۴۳
خود کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مملوک ماننا ائمہ دین، اولیاء معتمدین اور علماء مستندین کی نظر میں مکمل ایمان ہے اور جو اس اعتقاد سے خالی ہے وہ حلاوت ایمان سے بے بہرہ ہے۔	۷۰۱	دفع مرض ہیضہ کے لئے میدان میں اذان دینا کیسا ہے۔	۱۸۱
مالکیت حقہ صادقہ کاملہ محیط شاملہ تامہ حضور پرنور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو بخلاف کبرٰی حضرت کبریا عزوجل تمام جہاں پر حاصل ہے۔	۷۰۴	نفل جماعت کثیرہ کے ساتھ مکروہ ہے۔	۱۸۵
سیرت وفضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم		شراب مطلقًا حرام اور پیشاب کی طرح نجس ہے۔	۱۹۳
انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدی پر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے انکار نہ فرمایا۔	۸۵	کسی چیز کی حقیقت جانے بغیر اس کی نجاست کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔	۱۹۴
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام ماں باپ سے بڑھ کر امت پر مہربان ہیں۔	۳۰۶		

شراب حرام بھی ہے اور نجس بھی، اس کا خارج بدن پر لگانا بھی ناجائز ہے۔	۱۹۸	امام کا محراب میں کھڑا ہونا اور تمام مقتدیوں سے بلند ہونا مکروہ ہے۔	۵۴۰
افیون حرام ہے نجس نہیں، خارج بدن پر اس کا استعمال جائز ہے۔	۱۹۸	نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا امام اعظم کے نزدیک مفسد نماز اور صاحبین کے نزدیک مکروہ ہے۔	۵۴۱
اسپرٹ حرام ہونے کے علاوہ ناپاک بھی ہے۔	۲۰۲	تصویر والی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔	۵۴۱
شراب کو بدن پر ملنا بھی حرام ہے۔	۲۰۸	جہت قبلہ میں صلیب ہو تو نماز مکروہ ہے۔	۵۴۱
فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۲۹۰	حقہ کا پانی پاک ہے۔	۵۵۷
سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرنے والا کافر ہے۔ اس کے پیچھے نماز باطل ہے۔	۳۴۲	جس مکان میں تصویر ہو اس میں نماز مکروہ ہے۔	۵۹۳
ولد الزنا کے ساتھ کھانا اور بشرط علم اس کے پیچھے نماز دونوں درست ہیں۔	۳۴۳	جو تصویر نمازی کے پس پشت ہو وہ کب مکروہ ہے۔	۶۰۷
کاذب وسارق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۴۰۵	تصویر کو سامنے رکھ کر اس کی طرف افعال نماز بجالانا اخبث واشد ہے اور اس صورت میں نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔	۶۰۹
ماں کے گستاخ کے پیچھے نماز سخت مکروہ، مکروہ تحریمی قریب بحرام واجب الاعادہ ہے۔	۴۰۵	مکان میں تصویر بروجہ تعظیم رکھنا تو قطعاً ممنوع وگناہ ہے مگر اس مکان میں نماز مکروہ تنزیہی ہوگی۔	۶۰۹
امامت کا زیادہ حقدار کون ہے۔	۴۳۴	نماز میں عدم کراہت کی صورتیں۔	۶۱۳
فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔	۴۴۳	شمع، چراغ، قندیل، لیمپ، لالٹین یا فانوس سامنے ہو تو نماز مکروہ نہیں۔	۶۱۹
فاسق کو امام بنانے والے گناہ عظیم میں مبتلا ہیں۔	۴۴۳	مسجد کے لوٹوں کا پانی ناپاک بتانا باطل ہے۔	۶۷۰
متکلمین کی امامت کا بیان	۴۴۴	چورانوے قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب ڈال دو تو سب پیشاب ہو جائے گا۔	۷۱۸
تعزیہ داری میں غلو کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے۔	۴۹۹	**احکام مسجد**	
اذان سنتے وقت انگوٹھے چومنا جائز ومستحب، اور آیت کریمہ سنتے وقت ناجائز ہے۔	۵۱۰	قادیانی سے مسجد کے لئے پیسے نہ لئے جائیں۔	۳۲۷

روزہ وحج وزکوۃ وصدقات		رقص وتمایل کے حلقہ میں تالیاں بجاتے ہوئے "الااللہ" کا ذکر کرنا کیسا ہے، اس انداز ذکر کو ناپسند جاننے والوں کو اعراض ذکر کا طعنہ دینے اور تفسیر جلالین کو ظاہری تفسیر کہہ کر حقارت سے اس کا ذکر کرنے والے کا کیا حکم ہے۔	۸۶
مال حرام سے حج کرنا۔	۳۳۹	حلقہ ذکر اگر بروجہ ریاء وسمعہ نہ ہو بلکہ خالصاً لوجہ اللہ ہو تو امر محبوب ہے۔	۸۷
صاحب نصاب وقادر علی الاکتساب کو صدقات واجبہ لینا جائز نہیں۔	۳۷۹	ذکر کے حلقے جنت کی کیاریاں ہیں۔	۸۷
عشرہ محرم کے روزے بہت ثواب اور نہایت افضل ہیں۔	۴۹۹	چلا کر ذکر کرنے والوں کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد سے نکلوادیا۔	۱۰۱
جنائز		اشبہ توسل دعا ہے اور دعا کا طریقہ اخفاء ہے۔	۱۸۰
کتنے میت کا جنازہ اکٹھا ہوسکتا ہے۔	۱۹۸	ذکر الٰہی کے فضائل	۱۸۱
نابالغ لڑکی اور لڑکے کا جنازہ بالغ کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں، اگر ہوسکتا ہے تو دعائیں کیسے پڑھی جائیں۔	۱۹۸	دعائے مجمع مسلمین اقرب بقبول ہے۔	۱۸۴
مرد اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھا سکتا ہے۔	۲۰۰	**نکاح وطلاق**	
ایصال ثواب		جس کی بارات میں کثرت سے باجے، روشنی اور گھوڑے ہوں اس کا نکاح شرعاً ہوتا ہے یا نہیں اور ایسی بارات میں شرکت سے گناہ ہوگا یا نہیں۔	۱۳۴
سوائے حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے محرم میں کسی کی نیاز نہ دلانا جہالت ہے۔	۴۸۸	ہنود کے میلے میں جانا حرام ہے مگر نکاح نہیں ٹوٹتا جب اسے اچھا نہ جانے۔	۱۴۲
امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح کو ایصال ثواب ہر روز مستحب ومستحسن ہے۔	۵۰۰	خطبہ نکاح سنت ہے۔	۱۷۰
فاتحہ ہر وقت جائز ہے۔	۵۰۹	لڑکا اور لڑکی نابالغ تھے ان کی شادی ہوگئی، پھر لڑکی بیوہ ہوگئی، تو کیا عقد ثانی کے بارہ میں مدت لیا جائے گا یا نہیں، اگر مدت لیا جائے گا تو کب تک۔	۱۹۸
ذکر ودعا			

عورت اپنے جذامی شوہر کو ہمبستری سے منع نہیں کر سکتی۔	۲۸۲	باپ کے تعلقداروں کے ساتھ بھلائی کی تاکید۔	۳۸۷
جذامی شوہر سے عورت کو فسخ نکاح کی درخواست کا حق نہیں۔	۲۸۲	**زیور وزینت**	
بارہ سال سے مجرد رہنا اور نکاح نہ کرنا کوئی وجہ مواخذہ نہیں۔	۳۶۲	عورتوں کو ہاتھوں پر مہندی لگانے کا حکم دیا گیا تاکہ مردوں سے مشابہت نہ ہو۔	۵۳۸
حقیقی ماں کی طرح سوتیلی ماں بھی حرام ابدی ہے۔	۳۸۷	مرد کو ہتھیلی یا تلوے پر مہندی لگانا حرام ہے۔	۵۴۲
ایک مسلمان نے کسی عورت کو پیغام نکاح دے رکھا ہو تو دوسرا مت دے۔	۴۲۸	مرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی انگوٹھی ایک نگ کی جائز ہے زیادہ کی ناجائز ہے۔	۵۴۴
آدمی اپنا نکاح رذیل قوم میں نہ کرے بلکہ دیندار لوگوں میں کرے اور حبشیوں میں قرابت نہ کرے۔	۴۵۲	چاندی کی مردانی انگوٹھی عورت کو نہ چاہئے اور پہنے تو زغفران وغیرہ سے رنگ لے۔	۵۴۴
رضاعت		مرد سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے کہ رافضیوں کا شعار ہے۔	۵۴۵
بچہ کو نمازی صالحہ شریف القوم عورت سے دودھ پلوایا جائے۔	۴۵۳	**رسم ورواج**	
عشرت		غازی میاں کا بیاہ محض جاہلانہ رسم ہے۔	۴۹۲
بسم اللہ سے جماع کی ابتداء کرے، شرمگاہ زن پر نگاہ نہ کرے، زیادہ باتیں نہ کرے، اور مرد وزن مکمل برہنہ نہ ہوں۔	۴۵۲	مہندی ناجائز ہے اس کا آغاز کسی جاہل سفیہ نے کیا ہوگا۔	۵۱۰
عقیقہ		**فوائد تفسیریہ**	
ساتویں، چودھویں یا اکیسویں دن عقیقہ کیا جائے۔	۴۵۲	آیت کریمہ "ومن اعرض عن ذکری" میں اعراض عن الذکر سے کیا مراد ہے۔	۱۰۰
صلہ رحمی		آیت کریمہ "ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کا مصداق ومطلب۔	۱۹۱

فوائد حدیثیہ		حدیث ہشتم کا مطلب	۲۴۱
معازف کا لفظ جو حدیث میں مذکور ہے سب باجوں کو شامل ہے۔	۱۴۰	اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال	۲۴۲
حدیث فرار عن الطاعون کو مخدوش و مجروح اور اس کے راویوں کو مجہول وغیر ثقہ کہنے والا جاہل یا گمراہ ہے۔	۱۹۰	حدیث نہم میں چار وجوہ	۲۴۲
حدیث طاعون کی ایک غلط تاویل کا زور دار رَد۔	۱۹۰	حدیث یازدہم ودوازدہم کی توجیہ۔	۲۴۲
جذام کے مریض سے متعلق متعدد احادیث۔	۲۱۶	تیرہویں حدیث سے عدوٰی کی بیخ کنی اور اس کا بے اصل ہونا ظاہر ہے۔	۲۴۲
پندرھویں حدیث کے رواۃ کی جرح وتعدیل۔	۲۲۵	اکتیسویں حدیث کی توجیہ۔	۲۴۲
حدیث لاعدوٰی کے مختلف طرق پر محدثانہ گفتگو۔	۲۲۹	حدیث دوم، سوم، پنجم اور دہم قابل استدلال نہیں ہیں۔	۲۴۳
اکتیسویں حدیث پر گفتگو اور یہ حدیث دونوں مضمونوں کی جامع ہے۔	۲۳۳	حدیث اول پر کئی طریقوں سے بحث اور گفتگو	۲۴۳
بتیسویں حدیث پر محدثانہ گفتگو	۲۳۴	طرق اول: حدیث اول کے ثبوت میں کلام، یہ طریقہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے۔	۲۴۳
مختلف احادیث میں تطبیق	۲۳۷	متعدد احادیث کا حوالہ	۲۴۳
اثبات عدوٰی کی احادیث اس درجہ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔	۲۳۷	دوم: مجذوم وغیرہ سے بھاگنے کی حدیثیں منسوخ ہیں، احادیث نفی عدوٰی نے انہیں منسوخ کردیا۔	۲۴۸
کوئی حدیث ثبوت عدوٰی میں نص نہیں۔	۲۳۹	سوم: بھاگنے کا حکم اس لئے کہ وہاں ٹھہریں گے تو ان پر نظر پڑے گی جس سے مفاسد عجب و تحقیر وایذاء پیدا ہوں گے۔	۲۵۰
جذامیوں کو تیز نگاہ سے نہ دیکھو، حدیث چہارم کا محمل یہی ہے۔	۲۳۹	چہارم: امر فرار اس لئے ہے کہ اس کی بدبو وغیرہ سے ایذاء نہ پائیں۔	۲۵۰
حدیث ششم میں کہ ان ثقفی سے فرمایا پلٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی، متعدد وجوہ رکھتی ہے۔	۲۴۰	پنجم: مذہب جمہور کہ دوری وفرار کا حکم وسوسہ ابلیس اور اعتقاد باطل سے بچانے کے لئے ہے۔	۲۵۰
حدیث ہفتم کی توجیہ	۲۴۱	التوفیق بین الحدیثین	۲۵۳

دو صحیح حدیثوں میں تطبیق	۲۶۴	حدیث مذکور کی صحیح توجیہ اور دیگر احادیث وآیات قرآنیہ سے اس کی تطبیق وتوفیق۔	۷۰۵
صحابی کا قول مخالف حدیث ہو تو تطبیق کی صورتیں۔	۲۹۲	ایک ضعیف السند حدیث	۷۱۴
تحقیق مصنف علیہ الرحمہ کہ الفاظ مختلفہ کے باوجود احادیث متعلقہ طاعون میں کوئی تعارض وتخالف نہیں۔	۲۹۹	**فوائد اصولیہ**	
تمام الفاظ احادیث میں صرف طاعون سے بھاگنے پر وعید شدید ہے اور صبر کرکے ٹھہرے رہنے کی ترغیب وتاکید ہے شہر، محلے یا حوالی شہر کی کوئی قید نہیں۔	۲۹۹	فقہی احکام غالب حالات پر مبنی ہوتے ہیں۔	۷۶
حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے استدلال۔	۲۹۹	نصوص اپنے ظاہری معنی پر محمول ہوا کرتے ہیں۔	۱۰۴
حدیث مسند احمد اور حدیث بخاری میں اصلًا اختلاف نہیں۔	۳۰۰	احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یا متشابہ پیش نہیں ہوسکتے۔	۱۱۵
حدیث میں لفظ یمکث کا فائدہ۔	۳۰۲	شرع میں فتنہ کی طرح دعی فتنہ بھی حرام ہے۔	۱۲۰
ان حدیثوں کا مطلب جو طاعونی شہر میں جانے یا وہاں سے بھاگنے کی ممانعت پر مشتمل ہیں۔	۳۰۹	دواعی حرام کے لئے مستلزم حرام ہونا ضروری نہیں۔	۱۲۱
حدیث لما ثقل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جواز نوحہ پر استدلال کیسا ہے۔	۴۸۵	حرمت دواعی وقت افضاء پر مقود نہیں۔	۱۲۱
حدیث من تشبّہ بقوم فھو منھم کا مطلب۔	۵۳۰	شرع مطہر مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اس کے بعد وجود منشاء حکم پر نظر نہیں رکھتی۔	۱۲۱
سانپ کو نہ مارنے سے متعلق ایک حدیث کی توجیہ۔	۶۶۰	احکام فقہیہ میں غالب کالحاظ ہوتا ہے، نادر کے لئے کوئی حکم جدا نہیں کیا جاتا۔	۱۲۱
حدیث صحیح مسلم سے مولوی صاحب مذکور کا استدلال درست نہیں۔	۷۰۴	جبکہ منشاء تحریم داعی ہونا ہے اور اس میں ہر داعی مستقل تو ایک کی تحریم دوسرے کے وجود پر موقوف نہیں ہوسکتی۔	۱۲۲
		رعایت فعل اختیاری ہے۔	۱۲۷

فعل اختیاری کو قصد لازم ہے۔	۱۲۷	صغیرہ پر اصرار اسے کبیرہ کردیتاہے اور کبیرہ پر اصرار اسے سخت ترکبیرہ کردیتاہے۔	۲۸۹
قصد بے علم ناممکن ہے۔	۱۲۷	کوئی گناہ اصرار کے بعد صغیرہ نہیں رہتا۔	۲۸۹
حرام ہر حال میں حرام رہے گا۔	۱۳۹	نفس گناہ میں احکام الٰہیہ سے معارضہ کی وہ شان نہیں جو برعکس حکم شرع نہی عن المعروف وامر بالمنکر میں ہے۔	۲۸۹
حلال وحرام ایک نہیں ہوسکتے۔	۱۴۷	جس امر میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہ ہو اس میں قول صحابی دلیل قول رسول ہے۔	۲۹۲
کوئی مجلس اگر فی نفسہٖ منکرات شرعیہ پر مشتمل نہ ہو تو عموم اذن اور شمول دعوت میں حرج نہیں۔	۱۴۷	طاعون کو آگ اور زلزلے پر قیاس کرنا باطل ہے۔	۳۰۶
بعض باتیں بوجہ دقت وغموض افہام قاصرہ پر موجب فتنہ ہوتی ہیں۔	۱۴۸	ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کردیتی ہیں۔	۳۲۷
صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے سامنے محتمل اور محکم کے مقابل متشابہ واجب الترک ہے۔	۱۵۰	فاسق سے بغض حقیقتاً اس کے فعل کی طرف راجع ہے نہ کہ اس کی ذات کی طرف۔	۳۲۷
قول وحکایت فعل میں برابری نہیں۔	۱۵۰	جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہو وہ آسان کو اختیار کرے۔	۳۵۳
محرم ومبیح مساوی نہیں۔	۱۵۰	سکوت علی المنکر کب حرام ہے اور کب نہیں۔	۳۶۱
مغلوبین حال کے احوال، اقوال، افعال اور اعمال نہ قابل استناد ہیں نہ لائق تقلید۔	۱۵۸	نقل بالمعنی میں وسعت عظیم ہے۔	۳۶۱
نائب جب مسند نیابت پر ہو تو اس دربار کی توہین اصل سلطان کی توہین ہے۔	۱۷۲	بلاوجہ شرعی کسی مسلمان کو تکلیف دینا قطعی حرام ہے۔	۴۲۵
جس کام کا کرنا حرام اس پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔	۱۷۲	حقوق العباد کا ضابطہ کلیہ	۴۶۰
عدد نافی زیادت نہیں۔	۱۸۰	صاحب حق جب تک معاف نہ کرے اس وقت تک کسی قسم کا حق معاف نہیں ہوتا۔	۴۶۰
جو اقوی کی مدافعت کرے وہ اضعف کی بدرجہ اولٰی کرے گا۔	۲۰۶	شیئ کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے اور کچھ امور زائد کو لوازم وعوارض ہوتے ہیں۔	۵۱۷
لیس بالقوی اور لیس بقوی میں بڑا فرق ہے۔	۲۲۵	احکام شرعیہ شیئ پر بحسب وجود ہوتے ہیں مجرد اعتبار عقلی نا صالح وجود مطمح احکام شرع نہیں ہوتا۔	۵۱۷
تخمین مثل تبیین نہیں۔	۲۳۹	فقہ افعال مکلفین سے باحث ہے تو جو فعلیت میں نہیں آسکتا موضوع سے خارج ہے۔	۵۱۷
اذاجاء الاحتمال بطل الاستدلال	۲۴۲		

تغائر اعتبار سے تغائر احکام وہیں ہوسکتا ہے جہاں وہ اعتبارات واقعیہ مفارقہ متعاقبہ ہوں کہ شیئ کبھی ایک کے ساتھ پائی جائے کبھی دوسرے کے ساتھ	۵۱۷	تصویر ممنوع میں کراہت نماز وحکم ممانعت کی علت عندالمشائخ مشابہت عبادت صنم ہے۔	۵۸۹
جو زوائد لوازم الوجود ہوں ان کے حکم سے جدا کوئی حکم حقیقت کے لئے نہ ہوگا۔	۵۱۷	نمازی کے کپڑوں میں تصویر ہونے کی ممانعت کی علت حامل صنم سے مشابہت ہے۔	۵۸۹
لازم سے انفکاک محال ہے۔	۵۱۷	نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے۔	۵۹۳
ارکان حقیقت کہ ماہیت میں داخل ہوں ان سے قطع نظر نا ممکن ہے۔	۵۱۷	حدیث جبرائیل مخصوص البعض ہے۔	۵۹۴
ماہیت عرفیہ میں رکنیت تابع عرف ہے۔	۵۱۷	ہر تعظیم صورت تشبہ عبادت صورت ہے۔	۶۰۵
عوارض قبیحہ سے نفس شیئ مباح یا حسن قبیح نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اپنی حد ذات میں اپنے حکم اصلی پر رہتی ہے۔	۵۱۸	شرع مطہر نے جس شیئ کی تعظیم حرام اور توہین واجب کی ہے اس کی من وجہ تعظیم اور من وجہ توہین حرام وناجائز ہے۔	۶۰۷
ہر چیز میں اہل کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں۔	۵۳۳	جہاں حلال وحرام جمع ہوں وہاں حرام غالب ہوتا ہے۔	۶۰۷
عادت وعرف کی خلاف ورزی مکروہ وباعث شہرت ہے۔	۵۳۵	اعمال صالحہ وسیئہ کا اختلاط ممنوع ہے جیسے بت کو چومنا اور جوتے مارنا۔	۶۰۷
شَے اپنے مقاصد کے اعتبار سے ممنوع یا مشروع ہوتی ہے۔	۵۶۷	معظمان دینی کی توہین مطلقًا حرام ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہزار تعظیمیں بھی ہوں۔	۶۰۸
کل مالاینافی الحیاۃ لاینفی الکراھۃ کوکل ماینافی الحیاۃ ینفی الکراھۃ لازم نہیں۔	۵۸۵	مالایؤثر کراھۃ فی الصلوۃ لایکرہ ابقاؤہ۔	۶۱۰
لیس ان کلما ینافی الانسانیۃ ینفی الحیوانیۃ۔	۵۸۵	ہر فرض بقدر قدرت ہے اور ہر تکلیف بشرط استطاعت۔	۷۱۹
تصویر میں حیات کسی صورت میں نہیں ہوتی وہ کسی حال میں جملہ اعضائے مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے۔	۵۸۷	**فوائد فقہیہ**	
مدار حکم حکایت وفہم ناظر پر ہے کہ وہ اس کو زندہ کی تصویر قرار دیتا ہے یا مردہ کی موت وحیات حقیقی پر مدار حکم نہیں۔	۵۸۸	زینت مباحہ بنیت مباحہ مطلقًا اسراف نہیں۔	۱۴۷

اسراف حرام ہے۔	۱۴۷	شہید صبر کی تعریف	۴۶۹
زینت بروجہ قبیح یا بنیت قبیحہ نہ ہو تو حلال ہے۔	۱۴۷	نماز عرف شرع میں مجموع ارکان مخصوصہ بہیأت معلومہ کا نام ہے۔	۵۱۷
بعض باتیں اختلاف مقاصد یا تنوع احوال سے حسن وقبح میں مختلف ہوجاتی ہیں۔	۱۴۷	تشبہ دو۲ وجہ پر ہے: التزامی ولزومی۔	۵۳۰
کون سا سماع حلال ہے۔	۱۴۸	تشبہ التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں۔	۵۳۰
وجد کے حکم شرعی کے بارے میں ائمہ کرام وفقہاء عظام کے ارشادات۔	۱۵۲	حقہ پینا ایک صورت میں حرام، ایک میں مکروہ اور ایک میں مباح ہے۔	۵۵۳
تنہائی وخلوت میں بنیت محمودہ وجد ائمہ کرام میں مختلف فیہ ہے۔	۱۵۳	حقّے تین قسم ہیں۔	۵۵۴
ازالہ منکر بقدر قدرت فرض ہے۔	۱۶۷	تصویر فقط چہرہ کا نام ہے۔	۵۶۸
ہر خطبہ کو سننا فرض اور اس میں خلل کرنا حرام ہے۔	۱۷۰	اگر تصویر بے سر کی ہو یا اس کا سر کاٹ دیا جائے تو کراہت نہیں۔	۵۷۹
خطبہ ختم قرآن مستحب ہے۔	۱۷۰	دیگر اعضاء وجہ وراس کے معنی میں نہیں اگرچہ مدار حیات ہونے میں مماثل ہوں۔	۵۷۹
شہر یا گھر سے بھاگنا لذاتہٖ ممنوع نہیں بلکہ طاعون کی وجہ سے بھاگنا منع ہے۔	۳۰۱	چہرہ ہی تصویر ذی روح میں اصل ہے۔	۵۷۹
صرف طاعون ہی نہیں ہر وبائی مرض سے بھاگنا منع ہے۔	۳۰۴	شک نہیں کہ فقط چہرہ کو تصویر کہتے ہیں اور عامہ مقاصد تصویر چہرہ سے حاصل ہوتے ہیں۔	۵۷۹
غیبت حرام ہے مگر مواضع استثناء میں۔	۳۵۸	مقطوع الراس تصویر در اصل تصویر ہے ہی نہیں۔	۵۸۰
رنڈیوں کے مال پانچ قسم پر ہیں، پانچوں کی تفصیل اور احکام۔	۳۶۵	صاحب ہدایہ کے دو کلاموں میں تطبیق اور تدافع کا دفعیہ۔	۵۸۲
جس قدر خصوص زیادہ ہوتا جاتا ہے حق اشد وآکد ہوتا جاتا ہے۔	۴۵۱	اہانت تصویر والی صورتیں جائز رکھی گئی ہیں۔	۶۰۴
حق العبد کی تعریف۔	۴۵۹	امام محمد علیہ الرحمہ نے جانماز میں تصویر کا ہونا مطلقًا مکروہ کیوں قرار دیا۔	۶۰۸
حقوق العباد کی دو قسمیں دیون اور مظالم، اور کبھی دونوں کو تبعات کہا جاتا ہے۔	۴۵۹	تشبہ دو۲ قسم ہے: (۱) عام (۲) خاص	۶۰۸
شہید بحر کی تعریف، وہ مومن جو خاص اللہ تعالٰی کی رضا کی خاطر سمندر میں جہاد کرتے ہوئے ڈوب کر شہید ہوجائے۔	۴۶۸		

کراہت نماز تشبّہ خاص میں منحصر نہیں۔	۶۱۰	اثر تعویذ کے منکر کو حضرت شاہ ابوسعید الخیر کا جواب۔	۲۰۷
اسماء الرجال		حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے معیقیب نامی صحابی کو جو جذامی تھے اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔	۲۲۱
مفضل بن فضالہ بصری ضعیف ہے اور مفضل بن فضالہ مصری اس سے اوثق واشہر ہے۔	۲۲۴	حضرت معیقیب کا جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دو یمنی اطباء سے علاج کرایا۔	۲۲۲
ہشیم اور شریک مدلس ہیں۔	۲۳۹	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جذامی کو اپنے پاس بٹھایا اور اس کے ساتھ آپ نے کھانا کھایا۔	۲۲۳
علی بن زید بن جدعان مستند علماء میں سے نہ تھا بعض نے اس کو شیعی ورافضی کہا ہے۔	۳۰۷	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں رکھا اور فرمایا اللہ تعالٰی پر تکیہ اور اللہ تعالٰی پر بھروسا ہے۔	۲۲۳
تاریخ وتذکرہ		امیر المومنین فاروق اعظم کو راہ شام میں خبر ملی کہ وہاں طاعون ہے، آپ نے پہلے مہاجرین پھر انصار پھر مشائخ قریش سے مشورہ کیا، سب نے اپنی اپنی رائے دی، پھر عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پیش کی، چنانچہ اسی پر عمل ہوا۔	۲۹۳
حسان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے مسجد اقدس میں منبر کا بچھایا جانا اور نعت کا سنانا۔	۸۵	حضرت فاروق اعظم نے طاعون سے بھاگنے کی تہمت سے براءت فرمائی۔	۲۹۷
ایک عجیب حکایت۔	۱۴۷	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کوئی لشکر شام کی طرف بھیجتے تو دو باتوں پر یکساں بیعت لیتے، ایک یہ کہ دشمنوں کے نیزوں سے نہ بھاگنا اور دوسرا یہ کہ طاعون سے نہ بھاگنا۔	۳۰۵
سماع بامزامیر کے بارے میں حضرت خواجہ محبوب الٰہی علیہ الرحمہ کے فرمودات۔	۱۴۸	چنڈیل قوم سے متعلق سوال جو ہندوؤں جیسے افعال کرتے ہیں۔	۳۲۸
رسالہ سکن الشجون کا مصنف مجہول ہے۔	۱۹۱	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے ایک بیٹے سے عمر بھر کلام نہ فرمایا۔	۳۴۹
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طاعون کے سبب شام نہ جانے کا واقعہ۔	۲۰۴	حضرت مولوی معنوی قدس سرہ، نے اپنے ایک بیٹے کے جنازہ میں شرکت نہ کی۔	۳۴۹

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک سائل کو ٹکڑا عطافرمایااور ایک کو باعزاز کھانا کھلایا۔	۳۷۸	تعزیہ داری کاآغاز سلطان تیمور نے کیا۔	۵۱۸
ماں کوناراض کرنے والے کی زبان پر وقت نزع کلمہ جاری نہ ہوا۔	۴۰۴	تعزیہ کی نظیرامم سابقہ میں آغاز اصنام ہے۔	۵۱۹
عوام بن حوشب ائمہ تبع تابعین میں سے ہیں ان کا انتقال ۱۴۸ھ میں ہوا۔	۴۰۵	ود، سواع، نسر، یغوث اور یعوق دراصل صالحین کے نام ہیں۔	۵۱۹
ماں کے گستاخ کاسبق آموز واقعہ۔	۴۰۵	صحابہ کرام نے رومیوں کے بھیس میں لباس بدل کرکام فرمایا۔	۵۳۰
ایک نیک شخص کاواقعہ جس نے اپنے بیٹے کو سورۃ فاتحہ پڑھانے والے معلم کو چارہزار دینار شکریے کے طور پر پیش کئے۔	۴۱۹	سلطان صلاح الدین ایّوبی کے زمانے میں دوعالموں نے پادریوں کی وضع بناکر دورہ کیا۔	۵۳۰
حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارگاہ رسالت میں توراۃ پڑھنے اور اس پر حضورانور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ناراض ہونے کاتذکرہ۔	۴۳۸	پان جائز اور شیخ فریدالدین گنج شکر وشیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہماکے زمانے سے مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہے۔	۵۵۳
ہرنی کاقصہ	۴۹۱	پان کئی اولیائے کرام نے کھایا۔	۵۵۶
ملفوظات سید عبدالرزاق ہانسوی کی طرف منسوب غلط حکایات کے بارے میں استفسار۔	۴۹۷	دنیامیں بت پرستی کی ابتداء یوں ہی ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بناکرگھروں اور مسجدوں میں رکھی گئیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی گئی پھر شدہ وہی معبود ہوگئیں۔	۵۷۳
مصنف علیہ الرحمہ کے بارے میں تعزیہ میں شرکت سے متعلق ایک غلط حکایت۔	۴۹۷	ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر قوم نوح کے صلحاء کے نام ہیں جنہیں بعد میں بالقاء شیطان لوگوں نے بت بناکر پوجناشروع کردیا۔	۵۷۳
میدان کربلامیں حضرت قاسم کی شادی ومہندی ثابت نہیں۔	۵۰۱	سب سے پہلے جس غیر اللہ کی عبادت زمین میں کی گئی وہ ود نامی بت ہے۔	۵۷۴
سلطان تیمور نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ انور کی کیسی تصویر رکھی تھی۔	۵۰۴	دیوار کعبہ پر کفار مکہ نے کن معظمین دینیہ کی تصویریں نقش کی تھیں۔	۵۷۷
امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد مائی شہر بانو مدینہ منورہ چلی گئیں۔	۵۱۰	فتح مکہ کے موقع پر کچھ تصویریں نبی اقدس کے حکم پر حضرت فاروق اعظم نے اور کچھ آپ نے خود بنفس نفیس اپنے دست اقدس سے مٹادیں۔	۵۷۷

مدینہ طیبہ میں جنّات کا ایک گروہ مسلمان ہوگیا۔	۶۵۱	طاعون سے بھاگنے والا ایساہی ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگنے والا۔	۲۸۷
ایک عورت ایک بلّی کے سبب سے دوزخ میں گئی۔	۶۵۶	جہاد میں کفار کی پیٹھ دے کر بھاگنے والے کے لئے وعید شدید۔	۲۸۷
اسرائیل سیدنا یعقوب علیہ السلام کا نام مبارک ہے۔	۶۶۴	نیکی کی دعوت دینے والے کا اجراور گمراہی کی دعوت والے کا گناہ ووبال۔	۲۹۰
امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے برسر مجمع صحابہ میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عبد وخادم کہا۔	۷۰۶	جو نقل وحرکت طاعون سے بھاگنے کے لئے ہوگی اگرچہ اسی شہر کے محلوں میں ہو تو وہ ضرور اس وعید شدید میں داخل ہوگی۔	۲۹۹
ترغیب وترہیب		طاعون میں صابر ہو کر اپنے گھر میں ٹھہرنے والے کو شہید کے برابر ثواب ملتا ہے۔	۳۰۰
رقص وتمایل اور تالیوں کے ساتھ ذکر کی محفل سے چلے جانے والوں پر آیت کریمہ "ومن اعرض عن ذکری" کو منطبق کرنے والے نے کئی وجوہ سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا۔	۱۰۱	جو مشرک سے یک جا ہو اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کی مانند ہے۔	۳۱۲
اللہ تعالٰی و رسول اللہ جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء باندھنے والے کے لئے وعید شدید۔	۱۰۱	غیر مسلموں کی نفری بڑھانے اور ان کا ساتھ دینے والوں کی مذمت احادیث کریمہ سے۔	۳۲۳
سماع مزامیر کی مجلس میں حاضر ہونے والے گنہگار قوال ان سے بڑھ کر اور بلانے والا سب سے بڑھ کر گنہگار ہوگا۔	۱۵۰	غیبت زنا سے سخت تر ہے۔	۳۵۸
شرعی مجرم کو پناہ دینے والے پر اللہ تعالٰی کی لعنت۔	۱۶۷	باپ کے نافرمان کے لئے وعیدات شدیدہ۔	۳۸۴
ہر جاندار کی نفع رسانی میں اجر ہے۔	۱۷۸	والد کے گستاخ کے لئے سخت وعید پر مشتمل اکیس حدیثیں۔	۳۸۴
طاعون سے بھاگنے والے کے لئے وعیدات کا ذکر۔	۱۹۹	والدین کو ستانے والے کے لئے احادیث میں سخت وعیدیں۔	۴۰۳
احیاء سنت پر سَو شہیدوں کا ثواب۔	۲۰۲	تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے۔	۴۰۳

تین شخصوں کے فرض و نفل اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا۔	۴۰۳	ولد کا حق والد پر اللہ تعالٰی نے عظیم رکھا۔	۴۵۱
والدین کو ستانے والا اور ان کو گالی دینے والا ملعون ہے۔	۴۰۴	ولد مطلق اسلام پھر خصوص جوار پھر خصوص قرابت پھر خصوص عیال کا جامع ہو کر سب سے زیادہ خصوصیت خاصہ رکھتا ہے۔	۴۵۱
استاذ کی ناشکری خوفناک بلا، تباہ کن بیماری اور علم کی برکات کو ختم کرنے والی ہے۔	۴۱۶	مفلس کون ہے۔	۴۶۲
نیکی کو حقیر جاننے کی مذمت	۴۱۸	غیبت زنا سے بدتر ہے۔	۴۶۲
تعلیم دین کے استاذ کی ابتدائی تعلیم کو حقیر جاننے کا وبال۔	۴۱۹	دنیا میں اہل حقوق سے حقوق معاف کرالینا آسان قیامت کے دن اس کی امید مشکل ہے۔	۴۶۳
مسلمانوں کو اذیت دینے والے کے لئے سخت وعید۔	۴۲۵	قیامت کے روز ماں باپ بھی اپنی اولاد کو حقوق معاف نہیں کریں گے۔	۴۶۳
مسلمان کی بے عزتی کرنے والے کی مذمت۔	۴۲۶	صلحاء کی تصویریں بنانے والوں کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بدترین مخلوق قرار دیا۔	۵۷۵
حسد کی مذمت اور حاسد کے لئے احادیث سے وعید شدید۔	۴۲۷	متواتر حدیثوں میں ہے کہ جس گھر میں تصویر اور کتّا ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔	۵۷۶
اس شخص کی مذمت جو چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا احترام نہ کرے۔	۴۳۰	جس مکان میں ملائکہ رحمت نہ آئیں وہ ہر جگہ سے بدتر ہے۔	۵۹۰
علماء کے ساتھ براسلوک کرنے والے کی برائی بیان سے باہر ہے۔	۴۳۱	حیوان پر ظلم ذمی پر ظلم سے اور ذمی پر ظلم مسلمان پر ظلم سے زیادہ سخت ہے۔	۶۴۴
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آل واولاد کو اذیت پہنچانے کی شدید مذمت۔	۴۳۲	کتا پالنا حرام ہے، جس گھر میں کتّا ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اس سے نیکیاں گھٹتی ہیں۔	۶۵۷
علم کو حصول دنیا کا ذریعہ بنانے والے شخص کی مذمت احادیث۔	۴۳۴	**تصوّف وطریقت**	
علوم فلسفیہ اور منطق پڑھنے کی قباحتیں۔	۴۳۵	بعض بندگان خدا کی طرف سے مزامیر پر اقدام کی توجیہ۔	۸۰
اللہ تعالٰی نے والد کا حق ولد پر نہایت اعظم بنایا اور اپنے حق کے برابر اس کا ذکر فرمایا۔	۴۵۱	اچھا گانا کچھ شرائط کے ساتھ اہل اللہ کے حق میں جائز ہے۔	۸۴

مغلوبین صادقین کاوجد دولت عظمٰی اور نعمت کبرٰی ہے۔	۹۲	کافر مرتد مبتدع اور بدمذہب کو بے ضرورت ابتداء بسلام حرام، اور ان سے مخالطت بھی حرام۔	۳۲۶
وجد صادق کی شناخت اور اس کی شرائط۔	۹۲	مال یتیم پر قبضہ جمانے والا فاسق ہے جس سے ابتداء بسلام ناجائز ہے مسلمانوں کو اس کے ساتھ میل جول نہیں رکھنا چاہئے۔	۳۴۰
سب صوفیہ یکساں نہیں ہوتے۔	۱۰۶	جواب سلام علی الفور واجب ہے تاخیر میں اثم ہوگا۔	۷۱۴
کیا قوالی غذائے روح ہے یا غذائے نفس، اور دونوں میں فرق۔	۱۳۰	مجالس و محافل	
غذائے روح کی پہچان۔	۱۳۰	مجلس ذکر شہادت اور اس میں بیان فضائل و مناقب جائز ہے۔	۵۰۱
صوفی بے علم شیطان کا مسخرہ ہے۔	۱۳۲	جس مجلس میں اہل بیت کی توہین ہو اس میں جانا قطعاً حرام ہے۔	۵۰۷
اللہ تعالٰی نے کسی جاہل کو اپنا ولی نہیں کیا۔	۱۳۲	لغت و بلاغت و نحو	
بغیر علم کے خدا کو نہیں پہچانا جاسکتا۔	۱۳۲	معنی وعظ	۱۷۱
فاسق معلن کو پیر بنانا حرام ہے۔	۱۳۹	حدیث بخاری میں فی بلدہ اور حدیث احمد میں فی بیتہ بر سبیل تنازع یمکث اور یقع دونوں سے متعلق ہیں۔	۳۰۱
وحدۃ الوجود اور حقائق ودقائق تصوف جس طرح صوفیہ صادقہ مانتے ہیں ضرور حق ہیں۔	۱۵۸	سرتی تمباکو کو کہتے ہیں۔	۵۵۸
بہت سے حقائق تصوف کو آج کل کے مولوی اور پیر بھی نہیں سمجھ سکتے چہ جائیکہ عوام۔	۱۵۸	سومنات کا معنی۔	۶۲۷
پیر غوایت اور شیخ ہدایت میں فرق۔	۱۶۲	کیا اعلام میں معنی اول ملحوظ نہیں ہوتے ہیں۔	۶۷۸
سلسلہ اولیاء کرام میں کسی عالم سنی العقیدہ متصل السند شیخ کے ہاتھ پر داخل ہونا برکت عظیمہ ہے۔	۱۷۳	اعلام میں معنی اصلی بالکل ساقط النظر نہیں۔	۶۷۹
پیر کے مرید پر اور مرید کے پیر پر کیا کیا حقوق ہیں۔	۳۶۸	غفور الدین نام رکھنا سخت قبیح و شنیع ہے کیونکہ اس کا معنی ہے دین کو مٹانے والا۔	۶۸۱
مصالحہ خاصہ کے اسرار اہل باطن جانتے ہیں۔	۵۵۵	فارسی میں غلام آفتاب، عربی میں عبد شمس اور ہندی میں سورج داس کا معنی ایک جیسا ہے۔	۶۹۲
سلام وتحیت			

ایہام واحتمال میں زمین وآسمان کافرق ہے۔	۶۹۵	کسی خلاف شرع مجلس میں شریک ہو کر کھانا کھانا جائز نہیں۔	۱۳۳
ایہام کی تعریف جس کو تخییل بھی کہاجاتا ہے۔	۶۹۵	شیرینی یا کھانا فقراء کو کھلانا صدقہ، اقارب کو کھلانا صلہ رحم اور احباب کو کھلانا ضیافت ہے اور یہ تینوں جائز، موجب نزول رحمت ودفع بلاء ومعصیبت ہیں۔	۱۸۵
ایصال الی المطلوب اور اراءۃ الطریق دونوں دو معنی خلق وتسبب پر مشتمل ہیں۔	۶۹۸	ڈاکٹری دواسیال جس میں شراب کاجزء ہو حکیم مریض کو استعمال کرائے، جائز ہے یا نہیں، حکیم پر گناہ ہے یا نہیں۔	۱۹۳
انبت الربیع البقل میں قائل کا موحد ہونا ہی قرینہ شافیہ ہے کہ اسناد مجاز عقلی ہے۔	۶۹۹	برانڈی کا استعمال مریض کو جائز ہے یانہیں۔	۱۹۳
عبدوبندہ میں سوااختلاف زبان کے کوئی فرق نہیں۔	۷۰۱	سرطان کھاناحرام ہے۔	۲۰۸
عبدوبندہ عربی وعجمی زبان میں اللہ وخدااور مولٰی وآقا کے مقابل بولے جاتے ہیں۔	۷۰۱	قادیانیوں کے گھرجاکر کھانا کھاناحرام ہے۔	۳۲۸
مملوک ملک ذاتی حقیقی وملک عطائی مجازی دونوں کو مشتمل ہے۔	۷۰۱	جس کے یہاں حرام وحلال دونوں طرح کی آمدنی ہواس کا کھانا حرام نہیں۔	۵۰۲
بندہ بمقابل خداوخواجہ دونوں طرح مستعمل ہے۔	۷۰۱	**طب**	
معنی مالکیت کی تحقیق	۷۰۴	بزعم اطبّاء سات بیماریاں متعدی ہیں۔	۲۵۵
منطق		**طبعیات**	
دین ومظلمہ میں نسبت عموم وخصوص من وجہ کی ہے۔	۴۵۹	ان الانسان حریص علٰی مامنع۔	۱۲۳
دونوں میں اجتماعی اور افتراقی مادوں کا بیان۔	۴۵۹	نفس شے مبذول کی طرف اتنانہیں کھنچتا جتنا ممنوع کی طرف۔	۱۲۳
موجبہ کلیہ کاعکس مستوی موجبہ کلیہ نہیں آتا۔	۵۸۱	بندگان نفس کو نظراجنبیہ میں نظرحلیلہ سے زیادہ لذت آتی ہے۔	۱۲۳
انتفاء اخص سے انتفاء اعم لازم نہیں آتا۔	۶۱۰	منع اجلب للشوق ہے۔	۱۲۳
شُرب وطعام			

صحبت قطعاً مؤثر ہے اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب متقلب ہیں۔	۴۱۸	استاذ کے ادب واحترام کی تاکید۔	۴۲۴
فضائل ومناقب		شاگرد کو استاد کے بستر پر نہیں بیٹھنا چاہئے اگرچہ استاذ موجود نہ ہو۔	۴۲۴
علماء انبیاء کے وارث ہیں۔	۱۷۱	شاگرد کو استاذ سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔	۴۲۵
نیکی سے رزق بڑھتا ہے اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔	۱۷۳	بچے کا نام محمد رکھا جائے تو اس کا احترام کیا جائے۔	۴۵۳
جماعت میں برکت ہے۔	۱۸۴	رب تعالٰی کی طرف سے حقوق کی معافی کا وعدہ پانچ فرقوں سے۔	۴۶۶
فضائل صدقہ وضیافت وصلہ رحمی۔	۱۸۵	حاجی کے فضائل اور حقوق کی معافی۔	۴۶۶
امام ابو جعفر طحاوی کے مناقب	۲۵۱	شہید بحر کے فضائل ومناقب۔	۴۶۸
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مناقب۔	۲۹۴	شہید صبر کے فضائل۔	۴۶۹
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امت کے سب سے بڑے خیر خواہ ہیں۔	۳۰۶	التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔	۴۷۰
احادیث کریمہ سے ثبوت کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زیادہ ہے۔	۳۸۸	فضائل اولیاء۔	۴۷۱
خدمت میں ماں اور تعظیم میں باپ زائد ہے۔	۳۸۹	فضائل صحابہ کرام۔	۴۷۳
ماں کے حق کے بارے میں صحابی کا سوال اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا جواب۔	۴۰۲	فضائل اہل بدر۔	۴۷۳
استاذ کے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھنا چاہئے۔	۴۲۰	مناقب عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۷۳
استاذ کے فضائل اور اس کا مقام ومرتبہ۔	۴۲۲	محبوبان خدا اول تو گناہ کرتے ہی نہیں اور احیاناً کوئی تقصیر واقع ہو تو واعظ وزاجر الٰہی انہیں متنبہ کرتا اور توفیق انابت دیتا ہے۔	۴۷۴
اپنے آپ کو استاذ سے افضل قرار دینا خلاف مامور ہے۔	۴۲۳	نیاز کی چیز معظم ہوتی ہے اس کی بے توقیری ناجائز ہے۔	۴۹۴
		ذکر شہادت اگر روایات موضوعہ، کلمات ممنوعہ اور نیت نامشروعہ سے خالی ہو تو عین سعادت ہے۔	۵۱۷

کتاب "سرّالشہادتین" روایات معتبرہ صحیحہ نظیفہ پر مشتمل ہے۔	۵۱۸	انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون وغیرہ پہننا۔	۵۳۲
انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کوئی معظم دینی نہیں۔	۵۷۷	طیلسان پوشش یہود ہے۔	۵۳۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلٰی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔	۵۷۷	دھوتی خاص شعار کفار نہیں ہے۔	۵۳۴
غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض القاب۔	۶۴۱	کوٹ، کالر، نکٹائی، پیشوری پائجامہ، ترکی ٹوپی وبوٹ جوتا پہننا اور انگریزی فیشن کے بال رکھنا کیسا ہے۔	۵۳۵
محمد واحمد نام رکھنے کے فضائل وبرکات پر مشتمل پندرہ احادیث کریمہ۔	۶۸۶	جو ٹوپی لباس روافض تھی علماء نے اس کا پہننا گناہ قرار دیا۔	۵۴۸
رب العزت نے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں کسی کو ایک کسی کو دو نام اپنے اسماء حسنٰی میں سے عطا فرمائے۔	۶۹۶	بلاضرورت شرعیہ مجوس کی ٹوپی پہننا کفر ہے۔	۵۴۸
مولانا عبدالحلیم صاحب کا ذکر خیر۔	۶۹۸	**حلق وقصر**	
عاق الوالدین کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا منع ہے بلکہ اس سے بغض ونفرت رکھنا چاہئے۔	۴۰۶	داڑھی منڈانا شرعاً حرام ہے۔	۳۶۱
ماں باپ کو ستانے والا سخت سے سخت تعزیر کا مستحق ہے۔	۴۰۷	عورت کو اپنے سر کے بال کترنا حرام ہے۔	۵۴۳
حدود وتعزیرات		مرد کو اپنا وسط سر کھلوانا اور پیشانی وقفا کے بال مونڈنا اور گوندھنا کیسا ہے۔	۵۴۳
تہمت زنا لگانے والے کو اسی کوڑے لگتے ہیں۔	۳۸۷	سر پر پان کھلوانا جائز ہے جبکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں۔	۵۵۳
سرقہ اگر شہادت شرعیہ سے ثابت ہوجائے تو حاکم اس سارق کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دے گا۔	۴۰۷	**اشربہ**	
لباس		اسپرٹ شراب کی ایک قسم ہے جو انتہائی تیز ہونے کی وجہ سے تنہا پینے کے قابل نہیں۔	۲۰۱
محرم میں سبز اور سیاہ کپڑے پہننا۔	۴۹۵	برطانیہ سے منگوائی جانے والی شرابوں میں اسپرٹ کے قطرات ملائے جاتے ہیں۔	۲۰۱

یمین		**نذرونیاز**	
اگر کسی امر کا وعدہ مستحکم حلف شرع محمدیہ سے کرے تو اس کے خلاف کرنا کیسا ہے۔	۳۵۵	حضرات شہدائے کربلا کی نیاز تبرک ہے۔	۴۹۸
قرض		تعزیہ پر جاکر منت ماننا باطل ہے۔	۵۰۱
کیا مقروض کے لئے یہ کافی ہے کہ قرض خواہ سے کہے کہ مجھ پر تمہارا جو قرض ہے مجھے معاف کردو یا ضروری ہے کہ قرض کی مقدار معین کرے۔	۴۰۸	شیرینی تقسیم کرنا، کھانا کھلانا، فاتحہ دینا اور نیاز دلانا اگرچہ تعین تاریخ کے ساتھ ہو جائز ہے۔	۵۰۳
کسب واجارہ وبیوع		**میراث وفرائض**	
مزدور گرجے کی تعمیر کے لئے کام کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔	۱۷۹	ہندہ نے مرض الموت میں اپنے شوہر زید کو بلاکر اپنے تمام حقوق اس کو معاف کردئے اور زید نے بھی جملہ حقوق ہندہ کو معاف کردیئے، تو اس صورت میں زید کے تمام حقوق اور ہندہ کے حقوق غیر مالیہ معاف ہوگئے مگر ہندہ کے حقوق مالیہ کی معافی اس کے ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	۴۰۷
ہندو کو مزدوری پر لینا اور مزدوری کی خوراک دینا جائز ہے۔	۳۲۵	جوان اولاد سے نرمی کے ذریعے کام لے، ان کے لئے ترکہ چھوڑے، میراث سے اولاد کو محروم نہ کرے۔	۴۵۵
کسی کے سودے پر سودا کرنا ممنوع ہے۔	۴۲۹	رَدِّ بدمذہباں ومناظرہ	
فقیر بن کر بلاضرورت بھیک مانگنا حرام ہے۔	۴۹۴	مشتبتین عدوی پر ہماری طرف سے حجت اوّلاً، ثانیاً۔	۲۶۶
امامت پر اجرت لینا حلال ہے۔	۵۰۲	شیعہ کے ساتھ برتاؤ کرنا جائز ہے یا نہیں۔	۳۲۰
تعظیم سادات		بدمذہب کی محبت آگ ہے اور صحبت ناگ ہے۔	۳۲۰
سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے۔	۳۴۱	رافضی کو امام بنانا، اس کے ساتھ کھانا پینا اور بچوں کو اس سے تعلیم دلوانا جائز ہے یا نہیں۔	۳۲۱
تعظیم سادات سے متعلق احادیث	۳۴۱		

سادات اہل تشیع کے یہاں کی نیاز وغیرہ اہل سنت وجماعت کو لینا کیساہے۔	۳۲۲	مولوی عبدالحیٔ صاحب کی غلطی کا منشاء	۷۰۳
اہل تشیع کی نیاز کو حرام بتاکر منع کرنے والا ٹھیک کرتاہے۔	۳۲۳	**متفرقات**	
وہابی اور شیعہ سے دلی نفرت رکھتے ہوئے ضروری بات چیت میں حرج نہیں۔	۳۲۹	کچھ عرصہ وحی کے رکنے میں حکمت۔	۱۲۴
غیر مقلدوں، شراب خوروں اور چنڈوبازوں کی طرف داری کرنا بدمذہبی اور گناہ ہے۔	۳۲۹	اصوات فتنہ کی حرمت کی وجہ۔	۱۲۴
وہابی غیر مقلد کے گھر شادی کرنا، اس کے ساتھ نماز پڑھنا اور اس کے گھر کھانا کیساہے۔	۳۲۹	ہر شیئ کا علم مطلقًا کیسی ہی ہو عین کمال ہے۔	۱۲۶
بدمذہب کی کوئی نیکی قبول نہیں، نہ اس پر اجروثواب مرتب ہوتاہے۔	۴۷۰	معازف مزامیر سے عام ہے (کیونکہ مزامیر ان باجوں کو کہتے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں)	۱۴۰
وہابیوں کو محبوبان خدا کے نام سے عداوت ہے۔	۴۹۴	نَے (بانسری) مزامیر میں سے ہے۔	۱۴۰
سید احمد خان کامسلک۔	۶۹۰	ہمیں شق قلوب، تطلع غیوب اور اسائت ظنون حکم نہیں۔	۱۴۷
وہابیہ کے دین فاسد میں محبوبان خدا کا نام ذرا اعزاز وتکریم کی نگاہ سے آیا اور شرک نے منہ پھیلایا۔	۶۹۲	ہوس پرستی کا علاج کسی کے پاس نہیں۔	۱۵۰
پیشوائے وہابیہ کے نزدیک قبر پر شامیانہ کھڑا کرنا مور چھل جھلنا شرک ہے۔	۶۹۲	وجد کون ساجائز اور کون ساناجائز ہے۔	۱۵۱
وہابیہ کے نزدیک غلام محمد وغلام غوث شرک اور غلام آفتاب ہونا جائز وبے ملام ہے۔	۶۹۲	مثنوی معنوی کے چند اشعار۔	۱۵۸
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے مولوی عبداللہ صاحب کے فتوی کا ردِّ بلیغ۔	۶۹۵	انواع کلام ممنوع۔	۱۷۰
مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع وطعن سے خالی رہے گا۔	۶۹۵	سات کے عدد کو دفع ضرر وآفت میں ایک تاثیر خاص ہے۔	۱۸۳
مولوی عبدالحیٔ صاحب کے فتوی کی بنیاد پر خود ان کا اپنا نام بھی ممنوع وناجائز ہے۔	۶۹۷	رجعت عمل کیا چیز ہے۔	۲۰۶
عبدالنبی جیسے نام رکھنے کے بارے میں مولوی عبدالحیٔ لکھنوی صاحب کے فتوی پر محققانہ گرفت۔	۷۰۰	تطفل علی الطحاوی۔	۲۵۱
لکھنوی صاحب کے فتوی کے مخدوش ہونے کی سات وجوہ۔	۷۰۱	طاعون واقع ہونے کی صورت میں اپنے شہر میں تین وصفوں کے ساتھ ٹھہرے۔	۳۰۲

تاثیر صحبت سے متعلق مولانا رومی کے اشعار۔	۳۱۸	تطفل علی الطحاوی (اقول)۔	۵۸۱
دو مختلف وجہوں سے محبت و بغض جمع ہو سکتے ہیں۔	۳۲۷	مدقق علائی پر تطفل۔	۵۸۵
طینۃ الخبال کیا ہے۔	۳۴۱	عبارت در مختار کا مطلب۔	۵۸۸
حقوق العباد کی گنتی دشوار ہے۔	۴۶۰	صاحب حلیہ پر تتطفل۔	۵۹۵
کھچڑ اپکا کر برادری میں تقسیم کرنا کہاں سے ثابت ہوا۔	۴۹۴	علامہ قوام کاکی پر تطفل۔	۵۹۸
ذکر شہادت میں اور تعزیہ میں فرق احکام۔	۵۱۷	دو مسئلوں میں توفیق و تطبیق۔	۶۱۱
بُرے کام کے ساتھ ساتھ بُرے نام سے بھی بچنا چاہئے۔	۵۶۰	جنات کو انذار و تحذیر کے مختلف طریقے۔	۶۵۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

لہوولعب

کھیل، تماشہ، میلہ، مزاح، ناچ، گانا، قوالی، مزامیر، راگ، سماع، موسیقی وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۱: از فیروزپورہ ربیع الاول ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گنجفہ، چوسر، شطرنج کھیلنا کیسا ہے اوران میں کچھ فرق ہے یاسب ایک سے ہیں، اور گناہ صغیرہ ہیں یاکبیرہ؟ یا عبث؟ اور فعل عبث کاکیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

یہ سب کھیل ممنوع اور ناجائز ہیں اوران میں چوسراور گنجفہ بدتر ہیں، گنجفہ میں تصاویر ہیں اورانھیں عظمت کے ساتھ رکھتے اور وقعت وعزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں یہ امر اس کے سخت گناہ کا موجب ہے۔اورچوسر کی نسبت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

من لعب بالنردشیر فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر و دمہ[1]۔رواہ مسلم۔	جس نے چوسر کھیلی اس نے گویا اپناہاتھ سور کے گوشت خون میں رنگا۔(اسے مسلم نے روایت کیا۔ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الشعر باب تحریم اللعب بالنردشیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۰

دوسری حدیث صحیح فرمایا:

من لعب بالنرد فقد عصی اللہ ورسولہ اخرجه احمد وابوداؤد وابن ماجه والحاکم عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔[1]	جس نے چوسر کھیلی اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے اسے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

چوسر بالاجماع حرام و موجبِ فسق وردِ شہادت ہے فی ردالمحتار عن القهستانی النرد حرام مسقط للعدالة بالاجماع[2] (فتاوٰی شامی میں قہستانی سے نقل کیا گیا ہے کہ چوسر کھیلنا حرام ہے اس سے بالاجماع عدالت ساقط ہوجاتی ہے۔ت) یہی حال گنجفہ کا سمجھنا چاہئے لما ذکرنا (اس وجہ سے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے۔ت) اور شطرنج کو اگرچہ بعض علمانے بعض روایات میں چند شرطوں کے ساتھ جائز بتایا ہے:

(۱) بد کرنہ ہو۔

(۲) نادرًا کبھی کبھی ہو عادت نہ ڈالیں۔

(۳) اُس کے سبب نماز باجماعت خواہ کسی واجب شرعی میں خلل نہ آئے۔

(۴) اُس پر قسمیں نہ کھایا کریں۔

(۵) فحش نہ بکیں۔

مگر تحقیق یہ کہ مطلقًا منع ہے اور حق یہ ہے کہ ان شرطوں کا نباہ ہرگز نہیں ہوتا خصوصًا شرط دوم وسوم کہ جب اس کا چسکا پڑ جاتا ہے ضرور مداومت کرتے ہیں اور لااقل وقت نماز میں تنگی یا جماعت میں غیر حاضری بیشک ہوتی ہے جیسا کہ تجربہ اس پر شاہد، اور بالفرض ہزار میں ایک آدھ آدمی ایسا نکلے کہ ان شرائط کا پورا لحاظ رکھے تو نادر پر حکم نہیں ہوتا۔

وانما تبتنی الاحکام الفقهية علی الغالب فلا ینظر الی النادر ولا یحکم الا بالمنع کما افادہ المحقق فی	فقہی احکام غالب حالات پر مبنی ہوتے ہیں لہٰذا نادر الوقوع پر نگاہ نہیں کی جاتی اس لئے ممانعت کا فیصلہ ہی کیا جائے گا جیسا کہ محقق ابن ہمام

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

الفتح فی مسئلة مجاورة الحرم وفی الدر فی مسئلة الحمام۔	نے فتح القدیر میں ہمسائیگی حرم کے مسئلہ میں افادہ بخشا۔اور درمختار میں مسئلہ حمام میں یہی فرمایا ہے۔(ت)

توٹھیک یہی ہے کہ اس سے مطلقاً ممانعت کی جائے۔درمختار میں ہے:

کرہ تحریما اللعب بالنرد والشطرنج بکسر اوله ویهمل ولا یفتح الانادرا واباحه الشافعی وابو یوسف فی روایة وهذا اذا لم یقامر ولم یخل بواجب والا فحرام۔[1]	چوسر کھیلنا مکروہ تحریمی ہے اور شطرنج بھی۔اور ایک روایت میں امام شافعی اور قاضی ابو یوسف نے شطرنج کو مباح قرار دیا ہے،اور یہ اس وقت ہوگا جبکہ جوانہ ہو اور کسی واجب کی ادائیگی میں خلل بھی واقع نہ ہو ورنہ حرام ہوگا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

هو حرام وکبیرة عندنا وفی اباحته اعانة الشیطان علی الاسلام والمسلمین کما فی الکافی قهستانی قوله فی روایة الخ وکذا اذا لم یکثر الخلف علیه وبدون هذه المعانی لاتسقط عدالته للاختلاف فی حرمته عبد البرعن ادب القاضی۔[2]	ہمارے نزدیک شطرنج کھیلنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کو مباح قرار دینے میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شیطان کو امداد فراہم کرنا ہے جیسا کہ کافی میں ہے،قہستانی۔قولہ فی روایۃ الخ اور اسی طرح جبکہ دورانِ کھیل زیادہ قسمیں نہ کھائی جائیں،اور بغیر ان چیزوں کے آدمی کی عدالت ساقط نہیں ہوتی کیونکہ اس کی حرمت میں اہلِ علم کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے،عبدالبر بحوالہ ادب القاضی۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

یکرہ اللعب بالشطرنج والنرد وثلثة عشر واربعة عشر وکل لهو ماسوی	شطرنج اور چوسر اور تیرہ اور چودہ کا کھیل مکروہ ہے اور شطرنج کے علاوہ ہر کھیل بالاتفاق حرام ہے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۸-۲۴۷

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

الشطرنج حرام بالاجماع واماالشطرنج فاللعب به حرام عندناوالذی یلعب ان قامر سقطت عدالته لم تقبل شهادته اھ[1] ملخصًا	اور شطرنج کھیلنا بھی ہمارے نزدیک حرام ہے۔ اور وہ شخص جو کھیلے اگر جوئے کی بازی لگائے تواس کی عدالت ساقط ہوجائے گی لہٰذااس کی گواہی قبول نہ ہوگی اھ ملخصًا (ت)

ہاں اتنا ہے کہ اگر بدکرنہ ہوتوایک آدھ بار کھیل لیناگناہِ صغیرہ ہے اور بدکرہو یاعادت کی جائے یااس کے سبب نماز کھوئیں یاجماعتیں فوت کریں توآپ ہی گناہِ کبیرہ ہوجائے گی۔اسی طرح ہر کھیل اور عبث فعل جس میں نہ کوئی غرضِ دین نہ کوئی منفعتِ جائزہ دنیوی ہوسب مکروہ وبیجاہیں کوئی کم کوئی زیادہ۔درمختار میں ہے:

وکرہ کل لھولقوله علیه الصلوٰةوالسلام کل لھو المسلم حرام الاثلثة ملاعبته باھله وتادیبه للفرسه ومناضلته بقوسه۔[2]	ہر کھیل مکروہ ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃوالسلام نے ارشاد فرمایامسلمان کاہر کھیل حرام ہے سوائے تین کے، خاوندکااپنی اہلیہ سے کھیلنا،اپنے گھوڑے کوشائستگی سکھاتے ہوئے اس سے کھیلنا،اپنی کمان کے ساتھ تیر اندازی کرنا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کل لھو ای کل لعب وعبث فالثلثةبمعنی واحد کمافی شرح التاویلات[3] الخ.واللہ تعالٰی اعلم۔	ہرلھو یعنی کھیل اور بے فائدہ کام۔پس تینوں ہم معنٰی ہیں، جیساکہ شرح تاویلات میں ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲: از جالندھر محلّہ راستہ پھگواڑہ دروازہ مرسلہ شیخ محمد شمس الدین صاحب ۲۲رجب ۱۳۱۰ھ

راگ یامزامیر کرانا یاسننا گناہ کبیرہ ہے یا صغیرہ؟اس فعل کامرتکب فاسق ہے یانہیں؟

الجواب:

مزامیر یعنی آلات لھوولعب.بروجہ لھوولعب بلاشبہ حرام ہیں جن کی حرمت اولیاء وعلماء دونوں

---

[1] فتاوٰی ھندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[3] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

فریق مقتدا کے کلمات عالیہ میں مصرح، ان کے سننے سنانے کے گناہ ہونے میں شک نہیں کہ بعد اصرار کبیرہ ہے، اور حضرات علیہ سادات بہشت کبرائے سلسلہ عالیہ چشت رضی اللہ تعالٰی عنھم وعنا بھم کی طرف اس کی نسبت محض باطل وافترا ہے، حضرت سیدی فخر الدین زراوی قدس سرہ کہ حضور سیدنا محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدنیا والدین محمد احمد رضی اللہ تعالٰی عنھما کے اجلہ خلفاء سے ہیں جنھوں نے خاص عہد کرامت مہد حضور ممدوح میں بلکہ خود بحکم حضور والا مسئلہ سماع میں رسالہ "کشف القناع عن اصول السماع" تالیف فرمایا، اپنے اسی رسالہ میں فرماتے ہیں:

سمع بعض المغلوبین السماع مع المزامیر فی غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فبریئ عن ھذہ التھمۃ المشعرۃ من کمال صنعۃ اللہ تعالٰی[1]۔	یعنی بعض مغلوب الحال لوگوں نے اپنے غلبہ حال وشوق میں سماع مع مزامیر سنا اور ہمارے پیران طریقت رضی اللہ تعالٰی عنھم کا سننا اس تہمت سے بری ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی جل وعلا سے خبر دیتے ہیں انتہی۔ (ت)

بلکہ خود حضور ممدوح رضی اللہ تعالٰی نے اپنے ملفوظات شریفہ فوائد الفواد وغیرہا میں جابجا حرمت مزامیر کی تصریح فرمائی، بلکہ حضور والا صرف تالی کو بھی منع فرماتے کہ مشابہ لہو ہے، بلکہ ایسے افعال میں عذر غلبہ حال کو بھی پسند نہ فرماتے کہ مدعیان باطل کو راہ نہ ملے،

واللہ یعلم المفسد من المصلح فرضی اللہ عن الائمۃ ما انصحھم للامۃ۔	اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح یعنی فساد کرنے والے اور اصلاح کرنے والے دونوں کو جانتا ہے، پس اللہ تعالٰی ائمہ کرام سے راضی ہو کہ انھوں نے امت کے لیے کتنی خیر خواہی فرمائی۔ (ت)

یہ سب امور ملفوظات اقدس میں مذکور وماثور فوائد الفواد شریف میں صاف تصریح فرمائی ہے کہ مزامیر حرام است[2] (مزامیر یعنی گانے کے آلات کا استعمال حرام ہے۔ت)

کما نقل عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدی الشیخ المحقق مولانا عبدالحق المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ	جیسا کہ ان سے نقل کیا ہے اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو میرے آقا شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے

[1] کشف القناع عن اصول السماع

[2] فوائد الفواد

تعالٰی علیھم وعلینا بھم۔ آمین۔	اور ان کی وجہ سے ہم پر بھی اس کی رحمتیں ہوں، اے اللہ! اس دعا کو شرف قبولیت سے نواز دے۔ (ت)

حضور ممدوح کے یہ ارشادات عالیہ ہمارے لیے سند کافی، اور ان اہل ہوا و ہوس مدعیان چشتیت پر حجت کافی۔ ہاں جہاد کا طبل، سحری کا نقارہ، حمام کا بوق، اعلان نکاح کا بے جلاجل دف جائز ہیں کہ یہ آلات لہو ولعب نہیں، یوہیں یہ بھی ممکن کہ بعض بندگان خداجو ظلمات نفس وکدورات شہوت سے یک لخت بری ومنزہ ہو کر فانی فی اللہ وباقی باللہ ہوگئے کہ:

لایقولون الا اللہ ولایسمعون الا اللہ بل لایعلمون الا اللہ بل لیس ھناك الا اللہ۔	وہ اللہ تعالٰی کے سوا کچھ نہیں کہتے، اللہ تعالٰی کے سوا کچھ نہیں سنتے، بلکہ اللہ تعالٰی کے بغیر کچھ نہیں جانتے بلکہ وہاں صرف اللہ تعالٰی ہی جلوہ گر ہوتا ہے۔ (ت)

ان میں کسی نے بحالت غلبہ حال خواہ عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر از انجا کہ ان کی حرمت بعینھا نہیں،

وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [1]۔	اعمال کا دار ومدار ارادوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے لیے وہی کچھ ہے جس کا اس نے ارادہ کیا، (ت)

بعد وثوق تام واطمینان کامل کہ حالًا ومالًا فتنہ منعدم احیانًا اس پر اقدام فرمایا ہو، ولہذا افاضل محقق آفندی شامی قدس اللہ تعالٰی سرہ السامی ردالمحتار میں زیر قول درمختار:

ومن ذلک (ای من الملاھی) ضرب النوبۃ للتفاخر فلو للتنبیہ فلا باس بہ کما اذا ضرب فی ثلثۃ اوقات لتذکیر ثلث نفخات الصور [2]۔ الخ	اسی سے یعنی آلات لہو میں سے فخریہ طور پر نوبت بجانا بھی ہے، لیکن اگر ہوشیار کرنے کے لیے بجائی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ تین اوقات میں یا تین دفعہ نوبت بجائی جائے تاکہ صور اسرافیل کے تین دفعہ پھونکنے کی یاد تازہ ہو الخ (ت)

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۸

فرماتے ہیں:

هذا يفيد ان اٰلة اللهو ليست محرمة لعينها بل لقصد اللهو منها اما من سامعها او من المشتغل بها و به تشعر الاضافة الاترى ان ضرب تلك الالة بعينها حل تارة وحرم اخرى باختلاف النية بسماعها و الامور بمقاصدها وفيه دليل لساداتنا الصوفية الذين يقصدون بسماعها امورًا هم اعلم بها فلا يبادر المعترض بالانكار كى لايحرم بركتهم فانهم السادة الاخيار امدنا الله تعالٰى بامدادتهم و اعاد علينا من صالح دعواتهم وبركاتهم[1]۔	یہ بات فائدہ دیتی ہے کہ آلہ لہو بعینہٖ (بالذات) حرام نہیں بلکہ ارادہ وعمل لہو کی وجہ سے حرام ہے خواہ یہ سامع کی طرف سے ہو یا اس سے مشغول ہونے والے کی طرف سے ہو، "اضافت" سے یہی معلوم ہوتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ کبھی اس آلہ لہو کو بعینہٖ بجانا اور استعمال کرنا حلال ہوتا ہے اور کبھی حرام، اور اس کی وجہ اختلاف نیت ہے، پس کاموں کے جائز اور ناجائز ہونے کا دارومدار ان کے مقاصد پر مبنی ہوتا ہے، اس میں ہمارے سادات صوفیہ کی دلیل موجود ہے کہ وہ سماع سے ایسے رموز کا ارادہ رکھتے ہیں کہ جن کو وہ خود بھی اچھی طرح جانتے ہیں لہٰذا اعتراض کرنے والا انکار کرنے میں جلدی نہ کرے کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی برکت سے محروم ہو جائے، کیونکہ وہ پسندیدہ سادات ہیں پس ان کی امداد سے اللہ تعالٰی ہماری مدد فرمائے، اور ان کی نیک دعاؤں اور برکات کا ہم پر اعادہ فرمائے یعنی انھیں ہم پر لوٹادے۔ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بلکہ یہاں ایک درجہ اور وجہ ادق واعمق ہے صحیح بخاری شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں رب العزت تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

لايزال عبدى يتقرب الى بالنوافل حتى احبه فاذا احببته كنت سمعه الذى يسمع به وبصره الذى يبصر به ويده	یعنی میرا بندہ بذریعہ نوافل میری نزدیکی چاہتا رہتا ہے یہاں تک کہ میرا محبوب ہو جاتا ہے پھر جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں خود اس کا وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها[1]۔	اور اس کی وہ آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے اور اس کا وہ ہاتھ جس سے کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا وہ پاؤں جس سے وہ چلتا ہے انتہی۔

اب کہئے کون کہتا اور کون سنتا ہے، آواز تو شجرہ طور سے آتی ہے مگر لاواللہ پیڑ نے نہ کہا "اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۟" [2] (یقیناً میں ہی تمام جہانوں کا پروردگار اللہ تعالٰی ہوں۔ت)

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(اس کا ارشاد در حقیقت اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اگرچہ بظاہر اللہ تعالٰی کے بندے کے منہ سے نکلے۔ت)

یہی حال سننے کا ہے وللہ الحجۃ البالغۃ (اور خدا ہی کے لیے کامل دلیل ہے۔ت) مگر اللہ اللہ یہ عباد اللہ کبریت احمر و کوہ یاقوت ہیں اور نادر احکام شرعیہ کی بنا نہیں تو ان کا حال مفید جواز یا حکم تحریم میں قید نہیں ہو سکتا،

کماافادہ المولی المحقق حیث اطلق سیدی کمال الدین محمد بن الھمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی اٰخر الحج من فتح القدیر فی مسئلۃ الجواز۔	جیسا کہ مولی المحقق نے اس کا افادہ بیان کیا چنانچہ میرے آقا ور ہنما کمال الدین محمد بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر بحث حج کے آخر پر مسئلہ جواز میں اس کو مطلق بیان فرمایا (ت)

نہ یہ مدعیان خامکاران کے مثل ہیں نہ بے بلوغ مرتبہ محفوظیت نفس پر اعتماد جائز،

فانہا اکذب مایکون اذا حلفت فکیف اذا وعدت۔	جب تو قسم کھائے تو جھوٹ ہوتا ہے تو تیرے وعدے کا کیا حال ہوگا۔ (ت)

رجماً بالغیب کسی کو ایسا ٹھہرا لینا صحیح، ہاں یہ احتمال صرف اتنا کام دے گا کہ جہاں اسکا انتفا معلوم نہ ہو تحسین ظن کو ہاتھ سے نہ دیجئے اور بے ضرورت شرعی ذات فاعل سے بحث نہ کیجئے،

ھذا ھو الانصاف فی امثال الباب واللہ الھادی بالصواب۔	امثال باب میں یہی انصاف ہے، واللہ الہادی بالصواب۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

سماع مجرد بے مزامیر، اس کی چند صورتیں ہیں:

اوّل: رنڈیوں، ڈومنیوں، محل فتنہ امردوں کا گانا۔

دوم: جو چیز گائی جائے معصیت پر مشتمل ہو، مثلاً فحش یا کذب یا کسی مسلمان یا ذمی کی ہجو یا شراب وزنا وغیرہ فسقیات کی ترغیب یا کسی زندہ عورت خواہ امرد کی بالیقین تعریف حسن یا کسی معین عورت کا اگرچہ مردہ ہو ایسا ذکر جس سے اس کے اقارب احبا کو حیاو عار آئے۔

سوم: بطور لہو ولعب سنا جائے اگرچہ اس میں کوئی ذکر مذموم نہ ہو۔ تینوں صورتیں ممنوع ہیں الاخیرتان ذاتا والاولی ذریعۃ حقیقۃ (آخری دو بلحاظ ذات اور پہلی در حقیقت ذریعہ ہے۔ت) ایسا ہی گانا لہو الحدیث ہے اس کی تحریم میں اور کچھ نہ ہو تو صرف حدیث **کل لعب ابن اٰدم حرام الا ثلثۃ**[1] (ابن آدم کا ہر کھیل حرام ہے سوائے تین کھیلوں کے۔ت) کافی ہے، ان کے علاوہ وہ گانا جس میں نہ مزامیر ہوں نہ گانے والے محل فتنہ، نہ لہو ولعب مقصود نہ کوئی ناجائز کلام بلکہ سادے عاشقانہ گیت، غزلیں، ذکر باغ وبہار وخط وخال ورخ وزلف وحسن وعشق وہجر ووصل ووفائے عشاق وجفائے معشوق وغیرہا امور عشق وتغزل پر مشتمل سنے جائیں تو فساق وفجار واہل شہوات دنیہ کو اس سے بھی روکا جائے گا،

وذلك من باب الاحتياط القاطع ونصح الناصح وسد الذرائع المخصوص به هذا الشرع البارع والدين الفارغ۔	یہ رکاوٹ یقینی احتیاط کے باب سے ہے اس میں خیر خواہ کی خیر خواہی اور ذرائع کی روک تھام موجود ہے جو اس یکتا وفائق شریعت اور خوبصورت دین سے مخصوص ہے۔(ت)

اسی طرح حدیث:

الغناء ينبت النفاق فی القلب كماينبت الماء البقل، ناظر۔ رواه ابن ابی الدنيا فی ذم الملاهی عن ابن مسعود و البيهقی فی شعب الايمان[2] عن جابر	گانا بجانا دل میں اس طرح نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی ساگ پات اگاتا ہے، ناظر ہے محدث ابن ابی الدنیا نے اس کو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے اور امام بیہقی نے

---

[1] جامع الترمذی ابواب الجہاد باب ماجاء فی فضل الرمی فی سبیل اللہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۷، سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب فی الرمی فی سبیل اللہ ص ۲۰۷

[2] شعب الایمان حدیث ۵۱۰۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۲۷۹، کنز العمال بحوالہ ابن ابی الدنیا حدیث ۴۰۶۵۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۱۸

رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ت)

اور اہل اللہ کے حق میں یقیناً جائز بلکہ مستحب کہئے تو دور نہیں، گانا کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتا بلکہ دبی بات کو ابھارتا ہے جب دل میں بری خواہش بیہودہ آلائشیں ہوں تو انھیں کو ترقی دے گا اور جو پاک مبارک ستھرے دل شہوات سے خالی اور محبت خدا ورسول سے مملو ہیں ان کے اس شوق محمود و عشق مسعود کو افزائش دے گا وحکم المقدمۃ حکم ماھی مقدمۃ لہ انصافا (مقدمہ کا حکم وہی ہے جو اس چیز کا حکم کہ جس کے لیے مقدمہ وضع کیا گیا۔ت) ان بندگان خدا کے حق میں اسے ایک عظیم دینی کام ٹھہرانا کچھ بے جا نہیں۔ فتاوی خیریہ میں ہے:

لیس فی القدر المذکور من السماع مایحرم بنص ولا اجماع وانما الخلاف فی غیر ماعین والنزاع فی سوی ما بین وقد قال بجواز السماع من الصحابۃ جم غفیر (الی ان قال) اما سماع السادۃ الصوفیۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم فبمعزل عن ھذا الخلاف بل ومرتفع عن درجۃ الاباحۃ الی رتبۃ المستحب کما صرح بہ غیر واحد من المحققین۔[1]	سماع کے متعلق قدر مذکور میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کو نص اور اجماع سے حرام ٹھہرائے ہاں البتہ اختلاف اس کے بغیر ہے کہ جس کو معین کیا گیا اور نزاع اس کے علاوہ ہے کہ جس کو بیان کیا گیا اور صحابہ کرام اور تابعین عظام سے اہل علم کے جم غفیر نے سماع کے جواز کا قول نقل کیا ہے (یہاں تک فرمایا) رہا سادات صوفیائے کرام کا سماع تو وہ اس اختلاف سے دور ہے بلکہ وہ درجہ اباحت سے رتبہ استحباب تک پہنچا ہوا ہے جیسا کہ بہت سے اہل تحقیق نے تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

یہ اس چیز کا بیان تھا جسے عرف میں گانا کہتے ہیں اور اگر اشعار حمد و نعت ومنقبت و وعظ وپند وذکر آخرت بوڑھے یا جوان مرد خوش الحانی سے پڑھیں اور بہ نیت نیک سنے جائیں کہ اسے عرف میں گانا نہیں بلکہ پڑھنا کہتے ہیں تو اس کے منع پر شرع سے اصلا دلیل نہیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراہۃ والاستحسان دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۳۔۱۸۴

کا حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے خاص مسجد اقدس میں منبر رکھنا اور ان کا اس پر کھڑے ہو کر نعت اقدس سنانا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام کا استماع فرمانا خود حدیث صحیح بخاری شریف سے واضح اور عرب کے رسم حدی زمانہ صحابہ وتابعین بلکہ عہد اقدس رسالت میں رائج رہنا خوش الحانی رجال کے جواز پر دلیل لائح، انجشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حدی پر حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے انکار فرمایا بلکہ بلحاظ عورات **یا انجشہ رویدا لاتکسر القواریر**[1] ارشاد ہوا کہ ان کی آواز دلکش ودل نواز تھی عورتیں نرم ونازک شیشیاں ہیں جنھیں تھوڑی ٹھیس بہت ہوتی ہے، غرض مدارکار تحقق وتوقع فتنہ ہے، جہاں فتنہ ثابت وہاں حکم حرمت، جہاں توقع واندیشہ وہاں بنظر سد ذریعہ حکم ممانعت، جہاں نہ یہ نہ وہ، نہ یہ نہ وہ بلکہ بہ نیت محمود استحباب موجود۔ بحمد اللہ تعالٰی یہ چند سطروں میں تحقیق نفیس ہے کہ ان شاء اللہ العزیز حق اس سے متجاوز نہیں،

نسأل اللہ سوی الصراط من دون تفریط والافراط، واللہ اعلم بالصواب۔	ہم اللہ تعالٰی سے سیدھی راہ کا سوال کرتے ہیں جو افراط وتفریط سے محفوظ ہو، اللہ تعالٰی راہ صواب کو خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۳: از ملک بنگالہ شہر نصیر آباد قصبہ لاماپڑا مرسلہ محمد علیم الدین صاحب ۵ جمادی الاولی ۱۳۱۴ھ

کار خیر مثل وعظ وغیرہ کے واسطے ڈھل سے خبر کرنا جائز ہے یا نہ؟ یعنی ایسا مقام ہو کہ وہاں عوام الناس بہت ہی دین کے مسئلہ سے ناواقف اور وہاں کوئی علیم جا کر ڈھنڈورہ پٹوائے کہ فلاں روز میں وعظ کروں گا بقصد فائدہ عام اس صورت میں جائز ہوگا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

ظاہر جواز ہے اور بذریعہ اشتہار اعلان انسب، درمختار میں ہے:

من ذلک ضرب النوبۃ للتفاخر للتنبیہ فلا باس بہ[2]۔	اسی لہو میں سے یہ بھی ہے کہ باری پر دف بجانا آپس میں فخر جتانے کے لیے، اور اگر آگاہ اور ہوشیار کرنے کے لیے ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب القدر باب رحمتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۵۵

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۸

درمنتقی میں ہے:

ینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز کضرب النوبة [1]۔	مناسب ہے کہ حمام میں حمام کا بگل بجایا جائے کیونکہ یہ جائز باری کے دف کی طرح (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وینبغی ان یکون طبل السحر فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تامل [2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ بھی مناسب ہے کہ سحری کرنے والوں کے لیے سحری کے وقت طبل بجانا، سونے والوں کو جگانے کے لیے، حمام کے بگل بجانے کی طرح جائز ہے غور کیجئے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴تا۱۲۴: ازالفی ملک مدراس مرسلہ حاجی عبدالرحمٰن خلف حاجی محمد ہاشم ۱۶ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ گزشتہ ۳ ماہ شوال ۱۳۱۵ھ کو یہاں ایک مسجد میں مولود شریف ہوا، اکثر خاص اور عام اہل اسلام بقصد سماعت مولود شریف حاضر ہوئے، جب میلاد خوانی سے فراغت ہوئی تھوڑے لوگ ان حاضرین سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہم دیگر ہاتھوں کو پکڑ کے حلقہ باندھ گئے اور اس حلقہ کے بیچ میں ایک شخص آکھڑا ہوا اور حلقہ والے لوگ رقص اور تمایل کے ساتھ ہاہُو مچاکے بڑے زور سے الااللہ کے طور سے ذکر کرنے کو شروع کئے یہاں رقص اور تمایل کا زور اور وہاں تصفیق کا شور یعنی بیچ میں جو شخص کہ کھڑا تھا اس نے حلقے والوں کے رقص اور تمایل کے وزن پر تصفیق نہایت موزونیت کے ساتھ کرتا تھا جب یہ غل شروع ہوا تو اکثر لوگ اس مجلس کے نکل کر چلے گئے بناءً علیہ اس حلقہ میں ایک شخص:

"وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى﴿۱۲۴﴾" [3] الخ	جس کسی نے میرے ذکر سے منہ پھیرا اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم قیامت کے روز اسے اندھا ہونے کی صورت میں اٹھائیں گے الخ (ت)

اس آیت کو پڑھ کے معنی بیان کیا کہ جو شخص ایسے ذکر کے مجلس سے اٹھ جاتا ہے اس کے حق میں اللہ تعالٰی

---

[1] الدرالمنتقی فی شرح الملتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب الکراہیۃ باب فی المتفرقات بیروت ۲/ ۵۵۳

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۳

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۴

فرماتا ہے کہ اس کو قیامت کے روز اندھا کرکے اٹھاؤں گا۔ اس مضمون کو بڑے زور شور سے بیان کیا، دوسرے روز بعض اصحاب علم نے اس شخص سے کہا کہ تو نے جو ذکر سے ہیئت کذائی مذکورہ مراد لیا سو سراسر غلط اور خلاف اصحاب تفسیر ہے دیکھ تفسیر جلالین۔ یہ سنتے ہی اس شخص نے کہا کہ تفسیر جلالین ظاہری تفسیر ہے اہل باطن کے لیے قاعدہ دوسرا ہے، انجام اس نے تفسیر جلالین کو حقارت کا الزام دیا، بنابراس کے دریافت کیا جاتا ہے:

(۱) جو مسلمان اس محفل سے نکل گئے وہ قیامت کے روز اندھے ہوکے اُٹھیں گے۔ یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ شخص ذکر سے یہ ہیئت کذائی مراد لیا سو درست ہے یا نہیں؟

(۳) "**وَمَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِكۡرِیۡ**"[1] سے یہاں کیا مراد اور شان نزول اس آیت کا کیا ہے؟

(۴) تفسیر جلالین کی جو حقارت کرے اس کے لئے شرع شریف میں کیا سزا ہے؟

(۵) جو مسلمان اس مجلس سے نکل گئے وہ قیامت کے روز اندھے ہو کر اٹھیں گے، یہ بات صحیح نہیں تو ایسے الفاظ سے مسلمانوں پر تہمت ڈالنے والا شخص از روئے اسلام کون ہے؟

(۶) تفسیر جلالین کی حقارت کرنے والے پر کفر ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

(۷) ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

(۸) تجدید اسلام یا توبہ لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

(۹) ان حلقے والوں کا ذکر جس کی ہیئت اوپر ذکر کی گئی ہے ایسا ذکر اور رقص اور تصفیق (تالی بجانا) شرع شریف میں درست ہے یا نہیں؟ زاور جو شرع کو ایسا ویسا سمجھے اور معرفت کا دعوی کرے لوگوں کو بموجب شرع شریف کیا کہنا چاہئے؟ **بیّنوا اجزا کم الله فی الدارین** (بیان فرماؤ کہ الله تعالٰی دنیاو آخرت میں تمہیں بہترین عطافرمائے۔ت)

الجواب:

حلقہ ذکر جبکہ نہ بروجہ ریا وسمعہ بلکہ خالصًا لوجہ الله ہو فی نفسہٖ امر محبوب ومندوب ہے اور اس میں حضور شرعًا مامور ومطلوب رسول الله صلی الله تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا**۔ جب تم جنت کی کیاریوں پر گزرو تو ان کے پھل پھول سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۴

تمتع کرو قالوا ومارياض الجنّة صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا، ذکر کے حلقے۔

رواہ احمد[1] والترمذی والبیھقی فی شعب الایمان عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند جید۔	مسند امام احمد، امام ترمذی اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بہترین سند سے اس کو روایت کیا۔ (ت)

اور یہ رقص اگر معاذاللہ بروجہ تصنّع وریاء ہے حرام قطعی وجریمہ فاحشہ ہے اور بطور لہوولعب بھی ناجائز ومسقط عدالت، اور تمایل کے ساتھ مثل رقص فواحش اشد حرام، نصاب الاحتساب باب سادس پھر تاتارخانیہ پھر فتاوٰی خیریہ میں ہے:

مسئلة هل يجوز الرقص فی السماع الجواب لایجوز وذکر فی الذخیرة انه کبیرة ومن اباحه من المشائخ فذٰلك الذی صارت حرکاته کحرکات المرتعش[2] الخ	**مسئلہ** کیا سماع (قوالی) میں ناچ جائز ہے؟ **جواب** جائز نہیں، اور ذخیرہ میں ذکر کیا گیا کہ ناچنا کبیرہ گناہ ہے اور مشائخ میں سے جس نے اسے مباح قرار دیا وہ اس کے حق میں ہے جس کی حرکات مثل رعشہ والے کے بے اختیار ہوں الخ (ت)

درمختار میں ہے:

لاتقبل ممن یلعب بلهو شنیع بین الناس کالطنابیر والمزامیر وان لم یکن شفیعا نحو الحداء فلا الا اذا فحش بان یرقصوا به. خانیة لدخوله فی حد الکبائر بحر[3] اھ ملتقطا۔	جو شخص لوگوں میں برا کھیل تماشا کرے جیسے طنبور (ستار) کا استعمال اور مزامیر (بانسری) وغیرہ، آلاتِ راگ وغیرہ کا استعمال تو وہ مردود الشهادة ہوگا یعنی اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اگر راگ بے حد بُرانہ ہو جیسے عربی گیت مثلاً حدی خوانی تو وہ ممنوع نہیں لیکن اگر اس میں فحش کلام اور ناچ وغیرہ شامل ہوں تو ممنوع ہے، خانیہ، اس لئے کہ وہ کبیرہ گناہوں میں داخل ہوگیا، بحر اھ ملتقطا۔ (ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل مسند انس بن مالك رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۵۰

[2] فتاوٰی خیریه کتاب الکراهة مطلب فی الرقص فی السماع دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۷۹

[3] درمختار کتاب الشهادات باب القبول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۵

علامہ برکوی طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

یدخل فیهما مایفعله بعض الصوفیة بل هو اشد لانهم یفعلونه علی اعتقاد العبادة قال الامام ابو الوفاء بن عقیل رحمه الله قد نص القراٰن علی النهی عن الرقص فقال و لاتمش فی الارض مرحا وذم المختال بقوله ان الله لایحب کل مختال فخور، والرقص اشد من المرح والبطر وقال ابوبکر الطرطوسی رحمه الله تعالٰی فاول من احدثه اصحاب السامری لما اتخذ عجلا جسداله خوار قاموا یرقصون علیه ویتواجدون وقال البزازی فی فتاواه قال القرطبی هذا الرقص حرام بالاجماع وسید الطائفة احمد السنوی صرح بحرمته ورأیت فتوٰی شیخ الاسلام جلال الدین الکیلانی ان مستحل هذا الرقص کافر و للزمخشری فی کشافه کلمات فیهم تقوم بها علیهم الطامات وللامام المحبوبی اشد	جوکچھ صوفیہ کرتے ہیں وہ اس میں داخل ہے بلکہ زیادہ سخت جرم ہے کیونکہ یہ کام اعتقاد عبادت کی بناپر کرتے ہیں، چنانچہ امام ابوالوفا ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ناچنے سے منع کرنے پر قرآن مجید کی تصریح موجود ہے۔اللہ تعالٰی کاارشاد ہے زمین پر اترا کرنہ چلو۔اللہ تعالٰی نے اپنے اس ارشاد سے اترانے والے کی مذمت فرمائی بے شک اللہ تعالٰی کسی اترانے والے، فخر کرنے والے کوپسند نہیں کرتا اور ناچنا، اترانا، فخر کرنا ایک جیسے اعمال ہیں بلکہ ناچنا اترانے اور فخر کرنے سے بھی بڑاجرم ہے۔ابوبکر طرطوسی رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا سب سے پہلے جس نے اس بدعت کوایجاد کیا وہ اصحاب سامری ہیں جب انہوں نے بچھڑے کاایک ڈھانچہ تیار کیاجو گائے جیسی آواز نکالتا تھا یاجس سے گائے کی آواز کی طرح آواز نکلتی تھی تو وہ کھڑے ہوکر اس کے سامنے ناچنے لگے اور وجد کرنے لگے یعنی جھومنے لگے۔امام بزازی نے اپنے فتاوٰی بزازیہ میں فرمایا ناچ بالاجماع حرام ہے۔سیدالطائفہ احمد سنوی نے اس کی حرمت کی صراحت فرمائی ہے، میں نے شیخ الاسلام جلال الدین گیلانی کافتوٰی دیکھا جس میں کہاگیاکہ ناچ کو حلال کرنے والا یعنی جائز قرار دینے والا کافرہے۔علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں ان کے متعلق ایسے کلمات

من ذلك انتھٰی قلت من له انصاف اذا راٰی رقص صوفیة زماننا فی المساجد والدعوات مختلطا بھم المرد واھل الاھواء والقری من جھال العوام و المبتدعة الطغام لایعرفون الطھارة والقراٰن و الحلال والحرام بل لایعرفون الایمان والاسلام لھم زعیق وزئیرمثل ھائی وھویئ وھیبیئ وھیا یقول لامحالة ھٰؤلاء اتخذوا دینھم لھواولعبا[1] اھ ملخصًا۔	لکھے ہیں کہ جن سے ان پر بڑے مصائب قائم ہو سکتے ہیں اور امام محبوبی کے کلمات ان سے بھی زیادہ سخت ہیں اھ، **میں کہتا ہوں** کہ جس کی طبیعت میں انصاف ہو وہ ذرا ہمارے زمانے کے صوفیا کا مساجد میں ناچنا کودنا شور مچانا دیکھے کہ بے ریش لونڈے خواہشات نفسانی کے متوالے، جاہل دیہاتی اور بیوقوف بدعتی ان میں ملے جلے ہوتے ہیں جو طہارت سے ناآشنا، قرآن مجید کے ادب سے ناواقف اور حلال وحرام کی پہچان سے بے بہرہ ہوتے ہیں جو سوائے چیخنے چلّانے کے اور کچھ نہیں جانتے ایمان اور اسلام کی معرفت سے لاعلم ہوتے ہیں، فرمایا ان لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنار کھا ہے اھ ملخصا۔ (ت)

ردالمحتار میں مختار سے ہے:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کرہ رفع الصوت عند قراءة القراٰن والجنازة والزحف و التذکیر فماظنك عندالغناء الذی یسمونه وجدا و محبة فانه مکروہ لااصل له فی الدین[2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے تلاوت قرآن، نماز جنازہ، جنگ اور وعظ کے دوران بلند آواز کو ناپسند فرمایا۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے اس چیخ وپکار کے بارے میں جو اس راگ کے وقت ہو جس کو یہ لوگ وجد اور محبت کا نام دیتے ہیں۔ بلاشبہہ یہ مکروہ ہے، دین میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ (ت)

یوہیں تالیاں بجانا بھی وجوہ مذکور پر ناجائز وممنوع ہے۔ شامی میں زیر قول شارح:

کرہ کل لھو بقوله علیه الصلوٰة والسلام کل لھو المسلم	ہر کھیل مکروہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ مسلمان کا ہر کھیل

[1] طریقه محمدیه الصنف التاسع فی آفات بدن الخ مکتبہ حنفیّہ کانسی روڈ کوئٹہ ۲/ ۶۷۔ ۲۶۴

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۵

حرام الاثلثة [1]۔	سوائے تین کے حرام ہے۔(ت)

علامہ قہستانی سے ہے:

الاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه کالرقص و السخرية والتصفيق فانها کلها مکروهة لانها زی الکفار [2] اھ مختصرًا	اطلاق (یعنی بلاقید ذکر کرنا) نفس فعل اور اس کی سماعت کو شامل ہے جیسے ناچنا، مذاق کرنا اور تالیاں بجانا۔ اس لئے کہ یہ سب مکروہ ہیں کیونکہ یہ عادات کفار ہیں۔ اھ مختصرًا (ت)

اقول: تصدیق اس کی کہ تالی بجانا افعال کفار سے ہے، خود قرآن عظیم میں موجود الله عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً" [3]۔	نہ تھی ان کی نماز کعبے کے پاس مگر سیٹی اور تالی۔

معالم میں ہے:

قال ابن عباس والحسن، المکاء الصفیر والتصدیة التصفیق قال ابن عباس کانت قریش تطوف بالبیت وھم عراة یصفرون ویصفقون۔ [4]	عبدالله ابن عباس اور حسن بصری نے فرمایا قرآن مجید میں جو لفظ "المکاء" آیا ہے اس کے معنی سیٹی بجانا ہے اور تصدیہ کے معنی ہیں تالی بجانا۔ ابن عباس رضی الله تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ قریش کعبہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجایا کرتے تھے (ت)

اور جو فعل حرام ہے اس میں شریک ہونا اس کا تماشا دیکھنا بھی حرام ہے۔

کما افادہ فی غیر ما مسئلة وقد سمعت الاٰن ان الاستماع کالفعل۔	جیسا کہ بہت سے مسائل میں اس کا افادہ کیا اور ابھی آپ نے سنا (پڑھا) کہ سننا فعل کی طرح ہے۔(ت)

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۸

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

[3] القرآن الکریم ۸/ ۳۵

[4] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت وماکان صلاتھم مصطفی البابی حلبی مصر ۳/ ۳۰

جوہرہ نیرہ پھر درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

مایفعله متصوفة زماننا حرام لایجوز القصد و الجلوس الیه ومن قبلهم لم یفعل کذٰلک [1]۔	ہمارے زمانے کے نمائشی صوفی جو کچھ کرتے ہیں وہ حرام ہے لہٰذا اس کا ارادہ کرنا اور ایسی مجلس میں بیٹھنا جائز نہیں اور ان سے پہلے کبھی ایسا نہ کیا گیا۔(ت)

ہاں اگر مغلوبین صادقین بے تصنع وبے اختیار یادِ محبوب پر وجد میں آئیں اور ان ماسوی اللہ حتی کہ اپنی جان سے بے خبروں کو جام عشق کی پرجوش مستیاں والٰہ سرگشتہ بنائیں تو یہ دولت عظمٰی ونعمت کبرٰی ہے جسے بخشیں جسے عطافرمائیں، یہ حالت نہ زیر قلم نہ قسم عمل نہ اس پر انکار کا اصلاً محل اگرچہ اصحاب تمکین وجبال شامخین ہداۃ مرشدین وقدوہ فی الدین کہ پہاڑ ٹل جائیں اور جنبش میں نہ آئیں ارفع واعلٰی ہیں خاص وارثان حضرات عالیہ انبیاء علیہم افضل الصلوٰۃ والثناء ہیں۔

قلت ودون ھٰؤلاء مرتبة الاوساط الصادقین السالکین مسلك الاقتداء بالعاشقین مع الاخلاص المبین کالفجر المبین یریدون القدوة لوجدان الطریقة لان التعود ربما جر الی الحقیقة کما اشار الیه الامام حجة الاسلام فی احیاء العلوم علی ان من تشبه بقوم فهو منهم [2] وهذا وعر وبرزخ صعب لایقدر علیه الامن تخلی عن الهوی وقدرعلی نفسه ان یمسك عنانها عن الطغوی لیس	میں کہتا ہوں کہ مرتبۃ الاوساط یعنی اوسط درجہ کے لوگوں کا درجہ جو سچے ہیں ان سے کم ہے ظاہر اخلاص کے ساتھ، جیسے فجر کا اجالا۔ وہ عشاق کی اقتداء کرتے ہیں ان کے مسلک پر چلتے ہیں حصول طریقہ کے لئے وہ پیشوائی کا ارادہ رکھتے ہیں کیونکہ بعض اوقات عادت حقیقت کی طرف کھینچ لے جاتی ہے جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے علاوہ ازیں جو کسی کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے، یہ مسلک مشکل اور برزخ یعنی متوسط درجہ دشوار ہے اس کی قدرت وہی شخص رکھ سکتا ہے جو نفسانی خواہش سے مبرا ہو۔ اور اپنے نفس کے گھوڑے کو لگام دے کر آگے بڑھنے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشهرة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

بینه وبین التصنع المذموم الا کما بین سواد العین وبیاضه اوشفة المرء وفیه من رتع حول الحمی اوشك ان یقع فیه [1]۔نسأل الله العفو والعافیة۔	سے روکنے اور باز رکھنے پر قادر ہو۔پس اس کے اور تصنع مذموم کے درمیان اتنی ہی مسافت ہے جتنی آنکھ کی سیاہی اور سفیدی کے درمیان ہے یا جتنی آدمی کے ہونٹ اور زبان کے درمیان ہے،اور جو کوئی چراگاہ کے چاروں اطراف کے ساتھ چرے تو اس چراگاہ میں چلے جانے کا قوی امکان ہے۔ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

نصاب الاحتساب وتاتارخانیہ وفتاوٰی خیریہ وردالمحتار وغیرہا میں ہے:

له شرائط ان لایقوموا الامغلوبین ولایظهروا وجدا الاصادقین [2]۔	اس کے لئے شرائط ہیں،ایک یہ کہ وہ نہ اٹھیں مگر مغلوب ہو کر اور وجد کا اظہار نہ کریں سوائے سچا ہونے کی حیثیت کے۔(ت)

منتقی شرح ملتقی پھر شامیہ میں ہے:

شرط الواجد فی غیبته ان یبلغ الی حدلوضرب وجهه بالسیف لایشعر فیه بوجع [3]۔	وجد کرنے والے کی وجدانی کیفیت گم سم ہوجانے کی حالت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ اس حد تک حاوی ہو کہ اگر وجد والے کے چہرے پر تلوار کی ضرب(چوٹ)لگائی جائے تو تب بھی اسے درد کا احساس اور شعور نہ ہونے پائے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

فی التتارخانیة مایدل علی جوازہ للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش وبهذا افتی البلقینی و برهان الدین الابناسی وبمثله احباب بعض ائمة	فتاوٰی تتارخانیہ میں ہے کہ مغلوب الحال کے وجد کے جواز پر جو چیز دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی حرکات رعشہ والے کی حرکات کی مانند ہوں۔(یعنی بے ساختہ اور بے اختیار ہوں)علامہ بلقینی اور علامہ برہان الدین ابناسی

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب الحلال بین والحرام بین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

[3] ردالمحتار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۲۲

الحنفیة والمالکیة وکل ذٰلك اذا خلصت النیة وکانوا صادقین فی الوجد مغلوبین فی القیام والحرکة عند شدة الھیام[1]۔	نے اس پر فتوٰی دیا ہے اور بعض ائمہ حنفیّہ اور مالکیہ نے بھی اسی کے مطابق جواب دیا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس وقت ہے جبکہ نیت خالص ہو اور وجدوالے وجد میں سچے ہوں اور اٹھنے بیٹھنے اور حرکت میں جنون عشق کی شدت سے مغلوب ہوں۔(ت)

مجمع الانہر میں زیر قول مذکور ملتقی الابحر ہے:

فی التسھیل فی الوجد مراتب وبعضه یسلب الاختیار فلاوجه للانکار بلاتفصیل[2]۔	تسہیل میں ہے کہ "وجد" کے کچھ مراتب ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ جن میں اختیار سلب ہو جاتا ہے یعنی اختیار بالکل نہیں رہتا۔ پھر بغیر تفصیل جاننے کے بیمار کی صحت یابی کی صورت پیدا ہونا مشکل ہے۔(ت)

شفاء العلیل علامہ شامی میں ہے:

لاکلام لنا مع الصدق من ساداتنا الصوفیة المبرئین عن کل خصلة ردیة فقد سئل امام الطائفتین سیدنا الجنید ان اقواما یتواجدون ویتمایلون فقال دعوھم مع اللّٰہ تعالٰی یفرحون ولوذقت مذاقھم عذرتھم فی صیاحھم وشق ثیابھم اھ،ولاکلام لنا ایضا مع من اقتدی بھم وذاق من مشربھم ووجد من نفسه الشوق	ہمارا کلام سچائی پر مبنی ہے، ہمارے سادات صوفیا گھٹیا عادات سے پاک ہیں پس وہ نمائشی صوفیا سے نہیں، چنانچہ دو گروہوں کے امام سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ وجد کرتے اور لڑکھڑاتے ہیں (یعنی ادھر ادھر جھومتے ہیں) اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو یہ اللہ تعالٰی سے خوشی پاتے ہیں اگر تجھے بھی ان جیسا ذوق حاصل ہوتا تو ان کو اس چلانے اور گریبان پھاڑنے میں معذور جانتا اھ اور ہمارا کلام ان سے بھی نہیں کہ جنہوں نے (مذکورہ

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراھة والاستحسان دارالمعرفة بیروت ۲/ ۱۸۲

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الکراہیة فصل فی المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۵۲

والهيام فی ذات الملك العلام. بل كلامنا مع هؤلاء العوام الفسقة اللئام الذين اتخذوا مجلس الذكر شبكة لصيدالدنيا الدنية وقضاء لشهواتهم الشنيعة الردية ولسنا نقصد منهم تعيين احد فالله مطلع علی احوالهم [1] اهمختصرًا۔	بزرگوں کی) اقتداء کی اور ان کے مشرب کا ذائقہ چکھا اور اپنے اندر شوق اور جنون عشق، ملک علام (یعنی اللہ تعالٰی کی ذات ستودہ صفات) میں پایا، بلکہ ہماری گفتگو ان عام لوگوں کے ساتھ ہے جو فاسق اور کمینے ہیں جنہوں نے محفل ذکر کا جال حقیر اور معمولی دنیا کے شکار کے لئے لگا رکھا ہے اور اپنے بد ترین سفلی جذبات کی تسکین کے لئے محفل ذکر کو آڑ بنایا اور ہم اس میں کسی ایک کے تعین کا ارادہ نہیں رکھتے کیونکہ اللہ تعالٰی ہی ان کے حالات سے پوری طرح آگاہ اور واقف ہے اھ مختصرًا (ت)

اسی کی منہیہ میں نور العین فی اصلاح جامع الفصولین سے ہے۔علامہ ابن کمال باشا نے اس سوال کے جواب میں فرمایا:ـ

مافی التواجد ان حققت من حرج ولافی التمایل ان اخلصت من باس فقمت تسعی علی رجل وحق لمن دعاہ مولاہ ان یسعی علی الراس الرخصة فيما ذكر من الاوضاع عندالذكر والسماع للعارفين الصارفين اوقاتهم الی احسن الاعمال السالكين المالكين لضبط انفسهم من قبائح الاحوال فهم لايستمعون الا من الاله ولايشتاقون الاله ان ذكروه ناحوا وان وجدوه	جو وجد حقیقت پر مبنی ہو اگر جھومنا اخلاص سے ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، پھر تو کھڑے ہو کر ایک پاؤں پر دوڑنے لگا جسے اس کا مولا بلائے اس پر واجب ہے کہ سر کے بل دوڑ پڑے۔ذکر اور سماع کے وقت اوضاع مذکورہ کی اجازت ہے ان عارفین کے لئے ہے جو اپنے اوقات بہترین اعمال بجالانے میں صرف کرتے ہیں اللہ تعالٰی کی راہ اختیار کرتے ہیں، اپنے نفس کو قبیح اعمال سے روکنے پر قادر ہوتے ہیں پھر وہ صرف اللہ تعالٰی ہی سے سنتے اور اسی کے مشتاق رہتے ہیں، اگر اس کی یاد میں مصروف ہوں تو نوحہ کرنے لگتے ہیں

[1] شفاء العلیل رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

صاحوا،اذا غلب علیھم الوجد فمنھم من طرقتہ طوارق الھیبۃ فخروذاب ومنھم من برقت لہ بوارق اللطف فتحرك وطاب ھذا ماعن لی فی الجواب۔واللہ اعلم بالصواب[1]۔	اگر اسے پالیں تو چیخنے چلانے لگتے ہیں بشرطیکہ وہ وجد سے مغلوب ہوں، پھر ان میں کوئی وہ ہیں جنہیں مصائب الٰہی نے جھنجھوڑا تو گرپڑے اور پگھل گئے اور ان میں کوئی وہ ہیں جن پر لطف وکرم کانزول ہوا تو خوش ہو کر متحرک ہوگئے۔ میرے لئے یہی جواب ظاہر ہوا۔اور اللہ تعالٰی راہ صواب کو خوب جاننے والا ہے۔(ت)

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں زیر کلام مذکور متن فرماتے ہیں:

اعلم ان ھذا الذی سبق ذکرہ فی المتن من عبارات الفقھاء جمیعہ فی حق من ذکرناھم من طائفۃ متصوفۃ اللہ اعلم بعیانھم ،والافالوجدوالتواجد الذی تعلمہ الفقراء الصادقون فی ھذا الزمان وبعدہ کما کانوا یعلمونہ من قبل فی الزمان الماضی نور و ھدایۃ واثر توفیق من اللہ تعالٰی وعنایۃ قال المناوی فی طبقات الاولیاء قیل للجنید قدس سرہ ان قوما یتواجدون قال دعوھم مع اللہ یفرحون وقال النجم الغزی فی حسن التنبہ عند ذکرہ حال المولھین فی اللہ فی باب تشبہ العاقل بالمجنون والیہ الاشارۃ بقولہ صلی اللہ تعالٰی	متن میں تمام فقہاء کرام کی جن عبارات کا پہلے ذکر ہوا یہ ان صوفیا کے حق میں ہے جو مذکور ہوئے اللہ تعالٰی ان کی ذوات سے بخوبی واقف ہے، ورنہ وجد اور تواجد جسے اس زمانے میں سچے فقراء ہی جانتے ہیں اور گزشتہ دور کے فقراء جانتے تھے وہ توایک نور ہدایت اور اللہ تعالٰی کی توفیق وعنایت کا ایک اثر ہے۔علامہ مناوی نے طبقات الاولیاء میں فرمایا: حضرت جنید بغدادی قدس سرہ سے عرض کی گئی کہ کچھ لوگ وجد کرتے ہیں توفرمایا انہیں اللہ تعالٰی کے ساتھ چھوڑدو کہ خوش رہیں۔ فرمایا نجم الغزی نے حسن التنبہ میں اللہ تعالٰی کے معاملہ میں لوگوں کاحال ذکر کرتے ہوئے "تشبہ عاقل بالمجنون" کے باب میں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اسی طرف اشارہ فرمایا

---

[1] منھیۃ علی ہذہ العبارت (شفاء العلیل) سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۷۲

<table>
<tr>
<td>
علیه وسلم اکثرواذکراللّٰه حتی یقولوا مجنون رواه الامام احمد وابویعلی وابن حبان والحاکم و صححاه عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه، و ربما غلب الوله علی اهل اللّٰه تعالٰی والوجد حتی یغیبوا من وجودهم فتبدوا منهم احوال وافعال لو صدرت عن مشاهد الفعل لحکموا علیه انه خرج عن حد العقل کالرقص والدوران وتخریق الاثواب وهی حالة شریفة علامة صحتها ان تحفظ علٰی صاحبها اوقات الصلٰوات وسائر الفرائض فترد علیهم فیها عقولهم وهذا حال جماعة من اولیاء اللّٰه تعالٰی منهم الشبلی وابوالحسن النوری وسمنون المحب و سعدون المجنون وامثالهم،

روی ابونعیم فی الحلیة عن یحیی بن معاذ الرازی انه سئل عن الرقص فانشد یقول ؎

دققنا الارض بالرقص
علی لطف معانیکا
</td>
<td>
کثرت سے اللہ تعالٰی کا ذکر کیا کرو یہاں تک کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہنے لگیں۔امام احمد، ابویعلٰی، ابن حبان اور حاکم نے اس کو روایت کیا اور آخری دو نے اس کو صحیح قرار دیا۔اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کو روایت کیا گیا۔اور بعض اوقات "اہل اللہ" پر حیرت اور وجد کی کیفیت غالب ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے وجود سے غائب ہوجاتے ہیں یا اپنا وجود کھو بیٹھتے ہیں تو ان سے ایسے حالات ظاہر ہوتے ہیں اگر شاہد فعل سے صادر ہوتے تو اس پر حکم لگاتے کہ یہ حد عقل سے خارج ہے جیسے ناچنا، گھومنا اور کپڑے پھاڑ ڈالنا۔اور یہ ایک شریف حالت ہے اور اس کی صحت کی علامت یہ ہے کہ صاحب حالت پر اوقات نماز اور دیگر فرائض محفوظ ہوتے ہیں پھر اس حالت میں ان کی عقلیں لوٹادی جاتی ہیں اور یہ حال اولیاء اللہ کی ایک جماعت کا ہے ان میں سے خواجہ شبلی، ابوالحسن نوری، سمنون محب، سعدون مجنون اور ان جیسے دیگر اکابرین امت ہیں،

چنانچہ محدث ابونعیم نے الحلیہ میں یحیٰی بن معاذ رازی سے روایت کی ہے کہ ان سے ناچ کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ یہ کہنے لگے: ہم نے ناچ سے زمین کو روندا اور پامال کیا (یہ سب کچھ) تیرے معانی سے لطف اندوز ہونے کے لئے کیا۔
</td>
</tr>
</table>

ولاعیب علی الرقص لعبد ھائم فیکا وھذا دقنا الارض اذا کنا بنادیکا واما من اظھر ھذہ الاحوال تعمدا للتوصل الی الدنیا اولیعتقدہ الناس ویتبرکوابہ فھذا من اقبح الذنوب المھلکات انتھی، وقال الغزالی فی الاحیاء ان اباالحسن النوری رحمہ اللہ تعالٰی کان مع جماعۃ فی دعوۃ فجرت بینھم مسألۃ فی العلم وابوالحسن ساکت ثم رفع راسہ وانشدھم یقول، رب ورقاء ھتوف فی الضحٰی ذات شجو ھتفت فی فنن ذکرت الفاوحزنا صالحا فبکیت حزنا فھاجت حزنی فبکائی ربما ارقھا وبکاھا ربما ارقنی ولقد تشکو فما افھمھا ولقد اشکو فما یفھمنی غیرانی بالجوی اعرفھا وھی ایضا بالجوی تعرفنی قال فما بقی احد من القوم الاقام	ناچ کرنے میں کوئی عیب نہیں اس بندہ کے لئے جو تیری ذات میں سرگشتہ اور گم ہوا اور محو ہوا، اور یہ ہمارا زمین کو ناچ کے ذریعے روندنا اور پامال کرنا اس لئے ہے کہ ہم تیرا ارادہ اور قصد کرنے والے ہیں، لیکن جس نے ان حالات کو دانستہ طور پر دنیا تک رسائی کے لئے ظاہر کیا یا اس لئے کہ لوگ اس کے عقیدت مند ہو جائیں اور اس سے تبرک حاصل کریں تو یہ کارروائی مہلک اور تباہ کن گناہوں سے بھی زیادہ قبیح ہے اھ۔ چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کسی دعوت میں ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرماتھے کہ اچانک ان کے درمیان ایک علمی بحث چھڑ گئی اور حالت یہ تھی کہ ابوالحسن نوری بالکل خاموش بیٹھے تھے پھر اچانک سر اٹھایا اور یہ اشعار پڑھنے لگے، بہت سی کبوتریاں چاشت کے وقت لمبی لمبی آوازیں نکال کر درختوں کی شاخوں پر بولنے لگیں۔ میں نے محبت اور قابل قدر غم کو یاد کیا پھر میں غم کی وجہ سے رو پڑا اور میرے غم میں ابال اور جوش آگیا۔ بسا اوقات میری گریہ وزاری نے انہیں نرم کردیا اور بسا اوقات ان کی آہ وبکا نے مجھے نرم کرڈالا۔ بیشک وہ شکوہ وشکایت کرتی ہیں مگر میں تو انہیں نہیں سمجھاتا۔ اور میں شکایت کرتا ہوں تو وہ مجھے نہیں سمجھاتی مگر میں اپنے اندرونی سوز عشق

الاقام وتواجد ولم یحصل لهم هذا الوجد من العلم الذی خاضوافیه وان کان العلم حقا انتهی و لاشك ان التواجد فیه تشبّه باهل الوجد الحقیقی وهو جائز بل مطلوب شرعًا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم رواه الطبرانی فی الاوسط عن حذیفة بن الیمان رضی الله تعالٰی عنه،هذا اذاکان قصده بذلك مجرد التشبه بهم والتبرك بسیرتهم محبة لهم ورغبة فی زیادة المیل الیهم واما اذاکان مقصده ان یعتقده الناس و یتبرکون به فهوالابس ثوبی زورفهو مذموم ممقوت عندالله تعالٰی والناس یحملونه علی المحامل الحسنة واما التواجد علی الوجه الصحیح فقداشار الیه الشیخ القشیری فی رسالته حیث قال قوم قالوا التواجد غیرمسلم لصاحبه لمایتضمن من التکلف ویبعد عن التحقیق وقوم قالواانه مسلم	کی وجہ سے اسے پہچانتا ہوں اور وہ بھی اپنے اندر موجزن سوز عشق کی وجہ سے مجھے پہچانتی ہے۔ پھر بقول راوی سب کے سب وجد کرنے لگے اور یہ وجد اس علم کی وجہ سے نہ تھا جس میں وہ الجھے ہوئے تھے اگرچہ علم حق ہے انتہی، بلاشبہ اس تواجد میں حقیقی وجد کرنے والوں سے مشابہت ہے اور یہ جائز ہے بلکہ شرعًا مطلوب ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔امام طبرانی نے "الاوسط" میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے، یہ تب ہے کہ جب اس سے اس کا ارادہ محض ان سے تشبہ اور ان کی عادات سے برکت حاصل کرنا ہو،ان سے محبت رکھتے ہوئے او ان کی طرف زیادہ راغب ومائل ہوتے ہوئے۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ اس (طریقہ) سے اس کے معتقد ہو جائیں اور اس سے برکت حاصل کریں تو پھر وہ جھوٹا لباس پہننے والا ہے جو اللہ تعالٰی کے نزدیک مذموم و مغضوب ہے(اس کے باوجود) لوگ اچھے محمل پر محمول اور قیاس کرتے ہیں لیکن صحیح طور پر وجد کرنا تو شیخ قشیری نے اپنے رسالہ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا،فرمایا کچھ لوگ کہتے ہیں کہ باہم وجد کرنا صاحب وجد کے لئے ٹھیک نہیں اس لئے کہ وہ تکلف پر مبنی اور تحقیق سے بعید ہے۔اور کچھ لوگ کہتے

للفقراء المجردين الذين ترصدوا لوجدان هذه المعانی واصلهم خبرالرسول صلی الله تعالٰی علیه وسلم ابکوافان لم تبکوا فتباکوا انتهٰی وفی شرعة الاسلام من السنة ان یقرأ القراٰن بحزن و وجدفان القراٰن نزل بحزن فان لم یکن له حزن فلیتحازن انتهٰی والحاصل ان تکلف الکمال من جملة الکمال والتشبه بالاولیاء لمن لم یکن منهم امر مطلوب مرغوب فیه علی کل حال [1] اهملتقطا۔	ہیں کہ وہ مجرد فقراء کے لئے ٹھیک ہے جو ان کے معانی کے پانے کے منتظر رہتے ہیں اور اس کی اصل اور بنیاد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث ہے (چنانچہ آپ نے فرمایا) لوگو! رویا کرو اور اگر رونہ سکو تو رونی صورت بنایا کرو انتہی۔ شرعۃ الاسلام میں ہے سنت یہ ہے کہ غم کے ساتھ جھوم کر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے کیونکہ قرآن مجید غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اگر کسی میں غم کا تاثر نہ ہو تو غمگین صورت بنالیا کرے انتہی۔ خلاصہ یہ کہ کسی کمال میں تکلف (بناوٹ) کمال میں شامل ہوتا ہے اور جو شخص اولیاء اللہ میں سے نہیں مگر ان کی مشابہت اختیار کرتا ہے یہ بھی امر مطلوب اور ہر حال مستحسن ہے اھ ملتقطا۔ (ت)

مگر ظاہر کہ عامہ ناس کا اس میں کچھ نہیں تو صورت مسئولہ میں اس حالت کے شروع ہونے پر لوگوں کا چلا نا اصلاً کسی طرح محل طعن نہ تھا بلکہ انہیں یہی چاہئے تھا وحال سے خالی نہیں یہ رقص وتمایل وتصفیق والے محق تھے یا مبطل، اگر محق تھے تو عوام جو ان مناصب عالیہ تک بالغ نہیں ان میں شریک ہونا محض بے معنی تھا، اور مبطل تھے تو ان کی حرکات ذمیمہ کا تماشا دیکھنا خود حرام وناروا تھا، اور جوامر حرام ولغو میں دائر ہو اس سے احتراز ہی طریق صواب ہے آیہ کریمہ "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ" [2] کا اس پر ورود کیونکر ممکن، جہاں خود بحکم شرع ہی چلا جانا مطلوب ہو، آیہ کریمہ میں اعراض عن الذکر سے ایمان نہ لانا مقصود، خود آیت قرآنیہ اس ارادے پر شاہد عدل موجود، قال الله تعالٰی: "فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى ﳔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾" [3] "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ" [4] الاٰیة بعد واقعہ ابلیس لعین وتناول شجرہ حضرت آدم وحوا اور ان کے دشمن کو جنت سے اتارتے وقت ارشاد ہوا

---

[1] الحدیقة الندیه شرح الطریقة المحمدیة الصنف التاسع مکتبه نوریه رضویه فیصل آباد ۲/ ۵۲۳ تا ۵۲۷

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۴

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۳

[4] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۴

کہ اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے توجو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہ ہو نہ سختی جھیلے اور جو میرے ارشاد سے منہ پھیرے اس کے لئے تنگ زندگانی اور اسے ہم روز قیامت اندھا اٹھائیں گے۔اس مضمون کو سورہ بقر میں یوں ادا فرمایا ہے:

"فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ(۳۸) وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ(۳۹)"[1]	اگر تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں انہیں کچھ خوف نہیں نہ وہ غمگین ہوں اور جو کفر کریں اور میری آیتیں جھٹلائیں وہ دوزخی ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے۔

ایک ہی قصہ ہے ایک ہی ارشاد ہے تو خود قرآن عظیم نے شرح فرمادی ہے کہ اعراض عن الذکر سے کفر مراد ہے،اب نقل اقوال مفسرین کی حاجت نہ رہی،حدیث میں ہے کچھ لوگوں نے چلاچلا کر مسجد میں ذکر کرنا شروع کیا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں نکلوادیا اب خواہ یہ نکلوانا اس بناپر ہو کہ ان کے نزدیک ذکر جہر ممنوع تھا خواہ اس لئے کہ ان کے چلانے سے نمازیوں پر تشویش تھی خواہ کسی وجہ سے ہو بہر حال جب ایسی حالتوں میں خود ذاکرین کو نکلوادینا معیوب نہ ہوا تو آپ اُٹھ کر چلاجانا کیونکر محل طعن ہوسکتا ہے،غرض آیت سے نہ یہ ارادہ صحیح نہ ان مسلمانوں پر یہ حکم لگانا درست،حلقے میں کا وہ شخص جو اس کا قائل ہوا اگر جاہل ہے تو دو سخت کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہوا:

اولاً: بے علم قرآن عظیم کی تفسیر کرنا،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من قال فی القراٰن بغیر علم فلیتبوا مقعدہ من النار۔ رواہ الترمذی[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وقال صحیح۔	جو بے علم قرآن میں کچھ بولے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے (امام ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے اسے روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۸و۳۹

[2] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹

ثانیًا: بے علم فتوٰی دینا حکم لگانا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

افتوابغیر علم فضلوا واضلوا۔ رواہ الائمۃ احمد[1] و البخاری ومسلم والترمذی وابن ماجۃ عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے علم فتوٰی دیا تو آپ گمراہ ہوئے اوروں کو گمراہ کیا (ائمہ کرام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو روایت کیا۔ت)

اور اگر ذی علم ہے اور دانستہ تفسیر غلط کی غلط حکم لگایا تو اشد و اعظم کبائر کا ارتکاب کیا کہ اللہ عزوجل پر بہتان اٹھایا شریعت مطہرہ پر افترا باندھا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا"[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ عزوجل پر جھوٹ افترا کرے۔

اس شخص پر توبہ تو ہر صورت میں فرض ہے، جب تک توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے اور اسے امام بنانا گناہ،

لانہ فاسق وفی الغنیۃ شرح المنیۃ محتجا بفتاوی الحجۃ انھم لوقدموا فاسقا یاثمون[3]۔	اس لئے کہ وہ فاسق ہے (یعنی حدود شرعیہ سے تجاوز کرنے والا ہے) اور غنیہ شرح منیہ میں فتاوٰی حجہ سے دلیل لاتے ہوئے فرمایا اگر لوگ فاسق کو امامت کے لئے آگے کریں تو گنہگار ہوں گے۔(ت)

اور برتقدیر علم کہ دانستہ اس کا مرتکب ہوا تجدید اسلام و نکاح کا بھی حکم ہے کہ جان بوجھ کر رب العزۃ عزجلالہ پر افترا کرنے کو اکثر علماء نے کفر ٹھہرایا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ	جھوٹ وہ گھڑتے ہیں جو آیات الٰہی پر

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی ذھاب العلم امین کمپنی ۲/ ۹۰، صحیح مسلم کتاب العلم ۲/ ۳۴۰ و صحیح البخاری کتاب العلم ۱/ ۲۰، سنن ابن ماجہ باب اجتناب الرای والقیاس ص ۶ و مسند امام احمد بن حنبل ۲/ ۱۶۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۲۱

[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ج"[1]	ایمان نہیں رکھتے۔(ت)

موضوعاتِ کبیر میں ہے:

ای الکذب علی اللہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان الکذب علی غیرھما لایخرجہ عن الایمان باجماع اھل السنۃ والجماعۃ۔[2]	اللہ تعالٰی اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے متعلق جھوٹ کہنا آدمی کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، اہلسنت کا اس پر اتفاق ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی الفتاوٰی الصغری من قال یعلم اللہ انی فعلت ھذا وکان لم یفعل کفر ای لانہ کذب علی اللہ تعالٰی[3]۔	فتاوٰی صغرٰی میں ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ کام نہ کیا ہو تو وہ کافر ہوجاتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھا۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھل یکفر بقولہ اللہ یعلم اویعلم اللہ انہ فعل کذا کاذبا قال الزاھدی الاکثر نعم، وقال الشمنی الاصح لا[4]۔	کیا اپنے اس کہنے سے آدمی کافر ہوجائے گا؟ اللہ تعالٰی جانتا ہے یا جانتا ہے اللہ تعالٰی۔ جھوٹا ہونے کی حالت میں کہے کہ اس نے فلاں کام کیا ہے، زاہدی نے کہا اکثر اہل علم نے فرمایا کہ ہاں کافر ہوجائے گا۔ علامہ شمنی نے کہا یہی زیادہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ونقل فی نور العین عن الفتاوٰی	نورالعین میں فتاوٰی سے پہلے قول کی تصحیح

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[2] الاسرار الموضوعۃ تحت حدیث ۹۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۹

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۱

[4] درمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۲

تصحیح الاول[1]۔	نقل کی گئی۔(ت)

اور شرع مطہر کو ایسا ویسا یعنی حقیر جاننے والا تو قطعًا اجماعًا کافر مرتد زندیق ملحد ہے ایسا کہ **من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر**[2] جو اس کے کافر و مستحق نار ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے، اسی طرح جو تفسیر جلالین شریف خواہ کسی کتاب دینی کی فی نفسہٖ نہ کسی امر خارج عارض کے باعث بلاشبہ وتاویل تحقیر کرے کافر ہے مگر کلام مذکور فی السوال نہ تنقیص شرع مطہر میں صریح ہے نہ تحقیر۔ جلالین شریف میں نص کریمہ مذکورہ کے وہ معنی کہ اس قائل نے بتائے معانی مذکورہ تفاسیر کے منافی نہیں کہ ان کی تصحیح کو ان کا ابطال ضرور ہے بلکہ ایک معنی جداگانہ ہیں تو اس کے قول کا یہی محمل نہیں کہ معانی ظاہرہ معاذاللہ باطل ہیں حق وہ ہے جو اہل باطن ان کے خلاف جانتے ہیں بلکہ اس کا مطلب بننے کو اس قدر کافی کہ جو کچھ ان تفاسیر میں ہے یہ معانی ظاہرہ ہیں اور افادات قرآن عظیم انہیں میں محصور نہیں بلکہ ان کے سوا اور نکات انیقہ ولطائف دقیقہ بھی ہیں جنہیں اہل باطن جانتے ہیں اس میں نہ کوئی توہین ہوئی نہ تحقیر بلکہ یہ حق ہے اگرچہ اس محل پر آیہ کریمہ کا ایراد اور یہ ادعائے مراد باطل ہے تو یہاں معاذاللہ ثبوت کفر کا کوئی محل نہیں، شرح عقائد میں ہے:

النصوص تحمل علی ظواهرها والعدول عنها الی معان یدعیها الباطنیة لادعائهم ان النصوص لیست علی ظواهرها بل لها معان باطنیة لایعرفها الا المعلّم وقصدهم بذاك نفی الشریعة بالکلیة الحاد لکونه تکذیب للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیما علم مجیئه به بالضرورة واما ماذهب الیه بعض	نصوص اپنے ظاہری معانی پر محمول ہوا کرتے ہیں لیکن ظاہری معانی سے انہیں ایسے معانی کی طرف پھیر دینا کہ جن کا فرقہ باطنیہ والے دعوی کرتے ہیں اس لئے کہ ان کا دعوی یہ ہے کہ نصوص اپنے ظواہر پر نہیں محمول ہوتے بلکہ ان کے لئے باطنی اور پوشیدہ معانی ہوتے ہیں اور انہیں صرف معلم جانتا ہے اس سے ان کا پوری شریعت کی نفی کا ارادہ کرنا کھلا الحاد (بے دینی) ہے اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان احکام میں تکذیب ہے جن کا لانا آپ سے بالبداہت معلوم ہوگیا ہے۔ رہی یہ بات

[1] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۶

[2] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

المحققین من ان النصوص علی ظواھرھا ومع ذٰلك فیھا اشارات خفیة الی دقائق تنکشف علی ارباب السلوك یمکن التطبیق بینھا وبین الظواھر المرادة فھو من کمال الایمان ومحض العرفان [1] اھ باختصار۔	کہ جس کی طرف بعض محققین گئے ہیں یعنی انہوں نے اسے اختیار کیا ہے کہ نصوص اپنے ظاہر معانی رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں باریک اور مخفی اشارات بھی پائے جاتے ہیں جو اربابِ سلوک پر منکشف ہوتے ہیں کہ ان میں اور ظاہری مراد میں تطبیق ہوسکتی ہے تو یہ کمال ایمان اور خالص عرفان ہے اھ باختصار (ت)

اس بیان سے تمام مراتب سوال کاجواب ہوگیا۔ باقی رہا یہ امر کہ فلاں شخص یا اشخاص خاص کا وجد حق ہے یا باطل، ہیہات اس کے ارادہ کی طرف راہ سخت دشوار والہ سرشار و متصنع ریاکار میں حالت قلب کا تفاوت ہے اور اوساط صادقین متشبہین بالعاشقین واراذل فاسقین مرائین میں فرق اس سے بھی سخت باریک ودقیق تر کہ یہاں صرف نیت کاتغایر ہے اور نیت وقلب دونوں غیب ہیں اور مسلمان پر بدگمانی حرام،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝۳۶ " [2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں بیشک کان آنکھ دل سب سے سوال ہوتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ" [3]	اے ایمان والو! بہت گمانوں سے بچو بیشک کچھ گمان گناہ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم والظن فان الظن	گمان سے دور رہو کہ گمان سب سے بڑھ کر جھوٹی

[1] شرح عقائد للنسفی مطبع شوکت اسلام قندھار افغانستان ص ۱۱۹ و ۱۲۰

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

[3] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

اکذب الحدیث، رواہ الائمۃ مالک[1] والشیخان وابو داؤد والترمذی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بات ہے (ائمہ کرام مثلاً امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امام علامہ عارف باللہ ناصح فی اللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اس بحث میں بالتعیین کسی شخص کی نسبت حکم تصنّع وریاء لگادینے پر ایک طویل وجلیل کلام میں اقامت قیامت فرمائی جس میں سے چند حرف کاخلاصہ یہ کہ سب صوفیہ یکساں نہیں، جیسے سب علماء وفقہاء ومدرسین ایک سے نہیں، جیسے سب قضاۃ واُمراء ووزراء وسلاطین برابر نہیں بلکہ ان میں صالح اصلح فاسد افسد سب طرح کے ہیں، ناقص قاصر جاہل، مسلمانوں کی عیب جوئی کرتے اور کاملوں کو کمال ہی نظر آتا اور عیب پوشی وتاویل فرماتے ہیں؛ پھر فرمایا:

ھذا کلہ فی طائفۃ من المتصوفۃ اوصافھم کذلك و احوالھم اخبث من ذلك وان لم یجز تعیین طائفۃ منھم باعیانھم ولاشخص واحد بعینہ مالم ینکشف فیھم جلیلۃ الامر بالمشاھدۃ والعیان الذی لایحتمل التاویل فی البیان و لایجوز تقلید الناس بعضھم بعضا فی الاخبار عن ذلك مالم یثبت بالبینۃ العادلۃ عندالحاکم	یہ سب کچھ صوفیاء کے اس گروہ سے متعلق ہے جن کے اوصاف اس طرح یااس سے بھی خبیث تر ہیں اگرچہ ان میں سے کسی گروہ کی بلحاظ اشخاص تعیین جائز نہیں اور نہ کسی شخص معین کی، جب تک مشاہدے سے امر واضح نہ ہو اور عیاں بھی ایسا ہو کہ جس کے بیان میں کسی شک اور تاویل کی گنجائش نہ ہو۔اور خبر میں لوگوں کاایک دوسرے کی تقلید کرنا جائز نہیں جب تک حاکم شرع کے روبرو کسی عادل گواہ کے ذریعے کوئی امر ثابت نہ ہو۔علاوہ ازیں

[1] مسند امام احمدبن حنبل مسند ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ دارالفکر بیروت ۲/ ۵۰۴، صحیح البخاری کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۵، صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶، سنن ابی داؤد کتاب الادب ۲/ ۳۱۷ وجامع الترمذی ابواب البر ۲/ ۲۰

الشرع علی ان الحاکم ایضا یحکم بالظاھر، و بواطن الامور معلومۃ عنداللہ تعالٰی فلاقطع الاظاھرا واللہ اعلم بالسرائر، وامّاخبر التواتر من الناس لبعضھم بعضا بذٰلك فھو ممنوع،لاستناد الکل فیه الی الظن والتخمین واستفادۃ الخبر من بعضھم لبعض بحیث لوسألت کل واحد منھم من رؤیته ذٰلك لقال لم اعاینه انما سمعت ومن قال عاینته تستکشف من حاله فتراہ مستندا الی ظنون وامارات وھمیة وربما اذا تأملت وجدت خبر ذٰلك التواتر مستندا فی الاصل الٰی خبرواحداواثنین والواحد ایضا قوله مبنی علی الظن والتھمة فلایجوز لاحد ان یقول ثبت عندی بالتواتر معصیة فلان لان الناس اخبرونی بذٰلك وھم کثیرون،وانما ذٰلك لغلبة الکذب فی الناس خصوصا فی زماننا،وکثرۃ الحسد و العداوۃ وربما یفتری احدھم علی رجل بمالاعلم له به ویخبرالناس بذٰلك	حاکم بھی ظاہر پر حکم لگاتا ہے اور پوشیدہ و مخفی امور تو اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہیں لہٰذا ظاہری محل یقین ہو سکتا ہے اور پوشیدہ بھیدوں کو تو اللہ تعالٰی ہی خوب جانتا ہے۔رہا یہ کہ اس باب میں لوگوں کا ایک دوسرے سے خبر تواتر کا وصول، تو وہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں سب کا استناد گمان اور اندازہ ہے۔لوگوں کا ایک دوسرے سے استفادہ خبر،اس طریقے سے ہر ایک نے دوسرے سے اس کی رؤیت (مشاہدے) کا سوال کیا تو اس نے کہا میں نے نہیں دیکھا میں نے صرف سنا ہے اور جو یہ کہے میں نے دیکھا ہے اگر تم اس کے حال کا انکشاف کرو یعنی چھان بین کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس کی سند بھی گمان اور چند وہمی علامات پر ہے خصوصًا جب آپ غور و فکر کریں گے تو اس خبر متواتر کو ایک یا دو کی طرف منسوب پائیں گے،اور ایک کا قول بھی ظن اور الزام و تہمت پر مبنی ہوگا لہٰذا کسی شخص کے لئے یہ کہنا جائز نہیں کہ میرے نزدیک فلاں آدمی کا گناہ تواتر سے ثابت ہے اس لئے کہ زیادہ تر لوگوں نے مجھے یہی بتایا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں زیادہ تر جھوٹ ہوتا ہے خصوصًا ہمارے دور میں زیادہ حسد اور دشمنی پائی جاتی ہے۔بسا اوقات کوئی شخص کسی پر ایسا افترا باندھتا ہے جس کا اسے خود بھی علم نہیں ہوتا اور وہ لوگوں کو اطلاع دیتا ہے

ویخبرالناس ینقلونه فیصل الخبر الی بعض المغرورین بعلمهم المطرودین عن ابواب فضل الله تعالٰی فیقول وصلنی هذا عن فلان بالتواتر ولایعلم المسکین ان الذی ینقلون الیه الکذب ینقلون عنه ایضا الکذب لغیره وبعد هذا کله اذا ثبت فعل المعصیة من احد بطریق التواتر اوالروایة لم یفد شیئا لان ذکره بمعصیة بین الناس علی وجه الذم حرام لان الغیبة صدق محرم اماقصد ان یحذر الناس والخبر شائع فی الناس فغیر معتبر نعم قالوا ذٰلك فیما اذا لم یکن للناس علم به وهذا انما استفاد العلم به من خبر الناس المتواتر عنده وعلی کل حال فالسترلعورات المسلمین هوالمتعین علی صاحب الاستقامة فی الدین، ذکر النجم الغزی رحمه الله تعالٰی فی حسن التنبه فی التشبه، ان من اخلاق الیهود والنصاری الاتهام والوقوع فی عرض من لم یثبت	پھر لوگ وہ بات اس کے حوالے سے بیان کرتے ہیں پھر یہ خبر بعض ایسے لوگوں تک پہنچ جاتی ہے جو اپنے علم پر مغرور اور فریب خوردہ ہوتے ہیں اور فضل خداوندی سے دھتکارے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ مجھے فلاں شخص کی طرف سے بتواتر یہ بات پہنچی ہے حالانکہ اس بیچارے کو معلوم نہیں ہوتا کہ جو اس کی طرف جھوٹ نقل کرتے ہیں وہ اس سے بھی دوسروں تک جھوٹ نقل کرسکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کے بعد جب کسی شخص سے بطریق تواتر یا مشاہدہ گناہ ثابت ہوجائے تو پھر بھی اس کا تذکرہ بند کردے کیونکہ لوگوں میں بطور غیبت کسی کے گناہ کا تذکرہ حرام ہے اس لئے کہ غیبت سچی بھی حرام ہے لیکن اگر اس نے لوگوں کو ڈرانے اور چوکنا کرنے کے لئے ایسے کیا جبکہ خبر لوگوں میں پھیلی ہوئی اور مشہور ہے تو اس کی بات غیر معتبر ہے، ہاں اگر وہ ایسی بات کہیں جس کا لوگوں کو کوئی علم نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے، یہ اس وقت ہے جب یہ خبر سے علم کا فائدہ حاصل کرے جب کہ لوگوں کی خبر اس کے نزدیک متواتر ہو، بہر حال مسلمانوں کے عیوب کی پردہ پوشی ان لوگوں پر لازمی ہے جو دین میں استقامت رکھتے ہیں، چنانچہ امام نجم غزی رحمۃ اللہ علیہ تعالٰی علیہ نے "حسن التنبه فی التشبه" میں ذکر کیا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے اخلاق میں سے یہ ہے کہ دوسروں کو الزام

عنه وهذا من الخوض فيما لايعنيه روى الترمذی وابن ماجة عن ابی هريرة رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم من حسن اسلام المرء تركه مالايعنيه، وروى الطبرانی بسند صحيح عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه قال اعظم الناس خطايا يوم القيمة اكثرهم خوضا فی الباطل ورواه ابن ابی الدنيا فی الصمت باسناد رجاله ثقات عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم مرسلا قال فی الاحياء واليه الاشارة بقوله تعالٰی "وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾" وروى البيهقی فی الشعب عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها قالت قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم لايزول المسروق منه فی تهمة حتی يكون اعظم جرما من السارق وروى الامام احمد والشيخان والنسائی

لگائے جائیں اور ان کی عزت میں ہاتھ ڈالا جائے اور لایعنی وبے مقصد باتوں میں غوطہ زنی کی جائے۔ چنانچہ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی کی اسلامی خوبیوں میں سے ایک یہ ہے کہ لایعنی اور بے مقصد کاموں کو ترک کردے۔ امام طبرانی نے بسند صحیح حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگوں سے بڑا گنہگار وہ شخص ہوگا جو سب سے زیادہ باطل میں گھستا رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے خاموشی کے باب میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کو مرسل (یعنی بغیر سند) روایت کیا۔ ایسی اسناد سے کہ رواۃ مستند اور معتبر ہیں۔ اور اللہ تعالٰی کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم گھسے رہنے والوں کے ساتھ گھسے رہے ہیں۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمائی کہ مائی صاحبہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمیشہ مسروق عنہ (وہ شخص جس کا مال چوری ہوا) تہمت میں رہے گا یہاں تک کہ وہ چور سے بڑا مجرم

وابن ماجة عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال رأی عیسٰی ابن مریم علیہما الصلٰوۃ والسلام رجلا یسرق فقال اسرقت قال کلا واللہ الذی لاالٰہ الاھو فقال عیسٰی اٰمنت باللہ وکذبت عینی،وھذا الخلق عزیز جدا انتھی فایاك ان تقع فی حق احد ولو بکلمۃ واحذر ان تخوض مع الخائضین خصوصا فی حق فقراء الصوفیة[1] اھ بالالتقاط تحصیلا للبرکة بکلمات الھداۃ الناصحین وعدۃ لنفسی وللمسلمین،واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔	بن جائے گا۔امام احمد،بخاری،مسلم،نسائی اور ابن ماجہ نے حضورا کرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بواسطہ ابوہریرہ روایت فرمائی ہے کہ حضرت عیسٰی ابن مریم علیہما الصلٰوۃ والسلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے دیکھا توفرمایا کیاتونے چوری کی؟اس نے جھٹ کہاہر گزایسانہیں،اس خداتعالٰی کی قسم جس کے سوا کوئی سچامعبود نہیں۔حضرت عیسٰی نے فرمایا میں اللہ تعالٰی پرایمان لایا اور میں نے اپنی آنکھوں کو جھٹلایا یہ لوگ یقینًا پیارے ہیں اھ کسی کے حق میں شبہہ کرنے سے بچو اگرچہ کسی ایک ہی کلمہ سے ہو۔اوراس بات سے ہوشیار رہو کہ باطل میں شروع ہونے والوں کے ساتھ شروع ہونے لگو خصوصًا فقراء صوفیہ کے حق میں،اھ بالالتقاط۔ہدایت یافتہ خیر خواہوں کے کلمات سے حصول برکت کرتے ہوئے اور گنتی کے چند کلمات میرے نفس اور مسلمانوں کے لئے ایک گونہ وعدہ ہیں۔اللہ تعالٰی پاک اور برتر سب سے بڑا عالم ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۳: مسئولہ مولوی نوشہ علی صاحب ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثرلوگ جب فصل آم آتی ہے توباغوں کوجاکرآم کھاتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے آموں کی گٹھلیاں مارتے ہیں اور لہوولعب میں مشغول ہوتے ہیں،آیا یہ فعل ان کاکیسا ہے،جائزیاناجائز؟اور بر تقدیر عدم جواز کے حرام ہے یابدعت ہے یامکروہ؟اور برتقدیر بدعت کے بدعت حسنہ ہے یاسیئہ؟ بیّنوا الجواب بحوالۃ الکتب وتوجروا یوم الحساب(بحوالہ کتب جواب بیان فرمائیے اور روزحساب اجر پائیے۔ت)

[1] الحدیقة الندیہ شرح الطریقة المحمدیة الصنف التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۲۱تا۵۲۳

الجواب:

گٹھلیاں مارنا ناجائز وممنوع ہے مسند امام احمد و صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

قال نهى رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم عن الخذف وقال انه لايقتل الصيد ولاينكاء العدو وانه يفقأ العين ويكسر السن [1]۔ فی التیسیر الخذف بمعجمتین وفاءٍ الرمی بحصاة اونواة لانه یفقأ العین ولایقتل الصید [2]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غلایا گٹھلی کنکری پھینک کرمارنے سے منع کیا اور فرمایا اس سے نہ دشمن پروار ہوسکے نہ جانور کا شکار، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ آنکھ پھوڑدے یا دانت توڑدے۔ تیسیر میں ہے "الخذف" میں دوحروف "خ" اور "ذ" دونوں نقطے والے ہیں اور آخر میں حرف "ف" ہے اس پر بھی نقطہ ہے اس کے معنی ہیں گٹھلی وغیرہ پھینکنا۔

اور صرف چھلکوں سے ہم عمر ہم مرتبہ لوگ نادرًا محض تطییب قلب کی طور پر باہم مزاح دوستانہ کریں جس میں اصلًا کسی حرمت یا حشمت دینی کا ضر رحالًا یامالًا نہ ہو تو مباح ہے۔ عالمگیری میں ہے:

قال القاضی الامام ملك الملوك، اللعب الذی یلعب الشبان ایام الصیف بالبطیخ بان یضرب بعضهم بعضًا مباح غیرمستنکر کذا فی جواهر الفتاوی فی الباب السادس [3]۔	قاضی امام ملک الملوک نے فرمایا وہ کھیل جو موسم گرما میں نوجوان خربوزوں کے ساتھ کھیلتے ہیں ایک دوسرے کو خربوزے مارتے ہیں یہ کھیل مباح ہے گناہ نہیں۔ جواہر الفتاوٰی کے چھٹے باب میں اسی طرح مذکور ہے۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب الخذف قدیمی کتب خانہ ۲/ ۹۱۹، صحیح مسلم کتاب الصید باب الخذف قدیمی کتب خانہ ۲/ ۱۵۲، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب الخذف آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث نهی عن الخذف مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۶۶

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲

عوارف المعارف شریف میں ہے:

روی بکر بن عبداللہ قال کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یتبادحون بالبطیخ فاذا کانت الحقائق کانواھم الرجال یقال بدح یبدح اذا رمی ای یترامون بالبطیخ [1] اھ ذکرہ قدس سرہ فی الباب الثلثین۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	بکر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ (بطور تفریح وکھیل کود) ایک دوسرے پر خربوزے پھینکا کرتے تھے جب حقائق یہ ہیں تو پھر درحقیقت وہی کامل مرد ہیں۔ جب کوئی چیز پھینکی جائے تو کہا جاتا ہے بَدَحَ یَبْدَحُ یعنی صحابہ کرام ایک دوسرے پر خربوزے پھینکا کرتے تھے اھ اس کو صاحب عوارف المعارف نے تیسویں باب میں ذکر فرمایا۔ اللہ تعالٰی پاک، بلندوبالا اور سب سے بڑا عالم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از پیلی بھیت بازار ڈرمنڈ گنج دکان خلیل الرحمٰن عطر فروش مرسلہ محمد مظہر الاسلام صاحب ۲۴ رجب ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں: بزرگان دین کے عرس میں شب کو آتشبازی جلانا اور روشنی بکثرت کرنا بلاحاجت اور جو کھانا بغرض ایصال ثواب پکایا گیا ہو اس کو لٹانا کہ جو لوٹنے والوں کے پیروں میں کئی من خراب ہو کر مٹی میں مل گیا ہو اس فعل کو بانیان عرس موجب فخر اور باعث برکت قیاس کرتے ہیں، شریعت عالی میں اس کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

آتشبازی اسراف ہے اور اسراف حرام، کھانے کا ایسا لٹانا بے ادبی ہے اور بے ادبی محرومی ہے، تضیع مال ہے، اور تضیع حرام، روشنی اگر مصالح شرعیہ سے خالی ہو تو وہ بھی اسراف ہے، **واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵: از بنگالہ ضلع کمرلہ موضع حریمنگل مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲ ربیع الاول شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تاش وشطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا عنداللہ** (بیان فرماؤ اللہ کے ہاں سے اجروثواب پاؤ۔ت)

---

[1] عوارف المعارف الباب الثلاثون مکتبة المشهد الحسینی القاهرہ ص ۱۴۲

الجواب: دونوں (تاش وشطرنج) ناجائز ہیں اور تاش زیادہ گناہ وحرام کہ اس میں تصاویر بھی ہیں،

ومسألة الشطرنج مبسوطة فی الدر[1] وغیرھا من الحظر والشھادات، والصواب اطلاق المنع کما اوضحه فی ردالمحتار[2] واللہ تعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔	شطرنج کامسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ درمختار وغیرہ میں موجود ہے اور صواب (درست اور حقیقت) یہ ہے کہ اس کی مطلقًا ممانعت ہے جیسا کہ فتاوٰی شامی میں اس کی وضاحت فرمائی گئی۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس کا علم نہایت درجہ تام اور پختہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۶: ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص میرا دوست آیا اور اس نے مجھ سے کہا چلو ایک جگہ عرس ہے، میں چلاگیا وہاں جا کر دیکھا کہ بہت اشخاص ہیں اور قوالی اس طریقہ سے ہورہی ہے کہ ایک ڈھول او دوسارنگی بج رہی ہے اور چند قوال پیرانِ پیر دستگیر کی شان میں شعرپڑھ رہے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نعت کے اشعار اور اولیاء اللہ کی شان میں اشعار گارہے ہیں اور ڈھول سارنگیاں بج رہی ہیں، یہ باجے مذکورہ توشریعت میں حرام ہیں کیا اس فعل سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اولیاء اللہ خوش ہوں گے اور یہ اشخاص مذکورہ حاضرین جلسہ گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اور ایسی قوالی جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کس طرح پر؟ **بینوا توجروا فقط۔**

الجواب:

ایسی قوالی حرام ہے، حاضرین سب گنہگار ہیں، اور ان سب کا گناہ ایسا کرنے والوں اور قوالوں پر ہے اور قوالوں کا بھی گناہ اس عرس کرنے والے پر بغیراس کے کہ عرس کرنے والے کے ماتھے قوالوں کا گناہ جانے سے قوالوں پر سے گناہ کی کچھ کمی آئے یا اس کے قوالوں کے ذمہ حاضرین کا وبال پڑنے

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۷

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

سے حاضرین کے گناہ میں کچھ تخفیف ہو، نہیں بلکہ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا پورا گناہ اور قوالوں پر اپنا گناہ الگ اور سب حاضرین کے برابر جدا اور سب حاضرین کے برابر علیحدہ وجہ یہ کہ حاضرین کو عرس کرنے والے نے بلایا اُن کے لئے اس گناہ کا سامان پھیلایا اور قوالوں نے انہیں سنایا اگر وہ سامان نہ کرتا یہ ڈھول سارنگی نہ سناتے تو حاضرین اس گناہ میں کیوں پڑتے اس لئے ان سب کا گناہ ان دونوں پر ہوا پھر قوالوں کے اس گناہ کا باعث وہ عرس کرنے والا ہوا وہ نہ کرتا نہ بلاتا تو یہ کیونکر آتے بجاتے لہذا قوالوں کا بھی گناہ اس بلانے والے پر ہوا،

کما قالوا فی سائل قوی ذی مرۃ سوی ان الاٰخذ والمعطی اٰثما[1] لانھم لولم یعطوالمافعلوا فکان العطاء ھوالباعث لھم علی الاستر سال فی التکدی و السوال وھذاکلہ ظاھر علی من عرف القواعد الکریمۃ الشرعیۃ وباللہ التوفیق۔	جیسا کہ طاقتور، توانا اور صحت مند سائل کے بارے میں کہتے ہیں کہ لینے اور دینے والا دونوں گنہگار ہیں اس لئے کہ اگر دینے والے نہ دیتے تو مانگنے والے گداگری کو پیشہ نہ بناتے لہذا یہ عطاء بخشش ہی ان کے ترک مشقت کا اور مانگنے کا باعث ہوئی اور یہ سب کچھ اس شخص پر ظاہر اور واضح ہے جو قواعد شرعیہ کریمہ کا عارف ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے ہی توفیق ملتی ہے۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذٰلک من اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل اٰثام من تبعہ لاینقص ذٰلک من اٰثامھم شیئا رواہ الائمۃ احمد[2] ومسلم والاربعۃ	جو کسی امر ہدایت کی طرف بلائے جتنے اس کا اتباع کریں ان سب کے برابر ثواب پائے اور اس سے ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ آئے اور جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے جتنے اس کے بلانے پر چلیں ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ تخفیف نہ ہو۔ (ائمہ کرام مثلاً امام احمد، مسلم اور دیگر چار ائمہ (ترمذی،

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۷۳

[2] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ ۲/ ۳۴۱ و مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ بیروت ۲/ ۳۹۷، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۷۹ و سنن ابن ماجہ مقدمۃ الکتاب ص ۱۸

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) نے حضرات ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

مسئلہ نص شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لیاجائے گا یافقہ امام مجتہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اگرنص شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم درکار ہے تومزامیر کی حرمت میں احادیث کثیرہ بالغ بحد تواتر وارد ہیں ازانجملہ اجل واعلٰی حدیث صحیح بخاری شریف ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیکونن من امتی اقوام لیستحلون الحروالحریر و الخمروالمعازف۔[1]	ضرور میری امت میں وہ لوگ ہونے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔

حدیث صحیح جلیل متصل،

وقد اخرجہ ایضا احمد[2] وابوداؤد وابن ماجۃ و الاسمعیلی وابونعیم باسانید صحیحۃ لامطعن فیھا وصححہ جماعۃ اخرون من الائمۃ کما قال بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر فی کف الرعاع[3]۔	نیزامام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، محدث اسمٰعیل اور ابونعیم نے اسے صحیح اسناد کے ساتھ کہ جن میں کوئی طعن نہیں اس کی تخریج فرمائی، اور ائمہ کی ایک دوسری جماعت نے اس کو صحیح قرار دیا جیسا کہ بعض حفاظ نے کہاہے، چنانچہ امام ابن حجر نے "کف الرعاع" میں فرمایا ہے(ت)

احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقعے یامتشابہ پیش نہیں ہوسکتے ہر عاقل جانتاہے کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے، پھر کہاں قول کہاں حکایت فعل، پھر کجا محرم کجامبیح، ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح، اور اگرفقہ مطلوب ہے توخود امام مذہب امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد اور ہدایہ جیسی اعلٰی درجہ معتمد کتاب کاارشاد کافی ووافی:

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ باب ماجاء فیمن یستحل الخمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[2] مسندامام احمد بن حنبل عن ابی امامہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۵۷و۲۶۸

[3] کف الرعاع القسم الثالث عشر تنبیہ ثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص۱۳۲و۱۳۳

دلت المسألة علی ان الملاھی کلھا حرام حتی التغنی لضرب القضیب وکذا قول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ابتلیت لان الابتلاء بالمحرم یکون [1]۔	مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کھیل کود کے تمام سامان حرام ہیں حتی کہ (کسی چیز پر) کانٹے کی ضرب لگا کر گانا (یہ بھی زمرہ حرمت میں داخل ہے) اور اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد کہ میں اس میں مبتلا کیا گیا اس لئے کہ ابتلا حرام میں ہوا کرتی ہے۔ (ت)

غرض حدیث وفقہ کا حکم تو یہ ہے ہاں اگر کسی کو قصداً ہوس پرستی منظور ہو تو اس کا علاج کس کے پاس ہے کاش آدمی گناہ کرے اور گناہ جانے اقرار لائے اصرار سے باز آئے لیکن یہ تو اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالے اور الزام بھی ٹالے اپنے حرام کو حلال بنالے۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ معاذاللہ اس کی تہمت محبوبان خدا بر سلسلہ عالیہ چشت قدست اسرارہم کے سر دھرتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ بندوں سے شرم کرتے ہیں حالانکہ خود حضور محبوب الٰہی سیدی و مولائی نظام الحق والدّین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہم وعنابہم فوائد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام ست [2] (گانے بجانے کے آلات کا استعمال کرنا حرام ہے۔ت) مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضور کے زمانہ مبارک میں خود حضور کے حکم احکم سے مسئلہ سماع میں رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا اس میں صاف ارشاد ہے کہ:

اماسماع مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنھم فبریئ عن ھذہ التھمة وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرة من کمال صنعة اللہ تعالٰی۔ [3]	ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا سماع اس مزامیر کے بہتان سے بری ہے وہ صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ جو کمال صنعت الٰہی سے خبر دیتے ہیں۔

للہ انصاف اس امام جلیل خاندان عالی چشت کا یہ ارشاد مقبول ہوگا یا آج کل مدعیان خامکار کی تہمت بے بنیاد ظاھرة الفساد ولاحول ولاقوة الا باللہ العظیم (جس کا فساد واضح ہے۔ گناہوں سے

[1] الھدایة کتاب الکراھیة فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۳

[2] فوائد الفواد

[3] کشف القناع عن اصول السماع

بچنے اور بھلائی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی بلند مرتبہ بزرگ قدر کی توفیق عطا کرنے سے۔ت) سیدی مولانا محمد بن مبارک بن محمد علوی کرمانی مرید حضور پر نور شیخ العالم فرید الحق والدین گنج شکر و خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہم کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں:

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز می فرمود کہ چندیں چیزے باید تا سماع مباح شود مسمع و مستمع و مسموع وآلہ سماع مسمع یعنی گویندہ مرد تمام باشد کودک نباشد و عورت نباشد و مستمع آنکہ می شنود از یاد حق خالی نباشد و مسموع آنچہ بگویند فحش و مسخرگی نباشد وآلہ سماع مزامیر ست چوں چنگ ورباب ومثل آں مے باید کہ درمیان نباشد ایں چنیں سماع حلال ست[1]۔	سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز نے ارشاد فرمایا چند اشیاء ہوں تو سماع جائز اور مباح ہوں (۱) مُسمع (سنانے والا)، (۲) مستمع (سننے والا)، (۳) مسموع (جو کچھ سنا جائے)، (۴) آلات سماع۔ تفصیل: مسمع یعنی سنانے اور کہنے والا بالغ مرد ہو بچہ اور عورت نہ ہو۔ مستمع یعنی سننے والا جو کچھ سنے یاد حق سے خالی نہ ہو، مسموع، جو کچھ سنیں اور کہیں اس میں فحش گوئی اور مسخرہ پن نہ ہو، اور آلات سماع مزامیر ہیں جیسے سارنگی اور رباب وغیرہ۔ چاہئے یہ کہ وہ درمیان میں نہ ہوں۔ پس اس طرح کی قوالی (سماع) جائز اور حلال ہے۔(ت)

مسلمانو! یہ فتوٰی ہے سرور و سردار سلسلہ عالیہ چشت حضرت سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کا۔ کیا اس کے بعد بھی مفتریوں کو منہ دکھانے کی گنجائش ہے۔ نیز سیر الاولیاء شریف میں ہے:

یکے بخدمت حضرت سلطان المشائخ عرضداشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشاں آستانہ دار درمجمعے کہ چنگ ورباب ومزامیر بود رقص کردند فرمود نیکو نہ کردہ اند انچہ نامشروع است ناپسندیدہ است بعد ازاں یکے گفت چوں ایں طائفہ ازاں مقام بیروں آمدند باایشاں گفتند کہ شما چہ گردید دراں جمع مزامیر بود سماع	ایک خادم نے سلطان المشائخ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ان دنوں آستانے کے بعض درویشوں نے اس مجلس اور محفل میں ناچ کیا ہے جہاں آلات سماع چنگ ورباب اور سارنگی ومزامیر وغیرہ تھے تو ارشاد فرمایا انہوں نے اچھا نہیں کیا کیونکہ جو کام ناجائز ہے وہ پسندیدہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد ایک کہنے لگا کہ جب یہ لوگ اس حالت سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے ان سے

[1] سیر الاولیاء باب نہم در بیان سماع و وجد مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۰۱۔۵۰۲

چگونه شنید ورقص کردید ایشاں جواب دادند که ماچناں مستغرق سماع بودیم که ندانستیم که ایں جامزامیرست یانه، حضرت سلطان المشائخ فرمود ایں جواب ہم چیزے نیست ایں سخن درہمه معصیتها بیاید[1]۔	پوچھا کہ یہ تم نے کیا کیا ہے،اس محفل میں تومزامیر بھی تھے پھر تم نے قوالی بھی سنی اور ناچتے بھی رہے۔انہوں نے جوابًا بتایا کہ ہم سماع میں اس قدر مستغرق (ڈوبے ہوئے) تھے کہ ہمیں پتہ ہی نہیں چلا کہ مزامیر بھی ہیں یا نہیں۔اس پر سلطان المشائخ نے فرمایا کہ یہ کوئی معقول جواب نہیں اس لئے کہ یہ بہانہ توتمام گناہوں میں ملوث ہونے والے کر سکتے ہیں۔(ت)

مسلمانو! کیساصاف ارشاد ہے کہ مزامیر ناجائز ہے اور اس عذر کاکہ "ہمیں استغراق کے باعث مزامیر کی خبرنہ ہوئی" کیامسکت جواب عطافرمایا کہ ایساحیلہ ہرگناہ میں چل سکتاہے۔شراب پئے اور کہہ دے شدّت استغراق کے باعث ہمیں خبرنہ ہوئی کہ شراب ہے یاپانی۔زنا کرے اور کہہ دے غلبہ حال کے سبب تمیزنہ ہوئی کہ جرواہے یابیگانی۔اُسی میں ہے:

حضرت سلطان المشائخ فرمود من منع کردہ ام که مزامیر ومحرمات درمیان نباشد ودریں باب بسیار غلو کردتا بحدیکه گفت اگر امام راسہو افتدمرد بتسبیح اعلام دہدوزن سبحان الله نگوید زیراکه نشاید آوازآں شنودن پس چکندپشت دست برکف دست زندوکف دست برکف دست نزند که آں بلہو میماندتا ایں غایت ازبلاہی و امثال آں پرہیزآمدہ است پس درسماع طریق اولٰی که ازیں بابت نباشد یعنی درمنع دستک چندیں احتیاط آمدہ است پس درسماع مزامیر بطریق اولٰی منع است[2] اھ باختصار	حضرت سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے منع کیا ہے کہ مزامیر حرمت درمیان میں نہ ہوں اور اس سلسلے میں اس قدر تعدّی (شدت) فرمائی کہ ارشاد فرمایا امام اگرنماز میں بھول جائے تومرد سبحان الله کہہ کرآگاہ کرسکتاہے مگرعورت کو اس طرح کہنا جائز نہیں کیونکہ اس کی آواز نہیں سنی جانی چاہئے اس کے لئے یہ ہدایت اور حکم ہے کہ وہ اپنے ایک ہاتھ کی پشت پردوسرے ہاتھ کی ہتھیلی مارے لیکن ہتھیلی کو ہتھیلی پرنہ مارے کیونکہ یہ عمل لہو میں شمار ہوتاہے یعنی تالی بجانا، پس اندازہ کرلیاجائے کہ کس حدتک کھیل کود اور لغو کلام سے پرہیز کی ہدایت وارد ہوئی ہے پس سماع میں بطریق اولٰی منع ہے یعنی تالی بجانے سے بھی

---

[1] سیرالاولیاء باب نہم دربیان سماع ووجد مؤسسة انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۳۱-۵۳۰

[2] سیرالاولیاء باب نہم دربیان سماع ووجد مؤسسة انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۳۲

	ممانعت ہے لہذا مزامیر کے ساتھ قوالی کرنا اس سے زیادہ اشد اور ممنوع ہے اھ باختصار (ت)

مسلمانو! جو ائمہ طریقت اس درجہ احتیاط فرمائیں کہ تالی کی صورت کو ممنوع بتائیں وہ اور معاذاللہ مزامیر کی تہمت للہ انصاف کیسا ضبط بے ربط ہے۔ اللہ تعالٰی اتباع شیطان سے بچائے اور ان سچے محبوبان خدا کا سچا اتباع عطا فرمائے اٰمین الٰه الحق اٰمین بجاھھم عندك اٰمین والحمد للہ رب العالمین (آمین، اے سچے معبود! تیری بارگاہ میں جو ان کا مقام و مرتبہ ہے اس کے طفیل دعا قبول فرما۔ اور سب تعریف اس خدا کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت) کلام یہاں طویل ہے اور انصاف دوست کو اسی قدر کافی، واللہ الھادی، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷: ملک بنگالہ ضلع کھبار ڈاک خانہ لکھی پور بمقام سنگرین مرسلہ جلال الدین

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شادی میں بندوقیں بغرض اعلان چھوڑنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جس شخص نے حرام ثابت کیا بلکہ اس کے یہاں کا کھانا تک حرام قطعی ثابت کیا اس کے حق میں شرع سے کیا حکم ہے؟

الجواب:

فی الواقع نکاح میں بغرض اعلان بندوقیں چھوڑنے کی ممانعت شرع میں کہیں ثابت نہیں۔ ہلال رمضان اور ہلال عید میں صدہا سال سے توپوں کے فائر کئے جاتے ہیں اس سے بھی اعلان ہی مقصود ہوتا ہے اس اعلان پر شرعًا عمل کا جزئیہ ردالمحتار میں مذکور ہے۔ نیت ریا و تفاخر نہ فقط شادی کی بندوقوں بلکہ نماز کو حرام کردیتی ہے، رسم کا اعتبار جب تک کسی فساد عقیدہ پر مشتمل نہ ہو اصل رسم کے حکم میں رہتا ہے اگر رسم محمود ہے محمود ہے، مذموم ہے مذموم ہے، مباح ہے مباح ہے، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸: از آرہ ضلع شاہ آباد محلّہ ترئی مدرسہ حنفیہ مرسلہ مولوی ظفر الدین صاحب مدرس ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پر نور متع اللہ المسلمین بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بدعائے والا مع الخیر رہ کر خواہان عافیت سرکار مع جملہ خدام ہوں رسالہ مبارک الکشف شافیا میں جو بعد تفصیل اجمال فرمایا گیا ہے کہ یہاں تین چیزیں ہیں ممنوعات، معظمات، مباحات۔ قسم اول کا حکم ارشاد فرمایا کہ بعینہ اصل جیسا ہے۔ فونوگراف سے سننا گویا نہیں بلکہ بعینہ اس مغنیہ کا گانا سننا ہے اس لئے کہ پلیٹ اور گلاس کی آواز نہیں ہوتی اگرچہ اس آواز کا بعینہ وہی آواز ہونا متبادر عبد العقل نہیں مگر اس تمام تفصیل کے بعد جو ابتدائے رسالہ شریفہ میں

درج ہے کسی کو مجال انکار نہیں، اور بیشک وہ آواز جو فونو گراف سے نکلتی ہے بعینہٖ وہی آواز ہے جو اس عورت کے گانے کی ہے مگر علمائے کرام وصوفیائے عظام نے جب بالمواجہہ کسی کا گانا سننے اور پس پردہ میں فرق فرمایا ہے تو یہاں بدرجہ اولٰی ہونا چاہئے۔ حضرت امام غزالی قدس سرہ حضور پرنور والابرکت سیدی شاہ محمد کالپوری قدسنا اللہ باسرارہ الشریف نے کسی جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص مغنیہ کی آواز منہ پر کپڑا ڈال کر سنے کہ اس کی صورت نہ دیکھ سکے تو اس میں مضائقہ نہیں، اگرچہ یہ مضمون میں نے خود ان دونوں حضرات قدسنا اللہ باسرارہم کی کسی کتاب میں نہیں دیکھا مگر امام غزالی رحمہ اللہ کی نسبت مولوی حکیم عبدالوہاب نے کہا تھا اور حضرت کالپوری قدس سرہ العزیز کی نسبت رجب ۱۳۲۷ھ میں مولوی محمد فاخر صاحب نے مارہرہ شریف میں، اگرچہ اسی وقت سے بارہا خیال اس کے دریافت کا ہوا مگر اتفاق نہ پڑا، خیر پس اگر یہ دونوں مضمون ان حضرات کرام یا اور کسی صاحب نے نہیں تحریر فرمایا جب تو کوئی بات ہی نہیں، اور اگر تحریر فرمایا ہے تو غالبًا اس کی وجہ قلّت مظنہ فتنہ ہے تو یہاں تو اور اقل قلیل ہے خصوصًا اس صورت میں کہ جس کا ریکارڈ بھرا ہوا ہو وہ مر چکی ہو پھر دونوں کا حکم ایک کس طرح ہوسکتا ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

یہ مضمون کہ منہ پر کپڑا ڈال کر رنڈیوں ڈومنیوں کا گانا سننا جائز ہے دونوں حضرات ممدوح قدسنا اللہ باسرارہما میں کسی سے ثابت نہیں، نہ ہرگز شرع مطہر میں اس کا پتا، نہ اصول شرع اس کی مساعد، نہ ایسی نقول مذہب پر قاضی ہو سکیں۔

(۱) شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس طرح فتنہ کو حرام فرمایا دواعی فتنہ کو بھی حرام فرمادیا۔

قال اللہ تعالٰی "تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ"[1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ من رتع حول الحمی اوشك ان یقع فیہ[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا یہ اللہ تعالٰی کی حدیں ہیں لہٰذا ان کے پاس نہ جاؤ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کوئی کسی چراگاہ کے آس پاس جانور چرائے تو قریب ہے کہ چراگاہ میں گھس جائے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۷

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۷۵ و صحیح مسلم کتاب المساقات ۲/ ۲۸

اجنبیہ سے خلوت، نظر، مس، معانقہ، تقبیل اس لئے حرام ہوئے کہ دواعی ہیں۔

(۲) دواعی کے لئے مستلزم ہونا ضرور نہیں ہزارہا خلوت و نظر بلکہ بوس وکنار واقع ہوتے ہیں اور مدعوالیہ یعنی زنا واقع نہیں ہوتا۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والفرج یصدق ذٰلك اویکذب بہ رواہ الشیخان[1] وابوداود والنسائی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ اس کو بخاری، مسلم، نسائی اور ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے بیان فرمایا۔ (ت)

(۳) نہ حرمت دواعی وقت افضا پر مقصود ورنہ اجنبیہ سے جملہ امور مذکورہ حلال ہوں جبکہ زنا سے اجتناب کریں،

ولایقول بہ احد من المسلمین وانما حرمت الدواعی لکونھا دواعی والدعاء لایستلزم الافضاء۔	اور کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں۔ دواعی اس لئے حرام کیا گیا کہ وہ مطلوب کے لئے اسباب دعوت ہیں یعنی اس کام تک پہنچانے کے ذرائع اور وسائل ہیں، اور داعی کے لئے اس تک رسائی لازم نہیں۔ (ت)

(۴) شرع مطہر مظنہ پر حکم دائر فرماتی ہے اس کے بعد وجود منشاء حکم پر نظر نہیں رکھتی کما عرف فی رخص السفر وغیرھا (جیسا کہ سفر وغیرہ کی رخصتوں سے معلوم ہوا۔ ت)

(۵) احکام فقہیہ میں غالب کا لحاظ ہوتا ہے نادر کے لئے کوئی حکم جدا نہیں کیا جاتا،

صرحوا بہ فی مواضع کثیرۃ وقد نقلنا النصوص علیہ فی الکشف شافیا عن فتح القدیر وعن الدرالمختار وعن الدرالمنتقی وھو دوار فی الکتب لامطمع فیہ ان یستقصی۔	ائمہ کرام نے متعدد اور بکثرت مقامات پر اس کی صراحت فرمائی ہے، اور ہم نے "الکشف شافیا" میں اس پر نصوص ذکر کئے ہیں جو فتح القدیر، درمختار اور الدرالمنتقی وغیرہ کی عبارات پر مشتمل ہیں، اور وہ کتب متعددہ میں دائر ہیں پس ان کے لئے یہ توقع نہیں کہ اس کا استقصا کیا جاسکے (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب قول اللہ وحرام علی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸، صحیح مسلم کتاب القدر باب قدر علی ابن آدم حظہ من الزنا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۶

ان فوائد کو ملحوظ رکھ کر مغنیہ اجنبیہ کا گانا سننے کی حرمت میں شبہہ نہیں ہوسکتا بیشک وہ داعی ہے اور داعی حرام حرام اگرچہ مستلزم بلکہ اس وقت مفضی بھی نہ ہوا گرچہ خصوص محل میں داعی بھی نہ ہو اور بعض نفوس مطمئنہ کہ شہوات سے یکسر خالی ہوگئے ان کے لحاظ سے حکم میں تفصیل ناممکن بلکہ وہی حکم عام جاری رہے گا ورنہ خلوت ومس وتقبیل وامثالہا میں بھی حکم مطلق نہ رکھیں تفصیل لازم ہو کہ قلب شہوانی کے لئے حرام ہیں اور نفوس مطمئنہ کے لئے جائز حالانکہ یہ قطعًا اجماعًا باطل ہے۔

(۶) جبکہ منشاء تحریم داعی ہونا ہے اور اس میں ہر داعی مستقل تو ایک کی تحریم دوسرے کے وجود پر موقوف نہیں ہوسکتی۔

والا لم یکن شیئ منها داعیا بل المجموع اولم یکن داعیا الاشرط وجوده وکان الآخر لغوا ساقطا من البین۔	ورنہ ان میں سے کوئی چیز داعی نہ ہو بلکہ مجموعہ یاداعی نہ ہو مگر اس کے پائے جانے کی شرط سے۔ اور دوسرا بے فائدہ درمیان سے ساقط ہو۔ (ت)

شرع مطہر نے یہاں نفس صوت فتنہ پر حکم فرمایا ہے:

قال الله تعالٰی "وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ"[1] و عن انس وعن عائشة رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم صوتان ملعونان فی الدنیا والأخرة مزمار عند نعمة ورنة عند مصیبة[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا تو پھسلادے ان میں سے جس کو تو اپنی آواز سے پھسلا سکتا ہے (یہ شیطان سے خطاب فرمایا) اور حدیث میں حضرت انس اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں دو آواز دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں (۱) آسائش کے وقت گانا بجانا (۲) مصیبت کے وقت بین کرنا (ت)

تیسری حدیث میں ہے:

عن انس ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال من قعد	حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جو کوئی گانے والی

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۶۴

[2] کنز العمال بحوالہ البزار والضیاء عن انس حدیث ۴۰۶۶۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۱۹

الی قینة لیستمع منها صب الله فی اذنیه الآنك یوم القیٰمة[1]۔	گویّا کے پاس بیٹھ کر اس کا گانا سنے تو اللہ تعالٰی قیامت کے دن اس کے دونوں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دے گا۔ (ت)

چوتھی اور پانچویں حدیث میں ہے:

عن جابر وعبدالرحمٰن بن عوف رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال نهیت عن صوتین احمقین فاجرین[2] وقد استقصینا علٰی تخاریجها فی اکثر من خمسین حدیثا، اوردناها فی رسالتنا اتم المعارف فی حق المعازف وبالله التوفیق۔	حضرت جابر اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مجھے دو نادان بدکار آوازوں سے روک دیا گیا۔ پچاس سے زائد حدیثوں کی تخریج کرنے میں ہم نے انتہائی کوشش کی جنہیں ہم اپنے رسالہ "اتم المعارف فی حق المعازف" (معرفت کی باتوں کا پورا ہونا آلاتِ ساز کے مٹانے میں) لائے ہیں، اور اللہ تعالٰی ہی بہتر کارساز ہے۔ (ت)

تو نظر کی روک، کان کے حرام کو کیونکر حلال کردے گی، اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ کہا جائے اجنبیہ کو گلے لگانا حلال ہے جبکہ بوسہ نہ لے یا محل بوسہ کو رومال سے چھپالے یا اس کا بوسہ لینا جائز ہے جبکہ گلے نہ لگائے۔ صوت فتنہ کی تحریم فتنہ نظر پر موقوف ہو تو مزامیر کا سننا مطلقاً فی نفسہٖ حلال ہوجائے کہ ان کی طرف نظر کسی کے نزدیک منع نہیں بلکہ انصافاً منع نظر کے ساتھ سماع، افساد حال و تشویش خیال میں ابلغ ہوگا فان الانسان حریص علی مامنع (انسان کو جن کاموں سے روکا جائے ان کے کرنے کی وہ حرص رکھتا ہے۔ ت) نفس شیئ مبذول کی طرف اتنا نہیں کھنچتا جتنا ممنوع کی جانب، ولہذا بندگان نفس کو نظر اجنبیہ میں نظر حلیلہ سے زیادہ لذت آتی ہے اگرچہ حلیلہ احسن واجمل ہو ولہذا زنان فواحش باآنکہ خود امالہ وجذب میں سعی کرتی ہیں بعد انجذاب تمنع وخودداری کا تصنع دکھاتی ہیں کہ منع اجلب للشوق ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ فرماتے ہیں: ؎

[1] کنز العمال بحوالہ ابن صغری فی امالیہ حدیث ۴۰۶۶۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۲۱، ۲۲۰

[2] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی الرخصۃ فی البکاء علی المیت امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۰

دیدار می نمائی وپرہیز مے کنی بازار خویش وآتش ماتیز می کنی [1]

(تو دیدار دکھاتا ہے لیکن پرہیز بھی کرتا ہے، لہٰذا اپنے بازار اور ہماری آگ کو تیز کرتا ہے۔ت)

شرع مطہر نے امور محمودہ میں بھی اس حکمت پر لحاظ فرمایا ہے ولہٰذا دن میں تین وقت نماز حرام فرمائی کہ شوق مشتاقان تازہ ہوتا رہے ولہٰذا تجلی کو دوام نہیں ہوتا ولہٰذا ابتداء میں ایک مدت تک وحی روک لی گئی جس پر کفار نے ودع و قلی کیا اور سورہ کریمہ والضحٰی نے نزول فرما کر ان کا منہ سیاہ کیا تو کپڑا ڈال کر سننا وہی رنگ لائے گا جو حضرت عارف جامی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:ے

چو یابد بُوئے گل خواہد کہ بیند چو بیند روئے گل خواہد کہ چنید [2]

(جب کوئی پھول کی خوشبو پائے تو چاہتا ہے کہ اس کو دیکھے اور جب پھول کو دیکھ پائے تو چاہتا ہے کہ اسے چنے۔ت)

غرض عارف مصالح شریعت احمدیہ وحکم جلیلہ احکام محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ یقین کرے گا کہ اس کی اباحت سخت بدخواہی امت اور ابلیس لعین کو ان پر بڑی اعانت ہے۔

(۷) اصوات فتنہ کی حرمت اس لئے نہیں کہ وہ خاص مصوت کے ساتھ فجور کی طرف داعی ہیں جس سے مغنیہ مردہ کا بھرا ہوا گانا حلال ہوجائے ورنہ سماع مزامیر مطلقًا حلال ہوتا کہ وہاں مصوت فجور نامتصور، بلکہ اس لئے کہ وہ مفسد قلب ومحرک شہوت ومنبت نفاق ومثبت غفلت ہیں کما افادہ الائمۃ الاعلام وذکرنا طرفا منہ فی الکشف شافیا (جیسا کہ مشہور ائمہ نے اس کا افادہ بخشا، اور ہم نے اس کا کچھ حصہ اپنے رسالے الکشف شافیا میں بیان کیا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹: ازمرادآباد محلّہ مغلپورہ حصہ دوم متصل مکان جناب حکیم سید امیر حسن صاحب مسئولہ سید حامد حسین صاحب ۱۱ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

علماء متین ومفتیان شرع مبین کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اس مسئلہ میں آپ حضرات کا کیا ارشاد ہے کہ سماع کلام حسن منظوم خواہ منثور بالحان بہ لہجہ عربی ہو یا مصری یا ہندی خواہ سوا ان کے ہو باستثناء قرآن مجید وفرقان حمید برعایت قواعد وقوانین موسیقی بلامزامیر مرد صالح معمر یا غیر معمر بلکہ امرد سے جبکہ خوف فتنہ وفساد نہ ہو جائز ہے یا نہیں، چنانچہ علماء وغیرہم مثنوی مولانا روم ونعت وحمد وغیرہم پڑھتے ہیں

---

[1] گلستان سعدی باب دوم مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ص ۱۱۵

[2] یوسف زلیخا باب گرفتن زلیخا یوسف را الخ مطبع تاجران کتب خانہ لاہور ص ۱۸۹

اگر ناجائز ہے تو کیا علم قوانین موسیقی ناجائز ہے یا بعد حصول علم موسیقی رعایت اس کی معیوب ومقبوح ہے حالانکہ علم کسی امر کا قبیح نہیں کیونکہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جمیع امور کا علم بالتفصیل بعطاء الٰہی حاصل تھا اور ہے۔ پھر اگر رعایت اس کی ناجائز ہے تو جمیع علماء کو اپنے کلام (منظوم یا منثور) کو جو بوقت وعظ وغیرہ پڑھتے ہیں اور اس میں موسیقی پائی جاتی ہے امتیاز حاصل کرنے کے لئے موسیقی سے غیر موسیقی کو فن موسیقی معلوم کرنا ضرور ہے تاکہ حق کو باطل سے جدا کرلیں، کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ ہے **یعرف الاشیاء باضدادھا** (اشیاء اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ت) تو جب تک کہ غیر موسیقی کی ضد کو یعنی موسیقی حاصل نہ ہو اس وقت تک امتیاز بایں ہمہ غیر متصور، ورنہ اختلاط باوجود قدرت جائز نہ ہوگا والا برعایت موسیقی ہر کلام خواہ نظم ہو یا نثر باستثناء قرآن شریف جائز قرار پائے گا۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر وثواب پائیے۔ت)

الجواب:

جب سامع ومسموع ومُسمَع ومِسمع ومَسمع وسماع واسماع سب مفاسد سے پاک ہوں تو سننا سنانا سب جائز ہے اگرچہ بالقصد برعایت قوانین موسیقی ہو، خواہ فارسی یا اردو یا ہندی جو کچھ بھی ہو باستثناء قرآن عظیم موسیقی کی نسبت آواز کی طرف وہ ہے جو عروض کی نسبت کلام کی طرف، کلام جب حسن ہو اوزان عروضیہ پر منظوم کردینے سے قبیح نہ ہوجائے گا۔ یونہیں الحان کہ مباح ہو قوانین موسیقی کی رعایت سے ناجائز نہ ہوجائے گا۔ حدیث میں فرمایا:

الشعر کلام فحسنه حسن وقبیحه قبیح[1]۔	شعر ایک کلام ہے، جو اچھا ہے وہ اچھا ہے، اور جو برا ہے وہ برا ہے۔(ت)

سامع تو وہ چاہیے جس کے قلب پر شہوات ردیہ کا استیلانہ ہو کہ سماع کوئی نئی بات پیدا نہیں کرتا بلکہ اسی کو اُبھارتا ہے جو دل میں دبی ہو، مسموع میں ضرور ہے کہ نہ فحش ہو نہ کوئی کلمہ خلاف شرع مطہر، نہ کسی زندہ امرد کا ذکر ہو نہ کسی زندہ عورت کی تعریف، نہ ایسی قریب مردہ کا نام ہو جس کے اعزّہ زندہ ہوں اور انہیں اس سے عار لاحق ہو، امثال لیلے سلمے سعاد میں حرج نہیں۔ مُسمِع بالضم یعنی پڑھنے یا گانے والا امرد بوڑھا یا جوان ہو، امرد یا عورت نہ ہو۔ مِسمع بالکسر یعنی آلہ سماع مزامیر نہ ہوں اگر ہو تو صرف دف بے جلاجل جو ہیئات تطرب پر نہ بجایا جائے۔ مَسمع بالفتح جائے سماع مجلس فساق نہ ہو

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الحج باب لایضیق علی واحد منھما الخ دارالفکر بیروت ۵/ ۶۸

اور اگر حمد ونعت ومنقبت کے سوا عاشقانہ غزل، گیت، ٹھمری وغیرہ ہو تو مسجد میں مناسب نہیں۔ سماع یعنی سننا ایسے وقت نہ ہو کہ اس سے نماز باجماعت وغیرہ کسی فرض یا واجب یا امر اہم شرعی میں خلل آئے۔ اِسماع یعنی پڑھنا یا گانا ایسی آواز سے نہ ہو جس سے کسی نمازی کی نماز یا سوتے کی نیند یا مریض کے آرام میں خلل آئے۔ اور حُسن وعشق ووصل وہجر وشراب وکباب کا ذکر ہو تو عورات تک آواز نہ پہنچے بلکہ اگر گانے والے کی آواز دلکش ہے تو عورات تک پہنچنے کی مطلقاً احتیاط مناسب ہے۔

یاانجشة رویدك بالقواریر [1]۔	اے انجشہ! کانچ کی شیشیوں کالحاظ کرکے اپنی آواز آہستہ کیجئے۔ (ت)

ع حسن بلائے چشم ہے نغمہ وبال گوش ہے۔

رہا علم موسیقی، اس کے تعلم میں وقت ضائع کرنا صالحین کا کام نہیں بلکہ کم از کم عبث ہے اور ہر عبث میں تضییع وقت ممنوع۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من حسن اسلام المرء ترکہ مالایعنیہ [2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی آدمی کے حسن اسلام میں سے یہ ہے کہ جو بے فائدہ اور بے سود کام ہو اسے چھوڑ دے (ت)

اور علم اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قیاس صحیح نہیں کہ وہ بلا تعلم وبے صرف وقت وبے قصد خاص بفن معین تھا حرج اس میں ہے نفس علم میں کوئی حرج نہیں کہ وہ کمال ہے، ولہذا حضرت عزت جلالہ جس کے لئے ہر کمال واجب اور ہر نقصان بلکہ ہر وہ شَے جو کمال ونقصان دونوں سے خالی ہو محال بکل شیئ علیم ہے ازلًا ابدًا وجوبًا اور کسی شَے کے علم کی اس سے نفی کفر ہے تو ثابت ہوا کہ ہر شَے کا علم مطلقًا کیسی ہی ہو عین کمال ہے، یوہیں بعد تعلم اس کے قوانین کی اپنے الحان میں رعایت اہل شرف وصلاح کے لئے عیب ہے کہ وہ ذلیلوں رذیلوں کا فن ہے اور بالخصوص فاسقین وفاسقات کے ساتھ مشہور ہے، ایسی تخصیص شرعًا شَے کو ممنوع کردیتی ہے اگرچہ فی نفسہٖ اس میں کوئی حرج نہ ہو جیسے جوان یا بوڑھے مرد کو ٹوپی انگرکھے یا پاجامے میں چار انگل یا اس سے کم لچکا گوٹا پٹھا لگانا بلاشبہہ بدوضعی ومعیوب ہے کہ فاسقوں اور فحشوں کی وضع ہے اگرچہ فی نفسہ چار انگل تک کی اجازت ہے اور

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب مایجوز من الشعر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۸

[2] جامع الترمذی کتاب الزھد امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۵

منع رعایت موسیقی پر سائل کا وہ شبہہ کہ اس تقدیر پر تعلم موسیقی سب پر واجب ہوگا محض بے اصل و بے معنی ہے آخر اتنا تو مسلّم ہے کہ قرآن عظیم میں اس کی رعایت حرام ہے تو بے تعلم موسیقی اگر اس سے بچنا ناممکن تھا تو خواہی نخواہی اس کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہوتا تو یہ وہ فرض ہے کہ صحابہ وتابعین وائمہ وعلماء سب اس سے محروم رہے، بات یہ نہیں بلکہ اس کا عکس ہے ممنوع ومعیوب رعایت ہے اور رعایت فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاری کو قصد لازم اور قصد بے علم ناممکن تو رعایت جبھی کرسکے گا کہ جانتا ہو نہ جاننے والا کہ نہ اس سے آگاہ نہ اس کا قصد کرتا ہے اگر اتفاقاً اس کا پڑھنا کسی شعبہ موسیقی سے موافق ہو جائے تو نہ اس پر الزام نہ یہ شرعاً ممنوع حتی کہ خود قرآن عظیم میں کما نص علیہ فی الفتاوی الخیریۃ وغیرھا (جیسا کہ فتاوٰی خیریہ وغیرہ میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ت) بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من لم یتغن بالقراٰن فلیس منا[1]۔	جو خوش الحانی سے قرآن نہ پڑھے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔

اور خوش الحانی میں کسی شعبہ سے اتفاقیہ موافقت نادر نہیں بلکہ غالب بلکہ اس فن والوں کے نزدیک لازم ہے الحان میں اگرچہ تان گٹکری نہ ہو مگر تال سم سے خالی نہیں ہوسکتا تو ناواقف اپنی سادگی کے ساتھ قصد مفسدہ سے بچا ہوا نکل جائے گا اور واقف احتیاط کرے گا تو قصداً بگاڑے گا اور بنانا چاہے گا تو رعایت کی طرف جائے گا للذا اور بھی ضرور ہوا کہ اس فن سے ناواقف رہیں، وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: مرسلہ اراکین بعض انجمن غزہ رجب ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ جبکہ سماع میں یہ بات مقرر ہے کہ اہل کے لئے جائز نااہل کے لئے ناجائز، چنانچہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ؎

نگویم سماع ای برادر کہ چیست مگر مستمع رابدانم کہ کیست[2]

(اے بھائی! میں نہیں کہتا کہ سماع کیسا ہے، جب تک یہ نہ جان لوں کہ سننے والا کون ہے۔ت)

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلوات والسنۃ الخ باب فی حسن الصوت بالقرآن ص ۹۶

[2] بوستان سعدی باب سوم دانش سعدی تہران ایران ص ۱۸۴

تو آج کل جو مشائخ مزامیر سنتے ہیں ان کے لئے کیوں ناجائز ہوا کیونکہ وہ اس کے اہل ہیں نااہل سنے تو اس پر اعتراض چاہئے یہ تو اُسے غذائے روح سمجھتے اور اپنے لئے عبادت جانتے ہیں۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور ٹھیک راستہ دکھادے۔ت) اہل نااہل کا تفرقہ سماع مجرد میں ہے۔ شعر حضرت شیخ سعدی قدس سرہ میں اسی کا ذکر ہے۔ مزامیر میں اہل کی اہلیت نہیں، نہ ان کا کوئی اہل نہ وہ کسی کے لئے جائز، مگر مجاذیب اور خود رفتہ کہ عقل تکلیفی نہ رکھتے ہوں اُن پر ایک مزامیر کیا کسی بات کا مواخذہ نہیں کہ ع

سلطان نگیرد خراج از خراب

(کیونکہ بنجر اور ویران زمین سے کوئی بادشاہ (لوگوں سے) ٹیکس وصول نہیں کرتا۔ت)

ایسی جگہ اہل عقل میں اہل و نااہل کا فرق کرنا ہر کس و ناکس کو گناہ پر جری کرنا اور امت مرحومہ پر مکر شیطان لعین کا دروازہ کھولنا ہے، ہر فاسق اسی کا مدعی ہوگا کہ ہم اہل ہیں ہم کو حلال ہے علانیہ ارتکاب معصیت کرے گا اور حرام خدا کو حلال بتائے گا اور اپنے امثال عوام جہال کو گمراہ بنائے گا، کیا شریعت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسا حکم لاتی ہے، حاش للہ۔ شریعت مطہرہ فتنہ کا دروازہ بند فرماتی ہے اور یہ حکم فتنہ کے روزن کو عظیم پھاٹک کرتا ہے، تو کس قدر مبائن شریعت غرا ہے، اب دیکھ نہ لیجئے کہ آج کل کتنے نامشخص، کتنے بے تمیز، کتنے کندہ ناتراشیدہ، جن کو استنجا کرنے کی تمیز نہیں یہ بھی نہیں جانتے کہ استنجا کرنے میں کیا فرض، واجب، سنت، مکروہ، حرام ہیں۔ وہ گیروا کپڑے رنگ کر یا عورتوں کے سے کاکل بڑھا کر رات دن اسی آواز شیطانی میں منہمک ہیں۔ نمازیں قضا ہوں بلا سے، مگر ڈھولک ٹھنکنا ناغہ نہ ہو، اور پھر وہ پیر و مرشد ہیں ان کے پاؤں پر سجدے ہوتے ہیں۔ اور علانیہ کہتے ہیں کہ ہم کو رواہے، ہماری روح کی پاکیزہ غذا ہے۔ یہ ناپاک نتیجہ اسی اہل و نااہل کے فرق پُر جہل کا ہے۔ اور ان کا کذب صریح یوں آشکار کہ سماع بے مزامیر جس میں اہل و نااہل کا فرق ہے اس کے جواز میں اس کے اہل نے یہ شرط رکھی ہے کہ جلسہ سماع میں کوئی نااہل نہ ہو، یہاں تک کہ قوال بھی اہل باطن ہو، جیسے بارگاہ حضور سیدنا محبوب الٰہی سلطان الاولیاء نظام الحق والدّین محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حضرت سیدنا امیر خسرو و حضرت سیدی میر حسن علی سجزی قدس سرہما۔ بفرض باطل اگر مزامیر میں بھی اہل و نااہل کا فرق ہوتا تو اہل وہ تھا کہ کسی نااہل کے سامنے نہ سنتا، یہ جہل کے اہل عام مجمع کرتے ہیں جس میں فسّاق

فجّار شرابی زناکار سب کا شیطانی بازار لگتاہے اور مزامیر کھڑکتے ہیں، یہ اہلیت کی شکل ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور بھلائی کرنے کی قوت بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ اور بزرگ قدر کے توفیق دینے کے کسی فرد میں نہیں۔ت) ان سب کی گمراہی اور عوام کی بربادی تباہی کا وبال انہیں مولویوں کے سر ہے جو اہل و نااہل کا فرق بتاتے اور حرامِ خدا کو حلال کرنے کی کوشش کرتے اور امت کی بھیڑوں کو ابلیس بھیڑیئے کے پنجے میں دیتے ہیں پھر مزامیر کی حالت بالکل شراب کی مثل ہے قلیلھا یدعو الی کثیرھا تھوڑی سے بہت کی خواہش پیدا ہوتی ہے الذنب یجری الی الذنب گناہ گناہ کی طرف کھینچتا ہے ع

تخم فاسد بار فاسد آورد

(ناقص اور ناکارہ بیج بیکار پھل لاتا ہے۔ت)

شدہ شدہ رنڈی کے مجرے تک نوبت پہنچتی ہے پھر حیا یکسر کنارہ کرتی ہے، بھری مجلس میں فاحشہ ناچ رہی ہے اور پیر جی صاحب شیخ المشائخ و پیر مغاں و قطب دوراں بنے ہوئے بیٹھے ہیں اور مریدین ھُو حق مچارہے ہیں، تف بریں اہلیت، یہ سب نتائج ملعونہ اسی مداہنت و تحلیل حرام کے فرق اہل و نااہل کے ہیں، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ در بارہ شطرنج تو خود روایات وجوہ عدیدہ پر ہیں مگر ناصحان امت نے نظر بعصر یہی فرمایا کہ اس کی اباحت میں امت مرحومہ اور خود دین اسلام پر شیطان کو مدد دینا ہے لہٰذا مطلقًا حرام و گناہ کبیرہ ہے تو مزامیر کہ نفس امارہ کو شیطان لعین کی ان کی طرف رغبت بہ نسبت شطرنج ہزارہا درجہ زائد ہے کیونکر مطلقًا حرام و سخت کبیرہ نہ ہوں گے۔ سَو میں پچانوے وہ ہوں گے جنہیں شطرنج کی طرف التفات بھی نہیں اور سَو میں پانچ بھی نہ نکلیں گے جن کے نفس امارہ کو مزامیر کی شیطانی آواز خوش نہ آتی ہو، اہل تقوٰی بھی اپنے نفس کو بالجبر اس سے باز رکھتے ہیں ع حُسن بلائے چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے۔ کافی شرح وافی للامام حافظ الدین النسفی پھر جامع الرموز پھر ردالمحتار میں ہے:

ھو حرام وکبیرۃ عندنا وفی اباحتہ اعانۃ الشیطان علی الاسلام والمسلمین[1]۔	ہمارے نزدیک وہ حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اسے مباح قرار دینے میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف شیطان لعین کی مدد کرنا ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۳، جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳ /۳۱۹

مسلمانو! زبان اختیار میں ہے شعریات باطلہ میں **العسل مرۃ والخمر یاقوتیۃ** (شہد کڑوا ہے اور شراب یاقوتی ہے، یعنی یوں کہنا حقیقت ثابتہ کے سراسر خلاف ہے۔ت) کہہ دینے کا ہر شخص کو اختیار ہے شرابی شراب کو بھی غذائے روح وجانفزا وجان پرور کہا کرتے ہیں کہنے سے کیا ہوتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو فرق بتایا ہے ذرا انصاف وایمان کے ساتھ اُسے سنئے تو خود کھل جائے گا ع

کہ باکہ باختہ عشق درشب دیجور
(اندھیری رات میں تُو نے کس کے ساتھ عشق لڑایا۔ت)

ہاں سنئے اور گوش ایمان سے سنئے کہ ارشاد اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے، غذائے روح وہ ہے جس کی طرف شریعت محمدیہ علٰی صاحبہا والہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ بلاتی ہے اور جس کی طرف شریعت مطہرہ بلاتی ہے اس پر وعدہ جنت ہے اور جنت اُن چیزوں پر موعود ہے جو نفس کو مکروہ ہیں، اور غذائے نفس وہ ہے جس سے شریعت محمدیہ صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ منع فرماتی ہے اور جس سے شریعت کریمہ منع فرماتی ہے اس پر وعید نار ہے اور نار کی وعید ان چیزوں پر ہے جو نفس کو مرغوب ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات۔ رواہ البخاری[1] فی کتاب الرقاق بلفظ حجبت وتقدیم الجملۃ الاخیرۃ ومسلم باللفظ عن ابی ھریرۃ و احمد[2] ومسلم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما فی صحیحہ۔	جنت ان چیزوں سے گھیر دی گئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ ان چیزوں سے ڈھانپ دی ہے جو نفس کو پسند ہیں (امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ساتھ لفظ حجبت کے اس کو روایت کیا ہے اور آخری جملہ کی تقدیم سے اس کو ذکر فرمایا اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ کے الفاظ سے۔ اور احمد، مسلم اور جامع ترمذی نے حضرت انس سے (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) اپنی صحیح میں ذکر فرمایا۔ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب حجبت النار بالشھوات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۰، صحیح مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷۸

[2] صحیح مسلم کتاب الجنۃ ۲/ ۳۷۸ و جامع الترمذی ابواب صفۃ الجنۃ ۲/ ۸۰، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۵۳، ۲۵۴، ۲۸۴

یہ حدیث توصحیحین کی تھی اور اس کی تفصیل اس حدیث جلیل میں ہے کہ ابوداؤد ونسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لما خلق اللہ تعالٰی الجنۃ قال لجبرئیل اذھب فانظر الیھا فذھب فنظر الیھا والی ما اعد اللہ لاھلھا فیھا ثم جاء فقال ای رب وعزتك لایسمع بھا احد الا دخلھا ثم حفھا بالمکارہ ثم قال یاجبرئیل اذھب فانظر الیھا فذھب فنظر الیھا ثم جاء فقال ای رب وعزتك لقد خشیت ان لایدخلھا احد قال فلما خلق اللہ النار قال یاجبرئیل اذھب فانظر الیھا قال فذھب فنظر الیھا ثم جاء فقال ای رب وعزتك لایسمع بھا احد فیدخلھا فحفھا بالشھوات ثم قال یاجبرئیل اذھب فانظر الیھا قال فذھب فنظر الیھا فقال ای رب و عزتك لقد خشیت ان لایبقی احد الادخلھا[1]۔	جب اللہ عزوجل نے جنت بنائی جبریل امین علیہ الصلوٰۃ و السلام کو حکم فرمایا کہ اسے جاکر دیکھ، جبریل نے اسے اور جو کچھ مولٰی تعالٰی نے اس میں اہل جنت کے لئے تیار فرمایا ہے دیکھا، پھر حاضر ہو کر عرض کی اے میرے رب! تیری عزت کی قسم اسے توجو کوئی سنے گا بے اس میں جائے نہ رہے گا۔ پھر رب عزوجل نے اسے ان باتوں سے گھیر دیا جو نفس کو ناگوار ہیں۔ پھر جبرئیل کو حکم فرمایا کہ اب جاکر دیکھ۔ جبرئیل نے دیکھا، پھر حاضر ہو کر عرض کی اے میرے رب! تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اب توشاید اس میں کوئی بھی نہ جاسکے۔ پھر جب مولٰی تبارک وتعالٰی نے دوزخ پیدا کی جبرئیل سے فرمایا اسے جاکر دیکھ، جبرئیل نے دیکھا پھر آکر عرض کی اے میرے رب! تیری عزت کی قسم اس کاحال سن کر کوئی بھی اس میں نہ جائے گا۔ مولٰی تعالٰی نے اسے نفس کی خواہشوں سے ڈھانپ دیا، پھر جبرئیل کو اس کے دیکھنے کاحکم فرمایا، جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے دیکھ کر عرض کی اے میرے رب! تیری عزت کی قسم مجھے ڈر ہے کہ اب تو شاید ہی کوئی اس میں جانے سے بچے۔

[1] جامع الترمذی ابواب الجنۃ باب ماجاء حفت النار بالشھوات امین کمپنی دہلی ۲/ ۸۰، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی خلق الجنۃ والنار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۶، سنن نسائی کتاب الایمان والنذور باب الحلف لعزۃ اللہ تعالٰی نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۱۴۱-۴۲

یہ ہے وہ فرق کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بتایا اور خود رب العزۃ جل جلالہ قرآن عظیم میں نماز کو فرماتا ہے:

"وَ اِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَۙ(۴۵) الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۠(۴۶)"[1]	بیشک نماز گراں ہے مگر ان خشوع والوں پر جن کو یقین ہے کہ وہ اپنے رب سے ملیں گے اور انہیں اس کی طرف پھر کر جانا ہے۔

غذائے روح کی یہ پہچان ہے، اب مزامیر کو دیکھئے کفّار، فسّاق، فجّار رات دن ان میں منہمک ہیں تو واضح ہوا کہ وہ شہواتِ نفس ہیں جب تو بندگان نفس امارہ ان پر مٹے ہوئے ہیں غذائے روح ہوتے تو وہ ان کا نام نہ لیتے کہ بندگان نفس غذائے روح کا نام لئے تھراتے ہیں، ہاں وہ عبادت ضرور ہیں مگر کہاں مندروں اور گرجاؤں میں کہ ان کی عبادت مزامیر ہی کے ساتھ ہوتی ہے مگر حاشا وہ مسجد والوں کی عبادت نہیں، مسجد کا رب اس سے پاک ہے کہ شیطانی لذتوں سے جن میں کافروں کا حصہ غالب ہو اس کی عبادت کی جائے۔ یہ عجب عبادت ہے کہ مندروں گرجاؤں میں ہوتی ہے اور مسجدیں اس سے محروم، ہندوؤں نصرانیوں میں دھڑلے سے رائج، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وائمہ اس سے محفوظ۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں مگر اللہ تعالٰی بلند اور عظیم الشان کی توفیق دینے سے۔ت) یہ اگر عبادت ہے تو ڈوم ڈومنیاں، رنڈیاں پیرجی سے بڑھ کر عابد ہیں کہ یہ گھنٹہ بھر اس عبادت سے مشرف ہوں تو وہ چوبیس گھنٹے اسی میں ہیں ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم جاہلوں کی شکایت نہیں اگرچہ وہ مشائخ بن بیٹھیں اگرچہ اولیاء کرام کا ارشاد ہے کہ:

صوفی بے علم مسخرہ شیطان ست۔	بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہے۔(ت)

مااتخذاللہ جاھلا ولیاقط اللہ نے کبھی کسی جاہل کو اپنا ولی نہ کیا ع

بے علم نتواں خدارا شناخت

(بغیر علم کے خدا تعالٰی کی شناخت نہیں ہوسکتی۔ت)

غضب تو ان مولوی کہلانے والے مشائخ نے ڈھایا ہے کہ اپنے ساتھ عوام کو بھی شریعت پر جری وبیباک کردیا اہل نااہل کا جھوٹا تفرقہ زبانی کہیں اور جلسے میں دنیا بھر کے نااہل بھریں، ائمہ دین فرماتے ہیں اے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۵

گروہ علماء! اگر تم مستحبات چھوڑ کر مباحات کی طرف جھکوگے عوام مکروہات پر گریں گے، اگر تم مکروہ کروگے عوام حرام میں پڑیں گے، اگر تم حرام کے مرتکب ہوگے عوام کفر میں مبتلا ہوں گے۔

بھائیو! للہ اپنے اوپر رحم کرو، اپنے اوپر رحم نہ کرو اُمت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر رحم کرو۔ چرواہے کہلاتے ہو بھیڑیئے نہ بنو۔ اللہ تعالٰی ہدایت دے، آمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱: از شہر بریلی روز سہ شنبہ تاریخ ۲۵ شعبان ۱۳۳۴ھ

اگر کوئی مجلس خلاف شرع ہو یعنی ناچ یا باجا وغیرہ ہو تو اس میں کھانا وغیرہ کھانا چاہئے اور اس میں شرکت کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر اس میں کھانا کھانا چاہئے تو وہ کون سی شکل ہے جو شرع کے موافق جائز ہو جائے؟ فقط

الجواب:

کسی خلافِ شرع مجلس میں شرکت جائز نہیں اور کھانا بھی اسی جگہ جہاں وہ خلاف شرع کام ہو رہے ہیں تو اس کھانے میں بھی شرکت جائز نہیں، اور اگر وہ کھانا دوسرے مکان میں ہے وہاں کوئی امر خلاف شرع نہیں تو عام لوگوں کو جانے اور کھانے میں حرج نہیں مگر عالم یا مقتدا وہاں بھی نہ جائے مگر اس صورت میں کہ اس کے جانے سے وہ امور خلاف شرع بند ہو جائیں گے تو ضرور جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲: امام بخش فریدی از جام پور ضلع ڈیرہ غازی خان دوشنبہ ۳ محرم ۱۳۳۵ھ

سماع فی نفسہ کا قطع نظر اس سے کہ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ میں نہیں سننے کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

سماع کہ بے مزامیر ہو اور مسمع نہ عورت ہو نہ امرد، اور مسموع نہ فحش نہ باطل، اور سامع نہ فاسق ہو نہ شہوت پر، تو اس کے جواز میں شبہہ نہیں۔ قادریہ و چشتیہ سب کے نزدیک جائز ہے، ورنہ سب کے نزدیک ناجائز۔ والتفصیل فی رسالتنا اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر (اس کی تفصیل ہمارے رسالے "اجل التحبیر فی حکم السماع والمزامیر" میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳: مرسلہ محمد منظور عالم ۲صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، اس ملک کے مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ ہار مونیم بجانا اور سننا اور گراموفون بجانا یاسننا قطعی حرام ہے، اگر درحقیقت حرام ہے تو اکثر بلاد میں بہت سے علماء ہند نے اس کو جائز رکھا ہے او دیدہ دانستہ گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اس کی کیاوجہ، کیاوہ لوگ علم دین سے واقف نہیں ہیں یعنی اجمیر شریف، پھلواری شریف، بغداد شریف وغیرہ میں زمانہ عرس میں قوالی سنتے ہیں اس کے سامنے ہار مونیم وستار ضرور ہوتا ہے اس کی کیاوجہ ہے، ازراہ مہربانی اس کے بارہ میں جیساحکم ہو کس کس طریقہ والے کے نزدیک جائز ہے اور کس کس کے نزدیک ناجائز ہے؟ جواب سے مطلع فرمائیں۔ فقط۔

الجواب:

ہار مونیم ضرور حرام ہے، بغداد شریف میں تو اس کانشان بھی نہیں، نہ اجمیر شریف میں دیکھنے میں آیا، نہ فاسقوں کا فعل حجت ہو سکتا ہے، نہ کسی عالم نے اسے حلال کہا، اگر کسی نے حلال کہا ہو تو وہ عالم نہ ہوگا ظالم ہوگا۔ گراموفون سے قرآن مجید کاسننا ممنوع ہے کہ اسے لہو ولعب میں لانا بے ادبی ہے، اور ناچ یا باجے یا ناجائز گانے کی آواز بھی سننا ممنوع ہے، اور اگر جائز آواز ہو کہ نہ اس میں کوئی منکر شرعی نہ وہ کچھ محل ادب، تو اس کے سننے میں فی نفسہٖ حرج نہیں، ہاں لہو کا جلسہ ہو تو اس میں شرکت کی ممانعت ہے، اور تفصیل کامل ہمارے رسالہ **الکشف شافیا** میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

گانا قوالی مع ساز اور نااہل لوگوں کا جمع ہونا جو صوم صلٰوۃ کے پابند نہ ہوں خصوصًا مستورات کا جمع ہونا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب:

گانا مع مزامیر مطلقًا ناجائز ہے نہ کہ ان منکرات کے ساتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵ تا ۲۷: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلورمل اسلامیہ ۲۰ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل کے بارے میں:

(۱) جس کی بارات میں کثرت سے باجے، روشنی، گھوڑے ہوں اور جابجا بارات کی گشتی کی گئی ہو۔ ان کا نکاح شرعًا ہوتا ہے یا نہیں؟ اور ایسی بارات میں شریک ہونے سے گناہ ہوگا یا نہیں؟

اور شریک ہونے والوں کی دو قسم ہے دونوں کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان فرمائیں۔

(۲) بعض تو شرکت میں کوئی حرج یا گناہ نہیں سمجھتے۔

(۳) بعض گناہ تو سمجھتے ہیں مگر اپنے خاص محلّہ یا قرابت دار کی بارات میں اس مجبوری سے شریک ہوتے ہیں کہ نہ شریک ہوں گے تو باعث رنج وملال ہوگا اور آپس میں بے لطفی ہوگی، کیا یہ مجبوری حائل ہوتی ہے؟

الجواب:

روشنی اور گھوڑے ممنوع نہیں، ہاں باجے جیسے رائج ہیں ضرور ممنوع ہیں۔ شرکت دو طرح ایک بارات کے ساتھ جانا اور دوسرے اس مکان میں جانا جہاں بارات ہے اول کسی عالم یا مقتداء کو مطلقاً نہ چاہئے جبکہ اس کے ساتھ باجے یا اور کوئی ممنوع شے ہو،

لان المقتدٰی لاینبغی له الاختلاط مع اهل الباطل کما فی العٰلمگیریة [1] وغیرها ولان ذٰلك یسقط حرمته من الاعین وحرمة تلك المحرمات من القلوب۔	اس لئے کہ کسی قوم کے دینی پیشوا کو اہل باطل کے ساتھ میل ملاپ نہیں رکھنا چاہئے جیسا کہ فتاوٰی عالمگیری وغیرہ میں مذکور ہے اور اس لئے بھی کہ (عام لوگوں سے اگر میل جول رکھا جائے) تو یہ رویہ عام لوگوں کی نگاہوں سے عزت وحرمت کو ختم کردیتا ہے اور ان حرام کاموں کی حرمت کو دلوں سے محو کردیتا ہے۔ (ت)

اور جو اُن ممنوعات کے استحسان کے ساتھ شریک تو مطلقاً حرام ہے اگرچہ جاہل محض ہو اور عوام میں سے کوئی شخص ہے اور وہ ان ممنوعات کی طرف توجہ نہ کرے اور صلہ رحم یا مراعات دوستی یا محکومی کے سبب اُن ممنوعات سے بچا ہوا برات کے ساتھ ہو تو حرج نہیں،

واللّٰه یعلم المفسد من المصلح کما نصوا علیه فی اتباع جنازة معها نائحات بل زیارة قبور عندها منکرات کما فی ردالمحتار وغیره۔	اللہ تعالٰی فساد کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے خوب جانتا ہے جیسا کہ ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی کہ اگر جنازہ (میت) کے ساتھ رونے پیٹنے والی عورتیں ہوں تو یہ جنازہ کے ساتھ ضرور جائے بلکہ اہل قبور کی زیارت نہ چھوڑے باوجودیکہ وہاں گناہ اور غیر شرعی کام ہورہے ہوں۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

جیسا کہ فتاوٰی شامی وغیرہ میں ہے (ت)

اور دوسری صورت یعنی برات کے مکان میں جانا، اگر باجے وغیرہ منکرات دوسرے مکان میں ہوں تو حرج نہیں، اور مقتدا کے لئے تین صورتیں ہیں، اگر جانے کہ میرے جانے سے منکرات بند ہوجائیں گے میرے سامنے نہ کرسکیں گے تو جانا ضرور ہے **لانہ ازالۃ المنکر** (کیونکہ اس طرح کرنے سے گناہ کا ازالہ ہے۔ت) اور اگر جانے کہ میں جانے سے انکار کروں گا تو میری خاطر ان لوگوں کو اتنی عزیز ہے کہ مجھے لے جانے کے لئے منکرات سے باز رہیں گے تو انکار ضرور ہے، پھر اگر وہ اس کے انکار پر باز رہیں تو جانا ضرور ہے اگر نہ جائے گا تو وہ محلی بالطبع ہو کر پھر انہیں افعال کو کریں گے اور اگر نہ مانیں تو نہ جانا ضرور ہے، اور اگر اسی مکان میں ہوں تو ہرگز نہ جائے اور اگر جانے کے بعد شروع ہوں تو فوراً اٹھ آئے، اور عالم کو وہاں جانا اور بھی سخت تر ناجائز ہے مگر اس صورت میں کہ جانے کہ میرا جانا منکرات کو بند کردے گا۔ جن صورتوں میں ہم نے جواز کا حکم دیا اُن میں آپس کی رنجش اور بے لطفی کا لحاظ ضرور چاہئے اور جن صورتوں میں شرکت شرعاً ناجائز ہے ان میں کسی کی رنجش کا لحاظ بھی جائز نہیں۔

"لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍؕ"[1]، **لاطاعة لاحد فی معصیة اللّٰہ تعالٰی**[2]۔	(اچھے لوگ) کارِ خیر کرنے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے خائف نہیں ہوتے۔ اللہ تعالٰی کی نافرمانی کرنے میں کسی کی اطاعت نہیں۔ (ت)

باقی ان معاصی کی وجہ سے نکاح میں کوئی خلل نہیں آتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدا بخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

اگر بارات میں ڈھول تاشہ انگریزی باجانہ ہو صرف دو ایک جوڑ دف بلا بانسری کا ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ یہ واضح رہے کہ دف بجانے والے کاریگری سے بجاتے ہیں جس میں آواز کا نشیب و فراز سر و تال ہوتا ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۵۴

[2] کنز العمال برمز ق۔د۔ن عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۸۷۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷، مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۶۶ و ۶۷

الجواب:

اوقات سرور میں دف جائز ہے بشرطیکہ اس میں جلاجل یعنی جھانج نہ ہوں، نہ وہ موسیقی کے تال سُر پر بجایا جائے ورنہ وہ بھی ممنوع۔ **کمافی ردالمحتار وغیرہ** (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا قوم کے سردار اور علماء فرض ہے کہ ان مراسم کے مٹانے میں کوشش کریں۔ اگر لوگ نہ مانیں تو برادری ترک کردیں ترک برادری میں جو خرابیاں ہیں وہ بھی ملحوظ رہیں:

(۱) برادرانہ پابندی میں مظلوم کی دادرسی اور ظلم کا تدارک ہوتا ہے۔

(۲) حق ناحق کا فیصلہ آسانی کے ساتھ ہوجاتا ہے۔

(۳) محلّہ میں اگر کوئی شخص عورت سے ناجائز تعلق رکھتا ہے تو پنچ اُسے برادری سے خارج کردیتے ہیں اور اس کی شادی غمی میں شریک نہیں ہوتے، پنچوں اور سرداروں کی عبرت سے۔ بالآخر وہ تائب اور نادم ہوتا ہے اور لوگ اس کو برادری میں شامل کرلیتے ہیں، ترک برادری سے یہ فوائد جاتے رہیں گے، ہر شخص آزاد و مختار ہوجائے گا، ہاں یہ واضح رہے اگر کوئی شخص تاڑی شراب پیئے، بازاری عورتوں سے زنا کرے، جوا کھیلے، اپنے یہاں ناچ کرائے، مگر برادرانہ طرف سے اس کی بازپرس نہیں ہوتی اور نہ سردار یا پنچ اس کو برادرانہ طریق سے بند کرتے ہیں، آیا ایسی برادری کرنا چاہئے؟

الجواب:

علماء اور سرداران پر ہدایت ونصیحت فرض ہے اور اہل معاصی کے ساتھ قطع تعلق میں سلف صالحین کے مسلک مختلف رہے ہیں اور مصالح دینیہ کی رعایت سے دونوں صورتیں جائز ہیں جس میں مصلحت دیکھیں اور ایسی برادری کہ شراب وزنا سے منع نہ کرے اور اپنے ساختہ قانون کی ذرا خلاف ورزی پر سزادے بہت بیہودہ برادری ہے وہ اگر روک سکتے ہیں تو معاصی پر روکنا فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: از کمال پورہ علاقہ جیت پورہ بنارس مرسلہ خدابخش زردوز مالک فلور مل اسلامیہ ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جس جگہ تقریب شادی میں خلاف شرع مراسم کا عام رواج ہوگیا ہو حتی کہ لکھے پڑھے لوگ اس میں مبتلاہوں باوجودیکہ لوگ علماء سے اس کی مذمت وخرابی وعظ میں سن چکے ہوں ایسی جگہ اگر کوئی عامی مسلمان محض بجوش اسلام وحمایت دین یہ التزام کرے کہ جہاں شادی وغیرہ میں خلاف شرع مراسم ہوں گے وہاں نہ شریک ہوگا گو اپنا عزیز قریب کیوں نہ ہو کیاایسا شخص شرعًا قابل مدح ہے؟

الجواب:

جوایسے جلوسوں میں نہ جانے کاالتزام کرے شرعًا محمود ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱: از کلکتہ ۱۷ آئس فیکٹری لین ڈاکخانہ انٹالی خانقاہ چشتیہ مرسلہ سید شاہ المبین احمد چشتی نظامی بہاری ۲۱ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سماع مزامیر یعنی مروجہ قوالی کاجواز بتحقیق اس امر کے کہ صاحب شرع علیہ التحیات والتسلیمات سے کس قدر صادر ہوا تھا بعد اس کے پچھلے قرنوں کے لوگوں نے کس قدر بڑھایااب سماع وقوالی کرنے والے کو کون ساطریقہ اختیار کرناچاہئے؟

الجواب:

مزامیر حرام ہیں، صحیح بخاری شریف کی حدیث صحیح میں حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قوم کاذکرفرمایا: **یستحلون الحر والحریر والمعازف**[1] زنا اور ریشمی کپڑوں اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔اور فرمایا: وہ بندر اور سور ہوجائیں گے۔

ہدایہ وغیرہ کتب معتمدہ میں تصریح ہے کہ مزامیر حرام ہیں۔ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی نظام الحق والدّین رضی اللہ تعالٰی عنہ فوائد الفواد شریف میں فرماتے ہیں: مزامیر حرام ست[2] (گانے بجانے کے آلات حرام ہیں۔ت)

حضرت شرف الدین یحیٰی منیری قدس سرہ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں مزامیر کو زنا کے ساتھ شمار فرمایا۔ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے صرف روز عید دف کاسننا منقول ہے وہ بھی نہ بالقصد متوجہ ہوکر، اور اوقات سرور میں بے جلاجل کادف کہ ہیأت تطرب پر نہ بجایاجائے شرعًا جائز ہے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ باب ماجاء فی من یستحل الخمر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[2] فوائدالفواد

قوالی والوں پر لازم ہے کہ مزامیر قطعًاترک کریں اور بوڑھے یاجوان مردوں سے صاف وپاک غزلیں سنیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲: از ضلع سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ربیع الآخر۱۳۳۶ھ

جب فرائض وواجبات وسنن مؤکدہ کی پابندی لوگوں سے اٹھتی جاتی ہو تو ایسی حالت میں مزامیر کے ساتھ سماع جائز ہے کہ نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مزامیر حرام ہیں اور حرام ہر حال میں حرام رہے گا،لوگ گناہوں میں مبتلا ہیں اس کے سبب گناہ جائز ہوجائے تو شریعت کا منسوخ کردینا فاسقوں کے ہاتھ میں رہ جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۳: از لسبی کوٹلہ ڈاک خانہ خاص ضلع بجنور محلّہ سٹھاشہید مرسلہ محمد عبداللہ خاں ۲۰رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیاارشاد ہے)اس مسئلہ میں کہ دیکھنا تماشا ٹھیڑ وناٹک وغیرہ کا کہ جن میں امارد گاتے ہیں اور عورتوں کالباس پہن کر سوال وجواب عاشقانہ کرتے ہیں اور اس میں تماشا دیکھنے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں اور انہیں کے سامنے الفاظ عاشقانہ مستعمل ہوتے ہیں اور اجرت لیتے وقت باجا بجایا جاتاہے اور ہارمونیم جو ایک باجے کی قسم ہے ہاتھوں سے بجایا جاتاہے وہ بھی بجتاہے اور طبلہ بھی بجتاہے،آیا اس تماشے کادیکھنا جائز ہے یاناجائز؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس تماشے کادیکھنے والا کس درجہ گناہگار ہے؟ اور اس تماشے کادیکھنے والا مرید بھی کرتاہے اس سے مرید ہونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حرام حرام حرام بوجوہ حرام،

کمالایخفی علی العوام من اھل الاسلام فضلا عن العلماء بل یعرف حرمته فی الاسلام من له مخالطة بالمسلمین من الکفرة البعدأ۔	جیسا کہ عوام اہل اسلام پر پوشیدہ نہیں چہ جائیکہ علمائے کرام سے مخفی ہو،بلکہ اسلام میں اس کی حرمت اتنی واضح ہے کہ اس کو وہ دور کے کفار بھی جانتے ہیں جو مسلمانوں سے میل جول رکھتے ہیں۔(ت)

اس تماشے کادیکھنے والا فاسق معلن ہے اور اسے پیر بنانا حرام۔ تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق للامام الزیلعی وغیرہ کتب معتبرہ میں ہے:

فی تقدیمه تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شرعی طور پر لوگوں کے لئے اس کی توہین وتذلیل واجب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: از جے پور بمعرفت حاجی عبدالجبار صاحب ۱۹ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیاحکم ہے شریعت مطہرہ کامسئلہ ذیل میں کہ زید کہتا ہے کہ قوالی مع آلات مزامیر کے جائز ہے اور بکثرت مشائخ کرام نے اسی طرح سنا ہے اور کہتاہے کہ مزامیر ان باجوں کو کہتے ہیں جو منہ سے بجائے جاتے ہیں،ڈھلک، ستار، طبلہ، مجیرے، ہارمونیم، سارنگی مزامیر میں داخل نہیں بلکہ اُن کااور دف کاایک حکم ہے۔اگر زمانہ اقدس میں یہ چیزیں موجود ہوتیں تو مثل دف کے اس کا بھی حکم فرماتے۔اور کہتا ہے کہ تم لوگ نااہل ہو رموز مشائخ طریقت سے ناواقف ہو اگر حرام ہو تو تمہارے لئے مگر ہمارے لئے جائز ہے۔اور کہتاہے کہ امام غزالی علیہ الرحمۃ نے اس کو صاف جائز بتایا ہے۔

پس سوال یہ ہے کہ باجے مذکورالصدر کے ساتھ قوالی سننا کیاجائز ہے یاحرام؟اگر حرام ہے تو زید کے لئے کہ وہ حرام کو بالاعلان حلال کہتا ہے بلکہ خود اہتمام والتزام کے ساتھ سننااور بالعموم ایسی مجالس میں شرکت کرتا ہے کیا حکم ہے اور اس کے پیچھے نماز فریضہ کیسی ہوگی؟اور مزامیر کی تعریف کیاہے؟اور باجے مذکور مزامیر ہیں یانہیں؟جو حکم خدااور رسول جل وعلاوصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو وضاحت سے ارشاد ہو،جزاکم اللہ فی الدارین خیرالجزاء(اللہ تعالٰی تمہیں دنیاوآخرت میں سب سے بہتر بدلہ عطافرمائے۔ت)

الجواب:

زید کاقول باطل ومردود ہے،حدیث صحیح بخاری شریف میں مزامیر کالفظ نہیں بلکہ معازف کہ سب باجوں کوشامل ہے **یستحلون الحرو الحریر والمعازف**[2] زنااور ریشمی کپڑوں اور باجوں کوحلال سمجھیں گے۔ت)امام غزالی پر بھی افتراء ہے کہ انہوں نے ان مذکورات خبیثہ کو صاف ناجائز بتایاہے طرفہ یہ کہ انہوں نے نَے کے جواز کی طرف میل کیاجومزامیر سے ہے مشائخ کرام پرافتراہے،حضرت سیّدی فخرالدین زراوی خلیفہ حضرت سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ عنہما نے"کشف القناع عن اصول السماع"میں

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی مصر ۱/ ۱۳۴

[2] صحیح البخاری کتاب الاشربہ باب ماجاء من یستحل الخمر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

کہ بحکم حضور لکھا اس کی تصریح فرمائی کہ باجوں کے ساتھ قوالی سننا ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر افترا ہے، اس کا کہنا کہ زمانہ اقدس میں طبلہ سارنگی خاک بلا ہوتے تو حضور ان کا بھی حکم فرماتے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سخت شدید جرأت ہے ایسا شخص سخت نااہل ہے اوروں کو نااہل کہتا ہے وہ امام بنانے کے قابل نہیں اس کے پیچھے فرض نفل کچھ نہ پڑھا جائے مگر یہاں حکم کفر کی گنجائش نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵: از بنارس مسئولہ جناب مولوی ابراہیم صاحب ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بارات کے ساتھ چند دف بجاتے ہوئے لے چلنا جیسا آج کل مروّج ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

شادی میں دف کی اجازت ہے مگر تین شرط سے:

(۱) ہیئات تطرب پر نہ بجایا جائے یعنی رعایت قواعد موسیقی نہ ہو ایک یہی شرط اس مروج کے منع کو بس ہے کہ ضرور تال سم پر بجاتے ہیں۔

(۲) بجانے والے مرد نہ ہوں کہ ان کو مطلقاً مکروہ ہے۔

(۳) عزت دار بیبیاں نہ ہوں، **نص علی کل ذٰلك فی ردالمحتار** (ردالمحتار میں اس سارے مسئلہ کی تصریح کردی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۶: از الٰہ آباد مدرسہ سبحانیہ مرسلہ مولوی ابراہیم صاحب ۱۷ رمضان ۱۳۳۸ھ

شادی میں ڈھول وغیرہ بجانا اور محرم میں تعزیہ داری کرنا سینہ پیٹنا کیسا ہے؟

الجواب:

ڈھول بجانا ممنوع ہے اور تعزیہ داری و سینہ کوبی حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷: مولوی عبداللہ صاحب بہاری مدرس مدرسہ منظر الاسلام محلّہ سوداگران بریلی ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ گنجفہ، شطرنج، تاش، بھگور کھیلنے والے کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

گنجفہ تاش حرام مطلق ہیں کہ ان میں علاوہ لہوولعب کے تصویروں کی تعظیم ہے اور بگھور یا جیون کمینوں کا کھیل ہے اور منع اور صحیح یہ ہے کہ شطرنج بھی جائز نہیں مگر چھ شرطوں سے:

اوّلاً: بد کرنہ ہو۔

ثانیًا: اس پر قسم نہ کھائی جائے۔

ثالثًا: فحش نہ بکا جائے۔

رابعًا: اس کے سبب نماز یا جماعت میں تاخیر نہ کی جائے۔

خامسًا: سر راہ نہ ہو گوشے میں ہو۔

سادسًا: نادرًا کبھی کبھی ہو۔

پہلی تین شرطیں تو آسان ہیں مگر پچھلی تین پر عمل نادر ہے بلکہ ششم پر عمل سخت دشوار ہے شوق کے بعد نادرًا ہونا کوئی معنی ہی نہیں لہٰذا راہ سلامت یہ ہے کہ مطلقًا منع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: از موضع رہپورہ تحصیل وضلع بریلی ڈاک خانہ ایزٹ نگر مسئولہ عبدالحمید خاں صاحب ۱۲صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خادم کے موضع سے ایک میل کے فاصلہ پر رام لیلا کا میلہ ہوتا ہے جس میں راون وغیرہ کے بڑے بڑے بت بنائے جاتے ہیں، موضع کے بہت سے آدمی اس ہندوؤں کے میلہ میں اس کو دیکھنے کی غرض سے جاتے ہیں حضور کے یہاں کے ایک طالب علم مسمّٰی مولانا عبداللہ کی زبانی میں نے سنا تھا کہ حضور کا یہ فتوی ہے کہ جو کوئی ہندوؤں کے میلہ میں شوقیہ زیبائش اور دیکھنے کی غرض سے جاتا ہے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے لیکن کبھی حضور سے روبرو نہیں سنا ایک شخص نے جو اکثر جماعت کی نماز پڑھاتا ہے یہ کہا کہ میلے میں جانے سے کچھ حرج نہیں وہاں ہم آریہ وغیرہ کے لکچر سننے جاتے ہیں اور جو ناچ ہوتے ہیں ان میں ناچنے والیاں مسلمان ہیں لہٰذا صرف گناہ ہوتا ہے اور کوئی حرج نہیں ہے نکاح وکاح کچھ نہیں جاتا، ہم تو ایک آدھ پیسہ کی چیز بھی تو خرید لیتے ہیں لہٰذا خرید وفروخت کا بھی بہانا ہو جاتا ہے اس لئے وہ گناہ بھی نہیں ہوتا اور یہ بھی کہتا ہے کہ اگر مقتدیوں کو یہ یقین ہے کہ اس کے پیچھے ہماری نماز ہو جائے گی تو وہ امام چاہے جیسا ہی گنہگار کیوں نہ ہو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی یہ شخص شوقیہ ہمیشہ تعزیہ وغیرہ بھی دیکھنے جاتا ہے موضع کے تمام لوگ اس کے تابعدار ہیں اور جیسا حضور حکم فرمائیں گے ویسا کریں گے لہٰذا انہوں نے فقیر سے کہا کہ اپنے مرشد قطب العالم امام زمان سے اس میلے اور مذکورہ بالا امام کی بابت دریافت کرو۔ فقیر میں یہ جرأت کہاں کہ حضور کے سامنے اتنا مفصّل قصّہ زبانی بیان کر سکے لہٰذا جواب باصواب ارقام فرمایا جائے۔

الجواب:

ہنود کے میلے میں جانا حرام ہے مگر نکاح نہیں ٹوٹتا جب تک اسے اچھا نہ جانے، اچھا جانے گا

تو بیشک کافر ہو جائے گا اور نکاح ٹوٹ جائے گا ناچ دیکھنا حرام ہے اگرچہ ناچنے والی مسلمان ہو بلکہ اگر مسلمان ہو تو اور سخت تر حرام ہے دو وجہ سے، **اول** اجنبیہ عورت مسلمان کی بے پردگی کافرہ کی بے پردگی سے ہزار درجے سخت تر ہے۔ **دوم** مسلمان عورت کی بے حیائی کافرہ کی بے حیائی سے اور تماشا دیکھنے کے لئے خرید وفروخت کا حیلہ محض جھوٹا ہے خرید وفروخت بازار میں نہیں ہو سکتی اور تعزیہ دیکھنا بھی جائز نہیں اور امام جبکہ فاسق معلن ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب مقتدیوں کا اس میں حرج نہ سمجھنا حکم شرعی کو نہ بدل دے گا۔ آریہ کا لکچر سننے جانا اور بھی سخت تر حرام ہے وہ کفر بکتے ہیں اور یہ کفر سننے جاتے ہیں ایسے جلسے میں شریک ہونے کو قرآن عظیم نے فرمایا ہے: "اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ"[1] جب تو تم بھی انہیں جیسے ہو، اور فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَاۙ(۱۴۰)"[2]	بیشک اللہ تعالٰی اُن کافروں اور ان نام کے مسلمانوں ان کے جلسے میں شریک ہونے والوں سب کو جہنم میں اکٹھا کرے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹تا ۱۴۱: از قصبہ خداگنج شاہجہانپوری مرسلہ جناب عبدالرزاق صاحب منتظم عشرہ محرم مورخہ ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اس امر کی کوشش کرتا ہے کہ امیر وغریب سب سے چندہ جبرًا وصول کرکے بریلی سے چہلم میں باجا منگوایا جائے جس کا صرفہ سوا سو روپیہ کے قریب ہوگا خواہ فاتحہ امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہو یا نہ ہو اور اسی نمود اور شیخی کو ثواب جانتا ہے باوجودیکہ یہاں باجا انگریزی وغیرہ کا موجود ہے۔

(۲) بکر اسی امر کی کوشش کرتا ہے کہ اہل ہنود کو اشتعال دینا نامناسب ہے اس واسطے کہ عشرہ محرم میں منجانب انتظام گورنمنٹ مصالحت ہو چکی ہے علاوہ اس کے ایک مینار عیدگاہ ناتمام پڑا ہوا ہے اور ایک چہار دیواری مسجد قطعی نہیں ہے کتے وغیرہ گھستے ہیں پس اگر چندہ فراہم کیا جائے تو اوّل سبیل شربت بنام امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہو اور اس میں سے یہاں کے باجے والوں کو دیا جائے جو بچے مینار اور مسجد درست کرادیا جائے۔

(۳) زید اجہل اور زبردست ہے اعلان کردیا ہے کہ بکر کا حقہ پانی بند کردیا جائے اس لئے کہ ہمارے

---

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۴۰

[2] القرآن الکریم ۴ /۱۴۰

خلاف کرتا ہے پس دونوں کاموں میں سے کون ساکام ضروری اور جائز ہے اور زید کے ذمہ شریعت کا کیا الزام عائد ہوسکتا ہے اور قاضی شرع کو کس طرف شامل ہونا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

باجا انگریزی ہو خواہ ہندوستانی، باجے والے وہاں کے ہوں یا یہاں کے سب حرام اور کار شیطان ہیں، ان کے لئے چندہ لینا اور دینا حرام، تخت تعزیہ خود ناجائز ہیں اور ان میں باجے حرام در حرام، جو چندہ دیا جائے فاتحہ ونیاز شہدائے کرام میں صرف کیا جائے جبکہ چندہ دہندوں کی اجازت ہو کہ یہ ضروری چیز ہے، عیدگاہ کا مینار بھی کوئی اہم چیز نہیں، اور اگر چندہ دہندوں کی اجازت نہ ہو تو جو بچے ان کو واپس کیا جائے۔ یہ حکم شرع کا ہے اس کے خلاف جو چاہے گا شریعت کا مخالف اور عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا وہی حقہ میں بند کرنے کے لائق ہیں بکر کی اس وجہ سے بندش اس پر ظلم ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الظلم ظلمات یوم القیامۃ**[1] ظلم کرنے والا قیامت کے دن اندھیروں میں ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] صحیح البخاری کتاب المظالم باب الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

رسالہ
مسائل سماع ۱۳۲۰ھ
(قوالی کے مسئلے)

مسئلہ ۴۲ تا ۴۶: از ریاست ککینہ ضلع رنگ پور ملک بنگالہ مرسلہ مولوی عبداللطیف ہزاری ۳رمضان ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں:

(۱) متصوفہ زمانہ جو مجلس سماع وسرود مرتب کرتے ہیں جس میں راگ و رقص ومزامیر ومعازف ہر قسم کے موجود رہتے ہیں اور جھاڑوفانوس وشامیانہ وفرش ودیگر تکلفات چشتیہ واسرافات بے جا کے علاوہ اہل وناہل وصالح وفاسق وعالم وجاہل وہندو اور مسلمان وغیرہ کا کچھ تقید نہیں ہوتا سب کو اذن عام رہتاہے اور اطراف واکناف سے بذریعہ خطوط واشتہارات لوگوں کو بلایا جاتاہے آیا اس کاروائی کی قرآن وحدیث یافقہ وتصوف سے کوئی اصل اور حضرت شارع یاصحابہ یامجتہدین وائمہ شریعت و طریقت سے کوئی نقل قولی خواہ فعلی ثابت ہے یانہ، وبر تقدیر ثانی اگر کوئی شخص اس کو مباح بلکہ مستحب اور مسنون وموجب تقرب الی اللہ سمجھ کر ہمیشہ خود بھی مرتکب رہے اور دوسروں کو بھی راغب کرے حتی کہ اس کی تحریک سے بعض مقامات میں اس فعل کاچرچاشروع ہوجائے اور ہوتاجائے توایسا شخص ضال ومضل ٹھہرے گایانہیں؟

(۲) اس فعل کا منسوب کرنا طرف آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور جمیع اکابر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین ومشائخ طریقت کے نہایت درجہ کی گستاخی اور کذب علی الرسول وعلی الصحابہ العدول وعلی من بعدہم من الاکابر الفحول میں داخل ہے یانہ؟

(۳) جس ملک کے لوگ محض نو مسلم اوراحکام وارکان اسلام سے نہایت بے خبر ہوں گویا ابھی تک شریعت میں اُن کی بسم اللہ بھی درست نہیں ہوئی اور بسبب قرب زمانہ جاہلیت وحدیث العہد بالاسلام ہونے اور مجاورت اقوام ہنود کے اکثر حق وباطل کی تمیز نہ رکھتے ہوں اور اعتقاداً وعملاً انواع شرک وبدعت میں گرفتار ہوں تو ایسوں کو اوّلاً عقائد اسلامیہ واحکامات شرعیہ کی تلقین ضرور تر ہے یاسب سے پیشتر فن موسیقی اور حقائق ودقائق تصوّف ومسئلہ وحدۃ الوجود کی تعلیم مناسب ہے؟

(۴) ہرگاہ کہ ہر مسلمان پر بقدر استطاعت امر معروف ونہی منکر عموماً اور پیر وپیشوائے قوم پر خصوصاً فرض ہے تو جس پیر کے اکثر مرید نامقید، عیاش طبع، نشہ خوار، مونچھیں دراز، ریش ندارد، اور صوم وصلاۃ وغسل وطہارت کے مقدمے میں غایت درجہ کے سست، ہاں ناچ رنگ وسماع وسرود کی خدمت میں چست ہوں اور وہ کسی کی کن ممکن سے غرض نہ رکھے سب کو راضی رکھے اور سب سے راضی رہے، پس ایسا پیر تارک فرض اور عاصی ہے یانہ؟ اور وہ پیر کس قسم کا پیر کہلائے گا ہدایت وارشاد کا یا ضلالت والحاد کا؟

(۵) یہ کہنا کہ وید ہنود میں شرک نہیں ہنود کو بالقطع مشرک کہنا صحیح نہیں، بتوں کو سجدہ کرنا ان کا باعث کفر نہیں ہوسکتا کہ یہ سجدہ تعظیمی ہے جیسے فرشتوں نے آدم کو کیا تھا اور بُتوں سے شفاعت کا امیدوار رہنا ایسا ہے جیسے اہل اسلام کا انبیاء سے امیدوارِ شفاعت رہنا اور مشائخ نے اکثر اذکار وافکار ومراقبات جوگیان ہنود سے لئے ہیں، اس قسم کے ہفوات ہدایت وارشاد کے باب سے ہیں یا درپردہ بیخ کنی اسلام کے اسباب ہیں؟

الجواب:

جواب سوال اوّل:

جھاڑ، فانوس، شامیانہ، فروش وغیرہا مباحات فی انفسہا محظور نہیں جب تک نیۃً یا عملاً منکر شرعی سے منضم نہ ہوں بلکہ ممکن کہ نیت محمودہ سے محل محمود میں محمود ہوجائیں،

فان ذٰلك شان المباح یتبع النیة	اس لئے کہ وہ مباح کی صفت ہے کہ وہ اچھی بری

حسنا وقبحا وتمحضا للاباحة کما نص علیه فی البحر وغیرہ وقد بیناہ غیر مرة فی فتاؤنا وراجع ماذکر الامام حجة الاسلام فی احیاء العلوم من حکایة ایقاد بعض الصالحین الف سرج فی مجلس الذکر فانکرہ بعضهم فقال تعال واطفیئ ماکان منها لغیر اللہ تعالٰی فلم یستطع اطفاء شیئ منها[1]۔	نیت میں اس کے تابع ہوتا ہے اور اس لئے تاکہ اباحت خالص ہوجائے جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے اور ہم نے متعدد بار اسے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے اور اس واقع کی طرف رجوع کیا جائے جو حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے احیاء العلوم میں ذکر فرمایا کہ ایک بزرگ نے مجلس ذکر میں ایک ہزار چراغ جلائے اس پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا (یعنی معترض ہوئے کہ یہ اسراف کیا گیا ہے) انہوں نے معترضین سے فرمایا کہ آؤ اور جو چراغ ان میں سے غیر خدا کے لئے ہے اسے بجھادو، چنانچہ وہ ان میں سے کوئی ایک چراغ بھی نہ بجھاسکے۔(ت)

زینت مباحہ بہ نیت مباحہ مطلقاً اسراف نہیں، اسراف حرام ہے۔ قال تعالٰی:

"وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۟" [2]	بے جا خرچ نہ کیا کرو کیونکہ اللہ تعالٰی فضول خرچی سے کام لینے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(ت)

اور زینت جب تک بروجہ قبیح یا بہ نیت قبیحہ نہ ہو حلال ہے، قال تعالٰی:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ" [3]	فرمادیجئے اس زیب وزینت کو کس نے حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے۔(ت)

اور حلال وحرام ایک نہیں ہوسکتے ہمیں شق قلوب وتطلع غیوب واساءت ظنون کا حکم نہیں بل نحسن الظن مهما امکن واللہ سبحٰنه یعلم الضمائر ویتولی السرائر (بلکہ ہم اچھا گمان کرتے ہیں جب تک ممکن ہو، اور اللہ تعالٰی پاک ہے، دلوں کی پوشیدہ باتیں جانتا ہے اور اچھے رازوں سے آشنا ہے۔ت) کوئی مجلس اگر فی نفسہ منکرات شرعیہ پر مشتمل نہ ہو نہ اس میں وہ باتیں ہوں جو اختلاف مقاصد یا تنوع احوال سے حسن وقبح میں مختلف ہوجائیں جیسے سماع مجرد کہ اہل کو مفید اور نااہل کو مضر، نہ بوجہ

---

[1] احیاء العلوم کتاب آداب الاکل فصل یجمع آدابا الخ مطبعة المشهد الحسینی القاهرہ ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

دقت وغموض افہام قاصرہ پر موجب فتنہ ہوں جیسے حقائق ود قائق وحدۃ الوجود ومراتب جمع وفرق وظہور وبطون وبروز ومکون وغیرہا مشکلات تصوف، نہ تعمیم اذن بوجہ تعظیم فجار وتکریم کفار وغیر ذٰلک افعال واحوال ناہنجار منجر بہ انکار ہو، بالجملہ حالًا و مآلًا جملہ منکرات وفتن سے خالی ہو تو عموم اذن وشمول دعوت میں حرج نہیں بلکہ مجلس وعظ وپند بلحاظ پابندی حدود شرعیہ جس قدر عام ہو نفع تام ہو مگر محفل رقص وسرود اگر بفرض باطل فی نفسہ منکر نہ بھی ہوتی تو یہ تعمیم اسے منکر وناروا کردیتی سماع مجرد کو ائمہ محققین علمائے عاملین واولیائے کاملین نے صرف اہل پر محدود اور نااہل پر قطعًا مسدود فرمایا ہے، نہ کہ مزامیر محرمہ کہ خود منکر وحرام ہیں، سید مولانا محمد بن مبارک بن محمد علوی کرمانی مرید حضور پرنور شیخ العالم فریدالحق والدّین گنج شکر وخلیفہ حضور سیّدنا محبوب الٰہی نظام الحق والدین سلطان الاولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کتاب مستطاب سیر الاولیاء میں فرماتے ہیں:

حضرت سلطان المشائخ قدس اللہ سرہ العزیز می فرمود کہ چندیں چیزمی باید تا سماع مباح شود مسمع و مستمع و مسموع وآلہ سماع، مسمع یعنی گویندہ مرد تمام باشد کودک نباشدو عورت نباشدو مستمع آنکہ می شنود وازیاد حق خالی نباشدو مسموع انچہ گویند فحش ومسخرگی نباشد، وآلہ سماع مزامیر ست چوں چنگ ورباب ومثل آں می باید کہ درمیان نباشد اینچنیں سماع حلال ست [1]۔	حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ فرماتے ہیں چند چیزیں ہوں توسماع مباح ہوگا (۱) مسمع یعنی سنانے والا بالغ مرد ہو بچہ اور عورت نہ ہو (۲) مستمع یعنی سننے والا جو کچھ سنے وہ یاد حق پر مبنی ہو (۳) مسموع (جو کچھ سنا گیا) جو کچھ وہ کہیں وہ بیہودگی اور مذاق ولغو سے پاک ہو (۴) اسباب سماع: گانے بجانے کے آلات سارنگی، رباب وغیرہ، چاہئے کہ وہ مجلس کے درمیان نہ ہوں۔ اگر یہ تمام شرائط پائی جائیں تو سماع (یعنی قوالی) حلال اور جائز ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

یکے بخدمت حضرت سلطان المشائخ رضی اللہ تعالٰی عنہ عرض داشت کہ دریں روزہا بعضے از درویشاں آستانہ دار در مجمع کہ چنگ ورباب ومزامیر بود رقص کردند فرمود نیکو نکردہ اندانچہ نامشروع ست ناپسندیدہ است [2]۔	کسی شخص نے حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی کہ آستانہ کے بعض درویشوں نے اس محفل میں رقص کیا ہے جس میں چنگ ورباب اور مزامیر استعمال ہوئے آپ نے فرمایا انہوں نے اچھا نہیں کیا کیونکہ جو کام نا جائز ہے اسے پسندیدہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ (ت)

---

[1] سیر الاولیاء باب نہم در سماع ووجد ورقص مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۰۱۔۰۲

[2] سیر الاولیاء باب نہم در سماع ووجد ورقص مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۳۰

اسی میں ہے:

حضرت سلطان المشائخ فرمود من منع کردہ ام کہ مزامیر و محرمات درمیان نباشد[1]۔	حضرت سلطان المشائخ نے ارشاد فرمایا میں نے منع کیا ہے کہ مزامیر اور حرام آلات درمیان میں نہ ہوں۔(ت)

خود حضور پر نور سلطان المشائخ محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ملفوظات طیبات فوائد الفواد شریف میں ہے: مزامیر حرام ست[2] (مزامیر حرام ہیں۔ت) احادیث اس بارے میں حد تواتر پر ہیں، اور کچھ نہ ہو تو حدیث جلیل جمیل رجیح صحیح بخاری شریف کافی ووافی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف[3]۔ حدیث صحیح جلیل متصل لامطعن فیہ سندا و لامتنا الاعند من ھوی فی ھوۃ الھوی کابن حزم و من مثلہ غوی وقد اخرجہ ایضا الائمۃ احمد وابو داؤد و ابن ماجۃ واسمٰعیل وابونعیم باسانید صحاح لا غبار علیھا وصححہ جماعۃ اخرون من الائمۃ کما قالہ بعض الحفاظ قالہ الامام ابن حجر المکی فی کف الرعاع[4]۔	ضرور میری امت میں کچھ لوگ ایسے ہونے والے ہیں کہ حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔(ت) حدیث صحیح، جلیل القدر اور متصل سند والی ہے اس کی سند اور متن پر کوئی معترض نہیں سوائے اس کے جو خواہش نفس کے گہرے گھڑے میں گرگیا ہو اور بے راہ ہوگیا ہو جیسے ابن حزم اور اس جیسے دیگر لوگ، نیزا سے ائمہ کرام مثلاً امام احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، اسمٰعیل اور ابو نعیم نے ایسی صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جو شکوک وشبہات سے مبرّا ہیں۔ ان کے علاوہ بعض دیگر ائمہ اور حفّاظ نے بھی اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے، چنانچہ امام ابن حجر مکی نے کف الرعاع میں ارشاد فرمایا۔(ت)

[1] سیر الاولیاء باب نہم در سماع و وجد و رقص مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ص ۵۳۲

[2] فوائد الفواد

[3] صحیح البخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۷

[4] کفّ الرعاع عن محرمات اللھو والسماع مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۲۷۰

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے فتاوٰی میں ثابت کیا ہے کہ ان پیروان ہوائے نفس کا حضرات اکابر چشت قدست اسرار ہم کی طرف سماع مزامیر نسبت کرنا محض دروغ بیفروغ ہے ان کے اعاظم اجلّہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افترا ہے، نیز ان کے تمام تمسکات واہیہ کا ایک اجمالی جواب موضع صواب ان لفظوں میں گزارش کردیا ہے کہ بعض جہال بدمست یا نیم ملّا ہوس پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصّے یا محتمل واقعے یا متشابہ کلمے پیش کرتے ہیں انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے پھر کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح، ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح، مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے، کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے اقرار لاتے، یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں، اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں میں نے یہ بھی واضح کردیا ہے کہ ایسی محافل میں جتنے لوگ کثرت سے جمع کئے جائیں گے اسی قدر گناہ ووبال صاحب محفل وداعی پر بڑھے گا۔ حضار سب گنہگار اور اُن سب کا گناہ گانے بجانے والوں پر اور اُن کا ان کا سب کا بلانے والوں پر۔ بغیر اس کے کہ اُن میں کسی کے اپنے گناہ میں کچھ کمی ہو مثلاً دس ہزار حضار کا مجمع ہے تو ان میں ہر ایک پر ایک ایک گناہ، اور فرض کیجئے تین اقوال تو اُن میں ہر ایک پر اپنا گناہ اور دس دس ہزار گناہ حاضرین کے، یہ مجموعہ چالیس ہزار چار اور ایک اپنا، کل چالیس ہزار پانچ گناہ داعی وبانی پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ضلالۃ کان علیہ من الاثم مثل آثام من تبعہ لاینقص ذٰلك من اٰثامھم شیئا۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والستۃ الاالبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو کسی امر ضلالت کی طرف بلائے جتنے اس کے بلانے پر چلیں ان سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور اس سے ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو۔ (امام بخاری کے علاوہ امام احمد اور دیگر پانچ ائمہ کرام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ ت)

ایسے محرمات کو معاذاللہ موجب قربت جاننا جہل وضلال اور ان پر اصرار کبیرہ شدید الوبال اور دوسروں

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ ۲/ ۲۷۹، جامع الترمذی ابواب العلم ۲/ ۹۲، سنن ابن ماجہ باب من سن سنۃ حسنۃ ص ۱۹، صحیح مسلم کتاب العلم باب من سنّ حسنۃ اوسیئۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۹۷

کو ترغیب اشاعت فاحشہ واضلال، **والعیاذ باللہ من سوء الحال** (اللہ تعالٰی کی پناہ بُرے حال سے۔ت) رہا رقص اگر اس سے یہ متعارف ناچ مراد ہو تو مطلقًا ناجائز ہے زنان فواحش کا ناچ ہے اور متصوفہ زمانہ سے بھی بعید نہیں بلکہ معہود و معلوم ومشہور ہے، جب تو بنصوص قطعیہ قرآنیہ حرام ہے **وقد تلوناھا فی فتاوٰنا** (اسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کیا ہے۔ت) اب اُسے مستحب وقربت جاننا درکنار مباح ہی سمجھنے پر صراحۃً کفر کا الزام ہے اور اگر کنتھکوں کا ناچ تثنی وتکسّر یعنی لچکے توڑے کے ساتھ ہے جب بھی حرام و موجب لعن ہے **کما نطقت بہ الاحادیث وصرح بہ شراح الحدیث** (جیسا کہ احادیث اس پر ناطق ہیں اور شارحین حدیث نے اس کی صراحت فرمائی ہے) اور اگر ایسا نہیں بلکہ صرف حرکات مضطربہ ہیں کہ نہ خود موزوں، نہ منکرات پر مشتمل، نہ حالًا یا مآلًا فتنے کی طرف منجر، نہ اس کے فاعلین اہل ہیأت ووقار بلکہ بازاری خفیف الحرکات بے وقر، تو باینہمہ قیود بھی اس کا اقل مرتبہ یہ ہے کہ ایک قسم لہوولغو ہے اور ہر لہوولغو ردوباطل اور ہر باطل کا ادنٰی درجہ مکروہ وناجائز۔ طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

الرقص وھو الحرکۃ الموزونۃ علی میزان نغمۃ مخصوصۃ (والاضطراب وھوالحرکۃ غیرالموزونۃ فکل) واحد منھما (من) جملۃ (لعب غیر مستثنٰی) کل لعب ابن اٰدم حرام الاثلثۃ ملاعبۃ الرجل اھلہ وتادیبہ لفرسہ ومناصلۃ لقوسہ اخرجہ الحاکم فی المستدرك عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال صحیح علٰی شرط مسلم[1]۔	رقص، وہ نغمہ مخصوصہ کے ترازو پر ایک موزوں حرکت کا نام ہے۔ اضطراب، غیر موزوں حرکت کو کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک ان کھیلوں میں سے ہے جن کو شریعت نے مستثنٰی قرار نہیں دیا، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد وفرمان ہے کہ سوائے تین کھیلوں کے آدمی کا ہر کھیل حرام ہے، مشروع تین کھیل یہ ہیں: (۱) شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا (۲) اپنے گھوڑے کے ساتھ اس کی سکھلائی کرتے اور تیاری کرتے ہوئے کھیلنا (۳) اپنی کمان کے ساتھ تیر اندازی کرنا۔ چنانچہ امام حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اس کی تخریج فرمائی اور فرمایا یہ حدیث شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر وجد مراد ہو تو اگر بے اختیار ہے زیر حکم نہیں کہ ع

سلطان نگیرد خراج از خراب

(کیونکہ بادشاہ بنجر اور غیر آباد زمین سے ٹیکس وصول نہیں کرتے۔ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الصنف التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۱۸

بلکہ اگر شوقاً الٰی حضرۃ العزیز الودود جل وعلا ہے تو نعمت کبرٰی ودولت اعلٰی ہے تابکہ بخشند وکرا ارزانی دارند (تاکہ دیکھا جائے کہ وہ کس پر بخشش فرماتے ہیں اور کس کو ارزاں (سستا) دیتے ہیں۔ت) اور اگر باختیار و تصنّع ہو تو مدار نیت پر ہے اگر مجمع یا مرأی العین میں اظہار مشیخت وجلب قلوب کے لئے ہے قطعًا ریا وسمعہ ونفاق وحرام کبیر وشرک صغیر ہے، اب اس کی حرمت بھی ضرور اجماعیہ ہے فقہانے اس پر قیامت کبرٰی قائم کی اور عبادت سمجھنے والے کو کافر لکھا، طریقہ وحدیقہ میں ہے:

ویدخل فیھما ای فی الرقص و الاضطراب (مایفعله بعض الصوفیة) الذین ینسبون انفسھم الی مذھب التصوف وھم مصرون علی انواع الفسوق والفجور بل ھو اشد لانھم یفعلونه علی اعتقاد العبادۃ فیخاف علیھم امر عظیم) وھو الکفر باستحلال الحرام (قال العلامة ابوبکر الطرطوسی رحمه الله تعالٰی اما الرقص والتواجد) الذی یوجب اللھو عن ذکر الله تعالٰی (فاول مااحدثه اصحاب السامری لما اتخذ لھم عجلا جسدا له خوار قاموا یرقصون علیه و یتواجدون) ای یظھرون الوجد بالفعل المحرم و ھو عبادۃ غیر الله کما یفعل ھٰؤلاء یاکلون الحشیش و یرقصون من نشاط نفوسھم بالمحرم القطعی والکبر والاعجاب ویتواجدون بالوجد الشیطانی	اور اس رقص واضطراب میں وہ کام بھی داخل اور شامل ہے جو بعض صوفیاء کیا کرتے ہیں جو اپنے آپ کو طریقہ تصوّف کے ساتھ منسلک گردانتے ہیں حالانکہ وہ کئی قسم کے فسق وفجور اور زیادہ سخت قسم کے جرائم پر اصرار کرتے ہیں اس لئے کہ وہ یہ کام عبادت کے اعتقاد کے ساتھ کرتے ہیں لہٰذا (اس عقیدہ کے باعث) ان پر امر عظیم کا خطرہ اور خوف ہے اور حرام کو حلال کہنے کی وجہ سے یہ کفر ہے۔ چنانچہ علامہ ابوبکر طرطوسی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ رقص اور اظہار وجد جو یادالٰہی سے بے خبر اور غافل کر ڈالے اسے سب سے پہلے ایجاد کرنے والے سامری کے احباب تھے۔ جب سامری نے ان کے لئے بچھڑا تیار کیا یعنی بچھڑے کا ڈھانچہ تیار کیا تو اس میں سے بچھڑے کی آواز آنے لگی، وہ آواز سن کر سامری کے ساتھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے آگے ناچنے اور جھومنے لگے اور وجد کا اظہار کرنے لگے یعنی حرام فعل سے اظہار وجد کرتے رہے جو کہ غیر خدا کی عبادت ہے اور قطعی حرام، تکبّر وخودپسندی کا طریقہ ہے جیسے یہ لوگ کرتے ہیں، بھنگ پیتے ہیں اور اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے ناچتے ہیں،

والشهوات النفسانية بين الفسقة المختلطين بالمردان الحسان الوجوه علی سماع الطنابير والزمور فهودين الكفار وفی التاتارخانية الرقص فی السماع)للآلات المذكورة بالحالة المزبورة (لايجوز فعله و لاحضوره(وفی الذخيرة انه كبيرة وقال البزازی قال القرطبی حرام بالاجماع ورأيت فتوی شيخ الاسلام جلال الملة والدّين الكيلانی ان مستحل هذا الرقص)الموصوف بما ذكرنا من المحرمات القطعية (كافر لما علم ان حرمته بالاجماع [1] اھ ملخصين و تمام الكلام فيهما۔	ستار وغیرہ سے راگ سنتے ہیں، فاسقوں کے درمیان شیطانی اور شہوانی جذبات کے ساتھ اظہارِ وجد کرتے ہیں، بے ریش خوبصورت لونڈوں سے اختلاط اور میل جول رکھتے ہیں۔ بس یہ کفار کا طریقہ کار ہے۔ چنانچہ تتار خانیہ میں ہے کہ بیان کردہ حالات کے مطابق آلات راگ کی وجہ سے سماع کے موقع پر ناچ کرنا جائز نہیں اور نہ وہاں حاضر ہونا درست ہے، اور ذخیرہ میں ہے کہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔ بزازی نے قرطبی کے حوالے سے ذکر کیا کہ یہ قطعی اور بالاتفاق حرام ہے، چنانچہ شیخ الاسلام جلال الملۃ والدّین کیلانی کا میں نے فتوی دیکھا وہ فرماتے ہیں اس رقص کو حلال کہنے والا کافر ہے اس لئے کہ یہ ہمارے ذکر کردہ محرمات سے موصوف (اور ان پر مشتمل ہے) کیونکہ یہ معلوم شدہ ہے کہ اس کی حرمت بالاجماع ہے (خلاصہ کرنے والوں کی عبارت پوری ہوگئی) اور پورا کلام اس میں ہے (ت)

اور اگر خلوت و تنہائی محض میں جہاں کوئی دوسرا نہ ہو بہ نیت محمودہ مثل تشبّہ بہ عشاق والہین یا جلب حالات صالحین ہو تو ائمہ شان میں مختلف فیہ بعض ناپسند فرماتے ہیں کہ صدق و حقیقت سے بعید ہے اور ارجح یہ ہے کہ ان نیّتوں کے ساتھ جائز بلکہ حسن ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم [2] (جب کوئی شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں شمار ہوتا ہے۔ ت)۔

ان لم تکونوا مثلھم فتشبھوا ان التشبہ بالکرام فلاح [3]

(اگر تم ان جیسے نہیں ہو پھر ان جیسی صورت بناؤ یعنی ان سے مشابہت اختیار کرو کیونکہ شرفاً سے مشابہت اختیار کرنا ذریعہ کامیابی ہے۔ ت)

---

[1] الحديقة الندية شرح الطريقة المحمدية الصنف التاسع مكتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۱۹۔۵۱۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل حديث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما المكتب الاسلامی بيروت ۲/ ۵۰

[3] الحديقة الندية الصنف التاسع مكتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۲۶

اور سچی نیت سے نیکوں کی حالت بناتے بناتے خدا چاہے تو واقعیت بھی مل جاتی ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث سے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ھذا القراٰن نزل بحزن وکابۃ فاذا قرأتموہ فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔ رواہ ابن ماجۃ[1] ومحمد بن نصر فی الصّلٰوۃ والبیہقی فی الشعب۔	بیشک قرآن غم وکرب کے ساتھ اُترا ہے تو جب اسے پڑھو تو روؤ اور اگر رونا نہ آئے تو رونی صورت بناؤ(ابن ماجہ اور محمد بن نصر نے کتاب الصّلٰوۃ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں اسے روایت کیا ہے۔ت)

حدیقہ ندیہ میں بعد عبارتِ مذکورہ بیاناتِ نفیسہ ناصحہ مقبولہ ہے:

فان طریق الواجد والتواجد الذی تعلمہ الفقراء الصادقون فی ھذا الزمان و بعدہ کما کانوا یعلمونہ من قبل فی الزمان الماضی نور وھدایۃ واثر توفیق من اللہ تعالٰی وعنایۃ الی ان نقل عن حسن التنبہ للعلامۃ النجم الغزی انہ قال بعد ذکر الوجد والتواجد عن اکابر الائمۃ واما من اظھر ھذہ الاحوال تعمدا للتوصل الی الدنیا اولتعتقدہ الناس ویتبرکوا بہ فھذا من اقبح الذنوب المھلکات والمعاصی الموبقات اھ[2] ثم قال فی الحدیقۃ ولاشك ان التواجد وھو تکلف الوجد واظھارہ من غیران	اس لئے کہ وجد اور تواجد کا طریقہ جسے اس زمانہ کے سچے فقراء ہی جانتے ہیں جیسا کہ پہلے زمانہ کے لوگ جانتے تھے ایک نورہدایت اور اللہ تعالٰی کی توفیق اور اس کی عنایت کا اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ حسن التنبہ میں علامہ النجم الغزی سے نقل فرمایا کہ علامہ موصوف نے اکابر ائمہ سے وجد اور تواجد کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا لیکن جس نے ان حالات کو دانستہ دنیا تک رسائی حاصل کرنے اور دنیا طلبی کے لئے ظاہر کیا کہ لوگ اس کے معتقد ہو جائیں اور اس سے برکت حاصل کریں تو یہ رویہ انتہائی قبیح اور مہلک ہے اور تباہ کن جرائم اور گناہوں میں شامل ہے اھ، پھر حدیقہ ندیہ میں فرمایا: بلاشبہ تواجد بناوٹی اور نمائشی وجد ہے بغیر حقیقی وجد کے۔اور اس میں حقیقی اہل وجد

[1] سنن ابن ماجہ ابواب اقامۃ الصلٰوۃ باب فی احسن الصوت بالقرآن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۹۶، شعب الایمان حدیث ۲۱۴۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۸۸

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۲۳تا۵۲۵

یکون له وجد حقیقة فیه تشبه باھل الوجد الحقیقی وھو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من تشبه بقوم فھو منھم رواہ الطبرانی فی الاوسط عن حذیفة بن الیمان رضی الله تعالٰی عنھما وانما کان المتشبه بالقوم منھم لان تشبھه بھم یدل علی حبه ایاھم ورضاہ باحوالھم و افعالھم وقد قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان الرجل اذا رضی ھدی الرجل وعمله فھو مثل عمله رواہ الطبرانی من حدیث عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه(الی ان قال بعد ما اطال واطاب کما ھو دابه قدس سرہ)اما تکلف الوجد علی الوجه الصحیح لاجل التشبه بالصالحین ولغیر ذٰلك من المقاصد الحسنة فقد اشار الیه العلامة الشیخ القشیری فی اوائل رسالته المشھورة حیث قال التواجد استدعاء الوجد بضرب اختیار ولیس لصاحبه کمال الوجد	کے ساتھ تشبہ یعنی مشابہت ہے اور یہ جائز بلکہ شرعًا مطلوب ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اسے روایت فرمایا: کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنے والا کیوں اسی قوم میں شمار کیا جاتاہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص کی ان لوگوں سے دلی محبت ہے اور یہ ان کے حالات وافعال (اور روش) پر راضی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مرد کسی شخص کی سیرت اور اس کے عمل سے خوش اور راضی ہو تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے بھی وہی عمل کیا۔امام طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے یہاں تک کہ اپنی طویل پاکیزہ گفتگو کے بعد جیسا کہ علامہ موصوف کی عادت ہے ارشاد فرمایا رہا یہ کہ وجہ صحیح کے مطابق نمائشی وجد برائے مشابہت صلحاء وبرائے دیگر مقاصد نیک تو یہ ٹھیک اور درست ہے جیسا کہ علامہ شیخ قشیری نے اپنے رسالہ مشہورہ کی ابتداء میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا "تواجد" کسی نوع کے اختیار سے اپنے آپ پر حالت وجد طاری کرنے کا

اذ لو كان لكان واجد او باب التفاعل اكثره على اظهار الصفة وليست كذلك. فقوم قالوا التواجد غير مسلم لصاحبه لما يتضمن من التكلف ويبعد عن التحقيق وقوم قالوا انه مسلم للفقراء المجردين الذين ترصدوا الوجد ان هذه المعانى واصلهم خبر الرسول صلى الله تعالٰى عليه وسلم ابكوا فان لم تبكوا فتباكوا اھ وفى شرعة الاسلام قال ومن السنة ان يقراء القراٰن بحزن ووجد فان القراٰن نزل بحزن فان لم يكن له حزن فليتحازن اھ والحاصل ان تكلف الكمال من جملة الكمال والتشبه بالاولياء لمن لم يكن منهم امر مطلوب مرغوب فيه على كل حال[1] اھ بالاختصار۔	نام ہے جبکہ صاحب وجد میں کمال وجد نہ ہو (یعنی کماحقہ وجد نہ ہو) اس لئے کہ اگر اس میں حقیقی وجد ہوتا تو وہ واجد (وجد کرنے والا) کہلاتا کیونکہ تواجد باب تفاعل ہے اور یہ زیادہ تر حقیقت کی بنا پر نہیں، بلکہ بناوٹی و نمائشی اظہار صفت کے لئے آتا ہے اسی لئے بعض علم والے کہتے ہیں کہ "تواجد" صاحب تواجد کی طرف سے مسلّم یعنی تسلیم شدہ اور ٹھیک نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ تکلف پر مبنی ہوتا ہے اور حقیقت سے بعید ہوتا ہے جبکہ کچھ لوگوں نے فرمایا کہ ان فقراء کے لئے درست ہے جو مجرّد ہوں اور ان معانی کے پالینے کے منتظر اور خواہاں ہوں جو مطلوب و مقصود ہیں اور ان کی دلیل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگو! کم ہنسو اور زیادہ رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونی صورت ہی بنالیا کرو۔ شرعۃ الاسلام میں فرمایا سنّت یہ ہے کہ قرآن مجید غم کے ساتھ وجد سے پڑھے اس لئے کہ قرآن مجید غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اگر غم کی کیفیت طاری نہ ہو تو غمگین صورت ہی بنالی جائے اھ مختصر یہ کہ تکلفِ کمال بھی منجملہ کمال ہے یعنی کسی کمال میں بناوٹ اور نمائش اختیار کرنا بھی کمال میں شامل ہے اور جو شخص اولیاء اللہ میں سے نہ ہو اس کا اولیاء اللہ سے مشابہت اختیار کرنا ایسا امر مطلوب ہے جو بہر حال لائق توجہ ہے، اختصار سے عبارت مکمل ہوگئی ہے۔ (ت)

بالجملہ وجد صوفیہ کرام طالبین صادق اصلا محل طعن نہیں اور در بارہ امر قلب ونیت باطن صادق وکاذب میں تمیز مشکل اور اساءت ظن حرام و باطل "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ"[2] (اللہ تعالٰی

[1] الحدیقۃ الندیۃ الصنف التاسع مکتبۃ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۲۵ تا ۵۲۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

فسادی اور مخلص دونوں کو جانتاہے۔ت) ردالمحتار میں نورالعین فی اصلاح جامع الفصولین اور اسی میں علامہ تحریر ابن کمال باشاوزیر سے ہے۔

ما فی التواجد ان حققت من حرج　　ولا التمایل ان اخلصت من باس

فقمت تسعی علٰی رجل وحق لمن　　دعاہ مولاہ ان یسعی علی الراس [1] الخ

(اگر تواجد سچا اور حقیقی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اضطراب (لڑکھڑانے) میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو پھر تو پاؤں پر کھڑا رہ کر دوڑ لگا تارہ، اور اس کے لئے حق ہے جس کو اس کا مولا بلائے تو وہ اپنے سر کے بل دوڑتا ہوا جائے الخ۔ت)

واللہ سبحٰنه، وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال دوم:

اُن محرمات اباطیل کو معاذاللہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت ضرور حضور میں سوئے ادب اور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء وکذب ہے،

"وَ کَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾" [2] "اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ" [3]	یہی کھلا گناہ ہے اور جھوٹ وہی گھڑتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔(ت)

پھر جمیع صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کا نام لے دینا کیا جائے ادب۔ مشائخ طریقت رضی اللہ تعالٰی عنہم میں زیادہ مہربانی حضرات چشت پر ہے، ان کے ارشادات اوپر گزرے، اور حضرت مولانا فخر الدین زراوی خلیفہ حضور سیدنا محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے زمانہ حضور میں خود حکم حضور سے رسالہ کشف القناع عن اصول السماع تحریر فرمایا جس میں ارشاد فرماتے ہیں:

اما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالٰی عنہم فبریئ عن ھٰذہ التھمة وھو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعة اللہ تعالٰی [4]۔	یعنی ہمارے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا سماع اس تہمت مزامیر سے مبرا ہے وہ تو صرف قوال کی آواز ہے ان اشعار کے ساتھ کہ کمال صنع خداوندی جل وعلا پر آگاہ کریں۔(ت)

[1] ردالمحتار باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۰۸
[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۰
[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵
[4] کشف القناع عن اصول السماع

بالجملہ ائمہ عارفین وارثان انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین ضرور ان بہتانوں سے منزّہ ہیں، حکایت بے سروپا رطب ویابس بے سند معتمد قابل قبول نہیں نہ خلاف بعض مذہب جمہور خصوصًا تحریحات جلیلہ کتب مذہب پر کچھ اثر ڈالے ہاں خواہش نفسانی کی پیروی کو اخذ وتلفیق بے تحقیق کا ہر شخص کو اختیار ہے مغلوبین حال کے افعال، احوال، اقوال، اعمال نہ قابل استناد ہیں نہ لائق تقلید۔ حضرت مولوی معنوی قدس سرہ القوی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

در حق او شہد ودر حق تو سم در حق اومدح ودر حق تو ذم

در حق او ورد ودر حق تو خار در حق اونور ودر حق تو نار [1]

(اس کے حق میں شہد ہے جبکہ تیرے لئے زہر ہے، اس کے حق میں تعریف ہے جبکہ تیرے حق میں برائی ہے، اس کے لئے تو پھول اور تیرے لئے کانٹا ہے، اس کے حق میں نور ہے جبکہ تیرے حق میں نار (آگ) ہے۔ ت)

بالفرض اگر زید بھی اپنے مغلوب الحال ہونے کا دعوی کرے اور مان بھی لیا جائے تو ایک زید وارفتہ وبیخود سہی یہ جو سیکڑوں ہزاروں عوام کا ہجوم وازدحام کرایا جاتا ہے کیا یہ بھی سب خدار سیدہ مغلوب الحال ہو کر آئے ہیں یا دنیا بھر سے چھانٹ چھانٹ کر پاگل بوہرے بلائے ہیں جن پر شرع کا قلم تکلیف نہیں، اور جب یہ کچھ نہیں تو اس مجمع کی تحریم اور بانی کی تاثیم میں اصلاً شک نہیں **فانما علیك اثم الا ریسیسین** (لہذا کاشتکاروں کا گناہ تمہارے سر ہے۔ ت) **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

جواب سوال سوم:

بدیہیات دینیہ سے ہے کہ اوّلاً عقائد اسلام وسنت پھر احکام صلوٰۃ وطہارت وغیرہا ضروریات شرعیہ سیکھنا سکھنا فرض ہے اور انہیں چھوڑ کر دوسرے کسی مستحب وپسندیدہ علم میں بھی وقت ضائع کرنا حرام نہ کہ موسیقی کہ اس کا ہلکا درجہ لغو وفضول اور بھاری پایہ مخزن آثام۔ وحدۃ الوجود وحقائق ودقائق تصوف جس طرح صوفیہ صادقہ مانتے ہیں (نہ وہ جسے متصوفہ زنادقہ جانتے ہیں) ضرور حق وحقیقت ہے مگر اس میں اکثر ذوق ہے کہ ان مقامات عالیہ پر وصول کے بعد منکشف ہوتا ہے زبانی تعلیم وتعلم سے تعلق نہیں رکھتا اور بہت وہ ہے جسے عوام تو عوام آج کل کے بہت مولوی کہلانے والے بھی نہیں سمجھ سکتے

[1] مثنوی شریف وحی آمد از حق تعالٰی بعتاب موسٰی الخ دفتر دوم نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۴

اور خود اکثر یہ جو پیر و مشائخ بنتے ہیں طوطے کی طرح چند لفظ یاد کر لینے کے سوا معانی کی ہوا سے بھی مس نہیں رکھتے پھر کون سکھائے گا اور کون سیکھے گا۔ ہاں یہ ضرور ہوگا کہ ایک تو ان انگھڑ بتانے والوں کی کج فہمی کہ مطلب کچھ ہے اور سمجھے کچھ، دوسرے ان معانی کے لئے الفاظ کی نایابی کہ وہ اکثر حال ہے نہ قال۔ تیسرے اس پر طرہ کہ ان صاحبوں کی کج مج بیانی کہ جس قدر دونوں پہلو حق وحقیقت کے سنبھالے ہوئے بیان میں لاسکتے تھے یہ بتانے والے حضرات اُتنے پر بھی قدرت نہیں رکھتے اور اگر قدرت ہو بھی تو حفظ دین وایمان کی پرواکسے، چوتھے ان سب پر بالا اُن جاہلوں بے تمیزوں کی کودنی جنہیں یہ حقائق ودقائق سکھائے جائیں گے انہیں ابھی سیدھے سیدھے احکام سمجھنے کے لالے ہیں ان متشابہات کو کون سمجھے گا۔ غرض اس کا اثر ضرور ان کا بگڑنا فتنے میں پڑنا زندیق مرتد یا ادنٰی درجہ گمراہ بددین ہو جانا ہوگا وبس۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماانت محدث قوما حدیثا لاتبلغه عقولهم الاکان علی بعضهم فتنة۔[1] رواہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	یعنی جب تو کسی قوم کے آگے وہ بات بیان کرے گا جس تک ان کی عقلیں نہ پہنچیں تو ضرور وہ ان میں کسی پر فتنہ ہوگی (امام ابن عساکر نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ ت)

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی پھر علامہ مناوی شارح جامع صغیر پھر سیّدی عبدالغنی نابلسی حدیقہ میں فرماتے ہیں:

ان العامی اذا زنی او سرق خیرالہ من ان یتکلم فی العلم باللہ من غیر اتقان فیقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لجة البحر ولایوف السباحة و مکائد الشیطان فیما یتعلق بالعقائد والمذاهب لا تخفی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی عام آدمی بدکاری اور چوری کرے تو باوجود گناہ ہونے کے اس کے لئے یہ عمل اتنا مہلک اور تباہ کن نہیں جتنا بلا تحقیق علم الٰہی کے بارے میں کلام کرنا مہلک ہے کیونکہ بلا تحقیق اور بغیر پختگی علم کے کہیں وہ کفر کا مرتکب ہو جائے گا اور اسے علم بھی نہیں ہوگا اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے تیرنا جانے بغیر دریا کی موجوں اور لہروں پر سوار ہونے کے، اور شیطان کی فریب کاریاں جو عقائد اور مذاہب سے

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابن عباس حدیث ۲۹۰۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۲

[2] الحدیقة الندیة النوع الحادی والعشرون سؤال وتفتیش العوام عن کنه ذات اللہ وصفاته المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ۲/ ۲۷۰

تعلق رکھتی ہیں کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہیں، اور اللہ تعالٰی سب کچھ خوب جانتا ہے۔(ت)

جواب سوال چہارم:

امر بالمعروف ونہی عن المنکر ضرور بنصوص قاطعہ قرآنیہ اہم فرائض دینیہ سے ہے اور بحال وجوب اس کا تارک آثم وعاصی، اور ان نافرمانوں کی طرح خود بھی مستحق عذاب دنیوی واُخروی۔ احادیث کثیرہ اس معنی پر ناطق ہیں اور اہلسنّت وغیرھم کا واقعہ خود قرآن عظیم میں مذکور۔ قال اللہ تعالٰی:

"لُعِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۷۸﴾ [1] كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾" [2]	بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت پڑی داؤد و عیسٰی بن مریم کی زبان سے، یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا برے کام سے، ایک دوسرے کو منع نہ کرتے تھے ضرور ان کا یہ فعل سخت بُرا تھا۔

اصحاب سبت پر داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی: الٰہی! انہیں لعنت کر اور لوگوں کے لئے نشانی بنادے۔ بندر ہوگئے۔ اہل مائدہ پر عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہی دعا کی، سور ہوگئے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کلا واللہ لتأمرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علٰی بعض ثم لیلعننکم کما لعنھم۔ رواہ [3] ابوداؤد عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ھذا مختصر۔	یوں نہیں، خدا کی قسم یا تو تم ضرور امر بالمعروف کروگے اور ضرور نہی عن المنکر کروگے یا ضرور اللہ تعالٰی تمہارے دل آپس میں ایک دوسرے پر مارے گا پھر تم سب پر اپنی لعنت اتارے گا جیسی ان بنی اسرائیل پر۔ (امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اسے روایت کیا ہے، یہ مختصر ہے۔ (ت)

مگر یہ امر ونہی نہ ہر شخص پر فرض نہ ہر حال میں واجب، تو بحال عدم وجوب اس کے ترک پر یہ احکام نہیں بلکہ بعض

[1] القرآن الکریم ۵/ ۷۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۷۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب الامر والنھی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۰

صور میں شرع ہی اسے ترک کی ترغیب دے گی جیسے جبکہ اس سے کوئی فتنہ اشد پیدا ہوتا ہو، یونہی اگر جانے کہ بے سود ہے کارگر نہ ہوگا تو خواہی نخواہی چھیڑنا ضرور نہیں خصوصًا جبکہ کوئی امر اہم اصلاح پارہا ہو، مثلًا کچھ لوگ حریر کے عادی نماز کی طرف جھکے یا عقائد سنت سیکھنے آتے ہیں اور جب حریر و پابندی وضع میں ایسے منہمک ہیں کہ ان پر اصرار کیجئے تو ہرگز نہ مانیں گے غایت یہ کہ آنا چھوڑدیں گے وہ رغبت نماز و تعلم عقائد بھی جائے گی تو ایسی حالت میں بقدر تیسرا نہیں ہدایت اور باقی کے لئے انتظار وقت وحالت، ترک امر و نہی نہیں بلکہ اسی کی تدبیر وسعی ہے۔

"وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ" [1] "وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾" [2]	اللہ تعالٰی فسادی اور مصلح دونوں سے واقف ہے اور وہ سینے میں پوشیدہ راز جاننے والا ہے۔(ت)

بستان امام فقیہ سمرقند پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے:

ان الامر بالمعروف علی وجوہ ان کان یعلم باکبر رایہ لوامر بالمعروف یقبلون ذٰلك منه ویمتنعون عن المنکر فالامر واجب علیه ولایسعه ترکه ولو علم باکبر رایه انه لوامرهم بذٰلك قذفوه وشتموه فترکه افضل وکذٰلك لو علم انهم یضربونه ولا یصبر علی ذلك ویقع بینهم عداوۃ ویهیج منه القتال فترکه افضل، ولوعلم انهم لو ضربوہ و صبر علی ذٰلك ولایشکو الی	امر بالمعروف کی متعدد قسمیں ہیں، اگر کوئی اپنے غالب گمان کی بناپر سمجھتا ہے کہ اگر اس نے امر بالمعروف کیا تو لوگ اس کی بات تسلیم کریں گے اور گناہ سے باز آجائیں گے تو ایسی صورت میں اس پر امر بالمعروف واجب ہوتا ہے یعنی اسے ترک کرنے کی گنجائش نہیں ہوتی اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے امر بالمعروف کا الٹا اثر ہوگا لوگ الزام تراشی اور گالی گلوچ سے کام لیں گے تو اس صورت میں امر بالمعروف نہ کرنا افضل ہے۔ اسی طرح اگر جانتا ہے کہ امر بالمعروف کرنے کی صورت میں لوگ زدوکوب کریں گے اور یہ اسے برداشت نہیں کرسکے گا اور باہمی عداوت وخانہ جنگی کی صورت پیدا ہو جائے گی تو ایسی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۴

احد فلا بأس بان ینھی عن ذٰلك وھو مجاھد ولو علم انھم لایقبلون منه ولایخاف منه ضربا ولاشتما فھو بالخیار والامر افضل[1]۔	صورت حال میں بھی امر بالمعروف کاترک کردینا افضل ہے۔اور اگر اسے معلوم ہے کہ لوگ مشتعل ہو کر اسے اذیّت پہنچائیں گے مگر وہ صبر کرلے گا اور سختی برداشت کرلے گا اور کسی سے شکوہ شکایت نہیں کرے گا تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایسی صورت حال میں اس کا عمل ایک مجاہد کا سا عمل متصور ہوگا،اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کی بات تو نہیں مانیں گے البتہ کسی سخت رَدِّ عمل کا اظہار بھی نہیں ہوگا (یعنی نہ ماننے کے باوجود مارپٹائی اور گالی گلوچ سے کام نہیں لیں گے) تو اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ امر بالمعروف سے کام لے یا نہ لے البتہ یہاں امر بالمعروف افضل ہے۔(ت)

لیکن پیری مریدی اگر دل سے ہے تو وہاں ایسی صورت کا پیدا ہونا جس میں امر و نہی منجر بضرر ہوں ظاہرًا نادر ہے ایسے متبوعوں مقتداؤں پر اس فرض اہم کی اقامت بقدر قدرت ضرور لازم،اور اسی میں ادنٰی اتباع کے حق سے ادا ہونا ہے جو باوصف قدرت وعدم مضرت ان کے سیاہ وسپید سے کچھ مطلب نہ رکھے بلکہ ہر حال میں خوش گزران کی ٹھہرائی خواہ یوں کہ خود ہی احکام شرعیہ کی پروانہ رکھتا ہو جیسے آج کل کے بہت آزاد متصوّف یا کسی دنیوی لحاظ سے پابندی شرع کو نہ کہتا ہو جیسے در صورت امر و نہی اپنے پلاؤ و قورمے یا آؤ بھگت پر خائف تو یہ ضرور پیر غوایت ہے نہ کہ شیخ ہدایت۔واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال پنجم:

ہنود قطعًا بت پرست مشرک ہیں وہ یقینا بتوں کو سجدہ عبادت کرتے ہیں اور بالفرض نہ بھی ہو تو بتوں کی ایسی تعظیم پر بھی ضرور حکم کفر ہے اور انہیں بارگاہ عزت میں شفیع جاننا بھی کفر،ان سے شفاعت چاہنا بھی کفر کہ قطعًا اجماعًا یہ افعال واقوال کسی مسلم سے صادر نہیں ہوتے،نہ کوئی مسلمان بلکہ کوئی اہل ملّت بت کی نسبت ایسا اعتقاد رکھے اور اس میں صراحةً تکذیب قرآن و مضادت رحمٰن ہے۔شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال ابن الھمام وبالجملة فقد ضم الی	محقق ابن الہمام نے فرمایا حاصل یہ ہے کہ وجود ایمان

[1] فتاوٰی ھندیة کتاب الکراہیة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۲۔۵۳

تحقیق الایمان اثبات امور الاخلال بھا اخلال بالایمان اتفاقا، کترک السجود لصنم وقتل نبی او الاستخفاف بہ او بالمصحف او الکعبۃ[1] الخ۔	کے لئے چند امور کے اثبات کا انضمام کیا جائے گا اور ان میں خلل اندازی بالاتفاق ایمان میں خلل اندازی کے مترادف ہوگی جیسے بُت کو سجدہ نہ کرنا، کسی نبی کو قتل نہ کرنا، نبی یا مصحف یا بیت اللہ شریف کی توہین نہ کرنا الخ۔ (ت)

اعلام بقواطع الاسلام میں قواعد امام قرافی سے ہے:

ھذا الجنس قدثبت للوالد ولو فی زمن من الازمان وشریعۃ من الشرائع فکان شبھۃ دارئۃ لکفر فاعلہ بخلاف السجود لنحو الصنم اوالشمس فانہ لم یرد ھو ولامایشابھہ فی التعظیم فی شریعۃ من الشرائع فلم یکن لفاعل ذٰلک شبھۃ لاضعیفۃ و لاقویۃ فکان کافرا ولانظر لقصد التقرب فیما لم ترد الشریعۃ بتعظیمہ بخلاف من وردت بتعظیمہ[2]۔	یہ جنس، والد کے لئے ثابت ہے اگرچہ کسی زمانے یا کسی شریعت میں ہو پس یہ شبہہ کفر فاعل کے لئے دافع ہوگا۔بخلاف اس کے کہ مثل بت یا سورج کو سجدہ کیا جائے کیونکہ وہ اور جو بھی اس کے مشابہ ہو تعظیم میں، کسی شریعت میں وارد نہیں ہوا للذا اس کام کے کرنے والے کے لئے کوئی ضعیف اور قوی شبہہ نہیں بس کرنے والا کافر ہے اور جس کی تعظیم کے لئے شریعت میں کچھ وارد نہیں ہوا ارادہ تقرب کے لئے اسے نہیں دیکھا جائے گا۔بخلاف اس کے جس کی تعظیم کے لئے شریعت وارد ہوئی۔ (ت)

شفا شریف میں ہے:

کذٰلک نکفر بکل فعل اجمع المسلمون انہ لایصدر الامن کافروان کان صاحبہ مصرحا بالاسلام مع فعلہ ذٰلک الفعل السجود للصنم وللشمس	اسی طرح سب ایسے کام جن کا صدور کفار سے ہوتا ہے اگروہ دعوی اسلام کے باوجود وہ کام کرے تو اس کی تکفیر پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اور ہم بھی اس کی تکفیر کرتے ہیں جیسے چاند،

[1] منح الروض الازھر شرح فقہ الاکبر استحلال المعصیۃ ولو صغیرۃ کفر مطبع مصطفی البابی مصر ص ۱۵۲

[2] الاعلام بقواطع الاسلام لابن حجر مکی الھیتمی مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۴۸

والقمر والصليب والنار[1] الخ۔	سورج یا کسی بت یا صلیب اور آگ وغیرہ کے آگے سجدہ کرنا الخ (ت)

اُسی میں ہے:

كل مقالة صرحت بنفى الربوبية او الوحدانية او عبادة احد غيرالله او مع الله فهى كفر كمقالة الدهرية والذين اشركوا بعبادة الاوثان من مشركى العرب واهل الهند والصين[2] اھ مختصرًا۔	ہر ایسی گفتگو جس سے نفی ربوبیت یا نفی الوہیت کی تصریح اور اظہار ہوتا ہو یا اللہ تعالٰی کے سوا کسی کی عبادت یا اللہ تعالٰی کی عبادت کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا کفر ہے جیسے دہریوں کی گفتگو اور مشرکین عرب میں سے ان لوگوں کی گفتگو جو بت پرستی کی وجہ سے مشرک ہوئے اور اہل ہند اور اہل چین کی گفتگو اھ مختصرًا (ت)

اذکار افکار مراقبات کا جوگیوں سے لیاجانا افترائے بیہزہ ہے اور ممکن وشاید سے کوئی کتاب آسمانی نہیں ٹھہر سکتی نہ لیت ولعل سے کوئی صریح مشرک بت پرست قوم کتابی مشرکین ہنود کے شرک وکفر کا منکر ان اقوال مخذولہ تعظیم وشفاعت اصنام کا مظہر ضرور بددین گمراہ ملحد کافر ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ شفا شریف میں ہے:

ولهذا نكفر من دان بغير ملة المسلمين من الملل او وقف فيهم او شك اوصحح مذهبهم وان اظهر مع ذلك الاسلام واعتقده واعتقد ابطال كل مذهب سواه فهو كافر باظهاره من خلاف ذلك[3]۔	لہٰذا ہم ان لوگوں کی تکفیر فرماتے ہیں جو ملت اسلامیہ نہ رکھنے والوں کا طریقہ اختیار کرتے ہیں یا ان کے معاملہ میں توقف یا شک کرتے ہیں یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دیتے ہیں اگرچہ باوجود اس روش کے اسلام کا اظہار کریں اور اس پر عقیدہ رکھیں اور اپنے بغیر ہر مذہب کو باطل یقین کریں یہ لوگ کافر ہیں اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کا اظہار کیا جس کے خلاف ان سے ظاہر ہوا۔ (ت)

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة النعمانیة ۲/ ۲۷۲

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة النعمانیة ۲/ ۲۶۸

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات المطبعة الشرکة النعمانیة ۲/ ۲۷۱

عجب شان الٰہی ہے یہی ناپاک وبیباک بات یعنی اصنام سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معاذاللہ ملانا پہلے ایک خبیث نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے لئے لکھی تھی کہ بت پرست بھی شفاعت خواہی اور اس کے مثل افعال ہی بتوں سے کرکے مشرک ہوئے، یہی باتیں یہ لوگ انبیاء اولیاء کے ساتھ کرتے ہیں تو یہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں، اب یہی مردود وملعون قول دوسرے نے مشرکوں کو مسلمان ٹھہرانے کے لئے کہا کہ بتوں سے شفاعت خواہی ان کی تعظیم حتی کہ انہیں سجدہ کفر نہیں کہ مسلمان بھی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم کرتے ان سے شفاعت مانگتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم نسأل اللہ العفو والعافیۃ (گناہوں سے بچنے اور نیکی اپنانے کی طاقت بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ عظیم القدر کی توفیق کے کسی میں نہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت مانگتے ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ **مسائل سماع** ختم ہوا۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

مسئلہ ۴۷: از کٹرہ ڈاکخانہ اوبرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم خاں صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک زمیندار مسلمان کی کچہری میں ایک کائستھ بذریعہ نوکری اسی زمیندار کے ہاں سکونت گزیں ہے اور اس میں ناقوس بجایا کرتا ہے اور وہ زمیندار ناقوس بجانے سے اس کو نہیں روکتا ہے تو وہ زمیندار رضا بالکفر کے باعث گنہگار ہوگا یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

بیشک گنہگار اور سخت گنہگار کہ ازالہ منکر بقدر قدرت فرض ہے خصوصًا منکر بھی کیسا کہ شرک کفّار وعبادت بتان ونا ہنجار، **والعیاذ باللّٰہ العزیز الغفار**۔ یہ اگر بفرض غلط اسے نوکر رکھ کر منع پر قادر نہ ہو تو موقوف کرنے پر تو قادر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللّٰہ من اٰوی محدثا۔ رواہ الامام احمد[1] ومسلم فی صحیحہ والنسائی عن علی کرم اللّٰہ تعالٰی وجہہ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	اللہ کی لعنت اس پر جو کسی شرعی مجرم کو پناہ دے۔ (امام احمد اور مسلم نے اپنی صحیح میں اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسے روایت کیا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۰۸، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب تحریم الذبح لغیر اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۱۔۱۶۰

مسئلہ ۴۸: از کلکتہ دھرم تلا ۱۲۴ مرسلہ جناب محمد یونس صاحب ۸ رجب ۱۳۲۷ھ

علمائے دین سے سوال ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہے، زید حتی الامکان اوامر الٰہی بجالاتا ہے مگر نواہی کا بھی مرتکب ہوتا ہے اور جو اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے: "اِنَّ الۡحَسَنٰتِ یُذۡهِبۡنَ السَّیِّاٰتِ ؕ "[1] (بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں۔ت) بیّنوا توجروا۔

الجواب:

معصیّت کے جواب میں اس آیت کریمہ کو دستاویز بنانا جاہل مغرور کا کام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ"[2] وقال اللہ تعالٰی "وَلَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴿۵﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: شیطان نے ان کے لئے ان کے کرتوت (برے اعمال) خوشنما بناڈالے ہیں اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: لوگو! تمہیں خدا تعالٰی کے معاملہ میں وہ بڑا فریبی یعنی شیطان دھوکے میں نہ ڈال دے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۹: از بمبئی عطار گلی کاناکہ مرسلہ مولوی ہدایت رسول صاحب ۲۱ جمادی الاخرٰی

کیافرماتے ہیں حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا یعنی وعظ کہنا اور حاضرین جلسہ کا اس کو خاموشی اور رجوع قلب کے ساتھ ادب سے سننا مذہبی عبادت ہے یا نہیں؟ اور جو اس میں دست اندازی کرے غل مچائے گالیاں بکے اس نے مذہبی توہین کی یا نہیں؟ قرآن وحدیث واقوال علماء سے لکھیں اور اجر دارین حاصل کریں۔

الجواب:

عالم دین کا امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا بندگان خدا کو دینی نصیحتیں کرنا جسے وعظ کہتے ہیں ضرور اعلٰی فرائض دین سے ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّةٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ ؕ "[4]	تم سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں حکم دیتے ہو بھلائی کا اور منع کرتے ہو برائی سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۸/ ۴۸ و ۲۷/ ۲۴

[3] القرآن الکریم ۳۵/ ۵

[4] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

اور فرماتا ہے:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝۱۰۴ "[1]	لازم ہے کہ تم میں ایک گروہ ایسا رہے کہ نیکی کی طرف بلائے اور بھلائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ۝۵۵ "[2]۔	وعظ کہتا رہ کہ وعظ مسلمانوں کو فائدہ دیتا ہے۔

اور حاضرین کا ادب وخاموشی ورجوع قلب کے ساتھ اسے سنتے رہنا بھی مذہبی عبادت اور دینی فرض ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَبَشِّرْ عِبَادِۙ۝۱۷ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ "[3]	خوشخبری دے میرے ان بندوں کو جو متوجہ ہو کر بات سنتے پھر اس کے بہتر پر عمل کرتے ہیں۔

اس میں دست اندازی کرنا غل مچانا گالیاں بکنا ضرور مذہبی توہین اور خاص عادت کفار بے دین ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝۲۶ "[4]	کافر بولے اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے میں غل شور کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔

شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی برادر مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب موضح القرآن میں اس آیت کے نیچے لکھتے ہیں: یہ جاہلوں کا زور ہے شور مچا کر سننے نہ دینا[5]۔

"فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِیْنَۙ۝۴۹ كَاَنَّهُمْ	انہیں کیا ہوا وعظ سے منہ پھیرے ہیں گویا وہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۰۴

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۸۔۱۷

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۶

[5] تفسیر موضح القرآن بر ترجمہ شاہ رفیع الدین تحت آیۃ وقال الذین کفروا لاتسمعوا الخ ممتاز کمپنی لاہور ۵۲۶

"حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾ "[1]	بھڑکے ہوئے گدھے ہیں کہ شیر سے بھاگے ہیں۔

وعظ سے روگردانی تو شیر سے گدھے کا بھڑکنا ٹھہرے اس پر غل مچانا گالیاں بکنا کیا چاند پر کتوں کا بھونکنا نہ ہوگا۔ وعظ تو وعظ کہ وہ بنص صریح قرآن مجید فرض مذہبی ہے کتب دینیہ میں تصریح ہے کہ ہر خطبے حتی کہ خطبہ نکاح وخطبہ ختم قرآن کا سننا بھی فرض ہے اور ان میں غل کرنا حرام حالانکہ خطبہ نکاح صرف سنت ہے اور خطبہ ختم نرا مستحب۔ درمختار میں آیا ہے:

کذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح و خطبة عید وختم علی المعتمد[2]۔	اسی طرح معتمد قول کے مطابق تمام خطبات کا سننا واجب ہے مثلاً خطبہ جمعہ، عیدین، نکاح اور ختم قرآن وغیرہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله وختم ای ختم القراٰن کقولهم الحمدلله رب العٰلمین حمد الصابرین[3]۔ الخ	صاحب درمختار کا قول وَخَتمٍ سے مراد ختم قرآن ہے جیسے اس موقع پر ان کا کہنا ہے الحمدللہ رب العٰلمین حمد الصابرین یعنی تعریف اس خدا کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ایسی تعریف جو صبر کرنے والوں کی تعریف جیسی ہو۔ (ت)

طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں انواع کلام ممنوع میں ہے:

النوع الثانی والخمسون قطع کلام الغیر من غیر ضرورة خصوصاً اذا کان فی مذاکرة العلم) الشرعی (وقدمر ان السلام علیه)ای علی الجالس لمذاکرة العلم(اثم)لما فیه من قطع الخیر وایذاء المسلم المتکلم والسامع(وکذا تکلم	یعنی کلام کا نوع پنجاہ ودوم بے ضرورت شرعیہ دوسرے کی بات کاٹنا ہے جبکہ وہ علم شرعی کے ذکر میں ہو، اور اوپر گزر چکا کہ اس پر اس وقت سلام کرنا بھی گناہ ہے کہ اس میں اسی نیک کلام کا قطع کرنا اور قائل اور سامعین مسلمانوں کو ایذا دینا ہے یوہیں جو مجلس وعظ میں بیٹھا ہو اسے بھی بات کرنا گناہ ہے اگرچہ آہستہ ہی ہو اسی طرح

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۹، ۵۰ و ۵۱

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

من ھو) جالس (فی مجلس عظة) ای وعظ وتذکیر (ولو مع الاخفاء وکذا مجرد التفاتہ وتحرکہ) وقیامہ و اتکائہ (من غیر حاجة وکل ھذا سوء ادب وخفة وعجلة وسفہ بل یتعین التوجہ الیہ والانصات و الاستماع الی ان ینتھی کلامہ بلاالتفات ولاتحرك ولاتکلم [1] اھ مختصرًا۔	صرف بے ضرورت اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت و جنبش کرنا کھڑا ہو جانا یا تکیہ لگالینااور یہ سب گستاخی و بے ادبی اور ہلکا پن خفیف الحرکاتی اور جلد بازی اور حماقت ہے بلکہ لازم یہی ہے کہ اسی کی طرف توجہ کئے خاموش کان لگائے سنتے رہیں یہاں تک کہ اس کا کلام ختم ہو اس وقت تک نہ اِدھراُدھر دیکھیں نہ کوئی جنبش نہ اصلاً کچھ بات کریں۔

جب وعظ میں مطلق حرکت اور آہستہ بات بے ضرورت بھی گستاخی و بے ادبی وگناہ ٹھہرے توغل مچانا گالیاں بکنا کس قدر سخت توہین ہوگا یہ توہین اس عالم دین کی توہین نہ ہوگی جو اس وقت وعظ کرتا ہے بلکہ اصل دین اسلام اور خود ہمارے نبی اکرم علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کی توہین ٹھہرے گی کہ مسند وعظ اصل مسند حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًاۙ(۴۵) وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا(۴۶)" [2]	اے نبی! ہم نے تجھے بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور آفتاب روشنی پہنچاتا۔

نیکیوں پر مژدہ دیتا، برائیوں پر ڈرسناتا، اللہ کی طرف مطابق شریعت بلاتا۔ یہی معنی وعظ ہے اور آیہ کریمہ "وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ(۵۵)" [3] (لوگوں کو نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت کرنا ایمان والوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ت) میں بھی اصل مخاطب حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یہ کام علمائے دین حضور کی وراثت سے کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّ العلماء ورثة الانبیاء۔ رواہ	بے شک علماء انبیاء کے وارث ہیں علیہم الصلوٰۃ

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة النوع الثانی والخمسون قطع کلام الغیر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۳۵۰، الطریقة المحمدیة شرح الطریقة المحمدیة مطبع اسلامیہ سٹیم پریس لاہور ۲/ ۹۳۔۱۹۲

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵و۴۶

[3] القرآن الکریم ۵۲/ ۵۵

ابوداؤد[1] والترمذی عن ابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه۔	والسلام (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اسے حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور نائب جب مسند نیابت پر ہو تو اس دربار کی توہین اصل سلطان کی توہین ہے، ہر عاقل جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ادنٰی درجے کے اجلاس میں غل کرے گالیاں بکے تو وہ اس ادنٰی ہی کی توہین نہ ہوگی بلکہ اصل بادشاہ کی، **والعیاذ بالله رب العٰلمین ولاحول ولاقوۃ الا بالله العلی العظیم** (اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں بجز اللہ تعالٰی بلند و برتر اور بڑی شان رکھنے والے کی توفیق عطا کے۔ت) **والله تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۰: از شہر محلہ مسئولہ جناب محمد فضل حق صاحب بتاریخ ۸ محرم ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید خود بھی تخت الم تعزیہ وغیرہ دیکھنا جائز رکھتا ہے اور مستورات کو اس قسم کے ہنگاموں میں جانے سے منع نہیں کرتا بلکہ بچوں کو بھی خواہ بنظر ثواب خواہ بخیال تماشہ اپنے ساتھ لے جاکر دکھاتا ہے علمائے دین متین اور حامیان سنت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کیافتوٰی دیتے ہیں ایسے لوگوں سے جن کا یہ خیال ہے کہ فقیر بن کر سلسلہ میں شامل ہوجائے اور یہ عقیدہ ہے کہ اس طرح اولاد کا تحفظ اور بیمہ جان کا ہوجاتا ہے، کیا ہونا چاہئے، فقیر مذکور کو بھیک دینے اور پیسہ دینے کا کیا حکم ہے اور عقیدہ اور عمل بالا کو کیسا جاننا چاہئے؟ **بینوا توجروا**

الجواب:

تخت عَلم تعزیے وغیرہ سب ناجائز ہیں اور ناجائز کام کو بطور تماشہ دیکھنا بھی حرام **لان ماحرم فعله حرم التفرح علیه** (اس لئے کہ جس کام کا کرنا حرام ہے اس پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔ت) اور بچوں کو دکھانے کا بھی گناہ اسی پر ہے **کما فی الاشباہ وغیرہ** (جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور عورتوں کو ایسے جلسوں میں جانے کی اجازت دینی حرمت کے سوا سخت بے حرمتی اور نہایت بے غیرتی بھی ہے **وفی الخلاصة والدر وغیرهما ان اذن کانا عاصیین**[2] (خلاصہ، درمختار اور ان دو کے علاوہ دوسری کتب فقہ میں مرقوم ہے، اگر مرد نے (اپنی اہلیہ کو ناجائز کام کی) اجازت دی تو میاں بیوی دونوں

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۷

[2] خلاصة الفتاوی کتاب النکاح الفصل الخامس عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۵۳

گنہگار ہوں گے۔ت) اور اس کو ثواب سمجھنا گناہ کے علاوہ فساد عقیدہ بھی ہے، **والعیاذ باللہ تعالٰی**، سلسلہ اولیائے کرام میں کسی ایسے شیخ کے ہاتھ پر داخل ہونا کہ عالم سنی متصل السند غیر فاسق ہو ضرور برکت عظیمہ ہے دنیا وآخرت میں اس کے منافع بے شمار ہیں اور اس سے زیادت عمر کی امید رکھنا بھی بیجا نہیں کہ وہ بِرّ یعنی نکوئی ہے اور نکوئی سے رزق بڑھتا ہے عمر میں برکت ہوتی ہے اور یہ کوئی جاہل سے جاہل بھی نہ سمجھے گا کہ اب موت محال ہو گئی، ہاں بھیک مانگنے کے لئے فقیر بنانا حرام ہے اور بے ضرورت شرعیہ و مجبوری محض بھیک مانگنا حرام، اور جو بلا ضرورت مانگے اسے دینا بھی حرام **لکونہ اعانۃ علی المعصیۃ کما فی الدر المختار** (اس لئے کہ یہ بھیک دینا (اس لئے حرام ہے کہ) یہ گناہ کے کام پر دوسرے کی مدد کرنا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۱: ایک عالم نے اپنے متعدد وعظوں میں سود خوری، شراب فروشی، شراب نوشی، بیع لحم خنزیر، اکل غیر مذبوح مرغ، زنا کاری، لواطت واغلام کی حرمت قرآن وحدیث سے بیان کی اور میراث کے مسئلے محمدن لاء (شریعت محمدی) کو چھوڑ کر ہندو لاء (ہندو دھرم) قبول کرنے کو کفر صریح بتلایا جس جماعت میں یہ باتیں تھیں بجائے اس کے کہ ان باتوں کو ترک کر دیتے اور توبہ واستغفار کرتے اور خدا اور سول کے حکم کے آگے سر جھکا دیتے خلاف اس کے ضد اور نفسانیت میں آن کر اپنی جماعت کو اکٹھا کر کے اتفاق کر لیا کہ جماعت کا کوئی فرد اپنے ہاں اس عالم کے وعظ کی مجلس منعقد نہ کرے اور اگر کیا تو جماعت سے خارج کر دیا جائے گا، آیا اس صورت میں شرعًا اس جماعت کا کیا حکم ہے اور دوسرے مسلمانوں کو شرعًا اس جماعت سے قطع تعلق کرنا چاہئے یا نہیں؟ بدلائل شرعیہ جواب لکھ کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب:

اس صورت میں جماعت سخت ظالم اور عذاب شدید کی اور اس آیت کریمہ کی مصداق ہے:

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ"[1]۔	اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالٰی سے ڈریئے تو اسے گناہ، مزید ضد (اور طیش) پر آمادہ کرے اور اُبھارے، پس (بدنصیب) کے لئے دوزخ ہی کافی ہے۔(ت)

اگر وہ لوگ توبہ نہ کریں تو مسلمانوں کو ان سے قطع تعلق چاہئے ورنہ بحکم احادیث کثیرہ وہ بھی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

ان کے ساتھ شریک عذاب ہوں گے **او شك ان یعمهم الله بعقاب منه** (قریب ہے کہ اللہ تعالٰی انہیں اس کے عذاب میں شامل اور شریک فرمائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۲: جبلپور متصل کوتوالی بساطی بازار مرسلہ عبدالسبحان سوداگر مورخہ ۱۴ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ہندولوگ مساجد کے سامنے سے باجابجاتے ہوئے گزرے توان کو روکنا چاہئے یانہیں؟ اور اگر روکنے میں سرکاری جرم ہو توایسی حالت میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ سرکاری طور سے ہندوؤں کو یہ حکم دیا گیاہے کہ صرف جماعت کے وقتوں میں مساجد کے سامنے باجانہ بجے اور دیگراوقات میں برابربج سکتاہے اور دیگر اوقات میں اگر کوئی ان کو روکے توسزا کا مستحق ہوگا، چنانچہ چندآدمیوں کو چھ چھ ماہ کہ سزائے قید بھی ہوچکی ہے۔یہ تو گورنمنٹی حکم ہوگیااور اب ہندو یہ چاہتے ہیں کہ مصالحت ہوجانا چاہئے اس شرط پر کہ ہم سال بھر میں صرف پانچ یاسات دن کے لئے یعنی جو ہمارے تہوار ہیں اس میں باجابجائیں گے مگراوقات نماز چھوڑ کر اور سال بھر تک کسی وقت باجانہ بجائیں گے، اب ایسی حالت میں ہم مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ایسی حالت میں فوراًاس مصالحت کو قبول کرناواجب ہے کہ اس میں اسلام کا نفع کثیر ہے وہ پانچ سات دن کے استثناء سے تمام سال کے لئے احتراز تام کاوعدہ کرتے ہیں یہ گورنمنٹی فیصلہ سے صدہادرجہ اسلام کے لئے نافع ترہے۔فیصلہ میں مسلمانوں کی طرف سے یہ الفاظ ہوں کہ اوقات جماعت میں ہندو کبھی باجانہ بجائیں گے اور غیراوقات جماعت میں بھی پانچ سات دن معین کے سوا مساجد کے قریب باجابجانے سے ہمیشہ احتراز رکھیں گے، یہ الفاظ نہ ہوں کہ ان معین دنوں میں غیراوقات جماعت میں بجانے پرہم راضی ہیں یااجازت دیتے ہیں اگرچہ حاصل ایک ہی ہے مگراس عبارت میں معصیت کی اجازت ہے اور معصیت کی اجازت معصیت سے بڑھ کر معصیت ہےاوراس عبارت میں بوجہ استثناء مستثنٰی حکم سکوت میں ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۳: از فیض آباد مسجد مغل پورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی ۱۹ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

اگر مسلمان ہو، پابند صوم وصلوٰۃ کاہو، کسی پیر مولوی کے یہاں نالشی ہو کہ ہمارا معاملہ طے کردو جوان کے امکان میں ہے اور وہ طے نہ کریں اور نہ سنیں جس کی وجہ سے برباد ہورہاہو۔

الجواب:

یہ بھی محتاج تفصیل ہے کیامعاملہ، اور پیر مولوی پر کتنااختیار، اور کیوں نہ کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۴: از موضع خورد مئوڈاکخانہ زید وسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۱۲رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین ہندہ کے دولڑکے زید وعمرو ہیں زید نے اپنی ماں کو بحکم شرع شریف بجائے کُرتی پہننے کے جس کی آستین صرف شانے تک ہوتی ہے پوراہاتھ بغل تک کھلا رہتا ہے اور لمبائی بالائے یا زیر ناف۔برائے نام ہوتی ہے کرتا پوری آستین کااور نیچا نصف ران تک پہننے کی ترغیب دی اور افہام وتفہیم کے ساتھ کچھ زبانی سختی بھی کی جس پر ہندہ راغب ہوچکی تھی کہ عمرو نے ہندہ کو صراحۃً ،کنایۃً شہہ دی کہ تم اس کے کہنے کی کچھ پرواہ نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں ہندہ اپنی رغبت سے منحرف ہوگئی۔زید کا قول کیساتھا اور عمرو کی شہہ اور جنبہ داری کیسے ہوئی ہندہ کا عمل کیسا ہے اور آخرت میں اس کی پاداش کیاہے اور ایسی کرتی سے جس کی صراحت کی گئی نماز ہوسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

عورت اگر صرف محارم کے سامنے ہوتی اور ایسی کُرتی پہنے جس میں ہاتھ سب کھلے رہتے ہیں مگر پیٹ ڈھکا ہو خواہ اس کُرتی یا دوسرے کپڑے سے،اور نماز کے وقت بازوکلائیاں وغیرہ ستر پورا چھپارہتا ہو تو ایسی عورت کو وہ کُرتی پہننا جائز ہے اور اسے ترغیب تبدیل کی حاجت نہ تھی اور ماں پر سختی کرناحرام تھا اور دوسرے بھائی کا اس رغبت سے پھیر دینا اور عورت کا پھر جانا کچھ گناہ نہ ہوا،اور اگر عورت کسی نامحرم کے سامنے بھی ہوتی ہے اور وہی کرتی پہنتی ہے اور بدن اور کپڑے سے نہیں چھپاتی یامحارم کے سامنے پیٹ کاکچھ حصہ کھلا رہتا ہے یانماز میں بازو یا کلائی کا کوئی حصہ تو بلاشبہہ عورت سخت گنہگار ہے اور جس نے اسے تبدیل کی ترغیب دی تھی بہت اچھاکیاتھا مگرماں پر سختی جب بھی جائز نہ تھی،اور دوسرے بھائی کا اس ترغیب سے پھیر دینا اور عورت کا پھر جانا سخت گناہ ہوا اُن پر توبہ واجب ہے،**واللہ تعالٰی اعلم**

بیماری اور علاج معالجہ

بیمار پرسی، تیمارداری، دوا، علاج، جھاڑ پھونک، طبابت، اسقاط حمل، مصنوعی دانت وغیرہ سے متعلق

مسئلہ ۵۵: از کانپور محلہ بوچڑ خانہ مسجد رنگیان مرسلہ مولوی عبدالرحمٰن حبشانی طالب علم مدرسہ فیض عام ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۴ھ

ماجوابکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علمائے کرام! اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، آپ کا کیا جواب ہے کہ) مریض نے دوا نہ کی اور مرگیا گنہگار ہوگا یا نہ؟

الجواب:

وفی الباب عن الصدیق الاکبر وغیرہ من الائمۃ المتوکلین رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ فی ردّ المحتار یاثم بترك الاکل مع القدرۃ علیہ حتی یموت بخلاف التداوی ولو بغیر محرم فانہ لو ترکہ حتی مات	اس بات میں صدیق اکبر اور دیگر ائمہ متوکلین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا طرز عمل (دلیل) ہے۔ فتاوٰی شامی میں ہے: کھانا کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود کوئی شخص اگر کھانا نہ کھائے اور بوجہ بھوک ہلاک ہوجائے تو گنہگار ہوگا۔ جیسا کہ ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے کیونکہ علاج سے حیات

لایاثم کما نصوا علیه لانه مظنون [1] اھ واللہ سبحٰنه و تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔	یقینی نہیں بلکہ ایک ظنّی چیز ہے اھ اللہ تعالٰی پاک و برتر خوب جانتا ہے اور اس عظمت وشان والے کا علم مکمل اور پائدار ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۶: ازاٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظر کلکٹری اٹاوہ ۲ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی جواب ھذا السوال (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، اس سوال کے بارے میں آپ کا کیا جواب ہے۔ت) طوائف مریضہ اگر مطب میں آئے تو اس کا علاج کرنا معصیت ہے یا نہیں؟ دوسری صورت میں اعانت بر معصیت ہونے میں کوئی شبہہ ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اگر معالجہ زن فاحشہ سے طبیب خود یہی نیت کرے کہ یہ ارتکاب معاصی کے قابل ہو جائے ناسازی طبیعت کہ مانع گناہ ہے زائل ہو جائے جب تو اس کے عاصی ہونے میں کلام نہیں،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی [2]۔	کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی (ت)

اور اگر اس کی یہ نیت نہیں بلکہ عام معالجے جس نیت محمودہ یا مباحہ سے کرتا ہے وہی غرض یہاں بھی ہے تو اگر مرض ایذادہندہ ہے جیسے کہ اکثر امراض یونہی ہوتے ہیں جب تو اصلاً حرج نہیں، نہ اسے اعانت معصیت سے علاقہ بلکہ نفع رسانی مسلمہ، یا دفع ایذائے انسان کی نیت ہے تو اجر پائے گا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی کل کبد حرّاء اجر۔ رواہ الشیخان [3]	(حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:) ہر جگہ گرم یعنی ہر جاندار کی نفع رسانی میں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۹

[2] صحیح البخاری باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

[3] صحیح البخاری کتاب المساقات ۱/ ۳۱۸ و کتاب المظالم ۱/ ۳۳۳ و کتاب الادب ۲/ ۸۸۹، صحیح مسلم کتاب السلام باب فضل سقی البہائم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۷، مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

عن ابی ھریرۃ واحمد عن ابن عمرو بن العاص وکابن ماجۃ عن سراقۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	ثواب ہے (بخاری ومسلم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد نے ابن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابن ماجہ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور اگر مرض سے کوئی ایذا نہیں صرف موانع زنا سے ہے جس کے سبب اس کا معالجہ ایک زانیہ عورت کے لئے کوئی نفع رسانی نہ ہوگا بلکہ زنا کا راستہ صاف کرے گا مثلاً عارضہ رتق یا شدّت وسعت (نہ بوجہ سیلان رطوبت) کہ فی نفسہٖ موذی نہیں مگر اس کا اشتہاء باعث سردی بازار زنان زناکار ہے ایسے معالجہ کو جب کہ امور مذکورہ پر طبیب مطلع ہو اگرچہ بر قیاس قول صاحبین من وجہ اعانت کہہ سکیں مگر مذہب امام رضی اللہ عنہ پر یہ بھی داخل ممانعت نہیں کہ یہ تو پاک نیت سے صرف اس کا علاج کرتا ہے گناہ کرنا نہ کرنا اس کا اپنا فعل ہے جیسے راج کا گرجا یا شوالہ بنانا یا مکان رنڈی زانیہ کو کرایہ پر دینا،

فی الخانیۃ لوآجر نفسہ یعمل فی الکنیسۃ ویعمرھا لاباس بہ لانہ لامعصیۃ فی عین العمل[1]۔	فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ اگر کوئی مزدور گرجے کی تعمیر اور آبادی کے لئے کام کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نفس عمل میں کوئی گناہ نہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

من آجر بیتاً لیتخذ فیہ بیت نار اوکنیسۃ اوبیعۃ اویباع فیہ الخمر بالسواد فلاباس بہ وھذا عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کوئی شخص کرائے پر مکان دے اور وہاں آتشکدہ، گرجا یا کلیسا بنا دیا جائے یا وہاں سے عام لوگوں پر شراب فروخت ہونے لگے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کرائے پر مکان دینے والے کے لئے کوئی حرج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۷: از کلکتہ بتوسط قاضی عبدالوحید صاحب عظیم آبادی منتظم تحفہ حنفیہ ۱۴ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زمانناشہر کلکتہ میں

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۴

[2] الہدایۃ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاستبراء مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۷۰

چند دنوں سے یہ امر مروج ہوا ہے کہ برائے دفع وبا اکثر محلوں چند چند لوگ ایک ایک فرقہ ہو کر راتوں کو مع علم ونشان وروشنی وغیرہ نکلتے ہیں اور ہر گلی کوچہ وشارع عام میں آوازیں ملاملا کر باآواز بلند شعرے

لی خمسة اطفی بھا حر الوباء الحاطمه المصطفٰی والمرتضٰی وابناھما والفاطمه

(میرے لئے پانچ (ہستیاں) ہیں ان کے ذریعے توڑ کر رکھ دینے والی وبا کی گرمی بجھاتا ہوں اور وہ پانچ (ہستیاں) یہ ہیں **(۱)** حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **(۲)** حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ **(۳و۴)** ان کے دونوں صاحبزادے **(۵)** سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ت)

کو پڑھتے پھرتے ہیں اس فعل کو قطع نظر اہل تشیّع کے حضرات علماء اہلسنت وجماعت سے بھی بعض صاحب جائز بتاتے اور اکثر حضرات ناجائز بتاتے ہیں پس شعر مذکور کو دافع وبا اعتقاد کرکے بہ ہیئت مذکورہ پڑھتے پھرنا ازروئے شریعت غرا عند اہل السنۃ والجماعۃ کیسا ہے؟

الجواب:

مضمون شعر فی نفسہٖ حسن ہے اور محبوبان خدا سے توسّل محمود اور ذکر خمسہ پر شبہہ مردود کہ بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چار میں حصر غیر مقصود، عدد نافی زیادت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی خمسة اسماء، رواہ البخاری[1] عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میرے پانچ نام ہیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے بخاری سے روایت کیا ہے۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اعطیت خمسالم یعطھا احد من الانبیاء قبلی رواہ الشیخان[2] عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	مجھے پانچ اوصاف عطا ہوئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوئے۔ بخاری ومسلم نے اس کو جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

مگر علم ونشان مہمل اور ان سے توسل باطل اور ہیأت مذکورہ لہو اشبہ، توسّل دعاء ہے اور دعا کا طریقہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الصف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۲۷

[2] صحیح البخاری کتاب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸، صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

اخفاء۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۸: از ضلع نواکھالی ڈاکخانہ دلال بازار موضع لکھی پورہ مرسلہ عبدالودود صاحب ۱۵شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی گاؤں میں مرض ہیضہ جاری ہوتو برائے دفع مرض ہیضہ آج اس میدان، کل دوسرے میدان میں سات باراذان کہہ کر ہر روز اس طور پر نماز پڑھنا بہ نیت دفع البلا بہت لوگ جمع ہو کرکے اور شیرینی یا کھیر پکا کرکے اللہ کے واسطے میدان میں لے جاکر کھاتے ہیں اور بکری کے کان میں سورۂ یسین اور سورۃ تبارک الذی پڑھ کر دم کرکے مکان کے چاروں طرف چکّر دلاتے ہیں پھر اس بکری کو ذبح کرکے سب کو کھلاتے ہیں،آیا یہ باتیں جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب:

اذان ذکرالٰہی ہے اور ذکرالٰہی کے برابر غضب وعذاب الٰہی سے نجات دینے والی بلاء غم وپریشانی کی دفع کرنے والی کوئی چیز نہیں۔اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ "[1]	سن لواللہ تعالٰی کی یاد ہی سے دلوں کو چین ملتاہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماعمل اٰدمی عملا انجالہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ قیل ولاالجھاد فی سبیل اللہ،قال ولاالجھاد فی سبیل اللہ الا ان یضرب بسیفہ حتی ینقطع۔[2] رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر بسند صحیح عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما ولابن ابی الدنیا والبیھقی	کسی شخص کا کوئی عمل ایسانہیں جواللہ تعالٰی کے ذکر سے زیادہ مفیداور عذاب الٰہی سے زیادہ نجات دلانے والاہو۔عرض کی گئی کہ کیاخدا کی راہ میں جہاد بھی نہیں۔فرمایا:اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد بھی بمقابلہ ذکرکے زیادہ مفید اور نجات کا باعث نہیں مگر یہ کہ اپنی تلوار سے (خداکے دشمنوں پر)اس قدروار کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔اس کو امام طبرانی نے "الاوسط" میں اور معجم صغیر میں صحیح سندکے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہماکے

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۲۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۲۳۱۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۱۵۶،الترغیب والترھیب بحوالہ المعجم الاوسط والزہد کتاب الذکر والدعاء حدیث ۱۳ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹۶

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان لکل شیئ صقالۃ وان صقالۃ القلوب ذکر اللہ ومامن شیئ انجا من عذاب اللہ من ذکر اللہ قال ولاالجہاد فی سبیل اللہ قال ولو ان یضرب بسیفہ حتی ینقطع[1] ولاحمد وابی بکر بن ابی شیبۃ و الطبرانی فی الکبیر بسند صحیح عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماعمل آدمی عملا انجی لہ من عذاب اللہ من ذکر اللہ قالوا ولاالجہاد فی سبیل اللہ قال ولا الجہاد الا ان تضرب بسیفك حتی ینقطع ثم تضرب بہ حتی ینقطع ثم تضرب بہ حتی ینقطع[2]۔	حوالہ سے روایت کیا ہے اور ابن ابی الدنیا اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: ہر شَے کی صفائی کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ہے اور دلوں کی صفائی اللہ تعالٰی کے ذکر سے ہوتی ہے کوئی چیز خدا کے عذاب سے نجات کے سلسلے میں ذکرالٰہی سے بڑھ کر مفید نہیں، حتی کہ فرمایا اللہ تعالٰی کی راہ میں جہاد بھی نہیں اگرچہ وہ اپنی تلوار سے اس کے ٹوٹنے تک وار کرتا رہے۔ اور مسند احمد، ابوبکر ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسند صحیح حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی کہ انسان کا کوئی عمل خدا کے عذاب سے چھڑانے اور نجات دلانے کے سلسلے میں اس کے ذکر سے بڑھ کر مفید اور نافع نہیں، لوگوں نے عرض کی کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، فرمایا جہاد بھی ذکر سے بڑھ کر نہیں اِلّا یہ کہ تو اپنی تلوار سے کافروں پر اس حد تک وار کرے کہ تلوار ٹوٹ جائے پھر وار کرے اور وہ ٹوٹ جائے پھر وار کرے اور وہ ٹوٹ جائے۔ (ت)

اور نظر و طلب دفع بلاو ذکرِ خدا کے لئے جنگل کو جانے کی اصل نماز استسقاء ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لوتعلمون مااعلم الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	کاش تم بھی وہ کچھ جانتے جو کچھ میں جانتا ہوں، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا والبیہقی کتاب الذکر والدعاء حدیث ۱۰ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹۶، شعب الایمان حدیث ۵۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۹۶

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۱۶۷

لخرجتم الی الصعدات تجأرون الی اللہ[1]، رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیہقی فی الشعب بسند صحیح عن ابی الدرداء والحاکم بسند صحیح عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	کہ تم لوگ بلندیوں کی طرف نکل جاتے اللہ تعالٰی کی طرف چیختے چلّاتے ہوئے، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کو روایت کیاہے۔(ت)

اور سات کے عدد کو دفع ضرر وآفت میں ایک تاثیر خاص ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے مرض وصال شریف میں فرمایا مجھ پر سات مشکوں پر سربستہ کا پانی ڈالو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لمادخل بیتی واشتد وجعہ قال اھریقوا علیّ من سبع قرب لم تحلل اوکیتھن لعلی اعھد الی الناس[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب میرے گھر تشریف لائے تو آپ کے مرض میں اضافہ ہوگیا۔ فرمایا مجھ پر ایسے سات مشکیزوں کا پانی بہاؤ کہ جن کے بندھن نہ کھولے گئے ہوں (سربستہ مشکیزے ہوں) شاید میں لوگوں سے کوئی عہد لوں۔(ت)

مواہب شریف میں ہے:

وقدقیل فی الحکمۃ فی ھذا العدد ان لہ خاصیۃ فی دفع ضرر السم والسحر[3]۔	کہا گیا کہ اس سات کے عدد میں حکمت اور راز یہ ہے کہ اس کو زہر اور جادو کا نقصان زائل کرنے میں خاص تاثیر ہے۔(ت)

شرح زرقانی میں فتح الباری سے ہے:

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی عن ابی الدرداء کتاب الزھد دار الکتاب بیروت ۱۰/ ۲۳۰، المستدرک للحاکم کتاب الرقاق ۴/ ۳۲۰، شعب الایمان حدیث ۷۵۹۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۸۷

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۹

[3] المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۲۰

وقد ثبت حدیث من تصبح بسبع تمرات عجوۃ لم یضرہ ذٰلك الیوم سمّ ولاسحر وللنسائی فی قرأۃ الفاتحۃ علی المصاب سبع مرات وسندہ صحیح ولمسلم القول لمن به وجع اعوذ بعزۃ اللّٰه وقدرته من شر ما اجدواحاذر سبع مرات وفی النسائی من قال عند مریض لم یحضر اجله اسأل اللّٰه العظیم رب العرش العظیم ان یشفیك سبع مرات[1]۔	حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جو کوئی صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھالے تو اسے اس دن زہر اور جادو سے نقصان نہیں پہنچے گا۔ نسائی شریف میں ہے کہ مصیبت زدہ پر سات مرتبہ فاتحہ پڑھی جائے، اس کی سند صحیح ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ جس کو درد کا عارضہ ہو اس پر یہ کلمات سات مرتبہ پڑھے جائیں: اَعُوْذُ بِعِزَّۃِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ یعنی اللّٰه تعالٰی کی عزت اور اس کی قدرت سے پناہ لیتاہوں اس کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں (چوکنّا رہتا ہوں) سنن نسائی شریف میں ہے کہ جو کوئی ایسے مریض کے پاس، جس کی موت مقدر نہ ہو، ان الفاظ سے سات دفعہ دعا کرے تو وہ صحت یاب ہوجائے گا، کلمات یہ ہیں: اسأل اللّٰه العظیم ربّ العرش العظیم ان یشفیك یعنی میں اللّٰه عظمت والے سے سوال کرتا ہوں جو بڑے عرش کا مالک ہے کہ وہ تجھے شفا عطا فرمائے (ت)

جماعت میں برکت ہے اور دعائے مجمع مسلمین اقرب بقبول، علما فرماتے ہیں جہاں چالیس مسلمان صالح جمع ہوتے ہیں ان میں ایک ولی اللّٰه ضرور ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے:

اذا شهدت امة من الامم وهم اربعون فصاعدا اجاز اللّٰه تعالٰی شهادتهم رواه الطبرانی فی الکبیر[2] والضیاء المقدسی عن والد ابی الملیح۔	جب کوئی جماعت حاضر ہو اور چالیس افراد یا اس سے زیادہ ہوں تو اللّٰه تعالٰی ان کی شہادت کو جائز قرار دیتا ہے۔ امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء مقدسی نے ابوالملیح کے والد کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔ (ت)

تیسیر شرح جامع صغیر میں فرمایا:

قیل وحکمة الاربعین انه لم یجتمع	کہا گیا ہے کہ چالیس کے عدد میں حکمت یہ ہے کہ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۵۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۵۰۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۱۹۰

هذا العدد الا وفیهم ولی[1]۔	یہ تعداد کبھی پوری نہیں ہوتی بجز اس کے کہ ان میں کوئی نہ کوئی ولی ضرور ہوتا ہے (ت)

مگر یہ نماز فرض ہونا چاہئے، نفل پڑھیں تو الگ الگ، ورنہ نفل جماعت کثیرہ کے ساتھ مکروہ ہے، چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق اور تین ہوں تو علی المرجوع۔ درمختار میں ہے:

التطوع بجماعة یکرہ لوعلی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد کما فی الدرر[2]۔	نوافل باجماعت پڑھنا مکروہ ہے بشرطیکہ بطور تداعی ہو بایں طریقہ کہ چار آدمی ایک کی اقتداء کریں، جیسا کہ درر میں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

اما اقتداء واحد بواحد اواثنین بواحد فلایکرہ و ثلثة بواحد فیه خلاف بحر[3] عن الکافی۔	لیکن ایک کا ایک کی اقتداء کرنا یا دو کا ایک کی اقتداء کرنا مکروہ نہیں اور تین کے ایک کی اقتداء کرنے میں اختلاف ہے۔ البحر الرائق نے الکافی سے نقل کیا (ت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں زیر قول شارح لواقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه (اگر تین شخص ایک کی اقتداء کریں تو اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ت) فرمایا: والاصح عدم الکراهة[4] (زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی کراہت نہیں۔ت) شیرینی یا کھانا فقراء کو کھلائیں تو صدقہ ہے اور اقارب کو تو صلہ رحم اور احباب کو تو ضیافت، اور یہ تینوں باتیں موجب نزول رحمت ودفع بلاو مصیبت ہیں۔ ابویعلٰی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الصدقة وصلة الرحم یزید الله بهما فی العمر و یدفع بهما میتة	بیشک صدقہ اور صلہ رحم ان دونوں سے اللہ تعالٰی عمر بڑھاتا ہے اور بری موت کو دفع فرماتا ہے اور

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف الهمزہ مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۱۱۰

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب الوتر والنوافل مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب الوتر والنوافل داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۷۶

[4] مراقی الفلاح مع شرح الطحطاوی علی مراقی الفلاح فصل بیان النوافل نور محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۱۱

السوء ویدفع بھما المکروہ والمحذور[1]۔	مکروہ واندیشہ کو دور کرتا ہے۔

ابوالشیخ ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الضیف یاتی برزقہ ویرتحل بذنوب القوم یمحص عنھم ذنوبھم[2]۔	مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے اور کھلانے والے کے گناہ لے کر جاتا ہے اور ان کے گناہ مٹادیتا ہے۔

نیز امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے راوی کہ وہ فرماتے ہیں:

لان اجمع نفرا من اخوانی علی صاع اوصاعین من طعام احب الی من ان ادخل سوقکم فاشتری رقبۃ فاعتقھا[3]۔	بیشک یہ بات کہ میں اپنے بھائی سے ایک گروہ کو جمع کرکے دو ایک صاع کھانا کھلاؤں مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ تمہارے بازار میں جاؤں اور ایک غلام خرید کر آزاد کردوں۔

یہی حال بکری ذبح کرکے کھلانے کا ہے مگر تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ جان کا صدقہ دینا زیادہ نفع رکھتا ہے اور قراءت قرآن کا موجب شفاء وبرکت ودافع بلاونقمت ہونا خود قرآن مجید سے ثابت خصوصًا یٰسین شریف کہ قضاء حاجات واجابت دعوات کے لئے تریاق مجرب ہے، رہا بکری کے کان میں پھونکنا اور اسے مکان کے گرد پھرانا اگر کسی صالح معتمد کے قول سے ثابت ہو توازقبیل اعمال مشائخ ہوگا ورنہ عبث ہے۔ دفع وبا کے لئے اذان کی تحقیق ہمارے رسالہ نسیم الصبا ان فی الاذان یحول الوبا (صبح کی ہوا اس بارے میں کہ اذان وبا کو ٹال دیتی ہے۔ت) اور اسی غرض سے مسلمانوں کو جمع کرکے کھانا کھلانے اور صدقہ وصلہ وضیافت کے فوائد کا بیان ساٹھ حدیثوں سے ہمارے رسالہ مراد القحط والوباء بدعوۃ الجیران ومواساۃ الفقراء (ہمسایوں کی دعوت اور فقراء سے اظہار ہمدردی قحط اور وباء کو پھیر دینے والے اعمال ہیں۔ت) اور اعمال مشائخ کے جواز کے ساتھ تفصیل ہمارے رسالہ منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین (انگوٹھے چومنا آنکھوں کی روشنی کا روحانی علاج ہے۔ت) وغیرہا میں ہے۔ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

[1] مسند ابی یعلٰی حدیث ۴۰۹۰ مؤسسۃ علوم القرآن ۴/ ۴۷۔۱۴۶

[2] کشف الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ حدیث ۱۶۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۳

[3] الادب المفرد باب ۲۵۵ حدیث ۵۶۶ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ص ۱۴۸

مسئلہ ۵۹: ۲۰ شوال ۱۳۱۹ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ چوں در محلّہ از محلات دہ مرض وبا واقع شود مردمان محلہائے دیگر گوسپندی سیاہ گرفتہ سورہ یسین وتبارک خواندہ درہر دو گوش آں بزدم کردہ باطراف ایں موضعہا بر گردانیدہ باجائے اول آوردہ ذبح کنند واستخوان وپوست رادراں زمین دفن کردہ گوشتہارا پزانیدہ پارہ پارہ ازاں بہریک مردم آں وہ تقسیم کنند وایں نظم۔ لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمہ المصطفٰی والمرتضٰی وابناھما والفاطمہ رابرپرچہ نوشتہ برہر چہار گوشہ آں محلّہ آویزند وہمچنیں بخوف مرض چیچک انگریزاں قطرہ ریم بر بازوے مردماں زخم کردہ آں نجس رادخل کنند پس ایں ہمہ موافق شرع جائز است یانہ؟ **بیّنوا بالکتاب وتوجروا عندالحساب۔**	علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کیافرماتے ہیں کہ جب گاؤں کے کسی محلّہ میں مرض بصورت وباپھوٹ پڑے تو دوسرے محلوں والے لوگ ایک سیاہ رنگ کابکرا خرید کر لاتے ہیں اور سورہ یسین وسورہ ملک پڑھ کر اس کے دونوں کانوں میں پھونکتے ہیں ازاں بعد اسے گاؤں کے گرد گھماتے پھراتے ہیں اور پھر پہلے مقام پر لاکر ذبح کردیتے ہیں، اس کی کھال اور ہڈیاں وہیں دفن کردیتے ہیں اور گوشت پکاکر گاؤں کے مردوں میں تھوڑا تھوڑا تقسیم کیاجاتاہے اور یہ شعر چار الگ الگ کاغذوں پر لکھ کر گاؤں کے چاروں کونوں میں ایک ایک کاغذ لٹکادیتے ہیں۔ لی خمسۃ اطفی بہا حر الوباء الحاطمہ المصطفٰی والمرتضٰی وابناھما والفاطمہ (میرے لئے پانچ نفوس قدسیہ وسیلہ اور سہارا ہیں میں ان کے توسل سے کمرتوڑ وبا کی حرارت اور گرمی کو بجھاتا اور ٹھنڈا کرتاہوں وہ پانچ ہستیاں یہ ہیں: حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ، ان دونوں کے صاحبزادے حضرت حسن اور حضرت حسین علیہما السلام، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا) اسی طرح مرض چیچک کے ازالہ کے لئے بطور علاج انگریز لوگوں کے بازوؤں کو زخمی کرکے ناپاک پیپ کے قطرات ان کے جسم میں داخل کرتے ہیں۔اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب کچھ ازروئے شرع جائز اور درست ہے؟ کتاب اللہ کی روشنی میں وضاحت فرماکر مہربانی فرمائیں تاکہ بوقت حساب عنداللہ اجر وثواب پائیں۔(ت)

الجواب:

ذبح جانور لوجہ اللہ تعالٰی وتقسیم لحم اوبہ مسلمین	کسی جانور کو اللہ تعالٰی کی رضاوخوشنودی کے لئے

وقرأت تبارک ویسین ہمہ امر خوب ومحبوب ست وور دفع بلا باذن اللہ جل وعلا اثرے تمام دارد ودر گوش بُز دمیدن وبہ اطراف موضع گردانیدن از قبیل خصوصیات اعمال مشائخ ست بسیارے ازامثال اینہا شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی در قول الجمیل آوردہ اند فاما دفن پوست درزمین تضیع مال است واو روانیست **لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ کرہ لکم اضاعۃ المال وکثرۃ السوال وقیل وقال**[1]، رواہ آنست کہ پوست بمساکین بخشند وتعلیق آں شعر بز وائے محلّہ نیز جائز و روا واز باب توسل بمحبوبان خداست جل وعلا وعمل ٹیکا دردفع چیچک باذن اللہ تعالٰی نفع میدہد وہمچوں تداوی اگرچہ مشتمل برچیزے ازالم بود ممنوع نیست مثل داغ نہادن آری متوکلان رانباید **الذین لایسترقون ولایکتوون ولا یتطیرون وعلٰی ربھم یتوکلون جعلنا اللہ منھم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**	ذبح کرکے اس کا گوشت مسلمانوں میں تقسیم کرنا اور اسی طرح سورۃ یسین اور سورۃ ملک کی تلاوت کرنا بہترین اور مستحسن اعمال ہیں اللہ تعالٰی کے اذن سے بلاومصیبت کو ٹالنے کاموثر ذریعہ ہیں، جہاں تک بکرے کے کانوں میں سورتیں پڑھ کر پھونکنے گاؤں کے گرد گھمانے والے عمل کا تعلق ہے تو یہ از قبیل خصوصیات اعمال بزرگان دین ہے، چنانچہ اس نوع کی بہت سی مثالیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "القول الجمیل" میں بیان کی ہیں۔ رہا کھال کو دفن کر دینے کا معاملہ، تو یہ مال کو ضائع کردینے کے مترادف ہے جو جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے کہ "بیشک اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے ان تین کاموں کو ناپسند فرمایا (۱) مال ضائع کرنا (۲) زیادہ سوال کرنا (۳) اِدھر اُدھر کی بیہودہ اور لغو باتیں کرنا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ بکرے کی کھال محتاجوں، ناداروں کو بطور اعانت وامداد دے دی جائے اور شعر مذکور کا گاؤں کے چاروں اطراف میں لٹکانا روا اور درست ہے اور محبوبان خدا کو وسیلہ بنانے کے باب سے ہے (ان سب پر اللہ تعالٰی کی رحمت اور سلام ہو) نیز مرض چیچک کے دفاع اور ازالہ کے لئے انجکشن لگوانا باذن اللہ تعالٰی نفع بخش ہے، اسی طرح ایسی دوا استعمال کرنا یا طریقہ اپنانا جو بظاہر تکلیف دہ بھی ہو شرعًا منع نہیں جیسا کہ جسم پر گل یعنی داغ لگوانا وغیرہ، ہاں البتہ اصحاب توکل کے لئے ایسا کرنا مناسب نہیں، چنانچہ حدیث پاک میں کچھ محبوب بندوں کے

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن مغیرہ بن شعبہ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۹۴، صحیح البخاری کتاب الرقاق باب مایکرہ من قیل وقال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۸

	بارے میں آیا ہے کہ وہ ایسے مقربان بارگاہ ہیں کہ دم اور جھاڑ پھونک نہیں کرواتے نہ داغ لگواتے ہیں اور نہ بدشگونی لیتے ہیں بلکہ اپنے پروردگار پر مکمل بھروسا رکھتے ہیں، اللہ تعالٰی اپنے فضل وکرم سے ہمیں ان پاک لوگوں میں شامل فرمائے۔ اللہ تعالٰی پاک برتر اور سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۰: مسئولہ حافظ امیر اللہ صاحب ۲۰ شوال ۱۳۲۲ھ

یہ خط ایک شخص صادق تخلص سیتاپوری کا میرے نام آیا ہے اس کی آخری عبارت ملاحظہ فرمائیں، عبارت یہ ہے:

اگرآں جاراترک کردہ مابقے راازیں بلا (یعنی طاعون) حفاظت کنند بعقل نزدیک واز محاظرہ "وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"[1] دورست۔	اگر اس جگہ کو چھوڑ دے اور باقیماندہ جگہ کی طاعون کی مصیبت سے حفاظت کی جائے تو یہ عقل کے قریب، اور آیہ مذکورہ کی ممانعت سے بعید ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے: لوگو! اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ (ت)
زیراکہ حدیثے کہ درعدم فرار وارد شدہ مصنف "سکن الشجون فی حکم الفرار عن وباء الطاعون" بدلائل وبراہین ثابت کردہ کہ اوّلاً طرق روایان حدیث بسیار مخدوش ست یعنی دو نفراز انہا مجہول وغیر ثقہ است وثانیًا نفس حدیث مقامی ست زیراکہ دروقتے کہ عسکر اسلامی ازبرائے حفاظت ثغور مقرر بودند طاعون آمد وآنہامی گریختند حضرت فرمودند کہ نگریزند۔ خلاصہ بخیال من بااینحالت آنجا سکونت جاہلانہ خودرا بلااند اختن ست فقط۔	اس لئے کہ جو حدیث طاعون سے نہ بھاگنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے مصنف "سکن الشجون فی حکم الفرار عن وباء الطاعون" نے عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اوّلاً تو حدیث مذکور کی سند بلحاظ رواۃِ حدیث بہت مخدوش ہے یعنی دو آدمی اس میں مجہول اور غیر ثقہ ہیں، ثانیًا حدیث مذکور اس مقام سے تعلق رکھتی ہے کہ اس وقت اسلامی فوج اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے مقرر کی گئی پھر وہاں اچانک طاعون پھیل گیا اور لوگ اِدھر اُدھر بھاگنے لگے تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: وہ نہ بھاگیں۔ (خلاصہ کلام) میرے خیال میں اس حالت میں اس جگہ ٹھہرنا جہالت اور اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ فقط۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

الجواب:

حدیث فرار عن الطاعون کو مخدوش و مجروح اور اس کے دو روایوں کو مجہول و غیر ثقہ نہ کہے گا مگر جاہل یا گمراہ۔ حدیث صحیح نقی منقی صفی مصفی، صحیحین بخاری و مسلم و موطاء مالک و مسند امام احمد و سنن ابی داؤد و سنن نسائی و غیرہا میں بطریق عدیدہ و اسانید جیّدہ صحیحہ حدِ شہرت واستفاضہ پر مروی ہوئی اور اسے مقامی بمعنے مذکور بھی نہ کہے گا مگر وہ کہ ارشاداتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پردہ تاویل باطل و علیل میں رَد کرنا چاہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو یوں ارشاد فرمائیں:

اذا سمعتم بالطاعون بارض فلا تدخلوا علیه واذا وقع وانتم بارض فلا تخرجوا منها فرارا منه، رواه الشیخان[1] وابوداؤد النسائی ومالك واحمد عن عبدالرحمٰن بن عوف والبخاری ومسلم عن اسامة بن زید رضی الله تعالٰی عنهم۔	جب تم کسی زمین میں طاعون ہونا سنو تو اس پر داخل نہ ہو اور جب وہاں طاعون آئے جہاں تم ہو تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلو (بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، امام مالک اور امام احمد نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے اور بخاری و مسلم نے اسے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ت)

اور اس کے معنی یہ قرار دیئے جائیں کہ کسی جہاد کے وقت طاعون ہوا تھا تو اس جہاد سے بھاگنے کی مخالفت میں فرمائی گئی انا للہ وانّا الیه راجعون (یقینا ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) یہ تاویل نہیں صریح تحریف و تبدیل ہے اور نہ صرف تبدیل بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا کہ حضور نے اس غرض سے فرمایا، حالانکہ کسی روایت ضعیفہ میں بھی یہ سبب و غرض ارشاد مذکور نہیں محض اختراع و افتراء ہے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب ۱/ ۴۹۴، وکتاب الطب ۲/ ۸۵۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۸، سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب الخروج من الطاعون آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۸۶، موطا الامام مالك باب ماجاء فی الطاعون میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۰۰، مسند امام احمد عن عبدالرحمن بن عوف المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۸۲ و ۱۹۳ و ۱۹۴

وقد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من کذب علیّ متعمدا فلیتبوّأ مقعدہ من النّار[1]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے عمدًا مجھ پر جھوٹ کہا اسے اپنا ٹھکانا دوزخ میں سمجھ لینا چاہئے۔(ت)

سکن الشجون کیا چیز ہے اس کا مصنف کون ہے، کشف الظنون تک تو اس کا پتا نہیں کوئی حال کا جاہل مجہول ہو تو ہوا کرے، القاء بالاید ی الی التھلکۃ (ہاتھوں کو ہلاکت میں ڈالنا۔ت) کیا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کو نہ ماننا، ورنہ یہ آیت تحریم جہاد کے لئے عمدہ دستاویز ہو جائے گی، جو تہلکہ چمکتی تلواروں اور برستے تیروں اور توپ کے متواتر گولوں کے سامنے ہے طاعون میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں تو جہاد اکبر سے زائد حرام ہوگا اور جہاد سے بھاگنا فرض حالانکہ قرآن نے اس کا عکس فرمایا ہے قرآن عظیم ترک جہاد وفرار عن الجہاد ہی کو تہلکہ فرماتا ہے جسے یہ عبدۃ الھوی ہلاک سمجھیں وہ نجات ہے اور جسے نجات سمجھ رہے ہیں وہ ہلاک ہے۔ ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "کریمہ لاتلقوا" ہم انصار میں اتری کہ جب دین متین کو اللہ عزوجل نے عزت بخشی اور اسلام پھیل گیا ہم نے کہا اب جہاد کی کیا ضرورت ہے اب خانگی امور جو اتنے روزوں سے خراب پڑے ہیں بنالیں اس پر ارشاد ہوا:

وانفقوا فی سبیل اللہ ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ[2]"	اپنی جان اور مال جہاد میں خرچ کرو اور ترک جہاد کرکے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔(ت)

معالم شریف میں ہے:

فالتھلکۃ الاقامۃ فی الاھل والمال وترک الجھاد[3]۔	"التھلکہ" اہل ومال سے وابستہ رہنا اور جہاد کے لئے نہ نکلنا ہے۔(ت)

امام اجل احمد بن حنبل مسند میں جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف	طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱

[2] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیہ ۲/ ۱۹۵ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۱ و ۱۷۲

[3] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیۃ ولاتلقوا بایدیکم الی التھلکۃ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۷۲

ومن صبر فیہ کان لہ اجر شہید [1]۔	کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا، اور جو اس میں صبر کئے بیٹھا رہے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

اور جہاد سے بھاگنے والے کو اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾" [2]۔	وہ بیشک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا بری بازگشت ہے۔

توثابت ہوا کہ طاعون سے بھاگنے والا اللہ کے غضب میں جاتا ہے اور جہنم اس کا ٹھکانا ہے اسی کو فرمایا کہ:

"لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ" [3]	اپنے ہاتھوں ہلاکت و غضب خدا اور استحقاق جہنم میں نہ پڑو۔

اب بتائیے کہ طاعون سے بھاگنا "تہلکہ" ہے یا اپنے رب عزوجل پر توکل کرکے صابر و مقیم رہنا۔ اللہ تعالٰی توفیق دے کہ احکام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے ہوائے نفس سے رد نہ کیا جائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کی قوت وطاقت کسی میں نہیں بجز اللہ تعالٰی بلند مرتبہ اور عظیم الشان کی توفیق کے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۱: ۱۷ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید رہنے والا بدایوں کا ہے اور بریلی میں انگریزی ملازم ہے، بدایوں سے اپنے عیال واطفال کو لانے کا مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ اس عرصہ میں بدایوں میں طاعون شروع ہوگیا، اس وجہ سے نہ لاسکا، اگر شریعت اجازت دے تو زید اپنے متعلقین کو لاکر دنیوی تفکرات اور دوہرے خرچ سے نجات پائے۔

الجواب:

اللہ عزوجل دل کے خطروں کو جانتا ہے اگر واقعی بخوف طاعون وہاں سے ان کا منتقل کرنا

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل مرویات عبداللہ بن جابر انصاری رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۶۰، کنزالعمال حدیث ۲۸۴۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۷۹

[2] القرآن الکریم ۸/ ۱۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

مقصود نہیں بلکہ محض اپنے آرام ویکجائی کے لئے بلاشبہہ اجازت ہے بشرطیکہ زوجہ اور بالغ بچوں کو خوب سمجھادے کہ یہ انتقال طاعون سے بچنے کے لئے نہیں نہ تم کہیں بھاگ کر موت سے بچ سکتے ہو میرا ارادہ قطعی پہلے سے تمہیں بلانے کا تھا بلکہ طاعون کی وجہ سے اتنی دیر کی شاید تمہارا لے جانا ناجائز ہو اب کے معلوم ہوا کہ خالص نیت سے لے جانے میں شرعاً حرج نہیں تمہیں اسی طرح لے جاتا ہوں جیسا کہ طاعون نہ ہونے کی حالت میں لیجاتا، تم پر بھی فرض ہے کہ اپنی نیت صحیح کرو طاعون کا خیال دل میں ہرگز نہ لاؤ جس سے یہ ظاہر ہو گا کہ بوجہ خوف طاعون اس منتقل ہونے کو غنیمت جانے گا میں اسے یہیں چھوڑ دوں گا یہاں تک کہ اللہ عزوجل جس کا ہر جگہ حکم نافذ ہے اپنا جو حکم چاہے نافذ فرمائے، جب یہ تعلیم و تلقین کرے اور ظاہر ہو کہ یہ سچا عقیدہ ان کے دلوں میں جم گیا اور شیطانی خیال نہ رہا اس وقت بے تکلف وہاں سے آئے، اس تعلیم میں سمجھ والے بچوں کو بھی شریک کرے اگرچہ بالغ نہ ہوں کہ تعلیم حق کے وہ بھی محتاج ہیں، حق سبحنہ ہر جگہ مسلمانوں کو عافیت بخشے اور اپنے حفظ وامان میں رکھے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین۔ واللہ تعالٰی علم۔

مسئلہ ۶۲: ازامروہہ ضلع مرادآباد مرسلہ حکیم ظہور احمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ڈاکٹری دواسیال جس میں شراب کا جز ہو حکیم مریض کو استعمال کرائے جائز ہے یا ناجائز؟ حکیم پر گناہ ہے یا نہیں؟ یا ایسی ڈاکٹری دوا کہ جس میں شراب کا جز تو نہیں مگر وہ ایسی تیار کی گئی ہے کہ جیسے عطر بغیر روغن صندل کے تیار نہیں ہوتا۔ برانڈی کا استعمال مریض کو جائز یا ناجائز؟ خشک دوا شیشی یا محذر کا استعمال مریض کو جائز ہے یا نہیں؟ علمائے دیوبند ادویہ ڈاکٹری کا استعمال ممنوع فرماتے ہیں۔ اگر جوابی کارڈ کافی نہ ہو براہ عنایت بیرنگ لفافہ پر جواب عنایت فرمائیے اللہ تعالٰی آپ کو اس کا اجر خیر عطا فرمائے گا بیّنوا توجروا۔

الجواب:

شراب کسی قسم کی ہو مطلقاً حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجس بھی۔ برانڈی ہو خواہ اسپرٹ خواہ کوئی بلا، جس دوا میں اس کا جز ہو خواہ کسی طرح اس کی آمیزش ہو اس کا کھانا پینا بھی حرام، اس کا لگانا بھی حرام، اس کا بیچنا خریدنا بھی حرام، طبیب کہ اس کا استعمال بتائے مبتلائے گناہ وآثام۔ یہی ہمارے ائمہ کرام کا مذہب صحیح ومعتمد ہے۔ ہاں افیون بھنگ وغیرہ خشک چیزیں کہ نشہ لاتی یا تخذیر وتفتیر کرتی ہیں اُن کا نشہ حرام ہے اور وہ خود ناپاک نہیں تو اُن کا لگانا مطلقاً

جائز اور اگر کسی دوا میں ان کا اتنا جُز ہو کہ نشہ یا تخذیر نہ لائے تو اس کے کھانے میں بھی حرج نہیں ڈاکٹری ٹنچر وغیرہ رقیق دوائیں عموماً اسپرٹ کی آمیزش سے خالی نہیں ہوتیں وہ سب حرام ونجس ہیں، ہاں کونین وغیرہ کی طرح خشک دوا مضائقہ نہیں رکھتی جبکہ اس میں کسی حرام کا خلط نہ ہو، ان مسائل کی تحقیق درمختار وردالمحتار وفتاوٰی فقیر میں بروجہ کافی ہے۔ واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۳: از بنارس مرسلہ مولوی ممنون حسن خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر ۱۶شعبان معظم ۱۳۳۰ھ

ہادی راہ شریعت جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت برکاتکم بعد سلام علیک وآداب عرض ہے کہ عرصہ سے خیریت جناب مقدس کی دریافت نہیں، اس وقت ضرورت التماس یہ ہے کہ ایک مسئلہ دریافت طلب ہے جس کو کئی شق میں کرکے گزارش کرتا ہوں امید کہ جواب سے جلد سرفراز فرمایا جائے۔ مصنوعی دانت کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ یہ مصنوعی دانت اس طرح بنتے ہیں کہ دانت دیگر ممالک غیر اسلام سے بن کر آتے ہیں مگر اُن کی ترکیب کہ کن کن اجزا سے بنتے ہیں مجھ کو معلوم نہیں ہے مگر تاہم اب تک میرے علم میں کوئی ایسی چیز ان کی ترکیب میں نہیں آئی ہے جس کے داخل ترکیب ہونے کی وجہ سے ان کو میں حرام یا ناجائز خیال کروں۔ ان دانتوں کو ہندوستانی کاریگر ہر شخص کے منہ اور تالو کی صورت کے مشابہ تالو بنا کر اس میں لگادیتے ہیں جو منہ میں لگالیا جاتا ہے اور یہ حقیقت مصنوعی دانتوں کی ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مندرجہ بالا تالُو اگر سونے کا یعنی زر کا ہو یا کسی اور معدنیات کا مثل ایلومینیم کے تو مردوں کے لگانے کے واسطے کہاں تک جائز ہے، ایلومینیم وہ معدنیات میں سے ہے جس کے زمانہ حال میں ہلکی ہلکی دیگچیاں اور ظروف وغیرہ بنتے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے واسطے اور زر اور ایلومینیم کے واسطے اگر شریعت کا حکم جدا جدا ہے تو مفصل جواب سے مطلع فرمائیے چونکہ ضرورت اشد ہے اس لئے جواب سے جلد مطلع فرمایا جائے۔

الجواب:

بوالاملاحظہ جناب گرامی القاب فضائل نصاب جناب مولوی محمد ممنون حسن خاں صاحب بہادر بالقابہ دام مجدہ السامی، بعد اہدائے ہدیہ سنتہ سنیہ ملتمس، بنے ہوئے دانت لگانے میں حرج نہیں۔ طاہر قدوس عزّجلالہ نے ہر چیز اصل میں پاک بنائی ہے جب تک کسی شے میں کسی نجاست کا خلط ثابت نہ ہو پاک ہی مانی جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

لایحکم بنجاستها قبل العلم	کسی چیز کی نجاست کا حکم نہیں دیا جاسکتا

بحقیقتھا[1]۔	جب تک کہ اس کی حقیقت معلوم نہ ہو۔(ت)

سونے کا تالو عورتوں کو مطلقاً جائز ہے اور مردوں کو بضرورت یعنی جبکہ سونے میں کوئی خصوصیت محتاج الیہا ایسی ہو کہ چاندی وغیرہ سے حاصل نہ ہو سکتی ہو ورنہ دوسری دھات اختیار کریں چاندی کی حاجت ہو تو وہ ورنہ ایلومینیم یا جو مناسب ہو۔ درمختار میں ہے:

لایشد سنه المتحرك بذهب بل بفضة ویتخذ انفا منه لان الفضة تنتنه[2]۔	ہلنے والے دانت کو سونے کے تاروں سے مضبوط نہ کیا جائے بلکہ چاندی استعمال کی جائے، ہاں البتہ سونے کی مصنوعی ناک بنا کر لگائی جاسکتی ہے کیونکہ چاندی میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

الاصل فیه التحریم والاباحة للضرورة وقد اندفعت بالفضة وهی الادنی فبقی الذهب علی التحریم والضرورة لم تندفع فی الانف دونه حیث انتن[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	سونے کے استعمال میں اصل حرمت ہے اور اس کا مباح ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے کیونکہ چاندی سے یہ ضرورت پوری ہو جاتی ہے اور اس کا استعمال بنسبت سونے کے قریب ہے، لہٰذا سونا اپنی حرمت پر باقی رہے گا، اور یہ ضرورت ناک لگانے میں بغیر سونے کے پوری نہیں ہو سکتی (لہٰذا سونے کی مصنوعی ناک لگانا جائز ہے) کیونکہ سونے کے علاوہ باقی دھاتوں میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۴: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۴ رجب ۱۳۳۱ھ

شفاخانہ کی دوا استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

انگریزی دوا جس میں شراب پڑتی ہے جیسے ٹنکچر، وہ مطلقاً ناجائز ہے، اور جس دوا میں کوئی ناپاک یا حرام چیز معلوم نہ ہو اس سے بچنا بہتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار کتاب الطہارت باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[3] الہدایۃ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۵

مسئلہ ۶۵: اہل ہنود سے بیماری کی دوا کرانا کیسا ہے؟

الجواب:

طبیب اگر کوئی ناجائز چیز دوامیں بتائے جب تو جائز نہیں اگرچہ طبیب مسلمان ہو اور جائز چیز میں حرج نہیں اگرچہ کافر ہو مگر ہندوؤں کی طلب عقلی اصول کے خلاف اور اکثر مضر ہوتی ہے لہٰذا بچنا چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶: از قصبہ بشارت گنج ضلع بریلی متصل بڑی مسجد مرسلہ نجو خاں فوجدار یعنی باتی والہ ۲۵محرم الحرام ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عملیات یعنی تعویذ وغیرہ کتابوں سے کرنا حق ہے یا باطل؟ کس طور سے جواز اور کس طریق سے ناجائز؟ رقم فرمائیں۔

الجواب:

عملیات و تعویذ اسمائے الٰہی وکلام الٰہی سے ضرور جائز ہیں جبکہ ان میں کوئی طریقہ خلاف شرع نہ ہو مثلاً کوئی لفظ غیر معلوم المعنی جیسے حفیظی، رمضان، کعسلہون اور اور دعائے طاعون میں طاسوسا، عاسوسا، ماسوسا، ایسے الفاظ کی اجازت نہیں جب تک حدیث یا آثار یا اقوال مشائخ معتمدین سے ثابت نہ ہو، یونہی دفع صرع وغیرہ کے تعویذ کہ مرغ کے خون سے لکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے اس کے عوض مشک سے لکھیں کہ وہ بھی اصل میں خون ہے، یونہی حب و تسخیر کے لئے بعض تعویذات دروازہ کی چوکھٹ میں دفن کرتے ہیں کہ آتے جاتے اس پر پاؤں پڑیں یہ بھی ممنوع وخلاف ادب ہے، اسی طرح وہ مقصود جس کے لئے وہ تعویذ یا عمل کیاجائے اگر خلاف شرع ہو ناجائز ہوجائے گا جیسے عورتیں تسخیر شوہر کے لئے تعویذ کراتی ہیں، یہ حکم شرع کا عکس ہے۔ اللہ عزّوجل نے شوہر کو حاکم بنایاہے اسے محکوم بنانا عورت پر حرام ہے۔ یونہی تفریق وعداوت کے عمل و تعویذ کہ محارم میں کئے جائیں مثلاً بھائی کو بھائی سے جدا کرنا یہ قطع رحم ہے اور قطع رحم حرام، یونہی زن و شو میں نفاق ڈلوانا۔ حدیث میں فرمایا:

لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا[1]۔	جو کسی عورت کو اس کے شوہر سے بگاڑدے وہ ہمارے گروہ سے نہیں۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی من خبب امرأۃ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

بلکہ مطلقاً دو مسلمانوں میں تفریق بلاضرورت شرعی ناجائز ہے۔ حدیث میں فرمایا:

لاتباغضوا ولاتدابروا الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکونوا عباداللہ اخوانا[1]۔	(لوگو) ایک دوسرے سے عداوت نہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد گرامی تک "اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ"۔ (ت)

غرض نفس عمل یا تعویذ میں کوئی امر خلاف شرع ہو یا مقصود میں تو ناجائز ہے ورنہ جائز بلکہ نفع رسانی مسلم کی غرض سے محمود وموجب اجر۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ۔ رواہ مسلم[2] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تم میں جس سے ہوسکے کہ اپنے بھائی مسلمان کو کوئی نفع پہنچائے تو پہنچائے۔ (امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۷: مسئولہ مسلمانان جام جودھپور کاٹھیاواڑ معرفت شیخ عبدالستار صاحب پوربند کاٹھیاوار متصل قندیل ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۴ھ

ہندو کو شفاء بیماری کے واسطے تعویذ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کا طریقہ کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

کافر کو اگر تعویذ دیا جائے تو مضمر جس میں ہندسے ہوتے ہیں نہ کہ مظہر جس میں کلام الٰہی واسمائے الٰہی کے حروف ہوتے ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۸: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل صاحب از گونڈل کاٹھیاواڑ یکم صفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنت اس مسئلہ میں، شراب افیون یا ہر وہ چیز جو شرعاً حرام یا ناپاک ہو اس کا کسی مرض میں خارجاً ضماداً استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۲) اسی طرح بچوں کو نیند لانے یا رونے سے روکنے کی غرض سے دوا میں قدرے افیون کا کھلانا

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب ماینھی عن التحاسد والتدابر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۹۶

[2] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

(۱) شراب بھی حرام ہے اور نجس بھی، اس کا خارج بدن پر بھی لگانا جائز نہیں۔ اور افیون حرام ہے نجس نہیں، خارج بدن پر اس کا استعمال جائز ہے۔

(۲) بچے کو سلانا یا رونے سے باز رکھنے کے لئے افیون دینا حرام ہے اور اس کا گناہ اس دینے والے پر ہے بچے پر نہیں، **ماحرام اخذہ حرام اعطاؤہ**[1] (جس چیز کا لینا حرام ہے اس کا دینا بھی حرام ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۰: مرسلہ سیّد ولی اللہ از موضع لوڑ سرا ڈاکخانہ بھدورا ضلع غازیپور ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں باب کہ جن مواضعات میں کہ عارضہ طاعون کی شکایت ہو قبل اس کے کہ لوگ مرنے لگیں یعنی معًا ابتداء علامات وبا مثل مرنا حشرات الارض وغیرہ کا وگندگی وتعفن کا ہونا کہ مقدمہ اس عارضہ مکروہہ کا ہے، خدا کی پناہ یا بوقت ابتدا تعداد اموات صاحبان دیہہ اپنے اپنے مکانوں سے باہر ہوجائیں یا نہ ہوجائیں، شرع شریف اس امر میں کیا اجازت دیتی ہے اگر اجازت ہے تو کس وقت اور کس شرط کے ساتھ باہر ہونا چاہئے اور اگر شریعت اجازت نہیں دیتی تو باہر کے نکلنے والے لوگ کس گناہ کے مرتکب ہوں گے مع ثبوت حدیث ونص قرآنی کے مطلع کیا جائے۔

(۲) حکمائے اہل فرنگ جو عام طور سے اعلام در بارہ چھوڑنے مکانوں کے کرتے ہیں اور خود باہر نکل جاتے ہیں اور نیز اہل اسلام کا بہت سا حصہ ان کے تبعیت کرتے ہیں اور یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جس طرح دوا کرنا بحالت مرض سنت ہے اسی طرح بحالت خرابی آب وہوا جگہ کا نقل کرنا بھی ایک گونہ علاج ہے تبدیل آب وہوا بھی داخل سنت ہے تو ان لوگوں کی رائے کی تابعداری کرنا ہم سب کو مناسب ہے یا نہیں، اور بعضے اشخاص کا یہ خیال ہے کہ اس میں بلاموت بھی لوگ مرجاتے ہیں چونکہ کثرت سے لوگ مرتے ہیں اور بیمار پڑتے ہیں تو یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کیا ایکبارگی اتنے لوگوں کی موت ایک ہی بار تھی خیر ہر ایک سوال کی طرف سے معقول تسلی بخش جواب سے اطلاع دیں۔ **(۳)** کتنے میت تک کا جنازہ اکٹھا ہوسکتا ہے اور نابالغ لڑکی اور لڑکے کا جنازہ بالغ کے ساتھ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو دعا پہلے بالغ کی پڑھی جائے یا نابالغ کی؟ یا محض بالغ کی دعا نابالغ کے لئے کافی ہوسکتی ہے؟ جواب شافی سے ممنون ومشکور کیا جاؤں، مع حوالہ حدیث۔ **(۴)** لڑکا اور لڑکی نابالغ ہے اس کی شادی ہوگئی ہے بعد شادی کے لڑکی بیوہ ہوگئی تو عقد ثانی کے بارہ میں عدّت لیا جائے گا کہ نہیں؟ اگر عدّت لیا جائے تو کب تک؟

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

(۵) اپنی بیوی میت کا جنازہ شوہر لیجاسکتا ہے کہ نہیں؟ جواب شافی سے ممنون فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

(۱) طاعون سے بھاگنا حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف[1]۔	طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہی ہے جیسے کہ جہاد میں کافروں کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔

جسے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾"[2]	وہ بیشک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت ہی بری جگہ پھرنے کی۔

(۲) کیا ایسی چیز دوا کے حکم میں آسکتی ہے نہ کہ معاذ اللہ سنت ہونا جس پر اللہ کا غضب ہو اور جہنم ٹھکانا۔ جو لوگ اس سے بھاگ کر کہیں بھی جاتے ہیں سب گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اس کی تفصیل ہمارے رسالہ تیسیر الماعون میں ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ لوگ اس میں بے موت مرجاتے ہیں وہ گمراہ ہیں، اس میں قرآن عظیم کا انکار ہے ان پر توبہ فرض ہے اور تجدید اسلام و تجدید نکاح چاہئے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ"[3]۔	کون جان بے حکمِ خدا نہیں مر سکتی لکھا ہوا حکم ہے وقت باندھا ہوا۔

پیڑ سے ایک آدھ پھل ٹپکتا رہتا ہے اسی کا ٹپکنا لکھا تھا اور ایک آندھی آتی ہے کہ ہزاروں پھل ایک ساتھ جھڑ پڑتے ہین ان کا ساتھ ہونا ہی لکھا تھا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾"[4]	ہر چھوٹی بڑی بات سب لکھی ہوئی ہے۔

(۳) سو دو سو جتنے جنازے جمع ہوں سب پر ایک ساتھ ایک نماز ہو سکتی ہے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۴۵،۱۵۵، ۸۲

[2] القرآن الکریم ۸/ ۱۶

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۵

[4] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۳

(۴) بالغوں کے ساتھ نابالغوں کی نماز بھی ہوسکتی ہے۔

دونوں دعائیں پڑھی جائیں، پہلے بالغوں کی پھر نابالغوں کی۔اور بہر حال اگر وقت نہ ہو تو ہر جنازے پر جدا نماز بہتر ہے۔ درمختار میں ہے:

اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلٰوۃ علی کل واحدۃ اولٰی وان جمع جاز وراعی الترتیب المعهود خلفه الرجل مما یلیه فالصبی فالبالغة فالمراهقة[1] ملتقطا۔	جب متعدد جنازے (میّت) جمع ہوجائیں یعنی وہ لائے جائیں تو ہر ایک پر الگ الگ نماز پڑھنی بہتر ہے۔اور اگر سب پر اکٹھی نماز پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔لیکن صفوف کی ترتیب میں مقرر متعارف کی رعایت کرے(اور وہ یہ ہے کہ)امام کے متصل اس کے پیچھے بالغ مرد ہوں پھر نابالغ بچے پھر بالغہ عورتیں اور ازیں بعد قریب البلوغ لڑکیاں ہوں بیوہ پر موت شوہر کی عدت ضروری ہے اگرچہ وہ خود ایک دن کی بچی اور اس کا شوہر بھی کہ مرگیا ایک دن کا بچہ ہو۔

درمختار میں ہے:

العدۃ للموت اربعة اشهر وعشر مطلقا وطئت اولا ولو صغیرۃ وفی حق الحامل مطلقا وضع حملها ولوکان زوجها المیت صغیرا[2]۔	عدّتِ وفات چار مہینے اور دس دن علی الاطلاق بغیر کسی قید کے، خواہ ہمبستری ہوئی ہو یا نہ، اگرچہ چھوٹی بچی ہو۔حاملہ کی عدت علی الاطلاق وضع حمل ہے اگرچہ مرنے والا اس کا زوج چھوٹا ہو(ت)

چار مہینے دس دن عدت کرے گی۔

(۵) مرد اپنی زوجہ کا جنازہ اٹھاسکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۱: از گونڈل کاٹھیاواڑ۔مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل سنّی حنفی قادری ۲۲شعبان ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہلسنّت خصوصًا امام اہلسنّت مجدّد مائۃ حاضرہ صاحب حجت قاہرہ محی الاسلام والمسلمین مولانا مفتی قاری شاہ محمد احمد رضاخان صاحب مدظلہ، اس مسئلہ میں ایک شخص مسلمان یا غیر مسلمان ایک حکیم یا غیر حکیم کے پاس اس لئے آیا کہ اس کے کسی رشتہ دار عورت کے کسی طور سے حمل رہ گیا حمل کے ظاہر ہونے سے اس عورت نیز خویش واقارب کی سخت بے عزتی

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۲

[2] درمختار کتاب الطلاق باب العدّۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

ہونے والی ہے اس لئے خواستگار ہے ایسی دعا کا جس سے حمل ساقط ہو جائے نیز شخص مذکور اس دوا کے عوض میں کچھ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہے، اب عرض یہ ہے کہ اس قسم کا دوا دینا اور اس کا معاوضہ لینا اہل سنت وجماعت کے لئے جائز ہے یا نہیں خصوصًا ایسی حالت میں جبکہ کسی سنی مسلمان کی بے عزتی ہونے والی ہے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر ابھی بچہ نہیں بنا جائز ہے ورنہ ناجائز کہ بے گناہ کا قتل ہے اور چار مہینے میں بچہ بن جاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۲: از موضع چوپرا ڈاکخانہ بالسی ضلع پورنیہ مرسلہ کلیم الدین صاحب ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کھانے پر فاتحہ شریف یا کوئی آیت قرآن کی پڑھ کر دم کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس طرح سے پڑھنا چاہئے؟

الجواب:

بہ نیت شفاء سورہ فاتحہ یا اور کوئی آیت پڑھ کر دم کی جائے تو حرج نہیں مگر اس کھانے کی احتیاط اور دوچند ہو جائے گی کہ اس کا کوئی دانہ یا قطرہ گرنے نہ پائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۳: از موضع گھورنی ڈاکخانہ کرشنگڑھ ضلع ندیا مرسلہ نذیر احمد صاحب ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

نوشیدن دوائے انگریزی کہ دراں اسپرٹ می ماند وحقیقت ایں اسپرٹ نمی دانم رواست یانہ ودریں دیار ماہمہ بایں مبتلا ایذا الاماشاء اللہ کہ رواج طب یونانی ازبس قلیل قیمتش نیز گراں ست کہ ہر کس برآں قادر نمی شود۔	انگریزی دوائی پینا کہ اس میں اسپرٹ کی ملاوٹ ہوتی ہے، اور میں اسپرٹ کی حقیقت سے واقف نہیں۔ کیا اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن ہمارے ان شہروں میں سب اس مرض میں مبتلا ہیں الاماشاء اللہ، اس لئے کہ طب یونانی کا رواج بہت کم ہے اور وہ زیادہ قیمتی بھی ہے کہ ہر ایک اس علاج کی طاقت نہیں رکھتا۔ (ت)

الجواب:

اسپرٹ قسمے از شراب ست بغایت تند کہ بہ تیزی خود تنہائی قابل نوشیدن نماندہ است شرابہا کہ از انگلستان آرند ہمہ را بآمیزش	"اسپرٹ" شراب کی ایک قسم ہے جو انتہائی تیز ہونے کی وجہ سے تنہا پینے کے قابل نہیں۔ پس جو شرابیں برطانیہ سے منگوائی جاتی ہیں اُن

قطرات او تیزمی کنند کہ درفلاں شراب در نودہ قطرہ یک قطرہ اسپرٹ است ودرفلاں در صد قطرہ یک قطرہ، ہمہ شرابہا باآشامیدن نشہ آرد وایں بمجرد شمیدن کہ بوئے اومسکرست لا جرم ہمچو جملہ خمور ہم حرام ست وہم نجس ہر دوائیکہ درو آمیزش او باشد بریدن طلائے او کردن یک حرام ست ونو شیدن دوحرام بلکہ اوسہ حرام فراہم کردن حرام خریدنش حرام برداشتنش حرام وبدن باو آلودنش حرام وانیجا حرام چہارم خوردن، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درشراب، دہ کس رالعنت فرمودہ است ازانان فروشندہ وخریدہ وبردہ اندہ وآنکہ بہ سوئے اوبرداشتہ شود باالجملہ ہرکہ بہیچ گونہ باو تلبس دارد بحرام وخبیث تلوث دہ وہرکہ مسلمان را ازمن بلاباز دارد برائے اواجر صد شہیدست قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	سب میں اس کے قطروں کی ملاوٹ انہیں تیز کرنے کے لئے کی جاتی ہے کہ فلاں شراب کے نودس قطروں میں ایک قطرہ اسپرٹ ہے، اور فلاں شراب کے سو قطروں میں ایک قطرہ اسپرٹ کی ملاوٹ ہے۔ اور سب شرابیں پینے سے نشہ لاتی ہیں، اور یہ صرف سونگھنے سے نشہ لاتی ہے اس لئے کہ اس کی "بُو" نشہ آور ہے۔ بلاشبہہ تمام شرابوں کی طرح یہ حرام ہونے کے علاوہ ناپاک بھی ہے لہٰذا جس دوائی میں اس کی ملاوٹ ہو اس کا جسم پر ملنا پہلا حرام ہے اور پینا دوسرا حرام بلکہ تیسرا حرام ہے۔ اس کا حاصل کرنا حرام۔ اس کا خریدنا، اٹھانا اور جسم کو اس سے آلودہ کرنا یہ سب کام حرام ہیں۔ اور یہاں چوتھا حرام اسے پینا ہے۔ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شراب کے دس افراد پر لعنت فرمائی ان میں سے یہ لوگ ہیں (۱) فروخت کرنے والا (۲) خریدنے والا (۳) اٹھانے والا (۴) وہ جس تک اٹھا کر لے جائے۔ حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کسی طرح بھی اس سے وابستہ ہو وہ ایک حرام اور ناپاک چیز سے آلودگی رکھتا ہے۔ اور جو کوئی کسی مسلمان کو اس مصیبت سے چھڑائے اور اسے روکے اسے سو شہیدوں کا اجر و ثواب ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس خوش نصیب نے میری سنت کو اس وقت تھاما کہ جب میری امت میں فساد پھیل گیا تو اسے سو شہیدوں کا ثواب عطا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الایمان باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰، الترغیب والترہیب الترغیب فی اتباع الکتاب والسنۃ حدیث ۵ مصطفی البابی مصر ۱/ ۸۰

مسئلہ ۷۴: از چھپّرہ محلّہ دھیانوان مرسلہ محمد نبی جان دوافروش ۵رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید کے پاس ایک نسخہ مردانگی کا ایک ہندو فقیر کا دیا ہوا ہے زید اسے بنا کر دینے سے بھی عذر کرتا ہے نسخہ بتانے سے بھی خیال اس کا ایسا ہے کہ لوگ حرام کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں اس وجہ سے کسی کو نہیں دیتا ہوں کہ اگر وہ حرام کریں گے تو میرے نامہ اعمال میں درج ہوں گے اور عمرو نے یہ سوال کیا کہ مجھے نسخہ بتادو اور جو قسم شرعی لینا چاہو لے لو کیونکہ میں بسبب مرض بواسیر کے سخت پریشان ہوں کہ نامردی کے درجہ پر پہنچا ہوں میری شادی عنقریب ہونے والی ہے اگر آپ نسخہ نہیں دیتے ہیں تو مجھے بنا کر دے دوا گرنہ دوگے تو میں اپنا دلی راز کہہ کر تمہاری آنکھ میں ذلیل ہوا ڈوب مرنے کے سوا اور مجھے کچھ بن نہیں آتا ہے تو یہ خیال زید کا موجب شرع شریف غلط یا صحیح ہے اور عمرو ایک مرد مسلمان نمازی بھی ہے۔

الجواب:

اگر وہ نسخہ نہ بتائے اسے دوا بنا کر دے جبکہ اس میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1]۔	جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو نفع پہنچا سکتا ہو تو اسے نفع پہنچانا چاہئے۔(ت)

اور اس کا یہ خیال کہ لوگ حرام کریں گے اور اس پر وبال محض غلط ہے مسلمان پر بدگمانی حرام ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچتے رہو کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔(ت)

اور جب اس کی نیت نفع رسانی مسلم ہے تو دوسرا گناہ کرے بھی تو اس کا مواخذہ اس پر نہیں ہو سکتا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: "لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰی ۚ"[3] (کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیہ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

نہ اٹھائے گی۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۵: از اردہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرا ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خانصاحب ۲۵ شوال ۱۳۳۶ھ

جس محلّہ یا جس شہر میں طاعون ہو وہاں کے باشندے کسی دوسرے مقام پر نفرمن قضاًاللہ الٰی قضاء اللہ کے خیال سے جاسکتے ہیں یانہیں، طاعون وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کیاارشاد ہے؟ جولوگ اس خیال سے اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر چلے جاتے ہیں وہ اہل بدعت ہیں یانہیں؟ اور ان کے ساتھ بدعتیوں کاسابرتاؤ کرناچاہئے یانہیں؟

الجواب:

طاعون کے خوف سے شہر یامحلّہ یاگھر چھوڑ کر بھاگنا حرام وگناہ کبیرہ ہے، اس کاکافی بیان ہمارے رسالہ تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف [1]۔	طاعون سے بھاگنے والا ایساہے جیسا کفار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والا۔

جس کے لئے قرآن عظیم میں فرمایا کہ اس کا ٹھکانا جہنم ہے، ایسا نفرمن قدراللہ الی قدراللہ جہاد سے بھاگنے والا بھی کہہ سکتاہے وہ بھی بھاگ کر تقدیر ہی میں جائے گامگر اس بھاگنے کامنتہی جہنم ہے، طاعون عمواس شام میں تھاامیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ وہاں کے عزم سے روانہ ہوچکے تھے جب سرحد شام وحجاز موضع سرغ پر پہنچے ہیں خبر پائی کہ شام میں بشدّت طاعون ہے امیر المومنین نے مہاجرین کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مشورہ کیا بعض نے کہا حضرت کام کے لئے چلے ہیں رجوع نہ چاہئے بعض نے کہا حضرت کے ساتھ بقیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہماری رائے نہیں کہ انہیں وبا پر پیش کریں، پھر انصارِ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بلایاوہ بھی یوہیں مختلف ہوئے پھر اکابر مومنین فتح کو بلایاانہوں نے بالاتفاق نہ جانے کی رائے دی امیر المومنین نے واپسی کی ندا کردی، اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اِفرار من قدراللہ کیا تقدیر الٰہی سے بھاگنا، امیر المومنین نے فرمایا: کاش کوئی اور ایسا کہتا نعم نفر من قدر اللہ الٰی قدر اللہ ہاں ہم

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۵۵، ۱۴۵، ۸۲ الزواجر الکبیرۃ التاسعۃ والتسعون بعد الثلاثمائۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۸۸۔۲۸۷

تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی کام کو گئے ہوئے تھے جب واپس آئے انہوں نے کہا مجھے اس مسئلہ کے حکم کا علم ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فرارامنہ۔	جب تم کسی زمین میں طاعون ہونا سنو تو وہاں طاعون کے سامنے نہ جاؤاور جب تمہاری جگہ واقع ہو تو اس سے بھاگنے کو نہ نکلو۔

اس پر امیر المومنین حمد الٰہی بجالائے کہ ان کا اجتہاد موافق ارشاد واقع ہوا اور واپس ہوگئے[1]۔ایسی جگہ نفر من قدر اللہ الی قدر اللہ کہنا ٹھیک ہے کہ موافق حکم ہے،طاعون سے بھاگنا فسق ہے بھاگنے والوں سے فاسقوں کا سا برتاؤ چاہئے،بدعت بمعنی بدمذہبی نہیں،ہاں اگر احادیث صحیحہ مشہورہ میں ارشاد اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معلوم ہے اور انہیں رَد کرتا اور اپنی نامرادی وبزدلی کے حکم کو اُن پر ترجیح دیتا ہے تو ضرور بدمذہب ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۶: از شہر جبلپور محلّہ کوتوالی مسئولہ حکیم عبدالرحیم صاحب ۹رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، حامداو مصلیا ومسلما،ایک طبیب جس نے علم طب باقاعدہ حاصل کیا ہے اور نظری وعملی طریقہ مروجہ سے پوری تکمیل کرچکا ہے مگر ان وجوہات سے اپنے پیشے سے ہمیشہ دل برداشتہ اور متفکر اور وبال اُخروی سے خائف رہتا ہے کہ دقائق وجزئیات فن کا ہمیشہ بالکلیہ مستحضر فی الذہن رہنا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے اور جب یہ نہیں تو تشخیص کا صحیح نہ ہونا معلوم۔ نیز چونکہ یہ فن ظنی ہے اور ظن غالب وگمان راجح پر علاج ہوتا ہے اگرچہ بتائید حکیم مطلق جل وعلا اکثر تشخیص مطابق واقع ہوتی ہے تاہم غلطی کا اندیشہ لگا رہتا ہے کیونکہ مجربین کا مقولہ ہے العلاج رمی السھم فی الظلمات(علاج اندھیروں میں تیراندازی ہے۔ت) نیز عقل،حافظہ،استحضار ذہانت طباعی بلکہ جو آلات تشخیص مرض ہیں حسب قوائے دماغی مختلف ہیں اسی وجہ سے مریض واحد کی تشخیص میں اطبائے متعدد متحد الرائے بہت کم دیکھے جاتے ہیں اگرچہ سب اپنی تشخیص کو صحیح سمجھے ہوئے ہیں مگر فی الواقع کسی ایک ہی کی رائے صحیح ہوگی اور کبھی طبیب علاج کے غیر مفید پڑنے سے اپنی خطا فی التشخیص سے واقف ہوکر سنبھل جاتا ہے اور علاج میں فوراً ترمیم کردیتا ہے مگر کبھی اتنے پر بھی اس کو یہ معالجہ اسی علاج پر برقرار رکھتا ہے کہ تیری تشخیص اور علاج دونوں صحیح ہیں مگر خدا کی طرف سے ابھی صحت کا وقت نہیں آیا ہے،اس کے علاوہ بھی اور بہت سے وجوہات ہیں جن کے سبب سے وہ اپنے پیشہ طبابت سے تنگ ہے،اس صورت

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۳

میں یہ پیشہ اگر کیا جائے تو از روئے شرع شریف اس کے ذمے کیا وبال ہے اور وہ اس کا اہل ہے یا نہیں اور اگر اہل ہے بھی اور پھر ترک کردے تو کوئی شرعی قباحت تو لازم نہیں آتی؟ بلا دلیل صرف حکم تحریر فرمادیا جائے۔

الجواب:

اہل کو اس کا ترک بلا مضائقہ جائز ہے جبکہ وہاں اور طبیب اہل موجود ہو اور نااہل کو اس میں ہاتھ ڈالنا حرام ہے اور اس کا ترک فرض۔ جس نے اس فن کے باقاعدہ نظریات و عملیات حاصل کئے اور ایک کافی مدت تک کسی طبیب حاذق کے مطب میں رہ کر کام کیا اور تجربہ حاصل ہوا اکثر مرضی اس کے ہاتھ پر شفا پاتے ہوں کم حصہ ناکامیاب رہتا ہو فاحش غلطیاں جیسے بے علم ناتجربہ کار کیا کرتے ہیں تشخیص وعلاج میں نہ کیا کرتا ہو وہ اہل ہے اور اسے بنظر نفع رسانی خلائق و مسلمین اس سے دست کش ہونا نہ چاہئے خصوصًا جبکہ دوسرا ایسا وہاں نہ ہو۔ بعض اوقات تشخیص یا علاج میں غلطی واقع ہونا منافی اہلیت نہیں کہ غلطی سے انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسلام معصوم ہیں وبس۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۷: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ۔

بانجھ وہ ہوتی ہے جس کے کبھی بچہ نہ ہوا ہو بعضوں کے ایک یا دو بچہ ہو کر بند ہو جاتے ہیں ان کا علاج بانجھ کا سا ہی کیا جائے یا اور طرح۔

الجواب:

ہاں وہی اعمال کافی ہیں کہ جو اقوی کی مدافعت کریں اضعف کی بدرجہ اولٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۸: از میرٹھ مرسلہ مولوی محمد حبیب اللہ صاحب قادری رضوی خطیب جامع مسجد خیر نگر مدرس مدرسہ قومیہ

رجعت عمل کیا چیز ہے، کیا عمل کا لوٹ جانا کسی بے احتیاطی وغیرہ سے ممکن ہے؟

الجواب:

ہاں ممکن ہے اور بارہا واقع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: از لکھنؤ کارلٹن ہوٹل بتوسط عبدالمجید خانصاحب مرسلہ ننھے موٹر ڈریور ۱۵صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر علماء یا مولوی صاحب کسی حاجتمند کو خالصًا للہ کوئی تعویذ یا نقش دے دیتے ہیں اور اس سے بفضلہ تعالٰی نفع ہو جاتا ہے تو اس پر اعتقاد واجب ہے یا نہیں؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تعویذات وغیرہ کا ثبوت کہیں قرآن شریف یا حدیث شریف سے

نہیں ہے واللہ تعالٰی اعلم یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اس لئے حضور کو تکلیف دی گئی کہ حضور تحریر فرمائیں کہ آیا اُس شخص کے مطابق عمل کیا جائے یا نہیں؟

الجواب:

تعویذات بیشک احادیث اور ائمہ قدیم وحدیث سے ثابت، اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی افریقہ میں ہے، تعویذات اسماء الٰہی وکلام الٰہی وذکر الٰہی سے ہوتے ہیں ان میں اثر نہ ماننے کا جواب وہی بہتر ہے جو حضرت شیخ ابوسعید الخیر قدس سرہ العزیز نے ایک ملحد کو دیا جس نے تعویذات کے اثر میں کلام کیا حضرت قدس سرہ نے فرمایا: تو عجیب گدھا ہے۔ وہ دنیوی بڑا مغرور تھا یہ لفظ سنتے ہی اس کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور گردن کی رگیں پھول گئیں اور بدن غلیظ سے کانپنے لگا اور حضرت سے اس فرمانے کا شاکی ہوا، فرمایا میں نے تمہارے سوال کا جواب دیا ہے گدھے کے نام کا اثر تم نے مشاہدہ کرلیا کہ تمہارے اتنے بڑے جسم کی کیا حالت کردی لیکن مولٰی عزوجل کے نام پاک میں اثر سے منکر ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۰: از موضع ہری پور مرسلہ شوکت علی خاں بتاریخ ۱۹رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید غیر تعلیم یافتہ کسی قریہ میں اپنے آپ کو حکیم مشہور کرے اور وہ اس قسم کی ادویات جانتا ہے کہ اسقاط حمل ہوجائے اور وہ کسی عورت حاملہ کو عورت کی خواہش پر یا غیر خواہش پر ذریعہ ادویات اسقاط حمل کرائے اور اسقاط عمل میں آئے تو کیا وہ شخص قاتل ہے اور اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جاہل کو طبیب بننا حرام ہے، جان پڑ جانے کے بعد اسقاط حمل حرام ہے، اور ایسا کرنے والا گویا قاتل ہے، اور جان پڑنے سے پہلے اگر کوئی ضرورت ہے تو حرج نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۱: از نیوریا ضلع پیلی بھیت مسئولہ اکبر حسین ۱۴رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ عورت کو بانجھ کرنا کس قدر گناہ ہے اور اس گناہ کی معافی ہے یا نہیں؟ حکم شرع بیان فرمائیے۔ فقط والسلام

الجواب:

بانجھ کرنا نہ کرنا اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے بشر کی طاقت نہیں "**یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا**ؕ"[1] (اللہ

[1] القرآن الکریم ۴۲ / ۵۰

تعالٰی جس کو چاہے بانجھ کردے۔ت) ہاں ایسی دوا کا استعمال جس سے حمل نہ ہونے پائے اگر کسی ضرورت شدیدہ قابل قبول شرع کے سبب ہے حرج نہیں ورنہ سخت شنیع و معیوب ہے اور شرعًا ایسا قصد ناجائز وحرام۔

وقد نھی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الخصاء وعن التبتل والرھبانیۃ وھذا بمعناھا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خصی کرنے اور الگ تھلگ کٹ کر رہنے اور رہبانیت اختیار کرنے سے منع فرمایا، اور مانع حمل دوا کا استعمال انہی کے معنٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۲: از شہر محلّہ ملوکپور مسئولہ سراج علی خاں صاحب رضوی ۱۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ سرطان یا کسی قسم کی شراب کوئی مریض کسی حالت میں استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کو پوشیدہ طور پر کھلائے یا پلائے تو ایسے شخص کے لئے کیا حکم ہے؟ اور مریض اس سے بری الذمہ ہے یا نہیں؟ اگر ایسی ادویات سے جن میں مذکورہ بالا اشیاء کا میل ہو، جان بچنے کا خیال ہو تو اس کا استعمال کسی طرح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

سرطان کھانا حرام ہے اور شراب بدن پر لگانا بھی حرام ہے۔ جان حلال دواؤں سے بھی بچ سکتی ہے اگر اسے بچانا منظور ہے ورنہ حرام دوائیں سوائے گناہ کچھ اضافہ نہ کریں گی جو پوشیدہ طور پر مسلمان کو حرام چیز کھلائے یا پلائے سخت حرام کا مرتکب اور شدید سزا کا مستوجب ہے مریض پر الزام نہیں اگر اسے خبر نہ تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۳: (پورا سوال دستیاب نہیں ہوسکا)

۔۔۔۔۔ کہ جو طاعون سے مرتا ہے وہ کافر ہے اور دلیل میں زمانہ موسٰی علیہ السلام کا واقعہ پیش کرتا ہے اس قول سے بکر مخالف حدیث صحیح ہوکر کافر ہوا یا نہیں اور اس کی زوجہ نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں؟ اور بصورت توبہ تجدید نکاح لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:

متواتر حدیثوں سے ثابت ہے کہ طاعون مسلمان کے لئے شہادت و رحمت ہے اور جو مسلمان طاعون میں مرے شہید ہے۔

حدیث ۱: صحیح بخاری و صحیح مسلم ومسند امام احمد بن حنبل میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الطاعون شهادة لكل مسلم[1]۔	طاعون ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔

حدیث ۲: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مات في الطاعون فهو شهيد[2]۔	طاعون میں مرنے والا شہید ہے۔

حدیث ۳: مسند امام احمد و معجم کبیر طبرانی و صحیح مختارہ میں صفوان بن امیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے[3]۔

حدیث ۴: طبرانی نے معجم اوسط اور ابونعیم نے فوائد ابوبکر بن خلاد میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الطاعون شهادة لامتی**[4] طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے۔

حدیث ۵: امام احمد بسند صحیح راشد بن جیش سے[5]۔

حدیث ۶: طبرانی وابن قانع ربیع بن ایاس انصاری سے[6]۔

حدیث ۷: احمد وابوداؤد طیالسی وسمویہ وضیا عبادہ بن صامت سے[7]۔

حدیث ۸: طبرانی کبیر میں سلمان فارسی سے[8]۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجهاد باب الشهادة سبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۷

[2] صحیح مسلم کتاب الامارة باب بیان الشهداء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۷۳۳۰ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۵۶، کنز العمال حدیث ۱۱۱۸۸ مؤسسة الرساله بیروت ۴/ ۴۱۸

[4] المعجم الاوسط حدیث ۵۵۲۷ مکتبه المعارف ریاض ۶/ ۲۴۹

[5] مسند احمد بن حنبل عن راشد بن جیش المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۸۹

[6] لمعجم الکبیر عن ربیع الانصاری حدیث ۴۶۰۷ المکتبة الفیصلیة بیروت ۵/ ۶۸

[7] مسند احمد بن حنبل عن عبادہ بن صامت المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۱۴و۳۲۳، مسند ابی داؤد الطیالسی احادیث عبادہ بن صامت حدیث ۵۸۲ دار المعرفة بیروت ص۷۹، کنز العمال بحوالہ سمویہ عن عبادہ بن صامت حدیث ۱۱۲۲۰ موسسة الرساله بیروت ۴/ ۴۲۳

[8] المعجم الکبیر عن سلمان رضی اللہ عنہ حدیث ۶۱۱۴ المکتبة الفیصلیة بیروت ۶/ ۲۴۷

حدیث ۹: احمد و دارمی و سعید بن منصور و بغوی و ابن قانع صفوان بن امیہ سے[1]۔

حدیث ۱۰: احمد ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔

ان چھ حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **الطاعون شھادۃ**[2]۔ طاعون شہادت ہے۔

حدیث ۱۱: امام مالک و امام احمد و ابوداؤد و امام نسائی و ابن حبان و حاکم جابر بن عتیک سے[3]۔

حدیث ۱۲: ابن ماجہ ابوہریرہ سے[4]۔

حدیث ۱۳: طبرانی کبیر میں عبداللہ بن بُسر سے[5]۔

حدیث ۱۴: عبدالرزاق مصنف میں عبادہ بن صامت سے[6]۔

حدیث ۱۵: ابن سعد طبقات میں ابو عبیدہ بن الجراح سے[7]۔

حدیث ۱۶: ابن شاہین علی بن ارقم وہ اپنے والد سے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ ان چھ حدیثوں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **المطعون شھید**[8]۔ جس مسلمان کو طاعون ہو وہ شہید مرا۔

حدیث ۱۷: احمد و ابن سعد عسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الطاعون شھادۃ لامّتی ورحمۃ لھم	طاعون میری اُمّت کے لئے شہادت اور رحمت

[1] کنزالعمال حدیث ۱۱۲۲۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۰

[3] کنزالعمال بحوالہ مالک، حم، د، ن حب، ك عن جابر بن عیتك حدیث ۱۱۱۸۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۱۷

[4] سنن ابن ماجہ ابواب الجہاد باب مایرجی فیہ الشھادۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۶

[5] کنزالعمال بحوالہ طب حدیث ۱۱۱۹۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۱۸

[6] المصنف لعبدالرزاق حدیث ۶۶۹۵ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۶۲، کنزالعمال بحوالہ عب عبادہ بن صامت حدیث ۱۱۲۱۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۲۳

[7] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ ابی عبیدہ بن الجراح دار صادر بیروت ۳/ ۴۱۴

[8] کنزالعمال بحوالہ ابن شاہین عن علی ابن الارقم حدیث ۱۱۲۲۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۲۴

ورجس علی الکافرین [1]۔	ہےاور کافروں پر عذاب ہے۔

حدیث ۱۸: صحیح بخاری و مسند احمد وابوداؤد طیالسی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الطاعون کان عذابا یبعثه الله تعالٰی علی من یشاء وان الله تعالٰی جعله رحمة للمؤمنین [2]۔	طاعون ایک عذاب تھاکہ اللہ عزوجل جن پر چاہتا بھیجتا اور بیشک اللہ تعالٰی نے اسے مسلمانوں کے لئے رحمت کردیا۔

حدیث ۱۹: امام احمد وحاکم کُنٰے میں اور بغوی اور حاکم مستدرک اور طبرانی کبیر میں ابوبردہ اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی:

اللھم اجعل فناء امّتی قتلا فی سبیلك بالطعن والطاعون [3]۔	الٰہی میری اُمت کو اپنی راہ میں شہادت نصیب کر دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے۔

حدیث ۲۰: باوردی ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی:

اللھم اجعل فناء امتی بالطعن والطاعون [4]۔	الٰہی میری امت کو دشمن کے نیزوں اور طاعون سے وفات نصیب کر۔

حدیث ۲۱: طبرانی اوسط میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتفنی امتی الابالطعن والطاعون	میری اُمت کا خاتمہ دشمن کے نیزوں اور طاعون

[1] کنزالعمال بحوالہ حم وابن سعد حدیث ۲۸۴۳۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۷۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب اجر الصابر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۳، کنزالعمال بحوالہ ط،حم،خ عن عائشہ رضی اللہ عنہا حدیث ۲۸۴۳۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۷۷

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی بردہ الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۳۸، المستدرك للحاکم کتاب الجہاد دارالفکر بیروت ۲/ ۹۳، کنزالعمال بحوالہ حم والحاکم فی الکُنٰی حدیث ۲۸۴۴۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۸۰

[4] کنزالعمال بحوالہ الباوردی عن ابی موسٰی الاشعری حدیث ۲۸۴۴۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۸۰

غدة کغدة الابل، المقیم فیہا کالشہید والفار منہا کالفار من الزحف[1]۔	سے ہی ہوگا اونٹ کی سی گلٹی ہے جو اس میں ٹھہرا رہے وہ شہید کے مانند ہے اور جو اس سے بھاگ جائے وہ ایسا ہو جیسا کفار کو پیٹھ دے کر جہاد سے بھاگنے والا۔

حدیث ۲۲: صحیح مستدرک میں ابو موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الطاعون وخز اعدائکم من الجن وھو لکم شھادة[2]۔	طاعون تمہارے دشمن جنوں کا چوکا ہے اور وہ تمہارے لئے شہادت ہے۔

حدیث ۲۳: مسند احمد و معجم کبیر میں ابو موسٰی اور اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فناء امتی بالطعن والطاعون وخز اعد انکم من الجن وفی کل شھادة[3]۔	میری امت کا خاتمہ جہاد وطاعون سے ہے کہ تمہارے دشمن جنوں کا چوکا ہے اور دونوں میں شہادت ہے۔

حدیث ۲۴: ابن خزیمہ وابن عساکر شرحبیل حسنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے[4]۔

حدیث ۲۵: ابن عساکر معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے[5] دونوں وقفًا۔

حدیث ۲۶: شیرازی القاب میں معاذ سے رفعًا راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الطاعون رحمة ربّکم ودعوة نبیکم وموت الصالحین قبلکم وھو شھادة[6]۔	بیشک طاعون تمہارے رب کی رحمت اور تمہارے نبی کی دعا اور اگلے نیکوں کی موت ہے اور وہ شہادت ہے۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ طس عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حدیث ۲۸۴۵۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۸۰

[2] المستدرك للحاکم کتاب الایمان الطاعون شھادة دار الفکر بیروت ۱/ ۵۰

[3] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ المکتب اسلامی بیروت ۴/ ۳۹۵، معجم الاوسط للطبرانی حدیث ۸۵۰۷ مکتبہ المعارف ریاض ۹/ ۲۳۳

[4] تھذیب تاریخ دمشق ابن عساکر ترجمہ شرحبیل بن عبداللہ حدیث فی طاعون عمواس دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۰۳

[5] تھذیب تاریخ دمشق ابن عساکر ترجمہ شرحبیل بن عبداللہ حدیث فی طاعون عمواس دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۰۳

[6] کنز العمال بحوالہ الشیرازی فی الالقاب حدیث ۲۸۴۴۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۷۹

حدیث ۲۷: احمد وطبرانی وابن عساکر انہیں سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یشھداللہ بہ انفسکم وذراریکم ویزکی بہ اعمالکم[1]۔	اللہ تعالٰی طاعون سے تمہیں اور تمہارے بچوں کو شہادت دے گا اور اس کے سبب تمہارے اعمال ستھرے کرے گا۔

حدیث ۲۸: امام مالک ودارقطنی ابوہریرہ سے[2]۔

حدیث ۲۹: نسائی عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتے ہیں:

الشھداء خمسۃ المطعون والمبطون والغریق و صاحب الھدم والشھید فی سبیل اللہ[3]۔	شہید پانچ ہیں طاعون زدہ اور جو پیٹ کی بیماری سے مرا ہو اور جو ڈوبے اور جس پر مکان یا دیوار گرے اور وہ کہ جہاد میں شہید ہو۔

حدیث ۳۰: ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ میں غار میں حضور اقدس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھا حضور نے دعا کی: اللھم طعنا وطاعونا[4] الٰہی دشمنوں کے نیزے اور طاعون۔ میں نے جانا کہ حضور ان سے اپنی امت کی موت مانگتے ہیں۔

حدیث ۳۱: احمد وطبرانی عتبہ بن عبد سلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں شہید اور طاعون زدہ حاضر آئیں گے طاعون والے کہیں گے ہم شہید ہیں، حکم ہوگا:

انظروافان کانت جراحتھم کجراحۃ الشھداء تسیل دما کریح المسك فھم شھداء۔	دیکھو اگر ان کا زخم شہیدوں کی مثل ہے خون رواں اور مشک کی خوشبو تو یہ بھی شہید ہیں۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن معاذ بن جبل المکتب اسلامی بیروت ۵/ ۲۴۱، تہذیب تاریخ دمشق کبیر باب تبشیر المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۰، ۶/ ۳۰۳

[2] کنزالعمال بحوالہ مالک، قط حدیث ۱۱۱۸۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۴۱۷

[3] سنن نسائی کتاب الجہاد باب مسئلۃ الشہادۃ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۶۲

[4] کنزالعمال عن ابی بکر الصدیق حدیث ۱۱۷۴۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۵۹۸

فیجدونھم کذٰلک[1] تو انہیں ایسا ہی پائیں گے۔

حدیث ۳۲: احمد ونسائی عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: روزِ قیامت شہداء اور وہ جو بچھونے پر مرے طاعون والوں کے بارے میں جھگڑیں گے شہداء کہیں گے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں ہماری طرح مقتول ہوئے، بچھونے والے کہیں گے ہمارے بھائی ہیں۔ رب عزوجل فیصلہ کے لئے فرمائے گا:

انظروا الٰی جراحھم فان اشبہ جراحھم جراح المقتولین فانھم منھم ومعھم۔	ان کے زخم دیکھو اگر شہیدوں کے سے ہیں تو وہ انہیں میں سے ہیں اور ان کے ساتھ ہیں۔

دیکھیں گے تو اُن کے زخم انہیں کے سے ہوں گے **فیلحقون بھم**[2] یہ شہیدوں میں ملادیئے جائیں گے، متواتر ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا رَد کفر ہے، اور دانستہ ہو تو صریح کفر، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ان کو شہید فرمائیں اور یہ شخص کافر کہے، اس سے بڑھ کر اور کیا رَد ہوگا، اس شخص پر لازم ہے کہ تائب ہو کلمہ پڑھے اپنی عورت سے نکاح جدید کرے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عتبہ بن عبد ۴/ ۱۸۵ والمعجم الکبیر عن عتبہ حدیث ۲۹۲ /۷ ۱۱۹

[2] سنن النسائی کتاب الجہاد باب مسألۃ الشہادۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۶۲، مسند احمد بن حنبل عن العرباض بن ساریۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹۔۱۲۸

الحق المجتلٰی فی حکم المبتلٰی ۱۳۲۴ھ

(بیماری کے شکار شخص کے حکم سے متعلق واضح وروشن حق)

مسئلہ ۸۴: از گونڈا ملک اودھ مرسلہ مسلمانان گونڈا عموماً وحافظ عبدالعزیز صاحب مدرس مدرسہ انجمن اسلامیہ گونڈا ذوالحجہ ۱۳۲۴ھ

زید کا خون جوش کھا رہا ہے بلکہ ایک دو اعضاء جسم کے بگڑ گئے اور احتمال ہوتا ہے کہ آئندہ بھی بگڑ جائیں گے، ایسے شخص کی نسبت اطبّا حکم دیتے ہیں کہ اس کے ساتھ کھانا پینا اور نشست وبرخاست بھی قطعی منع ہے بلکہ اطباء شرع شریف کا بھی ایسا ہی حوالہ دیتے ہیں، دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرع شریف کا کیا حکم ہے اور ایسے شخص سے اجتناب لازم ہے یا کیا؟ مدلّل ومفصّل زیب قلم ہو۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ علی دین الاسلام والصلوٰۃ والسلام علی افضل ھادالی سبیل السلام وعلٰی اٰلہ وصحبہ الٰی یوم القیام بہ نسأل السلام والسلامۃ عن	دین اسلام (کی عطاء وبخشش) پر اللہ تعالٰی کی تعریف کرتے ہیں اور درودوسلام بھیجتے ہیں اس ہستی پر جو سب سے بہتر راہ سلامتی دکھانے والی ہے اور درودوسلام ہو قیامت تک ان کی آل اور ان کے

سیئ الاسقام۔	صحابہ پر، اور ہم بری بیماریوں سے سلامتی اور حفاظت کے لئے اسی سے درخواست کرتے ہیں۔(ت)

احادیث اس باب میں بظاہر مختلف آئیں، ہم **اوّلاً** انہیں ذکر کریں پھر ان کے شرعی معنٰی کی طرف متوجہ ہوں کہ بتوفیقہ تعالٰی اس مسئلہ میں حق تحقیق ادا ہو۔

حدیث اول: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتقوا المجذوم کمایتقی الاسد۔رواہ البخاری فی التاریخ[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جذامی سے بچو جیسا شیر سے بچتے ہیں(امام بخاری نے تاریخ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

روایت ابن جریر کے لفظ یہ ہیں:

فرمن المجذوم کفرارك من الاسد[2]۔رمزالامام الجلیل السیوطی حسنہ علی ما فی التیسیر[3] اوصحتہ علی ما فی فیض القدیر[4] وذکرہ باللفظ الاول فی الجامع الصغیر وباللفظ الاخیر فی الکبیر۔ **اقول:** وفی کلیھما ظاھرا ابوھریرۃ فالحدیث عنہ فی صحیح البخاری بلفظ فرمن المجزوم کما تفرمن الاسد[5] وسیأتی والجواب ان العزو یتبع اللفظ لاسیما وھو فی البخاری	جذامی سے بھاگ جیسا شیر سے بھاگتاہے۔ جلیل القدر امام سیوطی (رحمۃ اللہ علیہ) نے جیسا کہ تیسیر میں ہے اس کی تحسین فرمائی اور فیض القدیر میں اس کی صحت بیان فرمائی۔ پہلے لفظ سے جامع صغیر میں اس کا ذکر کیا جبکہ آخری لفظ سے جامع کبیر میں اسے ذکر کیا۔ **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) بظاہر دونوں میں ابوہریرہ ہے، صحیح بخاری میں اس کی حدیث (روایت) فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد کے الفاظ سے ہے (یعنی جذامی سے اس طرح بھاگو

[1] الجامع الصغیر بحوالہ تاریخ بخاری عن ابی ھریرۃ حدیث ۱۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۵، التاریخ الکبیر حدیث ۴۶۰ دار الباز مکۃ المکرمہ ۱/ ۱۵۵

[2] الجامع الکبیر للسیوطی بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۴۷۵۶ دارالفکر بیروت ۶/ ۲۶۵

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر حرف الھمزۃ تحت حدیث المذکور مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۱/ ۳۰

[4] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۴۱ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۸

[5] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۸۵۰

مع زیادات معنی۔	جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو) عنقریب آئے گی اور جواب یہ ہے کہ نسبت کرنا لفظ کے تابع ہوتا ہے خصوصًا جبکہ وہ بخاری میں معنوی اضافہ کے ساتھ مروی ہے۔(ت)

دوسری حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتقوا صاحب الجذام کما یتقی السبع اذا ھبط وادیا فاھبطوا غیرہ۔رواہ ابن سعد فی الطبقات[1] عن عبد اللہ بن جعفر الطیار رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند ضعیف۔	جذامی سے بچو جیسا درندے سے بچتے ہیں، وہ ایک نالے میں اُترے تو تم دوسرے میں اترو۔(ابن سعد نے ''طبقات'' میں حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند ضعیف کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ت)

تیسری حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کَلِّمِ المجزوم وبینك وبینہ قدر رمح او رمحین۔ رواہ ابن السنی[2] وابو نعیم فی الطب عن عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند واہ **قلت** لکن لہ شاھد یاتی۔	مجذوم سے اس طور پر بات کر کہ تجھ میں اس میں ایک دو نیزے کا فاصلہ ہو(ابن سنی اور ابو نعیم نے باب طب میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے کمزور سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ اس کے لئے شاہد(تائید کنندہ) آگے آئے گا۔ت)

چوتھی حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدیموا النظر الی المجذومین۔رواہ ابن ماجۃ[3] و ابن جریر **قلت** وسندہ حسن صالح۔	مجذوموں کی طرف نگاہ جما کر نہ دیکھو(ابن ماجہ اور ابن جریر نے اسے روایت کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کی سند صالح ہے۔ت)

---

[1] الطبقات الکبرٰی ترجمہ معیقیب بن ابی فاطمہ دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷، کنز العمال بحوالہ ابن سعد عن عبداللہ بن جعفر حدیث ۲۸۳۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵۴

[2] کنز العمال بحوالہ ابن السنی وابو نعیم فی الطب حدیث ۲۸۳۲۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵۴

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۱

دوسری روایت میں ہے:

لاتحدوا النظر الی المجذومین۔رواہ ابوداؤد الطیالسی والبیھقی[1] فی السنن بسند حسن ایضا کلھم عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جذامیوں کی طرف پوری نگاہ نہ کرو(ابوداؤد طیالسی اور بیہقی نے السنن میں سند حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے اور ان سب نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

پانچویں حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدیموا النظر الی المجذومین اذا کلمتموھم فلیکن بینکم وبینھم قدر رمح۔رواہ احمد وابویعلٰی[2] والطبرانی فی الکبیر وابن جریر عن فاطمۃ الصغرٰی عن ابیھا السید الشھید الریحانۃ الاصغر وابن عساکر عنھا عنہ وعن ابن عباس معًارضی اللہ تعالٰی عنھم جمیعا۔	جذامیوں کی طرف نظر نہ جماؤان سے بات کرو تو تم میں ان میں ایک ایک نیزے کا فاصلہ ہو۔(امام احمد، ابویعلٰی اور طبرانی نے "الکبیر" میں اور ابن جریر نے سیدہ فاطمہ صغرٰی سے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار سید شہید ریحانہ اصغر سے اسے روایت کیا ہے، اور ابن عساکر نے ان سے انہوں نے اپنے والد اور ابن عباس سے بھی اسے روایت کیا ہے۔اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔ت)

چھٹی حدیث: میں ہے جب وفد ثقیف حاضر بارگاہ اقدس ہوئے اور دست انور پر بیعتیں کیں اُن میں ایک صاحب کو یہ عارضہ تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرما بھیجا:

ارجع فقد بایعناک۔رواہ ابن ماجۃ[3]	واپس جاؤ تمہاری بیعت ہو گئی یعنی زبانی کافی ہے

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح باب لایورد ممرض علی مصح الخ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۲۱۸، مسند ابی داؤد الطیالسی حدیث ۲۶۰۱ دار المعرفۃ بیروت ص ۳۳۹

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن علی کرم اللہ وجہہ دار الفکر بیروت ۱/ ۷۸، المعجم الکبیر حدیث ۲۸۹۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۳۱۔۱۳۲، کنز العمال بحوالہ حم ع طب وابن جریر عن فاطمہ الخ حدیث ۲۸۳۳۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵۶۔۵۵

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۱

قلت بسند حسن عن رجل من اٰل الشرید یقال له عمروعن ابیه رضی الله تعالٰی عنه ورواه ابن جریر فسمی اباه الشرید وھو الشرید بن سوید الثقفی ذکر الامام الجلیل السیوطی بالتخریج الاول فی اول الجامع الکبیر وبالاٰخر فی مسانید جمع الجوامع **اقول**: بل الحدیث فی صحیح مسلم بلفظ انا قد بایعناك فارجع[1] کما ھو لفظ ابن جریر سواء بسواء وقد جربت مثله کثیرا علی ھذا الامام فی کثیر من تصانیفه الشریفة کالجوامع الثلثه والخصائص الکبرٰی وغیرھا وکان مقصوده رحمه الله تعالٰی ان یجمع لامثالنا القاصرین ماقلما تصل الیه ایدینا فان اقتصرنا علی ماافادوذھلنا عن المتداولات فالقصور منالامنه رحمه الله تعالٰی۔	مصافحہ نہ ہونا مانع بیعت نہیں۔ (محدّث ابن ماجہ نے اسے روایت کیاہے۔ **میں کہتاہوں** کہ سند حسن کے ساتھ آل شرید کے ایک شخص سے اسے روایت کیاہے اور اس کو عمرو کہاجاتا ہے اس نے اپنے باپ سے روایت کی (اللہ تعالٰی اس سے راضی ہو) اور ابن جریر نے اسے روایت کیااور شرید کے باپ کانام بھی ذکر کیا یعنی شرید بن سوید ثقفی، جلیل الشان امام، امام سیوطی نے پہلی تخریج میں جامع کبیر کی ابتداء میں اور دوسری تخریج میں جمع الجوامع کے مسانید میں اس کو ذکر فرمایاہے۔ **میں کہتاہوں** بلکہ صحیح مسلم کی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ واپس ہوجاؤ بیشک ہم نے تمہیں بیعت کرلیا، جیسا کہ ابن جریر کے الفاظ ہیں، دونوں کے الفاظ یکساں ہیں (کوئی خاص فرق نہیں پایاجاتا) ہم نے اس امام پر ان کی بہت سی تصانیف شریفہ میں اس طرح کی بہت سی مثالیں دیکھی ہیں اور تجربہ کیاہے جیساکہ ان کی تینوں جوامع، خصائص کبرٰی اور ان کے علاوہ دوسری تصانیف، پس اس سے امام موصوف رحمہ اللہ تعالٰی کا مقصد ان سب چیزوں کو جمع کر دینا ہے (یکجا کرنا) کہ جن تک ہم جیسے کوتاہ نظرلوگوں کے ہاتھوں کی بہت کم رسائی ہوتی ہے۔ پھر اگر ہم نے ان کے افادہ پر اکتفاء کیا، اور ہم متداولات کو بھول گئے تو یہ ہمارا قصور ہوگا نہ کہ علامہ موصوف کا، اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے۔ت)

ساتویں حدیث: میں ہے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مجذوم کو آتے دیکھا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

یاانس اثن البساط لایطأعلیه	اے انس! بچھونا الٹ دو کہیں یہ اس پر اپنا

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب اجتناب المجذوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۳

بقدمه۔رواه الخطیب[1] عنه رضی اللہ تعالٰی عنه وفی القلب منه شیئ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	پاؤں نہ رکھ دے(خطیب بغدادی نے ان سے یعنی حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہےاور اس سے بچھو نا الٹ دینے کے متعلق کچھ بات ہے اور اللہ تعالٰی ہی (تمام معاملات کو) بہتر جانتا ہے۔(ت)

آٹھویں حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ کے درمیان وادی عسفان پر گزرے وہاں کچھ لوگ مجذوم پائے مرکب کو تیز چلا کر وہاں سے تشریف لے گئے اور فرمایا:

ان کان شیئ من الداء یعدی فهو هذا۔رواه ابن النجار عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما والمرفوع منه عنه ابن عدی فی الکامل[2] من دون ذکر القصة وهو ضعیف۔	اگر کوئی بیماری اڑ کر لگتی ہے تو وہ یہی ہے(ابن نجار نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے اور ابن عدی کے نزدیک "الکامل" میں واقعہ ذکر کئے بغیر یہ مرفوع ہے اور وہ ضعیف ہے۔(ت)

نویں حدیث: میں ہے ایک جذامی عورت کعبہ معظّمہ کا طواف کررہی تھی امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس سے فرمایا:

یاأمة اللہ لاتؤذی الناس لوجلست فی بیتک۔رواه مالک والخرائطی فی اعتلال[3] القلوب عن ابن ابی ملیکة۔	اے اللہ کی لونڈی! لوگوں کو ایذا نہ دے اچھا ہو کہ تم اپنے گھر میں بیٹھی رہو، پھر وہ گھر سے نہ نکلیں(امام مالک اور الخرائطی نے اعتلال القلوب میں حضرت ابن ابی ملیکہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

دسویں حدیث میں ہے:

ان عمر بن الخطاب قال للمعیقیب رضی اللہ تعالٰی عنهما اجلس منی قید رمح وکان	معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اہل بدر(ومہاجرین سابقین اوّلین رضی اللہ تعالٰی عنہم)سے ہیں انہیں یہ مرض تھا امیر المومنین عمر فاروق

[1] تاریخ بغداد للخطیب ترجمہ عبدالرحمن بن العباس ۵۴۳۲ دار الکتب العربی بیروت ۱۰/ ۲۹۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عدی حدیث ۲۸۳۳۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵۴

[3] کنز العمال بحوالہ مالک والخرائطی فی اعتلال القلوب حدیث ۲۸۵۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۶

به ذلك الداء وكان بدريا۔رواه ابن جرير[1]عن الزهری قلت مرسل ولایصح۔	اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے فرمایا: مجھ سے ایک نیزے کے فاصلے پر بیٹھئے (امام ابن جریر نے زہری سے اسے روایت کیاہے، **میں کہتاہوں** کہ یہ مرسل ہے اور صحیح نہیں۔ت)

آئندہ حدیثیں اس کے خلاف ہیں۔

گیارہویں حدیث: میں ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے صبح کو کچھ لوگوں کی دعوت کی ان میں معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تھے وہ سب کے ساتھ کھانے میں شریک کئے گئے اور امیر المومنین نے اُن سے فرمایا:

خذمما یلیك ومن شقك فلوكان غیرك ماأكلنی فی صحفة ولكان بینی وبینه قید رمح۔رواه ابن سعد[2]و ابن جریر عن فقیه المدینة خارجة بن زید رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	اپنے قریب سے اپنی طرف سے لیجئے اگر آپ کے سوا کوئی اور اس مرض کا ہوتا تو میرے ساتھ ایک رکابی میں نہ کھاتا اور مجھ میں اور اس میں ایک نیزے کا فاصلہ ہوتا (ابن سعد اور ابن جریر نے فقیہ مدینہ خارجہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیاہے۔ت)

بارہویں حدیث: میں ہے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دسترخوان پر شام کو کھانا رکھاگیا لوگ حاضر تھے امیر المومنین برآمد ہوئے کہ ان کے ساتھ کھانا تناول فرمائیں، معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی صحابی مہاجر حبشہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

ادن فاجلس وایم اللہ لوكان غیرك به الذی بك لما جلس منی ادنی من قید رمح[3]۔رویاه	قریب آئیے بیٹھئے خدا کی قسم دوسرا ہوتا تو ایک نیزے سے کم فاصلے پر میرے پاس نہ بیٹھتا۔(ابن سعد اور ابن جریر نے اسے فقیہ مدینہ خارجہ بن

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۲۸۴۹۹ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن سعد وابن جریر حدیث ۲۸۵۰۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۵، الطبقات الکبرٰی ترجمہ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی دارصادر بیروت ۴/ ۱۱۸

[3] الطبقات الکبرٰی ترجمہ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی دارصادر بیروت ۴/ ۱۱۸، کنزالعمال بحوالہ ابن سعد وابن جریر حدیث ۲۸۵۰۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۶

عنہ ذلك فی الغداء وھذا فی العشاء۔	زید سے صبح کے کھانے کے بارے میں روایت کیا ہے۔ جبکہ یہ حدیث رات کے کھانے کے بارے میں مروی ہے۔ت)

تیرہویں حدیث: میں ہے محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بعض ساکنان موضع جرش نے بیان کیا کہ عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حدیث بیان کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جذامی سے بچو جیسا درندے سے بچتے ہیں وہ ایک نالے میں اُترے تو تم دوسرے میں اترو"۔ میں نے کہا واللہ! اگر عبداللہ بن جعفر نے یہ حدیث بیان کی تو غلط نہ کہا جب میں مدینہ طیبہ آیا ان سے ملا اور اس حدیث کا حال پوچھا کہ اہل جرش آپ سے یوں ناقل تھے، فرمایا:

کذبوا واللہ ماحدثتھم ھذا ولقد رأیت عمر بن الخطاب یؤتی بالاناء فیه الماء فیعطیه معیقیبا فیشرب منه ثم یتناوله عمر من یدہ فیضع فمه موضع فمه حتی یشرب منه فعرفت انما یصنع عمر ذٰلك فرارا من ان یدخله شیئ من العدوی۔ رواہ عن محمود[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	واللہ انہوں نے غلط نقل کی میں نے یہ حدیث ان سے نہ بیان کی میں نے تو امیر المومنین عمر کو یہ دیکھا ہے کہ پانی اُن کے پاس لایا جاتا وہ معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیتے معیقیب پی کر اپنے ہاتھ سے امیر المومنین کو دیتے امیر المومنین ان کے منہ رکھنے کی جگہ اپنا منہ رکھ کر پانی پیتے میں سمجھتا کہ امیر المومنین یہ اس لئے کرتے ہیں کہ بیماری اُڑ کر لگنے کا خطرہ ان کے دل میں نہ آنے پائے (ابن سعد اور ابن جریر دونوں نے محمود بن لبید انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

ابن سعد کی روایت میں ایک مفید بات زائد ہے کہ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا امیر المومنین فاروق اعظم جسے طبیب سنتے معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے اس سے علاج چاہتے، دو حکیم یمن سے آئے ان سے بھی فرمایا، وہ بولے جاتا رہے یہ تو ہم سے ہو نہیں سکتا ہاں ایسی دوا کردیں گے کہ بیماری ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ امیر المومنین نے فرمایا: عافیة عظیمة ان یقف فلا یزید بڑی تندرستی ہے کہ مرض ٹھہر جائے بڑھنے نہ پائے۔ انہوں نے دو بڑی زنبیلیں بھروا کر اندرائن کے تازہ پھل منگوائے جو

---

[1] الطبقات الکبرٰی ترجمہ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷، کنز العمال بحوالہ ابن سعد وابن جریر حدیث ۲۸۵۰۰ موسسة الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۴

خربوزے کی شکل اور نہایت تلخ ہوتے ہیں، پھر ہر پھل کے دو دو ٹکڑے اور معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لٹا کر دونوں طبیبوں نے ایک ایک تلوے پر ایک ایک ٹکڑا ملنا شروع کیا، جب وہ ختم ہوگیا، دوسرا ٹکڑا لیا، یہاں تک کہ معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے منہ اور ناک سے سبز رنگ کی کڑوی رطوبت نکلنے لگی، اس وقت چھوڑ کر دونوں حکیموں نے کہا اب یہ بیماری کبھی ترقی نہ کرے گی۔ عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

فواللہ مازال معیقیب متماسکا لایزید وجعہ حتی مات[1]۔	واللہ! معیقیب اس کے بعد ہمیشہ ایک ٹھہری حالت میں رہے تادمِ مرگ مرض کی زیادتی نہ ہوئی۔

چودھویں حدیث: میں ہے امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دربار میں قوم ثقیف کی سفیر حاضر ہوئے، کھانا حاضر لایا گیا، وہ نزدیک آئے مگر ایک صاحب کہ اس مرض میں مبتلا تھے الگ ہوگئے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: قریب آؤ، قریب آئے۔ فرمایا: کھانا کھاؤ۔ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

وجعل ابوبکر یضع یدہ موضع یدہ فیاکل مما یاکل منہ المجذوم۔ رواہ[2] ابوبکر بن ابی شیبۃ وابن جریر عن القاسم۔	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ شروع کیا کہ جہاں سے وہ مجذوم نوالہ لیتے، وہیں سے صدیق نوالہ لے کر نوش فرماتے رضی اللہ تعالٰی عنہ (ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابن جریر نے حضرت قاسم بن محمد سے اسے روایت کیا۔ت)

غالبًا یہ وہی مریض ہیں جن سے زبانی بیعت پر اکتفا فرمائی گئی تھی۔

پندرہویں حدیث: جلیل میں ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اخذ بید رجل مجذوم فادخلھا معہ فی القصعۃ ثم قال کل ثقۃ باللہ وتوکلا علی اللہ۔ رواہ ابوداؤد والترمذی[3] وابن ماجۃ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک جذامی صاحب کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ پیالے میں رکھا اور فرمایا اللہ پر تکیہ ہے اور اللہ پر بھروسا۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، عبد بن حمید، ابن خزیمہ، ابن ابی عاصم

---

[1] الطبقات الکبرٰی ترجمہ معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی دار صادر بیروت ۴/ ۱۸-۱۱۷

[2] المصنّف لابن ابی شیبہ کتاب العقیقہ حدیث ۴۵۸۷ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۲۹، کنز العمال بحوالہ ابن ابی شیبہ وابن جریر حدیث ۲۸۴۹۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۴

[3] جامع الترمذی ابواب الاطعمہ باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم امین کمپنی دہلی ۲/ ۴، سنن ابن ماجہ کتاب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۱

وعبد بن حمید وابن خزیمۃ وابن ابی عاصم وابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ وابو یعلٰی وابن حبان و الحاکم فی المستدرک والبیھقی فی السنن والضیاء فی المختارۃ وابن جریر والامام الطحاوی کلھم من جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما کذا ذکر الامام الجلیل الجلال السیوطی فی اول قسمی جامعہ الکبیر وزدت انا ابن جریر والطحاوی قلت وبہ علم ان قصر المشکٰوۃ علی ابن ماجۃ لیس فی موضعہ ثم الحدیث سکت علیہ وصححہ ابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والضیاء وقال المناوی فی التیسیر باسناد حسن وتصحیح ابن حبان والحاکم، قال ابن حجر فیہ نظر[1] اھ. **اقول:** لکن فیہ مفضل بن فضالۃ البصری بالباء اخو مبارک قال فی التقریب ضعیف[2] وقال الترمذی ھذا حدیث غریب لانعرفہ الامن حدیث یونس بن محمد عن المفضّل بن فضالۃ والمفضّل بن فضالۃ ھذا شیخ بصری و المفضّل بن فضالۃ شیخ آخر مصری اوثق من ھذا واشھر

اور ابن السنی نے عمل اللیل والیوم میں ابویعلٰی، ابن حبان اور حاکم نے المستدرک میں، امام بیہقی نے السنن میں، ضیاء نے المختارہ میں ابن جریر اور امام طحاوی ان سب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا ہے چنانچہ جلیل القدر امام جلال الدین سیوطی نے اپنی جامع کبیر کی پہلی قسم میں اسے ذکر فرمایا اور ابن جریر اور امام طحاوی کا میں نے اضافہ کیا ہے **قلت** (میں کہتاہوں کہ) اس سے معلوم ہوا کہ صاحب مشکٰوۃ کا صرف ابن ماجہ پر اکتفاء کرنا بے محل ہے پھر حدیث مذکور پر سکوت کیا گیا لیکن ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم اور ضیاء نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ مناوی نے التیسیر میں اسناد حسن اور ابن حبان اور حاکم کی تصحیح کا قول ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ اس پر اعتراض ہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں) لیکن اس میں مفضل بن فضالہ بصری (حرف باء کے ساتھ) مبارک کا بھائی ہے چنانچہ التقریب میں کہا کہ وہ ضعیف ہے امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اس کو صرف یونس بن محمد بواسطہ مفضل بن فضالہ پہچانتے ہیں اور یہ مفضل بن فضالہ شیخ بصری ہے جبکہ اسی نام کا ایک دوسرا مفضل بن فضالہ شیخ مصری ہے جو اس پہلے سے زیادہ ثقہ اور زیادہ مشہور ہے۔

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث کل معی بسم اللہ ثقہ باللہ مکتبہ امام شافعی الریاض ۲/ ۲۲۰

[2] تقریب التہذیب لابن حجر عسقلانی ترجمہ ۶۸۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۰۹

وروی شعبة هذا الحدیث عن حبیب بن الشهید عن ابن بریدة قال ابن عمر اخذ بید مجذوم "وحدیث شعبة اشبه عندی واصح [1] اھ واخرج ابن عدی [2] فی الکامل هٰذا الحدیث للمفضل المذکور وقال لم ارفی حدیثه انکر من الحدیث قال ورواه شعبة عن حبیب عن ابن بریدة ان عمر اخذ بید مجذوم الحدیث [3] اھ ولم یذکر الذهبی فی المیزان فی المفضل هذا جرحا مفسرا بل ولا غیر مفسر مما یبلغ درجة التضعیف البتة انما نقل عن یحیٰی [4] انه قال لیس هو بذاك وعن الترمذی [5] ماقدمنا ان المصری اوثق منه وعن النسائی [6] انه قال لیس بالقوی۔ **اقول:** ولا یخفی علیك البون البین بین لیس بالقوی و لیس بقوی وقد روی عنه ذاك المؤدب الثقة الثبت

محدّث شعبہ نے اس حدیث کو حبیب بن شہید بواسطہ ابن بریدہ روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا، میرے نزدیک محدّث شعبہ کی روایت زیادہ ثابت اور زیادہ صحیح ہے اھ۔ محدّث ابن عدی نے الکامل میں اس حدیث کو مفضل مذکور کے حوالہ سے اس کی تخریج کی اور کہا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ منکر کوئی حدیث نہیں دیکھی، پھر اس نے کہا شعبہ نے حبیب سے بواسطہ ابن بریدہ اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا (الحدیث) اھ، علامہ ذہبی نے المیزان میں اس مفضل کے بارے میں کوئی مفصل یا غیر مفصل جرح ذکر نہیں کی بلاشبہہ جو درجہ تضعیف تک پہنچتی ہے، اور یحیٰی سے نقل کیا گیا کہ اس نے کہا کہ یہ اس درجہ کی حدیث نہیں، امام ترمذی کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ شیخ مصری، شیخ بصری سے زیادہ ثقہ (مستند و معتبر) ہے۔ امام نسائی سے مروی ہے کہ وہ قوی نہیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) تم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ لیس بالقوی اور لیس بقوی دونوں میں واضح اور کھلا فرق ہے بلا شبہہ اس مؤدب ثقہ مثبت نے اس سے روایت

---

[1] جامع الترمذی کتاب الاطعمه باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم امین کمپنی دہلی ۲/ ۴

[2] الکامل لابن عدی ترجمه مفضل بن فضاله مصری دار الفکر بیروت ۶/ ۲۴۰۴

[3] میزان الاعتدال للذہبی حدیث ۸۷۳۲ دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۶۹

[4] میزان الاعتدال للذہبی حدیث ۸۷۳۲ دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۶۹

[5] میزان الاعتدال للذہبی حدیث ۸۷۳۲ دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۶۹

[6] میزان الاعتدال للذہبی حدیث ۸۷۳۲ دار المعرفة بیروت ۴/ ۱۶۹

وعبدالرحمٰن بن مهدی ذاك الجبل الشامخ الامام الحافظ قال البخاری فی علی بن عبدالله المعروف بابن المدینی مااستصغرت نفسی الاعنده وقال ابن المدینی فی عبدالرحمٰن هذا مارأیت اعلم منه و کذٰلك موسٰی بن اسمٰعیل ذاك الثقة الثبت وجماعة لاجرم حسنه الحافظ واطلاق الصحیح علی الحسن غیرمستنکر وقدصححه امام الائمة ابن خزیمة و من تبعه وقد وجدت له متابعا فان الامام الاجل اباجعفر الطحاوی اخرجه اولابالطریق المذکور فقال حدثنا فهد(یعنی ابن سلیمٰن بن یحیی)ثنا ابوبکر بن ابی شیبة ثنا یونس بن محمد الحدیث ثم قال حدثنا ابن مرزوق ثنا محمد بن عبدالله الانصاری ثنا اسمٰعیل بن مسلم عن ابی الزبیر عن جابر عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مثله[1] اھ **قلت** وبه یعلم مافی کلام الامام الترمذی والله تعالٰی اعلم .ثم اعلم انه	کی ہے۔عبدالرحمٰن ابن مہدی جو فن حدیث میں کوہ گراں ہے امام اور حافظ ہے امام بخاری نے علی بن عبداللہ جو ابن المدینی کے نام سے مشہور ہے کے متعلق فرمایا کہ میں نے صرف اس کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھا۔چنانچہ ابن المدینی نے عبدالرحمٰن کے بارے میں فرمایامیں نے اس سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا اور اسی طرح موسٰی بن اسمٰعیل ثقہ، ثبت ہے۔اور ایک جماعت بلاشبہہ حافظ نے اس کی تحسین فرمائی اور حسن پر صحیح کا اطلاق غیر معروف نہیں۔امام الائمہ ابن خزیمہ اوران کے ہمنوا ائمہ نے اس کی تصحیح فرمائی اور بلاشبہہ میں نے اس کا متابع پایاہے کیونکہ جلیل الشان امام ابوجعفر طحاوی نے اوّلاً طریق مذکور سے اس کی تخریج فرمائی چنانچہ فرمایا ہم سے فہدیعنی ابن سلیمان بن یحیٰی نے بیان کیا،اس نے کہا ہم سے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بیان کیااس نے کہاہم سے یونس بن محمد نے بیان کیا،الحدیث۔پھر فرمایا ہم سے ابن مرزوق نے بیان کیا اس سے محمد بن عبداللہ انصاری نے اس سے اسمٰعیل بن مسلم نے بیان کیا،اس نے ابوالزبیر سے اس نے جابر سے،انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسی حدیث مذکور کی مثل روایت فرمائی اھ **قلت**(میں کہتاہوں کہ)اس سے امام ترمذی کے کلام کاحال معلوم کیاجاسکتاہے اور درحقیقت اللہ تعالٰی ہی سب کچھ اچھی طرح

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھة باب الاجتناب من ذی داء الطاعون وغیرہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۷

وقع فی الجامع الصغیر لهذا الحدیث رمز حب.ك **اقول:** ولم اره فی المجتبی بل لیس فیه لان مداره علی ماذکر الترمذی علی المفضل کما علمت والمفضل هذا لیس من رواة النسائی اصلا وقد سقط الحدیث من نسخة سیدی علی المتقی قدس سره ولذا اورده من القسم الاوّل للجامع الکبیر وقد رمزله فیه د.ت.ه الخ وهو الصحیح الا ان یکون النسائی رواه فی الکبری فبالنظر الیه یقال ع وهو بعید ثم الواقع فی المشکٰوة[1] معزیا لابن ماجة ماذکرنا اعنی کل ثقة باللّٰه وفی جامع الترمذی ثم قال کل بسم اللّٰه ثقة باللّٰه وتوکلا علیه[2]. قال العلامة علی القاری اما ترك المؤلف البسملة مع وجودها فی الاصول فاما محمولة علی روایة منفردة غریبة لابن ماجة اوعلی غفلة من صاحب المشکٰوة

پھر جان لیجئے کہ جامع الصغیر میں اس حدیث کے لئے یہ رمز (حب، ک) ہے **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) میں نے اس کو مجتبٰی میں نہیں دیکھا بلکہ اس میں موجود ہی نہیں اس لئے کہ حدیث مذکور کامدار جیسا کہ امام ترمذی نے ذکر کیا مفضل پر ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں اور یہ مفضّل بالکل رواۃ نسائی میں سے نہیں۔ میرے آقا علی متقی قدس سرہ کے نسخہ سے حدیث مذکور ساقط ہو گئی ہے اس لئے امام سیوطی جامع کبیر کی پہلی قسم میں اسے لائے ہیں اور اس کے لئے یہ رمز (د، ت،ہ) پیش فرمائی الخ۔ اور وہ صحیح ہے ہاں البتہ امام نسائی نے الکبرٰی میں اسے روایت فرمایا تو پھر اس کے پیش نظر (ع) کہا جائے گا لیکن وہ بعید ہے پھر مشکٰوۃ میں ابن ماجہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہی الفاظ واقع ہوئے جو ہم نے ذکر کئے ہیں، میری مراد "کل ثقة باللّٰه" کے الفاظ سے ہے۔ اور جامع ترمذی کے الفاظ یہ ہیں، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کل بسم اللّٰه ثقةً باللّٰه توکلا علیه (اللہ کا نام لے کر کھائیں اللہ تعالٰی پر اعتماد و بھروسا کرتے ہوئے)۔ علامہ علی قاری نے فرمایا مصنف علیہ الرحمۃ کا بسم اللہ چھوڑ دینا باوجودیکہ وہ اصول میں مذکور ہے یا تو اس لئے ہے کہ یہ ابن ماجہ

[1] مشکٰوۃ المصابیح کتاب الطب باب الفال والطیرۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۹۲

[2] جامع الترمذی ابواب الاطعمہ باب ماجاء فی الاکل مع المجذوم امین کمپنی دہلی ۲/ ۴

او المصابیح [1] اھ۔**اقول**:سبحٰن اللہ ھو انما نقلہ عن ابن ماجۃ فلوزاد البسملۃ نسب الی الفضلۃ ثم لم یتفرد ابن ماجۃ بترك البسملۃ بل ھو کذٰلك عند ابی داؤد ایضا رواہ عن عثمٰن بن ابی شیبۃ عن یونس بن محمد وابن ماجۃ عن ابی بکر بن ابی شیبہ ومجاھد ابن موسٰی ومحمد بن خلف العسقلانی کلھم عن یونس بترك البسملۃ والترمذی عن احمد بن سعید الاشقر وابراھیم بن یعقوب کلاھما عن یونس مع البسملۃ فافھم۔	جانتاہے، کی منفرد غریب روایت پر محمول ہے یاصاحب مشکٰوۃ یاصاحب مصابیح کی غفلت کانتیجہ ہےاھ **اقول**: (میں کہتاہوں) اللہ تعالٰی (عیوب ونقائص سے) پاک ہے (یعنی بڑا تعجب ہے) اس لئے کہ صاحب مشکٰوۃ نے اسے ابن ماجہ سے نقل فرمایاہے اگربسم اللہ شریف کااضافہ کرتے توزیادتی کی طرف منسوب ہوتے اور ترک بسم اللہ کے معاملہ میں ابن ماجہ ہی منفرد نہیں بلکہ ابوداؤد کے نسخہ میں بھی یونہی بسم اللہ متروک ہے چنانچہ امام ابوداؤد نے عثمان ابن ابی شیبہ سے بواسطہ یونس بن محمد اس کوروایت کیاہے اور ابن ماجہ نے ابوبکر بن ابی شیبہ، مجاہد بن موسٰی اور محمد بن خلف عسقلانی کے حوالہ سے اسے روایت کیاہے، سب نے بواسطہ یونس بسم اللہ کے بغیر روایت کی اور امام ترمذی نے بواسطہ احمد بن سعید اشقراور ابراہیم بن یعقوب بحوالہ یونس "بسم اللہ" سمیت اس کو روایت کیاہے۔اس مقام کو سمجھ لیجئے۔(ت)

سولہویں حدیث: میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مع صاحب البلاء تواضعا لربك وایمانا۔رواہ الامام الاجل الطحاوی [2] عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ **قلت** ھکذا اوردہ فی الجامع کل باللام والذی رایتہ الامام الطحاوی کن بالنون، واللہ تعالٰی اعلم۔	بلاء والے کے ساتھ کھانا کھااپنے رب کے لئے تواضع اور اس پر سچے یقین کی راہ سے۔(جلیل القدر امام طحاوی نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیاہے۔ **میں کہتاہوں** اسی طرح الجامع میں لفظ کل (حرف لام کے ساتھ) ہے لیکن میں نے امام طحاوی کے نسخہ میں کن (حرف نون کے ساتھ) دیکھاہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بہتر جانتاہے۔(ت)

[1] مرقات المفاتیح کتاب الطب والرقی الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی داء الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۷

سترہویں حدیث: میں ہے کہ ایک بی بی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجذوموں کے حق میں فرماتے:

فروامنھم کفرارکم من الاسد۔	ان سے ایسا بھاگو جیسا شیر سے بھاگتے ہو۔

ام المومنین (رضی اللہ عنہا) نے فرمایا:

کلاولکنه لاعدوی فمن عادی الاول۔ رواہ ابن جریر عن نافع بن القاسم عن جدته فطیمة۔[1]	ہر گز نہیں، بلکہ یہ فرماتے تھے کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی جسے پہلے ہوئی اسے کس کی اُڑ کر لگی۔ (ابن جریر نے حضرت نافع بن قاسم سے بحوالہ اس کی دادی فطیمہ کے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) ام المومنین کا یہ انکار اپنے علم کی بناء پر ہے یعنی میرے سامنے ایسا نہ فرمایا بلکہ یوں فرمایا اور ہے یہ کہ دونوں ارشاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بصحت کافیہ ثابت ہیں۔

اٹھارہویں سے تیس: تک حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر جس سے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے استدلال کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاعدوی۔ رواہ الائمة احمد والشیخان[2] وابوداؤد وابن ماجة عن ابی ھریرة ؏	بیماری اُڑ کر نہیں لگتی (ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری ومسلم، ابو داؤد اور ابن ماجہ اس کو حضرت ابوہریرہ

؏: رواہ عنه بطریق کثیرة شتی ھم والامام الطحاوی والدارقطنی فی المتفق والخطیب والبیھقی وابن جریر وأخرون وان نسیه ابوھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه من بعد کما رواہ البخاری والطحاوی وابن جریر وغیرھم ۱۲منه۔	متعدد ومختلف طریقوں کے ساتھ حضرت ابوہریرہ سے حدیث مذکور کو ان ائمہ مذکورین امام طحاوی اور امام دارقطنی نے متفق میں، خطیب، بیہقی، ابن جریر اور کچھ دوسروں نے اسے روایت کیاہے اگرچہ بعد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اسے بھول گئے تھے جیسا کہ بخاری، طحاوی اور ابن جریر وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۲۸۵۰۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۹۷

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام ۲/ ۸۵۹ و صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوٰی ۲/ ۲۳۰، سنن ابی داؤد کتاب الکہانۃ والتطیر ۲/ ۱۹۰ و مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ ۲/ ۲۶۷ و ۳۲۷

واحمد والستة الاالنسائی[1] عن انس واحمد و الشیخان وابن ماجة [2] والطحاوی عن ابن عمر و احمد ومسلم والطحاوی عن السائب [3] بن یزید و هم وابن جریر جمیعا عن جابر [4] واحمد والترمذی و الطحاوی [5]عن ابن مسعود واحمد وابن ماجة و الطحاوی والطبرانی و ابن جریر عن ابن عباس[6] والثلثة الاخیرة عن	رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، نیز امام احمد اور دیگر چھ ائمہ نے سوائے امام نسائی کے سب نے اس کو روایت کیا ہے اور ان پانچ ائمہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے۔امام احمد، بخاری، مسلم،ابن ماجہ اور امام طحاوی نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمائی نیز امام احمد، مسلم اور طحاوی نے حضرت سائب بن یزید سے روایت کی۔ابن جریر اور ان سب نے حضرت جابر سے روایت کی۔ امام احمد،ترمذی اور طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔امام احمد،ابن ماجہ، طحاوی، طبرانی

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب لاعدوٰی ۲/ ۸۵۹ و صحیح مسلم باب الطیرة والفال ۲/ ۲۳۱،سنن ابی داؤد کتاب الکھانة والتطیر ۲/ ۱۹۰ و سنن ابن ماجه ابواب الطب ص۲۶۱،مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه ۳/ ۱۳۰ و ۱۵۴

[2] صحیح البخاری کتاب الطب ۲/ ۸۵۹ و کنزالعمال بحواله حم وابن ماجه ۱۰/ ۱۱۸ سنن ابن ماجه ابواب الطب ۲۶۱

[3] صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوٰی ۲/ ۲۳۰ و مسند احمد بن حنبل عن السائب بن یزید ۳/ ۴۵۰ شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۶

[4] صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوٰی ۲/ ۲۳۱ و مسند احمد بن حنبل عن جابر ۳/ ۲۹۳ شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۷

[5] جامع الترمذی ابواب القدر ۲/ ۳۷ و مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود ۱/ ۴۴۰ شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۶

[6] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس ۱/ ۲۶۹ و سنن ابن ماجه ابواب الطب ص۲۶۱ شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۶

ابی امامۃ[1] وابن خزیمۃ والطحاوی وابن حبان وابن جریر عن سعد[2] بن ابی وقاص والامام الطحاوی[3] عن ابی سعید الخدری والشیرازی فی الالقاب و الطبرانی فی الکبیر والحاکم وابونعیم فی الحلیۃ عن عمیر[4] بن سعد الانصاری والطبرانی وابن عساکر عن عبدالرحمٰن[5] بن ابی عمیرۃ المزنی و ابن جریر عن ام المومنین[6] وایضا صححہ والقاضی محمد ابن عبدالباقی الانصاری فی جزنہ الحدیثی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم بلفظ لایعدی سقیم صحیحا[7] لخصناہ عن الجامع الکبیر مع جمع وزیادات۔	اور ابن جریر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور آخری تین ائمہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نیز ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان اور ابن جریر نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ اور امام طحاوی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، نیز شیرازی نے القاب میں طبرانی نے الکبیر میں حاکم اور ابونعیم نے الحلیہ میں حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ طبرانی اور ابن عساکر نے حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی عمیرہ مزنی سے روایت کی، ابن جریر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرکے اس کی تصحیح فرمائی اور قاضی محمد ابن عبدالباقی انصاری نے اپنے جزء الحدیثی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان الفاظ سے روایت فرمائی کسی بیمار سے بیماری اُڑ کر کسی تندرست کو نہیں لگتی، یہ ہم نے جامع کبیر سے جمع کیا اور اضافوں کے ساتھ اس کا ملخص پیش کیا ہے۔ (ت)

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراھۃ ۲/ ۴۱۷ و المعجم الکبیر حدیث ۷۷۶۲، ۷۷۶۱ ۸/ ۲۱۶

[2] الجامع الکبیر بحوالہ ابن خزیمہ والطحاوی وابن حبان عن سعد بن ابی وقاص حدیث ۲۶۱۸۴ بیروت ۸/ ۲۹۹

[3] الجامع الکبیر بحوالہ ابن جریر والطحاوی والشیرازی فی الالقاب عن ابی سعد حدیث ۲۶۱۸۵ بیروت ۸/ ۲۹۹

[4] الجامع الکبیر بحوالہ الشیرازی فی الالقاب(طب، حل، کر)عن عمیر بن سعد حدیث ۲۶۱۸۶ بیروت ۸/ ۲۹۹

[5] کنزالعمال بحوالہ کرعن عبدالرحمن حدیث ۲۸۶۰۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۲۰

[6]

[7] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر عن علی حدیث ۲۸۶۳۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۲۶، سنن ابی داؤد کتاب الکہانۃ ۲/ ۱۹۰ و شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۶

اسی حدیث کے متعدد طرق میں وہ جواب قاطع ہر شک وارتیاب ارشاد ہوا جسے ام المومنین نے اپنے استدلال میں روایت فرمایا صحیحین وسنن ابی داؤد وشرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہا میں حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یارسول اللہ! پھر اونٹوں کا یہ کیا حال ہے کہ وہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن ایک اُونٹ خارش والا آکر اُن میں داخل ہوتا ہے جس سے خارش ہوجاتی ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **فمن اعدی الاول**[1] اس پہلے کو کس کی اُڑ کر لگی، احمد و مسلم وابوداؤد، وابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے ارشاد فرمایا: **ذٰلکم القدر فمن اجرب الاول**[2] یہ تقدیری باتیں ہیں بھلا پہلے کو کس نے کھجلی لگادی، یہی ارشاد احادیث مذکورہ عبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عباس وابوامامہ وعمیر بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مروی ہوا، حدیث اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

الم تروا الی البعیر یکون فی الصحراء فیصبح وفی کرکرتہ اوفی مراق بطنہ نکتۃ من جرب لم تکن قبل ذٰلك فمن اعدی الاول[3]۔	کیا دیکھتے نہیں کہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے یعنی الگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے بیچ سینے یا پیٹ کے نرم جگہ میں کھجلی کا دانہ موجود ہے بھلا اس پہلے کو کس کی اُڑ کر لگ گئی۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کے لئے ابتداءً بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا ماننا لازم ہے تو حجت قاطعہ سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہوجاتی ہے اور جب یہ مسلم ہے تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض وہم علیل وادعائے بے دلیل رہا، جب ایک میں خود پیدا ہوسکتی ہے تو یونہی ہزار میں:

فلا یوسوسن العدو الرجیم فی قلب مریض	مردود دشمن (شیطان) کہیں مریض کے دل میں

[1] صحیح البخاری باب لاعدوی ۲/ ۸۵۹ و صحیح مسلم باب لاعدوٰی ۲/ ۲۳۰، سنن ابی داؤد کتاب الکہانۃ ۲/ ۱۹۰ و شرح معانی الآثار ۲/ ۴۱۲

[2] کنز العمال بحوالہ حم وابن ماجہ حدیث ۲۸۵۹۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۱۸ سنن ابن ماجہ ابواب الطب ص ۲۶۱

[3] کنز العمال بحوالہ طب. حل. ك عن عمیر بن سعد حدیث ۲۸۶۱۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۲۱

ان القائلین بالاعداء لایحصرون المرض فیه حتی یلزمهم اعداء الاول فافهم وتثبت۔	یہ وسوسہ نہ ڈال دے کہ تجاوزِ مرض کے قائل مرض کو اس تعدیہ میں بند تو نہیں کرتے کہ ان پر یہ الزام ہو کہ پہلے مریض کو مرض کیسے لگ گیا، پس سمجھ لیجئے اور ثابت رہئے۔ (ت)

اکتیسویں حدیث: کہ امام احمد و بخاری و مسلم وابوداؤد وابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسی قدر روایت کی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لایوردن ممرض علی مصح[1]۔	ہر گز بیمار جانور تندرست جانوروں کے پاس پانی پلانے کو نہ لائے جائیں۔

بیہقی نے سنن میں یوں مطولاً تخریج کی کہ ارشاد فرمایا:

لاعدوی ولایحل الممرض علی المصح ولیحل المصح حیث شاء فقیل یارسول اللہ ولم ذٰلك قال لانه اذی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ **قلت** وقد رواہ مالك فی مؤطاہ انه بلغه عن بکیر بن عبداللہ بن الاشج عن ابن عطیة ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلّم	بیماری اڑ کر نہیں لگتی اور تندرست جانوروں کے پاس بیمار جانور نہ لائیں اور تندرست جانور والا جہاں چاہے لے جائے، عرض کی گئی یہ کس لئے؟ فرمایا: اس لئے کہ اس میں اذیت ہے یعنی لوگ بُرا مانیں گے انہیں ایذا ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم **قلت** (میں کہتا ہوں) امام مالک نے اپنی مؤطا میں اسے یوں روایت کیا کہ حدیث مذکور انہیں بکیر بن عبداللہ بن اشج سے بواسطہ ابن عطیہ اس طرح پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب لاعدوی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰، سنن ابی داؤد کتاب الکهانة باب فی الطیرة الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۹۰، سنن ابن ماجہ ابواب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۶۱، صحیح البخاری کتاب الطب قدیمی کتب خانہ ۲/ ۸۵۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی هریرہ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۰۶ و ۴۳۴

[2] السنن الکبرٰی للبیهقی کتاب النکاح باب لایورد ممرض علی مصح دار صادر بیروت ۷/ ۲۱۷

قال لاعدوی ولاھامر ولاصفر ولایحل الممرض علی المصح ولیحلل المصح حیث شاء فقالوا یارسول اللہ وماذاك فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه اذی [1]۔ھکذا رواہ یحیی مرسلا وتابعه جماعة من رواۃ المؤطا وخالفھم القعنبی وعبداللہ بن یوسف وابو مصعب ویحیی بن بکیر فجعلوہ عن ابی عطیة عن ابی ھریرۃ موصولا غیران ابن بکیر قال عن ابی عطیة ولاخلف فھو عبداللہ بن عطیة الاشجعی ویکنی اباعطیة ووھم بعض رواۃ المؤطا فی جعله عن ابی عطیة عن ابی برزۃ وانما ھو عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما افادہ الزرقانی [2]۔	ارشاد فرمایا: کسی مرض میں تعدیہ نہیں (کہ مرض اُڑ کر دوسرے تندرست آدمی کو لگ جائے) اور اُلّو وغیرہ میں نحوست نہیں، ماہ صفر کی آمد میں نحوست نہیں۔ بیمار جانور کو تندرست جانور کے پاس نہ لائیں بلکہ تندرست جانور کو جہاں چاہیں لے جائیں۔ لوگوں نے عرض کیا یہ کیوں یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم۔ آپ نے ارشاد فرمایا اس میں اذیت ہے یعنی لوگوں کو ایذا ہوگی۔ یحیٰی نے بطور ارسال (ذکر سند کے بغیر) اس کو روایت کیا اور مؤطا کے راویوں کی جماعت نے اس کی متابعت کی۔ قعنبی، عبداللہ بن یوسف، ابومصعب اور یحیٰی بن بکیر نے ان کی مخالفت کی۔ لہٰذا ابواسطہ ابن عطیہ حضرت ابوہریرہ کے حوالے سے اسے موصول قرار دیا مگر یہ کہ ابن بکیر نے ابن عطیہ سے کہا اور اس میں کوئی خلاف نہیں اس لئے کہ وہ عبداللہ بن عطیہ اشجعی ہے البتہ اس کی کنیت ابو عطیہ ہے، بعض رواۃ مؤطا کو یہ وہم ہوا کہ انہوں نے اس حدیث کو عن ابی عطیہ عن ابی برزہ کی سند سے ذکر کیا حالانکہ یہ حضرت ابوہریرہ کی سند سے مروی ہے (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) علامہ زرقانی نے اس کا افادہ کیا۔ (ت)

یہ حدیث دونوں مضمون کی جامع ہے۔

بتیسویں حدیث: صحیح جلیل کہ ایسا ہی رنگ جامعیت رکھتی ہے صحیح بخاری شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاعدوی وفرمن الجذوم کما تفر من الاسد [3]۔اوردہ الامام الجلیل الجلال السیوطی	بیماری اُڑ کر نہیں لگتی اور جذامی سے بھاگ جیسا شیر سے بھاگتا ہے۔ جلیل القدر امام جلال الدین سیوطی

[1] مؤطا امام مالك کتاب الجامع باب عیادۃ المریض والطیرۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۲۱

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الجامع باب عیادۃ المریض والطیرۃ دار المعرفة بیروت ۴/ ۳۳۳

[3] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۰

فی جامعه الکبیر بهٰذا اللفظ عازیا لابن جریر عن ابی قلابة[1] وفی قسمه الاوّل بلفظ لاعدوی ولاطیرة ولاهامة ولاصفر واتقوا المجذوم کما تتقوا الاسد عازیا[2] لسنن البیهقی عن ابی هریرة،و اورده فی اول الجامع ایضا بلفظ لاعدوی ولاطیرة ولاهامة ولا صفروفرمن المجذوم کما تفرمن الاسد عازیا لاحمد[3] والبخاری عن ابی هریرة،وهو کذٰلك فی الجامع الصحیح وبه ظهر ماقدمنا ان العزو یتبع اللفظ فبالنظر الی حدیث ابی قلابة عددناه بحیاله ولذا اوردناه بلفظه وهو بعینه لفظ البخاری وان اشتمل علی زیادات لاتوقف لهذا المعنی علیها،**اقول:** وابوقلابة هذا هو عبدالله بن زید الجرمی	اپنی جامع کبیر میں ابوقلابہ کے حوالہ سے امام ابن جریر کی طرف سے نسبت کرتے ہوئے اس لفظ سے لائے ہیں اور اس کی پہلی قسم میں ان الفاظ سے لائے ہیں "لاعدوی" یعنی کوئی مرض اُڑ کر نہیں لگتا، "ولاهامة" نہ اُلّو میں نحوست ہے، "ولاصفر" نہ ماہ صفر کی آمد میں کوئی نحوست ہے۔ جذامی سے اس طرح بچو جس طرح شیروں سے بچتے ہو (یعنی بھاگتے ہو) بواسطہ ابوہریرہ سنن بیہقی کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ نیز جامع کی ابتداء میں امام سیوطی ان الفاظ سے لائے ہیں کسی مرض میں تجاوز نہیں نہ الّو میں نحوست ہے نہ ماہ صفر میں، جذامی سے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔ مسند احمد اور بخاری کی طرف نسبت کرتے ہوئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے۔ اور وہ جامع صحیح میں اسی طرح ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ جو کچھ ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ نسبت کرنی لفظ کے تابع ہوتی ہے پھر ابوقلابہ کی حدیث کے پیش نظر ہم نے اس کے مقابل سے اس کا شمار کیا ہے اس لئے ہم اسے اسی لفظ سے لائے ہیں اور وہ بعینہٖ بخاری کے الفاظ ہیں اگرچہ وہ کچھ اضافوں پر شامل ہے پس اس معنی کا ان پر

[1] جامع الاحادیث للسیوطی مسند ابی قلابہ حدیث ۱۰۱۴۶ دارالفکر بیروت ۱۷/ ۳۱۴

[2] جامع الاحادیث للسیوطی حدیث ۲۶۱۹۱ دارالفکر بیروت ۸/ ۳۰۰

[3] جامع الاحادیث للسیوطی حدیث ۲۶۱۶۸ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۹۷

من ثقات التابعین وعلمائھم کثیرالارسال وکان الاولی ان ینبه علیه ثم ان العلامة الشمس السخاوی قال فی حدیث اتقوا ذوی العاھات المعنی فرمن المجذوم فرارك من الاسد کما ورد فی بعض الفاظ الحدیث وھو متفق علیه عن ابی ھریرۃ مرفوعا بمعناہ[1] اھ ورأیتنی کتبت علیه مانصه اقول: لم ارہ لمسلم انما فیه قوله صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لمجذوم انا قد بایعناك فارجع[2] نعم ھو فی حدیث البخاری بلفظ فر من المجذوم کما تفر من الاسد[3] والیه وحدہ عزاہ فی المشکٰوۃ[4] وکذا الامام النووی فی شرح مسلم تحت حدیثه المذکور[5] وکذا الامام السیوطی فی اول جامعه الکبیر[6]. فاللّٰه تعالٰی اعلم۔	توقف نہیں (یہ معنی ان پر موقوف نہیں) **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہ ابوقلابہ عبداللہ ابن زید جرمی ہے جو ثقات تابعین اور ان کے علماء میں سے ہے یہ کثیرالارسال ہے، بہتر تو یہ تھا کہ وہ اس پر آگاہ (تنبیہ) کرتا۔علامہ شمس الدین سخاوی نے فرمایا کہ حدیث اتقوا ذوی العاھات کا معنی فرمن المجذوم فرارک من الاسد (یعنی جذامی آدمی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو) جیسا کہ حدیث کے بعض الفاظ میں وارد ہوا ہے اور وہ بواسطہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ متفق علیہ مرفوع بالمعنٰی روایت ہے اھ مجھے یاد ہے میں نے اسی پر حاشیہ لکھا ہے عبارت یہ ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) میں نے اسے صحیح مسلم میں نہیں دیکھا، اس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جذامی شخص کے بارے میں صرف یہی ارشاد مذکور ہے کہ ہم نے تمہیں (زبانی) بیعت کرلیا للذا واپس چلے جاؤ، ہاں البتہ بخاری شریف کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں" جذامی شخص سے اس طرح بھاگو جس طرح تو

[1] المقاصد الحسنه حرف الھمزۃ حدیث ۲۱ دارالکتب العلمیه بیروت ص ۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب السلام باب اجتناب المجذوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۳

[3] صحیح البخاری کتاب الطب باب الجذام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۰

[4] مشکٰوۃ المصابیح کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ مجتبائی دہلی بھارت ص ۳۹۱

[5] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب السلام باب اجتناب المجذوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۳

[6] جامع الاحادیث للسیوطی حدیث ۲۶۱۶۸ دارالفکر بیروت ۸/ ۲۹۷

	شیر سے بھاگتا ہے" صرف اکیلے بخاری ہی کی طرف مشکوٰۃ میں اس کی نسبت کی گئی ہے۔اسی طرح امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں حدیث مذکور کے ذیل میں لکھا ہے اور اسی طرح اپنی جامع کبیر میں ابتداءً امام سیوطی نے فرمایا: در حقیقت اللہ تعالٰی ہی سب کچھ جانتا ہے۔(ت)

اب بتوفیق اللہ تعالٰی تحقیق حکم سنئے **اقول:** **وباللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف صریح ہیں کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا، کوئی تندرست بیمار کے قریب واختلاط سے بیمار نہیں ہوجاتا، جسے پہلے شروع ہوئی اسے کس کی اُڑ کر لگی۔ان متواتر وروشن وظاہر ارشادات عالیہ کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں تو بیماری اُڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کا وسوسہ اٹھانے کے لئے مطلقاً اس کی نفی فرمائی، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عملی کارروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا، ان کا جھوٹا پانی پینا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانے کی جگہ سے نوالہ اُٹھا کر کھانا جہاں منہ لگا کر انھوں نے پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر خود نوش کرنا یہ اور بھی واضح کر رہی ہے کہ عدوٰی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال باطل ہے ورنہ اپنے آپ کو بلا کے لئے پیش کرنا شرع ہرگز روا نہیں رکھتی،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" [1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) آپ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

رہیں قسم اول کی حدیثیں، وہ اس درجہ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں ان میں اکثر ضعیف ہیں جیسا کہ ہم بیان و اشارہ کر آئے اور بعض غایت درجہ حسن ہیں، صرف حدیث اول کی تصحیح ہوسکتی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلٰی وجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوٰی موجود کہ مجذوم سے بھاگو اور بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ واندیشہ کی بناء پر نہیں، معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مسنداً روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق،

حیث قال قال عفان وعفان ھذا	چنانچہ امام بخاری نے فرمایا عفان نے کہا یہ عفان

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

وان کان من شیوخ البخاری فکثیرامایروی عنه بالواسطة کما فی فتح الباری[1] وعدوله عن حدثنا المعتادله فی جمیع کتابه الی قال لایکون الا لوجه وهذا وان کان وصلا علٰی طریق ابن الصلاح فلیس المختلف فیه کالمتفق علیه وقدجزم المحقق علی الاطلاق فی باب العنین من فتح القدیر ان البخاری رواه معلقا[2]ثم لعلك تقول مالك حصرت الصحة فی الحدیث الاوّل الیس فیما ذکرت حدیث انا قد بایعناك فارجع [3] **اقول:**انما یرویه مسلم،ھٰکذا حدثنا یحیی بن یحیی اناهشیم ح قال وثنا ابوبکر بن ابی شیبه قال ناشریك بن عبدالله وهشیم بن بشیر عن یعلی بن عطاء عن عمروبن الشرید عن ابیه رضی الله تعالٰی عنه[4]	اگرچہ شیوخ بخاری (اساتذہ بخاری) میں سے ہے تاہم اس سے بسااوقات بالواسطہ روایت کرتے ہیں جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے،امام بخاری کا حدثنا (جو تمام کتب میں حسب معمول وحسب عادت ہے) چھوڑ کر لفظ قال اختیار کرنا بغیر کسی وجہ کے نہیں ہوسکتا،اگرچہ علامہ ابن الصلاح کے طریقے پر یہ صورت وصل ہے تاہم مختلف فیہ، متفق علیہ کی طرح نہیں۔ محقق علی الاطلاق (ابن ہمام) نے فتح القدیر باب عنین میں اس پر یقین اور وثوق کیا کہ امام بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے پھر شاید آپ کہیں کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم نے پہلی حدیث میں صحت کو منحصر (بند) کردیا حالانکہ جو کچھ آپ نے ذکر کیا اس میں یہ حدیث ہے انا قدبایعناك فارجع واپس ہوجاؤ ہم نے تمہیں زبانی بیعت کرلیا۔**اقول:** (میں کہتاہوں) امام مسلم اسے اس سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں ہم سے یحیٰی بن یحیٰی نے بیان کیا اسے ہشیم نے بتایا،"ح" ہم سے ابوبکر بن شیبہ نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے شریک بن عبداللہ اور ہشیم بن بشیر نے بیان کیا اس نے یعلٰی بن عطاء اس نے عمرو بن شرید اس نے اپنے باپ سے روایت کیا

---

[1] فتح الباری شرح البخاری کتاب الطب باب الجذام مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۲۶۴

[2] فتح القدیر کتاب الطلاق باب العنین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۳

[3] صحیح مسلم کتاب السلام باب اجتناب المجذوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۳

[4] صحیح مسلم کتاب السلام باب اجتناب المجذوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۳

وقال ابن ماجة حدثنا عمرو بن رافع ثنا هشيم عن يعلى بن عطاء[1] الخ وهشيم بن شريك كلاهما مدلس وقد عنعنا قال فی التقريب هشيم بن بشير ثقة ثبت كثير التدليس والارسال الخفی[2] وقال فی شريك صدوق يخطئ كثيرا تغير حفظه منذ ولی القضاء بالكوفة[3] وقال فی تهذيب التهذيب قال عبدالحق الاشبيلی كان يدلس و قال ابن القطان كان مشهورا بالتدليس[4] اھ قال و يروی له مسلم فی المتابعات[5] اھ كما ههنا اخرج له بمتابعة هشيم اما قول من قال ان عنعنة المدلسين فی الصحيحين محمول على السماع فاقول: تقليد جامد ولاننكر تحسين الظن فليس التخمين كالتبيين اصلا۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ محدّث ابن ماجہ نے فرمایا ہم سے عمرو بن رافع نے بیان کیا اس نے کہا ہم سے ہشیم نے بواسطہ یعلٰی بن عطاء بیان کیا الخ ہشیم اور شریک دونوں مُدلس ہیں اور دونوں نے عن عن کے الفاظ سے روایت کی ہے، چنانچہ التقریب میں فرمایا: ہشیم بن بشیر ثقہ، ثبت ہے مگر بہت زیادہ تدلیس اور ارسال خفی کرنے والا ہے۔ اور شریک کے متعلق فرمایا: سچا ہے لیکن کثیر الخطا ہے اس کے حافظہ میں تبدیلی آگئی تھی جب سے وہ کوفہ میں قاضی مقرر ہوا۔ تہذیب التہذیب میں کہا کہ عبدالحق اشبیلی نے فرمایا: وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اور ابن القطان نے فرمایا: وہ تدلیس میں مشہور تھا اھ۔ فرمایا: امام مسلم اس سے متابعات میں روایت کرتے تھے اھ۔ جیسا کہ یہاں ہشیم کی متابعت میں اس سے تخریج فرمائی۔ لیکن جس نے یہ کہا کہ تدلیس کرنے والوں کا بخاری و مسلم میں عن عن کہنا سماع پر محمول ہے **فاقول:** (تو میں کہتا ہوں کہ) یہ محض اندھی تقلید ہے اگرچہ ہم حسن ظن کے منکر نہیں تاہم تخمین (اٹکل پچّو سے کچھ کہنا) بالکل صاف بیان کرنے کی طرح نہیں ہوسکتا۔ (ت)

کوئی حدیث ثبوت عدوٰی میں نص نہیں، یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اُڑ کر لگ جاتی ہے۔ حدیث چہارم کہ "جذامیوں کو نظر جما کر نہ دیکھو ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو" صاف یہ محمل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھِن آئے گی نفرت پیدا ہوگی ان

---

[1] سنن ابن ماجه ابواب الطب باب الجذام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۱

[2] تقریب التهذیب لابن حجر عسقلانی تحت حرف الهاء ترجمہ ۷۳۳۸ دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۶۹

[3] تقریب التهذیب لابن حجر عسقلانی تحت حرف الشین المعجمه ترجمہ ۲۷۹۵ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۴۱۷

[4] تهذیب التهذیب من اسمه شریك ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه حیدرآباد دکن بھارت ۴/ ۳۳۷

[5] تهذیب التهذیب من اسمه شریك ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه حیدرآباد دکن بھارت ۴/ ۳۳۷

مصیبت زدوں کو حقیر سمجھوگے، ایک تو یہ خود حضرت عزّت کو پسند نہیں پھر اس سے ان گرفتاران بلا کو ناحق ایذا پہنچے گی، اور یہ روانہیں۔ علامہ مناوی تیسر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

(لاتحدواالنظر)لانہ اذی ان لاتعافوھم فتزدروھم اوتحتقروھم [1]۔	(نظریں جما کر جذامیوں کو نہ دیکھو)اس لئے کہ یہ ایذا ہے کہیں تم ان سے گھن نہ کرنے لگو اور ان کو عیب دار سمجھتے ہوئے تحقیر نہ کرنے لگو۔(ت)

علامہ فتنی مجمع بحارالانوار میں فرماتے ہیں:

لاتدیموا النظر الی المجذومین لانہ اذا ادامہ حقرہ و تاذّی بہ المجذوم [2]۔	نگاہ جما کر جذامیوں کو نہ دیکھو اس لئے کہ یہ ایذا ہے جب کوئی نگاہ جما کر انہیں دیکھے تو انہیں حقیر سمجھے گا اور جذامیوں کو اس طرح تکلیف ہوگی۔(ت)

حدیث ششم میں کہ ان ثقفی سے فرمایا: "پلٹ جاؤ تمہاری بیعت ہوگئی" متعدد وجوہ ہیں:

(۱) انہیں مجلس اقدس میں نہ بلایا کہ حاضرین دیکھ کر حقیر نہ سمجھیں۔

(۲) حضار میں کسی کو دیکھ کر یہ خیال نہ پیدا ہو کہ ہم ان سے بہتر ہیں، خود بینی اس مرض سے بھی سخت تر بیماری ہے۔

(۳) مریض اہل مجمع کو دیکھ کر غمگین نہ ہو کہ یہ سب ایسے چین میں ہیں اور وہ بلا میں، تو اس کے قلب میں تقدیر کی شکایت پیدا ہوگی۔

(۴) حاضرین کا لحاظ خاطر فرمایا کہ عرب بلکہ عرب وعجم جمہور بنی آدم بالطبع ایسے مریض کی قربت سے بُرا مانتے ہیں نفرت لاتے ہیں۔

(۵) اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) ممکن کہ خاطر مریض کا لحاظ فرمایا کہ ایسا مریض خصوصًا نومبتلا خصوصًا ذی وجاہت مجمع میں آتے ہوئے شرماتا ہے۔

(۶) اقول: ممکن کہ مریض رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھوں سے رطوبت نکلتی تھی تو نہ چاہا کہ مصافحہ فرمائیں، غرض واقعہ حال محل صد گونہ احتمال ہوتا ہے حجت عام نہیں ہوسکتا۔ مجمع البحار میں ہے:

ارجع فقد بایعناك انما ردہ	واپس چلے جاؤ بے شک میں نے تمہیں (زبانی)

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث لاتحدوا النظر الی مجذومین مکتبہ امام شافعی الریاض ۲/ ۴۹۱

[2] مجمع بحار الانوار تحت حرف الجیم تحت لفظ "جذام" مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱/ ۳۳۶

لئلا ینظر الیه اصحابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیزدرونه ویرون لانفسهم علیه فضلا فیدخلهم العجب اولئلا یحزن المجذوم برؤیة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم واصحابه ومافضلوا به فیقل شکره علی بلاء الله تعالٰی[1]۔	بیعت کرلیا ہے۔ حضور علیه الصلوٰۃ والسلام نے اس جذامی شخص کو لوٹادیا تاکہ حضور علیه السلام کے صحابہ کرام اسے دیکھ کر کہیں حقیر اور گھٹیانہ سمجھنے لگیں اور اپنے آپ کو اس پر ترجیح نہ دینے لگیں۔ اس طرح ان میں خودبینی پیدا ہوجائے گی۔ حضور علیه الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ ذی شان کو اور ان کے فضل وشرف کو دیکھنے سے کہیں جذامی غمگین نہ ہو، پھر الله تعالٰی کی مصیبت اور بلاپر اس کے جذبات شکر میں کمی نہ آجائے۔ (ت)

حدیث ہفتم کہ بچھونا لپیٹنے کو فرمایا **اقول:** (میں کہتاہوں۔ ت) ممکن کہ اس لئے فرمایا ہو کہ مریض کے پاؤں سے رطوبت نہ ٹپکے۔

حدیث ہشتم کہ اگر کوئی بیماری اُڑ کر لگتی ہو تو جذام ہے۔ "اگر" کا لفظ خود بتارہا ہے کہ اُڑ کر لگنا ثابت نہیں۔ تیسیر میں ہے:

قوله ان کان، دلیل علی ان هذا الامر غیر محقق عنده[2] اھ **اقول:** حمله علی الشك وماکان ینبغی وانّما حقه ان نقول قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان کان فی شیئ من ادویتکم خیر ففی شرطة محجم او شربة من عسل الحدیث رواه احمد[3] والشیخان والنسائی عن جابر	گزشتہ حدیث میں حضور صلی الله تعالٰی علیه وسلم کا ارشاد حرف "اِنْ" اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر آپ کے نزدیک ثابت اور محقق نہیں اھ۔ **اقول:** (میں کہتاہوں۔ ت) اس کو شک پر محمول کرنا ہر گز مناسب نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ ہم یوں کہیں کہ حضور صلی الله تعالٰی علیه وسلم نے فرمایا: (لوگو!) اگر تمہاری کسی دوا اور علاج میں خیر ہو تو پچھنے لگوانے اور شہد پینے میں ہے (الحدیث) امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت جابر

[1] مجمع بحار الانوار حرف الجیم تحت لفظ "جذام" مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۱/ ۳۳۶

[2] تیسیر شرح جامع صغیر تحت حدیث ان کان شیئ من الداء الخ مکتبہ امام شافعی ریاض ۱/ ۳۷۳

[3] صحیح بخاری کتاب الطب باب الدواء بالعسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۴۸، صحیح مسلم کتاب السلام باب لکل داء دواء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۵

رضی اللہ تعالٰی عنه ولاشك ان فی العسل خیرا کما نطق به القراٰن العزیز وفی الحجامة ایضا کما دل علیه المستفیض من الاحادیث القولیة و الفعلیة وقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لوکان شیئ سابق القدر لسبقته العین رواہ احمد[1] ومسلم و الترمذی عن ابن عباس واحمد والترمذی وابن ماجة بسند صحیح عن اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالٰی عنهم لاشك ان القدر لایسبقه شیئ فاذا ثبت الوجهان فی امثال المقال جاء الاحتمال فبطل الاستدلال۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ بلاشبہہ شہد کے استعمال کرنے میں خیر ہے جیسا کہ قرآن عزیز اس پر ناطق ہے اور پچھنے لگانے میں بھی خیر ہے جیسا کہ مشہور قولی اور فعلی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی چیز قضاوقدر سے آگے بڑھ جاتی تو نظربد آگے بڑھ جاتی۔ امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اس کو روایت کیا، نیز امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بسند صحیح اسماء دختر عمیس، سے اسے روایت کیا ہے(اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں کہ تقدیر سے کوئی چیز آگے نہیں ہو سکتی، پھر جب وہ وجوہات اس قسم کی گفتگو میں ثابت ہوگئیں تو کلام میں احتمال پیدا ہوگیا (لہٰذا احتمال کے ہوتے ہوئے) استدلال باطل ہوگیا۔(ت)

رہا اس وادی سے جلد گزر جانا **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس میں وہ پانچ وجوہ پیشین جا گزیں جو حدیث ششم کے بارہ میں گزریں **فافھم** (لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ت) حدیث نہم کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُن بی بی کو منع فرمایا **اقول:** وہاں بھی چاروجہ اولیں جاری **کمالایخفی بادنٰی تأمل** (جیسا کہ معمولی غوروفکر کرنے سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہتی۔ ت) حدیث یازدہم ودوازدہم کا فقرہ کہ امیر المومنین نے معیقیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے فرمایا دوسرا ہوتا تو مجھ سے ایک نیزے کے فاصلہ پر بیٹھتا اقول: انہیں حدیثوں میں ہے کہ اُن کو اپنے ساتھ کھلایا، اگر یہ امر عدوٰی کا سبب عادی ہوتا تو اہل فضل کی خاطر سے اپنے آپ کو معرض بلا میں ڈالنا روانہ ہوتا۔ اور تیرہویں حدیث نے تو خوب

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن اسماء بنت عمیس المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۳۸، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطب والمرض الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۰، سنن ابن ماجہ ابواب الطب باب من استرق الھین ص ۲۵۹

ظاہر کردیا کہ امیر المومنین خیال عدوٰی کی بیخ کنی فرماتے تھے، نری خاطر منظور تھی تو اس شدت مبالغہ کی کیاحاجت ہوتی کہ پانی انہیں پلا کر اُن کے ہاتھ سے لے کر خاص اُن کے منہ رکھنے کی جگہ پر منہ لگا کر خود پیتے، معلوم ہوا کہ عدوٰی بے اصل ہے تو اس فرمانے کامنشاء مثلًا یہ ہو کہ ایسے مریض سے تنفر انسان کاایک طبعی امر ہے آپ کا فضل اس پر حامل ہے کہ وہ تنفر مضمحل وزائل ہوگیادوسراہوتا توایسانہ ہوتا۔حدیث سی ویکم کہ تندرست جانوروں کے پاس بیمار نہ لائے جائیں **اقول:** (میں کہتاہوں۔ت) اس کی وجہ خود حدیث مؤطائے امام مالک وسنن بیہقی نے ظاہر کردی کہ یہ صرف لوگوں کے بُرامانننے کے لحاظ سے ہے ورنہ بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، ولہٰذا ہم نے اس حدیث کو احادیث قسم اول میں شمار بھی نہ کیا۔اب نہ رہیں مگر پانچ حدیثیں اول دوم سوم پنجم دہم اقول: قطع نظر اس سے کہ ان میں دوم کی سند واہی اور سوم کی خود حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جن کی طرف وہ نسبت کی جاتی تھی تکذیب فرمائی، اور دہم کہ امیر المومنین سے ایک صحابی جلیل القدر منجملہ اصحاب بدر ومہاجرین سابقین اوّلین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کی نسبت اس کا صدور سخت مستبعد تھا، متعدد حدیثوں نے اس کا خلاف ثابت کردیا جیسا کہ امیر المومنین سے مظنون تھا کماسبق ذٰلك كله فهذا منقطع باطنا ومعلول غیر مقبول (یہ سب کچھ پہلے گزر چکا ہے لہٰذا یہ اندرونی طور پر منقطع، معلول غیر مقبول ہے۔ت) اُن میں کسی کاحاصل حدیث اول کے حاصل سے کچھ زائد نہیں اور اُن میں وہی صحیح یاحسن ہے تو اسی کی طرف توجہ کافی۔ علماء کے لئے یہاں متعدد طریقے ہیں:

اوّل: اس کے ثبوت میں کلام بہ طریقہ امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ہے جیسا کہ حدیث ہفدہم میں گزرا۔

اقول:طریقتها رضی الله تعالٰی عنها معروفة فی امثال الاحادیث التی ترد علی خلاف ماعندها من العلم القطعی المستند الی القراٰن العظیم اوالسماع الشفاهی من حبیب الکریم صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان تنسب راویها الی السهو والوهم فی السماع والفهم کما قالت فی حدیث امیر المومنین عمر	**اقول:** (میں کہتاہوں) سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کاطریقہ کار اس قسم کی حدیثوں کے رَد میں جو اس علم قطعی کی بناء پر جوان کے نزدیک ثابت شدہ ہے یہ ہے کہ جس کی سند قرآن عظیم یا حضور کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے بالمشافہ سماع پر ہے مشہور ومعروف ہے کہ سماع وفہم میں راوی کی طرف سہو ووہم کی نسبت کرتی ہیں جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے

رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلّی اللہ تعالٰی علیہ و سلم ان المیت لیعذب ببعض بکاء اھلہ علیہ. یرحم اللہ عمر لاواللہ ماحدث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ یعذب المومن ببکاء اھلہ ولکن اللہ تعالٰی یزید الکافر عذابا ببکاء اھلہ علیہ وقالت حسبکم القراٰن "وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" رواہ الشیخان[1] وقالت یغفر اللہ لابی عبدالرحمٰن ترید ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم فانہ ایضا روی الحدیث کابیہ اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی انما مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی یھودیۃ یبکی علیھا فقال انھم لیبکون علیھا وانھا لتعذب فی قبرھا[2] رویاہ ایضا۔وفی لفظ اٰمَ واللہ ماتحدّثون ھذا الحدیث عن الکاذبین ولکن السمع یخطی وان لکم	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت فرمائی کہ آپ نے ارشاد فرمایا بعض دفعہ میت پر گھر والوں کے رونے سے اسے عذاب دیا جاتا ہے۔مائی صاحبہ نے فرمایا اللہ تعالٰی عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) پر رحم فرمائے خدا کی قسم ایسا ہر گز نہیں یہ ارشاد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نہیں کہ گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے بلکہ حدیث یوں ہے کہ اللہ تعالٰی کافر کے عذاب میں اضافہ فرمادیتا ہے جبکہ اس کے گھر والے اس پر روئیں۔چنانچہ مائی صاحبہ نے فرمایا اس بارے میں تمہیں قرآن مجید کافی ہے (چنانچہ ارشاد ربانی ہے) کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔بخاری و مسلم نے اسے روایت کیا ہے،اور ام المومنین نے ارشاد فرمایا اللہ تعالٰی ابو عبدالرحمٰن یعنی عبداللہ ابن عمر کو معاف کرے کہ انہوں نے بھی اپنے والد گرامی کی طرح حدیث روایت کردی۔سن لو انہوں نے جھوٹ نہیں کیا البتہ وہ بھول گئے (اصل واقعہ) یہ تھا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مردہ یہودیہ کے پاس سے گزرے کہ جس پر رویا جارہا تھا آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اس پر گریہ وبکا کررہے ہیں مگر اس کو قبر میں عذاب دیا جارہا ہے۔بخاری و مسلم دونوں نے اس کو روایت

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۲،صحیح مسلم کتاب الجنائز قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۳

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز ۱/ ۱۷۲ و صحیح مسلم کتاب الجنائز ۱/ ۳۰۳

فی القراٰن مایشفیکم ان لاتزر وازرۃ وزراخرٰی ولکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل لیزیدالکافر عذابا ببعض بکاء اھلہ علیہ رواہ الامام الطحاوی [1] وقالت فی حدیثھما ایضًا اعنی امیر المؤمنین وابنہ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فی نتنی بدر والذی نفسی بیدہ ماانتم باسمع لما اقول منھم [2]، رویاہ ایضا انما قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھم لیعلمون الان ماکنت اقول لھم حق و قدقال اللہ تعالٰی "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" رواہ البخاری [3] ولما بلغھا حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان	کیا ہے۔ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں: سنو لو، خدا کی قسم یہ حدیث تم جھوٹوں سے نہیں روایت کرتے لیکن سننے میں بھی غلطی لگ جاتی ہے اور تمہارے لئے قرآن مجید میں تمہاری شفاء کے اسباب موجود ہیں کہ کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی لیکن حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی (مرنے والے) کافر کے عذاب کو اس کے بعض گھر والوں کے رونے کی وجہ سے بڑھادیتا ہے۔ امام طحاوی نے اسے روایت کیا ہے، ام المومنین نے ان دونوں کی حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا (ان دونوں سے مراد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بدبودار کفار مقتولین بدر کے متعلق ارشاد فرمایا اس پروردگار کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے فرمارہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، نیز دونوں نے اس کو روایت فرمایا (یہاں بھی ام المومنین نے یہ ارشاد فرمایا) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ ارشاد فرمایا تھا۔اب وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ حق ہے جو میں ان سے کہتا تھا۔حالانکہ بلاشبہہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا یقینا آپ مُردوں کو

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراہۃ باب البکاء علی المیت الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۶

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جھل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۶۶

[3] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۳

النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ان الطیرۃ فی المرأۃ والدار والفرس فغضبت غضبا شدیدا وقالت والذی نزل القراٰن علٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماقالھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما قال اھل الجاھلیۃ کانوا یتطیرون من ذٰلك رواہ الطحاوی [1] وابن جریر عن قتادۃ عن ابی حسان ورواہ ایضا الحاکم والبیھقی وماذٰلك الا لان العلم عندھا من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی خلاف ذٰلك فقد قالت کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یبغض الطیرۃ ویکرھھا رواہ الامام الطحاوی [2] وروی ایضا انہ قیل لعائشۃ ان اباھریرۃ یقول لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیرلہ من ان یمتلیٔ شعرا فقالت یرحم اللہ اباھریرہ حفظ اول الحدیث	نہیں سنا سکتے۔امام بخاری نے اس کو روایت کیا ہے۔(یونہی) جب ام المومنین کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی یہ حدیث پہنچی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت، گھر اور گھوڑے میں نحوست ہے۔تو آپ بہت زیادہ غضبناک ہوئیں اور فرمایا: اس خدا بزرگ و برتر کی قسم جس نے محمد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مقدس قرآن نازل فرمایا کہ حضور پاک نے اس طرح نہیں ارشاد فرمایا بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ دور جاہلیت والے ان چیزوں سے نحوست اور بدشگونی لیتے تھے۔امام طحاوی وابن جریر نے بواسطہ قتادہ بواسطہ ابوحسان اسے روایت کیا ہے نیز حاکم اور بیہقی نے اسے روایت کیا ہے۔رہا یہ کہ ام المومنین ایسا کیوں کرتی تھیں،اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے انہیں جو یقینی علم حاصل تھا وہ مذکورہ روایتی الفاظ کے خلاف تھا۔بلاشبہہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم بدشگونی اور نحوست کے تصور کو مبغوض خیال فرماتے اور ناپسند کرتے تھے۔امام طحاوی نے اسے روایت فرمایا اور یہ بھی روایت فرمایا کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ سے کہا گیا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں تم میں سے کسی کے پیٹ کا پیپ سے بھر جانا بنسبت اشعار سے بھرجانے کے بہتر ہے،

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی داء الطاعون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۹

[2] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی داء الطاعون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۸

ولم یحفظ اٰخرہ ان المشرکین کانوا یھاجون رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لان یمتلیئ جوف احدکم قیحا خیرلہ من ان یمتلیئ شعرا من مھاجاۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] اھ ذٰلک لانھا سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول ان من الشعر لحکمۃ[2] وسمعتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتمثل بشعر ابن رواحۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وربما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا البیت ویأتیک بالاخبار من لم تزود روی الکل الطحاوی[3] کذٰلک قالت ھھنا لسماعھا منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا عدوٰی فمن اعدی الاول والسبب فی ذٰلک ماا شرنا	تو ام المومنین نے یہاں بھی فرمایا اللہ تعالٰی ابوہریرہ پر رحم فرمائے کہ انہیں حدیث کا پہلا حصہ یاد رہا اور آخری حصہ محفوظ نہ رہا (اصل واقعہ یہ تھا) مشرکین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مذمت کیا کرتے اور آپ کے خلاف بدگوئی سے کام لیتے تھے تو اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں سے کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جاتا تو اس کے لئے بہتر تھا بنسبت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجو اور مذمت والے اشعار سے بھرنے کے اھ، اور یہ اس لئے فرمایا کہ ام المومنین نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خود سنا تھا کہ آپ نے فرمایا بعض اشعار حکمت پر مبنی ہوتے ہیں یا حکمت والے ہوتے ہیں، اور یہ بھی سنا تھا کہ آپ ابن رواحہ کے اشعار پڑھا کرتے تھے (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) اور کبھی آپ نے یہ شعر بھی پڑھا ویأتیک بالاخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس وہ شخص خبریں لائے گا جس کو تو نے توشہ نہ دیا، سب کو امام طحاوی نے روایت کیا ہے، یہاں بھی اسی طرح مائی صاحبہ نے ارشاد فرمایا اس لئے کہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ سنا تھا کسی مرض میں تعدیہ اور تجاوز نہیں ورنہ پہلے مریض کو

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب روایۃ الشعر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۸

[2] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب روایۃ الشعر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۹

[3] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب روایۃ الشعر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۹

الیه من ان اخبار الاحاد لاتعارض ماعندها من القطعی فما وقع من العلامة ابی الفرج ابن الجوزی حیث ذکر فی حدیث الشوم فی ثلث، ان عائشة رضی الله تعالٰی عنها قد غلطت علی من روی هذا الحدیث وقالت انما کان اهل الجاهلیة یقولون الطیرة فی المرأة والدار والدابة ثم قال وهذا رد لصریح خبر رواته ثقات الخ کما نقله الامام العینی فی عمدة القاری[1] منشؤة الغفلة عن النکتة التی ذکرتها ثم قوله وقالت انما کان اهل الجاهلیة یقولون الخ **اقول**: ماقالته بل رواته عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما هو صریح نص روایة الطحاوی ومن ذکرنا جمیعا وای ثقة اوثق منها رضی الله تعالٰی عنها۔	کیسے اُڑ کر لگ گیا اور اس کا سبب وہی ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ اخبار احاد اس علم قطعی کا تعارض نہیں کرسکتیں جو مائی صاحبہ کے پاس تھا علامہ ابوالفرج ابن جوزی سے (مائی صاحبہ کے متعلق) جو کچھ واقع ہوا اس کا منشاء اس نکتہ سے غفلت ہے جو مائی صاحبہ نے ذکر فرمایا (اس کی تفصیل یہ ہے) چنانچہ علامہ ابن جوزی نے ذکر فرمایا کہ حدیث میں تین چیزوں کی نحوست کا ذکر آیا ہے: عورت، گھر، چوپایہ۔ اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس پر شدّت اختیار کی جس نے یہ روایت حدیث بیان کی، اور فرمایا کہ اہل جاہلیت یہ کہا کرتے تھے کہ عورت، گھر اور چوپائے میں نحوست ہوا کرتی ہے۔ پھر ابن جوزی نے کہا لیکن یہ تو اس حدیث کا صراحتاً رد ہے کہ جس کو ثقہ اور مستند راویوں نے روایت کیا ہے، جیسا کہ امام عینی نے اس کو نقل فرمایا ہے، پھر علامہ ابن جوزی کا یہ کہنا کہ مائی صاحبہ نے فرمایا اہل جاہلیت کہا کرتے تھے الخ **اقول**: (میں کہتا ہوں) مائی صاحبہ نے خود تو یہ نہیں فرمایا خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی جیسا کہ وہ روایت طحاوی اور ہمارے ذکر کردہ ان سب لوگوں کی صریح نص ہے۔ اور کون سا ثقہ مائی صاحبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے زیادہ ثقاہت رکھتا ہے۔ (ت)

دوم مجذوم وغیرہ سے بھاگنے کی حدیثیں منسوخ ہیں، احادیث نفی عدوٰی نے انہیں نسخ کردیا، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں امام قاضی عیاض سے منقول:

ذهب عمر رضی الله تعالٰی عنه وجماعة من	حضرت عمر فاروق اور سلف کا ایک گروہ اس طرف

[1] عمدة القاری شرح صحیح البخاری بحواله ابن الجوزی کتاب الطب باب الطیرة ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۲۱/ ۲۷۳

السلف الی الاکل معه وان الامر باجتنابه منسوخ وممن قال بذٰلك عیسٰی بن دینار من المالکیة[1] اھ ورده الامام النووی بوجھین احدھما ان النسخ یشترط فیه تعذر الجمع بین الحدیثین ولم یتعذر بل قدجمعنا بینھما والثانی انه یشترط فیه معرفة التاریخ ولیس ذٰلك موجوداھٰھنا[2] **اقول:** نص القاضی ان امیرالمومنین کان یراہ منسوخا فانکان ھذا عن روایة کما ھو ظاھر اللفظ لم یرد علیه شیئ من الوجھین لان الامیرالمومنین لایقول به الاعن علم وبعدہ لامساغ للجمع وان امکن باسھل وجه نعم ان ذکرہ القاضی ظنا منه فالوجھان وجیھان اقول: وثالثھما مارویناہ فی الحدیث الثانی والثلثین حیث جمع صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کلا الکلامین فی نسق واحد فاین النسخ لاسیما

گئے ہیں کہ جذامی شخص کے ساتھ کھانا جائز ہے اور اس سے بچنے کا حکم منسوخ ہے۔اور جن لوگوں نے یہ کہا ان میں عیسٰی ابن دینار مالکی ہیں اھ لیکن امام نووی نے اسے دووجھوں سے رَد کیا ہے،ایک وجہ یہ ہے کہ نسخ کے لئے شرط یہ ہے کہ دو حدیثیں جمع نہ ہوسکیں اور یہاں جمع میں کوئی دشواری نہیں بلکہ ہم نے دونوں حدیثوں کو جمع کردیا ہے،دوسری وجہ یہ کہ نسخ میں شرط ہے کہ تاریخ معلوم ہو(تاکہ پہلی کو منسوخ اور دوسری کوناسخ قراردیں)اور یہاں یہ موجود نہیں **اقول:** (میں کہتاہوں)امام قاضی عیاض نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ امیرالمومنین حدیث مذکور کو منسوخ سمجھتے تھے۔اگر یہ بات روایت ہے جیسا کہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر دونوں وجہیں اس پر وارد نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ امیرالمومنین بغیر علم کے ایسا نہیں فرماسکتے۔اور نسخ کے بعد جمع کی گنجائش نہیں اگرچہ کسی زیادہ آسان وجہ سے ممکن ہو۔ہاں اگر قاضی عیاض نے یہ(دعوی نسخ)اپنے گمان سے ذکرکیاہو تو پھر دونوں وجہیں وجیہہ ہیں،اور ان دونوں کے علاوہ تیسری وجہ وہ جس کو ہم نے بتیسویں حدیث میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دونوں کلاموں کو ایک ترتیب(نسق واحد)میں جمع فرمایا پھر نسخ کہاں ہے،چنانچہ

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری بحوالہ ابن الجوزی کتاب الطب باب الجذام ادارۃ الطباعة المنیریة بیروت ۲۱/ ۲۴۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب السلام باب لاعدوٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاعدوی مقدم فیه علی وفر من الجذوم وماکان لصدر الکلام ان ینسخ اٰخرہ۔	خصوصًا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد "لاعدوٰی" "وفر من الجذوم" سے مقدم ہے اور صدر کلام کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ وہ آخر کلام کو منسوخ کردے۔(ت)

سوم بھاگنے کا حکم اس لئے ہے کہ وہاں ٹھہریں گے تو ان پر نظر پڑے گی اور اس سے وہ مفاسد عُجب وتحقیر وایذا پیدا ہوں گے جن کا ذکر گزرا۔ عمدۃ القاری میں ہے:

قال بعضهم الخبر صحیح وامرہ بالفرار منه لنهیه عن النظر الیه [1] اھ مافی العینی **اقول:** ولایحتمله الحدیث الخامس ونظراؤہ مما فیه الامران یکونوا فیهم بفصل رمح اورمحین۔	بعض اہل علم نے فرمایا حدیث صحیح ہے اور جذامی آدمی سے دور بھاگنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ اس کی طرف دیکھنے کی ممانعت ہے۔ جو کچھ عینی میں ہے وہ پورا ہوگیا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) پانچویں حدیث اور اس کی امثال اس کا احتمال نہیں رکھتیں اس لئے کہ ان میں یہ امر ہے کہ ان جذامیوں سے ایک یا دو نیزے دور رہیں۔(ت)

چہارم: امر فرار اس لئے ہے کہ اس کی بدبو وغیرہ سے ایذا نہ پائیں۔ شرح صحیح مسلم للنووی میں ہے:

قیل النهی لیس للعدوٰی بل للتاذی بالرائحة الکریهة ونحوها [2] اھ **اقول:** وھذا ظاھر البعد فافهم۔	کہا گیا کہ نہی تعدیہ مرض کے لئے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ ان کی بدبو وغیرہ سے ایذا نہ ہو اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہ بظاہر بعید ہے لہٰذا اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔(ت)

پنجم: قول مشہور ومذہب جمہور ومشرب منصور کہ دوری وفرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب واختلاط رہا اور معاذاللہ قضاوقدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہوگیا تو ابلیس لعین اس کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اُڑ کر لگ گئی۔ یہ اول تو ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا اسی قدر فساد کے لئے کیا کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے بیماری اُڑ کر نہیں لگتی، یہ وسوسہ دل میں جمنا سخت خطرناک وہائل ہوگا، لہٰذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کے لئے دوری

---

[1] عمدۃ القاری کتاب الطب باب الجذام ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۲۴۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب السلام باب لاعدوٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

بہتر ہے، ہاں کامل الایمان وہ کرے جو صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کیا اور کس قدر مبالغہ کے ساتھ کیا اگر عیاذًا باللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ "لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَنَاۚ"[1] (ہمیں ہر گز کچھ پہنچتا (یا پہنچ سکتا) سوائے اس کے جو اللہ تعالٰی نے ہمارے مقدر میں لکھ دیا ہے۔ت) بے تقدیر الٰہی کچھ نہ ہوسکے گا، اسی طرف اس قول و فعل حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور کل ثقۃ باللہ وتوکلا علیہ (ایک جذامی سے آپ نے فرمایا) اللہ تعالٰی پر اعتماد اور بھروسا کرتے ہوئے (ہمارے ساتھ) کھائیے۔ت) فرمایا۔ امام اجل امین، امام الفقہاء وامام المحدثین، وامام اہل الجرح والتعدیل، وامام اہل التصحیح والتعلیل، حدیث وفقہ دونوں کے حاوی سیدنا امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار شریف میں دربارہ نفی عدوٰی احادیث سعد بن مالک وعلی مرتضٰی وعبداللہ بن عباس وابی ہریرہ وعبداللہ بن مسعود وعبداللہ بن عمر وجابر بن عبداللہ وانس بن مالک وسائب بن یزید وابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہم روایت کرکے فرماتے ہیں:

فقد نفی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العدوٰی وفی ھذہ الاثار وقد قال فمن اعدی الاول ای لما کان مااصاب الاول انما کان بقدر اللہ عزوجل کان ما اصاب الثانی کذٰلک، فان قال قائل فنجعل ھذا مضادا لما روی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یورد ممرض علی مصح کما جعلہ ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ **قلت** لا ولکن یجعل قولہ لاعدوی کما قال النبی صلی اللہ	بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان آثار میں (احادیث) تعدیہ مرض کی نفی فرمائی، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ پہلے مریض کو کیسے تعدیہ مرض ہوا بلکہ اللہ تعالٰی عزوجل کی تقدیر سے لاحق ہوا۔ اس لئے دوسرے کو بھی جو کچھ پہنچا اسی طرح پہنچا، اگر کوئی قائل یوں کہے کہ ہم اس کو اس حدیث کے متضاد قرار دیتے ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ کوئی مریض کسی تندرست آدمی کے پاس نہ جائے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہی کہا ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں کہ) ہم ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کے ارشاد لاعدوٰی کو لیتے ہیں جیسا کہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۱

تعالٰی علیه وسلم نفی العدوی ان یکون ابدا ویجعل قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایورد ممرض علی مصح علی الخوف منه ان یورد علیه فیصیبه بقدر الله تعالٰی مااصاب الاول فیقول الناس اعداه الاول فکره ایراد المصح علی الممرض خوف هذا القول، وقد روینا عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی هذه الاٰثار ایضا وضعه ید المجذوم فی القصعة فدل فعل رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ایضا علی نفی الاعداء لانه لوکان الاعداء مما یجوزان یکون اذا لما فعل النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مایخاف ذٰلك منه لان فی ذٰلك جر التلف الیه وقد نهی الله عزوجل عن ذٰلك فقال ولاتقتلوا انفسکم ومر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بهدف مائل فاسرع فاذا کان یسرع من الهدف المائل مخافة الموت فکیف یجوز علیه ان یفعل مایخاف منه الاعداء، فهذا معنی هذه الاٰثار عندنا والله تعالٰی اعلم[1] ملتقطا۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو تعدیہ مرض کی ہمیشہ نفی ہوگی اور ہم حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد "کوئی مریض کسی تندرست پر نہ وارد ہو" کی بنیاد اس اندیشہ پر رکھتے ہیں کہ مریض کبھی کبھار صحت مند اور تندرست کے پاس جائے اور پھر تندرست کو تقدیر الٰہی سے وہی مرض لاحق ہوجائے جس میں مریض مبتلا ہوچکا ہو تو لوگ کہیں گے کہ پہلے کا مرض (بطور تجاوز) اس میں سرایت کرگیا ہے تو پھر اس کہنے کے اندیشہ سے کسی تندرست کا مریض کے پاس جانا یا اس کا الٹ ناپسند کیا گیا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ان آثار میں روایت کی کہ آپ نے خود جذامی کا ہاتھ پکڑ کر کھانے کے پیالے میں رکھا، اس طرح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مبارک عمل بھی تعدیہ مرض کی نفی کی دلیل ہے۔ اگر تعدیہ مرض کسی طرح امکان رکھتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کبھی ایسا خطرناک کام (جذامی کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے والا) نہ کرتے کیونکہ اس میں ایذا کو اپنی طرف کھینچ کرلانا ہے حالانکہ اللہ تعالٰی بزرگ وبرتر نے اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: (لوگو!) اپنے آپ کو قتل نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جھکے ہوئے (گرنے والے) ٹیلے کے پاس سے گزرے تو گزرنے میں جلدی سے کام لیا، جب آپ نے گرنے والے ٹیلے سے گزرتے ہوئے اس

[1] شرح معانی الآثار للطحاوی کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی داء الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۷

	خطرے کے پیش نظر کہ کہیں اس کے گر پڑنے سے ہلاکت نہ ہو جائے آپ نے جلدی فرمائی، تو پھر آپ کے لئے کیسے روا ہے کہ آپ وہ کام کریں کہ جس سے تعدیہ مرض کا اندیشہ اور خطرہ رہے۔ پھر ہمارے نزدیک ان آثار کا یہ مفہوم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم ملتقطا۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

التوفیق بین الحدیثین بما قالہ ابن بطال و ھو ان لا عدوی اعلام بانھا لاحقیقۃ لھا واما النھی فلئلا یتوھم المصح ان مرضھا من اجل ورود المرضی علیھا فیکون داخلا بتوھمہ ذٰلك فی تصحیح ما ابطلہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من العدوٰی[1]۔	دونوں حدیثوں میں موافقت ابن بطال کے قول کے مطابق یہ ہے کہ لاعدوٰی کسی مرض میں تجاوز کے لئے نہیں بلکہ اس بات کا اعلان ہے کہ تعدیہ مرض کی کوئی حقیقت نہیں، رہا یہ کہ پھر ایسے مریضوں کے ساتھ میل جول سے کیوں روکا گیا؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تندرست آدمی کو اگر مریض کے پاس آمد و رفت کے دوران وہی مرض لگ گیا تو اس کے دل میں وہم پیدا ہو جائے گا کہ اسے یہ مرض مریض ہی سے لگا ہے اور پھر وہ اس وہم سے تعدیہ مرض کی صحت کا قائل ہو جائے گا کہ جس کا خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابطال فرمایا (ت)

ماثبت بالسنۃ میں جامع الاصول سے ہے:

یقال اعدی المرض اذا اصابہ مثلہ لمقارنتہ و مجاورتہ او مؤاکلتہ و مباشرتہ وقد ابطلہ الاسلام[2]	کہا جاتا ہے اعدی المرض یعنی مرض تجاوز کر گیا جبکہ کسی مریض کے ساتھ میل جول اور اس کے ساتھ کھانے پینے اور مباشرت سے کسی تندرست آدمی کو اسی جیسا مرض لگ جائے (تو اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ مریض کا مرض اُڑ کر فلاں تندرست آدمی کو لاحق ہو گیا ہے) حالانکہ اسلام نے تعدیہ مرض کا ابطال کیا ہے۔ (ت)

اسی میں مشارق الانوار امام قاضی عیاض سے ہے:

العدوی ماکانت تعتقدہ الجاھلیۃ من تعدی داء ذی الداء الی من یجاورہ	تعدیہ مرض جس کا اعتقاد اہل جاہلیت رکھتے تھے کہ کسی مریض کا مرض اس شخص تک تجاوز کر جاتا

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الطب باب لاھامۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۲۸۸

[2] ماثبت بالسنۃ مترجم ذکر شھر صفر ادارہ نعیمیہ رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۵۲

ویلاصقه ممن لیس به داء فنفاه الشرع وقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاعدوی یحتمل النهی عن قول ذٰلك واعتقاده و النفی لحقیقة ذٰلك کما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایعدی شیئ شیئا وقوله فمن اعدی الاول وکلاهما مفهوم من الشرع[1]۔	اور پہنچ جاتا ہے جو اس مریض سے قرب اور اتصال رکھے باوجودیکہ اس میں پہلے کوئی مرض نہ تھا پس شریعت نے اس اعتقاد کی نفی فرمائی ہے، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد لاعدوٰی یہ احتمال رکھتا ہے کہ اس کہنے اور اعتقاد رکھنے سے نہی ہو اور اس کی حقیقت کی نفی ہو۔ جیسا کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کی طرف تجاوز نہیں کرتی، اور آپ کا ارشاد گرامی ہے پھر پہلے مریض میں کیسے تعدیہ مرض پیدا ہوا۔ اور یہ دونوں باتیں شریعت سے سمجھی گئیں۔ (ت)

اُسی میں نزہۃ النظر للحافظ ابن حجر سے ہے:

الاولی فی الجمع ان یقال ان نفیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للعدوی باق علی عمومه و قد صح قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایعدی شیئ شیئا وقوله فمن اعدی الاول یعنی ان اللہ سبحٰنه وتعالٰی ابتدأ ذالك فی الثانی کما ابتدأه فی الاول واما الامر بالفرار من المجذوم فمن باب سد الذرائع لئلا یتفق للشخص الذی یخالطه شیئ من ذٰلك بقدر اللہ تعالٰی ابتداء لابالعدوی المنفیة فیظن ان ذٰلك بسبب مخالطة فیعتقد صحة العدوی فیقع فی الحرج فامر بتجنبه حسما للمادة[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔	دونوں حدیثوں کو جمع کرنے میں بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تعدیہ مرض کی نفی کرنا اپنے عموم پر باقی ہے اور بلاشبہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی صحیح ہے کہ کوئی چیز کسی دوسری چیز کی طرف تجاوز نہیں کرتی، اور آپ کا یہ ارشاد مبارک کہ پہلے میں کیسے مرض ہوا۔ اللہ تعالٰی پاک وبرتر نے ہی دوسرے مریض کو بھی مرض لاحق کیا جس طرح اس نے پہلے مریض کو لاحق کیا تھا۔ جہاں تک جذامی سے دور بھاگنے اور دور رہنے کے حکم کا تعلق ہے تو یہ ذرائع اور وسائل کو بند کرنے کے باب سے ہے، یعنی جو شخص تندرست حالت میں جذامی آدمی کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھے اور اتفاقاً اسے اللہ تعالٰی

[1] ماثبت بالسنة مترجم ذکر شهر صفر ادارہ نعیمیہ سواد اعظم لاہور ص ۵۲

[2] ماثبت بالسنة مترجم ذکر شهر صفر ادارہ نعیمیہ سواد اعظم لاہور ص ۸۴

	کی قضاؤقدر سے وہی مرض لاحق ہوجائے تو وہ یہ کہنے لگے گا کہ یہ مرض اس مریض سے میل جول اور اختلاط کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے پھر وہ صحت تعدیہ کا اعتقاد رکھنے لگے گا اور حرج میں پڑجائے گا بایں وجہ اسے جذامی آدمی سے دور رہنے اور بچنے کا حکم دیا گیا تاکہ شکوک وشبہات پیدا ہی نہ ہونے پائیں اور مادہ ہی کٹ جائے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

شرح مصابیح امام تورپشتی وشرح مشکوٰۃ علامہ طیبی ومرقاۃ علامہ قاری وشرح الموطا للعلامہ محمد الزرقانی وغیرہا میں ہے:

واللفظ للزرقانی الاکثر ان المراد نفی ذٰلك وابطاله کما دلّ علیه ظاهر الحدیث[1]۔	علامہ زرقانی کے الفاظ یہ ہیں اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس نفی سے اس کا ابطال مراد ہے جیسا کہ اس پر ظاہر حدیث دلالت کرتی ہے (ت)

اشعۃ اللمعات شیخ محقق میں ہے:

اکثر برآنند کہ مراد نفی عدوٰی وابطال اوست مطلقًا چنانچہ ظاہر احادیث درآن ست[2]۔	اکثر اہل علم اس نظریہ پر قائم ہیں کہ نفی تعدیہ سے اس کا مطلقًا ابطال مراد ہے جیسا کہ ظاہر احادیث اس پر دال ہیں (ت)

اسی میں ہے:

اعتقاد جاہلیت آں بود کہ بیمارے کہ درپہلوئے بیمارے نشیند یاہمراہ وے بخورد سرایت کند بیماری او بوے گفتہ اند کہ بزعم اطبا ایں سرایت درہفت مرض است جذام وجرب وجدری وحصبہ وبخرو رمد وامراض وبائیہ پس شارع آنرا نفی کرد وابطال نمود یعنی سرایت نمی باشد بلکہ قادر مطلق ہمچناں کہ اورا بیمار کرد ایں را	اہل جاہلیت کا اعتقاد یہ تھا کہ اگر کوئی تندرست آدمی کسی بیمار کے پہلو میں بیٹھے یا اس کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہو تو اس مریض کا مرض تندرست آدمی میں سرایت کرجاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اطبّاء کے خیال میں متعدی امراض سات ہیں اور وہ یہ ہیں: (۱) کوڑھ (۲) خارش (۳) چیچک (۴) خسرہ (۵) گندہ دہن ہونا (۶) آنکھوں کی بیماری (۷) وبائی امراض (یعنی

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالك باب عیادۃ المریض والطیرۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۳۳

[2] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ باب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۶۲۲

نیز کرد[1]۔	ہیضہ، طاعون وغیرہ) شارع نے ان سب کے تعدیہ کی نفی فرمائی اور اس کا ابطال کیا، پس شارع کی مراد یہ ہے کہ کسی مرض میں سرایت اور تجاوز نہیں (کہ ایک کا مرض بوجہ اختلاط دوسرے کو لگ جائے) بلکہ قادر مطلق نے جس طرح ایک کو بیمار کیا اسی طرح دوسرے کو بھی بیماری لاحق کردی۔(ت)

بالجملہ ان پانچوں اقوال پر عدوٰی باطل محض ہے یہی مذہب ہے حضرت افضل الاولیاء الاولین والآخرین سیدنا صدیق اکبر و حضرت سیدنا فاروق اعظم وحضرت سلمان فارسی وحضرت ام المومنین صدیقہ وحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجلہ صحابہ کرام کا، اور اسی کو اختیار فرمایا امام اجل طحاوی سید الحنفیہ وامام یحیٰی بن یحیٰی مالکی وامام عیسٰی بن دینار مالکی وامام ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف مغربی مالکی وامام ابن حجر عسقلانی شافعی وعلامہ طاہر حنفی و شیخ محقق عبدالحق محدث حنفی وغیرہم جمہور علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے عمدۃ القاری میں طبری سے ہے:

کان ابن عمر وسلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم یصنعان الطعام للمجذومین ویاکلان معھم وعن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت کان مولی لنا اصحابہ ذٰلک الداء فکان یاکل فی صحانی ویشرب فی اقداحی وینام علٰی فراشی[2]۔	یعنی عبداللہ بن عمر و سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہم مجذومین کے لئے کھانا تیار فرماتے اور ان کے ساتھ کھاتے اور ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہوا کہ ہمارے ایک غلام آزاد شدہ کو یہ مرض ہوگیا تھا وہ میرے برتنوں میں کھاتا میرے پیالوں میں پیتا بچھونوں پر سوتا۔

زرقانی علی المؤطا میں زیر حدیث انہ اذی (بیشک وہ ایذا ہے۔ت) فرمایا:

قال یحیی بن یحیی سمعت ان تفسیرہ فی رجل یکون بہ الجذام فلاینبغی لہ ان ینزل علی الصحیح یؤذیہ لانہ وان کان لایعدی فالانفس تکرھہ وقدقال	یحیٰی بن یحیٰی نے فرمایا کہ میں نے سنا کہ اس کی تفسیر اس شخص کے بارے میں ہے جس کو مرض جذام ہوجائے تو اسے مناسب نہیں کہ کسی تندرست آدمی کے پاس آئے کہ اسے ایذا ہوگی اس لئے کہ اگرچہ تعدیہ مرض کا اعتقاد

[1] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۶۲۰

[2] عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الطب باب الجذام ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۲۴۷

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ اذی یعنی لاللعدوٰی [1]۔	نہ ہوتے ہوئے بھی نفوس پر ایسی تکلیف دہ حالت کو دیکھنا گراں گزرتا ہے اور بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ایذا ہے یعنی اس کا سبب تعدیہ مرض نہیں۔(ت)

غرض مذہب یہ ہے اور وہ وجوہ تاویل میں اصح واجمع وجہ پنجم،

وھٰھنا ثلثۃ وجوہ اُخر لبعض العلماء **فالسادس** ان الجذام مستثنی من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاعدوی ان لایعدی شیئ شیئا الاھذا وعزاہ فی اشعۃ اللمعات الی الکرمانی الشافعی صاحب الکوکب الدراری فی شرح صحیح البخاری اقول: لم یقلہ بل نقلہ ومارضیہ بل مرضہ فانما حکاہ بقیل کما نقل عنہ فی مجمع البحار بل والشیخ نفسہ فی ماثبت بالسنۃ فماھٰھنا سبق قلم ثم ھذا القیل لم یعرف لہ قائل ولم یمل الیہ مائل ولا یؤیدہ شیئ من الدلائل **والسابع** قال البغوی قیل ان الجذام ذو رائحۃ تسقم من اطال صحبتہ ومؤاکلتہ اومضاجعتہ ولیس من العدوٰی بل	بعض علماء کے نزدیک یہاں تین اور وجوہ ہیں **چھٹی وجہ** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد عالی لاعدوٰی سے مرض جذام مستثنٰی ہے یعنی اس مرض کے ماسوا کوئی شے کسی دوسری شَے کی طرف تجاوز نہیں کرتی، چنانچہ اشعۃ اللمعات میں شیخ محقق نے علامہ کرمانی شافعی مصنف الکوکب الدراری شرح صحیح بخاری کی طرف اس کو منسوب کیا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس نے یہ نہیں کہا بلکہ اس کو نقل کیا ہے لیکن وہ اس پر راضی نہیں ہوا بلکہ اس نے توصیغہ تمریض یعنی صیغہ ضُعف سے اسے ذکر کیا اور لفظ قیل سے اس کی حکایت کی ہے جیسا کہ اس سے مجمع البحار میں نقل کیا گیا ہے بلکہ خود شیخ محقق نے ماثبت بالسنۃ میں اسے نقل کیا ہے لیکن یہاں ان سے سبقت قلم (بھول) ہوگئی پھر اس قیل کا قائل معلوم نہ ہو سکا اور کوئی میلان رکھنے والا اس کی طرف مائل نہ ہوا اور نہ کسی دلیل سے اس کی تائید کی۔**ساتویں وجہ** امام بغوی نے کہا: کہا گیا ہے کہ جذام بدبودار بیماری ہے جو کوئی ایسے بیمار سے طویل صحبت رکھے اس کے ساتھ

[1] شرح الزرقانی علی المؤطا لامام مالک باب عیادۃ المریض والطیرۃ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۳۳۴

من باب الطب کما یتضرر باکل مایعاف وشم مایکرہ والمقام فی مقام لایوافق ھواہ وکلہ باذن اللہ وماھم بضارین بہ من احد الا باذن اللہ نقلہ فی المجمع[1] و عزاہ فی الاشعۃ للامام النووی اقول: لعل ھذا ایضا لذاك فان الذی رأیت فی منھاجہ تصویب الوجہ الثامن الاٰتی ولم یعرج علی ذکر ھذا فاللہ تعالٰی اعلم وظنی ان الذی فی نسختی الاشعۃ تصحیف من البغوی فان الذی نقلہ ترجمۃ کلام البغوی سواء بسواء غیران البغوی ایضا لم یقل بہ وانما نقلہ بقیل ممرضا ثم اقول: لاادری ماالتنافی بین بابی العدوٰی والطب فالطب قائل فی ھذا المرض بالعدوی کما	کھائے پئے اور لیٹے تو یہ بیماری اس کو بھی لاحق ہو جاتی ہے اور یہ عدوٰی میں سے نہیں بلکہ باب طب سے ہے جیسے گھِن والی ناپسندیدہ چیز کھانے سے نقصان اور ضرر ہوتا ہے اور اسی طرح ناگوار چیز سونگھنے سے اور ناموافق ہوا والی جگہ (یعنی آلودگی والی فضا) میں ٹھہرنے سے ضرر ہوتا ہے (بس یہاں بھی یہی مراد ہے) اور در حقیقت یہ سب کچھ باذن الٰہی ہوتا ہے (چنانچہ) وہ اس سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ تعالٰی کے اذن ومشیّت سے۔ چنانچہ مجمع البحار میں اس کو نقل کیا ہے اور شیخ محقق نے اشعۃ اللمعات میں اس کو امام نووی کی طرف منسوب کیا ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) شاید یہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ میں نے جو کچھ امام نووی کی منہاج میں دیکھا ہے وہ آنے والی آٹھویں وجہ کی تصویب ہے اور اس کے ذکر پر اس نے عروج یعنی موافقت نہیں کی اور حقیقت حال کو اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اشعۃ اللمعات کا جو نسخہ میرے پاس ہے میرا خیال ہے کہ اس میں بغوی کی عبارت میں تبدیلی ہو گئی ہے کیونکہ شیخ نے بغوی کے کلام کا ہو بہو ترجمہ نقل کیا ہے، اس کے باوجود بغوی نے بھی یہ نہیں کہا بلکہ اس نے کلمہ تمریض کے ساتھ اسے نقل کیا ہے۔ **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں) میں یہ نہیں جانتا کہ عدوٰی اور طب کے

[1] مجمع بحار الانوار تحت لفظ عدا مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۳/ ۵۴۴

نقل التورپشتی والطیبی والقاری والزرقانی والشیخ المحقق وغیرھم ان العدوی بزعم الطب فی سبع کما تقدم عن الشیخ ویستوی فی ذٰلك کونها الکیفیة فیه اوالخاصیة فان کلا الفصلین من مسائل الطب ولیس بها انما یعتقدون ان العدوی انما تکون اذا کانت لابسبب یعقل والقائلون الاعداء ولانظر لهم الی انه بالکیفیة اوبالخاصیة فمن قال بالاعداء ولولرائحة فقد قال بالعدوی۔ **والثامن** ان النفی اعداء المرض من دون اذن اللہ تعالٰی کمازعمه اهل الجاهلیة اما الاعداء عادة باذن اللہ تعالٰی فثابت ولذا امر بالفرار ونهی عن ایراد الممرض ولااعلمه اعنی اثبات العدوی العادیة ثابتا عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم الامایفیده کلام الامام الطحاوی رحمه اللہ تعالٰی فیما تقدم من انکار ابی هریرة	باب میں کیا منافات اور تضاد ہے کیونکہ طب اس مرض میں تعدیہ کی قائل ہے جیسا کہ تورپشتی، طیبی، ملا علی قاری، زرقانی اور شیخ محقق اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا ہے کہ اطبا کے خیال میں تعدیہ مرض سات قسم کی امراض میں ہوتا ہے جیسا کہ شیخ کے حوالہ سے پہلے مذکور ہوا۔ تعدیہ مرض خواہ کسی کیفیت سے ہو یا کسی خاصیت سے، **اس میں** دونوں برابر اور مساوی ہیں کیونکہ دونوں فصلیں طب کے مسائل میں سے ہیں، اور یوں نہیں کہ عدوٰی بغیر کسی معقول سبب کے ہوجائے اس لئے کہ جولوگ تعدیہ امراض کے قائل ہیں وہ تعدیہ پر اعتقاد رکھتے ہیں باوجودیکہ وہ اس پر نگاہ نہیں رکھتے کہ وہ کس کیفیت سے ہوا ہے یا کس خاصیت سے، لہٰذا جو شخص تجاوز مرض کا قائل ہو خواہ بدبو ہی کے سبب سے کیوں نہ ہو وہ درحقیقت تعدیہ مرض کا قائل ہے۔ **آٹھویں وجہ** تعدیہ مرض کی نفی اس صورت میں ہے کہ اسے اللہ تعالٰی کے اذن اور ارادہ کے بغیر تسلیم کیاجائے جیسا کہ دور جاہلیت والوں کا خیال اور زعم تھا، لیکن اگر اللہ تعالٰی کے اذن اور ارادہ سے عادتاً مانا جائے (تو پھر خلاف شریعت نہ ہونے کی وجہ سے) ثابت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے بھاگنے کا حکم دیا گیا اور اس مرض کے مریض کو تندرست آدمی کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ عدوٰی عادیہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے۔ ہاں مگر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کا گزشتہ کلام اس بات کو تقویت پہنچاتا ہے کہ

رضی الله تعالٰی عنه حدیث لاعدوی واقامته علی روایة لایوردن ان ذٰلك کان ظنه التضاد بینهما، **اقول:** لیس لمثلی الکلام مع مثل الامام رحمه الله لکن الذی یعرفه قاصر مثلی ان انکار الروایة لاینحصر فی ظن التضاد بل نسی عنه سمعه من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما وسعه الا انکاره حتی لوفرض مودی الحدیثین واحدا من کل جهة وانما الالفاظ غیر الالفاظ ونسی سماع احدهما وقیل له رویت هذا الحدیث هٰکذا لم یسعه الا الاباء، نعم هو مذهب الامام المطلبی محمد بن ادریس الشافعی رضی الله تعالٰی عنه قال المناوی فی فیض القدیر (اتقوا المجذوم) ای اجتنبوا مخالطته فانه یعدی المعاشر کما جزم به الشافعی فی موضع وحکاه عن الاطباء	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس حدیث لاعدوی کا انکار کیا تھا اور لایوردن والی حدیث کو اس کے مقابل پیش کیا تھا درحقیقت وہ اپنے گمان کے مطابق ان دونوں کے درمیان تضاد سمجھتے تھے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) مجھ جیسے ناقص شخص کے لئے امام رحمہ اللہ تعالٰی جیسی بلند پایہ شخصیت کے ساتھ ہمکلام ہونا زیب نہیں دیتا سوائے اس کے جو اسے پہچانتا ہے، مجھ جیسے تو اس کی معرفت سے قاصر ہیں البتہ کسی روایت سے انکار کرنا تضاد کے گمان پر منحصر نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اس حدیث کا سماع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھول گئے، اس لئے ان کے لئے سوائے انکار کے کوئی گنجائش نہ رہی لیکن اگر یہ فرض کرلیا جاتا کہ ہر جہت سے دونوں کا مفہوم (مودّی) ایک ہے البتہ دونوں کے الفاظ مغایر اور الگ الگ ہیں اور جبکہ وہ ایک کا سماع بھول گئے، چنانچہ ان سے کہا گیا آپ نے اس حدیث کو اس طرح روایت کیا ہے تو انہیں سوائے انکار کے کوئی اور گنجائش نہ رہی۔ ہاں وہ امام مطلبی محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے، چنانچہ علامہ مناوی نے فیض القدیر (شرح جامع صغیر) میں فرمایا حدیث "جذامی سے بچو اور پرہیز کرو" یعنی اس کے میل جول اور اختلاط سے اجتناب کرو، اس لئے میل ملاپ کرنے والے میں مرض سرایت کرتا ہے، جیسا کہ امام شافعی نے ایک جگہ اس پر اظہار یقین کیا

والمجربين فی اخرونقله غيره من افاضل الاطباء [1] اھ. **اقول**: وطريقته رضی الله تعالٰی عنه فی امثال المقام معروفة من الاعتماد علی التجارب حتی قال بالقيافة وجعلها حجة فی الاحكام الشرعية و حكاياته رضی الله تعالٰی عنه فيها مشهورة فی مقاصد السخاوی وغيرها ماثورة وتبعه عليه احد شيخی مذهبه الامام ابوزكريا النووی ومن قبله الامام ابو عمرو بن الصلاح ومن بعدهما الكرمانی والطيبی و كذا ابن الاثير فيما ذكر القاری وكذا السخاوی علی شبهته فی عبارة الموجودة فی نسختی المقاصد و وافقهم من علمائنا التورپشتی والقاری كما وافقنا من ائمتهم العسقلانی، واضطرب ظاهرا كلام المناوی فقال تحت حديث اتقوا المجذوم	اور ایک دوسری جگہ اطباء اور تجربہ کارلوگوں سے اس کی حکایت بیان فرمائی، اور دیگر اہل علم نے طب کے فاضلوں سے اسے نقل کیا ہے اھ۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا طریقہ کار اور دستور اس نوع کے مقامات میں مشہور و معروف ہے کہ مختلف تجربوں پر اعتماد ہے یہاں تک کہ موصوف نے قیافہ شناسی اور اسے احکام شریعت میں حجت قرار دینے کا قول پیش کیا ہے اور اس سلسلے میں موصوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واقعات وحکایات مشہور ہیں چنانچہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی کتابوں میں منقول ہیں ان کے مذہب والوں میں سے ایک شیخ ابوزکریا نووی نے اس سلسلے میں ان کا اتباع کیا ہے اور ان سے پہلے امام ابو عمرو بن صلاح اور ان دونوں کے بعد کرمانی، طیبی اور اسی طرح ابن اثیر جیسا کہ ملا علی قاری نے ذکر فرمایا ہے اور اسی طرح امام سخاوی نے ذکر کیا مگر میرے پاس مقاصد حسنہ کا جو نسخہ ہے اس کی موجودہ عبارت میں کچھ اشتباہ پایا جاتا ہے اور ہمارے علماء میں سے ان کی موافقت تورپشتی اور ملا علی قاری نے کی جیسا کہ ان کے ائمہ میں سے ہماری موافقت علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمائی، بظاہر علامہ مناوی کا کلام مضطرب (ناقابل اعتماد) ہے چنانچہ اس حدیث "جذامی سے بچو" کے ذیل میں کہا

[1] فيض القدير شرح الجامع الصغير حديث ۱۴۱ دار المعرفة بيروت ۱/ ۱۳۷

ماقال قال ولایناقضه خبر لاعدوی لانه نفی لاعتقاد الجاهلیة نسبة الفعل لغیر الله تعالٰی[1] الخ وقال تحت حدیث کلم المجذوم لئلا یعرض لك جذام فتظن انه اعداك مع ان ذٰلك لایکون الا بتقدیر الله تعالٰی وهذا خطاب لمن ضعف یقینه ووقف نظره عند الاسباب[2] اھ ففی ھٰذا نوع میل الی ماعلیه الجمهور ووقع نحوه لعلامة الزرقانی فی شرح المؤطا فی موضع واحد فقال تحت قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایحل الممرض علی المصح فربما یصاب بذٰلك فیقول لوانی ماحللته لم یصبه والواقع انه لو لم یحله لاصابه لان الله تعالٰی قدره فنهی عنه لهذه العلة التی لایؤمن غالبا من وقوعها فی طبع الانسان وهو قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فر من المجذوم فرارك من	جو کچھ کہا، پھر فرمایا کہ یہ حدیث لاعدوٰی کے مناقض نہیں اس لئے کہ اس میں اعتقاد جاہلیت کی نفی ہے کیونکہ اس میں غیراللہ کی طرف فعل کی نسبت ہے الخ اور حدیث "کلّم المجذوم یعنی مجذوم کے ساتھ دور سے کلام کرو" کے ذیل میں فرمایا ایسا نہ ہو کہ کہیں تجھے مرض جذام لگ جائے اور تو یہ سمجھنے لگے کہ مریض کی بیماری اُڑ کر تمہیں لگ گئی حالانکہ تقدیرالٰہی کے بغیر اس طرح نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اس کو خطاب ہے جو یقین میں کمزور ہو، اور اس کی نظر صرف ظاہری اسباب پر ہی ٹھہرتی ہو اھ، اس میں جمہور کے مذہب کی طرف ایک طرح میلان پایا جاتا ہے، اور اسی نوع کا وقوع علامہ زرقانی سے شرح مؤطا میں ایک جگہ ہوا ہے چنانچہ علامہ موصوف نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد "کوئی مریض کسی تندرست آدمی کے پاس نہ جائے" اس لئے کہ اگر اسے مرض لگ جاتا ہے تو پھر وہ مریض یوں کہنے لگتا ہے کہ کاش میں اس کے ہاں نہ جاتا یا اس سے نہ ملتا تو مجھے یہ مرض نہ لگتا، حالانکہ فی الواقع اگر یہ مریض کے پاس نہ جاتا تب بھی اس کو یہ مرض لگ جاتا کیونکہ اللہ تعالٰی نے اس کے مقدر میں ایسا لکھ دیا تھا پس اس علت کی وجہ سے اسے روک دیا گیا کیونکہ طبیعت انسانی غالبًا اس کے وقوع سے لاپروا اور بے فکر نہیں

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۴۱ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۷

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۶۳۸۰ دارالمعرفۃ بیروت ۵/ ۴۱

الاسد، وان کنا نعتقد وان الجذام لایعدی لکنا نجد فی انفسنا نفرۃ وکراھیۃ لمخالطتہ[1] اھ فھٰذا صریح فی وفاق الجمھور، ثم قال اما النھی عن ایراد الممرض فی باب اجتناب الاسباب التی خلقھا اللہ وجعلھا اسبابا للھلاك اوالاذی والعبد مامور اتقاء اسباب البلاء اذاکان فی عافیۃ منھا وفی حدیث مرسل عند ابی داؤد انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مر بحائط مائل فقال اخاف موت الفوات[2] اھ ففیہ میل ما الی القول الاٰخر بل کان جزما بہ لولا قولہ "او الاذی" ثم عاد فقال تحت قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ اذی ای یتاذی بہ لاانہ یعدی[3]	ہوسکتی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد "جذامی سے تم اس طرح بھاگو جیسے بوقت خوف شیر سے بھاگتے ہو" کا یہی مفہوم ہے، اگرچہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مرض جذام متعدی نہیں ہوتا لیکن اپنے دلوں میں جذامی سے میل جول رکھنے سے نفرت اور کراہت پاتے ہیں اھ، اور یہ صراحۃً مذہب جمہور سے اتفاق ہے۔ پھر فرمایا لیکن مریض کے پاس جانے سے ممانعت کرنا ان اسباب سے بچنے کے باب سے ہے جنہیں اللہ تعالٰی نے پیدا فرمایا اور انہیں ہلاکت اور تباہی کے اسباب بنایا یا ممانعت ایذارسانی کے باعث ہے اور بندہ کو اسباب بلا سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ وہ ان سے بچ سکے، چنانچہ ابوداؤد کی ایک مرسل (بلاسند) روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک مائل بانہدام (جھکی ہوئی) دیوار کے قریب سے گزرے تو ارشاد فرمایا میں موت فوات سے ڈرتا ہوں اھ پس اس میں دوسرے قول کی طرف تھوڑا سا میلان ہے بلکہ اس پر اظہار یقین ہے بشرطیکہ اوالاذی کا قول متصل نہ ہوتا، پھر سابق کلام کی طرف رجوع کرتے ہوئے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد انہ اذی (وہ ایذا ہے) کے۔ ذیل میں فرمایا یعنی اذیت ہوگی (مریض اور تندرست کے لئے)

[1] شرح الزرقانی علی موطا امام مالك باب عیادۃ المریض والطیرۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۳۳

[2] شرح الزرقانی علی موطا امام مالك باب عیادۃ المریض والطیرۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۴۔۳۳۳

[3] شرح الزرقانی علی موطا امام مالك باب عیادۃ المریض والطیرۃ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۳۴

ثم نقل عن یحیی بن یحیی ماقدمناہ وقد اُذناك ان المائلین الی ھذا القول کالتورپشتی والطیبی والقاری قداعترفوا جمیعا کنص الشیخ المحقق و الزرقانی ان ابطال العدوٰی راسا ھوالذی علیه الاکثرون، **اقول:** وارجوان لاینکر علیه بماقال الامام النووی فی شرح مسلم قال جمھورالعلماء یجب الجمع بین ھٰذین الحدیثین وھما صحیحان قالوا وطریق الجمع ان حدیث لاعدوٰی المراد به نفی ماکانت علیه الجاھلیة تزعمه وتعتقدہ ان المرض و العاھة تعدی بطبعھا لایفعل اللہ تعالٰی واما حدیث لا یورد ممرض علی مصح، فارشد فیه الی مجانبة مایحصل الضرر عندہ فی العادة بفعل اللہ تعالٰی وقدرہ قال فھذا الذی ذکرناہ من تصحیح الحدیثین والجمع بینھما ھو الصواب الذی علیه جمھور العلماء ویتعین المصیر الیه[1] اھ فقد یکون المعزوالی جمھور	نہ کہ مرض میں تجاوز ہے۔ پھرانہوں نے یحیٰی بن یحیٰی سے وہی نقل کیاجو ہم پہلے بیان کرآئے ہیں اور بلاشبہہ ہم نے تمہیں آگاہ کردیا ہے کہ جولوگ اس قول کی طرف مائل ہیں جیسے تورپشتی، طیّبی اور ملاعلی قاری شیخ محقق اور زرقانی کی تصریح کی طرح وہ سب اس بات کے معترف ہیں کہ بالکلیہ تعدیہ مرض کے ابطال کا موقف زیادہ تراہل علم رکھتے ہیں۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) میں اُمیدرکھتاہوں کہ جو کچھ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں فرمایااس کاانکار نہیں کیاجائے گا (اور وہ یہ ہے) جمہور علماء نے فرمایاان دوحدیثوں کو جمع کرنا ضروری ہے اور وہ دونوں صحیح ہیں، جمہور فرماتے ہیں دونوں کو جمع کرنے کاطریقہ یہ ہے کہ حدیث "لاعدوٰی" سے اس چیز کی نفی مراد ہے کہ جس پر اہل جاہلیت قائم تھے چنانچہ وہ گمان اور اعتقاد رکھتے تھے کہ مرض اور آفت اپنی طبعی حالت سے تجاوز کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالٰی کی کارکردگی سے۔ (رہی حدیث کہ) "مریض تندرست کے پاس نہ جائے" اس میں اس چیز سے بچنے کی راہنمائی فرمائی ہے کہ جس سے بطور عادت اللہ تعالٰی کے فضل اور قضاء وقدر سے ضرر حاصل ہوتا ہے۔ امام نووی نے فرمایا یہ وہی ہے جس کو ہم نے بیان کیا ہے (یعنی) دوحدیثوں کی تصحیح اور ان دونوں کو جمع کرنا یہی وہ راہ صواب ہے کہ جس پر جمہور علماء قائم ہیں اور اس کی طرف رجوع کرنا متعین ہے اھ لہٰذا جمہور علماء کی

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب السلام باب لاعدوٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۰

العلماء وجوب الجمع وتصحیح الحدیثین لا خصوص ھذا الجمع وربما یشیر الیه انه بعد ذکر ھذا الجمع لم یقل ان ھذا الذی ذکرناہ ھو الصواب الذی علیه الجمھور بل فسرالمذکور بقوله من تصحیح الحدیثین والجمع بینھما ولواراد خصوص الجمع لم تکن حاجة الی التفسیر اصلا لکون الاشارة متصلة بذٰلك الجمع من دون فصل فضلا عن یفسرہ بالاعم وحینئذ یکون قوله ھذا احترازا عن الوجھین الاولین الذین قدمناھما ان احد الحدیثین غیرثابت لومنسوخ فیکون مثل مانقل ھو فیما بعد عن الامام القاضی عیاض انه قال وقد ذھب عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وغیرہ من السلف الی الاکل معه و راوا ان الامر باجتنابه منسوخ و الصحیح الذی قاله الاکثرون ویتعین المصیر الیه انه لانسخ بل یجب الجمع بین الحدیثین وحمل الامر باجتنابه والفرار منه علی الاستحباب و الاحتیاط لاللوجوب واما الاکل	طرف دو چیزیں منسوب ہیں ایک وجوب جمع اور دوسری چیز دوحدیثوں کی تصحیح نہ کہ اس جمع کا خصوص کبھی اس کی طرف اشارہ یہ چیز کرتی ہے کہ اس جمع کے ذکر کرنے کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ جس کو ہم نے ذکر کیا ہے وہی صواب ہے کہ جس پر جمہور اہل علم قائم ہیں بلکہ مذکور کی اپنے قول "دو حدیثوں کی تصحیح اور انہیں جمع کرنے" سے تفسیر فرمائی۔ لہٰذا اگر خصوص جمع کاارادہ کرتے تو اس تفسیر کی بالکل ضرورت اور حاجت نہ تھی اس لئے کہ اشارہ اس جمع سے پیوستہ یاوابستہ تھا نہ کہ الگ وجدا، چہ جائیکہ اس اعم سے اس کی تفسیر کرتے پھر اس صورت میں موصوف کا قول "ھذا" پہلی دو وجوہات سے جن کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، احتراز ہے، ایک یہ کہ دونوں حدیثوں میں سے ایک ثابت نہیں یا وہ منسوخ ہے پھر یہ کلام اسی جیسا ہوگا کہ جس کو اس کے بعد امام قاضی عیاض سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دوسرے اسلاف مریض کے ساتھ کھانا کھانے کے جواز کی طرف گئے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ "امر بالاجتناب" (ان سے الگ رہنے کا حکم) منسوخ ہے پس صحیح وہی ہے جو اکثر اہل علم نے فرمایا لہٰذا اس کی طرف رجوع متعین ہے کہ یہاں کوئی نسخ نہیں بلکہ دوحدیثوں کو جمع کرنا واجب (ضروری) ہے، لہٰذا ان سے الگ اور کنارہ کش رہنے کا امر اور ان سے بھاگنے کا حکم استحبابی اور احتیاطی ہے۔

معه ففعله لبیان الجواز[1] اھ، واذن یکون قوله قالوا وطریق الجمع الخ علی ماھو المتعارف بین العلماء من نقل اقوال جمع، بلفظة قالوا الا ان مرجعه جمهور العلماء کیلا یخالف نقل الاکثرین عن الاکثرین منهم التورپشتی والقاری انفسهما واللّٰه تعالٰی اعلم، ثم من الحجة لنا علیهم، اوّلًا ظاھرا لاحادیث المتواترة کما اعترفوا به ولامعدل عن ظاھر الابدلیل واین الدلیل وثانیًا ماقدمنا عن الامام الطحاوی ان لوکان ذٰلك من اسباب الھلاك العادیة لم یفعله النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ولاالخلفاء الراشدون ولاامر بالاکل معھم تواضعاوایمانا فان مجانبته حینئذ ماموربه شرعا لقوله تعالٰی "وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ "[2] وقوله تعالٰی "وَلَاتُلْقُوْابِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّھْلُكَةِ ۛ"[3] وکان کالجدار المائل

وجوبی نہیں۔ رہا یہ کہ ان کے ساتھ کھانا پینا، تو ایسا کرنا بیان جواز کے لئے ہے اھ پھر تو موصوف کا قول قالواوطریق الجمع الخ اس پر مبنی ہے کہ جو علماء کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک جماعت کے اقوال کو لفظ قالوا سے نقل کرتے ہیں ہاں مگر اس کا مرجع جمہور علماء ہیں تاکہ اکثر کی نقل اکثر کے مخالف نہ ہو، ان میں خود تورپشتی اور ملا علی قاری شامل ہیں اور اللہ تعالٰی ظاہر و باطن کو خوب جانتاہے۔ پھر ہماری دلیل ان کے خلاف متعدد وجوہ سے ہے اوّل متواتر حدیثوں کے ظاہر کی دلالت، جیسا کہ خود مخالفین کو اس بات کا اعتراف ہے، اور ظاہر ہے بغیر دلیل عدول نہیں ہوسکتا اور یہاں دلیل کہاں، دوم ہم امام طحاوی کے حوالہ سے پہلے نقل کرچکے ہیں اگر وہ "اختلاط مرض" ہلاکت عادیہ کے اسباب میں سے ہوتا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفاء راشدین ہرگز ایسانہ کرتے (اقدام اختلاط) اور نہ ان کے ساتھ (یعنی مریضوں کے ساتھ) بر بنائے تواضع اور ایمان کھانے پینے کا حکم فرماتے کیونکہ پھر تو ان سے علیحدگی اور کنارہ کشی شرعًا ماموربہ ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو" یا" اپنے آپ کو

[1] شرح مسلم للنووی بحوالہ قاضی عیاض باب السلام باب لاعدوٰی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴-۲۳۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

والسفینة المکسورة وقداعترف بہ ھؤلاء المثبتون للعدوی کما ستقف،**اقول:** ولیس من التوکل، المعارضة مع الاسباب والھجوم علی ماجرت العادة بافضائہ الی التباب ولایحل لاحد ان یلقی نفسہ من فوق جبل توکلا علی ربہ عزوجل وایقانا بانہ لایضرہ ان لم یشاء وقد حکی ان الشیطان سال ذٰلك سیدنا عیسٰی کلمة اللہ علی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوة والتسلیم فقال لااختبر ربی ونصوا بممانعة رکوب البحر عندھیجانہ وبہ ظھر الجواب عن حمل مثبتی العدوی حدیث کل ثقة باللہ وامثالہ علی التوکل ومتارکة الاسباب وقد ذکر من فعل الصدیق الاکبر والفاروق الاعظم ومبالغتھما فی ذٰلك مایرشدك انہ نص فی ردما ذھبوا الیہ،ولنذکر ھٰھنا	مت قتل کرو" اور یہ گرنے والی دیوار اور ٹوٹی ہوئی کشتی کی طرح ہوگا،اور اثبات تعدیہ کرنے والے حضرات بھی اس کے قائل اور معترف ہیں جیسا کہ عنقریب آپ آگاہ اور واقف ہو جائیں گے،**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ توکّل نہیں کہ اسباب کے ساتھ معارضہ (مقابلہ) کیا جائے۔اور جو چیز تباہی وہلاکت تک لے جائے بے سوچے اس میں پڑجانا ہر گز جائز نہیں، نیز کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو پہاڑ کے اُوپر سے گرائے،اللہ تعالٰی پر توکل کا نام لیتے ہوئے اور اس یقین و بھروسے کے ساتھ کہ اگر اللہ تعالٰی نہ چاہے تو کوئی چیز نقصان نہیں دے سکتی ایسا کرنا جائز نہیں۔چنانچہ حکایت بیان کی گئی ہے کہ سیدنا حضرت عیسٰی کلمۃ اللہ علیہ وعلٰی نبینا الصلٰوۃ والسلام سے یہی سوال شیطان نے کیا تھا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں اپنے پروردگار کا امتحان نہیں کرتا اور اسے نہیں آزماتا۔اہل علم نے صراحت فرمائی کہ سمندر میں جوش اور طوفان آنے کے وقت بحری سفر نہ کیا جائے،اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ قائلین بالتعدیہ حدیث کل ثقۃً باللہ اور اس جیسی دوسری حدیثوں کو عمل توکل اور ترک اسباب پر محمول کرتے ہیں۔حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فعل سے یہ بیان کیا گیا اور اس باب میں ان دونوں کے مبالغہ کرنے میں تمہارے لئے ایسی راہنمائی ہے

کلام العلامۃ علی القاری علیہ رحمۃ الباری فانہ جمع ماأتی بہ المثبتون وزاد ونذکر فی خلالہ مافتح اللہ تعالٰی علینا من وجوہ اختلالہ قال رحمہ اللہ تعالٰی قد عـــہ اختلف العلماء فی التاویل فمنھم من یقول المراد منہ نفی ذٰلک وابطالہ علی مایدل علیہ ظاھر الحدیث وھم الاکثرون ومنھم من یری انہ لم یرد ابطالھا فقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمن المجذوم فرارک من الاسد[1] **اقول**: ارادۃ الابطال ھو الظاھر کما اقربہ وماذکر لایصلح صارفا لہ لما علمت من وجوہ التاویل، قال وقال صلی اللہ تعالٰی	جو ان لوگوں کے مذہب کے رَد کرنے کے لئے (واضح) نص ہے۔ ہمیں یہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا کلام ذکر کرنا چاہئے کیونکہ اہل اثبات جو کچھ لائے ہیں اس سب کو بمع اضافہ انہوں نے یکجا کیا ہے اور ان کی خلل پذیر وجوہات کے بارے میں جو اللہ تعالٰی نے ہم پر منکشف فرمائیں اس دوران ہم ان کا بھی ذکر کریں گے۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا اہل علم کا اس مسئلہ کی تاویل میں اختلاف ہے ان میں بعض وہ ہیں جو فرماتے ہیں اس سے نفی اور اس کا ابطال مراد ہے اس بنا پر کہ ظاہر حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، اور وہ اہل علم اکثریعنی (کثیر تعداد میں ہیں اور کچھ دوسرے وہ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بطلان (تعدیہ) مراد نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جذامی سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو"۔ اقول: (میں کہتاہوں) ارادہ ابطال ہی ظاہر ہے جیسا کہ خود موصوف نے اس کا اقرار کیا اور جو کچھ (اس کے خلاف) ذکر کیا گیا وہ اس کے لئے دافع نہیں جیسا کہ وجوہ تاویل سے تمہیں معلوم ہوگیا، علامہ موصوف

عـــہ: ھذا کلہ کلام التورپشتی سوی مازاد من شرح المنحۃ ۱۲منہ	یہ سب تورپشتی کا کلام ہے ماسوائے اس چیز کے جو شرح المنحہ سے زائد کیا ہے ۱۲منہ (ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

علیه وسلم لایوردن ذوعاهة علی مصح[1] **اقول:** هذا اضعف وابعد بعد ماروینا عن المؤطا انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما نفی العدوی ونهی عن ایراد الممرض قالوا وماذاك قال وانما اراد بذٰلك نفی ماكان یعتقده اصحاب الطبعیة فانهم كانوا یرون العلل المعدیة موثرة لامحالة،فاعلمهم ان لیس الامر علی مایتوهمون بل هو معلق بالمشیة ان شاء كان وان لم یشاء لم یكن[2]۔ **اقول:** كل شیئ كذٰلك و جمیع الاسباب متساویة الاقدام فی ذٰلك ولم یات الشرع بنفی الاسباب بل اثبتها وارشد الی نفی تاثیرها واعتقاد اصحاب الطبعیة فی العین لیس بادون من اعتقادهم فی العدوی ثمّ لم یات الشرع بنفیها بل قال العین حق،قال ویشیر الی هذا المعنی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "فمن اعدی الاول"

نے فرمایا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آفت ومصیبت والے کسی تندرست کے پاس نہ جائیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ زیادہ ضعف اور زیادہ بعید ہے بعد اس کے کہ ہم نے مؤطا کے حوالے سے یہ روایت بیان کی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تعدیہ مرض کی نفی فرمائی اور لوگوں کو مریض کے پاس جانے سے منع فرمایا تو لوگوں نے استفسار کیا کہ یہ کیوں۔۔۔۔۔۔۔ موصوف نے فرمایا کہ اس سے آپ کا ارادہ نفی کرنے کا تھا جس کا ارباب طبعیت اعتقاد رکھتے ہیں کیونکہ وہ بلاشبہہ علل متعدیہ کو مؤثر سمجھتے تھے اس لئے آپ نے ان لوگوں کو اس بات پر آگاہ فرمایا کہ وہ معاملہ جس کا انہیں وہم ہے وہ اللہ تعالٰی کی مشیت سے معلق ہے اگر وہ چاہے تو مرض لاحق ہوگا نہ چاہے تو نہیں ہوگا **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہر شے اسی طرح ہے اور تمام اسباب اس میں تساوی اقدام ہیں اور شریعت نے اسباب کی نفی نہیں کی بلکہ انہیں ثابت کیا ہے اور ان کی نفی تاثیر کی راہنمائی فرمائی ہے اور نظر بد میں اصحاب طبعیت کا اعتقاد اس سے کم نہیں جتنا تعدیہ مرض میں ہے۔ اور شریعت نے اس کی نفی بھی نہیں فرمائی بلکہ فرمایا: نظر حق ہے۔ علامہ موصوف نے فرمایا اور اسی معنی کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد فمن اعدی الاوّل

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

ای ان کنتم ترون ان السبب فی ذٰلك العدوی لا غیرفمن اعدی الاول، **اقول:** اوّلًا بون بیّن بین ان یعتقدوا العلل موثرۃ فی العدوی وان یعتقدوا العدوی ھی الموثرۃ وحدھا والثابت عنھم ذٰلک لاھذا وقدوقع مثل ھذا للمناوی فی التیسیر فقال ھو من الاجوبة المسکتة اذ لو جلبت الادواء بعضھا بعضاً لزم فقد الدواء الاول لفقد الجالب[1] اھوانت تعلم انه غیر لازم اصلا مالم یقولوا بالسبب عند سلب الجلب ولیس ھذا زعمھم ولالازم زعمھم و الرجیح الفصیح فی تفسیر الحدیث ماقدمت والیه جنح الامام الطحاوی کما علمت ذکرہ بلسان المتکلم الامام العینی فی شرح البخاری[2] فقال ای من اجرب البعیر الاول یعنی ممن سری الیه الجرب فان قلت من بعیر اٰخر یلزم التسلسل

یعنی پہلے آدمی تک کس سے مرض پہنچا یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس میں سبب مرض تعدیہ ہے تو پہلے مریض تک کیسے تعدیہ ہوا، **اقول: اولًا** (میں اولًا کہتا ہوں) دونوں میں فرق ظاہر اور واضح ہے وہ یہ کہ تعدیہ میں علل کے مؤثر ہونے کا اعتقاد رکھیں اور صرف تعدیہ ہی کو مؤثر سمجھیں، پس ان سے پہلی شق ثابت ہے نہ کہ دوسری۔ اسی کی مثل علامہ مناوی سے تیسیر میں مذکور ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ یہ مسکت جوابات میں سے ہے اس لئے کہ اگر امراض میں ایک دوسرے سے کشید ہو تو پھر پہلے مریض کا مرض مفقود ہو جانا چاہئے اس لئے کہ اس کے لئے کوئی جالب نہیں اھ تم جانتے ہو کہ یہ قطعًا لازم نہیں آتا جب تک وہ سلب جلب کے علاوہ کسی سبب کا قول نہ کریں حالانکہ ان کا یہ خیال (زعم) نہیں اور نہ ان کے زعم سے یہ لازم آتا ہے لہٰذا صحیح، راجح قول وہی ہے جو میں نے پہلے بیان کردیا ہے اور امام طحاوی اسی طرف مائل ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں، امام عینی نے شرح بخاری میں متکلم کی زبان میں ذکر کیا ہے، چنانچہ فرمایا یعنی پہلے اونٹ کو کس طرح خارش ہوئی، اگر تم کہو کہ دوسرے اونٹ سے، تو تسلسل لازم آئے گا، اگر تم کہو کہ کسی دوسرے سبب سے مرض منتقل ہوا تو اس کا بیان تمہارے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال الطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث فمن اعدی الاول مکتبۃ الامام الشافعی الریاض ۲/ ۱۷۳

وان قلت بسبب اٰخر فعليك بيانه وان قلت ان الذی فعله فی الاول هو الذی فعله فی الثانی ثبت المدعی وهو ان الذی فعل فی الجميع ذٰلك هو الله الخالق القادر علی كل شيئ وهذا جواب من النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی غاية البلاغة والرشاقة[1] اھ اقول: كل كلامه صلی الله تعالٰی عليه وسلم كذٰلك كيف وقداوتی جوامع الكلم ولاحاجة فی تفسير الی ماذكرتم من الشق الثانی فانه اذا اعترف انه ليس بالعدوی بل بسبب اٰخر فقد انقطع لثبوت ان للمرض سببا اٰخر فليكن الثانی ايضا بذٰلك السبب فلم تثبت العدوی لعدم الدليل علی الدعوی و **اقول:** ثانيا علٰی كل فای اشارة فی من اعدی الاول الی اثبات العدوی عادة لاتاثيرا. قال وبين بقوله فرمن المجذوم وبقوله فرمن المجذوم وبقوله لايوردن ذوعاهة علی مصح ان	ذمّے ہے، اگر تم یہ کہو کہ جس نے پہلے کو مرض لگایا اسی نے دوسرے کو بھی مرض میں مبتلا کیا، تو پھر اس صورت میں ہمارا دعوی ثابت ہوگا۔ اور وہ یہ ہے کہ جو سب میں یہ کچھ کرتا ہے وہی اللہ تعالٰی ہے جو خالق ہے ہر چیز پر قادر ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ جواب انتہائی درجہ بلیغ اور خوب صورت انداز میں سنا گیا اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا ہر کلام اسی طرح فصیح و بلیغ اور جامع ہے، اور یہ کیونکر نہ ہو جبکہ آپ کو جوامع الکلم یعنی جامع کلمات سے نوازا گیا۔ اور تفسیر میں تمہاری بیان کردہ دوسری شق کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں کیونکہ جب اعتراف ہوگیا کہ یہ اثر عدوٰی سے نہیں بلکہ کسی دوسرے سبب سے ہے تو پھر بات ہی ختم ہوگئی اس ثبوت کی وجہ سے کہ مرض کا کوئی دوسرا سبب ہے تو پھر ہوسکتا ہے کہ دوسرے مریض کو بھی اسی سبب سے مرض لاحق ہوگیا ہو، نتیجہ یہ کہ اس صورت میں تعدیہ مرض (مجذومی) ثابت نہ ہوا کیونکہ اس دعوی پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ و **اقول:** ثانیًا (اور میں ثانیًا کہتا ہوں کہ) ہر تقدیر پر متن اعدی الاول میں کونسا اشارہ ہے کہ تعدیہ بطور تاثیر تو ثابت نہیں ہاں البتہ بطور

[1] عمدة القاری كتاب الطب باب لاہامة ادارة الطباعة المنيرية بيروت ۲۱/ ۲۸۸

مدا ناۃ ذٰلك سبب العلة فليتقه اتقائه من الجدار المائل والسفينة المعيوبة [1] **اقول**: فاذن كان يجب التباعد عنه على الخواص والعوام وينافيه ماثبت من فعله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وفعل الخلفاء الراشدين وحديث كل مع صاحب البلاء، **قال** وقد رد الفرقة الاولى على الثانية فی استدلالهم بالحديثين ان النهی فيهما انما جاء شفقا على مباشرة احد الامرين فتصيبه علة فی نفسه اوعاهة فی ابله فيعتقد ان العدوٰی حق اه قلت وقد اختاره العسقلانی فی شرح النخبة وبسطنا الكلام معه فی شرح الشرح ومجمله انه يرد عليه اجتنابه عليه الصلٰوة والسلام عن المجذوم	عادت ثابت ہے۔علامہ موصوف نے فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے ارشاد "جذامی سے دور بھاگو" اور اپنے ارشاد "مصیبت بیماری والے کسی صحتمند تندرست آدمی کے پاس نہ جائیں" میں بیان فرمایا کہ اس کا قرب سبب مرض ہے لہٰذا اس سے اس طرح بچے جیسے گرنے والی دیوار اور ٹوٹ پھوٹی کشتی سے بچتا ہے **اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) پھر تو اس سے عوام وخواص سب کو دور رہنا چاہئے حالانکہ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے فعل کے منافی اور خلاف ہے اور حدیث کل مع صاحب البلاء (صاحب مصیبت کے ساتھ کھانا کھاؤ) کے خلاف ہے۔علامہ موصوف نے فرمایا پہلے فرقہ نے دوسرے فرقہ پر دو حدیثوں کے حوالے سے ان کے استدلال کرنے پر رَد کیا ہے کہ دونوں میں نہی اس شفقت پر مبنی ہے کہ کہیں دو باتوں میں سے ایک سے مباشرت ہوجائے کہ وہ خود بیمار ہوجائے یا اس کے اونٹوں پر کوئی آفت آجائے پھر اس کا یہ اعتقاد ہوجائے کہ تعدیہ مرض حق ہے اھ چنانچہ ابن حجر عسقلانی نے اسے شرح النخبہ میں اختیار کیا ہے اور ہم نے شرح الشرح میں پوری تفصیل سے اس بارے میں کلام کیا ہے۔اس کا مجمل بیان یہ ہے کہ ان پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

عند ارادة المبايعة [1] **اقول:** قدمر فيه من الوجوه مايكفى ويشفى ولايثبت معها اجتنابه صلى الله تعالٰى وسلم عنه بالمعنى الذى رقم، على انه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ربما كان يتنزل من مرتبته ليستن به، قال مع ان منصب النبوة بعيد من ان يوردلحسم مادة ظن العدوٰى كلاما يكون مادة لظنها ايضا، فان الامر بالتجنب اظهر فى فتح مادة ظن ان العدوى لها تاثير بالطبع[2] **اقول:** اولا قدقدمنا فى تقرير كلام النفاة السراة مايرشدك الى الجواب الم تر ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قد نفى العدوى جهارا واعلن به مرارا وقطع عرقه بقوله فمن اعدى الاول وقوله فمن اجرب الاول وقوله ذٰلكم القدر	علیہ وآلہ وسلم نے اس جذامی سے ارادہ بیعت کے وقت اجتناب فرمایا **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) اس میں اتنی وجوہات بیان ہوئیں کہ جوکافی وشافی ہیں لہٰذا ان کی موجودگی میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کااس جذامی سے اجتناب اس معنی میں ثابت نہیں جو تحریر کیاگیا، علاوہ ازیں یہ بات ملحوظ رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی کبھی اپنے مقام رفیع سے تنزل فرماکر کوئی ایسارویہ بھی اختیار فرماتے ہیں کہ اس سے آپ کی سنت قائم ہو اور اس کی اقتداء کی جائے۔علامہ موصوف نے فرمایااس کے باوجود منصب نبوت سے بعید ہے کہ وہ ظن عدوٰی کے مادہ کو قطع کرنے کے لئے ایسا کلام فرمائیں جوخود ظن عدوٰی کے لئے مادہ بن جائے کیونکہ عدوٰی سے بچنے کاحکم دینا خود مادہ ظن کے انکشاف کوزیادہ کرتاہے کہ عدوٰی کے لئے طبعی تاثیر ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) اوّلاً بیشک ہم نے نفی کرنے والے افتخار کرنے والے اکابرین کی تقریر کلام میں جوکچھ بیان کیاہے وہ تمہارے لئے جواب کی راہنمائی اور نشان دہی کرتاہے کیاتم نہیں دیکھتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نفی عدوٰی برسر عام (کھلم کھلا) فرمائی اور متعدد بار اس کا اعلان فرمایا اور اپنے ان ارشادات سے اعدی الاول، فمن اجرب الاوّل، ذلکم القدر (یعنی پہلے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

وقد بلغه تبليغا واضحا معروفا عند الكل حتى تواتر عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وشاع وذاع ملأ الاسماع والبقاع فایّ مثار لهذا الظن بعد كل هذا الشدد الشن بیدانه اذقد ازیدت هذه الوسوسة من قلوب المؤمنين بقيت خشية انهم لانتفاء هذا التوهم يخالطون المبتلين ولايتحامونهم وفيهم ضعفاء اليقين بل هم الاكثرون والشيطان يجري من الانسان مجرى الدم وكان امر الله قدرا مقدورا فان اصاب احدا شيئ يلقى العدو فی قلبه ان هذا للعدوی فیفر هذا بدینه اشد مما كان یفر لولم یعلم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قدنفاها، فحملته رحمته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من رؤف بالمومنين رحيم ان نهاهم عن المخالطة اذ بدونها ان حدث

میں کیسے تعدیہ مرض ہوا، پہلے کو کس نے خارش لگائی، یہ تقدیر کی باتیں ہیں) اس کی جڑکاٹ دی اور اس کی ایسی تبلیغ فرمائی جو سب کے ہاں مشہور و معروف ہے یہاں تک کہ یہ مسئلہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے تواتر (تسلسل) کی حد تک پہنچ گیا ہے اور لوگوں میں پھیلا اور شائع ہوا، اس کی خوب اور بار بار سماعت ہوئی پھر اس شدت بندش کے بعد اس گمان کے لئے کون سی گنجائش باقی رہ جاتی ہے بغیر اس کے کہ جب اہل ایمان کے دلوں سے اس وسوسے کا ازالہ کردیا گیا تو یہ خدشہ باقی رہ گیا کہ وہ اس انتفائے وہم کے باعث مصیبت زدہ لوگوں سے اختلاط (میل جول) رکھنے لگیں گے اور ان سے احتراز نہ کریں گے حالانکہ ان میں ضعیف الاعتقاد لوگ کثرت سے ہیں (اور حال یہ ہے) شیطان انسانی جسم میں خون کی طرح چلتا ہے۔ اللہ تعالٰی کا حکم ہو کر رہتا ہے لہٰذا اگر کسی کو کوئی مصیبت پہنچ گئی تو یہ دشمن (شیطان) اس کے دل میں یہ وسوسہ ڈالے گا کہ یہ سب کچھ متعدی اثرات کا نتیجہ ہے یعنی تعدیہ مرض اس کا سبب بنا تو یہ شخص اپنے دین سے زیادہ دور ہوجائے گا بنسبت مصیبت زدہ سے دور ہونے کے۔ اگر اسے یہ علم نہ ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس عدوٰی کی نفی فرمائی ہے، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو مومنوں کے لئے رؤوف اور رحیم ہیں کی رحمت اس سبب سے ہوئی کہ لوگوں کو مریضوں

شیئ والعیاذ باللہ تعالٰی لایحدث فساد اعتقاد و اذا کان الامر فی ھذا الباب کما وصفنا لك فھل کان لسد ھذا الباب طریق غیرھذا الطریق الانیق الذی سبلکه الحکیم الرحیم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و اذا کان الامر بالتجنب عندکم شفقا علی ابدانھم فما لکم لاتجیزونه شفقا علی ایمانھم علیك بالانصاب، **ثانیًا** یاسبحٰن اللہ من این جاء ظن التاثیر بالطبع الیس قد نھی الشارع عن اقتحام اسباب الھلاك واسرع صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حین مر بھدف مائل فھل فیه فتح باب ظن انھا تؤثر بذاتھا، قال وعلٰی کل تقدیر فلادلالة اصلا علی نفی العدوی مبنیًا واللہ تعالٰی اعلم[1] **اقول: اوّلًا** ان لم یدل نفی الجنس والنکرۃ الداخلة فی خیرالنفی علی عموم النفی فماذا یدل بل لادلالة علی تخصیص النفی بکونھا بالطبع، واللہ تعالٰی اعلم، **وثانیا** لم یظھر لی

کے ساتھ اختلاط سے منع فرمایا کیونکہ اگر کوئی حادثہ ہوگیا تو فسادِ اعتقاد نہ ہو اور جب اس باب میں معاملہ یہ ہے جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے بیان کردیا تو اس باب کو بند کرنے کے لئے کوئی اور پسندیدہ اور خوبصورت طریقہ ہے جو حکیم ورحیم نے وضع فرماکر لوگوں کے لئے پیش کیا ہو۔ جب تمہارے نزدیک الگ رہنے کا حکم شفقت علی الاجسام کی بدولت ہے تو پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ لوگوں کے ایمان پر رحم کھاتے ہوئے اسے کیوں جائز نہیں قرار دیتے ہو، پس انصاف تمہارے ہاتھ ہے۔ **ثانیًا** اے اللہ پاک تاثیر طبعی کا گمان کہاں سے آگیا۔ کیا شارع نے اسباب ہلاکت میں گھسنے سے منع نہیں فرمایا، خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ایک گرنے والی دیوار کے پاس سے جلدی گزرے تو کیا اس میں بابِ ظن کھلتا ہے کہ تعدیہ مرض بالذات موثر ہوتا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اولًا اگر نفی جنس اور نکرہ جو محل نفی میں داخل ہے (اگر یہ دونوں) عموم نفی پر دلالت نہ کریں تو پھر عموم نفی پر کون سی چیز دلالت کرے گی، بلکہ عدوٰی طبعی کی نفی کی تخصیص پر کوئی دلالت نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔ **وثانیًا** علامہ موصوف کے اس قول

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

معنی قوله علی کل تقدیر فان علی تقدیر تعمیم النفی الدلالة علیه فی غایة الظهور فلیتأمل، قال قال الشیخ التورپشتی واری القول الثانی اولی التاویلین لما فیه من التوفیق بین الاحادیث الواردة فیه [1] **اقول:** اولا التوفیق حاصل علی القول الاول ایضا کما بینا ولعله لهذا عدل الطیبی عن هذا التعلیل الی قوله اری القول الثانی اولی لما فیه من التوفیق بین الاحادیث و الاصول الطبیة التی ورد الشرع باعتبارها علی وجه لا یناقض اصول التوحید[2] اھ. **اقول:** لاحاجة بنا الی تطبیق الشرع باصول الطب الفلسی بل نؤمن بالشرع ونجری نصوصه علی ظواهرها فان وافقها الطب وغیره فذاك والارمینا المخالف بالجدار کائنا ماکان والحمدلله رب العٰلمین

علامہ موصوف نے فرمایا بہر تقدیر عدوٰی کے سبب ہونے کی نفی پر اصلاً کوئی دلالت نہیں اور اللہ تعالیٰ بخوبی سب کچھ جانتا ہے۔"علی کل تقدیر" کے معنی مجھ پر ظاہر اور واضح نہیں ہوئے، کیونکہ تعمیم نفی کی تقدیر پر تو اس معنی میں بہت واضح اور جلی دلالت موجود ہے پس غور کرو، موصوف نے فرمایا شیخ تورپشتی نے کہا میں دوسرے قول کو دو تاویلوں میں سے زیادہ بہتر خیال کرتاہوں کیونکہ اس کو اختیار کرنے سے احادیث واردہ فی الباب میں موافقت اور مطابقت ہوجاتی ہے **اقول:** اوّلاً (میں اوّلاً کہتاہوں کہ) قول اول پر بھی دونوں میں موافقت موجود ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے اور شاید اسی وجہ سے علامہ طیبّی نے اس تعلیل سے اس قول کی طرف عدول فرمایا کہ میں دوسرے قول کو زیادہ بہتر خیال کرتاہوں کیونکہ اس میں احادیث واردہ اور قواعد طبیّہ میں موافقت اور مطابقت ہوجاتی ہے کیونکہ علم طب کے اصول وقواعد کا شریعت نے ایسی وجہ پر اعتبار کیاہے کہ وہ اصول توحید کے مناقض اور خلاف نہ ہوں اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) شریعت اور طب فلسفی کے اصول و قواعد میں ہمیں مطابقت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ہم شریعت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے نصوص کو ظاہر پر جاری کرتے ہیں پس اگر طب وغیرہ شرعی اصولوں کی موافقت کرے تو ٹھیک ہے

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

[2] شرح الطیبی لمشکوٰۃ المصابیح کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۳۱۴

و اقول: **ثانیا** بل التوفیق علی القول الاول اظھر وازھر فان منصب النبوۃ اجل من ان یبالغ فی نفی امر حق ھٰذہ المبالغۃ ولایرشد الی اثباتہ الابامر محتمل غیر بین **وثالثا** بل حق التوفیق منحصر فیما اختارہ الجمھور لانہ لیس فیہ صرف شیئ من الاحادیث عن الظاھر و ارتکاب تخصیص من دون ملجیئ ظاھر .قال ثم لان القول الاول یفضی الی تعطیل الاصول الطبیۃ ولم یرد الشرع بتعطیلھا بل ورد باثباتھا والعبرۃ بھا علی الوجہ الذی ذکرناہ [1] **اقول:** لانسلم ان الشرع سلم الطب بتفاصیلھا و الافاضل الثلثۃ التورپشتی والطیبی والقاری ھم الناقلون کغیرھم ان الاطباء یعتقدون الاعداء فی الطاعون والوباء فلوصدقھم الشرع

ورنہ مخالف چیز خواہ کوئی بھی ہو اسے پھینک دیں گے،اور تمام خوبیاں خدا کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اقول: **ثانیا**(میں دوبارہ کہتاہوں) بلکہ قول اوّل پر موافقت ومطابقت زیادہ ظاہر اور روشن ہے اس لئے کہ مقام نبوت اس سے کہیں زیادہ عظیم وجلیل ہے کہ کسی امر حق کی نفی میں وہ اس قدر مبالغہ آمیزی کرے جبکہ اس کے اثبات میں صرف ایسے امر سے راہنمائی ہوسکتی ہو جو محتمل غیر واضح ہے۔ **وثالثا** (تیسری بات) بلکہ حق توفیق اس میں منحصر ہے کہ جس کو جمہور اہل علم نے اختیار فرمایا کیونکہ اس میں احادیث کو اپنے ظاہری مفہوم سے پھیرنا نہیں پڑتا اور اضطرار ظاہری کے بغیر ارتکاب تخصیص نہیں کرناپڑتا۔علامہ موصوف نے فرمایا اس لئے کہ قول اول اصول طبیہ کے معطل کردینے تک پہنچا دیتاہے حالانکہ شریعت میں ان کا تعطل وارد نہیں بلکہ ان کا اثبات وارد ہے ان کا اعتبار اس طریقے پر ہوسکتاہے جس کو ہم نے بیان کردیاہے **اقول:** (میں کہتاہوں) ہم یہ نہیں مانتے کہ شریعت نے علم طب کی تمام تفصیلات کو تسلیم کیاہے تین فضلاء تورپشتی طیبّی اور ملاعلی قاری تو دوسروں کی طرح ناقل ہیں کہ اطباء طاعون اور وبا میں تعدیہ کا اعتقاد رکھتے ہیں اگر شریعت اس بارے میں ان کی تصدیق کرتی تو پھر جہاں

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

فی ذٰلك لم یأمر بالثبات وعدم الخروج من حیث وقع لکونه اذ ذاك القاء بالایدی الی التهلکة ولم یجعل الفار منه کالفار من الزحف بل کان کالفار من جدار یرید ان ینقض مع ان ھذا الامر متواتر عنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقد وعد علیه الاجر العظیم فعلم ان مزعومهم ھذا باطل عند الشرع وانما نهی عن الدخول علیه کما امر بالفرار من المجذوم لانه عسی ان یدخل فیبتلی بالقدر فیقول أُعدیت اویقول لولاالدخول لما ابتلیت ومثل "لو" ھذه تفتح عمل الشیطان والعیاذبالله تعالٰی. قال ویدل علٰی صحة ماذکرنا قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد بایعناك فارجع وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل ثقة بالله ولاسبیل الی التوفیق بین ھٰذین الحدیثین الامن ھذاالوجه، بین بالاول التوقی من اسباب التلف، وبالثانی التوکل علی الله جل جلاله

طاعون واقع ہوجائے، وہاں لوگوں کو ٹھہرنے اور کہیں باہر نہ جانے کا حکم نہ دیتی کیونکہ پھر تو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا ہوتا، اور طاعون سے بھاگنے والے کو جنگ سے بھاگنے والے کی طرح قرار نہ دیتی بلکہ وہ گرنے والی دیوار کے پاس سے بعجلت گزرنے کی طرح ہوتا باوجودیکہ یہ حکم آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر منقول ہے اور اس پر اجر عظیم کا وعدہ فرمایا گیا ہے، پس معلوم ہوا کہ شریعت میں ان کا یہ خیال باطل ہے لہٰذا جہاں طاعون پھوٹ پڑے وہاں اسی طرح جانا منع ہے جس طرح جذامی کے پاس جانا ممنوع ہے اور اس سے بھاگنے کا حکم ہے اس لئے کہ اگر وہاں جانے کی صورت میں بقضاء وقدر مبتلائے مصیبت ہوگیا تو کہنے لگے گا کہ مجھ پر تعدیہ مرض ہوگیا یایوں کہنے لگے گا کہ اگر وہاں نہ جاتا تو مبتلائے مرض نہ ہوتا، اور یہ حرفِ "لو" شیطانی عمل کا دروازہ کھولتا ہے، اللہ تعالٰی کی پناہ۔ علامہ موصوف نے فرمایا اس کی صحت پر جو کچھ ہم نے بیان کیا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ لوٹ جاؤ ہم نے تمہیں (زبانی) بیعت کرلیا ہے، اور آپ کا یہ ارشاد "اللہ تعالٰی پر بھروسہ کرتے ہوئے (میرے ساتھ) کھاؤ" پس ان دو حدیثوں میں موافقت کی اس طریقہ کے سوا اور کوئی صورت نہیں (اور وہ یہ ہے کہ) پہلی حدیث میں اسباب ہلاکت سے بچنے کی تلقین

ولاالہ غیرہ فی متارکۃ الاسباب وھو حالہ (عـــہ) اھ(ای کلام التورپشتی قال القاری)ھو جمع حسن فی غایۃ التحقیق واللہ ولی التوفیق[1] اقول: رحمك اللہ لقد حجرت واسعا فقد بان وظهر جمع صاف شاف لمع وزھر وقدمنا وجوہ ترجیحہ وماذکر من الجمع ففیہ مافیہ کما اسلفنا، فان التوقی من	فرمائی گئی اور دوسری میں اسباب کو چھوڑ کر محض اللہ تعالٰی پر بھروسہ اور توکل کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے وہ اللہ تعالٰی کہ جس کی بزرگی بہت بڑی ہے اور اس کے بغیر کوئی اور معبود برحق نہیں، اور وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک خصوصی حال ہے اھ یعنی تورپشتی کا کلام مکمل ہوگیا۔ ملا علی قاری نے فرمایا وہ ایک خوبصورت انتہائی تحقیقی کام جمع ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اقول: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے تم نے تو کشادہ کو تنگ کرڈالا اور اس میں رکاوٹ ڈال دی بلاشبہہ ایسی جمع ظاہر اور واضح ہے جو صاف، شفاف، روشن اور چمکدار ہے اور ہم نے پہلے ہی اس کی وجوہ ترجیح بیان کردی ہیں،

عـــہ: کذا فی نسختی المرقاۃ وعلیہ فالضمیر لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما کلام التورپشتی فھکذا بعد قولہ متارکۃ الاسباب یثبت بالاول التعرض للاسباب وھو سنۃ وبالثانی ترک الاسباب وھو حالۃ اھ فالحالۃ بتاء التانیث لاباھاء الضمیر ۱۲ منہ۔	میرے پاس جو مرقاۃ کا نسخہ ہے اس میں عبارت اسی طرح درج ہے پس اس کی بنا پر حالہ کی ضمیر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے، رہا تورپشتی کا کلام تو وہ اس کے قول متارکۃ الاسباب کے بعد اس طرح ہے۔۔۔۔۔۔ پس حدیث اول سے اسباب کا استعمال ثابت ہوا اور وہ سنت ہے جبکہ دوسری حدیث سے ترک اسباب کا ثبوت ملا اور وہ ایک حالت ہے اھ، پس لفظ حالۃ صرف "تا" تانیث کے ساتھ ہے نہ کہ "ہ" ضمیر کے ساتھ ۱۲ منہ۔ (ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۳

اسباب التلف واجب علی الناس جمیعا لایستثنٰی من الخواص ولیس التوکل ترك الاسباب ولامضادۃ الحکمۃ ولاالاجتراء علیھا بل اخراج الاسباب عن القلب مع تعاطی النافع وتحاصی الضار وقصر النظر علی المسبب جل وعلا قیدھا وتوکل علی اللہ.ثم قال القاری تحت قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وفرّ من المجذوم وقد تقدم ان ھذا رخصۃ للضعفاء وترکہ جائز للاقویاء بناء علی ان الجذام من الامراض المعدیۃ[1] الخ **اقول**: اری کلمات النافین والمثبتین جمیعا مطبقۃ علی ان الامر بالتوقی لضعفاء الیقین و حدیث کل ثقۃ باللہ وکل مع صاحب البلاء و امثالھما للکاملین صرح بہ ایضا فی المقاصد الحسنۃ و التیسیر وغیرھما وھذا ایضامن اول دلیل علی صحۃ	رہی وہ جمع جس کا یہاں ذکر کیا گیا تو اس میں وہ کچھ ہے جو ہے جیسا کہ ہم نے بیان کردیا کیونکہ اسباب ہلاکت سے بچنا سب لوگوں پر واجب ہے لہٰذا اس سے خواص مستثنٰی نہیں اور توکل ترک اسباب اور ان پر جرات کرنا نہیں اور نہ وہ حکمت کے خلاف ہے بلکہ اسباب کو دل سے نکال دینا اور فائدہ بخش چیز کو لینا اور ضرر رساں امور سے بچنا اور نگاہ کو صرف اللہ تعالٰی جل وعلا (جو مسبّب الاسباب ہے) پر روک رکھنا اس کی قیود کو ملحوظ رکھنا توکل علی اللہ ہے پھر ملا علی قاری نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "مجذوم سے بھاگو" کے ذیل میں فرمایا بلاشبہ پہلے گزرچکا ہے کہ یہ کمزوروں کے لئے رخصت ہے جبکہ قوی حضرات کے لئے اس کا چھوڑنا جائز ہے اس بناپر کہ مرض جذام متعدی امراض میں سے ہے الخ **اقول**: (میں کہتا ہوں) نفی اور اثبات کرنے والوں کے کلمات اس پر متفق ہیں کہ بچنے اور پرہیز کرنے کا حکم ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے ہے اور حدیث "اللہ تعالٰی پر اعتماد و بھروسہ رکھتے ہوئے کھاؤ" اور "صاحب مصیبت کے ساتھ کھاؤ پیو" ان دو حدیثوں اور ان جیسی دیگر حدیثوں کا بیان کاملین کے لئے ہے۔ چنانچہ مقاصد حسنہ، تیسیر اور ان دو کے علاوہ دیگر کتب میں اس بات کی تصریح کردی گئی ہے اور یہ بھی نفی کرنے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ کتاب الطب والرقی باب الفال والطیرۃ الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۳۴۵

قول النفاۃ فان الاسباب العادیۃ یستوی فیھا الاقویاء والضعفاء فلایلتئم ھذا علی قول المثبتین اما علی قول النفاۃ واضح انہ لاعدوی حقیقۃ وانما الخشیۃ ان یتوھمھا من ابتلی بقدروھذا لایخشی منہ علی الذین اٰمنوا وعلی ربھم یتوکلّون جعلنا اللہ تعالٰی منھم بفضل رحمتہ بھم اٰمین!	والوں کے قول کی صحت پر پہلی دلیل ہے کیونکہ عادی اسباب میں قوی اور ضعیف برابر اور مساوی ہوتے ہیں لہٰذا اثبات کرنے والوں کے قول سے یہ موافقت اور مطابقت واضح ہے کیونکہ ان کے نزدیک تو درحقیقت کسی مرض میں تعدیہ ہے ہی نہیں، ہاں البتہ اس بات کاخطرہ واندیشہ رکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تقدیرالٰہی کی بناپر مرض میں مبتلا ہوجائے تو اسے تعدیہ کا وہم ہوجائے گا۔(رہا ان حضرات کامعاملہ) جو سچے مومن اور اپنے پروردگار پر کامل یقین وبھروسہ رکھتے ہیں تو ان سے اس قسم کاخوف اور خدشہ نہیں۔ اللہ تعالٰی اپنے فضل ورحمت سے جوان پر ہے ہمیں بھی نوازے اور ان لوگوں میں شامل فرمائے، آمین! (ت)

بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح ونجیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا اصلاً کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اُڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہام بے اصل ہیں کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہوجاتا ہے کہ ارشاد ہوا ہے: انا عند ظن عبدی بی[1] (میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق اس کے پاس ہوتاہوں۔ت) وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اسی کی باطنی بیماری کہ وہم پرورده تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی۔ فیض القدیر میں ہے:

بل الوھم وحدہ من اکبر اسباب الاصابۃ[2]۔	بلکہ اکیلا وہم، اسباب رسائی میں سے سب سے بڑا سبب ہے۔(ت)

اس لئے اور نیز کراہت واذیت وخود بینی وتحقیر مجذوم سے بچنے کے واسطے اور نیز اس دوراندیشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہو اور ابلیس لعین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اُڑ کر لگ گئی اور اب معاذاللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باطل فرماچکے یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیف الیقین لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۵

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۱۴۱ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۷

اور کامل ایمان بندگان خدا کے لئے کچھ حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی وجہ سے ہے نہ یہ کہ معاذاللہ بیماری اُڑ کر لگ جائے گی، اسے تو اللہ و رسول رَد فرما چکے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) پھر ازانجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے واجب نہیں، کماقدمنا عن النووی عن القاضی عن جمہور العلماء (جیساکہ امام نووی بواسطہ قاضی عیاض ہم جمہور علماء کا قول پہلے بیان کرآئے ہیں۔ت) ہر گز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا مثلاً معاذاللہ جسے یہ عارضہ ہو اس کے اولاد واقارب وزوجہ سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں اور اسے تنہا وضائع چھوڑدیں یہ ہر گز حلال نہیں بلکہ زوجہ ہر گز اسے ہمبستری سے بھی منع نہیں کرسکتی، وللہذا ہمارے شیخین مذہب امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک جذام شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں، اور خداترس بندے تو ہر بیکس بے یار کی اعانت اپنے ذمہ لازم سمجھتے ہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ اللہ فی من لیس لہ الا اللہ۔ رواہ ابن عدی[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ سے ڈرو اس کے بارے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔ (محدث ابن عدی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

لاجرم امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

اما الثانی (ای قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرّ من المجذوم) فظاھرہ غیر مراد للاتفاق علی اباحۃ القرب منہ ویثاب بخدمتہ وتمریضہ وعلی القیام بمصالحہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ واذ خرجت المقالۃ فی صورۃ رسالۃ ناسب ان نسمھا الحق المجتلٰی	(لیکن دوسری حدیث یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد "مجذوم سے بھاگو") تو اس کا ظاہر مراد نہیں، یعنی علماء کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس اُٹھنا بیٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزاری وتیمارداری موجب ثواب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ اچانک مقالہ رسالہ کی شکل میں ظاہر ہوا للہذا مناسب ہے کہ ہم اس کا نام الحق المجتلٰی

[1] کشف الخفاء بحوالہ ابن عدی عن ابی ہریرۃ حرف الھمزہ رشدین حدیث ۵۸۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷۳

[2] فتح القدیر باب العنین وغیرہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۳

فی حکم المبتلٰی، والحمدللّٰہ علی ما انعم وعلم وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولانا محمّد واٰلہٖ وصحبہٖ وسلّم۔	فی حکم المبتلٰی رکھیں (یعنی مصیبت زدہ کا حکم بیان کرنے میں بالکل واضح اور روشن حق) سب تعریف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جس نے انعام فرمایا اور علم سکھایا، درودوسلام ہو ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور اُن کی آل اور اصحاب پر۔(ت)

رسالہ

الحق المجتلٰی فی حکم المبتلٰی

ختم ہوا

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

تیسر الماعون للسکن فی الطاعون ۱۳۲۵ھ

(طاعون کے دوران گھر میں ٹھہرنے والوں کے لئے بھلائی کو آسان کرنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۸۵ تا ۹۳: از قصبہ نگرام ضلع لکھنو مرسلہ مولوی محمد نفیس صاحب ولد جناب محمد ادریس صاحب ۶ صفر ۱۳۲۵ھ

علمائے شریعت محمدیہ کا مسائل ذیل میں کیا حکم ہے:

(۱) طاعون کے خوف سے مقام خوف سے فرار کرنا کیسا ہے؟

(۲) درصورت جواز فرار، حدیث فرار عن الطاعون (جو بخاری میں عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے) کے کیا معنی ہوں گے؟

(۳) درصورت عدم جواز، فرار عن الطاعون کس درجے کی معصیت ہے، کبیرہ یا صغیرہ؟

(۴) گناہ کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار کرنے والا شرعًا کیسا ہے؟

(۵) طاعون سے جان کے خوف سے فرار کرنے والے یا فرار کی ترغیب دینے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

(۶) درصورت عدم جواز فرار عن الطاعون، سے فرار کرنے والا اور ترغیب دینے والا ایک درجہ میں معصیت کے مرتکب ہوں گے یا کم زیادہ؟

(۷) مسمّی ناقل، طاعون سے فرار کو بمقابلۂ حدیث حرمت فرار عن الطاعون، جائز ہی نہیں بلکہ بلادلیل شرعی احسن سمجھتا ہے شرعًا وہ کیسا ہے؟

(۸) بمقابلہ حدیث صحیح کے کسی صحابی کا قول یا فعل جو مخالف حدیث صحیح کے ہو کیا اصول احکام شریعت کے اعتبار سے قابل تقلید یا عمل ہوگا، قولی حدیث کے مقابلہ میں کیا صحابی کے فعل کو ترجیح دی جائے گی؟

(۹) بخیال حفظ صحت بخوف طاعون طاعونی آبادی سے فرار کرکے اسی کے مضافات میں یعنی آبادی سے کم وبیش ایک میل کے ایسے فاصلے پر چلاجانا جو آبادی کے اکثر ضروریات کو پوری کرتا ہو جس کو فنا کہتے ہیں کیاداخل فرار عن الطاعون ہوگا جس کی ممانعت وحرمت حدیث عبدالرحمٰن بن عوف سے جو بخاری جلد رابع باب مایذکر فی الطاعون میں مروی ثابت ہے، اگر یہ خروج داخل فرار عن الطاعون ہوگا تو کیوں، جبکہ بخاری جلد رابع باب اجر الصابر فی الطاعون میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ اگر کسی کے گاؤں میں طاعون ہو اور وہ اپنے شہر میں استقلال سے ٹھہرا رہے تو اس کو اجر شہید کا ہوگا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث میں شہر طاعون سے فرار کی ممانعت ہے نہ یہ کہ شہر طاعون کے اندر خروج نہ کیا جائے کیونکہ اگر شہر کے اندر بھی خروج کی ممانعت ہوتی تو حدیث عائشہ میں صرف استقلال فی البلد سے اجر شہادت نہ ہوتا بلکہ استقلال فی البیت سے ہوتا، اور فنا میں نماز جمعہ کی اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ فنائے شہر بھی شہر ہے پس شہر میں خروج کرنا کیونکر داخل فرار ہوگا کیونکہ بدلیل اجازت جمعہ درفنائے شہر شہر ثابت ہوچکا ہے اور فحوائے حدیث عائشہ سے شہر کے اندر خروج کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی اور اگر یہ خروج میں داخل نہ ہوگا تو کیوں؟ جبکہ مسافر کو موضع اقامت کی عمارات سے نکلنے پر فورًا قصر واجب ہوجاتا ہے جیسا کہ کتب فقہ سے ثابت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ شہر کا اطلاق محض عمارات پر ہوتا ہے نہ کہ فنائے عمارات پر، اور اس صورت میں حدیث عائشہ کا یہ مفہوم ہوگا کہ شہر کی عمارات سے خروج نہ کیا جائے۔ پس احد الامرین کے اختیار کرنے سے دوسرے کا کیا جواب ہوگا، حدیث عائشہ کا صحیح مفہوم کیا ہوگا، صورت اول یا آخر، ہر ایک سوال کا جواب نمبروار مدلل ومفصل مع حوالہ کتب عنایت فرمائیے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ الذی حمدہ للنجاۃ	اللہ تعالٰی کے بابرکت نام سے شروع جو نہایت رحم کرنے وبے حد مہربان ہے، تمام خوبیاں اللہ تعالٰی

من البلایاخیر ماعون* وافضل الصلٰوۃ والسلام علی من جعلت شھادۃ امتہ فی الطعن والطاعون* وعلٰی اٰلہ وصحبہ الذین ھم لاماناتھم وعھدھم راعون* فلایفرون اذا لاقوا وھم فی اعلاء کلمۃ اللہ ساعون* وللہ ورسولہ طواعون.الی المعروف داعون* وعن المنکر مناعون÷	کے لئے ہیں کہ جس کی تعریف مصائب سے چھڑانے کے لئے زیادہ مفید ہے۔افضل درودوسلام اس ہستی پر کہ جس کی امت کی گواہی (بطور سند) طعن اور طاعون میں رکھی گئی اور اس کی تمام آل اور تمام صحابہ پر جو اپنی امانتوں اور عہد کی رعایت کرنے والے ہیں اور وہ بھاگتے نہیں جبکہ دشمن سے ان کا آمنا سامنا ہو اور وہ اللہ کے کلمے کو بلند کرنے میں کوشاں رہتے ہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کے بہت فرمانبردار ہیں اور بھلائی کی دعوت دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں۔(ت)

طاعون سے فرار گناہ کبیرہ ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف۔رواہ الامام احمد[1] بسند حسن والترمذی وقال حسن غریب و ابن خزیمۃ وابن حبان فی صحیحھما والبزار و الطبرانی وعبدبن حمید عن جابر بن عبداللہ و احمد بسند صحیح وابن سعد وابو یعلٰی والطبرانی فی الکبیر وفی الاوسط وابونعیم فی فوائد ابی بکر بن خلاد عن ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسے جہاد میں کافروں کے مقابلے سے بھاگ جانے والا۔(امام احمد نے سند حسن سے اور امام ترمذی نے اس کو روایت کیا اور فرمایا حدیث حسن غریب ہے۔ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحاح میں اس کو روایت کیا ہے۔بزار،طبرانی اور عبد بن حمید نے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالے سے،نیز امام احمد نے سند حسن سے،ابن سعد،ابویعلٰی اور طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں اور ابونعیم نے ابوبکر بن خلاد کے فوائد میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حوالہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اور اللہ عزوجل جہاد میں کفّار کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی نسبت فرماتا ہے:

"فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ جَہَنَّمُ ؕ	وہ بیشک اللہ کے غضب میں پڑا اور اس کا ٹھکانا

[1] مسندامام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۲۵۵،۱۴۵،۸۲،الزواجر عن اقتراف الکبائر الکبیرۃ التاسعۃ والتسعون بعد الثلاثمأتہ دار الفکر بیروت ۲ /۸۸۔۲۸۷

وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ﴿۱۶﴾ "[1]	دوزخ ہے اور کیا بری جائے بازگشت ہے۔

امام ابن حجر مکی زواجر عن اقتراف الکبائر میں فرماتے ہیں:

الکبیرۃ التاسعۃ والتسعون بعد الثلثمائۃ الفرار من الطاعون[2]۔	تین سو کبیرہ گناہوں کے بعد ننانوے نمبر پر طاعون سے بھاگنا کبیرہ گناہ ہے۔(ت)

اسی میں بعد ذکر حدیث مذکور بتخریج ترمذی وابن حبان وغیرہما فرمایا:

القصد بھٰذا التشبیہ انما ھو زجر الفار والتغلیظ علیہ حتی ینزجرولایتم ذٰلك الا ان کان کبیرۃ کالفرار من الزحف[3]۔	اس تشبیہ سے مقصود طاعون سے بھاگنے والے کی سرزنش اور اس پر سختی کرنا ہے تاکہ وہ اس سے باز آجائے، اور یہ بات اس کے کبیرہ گناہ ہونے کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی جیسے جنگ سے بھاگنا۔(ت)

مولانا شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

ضابطہ در وباء ہمیں ست کہ درانجاکہ ہست نباید رفت و ازانجاکہ باشد نباید گریخت اگرچہ گریختن دربعض مواضع مثل خانہ کہ دروے زلزلہ شدہ یاآتش گرفتہ یا نشستن در زیر دیوارے کم خم شدہ نزد غلبہ ظن بہلاک آمدہ است امادرباب طاعون جزصبر نیامدہ مگر گریختن تجویز نیافتہ وقیاس ایں برآں مردود وفاسد است کہ آنہا از قبیل اسباب عادیہ اند وایں از اسباب وہمی وبرہر تقدیر گریختن ازانجاجائز نیست وہیچ جا وارد نشدہ وہرکہ بگریز وعاصی ومرتکب کبیرہ ومردود است نسأل اللہ العافیۃ[4]۔	وباء میں قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ جہاں ہو (یعنی جہاں وباء پھوٹ پڑے) وہاں نہ جائے اور جس جگہ بندہ موجود ہو اور وہاں وباء کی صورت بن جائے تو وہاں سے نہ بھاگے اگرچہ بعض مقامات مثلاً وہ گھر جو زلزلے کا شکار ہورہا ہو یا جس میں آگ لگ گئی ہو یا گرنے والی دیوار کے نیچے کھڑا ہو تو ان تمام مقامات سے ہلاکت کے غالب گمان وامکان کے پیش نظر بھاگ جانے کی اجازت ہے۔ لیکن طاعون کے باب میں سوائے صبر کے کچھ نہیں کرنا چاہئے، لہٰذا وہاں سے بھاگنے کی تجویز نہیں دی گئی۔ پس اس کو اس پر قیاس کرنا مردود اور فاسد ہے کہ وہ اسباب عادیہ کے قبیل سے ہے اور یہ اسباب توہم سے ہے

[1] القرآن الکریم ۸/ ۱۶

[2] الزواجر لابن حجر مکی الکبیرۃ التاسعۃ والتسعون بعد الثلاثمائۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۸۵

[3] الزواجر لابن حجر مکی الکبیرۃ التاسعۃ والتسعون بعد الثلاثمائۃ دارالفکر بیروت ۲/ ۲۸۸

[4] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۳۹

	بہر حال اس جگہ سے بھاگنا جائز نہیں اور یہ کسی جگہ وارد نہیں ہوا، لہٰذا جو کوئی (اس سے) بھاگے تو گناہگار ہوگا اور مرتکب کبیرہ اور مردود ہوگا۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت چاہتے ہیں۔(ت)

شرح مشکوٰۃ علامہ طیبی میں زیر حدیث مذکور ہے:

شبہ بہ ای بالفرار من الزحف فی ارتکاب الکبیرۃ [1]۔	جنگ سے بھاگ جانے کے ساتھ طاعون سے بھاگ جانے کو تشبیہ ارتکاب کبیرہ کی وجہ دی گئی (ت)

شرح مؤطا میں ہے:

قال ابن خزیمۃ انہ من الکبائر التی یعاقب اللہ تعالٰی علیہا ان لم یعف [2]۔	محدث ابن خزیمہ نے فرمایا: طاعون سے بھاگ جانا ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ جن پر اللہ تعالٰی عذاب دیتا ہے جبکہ وہ معاف نہ فرمائے۔(ت)

صغیرہ پر اصرار اسے کبیرہ کردیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار اور سخت تر کبیرہ۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاصغیرۃ مع الاصرار۔ رواہ فی مسند [3] الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	کوئی گناہ اصرار کے بعد صغیرہ نہیں رہتا (محدث دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

فرار کی ترغیب دینے والا فرار کرنے والے سے اشد وبال میں ہے نفس گناہ میں احکام الٰہیہ سے معارضہ ومخالفت کی وہ شان نہیں جو برعکس حکم شرع نہی عن المعروف وامر بالمنکر میں ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ" [4] الی قولہ عزوجل "وَالْمُؤْمِنُوْنَ	منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہیں برائی کا حکم دیتے اور بھلائی سے منع کرتے ہیں اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں دینی

[1] شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز عیادۃ المریض ادارۃ القرآن کراچی ۳/ ۳۲۲

[2] شرح الزرقانی مؤطا الامام مالک باب ماجاء فی الطاعون تحت حدیث ۱۷۲۲ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۴۲

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۷۹۴۴ عن ابن عباس دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۱۹۹

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۷

وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ۘ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "[1]	بات پر ایک دوسرے کے مددگار ہیں بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔

گنہگار اپنی جان کو گرفتار عذاب کرتا ہے اور گناہ کی ترغیب دینے والا خود عذاب میں پڑا اور دوسرے کو بھی عذاب میں ڈالنا چاہتا ہے جتنے اس کی بات پر چلتے ہیں سب کا وبال اُن سب پر اور اُن کے برابر اس اکیلے پر ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من دعا الی ھدی کان له من الاجر مثل اجور من اتبعه لاینقص ذٰلك مر اجورھم شیئا ومن دعا الی ضلالة کان علیه من الاثم مثل اثام من اتبعه لاینقص ذٰلك من اٰثامھم شیئا۔ رواہ الائمة احمد[2] والستة الاالبخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو سیدھے راستے کی طرف بلائے جتنے اس کی پیروی کریں سب کے برابر ثواب پائے اور ان کے ثوابوں میں کچھ کمی نہ ہو، اور جو گمراہی کی طرف بلائے جتنے اس کے کہے پر چلیں سب کے برابر اس پر گناہ ہو اور ان کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو (ائمہ کرام مثلاً امام احمد نے اور بخاری کے علاوہ ائمہ ستہ (مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی) نے اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور جب طاعون سے فرار کبیرہ ہے تو لوگوں کو اس کی ترغیب دینی سخت ترکبیرہ، اور دونوں فاسق ہیں، اور غالباً اعلان بھی نقد وقت اور فاسق معلن کو امام بنانا گناہ اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی۔ غنیہ میں ہے:

لوقدموا فاسقا یاثمون[3]۔	اگر لوگ فاسق کو (امامت کے لئے) آگے کریں تو سب گناہگار ہوں گے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۱

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۳۹۷، صحیح مسلم کتاب العلم باب من سنّ سنة حسنة قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۱/۲، سنن ابی داؤد کتاب السنة ۲ /۲۷۹ و جامع الترمذی ابواب العلم ۲ /۹۲، سنن ابن ماجہ باب من سنّ سنة الخ ص۱۹

[3] غنیہ المستملی شرح منیة المصلّی فصل فی الامامة وفیھا مباحث سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

ردالمحتار میں ہے:

فی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا فهو کالمبتدع تکرہ امامته بکل حال بل مشی فی شرح المنیة علی ان کراهة تقدیمه کراهة تحریم لماذکرنا[1]۔	اس لئے کہ اس کو امامت کے لئے آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ لوگوں پر شرعًا اس کی توہین وتذلیل واجب ہے لٰہذا وہ بدعتی کی طرح ہے ہر حال میں اس کی امامت مکروہ ہے بلکہ شرح منیہ میں یہ بیان کیا گیا کہ اس کے آگے کرنے میں جو کراہت ہے وہ کراہت تحریمی ہے اس وجہ سے جو ہم نے بیان کردی۔(ت)

طاعون سے فرار کو جو احسن سمجھتا ہے اگر جاہل ہے اور اسے معلوم نہیں کہ احادیث صحیحہ اس کی تحریم میں وارد ہیں اسے تفہیم کی جائے اور اگر دانستہ حدیثوں کا انکار کرتا ہے تو صریح گمراہ ہے۔ شرح موطا للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ دربارہ طاعون ہے:

فیه دلیل قوی علی وجوب العمل بخبر الواحد لانه کان بمحضر جمع عظیم من الصحابة فلم یقولوا لعبد الرحمٰن انت واحد وانما یجب قبول خبر الکافة.ماضل من قال بهذا والله تعالٰی یقول ان جاءکم فاسق بنبا فتبیّنوا وقرئ فتثبتوا فلوکان العدل اذاجاء بنبأ تثبت فی خبرہ ولم ینفذ لاستوی مع الفاسق وهذا خلاف القراٰن ام نجعل المتقین کالفجار قاله ابن عبدالبر[2]۔	اس میں قوی دلیل ہے کہ خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے (کیونکہ عبدالرحمٰن ابن عوف کا حدیث طاعون بیان فرمانا) صحابہ کرام کی ایک عظیم جماعت کی موجودگی میں تھا، پھر کسی نے حضرت عبد الرحمٰن سے یہ نہیں کہا کہ تم ایک اکیلے بیان کررہے ہو (لٰہذا تمہارے اکیلے پن کے باعث تمہاری بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا) لٰہذا پوری جماعت کی خبر قبول کرنا واجب اور ضروری ہے، پس جس کسی نے یہ کہا وہ کس قدر بھٹک گیا، اور اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے کہ اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کرلیا کرو، اور یوں بھی پڑھا گیا فتثبتوا یعنی ثابت قدم اور مضبوط ہوجایا کرو (یعنی اس کی خبر میں توقف کیا کرو تاکہ پتہ چل جائے) پھر اگر کوئی عادل خبر لائے تو تو اس خبر میں ثابت قدم رہے لیکن اس کی خبر نافذ نہ ہو تو وہ فاسق (غیر معتبر) کے

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الامامة داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك باب ماجاء فی الطاعون دارالمعرفة بیروت ۴/ ۲۳۸

	ساتھ برابر ہوجائے گا حالانکہ یہ بات نص قرآن کے خلاف ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "کیاہم پرہیزگاروں کو فاجروں کے برابر کردیں گے؟" چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے یہی فرمایاہے۔(ت)

جس امر میں رائے واجتہاد کو دخل نہ ہواس میں قول صحابی دلیل قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے ورنہ جس حدیث کی مخالفت کی اگراس کے راوی خود یہ صحابی ہیں اور مخالفت صرف ظاہر نص کی ہے مثلاً عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید تو یہ اثر صحابی اس حدیث مرفوع کی تفسیر ٹھہرے گااور اسے اسی خلاف ظاہر پر محمول سمجھاجائے گااور مخالفت مفسر کی ہے تو صریح دلیل ہے کہ وہ حدیث منسوخ ہوچکی صحابی کو اس کا ناسخ معلوم تھا،اور اگر یہ خوداس کے راوی نہیں تو یہ معاملہ اگراس قابل نہ تھا کہ ان صحابی پر مخفی رہتاتوان کی مخالفت اس روایت مرفوعہ کے قبول میں شبہہ ڈالے گی ورنہ حدیث ہی مرجح ہے جیساکہ غیر صحابہ کے قول وفعل پر مطلقاً جب تک حد اجماع تک نہ پہنچے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

روی الصحابی وحمل ظاھرا علی غیرہ کتخصیص العام فالحنفیۃ علی ماحمل لان ترك الظاھر بلاموجب حرام فلایترکہ الابدلیل قطعا ولوترك نصًا مفسرا تعین علمہ بالناسخ فیجب اتباعہ وان عمل بخلاف خبرہ غیرہ فان کان صحابیا فالحنفیۃ ان کان ممایحتمل الخفاء لایضر او لا فیقدح وان کان غیر صحابی ولواکثر الامۃ فالعمل بالخبر[1] اھ مختصرًا۔	اگر خود صحابی نے روایت کی اور حدیث کے ظاہر کو غیر ظاہر پر حمل کیا جیسے عام کی تخصیص، تواس صورت میں حنفیّہ کی رائے وہی ہے جس پراس نے حدیث کو حمل کیاہے کیونکہ ظاہر کو بغیر کسی سبب چھوڑدینا حرام ہے لہٰذا بغیر کسی قطعی دلیل کے وہ اسے نہیں چھوڑتا۔اگر کسی نص مفسر کو چھوڑدے (تواس کامفہوم یہ ہوگا) کہ حدیث اس کے نزدیک منسوخ ہے اوراس کے علم میں اس کا ناسخ متعین ہے تو اس کی اتباع ضروری ہے اور اگر اس نے کسی دوسرے کی روایت کے خلاف عمل کیا۔اگر یہ خود صحابی ہیں تو اگر معاملہ خفاء کا احتمال رکھتاہے تو اول کچھ مضر ہی نہیں کہ قدح پیدا کرے گااور اگر یہ صحابی نہیں اگرچہ اکثر افراد امت ہوں، تو پھر عمل صرف حدیث پر ہوگا اھ مختصراً۔(ت)

اُسی میں ہے:

الرازی مناوالبردعی والبزدوی والسرخسی	ہم میں سے رازی، بردعی، بزدوی، سرخسی اور

[1] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنۃ مسئلہ وی الصحابی المجمل مطبع انصاری دہلی ص ۹۷۔۱۹۶

واتباعهم قول الصحابي فيما يمكن فيه الرأي ملحق بالسنة لغيره لابمثله ونفاه الكرخي وجماعة وفيما لا يدرك بالرأي فعند اصحابنا اتفاق فله حكم الرفع اهملتقطا۔[1]	ان کے تابعین (موافقین) فرماتے ہیں کسی صحابی کا قول اگر ایسے معاملہ میں ہو جس میں رائے ممکن ہو تو وہ دوسروں کے لئے سنت سے ملحق ہے نہ کہ خود اس کے لئے، لیکن امام کرخی اور ایک گروہ نے اس کی نفی کی، اور اگر کسی معاملہ کا ادراک رائے کے ساتھ نہ ہوسکے تو اس پر ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے یہ کہ وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے اھ ملتقطا (ت)

یہ اجمالی کلام ہے اور نظر مجتہد کے لئے ہے اور حدیث طاعون اسی قبیل سے ہے جس کا بعض بلکہ اکثر صحابہ پر بھی مخفی رہنا جائے عجب نہ تھا جیسا کہ حدیث صحیحین سے ثابت ہے کہ جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو راہ شام میں خبر ملی کہ وہاں طاعون ہے صحابہ کرام میں پہلے مہاجرین عظام پھر انصار کرام پھر مشائخ قریش مہاجرین فتح مکہ کو بلا کر مشورے لئے سب نے اپنی اپنی رائے ظاہر کی مگر کسی کو اس بارے میں ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معلوم نہ تھا، نہ خود امیر المومنین کے علم میں تھا یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ اس وقت اپنے کسی کام کو تشریف لے گئے تھے انہوں نے آکر ارشاد والا بیان کیا اور اسی پر عمل کیا گیا[2]۔ یونہی صحیحین کی حدیث سے ثابت کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ احد العشرۃ المبشرہ کو یہ ارشاد اقدس کہ جب دوسری جگہ طاعون ہونا سنو وہاں نہ جاؤ اور جب تمہارے یہاں پیدا ہو تو وہاں سے نہ بھاگو، معلوم نہ تھا، یہاں تک کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب ابن المحبوب اور سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سامنے کے بچے ہیں انہیں یہ حدیث سنائی بلکہ صحیحین سے یہ بھی ثابت کہ سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان سے سوال کرکے اس کا علم حاصل فرمایا۔

فقد اخرجا عن عامر بن سعد بن ابی وقاص عن ابیه انه سمعه یسأل اسامة بن زید ماذا سمعت	بخاری و مسلم نے عامر بن سعد عن ابیہ سے تخریج فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خود سنا کہ

[1] مسلم الثبوت الاصل الثانی السنة مسئله قول الصحابی فیما یمکن فیه الرأی انصاری دہلی ص ۲۰۸-۲۰۷

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب ما یذکر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۳، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۲۸

من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الطاعون رجز ارسل علی بن اسرائیل اوعلی من کان قبلکم فاذا سمعتم بہ بارض فلاتقدموا علیہ واذ وقع بارض وانتم بہافلاتخرجوا فرارًا منہ[1]۔	وہ حضرات اسامہ بن زید سے پوچھ رہے تھے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق کیا سنا، یہ کہ طاعون ایک عذاب ہے جو بنی اسرائیل یا ان سے پہلے لوگوں پر بھیجاگیا لہٰذا جب تم اس کے بارے میں سنو کہ فلاں زمین میں پھیل گیاہے تو وہاں نہ جاؤاور جس جگہ تم مقیم ہو وہاں طاعون پیداہوجائے تو اس سے بھاگتے ہوئے وہاں سے باہر نہ جاؤاور (جگہ قیام) نہ چھوڑو۔(ت)

اوراس کے بعد خود اسے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

ای یرسل ارسالا ثقۃ بروایۃ اسامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی ارسال فرماتے ہوئے حضرت اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت پر اعتماد کرتے ہوئے(ت)

صحیح مسلم شریف میں بعد ذکر حدیث اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے:

وحدثنیہ وھب بن بقیۃ فذکر بسندہ عن ابراھیم بن سعد بن مالك عن ابیہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنحو حدیثھم[2]۔	مجھ سے وہب بن بقیہ نے بیان کیاپھر اس نے اپنی سند سے ان کی حدیث کی طرح حدیث بیان کی (اور سند یہ ہے) ابراہیم بن سعد بن مالک کے حوالہ سے اس نے اپنے والد گرامی سعد بن مالک کے حوالہ سے انہوں نے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی۔(ت)

تو دوایک صحابہ سے جواس کاخلاف مروی ہوا اطلاع حدیث سے پہلے تھا جیسے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ طاعون سے بہت خوب کرتے لوگوں کو متفرق ہوجانے کی رائے دی معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہ اعلم الناس بالحلال والحرام وامام العلماء یوم القیام (جوسب لوگوں سے زیادہ حلال وحرام کو جاننے والے ہیں اور قیامت کے دن علمائے کرام کے امام ہوں گے۔ت) ہیں ان کا رَدّ شدید کیااور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث بیان کی اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کاتب وحی نے نہایت شدت سے رَد کیا اور فرار عن الطاعون سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کامنع فرمانا روایت کیا، عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعن والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۸

[2] صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعن والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۸

نے فورًا رجوع فرمائی اور ان کی تصدیق کی۔

اخرج ابن خزیمۃ فی صحیحہ عن عبدالرحمٰن بن غنم قال وقع الطاعون بالشام فقال عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ان ھذا الطاعون رجس ففروا منہ فی الاودیۃ والشعاب، فبلغ ذٰلك شرحبیل بن حسنۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فغضب وقال کذب عمروبن العاص فقد صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعمرواضل من جمل اھلہ، ان ھذا الطاعون دعوۃ نبیکم ورحمۃ ربکم ووفاۃ الصالحین قبلکم[1] الحدیث ولفظ ابن عساکر عن عبد الرحمٰن بن غنم قال کان عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ حین احس بالطاعون فرق فرقًا شدیدا فقال یا ایھا الناس تبددوا فی ھذہ الشعاب وتفرقوا فانہ قد نزل بکم امر من اللہ تعالٰی لا اراہ الا رجزا اوالطوفان قال شرحبیل بن حسنۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قد صحابنا رسول اللہ	ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں حضرت عبدالرحمٰن ابن غنم کے حوالے سے تخریج فرمائی، فرمایا ملک شام میں طاعون کا مرض پھوٹ پڑا تو حضرت عمروبن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا (لوگو!) یہ طاعون اللہ تعالٰی کا عذاب ہے لہٰذا اس سے بھاگ کر وادیوں اور پہاڑی گھاٹیوں میں چلے جاؤ، پھر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یہ اطلاع پہنچی تو غضبناک ہوئے اور فرمایا عمروبن عاص نے غلط کہا ہے کیونکہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں لیکن عمرو تو زیادہ بھٹکا ہوا ہے اپنے گھر کے اونٹ سے، بلاشبہہ یہ طاعون تمہارے نبی کی دعوت ہے اور تمہارے پروردگار کی رحمت اور تم سے پہلے نیک لوگوں کی وفات ہے (الحدیث) ابن عساکر حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کے حوالے سے یوں کہتے ہیں اس نے فرمایا حضرت عمروبن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جب طاعون محسوس ہوا تو وہ انتہائی خوفزدہ ہوئے اور فرمایا (لوگو!) ان گھاٹیوں میں الگ الگ اور منتشر ہوجاؤ کیونکہ تم پر اللہ تعالٰی کا امر (عذاب) نازل ہوگیا ہے اور میں اس کو عذاب یا طوفان ہی خیال کرتا ہوں، حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن خزیمہ کر حدیث ۲۸۷۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴ / ۶۰۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و انت اضل من حمار اھلك قال عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ صدقت قال معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ لعمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کذبت لیس بالطوفان ولابالرجز ولکنھا رحمۃ ربکم ودعوۃ نبیکم وقبض الصالحین قبلکم[1] الحدیث ورواہ الامام الطحاوی فی شرح معانی الاثار من حدیث شعبۃ عن یزید بن حمیر قال سمعت شرحبیل بن حسنۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ یحدث عن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الطاعون وقع بالشام فقال عمرو تفرقوا عنہ فانہ رجز فبلغ ذٰلك شرحبیل بن حسنۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال قد صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فسمعتہ یقول انھا رحمۃ ربکم ودعوۃ نبیکم وموت الصالحین قبلکم فاجتمعوا لہ ولاتفرقوا علیہ فقال عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ صدق[2] وللحدیث طریق اخری عن شھر	کے ساتھ وقت گزارا ہے تم تو اپنے گھر والوں کے گدھے سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہو۔ حضرت عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا آپ نے سچ کہا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا آپ نے غلط کہا نہ یہ طوفان ہے اور نہ عذاب بلکہ یہ تمہارے پروردگار کی رحمت اور تمہارے نبی کی دعا ہے اور تم سے پہلے نیک لوگوں کی موت ہے (الحدیث) امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں شعبہ کی حدیث یزید بن حمیر کے حوالے سے روایت فرمائی، فرمایا میں نے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ وہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے بیان کرتے تھے، ملک شام میں طاعون واقع ہوا تو حضرت عمرو بن عاص نے لوگوں سے فرمایا کہ اس سے منتشر ہوجاؤ اور بکھر جاؤ کیونکہ یہ عذاب ہے، جب شرحبیل بن حسنہ تک یہ خبر پہنچی تو ارشاد فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ تمہارے رب کی رحمت، تمہارے نبی کی دعا اور تم سے پہلے نیک لوگوں کی موت ہے لہٰذا اس کے لئے جمع ہوجاؤ اور اس سے متفرق و منتشر نہ ہو۔ اس پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا سچ ہے۔ حدیث

[1] کنز العمال بحوالہ کر حدیث ۲۸۷۵۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۶۰۵-۶۰۶

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۵

بن حوشب قال فیہا فقام شرحبیل بن حسنة رضی اللہ تعالٰی عنه فقال واللہ لقد اسلمت وان امیرکم هذا اضل من جمل اهله فانظروا مایقول قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا وقع بارض وانتم بها فلاتهربوا فان الموت فی اعناقکم واذا کان بارض فلاتدخلوها فانه یحرق القلوب[1]۔	کے لئے ایک دوسرا طریق شہر بن حوشب کے حوالے سے ہے چنانچہ اس میں فرمایا پھر شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا خدا کی قسم میں اسلام لایا جبکہ تمہارا یہ امیر اپنے گھر کے اونٹ سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہے پھر دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب طاعون کسی جگہ واقع ہو جائے اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے نہ بھاگو کیونکہ موت تمہاری گردنوں میں لٹک رہی ہے، اور جب طاعون کہیں پھوٹ پڑے تو وہاں نہ جاؤ کیوں وہ دلوں کو جلادیتا ہے(ت)

بعض لوگ اسے امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف نسبت کردیتے ہیں مگر امیر المومنین خود فرماتے ہیں کہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ میں طاعون سے بھاگا، الٰہی! میں اس تہمت سے تیرے ہاں براءت کرتا ہوں۔ امام اجل طحاوی روایت فرماتے ہیں:

عن زید بن اسلم عن ابیه قال قال عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنه اللّٰهم ان الناس زعموا انی فررت من الطاعون وانا ابرأالیك من ذٰلك هذا[2] مختصر۔	اسلم کے بیٹے زید نے اپنے والد اسلم سے روایت کی، اس نے کہا امیر المومنین جناب عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: "یااللہ! لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ میں طاعون سے بھاگا ہوں، میں اس الزام سے تیری بارگاہ میں براءت کا اعلان کرتا ہوں"۔ یہ مختصر ہے۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طاعون سے بھاگنا حرام فرمایا اس میں کوئی تخصیص شہر و بیرون شہر کی نہیں، جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث امام احمد وامام الائمہ ابن خزیمہ کے یہاں یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف	طاعون سے بھاگنے والا ایسا ہے جیسا جہاد میں

[1] کنز العمال حدیث ۲۸۷۵۷ موسسة الرساله بیروت ۱۰/ ۷۸
[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراهة باب الاجتناب من ذی الطاعون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۱۸

والصابر فیہ کالصابر فی الزحف [1]۔	کفار کے سامنے سے بھاگنے والا اور طاعون میں ٹھہرنے والا ایسا ہے جیسا جہاد میں صبر واستقلال کرنے والا۔

انہیں کی دوسری روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفار من الزحف ومن صبر فیہ کان لہ اجر شھید [2]۔	طاعون سے بھاگنے والا جہاد سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور جو اس میں صبر میں کئے رہے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث امام احمد کی مسند میں مثل پارہ اول حدیث جابر ہے اور ابن سعد کے یہاں یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفار من الطاعون کالفرار من الزحف [3]۔	طاعون سے بھاگنا جہاد سے بھاگ جانے کے مثل ہے۔

احمد کی دوسری روایت یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الطاعون غدۃ کغدۃ البعیر المقیم بھا کالشھید والفار منھا کالفار من الزحف [4]۔	طاعون ایک گلٹی ہے جس طرح اونٹ کی وبا میں اس کے نکلتی ہے جو اس میں ٹھہرا رہے وہ شہید کے مثل ہے اور اس سے بھاگنے والا جہاد سے بھاگ جانے والے کی طرح ہے۔

مسند ابویعلٰی کے لفظ یوں ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

وخزۃ تصیب امتی من اعدائھم من الجن کغدۃ الابل من اقام علیھا کان مرابطا ومن اصیب بہ کان	طاعون ایک کونچا ہے کہ میری امت کو ان کے دشمن جنوں کی طرف سے پہنچے گا جیسے اونٹ کی گلٹی، جو مسلمان اس پر صبر کئے ٹھہرا رہے وہ ان میں سے ہو

[1] مسند احمد بن حنبل عن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۲۵۔۳۲۴

[2] مسند احمد بن حنبل عن جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۶۰

[3] الدر المنثور بحوالہ احمد وعبد بن حمید والبزار وابن خزیمہ عن جابر آیۃ الم تر الی الذین خرجوا عن دیارھم الخ ۱/ ۳۱۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۴۵

شهيدا والفار منه كالفار من الزحف [1]۔	جو راہ خدا میں سرحد کفار پر بلاد اسلام کی حفاظت کے لئے اقامت کرتے ہیں اور جو مسلمان اس میں مرے وہ شہید ہوا اور جو اس سے بھاگے وہ کافروں کو پیٹھ دے کر بھاگنے والے کی مانند ہو۔

معجم اوسط کی روایت یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الطاعون شهادة لامتي و وخز اعدائكم من الجن، غدة كغدة البعير تخرج في الاباط والمراق من مات فيه مات شهيدا ومن اقام فيه كان كالمرابط في سبيل الله ومن فر منه كان كالفار من الزحف [2]۔	طاعون میری امت کے لئے شہادت ہے اور وہ تمہارے دشمن جنوں کا کونچا ہے اونٹ کے غدود کی طرح گلٹی ہے کہ بغلوں اور نرم جگہوں میں نکلتی ہے جو اس میں مرے شہید مرے اور جو ٹھہرے وہ راہ خدا میں سرحد کفار پر بانتظار جہاد اقامت کرنے والے کی مانند ہے اور جو اس سے بھاگ جائے جہاد سے بھاگ جانے کے مثل ہو۔

اقول: (میں کہتا ہوں) **اوّلاً:** ان تمام الفاظ حدیث میں صرف طاعون سے بھاگنے پر وعید شدید اور صبر کئے ٹھہرے رہنے کی ترغیب وتاکید ہے، شہر یا محلے یا حوالی شہر وغیرہ کی کچھ قید نہیں، تو جو نقل وحرکت طاعون سے بھاگنے کے لئے ہوگی اگرچہ شہر ہی کے محلوں میں وہ بلاشبہہ اس وعید وتہدید کے نیچے داخل ہے۔

ثانیاً: حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی صحیح بخاری شریف، مسند امام احمد رحمہ اللہ تعالٰی میں بسند صحیح برشرط بخاری ومسلم برجال بخاری جلد ششم آخر ص ۲۵۱ و اول ۲۵۲ میں یوں ہے:

حدثنا عبدالصمد ثنا داؤد يعني ابن ابي الفرات ثنا عبدالله بن بريدة عـــه عن يحيى بن يعمر	(ہم سے عبدالصمد نے بیان کیا (اس نے کہا) ہم سے داؤد ابن ابی الفرات نے بیان کیا (اس نے کہا) ہم سے عبداللہ بن ابی بریدہ نے

عـــه: وقع ههنا في نسخة المسند المطبوعة ابن ابي بريده والصواب ابن بريدة كما ذكرنا ۱۲ منه۔	مسند احمد کے مطبوعہ نسخہ میں ابن ابی بریدہ لکھا ہے مگر درست ابن بریدہ ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] الترغيب والترهيب الترهيب من ان يموت الانسان الاسنان الخ حديث ۲۵ مصطفى البابي مصر ۲ /۳۳۸، مجمع الزوائد كتاب الجنائز باب في الطاعون والثابت دار الكتب بيروت ۲ /۳۱۵

[2] المعجم الاوسط حديث ۵۵۲۷ مكتبة المعارف الرياض ۶ /۲۴۹، كنز العمال بحواله طس حديث ۲۸۴۳۷ مؤسسة الرسالة بيروت ۱۰ /۸۷ و۸۸، جامع الصغير بحواله طس حديث ۵۳۳۳ دار الكتب العلميه بيروت ۲ /۳۲۹

عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها انها قالت سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن الطاعون فاخبرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه کان عذابا یبعثه اللہ تعالٰی علی من یشاء فجعله رحمة للمؤمنین، فلیس من رجل یقع الطاعون فیمکث فی بیته صابرًا محتسبًا یعلم انه لایصیبه الاما کتب اللہ له الاکان له مثل اجر الشهید [1]۔	بیان کیا اس نے یحیٰی بن یعمر سے اس نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں دریافت کیا۔ت) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب تھا کہ اللہ تعالٰی جس پر چاہتا بھیجتا اور اس امت کے لئے اسے رحمت کردیا ہے تو جو شخص زمانہ طاعون میں اپنے گھر میں صبر کئے طلب ثواب کے لئے اس اعتقاد کے ساتھ ٹھہرا رہے کہ اسے وہی پہنچے گا جو خدا نے لکھ دیا ہے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔

اس حدیث صحیح میں خاص اپنے گھر میں ٹھہرے رہنے کی تصریح ہے۔

ثالثاً: ذرا غور کیجئے تو اس حدیث اور حدیث بخاری میں اصلاً اختلاف نہیں، صحیح بخاری کتاب الطب کے لفظ یہ ہیں:

لیس من عبد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرا [2]۔	کوئی ایسا بندہ نہیں کہ طاعون واقع ہو اور وہ اپنے شہر میں صبر کے ساتھ ٹھہرا رہے (ت)

اور ذکر بنی اسرائیل میں:

لیس من احد یقع الطاعون فیمکث فی بلدہ صابرا محتسبا [3]۔	کوئی ایسا شخص نہیں کہ طاعون واقع ہو پھر وہ اپنے شہر میں صبر کرتے ہوئے ثواب کی خاطر ٹھہرا رہے۔(ت)

اور بداہۃً معلوم ہے کہ مطلقاً روئے زمین میں سے کسی جگہ وقوع طاعون مراد نہیں تو

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۵۲_۲۵۱

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب اجر الصابرین فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۳

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۹۴

حدیث بخاری میں فی بلدہ اور حدیث احمد میں فی بیتہ بر سبیل تنازع یمکث ویقع دونوں سے متعلق ہیں امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

قوله فی بلده مماتنازع الفعلان فیه اعنی قوله یقع وقوله فیمکث[1]۔	ان کا ارشاد "فی بلدہ" اس میں تنازع فعلین (یعنی یمکث اور یقع جو دو فعل ہیں) ان کا فی بلدہ جار مجرور میں تنازع ہے اس ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ متعلق ہو۔(ت)

تو دونوں روایتوں کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے شہر میں طاعون واقع ہو وہ شہر سے نہ بھاگے اور جس کے خود گھر میں واقع ہو وہ اپنے گھر سے نہ بھاگے اور حاصل اسی طرف رجوع کر گیا کہ طاعون سے نہ بھاگے، شہر یا گھر سے بھاگنا لذاتہ ممنوع نہیں، اگر کوئی ظالم جبّار شہر میں ظلماً اس کی گرفتاری کو آیا اور یہ اس سے بچنے کو شہر سے بھاگ گیا ہرگز مواخذہ نہیں اگرچہ زمانہ طاعون ہی کا ہو کہ یہ بھاگنا طاعون سے نہ تھا بلکہ ظلم ظالم سے، اور اللہ عزوجل نیت کو جانتا ہے، وللہذا حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ارشاد ہوا:

اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجوا فرارا منه[2]۔	جب کسی جگہ طاعون واقع ہو اور تم وہاں موجود ہو تو طاعون سے بھاگ کر کہیں باہر دوسری جگہ نہ جاؤ۔(ت) نہ کہ منہا (یعنی جائے طاعون سے۔ت)

اور حدیث اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت تامہ شیخین میں اس کے مثل اور روایت مسلم میں یوں آئی:

فلا تخرجوا فرارا منه[3]۔	جائے طاعون سے باہر نہ جاؤ اس سے بھاگتے ہوئے(ت)

لاجرم شرح صحیح مسلم میں ہے:

اتفقوا علی جواز الخروج بشغل وغرض غیر الفرار ودلیله صریح الاحادیث[4]۔	اہل علم کا اس پر اتفاق ہے، بھاگنے کے علاوہ کسی دوسرے شغل اور غرض کے لئے مقام طاعون سے باہر نکلنا جائز ہے اور اس کے ثبوت میں صریح احادیث ہیں۔(ت)

[1] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الطب باب اجر الصابرین فی الطاعون ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۲۱/ ۲۶

[2] صحیح البخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۳

[3] صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۸

[4] شرح مسلم للنووی کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۹

اسی طرح حدیقہ ندیہ میں نقل فرمایا اور مقرر رکھا، اور جب مطمح نظر فرار عن الطاعون ہے نہ کہ عن البلد تو یہ بحث کہ فنائے شہر بھی مثل جمعہ اس حکم میں داخل ہے یا مثل سفر خارج محض طاعون سے بھاگنے کے لئے جو نقل وحرکت ہو سب زیر نہی ہے اگرچہ مضافات خواہ فنا خواہ شہر کی شہر میں۔

رابعًا: نظر کیجئے تو خود یہی حدیث فیمکث فی بلدہ (پھر وہ اپنے شہر میں ٹھہرا رہے۔ت) محلات شہر ہی میں تجویز فرار سے صریح ابا فرما رہی ہے اس میں فقط اتنا ہی نہ فرمایا کہ شہر میں رہے بلکہ صاف ارشاد ہوا:

یمکث فی بلدہ صابرا محتسبا یعلم انہ لایصیبہ الا ما کتب اللہ لہ[1]۔	وہ اپنے شہر میں اللہ تعالٰی سے اجر وثواب کی امید رکھتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ اسے وہی کچھ پہنچے گا جو اللہ تعالٰی نے اس کے مقدر میں لکھ دیا ہے، صبر کا دامن تھامے ہوئے ٹھہرا رہے (ت)

اپنے شہر میں تین وصفوں کے ساتھ ٹھہرے: **اوّل** صبر واستقلال، **دوم** تسلیم وتفویض ورضا بالقضاء پر طلب ثواب، **سوم** یہ سچا اعتقاد کہ بے تقدیر الٰہی کوئی بلا نہیں پہنچ سکتی۔ اب اس کے حال کو اندازہ کیجئے جس کے شہر کے ایک کنارے میں طاعون واقع ہو اور وہ اس کے خوف سے گھر چھوڑ کر دوسرے کنارے کو بھاگ گیا کیا اسے ثابت قدم وصابر ومستقل وراضی بالقضاء کہا جائے گا، وہ ایسا ہوتا تو کیوں بھاگتا، شہر میں اس کا قیام صبر و رضا کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ یہ کنارۂ شہر ہنوز محفوظ ہے کل اگر یہاں بھی طاعون آیا تو اسے یہاں سے بھی بھاگتے دیکھ لینا، اگر اب بیرون شہر جا کر پڑا اور وہاں بھی وبا پہنچی تو مضافات کو بھی چھوڑ کر دوسری ہی بستی میں دم لے گا پھر صابرًا محتسبًا کہاں صادق آیا۔

خامسًا: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرار عن الطاعون کو جس کا مماثل فرمایا یعنی جہاد سے بھاگنا اسی کے ملاحظہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ شہر چھوڑ کر دوسرے شہر کو چلے جانے ہی پر فرار محصور نہیں کیا اگر امام مسلمانان بیرون شہر کفار سے جہاد کر رہا ہو اور کچھ لوگ مقابلہ سے بھاگ کر اپنے گھروں میں جا بیٹھیں تو فرار نہ ہوگا ضرور ہوگا بلکہ گھروں میں جا بیٹھنا درکنار اگر معرکہ سے بھاگ کر اسی میدان کے کسی پہاڑ یا غار میں جا چھپے ضرور عار فرار نقد وقت ہوگی کہ میدان کارزار تو ہر طرح چھوڑا اور مقابلہ کفار سے منہ موڑا، نص قرآنی اس پر دلیل صریح ہے:

قال اللہ عزوجل " اِنَّ الَّذِیۡنَ	اللہ تعالٰی غالب اور بڑی ذات کا ارشاد ہے بیشک تم

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب حدیث الغار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹۴

"تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۟" [1] وقال جل من قائل "وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۟" "اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ" [2] الآیۃ۔	میں سے جن لوگوں نے دوجماعتوں کے (جنگ کیلئے) آمنے سامنے آجانے والے دن منہ پھیرا۔ان کے بعض افعال کی وجہ سے شیطان نے انہیں پھسلادیا بے شک اللہ تعالٰی نے انہیں معاف کردیا کیونکہ اللہ تعالٰی معاف فرمانے والا بردبار ہے،اور اس نے ارشاد فرمایا جو کہنے والوں سے بڑی شان رکھتا ہے،بے شک اللہ تعالٰی نے تمہیں معاف فرمادیا اور اللہ تعالٰی مومنوں پر احسان فرمانے والا ہے،اور یاد کرو جب تم اوپر چڑھ رہے تھے اور پیچھے مُڑکر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول مکرم تمہیں آوازیں دے کر بلارہے تھے پھر تمہیں غم پر غم نے آلیا الآیۃ (ت)

معالم میں ہے:

قرأ ابوعبدالرحمٰن السلمی وقتادۃ تصعدون بفتح التاء والعین والقراءۃ المعروفۃ بضم التاء وکسر العین والاصعاد السیر فی الارض والصعود الارتفاع علی الجبال والسطوح وکلیتا القراء تین صواب فقد کان یومئذ من المنهزمین مصعد وصاعد [3] اھ باختصار۔	ابوعبدالرحمٰن سلمی اور قتادہ نے اس لفظ تصعدون کے حرف تاء اور عین کو زبر سے پڑھا ہے جبکہ مشہور قرأت تاء کی پیش اور عین کی زیر کے ساتھ ہے،پھر وہ اس طور پر ابواب مزید باب افعال سے ہونے کی وجہ سے "اَلْاِصْعَاد" سے بنا ہے جس کے معنی "زمین میں چلنا" ہے جبکہ پہلے طور پر مجرد ہونے کی وجہ سے لفظ "صعود" سے بنا ہے جس کے معنی "اوپر چڑھنا، بلندی پر جانا" ہے خواہ چھتوں پر ہو یا پہاڑوں پر۔اور دونوں قراتیں درست اور صحیح ہیں۔پس اس دن کچھ شکست خوردہ لوگ منہ اٹھائے بھاگے جارہے تھے او رکچھ قریبی پہاڑی پر چڑھ رہے تھے اھ باختصار (ت)

سادسًا: جن حکمتوں کی بناپر حکیم کریم رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ الصلٰوۃ والتسلیم نے طاعون سے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۲

[3] معالم التنزیل علی ہامش الخازن تحت آیۃ ولقد عفاعنکم الخ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱/ ۴۳۴

فرار حرام فرمایا ان میں ایک حکمت یہ ہے کہ اگر تندرست بھاگ جائیں گے بیمار ضائع رہ جائیں گے ان کا کوئی تیمار دار ہوگا نہ خبر گیراں، پھر جو مریں گے ان کی تجہیز و تکفین کون کرے گا، جس طرح خود آج کل ہمارے شہر اور گردونواح کے ہنود میں مشہور ہو رہا ہے کہ اولاد کو ماں باپ، ماں باپ کو اولاد نے چھوڑ کر اپنا راستہ لیا، بڑوں بڑوں کی لاشیں مزدوروں نے ٹھیلے پر ڈال کر جہنم پہنچائیں، اگر شرع مطہر مسلمانوں کو بھی بھاگنے کا حکم دیتی تو معاذاللہ یہی بے بسی بیکسی ان کے مریضوں میتوں کو بھی گھیرتی جسے شرع قطعًا حرام فرماتی ہے۔ ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے:

(لاتخرجوا فرارا منه)فانه فرار من القدر ولئلا تضیع المرضی لعدم من یتعهدهم والموتٰی ممن یجهزهم[1]۔	(مقام طاعون سے بھاگ کر کہیں باہر نہ جاؤ) کیونکہ یہ تقدیر الٰہی سے بھاگنے کے مترادف ہے اور تاکہ بیمار ضائع نہ ہونے پائیں اس لئے کہ اس افراتفری کے باعث مریضوں کی نگہبانی اور حفاظت کے لئے کوئی نہیں ہوگا اور مرنے والوں کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے لئے بھی کوئی نہ ہوگا۔ (ت)

اسی طرح زرقانی[2] شرح علی مؤطا میں ہے۔ عینی[3] شرح بخاری میں بھی اسے نقل کرکے مقرر رکھا۔ ظاہر یہ ہے کہ علت جس طرح غیر شہر کو بھاگ جانے میں ہے یوہیں بیرون شہر جاپڑنے بلکہ محلّہ مریضان چھوڑ کر محلّہ صحیحان میں جابسنے میں بھی، تو حق یہ کہ بہ نیت فرار مطلقًا نقل وحرکت حرام ہے نیز یہ علت موجب ہے کہ نہ صرف طاعون بلکہ ہر وبا کا یہی حکم ہے اھ، ولہذا شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا:

انچه دراحادیث مذکور شده ور گریختن ازاں وبیرون رفتن از شہرے کہ واقع شدہ اشد دراں نہی کردہ ووعید نمودہ وتشبیہ بفرار از زحف دادہ برصبر براں بشادت حکم کردہ مراد وباو موت عام ومرض عام ست ومخصوص بانچه اطبا تعیین	جو کچھ حدیثوں میں ذکر کیا گیا کہ طاعون سے بھاگنا اور شہر سے باہر چلے جانا تو اس سے منع فرمایا گیا اور اس پر عذاب کی دھمکی دی گئی اور اسے جنگ سے بھاگنے کے مترادف قرار دیا گیا اور قدم جما کر وہیں ٹھہرے رہنے پر شھادت کا حکم سنایا گیا لہذا اس سے وبا اور عام موت کا

[1] ارشاد الساری شرح البخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون دار الکتاب العربی بیروت ۸ /۳۸۵

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا امام مالك تحت حدیث۱۷۲۱ دار المعرفة بیروت ۴ /۲۴۰

[3] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب الانبیاء ادارة الطباعة المنیریة بیروت ۱۶ /۵۹

نمودہ اندنیست وللذا دراحادیث بہ لفظ وبا وموت عام مذکورشدہ واگرچہ بلفظ طاعون نیز واقع شدہ امامراد معنی وباست وغلط کردہ کہ طاعون رابر مصطلح اطباء حمل کردہ وددر غیرآں فرار مباح داشتہ واگر فرضا بر ہمیں معنی محمول باشد فردے ازو باخواہد بود نہ مخصوص بآں وایں قائل آں احادیث راکہ درو ے لفظ وبا وموت عام واقع شدہ چہ خواہد گفت۔ نسأل اللہ العافیۃ[1]۔	ذکرکیاگیا اگرچہ لفظ طاعون بھی وارد ہوا ہے لیکن اس میں بھی وبا کے معنی مراد ہیں۔ للذا یہ غلطی ہوگئی کہ طاعون کو طبیبوں کی خصوصی اصطلاح پر قیاس کرلیاگیا اس لئے دوسری وبائی امراض سے بھاگنا مباح سمجھاگیا، اگر بالفرض اسی معنی پر بھی کلام کو محمول کیاجائے تو پھر وہ از قسم وبا ہوجائے گا نہ کہ اس معنی کے ساتھ مخصوص۔ للذا یہ قائل ان حدیثوں کے متعلق کیاکہے گا کہ جن میں لفظ وبا اور موت عام کے الفاظ مذکور ہوئے ہیں۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کاسوال کرتے ہیں۔ (ت)

فائدہ: امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات میں ابوعسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبرئیل بالحمی والطاعون فامسکت الحمی بالمدینۃ وارسلت الطاعون الی الشام فالطاعون شہادۃ لامتی ورحمۃ لھم ورجس علی الکافرین[2]۔	میرے پاس جبرئیل امی علیہ الصلٰوۃ والتسلیم بخار اور طاعون لے کرحاضر ہوئے میں نے بخار مدینہ طیبہ میں رہنے دیا اور طاعون ملک شام کو بھیج دیا، تو طاعون میری امت کے لئے شہادت ورحمت اور کافروں پر عذاب ونقمت ہے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معلوم تھا کہ طاعون کو ملک شام کاحکم ہوا ہے اور بلادشام فتح کرنے تھے للذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جو لشکر ملک شام کو روانہ فرماتے اس سے دونوں باتوں پر یکساں بیعت وعہدوپیمان لیتے، ایک یہ کہ دشمنوں کے نیزوں سے نہ بھاگنا، دوسرے یہ کہ طاعون سے نہ بھاگنا، امام مسدد استاذ امام بخاری ومسلم اپنی مسند میں ابوالسفر سے روایت کرتے ہیں:

قال کان ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا بعث الی الشام بایعھم علی	ابوالسفر نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جب کوئی لشکر ملک شام روانہ فرماتے توان سے

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الجنائز باب عیادۃ المریض الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۸-۷۶۳

[2] مسند امام احمد عن ابی عسیب رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۸۱

الطعن والطاعون [1]۔	یہ بیعت (عہد وپیمان) لیتے کہ ایک تو دشمن کے نیزوں سے نہ بھاگنا دوسرے مقام طاعون سے نہ بھاگنا۔ (ت)

یہاں سے خوب ثابت وظاہر ہوا کہ مسلمانوں کو فرار عن الطاعون کی ترغیب دینے والا ان کا خیر خواہ نہیں بدخواہ ہے اور طبیبوں ڈاکٹروں کا اس میں صبر واستقلال سے منع کرنا خیر وصلاح کے خلاف باطل راہ ہے، اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور مسلمانوں پر بالتخصیص رؤف رحیم بنایا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ارحم امتی بامتی ابوبکر [2] (میری امت میں میری امت کے ساتھ سب سے بڑے مہربان ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) ہیں۔ت) حدیث میں آیا یعنی جو رافت ورحمت میری امت کے حال پر ابوبکر کو ہے اتنی تمام امت میں کسی کو نہیں، اگر طاعون سے بھاگنے میں بھلائی اور ٹھہرنے میں برائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اپنی امت پر ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں کیوں ٹھہرنے کی ترغیب دیتے اور بھاگنے سے اس قدر تاکید شدید کے ساتھ منع فرماتے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ تمام امت میں سب سے بڑھ کر خیر خواہ امت ہیں کیوں اس سے نہ بھاگنے کا عہد وپیمان لیتے، معلوم ہوا کہ طاعون سے بھاگنے کی ترغیب دینے والے ہی حقیقۃً امت کے بدخواہ اور الٹی مت سمجھانے والے ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی، جیسے کوئی بدعقل بے تمیز کج فہم عورت پڑھنے کی محنت استاذ کی شدت دیکھ کر اپنے بچے کو مکتب سے بھاگ آنے کی ترغیب دے وہ اپنے خیال باطل میں اسے محبت سمجھتی ہے حالانکہ صریح دشمنی ہے ع

دوستی بیخرداں دشمنی ست

(بیوقوفوں کی دوستی درحقیقت دشمنی ہوتی ہے۔ت)

بدنصیب وہ بچہ کہ اس کے کہنے میں آجائے اور مہربان باپ کی تاکید وتہدید خیال میں نہ لائے بلکہ انصافاً یہ حالت اس مثال سے بھی بدتر ہے مکتب میں پڑھنے کی محنت سبھی پر ہوتی ہے اور شدت بھی غالب واکثری ہے اور جہاں طاعون پھوٹے وہاں سب یا اکثر کا مبتلا ہونا کچھ ضرور نہیں بلکہ باذنہ تعالٰی محفوظ ہی رہنے والوں کا شمار زائد ہوتا ہے ولہذا آگ اور زلزلے پر اس کا قیاس باطل "وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" [3] (لوگو! اپنے ہاتھوں ہلاک میں نہ پڑو۔ت) کے نیچے سمجھنا محض وسوسہ ہے کہ ان میں ہلاک غالب ہے جیساکہ کلام حضرت

---

[1]

[2] مسند امام احمد عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۸۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

شیخ محقق قدس سرہ، سے گزرا اور سچا ہلاک تو یہ ہے کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس کو کہ عین رحمت وخیر خواہی امت ہے معاذاللہ مضرّت رساں خیال کیا جائے اور اس کے مقابل طبیبوں اور ڈاکٹروں کی بات کو اپنے لئے نافع سمجھا جائے۔ع

ببیں کہ از کہ بریدی وباکہ پیوستی

(دیکھو تو سہی کہ تم نے کس سے رشتہ کاٹا اور کس سے رشتہ جوڑا اور ملایا۔ت)

ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (کسی کی کوئی طاقت اور قوت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی عطاء وبخشش سے ہے جو بلند مرتبہ اور عظیم الشان ہے۔ت) ولہذا سلف صالح کاداب یہی رہا کہ طاعون میں صبر واستقلال سے کام لیتے۔امام ابو عمر بن عبدالبر فرماتے ہیں:

لم یبلغنی عن احد من حملۃ العلم انہ فر منہ الا ما ذکر المداینی ان علی بن زید بن جدعان ھرب منہ الی السیالۃ فکان یجمع کل جمعۃ ویرجع اذا جمع صاحوا بہ فر من الطاعون فطعن فمات بالسیالہ[1]۔	یعنی مجھے کسی کی نسبت یہ روایت نہ پہنچی کہ وہ طاعون سے بھاگا ہو مگر وہ جو مدائنی نے ذکر کیا کہ علی بن زید بن جدعان طاعون میں شہر سے بھاگ کر سیالہ کو چلے گئے تھے ہر جمعہ کو شہر میں آکر نماز پڑھتے اور پلٹ جاتے جب پلٹتے لوگ شور مچاتے طاعون سے بھاگا ہے آخر سیالہ میں طاعون ہی میں مبتلا ہو کر مرے۔

یہ علی بن زید کچھ ایسے مستند علما سے نہ تھے امام سفیان بن عیینہ وامام حماد بن زید وامام احمد بن حنبل وامام یحیٰی بن معین وامام بخاری وامام ابوحاتم وامام ابن خزیمہ وامام عجلی وامام دار قطنی وغیرھم عامہ ائمہ جرح وتعدیل نے ان کی تضعیف کی،اور مذہب کے بھی کچھ ٹھیک نہ تھے، عجلی نے کہا شیعی تھا بلکہ امام یزید بن زریع سے مروی ہوا رافضی تھا،پھر اس کا یہ فعل زمانہ سلامت عقل وصحت حواس کا بھی نہ تھا،آخر عمر میں عقل صحیح نہ رہی تھی،امام شعبہ بن الحجاج نے فرمایا: حدثنا علی قبل ان یختلط[2] (ہم سے علی بن زید نے زمانہ اختلاط عقل سے پہلے بیان کیا ہے۔ت) فسوی نے کہا: اختلط فی کبرہ[3] (اس کو بڑھاپے میں اختلاط ہو گیا تھا۔ت) پھر ہر جمعہ کو نماز کے لئے شہر یعنی بصرہ میں آنا اور نماز پڑھ کر پلٹ جانا دلیل واضح ہے

---

[1] التمہید لابن عبدالبر عبداللہ بن عامر بن ربیعۃ رقم ۱۱ المکتبۃ القدوسیہ لاہور ۶ /۱۵۔۲۱۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن زید ۵۸۴۴ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۱۲۷

[3] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن زید ۵۸۴۴ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۱۲۸

کہ سیالہ کوئی ایسی ہی قریب جگہ بصرہ سے تھی علی بن زید کا انتقال ۱۳۱ھ میں ہے وہ زمانہ تابعین کا تھا، تو ثابت ہوا کہ مضافات شہر میں چلا جانا بھی اسی فرار حرام میں داخل ہے جس پر یہ شخص تمام شہر میں مطعون وانگشت نما ہوا ہر جمعہ کو اس کے پلٹتے وقت اہل شہر میں کہ تابعین وتبع تابعین ہی تھے غل پڑ جاتا کہ وہ طاعون سے بھاگا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

تنبیہ نبیہ: جس طرح طاعون سے بھاگنا حرام ہے اور اس کے لئے وہاں جانا بھی ناجائز وگناہ ہے، احادیث صریحہ میں دونوں سے ممانعت فرمائی، پہلے میں تقدیر الٰہی سے بھاگنا ہے تو دوسرے میں بلائے الٰہی سے مقابلہ کرنا ہے اور اس کے لئے اظہار توکل کا عذر محض سفاہت۔ توکل معارضہ اسباب کا نام نہیں۔ امام اجل ابن دقیق العید رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

الاقدام علیه تعرض للبلاء ولعله لایصبر علیه وربما کان فیه ضرب من الدعوی لمقام الصبر او التوکل فمنع ذٰلك لاغترار النفس ودعوٰها مالاتثبت علیه عند التحقیق[1]۔	اس پر اقدام کرنا اپنے آپ کو مصیبت اور بلاء پر پیش کرنا ہے اور وہ اس پر صبر نہ کرسکے گا اور کبھی اس میں ایک قسم کی شان دعوی پیدا ہوجاتی ہے صبر اور توکل کے مقام کی، پس اس لئے اس سے روک دیا گیا فریب نفس سے بچاؤ کی خاطر اور نفس کے دعووں سے بچاؤ کی خاطر کہ جس پر درحقیقت کوئی استقرار اور ثبات نہیں۔ (ت)

اس قدر کی ممانعت میں ہرگز گنجائش سخن نہیں، اب رہا یہ کہ جب طاعون سے بھاگنے یا اس کے مقابلہ کی نیت نہ ہو تو شہر طاعونی سے نکلنا یا دوسری جگہ سے اس میں جانا فی نفسہٖ کیسا ہے، اس میں ہمارے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ بجائے خود حرام نہیں مگر نظر بہ پیش بینی یہاں دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انسان کامل الایمان ہے "لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا"[2] (ہمیں ہرگز کچھ نہیں پہنچ سکتا سوائے اس کے جو اللہ تعالٰی نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے۔ت) کی بشاشت ونورانیت اس کے دل کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اگر طاعونی شہر میں کسی کام کو جائے اور مبتلا ہوجائے تو اسے یہ پشیمانی عارض نہ ہوگی کہ ناحق آیا کہ بلاء نے لے لیا یا کسی کام کو باہر جائے تو یہ خیال نہ کرے گا کہ خوب ہوا کہ اس بلا سے نکل آیا، خلاصہ یہ کہ اس کا آنا جانا بالکل ایسا ہو جیسا طاعون نہ ہونے کے زمانہ میں ہوتا تو اسے خالص اجازت ہے

---

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك باب ماجاء فی الطاعون تحت حدیث ۱۷۲۰ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۵۱

اپنے کاموں کو آئے جائے جو چاہے کرے کہ نہ فی الحال نیت فاسدہ ہے نہ آئندہ فساد فکر کا اندیشہ ہے اور جو ایسا نہ ہو اسے مکروہ ہے کہ اگرچہ فی الحال نیت فاسدہ نہیں کہ حکم حرمت ہو مگر آئندہ فساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا کراہت ہے وہ حدیثیں جن میں خود شہر طاعونی سے نکلنے اور اس میں جانے کی ممانعت مروی ہوئی جیسے ایک روایت حدیث اسامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ:

اذا سمعتم بالطاعون بارض فلاتدخلوھا واذاوقع بارض وانتم بھافلاتخرجوامنھارواہ الشیخان[1]۔	جب کسی سرزمین میں طاعون واقع ہوجائے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر طاعون پھوٹ پڑنے والی جگہ تم موجود ہو تو پھر وہاں سے نہ نکلو۔ بخاری ومسلم نے اسے روایت کیا ہے۔(ت)

یاایک روایت حدیث عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ:

فاذا سمعتم بہ فی ارض فلاتدخلوھا رواہ الطبرانی فی الکبیر[2]۔	اگر کسی جگہ طاعون کے ظاہر ہونے کے متعلق سنو تو پھر وہاں ہر گز نہ جاؤ۔ امام طبرانی نے معجم کبیر میں اسے روایت کیا ہے۔(ت)

یاحدیث عکرمہ بن خالد المخزومی عن ابیہ وعمہ عن جدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ:

اذا وقع الطاعون فی ارض وانتم بھا فلا تخرجوا منھا وان کنتم بغیرھا فلاتقدموا علیھا رواہ احمد و الطحاوی والطبرانی والبغوی وابن قانع[3]۔	جب کسی خطہ زمین پر طاعون پھیل جائے اور تم پہلے سے وہاں اقامت پذیر ہو تو پھر وہاں سے نہ نکلو، اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو مقام طاعون پر نہ جاؤ۔ امام احمد، طحاوی، طبرانی، بغوی اور ابن قانع نے اسے روایت کیا ہے۔(ت)

یہ اگر اپنے اطلاق پر رکھی جائیں یعنی نیت فرار ومقابلہ سے مقید نہ کی جائیں۔

بناء علی ماحقق الامام ابن الھمام	اس بناپر کہ شیخ محقق امام ابن ہمام نے یہ تحقیق

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۵۳، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۲۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۶۸ و ۲۷۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۱۳۰ و ۱۳۱

[3] شرح معانی الآثار کتاب الکراھۃ باب الاجتناب من ذی داء الطاعون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۵، المعجم الکبیر حدیث ۲۱ ۱۸ /۱۵ وکنزالعمال حدیث ۲۸۴۶۱ ۱۰ /۸۲ ومسند احمد بن حنبل ۳ /۴۱۶

ان المطلق لایحمل علی المقید وان اتحد الحکم والحادثۃ مالم تدع الیہ ضرورۃ کما فی الفتح [1]۔	فرمائی ہے کہ حکم مطلق کسی مقید پر محمول نہیں کیا جائے گا اگرچہ حکم اور حادثہ ایک ہوں جب تک کہ کوئی ضرورت داعی نہ ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے۔(ت)

تو ان کا محمل یہی صورت کراہت ہے جو ابھی مذکور ہوئی اور اطلاق اس بناء پر کہ اکثر لوگ اسی قسم کے ہوتے ہیں اور احکام کی بناء کثیر وغالب پر ہے۔ درمختار میں ہے:

اذا خرج من بلدۃ بہا الطاعون فان علم ان کل شیئ بقدر اللہ تعالٰی فلا بأس بان یخرج ویدخل وان کان عندہ انہ لو خرج نجا ولو دخل ابتلی بہ کرہ لہ ذٰلک فلا یدخل ولا یخرج صیانۃ لاعتقادہ و علیہ حمل النہی فی الحدیث الشریف۔ مجمع الفتاوٰی [2] اھ۔	جب کوئی کسی ایسے شہر سے نکلے جہاں طاعون پھیلا ہوا ہو اگر وہ جانتا اور پختہ یقین رکھتا ہو کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی قضا و قدر سے وقوع پذیر ہوتی ہے تو اس کی آمد ورفت، دخول و خروج میں کوئی حرج نہیں اور اگر اس کے خیال میں یہ ہو کہ اگر یہاں سے باہر چلا گیا تو بچ جاؤں گا اور یہاں سے نہ نکلا تو مرض میں مبتلا ہوجاؤں گا تو ایسے شخص کے لئے نقل وحرکت مکروہ ہے لہٰذا نہ مقام طاعون پر جائے اور نہ مقام طاعون سے نکلے اپنے اعتقاد کو بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے۔ پس اسی حدیث شریف کی نہی محمول ہے اھ۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی ظہیریہ میں ہے وتمام تحقیقہ فی ماعلقناہ علی ردالمحتار (اس کی پوری تحقیق ہم نے ردالمحتار (فتاوٰی شامی) کے حواشی پر چڑھادی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

تیسر الماعون للسکن فی الطاعون

ختم ہوا

---

[1] فتح القدیر باب الظہار فصل فی الکفارۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۰۸

[2] درمختار مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

صحبت وموالات ومحبت وعداوت

مسئلہ ۹۴: ازریاست بھوپال ۱۳۰۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہر بھوپال میں کچھ فرانسیسی کفار رہتے ہیں، بعض اہل اسلام بے تکلف ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں یہ فعل شرعاً کیسا ہے اور یہ مسلمان اگر منع کئے سے نہ مانیں اور باقی مسلمان اس وجہ سے ان کے ساتھ کھانے سے احتراز کریں تو بجا ہے یا بے جا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کروتاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

بیشک کفار سے ایسی مخالطت اور ان کے ساتھ ہم پیالہ وہم نوالہ ہونے سے بہت ضرور احتراز کرنا چاہئے خصوصاً جہاں اسلام ضعیف ہو شرع مطہر سے بہت دلائل اس پر قائم جن کے بعض کہ اس وقت کی نظر میں ذہن فقیر میں مستحضر ہوئے مذکور ہوتے ہیں:

اوّل: قال اللہ عزوجل:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ﴿۶۸﴾" [1]	اور اگر شیطان تجھے بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھو۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

اور کافر سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔قال اللہ جل جلالہ:

"فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِیْنَ ۝۳۲ "[1]	اس سے بڑھ کر ظالم جس نے خداپر جھوٹ باندھا اور سچ کو جھٹلایا جب وہ اس کے پاس آیا کیا نہیں ہے دوزخ میں کافروں کا ٹھکانا۔جب کافر حد درجہ کا ظالم ہو اور ظالم کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا تو شیر وشکر وہمکاسہ ہونا تو اور بدتر ہے۔

دوم: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من جامع المشرك وسكن معه فانه مثله۔رواہ ابو داؤد[2] عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد حسن وعلقہ عنہ الترمذی۔	جو مشرک سے یکجا ہو اور اس کے ساتھ رہے وہ اسی مشرک کی مانند ہے۔(امام ابوداؤد نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے سند حسن کے ساتھ اسے روایت کیا۔لیکن امام ترمذی نے ابوداؤد کے حوالے سے اسے معلق ذکر کیا۔ت)

سوم: فرماتے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا برئ من كل مسلم مع مشرك لاتراٰی ناراهما، اوردہ فی النہایۃ[3] قلت والحدیث نحوہ عند ابی داؤد والترمذی بسند رجالہ ثقات۔	میں بیزار ہوں اس مسلمان سے جو مشرکوں کے ساتھ ہو مسلمان اور کافر کی آگ آمنے سامنے نہ ہونا چاہئے یعنی دوری لازم ہے(علامہ ابن اثیر نہایہ میں اسے لائے ہیں، **میں کہتا ہوں** اسی جیسی حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں ایسی سند سے مذکور ہے کہ جس کے تمام راوی مستند ہیں۔ت)

چہارم: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض الشرک آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب النہی عن قتل من اعتصم بالسجود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۵۶

لاتصاحب الامؤمنا ولایاکل طعامك الا تقی۔رواہ احمدوابوداؤد [1] والترمذی وابن حبان والحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه باسانید صحاح۔	صحبت نہ رکھ مگرایمان والوں سے اور تیرا کھانانہ کھائیں مگرپرہیزگار (امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے صحیح سندوں کے ساتھ اسے روایت کیا۔ت)

پنجم: فرماتے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انما مثل الجلیس الصالح وجلیس السوء کحامل المسك ونافخ الکیر فحامل المسك اما ان یحذیك واما ان تبتاع منه واما ان تجد منه ریحا طیبة ونافخ الکیر اما ان یحرق ثیابك اما ان تجد منه ریحا خبیثة۔رواہ الشیخان [2] عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	نیک ہم نشین اور بدجلیس کی مثال یوں ہے جیسے ایک کے پاس مشک ہے اور دوسرا دھونکنی دھونک رہاہے مشک والا یاتو تجھے مشک ویسے ہی دے گا یاتواس سے مول لے گا، اور کچھ نہ سہی توخوشبوتوآئے گی اور وہ دوسرا تیرے کپڑے جلادے گا یا تواس سے بدبوپائے گا۔ (بخاری ومسلم نے ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل جلیس السوء کمثل صاحب الکیر ان لم یصبك من سوادہ اصابك من دخانه۔رواہ ابوداؤد [3] والنسائی۔	یعنی بدوں کی صحبت ایسی ہے جیسے لوہار کی بھٹی کہ کپڑے کالے نہ ہوئے تو دھواں جب بھی پہنچے گا (ابوداؤد اور نسائی نے اسے روایت کیا۔ت)

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] مسنداحمد بن حنبل عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۳/ ۳۸، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یومر ان یجالس الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸، جامع الترمذی ابواب الزھد امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۲

[2] صحیح البخاری کتاب الذبائح باب المسك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۰، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب استحباب مجالسۃ الصالحین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۰

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب من یومر ان یجالس الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۸

حاصل یہ ہے کہ اشرار کے پاس بیٹھنے سے آدمی نقصان اُٹھاتا ہے۔

ششم: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وقرین السوء فانك به تعرف۔رواہ ابن عساکر[1] عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنه۔	بُرے مصاحب سے بچ کہ تو اسی کے ساتھ پہچانا جائے گا(ابن عساکر نے حضرت انس بن مالک کے حوالے سے اسے روایت کیا۔ت)

یعنی جیسے لوگوں کے پاس آدمی کی نشست وبرخاست ہوتی ہے لوگ اسے ویسا ہی جانتے ہیں۔

ہفتم: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

اعتبروا الصاحب بالصاحب۔رواہ ابن عدی[2] عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه۔	آدمی کو اس کے ہمنشین پر قیاس کرو(ابن عدی نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی سند سے اسے روایت کیا۔ت)

ہشتم: حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتجالسوا اھل القدر ولاتفاتحوھم۔رواہ احمد[3] و ابوداؤد والحاکم۔	منکران تقدیر کے پاس نہ بیٹھو،نہ انہیں اپنے پاس بٹھاؤ نہ ان سے سلام کلام کی ابتدا کرو(امام احمد،ابوداؤد اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ت)

نہم: حدیث میں ہے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابه واصھار اوسیاتی قوم یسبّونھم وینتقصونھم فلاتجالسوھم ولاتشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم۔	بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے پسند فرمایا اور میرے لئے اصحاب و اصہار پسند کئے،اور قریب ایک قوم آئے گی کہ انہیں برا کہے گی اوران کی شان

[1] تہذیب تاریخ ابن عساکر ترجمہ العنزی الجرجانی الفقیہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۲

[2] کنزالعمال بحوالہ عد عن ابن مسعود حدیث ۳۰۷۳۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۸۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۳،سنن امام احمد بن حنبل ترجمہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۰

رواہ ابن حبان والعقیلی[1] واللفظ لہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	گھٹائے گی، تم اُن کے پاس مت بیٹھنا، نہ ان کے ساتھ پانی پینا، نہ کھانا کھانا، نہ شادی بیاہت کرنا (ابن حبان اور عُقَیلی نے اسے روایت کیا ہے، اور عقیلی کے الفاظ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے یہی ہیں۔ت)

جب اہل بیت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بُرا کہنے والوں کے لئے یہ حکم ہیں تو اہل کفر اور عیاذًا باللہ خدا اور رسول کی جناب میں صریح گستاخیاں کرنے والوں کی نسبت کس قدر سخت حکم چاہئے۔

دہم: حدیث میں ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تقربوا الی اللہ ببغض اھل المعاصی و القوھم بوجوہ مکفھرۃ التمسوا رضا اللہ بسخطھم وتقربوا الی اللہ بالتباعد عنھم۔ رواہ ابن شاھین فی الافراد[2] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی کی طرف تقرب کرو اہل معاصی کے بغض سے اور اُن سے ترش روئی کے ساتھ ملو اور اللہ تعالٰی کی رضامندی اُن کی خفگی میں ڈھونڈو اور اللہ کی نزدیکی اُن کی دوری سے چاہو۔ (ابن شاہین نے کتاب الافراد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

کافروں سے بڑھ کر اہل معاصی کون ہے جو سراپا معصیت ہیں اور ان کے پاس حسنہ کا نام ہونا محال۔

یازدہم: تجربہ شاہد کہ ساتھ کھانا مورث محبت و وداد ہوتا ہے اور کفار کی موالات سم قاتل ہے، قال اللہ تعالٰی:

"وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ"[3]	جو تم میں اُن سے دوستی رکھے گا انہیں میں سے شمار کیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المرء مع من احب۔ رواہ احمد والبخاری[4]۔	آدمی اپنے دوست کے ساتھ ہے، یعنی حشر میں۔

---

[1] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران الاخنس دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۲۶

[2] کنز العمال بحوالہ ابن شاھین حدیث ۵۵۱۱ و ۵۵۸۵ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۸۱، ۶۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[4] صحیح البخاری کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۱

ومسلم وابوداؤد والترمذی والنسائی عن انس والشیخان عن ابن مسعود۔ احمد و مسلم عن جابر والترمذی عن صفوان بن عسال وابوداؤد نحوہ عن ابی ذر وفی الباب عن علی وابی ھریرۃ و ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	(احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت انس کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔ نیز بخاری اور مسلم نے عبداللہ ابن مسعود سے، مسند احمد اور مسلم نے حضرت جابر سے، اور ترمذی نے حضرت صفوان بن عسال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور اس جیسے دوسرے محدثین نے حضرت ابوذر سے روایت کی، اور اس باب میں جناب علی، ابو ہریرہ اور ابو موسٰی اشعری سے روایت ہے، اللہ تعالٰی سب سے راضی ہو۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلث احلف علیھن وعد منھا لایحب رجل قوما الا جعلہ اللہ معھم۔ رواہ احمد والنسائی [1] والحاکم و البیھقی عن ام المومنین الصدیقۃ والطبرانی فی الکبیر وابویعلٰی عن ابن مسعود وایضا فی الکبیر عن ابی امامۃ وفی الاوسط والصغیر عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنھم باسانید جیاد۔	میں قسم کھا کر فرماتا ہوں کہ جو شخص کسی قوم سے دوستی کرے گا اللہ تعالٰی اسے انہیں کا ساتھی بنائے گا (مسند احمد، نسائی حاکم اور امام بیہقی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے اور امام طبرانی نے کبیر میں، اور ابویعلٰی نے عبداللہ ابن مسعود سے، نیز کبیر میں حضرت ابوامامہ او راوسط اور صغیر میں امیر المومنین حضرت علی کرم وجہہ سے جید سندوں کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ اللہ تعالٰی سب سے راضی ہو۔ت)

ابو قرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب قوما حشرہ اللہ فی زمرتھم۔ رواہ الضیأفی المختارۃ والطبرانی [2] فی الکبیر۔	ہر قوم کے دوستوں کو اللہ تعالٰی انہیں کے گروہ میں اٹھائے گا (ضیاء نے مختارہ اور طبرانی نے الکبیر میں اسے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا دار الفکر بیروت ۶ /۱۴۵

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۵۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳ /۱۹

دوازدہم: بیشک یہ حرکت مسلمانوں کے لئے موجب نفرت ہوگی اور بلاوجہ شرعی مسلمانوں کو تنفر کرنا جائز نہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشّروا ولاتنفّروا۔رواہ الائمۃ احمد والبخاری[1] ومسلم والنسائی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دل خوش کرنے والی بات کہو اور نفرت نہ دلاؤ(ائمہ مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت انس کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو۔ت)

سیزدہم: اقل درجہ اتنا تو ہے کہ یہ بات سننے والوں کے کانوں کو خوش نہ آئے گی اور ایسے فعل سے شرع میں ممانعت ہے، حدیث میں آیا سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ایاك ومایسوء الاذن۔رواہ احمد[2] عن ابی الغادیۃ و الطبرانی فی الکبیر وابن سعد فی الطبقات والعسکری فی الامثال وابن مندۃ فی المعرفۃ و الخطیب فی المؤتلف عن ام الغادیۃ وابونعیم فی المعرفۃ عن حبیب بن الحارث رضی اللہ تعالٰی عنھم وعبداللہ بن احمد فی الزوئد عن العاص بن عمر و الغفاری مرسلا۔	بچ اس بات سے جو کان کو بری لگے(امام احمد نے ابوالغادیہ سے اور طبرانی نے الکبیر میں اور ابن سعد نے طبقات میں اور العسکری نے امثال میں اور ابن مندہ نے المعرفۃ میں اور خطیب نے المؤتلف میں ام الغادیہ سے،ابونیم نے المعرفۃ میں حبیب بن حارث سے (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) عبداللہ بن احمد نے زوائد میں عاص بن عمرو غفاری سے بغیر کسی سند کے روایت کیا ہے(العکرۃ،اس لفظ کی صحیح سمجھ میں آئی)۔(ت)

چہاردہم: مسلمانوں کے آگے معذرت کی طرف محتاج کرے گی اور عاقل کا کام نہیں کہ ایسی بات کا مرتکب ہو،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاك وکل امر یعتذر منہ۔رواہ ایضًا الدیلمی[3] بسند حسن عن انس رضی اللہ	اس بات سے بچ جس میں عذر کرنے کی حاجت پڑے۔(دیلمی نے سند حسن کے ساتھ حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[2] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ ابوالغاویۃ دارالفکر بیروت ۴/ ۷۶

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۷۵۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۳۱، اتحاف السادۃ المتقین الفصل الثانی فی مراتب الناس دارالفکر بیروت ۱۰/ ۲۵۱

تعالٰی عنہ قلت فی الباب عن سعد بن ابی وقاص وعن ابی ایوب وعن جابر بن عبداللہ وعن ابن عمرو عن سعد بن عمارۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم کما فصلناہ فی کمال الاکمال۔	انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۔ میں کہتا ہوں اس باب میں سعد بن ابی وقاص، ابوایوب، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمراور سعد بن عمارہ (اللہ تعالٰی ان سب سے راضی ہو) سے روایات موجود ہیں جیسا کہ ہم نے کمال الاکمال میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ت)

پانزدہم صحبت قطعًا مؤثر ہے اور طبیعتیں سراقہ اور قلوب متقلب، والعیاذ باللہ رب العالمین۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما سمی القلب من تقلبہ انما مثل القلب مثل ریشۃ بالفلاۃ تعلقت فی اصل شجرۃ تقلبھا الریاح ظھر البطن، رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر بسند حسن عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو عند ابن ماجۃ بسند جیّد مختصرًا۔	دل کو قلب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انقلاب کرتا ہے، دل کی کہاوت ایسی ہے جیسے جنگل میں کسی پیڑ کی جڑ سے ایک پَر لپٹا ہے کہ ہوائیں اسے پلٹی دے رہی ہیں کبھی سیدھا کبھی اُلٹا (امام طبرانی نے الکبیر میں سند حسن کے ساتھ اس کو حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور ابن ماجہ میں عمدہ سند کے ساتھ مختصرًا موجود ہے۔ت)

اسی لئے مولوی معنوی قدس سرّہٗ، فرماتے ہیں:

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند [2]

دور شو از اختلاط یارِ بد یارِ بد بدتر از مارِ بد [3]

مارِ بد تنہا ہمیں بر جاں زند یارِ بد بر جان وبر ایماں زند [4]

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الطبرانی فی الکبیر حدیث ۱۲۱۰ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱/ ۲۴۱

[2] مثنوی ولوی معنوی منازعت کردن امراء بایکدیگر نورانی کتب خانہ پشاور دفتر اول ص ۲۲

[3] گلدستہ مثنوی بکھرے موتی نذیر سنز اردو بازار لاہور ص ۹۴

[4] مثنوی مولوی معنوی دفتر پنجم نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۷

(اچھے آدمی کی مجلس تجھے اچھا کردے گی، اور بُرے کی مجلس تجھے برا بنادے گی
جب تک ہوسکے برے ساتھی سے دور رہ کیونکہ براساتھی برے سانپ سے بھی برا ہے
کیونکہ براسانپ صرف جان کو ڈستا ہے جبکہ براساتھی جان وایمان دونوں پر ضرب لگاتا ہے۔ت)

یہ آفت سب سے اشد ہے والعیاذ باللّٰہ ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ (اور اللہ تعالٰی کی پناہ، نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ت)

بالجملہ بلاضرورت شرعیہ اس امر کا مرتکب نہ ہوگا مگر دین میں مداہن یا عقل سے مبائن، سبحان اللہ کتنے شرم کی بات ہے کہ آدمی کے ماں باپ کو اگر کوئی گالی دے اس کی صورت دیکھنے کو روادار نہ رہے اور خدا ورسول کو برا کہنے والوں کو ایسا یارِ غار بنائے انّا للّٰہ وانا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من ولدہ و والدہ والناس اجمعین۔رواہ احمد والبخاری[1] ومسلم ونسائی وابن ماجة عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کی اولاد اور ماں باپ اور تمام آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔(امام احمد، بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ت)

دلائل کثیر ہیں اور گوش شنوا کو اسی قدر کافی، پھر جو نہ مانے سنگدل ہے اور کافر آگ، آگ کا ساتھ جو پتھر دے گا وہ خود اتنا گرم ہوجائے گا کہ آدمی کو اس سے بچنا چاہئے، پس اگر اہل اسلام ان لوگوں سے احتراز کریں کچھ بے جا نہ کریں گے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم (اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے اور اس شرف وبزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ پختہ ہے۔ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

مسئلہ ۹۵: از گلگت چھاؤنی جو ئنال مرسلہ سید محمد یوسف علی شعبان ۱۳۱۲ھ

جناب مولوی صاحب مخدوم مکرم سلامت بعد آداب تسلیمات کے گزارش یہ ہے کہ شیعہ کے ساتھ برتاؤ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

رافضی وغیرہ بدمذہبوں میں جس کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہو وہ تو مرتد ہے اس کے ساتھ کوئی معاملہ مسلمان بلکہ کافر ذمی کے مانند بھی برتاؤ جائز نہیں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ اُٹھنے بیٹھنے کھانے پینے وغیرہا تمام معاملات میں اسے بعینہٖ مثل سوئر کے سمجھیں اور جس کی بدعت اس حد تک نہ ہو اس سے بھی دوستی محبت تو مطلقاً نہ کریں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنۡ یَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ" [1]۔	اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے گا تو وہ یقیناً انہی میں سے ہوگا (ت)

اور بے ضرورت و مجبوری محض کے خالی میل جول بھی نہ رکھیں کہ بدمذہب کی محبت آگ ہے اور صحبت ناگ اور دونوں سے پوری لاگ۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَاِمَّا یُنۡسِیَنَّكَ الشَّیۡطٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰی مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۶۸﴾" [2]	اگر تجھے شیطان بھلا ڈالے تو یاد آجانے کے بعد ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔ (ت)

جاہل کو ان کی صحبت سے یوں اجتناب ضرور ہے کہ اس پر اثر بد کا زیادہ اندیشہ ہے اور عام مقتدا، یوں بچے کہ جہال اسے دیکھ کو خود بھی اس بلا میں نہ پڑیں بلکہ عجب نہیں کہ اسے ان سے ملتا دیکھ کر ان کے مذہب کی شناعت ان کی نظروں میں ہلکی ہو جائے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمشھور المقتدٰی بہ الاختلاط الی رجل من اھل الباطل والشر الابقدر الضرورۃ لانہ یعظم امرہ بین یدی الناس ولوکان رجل لایعرف یداریہ لیدفع الظلم عن نفسہ من غیر اثم فلاباس بہ کذا فی الملتقط [3]۔	مشہور پیشوا کے لئے ایسے شخص سے میل جول رکھنا جو اہل باطل اور اہل شر میں سے ہو مکروہ ہے مگر ضرورت کی حد تک جائز ہے (یہ ممانعت اس لئے ہے کہ) کہ لوگوں میں اس کا چرچا ہو جائے گا (جس کے بُرے اثرات مرتب ہوں گے) اور اگر غیر معروف شخص ان میں محض اپنے دفاع اور ظلم سے بچاؤ کے لئے گھومے پھرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ الملتقط میں یونہی مذکور ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۶

ابن حبان عقیلی انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ اختارنی واختارلی اصحابا واصھارا وسیأتی قوم یسبونھم وینتقصونھم فلاتجالسوھم ولا تشاربوھم ولاتواکلوھم ولاتناکحوھم[1]۔	بیشک اللہ عزوجل نے مجھے چن لیا اور میرے لئے یار اور خسرال کے رشتہ دار پسند فرمائے اور عنقریب کچھ لوگ آئیں گے کہ انہیں برا کہیں گے اور ان کی شان گھٹائیں گے تم ان کے پاس نہ بیٹھنا نہ ان کے ساتھ پانی پینا نہ کھانا کھانا نہ شادی بیاہت کرنا (ت)۔

یہ حدیث نص صریح ہے، اللہ تعالٰی مسلمانوں کو توفیق عمل بخشے۔ آمین! **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۹۶: از موضع نگریا کلاں ضلع بریلی مرسلہ وزیر خاں دوم صفر ۱۳۲۱ھ

زید نے بیان کیا کہ میں سید ہوں اور سنت جماعت ہوں اور عید کی نماز بھی زید نے پڑھائی بعد کو معلوم ہوا کہ زید رافضی ہے اور نماز ہاتھ چھوڑ کر پڑھتا ہے اور وضو بھی رافضیوں کا کرتا ہے ایسی حالت میں سنت جماعت کے واسطے زید کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانا کھانا زید کے یہاں کا سنت جماعت کو جائز ہے یا نہیں؟ لڑکوں کے واسطے تعلیم زید کی جائز ہے یا نہیں؟ زید بیان کرتا ہے کہ میں قرآن شریف گیارہ میں پڑھا سکتا ہوں فاتحہ گیارہویں شریف کی زید سے دلانا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

رافضی کے پیچھے نماز محض باطل ہے، ہوتی ہی نہیں، فرض سر پر ویسا ہی رہے گا اور گناہ علاوہ، رافضی کی امامت ایسی ہی ہے جیسی کسی ہندو یا یہودی کی امامت۔ آج کل کے رافضی عموماً مرتد ہیں ان کے یہاں کا کھانا یا ان کے ساتھ کھانا یا ان سے کسی قسم کا میل جول رکھنا گناہ ہے سب عذاب کے مستحق ہوں گے اور بچوں اس سے پڑھوانا سخت حرام اور نری گمراہی ہے۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ رافضی کو جدا کردیں رافضی سے گیارہویں شریف کی فاتحہ دلانا سخت حماقت ہے اور ایک یہی کیا کسی قسم کی فاتحہ رافضی سے ہرگز نہ دلائی جائے کہ فاتحہ ثواب پہنچانے کے لئے ہے اور رافضی کے پڑھنے سے ثواب نہیں پہنچتا کیونکہ

---

[1] الضعفاء للعقیلی ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران الاخنسی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶

روافض انکار ضروریات دین کے باعث مرتد ہیں، پھر یہ بھی اس وقت ہے کہ فاتحہ میں رافضی کچھ قرآن پڑھے مگر سنیوں کے لئے فاتحہ میں رافضی سے بھی امید نہیں خدا جانے کیا کچھ ناپاک کلمے بکے گا ان کا ثواب پہنچے گا یا اور عذاب ہوگا۔ اللہ تعالٰی سنیوں کی آنکھیں کھولے اور انہیں توفیق دے کہ گمراہوں سے دور رہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صاف حکم فرمایا ہے کہ ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم[1] بدمذہبوں سے دور رہو اور ان کو اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں، قرآن شریف میں فرمایا:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۶۸ "[2]	اور تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر پاس نہ بیٹھ ظالم لوگوں کے۔

اور بدمذہب لوگ خصوصاً رافضیوں کے یہاں تقیہ بہت ہے یہ بہت اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں ان کی بات پر ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہئے جہاں نفع نقصان کچھ نہ ہو وہاں سنی بن جانا ان کا ادنی شعبدہ ہے تو جہاں دو پیسے کا نفع ہو وہاں سنی بنتے ہوئے انہیں کیا لگتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۷: از قصبہ ٹسوا موضع فرید پور مرسلہ مہدی حسن صاحب

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں اہل سنت وجماعت کو سادات اہل تشیعہ کے یہاں کی علاوہ نیاز آٹھویں تاریخ حضرت عباس علمدار کے نیاز حسین کی مثلاً شربت وملیدہ وروٹی ولنگر وتبرک مجلس کا اہلسنت وجماعت صاحبان کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

حدیث میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس قوم کی نسبت فرماتے ہیں:

لاتجالسوھم ولاتواکلوھم ولاتشاربوھم۔[3]	ان کے پاس نہ بیٹھو اور ان کے ساتھ کھانا نہ کھاؤ اور ان کے ساتھ پانی نہ پیو۔

لہٰذا ان کی مجالس میں جانا مطلقاً حرام کہ وہ قرآن مجید کی توہین کرتے ہیں اور اسے ناقص جانتے ہیں اور

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۷

[3] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۱۵۳ احمد بن عمران الاخنس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۲۶، کنز العمال برمز عق عن انس حدیث ۳۲۴۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۲۹

اُن کے یہاں سے شربت، ملیدہ، لنگر کوئی چیز نہ لی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۸: از قصبہ ٹسوا موضع فرید پور مرسلہ مہدی حسن صاحب

کیاارشاد فرماتے ہیں علمائے دین اہل سنت وجماعت اس شخص کی نسبت کہ جو شخص سادات اہل تشیعہ کے یہاں کی نیاز حسین علیہ السلام کے لینے سے لوگوں کو منع کرے اور کہے یہ نیاز حرام ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

مندرجہ بالا سوال کے جواب سے معلوم ہوگیا کہ منع کرنے والا ٹھیک منع کرتا ہے اور اس کا منع کرنا بیجا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۹: از جادوپور تھانہ بھوجی پورہ تحصیل وضلع بریلی مسئولہ شمشاد علی صاحب ۱۲رجب ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ جس میں ہمیشہ سے گاؤکشی ہوتی آئی اس سال اس کے ہنود نے مسلمانوں سے نزاع کیا اس گاؤں میں بازار ہوتا تھا وہ لوگوں کو ورغلا کر دوسرے گاؤں اٹھوادیا کہ ان لوگوں کا نفع جاتا رہے، ہندو تو ہندوؤں کے کہنے سے چلے ہی گئے بعض مسلمان بھی انہیں کے شریک ہوئے ان سے کہا بھی گیا کہ جس طرح ہنود نے اپنا بازار الگ کرلیا ہے تم بھی الگ بازار مسلمانوں کا کرو اور اس میں شریک ہو اور ہندوؤں کی شرکت نہ کرو مگر وہ نہیں مانتے، اس صورت میں ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

افسوس ہے ان مسلمانوں پر جو مسلمانوں کی مخالفت میں ہندوؤں کا ساتھ دیں اور ان کی جماعت بڑھائیں ان کا نفع چاہیں مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں خصوصًا وہ بھی ایسی بات میں جس کی بنامذہبی کام پر ہوان کو توبہ کرنا چاہئے ورنہ اندیشہ کریں کہ اسی حالت میں موت آگئی تو حشر بھی ہندوؤں ہی کے ساتھ ہوگا۔ **حدیث** میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

جامع المشرك وسكن معه فانه مثله[1] وفی لفظ لا تساكنوا المشركين ولاتجامعوهم فمن ساكنهم او جامعهم فهو	جو کوئی کسی شرک کرنے والے کے ساتھ جمع ہو اور اس کے ساتھ رہنا سہنا اختیار کرے تو وہ مسلمان بھی اسی کی طرح ہے۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں: شرک کرنے والوں کے ساتھ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ ارض الشرك آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۹

مثلھم [1] رواہ بالاول ابوداؤد عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن وبالاٰخر الترمذی عنہ تعلیقا۔	رہائش اختیار نہ کرواور نہ ان کے ساتھ اجتماع رکھو پھر جو کوئی ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے یا ان کے ساتھ جمع ہو تو وہ ان ہی کی طرح ہے۔**پہلی حدیث** کو امام ابوداؤد نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے سند حسن کے ساتھ روایت کیاہے جبکہ دوسری حدیث کو امام ترمذی نے اسی مذکور صحابی سے بطور تعلیق روایت کیاہے۔(ت)

دوسری حدیث ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کثر سواد قوم فھو منھم [2]۔	جو کسی گروہ کی جماعت بڑھائے وہ انہیں میں سے ہے۔

تیسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اعان علی خصومۃ بغیر حق لم یزل فی سخط اللہ حتی ینزع۔رواہ ابن ماجۃ [3] والحاکم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسن۔	جو کسی جھگڑے میں ناحق والوں کو مدد دے ہمیشہ خدا کے غضب میں رہے جب تک اس سے باز آئے (ابن ماجہ اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن اسے روایت کیاہے۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من مات علی شیئ بعثہ اللہ علیہ۔رواہ احمد [4] والحاکم عن جابر بن عبداللہ	جو جس حال میں مرے گااللہ تعالٰی اسی حال پر اسے اٹھائے گا (امام احمد وحاکم نے جابر بن عبداللہ

[1] جامع الترمذی ابواب السیر باب ماجاء فی کراھیۃ المقام الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۴

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۶۲۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۵۱۹، کنز العمال حدیث ۲۴۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۲۲

[3] سنن ابن ماجہ کتاب الاحکام باب من ادعی مالیس لہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۶۹، المستدرک للحاکم کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۴/ ۹۹

[4] مسند امام احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ عنہ دار الکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۱۴، المستدرک للحاکم کتاب الرقاق دار الفکر بیروت ۴/ ۳۱۳

رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن واللہ تعالٰی اعلم۔	رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن اس کو روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: از موضع سرنیاں مسئولہ امیر علی صاحب ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید چند بار اہل ہنود کی برات میں شریک ہوا ہے اور اہر ایک غمی شادی میں شریک ہوتا ہے اب زید کے یہاں شادی ہے بہت ہنود شامل برات ہوں گے اور زید کے یہاں عورات ڈھول بجائیں گی اور ناچ بھی برات میں ہوگا توزید کے لئے کیاحکم ہے اور سائل کو کھانے میں شریک ہونا چاہئے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

دیگر عمر دریافت کرتا ہے اہل ہنود مزدوری میں لیا اس کو مزدوری خوراک دینا جو کہ رسم مزدوری کی ہے۔

دیگر عمر دریافت کرتا ہے کہ میرے کھیت کے پاس ہنود کا کھیت ہے اور اکثر ایسا بھی ہے ایک کھیت کے درمیان ایک کھیت ہے اور کام کاشتکاری میں بضرورت کسی کام کے کچھ کہنا پڑتا ہے اور بغیر ضرورت کے نہیں۔

دیگر کسی ہنود سے کوئی میل کھانے سے نکلتا ہو توانسیت پیدا کرے یا نہیں؟ فقط۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں ظاہر ہے کہ زید فاسق فاجر ہے، سائل اگر اس پر ایسا دباؤ رکھتا ہے کہ اسے روک سے گا توضرور شریک ہو کر روکے، اور اگر اسے اتنا عزیز ہے کہ اس کا شریک نہ ہونا اسے گوارا نہ ہوگا اور اس کی شرکت کی غرض سے وہ ناجائز باتیں اُٹھادے گا تو سائل پر لازم ہے کہ شرکت سے صاف انکار کردے جب تک وہ ان ناپاکیوں سے باز نہ رہے، اور اگر یہ دونوں باتیں نہیں تو سائل اگر قوم کا پیشوا ہے توہر گز ہر گز شریک نہ ہو، اور اگر عوام میں سے ہے اور وہ حرام جلسہ جلسہ طعام کے مکان میں کھانے والوں کے سامنے ہوگا جب بھی ہر گز نہ جائے، اور اگر حرام جلسہ الگ ہے اور کھانے کا مکان الگ تو اختیار ہے اور بہتر یہی ہے کہ کوئی مسلمان شریک نہ ہو۔ ہندو کو مزدوری میں لینا اور مزدوری کی خوراک دینا جائز ہے۔ ضرورت کے سبب کوئی بات ہندو سے کرلینے میں حرج نہیں جبکہ وہ بات خود ایک جائز امر ہو۔ دلی انس کسی کافر سے کرنا حرام ہے، اور ظاہر میل جس میں نہ کافر کی تعظیم ہو نہ مسلمان کی ذلت نہ کوئی طریقہ ناجائز برتا جائے کسی جائز کام کے سبب ہندو سے کرلینے میں حرج نہیں، بلا ضرورت اس سے بھی بچے کہ آپس میں راہ ورسم بڑھ کر اکثر ناجائز باتوں

تک پہنچا کرتے ہیں،

ومن ارتع حول الحمٰی اوشك ان یقع فیه[1]. واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شخص کسی چراگاہ کے آس پاس جانور چرائے تو ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر گھسے اور چلا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۱: از لکھنؤ احاطہ محمد خاں متصل دکان ظہور بخش مسئولہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم بروز شنبہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ

کافر مرتد مبتدع بدمذہب کو فاسق معلن یا اس کو جس کا ان جیسا ہونا قائل کے نزدیک متردد ہو کوئی رشتہ مثل باپ دادا نانا بھائی بیٹا وغیرہ خود اپنا کہنا یا کسی اور مسلم کا کہنا حالانکہ ان کو کافر مرتد وغیرہ جیسے ہیں ویسے ہی مانع یہ کیسا ہے یا ایسے لوگوں کو ابتداءً سلام کہنا یا ان سے بخندہ پیشانی پیش آنا ہنسنا بولنا ایسی دوستی رکھنا جیسے دنیادار ہنسنے بولنے کھیلنے کی رکھتے ہیں اور اسی سلسلہ میں انہیں تحائف روانہ کرنا یا ان کی ایسی تعظیم کرنا کہ وہ آئیں تو کھڑے ہوگئے تحریرًا یا تقریرًا انہیں عنایت فرمایا کرم فرمایا مشفق مہربان یا جناب صاحب لکھنا یا اسی طرح کے اور برتاؤ ان سے برتنا جیسے آج کل شائع ہیں کثرت سے خصوصًا ایسوں میں کے دنیاوی با اثر لوگوں سے، خلاصہ کلام یہ کہ ایسے لوگوں سے ایسا برتاؤ جس سے وہ خوش ہوں یا اس میں اپنی تعظیم جانیں اگرچہ فاعل کی نیت اس خوش یا تعظیم کی ہو یا نہ ہو جبکہ مذہبی نقطہ نظر سے انہیں ان کے لائق قبیح ہی سمجھیں جائز ہیں یا ناجائز؟ ناجائز تو کس درجہ کی؟ غرض کہاں تک اس حد تک نہیں پہنچتیں کہ فاعل پر بھی خود ان کی طرح حکم کفر یا بدعت وغیرہ عائد ہو، اور اگر یہ باتیں کسی دینی یا دنیاوی غرض کے لئے کریں تو کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ان لوگوں کو بے ضرورت و مجبوری ابتدا بسلام حرام اور بلاوجہ شرعی ان سے مخالطت اور ظاہری ملاطفت بھی حرام، قرآن عظیم میں قعود معہم سے نہی صریح موجود، اور حدیث میں ان سے بخندہ پیشانی ملنے پر قلب سے نور ایمان نکل جانے کی وعید، افعال تعظیمی مثل قیام تو اور سخت تر ہیں تو یوہیں کلمات مدح، **حدیث** میں ہے:

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب الحلال بین والحرام بین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۵، صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترك الشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۸

اذا مدح الفاسق غضب الرب واھتزلہ عرش الرحمٰن[1]۔	جب کسی فاسق (مرتکب گناہ کبیرہ) کی تعریف کی جائے تو اللہ تعالٰی غضبناک ہو جاتا ہے اور اس کی اس حرکت سے عرش رحمان لرز جاتا ہے (ت)

دوسری حدیث میں ہے ان میں فاسق کا حکم آسان ہے مطلقاً حرج نہیں اور مصالح دینیہ پر نظر کی جائے گی اور مرتد مبتدع داعیہ سے بالکل ممانعت اور ضروریات شرعیہ ہر جگہ مستثنٰی **فان الضرورات تبیح المحظورات** (اس لئے کہ ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کردیتی ہیں۔ت) رشتہ بتانے میں مطلقاً حرج نہیں جیسے عمر بن الخطاب وعلی بن ابی طالب مع ان الخطاب وابا طالب لم یسلما (حضرت عمر خطاب کے بیٹے اور حضرت علی ابوطالب کے فرزند حالانکہ خطاب اور ابوطالب دونوں مسلمان نہ تھے۔ت) ان کے ساتھ جو برتاؤ قولاً فعلاً ممنوع ہے بے ضرورت ان کا مرتکب عاصی ہے ان کا مثل نہیں جب تک ان کے کفر وبدعت وفسق کو اچھا یا جائز نہ جانے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۲: مرسلہ مصاحب علی طالب علم ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

ایک شخص نے زنا وشراب وسود وغیرہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے اور نماز وروزہ وزکوۃ وغیرہ افعال نیک بھی کرتا ہے اور علماء ومشائخ سے محبت رکھتا ہے تو اگر بہ سبب افعال نیک کے ایسے شخص سے محبت ودوستی ومیل جول رکھا جائے تو ان آیات اور احادیث کا خلاف لازم آتا ہے جس میں فاسق سے بچنے اور دور رہنے اور بغض رکھنے کا حکم ہے اور اگر بسبب افعال بد کے ایسے شخص سے پرہیز کیا جائے تو ان احادیث اور آیات کا خلاف لازم آتا ہے جس میں مسلمانوں سے میل جول رکھنے اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم ہے تو ایسے شخص سے کیسا برتاؤ کیا جائے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

دو وجہ سے محبت وبغض جمع ہوسکتے ہیں بلکہ فاسق سے بغض حقیقۃً اس کے فعل کی طرف راجع ہے، نہ ذات کی طرف۔ ایسے شخص سے برتاؤ میں طریقہ سلف مختلف رہا اس کا مبنٰی اختلاف احوال ہے جس فاسق کو یہ جانے کہ نرمی وایتلاف سے رو براہ ہوجائے گا وہاں یہی چاہئے جسے یہ جانے کہ شدت واعراض سے متاثر ہو کر افعال قبیحہ چھوڑدے گا وہاں یہی چاہئے اور جس سے کسی طرح امید نہ ہو اس سے مطلقاً احتراز چاہئے خصوصاً دو شخصوں کو، ایک وہ جو اس کی صحبت بد سے متاثر ہونے کا اندیشہ رکھے

[1] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۰

دوسرا وہ کہ عالم ومقتداء ہو کہ اسے اس سے میل جول کرتا ہوا دیکھ کر قلوب عوام سے فسق کی شناعت کم ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۳: مرسلہ دوست خان فیلبان ریاست سکیت ضلع کانگڑہ پنجاب ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

ایک قوم پہاڑ میں چنڈیل کہلاتی ہے اس میں ان کے بڑے مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے مگر اب یہ لوگ نہ ملتے ہیں نہ مردہ کی تجہیز وتکفین میں مسلمانوں کو بلاتے ہیں بلکہ مثل ہنود کے داڑھی مونچھ منڈواتے ہیں، نہ کسی مسلمان سے سلام علیک لیتے ہیں نہ کبھی نماز روزہ ہوتا ہے۔ اب بعض مسلمان ان سے ملتے ہیں، جو ان سے ملتے ہیں ان کے واسطے کیا حکم ہے؟ فقط

الجواب:

یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور پھر کفر کرتے ہیں تو مرتد ہیں اور ان سے ملنا جلنا مسلمان کو حرام ہے، جو مسلمان ان سے ملتے ہیں مستحق عذاب ہیں، اور اگر یہ لوگ سرے سے ہندو ہیں مسلمان ہو کر کافر نہ ہوئے تو ان سے کسی دنیا کے لین دین خرید وفروخت میں اُتنا ملنا جائز ہے جتنا ہندو سے، اور اگر اس سے زائد ملیں اور اپنا دوست ولی بنائیں تو پھر مستحق عذاب ہیں بلکہ سخت تر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: بخدمت شمس العلماء رأس الفقہاء اعنی جناب مولانا مولوی حاجی ومفتی اعلٰحضرت مدظلہ العالی!

حضور کی خدمت اقدس میں دست بستہ عرض ہے کہ اگر کوئی قادیانی مسجد کے خرچ کے واسطے روپیہ وغیرہ دے یا کسی طالب علم یا اور شخص کو مکان پر بلا کر کھانا کھلائے یا بھیج دے، ان دونوں صورتوں میں کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یا وہ روپیہ مسجد میں لگانا کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

نہ وہ روپے لئے جائیں، نہ کھانا کھایا جائے، اور اس کے یہاں جا کر کھانا سخت حرام ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵: از موضع سرنیا ضلع بریلی مرسلہ شیخ امیر علی رضوی ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک پٹرول آبپاشی نہر پر وہابی ہے اور ایک ڈاکیا خط تقسیم کرنے والا بھی شیعہ ہے، ان شخصوں سے بات چیت کرنا پڑتی ہے کبھی روٹی کا بھی اتفاق اپنے مطلوب کی غرض سے ہوتا ہے اور ان کو اپنا دشمن ہی سمجھا جاتا ہے میل جول کچھ نہیں کیا جاتا ہے جہاں تک ممکن ہوتا ہے بچتے ہیں اور کام کے وقت بات کرنا ضرور ہوتی ہے۔

الجواب:

اگر یہ امر واقعی ہے کہ قلب میں ان سے نفرت وعداوت واقعی ہے اور کوئی میل جول نہیں رکھا جاتا نہ یا خط کے متعلق کوئی بات کبھی کرلی جاتی ہے یا کبھی روٹی دے دی جاتی ہے جس میں کوئی مصلحت صحیح خیال کی گئی ہو تو حرج نہیں اور اللہ دلوں کا نور جانتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از بلرامپور ضلع گونڈہ محلّہ پور نیا تالاب متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد آتشباز ۱۷صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شراب خوروں اور چانڈ بازوں اور غیر مقلدوں کی طرفداری کرنا اور ان کا ساتھ دینا برابر نشست وبرخاست رکھنا کیسا ہے، کچھ گناہ ہے یا نہیں؟

الجواب:

غیر مقلدوں کا ساتھ اور ان کی طرفداری کرنا گمراہی وبددینی ہے اور شراب خوروں اور چانڈو بازوں کی طرفداری اگر ان کے اس گناہ میں ہے تو سخت عظیم کبیرہ ورنہ بیجا وبد۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۶۸ "[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تمہیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

وہابی غیر مقلد کے گھر شادی بیاہ کرنا، اس کے ساتھ نماز پڑھنا، اس کے گھر کھانا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

وہابی یا غیر مقلد سے میل جول مطلقاً حرام ہے اور اس کے ساتھ شادی بیاہ خالص زنا، حدیث میں فرمایا:

لاتواکلوھم ولاتشاربوھم ولاتجالسوھم ولاتصلو معھم ولاتصلوعلیھم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نہ ان کے ساتھ کھانا کھاؤ نہ ان کے ساتھ پانی پیو، نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کے ساتھ نماز پڑھو نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھو، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۵۲۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۰

مسئلہ ۱۰۸: موتی بازار لاہور حاکم علی بی اے ۲۵/اکتوبر ۱۹۲۰ء

(نقل خط) آقائے نامدار مؤید ملت طاہرہ مولانا و بالفضل اولٰنا جناب شاہ احمد رضاخاں صاحب دام ظلکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

پشت ہذا پر کا فتوٰی مطالعہ گرامی کے لئے ارسال کرکے التجا کرتا ہوں کہ دوسری نقل کی پشت پر اس کی تصحیح فرما کر احقر نیاز مند کے نام بواپسی ڈاک اگر ممکن ہوسکے یا کم از کم دوسرے روز بھیج دیں انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کا اجلاس بروز اتوار بتاریخ ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء منعقد ہونا ہے اس میں یہ پیش کرنا ہے، دیوبندیوں اور نیچریوں نے مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کوئی تامل نہیں کیا ہے ہندوؤں اور گاندھی کے ساتھ موالات قائم کرلی ہے اور مسلمانوں کے کاموں میں روڑا اٹکانے کی ٹھان لی ہے، اللہ عالم حنفیہ کو ان کے ہاتھوں سے بچائیں اور عنداللہ ماجور ہوں، نیاز مند دعا گو ہے۔

حاکم علی بی اے موتی بازار لاہور

۲۵اکتوبر ۱۹۲۰ء

اللہ تعالٰی نے ہمیں کافروں اور یہود و نصارٰی کے ساتھ تولی سے منع فرمایا ہے مگر ابوالکلام زبردست تولی کے معنی معاملت اور ترک موالات کو ترک معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے جو اللہ تعالٰی کے کلام پاک کے ساتھ کی جارہی ہے۔ مذکور نے ۲۰اکتوبر ۱۹۲۰ء کی جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر اطلاق یہ کردیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتوٰی دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلادی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہوگیا، علامہ مذکور کا یہ فتوٰی غلط ہے یونیورسٹی کے ساتھ الحاق رہنے سے اور امداد لینے سے معاملت قائم رہتی ہے نہ کہ موالات جن کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں مذکور کی اس زبردستی سے اسلامیہ کالج تباہ ہو رہے ہیں مذکور مولوی محمود حسن صاحب مولوی عبدالحہ صاحب تو دیوبند خیالات کے ہیں زبردستی فتوٰی اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں، لہٰذا میں فتوٰی دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق اور امداد لینا جائز ہے میرے فتوٰی کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی نہیں مثلاً مؤید ملت طاہر حضرت مولٰنا مولوی شاہ احمد رضاخاں صاحب قادری بریلوی علاقہ روہیل کھنڈ، اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی وشمالی۔

الجواب: موالات و مجرد معاملہ میں زمین وآسمان کافرق ہے دنیوی معاملت جس سے دین پر ضرر نہ ہو سوا مرتدین مثل وہابیہ دیوبندیہ وامثالہم کے کسی سے ممنوع نہیں ذمی تومعاملت میں مثل مسلم ہے لھم مالنا وعلیھم ماعلینا (ان کے لئے ہے جوکچھ ہمارے لئے ہے، اور ان پر وہی کچھ لازم ہے جوکچھ ہم پر لازم ہے۔ت) اور غیر ذمی سے بھی خرید، فروخت، اجارہ، استجار، ہبہ، استیہاب بشروطہا جائز، خریدنا مطلقاً ہر مال کا ہر مسلمان کے حق میں متقوم ہو اور بیچنا ہر جائز چیز کا جس میں اعانت حرب یا اہانت اسلام نہ ہو، اسے نوکر رکھنا جس میں کوئی کام خلاف شرع نہ ہو اس کی جائز نوکری کرنا جس میں مسلم پر اس کا استعلانہ ہو ایسے ہی امور میں اجرت پر اس سے کام لینا یا اس کا کام کرنا بمصلحت شرعی سے ہدیہ دینا جس میں کسی رسم کفر کا اعزاز نہ ہو اس کا ہدیہ قبول کرنا جس سے دین پر اعتراض نہ ہو حتی کہ کتابیہ سے نکاح کرنا بھی فی نفسہ حلال ہے وہ صلح کی طرف جھکیں تو مصالحت کرنا مگروہ صلح کہ حلال حرام کرے یا حرام کو حلال، یونہی ایک حد تک معاہدہ و موادعت کرنا بھی اور جو جائز عہد کرلیا اس کی وفا فرض ہے اور عذر حرام الٰی غیر ذٰلک من الاحکام (اور اس کے علاوہ باقی احکام۔ت) درمختار میں ہے:

والمرتدۃ تحبس ابدا ولاتجالس ولاتؤاکل حتی تسلم ولاتقتل [1] اھ قلت وھوالعلۃ فانھا تبقی ولا تفنی وقد شملت المرتد فی اعصارنا وامصارنا فالامتناع القتل۔	(اسلام سے پھر جانے والی) مرتد عورت ہمیشہ قید وبند میں رکھی جائے۔ پس اس کے ساتھ نشست برخاست نہ کی جائے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوجائے لیکن وہ قتل نہ کی جائے اھ میں کہتا ہوں یہی وہ علت ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے کبھی ختم نہیں ہوتی، پس ہمارے زمانے اور ہمارے شہروں میں یہی علت مرتد مرد کو بھی شامل ہے اس لئے کہ اسے قتل نہیں کیاجاسکتا۔(ت)

محیط میں ہے:

اذا اراد الخروج للتجارۃ الی ارض العدو بامان فان کان امیرا لایخاف علیہ منہ وکانوا قوما یوفون بالعھد	جب دشمن کے ملک میں اجازت نامہ لے کر پُرامن طور پر کاروبار کرنے کے لئے جائے پھر اگر امیر ایسا ہو کر جانے والے کو اس سے کوئی خوف وخطرہ نہ ہو

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۰

یعرفون بذلك وله فی ذلك منفعة فلاباس بان یعصیهما[1]۔	اور وہ لوگ بھی وعدہ پورا کرتے ہوں بلکہ ایفائے عہد میں مشہور ومعروف ہوں، اور اس جانے اور سفر کرنے میں اس کا ذاتی فائدہ بھی ہو تو اس کے جانے میں کچھ مضائقہ اور حرج نہیں۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

اذا اراد المسلم ان یدخل دار الحرب بامان للتجارة لم یمنع ذٰلك منه و کذٰلك اذا اراد حمل الامتعة الیهم فی البحر فی السفینة[2]۔	جب کوئی مسلمان دارِ حرب میں امان لے کر تجارت کے لئے داخل ہو تو اسے اس سفر سے نہ روکا جائے اور یہی حکم ہے جب کوئی شخص بحری بیڑے میں سامان لاد کر ان کی طرف جانا چاہے (تو اسے بھی اس سفر سے نہ روکا جائے)۔(ت)

اسی میں ہے:

قال محمد لاباس بان یحمل المسلم الی اهل الحرب ما شاء الاالکراع والسلاح فان کان خُمرا من باریسم او ثیابا رقاقا من القز فلاباس بادخالها الیهم ولا باس بادخال الصفر والشبهة الیهم لان هذا لا یستعمل للسلاح[3]۔	امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر کوئی مسلمان اہل عرب کی طرف جو کچھ اٹھا کر لے جانا چاہے تو اس میں کچھ حرج نہیں مگر یہ کہ گھوڑے اور ہتھیار (نہ لے جائے) پھر اگر خالص ریشم یا سنہری باریک کپڑے ہوں تو انہیں وہاں جانے میں کچھ حرج نہیں نیز سونا، پیتل اور ان جیسی اشیاء کے وہاں لے جانے میں کچھ مضائقہ نہیں، اس لئے کہ اشیاء مذکورہ ہتھیاروں کے لئے استعمال نہیں کی جاتیں۔(ت)

اسی میں ہے:

لایمنع من ادخال البغال والحمیر والثور والبعیر[4]۔	خچر، گدھے، بیل اور اونٹ وغیرہ لے جانے سے نہ روکا جائے۔(ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۱۸۹

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

[4] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۳

فتاوٰی امام طاہر بخاری میں ہے:

مسلم آجر نفسہ من مجوسی لاباس بہ[1]۔	اگر کوئی مسلمان کسی آتش پرست کی نوکری کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔(ت)

ہدایہ میں ہے:

من ارسل اجیرالہ مجوسیا او خادمًا فاشتری لحما فقال اشتریتہ من یہودی او نصرانی او مسلم واکلہ[2]۔	اگر کسی نے اپنا آتش پرست مزدور یا خادم بھیجا پھر اس نے گوشت خریدا(پوچھنے پر)اس نے کہا میں نے یہ یہودی یا عیسائی یا مسلمان سے خریدا ہے(تو اسے سچا سمجھ کر)وہ گوشت کھایا جائے گا(ت)

درمختار میں ہے:

الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم بین اھل الذمۃ ذکرہ الزیلعی فی التحکیم[3]۔	اہل ذمہ پر حکم دینے میں کافر کے فیصلہ کی تقلید اور اتباع کرنا جائز ہے، چنانچہ علامہ زیلعی نے بحث تحکیم میں اس کو بیان فرمایا ہے۔(ت)

محیط میں ہے:

قال محمد مایبعثہ ملک العدو من الھدیۃ ان امیر جیش المسلمین او الی الامام الاکبر وھو مع الجیش فانہ لاباس بقبولھا یصیر فیئًا للمسلمین وکذٰلک اذا اھدی ملکھم الی قائد من قوّاد المسلمین لہ منعۃ ولوکان اھدی الی واحد من کبار المسلمین لیس لہ منعۃ یختص ھو بھا[4]۔	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دشمن کا بادشاہ اسلامی لشکر کے امیر یا امیر اکبر کو جو کچھ تحفہ وہدیہ بھیجے جبکہ وہ لشکر میں ہو تو اس کو قبول کرنے میں کچھ حرج نہیں، اور وہ اہل اسلام کے لئے مال غنیمت ہو جائے گا، یونہی ان کا بادشاہ مسلمانوں کے کسی ایسے قائد کو ہدیہ بھیجے کہ جس میں قوت وزور ہو(تو اس کو لینے میں بھی کوئی حرج نہیں)اور اگر وہ مسلمانوں کے کسی بڑے فرد کو ہدیہ پیش کرے کہ جس میں قوت دفاع نہ تو وہ پھر اس کے لئے مختص ہوگا۔(ت)

[1] خلاصۃ القاری کتاب الاجارات الفصل العاشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۱۴۹

[2] الھدایۃ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۵۱

[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[4] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

اسی میں ہے:

لو ان عسکرا من المسلمین دخلوا دار الحرب فاھدی امیرھم الی ملك العدو ھدیۃ فلا باس بہ وکذلك لو ان امیر الثغور اھدی الی ملك العدو ھدیۃ واھدی ملك العدو الیہ ھدیۃ[1]۔ وقال اللہ تعالٰی "وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ"[2] وتمام تحقیقہ فی فتاوٰنا وقال تعالٰی "وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا"[3] وقال تعالٰی "اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ لَمْ یُظَاهِرُوْا عَلَیْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ(۴)"[4] وقال تعالٰی "وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـٴُـوْلًا(۳۴)"[5] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما او حرم حلالا[6] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ	اگر اسلامی فوج دار حرب میں داخل ہو، پھر ان کا امیر دشمن کے حکمران کو کوئی ہدیہ پیش کرے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور اسی طرح اگر امیر سرحد اسلامی دشمن کے بادشاہ کو کوئی ہدیہ پیش کرے اور دشمن کا بادشاہ اسلامی امیر کو کوئی تحفہ وہدیہ پیش کرے (تو دونوں صورتوں میں کچھ مضائقہ نہیں)، اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا اور مسلمان پارسا عورتیں، اور ان لوگوں کی پارسا عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب عطا ہوئی (یعنی اہل کتاب یہودی اور عیسائی) جب تم انہیں ان کے مہر ادا کردو (تو پھر ان دونوں سے عقد نکاح کرنا جائز ہے) اور اس کی پوری تحقیق ہمارے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں تو پھر تم بھی اس کے لئے جھک جاؤ۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: مگر وہ شرک کرنے والے کہ جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے تم سے کوئی کمی نہ کی اور تم پر کسی کو

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب السادس الفاصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۳۶

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵

[3] القرآن الکریم ۸/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۹/ ۴

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۴

[6] المعجم الکبیر حدیث ۳۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۲

وسلم لاتغدروا[1]۔	غلبہ نہ دیا۔ پھر ان سے ان کی طے شدہ مدت تک ان سے کیاہوا وعدہ پورا کرو بیشک اللہ تعالٰی ڈرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) وعدہ پورا کرو اس لئے کہ وعدے کے بارے میں (اللہ تعالٰی کے ہاں) بازپرس ہوگی اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ صلح مسلمانوں کے درمیان جائز ہے، مگر وہ صلح جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرائے (ایسی جائز نہیں) اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: (لوگو!) دھوکہ بازی نہ کیا کرو۔ (ت)

وہ الحاق واخذ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں۔ ورنہ ضرور ناجائز وحرام ہوگا۔ مگر یہ عدم جواز اس شرط یالازم کے سبب سے ہوگا نہ بربنائے تحریم، مطلق معاملت جس کے لئے شرع میں اصلاً اصل نہیں اور خود ان مانعین کی طرز عمل ان کے کذب دعوی پر شاہد، ریل، تار، ڈاک سے تمتع کیا معاملت نہیں۔ فرق یہ ہے کہ اخذ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال اور لینا حرام، اس کاجواب یہ دیا جاتاہے کہ ریل تار ڈاک ہمارے ہی ملک میں ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں، سبحٰن اللہ! امداد تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتاہے وہ بھی یہیں کا ہے توحاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود لینا ممنوع۔ اس الٹی عقل کا کیا علاج۔ مگر اس قوم سے کیا شکایت جس نے نہ صرف شریعت بلکہ نفس اسلام کو پلٹ دیا۔ مشرکین سے وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامہ وانقیاد فرض کیا۔ خوشنودی ہنود کے لئے شعار اسلام بند اور شعار کفر کا ماتھوں پر علم بلند۔ مشرکین کی جے پکارنا ان کی حمد کے نعرے مارنا انہیں اپنی اس حاجت دینی میں جسے نہ صرف فرض بلکہ مدار ایمان ٹھہراتے ہیں یہاں تک کہ اس میں شریک نہ ہونے والوں پر حکم کفر لگاتے ہیں اپنامال وہادی بنانا مسجد میں مشرک کو لے جاکر مسلمانوں سے اونچا کھڑا کرکے واعظ مسلمین ٹھہرانا مشرک کی ٹکٹی کندھوں پر اُٹھا کر مرگھٹ میں لے جانا مسجد کو اس کا ماتم گاہ بنانا اس کیلئے دعائے مغفرت ونماز جنازہ کے اشتہار لگانا وغیرہ وغیرہ ناگفتہ بہ افعال موجب کفر ومورث ضلال، یہاں تک کہ صاف لکھ دیا کہ اگر اپنے ہندو بھائیوں کو راضی کرلیا تو اپنے خدا کو راضی کرلوگے، صاف لکھ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو ومسلم کا امتیاز اٹھادے گا اور سنگم پریاگ کو مقدس علامت ٹھہرادے گا صاف لکھ دیا کہ ہم نے قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن بریدۃ الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۵۸

نثار کردی یہ ہے موالات، یہ ہے حرام، یہ ہیں کفریات، یہ ہے ضلال تام فسبحٰن مقلب القلوب والابصار ولاحول ولاقوۃ الاباللہ الواحد القھار (پاک ہے دلوں اور آنکھوں کا پھیرنے والا، گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت کسی میں نہیں بجز اس کے کہ اللہ تعالٰی یکتا اور سب سے زبردست، مدد فرمائے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami
دعوتِ اسلامی

ظلم وایذائے مُسلم وہجران وقطع تعلق

مسئلہ ۱۰۹: ۹ ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ از شہر کہنہ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے گھر کسی تقریب میں گائے ذبح کی اور عمرو نے باوجودیکہ مرد مسلمان ہے گائے ذبح کرنے کو منع کیااور جھگڑا کیا یہاں تک کہ زید پر نالش کردی یہ فعل عمرو کا موافق شرع شریف کے کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

شرعًا وہ مرتکب گناہ ہوااور نہ صرف حق اللہ بلکہ حق العبد میں بھی مبتلااس پر فرض ہے کہ اللہ تعالٰی سے توبہ کرے اور زید سے اپنا قصور معاف کرائے۔

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار فی الاسلام [1]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اسلام میں نہ کوئی دکھ ہے نہ دوسرے کو دکھ پہنچانا۔(ت)

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶ /۹۱، نصب الرایۃ باب مایحدثہ الرجل فی الطریق المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۴ /۳۸۴

سائل مظہر کہ وہ ایسی جگہ نہ تھی جہاں قانوناً گائے ذبح کرنا جرم ہو بلکہ وہاں ہمیشہ سے قربانی ہوتی ہے تو اس صورت میں عمرو کی ممانعت ہرگز اس پر محمول نہیں ہوسکتی کہ اپنے بھائی مسلمان کو حضرت قانونی سے بچانا چاہتا تھا بلکہ محض قصداً ایذاء واضرار تھا اور نالش کرنا اس پر دلیل واضح کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ تعالٰی علم۔

مسئلہ ۱۱۰: ۲۱صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سے محرم کے تخت بنانے میں چندہ کی شرکت کو کہا گیا دس دس آنے سب پر ڈالے تھے اس نے بھی دیئے مگر کہا ہم اپنے ذمہ اس کی کرنہ باندھیں گے اگر چاہیں گے دیں گے اور جتنا چاہیں گے دیں گے، اس پر لوگوں نے اسے برادری سے نکال دیا اور حقہ پانی ڈال دیا اور کھچڑا جو حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز کا اس نے پکا کر مسلمانوں میں تقسیم کیا وہ لوگوں کو نہ لینے دیا اور کہا یہ بھنگی کے یہاں کا ہے، اس صورت میں شرع کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

صورت مذکورہ میں اس شخص کے ذمہ جو الزام برادری والوں نے قائم کیا شرع کی رو سے بالکل باطل ہے وہ اس الزام سے بری ہے بلکہ اس وجہ سے جو لوگ اسے چھوڑے اور برادری سے نکالتے ہیں وہ گنہگار ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتهاجروا ولاتدابروا ولاتباغضوا ولاتنافسوا وكونوا عباد الله اخوانا[1]۔	لوگو! ایک دوسرے کو نہ چھوڑو اور نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو اور نہ آپس میں بغض و کینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے پر فخر کرو (اور نہ مقابلہ کرنے کی کوشش کرو۔ اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ (ت)

دوسرا الزام ان لوگوں پر یہ ہے کہ ایک فضول و بیجا کام میں شرکت سے انکار پر یہ تشدّد کیا اور نیاز میں کہ مقبول و محمود کام ہے رخنہ ڈالنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۱: از ملک بنگالہ ضلع نواکھالی مرسلہ مولوی عبدالباری صاحب ۲۳شعبان ۱۳۲۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ت) کہ

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۶

ایک شخص مال یتیم زبردستی تمام اپنے صرف وخرچ میں لاتا ہے اور بیچارہ یتیم حالانکہ اس کے پاس اور کچھ نہیں تھا سوائے اس جائداد کے جو اس شخص نے ظلماً لے لی دوسروں سے مانگ کر کھاتا ہے اور بسر اوقات کرتا ہے اور وہ شخص حیلہ وحوالہ کرتا ہے اور مشہور علم داں ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حج بھی کیا ہے، یہ اعمال اس کے ایسی حالت میں مقبول ہوں گے یا نہیں و دیگر عبارات بھی؟ اور نیز اس شخص سے سلام کلام یعنی طریقہ اہل اسلام برتنا چاہئے یا نہیں؟ قرآن پاک واحادیث صحیح مع سند بیان فرمایئے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ایسا شخص سخت ظالم، فاجر، مرتکب کبائر، مستحق عذاب نار وغضب جبّار ہے۔ **قال اللہ تعالٰی!**

" اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾ "[1]	بیشک جو لوگ تیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ دوزخ کی بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔

قبول عمل وعبادت ہر شخص کا حق سبحانہ، وتعالٰی کے اختیار ہے، ہاں اس ناپاک سے جو عبادت مال کرے گا ہرگز قبول نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے:

ان اللہ طیّب لایقبل الا الطیب[2]۔	بیشک اللہ تعالٰی پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔ (ت)

حج بھی اگر اسی روپے سے کیا تو مستحق مردود ہے۔ حدیث میں ہے: جو حرام مال سے حج کو جائے جب لبیک کہے فرشتہ اسے جواب دیتا ہے:

لالبیك ولاسعدیك وحجّك مردود علیك حتی ترد مافی یدیک[3]۔	نہ تیری لبیک قبول، نہ خدمت قبول اور تیرا حج تجھ پر مردود ہے یہاں تک کہ تو یہ مال حرام جو تیرے پاس سے واپس دے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[2] سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلٰوۃ الاستسقاء دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۴۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الحج الباب الثالث دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۴۳۱، کنز العمال حدیث ۱۱۸۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۲۴، العلل المتناہیۃ حدیث فی الحج بمال حرام حدیث ۹۳۰ دار نشر الکتب الاسلامیہ مصر ۲/ ۷۵

ایسے شخص سے ابتدا بسلام ناجائز و گناہ ہے۔ در مختار میں ہے:

یکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا[1]۔	جو کوئی اعلانیہ فاسق ہو اسے سلام دینا مکروہ ہے۔ (ت)

مسلمانوں کو ایسے شخص سے میل جول رکھنا، اس کے پاس موافقت کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نہ چاہئے، کہیں اس کی آگ ان میں بھی سرایت نہ کرے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ(۶۸)"[2]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر پاس نہ بیٹھ ظالموں کے۔

وقال تعالٰی:

"وَ لَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ"[3]	ظالموں کی طرف میل نہ کرو کہ تمہیں آگ چھوئے۔
والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم	

مسئلہ ۱۱۲: مسئولہ فرحت اللہ صاحب از بدایون ۲۹ محرم ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص معزز با وقعت ہے اور علم بھی رکھتا ہے اور نیز روزہ نماز کا بھی پابند ہے، اس کی نسبت چند معزز اشخاص وایک ہندو حکام اعلٰی کے روبرو جن کے نزدیک وہ شخص با وقعت سمجھا گیا یہ لفظ ایک توہین کے ساتھ کہنا کہ یہ شخص قوم کا جولاہہ ہے یہ کہنا بروئے شرع شریف کیسا ہے؟ اور نیز ایسا کہنے والا گنہگار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس درجہ کا گنہگار ہے؟ جواب سے تشفی بخشئے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وہ شخص واقع میں قوم کا جولاہہ نہیں تو کذب ہوا، افترا ہوا، مسلمان کی ناحق ایذا ہوئی، کہنے والا متعدد کبائر کا مرتکب ہوا، حق العبد میں گرفتار اور مستحق عذاب نار ہوا، اس پر فرض ہے کہ توبہ کرے اور اس شخص سے اپنی خطا کی معافی چاہے ورنہ طینۃ الخبال میں روکا جائے گا حتی یاتی بنفاد ما قال یہاں تک کہ جو بات کہی اس کا ثبوت لائے: اور جبکہ بات خلاف واقع ہے تو اس کا ثبوت کہاں سے

---

[1] در مختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۱

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

لائے گا، طینۃ الخبال اس آگ سے زیادہ گرم اور کھولتے ہوئے پیپ اور لہو کی نہر کا نام ہے جو دوزخیوں کے منہ سے لے کر جمع ہوگی والعیاذباللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)، اور اگر واقع میں وہ شخص جولاہا تھا مگر اس کے اظہار میں اس وقت کوئی مصلحت شرعی نہ تھی صرف اس کی ایذا و تفضیح مقصود تھی جب بھی یہ شخص گنہگار ہوا، توبہ کرنا اور اس سے معافی چاہنا اب بھی فرض ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔ رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی (طبرانی نے کبیر میں اس کو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اور اگر اس کے اظہار میں کوئی مصلحت شرعی تھی اور بات واقعی تھی تو اس قائل پر کوئی الزام نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۳: از لکھنؤ امین آباد مسئولہ سید برکت علی صاحب بریلوی شنبہ ۲۵ شوال ۱۳۳۴ھ

کسی سید کو صحیح النسب سید نہ کہنا بلکہ اس کو ناجائز پیشہ وروں (میراثی وغیرہ) سے مثال دینا کیسا ہے اور اس مثال دینے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور سید کی بے توقیری کرنے والا گمراہ بدمذہب ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے، صحیح حدیث میں ہے:

ستّۃ لعنتھم لعنھم اللہ وکل نبی مجاب الزائد فی کتاب اللہ والمکذب بقدر اللہ والمستحل من عترتی ماحرم اللہ الحدیث [2]۔	چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی اللہ اُن پر لعنت کرے، اور نبی کی دعا قبول ہے ازانجملہ ایک وہ جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھائے اور وہ جو خیر وشر سب کچھ اللہ کی تقدیر سے ہونے کا انکار کرے اور وہ جو میری اولاد سے اس چیز کو حلال رکھے جو اللہ نے حرام کیا۔

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۳۷۰۳ ۱۶/ ۱۰ والمعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ ۴/ ۳۷۳

[2] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دار الفکر بیروت ۴/ ۶۱

اور ایک حدیث میں کہ ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من لم یعرف حق عترتی فلاحدی ثلث امّا منافق وامّا ولدزانیۃ واما حملتہ امّہ علٰی غیر طھر [1]۔	جو میری اولاد کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں سے ایک سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا حرام یا حیضی بچہ۔

مجمع الانہر میں ہے:

من قال لعالم عویلم اولعلوی علیوی استخفافا فقد کفر [2]۔	جو کسی عالم کو مولویا یا سید کو میرو اس کی تحقیر کے لئے کہے وہ کافر ہے۔

اور اس میں شک نہیں جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقًا کافر ہے اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے ورنہ مکروہ، اور جو سید مشہور ہو اگرچہ واقعیت معلوم نہ ہو اسے بلادلیل شرعی کہہ دینا کہ یہ صحیح النسب نہیں اگر شرائط قذف کا جامع ہے تو صاف کبیرہ ہے اور ایسا کہنے والا اسّی کوڑوں کا سزاوار، اور اس کے بعد اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود، اور اگر شرط قذف نہ ہو تو کم از کم بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم ہے اور بلاوجہ شرعی ایذائے مسلم حرام، قال اللہ تعالٰی:

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۟" [3]	جو لوگ ایماندار مردوں اور ایماندار عورتوں بغیر اس کے کہ انہوں نے (کوئی معیوب کام) کیا ہو ان کا دل دکھاتے ہیں تو بیشک انہوں نے اپنے سر پر بہتان باندھنے اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھالیا (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ [4]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم	جس نے بلاوجہ شرعی سنی مسلمان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۴۱۹۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۰۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد ثم ان الفاظ الکفر انواع دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۹۵

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۸

[4] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

مسئلہ ۱۱۴: قصبہ سادی آباد ضلع غازیپور مرسلہ شیخ محمد علی حسین صاحب ۲۴ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص مغل خاں نام قوم نٹ کا مسلمان ہوااور بعد مسلمان ہونے کے وہ نماز پڑھتاہے روزہ رکھتاہے کلام مجید کی تلاوت کرتاہے اس نے مسجد بنوائی ہے اس میں نماز پنجگانہ ادا کرتا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کے گھر کی عورتیں گودنا گودتی ہیں مگراس نٹ نومسلم کوانکار ہے کہ اب کچھ نہیں ہوتا ہے پس ایسے نومسلم کے ساتھ کھانا پینا اور اس کا جھوٹا کھانا اور پانی پیناشرعًا جائز ہے یانہیں؟ اگر جائز ہے توجولوگ ایسے نومسلم کے ساتھ کھانے والوں پر سختی کرتے ہیں ان کو ترک کرتے ہیں اور ان کافضیحتا کرتے ہیں وہ شرع شریف کا مقابلہ کرتے ہیں یانہیں؟ ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کاکیاحکم ہے؟

الجواب:

بدن گودوانا شرعًا حرام ہے،اور مسلمان پر بدگمانی اس سے بڑھ کر حرام،جب وہ انکار کرتاہے اور کوئی ثبوت شرعی کافی نہ ہو تو محض بدگمانی کی بناء پر اسے ذلیل سمجھنا اور تفضیح کرنا سخت حرام ہے،ہاں اگر ثبوت شرعی سے ثابت کہ یہ فعل اس کے یہاں ہوتا ہے تواب دوصورتیں ہیں،یاتو وہ اس پر راضی نہیں منع کرتاہے بقدر ضرورت بندوبست کرتاہے اور عورتیں نہیں مانتیں جب بھی اس پر الزام نہیں،

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ"[1] ۔	کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ (وزن) نہیں اٹھائے گی۔(ت)

اور اگر یہ ثبوت شرعی ثابت ہو کہ وہ اس فعل شنیع پر راضی ہے تو بلاشبہہ قابل ملامت ولائق ترک ہے کہ یہ نرا گناہ نہیں ہے بلکہ اس میں معاذاللہ بُوئے کفر آتی ہے کہ ابھی انہیں ناپاک عادتوں پر قائم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۵: از سوائی مادھوپور قصبہ سانگو ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خان مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ ۱۲ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

ولدالزنا کے ساتھ کھانا کھانااور جبکہ وہ عالم ہوجائے تواس کی امامت درست ہے یانہیں اور کیااس کو حرامی کہاجائے گا؟

الجواب:

اس کے ساتھ کھانااور بشرط علم اس کے پیچھے نماز دونوں درست ہیں اور اسے اس طور پر

---

[1] القرآن الکریم ۶ /۶۴

حرامی کہنا کہ جس میں اسے ایذا ہو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۶: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ قیصر حسین ۷ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک تایا ہے اور ایک بہن ہے، زید کے تایا اور زید کے والد میں ہمیشہ رنج رہی یہاں تک کہ زید کے والد کا انتقال ہوگیا مگر زید کے والد اپنے بھائی سے ملے نہیں، زید اپنے والد کے مرنے کے بعد اپنے تایا سے اور اپنی ہمشیر سے ملتا رہا، پھر زید کی والدہ کا بھی انتقال ہوگیا، اس کے بعد زید کی بہن اور تایا کے درمیان سخت رنجش ہوگئی۔ اب زید کی بہن اپنے سگے بھائی زید سے یہ کہتی ہے کہ تم اگر اپنے تایا سے ملوگے تو میں تم سے نہیں ملوں گی اگر تجھ سے ملنا منظور ہے تو اپنے تایا سے مت ملو۔ اب زید کی شادی کا وقت آیا اور زید اپنی بہن کا ایک ہی بھائی ہے اگر زید اپنی بہن کا کہنا نہیں کرتا ہے تو زید کی بہن کو انتہا درجہ کا صدمہ ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے والدین کا انتقال ہوچکا ہے اور یہ ایک ہی اس کے بھائی ہے اور وہ اس کی شادی میں شریک نہیں ہوسکتی بوجہ تایا کی شرکت کے، ایسی حالت میں زید کو کیا کرنا چاہئے یعنی زید کو اپنی بہن کا کہنا اور خوشی کرنا چاہئے اور اپنی بہن کو شادی میں شریک کرنا چاہئے یا اپنے تایا کو، اور اپنی بہن کو چھوڑنا چاہئے یا اپنے تایا کو، کیونکہ زید بغیر اپنے تایا کو چھوڑے ہوئے اپنی بہن کا دل خوش نہیں کرسکتا اور نہ اس کی بہن شادی میں شریک ہوسکتی ہے۔

الجواب:

بہن اور چچا دونوں ذی رحم محرم ہیں کسی سے قطع کرنا اس کو جائز نہیں اسے چاہئے اپنی بہن کو جس طرح ممکن ہو راضی کرے اگرچہ یوں کہ خفیہ اپنے چچا کو شادی میں شریک ہونے کی دعوت دے اور اپنی بہن سے کہہ دے کہ مجھے ہر طرح تیری خاطر منظور ہے نہ ان کو بلاؤں گا نہ شریک کروں گا اتنا تجھ سے چاہتا ہوں کہ وہ اگر اپنے آپ آجائیں تو اس پر مجھ سے ناراض نہ ہو کیونکہ وہ تیرے اور میرے دونوں کے باپ کی جگہ ہیں غیر آدمی بے بلائے ہوئے آجائیں تو ان کو نکالنا بے تہذیبی ہے نہ کہ باپ کو، غرض جھوٹے سچے فقرے ملا کر دونوں کو راضی کرسکے کرے اور اس پر اجر پائے گا میں ان کو نہ بلاؤں گا۔ مراد یہ رکھے کہ مَیں خود ان کو بلانے نہ جاؤں گا اگرچہ آدمی یا رقعہ بھیجوں، آپ چلے آنے سے یہ مراد رکھے کہ وہ اپنے پاؤں سے چلے آئیں نہ یہ کہ میں اٹھا کر لاؤں، غرض پہلودار بات کہے جھوٹے سچے فقرے سے مراد یہی ہے کہ اس کا ظاہر جھوٹ اور مرادی معنی سچ۔ حدیث میں فرمایا:

ان فی المعاریض لمندوحۃ عن	بیشک اشاروں میں گفتگو کرنے میں سے جھوٹ

الکذب [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	سے آزادی ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۷تا۱۲۰: از آگرہ سید باڑہ عالم گنج مرسلہ تاج محمد صاحب ۱۱شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ زید شخص تارک صوم وصلوٰۃ، غاصب، سخت جابر وظالم زبردست قابو یافتہ ہے وہ چاہے جس کا مال جبراً خرید لیتاہے اور پورا روپیہ نہیں دیتاہے ہزار ہا روپیہ لوگوں کا مار رکھاہے عام لوگ نالاں ہیں اور سخت ظلم یہ ہے کہ جن بندگان خدا کو اپنی مرضی کے خلاف پاتاہے تو اپنے میل کے دس پانچ اشخاص جمع کرکے چاہے جس کا کاروبار بازار نکاح شادی برادری سے خارج کرکے سب بند کردیتاہے کہ جو باعث اشد ایذا رسانی وآبرو ریزی بدنامی تنگی گرسنگی ہتک حرمت کا ہوتاہے چونکہ جس شخص کا جو پیشہ ہوتاہے وہ اپنے گزراوقات اس پیشہ سے کرتاہے جب پیشہ بند ہوجاتاہے تو وہ مظلوم مع اپنے متعلقین کے فاقہ کشی کرکے تباہ وبرباد ہوجاتا ہے حالانکہ تمام برادری کے لوگ اس سے نالاں ہیں لیکن بخوف دم نہیں مارتے خاموش ہیں اس لئے کہ سوال یہ ہے کہ:

(۱) یہ کہ ایسا شخص ظالم جابر جہول بحکم خدا ورسول عزوجل وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس کس سزا کا سزاوار ہے؟

(۲) یہ کہ جابر ظالم کے مددگار انکہ جن کے زور ظلم ظالم کرتاہے کس کس حکم کے لائق ہیں؟

(۳) دیگر اہل برادری ایمان داران کو ظالم جابر کا ناحق ماننا چاہئے یا اس کا حکم بجرم زنا وشراب خوری وجبر و ظلم کے اس کو برادری اسلام سے خارج کرنا اور اس سے سلام میل جول خورد نوش لین دین ترک کرنا واجب تھا یا کیا اور اس کے ساتھی ومددگاران کو ظالم سے توبہ کرکے حقارت واجب ہے یاکیا؟

(۴) جولوگ فتوٰی سن کر عمل نہ کریں ضدوہٹ کریں مظلوم کی دادرسی نہ کریں حکم ظالم کو خدا ورسول پر ترجیح دیں ان کے واسطے کیا حکم ہے؟

الجواب:

(۱) جس شخص میں امور مذکورہ سوال ہوں وہ مستحق عذاب نار وغضب جبار ولعنت پروردگار **والعیاذ باللہ تعالٰی**، وہ اللہ و رسول کو ایذا دیتاہے اور اللہ ورسول کا ایذا دینے والا فلاح نہیں پاتا۔ اللہ عزوجل فرماتاہے:

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الشہادات باب المعاریض الخ دارصادر بیروت ۱۰/ ۱۹۹

"اِنَّ الَّذِیۡنَ فَتَنُوا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَتُوۡبُوۡا فَلَهُمۡ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَ لَهُمۡ عَذَابُ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۰﴾" [1]	بیشک جن لوگوں نے مسلمان مردوں عورتوں کو فتنے میں ڈالا پھر توبہ نہ کی ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے آگ کا عذاب۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی و من اٰذانی فقد اٰذی اللہ [2]۔	جس نے ناحق کسی مسلمان کو ایذا دی بیشک اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾" [3]	سنتا ہے اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ [4]۔	ظلم اندھیریاں ہے قیامت کے دن۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ظلم کے مددگار ظالم ہیں اور اس سے بڑھ کر عذاب وغضب ولعنت کے سزاوار۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ" [5]	تم پر حرام ہے کہ گناہ اور حد سے بڑھنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من مشی مع ظالم لیعینہ و ھو یعلم انہ ظالم فقد خرج من الاسلام	جو دیدہ ودانستہ کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے چلا وہ اسلام سے نکل گیا (اس کو

[1] القرآن الکریم ۸۵/ ۱۰

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف الریاض ۴ /۳۷۳

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[4] صحیح البخاری کتاب المظالم باب الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

[5] القرآن الکریم ۵/ ۲

رواہ الطبرانی[1] فی المعجم الکبیر والضیاء فی صحیح المختارۃ عن اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	طبرانی نے معجم کبیر میں اور ضیاء نے صحیح المختارہ میں اوس بن شرحبیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) ہاں مددگاروں پر فرض ہے کہ توبہ کریں اور اس کی مدد سے جدا ہوں، اللہ عزوجل قرآن کریم میں کسی مسلمان کے ساتھ مسخرگی کرنے، اس پر طعن کرنے، اس کا برا لقب رکھنے سے منع کرکے فرماتا ہے:

"وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾" [2]	جو ان باتوں سے توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

ان باتوں کو افعال مذکورہ سوال سے کیا نسبت، جو ان میں مدد سے توبہ نہ کریں کیسے سخت درجے کے ظالم ہوں گے، اہل برادری یا کسی مسلمان کو ظالم کا حکم اس کے ظلموں میں ماننا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی [3]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں۔

اور ظالم باز نہ آئے تو مسلمانوں کو چاہئے اسے برادری سے نکال دیں اس سے میل جول چھوڑدیں اس کے پاس نہ بیٹھیں کہ اس کی آگ انہیں بھی نہ پھونک دے۔ اور فرماتا ہے اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾" [4]	اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ (ت)

(۴) جو مظلوم کی دادرسی پر قادر ہو اور نہ کرے تو اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اغتیب عندہ اخوہ المسلم فلم ینصرہ وھو یستطیع نصرہ ادرکہ اللہ تعالٰی فی الدنیا والاٰخرۃ۔ رواہ ابن ابی الدنیا	جس کے سامنے مسلمان بھائی کی غیبت کی جائے اور یہ اس کی مدد پر قادر ہو اور نہ کرے اللہ تعالٰی اسے دنیا وآخرت دونوں میں ذلیل کرے گا۔ اس کو

[1] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۶۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۲۳

[4] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

فی ذم الغیبۃ و ابن عدی فی الکامل [1]عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	محدث ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ میں اور ابن عدی نے الکامل میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور حکم سن کر گناہ پر ہٹ کرنا استحقاق عذاب نار ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ "[2]	جب اس سے کہا جائے اللہ سے ڈر تو اسے گناہ کی ضد چڑھے ایسے کو جہنم کافی ہے اور کیا برا ٹھکانا۔

ابلیس کی پیروی سے حکم خدا و رسول پر نہ چلنا اور ظالم کے حکم پر چلنا گناہ ہے کبیرہ ہے استحقاق جہنم ہے مگر کوئی مسلمان کیسا ہی فاسق فاجر ہو یہ خیال نہیں کرتا کہ اللہ ورسول کے حکم پر اس کے حکم کو ترجیح ہے ایسا سمجھے تو آپ ہی کافر ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۱: ازناتھ دوارہ ریاست اودے پور ملک میواڑ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کو قطع رحم اپنی اولاد سے رکھنا اس کی بیماری میں اس کی عیادت ونان نفقہ کی خبر وعلاج ومعالجہ کی تدبیر نہ کرنا اور بعد مرجانے کے سامان تجہیز وتکفین میں شریک نہ ہونا اور کفن وغیرہ غیر شخص کا اللہ نام دینا حتی المقدور اپنے پاس ہوتے ہوئے یہ برتاؤ اپنی اولاد سے کرنا، ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے چونکہ یہ شخص علم فقہ وحدیث سے بھی واقفیت رکھتے ہیں اور پند و وعظ کو بھی لوگوں کو کہا کرتے ہیں مگر اپنا عمل خلاف شرع آتا ہے یسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ اس کا جواب باصواب مع حدیث فقہ وآیت کلام کے تحریر فرمائیں خدا تعالٰی آپ کو اجر عظیم عطا فرجائے گا۔

الجواب:

اگر اس کا نفقہ شرعًا باپ پر لازم تھا مثلًا نابالغ بچہ یا لڑکی جس کی شادی نہ ہوئی یا جوان لڑکا کہ کچھ کمانے پر قادر نہیں اس کو نفقہ نہ دیا تو سخت شدید گناہ میں مبتلا ہے، اور اگر شرعًا اس کا نفقہ باپ پر

---

[1] ذم الغیبۃ مع موسوعہ رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۱۰۸ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ ۲ /۱۰۰، الکامل لابن عدی ترجمہ ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱ /۳۷۷، المطالب العالیۃ باب الزجر عن الاستطاعۃ فی غرض العلم حدیث ۲۷۰۶ عباس احمد البانی مکۃ المکرمۃ ۳ /۲

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۰۶

نہ تھا مثلاً لڑکی کہ شوہر والی یا جوان لڑکا کمائی پر قادر ہے تو اسے نفقہ نہ دینے میں کچھ گناہ نہیں اور علاج و دوا تو کسی پر واجب نہیں خود اپنی واجب نہیں اور اولاد اگر عقوق کرے اور باز نہ آئے یا معاذاللہ بدمذہب ہو جائے اور باپ اسے چھوڑدے تو یہ قطع رحم اس کی اولاد کی طرف سے ہے باپ کی طرف سے نہیں، وبال اولاد پر ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ایک لفظ کے سبب اپنے ایک صاحبزادے سے عمر بھر کلام نہ فرمایا، حضرت مولوی معنوی قدس سرہ شریف کے ایک صاحبزادے نے حضرت شمس تبریز قدس سرہ العزیز کی شان میں گستاخی کی، ان کے مرنے پر مولوی بیٹے کے جنازے میں شریک نہ ہوئے۔ ہاں اگر اولاد کا قصور نہیں تو باپ پر قطع رحم کا وبال عظیم ہے، کفن نہ دینے کی وہی دو صورتیں ہیں جو نفقہ میں تھیں، اگر اس کا نفقہ باپ پر تھا اور اس نے کفن نہ دیا گناہگار ہوا اور نہ تھا تو کفن نہ دینے کا کچھ الزام نہیں۔

مسئلہ ۱۲۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی چھدہ کی بیوی کو اس کے خسر نے روک رکھا ہے اور باوجود تمام اہل محلّہ کے کہنے پر اور خدا اور سول کا واسطہ دینے پر بھی روانہ نہیں کرتا اور تمام اہل محلّہ نے اس امر کا بھی اطمینان دلایا کہ تیری بیٹی کو اگر کسی قسم کی تکلیف ہوگی تو اہل محلّہ ذمہ دار ہیں۔ پس جو شخص اہل محلّہ کے کہنے کو اور خدا اور سول کا واسطہ دینے کو نہ مانے اس کے بارے میں شریعت نبوی کا کیا حکم ہے آیا اس سے تمامی کا میل جول جائز ہے یا ناجائز؟ صاف ارشاد فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل کوئی وجہ نہیں لکھتا کہ اس نے کیوں روک رکھا، اگر واقع میں اس کی کوئی وجہ شرع ہو تو اس پر کچھ الزام نہیں، نہ محلّہ والوں کی ضمانت ماننا اسے ضرور، اور واسطہ ان باتوں میں ہوتا ہے جن میں ضرر نہ ہو اور دوسرے کی ضرر کی بات پر واسطہ دیا جائے تو وہ واسطہ دینے والا گنہگار ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی وجہ شرعی روکنے کی نہیں ہے محض بلاوجہ روکا تو وہ روکنا ہی ظلم، پھر وہ واسطہ نہ ماننا دوسرا ظلم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۳: از شہر محلّہ گلاب نگر مسئولہ خدابخش صاحب رضوی صندوق ساز ۲۸ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص زید کو تکلیف دیتا رہتا ہے اور تکلیف دینے پر آمادہ ہے ہر طریق سے تعویذ یا جادو وغیرہا سے، اور زید اب تک خاموش ہے اور سب تکالیف سہہ رہا ہے، ایک دو شخص سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اب جان لینے پر آمادہ ہے، قصہ یہ ہے کہ زید کا مکان ہے وہ یہ کہتا ہے کہ مکان مجھ کو مل جائے اور اس کی دلی منشا یہی ہے۔ زید کا ذاتی مکان ہے بلاوجہ مانگتا ہے

اب زید متحمل نہیں ہو سکا اب زید بھی یہ چاہتا ہے کہ میں ہر طریق سے اس کو تکلیف رسا ہوں شریعت کہاں تک حکم دیتی ہے؟

الجواب:

ایذا رسانی کے ارادے پر ایذا نہیں دے سکتا اپنے بچاؤ کی تدبیر کرسکتا ہے جب تک کہ اس کا عزم ایسا نہ ثابت ہو کہ بے ایذا دئے اپنا بچاؤ نہ ہوسکے گا تو اس وقت صرف اتنی بات جس میں اپنا بچاؤ ہوسکے کرسکتا ہے اور جو ایذا اس نے پہنچائی ہے اس کا عوض اتنا ہی لے سکتا ہے اس سے زیادہ کرے تو اس کا ظلم ہوگا اور اگر صبر کرے تو بہت بہتر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

جھوٹ وغیبت وبدعہدی وغیرہ

مسئلہ ۱۲۴: ۲۰ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید اور عمرو نے مال بشراکت خرید کیا پھر زید نے عمرو سے کہا تم اس کو لو یا مجھے دو۔ زید نے نفع دے کر لے لیا، عمرو سے۔ عمرو نے پھر کہا زید سے، تم نے بدعہدی کی یعنی شرکت نہیں کی۔ آیا یہ بدعہدی ہے یانہیں؟

الجواب:

جبکہ عمرو خود قطع شرکت پر راضی ہوگیا اور نفع لے کر مال دے دیا تو زید کے ذمہ کوئی الزام بدعہدی کا نہیں بلکہ جو شخص کسی سے ایک امر کا وعدہ کرے اور اس وقت اس کی نیت میں فریب نہ ہو بعد کو اس میں کوئی حرج ظاہر ہو اور اس وجہ سے اس امر کو ترک کرے تو اس پر بھی خلاف وعدہ کا الزام نہیں، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیته ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیته ان لایفی۔	یہ بدعہدی نہیں کہ آدمی (کسی شخص سے) وعہد کرے اور نیت اسے پورا کرنے کی ہو اور پورا نہ کرسکے، بلکہ بدعہدی یہ ہے کہ آدمی وعدہ کرے اور اسے پورا کرنے کا سرے سے ارادہ ہی نہ ہو۔

رواہ ابو یعلٰی[1] مسندہ عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(ابویعلٰی نے اپنی مسند میں سند حسن کے ساتھ زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از شہر کہنہ مرسلہ برکت اللہ خاں صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وہادیان متین اس مسئلہ میں کہ زید کے حقیت تعدادی ۳بسوہ جس کی قیمت تخمیناً دوہزار روپے کے تھی بعوض مبلغ دوسوبیس روپیہ بابت قرضہ بقال خود ذمہ زید تھانیلام ہوئی چونکہ بکرایک زبردست اور متمول تھا اس نے بلااطلاع زید کے نیلام حسب قاعدہ انگریزی خرید لیازید کو بسبب خوف آبرو قوت مقابلہ نہ تھی اور بکر نے بزعم زبردستی بجز اس قبضے کے جواز روئے نیلام حاصل ہواتھااور کوئی کارروائی مثل داخل خارج وغیرہ نہ کرائی اس لئے نام زید کاکاغذات انگریزی میں بدستور رہے، پس اس صورت میں زید کو اپنے قبضہ کی چارہ جوئی بمقتضائے مصلحت ازروئے دروغ گوئی کہ جس سے زید کو اپنا حق پانے کی قوی امید ہے یانہیں؟ دوسرے یہ کہ زید کو زر نیلام اس وقت بکر کو دینا چاہئے یاجوکچھ بکر نے اس وقت اس جائداد سے تحصیل کیاہے اس میں محسوب ہوناچاہئے، **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اپنا حق مردہ زندہ کرنے کے لئے پہلودار بات کہنا کہ جس کاظاہر دروغ ہو اور واقعی میں اس کے سچے معنے مراد ہوں اگرچہ سننے والا کچھ سمجھے بلاشبہہ باتفاق علمائے دین جائز اور احادیث صحیحہ سے اس کا جواز ثابت ہے جبکہ وہ حق بے اس طریقے کے ملنا میسر نہ ہو، ورنہ یہ بھی جائز نہیں، پہلودار بات یوں کہ مثلاً ظالم نے ظلماً اس کی کسی چیز پر قبضہ مخالفانہ اس مدت تک رکھا جس کے باعث انگریزی قانون میں تمادی عارض ہو کر حق ناحق ہوجاتاہے مگر مخالف کے پاس اپنے قبضہ کاکاغذی ثبوت نہیں اس کے بیان پر رکھاگیا، اگر یہ اقرار کئے دیتاہے کہ واقعی مثلاً بارہ برس سے میرا قبضہ نہیں توحق جاتااور ظالم فتح پاتا ہے، لہٰذا یوں کہنے کی اجازت ہے کہ ہاں میرا قبضہ رہاہے یعنی زمانہ گزشتہ میں، اور زیادہ تصریح چاہی جائے تویوں کہہ سکتاہے کہ "آج تک میرا قبضہ چلاآیا" اور نیت میں لفظ "آیا" کو کلمہ استفہام لے جیسے کہتے ہیں آیا یہ بات حق ہے یعنی کیایہ بات حق ہے، تواستفہام انکاری کے طور پر اس کلمے کا یہ مطلب ہوا کہ کیا آج تک میرا قبضہ چلایعنی ایسانہ ہوابلکہ میرا قبضہ منقطع ہو کر مخالف کاقبضہ چلا یعنی ایسانہ ہوابلکہ میرا قبضہ منقطع ہوکر مخالف کاقبضہ ہوگیا، یایوں کہے "کل تک برابر میرا قبضہ رہاآج کاحال نہیں

[1] کنزالعمال بحوالہ ع عن زیدبن ارقم حدیث ۱۷۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳ /۳۴۷

معلوم کہ کچہری کیا حکم دے"۔اور لفظ "کل" سے زمانہ قریب مراد لے جیسے نوجوان لڑکے کو کہتے ہیں کل کا بچہ، حالانکہ اس کی عمر بیس بائیس سال کی ہے،اس معنی پر قیامت کو "روز فردا" کہتے ہیں کل آنے والی ہے یعنی بہت نزدیک ہے۔ یا مخالف کے قبضے کی نسبت سوال ہو تو کہے "اس کا قبضہ کبھی نہ تھا" یا" کبھی نہ ہوا" اور مراد یہ ہے کہ کبھی وہ وقت بھی تھا کہ اس کا قبضہ نہ تھا۔زیادہ تصریح درکار ہو تو کہے "اس کا قبضہ اصلاً کسی وقت ایک آن کو نہ ہوا نہ ہے" اور معنی یہ لے کہ حقیقی قبضہ ہر شے پر اللہ عزوجل کا ہے دوسرے کا قبضہ ہو نہیں سکتا، غرض جو شخص تصرفات الفاظ ومعانی سے آگاہ ہے سَو پہلے نکال سکتا ہے، مگر ان کا جواز بھی صرف اسی حالت میں ہے جب یہ واقعی مظلوم ہے اور بغیر ایسی پہلودار بات کے ظلم سے نجات نہیں مل سکتی ورنہ اوپر مذکور ہوا کہ یہ بھی ہر گز جائز نہیں۔اب رہی یہ صورت کہ جہاں پہلودار بات سے بھی کام نہ چلے وہاں صریح کذب بھی دفع ظلم واحیائے حق کے لئے جائز ہے اس بارے میں کلمات علماء مختلف ہیں، بہت روایات سے اجازت نکلتی ہے اور بہت اکابر نے منع کی تصریح فرمائی ہے حتی الوسع احتیاط اس سے اجتناب میں ہے اور شاید قول فیصل یہ ہو کہ اس ظلم کی شدت اور کذب کی مصیبت کو عقل سلیم ودین قویم کی میزان میں تولے جدھر کا پلہ غالب پائے اس سے احتراز کرے مثلاً اس کا ذریعہ رزق تمام وکمال کسی ظالم نے چھین لیا اب اگر نہ لے تو یہ اور اس کے اہل وعیال سب فاقے مریں،اور وہ بے کذب صریح نہیں مل سکتا تو اس ناقابل برداشت ظلم اشد کے دفع کو امید ہے کہ غلط بات کہہ دینے کی اجازت ہو اور اگر کسی مالدار شخص کے سَو دوسو روپے کسی نے دبا لئے تو اس کے لئے صریح جھوٹ کی اجازت اسے نہ ہونی چاہئے کہ جھوٹ کا فساد زیادہ ہے اور اتنے ظلم کا تحمل اس مالدار پر ایسا گراں نہیں، حدیث سے ثابت اور فقہ کا قاعدہ مقررہ بلکہ عقل ونقل کا ضابطہ کلیہ ہے کہ **من ابتلی بلیتین اختار اھونھما**[1] **ھذا ماعندی والعلم بالحق عند ربی**۔جو شخص دو بلاؤں میں گرفتار ہو ان میں جو آسان ہے اسے اختیار کرے (یہ وہ کچھ ہے جو میرے پاس تھا اور حق کا پورا پورا علم تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ت) درمختار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه و المراد التعریض لان عین الکذب حرام قال وھو الحق قال تعالٰی "قتل الخرّاصون"	جھوٹ حرام ہے اور یہی حق ہے البتہ اپنے حق کے اظہار اور احیاء کے لئے یا اپنی ذات کو ظلم ونقصان سے بچانے کے لئے جھوٹ سے کام لینا مباح ہے بشرطیکہ جھوٹ بصورت تعریض یعنی اشارہ کنایہ یا ذومعانی الفاظ میں ہو اس لئے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۲۳

الکل عن المجتبٰی وفی الوھبانیة قال وللصلح جاز الکذب اودفع ظالم واھل لترضی والقتال لیظفروا [1]	کہ صریح جھوٹ حرام ہے۔اللہ تعالٰی کاارشاد ہے مارے جائیں اٹکل پچّو سے کام لینے والے۔یہ سب "المجتبٰی" سے منقول ہے،اور وھبانیہ میں فرمایا: صلح یادفع ظلم کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے بیوی کی رضاجوئی کے لئے اور جنگ میں حوصلہ افزائی کے لئے بھی جھوٹ بولنا مباح ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الکذب مباح لاحیاء حقه کالشفیع یعلم بالبیع باللیل فاذا اصبح یشھد ویقول علمت الاٰن وکذا الصغیرة تبلغ فی اللیل و تختار نفسھا من الزوج وتقول رأیت الدم الاٰن واعلم ان الکذب قدیباح وقد یجب والضابط فیه کما فی تبیین المحارم وغیرہ عن الاحیاء ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیه بالصدق والکذب جمیعا فالکذب فیه حرام وان امکن التوصل الیه بالکذب وحدہ فمباح ان ابیح تحصیل ذٰلك المقصود و واجب ان وجب کما لو رأی معصوما اختفی من ظالم یرید قتله اوایذائه فالکذب ھنا	اپنا حق ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولنامباح ہے جیسے شفعہ کرنے والے کو بیع کاعلم رات کو ہوا تھا صبح کے وقت یہ گواہی دے کہ مجھے ابھی ابھی سودے کے بارے میں علم ہوا ہے، اسی طرح نابالغہ لڑکی رات کو بالغ ہوئی اور اس نے شوہر سے صبح یہ کہا کہ میں نے ابھی ابھی خون حیض دیکھا ہے، جان لیجئے کہ جھوٹ کبھی مباح اور کبھی واجب ہوتا ہے اس میں ضابطہ جیسا کہ تبیین المحارم وغیرہ میں احیاء العلوم کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ہراچھا مطلوب کہ جس تک صدق وکذب دونوں سے رسائی ہوسکے تواس صورت میں جھوٹ بولناحرام ہے اور ہراچھا مطلوب جس تک رسائی صرف کذب سے ہو سکے توجھوٹ بولنا مباح ہے جبکہ اس مطلوب کو حاصل کرنا مباح ہو اور اگر مطلوب حاصل کرنا واجب ہو تو پھر جھوٹ بولنا واجب ہے جیسا کہ بے گناہ(معصوم) کودیکھے جو کسی ایسے ظالم سے روپوش ہو رہاہے جو اسے مارڈالنے یا ایذا پہنچانے کا ارادہ رکھتاہو توایسی صورت میں

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

واجب وکذالوسأله عن ودیعة یرید اخذها یجب انکارها ومهما کان لایتم مقصود حرب اواصلاح ذات البین اواستمالة قلب المجنی علیه الابالکذب فیباح ولو سأله سلطان عن فاحشة وقعت منه سرا کزنا اوشرب فله ان یقول مافعلته لان اظهارها فاحشة اخری وله ایضا ان ینکر سراخیه وینبغی ان یقابل مفسدة الکذب المفسدة المترتبة علی الصدق فان کانت مفسدة الصدق اشد فله الکذب وان بالعکس اوشك حرم وان تعلق بنفسه استحب ان لایکذب وان تعلق بغیره لم تجزالمسامحة بحق غیره والحزم ترکه حیث ابیح [1]۔	(اس مظلوم کو بچانے کے لئے) جھوٹ بولنااور یہ کہنا کہ میں نے اسے نہیں دیکھا یا مجھے اس کے بارے میں کوئی علم نہیں، واجب ہے۔اس طرح اگر کوئی ظالم کسی کی امانت کے متعلق پوچھے جس کے لینے کا وہ ارادہ رکھتا ہو تو اس امانت کے بارے میں لاعلمی کا اظہار اور انکار کردینا ضروری یعنی واجب ہے حاصل یہ کہ جب کوئی مقصود و مطلوب بغیر جھوٹ کہے پورانہ ہو اس صورت میں جھوٹ بولنا مباح ہے خواہ اس کا تعلق جنگ سے ہو یا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے سے ہو یا جس کا نقصان ہوا ہو اس کی دلجوئی کے لئے ہو اور اگر بادشاہ وقت اس سے ایسے گناہ کے بارے میں دریافت کرے جواس سے ایسے گناہ کے بارے میں دریافت کرے جواس سے درپردہ سرزد ہوا ہو جیسے بدکاری۔شراب نوشی وغیرہ تو اس کے لئے رواہ ہے کہ صاف کہہ دے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا کیونکہ اس کاظاہر کرنا دوسرا گناہ ہے اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ کسی اور مسلمان بھائی کے بارے میں دریافت کئے پر بھائی کا بھید ظاہر کرنے سے انکار کردے،اور مناسب ہے کہ آدمی جھوٹ کے فساد کا سچائی کے نتیجے سے تقابل کرے۔اگر سچائی سے فساد کا اندیشہ ہو تو جھوٹ کہنا حرام ہے اور اگر اس کا تعلق اس کی اپنی ذات سے ہو تو جھوٹ نہ بولنا مستحب ہے،اور اگر کسی دوسرے سے تعلق ہو تودوسرے کے حق میں چشم پوشی سے کام لینا یا صرف نظر کرنا جائز نہیں ہے اور ہوشیاری چشم پوشی نہ کرنے میں ہے کیونکہ یہ مباح ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲۶: از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ شیر محمد خاں صاحب ۵/ شعبان ۱۳۲۹ھ

کسی امر کا وعدہ مستحکم حلف شرعی محمدیہ سے کرے اس کے خلاف کرنا کیسا ہے؟

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۷۴

الجواب:

اگر وہ امر واجب وفرض تھا تو اس وعدہ کا خلاف کرنا حرام وناجائز ہے اور اگر وہ امر ناجائز وحرام تھا جیسے کسی نے شراب پینے کا بحلف مستحکم وعدہ بحلف کیا تو اس کا خلاف کرنا فرض وواجب ہے اور اگر وہ مباح امر تھا اور کوئی عذر پیش آیا تو خلاف وعدہ جائز ہے اور بلاعذر ناپسند ہے ہاں وعدہ کرتے وقت ہی دل میں تھا کہ پورا نہ کرے گا تو ایسا وعدہ کرنا بھی حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیّتہ ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان لایفی۔ رواہ ابو یعلٰی[1] فی مسندہ عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کہ آدمی کسی سے وعدہ کرے اور اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ اسے پورا کرے، لیکن خلاف ورزی یہ ہے کہ آدمی کسی سے وعدہ کرے اور نیت یہ ہے کہ وہ اسے پورا نہ کرے گا۔ اس کو ابویعلٰی نے اپنی مسند میں زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے بسند حسن اس کو روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ اچھی طرح جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۲۷: خود جھوٹ بولنا اور دوسرے شخص کو مجبور کرکے جھوٹ بلوانا کیسا گناہ ہے؟

الجواب:

بلاضرورت شرعی جھوٹ بولنا اور بلوانا کبیرہ گناہ ہے،

قال اللہ تعالٰی "قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ﴿۱۰﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: مارے جائیں وہ لوگ جو اٹکل پچّو سے باتیں بنانے والے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۸: مسئولہ محمد قاسم کھوکھر از دہاموکی تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ پنجاب بروز دوشنبہ بتاریخ ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے احناف رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کہ جو مقتدی اپنے امام کی نیک نامی کو گزند پہنچانے کی غرض سے بچشم حقارت عوام الناس میں اس کی توہین وہجو کرے حالانکہ اس کو سابقہ کئی

[1] کنزالعمال برمز ع عن زید بن ارقم حدیث ۶۸۷۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳ /۳۴۷

[2] القرآن الکریم ۵۱ /۱۰

دفعہ فہمائش بھی کی گئی ہے مگر وہ اپنے ارادہ سے باز نہیں آتا ہے ایسے شخص کے حق میں از روئے شرع شریف بطور تنبیہ سوائے توبہ کے کچھ کفارہ لازم ہے اگر ہے تو کیا اور کس قدر۔ سابقہ ازیں اس شخص نے ایک شرعی معاملہ میں ناجائز امداد دینے پر کفارہ بھی ادا کیا ہوا ہے، جواب اس کا تفصیل مع اپنے دستخط و مہر ثبت تحریر فرمادیں اللہ تعالٰی آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ والسلام

الجواب:

جو الزام وہ امام پر رکھتا ہے اگر جھوٹا ہے تو مفتری اور سخت عذاب کا مستحق صحیح حدیث میں ہے جو کسی مسلمان پر جھوٹا الزام رکھے وہ سخت بدبو اور سخت گرم پیپ جو دوزخیوں کے بدن سے بہہ کر مثل دریا کے ہوجائے گا اس میں ڈالا جائے گا اور حکم دیا جائے گا کہ اسی میں رہ جب تک کہ اپنے کہے ہوئے کا ثبوت نہ دے دے اور کہاں سے دے سکے گا جبکہ جھوٹی بات ہے اور اگر الزام سچا ہے مگر امام ہیں وہ عیب خفیہ ہے جسے وہ چھپاتا ہے اور ظاہر نہیں کرنا چاہتا یہ اس پر مطلع ہوگیا اور اسے شائع کرتا ہے تو تین گناہوں کا مرتکب ہے اشاعت فاحشہ ایک اور امام کے پس پشت کہا تو غیبت جسے صحیح حدیث میں فرمایا:

الغیبۃ اشدّ من الزنا[1]۔	غیبت زنا سے سخت تر ہے۔

اور جو امام کے بر رد کہا تو یہ ایذائے مسلم ہے اور صحیح حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلما فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔ رواہ الطبرانی[2] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی (طبرانی نے اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اسے روایت کیا۔ت)

اس پر توبہ فرض ہے اور امام سے معافی چاہنا اور اسے راضی کرنا بھی کہ حق العبد ہے مگر سوا کوئی مالی کفارہ وغیرہ کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۹: از ضلع خاندیس محلّہ ستارہ مسئولہ حافظ ایس محبوب بھوساول ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

زید ایک دوسرے کی غیبت کرے تو اس کو کیا کرنا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] شعب الایمان حدیث ۶۷۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۳۰۶، مجمع الزوائد باب ماجاء فی الغیبۃ الخ دار الکتاب بیروت ۸ /۹۱

[2] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴ /۳۷۳

الجواب:

غیبت حرام ہے مگر مواضع استثناء میں، مثلاً فاسق کی غیبت اس کے فسق میں جائز ہے، حدیث میں فرمایا: لاغیبة لفاسق[1] (اگر فاسق کی غیبت کی جائے تو وہ غیبت نہیں۔ت) اور بدمذہب کی برائیاں بیان کرنا بہت ضرور ہے حدیث میں ہے:

اترعوون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا الفاجر بمافیه یحذره الناس[2]	کیاتم بدکار کاذکر کرنے سے گھبراتے ہو تو پھر کب لوگ اسے پہچانیں گے، للذا بدکار میں جو کچھ نقائص اور خرابیاں ہیں انہیں بیان کروتاکہ لوگ اس سے بچیں۔(ت)

ہاں جس کی غیبت جائز نہیں وہ سخت کبیرہ، حدیث میں فرمایا: الغیبة اشد من الزنا[3] (غیبت زنا کرنے سے بدتر ہے۔ ت) اسے سمجھانا چاہئے توبہ لینا چاہئے، نہ مانے تو اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۳۰۸۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۳۳۴

[2] تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۹ محمد بن احمد الرواطی دار الکتاب العربی بیروت ۱ /۳۸۲، نوادر الاصول للترمذی الاصل السادس والستون والمائۃ دار صادر بیروت ص ۲۱۳

[3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب حفظ اللسان والغیبۃ الفصل الثالث مجتبائی دہلی ص ۴۱۵، شعب الایمان حدیث ۶۷۴۱ و ۶۷۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۳۰۶

دعوٰی وقضاء وشہادۃ

مسئلہ ۱۳۰تا۱۳۵: ازمارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ صاحبزادہ گرامی قدر مولوی سید محمد میاں صاحب زیدت برکاتہم ۳صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیاحکم ہے بروئے شرع مطہر مطابق مذہب حنفی مسائل ذیل میں:

(۱) وہ کچہریاں اور وہ حکام جو اپنے فیصلوں اور کاروائی متعلقہ مثل گواہی گواہان وغیرہ میں پابندی شریعت محمدیہ ملحوظ نہیں رکھتے بلکہ خود ساختہ قواعد پر عمل درآمد کرتے ہیں اگراتفاق سے کوئی امر شریعت حقہ کے مطابق ہوجائے یہ اور بات ہے ایسی کچہریوں اورایسے حکاموں کو بالخصوص جبکہ وہ کفار کی ہوں اور وہ حاکم بھی کفار سے ہو عدالت اور حاکم کو عادل یامنصف اور ان کارروائیوں کو فیصلوں کو عادلانہ اور منصفانہ کہنا آیا یہ شرعاً کفر ہے یاکیا؟

(۲) بیان دعوی وجواب وامثالہا جن میں آج کل کے پیروکار وکلا قانونی اپنے حسب عادت ایسے الفاظ استعمال کرتے اور پھر ان کی تصدیق وتسلیم فریقین سے ایسے الفاظ سے کراتے ہیں کہ یہ عرضی دعوی وغیرہ ہم کو تسلیم اور ہمارے نزدیک اور علم میں کل مضمون مندرجہ عرضی دعوی ہذا صحیح ہے بلکہ بعض دفعہ لفظ لفظ صحیح کہلواتے لکھاتے ہیں اب بعض فریقین تو وہ ہیں جو ان الفاظ کی موجودگی پر مطلع پھر ان کو سن بھی لیاہو جب بھی توجہ ان کی نفس مطلب سے زائد ہونے کی وجہ سے ان پر کچھ لحاظ نہیں کرتے غافلانہ کبھی عرضی دعوی وغیرہ کو تسلیم کرتے ہیں بعض وہ ہیں جو ان الفاظ کو براجانتے تسلیم نہیں کرتے ہیں مگر

چونکہ اب عادت عام ہے لہذا لکھ وہ بھی دیتے ہیں کہ یہ سب عرضی دعوی وغیرہ ہم کو تسلیم ہے یا اور جیسے پیروکار کہتا ہے ویسے بھی لکھ دیتے ہیں اب ان میں سے ہر ہر کا کیا حکم ہے اگر فریق آخر الذکر لفظ سب بلکہ تاکیداً لفظ لفظ بھی تسلیم ہونا لکھ دیں مگر یہ نیت کرے کہ نفس بیان دعوی جو اس عرضی دعوی میں ہے وہ تسلیم ہے، نہ اس کے الفاظ قبیحہ نفس مطلب پر زائد تو کیا حکم ہے؟

(۳) بعض کاغذات ایسے ہوتے ہیں جن میں حکومت کی جانب سے یہ الفاظ لکھے ہوتے ہیں اور ان کی تصدیق وتسلیم منجانب حکومت چاہی جاتی ہے یا فریقین کو اپنے اپنے کاموں میں ان کو جاری کرانے کی ضرورت پڑتی ہے جیسے سمن وغیرہ یا حاکم خود ایسا جملہ کہلواتا ہے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں ایسی حالت میں ان تصدیق کرنے والوں سمن اجرا کرنے والوں اور ان الفاظ کہنے والوں کا کیا حکم ہے اور انہیں کیا زیبا ہے؟

(۴) پیروکار قانونی اپنی بحثوں میں حسب عادت خود بلا اجازت صریح مؤکلان ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور وہ بحث ہر پیروکار کے اپنے کے اپنے مؤکل کے حق میں حاکم کے یہاں مسلمہ مؤکل ہوتی ہے اور اگر مؤکل موجود ہوں تو اس پر ساکت ہی رہتے ہیں تو اگر وہ دل سے ان الفاظ مخصوصہ کو نہ تسلیم کریں یا ان سے غافل رہیں لحاظ ہی نہ کریں اور اصل مطلب کی بحث کو مانیں تو پیروکار کے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے ان پر ان کے سکوت کی وجہ سے کوئی قباحت آتی ہے اگر ہاں تو پیروکار کہنے والے کے برابر یا کم زائد؟

(۵) انگریزی جو کچہری بنام منصفی ہے عام طور پر اس کو منصفی اور اس کے حاکم کو منصف کہتے ہیں اور اس سے مراد وہی مخصوص کچہری اور اس کا حاکم ہوتا ہے انصاف کے اصل معنی سے نیت کا ذہن یہ کہتے وقت خالی ہوتا ہے اس صورت میں یہ اطلاق کیسا ہے؟

(۶) اگر لفظ عدالت سے صرف کچہری حکومت مراد لیا جائے اور عادل منصف سے صرف حاکم تو ان الفاظ کا اطلاق کفار فجّار پر صحیح ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

سلطنت اگرچہ اسلامیہ ہو اور حاکم مسلم بلکہ خود سلطان اسلام اور حکم خلاف ما انزل اللہ کرے اسے عادل کہنے کو ائمہ نے کفر بتایا۔ ہندیہ میں امام علم الہدٰی ابو منصور ماتریدی قدس سرہ، سے ہے:

من قال لسلطان زماننا	جس نے اپنے زمانے کو سلطان کو عادل

عادل فقد کفر[1]۔	کہااس نے کفر کیا۔(ت)

امام ممدوح اپنے وقت کے سلطان اسلام کی نسبت ایسا فرمارہے ہیں ان کے وصال کو ۱۰۰ برس ہوئے، کاغذ دعوی کی تصدیق سے تصدیق مضمون مراد ہوتی ہے اگرچہ یوہیں لکھا ہو کہ لفظ لفظ صحیح ہے اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اس کا کوئی ایجاب یا سلب خلاف واقع نہیں تقویت اطلاقات الفاظ کی طرف اصلاً نظر نہیں ہوتی نہ وہ کسی طرح اس سے مفہوم ہو تو خود ان پر کسی صورت میں کچھ الزام نہیں سوا اس کے کہ سکوت علی المنکر ہوا، وہ وقت قدرت وعدم فتنہ وجہل مرتکب و رجائے اجابت حرام والالا۔ شرط سوم کی مثال یہ ہے مثلاً داڑھی منڈانا، ہر مسلمان جانتا ہے کہ شرعاً حرام ہے، تولازم نہیں کہ یہ داڑھی منڈے سے کہتے پھریئے کہ یہ حرام ہے اسے چھوڑدے، ہاں جواپنے قابو کا ہو اس سے کہنا ضرور ہے، یہی صورت تصدیق کاغذات واجراء میں ہے کہ وہاں بھی تصویب اطلاق لفظ نہ مراد نہ مفہوم اور قدرت علی التغیر معدوم، رہا ایسا جملہ کہلوانا اس سے بھی وہ مضمون ادا کرانا مقصود ہوتا ہے نہ کہ نقل باللفظ تو نقل بالمعنی میں وسعت عظیم جو باوصف قدرت تبدیل لفظ نہ کرے وہ ضرور مخالفت شرع کا مرتکب ہے اور اس لفظ کے لائق حکم شرعی کا مستوجب و مستحق ہوا، پیروکار بھ اصل ادائے مطالب میں اس کا وکیل ہے نہ کہ تعبیر اس سے بطور علم بے ارادہ اصل معنی وضع اول اخلاق اس جرم میں نہیں آسکتا جیسے جار عبد العزی الفاظ محرمہ اپنے اصل معنی سے تجرید کرکے کسی معنی جائز پر محمول بنا کر بولنا بھی بلاضرورت ملجیہ حرام ہے کہ لفظ کا اطلاق ہی حرام تھا وہ موجود ہے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۶: از سہارنپور مدرسہ مخزن العلوم محلّہ لکھی دروازہ مسئولہ محمد اسحٰق و محمود حسن ۲۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی شہر ترک موالات پر باوجود فرض ہونے مسئلہ مذکورہ کے، عامل نہیں، آنریری مجسٹریٹ بھی ہے خلاف شرع انگریز قانون کے مطابق مقدمات فیصل کرتا ہے مسلمانوں کی شکست پر موجودہ زمانے کی جنگ میں اعدائے اسلام کی خوشی کے جلسہ وجلوس میں شریک ہو، بارہ سال سے مجرد ہو باوجود استطاعت نکاح نہ کرے اور سود دیتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی حالت میں اس کو قاضی شہر تسلیم کیا جائے یا نہیں؟ اور اس کے لئے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۸۱

الجواب:

خلاف شرع مقدمہ فیصل کرنا حرام ہے، قرآن عظیم میں اس کے لئے تین لفظ ارشاد ہوئے: فٰسقون، ظٰلمون، کٰفرون۔ اور معاذاللہ شکست اسلام پر اگر دل سے خوشی ہو کفر ورنہ فسق، سود دینا اگر سچی ضرورت و مجبوری وناچاری سے ہے حرج نہیں ورنہ وہ بھی فسق ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے:

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر، اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔

ایسا شخص امام و قاضی بنانے کے لائق نہیں اگرچہ یہاں قاضی شہر نکاح خواں کو کہتے ہیں کہ اس میں اس کی تعظیم ہے، اور فاسق کی تعظیم منع۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لان فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعًا [2]۔	اس لئے کہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے حالانکہ شریعت میں لوگوں پر اس کی توہین واجب ہے (ت)

رہا بارہ برس سے مجرد ہونا یہ کوئی ایسی وجہ نہیں جس پر جزمًا مواخذہ کیا جائے۔ ترک موالات ہر کافر سے مطلقًا فرض ہے اور آج سے نہیں ہمیشہ سے فرض ہے یہود و نصارٰی و مجوس کی طرح بلکہ ان سے بھی زائد ہنود سے بھی اتحاد و موافقت حرام قطعی ہے اور مجرد معاملت جائزہ کسی کافر اصلی سے اصلًا منع نہیں، اس کی تفصیل ہماری کتاب المحجۃ المؤتمنۃ عـــہ میں ہے۔ حکم شرعی کو الٹ دینا اور اسے حکم شرعی ٹھہرانا دوہرا جرم اور سخت ابتداع فی الدین ہے "وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۱۳﴾" [3] (اور اللہ تعالٰی جس کو چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: از یونا در علاقہ پران ملک مالوہ مسئولہ قاسم علی ۱۸ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قاضی تارک نماز پنجگانہ رنڈیوں کو اپنے گھر نچوائیں

عـــہ: کتاب المحجۃ المؤتمنہ فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد ۱۴ صفحہ ۴۱۹ پر مرقوم ہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ باب الربا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷

[2] تبیین الحقاء باب الامامۃ والحدث فی الصلٰوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

لوگوں کو جمع کرکے، گویا اعلان کے ساتھ بلواکے شریک معصیت کریں، کیاایسے کام کی اجازت ہے؟ اور ایسا شخص مسلمانوں کا قاضی ہوسکتاہے یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

شرع مطہر میں ایسے ناپاک کام سخت حرام ہیں اور ایسافاسق فاجر مرتکب کبائر قاضی بنانے کے لائق نہیں، اسے قاضی بنانا حرام ہے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

فان فی تقدیمه تعظیمه وقدوجب علیهم اهانته شرعا[1]۔	چونکہ اس کو آگے کرنے میں اس کی تعظیم ہے جبکہ شریعت میں لوگوں پراس کی توہین وتذلیل واجب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] تبیین الحقائق باب فی الامامة والحدث فی الصلٰوة بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

حسن سلوک وحقوق العباد

ہدایا وتحائف وغیرہ کالین دین

مسئلہ ۱۳۸: ازاٹاوہ مرسلہ مولوی وصی علی صاحب نائب ناظم کلکٹری اٹاوہ ۲ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں، اکثر عورات طوائف اپنے باغ کی پیداواری میں سے کبھی کبھی کچھ ترکاری یاپودینہ یااور پھلوں میں سے اور کبھی شیرینی گلگلے کھچڑاوغیرہ بطورہدیہ وتحفہ کے بھیجا کرتی ہیں ان کالینا عام مسلمانوں کو یااس کے طبیب معالج کوشرعاً کیاحکم رکھتاہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

رنڈیوں کے مال پانچ قسم ہیں:

ایک وہ چیز جوانہیں کسی فعل حرام مثلاً زنا یاغنا یارقص کی اجرت یاآشنائی کی رشوت میں دی گئی یہ نقد ہو یاجنس مطلقاً حرام، اور حکم مغصوبہ میں ہے کہ وہ خود اس کی مالک نہیں ہوتیں **کمانص علیه فی الهندیة ودرالمختار وغیرهما** (جیسا کہ فتاوٰی ہندیہ اور درمختار وغیرہ میں صراحتاً فرمایا گیاہے۔ت)

دوسرے وہ چیز جوانہوں نے اس جنس حرام سے حاصل کی مثلاً کسی نے اجرت یارشوت مذکورہ میں کچھ تھان گلبدن کے دیئے رنڈی نے انہیں بیچ کر روپیہ حاصل کیااُن تھانوں سے ناچ وغیرہ خرید کیایہ

بھی مطلقاً حرام ہے فان الحرام اذاکان البدل ایضا (کیونکہ جب حرام کابدل ہو تو وہ بدل بھی حرام ہے۔ت)

۳ تیسرے وہ چیز جوانہوں نے اسی نقد حرام کے بدلے یوں حاصل کی کہ اس کے نقد پر عقد واقع ہوا اور وہی ادا کیا مثلاً جو روپیہ رنڈی کو رشوت یا اجرت میں ملا یا رشوت واجرت میں ملے ہوئے مثلاً تھانوں کو بیچ کر حاصل کیا اس نے بائع کو وہی روپیہ دکھا کر کہا کہ اس کے عوض شیرینی یاگیہوں یا گوشت یافلاں شیئ کی تخم یا درخت کی قلم دے دے یا روپیہ اس کے سامنے ڈال دیا کہ فلاں فلاں چیز دے اس نے دیں اس نے وہی زرِ حرام ثمن دے دیا اس صورت میں بھی جو کچھ حاصل کیا مذہب صحیح پر سب حرام وغصب ہے،

وقول من قال بحله لعدم تعلق العقد بینه بل مثله لعدم تعینه وان کان قیاسا لکنه خلاف الاستحسان کما افادہ فی الفتح۔	اور جس نے اس کے حال ہونے کی بات کی اس لئے کہ عین شیئ کے ساتھ عقد متعلق نہیں بلکہ مثل غیر متعین کے ساتھ متعلق ہے اگرچہ قیاس کا تقاضا یہی ہے لیکن خلاف استحسان ہونے کی وجہ سے حرام ہے جیسا کہ فتح القدیر میں (محقق ابن ہمام نے) اس کاافادہ دیا (ت)

۴ چوتھی وہ چیز کہ نقد حرام سے خریدی مگر عقد وادا دونوں مال حرام پر جمع نہ ہوئے مثلاً زرِ حرام کہ خود اُجرت ور شوت میں ملایا ایسی جنس جو پائی تھی اسے بیچ کر حاصل کیا وہ روپیہ دکھا کر اس کے عوض دے دے جب اس نے دی ثمن میں حلال روپیہ دیا وہ حرام روپیہ الگ کرلیا یہاں عقد حرام پر ہوا مگر ادا اس سے ادا نہ ہوئی یا بغیر روپیہ دکھائے یا اس کی طرف اشارہ کئے یوں ہی کہا کہ ایک روپیہ کی فلاں شَے دے اس نے دی اب ثمن میں زر حرام دیا کہ یہاں ادا تو اس سے ہوئی مگر عقد اس پر واقع نہ ہوا تھا اس صورت میں علماء مختلف ہیں بہت سے علماء اسے بھی حرام مطلق بتاتے ہیں،

فان الفساد اذاکان لعدم الملک عمل فیما یتعین ومالایتعین اصلا وبدلا علی الاطلاق۔	کیونکہ فساد جب عدم ملکیت کی وجہ سے ہو تو پھر متعین، غیر متعین۔اصل اور بدل سب میں علی الاطلاق کرتا ہے (ت)

اور بہت سے علماء نے امام کرخی رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر فتوی کیا کہ یوں جو چیز مول لے وہ حرام نہیں، نقد حرام کی خباثت اس کے بدل میں جبھی آتی ہے کہ عقد وادا دونوں اس پر مجتمع ہوں۔ تنویر الابصار میں ہے:

به یفتی ومثله فی الذخیرة	اسی قول کے مطابق فتوی دیا گیا اور اسی کی مثل

وغیرها کما فی جامع الرموز وعلیه مشت المتون المعتمدة النقایة والاصلاح والغرر۔	ذخیرہ وغیرہ میں ہے جیسا کہ جامع الرموز میں ہے تمام متون معتبرہ کی یہی روش ہے مثلاً النقایہ، الاصلاح اور الغرر وغیرہ (ت)

[5] **پانچویں** مال مثلاً رنڈی نے کسی سے قرض لیا یا اسے گانے ناچنے زنا وغیرہ محرمات کی اجرت اور آشنائی کی رشوت سے جدا کسی نے ویسے ہی کچھ انعام دیا ہبہ کیا یا سینے پرونے وغیرہا افعال جائزہ کی اُجرت میں لیا کہ یہ سب حلال ہے اواس سے جو کچھ حاصل کیا جائے گا وہ بھی حلال ہے،

فی فتاوی الامام قاضی خان الرجل اذا کان معربا مغنینان ان اعطی بغیر شرط قالوا یباح وان کان یاخذه علی شرط ذو المال علی صاحبه ان کان یعرفه و ان لم یعرفه یتصدق به[1] اه وتفصیل القول فی الحظر من فتاوٰنا۔	فتاوٰی قاضی خان میں ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی مرد گویّا کو بغیر شرط کے کچھ دے دے یا گویّا اس شرط پرلے لے کہ بصورت تعارف اور پہچان کے وہ مال وصول کردہ اصل مالک کو واپس کردے گا اور مالک کا پتا نہ لگ سکنے کی صورت میں وہ مال صدقہ کردے گا اھ اور اس قول کی تفصیل ہمارے فتاوٰی کی بحث حظر میں موجود ہے (ت)

پس اگر معلوم ہو کہ یہ تحفہ جو وہ لائی ہے اگلے تین مالوں سے ہے تو طبیب وغیر طبیب کسی کو لینا جائز نہیں اور اگر معلوم ہو کہ قسم پنجم سے ہے تو سب کو لینا حلال اور قسم چہارم میں لے لے تو گنہگار نہیں، یہ سب اس حال میں ہے کہ تحفہ کا حاصل اس لینے والے کو معلوم ہو کہ کس قسم کا ہے اور بحال عدم علم جب کہ اس کا اکثر مال وجہ حرام سے ہو کہ رنڈیوں میں غالب یہی ہے تو بہت علماء اس کا تحفہ لینا مطلقاً حرام بتاتے ہیں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز وجہ حلال سے ہے مگر اصل مذہب وقول صحیح ومعتمد یہ ہے کہ بحال ناواقفی لینا جائز ہے جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ خاص چیز وجہ حرام سے ہے، محرر مذہب سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی فرماتے ہیں:

به ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینه وهو قول ابی حنیفة	جب تک ہم کسی چیز کو بعینہٖ حرام نہ جانیں تو وہ جائز ہے، ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں، اور یہی

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی تسلیم والتسلیم مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۷۹۴

واصحابه رضی الله تعالٰی عنهم ،ذکره فی الهندیة[1] عن الظهيرية عن ابی اللیث عن محمد رحمه الله تعالٰی۔	قول حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔اس کو ہندیہ میں بحوالہ ظہیریہ اس نے ابواللیث سے اس نے امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا۔(ت)

تاہم شک نہیں کہ اگرچہ فتوٰی جواز ہے تقوٰی احتراز ہے،وقد فصلنا القول فیه فی فتاوٰنا (ہم نے اس کو تفصیل کے ساتھ اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔(ت) واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین حقیقی مادر اور سوتیلی ماں کے حق حقوق کے بارہ میں، حقیقی اور سوتیلی ماں میں اور ان کے حق میں کیافرق ہے؟ سوتیلی ماں کو مثل حقیقی والدہ کے سمجھنا چاہئے یا حفظ مراتب میں دونوں کے کچھ فرق کرنا چاہئے اور کس قدر؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

حقیقی ماں اور سوتیلی کے حقوق میں زمین آسمان کافرق ہے، حقیقی ماں بذات خود مستحق ہر گونہ خدمت وادب وتعظیم واطاعت کی ہے اور اسے ایذادینی معاذاللہ ورسول کو ایذادینی ہے،اور سوتیلی ماں کا اپنا ذاتی کوئی حق نہیں جو کچھ ہے باپ کے ذریعہ سے ہے یعنی وہ بات نہ ہو جس میں باپ کو ایذاء ہو کہ باپ کی ایذاء اللہ ورسول کی ایذاء ہے جل جلالہ،وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۰: از نجیب آباد ضلع بجنور مسئولہ جناب احمد حسین خاں صاحب ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

(۱) مرید کے پیر پر کیا حقوق ہیں؟ **(۲)** پیر کے مرید پر کیا کیا حقوق ہیں؟

الجواب:

(۱) مرید کا پیر پر حق یہ ہے کہ اسے مثل اپنی اولاد کے جانے،جو بات بری دیکھے اس سے منع کرے،روکے،نیکیوں کی ترغیب دے۔حاضر وغائب اس کی خیر خواہی کرے،اپنی دعا میں اسے شریک کرے،اس کی طرف سے براہ نادانی جو گستاخی بے ادبی واقع ہو اس سے در گزر کرے،اس پر اپنے نفس کے لئے ناراض نہ ہو،اس کی ہدایت کے لئے غصہ ظاہر کرے اور دل میں اس کی بھلائی کا خواستگار رہے،

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراهیة الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۴۲

اس کے مال سے کچھ طلب نہ رہے، تابمقدور اس کی ہر مشکل میں مددگار رہے وغیرہ وغیرہ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) پیر کے حقوق مرید پر شمار سے افزوں ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے، اس کی رضا کو اللہ کی رضا اس کی ناخوشی کو اللہ کی ناخوشی جانے، اسے اپنے حق میں تمام اولیائے زمانہ سے بہتر سمجھے، اگر کوئی نعمت بظاہر دوسرے سے ملے تو اسے بھی پیر ہی کی عطا اور اسی کی نظر توجہ کا صدقہ جانے، مال اولاد جان سب اس پر تصدّق کرنے کو تیار رہے، اس کی جو بات اپنی نظر میں خلاف شرع بلکہ معاذاللہ کبیرہ معلوم ہو اس پر بھی نہ اعتراض کرے، نہ دل میں بدگمانی کو جگہ دے بلکہ یقین جانے کہ میری سمجھ کی غلطی ہے، دوسرے کو اگر آسمان پر اُڑتا دیکھے جب پیر کے سوا دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو سخت آگ جانے، ایک باپ سے دوسرا باپ نہ بنائے، اس کے حضور بات نہ کرے، ہنسنا تو بڑی چیز ہے، اس کے سامنے آنکھ کان دل ہمہ تن اسی کی طرف مصروف رکھے، جو وہ پوچھے نہایت نرم آواز سے بکمال ادب بتا کر جلد خاموش ہو جائے، اس کے کپڑوں، اس کے بیٹھنے کی جگہ، اس کی اولاد، اس کے مکان، اس کے محلّہ، اس کے شہر کی تعظیم کرے۔ جو وہ حکم دے کیوں نہ کہے دیر نہ کرے، سب کاموں پر اسے تقدیم دے، اس کی غیبت میں بھی اس کے بیٹھنے کی جگہ نہ بیٹھے۔ اس کی موت کے بعد بھی اس کی زوجہ سے نکاح نہ کرے، روزانہ اگر وہ زندہ ہے اس کی سلامت وعافیت کی دعا بکثرت کرتا رہے، اور اگر انتقال ہو گیا تو روزانہ اس کے نام پر فاتحہ ودرود کا ثواب پہنچائے۔ اس کے دوست کا دوست، اس کے دشمن کا دشمن رہے۔ غرض اللہ و رسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد اس کے علاقہ کو تمام جہان کے علاقہ پر دل سے ترجیح دے اور اسی پر کاربند رہے وغیرہ وغیرہ۔ جب یہ ایسا ہوگا تو ہر وقت اللہ عزوجل وسید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضرات مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی مدد زندگی میں نزع میں قبر میں حشر میں میزان پر صراط پر حوض پر ہر جگہ اس کے ساتھ رہے گی۔ اس کا پیر اگر خود کچھ نہیں تو اس کا پیر تو کچھ ہے یا پیر کا پیر یہاں تک کہ صاحب سلسلہ حضور پرنور غوث رضی اللہ تعالٰی عنہ پھر یہ سلسلہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ اور ان سے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان سے اللہ رب العلمین تک مسلسل چلا گیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ پیر چاروں شرائط بیعت کا جامع ہو، پھر اس کا حسن اعتقاد سب کچھ پھل لاسکتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۲: از خیر آباد ضلع سیتاپور محلّہ میاں سرائے قدیم مدرسہ عربیہ مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب

تفصیل حقوق اللہ وحقوق العباد کے دیکھنے کی خاص ضرورت درپیش ہے اگر کتب دینیہ میں سے کسی کتاب میں مفصلاً حقوق درج ہوں تو نام کتاب سے مع پتہ باب وفصل مشکور فرمائی جائے ورنہ

ایسی کچھ ہدایت فرمائی جائے جس سے پورے طور پر تفصیل حقوق اللہ وحقوق العبد کی دریافت ہوجائے۔

الجواب:

حقوق اللہ وحقوق العباد بیشمار ہیں بلکہ تمام شریعت مطہرہ بلکہ فقہین اکبر واصغر سب انہیں کی تفصیل میں ہیں تمام علوم دینیہ کا کوئی حکم ان سے باہر نہیں۔ فتاوٰی فقیر میں حقوق الوالدین وحقوق زوجین وحقوق اولاد کا قدرے بیان ہے، کتاب مستطاب احیاء العلوم شریف میں زیادہ تفصیل ہے جلد ثانی کتاب آداب الاخوۃ ملاحظہ ہو۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۳ تا ۱۴۴: مستفسرہ محمد میاں طالب علم بہاری، بریلی محلّہ سوداگران

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں:

(۱) والدین کا حق اولاد بالغ کو تنبیہ خیر واجب ہے یافرض؟ **(۲)** حق والدین اولاد پر کس قدر ہے؟

الجواب:

(۱) جو حکم فعل کا ہے وہی اس پر آگاہی دینی ہے فرض پر فرض، واجب پہ واجب، سنت پہ سنت، مستحب پہ مستحب۔ مگر بشرط بقدرت بقدر قدرت بامید منفعت، ورنہ:

" عَلَیۡکُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ ۚ لَا یَضُرُّکُمۡ مَّنۡ ضَلَّ اِذَا اهۡتَدَیۡتُمۡ ؕ " [1] ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	(لوگو!) اپنی جانوں کی فکر کرو، لہٰذا تمہیں کچھ نقصان نہیں جو بھٹک گیا جبکہ تم ہدایت یافتہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

(۲) اتناہی کہ ادانا ممکن ہے مگر یہ کہ وہ مرجائیں اور یہ ان کو از سرنو زندہ کرسکے تو کرے کہ وہ اس کے وجود کا سبب ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از شہر مدرسہ اہلسنّت وجماعت مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی طالبعلم درجہ اول مدرسہ مذکور ۱۶ ذی القعدہ ۱۳۳۵ھ

اگر شخصے بچہ کودرا تعلیم علم دین نکرد بغیر انگریزی وناگری وعلم خدا و رسول راپچہ نمی داند کہ چہ امرست وچہ نہی الحال	اگر والد نے اپنے بیٹے کو دین اسلام نہ سکھایا، لہٰذا وہ بچہ انگلش اور ناگری کے بغیر اللہ تعالٰی اور اس کے رسول گرامی کے علم کو نہیں جانتا کہ

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

ایں چنیں پدر را بر پسر حق ست یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔	ان کا حکم اور نہی کیا ہے؟ لہٰذا اب اس طرح کے والد کا اپنے بیٹے پر کوئی حق ہے یا نہیں؟ بیان فرماؤ اور اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب:

پدر اگر در حق پسر تقصیر کرد حقوق پدر ذمہ پسر ساقط نتواں شد۔ **واللہ تعالٰی اعلم** اگر والد سے بیٹے کا حق ادا کرنے میں کوتاہی اور قصور ہوگیا (تو اس کے باوجود) وال کے حقوق بحال ہیں وہ بیٹے سے کبھی ساقط (اور معاف) نہیں ہوسکتے۔ اور اللہ تعالٰی سب کچھ بخوبی جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۶ و ۱۴۷: مولوی نذیر احمد صاحب ساکن سموہان پرگنہ نواب گنج بریلی ۷ ۲ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسائل مفصلہ ذیل میں:

(۱) بی بی کے حقوق شوہر پر کیا ہیں؟ **(۲)** شوہر کے حقوق بی بی پر کیا ہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) نفقہ سکنٰی، مہر حسن معاشرت، نیک باتوں اور حیاء وحجاب کی تعلیم وتاکید اور اس کے خلاف سے منع التندید، ہر جائز بات میں اس کی دل جوئی اور مردان خدا کی سنت پر عمل کی توفیق ہو تو ماورائے مناہی شرعیہ میں، اس کی ایذا کا تحمل کمال خیر ہے اگرچہ یہ حق زن نہیں۔

(۲) امور متعلقہ زن شوی میں مطلقاً اس کی اطاعت کہ ان امور میں اس کی اطاعت والدین پر بھی مقدم ہے، اس کے ناموس کی بشدت حفاظت، اس کے مال کی حفاظت، ہر بات میں اس کی خیر خواہی، ہر وقت امور جائز میں اس کی رضا کا طالب رہنا، اسے اپنا مولٰی جاننا، نام لے کر پکارنا، کسی سے اس کی بے جا شکایت نہ کرنا، اور خدا توفیق دے تو بجا سے بھی احتراز کرنا بے اس کی اجازت کے آٹھویں دن سے پہلے والدین یا سال بھر سے پہلے اور محارم کے یہاں جانا وہ ناراض ہو تو اس کی انتہائی خوشامد کرکے اسے منانا اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رکھ کر کہنا کہ یہ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں ہے یہاں تک کہ تم راضی ہو یعنی میں تمہاری مملوکہ ہوں جو چاہو کرو مگر راضی ہوجاؤ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۸و ۱۴۹: از قصبہ حسن پور ضلع مراد آباد تحصیل چنور مرسلہ اشرف علی خاں ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

(۱) ایک شخص کا ایک عورت نا کتخدا سے یعنی بلا نکاحی کنواری عورت سے باہمی محبت تھی کوئی تعلق ناجائز نہ تھا، پھر اس کا نکاح ایک دوسرے مرد سے ہوگیا، بعد نکاح کے پہلے شخص نے اس عورت سے زنا کیا، اس کے شوہر کو معلوم نہ ہوا، کچھ مدت کے بعد زنا کرنے والے شخص نے اس کے شوہر سے اس طرح معافی چاہی کہ میں نے جو کچھ تمہارا گناہ کیا ہے اس کو معاف کرو یا جو کچھ کہا سنا ہے معاف کرو۔ اس نے کہا کہ معاف کیا۔ پھر وہ عورت مر گئی۔ اب آپ یہ فرمایئے گا کہ آیا یہ معافی جو اوپر تحریر ہے کافی ہے یا نہیں؟ اور اگر ناکافی ہے تو کس طرح معافی لینا چاہیئے تاکہ یہ گناہ عظیم اللہ تعالٰی معاف کردے۔

(۲) وہ کون کون سے گناہ ہیں جو اللہ اس وقت معاف کرے گا پیشتر اس کا بندہ جس کے ساتھ گناہ ہوا ہے معاف کرے جیسا کہ شوہر والی عورت کا زنا۔

الجواب:

(۱) یوں کہنا کہ "جو کہا سنا ہے معاف کرو" اصلاً کافی نہیں کہ زنا کہے سنے میں داخل نہیں اور یوں کہنا کہ "میں نے جو تیرا گناہ کیا ہے معاف کردے" یہ اگر ایسی تعمیموں کے ساتھ کہا کہ زنا کو بھی شامل ہوا اور اس نے اسی عموم کے طور پر معاف کیا تو معاف ہوگیا اور اگر اتنی ہی گول مجمل لفظ تھے جس سے اس کا ذہن ایسی بڑی بات کی طرف نہ جاسکے ہلکی باتیں مثلاً برا بھلا کہنا غیبت کرنا یا کچھ مال وبالینا ان کی طرف ذہن جائے تو یہ معافی انہیں باتوں کے لئے خاص رہے گی اور قول اظہر پر زنا کو شامل نہ ہوگی لہٰذا اسے اس سے یوں کہنا چاہیئے کہ دنیا میں ایک مرد دوسرے کا جس جس قسم کا گناہ کرسکتا ہے جسم یا جان یا مال یا آبرو وغیرہ وغیرہ کے متعلق ان سب میں چھوٹے سے چھوٹا یا بڑے سے بڑا جو کچھ بھی مجھ سے تمہارے حق میں واقع ہوا سب لوجہ اللہ معاف کردو، اور اس تعمیم کو خوب اس کے ذہن میں کردے اور اس کے بعد وہ صاف معاف کرے تو امید واثق ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی معاف ہوجائے۔

(۲) تمام حقوق العباد ایسے ہی ہیں کہ جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معافی نہ ہوگی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۰: از ڈاکخانہ چیگانگ محلّہ میدنگ ضلع اکیاب مرسلہ محمد عمر ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک شخص نے ایک غیر عورت سے زنا کیا اور اسی عورت کا والدین اور برادران اور خورداران وغیرہم موجود ہیں اب وہ شخص زناکار اس زانیہ عورت سے معافی لینا چاہتا ہے آیا فقط اس زانیہ سے معافی لینا

چاہئے یا والدین اور برادران اور خورداران سے بھی معافی لینا ضروری ہے اور اگر حقوق العباد معاف ہو تو حقوق اللہ معاف ہوگا یا نہیں؟ یا توبہ استغفار سے ہوگا؟

الجواب:

حقوق اللہ معاف ہونے کی دو صورتیں ہیں:

اوّل: توبہ، قال اللہ تعالٰی:

"ھُوَ الَّذِیۡ یَقۡبَلُ التَّوۡبَۃَ عَنۡ عِبَادِہٖ وَ یَعۡفُوۡا عَنِ السَّیِّاٰتِ"[1]	وہی (اللہ تعالٰی) ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور گناہ معاف کرتا ہے (ت)

دوم عفو الٰہی، قال اللہ تعالٰی:

"فَیَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ"[2]	اللہ تعالٰی جس کو چاہے معاف فرمادے، اور جس کو چاہے سزا دے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾"[3]	یقیناً اللہ تعالٰی سب گناہ بخش دیتا ہے کیونکہ وہی گناہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (ت)

اور حقوق العباد معاف ہونے کی بھی دو[2] صورتیں ہیں:

(۱) جو قابل ادا ہے ادا کرنا ورنہ ان سے معافی چاہنا، صحیح بخاری شریف میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کانت لہ مظلمۃ لاخیہ من عرضہ اوشیئ فلیتحللہ منہ الیوم قبل ان لایکون دینار ولادرھم ان کان لہ عمل صالح اخذ منہ بقدر مظلمۃ وان لم یکن لہ حسنات اخذ من سیئات	جس کے ذمہ اپنے بھائی کا آبرو وغیرہ کسی بات کا مظلمہ ہو اسے لازم ہے کہ یہیں اس سے معافی چاہ لے قبل اس وقت کے آنے کے کہ وہاں نہ روپیہ ہوگا نہ اشرفی، اگر اس کے پاس کچھ نیکیاں ہوں گی تو بقدر اس کے حق کے اس سے لے کر اسے دی جائیں گی ورنہ اس کے گناہ اس پر

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۴

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۵۳

صاحبہ فحمل علیہ[1]۔	رکھے جائیں گے۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ کہ صاحب حق بلامعاوضہ لئے معاف کردے، قال تعالٰی:

"فَاعۡفُوۡا وَاصۡفَحُوۡا"[2]۔	تم دوسروں کو معاف کردو اور ان سے در گزر کرو۔ (ت)

وقال تعالٰی:

"اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَکُمۡ ؕ"[3]	کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالٰی تمہیں بخش دے۔ (ت)

اور بعض طرق جامعہ جن سے حقوق اللہ وحقوق العباد باذن اللہ تعالٰی سب معاف ہوجاتے جن کی تفصیل ہم نے تعلیقات رد المحتار میں ذکر کی۔

منہا شہادۃ البحر، ومنہا قتل الصبر ومنہا الحج المبرور وغیر ذٰلک۔	ان میں سے دریائی شہادت ہے ان میں سے روک کر نشانہ سے مار ڈالنا ہے، اور اُن میں سے حج مقبول، اور اسی نوع کے دوسرے کام ہیں۔ (ت)

عورت اگر معاذاللہ زانیہ ہے یعنی زنا اس کی رضا سے ہوا تو اس میں اس کا کچھ حق نہیں تو اس سے معافی کی حاجت کیا بلکہ خود اوروں کے حق میں گرفتار ہے جبکہ شوہر یا محارم رکھتی ہو زنا کی اطلاع شوہر یا اولیائے زن کو پہنچ گئی تو بلاشبہہ ان سے معافی مانگنا ضرور ہے بے اُن کے معاف کئے معاف نہ ہوگا اور اگر اطلاع نہ پہنچی تو اب بھی ان کا حق متعلق ہوا یا نہیں، درباره غیبت علماء نے تصریح فرمائی کہ متعلق نہ ہوگا اور اس وقت ان سے معافی مانگنے کی حاجت نہیں صرف توبہ واستغفار کافی ہے، شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی قد تکلم الناس فی توبۃ المغتابین ہل تجوز من غیر ان یستحل من صاحبہ قال	فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا لوگوں نے غیبت کرنے والوں کی توبہ کے بارے میں اختلاف کیا ہے، کیا جس کی غیبت کی اس سے معاف کرائے بغیر توبہ کرنی جائز ہے یا نہیں؟

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب من کانت لہ مظلمۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۱

[2] القرآن الکریم ۲/۱۰۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/۲۲

بعضھم لایجوز وھو عندنا علی وجھین احدھما ان کان ذٰلک القول قد بلغ الی الذی اغتابہ فتوبتہ ان یستحل منہ وان لم یبلغ الیہ فلیستغفر اللہ سبحٰنہ ویضمر ان لایعود الی مثلہ[1]۔	بعض نے فرمایا کہ جائز نہیں۔اور اس کی ہمارے نزدیک دوصورتیں ہیں،ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس شخص کی غیبت کی گئی اس کو غیبت کی اطلاع ہوگئی توپھر توبہ کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس سے معاف کرائے اور اگراسے اطلاع نہیں ہوئی تو اس صورت میں صرف اللہ تعالٰی سے معافی مانگے اور اپنے دل میں یہ عہد کرے کہ پھرایسا کبھی نہ کرے گا۔(ت)

درمختار میں ہے:

اذالم تبلغہ یکفیہ الندم[2]۔	اگرغیبت کی اطلاع(جس کی غیبت کی گئی)اس کو نہ ہو تو پھر صرف ندامت کافی ہے۔(ت)

اور دربارہ زنااس کی کوئی تصریح نظر سے نہ گزری،ظاہراًیہاں بھی یہی حکم ہوناچاہئے۔

وقدجاء فی الحدیث الغیبۃ اشد من الزناء[3]۔	حدیث شریف میں آیاہے کہ غیبت زنا(بدکاری) سے بھی بدتر گناہ ہے۔(ت)

مگرازاں جاکہ اس بارے میں کوئی تصریح نظر سے نہ گزری معافی چاہنا مناسب معلوم ہوتاہے کہ اگراس نے معاف کردیا تواطمینان کافی ہے مگر طلب معافی میں نہ توصاف تصریح زناہو کہ شاید اس کے بعد معافی نہ ہوبلکہ ممکن کہ اس سے فتنہ پیداہو اور نہ اتنی ہی اجمالی پرقناعت کی جائے کہ مجھے اپنے سب حق معاف کردے کہ اس میں عنداللہ اُتنے ہی حقوق معاف ہوں گے جہاں تک اس کا خیال پہنچے لہذا تعمیم عام کے الفاظ ہوناچاہئیں جوہرقسم گناہ کویقینا عام بھی ہوجائیں اور وہ تصریح خاص باعث فتنہ بھی نہ ہومثلاً چھوٹے سے چھوٹا بڑے سے بڑا جوگناہ ایک مرددوسرے کا کرسکتاہے جان مال عزت آبرو ہرشَے کے متعلق اس میں سے جوتیرا میں نے گناہ کیاہو سب مجھے معاف کردے۔شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی النوازل رجل لہ علی آخر دین	نوازل میں ہے ایک شخص کادوسرامقروض ہواور

[1] منح الروض الازھر شرح فقہ الاکبر مطلب یجب معرفۃ المکفرات الخ مصطفی البابی مصر ص۱۵۹

[2] درمختار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۱

[3] شعب الایمان حدیث۶۷۴۱و۶۷۴۲ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵ /۳۰۶

وهو لایعلم بجمیع ذٰلک فقال له المدیون ابرأنی مما لک علیّ فقال الدائن ابرأتک قال نصیر، لایبرأ الاعن مقدار مایتوهم ای یظن انه علیه وقال محمد بن سلمة یبرأ عن الکل قال الفقیه ابو اللیث حکم القضاء ماقاله محمد بن سلمة وحکم الاٰخرة ماقاله نصیر وفی القنیة من علیه حقوق فاستحل صاحبها ولم یفصلها فجعله فی حل بعذران علم انه لوفصله یجعله فی حل والا فلا قال بعضهم انه حسن وان روی انه یصیر فی حل مطلقا، وفی الخلاصة رجل قال الآخر حللنی من کل حق هو لک فأبرأه ان کان صاحب الحق عالما به برئ حکماً بالاجماع واما دیانة فعند محمد لایبرأ وعند ابی یوسف یبرأ وعلیه الفتوی اهو فیه انه خلاف ما اختارہ ابو اللیث و لعل قوله مبنی علی التقوٰی[1]۔	وہ اس کی پوری تفصیل نہ جانتا ہو تو مقروض نے قرضخواہ سے کہا جو کچھ بھی تیرا میرے ذمے ہے اس سے میری برات کر دے، اس پر قرض خواہ نے کہا میں نے تیری براءت کر دی۔ امام نصیر نے فرمایا اس کی صرف اتنی ہی مقدار سے برات ہو جائے گی کہ جتنی مقدار کا قرضخواہ کو وہم ہوا ہو کہ اس قدر قرض مقروض پر ہے لیکن محمد بن سلمہ نے فرمایا کہ سب سے اس کی برات ہو جائے گی۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا قضاء میں تو وہی حکم ہے جو کچھ محمد بن سلمہ نے فرمایا لیکن آخرت کا حکم وہ ہے جو کچھ امام نصیر نے فرمایا۔ اور قنیہ میں ہے اگر کسی پر حقوق ہوں اور اس نے صاحب حقوق سے معاف کردینے کی درخواست کی لیکن اُن کی (اس کے آگے) کچھ تفصیل نہ بیان کیا، اور صاحب حقوق نے انہیں معاف کر دیا اس عذر سے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر ان کی اس کے سامنے تفصیل پیش کی جاتی تو وہ لامحالہ معاف کر دیتا تو اس صورت میں وہ معاف ہو جائیں گے ورنہ بصورت دیگر وہ معاف نہ ہوں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ اچھی تفصیل ہے۔ اگرچہ یہ بھی مروی ہے کہ وہ حقوق مطلقاً معاف ہو جائیں گے۔ خلاصہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا کہ تیرا جو بھی میرے ذمّے حق ہے وہ مجھے معاف کر دے یعنی میرے لئے حلال کر دے، تو اس نے برات کر دی، اگر صاحب حق اُن تمام حقوق کا علم رکھتا ہے تو پھر معاف کرانے والا حکماً بالاتفاق بری ہو جائے گا۔ رہا معاملہ دیانت تو اس میں امام محمد علیہ الرحمۃ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر مطلب یجب معرفة المکفرات الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

کے نزدیک بری الذمہ نہ ہوگا لیکن قاضی امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بری الذمہ ہوجائے گا،اور اسی پر فتوٰی ہے اھ۔اور اس میں یہ اشکال ہے کہ یہ صورت اس کے مخالف ہے جو فقیہ ابواللیث سمرقندی نے اختیار کیا،شاید فقیہ موصوف کا قول تقوٰی پر مبنٰی ہو۔(ت)

بالجملہ امر مشکل جو سچے دل سے مولٰی عزوجل کی طرف رجوع لاتا ہے اس کا کرم ضرور اسے قبول فرماتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۱و۱۵۲: از فیض آباد مسجد مغلپورہ مرسلہ شیخ اکبر علی مؤذن و مولوی عبدالعلی **۱۹ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ**

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی سائل کو یا کسی نالشی کو جو ان کے پاس حاضر ہوا معافی مانگی توبہ کی تو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس طرح پیش آئے؟

(۲) کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جو مسافر و مہمان معزز رئیس دنیا جس سے آمدنی ہو ساتھ کھانا کھلایا اور غریبوں پر توجہ نہیں کی،شریعت میں جائز ہے؟

الجواب:

(۱) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کسی سائل کو جس کا سوال ناحق نہ تھا زجر نہ فرمایا،نالشیوں کی ہمیشہ بات سنی،اور اگر حق پر تھا تو داد رسی وفریاد رسی فرمائی،جس نے توبہ کی توبہ قبول فرمائی،جس نے معافی مانگی اسے معافی دی اگرچہ بعض مصلحت دینیہ سے بدیر مگر حدود اللہ میں کہ بعد وجوب حد اس سے درگزر کا حکم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غریب نوازی ہی کو تشریف لائے ہیں،شبانہ روز سرکار سے غریبوں امیروں سب کی پرورش جاری ہے مگر یہ بھی حکم فرمایا ہے:

انزلوا الناس منازلھم [1]۔	لوگوں کو ان کے مراتب و درجات کے مطابق اتارو(یعنی ان کے مقام کے مطابق ان کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کرو)۔(ت)

اور حدیث میں ہے:

اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ [2]۔	جب کسی قوم کا معزز تمہارے یہاں آئے تو اس کی عزت کرو۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب اذا اتاکم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۲

ام المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حضور ایک سائل حاضر ہوا اسے ٹکڑا عطا فرمایا ایک ذی عزت مسافر گھوڑے پر سوار حاضر ہوا اس کی نسبت فرمایا کہ باعزاز اتار کر کھانا کھلایا جائے، سائل کی حاجت اسی قدر تھی اور کسی رئیس کو ٹکڑا دیا جائے تو باعث اس کی سُبکی اور ذلت کا ہو لہذا فرق مراتب ضرور ہے اور اصل مدار نیت پر ہے اگر سائل کو بوجہ اس کے فقر کے ذلیل سمجھے اور غنی کو بوجہ اس کی دنیا کے عزت دار جانے تو سخت بیجا سخت شنیع ہے اور اگر ہر ایک کے ساتھ خلق حسن منظور ہے تو جتنا جس کے حال کے مناسب ہے اس پر عمل ضرور ہے۔ **واللہ تعالیٰ اعلم**

مسئلہ ۱۵۳ و ۱۵۴: از بلرام پور ضلع گونڈہ محلّہ پورینیا تالاب مرسلہ حافظ محمد عین اللہ صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) ایک شخص عالم ہے اور اس کو اہل اسلام اور برادری پیشوا جانتے ہیں اور وہ عیال دار ہے اگر برادری میں شادی نکاح میں نیوتا مروّجہ لے لے اور کھانا بھی کھائے اور اُن کو بطریق نیوتا کچھ نقد دے اور اپنے یہاں کسی لڑکے کی شادی کرے اور برادری کو نیوتا دے کر مدعو کرے تو وہ برادری میں منسلک ہو جائے گا اور علم کے درجہ سے گر جائے گا اور پیشوا نہ رہے گا اور برادری کے ہر معاملہ جائز و ناجائز میں شریک ہونا اور تسلیم کرنا اس پر واجب ہوگا۔

(۲) ایک شخص قناعت گزیں ہے اور بجز فتوح غیب کوئی وجہ معاش نہیں رکھتا اور قوم اس کو پیشوا جانتی ہے اور مد خیرات سے اس کو دیتی ہے اور عیال دار ہے اگر وہ بلااکراہ واجبار مثل مذکورہ رسم نیوتا جاری رکھے تو درجہ توکل سے گر جائے گا اور خیرات وغیرہ سے لینا ناجائز ہوگا اور شرکت برادری ہر خیر و شر میں اس پر واجب ہوگی۔

الجواب:

(۱) جو عالم دین اور پیشوائے مسلمین ہو اسے برادری سے میل جول اور ان کی جائز تقریبوں میں شرکت اور جائز رسموں میں موافقت اور اپنی تقریبوں میں انہیں شریک کرنا ہرگز نہ ممنوع ہے نہ اس کو درجہ سے کچھ کم کردے وہ کہ تمام عالم سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے غلاموں سے ایسے برتاؤ رکھتے۔ ہاں ناجائز تقریبوں میں شریک ہونا، ناجائز رسموں میں ساتھ دینا یہ ضرور ناجائز اور عالم و پیشوا کے لئے سخت تر ناجائز، یہ ضرور درجہ گرادینے والی چیز ہے اور یہ محض غلط ہے کہ برادری سے میل جول ناجائز باتوں میں شرکت پر بھی مجبور کرے گا کیوں مجبور کرے گا جب یہ عالم ہے اور وہ اسے پیشوا مانتے ہیں صاف کہہ دے کہ فلاں بات ناجائز ہے میں اسے نہیں کرسکتا اور تم بھی نہ کرو۔

(۲) شرکت برادری کا جواب اوپر آگیا، اور اگر صاحب نصاب و قادر علی الاکتساب ہے تو اسے اب بھی صدقات واجبہ لینا جائز نہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتحل الصدقة لغنی ولذی مرۃ سوی[1]۔	کسی مالدار کسی تندرست اور طاقتور کے لئے صدقہ وخیرات حلال نہیں۔(ت)

اور نظر مسبّب جل وعلاء پر رکھ کر جائز اسباب رزق کا اختیار کرنا ہرگز منافی توکل نہیں، توکل ترک اسباب کا نام نہیں بلکہ اعتماد علی الاسباب کا ترک ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعقلھا وتوکّل علی اللہ[2]۔	بر توکّل پائے اشتر راببند، واللہ تعالٰی اعلم اونٹ کو باندھ کر اللہ تعالٰی پر بھروسا کیجئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۵۵: از شہر محلّہ چھوٹا دروازہ مسئولہ شیخ نعیم اللہ صاحب چناں میاں ۴ شوال ۱۳۳۸ھ

ذمہ زید حقوق العباد ہوں توان کا کیا کفارہ ہے اور کفارہ نہ ہو تو سبکدوشی کی کیا ضرورت ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جس کا مال دبایا ہے فرض ہے کہ اُتنا مال اسے دے، وہ نہ رہا ہو اس کے وارث کو دے، وہ نہ ہوں فقیر کو دے، بے اس کے سبکدوش نہیں ہوسکتا، اور جسے علاوہ مال کچھ ایذادی ہو یا برا کہا ہو اس سے معافی مانگے یہاں تک کہ وہ معاف کردے، جس طرح ممکن ہو معافی لے، وہ نہ رہا ہو اور تھا مسلمان تو اس کے لئے صدقہ وتلاوت ونوافل کا ثواب پہنچاتا رہے، اور کافر تھا تو کوئی علاج نہیں سوا اس کے کہ اپنے رب کی طرف رجوع اور توبہ واستغفار کرتا رہے وہ مالک و قادر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۶: از شہر محلّہ ذخیرہ مسئولہ منشی شوکت علی صاحب ۲۴ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا ارشاد ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ عورت پر مرد کے اور مرد پر عورت کے کیا کیا حق ہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مرد پر عورت کا حق نان ونفقہ دینا، رہنے کو مکان دینا، مہر وقت پر ادا کرنا، اس کے ساتھ

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۲

[2] جامع الترمذی ابواب القیامۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۴

بھلائی کا برتاؤ رکھنا، اسے خلاف شرع باتوں سے بچانا۔ قال تعالٰی: "وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ"[1] (عورتوں سے اچھی طرح رہنا سہنا کرو۔ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا"[2]	اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔(ت)

اور عورت پر مرد کا حق خاص امور متعلقہ زوجیت میں اللہ ورسول کے بعد تمام حقوق حتی کہ ماں باپ کے حق سے زائد ہے ان امور میں اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے ناموس کی نگہداشت عورت پر فرض اہم ہے، بے اس کے اذن کے محارم کے سوا کہیں نہیں جاسکتی اور محارم کے یہاں بھی ماں باپ کے یہاں ہر آٹھویں دن وہ بھی صبح سے شام تک کے لئے اور بہن، بھائی، چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی کے یہاں سال بھر بعد اور شب کو کہیں نہیں جاسکتی،

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "اگر میں کسی کو غیر خدا کے سجدے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"[3]

اور ایک حدیث میں ہے: "اگر شوہر کے نتھنوں سے خون اور پیپ بہہ کر اس کی ایڑیوں تک جسم بھر گیا ہو اور عورت اپنی زبان سے چاٹ کر اسے صاف کرے تو اس کا حق ادا نہ ہوگا"[4] **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۷: از ریاست بھرت پور شرقی راجپوتانہ ڈیرہ سید بشر الدین احمد عرف سید فقیر احمد صاحب جمعدار ترب پنجم رجمنٹ اول مسئولہ حامد الدین احمد قادری ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ میفرمایند علمائے دین احدی ومفتیان شرع محمدی اندریں مسئلہ کہ اخبار وآثاریکہ	دین الٰہی کے علماء اور شرع محمدی کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ احادیث

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

[3] جامع الترمذی ابواب الرضاء باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۳۸، کنز العمال برمز حم حدیث ۴۴۸۶۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۵۸

[4] مسند امام احمد بن حنبل حدیث معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۳۹، کنز العمال برمز کر حدیث ۴۴۸۶۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۵۵۷

در مواخذہ و تصفیہ حقوق العباد در محشر وارد اند مخصوص بحقوق مومنان بذمہ مومنان ہستند یابعموم بحقوق آدمیان یعنی مؤمن و غیر مومن بذمہ مومن اند۔ بالعموم حقوق مخلوقات بذمہ انسان مؤمن۔ واگر خصمان علاوہ انسان ہم باشند یا انسان زندہ نماندہ باشد یا ازیاد وارفتہ باشد یاقدرت ادائے حقوق نباشد یاگمان عفو از صاحبان حقوق نباشد یاصاحبان حقوق باوجود طلب عفو بحل نسازند۔ پس ازروئے شرع شریف حسب مذہب حنفیّہ ماتریدیہ چارہ برات مؤمن ہست یادخول نارواجب وحرمان نجات لابدست۔ بیّنوا توجروا۔	اور آثار قیامت کے دن حقوق العباد کی صلح وصفائی و گرفت کے بارے میں جو وارد ہیں کیا وہ مومنوں کے حقوق، مومنوں کے ذمے لازم اور مخصوص ہیں یا صرف انسانی حقوق ہیں کہ جس میں مومن اور غیر مومن برابر ہیں۔ البتہ وہ مومنوں کے ذمے لازم ہیں، یاعام طور پر مخلوق الٰہی کے حقوق بندہ مومن کے ذمے لازم ہیں۔ اگرانسان کے علاوہ دوسری مخلوق بھی فریق مخالف ہو، یاانسان زندہ نہ رہے یااس کی یاد سے یہ بات نکل جائے یاحقوق ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا اہل حقوق سے معاف کرنے کی امید نہ ہو یا اہل حقوق معافی طلب کرنے کے باوجود معاف نہ کریں، تو ان تمام صورتوں میں شریعت محمدیہ میں مذہب حنفی ماتریدی کے مطابق مومن کے بری الذمہ ہونے کی کیاصورت ہے، یاآگ میں جانا ضروری اور رہائی پانے سے محروم ہونا لازمی ہے، جو بھی صورت ہو بیان فرماؤاور اجر و ثواب پاؤ۔ (ت)

الجواب:

اخبار وآثار در مطلق حقوق ست مؤمن راباشد یاکافر ذمی را انسان راباشد یاحیوان **وقد نصوا ان خصومۃ الدابۃ اشد من خصومۃ الذمی وخصومۃ الذمی اشد من خصومۃ المسلم کمافی الخانیۃ والدر**[1] **وغیرھما، وباجماع**	اخبار اور آثار مطلق حقوق کے متعلق وارِد ہیں، خواہ مومن ہو یا کافر ذمی، انسان ہو یاحیوان، اس لئے کہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی کہ جانوروں کا جھگڑنا اور فریق مخالف ہونا، ذمی کافر کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے، اور ذمی کی مخالفت مسلمان کی مخالفت سے زیادہ سخت ہے جیسا کہ فتاوٰی قاضیخان اور در مختار وغیرہ میں مذکور ہے۔ اور

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

اہلسنّت ہیچ وعید در حق مسلم قطعی نیست قال اللہ تعالٰی ان اللہ تعالٰی "اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ یَّشَآءُ" [1] انچہ دراشدیت خصومت ذمی گفتہ اند انہ لایرجی منہ العفو فیبقی فی خصومتہ فاقول ای یطول خصومتہ ولیس فیہ ان الوعید ینفذ ولابد حقوق واصحاب ہمہ رامالک حقیقی حضرت حق ست عزجلالہ "یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ" [2] "یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ" [3]۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اہل سنّت کا اتفاق ہے کہ کوئی دھمکی مسلمان کے حق میں قطعی نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالٰی کاارشاد ہے کہ بیشک اللہ تعالٰی اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیاجائے۔ اور اس سے کمتر جس کے لئے چاہیں معاف کر دیتا ہے اور یہ جو وارد ہوا ہے کہ ذمی کی مخالفت زیادہ سخت ہے اس کامطلب یہ ہے کہ اس سے معافی کی امید نہیں۔ پھر وہ اپنی مخالفت میں باقی رہے گا۔ میں کہتاہوں کہ اس کی مخالفت طویل ہوجائے گی اور اس میں یہ نہیں کہ عذاب کی دھمکی ضرور نافذ ہوگی، حقوق واصحاب سب کا حقیقی مالک اللہ تعالٰی ہے کہ جس کی عزت بڑی ہے۔ لہٰذا وہ کرتا ہے جو چاہے۔ اور فیصلہ کرتا ہے جس کاارادہ فرمائے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۸و۱۱۶

[2] القرآن الکریم ۳/ ۴۰و۲۲/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱

رساله
الحقوق لطرح العقوق ۱۳۰۷ھ
(نافرمانی کو ختم کرنے کے لئے حقوق کی تفصیل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ، ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۵۸ تا ۱۶۱: ۱۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل میں:

مسئلہ اولٰی:

پسر نے اپنے باپ کی نافرمانی اختیار کرکے کل جائداد پدر پر قبضہ کرلیا اور باپ کے پاس واسطے اوقات بسری کے کچھ نہ چھوڑا بلکہ درپے تذلیل وتوہین پدر کے ہے اور اللہ جل شانہ، نے واسطے اطاعت پدر کے کلام اپنے میں فرمایا ہے، صورت ہذا میں اس نے خلاف فرمودہ خدا کیا وہ منکر حکم خدا ہوا یا نہیں؟ اور منکر کلام ربانی کے واسطے کیا حکم شرع شریف ہے؟ اور وہ کہاں تک گنہگار ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

پسر مذکور فاسق فاجر مرتکب کبائر عاق ہے اور اسے سخت عذاب وغضب الٰہی کا استحقاق،

باپ کی نافرمانی اللہ جبار وقہار کی نافرمانی ہے اور باپ کی ناراضی اللہ جبار وقہار کی ناراضی ہے، آدمی ماں باپ کو راضی کرے تو وہ اس کے جنت ہیں اور ناراض کرے تو وہی اس کے دوزخ ہیں۔ جب تک باپ کو راضی نہ کرے گا اس کا کوئی فرض، کوئی نفل، کوئی عمل نیک اصلاً قبول نہ ہوگا، عذاب آخرت کے علاوہ دنیا میں ہی جیتے جی سخت بلاء نازل ہوگی مرتے وقت معاذاللہ کلمہ نصیب نہ ہونے کا خوف ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

طاعة الله طاعة الوالد ومعصية الله معصية الوالد۔ رواہ الطبرانی[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ کی اطاعت ہے والد کی اطاعت، اور اللہ کی معصیت ہے والد کی معصیت (طبرانی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد۔ رواہ الترمذی[2] وابن حبان فی صحیحہ والحاکم عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے (ترمذی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

تیسری حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ھما جنتك ونارك۔ رواہ ابن ماجۃ[3] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ماں باپ تیری جنت اور تیری دوزخ ہیں (ابن ماجہ نے ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

چوتھی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الوالد اوسط ابواب الجنة فان شئت فاضع ذٰلك الباب او احفظه۔ رواہ	والد جنت کے سب دروازوں میں بیچ کا دروازہ ہے اب تو چاہے تو اس دروازے کو اپنے ہاتھ

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۲۷۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۳ /۱۳۴

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲ /۱۲

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی دہلی ص ۲۶۹

الترمذی[1] فی صحیحه وابن ماجة وابن حبان عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنه۔	سے کھودے خواہ نگاہ رکھ (ترمذی نے اپنی صحیح میں اور ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابوالدرداء سے اسے روایت کیا۔ت)

پانچویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث و الرجلة من النساء[2]۔ رواہ النسائی والبزار باسناد جید والحاکم عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	تین اشخاص جنت میں نہ جائیں گے: ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا اور دیّوث اور وہ عورت کہ مردانی کرنے والا اور دیّوث اور وہ عورت کہ مردانی وضع بنائے۔ (نسائی اور بزار نے اسناد جید کے ساتھ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

چھٹی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایقبل اللہ عزوجل منهم صرفا ولا عدلا عاق و منان ومکذب بقدر۔ رواہ ابن ابی عاصم فی السنة[3] بسند حسن عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تین شخصوں کا کوئی فرض ونفل اللہ تعالٰی قبول نہیں فرماتا: عاق اور صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور ہر نیکی وبدی کو تقدیر الٰہی سے نہ ماننے والا (ابن ابی عاصم نے السنۃ میں سند حسن کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

ساتویں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل الذنوب یؤخر منها ماشاء الی یوم القیٰمة الاعقوق الوالدین فان اللہ یعجله لصاحبه فی الحیاة قبل الممات	سب گناہوں کی سزا اللہ تعالٰی چاہے تو قیامت کے لئے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کی نافرمانی کہ اس کی سزا جیتے جی پہنچاتا ہے۔

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء من الفضل فی رضا الوالدین امین کمپنی دہلی ۲ /۱۲

[2] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب المنان بما اعطی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ /۳۵۷، المستدرك للحاکم کتاب الایمان ثلاثة لایدخلون الجنة دارالفکر بیروت ۱ /۷۲

[3] العلل المتناہیة باب ذکر القدر والقدریة حدیث ۲۳۹ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱ /۱۵۱، مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر دارالکتب العربی بیروت ۷ /۲۰۶

رواہ الحاکم [1] والاصبھانی والطبرانی عن ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(حاکم اور اصبہانی اور طبرانی نے ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

آٹھویں حدیث میں ہے: ایک جوان نزع میں تھا اسے کلمہ تلقین کرتے تھے، نہ کہا جاتا تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لے گئے اور فرمایا: کہہ لاالٰہ الا اللہ، عرض کی نہیں کہا جاتا، معلوم ہوا کہ ماں ناراض ہے، اسے راضی کیا تو کلمہ زبان سے نکلا۔ رواہ الامام احمد [2] والطبرانی عن عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالٰی عنہ (امام احمد اور طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

مگر ان امور سے وہ عاصی اور اس کا فعل مخالف حکم خدا ہوا، اس کا منکرِ خدا ہونا لازم نہیں آتا جب تک یہ نہ کہے کہ باپ کی اطاعت شرعاً ضروری نہیں یا معاذاللہ باپ کی توہین وتذلیل جائز ہے جو مطلقًا بلاتاویل ایسا اعتقاد رکھتا ہو وہ بے شک منکرالٰہی ہوگا اور اس پر صریح الزام کفر، والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ثانیہ:

سوتی مادر پر تہمت بد طرح طرح کی لگائے اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ اور سوتیلی مادر کا حق پسر علاتی پر ہے یا نہیں؟

الجواب:

حقوق تو مسلمان پر ہر مسلمان رکھتا ہے اور کسی مسلمان کو تہمت لگانی حرام قطعی ہے خصوصًا معاذاللہ اگر تہمت زنا ہو، جس پر قرآن عظیم نے فرمایا:

"یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ" [3]	اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب ایسا نہ کرنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

[1] المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ باب کل الذنوب یؤخر اللہ ماشاء منہا دارالفکر بیروت ۴/ ۱۵۶، کنزالعمال حدیث ۴۵۵۴۵ بیروت والدرالمنثور تحت آیات ۱۷/ ۲۴، ۲۳ و ۴/ ۱۷۴

[2] شعب فـ الایمان حدیث ۷۸۹۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۹۸

فــ: تلاش کے باوجود احمد وطبرانی سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نہیں مل سکی شعب الایمان میں انہی الفاظ سے ملاحظہ ہو۔

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

تہمت زنا لگانے والے کو اسی کوڑے لگتے ہیں اور ہمیشہ کو اس کی گواہی مردود ہوتی ہے اللہ تعالٰی نے اس کا نام فاسق رکھا، یہ سب احکام ہر مسلمان کے معاملے میں ہیں اگرچہ اس سے کوئی رشتہ علاقہ اصلًا نہ ہو، اور سوتیلی ماں تو ایک عظیم وخاص علاقہ اس کے باپ سے رکھتی ہے جس کے باعث اس کی تعظیم وحرمت اس پر بلاشبہہ لازم، اسی حرمت کے باعث رب العزت جل وعلا نے اسے حقیقی ماں کی مثل حرام ابدی کیا۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابر البر صلة الرجل اھل ودابیه۔ رواہ مسلم[1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	بیشک سب نکوکاریوں سے بڑھ کر نکوکاری یہ ہے کہ فرزند اپنے باپ کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے (مسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ماں باپ کے ساتھ نکوکاری کے طریقوں میں یہ بھی شمار فرمایا:

واکرم صدیقهما۔ ابوداؤد[2] ابن ماجة و ابن حبان فی صحاحھم عن مالك بن ربیعة الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ان کے دوست کی عزت کرنا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں مالک بن ربیعۃ الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

باپ کے دوستوں کی نسبت یہ احکام تو اس کی منکوحہ اس کی ناموس کی تعظیم وتکریم کیوں نہ احق وآکد ہوگی خصوصًا جبکہ اس کی ناراضی میں باپ کی ناراضی اللہ تعالٰی کی ناراضی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ثالثہ:

اولاد پر حق پدر زیادہ ہے یا حق مادر؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ، اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

اولاد پر ماں باپ کا حق نہایت عظیم ہے اور ماں کا حق اس سے اعظم، قال اللہ تعالٰی:

---

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب فضل صلة اصدقاء الاب والام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی بر الوالدین آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۴۴، سنن ابن ماجه ابواب الادب باب صل من کان ابوك یصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۶۹

"وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ"[1]	آدمی کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کی، اسے پیٹ میں رکھے رہی اس کی ماں تکلیف سے، اور اسے جنا تکلیف سے، اواس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھٹنا تیس مہینے میں ہے۔

اس آیہ کریمہ میں رب العزت نے ماں باپ دونوں کے حق میں تاکید فرماکر ماں کو پھر خاص الگ کرکے گنا اور اس کی ان سختیوں اور تکلیفوں کو جو اسے حمل وولادت اور دوبرس تک اپنے خون کا عطر پلانے میں پیش آئیں جن کے باعث اس کا حق بہت اشد واعظم ہوگیا شمار فرمایا اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد فرمایا:

"وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ ؕ"[2]	تاکید کی ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے حق میں کہ پیٹ میں رکھا اسے اس کی ماں نے سختی پر سختی اٹھاکر، اور اس کا دودھ چھٹنا دوبرس میں ہے، یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

یہاں ماں باپ کے حق کی کوئی نہایت نہ رکھی کہ انہیں اپنے حق جلیل کے ساتھ شمار کیا، فرماتا ہے: شکر بجالا میرا اور اپنے ماں باپ کا، اللہ اکبر اللہ اکبر وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ دونوں آیتیں اور اسی طرح بہت حدیثیں دلیل ہیں کہ ماں کا حق باپ کے حق سے زائد ہے، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اعظم حقا علی المرأة قال زوجها قلت فای الناس اعظم حقا علی الرجل قال امه۔ رواه البزار بسند حسن والحاکم[3]۔	یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی عورت پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا شوہر کا، میں نے عرض کی اور مرد پر سب سے بڑا حق کس کا ہے، فرمایا اس کی ماں کا۔ (بزار نے بسند حسن اور حاکم نے اسے روایت کیا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

[3] المستدرك للحاکم کتاب البر والصلة اعظم الناس حقا علی الرجل امه دار الفکر بیروت ۴/ ۱۷۵

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

جاء رجل الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من احق الناس بحسن صحابتی قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك۔ رواہ الشیخان [1] فی صحیحھما۔	ایک شخص نے خدمت اقدس حضور پرنور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں حاضر ہوکر عرض کی یارسول اللہ سب سے زیادہ کون اس کا مستحق ہے کہ میں اس کے ساتھ نیک رفاقت کروں، فرمایا تیری ماں، عرض کی پھر، فرمایا تیرا باپ۔ (امام بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا۔ت)

تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بامہ اوصی الرجل بابیہ۔ رواہ الامام احمد وابن ماجۃ والحاکم والبیھقی فی السنن [2] عن ابی سلامۃ۔	میں ایک آدمی کو وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کی ماں کے حق میں، وصیت کرتا ہوں اس کے باپ کے حق میں۔ (امام احمد اور ابن ماجہ اور حاکم اور بیہقی نے سنن میں ابی سلامہ سے اسے روایت کیا۔ت)

مگر اس زیادت کے یہ معنی ہیں کہ خدمت میں دینے میں باپ پر ماں کو ترجیح دے مثلاً سو روپے ہیں اور کوئی خاص وجہ مانع تفصیل مادر نہیں تو باپ کو پچیس ۲۵ دے ماں کو پچھتر ۷۵، یاماں باپ دونوں نے ایک ساتھ پانی مانگا تو پہلے ماں کو پلائے پھر باپ کو، یا دونوں سفر سے آئے ہیں پہلے

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من احق الناس بحسن الصحبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۸۳، صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب بر الوالدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۲

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث خداش ابی سلامہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۳۱۱، سنن ابن ماجہ ابواب الادب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸، المستدرک للحاکم کتاب البر والصلۃ باب بر امك دار الفکر بیروت ۴ /۱۵۰، السنن الکبرٰی کتاب الزکوٰۃ باب الاختیار فی صدقۃ التطوع دار صادر بیروت ۴ /۱۷۹

ماں کے پاؤں دبائے پھر باپ کے، وعلٰی ہذاالقیاس، نہ یہ کہ اگر والدین میں باہم تنازع ہو تو ماں کا ساتھ دے کر معاذاللہ باپ کے درپے ایذا ہو یا اس پر کسی طرح درشتی کرے یا اسے جواب دے یا بے ادبانہ آنکھ ملا کر بات کرے، یہ سب باتیں حرام اور اللہ عزوجل کی معصیت ہیں، نہ ماں کی اطاعت ہے نہ باپ کی، تو اسے ماں باپ میں سے کسی کا ایسا ساتھ دینا ہرگز جائز نہیں، وہ دونوں اس کی جنت ونار ہیں، جسے ایذا دے گا دوزخ کا مستحق ہوگا والعیاذ باللہ، معصیت خالق میں کسی کی اطاعت نہیں، اگر مثلاً ماں چاہتی ہے کہ یہ باپ کو کسی طرح کا آزار پہنچائے اور یہ نہیں مانتا تو وہ ناراض ہوتی ہے، ہونے دے اور ہرگز نہ مانے، ایسے ہی باپ کی طرف سے ماں کے معاملہ میں، ان کی ایسی ناراضیاں کچھ قابل لحاظ نہ ہوں گی کہ یہ ان کی نری زیادتی ہے کہ اس سے اللہ تعالٰی کی نافرمانی چاہتے ہیں بلکہ ہمارے علمائے کرام نے یوں تقسیم فرمائی ہے کہ خدمت میں ماں کو ترجیح ہے جس کی مثالیں ہم لکھ آئے ہیں، اور تعظیم باپ کی زائد ہے کہ وہ اس کی ماں کا بھی حاکم وآقا ہے، عالمگیری میں ہے:

اذا تعذر علیه جمع مراعاة حق الوالدین بان یتأذی احدهما بمراعاة الاٰخر یرجح حق الاب فیما یرجع الی التعظیم والاحترام وحق الام فیما یرجع الی الخدمة والانعام وعن علاء الائمة الحمامی قال مشائخنا رحمهم الله تعالٰی الاب یقدم علی الام فی الاحترام والام فی الخدمة حتی لو دخلا علیه فی البیت یقوم للاب ولو سألا منه ماء ولم یاخذ من یده احدهما فیبدأ بالام کذا فی القنیة[1]. والله سبحٰنه	جب آدمی کے لئے والدین میں سے ہر ایک کے حق کی رعایت مشکل ہو جائے مثلاً ایک کی رعایت سے دوسرے کو تکلیف پہنچتی ہے تو تعظیم واحترام میں والد کے حق کی رعایت کرے اور خدمت میں والدہ کے حق کی۔ علامہ حمامی نے فرمایا ہمارے امام فرماتے ہیں کہ احترام میں باپ مقدم ہے اور خدمت میں والدہ مقدم ہوگی حتی کہ اگر گھر میں دونوں اس کے پاس آئے ہیں تو باپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو، اور اگر دونوں نے اس سے پانی مانگا اور کسی نے اس کے ہاتھ سے پانی نہیں پکڑا تو پہلے والدہ کو پیش کرے، اسی طرح قنیہ میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ

[1] فتاوٰی ہندیہ ہندیة کتاب الکراهیة الباب السادس والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۶۵

وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ احکم۔	وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔(ت)

مسئلہ رابعہ:

مابین زن و شوہر حق زیادہ کس کا ہے اور کہاں تک؟

الجواب:

زن و شوہر میں ہر ایک کے دوسرے پر حقوق کثیرہ واجب ہیں ان میں جو بجانہ لائے گا اپنے گناہ میں گرفتار ہوگا، اگر ایک ادائے حق نہ کرے تو دوسرا اسے دستاویز بنا کر اس کے حق کو ساقط نہیں کرسکتا مگر وہ حقوق کہ دوسرے کے کسی حق پر مبنی ہوں اگر یہ اس کا ایسا حق ترک کرے وہ دوسرا اس کے یہ حقوق کہ اس پر مبنی تھے ترک کرسکتا ہے جیسے عورت کا نان ونفقہ کہ شوہر کے یہاں پابند رہنے کا بدلہ ہے، اگر ناحق اس کے یہاں سے چلی جائے گی جب تک واپس نہ آئے گی کچھ نہ پائے گی، غرض واجب ہونے مطالبہ ہونے، بے وجہ شرعی ادانہ کرنے سے گنہگار ہونے میں تو حقوق زن و شوہر برابر ہیں ہاں شوہر کے حقوق عورت پر بکثرت ہیں اور اس پر وجوب بھی اشد وآکد، ہم اس پر حدیث لکھ چکے کہ عورت پر سب سے بڑا حق شوہر کا ہے یعنی ماں باپ سے بھی زیادہ، اور مرد پر سب سے بڑا حق ماں کا ہے یعنی زوجہ کا حق اس سے بلکہ باپ سے بھی کم، **ذٰلك بما فضل الله بعضهم علی بعض** (یہ اللہ تعالٰی کا بعض پر بعض کا فضل ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۲: مسئولہ منشی شوکت علی صاحب فاروقی ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ (آپ پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو، اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) کہ بعد فوت ہوجانے والدین کے اولاد پر کیا حق والدین کا رہتا ہے؟ **بیّنوا بالکتاب توجروا بالثواب۔**

الجواب:

(۱) سب سے پہلا حق بعد موت ان کے جنازے کی تجہیز، غسل وکفن ونماز ودفن ہے اور ان کاموں میں سنن ومستحبات کی رعایت جس سے ان کے لئے ہر خوبی وبرکت ورحمت ووسعت کی امید ہو۔

(۲) ان کے لئے دعا واستغفار ہمیشہ کرتے رہنا اس سے کبھی غفلت نہ کرنا۔

(۳) صدقہ وخیرات واعمال صالحہ کا ثواب انہیں پہنچاتے رہنا، حسب طاقت اس میں کمی نہ کرنا، اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھنا، اپنے روزوں کے ساتھ ان کے واسطے بھی روزے رکھنا بلکہ جو نیک کام کرے سب کا ثواب انہیں اور سب مسلمانوں کو بخش دینا کہ ان سب کو ثواب

پہنچ جائے گا اور اس کے ثواب میں کمی نہ ہوگی بلکہ بہت ترقیاں پائے گا۔

(۴) ان پر کوئی قرض کسی کا ہو تو اس کے ادا میں حد درجہ کی جلدی و کوشش کرنا اور اپنے مال سے ان کا قرض ادا ہونے کو دونوں جہاں کی سعادت سمجھنا، آپ قدرت نہ ہو تو اور عزیزوں قریبوں پھر باقی اہل خیر سے اس کی ادا میں امداد لینا۔

(۵) ان پر کوئی فرض رہ گیا تو بقدر قدرت اس کے ادا میں سعی بجالانا، حج نہ کیا ہو تو ان کی طرف سے حج کرنا یا حج بدل کرانا، زکوۃ یا عشر کا مطالبہ ان پر رہا تو اسے ادا کرنا، نماز یا روزہ باقی ہو تو اس کا کفارہ دینا وعلٰی ہذا القیاس ہر طرح ان کی برات ذمہ میں جد وجہد کرنا۔

(۶) انہوں نے جو وصیت جائزہ شرعیہ کی ہو حتی الامکان اس کے نفاذ میں سعی کرنا اگرچہ شرعًا اپنے اوپر لازم نہ ہو اگرچہ اپنے نفس پر بار ہو مثلاً وہ نصف جائداد کی وصیت اپنے کسی عزیز غیر وارث یا اجنبی محض کے لئے کرگئے تو شرعًا تہائی مال سے زیادہ میں بے اجازت وارثان نافذ نہیں مگر اولاد کو مناسب ہے کہ ان کی وصیت مانیں اور ان کی خوشخبری پوری کرنے کو اپنی خواہش پر مقدم جانیں۔

(۷) ان کی قسم بعد مرگ بھی سچی ہی رکھنا مثلاً ماں باپ نے قسم کھائی تھی کہ میرا بیٹا فلاں جگہ نہ جائے گا یا فلاں سے نہ ملے گا یا فلاں کام کرے گا تو ان کے بعد یہ خیال نہ کرنا کہ اب وہ تو نہیں ان کی قسم کا خیال نہیں بلکہ اس کا ویسے ہی پابند رہنا جیسا ان کی حیات میں رہتا جب تک کوئی حرج شرعی مانع نہ ہو اور کچھ قسم ہی پر موقوف نہیں ہر طرح امور جائزہ میں بعد مرگ بھی ان کی مرضی کا پابند رہنا۔

(۸) ہر جمعہ کو ان کی زیارت قبر کے لئے جانا، وہاں یٰس شریف پڑھنا ایسی آواز سے کہ وہ سنیں اور اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچانا، راہ میں جب کبھی ان کی قبر آئے بے سلام وفاتحہ نہ گزرنا۔

(۹) ان کے رشتہ داروں کے ساتھ عمر بھر نیک سلوک کئے جانا۔

(۱۰) ان کے دوستوں سے دوستی نباہنا ہمیشہ ان کا اعزاز واکرام رکھنا۔

(۱۱) کبھی کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر جواب میں انہیں برا نہ کہلوانا۔

(۱۲) سب میں سخت تر وعام تر ومدام تر یہ حق ہے کہ کبھی کوئی گناہ کرکے انہیں قبر میں ایذا نہ پہنچانا، اس کے سب اعمال کی خبر ماں باپ کو پہنچتی ہے، نیکیاں دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور ان کا چہرہ فرحت سے چمکتا اور دمکتا ہے، اور گناہ دیکھتے ہیں تو رنجیدہ ہوتے ہیں اور ان کے قلب پر صدمہ ہوتا ہے، ماں باپ کا یہ حق نہیں کہ انہیں قبر میں بھی رنج پہنچائے۔

اللہ غفور رحیم عزیز کریم جل جلالہ صدقہ اپنے رؤف رحیم علیہ وعلٰی آلہ افضل والتسلیم کا ہم سب مسلمانوں کو نیکیوں کی توفیق دے گناہوں سے بچائے، ہمارے اکابر کی قبروں میں ہمیشہ نور وسرور پہنچائے کہ وہ قادر ہے اور ہم عاجز، وہ غنی ہے ہم محتاج، وحسبنا اللہ ونعم الوکیل نعم المولٰی ونعم النصیر ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، وصلی اللہ تعالٰی علی الشفیع علی الرفیع العفو الکریم الرؤف الرحیم سیّدنا محمّد واٰلہٖ واصحابہ اجمعین اٰمین والحمدللہ ربّ العٰلمین۔

اب وہ حدیثیں جن سے فقیر نے یہ حقوق استخراج کئے ان میں سے بعض بقدر کفایت ذکر کروں:

حدیث ۱: کہ ایک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خدمت اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ماں باپ کے انتقال کے بعد کوئی طریقہ ان کے ساتھ نکوئی کا باقی ہے جسے میں بجالاؤں۔ فرمایا:

نعم اربعۃ الصلاۃ علیھما والاستغفار لھما وانفاذ عھدھما من بعدھما واکرام صدیقھما وصلۃ الرحم التی لارحم لك الا من قبلھما فھذا الذی بقی من برھما بعد موتھما۔ رواہ ابن النجار [1] عن ابی اسید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع القصۃ، ورواہ البیہقی [2] فی سننہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایبقی للولد من برالوالد الا اربع الصلٰوۃ علیہ والدعاء لہ وانفاذ عھدہ من بعدہ وصلۃ رحمہ واکرام صدیقہ۔	ہاں چار باتیں ہیں: ان پر نماز، اور ان کے لئے دعاء مغفرت، اور ان کی وصیت نافذ کرنا، اور ان کے دوستوں کی بزرگ داشت، اور جو رشتہ صرف انہیں کی جانب سے ہو نیک برتاؤ سے اس کا قائم رکھنا، یہ وہ نکوئی ہے کہ ان کی موت کے بعد ان کے ساتھ کرنی باقی ہے (ابن نجار نے ابی اسید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مع قصہ کے روایت کیا۔ اور بیہقی نے اپنی سنن میں انہیں روایت کیا، اور بیہقی نے اپنی سنن میں انہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے: والد کے ساتھ نیکی کی چار باتیں ہیں: اس پر نماز پڑھنا اور اس کے لئے دعا مغفرت کرنا، اس کی وصیت نافذ کرنا، اس کے رشتہ داروں سے نیک برتاؤ کرنا، اس کے دوستوں کا احترام کرنا۔ ت)

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۴۵۹۳۴ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۵۷۹

[2] السنن الکبرٰی کتاب الجنائز باب مالا یستحب لولی المیت الخ دار صادر بیروت ۴/ ۶۱ و ۶۲

حدیث ۲: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

استغفار الولد لابیه من بعد الموت من البر۔رواہ ابن النجار [1] عن ابی اسید بن مالك بن زرارۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک سے یہ بات ہے کہ اولاد ان کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرے(ابن النجار نے ابی اسید بن مالک بن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا ترك العبد الدعاء للوالدین فانه ینقطع عنه الرزق۔ رواہ الطبرانی [2] فی التاریخ والدیلمی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	آدمی جب ماں باپ کے لئے دعا چھوڑ دیتا ہے اس کا رزق قطع ہو جاتا ہے(طبرانی نے تاریخ میں اور دیلمی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴و۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا تصدق احدکم بصدقة تطوعا فلیجعلها عن ابویه فیکون لهما اجرها ولاینقص من اجرہ شیئا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط [3] وابن عساکر [4] عن عبداللہ بن عمر ورضی اللہ تعالٰی عنهما ونحوہ الدیلمی فی مسند الفردوس [5] عن معٰویة ابن حیدۃ القشیری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جب تم سے کوئی شخص کچھ نفل خیرات کرے تو چاہئے کہ اسے اپنے ماں باپ کی طرف سے کرے کہ اس کا ثواب انہیں ملے گا اور اس کے ثواب میں سے کچھ نہ گھٹے گا(اس حدیث کو طبرانی نے اوسط میں اور ابن عساکر نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور ایسے ہی دیلمی نے مسند الفردوس میں معاویہ ابن حیدہ قشیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۴۵۴۴۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۴۶۳

[2] کنز العمال الطبرانی فی التاریخ والدیلمی عن انس حدیث ۴۵۵۵۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۴۸۲

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۹۴۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۷/ ۴۷۹

[4] الجامع الصغیر بحوالہ ابن عساکر حدیث ۷۹۴۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۴۸۵

[5] الفردوس بماثور الخطاب عن معاویہ بن حیدۃ حدیث ۶۳۴۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۱۰۹

حدیث ۶: کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں اپنے ماں باپ کے ساتھ زندگی میں نیک سلوک کرتا تھا اب وہ مرگئے ان کے ساتھ نیک سلوک کی کیا راہ ہے؟ فرمایا:

ان من البربعد الموت ان تصلی لھما مع صلٰوتك وتصوم لھما مع صیامک۔ رواہ الدارقطنی [1]۔	بعد مرگ نیک سلوک سے یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ان کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کے لئے روزے رکھے (اسے دارقطنی نے روایت کیا۔ت)

یعنی جب اپنے ثواب ملنے کے لئے کچھ نفلی نماز پڑھے یا روزے رکھے تو کچھ نفل نماز ان کی طرف کہ انہیں ثواب پہنچائے یا نماز روزہ جو نیک عمل کرے ساتھ ہی انہیں ثواب پہنچنے کی بھی نیت کرلے کہ انہیں ثواب ملے گا اور تیرا بھی کم نہ ہوگا،

کما یدل علیہ لفظ "مع" انہ یحتمل لوجھین بل ھذا الصق بالمعیۃ۔	جیسا کہ لفظ "مع" اس پر دال ہے کیونکہ اس میں مذکورہ دونوں احتمال ہیں بلکہ آخری وجہ معیت کو زیادہ مناسب ہے۔(ت)

محیط پھر تاتارخانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

الافضل لمن یتصدق نفلا ان ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات لانھا تصل الیھم ولاینقص من اجرہ شیئ [2]۔	جو شخص نفلی صدقہ دے اس کے لئے افضل یہ ہے کہ تمام ایمان والوں کی نیت کرے کیونکہ انہیں بھی ثواب پہنچے گا اور اس کا ثواب بھی کم نہ ہوگا۔ت)

حدیث ۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من حجّ عن والدیہ اوقضی عنھما مغرما بعثہ اللہ یوم القیٰمۃ مع الابرار۔ رواہ الطبرانی [3] فی الاوسط و الدارقطنی [4] فی	جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے یا ان کا قرض ادا کرے روز قیامت نیکوں کے ساتھ اُٹھے (اسے طبرانی نے اوسط میں اور دارقطنی نے

[1] ردالمحتار بحوالہ الدارقطنی کتاب الحج باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۳۷

[2] ردالمحتار بحوالہ الدارقطنی کتاب الحج باب الحج عن الغیر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۳۶

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۷۹۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۳۹۳

[4] سنن الدارقطنی کتاب الحج باب المواقیت حدیث ۱۱۰ نشر السنۃ ملتان ۲ /۲۶۰

السنن عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	سنن میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۸: امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اسی ہزار قرض تھے وقت وفات اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو بلا کر فرمایا:

بع فیھا اموال عمر فان وفت والا فسل بنی عدی فان وفت والافسل قریشا ولاتعدھم۔	میرے دین (قرض) میں اول تو میرا مال بیچنا اگر کافی ہوجائے فبہاورنہ میری قوم بنی عدی سے مانگ کر پورا کرنا اگر یوں بھی پورا نہ ہو تو قریش سے مانگنا اور ان کے سوا اوروں سے سوال نہ کرنا۔

پھر صاحبزادہ موصوف سے فرمایا: اضمنھا تم میرے قرض کی ضمانت کرلو، وہ ضامن ہوگئے اور امیر المؤمنین کے دفن سے پہلے اکابر مہاجرین وانصار و گواہ کرلیا کہ وہ اسی ہزار مجھ پر ہیں، ایک ہفتہ نہ گزرا تھا کہ عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ سارا قرض ادا فرما دیا۔ رواہ ابن سعد فی الطبقات[1] عن عثمان بن عروۃ (اسے ابن سعد نے طبقات میں عثمان بن عروہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۹: قبیلہ جہینہ سے ایک بی بی رضی اللہ تعالٰی عنہا نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میری ماں نے حج کرنے کی منت مانی تھی وہ ادا نہ کرسکیں اور ان کا انتقال ہوگیا کیا میں ان کی طرف سے حج کرلوں، فرمایا:

حجی عنھا ارأیت لوکان علی امك دین اکنت قاضیتہ اقضوا اللہ فاللہ احق بالوفاء۔ رواہ البخاری[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ہاں اس کی طرف سے حج کر، بھلا تو دیکھ تو تیری ماں پر اگر دَین ہوتا تو تو ادا کرتی یا نہیں؟ یونہی خدا کا دَین ادا کرو کہ وہ زیادہ حق ادا رکھتا ہے (اسے بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۰: فرماتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا حج الرجل عن والدیہ	انسان جب اپنے والدین کی طرف سے حج کرتا ہے

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر استخلاف عمر رضی اللہ عنہ دار صادر بیروت ۳ /۳۵۸

[2] صحیح البخاری ابواب العمرۃ باب الحج والنذر عن المیت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۵۰، صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب شبہ اصلًا معلومًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۰۸۸

تقبل منه ومنهما واستبشرت ارواحهما فی السماء وکتب عند الله برا۔رواه الدار قطنی [1] عن زید بن ارقم رضی الله تعالٰی عنه۔	وہ حج اس کی اور اس کے والدین کی طرف سے قبول کیا جاتا ہے اور ان کی روحیں آسمان میں اس سے شاد ہوتی ہیں،اور یہ شخص اللہ عزوجل کے نزدیک ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا لکھا جاتا ہے(اسے دارقطنی نے زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من حج عن ابیه وامه فقد قضی عنه حجته فکان له فضل عشر حجج۔رواه الدارقطنی [2] عن جابر بن عبدالله رضی الله تعالٰی عنهما۔	جو اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرے ان کی طرف سے حج ادا ہو جائے اور اسے دس حج کا ثواب زیادہ ملے۔(دارقطنی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من حج عن والدیه بعد وفاتهما کتب له عتقا من النار وکان للمحجوج عنهما اجر حجة تامة من غیران ینقص من اجورهما شیئا۔رواه الاصبهانی فی الترغیب والبیهقی فی الشعب [3] عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	جو اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کی طرف سے حج کرے اللہ تعالٰی اس کے لئے دوزخ سے آزادی لکھے اور ان دونوں کے واسطے پورے حج کا ثواب ہو جس میں اصلاً کمی نہ ہو۔(اسے اصبہانی نے ترغیب میں اور بیہقی نے شعب میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الحج باب المواقیت حدیث ۱۰۹ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۶۰

[2] سنن الدارقطنی کتاب الحج باب المواقیت حدیث ۱۱۲ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۲۲۰

[3] شعب الایمان حدیث ۷۹۱۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۲۰۵

من بر قسمهما وقضی دینهما ولم یستسب لهما کتب بارا وان کان عاقا فی حیاته ومن لم یبر قسمهما ولم یقض دینهما واستسب لهما کتب عاقا وان کان بارا فی حیاتهما۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط[1] عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شخص اپنے ماں باپ کے بعد ان کی قسم سچی کرے اور ان کا قرض ادا کرے اور کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر انہیں برا نہ کہلوائے وہ والدین کے ساتھ نکوکار لکھا جاتا ہے اگرچہ ان کی زندگی میں نافرمان تھا اور جو ان کی قسم پوری نہ کرے اور ان کا قرض نہ اتارے اوروں کے والدین کو برا کہہ کر انہیں برا کہلوائے وہ عاق لکھاجائے اگرچہ ان کی حیات میں نکوکار تھا (اسے طبرانی نے اوسط میں عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من زار قبر والدیه اواحدهما فی کل یوم جمعة مرة غفر اللہ له وکتب برا۔ رواہ الامام الترمذی العارف باللہ الحکیم فی نوادر الاصول[2] عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	جو اپنے ماں باپ دونوں یا ایک کی قبر پر ہر جمعہ کے دن زیارت کو حاضر ہو اللہ تعالٰی اس کے گناہ بخش دے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا لکھا جائے (الامام الحکیم عارف باللہ ترمذی نے نوادر الاصول میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من زار قبر ابویه اواحدهما یوم الجمعة فقرأ عنده یٰس غفر له۔ رواہ ابن عدی[3] عن الصدیق الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنه وفی لفظ من زار قبر والدیه اواحدهما فی کل جمعة فقرأ عنده یٰس غفر اللہ له بعدد کل حرف منها۔ رواہ هو والخلیلی	جو شخص روز جمعہ اپنے والدین یا ایک کی زیارت قبر کرے اور اس کے پاس یٰس پڑھے بخش دیا جائے (اسے عدی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور دیگر الفاظ میں۔ ت) جو ہر جمعہ والدین یا ایک کی زیارت قبر کرکے وہاں یٰس پڑھے یٰس شریف میں جتنے حرف ہیں ان سب کی

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۸۱۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۶ /۳۸۴

[2] نوادر الاصول للترمذی الاصل الخامس عشر دار صادر بیروت ص ۲۴

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ عمر بن زیاد بن عبدالرحمان بن ثوبان دار الفکر بیروت ۵ /۱۸۰۱

وابوشیخ والدیلمی [1] وابن النجار والرافعی وغیرھم عن ام المؤمنین الصدیقة عن ابیھا الصدیق الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	گنتی کے برابر اللہ تعالٰی اس کے لئے مغفرت فرمائے (اسے روایت کیا ترمذی، الخلیلی اور ابوشیخ اور دیلمی اور ابن نجار اور رافعی وغیرھم نے ام المومنین صدیقہ سے انہوں نے اپنے والد گرامی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ت)

حدیث ۱۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من زار قبر ابویہ اواحدھما احتسابا کان کعدل حجة مبرورة ومن کان زوارا لھما زارت الملئکة قبرہ۔ رواہ الامام الترمذی [2] الحکیم وابن عدی [3] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جو بہ نیت ثواب اپنے والدین دونوں یا ایک کی زیارت قبر کرے حج مقبول کے برابر ثواب پائے، اور جو بکثرت ان کی زیارت قبر کیا کرتا ہو فرشتے اس کی قبر کی زیارت کو آئیں (حکیم ترمذی اور ابن عدی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

امام ابن الجوزی محدث کتاب عیون الحکایات میں بسند خود محمد ابن العباس وراق سے روایت فرماتے ہیں ایک شخص اپنے بیٹے کے ساتھ سفر کو گیا راہ میں باپ کا انتقال ہوگیا وہ جنگل درختان مقل یعنی گوگل کے پیڑوں کا تھا ان کے نیچے دفن کرکے بیٹا جہاں جانا تھا چلا گیا جب پلٹ کر آیا اس منزل میں رات کو پہنچا باپ کی قبر پر نہ گیا تو ناگاہ سنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے:

رأیتك تطوی الدوم لیلا ولاتری ۔۔۔ علیك باھل الدوم ان تتکلما

وبالدوم ثاو لو ثویت مکانہ ۔۔۔ فمر باھل الدوم عاج فسلما [4]

(میں نے تجھے دیکھا کہ تو رات میں اس جنگل کو طے کرتا ہے اور وہ جوان پیڑوں میں ہے

---

[1] اتحاف السادۃ للمتقین بحوالہ ابی الشیخ وغیرہ بیان زیارۃ القبور والدعاء للمیت دار الفکر بیروت ۱۰/ ۳۶۳

[2] نوادر الاصول للترمذی الاصل الخامس عشر دار صادر بیروت ص ۲۴

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ حفص بن سلمہ الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۸۰۱

[4] شرح الصدور بحوالہ عیون الحکایات باب زیارۃ القبور علم الموتی خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۱

اس سے کلام کرنا اپنے اوپر لازم نہیں جانتا حالانکہ ان درختوں میں وہ مقیم ہے کہ اگر اس کی جگہ تو ہوتا اور وہ یہاں گزرتا تو وہ راہ سے پھر کر آتا اور تیری قبر پر سلام کرتا۔ت)

حدیث ۱۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من احب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیہ من بعدہ۔رواہ ابویعلٰی[1] وابن حبان عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو چاہے کہ باپ کی قبر میں اس کے ساتھ حسن سلوک کرے وہ باپ کے بعد اس کے عزیزوں دوستوں سے نیک برتاؤ رکھے (ابویعلٰی وابن حبان نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من البر ان تصل صدیق ابیک،رواہ الطبرانی[2] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	باپ کے ساتھ نیکوکاری سے ہے یہ کہ تو اس کے دوست سے اچھا برتاؤ کرے۔(طبرانی نے اوسط میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان البر ان یصل الرجل اهل ود ابیہ بعد ان یولی الاب۔ رواہ الائمۃ احمد والبخاری فی الادب المفرد و مسلم[3] فی صحیحہ وابوداؤد والترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بے شک باپ کے ساتھ سب نکوکاریوں سے بڑھ کر یہ نکوکاری ہے کہ آدمی باپ کے بعد اس کے دوستوں سے اچھی روش پر نباہے (اسے ائمہ کرام احمد اور بخاری نے ادب المفرد میں اور مسلم نے اپنی صحیح میں اور ابوداؤد اور ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰: کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

احفظ ودّ ابیك لاتقطعه فیطفیٔ اللّٰه	اپنے ماں باپ کی دوستی پر نگاہ رکھ اسے قطع

[1] مسند ابو یعلٰی حدیث ۵۶۴۳ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۵ /۲۶۰

[2] المعجم الاوسط حدیث ۷۲۹۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۱۴۹

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل صلۃ اصدقاء الاب والام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۱۴،کنز العمال بحوالہ حم خذم.د.ت حدیث ۴۵۴۶۲ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶ /۴۶۵

نورک۔رواہ البخاری فی الادب المفرد والطبرانی فی الاوسط[1] والبیھقی فی الشعب عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	نہ کرنا کہ اللہ تعالٰی نور تیرا بجھادے گا(اسے بخاری نے ادب المفرد میں اور طبرانی نے اوسط میں اور بیہقی نے شعب میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

تعرض الاعمال یوم الاثنین والخمیس علی اللہ تعالٰی وتعرض علی الانبیاء وعلی الاباء والامھات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتھم ویزدادون وجوھھم بیضاء ونزھۃ فاتقوا اللہ ولا توذوا موتاکم۔رواہ الامام الحکیم[2] عن والد عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو اللہ عزوجل کے حضور اعمال پیش ہوتے ہیں اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والتسلیم اور ماں باپ کے سامنے ہر جمعہ کو،وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور ان کے چہروں کی صفائی وتابش بڑھ جاتی ہے،تو اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنے گناہوں سے رنج نہ پہنچاؤ(اسے امام حکیم نے اپنے والد عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

بالجملہ والدین کا حق وہ نہیں کہ انسان اس سے کبھی عہدہ برآ ہو وہ اس کے حیات ووجود کے سبب ہیں تو جو کچھ نعمتیں دینی ودنیوی پائے گا سب انہیں کے طفیل میں ہوئیں کہ ہر نعمت وکمال وجود پر موقوف ہے اور وجود کے سبب وہ ہوئے تو صرف ماں باپ ہونا ہی ایسے عظیم حق کا موجب ہے جس سے بری الذمہ کبھی نہیں ہوسکتا نہ کہ اس کے ساتھ اس کی پرورش میں ان کی کوششیں، اس کے آرام کے لئے ان کی تکلیفیں خصوصًا پیٹ میں رکھنے،پیدا ہونے میں،دودھ پلانے میں ماں کی اذیتیں،ان کا شکر کہاں تک ادا ہو سکتا ہے،خلاصہ یہ کہ وہ اس کے لئے اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سائے اور ان کی ربوبیت ورحمت کے مظہر ہیں،ولہذا قرآن عظیم میں اللہ جل جلالہ،نے اپنے حق کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا کہ "اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَ"[3] حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۲۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۲۸۸، کنزالعمال بحوالہ خد،طس،ھب عن ابن عباس حدیث ۴۵۴۶۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۴۶۴

[2] نوادر الاصول للترمذی الاصل السابع والستون والمائۃ الخ دار صادر بیروت ص ۲۱۳

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

حدیث شریف میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! ایک راہ میں ایسے گرم پتھروں پر کہ اگر گوشت ان پر ڈالا جاتا کباب ہو جاتا میں ۶ میل تک اپنی ماں کو گردن پر سوار کرکے لے گیا ہوں کیا میں اب اس کے حق سے بری ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعله ان یکون بطلقة واحدة۔ رواه الطبرانی[1] فی الاوسط عن بریدة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تیرے پیدا ہونے میں جس قدر دردوں کے جھٹکے اس نے اٹھائے ہیں شاید ان میں سے ایک جھٹکے کا بدلہ ہو سکے (اسے طبرانی نے اوسط میں بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اللہ عزوجل عقوق سے بچائے اور ادائے حقوق کی توفیق عطا فرمائے اٰمین اٰمین برحمتك یا ارحم الراحمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا و مولانا محمد واٰله وصحبه اجمعین اٰمین والحمدللہ ربّ العٰلمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۳: از بنگالہ ضلع کمرلا موضع ہرمنڈل مرسلہ مولوی عبدالجبار صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کچھ لیاقت رکھنے والا اپنے والدین صالحین کے ساتھ جنگ وجدل وزدوضرب وظلم وستم کرتا ہے اور خود اپنے والدین کو طعنہ تشنیع ودشنام کرتا ہے اور لوگوں سے کرواتا ہے اور وہ شخص غاصب وکاذب وسارق کے ساتھ موصوف ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا مکروہ؟ اگر مکروہ ہے تو کون قسم کی مکروہ ہے؟ اور ایسے شخص کے پیچھے جو کوئی بسبب ناواقفی کے نماز پڑھے تو نماز اس کو دوبارہ پڑھنا ہوگی یا نہیں؟ اور ایسے عاق الوالدین کو دعوت کرنا کروانا صدقہ وغیرہ دینا دلوانا درست ہے یا نہیں؟ اور اس کے مکان میں دعوت کھانا کیسی ہے اور وہ شخص از روئے شرع شریف کے کس تعزیر کے لائق ہے اور اس کی تائید کرنے والے پر از روئے شرع شریف کیا حکم ہے بادلائل قرآن وحدیث واقوال ائمہ ارشاد فرمایا جائے۔

الجواب:

ایسا شخص افسق الفاسقین واخبث مہین ومستحق غضب شدید رب العالمین وعذاب عظیم ونار جحیم ہے۔

حدیث ۱: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] کنز العمال بحوالہ طس عن بریدہ حدیث ۴۵۵۰۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۴۷۳، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی فی الصغیر کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی البر وحق الوالدین دار الکتب ۸/ ۱۳۷

الا انبئکم باکبر الکبائر. الا انبئکم باکبر الکبائر، الا انبئکم باکبر الکبائر۔	میں تمہیں نہ بتاؤں کہ سب کبیرہ گناہوں سے سخت تر گناہ کیا ہے، کیانہ بتادوں کہ سب کبائر سے بدتر کیا ہے، کیانہ بتادوں کہ سب کبیروں سے شدید تر کیا ہے۔

صحابہ نے عرض کی: ارشاد ہو۔ فرمایا:

الاشراك بالله عقوق الوالدین. الحدیث۔ رواہ الشیخان [1] والترمذی [2] عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی کا شریک ٹھہرانا اور ماں باپ کو ستانا، الحدیث، (اسے امام بخاری ومسلم اور ترمذی نے ابی بکرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة العاق لوالدیه والدیوث والرجلة من النساء۔ رواہ النسائی [3] والبزار بسندین جیدین والحاکم [4] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: ماں باپ کو ستانے والا اور دیّوث اور مردوں کی وضع بنانے والی عورت۔ (نسائی اور بزار نے جید سندوں کے ساتھ اور حاکم نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایقبل اللہ عزوجل منهم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومکذب بقدر۔ رواہ ابن ابی عاصم [5] فی السنة بسند حسن	تین شخص ہیں کہ اللہ تعالٰی نہ ان کے فرض قبول کرے نہ نفل: ماں باپ کو ایذا دینے والا اور صدقہ دے کر فقیر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا۔

[1] صحیح بخاری کتاب الشہادات باب ماقیل فی شہادۃ الزور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الکبائر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۴

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ ۲/ ۱۲ ابواب الشہادۃ ۲/ ۵۴ امین کمپنی دہلی

[3] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب المنان بما اعطی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۱

[4] المستدرك الحاکم کتاب الایمان ثلثة لایدخلون الجنة دار الفکر بیروت ۱/ ۷۲

[5] العلل المتناهیة باب ذکر القدر والقدریة حدیث ۲۳۹ دار نشر الکتب الاسلامیہ ۱/ ۱۵۲، مجمع الزوائد باب ماجاء فیمن یکذب بالقدر دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۰۶

عن ابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	(اسے عاصم نے السنّة میں بسند حسن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه ملعون من عق والدیه۔ رواہ الطبرانی والحاکم [1] عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے، ملعون ہے جو اپنے والدین کو ستائے۔ (اسے طبرانی اور حاکم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۵: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ من سبّ والدیه۔ رواہ ابن حبان [2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ کی لعنت اس پر جو اپنے ماں باپ کو گالی دے (ابن حبان نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسے روایت کیا۔ت)

حدیث ۶: کہ ایک جوان کو نزع کے وقت کلمہ تلقین کیا، نہ کہہ سکا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر ہوئی تشریف لے گئے، فرمایا کہہ لاالٰہ الا اللہ۔ کہا: مجھ سے نہیں کہا جاتا۔ فرمایا کیوں؟ کہا: وہ شخص اپنی ماں کو ستاتا تھا، رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی ماں کو بلا کر فرمایا: یہ تیرا بیٹا ہے؟ عرض کی: ہاں۔ فرمایا؟

ارأیت لو اججت نار ضخمة فقیل لك ان شفعت له خلیناہ والا احرقناہ اکنت تشفعین له۔	بھلا سن تو اگر ایک عظیم الشان آگ بھڑکائی جائے اور کوئی تجھ سے کہے کہ تو اس کی شفاعت کرے جب تو ہم اسے چھوڑتے ہیں ورنہ جلادیں گے، کیا اس وقت تو اس کی شفاعت کرے گی۔

عرض کی: یارسول اللہ! جب تو شفاعت کروں گی، فرمایا: تو اللہ کو اور مجھے گواہ کرلے کہ تو اس سے راضی ہوگئی۔ اس نے عرض کی: الٰہی! میں تجھے اور تیرے رسول کو گواہ کرتی ہیں کہ میں اپنے بیٹے سے

---

[1] الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی والحاکم من اللواط حدیث ۴ مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۸۷

[2] موارد الظمآن باب فی الکبائر حدیث ۵۳ المطبعة السلفیہ ص ۴۳

راضی ہوئی، اب سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جوان سے فرمایا: اے لڑکے! کہہ لاالٰہ الااللہ وحدہ لاشریك لہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ۔ جوان نے کلمہ پڑھا اور انتقال کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمدللہ الذی انقذہ بی من النار۔ رواہ الطبرانی[1] عن عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	شکر اس خدا کا جس نے میرے وسیلے سے اس کو دوزخ سے بچالیا۔ (اسے طبرانی نے عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۷: عوّام بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ کو اجلہ ائمہ تبع تابعین سے ہیں ۱۴۸ھ میں انتقال کیا، فرماتے ہیں میں ایک محلے میں گیا اس کے کنارے پر قبرستان تھا عصر کے وقت ایک قبر شق ہوئی اور اس میں سے ایک آدمی نکلا جس کا سر گدھے اور باقی بدن انسان کا، اس نے تین آوازیں گدھے کی طرح کیں پھر قبر بند ہو گئی، ایک بڑھیا بیٹھی کات رہی تھی ایک عورت نے مجھ سے کہا ان بڑی بی کو دیکھتے ہو؟ میں نے کہا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ کہا: یہ قبر والے کی ماں ہے وہ شراب پیتا تھا جب شام کو آتا ماں نصیحت کرتی کہ اے بیٹے! خدا سے ڈر کب تک اس ناپاک کو پیئے گا؟ یہ جواب دیتا کہ تو تو گدھے کی طرح چلاتی ہے، یہ شخص عصر کے بعد مرا جب سے ہر روز بعد عصر اس کی قبر شق ہوتی ہے اور یوں تین آوازیں گدھے کی کرکے پھر بند ہو جاتی ہے **رواہ الاصبہانی**[2] **وغیرہ** (اصبہانی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ت)

اسی طرح غصب و کذب و سرقہ کی حرمتیں ضروریات دین سے ہیں ایسے شخص کے پیچھے نماز سخت مکروہ ہے مکروہ تحریمی قریب بحرام اور واجب الاعادہ ہے کہ نادانستہ پڑھ لی ہو تو پھیرنا واجب ہے۔ صغیرہ میں ہے:

یکرہ تقدیم الفاسق کراھۃ تحریم[3]۔	فاسق کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے ۱۲ صغیری۔(ت)

غنیہ میں ہے:

---

[1] شعب الایمان حدیث ۷۸۹۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۹۸

[2] شرح الصدور بحوالہ اصبہانی فی الترغیب باب عذاب القبر خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۷۱ و ۷۲

[3] الصغیری فی شرح منیۃ المصلی مباحث الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۶۴

وقدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریمۃ[1]۔	فاسق کو امام بنانے والے گنہگار ہوں گے، کیونکہ اسے امام بنانا مکروہ تحریمی ہے ۱۲ غنیہ (ت)

درمختار میں ہے:

کل صلوٰۃ ادیت مع کراھۃ التحریم وجب اعادتھا[2]۔	ہر وہ نماز جو کراہت تحریمہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو اس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے ۱۲ (ت)

ایسے اشد فاسق فاجر سے شرعاً بغض رکھنے کا حکم ہے اور جس بات میں اس کا اعزاز واکرام نکلے بے ضرورت ومجبوری ناجائز وممنوع ہے۔ تبیین الحقائق ومراقی الفلاح وفتح المعین وحاشیہ درمختار للعلامۃ الطحطاوی وغیرہا میں ہے:

الفاسق وجب علیھم اھانتہ شرعاً[3]۔	شرعی طور پر فاسق کی توہین واجب ہے ۱۲ (ت)

اس کی دعوت کرنا کرانا اس کے یہاں دعوت کھانا کچھ نہ چاہئے۔ سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما وقعت بنواسرائیل فی المعاصی نھتھم علماؤھم فلم ینتھوا فجالسوھم واٰکلوھم وشاربوھم فضرب اللہ قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علٰی لسان داؤد وعیسٰی بن مریم ذٰلک بما عصوا وکانوا یعتدون[4]۔	جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑے ان کے علماء نے منع کیا وہ باز نہ آئے یہ علماء ان کے پاس ان کے جلسوں میں بیٹھے ان کے ساتھ کھانا کھایا پانی پیا تو اللہ تعالٰی نے ان مجرموں کے دلوں پر اثر ان پاس بیٹھنے والوں پر بھی ڈالا کہ سب ایک سے ہوگئے پھر ان سب پر داؤد وعیسٰی بن مریم علیہم الصلٰوۃ والسلام کی زبان سے لعنت فرمائی یہ بدلہ تھا ان کے گناہوں اور حد سے بڑھنے کا۔

[1] غنیۃ المستملی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۳

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب قضاء الفوائت مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۰۰

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلٰوۃ فصل فی الاجارۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۴۳، تبیین الحقائق باب الامامۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴، فتح المعین کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۰۸

[4] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ داؤد والترمذی کتاب الادب باب الامر بالمعروف مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۳۸

وہ سخت سے سخت تعزیر کے قابل ہے جس کی مقدار حاکم شرع کی رائے پر سپرد ہے اور اگر سرقہ شہادت شرعیہ سے ثابت ہو جائے تو حاکم شرع اس کا ہاتھ کلائی سے کاٹ دے گا اس کی تائید کرنے والے سب سخت گنہگار ہیں، **قال اللہ تعالٰی**:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]	اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ (ت)

ابھی حدیث سن چکے کہ پاس بیٹھنے، ساتھ کھانے والوں پر لعنت اتری۔ پھر تائید کرنے کرانے والوں کا کیا حال ہوگا، اللہ عزوجل پناہ دے اور مسلمانوں کو توفیق توبہ بخشے، آمین!

رہا صدقہ دینا دلانا، اگر اسے محتاج ضرورت مند ننگا بھوکا دیکھیں تو حرج نہیں جبکہ گناہوں میں اس کی تائید واعانت کی نیت نہ ہو، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی کل ذات کبد حراء اجر۔ رواہ الشیخان[2] عن ابی ھریرۃ وفی الباب عن عبداللہ بن عمرو عن سراقۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	ہر گرم جگر والی میں ثواب ہے۔ (امام بخاری اور مسلم نے ابو ہریرہ سے اور اس باب میں عبداللہ بن عمرو سے انہوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اسے روایت کیا۔ت)

صحیح حدیث میں ہے کہ کتّے کو بھی پانی پلانا ثواب ہے **حتی غفر اللہ تعالٰی بہ البغی کما فی الصحاح**[3] (حتی کہ اللہ تعالٰی نے اس سبب سے فاحشہ عورت کی مغفرت فرمائی۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۴: ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کو جب مرض الموت میں اپنے مرگ کا یقین ہوا تو اپنے شوہر زید کو بمواجہہ موجودیں مخاطب کرکے عفو حقوق و تقصیرات کی مستدعی ہوئی اور اپنے جملہ حقوق زید کو معاف کئے دینِ مہر کو بہ تفصیل علیحدہ معاف کیا زید نے بھی اپنے حقوق و قصور خدمات کی معافی دی اب اس صورت میں کسی قسم کا مواخذہ ایک دوسرے پر عنداللہ باقی تو نہ رہا یا لفظ مجمل جملہ حقوق و قصور کافی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح البخاری، کتاب المساقاۃ ۱/ ۳۱۸_ابواب المظالم ۱/ ۳۳۳_کتاب الادب ۲/ ۸۸۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب قتل الحیّات باب فضل سقی البہائم المحرمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۷، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

[3] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات باب فضل سقی البہائم المحرمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۷

نہ تھا علیحدہ علیحدہ ہر خطا وحق کی تشریح ضرور تھی اور زید دَین مہر سے بری ہوگیا یا یہ معافی زمانہ مرض الموت کی حکم وصیت میں متصور ہو کر دو ثلث کا مواخذہ دار رہے گا اگرچہ ورثاء دنیا میں شرم یا رسم کے باعث متقاضی نہ ہوں۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عام حقوق کی معافی جو زید نے ہندہ اور ہندہ نے زید کو کی ان میں ہندہ کے حقوق مالیہ مثل مہر و دیگر دُیُون کی معافی تو اجازت وارثان ہندہ پر موقوف رہے گی کما بیّناہ فی الھبۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہمارے فتاوٰی میں ہبہ کے باب میں بیان کیا گیا ہے۔ ت) ان کے سوا ہندہ کے حقوق غیر مالیہ اور زید کے حقوق مالیہ وغیر مالیہ جو کچھ معاف کنندہ زید خواہ ہندہ کے علم میں تھا وہ سب معاف ہوگیا اور جو علم میں نہ تھا مگر معمولی حقوق سہل وآسان سے تھا کہ بالخصوص معلوم ہوتا تو معافی میں باک نہ ہوتا وہ بھی معاف ہوگیا اور جو اتنا کثیر یا عظیم یا شدید تھا کہ اگر تفصیلًا بتایا جائے تو صاحب حق معاف نہ کرے ایسے عام مجمل لفظ میں ان حقوق کی معافی ہوجانا علماء میں مختلف فیہ ہے بعض بنظر ظاہر لفظ سب کی معافی مانتے ہیں اور بعض بالخصوص تفصیلًا ان کا بتا کر معافی مانگنا ضروری جانتے ہیں اول اوسع ہے اور ثانی احوط۔ منح الروض الازہر میں ہے:

ھل یکفیہ ان یقول لك علی دین فاجعلنی فی حل ام لابد ان یعین مقدارہ؟ ففی النوازل رجل لہ علی اخر دین۔وھو لایعلم بجمیع ذالك فقال لہ المدیون ابرئنی ممّالك علی فقال الدائن ابرأتک، فقال نصیر لایبرأ الا مقدار مایتوھم ای یظن انہ علیہ، وقال محمد بن سلمۃ یبرأ عن الکل، قال الفقیہ ابو اللیث حکم القضاء ماقالہ محمد بن سلمۃ وحکم الاٰخرۃ ماقالہ نصیر، وفی القنیۃ من علیہ	کیا مقروض کے لئے یہ کافی ہے کہ قرض خواہ سے کہے کہ مجھ پر تمہارا قرض ہے مجھے معاف کردے یا ضروری ہے کہ قرض کی مقدار معین کرے؟ نوازل میں ہے کہ ایک آدمی کا دوسرے پر قرض ہے اور اسے تمام قرض کا علم نہیں مقروض اسے کہتا ہے کہ تو مجھے اپنا قرض معاف کردے، اس نے کہا میں نے تجھے معاف کردیا۔ نصیر کہتے ہیں کہ اسی قدر معاف ہوگا جتنا کہ اس کے گمان میں تھا، محمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ تمام معاف ہوجائے گا۔ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا: قاضی کا فیصلہ وہی ہے جو محمد بن سلمہ کا قول ہے، اور آخرت کا حکم وہ ہے جو نصیر نے فرمایا، قنیہ میں ہے کہ جس شخص پر کسی کے

حقوق فاستحل صاحبها ولم یفصلها فجعله فی حل یعذرُ اِن علم انه فصله یجعله فی حل والا فلا قال بعضهم انه حسن وان روی انه یصیر فی حل مطلقا،وفی الخلاصة رجل قال الاٰخر حللنی من کل حق هو لك ففعل فابرأه ان کان صاحب الحق عالما به برئ حکما بالاجماع واما دیانة فعند محمد رحمه الله تعالٰی لایبرأ عند ابی یوسف یبرأ علیه الفتوی انتھی،وفیه انه خلاف ما اختار ابوالیث ولعل قوله مبنی علی التقوٰی[1] اھ مافی منح الروض۔**اقول**:وفی مخالفته لما اختار الفقیه نظر فان الکلام ھٰهنا فی البراءة من الحقوق المجهولة لصاحبها اصلا وثمه فیما اذا ظن مقدارا وکان الواقع ازید وبینهما بون بین فان من

کچھ حق ہوں وہ صاحب حق سے کہے کہ مجھے معاف کردے اور حقوق کی تفصیل نہ کرے صاحب حق اسے معاف کردے، تو اگر یہ معلوم ہو کہ صاحب حق حقوق کی تفصیل کو جان کر بھی معاف کردے گا تو معاف ہوجائیں گے ورنہ نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا: یہ تفصیل عمدہ ہے۔یہ بھی روایت ہے کہ اسے بہرصورت حقوق معاف ہوجائیں گے۔خلاصہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو کہا تم مجھے اپنا ہر حق معاف کر دو،اس نے معاف کردیا،اگر صاحب حق کو علم ہے پھر تو معافی مانگنے والا قضاءً ودیانۃً (یعنی فیصلے کے اعتبار سے بھی اور عنداللہ بھی) بری ہوجائے گا اور اگر اسے علم نہیں تو بالاتفاق یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ بری ہوگیا،رہا دیانۃً (عنداللہ) تو امام محمد کے نزدیک بری نہیں ہوگا امام ابویوسف کے نزدیک بری ہوجائے گا اسی پر فتوی ہے انتہی،اس میں اعتراض ہے کہ یہ فقیہ ابواللیث کے مختار کے خلاف ہے ہوسکتا ہے ان کا قول تقوی پر مبنی ہو۔منح الروض کا کلام ختم ہوا۔**اقول**: (میں کہتاہوں) کہ فقیہ ابواللیث کے مختار کے خلاف ہونے میں کلام ہے کیونکہ خلاصہ میں اس بارے میں گفتگو ہے کہ ایک شخص کو حقوق کا بالکل علم نہیں وہ انہیں معاف کردیتا ہے اور فقیہ ابواللیث کی کلام اس میں ہے

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحث التوبہ وشرائطها مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

جعل فی حل مطلقا لم یرد خصوص ما فی علمہ اما من جعل فی حل من حق معلوم لہ فانما یذھب ذھنہ الی قدر ما فی علمہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	کہ ایک شخص کے گمان میں حقوق کی ایک مقدار جبکہ وہ در حقیقت زیادہ تھے اور ان دونوں صورتوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ جو شخص مطلقًا اپنے حقوق معاف کردیتا ہے اس کا ارادہ یہ نہیں ہوتا کہ میں صرف وہ حقوق معاف کررہا ہوں جو میرے علم میں ہیں اور جو شخص کسی معین حق کو معاف کرتا ہے تو اس کا ذہن اسی طرف جاتا ہے کہ جتنا مجھے علم ہے اسی قدر معاف کررہا ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نیز منح الروض میں ہے:

ھل یکفیہ ان یقول اغتبتك فاجعلنی فی حل ام لابد ان یبین ما اغتاب؟ ففی منسك ابن العجمی لایعلمہ بھا ان علم ان اعلامہ یثیر فتنۃ، ویدل علیہ ان الابراء عن الحقوق المجھولۃ جائز عندنا لکن سبق انہ ھل یکفیہ حکومۃ ودیانۃ[1] اھ ما فی منح الروض **اقول:** و فی جریان الخلاف المذکور ھٰھنا نظر فان الغیبۃ لاتصیر من حقوق العبد مالم تبلغہ واذا بلغتہ لم تکن من الحقوق المجھولۃ وقد قال فی المنح نفسہ بانصہ قال الفقیہ ابو اللیث	کیا یہ کافی ہے کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ میں نے تمہاری غیبت کی ہے مجھے معاف کردو، یا یہ ضروری ہے کہ یہ بھی بتائے کہ میں نے تمہاری یہ غیبت کی ہے۔ ابن العجمی کے منسک میں ہے کہ اگر یہ سمجھتا ہے کہ غیبت کے تفصیلًا بتانے سے فتنہ پیدا ہوگا تو اس کا اظہار نہ کرے، ہمارے نزدیک نامعلوم حقوق کے معاف کرنے کا جواز اس پر دلالت کرتا ہے لیکن یہ بات گزرچکی ہے کہ آیا فیصلے کے اعتبار سے کافی ہے یا دیانت کے طور پر اھ (اعلحضرت قدس سرہ، فرماتے ہیں) **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) یہاں گزشتہ اختلاف کے جاری ہونے میں کلام ہے کیونکہ غیبت اس وقت تک بندے کا حق نہیں بنتی جب تک اسے نہ پہنچ جائے، جب پہنچ جائے تو نامعلوم حقوق میں سے نہ رہے گی، خود منح الروض میں ہے کہ فقیہ ابو اللیث نے فرمایا:

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحث التوبۃ وشرائطھا مصطفی البابی مصر ص ۱۶۰

قد تکلم الناس فی توبة المغتابین ھل تجوز من غیر ان یستحل من صاحبه؟ قال بعضھم یجوز وقال بعضھم لایجوز،وھو عندنا علی وجھین احدھما ان کان ذٰلك القول قد بلغ الی الذی اغتابه فتوبته ان یستحل منه وان لم یبلغ الیه فلیستغفر الله سبحٰنه ویضمر ان لایعود الی مثله،وفی روضة العلماء سألت ابامحمد رحمه الله تعالٰی فقلت له اذا تاب صاحب الغیبة قبل وصولھا الی المغتاب عنه ھل تنفعه توبة قال نعم فانه تاب قبل ان یصیر الذنب ذنبا ای ذنبا یتعلق به حق العبد لانھا انما تصیر ذنبا اذا بلغت الیه،قلت فان بلغت الیه بعد توبته؟ قال لاتبطل توبته بل یغفر الله تعالٰی لھما جمیعا المغتاب بالتوبة والمغتاب عنه بما یلحقه من المشقة،لانه تعالٰی کریم ولایجمل من کرمه رد توبته بعد قبولھا بل یعفو عنھما جمیعا[1] انتھی الخ۔	کہ غیبت کرنے والا صاحب غیبت (جس کی غیبت کی گئی) سے معافی مانگے بغیر توبہ کرے تو تو اس میں لوگوں نے مختلف باتیں کہی ہیں، بعض نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا نا جائز ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی دو صورتیں ہیں: (۱) وہ بات اس شخص تک پہنچ گئی جس کی غیبت کی گئی تھی تو اس کی توبہ یہ ہے کہ اس شخص سے معافی مانگے۔ (۲) اور اگر غیبت اس شخص تک نہیں پہنچی تو اللہ تعالٰی سے مغفرت کی دعا مانگے اور اپنے دل میں یہ عہد کرے کہ پھر غیبت نہیں کروں گا۔ روضۃ العماء میں ہے کہ میں نے ابو محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے پوچھا کہ اگر غیبت اس شخص تک نہیں پہنچی جس کی غیبت کی گئی تھی تو غیبت کرنے والے کے لئے توبہ فائدہ مند ہو گی؟ انہوں نے فرمایا: ہاں کیونکہ اس نے بندے کے حق کے متعلق ہونے سے پہلے توبہ کرلی ہے، غیبت بندے کا حق اس وقت ہو گی جب اس تک پہنچ جائے گی، میں نے کہا کہ اگر توبہ کے بعد اس شخص تک غیبت پہنچ جائے فرمایا کہ اس کی توبہ باطل نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالٰی دونوں کو بخش دے گا غیبت کرنے والے کو توبہ کی وجہ سے اور جس کی غیبت کی گئی اسے اس تکلیف کی وجہ سے جو اسے غیبت سن کر ہوئی ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کریم ہے اس کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کسی کی توبہ قبول فرما کر رد فرمابلکہ دونوں کو بخش دے گا انتہی الخ۔ (ت)

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحث التوبۃ وشرائطہا مصطفی البابی مصر ص ۱۵۹

فقیر کہتاہے غفراللہ تعالٰی لہ ایسے حقوق عظیمہ شدیدہ جن کی تفصیل بیان ہو تو صاحب حق سے معافی کی امید نہ ہو ظاہرًا مجرد اجمالی الفاظ سے معاف نہ ہو سکیں کہ وہ دلالۃً مخصوص ہیں مگر اگر ان الفاظ سے معافی چاہی کہ "دنیا بھر میں سخت سے سخت جو حق متصور ہو وہ سب میرے لئے فرض کرکے معاف کردے" اور اس نے قبول کیا تو اب ظاہرًا تمام حقوق بلاتفصیل بھی معاف ہوجائیں گے،

للنص علی التعمیم مع التنصیص بالتخصیص علی کل حق شدید عظیم والصریح یفوق الدلالۃ کما نصوا علیہ[1] فی غیر ما مسألۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کیونکہ اس نے کہہ دیاہے کہ مجھے ہر حق معاف کردے اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیاہے کہ ہر بڑے سے بڑا حق میرے بارے میں فرض کرکے معاف کردے اور تصریح دلالت پر فوقیت رکھتی ہے جیسے کہ علماء نے بہت سے مسائل میں تصریح کی ہے۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعد حقوق والدین کے استاد کے حقوق کس قدر ہیں، جس استاد نے کچھ علم دینی اور دنیوی کی تعلیم حاصل کی ہو اور ان علوم کے فیضان سے منافع دنیاوی اس کو نیز دینی حاصل ہوئے ہوں ایسے استاد کے کچھ حقوق از روئے آیہ شریفہ وحدیث صحیح سے بیان فرمایئے گا۔

الجواب:

عالمگیری میں نیز امام حافظ الدین کردری سے ہے:

قال الزندویستی حق العالم علی الجاھل وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء وھو ان لا یفتتح بالکلام قبلہ ولایجلس مکانہ وان غاب ولا یرد علی کلامہ ولا یتقدم علیہ فی مشیہ[2]۔	یعنی فرمایا امام زندویستی نے کہ عالم کا حق جاہل اور استاد کا حق شاگرد پر یکساں ہے اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت (عدم موجودگی) میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے۔

اسی میں غرائب سے ہے:

ینبغی لرجل ان یراعی حقوق استاذہ	آدمی کو چاہئے کہ اپنے استاذ کے حقوق وآداب کا

---

[1] ردالمحتار کتاب الدعوٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۴۳۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثلاثون نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۷۳

وآدابہ لایضن بشیئ من مالہ[1]۔	لحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کرلینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔

اسی میں تاتارخانیہ سے ہے:

یقدم حق معلمہ علی حق ابویہ وسائر المسلمین و یتوضع لمن علّمہ خیرا ولو حرفا ولاینبغی ان یخذلہ ولایساثر علیہ احد فان فعل ذلك فقد فصم عروۃ من عری الاسلام و من اجلالہ ان لایقرع بابہ بل ینتظر خروجہ[2] اھ مختصر۔ قال اللہ تعالٰی: "اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُ جَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵﴾"[3]۔	یعنی استاد کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے اور جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لئے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے، اپنے استاد پر کسی کو ترجیح نہ دے، اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام کی رسیوں سے ایک رسّی کھول دی، استاذ کی تعظیم یہ ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہو تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے اھ مختصراً۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا) بیشک اے حبیب! جو لوگ حجروں سے باہر کھڑے ہوکر تمہیں بلاتے ہیں ان میں سے اکثر بیوقوف ہیں وہ صبر کرتے حتی کہ تم خود بخود باہر آجاتے تو ان کے لئے بہتر تھا اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاد علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے، ہاں اگر کسی خلاف شرع بات کا حکم دے ہرگز نہ کرے۔

لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[4]۔	اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں ہے۔ (ت)

مگر اس نہ ماننے پر بھی گستاخی وبے ادبی سے پیش نہ آئے فان المنکر لایزال بمنکر (کیونکہ

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثلاثون فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۳۷۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الثلاثون فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۹-۳۷۸

[3] القرآن الکریم ۴۹ /۴ و ۵

[4] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث الحکم بن عمر والغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۶۶

ناپسندیدہ چیز ناپسند عمل سے زائل نہیں ہوتی۔ت) نافرمانی احکام کا جواب اسی تقریر سے واضح ہو گیا اس کا وہ حکم کہ خلاف شرع ہو مستثنٰی کیا جائے گا بکمال عاجزی و زاری معذرت کرے اور بچے اور اگر اس کا حکم مباحات میں ہے تو حتی الوسع اس کی بجا آوری میں اپنی سعادت جانے اور نافرمانی کا حکم معلوم ہو چکا اس نے اسلام کی گرہوں سے ایک گرہ کھول دی۔ علماء فرماتے ہیں جس سے اس کے استاد کو کسی طرح کی ایذا پہنچے وہ علم کی برکت سے محرورم رہے گا اور اگر اس کے احکام واجبات شرعیہ ہیں جب تو ظاہر ہے کہ ان کا لزوم اور زیادہ ہو گیا ان میں اس کی نافرمانی صریح راہ جہنم ہے، **والعیاذ باللہ، واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۶:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ در ضلع ہزارہ از اضلاع پنجاب دستور آنچنانست کہ اہل علم و تقوی را در مساجد بہر امامت معین می کنند کہ ہم بمسجد نشینند واذان گویند و امامت نمایند وہر کہ از طلبہ علم آید او را درس قرآن عظیم و علوم دینیہ دہند وچوں ایشاں را از اشتغال بحوائج خود ہا باز می دارند لاجرم تکفل معیشت آناں می کنند وحسب مقدور ہدایا و نذور بخدمت ایشاں می گزارند ہم بریں معمول مردے شریف النسب کبیر السن عالم دین ورع متقی کہ از نسل پاک حضرات سادات ست بمسجدے از زمانہ دراز مقرر وکارہائے مذکورہ بحسن انتظام انجام میداد وطلبہ را قرآن وفقہ می آموخت مردے از قوم گوجر کہ دریں دیار از اراذل واجلاف معدود شوند پیشہ آبادی ترک گرفتہ راہ تعلم پیش گرفت وبریں سید قرآن خواند وکنز وقدوری وغیرہما کتب دینیہ نیز باز ہوائے فلسفہ در سرش	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ ضلع ہزارہ میں رواج ہے کہ اہل علم و تقوی کو امامت کے لئے مقرر کرتے ہیں وہ مسجد میں رہتے ہیں، اذان کہتے ہیں امامت کراتے ہیں اور جو طالب علم آئے اسے قرآن مجید اور علوم دینیہ پڑھاتے ہیں، چونکہ وہ اپنی ضروریات پورا کرنے کی طرف توجہ نہیں دے سکتے اس لئے لوگ ان کی ضروریات پورا کرنے کا ذمہ لے لیتے ہیں اور حسب طاقت ہدیے اور نذرانے ان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اسی طریقے پر ایک شخص شریف النسب، معمر، عالم دین، متقی، پرہیزگار جو سادات کی نسل پاک سے ہے مدت سے ایک مسجد میں مقرر تھا اور مذکورہ بالا کام اچھی طرح ادا کرتا تھا، طلباء کو قرآن مجید اور فقہ پڑھاتا تھا گوجر قوم (جو لوگ اس علاقہ میں کم مرتبہ شمار کئے جاتے ہیں) کے ایک آدمی نے اپنا آبائی پیشہ ترک کرکے علم حاصل کرنا شروع کر دیا اور انہی سید صاحب سے قرآن مجید، کنز وقدوری وغیرہ کتب دینیہ پڑھیں

جنبید وبربعضے مردمان چیزے ازطبیعیات والٰہیات آناں آنچناں کہ مقرر درس ہندیان ست خواند خود را عالمی کبیر گرفت وباستاذ اول کہ معلم علم دین بود بسرکشے برآمد و از طمع او را معلوم کہ نصیب ائمہ می شود بروے ثابت شود از منصب امامت برآوردن وخود بجائے او قیام کردن خواست وبربنائے حرفے چند کہ از علوم فلسفیہ آموختہ است خود را براں فقیہ فضل نہاد و اولٰی تر بامامت وانمود حالانکہ زنہار نہ درعلم دین ہمسنگ او بود نہ در ورع و تقوی ہمرنگ او حتی کہ از حق استاذیش منکر شد ودر ابتدائے امر قرآن وغیرہ آموختن را وقعی نہ نہاد وموجب حقوق استاذی ندانست آیا ایں چنیں کس سزائے امامت است یانہ،و اگر باشد پس اولٰی بامامت آں سید ست یا ایں کس وبہر حال آیا روا باشد کہ آں پیر فقیہ شریف متقی رابے قصوری از منصب امامت برانداز وایںکس رابجایش مقرر سازند ومعلوم ست کہ دریں اضلاع آنچنانکہ منصب امامت موجب اعزاز وکرامت ست ہمچناں در معزولی ازاں تذلیل واہانت اگر کسے بورغلانیدن متصدی ایں کار شد شرعًا خاطی وآثم بود یا نہ؟ **بیّنوا توجروا۔**

پھر اسے فلسفے کا خبط (جنون سوار) ہوا تو کچھ لوگوں نے طبعیات والٰہیات کا ایک حصہ پڑھا جیسے کہ ہندوستان کے مدارس کا طریقہ ہے اور اپنے آپ کو بہت بڑا عالم سمجھنا شروع کردیا اور جس استاذ نے اسے علم دین پڑھایا تھا اس کا مقابلہ شروع کر دیا تھا اور آمدنی کی لالچ میں استاد کو برطرف کرواکر خود اس کی جگہ مقرر ہونے کی کوشش شروع کردی اور فلسفے کے چند مسائل پڑھ لینے کی وجہ سے اس فقیہ پر اپنی فضیلت بگھارنے لگا اور اپنے آپ کو امامت کا زیادہ حقدار دکھانے لگا حالانکہ نہ علم دین میں اس کے برابر ہے نہ تقوی وپرہیزگاری میں، حتی کہ اس کے حق استاذی کا انکار کردیا اور ابتداء میں قرآن مجید وغیرہ پڑھنے کو کچھ اہمیت نہ دی اور نہ ہی اس بناء پر اس کے حق استاذی کو تسلیم کیا، آیا ایسا شخص امامت کے لائق ہے یا نہیں؟ اور اگر امامت کے لائق ہے تو امامت کے لئے زیادہ بہتر وہ سید صاحب ہیں یا یہ شخص؟ بہر حال کیا یہ جائز ہے کہ اس معمر شریف (سید) فقیہ اور متقی کو بلاوجہ امامت سے ہٹادیں اور اس کی جگہ اس شخص کو مقرر کردیں، اور یہ واضح ہے کہ اس علاقے میں جس طرح کسی کو امامت کے لئے مقرر کرنے میں اس کی عزت ہے اسی طرح اسے امامت سے برطرف کرنے میں اس کی توہین اور بے عزتی ہے اگر کوئی شخص بہکانے پر اس کام کے درپے ہوجائے تو شرعًا گنہگار اور مجرم ہوگا یا نہیں؟ بیان فرمائیں اور اللہ تعالٰی سے اجر پائیں۔ (ت)

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب ہر کرا در کوچہ علم گزرے وبرفقہ وحدیث نظرے ست روشن تر از سپیدہ صبح می داند کہ آنکس بایں حرکات خودش دادِ ناحفاظیہا داد بوجوہ چند در چند قدم از دائرہ شرع بیرون نہاد **ویکے** ناسپاسی اوستاذ کہ بلائیست بائل ودائست قائل وبرکات علم رامزیل ومبطل والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ است لایشکر اللہ من لایشکر الناس خدائے راشکر نہ کند آنکہ مردمان راسپاس نیارد اخرجہ ابوداؤد والترمذی[1] وصححہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وفرمودہ است صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ہر کہ مردمان را شکر نہ کرد خدائے عزوجل راسپاس نیاورد اخرجہ احمد فی المسند والترمذی[2] فی الجامع والضیاء فی المختارۃ بسند حسن عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ وعبداللہ بن احمد فی زوائد المسند عن النعمان بن

اے اللہ! حق اور خالص صواب کی ہدایت فرما۔ جسے کوچہ علم میں گزر اور فقہ وحدیث پر نظر ہے وہ صبح کی سفیدی سے بھی واضح طور پر جانتا ہے کہ اس شخص نے اپنی ان حرکتوں سے نالائقی کا حق ادا کردیا ہے اور بے شمار وجوہ کی بناپر شریعت کے دائرے سے قدم باہر رکھ چکا ہے: **اوّل** استاذ کی ناشکری جوکہ خوفناک بلااور تباہ کن بیماری ہے اور علم کی برکتوں کو ختم کرنے والی (خدا کی پناہ) دوجہان کے سردار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے: وہ آدمی اللہ تعالٰی کا شکربجانہیں لاتا جو لوگوں کا شکریہ ادانہیں کرتا (ابوداؤد وترمذی ازابوہریرہ) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا لم یشکر الناس لم یشکر اللہ جس نے لوگوں کاشکریہ ادانہیں کیا اس نے اللہ تعالٰی کاشکرادا نہیں کیا۔ اس حدیث کوامام احمد نے مسند میں، امام ترمذی نے جامع میں، ضیا نے المختارہ میں سند حسن کے ساتھ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور عبداللہ بن احمد نے زوائد المسند میں نعمان بن بشیر سے روایت کیا۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۰۶، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الشکر الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۷

[2] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الشکر الخ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۷، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۳۲ و ۴ /۲۷۸

بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حق عزوجل فرماید: "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَ لَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۝" [1]۔ ہرآئینہ اگر سپاس آرید بیشک بیفزایم وبیشتر بخشم شمار او اگر ناسپاسی ورزید پس بدرستیکہ عذاب من سخت ست وفرمود جلت عظمتہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝" [2] بدرستیکہ خدائے دوست نمی دارد ہر بسیار واغل سخت ناسپاس را، وفرمود عزشانہ "هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝" [3] ماکراسزا امید ہم۔ وسرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود من اولی معروفا فلم یجدلہ جزاء الاالثنا فقد شکرہ ومن کتمہ فقد کفر ہرکہ بادے احسانے کردہ شد واو را عوض نیافت جزآنکہ برائے محسن ثنائے نیک نمودہ پس بہ تحقیق کہ سپاس او نجا آورد وہرکہ پوشید پس بدرستیکہ کافر نعمت شد اخرجہ البخاری فی الادب المفرد وابوداؤد [4] فی السنن والترمذی فی الجامع وابن حبان فی التقاسیم والانواع والمقدسی فی المختارۃ برواۃ ثقات عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما ولفظت من اثنی فقد شکر ومن کتم فقد کفر [5]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم انّ عذابی لشدید ٥ اگر تم نے شکر ادا کیا تو بے شک میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری اختیار کرو گے تو (جان لو کہ) بیشک میرا عذاب سخت ہے۔ نیز ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝" بے شک اللہ تعالٰی ہر اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا، یہ بھی فرمایا: "هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝" ہم ناشکرے ہی کو بدلہ دیں گے۔ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من اولی معروفا فلم یجد لہ جزاءً الا الثناء فقد شکرہ ومن کتمہ فقد کفر جس کے ساتھ نیکی کی گئی وہ سوائے تعریف کے محسن کے لئے کچھ نہ کرسکا تو اس نے اس کا شکریہ ادا کردیا اور جس نے اس احسان کو چھپایا وہ کافر نعمت (ناشکرا) ہوا۔ (بخاری (ادب المفرد)، ابو داؤد، ترمذی، ابن حبان، مقدسی از جابر بن عبداللہ)۔ ۲دوم استاذ کے حقوق کا انکار جو کہ

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۷

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۷

[4] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی شکر المعروف آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۷، الترغیب والترہیب الترغیب فی شکر المعروف مصطفی البابی مصر ۲/ ۷۷

[5] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۴

دوم انکار حقوق کہ صریح خرق اجماع مسلمین بلکہ کافہ عقلاء ست وھذا غیر الکفران فانہ ترك العمل وھذا جحد الاصل کما لایخفی و تخصیص بتلمذ ابتدائے سودش ندہد کہ اجماع مطلق است و در حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمدہ من لم یشکر القلیل لم یشکر الکثیر[1] ہر کہ اندک راشکر نہ کند بسیار راسپاس نیارد اخرجہ عبداللہ بن الامام فی الزوائد[2] باسناد لاباس بہ والبیہقی فی السنن عن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ وللحدیث تتمۃ وھو عند البیہقی اتم واوردہ ابن الدنیا فی اصطناع المعروف مختصرا۔

سوم آنکہ ایں تحقیر نکوئے واحسان است کہ تعلیم ابتدائی راجوئے تسنجید و مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود لاتحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقی اخاك بوجہ طلیق زنہار ہیچ نکوئے راخوار مپندار اگرچہ ایں قدر کہ برادر خود رابرائے کشادہ پیش آئی۔ اخرجہ مسلم[3] عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مسلمانوں بلکہ تمام عقل والوں کے اتفاق کے خلاف ہے، یہ بات ناشکری سے جدا ہے کیونکہ ناشکری تو یہ ہے کہ احسان کے بدلے کوئی نیکی نہ کی جائے اور انکار یہ ہے کہ سرے سے احسان ہی کو نہ مانا جائے اور یہ کہنا کہ استاذ نے تو مجھے صرف ابتداء میں پڑھایا تھا اس شخص کے لئے کچھ مفید نہیں کیونکہ اس بات پر اتفاق ہے اور حدیث شریف "من لم یشکر القلیل لم یشکر الکثیر" جس نے تھوڑے احسان کا شکریہ ادا نہیں کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا۔ اس حدیث کو عبداللہ بن امام نے زوائد میں باسناد (اس میں ہرج نہیں) روایت کیا۔ اور امام بیہقی نے سنن میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس حدیث کا تتمہ ہے کہ امام بیہقی کے نزدیک اتم ہے اس کو ابن ابی الدنیا نے اصطناع المعروف میں مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔

۳سوم اس شخص نے نیکی کو حقیر جانا اور ابتدائی تعلیم کے احسان کی کچھ قدر نہ کی۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لاتحقرن من المعروف شیئا ولو ان تلقی اخاك بوجہ طلیق ہرگز کوئی شخص نیکی کو معمولی نہ سمجھے گو کہ اتنی ہو کہ تو اپنے بھائی کو مسکرا کر ملے۔ اسے مسلم نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۷۸ و ۳۷۵

[2] شعب الایمان حدیث ۹۱۱۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۵۱۶

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب استحباب طلاقۃ الوجہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۹

وفرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یانساء المسلمات لاتحقرن جارۃ لجارتھا ولو فرسن شاۃ اے زنان مسلماناں ہر گز خورد وخوار نہ پندارد ہیچ زن ہمسایہ مرزن ہمسایہ خودرا یعنی ہدیہ وتصدق اگرچہ سم گوسپند باشد اخرجه الشیخان [1] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه ودر حدیث دیگر آمدہ ولو بظلف محرق [2] اگرچہ سم سوختہ بود وتخصیص زناں از بہر آں ست کہ سخط وکفران در طبع ایشاں بیشتر از مرداں ست سبحٰن اللہ مگر درابتدائے کار تعلیم نصوح وتربیت روح کمتر وحقیر تراز سم سوختہ گوسپند ست کہ او راوقع ندرند وحقے نہ شمارند۔ **چہارم** آنکہ ایں حقیر راجعست والعیاذباللہ تعالٰی بسوئے تحقیر قرآن ومختصرات فقہ کہ ہر کہ اینہا آموخت گویا ہیچ نیاموخت العظمۃ للہ اگر کار بالتزام کشیدی خود کفر قطعی بودے حالانکہ نہ ازاں کہ حرام اشد وخبث ابعد باشد نسأل اللہ العفو والعافیۃ علماء فرمود اند مردے صالح پسرش رامعلّمی بمعلوے معین کرد ہمیں کہ فرزند سورہ فاتحہ آموخت پدر چارہزار دینار بشکر فرستاد معلم گفت ہنوز چہ دیدہ اند کہ	آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: یانساء المسلمات لاتحقرن جارۃ لجارتھا ولو فِرسَنَ شاۃٍ اے مسلمان عورتو! کوئی عورت بھی اپنی پڑوسن کے ہدیے کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا سُم ہی کیوں نہ ہو (بخاری ومسلم از ابوہریرہ) ایک اور حدیث میں ہے ولو بظلفِ محرق اگرچہ جلاہوا سُم ہی ہو۔ عورتوں کو خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ ناپسندیدگی اور ناشکری میں عورتیں مردوں سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ سبحان اللہ! شاید اس شخص نے پرخلوص ابتدائی تعلیم اور روح کی پرورش کو جلے ہوئے سم سے بھی حقیر اور کم مرتبہ جانا کہ اسے کچھ اہمیت ہی نہیں دیتا اور نہ ہی اس کا کوئی حق شمار ہوتا ہے۔ **چہارم** خدا کی پناہ استاذ کی ابتدائی تعلیم کو حقیر جاننا قرآن مجید اور فقہ کی مختصر کتابوں کی بے ادبی کی طرف راجع ہے گویا کہ جس نے انہیں پڑھا اس نے کچھ بھی نہیں پڑھا اگر وہ شخص اسے لازم پکڑتا تو معاملہ یقیناً کفر کی حد تک پہنچ جاتا اب بھی یہ بات شدید حرام اور بدترین خبیث ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت طلب کرتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ایک نیک آدمی نے اپنے لڑکے کو ایک استاد کے سپرد کیا ابھی لڑکے نے سورہ فاتحہ

[1] صحیح البخاری کتاب الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۹، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب الحث علی النفاق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

[2] سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب ردالسائل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۳۵۸

اینہا بخشیدہ اند پدر گفت زیں باز پسرم را معلم نباشی کہ عظمت قرآن در دل نداری، **والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔** **پنجم** آنکہ باستاذ بمقابلہ برآمد وایںہم زائد ناسپاسی ست زیرا کہ اوترک شکرست وایں ایتان خلاف الاتری ان من لم یذکر النعمۃ فقد کفرھا کما اثبتنا بالاحادیث ومن قابلھا باساءۃ فقد زاد وایں در رنگ عقوق باپدرست چراکہ اوستاذ را دروزان پدر نہادہ اند لہٰذا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم۔ ہمیں ست کہ من شمارا بجائے پدرم علم می آموزم شمارا اخرجہ احمد والدارمی و ابو داؤد[1] والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ بلکہ علماء گفتہ اند حق استاذ را برحق والدین مقدم دارد کہ ازیشاں حیات بدن ست وایں سبب حیات روح ست	پڑھی تھی کہ باپ نے چار ہزار دینار شکریے کے طور پر بھیجے، استاد نے کہا ابھی آپ نے کیا دیکھا ہے کہ اتنی مہربانی فرمائی، باپ نے کہا اس کے بعد میرے لڑکے کو ہر گز نہ پڑھانا کہ تمہارے دل میں قرآن مجید کی عزت ہی نہیں ہے۔ **والعیاذ باللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔** ۵ **پنجم** استاذ کا مقابلہ کرنا یہ بھی ناشکری سے زائد ہے کیونکہ ناشکری تو یہ ہے کہ شکر نہ کیا جائے اور مقابلے کی صورت میں بجائے شکر کے اس کی مخالفت بھی ہے دیکھئے جو شخص احسان کو پیش نظر نہیں رکھتا اس نے احسان کی ناشکری کی ہے جیسے کہ ہم نے احادیث سے ثابت کیا جس نے احسان کے بدلے برائی کی اس لئے تو ناشکری سے بھی بڑا گناہ کیا اور یہ اسی طرح ہے کہ جیسے باپ کی نافرمانی کی جائے کیونکہ استاذ کو باپ کے برابر شمار کیا گیا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم میں تمہارے لئے باپ کی حیثیت رکھتا ہوں میں تمہیں علم سکھاتا ہوں۔ اسے امام احمد، دارمی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب کراھیۃ استقبال القبلۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳، سنن النسائی باب النھی عن الاکتفاء فی استطابۃ باقل الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۱/ ۱۶، سنن ابن ماجہ باب الاستنجاء بالحجارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷

فی عین العلم یبرالوالدین فالعقوق من الکبائر یقدم حق المعلم علی حقهما فهو سبب حیٰوۃ الروح[1] ھملخصًا۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالٰی در تیسیر شرح جامع صغیر می آرد۔ من علم الناس ذاك خیر اب ذاك ابو الروح لا ابو النطف[2] وخود پیداست کہ شامت عقوق از کجا تا کجاست تا آنکہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اورا درجنب اشراک باللہ داشت واز سخت ترین کبائر انگاشت فقد اخرج الشیخان و الترمذی عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا انبئکم باکبر الکبائر ثلثا قلنا بلٰی یارسول اللہ قال الاشراك باللہ وعقوق الوالدین[3] الحدیث، وخود اگر احادیث ایں باب شمردن گیریم دفتری بالیست	بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ استاذ کے حق کو والدین حق پر مقدم رکھنا چاہئے کیونکہ والدین کے ذریعے بدن کی زندگی ہے اور استاذ روح کی زندگی کا سبب ہے۔ عین العلم میں ہے: والدین کے ساتھ نیکی کرنی چاہئے کیونکہ ان کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے اور استاذ کے حق کو والدین کے حق پر مقدم رکھنا چاہئے کیونکہ وہ روح کی زندگی کا ذریعہ ہے (ملخصًا) علامہ مناوی جامع صغیر کی شرح تیسیر میں نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص لوگوں کو علم سکھائے وہ بہترین باپ ہے کیونکہ وہ بدن کا نہیں روح کا باپ ہے، ظاہر ہے کہ نافرمانی کی شامت کہاں تک ہے، حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے شرک کے پہلو میں شمار کیا اور بدترین کبیرہ گناہ خیال فرمایا۔ امام بخاری، مسلم اور ترمذی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں سب سے بڑا گناہ نہ بتادوں؟ یہ بات آپ نے تین دفعہ فرمائی۔ صحابہ نے عرض کی: فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالٰی کے ساتھ شرک کرنا

[1] عین العلم الباب الثامن امرت پریس لاہور ص ۳۴۳ تا ۳۴۵

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث انما انا لکم بمنزلة الوالد مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۶۱

[3] صحیح البخاری کتاب الشهادات باب ماقیل فی شهادۃ الزور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الکبائر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۴، جامع الترمذی ابواب البر والصلة ۲/ ۱۲، ابواب الشهادات ۲/ ۵۴ امین کمپنی

املا کرد۔ ششم آنکہ ایں معنی با باق غلام از آقائے خود مناسب است طبرانی از ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت دارد کہ مولائے عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود من عَلَّمَ عبدًا اٰیۃً من کتاب اللہ تعالٰی فھو مولاہٗ[1] ہر کہ بندہ را آیتے از کتاب خدا عزوجل آموخت آقائے او شد، واز امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی می آرند کہ فرمود من عَلَّمنی حرفا فقد صیرنی عبدا ان شاء باع وان شاء اعتق[2] ہر کہ مرا حرفے آموخت پس بہ تحقیق مرا بندہ خود ساخت اگر خواہد فروشد واگر خواہد آزاد کند، وامام شمس الدین سخاوی در مقاصد حسنہ از امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ تعالٰی ے آرد کہ گفت من کتبت عنہ اربعۃ احادیث اوخمسۃ فانا عبدہ حتی اموت[3] ہر کہ از وے چار یا پنج حدیث نوشتم بندہ اش شدم تا آنکہ بمیرم بلکہ در لفظ دگر گفت ما کتبتُ عن احد حدیثا	اور والدین کی نافرمانی کرنا۔اور اگر اس قسم کی حدیثیں گننا شروع کردی جائیں تو ان کے لئے دفتر درکا ہوگا۔ ۶ششم: یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ جائے، طبرانی نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "من علم عبدا اٰیۃ من کتاب اللہ تعالٰی فھو مولاہ" جس نے کسی آدمی کو قرآن مجید کی ایک آیت پڑھائی وہ اس کا آقا ہے۔امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں من علمنی حرفا فقد صیرنی عبدا ان شاء باع وان شاء اعتق جس نے مجھے ایک حرف سکھایا اس نے مجھے اپنا غلام بنالیا چاہے تو مجھے بیچ دے اور چاہے تو آزاد کر دے۔امام شمس الدین سخاوی حدیث کے امیر المومنین شعبہ بن حجاج رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا "من کتبت عنہ اربعۃ احادیث او خمسۃ فانا عبدہ حتی اموت" جس سے میں نے چار یا پانچ حدیثیں لکھیں میں اس کا تاحیات غلام ہوں بلکہ انہوں نے فرمایا "ما کتبتُ عن احد حدیثا

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۵۲۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸/ ۱۳۲

2

[3] المقاصد الحسنۃ تحت حدیث ۱۱۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۴۲۱

الاو کنت له عبدا ماحیی [1] یعنی از ہر کہ یک حدیث نوشتہ ام مدة العمر اورا بندہ ام۔ وایں احادیث وروایات آں زعم باطل رانیز از بیخ بر می کند کہ تعلیم ابتدائی راقدر رے ندانست وخود معلوم ست کہ اباق از مولی کبیرہ ایست عظمی تا آنکہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آبق راکافر گفتہ است کما رواہ مسلم [2] عن جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ و ناپذیرا شدن نمازش دراحادیث کثیرہ واردست کحدیث مسلم [3] عنہ وحدیث الترمذی عن ابی امامة و حدیث الطبرانی وابن خزیمة وابن حبان عن جابر و حدیث الحاکم والمعجمین الاوسط والصغیر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والسر دیطول۔

ھفتم خود رابر اوستاذ فضل می نہد وایں خلاف مامور ست اخرج الطبرانی فی الاوسط وابن عدی فی الکامل عن ابی ھریرة عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعلموا العلم وتعلموا

الاو کنت له عبدا ماحیی" جس سے میں نے ایک حدیث لکھی میں اس کا عمر بھر غلام رہاہوں۔ یہ حدیثیں اور روایتیں اس باطل خیال کو جڑ سے اکھیڑ دیتی ہیں کہ ابتدائی تعلیم کی کیاقدر ہے اور واضح ہے کہ آقا سے بھاگ جانا بہت بڑا گناہ ہے حتی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بھاگنے والے غلام کو کافر فرمایا ہے جیسے کہ امام مسلم نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا بھاگنے والے غلام کی نمازوں کا نامقبول ہونا بہت سی حدیثوں میں وارد ہے جیسے کہ امام مسلم نے جریر بن عبداللہ سے امام ترمذی نے ابوامامہ سے طبرانی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے حضرت جابر سے حاکم معجم اوسط اور معجم صغیر نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی تمام روایات کے نقل کرنے سے طوالت پیدا ہوگی۔

۷**ہفتم** اپنے آپ کو استاذ سے افضل قرار دیتاہے اور یہ خلاف مامور ہے طبرانی نے اوسط میں اور ابن عدی نے کامل میں ابوہریرة رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں تعلموا العلم وتعلموا

---

[1] المقاصد الحسنة تحت حدیث ۱۱۵۵ دار الکتب العلمیة بیروت ص ۴۲۱

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تسمیة العبد الآبق کافرًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تسمیة العبد الآبق کافرًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸

للعلم السكينة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه [1]علم آموزید وبہر علم سکون ومہابت آموز وپیش استاذ کہ شمارا تعلیم کردہ است تواضع وفروتنی ورزید بخردان سعادتمند اگر بر اوستاذ چربند ہم از برکت وفیض اوستاذ دانند وبیشتر از پیشتر روئے بر خاک پالیش مالند،

ع کاخرای باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

وبیخرداں شریر دادند چوں سرپنجہ توانائی یابند بر پدر پیر بسر ہنگی شتابند وسراز خط فرمانش تابند زود بینی کہ چوں بہ پیری رسند کیفر کفران از دست خود چشند کماتدین تدان ولعذاب الاٰخرۃ اشد وابقی۔

ہشتم آنکہ علماء فرمودہ اند از حق اوستاذ برشاگرد آنست کہ برفراش او نہ نشیند اگرچہ اوستاذ حاضر نہ باشد، فی ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار عن منح الغفار عن الفتاوی البزازیۃ عن الامام الزندویستی قال حق العالم علی الجاھل وحق الاستاذ علی التلمیذ واحد علی السواء وھو ان لایفتتح الکلام قبلہ ولایجلس مکانہ وان غاب

للعلم السكينة والوقار وتواضعوا لمن تعلمون منه علم سیکھو اور علم کے لئے ادب واحترام سیکھو، جس استاذ نے تجھے علم سکھایا ہے اس کے سامنے عاجزی اور انکساری اختیار کرو عقلمند اور سعادت مند اگر استاذ سے بڑے بھی جائیں تو اسے استاذ کا فیض اور اس کی برکت سمجھتے ہیں اور پہلے سے بھی زیادہ استاذ کے پاؤں کی مٹّی پر سر ملتے ہیں ع

آخر اے باد صبا! سب تیرا ہی احسان ہے

بے عقل اور شریر اور ناسمجھ جب طاقت وتوانائی حاصل کرلیتے ہیں تو بوڑھے باپ پر ہی زور آزمائی کرتے ہیں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی اختیار کرتے ہیں جلد نظر آجائے گا کہ جب خود بوڑھے ہوں گے تو اپنے کئے ہوئے کی جزا اپنے ہاتھ سے چکھیں گے، جیسا کروگے ویسا بھروگے، اور آخرت کا عذاب سخت اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

۸ہشتم علماء فرماتے ہیں کہ استاذ کا شاگرد پر یہ بھی حق ہے کہ استاذ کے بستر پر نہ بیٹھے اگرچہ استاذ موجود نہ ہو، درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں منح الغفار سے انہوں نے فتاوٰی بزازیہ سے انہوں نے امام زندویستی سے نقل کیا کہ عالم کا حق جاہل پر اور استاذ کا حق شاگرد پر برابر ہے کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اس کی جگہ نہ بیٹھے اگرچہ وہ موجود نہ ہو اور اس کی

[1] المعجم الاوسط حدیث ۶۱۸۰ مکتبۃ المعارف ریاض ۷/ ۱۰۵، الکامل لابن عدی ترجمہ عباد بن کثیر الثقفی دارالفکر بیروت ۴/ ۱۶۴۲

ولایرد علیه کلامه ولایتقدم علیه فی مشیه [1] پس چگونہ روا باشد کہ اوستاذ رابزور از منصبش افگنند وخود بجایش برآمدہ لافہا زنند حالانکہ از مجلس تا معاش واز منصب تا فراش فرقے کہ ہست پیداست۔ نہم ہمچنیں فرمودہ اند کہ تلمیذ رادر رفتن وسخن گفتن بر اوستاذ تقدم وسبقت نمی رسد کما سمعت اٰنفا پس چساں گوارا آید کہ اورا بالجبر پستر نمایند وخود پیشی وبیشی گرفتہ برمنصہ امامت برآیند۔ دھم آنکہ سید موصوف گو اوستاذ ایں کس مباش اما آخر مسلما نیست وایں کار کہ فلاں خواست بالبداہت موجب ایذائے اوست وایذائے مسلم بے وجہ شرعی حرام قطعی قال اللہ "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾" [2] آنانکہ آزار دہند مردان مومن وزنان مومنہ رابے جرم پس بہ تحقیق کہ	بات کو رَد نہ کرے اور چلنے میں اس سے آگے نہ ہو، لہٰذا کس طرح جائز ہوگا کہ استاذ کو طاقت کے ذریعے اس کے مرتبے سے گراکر خود اس کی جگہ بیٹھا جائے اور لافیں ماری جائیں حالانکہ بیٹھنے کی جگہ اور معاش میں اسی طرح بستر اور مرتبے میں واضح فرق ہے (یعنی جب استاذ کی جگہ اور اس کے بستر پر بیٹھنا نہیں چاہئیے تو اس کے ذریعہ معاش اور مرتبے کو چھیننا کس طرح درست ہوگا) ۹ نہم اسی طرح علماء نے فرمایا ہے کہ شاگرد کو بات کرنے اور چلنے میں استاذ سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے جیسے کہ ابھی گزرا، پھر یہ کس طرح درست ہوگا کہ اوستاذ کو مجبور کرکے پیچھے ہٹادیا جائے اور خود منصب امامت سنبھال لیا جائے۔ ۱۰ دھم سید موصوف اگرچہ اس شخص کے استاذ نہ ہوں آخر مسلمان تو ہیں اور یہ کام جو اس شخص نے اختیار کیا ہے واضح ہے اس میں سید صاحب کی تکلیف ہے اور مسلمان کو بغیر کسی شرعی وجہ کے تکلیف دینا قطعی حرام ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾" وہ لوگ جو ایماندار مردوں

[1] ردالمحتار مسائل شتّٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۸۱

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

بهتان وگناه آشکارا بر خود بر داشتند، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماید **من اٰذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله** ہر کہ مسلمانے را آزار داد مرا اذیت رسانید وہر کہ مرااذیت رساند حق تعالٰی را ایذا کرد، اے وہر کہ او سبحانہ را ایذا کرد پس سرانجام ست کہ بگیر داو را **اخرجه الطبرانی فی الاوسط**[1] **عن انس رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن**، وامام اجل رافعی از سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ روایت کرد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود **لیس منّا من غش مسلما اوضره اوما کره**[2] از گروہ مانیست آنکہ بدغابدی مسلمانے خواہد یاباوضررے رساند یا باوے بمکر پیش آید واحادیث دریں باب بسیاراست بحیث لامطمع فی الاستقصاء۔ **یازدهم** آنکہ ایں معنی موجب تذلیل آں مسلمان ست **کما بیّن السائل** ومصطفٰی فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **من اذلّ عنده مؤمن فلم ینصره وهو یقدر علی ان ینصره اذلّه الله علٰی رؤس الاشهاد یوم القیٰمة** یعنی ہر کہ پیش او	اور عورتوں کو بغیر کسی جرم کے تکلیف دیتے ہیں بے شک انہوں نے بہتان اور کھلاگناہ اپنے ذمّے لے لیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من اٰذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی الله جس نے مسلمان کو تکلیف دی اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ تعالٰی کو تکلیف دی یعنی جس نے اللہ تعالٰی کو تکلیف دی بالآخر اللہ تعالٰی اسے عذاب میں گرفتار فرمائے گا۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت کیا۔ وامام اجل رافعی نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا **ولیس منّا من غش مسلما اوضره اوما کره** یعنی وہ شخص ہمارے گروہ میں سے نہیں ہے جو مسلمان کو دھوکا دے یا تکلیف پہنچائے یا اس کے ساتھ مکر کرے، اس بارے میں بے شمار حدیثیں ہیں۔ "**یازدهم** یہ بات اس مسلمان کی بے عزتی کاسبب ہے جیسے کہ سوال کرنے والے نے بیان کیا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من اذلّ عنده مؤمن فلم ینصره وهو یقدر علی ان ینصره اذلّه الله علی رؤس الاشهاد یوم القیامة یعنی جس شخص کے

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴ /۳۷۳

[2] التدوین فی اجناد قزوین باب الشین زیارات حرف ش بیروت ۳ /۸۷

تذلل مسلمانے کردہ شود واو باوصف قدرت قیام بنصرت نمنماید حق جل وعلا او را روز قیامت برملا ذلیل ورسوا فرماید **اخرجه الامام احمد**[1] **عن سھل بن حنیف رضی الله تعالٰی عنه باسناد حسن العظمة لله** چوں سکوت برتذلیل مسلم باعث چنیں عذاب مولم ست قیاس می باید کرد کہ خود بہ تذلیلش پرداختن ودر وجہ اعزازی کہ او را پیش مسلماناں ست بے وجہ رخنہ انداختن چہ قدر موجب عتاب وغضب رب الارباب باشد **والعیاذ باللہ**۔ **دوازدھم** آنکہ شناعت حسد خود نہ چنانست کہ محتاج بیان ست واگر ہیچ نبودے جزآنکہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمودہ است **لایجتمع فی جوف عبد الایمان والحسد** بھم نشود دردل بندہ ایمان وحسد **اخرجه ابن حبان فی صحیحه**[2] **و من طریقه البیھقی عن ابی ھریرة رضی الله تعالٰی عنه**۔ وفرمودہ است صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب او قال**	سامنے کسی مسلمان کی بے عزتی کی جائے اور طاقت کے باوجود اس کی امداد نہ کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالٰی اسے برملا ذلیل ورسوا کرے گا۔ اسے امام احمد نے سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا، تمام عظمتیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مسلمان کی بے عزتی کو دیکھ کر خاموش رہنا ایسے عذاب کا باعث ہے تو خود اسے ذلیل کرنے کے درپے ہونا اور جس مرتبہ کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے نزدیک عزت حاصل ہو اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کرنا کس قدر عذاب اور اللہ تعالٰی کے غضب کا سبب ہوگا۔ ۱۲ **دوازدھم** حسد (یہ کوشش کرنا کہ کسی کا مرتبہ چھن جائے) کی برائی محتاج بیان نہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **لایجتمع فی جوف عبد الایمان والحسد** آدمی کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہوتے۔ اس ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور بیہقی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ایاکم والحسد فان الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب وقال**

[1] مسند احمد بن حنبل عن سھل بن حنیف المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۴۸۷

[2] موارد الظمآن کتاب الجھاد حدیث ۱۵۹۷ المطبعة السلفیه ص ۳۸۵، شعب الایمان حدیث ۶۶۰۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۲۶۷

العشب دور باشید از حسد کہ می خورد حسنات راچنانکہ میخورد آتش ہیزم رایافرمود گیاہ را۔ اخرجه ابوداؤد والبیهقی [1] عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه، وابن ماجة وغیره عن انس رضی الله تعالٰی عنه ولفظه الحسد یاکل الحسنات کما تاکل النار الحطب [2] الحدیث۔ ودر مسند الفردوس از معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مرویست کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی عنہ فرمود الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصَّبِر العسل [3] حسد تباہ می کند ایمان راچنانکہ تباہ میکند صَبِر شہد را، وصَبِر بفتح صاد کسر باء عصارہ درختیست بہ تلخی معروف باز حسد نیست جزآنکہ از کسے زوال نعمتی خواہند کما عرفه بذٰلك العلماء پس بخودی خود قیام بازالہ آں نمودن پیداست کہ وبال ونکالش تاکجار سیدنی ست۔ **سیزدھم** آنکہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکمال رحمت وعنایتے کہ برحال مسلمانان دارد روا نداشتہ است کہ خطبہ برخطبہ مسلمانے کنند یاسوم برسوم وے نمایند	العشب حسد سے دور رہو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو، یافرمایا گھاس کو کھا جاتی ہے (ابوداؤد وبیہقی از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ابن ماجہ وغیرہ از انس رضی اللہ تعالٰی عنہما)۔ مسند الفردوس میں معاویہ ابن حیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصَّبِر العسل حسد ایمان کو اسی طرح تباہ کردیتا ہے جس طرح صَبِر شہد کو تباہ کردیتا ہے۔ صَبِر، صاد پر فتحہ اور باء کے نیچے کسرہ ایک درخت کا انتہائی کڑوا نچوڑ ہے پھر حسد اسے کہتے ہیں کہ کسی کی نعمت کے چھن جانے کی آرزو کی جائے جیسے کہ علماء نے حسد کی تعریف کی ہے، پھر کسی کی نعمت کو ختم کرکے خود اس کی جگہ پہنچنے کی خواہش کا وبال کہاں تک ہوگا۔ ۱۳ **سیزدھم** نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مسلمانوں کے ساتھ بے حد شفقت ہے اس کے باوجود آپ نے اس بات کو جائز نہ رکھا کہ ایک مسلمان نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الحسد آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۱۶، شعب الایمان حدیث ۶۶۰۸ دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۲۶۶

[2] سنن ابن ماجه ابواب الزهد باب الحسد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۰

[3] کشف الخفاء بحواله الدیلمی عن معاویة بن حیدة حدیث ۱۱۲۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۱۷

اخرج الائمۃ احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایخطب الرجل علٰی خطبۃ اخیہ ولایسوم علی سومہ[1]۔وفی الباب عن عقبۃ بن عامر وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم یعنی یکے می خرد وبائع ومشتری برچیزے تراضی کردہ اند دیگرے آید وبہا افزاید وخود ببرد یا یکے مرد زنے را خواستگاری کردہ است ورائے برتزویج قرار بگرفتہ دیگرے برخیزد وسببے انگیزد ومخطوبہ او رابحبالہ خود کشید ایں ہمہ ممنوع وناروا ست حالانکہ دریں صور تنہا محض قرار داد ست نہ حصول پس چساں حلال باشد کہ برمسلمانے دست تعدی دراز نمایند وازوے نعمت موجودہ حاصلہ بربایند ایں خود ستم صریح است ومصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود الظلم ظلمۃ یوم القیمۃ ستم تاریکیہاست روز قیامت اخرجہ البخاری ومسلم[2]	دے رکھا ہو تو دوسرا بھی دے دے یا ایک آدمی سودا کررہا ہو دوسرا بھی سودا کرنے لگ جائے (امام احمد، بخاری و مسلم از ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ) حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لایخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ ولایسوم علی سومہ۔اس سلسلہ میں عقبہ بن عامر اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی روایت ہے یعنی ایک آدمی کوئی چیز خرید رہاہے خریدار اور فروخت کنندہ دونوں راضی ہوچکے ہیں ایک اور آدمی زیادہ قیمت دے کر وہ چیز لے جاتاہے یا ایک مرد نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے رکھاہے اور دونوں رضا مند ہوچکے ہیں ایک اور آدمی کسی طریقے سے اس عورت کے ساتھ نکاح کرلیتاہے یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے حالانکہ ان صورتوں میں صرف رضامندی تھی کچھ حاصل نہ ہوا تھا، جب یہ ناجائز ہے تو یہ کس طرح جائز ہوگا کہ کسی کو ایک نعمت حاصل ہو اور اس پر زیادتی کرکے اس نعمت کو چھین لیا جائے، یہ صریح ظلم ہے۔نبی اکرم

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۸۷ و کتاب الشروط ۱/ ۳۷۶ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم الجمع بین المرأۃ وعمتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامیۃ بیروت ۲/ ۵۰۸ و ۵۲۹

[2] صحیح البخاری ابواب المظالم باب الظلم ظلمات یوم القیمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی الظلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۴

والترمذی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وبسندہ است قول او سبحٰنہ وتعالٰی " اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ "[1]۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔ **چہاردھم** آنکہ ایں مسلمان کہ باوے ایں چنیں بدیہا میرود بالخصوص پیرو کبیر السن ست وسیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویعرف شرف کبیرنا از مانیست ہرکہ مہر نکند برخورد ما وبزرگی نشناسد بہر کلاں ما **اخرجہ احمد والترمذی والحاکم**[2] **عن عبداللہ بن عمروبن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند حسن بل صحیح** وفرمودے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا یعنی** بر روش مانیست ہرکہ برخوردان رحم ومر پیراں راتوقیر نکند **اخرجہ الاولان**	صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الظلم ظلمٰت یوم القیٰمۃ ظلم قیامت کے روز کئی اندھیروں کے برابر ہوگا (بخاری، مسلم، ترمذی از ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما) اس کے لئے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کافی ہے " اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ " ظالموں پر خدا کی لعنت۔**والعیاذ باللہ تعالٰی۔** "۱۴ **چہاردھم** خاص طور پر یہ برائیاں جس مسلمان کے ساتھ کی جارہی ہیں بوڑھا اور معمّر ہے، سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ویعرف شرف کبیرنا وہ ہم میں سے نہیں جو بچوں پر مہربانی نہیں کرتا اور بزرگوں کی عزت کو نہیں پہچانتا (امام احمد، ترمذی، حاکم از عبداللہ بن عمروبن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما) یہ بھی فرمایا: **لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا** وہ شخص ہمارے طریقے پر نہیں جو بچوں پر مہربانی نہیں کرتا اور بڑوں کی عزت نہیں کرتا (امام احمد، ترمذی،

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۸۵ و ۲۲۲، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴، المستدرک للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۱/ ۶۲

وابن حبان عن ابن عباس[1] رضی اللہ تعالٰی عنہما و اسنادہ حسن وبنحوہ للطبرانی فی المعجم الکبیر عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ عنہ وفرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا ولیس منّا من غشنا ولایکون المؤمن مؤمنا حتی یحب للمؤمنین مایحب لنفسہ یعنی ازمانیست ہرکہ برخورد سالاں شفقت ومر سال خورداں راحق نشناسد ونہ آنکہ مومناں راخیانت کند ومسلمان مسلماں نمی شود تاآنکہ ہمہ مومنین راہماں خواہد کہ از بہر جان خود میخواہد اخرجہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ باسناد فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان من اجلال اللہ تعالٰی اکرام الشیبۃ المسلم الحدیث، از تعظیم خداست بزرگ داشتن مسلمان سپید موی اخرجہ ابوداؤد[3] عن ابی موسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ پانزدھم آنکہ پیر بالتخصیص علم دینی دارد وباعلما بد بودن وبدی نمودن	وابن حبان از ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وطبرانی از واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ) یہ بھی فرمایا: لیس منّا من لم یرحم صغیرنا ولم یعرف حق کبیرنا ولیس منا من غشنا ولایکون المؤمن مؤمنا حتی یحب المؤمنین ما یحب لنفسہ وہ ہم میں سے نہیں جو بچوں پر شفقت نہیں کرتا اور بڑوں کا حق نہیں پہچانتا، اور وہ شخص جو مومنوں کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک دوسروں کے لئے وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے (طبرانی از ضمیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ان من اجلال اللہ تعالٰی اکرام ذی الشیبۃ المسلم اللہ تعالٰی کی تعظیم میں سے یہ بھی ہے کہ سفید بالوں والے مسلمان کی عزت کی جائے۔ (ابوداؤد از ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ) ۱۵ پانزدھم وہ معمر بالخصوص علم دین سے بہرور ہے اور علماء کے ساتھ براہونا اور ان کے

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۴، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۷، المعجم الکبیر حدیث ۱۲۲۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۴۴۹

[2] المعجم الکبیر عن ضمرہ بن ابی ضمرۃ حدیث ۸۱۵۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۳۰۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب تنزیل الناس منازلھم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

نچنداں برست کہ بگفتن آید، سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماید لیس من امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا حقه از امت من نیست آنکہ تعظیم نکند بزرگ مارا و شفقت ننماید خورد مارا و حق نشناسد عالم مارا اخرجه احمد[1] فی المسند والحاکم فی المستدرك و الطبرانی فی الکبیر عن عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن، وفرمود صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثلثة لایستخف بحقهم الا منافق ذوالشیبة فی الاسلام وذوالعلم وامام متقسط سہ کسانند کہ سبک نگیرد حق ایشاں را مگر منافق یکے آنکہ دراسلام مویش سپید شد، دوم عالم، سوم پادشاہ عادل اخرجه الطبرانی[2] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه بطریق حسنها الترمذی لغیر هٰذا المتن۔

شانزدھم آنکہ ایں ذی علم بالخصوص سیدست و تعظیم ایں نسل طاہر ونسب فاخر از اہم واجبات وایذائے آناں و بدخواہی ایشاں ازاشد موبقات درحدیث ابوالشیخ

ساتھ برائی کرنا اتنا برا ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: لیس من امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا حقه وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑے کی تعظیم نہیں کرتا اور ہمارے بچے پر مہربانی نہیں کرتا اور ہمارے عالم کا حق نہیں پہچانتا (امام احمد، حاکم، طبرانی فی الکبیر از عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ) نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثلثة لایستخف بحقهم الا منافق ذوالشیبة فی الاسلام و ذوالعلم وامام متقسط تین شخص ہیں جن کے حق کو صرف منافق خفیف سمجھتا ہے (۱) وہ مسلمان جس کے بال سفید ہوچکے ہوں (۲) عالم (۳) عادل بادشاہ (طبرانی نے اس حدیث کو ایسی سند سے روایت کیا جسے امام ترمذی نے ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے حسن قرار دیا)

۱۶ **شانزدھم** بالخصوص وہ عالم سید ہیں اور ان کی دشمنی سخت ہلاکت کا سبب ہے ابوالشیخ ابن حبان اور دیلمی کی روایت میں ہے: من لم یعرف حق عترتی والانصار

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبادہ بن الصامت المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۲۳، الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والطبرانی والحاکم الترغیب فی اکرام العلماء المصطفی البابی مصر ۱/ ۱۱۴

[2] المعجم الکبیر عن ابی امامة حدیث ۷۸۱۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۲۳۸

ابن حبان ودیلمی آمدہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود **من لم یعرف حق عترتی و الانصار والعرب فھم لاحدی ثلث اما منافق واما ولد زانیۃ واما اِمرُؤ حملت بہ امہ لغیر طھر**[1]۔ہر کہ نشناسد حق آل من وحق انصار واہل عرب آن بہریکے از سہ وجہ است یامنافق ست یاچہ زنا یامردی کہ مادرش باودر ایام بے نیای بارور شدہ است۔**واخرج ابن عساکر وابونعیم عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ ایضا یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اٰذی شعرۃ منی فقد اذانی ومن اذانی فقد اٰذی اللہ**[2]۔**زاد ابونعیم فعلیہ لعنۃ اللہ ملء السماء وملءالارض**[3] یعنی سید عالم فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر کہ از من موئ (یعنی ادنٰی متعلقے) راایذا داد پس بہ تحقیق مرا آزار رسانید وہر کہ مراآزار رسانید پس بدرستی کہ حق عزوجل را اذیت کرد پس بر ونفرین خداست بُپری آسمان وبُپری زمین واحادیث درجلال عترت طاھرہ وتاکید حقوق آنہا خیمہ بسر حد تواتر زدہ است، و	والعرب فھم لاحدی ثلث اما منافق واما ولد زانیۃ واما اِمرُؤ حملت بہ امہ لغیر طھر جو شخص میری آل، انصار اور اہل عرب کا حق نہیں پہچانتا وہ یا تومنافق ہے یاحرامزادہ، یااس عورت کا بچہ ہے جو بے نمازی کے دنوں میں حاملہ ہوئی ہو۔ابن عساکر اور ابونعیم نے حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں **من اٰذی شورۃ منی فقد اذانی ومن اذانی فقد اٰذی اللہ، زاد ابو نعیم فعلیہ لعنۃ اللہ ملء السمآء وملء الارض** یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میرے ایک بال (یعنی معمولی سا تعلق رکھنے) کو تکلیف دی بے شک اس نے مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اس پر زمین وآسمان کے بھرنے کے برابر خدا کی لعنت، آل پاک کی عترت اور ان کے حقوق کی تاکید کے متعلق حدیثیں حدِ تواتر کو

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۹۵۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۶۲۶

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن علی بن ابی طالب حدیث ۳۴۱۵۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹۵

[3] کنزالعمال بحوالہ کر وابن المغفل حدیث ۳۵۳۵۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۴۹

باللہ التوفیق۔

ھفدھم آنکہ چوں سید موصوف حسب تصریح سائل ہم بعلم وہم بتقوٰی وہم بسن دہم بنسب اجل وافضل ست مستحق بکرامت امامت وتعظیم تقدیم ہموں است کہ ایں ہرچہار از وجوہ احقیت ست کما صرح بہ فی تنویر الابصار وغیرہ عامۃ الاسفار پس منازعتش باوے صراحۃً برخلاف حکم شرع ست "**وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ**" [1]۔

ھژدھم آنکہ ایں کس میخواہد کہ علم خود را ذریعہ تحصیل دنیا کند ودر حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آمدہ است **من اکل بالعلم طمس اللہ علی وجھہ و ردّہ علی عقبیہ وکانت النار اولٰی بہ** یعنی ہرکہ علم راذریعہ جلب مال نماید حق عزوجل روئے اورا مسخ فرماید واُو را برہردو پاشنہ اش، باز گرداند وآتش دوزخ باوسزاوارتر باشد اخرجہ الشیرازی [2] فی الالقاب عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ودر حدیث دیگرست کہ فرمود صلی اللہ

پہنچی ہوئی ہیں وباللہ التوفیق۔

ھفدھم جب سید صاحب موصوف سائل کے کہنے کے مطابق علم وتقوٰی عمراور نسب میں اعلٰی اورافضل ہیں تو وہی امامت کی عزت وتعظیم کے لائق ہے اور یہ چاروں باتیں امامت کے زیادہ حقدار ہونے کاسبب ہیں جیسے کہ تنویرالابصار وغیرہ فقہ کی بڑی بڑی کتابوں میں تصریح ہے پس ایسے شخص کے ساتھ جھگڑا شریعت کے حکم کے خلاف ہے اور جو اللہ تعالٰی کی قائم کی ہوئی حدوں سے پھاند گیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

۱۸**ھژدھم** یہ شخص چاہتاہے کہ اپنے علم کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنائے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث شریف میں ہے: من اکل بالعلم طمس اللہ وجھہ وردّہ علی عقبیہ وکانت النار اولٰی بہ جو شخص علم کو دنیا کمانے کاذریعہ بناتا ہے اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو بگاڑ دے گا اور اسے اس کی ایڑیوں پر واپس لوٹادے گا اور دوزخ کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے (شیرازی نے القاب میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی)۔ دوسری حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۱

[2] کنز العمال بحوالہ شیرازی فی الالقات حدیث ۲۹۰۳۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۹۶

I.T. Majlis of DawateIslami

تعالٰی علیہ وسلم ومن ازداد علماً ولم یزدد فی الدنیا زھدا لم یزدد من اللہ الا بعدا ہر کہ در علم افزود ودر دنیا بے رغبتی نیفزود ازخدا نیفزود مگر دوری اخرجہ الدیلمی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ[1] واحادیث دریں باب بسیار ست۔ **نوزدھم** آنکہ حرفے چند از فلسفہ مزخرفہ آموختن واندک فضلہ از کفار سفسطہ بگدیہ اندوختن پیش او گرامی کاریست بدیع ومنیع باعث فخر وشرف رفیع کہ بربنالیش خود راازاں سید فقیہ افضل واولٰی تر بامامت می انگارد حالانکہ ایں علوم فلاسفہ اعنی طبیعیات والٰہیات آنہا کہ مملو ومشحون ست از ضلالاتِ شنیعہ وبطالات قطعیہ تا آنکہ درو انبارہاست از کفر وشرک وانکار ضروریات دین وخروارہا از مضادّت قرآن ومحادّت فرمان انبیاء ومرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین، وقد فصّلنا بعضھا عنقریب فی رسالتنا سمّیناھا "مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید" اقمنا فیھا الطامۃ الکبرٰی علی المتھورین من متفلسفی الزمان وباللہ التوفیق و	تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: من ازداد علماً ولم یزدد فی الدنیا زھدا لم یزدد من اللہ الا بُعدا جس شخص نے علم زیادہ حاصل کیا لیکن دنیا سے بے رغبتی زیادہ نہ ہوئی اسے اللہ تعالٰی سے دوری کے سوا کچھ نہ ملا (دیلمی از حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ) اس بارے میں بے شمار حدیثیں وارد ہیں۔ ۱۹ **نوزدھم** وہ شخص جس کے نزدیک ملمع شدہ فلسفہ سیکھنا اور کافروں کی بیہودگی کے باقیماندہ حصے کو گداگری کے ذریعے جمع کرنا بہت بڑا کام ہے اور فخر و ناز کا باعث ہے جس کی بناپر اپنے آپ کو اس سید فقیہ سے امامت کے زیادہ لائق سمجھتا ہے حالانکہ فلسفیوں کے یہ علوم یعنی طبیعیات اور الٰہیات جو بدترین گمراہیوں سے پُر ہیں حتی کہ ان میں کفرو شرک اور ضرورت دین کے انکار کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور بہت سی باتیں قرآن مجید اور انبیاء ومرسلین کے ارشادات کے مخالف ہیں جیسا کہ ہم نے بعض باتوں کی تفصیل اپنے رسالے "مقامع الحدید علی خدالمنطق الجدید" (جدید منطق کے منہ پرلوہے کے گرز) میں کی ہے ہم نے اس میں اس زمانے کے فلسفے کے دعویداروں پر قیامت قائم کردی ہے ان

[1] الفردوس بمأثور الخطاب عن علی حدیث ۵۸۸۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۶۰۲

علیه التکلان قطعًا ازعلوم محرمه است فی الدر المختار اعلم ان تعلم العلم یکون فرض عین(الی ان قال)وحراما وھو علم الفلسفة والشعبذة و التنجیم والرمل وعلوم الطبائعین والسحر [1]۔ وعلامه زین بن نجیم مصری رحمه الله تعالٰی دراشباه والنظائر فرماید العلم قدیکون حراما وھو علم الفلسفة [2] الخ، علامه ابن حجر مکی رحمه الله تعالٰی درفتاوٰی خودش فرمود ماکان منه (ای من الطبیعی)علی طریق الفلاسفة حرام [3]۔ وبھمدران ست اما الاشتغال بالفلسفة والمنطق فقد افتی بتحریمه ابن الصلاح وشنع علی المشتغل بھما واطال فی ذٰلك ویجب علی الامام اخراج اھلھما من مدارس الاسلام وسجنھم وکف شرھم قال وان زعم انه غیر معتقد لعقائدھم فان حاله یکذبه [4] ببیں چساں روشن وسپید میگوید که فلسفه حرام ست وبر بادشاه اسلام واجب که اهل آں را ازمدارس اسلام بیروں کند وزنداں فرماید تاشر آنها	علوم کا (بغیر تردید کے) پڑھنا قطعًا حرام ہے درمختار میں ہے: بیشک علم کا پڑھنا فرض عین ہے، یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا اور کبھی علم کا پڑھنا حرام ہوتا ہے جیسے کہ علم فلسفہ، شعبدہ، نجوم، رمل، حکمت، طبعیہ اور جادو۔ علامہ زین بن نجیم مصری رحمہ اللہ تعالٰی اشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں: علم کا پڑھنا کبھی حرام ہوتا ہے جیسے کہ فلسفہ، علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں: حکمت طبعیہ کا جو حصہ فلاسفہ کے طریقے پر ہو اس کا پڑھنا حرام ہے، اسی میں ہے: ابن صلاح نے فلسفے اور منطق کی حرمت کا فتوٰی دیا اور انہیں پڑھنے والے پر سخت طعن و تشنیع کی اور اس بارے میں طویل گفتگو کی بادشاہ اسلام پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو اسلامی مدارس سے نکال کر قید کردے اور ان کے شر کے دروازے کو بند کردے اگرچہ ان کا خیال یہ ہو کہ ہم فلاسفہ کے عقائد کے قائل نہیں کیونکہ ان کی حالت خود انہیں جھٹلارہی ہے اگر فلاسفہ کے عقائد کو پسند نہیں کرتا تو فلسفے کا پابند کیوں ہے کبھی ایسا بھی دیکھا ہے کہ انسان

[1] درمختار مقدمة الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵۸

[3] فتاوٰی حدیثیه مطلب یجوز علم التنجیم مطبعة الجمالیة مصر ص ۳۵

[4] الفتاوٰی الفقهیة باب الاستنجاء دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۵۰

بمسلماناں نرسد ومرد متفلسف کہ دریں جہالات مسمّٰی بعلم توغل دارد وعمری گزارد اگردعوی کند کہ من بدل عقائد آنہا راجائے ندادہ ام خود حال اوبہر تکذیب اوبسند ست کہ اگر نہ پسندست چراپائے بندست ہیچ دیدہ انساں ہرچیزے راکہ دشمن دارد باختیار خود باوے عمر گزارد وشبہا باوے سحر کند ومدتہا چنگ بدامنش زند وبحصولش غلغلہ تفاخر افگند وکلّا گو شہا بر آسمان شکند حاش للہ ایں ہمہ علامات رضاوایثارست ورنہ با دشمن ساعتی بسر بردن شوارست یاغراب البین لیت بینی و بینك بعد المشرقین ایں ست تقریر کلامش برحسب مرامش رحمہ اللہ تعالٰی وماذکرہ فی الفلسفۃ صحیح و من ثم قال الاوزاعی رحمہ اللہ تعالٰی تحریمہا ھو الصحیح الصواب واماماذکرہ فی المنطق الفلاسفۃ ھو الذی یحرم الاشتغال بہ ویدل لذلك قولہ کف شرھم وقولہ ومعتقد لعقائدھم[1] ھ ملتقطا وفیہ طول کثیر۔

فقیر میگویم واللہ سبحٰنہ یغفرلی از اول دلیل بر تحریم وتفلسف وتقبیح حالش حدیثی ست کہ امام عبدالرحمان دارمی در سنن خودش ازسیّدنا

ایک چیز کو ناپسند رکھنا جو پھر اپنی مرضی سے اپنی تمام عمر اس میں صرف کردے، راتیں اس کے پیچھے گزاردے اور مدتوں اس کے ساتھ وابستہ رہے اور اس کے حاصل کرنے پر فخر کرے ہرگز نہیں، یہ سب پسندیدگی کی علامتیں ہیں ورنہ دشمن کے ساتھ ایک لحظہ گزارنا بھی مشکل ہوتا ہے جدائی کے کوسے (دین سے دور کرنے والے) کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کافاصلہ ہوتا، علامہ نے فلسفہ کے متعلق جوفرمایا وہ صحیح ہے اسی لیے امام اوزاعی نے فرمایا فلسفے کاحرام ہونادرست ہے۔ رہامنطق کامسئلہ توفلاسفہ کامنطق پڑھنا حرام، علامہ کاکلام خود اس طرف اشارہ کررہی ہے (کیونکہ ان کے منطق میں ان کے مذہب کے مطابق مثالیں درج ہوتی تھیں کچھ دور نہیں تھا کہ ان کے بار بار تکرار سے ذہن میں بیٹھ جائیں ۱۲)

فقیر کہتا ہے کہ فلسفے کے حرام ہونے اور اس کے برائی کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام ابوعبدالرحمان دارمی نے سنن میں سیدنا جابر

[1] الفتاوٰی الفقہیۃ باب الاستنجاء دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۵۰

جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کردہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یا رسول اللہ ھذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرأ و وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ثکلتك الثواکل ماتری مابوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبیا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والذی نفس محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ لوبدا لکم موسٰی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیا وادرك نبوتی لاتبعنی[1]۔ یعنی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ پیش سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نسخہ از توریت آورد وعرضداشت کہ یارسول اللہ ایں نسخہ ایست از توریت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ: ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنسخۃ من التوراۃ فقال یارسول اللہ ھذہ نسخۃ من التوراۃ فسکت فجعل یقرأ و وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ثکلتك الثواکل ماتری مابوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فنظر عمر الی وجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ وغضب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبیا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والذی نفس محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ لوبدا لکم موسٰی فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السبیل ولوکان حیا وادرك نبوتی لاتبعنی۔ یعنی عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں توراۃ کا ایک نسخہ لائے اور عرض کی: یارسول اللہ! یہ توراۃ کا ایک نسخہ ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی

[1] سنن الدارمی باب ما یتقی من تفسیر حدیث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۴۴۱ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۹۵

پاسخ نداد وسکوت فرمود عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خواندن گرفت وچہرہ مبارک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم از حالی بحالی گردید بجہت شدت غضب وعمر ازیں معنی آگاہی نداشت تا آنکہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ گفت اے عمر ترا بگریند زنان گریہ کنان نمی بینی حالتیکہ در روئے مبارک سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیداست آنگاہ عمر نظر بالا کرد وجانب چہرہ اقدس دید گوئا گفت بخدا پناہ میبرم از غضب خدا ورسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پسندیدم خدائے را پروردگار واسلام رادین ومحمد را نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وازیں کلمہا غضب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرو مے نشست پس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود بخدائے کہ جان محمد بقبضہ قدرت اوست اگر ظاہر شود شما موسٰی علیہ السلام وشما اتباع او کنید ومرا بگزارید ہر آئینہ راہ راست گم کردہ باشید واگر موسٰی بدنیا بودے وزمانہ ظہور نبوتم دریافتی بدرستی کہ مرا پیروی کردی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حالا چشم انصاف کشادنی ست توریت کہ کلام الٰہی ست وقرآن بہ تصدیقش نازل محض بوجہ اختلاط تحریفات کارش بجائے رسید کہ قرائتش چنداں موجب غضب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایں فلسفہ ملعونہ بکفرو

علیہ وسلم خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پڑھنا شروع کردیا، سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا چہرہ مبارک شدت غضب کی وجہ سے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف بدل رہا تھا، حضرت عمر فاروق کو اس کی خبر نہ تھی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: اے عمر! تجھے رونے والی عورتیں روئیں تم نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرہ انور کی حالت نہیں دیکھ رہے۔ تب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور کے چہرہ انور کو دیکھا اور فورًا کہا اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کے غضب سے خدا کی پناہ ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم پر موسٰی علیہ السلام ظاہر ہوتے اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اتباع کرتے تو راہ راست سے بھٹک جاتے اور اگر موسٰی علیہ السلام دنیا میں ہوتے اور میری نبوت کے ظہور کے زمانے کو پاتے تو میری پیروی کرتے۔ اب انصاف کی آنکھ کھولنی چاہئے کہ توراۃ کلام الٰہی ہے اور قرآن مجید نے اس کی تصدیق کی ہے لیکن صرف اس بناء پر کہ اس میں تحریف ہوچکی ہے اس کا پڑھنا سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس قدر ناراضگی کا سبب بنا، یہ مردود فلسفہ جو کہ کفر وضلالت

ضلال مشحونہ کہ جملی چنداست برہم نستہ وراہ دین برخدامش بستہ دربقہ یقین ازگلوئے شان گسستہ العزة للّٰه چہ جائے آں دارد کہ او را اجر عظیم پندارند وعمرہا نظر بروے گمارند وتخم ودادش بدلہا کارند با اینہمہ سلامت روند غضب اشد را مستحق نشوند لا واللّٰه لایکون ولوکرہ المبطلون باز احمد درمسند وبیہقی در شعب الایمان از جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ چناں آوردہ اند کہ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ باقدس بارگاہ عالم پناہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر آمد وبعرض قدسی رساند کہ انا نسمع احادیث من یهود تعجبنا افتری ان نکتب بعضها ما از یہود حدیثہا می شنویم کہ مارا خوش می آید آیا بروانگی باشد کہ چیزے ازانہا بنویسیم سید عالم فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امتهوکون انتم کما تهوکت الیهود و النصارٰی آیا متحیر ید در دین اسلام وکمال وتمام واغنائے تام او کہ در احادیث دیگراں طمع دارید چنانکہ یہود ونصارٰی در دین خود متحیر شدند وبرعلم الٰہی قناعت ناکردہ دراں وآں فتادن ودر قیل وقال زدند لقد جئتکم	سے بھرا ہوا اور جہالتوں کا مجموعہ ہے اور جس نے دین کے خادموں کے لئے دین کا راستہ بند کیا ہوا ہے اور فلسفیوں نے دین کی زنجیر اپنے گلے سے اتار پھینکی ہے وہ کب اس لائق ہے کہ اس کا بہت بڑا ثواب گمان کیا جائے اور عمریں اس پر صرف کردی جائیں اور اس کی محبت کو دل میں جگہ دی جائے اس کے باوجود محفوظ رہیں اور شدید غضب کے مستحق نہ ہوں بخدا اس طرح نہیں ہوسکتا اگرچہ جھوٹے اسے پسند نہ کریں۔ امام احمد نے مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سرور دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ انا نسمع احادیث من یهود تعجبنا افتری ان نکتب بعضها ہم یہودیوں سے کئی ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں کیا ہمیں اجازت ہے کہ ہم ان میں سے کچھ باتیں لکھ لیا کریں، نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: امتهوکون انتم کماتهوکت الیهود والنصارٰی کیا تم دین اسلام کے مکمل اور کافی ہونے میں متحیر ہو کہ دوسروں کی باتوں کی طرف توجہ دیتے ہو جیسے کہ یہودی اور عیسائی اپنے مذہب میں متحیر ہوگئے اور اللہ تعالٰی کے دئے ہوئے پر اکتفانہ کرکے اِدھر اُدھر مصروف ہوگئے لقد جئتکم

بھا بیضاء ونقیۃ من ایں ملت وشریعت راسپید وروشن وصاف وپاکیزہ آوردہ ام کہ نہ ہیچ شبہہ رادر ودخلی نہ باوے سوئے چیزے دگر حاجتی ولوکان موسٰی حیا ماوسعہ الا اتباعی[1]۔ وخود یہود واحادیث آنہا چہ لائق التفات باشد اگر موسٰی ہم بدنیا بودے اورانیز جز پیری من گنجائش نداشتی صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ومعلوم ست کہ احادیثکہ ہمچو عمر را خوش آید رضی اللہ تعالٰی عنہ زنہار مخالف ملت ومنافی شریعت نباشد با اینہمہ نہی نمودند وامت رابراستغناء بشرع مطہر ازہمہ اغیارش دلالت فرمودند فکیف کہ دامن کفار یونان گیرند وبحر صافی را پس پشت انداختہ درتیہ ضلالت بتلخی میرند لایاتی ذٰلک الامن سفہ نفسہ۔

بالجملہ ضرور فلسفہ وضلال متفلسفہ از شمس ازھر واز امس اظہر پس در تحریمش ارتیاب نکند مگر مریض القلب ضعیف الایمان والعیاذ باللہ وعلیہ التکلان بیاتا عنان بمطلب گردانیم متفلسف مذکوراں حرام علماء راذریعہ تفاخرو

بھا بیضاء نقیۃ میں تمہارے پاس یہ واضح اور پاکیزہ شریعت لایاہوں کہ اس میں نہ تو شک وشبہہ کی گنجائش ہے اور نہ کسی اور چیز کی ضرورت ولوکان موسٰی حیا ما وسعہ الا اتباعی اگر موسٰی علیہ السلام دنیامیں ہوتے توانہیں بھی میری پیروی کے سواچارہ نہ ہوتا۔ظاہر ہے کہ جو باتیں عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسی شخصیت کوپسند آتی ہوں وہ ہرگز شریعت کے مخالف نہ ہوں گی،اس کے باوجود حضور نے منع فرمایااور بتادیا کہ شریعت مطہرہ کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی ضرور نہیں،یہ کس طرح جائز ہوگا کہ صاف وشفاف دریا (شریعت مقدسہ) کو پس پشت ڈال کر یونان کے کافروں کا دامن تھاما جائے اور گمراہی کے جنگل میں مصیبت کی موت مول لی جائے یہ وہی شخص کرسکتاہے جس نے اپنے آپ کو حقیر و ذلیل بنادیاہو۔الحاصل یہ فلسفے کانقصان اور فلسفے کے دعویداروں کی گمراہی گزشتہ دن اور سورج سے زیادہ ظاہر ہے لہٰذااس کی حرمت میں صرف وہی شخص شک کرے گا جس کادل بیمار اور ایمان کمزور ہو،نعوذ باللہ من ذالک۔آیئے تاکہ اصل مطلب کی طرف

[1] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ احمد وبیہقی فی الشعب باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۰، مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۳۸۷، شرح السنۃ للبغوی باب حدیث اہل الکتاب المکتب الاسلامی بیروت ۱۰ /۲۷۰

وسیلہ تفضیل وباعث تقدیم درمناجات رب جلیل دانست پیداست کہ کدام تحسین بالاتر ازیں باشد وایں معنی العیاذ باللہ پہلو بکفرزند چنانکہ علماء درفروع کثیرہ تنصیص کردہ اند وامام عبدالرشید بخاری تلمیذ امام اجل ظہیری وامام فقیہ النفس قاضی خان رحمہم اللہ تعالٰی درخلاصہ فرماید **من قال احسنت لماھو قبیح شرعا اوجودت کفر**[1] یارب مگر متفلسفان بر خویشتن نمی بخشایند کہ ہرفعل محرم بس ناکردہ زبان بتکبرو تفاخرمے کشایند "**كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**"[2]، **ونسأل اللہ العافیۃ۔**	توجہ دیں کہ مذکورہ بالا شخص، فلسفے کا دعویدار اس چیز پر فخر کرتا ہے کہ بناء بریں اپنے آپ کو فضیلت والا اور امامت کے زیادہ لائق سمجھتا ہے جسے علماء نے حرام کہا ہے واضح ہے کہ اس سے بڑھ کر اس حرام فعل کی تعریف وتحسین اور کیا ہو سکتی ہے **نعوذباللہ من ذٰلك** اس میں تو ایک پہلو کفر کا بھی نکلتا ہے چنانچہ علماء نے بہت سے مسائل میں تصریح کی ہے، امام اجل ظہیری اور امام فقیہ النفس قاضیخاں کے شاگرد امام عبدالرشید بخاری رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں: خلاصہ میں ہے کہ **من قال احسنت لماھو قبیح شرعا اوجودت کفر** (جس شخص نے شرعی قبیح کے مرتکب کو کہا کہ تونے اچھا کیا تو وہ کافر ہوگیا) بارالٰہا! شاید یہ فلسفے کے دعویدار اپنے اوپر رحم نہیں کرتے کہ حرام فعل کی بناء پر فخر اور تکبر کرتے ہیں، ہاں ان کے دلوں پر ان کے اعمال کی سیاہی چھاچکی ہے۔
بستم آنکہ فضل تفلسف رابر فضل تفقہ ترجیح دادن کہ ادعائے اولویت بامامت رامنشاء ومنزع ہمون تواند بود متضمن تحقیر علم دین ست **کما لایخفی** وتحقیر بروجہ صریح کفر قطعی ست اینجا چوں	**۲۰بستم** فلسفے کی فضیلت کو ترجیح دینا (فقہ کی فضیلت پر) کیونکہ امامت کے زیادہ لائق ہونے کے دعوٰی کی یہی وجہ ہو سکتی ہے اس میں ضمناً علم دین کی توہین ہے جیسے کہ ظاہر ہے اور علم دین کی صراحۃً توہین کفر ہے یہاں چونکہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۸۹

[2] القرآن الکریم ۸۳ / ۱۴

پائے تضمن درمیان ست نزاع لزوم والتزام عیان ست کما بیناہ فی مقام الحدید وللّٰہ الھادی الی المسلك السدید۔ ایں بست وجہ است، نجیح ووجیہ مفید فقیہ ومبید سفیہ کہ برنہج ارتجال بحال استعجال سپرد خاتمہ نمودہ شد ومانا کہ اگر غوری رود وجوہ دیگر منجلی شود اما ہمیں قدر پسند ست و تطویل ممل ناپسند حالا مسلماناں نگہ کنند کہ شرع مطہر امامت فاسق رانہ پسندیدہ تا آنکہ بسیارے از علماء امامتش رامکروہ تحریمی قریب حرام وآناں راکہ بتقدیمش بردارند بتلائے اثام گفتہ اند علامہ ابراہیم حلبی رحمہ اللہ تعالٰی درشرح کبیر منیہ عبارت فتاوٰی الحجۃ نقل کردہ میفرماید **فیہ اشارۃ الی انھم لو قدموا فاسقا یاثمون بناء علی ان کراھۃ تقدیمہ کراھۃ تحریم لعدم اعتنائہ بامور دینہ وتساھلہ فی الاتیان بلوازمہ فلایبعد منہ الاخلال ببعض شروط الصلٰوۃ وفعل ماینافیھا بل ھو الغالب بالنظر الی فسقہ ولذا لم تجز الصلٰوۃ خلفہ اصلاً عند مالك وروایۃ عن احمد**[1]، وہمیں است ارشاد امام زیلعی در تبیین الحقائق	یہ بات ضمناً آگئی ہے اس لئے یہی کہا جائے گا کہ علم دین کی توہین لازم آئی ہے اس شخص نے اس کا التزام نہیں کیا (اس لئے کفر کا قول نہیں کیا جائے گا) جیسے کہ ہم نے "مقامع الحدید" میں بیان کیا۔ یہ بیس ۲۰ عمدہ اور بہترین وجہیں فقیہ کے لئے مفید اور بیوقوف کے لئے تباہ کن قلم برداشتہ فی البدیہ لکھ دی گئی ہیں، اگر مزید غور کیا جائے تو اور وجوہ بھی ظاہر ہوسکتی ہیں تاہم انہیں پر اکتفاء کیا جاتا ہے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ شریعت مقدسہ نے فاسق کی امامت کو پسند نہیں کیا حتی کہ بہت سے علماء نے اسے مکروہ تحریمی اور حرام کے قریب فرمایا ہے اور ایسے شخص کو امام بنانے والوں کو گناہ عظیم کا ابتلا قرار دیا ہے، علامہ ابراہیم حلبی کبیر شرح منیہ میں فتاوٰی حجہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں: اس میں اشارہ ہے کہ فاسق کو امام بنانے والے گنہ گار ہوں گے، کیونکہ اسے امام بنانا مکروہ تحریمی ہے اس لئے کہ وہ امور دین کا چنداں خیال نہیں کرتا اور شریعت کے لازمی امور کے ادا کرنے میں سستی سے کام لیتا ہے کچھ بعید نہیں کہ وہ نماز کی بعض شرطوں کو بھی ترک کردے اور نماز کے مخالف کوئی کام کر بیٹھے بلکہ اس کے فسق کے پیش نظر غالب یہی گمان ہے اسی لئے امام مالک کے نزدیک اس کے پیچھے نماز بالکل جائز نہیں۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۔۵۱۳

شرح کنزالدقائق۔ وعلامہ حسن شرنبلالی درمراقی الفلاح شرح متن خودش نورالایضاح ذکرکردش وعلامہ سیداحمد طحطاوی درحاشیہ مراقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سبحٰن اللہ چوں امامت فاسق بفسق واحدارانوبت باینجا رسیدست ایں کسے کہ وجوہ عدیدہ ازفسق جمع کردہ کہ ازانہا بعضے روئے بسوئے کفر آوردہ والعیاذ باللہ ہیچ محل آں باشد کہ امام کردن او روا دارند یادرحرمت اقتدائش نزاعی آرند گیرم کہ نماز پس فاسق وجہ حلت دارد اما کسیکہ درنفس اسلامش خلاف راگنجایشے باشد کیست کہ امامت او را حلال انگارد[1] الاتری ان فی تقدیمہ تعظیمہ وھو حرام عند الشرع بالقطع معہذا علماء ما از امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کردہ اند کہ امامت متکلمان جائز نیست اگرچہ باعتقاد صحیح باشند کما نقلہ الامام الاجل الھندوانی والزاھدی صاحب القنیۃ والمجتبٰی والامام البخاری صاحب الخلاصۃ والامام العلامۃ المحقق حیث اطلق فی الفتح[2] وہمیں معنی فتواے امام اجل شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ

میں امام زیلعی کے ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے۔ علامہ حسن شرنبلالی نورالایضاح کی شرح مراقی الفلاح میں اور علامہ سید احمد طحطاوی نے حاشیہ مراقی میں بھی اسی طرح فرمایا سبحان اللہ جب اس شخص کی امامت درست نہیں جس میں ایک فسق پایا جاتا ہو تو اس شخص کو امام بنانا کس طرح درست ہوگا جس میں کئی وجہ سے فسق پایا جاتا ہے اور بعض وجہیں کفر تک پہنچاتی ہیں (نعوذباللہ من ذلک) کیا کچھ گنجائش ہے کہ علماء ایسے شخص کے امام بنانے کو جائز رکھیں یا اس کی اقتداء کے ناجائز ہونے میں کچھ اختلاف کریں یہ درست ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز ہونے کی ایک صورت ہے لیکن جس شخص کے اسلام ہی میں اختلاف پایا جاتا ہو اس کی امامت کو کون حلال گمان کرے گا کیا تجھے خبر نہیں کہ اسے امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور وہ شرعًا قطعی طور پر حرام ہے اس کے باوجود ہمارے علماء امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ متکلمین کی امامت جائز نہیں اگرچہ ان کا عقیدہ صحیح ہو جیسے کہ امام اجل ہندوانی زاہدی صاحب قنیہ و مجتبٰی امام بخاری صاحب خلاصہ اور ابن ہمام صاحب فتح القدیر نے نقل کیا، امام الائمہ شمس الائمہ حلوائی کے فتوٰی میں

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الفصل الخامس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۴۹

تعالٰی علیہ بخط مبارکش یافتہ اند کما نص علیہ فی الخلاصۃ وایں روایت راہمہ ائمہ ممدوحین بقبول وتقریر گرفتہ اند ودر توضیح مراد وتنقیح مفاد طرق عدیدہ رفتہ محو کلام اکثرے آنست کہ اینجا مراد بمتکلم کسے ست کہ در فنون کلامیہ زائد بر حاجت توغل دارد ودر تکثیر شکوک وشقاشق عقلہ عمر عزیز ضایع برد افاد ذٰلك الامام الھندوانی وعلامہ عبدالغنی نابلسی درحدیقہ ندیہ شرح محمدیہ گوید المروی عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی ان امامۃ المتکلم وان کان بحق لاتجوز محمول علی الزائد علی قدر الحاجۃ والمتوغل فیہ کما قیل من طلب الدین بالکلام تزندق ولایرید المتکلم علی قانون الفلاسفۃ لانہ لایطلق علٰی مباحثھم علم الکلام لخروجہ عن قانون الاسلام و ھو من اجزاء الحد، کما فی البزازیۃ[1]۔ پس امامت متفلسفان اولٰی واجدر بعدم جوازست کمالایخفٰی، بالجملہ شرع مطہر زنہار نہ پسندد کہ سید موصوف را

جوان کے خط مبارک سے پایا گیا یہی بات لکھی ہے جیسے کہ خلاصہ میں ہے اس روایت کو تمام ائمہ کاملین نے قبول کیا اور اس کی مراد مختلف طریقوں سے بیان فرمائی ہے، اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس جگہ متکلم سے مراد وہ شخص ہے جو علم کلام کے مختلف فنون میں ضرورت سے زیادہ انہاک رکھتا ہو اور شکوک وشبہات کی کثرت میں عمر عزیز کو ضائع کردے، یہ مطلب امام ہندوانی نے بیان فرمایا، علامہ عبدالغنی نابلسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں کہ امام ابویوسف سے جو یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ متکلم اگرچہ صحیح عقائد رکھتا ہو اس کی امامت ناجائز ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ضرورت سے زیادہ علم کلام میں توجہ اور توغل رکھتا ہو اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے جیسے کہا گیا ہے کہ جس نے کلام کے ذریعے علم دین کو طلب کیا وہ زندیق ہوگیا متکلم سے امام ابویوسف کی مراد وہ شخص نہیں جو فلاسفہ کے قانون پر کلام کرتا ہو کیونکہ فلسفیوں کی بحثوں کو علم کلام نہیں کہا جاتا کیونکہ وہ تو قانون اسلام ہی سے خارج ہیں اور یہ اجزاء حد میں سے ہے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے جب علم کلام میں غلو کرنے والوں کے پیچھے نماز ناجائز ہے تو فلسفے کے دعویداروں کے پیچھے بطریق اولٰی ناجائز ہوگی

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثانی من الانواع الثلثۃ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۳۲

باوصف چنیں فضائل واستحقاق کل از منصب امامت بہ آرند وایں کس راباآنہمہ معاصی ومناہی وذواہی وتباہی بجایش بردارند لاجرم ہر کہ بایں کار واجب الانکار پردازد شریک آں متفلسف باشد در اثم ومعاونش در ایذا وظلم مستخف بشان سیادت وعلم ومورد بسیاری از شنائع مذکورۃ الصدر کمالایخفی علی المنشرح الصدر واللہ الھادی فی کل ورد وصدر حضرت حق جل وعلافرماید "وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1] وہمد گرمکنید برگناہ وستم۔ وحاکم وعقیلی وطبرانی وابن عدی وخطیب بغدادی باسانید خود ہا از عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کنند کہ جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم می فرمایند من استعمل رجل من عصابة وفیھم من ھو ارضی للہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین[2] یعنی ہر کہ مردی را از جماعتی برکارے از کارہائے ایشاں نصب کرد ودر ایشاں کسے ست کہ پسندیدہ ترست	جیسا کہ مخفی نہیں۔ الحاصل شریعت مطہرہ ہرگز پسند نہیں کرے گی کہ سید موصوف کو اتنے فضائل اور مستحق ہونے کے باوجود منصب امامت سے برطرف کردیا جائے اور اس شخص کو تمام گناہوں ممنوع حرکتوں کے باوجود ان کی جگہ مقرر کردیا جائے یقیناً جو شخص یہ ناپسندیدہ کام کرے گا وہ گناہ اور اس کی امداد، ایذا، ظلم، شان سیادت اور علم کی توہین اور بہت ساری سابقہ قباحتوں میں فلسفے کے اس دعویدار کا شریک ہوگا جیسے کہ صاحب شرح صدر پر مخفی نہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے "وَلَاتَعَاوَنُوْاعَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" "گناہ وظلم میں ایک دوسرے کی امداد نہ کرو۔ حاکم، عقیلی، طبرانی، ابن عدی اور خطیب بغدادی نے اپنی سندوں سے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: من استعمل رجلا من عصابته وفیھم من ھو ارضی اللہ منه فقد خان اللہ ورسوله والمؤمنین جو شخص ایک جماعت میں سے کسی آدمی کو ان کے کسی کام پر مقرر کرتا ہے حالانکہ ان لوگوں میں اس سے زیادہ

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۴/ ۹۲، الضعفاء الکبیر ترجمہ ۲۹۵ حسین بن قیس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۸

از وے نزد خدا پس تحقیق او خیانت کرد خدا و رسول و مسلماناں را واخرج ابو یعلٰی عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایما رجل استعمل رجلا علی عشرۃ انفس وعلم ان فی العشرۃ افضل ممن استعمل فقد غش اللہ وغش رسولہ وغش جماعۃ المسلمین[1]۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ تعالٰی در شرح تیسیر شرح جامع صغیر زیر حدیث اول گوید من استعمل رجلا من عصابۃ ای نصبہ علیھم امیرا وقیما او عریفا او اماما للصلٰوۃ[2] امام بخاری در تاریخ وابن عساکر از ابو امامہ باہلی وطبرانی در معجم کبیر از مرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہما راویند کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماید (وھذ حدیث ابی امامۃ) ان سرکم ان تقبل صلٰوتکم فلیؤمکم خیارکم[3] اگر شمارا خوش آید کہ نماز شمار مقبول شود باید کہ شمارا بہترین شما امامت کند دارقطنی وبیہقی از عبداللہ	مقبول بارگاہ الٰہی آدمی موجود ہے تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں کی خیانت کی ابو یعلٰی نے حذیفہ بن یمان سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص دس آدمیوں کی جماعت پر ایک شخص کو مقرر کیا حالانکہ اسے علم ہے کہ ان دس آدمیوں میں مقرر شدہ آدمی سے افضل موجود ہے تو اس نے اللہ ورسول اور مسلمانوں سے خیانت کی، علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں سابقہ حدیث کے تحت فرماتے ہیں کہ من استعمل رجلا من عصابتہ یعنی جس شخص نے کسی آدمی کو ایک جماعت کا امیر یا محافظ یا نمائندہ یا نماز کا امام بنادیا حالانکہ اس سے زیادہ مقبول الٰہی موجود تھے تو وہ خائن ہے، امام بخاری نے تاریخ میں، ابن عساکر نے ابو امامہ باہلی سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں مرثد غنوی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان سرکم ان تقبل صلٰوتکم فلیؤمکم خیارکم اگر تمہیں پسند ہے کہ تمہاری نماز مقبول ہو تو ایسا شخص امام بنے جو تم میں سے افضل ہو۔

[1] کنز العمال بحوالہ ع عن حذیفہ حدیث ۱۴۶۵۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۱۹

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من استعمل رجلا الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲ /۳۹۶

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۰۴۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷ /۵۹۶، کنز العمال بحوالہ طب حدیث ۲۰۴۳۴ ک ۳۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۷ /۵۹۷، المعجم الکبیر حدیث ۷۷۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲۰ /۳۲۸

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت دارند، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماید اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم [1] بہتران خودرا امام کنید کہ ایشاں سفیر شمایند میان شما وپروردگار شما عزوجل وفی الباب عن واثلۃ بن الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ اخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر۔ الحاصل **خلاصہ حکم** آنست کہ ایں کس ازبدترین فساق وفجارست وبوجوہ چنددرچند تعزیر شدید راسزوار وامامتش ممنوع وناروا بلکہ مسلماناں را از صحبتش احتراز اولٰی وزنہار رخصت نباشد کہ آں سیّد فقیہ را از امامت براندازند وایں متفلسف سفیہ رابجایش مقرر وموقر سازند کہ متصدی ایں کار شود خود واجب التعزیر وگنہ گار شود تقدیم کو وامامت از کجابلکہ ایں کس رامی شاید کہ از شناعات مذکورہ خود باز آید داغ کفران از جبینش وفلسفہ ملعونہ راوداع گوید وبر فضل علم وبزرگی حقش ایمان آرد تکلف وتفلسف وتشدق تصلف راقبیح پندارد وشنیع انگارد واز سرنوکلمہ طیبہ اسلام خواند وبعدازاں تجدید نکاح بتقدیم رساند فان ذٰلک ھو الاحوط کما	دارقطنی اور بیہقی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اجعلوا ائمتکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم اپنے بہترین آدمی کو امام بناؤ کیونکہ وہ تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان نمائندے ہیں۔اس بارے میں طبرانی نے معجم کبیر میں واثلہ بن الاسقع سے بھی روایت کی ہے۔ **خلاصہ جواب:** یہ شخص بدترین فاسق وفاجر ہے اور بے شمار وجوہ کی بناء پر سخت سزاکا مستحق ہے اس کی امامت ناجائز اور ممنوع ہے اور مسلمانوں کو اس کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہئے اورہر گز اجازت نہیں کہ اس سید فقیہ کوامامت سے بر طرف کیاجائے اور فلسفے کے اس دعویدار بیوقوف کو اس کی جگہ مقرر کیاجائے جو شخص اس کام کے درپے ہوگا خود اس کے لئے سزاضروری ہے بلکہ اس شخص کو چاہئے کہ مذکورہ بالا خرابیوں سے باز آئے اور ناشکری کاداغ اپنے ماتھے سے دھوئے اور مردود فلسفے کو رخصت کرے اور علم دین کی فضیلت اور اس کے حق کی بزرگی پر ایمان لائے فلسفہ پرستی تکلف اور بیہودگی کو برا سمجھے اور ناپسند رکھے اور ازسرنو کلمہ طیبہ اسلام پڑھ کر اسلام کی تجدید

[1] سنن الدارقطنی باب تخفیف القرأۃ الحاجۃ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۹۸

یظهر بمراجعة الدر المختار وغیرہ من اسفار الکملة، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔	اس کے بعد تجدید نکاح کرے، اسی میں احتیاط ہے، جیسے کہ درمختار وغیرہ دیکھنے سے ظاہر ہو جائے گا واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم فقط۔

رسالہ

الحقوق لطرح العقوق

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
مشعلۃ الارشاد فی حقوق الاولاد
(والدین پر) اولاد کے حقوق کے بارے میں راہنمائی کی قندیل)

مسئلہ ۱۶۷: از سورون ضلع ایٹہ محلّہ ملک زادگان مرسلہ حامد حسن صاحب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ باپ پر بیٹے کا کس قدر حق ہے، اگر ہے اور وہ ادا نہ کرے تو اس کے واسطے حکم شرعی کیا ہے؟ مفصل طور پر ارقام فرمائیے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

اللہ عزوجل نے اگرچہ والد کا حق ولد پر نہایت اعظم بتایا یہاں تک کہ اپنے حق کے برابر اس کا ذکر فرمایا کہ

"اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَؕ" "[1] حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ مگر ولد کا حق بھی والد پر عظیم رکھا ہے کہ ولد مطلق اسلام، پھر خصوص جوار، پھر خصوص قرابت، پھر خصوص عیال، ان سب حقوق کا جامع ہو کر سب سے زیادہ خصوصیت خاصہ رکھتا ہے، اور جس قدر خصوص بڑھتا جاتا ہے حق اشد وآکد ہوتا جاتا ہے۔ علمائے کرام اپنی کتب جلیلہ مثل احیاء العلوم وعین العلوم ومدخل وکیمیائے سعادت وذخیرۃ الملوک وغیرہا میں حقوق ولد سے نہایت مختصر طور پر کچھ تعرض فرمایا مگر میں صرف احادیث مرفوعہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف توجہ کرتا ہوں فضل الٰہی جل وعلا سے امید کہ فقیر کی یہ چند حرفی تحریر ایسی نافع وجامع واقع ہو

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

کہ اس کی نظیر کتب مطولہ میں نہ ملے اس بارہ میں جس قدر حدیثیں بحمد اللہ تعالٰی اس وقت میرے حافظہ و نظر میں ہیں انہیں بالتفصیل مع تخریجات لکھے تو ایک رسالہ ہوتا ہے اور غرض صرف افادہ احکام لہٰذا سر دست فقط وہ حقوق کہ یہ حدیثیں ارشاد فرمارہی ہیں کمال تلخیص واختصار کے ساتھ شمار کروں، **وباللہ التوفیق**:

(۱) سب سے پہلا حق وجود اولاد سے بھی پہلے یہ ہے کہ آدمی اپنا نکاح کسی رذیل کم قوم سے نہ کرے کہ بُری رگ ضرور رنگ لاتی ہے۔

(۲) دیندار لوگوں میں شادی کرے کہ بچہ پر نانا وماموں کی عادات کا بھی اثر پڑتا ہے۔

(۳) زنگیوں حبشیوں میں قرابت نہ کرے کہ ماں کا سیاہ رنگ بچہ کو بدنمانہ کردے۔

(۴) جماع کی ابتداء بسم اللہ سے کرے ورنہ بچہ میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔

(۵) اس وقت شرمگاہ زن پر نظر نہ کرے کہ بچہ کے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۶) زیادہ باتیں نہ کرے کہ گونگے یا توتلے ہونے کا خطرہ ہے۔

(۷) مرد وزن کپڑا اوڑھ لیں جانوروں کی طرح برہنہ نہ ہوں کہ بچہ کے بے حیا ہونے کا اندیشہ ہے۔

(۸) جب بچہ پیدا ہو فوراً سیدھے کان میں اذان بائیں میں تکبیر کہے کہ خلل شیطان وام الصبیان سے بچے۔

(۹) چھوہارا وغیرہ کوئی میٹھی چیز چبا کر اس کے منہ میں ڈالے کہ حلاوت اخلاق کی فال حسن ہے۔

(۱۰) ساتویں اور نہ ہوسکے تو چودھویں ورنہ اکیسویں دن عقیقہ کرے، دختر کے لئے ایک پسر کے لئے دو کہ اس میں بچے کا گویا رہن سے چھڑانا ہے۔

(۱۱) ایک ران دائی کو دے کہ بچہ کی طرف سے شکرانہ ہے۔

(۱۲) سر کے بال اُتروائے۔

(۱۳) بالوں کے برابر چاندی تول کر خیرات کرے۔

(۱۴) سر پر زعفران لگائے۔

(۱۵) نام رکھے یہاں تک کہ کچے بچے کا بھی جو کم دنوں کا گر جائے ورنہ اللہ عزوجل کے یہاں شاکی ہوگا۔

(۱۶) برا نام نہ رکھے کہ بد فال بد ہے۔

(۱۷) عبداللہ، عبدالرحمٰن، احمد، حامد وغیرہ باعبادت وحمد کے نام یا انبیاء واولیاء یا اپنے بزرگوں میں جو نیک لوگ گزرے ہوں ان کے نام پر نام رکھے کہ موجب برکت ہے خصوصاً نام پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کے دنیا وآخرت میں کام آتی ہے۔

(۱۸) جب محمد نام رکھے تو اس کی تعظیم وتکریم کرے۔

(۱۹) مجلس میں اس کے لئے جگہ چھوڑے۔

(۲۰) مارنے بُرا کہنے میں احتیاط رکھے۔

(۲۱) جو مانگے بروجہ مناسب دے۔

(۲۲) پیار میں چھوٹے لقب بیقدر نام نہ رکھے کہ پڑا ہوا نام مشکل سے چھوٹتا ہے۔

(۲۳) ماں خواہ نیک دایہ نمازی صالحہ شریف القوم سے دو[۲] سال تک دودھ پلوائے۔

(۲۴) رذیل یا بدافعال عورت کے دودھ سے بچائے کہ دودھ طبیعت کو بدل دیتا ہے۔

(۲۵) بچے کا نفقہ اس کی حاجت کے سب سامان مہیا کرنا خود واجب ہے جن میں حفاظت بھی داخل۔

(۲۶) اپنے حوائج واداے واجبات شریعت سے جو کچھ بچے اس میں عزیزوں قریبوں محتاجوں غریبوں سب سے پہلے حق عیال واطفال کا ہے جو ان سے بچے وہ اوروں کو پہنچے۔

(۲۷) بچہ کو پاک کمائی سے روزی دے کہ ناپاک مال ناپاک ہی عادتیں ڈالتا ہے۔

(۲۸) اولاد کے ساتھ تنہا خوری نہ برتے بلکہ اپنی خواہش کو ان کی خواہش کے تابع رکھے جس اچھی چیز کو ان کا جی چاہے انہیں دے کر ان کے طفیل میں آپ بھی کھائے زیادہ نہ ہو تو انہیں کو کھلائے۔

(۲۹) خدا کی ان امانتوں کے ساتھ مہرولطف کا برتاؤ رکھے۔ انہیں پیار کرے بدن سے لپٹائے کندھے پر چڑھائے۔

(۳۰) ان کے ہنسنے کھیلنے بہلنے کی باتیں کرے ان کی دلجوئی، دلداری، رعایت ومحافظت ہر وقت حتی کہ نماز وخطبہ میں بھی ملحوظ رکھے۔

(۳۱) نیا میوہ پھل پہلے انہیں کو دے کہ وہ بھی تازے پھل ہیں نئے کو نیا مناسب ہے۔

(۳۲) کبھی کبھی حسب ضرورت انہیں شیرینی وغیرہ کھانے، پہننے، کھیلنے کی اچھی چیز کہ شرعاً جائز ہے دیتا رہے۔

(۳۳) بہلانے کے لئے جھوٹا وعدہ نہ کرے بلکہ بچے سے بھی وعدہ وہی جائز ہے جس کو پورا کرنے کا قصد رکھتا ہو۔

(۳۴) اپنے چند بچے ہوں تو جو چیز دے سب کو برابر ویکساں دے، ایک کو دوسرے پر بے فضیلت دینی ترجیح نہ دے۔

(۳۵) سفر سے آئے تو ان کے لئے کچھ تحفہ ضرور لائے۔

(۳۶) بیمار ہوں تو علاج کرے۔

(۳۷) حتی الامکان سخت و موذی علاج سے بچائے۔

(۳۸) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ پھر پورا کلمہ لاالٰہ الااللہ پھر پورا کلمہ طیبہ سکھائے۔

(۳۹) جب تمیز آئے ادب سکھائے کھانے، پینے، ہنسنے، بولنے، اٹھنے، بیٹھنے، چلنے، پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی عظیم، ماں باپ، استاذ اور دختر کو شوہر کے بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے۔

(۴۰) قرآن مجید پڑھائے۔

(۴۱) استاذ نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ، سن رسیدہ کے سپرد کردے، اور دختر کو نیک پارسا عورت سے پڑھوائے۔

(۴۲) بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

(۴۳) عقائد اسلام وسنت سکھائے کہ لوح سادہ فطرت اسلامی وقبول حق پر مخلوق ہے اس وقت کا بتایا پتھر کی لکیر ہوگا۔

(۴۴) حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان وعین ایمان ہے۔

(۴۵) حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آل واصحاب واولیاء وعلماء کی محبت وعظمت تعلیم کرے کہ اصل سنت وزیور ایمان بلکہ باعث بقائے ایمان ہے۔

(۴۶) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔

(۴۷) علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز وروزہ کے مسائل توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدور ولسان وغیرہا خوبیوں کے فضائل حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، تکبر، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہا برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

(۴۸) پڑھانے سکھانے میں رفق ونرمی ملحوظ رکھے۔

(۴۹) موقع پر چشم نمائی تنبیہ تہدید کرے مگر کوسنا نہ دے کہ اس کا کوسنا ان کے لئے سبب اصلاح نہ ہوگا بلکہ اور زیادہ افساد کا اندیشہ ہے۔

(۵۰) مارے تو منہ پر نہ مارے۔

(۵۱) اکثر اوقات تہدید وتخویف پر قانع رہے کوڑا قمچی اس کے پیش نظر رکھے کہ دل میں رعب رہے۔

(۵۲) زمانہ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی کہ طبیعت نشاط پر باقی رہے۔

(۵۳) مگر زنہار زنہار بُری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یارِ بد مارِ بد سے بدتر ہے۔

(۵۴) نہ ہرگز ہرگز بہادر دانش، مینا بازار، مثنوی غنیمت وغیرہا کتب عشقیہ وغزلیات فسقیہ دیکھنے دے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائے جھک جاتی ہے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکیوں کو سورہ یوسف شریف کا ترجمہ نہ پڑھایا جائے کہ اس میں مکرزنان کا ذکر فرمایا ہے، پھر بچوں کو خرافات شاعرانہ میں ڈالنا کب بجا ہوسکتا ہے۔

(۵۵) جب دس برس کا ہو نماز مار کر پڑھائے۔

(۵۶) اس عمر سے اپنے خواہ کسی کے ساتھ نہ سلائے جدا بچھونے جدا پلنگ پر اپنے پاس رکھے۔

(۵۷) جب جوان ہو شادی کردے، شادی میں وہی رعایت قوم ودین وسیرت وصورت ملحوظ رکھے۔

(۵۸) اب جو ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا احتمال ہو اسے امر وحکم کے صیغہ سے نہ کہے بلکہ برفق ونرمی بطور مشورہ کہے کہ وہ بلائے عقوق میں نہ پڑ جائے۔

(۵۹) اسے میراث سے محروم نہ کرے جیسے بعض لوگ اپنے کسی وارث کو نہ پہنچنے کی غرض سے کل جائداد دوسرے وارث یا کسی غیر کے نام لکھ دیتے ہیں۔

(۶۰) اپنے بعد مرگ بھی ان کی فکر رکھے یعنی کم سے کم دو تہائی ترکہ چھوڑ جائے ثلث سے زیادہ خیرات نہ کرے۔

یہ ساٹھ [۶۰] حق تو پسر ودختر سب کے ہیں بلکہ دو [۲] حق اخیر میں سب وارث شریک، اور **خاص پسر** کے حقوق سے ہے کہ اسے [۶۱] لکھنا، [۶۲] پیرنا، [۶۳] سپہگری سکھائے۔ [۶۴] سورۂ مائدہ کی تعلیم دے۔ [۶۵] اعلان کے ساتھ اس کا ختنہ کرے۔ **خاص دختر** کے حقوق سے ہے کہ [۶۶] اس کے پیدا ہونے پر ناخوشی نہ کرے بلکہ نعمت الٰہیہ جانے، [۶۷] اسے سینا پرونا کاتنا کھانا پکانا سکھائے، [۶۸] سورۂ نور کی تعلیم دے، [۶۹] لکھنا ہرگز نہ سکھائے کہ احتمال فتنہ ہے، [۷۰] بیٹیوں سے زیادہ دلجوئی رکھے کہ ان کا دل بہت تھوڑا ہوتا ہے، [۷۱] دینے میں انہیں اور بیٹوں کو کانٹے کی تول برابر رکھے، [۷۲] جو چیز دے پہلے انہیں دے کر بیٹوں کو دے، [۷۳] نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے ساتھ سونے دے، [۷۴] اس عمر سے خاص نگہداشت شروع کرے، [۷۵] شادی برات میں جہاں گانا ناچ ہو ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے یہاں ہو کہ گانا سخت سنگین جادو ہے۔ اور [۷۶] ان نازک شیشوں کو تھوڑی ٹھیس بہت ہے، بلکہ ہنگاموں میں جانے کی مطلق بندش کرے گھر کو ان پر زنداں کردے بالاخانوں پر نہ رہنے دے، [۷۷] گھر میں لباس وزیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت کے ساتھ آئیں، جب کفو ملے نکاح میں دیر نہ کرے، حتی الامکان بارہ برس کی عمر میں بیاہ دے، [۷۸] زنہار کسی فاسق

اجر خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے۔

یہ اسّی ۸۰ حق ہیں کہ اس وقت کی نظر میں احادیث مرفوعہ سے خیال میں آئے ان میں اکثر تو مستحبات ہیں جن کے ترک پر اصلاً مواخذہ نہیں۔اور بعض آخرت میں مطالبہ ہو، مگر دنیا میں بیٹے کے لئے باپ پر گرفت وجبر نہیں، نہ بیٹے کو جائز کہ باپ سے جدال ونزع کرے سواچند حقوق کے کہ ان میں جبر حاکم وچارہ جوئی واعتراض کو دخل ہے۔

اوّل: نفقہ کہ باپ پر واجب ہو اور وہ نہ دے تو حاکم جبراً مقرر کرے گا، نہ مانے تو قید کیا جائے گا حالانکہ فروع کے اور کسی دین میں اصول محبوس نہیں ہوتے۔

فی ردالمحتار عن الذخیرۃ لایحبس والد وان علا فی دین ولدہ وان سفل الافی النفقۃ لان فیہ اتلاف الصغیر [1]۔	فتاوٰی شامی میں ذخیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے والد اپنے بیٹے کے قرض کے سلسلے میں قید نہیں کیا جاسکتا خواہ سلسلہ نسب اوپر تک بلحاظ باپ اور نیچے تک بلحاظ بیٹا چلا جائے البتہ نان نفقہ کی عدم ادائیگی کی صورت میں والد کو قید کیا جائے گا کیونکہ اس میں چھوٹے کی حق تلفی ہے۔(ت)

دوم: رضاعت کہ ماں کے دودھ نہ ہو تو دائی رکھنا، بے تنخواہ نہ ملے تو تنخواہ دینا، واجب نہ دے تو جبراً لی جائے گی جبکہ بچے کا اپنا مال نہ ہو، یونہی ماں بعد طلاق ومرور عدت بے تنخواہ دودھ نہ پلائے تو اسے بھی تنخواہ دی جائے گی کما فی الفتح وردّالمحتار وغیرھما(جیسا کہ فتح اور ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت)

سوم: حضانت کہ لڑکا سات برس، لڑکی نو برس کی عمر تک جن عورتوں مثلاً ماں نانی دادی ہیں خالہ پھپھی کے پاس رکھے جائیں گے، اگر ان میں کوئی بے تنخواہ نہ مانے اور بچہ فقیر اور باپ غنی ہے تو جبراً تنخواہ دلائی جائے گی کما اوضحہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ت)

چہارم: بعد انتہائے حضانت بچہ کو اپنی حفظ وصیانت میں لینا باپ پر واجب ہے اگر نہ لے گا حاکم جبر کرے گا کمافی ردالمحتار عن شرح المجمع (جیسا کہ شرح المجمع سے ردالمحتار میں نقل کیا گیا ہے۔ت)

پنجم: ان کے لئے ترکہ باقی رکھنا کہ بعد تعلق حق ورثہ یعنی بحالت مرض الموت مورث اس پر مجبور

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۷۱

ہوتا ہے یہاں تک کہ ثلث سے زائد میں اس کی وصیت بے اجازت ورثہ نافذ نہیں۔

ششم: اپنے بالغ پسر خواہ دختر کو غیر کفو سے بیاہ دینا یا مہر مثل میں غبن فاحش کے ساتھ مثلاً دختر کا مہر مثل ہزار ہے پانسو پر نکاح کردیا یا بہو کا مہر مثل پانسو ہے ہزار باندھ لینا یا پسر کا نکاح کسی باندی سے یا دختر کا کسی ایسے شخص سے جو مذہب یا نسب یا پیشہ یا افعال یا مال میں وہ نقص رکھتا ہو جس کے باعث اس سے نکاح موجب عار ہو ایک بار تو ایسا نکاح باپ کا کیا ہوا نافذ ہوتا ہے جبکہ نشہ میں نہ ہو مگر دوبارہ اپنے کسی نابالغ بچے کا ایسا نکاح کرے گا تو اصلاً صحیح نہ ہوگا **کما قدمنا فی النکاح** (جیسا کہ بحث نکاح میں ہم نے اسے پہلے بیان کردیا ہے۔ت)

ہفتم: ختنہ میں بھی ایک صورت جبر کی ہے کہ اگر کسی شہر کے لوگ چھوڑدیں سلطان اسلام انہیں مجبور کرے گا نہ مانیں گے تو ان پر جہاد فرمائے گا **کما فی الدر المختار** (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

رسالہ

مشعلۃ الارشاد فی حقوق الاولاد

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد ۱۳۱۰ھ

(بندوں کے حقوق کا کفارہ ادا کرنے والے امور کے بارے میں انتہائی حیران کن امداد)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۶۸: حق العباد بھی کسی طرح معاف ہوسکتا ہے بغیر اس کے معاف کے جس کا حق ہے صاف ارقام فرمایئے اور حق العباد کس قدر ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

حق العبد ہر وہ مطالبہ مالی ہے کہ شرعًا اس کے ذمہ کسی کے لئے ثابت ہو اور ہر وہ نقصان وآزار جو بے اجازت شرعیہ کسی قول فعل ترک سے کسی کے دین، آبرو، جسم، مال یا صرف قلب کو پہنچایا جائے۔ تو یہ دو قسمیں ہوئیں، اول کو دیون، ثانی کو مظالم، اور دونوں کو تبعات اور کبھی دیون بھی کہتے ہیں۔ ان دونوں قسم میں نسبت عموم خصوص من وجہ ہے یعنی کہیں تو دین پایا جاتا ہے مظلمہ نہیں، جیسے خریدی چیز کی قیمت، مزدور کی اجرت، عورت کا مہر وغیرہا دیون کہ عقود جائزہ شرعیہ سے اس کے ذمہ لازم ہوئے اور اس نے ان کی ادا میں کمی وتاخیر ناروانہ برتی یہ حق العبد اس کی گردن پر ہے مگر کوئی ظلم نہیں، اور کہیں مظلمہ پایا جاتا ہے دین نہیں جیسے کسی کو مارا، گالی دی، برا کہا، غیبت کی کہ اس کی خبر اسے پہنچی، یہ سب حقوق العبد وظلم ہیں مگر کوئی دین واجب الادا نہیں، اور کہیں دین اور مظلمہ دونوں ہوتے ہیں جیسے کسی کا مال چرایا، چھینا، لوٹا، رشوت

سود جوئے میں لیا، یہ سب دیون بھی ہیں اور ظلم بھی۔ قسم اول میں تمام صور عقود ومطالبہ مالیہ داخل، دوسری میں قول وفعل وترک کو دین آبرو جان جسم مال قلب میں ضرب دینے سے اٹھارہ انواع حاصل، ہر نوع صدہا صورتوں کو شامل، تو کیونکر گنا سکتے ہیں کہ حقوق العباد کس قدر ہیں، ہاں ان کا ضابطہ کلیہ بتادیا گیا ہے کہ ان دو قسموں سے جو امر جہاں پایا جائے اسے حق العبد جانے پھر حق کس قسم کا ہو جب تک صاحب حق معاف نہ کرے معاف نہیں ہوتا، حقوق اللہ میں تو ظاہر کہ اس کے سوا دوسرا معاف کرنے والا کون "وَمَنۡ یَّغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّا اللّٰہُ"[1] کون گناہ بخشے اللہ کے سوا۔ الحمدللہ کہ معافی کریم غنی قدیر رؤف رحیم کے ہاتھ ہے والکریم لایأتی منہ الاالکرم (کریم سے سوائے کرم کے کچھ اور صادر نہیں ہوتا۔ت) اور حقوق العباد میں بھی ملک دیان عزجلالہ نے اپنے دارالعدل کا یہی ضابطہ رکھا ہے کہ جب تک وہ بندہ معاف نہ کرے معاف نہ ہوگا اگرچہ مولیٰ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے جان ومال وحقوق سب کا مالک ہے اگر وہ بے ہماری مرضی کے ہمارے حقوق جسے چاہے معاف فرمادے تو بھی عین حق وعدل ہے کہ ہم بھی اسی کے اور ہمارے حقوق بھی اسی کے مقرر فرمائے ہوئے، اگر وہ ہمارے خون ومال وعزت وغیرہا کو معصوم ومحترم نہ کرتا تو ہمیں کوئی کیسا ہی آزار پہنچاتا نام کو بھی ہمارے حق میں گرفتار نہ ہوتا۔ یونہیں اب اس حرمت وعصمت کے بعد بھی جسے چاہے ہمارے حقوق چھوڑ دے ہمیں کیا مجال عذر ہے مگر اس کریم رحیم جل وعلا کی رحمت کہ ہمارے حقوق کا اختیار ہمارے ہاتھ رکھا ہے بے ہمارے بخشے معاف ہوجانے کی شکل نہ رکھی کہ کوئی ستم رسیدہ یہ نہ کہے کہ اے مالک میرے! میں اپنی داد کو نہ پہنچا۔ حدیث میں ہے حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدواوین ثلثۃ فدیوان لایغفر اللہ منہ شیئا ودیوان لایعبأ اللہ بہ شیئا ودیوان لایترك اللہ منہ شیئا فاما الدیوان الذی لایغفر اللہ منہ شیئا فالاشراك باللہ عزوجل واما الدیوان الذی لایعبأ اللہ بہ شیئا فظلم العبد نفسہ فیما بینہ وبین ربہ	یعنی دفتر تین ہیں، ایک دفتر میں اللہ تعالیٰ کچھ نہ بخشے گا اور ایک دفتر کی اللہ تعالیٰ کو کچھ پروا نہیں اور ایک دفتر میں اللہ تعالیٰ کچھ نہ چھوڑے گا، وہ دفتر جس میں اصلاً معافی کی جگہ نہیں وہ تو کفر ہے کہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا اور وہ دفتر جس کی اللہ عزوجل کو کچھ پروا نہیں وہ بندے کا گناہ ہے خالص اپنے اور اپنے رب کے معاملہ میں کہ کسی دن کا روزہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵

من صوم یوم ترکه اوصلاة ترکها فان الله تعالٰی یغفر ذٰلك ان شاء ویتجاوزان شاء و اما الدیوان الذی لایترك الله منه شیئا فمظالم العباد بینهم القصاص لامحالة۔رواه الامام احمد فی المسند و الحاکم فی المستدرک[1] عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها۔	ترک کیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اللہ تعالٰی چاہے تو اسے معاف کر دے اور در گزر فرمائے اور وہ دفتر جس میں سے اللہ تعالٰی کچھ نہ چھوڑے گا وہ بندوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم ہے کہ اس میں ضرور بدلہ ہونا ہے (امام احمد نے مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں ام المومنین سیدعائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی روایت فرمائی۔ت)

یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لتؤدن الحقوق الٰی اهلها یوم القٰیمة حتی یقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء تنطحها۔رواه الائمة احمد فی المسند ومسلم[2] فی صحیحه والبخاری فی الادب المفرد والترمذی فی الجامع عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	بیشک روز قیامت تمہیں اہل حقوق کو ان کے حق ادا کرنے ہوں گے یہاں تک کہ مُنڈی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا کہ اسے سینگ مارے (ائمہ کرام نے اس کو روایت کیا مثلاً امام احمد نے مسند میں، امام مسلم نے صحیح مسلم میں، امام بخاری نے الادب المفرد میں اور امام ترمذی نے جامع میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایک روایت میں فرمایا:

حتی الذرة من الذرة۔رواه الامام احمد[3] بسند صحیح۔	یہاں تک کہ چیونٹی سے چیونٹی کا عوض لیا جائے گا۔ (اسے امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

پھر وہاں روپے اشرفیاں تو ہیں نہیں کہ معاوضہ حق میں دی جائیں طریقہ ادا یہ ہوگا کہ اس کی نیکیاں صاحب حق کو دی جائیں گی اگر ادا ہو گیا غنیمت ورنہ اس کے گناہ اس پر رکھے جائیں گے یہاں تک

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ۲۵۵۰۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۴۲، المستدرك للحاکم کتاب الاهوال باب جعل الله القصاص بین الدواب المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶۔۵۷۴

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب نصر الاخ ظالمًا اومظلومًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۰۱

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرة رضی الله تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۳

کہ ترازوئے عدل میں وزن پوراہو۔احادیث کثیرہ اس مضمون میں وارد،ازاں جملہ حدیث صحیح مسلم وغیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اتدرون من المفلس قالوا المفلس فینا من لادرھم لہ ولا متاع فقال ان المفلس من امتی من یأتی یوم القیٰمۃ بصلٰوۃ وصیام وزکوٰۃ ویأتی قدشتم ھذا وقد قذف ھذا واکل مال ھذا وسفك دم ھذا وضرب ھذا فیعطی ھذا من حسناتہ وھذا من حسناتہ فان فنیت حسناتہ قبل ان یقضی ماعلیہ اخذ من خطایاھم فطرحت علیہ ثم طرح فی النار[1]۔والعیاذباللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔	یعنی حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو مفلس کون ہے؟صحابہ نے عرض کی ہمارے یہاں تومفلس وہ ہے جس کے پاس زرومال نہ ہو۔فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز،روزے،زکوٰۃ لے کر آئے اور یوں آئے کہ اسے گالی دی اسے زنا کی تہمت لگائی اس کامال کھایااس کاخون گرایااسے ماراتواس کی نیکیاں اسے دی گئیں پھراگرنیکیاں ختم ہوچکیں اور حق باقی ہیں توان کے گناہ لے کراس پرڈالے گئے پھرجہنم میں پھینک دیا۔اللہ تعالٰی پاک اور بلند وبرترذات کی پناہ۔(ت)

غرض حقوق العباد بے ان کی معافی کے معاف نہ ہوں گے ولہٰذا مروی ہوا کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:الغیبۃ اشد من الزنا غیبت زنا سے سخت ترہے۔کسی نے عرض کی:یہ کیونکر؟فرمایا:

الرجل یزنی ثم یتوب فیتوب اللہ علیہ وان صاحب الغیبۃ لایغفر لہ حتی یغفر لہ صاحبہ۔رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والطبرانی فی الاوسط[2] عن جابر بن عبداللہ	زانی توبہ کرے تواللہ تعالٰی قبول فرمالے اور غیبت والے کی مغفرت نہ ہوگی جب تک وہ نہ بخشے جس کی غیبت کی ہے(ابن ابی الدنیا نے ذم الغیبۃ(غیبت کی برائی میں)میں اور امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت جابر بن عبداللہ

[1] صحیح مسلم کتاب البروالصلۃ باب تحریم الظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۰

[2] المعجم الاوسط حدیث ۶۵۸۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۷/ ۳۰۶

وابی سعید الخدری والبیھقی عنهما وعن انس رضی اللہ تعالٰی عنهم۔	اور حضرت ابوسعید خدری سے اور امام بیہقی نے ان دونوں کے علاوہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کی روایت فرمائی۔(ت)

پھر یہاں معاف کرالینا سہل ہے قیامت کے دن اس کی امید مشکل کہ وہاں ہر شخص اپنے اپنے حال میں گرفتار نیکیوں کا طلبگار برائیوں سے بیزار ہوگا پرائی نیکیاں اپنے ہاتھ آتے اپنی برائیاں اس کے سر جاتے کسے بری معلوم ہوتی ہیں، یہاں تک کہ حدیث میں آیا ہے کہ ماں باپ کا بیٹے پر کچھ دین آتا ہوگا اسے روز قیامت پیٹیں گے کہ ہمارا دین دے وہ کہے گا میں تمہارا بچہ ہوں، یعنی شاید رحم کریں وہ تمنا کریں گے کاش اور زیادہ ہوتا۔

الطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول انه یکون للوالدین علٰی ولد هما دین فاذا کان یوم القیٰمة یتعلقان به فیقول انا ولد کما فیودان او یتمنیان لوکان اکثر من ذٰلك[1]۔	طبرانی میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ والدین کا بیٹے پر دین ہوگا قیامت کے روز والدین بیٹے پر لپکیں گے تو بیٹا کہے گا میں تمہارا بیٹا ہوں تو والدین کو حق دلایا جائے گا اور تمنا کریں گے کاش ہمارا حق اور زائد ہوتا۔(ت)

جب ماں باپ کا یہ حال تو اوروں سے امید خام خیال، ہاں کریم ورحیم مالک ومولٰی جل جلالہ وتبارک وتعالٰی جس پر رحم فرمانا چاہے گا تو یوں کرے گا کہ حق والے کو بے بہا قصور جنت معاوضہ میں عطا فرماکر عفو حق پر راضی کردے گا ایک کرشمہ کرم میں دونوں کا بھلا ہوگا نہ اس کی حسنات اسے دی گئیں نہ اس کی سیئات اس کے سر رکھی گئیں نہ اس کا حق ضائع ہونے پایا بلکہ حق سے ہزاروں درجے بہتر افضل پایا رحمت حق کی بندہ نوازی ظالم ناجی مظلوم راضی، فللّٰه الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه کما یحب ربنا ویرضٰی (پھر اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد وثنا ہے جس کی ذات بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت ہے۔ت) حدیث میں ہے:

بینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه	یعنی ایک دن حضور پر نور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی

[1] المعجم الکبیر حدیث المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۰/ ۲۷۰

وسلم جالس اذ رأیناہ اضحك حتی بدت ثنایاہ فقال له عمر ما اضحکك یارسول اللہ بابی انت وامّی۔	علیہ وسلم تشریف فرماتھے ناگاہ خندہ فرمایا کہ اگلے دندان مبارک ظاہر ہوئے، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ میرے ماں باپ حضور پر قربان کس بات پر ہنسی آئی؟

ارشاد فرمایا:

رجلان من امتی جثیا بین یدی رب العزۃ فقال احدھما یارب خذلی مظلمتی من اخی فقال اللہ تعالٰی للطالب کیف تصنع باخیك ولم یبق من حسناته شیئ قال یارب فیحمل من اوزاری، وفاضت عینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالبکاء ثم قال ان ذٰلك الیوم عظیم یحتاج الناس ان یحمل عنھم من اوزارھم فقال اللہ للطالب ارفع بصرك فانظر فرفع فقال یارب اری مدائن من ذھب وقصورا من ذھب مکللة باللؤلؤ لای نبی ھذا اولای صدیق ھذا اولای شھید ھذا قال لمن اعطی الثمن قال یارب ومن یملك ذٰلك قال انت تملکه قال بماذا قال بعفوك عن اخیك قال یارب فانی قد عفوت عنه قال اللہ تعالٰی فخذ بید اخیك فادخله الجنة فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند	دومرد میری امت سے رب العزت جل جلالہ کے حضور زانوؤں پر کھڑے ہوئے، ایک نے عرض کی: اے رب میرے! میرے اس بھائی نے جو ظلم مجھ پر کیا ہے اس کا عوض میرے لئے لے۔ رب تعالٰی نے فرمایا: اپنے بھائی کے ساتھ کیا کرے گا اس کی نیکیاں تو سب ہوچکیں، مدعی نے عرض کی: اے رب میرے! تو میرے گناہ وہ اٹھالے۔ یہ فرماکر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آنکھیں گریہ سے بہہ نکلیں، پھر فرمایا: بیشک وہ دن بڑا سخت ہے لوگ اس کے محتاج ہوں گے کہ ان کے گناہوں کا کچھ بوجھ اور لوگ اٹھائیں۔ مولٰی عزوجل نے مدعی سے فرمایا: نظر اٹھاکر دیکھ۔ اس نے نگاہ اٹھائی کہا اے رب میرے! میں کچھ شہر دیکھتا ہوں سونے اور محل سونے کے سراپا موتیوں سے جڑے ہوئے یہ کس نبی کے ہیں یا کس صدیق یا کس شہید کے۔ مولٰی تبارک وتعالٰی نے فرمایا: اس کے ہیں جو قیمت دے کہا: اے رب میرے! بھلا ان کی قیمت کون دے سکتا ہے؟ فرمایا: تو۔ عرض کی: کیوں کر؟

ذٰلك اتقوا اللّٰه واصلحوا ذات بینکم فان اللّٰه یصلح بین المسلمین یوم القیٰمۃ۔ رواہ الحاکم فی المستدرک[1] والبیھقی فی کتاب البعث والنشور وابو یعلٰی فی مسندہ وسعید بن منصور فی سننه عن انس بن مالك رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	فرمایا: یوں کہ اپنے بھائی کو معاف کردے۔ کہا: اے رب میرے! یہ بات ہے تو میں نے معاف کیا۔ مولٰی جل مجدہ نے فرمایا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑلے اور جنت میں لے جا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے بیان کرکے فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے ڈرو اور آپس میں صلح کرو کہ مولٰی عزوجل قیامت کے دن مسلمانوں میں صلح کرائے گا۔ (حاکم نے مستدرک میں امام بیہقی نے کتاب البعث والنشور میں ابو یعلٰی نے مسند اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا التقی الخلائق یوم القیٰمۃ نادی منادیا یااھل الجمع تتارکوا المظالم بینکم و ثوابکم علیّ۔ رواہ الطبرانی[2] عن انس ایضا رضی اللّٰه تعالٰی عنه بسند حسن۔	جب مخلوق روز قیامت بہم ہوگی ایک منادی رب العزۃ جل وعلا کی طرف سے ندا کرے گا اے مجمع والو! آپس کے ظلموں کا تدارک کرلو اور تمہارا ثواب میرے ذمہ ہے۔ (امام طبرانی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن اس کو روایت کیا ہے۔ ت)

اور ایک حدیث میں ہے حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے فرمایا:

ان اللّٰه یجمع الاولین والاٰخرین یوم القیٰمۃ فی صعید واحد ثم ینادی مناد من تحت العرش یااھل التوحید ان اللّٰه عزوجل قد عفا عنکم، فیقوم الناس فیتعلق بعضھم ببعض فی ظلامات ثم ینادی منادیا اھل	یعنی بیشک اللہ عزوجل روز قیامت سب اگلوں پچھلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو! مولٰی تعالٰی نے تمہیں اپنے حقوق معاف فرمائے لوگ کھڑے ہو کر آپ کے دنیاوی مظلموں میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے منادی پکارے گا اے توحید والو! ایک دوسرے

[1] مستدرك للحاكم كتاب الاهوال دار لفکر بیروت ۴/ ۵۷۶، الدر المنثور بحواله ابن ابی الشیخ وابی یعلی والحاکم مکتبۃ العظمی قم ایران ۳/ ۱۶۱

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۴۰ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۶۷

التوحید لیعف بعضکم عن بعض وعلیّ الثواب۔ رواہ ایضا[1] عن ام ھانی رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	کو معاف کردو اور ثواب دنیا میرے ذمہ ہے۔ (اسے بھی طبرانی نے سیدہ ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

یہ دولت کبرٰی ونعمت عظمٰی کہ اکرم الاکرمین جلت عظمتہ اپنے محض کرم وفضل سے اس ذلیل روسیاہ سراپا گناہ کو بھی عطا فرمائے۔ ع

کہ مستحق کرامت گنہگارانند

(گنہگار شرف وبزرگی (عطا کئے جانے کے لائق ہیں۔ت)

اس وقت کی نظر میں اس کا جلیل وعدہ جمیل مژدہ صاف صریح بالتصریح یا کالتصریح تصریح پانچ فرقوں کے لئے وارد ہوا:

اوّل: حاجی کہ پاک مال، پاک کمائی، پاک نیت سے حج کرے، اور اس میں لڑائی جھگڑے اور عورتوں کے سامنے تذکرہ جماع اور ہر قسم کے گناہ ونافرمانی سے بچے، اس وقت تک جتنے گناہ کئے تے بشرط قبول سب معاف ہوجاتے ہیں، پھر اگر حج کے بعد فوراً مر گیا تو اتنی مہلت نہ ملی کے حقوق اللہ عزوجل یا بندوں کے اس کے ذمہ تھے انہیں ادا یا ادا کی فکر کرتا تو امید واثق ہے کہ مولٰی تعالٰی اپنے تمام حقوق سے مطلقاً درگزر فرمائے یعنی نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہا فرائض کہ بجانہ لایا تھا ان کے مطالبہ پر بھی قلم عفو الٰہی پھر جائے اور حقوق العباد ودیون ومظالم مثلاً کسی کا قرض آتا ہو، مال چھینا ہو، برا کہا ہو ان سب کو مولٰی تعالٰی اپنے ذمہ کرم پر لے لے اصحاب حقوق کو روز قیامت راضی فرماکر مطالبہ وخصومت سے نجات بخشے، یوہیں اگر بعد کو زندہ رہا اور بقدر قدرت تدارک حقوق ادا کرلیا یعنی زکوۃ دے دی نماز روزہ کی قضا ادا کی جس کا جو مطالبہ آتا تھا دے دیا جسے آزار پہنچا تھا معاف کرالیا جس مطالبہ کا لینے والا نہ رہا یا معلوم نہیں اس کی طرف سے تصدق کردیا بوجہ قلت مہلت جو حق اللہ عزوجل یا بندہ کا ادا کرتے کرتے رہ گیا اس کی نسبت اپنے مال میں وصیت کردی، غرض جہاں تک طرق برائت پر قدرت ملی تقصیر نہ کی تو اس کے لئے امید اور زیادہ قوی کہ اصل حقوق کی یہ تدبیر ہوگئی اور اثم مخالفت حج سے دھل چکا تھا، ہاں اگر بعد حج باوصف قدرت ان امور میں قاصر رہا تو یہ سب گناہ از سر نو اس کے سر ہوں گے کہ حقوق تو خود باقی ہی تھے ان کی ادا میں پھر تاخیر وتقصیر گناہ تازہ ہوئے اور وہ حج ان کے

[1] المعجم الاوسط حدیث ۱۳۵۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۲/ ۲۰۰

ازالہ کو کافی نہ ہوگا کہ حج گزرے گناہوں کو دھوتا ہے آئندہ کے لئے پروانہ بیقیدی نہیں ہوتا بلکہ حج مبرور کی نشانی ہی یہ ہے کہ پہلے سے اچھا ہو کر پلٹے **فانّا للّٰہ وانا الیہ راجعون ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (بے شک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور یقیناً اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت اللہ تعالٰی بزرگ و برتر کی توفیق کے بغیر کسی میں نہیں۔ت) مسئلہ حج میں بحمد اللہ تعالٰی یہ وہ قول فیصل ہے جسے فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بعد تنقیح دلائل ومذاہب واحاطہ اطراف وجوانب اختیار کی نفیس تحقیق بعونہ تعالٰی فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے بعد ورود اس سوال کے ایک تحریر جداگانہ میں لکھی، یہاں اس قدر کافی ہے **وباللّٰہ التوفیق** (اللہ تعالٰی ہی کے کرم سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت)

احادیث: ابن ماجہ اپنی سنن میں کاملاً اور ابوداؤد مختصراً اور امام عبداللہ بن امام احمد زوائد مسند اور طبرانی معجم کبیر اور ابویعلٰی مسند اور ابن حبان ضعفاء اور ابن عدی کامل اور بیہقی سنن کبرٰی وشعب الایمان وکتاب البعث والنشور اور ضیاء مقدسی بافادہ تصحیح مختارہ میں حضرت عباس بن مرداس اور امام عبداللہ بن مبارک بسند صحیح اور ابویعلٰی وابن منیع بوجہ آخر حضرت انس بن مالک اور ابونعیم حلیۃ الاولیا اور امام ابن جریر طبری تفسیر اور حسن بن سفیان مسند اور ابن حبان ضعفاء میں حضرت عبداللہ بن عمر فاروق اعظم اور عبدالرزاق مصنف اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبادہ بن صامت اور دارقطنی وابن حبان حضرت ابوہریرہ اور ابن مندہ کتاب الصحابہ اور خطیب تلخیص المتشابہ میں حضرت زید جد عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے بطرق عدیدہ والفاظ کثیرہ ومعانی متقاربہ راوی:

وھذا حدیث الامام عبداللّٰہ بن المبارك علی سفٰین الثوری عن الزبیر بن عدی عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال وقف النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم بعرفات وقد کادت الشمس ان تغرب فقال یابلال انصت لی الناس فقام بلال فقال انصتوا لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ	(یہ حدیث امام عبداللہ بن مبارک نے امام سفیان ثوری سے انہوں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے۔ت) یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرفات میں وقوف فرمایا یہاں تک کہ آفتاب ڈوبنے پر آیا اس وقت ارشاد ہوا اے بلال! لوگوں کو میرے لئے خاموش کر، بلال نے کھڑے ہو کر پکارا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

تعالٰی علیہ وسلم فنصت الناس فقال یامعاشر الناس اتانی جبریل اٰنفا فاقرأنی من ربی السلام وقال ان اللہ عزوجل غفر لاھل عرفات واھل المعشر وضمن عنھم التبعات فقام عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ ھذالنا خاصۃ قال ھذا لکم ولمن اتی من بعدکم الٰی یوم القیٰمۃ فقال عمر بن الخطاب کثر خیراللہ وطاب[1]۔	وسلم کے لئے خاموش ہو جاؤ، لوگ ساکت ہوئے۔ حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے فرمایا اے لوگو! ابھی جبریل نے حاضر ہو کر مجھے میرے رب کا سلام وپیام پہنچایا کہ اللہ عزوجل نے عرفات و مشعرالحرام والوں کی مغفرت فرمائی اور ان کے باہمی حقوق کا خود ضامن ہوگیا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی یارسول اللہ کیا یہ دولت خاص ہمارے لئے ہے؟ فرمایا تمہارے لئے اور جو تمہارے بعد قیامت تک آئیں سب کے لئے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا اللہ عزوجل کی خیر کثیر و پاکیزہ ہے انتہی (ت)

والحمدللہ رب العٰلمین (اور سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

دوم: شہید بحر کہ خاص اللہ عزوجل کی رضا چاہنے اور اس کا بول بالا ہونے کے لئے سمندر میں جہاد کرے اور وہاں ڈوب کر شہید ہو حدیثوں میں آیا کہ مولٰی عزوجل خود اپنے دست قدرت سے اس کی روح قبض کرتا اور اپنے تمام حقوق اسے معاف فرماتا اور بندوں کے سب مطالبے جو اس پر تھے اپنے ذمہ کرم پر لیتا ہے۔

احادیث: ابن ماجہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ابوامامہ اور ابونعیم حلیہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پھُپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب اور شیرازی کتاب الالقاب میں حضرت عبداللہ ابن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے راوی:

واللفظ لابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یغفر لشھید البر الذنوب کلھا الاالدین، و	(حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ ہیں۔ت) یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو خشکی میں شہید ہو اس کے سب گناہ بخشے جاتے ہیں مگر حقوق العباد۔

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن مبارک عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۱/ ۳۱-۳۳۰

یغفر لشھید البحر الذنوب کلھا والدّین[1]۔	اور جو دریا میں شہادت پائے اس کے تمام گناہ و حقوق العباد سب معاف ہو جاتے ہیں۔

اللھم ارزقنا بجاھه عندك صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وبارك اٰمین (اے اللہ! حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس بلند پایہ رتبہ کے طفیل جوان کا تیری بارگاہ میں ہے ہمیں یہ دولت نصیب فرما آمین۔ت)

سوم شہید صبر یعنی وہ مسلمان سنی المذہب صحیح العقیدہ جسے ظالم نے گرفتار کرکے بحالت بیکسی و مجبوری قتل کیا، سولی دی، پھانسی دی کہ یہ بوجہ اسیری قتال ومدافعت پر قادر نہ تھا بخلاف شہید جہاد کہ مارتا مرتا ہے اس کی بیکسی و بیدست پائی زیادہ باعث رحمت الٰہی ہوتی ہے کہ حق اللہ وحق العبد کچھ نہیں رہتا ان شاء اللہ تعالٰی (اگر اللہ تعالٰی چاہے۔ت)

احادیث: بزار ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قتل الصبر لایمر بذنب الا محاہ[2]۔	قتل صبر کسی گناہ پر نہیں گزرتا مگر یہ کہ اسے مٹا دیتا ہے۔

نیز بزار ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قتل الرجل صبرا کفارۃ لما قبله من الذنوب[3]۔ قال المناوی فی التیسیر ظاھرہ وان کان المقتول عاصیا ومات بلا توبة ففیه ردّ علی الخوارج والمعتزلة[4] اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشه مانصه اقول: بل لا محمل له سواہ	آدمی کا بروجہ صبر مارا جانا تمام گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ علامہ مناوی نے تیسیر میں فرمایا اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ مقتول گنہگار ہو اور بغیر توبہ مر جائے۔ پس اس میں خارجیوں اور معتزلہ کا رد ہے اھ، مجھے یاد ہے کہ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا کہ جس کی عبارت یہ ہے میں کہتا ہوں

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۷۱۶ المکتبة الفیصلیة بیروت ۸/ ۲۰۱، سنن ابن ماجه کتاب الجھاد باب فضل الغزو والبحر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۴

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الحدود باب قتل الصبر حدیث ۱۵۴۵ موسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۲۱۴

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الحدود باب قتل الصبر حدیث ۱۵۴۴ موسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۲۱۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث قتل الصبر الخ مکتبة الامام الشافعی الریاض ۲/ ۱۹۳

فانہ ان لم یکن عاصیا لم یمر القتل بذنب وان کان تاب فکذالك فان التائب من الذنب کمن لاذنب لہ۔	بلکہ اس کے علاوہ اس کا اور کوئی محمل نہیں اس لئے کہ اگر مقتول گنہگار نہ ہو تو پھر قتل گاگناہ پر گزرنہ ہوگا(گناہ ہی نہ ہو تو اس پر گزر کیسا) اور اگر اس نے توبہ کرلی تو پھر بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ گناہوں سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہوجاتا ہے کہ جس کا کوئی گناہ ہی نہیں۔ت)

احادیث مطلق ہیں اور مخصص مفقود وحدث عن البحر ولاحرج اور ہم نے سنی المذہب کی تخصیص اس لئے کی کہ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لو ان صاب بدعۃ مکذبا بالقدر قتل مظلوما صابرا محتسبا بین الرکن والمقام لم ینظر اللہ فی شیئ من امرہ حتی یدخلہ جھنم۔[1] رواہ ابوالفرج فی العلل من طریق کثیر من سلیم ثنا انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فذکرہ۔	اگر کوئی بدمذہب تقدیر ہر خیر وشر کا منکر خاص حجر اسود ومقام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان محض مظلوم وصابر مارا جائے اور وہ اپنے اس قتل میں ثواب الٰہی ملنے کی نیت بھی رکھے تاہم اللہ عزوجل اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں داخل کرے،والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (ابوالفرج نے العلل میں کثیر بن سلیم ثنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند سے روایت کیا اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، پھر پوری حدیث کو ذکر کیا۔ت)

چہارم: مدیون جس نے بحاجت شرعیہ کسی نیک جائز کام کے لئے دین لیا اور اپنی چلتی ادا میں گئی نہ کی نہ کبھی تاخیر ناروا رکھی بلکہ ہمیشہ سچے دل سے ادا پر آمادہ اور تاحد قدرت اس کی فکر کرتا رہا پھر بمجبوری ادا نہ ہوسکا اور موت آگئی تو مولٰی عزوجل اس کے لئے اس دین سے درگزر فرمائے گا اور روز قیامت اپنے خزانہ قدرت سے ادا فرماکر دائن کو راضی کردے گا اس کے لئے یہ وعدہ خاص اسی دین کے واسطے ہے نہ تمام حقوق العباد کے لئے۔

احادیث: احمد وبخاری وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور طبرانی معجم کبیر میں بسند صحیح حضرت میمون کردی اور حاکم مستدرک اور طبرانی کبیر میں حضرت ابوامامہ باہلی اور احمد وبزار وطبرانی وابونعیم بسند حسن

[1] العلل المتناہیۃ باب دخول المبتدع النار حدیث ۲۱۵ نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۴۰

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق اور ابن ماجہ وبزار حضرت عبداللہ بن عمرو اور بیہقی مرسلًا قاسم مولائے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی واللفظ لمیمون رضی اللہ تعالٰی عنہ:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ادان دینا ینوی قضائہ اداہ اللہ عنہ یوم القیمۃ[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کسی دین کا معاملہ کرے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو اللہ عزوجل اس کی طرف سے روز قیامت ادا فرمائے گا۔

حدیث ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ مستدرک میں یہ ہیں حضور اقدس صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں:

من تداین بدین وفی نفسہ وفاؤہ ثم مات تجاوز اللہ عنہ وارضی غریمہ بماشاء[2]۔	جس نے کوئی معاملہ دین کیا اور دل میں ادا کی نیت رکھتا تھا پھر موت آگئی اللہ عزوجل اس سے در گزر فرمائے گا اور دائن کو جس طرح چاہے راضی کرے گا۔

نیک وجائز کی قید حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ظاہر کہ اس میں ضرورت جہاد وضرورت تجہیز وتکفین مسلمان وضرورت نکاح کو ذکر فرمایا بلکہ بخاری تاریخ اور ابن ماجہ سنن اور حاکم مستدرک میں راوی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی مع الدائن حتی یقضی دینہ مالم یکن دینہ فیما یکرہ اللہ[3]۔	بیشک اللہ تعالٰی قرضدار کے ساتھ ہے یہاں تک کہ اپنا قرض ادا کرے جب تک کہ اس کا دین اللہ تعالٰی کے ناپسند کام میں نہ ہو۔

بمجبوری رہ جانے کی قید حدیث ابن صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ثابت کہ رب العزت جل وعلا روز قیامت مدیون سے پوچھے گا تونے کاہے میں یہ دین لیا اور لوگوں کا حق ضائع کیا، عرض کرے گا اے رب میرے! تو جانتا ہے کہ میرے اپنے کھانے پینے پہننے ضائع کردینے کے سبب وہ دین نہ رہ گیا بلکہ اتی علی اما حرق واما سرق واما وضیعۃ آگ لگ گئی یا چوری ہوگئی یا تجارت میں ٹوٹا پڑا یوں رہ گیا،

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ ۲۳/ ۴۳۲ وحدیث ۹۴۹ ۸/ ۲۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب البیوع باب ماجاء فی جواز الاستقراض دارالفکر بیروت ۵/ ۳۵۴، کنز العمال بحوالہ طب عن میمونہ حدیث ۱۵۴۲۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۲۱

[2] المستدرک للحاکم کتاب البیوع ان اللہ مع الدائن الخ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۳

[3] المستدرک للحاکم کتاب البیوع ان اللہ مع الدائن الخ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۳، کنز العمال بحوالہ تخ، ہ، ک حدیث ۱۵۴۳۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۲۱

مولٰی عزوجل فرمائے گا:

صدق عبدی فانا احق من قضی عنک[1]۔	میرا بندہ سچ کہتا ہے سب سے زیادہ میں مستحق ہوں کہ تیری طرف سے ادا فرمادوں۔

پھر مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کوئی چیز منگا کر اس کے پلہ میزان میں رکھ دے گا کہ نیکیاں برائیوں پر غالب آجائیں گی اور وہ بندہ رحمت الٰہی کے فضل سے داخل جنت ہوگا۔

پنجم: اولیائے کرام صوفیہ صدق ارباب معرفت قدست اسرارہم ونفعنا اللہ ببرکاتہم فی الدنیا والآخرۃ(ان کے راز پاک کردیئے گئے، اللہ تعالٰی ہمیں دنیا اور آخرت میں ان کی برکتوں سے فائدہ پہنچائے۔ت) کہ بنص قطعی قرآن روز قیامت ہر خوف وغم سے محفوظ وسلامت ہیں۔

قال تعالٰی " اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (لوگو!) آگاہ ہو جاؤ یقینا اللہ تعالٰی کے دوست (ہر خوف اور غم سے محفوظ ہوں گے) نہ انہیں کوئی ڈر ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(ت)

توان میں بعض سے اگر بتقاضائے بشریت بعض حقوق الٰہیہ میں اپنے منصب ومقام کے لحاظ سے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین کوئی تقصیر واقع ہو تو مولٰی عزوجل اسے وقوع سے پہلے معاف کرچکا کہ:

قد اعطیتکم من قبل ان تسألونی وقد اجبتکم من قبل ان تدعونی وقد غفرت لکم من قبل ان تعصونی[3]۔	میں نے تمہیں عطا فرمادیا اس سے پہلے کہ تم مجھ سے کچھ مانگو، اور میں نے تمہاری درخواست قبول کرلی قبل اس کے کہ تم مجھے پکارو، اور یقینا تمہاری نافرمانی کرنے سے پہلے میں نے تمہیں معاف کردیا۔(ت)

یوہیں اگر باہم کسی طرح کی شکررنجی یا کسی بندہ کے حق میں کچھ کمی ہو جیسے صحابہ رضوان اللہ تعالٰی

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عبدالرحمن بن ابی بکر المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۹۸، الترغیب والترہیب بحوالہ احمد والبزار والطبرانی وابی نعیم مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۰۲

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۲

[3] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت آیۃ سورۃ القصص وما کنت بجانب الغربی الخ المطبعۃ البھیۃ لمصریۃ ۲۴/ ۲۵۷

علیہم اجمعین کے مشاجرات کہ:

ستکون لاصحابی زلۃ یغفرھا اللہ تعالٰی لھم لسابقتھم معی[1]۔	عنقریب میرے ساتھیوں سے کچھ لغزشیں ہوں گی جنہیں ان کی پیش قدمی کے باعث اللہ تعالٰی معاف فرمادے گا۔(ت)

تو مولٰی تعالٰی وہ حقوق اپنے ذمہ کرم پر لے کر اربابِ حقوق کو حکم تجاوز فرمائے گا اور باہم صفائی کراکر آمنے سامنے جنت کے عالیشان تختوں پر بٹھائے گا کہ:

"وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ﴿۴۷﴾"[2]	ان کے سینوں کو کینوں اور کدورتوں سے ہم پاک صاف کردیں گے پھر وہ بھائی بھائی ہو کر ایک دوسرے کے آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔(ت)

اسی مبارک قوم کے سرور وسردار حضرات اہل بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین جنہیں ارشاد ہوتا ہے:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم[3]۔	جو چاہو کرو کہ میں تمہیں بخش چکا۔

انہیں کے اکابر سادات سے حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن کے لئے بارہا فرمایا گیا:

ماعلی عثمٰن ماعمل بعد ھذہ ماعلی عثمٰن ماعمل بعد ھذہ[4]۔	آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں، آج سے عثمان کچھ کرے اس پر مواخذہ نہیں۔

فقیر غفراللہ تعالٰی کہتا ہے حدیث:

اذا احب اللہ عبدًا لم یضرہ ذنب رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس[5] و	جب اللہ تعالٰی کسی بندے سے محبت کرنے لگے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، محدث دیلمی نے

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۷۵۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۰۱

[2] القرآن الکریم ۱۵/ ۴۷

[3] صحیح البخاری کتاب المغازی باب فضل من شھد بدرا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۶۷

[4] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عثمان ابن عفان امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۱

[5] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۲۴۳۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۷۷، الدرالمنثور بحوالہ القشیری وابن نجار تحت آیۃ ان اللہ یحب التوابین الخ منشورات مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۱/ ۲۶۱

الامام القشیری فی رسالته وابن النجار فی تاریخه عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	اسے مسند الفردوس میں، امام قشیری نے اپنے رسالہ میں اور ابن نجار نے اپنی تاریخ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا۔(ت)

کا عمدہ محمل یہی ہے کہ محبوبانِ خدا اول تو گناہ کرتے ہی نہیں ع

ان المحب لمن یحب مطیع

(بے شک محبت کرنے والا جس سے محبت کرتا ہے اس کا فرمانبردار مطیع ہوتا ہے۔ت)

وھذا مااختارہ سیدنا الوالد رضی الله تعالٰی عنه (اور اسی کو ہمارے والد گرامی (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) نے پسند فرمایا۔ت) اور احیانًا کوئی تقصیر واقع ہو تو واعظ وزاجرالٰہی انہیں متنبہ کرتا اور توفیق انابت دیتا ہے پھر التائب من الذنب کمن لاذنب له[1] (گناہوں سے توبہ کرنے والا اس آدمی کی طرح ہو جاتا ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ت) اس حدیث کا ٹکڑا ہے وھذا ما مشی علیه المناوی فی التیسیر (یہ وہی ہے جس پر علامہ مناوی نے تیسیر میں روش اختیار فرمائی۔ت) اور بالفرض ارادۂ الٰہیہ دوسرے طور پر تجلی شان عفو و مغفرت واظہار مکان قبول ومحبوبیت پر نافذ ہوا تو عفو مطلق وارضائے اہل حق سامنے موجود، ضرر ذنب بحمد اللہ تعالٰی ہر طرح مفقود، والحمدلله الکریم الودود، وھذا مازدته بفضل المحمود (سب تعریف اس خدا کے لئے جو بزرگ و برتر، معزز اور بندوں کو دوست رکھنے والا اور ان کا محبوب ہے، یہ وہ ہے جس کا میں نے اللہ تعالٰی ستودہ صفات کے فضل و کرم سے اضافہ کیا ہے۔ت)

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے گمان میں حدیث مذکور ام ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا ینادی مناد من تحت العرش یااھل التوحید، الحدیث[2] (عرش کے نیچے سے ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا اے توحید پرستو، الحدیث۔ت) میں اہل توحید سے یہی محبوبانِ خدا مراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل ہرگونہ شرک خفی واخفی سے پاک ومنزہ انہیں کا حصہ ہے بخلاف اہل دنیا جنہیں عبدالدینار عبدالدرہم عبد طمع عبد ہوٰی عبد رغب فرمایا گیا۔

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۲۴۳۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۷۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۱۳۵۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۲/ ۲۰۰

وقال اللہ تعالٰی "اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: (اے محبوب!) کیا آپ نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ (ت)

اور بیشک بے حصول معرفت الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار، یہ بندگان خدا نہ صرف عبادت بلکہ طلب وارادت بلکہ خود اصل ہستی ووجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں لاالٰہ الا اللہ (اللہ تعالٰی کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ت) کے معنی عوام کے نزدیک **لامعبود الااللہ** (اللہ تعالٰی کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ت)، خواص کے نزدیک **لامقصود الااللہ** (اللہ تعالٰی کے سوا مقصود ومطلوب نہیں۔ت)، اہل ہدایت کے نزدیک **لامشھود الااللہ** (اللہ تعالٰی کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی وحدانیت کی گواہی دی جائے اور جس کی بارگاہ میں مخلوق حاضر ہونے والی ہو۔ت) ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک **لاموجود الااللہ** (اللہ تعالٰی کے سوا حقیقتًا کوئی موجود نہیں۔ت) تو اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا، ولہذا ان کے علم توحید کہتے ہیں:

جعلنا اللہ تعالٰی من خدامھم و تراب اقدامھم فی الدنیا ولاٰخرۃ وغفرلنا بجاھھم عندہ انہ اھل التقوٰی واھل المغفرۃ اٰمین!	اللہ تعالٰی ہمیں ان کے خادموں میں شامل فرمائے اور دنیاوآخرت میں ان کے قدموں کی مٹی بنادے اور ان کے اس مرتبہ عالیہ کے طفیل جو ان کا اس کی بارگاہ میں ہے ہمیں بخش دے بیشک وہی اس لائق ہے کہ اس سے خوف رکھا جائے اور وہی بخش دینے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اے اللہ! میری دعا قبول ومنظور فرما۔ (ت)

امید کرتا ہوں کہ اس حدیث کی یہ تاویل امام غزالی قدس سرہ العالی سے احسن واجود، وباللہ التوفیق۔

پھر ان صورتوں میں بھی جبکہ طرز یہی برتی گئی کہ صاحب حق کو راضی فرمائیں اور معاوضہ دے کر اسی سے بخشوائیں تو وہ کلیہ ہر طرح صادق رہا کہ حق العبد بے معافی عبد معاف نہیں ہوتا۔ غرض معاملہ نازک ہے اور امر شدید اور عمل تباہ امل بعید، اور کرم عمیم اور رحم عظیم، اور ایمان

[1] القرآن الکریم ۴۵/ ۲۳

خوف ورجا کے درمیان۔

وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی شفیع المذنبین نجاۃ الھالکین مرتجی البائسین محمد واٰلہٖ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العٰلمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اور ہمیں اللہ تعالٰی ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے، اور گناہوں سے کنارہ کش ہونے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قدرت اس کی توفیق وعنایت کے بغیر کسی میں نہیں، وہ بلند مرتبہ بزرگ وبرتر ذات ہے، اللہ تعالٰی کی بے پایاں رحمتیں ہوں گنہگاروں کیلئے سفارش کرنے والی ذات پر، تباہ حالوں کے وسیلہ نجات پر اور ناامید ہونے والوں کے مرکز امید پر یعنی ہمارے آقا ومولٰی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر، ان کی سب اولاد اور ساتھیوں پر، سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اللہ تعالٰی پاک بلند وبالا سب سے بڑا عالم ہے اور اس عظمت والی ذات کا علم نہایت درجہ کامل اور محکم ومضبوط ہے۔ (ت) ۱۴/ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

رسالہ

اعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد

ختم ہوا

سوگ ونوحہ وجزع وفزع

مسئلہ ۱۶۹تا۱۷۱: از محمد گنج ضلع بریلی مرسلہ عبدالقادر خاں صاحب رامپوری ۱۹ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) اگر کسی شخص مسلمان کے تین بچے سال سال بھر کے یادودوبرس یا تین تین کے کہ قضائے الٰہی سے فوت ہوجائیں اور وہ شخص رنج کی حالت میں نماز پڑھ کر خدا کا شکرادا کرے اور صبر کرے جب اس شخص نے اپنے بچوں کے مرنے پر اللہ کا شکر کیااور صبر کیاتب اس صبر کی جزابچوں کے والدین کو قیامت میں کچھ ملے گی یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

(۲) جو شخص بچوں کے مرنے پر چلا کر روتے ہیں اس چلاکے رونے سے میت پر کچھ تکلیف ہوتی ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

(۳) چلاکے رونا جائز ہے یاناجائز؟ **بیّنوا توجروا۔** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۱۰" [1]	یوہیں ہے کہ صبر کرنے والوں کو ان کااجر پوراپورا دیاجائے گابے شمار۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۰

اور فرماتا ہے:

" اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ "[1]	ایسے لوگوں پر درودیں ہیں ان کے رب کی طرف سے اور مہربانی، اور یہی لوگ راہ پانے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامسلم یموت له ثلثة لم یبلغوا الحنث الا ادخله الجنة بفضل رحمته یاھم۔رواہ الشیخان[2] و النسائی وابن ماجة عن انس بن مالك واحمد عن امّه وعن عمروبن عبسة وعن ابی ھریرۃ وعبداللّٰه بن احمد فی زوائد المسند وابویعلٰی بسند صحیح والحاکم وصححه عن الحارث بن اقیش رضی اللّٰه تعالٰی عنھم۔	جس مسلمان کے تین بچے نابالغی میں مریں گے اللہ تعالٰی اسے جنت میں داخل فرمائے گا اس رحمت کی برکت سے جو ان بچوں پر فرمائے گا (امام بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک کے حوالہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ احمد نے اپنی والدہ، اور عمرو بن عبداللہ اور ابوہریرہ سے روایت کیا۔ ابن حبان نے حضرت ابوذر سے اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں اور ابویعلٰی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دے کر حضرت حارث بن اقیش سے روایت کیا ہے، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

مامن مسلم یموت له ثلثة من الولد لم یبلغوا الحنث الاتلقوہ من ابواب الجنة الثمانیة من ایھا شاء دخل۔رواہ ابن ماجة[3]	جس مسلمان کے تین بچے نابالغ مریں گے وہ جنت کے آٹھوں دروازوں سے اس کا استقبال کریں گے کہ جس سے چاہے داخل ہو۔ (ابن ماجہ نے اس کو

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۷

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المسلمین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۴، سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی ثواب من اصیب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۱۶، سنن النسائی کتاب الجنائز باب ثواب من احتسب الخ نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۴

[3] سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی ثواب من اصیب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶، کنزالعمال حدیث ۶۵۶۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۲۸۴

عن عتبة بن عبدالسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	سند حسن کے ساتھ عتبہ ابن عبدالسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہی حدیث کہ پہلے مذکور ہوئی بیان فرمائی صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ اواثنان یادو، فرمایا: اواثنا یا دو۔ عرض کی: اوواحد یاایک، فرمایا: وواحد یا ایک۔ پھر فرمایا:

والذی نفسی بیدہ ان السقط لیجرامہ بسررہ الی الجنۃ اذا احتسبتہ۔ رواہ الامام احمد[1] بسند صالح والطبرانی عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کچا بچہ جو گرجاتا ہے اگر ثواب الٰہی کی امید میں اس کی ماں صبر کرے تو وہ اپنے نال سے اپنی ماں کو جنت میں کھینچ لے جائے گا۔ (اس کو امام احمد نے سند صالح کے ساتھ اور امام طبرانی نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا مات ولد العبد قال اللہ لملئکتہ قبضتم ولد عبدی، فیقولون نعم فیقول قبضتم ثمرۃ فوادہ، فیقولون نعم، فیقول ماذاقال عبدی، فیقولون حمدك واسترجع، فیقول ابنوالعبدی بیتاً فی الجنّۃ وسمّوہ بیت الحمد۔ رواہ احمد والترمذی[2] وحسنہ	جب مسلمان کا بچہ مرتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کرلی۔ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ فرماتا ہے: تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا۔ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ فرماتا ہے: پھر میرے بندے نے کیا کہا: عرض کرتے ہی: تیرا شکر ادا کیا اور انا للہ وانّا الیہ رٰجعون کہا فرماتا ہے: میرے بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام "حمد کا مکان" رکھو۔ (امام احمد نے اسے روایت کیا ہے اور

[1] مسند احمد بن حنبل معاذ بن جبل المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۴۱

[2] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب فصل المصیبۃ اذا احتسب امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲۲

وابن حبان فی صحیح التقاسیم والانواع عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	امام ترمذی نے اس کی تحسین فرمائی اور محدث ابن حبان نے "صحیح التقاسیم والانواع" میں حضرت ابوموسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۲) چِلّاکے رونے سے مُردے کو ضرور تکلیف ہوتی ہے۔ اہلسنت کے مذہب میں موت سے روح نہیں مرتی، نہ اس کا علم و سمع وبصر زائل ہوتا ہے بلکہ ترقی پاتا ہے، جنازہ رکھا ہوتا ہے لوگ جو کچھ کہتے کرتے ہیں مردہ سب سنتا دیکھتا ہے۔ یہ سب امور احادیث کثیرہ سے ثابت ہیں **کما بیّنّاہ فی "حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات"** (جیساکہ ہم نے اس مسئلہ کو "حیات الموات فی بیان سماع الاموات" میں بیان کیا ہے۔ت) چلاکے رونے سے زندے پریشان ہوجاتے ہیں ایذا پاتے ہیں نہ کہ مردہ جس پر ابھی ایسی سخت تکلیف چلانے کی گزرچکی ہے اس کی پریشانی اس کی ایذا، بیان سے باہر ہے۔ پھر وہ تو دارحق میں گیا اب اسے ہر مصیبت رنج دیتی اور ہر حسنہ سرور بخشتی ہے یہ امر اس کے لئے صدگونہ ایذا کا باعث ہوتا ہے، بچہ ہو یا جوان اس میں سب یکساں ہیں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتؤذوا امواتکم بعویل۔[1] رواہ ابن مندۃ والدیلمی عن ام المومنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	چلا کر رونے سے اپنے مردوں کو ایذانہ دو (محدث ابن مندۃ اور دیلمی نے ام المومنین سیدہ ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کو روایت کیا ہے۔ت)

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک جنازے میں کچھ عورتیں دیکھیں فرمایا:

ارجعن مأزورات غیرماجورات انکن لتفتن الاحیاء وتؤذین الاموات۔ رواہ سعید[2] بن منصور فی سننہ۔	پلٹ جاؤ وبال سے بھری ثواب سے بَری، تم زندوں کو فتنوں میں ڈالتی اور مُردوں کو ایذادیتی ہو (سعید بن منصور نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ت)

امام بکر بن عبداللہ مزنی تابعی فرماتے ہیں:

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۳۱۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۹۸

[2] کنزالعمال بحوالہ الخطیب عن ابی ھدیۃ حدیث ۴۲۶۰۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۶۵۷

انه مامن میت یموت الاوروحه فی ید ملك الموت فهم یغسلونه ویکفنونه وھو یری مایصنع اهله فلم یقدر علی الکلام لنهاهم عن الرنة والعویل۔ رواہ الامام ابوبکر[1] بن ابی الدنیا۔	مجھے حدیث پہنچی کہ جو مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے لوگ اسے غسل وکفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے جو کچھ اس کے گھر والے کرتے ہیں ان سے بات نہیں کرتا کہ انہیں شور وفریاد سے منع کرے (امام ابوبکر بن ابی الدنیا نے اس کو روایت کیا۔ت)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ماں باپ پر ان کی موت کے بعد آدمی کے اعمال پیش ہوتے ہیں، نیکیوں پر شاد ہوتے ہیں اور ان کے منہ اور زیادہ چمکنے لگتے ہیں **فاتقوا اللّٰه ولاتؤذوا امواتکم** تو اللہ سے ڈرو اپنے مردوں کو اپنے گناہوں سے ایذا نہ دو۔ **رواہ الامام الترمذی[2] الحکیم عن والد عبدالعزیز** (امام حکیم ترمذی نے عبد العزیز کے والد سے اس کو روایت کیا ہے۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان المیت لیعذب ببکاء اهله علیه[3]۔ رویاہ الشیخین عن عمر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	بیشک مردے پر جو اس کے گھر والے روتے ہیں اس سے اسے عذاب والم ہوتا ہے (اس کو بخاری مسلم نے عمرو عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

علماء فرماتے ہیں:

المراد بالعذاب هوالالم الذی یحصل للمیّت اذ سمعهم یبکون اوبلغه ذلك فانه یحصل له تألم بذٰلك نقله ملاعلی القاری	(حدیث مذکور میں) عذاب سے وہ احساس دکھ مراد ہے جو میت کو حاصل ہوتا ہے جو انہیں روتے پیٹے سنتی ہے کیونکہ اس رویہ سے وہ درد والم محسوس کرتی ہے، چنانچہ ملا علی قاری نے

[1] شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا باب معرفۃ المیت من یغسلہ الخ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۴

[2] الجامع الصغیر بحوالہ الحکیم عن والد عبدالعزیز حدیث ۳۳۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۹۹

[3] جامع الترمذی ابواب الجنائز باب ماجاء فی کراھیۃ البکاء امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۱۹

فی المرقاۃ[1] عن السید الشاہ میرك المحدّث عن الامام شمس الدین محمد بن محمد بن محمد الجزری انہ قال فی تصحیح المصابیح عندی واللہ اعلم لکن المراد بالعذاب الخ **قلت** وقد تخالج صدری قبل ان اطلع علیہ حتی رأیتہ فیھما وللہ الحمد، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	مرقات شرح مشکٰوۃ میں سید میرک شاہ محدث بخاری کے حوالہ سے اسے نقل فرمایا اس نے امام شمس الدین محمد بن محمد بن محمد جزری سے نقل کیا انہوں نے تصحیح المصابیح میں ذکر فرمایا اللہ تعالٰی سب کچھ بہتر جانتاہے مگر میرے نزدیک حدیث مذکور میں عذاب سے دردو کرب مراد ہے الخ **میں کہتا ہوں** اس پر مطلع ہونے سے پہلے میرے دل میں بھی یہی بات کھٹکتی تھی یہاں تک کہ میں نے ان دونوں بزرگوں کے کلام میں اسے دیکھ لیا۔اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے تمام خوبیاں، محاسن، محامد ہیں۔اور اللہ تعالٰی پاک اور برتر بڑا عالم ہے۔(ت)

(۳) میت پر چلا کر رونا جزع فزع کرنا حرام سخت حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اثنتان فی الناس ھما بھم کفر فی النسب والنیاحۃ۔ رواہ مسلم[2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ و رواہ ابن حبان والحاکم وزادا شق الجیب۔	لوگوں میں دو یا تین کفر ہیں کسی کے نسب پر طعنہ اور میت پر نوحہ۔(امام مسلم نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا،ابن حبان اور حاکم نے بھی اس کو روایت کیاہے مگر حاکم نے یہ اضافہ "اور گریبان پھاڑنا"۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

صوتان ملعونان فی الدنیا والاٰخرۃ مزمار عند نعمۃ ورنّۃ عندالمصیبۃ،رواہ البزار[3] عن انس	دوآوازوں پر دنیاوآخرت میں لعنت ہے، نعمت کے وقت باجا اور مصیبت کے وقت چلانا(محدث بزار نے اس کو صحیح سند کے ساتھ

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکٰوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب البکاء علی المیت مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۲۴

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اطلاق اسم الکفر علی الطعن فی النسب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۸

[3] کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الجنائز باب ماجاء فی النوح مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۳۷۷

رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

النائحۃ اذا لم تتب قبل موتھا تقام یوم القیمۃ و علیھا سربال من قطران ودرع من جرب رواہ مسلم [1] عن ابی مالك الاشعری۔	چلّا کررونے والی جب اپنی موت سے قبل توبہ نہ کرے تو قیامت کے دن کھڑی کی جائے گی یوں کہ اس کے بدن پر گندھک کا کُرتا ہوگا اور کھجلی کا دوپٹہ۔(امام مسلم نے اسے ابو مالک اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ت)

اور ایک روایت میں ہے:

قطع اللہ ثیابا من قطران ودرعا من لھب النار۔رواہ ابن ماجۃ عنہ [2]۔	اللہ تعالٰی اسے گندھک کے کپڑے پہنائے گا اور اوپر سے دوزخ کی لپٹ کا دوپٹہ اڑھائے گا۔(ابن ماجہ نے اس کو ابومالک اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ھٰؤلاء النوائح یجعلن یوم القیمۃ صفین فی جھنّم صف عن یمینھم وصف عن یسارھم فینبحن علی اھل النار کما تنبح الکلاب۔رواہ الطبرانی [3] فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یہ نوحہ کرنے والیاں قیامت کے دن جہنّم میں دو صفیں کی جائیں گی دوزخیوں کے دائیں بائیں وہاں ایسے بھونکیں گی جیسے کتیاں بھونکتی ہیں۔(امام طبرانی نے اس کو "الاوسط" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی الوعید للنائحۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۳

[2] سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز، باب فی النھی عن النیاحۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴

[3] المعجم الاوسط للطبرانی حدیث ۵۲۲۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۱۱۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انابرئ ممن حلق وسلق وخرق۔ رواہ الشیخان عن ابی موسی الاشعری رحمہ اللہ تعالٰی۔[1]	میں بیزار ہوں اس سے جو بھدرا کرے اور چلاکر روئے اور گریبان چاک کرے (بخاری ومسلم نے حضرت ابوموسٰی اشعری رحمہ اللہ تعالٰی کے حوالہ سے اسے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الاتسمعون ان اللہ لایعذب بدمع العین ولابحزن القلب ولکن یعذب بھذا واشار الٰی لسانہ اویرحم وان المیت یعذّب ببکاء اھلہ علیہ۔ رویاہ عن ابن عمر[2] رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ارے سنتے نہیں ہو بیشک اللہ نہ آنسوؤں سے رونے پر عذاب کرے نہ دل کے غم پر (اور زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) ہاں اس پر عذاب ہے۔ یارحم فرمائے اور بیشک مردے پر عذاب ہوتا ہے اس کے گھر والوں کے اس پر نوحہ کرنے سے۔ (اس کو بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

عالمگیری میں جامع المضمرات سے ہے:

النوح العالی لایجوز والبکاء مع رقۃ القلب لاباس بہ[3]۔	بلند آواز سے رونا اور بین کرنا (اسلام میں) جائز نہیں لیکن بغیر آواز کے رونا اور آنسو بہانا ممنوع نہیں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لاتصح الاجارۃ لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاھی[4]۔	گناہوں پر اجارہ (مزدوری کرنا) درست نہیں، گانا بجانا رونا پیٹنا یہ افعال گناہ ہیں، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب تحریم ضرب الخدود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

[2] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب البکاء عند المریض قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۴

[3] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الصلوٰۃ الفصل السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۶۷

[4] درمختار کتاب الاجارہ فاسدہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۹

مسئلہ ۱۷۲: ۱۲ شعبان ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس حدیث کاترجمہ کیاہے اور اس سے میت پر نوحہ کرنے کاجواز بعض غیر مقلد نکالتے ہیں، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

عن انس قال لما ثقل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعل یتغشّاہ فقالت فاطمۃ واکرب اباہ فقال لہا لیس علٰی ابیك کرب بعد الیوم فلما مات قالت یاابتاہ اجاب ربادعاہ یاابتاہ من جنّۃ الفردوس ماواہ یاابتاہ الی جبرئیل ننعاہ فلمادفن قالت فاطمۃ یاانس اطابت انفسکم ان تحثوا علٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم التراب۔ رواہ البخاری[1]۔

بیّنوا توجروا۔ (ترجمہ جواب میں موجود ہے)

الجواب:

انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مرض سے گرانی ہوئی، بے چینی نے غلبہ کیا، حضرت بتول زہرا نے کہاہائے میرے باپ کی بے چینی، سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاآج کے بعد تیرے باپ پر کبھی کسی قسم کی بے چینی نہیں، جب حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایاحضرت بتول زہرانے کہااے باپ میرے اللہ کے بلانے پر تشریف لے گئے، اے باپ میرے وہ کہ فردوس کے باغ میں جن کاٹھکانا، اے باپ میرے ہم ان کے انتقال کی مصیبت جبریل سے بیان کرتے ہیں جب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دفن کرچکے حضرت بتول زہرانے فرمایا اے انس! تمہارے دلوں نے کیونکر گوارا کیاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اطہر کو خاک میں پنہاں کرو۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی۔

حضرت بتول زہرانے یہ کلمات نہ صیحہ وفریاد کے ساتھ کہے نہ ان میں کوئی غلطی یابے تحقیق وصف بیان فرمایانہ کوئی کلمہ شکایت رب العزۃ وناراضی قضائے الٰہی پر دال تھا، لہٰذا اس میں کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ زرقانی میں ہے:

فقال لہا لاکرب علی ابیك بعدالیوم وھذا یدل علٰی انہالم ترفع	حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی بیٹی سے فرمایا آج کے بعد تیرے والد گرامی کو گھبراہٹ

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۴۱

صوتها والا انهاها[1]۔	اور کوئی بے چینی نہ ہوگی، یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ سیدہ نے اپنی آواز (کلمات مذکورہ کہتے ہوئے) بلند نہ کی تھی ورنہ آپ منع فرمادیتے۔(ت)

اسی میں فتح الباری سے ہے:

یؤخذ منه ان تلك الالفاظ کان المیت متصفا بها انه لایمنع ذکرہ بها بعد موته بخلاف ما اذا لایتحقق اتصافه بها فتدخل فی المنع[2]۔	اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ آدمی کے مرنے کے بعد یہ الفاظ کہنا جبکہ وہ ان سے متصف ہو منع نہیں بخلاف اس کے کہ آدمی ان سے متصف نہ ہو تو پھر ایسے الفاظ کہنا ممانعت میں داخل ہیں۔(ت)

تحریم نوحہ میں احادیث متواترہ موجود ہیں اس سے جواز نوحہ ثابت نہ کرے گا مگر جاہل۔ واللہ الھادی (اللہ تعالٰی ہدایت فرمانے والا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۳: مسؤلہ سید مقبول عیسٰی میاں صاحب بریلی نو محلّہ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس امر کے اہلسنت وجماعت کو عشرہ محرم الحرام میں رنج وغم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اہل سنت وجماعت کا مدار ایمان حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت ہے جبتک اپنے ماں، باپ، اولاد، تمام جہان سے زیادہ حضور کی محبت نہ رکھے مسلمان نہیں، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والدہ و ولدہ والناس اجمعین[3]۔	تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور محب کو محبوب کی ہر شے عزیز ہوتی ہے یہاں تک کہ اس کی گلی کا کتا بھی۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۷۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۸۳

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

مثنوی شریف میں حضرت مجنوں رحمہ اللہ تعالٰی کی حکایت تحریر فرمائی کہ کسی نے ان کو دیکھا کمال محبت کے طور پر ایک کتے کے بوسے لے رہے ہیں، اعتراض کیا کہ کتا نجس ہے چنیں ہے چناں ہے۔ فرمایا نہیں جانتا ؎

کاین طلسم بستہ مولٰی ست ایں　　　پاسبان کوچہ لیلٰی ست ایں[1]

(جیسے یہ اللہ کی بنائی ہوئی تصویر ہے، یہ (کتا) لیلٰی کی گلی کا چوکیدار ہے۔ت)

یہ کتا لیلٰی کی گلی کا ہے محبان صادق کا جب دنیا کے محبوبوں کے ساتھ یہ حال ہے جن میں ایک حسن فانی کا کمال سہی ہزاروں عیب و نقص بھی ہوتے ہیں، تو کیا کہنا ہے ہمارے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جنہیں تمام اوصاف حمیدہ میں اعلٰی کمال، اور جن کا ہر کمال ابدی اور لازوال اور جو ہر عیب و نقص سے منزہ و بے مثال، ان کا ہر علاقہ والا سنی کے سر کا تاج ہے، صحابہ ہوں خواہ ازواج خواہ اہلبیت رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔ پھر یہ کہنا ہے ان کا جو حضور کے جگر پارے اور عرش کی آنکھ کے تارے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

حسین منّی وانا من حسین، احب اللہ من احب حسینا، حسین سبط من الاسباط[2]۔	حسین میرا اور میں حسین کا، اللہ دوست رکھے اسے جو حسین کو دوست رکھے، حسین ایک نسل نبوت کی اصل ہے۔

یہ حدیث کس قدر محبت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، ایک بار نام لے کر تین بار ضمیر کافی تھی مگر نہیں ہر بار لذت محبت کے لئے نام ہی کا اعادہ فرمایا، کما قال او فی قول القائل ؎

تاللہ یاظبیات القاع قلن لنا　　　الیلای منکن ام لیلٰی من البشر

(خدا کی قسم اے ہموار زمین کے ہرنو! ہمیں یہ بتادو کیا لیلٰی تم میں سے ہے یا انسانوں میں سے ہے۔ت)

کون سا سنی ہوگا جسے واقعہ ہائلہ کربلا کا غم نہیں یا اس کی یاد سے اس کا دل محزون اور آنکھ پرنم نہیں، ہاں مصائب میں ہم کو صبر کا حکم فرمایا ہے، جزع فزع کو شریعت منع فرماتی ہے، اور جسے واقعی دل میں غم نہ ہو اسے جھوٹا اظہار غم ریاء ہے اور قصداً غم آوری و غم پروری خلاف رضا ہے جسے اس کا غم نہ ہو اسے بیغم نہ رہنا چاہئے

---

[1] مثنوی معنوی قصہ نواختن مجنون آن سگ الخ نورانی کتب خانہ پشاور دفتر سوم ص ۱۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی محمد الحسن الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۹

بلکہ اس غم نہ ہونے کا غم چاہئے کہ اس کی محبت ناقص ہے اور جس کی محبت ناقص اس کا ایمان ناقص۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: جناب انتظام علی خاں چھتہ شیخ منگلو زیر جامع مسجد دہلی ۱۸جمادی الآخرہ

ہر میلاد شریف میں شہادت کا بیان اور نوحہ اشعاروں کے پڑھتے ہی میلاد خواں خود روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رُلاتے ہیں۔ مثال کہ زینب، کلثوم، صغرٰی وغیرہ وغیرہ اس طرح سے پڑھتی تھیں اور روتی تھیں جائز ہے یا نہیں؟ یعنی اس طرح سے پڑھنا۔

الجواب:

نوحہ ماتم حرام ہے، بیان شہادت حسین ناجائز طور پر جاہلوں میں رائج ہے خود ہی ممنوع اور مجلس میلاد مبارک میں کہ مجلس سرور عالم کے ساتھ اس کا ملانا اور حماقت۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵ تا ۱۷۸: ۱۱محرالحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وخلیفہ مرسلین مسائل ذیل میں:

(۱) بعض سنت جماعت عشرہ ۱۰ محرم الحرام کو نہ تو دن بھر روٹی پکاتے ہیں اور نہ جھاڑو دیتے ہیں کہتے ہیں کہ بعد دفن تعزیہ روٹی پکائی جائے گی۔

(۲) ان دس دن میں کپڑے نہیں اُتارتے ہیں۔

(۳) ماہ محرم میں بیاہ شادی نہیں کرتے ہیں۔

(۴) ان ایّام میں سوائے امام حسن وامام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کسی کی نیاز فاتحہ نہیں دلاتے ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

پہلی تینوں باتیں سوگ ہیں اور سوگ حرام ہے، اور چوتھی بات جہالت ہے ہر مہینہ ہر تاریخ میں ہر ولی کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

تعزیہ اوراس سے متعلقہ بدعات

مسئلہ ۱۷۹: از بسولی ضلع بدایوں مرسلہ خلیل احمد صاحب ۹ شوال ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ کابنانا اور دیکھناان پر دل سے معتقد ہونا اہل سنت وجماعت کو چاہئے یانہیں؟ اور جوایسا کرے اس پر بموجب شرع کیاحکم صادر ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

تعزیہ رائجہ مجمع بدعات شنیعہ سیئہ ہے، اس کابنانا دیکھنا جائز نہیں، اور تعظیم وعقیدت سخت حرام واشد بدعت۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی مسلمان بھائیوں کوراہ حق کی ہدایت فرمائے۔ آمین! **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۰: از عیسٰی نگر ضلع کھیری ملک اودھ مرسلہ سید مظہر حسن صاحب ۱۵ صفر ۱۳۲۰ھ

جناب مولوی صاحب! ہم لوگ ساکنان عیسٰی نگر ضلع کھیری وڈاک خانہ خاص عیسٰی نگر کے ہیں اور جناب کانام سناہے کہ بریلی میں جناب مولوی احمد رضاخاں صاحب محلّہ سوداگران میں بہت بڑے مولوی ہیں اور بہت اچھاحکم شریعت کادیتے ہیں، ہمارے یہاں تھوڑے دنوں سے ایک شخص نے واہی بات مچائی ہے کہ محمدی جھنڈامت کھڑاکرو اور تعزیہ مت بناؤ اور تعزیہ پر مٹھائی چڑھاتے ہیں اسے کھانے کو منع کرتاہے اور خدائی رات میں ڈھول بجانے کو منع کرتا ہے اور مولود شریف رنڈی اور بھانڈی کے یہاں

پڑھنے کو نہیں جاتا کہتا ہے مزدوری کرکے لاؤ شیرینی توپڑھ دوں گا یا شیرینی مت لاؤ تمہارے یہاں ویسے ہی پڑھ دوں گا تو مولوی صاحب ہم کو شیرینی بغیر ثواب کیوں کریں اور ہم تعزیہ وغیرہ بنانا چھوڑدیں تو یہاں مسلمان کا نام بھی نہ رہے گا اب ایک مولوی صاحب آئے ہیں وہ مولود شریف اور گیارہویں کو بھی منع کرتے ہیں تو مولوی صاحب اور احمد کا جھگڑا خوب ہوا اور جھگڑا ہو کر یہ بات ٹھہری کہ وہ دودو تین تین آدمی مل کر غزلیں سرہلا کرنہ پڑھا کریں اور قصہ ہرنی کا نہ پڑھیں صحیح کتاب کی روایات پڑھا کریں اور کھڑے نہ ہوں جب سے احمد ویسے ہی کھڑا ہو کر مولود شریف پڑھتا ہے اور مولوی صاحب بھی ویسے ہی کھڑے رہتے ہیں اور جوڑ کے خمسہ پڑھتے ان کے پڑھنے کو کہتے ہیں اور جو غزل خود پڑھتے ہیں۔

اب یہ بات ٹھہری ہے کہ جس بات کو تحریر مذکورہ بالا میں اچھا لکھ دیں گے مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی کے وہ ہم سب مل کر کریں گے اور کسی بات کا جھگڑا نہیں ہے جو باتیں اس کاغذ میں اوپر درج ہیں ان میں سے جو جو بات بہتر اور ثواب زیادہ جس کے کرنے میں ہو وہ تحریر کردیجئے گا اور گیارہویں کی بابت یہ فیصلہ ہوگیا ہے چاہے جس تاریخ میں فاتحہ کرو اور اس کا ثواب نذراللہ کرکے حضرت بڑے پیر صاحب کی روح کو ایصال ثواب کریں، یہ مت خیال کرو کہ اگر گیارہویں کو نہ کریں گے تو ہم کو کچھ نقصان ہوگا جس کا دل چاہے گیارہویں کرے جس کا دل چاہے دسویں نویں کرے ہر وقت ثواب ہے۔

اب ایک بات کو اور منع کرتے ہیں کہ غازی میاں سید سالار کے بیاہ میں مت جاؤ بہرائچ، اب ہمارے کچھ لوگ وہاں کو بھی نہیں جانا چاہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے نشان کو بھی منع کرتے ہیں اور ہماری آپس میں شادی ہے، آپ کے جواب آنے کے بعد شادی میں شریک ہوں گے، صاف صاف جواب لکھ دیجئے گا، بہت ثواب کے مرتکب ہوں گے، جواب کے واسطے ارسال خدمت منسلک ہے۔

الجواب:

جھنڈا ایک تو جہاد کا ہوتا ہے وہ لشکر سلطان اسلام کے ساتھ خاص ہے یہاں اس کا اصل محل نہیں کہ یہاں نہ سلطان اسلام نہ لشکر اسلام تو اس جھنڈے کا کیا کام۔ اور اگر کسی اور غرض سے کوئی جھنڈا بنایا جاتا ہو تو اس کا معلوم ہونا چاہئے، اگر غرض محمودہ اور اس میں شہرت اور علامت کی حاجت ہے تو حرج نہیں **وقد حققنا فی فتاونا** (اس کی تحقیق ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے۔ت) اور اگر غرض مذموم یا عبث وفضول ہے تو منع کرنا ٹھیک ہے تعزیہ ممنوع ہے شرع میں کچھ اصل نہیں اور جو کچھ بدعات ان کے ساتھ کی جاتی ہیں سخت ناجائز ہیں **وفصلت بعضھا فی الفتاوٰی** (بیشک میں نے فتاوٰی میں بعض مسائل کی تفصیل بیان کردی ہے۔ت) مسلمان اتباع احکام شرع سے ہوتے ہیں

نہ امور ناجائزہ سے تعزیہ پر جو مٹھائی چڑھائی جاتی ہے اگرچہ حرام نہیں ہوجاتی مگر اس کے کھانے میں جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز شرعی کی وقعت بڑھانے اور اس کے ترک میں اس سے نفرت دلانی ہے لہٰذا نہ کھائی جائے۔ڈھول بجانا حرام ہے اور جس رات کا نام خدائی رات رکھا ان میں بجائے عبادت گناہ ومعصیت کرنا گویا گناہ کو معاذاللہ عبادت ٹھہرانا ہے اور یہ اور زیادہ حرام ہے۔رنڈیوں،ڈومنیوں،بھانڈوں کے یہاں جو مجلس میلاد شریف ان کے حرام مال سے کی جائے ان میں شرکت ہرگز نہ کی جائے،

فان اللہ طیب لایقبل الا الطیب [1]۔	بلاشبہہ اللہ تعالٰی پاک ہے اور پاک چیز ہی قبول فرماتا ہے۔(ت)

بلکہ رنڈیوں ڈومنیوں کے یہاں کسی طرح جانا نہ چاہئے اگرچہ وہ حلال مزدوری کے مال سے مجلس کریں کہ ان کے یہاں جانے میں تہمت ہے اور تہمت سے بچنے کا حکم ہے۔حدیث میں ہے:

من کان یومن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التھم [2]۔	جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ تہمت کی جگہ کھڑا نہ ہو۔

یہ سمجھنا محض غلط ہے کہ بغیر شیرینی کے ثواب نہ ہوگا،کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت شریف کا ذکر اقدس ویسے ہی موجب ثواب نہیں!ہاں شیرینی میں زیادہ ثواب ہے کہ ذکر شریف کے ساتھ صدقہ فقراء وہدیہ احبّا بھی شامل ہوگیا قربت بدنی کے ساتھ قربت مالی بھی ہوگئی،مجلس میلاد شریف اعلٰی مستحب ومندوب وبہتر وخوب ہے اور ان میں قیام بھی مستحسن ومرغوب ہے اور گیارہویں شریف بھی حسن ومحبوب ہے اور گیارہویں تاریخ کی تخصیص میں بھی شرعًا کوئی حرج نہیں،ہاں یہ سمجھنا غلط ہے کہ خاص گیارہویں ہی کو ثواب ملے گا اور دن نہ ملے گا۔چند آدمیوں کا مل کر خوش الحانی سے پڑھنا بھی جائز ہے جبکہ شعر شرعًا اچھے ہوں اور راگنی کا قصد نہ کریں مگر امرد لڑکوں کو ان میں شریک نہ کیا جائے کہ ان میں فتنہ ہے۔یہ سب مسائل بارہا ذکر ہوگئے ہیں۔ہرنی کا قصہ جس قدر حدیث میں آیا ہے ضرور مقبول ومعتبر ہے اور اس کا پڑھنا اور سنانا سب ثواب ہے ہاں اپنی طرف سے کچھ بڑھادیا ہو تو غلط ہے اسے نکال دینا ضرور ہے۔حدیث میں یہ قصہ یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنگل میں تشریف رکھتے تھے کہ کسی کے پکارنے کی آواز آئی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دیکھا کسی کو نہ پایا پھر نظر

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب صلوٰۃ الاستسقاء دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۴۶

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۴۹

فرمائی تو ایک ہرنی بندھی ہوئی پائی اور اس نے عرض کی: ادن منّی یارسول اللہ! حضور میرے پاس تشریف لائیں۔ رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہرنی کے قریب تشریف لے گئے، فرمایا: تیری کیا حاجت ہے؟ اس نے عرض کی:

ان لی خشفین فی ذٰلك الجبل فحلّنی حتی اذھب فارضیعھا ثم ارجع الیک۔	اسی پہاڑ میں میرے دو بچے ہیں حضور مجھے کھول دیں کہ میں جا کر انہیں دودھ پلاآؤں پھر حضور کے پاس حاضر ہو جاؤں گی۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تو اپنا سچا کرے گی؟ ہرنی نے عرض کی:

عذبنی اللہ عذاب العشار ان لم افعل۔	میں ایسا نہ کروں تو اللہ تعالٰی مجھ پر ان لوگوں کا عذاب کرے جو ظلمًا لوگوں سے مال تحصیلتے تھے۔

رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے کھول دیا، وہ گئی، بچوں کو دودھ پلا کر واپس آئی، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے پھر باندھ دیا، وہ بادیہ نشین جس نے یہ ہرنی باندھی تھی ہوشیار ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ! حضور کا کوئی کام ہے کہ میں بجالاؤں۔ فرمایا: ہاں یہ کہ تو اس ہرنی کو چھوڑ دے اس نے چھوڑ دی۔ وہ ہرنی دوڑتی ہوئی یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ:

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وانك رسول اللہ۔	میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں،

یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر [1] میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی۔

غازی میاں کا بیاہ کوئی چیز نہیں محض جاہلانہ رسم ہے، نہ ان کے نشان کی کوئی اصل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱: ۲۶ محرم ۱۳۳۰ھ

عَلم تعزیہ کو بنانا، ڈھول تاشہ یا کسی انگریزی باجے کے ساتھ ہندو کہار بیلداروں سے اٹھوانا اور حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اسم مقدس کو بتشدید کہنا اور زور زور سے دونوں ہاتھ سے سینہ پیٹنا اور تعزیہ کو بازاروں میں لئے پھرنا، ہندو مسلمانوں کو بطور تماشہ کے دکھانا اور دس محرم کو ایک میلہ لگانا اور امام باڑہ میں تعزیہ رکھ کر بتاشہ ریوڑی ہندو مسلمانوں سے پڑھوانا اور امام باڑہ پر نوبت رکھوانا اور اس میں روشنی کرنا اور خوب مرصّع کرنا اور دس محرم کو ہندو کہاروں یا

[1] المعجم الکبیر مرویات ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حدیث ۷۶۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/ ۳۳۱-۳۲

بیلداروں سے گڑھا کھدواکر اس میں تعزیہ دفن کرادینا اور تخت کو واپس لانا اور عوام الناس کی یہ مرادیں مانگنا اور ان کا فقیر بنانا، گھر گھر سے مانگ کر نیاز دلوانا اور رنگین ہرے ہرے کپڑے نئے نئے پہننا، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بچہ پیدا ہوتے ہی مر جاتا ہے ایسی حالت میں یہ مراد مانگنا کہ یاحضرت امام حسین! آپ کی دعا سے اگر ہمارا بچہ زندہ رہا تو ہم دس برس تک آپ کے نام کے بچہ کو فقیر یا بہشتی یا پیک بنادیں گے، اور بعد دس برس کے برادری محتاج یا مساکین کو نہایت خوشی اور جلوس کے ساتھ کھانا کھلاکر فقیری کو ختم کرائیں گے اور جابجا مرثیہ جاکر پڑھنا دھنیا بناکر برادری میں بطور حصہ یا عیدی کی طرح بٹوؤں میں رکھ کر بچوں کے لئے بھیجنا اور کھچڑا پکاکر برادری میں تقسیم کرنا اور خود کھانا محتاجوں کو کھلانا اور یہ کہاں سے ثابت ہوا ہے اور روٹیاں پکواکر اس طرح لنگر لٹانا کہ ہاتھ میں گرے یا جہاں کہیں اس فعل کا کرنے والا کون ہے اور یہ افعال کس کے ہیں اور مومن کو امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے واقعہ میں ان دس ایام میں کیا کرنا چاہئے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

مسلمانوں کو ان ایام میں صدقات وخیرات ومیراث وحسنات کی کثرت چاہئے خصوصًا روزے خصوصًا روز عاشورا کہ سال بھر کے روزوں کا ثواب اور ایک سال گزشتہ کے گناہوں کی معافی ہے **کما ثبت فی الحدیث الصحیح** (جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ت) اور بہتر یہ ہے کہ نویں دسویں دونوں کا روزہ رکھے۔

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لئن بقیت الی قابل لاصومن التاسع[1]۔	اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں آئندہ سال میں زندہ رہا تو ضرور میں نوتاریخ کا بھی روزہ رکھوں گا(ت)

حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا ودیگر شہدائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نام پاک پر جس قدر ہوسکے تصدق وایصال ثواب کریں بلکہ ان روزوں وغیرہا تمام حسنات کا ثواب اسی جناب گردوں قباب کی نذر کریں گرمیوں میں ان کے نام پر شربت بلائیں جاڑے میں چائے پلائیں اور نیک نیت پاک مال سے شربت چائے کھانے کو جتنا چاہیں لذیذ وبیش قیمت کریں سب خیر ہے کھچڑا پلاؤ فرنی جو چاہیں اور بے دقت میسر ہو برادری میں بانٹیں محتاجوں کو کھلائیں اپنے گھر والوں کو کھلائیں

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب یوم عاشوراء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۹

نیک نیت سے، سب ثواب ہے۔

کما ثبت فی الاحادیث الصحاح حتی قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[1]۔	جیسا کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، یہاں تک کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کچھ تو اپنے آپ کو کھلائے وہ بھی تیرے لئے صدقہ ہے۔(ت)

رہا یہ کہ کھچڑا کہاں سے ثابت ہوا، جہاں سے شادی کا پلاؤ دعوت کا زردہ ثابت ہوا۔ یہ تخصیصات عرفیہ ہیں نہ شرعیہ، ہاں جو اسے شرعًا ضروری جانے وہ باطل پر ہے۔ روٹیاں پکا کر تقسیم کرنا بھی خیر ہے مگر پھینکنا منع ہے اور ان کا پاؤں کے نیچے آنا یا ناپاک جگہ گرنا سخت شدید مواخذہ کا موجب، ایک تو روٹی کی بیحرمتی جس کی تعظیم کا حدیث میں حکم فرمایا، دوسرے نیاز کی چیز کی بے توقیری نیاز کی چیز معظم ہوتی ہے کما دلّ علیہ حدیث نفیس فی بھجۃ الاسرار (جیسا کہ اس پر ایک عمدہ حدیث دلالت کرتی ہے جو بہجۃ الاسرار میں مذکور ہے۔ت) بے ادب وہابیوں کا کہنا کہ اس میں تو صدقہ کے سبب سے اور خباثت آگئی، ان کی قلبی خباثت ہے کہ محبوبانِ خدا کے نام سے انہیں عداوت ہے، بہشتی بننا اگر بدعات سے خالی ہو اور بدعات سے خالی ہو اور محض نام و نقل نہ ہو بلکہ کام اور فعل ہو یعنی پانی بھر بھر کر مسلمانوں کو پلائیں وضو کرائیں تو ضرور اچھا کام اور باعث اجر ہے اور اس کا ثواب بھی نذر شہدائے کرام ہو سکتا ہے اور پیک بننا نری نقالی اور بیہودہ بے معنی ہے اور گھنٹے لٹکانا حدیث میں منع فرمایا، یوہیں فقیر بن کر بلاضرورت و مجبوری بھیک مانگنا حرام، کما نطقت بہ احادیث مستفیضۃ (جیسا کہ بہت سی مشہور و معروف حدیثیں اس معنی پر ناطق ہیں۔ت) اور ایسوں کو دینا بھی حرام لانہ اعانۃ علی المعصیۃ اس لیے کہ یہ گناہ کے کام پر دوسرے کی امداد کرنا ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ت) اور وہ منت ماننی کہ دس برس تک ایسا کریں گے سب مہمل و ممنوع ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانذر فی معصیۃ[2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گناہ کے کام میں کوئی نذر (منت) نہیں۔(ت)

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث حضرت مقدام بن معدی کرب دار الفکر بیروت ۴/ ۱۳۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الایمان باب من رأی علیہ کفارۃ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۱۱

ہاں سیدنا حضرت عالی مقام علیٰ جدہ الکریم ثم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے اپنی حاجت میں استمداد واستعانت وطلب دعاوشفاعت جائز ومحبوب،

قال اللہ تعالٰی "وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ"[1]۔ وقال اللہ تعالٰی "اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالٰی کی بارگاہ تک رسائی کے لئے وسیلہ تلاش کرو، اور اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: یہی وہ ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ (ت)

دھنیابنانے کھانے بٹوں میں رکھ کر بچوں کو بھیجنے میں فی نفسہٖ کچھ حرج نہ تھا مگر وہ مبنی جس کی بنا پر یہ کیاجاتاہے شرعًاناجائز ہے، اس کی اصل یوں ہے کہ پان کھانے کے عادی ہیں محرم کے عشرہ میں سوگ کے خیال سے پان چھوڑدیتے ہیں اس کی جگہ پر دھنیاایجاد ہوا ہے، شریعت نے عورت کو شوہر کی موت پر چارمہینے دس دن سوگ کاحکم دیاہے اوروں کی موت کے تیسرے دن تک اجازت دی ہے باقی حرام ہے اور ہر سال سوگ کی تجدید توکسی کے لئے اصلًاحلال نہیں پھر حقیقت دیکھئے تودعوی غم بھی جھوٹا، غم میں آدمی سے پان نہ کھایاجائے تودھنیئے کے یہ تکلفات کہ وقت میں اس سے سوجگہ زائد اور خرچ بھی زیادہ اور لذت بھی افزوں، یہ ضرور ہوسکیں گے، یوہیں عشرہ محرم کے سبز رنگے ہوئے کپڑے بھی ناجائز ہیں یہ بھی سوگ کی غرض سے ہیں، سوگ میں اصل سیاہ لباس ہے وہ تورافضیوں نے لیااور انہیں زیبابھی تھاکہ ایک توان کے دلوں کی بھی یہی رنگت ہے۔ دوسرے یہ کہ سیدناامام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

الشیعۃ نساء ھذہ الامّۃ[3]۔	شیعہ اس امت کی عورتیں ہیں۔

سوگ وماتم عورتوں ہی کو خوب آتے ہیں۔ ہمارے جاہل سنی بھائی سیاہی سے توبچے کہ رافضیوں کی مشابہت نہ ہو مگراس سے قریب تر رنگت سبزی پائی اسے اختیار کیا، سبزی جب گہری ہوگی سیاہی لے آئے گی ہلکی سیاہی کو سبزی کہتے ہیں، آسمان نیلاہے اسے عربی میں خضراء، فارسی میں چرخ سبزہ فام، کہتے ہیں، اردو میں مسیں بھیگنے کو، اس وقت بالوں کی سیاہی خوب گہری نہیں ہوتی، سبزہ آغاز کو کہتے ہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۵۷

[3]

لہٰذا اس نیت سے یہ بھی ناجائز، مسلمان کو چاہئے عشرہ مبارک میں تین رنگوں سے بچے: سیاہ، سبز، سرخ، سیاہ، سبز کی وجہیں تو معلوم ہو گئیں اور سرخ آج کل ناصبی خبیث خوشی کی نیت سے پہنتے ہیں، سیاہ میں اُودا، نیلا، کاسنی۔ سبز میں کاہی، دھانی، پستیئ۔ سرخ میں گلابی، عنابی، نارنجی سب داخل ہیں۔ غرض جس پر ان میں کوئی رنگ صادق آئے اگر سوگ یا خوشی کی نیت سے پہنے جب تو خود ہی حرام ہے ورنہ ان کی مشابہت سے بچنا بہتر ہے، یو ہیں مرثیے کہ رائج ہیں سب حرام وناجائز ہیں۔ حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المراثی[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا۔

اور ماتم کرنا، چھاتی پیٹنا بھی حرام ہے **نطقت بتحریمہ احادیث بالغۃ حدالاشتھار** (درجہ شہرت تک پہنچی ہوئی حدیثیں اس کے حرام ہونے پر ناطق ہیں۔ت) حسّن حسّن بتشدید کہنا تو جہالت ہی تھا مگر ماتم سخت منع ہے۔ یو ہیں عَلَم، تعزیے، تخت، جریدے، باجے، کھیل تماشے سب بیہودہ وبدعت وممنوع ہیں۔ یو ہیں تعزیہ، چڑھاوا، امام باڑے کا مکان، اس کی نوبت، روشنی، آرائش سب بشرح صدر ہیں، غم والم کا نام اور لہو ولعب کی یہ دھوم دھام اور اس پر امید خوشنودی حضرت امام۔ اور اس الٹی مت کا کیا ٹھکانا کہ یہ تو تعزیہ کی وہ تعظیم کہ گویا معاذاللہ بعینہٖ یہی نعش مبارک حضور پرنور امام عالی مقام ہے بلکہ اس سے بھی زائد، یہاں تک کہ اسے سجدہ کرنے سے بھی باک نہیں۔ اور کہاں یہ حرکت کہ کہار بیلدار وغیرھم کفار اسے اٹھائے پھریں اور اس پر پڑھا یہ جائے کہ اسے مومنو! اٹھاؤ جنازہ حسین کا۔ **استغفراللہ**، پھر گلی کوچوں میں گشت، پھر توڑ تاڑ کر دبا دینا کتنی شتر گرگی ہے، پھر مصنوعی کربلا میں جسے حقیقی کے مثل ٹھہراتے ہیں، کوئی دقیقہ لغویات وممنوعات کا اٹھا نہیں رکھتے، رنڈیوں کے جھولے تک ہوتے ہیں بلکہ تختوں پر ایک ایک رنڈی جلوہ گر ہوتی ہے، کہاں امام عالی مقام کی طرف نسبت اور کہاں یہ سخت شنیع حرکت، کاش اللہ عزوجل ہمارے بھائیوں کو سمجھ دیتا کہ ہزاروں روپے جو یوں نیکی برباد گناہ لازم میں تباہ کرتے انہیں حضرات شہیدان پاک کے نام پر تصدّق کرتے، مساکین کو دیتے جاڑے میں ان کے لحاف رضائی گرم کپڑے بناتے وغیرہ وغیرہ افعال حسنہ کرتے تو کتنا بہتر ہوتا۔ اللہ ہدایت دے آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن ابی اوفٰی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۵۶

مسئلہ ۱۸۲و۱۸۳: مسئولہ مولانا ظفر الدین صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

ملفوظات حضرت سید عبدالرزاق ہانسوی قدس سرہ میں یہ حکایتیں ہیں یا نہیں؟

(۱) محرم کی دس تھی کہ حضرت مولانا ممدوح ایک تعزیہ کے ساتھ ہولئے جو جلاہوں کا تھا اور مصنوعی کربلا میں دفن ہونے کے لئے لوگ لئے جاتے تھے آپ کی وجہ سے اور خدام و مریدین بھی ساتھ ہولیے کربلا تک ساتھ ساتھ رہے بلکہ دیر تک قیام فرمایا کچھ دنوں بعد بعض خاص مریدین نے پوچھا تو فرمایا کہ مجھے تعزیوں سے کچھ مطلب نہیں ہم تو امام عالی مقام کو دیکھ کر ساتھ ہولئے تھے کہ ان کے ساتھ اولیائے کرام کا مجمع تھا۔

(۲) انہیں بزرگ کا قصہ ہے کہ ایک دن عاشورہ کو مسجد میں بیٹھے وضو کررہے تھے ٹوپی مبارک فصیل پر رکھی تھی کہ یکایک اسی طرح سربرہنہ نیچے تشریف لے آئے اور ایک تعزیہ کے ساتھ ہولئے اس دفعہ لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ حضرت سیدۃ النساء تشریف فرما تھیں۔

دونوں روایتیں کہاں تک صحیح ہیں؟

الجواب:

دونوں حکایتیں محض غلط و بے اصل ہیں، تعزیہ داروں کو نہ کوئی دلیل شرعی ملتی ہے نہ کسی معتمد کا قول، مجبورانہ حکایت بناتے ہیں، اسی ساخت کی حکایت کوئی شاہ عبدالعزیز صاحب سے نقل کرتا ہے، کوئی مولانا شاہ عبدالمجید صاحب سے، کوئی حضرت مولانا فضل رسول صاحب سے، کوئی مولوی فضل الرحمٰن سے، کوئی میرے حضرت جدامجد سے، رحمۃ اللہ علیہم، اور سب باطل ومصنوع ہیں۔ میں تو ابھی زندہ ہوں میری نسبت کہہ دیا کہ ہم نے اسے تعزیہ شاید عَلَم بتائے کہ ان کے ساتھ جاتے دیکھا اور اس حکایت کا کذب تو خود اسی سے روشن کہ فرمایا: "مجھے تعزیوں سے کچھ مطلب نہیں ہم تو امام عالی مقام کو دیکھ کر ساتھ ہولئے تھے کہ ان کے ساتھ اولیائے کرام کا مجمع تھا"۔ سبحان اللہ! جب تعزیے ایسے معظم ومقبول ومحبوب بارگاہ ہیں کہ خود حضور پرنور امام انام علٰی جدہ الکریم ثم علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفس نفیس ان کی مشایعت فرماتے ہیں، ان کے ساتھ چلتے ہیں تو ان سے کچھ مطلب نہ ہونا اللہ عزوجل کے محبوب ومعظم سے مطلب نہ ہونا ہے جو ولی تو ولی کسی مسلمان کی شان نہیں۔ پھر آگے تتمہ کلام ملاحظہ ہو کہ "اُن کے ساتھ اولیائے کرام کا مجمع تھا" یہ کاف بیانیہ تو ہو نہیں سکتا ضرور تعلیلیہ ہے یعنی حضرت امام کے ساتھ ہونے پر بھی کچھ توجہ نہ ہوتی مگر کیا کیجئے ان کے ساتھ مجمع اولیاء تھا لہٰذا شامل ہونا پڑا۔ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہئے، ہاں خوب یاد آیا ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۷ھ کو تلہر سے ایک سوال آیا تھا کہ تُو نے تعزیہ داری کو جائز کردیا ہے اس خبر کی کیا حقیقت ہے؟ ایک

رافضی بڑے فخر سے اس روایت کو نقل کرتا ہے ایضًا تیرا اور دیگر چند علمائے بریلی کا فتوٰی تیار ہوا ہے کہ آیت تطہیر کے تحت میں ازواج مطہرات داخل نہیں، اس فتوٰی کی نقل اس رافضی کے پاس دیکھنے میں آئی ہے فقط، اب فرمایئے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت درکار، جب زندوں کے ساتھ یہ برتاؤ ہے تو احیائے عالم برزخ کی نسبت جو ہو کم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۴: امیر علی سرنیا ضلع بریلی ۱۱ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو اشخاص سنت جماعت ہوں وہ منت تعزیہ وعَلَم ومہندی کی مانتے ہیں ان کو اصل تعزیہ دار کے تعزیہ پر لے جاکر چڑھاتے ہیں اور شیرینی اور کھانا ہر قسم کا لیجا کر وہاں فاتحہ دیتے ہیں اور اس کو بطور تبرک کے تقسیم کرتے ہیں اور گھر سے لیجاتے وقت چار چار قدم پر مرثیہ بآواز بلند پڑھتے ہیں اور ڈھول تاشے مجیرے وغیرہ کی آواز بلند ہوتی ہے اور اکثر چھاتی کوٹتے ہیں اس کو ماتم قرار دیتے ہیں، اکثر عورات کو دیکھا ہے کہ سات ونو تاریخ کی شام سے اور دس کی فجر سے گشت کرتی ہیں عَلَم ومہندی وتعزیہ اور آدمیوں وغیرہ کا نظارہ کرتی ہیں اور اکثر عشرہ کو صبح سے شام تک جس کو کربلا شریف قرار دیا ہے ہر ایک تماشے دیکھتے ہیں اکثر لوگ اور عورات تعزیہ کو دفن کرکے روٹی اور شیرنی قبر پر رکھ کر ماتم کرتے اور پھر فاتحہ دیتے ہیں، دیگر زید سنت جماعت ہو کر تعزیہ پر جاکر ذکر شہادت یعنی جس کو مجلس قرار دیتے ہیں شوق سے جاکر پڑھتے ہیں مرثیہ بھی، دیگر ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں میں یا ایک محلّہ سے دوسرے محلّہ میں تخت یا عَلَم وغیرہ جائے عمرو دیکھنے نہ جائے اور شرکت تربت دے، دیگر بکر کہتا ہے کہ ان یوم میں فاتحہ سوائے امام حسین علیہ السلام کے اور کسی پیغمبر اور اولیاء کرام کی نہیں ہوگی۔ دیگر زید کہتا ہے کہ تخت اور تعزیہ وغیرہ کا کام اور خوشنمائی دیکھنے جائے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔ دیگر زید کہتا ہے کہ دس یوم روزہ رکھنا حرام ہے کیونکہ یزید کی ماں نے بغرض لڑائی جیت کے رکھی تھی۔ ان سب سوالوں کا شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب:

عَلَم، تعزیے، مہندی، ان کی منت، گشت، چڑھاوا، ڈھول، تاشے، مجیرے، مرثیے، ماتم، مصنوعی کربلا کو جانا، عورتوں کا تعزیے دیکھنے کو نکلنا، یہ سب باتیں حرام وگناہ وناجائز ومنع ہیں۔ فاتحہ جائز ہے روٹی شیرینی شربت جس چیز پر ہو، مگر تعزیہ پر رکھ کر یا اس کے سامنے ہونا جہالت ہے اور اس پر چڑھانے کے سبب تبرک سمجھنا حماقت ہے ہاں تعزیہ سے جدا جو خالص سچی نیت سے حضرات شہدائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نیاز ہو وہ ضرور تبرک ہے وہابی خبیث کہ اسے خبیث کہتا ہے خود خبیث ہے۔ تعزیہ داروں کے شربت میں بھی شرکت نہ کرے کہ تعزیہ میں شرکت سمجھی جائے گی بلکہ الگ شربت

کرے اور آجکل کہ جاڑے کا موسم ہے شربت کی جگہ چائے ہونا چاہئے۔ محرم وغیرہ ہر وقت ہر زمانہ میں تمام انبیاء واولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نیاز اور ہر مسلمان کی فاتحہ جائز ہے اگرچہ خاص عشرہ کے دن ہو۔ بکر غلط کہتا ہے اور شریعت مطہرہ پر افتراء کرتا ہے، جو کام ناجائز ہے اسے تماشے کے طور پر دیکھنے جانا بھی گناہ ہے۔ عشرہ محرم کے روزے بہت ثواب نہایت افضل ہے۔ حدیثوں میں ان کی فضیلت ارشاد ہوئی ہے خصوصًا دسویں محرم کا روزہ کہ سال بھر کے روزوں کے برابر ثواب ہے اور ایک سال کے گناہوں کی معافی ہے۔ زید جھوٹا ہے اور شرع شریف پر افتراء کرتا ہے کہ ان روزوں کو حرام بتاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۵: از بدایوں محلّہ جالندھری مسئولہ محمد ادریس خاں صاحب ۲۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بنا بر شوکت ودبدبہ اسلام تعزیہ بنانا اور نکالنا وعَلم وبیرق اور مہندی وغیرہ نکالنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز تعزیہ کو حاجت روا سمجھنا یا یہ کہنا کہ تعزیہ ہماری منت کا ہے اگر بند کریں نہ بنائیں تو ہمارا نقصان اولاد ومال ہوگا، کیسا ہے؟ تعزیہ دار یا تعزیہ پرست کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

عَلَم، تعزیہ، بیرق، مہندی جس طرح رائج ہیں بدعت ہیں اور بدعت سے شوکت اسلام نہیں ہوتی تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روا سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اسے منت جاننا اور حماقت، اور نہ کرنے کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم ہے مسلمان کو ایسی حرکات وخیال سے باز آنا چاہئے بایں ہمہ تعزیہ دار مسلمان ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ ضرور حلال ہے کوئی جاہل سا جاہل مسلمان بھی تعزیہ کو معبود نہیں جانتا، تعزیہ پرست کا لفظ وہابیہ شرک پرست کی زیادتی ہے جس طرح تعظیم وتکریم مزارات طیبہ پر مسلمانوں کو قبر پرست کا لقب دیتے ہیں، یہ سب اُن کا جہل وظلم ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۶: از سیتاپور محلّہ قضیارہ مکان قاضی سیّد محمد رضا صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا کیسا ہے؟ اور اس پر شیرینی وغیرہ چڑھانا کیسا ہے؟ اور بنانے والے اور تعظیم کرنے والے کا عندالشرع کیا حکم ہے؟ اور جو شخص تعزیہ کے ناجوازی کا قائل ہے اس کو کافر یا مرتد کہنا اور کافر سمجھ کر اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور تعزیہ داری میں غلو کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

تعزیہ رائجہ ناجائز وبدعت ہے اور اس کا بنانا گناہ ومعصیت اور اس پر شیرینی وغیرہ چڑھانا محض جہالت اور اس کی تعظیم بدعت و جہالت۔ اور جو تعزیہ کو ناجائز کہے اس بناپر اسے کافر یا مرتد کہنا اشد عظیم گناہ کبیرہ ہے، کہنے والے کو تجدید اسلام ونکاح چاہئے، یوہیں اس وجہ سے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنا مردود وباطل ہے البتہ اگر کسی وہابی کو کافر مرتد کہا تو مضائقہ نہیں، اور وہابی کے پیچھے نماز بیشک ناجائز ہے، جو تعزیہ داری میں غلو رکھے یا اس سے معروف ہو اگرچہ غلو نہ رکھے اس کے پیچھے بھی نماز نہ چاہئے مگر پڑھیں تو ہو جائے گی، ہاں اسے امام بنانا منع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۷تا۱۹۱: مرسلہ جناب مولوی محمد ابوذر از سنبھل ضلع مراد آباد محلّہ دیپا سرائے

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل سنت وجماعت رحمہم اللہ وکرمہم اللہ تعالٰی مسائل ذیل میں:

(۱) ایصال ثواب برروح سیدنا امام حسین علیہ السلام بروز عاشورہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) تعزیہ بنانا اور مہندی نکالنا اور شب عاشورہ کو روشنی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مجلس ذکر شہادت قائم کرنا اور اس میں مرزا دبیر اور انیس وغیرہ روافض کے کلام پڑھنا بطور سوز خوانی یا تحت اللفظ جائز ہے یا نہیں اور اہل سنت کو ایسی مجالس میں شریک ہونا مکروہ ہے یا حرام یا جائز ہے؟

(۴) حضرت قاسم کی شادی کا میدان کربلا میں ہونا جس بناپر مہندی نکالی جاتی ہے اہلسنت کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟ در صورت عدم ثبوت اس واقعہ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی صاحبزادی کی نسبت حضرت قاسم کی طرف کرنا خاندان نبوت کے ساتھ بے ادبی ہے یا نہیں؟

(۵) روز عاشورہ کو میلہ قائم کرنا اور تعزیوں کو دفن کرنا اور ان پر فاتحہ پڑھنی جائز ہے یا نہیں؟ اور بارھویں اور بیسویں محرم اور بیسویں صفر کو تیجا اور دسواں اور چالیسواں اور مجلسیں قائم کرنا اور میلہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) روح پرفتوح ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایصال ثواب بروجہ صواب عاشورہ اور ہر روز مستحب ومستحسن ہے۔

(۲) تعزیہ مہندی روشنی مذکور سب بدعت وناجائز ہے۔

(۳) نفس ذکر شریف کی مجلس جس میں ان کے فضائل ومناقب واحادیث وروایات صحیحہ ومعتبرہ سے

بیان کئے جائیں اور غم پروری نہ ہو مستحسن ہے اور مرثیے حرام خصوصًا رافضیوں کے کہ تبرائے ملعونہ سے کمتر خالی ہوتے ہیں اہلسنت کوایسی مجالس میں شرکت حرام ہے۔

(۴) نہ یہ شادی ثابت نہ یہ مہندی سوا اختراع اختراعی کے کوئی چیز۔نہ یہ غلط بیانی حد خاص توہین تک بالغ۔

(۵) عاشورہ کامیلہ لغو ولہو وممنوع ہے۔یوہیں تعزیوں کادفن جس طورپر ہوتا ہے نیت باطلہ پر مبنی اور تعظیم بدعت ہے اور تعزیہ پر فاتحہ جہل وحمق وبے معنٰی ہے۔مجلسوں اور میلوں کاحال اوپر گزرا، نیز ایصال ثواب کاجواب کہ ہر روز محمود ہے جبکہ بروجہ جائز ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۲: از مراد آباد بازار سنبھل مرسلہ اللہ بخش صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے تعزیہ پر جاکر یہ منت مانی کہ میں یہاں سے ایک خرمالئے جاتاہوں درصورت کام پورا ہونے کے سال آئندہ میں نقرئی خرما تیار کراکر چڑھاؤں گا۔**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ نذر محض باطل وناجائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۳: از ملک برار مقام نیر بیر سوئنیتھ محلّہ داروہ ضلع ایوت محل محمد زماں عرف شیخ جھو چہار شنبہ بتاریخ ۱۲ ذوالقعدہ ۱۳۳۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص تعزیہ داری کو جائز کہتاہے اگر کوئی انکار کرتاہے توسخت کلامی سے پیش آتاہے چنانچہ پیش امام مسجد نیز واقع تعلقہ داروہ ضلع ایوت محل ملک برار نے جب انکار کرکے کہاکہ تعزیہ داری سخت منع ہے تواس نے کہاکہ تم خلاف کہتے ہو اور تمہاری امامت جائز نہیں ہے تم سور کھاتے اور حرام کھاتے ہو۔اس پر تمام بستی کے مسلمانوں نے جمع ہوکر اس سے پوچھاتو تمام مسلمانوں کو کہاکہ تم سب سور کھاتے ہو۔اور کہاکہ اجرت پرامامت جائز نہیں۔اب سوال یہ ہے کہ ایسے شخص کاقول کہاں تک صحیح ہے؟ کیاتعزیہ داری درست ہے اور اجرت پر امامت جائز نہیں؟ اور جو تمام مسلمانوں کو سور کھانے والا بولے تو وہ گنہگار ہے فاسق ہے یانہیں اسے توبہ کرناچاہئے یانہیں؟ مسلمانوں کو ایسے شخص سے برتاؤ کیارکھناچاہئے؟ ایک مسلمان کی آمدنی کھیتی وتجارت سے بھی ہے اور سود سے بھی ہے ایسے شخص کے یہاں کھانا کھانا درست ہے یانہیں؟ اگر کسی مسلمان نے اس کے یہاں کھانا کھایا تواس کو سود کھانے والا کہیں گے یاایسا کہنا اس کو جائز ہے یا نہیں؟ شاہ مدار کے مہینہ سولہ چراغوں کی عید کرنا کتب فقہ سے جائز ہے یانہیں؟

الجواب:

تعزیہ داری ناجائز ہے اور فتوٰی اس پر ہے کہ امامت پر اجرت لینا حلال ہے کما فی ردالمحتار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ فتاوٰی شامی اور عام بڑی بڑی کتابوں میں مذکور ہے۔ت) جس کے یہاں حلال وحرام دونوں طرح کی آمدنی ہے اس کا کھانا حرام نہیں ہوتا جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ خاص کھانا حرام مال سے ہے۔ ذخیرہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ[1]۔	ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک کسی معین چیز کے حرام ہونے کو نہ جانیں۔(ت)

یہ دوسری بات ہے کہ سودخور کے یہاں کھانا اگرچہ حلال مال سے ہو چاہئے یا نہ چاہئے مگر مطلقًا اس کے کھانے والے کو سود کھانے والا کہنا شریعت پر افترا ہے اور عام مسلمانوں کو ایسا کہنا اور زیادہ شیطانی لفظ ہے اس پر توبہ فرض ہے اور مسلمانوں سے معافی مانگے، اگر نہ مانے اور اصرار کئے جائے تو وہ فاسق ہے اس سے وہی برتاؤ چاہئے جو ایک فاسق سے کرنے کا حکم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اٰذی مسلمًا فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ[2]۔	جس نے کسی مسلمان کو بلاوجہ شرعی ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی۔

اس نے اتنے مسلمانوں کو ایذا دی بے شک وہ ظالم ہوا اور ظالم کے پاس بیٹھنے کو قرآن عظیم میں منع فرمایا، قال اللہ تعالٰی:

"وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[3]	اگر تمہیں شیطان بھلادے تو پھر یاد آنے کے بعد ظالموں کے پاس نہ بیٹھو(ت)

یہ سولہ چراغوں کی عید کیسی ہوتی ہے اس میں کیا کیا جاتا ہے کیا نیت ہوتی ہے ہمارے دیار میں یہ بالکل نہیں اس کا حال کبھی سننے میں نہیں آیا تفصیل ہونے پر جواب ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۴۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۶۳۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

مسئلہ ۱۹۴: مسئولہ سید مقبول عیسٰی میاں صاحب بریلی نو محلّہ ۷ صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس امر کے کہ تعزیہ بنانا بدعت سیئہ ہے۔ یاشرک وگناہ کبیرہ؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

تعزیہ بنانا شرک نہیں یہ وہابیہ کا خیال ہے، ہاں بدعت وگناہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۵: از بدایوں اسلام نگر مرسلہ عزیز حسن کانسٹیبل ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، اگر کوئی شخص تعزیہ بنائے یا تعزیہ پر چڑھاوا چڑھائے یا مرثیہ پڑھے یا مرثیہ کی مجلس میں شریک ہو یا باجا بجائے بجوائے یا اس میں شریک ہو یا شیرینی تقسیم کرے یا کھائے یا کھلائے یا تاریخ مقرر کرکے خیرات کرے، محرم کی ساتویں نویں دسویں تاریخ کو یہ باتیں مذہب اسلام میں جائز ہیں یا نہیں؟ اگر جائز ہیں تو کیا ثبوت ہے ثبوت مع نام کتاب صفحہ وسطر اور قرآن وحدیث سے ہو اگر ناجائز ہو تو بھی ثبوت مع صفحہ وسطر قرآن وحدیث سے تحریر فرمائیں۔

الجواب:

شیرینی تقسیم کرنا، کھانا کھلانا، فاتحہ دینا، نیاز دلانا اگرچہ تعین تاریخ کے ساتھ ہو جبکہ اس تعین کو واجب شرعی نہ سمجھے یہ باتیں شریعت میں جائز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ[1]۔	جو کوئی تم میں سے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے اپنے بھائی کو فائدہ پہنچانا چاہئے۔ (ت)

امام بدرالدین محمود عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں خوبی ایصال ثواب پر اجماع امت نقل فرمایا ہے اور فرمایا اہلسنت وجماعت کا یہی مذہب ہے، باقی جو باتیں سوال میں ہیں تعزیہ اور باجا اور مرثیہ اور مرثیہ کی مجلسیں اور تعزیہ کا چڑھاوا یہ سب ناجائز وبدعت وگناہ ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۶: از موضع اومری کلاں ڈاکخانہ کانٹھ ضلع مرادآباد مرسلہ ظفر احسن صاحب ۶ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اول محرم کا جاری ہونا شاہ تیمور کے وقت سے ہوا جب سنت وجماعت نہیں تھا وہاں کے روضوں کی تصویریں جو منسوب امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[1] صحیح مسلم کتاب السلام باب استحباب الرقیۃ من العین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۴

روضے تھے اُترواکر رکھ کر شاہ اپنا خیال پورا کرلیتا تھا اور چونکہ یہ امر بھی حکم خداو نیز کسی حدیث نبوی سے ثابت نہیں ہے اس لئے وہ کیا حکم رکھتا ہے اور جبکہ محرم کو جاہل لوگ سجدہ کرتے ہیں اور منتیں لوگ تازیوں پر از قسم اناج پکا ہوا یا شیرینی چڑھاتے ہیں فاتحہ دیتے ہیں تازیہ کے ساتھ باجہ ہوتا ہے اور مرثیہ انیس وغیرہ کے جو سنی نہیں ہیں ان کی تصنیف کے جو اصل واقع کے برخلاف طویل ہیں وہ سُر راگنی اور کئی آواز سے ڈھپ سے پڑھتے ہیں بازار گلی کوچوں میں آل عبا کی عورتوں کی حالت وہ بیان کرتے ہیں معاذاللہ تازیوں پر روٹی پکوا کر رکھتے ہیں کربلا ایک مخصوص جگہ مقرر کرکے وہاں روٹی بانٹتے ہیں اکثر یہاں بھی آگے پیچھے کی بحث میں لڑائیاں ہوجاتی ہیں عورتیں اکثر مسلمانوں کی بلاپردہ تازیوں پر جاتی ہیں تازیوں کا سوم چہلم کرتے ہیں فاتحہ دلاتے ہیں معذرات گروہ تازیہ داری یہ ہیں ہمیشہ سے یہی رسم جاری ہے ناتعلیم یافتہ کہتے ہیں کہ ہم سجدہ نہیں کرتے محض یادگاری امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ وشہیدان وشب کربلا بناتے ہیں اور تازیہ کی وجہ سے صدقہ ہوتا ہے تازیہ یادگاری کا باعث، بعض کہتے ہیں پھری گدکہ کھیلنے کا موقع ملتا ہے، نتیجہ صدہا سال سے یہ نکل رہا ہے کہ جابجا لڑائی دنگہ فساد اس تازیہ کے بدولت ہوتے ہیں، امروہہ کا واقعہ قریب کا ہے جس میں بہت سے مسلمان جیل خانہ گئے قتل بھی ہوا ہزاروں روپیہ مسلمانوں کا مقدمہ بازی میں خرچ ہوا بہت سے گھر ویران ہوگئے۔ پس گزارش عالمان ومفتیان شرع سے ہے کہ تازیہ بنانے والے، ہمدردی کرنے والے، باجہ بجانے والے، اس گروہ میں شامل ہونے والے، اس طریقہ متذکرہ بالا کہ بموجب صدقہ کے نام سے خرچ کرنے والے کس امر کے مستحق ہیں اور اس طریقہ سے خرچ کسی مد میں شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

تعزیہ جس طرح رائج ہے ضرور بدعت شنیعہ ہے، جس قدر بات سلطان تیمور نے کی کہ روضہ مبارک حضرت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحیح نقل تسکین شوق کو رکھی وہ ایسی تھی جیسے روضہ منورہ وکعبہ معظّمہ کے نقشے اس وقت تک اس قدر حرج میں نہ تھا اب بوجہ شیعی وشبیہ اس کی بھی اجازت نہیں، یہ جو باجے، تاشے، مرثیے، ماتم، برق پری کی تصویریں، تعزیے سے مرادیں مانگنا اس کی منتیں ماننا، اسے جھک جھک کر سلام کرنا، سجدہ کرنا وغیرہ وغیرہ بدعات کثیرہ اس میں ہوگئی ہیں اور اب اسی کا نام تعزیہ داری ہے یہ ضرور حرام ہے دبیر وانیس وغیرہ اکثر روافض کے مرثیے تبرا پر مشتمل ہوتے ہیں اگرچہ جاہل نہ سمجھیں اور نہ بھی ہو تو جھوٹی ساختہ روایتیں خلاف شرع کلمات اہل بیت طہارت کی معاذاللہ نہایت ذلت کے ساتھ بیان اور سرے سے غم پروری کے مرثیے کس نے حلال کئے۔ حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

وسلم عن المراثی[1]۔	مرثیوں سے منع فرمایا۔

اور اس کے سبب صدقہ خیرات ہونا جھوٹا عذر ہے اللہ کے بندے کہ تعزیہ وغیرہا بدعات کو حرام جانتے ہیں نیاز وخیرات کرتے ہیں ربیع الاول شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیازیں ہوتی ہیں ربیع الآخر شریف میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیازیں ہوتی ہیں ان میں کون سا تعزیہ ہوتا ہے اور بفرض غلط اگر تعزیہ ہی باعث خیرات ہو تو خیرات ایک مستحب چیز ہے اور بدعات حرام، مستحب کے لئے حرام حلال نہیں ہوسکتا، عجب ان سے کہ مستحب نہ کریں گے جب تک حرام اس کی یاد نہ دلائے، پھری گدکا ایک مباح بات ہے، مباح کے لئے حرام کیونکر حلال ہوسکتا ہے غرض عذرات سب بیہودہ ہیں اور ان افعال کے مرتکب سب گنہگار اور انہیں مدد دینا ناجائز اور علم تعزیے تخت میں جو کچھ صرف ہوتا ہے سب اسراف وحرام اور تعزیے کی نیاز لنگر کا لٹانا روٹیوں کا زمین پر پھینکنا پاؤں کے نیچے آنا سب بیہودہ ہے ہاں نیاز کے طور پر سب بدعات سے بچ کر حضرات شہدائے کرام کی نیاز کریں تو عین برکت وسعادت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۷تا۲۰۳: از لہرپور ضلع سیتاپور مدرسہ اسلامیہ مرسلہ محمد فیض اللہ طالب العلم بنگالی ۶ شعبان ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی حنفیت کہتا ہے کہ تعزیہ چونکہ نقشہ ہے سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے روضہ مقدسہ کا، اور منسوب ہے سیدنا امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف، لہٰذا اس کا بنانا امر ضروری ہے اور باعث ثواب وقابل تعظیم وذریعہ نجات ہمارے لئے ہے اور جو شخص ان کی تعظیم وبنانے کا مخالف ہے وہ یزید ہے پس امور ذیل تحقیق طلب ہیں:

(۱) تعزیہ بنانا جائز ہے یا بدعت اور حرام اور باعث ثواب وتعظیم ہے یا باعث عذاب نار جحیم ہے۔

(۲) اس کے بنانے میں کسی قسم کی امداد جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس کا بنانے والا فاسق مشابہ اہل تشیع ہے یا نہیں اور برتقدیر حرام وبدعت اس کا جائز سمجھنے والا کافر ہے یا اشد فاسق؟

(۴) مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ میں بھی اس کا ثبوت ہے یا نہیں. برتقدیر ثانی اس کا

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث عبداللہ بن ابی اوفٰی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۵۶

بنانے والا متبع امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہے یانہیں اور اس کا یہ دعوی کہ میں حنفی ہوں جس سے عوام بھی تعزیہ بنانے کی طرف راغب ہوتے ہیں یہ دھوکا دینا ہے یانہیں اور باعث گمراہی ہے یانہیں؟

(۵) ایسے شخص کو اگر حنفی لوگ اپنا پیشواو پیر بنائیں تو جائز ہے یاحرام، اور مریدین پر فسخ بیعت واجب ہے یانہیں اور ایسے شخص کی اقتدا فی الصلوٰۃ جائز ہے یامکروہ بکراہت تنزیہی یا تحریمی یاحرام؟

(۶) منکرین تعزیہ کو یزیدیا بددین کہنا کیسا ہے اگر منکرین محل اس طعن و تشنیع کے نہیں ہیں تو یہ قول خود قائلین کی طرف رجوع کرتا ہے یانہیں یعنی اس کا وبال وگناہ قائلین پر کتنا ہوگا اور حدیث شریف کے اس قاعدے کے تحت میں داخل ہوں گے یانہیں کہ اگر کسی کو کافر کہے اور وہ فی الحقیقت ایسا نہیں تو قائل خود کافر ہوتا ہے۔

(۷) بانی تعزیہ چونکہ عام مسلمانوں کے حضوری کا باعث ہوتا ہے پس بر تقدیر حرام وبدعت حاضرین و بانی دونوں گناہ میں مساوی ہیں یا اکمل وانقص ہیں۔

الجواب:

تعزیہ جس طرح رائج ہے نہ ایک بدعت مجمع بدعات ہے نہ وہ روضہ مبارک کا نقشہ ہے اور ہو تو ماتم اور سینہ کوبی اور تاشے باجوں کے گشت اور خاک میں دبانا یہ کیا روضہ مبارک کی شان ہے اور پریوں اور براق کی تصویریں بھی شاید روضہ مبارکہ میں ہوں گی امام عالی مقام کی طرف اپنی ہوسات مخترعہ کی نسبت امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی توہین ہے کیا توہین امام قابل تعظیم ہے۔ کعبہ معظمہ میں زمانہ جاہلیت میں مشرکین نے سیدنا ابراہیم وسیدنا اسمٰعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصویریں بنائیں اور ہاتھ میں پانسے دئے تھے جن پر لعنت فرمائی اور ان تصویروں کو محو فرمادیا یہ توانبیائے عظام کی طرف نسبت تھی کیا اس سے وہ ملعون پانسے معظم ہوگئے یا تصویریں قابل ابقا۔ اور اسے ضروری کہنا تو اور سخت تر افترائے اخبث ہے وہ بھی کس پر شرع مطہر پر،

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾"[1]	بے شک جو اللہ تعالٰی کے ذمے جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب اور بامراد نہ ہوں گے۔ (ت)

اور اس کے منکر کو یزید کہنا رفض پلید ہے تعزیہ میں کسی قسم کی امداد جائز نہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: گناہ اور زیادتی کے

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

وَالْعُدْوَانِ ص "[1]	معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو (ت)

طریقہ مذکورہ ضرور فسق واتباع روافض اور تعزیہ کو جائز سمجھنا فسق عقیدہ مگر انکار ضروریات دین نہیں کہ کافر ہو نہ اس سے حنفیت زائل ہو کہ گناہ مزیل حنفیت ہو تو سوا اجلہ اکابر اولیاء کے کوئی حنفی نہ ہوسکے معتزلہ اصولاً بددین تھے اور فروعاً حنفی، جو قول باطل دوسرے کو کہا جائے اس کا وبال قائل پر آتا ہے بعینہٖ وہی قول پلٹنا مطلق نہیں کسی کو ناحق گدھا کہنے سے قائل گدھا نہ ہو جائے گا، یوہیں کسی مسلمان سنی کو یزید کہنے والا یزید نہ ہو جائے گا بلکہ اس میں روافض کا پیرو۔ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اس سے بیعت ممنوع و ناقابل ابقا۔ حاضرین میں ہر ایک پر اپنا گناہ ہے اور بانی دواعی پر اُن سب کے برابر۔ **لاینقص من اوزارهم شیئ**[2] (اور ان کے گناہوں میں سے کچھ کمی نہ ہوگی۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۴: از حبیب والا ضلع بجنور تحصیل دھامپور مرسلہ منظور احمد صاحب ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانے اور ان پر ملیدے چڑھانے اور ایسی مجلسیں کرنا کہ جس میں اہلبیت کی فضیحت اور رسوائی ہو اور نتیجہ یہ ہو کہ ان کو سجدے کئے جائیں اور منتیں ان سے مانگی جائیں، یہ فعل یا اس فعل میں شرکت کرنے والے کیسے ہیں جائز ہیں یا ناجائز؟ حالانکہ مسئلہ اصول کا ہے کہ فعل مستحب جب کسی لوازم کی وجہ سے وہ اپنے درجہ کو چھوڑ کر واجب یا فرضیت میں آجائے تو اس وقت اس کا ترک مستحب ہے تو اب بنابر اصول کہ یہ مسائل مذکورہ بالا جائز ہیں یا نہیں نقصان ہے؟ مدلّل تحریر کیجئے۔

الجواب:

تعزیہ ناجائز ہے اور ایسی مجلس جس میں معاذاللہ توہین اہلبیت کرام ہو قطعاً حرام اور ان میں شرکت ناجائز و حرام۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۵: سلطان الاسلام احمد صاحب اجمیر شریف

تعزیہ بناکے نکالنا، اس کے ساتھ ڈھول نقارے بجانا، قبر کی صورت بناکر جنازہ کی طرح نکالنا، اس پر پھول وغیرہ چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ فقط

الجواب:

یہ سب باتیں ناجائز ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

[2] صحیح مسلم کتاب العلم باب من سن سنۃ حسنۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

مسئلہ ۲۰۶: از ریاست راجگڑھ بیادرہ، ایجنسی بھوپال، سنٹرل انڈیا، مسئولہ محمد اسمٰعیل سوار رسالہ باڈی گارڈ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ محرم میں تعزیہ بنانا اور اس سے منتیں مرادیں مانگنی، عَلَم اٹھانے، مہندی چڑھانا، بچوں کو سبز کپڑے پہنانے اور ان کے گلوں میں ڈوریاں باندھ کر ان کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فقیر بنانا، دس روز تک سوگوار رہنا، اور اس کے بعد سوئم اور دسواں چالیسواں کرنا، ایسے مرثیوں کا پڑھنا جس میں اہلبیت کے سرپیٹنے اور بین کرنے، خلاف شرع امور کا ذکر ہے، اور یہ کہ ان مراسم کی ادائیگی کو حب اہلبیت سمجھنا عام طور سے ہمراہیان یزید کو لعین مردود کافر کہنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو برا کہنا اور اس کو مقتضائے حب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سمجھنا، حضرت امام حسن وحسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو جملہ انبیاء سے بھی رتبہ میں بڑھ کر سمجھنا بایں خیال کہ حضرات صوفیہ کرام نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے اور ایسا سمجھنے کو عین ایمان کہنا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

حضرات امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما خواہ کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل کہنا کفر ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یا کسی صحابی کو برا کہنا رفض ہے۔ ہمراہیان یزید یعنی جو ان مظالم ملعونہ میں اس کے مدومعاون تھے ضرور خبیث ومردود تھے، اور کافر وملعون کہنے میں اختلاف ہے، ہمارے امام کا مذہب سکوت ہے، اور جو کہے وہ بھی مورد الزام نہیں کہ یہ بھی امام احمد وغیرہ بعض ائمہ اہلسنت کا مذہب ہے، سوم، دسواں، چالیسواں ایصال ثواب ہیں اور یہ تخصیصات عرفیہ ہیں اور ایصال ثواب مستحب، باقی مراسم کہ سوال میں مذکور ہوئے سب ممنوع وناجائز ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۰۷ تا ۲۱۹: از سنبھل ضلع مرادآباد محلّہ گھگر سرائے متصل زیارت حبیب اللہ شاہ مسئولہ محمد فاروق حسین صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین جزاہم اللہ تعالٰی خیر الجزاء عن المسلمین ان مسائل میں کہ:

(۱) حضرت قاسم بن حسین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا نکاح جناب کبرٰی بنت حسین علیہ السلام سے بروز عاشورہ بمقام کربلا ہوا تھا یا نہیں اور روایات صحیح سے ثابت ہے یا نہیں، نزدیک اہلسنت وجماعت کے؟

(۲) تعزیہ داری کس وقت سے جاری ہے؟

(۳) تعزیہ داری مروجہ، شب شہادت کو روشنی وغیرہ کرنا، بروز عاشورہ تعزیہ کو دفن کرنا،

بروز ۱۲ محرم سوم کی فاتحہ دینا یوم عاشورہ کے حساب سے چالیسواں کرنا اہلسنت وجماعت کے نزدیک جائز ہے یا نہیں؟

(۴) ایسی مجلسوں میں شریک ہونا جس میں مرثیہ وغیرہ ہوتے ہیں؟

(۵) جو لوگ ڈھول تاشے بجاتے ہوں ان کو سبیل کا شربت پلانا یا میلہ میں سبیل لگانا جائز ہے یا نہیں؟ اور ایسی سبیل موجب ثواب ہوگی یا موجب عذاب؟

(۶) بعد شہادت جناب امام حسین علیہ السلام کی زوجہ جناب شہر بانو کہاں گئیں؟

(۷) حضرت مسلم کے صاحبزادے کوفہ میں شہید ہوئے یا نہیں؟ تاریخ طبری میں ہے کہ کوفہ میں صاحبزادے ہمراہ نہ تھے۔

(۸) قوالی کا سننا کن اشخاص کو جائز ہے؟

(۹) تعزیہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۱۰) اگر تعزیہ بنائے تو کس قدر گناہ ہے؟

(۱۱) انگوٹھے چومنا وقت تلاوت آیہ کریمہ "**مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ**"[1] (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ت) اور اذان میں لفظ اشھد انّ **محمدًا** رسول اللہ پر جائز ہے یا نہیں؟

(۱۲) بعد شہادت کس قدر سر مبارک دمشق کو روانہ ہوئے تھے اور کس قدر واپس آئے؟

(۱۳) مہندی وغیرہ کا کس وقت سے رواج ہے؟

الجواب:

(۱) اس کا کوئی ثبوت نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بہت جدید، ہندوستانیوں کی ایجاد ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) فاتحہ ہر وقت جائز ہے اور تعزیہ وغیرہ بدعات ناجائز۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۴) حرام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

(۵) پانی یا شربت ہر مسلمان کو پلاسکتے ہیں اور میلہ میں سبیل نہ لگائی جائے، نہ اس وجہ سے کہ سبیل کی مخالفت ہے بلکہ میلہ میں شرکت کی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

(۶) مدینہ طیبہ۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۷) یہ نہ مجھے اس وقت یاد، نہ تاریخ دیکھنے کی فرصت، نہ اس سوال کی حاجت۔

(۸) قوالی مع مزامیر سننا کسی شخص کو جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۹) ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۰) بدعت کا جو گناہ ہے وہ ہے، گناہ کی ناپ تول دنیا میں نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۱) اذان سنتے وقت جائز بلکہ مستحب ہے اور آیہ کریمہ سنتے وقت جس طرح رائج ہے ناجائز ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۲) حدیث میں فرمایا آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار باتیں چھوڑے۔

(۱۳) مہندی ناجائز ہے اور اس کا آغاز کسی جاہل سفیہ نے کیا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ

اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان شھادۃ ۱۳۲۱ھ

(ہندوستان میں تعزیہ داری اور بیان شہادت کے احکام سے متعلق بُلند پایہ فوائد)

مسئلہ ۲۲۰تا۲۲۷:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان احسن تعزیۃ لقلوب المسلمین فیما ھجم من البدعات علی اعلام الدین ان الحمدللہ رب العٰلمین و افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام علٰی سیّد الشھداء بالحق یوم القیام و علٰی اٰلہ وصحبہ الغرر الکرام اٰمین!	دینی شعائر پر بدعات کے ہجوم کی وجہ سے مسلمانوں کے دلوں کے لئے بہترین تعزیت، اللہ تعالٰی رب العالمین کی حمد، اور قیامت کے روز حق کی شہادت دینے والوں کے سردار پر بہترین صلوٰۃ اور کامل ترین سلام اور ان کی آل واصحاب ممتاز عزت والوں پر۔ آمین!

سوال اول: ۲۴صفر ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ داری کا کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

تعزیہ کی اصل اس قدر تھی کہ روضہ پر نور شہزادہ گلگوں قبا حسین شہید ظلم وجفا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علٰی جدہ الکریم وعلیہ کی صحیح نقل بناکر بہ نیت تبرک مکان میں رکھنا اس میں شرعًا کوئی حرج نہ تھا کہ تصویر مکانات وغیرہا ہر غیر جاندار کی بنانا، رکھنا، سب جائز، اور ایسی چیزیں کہ معظمان دین کی طرف منسوب ہو کر عظمت پیدا کریں ان کی تمثال بہ نیت تبرک پاس رکھنا قطعًا جائز، جیسے صدہا سال سے طبقۃً فطبقۃً ائمہ دین وعلمائے معتقدین نعلین شریفین حضور سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نقشے بناتے اور ان کے فوائد جلیلہ ومنافع جزیلہ میں مستقل رسالے تصنیف فرماتے ہیں جسے اشباہ ہو [عہ] امام علامہ تلمسانی کی فتح المتعال وغیرہ مطالعہ کرے، مگر جہال بیخرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست ونابود کرکے صدہا خرافات وہ تراشیں کہ شریعت مطہرہ سے الاماں الاماں کی صدائیں آئیں، اول تو نفس تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی، ہر جگہ نئی تراش نئی گھڑت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں اور بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ ودشت بدشت، اشاعت غم کے لئے ان کا گشت، اور ان کے گرد سینہ زنی، اور ماتم سازشی کی شور افگنی، کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کررہا ہے، کوئی مشغول طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہے، کوئی ان مایہ بدعات کو معاذاللہ جلوہ گاہ حضرت امام علٰی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنّی سے مرادیں مانگتا منّتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے، پھر باقی تماشے، باجے، تاشے، مردوں عورتوں کا راتوں کو میل، اور طرح طرح کے بیہودہ کھیل ان سب پر طرہ ہیں۔ غرض عشرہ محرم الحرام کہ اگلی شریعتوں سے اس شریعت پاک تک نہایت بابرکت ومحل عبادت ٹھہرا ہوا تھا، ان بیہودہ رسوم نے جاہلانہ اور فاسقانہ میلوں کا زمانہ کردیا پھر وبال ابتداع کا وہ جوش ہوا کہ خیرات کو بھی بطور خیرات نہ رکھا، ریاء وتفاخر علانیہ ہوتا ہے پھر وہ بھی یہ نہیں کہ سیدھی طرح محتاجوں کو دیں بلکہ چھتوں پر بیٹھ کر پھینکیں گے روٹیاں زمین پر گر رہی ہیں رزق الٰہی کی بے ادبی ہوتی ہے پیسے ریتے میں گر کر غائب ہوتے ہیں، مال کی اضاعت ہورہی ہے، مگر نام تو ہوگیا کہ فلاں صاحب لنگر لٹا رہے ہیں، اب بہار عشرہ کے پھول کھلے، تاشے باجے بجتے چلے، طرح طرح کے کھیلوں کی دھوم، بازاری عورتوں کا ہر طرف ہجوم، شہوانی میلوں کی پوری رسوم، جشن یہ کچھ اور اس کے ساتھ خیال وہ کچھ کہ گویا یہ ساختہ تصویریں بعینہا حضرات شہداء رضوان اللہ

عـــہ: ہمارا رسالہ شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ دیکھئے صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وآلہ وبارک وسلم ۱۲ منہ۔

تعالٰی علیہم اجمعین کے جنازے ہیں، کچھ نوچ اتار باقی توڑ تاڑ دفن کر دیئے۔ یہ ہر سال اضاعت مال کے جرم و وبال جداگانہ رہے۔ اللہ تعالٰی صدقہ حضرات شہدائے کربلا علیہم الرضوان والثناء کا ہمارے بھائیوں کو نیکیوں کی توفیق بخشے اور بری باتوں سے توبہ عطافرمائے، آمین! اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعًا بدعت وناجائز وحرام ہے، ہاں اگر اہل اسلام جائز طور پر حضرات شہدائے کرام علیہم الرضوان کی ارواح طیبہ کو ایصال ثواب کی سعادت پر اقتصار کرتے تو کس قدر خوب ومحبوب تھا اور اگر نظر شوق ومحبت میں نقل روضہ انور کی حاجت تھی تو اسی قدر جائز پر قناعت کرتے کہ صحیح نقل بغرض تبرک وزیارت اپنے مکانوں میں رکھتے اور اشاعت غم وتصنع الم ونوحہ زنی وماتم کنی ودیگر امور شنیعہ وبدعات قطعیہ سے بچتے اس قدر میں بھی کوئی حرج نہ تھا مگر اب اس نقل میں بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کے لئے ابتلاء بدعات کا اندیشہ ہے، اور حدیث میں آیا ہے: **اتقوا مواضع التھم** [1] (تہمت کے مواقع سے بچو۔ ت)

اور وارد ہوا:

من کان یؤمن باللّٰہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التھم [2]۔	جو شخص اللہ تعالٰی اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت کے مواقع میں نہ ٹھہرے۔ (ت)

لہٰذا روضہ اقدس حضور سید الشہداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے پر قناعت کرے اور اسے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھے جس طرح حرمین محترمین سے کعبہ معظّمہ اور روضہ عالیہ کے نقشے آتے ہیں یا دلائل الخیرات شریف میں قبور پر نور کے نقشے لکھے ہیں والسلام علی من اتبع الھدی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

سوال دوم:

از امروہہ مرسلہ مولوی سید محمد شاہ صاحب میلاد خواں ۲۲ شعبان ۱۳۱۱ھ

کیاارشاد ہے علمائے دین متین کا اس مسئلہ میں کہ مجالس میلاد شریف میں شہادت نامہ کا

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۸۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷، اتحاف السادۃ کتاب عجائب القلب بیان تفصیل مداخل الشیطان الی القلب، دار الفکر بیروت ۷/ ۲۸۳

[2] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوٰۃ باب ادراک الفریضۃ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۲۴۹

پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

شہادت نامے نثر یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ وبے سروپا سے مملو اور اکاذیب موضوعہ پر مشتمل ہیں، ایسے بیان کا پڑھنا سننا وہ شہادت ہو خواہ کچھ، اور مجلس میلاد مبارک میں ہو خواہ کہیں اور، مطلقًا حرام وناجائز ہے، خصوصًا جبکہ وہ بیان ایسی خرافات کو متضمن ہو جن سے عوام کے عقائد میں تزلزل واقع ہو کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے، ایسے ہی وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی وغیرہ ائمہ کرام نے حکم فرمایا کہ شہادت نامہ پڑھنا حرام ہے۔ علامہ ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں:

قال الغزالی وغیرہ یحرمه علی الواعظ وغیرہ روایة مقتل الحسن والحسین وحکایته[1] الخ	امام غزالی وغیرہ نے فرمایا کہ واعظ کے لئے حرام ہے کہ وہ شہادت حسنین کریمین اور اس کے بے سروپا واقعات لوگوں کو سنائے الخ (ت)

پھر فرمایا:

ماذکرہ من حرمة روایة قتل الحسین ومابعدہ لاینافی ماذکرته فی هذا الکتاب لان هذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالة الصحابة وبرائتهم من کل نقص بخلاف مایفعله الوعاظ الجهلة فانهم یأتون بالاخبار الکاذبة والموضوعة ونحوها ولا یبیّنون المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ[2] الخ۔	امام حسین کی شہادت اور اس کے بعد کے واقعات کی روایات کا حرام ہونا جو بیان کیا گیا وہ اس کے خلاف نہیں جو کچھ میں نے اس کتاب میں ذکر کیا کیونکہ یہ سچا بیان جو صحابہ کرام کی جلالت شان اور ہر نقص وکمزوری سے ان کی برأت پر مشتمل ہے اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے۔ بخلاف اس کے جو جاہل واعظین بیان کرتے ہیں، وہ جھوٹی، بناوٹی اور خودساختہ خبریں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کا محمل نہیں بیان کرتے حالانکہ حق پر عقیدہ رکھنا ضروری ہے الخ (ت)

[1] الصواعق المحرقة الخاتمة فی بیان اعتقاد اهل السنة مکتبۃ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۳

[2] الصواعق المحرقة الخاتمة فی بیان اعتقاد اهل السنة مکتبۃ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۴

یونہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری وتصنع وحُزن ہو تو یہ نیت بھی شرعًا نامحمود، شرع مطہر نے غم میں صبر وتسلیم اور غم موجود کو حتی المقدور دل سے دور کرنے کاحکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم بتکلف وزور لانا نہ کہ بتصنع وزور بنانا، نہ کہ اسے باعث قرب و ثواب ٹھہرانا، یہ سب بدعات شنیعہ روافض ہیں جن سے سنی کو احتراز لازم، حاشاللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم وضروری ہوتی، دیکھو حضور اقدس صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ کاماہ ولادت وماہ وفات وہی ماہ مبارک ربیع الاول شریف ہے پھر علمائے امت وحامیان سنت نے اسے ماتم وفات نہ ٹھہرایا بلکہ موسم شادی ولادت اقدس بنایا، امام ممدوح کتاب موصوف میں فرماتے ہیں:

ایاہ ثم ایاہ ان یشغلہ ای یوم العاشوراء ببدع الرافضۃ ونحوھم من الندب والنیاحۃ والحزن اذ لیس ذٰلک من اخلاق المؤمنین والا لکان یوم وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولٰی بذٰلک واحرٰی[1] الخ	بچے اور پرہیز کرے اس بات سے کہ کہیں یوم عاشورہ میں روافض اور ان جیسے لوگوں کی بدعات میں نہ مشغول ہوجائے جو رونا پیٹنا اور غم کرنا ہوتا ہے کیونکہ یہ امور مومنوں کے اخلاق سے نہیں ورنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا یوم وصال ان چیزوں کا زیادہ حق رکھتا ہے اھ (یعنی اگر رونے پیٹنے اور دکھ غم کے مظاہروں کی گنجائش اور اجازت ہوتی تو سب سے زیادہ یہ چیزیں آپ کے یوم وصال پر عمل میں آتیں اور دیکھی جاتیں)۔(ت)

عوام مجلس خواں اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم جو ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی بہ تصنع رونا بہ تکلف رلانا اور اس رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت میں کیا شبہہ ہے، ہاں اگر خاص بہ نیت ذکر شریف حضرات اہلبیت طہارت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی سیدہم وعلیہم وبارک وسلم ان کے فضائل جلیلہ ومناقب جمیلہ روایات صحیحہ سے بروجہ صحیح بیان کرتے اور اس کے ضمن میں ان کے فضل جلیل صبر جمیل کے اظہار کو ذکر شہادت بھی آجاتا اور غم پروری وماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھا مگر ہیہات ان کے اطوار ان کی عادات اس نیت خیر سے یکسر جدا ہیں، ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی، بے شمار مناقب عظیم اللہ عزوجل نے انہیں عطافرمائے

---

[1] الصواعق المحرقۃ الباب الحادی عشر مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۱۸۳

انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز و نوحہ نما و معانی حُزن انگیز و غم افزا بیان کو وسعتیں دینا انہیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے، غرض عوام کے لئے اس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے پھر مجلس ملائک مآنس میلاد اقدس تو عظیم شادی و خوشی و عید اکبر کی مجلس ہیں اذکار غم و ماتم اس کے مناسب نہیں، فقیر اس میں ذکر وفات والا بھی جیسا کہ بعض عوام میں رائج ہے پسند نہیں کرتا حالانکہ حضور کی حیات بھی ہمارے لئے خیر اور حضور کی وفات بھی ہمارے لئے خیر، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔اس تحریر کے بعد علامہ محدث سیدی محمد طاہر فتنی قدس سرہ الشریف کی تصریح نظر فقیر سے گزری انہوں نے بھی اس رائے فقیر کی موافقت فرمائی والحمدللہ رب العٰلمین، آخر کتاب مستطاب مجمع بحار الانوار میں فرماتے ہیں:

شهر السرور والبهجة مظهر منبع الانوار والرحمة شهر ربیع الاول، فانه شهر امرنا باظهار الحبور فيه كل عام، فلانكدره باسم الوفاة، فانه يشبه تجديد المأتم، وقد نصوا على كراهيته كل عام فى سيدنا الحسين مع انه ليس له اصل فى امهات البلاد الاسلامية، وقد تحاشوا عن اسمه فى اعراس الاولياء فكيف فى سيّد الاصفياء صلى اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	یعنی ماہ مبارک ربیع الاول خوشی وشادمانی کا مہینہ ہے اور سرچشمہ انوار رحمت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ ظہور ہے، ہمیں حکم ہے کہ ہر سال اس میں خوشی کریں، تو اسے وفات کے نام سے مکدر نہ کریں گے کہ یہ تجدید ماتم کے مشابہ ہے، اور بیشک علماء نے بتصریح کی کہ ہر سال جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ماتم کیا جاتا ہے شرعًا مکروہ ہے، اور خاص اسلامی شہروں میں اس کی کچھ بنیاد نہیں، اولیائے کرام کے عرسوں میں نام ماتم سے احتراز کرتے ہیں تو حضور پرنور سید الاصفیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معاملہ میں اسے کیونکر پسند کرسکتے ہیں۔ فالحمدللہ علی ماالھم، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

سوال سوم:

از ریاست رامپور محلّہ میانگاناں مرسلہ مولوی محمد یحیٰی صاحب محرم ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شہادت نامہ پڑھنا کیسا ہے اور اس میں اور

[1] مجمع بحار الانوار خاتمہ الکتاب دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۵/ ۳۰۷

تعزیہ داری میں فرق احکام کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب: ذکر شہادت شریف جبکہ روایات موضوعہ وکلمات ممنوعہ ونیت نامشروعہ سے خالی ہو عین سعادت ہے۔

عند ذکر الصّٰلحین تنزّل الرحمۃ [1]۔	صالحین کے ذکر پر اللہ تعالٰی کی رحمت نازل ہوتی ہے (ت)

اس کی تفصیل جمیل فتاوٰی فقیر میں ہے اور اس میں اور تعزیہ داری میں فرق احکام ایک مقدمہ کی تمہید چاہتا ہے،

فاقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالٰی ہی کی مدد سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔ت) شے کے لئے ایک حقیقت ہوتی ہے اور کچھ امور زوائد کہ لوازم یا عوارض ہوتے ہیں، احکام شرعیہ شے پر بحسب وجود ہوتے ہیں مجرد اعتبار عقلی ناصالح وجود مطمح احکام شرع نہیں ہوتا کہ فقہ افعال مکلفین سے باحث ہے جو فعلیت میں آنہیں سکتا موضوع سے خارج ہے تغائر اعتبار سے تغائر احکام وہیں ہوسکتا ہے جہاں وہ اعتبارات واقعیہ مفارقہ متعاقبہ ہوں کہ شَے کبھی ایک کے ساتھ پائی جائے کبھی دوسرے کے، تو ہر دوانحائے وجود کے اعتبار سے مختلف حکم دیا جاسکتا ہے اور ایسی جگہ مقصود ہے کہ نفس شے کا حکم ان بعض احکام شے مع بعض الاعتبار سے جدا ہو مگر زوائد کہ لوازم الوجود ہوں ان کے حکم سے جدا کوئی حکم حقیقت کے لئے نہ ہوگا کہ لازم سے انفکاک محال ہے جب لوازم میں یہ حال ہے تو ارکان حقیقت کہ سلخ ماہیت میں داخل ہوں ان سے قطع نظر ناممکن، پھر ماہیت عرفیہ میں رکنیت تابع عرف ہے اور بعد اجزاء سے سلخ ماہیت کا تغیر اعتبار شے نہیں بلکہ تغیر ماہیت عرفیہ ہے مثلاً نماز عرف شرع میں مجموع ارکان مخصوصہ بہیأت معلومہ کا نام ہے، اب اگر کوئی ان ارکان سے جدا بلکہ تبدیل ہیأت ہی کے ساتھ ایک صورت کا نام نماز رکھے جو قعود سے شروع اور قیام پر ختم ہو اور اس میں رکوع پر سجود مقدم، تو یہ حقیقت نماز ہی تبدیل ہوگی نہ کہ حقیقت حاصل، اور اعتبار مبتدل، جب یہ مقدمہ ممہد ہولیا فرق احکام ظاہر ہوگیا شہادت نامہ پڑھنے کی حقیقت عرفیہ صرف اس قدر کہ ذکر شہادت شریف حضرات ریحانین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسلمانوں کے آگے پڑھا جائے، معاذاللہ روایات کا موضوع و باطل یا ذکر کا تنقیص شان صحابہ پر مشتمل ہونا ہرگز نہ داخل حقیقت ہے نہ لازم وجود، ولہذا جو لوگ روایات صحیحہ معتبرہ نظیفہ مطہرہ

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الباب الثانی دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۰

مثل سر الشہادتین وغیرہ پڑھتے ہیں اسے بھی قطعًا شہادت ہی پڑھنا اور مجلس کو مجلس شہادت ہی کہتے ہیں تو معلوم ہوا کہ وہ امور نامشروعہ کہ عارض ہوگئے ہنوز عوارض ہی سمجھے جاتے ہیں اور عوارض قبیحہ سے نفس شیئ مباح یا حسن قبیح نہیں ہوجاتی بلکہ وہ اپنی حد ذات میں اپنے حکم اصلی پر رہتی اور نہی عوارض قبیحہ کی طرف متوجہ ہوتی ہے جیسے ریشمیں کپڑے پہن کر نماز پڑھنا کہ نفس ذات نماز کو معاذاللہ قبیح نہ کہیں گے بلکہ ان عوارض وزوائد کو تو شہادت ناموں میں ان عوارض کا لحوق بعینہٖ ایسا ہے جیسے آج کل بعض جہّال ہندوستان نے مجلس میلاد مبارک میں روایات موضوعہ وقصص بے سروپا بلکہ کلمات توہین ملائکہ وانبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پڑھنا اختیار کیا ہے، اس سے حقیقت مبتدل نہ ہوئی، نہ عوارض نے دائرہ عروض سے آگے قدم رکھا جو مجالس طیبہ طاہر ہوتی ہیں انہیں بھی قطعًا مجالس میلاد مبارک ہی کہا جاتا ہے اور ہرگز کسی کو یہ گمان نہیں ہوتا کہ یہ کوئی دوسری شیئ ہے جو ان مجالس سے حقیقت وجداگانہ رکھتی ہے، بخلاف تعزیہ داری کہ اس کا آغاز اگرچہ یوں ہی سنا گیا ہے کہ سلطان تیمور نے از انجا کہ ہر سال حاضری روضہ مقدسہ حضور سید الشہداء شہزادہ گلگوں قبا علٰی جدہ الکریم علیہ اصلوٰۃ والثناء کو مخل امور سلطنت دیکھا تو بنظر شوق وتبرک تمثال روضہ مبارک بنوائی اور اس قدر میں کوئی حرج شرعی نہ تھا مگر یہ امر حقیقت متعارفہ سے وجودًا وعدمًا بالکل بے علاقہ ہے اگر کوئی شخص روضہ انور مدینہ منورہ وکعبہ معظّمہ کے نقشوں کی طرح کاغذ پر تمثال روضہ حضرت سید الشہداء آئینہ میں لگا کر رکھے ہرگز نہ اسے تعزیہ کہیں گے نہ اس شخص کو تعزیہ دار، حالانکہ اُتنا امر قطعًا موجود ہے اور یہ ہر سال نئی نئی تراش وخراش کی کھپچی پنّیاں، کسی میں براق، کسی میں پریاں، جو گلی کوچے گشت کرائی جاتی ہیں، ہرگز تمثال روضہ مبارک حضرت سید الشہداء نہیں کہ تمثال ہوتی تو ایک طرح کی نہ کہ صدہا مختلف، انہیں ضرور تعزیہ اور ان کے مرتکب کو تعزیہ دار کہا جاتا ہے تو بداہۃً ظاہر کہ حقیقت تعزیہ داری انہیں امور نامشروعہ کا نام ٹھہرا ہے نہ کہ نفس حقیقت عرفیہ وہی امر جائز ہو اور یہ نامشروعات امور زوائد وعوارض مفارقہ سمجھے جاتے ہوں، ولہذا فقیر نے اپنے فتاوے میں قدر مباح کو ذکر کرکے کہا کہ جہال بیخرد نے اس اصل جائز کو بالکل نیست ونابود کرکے الخ، اور آخر میں کہا اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے قطعًا بدعت وناجائز وحرام ہے۔ یہ اُسی فرق جلیل ونفیس کی طرف اشارہ تھا جو اس مقدمہ ممہدہ میں گزرا۔

بالجملہ شہادت نامے کی حقیقت ہنوز وہی امر مباح ومحمود ہے اور شنائع زوائد وعوارض اگر ان سے خالی اور نیت نامحمود سے پاک ہو ضرور مباح ہے اور تعزیہ داری کی حقیقت ہی یہ امور ناجائزہ

ہیں، "اس قدر جائز ہے" سے کوئی تعلق نہ رہا، نہ اس کے وجود سے موجود ہوتی ہے نہ اس کے عدم سے معدوم، تو یہ فی نفسہ نا جائز وحرام ہے۔ اس کی نظیر امم سابقہ میں آغاز اصنام ہے، وَد وسواع ویغوث ویعوق ونسر صالحین تھے ان کے انتقال پر اُن کی یاد کے لئے ان کی صورتیں تراشیں، بعد مرور زماں پچھلی نسلوں نے انہیں کو معبود سمجھ لیا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان بتوں کی حالت اپنی انہیں ابتدائی حقیقت پر باقی تھی یہ شنائع زوائد عوارض خارجہ تھے، وللہذا شرائع الٰہیہ مطلقاً ان کے رَدّ وانکار پر نازل ہوئیں، بخاری وغیرہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

كانوا اسماء رجال صالحين من قوم نوح فلما هلكوا اوحى الشيطن الى قومهم ان انصبوا الى مجالسيهم التى كانوا يجلسون انصابا وسمّوها باسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتى اذا هلك اولئك ونسخ العلم عبدت[1]۔	وَد، سواع وغیرہ قوم نوح علیہ السلام کے نیک لوگوں کے نام تھے جب وہ وفات پاگئے تو شیطان نے ان کی قوم کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا کہ ان کی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے ان کے مجسمے بنا کر کھڑے کردو اور ان کے اسماء کا ذکر کرو (یعنی انہیں یاد کرو) چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا مگر وہ ان کی عبادت میں مشغول نہیں ہوئے تاآنکہ وہ لوگ دنیا سے رخصت ہوگئے اور علم مٹ گیا اور پچھلے لوگ یعنی بعد میں آنے والی نسل حقیقت سے ناآشنا ہوتے ہوئے ان کی پوجا کرنے لگی۔ (ت)

فاکہی عبیداللہ بن عبید بن عمیر سے راوی:

قال اول ماحدثت الاصنام على عهد نوح وكانت الابناء تبر الآباء فمات رجل منهم فجزع عليه ابنه فجعل لايصبر عنه فاتخذ مثالا على صورته فكلما اشتاق اليه نظره ثم مات ففعل به كما فعل ثم تتابعوا	عبداللہ ابن عبید نے کہا سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور زمانہ نوح میں ہوا، اور بیٹے اپنے آباء سے حسن سلوک کیا کرتے تھے، پھر ان میں سے کوئی شخص مر جاتا تو اس کا بیٹا اس کے لئے بیقرار اور بے چین ہوجاتا اور صبر نہ کرسکتا اور اپنی تسکین کے لئے اس کی مورتی بنالیتا اور جب اصل کو دیکھنے کا شوق ہوتا تو اس شبیہہ کو دیکھ کر

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورہ نوح ۷۱ باب ودًّا ولا سواعًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

علٰی ذٰلك فمات الاٰباء فقال الابناء ما اتخذ اٰباؤنا ھٰذہ الا انہا اٰلھتھم فعبدوھا [1]۔	دل کو تسلی دے لیتا اور جب وہ مرجاتا تو اس کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جاتا، عرصہ دراز تک لگاتار اور مسلسل یہ کام ہوتا رہا، اور جب پہلے باپ دادا مر گئے تو آنے والی اولاد کہنے لگی کہ یہ تو ہمارے پہلے باپ دادوں کے معبود تھے پھر یہ ان کی عبادت کرنے لگے (پس اس طرح بت پرستی کا آغاز ہوا)۔(ت)

یہ فرق نفیس خوب یاد رکھنے کا ہے کہ اسی سے غفلت کرکے وہابیہ اصل حقیقت پر حکم عوارض لگاتے اور تعزیہ دار تبدیل حقیقت کو اختلاف عوارض ٹھہراتے اور دونوں سخت خطائے فاحش میں پڑجاتے ہیں **وباللہ العصمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی ہی کی توفیق سے بچاؤ ممکن ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بڑا عالم ہے۔ت)

سوال چہارم:

ازدھام پور ضلع بجنور مرسلہ حافظ سید بنیاد علی صاحب ۸ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یوم عشرہ میں سبیل لگانا اور کھانا کھلانے اور لنگر لٹانے کے بارے میں دیوبند کے علماء ممانعت کرتے ہیں ونیز کتب شہادت کو بھی، جو امر صحیح ہو عندالشرع ارقام فرمایئے اور مجلس محرم میں ذکر شہادت اور مرثیہ سننا کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ تاکہ اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

پانی یا شربت کی سبیل لگانا جبکہ بہ نیت محمود اور خالصًا لوجہ اللہ ثواب رسانی ارواح طیبہ ائمہ اطہار مقصود ہو بلاشبہہ بہتر و مستحب و کار ثواب ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کثرت ذنوبك فاسق الماء علی الماء تتناثر کما یتناثر الورق من الشجر	جب تیرے گناہ زیادہ ہوجائیں تو پانی پر پانی پلا گناہ جھڑ جائیں گے جیسے آندھی میں پیڑ کے

[1] فتح الباری بحوالہ فاکھی عن عبید اللہ بن عبید سورۃ نوح مصطفی البابی مصر ۱۰/ ۲۹۵، الدرالمنثور بحوالہ فاکھی عن عبید اللہ بن عبید سورۃ نوح منشورات مکتبہ آیۃ اللہ قم ایران ۶/ ۲۶۹

فی الریح العاصف۔رواہ الخطیب [1] عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بٹتے۔(اس کو خطیب نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا۔ت)

اسی طرح کھانا کھلانا لنگر بانٹنا بھی مندوب و باعث اجر ہے،حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ عزوجل یباھی ملئکتہ بالذین یطعمون الطعام من عبیدہ۔رواہ ابوالشیخ فی الثواب [2] عن الحسن مرسلا۔	اللہ تعالٰی اپنے اُن بندوں سے جولوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں فرشتوں کے ساتھ مباہات فرماتا ہے کہ دیکھو یہ کیسا اچھا کام کررہے ہیں(اس کو ابوالشیخ نے ثواب میں حسن سے مرسلاً روایت کیا(ت)

مگر لنگر لٹانا جسے کہتے ہیں کہ لوگ چھتوں پر بیٹھ کر روٹیاں پھینکتے ہیں،کچھ ہاتھوں میں جاتی ہیں کچھ زمین پر گرتی ہیں،کچھ پاؤں کے نیچے ہیں،یہ منع ہے کہ اس میں رزق الٰہی کی بے تعظیمی ہے،بہت علماء نے تو روپوں پیسوں کا لٹانا جس طرح دلہن دولہا کی نچھاور میں معمول ہے منع فرمایا کہ روپے پیسے کو اللہ عزوجل نے خلق کی حاجت روائی کے لئے بنایا ہے تو اسے پھینکنا نہ چاہئے،روٹی کا پھینکنا تو سخت بیہودہ ہے،بزازیہ کتاب الکراہیۃ،النوع الرابع فی الہدیۃ والمیراث میں ہے:

ھل یباح نثر الدراھم قیل لاوقیل لاباس بہ وعلی ھذا الدنانیر والفلوس وقد یستدل من کرہ بقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدراھم والدنانیر خاتمان من خواتیم اللہ تعالٰی فمن ذھب بخاتم من خواتیم اللہ تعالٰی قضیت حاجتہ [3]۔	کیا دراہم لٹانا مباح ہے،بعض نے کہا مباح نہیں اور بعض نے کہا کوئی حرج نہیں ہے،اسی حکم میں دنانیر اور پیسے ہیں،ناپسند کہنے والوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کہ "دراھم ودنانیر اللہ تعالٰی کی مُہروں سے مُہریں ہیں تو جس نے کوئی مہر پائی اس نے اللہ تعالٰی کی مُہر سے حاجت پائی" سے استدلال کیا۔(ت)

[1] تاریخ بغداد ترجمہ ۳۴۶۴ اسحٰق بن محمد دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۴۰۳ و ۴۰۴

[2] الترغیب والترہیب بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب الترغیب فی اطعام الطعام حدیث ۲۱ مصطفی البابی مصر ۲/ ۶۸

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ النوع الرابع فی الھدیۃ والمیراث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۳۶۴

کتب شہادت جو آج کل رائج ہیں اکثر حکایات موضوعہ وروایات باطلہ پر مشتمل ہیں، یوہیں مرثیے ایسی چیزوں کا پڑھنا سننا سب گناہ وحرام ہے۔ حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المراثی۔ رواہ ابوداؤد [1] والحاکم عن عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا (اسے ابوداؤد اور حاکم نے عبداللہ بن ابی اوفٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ایسے ہی ذکر شہادت کو امام حجۃ الاسلام وغیرہ علمائے کرام منع فرماتے ہیں کما ذکرہ امام ابن حجر المکی فی الصواعق المحرقۃ (جیسا کہ امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں اسے روایت کیا ہے۔ت) ہاں اگر صحیح روایات بیان کی جائیں اور کوئی کلمہ کسی نبی یا ملک یا اہلبیت یا صحابی کی توہین شان کا مبالغہ مدح وغیرہ میں مذکور نہ ہو، نہ وہاں بَین یا نوحہ یا سینہ کوبی یا گریبان دری یا ماتم یا تصنّع یا تجدید غم وغیرہ ممنوعات شرعیہ نہ ہوں تو ذکر شریف فضائل ومناقب حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بلاشبہہ موجب ثواب ونزول رحمت ہے عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ [2] (صالحین کے ذکر پر رحمت الٰہیہ نازل ہوتی ہے۔ت) وللہذا امام ابن حجر مکی بعد بیان مذکور کے فرماتے ہیں:

ماذکر من حرمۃ روایۃ قتل الحسین ومابعدہ لا ینافی ماذکرتہ فی ھذا الکتاب لان ھٰذا البیان الحق الذی یجب اعتقادہ من جلالۃ الصحابۃ وبرائتھم من کل نقص، بخلاف مایفعلہ الوعاظ الجھلۃ، فانھم یأتون بالاخبار الکاذبۃ الموضوعۃ ونحوھا ولا یبینون	شہادت حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بیان کی حُرمت اور اس کے بعد جو کچھ ذکر کیا وہ میری اس کتاب میں ذکر کردہ روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ یہ صحابہ کرام کی جلالت اور ہر نقص سے ان کی برأت پر مشتمل حق کا بیان ہے۔ بخلاف جاہل واعظین کے کہ وہ جھوٹ اور موضوع قسم کی خبریں سناتے ہیں اور صحیح محمل اور قابل اعتقاد

[1] سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵، المستدرک للحاکم کتاب الجنائز البکاء علی المیت دار الفکر بیروت ۱/ ۳۸۳

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزلۃ الباب الثانی دار الفکر بیروت ۶/ ۳۵۰

المحامل والحق الذی یجب اعتقادہ [1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کو بیان نہیں کرتے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

سوال پنجم: از مفتی گنج ضلع پٹنہ ڈاک خانہ ایکنگر سرائے مرسلہ محمد نواب صاحب قادری ودیگر سُکّانِ مفتی گنج ۲۷/ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

یہاں عشرہ محرم میں مجلس مرثیہ خوانی کی ہوتی ہے، اور مرثیے صوفیہ کرام کے پڑھے جاتے ہیں، اور سینہ کوبی وبَین نہیں ہوتا، اور میر مجلس سنی المذہب ہے، ایسی مجلس میں شرکت یا اس میں مرثیہ خوانی کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جو مجلس ذکر شریف حضرت سیدنا امام حسین واہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی ہو جس میں روایات صحیحہ معتبرہ سے ان کے فضائل ومناقب ومدارج بیان کئے جائیں اور ماتم وتجدید غم وغیرہ امور مخالفہ شرع سے یکسر پاک ہو فی نفسہٖ حسن ومحمود ہے خواہ اس میں نثر پڑھیں یا نظم، اگرچہ وہ نظم بوجہ ایک مسدّس ہونے کے جس میں ذکر حضرت سید الشہداء ہے عرف حال میں بنام مرثیہ موسوم ہو کہ اب یہ وہ مرثیہ نہیں جس کی نسبت ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المراثی [2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مرثیوں سے منع فرمایا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

سوال ششم:

از نواب گنج ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان صورتوں میں:

---

[1] الصواعق المحرقۃ الخاتمۃ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۴

[2] المستدرک للحاکم کتاب الجنائز البکاء علی المیت دار الفکر بیروت ۱/ ۳۸۳، سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ماجاء فی البکاء علی المیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۵

(۱)ایک شخص کہتا ہے کہ میں تعزیہ کا چڑھا ہوا نہیں کھاتا ہوں حضرت امام حسین (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی نیاز کا کھاتا ہوں۔
(۲)ایک شخص کہتا ہے تعزیہ پر کیا منحصر ہے چڑھونا کوئی ہو میں نہیں کھاتا ہوں نیاز کھاتا ہوں۔
(۳)ایک شخص کہتا ہے کہ عشرہ محرم الحرام میں جو کچھ کھانے پینے وغیرہ میں ہوتا ہے دس روز تک تعزیہ کا چڑھا ہوتا ہے۔
(۴)ایک شخص کہتا ہے تعزیہ بُت ہے بہ سبب لگانے صورت کے۔
(۵)ایک شخص کہتا ہے کہ یہ صورت وہ ہے جو بُراق اور حُورِ جنت میں ہیں۔
(۶)ایک شخص کہتا ہے کہ تعزیہ اور مسجد میں کچھ فرق نہیں بلکہ کہتا ہے کہ مسجد میں کیا ہے وہ اینٹ گارا ہی تو ہے جو وہاں سجدے کرتے ہو اور تعزیہ میں ابرق کا کاغذ وغیرہ ہیں۔
(۷)ایک شخص نے کہا کہ بھائی یہ باتیں شرع کی ہیں لکھ کر شرع کے سپرد کرو، آپس میں جھگڑا مت کرو۔
(۸)ایک شخص کہتا ہے کہ تم شرع نہیں سمجھتے۔
(۹)ایک شخص نے کہا کہ جس حالت میں تم شرع کو نہیں سمجھتے ہو تو میں تعزیہ کے چڑھونے کو حرام سمجھتا ہوں۔

الجواب:

(۱)پہلا شخص اچھی بات کہتا ہے واقعی حضرت امام کے نام کی نیاز کھانی چاہئے اور تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہئے، اگر اس کے قول کا یہ مطلب ہے کہ وہ تعزیہ کا چڑھا ہوا اس نیت سے نہیں کھاتا کہ وہ تعزیہ کا چڑھا ہوا ہے بلکہ اس نیت سے کھاتا ہے کہ وہ امام کی نیاز ہے تو یہ غلط اور بیہودہ ہے، تعزیہ پر چڑھانے سے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیاز نہیں ہو جاتی، اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز چاہئے اور وہ نیت کا تفرقہ اس کے مفسدہ کو دفع نہ کرے گا، مفسدہ اس میں ہے کہ اس کے کھانے سے جاہلوں کی نظر میں ایک امر ناجائز کی وقعت بڑھانی یا کم از کم اپنے آپ کو اس کے اعتقاد سے متہم کرتا ہے، اور دونوں باتیں شنیع ومذموم ہیں لہٰذا اس کے کھانے پینے سے احتراز چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲)دوسرے شخص کی بات میں ذرا زیادتی ہے اولیاء کرام کے مزارات پر جو شیرینی کھانا بہ نیت تصدق لے جاتے ہیں اسے بھی بعض لوگ چڑھونا کہتے ہیں اس کے کھانے میں فقیر کو اصلاً حرج نہیں۔

(۳)تیسرے شخص نے نیاز اور تعزیہ کے چڑھاوے میں فرق نہ کیا یہ غلط ہے چڑھونا وہی ہے جو تعزیہ پر یا اس کے پاس لے جا کر سب کے سامنے نذر تعزیہ کی نیت سے رکھا جائے باقی سب کھانے

شربت وغیرہ کہ عشرہ محرم میں بہ نیت ایصال ثواب ہوں وہ چڑھاوا نہیں ہوسکتے۔

(۴) مجسم تصویر کو بت کہتے ہیں، اس معنی پر وہ تصویریں کہ تعزیہ میں لگائی جاتی ہیں اور مجازًا کل کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر بت سے مراد معبود مطلق ہو تو یہ سخت زیادتی ہے انصاف یہ کوئی جاہل سا جاہل بھی تعزیہ کو معبود نہیں جانتا۔

(۵) اس شخص کا یہ محض افتراء ہے کہاں حُور و براق اور کہاں یہ کاغذ پنّی کی مُورتیں جس سے کہیں زیادہ خوبصورت کسگروں کے یہاں روز بنتی ہیں، اور اگر ہو بھی تو حُور و براق کی تصویریں بنانی کب حلال ہیں۔

(۶) یہ شخص صریح گمراہ و بد عقل و بدزبان ہے، مسجد کو کوئی سجدہ نہیں کرتا، نہ اس کی حقیقت اینٹ گارا ہے بلکہ وہ زمین کہ نماز و عبادت الٰہی بجالانے کے لئے تمام حقوق عباد سے جُدا کرکے اللہ عزوجل کے حکم سے اس کی طرف تقرب کے واسطے خاص ملک الٰہی پر چھوڑی گئی اب وہ شعائر اللہ سے ہو گئی اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے **قال اللہ تعالٰی**:

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ "[1]۔	اس مجموعہ بدعات کو اس سے کیا نسبت، مگر جہل مرکب سخت مرض ہے، والعیاذ باللہ۔

(۷) اس شخص نے اچھا کیا مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ جو بات نہ جانے خود اس پر کوئی حکم نہ لگائے بلکہ اہل شرع سے دریافت کرے، **قال اللہ تعالٰی**:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ "[2]	اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔ (ت)

(۸) اس کے قول کا اگر یہی مطلب ہے کہ تم لوگ بے علم ہو آپس میں بحث نہ کرو اہل شرع سے پوچھو تو اچھا کیا، اور اگر یہ مراد ہے کہ تعزیہ شرعًا اچھی چیز ہے تم شرع نہیں سمجھتے تو یہ بہت برا کہا اور شرع پر افتراء کیا اور اگر یہ مقصود ہو کہ شرع سے تو مذمت صاف ظاہر ہے مگر تم لوگ نہیں سمجھتے تو یہ بھی اچھا کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

(۹) اس کا قول حد سے گزرا ہوا ہے تعزیہ کا چڑھاوا کھانا ان وجوہ سے جو ہم نے ذکر کیں مکروہ وناپسند ضرور ہے مگر حرام کہنا غلط ہے، فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے: "اس بکری کو جو ہندو نے اپنے بُت کے نام پر مسلمان سے ذبح کرایا اور مسلمانوں نے اللہ عزوجل کی تکبیر کہہ کر ذبح کردی تصریح فرمائی کہ حلال ہے ویکرہ للمسلم مسلمان کے لئے مکروہ ہے"۔[1]

جب وہاں صرف کراہت کا حکم ہے تو یہاں تحریم کیونکر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال ہفتم:

از اترولی ضلع علی گڑھ محلّہ مغلاں مرسلہ اکرام عظیم صاحب ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

مجلس مرثیہ خوانی اہل شیعہ میں اہلسنت وجماعت کو شریک وشامل ہونا جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**۔

الجواب:

حرام ہے: حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کثر سواد قوم فھو منھم۔[2]	جس نے کسی قوم کا تشخص کثیر بنایا وہ ان میں کا ہے۔(ت)

وہ بدزبان ناپاک لوگ اکثر تبرا بک جاتے ہیں اس طرح کہ جاہل سننے والوں کو خبر بھی نہیں ہوتی اور متواتر سنا گیا ہے کہ سنیوں کو جو شربت دیتے ہیں اس میں نجاست ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو اپنے یہاں کے ناپاک قلتین کا پانی ملاتے ہیں اور کچھ نہ ہو تو وہ روایات موضوعہ وکلمات شنیعہ وماتم حرام سے خالی نہیں ہوتی اور یہ دیکھیں سنیں گے، اور منع نہ کرسکیں گے ایسی جگہ جانا حرام ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ الذِّكۡرٰى مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۶۸﴾"[3]	تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ھندیہ کتاب الذبائح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۸۶

[2] المقاصد الحسنۃ حدیث ۱۱۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۲۶

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

سوال ہشتم:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر نیاز کرنا عرائض بامید حاجت براری لٹکانا اور بہ نیت بدعت حسنہ اس کو داخل حسنات جاننا اور موافق شریعت ان امور کو اور جو کچھ اس سے پیدا اور یا متعلق ہوں کتنا گناہ ہے، اور زید اگر ان باتوں کو جو فی زمانا متعلق تعزیہ داری وعلم داری کے ہیں موافق مذہب اہل سنت کے تصور کرے تو وہ کس قسم کے مرتکب ہوا اور اس پر شرع کی تعزیر کیا لازم آتی ہے، اور ان امور کے ارتکاب سے وہ شرک خفی یا جلی میں مبتلا ہے یا نہیں، اور اس کی زوجہ اس کے نکاح سے باہر ہوئی یا نہیں، درصورتیکہ وہ امور متذکرہ بالا کو داخل عقیدت اہلسنت وجماعت بنظر ثواب عمل میں لاتا ہو۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

افعال مذکورہ جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں بدعت سیئہ وممنوع وناجائز ہیں انہیں داخل ثواب جاننا اور موافق شریعت مذہب اہلسنت ماننا اس سے سخت تر وخطائے عقیدہ وجہل اشد ہے، شرعی تعزیر حاکم شرع سلطان کی رائے پر مفوض ہے بااین ہمہ وہ شرک وکفر ہر گز نہیں، نہ اس بناء پر عورت نکاح سے باہر ہو، عرائض بامید حاجت براری لٹکانا محض بہ نیت توسل ہے جو اس کا جہل ہے کہ امور ممنوعہ لائق توسل نہیں ہوتے باقی حاجت روا بالذات کوئی کلمہ گو حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی نہیں جانتا کہ معاذاللہ تعالٰی شرک ہو، یہ وہابیہ کا جہل وضلال ہے، **واللہ تعالٰی اعلم فقط**

رسالہ

اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند وبیان شھادۃ

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

تشبّہ بالغیر

شعارِ کفّار وغیرہ

مسئلہ ۲۲۸: از پیلی بھیت محلّہ محمد واصل مرسلہ مولوی محمد وصی احمد صاحب سورتی ۲۴ صفر ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دھوتی لباس ہند ہے یاکہ خاص ہنود کالباس ہے، ایک عالم صاحب کہتے ہیں کہ دھوتی لباس ہنود ہے اور بموجب **من تشبّہ بقوم فھو منھم**[1] (جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔ت) کے جو مسلمان دھوتی پہنے وہ ہندو ہے اور نماز روزہ وغیرہ کوئی عمل صالح اس کا مقبول نہیں مسلمانوں کو دھوتی پہننے والے کے ساتھ مناکحت ونشست برخاست کھانا پینا کھلانا پلانا صاحب سلامت سب منع ہے بلکہ دھوتی پہننے والا اسلام علیک کرے تو اس کے سلام کاجواب بھی نہ دے، پس دھوتی پہننے والے کے ساتھ وہی برتاؤ چاہئے جیسا کہ عالم صاحب کہتے ہیں یاکہ مسلمانوں کاسا، اس بارہ میں جو حکم شریعت ہو ارشاد فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

الجواب:

اقول: وباللّٰه التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق ہی سے کہتا ہوں۔ت) اس جنس مسائل میں حق تحقیق و تحقیق حق یہ ہے کہ تشبہ دو وجہ پر ہے: التزامی ولزومی۔ التزامی یہ ہے کہ یہ شخص کسی قوم کے طرز و وضع خاص اسی قصد سے اختیار کرے کہ ان کی سی صورت بنائے ان سے مشابہت حاصل کرے حقیقۃً تشبہ اسی کا نام ہے **فان معنی القصد والتکلف ملحوظ فیہ کمالایخفی** (اس لئے کہ قصد اور تکلف کے مفہوم کا اس میں لحاظ رکھا گیا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور لزومی یہ کہ اس کا قصد تو مشابہت کا نہیں مگر وہ وضع اس قوم کا شعار خاص ہو رہی ہے کہ خواہی نخواہی مشابہت پیدا ہوگی، التزامی میں قصد کی تین صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ اس قوم کو محبوب و مرضی جان کر اُن سے مشابہت پسند کرے یہ بات اگر مبتدع کے ساتھ ہو بدعت اور کفّار کے ساتھ معاذاللہ کفر، حدیث **من تشبہ بقوم فھو منھم**[1] جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔ ت) حقیقۃً صرف اسی صورت سے خاص ہے۔ غمز العیون والبصائر میں ہے:

اتفق مشائخنا ان من رأی امر الکفار حسنا فقد کفر حتّٰی قالوا فی رجل قال ترک الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس اوترک المضاجعۃ عندھم حال الحیض حسن فھو کافر[2]۔	ہمارے مشائخ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کوئی کافروں کے کسی کام کو اچھا سمجھے تو وہ بلاشبہہ کافر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا کہ جو کوئی کھانا کھاتے وقت باتیں نہ کرنے کو اور حالت حیض میں عورت کے پاس نہ لیٹنے کو مجوسیوں اور آتش پرستوں کی اچھی عادت کہے تو وہ کافر ہے۔ (ت)

دوم: کسی غرض مقبول کی ضرورت سے اسے اختیار کرے وہاں اس وضع کی شناعت اور اس غرض کی ضرورت کا موازنہ ہوگا اگر ضرورت غالب ہو تو بقدر ضرورت کا وقت ضرورت یہ تشبیہ کفر کیا معنی ممنوع بھی نہ ہوگا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی کہ بعض فتوحات میں منقول رومیوں کے لباس پہن کر بھیس بدل کر کام فرمایا اور اس ذریعہ سے کفار اشرار کی بھاری جماعتوں پر باذن اللہ غلبہ پایا اسی طرح سلطان مرحوم صلاح الدین یوسف انار اللہ تعالٰی برہانہ کے زمانے میں جبکہ تمام کفار یورپ

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

نے سخت شورش مچائی تھی دو عالموں نے پادریوں کی وضع بنا کر دورہ کیا اور اس آتش تعصب کو بجھادیا۔ خلاصہ میں ہے:

لوشد الزنار علی وسطہ ودخل دار الحرب لتخلیص الاساری لایکفر ولودخل لاجل التجارۃ یکفر ذکرہ القاضی الامام ابو جعفر الاستروشنی[1]۔	اگر کوئی شخص اپنی کمر میں زُنّار باندھے اور قیدیوں کو چھڑانے کے لئے دار حرب میں داخل ہو تو کافر نہیں ہوگا اور اگر اس مدت میں تجارت کے لئے جائے تو کافر ہو جائے گا۔ امام ابو جعفر استروشنی نے اس کو ذکر کیا ہے۔(ت)

ملتقط میں ہے:

اذا شد الزنار او اخذ الغل اولبس قلنسوۃ المجوس جادا اوھازلا یکفر الا اذا فعل خدیعۃ فی الحرب[2]۔	جب کسی شخص نے زُنّار باندھا یا طوق لیا یا آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی خواہ سنجیدگی کے ساتھ یا ہنسی مذاق کے طور پر تو کافر ہوگیا، مگر جنگ میں (دشمن کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے) بطور تدبیر ایسا کرے تو کافر نہ ہوگا۔(ت)

منح الروض میں ہے:

ان اشد المسلم الزنار ودخل دار الحرب للتجارۃ کفر ای لانہ تلبس بلباس کفر من غیر ضرورۃ شدیدۃ ولافائدہ مترتبۃ بخلاف من لبسھا لتخلیص الاساری علی ماتقدم[3]۔	اگر مسلمان زنّار باندھ کر دار الکفر میں کاروبار کیلئے جائے تو کافر ہو جائے گا اس لئے کہ اس نے بغیر کسی شدید مجبوری کے اور بغیر کسی ترتب فائدہ کے لباس کفر پہنا (جو اس کے لئے روانہ تھا)، بخلاف اس شخص کے جس نے قیدیوں کو آزاد کرانے کے لئے لباس کفر (برائے حیلہ) استعمال کیا، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا (ت)

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی المجلس السادس مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۷

[2] منح الروض الازھر بحوالہ الملتقط فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

[3] منح الروض الازھر علی الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

سوم: نہ توانہیں اچھاجانتا ہے نہ کوئی ضرورت شرعیہ اس پر حامل ہے بلکہ کسی نفع دنیوی کے لئے یا یوہیں بطور ہزل واستہزاء اس کا مرتکب ہوا توحرام وممنوع ہونے میں شک نہیں اور اگروہ وضع ان کفار کامذہبی دینی شعار ہے جیسے زنّار، قشقہ، چٹیا، چلیپا، تو علماء نے اس صورت میں بھی حکم کفر دیا کماسمعت اٰنفا (جیساکہ تم نے ابھی سنا۔ت) اور فی الواقع صورت استہزاء میں حکم کفر ظاہر ہے کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور لزومی میں بھی حکم ممانعت ہے جبکہ اکراہ وغیرہ مجبوریاں نہ ہوں جیسے انگریزی منڈا، انگریزی ٹوپی، جاکٹ، پتلون، اُلٹاپردہ، اگرچہ یہ چیزیں کفار کی مذہبی نہیں مگرآخر شعار ہیں تو ان سے بچنا واجب اور ارتکاب گناہ۔ وللذا علماء نے فسّاق کی وضع کے کپڑے موزے سے ممانعت فرمائی۔ فتاوٰی خانیہ میں ہے:

الاسکاف اوالخیاط اذا استوجر علی خیاطة شیئ من زی الفساق ویعطی له فی ذٰلك کثیر اجر لایستحب له ان یعمل لانه اعانة علی المعصیة[1]۔	موچی یادرزی فسّاق وفجّار کی وضع کے مطابق معمول سے زیادہ اُجرت پر لباس تیار کرے تواس کے لئے یہ کام مستحب نہیں اس لئے کہ یہ گناہ پر امداد واعانت ہے۔(ت)

مگراس کے تحقق کواس زمان ومکان میں ان کا شعار خاص ہونا قطعًا ضرور جس سے وہ پہچانے جاتے ہوں اور ان میں اور ان کے غیر میں مشترک نہ ہو ورنہ لزوم کا کیا محل، ہاں وہ بات فی نفسہٖ شرعًا مذموم ہوئی تواس وجہ سے ممنوع یامکروہ رہے گی نہ کہ تشبّہ کی راہ سے، امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں دربارہ طیلسان کہ پوشش یہود تھی فرماتے ہیں:

اما ماذکرہ ابن اقیم من قصة الیھود فقال الحافظ ابن حجر انما یصح الاستدلال به فی الوقت الذی تکون الطیالسة من شعارھم وقد ارتفع ذٰلك فی ھذہ الازمنة فصار داخلا فی عموم المباح وقد ذکرہ ابن عبدالسلام رحمه اللہ تعالٰی فی امثلة	رہا یہ کہ جوکچھ حافظ ابن قیم نے یہودیوں کاواقعہ بیان کیاہے تو اس بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایاکہ یہ استدلال اس وقت درست تھاجبکہ مذکورہ چادر اُن کا (مذہبی) شعار ہوا کرتی تھی لیکن اس دَور میں یہ چیز ختم ہورہی ہے لہٰذا اب یہ عموم مباح میں داخل ہے، چنانچہ علامہ ابن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بدعت مباح کی مثالوں

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۸۰

البدعة المباحة[1]۔	میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

امام اجل فقیہ النفس فخر الملۃ والدین قاضی خاں پھر امام محمد محمد محمد ابن الحاج حلبی حلیہ شرح منیہ فصل مکروہات الصلوٰۃ پھر علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق پھر علامہ محمد بن علی دمشقی در مختار میں فرماتے ہیں:

التشبہ باھل الکتاب لایکرہ فی کل شیئ فانا ناکل ونشرب کما یفعلون ان الحرام التشبہ بھم فیما کان مذموما او فیما یقصد بہ التشبہ[2]۔	ہر چیز میں اہل کتاب سے مشابہت مکروہ نہیں جیسے کھانے پینے وغیرہ کے طور طریقے میں کوئی کراہت نہیں۔ان سے تشبہ ان کاموں میں حرام ہے جومذموم یعنی برے ہیں یا جن میں مشابہت کاارادہ کیاجائے۔(ت)

علامہ علی قاری منح الروض میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبیہ بالکفرۃ واھل البدعۃ المنکرۃ فی شعارھم لا منھیون عن کل بدعۃ ولو کانت مباحۃ سواء کانت من افعال اھل السنۃ اومن افعال الکفر واھل البدعۃ فالمدار علی الشعار[3]۔	ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیاگیاہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کادرجہ رکھتی ہواس سے نہیں روکاگیاخواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یاکفار اوراہل بدعت کے۔لہٰذا مدارکارشعار ہونے پر ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں محیط سے ہے:

قال ھشام فی نوادرہ ورأیت علی ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی نعلین محفوفین بمسامیر الحدید فقلت لہ اتری بھذا الحدید بأسا قال لافقلت لہ ان سفین و	ہشام نے نوادر میں فرمایا میں نے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کوایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا جن کے چاروں طرف لوہے کی کیلیں لگی ہوئی تھیں،میں نے عرض کی،کیاآپ اس لوہے سے کوئی حرج سمجھتے ہیں؟توفرمایاکہ نہیں،میں نے

[1] المواہب اللدنیۃ النوع الثانی اللباس لبس الطیلسان المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۵۰

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۰

[3] منح الروض الازھر علی الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

ثوربن یزید کرھا ذٰلك لانه تشبه بالرھبان فقال ابویوسف رحمه الله تعالٰی کان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یلبس النعال التی لھا شعور وانھا من لباس الرھبان[1] الخ	عرض کی لیکن سفیان اور ثور بن یزید تو انہیں پسند نہیں فرماتے کیونکہ ان میں عیسائی راہبوں سے مشابہت پائی جاتی ہے۔امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے جوتے پہنتے تھے جن کے بال ہوتے تھے حالانکہ یہ بھی عیسائی راہبوں کا لباس تھاالخ۔(ت)

اس تحقیق سے روشن ہوگیا کہ تشبُّہ وہی ممنوع ومکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یاوہ شے ان بدمذہبوں کا شعار خاص یافی نفسہ شرعًا کوئی حرج رکھتی ہو،بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔اب مسئلہ مسئولہ کی طرف چلئے دھوتی باندھنے والے مسلمانوں کا یہ قصد تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ کافروں کی سی صورت بنائیں،نہ مدعی نے اس پر بنائے کلام کی بلکہ مطلقًا دھوتی باندھنے کو ان سخت شدید اختراعی احکام کا مورد قرار دیا نہ زنہار قلب پر حکم روا نہ بدگمانی جائز،

قال اللہ تعالٰی " وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾ "[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا:ان باتوں کے پیچھے نہ پڑو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔بے شک کان،آنکھ اور دل کے متعلق (بروز قیامت)پوچھا جائے گا۔(ت)

اور فی نفسہٖ دھوتی کی حالت کو دیکھا جائے تو اس کی اپنی ذات میں کوئی حرج شرعی بھی نہیں بلکہ ساتر ماموربہ کے افراد سے ہے اصل سنت ولباس پاک عرب یعنی تہبند سے صرف لٹکتا چھوڑنے اور پیچھے گھرس لینے کا فرق رکھتی ہے اس میں کسی امر شرعی کا خلاف نہیں تو دو وجہ ممانعت تو قطعًا منتفی ہیں۔رہا خاص شعار کفار ہونا،وہ بھی باطل۔بنگالہ وغیرہ پورب کے عام شہروں میں تمام سکان ہندو مسلمان سب کا یہی لباس ہے۔یوہیں سب اضلاع ہند کے دیہات میں ہندو مسلمین یہی وضع رکھتے ہیں۔رہے وسط ہند کے شہری لوگ،ان میں بھی فنائے شہر اور خود شہر کے اہل حرفہ وغیر ہم جنہیں کم قوم کہا جاتا ہے بعض ہر وقت اور بعض اپنے کاموں ضرورتوں کی حالت میں دھوتی باندھتے ہیں۔

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۳۶

ہاں یہاں کے معزز شہریوں میں اس کارواج نہیں مگر اس کاحاصل اس قدر کہ اپنی تہذیب کے خلاف جاتے ہیں نہ یہ کہ جو باندھے اسے فعل کفر کامرتکب سمجھیں تو غایت یہ کہ ان اضلاع کے شہری وجاہت دار آدمی کو گھر سے باہر اس کا باندھنا مکروہ ہوگا کہ بلاوجہ شرعی عرف وعادت قوم سے خروج بھی سبب شہرت و باعث کراہت ہے۔علامہ قاضی عیاض مالکی،امام اجل ابو زکریانووی شافعی شارحان صحیح مسلم پھر عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی شارح طریقہ محمدیہ فرماتے ہیں:

خروجه عن العادة شهرة ومكروه[1]۔	عادت اور عرف کی خلاف ورزی مکروہ اور باعث شہرت ہے(ت)

اور اگر وہاں کے مسلمان اسے لباس کفار سمجھتے ہوں تو احتراز مؤکد ہے،حرج پیچھے گھرسنے میں ہے،ورنہ تہ بند تو عین سنت ہے۔اس سے زائد کچھ لفّاظیاں شخص مذکور نے کہیں محض بے اصل وباطل اور حلیہ صدق وصواب سے عاطل ہیں،بالفرض اگر دھوتی باندھنا مطلقاً ممنوع بھی ہوتا تاہم اس میں اُتنا وبال نہ تھا جو شرع مطہر پر دانستہ افترا کرنے میں۔

والعیاذ باللہ تعالٰی.نسئل اللہ ھدایۃ سبیل الرشاد و العصمۃ عن طریق الزیغ والفساد.اٰمین.واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی کی پناہ،ہم اللہ تعالٰی سے راہ راست کی رہنمائی چاہتے ہیں اور کجی اور فساد کی راہ سے اے اللہ! حفاظت چاہتے ہیں،یا اللہ میری دعا قبول فرما،اللہ تعالٰی پاک وبرتر بڑا عالم ہے(ت)

مسئلہ ۲۲۹: مسئولہ مولٰینا مولوی عبدالحمید صاحب از بنارس محلّہ پر کنڈہ ۱۰شعبان ۱۳۳۵ھ

زید کوٹ وکالر ونکٹائی پہنتا ہے اور پیشوری پائجامہ وترکی ٹوپی وبُونٹ جوتا پہنتا اور انگریزی فیشن کے بال رکھتا ہے۔عمرو کہتا ہے کہ اس میں تشبّہ بالنّصارٰی ہے،اور زید کہتا ہے کہ ہرگز نہیں اس لئے کہ ادنٰی فرق تشبیہ کے لئے کافی ہے۔ان دونوں میں کون حق پر ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جو بات کفار یا بدمذہباں اشرار یا فسّاق فجّار کا شعار ہو بغیر کسی حاجت صحیحہ شرعیہ کے

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن اعظامہ الخ عبدالتواب اکیڈمی بوہڑ گیٹ ملتان ۲/ ۴۴

برغبت نفس اس کا اختیار ممنوع وناجائز وگناہ ہے اگرچہ وہ ایک ہی چیز ہو کہ اس سے اس وجہ خاص میں ضرور اُن سے تشبّہ ہوگا اسی قدر منع کوکافی ہے اگرچہ دیگروجوہ سے تشبّہ نہ ہو،اس کی نظیر گلاب اور پیشاب ہیں۔شیشہ بھراہوا گلاب اور اس میں ایک قطرہ پیشاب ہے تو وہ ناپاک وخراب ہے نہ کہ پورا شیشہ پیشاب ہو جبھی نجس وخراب ہو۔ولہذا عموماً احادیث ارشادات فقہ میں ہر ایسی چیز پر حکم حرمت وممانعت دیا ہے نہ یہ کہ سر سے پاؤں تک من جمیع الوجوہ ان سے تشبّہ ہو اسی وقت منع ہو، یہ محض جہل یا عقل کا فساد ہے اور اگر دانستہ ہو تو شریعت مطہرہ سے کھلا عناد ہے،ابطال وہم کو یہاں صرف پچیس مسائل حدیث وفقہ سے سنائیں:

مسئلہ ۱: صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشابھات من النساء بالرجال[1]۔	اللہ کی لعنت اُن مردوں پر جو عورتوں سے تشبہ کریں اور ان عورتوں پر جو مردوں پر۔

یہ اصل کلی ہے اس کے فروع دیکھئے زنان عرب جو اوڑھنی اوڑھتیں حفاظت کے لئے سر پر پیچ دے لیتیں اس پر ارشاد ہوا کہ ایک پیچ دیں دو نہ ہوں کہ عمامہ سے مشابہت نہ ہو عورت کو مرد، مرد کو عورت سے تشبہ حرام ہے: امام احمد وابوداؤد وحاکم نے بسند حسن ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دخل علیھا وھی تختمر فقال لیۃ لالیتین[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے ہاں تشریف لے گئے تو (کیا دیکھا) کہ وہ اوڑھنی اوڑھ رہی ہیں تو ارشاد فرمایا سر پر صرف ایک پیچ دو دو۲ پیچ نہ ہوں۔ (ت)

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب المتشبھین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب کیف الاختمار آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۲،مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۹۴و۲۹۶

حذرا من التشبہ بالمتعممین[1]۔	اس خطرہ سے کہ کہیں پگڑی باندھنے والے مردوں سے مشابہت نہ ہوجائے۔(ت)

دیکھو تمام زنانہ لباس دفع تشبّہ کے لئے کافی نہ ہوا صرف دوپٹہ کے سرپر دو پیچ مورث تشبّہ ہوئے۔

مسئلہ ۲: ایک عورت کندھے پر کمان لگائے گزری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لعن اللہ المتشابھات من النساء بالرجال رواہ الطبرانی[2] فی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما والحدیث من دون القصۃ عند احمد وابی داؤد والترمذی وابن ماجۃ بل قد تقدم عن البخاری و ایہام التیسیر انھم جمیعا رووا القصۃ لیس بالواقع۔	اللہ تعالٰی نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے تشبّہ کریں (امام طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند سے اس حدیث کو روایت فرمایا۔امام احمد (مسند احمد)، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ بلکہ امام بخاری سے پہلے گزرچکی، ان تمام محدثین نے بغیر قصہ ذکر کئے اس کو روایت فرمایا مگر مصنف التیسیر کا یہ وہم کرنا کہ سب نے قصہ مذکورہ سمیت اس کو روایت کیا ہے خلاف واقع ہے (لہٰذا وہم درست نہیں۔ت)

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے ام سعید بنت ام جمیل کو کمان لگائے مردانی چال چلتے دیکھا، فرمایا:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لیس منّا من تشبّہ بالرجال من النساء ولا من تشبّہ بالنساء من الرجال، رواہ احمد[3] والطبرانی۔	میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا، وہ عورت ہم میں سے نہیں جو مردوں سے مشابہت اختیار کرے، اور وہ مرد بھی ہم میں سے نہیں جو عورتوں سے تشبہ اختیار کرے۔امام احمد اور امام طبرانی نے اس کو روایت فرمایا۔(ت)

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث لیۃ لا لیتین مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۳۳۵

[2] المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۱۱۶۴۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۵۲، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب فی المتشبھین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۸

[3] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۰۰، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الادب فی المتشبھین دارالکتاب بیروت ۸/ ۱۰۳

مسئلہ ۳: عورتوں کو حکم فرمایا کہ ہاتھوں میں مہندی لگائیں کہ مردوں کے ہاتھ سے مشابہ نہ ہو۔ابوداؤد ام لمومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

ان ھندۃ بنت عتبۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت یانبی اللہ بایعنی قال لاابایعك حتی تغیری کفیك کانّھما کفاسبع[1]۔	عتبہ کی بیٹی ہندہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کی: اے اللہ تعالٰی کے مکرم نبی! مجھے بیعت فرمائیے۔ارشاد فرمایا: میں تمہیں بیعت نہیں کرتا جب تو اپنی ہتھیلیوں میں (انہیں رنگین کرکے) تبدیلی نہ لائے، تیری ہتھیلیاں تو درندے کی ہتھیلیوں کی طرح ہیں۔(ت)

مرقاۃ میں ہے:

شبہ یدیھا حین لم تخضبھا بکفی سبع فی الکراھیۃ لانھا حینئذ شبیھۃ بالرجال[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناپسندیدگی کی وجہ سے اسے غیر رنگین ہاتھوں کو جنگلی درندے سے تشبیہ دی کیونکہ اس حالت میں وہ مردوں کے مشابہ ہوگئی۔(ت)

ایک حدیث میں ارشاد ہوا کہ زیادہ نہ ہو تو ناخن ہی رنگین رکھیں۔احمد وابوداؤد ونسائی بسند حسن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی:

اومأت امرأۃ من وراء ستر بیدھا کتاب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقبض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدہ فقال ماادری اید رجل ام ید امرأۃ قالت بل ید امرأۃ قال لوکنت امرأۃ لغیرت اظفارك	ایک عورت نے پردے کے پیچھے سے اشارہ کیا کہ جس کے ہاتھ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ایک خط تھا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ہاتھ پکڑلیا، پھر ارشاد فرمایا مجھے معلوم نہیں کہ کیا یہ کسی مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔اس نے عرض کی یہ مرد کا ہاتھ نہیں بلکہ عورت کا ہاتھ ہے۔ ارشاد فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو ضرور اپنے ہاتھوں کی سادگی کو مہندی

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب للنساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس باب الترجل تحت حدیث ۴۴۶۶ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۴۴

بالحناء[1]۔	لگا کر تبدیل کردیتی۔(ت)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

وگفتہ اند کہ وجہ کراہت وانکار تشبہ بر جال ست وسابقا معلوم شد کہ زنان راتشبہ بر جال مکروہ ست[2]۔	ائمہ کرام نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناپسندیدگی اور انکار کرنے کی وجہ مردوں سے مشابہت ہے۔اور پہلے معلوم ہوگیا ہے کہ عورتوں کا مردوں سے مشابہت کرنا مکروہ ہے (یعنی ناپسندیدہ امر ہے)(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) بلکہ یہ تعلیل منصوص ہے کہ فرمایا: بے مہندی لگائے اپنا ہاتھ مرد کا سار کھتی ہو۔

احمد فی مسندہ عن امرأۃ صلت القبلتین مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالت دخل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اختضبی تترک احدٰکن الخضاب حتی تکون یدھا کیدالرجل قالت فماترکت الخضاب حتی لقیت اللہ تعالٰی وھی بنت ثمانین[3]۔	مسند احمد میں ایک ایسی خوش نصیب عورت سے روایت ہے کہ جس نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اقتداء میں دو قبلوں (کعبہ شریف اور بیت المقدس) کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی،اس نے کہا کہ میں ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا: ہاتھوں کو خضاب سے رنگین کیجئے۔تم میں سے ایک،ہاتھوں کو خضاب وغیرہ سے رنگنا چھوڑدیتی ہے،یہاں تک کہ اس کے ہاتھ مردوں کے ہاتھوں کی طرح (سفید) ہوتے ہیں۔پھر اس کے بعد انہوں نے ہاتھوں پر خضاب لگانا نہ چھوڑا حالانکہ ان کی عمر اسی سال کی ہوگئی(ت)

مسئلہ ۴: جامع ترمذی میں سیدنا بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب للنساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸،مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۶۲

[2] اشعۃ اللمعات کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۸۱

[3] مسند احمد بن حنبل عن امرأۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۳۷

نظفوا افنیتکم ولاتشبّھوا بالیھود[1]۔	اپنے پیش دروازہ زمینیں ستھری رکھو یہودیوں سے تشبّہ نہ کرو کہ جب سے ان پر ذلّت ومسکنت ڈالی گئی ان کی زمینیں میلی کثیف رہتیں۔ یہاں محض ایک بیرونی شَے پر جسے جسم ولباس سے بھی علاقہ نہیں تشبّہ فرمایا گیا۔

مسئلہ ۵: سنن ابی داؤد میں ابن ابی ملیکہ سے ہے:

قیل لعائشۃ ان امرأۃ تلبس النعل فقالت لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الرجلۃ من النساء[2]۔	ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے عرض کی گی ایک عورت مردانہ جوتا پہنتی ہے، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانی وضع اختیار کریں۔

مرقاۃ میں ہے:

تلبس النعل ای التی تختص بالرجال[3]۔	تلبس النعل یعنی عورت وہ جوتا پہنتی جو مردوں سے خصوصیت رکھتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۶: نماز میں کسی فعل وحالت میں اہل کتاب سے تشبّہ منع ہوا اور نماز مسلمین کا اپنے عامہ افعال وصفت وہیأت میں ان کی نماز سے جدا ہونا مانع تشبہ نہ ہوا اسی لئے امام کا محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

یکرہ ان یقوم فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب من حیث تخصیص الامام بالمکان[4]۔	امام کا مکمل طور پر محراب میں کھڑا ہونا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ کارروائی اہل کتاب سے مشابہت رکھتی ہے اس حیثیت سے کہ امام کی ایک جگہ (محراب) سے تخصیص کردی۔(ت)

مسئلہ ۷: اسی لئے امام کا سب مقتدیوں سے بلندی ممتاز پر ہونا مکروہ ہوا۔ ہدایہ میں ہے:

یکرہ ان یکون الامام وحدہ علی الدکان	تنہا امام کا کسی بلند ممتاز جگہ کھڑا ہونا مکروہ ہے،

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاستیذان والادب باب ماجاء فی النظافۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۳

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لباس النساء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۰

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس حدیث ۴۴۷۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۴۶

[4] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۰

لماقلنا[1]۔	اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کردی۔(ت)

بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

علّلوہ بانہ تشبہ باھل الکتاب فانھم یتخذون لامامھم دکّانا[2]۔	فقہائے کرام نے اس کی علت یہ قرار دی کہ یہ رویہ اہل کتاب سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ وہ لوگ اپنے امام کے لئے (سب سے الگ) ایک نمایاں، ممتاز اور بلند چبوترہ متعین کرتے تھے(ت)

مسئلہ ۸: نماز میں قرآن مجید دیکھ کر پڑھنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک تو مفسد نماز ہے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی نماز صحیح مانتے ہیں مگر مشابہت اہل کتاب کے باعث مکروہ جانتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

اذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلاتہ عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقالا ھی تامۃ الا انہ یکرہ لانہ تشبہ بصنع اھل الکتاب[3]۔	جب امام (بحالت نماز) قرآن مجید دیکھ کر تلاوت کرے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک نماز فاسد ہوجائے گی (یعنی ٹوٹ جائے گی) لیکن ان کے دونامور شاگردوں نے فرمایا نماز پوری ہوگئی مگر اس طرح کرنا مکروہ ہے اس لے کہ یہ طریقہ اہل کتاب کی کارروائی سے مشابہت رکھتا ہے(ت)

مسئلہ ۹: جہاں جاندار کی تصویر کھلی ہوئی بے اہانت رکھی ہو اگرچہ نمازی کے پس پشت، وہاں نماز بوجہ تشبہ مکروہ ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

وعلۃ حرمۃ التصویر المضاھاۃ لخلق اللہ تعالٰی وعلۃ کراھۃ الصلاۃ بھا التشبہ[4]۔	تصویر کے حرام ہونے کی علت (وجہ) اللہ تعالٰی کی تخلیق (بنائی ہوئی چیزوں) میں مشابہت اختیار کرنا ہے (جو شرکت کا وہم پیدا کرتا ہے) اور تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، پس اس کی علت تشبّہ ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۰: یونہی جہت قبلہ میں اگر صلیب ہو نماز مکروہ ہے کہ نصارٰی سے تشبّہ ہے۔ ردالمحتار

[1] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۴

[3] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۱۶

[4] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

میں بعد عبارت مذکورہ یہ مسئلہ تصویر ہے۔

اقول: والظاہر انه یلحق به الصلیب وان لم یکن تمثال ذی روح لان فیه تشبہا بالنصارٰی ویکرہ التشبه بھم فی المذموم وان لم یقصدہ[1] اھ **اقول**: فی الصورۃ علة اخری سوی التشبه و ھو امتناع الملٰئکة من دخول بیت ھی فیه غیر مھانة ولم یثبت مثله فی الصلیب فلایتأتی الالحاق علی الاطلاق الااذاکانت فی جھة القبلة وح یلتحق بکافون فیه ضرام من جمر اونار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	**اقول**: ظاہر یہ ہے کہ تصویر کے ساتھ صلیب کاالحاق کیاجائے جبکہ تصویر کسی جاندار کی نہ ہو، یعنی صلیب اور تصویر دونوں کا حکم ایک ہے۔اس لئے کہ اس میں عیسائیوں سے مشابہت ہے اور برے کاموں میں ان سے مشابہت رکھنامکروہ ہے اگرچہ غیرارادی طور پر ہواھ **اقول**: (میں کہتاہوں) یہاں تصویر میں "تشبہ"کے علاوہ ایک اور علت (وجہ) بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس گھر میں بغیر تذلیل تصویر رکھی ہو وہاں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔اور یہ وجہ (علت) صلیب میں نہیں۔ لہٰذا تصویر کے ساتھ صلیب کا علی الاطلاق الحاق نہیں ہو سکتا، مگر یہ کہ صلیب جہت قبلہ میں ہو۔ پھراس صورت میں اس چولہے اور انگیٹھی سے اس کاالحاق کردیاجائے گا کہ جس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱: مرد کو ہتھیلی یا تلوے بلکہ صرف ناخنوں ہی میں مہندی لگانی حرام ہے کہ عورتوں سے تشبّہ ہے۔

الحناء سنّة للنساء ویکرہ لغیرھن من الرجال الا ان یکون لعذر لانه تشبه بھن[2] اھ **اقول**: والکراھة تحریمیة للحدیث المار لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء	مہندی لگانی عورتوں کے لئے سنت ہے لیکن مردوں کے لئے مکروہ ہے مگرجبکہ کوئی عذر ہو (توپھر اس کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مردوں کے مہندی استعمال کرنے میں عورتوں سے مشابہت ہوگی اھ **اقول**: (میں کہتا ہوں) کہ یہ کراہت تحریمی ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس حدیث ۴۴۲۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۱۷، شرعۃ الاسلام فصل فی اللباس مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۰۱-۳۰۲

فصح التحریم ثم الاطلاق شمل الاظفار **اقول**: وفیہ نص الحدیث المار لوکنت امرأۃ لغیرت اظفارك بالحناء [1] اما ثانیا العذر **فاقول** ھذا اذا لم یقم شیئ مقامہ ولاصلح ترکیبہ مع شیئ ینفی لونہ واستعمل لاعلی وجہ تقع بہ الزینۃ۔	گزشتہ حدیث پاک کی وجہ سے کہ جس میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں، لہٰذا تحریم یعنی کراہت تحریمی صحیح ہوئی۔ اور اطلاق (الفاظ حدیث) ناخنوں کو بھی شامل ہے۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں بھی گزشتہ حدیث کی صراحت موجود ہے (حدیث: اگر تُو عورت ہوتی تو ضرور اپنے سفید ناخنوں کو مہندی لگا کر تبدیل کر دیتی) رہا عذر کا استثناء کرنا، تو اس کے متعلق میری صوابدید یہ ہے کہ (عذر اس وقت تسلیم کیا جائے گا کہ) جب مہندی کے قائم مقام کوئی دوسری چیز نہ ہو، نیز مہندی کسی ایسی دوسری چیز کے ساتھ مخلوط نہ ہوسکے جو اس کے رنگ کو زائل کردے۔ اور مہندی استعمال میں بھی محض ضرورت کی بنا پر بطور دوا اور علاج ہو، زیب وزینت اور آرائش مقصود نہ ہو۔ (ت)

مسئلہ ۱۲: عورت کو اپنے سر کے بال کترنا حرام ہے اور کترے تو ملعونہ کہ مردوں سے تشبّہ ہے۔ درمختار میں ہے:

قطعت شعر رأسھا اثمت ولعنت والمعنی المؤثر التشبہ بالرجال [2]۔	کسی عورت نے سر کے بال کتر ڈالے تو وہ گنہگار ہوئی، نیز اللہ تعالٰی کی اس پر لعنت برسی۔ اور اس میں جو علت مؤثرہ ہے وہ مردوں سے "تشبّہ" ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳: مرد کو اپنا سر کھلوانا جسے پان بنوانا کہتے ہیں حلال ہے جبکہ اطراف کے بال باقی رکھے اور گوندھے نہیں ورنہ پیشانی یا قفا کے بال مونڈنا مجوس سے تشبّہ ہے اور گوندھنا بعض دیگر کفار سے۔ ذخیرہ وتاتارخانیہ وہندیہ وردالمحتار میں ہے:

لاباس للرجل ان یحلق وسط رأسہ ویرسل شعرہ من غیر ان یفتلہ وان فتلہ فذٰلك مکروہ لانہ یصیر مشابھا ببعض الکفرۃ	کوئی حرج نہیں کہ مرد اپنے سر کا درمیانی حصہ منڈوائے اور بقیہ بال بغیر گوندھے کھلے چھوڑدے، اور اگر اس نے انہیں گوندھ ڈالا تو ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس صورت میں وہ بعض کافروں سے مشابہ

[1] سنن ابی داؤد کتاب الترجل باب فی الخضاب للنساء ۲/ ۲۱۸ ومسند امام احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا ۶/ ۲۶۲

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۰

والمجوس فی دیارنا یرسلون الشعر من غیر فتل ولکن لایحلقون وسط الرأس بل یجزون الناصیة، ینابیع[1]۔	ہو جائے گا۔ اور ہمارے علاقائی آتش پرست بغیر گوندھے اپنے بال کھلے چھوڑتے ہیں لیکن وہ سر کی چوٹی کے بال نہیں مونڈھتے بلکہ پیشانی کے بال کترڈالتے ہیں۔(ت)

عالمگیریہ میں ہے:

عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنہ یکرہ ان یحلق قفاہ الاعند الحجامة[2]۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ گُدّی کے بال مونڈھنا مکروہ ہیں مگر جبکہ پچھنے لگوائے۔(ت)

مسئلہ ۱۴: مرد کو ساڑھے چار ماشے سے کم وزن کی ایک انگوٹھی ایک نگ کی جائز ہے دو یا زیادہ نگ حرام کہ زیورِ زنان ہوگیا۔ جامع الرموز وردالمحتار میں ہے:

انما یجوز التختم بالفضة لو علی ہیأة خاتم الرجال امالولہ فصان او اکثر حرم[3]۔	چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے بشرطیکہ مردانہ انگوٹھیوں کی شکل وصورت پر ہو (نیز اس کا ایک نگینہ ہو) اگر دو یا زیادہ نگینے ہوں تو حرام ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۵: چاندی کی مردانی انگوٹھی عورت کو نہ چاہئے اور پہنے تو زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔ شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں:

زنان را تشبّہ برجال مکروہ است تاآنکہ انگشتری نقرہ زنان رامکروہ است واگر بکنند باید کہ رنگ کنند بزعفران ومانند آں[4]۔	عورتوں کو مردوں سے مشابہت اختیار کرنی مکروہ ہے اور اس کالحاظ اس حد تک ہے کہ عورتوں کو چاندی کی انگوٹھی پہننی مکروہ ہے اگر کبھی اتفاقاً پہننی پڑے تو اسے زعفران وغیرہ سے رنگ لے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۱
[2] فتاوٰی ہندیة کتاب الکراہیة الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷
[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۱
[4] اشعة اللمعات شرح المشکوٰة کتاب اللباس باب الترجل مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۸۱

مسئلہ ۱۶: مرد کو عورت کی طرح چرخہ کاتنا مکروہ ہے کہ زنانہ کام ہے تشبّہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

غزل الرجل علٰی ھیأۃ غزل المرأۃ یکرہ[1]۔	کسی مرد کا عورتوں کی طرح چرخے پر سُوت کاتنا مکروہ ہے (ت)

طحطاوی میں ہے:

لمافیه من التشبه وقد لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المتشبهین والمتشابهات[2]۔	اس لئے کہ اس میں تشبّہ ہے (اور وہ ممنوع ہے) اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں سے مشابہت کرنے والے مردوں، اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے (ت)

مسئلہ ۱۷: بلاضرورت صحیحہ عورت کو گھوڑے پر چڑھنا منع ہے کہ مردانہ کام ہے، حدیث میں اس پر لعنت آئی، ابن حبان اپنی صحیح میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی اخر امّتی نساء یرکبن علی مرج کاشباہ الرجال الحدیث وفی اٰخرہ العنوھن فانھن ملعونات[3]۔ **اقول:** وکانّ مااشتھر حدیثا بلفظ لعن اللہ الفروج علی السروج[4] ماخوذ من ھذا نقلا بالمعنی۔	میری اُمت کے آخر میں کچھ ایسی عورتیں ہوں گی جو مردوں کی طرح جانوروں پر سوار ہوں گی، الحدیث، اور اس کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں: اُن عورتوں پر لعنت بھیجو کیونکہ وہ ملعون ہیں۔ (ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) گویا مشہور حدیث کے جو الفاظ ہیں وہ اسی حدیث مذکور سے نقل معنوی کے طور پر لئے گئے ہیں "اللہ تعالٰی ان فروج (شرمگاہوں) پر لعنت کرے جو زینوں (کاٹھیوں) پر سوار ہوں"۔ (ت)

مسئلہ ۱۸: مرد سیدھے ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے کہ رافضیوں کا شعار ہے۔ درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۳

[2] طحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۲۱۱

[3] موارد الظمآن باب فیما یحرم علی النساء مما یصف البشرۃ حدیث ۱۴۵۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۳۵۱

[4] اسرار الموضوعۃ حدیث ۷۱۵ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۸۵

يجعله لبطن كفه فی يده اليسری و قيل اليمنی الا انه من شعار الروافض فيجب التحرز عنه قهستانی[1] وغيره اه **اقول:** والجواز فی نفسه لاينافی وجوب الاحتراز لغيره، علی انه لم يعزه للقهستانی وحده فلعله عن غيره فاندفع مافی ش هذا وقال فی الدر بعده قلت ولعله كان وبان فتبصر[2] قال ش "ای كان ذلك من شعارهم فی الزمن السابق ثم انقطع فلاينهی عنه و فی غاية البيان قدسوی الفقيه ابوالليث فی شرح الجامع الصغير بين اليمين واليسار وهو الحق لانه قد اختلف الروايات عن رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم فی ذلك وقول بعضهم انه فی اليمين من علامات

انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ میں اس طرح پہنے کہ اس کا نگینہ ہاتھ کی اندرونی سطح کی طرف ہو۔اور یہ بھی کہا گیا کہ دائیں ہاتھ میں پہنے۔مگر یہ رویہ رافضیوں کا شعار (علامت) ہے۔ لہٰذا اس سے اجتناب ضروری ہے، قہستانی وغیرہ اھ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) کسی چیز کا بذاتہٖ جواز، احتراز لغیرہ کے وجوب کے منافی نہیں۔(وضاحت: ایک چیز بالذات جائز ہے لیکن کسی اور چیز کی بناء پر قابل ترک ہے تو ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں، لہٰذا یہ نہ کہا جائے گا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک چیز جائز بھی ہو اور منع بھی ہو، اس لئے کہ یہاں جواز وعدم جواز کی جہات بدل گئیں لہٰذا تناقض نہ پایا جائے گا کیونکہ وجود تناقض کے لئے اتحاد جہات ضروری ہے جیسا کہ کتب منطق میں مذکور ہے۔یہاں غور کیجئے اصل کے اعتبار سے انگوٹھی دونوں ہاتھوں میں پہننی جائز ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں لیکن چونکہ روافض دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے ہیں لہٰذا ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی نہ پہنے۔لہٰذا اگر وہ اس معمول کو چھوڑ دیں تو پھر دائیں ہاتھ میں بھی پہن سکتا ہے۔مترجم) اور اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب صرف علامہ قہستانی ہی کی طرف نہیں (جیسا کہ ظاہر ہے) لہٰذا یہ مسئلہ

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی اللبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۰

اهل البغی لیس بشیئ لان النقل الصحیح عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ینفی ذٰلك[1] اھ وتمامه فیه **اقول:** لیس فیه زیادة علی هذا بل ذکر روایتین بیانًا لقوله قداختلف الروایات لکن فی المرقاة عن شرح السنة للامام البغوی تحت حدیث الصحیحین عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما قال اتخذ النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خاتما من ذهب وجعله فی یده الیمنی ثم القاه الحدیث، هذا الحدیث یشتمل علٰی امرین تبدل الامر فیهما من بعد، احدهما لبس خاتم الذهب، وصار الحکم فیه ای التحریم فی حق الرجال، وثانیهما لبس الخاتم فی الیمین وکان اٰخر الامرین من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبسه فی الیسار[2] اھ وانما یؤخذ بالاٰخر فالاٰخر من فعله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔ والله تعالٰی اعلم۔

قہستانی کے علاوہ دوسرے اہل علم سے بھی منقول ہے، لہٰذا اس کی شرح "ش" میں جو کچھ کہا گیا اس کا دفاع ہوگیا ہے۔ اور پھر اس کے بعد درمختار میں ہے **اقول:** (میں مصنف درمختار کہتا ہوں) شاید یہ زمانہ سابقہ میں شعارِ روافض تھا لہٰذا اب ان کا شعار نہیں رہا (لہٰذا غور سے دیکھئے اور سوچئے) ش (شارح) نے فرمایا یعنی دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا گزشتہ زمانے میں رافضیوں کا شعار تھا اور وہ ختم ہوگیا ہے لہٰذا اب وجہ اشتباہ زائل ہوجانے کی بنا پر ممانعت نہ رہی۔ اور غایۃ البیان میں ہے کہ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح جامع صغیر میں دائیں اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کو یکساں طور پر جائز قرار دیا ہے، اور یہی حق ہے کیونکہ اس باب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے مختلف روایات مروی ہیں۔ اور بعض کا یہ کہنا کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا باغیوں کی علامت ہے اپنے اندر کچھ حقیقت اور وزن نہیں رکھتا، کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر منقول ہونا اس کی نفی کرتا۔ عبارت مکمل ہوگئی اور پوری تفصیل اس میں موجود۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں اس سے زائد نہیں، بلکہ موصوف نے دو روایتیں اپنے قول (قد اختلف الروایات) کی وضاحت کے لئے ذکر فرمائیں۔ لیکن شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری میں امام بغوی کی شرح السنۃ کے حوالے سے بخاری اور مسلم کی حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند سے مروی ہے اس کے ذیل میں

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۰

[2] مرقاة المفاتیح کتاب اللباس باب الخاتم حدیث ۴۳۸۳ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۱۷۷

	ارشاد فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سونے کی انگوٹھی بنوائی پھر اسے اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا پھر اسے پھینک دیا (الحدیث)، اور یہ حدیث دو باتوں پر مشتمل ہے، پھر اس کے بعد دونوں میں امر تبدیل ہوگیا، ان دونوں میں سے ایک یہ ہے کہ سونے کی انگوٹھی پہنی، اس میں حکم کی تبدیلی اس طرح ہوئی کہ سونا مردوں کے حق میں حرام ہوگیا، دوسری بات یہ ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری امر (طرز عمل) کتب روایات میں یہ آیا ہے) کہ آپ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی اھ (اور اصول یہ ہے کہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آخری عمل کو لیا جاتا ہے (یعنی اس پر عمل کیا جاتا ہے) اور آپ کا آخری عمل یہی ہے کہ آپ نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۹: بعض اعصار وامصار میں ایک ٹوپی لباس روافض تھی علماء نے فرمایا اس کا پہننا گناہ ہے منح الروض میں ہے:

لبس تاج الرفضۃ مکروہ کراھۃ تحریم وان لم یکن کفرا بناء علی عدم تکفیرھم لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم [1]۔	رافضیوں کی ٹوپی پہننا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ کفر نہیں، اس وجہ سے کہ ان کی تکفیر مروی نہیں (اور کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جو کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ (درحقیقت) اُن ہی میں سے ہے (ت)

مسئلہ ۲۰: یہ تو مرد و عورت کا تشبّہ تھا یا گمراہ سے پھر معاذ اللہ اس کی خباثت کا شمار جس میں کفّار سے تشبّہ ہو، ائمہ دین نے فرمایا بلا ضرورت شرعیہ مجوس کی ٹوپی پہننی کفر ہے اگرچہ ہنسی سے پہنے اور اگر کوئی پہنے اور اس پر اعتراض ہو تو کہے، دل مستقیم چاہیے کپڑا کسی وضع کا ہو، وہ کافر ہوجائے گا کہ اس نے احکام شریعت کو رَد کیا۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

اذا وضع قلنسوۃ مجوس علی راسہ الاصح انہ یکفر [2]۔	جب کوئی شخص اپنے سر پر آتش پرستوں کی ٹوپی رکھے تو زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہوجائے گا۔ (ت)

ملتقط پھر منح الروض میں ہے:

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

[2] خزانۃ المفتین فصل فی الالفاظ الکفر قلمی نسخہ ۱/ ۲۰۱

لبس قلنسوة المجوس جادا اوهازلا یکفر الا اذا فعل خدیعة فی الحرب[1]۔	آتش پرستوں کی ٹوپی پہنی خواہ سنجیدگی سے ایسا کیا خواہ ہنسی مذاق سے۔دونوں صورتوں میں کافر ہوگیا مگر جبکہ جنگ میں کفار کو فریب دینے کے لئے ایسا کیا(ت)

اسی میں فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی سے ہے:

من وضع قلنسوة المجوس علی راسه فقیل له فقال ینبغی ان یکون القلب سویا کفر "قال"ای لانه ابطل حکم ظواهر الشریعة[2]۔	جس نے اپنے سر پر آتش پرستوں کی ٹوپی رکھی،پھر اس سے کہا گیا(تو نے ایسا کیوں کیا)تو اس نے کہا دل سیدھا ہونا چاہئے۔تو وہ کافر ہوگیا فرمایا(یعنی اس کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ)اس نے ظاہر شریعت کے حکم کو باطل قرار دیا اور اس کا رَد کیا۔(ت)

مسئلہ ۲۱: وضع کفار کی ٹوپی،الگ رومال اس شکل پر بنا کر سر پر رکھنا بھی حرام ہے یہاں تک کہ بعض ائمہ نے اس صورت میں حکم کفر دیا۔جامع الفصولین میں ہے:

جعل مندیله یشبه قلنسوة المجوسی ووضعه علی راسه کفر،لاعندا کثرهم[3]۔	آتش پرستوں کی ٹوپی کے مشابہ رومال بنا کر اپنے سر پر رکھا تو ائمہ کرام کے نزدیک کافر ہوگیا لیکن اکثر ائمہ کے نزدیک ایسا نہیں۔(ت)

مسئلہ ۲۲و۲۳: ماتھے پر قشقہ تِلک لگانا یا کندھے پر صلیب رکھنا کفر ہے،

وفی منح الروض،لووضع الغل علی کتفه فقد کفر اذا لم یکن مکرها[4] وفیه عن الملتقط،اخذ الغل جادا اوهازلا یکفر الا اذا فعل خدیعة فی الحرب[5] اھ **اقول:** وهذا	منح الروض میں ہے اگر کسی نے اپنے کندھے پر زنجیر(صلیب)رکھی تو کافر ہوگیا بشرطیکہ مجبور نہ کیا گیا ہو،اور اسی(منح الروض)میں فتاوٰی ملتقط کے حوالے سے ہے۔زنجیر خواہ سنجیدگی سے رکھی یا ہنسی مذاق سے،دونوں صورتوں میں کافر

---

[1] منح الروض الازہر شرح فقه الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵

[2] منح الروض الازہر شرح فقه الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵

[3] جامع الفصولین الفصل الثامن فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۲

[4] منح الروض الازشرح فقه الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵

[5] منح الروض الازہر شرح فقه الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵

شیئ لایعرف فی دیارنا ولفظ جامع الفصولین وضع صلیبا علی کتفه کفر[1] اھ وھذا واضح فلعل مافی المنح تصحیف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوگیا مگر یہ کہ جنگ میں کفار کو مغالطہ دینے کے لئے ایسا کیا (تو گنجائش ہے) اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) (غل کے معنی زنجیر ہیں) اور یہ اس معنی میں ہمارے شہروں میں متعارف نہیں۔ اور جامع الفصولین کے الفاظ یہ ہیں "کسی نے اپنے کندھے پر صلیب رکھی تو بلاشبہ کافر ہوگیا اور یہ واضح ہے، لہٰذا منح الروض میں جو کچھ مذکور ہوا وہ کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴: زنّار باندھنا کفر ہے۔ منح الروض میں ہے:

لوشد الزنار علی وسطه فقد کفر ای اذالم یکن مکرھا[2]۔	اگر کسی نے اپنی کمر پر زنّار (علامت کفر کا دھاگہ) باندھا تو بیشک کافر ہوگیا بشرطیکہ اس پر زبردستی نہ کی گئی ہو۔ (ت)

اسی میں ملتقط سے ہے:

شدالزنار جادا اوھازلا یکفر الا اذافعل خدیعة فی الحرب[3]۔	زنّار باندھا خواہ سنجیدگی سے ایسا کیا یا ہنسی مذاق سے، تو کافر ہوگیا مگر جبکہ جنگ میں دشمن کو دھوکے میں ڈالنے کے لئے ایسا کیا (تو کسی قدر گنجائش ہے) (ت)

اسی میں محیط سے ہے:

ان شدالمسلم الزناروا دخل دار حرب للتجارة کفر[4]۔	اگر کسی مسلمان نے زنّار گلے میں باندھا اور دار حرب (دار کفر) میں کاروبار کے لئے گیا تو کافر ہوگیا۔ (ت)

اسی طرح جامع الفصولین وخزانۃ المفتین میں ہے اشباہ والنظائر میں ہے:

عبادۃ الصنم کفروکذا لو تزنر بزنار الیهود والنصارٰی دخل کنیستهم	بُت کی پرستش کفر ہے، اور اسی طرح حکم کفر ہے اگر کسی نے یہودیوں یا عیسائیوں کا زنّار گلے میں باندھا

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۲
[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵
[3] منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵
[4] منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص۱۸۵

اولم یدخل[1]۔	(تو اس حرکت سے کافر ہوجائے گا) خواہ ان کے گرجے میں جائے یا نہ جائے۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

یکفر بشد الزنار فی وسطہ الااذا فعل ذٰلك خدیعۃ فی الحرب وطلیعۃ للمسلمین[2]۔	کمر میں زنّار باندھنے سے کافر ہوجائے گا مگر جبکہ جنگ میں کفار کو مغالطہ اور دھوکا دینے کے لئے ایسا کرے یا لشکر اسلام سے کفار کے حالات معلوم کرنے کے لئے پہلے جائے (اور زنّار باندھ لے)۔(ت)

مسئلہ ۲۵: زُنّار بھی نہیں کوئی رسّی کا ٹکڑا کمر سے باندھا کسی نے کہا یہ کیا ہے، کہا زنار۔ کافر ہوجائے گا۔ خلاصہ وعالمگیریہ وبزازیہ وظہیریہ وجامع الفصولین وخزانۃ المفتین وغیرہ میں ہے:

امرأۃ شدت علی وسطہا حبلا وقالت ھذا زنار تکفر[3]۔	کسی عورت نے اپنی کمر میں کوئی رسی باندھی (تو اس سے پوچھا گیا یہ کیا ہے؟) اس نے جواب دیا یہ زنّار ہے تو وہ کافرہ ہو جائے گی۔(ت)

ظہیریہ ومنح الروض میں ہے: وحرم الزوج[4] (اس عورت پر شوہر حرام ہوگیا یعنی وہ نکاح سے نکل گئی۔ت) یہاں تو خود اس چیز ہی میں مشابہت صوری میں کتنا فرق ہے مگر نام رکھنے سے کفر آیا تو جہاں صورت ونام سب موجود حکم تشبہ کیونکر مفقود۔ بالجملہ ایک بات میں تشبّہ کو اور باتوں میں تشبّہ نہ ہونے سے مندفع جاننا ہرگز کام نہیں مگر مجنوں یا بددین کا، نہ کہ زید کا ادعاء باطل، جس کا حاصل یہ کہ سو باتیں تشبّہ کی ہوں ایک نہ ہو تو تشبّہ نہ رہے گا، ایسوں کی نگاہ میں شریعت مطہرہ کی تو جو قدر ہوتی ہے بدیہی ہے مگر انسانی عقل وتہذیب کو بھی رخصت کردیا، کیا زید کے سے مسلک والا بشرطیکہ مجنون نہ ہو گوارا کرے گا کہ سر سے پاؤں تک زنانہ لباس انگیا، کُرتی، کلیوں دار پاجامے، ہاتھ پاؤں میں مہندی رچائے صرف ٹوپی سر پر رکھ لے تشبّہ نہ رہا، کہ ادنٰی فرق دفع تشبّہ کے لئے کافی ہے بلکہ ٹوپی کی بھی کیا حاجت ہے اس زنانے کپڑے کے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر باب الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵
[2] بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۳
[3] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ خلاصہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۷
[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۵

ساتھ بنت کادوپٹہ بھی سرپر اوڑھئے اور چوٹی بھی گندھوئیے، منہ کی مونچھیں ہی دفع تشبّہ کو بس ہوں گی حالانکہ ہر عاقل ایسے شخص کو زنانہ جانے گا بلکہ اگر تمام لباس مردانہ ہو ہتھیار لگائے گھوڑے پر سوار ہو اور بات کرے ناک پر انگلی رکھ کر تو یقیناً تمام عقلاء اس پر ہنسیں گے اور اسے زنانہ کہیں گے، اس ایک ہی بات کے آگے وہ تمام لباس وسلاح واسپ کام نہ دیں گے، جس وضع کفار میں وہ جھوٹی تاویلیں سوجھیں کیا یہ حرکت کرنا بھی قبول کرے گا کہ آخر کافر سے تشبہ، عورت سے تشبّہ پر خبث وشناعت میں ہزار درجہ فائق ہے۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت فرمائے۔ آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

حقہ وپان

مسئلہ ۲۳۰تا۲۳۲: از مظفر نگر کھاتولی مسئولہ اختر میاں محرر بروز شنبہ تاریخ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھاتولی میں ایک مولوی صاحب مقیم ہیں، حقہ اور پان دونوں استعمال کرتے ہیں اور دونوں کو جائز جانتے ہیں اور سر پر پان کھلوانا جائز بتلاتے ہیں۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس کا حکم قرآن وحدیث سے مفصل ومدلل تحریر فرمایئے گا۔

الجواب:

(۱و۲) پان بلاشبہہ جائز ہے اور زمانہ حضرت شیخ العالم فرید الدین گنج شکر وحضرت سلطان المشائخ نظام الملۃ الدین علیہما الرضوان سے مسلمانوں میں بلانکیر رائج ہے، حقہ کا دم لگانا جس طرح جہّال وقت افطار کرتے ہیں جس سے حواس صحیح نہیں رہتے حرام ہے اور کثیف اور بدبو رکھا جائے تو مکروہ تنزیہی، جیسے کچا لہسن اور پیاز، ورنہ مباح خالص ہے۔

(۳) سر پر پان کھلوانا بھی جائز ہے جبکہ پیشانی کے بال باقی رکھے جائیں، ہندیہ میں ہے:

ولابأس للرجل ان یحلق وسط راسه[1]۔	کوئی حرج نہیں کہ مرد اپنے سر کی چوٹی (سنٹر) مونڈ ڈالے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب التاسع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۷

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ حافظ عبدالمجید صاحب از قصبہ تحصیل سوار خاص علاقہ ریاست رامپور بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شاہ مولانا عبدالحق صاحب اور اصحاب کہف کا جو توشہ ہوتا ہے اس میں حقہ پینے والوں کو اگر شریک کرلیا جائے تو کیا قباحت لازم آئے گی اور حقہ پینا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب:

حُقّے تین قسم ہیں، ایک وہ جس طرح جہّال رمضان شریف میں افطار کے وقت دم لگاتے ہیں جس سے آنکھیں چڑھ جاتی ہیں حواس متغیر ہوجاتے ہیں وہ حرام ہے، حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسکر ومفتر [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور جسم میں سستی پیدا کرنے والی چیز کے استعمال سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

دوسرا وہ جسے بے احتیاط لوگ پیتے ہیں جن کے تازہ ہونے کا اہتمام نہ ہو اور تمبا کو کثیف وبدبو ہو وہ مکروہ تنزیہی وخلاف اولٰی ہے جیسے کچا لہسن اور کچی پیاز، درمختار میں ہے:

الحاقا بالثوم والبصل [2]۔	اس کو کچے لہسن اور پیاز کے ساتھ الحاق کیا گیا لہٰذا دونوں کا ایک حکم رکھا گیا (ت)

تیسرا وہ کہ اسے بدبو سے بچایا جائے اور کسی منکر شرعی پر مشتمل نہ ہو وہ مباح خالص ہے،

قال اللہ تعالٰی: "خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا" [3]۔	(وہی اللہ تعالٰی ہے کہ) جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا فرمایا جو زمین میں موجود ہے۔ (ت)

توشہ اصحاب کہف میں حقہ نہ پینے کی کوئی شرط نہیں البتہ توشہ حضرت شاہ عبدالحق ردولوی قدس سرہ العزیز میں یونہی معمول ہے کہ حقہ پینے والے کو نہ دیا جائے اس میں کوئی حرج نہیں،

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳

[2] درمختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی ۲/ ۲۶۱

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

نہ اس سے حقہ پینے کی مطلقا مذمت ثابت ہوتی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ایک صاحبزادی کے دفن میں فرمایا ان کی قبر میں وہی اترے جو آج کی رات اپنی عورت کے پاس نہ گیا ہو"۔اس سے اپنی عورت کے پاس جانے کی مذمت ثابت نہیں ہوتی، یہ مصالح خاصہ ہیں جن کے اسرار اہل باطن جانتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ عبدالستار بن اسمٰعیل رضوی بروز شنبہ ۱۷ رجب ۱۳۳۴ھ

تمباکو کا کھانا پان میں یا یوں ہی بلا پان کے جائز ہے یا نہیں، تمباکو خالص ہو یا خوردنی خوشبودار جو لکھنؤ میں بنتا ہے؟

الجواب:

تمباکو اور حقہ کا ایک حکم ہے، جیسا وہ حرام ہے یہ بھی حرام ہے اور جیسا وہ جائز ہے یہ بھی جائز، بدبو ہے تو باکراہت ورنہ بلا کراہت۔ فقط ایک فرق ہے جو لوگ غیر خوشبودار تمباکو کھاتے ہیں اور اسے منہ میں دبا رکھنے کے عادی ہیں ان کا منہ اس کی بدبو سے بس جاتا ہے کہ قریب سے بات کرنے میں دوسرے کو احساس ہوتا ہے اس طرح تمباکو کھانا جائز نہیں کہ یہ نماز بھی یوں ہی پڑھے گا اور ایسی حالت سے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ بخلاف حقہ کے کہ اس میں کوئی جرم منہ میں باقی نہیں رہتا اور اس کا تغیر کلیوں سے فوراً زائل ہو جاتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۵: مسئولہ معرفت آدم جی سیٹھ اثم بیگ گونڈل اور کاٹھیاواڑ شنبہ یکم شعبان ۱۳۳۴ھ

حقہ، چروٹ، بیڑی کا پینا کیسا ہے؟

الجواب:

چرٹ بوجہ نصارٰی مکروہ ہے اور بیڑی میں حرج نہیں اور حقہ جیسا عام طور پر رائج ہے مباح اور ترک اولٰی۔

مسئلہ ۲۳۶: از توپخانہ بازار کمپ مسئولہ محمد حسین ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسافر پانی پت کرنال سے آیا ہے وہ یہ کہتا ہے کہ حقّہ پینا اور پان کھانا حرام ہے، جو شخص حقہ پیئے گا اور پان کھائے گا اس کے مکان کا آٹا تک نہیں کھائیں گے جنہوں نے کھانا چھوڑ دیا وہی لوگ جماعت میں شریک ہوتے ہیں اور دوسروں کو نہیں ہونے دیتے وہ یہ کہتے ہیں علیحدہ اپنی نماز پڑھ لو، ظہر کے وقت جماعت تیار تھی میں نے وضو کرکے جماعت میں شامل ہونا چاہا مجھ کو منع کر دیا اور یہ کہا کہ اپنی نماز علیحدہ پڑھ لو میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی، عصر کا وقت ہوا جب بھی جماعت

تیار تھی اس وقت بھی منع کردیا گیا۔

الجواب:

پان بیشک حلال ہے، حضرت محبوب الٰہی نظام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ ان سے پہلے اولیاء کرام نے اس کا استعمال فرمایا ہے، حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی مدح فرمائی اس میں چونے کا جواز کتاب نصاب الاحتساب میں مصرح ہے، حقہ کا جواز غمز العیون وشرح ہدیہ ابن العماد وکتاب الصلح بین الاخوان ودر مختار وطحطاوی وردالمحتار وغیرہ کتب معتمدہ میں مصرح ہے، حلال کو حرام کہنا اس شخص کی بڑی جرأت اور یہ کہ پان کھانے والا یا حقہ پینے والا جماعت میں شریک نہ ہو اس کا ظلم شدید بلکہ ضلال بعید ہے وہ اسے حکم شرع ٹھہرا کر شرع مطہر پر افتراء کرتا ہے اور اللہ پر افتراء کرنے والا عذاب شدید کا مستحق ہے، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ "[1]	جو کچھ تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، اس کے متعلق یہ نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام، تاکہ تم اللہ تعالٰی کے ذمے جھوٹ لگاؤ، بے شک جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں یعنی اس کے ذمے جھوٹ لگاتے ہیں وہ کبھی کامیاب اور بامراد نہیں ہوسکتے۔(ت)

اس پر توبہ فرض ہے، اگر توبہ نہ کرے اور اپنے ان احوال وحرکات سے باز نہ آئے تو وہی اس کا مستحق ہے کہ مسلمان اسے مسجد میں نہ آنے دیں۔ درمختار میں ہے:

وکذا یمنع منہ کل موذ ولوبلسانہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اسی طرح ہر تکلیف دینے والے کو خواہ زبانی ہی ہو اسے مسجد روک دینا چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۷تا۲۴۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) حقہ جائز ہے یا نہیں؟ مولوی پاک بتلاتا ہے۔

(۲) تصویر کار کھنا بنانا جائز ہے یا نہیں اور جائز کرنے والے پر کیا حکم ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۴

(۳) گانا سننا جائز ہے یا نہیں؟ مزامیر باجے کے ساتھ یا شادی یا سنت (ختنہ) وغیرہ میں جائز ہے یا نہیں یعنی بچہ کی سنت وغیرہ میں؟

(۴) ایک مولوی پیش امام نے یہ فتوی دیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے پیشاب کیا تھا اور جائز ہے۔

(۵) تعزیہ داری جائز ہے یا نہیں؟ اور ایک مولوی نے ان سب کو جائز کر دیا ہے۔

الجواب:

(۱) حقہ جائز ہے مگر دَم لگانا جس سے حواس میں فرق آتا ہے حرام ہے، حقہ کا پانی شریعت کے نزدیک پاک ہے اسے ناپاک کہنے والا شرع پر افترا کرتا ہے۔

(۲) جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے، جو اسے جائز کہے شریعت پر افتراء کرتا ہے گمراہ ہے مستحق تعزیر وسزائے نار ہے رکھنا تین صورتوں میں جائز ہے: ایک یہ کہ چہرہ کاٹ دیا ہو یا بگاڑ دیا ہو۔ دوسرے یہ کہ اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھیں تو اعضاء کی تفصیل نظر نہ آئے۔ تیسرے یہ کہ خواری وذلت کی جگہ پڑی ہو جیسے فرش پا انداز میں ورنہ رکھنا بھی حرام، ہاں غیر جاندار مثل درخت ومکان کی تصویر کھینچنا رکھنا سب جائز ہے۔

(۳) مزامیر حرام ہیں، بغیر باجے کے سادہ گانا سنت وغیرہ کی شادی میں جائز ہے جبکہ نہ اندیشہ فتنہ ہو نہ خفیف الحرکاتی۔

(۴) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا بدتہذیبی وبے ادبی وسنت نصرانی ومکروہ ومنع ہے، حضور اقدس نے ایک بار درد کے عذر سے ایسا کیا وہ بھی بڑے اہتمام کے ساتھ، اور صریح حدیث میں اسے منع فرمایا۔

(۵) تعزیہ داری ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: از بیکانیر مارواڑہ محلّہ مہاوتان مرسلہ قاضی قمرالدین ۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پان کھانا سنت ہے یا کیا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

پان کھانا نہ سنت ہے نہ مستحب صرف مباح ہے، ہاں بعض عوارض خارجیہ کے باعث مستحب ہوسکتا ہے جیسے نہ کھانے میں میزبان کی دل شکنی ہو یا بوسہ زوجہ کے لئے منہ کو خوشبودار کرنے کی نیت سے

بلکہ واجب بھی جیسے ماں باپ حکم دے اور نہ ماننے میں اس کی ایذا ہو یونہی عارض کے سبب مکروہ بھی ہو سکتا ہے جیسے تلاوت قرآن مجید میں بلکہ حرام بھی جیسے نماز میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۳: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور نعمت شاہ خاکی بوڑاہ

پان، چونا اور حقہ اور تمباکو اور سرتی کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

پان کھانا جائز ہے اور اُتنا چونا بھی کہ ضرر نہ کرے اور اتنا تمباکو بھی کہ حواس پر اثر نہ آئے، یہاں سرتی تمباکو ہی کو کہتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

تصویر

مسئلہ ۲۴۴: از پیلی بھیت ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہر مسلمان کاریگر شبیہ شکر کی حلال جانور اور حرام جانور کی بناتے ہیں نیز شبیہ مسجد جامع دہلی کی بناتے ہیں۔ کس شبیہ کا بنانا جائز ہے اور کس تصویر کا کھانا جائز و ناجائز ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اشد الناس عذابا یوم القیمۃ المصورون۔ اخرجہ احمد[1] ومسلم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سب سے زیادہ سخت عذاب روز قیامت ان پر ہوگا جو جاندار کی تصویر بناتے ہیں (امام احمد اور مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج فرمائی ہے۔ت)

اور اس کی خرید وفروخت بھی جائز نہیں یہاں تک کہ علماء فرماتے ہیں: جو تصویر دار کپڑے بنائے بیچے اس کی

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۶، صحیح مسلم کتاب اللباس، باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱

گواہی مردود ہے۔

فی الهندیة عن المحیط عن الاقضیة اذا کان الرجل یبیع الثیاب المصورة اوینسجها لاتقبل شهادته[1]۔	فتاوٰی ہندیہ میں محیط عن الاقضیہ کے حوالے سے منقول ہے کہ جب کوئی شخص تصویروں والے کپڑے بنائے یا بیچے تو اس کی گواہی نامقبول ہے۔(ت)

اور حرام جانور کی تصویر میں ایک شنیع وبد نسبت ہے جو کھانے والے کی طرف ہوگی کہ اہل عرف تصویر کو اصل ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں تو مثلاً تصویر کا کتا کسی نے کھایا تو اسے بھی کہا جائے گا کہ فلاں شخص نے کتا کھایا، آدمی کو جیسے بُرے کام سے بچنا ضرور ہے یونہیں برے نام سے بھی بچنا چاہئے۔ غیر جاندار کی تصویر بنانی اگرچہ جائز ہے مگر دینی معظم چیز مثل مسجد جامع وغیرہ کی تصویروں میں انہیں توڑنا اور کھانا خلاف ادب ہوگا اور وہی بری نسبت بھی لازم آئے گی کہ فلاں شخص نے مسجد توڑی مسجد کو کھالیا اور ان سب باتوں سے خالی ہو تو کفار کے تہواروں ان کے بیہودہ رسم میں ایک طرح کی شرکت ہے جس سے شرعاً اجتناب کا حکم، بلکہ اگر معاذاللہ یہ چیزیں خریدنا کھانا خاص بہ نیت دوالی منانے کے ہو تو حکم نہایت سخت ہے اور نرے کھانے پینے کی نیت سے ہو جب بھی ان ایام میں احتراز چاہیے، ہاں دوالی سے پہلے یا ختم کے بعد ایسی چیزوں کی تصویر جو جاندار نہ ہوں نہ ان کے توڑنے یا کھانے سے کوئی مکروہ نسبت لازم آئے بنائیں بیچیں خریدیں کھائیں تو کچھ حرج نہیں۔

فی الدر المختار لواهدی لمسلم ولم یرد تعظیم الیوم بل جری علی عادة الناس لایکفر وینبغی ان یفعله قبله اوبعده نفیاً للشبهة ولو شری فیه مالم یشتره قبله ان اراد تعظیمه کفر وان اراد الاکل و الشرب التنعیم لایکفر زیلعی[2] اھ وفی ردالمحتار عن	درمختار میں ہے اگر کسی مسلمان نے تحفہ وہدیہ دیا (اگر کسی مسلمان کو ہدیہ دیا گیا) لیکن ہندو تہوار کی تعظیم کا ارادہ نہ کیا بلکہ لوگوں کی عادت کے مطابق ایسا ہوا تو کافر نہ ہوگا۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ یہ کام تہوار سے پہلے یا بعد میں کرے تاکہ شبہہ نہ ہونے پائے اور اگر اس نے ہندو تہوار والے دن کچھ خریدا جو پہلے نہیں خریدا تھا تو اگر اس نے تعظیم کا ارادہ کیا تو کافر ہوگیا، اور محض کھانے پینے اور عیش وعشرت کا ارادہ کیا تو کافر نہ ہوگا، زیلعی اھ، فتاوٰی شامی میں

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۶۹

[2] درمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۰

جامع الفصولین، الاولی للمسلمین ان لایوافقوا ھم علی مثل ھذہ الاحوال لاظہار الفرح والسرور [1] اھ ذکرہ فی حق دعوۃ اتخذھا مجوسی لحلق راس ولدہ، قلت ولیس ذٰلك شیئا من رسوم مذھبھم الباطل فما کان کذٰلك کان اولی بالاجتناب واجدرو الامر واضح لاینکر۔	جامع الفصولین کے حوالے سے منقول ہے کہ مسلمانوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ان حالات میں خوشی اور سرور کا اظہار کرتے ہوئے غیر مسلموں کی موافقت ہرگز نہ کریں اھ، اس کو اس دعوت کے حق میں ذکر فرمایا جو کسی مجوسی نے اپنے بچہ کے سرمنڈوانے کے موقع پر کی ہو۔ میں کہتاہوں کہ ان کے باطل مذہب کی رسومات میں سے کوئی چیز نہ ہو، پھر بھی جو اس طرح کاکام ہو اس سے بھی بچنازیادہ بہتر اور زیادہ مناسب ہے اور معاملہ واضح ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (ت)

یوہیں ان ایام کے قبل یا بعد حلال جانور کی تصویر اگر خودنہ خریدی بلکہ دوسرے نے دی تواس کے کھانے میں بھی مضائقہ نہیں،

فان البأس فی اتخاذہ واشترائہ فاذا عدمالم یبق الا اعدامہ وھو مطلوب لامھروب کما لایخفی واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	کیونکہ حرج تصویر بنانے اور خریدنے میں ہے۔ جب یہ دونوں کام نہ ہوں تو صرف اعدام یعنی نہ ہونا باقی رہے گا اور وہی مطلوب ہے نہ کہ مہروب یعنی اس سے بھاگا جائے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے اور اس بڑی بزرگی والے کا علم زیادہ کامل اور پختہ ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۵: از ملاحسن پیشاوری ۲ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ از جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امتناع تصاویر مطلقہ بہ ثوت رسیدہ است یا مقید یعنی کامل یا ناقص کہ عکسی ودستی مشہورست	علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیافرماتے ہیں کہ جناب سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تصویروں کا مطلق ممنوع ہوناثابت ہے یا نہیں؟

[1] ردالمحتار مسائل شتّٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۱

جابجادریں امر معارضہ ومباحثہ بوقوع رسیدہ بعضے می گویند کہ مطلق تصویر ممنوع ست وبعضے میگویند کہ تصویرے کہ مثل سایہ برکاغذ یابردیوار کشیدہ شدہ باشد ودستی نباشد وسطح نیز ہموار باشدآں تصویر کشیدن وباخودداشتن جائزست وانچہ جسم می دارد واز ہیزم وآہن ساختہ باشد کہ سطح آں ہموار نباشد جائز نباشد ونگاہ داشتن آں نیزممنوع غیر مشروع ست۔ **بیّنوا توجروا۔**

یا مقید تصویریں یعنی کامل یا ناقص، عکسی یا دستی ممنوع ہیں یا نہیں؟ جگہ جگہ تصاویر سازی کے متعلق مقابلے، ان کی نمائش اور مباحثوں تک نوبت پہنچ چکی ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بلاقید مطلق تصویر منع ہے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ جو تصویر سایہ کی طرح کاغذ یادیوار پر بنائی گئی ہو اور ہاتھ سے بنی ہوئی نہ ہو اور اس کی سطح بھی ہموار اور برابر ہو ایسی تصویر کھینچنا اور اپنے پاس رکھنا جائز ہے لیکن وہ تصویر جو جسم رکھتی ہو مٹی، لکڑی یا لوہے سے بنائی گئی ہو اس کی سطح ہموار اور برابر نہ ہو وہ جائز نہیں پس اس کا محفوظ رکھنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ بیان فرماؤ اجر پاؤ (ت)

الجواب:

صورت گری مطلقًا حرام ست سایہ دار باشد یا بے سایہ دستی باشد یا عکسی، درزمان برکت نشان سیدالانس والجان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر دوگانہ تصویرے ساختند ہم مجسم وہم مسطح ودراحادیث از مطلق صورت گری نہی اکید وبرصنعت او وعید شدید بے تخصیص وتقیید ورود یافت پس جمیع اقسام او زیر منع درآمد تصویر بے سایہ را رواداشتن مذہب بعض روافض ست وبس، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا وسادہ باتصویر خرید سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملاحظہ فرمود درون خانہ قدم مبارک نہ نہاد ام المومنین چوں اثر خشم وملال درچہرہ باجمال محبوب ذی الجلال صلی اللہ تعالٰی علیہ

کسی جاندار کی تصویر بنانا بغیر کسی قید اور شرط کے حرام ہے خواہ سایہ دار ہو یا بے سایہ خواہ ہاتھ کی بنی ہوئی ہو یا محض عکس ہو۔ آقائے انس وجان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ بابرکت میں لوگ دونوں قسم کی تصاویر بنایا کرتے تھے جو مجسمات کی صورت میں یا محض عکس اور سایہ کی صورت میں ہوتی تھیں چنانچہ احادیث میں مطلق تصویر سازی پر نہی اور بغیر کسی تخصیص وتقیید کے سخت وعید وارد ہوئی ہے لہٰذا تصویر کی تمام اقسام ممانعت میں داخل ہیں، اور بے سایہ تصویر کو جائز قرار دینا صرف بعض روافض کا مذہب ہے چنانچہ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ایک دفعہ تصویر والا تکیہ خرید لائیں اور سیدالانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے

وسلم می بیند برخود ہمچو بیدمی لرزد وعرضہ می دارد یارسول اللہ **اتوب الی اللہ والٰی رسولہ ماذا اذنبت** یارسول اللہ من توبہ می کنم بسوئے خداورسول خداچہ گناہ کردم سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود **ان اصحاب ھٰذہ الصور یعذبون یوم القیٰمۃ ویقال لھم احیوا ماخلقتم وقال ان البیت الذی فیہ الصور لاتدخلہ الملٰئکۃ** ایں صورتگراں روز قیامت عذاب کردہ شوندوایشاں راگفتہ شود کہ زندہ کنند انچہ آفریدہ اید وفرمودہ خانہ کہ دروتصویر ست فرشتگان درودر نیایند **اخرجہ الشیخان**[1] **عنہا** رضی اللہ **تعالٰی عنہا** پیداست کہ انچہ بروسادہ باشد ہمیں تصویر منقوش وبے سایہ است نہ منحوت ومجسم،لاجرم علماء بتحریم مطلق تصریح فرمودہ اند مولاناعلی قاری علیہ الرحمۃ الباری درمرقات فرمود **قال اصحابنا وغیرھم من العلماء تصویر صورۃ الحیوان حرام شدید التحریم وھو من الکبائر لانہ متوعد علیہ**

گھرمیں تشریف لاتے ہی دیکھ لیاتوآگے جانے سے قدم مبارک روک لئے،ام المومنین نے رب ذوالجلال کے محبوب مکرم کے چہرہ مقدس پرغصے اورناراضگی کے اثرات دیکھے توبید کے درخت کی طرح لرزنے اور کانپنے لگیں اور عرض کرنے لگیں اے اللہ کے رسول! میں اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کونسی خطاہوئی ہے؟ یا رسول اللہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع لاتی ہوں میں نے کون ساقصور کیا؟ سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یقینا تصویرساز قیامت کے دن عذاب دیئے جائیں گے اور ان سے کہاجائے گا کہ اپنی بنائی ہوئی تصویروں میں جان (روح) ڈالو۔اور ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔بخاری ومسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کو روایت کیاہے ظاہر ہے کہ تکیہ پر تصویر تھی وہ عکسی اور نقاشی ہی ہوگی نہ کہ تراشیدہ مجسّمہ۔بلاشبہ اہل علم نے بلاقید مطلق تصویر کے حرام ہونے کی صراحت فرمائی ہے،چنانچہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ میں فرمایاہمارے اصحاب اور دیگر علماء کرام نے فرمایا حیوانات کی تصویربنانا شدید حرام ہے اور یہ کبیرہ گناہوں میں شامل ہے کیونکہ اس پر شدید وعید

---

[1] صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱،صحیح البخاری کتاب البیوع باب التجارۃ فیمایکرہ لبسہ للرجال والنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۳

بھٰذا الوعید الشدید المذکور فی الاحادیث سواء صنعه فی ثوب اوبساط اودرھم اودینار او غیرذٰلك [1]علامہ شامی دررد المحتار فرماید فعل التصویر غیرجائز مطلقا لانه مضاھاۃ لخلق اللّٰه تعالٰی[2] ہمدران از بحر الرائق ست صنعته حرام بکل حال لان فیه مضاھاۃ لخلق اللّٰه تعالٰی وسواء کان فی ثوب اوبساط اودرھم و اناء وحائط وغیرھا[3] وچوں علت تحریم مشابہت بخلق الٰہی ست تفاوت نمی کند کہ بخامہ کشند یا عکس را منطبع سازند زیرا کہ علت ہمہ جا حاصل ست سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرمود اشدالناس عذابا یوم القیٰمة الذین یضاھون بخلق اللّٰه تعالٰی روز قیامت درسخت عذاب آناں باشند کہ مشابہت می کنند باآفرینش خداوند عزوجل	آئی ہے جواحادیث میں مذکور ہے خواہ کسی کپڑے پر تصویر بنائی جائے، کسی بچھونے پر بنائی جائے یا درہم ودینار اور سکے پر بنائی جائے یاان کے علاوہ کسی بھی اور چیز پر تصویر کشی ناجائز، حرام اور شریعت کی خلاف ورزی کاارتکاب ہے۔علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں تصویر بنانا مطلقاً جائز نہیں اس لئے کہ یہ اللہ تعالٰی کی تخلیق سے مشابہت ہے۔اسی میں بحر الرائق سے نقل ہے کہ تصویرسازی ہر حال میں حرام ہے کیونکہ اس میں تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے،خواہ یہ کام کپڑے پر ہو یا کسی اور چیز پر مثلاً بچھونا،درہم دینار،برتن، دیوار اورکاغذ وغیرہ۔جب حرام ہونے کی علت اوروجہ بناوٹ الٰہی کے ساتھ مشابہت ہے تواس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ قلم سے تصویر بنائی جائے یاعکسی چھاپ سے، کیونکہ یہ علت سب جگہ موجود ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب پانے والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالٰی کی تخلیق سے مشابہت کرتے تھے۔قیامت کے دن سخت عذاب والے وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالٰی کی صفت پیدائش(بناوٹ) سے

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس باب التصاویر مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۶۶،مرقاۃ المفاتیح شرح المشکوٰۃ کتاب اللباس باب من لم یدخل شیئا مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۸۸۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۷

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

رواہ الائمۃ احمد والبخاری[1] ومسلم والنسائی عن اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا عبارات ردالمحتار حالا گزشت وہمدر انست علّۃ حرمۃ التصویر المضاھاۃ لخلق اللہ تعالٰی وھی موجودۃ فی کل ماذکر[2] ایں حکم تصویر گری وصورت کشی ست اما تصویر پیش خود یا درخانہ نگاہداشتن ایں جا تفصیل ست تحریم ومنع اورابچند شرط مشروط کردہ اند کہ اگرھمہ بہم آید نگاہداشتن ناروا باشد ورنہ جائز، یکے آنکہ صورت جاندار بحالت جانداری باشد نہ چنانکہ بدیدن نفس صورت بیجان بودنش پیدا بود چنانکہ تصویر چہرہ بخلاف آنکہ دست یاپائے چشم یابینی یاگوش ندارد کہ عدم اینہا موجب خروج ازاعضائے ظاہریہ ازسرنساختہ اند یاساختہ راقطع یا محونمودہ اند نگاہداشتنش روا باشد۔ دوم آنکہ تصویر درنہایت صغروباریکی نباشد بحدیکہ اگر برزمین نہادہ استادہ بیند

مشابہت کرتے رہے۔ ائمہ کرام مثلاً حضرت امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے اس کو ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے، ابھی ردالمحتار کی عبارات گزری ہیں اور اسی میں یہ بھی ہے کہ تصویر کے حرام ہونے کی علت تخلیق الٰہی سے مشابہت ہے، اور یہ علت تمام مذکورہ صورتوں میں موجود ہے اور یہ حکم تصویر سازی اور تصویر کشی کے بارے میں ہے۔ تصویر اپنے سامنے اور روبرو رکھنے اور اپنے گھر میں محفوظ کرنے وغیرہ کے بارے میں کچھ تفصیل ہے۔ تصویر کے حرام ہونے کو اہل علم حضرات نے چند شرائط کے ساتھ مشروط کیا ہے اگر سب جمع ہوں تو پھر اس کا حفاظت سے رکھنا ناجائز ہے ورنہ جائز۔ (۱) زندہ چیز کی تصویر اس کی زندگی کی حالت میں ہو، نہ اس طرح کہ صرف صورت دیکھنے سے اس کا بے جان ہونا ظاہر ہوجائے، جیسا کہ چہرہ کی تصویر بخلاف ہاتھ پاؤں، آنکھ ناک یا کان نہ رکھتی ہو کہ ان کا نہ ہونا اعضائے ظاہری سے نکلنے کا سبب ہے کہ سر کے ساتھ یہ نہیں بنائے گئے یا بنائے گئے مگر انہیں کاٹ دیا گیا ایسی تصویر کو بحفاظت رکھنا جائز ہے۔ (۲) دوسری شرط: تصویر انتہائی چھوٹی اور باریک نہ ہو۔ اگر زمین پر

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب ماوطی من التصاویر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۸۰، صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

تفصیل اعضایش پدیدار نشود ہمچو صورت ساختن حرام ود اشتن جائز۔ سوم آنکہ صورت راخوار نداشتہ باشد چنانکہ در فرش پاانداز یادر بساط پامال یابروئے خاک وامثال ذٰلک کہ ایں چنیں داشتن منظور نیست فی الدر المختار لایکرہ لو کانت تحت قدمیہ اومحل جلوسہ لانہا مہانۃ[1] اھ فی رد المحتار وکذا لوکانت علی بساط یوطاء او مرفقۃ یتکاء علیہا کما فی البحر[2] اھ وفی الدر اوکانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل اعضائہا للناظر قائما وھی علی الارض ذکرہ الحلبی اومقطوعۃ الرأس اوالوجہ اوممحوۃ عضو لاتعیش بدونہ[3] اھ وتمام تفصیلہ فی حواشیہ، واللہ تعالٰی اعلم۔	رکھی جائے تو کھڑی صورت میں دکھائی دے تو دے مگر اس کے اعضاء کی تفصیل ظاہر نہ ہو۔ پس اس نوع کی تصویر بنانا حرام ہے مگر اس کا رکھنا جائز ہے **(۳)** تیسری شرط: تصویر کو ذلیل حالت میں نہ رکھا جائے کہ فرش پر پاؤں میں پڑی ہو یا بچھونے (قالین وغیرہ) پر پامال ہو یا سطح زمین پر پڑی ہو یا اس نوع کی دوسری صورتیں ہوں کہ اس طرح رکھنا منظور نہ ہو۔ در مختار میں ہے تصویر رکھنا ممنوع نہیں جبکہ قدموں کے نیچے ہو یا بیٹھنے کی جگہ پر ہو کیونکہ اس صورت میں اس کی تذلیل ہے، ردالمحتار میں ہے اسی طرح اگر پامال شدہ بچھونے پر ہو یا مِرفق (آرام گاہ) پر ہو جس پر تکیہ لگایا جائے جیسا کہ بحر رائق میں ہے۔ در مختار میں ہے یا زمین پر ہو مگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضاء کی تفصیل دیکھنے والے پر واضح نہ ہو۔ ابراہیم حلبی نے اس کو ذکر کیا ہے یا سر کٹا ہوا یا چہرہ یا ایسے اعضاء مٹے ہوئے ہوں کہ جن کے بغیر زندگی نہ ہوسکے۔ اس کی مکمل تفصیلات اس کے حواشی میں ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۶: ۷ شعبان المعظم ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی کپڑے پر تصویریں چھپی ہوئی ہوں اس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ تصویریں پرندوں کی ہوں۔ اور اگر اسی کپڑے کا کوئی عدد تیار ہوگیا تو اس کا کیا کرنا چاہئے اور وہ تصویریں جس میں جاندار زندہ رہ سکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ ت)

---

[1] در مختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۴۳۵

[3] در مختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

الجواب:

کسی جاندار کی تصویر جس میں اس کا چہرہ موجود ہو اور اتنی بڑی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے سے دیکھیں تو اعضا کی تفصیل ظاہر ہو، اس طرح کی تصویر جس کپڑے پر ہو اس کا پہننا، پہنانا یا بیچنا، خیرات کرنا سب ناجائز ہے، اور اسے پہن کر نماز مکروہ تحریمی ہے جس کا دوبارہ پڑھنا واجب ہے۔ایسے کپڑے پر سے تصویر مٹادی جائے یا اس کا سر یا چہرہ بالکل محو کردیا جائے۔اس کے بعد اس کا پہننا، پہنانا، بیچنا، خیرات کرنا، اس سے نماز، سب جائز ہوجائے گا۔اگر وہ ایسے پکے رنگ کی ہو کہ مٹ نہ سکے دھل نہ سکے تو ایسے ہی پکے رنگ کی سیاہی اس کے سر یا چہرے پر اس طرح لگادی جائے کہ تصویر کا اُتنا عضو محو ہوجائے صرف یہ نہ ہو کہ اتنے عضو کا رنگ سیاہ معلوم ہو کہ یہ محو ومنافی صورت نہ ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۷: مرسلہ محمد صدیق بیگ صاحب مرادآباد از بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل دنیامیں عام رواج مصوری کا یہ ہے کہ بغیر قلم وروشنائی کے اور بغیر ہاتھ لگائے اس طرح پر تصویر بناتے ہیں کہ ایک بکس سامان مصوری کا ہوتا ہے جس کو انگریزی میں کیمرہ میں لگا کر جس شیئ کی تصویر لینا مقصود ہو اس کو سامنے رکھتے ہیں شیشہ کے اثر سے کشش کے ساتھ تصویر معمولی شیشہ پر جو آتشی شیشہ یعنی لَینس کے پاس لگا ہوتا ہے آجاتی ہے۔اس کو انگریزی مصالحہ میں ڈال کر کاغذ پر لکھ کر خشک کرتے ہیں اس طرح سے تصویر بن جاتی ہے۔ شرع شریف میں اس کی بابت کیا حکم ہے یعنی ایسی تصویر کھینچنے والے، کھنچوانے والے، رکھنے والے، فروخت کرنے والے، خریدنے والے کس حد تک گنہگار ہوسکتے ہیں اور جس مکان میں تصویریں ہوں وہاں نماز جائز ہے یانہیں؟ یا شرع کے موافق اس میں کوئی گناہ نہیں ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

شرع نے تصویر حرام فرمائی اور کسی طریقہ ساخت کے ساتھ حکم کو مقید نہ فرمایا، نہ کسی خصوصیت طریقہ کو اس میں دخل، نہ فوٹو بے اس کے عزم وفعل وحرکات کے خودبخود بن سکے، دستی وعکسی میں صرف تخفیف عمل کا فرق ہے جیسے پیادہ اور ریل۔ جہاں جانا شرعًا حرام ہے پیادہ وریل دونوں یکساں ہیں۔وہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں مجھے پاؤں کو حرکت دینی نہ پڑی نہ منزل منزل ٹھہرتا گیا، بالجملہ تصویر عکس ودستی کے بنانے، رکھنے سب باتوں کے احکام قطعًا ایک ہیں اور فرق کی کوئی وجہ نہیں، عرف ہی کو دیکھئے، کیا جو تصویر بنانی عرفًا توہین وبے حیائی اور قانونی جرم ہے وہ عکسی بناسکتا ہے اور وہی عذر کرسکتا ہے کہ بے قلم وروشنائی اور بے ہاتھ لگائے بنائی، ہرگز نہیں، تو ظاہر ہوا کہ عکسی ہونے سے تصویر کے مقاصد میں کچھ فرق نہیں آتا بلکہ بسااوقات کچھ زیادت ہی ہوجاتی ہے اور شیئ اپنے مقاصد ہی کے لحاظ سے ممنوع یا مشروع ہوتی ہے،

کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۸: مرسلہ سید عبدالرشید صاحب جواہر کن از بمبئی نیا قاضی محلّہ چاند بلڈنگ ۴۰ پوسٹ ۹ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ فوٹو نصف شکل کا بنوانا اور خود بنانا کس حد تک جائز ہے اور تمام قد کا سراپا عکس کیوں ناجائز ہے؟ حدیث وآیات سے جواب مرحمت فرمائیں، دونوں صورتوں کا نصف قد اور قد تمام کن کن شرعی دلائل سے جائز اور ناجائز قرار دیا جاتا ہے؟

الجواب:

فوٹو ہو یا دستی تصویر پوری ہو یا نیم قد، بنانا، بنوانا سب حرام ہے نیز اس کا عزت سے رکھنا حرام اگرچہ نصف قد کی ہو کہ تصویر فقط چہرہ کا نام ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ من قتل نبیا اوقتلہ نبی والمصورون [1]۔	قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب اس پر ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا اسے نبی نے قتل فرمایا اور تصویر والوں پر۔

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان الملئکۃ لاتدخل بیتا فیہ کلب ولا صورۃ [2]۔	رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں جاتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

امام اجل ابوجعفر طحاوی سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرماتے ہیں:

الصورۃ ھو الرأس [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فقط چہرہ تصویر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: مرسلہ محمد تقی مقام بکسر متصل اسٹیشن ریلوے بتوسط حاجی رحیم بخش ۳۰ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

تصویر کھینچنا جائز ہے یا نہیں؟

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۶۰، کنزالعمال حدیث ۹۳۶۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۳۵

[2] سنن ابن ماجہ کتاب اللباس باب الصور فی البیت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸

[3] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب التصاویر فی الثوب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۶

الجواب:

جاندار کی تصویر کھینچنی حرام ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

اشد الناس عذابا یوم القیمۃ من قتل نبیا او قتلہ نبی والمصورون [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قیامت میں سب سے سخت تر عذاب اس پر ہوگا جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا جسے کسی نبی نے قتل کیا اور مصور۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹۷ و ۱۰۵۱۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۶۶، ۲۶۰، کنزالعمال حدیث ۹۳۶۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۳۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

العطایا القدیر فی حکم التصویر ۱۳۳۱ھ

(تصویر کے حکم کے بارے میں قدرت والے کی عطائیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللہ وحدہ والصلٰوۃ والسلام علی من لانبی بعدہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ المکرمین عندہ

مسئلہ ۲۵۰: ازاحمد آباد محلّہ جماپور متصل مسجد کانچ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۲۹صفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ان دنوں شہر احمد آباد میں کاپیاں فوٹو گراف کی قیمت ۲۰/ کے بک رہی ہیں اور نمونہ اصل خدمت میں آپ کی مرسل ہے آپ اس کوملاحظہ فرمائیں، یہ فوٹو حضرات پیرابراہیم بغدادی عم فیضہ الصوری والمعنوی سجادہ نشین خانقاہ حضرت غوث اعظم حضرت پیران پیر قدس سرہ العزیز کا ہے اس کو احمد آبادی وغیرہ تبرک کے طورپر رکھتے ہیں اس کا رکھنا مکانوں میں حرام ہے یانہیں؟ اور جن مکانوں میں یہ فوٹو ہوگا ان میں رحمت کے فرشتے آئیں گے یانہیں؟ اوراس فوٹو کے رکھنے سے برکت نازل ہوگی یانہیں؟ اور برزخ شیخ جمانے کے لئے فوٹو شیخ کاسامنے رکھ کراس کا برزخ جمانا شریعت وطریقت میں جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا** (شفا بخش بیان فرماؤاور اللہ تعالٰی کی بارگاہ سے پورا پورا اجروثواب پاؤ۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ الخالق البارئ المصور الذی صورنا فاحسن صورنا وخلق وحدہ العالم فقیرہ وقطیرہ وقضی بالعذاب اشد ھو العقاب علی الذین یضاھؤن خلق اللہ فیخلقوا ذرۃ اولیخلقوا حبۃ اویخلقوا شعیرۃ او الصلوٰۃ والسلام علی من اتی بمحق الاوثان و توحید الرحمٰن وحرم التصویر صغیرۃ وکبیرۃ وجعلہ کبیرۃ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ الاکرم الغوث الاعظم وسائر حزبہ صلوٰۃ وسلامًا توازیان عزہ وتوقیرہ رب انی اعوذ بك من ھمزات الشیطین واعوذ بك رب ان یحضرون۔	ہر قسم کی تعریف وتوصیف اس اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو (تخلیق کا) اندازہ کرنے والا، بنانے والا اور تصویر کشی کرنے والا کہ جس نے ہماری صورتیں بنائیں اور ہمیں حسین وجمیل صورتوں سے نوازا، اور اس نے تنہا ساری دنیا کو پیدا فرمایا خواہ تخم خُرما کا گڑھا ہو یا اور کوئی معمولی چیز ہو، اور اس نے عذاب دینے کا بڑا سخت فیصلہ فرمایا کہ ان لوگوں پر نزول عقاب ہے جو اللہ تعالٰی کی تخلیق میں اس سے مشابہت اختیار کرتے ہیں تو وہ کوئی ذرہ یا کوئی دانہ یا جَو پیدا کرد کھائیں اور درود وسلام ان پر جو بتوں کو مٹانے اور وحدانیت رحمان کو بیان فرمانے کیلئے تشریف لائے اور انہوں نے چھوٹی بڑی تصویر کو حرام ٹھہرایا اور اس کام کو کبیرہ گناہ قرار دیا، اور ان کی آل اور ساتھیوں پر، اور ان کے مکرم شہزادے غوث اعظم (بڑے فریادرس) پرَ، اور ان کے باقی تمام گروہ پر (ہدیہ درود وسلام ہو) ایسا شاندار درود و سلام کہ ان کی عزت وتوقیر کے برابر اور مساوی ہو۔ اے میرے پروردگار! میں شیاطین کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں، میرے پروردگار! میں تیری پناہ چاہتا ہوں، کہ وہ میرے پاس آئیں (اور مجھے اپنے مکروفریب سے پریشان کریں)۔(ت)

اللہ عزوجل ابلیس کے مکر سے پناہ دے، دنیا میں بت پرستی کی ابتداء یوہیں ہوئی کہ صالحین کی محبت میں ان کی تصویریں بناکر گھروں اور مسجدوں میں تبرکا رکھیں اور ان سے لذت عبادت کی تائید سمجھی، شدہ شدہ وہی معبود ہوگئیں، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے آیہ کریمہ:

"وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾" [1]	کافروں نے کہا ہرگز اپنے خداؤں کو نہ چھوڑو، اور ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو کبھی نہ چھوڑو۔(ت)

کی تفسیر میں ہے:

قال کانوا اسماء رجال صالحین من قوم نوح فلما ھلکوا اوحی الشیطان الی قومھم ان نصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون انصابا وسموھا باسمائھم ففعلوا فلم تعبد حتی اذا ھلك اولئك ونسخ العلم عبدت [2]۔	حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا یہ حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم کے نیک اور پارسالوگوں کے نام ہیں، جب وہ وفات پاچکے توشیطان نے بعد والوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ جہاں یہ لوگ بیٹھتے تھے وہیں اُن مجالس میں انہیں نصب کردو (یعنی قرینے سے انہیں کھڑا کردو) اور جو ان کے نام (زندگی میں) تھے وہی نام رکھ دو، تو لوگوں نے (جہالت سے) ایسا ہی کیا۔ پھر کچھ عرصہ ان کی عبادت نہ ہوئی، یہاں تک کہ جب وہ تعظیم کرنے والے مرگئے اور علم مٹ گیا (اور ہر طرف جہالت پھیل گئی) تو پھر ان کی عبادت شروع ہوگئی۔(ت)

عبد بن حمید اپنی تفسیر میں ابوجعفر بن المہلب سے راوی:

قال کان ود رجلا مسلمًا وکان محببا فی قومه فلما مات عسکروا حول قبرہ فی ارض بابل وجزعوا علیه فلما رأی	ابوجعفر نے فرمایا: "ود" ایک مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں ایک پسندیدہ اور محبوب شخص تھا جب وہ مرگیا توسرزمین بابل میں لوگ اس کی قبر کے آس پاس جمع ہوئے اور اس کی جدائی پر

[1] القرآن الکریم ۷۱/ ۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب التفاسیر باب وَدًّا وسواعًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

ابلیس جزعهم علیه تشبه فی صورة انسان ثم قال اری جزعکم علی هذا فهل لکم ان اصورلکم مثله فیکون فی نادیکم فتذکرونه به قالوا نعم فصورلهم مثله فوضعوه فی نادیهم وجعلوا یذکرونه فلما رأی ما لهم من ذکره قال هل لکم ان اجعل لکم فی منزل کل رجل منکم تمثالا مثله فیکون فی بیته فتذکرونه قالوا نعم فصورلکل اهل بیت تمثالا مثله فاقبلوا فجعلوا یذکرونه به قال وادرك ابنائهم فجعلوا یرون مایصنعون به وتناسلوا ودرس امر ذکرهم ایاه حتی اتخذوه الٰها یعبدونه من دون الله قال وکان اول ماعبد غیرالله فی الارض ود الصنم الذی سموه بود[1]۔	بیقرار ہوئے (اور صبر نہ کرسکے) جب شیطان نے اس کی جدائی میں لوگوں کو بیتاب پایا تو وہ انسانی صورت میں اُن کے پاس آیا اور کہنے لگا میں اس شخص کے مرنے پر تمہاری بیقراری دیکھ رہا ہوں کیا مناسب سمجھتے ہو کہ میں بالکل اس جیسی تمہارے لئے اس کی تصویر بنادوں، پھر وہ تمہاری مجلس میں رہے پھر اس کی تصویر دیکھ کر تم اسے یاد کرو۔ لوگوں نے کہا ہاں یہ تو اچھی تجویز ہے۔ پھر شیطان نے لوگوں کے لئے بالکل اسی جیسی اس کی تصویر بنادی اور لوگوں نے اسے اپنی مجالس میں سجا رکھا اور اس کی یاد کرنے لگے۔ پھر جب شیطان نے دیکھا کہ اس کے ذکر سے لوگوں کی جو حالت ہوتی ہے۔ پھر شیطان کہنے لگا کیا تم یہ مناسب کہتے ہو کہ میں تم میں سے ہر شخص کے لئے اس کے گھر میں اس کے بزرگ کا عکس تیار کرکے سجادوں تاکہ وہ اس کے گھر میں موجود ہو، اور تم سب لوگ (انفرادی اور اجتماعی طور پر) اس کا تذکرہ کرتے رہو۔ لوگ کہنے لگے ہاں یہ بالکل ٹھیک ہے۔ پھر اس نے سب گھر والوں کے لئے بالکل اسی جیسا اس کا ایک ایک فوٹو تیار کردیا پھر لوگ اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس کا فوٹو دیکھ کر اُسے یاد کرتے رہے۔ راوی نے کہا اور ان کی اولاد نے یہ دَور پالیا، پھر وہ دیکھتے رہے کہ جو کچھ ان کے بڑے کرتے رہے، اور پھر نسل آگے بڑھی (اور پھیلی) جب اس کے ذکر کا سلسلہ کچھ پرانا ہوگیا یہاں تک کہ جہالت سے پچھلے اور آنے والی نسلوں نے اسے خدا بنالیا کہ اللہ تعالٰی کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرنے لگے۔ (راوی نے کہا) سب سے پہلے زمین پر اللہ تعالٰی کے علاوہ جس کی عبادت کی گئی وہ یہی بت ہے کہ جس کا نام لوگوں نے وَدرکھا ہے۔ (ت)

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت آیۃ ۷۱/ ۲۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۷۴۔۲۷۳

نیز صحیحین بخاری ومسلم میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

لمااشتکی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ذکر بعض نسائہ کنیسۃ یقال لہا ماریۃ وکانت ام سلمۃ وام حبیبۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما اتتاارض الحبشۃ فذکرتا من حسنہا وتصاویرفیہا فرفع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأسہ فقال اولٰئك اذا مات فیہم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوّروا فیہ تلك الصور واولٰئك شرار خلق اللہ عنداللہ[1]۔	جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیمار ہوئے توآپ کی بعض بیویوں نے ایک گرجے کاذکر فرمایا کہ جس کوماریہ کہاجاتا تھا چنانچہ سیدہ ام سلمہ اورام حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما (اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہو) ملک حبشہ میں تشریف لے گئیں، پھرانہوں نے وہاں یہ گرجادیکھا، دونوں نے اس کے حسن اور اس میں سجی تصویروں کاتذکرہ فرمایا، تو حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپناسر مبارک اٹھاکرفرمایا: جب ان لوگوں میں کوئی نیک اور صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبرپر مسجد تعمیر کرتے پھر ان تصویروں کو سجاکر اس میں رکھ دیتے وہی اللہ تعالٰی کی بدترین مخلوق ہیں۔ (ت)

مرقاۃ شرح مشکٰوۃ شریف میں ہے:

صوروا ای صور الصلحاء تذکیرا بہم ترغیبا فی العبادۃ لاجلہم ثم جاء من بعدہم فزیّن لہم الشیطٰن اعمالہم وقال لہم سلفکم یعبدون ھذہ الصور فوقعوا فی عبادۃ الاصنام[2]۔	(حدیث شریف میں ہے کہ) وہ نادان لوگ اچھے اور صالح لوگوں کی تصویریں بناکر اپنی عبادت گاہوں میں سجاکر رکھ دیتے تاکہ ان کی یاد آتی رہے اور ان کے ذریعے عبادت الٰہی کی طرف رغبت پیدا ہو۔ پھران کے بعد جب اورلوگ دنیامیں آئے توشیطان نے پہلوں کے کارنامے ان آنے والے لوگوں کی نگاہوں میں آراستہ کرکے پیش کئے اور ان سے کہاکہ تمہارے اسلاف ان تصویروں کی پرستش کیا کرتے تھے، توپھر یہ بھی ان کی عبادت میں مصروف ہوگئے۔ (ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب بناء المسجد علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۹، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن بناء المسجد علی القبور قدیمی کتب خانہ ۱/ ۲۰۱

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح المشکٰوۃ کتاب اللباس باب التصاویر المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۸۲

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتدخل الملئکة بیتافیه کلب ولاصورة[1]۔ رواه الائمة احمد والستة والطحاوی عن ابی طلحة[2]، والبخاری والطحاوی عن ابن[3] عمر وعن ابن عباس، ومسلم و ابوداؤد والنسائی الطحاوی[4] عن ام المؤمنین میمونة، ومسلم وابن ماجة والطحاوی عن ام المؤمنین الصدیقة واحمد ومسلم والنسائی و الطحاوی وابن حبان عن ابی ھریرة[5] والامام احمد والدارمی وسعید بن منصور وابوداؤد والنسائی وابن ماجة وابن خزیمة وابویعلی والطحاوی وابن حبان والضیاء والشاشی وابونعیم فی	رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو (ائمہ محدثین مثلاً امام احمد، دوسرے چھ ائمہ حدیث اور امام طحاوی نے حضرت ابوطلحہ سے اس کو روایت فرمایا، نیز بخاری اور طحاوی نے حضرت عبداللہ ابن عمر، اور حضرت ابن عباس سے اس کو روایت کیا۔ امام مسلم، ابوداؤد، سنن نسائی اور طحاوی نے ام المؤمنین سیدہ میمونہ سے اور مسلم وابن ماجۃ اور طحاوی نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ مسند احمد، مسلم، نسائی، طحاوی اورا بن حبان نے بحوالہ حضرت ابوہریرہ اس کو روایت کیا ہے (اور اسی طرح) امام احمد، دارمی، سعید بن منصور، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلٰی، طحاوی، ابن حبان، الضیاء، الشاشی، اور ابونعیم نے

[1] مسند احمد بن حنبل، عن ابی طلحه ۴/ ۲۸ و صحیح البخاری کتاب بدؤالخلق ۱/ ۴۵۸، ۴۶۸، صحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۲۰۰ و سنن ابی داؤد کتاب اللباس ۲/ ۲۱۶، جامع الترمذی ابواب الاب ۲/ ۱۰۳ و سنن النسائی ص ۲۹۹، شرح معانی الآثار کتاب الکراھیة باب الصور تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۰

[2] شرح معانی الآثار عن ابن عباس ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۴۰۰، صحیح البخاری کتاب المغازی ۲/ ۵۷۰ و کتاب اللباس ۲/ ۸۸۱

[3] صحیح مسلم ۲/ ۱۹۹ و مسند احمد بن حنبل ۶/ ۳۳۰ و سنن ابی داؤد ۲/ ۲۱۷

[4] صحیح مسلم ۲/ ۲۰۰ و ۲۰۱ سنن ابن ماجه ص ۲۱۸ و شرح معانی الآثار ۲/ ۴۰۱ و ۴۰۰

[5] صحیح مسلم ۲/ ۲۰۲ و سنن النسائی ۲/ ۳۰۱ و شرح معانی الآثار ۲/ ۳۰۴

الحلیة عن امیر المؤمنین [1] علی والامام مالك فی المؤطا، والترمذی والطحاوی عن ابی سعید [2] الخدری، واحمد والطحاوی والطبرانی فی الکبیر [3] عن اسامۃ بن زید والطحاوی عن ابی ایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہم وقد فصلناها فی فتاونا۔	حلیہ میں امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا ہے۔ نیز امام مالک نے "موطا" میں ترمذی اور طحاوی نے "معجم کبیر" میں حضرت اسامہ بن زید سے اس کو روایت فرمایا۔ اور اسی طرح طحاوی نے حضرت ابوایوب انصاری کے حوالہ سے اس کو روایت فرمایا، اللہ تعالٰی ان تمام بزرگوں سے راضی ہو۔ اور ہم نے ان سب باتوں کو اپنے فتاوٰی میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے (ت)

اور اس میں کسی معظم دینی کی تصویر ہونا نہ عذر ہو سکتا ہے نہ اس وبال عظیم سے بچا سکتا ہے بلکہ معظم دینی کی تصویر زیادہ موجب وبال ونکال ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے گی اور تصویر ذی روح کی تعظیم خاصی بت پرستی کی صورت اور گویا ملت اسلامی سے صریح مخالفت ہے۔ ابھی حدیث سن چکے کہ وہ اولیاء ہی کی تصویریں رکھتے تھے جس پر ان کو بدترین خلق اللہ فرمایا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون معظم دین ہوگا اور نبی بھی کون حضرت شیخ الانبیاء خلیل کبریا سیدنا ابراہیم علٰی ابنہ الکریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد تمام جہان سے افضل واعلٰی ہیں ان کی اور حضرت سیدنا اسمٰعیل ذبیح اللہ وحضرت بتول مریم علیہم الصلوٰۃ کی تصویریں دیوار کعبہ پر کفار نے منقش کی تھیں، جب مکہ معظمہ فتح ہوا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پہلے بھیج کر وہ سب محو کرا دیں، جب کعبہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے بعض کے نشان کچھ باقی پائے پانی منگا کر بنفس نفیس انہیں دھویا اور بنانے والوں کو قاتل اللہ فرمایا اللہ انہیں قتل کرے۔

ھذا معنی ماروی البخاری [4] فی صحیحہ والامام	جو کچھ امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت فرمایا

[1] سنن ابی داؤد ۲/ ۲۱۶ و سنن النسائی ۲/ ۳۰۰ و شرح معانی الآثار ۲/ ۴۰۰

[2] جامع الترمذی ۲/ ۱۰۴ و مؤطا امام مالك ماجاء فی الصور والتماثیل ص ۷۲۶

[3] مسند احمد بن حنبل ۵/ ۲۰۳ و المعجم الکبیر حدیث ۳۸۷ا/ ۱۶۲ و شرح معانی الآثار ۲/ ۴۰۰

[4] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب الصور تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۰، صحیح البخاری کتاب المناسك ۱/ ۲۱۸ و کتاب الانبیاء ۱/ ۴۷۳ قدیمی کتب خانہ کراچی، سنن ابی داؤد کتاب المناسك ۱/ ۲۷۷ و مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس ۱/ ۳۳۵ و ۳۶۵

الطحاوی عن ابن عباس والامام احمد وابوداؤد عن جابر بن عبداللہ وعمر بن شیبۃ والامام الطحاوی عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہم کما فصلناہ فی فتاوٰنا۔	اس کا مفہوم اور معنی یہی ہے، امام طحاوی نے حضرت عبداللہ بن عباس سے۔ امام احمد، ابوداؤد نے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالہ سے۔ اور عمر بن شیبہ اور امام طحاوی نے اسامہ بن زید سے اس کو روایت کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو مفصل بیان کیا ہے۔ (ت)

ہاں بادی النظر میں یہاں یہ شبہ گزر سکتا ہے کہ صاحبزادہ موصوف کی یہ تصویر صرف سینے تک ہے اور انسان اتنے جسم سے زندہ نہیں رہتا۔ اور درمختار میں ہے کہ جب تصویر سے وہ عضو محو کردیا جائے جس کے بغیر حیات نہ ہو تو وہ ممانعت سے مستثنٰی ہے۔

حیث قال (اوکانت صغیرۃ) لاتتبین تفاصیل اعضائھا للناظر قائما وھی علی الارض ذکرہ الحلبی (او مقطوعۃ الراس اوالوجہ) اوممحوۃ عضو لاتعیش بدونہ (اولغیر ذی روح) لایکرہ[1]۔	چنانچہ فرمایا اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ زمین پر رکھی ہو تو کھڑے ہو کر دیکھنے والے کو اس کے اعضاء کی تفصیل معلوم نہ ہوسکے۔ چنانچہ حلبی نے اس کو بیان فرمایا یا اس کا سر یا چہرہ کاٹ دیا گیا ہو یا اس کے کسی ایسے اندام کو مٹادیا گیا ہو کہ جس کے بغیر وہ زندہ نہ رہ سکے، یا کسی غیر جاندار کی تصویر ہو تو ان ساری صورتوں میں کراہت نہ ہوگی (ت)

اور بنانے کے بعد مٹادینا اور سرے سے نہ ہونا دونوں کا ایک حکم ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قولہ اومقطوعۃ الرأس ای سواء کان من الاصل اوکان لھا رأس ومحی[2]۔ **اقول**: و باللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق۔	مصنف کا قول کہ یا تصویر کا سر کاٹ دیا گیا، یعنی اصل سے اس کا سر نہ ہو، یا سر ہو لیکن اسے مٹادیا گیا ہو۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی کے کرم ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے آدمی تحقیق کی چوٹی تک پہنچ سکتا ہے (ت)

یہاں یہ قول اس کا ہوسکتا ہے جس نے خدمت فقہ وحدیث نہ کی، نہ اسے مقاصد شرع پر نظر ملی، **اولاً** مقام تنقیح میں سرے سے یہ عبارت دُرہی محل نظر ہے فقیر نے جس قدر کتب فقہیہ متون وشروح

---

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۶

وفتاوٰی حاضر ہیں سب کی طرف مراجعت کی، بیان حکم میں اس تعمیم میں در مختار کاسلف نہ پایا یہاں تک کہ بحر و درر کہ اکثر ماخذ کتاب ہیں ان میں بھی اس کانشان نہیں، عامہ کتب مثل ۱بدایہ و ۲وقایہ و ۳نقایہ و ۴کنزو ۵وافی و ۶غرر و ۷اصلاح و ۸منتقی و ۹منیہ و ۱۰نور الایضاح و ۱۱ہدایہ و ۱۲شرح وقایہ و ۱۳برجندی و ۱۴تبیین و ۱۵کافی و ۱۶درر و ۱۷ایضاح و ۱۸مجمع الانہر و ۱۹مراقی الفلاح و ۲۰فتح القدیر و ۲۱عنایہ و ۲۲خانیہ و ۲۳خزانۃ المفتیین و ۲۴ہندیہ حتی کہ خود ۲۵جامع صغیر محرر مذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں صرف ذکر راس پر اقتصار فرمایا کہ اگر تصویر بے سر کی ہو یا اس کا سر کاٹ دیں تو کراہت نہیں، اور ۲۶خلاصہ پھر اس کی تبعیت سے ۲۷تنویر الابصار و ۲۸حلیہ و ۲۹بحر الرائق و ۳۰جامع الرموز و ۳۱غنیہ و ۳۲صغیری و ۳۳شرنبلالی و ۳۴عبدالحلیم علی الدرر میں "وجہ" کا اضافہ کیا کہ چہرہ مٹادینا بھی سر کاٹ دینے کی مثل ہے ۳۵ذخیرۃ العقبٰی و ۳۶شلبی علی الزیلعی و ۳۷حسن عجیمی علی الدرر و ۳۸سعدی افندی علی العنایہ و ۳۹مسکین علی الکنز کہ ۴۰سید ابوالسعود ازہری نے بھی کہ در مختار سے کثیر الاخذ ہیں زیادت سے اصلاً تعرض نہ کیا **اقول:** اور ذکر "وجہ" حقیقۃً زیادت نہیں کہ راس کا اطلاق اکثر چہرہ پر آتا ہے گردن جدا کردینے کو سر کاٹنا ہی کہتے ہیں تو مقصود خلاصہ اس کا افادہ بھی ہے کہ محو بھی مثل قطع ہے اس کی عبارت یہ ہے:

ان کان مقطوع الراس لاباس بہ ولو محی وجہ الصورۃ فھو کقطع الراس[1]۔	اگر تصویر کا سر کاٹ دیا گیا تو پھر اس کے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور تصویر کے چہرے کو مٹادینا سر کاٹنے کی طرح ہے۔(ت)

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) دیگر اعضاء وجہ وراس کے معنی میں نہیں اگرچہ مدار حیات ہونے میں مماثل ہوں کہ چہرہ ہی تصویر جاندار میں اصل ہے، ولہذا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی کا نام تصویر رکھا اور شک نہیں کہ فقط چہرہ کو تصویر کہتے اور بنانے والے بارہا اسی پر اقتصار کرتے ہیں ملوک نصارٰی کہ سکہ میں اپنی تصویر چاہتے ہیں اکثر چہرہ تک رکھتے ہیں اور بیشک عامہ مقاصد تصویر چہرہ سے حاصل ہوتے ہیں **وانما الشیئ بمقاصدہ** (یہی بات ہے کہ شَے اپنے مقاصد پر مبنی ہوتی ہے۔ت) امام اجل ابوجعفر طحاوی حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال الصورۃ الراس فکل شیئ لیس لہ راس فلیس بصورۃ[2]۔	فرمایا: تصویر "سر" کا نام ہے لہذا جس چیز کا سر نہ ہو وہ تصویر نہیں (ت)

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلوٰۃ الفصل الثانی الجنس فیما یکرہ فی الصلوٰۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۸

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیۃ باب الصورۃ تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۳

اور اسی طرف عبارت ہدایہ ناظر:

حیث قال اذا کان التمثال مقطوع الراس فلیس بتمثال[1]۔	چنانچہ (صاحب ہدایہ نے) فرمایا کہ جب کسی مجسّمے کا سر کاٹ دیا گیا ہو تو پھر وہ مجسمہ نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ یہ جامع صغیر میں نص امام کبیر ہے:

محمد عن یعقوب عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنھم اذا کان راس الصورة مقطوعا فلیس بتمثال[2]۔	امام محمد نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرمائی کہ اگر تصویر کا سر کاٹ دیا گیا ہے تو پھر وہ بلاشبہہ تمثال (مورتی) نہیں (ت)

لاجرم امام نسفی نے وافی وکافی میں تصریح فرمائی کہ اگر تصویر کا سر مقطوع نہیں کراہت مدفوع نہیں۔

وھذا نصه لوکان فوق راسه فی السقف او بین یدیه او بحذائه صورة غیر مقطوع راسھا کرہ[3]۔	امام نسفی کی تصریح یہ ہے، اگر تصویر کسی شخص کے سر کے اوپر چھت میں موجود ہو یا اس کے سامنے ہو یا اس کے مقابل ہو لیکن اس کا سر نہ کاٹا گیا ہو تو کراہت ہوگی (ت)

ظاہر ہے کہ نیم قد یا سینہ تک کی تصویر پر بھی صادق ہے کہ اس کا سر مقطوع نہیں تو حکم منع مدفوع نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

ثانیًا: قول درمختار ہی لیجئے جس پر محشیوں نے تقریر اور خادمی نے حاشیہ درر میں تبعیت کی،

حیث قال مقطوعة الراس والمراد ممحوة عضو لا تعیش بدونه کالوجه[4]۔	چنانچہ اس نے کہا تصویر کا سر کاٹ دیا گیا ہو، مراد یہ ہے کہ اس کے کسی ایسے اندام کو مٹادیا گیا ہو کہ جس کے بغیر زندگی نہیں ہوسکتی جیسے چہرہ۔ (ت)

بیان مسئلہ میں اگرچہ یہ تعمیم فقیر نے کہیں نہ پائی مگر ایک مسئلہ کی دلیل میں کلام فتح سے اس کی

---

[1] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] الجامع الصغیر کتاب الصلوٰۃ باب فی الامام این تستحب له ان یقوم مطبع یوسفی لکھنو ص ۱۱

[3] کافی شرح وافی

[4] حاشیۃ الدرر علی الغرر للخادمی کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مطبع عثمانیہ ص ۷۰

طرف اشارہ سمجھا گیا:

اذ قال لوقطع یدیھا ورجلیھا لاترفع الکراھة لان الانسان قدتقطع اطرافه وھو حی[1]۔	جبکہ فتح القدیر میں فرمایا اگر کسی نے تصویر (فوٹو) کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے تو کراہت مرفوع نہ ہوگی اس لئے کہ کبھی انسان کے اطراف یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کاٹ دیئے جاتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ زندہ ہوتا ہے۔(ت)

علامہ طحطاوی نے اس سے وہ تعمیم استنباط فرمائی حاشیہ مراقی الفلاح میں لکھا:

افاد بھذا التعلیل ان قطع الراس لیس بقید بل المراد جعلھا علی حالة لاتعیش معھا مطلقا[2]۔	اس تعلیل نے یہ فائدہ دیا کہ قطع الراس کا ذکر بطور قید نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ تصویر کو ایسی حالت میں کردینا کہ جس کی موجودگی میں وہ مطلقاً زندہ نہ رہ سکے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) اس استنباط میں نظر ظاہر ہے،

فان حاصل کلام الفتح ان ھذا مکروہ لکونه علی حالة یعاش معھا وکل ماکان کذا فھو مکروہ ولایلزم منه ان کل ماھو مکروہ فھو کذا فان الموجبة الکلیة لا تنعکس کنفسھا ووجدت نظیرہ فی الھدایة اذقال الطلاق علی ضربین صریح وکنایة فالصریح قوله انت طالق ومطلقة و	فتح القدیر کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے اس لئے کہ شیئ ایسی حالت پر ہے کہ جس کی موجودگی میں زندگی پائی جا سکتی ہے (مراد یہ کہ وہ حالت مانع حیات نہیں) اور ہر کام جو اس طرح ہو وہ مکروہ ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ ہر کام جو مکروہ ہے وہ اس طرح ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موجبہ کلیہ کا عکس بنفسہا نہیں (یعنی موجبہ کلیہ کا عکس موجبہ کلیہ نہیں) میں نے ہدایہ میں اس کی نظیر پائی ہے کیونکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ طلاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) صریح، (۲) کنایہ، چنانچہ طلاق صریح کی مثال مثلاً یہ

[1] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ فصل ویکرہ للمصلی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

[2] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلوٰۃ فصل فی المکروہات نور محمد کارخانہ تجارت کتب ص ۱۹۹

طلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعی لان هذه الالفاظ تستعمل فی الطلاق ولاتستعمل فی غیره فكان صریحا وانه يعقب الرجعة بالنص ولایفتقر الی النية لانه صریح فیه لغلبة الاستعمال[1] اھ **اقول:** فمناط الصراحة هو غلبة الاستعمال كما افاد اٰخرا مالم يستعمل فی غیرالطلاق كان اولٰی بالصراحة فیه فلذا علل الصراحة به فی الالفاظ الثلثة وهو لایفید ان يستعمل فی غیره نادرا لایكون صریحا فیه وبالجملة وهو تعلیل بما يتضمن العلة مع شیئ زائد يفیده من باب اولٰی كذا ھٰهنا مناط المنع هو الراس ولوحده فاذا كان جمیع مایحتاج اليه للحیاة باقیا تضمن العلة شیئ مع زائده افاد المنع	کہنا (اپنی منکوحہ کو مخاطب کرتے ہوئے) توطلاق والی ہے (انت طالق)، توطلاق ہو گئی ہے (انت مطلقۃ) میں نے تجھے طلاق دے دی (طلقتک) پس ان الفاظ سے طلاق رجعی واقع ہو گئی۔ اس لئے کہ الفاظ مذکورہ صرف طلاق میں استعمال کئے جاتے ہیں لہٰذا کسی دوسرے مفہوم میں استعمال نہیں کئے جاتے (اس لئے یہ طلاق کے الفاظ صریحہ ہیں) لہٰذا ان میں سے کسی ایک کے وقوع کے بعد رجعت ہو گی، اور یہ محتاج نیت نہیں، اس لئے کہ یہ افادیت معنٰی نہیں، "صریح" ہیں، اور اس کی وجہ غلبہ استعمال ہے اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) صراحت کامدار غلبہ استعمال ہے جیسا کہ آخر میں صاحب ہدایہ نے یہ افادہ پیش کیا، جو الفاظ بغیر طلاق نہ استعمال کئے جائیں وہ باب طلاق میں صریح ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ مصنف نے الفاظ ثلاثہ مذکورہ میں صراحت بالطلاق ہونے کی تعلیل ذکر فرمائی ہے، یعنی الفاظ مذکورہ طلاق صریح کے الفاظ ہیں اور علت غلبہ استعمال ہے اور یہ اس بات کیلئے مفید نہیں کہ اگر الفاظ مذکورہ بطور نادر غیر طلاق میں استعمال کئے جائیں تو پھر وہ مفہوم طلاق میں صریح نہ ہوں گے (بلکہ اس کے باوجود وہ صریح طلاق کے الفاظ ہیں) (خلاصہ کلام) وہ ایک ایسی چیز

[1] الهداية كتاب الطلاق باب ایقاع الطلاق المكتبة العربيه کراچی ۲/ ۳۲۹

بالاولی فلاتدافع بین کلامی الهدایة اولاواٰخرا و قد کان افاد هذا فی الفتح نفسه اذقال ماغلب استعماله فی معنی بحیث یتبادر حقیقة اومجازًا صریح فان لم یستعمل فی غیره فاولی بالصراحة فلذا رتب الصراحة فی هذه الالفاظ علی الاستعمال فی الطلاق دون غیره[1] اھ ثم زعم التدافع مع انه قد اندفع بماقرر۔	کے ساتھ تعلیل ہے جو شیئ زائد سمیت علت پر مشتمل ہے، جو بطریق اولیٰ حکم کے لئے مفید ہے پس یہاں بھی اسی طرح ہے کہ منع کامدار راس (سر) ہے اگرچہ اکیلا ہو، پھر جب تمام محتاج الیہ حیات باقی ہوں تو پھر علت شیئ زائد پر مشتمل ہوگی، تو پھر اس سے ممانعت بطریق اولیٰ کافائدہ ہوگا، لہٰذا صاحب ہدایہ کے پہلے اور پچھلے کلام میں کوئی تدافع اور تناقض نہیں، فتح القدیر میں بالکل یہی افادہ پیش فرمایا، جس لفظ کااستعمال کسی معنٰی میں غالب اور زیادہ تر ہو کہ بطور حقیقت یا مجاز وہی معنٰی متبادر ہو تو پھر وہ لفظ اس معنی میں "صریح" ہے۔اور اگر کسی دوسرے معنی میں بالکل استعمال نہ کیاجائے تو پھر وہ اولیٰ بالصراحۃ ہوگا، لہٰذا یہی وجہ ہے کہ ان الفاظ میں صراحت اس بات پر مرتّب ہے کہ الفاظ مذکورہ صرف معنی طلاق میں مستعمل ہیں نہ کہ کسی دوسرے معنی میں اھ پھر اس نے تدافع سمجھا حالانکہ وہ اس کی تقریر (اور اثبات) سے دفع ہوگیا ہے۔(ت)

وللّٰہ الحمد اسی طرز پر ایک بحث میں اُن کے تلمیذ امام ابن امیر حاج کے کلام سے اشارہ نکل سکتا ہے اور ویسا ہی اس کا جواب ہے،

حیث یقول اما قطع الراس عن الجسد بخیط مع بقاء الراس علی حاله فلاینفی	چنانچہ موصوف فرماتے ہیں اگر سر کو کسی دھاگے سے جدااور قطع کیاجائے باوجودیکہ سر بدستور اپنے حال پر باقی رہے تو اس سے کراہت منفی

[1] فتح القدیر کتاب الطلاق باب ایقاع الطلاق مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۵۱

الکراھة لان من الطیر ماھو مطوق فلایتحقق القطع بذٰلك کذا ذکروہ ھو قاصر علی الطیر والظاھر ان الکراھة لاتنتفی فی غیرہ من الحیوانات بھذا الضنیع کمالاتنتفی فیه فیحتاج الغیر الی توجیه غیر ھذاولعل الاولی ان یقال لان الحیوان الحی قدیجعل علی رقبته شیئ ساترلھامن خیط اوغیرہ لغرض من الاغراض فیکون ھذا بمنزلته فلاتزول به الکراھة ثم لم اقف علی انه لو فصل بین نصفه الاعلی والاسفل بخیط حتی صار کانه مقطوع شطرین ھل تزول الکراھة الظاھر انھالاتزول کمافی الراس لنحو ماذکرنا انفا فی الراس ولاسیما فی الاٰدمی فان ذٰلك یکون فیه بمنزلة شد الوسط واللّٰه تعالٰی اعلم[1] اھ۔

اقول: والاتیان

نہ ہوگی کیونکہ کچھ پرندے مطوق (یعنی طوق کئے ہوئے ہوتے ہیں) تو اس سے قطع نہیں پایاجاتا چنانچہ ائمہ کرام نے اسی طرح ذکرفرمایا۔ اور یہ صرف پرندے میں منحصر (بند) ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ کراہت باقی حیوانات میں بھی اس توجیہ کے علاوہ کسی اور توجیہ کی ضرورت ہے، شاید اولٰی یہ ہے کہ کہاجائے کہ کبھی ایساہوتا ہے کسی نہ کسی غرض کی وجہ سے۔ اکثر دھاگہ وغیرہ کسی حیوان کی گردن پر رکھ دیا جاتا ہے جو اس کی گردن کو ڈھانپ دیتا ہے۔ للذا یہ اس کی جگہ یعنی اس کے قائم مقام ہے، پس اس سے کراہت زائل نہ ہوگی۔ پھر میں اس پر واقف اور مطلع نہیں ہواکہ اگر نصف اعلٰی اور نصف اسفل (یعنی اوپر اور نیچے کے حصہ میں) کسی دھاگے سے فصل کردیاجائے اور وہ اس طرح ہوجائے کہ گویا دو حصوں میں قطع کردیاگیاہے تو کیااس صورت میں کراہت زائل ہوجائے گی یا نہیں؟ ظاہر یہ ہے کہ کراہت زائل نہ ہوگی، جیسا کہ حالت راس (سر) میں کراہت زائل نہ ہوگی بشرطیکہ راس میں اس طریقہ کے مطابق کارروائی کی جائے کہ جس کو راس میں ہم نے بیان کیاہے، خصوصًا انسان میں، کیونکہ اس میں وہ کاروائی کمر بستگی کے قائم مقام ہے۔ واللہ

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

بلفظ الظاھر فی الموضعین من شدۃ ورعہ رحمہ اللہ تعالٰی والا فالحکم مقطوع بہ فیھما ولایتوھم احد ان لو ربط خیط فی عنق صورۃ انسان لابھیمۃ اوفی وسطھا ذھب الحکم الشرعی وجاز اقتناؤھا۔ ثم لیس حاصلہ الامثل مافی الفتح ان کل ما لاینافی الحیاۃ لاینفی الکراھۃ ولایلزم منہ ان کل ماینافی الحیاۃ ینفی الکراھۃ کمالایخفی الاتری ان کل مالاینافی الانسانیۃ لاینفی الحیوانیۃ اذلونفی الحیوانیۃ ینافی الانسانیۃ ولیس ان کلما ینافی الانسانیۃ ینفی الحیوانیۃ کالصھیل والنھیق و التوھب فان کل ذٰلک ینافی الانسانیۃ ولاینافی الحیوانیۃ۔	تعالٰی اعلم، **اقول**: (میں کہتاہوں) لفظ "ظاہر" دو جگہ ذکر کرنے سے مصنف علیہ الرحمۃ کی شدت ورع اور احتیاط ہے ورنہ دونوں میں حکم یقینی ہے اور کوئی یہ وہم نہ کرے کہ اگر کسی انسانی تصویر کی گردن میں کوئی دھاگہ باندھا جائے یا اس کے وسط (درمیان) میں ایسا کیا جائے نہ کہ چوپایہ میں۔ پس اس صورت میں حکم شرعی ختم ہوجائے گا اور پھر اس کو محفوظ رکھنا جائز ہوگا۔ پھر اس کا حاصل بالکل وہی ہے جو فتح القدیر میں مذکور ہے، جو چیز حیات کے منافی نہ ہو تو وہ کراہت کی نفی نہیں کرتی اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز حیات کے منافی ہو وہ کراہت کی نفی کرتی ہے جیسا کہ یہ امر مخفی اور پوشیدہ نہیں، کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو چیز انسانیت کے منافی نہیں وہ حیوانیت کی نفی نہیں کرتی کیونکہ اگر حیوانیت کی نفی ہو تو انسانیت کی نفی ہوجائے، اور ایسا نہیں کہ جو انسانیت کے منافی ہو اس سے حیوانیت کی نفی ہوجائے جیسے صہیل (گھوڑے کا ہنہنانا) اور نہیق (گدھے کا ڈھیچوں کرنا) اور ترہب (راہب بننا) اس لئے کہ یہ سب کچھ انسانیت کے منافی ہے لیکن حیوانیت کے منافی نہیں۔ (ت)

عجب نہیں کہ مدقق علائی نے انہیں عبارات فتح وحلیہ کو دیکھ کر یہ تعمیم اضافہ فرمائی ہو حالانکہ وہ مفید تعمیم نہیں، ہاں کلام امام ابو جعفر طحاوی میں فقیر نے اس کی طرف اشارہ پایا،

حیث قال رحمہ اللہ تعالٰی بعد مااحتج علی من قال بکراھۃ الصورۃ مطلقا ولو لغیر حیوان کشجر	چنانچہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان لوگوں کے خلاف استدلال پیش کرنے کے بعد فرمایا جنہوں نے یہ کہہ دیا کہ تصویر مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ غیر حیوان کی کیوں نہ ہو، مثلاً درخت وغیرہ

مثلًا باحادیث فیھا الامر بقطع راس التماثیل مانصه فلما ابیحت التماثیل بعد قطع راسھا الذی لو قطع من ذی الروح لم یبق، دل ذلك علی اباحة تصویر مالاروح له وعلی خروج مالاروح لمثله من الصور مماقدنھی عنه فی الاثار التی ذکرنا فی ھذا الباب وقدروی عن عکرمة فی ھذا الباب ایضا ما حدثنا محمد بن النعمٰن (نذکربسندہ) عن عکرمة عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال الصورۃ الراس الٰی اٰخر ماتقدم۔[1]	کی تصویر، ان روایات کی وجہ سے کہ جن میں تماثیل (مجسمے) کے سر کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ موصوف کی یہ نص ہے۔ جب قطع راس (سرالگ کردینا) کے بعد تماثیل کی اجازت دی گئی (اور اسے مباح قرار دیا گیا) للذا اگر ذی روح کا سر کاٹ دیا جائے تو پھر وہ ذی روح کی صورت نہ رہے گی، او ریہ غیر ذی روح کی تصویر کے مباح ہونے کی دلیل ہے اور جس میں روح نہ ہو وہ اس تصویر سے خارج ہے کہ جس سے ان آثار میں منع کر دیا گیا کہ جنہیں ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے، چنانچہ اس باب میں نیز حضرت عکرمہ سے وہ حدیث مروی ہے کہ جس کو ہم سے محمد بن نعمان نے بیان فرمایا ہم اسے سند سے بحوالہ عکرمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کرتے ہیں، فرمایا: تصویر سر کا نام ہے۔ آخر تک وہی کلام ہے جو پہلے بیان ہو چکا۔ (ت)

کلام دُر کے لئے یہ غایت ابدائے سند ہے اقول: اگرچہ ان کا آخر کلام اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استناد بتا رہا ہے کہ تصویر نہ رہنا حکم منع سے خارج کرنے کا مدار ہے اور یہی چاہئے کہ شرع نے حکم منع تمثال ظاہر غیر مستہان پر فرمایا تو جب تک تمثال بلااہانت ظاہر ہے منع باقی ہے، ہاں جب تمثال نہ رہے یا اہانت ہو منع نہ رہے گا کہ مناط منع منتفی ہو گیا قطع سر میں تمثال نہیں رہتی جیسا کہ حدیث ابوہریرہ وعبارت ہدایہ سے خود کلام امام اعظم سے گزرا بخلاف دیگر اعضا کہ جب تک چہرہ باقی تصویر باقی اگرچہ اور اعضا نہ ہوں ولہٰذا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حدیث آئندہ اور محرر مذہب امام محمد نے جامع صغیر اور جملہ کتب مذکورہ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں صرف نفی راس پر اقتصار فرمایا، واللہ تعالٰی اعلم۔ بہرحال اگر اسی پر چلئے۔ **فاقول**: وباللہ التوفیق (اللہ تعالٰی کی توفیق ہی کے سہارے میں کہتا ہوں۔ ت) تصویر میں حیات

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب الصور تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۳

آپ تو کسی حالت میں نہیں ہوتی نہ وہ کسی حال میں جملہ اعضائے مدار حیات کا استیعاب کرتی ہے عکسی میں تو ظاہر کہ اگر پورے قد کی بھی ہو تو صرف ایک طرف کی سطح بالا کا عکس لائے گی خول میں نصف جسم بھی ہوتا تو عادۃً حیات ناممکن ہوتی نہ کہ صرف نصف سطح اور بت میں بھی اندرونی اعضا مثل دل وجگر وعروق نہیں ہوتے اور ڈاکٹری کی ایک تصویر خاص لیجئے جس میں اندر باہر کے رگ پٹھے تک سب دکھائے جاتے ہیں تو رگوں میں خون کہاں سے آئے گا غرض تصویر کسی طرح استیعاب مابہ الحیاۃ نہیں ہوسکتی فقط فرق حکایت وفہم ناظر کا ہے اگر اس کی حکایت محکی عنہ میں حیات کا پتادے یعنی ناظر یہ سمجھے کہ گویا ذوالتصویر زندہ کو دیکھ رہا ہے تو وہ تصویر ذی روح کی ہے اور اگر حکایت حیات نہ کرے ناظر اس کے ملاحظہ سے جانے کہ یہ حی کی صورت نہیں، میت وبے روح کی ہے تو وہ غیر ذی روح کی ہے، سنن ابی داؤد جامع ترمذی وسنن نسائی وصحیح ابن حبان وشرح معانی الآثار امام طحاوی ومستدرک حاکم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتانی جبریل قال اتیتك البارحۃ فلم یمنعنی ان اکون دخلت الا انہ کان علی الباب تماثیل وکان فی البیت قرام ستر فیہ تماثیل کلب فمر براس التمثال الذی علی باب البیت فیقطع فیصیر کھیأۃ الشجرۃ ومر بالستر فلیقطع فلیجعل وسادتین منبوذتین توطان ومر الکلب فلیخرج ففعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	(حضرت ابوہریرہ نے) فرمایا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میری خدمت میں حضرت جبرائیل حاضر ہوئے اور فرمایا کہ میں گزشتہ رات آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا لیکن مجھے اندر داخل ہونے سے صرف اس چیز نے روکا کہ دروازے پر تصویریں تھیں اور گھر میں بھی باریک پردہ تھا کہ جس پر تصویریں موجود تھیں نیز گھر میں کتا تھا لہٰذا آپ اس تصویر کے متعلق فرمادیں کہ اس کا سرکاٹ دیا جائے تاکہ وہ درخت کی طرح ہوجائے، اور پردے کے بارے میں فرمادیں کہ اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا جائے اور دو مسندیں بنائی جائیں جو زمین پر ڈالی اور پاؤں سے روندی جائیں، اور کتے کے بارے میں فرمادیجئے کہ اسے باہر نکال دیا جائے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سب کچھ اس طرح کیا۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی الصور آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۷ جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان الملائکۃ لاتدخل بیتا الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۴، شرح معانی الآثار کتاب الکراہۃ باب الصور تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۲

دیکھئے جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی عرض کی کہ ان تصویروں کے سر کاٹنے کا حکم فرمادیجئے جس سے ان کی ہیأت درخت کے مثل ہوجائے حیوانی صورت نہ رہے اس کا صریح مفاد تو وہی ہے کہ بے قطع راس حکم منع نہ جائے گا کہ بغیر اس کے نہ پیڑ کی مثل ہوسکتی ہیں نہ صورت حیوانی سے خارج، اور اگر تنزل کیجئے تو اس قدر تولازم کہ ایسا کردیجئے جس سے وہ ایک بے جان کی صورت معلوم ہو اس سے حالت بے روحی مفہوم ہو، ولہٰذا علامہ سید طحطاوی رحمہ اللہ تعالٰی نے اسی قولِ دُر کی شرح میں فرمایا:

قولہ لاتعیش بدونہ انما لاتکرہ الصلٰوۃ الیہا لانہا صورۃ میت وھو لایعبد [1] اھ **اقول:** والاولٰی وھی لاتعبد لان المشرکین انمایعبدون المیت قال اللہ تعالٰی "اَمۡوَاتٌ غَیۡرُ اَحۡیَآءٍ ۚ" [2]. **نعم لایصورونھم صورۃ میت بل حی۔**	مصنف کا ارشاد کہ اس کے بغیر زندگی نہ ہو۔ پس ایسی تصویر کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ وہ مردے کی تصویر ہے جبکہ مردے کی عبادت نہیں کی جاتی اھ۔ **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) زیادہ بہتر یہ ہے کہ کہا جاتا کہ مردے کی صورت کی عبادت نہیں کی جاتی، اس لئے کہ مشرک تو مُردوں کی عبادت کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: "وہ مُردے ہیں جو زندہ نہیں" ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ مُردوں کی صورت پر ان کی تصویریں نہیں بناتے بلکہ زندوں کی صورت پر ان کی تصویریں بناتے ہیں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ عکسی تصویریں اگرچہ نیم قد یا سینہ تک بلکہ اگر صرف چہرہ کی ہو ہرگز نہ مثل شجر ہوتی ہیں نہ مردہ، ذوالصورۃ کی حکایت کرتی ہیں بلکہ یقینا جیتے جاگتے کی صورت دکھاتی ہیں، اور ناظرین کا ذہن ان سے حالت حیات ذوالصورۃ ہی کی طرف جاتا ہے کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ مردہ کی صورت ہے اور مدار حکم اسی فہم پر تھا، نہ حیات وموت حقیقی پر جس سے تصویر کو بہرہ نہیں۔ آیا نہیں دیکھتے کہ سلاطین نصارٰی اپنی ایسی ہی ناقص تصویریں سکہ پر منقوش کراتے ہیں اگر اس سے حالت موت مفہوم ہوتی تو کبھی نہ چاہتے کہ سکہ میں اپنی مردہ کی صورت دکھائیں تو انصافاً یہ عبارتِ دُرمختار بھی ان تصویروں سے نفی ممانعت نہیں کرتی وہ اس تصویر کے لئے ہے جسے توڑ پھوڑ کر اس حالت پر کردیں کہ اس میں حالت حیات کی حکایت نہ رہے جو اسے دیکھے میت بے روح کی صورت جانے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں۔ت) اور اب عجب نہیں کہ چہرہ کے سوا دیگر اعضائے مدار حیات کے عدم اصلی واعدام بنقض وابطال میں معنی مقصود بحکایۃ الحیاۃ عرفاً مفہوم ہونے نہ ہونے سے بعض صور میں فرق پیدا ہو بخلاف چہرہ کہ سرے سے نہ بنایا یا

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷۴

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۱

بناہوا توڑدیا بہر حال حکایت نہیں ہوتی **کمالایخفی فلیتسأل وباللہ التوفیق** (جیسا کہ یہ بات پوشیدہ نہیں، پھر پوچھنا چاہئے، اور اللہ تعالٰی کے فضل ہی سے توفیق حاصل ہو سکتی ہے۔ت)

ثالثاً: بتوفیق اللہ وجل کے وہ تحقیق بیان کریں جس سے اس مبحث کے تمام علل واحکام واصول وفروع متجلی ہوں۔ تصویر ممنوع میں کراہت نمازوحکم ممانعت کی علت مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے مشابہت عبادت صنم بتائی، ہدایہ میں صراحۃً اسی میں حصر فرمایا:

حیث قال لاباس بان یصلی وبین یدیہ مصحف معلق اوسیف معلق لانھما لایعبد ان وباعتبارہ تثبت الکراھۃ[1]۔	چنانچہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ آدمی نماز پڑھے جبکہ اس کے سامنے مصحف شریف یا تلوار لٹکی ہوئی ہو اس لئے کہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی، اور باعتبار عبادت کراہت ثابت ہوتی ہے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

قولہ وباعتبارہ تثبت الکراھۃ قدم المعمول لقصد افادۃ الحصر[2]۔	مصنف کا یہ کہنا کہ عبادت کی وجہ سے کراہت ثابت ہوتی ہے اس میں معمول کو مقدم کیا گیا ہے تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو۔ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

لاتعبد اذاکانت صغیرۃ بحیث لاتبدو للناظر و الکراھۃ باعتبار العبادۃ فاذالم یعبد مثلھالایکرہ[3]۔	جب تصویر چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کے لئے واضح نہ ہو تو اس کی عبادت نہیں کی جاتی اور کراہت بلحاظ عبادت ہے، پھر جب اس قسم کی تصویر کی عبادت نہ کی گئی تو کراہت نہیں۔ (ت)

اور مصلی کے کپڑوں پر تصویر ہونے کی ممانعت کو حامل صنم کی مشابہت سے تعلیل فرمایا جیسا کہ ہدایہ وکافی وتبیین میں ہے:

[1] الہدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ فصل ویکرہ للمصلی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۱

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۶

واللفظ للهداية لو لبس ثوبا فيه تصاوير يكره لانه يشبه حامل الصنم والصلٰوۃ جائزة فی جمیع ذٰلك لاستجماع شرائطها وتعاد علی وجه غیر مکروه۔[1]	ہدایہ میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر کسی نے ایسا کپڑا پہنا کہ جس میں تصویریں ہیں تو مکروہ ہے اس لئے کہ یہ حالت بت اٹھانے والے کے مشابہ ہے اور نماز ان تمام صورتوں میں جائز ہے، اس لئے کہ اس کی تمام شرائط موجود ہیں البتہ غیر مکروہ صورت پر نماز کو لوٹایا جائے۔(ت)

اس حصر کے منافی نہیں کہ وقت عبادت حامل صنم سے مشابہت بھی عبادت صنم سے مشابہت ہے مگر انہیں کتب سے تعلیل مسائل میں دو علتیں اور مفہوم ہوتی ہیں، ایک یہ کہ جہاں تصویر ممنوع رکھی ہو ملائکہ اس مکان میں نہیں جاتے اور جس مکان میں ملائکہ رحمت نہ آئیں وہ ہر جگہ سے بدتر ہے، دوسرے تعظیم تصویر۔ ہدایہ میں ہے:

یکره ان یکون فوق راسه فی السقف او بین یدیه او بحذائه تصاویر اوصورة معلقة لحدیث جبریل انا لاندخل بیتا فیه کلب وصورة۔[2]	یہ مکروہ ہے کہ کسی انسان کے سر کے اوپر چھت میں تصویر لگی ہوئی ہو یا اس کے سامنے ہو یا اس کے مقابل تصویریں ہوں یا کوئی تصویر لٹکی ہوئی ہو، اور اس کراہت کی وجہ حدیث جبرائیل ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا یا تصویر ہو۔(ت)

کافی میں اتنا زائد کیا:

وبیت لاتدخل فیه الملئکة شر البیوت۔[3]	جس گھر میں فرشتے داخل نہ ہوں وہ بدترین گھر ہے۔(ت)

امام زیلعی نے دونوں تعلیلوں کو جمع فرمایا:

حیث قال لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتدخل الملئکة بیتا فیه	چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے فرمایا اور وہ یہ ہے کہ فرشتے ایسے

[1] الهداية كتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکره فیها المکتبة العربیه کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] الهداية كتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکره فیها ۱/ ۱۲۲

[3] کافی شرح وافی

کلب ولاصورۃ ولانہ یشبہ عبادتھا فیکرہ[1]۔	گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا یا تصویر ہو۔ اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں عبادت تصویر کی مشابہت ہے لہٰذا یہ مکروہ ہے۔(ت)

نیز کتب ثلٰثہ میں ہے:

لوکانت الصورۃ علی وسادۃ ملقاۃ او بساط مفروش لایکرہ لانھا تداس وتوطأ بخلاف مااذاکانت الوسادۃ منصوبۃ اوکانت علی السترۃ لانہ تعظیم لھا[2] اھ ھذا لفظ الھدایۃ ولفظ الکافی والتبیین اوکانت علی الستر[3] اعنی بدون التاء وھواولی کمالایخفی۔	اگر کوئی تصویر پڑے ہوئے تکیے پر ہو یا بچھے ہوئے بچھونے پر ہو تو مکروہ نہیں اس لئے کہ اس صورت میں اسے پامال کیا جاتاہے اور پاؤں میں رکھا جاتاہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب تکیہ کھڑا کیا جائے یا پردے پر کوئی تصویر ہو(اس صورت میں کراہت ہوگی)اس لئے کہ تصویر کی تعظیم پائی گئی اھ یہ الفاظ ہدایہ کے ہیں، اور کافی اور تبیین کے یہ الفاظ ہیں یا کسی پردے پر تصویر کے نقوش ہوں۔ میری مراد یہ ہے کہ لفظ ستر کے آخر میں حرف تاء نہیں ہونا چاہئے اور یہ زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

محقق نے فتح القدیر میں صرف مکان میں تصویر ممنوع بروجہ اکرام رکھے ہونے کی کراہت کو نماز کی طرف ساری بتایا اگرچہ تشبّہ عبادت نہ ہو،

حیث قال لوکانت الصورۃ خلفہ او تحت رجلیہ ففی شرح عتاب لاتکرہ الصلٰوۃ ولکن تکرہ کراھۃ جعل الصورۃ فی البیت للحدیث ان الملئکۃ لاتدخل بیتا فیہ کلب اوصورۃ الا	چنانچہ فتح القدیر نے فرمایا اگر تصویر پس پشت ہو یا اس کے دونوں پاؤں کے نیچے پڑی ہو تو شرح عتاب میں فرمایا کہ اس صورت میں نماز مکروہ نہ ہوگی لیکن تصویر کا گھر میں رکھنا مکروہ ہے اس حدیث کی بناء پر کہ "اس گھر میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو"۔ مگر

[1] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۶

[2] الھدایۃ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[3] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۷

ان هذا یقتضی کراهة کونها فی بساط مفروش وعدم الکراهة اذاکانت خلفه وصریح کلامهم فی الاول خلافه وقوله(ای صاحب الهدایة)اشدها کراهة ان تکون امام المصلی الی ان قال ثم خلفه یقتضی خلاف الثانی ایضا لکن قدیقال کراهة الصلٰوة ثبت باعتبار التشبه بعبادة الوثن ولیسوا یستدبرونه ولا یوطونه فیها ففیما یفهم مماذکرنا من الهدایة (ای من الکراهة اذاکانت خلف المصلی)نظروقدیجاب بانه لابعد فی ثبوتها فی الصلٰوة باعتبار المکان کما کرهت الصلٰوة فی الحمام علی احد التعلیلین وهو کونها ماوی الشیاطین فان قیل فلم لم یقل بالکراهة ان کانت تحت القدم وماذکرت یفیده لانها فی البیت،وبه یعترض علی المصنف ایضا حیث یقول لایکره کونها

اس کاتقاضاتو یہ ہے کہ اگر تصویر کسی بچھے ہوئے بچھونے پر ہو تو کراہت ہوگی لیکن اس وقت کراہۃ نہ ہوگی جبکہ تصویر اس کے پیچھے ہو۔اور درصورت اول ائمہ کرام کاصریح کلام اس کے خلاف ہے۔اور صاحب ہدایہ کاارشاد کہ شدید تر کراہت ہوگی،اگر کوئی تصویر نمازی کے آگے ہو۔یہاں تک کہ فرمایا پھر اس سے کم درجہ کراہت ہوگی جبکہ تصویر اس کے پیچھے ہو۔اور یہ صورت ثانیہ کے خلاف کاتقاضا کرتی ہے لیکن کبھی یہ بھی کہہ دیاجاتاہے کہ نماز میں ثبوت کراہت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں عبادت صنم سے تشبہ ہے،حالانکہ کسی صنم کے پجاری دونوں صورتوں میں نہ تو اس سے پیٹھ پھیرتے ہیں نہ ہی اسے پامال کرتے ہیں لیکن جوکچھ ہم نے ہدایہ سے ذکر فرمایااس سے تو یہی مفہوم ہوتاہے کہ اگر تصویر نمازی کے پیچھے ہوتو بھی کراہت ہوگی۔لہٰذااس قول میں نظر اور اشکال ہے۔لیکن کبھی یہ جواب دیاجاتاہے کہ بحیثیت مکان کراہت نماز کے ثبوت میں کوئی بعد نہیں۔جیسا کہ ایک تعلیل کے مطابق حمام میں نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ شیاطین کا ٹھکانا(اور مرکز) ہے۔اگر کہاجائے کہ یہ کیوں نہ کہاگیاکہ اگر تصویر پاؤں میں پڑی ہو تو بھی کراہت ہوگی،حالانکہ جوکچھ بیان فرمایاگیااس سے تو یہ فائدہ حاصل ہوتاہے،اس لئے کہ تصویر گھر میں موجود ہے،باوجودیکہ اس سے

فی وسادۃ ملقاۃ فالجواب لایکرہ جعلہا فی المکان کذٰلک لیتعدی الی الصلٰوۃ وحدیث جبریل مخصوص بذٰلک[1] اھملخصاً۔	مصنف علیہ الرحمۃ پر اعتراض کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ وہ فرما رہے ہیں کہ اگر پڑے ہوئے گدے میں تصویر ہو تو کراہت نہ ہوگی، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مکان میں بایں طور تصویر رکھنا مکروہ نہیں تاکہ نماز کی طرف تعدیہ ہو۔ اور حدیث جبریل اس سے مخصوص ہے اھ ملخصاً (ت)

ان کے تلمیذ محقق ابن امیر الحاج نے حلیہ میں صرف امتناع ملٰئکہ کے علت ہونے کا استظہار اور تشبہ پر مدار سے انکار فرمایا، ہاں اسے موجب زیادت کراہت بتایا،

وھذا نصہ فان قیل ان کانت العلۃ فی الکراھۃ کون المحل الذی تقع فیہ الصلٰوۃ لاتدخلہ الملٰئکۃ حینئذ لان شر البقاع بقعۃ لاتدخلہ الملٰئکۃ فینبغی ان تکرہ الصلٰوۃ فی بیت فیہ الصورۃ سواء کانت مھانۃ اوغیر مھانۃ فان ظاھر نص الصحیحین عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتدخل الملٰئکۃ بیتاً فیہ کلب ولاصورۃ یقتضی انہ لاتدخل الملٰئکۃ ھذا البیت ایضا (ای مافیہ الصورۃ مھانۃ) لان النکرۃ فی سیاق النفی عامۃ غایۃ الامر ان کراھۃ الصلٰوۃ فیہا	چنانچہ محقق موصوف کی یہ تصریح ہے، اگر کہا جائے کہ کراہت کی علت گھر میں فرشتوں کا داخل نہ ہونا ہے تو جس گھر میں تصویر موجود ہو وہاں نماز مکروہ ہو وہ تصویر خواہ تذلیل کی صورت میں ہو یا غیر تذلیل کی صورت میں ہو، کیونکہ بخاری اور مسلم کی ظاہر نص یہی چاہتی ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہ ہوں گے جس میں تصویر بصورت تذلیل ہی رکھی ہو کیونکہ نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے، اور نص جو حضور اکرم (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) سے مروی ہے وہ یہ ہے کہ اس گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے کہ جس میں کتا یا تصویر موجود ہو۔ (نکرہ سیاق نفی میں عام ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث پاک میں لفظ "بیتا" نکرہ ہے جس کا معنی "کوئی گھر" ہے اور یہ "لاتدخلہ" جو جملہ منفیہ ہے اس کے تحت داخل ہے یعنی فرشتے

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب یفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۲

اذا کانت الصورۃ فی موضع سجودہ اوامامہ اوفوقہ اشد وان کانت العلۃ فی الکراھۃ التشبہ بعبادۃ الصورۃ فلاتکرہ اذالم تکن امامہ ولافوق راسہ لان التشبہ لایظھر الااذاکان علی احد ھٰذین الوجھین فالجواب ان الذی یظھر ان العلۃ ھی الامر الاول واما الباقی فعلاوۃ تفید اشدیۃ الکراھۃ غیر ان عموم النص المذکور مخصوص باخراج ماتقدم اخراجہ من الکراھۃ[1] اھملخصًا۔	کسی ایسے گھر میں نہیں جاتے جہاں کسی بھی حالت میں تصویر موجود ہو۔ مترجم) انتہائی امر یہ ہے کہ نماز میں اس صورت میں شدید تر کراہت ہوگی جبکہ تصویر محل سجدہ میں ہو یا نمازی کے آگے یااس کے اوپر، اور اگر کراہت کی علت عبادت تصویر سے تشبہ ہو تو اگر تصویر نمازی کے آگے یااس کے سر کے اوپر نہ ہو تو کراہت نہ ہوگی کیونکہ تشبّہ صرف ان دو صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ جوکچھ ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علت صرف پہلا امر ہے اور اس کے علاوہ جوکچھ باقی ہے وہ شدید تر کراہت کا فائدہ دیتا ہے۔ علاوہ یہ کہ نص مذکور کا عموم، مخصوص منہ البعض ہے کہ اس سے وہ کراہت خارج کردی گئی کہ جس کے اخراج کا ذکر پہلے آگیا ہے اھ ملخصًا (ت)

اسی بناپر صور صغار سے نفی کراہت کی دلیل کہ ہدایہ وکافی وتبیین وعامہ مشائخ کرام نے افادہ فرمائی اور ان کے شیخ محقق علی الاطلاق نے اس پر تقریر کی، اعتراض فرمادیا،

فقال اما عدم الکراھۃ اذاکانت الصورۃ صغیرۃ لا تظھر للناظر علی بعد فقالوا لانھا لاتعبد والکراھۃ انماکانت باعتبار شبہ العبادۃ[2] وقد عرفت مافی ھذا۔	محقق ابن ہمام نے فرمایا، رہی یہ بات کہ کراہت نہ ہوگی جبکہ تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کے لئے دور سے واضح اور نمایاں نہ ہوتوائمہ فقہ نے عدم کراہت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس قدر چھوٹی تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی، اور تحقق کراہت باعتبار شبہ عبادت ہے، بلاشبہہ اس میں جو نقص ہے آپ اسے پہچان گئے (ت)

صاحب بحر نے بحر میں ان کی تبعیت کی بلکہ ان کے استظہار پر جزم کیا،

فقال انما لم تکرہ الصلٰوۃ فی بیت	مصنف بحر رائق نے فرمایا، ایسے گھر میں نماز پڑھنی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

فیه صورة مهانة مع عموم الحدیث ان الملئکة لاتدخله وهو علة الکراهة لوجود مخصص(الٰی ان قال)الا ان تکون صغیرة لان الصغار جدا لاتعبد والکراهة انما کانت باعتبار شبه العبادة کذا قالوا وقد عرفت مافیه[1] اھ قال فی منحة الخالق مافیه ای ان العلة لیست التشبه بل عدم دخول الملئکة علیهم السلام[2] اھ **اقول:** کل کلامه ھٰھنا ماخوذ عن الحلیة و ان لم یعزالیها ولم یقدم ماقدم هو لنفی علیة التشبه من لزوم ان لاتکرہ اذا لم تکن امامه ولا فوقه فلم یستقم له قوله قد عرفت مافیه۔	مکروہ نہیں کہ جس میں تصویر کی تذلیل ہو باوجود عموم حدیث کہ تصویر والے گھر میں فرشتے داخل نہیں ہوتے،اور ان کا غیر دخول کراہت کے لئے علت ہے باوجودیکہ اس کا مخصص موجود ہے، یہاں تک کہ فرمایا، مگر یہ کہ تصویر چھوٹی ہو، کیونکہ بلاشبہہ چھوٹی تصویروں کی عبادت نہیں ہوتی،اور کراہۃ باعتبار شبہ عبادت ہے،ائمہ کرام نے یونہی ذکر فرمایا۔ اور تمہیں معلوم ہے جوکچھ اس میں کمزوری ہے اھ،منحۃ الخالق میں فرمایا جوکچھ اس میں ہے(مافیہ) یعنی علت محض تشبّہ نہیں بلکہ ملائکہ کرام علیہم السلام کاوہاں عدم دخول ہے اھ **اقول:** (میں کہتاہوں) یہاں ان کاسارا کلام الحلیہ سے ماخوذ ہے اگرچہ اس کی طرف نسبت نہیں کی اور مقدم نہیں کیا (یعنی پہلے ذکر نہیں کیا) جوکچھ اس نے مقدم کیاتھا"علیۃ"تشبّہ کی نفی کے لئے بوجہ اس لزوم کے کہ نماز مکروہ نہیں ہوتی جبکہ تصویر آگے اوراوپر نہ ہو۔ لہٰذا اس کا یہ کہنا کہ قد عرفت مافیہ ٹھیک اور مستقیم نہیں۔(ت)

پھر محقق حلبی نے اثنائے کلام میں دوعلت باقی اعنی تشبّہ و تعظیم کی طرف بھی میل فرمایا یہاں تک کہ صورت تشبّہ وشبہہ تعظیم کوموجب ٹھہرایا،اور بحر نے بدستور اتباع کیا،

وھذا نص الحلیة بعد ماقدمنا عنها وذکر الاحادیث المخصصة.قال نعم علی ھذا یقال ینبغی ان لاتکرہ الصلٰوة علی بساط فیه صورة وان کانت فی	حلیہ کی یہ تصریح،اس کے بعد سے جوکچھ ہم اس کے حوالہ سے پہلے بیان کرآئے ہیں اور بعد ذکرفرمانے احادیث مخصصہ کے فرمایا چنانچہ اس نے کہاکہ ہاں اس روش پر یہ کہاجاسکتاہے کہ پھر تومناسب ہے کہ نماز ایسے بچھونے پر

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸،۲۷

[2] منحۃ الخالق علی البحر الرائق باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۸،۲۷

موضع السجود لان ذٰلك ليس بمانع من دخول الملئكة كما افادته هذه النصوص[1]. فان قلت الكراهة فی هذه الصورة انما هی معللة بالتشبه بعبادة الاصنام لاغير قلت يمكن ان يقال وجود التشبه المذكور فی هذه الصورة ممنوع فان عباد التماثيل والصور لا يسجدون عليها وانما ينصبونها ويتوجهون اليها بل الذی ينبغی ان يكره علی هذا ما اذا كانت الصورة امامه لا فی موضع سجوده اللهم الا ان يقال انها اذا كانت امامه فی موضع سجوده تكون فی الصلٰوة صورة الشبه بالعبادة لها فی حالة القيام والركوع ثم فی حالة السجود عليها ان لم يوجد التشبه بعبادتها فهو لا يعری عن نوع شبه بتعظيم الصور لان ذٰلك يشبه فی صورة الخضوع لها وتقبيلها ولا باس بهذا التوجيه وان لم يذكروه۔	مکروہ نہ ہو کہ جس میں تصویر ہوا گرچہ وہ جائے سجدہ میں ہو کیونکہ یہ دخول ملائکہ سے مانع نہیں جیسا کہ ان نصوص نے افادہ بخشا۔ اگر کہا جائے کہ اس صورت میں کراہت معللہ کی علت صرف تشبہ عبادت اصنام ہے اور کچھ نہیں۔ **میں کہتا ہوں** ممکن ہے یہ کہا جائے کہ اس صورت میں "تشبہ" مذکور کا پایا جانا ممنوع (غیر مسلم) ہے اس لئے کہ مورتیوں اور تصویروں کے پجاری ان پر سجدہ نہیں کرتے بلکہ انہیں کھڑا کرکے ان کی طرف متوجہ رہتے ہیں بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس صورت میں کراہت اس وقت ہو کہ جب تصویر اس کے آگے ہو نہ کہ اس کے محل سجدہ میں ہو۔ اے اللہ! تیری ہی نصرت سے یہ کہا جائے کہ جب تصویر اس کے آگے اس کی جائے سجدہ میں ہو تو پھر نماز میں بحالت قیام اور رکوع تشبہ عبادت صورتًا پایا جائے گا، پھر تصویر پر سجدہ کرنے کی صورت میں اگرچہ تصویر کے لئے تشبہ عبادت نہ پایا جائے گا تاہم یہ حال اس سے خالی نہ ہوگا کہ اس میں تعظیم تصویر کا ایک نوع شبہ ہوگا، کیونکہ یہ صورت تصویر کے لئے عاجزی اور اس کی بوسہ زنی کے مشابہ ہوگی اور اس توجیہ کے ذکر کرنے میں کچھ حرج نہیں اگرچہ ائمہ کرام نے اسے ذکر نہیں فرمایا۔ (ت)

علامہ شامی نے تشبّہ و تعظیم دو علتیں رکھیں اور امتناع ملائکہ سے تعلیل کو نامناسب ٹھہرایا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

اولًا باتباع ہدایہ وغیرہا فرمایا:

علۃ کراھۃ الصلٰوۃ بہا التشبہ[1].	تصویر کے ساتھ نماز پڑھنے کی کراہت کی علت تشبہ عبادت ہے(ت)

پھر چند قول کے بعد لکھا:

قد ظھر من ھذا ان علۃ الکراھۃ فی المسائل کلہا اما التعظیم او التشبہ علی خلاف ما یاتی[2]۔	اس سے یہ ظاہر اور واضح ہوا کہ ان تمام مسائل میں کراہت کی علت دو چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔(۱) تعظیم **(۲)** یاتشبہ عبادت۔اس کے خلاف ہے جوکچھ آگے آئے گا۔ (ت)

پھر ایک صفحہ کے بعد کلام مذکور حلیہ وبحر تلخیص کرکے فرمایا:

اقول: الذی یظھر من کلامھم ان العلۃ اما التعظیم او التشبہ کما قدمناہ والتعظیم اعم کما لوکانت عن یمینہ اویسارہ اوموضع سجود فانہ لاتشبہ فیہا بل فیہا تعظیم ،وماکان فیہ تعظیم وتشبہ فھو اشد کراھۃ،وخبر جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام معلول بالتعظیم بدلیل الحدیث الاٰخر وغیرہ فعدم دخول الملٰئکۃ انما ھو حیث کانت الصورۃ معظمۃ وتعلیل کراھۃ الصلٰوۃ	**میں کہتا ہوں** جوکچھ ان کے (ائمہ کرام کے) کلام سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کراہت کی علت تعظیم یاتشبّہ ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو پہلے بیان کردیا ہے،اور تعظیم زیادہ عام ہے جیسا کہ اگر تصویر اس کی دائیں یا بائیں طرف ہو یا اس کے محل سجدہ میں ہو (تو تعظیم پائی جائے گی) کیونکہ ان صورتوں میں تشبہ عبادت نہیں بلکہ ان میں صرف تعظیم ہے، لیکن جس صورت میں تعظیم اور تشبہ دونوں ہوں توپھر اس میں شدید تر کراہت ہوگی،اور حضرت جبریل علیہ السلام کی خبر معلول بالتعظیم ہے اس کی دلیل دوسری حدیث وغیرہ ہے اور فرشتوں کا داخل نہ ہونا وہاں ہے جہاں تصویر تعظیم سے رکھی ہو،اور نماز کے مکروہ ہونے کی تعلیل تعظیم کو

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

بالتعظیم اولی من التعلیل بعدم الدخول لان التعظیم قد یکون عارضا لان الصورۃ اذا کانت علی بساط مفروش تکون مھانۃ لاتمنع من الدخول ومع ھذا لوصلی علی ذلك البساط وسجد علیھا تکرہ لان فعلہ ذلك تعظیم لھا والظاھر ان الملئکۃ لاتمنع من الدخول بذلك الفعل العارض[1]۔	قرار دینا عدم دخول ملائکہ کو تعلیل قرار دینے سے کہیں بہتر ہے کیونکہ تعظیم کبھی عارضی ہوتی ہے مثلًا تصویر کسی بچھے ہوئے بچھونے پر تذلیل سے پڑی ہو تو پھر یہ دخول ملائکہ سے مانع نہ ہوگی۔ اس کے باوجود اگر اس بچھونے پر نماز پڑھے اور اس تصویر پر سجدہ کرے تو کراہت ہوگی، کیونکہ اس کا یہ فعل تصویر کی تعظیم ہے، اور ظاہر ہے کہ اس عارضی فعل کی وجہ سے فرشتے وہاں جانے سے نہیں رکتے۔ (ت)

عجب یہ کہ علامہ قوام کاکی نے درایہ میں بعض صورتیں تعظیم وتشبہ دونوں منتفی مان کر کراہت ثابت مانی۔ درمختار میں ہے:

اختلف فیما اذا کان التمثال خلفہ والاظھر الکراھۃ[2]۔	اس میں اختلاف کیا گیا جبکہ تصویر پیٹھ پیچھے ہو، زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کراہت ہوگی الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لکنھا فیہ ایسر لانہ لاتعظیم فیہ ولاتشبہ معراج[3]۔	لیکن کراہت اس میں زیادہ آسان ہے کیونکہ اس میں نہ تو تعظیم ہے اور نہ تشبہ ہے، معراج۔ (ت)

علامہ شامی نے اس نفی کی یہ توجیہ کی:

قلت وکان عدم التعظیم فی التی خلفہ وان کانت علی حائط اوستران فی استدبارھا استھانۃ لھا فیعارض ما فی تعلیقھا من التعظیم بخلاف ما علی بساط مفروش ولم یسجد علیھا فانھا مستھانۃ	**میں کہتا ہوں** اگر تصویر پیٹھ پیچھے ہو تو گویا اس کی کوئی تعظیم نہیں اگرچہ دیوار یا پردے پر ہو اس لئے کہ اسے پیٹھ پیچھے رکھنے میں اس کی توہین وتذلیل ہے، اور تصویر لٹکانے میں جو اس کی تعظیم ہے وہ اس کے معارض ہے۔ بخلاف اس صورت کے تصویر بچھائے گئے بچھونے پر ہو لیکن اس پر سجدہ نہ کرے پھر وہ تو بہر وجہ

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۶

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

من کل وجه[1]۔	ذلیل وخوار ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں) اور عجب تر یہ کہ باوصف انتفائے وصفین اثبات کراہت کی یہ توجیہ فرما کر اس کے متصل ہی وہ لکھا کہ:

قدظهر من هذا ان علة الكراهة فی المسائل كلها التعظيم اوالتشبه وهل هوالاتفريع على النقض[2]۔	اس میں اختلاف کیا گیا جبکہ تصویر پیٹھ پیچھے ہو (کہ اس کا حکم کیا ہے) پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کراہۃ ہوگی بیشک اس سے واضح ہوا کہ ان مسائل میں کراہت کی علت تعظیم یاتشبہ ہے، اور یہ تو نہیں مگر تفریع بر نقض۔(ت)

یہ ہیں بظاہر سات رنگ کے اقوال **وانا اقول: وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذری التحقیق** (اور میں کہتا ہوں اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے اور اسی سے ہے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا۔ت) افادات مشائخ کرام کہ ہدایہ واتباع ہدایہ میں مذکور ہوئے ضرور حق و صحیح، اور ہر غبار سے پاک و نجیح ہیں بیشک سوا تشبہ کے کچھ علت نہیں، اور بیشک تعظیم علت ہے، اور بیشک امتناع ملائکہ علت ہے، متاخرین کے اختلافات وترددات کا منشا ان امور ثلٰثہ میں تفارق سمجھنا ہے حالانکہ ان میں باہم تلازم ہے تشبہ عبادت بے تعظیم ناممکن ہونا تو بدیہی کہ عبادت غایت تعظیم ہے جہاں اصلاً کسی طرح شائبہ تعظیم نہ ہو وہاں شبہ عبادت کیا معنی، ولہذا اگر بساط مفروش میں تصویر ہو اور وہ بساط جانماز نہ ہو نہ مصلی تصویر پر سجدہ کرے تو ہمارے ائمہ کے اجماع سے اصلاً کراہت نہیں کہ اب کوئی وجہ تعظیم نہ پائی گئی تو تشبہ عبادت کہ یہی علت تھا متحقق نہ ہوا **کما تقدم من الکتب الثلثة ومثله فی سائرهن** (جیسا کہ تین کتابوں کے حوالے گزرچکے اور باقی کتابوں میں بھی اسی طرح ہے۔ت) یو ہیں تعظیم تصویر تشبہ عبادت کو مستلزم کہ تعظیم دونوں کو جامع ہے جب اس کا درجہ اعلٰی عبادت ہے ادنٰی میں اس سے مشابہت ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ اس لئے کہ تصویر کو کوئی علاقہ رب عزوجل سے نہیں اور حقیقی مستحق ہر تعظیم وہی حقیقی جلیل عظیم عزجلالہ ہے معظمان دینی کی تعظیم اس کی طرف نسبت وعلاقہ سے ہے وہ غایت عظمت میں ہے تو غایت تعظم اعني عبادت اسی کے لائق، دوسرے کہ اس سے منتسب ہیں، اپنی اپنی نسبتوں کے قدر اس کے حکم سے دیگر معظمات نازلہ کے مستحق، تو یہ تعظیمیں "اعطاء کل ذی حق حقّه" کے قبیل سے ہوئیں بلکہ حقیقۃً اسی کی تعظیم ہیں، ولہذا حضور سید العالمین اعظم المعظمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من اجلال الله اکرام ذی الشیبة	بوڑھے مسلمان اور سنی عالم اور عادل بادشاہ کی

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیه والجافی عنه واکرام السلطان المقسط رواه ابوداؤد[1] بسند حسن عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تعظیمیں اللہ ہی کی تعظیم ہیں (امام ابوداؤد نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت فرمایا ہے۔ت)

مگر جس وجہ کو اس عظیم حقیقی سے علاقہ نہیں وہ اصلًا لائق تعظیم نہیں اور اب جو اس کی ذرا بھی تعظیم کی جائے گی استقلال کی بودے گی کہ علاقہ تبعیت منتفی ہے لاجرم تشبہ عبادت سے مفر نہ ہوگا، ولہذا امام علام فخر الاسلام نے شرح جامع صغیر میں فرمایا:

امساك الصورة علی سبیل التعظیم ظاهرا مکروه لان ذلك یشبه عبادة الصنم اھ نقله عنه فی الحلیة[2]۔	برملا بطور تعظیم کسی تصویر کو اٹھانا مکروہ ہے کیونکہ اس میں عبادت صنم سے مشابہت ہے اھ "الحلیہ" میں اس کو اسی راوی (ابوموسٰی اشعری) سے نقل کیا ہے۔(ت)

یوہیں امتناع ملائکہ اسی گھر میں جانے سے ہوگا جہاں تصویر بروجہ تعظیم رکھی ہو ورنہ ہرگز نہیں، حدیث مذکور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی اس میں نص صریح ہے، امین الوحی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنے نہ حاضر ہونے کی وجہ یہ عرض کی کہ پردہ پر تصویریں منقوش تھیں اور اس کا علاج یہ گزارش کیا کہ اسے کاٹ کر دو مسندیں بنائی جائیں کہ زمین پر ڈالی اور پاؤں سے روندی جائیں، اگر اس کے بعد بھی امتناع باقی رہتا تو علاج کیا ہوا،

فانتفی قول العتابی فیما کانت تحت قدمیه انها تکره کراهة جعلها فی البیوت لاجل الحدیث وقد تقدم عن الفتح انه خلاف صریح کلامهم **اقول**: بل خلاف صریح کلام	لہذا علامہ عتابی کا قول منفی اور زائل ہوگیا کہ اگر تصویر قدموں میں پڑی ہو تو پھر بھی کراہت ہوگی کہ وہ گھر میں موجود ہے اور ایسا حدیث کی وجہ سے ہے، اور فتح القدیر کے حوالہ سے پہلے بیان ہوچکا کہ بات کلام ائمہ کرام کے بالکل صریح خلاف ہے **اقول**: (میں کہتاہوں)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تنزیل الناس منازلهم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۰۹

[2] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

محرر المذھب محمد حیث قال فی مؤطاہ بعد ماروی حدیثا فی المعنی وبھذا ناخذ ماکان فیه من تصاویر من بساط یبسط اوفراش یفرش اووسادۃ فلاباس بذٰلك انما یکرہ من ذٰلك فی الستر وماینصب نصبا وھو قول ابی حنیفة والعامة من فقھائنا [1] اھ وقدروی الطبرانی فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انه رخص فیما کان یوطأ وکرہ ماکان منصوبا [2]۔	(یہی نہیں) بلکہ یہ محررمذہب (مذہب کو قلمبند کرنے والا) امام محمد کے کلام کے بھی صریح خلاف ہے جیسا کہ امام محمد نے اپنی موطامیں ارشاد فرمایا، بعد روایت کرنے حدیث کے اس معنی میں، یہی وجہ ہے کہ ہم اسی کواختیار کرتے ہیں کہ جس بچھائے ہوئے بچھونے پر تصویریں ہوں یا بچھائے گئے فرش یا تکیے میں ہوں توان میں کچھ حرج نہیں، ہاں اگر پردے پر نقش ہوں یا کسی کھڑی کی ہوئی چیز میں ہوتو ضرور کراہت ہوگی اور یہی امام ابوحنیفہ اور ہمارے عام فقہائے کرام کاارشاد ہے اھ اور امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالہ سے نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرمائی کہ جو تصویر پامال اور ذلیل شدہ ہو آپ نے اس کی رخصت اوراجازت دی، اور جواستادہ اور بحالت قیام ہو اسے ناپسند فرمایا۔ (ت)

ردالمحتار میں ٹھیک کہا کہ:

عدم دخول الملئکة انما ھو حیث کانت الصورۃ معظمة [3]۔	فرشتوں کا کسی گھر میں داخل نہ ہونا اس وقت ہے جبکہ تصویر عظمت سے رکھی ہو۔ (ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال الخطابی انما لاتدخل	علامہ خطابی نے فرمایا: فرشتے اس گھر میں

[1] مؤطا الامام محمد باب التصاویر والجرس ومایکرہ منھا آفتاب عالم پریس لاہور ص ۳۸۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۶۹۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۶/ ۳۲۹

[3] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۶

الملئکة بیتا فیه کلب اوصورة ممایحرم اقتناؤه من الکلاب والصور واما مالیس بحرام من کلب الصید و الزرع والماشیة ومن الصورة التی تمتهن فی البساط و الوسادة وغیرهما فلایمنع دخول الملئکة بیته.قال النووی والاظهر انه عام فی کل کلب وصورة وانهم یمتنعون من الجمیع لاطلاق الاحادیث ولان الجرو الذی کان فی بیت النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم تحت السریر کان له فیه عذر ظاهر لانه لم یعلم به، ومع هذا امتنع جبریل علیه الصلٰوة والسلام من دخول البیت وعلله بالجرو[1] اھ مانقله القاری مقرا علیه۔ اقول:ماقاله الامام النووی رحمه الله تعالٰی ورحمنا به محتمل فی الکلب علی نزاع ظاهر	نہیں داخل ہوتے کہ جس میں ایسا کتا یا ایسی تصویر ہو ان کتوں یا ان تصویروں میں سے کہ جن کا محفوظ رکھنا حرام ہے۔لیکن جس کتے اور تصویر کا محفوظ رکھنا حرام نہیں مثلاً شکاری کتا یا کھیتی باڑی اور مال مویشی کی حفاظت کے لئے کتا رکھنا، یا وہ تصویر جو توہین وتذلیل کی صورت میں بچھونے اور تکیے وغیرہ پر ہو (اور ایسی تصویر کا رکھنا حرام نہیں) لہٰذا یہ فرشتوں کو گھر میں داخل ہونے سے نہیں روکتی۔امام نووی نے فرمایا: زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حکم مذکور عام ہے ہر کتے اور ہر تصویر کو شامل ہے لہٰذا فرشتے ان سب وجہوں سے جانے سے رک جاتے ہیں اس لئے کہ احادیث وارده میں اطلاق ہے (یعنی ان میں کوئی قید مذکور نہیں) اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو بچہ سگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاشانہ اقدس میں تھا وہ تخت کے نیچے روپوش تھا اور اس میں حضور پاک کے لئے ایک واضح عذر تھا کیونکہ آپ کو اس کی پوری تفصیل معلوم نہ تھی (اور اس کی وجہ آپ کی توجہ تھی) پس اس کے باوجود حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں داخل ہونے سے رک گئے، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ گھر میں بچہ سگ موجود ہے اھ جو حضرت ملا علی قاری نے اقرار کرتے ہوئے نقل فرمائی۔ **اقول:**

[1] مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس تحت حدیث ۴۴۸۹ ۸/ ۲۶۵و۲۶۶

فیما استدل له به وان تبعه فیه الشیخ فی اشعة اللمعات ورجع اخرا الی استثناء کلب یحل اقتناؤه و ذٰلك لانه کم من فرق بین مارخصه الشرع لحاجة و بین ماوقع من غیر المرخص بدون علم وما مثله الا کنجاسة معفوة شرعا واخری کثیرة صلی معها من دون علم بها.اما ماذکر فی الصورة فلایصرح حدیث جبریل المذکور.وایضا اخرج البخاری والامام احمد عن ام المؤمنین انها کانت اتخذت علی سهوة لها ستر افیه تماثیل فهتکه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قالت فاتخذت منه نمرقتین فکانتا فی البیت نجلس علیهما[1] زاد احمد ولقد رأیته متکئا علی احدٰهما	(میں کہتا ہوں) جو کچھ امام نووی نے ارشاد فرمایا (اللہ تعالٰی ان پر رحمت برسائے اور ان کے طفیل ہم پر بھی رحمت کا نزول فرمائے) کتے میں واضح نزاع کی وجہ سے اس کا احتمال ہے کہ جس سے موصوف نے استدلال کیا ہے اگرچہ شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ میں ان کا ساتھ دیا ہے،اور آخر میں اس کتے کا استثناء فرمایا کہ جس کی حفاظت کرنا شرعًا حلال اور جائز ہے،یہ اس لئے کہ بڑا فرق ہے اس کے درمیان کہ جس کی کسی ضرورت سے شریعت نے اجازت اور رخصت دی اور اس کے درمیان کہ بغیر رخصت دیئے بغیر علم واقع ہوا۔اور اس کی مثال نہیں مگر اس مقدار نجاست کی طرح جو شرعًا معاف ہے۔ اور دوسری مقدار عفو سے بہت زیادہ ہے کہ بغیر علم اس کے ساتھ کسی شخص نے نماز پڑھی۔ لیکن جو کچھ تصویر (صورۃ) کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے تو ذکر کردہ حدیث جبریل اس کی کوئی تصریح نہیں کرتی، نیز بخاری اور امام احمد نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کے حوالے سے اس کی تخریج فرمائی کہ مائی صاحبہ نے طاق پر ایک پردہ لٹکایا جس میں نقشی تصویریں تھیں، تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] صحیح البخاری کتاب المظالم والقصاص باب ھل تکسر الدنان التی فیها الخمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۷

وفیھاصورۃ[1] اھ ۔وماکان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیترك فی البیت شیئا یمنع دخول جبریل علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بل فی حدیثھا رضی اللہ تعالٰی عنھا عند الطحاوی قالت اشتریت نمرقۃ فیھا تصاویر فلمادخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فراٰھا تغیر ثم قال یاعائشۃ ماھٰذہ فقلت نمرقۃ اشتریتھا لك تقعد علیھا قال انا لاندخل بیتا فیہ تصاویر[2] .فالحق ان الامتناع مختص بغیر المھانۃ.واللہ تعالٰی اعلم۔	نے اسے پھاڑ ڈالا،مائی صاحبہ نے فرمایا: پھر میں نے اس کے دو چھوٹے تکیے بناڈالے،وہ گھر میں رکھے ہوتے،اور ہم اہل خانہ ان پر بیٹھتے(یعنی ان سے ٹیک لگا کر بیٹھتے)امام احمد نے اس پر اتنا اضافہ کیا،بلاشبہہ میں نے حضور پاک کو دیکھا کہ آپ ان دونوں میں سے ایک پر ٹیک لگا کر تشریف فرماہوتے جبکہ اس پر تصویر تھی اھ ،حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہر گزیہ شان نہیں کہ گھر میں کوئی ایسی چیز چھوڑ دیتے جو حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گھر میں داخل ہونے سے روک رکھتی،بلکہ امام طحاوی کے نزدیک مائی صاحبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی روایت کچھ اس طرح ہے،فرمایا:میں نے ایک تکیہ خریدا جس میں نقشی تصویریں تھیں پھرجب حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور اسے دیکھا تو چہرہ اقدس کا رنگ تبدیل ہوگیااور ارشاد فرمایا:(اے عائشہ!)یہ کیا ہے؟میں عرض کی ایک چھوٹا سا تکیہ ہے جو میں نے آپ کی خاطر خریدا ہے،کہ اس سے آپ سہارا لگائیں گے،ارشاد فرمایا:ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے کہ جس میں تصویریں ہوں۔حق یہ ہے امتناع اُن تصویروں سے مختص ہے جو بغیر تذلیل وتوہین باعزت طریقے سے رکھی ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم

توظاہر ہوا کہ تینوں علتیں متلازم ہیں اور تینوں سے تعلیل صحیح ہے اور ان میں سے ہر ایک میں حصر بھی کر سکتے ہیں،اور مغز تحقیق یہ ہے کہ اصل علت تعظیم ہے تعظیم ہی سے تشبہ پیدا ہوتا ہے اور تعظیم ہی سے ملائکہ رحمت نہیں آتے،ولہذا اہانت کی صورتیں جائز رکھی گئیں کہ فرش

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۷

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب الصور تکون فی الثیاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰۰

میں ہوں جن پر بیٹھیں، کھڑے ہوں، پاؤں رکھیں، یہ تقریر کلام مشائخ ہے وللہ الحمد۔

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) جبکہ ہر تعظیم تشبّہ عبادت صورت ہے اور ہر تشبّہ عبادت ملائکہ کے لئے قطعًا موجب نفرت، توعارض ولازم میں تفرقہ محض بے اصل، تعلیق ونصب میں بھی تعظیم اسی فعل سے عارض ہوئی نہ کہ نفس ذات صورت کو لازم تھی توبساط مفروش میں جب تصاویر کو موضع سجود میں رکھ کر ان پر سجدہ کیاجائے گا بعینہٖ انہیں معلق ومنصوب کرنے کے مثل ہوگا اور اس وقت دخول ملٰئکہ کو منع کرے گا کہ ان کاامتناع بوجہ تعظیم تھا اور تعظیم پائی گئی،

فمااستظهره الشامی غیر ظاهر فان فرق بان جعلها فی المفروش اهانة لها فتعارض تعظیم السجود علیها فذٰلك امراٰخر غیر کون التعظیم عارضا وستعلم مافیه بعون الله تعالٰی اما قول الحلیة ذٰلك لیس بمانع من دخول الملئکة[1] کما افادته هذه النصوص **اقول:** لم تفد النصوص ان مجرد جعلها فی فراش اووسادة یخرجها عن منع الملئکة بل قیدته بقوله منبوذتین توطّان وللنسائی فی رایة یجعل بساطا یوطأ[2]	لہٰذا علامہ شامی نے جس کوظاہر قرار دیا ہے وہ (در حقیقت) ظاہر نہیں اور اگر یہ فرق کیاجائے کہ بچھے ہوئے فرش میں کسی تصویر کاہونا (اور پیوستگی رکھنا) اس کی توہین وتذلیل ہے اور اس پر سجدہ کرنے کی وجہ سے حصول تعظیم اس کے متعارض ومتصادم ہے تو یہ اور چیز ہے نہ یہ کہ تعظیم کا عارض ہونا ہے اور ابھی تمہیں اللہ تعالٰی کی مدد سے معلوم ہوجائے گا جوکچھ اس میں کمزوری اور نقص ہے لیکن صاحب حلیہ کا یہ کہنا کہ یہ دخول ملائکہ سے مانع نہیں جیسا کہ ان نصوص نے افادہ دیا۔ میں اس کے متعلق گزارش کرتا ہوں کہ نصوص سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہوا کہ کس تصویر کوفرش یا تکیے میں رکھنا اسے امتناع ملائکہ سے نکال دیتاہے بلکہ نصوص نے اس کواس قول سے مقید کیاہے کہ وہ تصویریں پھینکی ہوئی پامال شدہ ہوں (تاکہ ان کی صحیح اہانت اور تذلیل ہو) اور امام نسائی

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] سنن النسائی کتاب الزینۃ ذکر اشد الناس عذابا میر محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۰۱

وللطبرانی فی الاوسط رخص فیماکان یوطأ[1] فمن جعلھا فی بساط ثم علقه علی الجدار کالاستار اووضعه علی الراس حرم قطعا ومنع الملئکة من الدخول، فکذا من جعلھا فی بساط ثم سجد علیھا وبالجملة القصد ھوالاستھان ولم یحصل، الاتری الی مافی البحر عن المحیط اذاکانت علی الوسادة ان کانت قائمة یکرہ لانه تعظیم لھا وان کانت مفروشة لایکرہ[2] اھ والی مافی الحلیة من شرح الجامع الصغیر للامام النووی یکرہ مایکون علی الوسائد الکبار(ای لانتصابه یکرھا)وکذٰلك کل شیئ نصیب فیصیر تعظیما له فاما اذاکان تحقیر اله فلاباس کالبساط المفروش والوسادة الملقاة لان فی ذٰلك استھانة بالصورة[3] اھ وقدتقدم معناہ عن الھدایة والکافی والتبیین۔	کی رائے میں، تصویر کسی ایسے بچھونے میں ہو کہ اسے پامال کیاجائے۔اور امام طبرانی کی "الاوسط" میں ہے۔اس تصویر کی رخصت دی گئی جو پامال کی جائے، للذا جس نے تصویر کو کسی بچھونے میں رکھا، پھر پردوں کی طرح دیوار پر لٹکادیا یا اسے سرپر رکھ دیا تو یہ قطعی طور پر حرام ہے اور دخول ملائکہ سے مانع ہے اور اسی طرح جس نے اسے فرش میں رکھا اور پھر اس پر سجدہ کیا۔(خلاصہ کلام) مقصود اس کی توہین وتذلیل ہے جو یہاں حاصل نہیں ہوا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کچھ بحر رائق میں بحوالہ محیط نقل کیا ہے۔اگر کوئی تصویر کسی تکئے پر ہو اگر وہ کھڑا ہے تو کراہت ہوگی کیونکہ اس صورت میں تصویر کی تعظیم ہوگی، اور اگر وہ بچھا ہوا ہے تو پھر کراہۃ نہ ہوگی اھ (ارے) تم وہ نہیں دیکھتے جو کچھ حلیہ شرح جامع صغیر امام نووی میں مذکور ہے۔بڑے بڑے تکیوں میں جو نقشی تصویریں ہوں(ان کے استعمال میں) کراہت ہے، اس لئے کہ ان کے اونچا کرنے سے تصویریں کھڑی رہتی ہیں، اور یہ حکم ہر کھڑی چیز کا ہے کیونکہ اس میں تصویر کی تعظیم ہے، لیکن جب ان کی تحقیر اور ذلت ہو تو پھر کچھ حرج نہیں جیسے بچھے ہوئے فرش اور پاؤں میں پڑے ہوئے تکئے وغیرہ، کیونکہ اس میں تصویر کی توہین وتذلیل ہے

[1] المعجم الاوسط حدیث ۵۶۹۹ مکتبة المعارف ریاض ۶/ ۳۲۹

[2] بحرالرائق کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ مایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

[3] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

	(جو مقصد شریعت ہے) اھ اور اس کا مفہوم ہدایہ، کافی اور تبیین کے حوالہ سے پہلے گزر چکا ہے (ت)

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) تصویر کہ مصلی کے پس پشت ہو اسی حالت میں مکروہ ہے کہ منصوب یا معلق یا دیوار پر منقوش یا چسپاں یا آئینہ میں لگی ہو اور یہ قطعاً تعظیم ہے،

فانتفی قول المعراج لاتعظیم فیه ولاتشبه کما تقدم ولیت شعری اذا انتفیا فما الموجب للکراهة فان میل الی التمسك بامتناع الملئکة قلنا اذلا تعظیم فلاامتناع۔	لہٰذا مصنف معراج الدرایہ کا قول منفی اور زائل ہوگیا کہ اس صورت میں تعظیم اور تشبہ دونوں نہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کاش میں (اس راز کو) سمجھ لیتا کہ جب تعظیم اور تشبّہ دونوں منتفی اور زائل ہیں تو پھر وجہ کراہت کیا ہے۔ اگر امتناع ملئکہ کے استدلال کی طرف میلان کیا جائے تو ہم کہتے ہیں جب تعظیم نہیں تو امتناع کہاں ہے (ت)

ثم اقول: شرع مطہر نے جس شے کی تعظیم حرام اور توہین واجب کی اس سے اگر ایسا برتاؤ کیجئے جس میں ایک جہت سے توہین اور دوسری جہت سے تعظیم ہو وہ حرام و ناجائز ہی ہوگا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ تعظیم و توہین متعارض ہو کر برابر ہو گئیں۔

اذلایجتمع الحلال والحرام الاغلب الحرام واعتبر هذا لمن یقبل الوثن ویضربه بالنعل فهل یقال تکافا التقبیل والضرب فیجوز، کلابل یحرم لانه خلط عملاصالحاواخرسیئا۔	اس لئے کہ حلال اور حرام جمع نہیں ہوتے (مگر بربنائے احتیاط) حرام غالب ہوگا۔ اور اس کا اعتبار اس شخص کے (متضاد کام سے) کیا جا سکتا ہے کہ وہ ایک طرف تو صنم کو چومتا چاٹتا ہے اور دوسری طرف دیکھئے تو اس کی حالت یہ ہے کہ وہ جوتوں سے اسے مارتا پیٹتا ہے تو پھر اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ بوسہ بازی اور مار پیٹ دونوں کام باہم برابر ہوگئے۔ لہٰذا یہ دونوں فعل جائز ہوگئے، ہر گز ایسا نہیں، بلکہ اس کا صنم کو بوسہ دینا حرام ہے، یہاں اس صورت میں اس نے اچھے اور برے فعل کو باہم مخلوط کر دیا ہے۔ (ت)

ولہٰذا محرر المذہب امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی ورحمنابہ (پس اس لئے مذہب کو قید تحریر میں لانے والے حضرت امام محمد، اللہ تعالٰی ان پر رحم و کرم فرمائے اور ان کے صدقے ہم سب پر بھی رحمت برسائے۔ت) نے کتاب الاصل میں سجادہ یعنی جانماز میں تصویر کا ہونا مطلقاً مکروہ ٹھہرایا اگرچہ تصویر پر سجدہ نہ ہو کہ جانماز معظم ہے تو اس میں تصویر ہونا تصویر کی تعظیم ہے اور یہ لحاظ نہ فرمایا کہ جانماز زمین پر بچھائی جائے گی اور زمین پر بچھانا تصویر کی توہین ہے اس پر پاؤں رکھا جائے گا اور

یہ غایت توہین ہے تو وجہ وہی ہے کہ تعظیم مطلقاً مکروہ ہے اگرچہ اس کے ساتھ توہین بھی ہو جیسے معظمان دینی کی توہین مطلقاً حرام ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہزار تعظیمیں بھی ہوں۔ ہدایہ میں ہے:

اطلق الکراھۃ فی الاصل لان المصلی معظم [1]۔	امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الاصل میں کراہۃ کو مطلق رکھا اس لئے کہ جانماز ایک قابل تعظیم چیز ہے۔(ت)

عنایہ میں ہے:

معناہ ان البساط الذی أُعِد للصلٰوۃ معظم من بین سائر البسط فاذا کان فیہ صورۃ کان نوع تعظیم لھا ونحن امرنا باھانتھا فلا ینبغی ان تکون فی المصلی مطلقا سجد علیھا اولم یسجد [2]۔	اس کا معنی ہے کہ جو فرش (اور قالین وغیرہ) نماز کے لئے تیار کئے گئے وہ دوسرے تمام فرشوں سے اعلی، عمدہ اور بڑے ہیں اور قابل تعظیم ہیں، پھر جب ان پر کوئی تصویر ہو تو اس کی ایک گونہ تعظیم ہوگی حالانکہ ہمیں اس کی توہین وتذلیل کرنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا علی الاطلاق موزوں اور مناسب نہیں کہ تصویر کسی جانماز میں موجود ہو خواہ کوئی اس پر سجدہ کرے یا سجدہ نہ کرے۔(ت)

اسی طرح تبیین وغیرہ میں ہے:

فانتفی ماوجہ بہ العلامۃ الشامی عدم التعظیم فیما اذاکانت خلفہ علی ستراوحائط، واستقر عرش التحقیق علی التلازم والعلل الثلاث وللہ الحمد۔	لہذا وہ کلام زائل اور منتفی ہوگیا کہ جس سے علامہ شامی نے عدم تعظیم کی توجیہ فرمائی تھی۔ اگر کوئی تصویر کسی پردے یا دیوار پر نمازی کے پس پشت ہو (تو کراہۃ نہ ہوگی) لہذا عرش تحقیق تینوں علتوں اور تلازم پر قرار پذیر ہوگیا، اور اللہ تعالٰی کے لئے ہی بہر نوع تعریف وتوصیف ہے(ت)

ثم اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) تشبّہ دو قسم ہے: **ایک** عام کہ مطلقاً تصویر ممنوع کو بروجہ تعظیم رکھنے سے حاصل ہوتا ہے **کما تقدم**

[1] الہدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] العنایۃ شرح الہدایہ علی ہامش فتح القدیر باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا مکتبہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۲

تحقیقه والتصریح به عن الامام فخر الاسلام (جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے ہوچکی، اور امام فخر الاسلام کے حوالے سے اس کی تصریح آگئی۔ت)، **دوسرا** تشبّہ خاص کہ اس کے علاوہ نفس نماز میں مصلی کے کسی فعل یا ہیأت سے ظاہر ہو مثلاً تصویر کو سامنے رکھ کر اس کی طرف افعال نماز بجالانا یہ اشد واخبث ہے یہ ضرور نفس تعظیم سے اخص ہے،

وعلیه یصدق قول الشامی ان التعظیم[1] اعم وقول الحلیة ان لیس مدار بل یوجب زیادة[2]۔	اور اس پر علامہ شامی کا یہ ارشاد کہ تعظیم زیادہ عام ہے بلاشبہہ صادق آتا ہے، اور مصنف الحلیہ کا یہ کہنا کہ یہ "مدار" نہیں بلکہ موجب زیادت ہے۔(ت)

جہاں یہ نماز میں کراہت تحریم ہوگی ورنہ مکان میں اس کا بروجہ تعظیم رکھنا تو قطعاً ممنوع وگناہ ہے،

فی الحلیة والبحر وردالمحتار هذه الکراهة کراهة تحریم[3] زاد فی البحر ینبغی ان یکون حراما لا مکروها ان ثبت الاجماع اوقطعیة الدلیل لتواتره[4]۔	حلیہ، بحر رائق اور فتاوی شامی میں ہے یہ کراہت تحریمی ہے۔اور بحر رائق میں یہ اضافہ فرمایا: مناسب ہے کہ یہ بجائے مکروہ ہونے کے حرام ہو، اگر اجماع اور دلیل کا قطعی ہونا ثابت ہوجائے اس کے تواتر کی وجہ سے۔(ت)

اور اس کے سبب نماز میں کراہت تنزیہی آجائے گی۔عنایہ میں ہے:

لان تنزیه مکان الصلٰوة عما یمنع دخول الملئکة مستحب[5]۔	اس لئے کہ جائے نماز کو اپنی چیز سے بچانا جو فرشتوں کے داخل ہونے سے مانع ہو مستحب ہے(ت)

حاشیۂ علامہ سعدی افندی میں ہے:

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۶

[2] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[3] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۵

[4] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

[5] العنایة شرح الهدایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

فتکون الکراھۃ تنزیھیۃ[1]۔	لہذا یہ کراہت، کراہت تنزیہی ہوگی(ت)

یہ ہے وہ کراہت جو محقق نے مکان سے نماز کی طرف ساری مانی، ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ مسئلہ تصاویر میں دربارہ نماز جو لفظ کرہ کتب میں ارشاد ہوا اس سے مراد کراہت تحریمی و تنزیہی سے عام ہے،

وعلیہ یستقیم قول الشامی، ظاھر کلام علمائنا ان مالایؤثر کراھۃ فی الصلٰوۃ لایکرہ ابقاؤہ وقد صرح فی الفتح وغیرہ بان الصورۃ الصغیرۃ لاتکرہ فی البیت[2] اھ والافعلۃ کراھۃ التحریم فی الصلٰوۃ ھوا لتشبہ الخاص وفی الابقاء ھو التعظیم وقد اعترف انہ اعم من التشبہ وانتفاء الاخص لایوجب الانتفاء الاعم۔ **اقول:** وظھر لماقررنا ان السؤال الذی ذکرہ المحقق لم یکن وارد امن اصلہ فان المنتفی عندالاستدبار ھو التشبہ الخاص والتنحصر الکراھۃ فیہ **واقول:** ظھر ایضا ان الجواب الذی ابداہ لیس مما ابداہ بل ھو مفاد کلام المشائخ	اور اس پر علامہ شامی کا قول ٹھیک صادق آتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام کا ظاہر کلام یہ ہے کہ جو چیز نماز کے مکروہ ہونے میں مؤثر نہ ہو تو اس کا باقی رکھنا بھی مکروہ نہیں۔ اور فتح القدیر وغیرہ میں یہ تصریح فرمائی کہ گھر میں چھوٹی تصویر ہو تو کراہت نہ ہوگی اھ ورنہ نماز میں کراہت تحریمی کی علت تشبّہ خاص ہے اور اس کے باقی رکھنے میں تعظیم ہے، علامہ موصوف نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تشبّہ سے تعظیم زیادہ عام ہے اور (قاعدہ یہ ہے کہ) خاص کا انتفاء عام کے انتفاء کا موجب نہیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) جو کچھ ہم نے ثابت کیا اس سے یہ واضح ہو گیا کہ جس سوال کو محقق نے ذکر فرمایا وہ بالکل وارد نہیں، اس لئے کہ وقت استدبار تشبّہ خاص منتفی اور زائل ہے، اور کراہۃ اس میں منحصر نہیں **و اقول:** (اور میں کہتا ہوں) اور یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ موصوف نے جس جواب کو ظاہر قرار دیا وہ ظاہر نہیں بلکہ وہ کلام مشائخ اور ان کی تعلیل امتناع ملائکہ

[1] حاشیہ سعدی چلپی علی العنایۃ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیہا داراحیاء التراث ۱/ ۳۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیہا المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۴۳۷

وتعلیلهم بامتناع الملئکة۔**واقول**:ظهر ایضا ان السؤال الذی اورد المحقق الحلبی علی مسألة السجود علی التصویر لم یکن من الوارد ایضا لانه ان انتفی فیه فالتشبه الخاص بل لانسلم انتفائه ایضا فان السجود علی التصویر یشبه عبادته قطعا کما نص علیه فی الکافی ولفظه السجود علیها یشبه عبادة الاوثان[1] والتبیین ونصه السجود علیها یشبه عبادتها فیکره[2] فانتفی ماذکر العلامة الشامی ان لاتشبه فیه اقول:وظهر ایضا ان الجواب الذی ابداه فی الحلیة وظن انهم لم یذکروه کلامهم محیط به کماعلمت ولله الحمد۔**اقول**:وبتحقیقنا هذا یحصل التوفیق فی مسألتین **الاولیٰ** کراهة الصلاة حیث کانت الصورة خلف فمن اثبت وهم الاکثرون	سے حاصل ہے____________ **واقول**: (اور میں کہتاہوں) اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ تصویر پر سجدہ کرنے کے مسئلہ پر محقق حلبی نے جو سوال اٹھایا وہ اصلاً وارد نہیں کیونکہ اس میں اگر انتفاء بھی ہو تو تشبّہ خاص کا انتفاء ہوگا بلکہ ہم اس کا انتفاء بھی تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ تصویر پر سجدہ کرنا یقینا اس کی عبادت کے مشابہ ہے جیسا کہ ''الکافی'' میں اس کی تصریح پائی گئی چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں: کسی تصویر پر سجدہ کرنا عبادت صنم کے مشابہ ہے۔اور التبیین کی تصریح یہ ہے: تصویر پر سجدہ کرنا اس کی عبادت کے مشابہ ہے لہذا مکروہ ہے، لہذا علامہ کا یہ ذکر کرنا کہ اس میں کوئی تشبّہ نہیں، بلاشبہہ زائل ہوگیا۔اقول: (میں کہتا ہوں) اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ "الحلیہ" میں اس کے مصنف نے جس جواب کو ظاہر کیا ہے اور یہ گمان کیا کہ ائمہ کرام نے اسے ذکر نہیں فرمایا حالانکہ ان کا کلام اس جواب پر محیط ہے جیسا کہ آپ جانتے ہیں، اور اللہ تعالٰی کے لئے ہی تعریف و توصیف ہے۔**اقول**: (میں کہتاہوں) ہماری اس تحقیق سے دو مسئلوں کے درمیان موافقت (اور مطابقت) پیدا ہوگئی۔ **پہلامسئلہ** جہاں تصویر پس پشت ہو تو بھی نماز مکروہ ہے۔جن حضرات نے اس کو

[1] الکافی شرح الوافی

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلوٰة باب مایفسد الصلوٰة ومایکرہ فیہا المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۱/۱۶۷

وجعله فی التنویر الاظهر، اثبت کراهة التنزیه ومن نفی وهو الذی مشی علیه صدر الشریعة فی شرح الوقایة وجزم به فی متنه النقایة واعتمده فی الغایة کما فی التبیین والدرر والامام العتابی کما فی الفتح و تبعه ابن کمال باشافی الایضاح نفی کراهة التحریم۔ **والثانیة** الصلٰوة علی سجادة فیها تصاویر اذا لم یسجد علیها نفی الامام محمد الکراهة فی الجامع الصغیر، واثبتها فی الاصل والکل صحیح بالتوزیع ای یکره تنزیها لاتحریما والوجه فیهما وجود التشبه العام دون الخاص وذٰلك ظاهر فی الاولی، اما الثانیة فلان وضع التصویر فی المصلی تعظیم له کما سمعت وکل تعظیم له تشبه بعبادته کما علمت وکل صلٰوة کان معها التلبس بهٰذا التشبه کرهت و لاینافیها وجود الاستهانة بوجه اٰخر کما قدمنا فانتفی ماذکرهٰهنا فی الحلیة حیث قال، قلت یلزم

ثابت کیا ہے وہ اکثریت رکھتے ہیں اور "التنویر" میں اس کو زیادہ ظاہر قرار دیا تو کراہت تنزیہی کا اثبات فرمایا اور جن لوگوں نے اس کی نفی فرمائی، چنانچہ شرح وقایہ میں صدر الشریعہ نے یہی روش اختیار فرمائی اور متن "النقایہ" میں اس پر اظہار یقین کیا اور "الغایہ" میں اسی پر اعتماد کیا جیسا کہ تبیین اور درر اور امام عتابی سے منقول ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے، اور الایضاح میں ابن کمال پاشا نے بھی اس کا ساتھ دیا تو کراہت تحریمی کی نفی کی۔ **دوسرا مسئلہ:** ایسی جانماز پر نماز پڑھنا کہ جس میں تصویریں ہوں جبکہ ان پر سجدہ نہ کرے تو اس صورت میں حضرت امام محمد نے جامع صغیر میں کراہت کی نفی فرمائی۔ لیکن کتاب الاصل میں کراہت کو ثابت کیا ہے، اور یہ سب کچھ بلحاظ توزیع (تقسیم) صحیح ہے یعنی مکروہ تنزیہی اور تحریمی پر، اور دونوں میں "وجہ "تشبّہ عام کا پایا جانا ہے نہ کہ تشبہ خاص، اور پہلی صورت میں ظاہر ہے لیکن دوسری صورت، اس لئے کہ جانماز میں تصویر رکھنا بلاشبہہ اس کی تعظیم ہے جیسا کہ آپ سن چکے، اور تعظیم میں اس کی عبادت سے تشبّہ ہے جیسا کہ تمہیں معلوم ہے، اور ہر نماز کہ جس میں اس "تشبّہ" سے تلبس ہو تو وہ مکروہ ہے اور کسی اور وجہ سے اس میں توہین کا پایا جانا اس کے منافی (اور متصادم) نہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے، لہٰذا یہاں جو کچھ حلیہ میں ذکر کیا گیا وہ زائل اور ختم ہو گیا،

علی ھذا ان یکون مافی الاصل موضوعا فی المصلی لاغیر ومافی الجامع فیما عداہ وفیہ مالایخفی [1] اھ۔ **اقول:** بل کلاھما فی المصلی ولابعد فیہ التطبیق ما ذکرنا قال رحمہ اللہ تعالٰی والاحسن ان یقال ظاھر الکتابین التعارض فیما عداموضع السجود فاما ان یکون مافی الجامع من القید المذکور قیدا اتفاقیا و اما ان یکون ما فی الاصل مقیدا بما فی الجامع [2] اھو یزید، ان التوفیق اما بارجاع مافی الجامع الی مافی الاصل من اطلاق الکراھۃ سواء کانت فی محل السجود اوغیرہ والتقیید بکونھا فیہ وقع وفاقا او بارجاع مافی الاصل الی مافی الجامع بحمل المطلق علی المقید۔	چنانچہ مصنف حلیہ نے فرمایا میں کہتاہوں اس طور پر لازم آتاہے کہ جو کچھ اصل میں مذکور ہے وہ اس تصویر کے بارے میں ہو جو صرف جانماز میں رکھی ہوئی ہو، اور جو کچھ جامع صغیر میں مذکور ہے وہ اس کے علاوہ میں ہے اور اس میں جو کمزوری ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) بلکہ یہ دونوں جانماز کے متعلق ہیں، اور اس میں کوئی بعد نہیں بلکہ اس میں وہ طریقہ تطبیق ہے جو ہم نے ذکر فرمایا مصنف حلیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ کہاجائے کہ بظاہر دونوں کتابوں میں محل سجود کے علاوہ تعارض ہے (اور دونوں میں مطابقت کی صورت یہ ہے کہ) یا یہ ہو کہ جامع صغیر میں جو قید مذکور ہے اس کو قید اتفاقی تسلیم کیاجائے یاجو کچھ اصل میں ہے وہ جامع صغیر کی عبارت سے مقید ہے اھ اور مزید موافقت کی صورت یہ ہے کہ جو کچھ جامع صغیر میں مذکور ہے اسے اصل کی طرف راجع کیاجائے یعنی کراہت سے مطلق کراہت مراد ہو خواہ تصویر محل سجدہ میں ہو یا محل سجدہ میں نہ ہو، اور جامع صغیر میں جو تقیید واقع ہوئی وہ قید اتفاقی تسلیم کی جائے یاجو کچھ اصل میں مذکور ہے وہ جامع صغیر کی طرف بایں طریقہ راجع ہے کہ یہاں مطلق مقید پر محمول ہے۔

[1] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی علی ہامش منیۃ المصلی بحوالہ الحلیہ مکروہات الصلٰوۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۶۵

[2] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی علی ہامش منیۃ المصلی بحوالہ الحلیہ مکروہات الصلٰوۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۶۵

اقول:وکانه عند هذا التحریر لم یتیسرله مراجعة الجامع الصغیر فان عبارته لاتحتمل ماذکر من الغاء القید وانما کان مساغه لوکان منطوقه کراهة الصلٰوة مقیدا بکون الصورة فی محل السجود فکان یفید عدم الکراهة فی غیره بطریق المفهوم فقال ان القید اتفاقی ولیس کذٰلك بل اصل منطوقه ماینافی الاصل اعنی عدم الکراهة فاین المساغ لماذکروهذا نص الجامع،لاباس ان یصلی علی بساط فیه تصاویر ولایسجد علی التصاویر[1] اھ قال رحمه الله تعالٰی وهذا اولی(ای الثانی)لانه لایظهر وجه القول بکراهة الصلٰوة علی بساط کبیر فیه صورة تحت قدم المصلی وهو لازم الاول بخلاف الثانی[2] اھ۔**اقول:** قد افدناك	**اقول:**(میں کہتا ہوں)یہ تحریر کرتے وقت محقق موصوف کو جامع صغیر کی طرف مراجعت کی توفیق حاصل نہیں ہوئی اس لئے اس کی عبارت قید مذکور کو لغو قرار دینے کا احتمال نہیں رکھتی،اور اس کے جواز کی صورت تب ہوسکتی کہ اس کا منطوق(عبارت ملفوظ)یہ ہوتا کہ نماز مکروہ ہوگی جبکہ تصویر محل سجدہ میں ہو۔پھر اس سے یہ فائدہ حاصل ہوتا کہ اگر محل سجدہ میں تصویر نہ ہوتو کراہت نہ ہوگی۔اور یہ فائدہ بلحاظ مفہوم حاصل ہوتا،اور کہا کہ قید اتفاقی ہے،حالانکہ اس طرح نہیں بلکہ اس کا اصل منطوق کتاب الاصل کے منافی ہے۔میری مراد یہ ہے کہ وہ عدم کراہۃ ہے تو جو کچھ علامہ موصوف نے ذکر کیا اس کا جواز کہاں ہے،(دیکھئے)جامع صغیر کی یہ تصریح ہے،کوئی حرج نہیں اگر ایسے فرش پر نماز پڑھے کہ جس پر تصویریں ہوں جبکہ ان تصویروں پر سجدہ نہ کرے اھ،موصوف نے فرمایا(اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے)یہ اولٰی ہے(یعنی دوسری)وجہ کیونکہ اس قول کی وجہ ظاہر نہیں کہ بڑے فرش پر نماز مکروہ ہے کہ جس میں تصویر نمازی کے زیر قدم ہو،اور یہ اول کو لازم ہے بخلاف ثانی اھ۔ **اقول:**(میں کہتاہوں)بیشک ہم نے تمہیں

[1] الجامع الصغیر کتاب الصلٰوۃ باب فی الامام این یستحب ان یقوم الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۱

[2] التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی علی ہامش منیۃ المصلی بحوالہ الحلیہ مکروہات الصلٰوۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۶۵

الوجه فتشکر، ثم لاوجه یظهر لتقییده بالکبیر بعد فرض الصورة تحت القدم واللّٰه تعالٰی اعلم وتبعه البحر فی هذا البحث کله غیرانه قال اطلق الکراهة فی الاصل فیما اذاکان علی البساط المصلی علیه صورة لان الذی یصلی علیه معظم فوضع الصورة فیه تعظیم لها بخلاف البساط الذی لیس بمصلی [1] اھ فحمل البساط علی السجادة کما حملنا ثم تبع الحلیة فقال، وتقدم عن الجامع الصغیر التقیید بموضع السجود فینبغی ان یحمل اطلاق الاصل علیه وانها اذا کانت تحت قدمیه لایکرہ اتفاقا [2] اھ۔ اقول: قوله وانها معطوف علی قوله ان یحمل، داخل تحت ینبغی فهو بحث منه بناءً علی ماحمل علیه کلام الاصل وقد علمت مافیه بل تکرہ فی المصلی مطلقا	اس وجہ کا فائدہ بخشا للذا شکریہ ادا کیجئے، پھر لفظ "بساط" کو لفظ "کبیر" سے موصوف اور مقید کرنے کی کوئی ظاہر وجہ موجود نہیں جبکہ یہ فرض کرلیا کہ تصویر (نمازی کے) زیر قدم ہے واللہ تعالٰی اعلم، بحر رائق نے اس پوری بحث میں اس کی متابعت کی ہے مگر یہ کہ فرمایا اصل میں کراہت کو مطلق رکھا اس حالت میں جبکہ بچھی ہوئی جانماز پر تصویر ہو کیونکہ جس فرش پر نماز پڑھی جائے وہ قابل تعظیم ہے، پھر اس میں کسی کا رکھنا اس تصویر کی بلاشبہہ تعظیم ہے لیکن وہ فرش ہو جانماز نہ ہو اھ (یہاں) موصوف نے فرش کو جانماز پر حمل کیا ہے جیسا کہ ہم نے حمل کیا ہے، پھر حلیہ کے اتباع میں فرمایا کہ جامع صغیر کا حوالہ پہلے آچکا کہ اس نے اسے محل سجدہ سے مقید کیا ہے۔ للذا مناسب یہ ہے کہ اصل کے اطلاق کو اس پر حمل کیا جائے، اور جب تصویر دونوں پاؤں کے نیچے ہو تو باتفاق کراہت نہیں اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کا یہ کہنا کہ "وانها" اس کے قول "ان یحمل" پر معطوف ہے اور "ینبغی" کے ذیل میں داخل ہے اور یہ اس کی بحث ہے اس بناء پر کہ جس پر اس نے کلام اصل کو حمل کیا ہے اور تمہیں معلوم ہے جو کچھ اس میں

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب یفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۸

[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب یفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۸

وان کانت تحت القدم و مافی الدر وغیرہ لایکرہ ولو کانت تحت قدمیه اومحل جلوسه لانها مهانة[1] مخصوص بغیر السجادة بدلیل الدلیل وقد نقلوا قاطبة عن الاصل الاطلاق المرسل فی المصلی وما عللوہ به شامل لکل صورة کمالایخفی نعم فی بساط غیرہ لایکرہ اذاصلی علیه ولم یسجد علیها وان لم تکن تحت قدمیه بل ولوکانت امامه لوجودالاهانة مطلقامع عدم التعظیم لوجه قال فی الحلیة نقلامن شرح الجامع الصغیر لفخرالاسلام لایکرہ ان یصلی دون وسادة علیها تصاویر[2] اھ۔**اقول**:ھو نص نفس الجامع الصغیر ثم المراد بالوسادة الصغیرة دون کبیرة تورث الصورة انتصابا کما	کمزوری ہے، بلکہ جانماز میں تصویر کا ہونا علی الاطلاق مکروہ ہے اگرچہ تصویر زیر قدم ہو، اور جوکچھ دُروغیرہ میں ہے کہ یہ مکروہ نہیں اگرچہ تصویر دونوں قدموں کے نیچے ہو یا اس کے بیٹھنے کی جگہ میں ہو اس لئے کہ وہ بحالت توہین وتذلیل ہے اور یہ بغیر جانماز مخصوص ہے دلیل وہی دلیل ہے حالانکہ سب نے بالاتفاق کتاب الاصل سے "اطلاق مرسل" نقل کیا ہے، اور انہوں نے جو اس کی تعلیل ذکر فرمائی وہ ہر تصویر کو شامل ہے جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں، ہاں کسی دوسرے تصویر والے بچھونے پر نماز پڑھے اور تصویر پر سجدہ نہ کرے تو کراہت نہ ہوگی اگرچہ تصویر اس کے قدموں کے نیچے نہ ہو، بلکہ اگرچہ تصویر اس کے آگے ہی ہو اس لئے کہ اس حالت میں مطلقاً توہین پائی گئی باوجودیکہ تعظیم کسی وجہ سے بھی نہیں۔ الحلیہ میں شرح جامع صغیر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا جانماز کے علاوہ کسی اور فرش پر کہ جس میں تصویریں ہوں نماز پڑھے تو کراہت نہیں اھ۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ خود جامع صغیر کی تصریح ہے وسادہ یعنی جانماز سے چھوٹی جانماز مراد ہے نہ بڑی کہ جس سے تصویر کا قیام پیدا ہوتا ہے، جیسا کہ

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیها مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۲

[2] التعلیق المجلی لمافی منیة المصلی علی ہامش منیة المصلی مکروھات الصلٰوۃ مکتبہ قادریہ لاہور ص ۳۶۳

تقدم. ثم لایخفی علیك ان التوفیق الذی ذکرہ الفقیر اولی ممااختارہ ھذا المحقق لان فیہ اھمال احدھما فی بعض متناولاتہ وفیما ذکرت اعمال کلیھما فی کلہ فانظر الی کثرۃ الفوائد فی کلام المشائخ رحمھم اللہ تعالٰی وھکذا کلامھم اذا امعن فیہ النظر وساعد التوفیق فی اللطیف الخبیر عز جلالہ وللہ الحمد۔	پہلے گزرچکا، اورتم پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ جو موافقت فقیر (امام احمد رضا) نے پیش کی وہ اس سے بہتر ہے جو اس محقق نے اختیار کی کیونکہ اس میں دو میں سے ایک کے بعض مشمولات کو نظر انداز کردینا ہے، اور جوکچھ میں نے اس باب میں ذکرکیا اس میں یہ فوقیت وخوبی ہے کہ سب میں دونوں کو عمل دیناہے۔ لہٰذا مشائخ رحمھم اللہ تعالٰی کے کلام میں کثیر فوائد کوملاحظہ فرمائیے، اور ان کا کلام ایساہی ہوتا ہے جبکہ اس پر گہری نظر ڈالی جائے اور توفیق دینے میں پروردگار لطیف و خبیر ہے کہ جس کا جلال غالب اور زبردست ہے، اور اللہ تعالٰی کے لئے ہر تعریف وتوصیف ہے۔ (ت)

ثم اقول: وبہ استعین (پھر میں کہتاہوں اسی سے طلب مدد کرتے ہوئے۔ت) تنقیح علت اگرچہ بفضلہ تعالٰی بروجہ احسن ہوئی مگر ابھی ایک اور تنقیح عظیم باقی ہے جبکہ علت کراہت تشبّہ عبادت ہے خاص ہو یاعام، تو ضرور ہے کہ وہ تصویر جنس **مایعبدہ المشرکون** (تصویر اس جنس سے ہو کہ جس کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ت) سے ہو کہ جسے مشرکین پوجتے ہی نہیں وہ بت کے حکم میں نہیں کہ اس کے بروجہ تعظیم رکھنے یا اس کی طرف نماز پڑھنے میں معاذاللہ عبادت بت سے تشبہ ہو، وللہذا جابجا کراہت کو عبادت اور اس کے عدم کو عدم سے تعلیل فرماتے ہیں کہ یہ مشرک اس کی عبادت نہیں کرتے، لہٰذا کراہت نہیں، مثلاً:

(۱) اتنی چھوٹی تصویر کہ زمین پر رکھ کر دیکھو تو اعضا کی تفصیل نہ معلوم ہو مورث کراہت نہیں کہ اتنی چھوٹی کی عبادت مشرکین کی عادت نہیں۔ ہدایہ وکافی وتبیین میں ہے:

لوکانت الصورۃ صغیرۃ بحیث لاتبدو للناظر لایکرہ لان الصغار جدا لاتعبد[1]۔	اگر تصویر اتنی چھوٹی ہو کہ دیکھنے والے کیلئے واضح نہ ہو تومکروہ نہیں اس لئے کہ اتنی چھوٹی تصویروں کی پرستش نہیں ہوتی۔ (ت)

[1] الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

فتح القدیر میں ہے:

فلیس لھا حکم الوثن فلاتکرہ فی البیت[1]۔	لہٰذا ایسی تصویر کے لئے حکم صنم نہیں لہٰذا اس کا گھر میں رکھنا مکروہ نہیں۔(ت)

اور اس بارے میں امیر المومنین فاروق اعظم وحضرت عبداللہ بن مسعود وحذیفہ بن الیمان ونعمٰن بن مقرن وعبداللہ بن عباس وابوہریرہ وابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم صحابہ اور سیدنا دانیال علیہ الصلٰوۃ والسلام سے آثار مروی ومذکور ہیں کما بیّنھا فی الحلیۃ (جیسا کہ انہیں حلیہ میں بیان فرمایا۔ت)

(۲) سر بریدہ یا چہرہ محو کردہ کہ اس کی بھی عبادت نہیں ہوتی، اور بھنویں اور آنکھیں مٹا دینا کافی نہیں، نہ چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دینا نفی کراہت کرے۔ تبیین وبحر میں ہے:

مقطوعۃ الراس لاتکرہ لانھا لاتعبد بدون الراس عادۃ ولااعتبار بازالۃ الحاجبین اوالعینین لانھا تعبد بدونھا[2]۔	سر بریدہ تصویر رکھنا مکروہ نہیں اس لئے کہ بغیر سر عادتًا اس کی عبادت نہیں کی جاتی لیکن دونوں ابرو اور دونوں آنکھیں مٹا دینے کا کچھ اعتبار نہیں، اس لئے کہ ان کے بغیر بھی اس کی عبادت کی جاتی ہے۔(ت)

ہدایہ میں فرمایا:

محو الراس لیس بتمثال لانہ لایعبد بدون الراسؔ[3]	اگر سر محو کر دیا جائے یعنی مٹا دیا جائے تو وہ تصویر اور مورتی نہ رہے گی کیونکہ بغیر سر اس کی عبادت نہیں کی جاتی (ت)

عنایہ میں ہے:

انہ لایعبد بلاراس فکان کالجمادات[4]۔	اگر سر نہ ہو تو اس کی عبادت نہ ہو گی کیونکہ وہ محض بے جان چیزوں کی طرح ہے۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ ۱/ ۶۶ و بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ۲/ ۲۸

[3] الہدایہ کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۲۲

[4] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر باب مایفسد الصلٰوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

خلاصہ وفتح وحلیہ وبحر میں ہے:

واللفظ لہ لااعتبار بقطع الیدین او الرجلین [1] اھ وکذا ھو فی الخلاصۃ ثمّ الحلیۃ بحرف الترديد ولفظ المحقق لوقطع یدیھا ورجلیھا لاترفع الکراھۃ [2] اھ اعنی بحرف الجمع وھو المراد۔	بحر الرائق کے الفاظ یہ ہیں: اگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کٹے ہوئے ہوں توان کا کچھ اعتبار نہیں اھ اور اسی طرح خلاصہ اور پھر حلیہ میں حرف تردید (لفظ او) کے ساتھ ہے اور محقق کے الفاظ یہ ہیں: اگر دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ ڈالے تو کراہت ختم نہ ہوگی اھ میری مراد یہ ہے کہ (یہاں پر عبارت) حرف جمع (یعنی لفظ واؤ کے ساتھ) ہے اور یہی مراد ہے۔ (ت)

غنیہ میں دونوں مسئلہ صغیرہ ومقطوعۃ الراس کی تعلیل میں لکھا:

لانھا لاتعبد فانتفی التشبہ الذی ھو سبب الکراھۃ [3]۔	اس لئے کہ (تصویر صغیر اور مقطوع الراس) کی عبادت نہیں کی جاتی، للذا وہ شبہہ زائل ہوگیا جو کراہۃ کا سبب ہے۔ (ت)

(۳) شمع یا چراغ یا قندیل یا لیمپ یا لالٹین یا فانوس نماز میں سامنے ہو تو کراہت نہیں کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی اور بھڑکتی آگ اور دہکتے انگاروں کا تنور یا بھٹی یا چولہا یا انگیٹھی سامنے ہوں تو مکروہ کہ مجوس ان کو پوجتے ہیں، عنایہ میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

فصار کالصلٰوۃ الٰی شمع اوسراج فی انھما لایعبدان و یکرہ لوکان بین یدیہ کانون فیہ جمر اونار موقدۃ [4]۔	پھر وہ شمع یا چراغ کی طرح ہے کہ ان کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے کیونکہ ان کی عبادت نہیں کی جاتی (للذا کراہت نہیں) لیکن نماز مکروہ ہے جبکہ نمازی کے سامنے ایسا چولہا رکھا ہو کہ جس میں بھڑکتی ہوئی آگ کے انگارے ہوں۔ (ت)

---

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

[3] غنیہ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل کراھیۃ الصلٰوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۵۹

[4] العنایۃ شرح الھدایۃ علی ہامش فتح القدیر باب مایفسد الصلٰوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۳

فتح زیر مسئلہ شمع ہے:

لانھم لایعبدونه بل الضرام جمرا اونارا[1]۔	اس لئے کہ مشرکین اس کی عبادت نہیں کرتے بلکہ بھڑکتے انگارے یا آگ کی۔(ت)

تبیین الحقائق وبحر الرائق میں ہے:

قال رحمه الله تعالٰی او شمع اوسراج لانھما لایعبدان والکراھة باعتبارھا وانما یعبدھا المجوس اذاکانت فی الکانون وفیھا الجمر اوفی التنور فلایکرہ التوجه الیھا علی غیرذٰلك الوجه[2] اھ **اقول**:البحر تبع التبیین فی قوله والکراھة باعتبارھا فرجع الی الصواب۔	دونوں نے فرمایا(اللہ تعالٰی ان پر رحم فرمائے) شمع یاچراغ کی طرف (بحالت نماز منہ کرنا مکروہ نہیں اس لئے کہ ان دونوں کی عبادت نہیں کی جاتی،اور کراہت عبادت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، اور آتش پرست آگ کی عبادت کرتے ہیں جبکہ چولھے اور تنور میں آگ کے انگارے ہوں۔لہٰذا اس کی طرف رخ کرنا بغیر اس وجہ کے ہو تو مکروہ نہیں اھ **اقول**:(میں کہتا ہوں) مصنف بحر رائق نے تبیین کے اس قول"کراہت بلحاظ عبادت ہوتی ہے"میں اس کا اتباع کیا لہٰذا وہ راہ صواب کی طرف لوٹ گیا۔(ت)

کافی میں ہے:

ان قطع الراس فلاباس به لانه لایعبد بلا راس ولھذا لوصلی الی تنور اوکانون فیه نارکرہ لانه یشبه عبادتھا والی قندیل اوشمع اوسراج لا،لعدم التشبه[3]۔	اگر تصویر کا سر کاٹ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ بغیر سر تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی۔لہٰذا اگر ایسے چولھے یا تنور کی طرف نماز پڑھے کہ جس میں آگ ہو تو مکروہ ہے کیونکہ اس کی عبادت کے مشابہ ہے،اور اگر قندیل یا شمع یا چراغ کی طرف(منہ کرکے نماز پڑھے)تو کراہۃ نہیں، اس لئے کہ اس میں کوئی تشبہ عبادت نہیں۔(ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ فصل ویکرہ للمصلی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۴

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۷،بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۲

[3] الکافی شرح الوافی

محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے:

من توجه فی صلٰوته الٰی تنور فيه نار نتوقد اوكانون فيه ناريكره ولوتوجه الی قنديل اوالٰی سراج لم يكره[1]۔	جو شخص اپنی نماز میں ایسے تنور یا چولہے کی طرف منہ کرے کہ جس میں آگ بھڑک رہی ہو تو کراہۃ ہوگی، لیکن اگر قندیل یا چراغ کی طرف منہ کرے تو کراہت نہ ہوگی۔(ت)

فتاوٰی امام اجل قاضی خاں میں ہے:

يكره ان يصلی وبين يديه تنوراوكانون فيه نار موقدة لانه يشبه عبادة النار وان كان بين يديه سراج اوقنديل لايكره لان لايشبه عبادة النار[2]۔	یہ مکروہ کہ آدمی (اس حالت میں نماز پڑھے) کہ اس کے آگے ایسا تنور یا چولہا ہو کہ جس میں آگ بھڑک رہی ہو، اس لئے کہ یہ صورت عبادت آگ کے مشابہ ہے اور اگر اس کے سامنے چراغ یا قندیل ہو تو مکروہ نہیں کیونکہ یہ عبادت آگ کے مشابہ نہیں۔(ت)

اسی طرح اس سے لایکرہ تک خزانۃ المفتین میں ہے:

اقول: هذه نصوص الائمة الاجلة فسقط مافی القنية ان المجوس يعبدون الجمر لاالنار الموقدة[3] اھ وان تبعه فی الدرو التمرتاشی ثم[4] السيد ابوالسعود الازهری ثم السيد الطحطاوی فی حاشية المراقی وايضاً الدررولفظه لان المجوس لا يعبدون اللهب بل الجمر[5] اھ ومثله فی مجمع الانهرواشار	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ جلیل القدر ائمہ کی تصریحات ہیں۔ لہٰذا قنیہ میں جو ہے وہ ساقط ہوگیا کیونکہ آتش پرست آگ کے انگاروں کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ آگ کے شعلوں کی اھ مصنف درمختار، امام تمرتاشی، سید ابومسعود ازہری، سید طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح اور مصنف الدرر ان سب بزرگوں نے اس کا اتباع کیا ہے، اور اس کے الفاظ یہ ہیں: مجوس آگ کے

[1] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الصلٰوۃ الباب السابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۸

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب الصلٰوۃ باب الحدث فی الصلٰوۃ ومایکرہ فی الصلٰوۃ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۵۷

[3] القنیۃ المنیۃ کتاب الکراھیۃ باب الکراھۃ فی الوضو وکیفیات الصلٰوۃ مطبوعہ کلکتہ ص ۱۴۹

[4] الدرالمختار کتاب الکراھیۃ باب مایفسد الصلٰوۃ وکیفیات الصلٰوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳، فتح المعین بحوالہ تمرتاشی کتاب الکراھیۃ باب مایفسد الصلٰوۃ وکیفیات الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۴۶

[5] الدرر الحکام شرح غرر الاحکام باب مایفسد الصلٰوۃ وکیفیات الصلٰوۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۰

الیہ الشرنبلالی فی مراقیہ ثم الزاھدی نفسہ اظھر ضعفہ اذقال بعدہ حتی قیل لاتکرہ الی النار الموقدۃ[1] اھ۔**اقول**: ان کان صحیحا انھم لایعبدونھا فما معنی تعبیرھذا القیل بقیل الا ان یقال ان الموقدۃ فلما تخلو عن جمر وفیہ نظر بل لاتشمل علیہ الاقرب الانتہاء ثم ربما تکون الموقدۃ من حشیش ونحوہ ولاجمر ثمہ واللہ تعالٰی اعلم۔	شعلوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ آگ کے انگاروں کی عبادت کیا کرتے ہیں اھ اور اسی طرح مجمع الانہر میں ہے،اور علامہ شرنبلالی نے مراقی الفلاح میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، پھر خود علامہ زاہدی نے اس کے ضعف کی طرف لفظ قیل کے ساتھ اس کی تعبیر فرمائی، چنانچہ اس کے بعد اس نے کہا یہاں تک کہ یہ کہا گیاہے کہ شعلہ زن آگ کی طرف (نماز میں منہ کرنا) مکروہ نہیں اھ۔**اقول**: (میں کہتاہوں) اگریہ بات صحیح ہے کہ آتش پرست نری آگ کی عبادت نہیں کرتے تو اس کی تعبیر لفظ قیل کے ساتھ کرنے کا کیا مطلب ہے، مگر یہ کہ کہا جائے کہ شعلہ زن آگ بہت کم انگاروں سے خالی ہوتی ہے، لیکن یہ موجب اشکال ہے۔بلکہ انگاروں پر صرف آخر میں مشتمل ہوتی ہے(اور یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ) بسا اوقات آگ، گھاس اور اس جیسی چیزوں سے جس میں بالکل (برائے نام بھی) انگارے نہیں ہوتے۔واللہ تعالٰی اعلم

(۴) مصحف شریف

(۵) تلوار وغیرہ ہتھیار کا سامنے ہونا مکروہ نہیں کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی۔

کما فی الکتب الثلثۃ وعامۃ الکتب ولفظ الامام الزیلعی، انھما لایعبدان وباعتبارھا تثبت الکراھۃ وفی استقبال المصحف تعظیمہ وقدامرنابہ[2]۔	جیسا کہ تین کتابوں اور عام کتابوں میں مذکور ہے اور امام زیلعی کے الفاظ یہ ہیں ان دونوں کی (مصحف شریف اور تلوار کی) عبادت نہیں کی جاتی۔اور کراہت باعتبار عبادت ثابت ہوتی ہے اور مصحف شریف کی طرف منہ کرنا،اس میں اس کی تعظیم،اور ہمیں اس کی تعظیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(ت)

[1] القنیۃ المنیۃ کتاب الکراھیۃ باب الکراھیۃ فی الوضوء الخ مطبوعہ کلکتہ انڈیا ص ۱۴۹

[2] تبیین الحقائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ الخ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۷

اقول: (میں کہتاہوں) یہ وہی فرق نفیس ہے کہ صدر کلام میں فقیر نے گزارش کیا،

ولفظ البحر اما المصحف فلان فی تقدیمه تعظیمه وتعظیمه عبادۃ والاستخفاف به کفر فانضمت هذه العبادۃ الی عبادۃ اخری فلاکراهة[1] اه فاحفظه فانه ینفعک۔	بحرالرائق کے الفاظ یہ ہیں رہا مصحف تو اس کی تقدیم میں اس کی تعظیم ہے اور اس کی تعظیم بلاشبہ عبادت ہے اور اس کا استخفاف کفر ہے۔ پھر یہ عبادت ایک دوسری سے پیوستہ ہوگئی لہذا بالکل کراہت نہ رہی اھ پھر اس کو یاد رکھئے بلاشبہ یہ آپ کو فائدہ دے گا۔ (ت)

(۲) تصویر صغیر پر قیاس فرماکر مستور سے بھی نفی کراہت کی، کہ ظاہر نہ ہونے میں اس کے مثل ہے جیسے جیب یا بٹوے میں روپیہ یا بعض ترکی ٹوپیوں میں کہ نصاری کی بنائی ہوتی ہیں اندر کی جانب تصویر ہوتی ہے ان صورتوں میں نماز مکروہ نہیں مگر ناجائز تصویریں حفاظت سے رکھ چھوڑنا خود ہی منع ہے اگرچہ صندوق میں بند رکھے اور نہ کھولے اگرچہ وہاں نماز مکروہ نہ ہوگی۔ محیط وخلاصہ وحلیہ وبحر میں ہے:

رجل فی یده تصاویر وهو یؤم الناس لاتکره امامته لانها مستور بالثیاب فصار کصورة فی نقش خاتم و هو غیر مستبین[2] اه ولفظ الخلاصة اذا کانت فی یده (وفی نسخة علی یدیه)وهو یصلی لاباس به لانه مستور بثیابه وکذالوکانت علی خاتمه[3] اه عزافی	کسی شخص کے بازو میں تصویریں ہیں اور لوگوں کی امامت کراتا ہے تو اس کی امامت مکروہ نہ ہوگی اس لئے کہ یہ تصویریں کپڑوں سے چھپی ہوئی ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے انگوٹھی کے نقش میں تصویر ہو جبکہ وہ واضح نہ ہو اھ خلاصہ کے الفاظ یہ ہیں: اگر کسی کے بازو میں، اور ایک نسخہ میں ہے اس کے دونوں بازوؤں میں تصویر ہو اور وہ اس حالت میں نماز پڑھے تو کچھ حرج نہیں کیونکہ وہ کپڑوں سے ڈھانپی ہوئی ہیں۔ اور اسی طرح اگر انگوٹھی پر تصویر ہو اھ

---

[1] بحرالرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۱

[2] بحرالرائق بحوالہ المحیط کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الصلٰوۃ الجنس فیمایکرہ فی الصلٰوۃ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۵۸

الحلیة العبارۃ الاولی للمحیط والخلاصة معا وفرق فی البحر فاحسن وقال تحت قول المحیط وھو یفید ان المستبین فی الخاتم تکرہ الصلٰوۃ معه[1] اھ۔اقول: العادۃ ان الخاتم لایکون علیھا الاغیر مستبین بل لعل الخاتم لایحتمل الا ایاہ فقول المحیط وھو غیر مستبین لبیان العلة الجامعة بین نقش الخاتم والمستور، قال البحر ویفید انه لایکرہ ان یصلی و معه صرۃ او کیس فیه دنانیر او دراھم فیھا صور صغار لاستتارھا[2] اھ واعترض فی النھر بان عدم الکراھة فی الصغار غنی عن التعلیل بالاستتار بل مقتضاہ ثبوتھا اذا کانت منکشفة وسیأتی انھا لاتکرہ الصلٰوۃ لکن یکرہ کراھة تنزیه جعل الصورۃ فی البیت لخبر ان الملئکة لاتدخل بیتا	چنانچہ حلیہ میں پہلی عبارت کی محیط اور خلاصہ کی طرف نسبت کی، اور بحر رائق میں بہت اچھے انداز سے فرق کیا ہے، اور محیط کے قول کے ذیل میں فرمایا اور اس سے یہ فائدہ برآمد ہوا کہ اگر انگوٹھی میں نقوش واضح ہوں تو اس کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے اھ۔اقول: (میں کہتا ہوں) عادت کے مطابق انگوٹھی پر نقوش واضح نہیں ہوتے بلکہ شاید انگوٹھی غیر واضح نقوش کے علاوہ کوئی اور دوسرا احتمال ہی نہیں رکھتی، لہٰذا محیط کا یہ کہنا کہ انگوٹھی کے غیر واضح نقوش ہوا کرتے ہیں، ایسی علت کے بیان کے لئے ہے جو انگوٹھی کے نقش مستور کے لئے جامع ہے۔ صاحب بحر رائق نے فرمایا: اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اگر تھیلی یا بٹوہ میں درھم، دینار رکھے ہوں اور ان کے ساتھ نماز پڑھے جبکہ ان میں چھوٹی چھوٹی تصویریں ہوں تو کراہتہ نہ ہوگی اس لئے کہ وہ مستور ہیں اھ النہر الفائق میں اس پر اعتراض کیا کہ چھوٹی تصویروں میں بوجہ صغر عدم کراہت کے لئے کافی ہے لہٰذا تعلیل بالاستتار کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا مقتضٰی ثبوت کراہت ہے جبکہ وہ کھلی ہوں۔ ابھی آئے گا کہ نماز مکروہ نہ ہوگی، لیکن گھر میں تصویر رکھنا مکروہ تنزیہی ہے اس حدیث کی بناء پر کہ "اس گھر میں فرشتے نہیں جاتے جس میں

[1] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ و مایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

فیه کلب اوصورة اھ نقله فی المنحة [1] مقرا علیه اقول:وھو کماقال وکانّ زیادة الصغار وقع وفاقا فان المعھود فی الدراھم والدنانیر ھی الصغار لکن فی قوله لکن ماقد علمت ان الصغار لاتکرہ فی البیت ایضا کما مرتصریحه عن الفتح،وقد تظافروا علی نقل اٰثارفیھما عن الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم وقدمنا عن الامام فخر الاسلام ان امساك الصورة علی سبیل التعظیم ظاھرا مکروہ الخ فقید بالظاھر فغیرہ لایؤثر کراھة لافی الصلٰوۃ ولافی الامساک،قال البحر ویفیدانه لوکان فوق الثوب الذی فیه صورة ثوب ساتر له فانه لایکرہ ان یصلی فیه لاستتارھا بالثوب الاٰخر واللہ سبحنه اعلم [2] اھ	کتا یا تصویر ہو اھ منحۃ الخالق میں اس کا اقرار کرتے ہوئے اسے نقل فرمایا۔**اقول:** (میں کہتاہوں)اور وہ اسی طرح ہے جیسا کہ موصوف نے کہا ہے،گویا چھوٹے پن کا اضافہ اتفاقیہ واقع ہوا کیونکہ درھم ودینار میں نقوش تصویر کا چھوٹا ہونا ایک امر معہود ہے لیکن اس کے قول"لکن یکرہ"میں آپ جانتے ہیں کہ چھوٹی تصویر گھر میں ہو تو کوئی کراہت نہیں۔جیسا کہ اس کی تصریح فتح القدیر کے حوالہ سے پہلے گزرچکی۔ائمہ کرام نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ایسے آثار نقل کرنے پر باھم اتفاق اور تعاون فرمایا اور ہم اس سے پہلے فخر الاسلام کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں کہ برملا کسی تصویر کو بطور تعظیم اٹھائے رکھنا مکروہ الخ موصوف نے اپنے کلام میں "الظاھر" کی قید لگائی،پس اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ اگر تصویر ظاہر نہ ہو تو پھر کراہت میں اس کا کوئی اثر نہیں،نہ نماز میں اور نہ اسے اٹھائے رکھنے میں،مصنف بحررائق نے فرمایا:اس سے یہ فائدہ برآمد ہوا کہ جس کپڑے میں کوئی تصویر ہو پھر اس کے اوپر کوئی دوسرا کپڑا ڈال کر اسے چھپالیا جائے تو پھر ایسے کپڑے پر نماز پڑھنی مکروہ نہیں اس لئے کہ وہ دوسرے کپڑے

[1] منحة الخالق علی البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷

اقول: ولاقرة عین فیه لمن یمسك التصاویر فی صندوقه لینظر فیها متی شاء فانها وان کانت مستورة مادامت فی الصندوق لکنه یفتحه ویخرجها فتظهر فیاتی التحریم والامساك لامر ممنوع ممنوع کمن امسك امرأة لیفجر بها فهو فی اثم الفجور حین لا یفجر لان الاعمال بالنیات، نسأل الله السلامة، بل لوامسکها ولم یقصد النظر فیها متی شاء، کان فیه حفظ ما فیه الفساد فکان کامساك اٰلة اللهو کمن لا یضرب قال الامام الاجل قاضی خان فی فتاواه لو امسك شیئا من هذه المعازف والملاهی یکره ویأثم وان کان لایستعملها لان امساك هذه الاشیاء للهو عادة[1]۔	سے چھپالیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی پاک و منزّہ ہے، وہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس میں کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں اس آدمی کے لئے جو اپنے صندوق میں تصویریں بند کر رکھے اس مقصد کے لئے کہ جب چاہے صندوق کھول کر انہیں دیکھ لے، مذکورہ تصویریں اگرچہ صندوق میں بند ہونے کی وجہ سے مستور ہیں جب تک کہ صندوق میں ہیں لیکن جب وہ صندوق کو کھولے گا اور انہیں نکالے گا تو وہ سامنے آجائیں گی پھر حرمت پیدا ہو جائے گی کیونکہ کسی امر ممنوع کے لئے کسی چیز کو روکے رکھنا بھی ممنوع ہے، اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے کہ جس نے کسی عورت کو اپنی نگرانی میں پابند کر رکھا تاکہ موقع پر اس سے بدکاری کا ارتکاب کرے، پھر جس وقت تک وہ بدکاری نہ کرے گا اس وقت بھی بدکاری کرنے کے گناہ میں گرفتار ہوگا اور اس لئے کہ اعمال کا مدار انسانی ارادوں پر ہے، لہٰذا ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں، بلکہ اگر اس نے اسے روک رکھا اور جب چاہے دیکھنے کا ارادہ بھی نہ کیا تو پھر بھی اس میں یہ خرابی ہے کہ اس نے اس صورت میں اسی چیز کی حفاظت کی جس میں فساد ہے اور اسی طرح یہ ہے کہ جیسے کوئی آدمی گانا بجانا نہیں کرتا لیکن گانے کے آلات واسباب کو

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی التسبیح والتسلیم الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۹۳

	اپنے پاس روکے رکھتا ہے چنانچہ ہمارے ایک جلیل القدر امام فقیہ قاضی خاں نے اپنے فتاوٰی میں ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص گانے بجانے اور لہو میں سے کسی چیز کو اپنے پاس روکے رکھے مکروہ ہے اور وہ اسی طرح کرنے سے گنہگار ہوگا اگرچہ انہیں اپنے استعمال میں نہ لائے، کیونکہ اس قسم کے آلات واسباب کو روکے رکھنا عادتاً کھیل تماشے کے لئے ہی ہوتا ہے۔(ت)

(۷) چاند، سورج، ستاروں اور درختوں کی تصویریں نماز میں سامنے ہوں تو حرج نہیں کہ مشرکین نے اگرچہ ان اشیاء کو پوجا مگر ان تصویروں کی عبادت نہیں کرتے، سومنات اگرچہ معبد قمر تھا، سوم بمعنی قمر ہے اور ناتھ بمعنی مالک، مگر اس میں بت تھا جسے صورت روحانیت قمر قرار دیا تھانہ شکل ہلالی یا قمری یابدری کی تصویر، ردالمحتار میں درایہ شرح ہدایہ سے ہے:

فان قیل عبدالشمس والقمر والکواکب والشجرۃ الخضراء قلنا عبد عینہ لاتمثالہ[1] اھ **اقول:** وبہ ظھر بطلان مابحث القاری فی المرقاۃ اذ قال ماعبد من دون اللہ ولو کان من الجمادات کالشمس والقمر ینبغی ان یحرم تصویرہ[2] اھ وھو کماتری بحث غریب ساقط لادلیل علیہ ولااثر لہ فی کلام الائمہ بل مخالف لاطلاقات جمیع کتب المذھب متونا وشروحا وفتاوی واللہ الموفق ھذا. ثم قال العلامۃ الکاکی فعلی ھذا ینبغی ان یکرہ	اگر یہ کہا جائے سورج، چاند، ستارے اور سرسبز درختوں کی عبادت کی جاتی ہے (تو پھر ان کی تصویروں کا کیا حکم ہے) ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں کہ اشیاء مذکورہ کی عین ذات کی عبادت کی جاتی ہے نہ کہ ان کی تصویروں کی اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس سے اس قول کا باطل ہونا واضح ہو گیا کہ ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں جس سے بحث کی، چنانچہ موصوف نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے سوا جس کی عبادت کی جائے اگرچہ وہ بے جان چیزوں میں سے ہو جیسے سورج اور چاند وغیرہ، تو مناسب یہ ہے کہ اس کی تصویر حرام قرار دی جائے اھ یہ جو کچھ فرمایا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں ایک بحث غریب ہے جو درجہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ اس امر پر کوئی دلیل نہیں، اور نیز ائمہ کرام کے کلام میں اس کی کوئی نشانی موجود نہیں بلکہ وہ ایک مخالف کلام ہے، ان تمام اطلاقات کے لئے جو مذہبی کتابوں میں متون،

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۳۶

[2] مرقات المفاتیح شرح المشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس باب التصاویر الفصل الاول ۸/ ۲۷۳

استقبال عن هذه الاشیاء قال الشامی ای لانها عین ما عبد بخلاف مالو صورها واستقبل صورتها[1]۔ **اقول:** تفریع عجیب وبحث غریب فالمسافرون فی الفضاء والبحر بما لایجدون ملجاء من استقبال الشمس فی العصر والقمر فیها وفی المغرب اوفی العشاء ولامحید لهم عن استقبال الکواکب فی العشاء واین یهرب المصلی فی الغیاض والریاض عن استقبال شجرة خضراء بل ربما لایجد له سترة غیرها فیلجأ الیها بحکم الشرع وروی الامام احمد وابوداؤد وعن المقداد بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنه قال ما رایت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه	شروح اور فتاوٰی کی صورت میں موجود ہیں، اور اللہ تعالٰی ہی اس کی توفیق بخشنے والا ہے، علامہ کاکی نے فرمایا کہ پھر تو اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ ان تمام چیزوں کی بعینہٖ ذات کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، چنانچہ اور علامہ شامی نے فرمایا کہ تمام وہ چیزیں جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کا عین ہیں بخلاف اس کے کہ ان کی تصویر بنائیں اور پھر اس تصویر کی طرف منہ کریں اھ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ ایک عجیب تفریع اور نادر بحث ہے کہ مسافر کھلی فضا اور سمندر میں کوئی ٹھکانا نہیں پاتے، عصر کے وقت سورج کی طرف منہ کرنے سے اور چاند کی طرف منہ کرنے سے اور مغرب یا عشاء میں اور عشاء کے وقت ستاروں کی طرف منہ کرنے سے لوگ کہیں نہیں بھاگ سکتے۔ اور جنگلات اور باغات میں نمازی کہاں بھاگ کر جاسکتا ہے کیونکہ جنگلوں اور باغوں میں ہرے بھرے درختوں کی طرف منہ کرنے سے بلکہ بسااوقات وہ ان کے بغیر کوئی سترہ ہی نہیں پاتا، پھر حکم شریعت کی بنا پر ان کی طرف پناہ لیتا ہے، امام احمد اور امام ابوداؤد نے مقداد بن اسود سے روایت کی (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو) موصوف نے فرمایا میں نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کو کسی

[1] ردالمحتار بحوالہ معراج الدرایہ کتاب الصلوٰۃ باب مایفسد الصلوٰۃ الخ داراحیاء التراث العربی ۱/ ۴۳۶

وسلم صلی الی عود ولاعمود ولاشجرۃ الاجعله علی حاجبه الایسر اوالایمن ولایصمدله صمدا [1] ثم ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم انما نهی عن الصلٰوۃ حین تشرق الشمس وحین تستوی وحین تتدلی للغروب ولم یقیدہ بکونها قبالۃ المصلی بل اینما کانت و لو وراء ظهرہ ولوفی غیم غلیظ و علله بانها تکون اذ ذاك بین قرنی الشیطٰن لابانها عبدت من دون الرحمٰن ولعل شدۃ بعدها و القمر والنجوم تغنی عن السترۃ فلابی داؤد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا صلی احدکم الی غیر السترۃ فانه یقطع صلٰوته الحمار والخنزیر والیهودی والمجوسی والمرأۃ ویجزئ عنه اذا مروا بین یدیه علی قذفة بحجر [2] وللطحاوی یکفیک	لکڑی، کسی ستون اور کسی درخت کی طرف نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا مگر آپ نے انہیں اپنے دائیں یا بائیں ابرو کی طرف رکھا اور بالکل ان کی طرف سیدھ نہ فرمائی، اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے لوگوں کو اس وقت نماز پڑھنے سے روکا جب سورج چڑھ رہا ہو یا دوپہر کے وقت وسط آسمان میں ٹھہر جائے یا غروب کے قریب ہو جائے، اور اس کو اس بات سے مقید نہ کیا کہ وہ نمازی کے سامنے اور اس کے مقابل ہو بلکہ جہاں بھی ہو اس کے لئے یہی حکم دیا اگرچہ وہ اس کے پس پشت ہو اور گہرے بادل میں چھپا ہوا ہو، اور اس کی تعلیل یہ بیان فرمائی کہ اوقات مذکورہ میں سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہوتا ہے نہ یہ کہ اس وقت خدائے رحمان کے علاوہ اس کی پرستش کی جاتی ہے شاید اس کی وجہ زیادہ دور ہونا ہے، چاند اور ستارے نمازی کو سُترہ سے بے نیاز کردیتے ہیں (مطلب یہ کہ ان کے آگے کسی آڑ کی ضرورت نہیں) چنانچہ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حوالے سے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ذات گرامی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی شخص بغیر سترہ کے نماز پڑھے تو گدھا، سور، یہودی، آتش پرست اور عورت اس کی نماز کو قطع کردیتے ہیں، اور جب وہ اس کے آگے سے گزریں تو اس کی طرف سے یہی کافی ہے کہ ایک پتھر پھینکنے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب اذا صلی الی ساریۃ اونحوھا آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب مایقطع الصلٰوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۰۲

اذا کانوامنك قدررمیة[1] وفی صلٰوۃ الهندیة عن التتارخانیة ان کانت القبور وراء المصلی لایکرہ فانه ان کان بینه وبین القبر مقدار مالوکان فی الصلٰوۃ و یمر انسان لایکرہ فههنا ایضا لایکرہ[2] اھ اما الشجر ،**فاقول**:کونهم عبدوا نوعا اوشخصا من الشجر لایلزم کراهة الاستقبال الا الی ذٰلك النوع او الشخص بخصوصه لاالی کل شجرۃ ولیس ذٰلك مثل التمثال فان الحکم متعلق بنفسه من دون نظر الی کونه صورۃ ماعبدوہ اولا کما سیاتیك تحقیقه ان شاء اللّٰه تعالٰی بخلاف الاعیان فلا یعتبر فیها الجنس بل خصوص ماعبد علی وجه

کی مقدار دور ہو (یعنی اگر اتنی مقدار دور سے گزریں تو کوئی حرج نہیں) اور امام طحاوی کی روایت میں ہے (اے نمازی!) تجھے یہی کافی ہے کہ گزرنے والا تجھ سے ایک تیر پھینکنے کی مقدار ہو۔فتاوٰی عالمگیری بحث صلٰوۃ میں تاتارخانیہ کے حوالے سے منقول ہے اگر قبریں نمازی کے پس پشت ہوں تو کوئی کراہت نہیں بشرطیکہ نمازی اور قبر کے درمیان اتنی مقدار مسافت ہو کہ جتنی نماز میں نمازی کے آگے ہونی چاہئے کہ اگر کوئی آدمی اس کے آگے سے گزرے تو کراہت نہ ہو تو یہاں بھی اس قدر مسافت ہو تو کراہت نہ ہوگی اھ۔رہا درختوں کا معاملہ، **فاقول**: (تو اس کے متعلق میں کہتاہوں کہ) مشرکین کسی نوع یا کسی فرد معین درخت کی عبادت کرنے سے اس کی طرف منہ کرنے سے کراہت لازم آئے گی مگر یہ اس وقت ہوگا جبکہ اس نوع یا خصوصی فرد کی طرف منہ کرے اور یہ معاملہ ہر درخت کے ساتھ نہیں،اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا معاملہ تصویر جیسا نہیں اس لئے کہ حکم اس کی ذات سے وابستہ ہے اس پر نظر کئے بغیر کہ یہ اس کی تصویر ہے کہ جس کی پہلے مشرکین نے عبادت کی یا نہیں جیسا کہ ان شاء اللّٰه تعالٰی عنقریب اس کی تحقیق تیرے پاس آجائے گی۔بخلاف اعیان (ذوات) کہ ان میں

[1] شرح معانی الآثار باب المرور بین یدی المصلی الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۰۹

[2] فتاوٰی ہندیة الباب السابع الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۰۷

عبد الا ترى الى مامر من الفرق بين تنور فيه نار وبين شمع وسراج اَولا ترى ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان یستتر فی صلوته براحلته ولم یمنعه عن ذٰلك کونها من جنس الحیوان الذی یعبده المشرکون نوع البقر وعبدوا شخص عجل السامری، اخرج الشیخان عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنهما ان النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم کان یعرض راحلته فیصلی الیها[1]، وفی الفتح ان استتر بظهر جالس کان سترة وکذا الدابة واختلفوا فی القائم[2] اھ وفیه وفی الهندیة عن النهایة قالوا حیلة الراکب ان ینزل	جنس کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں جس کی عبادت کی جائے جس وجہ پر عبادت کی جائے اس خصوص کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے اس گزشتہ فرق کو جو ایسے تنور کہ جس میں آگ ہو اور شمع اور چراغ کے درمیان کیا گیا ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی نماز میں اپنی سواری (ناقہ) کو پردہ اور آڑ بناتے اور اس رویّہ سے آپ کو یہ چیز نہ روکتی کہ ناقہ اس جنس حیوان میں سے ہے کہ جس کی ایک قسم گائے کی مشرکین عبادت کرتے رہے اور سامری کے بنائے ہوئے فرد معین بچھڑے کی پرستش کرتے رہے، چنانچہ بخاری اور مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے تخریج فرمائی کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام جب نماز پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی سواری (ناقہ) کو چوڑائی میں بٹھادیتے پھر اس طرف منہ کرکے نماز پڑھتے۔ فتح القدیر میں ہے اگر کسی بیٹھے ہوئے شخص کی پیٹھ کو (نماز پڑھتے وقت) پردہ بنائے تو پھر اس کے لئے سُترہ کے قائم مقام ہے، اور کسی دوسرے جانور کا بھی یہی حکم ہے، اور کھڑے ہونے والے شخص میں ائمہ کرام نے اختلاف کیا ہے اھ اور اس میں اور فتاوٰی عالمگیری میں نہایہ کے

[1] صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ الی الراحلۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۲

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مکتبہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۵۴

فیجعل الدابة بینه وبین المصلی فتصیر ھی سترة فیمر[1] اھ فالذی تحرر بماتقرر کراھة استقبال خصوص حیوان اوشجر اخضر یعبدہ المشرکون ان نوعا فنوعا اوشخصا فذلك الشخص عینا دون غیرہ من نوعه بشرط ان لایکون بینه وبین المصلی اکثر ممایؤثم المار ھذا ماظھر لی وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔	حوالے سے ہے۔ائمہ فقہ نے فرمایا(سفر میں سُترہ کے لئے تجویز وتدبیر یہ ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے والا سوار ہے تو زمین پر اترے، پھر گزرنے والا اپنے اور نمازی کے درمیان اپنے جانور کو آڑ بنالے، پس یہی اس کے لئے سُترہ کی حیثیت رکھتا ہے اھ اور جو کچھ اثبات کردہ حقیقت کے مطابق تحریر ہوا کہ مشرکین جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں بربنائے خصوص خواہ وہ حیوان ہو یا کوئی سرسبز وشاداب درخت ہو، نماز میں اس کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، اگر نوع ہو تو اس نوع کا یہی حکم ہے۔اگر شخص (یعنی فرد معین ہو تو) پھر عین (یعنی اس فرد معین کا یہی) حکم ہے۔لہٰذا اس نوع میں سے کوئی دوسرا مراد نہ ہوگا۔بشرطیکہ اس کے اور نمازی کے درمیان اتنی زیادہ مسافت نہ ہو کہ جس سے گزرنے والا گناہگار ہوتا ہے۔اور یہ وہ تحقیق ہے جو مجھ پر ظاہر ہوئے۔اور مجھے امید ہے کہ وہ ضرور مبنی برصواب ہوگی بشرطیکہ اللہ تعالٰی چاہے۔اور اللہ تعالٰی سب سے بڑا عالم ہے(ت)

ان تمام مسائل سے واضح ہوا کہ تشبّہ کے لئے اس شے کا جنس مایعبدہ المشرکون سے ہونا ضروری ہے،

اقول: (میں کہتا ہوں)اب یہاں متعدد سوال پیدا ہوتے ہیں:

اوّل: اعیان میں تو اس کے معنی ظاہر ہیں کہ خود وہی نوع یا شخص ہو جس کی عبادت مشرکین کرتے ہیں مگر تصویر میں ہرگز یہ معنی نہیں شمس وقمر کی تصویر نہ گھر میں رکھنا مکروہ نہ نماز میں سامنے ہونے سے کراہت، حالانکہ وہ معبودان باطل ہیں، اور ہر انسان وحیوان کی تصویر رکھنا بھی حرام، اور اس سے نماز بھی مکروہ، حالانکہ مشرکین ان سب کی عبادت نہیں کرتے، اس کا منشا کیا ہے، وہ جو گزرا کہ شمس وقمر کے عین کی عبادت ہوتی ہے، نہ تصویر کی، یہاں بدرجہ اولٰی وارد ہے کہ ان کے نہ عین کی عبادت ہوتی ہے نہ تصویر کی، اگر کہئے وہ ذی روح نہیں یہ ذی روح ہیں، ہم کہیں گے یہی تو سوال ہے کہ جب مدار عبادت پر ہے تو معبود باطل تو غیر ذی روح کی تصویر کیوں نہ منع ووجہ کراہت ہوئی، اور ذی روح

[1] فتح لقدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۵۴

غیر معبود کی تصویر کیوں حرام وموجب کراہت ٹھہری۔

دوم: سر بریدہ وچہرہ محو کردہ کو استثناء فرمایا کہ ان کی عبادت نہیں ہوتی۔ظاہر ہے کہ یہ نفی نفی امکان نہیں کہ مشرکوں کی بد عقلی سے کسی چیز کی عبادت محال کیا مستبعد بھی نہیں،جب وہ صرف لنگ اور جلہری کی پوجا کرتے ہیں توان کے ساتھ باقی بدن بھی اگر ہوااور سر نہ ہواتو کون مانع ہے مگر مراد نفی عادت ہے کہ تن بے سر کی عبادت ان کی عادت نہیں۔ تبیین الحقائق و بحرالرائق سے گزرا:

لانھالاتعبد بدون الراس عادۃ[1]۔	اس لئے کہ بطور عادت،بغیر سر،تصویر کی عبادت نہیں کی جاتی (ت)

اب واضح سوال ہے کہ تصویر کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کے بعد جواز کیوں نہ ہوا کہ ایسے لوتھڑے کی عبادت بھی ان کی عادت نہیں بلکہ بھنویں اور آنکھیں مٹادینے پر بھی یہی سوال ہوسکتاہے کہ اس حالت پر بھی عبادت کی عادت محل منع ہے، اگر کہئے بے سروچہرہ حیات نہیں رہتی اور ان اعضاء کے بغیر ممکن ہے،ہم کہیں گے تومدار حیات پر ہوا،نہ عادت عبادت پر،ہذا خلف حیات کواس لئے تھاکہ اصل مناط یعنی عادۃً معبود ہونا بے حیات منتفی ہے نہ اس لئے کہ حیات ہی اصل مناط ہے کہ وہ باقی ہوتوحکم ثابت رہے اگرچہ عادت عبادت معدوم ہو۔

سوم: سر بریدہ واطراف بریدہ میں توموت وحیات سے فرق کرلیا چھوٹی تصویر اور اطراف بریدہ میں کیافرق ہے، قابلیت حیات دونوں میں ہے اور عادۃً عبادت دونوں کی نہیں ہوتی بلکہ بڑی تصویر صرف مستور رہنے سے کیوں قابل استثناء ہو گئی، اتنا خارجی تغیر کہ صرف ایک ہیأت بدلی مفید ہوااور یہ عظیم تغیر نفس جسم میں کہ چاروں ہاتھ پاؤں جڑ سے کاٹ دیئے کام نہ آیا حالانکہ پردہ ڈالنااعزاز کا بھی پہلو رکھ سکتاہے اور دست وپاکاٹ دیناصریح اہانت ہے۔

چہارم: کیافرق ہے کہ زید یامثلاً بکر کی تصویر گھر میں بے اہانت رکھنا حرام اور مانع ملٰئکہ رحمۃ علیہم الصلٰوۃ والسلام، حالانکہ مشرکین نہ زید اور بکری کو پوجتے ہیں نہ اُن کی تصویروں کو،اور گائے کا گھر میں بے اہانت رکھناجائز حالانکہ وہ خودان کی معبودہ باطلہ ہے اور باندھنا بغرض اہانت نہیں بلکہ حفظ ہے اور بہت گائے بیل بے باندھے بھی رکھے جاتے ہیں،اگر کہئے گائے کارکھنا

[1] تبیین الحقائق باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۶۶،بحر الرائق باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۸

دودھ کے لئے ہے اور تصویر سے کوئی غرض صحیح نہیں، ہم کہیں گے غرض صحیح کے چار درجے ہیں، ضرورت، حاجت، منفعت، زینت۔ گائے اگرچہ درجہ سوم میں ہے لوگ تصویر کو درجہ چہارم میں رکھتے ہیں تو بے غرض یہ بھی نہ ہوئی، معہذا اور اغراض بھی تصویر میں ہوسکتی ہیں مثلاً معرکہ جہاد کی تصویر جس میں اللہ عزوجل نے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ عطافرمایا ہو کہ اس کے مشاہدہ سے مسلمانوں کی عزت کفار کی ذلت کا سماں نظر آئے گا نعمت الٰہی کی یاد ہوگی ان بندگان خدا کی طرح دین کے لئے جانفشانی کا شوق پیدا ہوگا الی غیر ذٰلك من المصالح (اُن بیان کردہ فوائد کے علاوہ اور بھی بہت سے مصالح ہیں۔ت) حالانکہ ان نیتوں سے بھی اس کا رکھنا حرام و ناجائز ہی ہے تو واجب ہوا کہ تصویر میں مایعبد کے وہ معنی لئے جائیں اور ایسا مناط تجویز کیا جائے جس سے یہ سب سوالات مرتفع ہوجائیں اور تمام مسائل منع و اجازت اس پر منطبق آئیں **فاقول: وباللہ التوفیق** (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہی کہتا ہوں۔ت) یہاں مناط منع، نہ صورت کی عبادت ہونا ہے نہ ذوالصورۃ کی، نہ اس کی نوع نہ جنس قریب کی۔ نہ اس کا اس حالت پر ہونا کہ ذوالصورۃ اس حال پر ہو تو زندہ رہے ان میں سے کچھ کسی وجہ پر، نہ وہ سوال مرتفع ہوں نہ فروع ملتئم بلکہ مناط تصویر کا معنی وثن میں ہونا ہے جیسا کہ محقق نے فتح میں اشارہ فرمایا:

حیث قال کما تقدم لیس لہا حکم الوثن فلاتکرہ فی البیت[1]۔	جیسا کہ پہلے گزرچکا (کہ اس حالت میں) تصویر کے لئے حکمِ صنم نہیں، لہٰذا اس کا گھر میں ہونا مکروہ نہیں۔(ت)

ولہٰذا صورت حیوانیہ کی تخصیص ہوئی کہ غیر حیوان کی تصویر بت نہیں، بت ایک صورت حیوانیہ مضاہات خلق اللہ میں بنائی جاتی ہے تاکہ ذوالصورۃ کے لئے مرأت ملاحظہ ہو اور شک نہیں کہ ہر حیوانی تصویر مجسم خواہ مسطح کپڑے پر ہو یا کاغذ پر دستی ہو یا عکسی اس معنی میں داخل ہے تو سب معنی بت میں ہیں اور بت اللہ عزوجل کا مبغوض ہے تو جو کچھ اس کے معنی میں ہے اس کا بلا اہانت گھر میں رکھنا حرام اور موجب نفرت ملائکہ کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام اسی قدر سے بحمد اللہ تعالٰی سب سوال حل ہوگئے تصویر کواکب تصویر حیوانی نہیں کہ معنی بت میں ہو اور تصویر انسان و حیوان اگرچہ مشرکین ان کی عبادت نہ کرتے ہوں معنی بت میں ہے تو مبغوض رب العزت ہے، **سوال اول**

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلٰوۃ باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیہا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۶۳

حل ہوا، تنور صورت حیوانی ہی نہیں اور گائے ہے مگر خود مخلوق رب العزت نہ کہ مضاہات خلق اللہ میں مرات ملاحظہ ہونے کو بنائی ہوئی کہ مبغوض الٰہی ہو تو یہ بھی معنی بت میں نہیں، سوال چہارم حل ہوا، پھر صورت حیوانی کہا جانا اور اس کے لئے مراۃ ملاحظہ ہونا دونوں کا مدار چہرہ پر ہے، اگر چہرہ نہیں تو اسے صورت حیوانی نہ کہا جائے گا، اس پر ایک تو امین الوحی جبریل علیہ الصلٰوۃ و السلام کا قول گزرا کہ ان کے سرکاٹ دیجئے کہ ہیأت درخت پر ہو جائیں، دوسرے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد گزرا کہ صورت سرکا نام ہے جس کے سر نہیں وہ صورت نہیں، تیسرے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد گزرا کہ سرکاٹ دیا تو صورت نہ رہی، چوتھے اس پر اول دلیل ارشاد اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے:

اذا قاتل احدکم اخاہ فلیجتنب الوجه فان الله خلق اٰدم علی صورته، رواہ [1] مسلم عن ابی هریرۃ رضی الله تعالٰی عنه حکی النووی فی شرحه ثلثة اقوال امثلها واعدلها واصحها واحملها ان المراد اضافة تشریف واختصاص کقوله تعالٰی ناقة الله وکما یقال فی الکعبة بیت الله ونظائرہ [2] اھ	تم میں سے جب کوئی شخص اپنے بھائی سے آمادہ جنگ ہو تو اس کے چہرے کو بچائے کیونکہ اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت فرمایا۔ امام نووی نے اپنی شرح صحیح مسلم میں علٰی صورتہ کے متعلق تین اقوال کی حکایت فرمائی ان میں سب سے زیادہ حمل والا قول یہ ہے کہ اس اضافت سے شرافت واختصاص مراد ہے۔ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد "ناقة الله" (اللہ تعالٰی کی اونٹنی) کی طرح، اور جیسا کہ کعبہ شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے "بیت الله" (اللہ تعالٰی کا گھر) اور اسی طرح اس کے باقی نظائر وامثال اھ (ت)

تکریم صورت کو صرف تعظیم وجہ پر مقصود فرمایا اور مراۃ ملاحظہ ہونے کا وجودًا وعدمًا اس پر دوران خود ظاہر چہرہ ہی سے معرفت ہوتی ہے چہرہ دیکھا اور باقی بدن کپڑوں سے چھپا ہے تو کہے گا میں اسے پہچانتا ہوں، اور چہرہ نہ دیکھا تو نہیں کہہ سکتا اگرچہ باقی بدن دیکھا ہو، ولہٰذا اگر عورت نے اپنا منہ کھول کر گواہوں کو دکھایا اور کہا میں لیلٰی بنت زید ہوں اور کچھ اقرار یا عقد کیا گواہوں کو اس پر گواہی دینا جائز ہے اور انہیں اس کی زندگی بھر گواہان شناخت کی اصلاً حاجت نہیں کہ منہ دیکھ کر انہیں خود شناخت ہو گئی وہ اسے دیکھ کر

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلة باب النهی عن ضرب الوجه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم باب النهی عن ضرب الوجه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۷

بتاسکتے ہیں کہ یہی وہ عورت ہے جس نے ہمارے سامنے اقرار کیااور اگرمنہ کھول کرنہ دکھایاتو گواہان شناخت کے بعد بھی یہ گواہی نہیں دے سکتے کہ فلاں عورت نے یہ اقرار کیابلکہ اتنا کہیں کہ ہمارے سامنے ایک عورت نے یہ اقرار کیااور فلاں فلاں شہود نے ہم سے بیان کیاکہ یہ فلاں عورت ہے۔عالمگیری میں ہے:

لوکشفت امرأۃ وجھھا وقالت انا فلانۃ بنت فلان لا یحتاجون الی شھود المعرفۃ فان ماتت یحتاجون الی شاھدین یشھدان انھا کانت فلانۃ بیت فلان واذا لم تسفر وجھھا وشھد شاھدان انھا فلانۃ بنت فلان لم یحل لھما ان یشھدا بذلك یعنی علی اقرار فلانۃ انما یجوز ان یشھدا ان امرأۃ اقرت بکذا وشھد عندنا شاھدان انھا فلانۃ بنت فلان ھکذا فی الملتقط[1]۔	اگر کسی عورت نے اپنے چہرے سے پردہ اٹھایا اور کہامیں فلاں دختر فلاں ہوں تواس صورت میں لوگوں کوپوری زندگی شناخت کرانے کے لئے گواہوں کی ضرورت نہیں(اس لئے کہ چہرے سے پوری طرح شناخت اور تعارف حاصل ہوگیا) پھر اگروہ مرجائے تولوگوں کواس بات کی ضرورت ہوگی کہ دو گواہ یہ گواہی دیں گے کہ فلاں،دختر فلاں ہےاور اگراس نے اپناچہرہ کھول کرنہ دکھایا تو پھردوگواہ یہ گواہی دیں گے کہ وہ فلاں دختر فلاں ہے لیکن ان دو گواہوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ گواہی دیں کہ وہ فلاں عورت ہے کہ جس نے اقرار کیا تھا۔ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ وہ یونہی گواہی دیں کہ ایک عورت نے اقرار کیا ہے اور ہمارے پاس دو گواہوں نے گواہی دی کہ وہ عورت فلاں دختر فلاں ہے،فتاوٰی ملتقط میں اس طرح مذکور ہے۔(ت)

اسی میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

اختلف المشائخ فی جواز تحمل الشھادۃ علی المرأۃ اذ کانت متنقبۃ،بعض مشائخنا قالوا لایصح التحمل علیھا بدون رؤیۃ وجھھا وبعض مشائخنا توسعوا فی ھذہ وقالوا	مشائخ کرام نے اس بارے میں اختلاف کیاہے کہ جب عورت نقاب پوش ہوتواس پر گواہی دینے کے جواز کی کیا صورت ہوگی، چنانچہ ہمارے بعض مشائخ نے فرمایاکہ چہرہ دیکھے بغیر عورت کے متعلق گواہی نہیں دی جاسکتی،لیکن ہمارے بعض مشائخ نے اس میں کچھ وسعت وگنجائش

[1] فتاوٰی ھندیہ کتاب الشھادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۳

يصح عند التعريف وتعريف الواحد كفى والمثنى احوط والى هذا مال الشيخ الامام المعروف بخواهر زاده والى القول الاول مال الشيخ الامام شمس الاسلام الاوزجندى والشيخ الامام ظهير الدين و ضرب من المعقول يدل على هذا فانا اجمعنا على انه يجوز النظر الى وجهها لتحمل الشهادة[1] اھ **قلت** فقد اجمعوا على حصول المعرفة برؤية الوجه حتى جاز التحمل اجماعا وعلى عدمها بعدم معرفتها لم يجز التحمل عند قوم اصلا واحتيج لما التعريف عند اٰخرين مقاصد۔

رکھی ہے، اور یہ فرمایا ہے کہ تعارف اور شہرت کے وقت اس کے متعلق گواہی دینا صحیح ہے اور صرف ایک آدمی کی پہچان کافی ہے اور دو میں زیادہ احتیاط ہے۔ چنانچہ شیخ امام جو خواہر زادہ کے لقب سے مشہور ہیں اسی طرف مائل ہیں جبکہ شیخ امام شمس الاسلام اوزجندی اور شیخ امام ظہیر الدین پہلے قول کی طرف مائل ہیں چنانچہ معقول قسم اس پر دلالت کرتی ہے اس لئے کہ ہم نے اتفاق کیا ہے کہ تحمل شہادت کے لئے عورت کے چہرہ کی طرف دیکھنا جائز ہے اھ **میں کہتا ہوں** ائمہ کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ چہرہ دیکھنے سے شناخت اور معرفت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ (اس صورت میں) تحمل شہادت بالاتفاق جائز ہے، اور اگر رؤیت نہ ہو تو معرفت نہ ہوگی لہذا بعض لوگوں کے نزدیک (اس صورت میں) تحمل شہادت بالکل جائز نہیں۔ لیکن کچھ دوسروں کے نزدیک مقاصد میں اس کے لئے شناخت کی ضرورت ہوتی ہے۔ (ت)

اہل تصویر ہی کو دیکھئے جو تصویر کسی کی یادگار کے لئے بنوائیں ہر گز بے چہرہ اس پر راضی نہ ہوں گے نہ اپنے مقصود کو مفید جانیں گے اگرچہ باقی تمام بدن کی تصویر ہو اور بارہا نیم قد بلکہ صرف چہرہ پر قناعت کرتے اور اسے اپنے مقصد کے لئے کافی سمجھتے ہیں جیسا کہ مصوّروں میں بکثرت دائر وسائر اور سکہ کی تصویروں سے ظاہر، اور خود یہ تصویر جس سے سوال ہے اس پر شاہد کہ اس کا بنانا یادگار ہی کے لئے تھا اور نصف سینہ تک قناعت کی تو بداہۃً ثابت ہوا کہ صرف چہرہ ہی وہ چیز ہے کہ تصویر کو معنی بت میں کرتا ہے اور صرف چہرہ ہی اس معنی کے افادہ میں کافی ہوتا ہے تو یہاں جنس مایعبد سے مراد صرف معنی بت میں ہونا ہے اگرچہ نہ خود وہ معبود مشرکین ہو نہ اس کا ذوالصورۃ تو وہ اس حالت پر ہو کہ مشرکین اپنی عبادت کے لئے

[1] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الشہادات الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۵۲

عادۃً لازم رکھتے ہیں کہ یہ سب زوائد ہیں اور یہاں غیر ملحوظ۔ یہاں صرف اس قدر درکار ہے کہ تصویر کسی صورت حیوانیہ کے لئے مراۃ ملاحظہ ہو اور اس کامدار صرف چہرہ پر ہے توقطعًا یہ سب تصویریں معنی بت میں ہیں اور ان کامکان میں باعزاز رکھنا، نصب کرنا، چوکھٹوں میں رکھ کر دیوار پر لگانا یاپردے یادیوار یا کسی اونچی رہنے والی شے پر اس کامنقوش کرنا اگرچہ نیم قدیا صرف چہرہ ہو یادیوار گیروں پر انسان یا حیوان کے چہرے لگانا یا پانی کے نل کے منہ یالاٹھی کی بالائی شام پر کسی حیوان کاچہرہ بنوانا یا ایسی کسی بنی ہوئی چیز کو رکھنا استعمال کرنا سب ناجائز وحرام ومانع دخول ملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام اور اس مکان میں نماز یقینا مکروہ، پھر اگر تشبہ خاص بھی پایا جائے جیسے مصلی کے سامنے ہونا تو نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ، کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قدآدم آئینے جن میں اتنی بڑی بڑی آدمیوں اور جانوروں کی تصویریں ہوں دیوار قبلہ میں نصب کرکے ان کی طرف نماز پڑھنے میں نہ عبادت صورت کی مشابہت ہے نہ شرع مطہر کی مخالفت، حاشاہر گز کوئی نہیں کہہ سکتا، توثابت ہوا کہ صواب عامہ کتب ائمہ کے ساتھ ہے جن میں صرف قطع راس ومحو وجہ پر اکتفا فرمایا اور دیگر اعضاء کا ان پر قیاس ہر گز نہ روایۃً منقول نہ درایۃً مقبول۔ لاجرم سربریدہ میں ممانعت نہ ہوئی کہ معنی بت میں نہ رہی، اور دست وپابریدہ ناجائز ہوئی کہ معنی بت باقی سوال دوم حل ہوا، اتنی چھوٹی تصویر کہ نظر میں متمیز نہ ہو مراۃ ملاحظہ نہیں کہ آپ ہی زیر ملاحظہ نہیں یونہی مستور کہ وہ بھی خود ملاحظہ سے مہجور، مراۃ ملاحظہ ہونا تو اور دور، اور معنی بت کے حصول کو یہ بھی ضرور کہ مشرکین بتوں کو اسی لئے بناتے ہیں کہ ان کے آلہ مزعومہ باطلہ کے مراۃ ملاحظہ ہوں تو یہاں بھی وہ معنی مفقود، سوال سوم حل ہوا،

وللّٰه الحمد حمدا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیه کمایحب ربنا ویرضی وصلی اللّٰه تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا واٰله وصحبه ابدا، ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰه تعالٰی ولی التوفیق وقدکان یختلج فی قلبی الکلام علیه منذ مان وکنت ارجوان یفتح اللّٰه تعالٰی بالحق فھذا	اللہ تعالٰی کے لئے ہی بے حساب وشمار تعریف وتوصیف ہے پاکیزہ، ایسی میں برکت رکھی گئی جیسا کہ ہمارا پروردگار پسند فرمائے اور اللہ تعالٰی ہمارے آقا اور ہمارے مولا پر رحمت برسائے اور ان کی تمام آل اور ساتھیوں پر ہمیشہ ہمیشہ رحمت ہو، اور مناسب یہ ہے کہ تحقیق اسی طرح ہونی چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے کامالک ہے۔ مدت سے میرے دل میں اس پر کلام کرنے کی بات کھٹک رہی تھی اور میں یہ بھی امید رکھتا تھا

او ان یسرہ المولی سبحٰنه وتعالٰی وله الحمد اقول وبه انفصل ولله الحمد خلاف مانقله القهستانی عن المحیط فی اتخاذ الراس ونقله عنه فی ردالمحتار ولم یذکروا فیه ترجیحا فثبت بحمدالله تعالٰی ترجیح المنع اقول:ثم لایذهبن عنك وان المراد بالاتخاذ الاقتناء کما فی قول القهستانی بعده باسطر،یکره اتخاذ الصور فی البیوت[1]،ثم قوله بعده لایکره اتخاذها[2]ان صغرت اما اصطناعه فلایجوز بحال وان صرح علماؤنا بجواز اتخاذ الانف والسن والاصبع من فضة لمقطوعها فان الفرق بین ماذکروا وبین اتخاذ الرأس ممالایخفی علی بلید فضلا عن عاقل،والله تعالٰی اعلم۔	کہ (اس معاملہ میں) اللہ تعالٰی مجھ پر حق کھول دے گا یہاں تک کہ یہ وقت آپہنچاکہ جس میں اللہ تعالٰی پاک اور برتر نے (اس عقدہ کو) مجھ پرآسان کردیا لہٰذا اسی کے لئے تعریف و ستائش ہے **اقول:** (میں کہتاہوں) جبکہ اللہ تعالٰی کے لئے حمدو ستائش ہے اس سے وہ اختلاف الگ اور جدا ہوگیا کہ جس کو علامہ قہستانی نے محیط کے حوالے سے سربنانے کے متعلق نقل کیا اور فتاوٰی شامی میں اس کو نقل فرمایا لیکن اس میں ائمہ کرام نے کوئی ترجیح ذکر نہیں، میں کہتاہوں پھرآپ سے کہیں یہ بات رہ نہ جائے کہ یہاں اتخاذ سے اقتناء (حفاظت کرنا) مراد ہے جیسا کہ چندسطروں بعد علامہ قہستانی کا یہ قول موجود ہے گھروں میں حفاظت سے تصویریں رکھنا منع ہیں"۔ لیکن اس کے کچھ بعد انہوں نے فرمایا کہ اگر تصویریں چھوٹی چھوٹی ہوں توان کاگھروں میں رکھنامکروہ نہیں لیکن ان کابنانا کسی حال میں بھی جائز نہیں،اگرچہ ہمارے علماء کرام نے یہ تصریح فرمائی کہ چاندی کی ناک،دانت اور انگلی بنانا جائز ہے اوراس کی وجہ ان کامقطوع ہونا ہے اس لئے کہ جوکچھ انہوں نے ذکرفرمایااس کے اور سربنانے کے درمیان واضح فرق ہے جوکسی بے عقل سے بھی پوشیدہ نہیں چہ جائیکہ صاحب عقل سے مخفی رہ جائے،واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رابعًا اقول: وبالله التوفیق (میں تعالٰی کی توفیق ہی کے حوالے سے کہتاہوں)

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل مایفسد الصلٰوۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۶

[2] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل مایفسد الصلٰوۃ مکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۹۵

ایک اور نکتہ بدیعہ ہے جس پر تنبہ لازم، یہاں چار صورتیں ہیں:

اوّل: تصویر کی توہین مثلاً فرش پا انداز میں ہو نا کہ اس پر چلیں پاؤں رکھیں یہ جائز ہے اور مانع ملائکہ نہیں اگرچہ بنانا بنوانا ایسی تصویروں کا بھی حرام ہے کما فی الحلیۃ والبحر وغیرھما (جیسا کہ حلیہ، بحر رائق اور ان دو کے علاوہ دوسری کتابوں میں مذکور ہے۔ت)

دوم: جس چیز میں تصویر ہو اسے بلااہانت رکھنا مگروہ ترک اہانت بوجہ تصویر نہ ہو بلکہ اور سبب سے جیسے روپے کو سنبھال کر رکھنا زمین پر پھینک نہ دینا کہ یہ بوجہ تصویر نہیں بلکہ بہ سبب مال، اگر سکہ میں تصویر نہ ہوتی جب بھی وہ ایسی ہی احتیاط سے رکھا جاتا، یہ بحال ضرورت جائز ہے جس طرح روپے میں کہ تکریم تصویر مقصود نہیں اور بے تصویر کا یہاں چلنا نہیں اور اس پر سے تصویر مٹائیں تو چلے گا نہیں الضرورات تبیح المحظورات (ضرورتیں ممنوع کاموں کو مباح کر دیتی ہیں۔ت) یونہیں اسٹامپ کی تصویریں اور ڈاک کے ٹکٹ، اگر ان کی تصویریں ایسی چھوٹی نہ ہوں کہ زمین پر رکھ کر کھڑے ہو کر دیکھنے سے تفصیل اعضا ظاہر نہ ہو جیسے اشرفی، مہر، اس کے رکھنے کا ویسے ہی جواز ہے کہ اس کی تصویریں ایسی ہی چھوٹی ہیں اور بلاضرورت داخل کراہت کہ اگرچہ ترک اہانت دوسری وجہ سے ہے مگر لازم تو تصویر کی نسبت بھی آیا حالانکہ ہمیں اس کی اہانت کا حکم ہے، عنایہ سے گزرا:

نحن امرنا باھانتھا[1]۔	ہمیں تصویروں کی توہین وتذلیل کا حکم دیا گیا ہے۔(ت)

تو ترک اہانت میں ترک حکم ہے اور ضرورت نہیں کہ حکم جواز لائے، چاقو وغیرہ جو تصویریں ہوتی ہیں اسی حکم میں داخل ہیں اگر بڑی ہوں تو انہیں مٹا دے یا کاغذ وغیرہ لگا دے ورنہ مکروہ ہے۔ یہ بھی اس وقت کے رکھنے والے کو اس شے سے کام ہو تصویر مقصود نہ ہو ورنہ صورت سوم میں داخل ہوگا۔

سوم: ترک اہانت بوجہ تصویر ہی ہو مگر تصویر کی خاص تعظیم مقصود نہ ہو جیسے جہال زینت وآرائش کے خیال سے دیواروں پر تصویریں لگاتے ہیں یہ حرام ہے اور مانع ملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کہ خود صورت ہی کا اکرام مقصود ہوا اگرچہ اسے معظم وقابل احترام نہ مانا۔

چہارم: صرف ترک اہانت نہ ہو بلکہ بالقصد تصویر کی عظمت وحرمت کرنا، اسے معظم دینی سمجھنا، اسے تعظیماً بوسہ دینا، سر پر رکھنا، آنکھوں سے لگانا، اس کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا، اس کے لئے جانے

---

[1] العنایۃ شرح الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۶۲

پر قیام کرنا، اسے دیکھ کر سر جھکانا وغیر ذلک افعال تعظیم بجالانا یہ سب سے اخبث اور قطعاً یقیناً اجماعاً اشد حرام وسخت کبیرہ ملعونہ ہے اور صریح کھلی بت پرستی سے ایک ہی قدم پیچھے ہے اسے کوئی مسلمان کسی حال میں حلال نہیں کہہ سکتا اگرچہ لاکھ مقطوع یا صغیر یا مستور ہو، یہ قیدیں سب صورت سوم تک تھیں قصداً تعظیم تصویر ذی روح کی حرمت شدیدہ عظیمہ میں نہ کوئی تقیید ہے نہ کسی مسلمان کاخلاف متصور بلکہ قریب ہے کہ اس کی حرمت شدیدہ اس ملت حنفیّہ کے ضروریات سے ہو تو اس کا استحسان بلکہ صرف استحلال یعنی جائز جاننا ہی سخت امر عظیم کاخطرہ رکھتا ہے **والعیاذباللہ تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)
صورت مذکورہ سوال یہی صورت چہارم ہے کہ اسے تبرک کے طور پر رکھنا اس کے سبب نزول برکت جاننا اسے۔برزخ ٹھہرانا رب عزوجل تک وصول کاذریعہ بنانا یہ سب وہی سخت اشد کبیرہ ہے اور عادۃً اس حالت میں اس کے ساتھ وہی افعال تعظیم بجا لائیں گے جن کے حلال جانے پر تجدید اسلام مناسب ہے۔
نسأل اللہ السلامۃ ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔ ہم اللہ تعالٰی سے (جان وایمان کی سلامتی کاسوال کرتے ہیں۔ گناہوں سے بچنے اور بھلائی کرنے کی کسی میں طاقت نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالٰی بڑی شان والا توفیق عطافرمائے۔(ت)
ناواقف سمجھتے ہیں کہ حضور پُرنور سیدالاسیاد، امام الافراد، واہب المراد باذن الجواد، غوث الاقطاب والاوتاد، سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (سادات کے سردار، افراد کے پیشوا، اللہ تعالٰی سخی کی اجازت سے مرادیں پوری کرنے والے، قطبوں کے فریادرس اور اوتاد کے فریادرس، ہمارے آقا، سب سے بڑے فریادرس، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔ت) ان کی اس حرکت سے خوش ہوں گے کہ ان کے صاحبزادہ کی ایسی تعظیم کی حالانکہ سب سے پہلے اس پر سخت ناراض ہونے والے سخت غضب فرمانے والے حضور اقدس ہوں گے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ اللہ تعالٰی ہدایت واستقامت بخشے، آمین!

واذقد خرجت العجالۃ فی صورۃ رسالۃ وکان ترصیفھا فی النصف الاول من شھر النور والسرور شھر ربیع الاول ۱۳۳۱ھ ناسب ان اسمیھا	اچانک جلدی میں کیاہوا کام ایک رسالے کی صورت میں معرض وجود میں آگیا جبکہ اس کی ترتیب وتالیف نور وسرور کے مہینے کے نصف اول یعنی ماہ ربیع الاول ۱۳۳۱ھ میں ہوئی، لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ میں اس کا یہ نام رکھوں

بعطایا القدیر فی حکم التصویر ۱۳۳۱ھ وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	العطایا القدیر فی حکم التصویر (بے پایاں قوت وطاقت رکھنے والے پروردگار کے بے شمار عطیات ونوازشات سے تصویر کا حکم بیان کرنے کے بارے میں۔ت) اور اللہ تعالٰی درودو سلام ہمارے آقا اور ہمارے مولا پر بھیجے جو کہ محمد کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور ان کی آل اور سب ساتھیوں پر اور اللہ تعالٰی پاک وبرتر سب سے زیادہ علم رکھتا ہے اور اس کا علم کہ جس کی شان بڑی ہے سب سے زیادہ کامل اور سب سے زیادہ پختہ ہے (ت)

رسالہ

العطایا القدیر فی حکم التصویر

ختم ہوا

جانوروں کا پالنا، لڑانا اور ان پر رحم وظلم

مسئلہ ۲۵۱: از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلّہ میدان پورہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم ۸ ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پالنا طیور جیسے طوطا، طوطی، لال، مینا، پِدّی و خروس خانگی کا بغرض جی لگنے کے اور لڑوانا ان کا علی الرسم کیسا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

لڑانا مطلقاً ناجائز و گناہ ہے کہ بے سبب ایذائے بیگناہ ہے حدیث صحیح میں ہے:

نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم، رواہ ابوداؤد[1] والترمذی وحسّنہ وصحّحہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جانوروں کو (لڑائی پر) اکسانے اور آمادہ کرنے سے منع فرمایا ہے، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے اس کی تحسین و تصحیح فرمائی۔ (ت)

اور جانوران خانگی مثل خروس و ماکیان و کبوتر اہلی وغیرہا کا پالنا بلاشبہ جائز ہے جبکہ انہیں

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۶، جامع الترمذی ابواب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۴

ایذا سے بچائے اور آب و دانہ کی کافی خبر گیری رکھے، خود حدیث میں مُرغ سپید پالنے کی ترغیب ہے:

البیھقی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدیك یؤذن بالصلوٰۃ من اتخذ دیکا ابیض حفظ من ثلثۃ من شرکل شیطان وساحر وکاھن[1] وفی الباب عن ابی زید الانصاری عند الحارث فی مسندہ وعن انس بن مالك عند ابی الشیخ فی العظمۃ وعن خالد بن معدان مرسلا عندالبغوی فی المعجم وعن امّ المؤمنین وعن انس عند الحارث وعن غیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	امام بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مرغ نماز کے لئے اذان دیتا ہے جس کسی نے سفید مُرغ پالا وہ تین آفتوں سے محفوظ ہوگیا (شیطان کے شر سے (۲) جادوگر کے شر سے (۳) کاہن کے شر سے۔اس باب میں حضرت ابوزید انصاری سے روایت ہے جو حارث نے اپنی سند میں ذکر کی ہے۔حضرت انس بن مالک سے روایت ہے جو ابوالشیخ نے العظمۃ میں بیان فرمائی اور خالد نے بن معدان سے مرسلاً (یعنی سند کے ذکر کے بغیر) روایت ہے جو امام بغوی نے المعجم میں ذکر فرمائی۔اور حارث اور دوسرے ائمہ کے نزدیک ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے۔(ت)

مگر خبر گیری کی یہ تاکید ہے کہ دن میں ستر دفعہ پانی دکھائے کماورد فی الحدیث (جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ت) ورنہ پالنا اور بھوکا پیاسا رکھنا سخت گناہ ہے،

فانہ ظلم والظلم علی الحیوان اشد من الظلم علی الذمی الاشد من الظلم علی سلم کمانص علیہ فی الدر المختار[2]۔وقد قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کفٰی بالمرء اثما ان یضیع من	کیونکہ یہ ظلم ہے اور کسی جانور پر ظلم کرنا ذمی (کافر) پر ظلم کرنے سے زیادہ سخت ہے جو کہ مسلمان پر ظلم کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے، جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔اور رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان کے گناہ کے لئے یہی کافی ہے کہ جس کی روزی کا

[1] کنزالعمال عن ابن عمر رضی اللہ عنہما حدیث ۳۵۲۷۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۳۳۴

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۹

یقوت، رواہ الامام احمد[1] وابوداؤد والنسائی والحاکم والبیہقی عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللّٰہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔	وہ ذمہ دار ہو اس کو ضائع کردے۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی، حاکم اور بیہقی نے صحت سند کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی روایت فرمائی۔ (ت)

رہا جانوران وحشی کا پالنا جیسے طوطی، مینا، لال، بلبل وغیرہا، عالمگیری میں قنیہ سے اس کی ممانعت نقل کی اگرچہ آب ودانہ میں تقصیر نہ کرے،

حیث قال حبس بلبلا فی قفس وعلفہا لایجوز کذا فی القنیۃ[2]۔	جیسا کہ صاحب قنیہ نے کہا کہ کسی نے بلبل پنجرے میں قید کیا ہو اور اگر اسے آب ودانہ دے تب بھی جائز نہیں، القنیہ میں اسی طرح مذکور ہے (ت)

مگر نص صریح حدیث صحیح واقوال ائمہ نقد و تنقیح سے صاف جواب واباحت مستفاد ہے جبکہ خبرگیری مذکور بروجہ کافی بجا لائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قتل کرنا سانپ کا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

قتل سانپ کا مستحب ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے قتل کا حکم کیا ہے یہاں تک کہ اس کے قتل کی حرم میں اور محرم کو بھی اجازت ہے اور جو خوف سے چھوڑ دے اس کے لئے لفظ **لیس منّی**[3] (وہ شخص مجھ سے یعنی میرے طریقے سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ ت) حدیث میں وارد،

فی صحیح البخاری قال عبداللّٰہ بینا نحن مع رسول اللّٰہ تعالٰی علیہ	بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب صلۃ الرحم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۸، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۰ و ۱۹۴ و ۱۹۵

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکراھیۃ الباب الثلاثون فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۸۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۶

وسلم فی غار اذ نزلت علیہ والمرسلٰت فالتلقیناھا من فیہ وان فاہ لرطب بھا وخرجت حیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلوھا قال فابتدرناھا فسبقتنا قال فقال وقیت شرکم کما وقیتم شرھا[1]۔	ساتھ غار میں تھے جبکہ آپ پر سورہ مرسلٰت نازل ہوئی اور ہم نے اسی وقت آپ کے منہ مبارک سے اسے حاصل کیا جبکہ آپ کا مبارک دہن اس سے تروتازہ تھا، پھر اچانک وہاں ایک سانپ نکلا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے مارڈالو۔ ہم نے اس کے مارنے میں بڑی جلدی کی لیکن وہ ہم سے سبقت کرتے ہوئے بھاگ گیا۔ اس آپ نے یہ ارشاد فرمایا وہ تمہارے شر سے بچ گیا اور تم اس کے شر سے بچ گئے۔ (ت)

اور اسی کے مثل مسلم ونسائی نے روایت کیا:

وفی صحیح مسلم، سأل رجل ابن عمر مایقتل الرجل من الدواب وھو محرم قال حدثنی احدی نسوۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یامر بقتل الکلب العقور والفارۃ والعقرب والحدیا والغراب والحیۃ قال وفی الصلٰوۃ ایضا[2]۔ وفی سنن النسائی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال خمس یقتلھن محرم، الحیّۃ و	صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک آدمی حضرت عبداللہ ابن عمر سے پوچھ رہا تھا کہ جب کوئی آدمی حالت احرام میں ہو تو وہ کون کون سے جانور مار سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امہات المومنین میں سے ایک بی بی صاحبہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے بحالت احرام بعض جانوروں کو مارڈالنے کا حکم فرمایا اور وہ بعض یہ ہیں: (۱) کاٹنے والا کتا (۲) چوہا (۳) بچھو (۴) چیل (۵) کوا (۶) سانپ۔ ان سب کو مارڈالنے کا آپ حکم فرمایا کرتے تھے اور فرمایا: نماز میں بھی ان کے بارے میں یہی حکم ہے۔ سنن نسائی میں ہے کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام

[1] صحیح البخاری کتاب ابواب العمرہ باب مایقتل المحرم من الدواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۷، صحیح البخاری بدأ الخلق باب خمس من الدواب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۷، صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ ۷۷ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۵-۷۳۴

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب ماینُدب للمحرم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۲

والفارۃ والحدأۃ والغراب الابقع والکلب العقور [1] وفی سنن ابی داؤد عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال خمس قتلھن حلال فی الحرم الحیۃ والعقرب واحداءۃ والفارۃ والکلب العقور [2]۔ وفی صحیح مسلم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امر محرما بقتل حیّۃ [3] بمعنٰی وفی سنن ابی داؤد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال اقتلوا الحیات کلھن فمن خاف ثأرھن فلیس منّی [4]۔	سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ انہیں محرم مار سکتا ہے: (۱) سانپ (۲) چوہا (۳) چیل (۴) سیاہ و سفید نشان والا کوا (۵) کاٹنے والا کتا۔ سنن ابوداؤد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ پانچ جانور ایسے ہیں کہ انہیں حدودِ حرم میں بھی مار ڈالنا حلال اور جائز ہے: (۱) سانپ (۲) بچھو (۳) چیل (۴) چوہا (۵) کاٹ کھانے والا کتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محرم کو منٰی میں سانپ مار ڈالنے کا حکم فرمایا نیز سنن ابی داؤد میں حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمام سانپوں کو مار ڈالو پھر جو کوئی ان کے خون کے مطالبے سے خوف کھائے وہ مجھ سے نہیں۔ (ت)

لیکن قتل اسی سانپ کا کہ سپید رنگ ہے اور سیدھا چلتا ہے یعنی چلنے میں بل نہیں کھاتا قبل انداز و تحذیر کے ممنوع ہے،

فی سنن ابی داؤد عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم: اقتلوا الحیات کلھا الا الجان الابیض الذی کانہ قضیب فضۃ [5] وروی الزیلعی عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتلوا	سنن ابوداؤد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت ہے کہ تمام قسم کے سانپ مار ڈالو مگر وہ سفید سانپ جو اس طرح نظر آئے کہ گویا وہ چاندی کی چھڑی ہے۔ امام زیلعی نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ

[1] سنن النسائی کتاب الحج باب یقتل المحرم من الدواب نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب یقتل المحرم من الدواب آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۵۴

[3] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۵

[4] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۶

[5] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی قتل الحیات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۷

ذا الطفیتین والابتر وایاکم والحیة البیضاء فانھا من الجن[1] وفی الترمذی قال عبداللہ بن المبارك انما یکرہ من قتل الحیات الحیة التی تکون دقیقة کانھا فضّة ولاتلتوی فی مشیة[2]۔	آپ نے فرمایا کہ جس سانپ کی پیٹھ پر دو سفید خط ہوں یا وہ چھوٹی دُم والا ہو اسے مارڈالو لیکن سفید سانپ کر مارنے سے پرہیز کرو اس لئے کہ وہ جِنّات میں سے ہے۔ جامع ترمذی میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے فرمایا اس سانپ کو مارڈالنا مکروہ یعنی ناپسندیدہ عمل ہے جو باریک ہوتا ہے جو دیکھنے میں چاندی کی طرح ہے اور اپنی چال میں بل کھاتے ہوئے نہیں چلتا۔ (ت)

اور اسی طرح وہ سانپ جو مدینہ کے گھروں میں رہتے ہیں بے انذار و تحذیر کے نہ قتل کئے جائیں مگر ذوا لطیفتین کہ اس کی پیٹھ پر دو خط سپید ہوتے ہیں اور ابتر کہ ایک قسم ہے سانپ کی کبود رنگ کوتاہ دم، اور ان دونوں قسم کے سانپوں کا خاصہ ہے کہ جس کی آنکھ پر ان کی نگاہ پڑ جائے اندھا ہو جائے، زنِ حاملہ اگر انہیں دیکھ لے حمل ساقط ہو کہ اس طرح کے سانپ اگر مدینہ طیبہ کے گھروں میں بھی رہتے ہوں تو ان کا مارنا بے انذار کے جائز ہے۔

فی صحیح مسلم قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان بالمدینة نفرا من الجن قد اسلموا فمن رأی شیئا من ھٰذہ العوامر فلیؤذنہ ثلاثا فان بدالہ بعد فلیقتلہ فانہ شیطان[3] اھ (والعوامر ھی التی تسکن البیوت تؤذی) وفی روایتہ ان لھذہ البیوت عوامر فاذا رأیتم شیئا ھنا فحرجوا	صحیح مسلم میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ میں کچھ ایسے جنّات ہیں جو مسلمان ہوگئے ہیں لہٰذا جو کوئی گھروں میں ان سے کسی کو آباد دیکھے تو تین مرتبہ انہیں آگاہ کردے اگر اس کے بعد بھی ان میں سے کوئی دکھائی دے یعنی وہ غائب نہ ہو تو اسے مارڈالا جائے اس لئے وہ شیطان ہے اھ عوامر وہ ہیں جو گھروں میں رہتے ہیں اور لوگوں کو ایذا پہنچاتے ہیں اور اسی کی روایت میں ہے کہ ان گھروں میں کچھ رہنے والے

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ الزیلعی الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۸۳

[2] جامع الترمذی ابواب الصید باب فی قتل الحیات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۹

[3] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۵

علیہا ثلاثا فان ذھب والافاقتلوہ فانہ کافر [1] وفی روایۃ ان بالمدینۃ جنا قداسلموا فاذارأیتم منھم شیأا فاٰذنوہ ثلثۃ ایام فان بدالکم بعد ذٰلك فاقتلوہ انما ھو شیطان [2] وفی سنن ابوداؤد۔وقال القاضی عیاض۔	سانپ ہیں اگر تم ان میں سے یہاں کسی کو دیکھو تو اسے تین مرتبہ نکل جانے کا کہو،اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اسے مار ڈالو کیونکہ وہ کافر ہے۔اور ایک روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ میں کچھ جِن مسلمان ہوگئے ہیں اگر ان میں سے تم کسی کو گھروں میں دیکھو تو تین روز تک اسے متنبہ کرتے رہو لیکن اس کے بعد بھی وہ اگر دکھائی دے تو اسے مار ڈالو،اس لئے کہ وہ شیطان ہے۔اور سنن ابی داؤد میں ہے اور قاضی عیاض نے فرمایا۔(ت)

لیکن بعض علماء نے قتل ان سانپوں کا کہ گھروں میں رہتے ہیں مطلقاً بے انذار کے ممنوع ٹھہرایا ہے اور منشاء اس کا اطلاق لفظ بیوت ہے بعض احادیث میں ہے:

فی صحیح مسلم کان ابن عمر یقتل الحیات کلھن حتی حدثنا ابولبابۃ بن عبدالمنذر البدری ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھٰی عن قتل جنان البیوت فامسک [3] وفی روایۃ نھٰی عن قتل الجنان التی فی البیوت [4] انتہت۔والجنان بجیم مکسورۃ و نون مفتوحۃ ھی الحیات جمع جان وھی الحیۃ الصغیرۃ وقیل	صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر ہر قسم کے سانپوں کو مار ڈالتے تھے یہاں کہ کہ ابولبابہ بن عبدالمنذر بدری نے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو مار ڈالنے سے منع فرمایا ہے تو پھر وہ اپنے اس عمل سے باز آگئے۔اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کو مار ڈالنے سے منع فرمایا اھ حدیث میں لفظ الجِنَان حرف جیم کے زیر اور نون کے زبر کے ساتھ متلفظ ہے جس کے معنی سانپ کے ہیں یہ لفظ جان کی جمع ہے اور جان چھوٹے سانپ کو

[1] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۵

[3] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

[4] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات وغیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

الدقیقة الخفیفة وقیل الدقیقة البیضاء کذا قال النووی[1]،وفی روایة انه قد نهٰی عن ذوات البیوت[2]۔	کہتے ہیں،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ باریک اور ہلکا پھلکا سانپ،اور یہ بھی کہا گیا کہ باریک اور سفید سانپ۔امام نووی نے اسی طرح فرمایا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ آپ نے گھروں میں رہنے والے سانپوں کے مارڈالنے سے ممانعت فرمائی۔(ت)

مگر یہ مذہب ضعیف غیر مختار ہے اور جواب اس کا یہ ہے کہ یہاں مراد بیوت سے بیوتِ مدینہ ہیں،نہ بیوت مطلقًا اور احادیث مذکور جن میں اذن بیوت مقید ہے مفسران حدیثوں کے مفسّر ہیں۔

قال الامام النووی قال المازری لاتقتل حیات مدینة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الابانذارها کماجاء فی هٰذه الاحادیث فاذا انذرها ولم تنصرف قتلها واماحیات غیرالمدینة فی جمیع الارض و البیوت والدور فیندب قتلها من غیرانذار لعموم الاحادیث الصحیحة فی الامر بقتلها و"قال الامام النووی ایضا"قالوا فاخذ بهذه الاحادیث فی استحباب قتل الحیات مطلقا وخصت المدینة بالانذار للحدیث الوارد فیها وسببه ماصرح به فی الحدیث انه سلم طائفة من الجن بها[3]اھ	امام نووی نے فرمایا کہ امام مازری نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے سانپوں کو بغیر متنبّہ کرنے کے نہ مارا جائے،جیسا کہ ان احادیث میں آیا ہے،پھر جب انہیں تنبیہ کرے اور اس کے باوجود وہ غائب نہ ہوں تو پھر مارڈالے۔لیکن جو سانپ مدینہ طیبہ کے علاوہ باقی زمین،مکانات اور گھروں میں رہتے ہوں مستحب ہے کہ انہیں بغیر ڈرائے مارڈالا جائے۔ان صحیح احادیث کی بناپر جو سانپوں کو مارڈالنے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں امام نووی نے بھی فرمایا کہ اہل علم نے علی الاطلاق فرمایا ہے کہ سانپوں کو مار ڈالنے کے استحباب میں ان احادیث کو لیا گیا ہے،البتہ مدینہ منورہ کے سانپوں کی انذار یعنی ڈراوے کے ساتھ تخصیص کی گئی ہے یہ اس حدیث کی بناپر ہے جو مدینہ شریف کے بارے

[1] شرح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب قتل الحیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب قتل الحیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

[3] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب قتل الحیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

میں وارد ہوئی اور اس کا سبب وہ حدیث ہے کہ جس میں صراحت کی گئی کہ مدینہ طیبہ میں جِنّات کا ایک گروہ مسلمان ہوگیا ہے اھ۔ (ت)

اور طریقے انذار و تحذیر کے مختلف ہیں، **ایک** یہ کہ یوں کہا جائے میں تم کو قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے لیا کہ ہمیں ایذامت دو اور ہمارے سامنے ظاہر مت ہو۔

قال الامام النووی واما صفة الانذار فقال القاضی روی ابن حبیب عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ یقول انشد کن بالعہد الذی اخذ علیکم سلیمٰن ابن داؤد ان لاتؤذونا ولاتظھرن لنا [1]۔	امام نووی نے فرمایا کہ انذار کی کیفیت کے متعلق قاضی عیاض کا ارشاد ہے کہ ابن حبیب نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے روایت فرمائی کہ آپ فرماتے تھے کہ سانپوں کو ڈرانے والا یوں کہے کہ میں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) نے لیا تھا کہ ہمیں تکلیف نہ دو اور نہ ہمارے سامنے آؤ۔ (ت)

دوسرے یہ کہ اس طرح کہا جائے ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں بوسیلہ عہد نوح و عہد سلیمان ابن داؤد علیہم السلام کے کہ ہمیں ایذامت دے،

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا ظھرت الحیة فی المسکن فقولوا لھا انا نسئلك بعھد نوح وبعھد سلیمان بن داؤد ان لاتؤذینا فان عادت فاقتلوھا رواہ ابوعیسٰی الترمذی ثم قال ھذا حدیث حسن غریب [2]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب گھر میں کوئی سانپ دکھائی دے تو اس سے یوں کہو کہ ہم تجھ سے عہد نوح اور عہد سلیمان بن داؤد کے طفیل یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ایذا نہ پہنچاؤ (اگر وہ یہ عہد نہ مانیں اور دوبارہ گھر میں ظاہر ہوں تو انہیں مار ڈالو) امام ابوعیسٰی ترمذی نے اس حدیث کو روایت کرکے فرمایا یہ حسن غریب ہے۔ (ت)

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب قتل الحیات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۴

[2] جامع الترمذی ابواب الصید باب فی قتل الحیات امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۹

تیسرے یہ کہ میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے نوح علیہ السلام نے لیا میں تمہیں قسم دلاتا ہوں اس عہد کی جو تم سے سلیمان علیہ السلام نے لیا کہ ایذا مت دو۔

کما فی سنن ابی داؤد ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سئل عن حیات البیوت فقال اذا رأیتم منھن شیأا فی مساکنکم فقولوا انشدکن العھد الذی اخذ علیکن نوح وانشدکن العھد الذی اخذ علیکن سلیمان ان لاتؤذوا فان عدن فاقتلوھن[1]۔	جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گھروں میں رہنے والے سانپوں کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ جب تم لوگ اپنے گھروں میں سانپوں کی طرح کوئی چیز دیکھو تو ان سے یوں کہو کہ میں تمہیں اس عہد کی قسم دلاتا ہوں جو تم سے حضرت نوح نے لیا تھا میں تمہیں اس عہد کی قسم دلاتا ہوں جو تم سے حضرت سلیمان نے لیا تھا (ان دونوں پر سلام) کہ ہمیں ایذامت دو۔ (ت)

چوتھے یہ کہ لوٹ جا خدا کے حکم سے۔

پانچویں یہ کہ مسلمان کی راہ چھوڑ دے۔

قال الطحاوی یقال لھا ارجعی باذن اللہ تعالٰی او خلی طریق المسلمین[2] اھ ملخصًا وغیر ذٰلک۔	امام طحاوی نے فرمایا کہ سانپ سے یوں کہا جائے کہ تو اللہ تعالٰی کے حکم سے واپس چلا جا، یا یوں کہا جائے کہ مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دے، یا اس کے کچھ اور الفاظ کے ذریعے اس چلے جانے کو کہے اھ ملخصًا (ت)

بالجملہ قتل سانپ کا مستحب اور سپید اور ساکن بیوت مدینہ کا سوا ذوا لطیفتین اور ابتر کے بے انذار و تحذیر کے ممنوع ہے مگر طحاوی کے نزدیک بے انذار میں بھی کچھ حرج نہیں اور انذار اولٰی ہے۔

فی الاشباہ والنظائر قال الطحاوی لابأس ان بقتل الکل لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عاھد الجن ان لایدخلوا بیوت امتہ ولایظھروا انفسھم	الاشباہ والنظائر میں ہے کہ امام طحاوی نے فرمایا کہ ہر قسم کے سانپوں کو بغیر ڈرائے مار ڈالنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنّات سے عہد لیا تھا کہ میری امت کے گھروں میں نہ داخل ہونا اور نہ ان کے

[1] سنن ابی داؤد کتاب الآداب باب فی قتل الحیات آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۷

[2] الاشباہ والنظائر بحوالہ الطحاوی الفن ثالث احکام الجان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۸۳

فاذا خالفوا فقد نقضوا عهدهم فلاحرمة لهم اولاولٰی هو الانذار والاحذار [1] اھواللّٰه تعالٰی اعلم۔	سامنے ظاہر ہونا، جب وہ اس عہد کی مخالفت کریں تو گویا وہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے لہٰذا ان کی حرمت باقی نہ رہی ہاں البتہ انہیں ڈرانا اور ہوشیار کرنا زیادہ بہتر ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیل اور بکرے کو خصّی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

بالاتفاق جائز ہے کہ اس میں منفعت ہے۔ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے اور خصی بیل محنت کی زیادہ برداشت کرتا ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اگر جانور کے خصی کرنے میں واقعی کوئی منفعت یا دفع مضرت مقصود ہو تو مطلقاً حلال ہے اگرچہ جانور غیر ماکول اللحم ہو مثلاً بلی وغیرہ ورنہ حرام ہے، اسی اصل کی بناء پر ہمارے گھوڑے کو خصی کرنا بھی جائز جانتے ہیں جبکہ مقصود دفع شرارت ہو اگرچہ بعض منع فرماتے ہیں:

لمافیه من تقلیل آلة الجهاد اقول الموجود لایعدم والمرهوم لایعتبر الاتری ان العزل یجوز عن الأمة مطلقا وعن الحرة باذنها بخلاف الاکل فان فیه اعدام موجود۔	اس لئے کہ اس میں آلہ جہاد کی تقلیل ہے، میں کہتا ہوں کہ موجود معدوم نہیں ہوتا اور موہوم کا اعتبار نہیں ہوتا کیا تم نہیں دیکھتے کہ لونڈی سے "عزل" علی الاطلاق جائز ہے جبکہ آزاد عورت سے اس کی اجازت پر موقوف ہے۔ بخلاف کھانے کے کہ اس میں موجود کو معدوم کرنا ہے۔ (ت)

ہاں آدمی کا خصی کرنا بالاجماع مطلقاً حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وجاز خصاء البهائم حتی الهرة واما خصاء الأدمی فحرام قیل والفرس وقیدوه بالمنفعة والافحرام [2]۔	چوپایوں کو خصی کرنا جائز ہے لیکن آدمی کو خصی کرنا حرام ہے اور کہا گیا کہ گھوڑے کو بھی۔ اور فقہائے کرام نے خصی کرنے میں فائدہ اور نفع کی قید لگائی ہے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر حرام ہے۔ (ت)

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ الطحاوی الفن الثالث احکام الجان ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۸۴

[2] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶

ردالمحتار میں ہے:

قولہ قیل والفرس ذکر شمس الائمۃ الحلوانی انہ لا باس بہ عند اصحابنا وذکرشیخ الاسلام انہ حرام [1]۔واللہ تعالٰی علم۔	مصنف کا قول "والفرس" شمس الائمہ حلوانی نے ذکرفرمایا کہ گھوڑے خصی کرنے میں ہمارے اصحاب کے نزدیک کوئی حرج نہیں جبکہ شیخ الاسلام نے ذکرفرمایا کہ اسے خصی کرنا حرام ہے،ط۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۴: ۲۰ربیع الآخر شریف

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ سگ کا پالنا جائز ہے یانہیں؟ اور کبوتر پالنا بِلااڑانے کے،بٹیر بازی ومرغ بازی وشکرہ وباز پالنااوران سے شکار پکڑوانا اور کھانا درست ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

شکراوباز پالنادرست ہے،اوران سے شکار کرانااوراس کا کھانا بھی درست ہے۔

لقولہ تعالٰی "وَمَاعَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ" [2] الاٰیۃ۔	اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور جن زخمی کرنے والے جانوروں کو تم نے شکار کرنے کا طریقہ سکھا رکھاہے۔ (ت)

مگریہ ضرورہے کہ شکارغذا ودوا یاکسی نفع صحیح کی غرض سے ہو،محض تفریح ولہوولعب نہ ہو،ورنہ حرام ہے،یہ گنہگار ہوگا،اگرچہ ان کامارا ہواجانور جبکہ وہ تعلیم پاگئے ہوں اور بسم اللہ کہہ کر چھوڑا ہو حلال ہوجائے گا۔

فان حرمۃ فی کونہ ذکاۃ شرعیۃ لکن سمی اللہ تعالٰی وضرب الغنم من قفاہ حر الفعل	کسی شکاری جانور کو محض تفریح طبع کے طورپر شکار کرنے کے لئے چھوڑنے کی حرمت اس کے شرعی طورپر ذبح ہونے کے منافی یامخالف نہیں لیکن اللہ تعالٰی کانام لے کرچھوڑے جیسے کسی شخص نے اللہ تعالٰی کانام لے کر بکری کی گدّی کی طرف سے

[1] ردالمحتار کتاب الحظروالاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۴۹

[2] القرآن الکریم ۵ /۴

وحل الاکل۔	ضرب لگائی اگرچہ فعل حرام ہے مگر اس کا کھانا حلال ہے۔(ت)

اور بٹیر بازی، مرغبازی اور اسی طرح ہر جانور کالڑانا جیسے مینڈھے لڑاتے ہیں لعل لڑاتے ہیں یہاں تک کہ حرام جانوروں مثلاً ہاتھیوں ریچھوں کالڑانا بھی سب مطلقاً حرام ہے کہ بلاوجہ بے زبانوں کو ایذا ہے، حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن التحریش بین البھائم اخرجه ابوداؤد والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وقال الترمذی حسن صحیح[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جانوروں کے لڑانے سے منع فرمایا (امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس کو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالے سے روایت کیا اور امام ترمذی نے فرمایا: حدیث حسن صحیح ہے۔ت)

کبوتر پالنا جبکہ خالی دل بہلانے کے لئے ہو اور کسی امر ناجائز کی طرف مؤدی نہ ہو جائز ہے اور اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑائے کہ مسلمانوں کی عورات پر نگاہ پڑے یا ان کے اڑانے کو کنکریاں پھینکے جو کسی کا شیشہ توڑیں یا کسی کی آنکھ پھوڑیں یا کسی کا دم بڑھائے اور تماشا ہونے کے لئے دن بھر انہیں بھوکا اُڑائے جب اُترنا چاہیں نہ اُترنے دیں ایسا پالنا حرام ہے، درمختار میں ہے:

یکرہ امساك الحمامات ولو فی برجھا ان کان یضربا لناس بنظر او جلب والاحتیاط ان یتصدق بھا ثم یشتریھا اوتوھب بلہ، مجتبی، فان کان یطیرھا فوق السطح مطلعًا علی عورات المسلمین ویکسر زجاجات الناس برمیہ تلك الحمامات عزر ومنع	کبوتروں کو روک رکھنا اگرچہ ان کے برجوں میں ہو مکروہ ہے اگر لوگوں کو نقصان پہنچا ہو دیکھنے یا پکڑنے کی وجہ سے، اور احتیاط یہ ہے کہ انہیں خیرات کر دیا جائے پھر انہیں خریدے یا اسے ہبہ کئے جائیں، مجتبٰی، پھر اگر چھتوں پر چڑھ کر اڑانے کہ مسلمانوں کی پردہ دار خواتین پر نگاہ پڑے یا انہیں اڑانے کے لئے کنکر پھینکنے جن سے لوگوں کے گھروں کی کھڑکیوں روشندانوں

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجہاد باب ماجاء فی التحریش بین البہائم امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۴، سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب ماجاء فی التحریش بین البہائم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۴۶

اشد المنع فان لم یمتنع ذبحها المحتسب وصرح فی الوهبانیة بوجوب التعزیر وذبح الحمامات ولم یقیدہ بما مر ولعله اعتمد عادتهم واما للاستیناس فمباح[1] اھ۔	کے شیشے ٹوٹنے کی نوبت آئے تو یہ سخت منع ہے اور اگر اس حرکت سے باز نہ آئے تو حاکم شہر انہیں ذبح کرا ڈالے۔ اور وہبانیہ میں تصریح ہے کہ اس صورت میں سزا دینا اور کبوتروں کو ذبح کر ڈالنا واجب ہے اور اس نے گزشتہ قید کا ذکر نہیں کیا شاید اس نے فقہائے کرام کی عادت پر اعتماد کیا ہے اور اگر کبوتر پروری صرف دل بہلانے اور انس کے لئے ہو تو مباح ہے اھ (ت)

صحیح بخاری وغیرہ میں عبداللہ بن عمر اور صحیح ابن حبان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت امرأة النار فی هرة ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها تاکل من خشاش الارض[2]۔	ایک عورت دوزخ میں گئی ایک بلی کے سبب کہ اسے باندھا رکھا تھا، نہ اسے کھانا دیا نہ چھوڑا کہ زمین کے چوہے وغیرہ کھالیتی۔

ابن حبان کی حدیث میں ہے:

فهی اذا قبلت تنهشها قبلها واذا ادبرت تنهشها[3]۔	وہ بلی دوزخ میں اس عورت پر مسلط کی گئی ہے کہ اس کا آگا پیچھا دانتوں سے نوچ رہی ہے۔

ایک حدیث میں حکم ہے کہ جو جانور پالو دن میں ستر بار سے دانہ پانی دکھاؤ نہ کہ گھنٹوں پہروں بھوکا پیاسا رکھو اور نیچے آنا چاہے تو آنے دو۔

علماء فرماتے ہیں جانور پر ظلم کافر ذمی پر ظلم سے سخت تر ہے اور کافر ذمی پر مسلمان ظلم سے اشد کما فی الدر المختار[4] وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۹

[2] صحیح البخاری کتاب بدؤ الخلق باب خمس من الدواب فواسق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۶۷

[3] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان فصل فیما یتعلق بالدواب مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۸ /۴۵۵، موارد الظمآن باب صلٰوۃ الکسوف حدیث ۵۹۵ و ۵۹۶ المطبعۃ السلفیہ ص ۱۵۷

[4] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۹

فرماتے ہیں:

الظلم ظلمٰت یوم القیامۃ [1]۔	ظلم ظلمتیں ہوگا قیامت کے دن۔

اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

" اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ " [2]	سن لو اللہ کی لعنت ہے ظلم کرنے والوں پر۔

کتا پالنا حرام ہے، جس گھر میں کتا ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا، روز اس شخص کی نیکیاں گھٹتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لاتدخل الملئکۃ بیتا فیہ کلب ولاصورۃ۔ رواہ احمد [3] والشیخان والترمذی والنسائی وابن ماجۃ عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	فرشتے نہیں آتے اس گھر میں جس میں کتا یا تصویر ہو۔ (امام بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من اقتنی کلبا الا کلب ماشیۃ اوضاریا نقص من عملہ کل یوم قیراطان۔ رواہ احمد [4] والشیخان والترمذی والنسائی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جو کتا پالے مگر گلی کا کتا یا شکاری، روز اس کی نیکیوں سے دو قیراط کم ہوں (ان قیراطوں کی مقدار اللہ ورسول جانے جل جلالہ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) (امام احمد، بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] صحیح بخاری ابواب المظالم والقصاص باب الظلم ظلمات یوم القیمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۴

[3] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق ۱/ ۴۵۸ و کتاب المغازی ۲/ ۵۷۰ و صحیح مسلم کتاب اللباس ۲/ ۲۰۰، جامع الترمذی ابواب الاب ۲/ ۱۰۳ و سنن النسائی ابواب الصید ۲/ ۱۹۳

[4] صحیح البخاری کتاب الذبائح ۲/ ۸۲۴ و صحیح مسلم کتاب المساقات ۲/ ۲۱، جامع الترمذی ابواب الصید ۱/ ۱۸۰ و سنن النسائی ابواب الصید ۲/ ۱۹۴، مسند امام احمد بن حنبل عن ابن عمر ۲/ ۴،۳،۷۰، ۶۰، ۴۷

توصرف دو قسم کے کتے اجازت میں رہے ایک شکاری جسے کھانے یا دوا وغیرہ منافع صحیحہ کے لئے شکار کی حاجت ہو، نہ شکار تفریح کہ وہ خود حرام ہے، دوسرا وہ کتا جو گلے یا کھیتی یا گھر کی حفاظت کے لئے پالا جائے اور حفاظت کی سچی حاجت ہو، ورنہ اگر مکان میں کچھ نہیں کہ چور لیں یا مکان محفوظ جگہ ہے کہ چور کا اندیشہ نہیں، غرض جہاں یہ اپنے دل سے خوب جانتا ہو کہ حفاظت کا بہانہ ہے اصل میں کتے کا شوق ہے وہاں جائز نہیں، آخر آس پاس کے گھر والے بھی اپنی حفاظت ضروری سمجھتے ہیں اگر بے کتے کے حفاظت نہ ہوتی تو وہ بھی پالتے، خلاصہ یہ کہ اللہ تعالٰی کے حکم میں حیلہ نہ نکالے کہ وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۵: از بنگالہ ضلع جسر ڈاکخانہ محمود پور موضع دہنوائل مرسلہ عزیز الرحمٰن ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، جانوروں کا خصی کرانا جیسے بیل، بکرا، مرغ وغیرہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح پر؟ اور یہ طریقہ کہاں سے ہے اور کس نے جاری کیا؟

الجواب:

جانوروں کے خصی کرنے سے اگر کوئی منفعت جائزہ مقصود ہو یا گوشت اچھا ہونا جیسا بیل، بکری وغیرہ میں مقصود ہوتا ہے یا شرارت دفع کرنا جیسا کہ گھوڑے وغیرہ میں قصد کیا جاتا ہے جب تو جائز ہے ورنہ حرام، صرف گھوڑے کے باب میں علماء ممانعت کی طرف گئے، مگر تحقیق یہ ہے کہ منفعت کے لئے ہو تو وہ بھی جائز ہے البتہ آدمی کو خصی کرنا مطلقاً حرام ہے۔ اور یہ طریقہ خصی کرنے کا مشہور ومعروف اور زمانہ اسلام آنے سے پیشتر جاری ہے۔

فی الدرالمختار جاز خصاء البھائم حتی الھرۃ واما خصاء الاٰدمی فحرام قیل والفرس وقیدوہ بالمنفعۃ والا فحرام[1]۔ فی ردالمحتار قولہ قیل الفرس ذکر شمس الائمۃ الحلوانی	درمختار میں ہے کہ جانوروں کو خصی کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بِلّے کو خصی کرنا بھی مباح اور جائز ہے، جہاں تک انسان کا تعلق ہے اسے خصی کرنے کی اجازت ہر گز نہیں، مرد کو خصی کرنا حرام ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ گھوڑے کو خصی کرنا حرام ہے، اور اس کے خصی کئے جانے کے جواز

[1] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶

انه لاباس به عند اصحابنا وذکر شیخ الاسلام انه حرام .قوله وقیدوه ای جواز خصاء البهائم بالمنفعة وهی ارادة سمنها اومنعها عن العض بخلاف بنی آدم فانه یراد به المعاصی فیحرم .افاده الاتقانی عن الطحاوی[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوعلماء کرام نے اس کے فائدے کے ساتھ مشروط اور مقید کیا ہے ورنہ اس کو خصی کرنا حرام کہا ہے۔ فتاوٰی شامی میں مصنف کے قول قبل الفرس کے ذیل کیا ہے کہ ہمارے اصحاب گھوڑے کو خصی کرنا جائز قرار دیتے ہیں البتہ شیخ الاسلام نے بیان فرمایا کہ یہ حرام ہے۔ مصنف کا قول قیدوہ یعنی جانوروں کو خصی کرنے کا جواز کسی منفعت سے مقید ہے مثلاً جانور کو موٹا اور طاقتور بنانا یا یہ کہ وہ شوخی اور شرارت سے باز آجائے گا بخلاف بنی آدم کے کہ اس کے خصی ہونے یا کئے جانے سے کئی قسم کے گناہ جنم لیں گے۔ علامہ اتقانی نے امام طحاوی کے حوالے سے یہ حکمت پیش کی ہے اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۶: ۹ ربیع الاول شریف:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کبوتر اڑانا اور پان اور مرغ بازی، بٹیر بازی، کنکیّا بازی اور فروخت کرنا کنکیّا وڈور اور مانجھا جائز ہے یا ناجائز؟ اوران لوگوں سے سلام علیک کرنا اور سلام کا جواب دینا واجب ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

کبوتر پالنا جائز ہے جبکہ دوسروں کے کبوتر نہ پکڑے، اور کبوتر اُڑانا کہ گھنٹوں ان کو اُترنے نہیں دیتے حرام ہے اور مرغ یا بٹیر کالڑانا حرام ہے۔ ان لوگوں سے ابتداء بسلام نہ کی جائے جواب دے سکتے ہیں، واجب نہیں۔ کنکیّا اڑانے میں وقت، مال کا ضائع کرنا ہوتا ہے۔ یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے آلات کنکیّا ڈور بیچنا بھی منع ہے احتراز کریں توان سے بھی ابتداء بسلام نہ کی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۷: اگر بلی یا کتا وغیرہ آدمیوں کی چیز کا نقصان کرتے ہوں یا کاٹ کھاتے ہوں توان کا مارڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

کاٹتے ہوں تو درست ہے قتل ان کا۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۹

مسئلہ ۲۵۸ تا ۲۶۰: از شہر کہنہ ۱۲ رجب ۱۳۳۵ھ بارہ دری مسئولہ مصطفٰی علی خاں

جناب مولوی صاحب بعد ادائے آداب کے گزارش یہ ہے کہ آپ کی خدمت میں آدمی بھیجتا ہوں مہربانی فرماکر سوالوں کا جواب عنایت فرمادیجئے:

(۱) کنکیا اگر آکر گھر پر گرجائے اور معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے لے لینے سے گناہ تو نہیں؟

(۲) کنکیا اُڑانا گناہ ہے یا نہیں؟

(۳) بلی تکلیف دیتی ہو تو اس کو بستی میں چھڑوانا گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب:

(۱) کنکیا لُوٹنا حرام، اور خود آکر گرجائے تو اسے پھاڑ ڈالے، اور اگر معلوم نہ ہو کہ کس کی ہے تو ڈور کسی مسکین کو دے دے کہ وہ کسی جائز کام میں صَرف کرلے، اور خود مسکین ہو تو اپنے صرف میں لائے، پھر جب معلوم ہو کہ فلاں مسلم کی ہے اور وہ اس تصدق یا اس مسکین کے اپنے پر راضی نہ ہو تو دینی آئے گی اور کنکیا کا معاوضہ بہرحال کچھ نہیں۔

(۲) کنکیا اڑانا منع ہے اور لڑانا گناہ۔

(۳) بلی اگر ایذا دیتی ہو تو اسے باہر چھوڑ دینے میں حرج نہیں اور تیز چھُری سے ذبح بھی کرسکتے ہیں مگر چھڑوانا ایسی جگہ جائز نہیں جہاں سے وہ اپنے کسی رزق تک نہ پہنچ سکے۔ فقط۔

مسئلہ ۲۶۱: از مقام گونڈل علاقہ کاٹھیاوار مرسلہ قاضی قاسم میاں ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تواریخ حبیب الٰہ ص ۹۲ میں بحوالہ مشکوٰۃ شریف بروایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ نقل ہے کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک قصہ نوجوان انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو ارشاد فرمایا کہ مکانوں میں ایک قسم کے سانپ ہوتے ہیں کہ عوامر کہلاتے ہیں جب سانپ مکان میں نمودار ہو تو دیکھتے ہی نہ مار ڈالو کہ تین دن اسے کہہ دو کہ پھر نہ نکلیو، پھر اگر وہ دکھائی دے تو اسے مار ڈالو۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح کہہ کر کیا سانپ کو چھوڑ دیا جائے یا مار ڈالنا چاہئے؟ کیا جن بھی سانپ کی شکل نمودار ہوتے ہیں اور ان کی کچھ نشانی ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حکم حدیث میں مدینہ طیبہ کے لئے تھا اور جگہ اس کی حاجت نہیں **کما حققہ الامام الطحاوی فی شرح معانی الاٰثار** (جیسا کہ امام طحاوی نے شرح معانی الاٰثار میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ بوزینہ را درخانہ خودپرورش کردن مکروہ ہست یانہ؟	علمائے دین اس مسئلہ میں کیاارشاد فرماتے ہیں کہ بندر کو اپنے گھر میں پالنامکروہ اور ناپسندیدہ کام ہے یانہیں۔(ت)

الجواب:

بلے زیراکہ او ازفسقہ است واز وے جز ایذا نیاید واگربارے مسخر خواہد چنانکہ قلندران می کنند ایں خود حرامست **کما فی الدر المختار**، **وھو تعالٰی اعلم**۔	ہاں بیشک (اس کا پالنامکروہ ہے) اس لئے کہ وہ فاسق جانوروں میں شمار ہے۔پس اس سے سوائے ایذارسانی اور کچھ نہیں ہوتا، اگر کبھی تابع کیاجائے جیساکہ قلندر لوگ (آزاد منش) کیاکرتے ہیں تویہ بھی حرام ہے جیساکہ درمختار میں مذکور ہے۔**وھو تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از فرید پور مرسلہ جناب جدالحسین صاحب مورخہ ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گائے یا بھینس کابچہ مرجائے اور اس بچہ کے چمڑے کو سکھا کر بصورت بچہ کے بناکر اور گائے کے سامنے رکھا، دودھ دوہنا جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا**۔

الجواب:

جائز ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۴: از میڑتارو ڈ مارواڑ ریاست جودھپور مسئولہ عبدالقادر صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی

کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین کہ چیونٹیوں کو دانہ ڈالنا جائز ہے یاناجائز؟ تحریر فرمائیں، ایک شخص ایک مولوی کے پاس گیا اور کہا کہ میں تنگ دست ہوں، مولانا فرمانے لگے چیونٹیوں کو دانہ ڈالا کرو۔اس نے یہ فعل کیا، یہ ثواب ہے یانہیں؟

الجواب:

جائز وکارثواب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی کل ذات کبدرطبة اجر رواہ الشیخان [1]	ہر جاندار کی خدمت کرنے میں اجر ہے، بخاری ومسلم

---

[1] صحیح البخاری کتاب المظالم باب الدبار علی الطریق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۳، صحیح مسلم کتاب السلام باب فضل سقی البہائم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۷

عن ابی ھریرۃ واحمد عن عبداللہ بن عمرووکا بن ماجۃ عن سراقۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنھم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں حضرت ابوہریرہ سے اس کو روایت کیا، اور امام احمد نے عبداللہ بن عمرو سے اور ابن ماجہ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کو روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

نام رکھنے کا بیان

مسئلہ ۲۶۵: از کلکتہ دھرم تلا ۱۲۴ مرسلہ جناب محمد یونس صاحب ۸ رجب ۱۳۲۷ھ

علمائے دین سے سوال ہے کہ اس شخص کا کیا حال ہے، بکر نے اپنی اولاد کے نام تین زبانوں میں رکھ چھوڑے ہیں عربی انگریزی ہندی، ایک لڑکے کا مطیع الاسلام ہے، دوسرے کا پالس، لڑکی کا نام کنول دیوی، جو اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ زبان کا فرق ہے مگر بُرے نہیں۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

یہ اس کا فعل شیطانی حرکت ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝۲۰۸"[1]	اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (ت)

طحطاوی علی الدر المختار وابو السعود الازہری علی الکنز میں ہے:

قسم یختص بالکفار کجرجس	ناموں کی ایک قسم کفار سے مختص ہے جیسے جرجس،

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۸

ویطرس ویوحنا. فھذا لایجوز للمسلمین التسمی به لما فیه من المشابھة [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	پطرس اور یوحنا وغیرہ لہٰذا اس نوع کے نام مسلمانوں کے لئے رکھنے جائز نہیں کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت پائی جاتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۶: از نینی تال کاشی پور ڈاکٹر اشتیاق علی بروز یک شنبہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

بعض لوگ اپنے نام کے آگے صدیقی اور رضوی لکھا کرتے ہیں جیسے سعید اللہ صدیقی واشتیاق علی رضوی، تو یہ لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر لکھا جائے تو کچھ گناہ ہے؟ فقط۔

الجواب:

اگر نسبت صحیح ہے جائز ورنہ حرام۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۷: مرسلہ محمد فیاض الرحمٰن صاحب روڑکی کیمپ ۲۲ ربیع الآخر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے نام کے ساتھ اسرائیلی لکھتا ہے جس طرح اور لوگ قریشی صدیقی چشتی وغیرہ لکھتے ہیں کیا لفظ اسرائیلی ایک حنفی المذہب شخص کے لئے صرف نسبت ظاہر کرنے کو جائز ہوتا ہے؟ مناسب ہے کہ بنی اسرائیل کی کچھ تفصیل کردی جائے کیونکہ اکثر لوگ زید پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ نسبت ایک حنفی المذہب کے لئے ناجائز ہے، جبکہ زید کچھ تھوڑی تفصیل یہ بیان کرتا ہے کہ حضرت یعقوب کا دوسرا اسم گرامی اسرائیل تھا جن کے خاندان میں ہم لوگ ہیں امید کہ حضور عالی تشریح اور تفصیل کے ساتھ جلد سے جلد بیان فرمائیں تاکہ اگر کوئی گناہ ہو تو فوراً اس نسبت وترک کردیا جائے۔

الجواب:

اسرائیل سیدنا یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام کا نام مبارک ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰی نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ" [2]۔	سب کھانے بنی اسرائیل کے لے حلال تھے مگر وہ چیز جو اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ الصلٰوۃ والسلام) نے نزول تورات سے پہلے اپنی ذات پر حرام ٹھہرالی (اونٹ کا گوشت اور دودھ وغیرہ)۔ (ت)

زید اگر نسباً بنی اسرائیل سے ہے تو اس کا اپنے آپ کو اسرائیلی کہنا بجا ہے اور اس کے ناجائز

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الجھاد فصل فی الجزیه المکتبة العربیة کوئٹہ ۲/ ۴۷۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۳

ہونے کی کوئی وجہ نہیں البتہ اب یہ لفظ مسلمانوں میں اجنبی سا ہوگیا ہے لوگ اسرائیلی کو محمدی کے مقابل سمجھتے ہیں اور اجلہ اکابر کے کلام پاک میں یہ مقابلہ آیا ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

یااسرائیل قف واسمع کلام المحمدی[1]۔	ٹھہر جایئے اسے اسرائیلی! ذرا محمدی نسبت رکھنے والے (یعنی ایک مسلمان محمدی) کا کلام سن لیجئے (ت)

نسبت نسب ومذہب دونوں اعتبار سے ہوتی ہے اور یہاں بحسب نسب یہ نسبت بہت کم مسموع، لہٰذا عوام مسلمین اسے سن کر چونکتے ہیں اور بلاضرورت ایسی بات پر اقدام شرع مطہر کو پسند نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بشّرواولاتنفّروا[2]۔	(لوگو!) خوشخبری سنایا کرو لہٰذا ایک دوسرے کو نفرت نہ دلایا کرو (ت)

دوسری حدیث میں ہے:

ایاك ومایسوء الاذن[3]۔	اس سے بچو جو کانوں کو بری لگے (یعنی غیبت سے بچو) (ت)

لہٰذا اپنے نام کے ساتھ یہ نسبت لکھنی نامناسب وقابل ترک ہے مگر گناہ وحرام اب بھی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۸: ازامرتسر کڑہ گربا سنگھ متصل مسجد کنجری والی دروازہ بھگتانوالہ مرسلہ منشی نبی بخش ۲۳ شعبان ۱۳۳۵ھ

حامی سنت، ماحی بدعت، مجدد زماں جناب مولانا صاحب بفضل اولٰینا دامت فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ بعد سلام مسنون الاسلام کے خداوند کریم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آنجناب کا وجود مبارک واسطے گنہگاروں کی ہدایت کے، اور اشرار ودشمنان دین محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مکروفریب کو ملیامیٹ کرنے کے لئے پیدا کیا۔ دعا ہر دم ہے کہ خداوند کریم تا زمانہ ابد الدہر آنجناب کو سلامت باکرامت رکھے۔ بعد ازاں خدمت بابرکت میں ملتمس ہوں کہ بندے کا نام نبی بخش ہے۔ چونکہ فرقہائے اشرار زمانہ خصوصًا گروہ وہابیہ میں یہ مرض ہے کہ مسلمانوں سے بات بات کی مخالفت کرتے ہیں اگرچہ ان کا سراسر نقصان ہی ہوتا ہے۔ بندے کا نام تو پہلے ہی وہابیوں کے جلانے کے لئے تھا لیکن بندے نے ان کو اور بھڑکانا چاہا یعنی اپنا نام بجائے نبی بخش کے عبدالنبی کردیا۔ نام تبدیل کرنے سے پہلے بندے نے ازحد

---

[1] بہجۃ الاسرار عن قول الرجل ای شیئ اعملہ مصطفی البابی مصر ص ۴۷

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیہ یتحولہم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الغاویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۷۶

غور کرلیا جتنا کہ ہوسکا کہ کہیں ان کی مخالفت میں اپنا نقصان نہ ہو یعنی کئی مسلمانوں کا نام عبدالمحمد، عبدالنبی، عبدالرسول لکھا ہوا دیکھا لیکن وہ سب مولوی عالم ہیں اور بندہ محض بے علم ہے، اور سب سے بڑھ کر قولہ تعالٰی "قُلْ یٰعِبَادِیَ"[1] الخ پڑھ کر بے فکر ہوکر نام تبدیل کردیا جو کہ ایک عرصہ تک لکھتا رہا لیکن جناب شاہ صاحب جو کہ بندے کے دینیات کے استاد ہیں کسی شخص نے ان کی خدمت میں ذکر کیا کہ منشی نبی بخش جو خط وہابیوں کو لکھتا ہے اس میں ان کو جلانے کے لئے اپنا عبدالنبی لکھ دیتا ہے۔ پھر اس شخص نے بندے کو آکر کہا کہ جناب شاہ صاحب فرماتے تھے کہ نبی بخش ازحد غلطی کرتا ہے کیونکہ خداوکریم کا بندہ بننا تو آسان ہے لیکن جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ ہوجانا ازحد مشکل ہے بلکہ ایسا نام لکھنا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بے ادبی کرنا ہے۔ اور انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ جناب حضرت مولانا احمد رضاخان صاحب باوجود مجدد زماں ہونے کے اپنا اسم مبارک عبدہ المذنب عبدالمصطفٰی لکھا کرتے ہیں جب سے بندہ نے اس شخص سے یہ بات سنی اسی وقت سے عبدالنبی نہیں لکھا کیونکہ جناب حضرت سید شاہ صاحب ازحد فقیہ عالم فاضل تصوف میں کامل شریعت میں پکے ہیں بندے کو ان کا فرمان ماننے میں ذرا بھی عذر نہیں لیکن کہنے والا دوسرا شخص ہے شاید اس نے سمجھنے میں غلطی کھائی ہو اور بندے میں باعث رعب شاہی کے اتنی جرات نہیں کہ جناب شاہ صاحب سے دریافت کرسکے لہٰذا خدمت بابرکت میں مؤدبانہ ملتمس ہوں کہ جناب براہ بندہ نوازی ارشاد فرمادیں کہ بندہ اپنا نام عبدالنبی لکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص پہلے اپنا نام عبدالرسول، عبدالمحمد لکھتے ہیں وہ کیوں لکھتے ہیں؟ ایسے طور پر جواب تحریر فرمادیں کہ بندہ سمجھ سکے اور ہدایت پائے اور جو اپنا نام بندہ عبدالنبی لکھ سکوں تو کس طرح لکھ سکتا ہوں، کوئی بغیر تبدل یا کوئی لفظ زیادہ کرنا پڑے گا یا نہیں؟ امید ہے آنجناب جلدی جواب ارسال فرمائیں گے، والسلام

الجواب:

ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مملوک جانے، تمام عالم ہی ان کے رب عزوجل کی عطا سے ان کی ملک ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناعشریہ میں توریت مقدس سے نقل فرماتے ہیں کہ رب عزوجل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے:

ملك الارض ورقاب الامم[2]۔	احمد مالک ہیں تمام زمین اور مالک ہیں سب امتوں کی گردنوں کے۔

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۵۳

[2] تحفہ اثناعشریہ باب ششم دربحث نبوت الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفا میں حدیث نقل کرتے ہیں امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے صحابہ کرام کو جمع فرما کر اس مجمع کے سامنے خطبہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر شریف کرکے فرمایا:

کنت عبدہ وخادمہ کالسیف المسلول بین یدیہ[1]۔	میں حضور کا عبد تھا بندہ تھا خادم تھا اور حضور کے سامنے تیغ برہنہ کی طرح تھا۔

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں روایت فرماتے ہیں حضرت اعشی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی:

یامالک الناس ودیّان العرب[2]۔	اے تمام آدمیوں کے مالک اور عرب کے جزاوسزا دینے والے۔

شفاء امام قاضی عیاض ومواہب لدنیہ امام احمد قسطلانی میں ہے حضرت سیدنا سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

من لم یر نفسہ فی ملک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یذق حلاوۃ سنّتہ[3]۔	جو اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مملوک نہ جانے اس نے ان کی سنت کا مزہ نہ چکھا۔

بالجملہ اس معنی پر تمام جہان ان کی ملک ان کا بندہ ان کا عبد ہے یوں اپنا لقب عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفٰی رکھنا عین سعادت ہے، اور اس سے اسلام وکفر کا فرق روشن ہے کہ اللہ عزوجل کی عبدیت سے کسی کافر کو بھی استنکاف نہ ہوگا حتی کہ وہابیہ بھی بڑی خوشی سے اپنے آپ کو عبداللہ کہیں گے اگرچہ واقع میں شیخ نجدی کے بندے اور عبدالشیطان ہیں، مگر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ ہرگز اپنے آپ کو نہ بتائیں گے، عبدالنبی اور عبدالشیطان دونوں عبداللہ ہیں، وہ عبدالنبی ہیں جن کو فرمایا:

"فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾"[4]	(اے نفس مطمئنہ) میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔ (ت)

[1] المستدرک للحاکم کتاب العلم خطبہ عمر بعد ماولی علی الناس دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲۶

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراہیۃ باب الشعر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۱۰

[3] المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الرضی بماشرعہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۹۹ و ۳۰۰

[4] القرآن الکریم ۸۹/ ۲۹

اور وہ عبدالشیطان ہیں جن کو فرمایا:

"یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۰﴾ "[1]	ہائے افسوس (نافرمان) بندوں پر کہ ان کے پاس (خدا کا) کوئی رسول نہیں آتا مگر یہ اس کے ساتھ ہنسی ومذاق کرتے ہیں (ت)

مگر عبدالشیطان ہرگز عبدالنبی عبدالمصطفٰی نہیں ہوسکتا اور اسے معاذاللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین سے کیا علاقہ، نقل کرنے والے نے ضرور غلط نقل کیا یا غلط سمجھا، ہاں عبد بمعنی بندہ خاص یعنی مطیع وفرمانبردار ہونا ضرور دشوار ہے اور بایں معنی عبداللہ وعبدالنبی ایک ہے کہ:

"مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ "[2]	جو شخص رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے اس نے درحقیقت اللہ تعالٰی کی اطاعت کی۔ (ت)

اس معنی پر اپنے آپ کو اس وصف عظیم سے یاد کرنا ضرور تزکیہ نفس وخودسرائی ہے کہ بنص قرآن مجید حرام ہے، **قال اللہ تعالٰی** "فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ "[3]، (اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اپنے نفوس کو پاکیزہ بناؤ۔ت) جو لوگ اپنا لقب مطیع النبی، مطیع الرسول رکھیں جاہل بیخرد ہیں یا قرآن عظیم کے دانستہ مخالف۔ خود انہیں کا قول ان کی تکذیب کو بس ہے جو مطیع النبی ومطیع الرسول ہوگا ہرگز اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۹: از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

عبدالمصطفٰی، عبدالرسول، عبدالنبی، غلام مصطفٰی، غلام رسول، غلام نبی، غلام محمد، غلام احمد، غلام پنجتن، عبدالعلی، عبدالحسین، غلام علی، غلام حسین، غلام دستگیر، غلام غوث، غلام محی الدین، غلام پیر، غلام مرشد، غلام مولٰی بخش، غلام بخش، پیر بخش، نذر مصطفٰی، نذر پنجتن، نذر حسین، نذر علی، نذر محی الدین، نذر پیر خادم علی، خادم غوث، کنیز مصطفٰی، کنیز پنجتن، کنز مرتضٰی، کنز حسین، کنیز غوث، کنیز مرشد، کنیز فاطمہ وغیرہ اس طرح کا نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز ہے تو علمائے متقدمین ومتاخرین میں اس طرح کا نام کس کس کا ہے اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور اس کے جواز میں آپ کا کوئی رسالہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کا کیا نام اور کس قیمت پر ملتا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸۰

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

الجواب:

فقیر کے اس بارے میں تین رسالے ہیں جو میرے مجموعہ فتاوٰی میں ہیں۔ایک در بارہ غلام مصطفٰی اور اس کا جواز دلائل سے ثابت کیا ہے۔دوسرا در بارہ عبدالمصطفٰی اور اس میں یہ تحقیق کیا ہے کہ توصیفًا بلاشبہہ جائز اور اجلہ صحابہ سے ثابت کراہت کہ بعض متاخرین نے لکھی جانب تسمیہ راجع ہے۔تیسرے میں اسمائے کثیرہ سے بحث ہے اور اس میں محمد بخش اور اس کے امثال کا جواز ثابت کیا ہے۔یہ تینوں رسالے ابھی طبع نہ ہوئے۔علامہ عابد سندی مدنی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے طوالع الانور میں اور حاشیہ درمختار میں عبدالنبی و عبدالرسول کا جواز بہت احادیث سے ثابت کیا ہے۔علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ مفتی حنفیّہ بمکہ مکرمہ کے فتاوٰی میں بھی اس کا جواز مصرح ہے۔کنیز ونذر وخادم کے ساتھ نام رکھنے میں بھی حرج نہیں،زمانہ سلف میں رواج نہ ہونا مستلزم ممانعت نہیں دو دو تین تین ناموں پر مشتمل نام رکھنا جیسے محمد علی حسین اس کا بھی رواج سلف کبھی نہ تھا سادے ایک لفظ کے نام ہوتے تھے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۰تا۲۷۲: از مراد آباد مرسلہ مولوی محمد عبدالباری صاحب ۷صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) اگر کوئی شخص کسی سنی حنفی رضائی قادری کو لبھڑا کہے جو تصغیر لبھی کی ہے وہابی کا ہے تو ایسے شخص کا شرع شریف کے موافق کیا حکم ہے حنفی رضاعی مذکور در حقیقت ان الفاظ کا محل نہیں تو یہ لفظ اسے کہنے والے پر عائد ہوں گے یا نہیں؟اگر نہ ہوں تو کہاں جائیں گے؟

(۲) ایسا شخص جو ایسے بے جا الزام سنی رضائی پر لگائے اور اس کا اکل بھی حلال نہیں بلکہ کھلا ہوا مشتبہ اور حرام ہے تو اس قول فعل شرع کے احکام میں کہاں تک معتبر ہو سکتا ہے؟

(۳) یہی شخص کسی مسلمان سے بلا سخت کلامی ودشنام کے گفتگو نہیں کرتا اور کہتا ہے مسجد کے لوٹوں میں جو پانی بچتا ہے وہ قطعی ناپاک ہے یہاں تک کہ اس پانی کو دوسرے برتن وغیرہ میں ڈالوگے تو وہ برتن بھی نجس ہوجائے گا اور مسجد میں اس کے فرش یا بوریے پر کبھی نماز نہیں پڑھتا اپنے خاص کپڑے پر جس پر چندہ اور کپڑے ہیں نماز پڑھتا ہے اس قسم کے عادات نماز میں کہاں تک ناجائز ہیں؟

الجواب:

(۱) سنی مسلمان کو لبھڑا کہنا فسق ہے۔نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سباب المسلم فسوق [1]۔	مسلمان کو بلاوجہ شرعی برا کہنا فسق ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ ۚ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ "[1]	مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو برے لقب سے یاد نہ کرو ایمان کے بعد فسق کیاہی برانام ہے اور جو توبہ نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں۔

آیہ کریمہ بتارہی ہے کہ تم نے مثلاً سنی مسلمان کالقب لہبڑار کھاتو وہ تمہارے کہنے سے لہبڑانہ ہوجائے گامگر تمہارانام بدگیا مومن سے فاسق ہوگیا کتنی بری تبدیلی ہے اور جو توبہ نہ کرے وہی ظالم۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) ایسا شخص اگر اکل حلال بھی کھاتا ہو جب بھی اس کا قول فعل شرع میں معتبر نہیں نہ کہ جبکہ اکل حلال کبھی طرہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) مسلمان سے سخت کلامی ودشنام کاحکم جواب اول میں گزرا مسجد کے لوٹوں کا پانی ناپاک بتانا باطل ہے اپنا مصلّی خاص بنظر احتیاط رکھنے میں حرج نہیں بلکہ درمختار میں اسے افضل بتایا، یہ جبکہ مسجد کی چٹائیوں کو اپنی وہم پرستی سے ناپاک نہ جانے اور عام مسلمانوں کو کہ ان پر نماز پڑھتے ہیں خطا پر اپنے سے کم احتیاط وحقیر نہ سمجھے ورنہ وہی حقیر اور پنجہ شیطان کا اثیر ہے۔ و **العیاذ باللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۳: از بھاگلپور

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مولوی اشرف علی کامرید ہے، نام اس کامعز الدین، اس نے معیذالدین کسی خط میں لکھا، اس پر ایک شخص نے سمجھایا کہ اس طرح پر لکھنے سے معنی بدل جاتا ہے اور نعوذ باللہ مسلمانوں کو ایسانام نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ اس وقت یہ معنی ہوتا ہے کہ دین سے پناہ مانگنے والا، لیکن اس کمبخت نے نہ مانا اور یہ کہا کہ میں اپنے حضرت کے پاس برابر اسی املا سے خط لکھتا ہوں لیکن حضرت نے کبھی نہ منع فرمایا اور نہ کوئی برائی اس میں بتائی۔ للہذا گزارش ہے کہ جو شخص اپنا نام معیذالدین بالیا بعد العین وقبل الذال رکھے اور صحیح بتائے تو اس کے واسطے شرعاً کیاحکم ہے؟ اور لغت ومحاورہ سے اس کے کیامعنی ہیں؟ پس اس کو بصورت مسئلہ کے خدمت والا میں روانہ کرتا ہوں۔

الجواب:

علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کانام بنام جن میں تھانوی کانام ہے کافر ومرتد بتایا اور شفائے امام قاضی وبزازیہ ومجمع الانہر وغیرہ کے حوالے سے صراحۃً فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۱

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر[1]۔	جو کوی ان کے کفر وعذاب میں شک کرے تو وہ کافر ہے۔ (ت)

جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے نہ کہ وہ جو انہیں مسلمان جانیں، نہ کہ وہ جو انہیں پیر ومرشد جانیں، ایسوں کے اقوال وافعال سے کیا سوال۔ معیذ الدین کے یہ معنی ہیں "دین کو پناہ دینے والا" اور اپنا نام ایسا سخت رکھنا سخت عظیم تزکیہ نفس وخود ستائی ہے اور وہ حرام ہے۔

قال تعالٰی "فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۠ (۳۲)"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) اپنی جانوں کی پاکیزگی نہ بتایا کرو اس لئے کہ اللہ تعالٰی اچھی طرح جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

العارف باللہ تعالٰی الشیخ سنان فی کتابہ تبیین المحارم اقام الطامۃ الکبرٰی علی المستسمین بمثل ذٰلك وانہ من التزکیۃ المنھی عنھا فی القراٰن و من الکذب[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	عارب باللہ حضرت شیخ سنان نے اپنی کتاب تبیین المحارم میں اس طرح کے نام رکھنے والوں کے خلاف حجت قاہرہ قائم کی (اور فرمایا) یہ ایسا تزکیہ اور جھوٹ ہے کہ قرآن مجید میں اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۴: از لشکر گوالیار محلّہ حیدر گنج مسئولہ حافظ نبی محمد ۱۳ محرم ۱۳۳۹ھ

حضور سے کسی وقت میں ایک فتوی طلب کیا تھا جواب آگیا مگر اس کے ساتھ ہی میرے نام پر اعتراض فرمایا تھا کہ یہ نام رکھنا حرام ہے، اور وجہ کوئی تحریر نہیں فرمائی تھی، ہمارے شہر کے مفتی مقبول حسین صاحب فرماتے ہیں کہ ناجائز نہیں، اس واسطے گزارش ہے کہ آپ اس جملہ کو بالتفصیل تحریر فرمادیجئے گا اور اس کے ساتھ ہی اسی ذیل میں نام بھی خاکسار کا تحریر فرمادیجئے تاکہ اس کو گزٹ کراکر عام لوگوں کو مطلع کیا جائے مگر میرے نام میں محمد یا احمد ضرور ہونا چاہئے چونکہ میرا نام بزرگوں نے نبی محمد رکھا ہے اور اسی نام سے پکارا جاتا ہوں مگر حضور نے فرمایا ہے کہ تمہارا نام ناجائز ہے شریعت کیوں اس نام کو ناجائز کر رہی ہے

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] ردالمحتار کتاب الحظر ولاباحۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۹

اس کا سبب حضور خلاصہ تحریر فرمائیں اور نام بھی دوسرا تجویز فرمائیں حضور ہی جو نام تجویز فرمائیں گے وہی مشتہر ہوگا وہ یوں کیا جائے گا کہ نام میرا نبی محمد شریعت کے خلاف تھا سو اب فلاں نام تجویز ہوا ہے۔

الجواب:

اس مسمّٰی پر محمول ہوتا ہے یہ زید ہے او وصف عنوان سے جو سمجھا جاتا ہے وہ بھی متضمن حمل ہے تو اس میں اپنے آپ کو نبی کہنا اور کہلوانا ہے اور یہ قطعًا حرام ہے، اور علم میں وضع جدید کا عذر بارد ہے وضع اول ضرور ملحوظ رہتی ہے ولہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بُرے نام اور تزکیہ کے نام تبدیل فرمادیئے کیا کوئی گوارا کرے گا کہ اپنا نام یا اپنے بچے کا نام شیطان یا ولدالشیطان رکھے حالانکہ وضع جدید میں تو خاص یہ ذات مقصود ہے جب اپنے آپ کو شیطان کہنا گوارا نہیں کرتا نبی کہنا اور کہلوانا روا رکھتا ہے اور یہ خیال کہ نیت دعوی نبوت کی نہ تھی سچ ہے جبھی تو حرام ہوا، ورنہ کفر ہوتا، آپ اپنا نام نبیل احمد رکھئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۵: از شہر ۲۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا عبدالنبی نام رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب:

اپنے آپ کو عبدالنبی کہنا جائز ہے مگر نام عبداللہ رکھا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷۶ تا ۲۷۷: مرسلہ مولوی عابد علی صاحب سیتری ڈاک خانہ سیف اللہ گنج ضلع سلطان پور ۷ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

(۱) احمد بخش، محمد بخش، نبی بخش، رسول بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدار بخش، وغیرہ نام رکھنا از روئے احکام شریعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس میں شرک ہے یا کیا؟ اور اگر کوئی شخص ایسے ناموں کے رکھنے کو منع کرے اور نام رکھنے والا منع کرنے والے کو مشرک بتائے اور وہابی ٹھہرائے اور نا قابل امامت قرار دے اور بالفاظ واضح یہ ثابت کرنا چاہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب تک نہ بخشیں گے خدائے پاک نہ بخشے گا اور اس کے ثابت کرنے کے لئے آیات قرآنی غیر متعلق کا حوالہ دے تو ایسا شخص کسی خطاب کا مرتکب ہوا یا نہیں اور کس خطاب کا؟ اور یہ بھی مخفی نہ رہے کہ نام رکھنے والا اپنے کو عالم کہتا ہے اور مجمع عام میں ایسی تقریر کرتا ہے۔

(۲) جو شخص اپنا خطاب اپنی جسمانی وضع اپنا لباس اپنا ضروری دیگر اسباب مثل ہندوؤں کے رکھے اور نماز کا بھی پابند نہ ہو ایسا شخص عالم کہلائے گا یا مصداق **من تشبّہ بقوم فھو منھم**[1]۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

(جو کوئی کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں شمار ہے۔ت) کا ہوگا۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

(ا) یہ نام شرعاً درست ہیں، ان میں معاذاللہ کسی طرح کوئی شرک نہیں، نہ شرع سے کہیں ممانعت ہے، بلکہ قرآن عظیم سے اس کا جواز ثابت ہے، حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مریم سے کہا:

"اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾"[1]	میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں اس لئے کہ میں تم کو ایک ستھرا بیٹا دوں۔

قرآن عظیم سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جبریل بخش بتا رہا ہے۔ پھر بخش معنی عطا کے لئے متعین نہیں بمعنی حصہ وبہرہ بھی کثیر الاستعمال ہے۔ معہذا علمائے دین تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ملحد کہے **انبت الربیع البقل** (بہار نے سبزہ اگایا۔ت) تو اس کے الحاد پر محمول ہے، اور اگر مسلم کہے تو یقینا تجوز ہے اور اس کا اسلام ہی قرینہ بس ہے **کما نص علیہ فی الفتاوٰی وغیرھا** (جیسا کہ فتاوٰی اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں اس کی صراحت کردی گئی۔ت) منع کرنے والا اگر بربنائے اصول وہابیت منع کرتا ہے تو اس پر لزوم وہابیت بے جا نہیں، "مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۟"[2] (سوائے اللہ تعالٰی کے کون گناہ معاف کرنے والا ہے۔ت) اپنا ایمان ہے، اور "وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾"[3] (بے شک جس نے صبر اختیار کیا اور معاف کیا تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ت) بھی ایمان ہے، "وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾"[4] (اور اگر تم معاف کرو اور در گزر کرو اور بخش دو، تو اللہ تعالٰی بخشنے والا مہربان ہے۔ت) بھی ایمان ہے، "وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾"[5] (اور جب وہ غصہ میں ہوجائیں تو معاف کردیتے ہیں۔ت) بھی ایمان ہے، اس قسم کے استدلال خارجیوں کی ایجاد ہیں کہ امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم پر حکم کفر لگایا کہ انہوں نے غیر خدا کو حکم بنایا حالانکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ"[6] (اللہ تعالٰی کے سوا کسی کا

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۳۵

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۴۳

[4] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۴

[5] القرآن الکریم ۴۲/ ۳۷

[6] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

حکم نہیں۔ت) اور نہ دیکھا کہ وہی رب عزوجل فرماتا ہے:

"فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَھۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَھۡلِھَا" [1]	تو پھر ایک پنچ مرد کے خاندان میں سے، اور ایک پنچ عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔(ت)

یہ مضمون کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بخشیں گے اللہ عزوجل نہ بخشے گا۔ اس قائل سے پہلے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ، نے فرمایا:

ارحم الراحمین نہ بخشاید بے رضائے تو یارسول اللہ [2]

(سب سے زیادہ رحم و کرم فرمانے والا (اللہ تعالٰی) نہ بخشے گا، یارسول اللہ! (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) جب تک آپ کی مرضی نہ ہوگی۔ت)

حقوق العباد میں کہاجاتا ہے کہ جب تک صاحب حق نہ بخشے اللہ عزوجل نہ بخشے گا، اس کے یہ معنی کسی کے وہم میں نہیں آسکتے کہ معاذاللہ اس کی مغفرت پر رب العزت قادر نہیں یا مغفرت ذنوب میں کوئی اس کا شریک ہے، بندوں کامالک بھی وہی ہے اور بندوں کے حقوق کامالک بھی وہی ہے مگر صاحب حق کی دلداری کے لئے اس کی مغفرت اس کے بخشنے پر موقوف رکھی پھر وہ دلداری کہ اسے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی منظور ہے اس کی مقدار کاجاننا کس کامقدور ہے، صحیح بخاری میں ہے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں "اری ربك یسارع فی ھواك" [3] میں حضور کے رب کو دیکھتی ہوں کہ حضور کی خواہش میں شتابی فرماتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رحمۃ للعالمین بناکر بھیجے گئے اور مومنین پر بالخصوص کمال مہربان ہیں رؤف رحیم ہیں ان کامشقت میں پڑنا ان پر گراں ہے ان کی بھلائیوں پر حریص ہیں جیسے کہ قرآن عظیم ناطق:

"لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ	بیشك تمہارے پاس تمہاری ہی جانوں میں سے (ایك عظیم الشان) رسول تشریف لائے کہ تمہارا مشقت میں پڑنا انہیں ناگوار گزرتا ہے، وہ تمہاری

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۵

2

[3] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب باب قولہ من ترجی من تشاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۶، صحیح البخاری کتاب النکاح باب ھل للمرأۃ ان تھب نفسھا لاحد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۶

رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾"[1]	(اصلاح کی) بہت چاہت اور حرص رکھتے ہیں۔اور مسلمانوں پر بڑی شفقت اور رحم فرمانے والے ہیں(ت)

تمام عاصیوں کی شفاعت کے لئے تو وہ مقرر فرمائے گئے "وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ"[2] (اور اپنی شان کے خلاف امور کے لئے استغفار کیجئے (یعنی طلب بخشش کیجئے) اور مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے بھی۔ت) کیا وہ ان میں کسی کی بخشش نہ چاہیں گے، کیا مسلمان کا مشقت میں پڑنا ان پر گراں نہ ہوگا، یہ تو نص آیت کے خلاف ہے، ضرور وہ کہ جس کا بخشا حضور نہ چاہیں گے وہ ہوگا جو مسلمان نہیں، اور جو مسلمان نہیں اللہ اسے نہ بخشے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) خطاب ولباس ووضع اسباب میں کفار سے مشابہت ممنوع ہے اور عالم ہو کر ایسا کرے تو اور سخت معیوب ہے مگر **فھو منھم**[3] (تو وہ انہی میں سے ہے۔ت) اس کے لئے ہے جو کفار کے دینی شعار میں بالقصد معاذ اللہ اس کی پسند کے طور پر کی جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۹ /۱۲۸

[2] القرآن الکریم ۴۷ /۱۹

[3] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۰۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

النوروالضیاء فی احکام بعض الاسماء ۱۳۲۰ھ

(بعض ناموں کے احکام کے بارے میں اُجالا اور روشنی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۷۸: مسئولہ شیخ شوکت علی صاحب فاروقی ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۰ھ

علماء دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ چہ مے فرمایند کہ بعض شخص اس طرح نام رکھتے ہیں، علی جان، نبی جان، محمد جان، محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد، محمد یٰسین، محمد طٰہٰ، غفور الدین، غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی، ہدایت علی۔ پس اس طرح کے نام رکھنا جائز ہیں یا نہیں؟ مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں ہدایت علی نام رکھنا ناجائز بتایا ہے اس میں حق کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔ شوکت علی فاروقی عفی عنہ

الجواب:

محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر بے شمار درودیں، یہ الفاظ کریمہ حضور ہی پر صادق اور حضور ہی کو زیبا ہیں، افضل صلوات اللہ واجل تسلیمات اللہ علیہ وعلٰی آلہ۔ دوسرے کے یہ نام رکھنا حرام ہیں کہ ان میں حقیقۃً ادعائے نبوت نہ ہونا مسلّم ورنہ خالص کفر ہوتا۔ مگر صورت ادعاء ضرور ہے اور وہ بھی

یقیناً حرام و محظور ہے۔

اور یہ زعم کہ اعلام میں معنی اول ملحوظ نہیں ہوتے، نہ شرعاً مسلم نہ عرفاً مقبول۔ معنی اول مراد نہ ہونے میں شک نہیں مگر نظر سے محض ساقط ہونا بھی غلط ہے، احادیث صحیحہ کثیرہ سے ثابت کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بکثرت اسماء جن کے معنی اصلی کے لحاظ سے کوئی برائی تھی تبدیل فرمادیئے۔ جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یغیر الاسم القبیح [1]۔	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ برے نام کو بدل دیتے۔

سنن ابی داؤد میں ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عاصی وعزیز وعتلہ وشیطان وحکم وغراب وحباب وشہاب نام تبدیل فرمادیئے، قال ترکت اسانیدھا للاختصار [2] (امام ابوداؤد نے فرمایا میں نے اختصار کے لئے ان کی سندیں چھوڑیں۔ت) اصرم کا نام بدل کر زرعہ رکھا رواہ عن اسامۃ [3] بن اخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ (اسے اسامہ بن اخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روایت کیا۔ت) عاصیہ کا نام جمیلہ رکھا رواہ مسلم [4] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما (اسے مسلم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ت) برہ کا نام زینب رکھا اور فرمایا:

لاتزکوا انفسکم اللہ اعلم باھل البر منکم۔ رواہ مسلم [5] عن زینب بنت ابی سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اپنی جانوں کو آپ اچھا نہ بتاؤ خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکوکار کون ہے۔ (اسے مسلم نے زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ت)

برہ کے معنی تھے زن نیکوکار، اسے خود ستائی بتا کر تبدیل فرمایا۔

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی تغییر الاسماء امین کمپنی دہلی ۲ /۱۰۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۱

[3] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۱

[4] صحیح مسلم کتاب الادب باب تغییر الاسم القبیح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۰۸

[5] صحیح مسلم کتاب الادب باب تغییر الاسم القبیح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۰۸، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسم القبیح آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۱

اور ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

انکم تدعون یوم القیٰمۃ باسمائکم واسماء اٰباءکم فاحسنوا اسمائکم۔رواہ احمد[1] وابوداؤد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند جیّد۔	بے شک تم روز قیامت اپنے اور اپنے والدوں کے نام سے پکارے جاؤگے تو اپنے اچھے نام رکھو۔(اسے احمد اور ابوداؤد نے ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند جید روایت کیا۔ت)

اگر اصلی معنی بالکل ساقط النظر ہیں توفلاں نام اچھافلاں برا ہونے کے کیا معنی، اور تبدیل کی کیاوجہ، اور خود ستائی کہاں، مسمّٰی پر دلالت کرنے میں سب یکساں۔معہذا انہیں لوگوں سے پوچھ دیکھئے کیا اپنی اولادکانام شیطان ملعون، رافضی خبیث، خوک (سور) وغیرہ رکھنا گوارا کریں گے؟ ہر گز نہیں توقطعًا معنی اصلی کی طرف لحاظ باقی ہے پھر کس منہ سے اپنے آپ اوراپن اولاد کو نبی کہتے اور کہلواتے ہیں، کیا کوئی مسلمان اپنا یا اپنے بیٹے کارسول اللہ یاخاتم النبیین یاسید المرسلین نام رکھنا روا رکھے گا؟ حاشا وکلا، پھر محمد نبی، احمد نبی، نبی احمد کیونکر روا ہوگیا، یہاں تک کہ بعض خدا ناترسوں کانام نبی اللہ سنا ہے، ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، کیا رسالت وختم نبوت کاادعاحرام ہے اور نری نبوت کاحلال، مسلمانوں کولازم ہے کہ ایسے ناموں کو تبدیل کردیں۔

ہیچ پسند وخرد جان فروز تاج شہی برسر کفش دوز

(عقل، جان کوروشن ومنور کرنے والی اس بات کوکب گوارا کرتی ہے کہ شاہی تاج ایک معمولی کفش دوز (موچی) کے سرپر سجایا جائے۔ت)

عجب نہیں کہ ایسی علیل تاویل ذلیل تخییل والے شدہ شدہ اللہ عزوجل یا الٰہ العالمین نام رکھنے لگیں کہ آخر علم میں اصلی معنی تو ملحوظ نہیں والعیاذ باللہ رب العالمین (اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کاپروردگار ہے۔ت) اور نہ بھی رکھیں تواس نام رکھنے کاجواز تو نہیں خواہی نخواہی ماننا ہوگا، جو تقریر محمد نبی کے جواز میں گھڑیں گے بعینہٖ وہی اللہ عزوجل نام رکھنے کے جواز میں جاری ہوگی، اصلی معنی وہاں مراد نہیں تو یہاں بھی نہیں وہ بے لحاظ معنی تبرکاکیوں نہ جائز ہوگا آخر نام الٰہی میں نام نبی سے زیادہ ہی برکت ہے ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم (گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت بجز اللہ تعالٰی بلند

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسماء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۹۴

مرتبہ بزرگ شان کی توفیق کے کسی میں نہیں۔ت) یونہی نبی جان نام رکھنا نامناسب ہے اگر جان ایک کلمہ جداگانہ بنظر محبت زیادہ کیا ہوا جانیں جیسا کہ غالب یہی ہے جب تو ظاہر ادعائے نبوت ہو اور اگر ترکیب مقلوب سمجھیں یعنی جان نبی، تو یہ تزکیہ خودستائی میں بڑہ سے ہزار درجے زائد ہو، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا یہ کیونکر پسند ہوسکتا ہے یہاں تبدیل میں کچھ بہت حرج بھی نہیں ایک "ہ" بڑھانے میں گناہ سے بچ جائے گا اور اچھاخاصہ جائز نام پائیے گا۔ محمد نبیہ، احمد نبیہ، نبیہ احمد، نبیہ جان کہا اور لکھا کیجئے۔ نبیہ بمعنی بیدار ہوشیار ہے۔ یونہی یٰسین وطٰہٰ نام رکھنا منع ہے کہ اس مائے الٰہیہ و اسمائے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایسے نام ہیں جن کے معنی معلوم نہیں، کیا عجب کہ ان کے وہ معنی وں جو غیر خدااور رسول میں صادق نہ آسکیں توان سے احتراز لازم، جس طرح نامعلوم المعنی رقیہ منتر جائز نہیں ہوتا کہ مبادا کسی شرک وضلال پر مشتمل ہو۔ امام ابوبکر ابن العربی کتاب احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

روی اشھب عن مالك لایتسمی احد بیٰسٓ لانہ اسم اللہ وھو کلام بدیع وذلك ان العبد یجوز لہ ان یسمی باسم الرب اذا کان فیہ معنی منہ کعالم وقادر وانما منع مالك من التسمیۃ بھٰذا الاسم لانہ الاسماء التی لایدری مامعناھا فربما کان ذٰلك معنی یتفرد بہ الرب تعالٰی فلاینبغی ان یقدم علیہ من لایعرف لمافیہ من الخطر فاقتضی النظر المنع منہ[1]۔	اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ کوئی شخص بھی یٰس نام نہ رکھے کہ یہ اللہ تعالٰی کا نام ہے اور یہ نادر کلام ہے، یہ اس لئے کہ بندے کے لئے جائز ہے کہ رب کے نام پر اپنا نام رکھے جبکہ اس میں وہ معنی پایا جائے جیسے عالم، قادر وغیرہ، اور امام مالک نے یہ نام رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ یہ ان اسماء سے ہے جن کے معنی معلوم نہیں، ہوسکتا ہے اس کا وہ معنی ہو جو رب تعالٰی کے لئے خاص اور منفرد ہو، لہٰذا مناسب نہیں کہ یہ نام رکھا جائے جبکہ اس کے ممنوع معنٰی معلوم ہی نہ ہوں پس نظر اور احتیاط کا تقاضا یہی کہ نام رکھنے سے منع کیا جائے۔(ت)

علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی مصری نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں اسے نقل کرکے فرماتے ہیں: وھو کلام نفیس[2] (یہ ایک نفیس اور شاندار کلام ہے۔ت)

[1] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض، بحوالہ ابوبکر ابن العربی، فصل فی اسمائہ درالکفر بیروت ۲/ ۳۹۰

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء للقاضی عیاض، بحوالہ ابوبکر ابن العربی، فصل فی اسمائہ درالکفر بیروت ۲/ ۳۹۰

فقیر نے اس کے ہامش (حاشیہ) پر لکھا:

قد کان ظھر لی المنع عنه لعین ھذا المعنی لکن نظرا الی انه اسم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم، ولاندری معناہ فلعل له معنی لایصح فی غیرہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم[1] الخ ولعل ھذا اولی مماتقدم لان کونه اسم النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم اظھر واشھر فلایکون له معنی یتفرد به الرب عزوجل، واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	بے شک مجھ پر اس معنی کی بعینہٖ ممانعت ظاہر ہو گئی ہے لیکن اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نام نہ رکھے جانے کے حق میں ہوں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام مبارک ہے اور ہم اس کے معنی سے واقف نہیں، ہو سکتا ہے اس کا کوئی ایسا معنی ہو جو حضور علیہ الصلٰوۃ السلام کے لئے خاص ہو اور آپ کے سوا کسی دوسرے کے لئے اس کا استعمال درست نہ ہو شاید یہ وجہ پہلی وج سے زیادہ مناسب ہے اس لئے اس لفظ کا حضو علیہ السلام کے لئے بطور مقدس نام کے ہونا زیادہ ظاہر اور مشہور ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کوئی ایسا معنی نہیں کہ جس سے اللہ تعالٰی جلیل القدر منفرد ہو لیکن (اس راز کو) اللہ تعالٰی ہی سب سے بہتر جانتا ہے۔ (ت)

بعینہٖ یہی حال اسم طٰہٰ کا ہے والبیان البیان والدلیل الدلیل (بیان وہی سابقہ ہے اور دلیل بھی وہی مرقوم ہے۔ت) لفظ پاک محمد ان میں شامل کر دینا ممانعت کی تلافی نہ کرے گا کہ یٰس وطٰہٰ اب بھی نامعلوم المعنی ہی رہے اگر وہ معنی مخصوص بذات اقدس ہوئے تو محمد ملانا ایسا ہو گا کہ کسی کا نام رسول اللہ نہ رکھا محمد رسول اللہ رکھا، یہ کب حلال ہو سکتا ہے وھذا کله ظاہر جدًا (اور یہ تمام خوب ظاہر ہے۔ت)، یوں ہی غفور الدین بھی سخت قبیح وشنیع ہے، غفور کے معنی مٹانے والا، اللہ عزوجل غفور ذنوب ہے یعنی اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے ذنوب مٹاتا عیوب چھپاتا ہے، تو غفور الدین کے معنی ہوئے دین کا مٹانے والا، یہ ایسا ہوا جیسے شیطان کا نام رکھنا جسے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تبدیل فرمادیا، ہاں دین پوش تقیہ کوش یہ ایسا ہوا جیسے رافضی نام رکھنا۔ بہر حال شدید شناعت پر مشتمل ہے اس سے تو عاصیہ نام بہت ہلکا تھا جسے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے تغییر فرمادیا کہ معاصی کا عرفاً اطلاق اعمال تک ہے اور دین پوشی کی بلاملت وعقائد پر، والعیاذ باللّٰہ رب العالمین (اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کا مالک اور پروردگار ہے۔ت)

[1] حاشیہ امام احمد رضا خاں علٰی نسیم الریاض

حدیث میں ہے: الفال موکل بالمنطق [1] (فال بولنے کے حوالے کی گئی۔ت)

بعض برے ناموں کی تبدیل کا یہی منشا تھا کما ارشد الیہ غیر ما حدیث (جیسا کہ بہت سی احادیث نے اس کی رہنمائی فرمائی۔ت)

مولانا قاری مرقاۃ میں نقل فرماتے ہیں: الاسماء تنزل من السماء [2]، نام آسمان سے اُترتے ہیں، یعنی غالبًا اسم و مسمّٰی میں کوئی مناسبت غیب سے ملحوظ ہوتی ہے، اہل تجربہ نے کہا ہے: ع

مزن فال بد کاورد حال بد

(بری فال مت نکالو اس لئے کہ وہ برا حال لائے گی۔ت)

اللّٰھم احفظنا وارحمنا (یااللہ! ہماری حفاظت فرما اور ہم پر رحم کر۔ت)

فقیر نے بچشم خود ایسے قبیح ناموں کا سخت برا اثر پڑتے دیکھا ہے بھلے چنگے سنی صورت کو آخر عمر میں دین پوش ناحق کوش ہوتے پایا ہے۔

نسأل اللہ العفو والعافیة اللھم یاقوی یاقدیر یا رحمٰن یارحیم یاعزیز یاغفور صلی وسلم وبارك علٰی سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وثبتنا علی دینك الحق الذی ارتضیتہ لانبیائك ورسلك وملائکتك حتی نلقاك بہ وعافنا من البلاء والبلوی والفتن ماظھر منھا وما بطن، وصل وسلم وبارك علٰی سیدنا محمد واٰلہ اجمعین	ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کاسوال کرتے ہیں اے طاقت و زور والے، اے بے حد رحم فرمانے والے والے، اے ہمیشہ رحم کرنے والے، اے زبردست ذات (سب پر غالب)، اے (گناہوں کی) پردہ پوشی کرنے والے)، اور انہیں معاف فرمانے والے (مالک)، ہمارے آقا و مولٰی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام اور برکات نازل فرما اور ان کی آل اولاد اور ساتھیوں پر بھی، اور ہمیں اپنے دین حق پر استوار رکھ جو دین تو نے اپنے انبیائے کرام اور رسولان عظام اور ملائکہ کرام کے لئے پسند فرمایا تا آنکہ ہم اسی دین پر

[1] الاسرار المرفوعة حدیث ۶۳۸ دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۶۵

[2] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسماء تحت حدیث ۴۷۸۱ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۳۵

وارحم عجزنا فاقتنا بهم یاارحم الراحمین اٰمین والصلٰوۃ والسلام علی الشفیع الکریم واٰله وصحبه والحمدلله رب العٰلمین۔	قائم رہتے ہوئے تیرے ساتھ جاملیں اور ہمیں ظاہر باطن (کھلے چھپے) فتنوں، مصیبتوں اور ابتلاؤں سے عافیت عطافرما اور ہمارے آقا حضرت محمد کریم پر رحمت وبرکت اور سلام نازل فرما، ان کی طفیل ہمارے عجز اور فاقہ میں ہماری حمایت اورمدد فرما اے سب سے بڑے رحم کرنے والے، آمین، درود وسلام ہو شفیع کریم کی ذات اقدس پر اور ان کی تمام آل اولاد اور ساتھیوں پر۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، آمین۔ (ت)

اور ایک سخت آفت یہ ہوتی ہے کہ ایسے قبیح نام والے اپنے نام کے ساتھ حسب رواج نام پاک محمد ملاکر لکھتے، کہتے اور اسی کی اوروں سے طمع رکھتے ہیں، اگر کوئی خالی ان کا نام اقدس لکھے تو گویا اپنی حقارت جانتے اور آدھا نام لینا سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسے برے معنے کے ساتھ اس نام پاک کا ملانا خود اس نام کریم کے ساتھ گستاخی ہے۔ یہ نکتہ ہمیشہ یاد رہے کہ ان امور کی طرف اسی کو التفات وتنبہ عطافرماتے ہیں جسے ایمان وادب سے حصہ وافیہ بخشتے ہیں، **وللہ الحمد**، اسی بناء پر فقیر کبھی جائز نہیں رکھتا کہ کلب علی، کلب حسین، کلب حسن، غلام علی، غلام حسین، ،غلام حسن، نثار حسین، فدا حسین، قربان حسین، غلام جیلانی وامثال ذٰلک کے اسماء کے ساتھ نام پاک ملاکر کہا جائے، **اللّٰھم ارزقنا حسن الادب ونجنا من مورثات الغضب، اٰمین** (اے اللہ! ہمیں حسن ادب سے نواز اور اسباب غضب سے بچا۔ آمین۔ ت)

نظام الدین، محی الدین، تاج الدین اور اسی طرح وہ تمام نام جن میں مسمّٰی کا معظم فی الدین بلکہ معظم علی الدین ہونا نکلے جیسے شمس الدین، بدرالدین، نورالدین، فخرالدین، شمس الاسلام، بدرالاسلام وغیرذٰلک، سب کو علماء اسلام نے سخت ناپسند رکھا اور مکروہ وممنوع رکھا، اکابر دین قدست اسرارھم کہ امثال اسلامی سے مشہور ہیں، یہ ان کے نام نہیں القاب ہیں کہ ان مقامات رفیعہ تک وصول کے بعد مسلمین نے توصیفًا انہیں ان لقبوں سے یاد کیا، جیسے شمس الائمہ حلوائی۔ فخر الاسلام بزدوی، تاج الشریعۃ، صدرالشریعۃ، یونہی محی الحق والدین حضور پر نور سیدنا غوث اعظم، معین الحق والدین حضرت خواجہ غریب نواز، وارث النبی سلطان الہند حسن سنجری، شہاب الحق والدین عمر سہروردی، بہاؤالحق والدین نقشبند، قطب الحق والدین بختیار کاکی، شیخ الاسلام فرید الحق والدین مسعود، نظام الحق والدین سلطان الاولیاء محبوب الٰہی، محمد نصیر الحق والدین چراغ دہلوی محمود وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ونفعنا ببرکاتہم فی الدنیا والدین۔

حضور نورالنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کالقب پاک خود روحانیت اسلام نے رکھا جس کی

روایت معروف و مشہور اور بہجۃ الاسرار شریف وغیرہ کتب ائمہ وعلماء میں مذکور، حق سبحانہ، وتعالٰی فرماتا ہے: "فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ"[1] (پس آپ اپنی جانوں کو ستھرا نہ بتاؤ۔ت)۔ فصول عمادی میں ہے:

لایسمیه بمافیه تزکیة[2]۔	کوئی اس نام کے ساتھ نام نہ رکھے جس میں تزکیہ کا اظہار ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

یؤخذ من قوله ولا بمافیه تزکیة المنع عن نحو محی الدین وشمس الدین مع مافیه من الکذب والف بعض المالکیة فی المنع منه مؤلفا وصرح به القرطبی فی شرح الاسماء الحسنی وانشد بعضهم فقال۔ اری الدین یستحیی من الله ان یری وهذا له فخر وذاك نصیر فقد کثرت فی الدین القاب عصبة هم مافی مراعی المنکرات حمیر وانی اجل الدین عن عزه بهم واعلم ان الذنب فیه کبیر ونقل عن الامام النووی انه کان یکره من یلقبه بمحی الدین ویقول لا اجعل من دعانی به فی حل ومال الٰی ذٰلك العارف بالله تعالٰی الشیخ سنان فی کتابه	مصنف کے قول "لابمافیہ تزکیۃ" سے معلوم ہوتا ہے ممانعت مثل محی الدین وشمس الدین نام رکھنے میں ہے، علاوہ اس کے اس میں جھوٹ بھی ہے، اور بعض مالکی علماء نے ایسے ناموں کے ممنوع ہونے میں ایک کتاب لکھی ہے، اور قرطبی نے اس کی تصریح شرح اسماء حسنٰی میں کی ہے، اور بعض نے اس بارہ میں کچھ اشعار لکھے ہیں، پس کہا ہے: میں دیکھتا ہوں دین کو حیا کرتا ہے اللہ تعالٰی سے جو دکھایا جائے حالانکہ یہ اس کے لئے فخر ہے اور یہ اس کے لیے نصیر یعنی مددگار ہے، تحقیق بہت ہوئے دین میں القاب اس کے مددگاروں کے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو برائیوں کی رعایت میں گدھے ہیں اور تحقیق دین کی موت ان جیسے لوگوں نے ساتھ اس کی عزت میں کی ہے او رجان لے کہ اس میں ان کا بڑا گناہ ہے۔ اور امام نووی سے نقل کیا ہے کہ وہ محی الدین کے ساتھ اپنے ملقب ہونے کو ناپسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے جو شخص مجھے اس لقب سے پکارے گا میں اسے معاف نہیں کروں گا، اور اس کی طرف مائل ہوئے شیخ سنان عارف باللہ اپنی کتاب

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[2] ردالمحتار بحوالہ فصول العمادی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۶۸

تبیین المحارم واقام الطامۃ الکبرٰی علی المتسمین بمثل ذٰلك وانہ من التزکیۃ المنھی عنھا فی القراٰن ومن الکذب قال ونظیرہ مایقال للمدرسین بالترکی اٰفندی وسلطانم ونحوہ ثم قال فان قیل ھذہ مجازات صارت کالاعلام فخرجت عن التزکیۃ فالجواب ان ھذا یردہ مایشاھد من انہ اذا نودی باسمہ العلم وجد علی من ناداہ بہ فعلم ان التزکیۃ باقیۃ[1] الخ۔	تبیین المحارم میں، اور اس طرح کے نام رکھنے والوں کے خلاف حجت قاہرہ قائم کی اور فرمایا کہ تحقیق یہ وہ تزکیہ ہے جس سے قرآن مجید میں منع کیا گیا ہے اور جھوٹ سے ہے، اور کہا مثل اس کے وہ جو کہا جاتا ہے واسطے مدرسین کے ترکی میں آفندی و سلطانم، اور اس کی مثل پھر کہا ہے پس اگر کہا جائے یہ مجازات ہیں جو ناموں کی طرح ہوگئے ہیں پس تزکیہ سے نکل گئے تو جواب یہ ہے کہ ہمارا مشاہدہ اس بات کو رد کرتا ہے کیونکہ اگر ان اشخاص کو ان کے اسماء اعلام سے پکارا جائے تو پکارنے والے پر لوگ غصہ کریں گے، پس معلوم ہوا کہ تزکیہ کے لئے باقی ہے الخ (ت)

سترہ نام کہ سائل پوچھے ان میں سے یہ دس ناجائز و ممنوع ہیں باقی سات میں حرج نہیں، علی جان، محمد جان کا جواز تو ظاہر کہ اصلی نام علی و محمد ہے اور جان بنظر محبت زیادہ، اور حدیث سے ثابت کہ محبوبان خدا انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے اسمائے طیبہ پر نام رکھنا مستحب ہے جبکہ ان کے مخصوصات سے نہ ہو۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تسمّوا باسماء الانبیاء۔ رواہ البخاری فی الادب المفرد[2] وابوداؤد والنسائی عن	انبیاء کے ناموں پر نام رکھو (امام بخاری نے ادب المفرد میں، امام ابوداؤد اور نسائی نے

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۶۹۔۲۶۸

[2] ادب المفرد باب احب الاسماء الی اللہ عزوجل حدیث ۸۱۳ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ص ۲۱۱، ابوداؤد کتاب الادب باب فی تغییر الاسماء آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۰، سنن النسائی کتاب الخیل باب مایستحب من شیۃ الخیل نور محمد کتب خانہ کراچی ۲ /۱۲۲

ابی وھب الجشمی ولہ تتمۃ والبخاری فی التاریخ [1] بلفظ سموا عن عبداللہ بن جراد رضی اللہ تعالٰی عنہ ولہ تتمۃ اخری۔	ابو وہب جشمی کے حوالے سے اسے روایت کیااور اس کے لئے تتمہ ہے، نیز امام بخاری نے تاریخ میں سَمُّوا کے لفظ سے حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی سند کے ساتھ اسے روایت کیااور اس کے لئے دوسرا تتمہ ہے۔(ت)

اور محمد واحمد ناموں کے فضائل میں تواحادیث کثیرہ عظیمہ جلیلہ وارد ہیں: **حدیث(۱)** صحیحین ومسند احمد وجامع ترمذی وسنن ابن ماجہ میں حضرت انس(**۲**) صحیحین وابن ماجہ میں حضرت جابر(**۳**) معجم کبیر طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سمّوا باسمی ولاتکنوا بکنیتی [2]۔	میرے نام پر نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

حدیث(۴) ابن عساکر وحافظ حسین بن احمد عبداللہ بن بکیر حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

من ولد لہ مولود فسماہ محمدا حبا لی وتبرگا باسمی کان ھو ومولودہ فی الجنۃ [3]۔	جس کے لڑکا پیدا ہوااور وہ میری محبت اور میرے نام پاک سے تبرک کے لئے اس کانام محمد رکھے وہ اور اس کالڑکا دونوں بہشت میں جائیں۔

---

[1] التاریخ الکبیر للبخاری باب العین عبداللہ بن جراد حدیث ۶۳ دار الباز مکۃ المکرمۃ ۵/ ۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب من سمّی باسماء الانبیاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۵، صحیح مسلم کتاب الادب باب النھی عن التکنی بابی القاسم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۶، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی کراھیۃ الجمع الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۷، سنن ابن ماجہ ابواب الادب باب الجمع بین اسم النبی وکنیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن انس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۷۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۱۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۷۳، کنزالعمال بحوالہ طب عن ابن عباس حدیث ۴۵۲۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۴۲۱

[3] کنزالعمال بحوالہ الرافعی عن ابی امامہ حدیث ۴۵۲۲۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۴۲۲

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی فرماتے ہیں:

ھذا امثل حدیث ورد فی ھذا الباب واسنادہ حسن[1]۔	جس قدر حدیثیں اس باب میں آئیں یہ سب میں بہتر ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

ونازعہ تلمیذہ الشامی بمار دہ العلامۃ الزرقانی فراجعہ۔ ان کے شامی شاگرد نے اس میں نزاع کیا کہ جس کو علامہ زرقانی نے رَد کیا تھا لہٰذا اس کی طرف رجوع کریں۔ (ت)

حدیث (۵) حافظ ابوطاہر سلفی وحافظ ابن بکیر حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: روز قیامت دو شخص حضرت عزت کے حضور کھڑے کئے جائیں گے حکم ہوگا انہیں جنت میں لے جاؤ، عرض کریں گے: الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے قابل ہوئے ہم نے تو کوئی کام جنت کا نہ کیا۔ رب عزوجل فرمائے گا:

ادخلا الجنۃ فانی اٰلیت علی نفسی ان لایدخل النار من اسمہ احمد ومحمد[2]۔	جنت میں جاؤ میں نے حلف فرمایا ہے کہ جس کا نام احمد یا محمد ہو دوزخ میں نہ جائے گا۔

یعنی جبکہ مومن ہو اور مومن عرف قرآن وحدیث وصحابہ میں اسی کو کہتے ہیں جو سنی صحیح العقیدہ ہو، کما نص علیہ الائمۃ فی التوضیح وغیرہ (جیسا کہ توضیح وغیرہ میں ائمہ کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ت) ورنہ بدمذہبوں کے لئے تو حدیثیں یہ ارشاد فرماتی ہیں کہ وہ جہنم کے کتے ہیں ان کا کوئی عمل قبول نہیں، بد مذہب اگرچہ حجر اسود ومقام ابراہیم کے درمیان مظلوم قتل کیا جائے اور اپنے اس مارے جانے پر صابر وطالب ثواب رہے جب بھی اللہ عزوجل اس کی کسی بات پر نظر نہ فرمائے اور اسے جہنّم میں ڈالے۔ یہ حدیثیں دار قطنی وابن ماجہ وبیہقی[3] وابن الجوزی وغیرہم نے حضرت ابوامامہ وحذیفہ وانس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیں، اور فقیر نے اپنے فتاوٰی میں متعدد جگہ لکھیں تو محمد عبدالوہاب

---

[1] ردالمحتار بحوالہ السیوطی کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۶۸

[2] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۸۸۳ ۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵ /۴۸۵

[3] کنزالعمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۱۱۲۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱ /۲۲۳، العلل المتناہیۃ باب ذم الخوارج حدیث ۲۶۱ و۲۶۲ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱ /۱۶۳

نجدی وغیرہ گمراہوں کے لئے ان حدیثوں میں اصلاً بشارت نہیں، نہ کہ سید احمد خان کی طرح کفار جن کا مسلک کفر قطعی کہ کافر پر توجنت کی ہوا تک یقینا حرام ہے۔

حدیث (۶) ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں حضرت نبیط بن شریط رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللّٰہ تعالٰی عزوجل وعزتی وجلالی لااعذب احدا تسمی باسمك بالنار یامحمد[1]	رب عزوجل نے مجھ سے فرمایا اپنی عزت وجلال کی قسم جس کا نام تمہارے نام پر ہوگا اسے دوزخ کا عذاب نہ دوں گا۔

حدیث (۷) حافظ ابن بکیر امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں، **حدیث (۸)** دیلمی مسند الفردوس میں موقوفاً راوی کہ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں، حدیث (۹) ابن عدی کامل اور ابو سعد نقاش بسند صحیح اپنے معجم شیوخ میں راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اطعم طعام علی مائدۃ ولاجلس علیھا وفیھا اسمی الا قُدِّسُوا کل یوم مرتین[2]۔	جس دستر خوان پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھائیں اوران میں کوئی محمد یا احمد نام کا ہو وہ لوگ ہر روز دوبار مقدس کئے جائیں۔

حاصل یہ جس گھر میں ان پاک ناموں کا کوئی شخص ہو دن میں دوبار امکان میں رحمت الٰہی کا نزول ہو۔ لہٰذا حدیث امیر المؤمنین کے لفظ یہ ہیں:

مامن مائدۃ وضعت فحضر علیھا من اسمہ احمد ومحمد الاقدس اللّٰہ ذٰلك المنزل کل یوم مرتین[3]۔	کوئی دستر خوان بچھایا نہیں گیا کہ اس پر ایسا شخص تشریف لائے جس کا نام احمد اور محمد ہو (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم) تو اللہ تعالٰی ہر روز دوبار اس گھر کو تقدس بخشتا ہے یعنی مقدس کرتا ہے (اور ہر روز دوبار وہاں اس کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ مترجم)۔ (ت)

[1] تذکرۃ الموضوعات لمحمد طاہر الفتنی باب فضل اسمہ واسم الانبیاء کتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۸۹

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ احمد بن کنانہ شامی دار الفکر بیروت ۱/ ۱۷۲

[3] الفردوس بمأثور الخطاب عن علی ابن ابی طالب حدیث ۶۱۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۴۴، ۴۳

حدیث (۱۰) ابن سعد طبقات میں عثمان عمری مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ماضر احدکم لوکان فی بیتہ محمد و محمدان و ثلثۃ[1]۔	تم میں کسی کا کیا نقصان ہے اگر اس کے گھر میں ایک محمد یا دو محمد یا تین محمد ہوں۔

ولہٰذا فقیر غفراللہ تعالٰی نے اپنے سب بیٹوں بھتیجوں کا عقیقے میں صرف محمد نام رکھا پھر نام اقدس کے حفظ آداب اور باہم تمیز کے لئے عرف جدا مقرر کئے بحمد اللہ تعالٰی فقیر کے پانچ محمد اب موجود ہیں سلمھم اللہ تعالی وعافاھم والی مدارج الکمال رقاھم (اللہ تعالٰی ان سب کو سلامت رکھے اور عافیت بخشے اور انہیں مدارج کمال تک پہنچائے۔ت) اور پانچ سے زائد اپنی راہ گئے جعلھم اللہ لنا اجرا وذخرا وفرطا برحمتہ وبعزۃ اسم محمد عندہ اٰمین (اللہ تعالٰی اپنی رحمت کے صدقے اور اسم محمد کی اس عزت وتوقیر کے صدقے جو اس کی بارگاہ میں ہے ہمارے لئے اپنی رحمت اور ان کی ذات کو ذریعہ اجر، ذخیرہ اور پیشرو بنادے، آمین۔ت)

حدیث (۱۱) ظرائفی وابن الجوزی امیر المومنین مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اجتمع قوم قط فی مشورۃ وفیھم رجل اسمہ محمد لم یدخلوہ فی مشورتھم الالم یبارك لھم فیہ[2]۔	جب کوئی قوم کسی مشورے کے لئے جمع ہو اور ان میں کوئی شخص محمد نام کا ہو اور اسے اپنے مشورے میں شریک نہ کریں ان کے لئے مشورے میں برکت نہ رکھی جائے۔

حدیث (۱۲) طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

من ولد لہ ثلثۃ فلم یسم احدھم محمدا فقد جھل[3]۔	جس کے تین بیٹے پیدا ہوں اور وہ ان میں کسی کا نام محمد نہ رکھے ضرور جاہل ہے۔

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن سعد عن عثمان العمری مرسلاً حدیث ۴۵۲۰۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۴۱۹

[2] العلل المتناھیۃ باب فضل اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۲۶۷ دارنشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱/ ۱۶۸

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۰۷۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۷۱

حدیث (۱۳) حاکم وخطیب تاریخ اور دیلمی مسند میں امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا سمّیتم الولد محمدا فاکرموہ واوسعوا لہ فی المجلس ولاتقبحوا لہ وجھا[1]۔	جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو اور مجلس میں اس کے لئے جگہ کشادہ، اور اسے برائی کی طرف نسبت نہ کرو اس پر برائی کی دعا نہ کرو۔

حدیث (۱۴) بزار مسند میں حضرت ابورافع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا سمیتم محمدا فلاتضربوہ ولاتحرموہ[2]۔	جب لڑکے کا نا محمد رکھو تو اسے نہ مارو نہ محروم رکھو۔

حدیث (۱۵) فتاوٰی امام شمس الدین سخاوی میں ہے ابو شعیب حرانی نے امام عطا (تابعی جلیل الشان استاذ امام الائمہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے روایت کی:

من اراد ان یکون حمل زوجتہ ذکرا فلیضع یدہ علی بطنھا ولیقل ان کان ذکرا فقد سمیتہ محمدا فانہ یکون ذکرا[3]۔	جو چاہے کہ اس کی عورت کے حمل میں لڑکا ہو اسے چاہئے اپنا ہاتھ عورت کے پیٹ پر رکھ کر کہے: اگر لڑکا ہے تو میں نے اس کا نام محمد رکھا۔ ان شاء اللہ العزیز لڑکا ہی ہوگا۔

سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ماکان فی اھل بیت اسم محمدا لاکثرت برکتہ[4]۔ ذکرہ المناوی فی شرح التیسیر تحت الحدیث العاشر والزرقانی فی شرح	جس گھر والوں میں کوئی محمد نام کا ہوتا ہے اس گھر کی برکت زیادہ ہوتی ہے (دسویں حدیث کے ذیل میں علامہ مناوی نے اس کو شرح تیسیر میں ذکر فرمایا اور اسی طرح علامہ زرقانی نے

---

[1] تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن اسمٰعیل العلوی ۱۰۸۲ دار لکتاب العربی بیروت ۳ /۹۱

[2] کشف الاستار عن زوائد البزار باب کرامۃ اسم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۱۹۸۸ بیروت ۲ /۴۱۳

[3] فتاوٰی امام شمس الدین سخاوی

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ماضر احدکم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲ /۳۵۲

المواھب۔	شرح مواہب للدنیہ میں ذکر کیا ہے۔ت)

بہتر یہ ہے کہ صرف محمد یا احمد نام رکھے اس کے ساتھ جان وغیرہ اور کوئی لفظ نہ ملائے کہ فضائل تنہا انہیں اسمائے مبارکہ کے وارد ہوئے ہیں۔غلام علی، غلام حسین، غلام غوث، غلام جیلانی اور ان کے امثال تمام نام جن میں اسمائے محبان خدا کی طرف اضافت لفظ غلام ہوں سب کا جواز بھی قطعاً بدیہی ہے۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، نے اپنے فتاوٰی میں ان ناموں پر ایک فتوٰی قدرے مفصل لکھا اور قرآن وحدیث اور خود پیشوایان وہابیہ کے اقوال سے ان کا جواز ثابت کیا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿۲۴﴾"[1]	ان کے غلام گشت کرتے ہوں گے گویا وہ موتی ہیں محفوظ رکھے ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایقولن احدکم عبدی کلکم عبید اللہ ولکن لیقل غلامی[2]۔ھذا مختصر۔رواہ مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہرگز تم میں اب کوئی اپنے مملوک کو یوں نہ کہے کہ میرا بندہ تم سب خدا کے بندہ ہو ہاں یوں کہے کہ میرا غلام۔(اسے مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

وہابیہ کے شرک ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں کہ خود قرآن وحدیث میں بھرے ہوتے ہیں خدا اور سول تک ان شرک دوستوں کے حکم شرک سے محفوظ نہیں والعیاذ باللہ رب العالمین (خدا کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

مزہ یہ ہے کہ لفظ غلام کی اسمائے الٰہیہ جل وعلا کی طرف اضافت خود ممنوع ہے اللہ کا غلام نہ کہا جائے گا، غلام کے معنی حقیقی پسر ہیں، ولہذا عبید کو شفقۃً عربی میں غلام اردو میں چھوکرا کہتے ہیں، سیدی علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں زیر حدیث فرماتے ہیں:

ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتائی	مگر وہ یوں کہے میرا غلام، میری باندی، میرا جوان،

---

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۲۴

[2] صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب باب حکم اطلاق لفظۃ العبد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۳۸

وفتاتی مراعاۃ لجانب الادب فی حق اللہ تعالٰی لانہ یقال عبداللہ وامۃ اللہ ولایقال غلام اللہ وجاریۃ اللہ ولافتی اللہ ولافتاۃ اللہ [1] اھ باختصار۔	میری لونڈی۔اللہ تعالٰی کے معاملہ میں تقاضائے ادب کو ملحوظ رکھاجائے کیونکہ اس کی نسبت سے یوں کہاجاتا ہے۔اللہ تعالٰی کابندہ،اللہ کی بندی،اور یہ نہیں کہاجاتا کہ اللہ تعالی کاغلام یااللہ تعالٰی کی لونڈی اور فتٰی اور فتاۃ(جوان مرد،جوان عورت)کو بھی اللہ تعالٰی کے نام کے ساتھ منسوب نہیں کیاجاتااھ باختصار(ت)

سبحان اللہ! یہ عجیب شرک ہے جوخود حضرت عزت کے لئے روانہیں بلکہ اس کے غیر ہی کے لئے خاص ہے مگر ہے یہ کہ وہابیہ کے دین فاسد میں محبوبان خداکانام ذرا اعزاز وتکریم کی نگاہ سے آیا اور شرک نے منہ پھیلایا،پھر چاہے وہ بات خداکے لئے خاص ہونادرکناخداکے لئے جائز بلکہ متصور ہی نہ ہو،آخرنہ دیکھاکہ ان کے پیشوانے تقویۃ الایمان میں قبرپر شامیانہ کھڑاکرنا مورچھل جھلنا شرک بتادیا،اور اسے صاف صاف ان باتوں میں جوخدانے اپنی تعظیم کے لئے خاص کی ہیں گنادیایعنی اس کے معبود نے کہہ دیا ہے کہ میری ہی قبرپر شامیانہ کھڑاکرنا میری ہی تربت کو مورچھل جھلنا ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم(اللہ تعالٰی بزرگ وبرترشان والے کی توفیق کے بغیرگناہوں سے بچنے اورنیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں۔ت) آخرنہ سناکہ ان کے طائفہ غیرمقلدان کے اب نئے پیشواصدیق حسن خاں قنوجی بھوپالی آنجہانی اپنے رسالہ کلمۃ الحق میں لکھ گئے ع

چوغلام آفتابم از آفتاب گویم [2]

(جب میں سورج کاغلام ہوں توپھرسب کچھ سورج ہی کے حوالہ سے کہوں گا۔ت)

خداکی شان غلام محمد،غلام علی،غلام حسین،غلام غوث تو معاذاللہ شرک وحرام اورغلام آفتاب ہونایوں جائز وبے ملام،حالانکہ ترجمہ کیجئے توجیسا فارسی میں غلام آفتاب ویساہی عربی میں مشرکین عرب کا نام عبدشمس،ہندی میں کفار کانام سورج داس،زبانیں مختلف ہیں اورحاصل ایک،ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم(گناہوں سے بچنے اورنیکی کرنے کی طاقت سوائے اللہ تعالٰی بزرگ وبرتربڑی شان والے کی توفیق کے کسی میں نہیں۔ت)ہدایت علی کاجواز بھی ویساہی ظاہر وباہر

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثالث والعشرون الخطاء ضدالصواب المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ۲/ ۲۷۹

[2] رسالہ کلمۃ الحق لصدیق حسن خاں

جس میں اصلاً عدم جواز کی بو نہیں، وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی کے محبوبان خدا کے نام سے جلتے ہیں آج تک ان کے کبراء نے بھی اس میں کلام نہ کیا البتہ مولوی عبدالحیّ صاحب لکھنوی کے مجموعہ فتاوٰی جلد اول طبع اول صفحہ ۲۶۴ میں اس نام پر اعتراض دیکھا گیا اول کلام میں تو صرف خلاف اولٰی ٹھہرایا تھا آخر میں ناجائز وگناہ قرار دے دیا حالانکہ یہ محض غلط ہے۔اس کا خلاصہ عبارت یہ ہے:

استفتاء

کسے نام خود ہدایت علی می داشت بایہام اسمائے شرکیہ تبدیل نمودہ ہدایت العلی نہاد شخصے برآں معترض شد کہ لفظ ہدایت مشترک ست بین معنیین اراءۃ الطریق وایصال الی المطلوب و ہکذا لفظ علی بغیر الف ولام مشترک است بین اسمائے الٰہیہ و حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔ مجیب گفت دریں صورت تائید اثبات مدعائے من ست چہ ہرگاہ لفظ ہدایت و علی مشترک شد بین معنیین پس چہار احتمال مے شوند یکے ازاں از ہدایت معنی اول واز علی اللہ عزوجل شانہ،، دوم از ہدایت معنی ثانی ز علی جل جلالہ، سوم از ہدایت معنی اول واز علی حضرت علی کرم اللہ وجہہ، چہارم از ہدایت معنی ثانی واز علی حضرت علی پس سہ احتمال اول خالی از ممانعت شرعیہ ہستند البتہ رابع خالی از ممنوعیت نیست چہ در جملہ اسمائے شرکیہ مفہوم مے شود پس ہر اسم کہ دائر شود بین اسمائے شرکیہ و عدمہ احتراز ازاں لابدی ست بلکہ واجب واگر کسے براسم متنازع فیہ قیاس نمودہ بر عبداللہ شرک ثابت کند یا علی گفتن ممانعت نماید آیا قیاس او صحیح	ایک شخص کا نام ہدایت علی تھا اس نے اسے شرکیہ نام خیال کرتے ہوئے اسے ہدایت العلی سے بدل دیا پھر اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ لفظ "ہدایت" اِراءۃ الطریق (راستہ دکھانا) اور ایصال الی المطلوب (مطلوب و مقصود تک پہنچادینا ہے) ان دو معنوں میں مشترک ہے اسی طرح لفظ "علی" بغیر الف لام اسمائے الٰہیہ سے بھی ہے اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام بھی ہے یعنی خالق و مخلوق دونوں میں مشترک ہے۔جواب دینے والے نے کہا کہ اس صورت میں میری سوچ کی تائید پائی جاتی ہے وہ اس طرح کہ جب لفظ ہدایت اور علی دو معنوں میں مشترک ہوا تو چار احتمال پیدا ہوگئے، (۱) ہدایت سے پہلا معنی اور علی سے اللہ تعالٰی کی ذات مراد ہو۔(۲) ہدایت سے دوسرا معنی اور علی سے اللہ تعالٰی مراد ہو (۳) ہدایت سے پہلا معنی اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہوں (۴) ہدایت سے دوسرا معنی اور علی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہوں۔پس تین اول الذکر احتمال شرعی

ست یانہ؟ بیّنوا توجروا۔	ممانعت نہیں رکھتے۔البتہ چوتھے احتمال میں ممانعت کا پہلو موجود ہے،پس تمام اسماء شرکیہ س یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے لہٰذا جو نام اسماء شرکیہ وغیر شرکیہ مشترکہ وغیر مشترکہ میں دائر ہوتا ہو اس سے پرہیز لازمی اور واجب ہے،اگر کوئی شخص اسم مختلف فیہ پر قیاس کرتے ہوئے یاعلی کہنے کی ممانعت کرے تو اس کا قیاس درست متصور ہوگا یا نہ؟ بیان فرماؤ تاکہ اجروثواب پاؤ۔

الجواب:

ھوالمصوب لفظ علی کہ ازاسمائے الٰہیہ ست الف لام برآں زائد میشود برائے تعظیم چنانکہ درالفضل والنعمان وغیرہ۔برلفظ علی کہ ازاسمائے مرتضٰی ست لام داخل نمی شود بناءً علیہ ہدایت العلی اولٰی ست ازہدایت علی،چہ در **اولٰی** اشتباہ اضافت ہدایت بسوئے علی مرتضٰی نیست،ودر **صورت ثانیہ** بسبب اشتراک لفظ ہدایت بحسب استعمال واشتراک لفظ ہدایت بحسب استعمال واشتراک لفظ علی اشتباہ امر ممنوع موجود ودراسامی ازہمچو اسم کہ ایہام مضموم غیر مشروع سازد احتراز لازم بہ ہمیں سبب علماء ازتسمیہ بعبدالنبی وغیرہ منع ساختہ اند واما درعبداللہ وغیرہ پس ایہام امرغیر مشروع نیست وہمچنیں دریاعلی ہرگاہ مقصود ندائے پروردگار باشد نزاعی نیست۔ حررہ ابوالحسنات عبدالحیٔ [1]	وہی ٹھیک بتانے والا ہے،لفظ علی جو کہ اللہ تعالٰی کے ناموں میں سے ہے اس کے ساتھ برائے تعظیم الف لام زائد ہوگا جیسے الفضل،النعمان وغیرہ اور لفظ علی جو بطور نام سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے ساتھ الف لام زائد نہیں ہوتا لہٰذا اس بناء پر نام ہدایت العلی بنسبت ہدایت علی کے زیادہ بہتر ہے اس ئے کہ اول الذکر میں ہدایت کی نسبت کا حضرت علی مرتضٰی کے ساتھ اشتباہ نہیں پایا جاتا اور دوسری صورت میں بوجہ استعمال لفظ ہدایت کے اشتراک کے سبب ایہام (مغالطہ) پیدا ہوتا ہے اور لفظ علی میں اشتراک کی وجہ سے امر ممنوع کا اشتباہ موجود ہے،پس اس سے پرہیز ضروری ہے،یہ وجہ ہے کہ علمائے کرام عبدالنبی نام رکھنے سے منع کرتے ہیں لیکن عبداللہ وغیرہ میں ایہام غیر مشروع نہیں،اسی طرح یاعلی میں اگر اللہ تعالٰی کو ندا کرنا مقصود ہو تو کوئی نزاع نہیں کوئی اختلاف نہیں۔ابوالحسنات عبدالحیٔ نے اسے تحریر کیا۔(ت)

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب الحظر والاباحۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۴۱ و ۴۲

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) مگر یہ جواب سخت عجب عجاب ہے **یتساوٰی ھزلا بل یساوی ھزلا** (جواب مذکور خوش طبعی کے برابر ہے بلکہ ہنسی مذاق کے مساوی ہے۔ت) **اوّلاً:** اس تمام کلام مختل النظام کا مبنی ہی سرے سے پادر ہوا ہے ممنوع ایہام ہے نہ کہ مجرد احتمالی **ولوضعیفا بعیدا** (اگرچہ ضعیف اور بعید ہو۔ت) ایہام واحتمال میں زمین وآسمان کا فرق ہے، ایہام میں تبادر درکا ہے ذہن اس معنی ممنوع کی طرف سبقت کرے، نہ یہ کہ شکوک محتملہ عقلیہ میں کوئی شق معنی ممنوع کی بھی نکل سکے۔ تلخیص میں ہے:

الایھام ان یطلق لفظ لہ معنیان قریب وبعید ویراد بہ البعید [1]۔	ایہام یہ ہے کہ ایسا لفظ بولا جائے جو دو معانی رکھتا ہو ایک معنی قریب اور دوسرا معنی بعید ہو اور اس لفظ کو بول کر معنی بعید مراد لیا جائے۔(ت)

علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف کتاب التعریفات میں فرماتے ہیں:

الایھام ویقال لہ التخییل ایضا وھو ان یذکر لفظ لہ معنیان قریب وغریب فاذا سمعہ الانسان سبق الی فھمہ القریب و مراد المتکلم الغریب واکثر المتشابھات من ھذا الجنس ومنہ قولہ تعالٰی: والسمٰوٰت مطویات بیمینہ [2]۔	ایہام تخییل بھی کہلاتا ہے مراد یہ ہے کہ ایسا لفظ ذکر کیا جائے کہ اس کے دو معنی ہوں ایک قریب اور دور اغریب، جب کوئی بندہ اسے سنے تو اس کا فہم معنی قریب کی طرف لپکے (یعنی وہی متبادر الی الفہم ہو) لیکن متکلم کی مراد معنی غریب ہو۔ زیادہ تر متشابہات اسی قسم سے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالٰی کا ارشاد کہ "اس دن سب آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں طومار کی طرح لپٹے ہوں گے" اسی قسم سے ہے۔(ت)

مجرد احتمال اگر موجب منع ہو تو عالم میں کم کوئی کلام منع وطعن سے خالی رہے گا، زید آیا گیا اٹھا بیٹھا، عمرو نے کھایا پیا کہا سنا، مجیب صاحب نے سوال دیکھا جواب لکھا وغیرہ وغیرہ سب افعال اختیاریہ کی اسناد دو معنی کو محتمل۔ ایک یہ کہ زید وعمرو مجیب نے اپنی قدرت ذاتیہ مستقلہ تامہ سے یہ افعال کئے، دوسرے قدرت عطائیہ ناقصہ قاصرہ سے اول قطعاً شرک ہے لہٰذا ان اطلاقات

---

[1] تلخیص المفتاح الفن الثالث مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۰۵ و ۱۰۶

[2] التعریفات لسیّد شریف علی الجرجانی باب الالف انتشارات ناصر خسرو طہران ایران ص ۱۸

سے احتراز لازم ہوجائے گا اور یہ بداہۃً قطعًا اجماعًا باطل ہے۔فاضل مجیب نے بھی عمر بھر اپنے محاورات روزانہ میں ایسے ایہامات شرک برتے اور ان کی تصانیف میں ہزار درہزار ایسے شرک بالا یہام بھرے ہوں گے، جانے دیجئے نماز میں وتعالٰی جدّک توشاید آپ بھی پڑھتے ہوں "جد" کے دوسرے مشہور ومعروف بلکہ مشہور تر معنی یہاں کیسے صریح شدید کفر ہیں، عجیب کہ اتنے بڑے کفر کا ایہام جان کر اسے حرام نہ مانا تو بات وہی ہے کہ ایہام میں تبادر وسبقت واقربیت درکار ہے اور وہی ممنوع ہے نہ کہ مجرد احتمال، یہ فائدہ واجب الحفظ ہے کہ آج کل بہت جُہلا ایہام احتمال میں فرق نہ کرکے ورطہ غلط میں پڑتے ہیں۔

ثانیًا: ایسی ہی نکتہ تراشیاں ہیں تو صرف ہدایت علی پر کیوں الزام رکھئے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے نام پاک علی کو اس سے سخت تر شنیع کہئے وہاں تو چار احتمالوں سے ایک میں آپ کو شرک نظر آیا تھا، یہاں برابر کا معاملہ نصفا نصف کا حصہ ہے۔علی کے دو معنی ہیں علو ذاتی کہ بالذات للذات متعالی عن الاضافات ہو (بلندی بالذات یعنی ذاتی بلندی بغیر کسی سبب اور واسطہ کے صرف اس ہستی پاک ہی کے لئے ہے جو تمام اضافتوں اور نسبتوں سے مبرا اور بلند ہے۔ت) دوسرا اضافی کہ خلق کے لئے ہے اول کا اثبات قطعًا شرک تو علی میں ایہام شرک ہدایت علی سے دونا ٹھہرے گا ولا یقول بہ جاھل فضلا عن فاضل (کوئی جاہل بھی یہ نہیں کہہ سکتا چہ جائیکہ کوئی فاضل یہ کہے۔ت)

ثالثًا: ایک علی ہی کیا جس قدر اسمائے مشترکہ فی اللفظ میں الخالق والمخلوق ہیں، جیسے رشید وحمید وجمیل وجلیل وکریم وعلیم وحلیم ورحیم وغیرہا سب کا اطلاق عباد پر ویسا ہی ایہام شرک ہوگا جو ہدایت علی کے ایہام سے دوچند رہے گا، حالانکہ خود حضرت عزت نے انبیائے کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام میں کسی کو ایک کسی کو دو نام اپنے اسمائے حسنٰی سے عطا فرمایا اور حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے طیبہ میں تو ساٹھ سے زیادہ آئے کما فصلہ العلماء فی المواھب[1] وغیرھا (جیسا کہ علماء کرام نے مواہب لدنیہ وغیرہ میں مفصل بیان دیا ہے۔ت) خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنا نام پاک حاشر بتایا، صحابہ کرام وتابعین وائمہ دین میں کتنے اکابر کا نام مالک تھا ان کے ایہام کو کہئے، درمختار وغیرہ معتمدات میں تصریح کی کہ ایسے نام جائز ہیں اور عباد کے حق میں دوسرے معنی مراد لئے جائیں گے نہ وہ جو حضرت حق کے لئے ہیں۔

---

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل اول المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۱۵تا۲۱

جاز التسمیۃ بعلی ورشید وغیرھما من الاسماء المشترکۃ ویراد فی حقنا غیرما یراد فی حق اللہ تعالٰی [1]۔	علی، رشید اور ان کے علاوہ دیگر اسماء مشترکہ کے ساتھ کسی کا نام رکھنا جائز ہے لہٰذا ہمارے حق میں وہ معنٰی مراد لیا جائے گا جو اللہ تعالٰی کے حق میں مراد نہیں لیا جاتا۔(ت)

کیوں نہیں کہتے کہ ایسے نام بوجہ اشتراک ناجائز ہیں کہ دوسرے معنی شرک کا احتمال باقی ہے، **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (گناہوں سے محفوظ رہنے اور نیکی کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوائے اللہ تعالٰی بزرگ و عظیم ذات کی توفیق کے۔ت)

رابعًا: سائل نے اپنی جہالت سے صرف عبداللہ میں شرک سے سوال کیا تھا حضرت مجیب نے اپنی نبالت سے وغیرہ بھی بڑھا دیا کہ اپنے نام نامی کو ایہام شرک سے بچالیں مگر جناب کی دلیل سلامت ہے تو اس ایہام سے سلامت بخیر ہے۔ عبدالحیٔ میں دو جزو ہیں اور دونوں کے دو دو معنی، ایک عبد مقابل الٰہ، دوم مقابل آقا۔

قال اللہ تعالٰی "وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ" [2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: لوگو! تم میں سے جو نکاح کے بغیر (یعنی غیر شادی شدہ) ہیں اور جو تمہارے صالح غلام اور لونڈیاں ہیں ان کے ساتھ نکاح کردو(ت)

دیکھو حق سبحانہ، نے ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمایا، یوں ہی ایک حی اسم الٰہی کہ حیات ذاتیہ، ازلیہ، ابدیہ، واجبہ سے مشعر، اور دوسرا من وتُو، زید وعمرو سب پر صادق، جس سے آیت کریمہ "تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ" [3] (اے اللہ تعالٰی! تو مردے سے زندہ نکالتا ہے۔ت) وغیرہا مظہر، اب اگر عبد بمعنی اول اور حی بمعنی دوم لیجئے قطعًا شرک ہے وہی چار صورتیں ہیں اور وہی ایک صورت پر شرک موجود، پھر عبدالحیٔ ایہام شرک سے کیونکر محفوظ، اس سے بھی احتراز لازم تھا، بعینہٖ یہی تقریر حضرت بابرکت فاضل کامل صحیح العقیدہ سنی مستقیم جناب مستطاب مولانا مولوی عبدالحلیم

---

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۵۲

[2] القرآن الکریم ۲۴ /۳۲

[3] القرآن الکریم ۳ /۲۷

رحمۃ اللہ علیہ کے اسم میں جاری ہوگی ملاحظہ ہو کہ یہ تشقیق وتدقیق کہاں تک پہنچی نسأل اللہ سلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کاسوال کرتے ہیں۔ت) فقیر کے نزدیک ظاہرًا یہ پھڑکتی ہوئی برہان حضرت مجیب کوجناب سائل کے فیض سے پہنچی، سائل نے ذکر کی، مجیب نے بے غور کئے قبول کرلی ورنہ ان کاذہن شاید ایسی دلیل ذلیل علیل کلیل کی طرف ہر گز نہ جاتا جس سے خود ان کانام نامی بھی عادم الجواز ولازم الاحتراز قرار پاتا۔

خامسًا: یاعلی کوفرمایا جاتاہے کہ جب مقصود ندائے معبود تونزاع مفقود، جی کیا وجہ یہاں بھی صاف دوسرا احتمال موجود، اپنا قصد نہ ہونا ایہام واحتمال کانافی کب ہوسکتاہے، ایہام توکہتے ہی وہاں ہیں جہاں وہ معنی موہم مراد متکلم نہ ہوں، تلخیص وتعریفات کی عبارتیں ابھی سن چکے اور اگر قصد پرمدار واعتماد ہے توہدایت علی پرکیا ایراد ہے، وہاں کب معنی شرک مقصود ومراد ہے۔

سادسًا: علی پر الف لام لانا کب ایسے عالمگیر شرک سے نجات دے گا، علماپر لازم نہ آتا سہی صفۃً پر تو قطعًا آسکتاہے اور وہ یقینا صفات مشترکہ سے ہے تواحتمال اب بھی قائم اور احتراز لازم، بلکہ سراجیہ وتاتارخانیہ ومنح الغفار وغیرہا سے توظاہر کہ العلی باللام نام رکھنا بھی رواہے، ردالمحتار میں ہے:

فی التاتارخانیۃ عن السراجیۃ التسمیۃ باسم یوجد فی کتاب اللہ تعالٰی کالعلی والکبیر والرشید والبدیع جائزۃ الخ ومثلہ فی المنح عنہا وظاہرہ الجواز ولومعرفا بال[1]۔	تارخانیہ میں فتاوٰی سراجیہ سے نقل کیاگیاہے کہ ایسے نام رکھنا جواللہ تعالٰی کی کتاب میں اللہ تعالٰی کی صفات کے طورپر پائے جاتے ہیں جیسے علیّ، کبیر، رشید اور بدیع وغیرہ جائز ہے الخ، اوراسی طرح منح الغفار میں سراجیہ سے نقل کیاگیاہے پس بظاہر یہ جائزہے اگرچہ وہ ال سے معرفہ ہو۔(ت)

سابعًا: جب گفتگو احتمال پر چل رہی ہے تو معنیین ایصال الی المطلوب واراءۃ طریق میں تفرقہ باطل، ایصال واراءۃ دونوں دو معنی خلق وتسبّب پر مشتمل بمعنی خلق دونوں مختص بحضرت احدیت ہیں، کیااراءت بمعنی خلق رؤیت غیر سے ممکن ہے اور بمعنی تسبّب دونوں غیر کے لئے حاصل ہیں، کیاانبیاء سے ایصال بمعنی سببیت فی الوصول نہیں ہوتافطاح التفرقۃ وزاح الشقشقۃ (پس

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۶۸

دونوں میں تفرقہ نابود ہوگیا اور تذبذب زائل ہوگیا۔ت) ہاں یوں کہئے کہ ادھر علی مشترک ادھر ہدایت خلق وتسبب دونوں میں مستعمل، یوں چار احتمال ہوئے، مگر اب یہ مصیبت پیش آئے گی کہ جس طرح ہدایت بمعنی خلق غیر خدا کی طرف منسوب نہیں ہوسکتی بمعنی محض تسبب حضرت عزت جل جلالہ، کی طرف نسبت نہیں پاسکتی ورنہ معاذاللہ اصل خالق ومعطی دوسرا ٹھہرے گا اور اللہ عزوجل صرف سبب وواسطہ ووسیلہ، اس کا پایہ شرک بھی اونچا جائے گا کہ وہاں تو تسویہ تھا یہاں اللہ سبحانہ، پر تفضیل دینا قرار پائے گا، علی پر لام لاکر اول کا علاج کرلیا اور اس دوم کا کہ اس سے بھی سخت تر ہے علاج کدھر سے آئے گا اب ایک لام نیا گھڑ کر ہدایت پر داخل کیجئے کہ وہ معنی خلق میں متعین ہوجائے اور احتمال تسبب اُٹھ کر ایہام شرک وبدتر از شرک راہ نہ پائے۔

ثامنًا: ایک ہدایت کیا جتنے افعال مشترکۃ الاطلاق ہیں سب میں اسی آفت کا سامنا ہوگا جیسے احسان وانعام، اذلال واکرام، تعلیم وافہام، تعذیب وایلام، عطا ومنع، اضرار ونفع، قہر وقتل، نصب وعزل وغیرہا کہ مخلوق کی طرف نسبت کیجئے تو معنی خلق موہم شرک اور خالق کی طرف تو معنی تسبب مشعر کفر۔

بہر حال مفر کدھر، اگر کہئے خالق عزوجل کی طرف نسبت ہی دلیل کافی ہے کہ معنی خلق مراد ہیں، ہم کہیں گے مخلوق کی جانب اضافت ہی برہان وافی ہے کہ معنی تسبب مقصود ہیں، ولہٰذا علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ امثال انبت الربیع البقل وحکم علی الدھر (بہار نے سبزہ اگایا اور دہر نے مجھ پر حکم کیا۔ت) میں قائل کا موحد ہونا ہی قرینہ شافی ہے کہ اسناد مجاز عقلی ہے اب بحمداللہ اس ایہام کی بنیاد ہی نہ رہی۔

تاسعًا: آپ نے (باآنکہ اسمائے الٰہیہ توقیفیہ ہیں اور خصوصًا آپ بہت جگہ صرف نہ وارد ہونے نہ منقول ہونے کو حجت ممانعت جانتے ہیں) حق سبحانہ، کا نیا نام مُصّوب ایجاد فرمایا ہر جواب کی ابتداء **ھو المصوّب** (وہی درست راستہ بتانے والا ہے۔ت) سے ہوتی ہے یہ کب احتمال شنیع سے خالی ہے، تصویب جس طرح ٹھیک بتانے کو کہتے ہیں یونہی سر جھکانے کو، اور مثلًا جو سر جھکائے بیٹھا ہو اسے مصوّب، اور دونوں معنی حقیقی ہیں تو آپ کے طور پر اسی کلمے میں ایہام تجسیم ہے اور تجسیم کفر وضلال عظیم ہے۔

عاشرًا: جب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، کی طرف اضافت ہدایت کا اشتباہ امر ممنوع کا اشتباہ اور موجب لزوم احتراز ہے تو بالقصد اس جناب ہدایت مآب کی طرف ضافت ہدایت کس درجہ

سخت ممنوع و معترض الاحتراز ہوگی، یہاں مولٰی علی کو ہادی کہنا حرام ہوگیا حالانکہ یہ احادیث صریحہ واجماع جمیع ائمہ اہلسنت و جماعت کے خلاف ہے، شاید یہ عذر کیجئے کہ ہدایت بمعنی خلق کا اشتباہ موجب منع تھا اس معنی پر اضافت قصدیہ ضرور حرام بلکہ ضلال تام ہے، نہ بمعنی تسبب کہ جائز و معمول اہل اسلام ہے، مگر یہ وہی عذر معمول ہے جس کا رَد گزر چکا، کیا جب مولٰی علی کی طرف اضافت کا اصلاً قصد ہی نہ ہو اس وقت تو بوجہ اشتراک معنی مولٰی علی کی جانب ہدایت بمعنی خلق کی اضافت کا اشتباہ ہوتا ہے اور جب بالقصد خود حضرت مولٰی علی ہی کی طرف اضافت مراد ہو تو اب وہ اشتراک معنی جاتا رہتا اور اشتباہ راہ نہیں پاتا، اگر مانع اشتباہ مخلوق کا اس معنی کے لئے صالح نہ ہونا ہے تو صورت عدم قصد میں کیوں مانع نہیں، اور اگر باوصف عدم صلوح اشتباہ قائم رہتا ہے تو صورت قصد میں کیوں واقع نہیں۔

حادی عشر: نہ صرف امیرالمومنین علی بلکہ انبیائے کرام ورسل عظام وخود حضور پرنور سیدالانام علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والتسلیم کسی کی طرف اضافت ہدایت اصلاً روانہ رہے گی کہ بوجہ احتمال معنی دوم ایہام شرک ہے، اب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ہادی کہنا بھی حرام ہوگیا، اور یہ قرآن عظیم وصحاح احادیث واجماع امت بلکہ ضروریات دین کے خلاف ہے۔

ثانی عشر: خود جناب مجیب نے اپنے فتاوٰی جلد سوم ۸۶ میں اس لزوم احتراز کا رَدِّ صریح فرمادیا اور ادعائے ایہام کا فیصلہ بول دیا۔ فرماتے ہیں:

سوال: عبدالنبی یامانند آں نام نہادن درست است یانہ؟ **جواب:** اگر اعتقاد ایں معنی ست کہ ایں کس کہ عبدالنبی نام دارد بندہ نبی است عین شرک است واگر عبد بمعنی غلام مملوک ست آں ہم خلاف واقع است واگر مجازًا عبد بمعنی مطیع ومنقاد گرفتہ شود مضائقہ ندارد لیکن خلاف اولٰی ست، روی مسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم قال لایقولن احدکم عبدی و	**سوال:** عبدالنبی یا اس جیسا نام رکھنا درست ہے یا نہیں؟ **جواب:** اگر یہ اعتقاد ہو کہ عبدالنبی نام والا شخص نبی کا بندہ ہے تو عین شرک ہے اور عبد بمعنی غلام مملوک مراد ہو تو یہ خلاف واقع ہے اور اگر مجازًا عبد بمعنی مطیع لیا ہو تو مضائقہ نہیں ہے لیکن خلاف اولٰی ہے، امام مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص ہر گز عبدی (میرا عبد) اور اَمتی (میری باندی) نہ کہے

اَمتی کلکم عباد اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتائی وفتاتی انتھٰی [1]۔	تم سب مرد اللہ تعالٰی کے بندے اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالٰی کی باندیاں ہیں، لیکن اگر کہتا ہو تو غلامی (میرا غلام)، جاریتی (میری خادمہ) فتائی (میرا غلام)، فتاتی (میری لونڈی) کہے انتہی۔ (ت)

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ جواب بھی بوجوہ مخدوش ہے **اولاً:** عبد و بندہ میں سوائے اختلاف زبان کے کوئی فرق نہیں ایک دوسرے کا پورا ترجمہ ہے، عبدہ و بندہ دونوں عربی و عجمی دونوں زبانوں میں اللہ و خدا و مولٰی و آقا دونوں کے مقابل بولے جاتے ہیں تو عبد بمعنی بندہ کو مطلقاً عین شرک کہہ دینا ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ عین سے مراد عین ہے تو غلط ہے اور چشمہ مقصود ہو تو صحیح، حضرت مولوی قدس سرہ المعنوی مثنوی شریف میں حدیث شرائے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں جب صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں خرید لیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم نے ہمیں شریک نہ کیا، اس پر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا۔

گفت ما دو بندگانِ کوئے تو کردمش آزاد ہم برروئے تو [2]

(عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کے کوچہ کے غلام ہیں، میں نے اس کو آپ کے رخ انور پر آزاد کردیا۔ت)

لاجرم جو تفصیل عبد میں ہے وہی بندہ میں۔

ثانیاً: عبد بمعنی بندہ و بمعنی مملوک میں یہ تفرقہ کہ اول شرک اور ثانی خلاف واقع ہے محض بے اصل وضائع ہے، مملوک بھی ملک ذاتی حقیقی و ملک عطائی مجازی دونوں کو مشتمل اور اول میں قطعاً شرک حاصل اور بندہ بھی مقابل خدا اور خواجہ دونوں مستعمل، اور ثانی سے یقیناً شرک زائل۔

ثالثاً: آپ نے تو عبد بمعنی ملوک کو خلاف واقع یعنی کذب ٹھہرا کر اس ارادے کو شرک سے اتار کر گناہ مانا مگر ائمہ دین و اولیائے معتمدین و علمائے مسندین قدس اللہ تعالٰی اسرارہم اجمعین اس اعتقاد کو مکمل ایمان مانتے اور اس سے خالی کو حلاوت ایمان سے بے بہرہ جانتے ہیں، حضرت امام اجل عارف باللہ سید سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالٰی عنہ پھر امام اجل قاضی عیاض شفا شریف پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں نقلاً و تذکیراً پھر علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض پھر علامہ محمد بن عبدالباقی

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب العقیقہ و مایتعلق بہا وجہ نام عبدالنبی وغیرہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۸۴

[2] مثنوی المعنوی معاتبہ کردن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باصدیق اکبر حامد اینڈ کمپنی لاہور دفتر ششم ص ۱۱۷

زرقانی شرح مواہب میں شرحًا و تفسیرًا فرماتے ہیں:

من لم یر ولایة الرسول علیه فی جمیع احواله ولم یر نفسه فی ملکه لایذوق حلاوة سنته[1]۔	جو ہر حال میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کا مملوک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔

رابعًا: مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں نقل فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ وتعالٰی زبور شریف میں فرماتا ہے:

یا احمد فاضت الرحمة علٰی شفتیك من اجل ذٰلك بارك علیك فتقلد السیف فان بهائك وحمدك الغالب(الٰی قوله)الامم یخرون تحتك کتاب حق جاء الله به من الیمن والتقدیس من جبل فاران وامتلأت الارض من تحمید احمد وتقدیسه و ملك الارض ورقاب الامم[2]۔	اے احمد! تیرے لبوں پر رحمت نے جوش مارا میں اسی لئے تجھے برکت دیتاہوں تو اپنی تلوار حمائل کرکہ تیری چمک اور تیری تعریف ہی غالب ہے سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی، سچی کتاب لایااللہ برکت و پاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے، بھر گئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے، احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم۔

کیا زبور پاک کے ارشاد کو بھی معاذاللہ خلاف واقع کہا جائے گا۔

خامسًا امام احمد مسند میں بطریق ابی معشر البراء ثنی صدقة بن طیلسة ثنی معن بن ثعلبة المازنی والحی بعد ثنی الاعشی المازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور عبداللہ بن احمد زوائد المسند میں بطریق عوف بن کهمس بن الحسن عن صدقة و طیلسة الخ، اور امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں بطریق ابی معشر المذکور نحو روایة احمد سندًا ومتنًا اور ابن خیثمة وابن شاهین بهذا الطریق وبغیرہ اور بغوی وابن السکن وابن ابی عاصم بطریق الجنید بن امین بن ذروة بن نضلة بن بهصل الحرمازی عن ابیه عن جده نضلة۔

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد السابع الرضی بماشرعه المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۲۹۹و۳۰۰، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد السابع الرضی بماشرعه الفصل الاول دارالکتب العلمیۃ ۹ /۱۲۸

[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ششم دربحث نبوت الخ سہیل اکیڈمی لاہور ص۱۶۹

حضرت اعشٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ یہ خدمت اقدس حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم میں اپنے بعض اقارب کی ایک فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی مسامع قدسیہ پر عرض کی جس کی ابتداء اس مصرع سے تھی ع

یامالك النّاس و دیّان العرب [1]

(اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزاو سزا دینے والے)

حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمادی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک شخص کامالک کہنا آپ کے گمان میں معاذاللہ کذب تھا تو تمام آدمیوں کامالک بتانا یامالک النّاس کہہ کر حضور کوندا کرنا معاذاللہ سنکھوں مہا سنکھوں کذب کا مجموعہ ہوگا، حالانکہ یہ حدیث جلیل شہادت دے رہی ہے کہ صحابی حضور کومالک تمام بشر کہا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے مقبول ومقرر رکھا۔

سادسًا: بات یہ ہے کہ آپ کے خیال شریف میں مالک ومملوک کے یہی معنی تھے کہ زید عمرو کو تانبے کے کچھ ٹکوں یا چاندی کے چند ٹکڑوں پر خریدے جبھی تو محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مالکیت کوخلاف واقع فرمادیا حالانکہ یہ مالکیت سخت پوچ لچر، محض بے وقعت، بے قدر ہے کہ جان درکنار گوشت پوست پر بھی پوری نہیں، سچی کامل مالکیت وہ ہے کہ جان وجسم سب کو محیط اور جن وبشر سب کوشامل ہے یعنی اولٰی بالتصرف ہونا کہ اس کے حضور کسی کو اپنی جان کا بھی اصلًا اختیار نہ ہو یہ مالکیت حقہ صادقہ محیط شاملہ تامہ کاملہ حضور پرنور مالک الناس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بخلافت کبرٰی اور حضرت کبریا عزوعلا تمام جہاں پر حاصل ہے۔ قال اللہ تعالٰی "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" [2] نبی زیادہ والی ومالک ومختار ہے، تمام اہل ایمان کا خود ان کی جانوں سے۔

وقال اللہ تعالٰی تبارك "وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ	اللہ و (اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا) نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو جب حکم کردیں اللہ اور اس کے رسول کسی بات کا کہ انہیں کچھ اختیار رہے اپنی جانوں کا، اور جو حکم

[1] مسند احمد بن حنبل مسند عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۰۱، شرح معانی الآثار کتاب الکراھۃ باب الشعر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۳۳ /۶

رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ﴿۳۶﴾ "[1]	نہ مانے اللہ و رسول کا تو ہو صریح گمراہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی بالمؤمنین من انفسھم. رواہ احمد والبخاری[2] ومسلم والنسائی وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں زیادہ والی و مالک و مختار ہوں تمام اہل ایمان کا خود ان کی جانوں سے (اسے بخاری، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اگریہ معنی مالکیت جناب مجیب کے خیال میں ہوتے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مالکیت کو خلاف واقع نہ جانتے اور خود اپنی جان اور سارے جہان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مِلک مانتے اور اس سے زائد مرتبہ حق حقائق ہے جس کے سننے کو گوش شنوا سمجھنے کو دل بینا درکار ہے۔

"وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ "[3] "وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۶﴾ "[4] "وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ "[5]۔	تمہیں صرف تھوڑا سا علم دیا گیا ہے، ہر علم والے پر بڑے علم والا ہے، نہیں پاتے اس کو مگر جو لوگ صبر والے ہوں مگر عظیم حصہ۔(ت)

سابعًا: حدیث صحیح مسلم محض بے محل مذکور ہوئی حدیث میں تعلیم تواضع و نفی تکبر اور آقاؤں کو ارشاد ہے کہ اپنے غلاموں کو عبد نہ کہو، نہ کہ کہ غلام بھی اپنے کو اپنے مولٰی کا عبد یا دوسرے ان کو ان کے عبید نہ کہیں، یہ ہے قرآن کہ ہمارے غلاموں کو ہمارا عبد فرمارہا ہے، آیت عنقریب گزری رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۶

[2] صحیح البخاری کتاب الکفالۃ ۱/ ۳۰۸ و کتاب الفرائض ۲/ ۹۷ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الجمعۃ فصل فی خطبۃ الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۸۵، صحیح مسلم کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶، سنن ابن ماجہ ابواب الصدقات باب من ترک دینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۶، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۵

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵

لیس علی المسلم فی عبدہ ولا فی فرسہ صدقۃ رواہ احمد[1] والستۃ عن ابی ہریرۃ۔	مسلمان پر اپنے عبد اور اپنے گھوڑے میں زکوٰۃ نہیں (اسے احمد اوراصحاب ستہ نے ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

فقہ کامحاورہ عامہ وائمہ صدراول سے آج تک مستمرہ ہے: اعتق عبدہ ودبر عبدہ (اس نے اپنے عبد کوآزاد،مدبربنایا۔ت) خود مولوی مجیب صاحب اپنے رسالہ نفع المفتی مسائل متعلقہ جمعہ میں فرماتے ہیں: ان اذن المولی عبدہ لھا یتخیر[2] (اگر مولٰی اپنے عبد کواجازت دے تو اسے اختیار ہوا۔ت) وہیں ہے: وللمولی منع عبدہ[3] (مولٰی کواختیار ہے کہ عبد کوروک دے۔ت) عجب ہے کہ زید وعمروبلکہ کسی کافرمشرک کے غلام کواس کاعبدکہنے پرحدیث وارد نہ ہواور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کوان کاعبدکہنے پر معترض ہو،اور سنئے توسہی امام ابوحذیفہ اسحٰق بن بشر فتوح الشام اور حسن بن بشران اپنی فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ تابعین سے راوی کہ امیر المومنین عمرفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں برسرمنبرفرمایا:

قدکنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکنت عبدہ وخادمہ[4]۔	میں حضورپُرنور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھاتو میں حضورکاعبد تھا حضورکابندہ اور حضورکاخدمتی تھا۔

نیز ابن بشران امالی اورابواحمد دہقان جزء حدیثی اورابن عساکر تاریخ دمشق اورلالکائی کتاب السنہ میں افضل التابعین سیدنا سعیدبن المسیب بن حزن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی،جب امیر المومنین حضرت عمررضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے منبراطہر حضور سیدعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرکھڑے ہوکر خطبہ فرمایاحمدودرودکے بعدفرمایا:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۶،سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الرقیق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۲۵، سنن ابن ماجہ کتاب الزکوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۱،مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتبۃ الاسلامی بیروت ۲/ ۲۴۲

[2] نفع المفتی والسائل مسائل متعلقہ بالجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۵

[3] نفع المفتی والسائل مسائل متعلقہ بالجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۵

[4] فتوح الشام لاسحق بن بشر

ایھاالناس انّی قدعلمت انکم کنتم تونسون منّی شدّۃ وغلظۃ وذٰلك انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکنت عبدہ،وخادمہ[1] ۔	لوگو! میں جانتاہوں کہ تم مجھ میں سختی ودرشتی پاتے تھے اور اس کاسبب یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میں حضور کابندہ اور حضور کاخدمت گزار تھا۔

اب توظاہر ہواکہ حدیث مسلم کواس محل سے اصلاً تعلق نہیں،ذرا وہابی صاحب بھی اتناسن رکھیں کہ یہ حدیث نفیس جس میں امیرالمومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے آپ کو عبدالنبی، عبدالرسول، عبدالمصطفٰی کہہ رہے ہیں،اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مجمع عام زیر منبر حاضر ہے،سب سنتے اور قبول کرتے ہیں۔

جناب شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی ازالۃ الخفا ابوحذیفہ وکتاب مستطاب الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ میں استناداً ذکر کی اور مقرر رکھی،امیرالمومنین کو بجرم ترویج تراویح معاذاللہ گمراہ بدعتی لکھ دیا،یہاں عیاذاً باللہ مشرک کہہ دیجئے،اور آپ کے اصول مذہب نامذہب پر ضرور کہنا پڑے گا مگر صاحبو! ذراسوچ سمجھ کرکہ شاہ ولی اللہ صاحب کادامن بھی اسی پتھر کے تلے دباہواہے ع

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر
اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم، خیر، بات دور پہنچی،لفظ عبد وبندہ کی تحقیق تام وتفصیل احکام فقیر کی کتاب مجیر معظم شرح اکسیر اعظم میں ملاحظہ ہو۔

یہاں یہ گزارش کرنی ہے کہ مولوی مجیب صاحب کے اس فتوٰی نے ادعائے ایہام کاکام تمام کردیا،عبدالنبی میں جناب کے نزدیک تین احتمال تھے:ایک شرک،ایک کذب،ایک صحیح،تو ناجائز احتمال جائز سے دُونے تھے،با ایں ہمہ اس کاحکم صرف خلاف اولٰی فرمایا جوممانعت وکراہت تحریمی درکنار کراہت تنزیہی کو بھی مستلزم نہیں،ہر مستحب کاخلاف ترک خلاف اولٰی ہے مگر مطلقاً تنزیہی نہیں۔ردالمحتار میں بحرالرائق سے ہے:

لایلزم من ترك المستحب ثبوت الکراھۃ اذلابد لھا من دلیل خاص[2] ۔	مستحب کو ترک کرنے پر کراہت لازم نہیں کیونکہ کراہت کے لے دلیل چاہئے۔(ت)

[1] مختصر تاریخ دمشق لابن عساکر ترجمہ عمر بن الخطاب ۱۸۵ دارالفکر بیروت ۱۸/ ۳۱۴

[2] ردالمحتار کتاب الطھارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

اسی میں تحریر الاصول سے ہے:

خلاف اولٰی مالیس فیه صیغة نهی کترك صلوٰة الضحٰی بخلاف مکروه تنزیها[1]۔	خلاف اولٰی وہ ہے جس کے لئے نہی کا صیغہ استعمال نہ ہوا ہو جیسے چاشت کی نماز کا ترک ہے بخلاف مکروہ تنزیہہ کے۔(ت)

توہدایت علی جس میں چار احتمالوں سے صرف ایک باطل ہے، یعنی جائز احتمالات ناجائز سے تگنے ہیں یہ کس طرح خلاف اولٰی درکنار مکروہ تنزیہی سے بھی گزر کر لازم الاحتراز ہوگیا، اربعہ کے حساب سے تو اسے خلاف اولٰی کا نصف بھی نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ ۳/۴، یعنی مباح مساوی طرفین سے اگر سیر بھر دوری پر خلاف اولٰی کہا جائے تو ہدایت علی میں صرف ڈیڑھ پاؤ ہوگئی اس لئے ۲/۳، ۴/۱ مجہول پس ۴/۱، ۳/۲، ۸/۲، ۳/۲ خیر یہ حساب تو ایک تطییب قلوب ناظرین تھا حق یہ کہ ہدایت علی میں اصلاً کوئی وجہ کراہت تنزیہی کی بھی نہیں، لزوم احتراز تو بڑی چیز ہے، اور فی الواقع ہر ادنٰی عقل والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبدالنبی سے ہدایت کو نسبت ہی کیا ہے، جب وہ صرف خلاف اولٰی ہے تو اسے خلاف اولٰی کہنا بھی محض بے جا ہے، کلام یہاں کثیر ہے اور جس قدر مذکور ہوا طالب حق کے لئے کافی۔ والله یقول الحق ویهدی السبیل، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدن المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ

عبد المصطفٰی احمد رضا خاں

رسالہ

النور والضیاء فی احکام و بعض الاسماء

ختم ہوا

---

[1] ردالمحتار کتاب الطهارة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

خط وکتاب

بلا اجازت کسی کا خط روکنا، کھولنا، اور پڑھنا وغیرہ

مسئلہ ۲۷۹: حافظ محمود حسین تلمیذ رشید احمد گنگوہی ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

ایک لفافہ بند جس پر مکتوب الیہ کا نام اس طرح درج تھا زوجہ مولوی محمد فخر الدین وغلام محی الدین کے پاس پہنچے، ڈاکیہ نے لاکر حاجی رمضان ملازم مولوی محمد فخر الدین کو دیا، حاجی موصوف مرد ناخواندہ ہے اس لفافہ کو ہمشیرہ زاد مولوی محمد فخر الدین صاحب کے مکان پر لائے اور کہا کہ کس کے نام کا یہ خط ہے مولوی صاحب موصوف کے ہمشیرہ زاد نے جو اس پر لکھا تھا ان سے کہہ دیا اور ان کو واپس دے دیا، دوسرے وقت حاجی موصوف دوبارہ اس خط کو مولوی صاحب موصوف کے ہمشیرہ زاد کے مکان پر لائے اور چند صاحب باہر مکان میں بیٹھے تھے اس کا لفافہ پڑھوایا، چونکہ مولوی محمد فخر الدین صاحب کی زوجہ جو احد المکتوب الیہما تھیں وہ انتقال کرچکی تھیں اور دوسرا مکتوب الیہ یعنی غلام محی الدین کا نام جو ساتھ میں لکھا ہوا تھا وہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون شخص ہے فی الجملہ مولوی صاحب کے دونوں ہمشیرہ زادے موجود تھے، ایک کی رائے ہوئی کہ خط کو واپس کر دیا جائے دوسرے نے خیال کرکے کہ کاتب کا جو نام اس پر لکھا ہوا تھا وہ ایسا تھا کہ اس کو تعلق زوجہ مولوی محمد فخر الدین صاحب یعنی اپنے ماموں صاحب کی زوجہ سے تھا اور اب ان کا انتقال ہوا اس خیال سے کہ یہ ٹکٹ چسپاں لفافہ واپس کرنے میں شاید ضائع ہوجائے اور کوئی قصد کاتب یا مکتوب الیہا ضروری ہوا ہو اس کو چاک کرکے سرسری نگاہ سے اس کی ابتداء کو دیکھا جس سے یہ معلوم ہوگیا کہ بیشک مولوی صاحب

یعنی اپنے ماموں صاحب کی زوجہ کا ہی یہ خط ہے اور چونکہ وہ امر جو ابتداء سے معلوم ہوگیا اس خط کے پڑھنے سے متعلق مکتوب الیہا کے تہائی سے معلوم ہوا کہ ان لڑکیوں کے پیام کی نسبت اس میں لکھا ہوا تھا اس لئے بدون پورا پڑھے ہوئے خط کے اس کو لفافہ میں رکھ کے چاک شدہ بدون بند کئے ہوئے حاجی رمضان خاں جو اس خط کو لائے تھے ان کو دے دیا اور کہہ دیا کہ حافظ غفورالدین صاحب یعنی برادر مکتوب الیہا مرحومہ کو دے دیں پس صورت حال یہ ہے اس کی نسبت یہ سوال ہے کہ خواہر زادہ مولوی صاحب نے لفافہ چاک کرکے اس کو سرسری گناہ سے دیکھ کے پھر اس کو جس شخص سے متعلق مضمون اس کا نظر آیا واپس بھیج دیا، ایسا کرنے میں وہ عندالشرع گنہگار ہے یا موافق نیت اپنی کے عنداللہ وعندالشرع ماجور ہے اور زوج مکتوب الیہا کے ملک عرب میں ہیں وہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں شخص مذکور گنہگار و مستحق وعید ہے، حدیث میں ہے حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نظر فی کتاب اخیه بغیر اذنه فانما ینظر فی النار۔ رواہ ابوداؤد [1] فی سننه والحاکم وصححه وابن منیع فی مسندہ والقضاعی وغیرھم فی حدیث عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جو اپنے بھائی کا خط بے اس کی اجازت کے دیکھے وہ بلاشبہہ آگ دیکھ رہا ہے (امام ابوداؤد نے اس کو اپنی سنن میں روایت کیا اور محدث حاکم نے اس کی صحت تسلیم فرمائی اور ابن منیع نے اپنے مسند میں اور قضاعی وغیرہ نے حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حوالہ سے روایت کی۔ ت)

علماء فرماتے ہیں خط کاتب کی ملک ہے یہاں تک کہ اگر وہ لکھے کہ اس پر جواب لکھ دے تو خود مکتوب الیہ کو اس میں تصرف جائز نہیں مالک کو واپس دینا لازم، واپس نہ چاہے تو بحکم عرف مکتوب الیہ مالک ہوجائے گا۔ جوہرہ نیرہ و منح الغفار شرح تنویر الابصار وحاشیہ طحطاوی علی الدرالمختار وغیرہا میں ہے:

رجل کتب الٰی اٰخر کتابا وذکر فیه اکتب الجواب علی ظهرہ لزمه ردہ ولیس له التصرف فیه	ایک آدمی نے کسی دوسرے آدمی کو خط لکھا اور اس میں یہ ذکر کیا کہ اسی قرطاس سوال کی پشت پر جواب لکھ دیں تو اس خط کا واپس کرنا لازم ہوجاتا ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب الدعاء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۹

والا مبلکه المکتوب الیه عرفا[1]۔	اور اس میں کسی قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہوتا، اور اگر یہ صورت نہ ہو تو عرف اور رواج کے مطابق مکتوب الیہ یعنی جس کی طرف خط لکھا گیا وہ اس کا مالک ہوگیا۔ (ت)

یہاں کہ خط مکتوب الیہ کے ہاتھ میں پہنچنے ہی نہ پایا بلاشبہہ ملک کاتب پر باقی رہا،

فان التملیك لایتم قبل القبض حتی لومات احدھما قبل التسلیم بطل کما نص علی فی الدر وغیرہ من الاسفار الغر[2]۔	کیونکہ تملیک (کسی کو مالک بنانا) قبضہ کرنے سے پہلے تام (مکمل) نہیں ہوتی اس لئے کہ سپردگی سے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک اگرانتقال کرجائے تو معاملہ باطل ہوجاتا ہے جیسا کہ درمختار وغیرہ بڑی کتب عربی میں اس کی تصریح فرمائی گئی ہے۔ (ت)

بے اس کے اذن کے لفافہ چاک کرنا ملک غیر میں تصرف ناجائز ہوا کہ شرعاً حرام ہے، حدیث وفقہ کا حکم تو یہ ہے، باقی رہے اس کے بیہودہ عذرات جن کی بنا پر وہ نہ صرف اپنی برات بلکہ الٹا ماجوری کا متمنی ہے بدتر از گناہ ہیں واپسی میں ضائع ہونے کا اندیشہ تھا تو یہ کاتب تھا مکتوب الیہ تھا کون تھا رکھنا واپس کرنا اس سے کیا متعلق تھا اس کے پاس لفافہ پڑھنے کو آیا تھا پڑھ کرلانے والے کو دے دیتا جو مطالبہ ہوتا اس کے ذمہ ہوتا اسے مداخلت بیجا کا کس نے حکم دیا تھا ایسی ہی خیر اندیشی مد نظر تھی تو خط محفوظ رہنے کی ہدایت کرکے کاتب کو اطلاع دی ہوتی وہ جو کہتا اس پر عمل کیا جاتا نہ یہ غضب وخیانت کہ ملک غیر چاک نامہ غیر میں نظر بے باک یعنی زید نے ایک بکری عمرو کو ہدیۃً بھیجی، عمرو مرچکا تھا لانے والا بکر کے پاس لایا یہاں جنگل میں شام ہوگئی واپس کرنے میں اندیشہ تلف تھا بکر نے بکری براہ خیر اندیشی وہیں ذبح کرکے چھ لی، یہ خیال کہ شاید کوئی امر ضروری مفید کاتب یا مکتوب الیہا ہو یہ خیال نہ کیا کہ شاید کوئی امر راز کا ہو جس پر اطلاع میں ان کی مضرت ہو پرائے مکان میں بے استیذان جانا شرع نے احتمال ضرر کے سبب حرام فرمایا اور احتمال نفی کی بنا پر اجازت نہ دی یہ خیالات سب مناقض شرح محض وسوسہ شیطانی تھے کہ معصیت پر باعث ہوئے سرسری نگاہ سے دیکھنا بھی دیکھنا ہے آخر اس سے مضمون پر اطلاع پائی تو یہ کیا عذر ہوسکتا ہے، جیسے کسی کے دروازہ میں سے جھانکے اور کہے ہم نے بغور تو نہیں دیکھا۔ اسی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس حالت میں اس کی آنکھیں پھوڑدیں تو کچھ

---

[1] تکملہ ردالمحتار فصل فی مسائل متفرقہ من الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۳/ ۴۰۹

[2] درمختار کتاب الھبہ باب الرجوع فی الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

الزام نہیں۔

فی الصحیحین عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: من اطلع فی بیت قوم بغیر اذنھم فقد حل لھم ان یفقؤا عینه[1]۔	بخاری اور مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کسی نے لوگوں کے گھروں میں بغیران کی اجازت کے جھانک کردیکھا تو بے شک ان گھر والوں کیلئے حلال ہے کہ اس کی آنکھ نکال دیں۔(ت)

بلکہ دوسری حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما رجل کشف سترا فادخل بصرہ من قبل ان یؤذن فقد اتی حدا لایحل له ان یأتیه ولوان رجلا فقأعینه لھدرت۔ رواہ الامام احمد فی مسندہ[2] عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	جو شخص کوئی پردہ کھول کر قبل اجازت نگاہ کرے وہ ایسی ممنوع بات کامرتکب ہے جو اسے جائز نہ تھی اور اگر کوئی اس کی آنکھ پھوڑدے تو قصاص نہیں۔(امام احمد نے اس کو اپنی مسند میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

انصاف سے دیکھئے تولفافہ چاک کرکے خط پڑھنا بھی ایک قسم کاپردہ کھول کر نگاہ کرنا ہے اور فقط ابتدائی مضمون دیکھاپورانہ پڑھا یعنی دروازہ ہی میں سے جھانکا سارامکان کب نظرپڑا اور طرفہ یہ کہ چاک شدہ بے بند کئے واپس کیا، شاید اسے بھی ذلیل نیک نیتی ٹھہرادیاجاتاکہ فریب ہوتا تو بند کردیاجاتا کیابند کرنے میں گناہ تھاجو اس سے بازرہنا وجہ برأت ہوا یعنی مکان غیر میں بے اجازت قُفل توڑ کرجایئے اور نیک نیتی کاثبوت یہ کہ ہم نے دروازہ کھلاہی چھوڑدیا، طرہ یہ کہ خط زید بنام عمرو بکر نے دیکھااور خالد کو بھیج دیا گویاخود مالک خط تھاکہ جو چاہا کیاجب ساراخط نہ دیکھاتھاتوکیامعلوم شاید اس میں کوئی مضمون خالد کے خلاف ہی ہوتا اس کامطلع ہونا ان مسلمانوں کے ضررکاسبب ہوتا، غرض یہ

[1] صحیح البخاری کتاب الدیات باب من اطلع فی بیت قوم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۲۰،صحیح مسلم کتاب الآداب باب تحریم النظر فی بیت غیرہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۲

[2] مسند امام احمد بن حنبل ترجمہ عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۸۱

سب حرکات عقل وشرع دونوں کے خلاف تھیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (گناہوں سے کنارہ کش ہونے اور بھلائی کرنے کی قوت کسی میں موجود نہیں بجز اللہ تعالٰی عظمت وشان والے کی توفیق کے۔ اللہ تعالٰی پاک وبرتر اور بڑا عالم ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۰: ۱۰/ صفر ۱۳۲۱ھ

خالد کو اس کے چچا نے ہدایت کی کہ باہمی نزاع کی بابت خط وکتابت مسدود رہنا قرین مصلحت ہے اب اگر ظن غالب کی بنا پر بکر اپنے بھتیجے خالد کے خطوط خود وصول کرکے اس کو نہ دے حالانکہ خالد تبری کرتا ہے کہ ہرگز میرے کسی خط میں اس ہدایت کا خلاف نہ کیا گیا مگر بکر کو بوجہ مرتبہ برادر ہونے کے سبب خالد کی یقین نہیں آیا ان وجوہ سے بکر معصیت کا مرتکب قرار پائے گا یانہیں؟ نیز اگر ان میں بابت نزاع باہمی تذکرہ ہو تو کیا بکر کو امور متذکرہ بالا کا اختیار حاصل ہے یانہیں؟

الجواب:

بکر کو اصلاً اختیار نہیں، نہ خالد کے خطوط روکنے کا، نہ دیکھنے کا، اور وہ ضرور گنہگار ہوگا، حدیث میں ارشاد ہوا کہ جو بلاضرورت دوسرے کا خط دیکھے وہ جہنم کی آگ دیکھتا ہے [1]۔ اور بدگمانی دوسرا گناہ ہے اور تجسّس تیسرا گناہ۔ اور یہ سوال کہ اگر ان میں خلاف ہدایت ہو تو امور مذکورہ کا اختیار ہے یانہیں محض بے معنی ہے بے دیکھے کیونکر معلوم ہوگا کہ خلاف ہدایت ہے، غرض یہ سب کاروائی خود خلاف ہدایت ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۱: از ملک گجرات ضلع احمد آباد شہر پیران پاٹن محلّہ محمدی دارہ معرفت سید عبدالقادر صاحب رسیدہ اصغر احمد صاحب بنگالی پنجشنبہ ۱۶ شوال ۱۳۳۴ھ

حضرت شمس علماء الدین، اسوۃ الحکماء المحققین، اعنی مخدومنا ومکرمنا جناب مولانا احمد رضاخان صاحب حفظھم الواھب من النوائب۔ بعد الف الف سلام معروض اینکہ حضور والا کے ارشاد کے بعد جب مراجعت الی الکتب کیا فی الواقع جواب لسان وعلی الفور واجب ہے، اور علامہ مناوی نے **تخییر بین اللفظ والمراسلۃ** (زبانی جواب دینا اور بذریعہ خط جواب دونوں میں (مکتوب الیہ کو) اختیار ہے۔ ت) لکھا ہے مگر علامہ شامی نے اسی کا بعد ہی خط کا جواب دینے کو واجب لکھا ہے **وھو لکن فی الجامع الصغیر للسیوطی** "رد جواب الکتاب حق کرد السلام" [2] (لیکن امام سیوطی نے جامع صغیر میں فرمایا خط کا جواب دینا بالکل سلام کے زبانی جواب دینے کی طرح واجب ہے۔ ت) اگر اس میں

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب الدعاء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۰۹

[2] جامع الصغیر حدیث ۴۴۴۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۷۲

کوئی خلاف ہو تو اصلاح فرماکر مرہون منت فرمائیں فقط۔

الجواب:

مولانا المکرم ذی اللطف والکرم اکرکم المولٰی تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ہمارے نزدیک جواب سلام علی الفور ہے تاخیر میں اثم ہوگا حتی قالوا لو اخرالٰی آخر الکتاب کرہ (یہاں تک فرمایا کہ اگر اس نے جواب لکھنے تک سلام کے جواب میں تاخیر کی تو مکروہ ہے۔ت) علامہ مناوی شافعی ہیں یوں ہی امام سیوطی ولہذا عبارت مذکورہ کے بعد مناوی میں ہے:

وبہ قال جمع شافعیۃ منھم المتولی والنووی فی الاذکار زادفی المجموع انہ یجب الرد فورا [1]۔	شافعیوں کے ایک گروہ نے یہی فرمایا، ان میں سے متولی اور امام نووی ہیں، چنانچہ امام نووی نے الاذکار میں ذکر کیا اور المجموع میں یہ اضافہ کیا کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے۔(ت)

اور حدیث کی سند بشدت ضعیف ہے، اور اس کا رفع ثابت نہیں، ہاں جواب کتاب حتی الوسع ضرور دینا چاہئے ولو بعد حین (اگرچہ کچھ عرصہ کے بعد ہو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث رد جواب الکتاب الخ مکتبۃ الامام شافعی ریاض ۲/ ۲۲

سیاسیات

ممبری، ووٹ، الیکشن اور تنظیم سازی وغیرہ

مسئلہ ۲۸۲: مسئولہ محمد باقر خاں صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر رائے بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں جو اندر حد میونسپلٹی ہے ایک شخص احمد نامی زبان کچہری وزبان انگریزی سے بخوبی واقف ہے اور شریف خاندان اور قابلیت انتظامی میں ماہر اور معزز عہدوں پر ممتاز رہا منجملہ دیگر مسلمان ممبروں کے ایک ممبر میونسپل ہے اور بحیثیت ممبری قوم کے کام بھی نہایت دیانت وامانت سے کر رہا ہے اب زمانہ ممبری احمد کا قریب الاختتام ہے لہٰذا احمد مذکور پھر امیدوار ممبری کا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک شخص معمولی حیثیت کا جو محض اردو جانتا ہے عمر نامی امیدوار ممبری کھڑا ہوا ہے اس شخص کو انتظامی قابلیت میں کچھ مَس نہیں ہے اور نہ کبھی اس کو ایسا تجربہ ہوا ہے پس عمر نے اپنی کامیابی کی یہ تدبیر اس حیلہ سے سوچی ہے کہ اگر وہ ممبر منتخب ہوگیا تو مبلغ ڈیڑھ سو روپیہ واسطے کارِ خیر کے دے گا یعنی ایک آنہ فنڈ میں جو اس قصبہ میں ہے دے گا تاکہ سیکریٹری ودیگر حصہ ممبران ایک آنہ فنڈ کی کامیابی میں کوشش بلیغ کریں بس ایسی صورت میں مسلمانوں کو احمد کی معاونت کرنی چاہئے جو نہایت بیدامغزی اور دیانت سے ممبری کے کام بخوبی انجام دے رہا ہے یا عمر کی جو امور انتظامیہ کو انجام دینے کے قابل نہیں ہے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

ممبری کوئی شرعی بات نہیں مگر یہ ضرور ہے کہ اگر حالت وہ ہے جو سوال میں مذکور ہے تو احمد کے مقابل عمر کے لئے کوشش عقل و نقل سے دور ہے جب وہ حسب بیان سائل ذی علم متدیّن نفع رساں مسلمین ہے تو اس پر ایسے عاری کی ترجیح صرف ڈیڑھ سو روپیہ کے لالچ سے جہل مبین ہے، حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من استعمل رجلا علی عشرۃ وفیھم من ھوارضی للّٰہ منه فقد خان اللّٰہ ورسوله وجماعة المسلمین [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	جس نے دس آدمیوں پر کسی کو افسر کیا اور ان میں وہ ہے جو اللہ کو اس سے زیادہ پسند ہے تو اس نے اللہ و رسول اور مسلمانوں کی سب خیانت کی۔

مسئلہ ۲۸۳: از دھوراجی متصل ناریل مسجد مرسلہ احمد علی چامڑیا ۳ ربیع الاول ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ملک کاٹھیاوار میں تعلیم کی حالت بہت خراب ہونے کی وجہ سے مختلف شہروں کے مسلمانوں نے مل کر ایک رائے ہو کر ہر شہر کا ایک ایک دو دو شخص منتخب کرکے ۹۵ ممبروں کی کمیٹی مقام راجکوٹ قائم کی ہے جس کا نام مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن رکھا ہے، جس میں سنت جماعت ممبر ۹۴ اور ایک خوجہ، اس ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کی طرف سے ہر سال کسی ایک بڑے شہر میں جلسہ عام مسلمانوں کا منعقد ہوتا ہے جس میں ہر خاص وعام آسکتا ہے اور جس میں مسلمانوں کی ترقی کے ریزولیشن پاس ہوتے ہیں اور اسٹیٹ اور گورنمنٹ کے پاس سے حق مانگے جاتے ہیں اور ہر شہر میں مسلمانوں کی طرف سے جو مدرسے جاری ہیں ان کے کورس ایک کرنے میں اور دینی اور دنیاوی تعلیم کی ترقی کرنے میں کوشش کی جاتی ہے فی الحال ایک انسپکٹر ایسوسی کی طرف سے مقرر ہے جو کہ ہر مدرسہ میں جاکر تعلیم کی جانچ کرتا ہے اور ایک بورڈنگ بھی اس سال مسلمانوں کے واسطے ایسوسی ایشن نے تیار کی ہے اور ایسوسی ایشن کا تعلق ہندوستان میں کسی شہر سے نہیں ہے ان کے سالانہ جلسے میں ہم اہلسنت وجماعت شریک ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسوسی ایشن کمیٹی کے ممبر بھی ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے ائمہ دین شرح تفصیل کے ساتھ بیان فرما کر احقر کو مشرف فرمادیں۔

نوٹ: ہمارے یہاں خوجہ آغاخان یا خارجی یا سید نا کو کہتے ہیں۔ **بیّنوا توجروا۔**

[1] المستدرك للحاکم کتاب الاحکام دار الفکر بیروت ۴ /۹۲، کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ ۲۹۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۱ /۲۴۸

الجواب:

خوجہ کو اسلامی جلسہ کا رکن بنانا حرام اور مخالفت شارع علیہ الصلٰوۃ والسلام ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ(۱۱۸) هٰۤاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّاۖۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ(۱۱۹)" [1]	اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری نقصان رسانی میں گئی نہ کریں گے وہ جی سے چاہتے ہیں کہ تم مشقت میں پڑو۔ بَیر ان کے مونہوں سے ظاہر ہوچکا اور وہ جو ان کے سینوں میں دبا ہے اور بھی بڑا ہے ہم نے تمہارے سامنے نشانیاں کھول دیں اگر تم میں عقل ہے ارے یہ جو تم ہو تم تو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ پورے قرآن پر ایمان لائے اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو تم پر انگلیاں چباتے ہیں جلن سے، اسے محبوب! تم ان سے فرمادو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں، بیشک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علٰی ھدم الاسلام [2]۔	جس نے بدمذہب کی توقیر کی بیشک اس نے دین اسلام ڈھادینے میں مدد دی۔

دوسری حدیث میں ہے:

من لقیه بالبشر فقد استخف بما انزل علی محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم [3]۔	جو کسی بدمذہب سے بکشادہ پیشانی ملا بیشک اس نے حقیر سمجھا اس چیز کو جو محمد صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم پر اتاری گئی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۹۔۱۱۸

[2] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیه بیروت ۷/ ۶۱

[3] مسند الشھاب باب من اھان صاحب بدعة الخ مطبوعہ بیروت ۱/ ۳۱۹، فتاوٰی حدیثیه کانت سبابة صلی علیه اطول من الوسطی الخ الطبعة الجمالیه مصر ص ۲۰۴

فتاوی الحرمین میں یہ مضمون مفصل ہے جس پر علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق مہریں کیں سنی بھائیوں کو چاہئے کہ اپنے دین کی قدر کریں اور بدمذہب کو رکنیت سے فوراً جدا کردیں اللہ فرماچکا کہ وہ تمہاری بھلائی کبھی نہ چاہیں گے جہاں تک بن پڑے نقصان ہی پہنچائیں گے قرآن وحدیث کے مقابل یہ جاہلانہ خیال نہ کریں کہ ۹۴ سنیوں میں ایک بدمذہبی کیا اثر کرے گی، دیکھو چورانوے ۹۴ قطرے گلاب ہو اور ایک بوند پیشاب ڈال دو سب پیشاب ہوجائے گا، اہل مجلس ان احکام شرعیہ کا اتباع کریں اور مجلس کو خالص اہلسنت کی کرلیں اور اگر اپنی بیجاہٹ پر قائم رہیں تو شرعی احکام سن چکے کہ وہ دین اسلام کے ڈھادینے پر مدد دیتے ہیں اور جو کچھ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اُترا اس کی تحقیر کرتے ہیں تو مسلمانوں پر لازم کہ انہیں اور ان کی مجلس کو یک لخت چھوڑدیں "لِیَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾"[1] (چاہئے کہ وہی کمائیں جو کچھ وہ کما رہے ہیں۔ت) کبھی اس میں شریک نہ ہوں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۸﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاف فرمایا: اگر تمہیں شیطان بھلاوے میں ڈال دے تو پھر یاد آنے پر ظالموں کے ساتھ مت بیٹھو۔(ت)

اور اصلاً اس کی مدد نہ کریں،

قال اللہ تعالٰی "وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ۪"[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: (لوگو!) آپس میں گناہ اور زیادتی کے معاملات میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۴: حافظ شمس الدین بیلپور محلّہ درگاپرشاد ضلع پیلی بھیت ۲۵/صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سلطان المعظم سلطنت روم خلفۃ المسلمین ہیں یا نہیں؟ موجودہ حالت میں مسلمانوں میں ان کی ہمدردی کرنا چاہئے یا نہیں؟ اگراس وقت میں ہم کوئی ہمدردی نہ کریں تو گنہگار تو نہ ہوں گے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سلاطین اسلام نہ صرف سلاطین اسلام کہ ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت کہ ہر فرد اسلام کی

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲

خیر خواہی ہر مسلمان پر لازم ہے لحدیث الدین النصح لکل مسلم [1] (حدیث "دین ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے" کے مطابق۔ت) مگر ہر فرض بقدر قدرت ہے اور ہر تکلیف بشرط استطاعت کمانطق بہ الکلام العزیز (جیسا کہ اس مسئلہ کو کلام عزیز نے بیان فرمایا۔ت) نامقدور بات پر ابھارنا جو موجب ضرر مسلمین ہو خیر خواہی مسلمین نہیں بدخواہی ہے مثلاً دریا میں طوفان ہے کچھ لوگ ڈوب رہے ہیں جو کنارے پر ہیں اور تیرنا نہیں جانتے انہیں مجبور کرنا کہ ان کے بچانے کے لئے طوفان میں کود پڑو ان کا بچانا نہیں بلکہ ان کا ڈبونا ہے۔ مشرکوں کی یہ کھلی چال ہے جس سے وہ مسلمانوں کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور عقل کے اوندھے بصیرت کے اندھے انہیں اپنا خیر خواہ سمجھ رہے ہیں حالانکہ قرآن کریم صاف فرما چکا ہے کہ وہ تمہاری بدخواہی میں گئی نہ کریں گے ان کی دلی تمنا ہے کہ تم مصیبت میں پڑو، دشمنی ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور وہ جو ان کے دلوں میں دبی ہے اور بڑی ہے ہم نے عاقلوں کے لئے نشانیاں صاف بیان فرمادیں [2]۔ مولٰی تعالٰی کے اتنے صاف ارشاد پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور بدخواہوں کو خیر خواہ مانے ہوئے ہیں، مولٰی عزوجل ہدایت دے۔ آمین! واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

جلد ۲۴ سیاسیات کے عنوان پر ختم ہوئی

جلد ۲۵ ان شاء اللہ کتاب المدانیات سے شروع ہوگی۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۵

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
پچیسویں جلد 8
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 35
کتاب المداینات 53
(مداینات کابیان) 53
کتابُ الاشربه 77
(اشربہ کابیان) 77
رساله 79
حُقّة المرجان لمهم حکم الدّخان ۱۳۰۷ھ 79
(مرجان کی صندوقچی حقہ کے ضروری حکم کے بیان میں) 79
رساله 107
الفقه التسجیلی فی عجین النارجیلی ۱۳۱۸ھ 107
(فیصلہ کن دانائی تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کے بارے میں) 107
کتاب الرهن 217
(رہن کابیان) 217
باب القسم 303
(قسم کابیان) 303
کتاب الوصایا 305
(وصیتوں کابیان) 305
رساله 403
الشرعة البهیة فی تحدید الوصیّة ۱۳۱۷ھ 403

(کشادہ راستہ وصیّت کی جامع ومانع تعریف کے بیان میں) 403

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّھۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّة فِی الۡفَتَاوِی الرِّضَوِیَّة

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۵

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوٰی رضویہ جلد ۲۵

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشاتابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۶۵۸

اشاعت ____________ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ / ستمبر ۲۰۰۳ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۷۶۶۵۷۷۲ ۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰

* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

(۱) پیش لفظ ____ ۵
(۲) کتاب المداینات ____ ۵۳
(۳) کتاب الاشربہ ____ ۷۷
(۴) کتاب الرھن ____ ۲۱۷
(۵) باب القسم ____ ۳۰۳
(۶) کتاب الوصایا ____ ۳۰۵

فہرست رسائل

(۱) حقّۃ المرجان ____ ۷۹
(۲) الفقہ التسجیل ____ ۱۰۷
(۳) الشرعیۃ البھیۃ ____ ۴۰۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

(۸) حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسول الکریم تقریبًا چودہ ۱۴ سال کے مختصر عرصہ میں پچیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس سے قبل شائع ہونے والی چوبیس جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ــــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ــــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ــــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ــــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ــــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ــــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ــــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ــــــ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ــــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ــــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ــــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ــــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ــــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ــــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰________ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰________ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰________ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱________ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصیدو الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر____ ۱۴۲۲____ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____ ۱۴۲۳____ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____ ۱۴۲۳____ اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ____ ۱۴۲۳____ فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ____ ۱۴۲۳____ فروری ۲۰۰۳	۷۲۰

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشار و استفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی

معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر و الاباحۃ کاعنوان ذکر کیاجاتاہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا للذا اکیسویں جلد سے مسائل حضرواباحۃ کی اشاعت کاآغاز کیاگیا۔اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی تحقیق انیق کوانتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کررہے ہیں۔

پچیسویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد یازدہم مطبوعہ المجدد احمد رضا اکیڈمی کراچی کے شروع سے آخرتک ۱۸۳سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۵۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیاہے۔اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں، انیسویں اور بیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر مندرجہ ذیل عنوانات کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے:

- کتاب المداینات
- کتاب الاشربہ
- کتاب الرھن
- باب القسم
- کتاب الوصایا

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں للذامذکورہ بالابنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے توان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت وابہام پیدانہ ہو۔انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱)حقه المرجان لمهم حکم الدخان (۱۳۰۷ھ)

حقہ اور تمباکو نوشی کا حکم شرعی

(۲)الفقه التسجیلی فی عجین النارجیلی (۱۳۱۸ھ)

تاڑی سے خمر شدہ آٹے کا شرعی حکم

(۳)الشرعیة البهیة فی تحدید الوصیة (۱۳۱۷ھ)

وصیت کی جامع ومانع تعریف اور اس کی اقسام کا بیان

نوٹ: رسالہ "المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر" فتاوی رضویہ قدیم جلد ہشتم (کتاب الاجارہ) اور جلد یازدہم (کتاب المدانیات) دونوں میں شامل تھا۔ہمارے خیال میں مقدم الذکر مقام ہی اس کے لئے انسب ہے، چنانچہ ہم نے اس کو فتاوٰی رضویہ جدید جلد ۱۹(کتاب الاجارہ) میں شامل اشاعت کردیا ہے لہٰذا اس جلد میں کتاب المدانیات سے اس کو خارج کردیا ہے۔

رجب المرجب ۱۴۲۴ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

ستمبر ۲۰۰۳ء ناظم تعلیمات — جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست مضامین مفصّل

کتاب المداینات		اگر بعض لوگ مہر زوجہ کی معافی کا دعوی کریں اور زوجہ انکار کرے تو مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں۔	۶۰
ہندو سے قرض لیا پھر وہ مرگیا اور کوئی وارث بھی نہیں تو ادا کی کیا صورت ہوگی۔	۵۳	قرض روپیہ کو سالانہ دینے کا وعدہ کی اور یہ کہ اگر سالانہ نہ دوں تو یکمشت لینے کا اختیار ہے ایسی صورت میں وعدہ خلافی پر یکمشت لے سکتا ہے۔	۶۱
کافر اصلاً اہل ثواب نہیں۔	۵۴	غیر مسلم کا قرضہ مسلمان پر تھا دونوں مرگئے اب اس مسلمان پر کچھ عذاب ہے یا نہیں۔	۶۲
سفر میں کسی یکہ والے کا کرایہ کسی وجہ سے دینے سے رہ گیا اور یکہ والے کا پتہ نہیں تو کیا کرے۔	۵۵	کافر حربی کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں۔	۶۲
بیع وفا عین رہن ہے۔	۵۶	کافر حربی کا مال دھوکا یا بد عہدی سے لینا گناہ ہے۔	۶۲
رہن میں نفع کی شرط سود اور حرام ہے۔	۵۷	جو کسی کا مال ادا کی نیت سے لے اللہ اس کو ادا کرے۔	۶۳
رہن سے انتفاع کی ایک صورت۔	۵۸	ذمی کا مال مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے۔	۶۴
زوج کا ترکہ زوجہ کو اپنے مہر میں لے لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔	۵۹		

ذمی کا حق مسلمانوں کے حق سے سخت تر ہے۔	٦٤	قرض وصول ہونے کے بعد دوبارہ غلط کارروائی کرکے مزید روپے لے لینا حرام و نجس ہے۔	٧٢
قیامت کے دن مسلم سے معافی کی امید ہے ذمی سے نہیں۔	٦٤	کافر سے قرض لیا اور وہ مرگیا اس کا وارث بھی نہیں تو اس کا قرض کس طرح ادا ہو۔	٧٢
کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔	٦٧	دو شخصوں سے قرض لینے کی ایک صورت۔	٧٤
اپنے حصہ کو مہر زوجہ میں دے دیا بعد مرنے کے دوسرے اشخاص نے درخواست کی کہ ہمارا بھی قرض ادا کیا جائے اور علاوہ اس حصہ مہر کے اور جائداد نہیں کیا حکم ہے۔	٦٧	از خود مفصل شقوں پر فتوی بتادینا کبھی خلاف مصلحت ہوتا ہے۔	٧٤
مدیون کے علاوہ دوسرے سے جبراً قرض وصول کرنے کا حکم۔	٦٨	اگر زوجہ مرجائے تو اس کا بھائی صرف اپنے حصہ کے مہر کا دعوی کرسکتا ہے۔	٧٥
کشادگی کے باوجود ادائے قرض میں ٹال مٹول کرنا بے آبروئی کو حلال کردیتا ہے۔	٦٩	زوجہ یا مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی مرضی سے قسط وار مہر ادا کیا جاسکتا ہے حاکم کو جبر کی اجازت نہیں۔	٧٥
وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔	٦٩	**(ضمیمہ ص ٣٣ پر ملاحظہ فرمائیں)**	
منافق کی تین نشانیاں۔	٦٩	**کتاب الاشربہ**	
قرض ادا نہ کرنے والے کے القاب۔	٦٩	افیون سے متعلق احکام	٧٧
تقریباً تین پیسہ قرض کے عوض سات سو نمازیں باجماعت جائیں گی۔	٦٩	بدگمانی اور تہمت کی جگہوں سے بچنے کا حکم	٧٨
اللہ تعالٰی حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔	٦٩	○ **حقّة المرجان لمهيم حكم الدخان** (حقہ کے جواز میں تحقیق انیق)	٧٩
زید پر عمرو کا قرض تھا عمرو نے بکر سے کہ اس کے ذمہ زید کا قرض تھا لے لیا تو اس کا کیا حکم ہے۔	٧٠	جو حقہ کہ عام طور سے رائج ہے شرعاً مباح ہے۔	٨١
بیمہ کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	٧٠	حقہ کی حرمت پر گھڑی ہوئی حدیث۔	٨٢
مدیون اگر مرجائے تو اس کا مکان دائن اپنی ملک ظاہر کرکے بیچ سکتا ہے اور قیمت زائد ہے تو تصدق کرے۔	٧١	جھوٹی حدیث بیان کرنے کا وبال۔	٨٣

مسئلہ حقہ اور مولانا عبدالعزیز محدث دہلوی	۸۴	جن کی نسبت کچھ علم نہ ہو انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔	۹۹
مسئلہ حقہ اور مولوی عبدالحہ لکھنوی۔	۸۴	ہندوؤں کی بنائی مٹھائی کھانا حلال بچنا بہتر۔	۹۹
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دو کاموں کا اختیار دیئے جاتے تو جو آسان ہوتا اس کو اختیار فرماتے۔	۸۷	تاڑی کا حکم۔	۹۹
چاروں مذاہب کے ائمہ نے حقہ کی حلت کا فتوی دیا۔	۸۷	شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک ہے۔	۱۰۱
اگر بو طبیعت کو ناپسند ہے تو مکروہ طبعی ہے نہ کہ شرعی۔	۸۸	حرمت شراب اور اس پر تہدید میں سات احادیث کریمہ۔	۱۰۱
اختلافی مسائل میں عموم بلوی باعث تخفیف و ترجیح ہے۔	۸۹	جو شراب نکالے اور اٹھائے اور پیئے اور بیچے اور خریدے سب پر لعنت ہے۔	۱۰۱
مولوی عبدالحہ لکھنوی کا رد۔	۹۲	جو شراب پیۓ اللہ تعالٰی اس سے ایمان کھینچ لیتا ہے۔	۱۰۲
مکروہ تنزیہی گناہ نہیں۔	۹۲	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے۔	۱۰۲
شاہ عبدالعزیز کی طرف حرمت قلیان کی نسبت غلط ہے۔	۹۲	شرابی کا عذاب۔	۱۰۲
حقہ جو نہیں پیتے اچھا کرتے ہیں جو پیتے ہیں برا نہیں۔	۹۳	جو ایک بوند شراب پیۓ اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہو اور جنت اس پر حرام۔	۱۰۳
وہ حقہ جو حواس و دماغ میں فتور لائے ممنوع ہے۔	۹۳	خدا کے خوف سے شراب چھوڑنے والے کا ثواب۔	۱۰۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔	۹۴	حقے کا دم لگانا کہ حواس خراب ہو حرام ہے۔	۱۰۴
تاڑی کے خمیر سے بنائے گئے بسکٹ کا شرعی حکم۔	۹۸	اگر بو رکھتا ہے خلاف اولٰی ہے۔	۱۰۴
جو چیز نشہ رکھتی ہو نہ صرف حرام بلکہ نجس ہے۔	۹۸	یہ خیال کہ حقہ پینے والے کو خواب میں حضور کی زیارت نہ ہوگی محض غلط اور دروغ ہے۔	۱۰۴

Majlis of Dawateislami

درود شریف کے وقت حقہ نہ پیئے اگر پیا ہو تو مسواک کلی سے منہ صاف کرکے شروع کرے۔	۱۰۴	نوح علیہ السلام اور شیطان کا منازعہ۔	۱۵۰
افیونی ضرور فاسق و مستحق عذاب ہے۔	۱۰۵	اضافہ افاضہ	۱۵۹
مخالفت شرع میں کسی کی ہمراہی خلاف شرع ہے۔	۱۰۵	ابحاث مفیدہ۔	۱۵۹
افیونی کو کھانا کھلایا جاسکتا ہے مگر پیسہ نہ دیا جائے جبکہ معلوم ہو کہ افیون میں صرف کرے گا۔	۱۰۵	پہلی بحث (الاوّل)	۱۵۹
شراب کا حرام ہونا کس پر موقوف ہے۔	۱۰۶	حسن لغیرہ بھی احتجاج کے لئے کافی ہے۔	۱۶۱
اگر دوا سڑائی جائے اور اس میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو تو شراب نہ ہوگی۔	۱۰۶	بارہ احادیث مذکورہ کی کچھ تفاصیل۔	۱۶۱
o **الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی** (تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کی روٹی کا حکم)۔	۱۰۷	المستور مقبول عندنا وا لجمھور۔	۱۶۲
ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ حرام ونجاست غلیظہ ہے۔	۱۰۸	دوسری بحث (الثانی)	۱۶۸
سیندھی اور تاڑی قریب قریب ہیں۔	۱۱۴	الآثار فی الباب عن امیر المومنین قد تواترت۔	۱۶۸
اگر تاڑی سرکہ ہوجائے حلال وطیّب ہے۔	۱۱۴	تیسری بحث (الثالث)	۱۷۰
اصل مذہب	۱۱۵	حدیث ابن عباس پر امام ابو عبدالرحمٰن نسائی کی دو وجہ سے جرح اور مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے اس کا جواب۔	۱۷۰
آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوی ہے۔	۱۱۵	پہلی وجہ (احدھما)	۱۷۲
نبیذ کا حکم	۱۱۹	دوسری وجہ (ثانیھما)	۱۷۵
اللہ تعالٰی جب لوگوں کی پسندیدہ کسی شیئ کو حرام فرماتا ہے تو اس کی جگہ دوسری چیزوں کو حلال بھی فرماتا ہے۔	۱۲۳	چوتھی بحث (الرابع)	۱۸۱
اس کی بحث کہ مسکر قلیل وکثیر کا حرمت وحد میں ایک حکم ہے یا مختلف۔	۱۲۴	پانچویں بحث (الخامس)	۱۹۱
وفد عبدالقیس کی آمد۔	۱۴۴	اگلی شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی مگر نشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔	۲۰۴
زیادہ احادیث۔	۱۴۷	حضرت مولٰی علی اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف غلط اشیاء کا انتساب۔	۲۰۴
اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے، ناجائز باتوں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔	۲۰۴	اسپرٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔	۲۱۱

بڑا بھائی بھی حق تعظیم رکھتا ہے مگر والدین کے برابر نہیں۔	۲۰۵	تاڑی سے بنائی گئی پاؤ روٹی کا حکم۔	۲۱۱
مہوہ کی شراب کا حکم	۲۰۵	مشتبہ سے بچنا بہتر ہے نہ بچیں مواخذہ نہیں۔	۲۱۱
صحیح یہی ہے کہ دوا میں بھی شراب کا استعمال جائز نہیں۔	۲۰۵	تمباکو کھانا حقہ پینا جائز ہے۔	۲۱۲
جامد چیزوں میں کثیر مسکر حرام ہے۔	۲۰۶	کھجور کا رس جو درخت کو چھیل کر نکالتے ہیں اس کا پینا کیسا ہے۔	۲۱۳
شراب کی حرمت کا منکر کافر ہے۔	۲۰۷	تاڑ کا پھل اور تاڑی پینا حرام۔	۲۱۳
بھنگ اور افیون کا حکم۔	۲۰۷	تاڑی جو حقیقۃً سرکہ ہو جائے جائز ہے۔	۲۱۳
نشہ گناہ کبیرہ ہے۔	۲۰۷	نشہ بذاتہ حرام ہے۔	۲۱۳
بھنگ اور افیون کا نشہ حرام مگر یہ نجس نہیں۔	۲۰۷	خالص پانی بھی دَورِ شراب کی طرح پینا منع ہے۔	۲۱۳
حرام کرنا اور اس کی رائے دینا دونوں حرام ہے۔	۲۰۸	افیون، چرس، بنگ کا استعمال بطور دوا۔	۲۱۳
حقہ کے پانی کا حکم	۲۰۹	افیون معدے میں سوراخ کر دیتی ہے۔	۲۱۳
انگریزی رقیق دوا کپڑے پر لگ جائے تو نماز نہ ہوگی۔	۲۰۹	ملعون ہے جو اللہ کا واسطہ دے کر مانگے۔	۲۱۴
یہ خیال کہ روز قیامت حقہ پینے والے سے حضور رُوئے انور پھیر لیں گے، محض افترا ہے۔	۲۱۰	جو خدا کا واسطہ دینے پر کچھ دے تو ستّر نیکیاں لکھی جائیں اور نہ دینے کا بھی اختیار ہے۔	۲۱۴
تاڑی کے خمیر والی روٹی سے احتراز چاہئے۔	۲۱۰	اللہ کا واسطہ دے کر سوائے اُخروی دینی شَے کے کچھ نہ مانگا جائے۔	۲۱۵
کھجور کا رس جب تک نشہ نہ لائے حلال ہے۔	۲۱۰	اس بارہ میں عبداللہ بن مبارک کا قول۔	۲۱۵

قوی تندرست پیشہ ور سائل کوایک پیسہ نہ دے۔	۲۱۵	مکان مرہون کو مرتہن سے کرایہ پر لینا مالک وغیر مالک کسی کا جائز نہیں۔	۲۲۱
حاجت پوری کرنے میں اپنے قریب کو مقدم رکھے۔	۲۱۶	جان کر مرتہن سے رہن کا مکان کرایہ پر لینا کسی کو جائز نہیں اگر لے گا تو گنہگار ہوگا۔	۲۲۲
جو غلط مسئلہ بتائے وہ شیطان کا نائب ہے۔	۲۱۶	اگر راہن شیئ مرہون اپنی اجازت سے کسی کو دے تو اس کا کرایہ مالک یعنی راہن ہی لے گا نہ کہ مرتہن۔	۲۲۲
علماء دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے۔	۲۱۶	بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود ہے۔	۲۲۳
تین شخص ایسے ہیں جن کا حق منافق ہی ہلکا جانے گا ان میں سے ایک عالم دین ہے۔	۲۱۶	قرض سے نفع غیر مشروط جائز ہے۔	۲۲۳
کتاب الرھن		اگر نفع لفظاً مشروط نہ ہو عُرفاً مشروط ومعہود ہو تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔	۲۲۳
شیئ مرہون کو مرتہن کسی طرح استعمال نہیں کر سکتا۔	۲۱۷	رہن واجارہ دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔	۲۲۶
قرض کے ذریعہ جو منفعت حاصل ہو جائے وہ سود ہے۔	۲۱۷	مکان رہن رکھنے کی ایک نادر صورت اور اس پر شرعی حکم۔	۲۲۷
رہن در رہن جائز نہیں۔	۲۱۹	زرخبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے اس لئے کہ یہ مانع اجابت دعا ہے۔	۲۲۷
عقد رہن کی حکمت شرعیہ۔	۲۱۹	مدت معینہ کے لئے رہن رکھنا۔	۲۲۸
شے مرہون کا نہ پہننا جائز نہ اجارہ پر دینا اور نہ عاریۃً کسی کو دینا اور نہ اس میں سکونت کرنا۔	۲۱۹	حق انفکاک رہن ورثہ راہن کو ہے یا نہیں۔	۲۳۴
اگر بے اذن راہن تصرف کرے گا گنہگار ہوگا۔	۲۱۹	راہن کے مرنے کے بعد اس کے وارث کو حق انفکاک رہن ہے۔	۲۳۵
اگر اذان راہن سے تصرف کرے تو جائز ونافذ ہے مگر وہ شیئ رہن نہ رہے گی۔	۲۲۰	بیع الوفامذہب معتمدین میں رہن ہے۔	۲۳۷

مرتہن جب بلااذن راہن شے مرہون کو بیع کردے وہ بیع اجازت راہن پر موقوف ہے۔	۲۳۷	جو چیز کسی کے پاس رہن ہے اگر مالک اجارہ پر دے تو اجازت مرتہن پر موقوف ہے۔	۲۴۷
زید کو شیئ مرہون سے نفع اٹھانا بہ اجازت راہن جائز ہے یا نہیں۔	۲۳۹	راہن نے اگر مرتہن کو قبضہ نہ دلایا تو رہن ناقص ہے۔	۲۴۸
رہن کی زمین جوتنا اس سے نفع لینا حرام ہے۔	۲۴۰	قاضی کو ناتمام عقد کو جبراً تمام کرانے کا حق نہیں۔	۲۴۸
منافع وصول شدہ از زر رہن میں محسوب ہوسکتے ہیں یا نہیں۔	۲۴۰	شے مرہون کو کرایہ پر اٹھانے سے رہن باطل ہوجاتا ہے۔	۲۴۹
راہن کا مرتہن کو منافع بخش دینا غلط ہے۔	۲۴۳	رہن اس شرط پر رکھا کہ اگر ایک ماہ تک فک نہ کراؤں تو اس کو بیع سمجھنا اور زرِ رہن کو زرِ ثمن۔	۲۴۹
معدوم کا ہبہ باطل ہے۔	۲۴۳	رہن کی مدت مقررہ گزر جانے پر بھی اگر راہن نے نہ چھوڑا تو مرتہن کو اس سے نفع جائز نہیں۔	۲۵۳
دکان اس شرط پر لینا کہ جو کچھ اس پر خرچ ہوگا کروں گا منافع بھی لوں گا اور جب میرا روپیہ واپس ہوگا تو دکان مدت معینہ گزرنے پر چھوڑ دوں گا۔	۲۴۴	راہن نے اپنا مکان رہن رکھا اور بدستور اس میں سکونت پذیر بھی ہے اور اس کے کرایہ دار بھی اپنی جگہ پر ہیں تو یہ رہن ہی تام نہیں ہوا۔	۲۵۳
عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین کے فتوٰی پر عمل کریں نہ کہ ہر کس وناکس کے۔	۲۴۴	رہن دخلی سود ہے۔	۲۵۳
اگر جان کر کسی نام کے مولوی سے فتوٰی پوچھا اس نے غلط بتایا تو بتانے والے کے ساتھ یہ پوچھنے والا بھی گنہگار ہے۔	۲۴۴	شیئ مرہون کا راہن کو کرایہ پر دینا بھی سود ہے۔	۲۵۳
رہن واجارہ دو مختلف عقد ہیں۔	۲۴۶	ہنود سے رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا جائز ہے مگر نیت یہ نہ ہو کہ اپنے قرض سے نفع لیتا ہے بلکہ اس کے مال پر اس کی رضا سے قبضہ کی نیت کرے۔	۲۵۴
رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔	۲۴۷	رہن زمین میں اگر یہ نیت کرے کہ دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے تو اس کا نفع حلال ہے۔	۲۵۴

ادھار خریداور اطمینان کے لئے زیور رہن رکھا تو جائز ہے۔	۲۵۶	قربانی کی کھال ہر نیک کام میں صرف ہوسکتی ہے۔	۲۷۵
مرتہن کو رہن سے کسی طرح کا نفع جائز نہیں۔	۲۵۸	حدیث میں ہے جس نے قربانی کی کھال بیچ ڈالی اس کی قربانی ہی نہیں یعنی اپنے لئے۔	۲۷۵
اجرت مجہول ہو تو اجارہ حرام ہے۔	۲۵۹	کاشت کار کھیت کا مالک نہیں ہوتا۔	۲۷۶
اگر راہن مرجائے اور کوئی وارث بھی نہ ہو تو مرتہن اپنے دین کی مقدار لے کر باقی کو صدقہ کردے۔	۲۵۹	رہن واجارہ جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۷۶
رہن چھڑانے کا حق وارثان راہنہ کو ہے۔	۲۶۰	مواضعات کا دخلی رہن جس کا آج کل رواج ہے محض حرام ہے۔	۲۷۸
شرع مطہر میں تمادی سے حق نہیں جاتا۔	۲۶۰	رہن بے قبضہ باطل اور اجارہ بے قبضہ غیر نافذ۔	۲۸۲
اجازت مستقلہ بھی حرام ہے جبکہ عرفاً انتقال مشروط ہوا۔	۲۶۳	شے مرہون کو مرتہن یا راہن کسی کو اجارہ پر دے تو رہن باطل ہوتا ہے۔	۲۸۲
مفتی ندوہ مولوی عبداللہ ٹونکی کے ایک غلط فتوی کارد۔	۲۶۵	دکان، مکان رہن سے پہلے سے منجانب زید (راہن) کرایہ پر ہیں اور اب تک کرایہ داروں کا قبضہ ہے تو رہن ناجائز و ناتمام۔	۲۸۴
زید مدیون ہے اور دائن نے مقدمہ کرکے مطالبہ کی ڈگر کرالی ہے اور شید کا مال مرہون ہے تو ایسی شکل میں کیا کرے۔	۲۶۶	عوام اور آج کل کے قانون دان نرے تلفظ یا کاغذ کی تحریر کو قبضہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔	۲۸۴
شرعاً صرف رہن دخلی ہی معتبر ہے۔	۲۶۷	شیئ واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال، اور محال کا اقرار واجب الابطال	۲۸۶
اگر دین کا کچھ حصہ بھی باقی ہے تو مرتہن کو شیئ مرہون روکنے کا حق ہے۔	۲۶۹	شے مرہون اجارہ پر دینے سے رہن سے نکل جاتی ہے۔	۲۸۸
مرتہن شیئ مرہون کا خود محافظ ہے اس پر کسی طرح کی اُجرت نہیں ہوپاتی۔	۲۷۴	رہن کا لغوی معنی	۲۹۲
رہن دخلی کے جواز کی صحیح شکل۔	۲۷۵	امام اعظم کے نزدیک زیادۃ فی الدین ناجائز ہے۔	۲۹۳
چرم قربانی کی رقم سے کنواں بنواسکتے ہیں۔	۲۷۵		

فتوٰی ہمیشہ قول امام پر مگر بضرورت۔	۲۹۳	کاشتکار نے اگر زمیندار کی زمین رہن رکھ دی تو یہ اجارہ ہے رہن نہیں۔	۲۹۷
یہ قول کہ معاملات میں اکثر فتوٰی قول امام ابویوسف پر ہوتا ہے غلط ہے۔	۲۹۳	زمین علٰی وجہ الرہن خریدنا رہن ہے اس سے نفع حرام اور بعد وصول دَین اس کو واپس کرنا لازم اگرچہ قرض مدتِ معینہ کے بعد ملے۔	۲۹۸
اجارہ باذن راہن ہو یا باذن مرتہن دونوں صورت میں باطل ہے۔	۲۹۳	بکر سے زید نے زمین اس شرط پر سوروپیہ دے کر لی کہ جب تک ادانہ کرے وہ قبضہ زید میں رہے گی اور نفع اٹھائے گا اور سالانہ سَوروپے میں سے مبلغ دوروپے کم ہوتا رہے گا۔	۲۹۸
استفتا کچہری دیوانی ریاست رامپور کہ مرتہن کے قبضہ کے بعد اگر شے مرہون غصب، عاریت یااجارہ سے راہن کے پاس آگئی تو رہن باقی رہے گا اور مرتہن شیئ واپس لے گا۔	۲۹۴	قرض کے لئے کوئی میعاد لازم نہیں ہوسکتی۔	۲۹۸
کھیت رہن لینا جائز ہے یا نہیں۔	۲۹۵	مرتہن نے اگر واقعی عاریۃً بلا دباؤ رہن کا مکان لیا تو اس میں رہنا جائز، اور اگر کرایہ پر دے دیا تو اجازت راہن سے اجارہ ہوجائے گا، رہن باطل۔	۲۹۹
غیر مسلم سے بذریعہ رہن رقم حاصل کرنا جائز ہے۔	۲۹۵	ہنود سے زمین دخلی رہن میں لے کر زراعت کرنے میں حرج نہیں۔	۲۹۹
کاشتکار بے اجازت زمیندار، زمین کو رہن نہیں رکھ سکتا۔ اور اگر با اجازت زمیندار ہے تو اجارہ ہے۔	۲۹۶	جس سے رہن لیا اسی کو کرایہ پر دے دیا تو یہ ناجائز ہے۔	۳۰۰
مرتہن نے اگر سود لیا تو کیا راہن سے معاف کراسکتا ہے یانہیں۔	۲۹۶	زمین کو کاشتکاری کی شروط کے ساتھ قرض میں لینا جائز نہیں (فارسی)	۳۰۰
سود کا مال توبہ سے بھی حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو جس سے لیا ہے واپس نہ کرے یا فقراء کو نہ دے دے۔	۲۹۷	زید نے عمرو کے پاس زمین رہن رکھی عمرو نے مدت قرض ختم ہونے پر بغیر اجازت اس کو بیع کردیا تو کیا زید کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔	۳۰۱
زمین مرہون سے مرتہن کو نفع لینا حرام ہے۔	۲۹۷	مرتہن نے اگر مکان کرایہ پر دیا تو سود، اور اگر اجازت راہن سے دیا تو رہن باطل اجارہ ثابت، اور خود مرتہن کا اس میں رہنا بھی ناجائز۔	۳۰۲

(ضمیمہ ص ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں)		بعض نے عدم خوف موت کی جو قید لگائی ہے اس کا مطلب	۳۱۸
باب القسم		مرض الموت میں ورثہ کے نام مکان فروخت کرنا جائز نہیں۔	۳۳۱
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ ہے اور سچی بات پر بلاضرورت نہ چاہئے۔	۳۰۳	اگر ہندہ نے مرض موت میں شوہر کا مہر معاف کیا تو معاف نہ ہوگا۔	۳۳۱
(ضمیمہ ص ۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں)		اگر کوئی وارث مرض موت میں کوئی وصیت کرے کہ میرا مال فلاں وارث کو ملے فلاں کو نہ ملے تو کیا حکم ہے	۳۳۲۔
کتاب الوصایا		میراث ایک شکل۔	۳۳۲
اگر کسی نے اپنی حیات ہی میں اپنی بیٹی کو کچھ جائداد دے دی کہ اب بعد مرنے کے وہ وارث نہ ہوگی اس نے بھی اس کو منظور کرلیا تو اب وارث نہیں۔	۳۰۵	امانت میں وصیت۔	۳۳۳
دو شخص کے بارے میں تولیث کی وصیت نافذ ہے۔	۳۰۶	جوان بڑا بھائی اگر امین ہو تو چھوٹوں کے حق میں وصی کا درجہ رکھتا ہے۔	۳۳۴
وصیت میراث پر مقدم ہے۔	۳۱۱	بڑے بھائی کو وصی کی جگہ قرار دینے میں اعلیحضرت علیہ الرحمۃ کی نادر تحقیق۔	۳۳۵
فالج اور دق کے مریض ایک سال بعد مرض الموت میں شمار نہیں کئے جاتے۔	۳۱۶	جو اپنے زمانے کو نہ پہچان کر اور لوگوں کے احوال کی رعایت نہ کرکے فتوی دے وہ جاہل ہے۔	۳۳۹
مرض الموت کی تعریف	۳۱۷	اگر وارث کبیر نے صغیر کی پرورش یا شادی میں خرچ کیا تو ضروری اخراجات اس کے حصہ مال سے مجرا لے سکتا ہے۔	۳۴۲
فالج اور دق کا مریض اگر سال بھر کے اندر مرے تو اس کو مرض الموت شمار کریں گے سال گزرنے کے بعد فالج مرض الموت نہیں رہتا۔	۳۱۷	اگر بے اذن، بالغ بھائی بہن کی بڑے بھائی نے شادی کردی اور اخراجات میں مشورہ واجازت نہ لی تو اس کو مجرا نہیں لے سکتا۔	۳۴۳
اگر اپنی ضروریات سے باہر آتا جاتا تھا تو مرض موت نہیں۔	۳۱۷	دلہن کا جہیز مجرا کیا جائے گا یا نہیں۔	۳۴۵

اس کی تفصیل	۳۴۵	زیور اگر عورت کو ہبہ نہ دیا تھا تو مالک شوہر ہے۔	۳۶۸
دلہن کا جہیز اگر مال مشترک سے ہے تو تعدی کے طور پر تلف کرنے میں ضمان لازم ہوگا۔	۳۴۸	وصیت ایک ثلث یعنی تہائی مال میں نافذ ہوگی۔	۳۶۹
اگر بھائی نے بہن کو جہیز بطور ہبہ دیا تو وہ اس کی مستقل مالک ہے۔ اگر مال مشترک سے دیا تو دینے والے پر ضمان ہے۔	۳۵۳	زید نے جو جائداد اپنی بیوی کو بحالت صحت بعوض دَینِ مہر دی اس کی مالک ہوگئی۔	۳۶۹
غیر منقسم زمین کا ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور اس میں محض داخل خارج کاغذی کا اعتبار نہیں، اگر مرد وعورت دونوں کے لئے وصیت کی تو ہر ایک کو برابر ملے گا یا مرد کو دوگنا (فارسی)	۳۵۶	اگر کسی نے مرنے کے بعد کے لئے کسی شخص سے وعدہ تبرع کیا تو اس کا حکم وصیت کا سا نہیں ہے۔	۳۷۱
عورت نے کسی کو روپیہ دیا اور وصیت کی کہ ہر موسم میں میوہ لے کر میری فاتحہ دلا کر تقسیم کر دینا، تو کیا یوں ہی کرنا واجب ہے یا محض تصدق کافی ہے۔	۳۵۹	تہائی مال تک وصیت نافذ ہوتی ہے اس کو کوئی منع نہیں کر سکتا۔	۳۷۲
اگر فاتحہ کی وصیت کا پیسہ اغنیاء کو کھلایا تو ناجائز اور خرچ کرنے والے پر تاوان ہے۔	۳۶۲	مرنے والے نے وصیت کی تو ثلث تک اطلاع ورثہ وصی خرچ کر سکتا ہے۔	۳۷۳
دعوت کا کھانا بر سبیل اباحت ہوتا ہے بغیر اذن مالک اس میں تصرف جائز نہیں۔	۳۶۲	عورت کا نکاح ثانی کر لینا اس کے حق میراث کو نہیں روک سکتا۔	۳۷۴
مرض الموت کے لئے اختلال حواس ضروری نہیں۔	۳۶۴	ایک صورت ترکہ کی تقسیم شرعی۔	۳۷۴
مرض الموت میں وصیت نافذ ہے یا نہیں۔	۳۶۶	وہ ولی جسے مال یتیم میں تصرف جائز ہے وہ تین ہیں، جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔	۳۷۵
تجہیز وتکفین سے مصارف غسل وکفن ودفن بقدر سنت مراد ہیں فاتحہ وغیرہ کے خرچ شامل نہیں۔	۳۶۸	باپ کو بھی اختیار نہیں کہ اپنے نابالغ بچے کا مال بشرط عوض کسی کو دے۔	۳۷۵
مسئلہ وراثت کی ایک شکل	۳۶۸	نابالغ یتیم کے مال سے کسی کو ہدیہ کرنا جائز نہیں۔	۳۷۵

تقسیم میراث کی بعض صورتیں۔	۳۷۸	وصیت کے بارے میں ایک سوال	۳۹۰
اگر کوئی وارث مفقود الخبر ہو تو اس کا ترکہ امانت رکھیں تا آنکہ اس کی عمر کے تمام آدمی مرجائیں تو پنچ کے ذریعہ اس کی موت کا حکم لگا کر اس کے وارثوں میں تقسیم کردیں۔	۳۷۹	نقل وصیت نامہ	۳۹۱
جو بیٹی اپنے سامنے مرجائے اس کی اولاد کے لئے اس طرح وصیت کرنا باطل ہے کہ جو شرعی حصہ میری بیٹی کو پہنچے اس کی مالک اس کی اولاد ہے۔	۳۸۱	باپ سے ملنے والے مشاہرہ کا مطالبہ بھائی سے بے جا ہے۔	۳۹۳
وصیت زوجہ کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔	۳۸۱	وارث کے لئے وصیت نہیں مگر جبکہ ورثہ اس کو جائز رکھیں تو نافذ ہے۔	۳۹۴
اگر کسی نے بعوض دین مہر اپنی جائداد کو بیوی کے ہاتھ بیع کردیا تو بلاشبہہ درست ہے۔	۳۸۲	وصی جب اپنے مال سے وصیت نافذ کرے تو اسے حق رجوع ہے۔	۳۹۵
پسر کے لئے وصیت بشرطیکہ موجود نہ ہو جائز ہے۔	۳۸۳	وصی برادران نابالغ کے خورد و نوش کے مصارف مجرا پائے گا۔	۳۹۶
معتوہہ کی وصیت نافذ نہیں۔	۳۸۴	البتہ برادران بالغ کے مصارف کو نہیں لے سکتا جبکہ واپسی کی شرط نہ کرلی تھی۔	۳۹۶
اگر پسر نے باپ کا قرضہ ادا کردیا تو تقسیم میراث کے وقت اس کو وصول کرسکتا ہے۔	۳۸۵	زیور زوجہ میں موصی کی شرط نہ کرلی تھی۔	۳۹۶
نابالغ کی شادی کے لئے بالغ بھائی نے قرضہ لیا تو اس کا مطالبہ قرضہ لینے والے ہی پر ہے۔	۳۸۶	زیور زوجہ میں موصی کی وصیت اسی قدر پر اثر انداز ہوگی جو اس کا حق شوہری ہے۔	۳۹۷
جو حصہ مکان بکر نے اپنے پیسے سے خریدا اس میں دوسروں کا کچھ حق نہیں۔	۳۸۷	معدوم کے لئے وصیت و تملیک باطل ہے۔	۳۹۸
زوجہ نے اپنے مرتے وقت مہر معاف کیا تو اس کی معافی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے۔	۳۸۷	حمل کے لئے وصیت کی شرط۔	۳۹۸
اگر شوہر نے از خود زوجہ کی دوا میں اپنا مال صرف کیا تو واپسی کا دعوی باطل ہے۔	۳۸۸	اگر وارثان فلاں کے لئے وصیت کی تو ضروری ہے کہ وہ اسی موصی سے پہلے مرجائے تاکہ وارثان فلاں کا لفظ صادق آئے ورنہ نفاذ نہیں۔	۴۰۰

○ **الشرعیة البھیة فی تحدید الوصیة۔**	٤٠٣	جواب سوال سوم	٤١١
آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء	٤٠٤	وصیت پر عمل فوراً جائداد متروکہ سے ہوگا نہ کہ آئندہ جائداد کے منافع سے۔	٤١١
ورثہ کو وصیت پر عمل واجب ہے یا نہیں۔	٤٠٤	جواب سوال چہارم	٤١٦
ملک کے غرباء کے لئے وصیت	٤٠٤	عبادات ومعاملات کی شرعی اصطلاحی تعریف۔	٤١٦
وصیت از قبیل معاملات ہے یا نہیں۔	٤٠٤	مطلق وصیت نہ عبادات سے ہے نہ معاملات سے۔	٤١٨
ایسی وصیت جس سے ورثہ کو مضرت ہو جائز ہے یا نہیں۔	٤٠٤	جواب سوال پنجم	٤١٩
اگر وصی اولاً محض اپنے نفع کے کلام پر عمل کرے دوسرے کے نفع والا کام نہ کرے تو اس سے وصیت میں خلل ہوگا یا نہیں۔	٤٠٦	بیع پر وصیت کا قیاس درست نہیں۔	٤١٩
وصت بالمنافع کا کیا حکم ہے۔	٤٠٦	بیع حمل ناجائز اور وصیت بالحمل جائز	٤١٩
نقل ترجمہ وصیت نامہ درزبان انگریزی	٤٠٦	جواب سوال ششم	٤٢٢
جواب سوال اول	٤٠٧	وصیت اگر مکروہ ہے جب بھی نافذ ہوگی۔	٤٢٢
وصیت فی نفسہٖ واجب نہیں۔	٤٠٧	وصیت دو قسم ہے: تملیک وقربت۔	٤٢٢
ورثہ اگر ثلث مال میں نفاذ وصیت کو روکیں ظالم ہیں۔	٤٠٨	الندب والکراھۃ متنافیان	٤٢٢
جواب سوال دوم	٤٠٨	ہزار جگہ ہوتا ہے کہ شیئ فی نفسہٖ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض ہو۔	٤٢٢
صحت وصیت کو خاص جز معین کی تعین ضروری نہیں۔	٤٠٨	اِنتفاء الاقسام باسرھا قاض بانتفاء المقسم راسًا۔	٤٢٢
اگر کسی خاص شہر کے فقراء کی وصیت کی تو ضروری نہیں کہ اسی شہر کے فقراء کو دے کسی فقیر کو دے سکتا ہے، ہاں افضل انہیں کو دینا ہے۔	٤١٠	قبہ سے اپنی قبر مزیّن کرانا نوع قربت سے نہیں۔	٤٢٢
تجہیز وتکفین کے لئے اگر قدر مسنون سے زائد روپوں کی وصیت کی تو زائد میں باطل ہے۔	٤١١		

قبر کانشان لگانا شرعاً محمود ہے۔	۴۲۳	وصی نابالغ کا محافظ ہے لہذا عدم ضرر کی صورت میں جائداد منقول فروخت کرسکتا ہے غیر منقول نہیں مگر چند صور استثناء میں۔	۴۳۱
قبر کے ارد گرد تعمیر برائے حفاظت جائز، برائے تزیین ممنوع، اوراس کی وصیت باطل۔	۴۲۴	ہندوستانی ساکن مدینہ منورہ اگر وصیت کرے کہ اس کی جائداد کا ثلث مدینہ منورہ بھیجا جائے تو اس کے یہاں کے فقراء کو دے سکتے ہیں یا نہیں۔	۴۳۳
اگر کسی امر نامشروع کی وصیت ہے تو اس پر عمل نہ کریں گے طریقہ مشروع پر عمل ہوگا۔	۴۲۵	یتیم خانہ میں دئے گئے کپڑے اگر بیکار ہوں تو ان کو درست کراکے استعمال کرانا یا اس کو فروخت کرکے مصرفِ یتامٰی میں لانا درست ہے۔	۴۳۴
گھر میں دفن کی وصیت باطل ہے۔	۴۲۵	جو مصاحف وقف یتیم خانہ میں ضرورت سے زائد ہوں ان کو ہدیہ کرکے خرچ کرسکتے ہیں۔	۴۳۴
گھر میں دفن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔	۴۲۵	یتیم خانہ کے چندہ سے یتیموں کا ختنہ اور یتیم بچیوں کی شادی میں معمولی طور پر خرچ کرسکتے ہیں۔	۴۳۵
فاسقوں کے لئے وصیت مکروہ ہے۔	۴۲۵	زید نے اپنا مکان زوجہ کے نام بیع کردیا پھر وہ مرگئی اور نابالغ بچے وارث ہوئے تو زید اس جائداد کو بیچ سکتا ہے یا نہیں۔	۴۳۶
کافر حربی کے لئے بھی وصیت باوجود ممنوع نافذ ہے۔	۴۲۶	اولاد کے لئے وصیت سے متعلق سات امور پر مشتمل ایک وصیت نامہ کے بارے میں استفتاء۔	۴۳۷
کبھی وصیت مکروہ غیر صحیح بھی ہوتی ہے۔	۴۲۶	وصیت نامہ مذکورہ سے متعلق علماء کرام سے گیارہ سوالات۔	۴۴۰
جواب سوال ہفتم	۴۳۰	مذکورہ بالا وصیت نامہ پر مصالحت سے متعلق سوال۔	۴۴۱
اوصیا کا بعض وصایا میں تعمیل نہ کرنا نفاذ میں خلل نہیں ڈال سکتا۔	۴۳۰	نابالغوں خصوصاً یتیموں کا مال آگ ہے، باپ جو چیز اپنے نابالغ بچے کے لئے خریدے وہ باپ ہی کے قبضہ سے نابالغ کی ملک ہوجاتی ہے۔	۴۴۳
جواب سوال ہشتم	۴۳۱	اگر مہر باقی ہو تو جائداد سے اس کو ادا کیا جائے پھر تقسیم ورثہ ہو۔	۴۴۵

ہبہ مرض میں وصیت ہے اور وصیت مرض موت میں بے اجازت ورثہ نافذ نہیں۔	۴۴۶	اگر زوجہ نے باپ کو وصیت کی تو باپ حق شوہر ادا کرکے بقیہ کو صدقہ وفدیہ میں خرچ کرسکتا ہے۔	۴۶۳
کفن دفن بقدر مسنون میں جو روپیہ صرف ہوا وہ تو ترکہ سے مجرا ہوگا باقی فاتحہ خیرات کے مصارف خرچ کرنے والے پر پڑیں گے۔	۴۴۷	بیوی مری صرف شوہر اور والدین کو چھوڑا تو اس کی تقسیم وراثت کی صورت۔	۴۶۳
بالغ وارث جائز خرچ کی اجازت دے تو اس کے حصہ سے مجرا ہوں گے مگر نابالغ کا مال بہرحال محفوظ رہے گا نہ وہ اجازت دے نہ اس کی طرف سے دوسرا، اس کو پورا پورا حصہ ملے گا۔	۴۴۷	ارث ساقط کئے ساقط نہیں ہوتی۔	۴۶۴
جو زیور امانت رکھا گیا تھا وہ شہادت عادلہ پر موقوف ہے۔	۴۴۸	اگر یہ کہا کہ مجھ کو نہیں چاہئے دیکھیں صدقہ وغیرہ میں خرچ کردو تو اس سے اس کی وراثت ساقط نہیں ہوتی چاہے تو لے چاہے صرف کرنے کی اجازت دے۔	۴۶۴
نابالغوں کے تقسیم حصص میں کمی رکھنا حرام ہے	۴۴۸	جو کسی مسلمان سے سختی دور کرے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی سختی دور کرے۔	۴۶۴
نابالغوں کے حصے یکجا رہیں بالغوں کو اپنے حصے کا اختیار ہے۔	۴۴۸	وارث جب بعد موت وصیت کو جائز کردے تو اب رجوع کا اختیار نہیں۔	۴۶۵
مرض الموت میں ہبہ کے احکام	۴۵۳	تنہا عورت کا دعوی کہ متوفیہ نے یہ وصیت کی تھی حجت نہیں، بالغین ورثہ کو اختیار ہے اعتبار کریں یا نہ کریں۔	۴۶۶
مرض الموت میں اپنی جائداد کسی ایک وارث کو ہبہ کی تو اس کا حکم کیا ہے، اس کی چند صورتیں۔	۴۵۴	بھانجی وماموں زاد بھائی یہ دونوں چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوسکتے۔	۴۶۶
مرض الموت کی تعریف	۴۵۷	دین مہر یا دیگر دیون ترکہ ہی سے ادا کئے جائیں گے وارثوں پر ادائیگی واجب نہیں از خود کریں بہتر ہے۔	۴۶۷
ہمارے بلاد میں بڑا بیٹا لائق ہو نہار حکماً وصی ہوتا ہے۔	۴۶۰	اگر شوہر نے حیات میں مہر کی مقدار کا اقرار نہ کیا، نہ گواہان سے ثابت، تو صرف مثل مہر دیا جائے۔	۴۶۷
باپ کے ہوتے ہوئے بھائی بہن کا استحقاق نہیں۔	۴۶۳		

والدین کی خدمت اور بچوں کی تربیت بھی عین کارِ دین و رضائے رب ہے۔	۴۶۹	وصی کو مطلق اختیار بیع نہیں۔	۴۸۰
ریاضت و مجاہدہ، رضائے الٰہی میں نفس کے خلاف کام کرنے کا نام ہے۔	۴۶۹	یہ کہنا کہ چچا حلف لیں تو میں مکان سے دستبردار ہوں مہمل و باطل ہے۔	۴۸۴
مشترکہ مال کی تقسیم وراثت کا طریقہ۔	۴۶۹	یتیم نابالغ نے اگر اپنا پانی کنویں میں ڈال دیا تو پانی قابل استعمال رہا یا نہیں۔ اس کی تفصیل۔	۴۸۸
بازار بھاؤ میں خریدنے کا مطلب	۴۶۹	نابالغ نے اپنے یا دوسرے کے لئے کنویں سے پانی بھرا تو اس سے بالغ کو وضو کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔	۴۸۸
باپ نابالغ کے مال کو خرچ کرسکتا ہے یا نہیں۔	۴۷۱	نابالغ کی ملک میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں۔	۴۸۹
نابالغ بچوں کے مال صرف کرنے کا ایک حیلہ شرعیہ	۴۷۱	جو چیز نابالغ کی ملک ہو اس میں سوا فقیر والدین کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔	۴۸۹
بغیر تقسیم وراثت کا مال ہبہ کرنے سے ہبہ نہ ہوگا۔	۴۷۱	وصیت کا نفاذ ثلث میں ہوگا اگرچہ متعدد ہوں۔	۴۹۱
باپ اگر محتاج ہو تو بیٹے کا مال بغیر قیمت لے سکتا ہے اور غنی ہو تو بقیمت لے۔	۴۷۲	اگر سالانہ فاتحہ کی وصیت کی اور جلد ہی سب خرچ کردیا تو بھی جائز ہے بلکہ یہی بہتر ہے۔	۴۹۲
اگر شوہر اقرار کرے کہ مہر باقی ہے اور اس میں زوجہ کو کچھ دے دیا تو ورثہ کو بعد میں اس کو واپس لینے کا حق نہیں اگرچہ یہ ثابت ہوجائے کہ عورت نے معاف کردیا تھا۔	۴۷۷	وارث بھائی مفقود الخبر ہو تو اس کا حصہ مال کیا کرے۔	۴۹۳
مرض الموت میں مریض کا کوئی چیز بیچنا بغیر اجازت دیگر ورثہ باطل ہے۔	۴۷۷	ایک مرحومہ نے وصیت کی کہ میری طرف سے کنواں بنوادینا تو اگر ضرورت شدیدہ کی وجہ سے مسجد کا سائبان بنوادیا تو کیا حکم ہے۔	۴۹۵
تقسیم ترکہ کی ایک شکل۔	۴۷۸	مال مشترک سے بے اجازت جس قدر صرف کیا اس کا تاوان لازم ہے۔	۴۹۷
بیس برس گزرنے کے بعد بھی اقرار تسلیم ہوگا اور بے اقرار طالبین کا مدت مدید تک سکوت سقوط دعوی کا باعث ہے۔	۴۷۹		

مال متروکہ سے ادائے دین تقسیم ترکہ سے مقدم ہے۔	۴۹۸	فتوی نمبر ۸۔	۵۳۹
اقرار کاذب دیانۃً باطل محض ہے۔	۵۰۰	جواب از مصنف علیہ الرحمۃ	۵۴۲
مجرد رجسٹری یا کوئی تحریر کوئی چیز نہیں جب تک گواہان سے ثابت نہ ہو۔	۵۰۳	یہاں فتوی پر فیس نہیں لی جاتی۔	۵۴۲
اگر بیٹے کو ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تو وہ مالک ہوگیا۔	۵۰۳	وصیت ووراثت سے متعلق آٹھ فتووں کارد	۵۴۲
کچہری چیف کورٹ ریاست بہاولپور کے جج کی طرف سے ارسال کردہ طویل استفتاء جو وصیت ووراثت سے متعلق ہے اور اس میں آٹھ مفتیوں کے فتوے مفتیوں کے نام حذف کردیئے گئے ہیں۔	۵۰۳	**الافادات والتفریعات**	۵۴۴
نقل وصیت نامہ	۵۰۵	افادہ اولٰی	۵۴۴
استفتاء	۵۰۶	وصایت مثل وکالت ہے۔	۵۴۵
سوال نمبر ۲۔	۵۰۸	وکالت حیات میں ہوتی ہے وصایت بعد موت۔	۵۴۵
فتوی نمبر۱۔	۵۰۸	وصایت کے معنی کسی کو اختیار دینا اور نافذ التصرف بنانا۔	۵۴۵
فتوی نمبر ۲۔	۵۰۹	جس طرح موہوب لہ، واہب کا وکیل نہ ہوگا اسی طرح تملیک بلاعوض بعد الموت سے موصی لہ، وصی نہ ہوگا بلکہ مالک ہوگا۔	۵۴۶
نقل فتوی مولوی صاحب برانڈامولویان	۵۰۹	جو اپنے مال کا کسی کو مالک کرے تو اب مالک اول کی پابندی مالک ثانی پر کسی طرح نہیں۔	۵۴۷
فتوی نمبر ۳۔	۵۱۳	ہبہ مشروط نافذ ہے اور شرط باطل۔	۵۴۷
فتوی نمبر ۴۔	۵۱۵	اگر تملیک کے بعد کسی مصلحت کو شرط قرار دے تو تملیک تام ہوگی اور شرط معدوم۔	۵۴۷
تردید منجانب علمائے ریاست بہاولپور	۵۱۵	افادہ ثانیہ	۵۴۸
فتوی نمبر ۵۔	۵۲۲	پرائی ملک میں وصیت کا اختیار نہیں۔	۵۴۸
فتوی نمبر ۶۔	۵۲۶	تفریعات	۵۴۹
فتوی نمبر ۷۔	۵۳۱	فتوی نمبر ۶ کارد	۵۴۹

افادہ ثالثہ	۵۵۲	وصیت شیئ سے منفعت لازم نہیں آتی مگر التزاماً مفید تملیک منفعت ہے لہذا اس کی جدا وصیت جائز۔	۵۶۳
وارث کے لئے وصیت بلاشبہہ جائز ہے جبکہ اور کوئی وارث نہ ہو۔	۵۵۲	فائدہ نمبر ۴۔	۵۶۴
تفریعات	۵۵۳	وصیت منفعت بمنزلہ وصیت رقبہ ہے۔	۵۶۴
فتوٰی نمبر ۵ کارد	۵۵۳	فائدہ نمبر ۵۔	۵۶۶
افادہ رابعہ	۵۵۳	جس کے لئے وصیت رقبہ ہو اس کو وصیت منفعت کی حاجت نہیں۔	۵۶۶
وصیت جس طرح رقبہ شیئ کی صحیح ہے یونہی تنہا منفعت کی۔	۵۵۳	فائدہ نمبر ۶۔	۵۶۶
تفریعات	۵۵۶	وصیت میں مقصد موصی پر نظر لازم ہے۔	۵۶۶
فتوٰی نمبر ۷ کارد	۵۵۶	فائدہ نمبر ۷۔	۵۶۷
تملیک مضاف الی مابعد الموت اگر صحت میں ہو وصیت ہے۔	۵۵۶	در بارہ مہر، عورت کا قول قسم کے ساتھ مہر مثل تک معتبر ہے۔	۵۶۷
فتوٰی نمبر ۵ کارد۔	۵۵۶	فائدہ نمبر ۸۔	۵۶۷
فتوٰی نمبر ا کی عجیب تر تحریر	۵۵۷	مہر بھی تمام دیون کی طرح ہے اور دین کا تعلق مالیت ہے جائداد سے نہیں۔	۵۶۷
افادہ خامسہ جلیلہ مشتمل بر فوائد جزیلہ	۵۵۷	فائدہ نمبر ۹۔	۵۶۸
فائدہ نمبر ا۔	۵۵۷	وصیت جہت موصی سے تملیک ہے۔	۵۶۸
ترکہ میں تجہیز وتکفین کے بعد دین ہے۔	۵۵۷	فائدہ نمبر ۱۰۔	۵۶۹
پھر وصیت پھر میراث۔	۵۵۷	وصیت میں ثلث کے نفاذ کے لئے کل متروکہ سے بعد ادائے دین کا اعتبار ہے۔	۵۶۹
تقسیم میراث	۵۵۸	فائدہ نمبر ۱۱۔	۵۶۹
فائدہ نمبر ۲۔	۵۶۲	اقرار کے بعد کسی تفتیش کی حاجت نہیں۔	۵۶۹
اگر کسی کے لئے رقبہ شے کی وصیت کی، پھر بعد میں دوسرے کے لئے اس کی منفعت کی تو پہلا صرف مالک ہوگا دوسرا منفعت لے گا۔	۵۶۲	فائدہ نمبر ۱۲۔	۵۷۰
فائدہ نمبر ۳۔	۵۶۳	وصیت وارث جب وصیت اجنبی سے مؤخر ہے تو اس کے مقابل مضمحل ہوگی۔	۵۷۰

اگر عورت اقرار کرے کہ زیور شوہر نے مہر میں دے دیا تو مثل مہر تک زوجہ کا قول مسلم ہوگا۔	۵۷۲	افادات سابعہ	۵۸۰
طے شدہ امور میں قاضی ومفتی کو حاجت نہیں کہ انہیں زیر بحث لائے۔	۵۷۳	شاہ محمد خاں مذکور فی السوال کے لئے کہیں نہیں لکھا ہے کہ وہ جمیع مال کا موطی لہ، ہے عاقل بالغ کا کلام مہما امکن، محمل صحیح پر حمل کرنا واجب ہے۔	۵۸۰
تفریعات	۵۷۴	تفریعات	۵۸۱
فتوٰی اکا رد۔	۵۷۴	شاہ محمد خاں کو جمیع مال کا مالک جب نہیں قرار دیا تو زیور کا بقیہ اس کے حصہ میں دینا ظلم ہوگا۔	۵۸۱
فتوی نمبرا کی ایک عجیب وغریب غلطی۔	۵۷۴	افادہ ثامنہ۔	۵۸۳
قرض ودَین میں عموم خصوص ہے۔	۵۷۷	تفریعات	۵۸۴
وارث کے لئے وصیت میراث سے موٗخّر ہے۔	۵۷۷	افادہ تاسعہ ۔	۵۸۵
افادہ سادسہ	۵۷۷	وصیت کا بے اجازت وارث ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہونا ان ورثہ ک ساتھ ہے جن کے حقوق میراث کے بعد کچھ نہ بچیں (مزید تفصیل)	۵۸۵
وصیت ضرور مقید بشرط ہوسکتی ہے۔	۵۷۷	تفریعات	۵۸۵
جو جس شرط سے مقید ہے مقید رہے گا۔	۵۷۸	زوجہ کا حق وراثت ربع سے زائد جائز نہیں۔	۵۸۶
جو مطلق ہے مطلق رہے گا	۵۷۸	افادہ عاشرہ	۵۸۶
کسی کی طرف حرام کاری کی نسبت کرنے پر تہدیدیں۔	۵۷۸	کسی تقسیم میں نہ حاکم کو یہ جبر پہنچتا ہے نہ ایک حصہ دار کو کہ بے رضائے دیگر بجائے عین قیمت لے۔	۵۸۶
تہمت لگانے والے کی سزا۔	۵۷۹	تراضی طرفین سے تبدیل عین جائز ہے۔	۵۸۷
عورت کہ نکاح ثانی نہ کیا ہو روز قیامت اپنے شوہر کو ملے گی۔	۵۷۹	تفریعات	۵۸۸
دو شوہر والی عورت کو اختیار ہوگا کہ جس کے ساتھ چاہے جائے، جبکہ کسی کے نکاح میں نہ فوت ہوئی ہو بلکہ بیوہ ہوکر۔	۵۷۹	ایک فریق کے رضامند ہونے سے عدالت کو جائز نہیں کہ اسے قیمت دلادے جب تک دوسرا راضی نہ ہوجائے۔	۵۸۸

افادہ حادیہ عشر	۵۸۹	بیت المال کا کوئی حصہ معین نہیں۔	۵۹۶
اجنبی کہ نہ وارث نہ وصی اگر میت کی تجہیز وتکفین خود کرے تو اسے ترکہ سے لینے کا اختیار نہیں۔	۵۸۹	فائدہ نمبر ۱۴۔	۵۹۸
اگر وارث سے واپسی کی شرط کرلی ہو پھر خرچ کیا ہو تو رجوع کا حق ہے جبکہ وارث کا امر بھی پایا جائے۔	۵۸۹	زیادت علی الثلث میں موصی لہ، کا حق صرف وارث سے مؤخر ہے اور غیر وارث پر مقدم، ولہٰذا بیت المال پر مقدم ہے۔	۵۹۸
غیر وارث و وصی کو کفن دینے کے مصارف واپس لینے نہ لینے کی متعدد صورتیں۔	۵۸۹	ردّ علی الزوجین وراثۃً نہیں۔	۶۰۰
مردہ کی تجہیز وتکفین سب پر مقدم ہے۔	۵۹۱	اصحاب رَد پر رَد بجہتِ عصوبت ہے۔	۶۰۰
زندگی میں تن کے کپڑے دائن نہیں دیئے جائیں گے۔	۵۹۱	فائدہ نمبر ۱۵۔	۶۰۱
میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ وزندہ یکساں ہے۔	۵۹۲	مرد مرے اور ایک زوجہ ایک دختر چھوڑے تو مسئلہ آٹھ سے کرتے ہیں۔	۶۰۱
دَین تجہیز تمام دیون کے مثل ہے تو یہ بھی مرتبہ دیون میں ہوگا نہ کہ مرتبہ تجہیز میں۔	۵۹۳	ایک زوجہ کا سات دختر کا۔	۶۰۱
دَین تجہیز دین مہر وغیرہ پر مقدم نہیں۔	۵۹۳	فائدہ نمبر ۱۶۔	۶۰۱
اس مسئلے میں جد الممتار کی بحث کی تحقیق تام۔	۵۹۴	ایک مسئلہ بدیہیہ میں تشکیک۔	۶۰۲
تفریعات	۵۹۵	فائدہ نمبر ۱۷۔	۶۰۲
فتوٰی نمبر ۷ کے مفتی صاحب کا یہ وہم کہ اجنبی نے تجہیز کی، وارث کو اطلاع دی تو محض اطلاع رجوع کے لئے کافی ہے، یہ غلط ہے۔	۵۹۵	فائدہ نمبر ۱۸۔	۶۰۳
افادہ ثانیہ عشر مع فوائد غرر۔	۵۹۵	رد علی الزوجین فساد بیت المال کی وجہ سے ہے۔	۶۰۳
فائدہ نمبر ۱۳۔	۵۹۵	رد علی الزوجین ضرورۃً ہے لہٰذا اگر بیت المال منتظم ہو تو اسی میں رکھا جائے گا۔	۶۰۳
اصحاب فرائض سے جو بچے اس کے مصارف۔	۵۹۵		

فائدہ نمبر ۱۹۔	۶۰۳	فائدہ نمبر ۲۵۔	۶۱۷
فسادبیت المال کی علت کے قائل شافعیہ بھی ہیں۔	۶۰۴	فساد بیت المال کے باوجود اگر کسی نے بیت المال میں رَد کردیا تو یہ جائز نہیں۔	۶۱۹
فائدہ نمبر ۲۰۔	۶۰۸	فائدہ نمبر ۲۶۔	۶۱۹
ردعلٰی ذی السہم النسبی کی علت فسادبیت المال بتانا افسد فسادات ہے۔	۶۰۸	موصٰی لہ، بالزائد کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین نہ ہوگا۔	۶۲۰
کوئی مرے اور صرف ایک لڑکی چھوڑے تو کل مال اس کا ہے۔	۶۰۸	مقرلہ، موصٰی لہ، بالزید سے بالاواقوی ہے۔	۶۲۱
اگر مرنے والے نے صرف باپ کو چھوڑا وہ بھی کل کاوارث ہے۔	۶۰۸	فائدہ نمبر ۲۷۔	۶۲۱
فائدہ نمبر ۲۱۔	۶۱۳	تفریعات	۶۲۲
شوہر جبکہ چچا کا بیٹا اور تنہا وارث ہو کل مال پائے گا۔	۶۱۳	موصٰی لہ، بالزائد کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین خرق اجماع ہے۔	۶۲۲
وقائع عین، مورد احتمال ہوتے ہیں۔	۶۱۳	موصٰی لہ بالزائد کا مرتبہ ہر غیر وارث سے مقدم ہے۔	۶۲۲
فائدہ نمبر ۲۲۔	۶۱۴	یہ غلط ہے کہ رد علی الفروض النسبیہ کی علت فساد بیت المال ہے۔	۶۲۵
فائدہ نمبر ۲۳۔	۶۱۶	تنبیہ۔	۶۲۵
رَد علی الزوجین کا ماننا دوطرح ہے۔	۶۱۶	جواب استفتائے چیف کورٹ بہاولپور	۶۲۶
زوجین بہ نسبت نرے بیگانوں کے اقرب ہیں۔	۶۱۶	وصیت سے متعلق بیان احکام۔	۶۲۶
فائدہ نمبر ۲۴۔	۶۱۷	جواب استفتائے جی خان پور	۶۲۷
درمختار میں ہے کہ زوجین پر رد نہیں اور جو رد علی الزوجین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اس میں کلام ہے۔	۶۱۷	حکم اخیر دربارہ استفتائے مذکور	۶۲۸
قِران فی الذکر، قِران فی الحکم کو مستلزم نہیں۔	۶۱۷	ہندہ نے کنواں یا مسجد بنوانے کی وصیت کی تو اگر مسجد کی زیادہ ضروری ہے وہی کرائے ورنہ کنواں بنوائے اور گچکاری وسفیدی ضروری مرمت نہیں، للذا اگر یہ مراد ہے تو کنواں افضل ہے۔	۶۳۰

ایک تفصیلی وصیت نامے سے متعلق احکام	٦٣١	کسی کا محض یہ کہنا کہ یہ چیز مجھے دی ہے، ثبوت ملکیت یا وصیت کے لئے کافی نہیں۔	٦٤٢
عاقدین میں کوئی ایک قبل تسلیم مرجائے تو عقد باطل ہے۔	٦٣٢	مرض موت میں مال کا ہبہ یا دَین کا ابرا وصیت ہے، اور وصیت وارث کے لئے بے اجازت ورثہ دیگر باطل ہے۔	٦٤٢
موصی لہ کو نزاع ورثہ میں کسی کو حکم بنانے کا اختیار نہیں۔	٦٣٤	رؤف النساء نے وفات پائی دو دختر ایک بھائی چھوڑا، کل جائداد دختروں کے نام وصیت کی، تو اگر بھائی نے نافذ کردیا کل جائداد دختروں کی ہوگئی۔	٦٤٤
ایک شخص نے زیور عاریت لیا پھر دینے والا مرگیا اور ایک غیر معتمد سے معلوم ہوا کہ مرنے والا زیور پوتے کو دینے کی وصیت کرگیا ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔	٦٣٤	ماں کو اختیار نہیں کہ اپنے نابالغوں کا حصہ فروخت کرے۔	٦٤٥
امین مرنے والے کے ورثہ کی موجودگی میں امانت کی رقم از خود خیرات میں نہیں خرچ کرسکتا۔	٦٣٦	باپ بالغہ کی رقم اجازت سے صرف کرسکتا ہے۔	٦٤٦
ورثہ کا حق متعلق ہونے کسی کو اجازت نہیں کہ ترکہ کو خیرات کرے، اگر کیا تو تاوان دے۔	٦٣٩	نابالغہ کی رقم اپنے صرف میں بطور قرض لانے میں اختلاف ہے، احتیاط بچنا ہے۔	٦٤٦
شادی میں دلہن کو چڑھاوے کا حکم اس کی قوم کے رواج پر موقوف ہے۔	٦٣٩	کفن دفن کے بقدر سنت کے بعد جو بچے اس کو حسب وصیت تہائی خرچ کیا جائے باقی ورثہ کو۔	٦٤٧
فلاں کو مل جائے ودیعت اور ہبہ دونوں کو محتمل ہے۔	٦٤٠	اگر دو معین مسجدوں کو دینے کی وصیت کی ہے تو ان کو دیا جائے، اور جو مساکینِ حرمین وبغداد شریفہ کے لئے ہے اس کو یہاں کے بھی فقراء کو دے سکتے ہیں۔	٦٤٨
فقط نیت سے حکم نہیں ہوتا۔	٦٤٢	موصی نے اگر مختلف مدات اور مختلف مقامات اور مختلف ایام میں خیرات کی وصیت کو ان کو مطلق صدقہ بھی کافی ہے، مگر اولٰی تعیین ہی کی تعمیل ہے۔	٦٥٠
یہ کہنا کہ یہ روپیہ زید کی لڑکی کے عقد کا ہے یہ حدِ وصیت میں نہیں آتا۔	٦٤٢	گواہی ہر معاملے میں ثقہ معتبر لوگوں کی معتبر ہے۔	٦٥١

مرض الموت میں مہر معاف کیاتو بے اجازت ورثہ معاف نہ ہوگا۔	۶۵۱	بازاری عورت کی وہ رقم زنا یا غنا کی اُجرت ہے اس کی مِلک نہیں فقراء کو دیں۔	۶۵۴
مدعی کی حلف معتبر نہیں۔	۶۵۲	عورت کا مہر ترکہ کو محیط تھا اور اس نے مکان اپنے مہر میں لے لیا تو یہ جائز ہے۔	۶۵۴
بیٹے نے باپ کی وصیت کے مطابق ثلث نہ ادا کرکے کم دیا باقی موصٰی لہ، سے معاف کرالیا یہ جائز نہیں۔	۶۵۲	نکاح فضولی۔	۶۵۵
مرض موت میں کسی وارث سے بیع صحیح نہیں۔	۶۵۳	غیر کفو سے نکاح جائز نہیں۔	۶۵۵
شوہر کے مال میں بیوی کی وصیت بے اجازت باطل ہے۔	۶۵۳	دَینِ مستغرق مانع مِلک ورثہ نہیں۔	۶۵۶
مریدنی نے کہا کہ مرنے کے بعد میرے کل مال کا حق مرشد کو ہے اور اس کا کوئی وارث شرعی نہیں تو یہ نافذ ہے۔	۶۵۴	تقسیم ترکہ کی ایک شکل۔	۶۵۷
ضمیمہ مداینات		زمین کو کاشتکاری کی شروط کے ساتھ قرض میں لینا جائز نہیں۔ (فارسی)	۳۰۰
زید مدیون ہے اور دائن نے مقدمہ کرکے مطالبہ کی ڈگری کرالی ہے اور زید کا مال مرہون ہے تو ایسی شکل میں کیا کرے۔	۲۶۶	نابالغ کی شادی کے لئے بالغ بھائی نے قرضہ لیا تو اس کا مطالبہ قرضہ لینے والے ہی پر ہے۔	۳۸۶
		زندگی میں تن کے کپڑے دائن کو نہیں دیئے جائیں گے۔	۵۹۱
اگر دین کا کچھ حصہ بھی باقی ہے تو مرتہن کو شیئ مرہون روکنے کا حق ہے۔	۲۶۹	دَین تجہیز تمام دیون کے مثل ہے تو یہ بھی مرتبہ دیون میں ہوگا نہ کہ مرتبہ تجہیز میں۔	۵۹۳
امام اعظم کے نزدیک زیادۃ فی الدین ناجائز ہے۔	۲۹۳	دَین تجہیز دَین وغیرہ پر مقدم نہیں۔	۵۹۳
قرض کے لئے کوئی میعاد لازم نہیں ہوسکتی۔	۲۹۸		

ضمیمہ رہن		ضمیمہ قسم	
رہن میں نفع کی شرط سود اور حرام ہے۔	۵۷	مدعی کی حلف معتبر نہیں۔	۶۵۲
رہن سے انتفاع کی ایک صورت۔	۵۸		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام		کافر حربی کا مال دھوکا یا بد عہدی سے لینا گناہ ہے۔	۶۲
کافر اصلاً اہل ثواب نہیں	۵۴	ہنود سے رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا جائز ہے مگر نیت یہ نہ ہو کہ اپنے قرض سے نفع لیتا ہے بلکہ اس کے مال پر اس کی رضا سے قبضہ کی نیت کرے۔	۲۵۴
کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔	۶۷	سیرۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	
منافق کی تین نشانیاں	۶۹	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دو کاموں کا اختیار دئے جاتے تو جو آسان ہوتا اس کو اختیار فرماتے۔	۸۷
یہ خیال کہ حقہ پینے والے کو خواب میں حضور کی زیارت نہ ہوگی محض غلط اور دروغ ہے۔	۱۰۴	**تصوّف**	
افیونی ضرور فاسق ومستحق عذاب ہے۔	۱۰۵	ریاضت ومجاہدہ، رضائے الٰہی میں نفس کے خلاف کام کرنے کا نام ہے۔	۴۶۹
شراب کی حرمت کا منکر کافر ہے۔	۲۰۷	**فوائد اصولیہ**	
سِیَر		مخالفت شرع میں کسی کی ہمراہی خلاف شرع ہے۔	۱۰۵

I.T. Majlis of Dawateislami

اللہ تعالٰی جب لوگوں کی پسندیدہ کسی شیئ کو حرام فرماتا ہے تواس کی جگہ دوسری چیزوں کو حلال بھی فرماتا ہے۔	۱۲۳	عاقل بالغ کاکلام مہماامکن، محمل صحیح پر حمل کرناواجب ہے۔	۵۸۰
حسن لغیرہٖ بھی احتجاج کے لئے کافی ہے۔	۱۶۱	تراضی طرفین سے تبدیل عین جائز ہے۔	۵۸۷
المستور مقبول عندنا والجمہور۔	۱۶۲	قِران فی الذکر، قِران فی الحکم کو مستلزم نہیں۔	۶۱۷
مشتبہ سے بچنا بہتر ہے نہ بچیں مواخذہ نہیں۔	۲۱۱	عاقدین میں کوئی ایک قبل تسلیم مرجائے توعقد باطل ہے۔	۶۳۲
شیئ واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال، اور محال کااقرار واجب الابطال	۲۸۶	موصی لہ کو نزاع ورثہ میں کسی کو حکم بنانے کا اختیار نہیں۔	۶۳۴
بیع پر وصیت کاقیاس درست نہیں۔	۴۱۹	**افتاء ورسم المفتی**	
الندب والکراھۃ متنافیان	۴۲۲	ازخود مفصل شقوں پر فتوٰی بتادینا کبھی خلاف مصلحت ہوتا ہے۔	۷۴
ہزار جگہ ہوتا ہے کہ شیئ فی نفسہٖ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض ہو۔	۴۲۲	اختلافی مسائل میں عموم بلوٰی باعث تخفیف وترجیح ہے۔	۸۹
اِنتفاء الاقسام باسرھا قاض بانتفاء المقسم رأسًا۔	۴۲۲	آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوٰی ہے۔	۱۱۵
تملیک مضاف الٰی مابعد الموت اگر صحت میں ہو وصیت ہے۔	۵۵۶	جو غلط مسئلہ بتائے وہ شیطان کانائب ہے۔	۲۱۶
وصیت شیئ سے منفعت لازم نہیں آتی مگر التزاماً مفید تملیک منفعت ہے لہٰذا اس کی جدا وصیت جائز۔	۵۶۳	اگر جان کر کسی نام کے مولوی سے فتوٰی پوچھا اس نے غلط بتایا تو بتانے والے کے ساتھ یہ پوچھنے والا بھی گنہگار ہے۔	۲۴۴
اقرار کے بعد کسی تفتیش کی حاجت نہیں۔	۵۶۹	فتوٰی ہمیشہ قول امام پر مگر بضرورت۔	۲۹۳
طے شدہ امور میں قاضی ومفتی کو حاجت نہیں کہ انہیں زیر بحث لائے۔	۵۷۳	یہ قول کہ معاملات میں اکثر فتوٰی قول امام ابویوسف پر ہوتا ہے غلط ہے۔	۲۹۳
جو جس شرط سے مقید ہے مقید رہے گا۔	۵۷۸	جو اپنے زمانے کو نہ پہچان کر اور لوگوں کے احوال کی رعایت نہ کرکے فتوٰی دے وہ جاہل ہے۔	۳۳۹
جو مطلق ہے مطلق رہے گا	۵۷۸		

فوائد فقہیہ		اگر اذان راہن سے تصرف کرے تو جائز و نافذ ہے مگر وہ شیئ رہن نہ رہے گی۔	۲۲۰
چاروں مذاہب کے ائمہ نے حقہ کی حلت کا فتوٰی دیا۔	۸۷	قرض سے نفع غیر مشروط جائز ہے۔	۲۲۳
اگر بو طبیعت کو ناپسند ہے تو مکروہ طبعی ہے نہ کہ شرعی۔	۸۸	اگر نفع لفظاً مشروط نہ ہو عُرفاً مشروط و معہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔	۲۲۳
مکروہ تنزیہی گناہ نہیں۔	۹۲	رہن واجارہ دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۲۶
تاڑی کے خمیر سے بنائے گئے بسکٹ کا شرعی حکم۔	۹۸	رہن واجارہ دو مختلف عقد ہیں۔	۲۴۶
جو چیز نشہ رکھتی ہو نہ صرف حرام بلکہ نجس ہے۔	۹۸	رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔	۲۴۷
جن کی نسبت کچھ علم نہ ہو انہیں حرام نہیں کہہ سکتے۔	۹۹	شرع مطہر میں تمادی سے حق نہیں جاتا۔	۲۶۰
شراب کا حرام ہونا کس پر موقوف ہے۔	۱۰۶	شرعاً صرف رہن دخلی ہی معتبر ہے۔	۲۶۷
اگر دوا سڑائی جائے اور اس میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو تو شراب نہ ہوگی۔	۱۰۶	ارہن دخلی کے جواز کی صحیح شکل۔	۲۷۵
سیندھی اور تاڑی قریب ہیں۔	۱۱۴	رہن بے قبضہ باطل اور اجارہ بے قبضہ غیر نافذ۔	۲۸۲
اگر تاڑی سرکہ ہوجائے حلال وطیّب ہے۔	۱۱۴	وصیت میراث پر مقدم ہے۔	۳۱۱
نبیذ کا حکم	۱۱۹	فالج اور دق کے مریض ایک سال بعد مرض الموت میں شمار نہیں کیے جاتے۔	۳۱۶
اس کی بحث کہ مسکر قلیل وکثیر کا حرمت وحد میں ایک حکم ہے یا مختلف۔	۱۲۴	مرض الموت کی تعریف	۳۱۷
مہوہ کی شراب کا حکم	۲۰۵	فالج اور دق کا مریض اگر سال بھر کے اندر مرے تو اس کو مرض الموت شمار کریں گے سال گزرنے کے بعد فالج مرض الموت نہیں رہتا۔	۳۱۷
بھنگ اور افیون کا حکم۔	۲۰۷	اگر اپنی ضروریات سے باہر آتا جاتا تھا تو مرض موت نہیں۔	۳۱۷
حقہ کے پانی کا حکم	۲۰۹	بعض نے عدم خوف موت کی جو قید لگائی ہے اس کا مطلب	۳۱۸
نشہ بذاتہ حرام ہے۔	۲۱۳		

مرض الموت کے لئے اختلال حواس ضروری نہیں۔	۳۶۴	وکالت حیات میں ہوتی ہے وصایت بعد موت۔	۵۴۵
معتوہہ کی وصیت نافذ نہیں۔	۳۸۴	وصایت کے معنی کسی کو اختیار دینا اور نافذ التصرف بنانا۔	۵۴۵
اوارث کے لئے وصیت نہیں مگر جبکہ ورثہ اس کو جائز رکھیں تو نافذ ہے۔	۳۹۴	جس طرح موہوب لہ، واہب کا وکیل نہ ہوگا اسی طرح تملیک بلاعوض بعد الموت سے موصی لہ، وصی نہ ہوگا بلکہ مالک ہوگا۔	۵۴۶
معدوم کے لئے وصیت وتملیک باطل ہے۔	۳۹۸	جو اپنے مال کا کسی کو مالک کرے تو اب مالک اول کی پابندی مالک ثانی پر کسی طرح نہیں۔	۵۴۷
اگر وارثان فلاں کے لئے وصیت کی تو ضروری ہے کہ وہ اسی موصی سے پہلے مرجائے تاکہ وارثان فلاں کا لفظ صادق آئے ورنہ نفاذ نہیں۔	۴۰۰	پرائی ملک میں وصیت کا اختیار نہیں۔	۵۴۸
وصیت فی نفسہٖ واجب نہیں۔	۴۰۷	وصیت جس طرح رقبہ شیئ کی صحیح ہے یونہی تنہا منفعت کی۔	۵۵۳
صحت وصیت کو خاص جز معین کی تعین ضروری نہیں۔	۴۰۸	ترکہ میں تجہیز و تکفین کے بعد دین ہے۔	۵۵۷
عبادات ومعاملات کی شرعی اصطلاحی تعریف۔	۴۱۶	پھر وصیت پھر میراث۔	۵۵۷
بیع حمل ناجائز اور وصیت بالحمل جائز	۴۱۹	وصیت منفعت بمنزلہ وصیت رقبہ ہے۔	۵۶۴
وصیت دو قسم ہے: تملیک وقربت۔	۴۲۲	وصیت میں مقصد موصی پر نظر لازم ہے۔	۵۶۶
کبھی وصیت مکروہ غیر صحیح بھی ہوتی ہے۔	۴۲۶	مہر بھی تمام دیون کی طرح ہے اور دین کا تعلق مالیت ہے جائداد سے نہیں۔	۵۶۷
ہبہ مرض میں وصیت ہے اور وصیت مرض موت میں بے اجازت ورثہ نافذ نہیں۔	۴۴۶	وصیت جہت موصی سے تملیک ہے۔	۵۶۸
مرض الموت کی تعریف	۴۵۷	وارث کے لئے وصیت میراث سے مؤخّر ہے۔	۵۷۷
ہمارے بلاد میں بڑا بیٹا لائق ہونہار حکماً وصی ہوتا ہے۔	۴۶۰	وصیت ضرور مقید بشرط ہوسکتی ہے۔	۵۷۷
وصایت مثل وکالت ہے۔	۵۴۵	وقائع عین، مورد احتمال ہوتے ہیں۔	۶۱۳

فلاں کو مل جائے ودیعت اور ہبہ دونوں کو محتمل ہے۔	۶۴۰	عبدالرحمٰن بن بشر	۱۶۳
فقط نیت سے حکم نہیں ہوتا۔	۶۴۲	ابن الفرات	۱۶۳
یہ کہنا کہ یہ روپیہ زید کی لڑکی کے عقد کا ہے یہ حدِ وصیت میں نہیں آتا۔	۶۴۲	مسلم بن خالد	۱۶۴
کسی کا محض یہ کہنا کہ یہ چیز مجھے دی ہے، ثبوت ملکیت یا وصیت کے لئے کافی نہیں۔	۶۴۲	شریک	۱۶۴
مرض موت میں مال کا ہبہ یا دَین کا ابرا وصیت ہے، اور وصیت وارث کے لئے بے اجازت ورثہ دیگر باطل ہے۔	۶۴۲	محمد بن خزیمہ	۱۶۷
فوائد حدیثیہ		رجال حدیث ابن عباس	۱۷۰
حقہ کی حرمت پر گھڑی ہوئی حدیث۔	۸۲	ابوبکر	۱۷۱
جھوٹی حدیث بیان کرنے کا وبال۔	۸۳	القواریری	۱۷۱
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور فتور پیدا کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔	۹۴	عبدالوارث	۱۷۱
زیادۃ احادیث۔	۱۴۷	ابن شرمہ	۱۷۱
بارہ احادیث مذکورہ کی کچھ تفاصیل۔	۱۶۱	عبداللہ بن شداد	۱۷۱
حدیث ابن عباس پر امام ابو عبدالرحمٰن نسائی کی دو وجہ سے جرح اور مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے اس کا جواب۔	۱۷۰	فہد	۱۷۱
پہلی وجہ (احدھما)	۱۷۲	ابونعیم	۱۷۱
دوسری وجہ (ثانیھما)	۱۷۵	مِسعر	۱۷۱
چوتھی بحث (الرابع)	۱۸۱	ابوعون	۱۷۱
پانچویں بحث (الخامس)	۱۹۱	ابوسفیان الحمیدی	۱۷۲
اسماء الرجال		ابومعٰویہ الکوفی	۱۷۳
عبدالمالک بن نافع	۱۶۱	ہشیم	۱۷۴
یحیٰی بن یمان	۱۶۲	حجاج بن ارطاۃ	۱۸۲
الیسع	۱۶۳		

داؤد بن حصین	۱۹۲	یعلٰی	۲۰۲
ابواسحٰق سبیعی	۱۹۲	**انجاس**	
عمرو بن میمون	۱۹۲	شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک ہے۔	۱۰۱
ابوالاحوص سلام بن سلیم	۱۹۲	ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ حرام و نجاست غلیظہ ہے۔	۱۰۸
ابوبکرہ	۱۹۳	اسپرٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔	۲۱۱
ابوداؤد	۱۹۳	**وضو**	
زہیر	۱۹۳	نابالغ نے اپنے یا دوسرے کے لئے کنویں سے پانی بھرا تو اس سے بالغ کو وضو کرنا جائز ہوگا یا نہیں۔	۴۸۸
روح بن الفرج	۱۹۳	**نماز**	
عمرو بن خالد	۱۹۴	انگریزی رقیق دوا کپڑے پر لگ جائے تو نماز نہ ہوگی۔	۲۰۹
عمر بن حفص	۱۹۵	**جنائز**	
حفص بن غیاث	۱۹۵	تجہیز و تکفین سے مصارف غسل و کفن و دفن بقدر سنت مراد ہیں فاتحہ وغیرہ کے خرچ شامل نہیں۔	۳۶۸
ہمام النخعی	۱۹۵	قبہ سے اپنی قبر مزیّن کرانا نوع قربت سے نہیں۔	۴۲۲
حبیب بن ابی ثابت	۱۹۵	قبر کا نشان لگانا شرعاً محمود ہے۔	۴۲۳
ابن ابی داؤد	۱۹۶	قبر کے اردگرد تعمیر برائے حفاظت جائز، برائے تزیین ممنوع، اور اس کی وصیت باطل۔	۴۲۴
عبدالرحمٰن بن عثمان	۱۹۶	گھر میں دفن کی وصیت باطل ہے۔	۴۲۵
عبداللہ بن یزید	۱۹۸	گھر میں دفن انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے۔	۴۲۵
سعد العبسی الکوفی	۲۰۰	کفن دفن بقدر مسنون میں جو روپیہ صرف ہوا وہ تو ترکہ سے مجرا ہوگا باقی فاتحہ خیرات کے مصارف خرچ کرنے والے پر پڑیں گے۔	۴۴۷
سعد العدوی البصری	۲۰۰	اجنبی کہ نہ وارث نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین خود کرے تو اسے ترکہ سے لینے کا اختیار نہیں۔	۵۸۹
زکریا	۲۰۲		

اگر وارث سے واپسی کی شرط کرلی ہو پھر خرچ کیا ہو تو رجوع کا حق ہے جبکہ وارث کا امر بھی پایا جائے۔	۵۸۹	زید نے جو جائداد اپنی بیوی کو بحالت صحت بعوض دَینِ مہر دی اس کی مالک ہوگئی۔	۳۶۹
غیر وارث وصی کو کفن دینے کے مصارف واپس لینے نہ لینے کی متعدد صورتیں۔	۵۸۹	زوجہ نے اپنے مرتے وقت مہر معاف کیا تو اس کی معافی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہے۔	۳۸۷
مردہ کی تجہیز و تکفین سب پر مقدم ہے۔	۵۹۱	اگر مہر باقی ہو تو جائداد سے اس کو ادا کیا جائے پھر تقسیم ورثہ ہو۔	۴۴۵
نکاح		اگر شوہر نے حیات میں مہر کی مقدار کا اقرار نہ کیا، نہ گواہان سے ثابت، تو صرف مثل مہر دیا جائے۔	۴۶۷
عورت کہ نکاح ثانی نہ کیا ہو روز قیامت اپنے شوہر کو ملے گی۔	۵۷۹	اگر شوہر اقرار کرے کہ مہر باقی ہے اور اس میں زوجہ کو کچھ دے دیا تو ورثہ کو بعد میں اس کو واپس لینے کا حق نہیں اگرچہ یہ ثابت ہوجائے کہ عورت نے معاف کردیا تھا۔	۴۷۷
دو شوہر والی عورت کو اختیار ہوگا کہ جس کے ساتھ چاہے جائے، جبکہ کسی کے نکاح میں نہ فوت ہوئی ہو بلکہ بیوہ ہو کر۔	۵۷۹	در بارہ مہر، عورت کا قول قسم کے ساتھ مہر مثل تک معتبر ہے۔	۵۶۷
نکاح فضولی	۶۵۵	مرض الموت میں مہر معاف کیا تو بے اجازت ورثہ معاف نہ ہوگا۔	۶۵۱
غیر کفو سے نکاح جائز نہیں۔	۶۵۵	عورت کا مہر ترکہ کو محیط تھا اور اس نے مکان اپنے مہر میں لے لیا تو یہ جائز ہے۔	۶۵۴
مہر		**ولایت**	
زوجہ یا مرنے کے بعد اس کے ورثہ کی مرضی سے قسط وار مہر ادا کیا جاسکتا ہے حاکم کو جبر کی اجازت نہیں۔	۷۵	وہ ولی جسے مال یتیم میں تصرف جائز ہے وہ تین ہیں، جو یتیموں کا مال کھاتے ہیں اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔	۳۷۵
اگر ہندہ نے مرض موت میں شوہر کا مہر معاف کیا تو معاف نہ ہوگا۔	۳۳۱	باپ کو بھی اختیار نہیں کہ اپنے نابالغ بچے کا مال بشرط عوض کسی کو دے۔	۳۷۵

باپ نابالغ کے مال کو خرچ کرسکتا ہے یانہیں۔	۴۷۱	بیع الوفامذہب معتمدین میں رہن ہے۔	۲۳۷
نابالغ کی ملک میں کسی کو تصرف کااختیار نہیں۔	۴۸۹	مرتہن جب بلااذن راہن شے مرہون کو بیع کردے وہ بیع اجازت راہن پر موقوف ہے۔	۲۳۷
جوچیز نابالغ کی ملک ہو اس میں سوافقیر والدین کوئی تصرف نہیں کرسکتا۔	۴۸۹	ادھار خریدااور اطمینان کے لئے زیور رہن رکھاتو جائز ہے۔	۲۵۶
ماں کواختیار نہیں کہ اپنے نابالغوں کاحصہ فروخت کرے۔	۶۴۵	زید نے عمرو کے پاس زمین رہن رکھی عمرو نے مدت قرض ختم ہونے پر بغیر اجازت اس کو بیع کردیاتو کیازید کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔	۳۰۱
باپ بالغہ کی رقم اجازت سے صرف کرسکتا ہے۔	۶۴۶	مرض الموت میں ورثہ کے نام مکان فروخت کرناجائز نہیں۔	۳۳۱
نابالغہ کی رقم اپنے صرف میں بطور قرض لانے میں اختلاف ہے، احتیاط بچناہے۔	۶۴۶	اگر کسی نے بعوض دین مہر اپنی جائداد کو بیوی کے ہاتھ بیع کردیا توبلاشبہہ درست ہے۔	۳۸۲
نفقہ		وصی نابالغ کامحافظ ہے لہذا عدم ضرر کی صورت میں جائداد منقول فروخت کرسکتا ہے غیر منقول نہیں مگر چند صور استثناء میں۔	۴۳۱
باپ اگر محتاج ہو توبیٹے کامال بغیر قیمت لے سکتا ہے اور غنی ہو توبقیمت لے۔	۶۷۲	زید نے اپنامکان زوجہ کے نام بیع کردیا پھروہ مرگئی اور نابالغ بچے وارث ہوئے توزید اس جائداد کو بیچ سکتا ہے یانہیں۔	۴۳۶
تعزیر		بازار بھاؤمیں خریدنے کامطلب	۴۶۹
تہمت لگانے والے کی سزا۔	۵۷۹	مرض الموت میں مریض کاکوئی چیز بیچنا بغیر اجازت دیگر ورثہ باطل ہے۔	۴۷۷
بیوع		وصی کو مطلق اختیار بیع نہیں۔	۴۸۰
بیع وفاعین رہن ہے۔	۵۶	مرض موت میں کسی وارث سے بیع صحیح نہیں۔	۶۵۳
مدیون اگر مرجائے تو اس کامکان دائن اپنی مِلک ظاہر کرکے بیچ سکتاہے اور قیمت زائد ہے توتصدق کرے۔	۷۱		

سُود		اگر شوہر نے ازخود زوجہ کی دوا میں اپنا مال صرف کیا تو واپسی کا دعوی باطل ہے۔	۳۸۸
شیئ مرہون کو مرتہن کسی طرح استعمال نہیں کرسکتا۔	۲۱۷	تنہا عورت کا دعوی کہ متوفیہ نے یہ وصیت کی تھی حجت نہیں، بالغین ورثہ کو اختیار ہے اعتبار کریں یا نہ کریں۔	۴۶۶
قرض کے ذریعہ جو منفعت حاصل ہو جائے وہ سود ہے۔	۲۱۷	ایک فریق کے رضامند ہونے سے عدالت کو جائز نہیں کہ اسے قیمت دلادے جب تک دوسرا راضی نہ ہو جائے۔	۵۸۸
بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقًا سود ہے۔	۲۲۳	**شہادت**	
رہن کی زمین جوتنا اس سے نفع لینا حرام ہے۔	۲۴۰	گواہی ہر معاملے میں ثقہ معتبر لوگوں کی معتبر ہے۔	۶۵۱
رہن دخلی سُود ہے۔	۲۵۳	**اقرار**	
شیئ مرہون کا راہن کو کرایہ پر دینا بھی سود ہے۔	۲۵۳	بیس برس گزرنے کے بعد بھی اقرار تسلیم ہوگا اور بے اقرار طالبین کا مدت مدید تک سکوت سقوط دعوی کا باعث ہے۔	۴۷۹
مرتہن نے اگر سود لیا تو کیا راہن سے معاف کراسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۶	اقرار کاذب دیانۃً باطل محض ہے۔	۵۰۰
سود کا مال توبہ سے بھی حلال نہیں ہوتا جب تک کہ اس کو جس سے لیا ہے واپس نہ کرے یا فقراء کو نہ دے دے۔	۲۹۷	اگر عورت اقرار کرے کہ زیور شوہر نے مہر میں دے دیا تو مثل مہر تک زوجہ کا قول مسلم ہوگا۔	۵۷۲
دعوی وقضا		**ھبہ**	
اگر زوجہ مرجائے تو اس کا بھائی صرف اپنے حصہ کے مہر کا دعوی کرسکتا ہے۔	۷۵	معدوم کا ہبہ باطل ہے۔	۲۴۳،۲ ۹۳
قاضی کو ناتمام عقد کو جبرًا تمام کرانے کا حق نہیں۔	۲۴۸	غیر منقسم زمین کا ہبہ باطل ہو جاتا ہے اور اس میں محض داخل خارج کاغذی کا اعتبار نہیں	۳۵۶

مرض الموت میں ہبہ کے احکام	۴۵۳	سفر میں کسی یکہ والے کا کرایہ کسی وجہ سے دینے سے رہ گیا اور یکہ والے کا پتہ نہیں تو کیا کرے۔	۵۵
مرض الموت میں اپنی جائداد کسی ایک وارث کو ہبہ کی تو اس کا حکم کیا ہے، اس کی چند صورتیں۔	۴۵۴	مکان مرہون کو مرتہن سے کرایہ پر لینا مالک وغیر مالک کسی کا جائز نہیں۔	۲۲۱
بغیر تقسیم وراثت کا مال ہبہ کرنے سے ہبہ نہ ہوگا۔	۴۷۱	جان کر مرتہن سے رہن کا مکان کرایہ پر لینا کسی کو جائز نہیں اگر لے گنہگار ہوگا۔	۲۲۲
اگر بیٹے کو ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تو وہ مالک ہوگیا۔	۵۰۳	اگر راہن شیئ مرہون اپنی اجازت سے کسی کو دے تو اس کا کرایہ مالک یعنی راہن ہی لے گا نہ کہ مرتہن۔	۲۲۲
ہبہ مشروط نافذ ہے اور شرط باطل۔	۵۴۷	جو چیز کسی کے پاس رہن ہے اگر مالک اجارہ پر دے تو اجازت مرتہن پر موقوف ہے۔	۲۴۷
اگر تملیک کے بعد کسی مصلحت کو شرط قرار دے تو تملیک تام ہوگی اور شرط معدوم۔	۵۴۷	اجرت مجہول ہو تو اجارہ حرام ہے۔	۲۵۹
قربانی		مرتہن شیئ مرہون کا خود محافظ ہے اس پر کسی طرح کی اُجرت نہیں ہو پاتی۔	۲۷۴
چرم قربانی کی رقم سے کُنوں بنواسکتے ہیں۔	۲۷۵	شے مرہون اجارہ پر دینے سے رہن سے نکل جاتی ہے۔	۲۸۸
قربانی کی کھال ہر نیک کام میں صرف ہوسکتی ہے۔	۲۷۵	کاشتکار بے اجازت زمیندار، زمین کو رہن نہیں رکھ سکتا۔ اور اگر با اجازت زمیندار ہے تو اجارہ ہے۔	۲۹۶
حدیث میں ہے جس نے قربانی کی کھال بیچ ڈالی اس کی قربانی ہی نہیں یعنی اپنے لئے۔	۲۷۵	کاشتکار نے اگر زمیندار کی زمین رہن رکھ دی تو یہ اجارہ ہے رہن نہیں۔	۲۹۷
اجارہ		بازاری عورت کی وہ رقم زنا یا غنا کی اُجرت ہے اس کی مِلک نہیں فقراء کو دیں۔	۶۵۴

امانت		ورثہ کا حق متعلق ہونے کسی کو اجازت نہیں کہ ترکہ کو خیرات کرے، اگر کیا تو تاوان دے۔	۶۳۹
امانت میں وصیت۔	۳۳۳	**بیمہ**	
جوان بڑا بھائی اگر امین ہو تو چھوٹوں کے حق میں وصی کا درجہ رکھتا ہے۔	۳۳۴	بیمہ کی ایک صورت اور اس کا حکم۔	۷۰
جو زیور امانت رکھا گیا تھا وہ شہادت عادلہ پر موقوف ہے۔	۴۴۸	**قسمت**	
امین مرنے والے کے ورثہ کی موجودگی میں امانت کی رقم از خود خیرات میں نہیں خرچ کرسکتا۔	۶۳۶	کسی تقسیم میں نہ حاکم کو یہ جبر پہنچتا ہے نہ ایک حصہ دار کو کہ بے رضائے دیگر بجائے عین قیمت لے۔	۵۸۶
ضمان وتاوان		**عاریت**	
دلہن کا جہیز اگر مال مشترک سے ہے تو تعدی کے طور پر تلف کرنے میں ضمان لازم ہوگا۔	۳۴۸	مرتہن نے اگر واقعی عاریۃً بلا دباؤ رہن کا مکان لیا تو اس میں رہنا جائز، اور اگر کرایہ پر دے دیا تو اجازت راہن سے اجارہ ہوجائے گا، رہن باطل۔	۲۹۹
اگر بھائی نے بہن کو جہیز بطور ہبہ دیا تو وہ اس کی مستقل مالک ہے۔ اگر مال مشترک سے دیا تو دینے والے پر ضمان ہے۔	۳۵۳	ایک شخص نے زیور عاریت لیا پھر دینے والا مرگیا اور ایک غیر معتمد سے معلوم ہوا کہ مرنے والا زیور پوتے کو دینے کی وصیت کرگیا ہے، تو اس صورت میں کیا حکم ہے۔	۶۳۴
اگر فاتحہ کی وصیت کا پیسہ اغنیاء کو کھلایا تو ناجائز اور خرچ کرنے والے پر تاوان ہے۔	۳۶۲	مزارعت	
مال مشترک سے بے اجازت جس قدر صرف کیا اس کا تاوان لازم ہے۔	۴۹۷	کاشت کار کھیت کا مالک نہیں ہوتا۔	۲۷۶

I.T. Majlis of Dawateislami

ہنود سے زمین دخلی رہن میں لے کر زراعت کرنے میں حرج نہیں۔	۲۹۹	تقسیم میراث کی بعض صورتیں۔	۳۷۸
فرائض ومیراث		اگر پسر نے باپ کا قرضہ ادا کردیا تو تقسیم میراث کے وقت اس کو وصول کرسکتا ہے۔	۳۸۵
زوج کا ترکہ زوجہ کو اپنے مہر میں لے لینے کی اجازت ہے یا نہیں۔	۵۹	بالغ وارث جائز خرچ کی اجازت دے تو اس کے حصہ سے مجرا ہوں گے مگر نابالغ کا مال بہر حال محفوظ رہے گا نہ وہ اجازت دے نہ اس کی طرف سے دوسرا، اس کو پورا پورا حصہ ملے گا۔	۴۴۷
اگر بعض لوگ مہر زوجہ کی معافی کا دعوی کریں اور زوجہ انکار کرے تو مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں۔	۶۰	نابالغوں کے تقسیم حصص میں کمی رکھنا حرام ہے۔	۴۴۸
اپنے حصہ کو مہر زوجہ میں دے دیا بعد مرنے کے دوسرے اشخاص نے درخواست کی کہ ہمارا بھی قرض ادا کیا جائے اور علاوہ اس حصہ مہر کے اور جائداد نہیں کیا حکم ہے۔	۶۷	نابالغوں کے حصے یکجا رہیں بالغوں کو اپنے حصے کا اختیار ہے۔	۴۴۸
میراث ایک شکل۔	۳۳۲	باپ کے ہوتے ہوئے بھائی بہن کا استحقاق نہیں۔	۴۶۳
اگر وارث کبیر نے صغیر کی پرورش یا شادی میں خرچ کیا تو ضروری اخراجات اس کے حصہ مال سے مجرا لے سکتا ہے۔	۳۴۲	بیوی مری صرف شوہر اور والدین کو چھوڑا تو اس کی تقسیم وراثت کی صورت۔	۴۶۳
اگر بے اذن، بالغ بھائی بہن کی بڑے بھائی نے شادی کردی اور اخراجات میں مشورہ واجازت نہ لی تو اس کو مجرا نہیں لے سکتا۔	۳۴۳	ارث ساقط کئے ساقط نہیں ہوتی۔	۴۶۴
دلہن کا جہیز مجرا کیا جائے گا یا نہیں۔	۳۴۵	اگر یہ کہا کہ مجھ کو نہیں چاہئے دیکھیں صدقہ وغیرہ میں خرچ کر دو تو اس سے اس کی وراثت ساقط نہیں ہوتی چاہے تو لے چاہے صرف کرنے کی اجازت دے۔	۴۶۴
مسئلہ وراثت کی ایک شکل	۳۶۸	بھانجی وماموں زاد بھائی یہ دونوں چچازاد بھائی کے ہوتے ہوئے وارث نہیں ہوسکتے۔	۴۶۶
عورت کا نکاح ثانی کرلینا اس کے حق میراث کو نہیں روک سکتا۔	۳۷۴	دین مہر یا دیگر دیون ترکہ ہی سے ادا کئے جائیں گے وارثوں پر ادائیگی واجب نہیں از خود کریں بہتر ہے۔	۴۶۷
ایک صورت ترکہ کی تقسیم شرعی۔	۳۷۴		

مشترکہ مال کی تقسیم وراثت کا طریقہ۔	۴۶۹	کوئی مرے اور صرف ایک لڑکی چھوڑے تو کل مال اس کا ہے۔	۶۰۸
تقسیم ترکہ کی ایک شکل۔	۴۷۸	اگر مرنے والے نے صرف باپ کو چھوڑا وہ بھی کل کا وارث ہے۔	۶۰۸
مال متروکہ سے ادائے دین تقسیم ترکہ سے مقدم ہے۔	۴۹۸	شوہر جبکہ چچا کا بیٹا اور تنہا وارث ہو کل مال پائے گا۔	۶۱۳
زوجہ کا حق وراثت ربع سے زائد جائز نہیں۔	۵۸۶	رَد علی الزوجین کا ماننا دو طرح ہے۔	۶۱۶
اصحاب فرائض سے جو بچے اس کے مصارف۔	۵۹۵	زوجین بہ نسبت نرے بیگانوں کے اقرب ہیں۔	۶۱۶
بیت المال کا کوئی حصہ معین نہیں۔	۵۹۶	فساد بیت المال کے باوجود اگر کسی نے بیت المال میں رَد کردیا تو یہ جائز نہیں۔	۶۱۹
ردّ علی الزوجین وراثۃً نہیں۔	۶۰۰	موصی لہ بالزائد کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین نہ ہوگا۔	۶۲۰
اصحاب رَد پر رَد بجہتِ عصوبت ہے۔	۶۰۰	مقرلہ، موصی لہ، بالزید سے بالا واقوی ہے۔	۶۲۱
مرد مرے اور ایک زوجہ ایک دختر چھوڑے تو مسئلہ آٹھ سے کرتے ہیں۔	۶۰۱	موصی لہ، بالزائد کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین خرق اجماع ہے۔	۶۲۲
ایک زوجہ کا سات دختر کا۔	۶۰۱	موصی لہ بالزائد کا مرتبہ ہر غیر وارث سے مقدم ہے۔	۶۲۲
رد علی الزوجین فساد بیت المال کی وجہ سے ہے۔	۶۰۳	یہ غلط ہے کہ رد علی الفروض النسبیہ کی علت فساد بیت المال ہے۔	۶۲۵
رد علی الزوجین ضرورۃً ہے لہٰذا اگر بیت المال منتظم ہو تو اسی میں رکھا جائے گا۔	۶۰۳	کفن دفن کے بقدر سنت کے بعد جو بچے اس کو حسب وصیت تہائی خرچ کیا جائے باقی ورثہ کو۔	۶۴۷
فساد بیت المال کی علت کے قائل شافعیہ بھی ہیں۔	۶۰۴	دَینِ مستغرق مانع مِلک ورثہ نہیں۔	۶۵۶
رد علیٰ ذی السہم النسبی کی علت فساد بیت المال بتانا افسد فسادات ہے۔	۶۰۸	تقسیم ترکہ کی ایک شکل۔	۶۵۷

I.T. Majlis of DawateIslami

مفقود الخبر		**عُرف ورواج**	
اگر کوئی وارث مفقود الخبر ہو تو اس کا ترکہ امانت رکھیں تا آنکہ اس کی عمر کے تمام آدمی مرجائیں تو پنچ کے ذریعہ اس کی موت کا حکم لگا کر اس کے وارثوں میں تقسیم کردیں۔	۴۷۹	شادی میں دلہن کو چڑھاوے کا حکم اس کی قوم کے رواج پر موقوف ہے۔	۶۳۹
وارث بھائی مفقود الخبر ہو تو اس کا حصہ مال کیا کرے۔	۴۹۳	**وعدہ**	
منطق		وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔	۶۹
قرض و دَین میں عموم خصوص ہے۔	۵۷۷	**بھیک مانگنا**	
تاریخ و تذکرہ		ملعون ہے جو اللہ کا واسطہ دے کر مانگے۔	۲۱۴
شاہ عبدالعزیز کی طرف حرمت قلیان کی نسبت غلط ہے۔	۹۲	جو خدا کا واسطہ دینے پر کچھ دے تو ستّر نیکیاں لکھی جائیں اور نہ دینے کا بھی اختیار ہے۔	۲۱۴
وفد عبدالقیس کی آمد۔	۱۴۴	اللہ کا واسطہ دے کر سوائے اُخروی دینی شَے کے کچھ نہ مانگا جائے۔	۲۱۵
نوح علیہ السلام اور شیطان کا منازعہ۔	۱۵۰	اس بارہ میں عبداللہ بن مبارک کا قول۔	۲۱۵
الاٰثار فی الباب عن امیر المومنین قد تواترت۔	۱۶۸	قوی تندرست پیشہ ور سائل کو ایک پیسہ نہ دے۔	۲۱۵
اگلی شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی مگر نشہ ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔	۲۰۴	**فضائل و مناقب**	
حضرت مولٰی علی اور سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف غلط اشیاء کا انتساب۔	۲۰۴	علماء دین کا ادب باپ سے زیادہ فرض ہے۔	۲۱۶
		تین شخص ایسے ہیں جن کا حق منافق ہی ہلکا جانے گا ان میں سے ایک عالم دین ہے۔	۲۱۶

ترغیب وترہیب		**صلہ رحمی**	
قرض ادانہ کرنے والے کے القاب۔	۶۹	حاجت پوری کرنے میں اپنے قریب کو مقدم رکھے۔	۲۱۶
تقریباً تین پیسہ قرض کے عوض سات سو نمازیں باجماعت جائیں گی۔	۶۹	**مرض وعلاج**	
حرمت شراب اور اس پر تہدید میں سات احادیث کریمہ۔	۱۰۱	افیون، چرس، بنگ کا استعمال بطور دوا۔	۲۱۳
جو شراب نکالے اور اٹھائے اور پیئے اور بیچے اور خریدے سب پر لعنت ہے۔	۱۰۱	افیون معدے میں سوراخ کردیتی ہے۔	۲۱۳
جو شراب پئے اللہ تعالٰی اس سے ایمان کھینچ لیتا ہے۔	۱۰۲	**شُرب وطعام**	
تین شخص جنت میں نہ جائیں گے۔	۱۰۲	تاڑی کے خمیر والی روٹی سے احتراز چاہئے۔	۲۱۰
شرابی کا عذاب۔	۱۰۲	کھجور کا رس جب تک نشہ نہ لائے حلال ہے۔	۲۱۰
جو ایک بوند شراب پئے اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہو اور جنت اس پر حرام۔	۱۰۳	تاڑی سے بنائی گئی پاؤ روٹی کا حکم۔	۲۱۱
خدا کے خوف سے شراب چھوڑنے والے کا ثواب۔	۱۰۳	تمباکو کھانا حقہ پینا جائز ہے۔	۲۱۲
نشہ گناہ کبیرہ ہے۔	۲۰۷	کھجور کا رس جو درخت کو چھیل کر نکالتے ہیں اس کا پینا کیسا ہے۔	۲۱۳
ورثہ اگر ثلث مال میں نفاذ وصیت کو روکیں ظالم ہیں۔	۴۰۸	تاڑ کا پھل جائز اور تاڑی پینا حرام۔	۲۱۳
جو کسی مسلمان سے سختی دور کرے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی سختی دور کرے۔	۴۶۴	تاڑی جو حقیقۃً سرکہ ہوجائے جائز ہے۔	۲۱۳
کسی کی طرف حرام کاری کی نسبت کرنے پر تہدیدیں۔	۵۷۸	**آداب**	
		درود شریف کے وقت حقہ نہ پیئے اگر پیا ہو تو مسواک کلی سے منہ صاف کرکے شروع کرے۔	۱۰۴

حِیَل		قیامت کے دن مسلم سے معافی کی امید ہے ذمی سے نہیں۔	۶۴
نابالغ بچوں کے مال صرف کرنے کا ایک حیلہ شرعیہ	۴۷۱	اللہ تعالٰی حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں۔	۶۹
تنقید		اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے، ناجائز باتوں میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔	۲۰۴
مولوی عبدالحیٔ لکھنوی کا رد۔	۹۲	بڑا بھائی بھی حق تعظیم رکھتا ہے مگر والدین کے برابر نہیں۔	۲۰۵
وصیت و وراثت سے متعلق آٹھ فتووں کا رد	۵۴۲	والدین کی خدمت اور بچوں کی تربیت بھی عین کارِ دین و رضائے رب ہے۔	۴۶۹
فتوٰی نمبر ۱ کی عجیب تر تحریر	۵۵۷	میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ زندہ یکساں ہے۔	۵۹۲
فتوٰی نمبر ۱ کی ایک عجیب وغریب غلطی۔	۵۷۴	**حظر واباحت**	
رَدِّ بدمذہباں		بدگمانی اور تہمت کی جگہوں سے بچنے کا حکم	۷۸
مفتی ندوہ مولوی عبداللہ ٹونکی کے ایک غلط فتوٰی کا رَد۔	۲۶۵	وہ حقہ جو حواس ودماغ میں فتور لائے ممنوع ہے۔	۹۳
حقوق العباد		ہندوؤں کی بنائی مٹھائی کھانا حلال بچنا بہتر۔	۹۹
غیر مسلم کا قرضہ مسلمان پر تھا دونوں مرگئے اب اس مسلمان پر کچھ عذاب ہے یا نہیں۔	۶۲	حقے کا دم لگانا کہ حواس خراب ہو حرام ہے۔	۱۰۴
کافر حربی کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں۔	۶۲	اگر بو رکھتا ہے خلاف اولٰی ہے۔	۱۰۴
ذمی کا مال مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے۔	۶۴	افیونی کو کھانا کھلایا جاسکتا ہے مگر پیسہ نہ دیا جائے جبکہ معلوم ہو کہ افیون میں صرف کرے گا۔	۱۰۵
ذمی کا حق مسلمانوں کے حق سے سخت تر ہے۔	۶۴	صحیح یہی ہے کہ دوا میں بھی شراب کا استعمال جائز نہیں۔	۲۰۵

جامد چیزوں میں کثیر مسکر حرام ہے۔	۲۰۶	یتیم خانہ میں دئے گئے کپڑے اگر بیکار ہوں توان کو درست کراکے استعمال کرانا یا اس کو فروخت کرکے مصرفِ یتامٰی میں لانا درست ہے۔	۴۳۴
بھنگ اور افیون کا نشہ حرام مگر یہ نجس نہیں۔	۲۰۷	جو مصاحف وقف یتیم خانہ میں ضرورت سے زائد ہوں ان کو ہدیہ کرکے خرچ کرسکتے ہیں۔	۴۳۴
حرام کرنا اور اس کی رائے دینا دونوں حرام ہے۔	۲۰۸	یتیم خانہ کے چندہ سے یتیموں کا ختنہ اور یتیم بچیوں کی شادی میں معمولی طور پر خرچ کرسکتے ہیں۔	۴۳۵
خالص پانی بھی دَورِ شراب کی طرح پینا منع ہے۔	۲۱۳	متفرقات	
زرخبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے اس لئے کہ یہ مانع اجابت دعا ہے۔	۲۲۷	یہ خیال کہ روزِ قیامت حقہ پینے والے سے حضور رُوئے انور پھیرلیں گے، محض افترا ہے۔	۲۱۰
عوام کو یہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین کے فتوٰی پر عمل کریں نہ کہ ہر کس و ناکس کے۔	۲۴۴	دکان اس شرط پر لینا کہ جو کچھ اس پر خرچ ہوگا کروں گا منافع بھی لوں گا اور جب میرا روپیہ واپس ہوگا تو دکان مدت معینہ گزرنے پر چھوڑ دوں گا۔	۲۴۴
مواضعات کا دخلی رہن جس کا آج کل رواج ہے محض حرام ہے۔	۲۷۸	عوام اور آج کل کے قانون دان نرے تلفظ یا کاغذ کی تحریر کو قبضہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔	۲۸۴
جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ ہے اور سچی بات پر بلاضرورت نہ چاہئے۔	۳۰۳	مجرد رجسٹری یا کوئی تحریر کوئی چیز نہیں جب تک گواہان سے ثابت نہ ہو۔	۵۰۳
دعوت کا کھانا بر سبیل اباحت ہوتا ہے بغیر اذن مالک اس میں تصرف جائز نہیں۔	۳۶۲	درمختار میں ہے کہ زوجین پر رد نہیں اور جور د علی الزوجین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے اس میں کلام ہے۔	۶۱۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب المداینات

(مداینات کا بیان)

مسئلہ ا: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسٹیٹ مرسلہ ملا حاجی یعقوب علی خاں ۲۱ذیقعدہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین عظّام شرع نبی، اس مسئلہ میں، کہ ہندو کفار سے کسی اہل اسلام نے قرض لیا تھا، اور قضاء عنداللہ وہ قرضخواہ واصل جہنم ہوا اور اس کا کوئی ورثہ باقی نہیں تو اس کے قرضہ کے ادا کی کیا صورت ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جو شخص مرجائے اور کوئی وارث نہ چھوڑے نہ کسی کے نام وصیت کی ہو تو اس کے مال کا مستحق بیت المال ہے اور بیت المال کے ایسے مال کے مستحق مذہب جمہور پر فقراء مساکین عاجزین ہیں کہ ان کے کھانے پینے، دوادارُو، کفن دفن میں صرف کیا جائے۔ درمختار میں ہے:

ورابعها الضوائع مثلا مالا یکون لہ اناس وارثونا[1]۔	اوران میں چہارم ضوائع (گری پڑی اشیاء) ہیں مثلاً وہ شیئ جس کا لوگوں میں سے کوئی وارث نہ ہو۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

ردالمحتار میں ہے:

الضوائع اللقطات مثل مالا ای مثل ترکة لاوارث لها اصلا .اولها وارث لایردعلیه. فمصرفه المشهور اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم فیعطی منه نفقتهم وادویتهم وکفنهم وعقل جنایتهم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصله ان مصرفه العاجزون الفقراء [1] اھ ملتقطا۔	ضوائع یعنی لقطے (گری پڑی اشیاء) پس ماتن کا قول "مثل مالا" یعنی اس ترکہ کی مثل جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو یا ایساوارث ہو جس پر (بچاہواترکہ) رَد نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس کا مشہور مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں، اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاطًا۔(ت)

اور یہ حکم جیسا مال مسلم کے لئے ہے یونہی مال کافر کے لئے بھی، عالمگیری میں ہے:

من مات من اهل الذمة ولاوارث له فماله لبیت المال کذا فی الاختیار شرح المختار۔ [2]	ذمیوں میں سے کوئی مرگیا اور اس کا کوئی وارث نہیں تو اس کا مال بیت المال میں رکھا جائے گا۔ اختیار شرح مختار میں یونہی ہے۔(ت)

پس ایسی صورت میں وہ مال فقراء کو دے دے نہ اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس کافر کو پہنچے کہ کافر اصلاً اہل ثواب نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ خبیث مرگیا اور موت مزیل ملک ہے تو اب وہ اس کا مالک نہ رہا بلکہ حق بیت المال ہوا تو فقراء کو بذریعہ استحقاق مذکور دیا جاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی عبدالحمید صاحب ۲۵ رجب المرجب ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاہم اللہ تعالٰی الٰی یوم الدین، اس میں کہ زید اکبرآباد سے چل کر شب کو تین بجے دہلی کے اسٹیشن پر اُترا اور وہاں سے تین آنے کرایہ کو ایک

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

گاڑی کے سرائے میں آیا اور وہاں آکر گاڑی بان کو کرایہ دینے کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا تو پیسے نہ تھے گاڑی بان سے کہا کہ صبح کو آن لے لینا، اس نے کہا اچھا، زید صبح کو دس بجے تک اسٹیشن پر گاڑی بان کا منتظر رہا وہ نہ آیا بعد دس بجے کے زید شہر میں اپنا کام کرنے کو چلا گیا اپنے سب کام سے فارغ ہو کر شام کی گاڑی میں سوار ہو کر اپنے گھر چلا آیا وہ گاڑی بان کا کرایہ اس کے ذمے رہے گا تو اس کو زید کب کیسے ادا کرے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اسٹیشن پر جانے والی گاڑیاں اگر کوئی مانع قوی نہ ہو تو ہر گاڑی کہ آمد ورفت پر ضرور آتی جاتی ہیں۔ اگر زید اسٹیشن پر تلاش کرتا ملنا آسان تھا اب بھی خود یا بذریعہ کسی متدیّن معتمد کے تلاش کرائے اگر ملے دے دیئے جائیں، ورنہ جب یاس ونا اُمیدی ہو جائے اس کی طرف سے تصدّق کردے اگر پھر بھی وہ ملے اور اس تصدّق پر راضی نہ ہو تو اسے اپنے پاس سے دے،

کما ھو شان اللقطۃ وسائر الضوائع۔	جیسا کہ لقطہ اور دیگر گری پڑی اشیاء کا حال ہوتا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

(علیه دیون ومظالم جهل اربابها وَلیس) من علیه ذالک (من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله وان استغرقت جمیع ماله) هذا مذهب اصحابنا لانعلم بینهم خلافا کمن فی یده عروض لم یعلم مستحقیها اعتبارا للدیون بالاعیان (و) متی فعل ذٰلک (سقط عنه المطالبة من اصحاب الدیون (فی العقبی) [1] مجتبٰی	اس پر قرض اور مظالم ہیں جن کے مالکوں کا پتہ نہیں اور وہ مقروض ان مالکوں کی معرفت سے نا امید ہو چکا ہے تو اس پر ان قرضوں کے برابر اپنے مال سے صدقہ کرنا ضروری ہے اگرچہ اس کا سارا مال اس میں ختم ہو جائے، ہمارے ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ ہمارے علم میں ان کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ جیسے کسی شخص کے پاس ایسا سامان ہو جس کے مستحقین معلوم نہیں قرضوں کو اجناس پر قیاس کرتے ہوئے، اور جب اس نے ایسا کر دیا یعنی صدقہ کر دیا تو آخرت میں اصحاب دیون کی طرف سے اس پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳٦٦

انہیں میں ہے:

(فان جاء مالکھا) بعد التصدق (خیّر بین اجازۃ فعلہ ولو بعد ھلاکھا) ولہ ثوابھا (او تضمینہ)[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اگر صدقہ کردینے کے بعد مالک آگیا تو اس کو اختیار دیا جائے گا کہ چاہے صدقہ کرنے والے کے فعل کو جائز قرار دے اگرچہ اجازت لقطہ کی ہلاکت کے بعد ہو اس کا ثواب مالک کو ملے گا اور اگر چاہے تو اس کو ضامن ٹھہرائے۔(ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳: از بنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور ۵ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید صاحب علاقہ وجائداد اپنا ایک موضع جس میں گودام بیل اس کے متعلق مکانات وبنگہ واصطبل وگاڑی خانہ وغیرہ تھے وقدرے اپنے دوسرے موضع سے بعوض چھ ہزار روپے کے بدست عمرو بیع میعادی مدت دس سال کی کرتا ہے اور خالد عم زادہ زید جس کا کاروبار سب زید سے علیحدہ عمرو مشتری سے یہ شرط کرتا ہے کہ بیع میعادی کرلو سارا انتظام اس موضع کا ہم بطور ٹھیکہ دار کے کریں گے فقط تم کو نفع دوسو پچاس روپے سالانہ دیا کریں گے اور مابقی بعد ادائے مال گزاری سرکار ودیگر مصارف ہم لیں گے ہم اس کے ذمہ دار ہیں اور کسی امر سے تم کو تعلق نہ رہے گا ووقت انقضائے میعاد فوراً تمہارا روپیہ ادا کردیا جائے گا اور اندر میعاد تم اپنا روپیہ چاہوگے تو قبل چندماہ ہم کو اطلاع دینا کہ ہم یعنی زید روپیہ واپس کردیں گے اور اگر اندر میعاد ہم کو روپیہ مہیا ہوجائے گا تو ہم دے کر اپنی جائداد واپس لیں گے اور کسی نوع کی مداخلت تم کو حاصل نہ رہے گی یہ قول خالد ٹھیکہ دار کا ہے اگر عمرو شرط مذکور کے ساتھ معاملہ کرلے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ درصوت عدم جواز کے کس طور سے معاملہ مذکور تو جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب:

یہ صورت بیع وفا کی ہے اور بیع وفا مذہب محقق ومنقح میں عین رہن ہے۔

فی ردالمحتار قدمنا اٰنفا عن جواھر الفتاوٰی انہ الصحیح قال فی الخیریۃ والذی علیہ الاکثر	ردالمحتار میں ہے ابھی ابھی ہم جواہر الفتاوٰی کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ یہ صحیح ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے اکثر علماء کا مؤقف یہ ہے کہ

[1] الدرالمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۵

انه رهن لایفترق عن الرهن فی حکم من الاحکام قال السید امام قلت للامام ابی الحسن الماتریدی قد فشاهذا البیع بین الناس وفیه مفسدة عظیمة وفتواك انه رهن وانا ایضا علی ذٰلك فالصّواب ان نجمع الائمة ونتفق علٰی هذا ونظهره بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقدظهرذلك بین الناس فمن خالفنافلیبرز نفسه ولیقم دلیله[1] الخ۔	یہ رہن ہے اور کسی حکم میں یہ رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سید امام نے فرمایا میں نے ابوالحسن ماتریدی سے کہا کہ یہ بیع لوگوں میں پھیل گئی ہے اور اس میں فساد عظیم ہے جبکہ آپ کافتوٰی ہے کہ یہ رہن ہے اور میں بھی اسی پر قائم ہوں۔ چنانچہ درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کو اس پر جمع کرکے متفق ہوں اور اس کو لوگوں میں ظاہر کریں، توانہوں نے فرمایا کہ اس وقت ہمارافتوٰی معتبر ہے اور وہی لوگوں میں ظاہر ہے توجو ہماری مخالفت کرے وہ اپنا مؤقف ظاہر کرے اور اس پر دلیل قائم کرے الخ (ت)

اور رہن میں کسی طرح کے نفع کی شرط بلاشبہہ حرام اور خالص سود ہے بلکہ ان دیار میں مرتہن کا مرہون سے انتفاع بلاشرط بھی حقیقۃً بحکم عرف انتفاع بالشرط ربائے محض ہے۔

قال الشامی، قال ط قلت والغالب من احوال الناس انهم انمایریدون عندالدفع الانتفاع ولولاه لما اعطاه الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو مایعین المنع۔[2]	شامی نے کہا کہ ط نے فرمایا میں کہتا ہوں غالب حال لوگوں کا یہ ہے کہ وہ رہن سے نفع کا ارادہ رکھتے ہیں اگر یہ توقع نہ ہو تو قرض ہی نہ دیں اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ بات عدم جواز کو متعین کرتی ہے۔ (ت)

بالجملہ جبکہ دیہات اس بیع بے معنی کے سبب ملک زید سے نہ نکلے تو عمرو کو ان کی توفیر سے کسی جز کا استحقاق نہیں، نہ وہ ملک غیر کو اجارہ پر دے سکتا ہے، نہ رہن واجارہ ہرگز جمع ہوسکتے ہیں، نہ یہ صورت اجارہ دیہات کہ ان بلاد میں جاری جس کا حاصل اجارہ توفیر ومحاصل ہوتا ہے نہ اجارہ زمین کہ وہ تو اجارہ مزارعین زمین ہے، کسی طرح صورت جواز نہیں رکھتی ہے کماحققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۶

[2] ردالمحتار کتاب الرهن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

فی فتاوٰنا(جیساکہ اس کی تحقیق ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم اپنے فتاوٰی میں کرچکے ہیں۔ت) غرض یہ حیلہ باطلہ اصلاً بکارآمد نہیں، ہاں اس کی صورتوں میں ایک صورت یہ ہے کہ مثلاً زید چھ ہزار روپے عمرو سے دس سال کے وعدے پر لیا چاہتا ہے اور عمرو ڈھائی سو روپے سال نفع کا خواستگار ہے تو زید اپنی کوئی شے عمرو کے ہاتھ چھ ہزار روپے نقد کو بیچے اور عمرو روپے ادا کرکے شے بیع پر قبضہ کرلے اس وقت تک کوئی ذکروشرط درمیان نہ ہو اس بیع کو صرف زبانی طور پر بجالائیں بلکہ حقیقتاً بیع مقصود ہو۔ پھر عمرو وہی شے زید کے ہاتھ آٹھ ہزار پانسو روپے بوعدہ دہ سال فروخت کرے، یہ زیادت کہ ایک بیع صحیح میں بتراضی طرفین ہوئی حلال و رواہے۔ فتاوٰی امام اجل قاضی خان میں ہے:

رجل له علی رجل عشرة دراهم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلك العشرة ویقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشرالی سنة فیقع التجوز عن الحرام ومثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه امر بذٰلك رجل طلب من رجل دراهم لیقرضه بَدِہ دَوازدہ فوضع المستقرض متاعا بین یدی المقرض فیقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة درهم فیشتری المقرض ویدفع الیه الدراهم ویاخذ المتاع ثم یقول المستقرض بعنی هذا المتاع بمائة و عشرین فیبیعه لیحصل للمستقرض مائة درهم و یعود الیه متاعه ویجب للمقرض علیه مائة و عشرون درهما[1] الخ۔	ایک شخص کے دوسرے پر دس درہم قرض ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ تیرہ درھم ہوجائیں تو علماء نے کہاکہ وہ مقروض سے انہی دس درھموں میں کوئی شے خریدے اور اس کو اپنے قبضہ میں لے کر پھر تیرہ درھم کے عوض ایک سال کے ادھار پر مدیون کے ہاتھ فروخت کردے، تواس طرح حرام سے اجتناب واقع ہوجائے گا اسی کی مثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ایک شخص نے دوسرے سے دس درھم قرض مانگا اس شرط پر کہ وہ بارہ درھم واپس کرے گا تو قرض خواہ اپنی کوئی چیز قرض دہندہ کے سامنے رکھ کرکہے کہ میں نے یہ چیز سَو درھم کے عوض تمہارے ہاتھ فروخت کی۔ قرض دہندہ اس کو خرید کر سو درھم ادا کردے اور وہ چیز اپنے قبضہ میں لے لے۔ پھر قرض خواہ کہے کہ یہ چیز تو میرے ہاتھ ایک سوبیس درھم میں فروخت کردے تاکہ قرضخواہ کو سو درھم بھی مل جائیں اور اس کا سامان بھی اس کے پاس لوٹ آئے اور قرض دہندہ کے لئے اس پر ایک سوبیس

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیع فصل فیمایکون فرارًا عن الربٰو نولکشور لکھنؤ ۲/ ۴۰۶

	درھم واجب ہو جائیں الخ۔(ت)

پھر اگر زید میعاد کے اندر زرِ اصل یعنی چھ ہزار روپے ادا کرے گا تو بحساب دو سو پچاس روپے سالانہ اس وقت تک جتنا لازم ہوا ہوگا اسی قدر ادا کرنا ہوگا مثلاً پانچ برس میں روپے ادا کردیئے تو صرف ساڑھے بارہ سو زیادہ ہوں گے اور دو برس میں تو فقط پانچ سو اور چھ مہینے میں تو صرف سوا سو علیٰ ھذا القیاس، تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

قضی المدیون الدین المؤجل قبل الحلول اومات فحل بموته فاخذ من ترکته لایأخذ من المرابحة التی جرت بینهما الابقدر مامضی من الایام وھو جواب المتاخرین قنیه وبه افتی المرحوم ابوالسعود افندی مفتی الروم وعلله بالرفق للجانبین۔[1]	مدیون نے دین مؤجل کو میعاد سے پہلے ادا کردیا یا مدیون مر گیا جس کی بناپر دین حالی ہوگیا(مؤجل نہ رہا) چنانچہ میت مدیون کے ترکہ سے لے لیا گیا تو اب قرضخواہ وہ نفع نہ لے جو اس کے اور مدیون کے درمیان طے پایا تھا مگر بقدر ایام گزشتہ کے اور یہ ہی جواب متاخرین کا ہے(قنیہ)اور مفتی روم ابو السعود آفندی نے یہی فتوٰی دیا اور دونوں جانبوں کی رعایت کو اس کی علت قرار دیا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قوله یأخذ من الخ صورته اشتری شیئا بعشرة نقد اوباعه لآخر بعشرین الی اجل ھو عشرة اشھر فاذاقضاہ بعد تمام خمسة اومات بعدھا یأخذ خمسة ویترك خمسة[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول لایخذ من الخ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی چیز دس درھم نقد کی خریدی اور دوسرے کے ہاتھ بیس درھم کے عوض دس مہینے کے ادھار پر فروخت کی۔ پھر مدیون نے اگر پانچ ماہ بعد وہ مرگیا تو صاحب دین پانچ درھم نفع لے اور پانچ درہم چھوڑدے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۴: از گوالیار ۲۵ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مثلاً ہندہ کا شوہر زید فوت ہوا اس نے مال از قسم

[1] الدرالمختار مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] ردالمحتار مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۲

زیور و کپڑے اور مکانات چھوڑے اور ہندہ کا اس جائداد متروکہ زید سے زائد ہے اور ہندہ نے اپنے دین مہر میں جو جائداد کہ شوہر ہندہ نے چھوڑی اور ہندہ کے قبضہ میں ہے تو بعد وفات ہو جانے اپنے شوہر کے جائداد مذکور کو ہندہ لے لے تو ہندہ کو لے لینا اس جائداد کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بعد فوت ہونے شوہر کے ہندہ نے وقت تیار ہونے جنازہ اپنے شوہر کے دین مہر اپنا جو ذمہ شوہر اپنے کے ہاتھ وہ معاف کردیا حالانکہ ہندہ معاف کرنے مہر سے انکار کرتی ہے توآیا ہندہ کے مہر میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں؟ اور دوسرے وارث زید کا دعوی دین مہر میں چل سکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

تقریر وبیان سائل سے ظاہر ہوا کہ جائداد اگرچہ پہلے سے قبضہ ہندہ میں ہے مگر زید نے اپنی حیات میں یہ مال وجائداد ہندہ کو اس کے مہر میں نہ دیا تھا بلکہ خود ہندہ نے بعد فوت شوہر ترکہ شوہر اپنے دین مہر میں لے لیا پس صورت مستفسرہ میں جبکہ حسب اظہار سائل تعداد زر مہر قیمت ترکہ سے زائد ہے تو وارثوں کے لئے ترکہ میں اصلاً ملک ثابت نہ ہوئی۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث [1]۔	جو قرض تمام ترکہ کو محیط ہو وہ ملک وارث سے مانع ہوتا ہے۔ (ت)

ترکہ میں جس قدر زر نقد تھا ہندہ کا اسے اپنے مہر میں لے لینا صحیح وواجبی ہوا اور اتنے روپے مہر میں سے ادا ہوگئے۔ عالمگیری میں ہے:

ان ترك المیّت صامتا مثل مهرها کان لها ان تاخذ مهرها من الصامت لانها ظفرت بجنس حقها۔ [2]	اگر میت نے اپنی بیوی کے مہر کے برابر نقدی چھوڑی تو وہ اس میں سے اپنا مہر وصول کرسکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس وصول کرنے پر قادر ہوگئی ہو۔ (ت)

باقی مال نہ تو وارث بے ادائے بقیہ مہر اپنی میراث میں لے سکتے ہیں نہ ہندہ بے رضامندی دیگر ورثہ اپنے مہر میں لے سکتی ہے بلکہ اسے بیچ کر ہندہ کا باقی مہر اور اسی طرح اور دین بھی اگر ذمہ زید ہو ادا کیا جائے گا اور کوئی وارث کچھ نہ پائے گا خواہ دیگر ورثہ اپنے پاس سے مہر وغیرہ دین ادا کرکے جائداد

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۰۴

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۵۳

بیع سے بچالیں۔اشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[1]۔	وارث کو حق پہنچتاہے کہ وہ میت کاقرض اداکرکے ترکہ کو بیع سے بچالے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ لوگوں کا وہ بیان معافی مہربہ ثبوت شرعی ثابت نہ ہو یعنی اگردومرد یا ایک مرد دوعورت مسلمان نمازی پرہیزگار جونہ کسی گناہ کبیر میں مبتلاہوں نہ کسی گناہ صغیرہ میں اصرار رکھتے ہوں نہ کوئی فعل سفلہ میں آوارہ وضعی کاکرتے ہوں اوران کی عقل ویاد قابل اعتماد ہواوراس معاملہ میں ان کابیان گمان وتہمت طرفداری سے پاک ہو(کہ ان سب شرائط کی تفصیل کتب فقہ میں مذکورہے)ایسے گواہ شہادت شرعیہ دیں کہ ان کے سامنے ہندہ نے مہرمعاف کردیا تومعافی ثابت ہوجائے گی اورہندہ دعوی مہرنہ کرسکے گی اوراگرگواہوں میں ان سات شرطوں میں سے ایک بھی کم ہے توان کابیان نامقبول اوردعوی ہندہ نامسموع ونامعقول،پھربرتقدیر ثبوت معافی مہرہندہ میں دیگرورثہ کاکوئی دعوی نہیں یہ محض جہالت ہے معافی کے یہ معنی کہ وہ باوجود ذمہ زید پر تھاساقط ہوگیانہ یہ کہ کوئی مال زید کوملاجس میں وارث حصہ دارنہ ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: ۲۱جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے یافتنی مبلغ نوّے روپے ذمہ بکرکے واجب الادا ہیں جس کا اقرار بکرنے زیدسے کیاکہ مبلغ نوے روپے عرصہ نوسال میں بحساب دس روپے سالانہ اداکیاکروں گاروپیہ آخرسال فصل پردیاکروں گا اگرکسی سال کاروپیہ وعدہ مندرجہ اقرارنامہ پرادانہ کروں توکل روپیہ یکمشت فوراًاداکروں گااورزید کواختیارہے کہ بشرط وعدہ خلافی ایک قسط کے،کل روپے یکمشت مجھ سے لے لے۔تواب یہ امر دریافت طلب ہے کہ درصورت وعدہ خلافی ایک قسط کے کل روپیہ یکمشت واجب الاداہوا یانہیں؟ **بیّنواتوجروا**(بیان فرمائیے اجرپائیے۔ت)

الجواب:

صورت مسئلہ میں بلاشبہہ کل روپیہ یکمشت واجب الاداہوگیا۔فتاوٰی خلاصہ،فتاوٰی بزازیہ وطحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

لوقال کلماحل نجم ولم تؤد	اگرکہاکہ وقت مقررہ پرقسط ادانہ کی گئی تومال

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

فالمال حال صح وصار حالا [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حالی ہو جائے گا (مؤجل نہیں رہے گا) تو صحیح ہے اور مال حالی ہو جائے گا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶: ازاجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب ۱۱/ محرم الحرام ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے ذوی الاحترام ومفتیان پابند شرع خیر الانام اس مسئلہ میں کہ ہری سنگھ چودھری کاقرضہ واجب الادارحیم الدین پرہے اور دونوں فوت ہوگئے اور کوئی وارث شرعی نہیں رکھتے کہ قرض ادا کیا جائے کیونکہ قرضہ غیر مسلم پر ہے تو بدلا ایک دوسرے کی نیکی پر موقوف ہے اعنی سوائے ایمان کے نیکی اس کے قرض خواہ کو دینا لائق اعتبار اور اگر معرکہ اعمال نیک ہے تومدعا علیہ کی نیکی مدعی کو دینا لابد اور مدعا علیہ بری اور کافر مستحق نیکی نہیں کہ اہل اسلام ہو کہ اس کی بدی سوائے شرک وکفر اور نہیں اور شرک وکفر اہل اسلام پر عائد نہیں ہوتا اس صورت میں تصفیہ اہل اسلام اور اہل نار کس طور سے ہوگا، بیان فرمادیں بحوالہ کتب۔

الجواب:

اگروہ کافرحربی ہے تو اس کے مال کے سبب مسلمان پر حق العبد لازم نہیں جس کا تصفیہ درکار **فان اموالھم مباحۃ غیر معصومۃ** (کیونکہ حربی کافروں کامال مباح ہے معصوم نہیں۔ت) ہاں بطور غدر وعہد شکنی لیا ہو گناہ وحق اللہ ہے جس پر مواخذہ یاعفواللہ عزوجل کی مشیّت میں ہے)

الاتری ان من دخل دارھم مستأمنا فاخذ غدرًا فاحرز بدارنا ملك ملكا خبیثا فالخبث للغدر والملك للاستیلاء علی مال مباح فالاحراز انما ھو شرط التملك لانتفاء العصمۃ ارأیت ان اغار مسلمون علی دارالحرب فغنموا اموالا فماتوا قبل ان	کیاتونہیں دیکھتا کہ جو مسلمان امن لے کر حربیوں کے ملک میں گیا اوران کامال دھوکہ سے اپنے ملک میں سمیٹ لایا تو ملک خبیث کے ساتھ مالک ہوا۔ خبث تودھوکہ کی وجہ سے اور ملک اس لئے کہ مال مباح پر قابض ہوا ہے۔ لہٰذا اس مال کو قبضہ میں لے کر محفوظ کرنا مالک ہونے کے لئے شرط ہے عصمت کے منتفی ہونے کی وجہ سے۔ بھلادیکھو تواگر مسلمان دارالحرب پر حملہ آور ہو کر مال غنیمت

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۸

یحرزوا ولم تصل الاموال الی من اخذت منہ اتکون الحربیون خصماء المسلمین فی ذٰلك عنداللہ کلا نعلم ان الاثم فی العذر لحق الشرع لالحق الکافر۔	پائیں اور اس کو جمع کرکے محفوظ مقام تک پہنچانے سے قبل ہی مرجائیں توکیااللہ تعالٰی کے ہاں اس مال کے بارے میں وہ حربی کفار مسلمانوں سے مخاصمہ کریں گے؟ ہرگزنہیں۔ تو معلوم ہواکہ دھوکہ کی صورت میں گناہ حق شرع کی وجہ سے ہے نہ کہ حق کافر کی وجہ سے۔(ت)

اور وہ کافرذمی ہے تو اگر یہ قرض اس نے سچی نیت سے لیااور اس کے اداکا قصدرکھتا تھااور قدرت نہ پائی کہ مرگیا تو مسلمان پر اس کے باعث عذاب نہ ہوگا کہ قرض لینا گناہ نہیں اور ادا پر قادر نہ ہونا اس کا فعل نہیں۔اور اللہ عزوجل بے کسی گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔رہااس کا حق اسے اللہ تعالٰی جس طرح چاہے راضی فرمادے گا اگرچہ اس پر کسی عذاب یاہول کی تخفیف سے ہرکافر پر کفرومعاصی سب کے سبب عذاب ہے۔قال تعالٰی:

"مَاسَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ(۴۲) قَالُوْالَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ(۴۳)"[1] الاٰیۃ۔	مسلمان کافروں سے کہیں گے تمہیں کس چیز نے جہنم میں پہنچایا تو وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھتے تھے(ت)

جزاء کفرتخلید فی النار والعذاب ہے اس میں تخفیف امکان شرعی نہیں رکھتی،

فان التخفیف فی التابید ابطال لہ رأسا وفیہ تبدیل القول وھو محال۔	ہمیشگی میں تخفیف اس کا ابطال ہے اور اس میں قول باری تعالٰی کی تبدیلی لازم آتی ہے جوکہ محال ہے۔(ت)

باقی بالائی عذابوں ہولوں میں حسب ارادہ الٰہیہ تخفیف سے کوئی مانع نہیں،اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اخذ اموال الناس یرید اداءھا ادی اللہ عنہ۔رواہ احمد[2] والبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جولوگوں کامال بہ ارادہ ادالے اللہ تعالٰی اس کی طرف سے ادا فرمادے(اس کو امام احمد،بخاری اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۴۲۔۴۳

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب من اخذاموال الناس الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۱

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللہ عنہ یوم القیٰمة۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر[1] عن میمونة رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	جو کوئی دین اپنے ذمہ کرے اور اس کی ادا کی نیت رکھتا ہے اللہ عزوجل روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرمادے (اس کی طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت میمونہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

اور اگر بدنیتی اور ناجائز طریقے سے لیا تو ضرور گناہ و حق العبد ہے ذمی کا مال معصوم ہے اور وہ ان حقوق میں مثل مسلمانوں کے سمجھا جاتا ہے اس صورت میں علماء فرماتے ہیں کہ اس کا بدلہ عذاب ہی ہے، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ ولہٰذا فرماتے ہیں کہ ذمی کا حق مسلمان کے حق سے سخت تر ہے۔ فتاوٰی خانیہ آخر کتاب الغصب میں ہے:

مسلم غصب من ذمی مالا او سرق منه فانه یعاقب به یوم القیٰمة لانه اخذ مالا معصوما والذمی لا یرجی منه العفو ویرجی ذٰلك من المسلم فکانت خصومة الذمی اشد وعند الخصومة لا یعطی ثواب طاعة المسلم الکافر لانه لیس من اهل الثواب ولا وجه ان یوضع علی المسلم وبال کفر الکافر فیبقی فی خصومته۔[2]	کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چوری کیا تو روز قیامت اس کو سزا دی جائے گی کیونکہ اس نے مال معصوم لیا حالانکہ ذمی سے معافی کی امید بھی نہیں کیونکہ وہ تو مسلمان سے متوقع ہے، لہٰذا خصومت ذمی زیادہ شدید ہے۔ خصومت کے وقت مسلمان کی عبادت کا ثواب کافر کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ ثواب کا اہل نہیں اور نہ ہی کفر کافر کا وبال مسلمان پر ڈال دینے کی کوئی وجہ ہے لہٰذا اس کی خصومت برقرار رہے گی۔(ت)

جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان میں ہے:

لم غصب المسلم من ذمّی او سرق منه یعاقب المسلم ویخاصمه	اگر مسلمان نے ذمی سے کچھ غصب کیا یا اس کی چوری کی تو مسلمان کو سزا دی جائے گی اور ذمی

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۳/ ۴۳۲، کنز العمال برمز طب عن میمونہ حدیث ۱۵۴۲۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۲۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الغصب فصل فی براءة الغاصب الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۴۹۳

الذمی یوم القیٰمة فظلامة الکافر اشد من ظلامة المسلم لان الکافر من اهل النار ابدا ویقع له التخفیف بالظلامات التی قبل الناس فلا یرجی منه ان یترکها اوالمسلم یرجی منه العفو[1]۔	قیامت کے روز اس سے خصومت کرے گا لہٰذا کافر پر ظلم مسلمان پر ظلم سے سخت تر ہے کیونکہ کافر دائمی جہنمی ہے اور لوگوں کی اس پر جو زیادتیاں ہیں ان کے سبب سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی لہٰذا اس سے یہ امید نہیں کہ وہ ان زیادتیوں کو معاف کرے گا، البتہ مسلمان سے معافی کی توقع جاسکتی ہے۔(ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ بیان آفات الرجل میں ہے:

الفقهاء قالوا ان العذاب یوم القیٰمة علی الانسان فی حق الحیوان متعین لانه لایمکن المسامحة ولا القصاص بالحسنات والسیئات وکذا الذمی اذاظلمه المسلم فان العذاب فیه متعین ان لم یستحل منه فی الدنیا قال الوالد رحمه الله تعالٰی فی شرحه علی شرح الدرر مسلم غصب اوسرق مال ذمی یؤخذ به فی الاٰخرة وظلامة الکافر وخصومته اشد لانه اما ان یحمله ذنبه بقدر حقه اویاخذ من حسناته والکافر لایاخذ من الحسنات ولا ذنب للدابة ولا تؤهل لاخذ الحسنات فیتعیّن العقاب[2] اھ باختصار۔	فقہاء نے فرمایا ہے حیوان پر ظلم کی وجہ سے قیامت کے روز انسان پر عذاب کا واقع ہونا متعین ہے کیونکہ اس میں معافی اور نیکیوں اور برائیوں سے بدلہ ممکن نہیں۔ایسا ہی ذمی جس پر مسلمان نے ظلم کیا ہو تو اس مسلمان پر عذاب متعین ہے جبکہ دنیا میں اس سے معاف نہ کرالیا ہو۔حضرت والد رحمہ اللہ تعالٰی نے شرح الدرر پر اپنی شرح میں فرمایا کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا حالانکہ ذمی کا ظلم و خصومت سخت ترین ہے کیونکہ یا تو وہ اپنے گناہ اپنے حق کے مطابق مسلمان پر ڈالے یا اس کی نیکیاں لے حالانکہ کافر نہ تو مسلمان کی نیکیاں لے سکتا ہے اور نہ اس کے گناہ مسلمان پر ڈالے جاسکتے ہیں، چارپائے کا کوئی گناہ نہیں ہوتا اور نیکیوں کا وہ اہل ہی نہیں لہٰذا عذاب متعین ہوا اھ اختصار(ت)

[1] جواھر الاخلاطی فصل فیما یکرہ لبسه وفیما لایکثر قلمی نسخہ ص ۲۳۸۔۲۹۷

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الصنف الثامن من الاصناف التسعة الخ المکتبة النوریة رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۰۷

شرح فقہ اکبر بحث توبہ میں ہے کہ:

اذا غصب مسلم من ذمی مالا اوسرق منه فانه يعاقب به يوم القيٰمة لان الذمی لايرجی منه العفو فكانت خصومة الذمی اشد[1]۔	جب کسی مسلمان نے ذمی کا مال غصب کیا یا چرایا تو اس کی وجہ سے اس کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا کیونکہ ذمی سے عفو کی توقع نہیں للذا ذمی کی خصومت زیادہ سخت ہے۔

مگر یہ اسی حالت میں ہے جبکہ بدلہ لیناہی مشیت رب العزۃ عزجلالہ ہو، ورنہ ممکن ہے کہ وہ کافر کے دل میں ڈالے کہ معاف کردے یا کسی تخفیف کے بدلے اس سے معاف کرادے،

فانه اذاجاز التخفيف عنه بظلمات له قبل الناس كما فی الجواهر فليجزايضًا جزاء العفو تخليصا للمسلم وقد قال الطحطاوی ثم الشامی عند قول الدر من الحظر قبيل مسائل المسابقة، ظلم الذمی اشد من ظلم المسلم[2] مانصه لانه يشدد الطلب علی ظالمه ليكون معه فی عذابه ولامانع من طرح سيئات غيرالكفر علی ظالمه فيعذب بها بدله ذكره بعضهم[3] اهفكذا لامانع من ان يقال له ان يفوت من المسلم طرحنا منك كذا وكذا من سيئاتك فيعفو۔	اس لئے کہ جب لوگوں کی ذمی پر زیاتیوں کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف جائز ہے جیساکہ جواہر میں ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کی خلاصی کے لئے ذمی کو معاف کرنے کا کچھ بدلہ دے کراس کی خلاصی کرادے۔ طحطاوی نے کہا پھر شامی نے در کے خطر میں مسائل سابقہ سے تھوڑا پہلے اس قول کہ "ظلم ذمی ظلم مسلمان سے اشد ہے" پر کہا یہ اس لئے ہے کہ ذمی اپنے اوپر ظلم کرنے والے پر سخت مطالبہ کرے گا تاکہ وہ ظالم بھی اس کے ساتھ عذاب میں شریک ہو اور کفر کے سوائے ذمی کے گناہ ظالم پر ڈالنے میں کوئی مانع نہیں چنانچہ وہ ان کے بدلے عذاب میں مبتلا ہوگا، اس کو بعض علماء نے ذکر کیا ہے اھ اسی طرح اس سے بھی کوئی مانع نہیں کہ ذمّی کو کہا جائے اگر تو مسلمان کو معاف کر دے تو تیرے یہ یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر ومنہا بحث التوبۃ الخ مصطفی البابی مصر ص۵۹۔۱۵۸

[2] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۴۹

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۷، حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دارالمعرفۃ بیروت ۴ /۲۰۱

	گناہ مٹا دیئے جائیں تو وہ معاف کردے۔ (ت)

بالجملہ یہ معنی ہرگز نہیں کہ ظلم ذمّی پر عذاب واجب وقطعی وضروری الوقوع ہے کہ یہ مذہب اہلسنت کے صریح خلاف ہے۔ ہمارے نزدیک کفر کے سوا کسی گناہ کا عذاب ضروری الوقوع نہیں۔

قال تعالٰی "وَيَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ"[1] کما نبہت علیہ فی ہامش الحدیقۃ ھٰھنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور وہ شرک کے سوا جس کے گناہ چاہے معاف فرمادے۔ جیسا کہ اس بات پر میں نے حدیقہ کے حاشیہ میں تنبیہ کی ہے۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۷: از بنارس محلّہ جمال ٹولہ مرسلہ ماسٹر بدرالدین ۴ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مختلف لوگوں سے قرض لے کر اپنے نکاح کی تقریب میں خرچ کیا اور ایک ڈگری کو بھی جو عدالت دیوانی سے اس پر جاری ہوئی تھی بے باق کیا بعدہ، اس نے اپنا حق وحصہ موروثی جائداد کا دوسو کا قرار دے کر اس زوجہ کے دین مہر میں جو ساڑھے پانسو کا تھا بیع کرکے رجسٹری کرادیا بیعنامہ میں زید نے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ اگر میری جائداد اور قرار پائے تو بقیہ مہر اس سے ادا کیا جائے، زید فوت ہوگیا اور اس کی کوئی دوسری جائداد نہیں ہے اس وقت تقسیم جائداد موروثی کے واسطے اور ان انواع واقسام کے نزاع کے واسطے جو درمیان فریقین ہیں جو پنچ مقرر ہوئے ہیں قرضہ دہندوں نے پنچ کے یہاں درخواست کی ہے کہ متوفی کی جائداد سے دلایا جائے، زید نے بیوی اور ایک پسر نابالغ چھوڑا ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب:

اگر زید نے اپنی کل جائداد بحالت صحت نفس وثبات عقل اپنی زوجہ کے مہر میں بیع کردی اور باقی قرضخواہوں کو کچھ نہ دیا تو اگرچہ زید پر بحال بدنیتی گناہ ہو مگر قرضخواہوں کو اس جائداد سے کہ اب مِلک زوجہ زید ہے اصلًا مطالبہ کا اختیار نہیں ان کا مطالبہ آخرت پر رہا، ہاں اگر اس کے سوا اور جائداد یا مال زید کا ثابت ہو تو اس میں تو قرضخواہ حصہ رسد حقدار ہوں گے اور زید کا بیعنامہ میں لکھنا کہ اس سے بھی بقیہ مہر ادا کیا جائے مسموع نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۸

مسئلہ ۸: از شہر کہنہ ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے بکر کو روپیہ بوعدہ ادائے مال کسی قسم کے دیا، بکر نے بموجب وعدہ روپیہ کے عوض میں تھوڑا مال روپیہ سے ادا کیا اور کچھ روپیہ زید کا ذمہ بکر کے باقی رہا، بعد ازاں بکر فرار ہوگیا یا فوت ہوگیا یا نادار ہوگیا، اب زید کو بکر کے عوض کا روپیہ خالد سے بلا رضامندی خالد کے بوجہ کسی قسم کے دباؤ کے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر نہ خالد نے بکر کی ضمانت مال مذکور کرلی تھی نہ اس کا مطالبہ اپنے اوپر تھا نہ خالد کو بکر کا مال وراثۃً پہنچا تو اس کو بکر کے مطالبہ میں ماخوذ کرنا محض ظلم وغصب ہے۔

قال اللہ تعالٰی "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی۔ (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹: مسئولہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ صاحب بریلی محلّہ نواباں ماہ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ایک یا چند اشخاص کے زر نقد کا قرضدار ہے جو اس کی آمدنی ہوتی ہے وہ اس کو بفراغت خرچ کرڈالتا ہے اور زیادہ دستیاب ہونے پر عمارت بنوانے وتجارت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے تقاضہ اور وعدہ ہونے پر بھی ادائیگی کی فکر نہیں کرتا ہے قرضہ بڑھانے کے خیال میں رہتا ہے، اس عمل پر چند مثالیں ان بزرگان بے نفس کی کہ جو اتفاقیہ جزوی قرضدار رہے ہوں یا کسی مجبوری سے قرضہ کی حالت میں اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے ہوں زید اپنی صفائی پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وعدہ کرلینا میرا کام تھا اور پورا کرنا اللہ تعالٰی کا کام ہے۔ پس قرضہ کو بزرگان دین پر اور وعدہ پر قرضہ کی ادائیگی کی فکر نہ کرنے کو اللہ تعالٰی پر منسوب کرنا کیسا ہے؟ اور اگر اسی ٹال مٹول میں قرضخواہ وقرضدار دونوں فوت ہوگئے تو یوم جزا اور روز حساب کیا؟ اور کیونکر اس کا معاملہ طے ہوگا؟ عنداللہ جواب تفصیل عطافرمایا جائے۔

الجواب:

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیّ الواجد یحل عرضہ [2]	ہاتھ پہنچتے ہوئے کا ادائے دین سے سرتابی کرنا

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۵

[2] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب لصاحب الحق مقال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

ومطل الغنی ظلم[1]۔	اس کی آبرو کو حلال کردیتا ہے یعنی اسے برا کہنا اس پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہوجاتا ہے اور غنی کا دیر لگانا ظلم ہے۔

اشباہ والنظائر میں ہے:

خلف الوعد حرام[2]۔	وعدہ جھوٹا کرنا حرام ہے۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰیۃ المنافق ثلث اذا احدث کذب واذا وعد اخلف واذا أتمن خان[3]۔ او کما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فان الاحادیث فی المعنی کثیرۃ۔	منافق کی تین نشانیاں ہیں، جب بات کرے جھوٹ کہے، اور جب وعدہ کرے خلاف کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ (یا جیسا کہ آپ نے فرمایا اور اس معنی میں احادیث کثیر ہیں۔ت)

صورت مستفسرہ میں زید فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، ظالم، کذّاب، مستحق عذاب ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا القاب اپنے لئے چاہتا ہے، اگر اس حالت میں مرگیا اور دین لوگوں کا اس پر باقی رہا اس کی نیکیاں ان کے مطالبہ میں دی جائیں گی اور کیونکر دی جائیں گی تقریبًا تین پیسہ دین کے عوض سات سو نمازیں باجماعت کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار والعیاذ باللہ العزیز الغفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ معتمد کتب میں ہے۔ اللہ عزیز غفار کی پناہ۔ت) جب اس کے پاس نیکیاں نہ رہیں گی ان کے گناہ ان کے سرپر رکھے جائیں گے ویلقی فی النار اور آگ میں پھینک دیا جائے گا، یہ حکم عدل ہے، اور اللہ تعالٰی حقوق العباد معاف نہیں کرتا جب تک بندے خود معاف نہ کریں، اور سلف صالحین کے احوال طیّبہ کو اپنے ان مظالم کی سند قرار دینا اور زیادہ وقاحت اور دین متین پر جرأت ہے، اس پر فرض ہے کہ اپنے حال پر رحم کرے اور دیون سے پاک ہو، موت کو دور نہ جانے آگ کا عذاب سہانہ جائے گا۔ اللہ تعالٰی توفیق دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب مطل الغنی ظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳

[2] الاشباہ والنظائر کتاب الحظر والاباحۃ الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۹

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب علامۃ المنافق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

مسئلہ ۱۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید پر عمرو کا قرضہ آتا ہے اور زید کا روپیہ بکر کے ذمہ ہے عمرو نے بطور خود بلاحوالہ زید بکر سے وہ روپیہ کہ جو اس پر زید کا آتا تھا اپنے قرضہ میں جو زید پر تھا، لے لیا اور بکر نے بلاحوالہ وبغیر اجازت زید عمرو کو وہ روپیہ دے دیا اب بکر زید کا روپیہ دیتے وقت وہ روپیہ کہ جو عمرو کو زید کے قرض میں بغیر اجازت زید دے چکا تھا وضع کرتا ہے اور زید اس کے مجرا دینے سے انکار کرتا ہے لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ بکر ان روپیوں کے مجرا لینے کا مستحق ہے یا نہیں اور زید پر اُن کا مجرا دینا لازم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اس صورت میں بکر ان روپوں کے مجرا لینے کا مستحق نہیں، نہ زید پر اُن کا مجرا دینا لازم۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱: ۲۹ ربیع الاول شریف یوم دوشنبہ ۱۳۳۳ھ از کلکتہ ۴۵ کولوٹولہ اسٹریٹ

ایک خاص کمپنی جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں ان کا اعلان ہے کہ جو شخص ۳۰ برس کی عمر سے پینتالیس سال کی عمر تک یعنی کامل پندرہ سال تک ہر سال چھتّر روپے آٹھ آنے کمپنی کو دیا کرے تو پندرہ برس کی مدت گزرنے کے بعد اس کو کمپنی ایک ہزار روپے دے گی، معاہدہ ہونے کے بعد مدت معینہ ختم ہونے سے پہلے مثلاً دو مہینے یا دو سال چار سال کے بعد وہ شخص مرگیا تو یہی کمپنی اس کے وارثوں کو پورے ایک ہزار روپیہ دے گی، رقم معینہ مذکورہ سالانہ کی تعداد کامل پندرہ سال کی مجموعہ گیارہ سو سینتالیس ۱۱۴۷ روپیہ آٹھ آنے ہوتی ہے ایسی صورت میں روپیہ جمع کرنا اور کمپنی سے مذکورہ شرط کے ساتھ روپیہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت قمار کی ہے اور میعاد عمروہ رکھی ہے جس میں غالب حیات ہے۔ حدیث میں فرمایا:

اعمار امّتی مابین الستین الی السبعین [1]۔	میری اُمّت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی۔ (ت)

اور بحال حیات ظاہر ہے کہ ایک سو سینتالیس روپے آٹھ آنہ کا نقصان ہے کافر کے ساتھ ایسا معاملہ

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب الامل والاجل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

جس میں غالب پہلو اپنے نقصان کا ہو جائز نہیں **کما نص علیہ فی فتح القدیر** (جیسا کہ فتح القدیر میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲: مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ سانگو ور ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۲۶ صفر ۱۳۳۵ھ

ایک مسلمان نے اپنا مکان ظاہر کرکے ایک مسلمان کے ہاتھ فروخت کردیا گیا اور جب تحقیق کی گئی تو وہ مکان ایک ہندو جو مرگیا اس کا نکلا، فروشندہ نے دھوکہ سے بوجہ رہن ملک خود ظاہر کرکے بیع کردیا اور متوفی کی صلب سے کوئی اولاد نہیں ہے تو مشتری کا یہ عمل شریعت میں قابل مواخذہ تو نہیں ہے اور وہ اس مکان کو ملک اپنی تصور کرے گا یا نہیں؟ یا روپیہ اپنا واپس لے سکتا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

الجواب:

فتوٰی اس پر ہے کہ اس زمانہ میں جنس غیر سے بھی دین وصول کرسکتے ہیں جبکہ وہ ہندو اس کا مدیون تھا اور مرگیا تو یہ اس مکان کو اپنے دین میں لاسکتا ہے اگر اس کی قیمت دین کے برابر یا دین سے کم ہے جب تو ظاہر ہے اس نے جو مکان کو اپنا ظاہر کرکے بیع کیا بیع صحیح ہوئی مشتری مالک ہوگیا، ہاں اگر قیمت مکان دین سے زائد ہے تو بقدر قیمت اس کی ملک ہوسکتا ہے اپنا دین اس سے وصول کرے اور جو زائد بچے فقراء پر تصدق۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳: از نگریا سادات ڈاکخانہ میر گنج ضلع بریلی محمد تقی صاحب ۷ شوال ۱۳۳۵ھ

زید کے سو روپے تمسکی سود کے عمرو کے ذمہ واجب الادا تھے عمرو نے قضا کی اس کے ورثا نے زمین مکفول کو ایک عرصہ تک زید کے قبضہ میں چھوڑ کر روپیہ ادا کردیا لیکن تمسک بوجہ عزیز داری و یگانگت کے زید سے حاصل نہ کیا ورثائے عمرو نے اس جائداد کو بدست دیگر اشخاص بیع کردیا زید نے اس بیع میں کچھ مزاحمت بوجہ اس کے کہ اس کا مطالبہ وصول ہوچکا تھا نہیں کی مسماۃ ہندہ پھوپھی عمرو نے بھی سَو روپے زید سے تمسکی قرض لئے تھے۔

بکر شوہر مسماۃ ہندہ نے از راہ طمع نفسانی کہ بشمول چند کسان بہ تقرر حصص باہمی نوشتہ عمرو موسومہ زید کو براہ چالاکی وفریب دہی خالہ زید سے حاصل کرکے نالش موسومہ عمرو منجانب زید دائر کی اور بعد حصول ڈگری تمام زرِ ڈگری حاصل کرنا چاہا جس سے زید بلاوجہ بے ایمان ودغاباز مشہور ہوکر زبان زدِ خلائق ہوا جب زید نے اپنے کو بلاوجہ متہم ہوتے دیکھا تو کل مطالبہ زر ڈگری خود وصول کرلیا اور فرضی اشخاص نالش مثل بکر وغیرہ کو کچھ نہیں دیا، زید نے مسماۃ ہندہ پر اپنے روپے کی نالش کی بکر شوہر

مسماۃ ہندہ نے منجانب مسماۃ مذکورہ کچہری میں بذریعہ اظہار حلفی بیان کیا کہ تمسک کالکھنا صحیح ہے مگر داد دست روپے کی نہیں ہوئی روپیہ ہم نے نہیں لیاہے فرضی لکھ دیاہے اس کاکاتب بکر شوہر مسماۃ ہندہ کا تھا چونکہ تاریخ فیصلہ التواہو گئی تھی سب عزیزو اقارب نے باہمی فیصلہ کی بابت کہاتو بکر نے صاف جواب دے دیا کہ جب تک اس ڈگری موسومہ عمرو میں ہمارے حصہ کا روپیہ نہ دیں گے ہم اس روپے سے قطعی انکار کریں گے پھر ہم نے یہ روپیہ اس میں مجرا کرلیاچنانچہ ایساہی ہوا حسب شریعت یہ صورت اس زر جائز متصور ہوگی یانہیں یاہندہ تا یوم النشور مواخذہ دار اداکی رہے گی۔

الجواب:

وہ کارروائی بکروغیرہ نے وصول شدہ روپے دوبارہ زید سے حاصل کرنے کی کی حرام قطعی تھی اور اس کے بعد ورثاء عمرو نے کہ وہ روپیہ خود وصول کریں حرام وخبیث ہوا وہ سب کے سب مستحق نار ہوئے۔

قال ﷲ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"۔[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کامال ناحق نہ کھاؤ۔(ت)

اب یہ کارروائی جو بکر نے اپنی زوجہ کی طرف سے کی یہ بھی حرام درحرام ہے دائن کادین مارلینا حرام اور اس حرام وخبیث روپے میں جو زید سے حاصل کئے حصہ مانگنا حرام اس نجس کارروائی سے عمرو کا یہ روپیہ جو ہندہ پر ہے اگر مارا بھی گیاتو ہندہ حشر تک اس سے بری الذمہ نہیں ہوسکتی۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تردھا۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاتھ پر وہ چیز واجب ہے جو اس نے لی حتی کہ ادا کردے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴: از کھیم پور کھیری مرسلہ عباداللہ خیّاط ۲۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ میری ماں نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے والد نے ایک بقال مشرک سے مبلغ بیس روپے بوعدہ چوبیس روپے قرض لیا تھا جس کو عرصہ تخمیناً تیس برس کاہوگا،اس کے چند روز بعد کہ وہ اس قرض کوادانہیں کرپائے تھے ان کا انتقال ہوگیابقال مذکور سے والدہ نے کہاکہ میں محنت کرکے اداکروں گی کیونکہ کوئی سرمایہ اس وقت موجود

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب انّ العاریۃ مودّاۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

نہ تھابقال نے یہ کہا تھاکہ یہاں خود ہی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان سے میں کیالے لوں ہم سب بہن بھائی چھوٹے تھے میں شِیر خوار تھااب والدہ صاحبہ کے فرمانے پر مجھے خیال ہوا کہ میں بفضلہٖ تعالٰی بطفیل نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت اس قابل ہوں کہ ان کاقرض معلوم ہونے پرادا کروں بدریافت معلوم ہوا کہ جس سے قرض لیاتھاوہ مرگیااوراس کالڑکا بھی مر گیا جس ضامن مسلمان کی معرفت لیا تھاان کا بھی انتقال ہوگیایہ بھی نہیں معلوم کہ انہوں نے توادا نہیں کردیاوالدہ کواس کا بھی علم نہیں ہے ایک سال سے برابر دریافت، تلاش کی کہ اس کے وارث کا پتہ چل جائے تواداکروں اب تک کوئی وارث اس کانہیں معلوم ہوا ایسی حالت میں شرع شریف سے کیاحکم ہے کہ میرے باپ پر قیامت میں اس قرض کابار نہ رہے بقال سے ہمیشہ بلا سودی لین دین تھاسوا اس روپیہ کے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

جبکہ یہ قرض تھاآپ کے والد پر اصلاً بیس روپے واجب الادا تھے،

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۬ؕ" [1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! وعدے پورے کرو۔ (ت)

اور جبکہ پہلے کبھی اس سے سود وغیرہ کوئی رقم ناجائز نہ لی تھی تو اس کے کل یا بعض اس سے مجرا بھی نہیں ہوسکتے اس کا یہ کہنا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان سے کیالوں آپ کے والد کو مطالبہ سے بری کرنا نہیں تھا ضامن اگرادا کردیتا تو اس ضامن مسلم کا دین رہتا وہ اس سے آسان تھا یہاں وہ بھی معلوم نہیں لیکن جبکہ بنیا اوراس کا بیٹا بھی مرگیااوراس کے وارث کا پتہ نہیں یہ مال فقراء کے لئے ہوا آپ کسی مسلمان فقیر کو کہ مالک نصاب نہ ہو بیس روپے دے دیجئے نہ اس نیت سے کہ اس کافر کو ثواب پہنچے کہ یہ حرام بلکہ کفر ہے بلکہ اپنے والد پر سے مطالبہ اتارنے کی نیت کیجئے یہ فقیر غیر شخص ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر آپ کی والدہ چھپّن روپے کے مال کی مالک نہ ہوں توانہیں کو اس نیت دے دیجئے کہ بیس روپے اس بنیئے کے جو والد پر قرض تھے اور وارث کوئی نہ رہاوہ قرض ادا کرتا ہوں بعونہٖ تعالٰی وہ بری الذمہ ہو جائیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱

مسئلہ ۱۵: از رامپور بلاسپور دروازہ مرسلہ حضرت مولانا مولوی سیدزادہ احمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۵ شوال ۱۳۳۷ھ
بملاحظہ گرامی حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم، بعد ہدیہ سلام مسنون مدعا انگار ہوں، یہ خط میرے ملنے والے نہ اس غرض سے بھیجا ہے کہ میں اس کے استفتاء کا جواب جو خط کے آخر میں ہے جناب کے دارالافتاء سے منگادوں بنظر سہولت میں بجنسہٖ وہ خط روانہ خدمت عالی کرکے مستدعی ہوں کہ جواب باصواب باحوالہ کتاب مرحمت ہو میں بفضلہٖ تعالٰی خیریت سے ہوں اور امید ہے کہ حضرت کامزاج بھی قرین صحت ہوگا۔

استفتاء

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو شخص بکر وخالد سے روپیہ قرض لیاعدم ادائیگی پر بکر قصاب نے زیدپر نالش کی۔ زید نے سب روپیہ صرف بکر کواداکردیا خالد کہتاہے کہ روپیہ زید سے دلوایاجائے کچہری کاحکم ہے کہ ڈگری زید پر ہوااور روپیہ خالد کو بکر سے دلایاجائے۔

الجواب:

حضرت والا دامت برکاتہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سوال بہت مجمل ہے دو شخصوں سے قرض لینا تین طرح ہوتا ہے، سَو روپے بکر نے الگ دیئے خالد نے الگ، سَو بکر لایا سَو خالد، وہ ملاکر دونوں نے زید کو دیئے، دوسوروپے خالد وبکر کے شرکت عقد کے تھے وہ انہوں نے اس دیئے، اگر یہ نالش یکجائی ہے توپہلی صورت نہ ہونا بتائے گی وہ جب بھی محتمل رہیں گی اور حکم جدالینا ہے اور ہرشق پر حکم بتادینا خلاف مصلحت، لہٰذا سائل کو تعیین صورت وتفصیل واقعہ کے ساتھ سوال کرناچاہئے کہ بعونہٖ تعالٰی جواب دیاجائے۔

مسئلہ ۱۶: از مقام چالیس گاؤں خاندیس مرسلہ ابراہیم خاں سوداگرچرم یکم ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرے اوپر مہر کادعوی میرے سالے مظہر علی خاں نے کیا ہے اور میری بیوی دو برس کے قریب ہوا کہ فوت ہوچکی ہے اور دعوی مدعی میں تحریر کیا ہے کہ میری بہن نے مہر جو مبلغ پانچ سوروپے کاتھافروخت کیا ہے اور مقدمہ زیر تجویز کچہری ہے آیافروخت کرنا مہر کاجائز ہے یانہیں؟ اور مظہر علی خاں جو میرا سالہ ہے اس کو دعوی کرنے کاحق حاصل ہے یانہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مہر اور دیون کے مثل ایک دین ہے اور دین کی بیع غیر مدیون کے ہاتھ باطل ہے لہٰذا اس بنا پر مدعی کو دعوی کا اصلاً حق نہیں، ہاں اگر اس اپنی بہن کے ترکہ سے حصہ پہنچتا ہو تو اپنے حصہ کا دعوی کرے وہ جدا بات ہے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

بیع الدین لایجوز ولوباعه من المدیون او وھبه جاز۔[1]	دین کی بیع ناجائز ہے، اگر مدیون پر بیچا یا ہبہ کردیا تو جائز ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وغیرہا میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷: از علی گڑھ محلہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی بیوی ہندہ متوفیہ یا زندہ کا مہر ایک ساتھ ادا نہ کرسکے تو اس کو حاکم شرع بذریعہ قسط ادا کرنے کے لئے حکم کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زندہ کے واجب الادا مہر کی قسط بندی اس کی مرضی سے ہوسکتی ہے اور مردہ کے مہر کی قسط بندی اس کے وارثوں کی مرضی پر ہے حاکم اس پر جبر نہیں کرسکتا فان الحق لھا اولھم لاللقاضی (کیونکہ حق بیوی یا وارثوں کا ہے نہ کہ قاضی کا۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الدین ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۱۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتابُ الاشربہ

(اشربہ کا بیان)

مسئلہ ۱۸: ماہ صیام عظام

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تھوڑی سی افیون مرض کی غرض سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

بضرورت دوا قلیل المقدار افیون کہ اس قدر سے نشہ وسرور یا عقل وحواس میں تغیر وفتور اصلا نہ پیدا ہو استعمال کرنا جائز ہے اور شوق کی راہ سے بطور مشغلہ کھانا جس طرح عام کھانے والے اپنے پیچھے لت لگالیتے ہیں مطلقاً جائز نہیں اگرچہ نشہ نہ کرے اگرچہ بوجہ اپنی قلّت کے اس قابل ہی نہ ہو۔ ردالمحتار میں ہے:

البنج والافیون استعمال الکثیر المسکر منه حرام مطلقًا واما القلیل فان کان للهو حرم وان للتداوی فلا[1] اھ ملتقطًا۔	بھنگ اورافیون کا کثیر استعمال جو نشہ لائے مطلقًا حرام ہے اوراس میں قلیل اگر لہو کے لئے ہے توحرام اوراگر علاج معالجہ کے لئے ہے توحرام نہیں اھ التقاط (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۴

کھانے والے کی خاص نیت سے خدا کو خبر ہے بعض دوا کا نرا بہانہ ہی کرتے ہیں، انہیں مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا "وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ الۡمُفۡسِدَ مِنَ الۡمُصۡلِحِ ؕ"[1] (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔ت) اور اس خبیث چیز کی بدخو ہے کہ چند روز میں گھر کرلیتی ہے اور پھر چھڑائے نہیں چھوٹتی اور بتدریج پاؤں پھیلاتی ہے یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں آدمی کو خاصا افیونی کرلیتی ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اطبّاء لکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے کھانے سے باطن کی جھلّیوں میں سوراخ ہوجاتے ہیں اس کے سوا دوسری کسی بلا سے نہیں بھرتے ناچار عادت ڈالنی پڑتی ہے کمانقلہ العلامۃ الشامی[2] عن تذکرۃ داؤد الانطاکی (جیسا کہ علامہ شامی نے داؤد انطاکی کے تذکرہ سے اس کو نقل کیا ہے۔ت) حتی الامکان بچے اور اگر ایسی ہی ضرورت شدیدہ ہو تو خالی کھانے سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مرض کے مناسب کسی نسخہ میں اتنا جُز شریک کرلیں کہ ایک دن کی قدر شربت میں بہت قلیل مقدار آئے جس پر نشہ وغیرہ کا گمان نہ ہو اس تقدیر پر اس کی صورت بھی اہل لہو کی مستعمل صورت سے جدا ہوجائے گی اور موضع تہمت پر موقوف بھی نہ ہوگا، حدیث نقل کرتے ہیں:

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلایقفن مواقف التھم۔[3]	جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ہرگز تہمت والی جگہوں پر وقوف نہیں رکھتا (ت)

حدیث میں ہے: ایاك ومایسوء الاذن[4] (اس چیز سے بچ جو کانوں کو گنہگار کرے۔ت)

حدیث میں ہے: ایاك ومایعتذر[5] (اس کام سے بچ جس سے معذرت کرنی پڑی۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۵

[3] مراقی الفلاح علی ہامش حاشیۃ الطحطاوی باب ادراك الفریضہ نور محمد کتب خانہ کراچی ص۲۴۹، حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء نور محمد کتب خانہ کراچی ص۳۷۱

[4] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی الغادیۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۶

[5] المستدرك للحاکم کتاب الرقاق دارالفکر بیروت ۴ /۳۲۶

رسالہ
حُقّۃ المرجان لمہم حکم الدّخان ۱۳۰۷ھ
(مرجان کی صندوقچی حقہ کے ضروری حکم کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۱۹: از بنگالہ طالب حق

چہ می فرمایند (کیا فرماتے ہیں) علمائے دین، حقہ پینا یا تمبا کو کھانا کیسا ہے حرام یا مکروہ؟

انی رأیت فی الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین، واکتبہ بعینہ۔

میں نے "الدر الثمین فی مبشرات النبی الامین" میں دیکھا جس کو بعینہٖ لکھ رہا ہوں۔

الحدیث السابع والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد قال کان رجل من اصحابنا لایمزّ التنباك ولکنه کان قد اھیاء القذرۃ لاضیافه فرای النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی النوم اوالیقظة لاادری ایّ ذلك کان، مقبلا الیه ثمّ اعرض وخرج من ذٰلك المکان قال فشد فشددت الیه وقلت یارسول اللّٰه (صلی اللّٰه تعالٰی علیك وسلم) ماذنبی فقال فی بیتك القذرۃ ونحن نکرھھا۔

ستائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے بتایا کہ ہمارے دوستوں میں سے ایک مرد خود تو تمباکو نوشی نہیں کرتا تھا لیکن مہمانوں کے لئے اس نے حقہ تیار کر رکھا تھا معلوم نہیں خواب میں یا بیداری میں اس نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی دراں حالیکہ آپ اس کی طرف متوجہ تھے پھر آپ نے اس سے اعراض فرمایا، اس شخص نے کہا کہ آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تیزی سے اس مکان سے نکل گئے، میں تیزی سے آپ کی طرف گیا اور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! میرا گناہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تیرے گھر میں گندگی (حقہ) ہے جو ہمیں ناپسند ہے۔

الحدیث الثامن والعشرون: اخبرنی سیدی الوالد کان رجلان من الصّالحین احدھما عالم عابد والاٰخر عابد لیس بعالم فرایا النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فی ساعة واحدۃ کانه اذن للعابد ان یدخل فی مجلسه ولم یاذن للعالم فسال العابد

اٹھائیسویں حدیث: میرے والد صاحب نے مجھے خبر دی کہ دو نیک مرد تھے جن میں سے ایک عالم و عابد اور دوسرا عابد تھا مگر عالم نہیں تھا ان دونوں نے خواب میں بیک وقت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت کی تو آپ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے عابد کو اپنی مجلس میں داخل ہونے کی اجازت عنایت فرمائی جبکہ عالم کو اجازت نہ بخشی، چنانچہ عابد نے

بعض القوم عن ذٰلك فقال هو يمز التنباك والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکرهه فلما کان الغد دخل علی العالم فوجده یبکه لما رای اللیلة فاخبره عن السبب فتاب عن ساعته ثمّ رایا النبی صلی اللہ تعالٰی علیه من اللیلة الاٰتیة علی صورة واحدة کانه اذن للعالم وقربه منه۔[1] والسلام ثم السلام۔	بعض لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا کہ وہ تمباکو نوشی کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو وہ عابد عالم کے پاس گیا تو اسے رات والی خواب کی وجہ سے روتے ہوئے پایا، چنانچہ عابد نے عالم کو (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی ناراضگی کے) سبب کی خبر دی تو عالم نے اسی وقت تمباکو نوشی سے توبہ کر لی۔ پھر آئندہ رات کو ان دونوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک ہی صورت پر دیکھا گویا کہ آپ نے عالم کو اپنی مجلس میں داخلہ کی اجازت فرمائی اور اسے اپنا قرب بخشا۔ والسلام ثم السلام۔

الجواب:

حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام وخواص یہاں تک کہ علمائے عظام حرمین محترمین زادھما اللہ شرفًا وتکریمًا میں رائج ہے شرعًا مباح وجائز ہے جس کی ممانعت پر شرع مطہر س اصلًا دلیل نہیں تو اسے ممنوع وناجائز کہنا 'یا احوال قلیان سے بے خبری پر مبنی،

کما عرض للکثیر من المتکلمین علیه فی بدو ظهوره قبل اختباره ووضوح امره فقیل مسکر وقیل مضرو	جیسا کہ اس پر گفتگو کرنے والے بہت سے حضرات کو اس کے پرکھنے اور اس کی حقیقت کے واضح ہونے سے پہلے شبہ لاحق ہوا، چنانچہ کسی نے کہا یہ نشہ آور ہے، کسی نے کہا نقصان دہ

[1] الدر الثمین معه المسلسلات والنوادر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۲

قیل مضر مطلقًا کالسموم عـــہ وقیل وقیل۔	ہے کسی نے کہا زہریلی چیز کی طرح مضر ہے، اسی طرح کسی نے کچھ اور کسی نے کچھ کہا۔ (ت)

۲ یا بعض احوال عارضہ بعض فساق متناولین کی نظر پر مبنی،

کقول من قال انہ ممایجتمع علیہ الفساق کاجتماعھم علی المحرمات وقول اٰخر انہ یصد عن ذکر اللہ وعن الصلٰوۃ۔	اس شخص کے قول کی طرح جس نے کہا کہ اس پر فاسق لوگ جمع ہوتے ہیں جیسے وہ محرمات پر جمع ہوتے ہیں، اور دوسری بات یہ کہی گئی کہ یہ اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے رکاوٹ بنتا ہے (ت)

۳ یا بعض عوارض مخصوصہ بعض بلاد و بعض اوقات کے لحاظ سے ناشی جن کا حکم ان کے غیر اعصار و امصار کو ہرگز شامل نہیں،

کمن احتج بالنھی السلطانی علی کلام فیہ للعلامۃ النابلسی۔	جیسے وہ شخص نے نہی سلطانی کے ساتھ استدلال کیا حالانکہ علامہ نابلسی کا اس میں کلام ہے۔ (ت)

۴ یا محض مفتریات کاذبہ و مخترعات ذاہبہ پر متفرع،

کتھوّر من تفوہ ان کل دخان حرام وجعلہ حدیثا عن سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ واکمل السلام وکجرأۃ من قال اجمعوا علی	جیسے اس شخص کی جسارت جس نے کہا کہ ہر دھواں حرام ہے اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث گھڑی اور جیسے اس شخص کی جرات جس نے کہا اس کی حرمت پر اجماع ہے

عـــہ: والافلا دواء ولاغذاء بل ولاشیئ فی عالم الخلق من ھذا القبیل متمحضا للنفع خالصا عن الضرر حتی الشھد الذی نطق القراٰن العزیز بان فیہ شفاء للناس والبان البقرا المنصوص فی الاحادیث انھا شفاء ۱۲ منہ۔	ورنہ تو کوئی دوا، غذا بلکہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو محض نافع ہو اور ضرر سے بالکل خالی ہو حتی کہ شہد جس کے متعلق قرآن ناطق ہے کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے اور گائے کا دودھ جس پر حدیث کی نص ہے کہ یہ شفاء ہے ۱۲ منہ (ت)

حرمته والاجماع حجة۔	اور اجماع حجت ہے۔(ت)

فقیر نے اس باب میں زیادہ بے باکی متقشفہ افغانستان سے پائی کہ چند کتب فقہ پڑھ کر تقشف وتصلف کو حد سے بڑھاتے اور عامہ امت مرحومہ کو ناحق فاسق وفاجر بتاتے ہیں اور جب اپنے دعوی باطل پر دلیل نہیں پاتے ناچار حدیثیں گھڑتے بناتے ہیں، میں نے ان کی بعض تصانیف میں **ایک حدیث** دیکھی کہ:

من شرب الدخان فکانما شرب دم الانبیاء۔	جس نے حقہ پیا گویا پیغمبروں کا خون پیا۔

اور **دوسری حدیث** یوں تراشی:

من شرب الدخان فکانما زنی بامّہ فی الکعبۃ۔	جس نے حقہ پیا گویا اس نے کعبہ معظّمہ میں اپنی ماں سے زنا کیا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت) جہل بھی کیا بد بلا ہے، خصوصًا مرکب کہ لادوا ہے۔ مسکین نے ایک مباح شرعی کے حرام کرنے کو دیدہ ودانستہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بہتان اُٹھایا اور حدیث متواتر من کذب علیّ متعمّدا فلیتبوأ مقعدہ من النار[1] کا اصلًا دھیان نہ لایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے۔

اللّٰھم تب علینا وعلیه ان کان حیّا واغفرلنا وله ان کان میتا[2]۔	اے اللہ! ہماری توبہ قبول فرما اور اس کی بھی اگر وہ زندہ ہے، اور ہماری مغفرت فرما اور اس کی بھی مغفرت فرما اگروہ مرچکا ہے۔(ت)

۵ یا قواعد شرع میں بیعوری اور نظر وفکر کی بیطوری سے پیدا،

کزعم من زعم انه بدعة وکل بدعة ضلالة ومنه زعم ان فیه استعمال اٰلة العذاب یعنی النار وذٰلك حرام وھذا من البطلان	جیسے اس شخص کا گمان جس نے کہا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے اور اسی سے یہ گمان کہ اس میں آلہ عذاب یعنی آگ کا استعمال ہوتا ہے اور وہ حرام ہے۔ حالانکہ اس کا بطلان واضح ترین ہے۔

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۱/۱

[2] صحیح مسلم باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۷/۱

بابین مکان قالہ المحدث عـــہ۱ الدھلوی فیما نسب الیہ باستعمال الماء المعذب بہ قوم نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام قلت وفی الترویح بالمراوح استعمال اٰلۃ عذاب عادواما اصلاح العصری اللکھنوی عـــہ۲ بزیادۃ قید علٰی ھیأۃ اھل العذاب۔

فاقول: لایجدی نفعا والالم یجز الاغتسال بماء حار قال تعالٰی "یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ "[1] وما ذا یزعم الزاعم فی دخول الحمام، افیکون علی ھذا حرام، امنھیا عنہ لذاتہ بل من الکبائر اما مطلقًا علی ما اختارھذاالفاضل من کون تعاطی المکروہ تحریما من الکبائر وبعد الاعتیاد علی ماعلیہ الاعتماد من کونہ فی نفسہ من الصغائر، وذالك لان الحمام کما افاد العلامۃ المناوی فی التیسیر اشبہ شیئ بجھنم، النار من تحت والظلام من فوق

یہ ہی کہا محدّث دہلوی (مولاناشاہ عبدالعزیز) علیہ الرحمہ نے جوان کی طرف منسوب کہ اس میں اس پانی کااستعمال ہے جس کے ساتھ نوح علیہ الصلٰوۃوالسلام کی قوم کو عذاب دیاگیا **قلت** (میں نے کہا) پنکھے کے ساتھ ہوا لینے میں اس آلہ کا استعمال ہے جس کے ساتھ قوم عاد کوعذاب دیاگیا۔ رہامعاصر لکھنوی (مولاناعبدالحی) کا اصلاح کے لئے یہ قیدبڑھانا کہ وہ اہل عذاب کی ہیئت پر ہے۔

فاقول: (تومیں کہتاہوں یہ) کچھ مفید نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ گرم پانی کے ساتھ غسل کرناجائزنہ ہو، اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ ان (جہنمیوں) کے سروں پر کھولتاہوا پانی ڈالاجائے گا۔ توایساگمان کرنے والا حمام میں داخل ہونے سے متعلق کیاکہے گا، کیایہ حرام، منہی عنہ لذاتہ بلکہ کبائرمیں سے ہے یاتومطلقًا جیساکہ فاضل مذکور کامختارہے کہ مکروہ تحریمی کا ارتکاب کبائرمیں سے ہے یاعادت بنالینے سے جیساکہ معتمد ہے کہ فی نفسہٖ یہ صغائر سے ہے، یہ اس لئے کہ حمام امام مناوی کی تیسیر میں ذکر کردہ افادہ کے مطابق جہنم کے مشابہ ترین ہے، اس کے نیچے آگ اوراوپر دھواں ہے، اس میں بے چینی،

عـــہ۱: المرادبہ مولانا الشاہ عبدالعزیز المحدث الدھلوی۔

عـــہ۲: المرد بہ المولوی عبدالحی اللکنوی

اس سے مراد مولانا الشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہیں۔ (ت)

اس سے مراد مولوی عبدالحی لکھنوی ہیں۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۹

وفیه الغم والحبس والضیق ولذا لما دخله سیدنا سلیمٰن نبی الله علیه الصلٰوۃ والسلام تذکر به النار وعذاب الجبار اخرج العقیلی والطبرانی وابن عدی والبیهقی فی شعب الایمان عن ابی موسٰی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه یرفعه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال اول من دخل الحمامات وصنعت له النورۃ سلیمٰن ابن داؤد فلما دخله وجد حره وغمه فقال اوّہ من عذاب الله اوّہ قبل ان لایکون اوّہ[1] **قلت** وبهذا یرد حدیث التشبه باهل النار وحدیث الملابسة بالنار کمالایخفی علی اولی الابصار۔	حبس اور تنگی ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام حمام میں داخل ہوئے توانہیں آگ اور عذاب جبار یاد آگیا۔عقیلی، طبرانی، ابن عدی اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیا اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جو حمام میں داخل ہوئے اور اس کے لئے چونا تیار کیا وہ سیدنا سلیمان بن داؤد علیہما السلام ہیں، جب وہ اس میں داخل ہوئے تو اس کی گرمی اور بے چینی کو پا کر فرمایا اللہ تعالٰی کے عذاب کا درد، یہ تو درمند ہوتا ہے قبل اس کے درمندی نہ ہو۔**قلت**(میں کہتا ہوں کہ)اس کے ساتھ اہل نار سے مشابہت اور نار سے ملابست کی حدیث وارد ہے جیسا کہ ارباب بصیرت پر پوشیدہ نہیں۔(ت)

وللہذا علمائے محققین واجلہ معتمدین مذاہب اربعہ نے بعد تنقیح کار وامعان افکار اس کی اباحت کا حکم فرمایا **و هو الحق الحقیق بالقبول** (اور یہی حق ہے جو قبول کرنے کے لائق ہے۔ت)علامہ سیدی احمد حموی غمز العیون والبصائر میں فرماتے ہیں:

یعلم منه حل شرب الدخان۔[2]	اس سے معلوم ہوا کہ حقہ پینا حلال ہے۔(ت)

اس قاعدہ سے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے حقہ پینے کی حلت معلوم ہوئی۔علامہ عبدالغنی

---

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ ۹۵ اسمٰعیل بن عبدالرحمن الداؤدی دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۸۴ و ۸۵، شعب الایمان حدیث ۷۷۷۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۱۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع اشباہ والنظائر القاعدۃ الثالثہ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

بن علامہ اسمٰعیل نابلسی قدس سرہما القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

من البدع العادیۃ استعمال التتن والقھوۃ الشائع ذکرھما فی ھذا الزمان بین الاسافل والاعیان والصواب انہ لاوجہ لحرمتھما ولالکراھتھما فی الاستعمال[1] الخ۔	بدعات عادیہ سے ہے حقہ اور کافی کا پینا جن کا چرچا آج کل عوام وخواص میں شائع ہے اور حق یہ ہے کہ ان کی حرمت کی کوئی وجہ ہے نہ کراہت کی۔

علامہ محقق علاء الدین دمشقی درمختار میں عبارت اشباہ نقل کرکے فرماتے ہیں: **قلت فیفھم منہ حکم التتن**[2] شامی میں ہے: وھو الاباحۃ علی المختار[3] یعنی اس سے تمباکو کا حکم مفہوم ہوتا ہے اور وہ اباحت ہے مذہب مختار میں۔ پھر فرمایا:

وقد کرھہ شیخنا العمادی فی ھدیتہ الحاقا لہ بالثوم والبصل بالاولٰی۔[4]	ہمارے استاد عبدالرحمٰن بن محمد عمادالدین دمشقی نے اپنی کتاب ہدیہ میں اسے لہسن وپیاز سے ملحق ٹھہرا کر مکروہ رکھا۔

علامہ سیدی ابوالسعود پھر علامہ سیدی احمد طحطاوی نے حاشیہ درمختار میں فرمایا:

لایخفی ان الکراھۃ تنزیھیۃ بدلیل الالحاق بالثوم والبصل والمکروہ تنزیھا یجامع الجواز۔[5]	پوشیدہ نہیں کہ یہ کراہت تنزیہی ہے جیسے لہسن اور پیاز کی، اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔

علامہ حامد آفندی عمادی بن علی آفندی مفتی دمشق الشام فتاوٰی مغنی المستفتی عن سوال المفتی میں علامہ محی الدین احمد بن محی الدین حیدر کردی جزری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الدلیل علی قبح البدع والنھی عنھا المکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۳۔۱۴۲

[2] الدر المختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[4] الدر المختار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۱

[5] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاشربہ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۲۲۷

فی الافتاء بحله دفع الحرج عن المسلمین فان اکثرهم مبتلون بتناوله مع ان تحلیله ایسر من تحریمه وماخیر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بین امرین الا اختار ایسرهما واما کونه بدعة فلا ضرر فانه بدعة فی التناول لافی الدین فاثبات حرمته امر عسیر لایکاد یوجد له نصیر۔[1]	حلت قلیان پر فتوٰی دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے کہ اکثر اہل اسلام اس کے پینے میں مبتلا ہیں معہذا اس کی تحلیل تحریم سے آسان تر ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دو کاموں میں اختیار دیئے جاتے جوان میں زیادہ آسان ہوتا اسے اختیار فرماتے، رہا اس کا بدعت ہونا کچھ باعث ضرر نہیں کہ یہ بدعت کھانے پینے میں ہے نہ کہ امور دین میں، تو اس کی حرمت ثابت کرنا ایک دشوار کام ہے جس کا کوئی معین ویاور ملتا نظر نہیں آتا۔

علامہ خاتمۃ المحققین سیدی امین الملۃ والدین محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار حاشیہ درمختار میں فرماتے ہیں:

للعلامة الشیخ علی الاجهوری المالکی رسالة فی حله نقل فیها انه افتی بحله من یعتمد علیه من ائمة المذاهب الاربعة۔[2]	علامہ شیخ علی اجہوری مالکی رحمہ اللہ تعالٰی نے حقہ کی حلت میں ایک رسالہ لکھا جس میں نقل فرمایا کہ چاروں مذاہب کے ائمہ معتمدین نے اس کی حلت پر فتوٰی دیا۔

پھر فرماتے ہیں:

قلت والف فی حله ایضا سیدنا العارف عبدالغنی النابلسی رسالة سماها الصلح بین الاخوان فی اباحة شرب الدخان وتعرض له فی کثیر من تالیفه الحسان واقامة الطامة الکبرٰی	حلت قلیان میں ہمارے سردار عارف باللہ حضرت عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ تعالٰی نے بھی ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا "الصلح بین الاخوان فی اباحۃ شرب الدخان" نام رکھا اور اپنی بہت تالیفات نفیسہ میں اس سے تعرض کیا اور حقہ کی حرمت یا کراہت ماننے والے پر

[1] العقود الدریۃ بحوالہ محی الدین الکردی الجزری، فی الرد علی من افتی بحرمۃ شرب الدخان، ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۵

على القائل بالحرمة اوبالكراهة فانهما حكمان شرعيان لابدلهما من دليل ولادليل على ذٰلك فانه لم يثبت اسكاره ولاتفتيره ولااضراره بل ثبت له منافع فهو داخل تحت قاعدة الاصل فى الاشياء الاباحة وان فرض اضراره للبعض لايلزم منه تحريمه على كل احد فان العسل يضر باصحاب الصفراء الغالبة وربما امرضهم مع انه شفاء بالنص القطعى وليس الاحتياط فى الافتراء على الله تعالٰى باثبات الحرمة اوالكراهة اللذين لابدلهما من دليل بل فى القول بالاباحة التى هى الاصل وقد توقف النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم مع انه هو المشرع فى تحريم الخمر ام الخبائث حتى نزل عليه النص القطعى فالذى ينبغى للانسان اذاسئل عنه سواء كان ممن يتعاطاه اولا كهٰذا العبد الضعيف وجميع من فى بيته ان يقول هو مباح لكن رائحته تستكرهها الطباع فهو مكروه طبعا لاشرعا الٰى اٰخر ما اطال به رحمه الله تعالٰى۔[1]

قیامت کبرٰی قائم فرمائی کہ وہ دونوں حکم شرعی ہیں جن کے لئے دلیل درکار۔اور یہاں دلیل معدوم کہ نہ اس کا نشہ لانا ثابت ہوا نہ عقل میں فتور ڈالنا نہ مضرت کرنا بلکہ اس کے منافع ثابت ہوئے ہیں تو وہ اس قاعدہ کے نیچے داخل کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور اگر فرض کیجئے کہ بعض کو ضرر کرے تو اس سے سب پر حرمت ثابت نہیں ہوتی، جن مزاجوں پر صفرا غالب ہوتا ہے شہد انہیں نقصان کرتا ہے بلکہ بارہا بیمار کر دیتا ہے باآنکہ وہ بنص قرآنی شفا ہے، اور یہ احتیاط کی بات نہیں کہ حرمت یا کراہت ٹھہرا کر خدا پر افترا کردیجئے کہ ان کے لئے دلیل کی حاجت بلکہ احتیاط مباح ماننے میں ہے کہ وہی اصل ہے، خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ بنفس نفیس صاحب شرع ہیں شراب جیسی ام الخبائث کی تحریم میں توقف فرمایا جب تک کہ نص قطعی نہ اُترا تو آدمی کو چاہئے جب اس سے حقہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو اسے مباح ہی بتائے خواہ پیتا ہو یا نہ پیتا ہو جیسے میں اور میرے گھر میں جس قدر لوگ ہیں (کہ ہم میں کوئی نہیں پیتا مگر فتوی اباحت ہی پر دیتا ہوں) ہاں اس کی بو طبیعت کرناپسند ہے تو وہ مکروہ طبعی ہے نہ کہ شرعی، اور ہنوز علامہ مذکور کا کلام طویل اس کی تحقیق میں باقی ہے۔

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

بالجملہ عند التحقیق اس مسئلہ میں سوا حکم اباحت کے کوئی راہ نہیں ہے خصوصًا ایسی حالت میں کہ عجمًا وعربًا وشرقًا وغربًا عام مومنین بلاد وبقاع تمام دنیا کو اس سے ابتلا ہے تو عدم جواز کا حکم دینا عامہ امت مرحومہ کو معاذاللہ فاسق بنانا ہے جسے ملت حنفیّہ سمحہ سہلہ غرابیضا ہر گز گوارا نہیں فرماتی، اسی طرف علامہ جزری نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے:

فی الافتاء بحلہ دفع الحرج عن المسلمین۔[1]	اس کے حلال ہونے کا فتوٰی دینے میں مسلمانوں سے دفع حرج ہے (ت)

اور اسے علامہ حامد عمادی پھر منقح علامہ محمد شامی آفندی نے برقرار رکھا:

اقول: ولسنا نعنی بھذا ان عامۃ المسلمین اذا ابتلوا بحرام حل بل الامران عموم البلوٰی من موجبات التخفیف شرعا وماضاق امر الا اتسع فاذا وقع ذٰلك فی مسئلۃ مختلف فیھا ترجح جانب الیسر صونا للمسلمین عن العسر ولایخفی علی خادم الفقۃ ان ھذا کما ھو جار فی باب الطھارۃ والنجاسۃ کذٰلك فی باب الاباحۃ والحرمۃ ولذا تراہ من مسوغات الافتاء بقول غیر الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کما فی مسئلۃ المخابرۃ وغیرھا مع تنصیصھم بانہ لایعدل عن قولہ الی قول غیرہ الا لضرورۃ بل ھو	**اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) ہماری اس سے مراد یہ نہیں کہ عام مسلمان اگر کسی حرام میں مبتلا ہو جائیں تو وہ حلال ہو جاتا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ عمومًا بلوٰی شرعی طور پر اسباب تخفیف میں سے ہے، کوئی تنگی نہیں جس میں وسعت نہ پیدا ہو، جب یہ معاملہ ایک اختلافی مسئلہ میں واقع ہوا تو مسلمانوں کو تنگی سے بچانے کے لئے آسانی کی جانب کو ترجیح ہوگی۔ خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں کہ جیسے یہ ضابطہ طہارت ونجاست میں جاری ہے۔ ایسے ہی حرمت واباحت میں بھی جاری ہے یہی وجہ ہے کہ تو اس ضابطہ کو امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے غیر کے قول پر فتوٰی دینے کے مجوزات میں دیکھتا ہے جیسا کہ مسئلہ مخابرہ وغیرہ میں حالانکہ ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بلاضرورۃ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے قول سے عدول نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ضابطہ

[1] العقود الدریۃ فی الرد علی من افتی بحرمۃ شرب الدخان ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳٦٦

من مجوزات المیل الی روایۃ النوادر علی خلاف ظاھرالروایۃ کما نصوا علیہ مع تصریحھم بان ما یخرج عن ظاھرالروایۃ فھو قول مرجوع عنہ وما رجع عنہ المجتھد لم یبق قولا لہ [1] وقد تشبث العلماء بھذا فی کثیر من مسائل الحلال والحرام ففی الطریقۃ وشرحھا الحدیقۃ فی زماننا ھذا لا یمکن الاخذ بالقول الاحوط فی الفتوی الذی افتی بہ الائمۃ وھو مااختارہ الفقیہ ابواللیث انہ ان کان فی غالب الظن ان اکثرمال الرجل حلال جاز قبول ھدیتہ ومعاملتہ والالا [2] اھ ملخصا،وفی ردالمحتار من مسئلۃ بیع الثمار لایخفی تحقق الضرورۃ فی زماننا،ولاسیما فی مثل دمشق الشام،وفی نزعھم عن عادتھم حرج،وماضاق الامر الا اتسع ولایخفی ان ھذا مسوغ للعدول عن ظاھر الروایۃ [3] اھملخصا، وفی مسئلۃ العلم فی الثوب	ظاہرالروایہ کے خلاف روایت نوادر کی طرف میلان کے لئے بھی مجوز ہے جیساکہ علماء نے نص فرمائی باوجودیکہ وہ تصریح فرماچکے ہیں کہ جو قول ظاہرالروایۃ سے خارج ہے وہ مرجوع عنہ ہے اور جس قول سے مجتہد رجوع کرلے وہ اس کا قول نہیں رہتا، علماء نے بہت سے مسائل حلال وحرام میں اس سے استدلال کیا ہے۔طریقہ اور اس کی شرح حدیقہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں قول احوط کولینا جس پر ائمہ کرام نے فتوی دیاہے ممکن نہیں۔اسی کو فقیہ ابواللیث نے اختیارفرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کے اکثر مال کے حلال ہونے کاگمان غالب ہو تواس کاہدیہ قبول کرنا اوراس کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے ورنہ نہیں اھ اختصار،اور ردالمحتار میں پھلوں کی بیع کے مسئلہ میں ہے ہمارے زمانے میں اس کی ضرورت کا متحقق ہونا پوشیدہ نہیں خصوصًا شام کے شہر دمشق میں،اور ان کو عادت سے ہٹانے میں حرج ہے،اور کوئی تنگ معاملہ نہیں جس میں وسعت نہ آئے، مخفی نہیں کہ یہ بات ظاہر الروایہ سے عدول کی مجوز ہے اھ تلخیص۔اور کپڑے پر نقش و نگار کے مسئلہ میں ہے

---

[1] بحر الرائق کتاب القضاء فصل یجوز تقلید من شاء من المجتھدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الباب الثالث الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۷۲۰

[3] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیمایدخل فی البیع تبعًا داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

ھو ارفق باھل ھذا الزمان لئلا یقعوا فی الفسق و العصیان [1] اھ وفیه من کتاب الحدود و مقتضی ھذا کله ان من زفت الیه زوجته لیلة عرسه ولم یکن یعرفھا لایحل له وطؤھا مالم تقل واحدة او اکثر انھا زوجتك وفیه حرج عظیم لانه یلزم منه تاثیم الامة [2] اھ ملخصا الی غیر ذٰلك من مسائل یکثر عدھا ویطول سردھا فاندفع ماعسٰی ان یوھم من قول الفاضل اللکنوی ان عموم البلوی انما یؤثر فی باب الطھارة والنجاسة لافی باب الحرمة والاباحة صرح به الجماعة [3] اھ۔	کہ اس میں اہل زمانہ کے لئے نرمی ہے تاکہ وہ فسق اور گناہ میں مبتلانہ ہوں اھ، اور اسی کے کتاب الحدود میں ہے اور اس تمام کا مقتضٰی یہ ہے کہ اگر شب زفاف شوہر کے پاس اس کی بیوی بھیجی جائے تو اس وقت تک اس کے لئے وطی حلال نہیں جب تک وہ عورت ایک یا کئی بار اس کو کہہ نہ دے کہ وہ اس کی بیوی ہے حالانکہ اس میں حرج عظیم ہے کیونکہ اس سے امت کو گنہگار بنانا لازم آتا ہے اھ تلخیص۔ اس کے علاوہ کئی مسائل جن کی تعداد کثیر اور ان کو بیان کرنے میں طوالت ہے۔ اس سے فاضل لکھنوی کے قول سے پیدا ہونے والا یہ وہم دور ہوگیا کہ عموم بلوی صرف طہارت ونجاست میں مؤثر ہے نہ کہ حرمت واباحت میں۔ جماعت علماء نے اس کی تصریح فرمائی ہے اھ۔ (ت)

ہاں بنظر بعض وجوہ سے تنزیہی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ محقق علائی وعلامہ ابوالسعود وعلامہ طحطاوی وعلامہ شامی نے الحاقا بالثوم و البصل افادہ فرمایا۔

علٰی مراء فیه لبعض الفضلاء مع کلام فی ذٰلك المراء۔	اس میں بعض فضلاء کو شک ہے باوجودیکہ اس شک میں کلام ہے۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

الحاقه بماذکر ھو الانصاف۔ [4]	اس کامذکور کے ساتھ الحاق کرنا ہی انصاف ہے۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الحدود باب الوطئ الذی یوجب الحد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۱۱۵

[3] ترویح الجنان بتشریح حکم الدخان للکھنوی

[4] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۶

اقول: (میں کہتا ہوں) یہیں سے ظاہر کہ اس وجہ کو موجب کراہت تحریم جاننا،

کما جزم به الفاضل اللکنوی فی فتاواه وتردد فیه فی رسالة واضطرب فیه کلام المحدث الدهلوی (هو مولانا الشاه عبدالعزیز المحدث الدهلوی) فیما نسب الیه فاوهم اولا انه یوجب کراهة التحریم وعاد اٰخرًا فقال التنزیه۔	جیسا کہ فاضل لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں اس پر جزم فرمایا، اور ایک رسالہ میں تردّد فرمایا۔ اور اس مسئلہ میں (حضرت مولانا الشاہ عبدالعزیز) محدث دہلوی کی طرف منسوب کلام مضطرب ہے، پہلے انہوں نے وہم کیا کہ یہ مکروہ تحریمی ہے پھر رجوع کرکے فرمایا کہ مکروہ تنزیہی ہے۔ (ت)

سراسر خلاف تحقیق ہے **ثمّ اقول:** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) پھر کراہت تنزیہ کا حاصل صرف اس قدر کہ ترک اولٰی ہے نہ کہ فعل ناجائز ہو۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ یہ کراہت جامع جواز واباحت ہے جانب ترک میں اس کا وہ رتبہ ہے جو جہت فعل میں مستحب کا کہ مستحب کیجئے تو بہتر نہ کیجئے تو گناہ نہیں، مکروہ تنزیہی نہ کیجئے تو بہتر کیجئے تو گناہ نہیں، پس مکروہ تنزیہی کو داخل دائرہ اباحت مان کر گناہ صغیرہ اور اعتیاد کو کبیرہ قرار دینا کما صدر عن الفاضل اللکنوی وتبعه السید المشهدی ثم الکردی (جیسا کہ فاضل لکھنوی سے صادر ہوا پھر اس کی اتباع سید مشہدی پھر کُردی نے کی۔ت) سخت لغزش وخطائے فاسد ہے یارب مکروہ گناہ کون ساجو شرعًا مباح ہو اور وہ مباح کیسا جو شرعًا گناہ ہو۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس خطائے شدید کے رَد میں ایک مستقل تحریر مسمّٰی بہ جمل مجلیہ ان المکروہ تنزیھا لیس بمعصیہ تحریر کی وباللّٰه التوفیق. **ثم اقول:** (پھر میں کہتا ہوں۔ت) یوہیں ما نحن فیہ میں تین وجہ سے کراہت تنزیہہ ٹھہرا کر کراہت تحریم کی طرف مرتقی کردینا کما وقع فیما نسب الی المحدث الدهلوی (جیسا کہ محدّث دہلوی کی طرف منسوب تحریریں واقع ہوا۔ت) محض نامقبول، قطع نظر اس سے کہ ان وجوہ سے اکثر محل نظر، شرع سے اصلا اس پر دلیل نہیں کہ جو چیز تین وجہ سے مکروہ تنزیہی ہو مکروہ تحریمی ہے ومن ادعی فعلیه البیان (جو دعوی کرے بیان دلیل اسی پر واجب ہے۔ت) خود محدث دہلوی کے تلمیذ رشید مولانا رشید الدین خاں دہلوی مرحوم اپنے رسالہ عربیہ میں صاف لکھتے ہیں کہ علمائے محققین حقہ میں کراہت تنزیہی مانتے ہیں حیث قال (جہاں فرمایا۔ت):

اما المحققون القائلون بکراهته تنزیها فهم ایضا تشبثوا بالروایات الفقهیة مثل ماقال صاحب الدر المختار[1] الخ۔	جو محققین کراہت تنزیہی کے قائل ہیں انہوں نے بھی فقہی روایات سے استدلال کیا ہے جیسا کہ صاحب درمختار نے کہا الخ

[1]

اور اسی میں تصریح ہے کہ مالت مشائخنا الیھا[1] اسی کراہت تنزیہہ کی طرف ہمارے اساتذہ نے میل کیا۔اس رسالہ پر شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ رفیع الدین صاحب کی تقریظیں ہی شاہ صاحب نے اسے :

تحریر انیق وتقریر رشیق وصحیح المبانی ومستحکم المعانی وموافق روایات ومطابق درایات۔[2]	عمدہ تحریر، خوبصورت تقریر، صحیح عبارت والی، مستحکم معانی والی، روایات کے موافق اور درایات کے مطابق (ت) بتایا،

اور شاہ رفیع الدین صاحب نے :

استحسنت غایۃ الاحسان مانثر بنایہ من جواھر لاٰلیۃ فی مبانیہ ومعانیہ[3]۔	انتہائی مستحسن ہیں موتیوں کے جواہر جواس کے بانی نے اس کی عبارت اور معانی میں بکھیرے ہیں۔(ت) فرمایا،

توظاہراً دوسری تحریر کی نسبت غلط ہے یا اس میں تحریفیں واقع ہوئیں اور اس پر دلیل یہ بھی ہے کہ اس تحریر کے اکثر جوابات مخدوش ومضمحل اور خلاف تحقیق باتوں پر مشتمل ہیں اور نسبت بہمہ جہت صحیح ہی مانئے تو رسالہ تلمیذ کی مدح وتقریظ، مناقض ومعارض ہوگی وہ تحریر پائیہ اعتبار سے یوں بھی گر گئی۔اور اس سے بھی قطع نظر کیجئے تو مقصود اتباع حق ہے نہ تقلید اہل عصر و اتباع زید وعمرو، واللہ الھادی وولی الایادی۔

الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق حق وتحقیق یہی ہے کہ وہ جائز ومباح اور غایت درجہ صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی جو نہیں پیتے اچھا کرتے ہیں اور جو پیتے ہیں برا نہیں کرتے۔

فان الاساءۃ فوق کراھۃ التنزیہ کما حققہ العلامۃ الشامی[4]۔	کیونکہ اساءۃ مکروہ تنزیہی سے اوپر ہے جیساکہ علامہ شامی نے اس کی تحقیق فرمائی(ت)

البتہ وہ حقہ جو بعض جہّال بعض بلاد ہند ماہ مبارک رمضان شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس ودماغ میں فتور لاتے اور دیدہ ودل کی عجیب حالت بناتے ہیں بیشک ممنوع وناجائز وگناہ ہے اور وہ بھی معاذاللہ ماہ مبارک میں۔اللہ عزوجل ہدایت بخشے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر مفتر چیز سے نہی فرمائی اور اس حالت کے حالت تفتیر ہونے میں کچھ کلام نہیں۔

1

2

3

[4] ردالمحتار داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۸۱، ۳۱۸

احمد و ابوداؤد بسند صحیح عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر[1]۔	امام احمد اور ابوداؤد سے بسند صحیح حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور چیز اور مست کر دینے والی شَے سے منع فرمایا۔(ت)

اور ایک صورت ممانعت کی اوقات خاصہ کے لئے اور پیدا ہوگی رائحہ کریہہ کے ساتھ مسجد میں جانا جائز نہیں

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ فلا یقربن مصلانا فان الملئکۃ تتاذی مما یتاذی منہ بنو اٰدم[2]۔	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق کہ جو اس درخت خبیثہ (یعنی تھوم) کو کھائے وہ ہماری مسجدوں میں نہ آئے کہ جس بات سے آدمیوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتے بھی اذیت کرتے ہیں۔(ت)

تو اگر حقہ سے منہ کی بو متغیر ہوبے کلی کئے منہ صاف کئے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں، اسی قدر سے خود حقہ پر حکم ممانعت نہیں جیسے کچا لہسن پیاز کھانا کہ بلاشبہہ حلال ہے اور اسے کھا کر جب تک بو زائل نہ ہو مسجد میں جانا ممنوع مگر جو حقہ ایسا کثیف و بے اہتمام ہو کہ معاذاللہ تغیر باقی پیدا کرے کہ وقت جماعت تک کلی سے بھی بکلی زائل نہ ہو تو قرب جماعت میں اس کا پینا شرعًا ناجائز کہ اب وہ ترک جماعت و ترک سجدہ یا بدبو کے ساتھ دخول مسجد کا موجب ہوگا اور یہ دونوں ممنوع و ناجائز ہیں اور ہر مباح فی نفسہ کہ امر ممنوع کی طرف مؤدی ہو ممنوع و ناروا ہے،

وقد حققنا المسألۃ مع نظائرھا فی کتاب الوقف من فتاوٰنا بما یتعین الرجوع الیہ ولایجوز التغافل عنہ۔	اس مسئلہ کی تحقیق اس کے نظائر سمیت کتاب الوقف میں ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس طور پر کردی ہے کہ اس کی طرف رجوع متعین ہے اور اس سے غفلت ناجائز ہے۔(ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۶۳، مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۳۰۹

[2] المعجم الصغیر باب الالف من اسمہ احمد دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۲۲

یہیں سے تمباکو کھانے کا حکم واضح ہوگیا وہ فی نفسہٖ نباتات مباحہ سے ہے جس کی ممانعت اکل پر شرع مطہر ہرگز دال نہیں تو اسے بعد وضوح حال حرام یا مکروہ تحریمی کہنا شرع پر جرأت و تہمت ہے، ہاں غایت وہی تنزیہی کراہت ہے، **اقول:** بلکہ حقہ سے اشد کہ دھواں منہ میں قائم نہیں رہتا تمباکوئے کشیدنی اگر کثیف نہ ہو اور حقہ جلد جلد تازہ کیا جائے ہر بار پانی بدلا جائے تو اس سے تغیر رائحہ ہوتا ہی نہیں خصوصًا جبکہ تمباکو خوشبودار ہو اور حالت متوسط پر بھی اس سے جو تغیر ہوتا ہے بہت سریع الزوال ہوا ہے کلیوں سے فورًا جاتا رہتا ہے اور بے کلی بھی تھوڑی دیر میں ہوائیں اسے لے جاتی ہیں بخلاف تمباکوئے خوردنی کہ اس کا جرم منہ میں دبا رہتا ہے اور مکرر استعمال سے تمام دہن اس کی کیفیت کریہہ سے متکیف ہوتا اور اس کی بُو میں بس جاتا ہے تو اس کی کراہت تنزیہی حقہ سے زائد ہے اور اس میں ایک دقیقہ اور ہے تمباکو کھانے کا زیادہ رواج عورتوں میں ہے، اور شوہر اگر اس کا غیر عادی اور اس کی بو سے متأذی ہو تو عورت کے لئے اس کا استعمال حد ممانعت تک پہنچے گا۔

لما فیہ من مناقضۃ ماقصد الشرع من الایتلاف والتحبب الی الازواج۔	کیونکہ اس میں میاں بیوی کے درمیان اس باہمی انس و محبت کی ممانعت ہے جو شرعًا مقصود و مطلوب ہے۔ (ت)

بلکہ عورت عادیہ نہ ہو اور اس کی بو سے ایذا پائے تو شوہر کے لئے بھی اس کی کراہت اشد ہوجائے گی کہ عورت کے حق میں شوہر کو ایذا دینا یا اسے اپنے بعض بدن مثل زبان و دہن سے تمتع دشوار کردینا اگرچہ سخت ناپسند شرع ہے مگر مرد کو بھی حکم "**عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ**"[1] (ان سے اچھا برتاؤ کرو۔ت) کی ہدایت، اور ان کی ایذا سے ممانعت، اور ان کی دلداری ودلجوئی کی طرف دعوت ہے اور اکثر کثافت و بے احتیاطی اس حد کو پہنچی کہ رائحہ کریہہ لازم دہن ہوجائے، کلی وغیرہ سے نہ جائے، برابر والے کو ایذا پہنچائے، تو ایسے تمباکو کا استعمال بیشک ناجائز و ممنوع ہے کہ اب وہ خواہی نخواہی ترک جماعت و مسجد کا موجب ہوگا اور یہ حرام ہے معہذا ایسے تغیر کے ساتھ خود نماز پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا سوئے ادب و گستاخی ہے **والعیاذ باللہ تعالٰی هذا هو حق التحقیق، واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق۔**

اما ماذکر السائل من حدیثی الدر الثمین فاقول: لامتمسك فیهما	سائل نے درثمین کے حوالے سے جو دو حدیثیں ذکر کی ہیں تو **میں کہتا ہوں** کہ ان میں ممانعت کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

للقائل بالمنع معلوم ضرورة من الدین ان نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم وکذٰلك سائر اخوانه من الانبیاء والمرسلین وکذٰلك سائر اخوانه من الانبیاء والمرسلین والملئکة المقربین صلوات الله تعالٰی وسلامه علیهم اجمعین کلهم طیبون نظیفون یحبون الطیب ویکرهون الروائح الکریهة ثم لم یورث هذا فی الثوم والبصل واخواتهما من المباحات حرمة ولامنعًا مع مانطقت به الاحادیث الجلیلة الصحیحة مسموعات الصحابة الکرام فی الیقظة مرویات الائمة الاعلام علی جادة الحجیة فی الشریعة من قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من اکل الثوم والبصل والکراث فلایقربن مسجدنا [1] وغیرذٰلك من الاحادیث فکیف بحکایة منام یحکیها بعض المتأخرین عن بعض من لم یسم وهذا سیدنا جابر بن عبدالله الانصاری رضی الله تعالٰی عنهما راویا ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال من اکل ثوما اوبصلا فلیعتزلنا اوقال فلیعتزل مسجدنا ولیقعد فی بیته وان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اُتی بقدر فی خضرات من بقول	قائل کے لئے کوئی دلیل معلوم نہیں ہوتی یہ بات ضروریات دین سے معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، یونہی دیگرانبیاء ومرسلین اورملائکہ مقربین علیہم الصلٰوۃ والسلام تمام کے تمام صاف ستھرے ہیں، خوشبو کوپسند اوربدبوکاناپسند کرتے ہیں۔ پھر محض بدبوکاپایاجانا توتھوم اور پیازوغیرہ مباح اشیاء میں بھی حرمت وممانعت کوثابت نہیں کرتا باوجودیکہ اس پر وہ عظیم الشان احادیث صحیحہ وارد ہیں جو صحابہ کرام نے بیداری کی حالت میں سنی ہیں اورائمہ اعلام سے اس طریقے پرمروی ہیں جوشریعت میں حجت ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ جس نے تھوم، پیاز اورگندنا کھایا وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس کے علاوہ دیگراحادیث مبارکہ۔ توپھر نیند کی حالت کی حکایت سے کیسے حرمت ثابت ہوسکتی ہے جس کوبعض متاخرین نے بعض نامعلوم حضرات سے حکایت کیا۔ سیدنا حضرت جابربن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا جس نے تھوم یاپیاز کھایا وہ ہم سے یاہماری مسجد سے الگ رہے اوراپنے گھرمیں بیٹھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ہنڈیا

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب نہی من اکل ثوما اوبصلا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

فوجد لھا ریحا فقال قربوھا الٰی بعض اصحابہ وقال کل فانی اناجی من لاتناجی رواہ الشیخان [1] وھذا سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ قائلا کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اتی بطعام اکل منہ وبعث بفضلہ الیّ وانہ بعث الیّ یوما بفضلۃ لم یأکل منھا لان فیھا ثوما فسألتہ حرام ھو قال لاو لکنی اکرھہ من اجل ریحہ قال فانی اکرہ ما کرھت رواہ مسلم [2] فھٰذا شیئ اٰخر غیرالمنع الشرعی وانما الکلام فیہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	پیش کی گئی جس میں مختلف قسم کی سبزیاں تھیں، آپ نے ان کی بُو کو ناگوار پایا تو بعض اصحاب کے قریب کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا اس کو کھاؤ کیونکہ میں اس سے سرگوشی کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے۔ اس کو بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ سیدنا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا لایا جاتا تو آپ اس میں سے تناول فرماتے اور جو بچ جاتا وہ میری طرف بھیج دیتے، ایک دن آپ نے میرے پاس سبزی بھیجی جس میں سے خود کچھ نہ کھایا کیونکہ اس میں تھوم تھا، میں نے آپ سے پوچھا کیا یہ حرام ہے، تو آپ نے فرمایا کہ حرام نہیں لیکن میں اس کو ناگوار بُو کی وجہ سے پسند نہیں کرتا۔ تو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا جس کو آپ پسند نہیں کرتے میں بھی اس کو پسند نہیں کرتا، اس کو مسلم نے روایت کیا۔ تو یہ ایک دوسری چیز ہے جو ممانعت شرعی کے علاوہ ہے حالانکہ کلام تو ممانعت شرعیہ میں ہے۔ اللہ تعالٰی پاک ہے اور سب سے بڑا

[1] صحیح البخار کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم النی والبصل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۸، صحیح مسلم کتاب المساجد باب نھی من اکل ثومًا وبصلًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۹

[2] صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب اباحۃ اکل الثوم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۳

عالم ہے اور اس شرف وبزرگی والے کا علم زیادہ تام اور زیادہ پختہ ہے۔(ت)	

کتبــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰے النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری

عبدالمصطفٰے احمد رضا خاں

رسالہ

حقۃ المرجان لمھم حکم الدخان

ختم ہوا

مسئلہ ۲۰: از کلکتہ دھرم تلا نمبر ا مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب　　۵ جمادی الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں نمکین بسکٹوں میں منشی تاڑی بغرض خمیر ملائی جاتی ہے شیریں میں نہیں مگر میدہ گوندھنے کے ظرف دونوں کے ایک ہی ہیں اور وہ تختہ جس پر بسکٹ بنائے جاتے ہیں وہ بھی ایک ہی ہوتا ہے نمکین بسکٹ کے سیر بھر آٹے میں پاؤ بھر تاڑی ملائی جاتی ہے نمکین کا کھانا جائز ہے یا نہیں اور شیریں کا کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)۔

الجواب:

جو بہتی چیز نشہ رکھتی ہو مذہب صحیح میں اس کا قطرہ قطرہ نہ صرف حرام بلکہ نجس بھی ہے **ھذا ھو قول محمد وھو الصحیح وعلیہ الفتوٰی** (یہ ہی امام محمد علیہ الرحمہ کا قول ہے، یہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں نمکین بسکٹ مطلقاً حرام و نجس ہیں، اور شیریں میں تین صورتیں، اگر ثابت ہو کہ ان کے میدہ یا خمیر میں بھی اس نجاست کے اجزاء ضرور مخلوط ہوتے ہیں تو یہ بھی حرام و ناپاک، اور اگر تحقیق ہو کہ یہ محفوظ رہتے ہیں مثلاً انہیں التزام ہے کہ جب نمکین کے بعد شیریں بناتے ہیں تو دست و ظروف کو بقدر کافی دھو ڈالتے ہیں اس کے بعد شیریں کا میدہ گوندھتے بناتے ہیں اگرچہ اس دھونے سے ان کی نیت تطہیر نہ ہو بلکہ صرف اس خیال سے کہ ان میں نمکینی نہ آجائے یا اور کسی وجہ سے یہ دھونا ایسا واقع ہوتا ہے کہ نجاست کے اجزاء دست و ظروف سے زائل ہو جاتے ہیں تو شیریں مطلقاً حلال و طیب، اور اگر مشکوک و محتمل ہو مثلاً ایک دن میں جس قدر یکے بعد دیگرے بنتے ہیں ان میں تو

شست وشو نہیں ہوتی تو ناکافی و نا قابل تطہیر، مگر دوسرے دن جو بنانا شروع ہوتا ہے تو رات کے باسی برتن خوب دھولئے جاتے ہیں اور ہمیشہ پہلے نمکین بنانے کا التزام نہیں بلکہ کبھی نمکین کبھی شیریں سے ابتدا کرتے ہیں تو اس صورت میں شیریں کا معاملہ محتمل رہا، ممکن کہ بعد تطہیر پہلے ہی بنے ہوں، ممکن کہ پہلے نمکین بن کر یہ بلا تطہیر بنائے گئے اور ان میں اجزائے نجاست مل گئے ہوں، اس تقدیر پر جن خاص میٹھوں کی نسبت معلوم ہو کہ ان میں خلط نجاست واقع ہوا وہ حرام جن کی نسبت تحقیق ہو کہ ان میں نہ ہوا وہ طیب حلال جن کی نسبت کچھ علم ہوا نہیں حرام یا ناپاک نہیں کہہ سکتے،

فان الاصل هو الحل والطهارة فلا يعارضه الاحتمال وليس لليقين بالشك زوال۔	بیشک اصل حل وطہارت ہے چنانچہ احتمال اس کا معارضہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی یقین شک کے ساتھ زائل ہوسکتا ہے۔(ت)

ان کا حکم ہندوؤں کی بنائی ہوئی مٹھائی، دودھ، دہی، ملائی وغیرہا اشیاء کا ہوگا کہ کھانا حلال اقور بچنا بہتر، فتوی جواز اور تقوی احتراز، یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ نمکین میں انہیں مسکر تاڑی ڈالنے کا التزام ہو خواہ یوں کہ بازار میں مسکر ہی ملتی ہے وہ وہیں سے لیتے ہیں یا یوں کہ جس غرض سے ڈالتے ہیں وہ مسکر ہی سے حاصل ہوتی ہے غیر مسکر کام نہیں دیتی، او اگر یہ دونوں امر نہ ہوں بلکہ وہ کبھی مسکر کبھی غیر مسکر ہر قسم کی تاڑی ڈالا کرتے ہیں کوئی خاص التزام نہیں تو اب نمکین بسکٹوں پر مطلقاً حرمت کا حکم نہیں بلکہ ان کا حال وہ ہوگا جو صورت ثالثہ میں شیرین کا تھا کہ جس خاص کا حال معلوم حکم معلوم ورنہ کھانا روا بچنا اولٰی۔ تاڑی چند ساعت دھوپ کی حرارت پا کر جوش لاتی ہے اور مسکر ہو جاتی ہے یا جس گھڑی میں لی گئی اس میں پہلی تاڑی کا اثر ہو تو اپنی شدت لطافت کے سبب یوں بھی سکر لے آتی ہے ورنہ اگر کورا گھڑا وقت مغرب باندھیں اور وقت طلوع اتار کر اسی وقت استعمال کریں تو اس میں جوش نہیں آتا یہ اگر ثابت ہو تو اس وقت تک وہ حلال وطاہر ہوتی ہے جب جوش لائی ناپاک وحرام ہوئی، پھر کہا جاتا ہے کہ س کے بعد بھی اس کی یہ حالت دیرپا نہیں رہتی بلکہ کچھ مدت کے بعد ترش ہو کر سرکہ ہو جاتی ہے جس طرح تذکرہ طبیب داؤد انطاکی میں نارجیل کی نسبت ہے:

قد يفسد طلعه اوجريده ويلقم كوزا فيسيل منه لبن، ويُسَمّى السيندى يبقى يوما على الحلاوة و الدسومة وله	کبھی اس کا گابھا یا ٹہنی فاسد ہو جاتے ہیں اور کوزے کا دھانہ بند ہو جاتا ہے تو اس سے دودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہا جاتا ہے اس کی حلاوت اور چکنائی ایک دن باقی رہتی ہے اس کے

افعال اشد من الخمر وھو خیر منہا ثم یکون خلا بالغاقاطعا۔[1]	افعال شراب سے زیادہ سخت ہوتے ہیں اور یہ اس سے بہتر ہے پھر یہ تند و تیز سرکہ بن جاتا ہے۔(ت)

مگر میر محمد مومن کے لفظ تحفہ میں یہ ہیں:

حلاوت او تا یک روز باقی ست بعد از یک روز مانند سرکہ تُرش می شود[2]۔	اس کی حلاوت ایک دن باقی رہتی ہے پھر وہ ترش سرکہ بن جاتا ہے۔(ت)

لیکن سرکہ ہوجانے اور مثل سرکہ تُرش ہوجانے میں فرق ہے، غرض اگر ثابت ہو کہ تاڑی ایک وقت تک مسکر نہیں ہوتی یا ایک وقت کے بعد مسکر نہیں رہتی اور انہیں خاص مسکر ہی کے ڈالنے کا التزام نہیں بلکہ دونوں طرح کے استعمال کرتے ہیں جب تو حکم یہ ہے، اور اگر ثابت ہوا کہ اس مدت مقررہ کے بعد اس کے اجزا خواہی نخواہی سرکہ ہوجاتے ہیں اگرچہ آٹے میں مل کر تنور میں پک چکے ہوں تو اس مدت کے گزرنے پر بسکٹ مطلقاً حلال ہوجائیں گے،

لان الحرمۃ کانت لمجاور وقد تبدل عینہ قال فی الدرالمختار لوعجن خبز بخمر صب خل فیہ حی یذھب اثرہ فیطھر[3] فی ردالمحتار لانقلاب مافیہ من اجزاء الخمر خلا۔[4]	کیونکہ حرمت مجاور کی وجہ سے ہے اور اس کا عین بدل گیا ہے اور درمختار میں ہے اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی حتی کہ شراب کا اثر جاتا رہا تو وہ پاک ہوجائے گی۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ اس کی حقیقت بدل کر سرکہ بن گئی ہے۔(ت)

اور اگر یہ امور ناثابت ہوں تو حکم وہی ہے کہ اول مذکور ہوا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از گلگت چھاؤنی جونٹال مرسلہ سید محمد یوسف علی صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص شراب پیئے وہ کیسا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

---

[1] تذکرۃ اولوا الالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۲۷

[2] تحفۃ المؤمنین علی ھامش مخزن الادویۃ تحت لفظ نارجیل نولکشور کانپور ص ۵۵۳

[3] الدرالمختار کتاب الطھارت باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶

[4] ردالمحتار کتاب الطھارت باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۳

الجواب:

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا وَالْمُسْلِمِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَآاَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ (اے اللہ! ہمیں اور تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھ اپنی رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم فرمانے والے۔ت) شراب حرام اور پیشاب کی طرح ناپاک اور اس کا پینا سخت گناہ کبیرہ اور پینے والا فاسق فاجر ناپاک بیباک مردود وملعون مستحق عذاب شدید وعقاب الیم ہے، **والعیاذباللہ رب العالمین**، اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر سخت سخت وعیدیں ہولناک تہدیدیں فرمائیں، ہ یہاں صرف بعض پر اکتفا کرتے ہیں:

حدیث(۱): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن رواہ الشیخان[1] غیرھما عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	شراب پیتے وقت شرابی کا ایمان ٹھیک نہیں رہتا(اس کو شیخین وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث(۲): (رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:)

لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرھا ومعتصرھا وشاربھا وحاملھا والمحمولة الیه وساقیھا وبائعھا واٰکل ثمنھا والمشتری لھا والمشتراۃ له رواہ الترمذی[2] وابن ماجة عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه ورجاله ثقات۔	یعنی جو شخص شراب کے لئے شیرہ نکالے اور جو نکلوائے اور جو پیئے اور جو اٹھا کر لائے اور جس کے پاس لائی جائے اور جو پلائے اور جو بیچے اور جو اس کے دام کھائے اور جو خریدے اور جس کے لئے خریدی جائے ان سب پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی(اس کو ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ت)

حدیث(۳): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاشربہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۶، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان نقصان الایمان بلامعاصی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۵

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاشربہ باب لعنت الخمر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۰، جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی بیع الخمر الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۵

من زنی وشرب الخمر نزع الله منه الایمان کما یخلع الانسان القمیص من راسه۔رواه الحاکم [1] عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	جو زنا کرے یا شراب پیئے اللہ تعالٰی اس سے ایمان کھینچ لیتا ہے جیسے آدمی اپنے سر سے کرتا کھینچ لے (اسے امام حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث (۴): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثة لایدخلون الجنة مدمن الخمر وقاطع الرحم ومصدق بالسحر ومن مات مدمن الخمر سقاه الله جل وعلامن نهر الغوطة،قیل ومانهر العوطه،قال نهر یجری من فروج المومسات یؤذی اهل النار ریح فروجهن۔رواه احمد [2] وابن حبان فی صحیحه وابو یعلٰی عن ابی موسٰی رضی الله تعالٰی عنه۔	تین شخص جنت میں نہ جائیں گے: شرابی اور اپنے قریب رشتہ داروں سے بدسلوکی کرنے والا اور جادو کی تصدیق کرنے والا۔ اور جو شرابی بے توبہ مرجائے اللہ تعالٰی اسے وہ خون اور پیپ پلائے گا جو دوزخ میں فاحشہ عورتوں کی بری جگہ سے اس قدر بہے گا کہ ایک نہر ہوجائے گا دوزخیوں کو ان کی فرج کی بدبو عذاب پر عذاب ہوگی وہ سخت بدبو گندی پیپ جو بدکار عورتوں کی فرج سے بہے گی اس شرابی کو پینی پڑے گی۔

(والعیاذ باللہ تعالٰی) (اس کو امام احمد، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی۔اور ابویعلٰی نے اس کو سیدنا ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) مسلمان ذرا آنکھیں بند کرکے غور کرے کہ شراب چھوڑنا قبول ہے یا اس پیپ کے گھونٹ نگلنا، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔

حدیث (۵): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مدمن الخمر ان مات لقی الله	شرابی اگر بے توبہ مرے تو اللہ تعالٰی کے حضور

[1] المستدرك للحاکم کتاب الایمان اذا زنی العبد خرج منه الایمان دار الفکر بیروت ۲۲/۱

[2] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی موسٰی اشعری رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳۹۹/۴، المستدرك للحاکم کتاب الاشربه ذکر ثلثة لایدخلون الجنة دار الفکر بیروت ۱۴۶/۴، موارد الظمأن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۸۲ المطبعة السلفیه ص ۳۳۵

کعابدوثن۔رواہ احمد[1] بسند صحیح عندنا وابن حبان فی صحیحه عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	اس طرح ہوگا جیسے کوئی بت پوجنے والا(اس کو امام احمد نے بسند صحیح روایت کیا اورابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا ہے۔ت)

حدیث(۶): رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن احد یشربها فیقبل اللہ له صلٰوۃ اربعین لیلة ولایموت وفی مثانته منها شیئ الاحرمت بها علیه الجنّة فان مات فی اربعین لیلة مات میتة جاهلیة۔[2] والعیاذباللہ تعالٰی۔	جو شخص شراب کی ایک بوند پیئے چالیس روز تک اس کی کوئی نماز قبول نہ ہو،ارجومر جائے اور اس کے پیٹ میں شراب کا ایک ذرہ بھی ہوتو جنت اس پرحرام کردی جائے گی، اورجوشراب پینے سے چالیس دن کے اندر مرے گاوہ زمانہ کفر کی موت مرے گا۔(ت)

حدیث(۷): کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقسم ربی بعزته لایشرب عبد من عبیدی جرعة من خمر الاسقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا او مغفورا له،ولایسقیها صبیا صغیرا الاسقیته مکانها من حمیم جهنم معذبا اومغفورا،ولایدعها عبد من عبیدی من مخافتی الاسقیتها ایاه من حظیرة	میرے رب نے اپنی عزت کی قسم یادفرمائی کہ میراجوبندہ ایک گھونٹ شراب کاپیئے گامیں اسے اس کے بدلے جہنم کاوہ کھولتاہواپانی پلاؤں گااس کی بخشش تک،اورجو کسی چھوٹے کو پلائے گاجب بھی اس کی سزامیں وہ پانی پلاؤں گااس کی بخشش تک،اور میراجوبندہ میرے خوف سے شراب چھوڑے گااسے اپنے پاک دربار میں پلاؤں گا(اس کو

[1] مسنداحمدبن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۲،موارالظمآن باب مدمن الخمر حدیث ۱۳۷۹ المطبعة السلفیه ص ۳۳۵

[2] المستدرك للحاکم کتاب الاشربه ان اعظم الکبائر شرب الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۴۷

القدس۔رواہ احمد[1] عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	امام احمد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲: از بریلی سائل منشی احمد علی محرر چونگی قلعہ بریلی ۱۱صفر ۱۳۱۴ھ

علمائے دین نے حقہ کو حرام مطلق قرار دیا ہے یا مکروہ؟ کیا وہ شخص زیارت حضور سرورکائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مشرف نہ ہوگا جو حقہ پیتا ہے اگرچہ درود شریف بکثرت پڑھتا ہو اور کیا اس کا تحفہ حضور قبول نہ فرمائیں گے؟

الجواب:

دَم لگانا جس سے ہوش وحواس میں فرق آتا ہے حرام ہے اور سادہ حقہ ہرگز حرام نہیں، نہ اس کا پینا کسی طرح کا گناہ ہے، ہاں اگر بُو رکھتا ہے تو خلاف اولٰی ہے جیسے کچی پیاز کھانا، اور یہ جاہلانہ خیالات کہ حقہ پینے والا زیارت اقدس حضور پرنور رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معاذاللہ محروم ہے یا حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ اس کا تحفہ درود شریف قبول نہ فرمائیں گے، یہ سب دروغ بے فروغ اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افترا ہے، بہت بندگان خدا حقہ پینے والے خواب میں زیارت جمال جہاں آرائے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا مشرف ہوئے اور حضور رؤف ورحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غایت کرم ومہربانی کے کلمات ارشاد فرمائے۔

"قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۠(۱۰۰)"[2]	اے محبوب! فرمادیں اگر تم لوگ میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں بھی روک رکھتے اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہوجائیں، اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔(ت)

؎ اگر بادشاہ بردر پیر زن بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

(اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آئے تو اے سردار! تو مونچھیں مت اکھاڑ۔ت)

ہاں وردِ درود مبارک کے وقت حقہ نہ پیئے اور پی چکا ہو تو کلی مسواک سے منہ صاف کرکے وِرد شروع

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۱۷ /۱۰۰

کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳: از براہم پور ۲۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ افیون کھانی کیسی ہے؟ افیونی فاسق و مستحق عذاب ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کی ہمراہی کریں اس کی مدد کریں وہ کیسے ہیں؟ افیونی کو کھانا کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ اور کھانے کے علاوہ دام دیئے جائیں یا نہیں جبکہ اس کی عادت سے معلوم ہے کہ وہ اداموں کو افیون میں صرف کرے گا۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

افیونی ضرور فاسق و مستحق عذاب ہے، صحیح حدیث میں ہے:

نھٰی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر۔ رواہ الامام احمد[1] وابوداؤد عن اُمّ المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر چیز کہ نشہ لائے اور ہر چیز کہ عقل میں فتور ڈالے حرام فرمائی (اس کو امام احمد اور ابوداؤد نے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسند صحیح روایت فرمایا ہے۔ت)

اور مخالفت شرع میں کسی کی مدد کرنی ہمراہی لینی خود مخالفت شرع کرنی ہے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ"[2]	اور تمہیں ان پر ترس نہ آئے اللہ تعالٰی کے دین میں۔ (ت)

افیونی اگر بھوکا محتاج ہو تو اس کے بھوکے ہونے کی نیت سے کھانا دینے حرج نہیں بلکہ ثواب ہے کہ بھوکے کتے کا پیٹ بھرنا باعث اجر ہے آدمی تو آدمی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فی کل کبد حراء رطبۃ اجر۔[3]	ہر تر جگہ والی شیئ میں ثواب ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳، مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲

[3] صحیح البخاری ابواب مظالم والقصاص باب الآبار علی الطریق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۳، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

اور کھانے کے علاوہ دام نہ دیئے جائیں جبکہ معلوم ہو کہ انہیں افیون میں صرف کرے گا۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[1]۔	اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴: از شہر کہنہ مرسلہ سید عبدالواحد متھراوی ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شراب کا حرام ہونا اس کے نشہ کی وجہ سے ہے یا ادویہ کے سڑ کر تیار ہونے کی وجہ سے؟

الجواب:

شراب کا شراب ہونا جوش آنے اور نشے لانے کی حالت پر موقوف ہے، دوائیں اگر سڑائی جائیں اور ان میں نشہ لانے کا جوش نہ پیدا ہو تو وہ شراب نہ ہوں گی جیسے بعض مصفّٰی عرقوں میں ادویہ کی تعفین کی جاتی ہے اور بغیر سڑائے صرف آنچ دینے یا دھوپ دکھانے یا گرم ہوا میں ٹھہرنے سے وہ جوش آجائے جیسے آب ونقوع انگور وخرما تربوز شکرآمیختہ اور تاڑی وغیرہ میں تو وہ شراب ہوجائے گی، پھر شراب ہوجائے تو اس کی حرمت اس قدر پینے پر موقوف نہ رہے گی جو نشہ لائے بلکہ وہ نجاست غلیظہ اور مطلقاً حرام ہے اگرچہ ایک بُوند، کما حققہ الائمۃ فی عامۃ الاسفار (جیسا کہ عام کتابوں میں ائمہ کرام نے اس کی تحقیق فرمائی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲

رسالہ
الفقہ التسجیلی فی عجین النارجیلی ۱۳۱۸ھ
(فیصلہ کن دانائی تاڑی سے خمیر شدہ آٹے کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۵: از رنگون گلی نمبر ۲۵ دواخانہ حکیم عبدالعزیز صاحب مرسلہ جناب مرزا عبدالقادر بیگ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پہلے تھوڑے آٹے میں مسکر تاڑی کے نیچے کی تاڑی جسے روٹی گاد کہتے ہیں ملاکر خمیر کیاگیا پھر یہ آٹا خمیر شدہ پندرہ بیس سیر آٹے میں ملاکر خمیر کیا اوراس کی روٹی پکائی اس روٹی کی نسبت کیا حکم ہے؟ اور اگر فرض کیاجائے کہ اس گاد میں قوت سکریہ باقی نہ رہی تھی تواس خمیری روٹی کا کیاحکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

رنگون میں بخلاف مانڈلہ پاؤروٹی وتنوری روٹی دونوں کاعام طورپر خمیر تاڑی سے کیاجاتاہے اورہزارہا مسلمان اسی روٹی کو کھاتے ہیں، یہاں اور کلکتے میں عام ہے، یہاں دوعالم کہتے ہیں کہ اس روٹی کی نسبت حکم حرمت کانہیں ہے مگر احتیاط کرنا اولٰی ہے۔ میں نے جناب مولانا جلال الدین صاحب دہلوی مقیم مانڈلہ سے بذریعہ خط دریافت کرایا جواب آیاکہ جناب موصوف نے حکم حرمت کا دیا، آج کل مولوی عبدالحمید صاحب واعظ پانی پتی یہاں تشریف رکھتے ہیں انہوں نے بھی کھانا ترک کردیا،

اس کے جواب کی بہت ضرورت ہے امید ہے کہ آپ کے فیض تحریر سے صدہا مسلمان اس معصیت سے بچ جائیں گے۔یہ بلا یہاں عام ہے جملہ قسم کی روٹیوں میں اس کا خمیر دیا جاتا ہے۔فقط

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمدللہ الذی حرم علینا فی الدنیا الخمور ووعدنا فی الجنّة الشراب الطھور والصلٰوۃ والسلام علی من حمانا المنکرات و حرم علینا برحمتہ المسکرات وعلٰی اٰلہ وصحبہ الشاربین من کاس التکریم لالغوفیھا ولاتاثیم افاض اللہ علینا من فیضھم فنصیب فللارض من کأس الکرام نصیب۔	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان اور رحم فرمانے والا ہے، تمام تعریفیں اس معبود کے لئے ہیں جس نے دنیا میں ہم پر شرابیں حرام کی ہیں اور جنت میں ہمیں شراب طہور عطافرمانے کاوعدہ کیا ہے اور درودوسلام ہو اس ذات پر جس نے ہمیں منکرات سے روکا اور اپنی رحمت سے نشہ آور اشیاء کو ہم پر حرام فرمایا، اور آپ کے آل واصحاب پر جو عزکے پیالے سے پینے والے ہیں جس میں بیہودگی اور گنہگاری نہیں، اللہ تعالٰی ان کے فیض سے ہمیں بھی عطافرمائے کہ ہم بھی اس کو پالیں، اور سخیوں کے جام سے زمین کے لئے حصہ ہوتا ہے۔(ت)

قول منصور ومختار میں تاڑی وغیرہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام وناروا ہے اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے۔یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتوٰی ہے۔تنویر الابصار میں ہے:

حرمھا محمد مطلقًا وبہ یفتٰی۔[1]	امام محمد علیہ الرحمہ نے اس کو مطلقًا حرام قرار دیا اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

ذکرہ الزیلعی وغیرہ واختارہ شارح الوھبانیۃ۔[2]	اس کو زیلعی وغیرہ نے ذکرکیا اور شارح وہبانیہ نے اس کو اختیار فرمایا۔(ت)

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۶۰

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الاشربہ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۶۰

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وغیرہ کصاحب الملتقی والمواہب والکفایۃ والنہایۃ والمعراج وشرح المجمع وشرح درر البحار والقہستانی والعینی حیث قالوا الفتوی فی زماننا بقول محمد لغلبۃ الفساد[1] الخ۔	اس کے قول وغیرہ سے مراد یہ حضرات ہیں جیسے صاحب ملتقی، صاحب مواہب، صاحب کفایہ، صاحب نہایہ، صاحب معراج، صاحب شرح المجمع، صاحب شرح درر البحار، قہستانی اور عینی، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں غلبہ فساد کے سبب فتوٰی امام محمد کے قول پر ہے الخ (ت)

غنیہ ذوی الاحکام میں ہے:

قال فی البرھان والحقھا محمد کلھا بالخمر فی المشھور عنہ کالشافعی ومالکی وبہ یفتی[2]۔	برہان میں کہا کہ امام محمد نے ان تمام کو مشہور قول میں شراب کے ساتھ ملحق کیا ہے جیسا کہ امام شافعی وامام مالک کہتے ہیں، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔ (ت)

طحطاوی علی الدر میں ہے:

قال الحموی واعلم ان الاصح المختار فی زماننا ان کل ما اسکر من الاشربۃ المذکورۃ بعمومھا کثیرہ وقلیلہ حرام وھو قول محمد لحدیث کل مسکر حرام[3]۔	حموی نے کہا جان لو کہ ہمارے زمانے میں اصح ومختار یہ ہے کہ مذکورہ نشہ آور شرابوں میں سے علی العموم ہر ایک کا قلیل وکثیر حرام ہے اور یہ ہی امام محمد کا قول ہے، اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔ (ت)

وجیز کردری میں ہے:

قال محمد رحمہ اللہ تعالٰی قلیلہ وکثیرہ حرام قالوا وبقول محمد نأخذ ومذھب محمد انہ حرام نجس[4] الخ۔	امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: اس کا قلیل وکثیر حرام ہے، علماء نے کہا ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں اور امام محمد کا مذہب یہ ہے کہ یہ نجس ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۳

[2] غنیہ ذوی الاحکام علی الدرر الحکام کتاب الاشربہ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الاشربہ المکتبۃ العربیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ ۴/ ۲۲۵

[4] فتاوٰی بزازیۃ علی ھامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الاشربہ نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۷۔۱۲۶

خلاصہ میں نوازل فقیہ ابواللیث سے ہے:

عند محمد حرام شربہ قال الفقیہ وبہ ناخذ۔[1]	امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس کا پینا حرام ہے، فقیہ نے کہا ہم اسی کو لیتے ہیں۔ (ت)

فتاوٰی ہندیہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے ہے:

ذکر محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتب کل ماھو حرام شربہ اذا اصاب الثوب منہ اکثر من قدر الدرھم یمنع جواز الصّلٰوۃ قالوا وھکذا روی ھشام عن ابی یوسف حکی عن الفضلی انہ قال علٰی قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی یجب ان یکون نجسا نجاسۃ خفیفۃ والفتوی علی انہ نجس نجاسۃ غلیظۃ[2] اھ اعلم ان المحقق صاحب البحر کان بحث فی البحر ترجیح التغلیظ بناء علی اصل مھدہ سابقا و نازعہ اخوہ المدقق فی النھر محتجا بما فی المنیۃ صلی وفی ثوبہ دون الکثیر الفاحش من السکر اوالمنصف تجزیہ فی الاصح[3] اھ وذکر فی الدر خلاف الاخوین و لم یزد وقال العلامۃ	امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں فرمایا کہ جس شیئ کا پینا حرام ہے اگر وہ مقدار درھم سے زائد کپڑے کو لگ جائے تو اس کپڑے میں نماز ممنوع ہوگی۔ علماء نے کہا کہ ہشام نے امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے یونہی روایت کیا ہے۔ فضلی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے قول پر ضروری ہے کہ وہ کپڑا نجاست خفیفہ کے ساتھ نجس ہو، اور فتوٰی اس پر ہے کہ وہ نجاست غلیظ کے ساتھ نجس ہے اھ، جان لو کہ امام محقق صاحب البحر نے بحر میں اس پر بحث کرتے ہوئے نجاست غلیظہ کو ترجیح دی اور اس کی بنیاد ایسے قاعدہ پر رکھی جس کو انہوں نے اولًا مقرر فرمایا، اور ان کے بھائی مدقق نے نہر میں ان کی مخالفت کی، استدلال کرتے ہوئے اس مسئلہ سے جو منیہ میں مذکور ہے کہ کسی شخص نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کے کپڑوں میں شراب یا انگور کا شیرہ لگا ہوا تھا جو کہ کثیر فاحش نہ تھا تو مذہب اصح میں اس کی نماز ہوگئی اھ در میں دونوں بھائیوں کا

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربہ المکتبۃ العربی کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

[2] فتاوٰی ھندیۃ کتاب الاشربہ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۱۲

[3] النھر الفائق کتاب الطھارۃ باب الانجاس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۴۷

ابراھیم الحلبی فی حواشی الدر بعد ذکر ما فی المنیة، ھو نص فی التخفیف فکان ھو الحق لان فیه الرجوع الی الفرع المنصوص فی المذھب واما ترجیح صاحب البحر فبحث منه[1] اھ ونقله العلامة الطحطاوی مقرا علیه واستدرك علیه المحقق الشامی بما فی شرح النقایة. انھا غلیظة فی ظاھر الروایة خفیفة علٰی قیاس قولھما اھ ثم قال "ینبغی ترجیح التغلیظ فی الجمیع یدل علیه ما فی غرر الافکار من کتاب الاشربة حیث قال وھٰذہ الاشربة عند محمد وموافقیه کخمر بلاتفاوت فی الاحکام و بھذا یفتی فی زماننا اھ" قال فقوله بلاتفاوت فی الاحکام یقتضی انھا مغلظة فتدبر[2] اھ۔**اقول:** عدم التفاوت وان سلم ففی الا شربة الثلثة المحرمة بالاتفاق بین ائمتنا وھی الباذق والسکر والنقیع وفیھا کلام الغرر اما سائر الا شربة المسکرة المحرمة عند محمد مطلقًا فالتفاوت	اختلاف ذکر کیا ہے اس پر اضافہ نہیں کیا۔علامہ ابراہیم نے منیہ کے مذکورہ مسئلہ کے ذکر کے بعد حواشی در میں فرمایا یہ تخفیف میں نص ہے اور یہی حق ہے کیونکہ اس میں اس فرع کی طرف رجوع ہے جو مذہب میں منصوص ہے۔رہی صاحب بحر کی ترجیح تو وہ ان کی بحث ہے اھ علامہ طحطاوی نے اس کو برقرار رکھتے ہوئے نقل فرمایا،علامہ شامی نے اس کی اصلاح فرمائی اس کے ساتھ جو شرح نقایہ میں ہے کہ ظاہر الروایہ میں یہ نجاست غلیظہ ہے اور شیخین کے قول کے مطابق خفیفہ ہے اھ پھر فرمایا کہ ان سب میں ترجیح نجاست غلیظہ کو ہونی چاہئے۔اس پر دلیل وہ ہے جو غررالافکار کی کتاب الاشربہ میں ہے، جہاں فرمایا کہ یہ تمام شرابیں امام محمد علیہ الرحمہ اوران کی موافقت کرنے والوں کے نزدیک تمام احکام میں بلاتفریق خمر کی طرح ہیں اور ہمارے زمانے میں فتوٰی اسی پر دیا جاتا ہے اھ فرمایا کہ اس کا قول "بلاتفاوت" تقاضا کرتا ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے پس غور کر اھ۔**اقول:** (میں کہتا ہوں) عدم تفاوت اگر تسلیم کرلیا جائے تو ان تین شرابوں جن کی حرمت پر ہمارے ائمہ کرام متفق ہیں یعنی باذق، سکر اور نقیع میں غرر کا کلام ہے،اور باقی وہ نشہ آور شرابیں جو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک مطلق حرام ہیں ان میں تفاوت

[1] ردالمحتار بحوالہ الحلبی کتاب الطھارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۱۳

[2] ردالمحتار بحوالہ الحلبی کتاب الطھارۃ باب الانجاس دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۱۳

فیھا بیّن حیث لایحد بشرب القلیل منھا بخلاف الخمر فلایفید التغلیظ فی الجمیع والعجب من ھٰؤلاء الجلۃ غفلوا کلھم عن نص صریح فی المذھب مذیل بآکد الفاظ الفتوی بل التغلیظ فی المنصف منصوص علیہ فی المتون کالوقایۃ والنقایۃ والاصلاح وغرر الاحکام والتنویر وغیرھا وبما نقلنا سقط ما فی النھر واستغنی عن بحث البحر وتبین ان الکل غلیظۃ علی المفتی بہ وللہ الحمد۔	ظاہر ہے کیونکہ ان کے قلیل میں حد جاری نہیں ہوتی بخلاف خمر کے، لہٰذا یہ تمام میں حرمت غلیظہ کا فائدہ نہ دے گا۔ اوران تمام بزرگوں پر حیرت ہے کہ وہ تمام اس نص سے غافل رہے جو مذہب میں صریح اورالفاظ فتوٰی کو زیادہ مؤکد طورپر ظاہر کرنے والی ہے بلکہ منصّف کی حرمت غلیظہ پر تو متون میں نص وارد ہے جیسے وقایہ، نقایہ، اصلاح، غررالاحکام اور تنویر وغیرہ۔ اور جو ہم نے نقل کیااس سے وہ اعتراض ساقط ہوگیا جو نہر میں ہے، اور بحر کی بحث سے بھی استغناء حاصل ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ مفتی بہ قول کے مطابق سب میں نجاست غلیظہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔ (ت)

اس مذہب پر جبکہ مسکرتاڑی کے اجزاء روٹی میں شریک ہوں تو وہ روٹی ضرور حرام وناپاک ہے اوراس کا بیچنا بھی حرام و ناروا، اوراس کے دام بھی مال حرام، اور پہلے تھوڑے آٹے میں تاڑی ملاکر خمیر کرنا پھر یہ خمیر آرد کثیر میں نفع نہ دے گا، اگر آٹے میں پانی ڈال کر گوندھ جانے سے پہلے خمیر ملایا جب تو ظاہر ہے کہ اس ناپاک خمیر سے وہ سارا پانی ناپاک اوراس سے سب آٹا نجس ہوگیا، اوراگر گوندھ کر تیار ہوجانے کے بعد بھی خمیر دیا تو بھی یہ طریقہ ہرگز نہیں کہ آٹے میں ایک کنارے کو یا صرف بیچ میں خمیر رکھ دیا اور سب آٹا اس کی ہوا سے خمیر ہوگیا بلکہ ضرور وہ خمیر آٹے میں خوب ملاتے خلط کرتے ہیں کہ اس کے اجزا تمام آرد میں مل جاتے ہیں یوں بھی حکم حرمت ہی رہا کسی حلال چیز میں حرام چیز کا اگرچہ پاک ہوایسا خلط ہوجانا اُسے حرام کر دیتاہے اور یہ تو حرام وناپاک دونوں تھا، درمختار میں ہے:

لوتفتت فیہ نحو ضفدع جازالوضوء بہ لاشربہ لحرمۃ لحمہ۔[1]	اگرچہ پانی میں مینڈک جیسا جانور ریزہ ریزہ ہوجائے گا تواس پانی کے ساتھ وضوتو جائز ہے مگراس کو پینا جائز نہیں اس لئے کہ مینڈک کا گوشت حرام ہے۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

حلیہ میں ہے:

قال شیخنا وبه صرح فی التجنیس فقال یحرم شربه[1]۔	ہمارے شیخ نے فرمایا اور اسی کے ساتھ تجنیس میں بھی تصریح کی گئی ہے، فرمایا اس کو پینا حرام ہے (ت)

اور گاد میں نشہ نہ ہونا بھی نفع نہ دے گا جبکہ عدم سکر اس وجہ سے ہو کہ اس میں ثقل زیادہ ہے، اجزائے رقیقہ کہ مورث تفریح وتبخیر سکری ہوتے ہیں اتنے نہیں کہ ان کا اثر ظاہر ہو، اوپر معلوم ہولیا کہ ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ ذرّہ ذرّہ شراب کی طرح حرام اور پیشاب کی طرح نجس ہے اور گاد ان اجزا سے خالی نہیں ہوسکتی اور بالفرض خالی ہو تو ناپاک توضرور ہے کہ آخر اُسی پیشاب کا تلچھٹ ہے۔ ہدایہ میں ہے:

یکره شراب دردی الخمر والامتشاط به لان فیه اجزاء الخمر والانتفاع بالمحرم حرام، ولایحد شاربه ان لم یسکر لان الغالب علیه الثقل فصار کما اذا غلب علیه الماء بالامتزاج[2] اھ۔	شراب کا تلچھٹ پینا اور اس کے ساتھ بالوں کو کنگھا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں شراب کے اجزاء ہیں اور حرام سے انتفاع بھی حرام ہے، تلچھٹ پینے والے پر حد جاری نہیں کی جائے گی اگر وہ نشہ نہ دے، کیونکہ اس میں غالب میل کچیل ہوتی ہے تو وہ ایسا ہی ہوگیا جس میں پانی کی ملاوٹ غالب ہوجائے اھ (ت)

مگر امام الاطباء داؤد انطاکی نے تذکرہ میں تصریح کی کہ سیندھی یعنی وہ پانی کہ تاڑی کی طرح ناریل کے درخت سے لیا جاتا ہے صرف یکشبانہ روز مسکر رہتا ہے اس کے بعد سخت تندو تیز سرکہ ہوجاتا ہے۔

حیث ذکر فی ذکر النارجیل قد یفسد طلعه او جریده ویلقم کوزا فیسیل منه لبن ویسمی السیندی یبقٰی یوما علی الحلاوۃ والدسومة وله افعال اشد من الخمر وهو خیر منها ثم یکون خلا بالغا قاطعا[3]۔	کیونکہ انہوں نے نارجیل کے ذکر میں فرمایا کہ اس کا گابھا اور ٹہنی کبھی فاسد ہوجاتی ہے اور کوزا کا دھانا بند ہوجاتا ہے اس سے دودھ بہنے لگتا ہے جس کو سیندھی کہتے ہیں وہ ایک دن تک اپنی حلاوت اور چکنائی پر برقرار رہتا ہے اور اس کے افعال شراب سے سخت تر ہیں اور وہ اس سے بہتر ہے پھر وہ تندو تیز سرکہ بن جاتا ہے۔ (ت)

---

[1] التعلیق المجلی بحوالہ حلیۃ المحلی فصل فی البئر مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۲۳

[2] الهدایة کتاب الاشربه مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۹۷۔۴۹۶

[3] تذکرہ اولوالالباب لداؤد انطاکی حرف النون ذکر نارجیل مصطفی البابی مصر ۱ /۳۲۷

تاڑی اور سیندھی قریب قریب ہیں کہ تاڑی بھی نارجیل ہی کی ایک نوع ہے اگر ثابت ہو کہ یہ بھی ایک وقت معین شبانہ روز خواہد زائد کے بعد سرکہ ہوجاتی ہے اور گاد میں قوت سکریہ نہ رہنا اس بنا پر ہے تو اب اس کی طہارت وحلت میں شبہہ نہیں اور روٹی جو ایسی گاد سے خمیر کی جائے یقیناً حلال وطیّب، اور اس کی بیع روا ہے، یونہی اگر پایہ ثبوت کو پہنچے کہ مدت مقررہ پر اس کے اجزاء ضرور سرکہ ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ وہ جز بھی آٹے میں مل کر آگ پر پک چکے تو اس صورت میں اس مدت کے مرور پر روٹی کی طہارت وحلت وجواز بیع کا حکم ہوجائے گا اگرچہ ابتداءً اس میں مسکر اجزاء ملے ہوں کہ جب وہ اجزاء مسکر نہ رہے سرکہ ہو گئے طاہر وحلال ہوگئے اور روٹی کی حرمت ونجاست جو انہیں کے باعث تھی زائل ہوگئی۔ درمختار میں ہے:

لوعجن خبز بخمر صب فیه خل حتی یذهب اثر فیطهره۔[1]	اگر شراب میں آٹا گوندھ کر روٹی پکائی گئی اور اس میں سرکہ ڈالا گیا جس سے شراب کا اثر جاتا رہا تو پاک ہوجائے گی۔ (ت)

ردّالمحتار میں ہے:

لانقلاب مافیه من اجزاء الخمر خلا۔[2]	کیونکہ اس میں جو خمر کے اجزاء تھے وہ سرکہ کی طرف منقلب ہو گئے ہیں (ت)

اور اس کا ثبوت قابل قبول نہ ہو تو وہی حکم نجاست وحرمت رہے گا،

لان موجبها معلوم ودلیل المزیل معدوم والیقین لایزول بالشک۔	کیونکہ اس کا موجب معلوم اور دلیل مزیل معدوم ہے اور یقین کبھی شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ (ت)

یہ سب بربنائے مذہب مفتٰی بہ تھا اور اصل مذہب کہ شیخین مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہما کا قول ہے

اعنی طهارة المثلث العنبی والمطبوخ التمری و الزبیبی وسائر الاشربة من غیر الکرم	میری مراد پاک ہونا اس انگوری شراب کا جس کا دو ثلث خشک ہوگیا ہو، کھجور اور زبیب کا جس کو پکایا گیا ہو اور انگور اور کھجور کے

[1] الدرالمختار کتاب الطهارة باب الانجاس مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الطهارة باب الانجاس داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۳

والنخلۃ مطلقاً وحلہا کلہا دون قدر الاسکار۔	علاوہ تمام شرابوں کا پاک ہونا اور ان کا حلال ہونا جبکہ مقدار مسکر سے کم ہوں۔(ت)

حاشیہ بھی قول ساقط وباطل نہیں بلکہ بہت باقوت ہے خود اصل مذہب یہی ہے اور یہی جمہور صحابہ کرام حتی کہ حضرات اصحاب بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے مروی ہے، یہی قول امام اعظم ہے، عامہ متون مذہب مثل مختصر قدوری وہدایہ و وقایہ و نقایہ وکنز وغرر واصلاح وغیرہا میں اسی پر جزو اقتصار کیا، اکابر ائمہ ترجیح و تصحیح مثل امام اجل ابو جعفر طحاوی وامام اجل ابوالحسن کرخی واما مشیخ الاسلام ابوبکر خواہر زادہ وامام اجل قاضی خاں وامام اجل صاحب ہدایہ رحمہم اللہ تعالٰی نے اسی کو راجح ومختار رکھا بلکہ خود امام محمد نے کتاب الآثار میں اسی پر فتوی دیا اسی کو بہ ناخذ (ہم اسی کو لیتے ہیں۔ت) فرمایا، علمائے مذہب نے بہت کتب معتمدہ میں اس کی تصحیح فرمائی یہاں تک کہ آکد الفاظ ترجیح علیہ الفتوی سے بھی تذییل آئی۔ خزانۃ المفتین میں ہے:

فی الھدایۃ والنہایۃ وفتاوٰی قاضی خان وظھیر الدین والخلاصۃ وفتاوی الکبرٰی وفتاوی اھل سمرقند والحمیدی الاصح ما علیہ ابوحنیفۃ وابو یوسف رحمہما اللہ تعالٰی [1]۔	ہدایہ، نہایہ، فتاوٰی قاضیخان، فتاوٰی ظہیر الدین، خلاصہ، فتاوٰی کبرٰی، فتاوٰی اہل سمرقند اور حمیدی میں ہے کہ اصح وہ ہے جس پر امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی ہیں۔(ت)

جامع الرموز میں ہے:

وھو الصحیح لان الخمر موعودۃ فی العقبٰی فینبغی ان یحل من جنسہ فی الدنیا انموذجا ترغیبا کما فی المضمرات ولئلا یلزم تفسیق الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم [2]۔	اور یہی صحیح ہے کیونکہ شراب آخرت میں موعود ہے لہٰذا ترغیب کے لئے اس کی جنس میں سے دنیا میں حلال ہونا چاہئے جیسا مضمرات میں تاکہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فاسق قرار دینا لازم نہ آئے۔(ت)

ہندیہ میں فتاوٰی کبرٰی سے ہے:

العصیر اذا شمس حتی ذھب ثلثاہ یحل شربہ عند ابی حنیفۃ و	انگور کا جوس جب دھوپ میں دو ثلث خشک ہو جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابویوسف علیہما الرحمۃ کے

[1] خزانۃ المفتین کتاب الحدود فصل فی الشرب قلمی نسخہ ۱/ ۱۸۶

[2] جامع الرموز کتاب الاشربہ مکتبہ اسلامیہ گنبد قابوس ایران ۳/ ۳۳۳

ابی یوسف رحمہما اللہ تعالٰی وھو الصحیح[1]۔	نزدیک اس کا پینا حلال ہوتا ہے، اور یہی صحیح ہے۔ (ت)

درمنتقی میں ہے:

وصحح غیر واحد قولھما۔[2]	متعدد علماء نے شیخین کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لبن الرماك اذا اشتد لم یحل وصحح فی الھدایۃ حلہ۔[3]	گھوڑی کا دودھ جب جوش کھا کر گاڑھا ہو جائے تو حلال نہیں، ہدایہ میں اس کے حلال ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

بہ یفتی ای بتحریم کل الاشربۃ وکذا بوقوع الطلاق قال فی النھر وفی الفتح وبہ یفتی لان السکر من کل شراب حرام وعندھما لایقع بناء علی انہ حلال وصححہ فی الخانیۃ[4]۔	اسی کے ساتھ ہی فتوٰی دیا جائے گا یعنی تمام شرابوں کی حرمت کا اور اسی طرح طلاق کے واقع ہونے کا۔ نہر میں کہا ہے کہ فتح میں ہے اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے گا کیونکہ نشہ ہر شراب سے حرام ہوتا ہے، اور شیخین کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ یہ حلال ہے۔ خانیہ میں اسی کو صحیح قرار دیا ہے (ت)

شرح نقایہ برجندی میں ہے:

فی فتاوی قاضی خان المتخذ من غیر العنب والتمر مثل السکر والعسل والفانیذ والحنطۃ والشعیر و الذرۃ وما اشبہ ذٰلك اذا غلا واشتد وقذف بالزبد وطبخ	فتاوٰی قاضیخان میں ہے کہ انگور اور کھجور کے غیر یعنی شکر، شہد، مصری، گندم، جَو، جوار اور ان جیسی دیگر اشیاء سے بنائی ہوئی شرابیں جب جوش کھا کر گاڑھی ہو جائیں اور ان پر جھاگ آجائے

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الاشربۃ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵ /۴۱۲

[2] الدر المنتقی علی ہامش مجمع الانہر کتاب الاشربۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۷۲

[3] الدرالمختار کتاب الاشربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۶۰

[4] ردالمحتار کتاب الاشربۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۳

ادنی طبخة یحل فی قول الشیخین واختلف فی قول محمد قیل یحل شربه مادون السکر وقیل لایحل اصلا وعنه ایضا انه قال اکرہ ذٰلك وان لم یطبخ فعن الشیخین روایتیان فی روایة لایحل شربه کنقیع الزبیب غیرالمطبوخ وفی روایة یحل شربه و ذکرفی الفتاوی المنصوریة ان الفتوی علی انه لا یشترط الطبخ لحله[1]۔	اوران کو تھوڑا ساپکالیاجائے توشیخین کے نزدیک حلال ہیں اورامام محمد علیہ الرحمہ کے قول میں اختلاف ہے، بعض نے کہاجو نشہ والی مقدار سے کم ہوں حلال ہیں اور بعض نے کہاکہ مطلقاً حلال ہیں اورانہیں اسے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا میں اس کو مکروہ جانتاہوں اوران کوپکایانہ جائے توشیخین سے دوروایتیں ہیں ایک روایت میں اس کاپیناحلال نہیں ہے جیساکہ کہ زبیب کاوہ رس جس کوپکایانہ گیاہو، اورایک روایت میں ہے کہ اس کاپیناحلال ہے۔ فتاوی منصوریہ میں مذکورہے فتوی اس پرہے کہ اس کے حلال ہونے کے لئے پکاناشرط نہیں۔(ت)

فتح اللہ المعین میں ہے:

من ادلة حله ماقال فی الاختیار، عن ابن ابی لیلٰی قال اشهد علی البدریین من اصحاب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انهم یشربون النبیذ فی الجرار الخضر وقد نقل ذٰلك عن اکثر الصحابة ومشاهیر هم قولاوفعلا حتی قال ابوحنیفة انه مما یجب اعتقاد حله لئلا یؤدی الٰی تفسیق الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم[2]۔	اس کے حلال ہونے کے دلائل میں سے ایک دلیل وہ ہے جو اختیارمیں ابن ابی لیلٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدری صحابہ کرام کے بارے میں گواہی دیتاہوں کہ وہ سبز صراحیوں میں نبیذ پیتے تھے اوریہ بات اکثرمشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے قولاً اورفعلاً منقول ہے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا واجب ہے تاکہ صحابہ کرام کوفسق کی طرف منسوب کرنا لازم نہ آئے۔(ت)

[1] شرح النقایة للبرجندی کتاب الاشربہ نولکشور لکھنؤ ۳/ ۱۸۸

[2] فتح المعین کتاب الاشربہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۲۳

خانیہ میں ہے:

لابی حنیفة وابی یوسف رحمهما الله تعالٰی ماروی ان رجلا اتی عمر رضی الله تعالٰی عنه بمثلث قال عمر رضی الله تعالٰی عنه ما اشبه هذا بطلاء الابل کیف تصنعونه قال الرجل یطبخ العصیر حتی یذهب ثلثاه ویبقی ثلثه فصب عمر رضی الله تعالٰی عنه علیه الماء وشرب ثم ناول عبادة بن الصامت رضی الله تعالٰی عنه ثم قال عمر رضی الله تعالٰی عنه اذا رابکم شرابکم فاکسروه بالماء وعن عمر رضی الله تعالٰی عنه اذا ذهب ثلثا العصیر ذهب حرامه وریح جنونه وروی عن ابراهیم النخعی رحمه الله تعالٰی مایرویه الناس کل مسکر حرام خطاء لم یثبت۔ انما الثابت کل سکر حرام وکذا مایرویه الناس ما اسکر کثیره فقلیله حرام لیس بثابت و ابراهیم النخعی رحمه الله تعالٰی کان حبرا فی الحدیث[1]۔	امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی دلیل وہ روایت ہے کہ ایک شخص سید حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں ثلث لے کر آیا آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کے طلاء کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے تم اس کو کیسے بناتے ہو، اس نے کہا ہم انگور کے رس کو پکاتے ہیں یہاں تک کہ اس کا دو ثلث خشک ہوجاتا ہے اور ایک ثلث باقی رہ جاتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر پانی ڈال کر پی لیا، پھر حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دے دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب تمہیں تمہاری شراب شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جب انگور کے شیرہ کا دو ثلث پکانے سے خشک ہوجائے تو اس کی حرمت اور نشہ جاتا رہتا ہے، اور حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ لوگ جو یہ روایت کرتے ہیں کہ ہر مسکر (نشہ آور) حرام ہے، یہ غلط ہے اور ثابت نہیں ہے، البتہ ثابت یہ ہے کہ ہر سکر (نشہ) حرام ہے، اسی طرح لوگوں کا یہ روایت کرنا کہ جو مسکر ہے اس کا قلیل وکثیر حرام ہے ثابت نہیں، حالانکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حدیث متبحر عالم ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۷۴

لابی حنیفة وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی الاٰثار التی وردت فی اباحة النبیذ الشدید قولا وفعلا ذکرھا محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالٰی فی الکتاب وعن ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال من شرائط السنة والجماعة ان لا یحرم النبیذ الجرلان فی تحریمہ تفسیق کبار الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم، وعنہ انہ قال لا احرم النبیذ الشدید دیانة ولااشربہ مروئة، اجمع کبار الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنھم علی اباحة النبیذ واحتاطوا فی شربہ لاجل الاختلاف وکذا السلف عدھم کانوا یشربون نبیذ الجر بحکم الضرورة لاستمراء الطعام [1]۔	امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمہما اللہ تعالٰی کی دلیل وہ آثار ہیں جو قولاً اور فعلاً گاڑھی نبیذ کی اباحت پر وارد ہیں۔اس کو امام محمد علیہ الرحمہ نے کتاب میں ذکر فرمایا۔امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ کو حرام نہ قرار دینا سنت وجماعت کی شرائط میں سے ہے کیونکہ اس کو حرام قرار دینے میں صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرف فسق کو منسوب کرنا لازم آتاہے،اورانہی سے منقول ہے کہ میں گاڑھی نبیذ کو از راہ دیانت حرام قرار نہیں دیتا اور بطور مروّت اس کو نہیں پیتا۔نبیذ کی اباحت پر صحابہ کبار رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے مگروہ بسبب اختلاف کے اس کو پینے میں احتیاط کرتے تھے۔اسی طرح ان کے بعد اسلاف کسی ضرورت کے تحت گھڑوں میں بنائی ہوئی نبیذ پیتے تھے مثلاً کھانا ہضم کرنے کے لئے۔(ت)

خلاصہ میں ہے:

عن محمد بن مقاتل الرازی انہ قال لواعطیت الدنیا بحذافیرھا ماشربت المسکر یعنی نبیذ التمر والزبیب ولواعطیت الدنیا بحذافیرھا ماافتیت بانہ حرام [2]۔	محمد بن مقاتل رازی نے کہا اگر مجھے ساری دنیادے دی جائے تو بھی مسکر یعنی کھجور اور زبیب کا نبیذ نہیں پیوں گا،اور اگر مجھے ساری دنیادے دی جائے تو بھی اس کے حرام ہونے کا فتوٰی نہیں دوں گا۔(ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی میں ہے:

واحتج ابوحنیفة وابویوسف فی قولہ	امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاشربۃ فصل فی معرفۃ الاشربۃ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۷۶

[2] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الاشربۃ مکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۲۰۵

الاٰخر بقوله تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ وَ یَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ "وقد بین العلة فی تحریم الخمر وھی الصد عن ذکر الله وعن الصلاة وایقاع العداوة و هذه المعانی لاتحصل بشرب القلیل فلو خلینا وظاهر الاٰیة لکنا نقول بان القلیل من الخمر لایحرم ولکن ترکنا الظاهر فی القلیل من الخمر بالاجماع ولا اجماع فیما تنازعنا فیه من الاشربة علی حرمة القلیل منها مباحا علی علة ظاهر الاٰیة لانه مما لا یورث العداوة والبغضاء ولاالصد عن ذکر الله وعن الصّلٰوة[1]۔	تعالٰی علیہ نے اپنے دوسرے قول میں اللہ تعالٰی کے اس ارشاد سے استدلال کیاہے کہ "اے ایمان والو! بیشک خمر، جُوا، بُت اور پانسے نجس ہیں شیطانی عمل سے توان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ، بیشک شیطان خمر اور جُوئے سے تمہارے درمیان بغض وعداوت ڈالنا چاہتاہے اور تمہیں اللہ تعالٰی کے ذکر اور نماز سے روکتاہے تو کیا تم باز آؤ گے"۔ تحقیق یہاں تحریم خمر کی جو علت بیان کی گئی وہ ذکر الٰہی اور نماز سے روکنا اور بغض و عداوت واقع کرنا ہے اور یہ امور قلیل کے پینے سے حاصل نہیں ہوتے اگر ہم آیت کریمہ کو اس کے ظاہر پر چھوڑتے تو یوں کہتے کہ خمر میں سے قلیل حرام نہیں ہے لیکن ہم نے اجماع کے ساتھ آیت کریمہ کے ظاہر کو ترک کر دیاہے اور جو شرابیں ہمارے درمیان متنازعہ ہیں ان کے قلیل کی حرمت پر اجماع واقع نہیں ہوالہٰذا ان کا قلیل آیت کریمہ کے ظاہر کی وجہ سے مباح رہے گا کیونکہ وہ نہ تو بغض وعداوت کا موجب ہے اور نہ ہی ذکر خدا و نماز سے روکتاہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال شیخ الاسلام خواهرزاده رحمه الله تعالٰی فی شرحه ذکر ابن قتیبة فی کتاب الاشربة باسناده عن زید بن علی بن الحسین علی رضی الله تعالٰی عنهم انه شرب هو واصحابه نبیذا شدیدا فی ولیمة فقیل له یا ابن رسول الله حدّثنا	شیخ الاسلام خواہرزادہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ابن قتیبہ نے کتاب الاشربہ میں اپنی سند کے ساتھ حضرت زید بن علی بن حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے میں ذکر کیاکہ انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے ایک ولیمہ میں گاڑھی نبیذ پی تو ان سے کہا گیا اے ابن رسول! ہمیں نبیذ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ

[1] غایۃ البیان

بحديث سمعته من اٰبائك عن رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى النبيذ فقال حدثنى ابى عن جدى على بن ابى طالب رضى الله تعالٰى عنهم عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم انه قال ينزل امتى على منازل بنى اسرائيل حذوا لقذة بالقذة والنعل بالنعل ان الله تعالٰى ابتلى بنى اسرائيل بنهر طالوت واحل لهم منه الغرفة وحرم منه الرّىّ وان الله ابتلاكم بهذه النبيذ و احل منه الرى وحرم منه السكر وحديث ابن زياد الذى رويناه عن ابن عمر فى مسئلة الخليطين من ادل ادلائل وان المراد ماروٰه الخصم القدر المسكر لاالقليل لان احد رواة الحديث الذى احتج به الخصم ابن عمر فلوكان القليل هو المراد لم يعمل بخلاف ماروٰه ولم يفسقه ابن زياد وكذٰلك قول ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما حرمت الخمر بيعنها والسكر من كل شراب دليل على ان المراد من حديث الخصم القدر المسكر لاالمسكر لان احد رواة

تعالٰی علیہ وسلم کی وہ حدیث سنائیں جوآپ نے اپنے آباؤ اجداد سے سنی ہے توانہوں نے فرمایا کہ مجھ سے حدیث بیان کی میرے والد نے انہوں نے میرے جد حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم سے کہ میری امت بنی اسرائیل کے طور طریقے اپنا کریوں ان کے برابر ہوجائے گی جیسے تیر تیر کے اور جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے، اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل کاامتحان نہر طالوت کے ساتھ لیا کہ ان کے لئے چلو بھرپانی حلال اور سیر ہو کر پینا حرام کیااور تمہارا امتحان اللہ تعالٰی نے اس نبیذ کے ساتھ لیا، اس کو سیر ہو کر پیناحلال اور حد نشہ تک پیناحرام کیا ہے۔ حدیث ابن زیاد جس کو ہم نے مسئلہ خلیطین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاوہ اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔اور مخالف نے جو روایت کیا ہے اس سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل، کیونکہ مخالف نے جس حدیث سے استدلال کیاہے اس کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔اگر اس سے قلیل مراد ہوتا وہ اپنی روایت کے خلاف نہ کرتے اور نہ ہی ابن زیاد ان کی طرف فسق کو منسوب کرتے۔اسی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کاقول کہ خمر تو بعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی شرابوں سے نشہ آور حرام ہے اس بات کی دلیل ہے کہ مخالف کی روایت کردہ حدیث سے مراد قدر مسکر ہے نہ کہ قلیل

ذٰلك الحديث ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فيبعد فی العقول ان يروی ابن عباس حديثا ثم يقول بخلافه، وقد اطنب الكرخی رحمه الله فی رواية الاٰثار عن الصحابة والتابعين بالاسانيد الصحاح فی مختصره فی تحليل النبيذ الشديد تركنا ذكرها مخافة التطويل و الحاصل ان الاكابر من اصحاب النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم واهل بدر كعمر وعلی وعبدالله بن مسعود وابی مسعود رضی الله تعالٰی عنهم كانوايحللون شرب النبيذ وكذاالشعبی و ابراهيم النخعی وقال فی شرح لاقطع، وقدسلك بعض الجهال فی هذه المسئلة طريقة قصدبها الشنيع والفسوق عندالعوام، لما ضاق عليه طريق الحجة فقال روی عن النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم انه قال ليشربن ناس من امتی الخمر ويسمونها باسماء قال هذا القائل وهم اصحاب ابی حنيفة وهذا كلام جاهل بالاحكام والنقل والاٰثار ومتعصب قليل الورع لايبالی ماقال ثم يقال لهذا القائل مارميت بهٰذا القول اصحاب ابی حنيفة رضی الله تعالٰی عنه وانما السلف الصالح اردت	کیونکہ حدیث مذکور کے راویوں میں سے ایک سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی ہیں اور یہ بات عقل سے بعید ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ایک حدیث روایت فرمائیں، پھر خود اس کے خلاف فرمائیں، گاڑھی نبیذ کے حلال ہونے سے متعلق صحابہ وتابعین کے آثار کو صحیح سند کے ساتھ روایت کرنے میں امام کرخی علیہ الرحمۃ نے اپنی مختصر میں بہت طوالت فرمائی ہم نے طوالت کے ڈر سے ان کے ذکر کو ترک کردیا۔ خلاصہ یہ کہ اکابر اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اہل بدر جیسے حضرت عمر، علی، عبداللہ ابن مسعود اور ابومسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم نبیذ کے پینے کو حلال قرار دیتے تھے اور یہی موقف ہے شعبی اور ابراہیم نخعی کا۔ شرح اقطع میں ہے کہ ایک جاہل نے اس مسئلہ میں ایسا راستہ اختیار کیا جس سے اس کا مقصد لوگوں کے ہاں برائی اور فسق کو رائج کرنا ہے، جب اس کے لئے دلیل کا راستہ تنگ ہوگیا تو اس نے کہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان ہے میری امت میں سے کچھ لوگ ضرور شراب پئیں گے اور اس کے مختلف نام رکھ لیں گے، وہ لوگ امام ابوحنیفہ کے اصحاب ہیں۔ یہ اس کا کلام ہے جو احکام، نقل اور آثار سے جاہل اور متعصب اور تقوٰی میں بہت گھٹیا ہے، اس کی پروانہیں کرتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پھر اس قائل کو کہا جائے کہ جو کچھ تو نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی کے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے اس سے تیرا

ولم یمکنك التصریح بذلك لان اصحاب ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه ما ابتدعوا فی ذلك قولا بل قالوا ماقاله اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و وجوہ التابعین وزھادھم وکیف یظن بعمر وعلی وابن مسعود وابن عباس وعمار بن یاسر وعلقمه بن الاسود انھم شربوالخمر غلطا فی اسمھا حتی استدرك علیھم ھذاالقائل حقیقة الاسم ویحسن الظن بنفسه و یسیئ الظن بلسفه.ان ھذہ الجرأة فی الدین،وقال شیخ الاسلام خواھر زادہ فی شرحه روی ان رجلا سال ابراھیم الحربی فی مدینة الاسلام فی جامع المنصور بالجانب الغربی فقال لنا امام یشرب النبیذا فأصلی خلفه فقال،له ابراھیم ارأیت لوادرکت علقمة والاسودا کنت تصلی خلفھما قال نعم ولم یفھم السائل الجواب فاعاد السوال فقال له ابراھیم قد اجبتك،والقیاس مع ابی حنیفة وابی یوسف رحمھما اللہ تعالٰی لان اللہ تعالٰی لم یحرم شیئا یقصدہ الناس من المحرمات فی الدنیا الاابا ح مایغنی عنه الاتری انه لماحرم	ارادہ سلف صالحین ہیں جس کی تصریح کرنا تیرے لئے ممکن نہیں کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اصحاب نے یہ کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ وہی کچھ کہا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صحابہ اور معزز و زاہد تابعین نے کہا ہے۔اس کا کیا گمان ہے حضرت عمر، علی، ابن مسعود، ابن عباس، عمار بن یاسر اور علقمہ بن اسود رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بارے میں، کیا انہوں نے نام تبدیل کرکے شراب پی۔ حتی کہ اس قائل نے ان پر حقیقی نام کے ساتھ اصلاح کی اور اپنے بارے میں حسن ظن جبکہ اسلاف کے بارے میں برا گمان کیا، بلاشبہہ یہ دین میں جسارت ہے۔ شیخ الاسلام خواہر زادہ نے اپنی شرح میں کہا مروی ہے کہ ایک شخص نے مدینۃ الاسلام کی جامع منصور کی جانب غربی میں ابراہیم حربی سے سوال کیا کہ ہمارا امام نبیذ پیتا ہے کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ لیا کریں؟ توابراہیم نے کہا تیرا کیا خیال ہے اگر تو علقمہ واسود کو پالے تو کیا تو ان کے پیچھے نماز پڑھے گا؟ اس نے کہا ہاں، حالانکہ وہ سائل ابراہیم حربی کے جواب کو نہ سمجھ سکا چنانچہ اس نے دوبارہ وہی سوال کیا تو ابراہیم نے فرمایا بیشک میں تجھے جواب دے چکا ہوں۔ قیاس امام ابوحنیفہ وامام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کا مؤید ہے کیونکہ اللہ تعالٰی نے دنیا میں محرمات میں سے کوئی چیز حرام نہ فرمائی جس کا قصد لوگ کرتے ہیں مگر اس میں سے اتنا کچھ مباح فرمایا جس سے لوگوں کی حاجت پوری ہوتی ہو۔ کیا تو نے

لحم الخنزیر والمیتۃ اباح انواعا من اللحوم تغنی عنھا ولما حرم نکاح المحارم والجمع بین المحارم اباح من الاجنبیات کذٰلک ھٰھنا فالشراب المطرب شیئ یقصدہ الناس فلما حرم منہ انواعا یجب ان یکون نوع منہ مباحا یغنی عنہ ویقوم مقامہ وذٰلک فیما قالاہ،فاما من حرم جمیع انواع الاشربۃ المطربۃ بحیث لایوجد من جنسہ مباح یکون ذٰلک خلاف الاصول وخلاف الاصول لایجوز[1] اھ باختصار۔	دیکھانہیں کہ اللہ تعالٰی نے جب خنزیر ومردار کا گوشت حرام فرمایا تو کچھ اقسام گوشت کی حلال بھی فرمادیں جس سے لوگ اپنی حاجت پوری کرتے ہیں اور جب محرمات سے نکاح اور دو آپس میں محرم عورت کو نکاح میں جمع کرنا حرام کیا تو غیر محرم عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال فرمایا۔اسی طرح یہاں شراب کے مسئلہ میں ہوگا کیونکہ فرحت بخش شراب بھی ایک شیئ ہے جس کا لوگ قصد کرتے ہیں۔جب اللہ تعالٰی نے اس کی کچھ انواع کو حرام کیا تو اس کی کوئی قسم حلال بھی ضرور ہوگی جس سے لوگ نفع اُٹھائیں اور وہ اس کے قائم مقام ہوجائے اور یہ بات شیخین کے قول میں حاصل ہوتی ہے،لیکن جنہوں نے شراب کی فرحت بخش تمام اقسام کو حرام قرار دیا کہ اس کی جنس میں سے کوئی نوع بھی مباح نہیں پائی جاتی تو یہ خلاف اصول ہے اور خلاف اصول جائز نہیں اھ باختصار(ت)

محرر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب المؤطا میں فرماتے ہیں:

اخبرنا مالك اخبرنا داؤد بن الحصین عن واقد بن عمرو بن سعد بن معاذ عن محمود بن لبید الانصاری عن عمر بن الخطاب حین قدم الشام شکی الیہ اھل الشام وباء الارض اوثقلھا قالوا لا یصلح لنا الا ھذا الشراب قال اشربوا لعسل قالوا لایصلحنا العسل قال لہ رجل من اھل الارض ھل لك ان	حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں خبر دی کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ جب شام تشریف لائے تو اہل شام نے اپنی سر زمین پر وباء اور گرانی کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس شراب کے علاوہ کوئی علاج موافق نہیں آتا۔آپ نے فرمایا شہد پیو،انہوں نے کہا ہمیں شہد موافق نہیں آتا۔اسی علاقے کے

[1] غایۃ البیان

اجعل لك من هذا الشراب شيئا لايسكر قال نعم فطبخوه حتى ذهب ثلثاه وبقى ثلثه فاتوا به الى عمر بن الخطاب فادخل اصبعه فيه ثم رفع يده فتبعه يتمطّط فقال هذا الطلاء مثل طلاء الابل فامرهم ان يشربوه فقال عبادة بن الصامت احللتها، والله قال كلاّ والله ما احللتها اللهم انى لااحل لهم شيئا حرمته عليهم ولااحرم عليهم شيئا احللته لهم قال محمد (رحمة الله تعالٰى عليه) وبهذا ناخذ لاباس بشرب الطلاء الذى قد ذهب ثلثاه وبقى ثلثه وهو لايسكر فاماكل معتق يسكر فلاخير فيه[1]۔	ایک شخص نے کہا اے امیر المومنین کیا آپ رغبت رکھتے ہیں کہ میں آپ کے لئے ایسی شراب تیار کروں جو نشہ نہ دے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ان لوگوں نے انگور کے شیرہ کو اس حد تک پکایا کہ دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ گیا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس لائے۔ آپ نے اس میں انگلی داخل کرکے باہر نکالی تو وہ آپ کی انگلی کے ساتھ چمٹ گیا۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹوں کی طلاء کی مثل طلاء ہے۔ آپ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ اس کو پیو۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کیا بخدا آپ نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہرگز نہیں بخدا میں نے اس حلال نہیں کیا، اے اللہ! جو چیز تو نے ان پر حرام کی ہے میں اس کو ان پر حلال نہیں کرتا اور جو تو نے ان پر حلال کیا میں اس کو ان پر حرام نہیں کرتا۔ امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں کہ ایسے طلاء کے پینے میں کوئی حرج نہیں جس کا دو تہائی خشک ہو کر ایک تہائی باقی رہا ہو اور وہ نشہ نہ دے۔ لیکن ہر پرانی نشہ آور شراب میں کوئی خیر نہیں۔ (ت)

نیز کتاب الآثار میں فرماتے ہیں:

[1] موطا امام محمد کتاب الحدود باب نبیذ الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۱۷۔۲۱۶

اخبرا ابوحنیفة عن سلیمان عـــہ۱ الشیبانی عن ابن زیاد عـــہ۲ انه افطر عند عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما فسقاه شرابا له	ہمیں امام ابوحنیفہ نے سلیمان شیبانی سے خبر دی انہوں نے ابن زیاد سے روایت کی کہ انہوں نے (ابن زیاد) نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس روزہ

عـــہ۱: هو ابواسحٰق سلیمان الکوفی من ثقات التابعین ورجال الستة ۱۲ منه۔

عـــہ۲: السید المرتضی الاشبه انه محمد بن زیاد احد شیوخ شعبة روی عن ابی هریرة حدیث الرجل جبار ذکره المنذری فی مختصر السنن [1] وهو من اقران ابن سیرین **قلت** هو ابن زیاد الجمحی ابوالحارث المدنی نزیل بعد البصرة ثقة ثبت من رجال الستة روی الدارقطنی فی السنن من طریق اٰدم بن ابی ایاس عن شعبة عن محمد بن زیاد عن ابی هریرة عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال الرجل [2] جبار هذا ما ابداه السید ظنا والمنصوص علیه انه عبدالله قال الامام البدر محمود فی البنایة بعد ذکر الحدیث ابن زیاد هو عبدالله ابن زیاد [3] اھ۔

یہ ابواسحاق سلیمان بن ابی سلیمان کوفی جو ثقہ تابعین اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں ۱۲ منہ (ت)

سید مرتضٰی نے کہا حق سے اشبہ ہے کہ یہ محمد بن زیاد شعبہ کے شیوخ میں سے ایک ہیں انہوں نے "الرجل جبار" والی حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے یہ بات امام منذری نے مختصر السنن میں ذکر کی اور یہ امام ابن سیرین کے ہم زمان ہیں۔ **میں کہتاہوں** یہ ابن زیاد جمحی ابوالحارث مدنی ہیں جو بعد میں بصرہ میں مقیم ہوگئے ثقہ ہیں صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں دارقطنی نے سنن میں آدم بن ایاس کے طریق سے عن شعبہ عن محمد بن زیاد عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا "الرجل جبار" سید مرتضٰی نے اپنے گمان کی بیان پر یہ بیان کیاہے جبکہ منصوص یہ ہے کہ وہ عبداللہ ہیں، امام بدرالدین محمود نے بنایہ میں ابن زیاد کی اس حدیث کے بعد کہا ابن زیاد سے مراد عبداللہ بن زیاد ہے اھ۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] مختصر السنن

[2] سنن الدارقطنی کتاب الحدود والدیات ۲۱۵ نشر السنة ملتان ۳ /۱۵۴

[3] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاشربة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴ /۳۳۸

فکانہ اخذ فیہ فلما اصبح قال ما ھذا الشراب ما کدت اھتدی الی منزلی فقال عبداللہ مازدناك علی عجوۃ و زبیب، قال محمد وبہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ [1]۔ اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد قال کنت اتقی النبیذ فدخلت علی ابراھیم وھو یطعم فطعمت معہ فاوتی قدحا من نبیذ فلما رأی ابطائی عنہ قال حدثنی علقمۃ عن عبداللہ بن مسعود انہ کان ربما طعم عندہ ثم دعا بنبیذ لہ تنبذہ

افطار کیا تو آپ نے ابن زیاد کو اپنے ہاں سے شراب پلائی تو گویا کہ اس نے ابن زیاد میں کچھ اثر کیا جب صبح ہوئی تو ابن زیاد نے کہا یہ کیا شراب ہے یوں لگا کہ میں اپنے گھر کی طرف راہ نہ پاؤں گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کے لئے عجوہ اور زبیب پر کوئی شیئ زیادہ نہیں کی۔ امام محمد نے فرمایا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں اور یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حماد سے خبر دی انہوں نے کہا کہ میں نبیذ سے پرہیز کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس گیا وہ کھانا کھا رہے تھے میں نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھایا پھر نبیذ کا ایک پیالہ لایا گیا جب ابراہیم نے مجھے اس سے پس وپیش کرتے ہوئے دیکھا تو کہا مجھے علقمہ نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ میں بسا اوقات ان کے ہاں کھانا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قلت یعنی ابامریم الاسدی الکوفی من ثقات التابعین ورجال البخاری فی التھذیب ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال فی تھذیبہ قال العجلی کوفی ثقۃ وقال الدارقطنی ثقۃ [2]۔

میں کہتاہوں ابن زیاد یعنی ابومریم اسدی کوفی جو ثقہ تابعین اور بخاری کے راویوں میں شمار ہیں، تہذیب میں ہے کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے اور تہذیب والے نے فرمایا کہ عجلی نے کہا کہ وہ کوفی ثقہ میں شمار ہیں، دارقطنی نے کہا وہ ثقہ ہیں۔ (ت)

---

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ عبداللہ بن زیاد الکوفی ۳۷۹ دائرۃ المعارف النظامیہ ۵/ ۲۲۱

سیرین ام ولد عبداللہ فشرب و سقانی[1]۔ اخبرنا ابوحنیفۃ قال حدثنا ابواسحٰق السبیعی عن عمرو بن میمون الاودی عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ان للمسلمین جزورا لطعامھم وان العتق منھا لاٰل عمر، وانہ لایقطع ھٰذہ الابل فی بطوننا الا النبیذ الشدید۔ اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن ابراھیم ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اتی باعرابی قد سکر، فطلب لہ عذرا فلما اعیاہ (الاذھاب عقل) قال احبسوہ فاذاصح فاجلدوہ ودعا بفضلۃ فضلت فی اداوتہ، فذاقھا فاذا نبیذ شدید ممتنع، فدعا بماء فکسرہ (وکان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ یحب الشراب الشدید) فشرب وسقی جلسائہ ثم قال ھٰذا اکسروہ بالماء اذا غلبکم شیطانہ[2]۔ اخبرنا ابوحنیفۃ عن حماد عن	کھاتا، پھر انہوں نے نبیذ طلب فرمائی جوان کی ام ولد سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جس کو ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود بھی پیا اور مجھے بھی پلائی۔ ہمیں امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا عمدہ اونٹ مسلمانوں کے کھانے کے لئے ہیں اور ان میں سے پرانے حضرت عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے لئے ہیں، اور بیشک ان اونٹوں کو پیٹوں میں سوائے گاڑھی نبیذ کے کوئی شَے ہضم نہیں کرتی۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی سند کے ساتھ خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک اعرابی لایا گیا جو نشے میں تھا آپ نے اس سے عذر پوچھا تو سوائے خرابی عقل کے اس کو عاجز پایا، آپ نے فرمایا اس کو روک رکھو جب ہوش میں آئے تو اس کو کوڑے لگاؤ، اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے برتن میں بچی ہوئی شراب منگوائی اور اسے چکھا تو وہ گارھا نبیذ تھا جو کہ ممتنع ہے۔ پھر آپ نے پانی منگوایا اور اس نبیذ کی تیزی کو توڑا (حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ گاڑھی شراب کو پسند فرماتے تھے) پھر اسے پیا اور شرکاء مجلس کو پلایا۔ پھر فرمایا کہ جب اس شراب کا شیطان تم پر غالب آجائے تو پانی سے اس کی تیزی توڑ دیا کرو۔ ہمیں امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳

[2] کتاب الآثار لامام محمد باب النبیذ الشدید ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۳و۱۸۴

ابراهيم انه کان يشرب الطلاء قد ذهب ثلثاه وبقی ثلثه ويجعل له منه نبيذ، فيترکه حتی اذا اشتد شربه ولم يربذٰلك بأسا، قال محمد وهو قول ابی حنيفة۔ اخبرنا ابوحنيفة قال حدثنا الوليد بن سريع (مولی عمروبن حريث) عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه انه کان يشرب الطلاء علی النصف قال محمد ولسنا ناخذ بهٰذا ولا ينبغی له ان يشرب من الطلاء الا ما ذهب ثلثاه وبقی ثلثه وهو قول ابی حنيفة۔[1] اخبرنا ابوحنيفة عن حماد عن ابراهيم قال ماسکره کثيره فقليله حرام خطاء من الناس، انما ارادوا السکر حرام من کل شراب۔[2]	ابراہیم سے خبر دی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا دوتہائی خشک ہو کر ایک تہائی بچ گیا ہو اس سے ان کے لئے نبیذ بنائی جاتی تھی تو وہ اس کو چھوڑے رکھتے یہاں تک کہ جب وہ جوش کھا کر سخت ہو جاتی تو اس کو پی لیتے اور اس میں وہ کوئی حرج نہ دیکھتے۔ امام محمد نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی انہوں نے فرمایا کہ ہمیں ولید بن سریع (مولٰی عمرو بن حریث) نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں حدیث بیان کی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا نصف خشک ہو گیا ہوتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم اس سے اخذ نہیں کرتے اور انہیں ایسا طلاء نہیں پینا چاہئے سوائے اس کے کہ اس کا دوتہائی خشک ہو کر ایک تہائی رہ جائے، اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہ کا۔ ہمیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے خبر دی کہ ابراہیم نے فرمایا کہ ہر وہ شراب جس کا کثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل حرام ہے، یہ لوگوں کی خطا ہے بیشک اس سے مراد یہ ہے کہ ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ (ت)

امام طحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں:

حدثنا فهد ثنا ابونعيم قال ثنا مسعر بن کدام عن ابی عون الثقفی عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن عبدالله بن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر	حضرت عبداللہ بن شداد بن الہاد سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں ابن عباس نے فرمایا کہ خمر پر تو بعینہٖ حرمت واقع ہوئی اور اس کے ماسوا دیگر شرابوں کی نشہ آور مقدار

[1] کتاب الآثار لامام محمد باب نبیذ البطیخ والعصیر ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۴

[2] کتاب الآثار لامام محمد باب الشرب فی الاوعیة والظروف ادارۃ القرآن کراچی ص ۱۸۵

بعینھا والسکر من کل شراب فاخبر ابن عباس ان الحرمة وقعت علی الخمر بیعنھا وعلی السکر من سائر الاشربة سواھا فثبت بذٰلك ان ماسوی الخمر التی حرمت ممایسکر کثیرہ قدابیح شرب قلیله الذی لا یسکر علی ماکان علیه من الاباحة المتقدمة تحریم الخمر وان التحریم الحادث انما ھو فی عین الخمر و السکر ممافی سواھا من الاشربة فاحتمل ان تکون الخمر المحرمة ھی عصیر العنب خاصة واحتمل ان یکون کل ماخمر من عصیر العنب وغیرہ فلما احتمل ذٰلك وکانت الاشیاء قد تقدم تحلیلھا جملة ثم حدث تحریم فی بعضھالم یخرج شیئ مماقداجمع علی تحلیله الاباجماع یاتی علی تحریمه ونحن نشھد علی الله عزوجل انه حرم عصیر العنب اذا حدثت فیه صفات الخمر ولانشھد علیه انه حرم

حرام ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے خبر دی کہ بیشک حرمت خمر پر تو بعینہٖ واقع ہوئی جبکہ باقی شرابوں کی اتنی مقدار حرام ہے جو نشہ آور ہو چنانچہ ثابت ہوگیا کہ خمر کے علاوہ جس کی زیادہ مقدار نشہ لائے وہ حرام ہے اور اس کی قلیل مقدار جو نشہ نہ لائے وہ حسب سابق مباح ہے جیسا کہ خمر کے حرام ہونے سے پہلے مباح تھی اور جو حرمت نئی نازل ہوئی وہ عین خمر اور دیگر شرابوں کے نشہ کے بارے میں ہے چنانچہ اس بات کا احتمال ہے کہ حرام شدہ خمر خاص کھجوروں کا رس ہے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر وہ چیز جس سے خمر بنے وہ حرام ہے چاہے وہ انگور کا رس ہو یا کچھ اور، تو جب اس بات کا احتمال موجود ہے اور تمام اشیاء شروع میں حلال تھیں پھر بعد میں تحریم وارد ہوئی تو جس شیئ کے حلال ہونے پر اجماع ہے وہ حلال ہونے سے اس وقت تک نہیں نکلے گی جب تک اس کے حرام ہونے پر اجماع واقع نہ ہو اور ہم اس بات پر گواہی دیتے ہیں اللہ تبارک وتعالٰی نے انگور کے رس کو حرام فرمایا جب اس میں خمر کی صفات پیدا ہوجائیں اور ہم یہ گواہی نہیں دیتے کہ انگور کے رس کے علاوہ جن اشیاء میں یہ صفت پیدا ہو جائے اسے بھی اللہ تعالٰی نے حرام کیا لہذا جس چیز کے حرام ہونے پر ہم گواہی دیتے ہیں وہ خمر ہے جس کے معنی پر ہم یقین رکھتے ہیں جیسا کہ اس کے نازل کئے جانے پر ہمارا ایمان ہے اور جس چیز کی حرمت پر ہم گواہی نہیں دے سکتے

ماسوی ذٰلك اذا حدث فیه مثل هذه الصفة فالذی نشهد علی الله تعالٰی بتحریمه ایاه هو الخمر الذی اٰمنا بتاویلها من حیث قد اٰمنا بتاویلها والذی لانشهد علی الله انه حرم هوالشراب الذی لیس بخمر فماکان من خمر فقلیله وکثیره حرام وماکان مما سوی ذٰلك من الاشربة فالسکر منه حرام وما سوی ذٰلك منه مباح هذا هو النظر عندنا وهو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمهم الله تعالٰی غیر نقیع الزبیب والتمر خاصة فانهم کرهوا ولیس ذٰلك عندنا فی النظر کما قالوا، ولٰکن اصحابنا خالفوا ذٰلك للتاویل الذی تاولوا علیه حدیث ابی هریرة وانس الذین ذکرنا وشیئ رووه عن سعید بن جبیر انه قال فی ذٰلك هی الخمر فاجتنبها۔[1]	کہ اس کو اللہ نے حرام کیا ہے وہ خمر کے علاوہ دوسری شرابیں ہیں، چنانچہ جو خمر ہے اس کا قلیل اور کثیر سب حرام ہے اور جو اس کے ماسوا دیگر شرابیں ہیں ان میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے باقی مباح ہے ہمارے نزدیک یہی قیاس ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، جبکہ کشمش اور کھجور کے رس کو انہوں نے مکروہ قرار دیا اور ہمارے نزدیک قیاس میں ایسا نہیں جیسا کہ انہوں نے کہا (اس لئے کہ جو بات ہم متفق علیہ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ رس چاہے کچا ہو یا پکا دونوں صورتوں میں برابر ہے اور پکانے سے وہ حلال نہیں ہوسکتا جبکہ وہ پکانے سے پہلے حلال نہیں تھا البتہ ایسا پکانا جو اس کو رس کی حد سے نکال دے اور وہ شہد کی تعریف میں داخل ہوجائے تو اب اس کا حکم وہی ہوگا جو شہد کا ہے۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ کشمش اور کھجور کا پکا ہوا رس بالاتفاق مباح ہے۔ اب قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان دونوں میں بھی حکم ایسا ہی ہو لہذا کھجور اور انگور کا نبیذ اور پکا ہوا رس برابر ہوگئے جس طرح انگور کا کچا رس اور اس کا پکایا ہوا برابر ہے یہی قیاس ہے) لیکن ہمارے اصحاب نے اس میں اختلاف کیا اس تاویل کی بنیاد پر جو انہوں نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیثوں میں بیان کی جن کو ہم ذکر کرچکے اور اس حدیث کی بنیاد پر بھی جو انہوں نے حضرت سعید بن جُبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ انہوں نے اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ خمر ہے لہذا اس سے بچو۔ (ت)

اسی میں ہے:

حدثنا فهد (فذکر بسنده) عن عمر رضی الله تعالٰی عنه انه	فہد نے اپنی سند کے ساتھ ہمیں حدیث بیان کی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سفر میں تھے کہ

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب الخمر المحرمۃ ماھی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۶۔۵۷

کان فی سفر فاتی بنبیذ فشرب منه فقطب ثم قال ان نبیذ الطائف بله غرام فذکر شدة لااحفظها ثم دعا بماء فصب علیه ثم شرب۔ حدثنا ابو بکرة (بسنده) عن عمرو بن میمون قال شهدت عمر حین طعن فجائه الطبیب فقال ای الشراب احب الیك قال النبیذ فاتی بنبیذ فشرب منه فخرج من احدی طعنتیه۔ حدثنا روح بن الفرج (بسنده) عن عمرو بن میمون مثله وزاد ان عمر کان یقول انا نشرب من هذا النبیذ شرابا یقطع لحوم الابل فی بطوننا من ان یؤذینا قال وشربت من نبیذه فکان اشد النبیذ [1]۔ **قلت** ورواه ابن ابی شیبة حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحق عن عمرو بن میمون قال قال عمر انا لنشرب هذا	آپ کی خدمت میں نبیذ لائی گئی جسے آپ نے پیا پھر ماتھے پر شکن ڈالا اور فرمایا طائف کی نبیذ میں ہلاکت ہے اور اس کی شدت کا ذکر فرمایا جو مجھے یاد نہیں۔ اس کے بعد پانی منگوا کر اس پر ڈالا پھر نوش فرمایا۔ حضرت ابو بکرہ اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب آپ کو نیزہ چبھو کر زخمی کر دیا گیا تھا آپ کے پاس طبیب آیا اور کہا کہ آپ کو کونسا مشروب زیادہ پسند ہے، آپ نے فرمایا نبیذ۔ چنانچہ نبیذ لائی گئی تو آپ نے اس کو پیا جو آپ کے دو زخموں میں سے ایک سے باہر نکل گئی۔ روح بن فرج نے اپنی سند کے ساتھ عمرو بن میمون سے اسی کی مثل روایت کی مگر اس میں یہ اضافہ کیا کہ حضرت عمرو بن میمون نے بتایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے تھے ہم اس نبیذ سے ایسا مشروب پیتے ہیں جو ہمارے پیٹوں میں اونٹ کے گوشت کو نقصان دینے سے روکتا ہے۔ راوی کہتا ہے میں نے ان کے نبیذ سے پیا جو سخت ترین نبیذ تھا۔ **میں کہتا ہوں** اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہمیں ابو الاحوص نے حدیث بیان کی انہوں نے ابو اسحاق سے انہوں نے عمرو بن میمون سے انہوں نے کہا کہ حضرت عمر

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۹/۲

الشراب الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینافمن رابه من شرابه شیئ فلیمزجه بالماء، حدثنا وکیع ثنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم ثنی عتبۃ بن فرقد قال قدمت علی عمر فدعا بشرب من نبیذ قد کادان یصیر خلافقال اشرب فاخذته فشربته فما کدت ان اسیغه ثم اخذه فشربه ثم قال یاعتبۃ انانشرب ھذا النبیذ الشدید لنقطع به لحوم الابل فی بطوننا ان تؤذینا [1] **قلت** واسمٰعیل ھذاھوالامام الحافظ المتفق علی جلالته احمسی، کوفی، ثقۃ، ثبت، من رجال الستۃ و حفاظ التابعین وقیس من لایجھل امام ثقۃ حافظ جلیل مخضرم کوفی من رجال الستۃ واکابر التابعین و عتبۃ بن فرقد رضی اللہ تعالٰی عنه صحابی نزل الکوفۃ فالحدیث صحیح علٰی شرط الشیخین مسلسل بالکوفیین من لدن ابی بکر الٰی اٰخر السند۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ بیشک ہم یہ سخت شراب اس لئے پیتے ہیں تاکہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی اذیت کو ختم کرے جس شخص کواس شخص کی شراب شک میں ڈالے تو وہ اس میں پانی ملالے۔ ہمیں وکیع نے حدیث بیان کی اس نے کہاکہ ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ مجھے عتبہ بن فرقد نے بتایاکہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے نبیذ کامشروب منگوایا یاجو سرکہ ہونے کے قریب تھااور فرمایاپیو، میں نے اس کو لے کرپیاتومجھے کچھ خوشگوار نہ لگا، پھر آپ نے اس کو لے کرپیااور فرمایااے عتبہ! ہم یہ سخت نبیذ اس لئے پیتے ہیں کہ یہ ہمارے پیٹوں میں اونٹوں کے گوشت کی ایذارسانی کو ختم کرے۔ **میں کہتاہوں** کہ یہ اسمٰعیل وہی ہی جوامام حافظ ہیں ان کی بزرگی پر اتفاق ہے احمسی، کوفی، ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور حفاظ تابعین میں سے ہیں۔اور قیس مجہول نہیں وہ امام، ثقہ، حافظ جلیل، مخضرم، کوفی، صحاح ستہ کے رجال اور اکابر تابعین میں سے ہیں۔اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابی ہیں جو کوفہ میں قیام پذیر ہوئے، پس حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے جس کے راوی ابوبکر سے لے کر آخر سند تک مسلسل کوفی ہیں۔ ہمیں روح نے اپنی سند کے

[1] المصنف لابن ابی شیبه کتاب الاشربه حدیث ۳۹۲۷ و ۳۹۲۸ الجزء الثامن مع الجزء السابع/۱۴۳، ۱۴۲

حدثنا روح (بسندہ) عن سعید بن ذی لعوۃ قال اتی عمر برجل سکران فجلدہ فقال انما شربت من شرابك فقال وان کان۔ حدثنا فهد (بسندہ) عن سعید بن ذی حُدّان او ابن ذی لعوۃ قال جاء رجل قد ظمئ الی خازن عمر فاستسقاہ فلم یسقه فاتی بسطیحة لعمر فشرب منها فسکر فاتی به عمر فاعتذر الیه فقال انما شربت من سطیحتك فقال عمر انما اضربك علی السکر فضربه عمر[1]، **قلت** و رواہ الدارقطنی فی سننه عن طریق سعید بن ذی لعوۃ ایضا ان اعرابیا شرب من اداوۃ عمر نبیذا فسکربه فضربه الحد[2] فقال الاعرابی انما شربته من اداوتك فقال عمر رضی الله تعالٰی عنه انما جلدناك بالسکر[3]۔ وروی ابوبکر بن ابی شیبة

ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک نشے والا شخص لایا گیا آپ نے اسے کوڑے لگائے اس نے کہا میں نے آپ کی شراب میں سے ہی پیا ہے تو آپ نے فرمایا اگرچہ ایسا ہو۔ ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ ایک شخص پیاسا تھا وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خازن کے پاس لایا اور پانی مانگا تو اس نے پانی نہ پلایا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک مشکیزہ لایا گیا اس شخص نے اس میں سے پی لیا تو اسے نشہ آگیا اس کو حضرت عمر فاروق کے پاس لایا گیا آپ نے اس سے عذر طلب کیا اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کے مشکیزہ سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں نشہ کی وجہ سے تجھے کوڑے لگاؤں گا، پھر آپ نے اسے کوڑے لگائے۔ **میں کہتا ہوں** اس کو دارقطنی نے اپنی سنن میں سعید بن ذی لعوہ کے طریق سے بھی روایت کیا کہ بیشک ایک اعرابی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برتن سے نبیذ پیا تو اس کو نشہ ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر حد جاری فرمائی، اعرابی نے کہا میں نے تو آپ کے برتن سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں۔

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربه باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاشربه حدیث ۷۵ دار المحاسن للطباعة القاهرة الجزء الرابع ص ۲۶۰

[3] التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی بحواله العقیلی حدیث ۷۵ دار المحاسن للطباعة القاهرة الجزء الرابع ص ۲۶۰

فی مصنفہ، حدثنا علی بن مسھر عن الشیبانی عن حسان بن مخارق قال بلغنی ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ سایر رجلا فی سفر وکان صائما فلما افطر اھوی الی قربۃ لعمر معلقۃ فیھا نبیذ فشرب منھا فسکر فضربہ عمر الحد فقال لہ انما شربت من قربتك فقال لہ عمر انما جلدناك لسکرك[1] **قلت** وھذا امثل طرقہ وما یخشی فی البلاغ من الانقطاع فلا یضر عندنا وعند الجمھور القابلین لمراسیل۔ وروی عبدالرزاق اخبرنا ابن جریح عن اسمعیل ان رجلاعب فی شراب نبیذ لعمر بن الخطاب بطریق المدینۃ فسکر فترکہ عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) حتی افاق فحدہ[2]۔ فقال الطحاوی حدثنا

ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں روایت فرمایا کہ ہمیں علی بن مسہر نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک شخص کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ روزہ دار تھا جب اس نے افطار کیا تو وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک مشکیزہ کی طرف مائل ہوا جو لٹکا ہوا تھا اور اس میں نبیذ تھا اس نے پیا جس سے اسے نشہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر حد لگائی تو اس نے کہا میں نے تو آپ کے مشکیزہ سے پیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم نے تجھے تیرے نشے کی وجہ سے کوڑے لگائے، **میں کہتا ہوں** یہ اس حدیث کے طرق میں سے عمدہ ترین ہے اور اس میں جو انقطاع کا خدشہ ہے وہ ہمیں نقصان نہیں دیتا اور نہ جمہور کو جو مرسل حدیثوں کو قبول کرتے ہیں۔ عبدالرزاق نے روایت کیا کہ ہمیں ابن جریج نے اسمٰعیل سے خبر دی کہ ایک شخص نے مدینہ کے راستے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نبیذ کو ایک ہی سانس میں پیا تو اسے نشہ ہوگیا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُسے کچھ دیر چھوڑے رکھا یہاں تک کہ اسے افاقہ ہوا پھر اسے حد ماری۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ

[1] المصنّف لابن ابی شیبۃ کتاب الحدود النبیذ من رأی فیہ حدًا حدیث ۸۴۵۰ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۵۴۴

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربہ حدیث ۱۷۰۱۵ المجلس العلمی ۹/ ۲۲۴

فهد(بسنده)عن ابن عمر قال اتی(یعنی امیر المومنین)بنبیذ قداحلف واشتد فشرب منه ثم قال ان هذا الشدید ثم امر بماء فصبّ علیه ثم شرب هو واصحابه۔حدثنا محمد بن خزیمة (بسنده)عن ابن عمر(رضی الله تعالٰی عنه)ان عمر انتبذ له فی مزادة فیها خمسة عشر او سته عشرفاتاه فذاقه فوجده حلوافقال کانکم اقللتم عکره عـــہ۔ حدثنا ابن ابی داؤد	ہمیں فہد نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں نبیذ لایا گیا جو متغیّر اور سخت ہوچکا تھا آپ نے اس میں سے پیا پھر فرمایا بیشک یہ سخت ہے، پھر پانی لانے کا حکم دیا اور اس پر پانی ڈالا پھر آپ نے اور آپ کے اصحاب نے اس کو پی لیا۔ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ایک مشکیزے(توشہ دان) میں جوکہ پندرہ سولہ رطل کے برابر تھا نبیذ بنایا گیا آپ تشریف لائے اسے چکھا اور میٹھا پایا تو فرمایا گویا کہ تم نے اس کا تلچھٹ کم کردیا ہے۔ ہمیں ابن ابی داؤد

عـــہ: عکر النبیذ العتیق اذا اضیف الی الجدید عجل اشتداده وهذا معنی ماروی النسائی فی سننه عن سعید بن المسیت انه کان یکره کل شیئ ینبذ علی عسکر وایضا عنه انه قال فی النبیذ خمّره دُردیه [1] اھ ای جعله عکره مسکرا فکأن امیر المؤمنین انکر علیهم تقلیل العسکر حتی بقی الی الاٰن حلوا ولم یشتد والله تعالٰی اعلم قاله الفقیر المجیب غفر الله تعالٰی منه ۱۲منه	عـــہ: "عکر النبیذ"پرانا نبیذ جوتازہ نبیذ کے ساتھ ملانے سے جلد تیزی حاصل کرتا ہے۔نسائی کی اپنی سنن میں سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ وہ پرانے نبیذ میں ملائے ہوئے ہر نبیذ کو ناپسند کرتے تھے نیز ان سے نبیذ کے متعلق یہ روایت کہ اس کو پرانے نبیذ نے نشہ آور بنادیا، کا معنی یہی ہے، گویا امرالمومنین رضی اللہ عنہ نے قلیل پرانے نبیذ میں ملاوٹ کر ناپسند فرمایا کہ اس وجہ سے ابھی تک وہ میٹھا ہے اور شدید نہ ہوا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ یہ مجیب غفراللہ تعالٰی کا بیان ہے ۱۲منہ۔

[1] سنن النسائی ذکر مایجوز شربه من الانبذه نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

(يبلغه الى)عبدالرحمٰن بن عثمٰن قال صحبت عمر بن الخطاب الى مكة فاهدٰى له ركب من ثقيف سطيحتين من نبيذفشرب عمر احدٰهما ولم يشرب الاخرى حتى اشتد مافيه فذهب عمر فشرب منه فوجده قداشتد فقال اكسروه بالماء [1]، **قلت** ورواه عبدالرزاق۔قال الطحاوى فلما ثبت بما ذكرنا عن عمر اباحة قليل النبيذ الشديد وقد سمع رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم يقول كل مسكر حرام كان مافعله دليلًا ان ماحرم رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم من النبيذ الشديد هو السكر منه لاغير فاما ان يكون سمع ذٰلك من النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قولا اوراٰه رأيا فرأيه عندنا حجّة ولاسيما اذا كان فعله المذكور بحضرة اصحاب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم	نے حدیث بیان کی کہ عبدالرحمٰن بن عثمان نے کہاکہ میں نے مکہ مکرمہ کی طرف سفر کے دوران حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحبت اختیار کی قبیلہ بنی ثقیف کے ایک وفد نے آپ کی خدمت میں نبیذ کے دو مشکیزے بطور ہدیہ پیش کئے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان میں سے ایک پی لیااور دوسرے کو نہیں پیا یہاں تک کہ اس میں شدت آگئی پھرجب آپ نے اس کو پیا تو اس کو شدید پایا اور فرمایا پانی سے اس کی تیزی کو توڑدو۔ **میں کہتاہوں** اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا۔امام طحاوی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ان واقعات مذکورہ سے جب نبیذ شدید کی قلیل مقدار کامباح ہونا ثابت ہوگیا حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سناہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا فعل اس بات کی دلیل ہوگاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نبیذ شدید سے جو حرام فرمایا وہ نشہ آور مقدار ہے نہ کہ اس کا غیر چاہے توحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہو یا اُن کی اپنی یہ رائے ہو کیونکہ ہمارے نزدیک ان کی رائے حجت ہے خصوصًاجب کہ آپ کا یہ فعل مذکور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی موجودگی میں واقع

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

فلم ینکرہ علیه منهم منکر فدل علی متابعتهم ایاہ علیه وهذا عبدالله بن عمر وهواحد النفر الذین رووا عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل مسکر حرام وقد روی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ماحدثنا ابوامیة البغدادی ثنا ابونعیم ثنا عبدالسلام عن لیث عن عبدالملك بن اخی القعقاع بن شوذب عن ابن عمر قال شهدت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتی بشراب فادناه الی فیه فقطب فردہ فقال رجل یارسول الله احرام هو فرد الشراب ثم عادبماء فصبه علیه ذکرمرتین اوثلثا ثم قال اذا اغتلمت هٰذہ الاسقیة علیکم فاکسروا متونها بالماء [1]، **قلت** ورواہ النسائی فی سننه بسندین بمعناہ احدهما اخبرنا زیادبن ایوب ثناهشیم اخبرنا العوام عن عبدالملك بن نافع	ہوااوران میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تو ان سب کا جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی متابعت کرنا ان کے اس فعل کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی کہ ہر نشہ آور حرام ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کی جو ہمیں ابوامیّہ بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کی کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ کے پاس شراب لائی گئی آپ نے اس کو اپنے منہ کے قریب کیا پھر ماتھے پر شکن ڈالی وراس کو رَد فرما دیا، ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا یہ حرام ہے؟ توحضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پھر وہ شراب لوٹائی اوراس میں پانی ڈالا اس کا دو تین بار ذکر کیا پھر فرمایا جب یہ مشکیزے تم پر سخت ہوجائیں تو پانی کے ساتھ ان کی تیزی کو توڑ دیا کرو۔ میں کہتا ہوں اس کو امام نسائی نے اس کے معنی کے ساتھ دو سندوں سے روایت فرمایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں زیاد بن ایوب نے خبر دی انہوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ہشیم نے انہوں نے کہا ہمیں عوام نے عبدالملک

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۶۰۔ ۳۵۹

قال قال ابن عمر [1]، والاٰخر اخبرنی زیاد بن ایوب عن ابی معٰویۃ ثنا ابواسحٰق الشیبانی عن عبدالملک [2] الخ۔ قال الطحاوی حدثنا وھب بن عثمان البغدادی ثنا ابوھمام ثنی یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ عن اسمٰعیل بن ابی خالد ثنا قرۃ العجلی ثنی عبدالملک ابن اخی القعقاع عن ابن عمر مثلہ [3] قلت بھٰذا السند رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ فقال حدثنا وکیع عن اسمٰعیل بن ابی خالد [4] الخ بنحوہ قال الطحاوی حدثنا محمدبن عمروبن یونس ثنی اسباط بن محمد عن الشیبانی عن عبدالملک بن نافع قال سألت ابن عمر فقلت ان اھلنا ینبذون نبیذا فی سقاء لو انھکتہ لاخذ فیّ فقال ابن عمر انما البغی علی من اراد البغی شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ھذا الرکن واتاہ رجل بقدح من نبیذ ثم ذکر مثل حدیث ابی امیّۃ غیر انہ

بن نافع سے خبر دی انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہمانے فرمایا، اور دوسری سندیہ ہے کہ مجھے زیاد بن ایوب نے ابومعاویہ سے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں ابواسحاق شیبانی نے عبدالملک سے حدیث بیان کی الخ۔ امام طحاوی نے فرمایا ہمیں وہب بن عثمان بغدادی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اس اس کی مثل حدیث بیان کی۔ **میں کہتاہوں** اسی سند کے ساتھ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنّف میں روایت فرمایا اور کہا ہمیں وکیع نے اسمٰعیل بن ابی خالد سے بیان کی الخ۔ امام طحاوی نے فرمایا ہمیں محمد بن عمروبن یونس نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ عبدالملک بن نافع نے کہا میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے گھر والے مشکیزے میں نبیذ بناتے ہیں اگر میں اس کو زیادہ پی لوں تو وہ میرے اندر نشہ پیدا کرتی ہے۔ تو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا گناہ اس پر ہے جو گناہ کا ارادہ کرے میں اس رکن کے پاس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے پاس ایک شخص نبیذ کا پیالہ لایا پھر ابن عمر نے حدیث ابن اُمیّہ کی مثل ذکر فرمایا سوائے اس کے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر اخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۲

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۲

[3] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۳۶۰

[4] المصنف ابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۲۶۲ ادارۃ القرآن کراچی ۸ /۳۹

قال فاکسروھا بالماء ففی ھذا اباحۃ قلیل النبیذ الشدید واولی الاشیاء بنا اذکان قدروی عنہ ھذاعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وروی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل مسکر حرام ان نجعل کل واحد من القولین علی معنی غیرمعنی الاٰخر فیکون قولہ کل مسکر حرام علی المقدار الذی یسکر والحدیث الاٰخر علی اباحۃ قلیل النبیذ الشدید، اخبرنا فھدبن محمدبن سعید ثنا یحیٰی بن الیمان عن سفیٰن عن منصور عن خالد بن سعد عن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال عطش النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حول الکعبۃ فاستسقی فاتی نبیذ من نبیذ السقایۃ فشمہ فقطب فصب علیہ من ماء زمزم ثم شرب فقال رجل احرام ھو فقال لا[1] **قلت** و رواہ النسائی بھذا السند نحوہ فقال اخبرنا الحسن بن اسمٰعیل بن سلیمٰن اخبرنا یحیٰی بن یمان[2]

اس کی تیزی کو پانی کے ساتھ توڑو۔اس حدیث میں تیز نبیذ کی قلیل مقدار کی اباحت ہے،جب ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی تو انہی کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے،تو ہمارے لئے اولٰی یہ ہے کہ ہم ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک کو دوسری کے مفہوم کے غیر پر محمول کریں،چنانچہ آپ کا یہ ارشاد کہ "ہر نشہ آور حرام ہے"اس مقدار پر محمول ہوگا جو نشہ دیتی ہے اور دوسری حدیث نبیذ شدید کی قلیل مقدار کے مباح ہونے پر محمول ہوگی۔ ہمیں فہد بن محمد نے اپنی سند کے ساتھ ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے خبر دی انہوں نے کہا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کعبہ شریف کے پاس پیاس لگی تو آپ نے پانی مانگا چنانچہ آپ کی خدمت میں ایک مشکیزے سے نبیذ لائی گئی آپ نے سونگھا اور تیوری چڑھائی پھر اس پر زمزم کا پانی ڈالا پھر نوش فرمایا تو ایک شخص نے کہا کیا یہ حرام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔**قلت**(میں کہتا ہوں)اس کو امام نسائی نے اسی سند کے ساتھ بیان فرمایا اور کہا کہ ہمیں حسن بن اسمٰعیل بن سلیمان نے خبر دی انہوں نے کہا کہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے خبر دی الخ،

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۲۶۰

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبا التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۳

الخ،ورواہ الدارقطنی حدثنا احمدبن عبداللہ الوکیل ثنا علی بن حرب نایحیٰی بن الیمان [1] الخ و رواہ عبدالرزاق عن مجاھد مرسلا قال عمدالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی السقایۃ سقایۃ زمزم فشرب من النبیذ فشد وجھہ ثم امربہ فکسر بالماء ثم شربہ فشد وجھہ ثم امربہ الثالثہ فکسر بالماء ثم شرب [2]۔قال الطحاوی حدثنا علی بن معبد ثنایونس ثنا شریك عن ابن اسحٰق عن ابی بردۃ عن ابی موسٰی عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم انا ومعاذا الی الیمن فقلنا یارسول اللہ ان بھاشرابین یصنعان من البروالشعیر احدھما یقال البر والشعیر احدھما یقال لہ المزر والاٰخر یقال لہ البتع فما نشرب فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلّم	اس کودارقطنی نے روایت کیا اور کہاکہ ہمیں احمد بن عبداللہ الوکیل نے حدیث بیان کی اور انہوں نے کہاکہ ہمیں علی بن حرب نے اورانہوں نے کہاکہ ہمیں یحیٰی بن یمان نے حدیث بیان کی الخ اوراس کوعبدالرزاق نے مجاہد سے مرسلًا روایت کیا انہوں نے کہاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمزم کے مشکیزوں میں سے ایک مشکیزہ کی طرف متوجہ ہوئے آپ نے نبیذنوش فرمایا پھر مشکیزے کامنہ مضبوطی سے باندھ دیا پھرآپ نے حکم دیا تو پانی کے ساتھ س کی تیزی کوتوڑا گیا پھرآپ نے اس کونوش فرمایااور مشکیزے کامنہ مضبوطی سے باندھ دیا،پھر تیسری مرتبہ حکم فرمایا اوراس کی تیزی کو پانی سے توڑا گیا پھرآپ نے نوش فرمایا۔امام طحاوی نے فرمایاکہ ہمیں علی بن معبد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی انہوں نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اور معاذ بن جبل کویمن کی طرف بھیجا ہم نے کہایارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وہاں دوشرابیں ہیں جوگندم اورجَو سے بنائی جاتی ہیں ان میں سے ایک کومزراور دوسری کوبتع کہا جاتاہے توکیاہم اسے پئیں؟ تورسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایاکہ

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربہ حدیث ۸۵ دارالمحاسن للطباعۃ القاھرہ ۴ /۲۶۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربہ حدیث۱۷۰۲۱ المجلس العلمی ۹ /۲۲۶

اشربا ولاتسکروا فدل ذالك ان ماذکرہ ابو موسٰی عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من قوله کل مسکر حرام انما هو علی المقدار الذی یسکر لاعلی العین التی کثیرها یسکر وقد روینا حدیث ابی سلمة عن عائشة رضی الله تعالٰی عنها فی جواب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم للذی ساله عن البتع بقوله کل شراب اسکر فهو حرام فان جعلنا ذٰلك علی قلیل الشراب الذی لیسکر کثیرہ ضاد جواب النّبی صلّی الله تعالٰی علیه وسلم لمعاذ و ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنهما وان جعلناہ علی تحریم السکر خاصة وافق حدیث ابی موسٰی واولی الاشیاء بنا حمل الاٰثار علی الوجه الذی لاتتضاد. حدثنا ابن مرزوق (بسندہ) عن شماس قال قال عبدالله (یعنی ابن مسعود) رضی الله تعالٰی عنه ان القوم یجلسون علی الشراب وهو یحل لهم فمایزالون حتی یحرم علیهم۔ حدثنا محمد بن خزیمة (بسندہ)

"پیو اور نشہ میں مت آؤ"۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو حدیث ذکر فرمائی کہ "ہر نشہ آور حرام ہے" وہ نشہ آور مقدار پر محمول ہے نہ کہ اس شیئ کے عین پر جس کا کثیر نشہ آور ہے اور ہم حدیث ابی سلمہ بحوالہ امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا روایت کرچکے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی وآلہ وسلم کے اس جواب کے بارے میں ہے جو بتع سے متعلق سوال کرنے والے شخص کو آپ نے دیا وہ یہ کہ "ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے" اگر اس حدیث کو ہم اس شراب کے قلیل پر محمول کریں جس کا کثیر نشہ دیتا ہے تو یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس جواب کے خلاف ہے جو آپ نے حضرت معاذ اور ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیا۔ اور اگر اس کو ہم خاص نشہ کی حرمت پر محمول کریں تو یہ حدیث ابو موسٰی کے موافق ہوجاتا ہے اور ہمارے لئے اولٰی یہ ہے کہ ہم تمام آثار کو ایسے معنی پر محمول کریں کہ ان میں باہمی تضاد نہ رہے۔ ہمیں ابن مرزوق نے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کی کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ قوم شراب نوشی کے لئے بیٹھتی جب وہ ان کے لئے حلال تھا وہ ایسا کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے لئے حرام ہوگیا۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے

عن علقمة بن قیس انه اکل مع عبدالله بن مسعود خبزا ولحما قال فاتینا بنبیذ شدید نبذته سیرین فی جرة خضراء فشربوا منه۔حدثنا ابن داؤد (بسنده)عن علقمة قال سألت ابن مسعود عن قول رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المسکر قال الشربة الاخیرة۔حدثنا ابوبکرة ثنا بواحمد الزبیری ثنا سفیٰن عن علی بن بذیمة عن قیس بن حَبتَر قال سألت ابن عباس عن الجر الاخضر والجر الاحمر فقال ان اوّل من سأل النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن ذٰلك وفد عبدالقیس فقال لاتشربوا الافی الدباء ولافی المزفت و لافی النقیر واشربوا فی الاسقیة فقالوا یارسول الله فان اشتد فی الاسقیة قال صبوا علیه من الماء وقال لهم فی الثالثة اوالرابعة فاهریقوه۔حدثنا محمد بن خزیمة ثنا عبدالله بن رجاء ثنا اسرائیل عن علی بن بذیمة عن قیس بن حبتر	ساتھ حضرت علقمہ بن قیس سے حدیث بیان کی کہ انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ روٹی اور گوشت کھایا انہوں نے کہا پھر ہمارے پاس تیز نبیذ لایا گیا جس کو سیرین نے سبز گھڑے میں تیار کیا انہوں نے اسے پیا۔ ہمیں ابی داؤد نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علقمہ سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مُسکِر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول سے متعلق سوال کیاتوانہوں نے کہاکہ وہ آخری گھونٹ ہے۔ ہمیں ابوبکرہ نے اپنی سند کے ساتھ قیس بن حبتر سے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سبز اور سرخ گھڑوں کے بارے میں سوال کیاتوانہوں نے فرمایا سب سے پہلے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وفد عبدالقیس نے سوال کیاتھا تونبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "دباء،مزفت اورنقیر میں مت پیو اور مشکیزوں میں پیو۔" انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! اگر مشکیزوں میں وہ تیز ہوجائے توآپ نے فرمایا: "اس پر پانی ڈال دو"۔اورآپ نے انہیں تیسری یاچوتھی مرتبہ فرمایا کہ "اسے انڈیل دو"۔ ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ اسی کی مثل حدیث بیان کی۔**قلت**(میں کہتاہوں)اس کو

عن ابن عباس مثل ذٰلك[1] قلت ورواه ابوداؤد[2] فی سننه، حدثنا محمد بن بشار ثنا ابواحمد الٰی اٰخره سندا ومتنا نحوه وزاد ثم قال ان الله حرم علیّ او حرم الخمر والمیسر والکوبة قال وکل مسکر حرام قال سفیٰن فسالت علی بن بذیمة عن الکوبة قال الطبل، ورواه عبدالرزاق عن ابی سعید قال کنا جلوساعندالنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال جاءکم وفد عبدالقیس الحدیث بطوله وفیه فان رابکم فاکسروه بالماء[3] اھ ولیس فیه مابعده، قال الطحاوی ففی هذا الحدیث ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اباح لهم ان یشربوا من نبیذ الاسقیة وان اشتد فان قال قائل فان فی امره باهراقه دلیلا علی نسخ الاباحة قیل لهم کیف یکون	ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا کہ ہمیں محمد بن بشار نے ابواحمد سے حدیث بیان کی الخ جو کہ سند اور متن دونوں کے اعتبار سے اس کی مثل ہے، اور اس میں یہ زائد ہے پھر فرمایا کہ بیشک اللہ نے مجھ پر حرام کیا یایوں فرمایا کہ خمر، جُوا اور کُوبہ حرام کردیئے گئے اور ہر نشہ آور حرام ہے۔ سفیان نے کہا کہ میں نے علی بن بذیمہ سے کُوبہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ طبل (ڈھول)، اور اس کو عبدالرزاق نے ابوسعید سے روایت کیا ابوسعید نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس وفد عبدالقیس آیا ہے (طویل حدیث ذکر کی) اور اس حدیث میں ہے کہ اگر تمہیں وہ (نبیذ) شک میں ڈالے تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دو الخ اور اس میں حدیث کا بعد والا حصہ نہیں ہے۔ امام طحاوی نے فرمایا کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کے لئے مشکیزوں کی نبیذ کو پینا مباح فرمایا اگرچہ اس میں تیزی آئے۔ اگر کوئی کہنے والا کہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو انڈیلنے کا حکم دیا یہ اباحت کے نسخ کی دلیل ہے اس کو کہا جائے گا یہ کیسے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۶۱۔۳۶۰

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربہ باب فی الاوعیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۴

[3] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربہ حدیث ۱۶۹۳۰ المجلس العلمی ۹/ ۰۲۔۲۰۱

ذالك وقد روی عن ابن عباس من کلامه بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حرمت الخمر لعینها والسکر من کل شراب وقد ذکرنا ذالك باسنادہ وکیف یجوز علی ابن عباس مع علمه وفضله ان یکون قد روی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم مایوجب تحریم النبیذ الشدید ثم یقول حرمت الخمر لعینها والسکر من کل شراب ولٰکن معنی حدیث قیس انه لم یأمنهم علیه ان یشرعوا فی شربه فیسکروا فامرهم باهراقه ذالك وقد روی فی مثل ما هذا ماحدثنا محمد بن خزیمة ثنا عثمٰن بن الهیثم بن الجهم المؤذن ثنا عوف بن ابی جمیلة ثنی ابو القموص زید بن علی عن احد وفد عبدالقیس او یکون قیس بن النعمان فانی قد نسیت اسمه انهم سألوہ صلی الله تعالٰی علیه وسلم عن الاشربة فقال لا تشربوا فی الدباء ولافی النقیر واشربوا فی السقاء الحلال الموکأ علیه علیها فان اشتد منه فاکسروہ بالماء فان اعیاکم فاهریقوہ حدثنا ربیع المؤذن ثنا اسد بن موسٰی ثنا مسلم بن خالد ثنی زید

ہو سکتا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا یہ کلام مروی ہے کہ خمر لعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب میں سے نشہ کی مقدار حرام کی گئی، ہم اس حدیث کو اس کے اِسناد کے ساتھ ذکر کرچکے ہیں، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے لئے اپنے عمل وفضل کے باوجود یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے وہ حدیث روایت کریں جو نبیذ شدید کی حرمت کو ثابت کرے اور پھر یہ فرمائیں کہ خمر تو لعینہٖ حرام ہے جبکہ باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے لیکن حدیث قیس کا معنی یہ ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ ڈر ہوا کہ وہ اس کو پی کر نشہ میں آئیں گے لہذا اس کو انڈیل دینے کا انہیں حکم دیا، اور اسی کی مثل مروی ہے اس حدیث میں جو ہمیں محمد بن خزیمہ نے اپنی سند کے ساتھ وفد عبد القیس میں شریک ایک شخص سے حدیث بیان کی یا وہ راوی قیس بن نعمان تھا، راوی کہتا ہے مجھے اس کا نام بھول گیا ہے کہ وفدِ عبدالقیس نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شرابوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ کدّو اور کھرچی ہوئی لکڑی میں مت پیو اور ایسے مشکیزوں میں پیو جن کے منہ باندھے گئے ہوں اگر اس نبیذ میں شدت آجائے تو پانی سے اس کی شدت توڑو اگر وہ تمہیں عاجز کردے تو پھر اسے انڈیل دو۔ ہمیں ربیع المؤذن نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان

بن اسلم عن سمّی عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا دخل احدکم علی اخیه المسلم فاطعمه طعاما فیاکل من طعامه ولایسأل عنه فان اسقاہ شرابا فلیشرب منه ولایسأل عنه فان خشی منه فلیکسرہ بشیئ.ففی ھذا الحدیث اباحة شرب النبیذ فان قال قائل انما اباحه بعد کسرہ بالماء و ذھاب شدته قیل له ھذا کلام فاسد لانه لوکان فی حال شدته حراما لکان لایحل وان ذھبت شدته بصب الماء علیه الاتری ان خمر الوصب فیھا ماء حتی غلب الماء علیھا ان ذالك حرام فلما کان قد ابیح فی ھذا الحدیث الشراب الشدید اذا کسر بالماء ثبت بذٰلك انه قبل ان یکسر بالماء غیر حرام فثبت بما رویناہ فی ھذاالباب اباحة مالایکسر من النبیذ الشدید وھو قول ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ تعالٰی۔[1]

کی انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی ایک اپنے مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو وہ اس کو کھانا کھلائے اس کو چاہئے کہ وہ کھانا کھالے مگر اس سے کھانے کا سوال نہ کرے اور اگر وہ اس مشروب سے نشہ کا ڈر محسوس کرے تو پانی وغیرہ سے اس کی تیزی کو توڑ دے،اس حدیث میں نبیذ کی اباحت کا ثبوت ہے،اگر کوئی شخص کہے کہ پانی کے ساتھ اس کی سختی ختم کرنے کے بعد اسے مباح قرار دیا گیا ہے جبکہ اس کی شدت ختم ہو جاتی ہے تو اس کو کہا جائے گا کہ تیرا یہ کلام فاسد ہے اس لئے کہ اگر وہ شدت کی حالت میں حرام ہو تو وہ حلال نہیں ہو سکتی اگرچہ پانی انڈیلنے کے ساتھ اس کی شدت ختم ہو جائے،کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر خمر میں اس قدر پانی ملایا جائے کہ وہ اس غالب آجائے تو وہ حرام ہی رہے گا،اس حدیث میں جب تیز شراب (نبیذ) کو مباح قرار دیا گیا ہے جب پانی کے ساتھ اس کی شدت ختم کردی جائے،اس سے ثابت ہو گیا کہ پانی انڈیل کر تیزی ختم کرنے سے پہلے وہ حرام نہیں تھی لہٰذا جو کچھ ہم نے اس باب میں روایت کیا اس سے تیز نبیذ کا مباح ہونا ثابت ہو گیا جبکہ وہ نشہ نہ دے،اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ،امام ابویوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کا۔(ت)

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربہ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱۔۶۲

(مزید حدیثیں): سنن نسائی شریف میں ہے: امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ ابو رافع سے روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب تمہیں نبیذ کی تیزی کا ڈر ہو تو پانی سے اس کی تیزی کو توڑ دیا کرو۔ عبداللہ نے فرمایا کہ تیزی آنے سے پہلے ایسا کرو۔ امام نسائی نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا کہ قبیلہ بنی ثقیف نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مشروب پیش کیا، آپ نے اس کو طلب فرمایا، جب اپنے منہ کے قریب کیا تو وہ اچھا نہ لگا، پھر اس کو منگوایا اور پانی کے ساتھ اس کی تیزی کو کم کرکے فرمایا: ایسا ہی کرو۔ **میں کہتا ہوں** اس کو عبدالرزاق اور بیہقی نے روایت کیا۔ (ت)	**زیادۃ احادیث** **اخبرنا** سوید قال اخبرنا عبداللہ عن السری بن یحیٰی ثنی ابوحفص امام لنا وکان من اسنان الحسن عن ابی رافع ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی قال اذا خشیتم من نبیذ شدته فاکسروہ بالماء قال عبداللہ بن قبل ان یشتد **اخبرنا** زکریا بن یحیٰی (بسندہ) عن سعید بن المسیب یقول تلقت ثقیف عمر بشراب فدعا به فلما قربه الی فیه کرھه فدعا به فکسرہ بالماء فقال ھکذا فافعلوا [1] **قلت** ورواہ عبدالرزاق والبیہقی۔

اُسی میں ہے:

ابن سیرین نے کہا کہ انگور کا شیرہ اس کے ہاتھ بیچو جو اس سے طلاء بناتا ہے اس کے ہاتھ مت بیچو جو خمر بناتا ہے۔ سید بن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا مسلمانوں کو ایسا طلاء پینے دیجئے جس کا دو ثلث جل کر خشک ہو جائے اور ایک تہائی رہ جائے۔ اس کو عبدالرزاق اور ابو نعیم	عن ابن سیرین قال بعه عصیرا ممّن یتخذہ طلاء و لایتخذہ خمرا [2] **عن** سوید بن غفلة قال کتب عمر بن الخطاب الی بعض عماله ان ارزق المسلمین من الطلاء ذھب ثلثاہ وبقی ثلثة [3]، ورواہ عبدالرزاق وابو نعیم

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بھا من اباح الخ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۳)

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ الکراھة فی بیع العصیر نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۴

[3] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۴

فی الطب وعن ابی مجانۃ عن عامر بن عبداللہ انہ قال قرأت کتاب عمر بن الخطاب الی ابی موسٰی امّا بعد فانہا قدمت علیّ عیر من الشام تحمل شرابا غلیظا اسود کطلاء الابل وانی سألتہم علی کم یطبخونہ فاخبرونی انہم یطبخونہ علی الثلثین ذھب ثلثاہ الاخبثان ثلث ببغیہ وثلث بریحہ فمر من قبلک یشربونہ [1]۔ **قلت** ومن ھذا الطریق رواہ سعید بن منصور فی سننہ وفیہ کتب عمر الی عمار رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم روی النسائی عن عبداللہ بن یزید الخطمی قال کتب الینا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ اما بعد فاطبخوا شرابکم حتی یذھب منہ نصیب الشیطان فان لہ اثنین ولکم واحد [2]۔ **قلت** صححہ الحافظ فی الفتح و رواہ سعید بن منصور و البیہقی وسیأتی حدیث کتابہ بطریقین اٰخرین	نے طب میں ابو مجانہ سے بحوالہ عامر بن عبداللہ روایت کیا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کامکتوب گرامی بنام ابو موسٰی اشعری پڑھا جس میں آپ نے لکھاکہ میرے پاس شام کا ایک قافلہ آیا جس کے پاس سیاہ رنگ کی گاڑھی شراب تھی جیسے اونٹوں کاطلاء ہوتا ہے، میں نے ان سے سوال کیاکہ تم اس کو کس قدر پکاتے ہو، توانہوں نے بتایا وہ اس کے دوتہائی کوجلادیتے ہیں جن میں خبث ہے ایک تہائی سرکا اورایک تہائی بُوکا یعنی ایک تہائی باقی رہ جاتاہے توتم اپنی طرف سے لوگوں کو کہہ دوکہ اس کوپی لیاکریں۔ **میں کہتا ہوں** اسی طریق سے اس کوسعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیاہے، اس میں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عمار رضی اللہ تعالٰی عنہما کو لکھا پھرامام نسائی نے اس کو عبداللہ بن یزید خطمی سے روایت کیا انہوں نے کہاکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کو لکھا: امابعد، اپنی شرابوں کواس حد تک پکاؤکہ ان سے شیطان کاحصہ جل جائے اوراس کے لئے دو حصے (دوتہائی) اور تمہارے لئے ایک حصہ ہے۔ میں کہتاہوں اس کو حافظ نے فتح میں صحیح قرار دیااور س کو سعید بن منصور اور بیہقی نے روایت کیا۔ عنقریب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کاخط دو [2] اور طریقوں سے بھی آرہاہے۔

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[2] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

ثم روی النسائی عن الشعبی قال کان علی رضی الله تعالٰی عنه یرزق الناس الطلاء یقع فیه الذباب ولا یستطیع ان یخرج منه عن داؤد سألت سعید اما الشراب الذی احله عمر رضی الله تعالٰی عنه قال الذی یطبخ حتی یذهب ثلثاه و یبقی ثلثه [1] **قلت** و رواه ابن ابی شیبة قال حدثنا عبدالرحیم بن سلیمٰن عن داؤد بن ابی هند قال سألت سعید بن المسیب فذکره.ثم روی النسائی عن سعید بن المسیّب ان ابا الدرداء رضی الله تعالٰی عنه کان یشرب ماذهب ثلثاه و بقی ثلثه عن قیس بن ابی حازم عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه ان کان یشرب من الطلاء ذهب ثلثاه و بقی ثلثة عن یعلی بن عطاء قال سمعت سعید بن المسیّب وسأله اعرابی عن شراب یطبخ علی النصف فقال	پھر اس کو امام نسائی نے شعبی سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو طلاء پلاتے تھے اس میں اگر مکھی گرجائے تو نکل نہیں سکتی تھی (یعنی بہت گاڑھی ہوتی تھی) داؤد نے کہا میں نے سعید سے سوال کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کون سی شراب کو حلال کیا تھا انہوں نے بتایا کہ جس کے دو تہائی جل کر خشک ہوجائیں اور ایک تہائی باقی رہ جائے۔ **میں کہتا ہوں** اس کو ابن ابی شیبہ نے روایت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے داؤد بن ابی ہند سے بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن میسّب سے سوال کیا پھر مذکورہ حدیث کو ذکر کیا، پھر نسائی نے سعید بن میسّب سے روایت کیا کہ ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسا شراب پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہوجاتا اور ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ قیس بن ابی حازم نے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ ایسا طلاء پیتے تھے جس کا دو تہائی خشک ہوجاتا اور ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ یعلی بن عطاء نے کہا کہ میں نے سعید بن میسّب کو کہتے ہوئے سنا جب ان سے ایک اعرابی نے ایسی شراب کے بارے میں سوال کیا جس کا نصف پکانے سے خشک ہوگیا انہوں نے جواب دیا

1

لاحتی یذھب ثلثاہ ویبقی الثلث عن یحیٰی بن سعید عن سعد بن المسیب قال اذا طبخ الطلاء علی الثلث فلاباس بہ عن بشیر بن المھاجر قال سألت الحسن عما یطبخ من العصیر قال تطبخہ حتی یذھب الثلثان ویبقی الثلث عن انس بن سیرین قال سمعت انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول ان نوحا علیہ الصلٰوۃ والسلام نازعہ الشیطان فی عود الکرم فقال ھٰذا لی وقال ھذا لی فاصطلح علی ان لنوحٍ ثلثھا و للشیطان ثلثیھا عن عبدالملك بن طفیل الجزری قال کتب الینا عمر بن عبد العزیز ان لا تشربوا من الطلاء حتی یذھب ثلثاہ ویبقٰی ثلثہ وکل مسکر حرام [1]۔	کہ یہ حلال نہیں یہاں تک کہ اس کادو تہائی جل کرایک تہائی باقی رہ جائے۔یحیٰی بن سعید نے سعید بن مسیب سے روایت کی انہوں نے کہاکہ جب طلاء ایک ثلث تک پکایا جائے تواس کے پینے میں کوئی حرج نہیں۔بشیر بن مہاجر نے کہاکہ میں نے حسن سے پکائے ہوئے شِیرہ کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کہا تُو اس کو اس حد تک پکا کہ اس کادو ثلث خشک ہوجائے اورایک ثلث باقی رہے۔انس بن سیرین نے کہامیں نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کوفرماتے ہوئے سناکہ شیطان نے حضرت نوح علیہ السلام سے انگور کے درخت کے بارے میں جھگڑا کیا شیطان نے کہایہ میرا ہے اورنوح علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرا ہے پھراس بات پر صلح ہوئی اس کاایک تہائی نوح علیہ السلام کے لئے اوردو تہائی شیطان کے لئے۔عبدالملک بن طفیل جزری نے کہاکہ ہماری طرف عمر بن عبدالعزیز نے لکھاتم طلاء مت پیو یہاں تک کہ اس کا دو تہائی خشک ہوجائے اورایک تہائی باقی رہ جائے اورہر نشہ آور حرام ہے۔(ت)

مسند سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہے:

ابو حنیفہ عن ابی عون ؎ عن	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عون سے انہوں نے

؎: فی النسخۃ التی شرح علیھا العلامۃ العلی القاری ابوحنیفۃ عن	ملا علی قاری نے جس نسخہ پر شرح لکھی ہے اس میں ابو حنیفہ عن ابی عون محمد الثقفی الحجازی ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء الخ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

عبداللہ بن شداد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر لعینھا قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب[1]۔وفی بعض روایات المسند ابوحنیفۃ عن ابی عون عن عبداللہ بن شداد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رواہ الحارثی من طریق محمد بن بشر عن الامام وفی اخری ابو حنیفۃ عن عون بن ابی جُحَیفۃ عن ابن عباس	عبداللہ ابن شداد سے انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی آپ نے فرمایا خمر لعینہ حرام کی گئی چاہے قلیل ہو یا کثیر، باقی ہر شراب میں سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ مسند کی بعض روایات میں یوں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے ابوعون سے انہوں نے عبداللہ ابن شداد سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی، اس کو حارِثی نے بطریق محمد بن بشر امام صاحب سے روایت کیا۔ دوسری سند میں یوں ہے امام ابوحنیفہ نے عون بن ابی جُحَیفہ سے اور انہوں نے ابن عباس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابی عون محمد الثقفی الحجازی عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس قال القاری الظاھر انہ محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی روی عن انس بن مالك وعنہ جماعۃ[2] اھ **اقول**: الحدیث انما یعرف بابی عون محمد بن عبیداللہ الثقفی الکوفی وھو الصواب والأدری لفظ الحجازی افادہ الشارح اووقع من بعض النساخ ۱۲منہ۔

اس پر ملا علی قاری نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ وہ محمد بن ابی بکر بن عوف الثقفی الحجازی جو انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں اور ان سے جماعت نے روایت کی ہے اھ، **میں کہتا ہوں** یہ حدیث ابی عون محمد بن عبید اللہ الثقفی الکوفی سے معروف ہے اور یہی درست ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ حجازی کا لفظ شارح نے ذکر کیا ہے یا یہ کسی نقل کرنے سے واقع ہوا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] مسند الامام الاعظم کتاب الاطعمۃ والاشربۃ الخ نور محمد کارخانہ کتب خانہ کراچی ص ۲۰۲

[2] شرح مسند الامام الاعظم لملا علی القاری فائدہ حرمۃ خمر وکل مسکرات مکتبہ توحید وسنۃ پشاور ص ۲۵۶

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال فذکرہ رواہ طلحة من طریق یحیی الیمانی وحماد ابن الامام عن الامام وھٰکذا اوردہ العلاء ابن اتر کما فی الجوھر النقی قال المرتضٰی والمحفوظ فی مسند الامام ما ذکرناہ اولًا ابوحنیفة عن حماد عن ابراھیم عن علقمة قال رأیت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه وھو یاکل طعاما ثم دعا بنبیذ فشرب فقلت رحمك اللہ تشرب النبیذ والامة تقتدی بك فقال ابن مسعود رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یشرب النبیذ لولا انی رأیته یشربه ماشربته[1]۔ **ابوحنیفة** عن حماد عن ابراھیم انه قال قول الناس کل مسکر حرام خطؤمن الناس انما ارادوان یقولوا السکر حرام من کل شراب[2]۔ **ابوحنیفة** عن حماد عن انس	رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، پھر وہی حدیث ذکر کی، اس کو طلحہ نے بطریق یحیٰی یمانی وحماد ابن امام ابوحنیفہ امام صاحب سے روایت کیا۔ اسی طرح علاء ابن اتر نے اس کو وارد کیا جیسا کہ جواہر النقی میں ہے، مرتضٰی نے کہا مسند امام اعظم میں محفوظ وہی ہے جسے ہم نے پہلے ذکر کیا۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے روایت کی، علقمہ نے کہا کہ میں نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کھانا تناول فرماتے ہوئے دیکھا، پھر انہوں نے نبیذ منگوائی اور اسے پیا تو میں نے کہا اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے آپ نبیذ پیتے ہیں حالانکہ اُمّت آپ کی اقتداء کرتی ہے، ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کو نبیذ پیتے ہوئے دیکھا اگر میں نے آپ کو نبیذ پیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتو میں اس کو نہ پیتا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کی، ابراہیم نے کہا کہ لوگوں کا یہ قول لوگوں کی خطا ہے کہ ہر نشہ آور حرام ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ یوں کہیں ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ سے حماد سے انہوں نے حضرت انس

[1] مسند الامام الاعظم کتاب الاطعمة والاشربة الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۲۔۲۰۱

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبة الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۸۹

بن مالك انه كان ينزل على ابی بكر بن ابی موسٰی الاشعری بواسط فيبعث برسول الی السوق يشتری له النبيذ من الخوابی [1]. ابو حنيفة عن حماد قال كنت اتقی النبيذ فدخلت علی ابراهيم وهو يطعم فطعمت معه فناولنی قدحا فيه نبيذ فلما رأی اتقائی منه قال حدثنی علقمة عن عبدالله بن مسعود انه كان ربما طعم عنده ثم دعا بنبيذ له تنبذه له سيرين ام ولده فشرب وسقانی [2]۔ ابو حنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال كتب عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه الی عمار بن ياسر رضی الله تعالٰی عنهما وهو عامل له علی الكوفة اما بعد فانه انتهی الیّ شراب من الشام من عصير العنب وقد طبخ وهو عصير قبل ان يغلی حتی ذهب ثلثاه وبقی ثلثه فذهب شيطانه وبقی حلوه وحلاله فهو شبيه بطلاء	بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ ابوبکر بن ابوموسٰی اشعری کے پاس واسط میں اترے توانہوں نے بازار میں قاصد بھیجا تاکہ وہ ان کے لئے خوابی سے نبیذ خریدے۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے روایت کی حماد نے کہا میں نبیذ سے پرہیز کرتا تھا میں ابراہیم کے پاس گیا وہ کھانا کھارہے تھے میں نے ان کے ساتھ کھانا کھایا مجھے انہوں نے ایک پیالہ دیا جس میں نبیذ تھی جب انہوں نے مجھے اس سے بچتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے کہا مجھے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ وہ (علقمہ) بسا اوقات ابن مسعود کے ساتھ کھانا کھاتے، پھر انہوں نے نبیذ طلب فرمائی جو سیرین نے ان کے لئے تیار کی تھی جو ان کی ام ولد ہے، انہوں نے نوش فرمایا اور مجھے بھی پلایا، امام ابوحنیفہ نے حماد سے اور انہوں نے ابراہیم سے روایت کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف خط لکھا جبکہ وہ کوفہ کے عامل تھے، امابعد! میرے پاس شام سے انگور کے رَس کی شراب پہنچی جس کو پکایا گیا ہے دراں حالیکہ وہ پکانے سے انگور کا شیرہ تھی یہاں تک کہ اس کا دوتہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہ گیا تو اس کا شیطان چلا گیا تو اس کی مٹھاس وحلت باقی رہی گئی، اور وہ اونٹوں کے

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۹۱۔ ۱۹۰

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲/ ۱۹۱۔ ۱۹۰

الابل فمر من قبلك فیتوسعوا به شرابهم[1] **قلت** وروی عبدالرزاق عـــہ حدثنا معمر بن عاصم عن الشعبی قال کتب عمر بن الخطاب الی عمار بن یاسر امابعد فانها جاءتنا اشربة من قبل الشام کانها طلاء الابل قد طبخ حتی ذهب ثلثاه الذی فیه خبث الشیطان وریح جنونه وبقی ثلثه فاصطنعه وامر من قبلك ان یصطنعوه[2] ورواه الخطیب فی تلخیص المتشابه عن الشعبی عن حبان الاسدی قال اتانا کتاب عمر فذکره بلفظ ذهب شره وبقی خیره

طلاء کے مشابہ ہے تم اپنی طرف سے حکم دے دو کہ لوگ اپنی شرابوں میں گنجائش پیدا کریں۔ **میں کہتاہوں** امام عبد الرزاق نے روایت کیاکہ ہمیں معمر نے عاصم سے اور انہوں نے شعبی سے حدیث بیان کی کہ حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمار بن یاسر کو خط لکھاامابعد! بیشک ہمارے پاس شام کی طرف سے کچھ شرابیں آئی ہیں گویا کہ وہ اونٹوں کاطلاء ہیں جنہیں پکایاگیا یہاں تک کہ اس کادو ثلث جل گیا جس میں خبث شیطان اوراس کے جنون کی بو تھی باقی ایک تہائی رہ گیا،اس کو بناؤاور لوگوں کو بنانے کااپنی طرف سے حکم دو،اوراس کو تلخیص المتشابہ میں خطیب نے شعبی سے اور انہوں نے حِبان اسدی سے روایت کیاحِبان نے کہاکہ ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کاخط آیا اس میں حِبان نے یہ لفظ ذکر کیاہے کہ اس کاشر

عـــہ: هٰکذا اعزاه لعبد الرزاق الامام البدر فی البنایة، والامام خاتم الحفاظ فی الجامع الکبیر ووقع فی تعلیقات مؤطا الامام محمد لبعض المعاصرین عزوه لابن ابی شیبة وکانه شبه علیه احد المصنفین بالاٰخر ۱۲منه۔

عـــہ: اور امام بدرالدین عینی نے بنایہ میں اور امام عسقلانی نے جامع الکبیر میں اس کو عبدالرزاق کی طرف منسوب کیاجبکہ مؤطا امام محمد کی تعلیقات میں ایک معاصر (علامہ عبدالحہ لکھنوی) نے اس کو ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا، ہوسکتاہے علامہ لکھنوی کو مصنف عبدالرزاق اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اشتباہ ہوگیا ہو ۱۲منہ (ت)

[1] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتب الاسلامیہ سمندری فیصل آباد ۲ /۱۹۱

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الاشربة حدیث ۱۷۱۲۰ المجلس العلمی ۹ /۲۵۵

فاشربوه[1]۔ ابوحنیفه عن حماد عن ابراهیم انه قال فی الرجل یشرب النبیذ حتی یسکر قال القدح الاخیر الذی سکر منه هو الحرام[2]۔	زائل ہوگیا اور خیر باقی رہا للذا تم اس کو پیو۔ امام ابوحنیفہ نے حماد سے انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا انہوں نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جو نبیذ پیتا یہاں تک کہ اسے نشہ آجاتا، فرمایا آخری پیالہ جس سے نشہ ہوا وہ حرام ہے۔ (ت)

عقود الجواہر میں ہے:

فی مصنّف ابن ابی شیبة حدثنا علی بن مُسهر عن سعید بن ابی عروبة عن قتادة عن انس رضی الله تعالٰی عنه ان ابا عبیدة ومعاذ بن جبل وابا طلحة رضی الله تعالٰی عنهم کانوا یشربون من الطلاء ما ذهب ثلثاه وبقی ثلثه[3] قلت ورواه ایضا ابومسلم الکجی وسعید بن منصور فی سننه کما فی العمدة قال ابوبکر حدثنا وکیع عن الاعمش عن میمون (هو ابن مهران) عن ام الدرداء قالت کنت اطبخ لابی الدرداء رضی الله تعالٰی عنه الطلاء ماذهب ثلثاه وبقی ثلثه[4]۔ حدثنا ابن فضیل عن	مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے ہمیں علی بن مسہر نے سعید بن ابی عروبہ سے انہوں نے قتادہ سے اور انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی حضرت انس نے فرمایا کہ ابوعبیدہ، معاذ بن جبل اور ابوطلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسا طلاء پیتے جس کا دو ثلث جل کر ایک ثلث باقی رہتا۔ **میں کہتا ہوں** کہ اس کو ابومسلم الکجی اور سعید بن منصور نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا جیسا کہ عمدہ میں ہے۔ ابوبکر نے کہا ہمیں وکیع نے اعمش سے انہوں نے ام درداء سے حدیث بیان کی، ام درداء نے کہا کہ میں ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے طلاء پکاتی جس کا دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا۔ ہمیں ابن فضیل نے

[1] تلخیص المتشابہ حدیث ۱۰۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۵۱۵

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبة الاسلامیہ سمندری ۲/ ۱۹۲

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۰۳۹ ادارۃ القرآن ۸/ ۱۷۰

[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربہ حدیث ۴۰۳۹ ادارۃ القرآن ۸/ ۱۷۱

عطاء بن السائب عن ابی عبدالرحمٰن قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ یرزقنا الطلاء فقلت لہ ماھیأتہ قال ابواسود یاخذہ احدنا باصبعہ[1] حدثنا وکیع عن سعید بن اوس عن انس بن سیرین قال کان انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ سقیم البطن فامرنی ان اطبخ لہ طلاء حتی ذھب ثلثاہ وبقی ثلثہ فکان یشرب منہ الشربۃ علی اثر الطعام[2] حدثنا ابن نمیر ثنا اسمٰعیل عن مغیرۃ عن شریح ان خالد بن الولید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یشرب الطلاء بالشام[3]۔	عطا بن سائب سے انہوں نے عبدالرحمٰن سے حدیث بیان کی کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیں طلاء پلاتے، میں نے کہا اس کی ہیئت کیا ہوت؟ ابواسود نے کہا کہ ہم میں سے کوئی ایک اس کو اپنی انگلی کے ساتھ لے سکتا تھا (یعنی وہ بہت گاڑھا ہوتا تھا) ہمیں وکیع نے سعید بن اوس سے انہوں نے انس بن سیرین سے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو مجھے حکم دیا کہ میں ان کے لئے طلاء پکاؤں یہاں تک کہ وہ دو تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جاتا تو آپ اس میں سے کچھ کھانے کے بعد نوش فرماتے۔ ہمیں ابن نمیر نے حدیث بیان کی کہ ہمیں اسمٰعیل نے مغیرہ سے انہوں نے شریح سے حدیث بیان کی کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ شام میں طلاء پیا کرتے تھے (ت)

سنن دارقطنی میں ہے:

حدثنا محمد بن احمد بن ھارون نا احمد بن عمر بن بشر ناجدی ابراھیم بن قرۃ نا القاسم بن بھرام ثنا عمرو بن دینار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی	ہمیں محمد بن احمد بن ہارون نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدینہ میں ایک قوم پر گزرے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! ہمارے پاس بنائی ہوئی ایک

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۶۱ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۴۶ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۲

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاشربۃ حدیث ۴۰۵۸ ادارۃ القرآن کراچی ۸/ ۱۷۵

قوم بالمدينة قالوا يارسول الله ان عندنا شرابا لنا افلانسقيك منه قال بلٰی فاتی بعقب اوقدح غليظ فيه نبيذ فلما اخذه النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم وقربه الٰی فيه قطب قال فدعا الذی جاء به فقال خذه فاهرقه فلما ان ذهب به قالوا يارسول الله هذا شرابنا ان كان حراما لم نشربه فدعا به فاخذه ثم دعا بماء فصبّه عليه ثم شرب وسقی وقال اذاكان هٰكذا فاصنعوا به هكذا[1]۔	شراب ہے کیا اس میں سے ہم آپ کو نہ پلائیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کیوں نہیں۔آپ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا جس میں تیز نبیذ تھی، جب آپ نے اس کو پکڑا اور منہ کے قریب کیا تو تیوری چڑھائی اور اس شخص کو بلایا جو لایا تھا، اور فرمایا اس کو لے جاؤ اور انڈیل دو۔جب وہ شخص اس نبیذ کو لے کر چلا گیا لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! یہ ہماری شراب اگر حرام ہے تو ہم اس کو نہ پئیں، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ طلب فرمایا اسے پکڑا پھر پانی منگوا کر اس میں ڈالا پھر پیا اور پلایا اور فرمایا جب نبیذ ایسی ہو تو اس کے ساتھ اس طرح کیا کرو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

عن وكيع عن شريك عن فراس عن الشعبی ان رجلا شرب من اداوة علی بصفين فسكر فضربه الحد[2]۔	وکیع سے شریک سے فراس سے شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے صفین میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے برتن سے شراب پی تو اسے نشہ ہوگیا آپ نے اس پر حد لگائی۔ (ت)

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدثنا عبدالرحيم بن سليمٰن عن مجالد عن الشعبی عن علیّ نحوه وقال فضربه ثمانين[3]۔	ہمیں عبدالرحیم بن سلیمان نے مجالد سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے علی سے ایسے ہی حدیث بیان کی اور کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے اسّی کوڑے لگائے۔(ت)

[1] نصب الرایۃ بحوالہ الدارقطنی کتاب الاشربۃ احادیث فی الباب الخ المکتبۃ الاسلامیہ ۴/ ۳۰۹

[2] سنن الدارقطنی کتاب الاشربۃ حدیث ۸۰ دار المحاسن لطباعۃ القاہرہ الجزء الرابع ص ۲۶۱

[3] المصنّف ابن ابی شیبہ کتاب الحدود النبیذ من رأی فیہ حدًا حدیث ۸۴۵۵ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۵۴۵

کامل ابن عدی میں ہے:

حدثنا ابو العلاء الکوفی بمصر ثنا محمد بن الصباح الدولابی نا نصر بن المجدر قال کنت شاھدا حین ادخل شریك ومعه ابو امیّة الذی رفع الی المھدی ان شریکا حدثه عن الاعمش عن سالم عن ثوبان رضی اللّٰه تعالٰی عنه عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال استقیموا لقریش ما استقاموا لکم فاذا ازاغوا عن الحق فضعوا سیوفکم علی عواتقکم فقال المھدی لشریك حدثت بھذا قال لا قال ابو امیة علیّ المشی الی بیت اللّٰه تعالٰی وکل مالی فی المساکین صدقة ان لم یکن حدثنی فقال شریك علیّ مثل الذی علیه ان کنت حدثته قال فکانّ المھدی رضی فقال ابو امیة یا امیر المومنین عندك ادھی العرب انما یعنی علیه مثل الذی علیه من الثیاب قل له فلیحلف مثل الذی حلفت فقال صدقت احلف کما حلف فقال شریك قد حدثته	ہمیں ابوالعلاء کوفی نے مصر میں حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی محمد بن صباح دولابی نے انہوں نے کہا کہ ہمیں نصر بن مجدر نے خبر دی کہ میں اس وقت حاضر تھا جب شریک کو داخل کیا گیا اس کے ساتھ ابوامیّہ تھا جس نے مہدی کے پاس مقدمہ دائر کیا تھا کہ شریک نے اسے اعمش سے انہوں نے سالم سے انہوں نے ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا قریش کے لئے سیدھے رہو جب تک وہ تمہارے لئے سیدھے رہیں جب وہ حق سے ٹیڑھے ہوجائیں تو تم اپنی تلواریں اپنے کندھوں پر رکھ لو۔ مہدی نے شریک سے کہا تو نے یہ حدیث بیان کی؟ اس نے کہا نہیں، ابوامیہ نے کہا مجھ پر بیت اللہ شریف کی طرف جانالازم ہے اور میرا سارا مال مسکینوں پر صدقہ ہے اگر اس نے مجھے یہ حدیث بیان نہ کی ہو، شریک نے کہا مجھ پر اسی کی مثل ہے جو اس پر ہے اگر میں نے اس کو یہ حدیث بیان کی ہو۔ راوی نے کہا گویا کہ مہدی شریک کی بات پر راضی ہوگیا۔ ابوامیہ نے کہا اے امیر المومنین! آپ کے پاس عرب کا سب سے بڑا چالاک شخص موجود ہے اس نے جو کہا ہے کہ مجھ پر اس کی مثل ہے جو اس پر ہے اس قول سے اس کی مراد کپڑے ہیں آپ اسے حکم دیں کہ وہ میری طرح قسم کھائے۔ مہدی نے کہا تو نے سچ کہا، اور مہدی

فقال ویل علی شارب الخمر یعنی الاعمش وکان یشرب المصنف لوعلمت موضع قبرہ لاحرقتہ قال شریك لم یکن یھودیاکان رجلا صالحا[1] الخ۔	نے شریک کو کہا تم قسم کھاؤ جیساکہ ابوامیہ نے قسم کھائی، توشریک نے یہ کہاکہ میں نے یہ حدیث بیان کی ہے، تواس نے کہاشراب پینے والے یعنی اعمش پرہلاکت ہواور وہ ایسی شراب پیتاتھاجس کانصف جل کرخشک ہوجاتااگرمجھے اس کی قبر کی جگہ معلوم ہوتی تومیں اس کوجلادیتا، شریک نے کہاوہ یہودی نہیں تھاوہ ایک نیک مرد تھاالخ۔(ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

رای عمروابوعبیدۃ ومعاذبن جبل شرب الطلاء عل الثلث وشرب البراء وابوجحیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنھماعلی النصف[2] اھ۔	حضرت عمر، ابوعبیدہ اورمعاذبن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہم ایسی طلاء کوحلال سمجھتے جس کادوتہائی جل کر ایک تہائی رہ جائے جبکہ حضرت براء اورابوجُحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہماوہ طلاء پیتےجس کانصف جل کرخشک ہوگیاالخ۔
تقدمت اسانید الثلثۃ الاول ووصل الاخیرین ابن ابی شیبۃ کمافی العمدۃ۔	پہلی تینوں حدیثوں کی سندیں گزرچکیں اورآخری دونوں کو ابن ابی شیبہ نے موصول فرمایا جیساکہ عمدہ میں ہے۔
اضافہ افاضۃ: نزیدك عدۃ أبحاث تفیدك بعون اللہ تعالٰی:	**اضافہ افاضہ:** ہم تیرے لئے چند بحثوں کااضافہ کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی کی توفیق سے تجھے فائدہ دیں گی:
الاوّل تقدم تسعۃ احادیث من المرفوع وروی العقیلی من طریق عبدالرحمٰن بن بشر الغطفانی عن ابی اسحٰق عن الحارث عن علی کرم اللہ وجھہ	**پہلی بحث:** نومرفوع حدیثیں گزرچکی ہیں، اور عقیلی نے بطریق عبدالرحمٰن بن بشر غطفانی ابواسحٰق سے انہوں نے حارث سے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سے روایت کی کہ میں نے

[1] الکامل فی ضعفاء الرجال ابن عدی شریك بن عبداللہ بن الحارث بن شریك بن عبداللہ نخعی الخ دارالفکر للطباعۃ النشر ۴ /۱۳۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب الاشربۃ باب الباذق ومن نھی عن کل مسکر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۸۳۸

قال سألت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الاشربۃ عام حجۃ الوداع فقال حرم اللہ الخمر بعینھا والسکر من کل شراب[1] واخرجہ مطولا من طریق محمد بن الفرات الکوفی عن ابی اسحٰق السبیعی وفیہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی بقعب نبیذ فذاقہ فقطب وردہ فقام الیہ رجل من اٰل حاطب فقال یارسول اللہ ھذا شراب اھل مکۃ قال فصب علیہ الماء حتی رغا ثم شرب فقال حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب[2] (فتلك عشرۃ کاملۃ)و قداخرج ھذا الکلام من دون القصۃ اعنی حرمت الخمر بعینھا الخ ابوالقاسم الطبرانی فی معجمہ الکبیر عن سعید بن المسیّب عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتقدم بوجھین مرسل و متصل من مسند الامام عن ابن شداد وعن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کانت اثنی عشر حدیثا

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حجۃ الوداع والے سال شرابوں کے بارے میں سول کیا توآپ نے فرمایا اللہ تعالٰی نے خمر کوبعینہٖ حرام فرمایااور ہر شراب کے نشہ کو حرام فرمایا، اور عُقیلی نے طوالت کے ساتھ بطریق محمد بن فرات کوفی ابواسحٰق سبیعی سے اس کی تخریج کی۔اس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں نبیذ کا ایک بڑا پیالہ لایاگیا آپ نے اسے چکھا تیوری چڑھائی اوراسے لوٹا دیا۔آپ کی خدمت میں آل حاطب سے ایک شخص کھڑاہوا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! یہ مکہ والوں کی شراب ہے۔راوی نے کہاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس پرپانی انڈیلا یہاں تک کہ اس میں جھاگ آگئی پھراسے پی لیا اورفرمایا خمر بعینہٖ حرام ہے اورہر شراب سے نشہ حرام ہے۔یہ دس حدیثیں مکمل ہوگئیں۔اس کلام کی قصہ مذکورہ "یعنی شراب بعینہٖ حرام ہے الخ"کے بغیر تخریج کی ابو القاسم طبرانی نے اپنی مُعجم کبیر میں سعیدبن مسیب سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے،اور مسند امام اعظم کے حوالے سے دووجہیں یعنی"مرسل و متصل "ابن شداد اور ابن عباس سے گزرچکیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی، تواس طرح یہ بارہ"۱۲"حدیثیں ہوگئیں،

[1] الضعفاء الکبیر ترجمہ عبدالرحمن بن بشر ۹۱۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۳۲۴

[2] الضعفاء الکبیر ترجمہ محمدبن فرات الکوفی ۱۶۸۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۲۴۔۱۲۳

منها الصحيح ومنها الحسن وجل بقيتها ليس فيها مايسقطها عن درجة الاعتبار وحيز الانجبار والحسن ولولغيره كاف للاحتجاج فكيف وقد وجد لذاته، ونشير الٰى بعض تفاصيل ماهنا **حديث** ابن عمر اعله النسائی بعبد الملك بن نافع قال ليس بالمشهور ولايحتج بحديثه[1] **اقول:** فلم يقل لا يكتب وقال فی التقريب [2] مجهول وكذا قاله ابو حاتم والبيهقی، قال الامام البدر بعد نقل كلامهما **قلت** و ذكره ابن حبان فی الثقات من التابعين[3] اھ، **اقول:** قدروی هذا الحديث عنه العوام عند النسائی، والليث عند الطحاوی وابواسحٰق الشيبانی عندهما، وقرة العجلی عند الطحاوی، وابن ابی شيبة فارتفعت جهالة العين ولم يذكر بجرح قط

ان میں سے بعض صحیح اور بعض حسن ہیں، اور باقی متعدد وہ ہیں جن میں کوئی ایسی چیز نہیں پائی گئی جو ان کو درجہ اعتبار سے ساقط کردے، اور حسن اگرچہ لغیرہٖ ہو استدلال کے لئے کافی کافی ہوتی ہے، تو پھر کیاحال ہوگا جبکہ حسن لذاتہٖ پائی جائے، ! ہم اس کی کچھ تفصیلات کی طرف اشارہ کرتے ہیں: **حدیث** ابن عمر کی امام نسائی نے عبدالملک بن نافع کے سبب سے تعلیل فرمائی اور کہاکہ وہ مشہور نہیں اور اس کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی **اقول:** (میں کہتاہوں کہ) امام نسائی نے یوں نہیں کہاکہ اس کی حدیث لکھی نہیں جاتی، تقریب میں ہے کہ وہ مجہول ہے، ابوحاتم اور بیہقی نے یوں ہی کہا۔ امام بدر نے ان دونوں کاکلام نقل کرنے کے بعد کہا **قلت** (میں کہتاہوں کہ) ابن حبان نے اس کو ثقہ تابعین میں ذکر کیاہے اھ، **اقول:** (میں کہتاہوں) یہ حدیث اس سے عوام نے روایت کی نزدیک امام کسائی کے، اور لیث نے روایت کی امام طحاوی کے نزدیک، اور ابواسحٰق شیبانی نے روایت کی ان دونوں کے نزدیک، اور قرۃ العجلی نے روایت کی امام طحاوی اور ابن ابی شیبہ کے نزدیک، تواس طرح جہالت عین مرتفع ہوگئی اور جرح بالکل ذکر نہ کی گئی، روایت

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بها الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۳۳۲/۲

[2] تقریب التہذیب حرف العین ترجمہ عبدالملك بن نافع ۴۲۳۸ دار الکتب العلمیة بیروت ۶۲۱/۱

[3] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاشربة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳۴۴/۴

البتة فغایته ان کان مستورا لاسیماوھو من القرون المشھودلھا بالخیر التابعین والمستورمقبول عندنا والجمھور کمابیّنّاہ فی "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" فالحدیث لاینزل ان شاء الله عن درجة الحسن۔ حدیث ابی مسعود اعله بیحیٰی بن یمان قال لایحتاج بحدیثه لسوء حفظه وکثرة خطائه [1]۔ **اقول:** یحیٰی من رجال مسلم والاربعة۔ قال الحافظ، صدوق عابد یخطیئ کثیرا وقد تغیر [2] اھ وقد تابعه الیسع بن اسمٰعیل عن زید بن الحباب عن سفیٰن قال ابن الجوزی والیسع ضعیف [3] **قلت** قال فی المیزان ضعفه الدارقطنی [4] اھ وھو کماتری جرح مجرد **حدیث** ابن عباس من طریق القاسم بن بھرام، قال ابن الجوزی تفردبه

اس کی یہ ہے کہ وہ مستور ہے خصوصًا وہ ان زمانوں میں ہے جن کے لئے غیر کی شہادت دی گئی یعنی تابعین سے، اور مستور ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے، جیساکہ ہم نے اس کو "الھاد الکاف فی حکم الضعاف" میں بیان کیا۔ چنانچہ ان شاء الله العزیز یہ حدیث درجہ حسن سے نہیں گرے گی۔ امام نسائی نے یحیٰی بن یمان کے سبب سے حدیث ابی مسعود کی تعلیل کرتے ہوئے کہاکہ حافظہ کی کمزوری اور کثرت خطاء کی وجہ سے یحیٰی کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، **اقول:** (میں کہتاہوں) یحیٰی بن یمان امام مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے رجال میں سے ہے، حافظ نے کہاکہ وہ صدوق عابد ہے خطا زیادہ کرتا ہے اور وہ متغیر ہوا الخ اس کی متابعت کی یسع بن اسمٰعیل نے زید بن حباب کے حوالے سے جس نے سفیان سے نقل کیا، ابن جوزی نے کہا کہ یسع ضعیف ہے۔ **قلت** (میں کہتاہوں) میزان میں کہاکہ دارقطنی نے اس کو ضعیف قرار دیا الخ اور وہ جیساکہ تو دیکھتاہے کہ جرح مجرد ہے، حدیث ابن عباس بطریق قاسم بن بہرام ہے، ابن جوزی نے کہاکہ وہ اس میں متفرد ہے، ابن حبان نے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاخبار التی اعتل بھاالخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۳

[2] تقریب التھذیب حرف الباء ترجمہ ۷۶۷۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۳۰۹

[3] العلل المتناھیة کتاب الاشربة تحت حدیث ۱۱۲۴ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۲ /۱۸۷

[4] میزان الاعتدال ترجمہ الیسع بن اسمٰعیل ۹۷۸۴ دار المعرفة بیرت ۴ /۴۴۵

قال ابن حبان لایجوز الاحتجاج به بحال[1] اھ **قلت** فانما منع الاحتجاج وھذا اوھاھن فیما اعلم حدیث الحارث عن علی اعله فجرحه بعبدالرحمٰن بن بشر قال مجهول فی الروایة و النسب وحدیثه غیر محفوظ وانما یروی ھذا عن ابن عباس من قوله[2] اھ وقال الذی لایعرف والخبر منکر[3] اھ امّا الطریق المطول فاوھن واوھی فیه ابن الفرات کذبه احمد و ابوبکر بن ابی شیبة وقال خ منکر الحدیث[4] ثم مدارہ علی الحارث وفیه مالایجهل **حدیث** ابن عباس المذکور اٰخرا. **اقول:** لعل المحفوظ موقوف ھکذا رواہ الحفاظ عن ابن عباس قوله کما ستسمع ان شاء الله تعالٰی نعم ان ثبت الرفع بطریق جیّد فلك ان تقول زیادة ثقة فتقبل و یعضدہ مرسل عبدالله بن شداد المار	کہاکہ کسی حال میں اس سے استدلال جائز نہیں اھ **قلت** (میں کہتاہوں) اس سے استدلال کو منع کیاگیا اور میرے علم کے مطابق یہ کمزورعلت ہے وہ حدیث جو حارث نے علی سے لی اس کی تعلیل کی گی اور اس پر جرح کی گئی، عبدالرحمٰن بن بشر کے سبب سے کہاکہ وہ روایت ونسب میں مجہول ہے اوراس کی حدیث غیر محفوظ ہے،اوریہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کا قول روایت کرتاہے الخ اور کہاکہ یہ معروف نہیں اورحدیث منکر ہے الخ اور کہاکہ یہ معروف نہیں اور حدیث منکر ہے الخ رہاطریق طویل وہ انتہائی کمزوراور ضعیف ہے اس میں ابن فرات ہے جس کو امام احمد اورابوبکر بن ابی شیبہ نے جھوٹا کہا۔خ نے کہاکہ منکر الحدیث ہے، پھر اس کامدار حارث پرہے اوراس میں وہ ہے جومجہول نہیں۔ ابن عباس کی دوسری مذکور حدیث،**اقول:** (میں کہتاہوں) شاید محفوظ موقوف ہے،یونہی حفاظ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان کاقول روایت کیاجیساکہ عنقریب ان شاء اللہ توسنے گا،ہاں اگراس کا مرفوع ہونابطریق جیّد ثابت ہو جائے تویہ کہہ کر ثقہ راوی نے زائد بات کی ہے لہٰذامقبول ہے، اوراس کی تائید عبداللہ بن شداد کی مرسل حدیث کرتی ہے۔

---

[1] العلل المتناھیه کتاب الاشربه تحت حدیث ۱۱۲۳ دار نشر الکتب الاسلامیه لاہور ۲/ ۱۸۶

[2] نصب الرایه کتاب الاشربه تحت الحدیث التاسع المکتبة الاسلامیه ۴/ ۳۰۶

[3] میزان الاعتدال ترجمه عبدالرحمن بن بشر الغطفانی ۴۸۲۱ دار المعرفة بیروت ۲/ ۵۵۰

[4] تہذیب التہذیب ترجمه محمد بن الفرات ۶۴۸ دائرۃ المعارف النظامیه حیدرآباد دکن ۹/ ۳۹۷

حدیث زید الشهید لم اقف علی اول سنده فاللّٰه تعالٰی اعلم امازید عن آبائه الکرام فمن اصح الاسانید۔**حدیث** ابی هریرة **اقول**: فیه مسلم بن خالد شیخ الامام الشافعی وثقه ابن حبان وابن معین وقال مرة ضعیف وقال ابن عدی حسن الحدیث وقال خ منکر الحدیث[1] وجملة القول فیه، کما فی التقریب فقیه صدوق کثیر الاوهام[2]. **قلت** و العامة کالبخاری وابن المدینی وابی حاتم وابی داؤد و الناجی علی تضعیفه ومع ذاك فلیس ممن یسقط حدیث ابی موسٰی **اقول**: فیه شریك ولاعلیك من شریك الرجل من رجال مسلم والاربعة والبخاری فی التعالیق وقد وثقه یحیٰی بن معین قال النسائی لیس به بأس، وقال الذهبی فی تذکرة الحفاظ کان شریك حسن الحدیث اماما فقیها ومحدثا مکثرا لیس فی الاتقان کحماد

حدیث زید شہید کی سند کے اول پر میں واقف نہیں ہوا، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے لیکن زید کی روایت اس کے آباء کرام سے صحیح ترین سندوں میں سے ہے۔**حدیث** ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں مسلم بن خالد ہے جو امام شافعی علیہ الرحمہ کا شیخ ہے، ابن حبان اور ابن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا، اور ایک مرتبہ کہا کہ ضعیف ہے۔ ابن عدی نے کہا حسن الحدیث ہے، خ نے کہا منکر الحدیث ہے، ان کے بارے میں تمام قول ہیں جیسا کہ تقریب میں ہے کہ وہ فقیہ، صدوق اور زیادہ وہم والا ہے، **قلت** (میں کہتا ہوں) عام محدثین کرام جیسے بخاری، ابن المدینی، ابوحاتم، ابوداؤد اور ناجی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ساقط الاعتبار نہیں ہے۔ حدیث ابوموسٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ **اقول**: (میں کہتا ہوں) اس میں شریک ہے وہ امام مسلم، اصحاب اربعہ اور تعالیق میں امام بخاری کے رجال میں سے ہے۔ یحیٰی بن معین نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں کہا کہ شریک حسن الحدیث، امام، فقیہ، محدث اور مالدار شخص تھا مگر اتقان میں حماد

[1] میزان الاعتدال ترجمہ مسلم بن خالد ۸۴۸۵ دار المعرفۃ بیروت ۱۰۲/۴، تہذیب التہذیب ترجمہ مسلم بن خالد ۲۲۸ دار المعرفۃ بیروت ۱۲۹/۱۰

[2] تقریب التہذیب حرف المیم ترجمہ مسلم بن خالد ۶۶۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۷۸/۲

بن زید [1] الخ وفی تهذیب التهذیب قال العجلی کوفی ثقة وکان حسن الحدیث، قال عبدالرحمٰن وسألت ابی عن شریك وابی الاحوص ایهما احب الیك قال شریك وقد کان له اغالیط وقال ابن عدی الغالب علٰی حدیثه الصحة، وقال ابن سعد کان ثقة مامونا کثیرا الحدیث وکان یغلط، وقال ابوداؤد ثقة یخطی عن الاعمش وقال ابراهیم الحری کان ثقة وقال معٰویة بن صالح سألت احمد بن حنبل عنه فقال کان عاقلا صدوقا محدثا شدیدا علی اهل الریب والبدع [2] الخ لاسیما وروایته ههنا عن ابی اسحٰق و قد قال الامام احمد بن حنبل شریك فی ابی اسحٰق اثبت من زهیر و اسرائیل وزکریا قال وسمع منه قدیما [3] وقال یحیٰی بن معین شریك فی ابی اسحٰق احب الینا من اسرائیل [4] ولامعجز فی السند سوی هذا غیران الفضیل	بن زید کی مثل نہیں تھا الخ۔اور تہذیب التہذیب میں ہے عجلی کوفی نے کہاکہ شریک ثقہ اور حسن الحدیث ہے۔عبد الرحمٰن نے کہاکہ میں نے اپنے باپ سے پوچھاکہ شریک اور ابوالاحوص میں سے آپ کو زیادہ پسند کون ہے توانہوں نے کہاشریک، حالانکہ اس کی کئی غلطیاں بھی ہیں۔ابن عدی نے کہا اس کی حدیث پر غالب صحت ہے۔ابن سعد نے کہاکہ وہ ثقہ،مامون اور کثیر الحدیث ہے حالانکہ وہ غلطی کرتاہے۔ ابو داؤد نے کہاکہ وہ ثقہ ہے اوراعمش سے روایت میں خطا کرتا ہے۔ابراہیم حربی نے کہاثقہ ہے۔معاویہ بن صالح نے کہا میں نے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ سے اس کے بارے میں پوچھاتوانہوں نے فرمایاکہ وہ عاقل، صدوق، محدث اور شک وبدعت والوں پر سخت ہے الخ خصوصًا یہاں پر اس کی ابو اسحاق سے روایت۔اور امام احمد بن حنبل نے فرمایا شریک ابواسحٰق کے بارے میں اثبت ہے بنسبت زہیر،اسرائیل اور زکریاکے، حالانکہ اس سے بہت پہلے سناہے یحیٰی بن معین نے کہاکہ شریک ابواسحٰق کے بارے میں میرے نزدیک اسرائیل سے زیادہ پسندیدہ ہے۔اس کوسوائے س کے سند میں کوئی عاجز کرنے والا نہیں۔مگر فضیل

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ شریك بن عبداللہ ۲۳ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباددکن ۱/ ۲۱۴

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباددکن ۴/ ۳۳۵تا۳۷

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۵۷۷ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباددکن ۴/ ۳۳۴

[4] میزان الاعتدال ترجمہ شریك بن عبداللہ الکوفی ۳۶۹۷ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۷

بر مرزوق یرویه عن ابی اسحٰق وفیه قال النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اشربا ولاتشربا مسکرا تابعه عبداللّٰه بن رجاء عن اسرائیل عن ابی اسحٰق اوعن شریك عنه علی اختلاف النسخ رواهما الطحاوی[1]۔ واخرجه البخاری فی المغازی من طریق سعید بن ابی بردہ عن ابیه عن ابی موسٰی وفیه قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کل مسکر حرام[2] واحضرہ النسائی و اخرج کذٰلك من طریق طلحة الایامی واخری من جهة الشیبانی کلیهما عن ابی بردة واخرج من طریق اسرائیل عن ابی اسحٰق عن ابی بردة وفیه قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اشرب ولاتشرب مسکرا[3]۔ ومن طریق ابی بکر بن ابی موسٰی عن ابیه وفیه قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لاتشرب مسکرا فانی	بن مرزوق نے اس کو ابواسحٰق سے روایت کیااوراس میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ پیو اور نشہ کی حدتک مت پیو۔اس کی متابعت کی عبداللہ بن رجاء نے انہوں نے اسرائیل سے انہوں نے ابواسحٰق سے روایت کی، یاشریک نے ابواسحاق سے روایت کی یعنی نسخوں میں اختلاف ہے۔ان دونوں کو امام طحاوی نے روایت کیا۔امام بخاری نے مغازی میں بطریق سعید بن ابوبردہ تخریج کی، سعید نے ابوبُردہ سے اورانہوں نے ابوموسٰی اشعری سے روایت کی اوراس میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاہر نشہ آور حرام ہے۔امام نسائی نے اس کو ذکرکیا اوراسی طرح بطریق طلحہ ایامی اورایک دوسری روایت کی بطریق شیبانی تخریج کی،دونوں ہی ابوبردہ سے مروی ہیں، اوربطریق اسرائیل تخریج کی اسرائیل نے ابواسحاق سے، اور اس نے ابوبردہ سے روایت کی،اس میں یوں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایاکہ پی اورنشے کی حد تک مت پی، اوربطریق ابوبکر بن ابوموسٰی بحوالہ تخریج کی،اس میں یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نشہ کی حدتک مت پی اس لئے کہ میں نے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۰

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث ابوموسٰی ومعاذالی الیمن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۲۲

[3] سنن النسائی کتاب الاشربہ تحریم کل شراب اسکر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۲۵

حرمت کل مسکر [1] وقد علمت ان لاتنافی بین ھٰذہ و بین روایۃ اشربا ولاتسکرا فان المسکر ھو المسکر بالفعل کما ان القاتل ھو القاتل بالفعل لامن یقدر علیه ویصح منه فاذن تتوافق الآثار ولاتتضاد کما سمعت من کلام الامام الطحاوی **حدیث** القیسی **اقول:** ھذا حدیث حسن رجاله کلھم ثقات۔قال فی المیزان اما محمّد بن خزیمة شیخ الطحاوی فمشھور ثقة [2] اھ ونص فی التقریب فی بقیة الرجال انھم ثقات غیر ان قال فی عثمان الموذن من رجال البخاری ثقة تغیر فصار تلقن [3] اھ وقد نص المحقق علی الاطلاق فی باب الشھید من الفتح ان الآخذ من المختلط اذا لم یعلم متی اخذ منه لم ینزل الحدیث عن الحسن [4] **حدیث** قیس بن حَبتَر عن ابن عباس **اقول:** حدیث حسن صحیح

ہر نشہ آور کو حرام کر دیا ہے۔ تحقیق تجھے معلوم ہوگیا کہ اس روایت میں اور دوسری روایت میں جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیو اور نشہ میں مت آؤ کوئی منافات نہیں، اس لئے کہ نشہ آور وہی ہے جو بالفعل نشہ آور ہو، جیسا کہ قاتل وہی ہے جو بالفعل قاتل ہو نہ کہ وہ جو قتل پر قادر ہو۔ تو اس طرح آثار میں باہم موافقت ہوگئی اور کوئی تضاد نہ رہا، جیسا کہ امام طحاوی کے کلام سے تو نے سنا۔ **حدیث** قیسی **اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ حدی حسن ہے، اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ میزان میں کہا کہ محمد بن خزیمہ جو امام طحاوی کا شیخ ہے وہ مشہور اور ثقہ ہے الخ۔ تقریب میں باقی رجال کے بارے میں تصریح کی گئی کہ وہ ثقہ ہیں، مگر عثمان الموذن کے بارے میں کہا کہ وہ امام بخاری کے رجال میں ہے ثقہ ہے متغیر ہوگیا تھا اسے تلقین کی جاتی تھی الخ۔ محقق علی الاطلاق نے فتح کے باب میں الشھید میں تصریح کی کہ مختلط سے حدیث لینے والا اگر یہ نہ جانے کہ کب، اس سے حدیث لی تو وہ حدیث حسن کے درجہ سے نہیں گرتی۔ حدیث قیس بن حبتر بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، **اقول:** (میں کہتا ہوں) حدیث حسن صحیح ہے

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة تفسیر البتع والمزر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۲۵

[2] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن خزیمه ۷۴۸۶ دار المعرفة بیروت ۳/ ۵۳۷

[3] تقریب التھذیب ترجمه عثمان بن الھیثم ۴۵۴۱ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۶۶۶

[4] فتح القدیر

لامغمز فیه اصلا رجاله کلهم ثقات اجلاء۔حدیث ابن مسعود من اصح الاحادیث واجلها مروی بلسلة الذهب کماتری ولله الحمد۔	اس میں کوئی عیب نہیں اس کے تمام رجال بلند مرتبہ ثقہ ہیں۔حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ صحیح ترین اور عظیم ترین احادیث میں سے ہے جو بطور سلسلۃ الذھب مروی ہے جیسا کہ تودیکھتاہے اور اللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔
الثانی:الآثار فی الباب عن امیرالمؤمنین قدتواترت ولم تقدر الخصوم علی ردها فعدلوا الی التاویل وادعاء الرجوع اما التاویل فاسند النسائی عن ابن المبارك ماتقدم من قوله من قبل ان یشتد واسند عن عتبة بن فرقد قال کان النبیذ الذی یشرب به عمر بن الخطاب قد خُلِل [1]۔**اقول**: من نظر الآثار التی اتت عن امیرالمومنین کالشمس تیقن ان لامساغ لهذین التاویلین فیها اصلا وان لم تکن فیها جلائل تصریحات الاشتداد لکان حسبك مافی المؤطا من قول عبادة رضی الله تعالٰی عنه احللتها والله [2] فای مساغ کان لهذا لوکان لم یشتد او	**دوسری بحث**:اس باب میں امیرالمومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تواتر کے ساتھ آثار منقول ہیں۔مخالفین ان کے رد پر قادر نہیں،لہٰذاانہوں نے تاویل کی طرف عدول کیااور رجوع کادعوی کیا،رہی تاویل تو وہ یوں کہ امام نسائی نے ابن مبارک سے امیرالمومنین کے اس قول مذکورکے بارے میں بیان کیاکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قبل اس کے کہ وہ سخت ہوجائے۔اور عتبہ بن فرقد سے بیان کیاکہ جونبیذ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ پیتے تھے وہ سرکہ بنالی گئی ہوتی۔**اقول**:(میں کہتاہوں)جس نے ان آثار میں نظر کی جو امیر المومنین سے سورج کی طرح واضح طورپر منقول ہیں وہ یقین کرلے گاکہ ان دونوں تاویلوں کی ان میں گنجائش نہیں اگرچہ اس میں نبیذ کی شدّت کے بارے میں عظیم تصریحات نہ بھی ہوتیں،تومجھے عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مؤطا میں منقول وہ قول کفایت کرتاکہ انہوں نے امیرالمومنین سے کہاکہ بخدا کیاآپ نے اس کو

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکراخبار التی اعتل بها الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۳

[2] مؤطاالامام مالك کتاب الاشربة باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد خانہ کراچی ص۶۹۵

تخلل واما ادعاء الرجوع فقال النسائی مما یدل علی صحۃ ھٰذا حدیث السائب فذکر ما اسند مالك عن ابن شھاب عن السائب بن یزید ان عمر بن الخطاب خرج علیھم فقال انی وجدت من فلان ریح شراب فزعم انه شراب الطلاء وانا سائل عما شرب فان کان مسکرا جلدته فجلده عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه الحد تامًّا [1] اھ ورواہ ایضا الشافعی وعبد الرزاق وابن وھب وابن جریر والطحاوی والبیھقی وتبعه الزرقانی فی شرح المؤطا فقال تحت حدیث محمود بن لبید المار عن المؤطا کان عمر اجتھد فی تلك المرۃ ثم رجع عنه فحد ابنه فی شرب الطلاء کما مر [2] اھ۔ **اقول:** رحم الله ابا عبدالرحمٰن کان مذھب امیر المؤمنین

حلال کردیا، اگر وہ نبیذ سخت نہ ہوئی یا سرکہ بن چکی ہوئی تو اس قول کی کیا گنجائش بنتی۔ رہا رجوع کا دعوٰی تو امام نسائی نے کہا کہ اس کے صحیح ہونے کی دلیل حدیث سائب ہے، اس کے بعد پھر وہ حدیث ذکر فرمائی جس کو مالک نے ابن شہاب انہوں نے سائب بن یزید سے روایت کی کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور فرمایا کہ میں نے فلاں سے شراب کی بو پائی ہے اور گمان کیا کہ وہ شراب طلاء ہے اگر وہ نشہ آور ہوئی تو میں اس کو کوڑے لگاؤں گا پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر مکمل حد جاری فرمائی الخ، اور اس کو امام شافعی، عبدالرزاق، ابن وہب، ابن جریر، طحاوی اور بیہقی نے بھی روایت کیا، اور زرقانی نے شرح مؤطا میں اس کی پیروی کرتے ہوئے اس حدیث محمود بن لبید کے تحت فرمایا جو کہ مؤطا کے حوالے سے گزرگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس مرتبہ اس بارے میں اجتہاد فرمایا تھا پھر اس سے رجوع فرمالیا، چنانچہ طلاء کے پینے پر حد جاری فرمائی، جیسا کہ گزرا الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی ابو عبدالرحمٰن پر رحم فرمائے۔ امیر المومنین

Majlis of DawateIslami

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۲ /۳۳۱

[2] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الاشربہ جامع تحریم الخمر تحت حدیث ۱۶۴۵ دار المعرفۃ بیروت ۴ /۱۷۴

تحلیل القلیل والحد فی الکثیر اما سمعت الٰی قولہ فی جواب المعتذر انما شربتہ من قربتك انما جلدناك لسکرك فان جلد فی السکر فاین الدلیل علی حرمۃ القلیل و لیت شعری متی رجع وقد شربہ فی طعنتہ التی انتقل فیھا الی الفراد لیس العُلٰی کما تقدم من حدیث عمرو بن میمون۔

الثالث: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب، اخرجہ النسائی فقال اخبرنا ابوبکر بن علی اخبرنا القواریری ثنا عبدالوارث قال سمعت ابن شبرمۃ یذکرہ عن عبداللہ بن شداد بن الھاد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرمت الخمر قلیلھا وکثیرھا والسکر من کل شراب[1] وھو کما تری

رضی اللہ تعالٰی عنہ کامذہب یہ تھاکہ قلیل حلال ہے اور حد کثیر میں جاری فرمائی۔ کیاتونے امیر المومنین کاوہ جواب نہیں سناجوآپ نے اس شخص کودیا جس نے یہ عذر پیش کیاتھاکہ میں نے آپ کے مشکیزے سے شراب پی ہے، جواب یہ تھاکہ ہم نے تجھے نشہ کی وجہ سے کوڑے لگائے ہیں تو اس میں قلیل کی حرمت پر دلیل کہاں سے آئی، کاش میرا علم حاضر ہو آپ نے رجوع کب فرمایاحالانکہ آپ نے اسے نیزے کے اس زخم کے موقع پر نوش فرمایاجس زخم میں آپ فردوس اعلٰی کی طرف منتقل ہوگئے جیساکہ حدیث عمرو بن میمون کے حوالہ سے گزرچکا۔

تیسری بحث: حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔ امام نسائی نے اس کی تخریج کی، چنانچہ فرمایا ہمیں ابوبکر بن علی نے خبر دی انہوں نے کہاہمیں قواریری نے خبر دی انہوں نے کہا ہمیں عبدالوارث نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ میں نے ابن شبرمہ کو عبداللہ بن شداد بن الہاد سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ذکر کرتے ہوئے سنا، ابن عباس نے کہاکہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کردیاگیا اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے، اور وہ جیساکہ تو دیکھتا ہے

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۱

سند نظیف نفیس، ابوبکر ھو احمد بن علی بن سعید ثقة حافظ، والقواریری عبیداللہ بن عمر بن میسرة ثقة ثبت من رجال الشیخین، وعبدالوارث ھو ابن سعید بن ذکوان ثقة ثبت من رجال الستة، وابن شبرمة ثقة فقیه من رجال مسلم، وعبداللہ بن شداد ثقة فقیه جلیل من رجال الستة ولد علی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی عله وسلم ومثله او انظف واجود ماقدمنا من سند الامام الطحاوی، فهد ھو ابن سلیمٰن بن یحیٰی ثقة، وابونعیم ھو الفضل بن دُکین ثقة ثبت من رجال السته من کبار شیوخ خ، بینه الحافظ ابوکر بن ابی خیثمة اذا روی ھٰذا الحدیث فی تاریخه فقال حدثنا ابونعیم الفضل بن دُکّین ثنا مسعر عن ابی عون کما سیأتی، ومسعر من لایجهل ثقة ثبت فاضل فقیه من رجال الستة، وابوعون ھو محمد بن عبیداللہ الثقفی ثقة من رجال الستة الا ابن ماجة، وعبداللہ عبداللہ بیدان اباعبدالرحمٰن	صاف ستھری عمدہ سند ہے۔ ابوبکر احمد بن علی بن سعید ثقہ اور حافظ ہے۔ قواریری عبیداللہ بن عمر بن میسرہ ثقہ، ثبت اور شیخین کے رجال میں سے ہے۔ عبدالوارث ابن سعید بن ذکوان ثقہ، ثبت اور اصحاب صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابن شبرمہ عبداللہ ابوشبرمہ ثقہ، فقیہ اور امام مسلم کے رجال میں سے ہے۔ عبداللہ بن شداد ثقہ، فقیہ جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوا، اور اس کی مثل یا اس سے زیادہ نظیف اور زیادہ جید امام طحاوی کی وہ سند ہے جسے ہم پہلے ذکر کر آئے۔ فہد ابن سلیمان بن یحیٰی ثقہ ہے۔ ابونعیم فضل بن دکین ثقہ، ثبت، صحاح ستہ کے رجال اور بڑے شیوخ میں سے ہے، "خ" اس کو حافظ ابوبکر بن خیثمہ نے بیان کیا جب انہوں نے اپنی تاریخ میں یہ حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے حدیث بیان کی انہوں نے مسعر سے انہوں نے ابوعون سے، جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ مسعر وہ ہے جو مجہول نہیں ثقہ، ثبت، فاضل، فقیہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ ابوعون محمد بن عبیداللہ ثقفی ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے ابن ماجہ کے، اور عبداللہ عبداللہ ہے مگر جب ابوعبدالرحمٰن

حاول ان یخدشه فاتی بوجهین احدهما ان ابی شبرمة لم یسمعه عن عبدالله بن شداد اخبرنا ابوبکر بن علی ثنا سریج بن یونس ثنا هشیم عن ابن شبرمة قال حدثنی الثقة عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما قال حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها والسکر من کل شراب[1] اھ۔اقول: الحمد لله قد علم الثقة اخرج البزار فی مسنده حدثنا محمد بن حرب ثنا ابو سفیٰن الحمیری ثنا هُشَیم عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنی عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما فذکرہ قال وقد رواہ عن ابوعون عن عبدالله بن شداد و رواہ عن ابی عون مسعر والثوری و شریك لانعلم رواہ عن ابن شبرمة عن عمار الدّهنی عن ابن شدّاد عن ابن عباس الا هشیم ولا عن هشیم الا ابوسفیٰن ولم یکن

نے ارادہ کیا کہ اس پر عیب لگائے تو وہ دو وجہیں لایا جن میں سے ایک یہ ہے کہ ابن ابی شبرمہ نے اس کو عبداللہ بن شداد سے نہیں سنا۔ ہمیں خبر دی ابوبکر بن علی نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی سریج بن یونس نے اور انہیں بیان کی ہشیم نے ابن شبرمہ سے انہوں نے کہا کہ مجھے حدیث بیان کی ثقہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے فرمایا کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کر دی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام کیا گیا الخ۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) الحمدللہ معلوم ہوگیا کہ وہ ثقہ ہے۔ بزاز نے اپنی مسند میں تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں محمد بن حرب نے حدیث بیان کی اور انہیں ابوسفیان حمیری نے انہیں ہشیم نے ابن شبرمہ سے حدیث بیان کی اور ابن شبرمہ نے عمار الدھنی سے اس نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی پھر اسی حدیث کو ذکر کیا اور کہا کہ اس کو روایت کیا ہے ابوعون نے عبداللہ بن شدّاد سے اور اس کو روایت کیا ابوعون سے مسعر، ثوری اور شریک نے اور معلوم نہیں کہ اس کو روایت کیا ہے ابن شبرمہ سے انہوں نے عمار دُہنی سے انہوں نے ابن شداد سے انہوں نے ابن عباس سے سوائے ہشیم کے، اور نہ ہشیم سے سوائے ابوسفیٰن کے۔ اور یہ

---

[1] سنن النسائی کتاب الاشربہ ذکر اخبار التی اعتل بہا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۱

هٰذا الحدیث الا عند محمد بن حرب وکان واسطیاً ثقة [1] اھ، **قلت** وابوسفیٰن الحمیری ھو سعید بن یحیٰی صدوق وسط من رجال البخاری قال الحافظ المنذری فی الترغیب ثقة مشھور [2] اھ وقد قال الذھبی فی المیزان فی بیان مجاھیل الاسم اعنی تعیین من ابھم اسمه عبدالله بن شبرمة عن الثقة فی الخمر جاء مبینا انه عمار الدھنی [3] اھ وعمار ھو ابن معٰویة ابومعٰویة الکوفی صدوق من رجال الستة الا البخاری قال الذھبی وثقة احمد وابن معین وابوحاتم والناس وماعلمت احدا تکلم فیه الا العقیلی فتعلق علیه بما سأله ابوبکر بن عیاش اسمعت عن سعید بن جبیر قال لا قال فاذھب [4] اھ، **قلت** وناھیك توثیق الائمة وانه شیخ شعبة والسفیانین	حدیث نہیں مگر محمد بن حرب کے نزدیک، اور وہ واسطی ہیں اور ثقہ ہیں اھ، **قلت** (میں کہتاہوں) ابوسفیٰن حمیری وہ سعید بن یحیٰی ہے جو صدوق، وسط اور بخاری کے رجال میں سے ہے۔ حافظ مُنذری نے ترغیب میں کہاکہ وہ ثقہ مشہور ہے الخ۔ ذہبی نے میزان میں ان لوگوں کے بیان میں جن کے نام مجہول اور مبہم ہیں ان کی تعیین کرتے ہوء کہاکہ اس کا نام عبداللہ بن شبرمہ ہے اس نے خمر کے معاملے میں ثقہ سے روایت کی وہاں اس بات کو واضح کیاہے کہ وہ عمار الدھنی ہے الخ عمار وہ ابن معاویہ ابومعاویہ کوفی، صدوق اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے سوائے بخاری کے۔ ذہبی نے کہاکہ اس کو احمد، ابن معین، ابوحاتم اور کئی لوگوں نے ثقہ قرار دیا ہے۔ میں نہیں جانتاکہ کسی نے اس میں کلام کیا ہے سوائے عقیلی کے۔ چنانچہ عقیلی نے اس پر معلق کیاجو اس سے ابوبکر بن عیاش نے پوچھاکہ کیا تو نے سعید بن جبیر سے سنااس نے کہا نہیں تو ابوبکر نے کہاکہ جا الخ، **قلت** (میں کہتاہوں) تجھے یہ بات کافی ہے کہ جن ائمہ کرام نے عمار کی توثیق کی ہے وہ شیخ شعبہ اور دوسفیان

[1] نصب الرایة بحواله البزار فی مسندہ کتاب الاشربة تحت الحدیث التاسع المکتبة الاسلامیه ۴ /۳۰۷

[2] الترغیب والترھیب

[3] میزان الاعتدال فصل فی المجاہیل الاسم ترجمه عبدالله ابن شبرمة ۱۰۹۲۷ دار المعرفة بیروت ۴ /۶۰۳

[4] میزان الاعتدال فصل فی المجاہیل الاسم ترجمه عمار بن معاویه ۶۰۰۵ دار المعرفة بیروت ۳ /۱۷۰

ولاعلیك من دندنة العقیلی فقد اخذ یلین ذاك الجبل المشامخ علی بن المدینی الذی قال فیه البخاری ما استصغرت نفسه الا عنده وقد اورد الامام موسی الکاظم فی الضعفاء فحسبنا الله ولا حول ولاقوة الا بالله. وبالجملة ان کان ابن شبرمة یرسله تارة ویبهم اخری ویبین مرة فتبین العدل فکان ماذا. ثمّ اخذ ابو عبد الرحمٰن یلین ھذا بھشیم قال وھشیم بن بشیر کان یدلّس ولیس فی حدیثه ذکر السماع من ابن شبرمة۔ **اقول:** ھشیم ثقة ثبت من رجال الستة وقد بت سماعه ھذا الحدیث عن ابن ابی شبرمة اخرج ابوبکر بن ابی خیثمة قال حدثنا ایوب عن یزید بن ھارون عن قیس ثنا ابی ثنا ھشیم اخبرنی ابن شبرمة عن عبد الله بن شدّاد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعینها قلیلها وکثیرها و	ہیں، اور تو مت توجہ دے عقیلی کی بھنبھناہٹ کی طرف، وہ تو علی مُدینی جیسے بلند پہاڑ کو نرم اور کمزور قرار دیتا ہے جس کے بارے میں امام بخاری نے کہا کہ میں اپنے آپ کو چھوٹا نہیں سمجھتا مگر علی بن مدینی کے پاس، اور اس نے امام موسٰی کاظم کو ضعفاء میں وارد کیا، پس الله تعالٰی ہی ہمیں کافی ہے اور الله تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت۔ خلاصہ یہ کہ ابن شبرمہ کبھی اس میں ارسال کرتا ہے کبھی اس کو مبہم بیان کرتا ہے اور کبھی اس کو ظاہر کرتا ہے۔ پس عدل ظاہر ہوگیا تو یہ کیا ہے، پھر ابو عبد الرحمٰن اس کو ہُشیم کے سبب سے نرم قرار دینے لگے، اور کہا کہ ہشیم بن بشیر تدلیس کرتا تھا اور اس کی حدیث میں ابن شبرمہ سے سماع کا ذکر نہیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہشیم ثقہ، ثبت اور اصحاب ستہ کے رجال میں سے ہے اور اس کا اس حدی کو سننا ابن شبرمہ سے ثابت ہے۔ ابوبکر بن ابو خثیمہ نے تخریج کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں ایوب نے یزید بن ہارون سے انہوں نے قیس سے حدیث بیان کی، قیس نے کہا مجھے میرے باپ نے انہوں نے کہا مجھے ہشیم نے انہوں نے کہا مجھے ابن شبرمہ نے عبدالله بن شداد سے بحوالہ ابن عباس رضی الله تعالٰی عنہما حدیث بیان کی، ابن عباس نے کہا کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل و کثیر حرام کردی گئی اور

السکر من کل شراب [1]،وقد علمت من کلام البزار ان عامة الحفاظ انما رووہ عن ابن شبرمة عن ابن شداد ولم یدخل بینهما رجلا الا هُشَیم حیث عنعن ووافق الجماعة حیث نص علی سماع نفسه من ابن شبرمة وسماع ابن شبرمة من ابن شداد صحیح فاذن انما کان الاولی بالطرح کونه بواسطة انه لم یثبت بسند یثبت وثانیها ان خالفه ابوعون اخبرنا محمد بن عبداللہ بن الحکم ثنا محمد(غندر)ح واخبرنا الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا محمد بن جعفر ثنا شعبه عن مِسعَر عن ابی عون عن عبداللہ بن شدّاد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قالت حرمت الخمر بعینها قلیلها و کثیرها والمسکر من کل شراب لم یذکر ابن الحکم قلیلها وکثیرها،اخبرنا الحسین بن منصور ثنا احمد بن حنبل ثنا ابراهیم بن ابی العباس ثنا شریك عن عباس بن ذریع عن ابی عون	ہر شراب سے نشہ حرام کیاگیا،اور تحقیق بزار کے کلام سے تجھے معلوم ہوچکاکہ عام حفّاظ نے اس کو روایت کیا۔ابن شبرمہ سے اس نے ابن شدّاد سے ان دونوں کے درمیان سوائے ہشیم کے کسی مرد کو داخل نہیں کیا۔ہشیم نے جہاں عنعنہ کے طورپر حدیث بیان کی اس میں انہوں نے جماعت کی موافقت کی کیونکہ انہوں نے اس بات پر نص کی کہ ان کا ابن شبرمہ سے سماع اور ابن شبرمہ کا ابن شداد سے سماع صحیح ہے تو اس صورت میں اس کا ترک اولٰی ہے کیونکہ سند ثابت سے اس کا ثبوت نہیں ہوا،اور دوسری وجہ یہ کہ ابوعون نے اس کی مخالفت کی،ہمیں خبر دی عبداللہ بن حکم نے،اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی محمد یعنی غُندر نے،اس نے کہا ہمیں خبر دی حسین بن منصور نے،اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے،انہوں نے کہا ہمیں محمد بن جعفر نے،انہوں نے کہا ہمیں شعبہ نے مِسعر سے،اس نے ابوعون سے،اس نے عبداللہ ابن شداد سے،اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث بیان کی کہ خمر بعینہٖ یعنی قلیل وکثیر حرام کر دیا گیا اور ہر شراب سے نشہ آور مقدار حرام ہے۔ابن حکم نے قلیل وکثیر کا ذکر نہیں کیا۔ہمیں حسین بن منصور نے خبر دی،اس نے کہا ہمیں امام احمد بن حنبل نے،اور انہیں ابراہیم ابن ابوالعباس نے،انہیں ابن شریک نے حدیث بیان کی اور شریک نے عباس بن ذریع سے،اس نے ابوعون سے،

[1] حواشی مسند امام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خیثمه فی تاریخه کتاب الاطعمه والاشربة نور محمد کارخانہ کراچی ص ۲۰۳،سنن النسائی ذکر اخبار التی اعتل بها نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۲/ ۳۳۱

عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر قلیلها وکثیرها وما اسکر من کل شراب قال ابوعبدالرحمٰن وھٰذا اولٰی بالصواب من حدیث ابی شبرمة [1] ۔اقول:رحم اللہ ھٰؤلاء المحدثین لوانا قدمنا روایة الامام العابد الفاضل شریك الذی کان یخطی کثیرا وقد تغیر ولم یحتج البخاری ولامسلم فی شیئ من الاصول وقال یحیٰی بن سعید ضعیف جدا،وقال ابن المثنٰی مارأیت یحیٰی ولاعبدالرحمٰن حدثا عن شریك شیئا [2] وقال عبدالجبار بن محمد قلت لیحیٰی بن سعید زعموا ان شریکا انما خلط باٰخرہ قال مازال مخلطا وعن ابن المبارك قال لیس حدیث شریك بشیئ وقال الجوزجانی سیئ الحفظ مضطرب الحدیث مائل وقال ابراهیم بن سعیدالجوهری اخطاء شریك فی اربعمائة حدیث وروی معاویة بن صالح عن ابی معین صدوق ثقة الاانه اذاخالف فغیرہ	اس نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر کا قلیل وکثیر حرام کردیا گیااور ہر شراب سے وہ مقدار حرام کردی گئی جو نشہ دے۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا یہ ابن شبرمہ کی حدیث سے درست ہونے میں اولٰی ہے۔**اقول:** (میں کہتاہوں) اللہ تعالٰی ان محدثین کرام پر رحم فرمائے۔اگرہم امام عابد فاضل شریک کی روایت کاعیب تسلیم کرلیں جو کثرت سے خطا کرتے اور متغیر ہو گئے۔امام بخاری اورامام مسلم کسی بھی اصول میں اس سے استدلال نہ کرتے۔یحیٰی بن سعید نے کہاوہ بہت ضعیف ہے۔ ابن مثنٰی نے کہامیں نے نہیں دیکھانہ عبدالرحمٰن نے شریک سے کوئی حدیث بیان کی۔عبدالجبار بن محمد نے کہاکہ میں نے یحیٰی بن سعید کو کہاکہ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ شریک نے آخر میں خلط ملط کیاہے اس نے کہاکہ وہ ہمیشہ خلط ملط کرتارہا۔ ابن مبارک نے کہاکہ حدیث شریک کوئی شے نہیں۔ جوزجانی نے کہاکہ وہ کمزورحافظے والا، مضطرب حدیث والا اور کجروتھا۔ابراہیم بن سعید جوہری نے کہاکہ شریک نے چارسو حدیثوں میں خطاکی۔معاویہ بن صالح نے ابومعین سے روایت کی کہ وہ صدوق اور ثقہ ہے مگرجب وہ کسی کی مخالفت کرے تواس کا

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکراخبار التی اعتل بها الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۱

[2] میزان الاعتدال ترجمہ شریك بن عبداللہ ۳۶۹۷ دار المعرفة بیروت ۲ /۲۷۰

احب الینا منه وقال مرة ثقة الا انه یغلط ولا تتیقن وقال الدار قُطنی لیس بالقوی فیما ینفرد به [1] وقال ابو احمد الحاکم لیس بالمتین [2] وکذٰلك قلت انت مرة یا اباعبدالرحمٰن انه لیس بالقوی وقال الازدی کان صدوقا الا انه سیئ الحفظ کثیرالوهم مضطرب الحدیث کما فی تهذیب التهذیب [3] علی عــہ۱ روایة ابن شبرمة ذاك الامام الشهیر الثقة الفقیه المحتج به فی صحیح مسلم وثقه احمد وابو حاتم فضلا عن حدیث الامام الاجل الثقة الثبت مِسْعَر لکانوا قاموا باشد الانکار ثم الرجل عــہ۲ مُدَلِّس قال عبدالحق الاشبیلی کان یدلس وقال ابن القطان کان مشهورا بالتدلیس [4] وقد عنعن فمالکم تنقمون عنعنة هُشَیم ذاك الجبل الشامخ ثم تعودون تحتجون بعنعنة شریك واما شعبة فقد تفرد به من بین الجماعة ونقص	غیر مجھے اس کی بنسبت زیادہ پسند کرتا ہے۔ مرۃ نے کہاکہ وہ ثقہ ہے مگر وہ غلطی کرتا ہے اور ثابت نہیں رہتا۔ دار قطنی نے کہاکہ شریک ان حدیثوں میں قوی نہیں جن میں وہ منفرد ہے۔ ابواحمد حاکم نے کہاکہ وہ متین نہیں۔ اوریوں ہی اے عبدالرحمٰن! ایک بار تونے کہاکہ وہ قوی نہیں ہے۔ ازدی نے کہاکہ وہ صدوق تھا مگروہ کمزور حافظے والا، کثیرالوہم اور مضطرب الحدیث تھا، جیساکہ تہذیب التہذیب میں ابن شبرمہ کی روایت پر ہے کہ وہ مشہور امام، ثقہ، فقیہ اور مقتدی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ امام احمد نے اس کو ثقہ قرار دیا۔ ابوحاتم نے اس کو امام اجل ثقہ ثبت مِسعر کی حدیث سے افضل قرار دیا تولوگوں نے اس کا شدید انکار کیا، پھر وہ مدلس شخص ہے، عبدالحق اشبیلی نے کہاکہ وہ تدلیس کرتا تھا۔ ابن قطان نے کہاکہ وہ تدلیس میں مشہور تھا۔ تحقیق اس نے عنعنہ کے ساتھ روایت کی تمہیں کیاہے کہ تم ہشیم کے عنعنہ کو برا سمجھتے ہو جوکہ ایک بلند پہاڑ ہے پھر لوٹ کر شریک کے عنعنہ سے استدلال کرتے ہو مگر شعبہ اس کے ساتھ جماعت میں سے متفرّد ہے، اس سلسلہ میں

عــہ۱: متعلق باقول رحمہ اللہ ھولاء المحدثین لوانا قدمنا۔ عــہ۲ای شریک۔

[1] میزان الاعتدال ترجمه شریك بن عبدالله ۳۶۹۷ دار المعرفة بیروت ۲ /۲۷۰ و۲۷۱

[2] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴ /۳۳۶

[3] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴ /۳۳۷

[4] تهذیب التهذیب ترجمه شریك بن عبدالله ۵۷۷ دائرة المعارف النظامیه ۴ /۳۳۷

علیك الامر فی ذٰلك روی ھٰذا الحدیث عن ابن عباس سعید بن المسیب وعون بن ابی جحیفة و عکرمة وعبداللہ بن شداد اما الاولان فروی عنھما الرفع الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما تقدم، و امّا عکرمة وقال الطبری فی تھذیب الآثار **حدثنا** محمد بن موسٰی ثنا عبداللہ بن عیسٰی ثنا داؤد بن ابی ھند عن عکرمة عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما قال حرم اللہ الخمر بعینھا والسکر من کل شراب[1]. واما ابن شداد فروی عنه ابوعون وعمار الدھنی وابوشبرمة علی الوجوہ التی علمت وعیاش العامری عن ابی بکر بن ابی خثیمة قال حدثنا محمد بن الصباح البزار اخبرنا شریك عن عیاش العامری عن عبداللہ بن شداد عن ابن عباس قال حرمت الخمر بعینھا والسکر من کل شراب وقال وعیاش العامری ھو عیاش بن عمر[2]. **قلت ثقة** من رجال مسلم وسلیمٰن الشیبانی وعنه شعبة عن ابن ابی خثیمة ایضا

تجھ پر معاملہ ناقص ہوگیا۔اس حدیث کو ابن عباس سے سعید بن مسیّب، عون بن ابوجحیفہ، عکرمہ اور عبداللہ بن شداد نے روایت کیا۔پہلے دونوں سے تونبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک مرفوع ہونا مروی ہے جیساکہ گزرچکا۔ رہاعکرمہ، توطبری نے تہذیب الآثار میں کہاکہ ہمیں محمد بن موسٰی نے انہیں عبداللہ بن عیسٰی نے انہیں داؤد بن ابی ہند نے عکرمہ سے بحوالہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حدیث بیان کی،ابن عباس نے کہاکہ اللہ تعالٰی نے خمر کو بعینہٖ اورہر شراب سے نشہ کوحرام فرمایا۔رہا ابن شداد تو اس سے ابو عون، عمار دُہنی اورابوشبرمہ نے ان وجوہ پر روایت کیاجو تو جان چکا۔عیاش عامری نے ابوبکر ابوخثیمہ سے روایت کی انہوں نے کہاکہ ہمیں محمد بن صباح البزار نے حدیث بیان کی انہوں نے کہاہمیں شریک نے عیاش عامری سے خبردی اورانہوں نے عبداللہ بن شداد سے اور اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ خمر بعینہٖ حرام کی گئی اور ہر شراب سے نشہ حرام ہے۔اور عیاش عامری وہ عیاش بن عمر ہے۔**قلت** (میں کہتاہوں) وہ ثقہ ہے اورامام مسلم اور سلیمان شیبانی کے رجال میں سے ہے اوراسی سے شعبہ نے بھی ابن ابی خثیمہ کے نزدیک روایت کیا

[1] البنایة بحوالہ الطبرانی فی التہذیب کتاب الاشربہ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴ /۳۲۸

[2] حواشی مسند الامام الاعظم بحوالہ ابی بکر بن ابی خثیمہ فی تاریخہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۲۰۳

وبلغه الیٰ ام المومنین میمونة حیث قال حدثنا علی الجعد اخبرنا شعبة عن سلیمان الشیبانی عن عبدالله بن شداد عن عبدالله بن عباس عن خالته میمونة بنت الحارث رضی الله تعالیٰ عنهم ورواه عن ابی عون الامام الاعظم وسفیٰن الثوری ومسعر بن کدام و عبدالله بن عیاش وقدوقعت روایتهم جمیعا فی مسند الامام وشریك و ابوسلمه عند البزار۔ورواه عن مسعر ابونعیم الفضل بن دُکین عند الطحاوی وابن ابی خیثمة ومن طریقه القاسم بن اصبغ فقال حدثنا احمد بن زهیر (یعنی ابابکر بن ابی خیثمه) نا ابونعیم الفضل بن دکین عن مسعر عن ابی عون عن عبدالله بن شداد عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال حرمت الخمر بعینها القلیل منها والکثیر والسکر من کل شراب[1]، قال البدر محمود عینی فی البنایة قال ابن حزم صحیح، قال	جس کو اس نے ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک پہنچایا جہاں اس نے یہ کہاکہ ہمیں حدیث بیان کی علی الجعد نے،اس نے کہاکہ ہمیں خبر دی شعبہ نے سلیمان شیبانی سے اوراس نے عبداللہ بن شداد سے اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اورانہوں نے اپنی خالہ سیّدہ میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی اور اس کو ابوعون سے امام اعظم،سفیان ثوری، مِسعر بن کدام اور عبداللہ بن عیاش نے روایت کیا ان سب کی روایت سید امام اعظم میں واقع ہے۔اور بزار کے نزدیک اس کو شریک اور ابو سلمہ نے روایت کیا، طحاوی اورابن ابی خیثمہ کے نزدیک اس کو مسعر سے ابونعیم فضل بن دکین نے روایت کیا اوراسی کے طریق سے قاسم بن اصبغ نے روایت کرتے ہوئے کہاکہ ہمیں احمد بن زہیر یعنی ابوبکر بن ابی خیثمہ نے حدیث بیان کی انہوں نے کہاہمیں ابونعیم فضل بن دکین نے مسعر سے حدیث بیان کی اور مسعر نے ابوعون سے،اس نے عبداللہ ابن شداد سے اور اس نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ ابن عباس نے فرمایا خمر بعینہٖ یعنی اس کا قلیل وکثیر اور ہر شراب سے نشہ حرام کردیا گیا۔بدر محمود عینی نے بنایہ کہاکہ ابن حزم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔اس نے

[1] البنایہ بحوالہ قاسم بن اصبغ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۲۸

وتابعه ابانُعیم جعفر بن عون فرواه عن مسعر کذٰلك [1] الخ وکذا تابعه قال ابن حزم صحیح خلاد بن یحیٰی عند ابی نعیم فی الحلیه وسفیٰن الثوری وشعبة وسفیٰن وابراهیم ابنا عیینة رفعه عن مسعر فقال عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما فی الحلیة وبالجملة هٰؤلاء اربعة عن ابن عباس منهم ابن شداد وعنه خمسة، منهم ابوعون وعنه ستة، منهم، مسعر وعنه سبعة، منهم شعبة لم یذکر احد منهم والمسکر بزیادة المیم الاشعبة قال ابونعیم تفرد شعبة بلفظه عن مسعر فیه فقال والمسکر من کل شراب [2] اھ فروایة الجماعة هی الاحق بالقبول ان فرض التنافی واین التنافی فان المسکر من کل شراب اوماسکر من کل شراب یحتمل القدر المسکر من کل شراب احتمالا جلیاواضحا فکیف یقضی بالمحتمل علی المتعین	ابونعیم جعفر بن عون کی متابعت کی چنانچہ اس کو مِسعَر سے اسی طرح روایت کیا الخ ابن حزم نے کہاکہ صحیح ہے۔خلاد بن یحیٰی نے ابونعیم کے نزدیک حلیہ میں اور سفیان ثوری، شعبہ، سفیان بن عیینہ اور ابراہیم بن عیینہ نے مسعر کے حوالے سے اس کو مرفوعًا روایت کیا،مسعر نے کہاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے جیساکہ حلیہ میں ہے۔خلاصہ یہ ان چاروں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیاانہیں میں سے ابن شدّاد ہے جس سے پانچ حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے ابوعون ہے جس سے چھ حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے مسعر ہے جس سے سات حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے مسعرہے جس سے سات حدیثیں مروی ہیں،انہیں میں سے شعبہ ہے،سوائے شعبہ کے ان میں سے کسی نے بھی لفظ مُسکِر میم کی زیادتی کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔ ابونعیم نے کہاکہ مسعر سے یہ روایت کرنے میں شعبہ متفرد ہے کیونکہ اس کہاکہ ہرشراب میں مُسکِر حرام ہے الخ اگران میں تنافی فرض کی جائے توشعبہ کی بنسبت جماعت کی روایت قبولیت کی زیادہ حقدار ہے اوران میں تنافی کہاں ہے اس لئے کہ ہرشراب میں سے مسکر یاہرشراب میں سے وہ جو نشہ دے وہ ہرشراب میں سے مقدار مُسکِر کاواضح احتمال رکھتی تو محتمل کے ساتھ متعین پرکیسے فیصلہ کیاجاسکتا ہے اوراللہ تعالٰی

[1] البنایہ بحوالہ قاسم بن اصبغ کتاب الاشربۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴ /۳۲۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ مسعر بن کدام ۳۸۹ دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۲۲۴

وباللہ التوفیق وبہ ثبت وللہ الحمد ان اباعون لم یخالف شعبۃ عن مسعر سائر الجملۃ من مسعر وعن ابی عون وعن ابن شدّاد وعن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم،والعجب من الامام ابن الھمام کیف تبع النسائی علٰی ھٰذا الکلام وزعم ان لفظ السکر تصحیف وما التوفیق الا باللہ الخبیر اللطیف والحمدللہ رب العٰلمین۔

الرّابع: حدیث الطحاوی عن علقمۃ سالت ابن مسعود عن قول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی السکر قال الشربۃ الاخیرۃ [1] رواہ الدارقطنی فی سننہ عن عمار بن مطرثنا جریر بن عبدالحمید عن الحجاج عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ فی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل مسکر حرام قال عبداللہ ھی الشربۃ التی

ہی کی طرف سے توفیق ہے اوراس توفیق سے ہی ثابت قدمی ہے اوراللہ تعالٰی ہی کے لئے حمد ہے۔بیشک ابوعون نے ابوشبرمہ کی مخالفت نہیں کی البتہ شعبہ نے مسعرسے روایت کرتے ہوئے باقی تمام حضرات کی مخالفت کی جوانہوں نے مسعرسے کی اورمسعر نے ابوعون سے،اس نے ابن شداد سے،اوراس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اورامام ابن الہمام پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس کلام پر نسائی کی پیروی کیسے کرلی! اوریہ گمان کیاکہ لفظ مُسکِرغلط ہے اور نہیں ہے توفیق مگراللہ تعالٰی سے جوخبر رکھنے والا باریک بین ہے،اورسب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جوسب جہانوں کا پروردگار ہے۔

چوتھی بحث: طحاوی کی سند علقمہ سے کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نشہ سے متعلق قول کے بارے میں سوال کیاتوانہوں نے کہاوہ آخری گھونٹ ہے۔اس کودارقطنی نے اپنی سنن میں عماربن مطرسے روایت کیا،عمارنے کہاہمیں جریر بن عبدالحمید نے حجاج سے،اس نے حماد سے،اس نے ابراہیم سے اس نے علقمہ سے،اوراس نے عبداللہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کے بارے میں حدیث بیان کی کہ ہرنشہ آورحرام ہے،عبداللہ نے کہاکہ وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

اسکرتك ثم اسند عن عمار بن مطر ثنا شریك عن ابی حمزۃ عن ابراھیم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل مسکر حرام قال ھی الشربۃ التی اسکرتك قال ھذا اصح من الذی قبلہ ولم یسندہ غیر الحجاج واختلف عنہ وعمار بن مطر ضعیف وحجاج ضعیف وانما ھو من قول ابراھیم النخعی ثم اخرج عن ابن المبارك انہ ذکر عندہ حدیث ابن مسعود کل مسکر حرام ھی الشربۃ التی تسکرك فقال ھذا حدیث باطل[1] اھ وتبعہ المحقق فی الفتح. اقول: سند الطحاوی حدثنا ابن ابی داؤد ثنا نعیم وغیرہ انا حجاج عن حماد[2] الخ ولیس فیہ عمار کما تری و الحجاج ھو ابن ارطاۃ من رجال مسلم والاربعۃ وھو وان کان من شیوخ شعبۃ وشعبۃ من قد علم فی شدۃ ورعہ واحتیاطہ وقد کان یقول اکتبوا

نشہ دیا۔ پھر دارقطنی نے اس کا اسناد بیان کیا عمار بن مطر سے، اس نے شریک سے، اس نے ابوحمزہ سے، اس نے ابراہیم سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کہ ہر نشہ آور حرام ہے، فرمایا وہ آخری گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا۔ دارقطنی نے کہا یہ پہلی سند سے زیادہ صحیح ہے، سوائے حجاج کہ کسی نے اس کا اسناد بیان نہیں کیا، اور اس سے روایت میں اختلاف ہے۔ عمار بن مطر ضعیف ہے، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے۔ پھر ابن المبارک سے اس کی تخریج کی کہ اس کے پاس حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ "ہر مسکر حرام ہے" سے مراد وہ گھونٹ ہے جس نے تجھے نشہ دیا، تو ابن المبارک نے کہا یہ حدیث باطل ہے اھ۔ اور اس کی پیروی کی محقق نے فتح میں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) طحاوی کی سند یہ ہے کہ ہمیں ابن داؤد نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا کہ ہمیں نعیم وغیرہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حجاج نے حماد سے خبر دی الخ اس میں جیسا کہ تو نے دیکھا عمار نہیں ہے اور حجاج وہ ابن ارطاۃ ہے جو مسلم اور اصحاب سنن اربعہ کے رجال میں سے ہے۔ وہ اگرچہ شعبہ کے شیوخ میں سے ہے۔ اور شعبہ کے تقوٰی واحتیاط میں سختی جانی ہوئی ہے کہا کرتے تھے حجاج بن ارطاۃ اور ابن اسحاق سے لکھ لیا کرو

---

[1] سنن الدارقطنی کتاب الاشربۃ وغیرھا حدیث ۲۳ و ۲۵ دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۴/ ۲۵۰ و ۲۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ وغیرھا باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۶۱

عن حجاج ابن ارطاۃ وابن اسحٰق فانھما حافظان وقد اثنی علیه غیر واحد منھم الثوری وابوحاتم[1] بیدانه کثیرالتدلیس قال الذھبی اکثر مانقم علیه التدلیس[2]، وقال ابوحاتم یدلس عن ضعفاء[3] فالحدیث وان لم یصح عن ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه کما قاله عبدالله لکنه قدصح عن ابراھیم کما قدمناہ عن مسند الامام اعظم عن حماد عنه، فماکان ینبغی لابی عبدالرحمٰن ان یقول لیس کما یقول ابوعون، لانفھم بتحریمھم اُخرالشربة و تحلیلھم ما تقدمھا اماما تعلل به قائلا لاخلاف بین العلم ان المسکر بکلیته لایحدث علی الشربة الاٰخر دون الاولٰی والثانیة بعدھا۔ **اقول:** ارایت اذا کان لایسکر المسك والعنبر والزعفران واشباھھا

کیونکہ وہ دونوں حافظ ہیں۔ نیز متعدد ائمہ نے اس کی تعریف کی جن میں ثوری اور ابوحاتم شامل ہیں سوائے اس کے کہ وہ تدلیس میں کثرت کرتا ہے۔ ذہبی نے کہا اکثر اس پر جس شیئ میں ملامت کی جاتی ہے وتدلیس ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ وہ تدلیس کرتا ہے اور ضعفاء میں سے ہے۔ تو یہ حدیث اگرچہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح نہیں جیساکہ عبداللہ نے کہا مگر ابراہیم سے صحیح ہے جیساکہ ہم مسند امام اعظم کے حوالے سے ذکر کرچکے ہیں کہ حماد نے ابراہیم سے روایت کی۔ للہذا ابوعبدالرحمٰن کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا کہ ابن عون کا کہنا درست نہیں کیونکہ ان کا آخری گھونٹ کو حرام اور اس سے پہلے والے گھونٹ کو حلال قرار دینا ہمیں سمجھ نہیں آتا لیکن ابوعبدالرحمٰن کا وجہ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا کہ مسکر کے آخری گھونٹ پر اثرانداز ہونا اور پہلے اور دوسرے پر نہ ہونا اور پہلے اور دوسرے پر نہ ہونا علمی اعتبار سے یہ فرق درست نہیں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) تیرا کیا خیال ہے کہ کستوری، عنبر، زعفران اور ان جیسی دیگر اشیاء

[1] میزان الاعتدال ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۱۷۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰

[2] میزان الاعتدال ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۱۷۲۶ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۴۶۰

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ حجاج بن ارطاۃ ۳۶۵ دائرۃ المعارف النظامیہ ۲/ ۱۹۷

الا اذا بلغ عشر حبات مثلاً فاذا تناول رجل حبة فهل تناول الحرام فان قلت نعم فقد اعظمت القول وان قلت لا قلنا فان تناول اخرى حتى بلغ تسعاً فلابد ان تقول فی الکل بالحل قلنا فاخبرنا اذا تناول العاشرة فسکر فان قلت الآن ایضاً حل فقد اعظمت القول وان قلت حرم فقد قضیت علی نفسك ولا شك ان السکر انما اتی للمجموع لکن الحرمة انما هی للاکلة الاخیرة دون الاولی والتی تلیها ای تسع و من عرف ان المعلول و هی الحرمة المعلولة بالکسر المعلول بالعشر انما یتحق عند تحقق الجزء الاخیر من اجزاء العلة عرف المرام ولم تذهب به الاوهام۔ وبهٰذا التقریر ولله الحمد تبین انزهاق ما لمع به الشوکانی فی نیل الاوطار ناقلا عن الطبری ما نصه یقال لهم (ای لائمتنا رضی الله تعالٰی عنهم) اخبرونا عن الشربة التی یعقبها السکر اهی التی اسکرت

مثلاً اگر نشہ نہ دیں جب تک وہ دس رتی کے برابر نہ ہو جائیں۔ جب کسی شخص نے ان میں سے ایک رتی کے برابر کھایا تو کیا اس نے حرام کھایا، اگر تو کہے کہ ہا تو تو نے بہت بڑی بات کہہ دی اور اگر کہے کہ نہیں تو ہم کہیں گے کہ اگر دوسری رتی کھائی تو کیا حکم ہے یہاں تک کہ نو تک پہنچ جائے۔ تیرے لئے اس سے چھٹکارا نہیں کہ تو ان سب کے حلال ہونے کا قول کرے۔ پھر کہیں گے کہ بتاؤ اگر وہ دسویں رتی کھائے اور نشہ آجائے تو اب کیا حکم ہے۔ اگر تو کہے کہ اب بھی حلال ہے تو تم نے بہت بڑی بات کہہ دی۔ اور اگر کہے کہ حرام ہے تو خود اپنے خلاف تو نے فیصلہ دے دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں نشہ اس مجموعے سے آیا ہے لیکن حرمت آخری رتی کو کھانے پر ہے نہ کہ پہلی اور اس کے بعد والیوں پر جو کہ نو ہیں۔ جس نے یہ سمجھا کہ معلول جو کہ وہ حرمت ہے جس کی علت نشہ ہے وہ معلول پوری دس رتیاں ہیں مگر اس کا تحقق علت کی آخر جزء کے تحقق کے وقت ہوا تو اس نے مقصد کو پہچان لیا۔ اس کو وہم نہ بہکائے گا۔ الحمدلله اس تقریر سے شوکانی کا نیل الاوطار میں حد سے تجاوز کرنا ظاہر ہو گیا دراں حالیکہ وہ طبری سے نقل کرنے والا ہے جس کی اس نے تصریح کی کہ ان (ہمارے ائمہ) کو کہا جائے گا کہ اس گھونٹ کے بارے میں بتاؤ جس کے بعد نشہ آیا ہے کہ کیا اس نے ماقبل والے گھونٹوں کے بغیر

صاحبها دون ماتقدم من الشراب ام اسکرت باجتماعها مع ماتقدم واخذت کل شربت بحظها من الاسکار فان قالوا انما احدث له السکر الشربة الآخرة التی وجد خبل العقل عقبها قیل لهم وهل هٰذه التی احدثت له ذالك الا کبعض ماتقدم من الشربات قبلها فی انها لو انفردت دون ماقبلها کانت غیرمسکرة وحدها، وانها انما اسکرت باجتماعها واجتماع عملها فحدث عن جمیعها السکر[1] اھ۔فان التقریر بحذافیرہ جار فی الحبة العاشرة من المسك ونظرائه والوهم انما نشاء من عدم الفرق بین الجزء الاخیر وبین سائر العلل الناقصة المقدمة علیه وکذا استبان بحمدالله انخساف مازوق به الشوکانی تحت حدیث"کل شراب اسکر فهو حرام" بقوله ان الشراب اسم جنس فیقتضی ان یرجع التحریم الی الجنس کله کمایقال هذا الطعام مشبع، الماء مُروٍ یرید به الجنس وکل جزء منه یفعل ذٰلك الفعل، فاللقمة تشبع العصفور وماهو اکبر منها یشبع ماهو اکبر من العصفور

نشہ دیا یاماقبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہو کر نشہ دیا اور ہر گھونٹ کا نشہ دینے حصہ ہے، اگر وہ کہیں کہ اس کو نشہ آخری گھونٹ نے دیا ہے جس کے بعد اس کی عقل میں خلل واقع ہوا تو ان کو کہاجائے گا کہ یہ آخری پہلے والے گھونٹوں کی طرح ہی ہے اس بات میں کہ اگر یہ ان سے منفرد ہوتا تو اکیلے نشہ نہ دیتا۔اس نے ماقبل والے گھونٹوں کے ساتھ مجتمع ہو کر نشہ دیاہے، لہٰذا ثابت ہوگیاکہ نشہ ان تمام گھونٹوں کے مجموعہ سے پیداہواہے اھ، بیشک یہی تقریر تمام شقوں کے ساتھ کستوری اور اس جیسی دیگراشیاء میں جاری ہوتی ہے۔ وہم صرف اس لئے پیداہواکہ آخری جزء اوراس سے پہلے والی باقی ناقص علتوں میں فرق نہیں کیاگیا۔یونہی الحمدللہ حدیث "ہر شراب جو نشہ دے وہ حرام ہے"کے تحت شوکانی کا یہ کلام بھی زنگ آلود ہوگیاجس کو اس نے یوں منقش کیاکہ شراب اسم جنس ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تحریم تمام جنس کی طرف لوٹے جیساکہ کہاجاتاہے طعام سیر کرنے والا ہے اور پانی سیرب کرنے والا ہے، یہاں طعام اور پانی سے مراد جنس ہے اور جنس کی ہر جزء جنس والا عمل کرتی ہے، چنانچہ طعام کا ایک لقمہ چڑیا کا پیٹ بھر دیتاہے اوراس سے زیادہ مقدار چڑیا سے بڑے جانور کا پیٹ بھر دیتی

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربة باب مایتخذمنه الخمر الخ مصطفی البابی مصر ۸ /۲۰۲

وکذٰلك جنس الماء یروی الحیوان علی ھذا الحد فکذٰلك النبیذ [1]۔**اقول**:نعم وقع التحریم علی الجنس مقیدا بصفة الاسکار فاذا اسکر حرم والا لاوانما انشدك اللہ والانصاف اذا قیل لك انہاك عن کل طعام اشبع ھل یفھم منہ النھی عن الاکل مطلقًا ولولقمة اولقیمة اصغر ماتکون،ماھٰذہ الامکابرۃ الاتری ان الاجماع ماض علی تحریم کل ضار کالسموم والطین وغیرذٰلك ثم لم ینطلق ھٰذاالحکم الا الی قدریضرك ایاك لامایضرولو ذبابا اونملة،وقد اخرج احمد وابوداؤد وعن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت نہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن کل مسکر ومفتر [2]،و معلوم ان من الادویة ما اذاا کثر منہ اورث التفتیر والتحذیر ثم لم یرجع التحذیر الا الی ذٰلك القدر الکثیر ولو کان الامر کما زعمت لوجب القول بحرمة المسك و

ہے اسی طرح پانی کی جنس عمل کرتی ہے اوریہی حال نبیذکا ہے۔**اقول**:(میں کہتاہوں)ہاں تحریم جنس پرواقع ہے درانحالیکہ وہ نشہ آور ہونے کی صفت سے مقید ہے۔للذا جب نشہ دے توحرام ہے ورنہ نہیں۔میں تجھے اللہ تعالٰی کی قسم دے کر انصاف کامطالبہ کرتاہوں کہ جب تجھے کہاجائے کہ میں تجھے ہرایسے طعام سے منع کرتاہوں جوسیر کردے توکیا اس سے مطلق طعام کی ممانعت سمجھی جائے گی اگرچہ ایک لقمہ کی مقدار یا اس سے بھی کمتر ہو؟ یہ تومحض انکار حق ہے،کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نقصان دہ چیز کی حرمت پراجماع جاری ہے جیسے زہراور کیچڑوغیرہ،پھریہ حکم نہیں جاری ہوتا مگراتنی مقدار پرجوتجھے نقصان پہنچائے نہ مطلق نقصان پہنچانے والی شیئ پراگرچہ وہ مکھی یاچیونٹی کونقصان پہنچائے،امام احمد وابو داؤد نے ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور عقل میں خلل ڈالنے والی چیزسے منع فرمایا۔یہ بات معلوم ہے کہ بعض دوائیوں کی زیادہ مقدار عقل میں خلل ڈالتی ہے جس سے پرہیز کرنالازمی ہے۔پھر یہ پرہیزاور ممانعت صرف اسی مقدار کثیر کی طرف لوٹتی ہے۔اگر معاملہ ایسے ہوتاجیسے تونے گمان کیا ہے توکستوری اوراس جیسی

[1] نیل الاوطار کتاب الاشربة باب مایتخذ منہ الخمر الخ مصطفی البابی مصر ۸/ ۲۰۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الاشربة باب ماجاء فی السکر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۶۳

امثاله مطلقًا وکل ذٰلك خلاف الاجماع هذا ثم اتفقت المراجعة الی البنایة فرایت الامام البدر محمود رحمه اللّٰه تعالٰی اتی ھٰھنا بکلام حسن نقلا عن الامام تاج الشریعة زاد فیه من النظائر فاحببت ایراده قال روح روحه، الحرام هو المسکر و اطلاقه علی ماتقدم مجاز وعلی القدح الاخیر حقیقة وهو مراد فلایکون المجاز مرادا وقد قال تاج الشریعة المسکر مایتصل به السکر بمنزلة المتخم من الطعام وهو مایتصل به من التخمة فان تناول الطعام بقدر مایغذیه حلال ومایتخم وهوالاکل فوق الشبع حرام ثم المحرم منهما وهو المتخم وان کان لایکون ذٰلك متخما الا باعتبار ماتقدمه من الاکلات وکذٰلك فی الشراب وقد قال ابو یوسف رحمه اللّٰه ذٰلك مثل دم فی ثوب مادام قلیلا فلاباس بالصلٰوة فیه فاذا اکثر لم یحل ومثل رجل ینفق علی نفسه واهله من کسبه

اشیاء کی مطلقًا حرمت کا قول کرنا واجب ہوتا حالانکہ یہ سب خلاف اجماع ہے۔ پھر بنایہ کی طرف مراجعت کا اتفاق ہوا تو میں نے دیکھا کہ امام بدر محمود رحمہ اللہ تعالٰی نے یہاں پر امام تاج الشریعۃ سے نہایت عمدہ کلام نقل فرمایا جس میں کئی نظائر کا اضافہ کیا۔ اس کلام کو یہاں ذکر کرنا مجھے پسند ہے۔ اس نے کہا اس کی روح کشادہ ہو کہ حرام وہ ہے جو نشہ آور ہے۔ اس سے پہلے والی شراب پر حرام کا اطلاق مجازًا ہے جبکہ آخری پیالہ پر اس کا اطلاق حقیقتًا ہے اور وہی مراد ہے لہٰذا مجاز مراد نہیں ہوگا۔ اور تاج الشریعۃ نے فرمایا کہ نشہ آور شراب جس کے ساتھ نشہ متصل ہے وہ بدہضمی پیدا کرنے والے طعام کی طرح ہے اور وہی طعام ہے جس کے ساتھ بدہضمی متصل ہے اس لئے کہ بقدر غذا طعام کھانا حلال ہے۔ اور جو بدہضمی پیدا کرتا ہے وہ وہ ہے جو سیر ہوجانے کے بعد کھایا جائے وہ حرام ہے۔ پھر اس میں سے حرام وہی ہے جو بدہضمی پیدا کرنے والا ہے اگرچہ پہلے والے لقموں کا اعتبار کئے بغیر وہ بدہضمی پیدا نہیں کرتا، اور یہ حکم شراب میں ہوگا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ کپڑے میں لگے ہوئے خون کی طرح ہے کہ جب تک وہ قلیل ہو اس کپڑے میں نماز ادا کرنے میں کوئی خرابی نہیں اور جب وہ زیادہ ہوجائے تو حلال نہیں۔ اور اس شخص کی طرح ہے جو اپنی کمائی میں سے اپنی ذات اور

فلاباس بذٰلك فاذا اسرف فی النفقة لم یصلح له ذٰلك ولاینبغی وکذٰلك النبیذ لابأس ان یشربه علی طعامه ولاخیر فی السکر منه لانه اسراف واظهر من ذٰلك ان الضمان یضاف الی واضع المنّ الاخیر فی السفینة وان لم یحصل الغرق بدون ماتقدم من الامناء وهذا لانه لایوجد التلف حکما بما تقدم من الامناء وانما وجد ذٰلك بفعل فاعل مختار فاضیف الغرق لولی المن الاخیر فکذاهنا اضیف السکر الی القدح الاخیر الذی یحصل به السکر حقیقة لاما تقدم من الاقداح[1] اھ ثم ان البیهقی فی المعرفة اراد الرد علی حدیث الحجاج بوجه آخر فذکر مارواه ابن المبارك عن الحسن بن عمرو الفقیمی عن فضیل بن عمرو عن ابراهیم قال کانوا یقولون اذا سکر لم یحل له ان یعود فیه ابدا[2]،	اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں مگر جب وہ خرچ میں زیادتی کرے تو اس کے لئے یہ درست نہیں اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔اسی طرح کھانے کے اوپر نبیذ پینے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے نشہ میں کوئی بھلائی نہیں کیونکہ یہ اسراف ہے،اور اس میں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ضمان اس شخص کی طرف منسوب ہوتا ہے جس نے کشتی میں آخری مَن رکھا اگرچہ اس سے پہلے رکھے جانے والے مَنوں کے بغیر کشتی کا غرق ہونا متحقق نہیں ہوا۔اور یہ اس لئے ہے کہ پہلے والے مَنوں سے حکمی طور پر تلف نہیں پایا گیا تو وہ فاعل مختار کے فعل سے پایا گیا لہٰذا غرق کی نسبت آخری مَن والے کی طرف کی جائے گی۔یوں ہی یہاں نشہ کی اضافت آخری پیالے کی طرف کی جائے گی جس سے حقیقتًا نشہ حاصل ہوا نہ کہ پہلے والے پیالوں کی طرف الخ۔پھر بیہقی نے المعرفہ میں حدیث حجاج پر ایک اور وجہ سے رَد کرنا چاہا تو ذکر فرمایا جس کو ابن مبارک نے حسن بن عمرو فقیمی سے،اس نے فضیل بن عمرو سے اور اس نے ابراہیم سے روایت کیا ابراہیم نے کہا وہ کہتے تھے کہ جب کسی کو نشہ آجائے تو اس کے لئے حلال نہیں کہ وہ کبھی بھی اس نشہ والی نبیذ کی طرف عود کرے۔

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الاشربة المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴ /۳۴۳

[2] نصب الرایة بحواله البیهقی فی المعرفة کتاب الاشربة المکتبة الاسلامیة ۴ /۳۰۶

قلت واسنده النسائی من طریق ابن ابی زائدۃ عن الحسن بن عمر بالسند قال کانوا یرون ان من شرب شرابا فسکر منه لم یصلح ان یعود فیه[1]. قال البیہقی فکیف یکون عند ابراھیم قول ابن مسعود ھٰکذا (یعنی ماروا الحجاج) ثم یخالفه قال فدل علی بطلان ما رواہ الحجاج بن ارطاۃ[2]. **اقول**: لاننکر ان حدیث الحجاج لایصلح الاحتجاج لکن فی الرد بھذا الوجه خفاء لایخفی فان القول وان لم یصح عن عبدالله قد صح عن ابراھیم فاذا لم یمنعه ھٰذا عن قول نفسه فکیف یمنع ان یکون عنده عن عبدالله مثله اما ابوعبدالرحمٰن فجعل ھٰذا خلافا عن ابراھیم فی اذا قال، ذکر الاختلاف علی ابراھیم فی النبیذ فروی ھذا ثم قال اخبرنا سوید اخبرنا عبد الله عن ابی عوانة عن ابی مسکین قال سالت ابراھیم قلت انا ناخذ دُردی الخمر او الطلاء فننظفه

قلت (میں کہتاہوں) امام نسائی نے اس کو بطریق ابن ابی زائدہ حسن بن عمر سے مسنداً بیان کیاکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس نے شراب پی اور اس کو نشہ آگیا اس کے لئے ایسی شراب کی طرف عود کرنا درست نہیں۔ بیہقی نے کہاکہ ابراہیم کے نزدیک ابن مسعود کا قول اس طرح کیسے ہوگیا یعنی جس کو حجاج نے روایت کیا پھر اس کی مخالفت کی اس نے کہاکہ اس کے بطلان پر دلیل وہ ہے جس کو حجاج بن ارطات نے روایت کیا۔ **اقول**: (میں کہتاہوں) ہم اس بات کاانکار نہیں کرتے کہ حدیث حجاج قابل استدلال نہیں لیکن اسے اس وجہ کے ساتھ رَد کرنے میں خفاء ہے جوکہ مخفی نہیں اس لئے کہ یہ قول اگرچہ عبداللہ سے صحیح نہیں مگر ابراہیم سے صحیح ہے کہ جب اس نے اپنا قول ہونے سے انکار نہیں کیاوہ کیسے انکار کرے گا، اس کے نزدیک عبداللہ سے اس کی مثل منقول ہے لیکن ابو عبدالرحمٰن نے اس کو ابراہیم کی نقل کے خلاف قرار دیا ہے انہوں نے اس کو ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ کے باب میں روایت کیاپھر کہاکہ ہمیں خبر دی سُوَید نے، اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے ابوعوانہ سے، اس نے ابومسکین سے کہ میں نے ابراہیم سے سوال کرتے ہوئے کہاکہ ہم خمر یاطلاء کا تلچھٹ لیتے ہیں پھر اس کو صاف کرتے

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۵

[2] نصب الرایۃ بحوالہ البیہقی کتاب الاشربۃ المکتبۃ الاسلامیہ ۴ /۳۰۶

ثم ننقع فیه الزبیب ثلثاثم نصفیه ثم ندعه حتی یبلغ فنشربه قال یکرہ[1] اھ فزعم ان فی ھٰذین خلاف ماثبت عن ابراھیم من تحلیل القلیل۔ **اقول:** ولامتمسك له فی شیئ منهما فان معنی الاول علی مانری واللہ تعالٰی اعلم ان من استخفه الشیطان فی شراب فلم یصبر علٰی قلیله حتی اکثر فاسکر لا ینبغی له ان یعود فیه کیلا یستجرہ العدو اخری، فیکون معناہ علی وزان قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لایلدغ المؤمن من جحر مرتین[2] او یکون المعنی لایعود الٰی ما اسکر فقد علمه بالتجربة وذلك ان من ظن فی شراب انه لایسکر منه ثلث کؤس مثلا فشرب فسکر لم یحل له	ہیں پھر تین دنوں تک اس میں کشمش بھگو دیتے ہیں پھر اس کو صاف کرکے رکھ چھوڑے ہیں یہاں تک کہ وہ تیزی کی حد تک پہنچ جاتا ہے پھر اس کو پی لیتے ہیں توابراہیم نے کہایہ مکروہ ہے الخ ابوعبدالرحمٰن نے گمان کیاان دونوں میں اس کے خلاف ہے جو قلیل مقدار کے حلال ہونے سے متعلق ابراہیم سے ثابت ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) ان دونوں روایتوں میں ابوعبدالرحمٰن کے لئے ستدلال کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے کہ پہلی کا معنی جیساکہ ہم سمجھے ہیں اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے یہ ہے کہ بیشک جس کی نظر میں شیطان نے شراب کوہلکا کردیااس نے قلیل پر صبر نہیں کیا یہاں تک کہ زیادہ پی کر مست ہوگیا تواس کو دوارہ شراب کی طرف نہیں لوٹنا چاہئے تاکہ دشمن پھراس کو نہ کھینچ لے۔ چنانچہ اس کا معنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرح ہوگیاکہ مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یا اس کا معنی یہ ہے کہ جس شراب کا نشہ آور ہونا اس کو تجرہ معلوم ہوگیااس کی طرف عودنہ کرے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کا گمان تھا اس شراب کے تین گلاس مجھے نشہ نہیں دیں گے اس نے تین گلاس پی لئے تواس کو نشہ آگیا اب ہمیشہ کے لئے اس کو

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر الاختلاف علی ابراھیم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۵

[2] کنز العمال عن ابی ھریرہ حدیث ۸۳۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/ ۱۶۶

العود الی الثالثۃ ابدا، واما الاثر الآخر فانما الکراھۃ فیہ لاجل دُردی الخمر والطلاء بالاشتراك یطلق علی معان بینھا العلّامۃ الشرنبلالی فی غنیۃ ذوی الاحکام، منھا العصیر العنبی الذی ذھب اقل من ثلثیہ، وھو الباذق والذی ذھب نصفہ وھو المصنف والذی ذھب ثلثاہ وھو المثلث والذی ذھب ثلثہ وھو الباذق قال ویسمّی بالطلاء کل ماطبخ من عصیر العنب مطلقًا[1] والکل غیر المثلث حرام کثیرہ وقلیلہ نجس نجاسۃ غلیظۃ کالخمر عندنا وعند الجمھور خلافا للامام الشافعی و الاوزاعی وبعض الظاھریۃ والمعتزلۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

الخامس: قال النسائی حدثنا عبیداللہ بن سعید عن ابی اسامۃ قال سمعت ابن المبارك یقول ما وجدت الرخصۃ فی المسکر عن احد صحیحا الاعن ابراھیم[2]۔ **اقول:** رحم اللہ الامام الجلیل و

تیسرے گلاس کی طرف عود حلال نہیں رہا۔ رہی دوسری اثر تو اس میں خمر وطلاء کے تلچھٹ کی وجہ سے جو حرمت ہے اور وہ بطور اشتراک کئی معنوں پر بولی جاتی ہے جنہیں علامہ شرنبلالی نے غنیہ ذوی الاحکام میں بیان فرمایا ہے ان میں انگور کے جس شیرہ کا دو تہائی سے کم جل کر خشک ہوجائے اس کو باذق، جس کا نصف خشک ہوجائے اس کو منصف اور جس کا دو تہائی خشک ہوجائے اس کو مثلث اور جس کا ایک تہائی خشک ہوجائے اس کو باذق کہا جاتا ہے۔ اور فرمایا کہ انگور کے جس شیرہ کو پکایا جائے اس کو مطلقًا طلاء کہتے ہیں الخ مثلث کے سوا تمام خمر کی طرح حرام اور ان کا قلیل وکثیر نجاست غلیظہ کے ساتھ نجس ہے۔ ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک بخلاف امام شافعی اوزاعی، بعض ظاہریہ اور معتزلہ کے۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

پانچویں بحث: امام نسائی نے کہا ہمیں عبیداللہ بن سعید نے ابو اسامہ سے حدیث بیان کی کہ میں نے ابن مبارک کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نشہ آور نبیذ کے بارے میں سوائے ابراہیم کے کسی سے رخصت صحیح نہیں پائی۔

اقول: (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی امام جلیل پر

---

[1] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر الحکام کتاب الاشربۃ میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاختلاف علی ابراہیم فی النبیذ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۳۳۵

نفعنا ببرکاته فی الدنیا والاٰخرة بلی قد صح عن امیر المومنین عمر وقد مر حدیث مالك عن داؤد بن الحصین من رجال الستة قال الحافظ ثقة الا فی عکرمة [1] عن واقد بن عمرو ثقة من رجال خ عن محمود بن لبید صحابی صغیر وفیه قول عبادة، احللتها [2] والله وفیه ادعی الزرقانی ان کان عمر اجتهد فی تلك المرة ثم رجع عنه [3] کما تقدم حدیث ابی حنیفة عن ابی اسحٰق السبیعی ثقة من رجال الستة و لم یکن ابو حنیفة لیذهب الیه بعد ما اختلط فیاخذ عنه کما نص علیه المحقق حیث اطلق وذکرناه فی منیر العین عن عمرو بن میمون مخضرمه مشهور ثقة عابد نزل الکوفة من رجال الستة وبه وبما تقدم من روایة ابن ابی شیبة عن ابی الاحوص عن ابی اسحٰق عن عمرو بن میمون ابو الاحوص	رحم فرمائے اور ہمیں دنیاوآخرت میں ان کی برکات سے نفع پہنچائے۔ کیوں نہیں، تحقیق امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی صحت ثابت ہے، اور حدیث مالک بروایت داؤد بن حصین گزرچکی جو کہ صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ حافظ نے کہا وہ ثقہ ہے مگر اس روایت میں جو عکرمہ نے واقد بن عمرو سے کی کہ وہ ثقہ اور "خ" کے رجال میں سے ہیں، محمود بن لبید صحابی صغیر سے روایت ہے اور اس میں حضرت عبادہ کا یہ قول مذکور ہے کیا آپ نے بخدا اس کو حلال کردیا؟ اس میں زرقانی نے دعوی کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس موقع پر اجتہاد کیا پھر اس سے رجوع کرلیا جیسا کہ پہلے گزرا، حدیث ابی حنیفہ بروایت ابو اسحٰق سبیعی وہ ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے، اس کے اختلاط کے بعد امام ابو حنیفہ اس کے پاس جاکر حدیث اخذ نہ کرتے جیسا کہ اس پر محقق علی الاطلاق نے نص فرمائی اور ہم نے اس کو منیر العین میں عمرو بن میمون مخضرم سے ذکر کیا ہے وہ مشہور ثقہ عابد ہے جو کہ کوفہ میں ٹھہرے صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ اس روایت سے اور ماقبل میں مذکور حدیث ابن ابی شیبہ سے جوانہوں نے اپنی سند کے ساتھ ابو الاحوص سلام بن سلیم ثقہ از رجال صحاح ستہ سے روایت کی ان دونوں

[1] تقریب التہذیب حرف الدال ترجمہ داؤد بن الحصین ۱۷۸۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۷۸

[2] مؤطا امام مالك کتاب الاشربة باب ماجاء فی تحریم الخمر میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹۵

[3] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالك کتاب الاشربة جامع تحریم الخمر حدیث ۱۶۴۵ دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۱۷۴

هو سلام بن سليم ثقة المصيصى من رجال الستة تأيد الحديثان المارّان للطحاوى عن عمرو، واحدهما، حدثنا ابوبكرة ثنا ابوداؤد ثنا زهيربن معٰوية عن ابى اسحق عن عمروبن ميمون [1]، **والاخر،** حدثنا روح بن الفرج ثنا عمروبن خالد نا زهيرنا ابواسحٰق عن عمروبن ميمون [2] رجالهما جميعا ثقات الجلاء ابوبكرة هوبكاربن قتيبة و ابوداؤد هو الطيالسى ثقة حافظ من رجال مسلم والاربعة اهل الستة فقد كنى عنه خ فى تفسير المدثر حيث قال فى سند حديث مرفوع حدثنى محمد بن بشار نا عبدالرحمٰن بن مهدى وغيره قالا حدثنا حرب بن شداد [3] الخ غيره هو ابوداؤد كما بينه ابونعيم فى مستخرجه وزهير ثقة ثبت من رجال الستة وروح بن الفرج شيخ الطحاوى هو القطان المصرى ثقة

گزشتہ حدیثوں کی تائید ہوگئ جوانہوں نے عمرو سے روایت کی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمیں ابوبکرہ نے، ان کو ابوداؤد نے، ان کو زہیر بن معاویہ نے ابواسحٰق سے حدیث بیان کی اور ابواسحٰق نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ **دوسری حدیث** یہ ہے کہ ہمیں روح بن الفرج نے، ان کو عمرو بن خالد نے، ان کو زہیر نے ابواسحٰق سے حدیث بیان کی اور انہوں نے عمرو بن میمون سے روایت کی۔ ان دونوں حدیثوں کے تمام رجال جلیل القدر، ثقہ ہیں۔ ابوبکرہ وہ بکار بن قتیبہ ہے۔ ابوداؤد طیالسی ثقہ، حافظ، مسلم و سنن اربعہ کے رجال میں سے ہیں اور اصحاب صحاح ستہ میں سے ہیں۔ خ نے سورۃ المدثر کی میں ان سے بطور کنایہ روایت کی ہے جہاں اس نے سند مرفوع میں کہا کہ مجھے حدیث بیان کی محمد بن بشار نے، اس نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبدالرحمٰن بن مہدی اور اس نے غیر نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی حرب بن شداد نے الخ اس کے غیر سے مراد ابوداؤد ہیں جیسا کہ ابونعیم نے اپنی مستخرج میں بیان کیا۔ زہیر ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ روح بن الفرج امام طحاوی کے شیخ ہیں وہ قطان مصری ثقہ

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربة باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[3] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ المدثر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۳۲

وثقه فی تهذیب التهذیب[1] وعمرو بن خالد شیخ روح وتلمیذ زهیر هوالحرانی الخزاعی ثقة من رجال البخاری، فبموافقة الامام ومتابعة سلام زال ماکان یخشی من سماع زهیر عن ابن اسحٰق اخیرا۔و **حدیث** ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم ان عمراُتی[2] باعرابی، صحیح علی اصولنا فان الجمهور علٰی قبول المراسیل ولاسیما مراسیل ابراهیم فقد قال الامام احمد مرسلات سعید بن المسیب اصح المرسلات و مرسلات ابراهیم النخعی لاباس بها ذکره فی التدریب[3] وقد اخرج ابن عدی عن یحیٰی بن معین قال مراسیل ابراهیم صحیحة الاحادیث تاجر البحرین وحدیث القهقهة[4]، قال فی نصب الرایة اما حدیث القهقهة فقد عرف واما حدیث تاجر البحرین فرواه ابن ابی شیبة فی مصنفه ثنا وکیع ثنا الاعمش عن ابراهیم	ہیں تہذیب التہذیب میں ان کی توثیق کی گئی ہے۔عمروبن خالد روح کے شیخ اورزہیر کے شاگرد ہیں وہ حرانی خزاعی، ثقہ اور بخاری کے رجال میں سے ہیں لہٰذا امام کی موافقت اور سلام کی متابعت کے سبب سے اس خدشہ کاازالہ ہوگیا جوابو اسحٰق سے زہیر کے سماع سے متعلق کیاجارہاتھا الخ۔ **حدیث** ابوحنیفہ جوانہوں نے حماد سے اور حماد نے ابراہیم سے روایت کی کہ حضرت عمررضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ایک اعرابی کولایاگیا ہمارے اصول کے مطابق صحیح ہے اس لئے کہ جمہور کاموقف یہ ہے کہ مراسیل خصوصًا ابراہیم کی مراسیل مقبول ہیں۔امام احمد نے فرمایا سعید بن مسیب کی مراسیل صحیح ترین مراسیل ہین اورابراہیم نخعی کی مراسیل میں کوئی حرج نہیں۔یہ تدریب میں مذکورہے۔ابن عدی نے یحیٰی بن معین سے تخریج کی کہ ابراہیم کی مراسیل صحیح ہیں سوائے تاجرالبحرین اور قہقہہ کی حدیث کے۔نصب الرایہ میں کہا حدیث قہقہہ تومعروف ہے۔۔رہی حدیث تاجرالبحرین تو اس کوابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں یوں روایت کیاہے کہ ہمیں وکیع نے اوران کواعمش نے ابراہیم سے حدیث بیان کی،

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ روح بن الفرج ۵۵۴ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباددکن ۲ /۲۹۷

[2] جامع المسانید الباب الثلاثون فی الحدود المکتبۃ الاسلامیہ سمندری ۲ /۱۱۲

[3] تدریب الراوی النوع التاسع المرسل وبیان اطلاقہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶۸

[4] نصب الرایہ کتاب الطہارت فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ الاسلامیہ ۱ /۵۲

قال جاء رجل فقال یارسول اللہ انی رجل تاجر اختلف الی البحرین فامرہ ان یصلی رکعتین یعنی القصر [1] اھ وکذا **حدیث** کتاب عمر المروی فی المسند بالسند۔**وحدیث** الطحاوی حدثنا فھد ثنا عمر ب حفص ثنا ابی ثنا الاعمش ثنی ابراھیم عن ھمام بن الحارث عن عمر انہ کان فی سفر [2] الحدیث عمر بن حفص ثقۃ من رجال الشیخین وابوہ حفص بن غیاث ثقۃ [3] من رجال الستۃ وابراھیم ھوالنخعی و ھمام النخعی ثقۃ من رجال الستۃ **وحدیثہ** حدثنا فھدثنا عمر بن حفص ثنا ابی عن الاعمش ثنی حبیب بن ابی ثابت عن نافع عن ابن عمر قال امر بنبیذ لہ [4]۔ الحدیث، رجالہ کلھم ثقات	ابراہیم نے کہا کہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں ایک تاجر شخص ہوں بار بار بحرین جاتا رہتا ہوں، توآپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ دو رکعتیں یعنی نماز قصر پڑھا کرے اھ یونہی حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خط والی حدیث جو کہ مسند میں سند کے ساتھ مروی ہے۔اور امام طحاوی کی حدیث کہ ہمیں فہد نے،اس کو عمر بن حفص نے،اس کو اس کے باپ نے،اس کو اعمش نے،اس کو ابراہیم نے ہمام بن حارث سے حدیث بیان کی،ہمام نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ وہ سفر میں تھے (الحدیث)۔عمر بن حفص ثقہ اور شیخین کے رجال میں سے ہیں اور ان کا باپ حفص بن غیاث ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ابراہیم وہ نخعی ہیں۔ہمام نخعی فقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔اور اس کی حدیث یہ ہے کہ ہمیں فہد نے اور ان کی عمر بن حفص نے،ان کو ان کے باپ نے اعمش سے حدیث بیان کی،کہا مجھے حبیب بن ابی ثابت نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ آپ نے اپنے لئے نبیذ کا حکم دیا (الحدیث)۔اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں۔

[1] نصب الرایۃ کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبۃ الاسلامیہ ۱/ ۵۲

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عمر بن حفص ۴۸۹۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۷۱۴

[4] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

حبیب ثقة امام جلیل من رجال الستة وقد سمع ابن عمر و ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم قاله البخاری[1] **قلت** وهو من اقران نافع لیس بین موتهما الا سنة اوسنتان فلو دلس لامکنه ان یقول عن ابن عمرلکن اوضح وبین فرحمه الله تعالٰی، **وحدیثه** حدثنا ابن ابی داؤد ثنا ابو صالح ثنی اللیث ثنا عقیل عن ابن شهاب اخبرنی معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمٰن اللیثی عـــه ان اباه عبدالرحمٰن بن عثمان قال صحبت عمر[2] الحدیث۔ ابن ابی داؤد هو ابراهیم ثقة صح له الطحاوی فی رفع الیدین، وعبد الرحمٰن بن عثمان صحابی، والبقیة کلهم ثقات۔	حبیب ثقہ، امام جلیل اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث سنی ہے یہ امام بخاری نے کہا ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) وہ نافع کا ہمعصر ہے ان دونوں کی موت کے درمیان ایک یا دو سال کا فرق ہے، اگر وہ تدلیس کرتا تو اس کے لئے ممکن تھا کہ وہ یوں کہتا عن ابن عمر، لیکن اس نے تدلیس نہیں کی، بلکہ وضاحت فرمائی، اللہ تعالٰی اس پر رحم فرمائے۔ امام طحاوی کی حدیث ہے کہ ہمیں ابوداؤد نے، انہیں ابوصالح نے، اس کو لیث نے، اس کو عقیل نے ابن شہاب سے حدیث بیان کی ابن شہاب نے کہا کہ مجھے معاذ بن عبدالرحمٰن بن عثمان لیثی نے خبر دی کہ اس کے باپ عبد الرحمٰن بن عثمان نے کہا میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صحبت پائی (الحدیث)۔ ابن ابی داؤد وہ ابراہیم ہے جو کہ ثقہ ہے۔ امام طحاوی نے رفع یدین کے بارے میں اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ عبدالرحمٰن بن عثمان صحابی ہیں۔ اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔
عـــه: وقع فی نسخة طبع اللیثی وانما هو التیمی کما فی الاصابة والتقریب ۱۲ منه	عـــه: مطبوعہ نسخہ میں اللیثی ہے جبکہ یہ تیمی ہے جیسا کہ اصابہ اور تقریب میں ہے ۱۲ منہ (ت)

[1] میزان الاعتدال بحوالہ البخاری ترجمہ حبیب ابن ابی ثابت ۱۶۹۰ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۵۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الاشربۃ باب مایحرم من النبیذ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵۹

مشھورون من رجال البخاری فان الصحیح انه خرج فی الصحیح لعبداللّٰه بن صالح ابی صالح کاتب اللیث قاله المنذری فی الترغیب والذھبی فی المیزان[1]۔ **وحدیث النسائی** اخبرنا زکریا بن یحیٰی ثنا عبدالاعلٰی ثنا سفیٰن عن یحیٰی بن سعید سمع سعید بن المسیّب یقول تلقت ثقیف[2] الخ زکریا ثقة حافظ والبقیة ثقات مشاھیر من رجال الستة۔ **وحدیثه** اخبرنا محمدبن عبدالاعلٰی ثنا المعتمر سمعت منصورا عن ابراھیم عن نباته عن سوید بن غفلة[3] الخ محمد ثقة[4]، نباته مقبول[5] والبقیة کلھم ثقات مشھوررون من رجال الستة وبالطریق رواہ عبدالرزاق عن	اور بخاری کے رجال میں سے مشہور ہیں کیونکہ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن ابوصالح کاتب اللیث کے لئے اس کی تخریج کی، یہ بات منذری نے ترغیب میں اور ذہبی نے میزان میں کہی۔اور نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبدالاعلٰی نے، اس نے کہا ہمیں سفیان نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی اس نے سعید بن میسّب کو کہتے ہوئے سنا کہ بنی ثقیف کے لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ایک شراب پیش کی الخ۔ زکریا ثقہ اور حافظ ہے، اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں۔امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن عبدالاعلٰی نے خبر دی اس نے کہا ہمیں معتمر نے حدیث بیان کی کہ میں نے منصور کو ابراہیم سے روایت کرتے ہوئے سنا، اس نے نباتہ سے اور اس نے سوید بن غفلہ سے الخ۔ محمد ثقہ ہے، نباتہ مقبول ہے اور باقی تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال سے مشہور ہیں اور اسی طریق سے اس کو عبدالرزاق

[1] میزان الاعتدال ترجمہ عبداللہ بن صالح ۴۳۸۳ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۴۰

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر الاخبار التی اعتل بھا الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۳

[3] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[4] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن عبدالاعلٰی ۶۰۸۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۰۲

[5] تقریب التھذیب ترجمہ نباتہ کوفی ۷۱۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۰

منصور۔**وحدیثه** اخبرنا سوید اخبرنا عبداللہ عن ہشام عن ابن سیرین ان عبداللہ بن یزید الخطمی قال[1] الخ ھم کما تری کلھم ائمۃ اجلاء ثقات اثبات مشھورون من رجال الستۃ غیر سوید بن نصر فمن رجال الترمذی والنسائی ثقۃ معروف راوی الامام الجلیل عبداللہ بن مبارک وھو المراد بعبداللہ، وھشام ھو الدستوائی وعبداللہ بن یزید صحابی وقدمنا ان الحافظ صححہ فی الفتح۔**وحدیثه** اخبرنا محمد بن المثنی ثنا ابن ابی عدی عن داؤد سالت سعید[2] الخ ابن ابی عدی محمد بن ابراھیم وداؤد ھو ابن ابی ھند وسعید ھو ابن المسیّب والسند کلہ ثقات من رجال الستۃ الا داؤد فمن عدا البخاری، فھٰذہ اکثر من عشرۃ احادیث صحاح عن امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ	نے منصور سے روایت کیا۔امام نسائی کی حدیث ہے ہمیں سوید نے خبر دی اس نے کہا ہمیں عبداللہ نے ہشام سے اور اس نے ابن سیرین سے ہمیں خبر دی کہ عبداللہ بن یزید خطمی نے کہا الخ وہ تمام راوی جیسا کہ تو دیکھتا ہے جلیل القدر ائمہ، ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سوید بن نصر کے وہ ترمذی اور نسائی کے رجال میں سے ہے ثقہ ہے معروف ہے۔راوی امام جلیل عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں اور عبداللہ سے وہی مراد ہے۔ ہشام وہ دستوائی ہے۔عبداللہ ابن یزید صحابی ہیں۔ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ حافظ نے فتح میں اس کی تصحیح کی۔امام نسائی کی حدیث ہے کہ ہمیں محمد بن مثنی اس نے کہا کہ ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی داؤد سے اس نے کہا میں نے سعید سے پوچھا الخ۔ابن ابی عدی محمد بن ابراہیم ہے۔داؤد وہ ابن ابی ہند ہیں۔سعید وہ ابن مسیب ہیں۔سند کے تمام راوی ثقہ ہیں اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں سوائے داؤد کے کہ وہ بخاری کے علاوہ باقیوں کے رجال میں سے ہیں۔یہ دس سے زائد صحیح حدیثیں ہیں جو امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہیں،

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

وکذا صح عن ابن مسعود وعن ابنه عامر ابی عبیدۃ وعن علقمۃ وعن حماد فان ابا حنیفۃ عن حماد عن ابراھیم عن علقمۃ عن عبداللہ ان لم یفق مالکا عن نافع عن ابن عمر فلاینزل عنه ولاعن شیئ ماقیل اصح الاسانید عندنا و عند کل من نوراللہ بصیرته بنورالانصاف، وعن ابن عباس کما علمت مر تصحیحه عن ابن حزم وکذا عن عتبۃ بن فرقد السلمی وکذلك صحت الاثار وحسنت فی الطلاء مثلثا اومنصفا وغیرہ عن انس بن مالك حدیثه الاول عن الولید بن سریع الکوفی صدوق [1]۔ **والثانی** عندالنسائی قال اخبرنا اسحق بن ابراھیم ثنا وکیع ثنا سعد بن اوس عن انس بن سیرین [2] رجاله کلھم ثقات	اوراسی طرح ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ان کے بیٹے عامر ابوعبیدہ، علقمہ اور حماد سے صحیح حدیث منقول ہے۔ بیشک یہ سند ابوحنیفہ نے حماد سے، اس نے ابراہیم سے، اس نے علقمہ سے اور اس نے عبداللہ سے روایت کی اگر نہیں فوقیت رکھتی اس سند پر جو مالک نے نافع سے اوراس نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی تو اس سے کمتر بھی نہیں ہے، اورنہ اس شیئ سے جس کے بارے میں کہاگیاکہ یہ تمام سندوں سے صحیح ترین ہے۔ ہمارے نزدیک اورہر شخص کے نزدیک جسے اللہ تعالٰی نے نورانصاف کے ساتھ نورانی بصیرت عطا فرمائی، اورابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے جیسا کہ توجان چکا ابن حزم سے اس کی تصحیح گزرچکی ہے۔ اور یونہی عتبہ بن فرقد سلمی سے، اسی طرح صحیح اور حسن آثار اس طلاء کے بارے میں وارد ہیں جو مثلث ہو (یعنی جس کادو ثلث خشک ہوگیا) یا منصف ہو جس کا نصف خشک ہوگیا یا اس کے علاوہ۔ حضرت انس بن مالک سے ان کی پہلی حدیث ولید ابن سریع کوفی سے مروی ہے جو صدوق ہے۔ اوردوسری نسائی سے، انہوں نے کہاکہ ہمیں اسحٰق بن ابراہیم نے خبردی اس نے کہاہمیں وکیع نے اس نے کہاہمیں سعد بن اوس نے انس بن سیرین سے

[1] تقریب التہذیب ترجمہ الولید بن سریع ۷۴۵۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۸۵

[2] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوزشربۃ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

مشهورون من رجال الستة الاسعدا وسعد ان كان هو العبسى الكوفى كما يظن من رواية وكيع فثقة وثقه العجلى ويحيٰى و ابوحاتم وذكره ابناحبان و شاهين فى الثقات قال الحافظ لم يصب الأزدى فى تضعيفه[1] وان كان هو العدوى البصرى كما يفهم من تهذيب التهذيب[2] فصدوق لاينزل حديثه عن درجة الحسن و ثقة ابن حبان وغيره، **والثالث** عند ابن ابى شيبة عن وكيع بعين هذا السند وعن ابن سيرين عند النسائى اخبرنا سويد **اخبرنا** عبدالله عن هارون بن ابراهيم عن ابن سيرين قال بعه[3] الخ هذا كما ترى سند صحيح هارون ثقة[4]۔وعن على امير المؤمنين كرم الله تعالٰى وجهه حديثه عند النسائى	حدیث بیان کی،اس کے تمام رجال ثقہ اور صحاح ستہ کے رجال میں سے مشہور ہیں سوائے سعد کے اور سعد اگر عبسی کوفی ہے جیسا کہ وکیع کی روایت سے گمان کیا جاتا ہے تو وہ ثقہ ہے۔ اس کو عجلی،یحیٰی اور ابوحاتم نے ثقہ قرار دیا ہے،اس کا بن حبان اور شاہین نے ثقہ راویوں میں ذکر کیا ہے۔حافظ نے کہا کہ اس کو ضعیف قرار دینے میں ازدی نے درست نہیں کیا، اور اگر وہ عدوی بصری ہے جیسا کہ تہذیب التہذیب میں سمجھا جاتا ہے تو وہ صدوق ہے اس کی حدیث درجہ حسن سے ساقط نہیں ہوتی۔ابن حبان وغیرہ نے اس کو ثقہ قرار دیا۔اور تیسری حدیث ابن ابی شیبہ کے نزدیک وکیع سے بعینہٖ اسی سند کے ساتھ ہے اور ابن سیرین سے امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں خبر دی سُوَید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے ہارون بن ابراہیم سے اور اس نے ابن سیرین سے انہوں نے کہا اس کو بیچ دو الخ یہ جیسا کہ تو دیکھتا ہے صحیح سند ہے، ہارون ثقہ ہے۔اور امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ان کی حدیث امام نسائی کے نزدیک یوں ہے کہ ہمیں

[1] تقریب التہذیب ترجمہ سعد بن اوس ۲۲۳۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۴۳

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ سعد بن اوس ۸۷۱ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن ۳/ ۴۶۷

[3] سنن النسائی کتاب الاشربۃ الکراھۃ فی بیع العصیر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[4] تقریب التہذیب ترجمہ ہارون بن ابراہیم ۷۲۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۵۷

اخبرنا سوید اخبرنا عبداللہ عن جریر عن مغیرۃ عن الشعبی قال کان علی یرزق [1] الخ رجالہ کلھم ثقات وکلھم ماخلا سویدا من رجال الستۃ جریر، ھو ابن عبدالحمید صاحب منصور و مغیرۃ ھو ابن مقسم کوفیان بنیان، وشاھدہ ابن ابی شیبۃ بسند جید اما حدیث ضربہ الحد من سکر من اداوتہ فطریق الدارقطنی فیہ حسن، شریك من قد علمت و فراس من رجال الستۃ وثقہ احمد ویحیٰی والنسائی قال القطان ما انکرت من حدیثہ الاحدیث الاستبراء [2] وبہ یعتضد طریق ابی بکر، فیہ مجالد تکلم فیہ الناس وقال الحافظ لیس بالقوی وقد خرج لہ مسلم والاربعۃ۔ وعن ابی الدرداء وعن امہ حدیثہ عندالنسائی اخبرنا زکریا بن یحیٰی	خبر دی سوید نے اس نے کہا ہمیں خبر دی عبداللہ نے جلیل سے اس نے مغیرہ سے اس نے شعبی سے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو شراب دیتے تھے الخ۔ اس کے تمام رجال ثقہ ہیں۔ سوید کے سوا تمام صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں جریر وہ ابن عبدالحمید ہے جو کہ منصور کا صاحب ہے۔ مغیرہ وہ ابن مقسم ہیں، جریر و مغیرہ دونوں کوفی ہیں، اور اس حدیث کے شاہد ابن ابی شیبہ نے جید سند کے ساتھ ذکر کیا، لیکن وہ حدیث کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو حد لگائی جس نے آپ کے مشکیزے سے نبیذ پی اور اس کو نشہ ہو گیا، وہ بطریق دار قطنی حسن ہے، شریک جس کے بارے میں تُو جان چکا ہے اور فراس صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ اس کو امام احمد، یحیٰی اور نسائی نے ثقہ قرار دیا۔ قطان نے کہا میں نے اس کی حدیث کا انکار نہیں کیا سوائے حدیث استبراء کے۔ اور طریق ابوبکر کو اسی سے قوت ملی۔ اس میں مجالد ہے جس میں لوگوں نے کلام کیا۔ حافظ نے کہا وہ قوی نہیں ہے اس کے لئے امام مسلم نے اور اصحاب سنن اربعی نے تخریج کی۔ ابوالدرداء اور امّ درداء سے اس کی حدیث مروی ہے امام نسائی کے نزدیک حدیث اس طرح ہے کہ ہمیں زکریا بن یحیٰی نے خبر دی

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ فراس بن یحیٰی ۶۶۹۵ دار المعرفۃ بیروت ۳ /۳۴۳

ثنا عبدالاعلٰی ثنا حماد بن سلمۃ عن داؤد عن سعید بن المسیّب[1] ھذا سند صحیح نظیف،زکریا ھو خیاط السنۃ سکن دمشق[2]،و عبدالاعلٰی ھو ابن مسھر ابومسھر الدمشقی،وحماد من لایجھل، و داؤد ھو ابن ابی ھند کلھم ثقات جلۃ مشاھیر و حدیثھما عندابی بکر والسند کما رأیت من اجل الاسانید میمون بن مھر ان ثقۃ فقیہ[3] وعن ابی موسٰی الاشعری رواہ النسائی بطریق سوید عن عبداللہ عن ھُشَیم اخبرنا اسمٰعیل بن ابی خالد عن قیس بن ابی حازم عن ابی موسٰی[4] ھٰؤلاء کلھم من اکابر الائمۃ الثقات الاثبات کما لایخفی وعن سعید بن المسیّب بالطریق عـــہ عن سفیٰن عن یعلٰی بن عطاء یعلی ثقۃ[5] من رجال مسلم و	اس نے کہا ہمیں عبدالاعلٰی نے اس کو حماد بن سلمہ نے داؤد سے حدیث بیان کی اور اس نے سعید بن مسیب سے روایت کی۔یہ سند صحیح اور ستھری ہے زکریا وہ خیاط السنۃ ہے جو دمشق میں سکونت پذیر ہوا۔عبدالاعلٰی وہ ابن مسہر ابومسہر دمشقی ہے۔حماد یہ مجہول نہیں ہے۔داؤد وہ ابن ابی ہند ہے۔وہ تمام ثقہ،برگزیدہ اور مشہور ہیں۔ابوبکر کے نزدیک ان کی حدیث اور سند جیساکہ تونے دیکھا مضبوط ترین سند ہے۔میمون بن مہران ثقہ اور فقیہ ہے۔اورابو موسٰی اشعری سے مروی ہے اس کو نسائی نے بطریق سوید عبداللہ سے اور اس نے ہشیم سے روایت کیا۔ہشیم نے کہا ہمیں اسمٰعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے اور اس نے ابوموسٰی اشعری سے خبر دی۔یہ تمام اکابرائمہ میں سے ہیں ثقہ اورثبت ہیں جیساکہ پوشیدہ نہیں۔سعید بن مسیب سے اسی طریق سے سفیان سے مروی ہے سفیان نے یعلٰی بن عطاء سے روایت کی۔یعلٰی ثقہ اور مسلم کے رجال میں سے ہے اس نے

عـــہ: ای طریق سوید بن عبداللہ ۱۲منہ

[1] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[2] تقریب التھذیب ترجمہ زکریا بن یحیٰی ۲۰۳۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۱۴

[3] تقریب التھذیب ترجمہ میمون بن مھران ۷۰۷۵ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۳۷

[4] سنن النسائی کتاب الاشربۃ ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۳۴

[5] تقریب التھذیب ترجمہ یعلی بن عطاء ۷۸۷۴ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲ /۳۴۱

قال **اخبرنا** احمدبن خالد عن معن ثنا معوية بن صالح عن يحيٰى بن سعيد[1]. احمد بغدادى ثقة، معن القزاز ويحيى المدنى كلاهما ثقة ثبت من رجال الستة، ومعوية صدوق من رجال الخمسة، و عن الحسن البصرى بالطريق عن بشير بن المهاجر مختلف فيه وثقه ابن معين وغيره وقال النسائى ليس به بأس واخرج له مسلم والاربعة، وقال ابو حاتم لايحتاج به[2] **قلت** وقول احمد منكر الحديث ربما لايكون للحرج كما بيناه فى غيرھٰذا الكتاب فاذن حديثه فى عدادالحسن، وعن عمر بن عبد العزيز بالطريق عن عبد الملك بن طفيل الجزرى مقبول[3]، وعن ابى عبيدة وعن معاذ بن جبل وقد علق عنهما البخارى جازما، وعن ابى طلحة اسند عن ثلثتهم رضى الله تعالٰى عنهم ابوبكر وغيره والسند كله من جلة ثقات رجال الستة عن خالد بن الوليد۔

کہا ہمیں احمد بن خالد نے معن سے خبر دی اس نے کہا ہمیں معاویہ بن صالح نے یحیٰی بن سعید سے حدیث بیان کی، احمد بغدادی ثقہ ہے۔ معن القزاز اور یحیٰی مدنی دونوں ثقہ، ثبت اور صحاح ستہ کے رجال میں سے ہے۔ حسن بصری سے اسی طریق کے ساتھ بشیر بن مہاجر سے مروی ہے جس میں اختلاف کیا گیا۔ ابن معین وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا۔ نسائی نے کہا اس میں کوئی خرابی نہیں۔ مسلم اور اصحاب سنن اربعہ نے اس کے لئے تخریج کی۔ اور ابوحاتم نے کہا کہ وہ قابل استدلال نہیں۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) امام احمد کا قول "منکر الحدیث" بسا اوقات حرج کے لئے نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے اس کتاب کے غیر میں بیان کیا ہے، چنانچہ اس کی حدیث کا شمار حَسَن میں ہوگا۔ اور عمر بن عبدالعزیز سے اسی طریق کے ساتھ عبدالملک بن طفیل جزری سے روایت ہے جو کہ مقبول ہے۔ ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے امام بخاری نے بطور جزم تعلیق بیان کی، اور ابوطلحہ سے۔ ابوبکر وغیرہ نے ان تینوں سے مسنداً حدیث بیان کی۔ تمام سند کے راوی برگزیدہ، ثقہ اور صحاح ستّہ کے رجال میں سے ہیں، اور خالد بن ولید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ (ت)

(رسالہ الفقہ التسجیلی ختم ہوا)

[1] سنن النسائی کتاب الاشربة ذکر مایجوز شربہ من الطلاء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۳۳۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ بشیر بن المہاجر ۱۲۴۳ دار المعرفة بیروت ۱/ ۳۲۹_۳۳۰

[3] تقریب التہذیب ترجمہ عبدالملک بن الطفیل ۴۲۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۱۶

مسئلہ ۲۶تا۲۸: از مسجد جامع مسئولہ حامد حسین خاں بن الطاف علی ۶جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

جناب مولوی صاحب معظم ومکرم دام ظلکم! یہ چند امور حضور سے دریافت کئے جاتے ہیں:

(۱) اول یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیشتر اور جو نبی گزرے ہیں ان کے وقت میں شراب حلال تھی یا حرام؟

(۲) دوسرے یہ کہ ایک شخص نے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت میں شراب پی اور حالت نشہ میں نماز میں سورۃ غلط پڑھی؟

(۳) اور تیسرے یہ بیان کیا کہ حضرت امیر حمزہ صاحب نے حالت نشہ میں ایک اونٹنی بلاذبیحہ کا دل اور جگر کھایا۔

الجواب:

(۱) اگلی شریعتوں میں بلکہ خود شریعت اسلام کی ابتداء میں شراب کی تحریم نہ تھی ہاں نشہ ہمیشہ ہر شریعت میں حرام رہاہے۔

(۲و۳) امیر المومنین سیدنا مولانا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی نسبت امر مذکور کا بیان کرنے والا اگر اس شان اقدس مرتضوی پر طعن چاہتاہے تو خارجی ناصبی مردود جہنمی ہے ورنہ بلاضرورت شرعیہ عوام کو پریشان کرنے والا سفیہ، احمق، بدعقل، بے ادب ہے۔ یہی حال سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا ہے بلکہ اس میں قائل نے جھوٹ ملایا ہے اسے توبہ لازم ہے **لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۲۹:

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اطاعت والدین وبرادران واجب ہے یا فرض؟ اور درصورت ارتکاب ان کے یہ گناہ کبیرہ مثلاً زنا کرنا، چوری کرنا، ڈاڑھی منڈانا یاکتروانا ترک اطاعت واجب ہے یا اب بھی اطاعت کرنا چاہئے؟ اور اگر بعد ارتکاب کے لڑکا اپنے باپ سے یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے کہے کہ ڈاڑھی منڈانا یازنا کرنا یاچوری کرنا چھوڑدو، اور اس کے جواب میں وہ کہے کہ یہ توضرور کروں گا۔ اس حالت میں اطاعت کرے یا نہیں؟ اور اگر وہ شخص توبہ سے انکار کرے توکافر ہوا یا نہیں؟

الجواب:

اطاعت والدین جائز باتوں میں فرض ہے اگرچہ وہ خود مرتکب کبیرہ ہوں ان کے کبیرہ کا وبال ان پر ہے مگراس کے سبب یہ اُمورِ جائزہ میں ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہوسکتا، ہاں اگر وہ کسی ناجائز بات

کا حکم کریں تو اس میں ان کی اطاعت جائز نہیں، **لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی بھی شخص کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ت) ماں باپ اگر گناہ کرتے ہوں ان سے بہ نرمی وادب گزارش کرے اگر مان لیں بہتر ورنہ سختی نہیں کرسکتا بلکہ ان کے لئے دعا کرے، اوران کا یہ جاہلانہ جواب دینا کہ یہ توضرور کروں گا یا توبہ سے انکار کرنا دوسرا سخت کبیرہ ہے مگر مطلقًا کفر نہیں جب تک کہ حرام قطعی کو حلال جاننا یا حکم شرع کی توہین کے طور پر نہ ہو، اس سے بھی جائز باتوں میں ان کی اطاعت کی جائے گی ہاں اگر معاذاللہ یہ انکار بروجہ کفر ہو تو وہ مُرتد ہوجائیں گے، اور مُرتد کے لئے مسلمان پر کوئی حق نہیں۔ رہا بڑا بھائی وہ ان احکام میں ماں باپ کا ہمسر نہیں، ہاں اسے بھی حق تعظیم حاصل ہے اور بلاوجہ شرعی ایذارسانی تو کسی مسلمان کی حلال نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: بیجاپور گجرات ضلع بڑودہ شمالی کڑی پرانت مرسلہ حافظ فقیر محمد بن حافظ سلیمان میاں محلّہ بھوڑواڑہ ۱۵ شعبان ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں جو شراب مہوہ سے بناتے ہیں اور عرق کی طرح کھینچے جاتے ہیں اور اس کا نام شراب ہے اور تمام ملک میں مستعمل ہے پس ایک حکیم صاحبِ فقہ اوراہل علم ہے ان کی رائے ہے کہ تیزاب کی طرح نکالا جاتا ہے اگرچہ بسبب مُسکر کے حرام تو ہے لیکن دوا میں استعمال کرنا یا دوا کے واسطے پینا جائز ہے اور آٹھ قسم فقہ میں جو ہے اس میں سے کسی قسم میں یہ شراب نہیں ہاں سُکر کرے جب حرام ہے دوا میں پینا تھوڑا پینا کسی بیماری میں حرام نہیں اور حد اس پر نہیں۔ یہ کہنا حکیم صاحب کا صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر ایک درمختار کا مسئلہ افیون بھی پیش کرتے ہیں۔

الافیون حرام الالصاحب التداوی وغیرہ۔	افیون (افیم) حرام ہے سوائے اس شخص کے جو بطور علاج استعمال کرے (ت)

کی طرح اس کو بھی سمجھنا یا خمر کے موافق یہ شراب کیسے ہے اور حکم اس کا کیا ہے؟ بیّنوا توجروا اجر کم اللہ اجروافیا۔

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ مائعات مسکرہ یعنی جتنی چیزیں رقیق وسیال ہوکر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یا گڑ یا ناج یا لکڑی یا کسی بلا سے وہ سب شراب ہیں ان کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس وناپاک بھی اوران سے نشہ میں شراب کی طرح حد بھی ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے۔ بخلاف ان چیزوں کے جو بغیر سیال ہونے کے نشہ رکھتی ہیں جیسے افیون، مشک وزعفران وغیرہ

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث حکم بن عمرو الغفاری المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۶۶ و ۶۷

کہ یہ ناپاک نہیں اور بقدر سکر مطلقًا حرام ہیں یونہی بقصد لہو وفساد بھی مطلقًا حرام اگرچہ بقدر سکر نہ ہو، ورنہ مقدار، قلیل بغرض صحیح مثل دواوغیرہ بے تشبّہ فاسقین حلال ہے، تو درمختار کی اس عبارت کو مہوہ کی شراب سے کوئی تعلق نہیں، درمختار میں ہے:

حرمها محمد مطلقًا قليلها وكثيرها وبه يفتى وهو نجس ايضا ولوسكر منها المختار فی زماننا انه يحد وبه يفتى اما عند قصد التلهی فحرام اجماعا[1] اھ ملتقطا۔	امام محمد نے اس کو مطلقًا حرام قرار دیا ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر، اور اسی پر فتوٰی ہے، اور وہ نجس بھی ہے، اگر اس سے نشہ آئے تو ہمارے زمانے میں مختار یہ ہے کہ اس پر حد جاری کی جائے گی اسی پر فتوٰی ہے اور لہو ولعب کے ارادے سے پینا بالاجماع حرام ہے اھ ملتقطا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انه لايلزم من حرمة الكثير المسكر حرمة قليله ولانجاسته مطلقًا الا فی المائعات لمعنی خاص بها واما الجامدات فلا يحرم منها الا الكثير المسكر ولايلزم من حرمته نجاسته[2] الخ۔	خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت ونجاست لازم نہیں آتی سوائے مائعات کے اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے۔ لیکن جامد اشیاء میں سے صرف زیادہ مقدار جو کہ نشہ آور ہے وہی حرام ہے۔ اور اس کے حرام ہونے سے اس کا نجس ہونا لازم نہیں آتا الخ (ت)

درمختار میں ہے:

المحرم شرعا لايجوز الانتفاع به للتداوی[3]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو چیز شرعًا حرام ہے اس سے علاج معالجہ کے لئے نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ (ت) والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: ۴/صفر مظفر ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، حرمت بنگ مثل حرمت شراب کے ہے

---

[1] درمختار کتاب الاشربۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الاشربۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۳

[3] درمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۵۰

یااس سے کم ہے؟اور پینے والا بنگ کامرتکب کبیرہ ہے یا صغیرہ؟اور مستحل اس کاکافرہے یامبتدع یازندیق؟اگر کوئی طبیب کسی شارب خمر کو بجائے شراب کے استعمال بنگ تجویز کرے اوراس طبیب کامنشایہ ہو کہ استعمال بنگ سے پیناشراب کاچھوٹ جائے گاتویہ حلال ہوگایاحرام اوراس کامجوز گنہگار ہوگایانہیں؟اور نشہ بنگ کا اس مضمون حدیث میں کہ **کل مسکر حرام**[1] (ہر نشہ آور حرام ہے۔ت)**وایضًا مااسکر کثیرہ فقلیله حرام**[2] (جس کاکثیر نشہ آور ہو اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ت) داخل ہے یانہیں؟اگر کوئی شخص اس کے رنگ سے کپڑا رنگے اوراس کپڑے سے نماز پڑھے توجائز ہوگایاناجائز؟عبارت فتاوٰی بزازیہ سے توصراحتًااس کی نجاست معلوم ہوتی ہے جیساکہ منقول ہے:

قال محمد رحمة الله علیه ما اسکر کثیرہ فقلیله حرام وهو نجس ایضا قالوا وبقول محمد ناخذ[3] انتهی۔	امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا جس کاکثیر نشہ دے اس کا قلیل بھی حرام ہے اور وہ نجس بھی ہے۔علماء کرام نے کہا کہ ہم امام محمد کے قول سے اخذ کرتے ہیں انتہی(ت)

الجواب:

خمر کی حرمت قطعیہ بلکہ ضروریات دین سے ہے اس کے ایک قطرہ کی حرمت کامنکر قطعًاکافر ہے باقی مسکرات میں یہ حکم نہیں۔ ہاں بنگ وغیرہ کسی چیز سے نشہ کی حرمت کامنکر گمراہ ومخالف اجماع ہے شراب کی حرمت بعینہا ہے اور بنگ کی حرمت بعلت اسکار ہے نشہ بازی بنگ یاافیون کسی بلاد سے ہومطلقًاکبیرہ ہے،شراب کسی طرح کی ہو صرف حرام ہی نہیں بلکہ اس کی ایک ایک بوند نجس ناپاک ہے **هوالصحیح وعلیه الفتوی** (وہی صحیح ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)اور بنگ وافیون وغیرہما اشیاء جن کی خشکی میں بھی نشہ ہے ان کامسکر ہوناان کے بائع وسیال پانی کی مثل بہنے والی ہونے پر موقوف نہیں وہ نجس نہیں ان کا نشہ حرام ہے یہیں سے ظاہر ہواکہ بنگ کے رنگ سے یابنگ کپڑے میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاحکام باب امر الوالی اذاوجّہ امیرین الی موضع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۰۶۳،صحیح مسلم کتاب الاشربۃ باب النھی عن الانتاذ فی المذقت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۶۷،جامع الترمذی ابواب الاشربۃ باب ماجاء فی شارب الخمر امین کمپنی دہلی ۲ /۸

[2] جامع الترمذی ابواب الاشربۃ باب ماجاء مااسکر کثیرہ فقلیله حرام امین کمپنی دہلی ۲ /۹

[3] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الاشربۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۲۷

بندھی ہو تو نماز جائز ہے وہ کل مسکر حرام میں داخل ہے فانھا عرفیۃ عامۃ ای مادام مسکرا (اس لئے کہ یہ عرفیہ عامہ ہے یعنی جب تک وہ نشہ آور ہے۔ت) مگر ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام میں صرف مسکرات مائعہ مراد ہیں جن کا نشہ لانا ان کے سیال کرنے سے ہوتا ہے ورنہ مشک و عنبر و زعفران بھی مطلقاً حرام و نجس ہو جائیں کہ حد سے زیادہ ان کا کھانا بھی نشہ لاتا ہے یقینا نشہ جبکہ مطلقاً اجماعاً قطعی ہے شراب سے ہو خواہ بنگ وغیرہا کسی شیئ خراب سے، تو شرابی کو بجائے شراب بنگ سے کمی تجویز محض جہالت ہے اور ضرور معصیت ہے، حرام کا کرنا اور رائے دینا دونوں حرام ہیں، دوسرے کو ایک حرام سے بچانے کے لئے خود بھی حرام کا ارتکاب اور اسے بھی دوسرے حرام میں ڈالنا کیا مقتضائے عقل و دیانت ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ"[1]	اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو، جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا(ت)

ردالمحتار میں ہے:

والحاصل انه لایلزم من حرمة الکثیر المسکر حرمة قلیله ولانجاسته مطلقًا الا فی المائعات لمعنی خاص بها اما الجامدات فلا یحرم منها الا الکثیر المسکر ولایلزم من حرمته نجاسته۔[2] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	خلاصہ یہ ہے کہ کثیر نشہ آور کی حرمت سے اس کے قلیل کی حرمت و نجاست مطلقاً لازم نہیں آتی سوائے مائعات یعنی بہنے والی اشیاء کے، اس معنی کی وجہ سے جو ان کے ساتھ خاص ہے، رہیں جامدات یعنی ٹھوس اشیاء تو ان میں سے صرف کثیر نشہ آور مقدار ہی حرام ہے اور اس کی حرمت سے اس کی نجاست لازم نہیں آتی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: المرسل عبدالحکیم از ملک بنگالہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس بارہ میں کہ بعض جاہل بلکہ عالم یہ کہتے ہیں کہ

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۱۰۵

[2] ردالمحتار کتاب الاشربۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۹۳

حقہ پینا مکروہ ہے اور اس کا پانی اگر کپڑے پر گر جائے تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

الجواب:

حقے کے پانی کو ناپاک بتانا محض جہالت اور شریعت مطہرہ پر افترا ہے، اور حقہ جس طرح بعض جاہل افطار رمضان کے وقت پیتے ہیں جس سے کہ حواس میں خلل آتا ہے ضرور ناجائز اور گناہ ہے، اور تکیے وغیرہ کا حقہ جو مدّتوں تازہ نہ ہوتا ہو اور کریہہ بدبو دے مکروہ ہے، اور عام حقہ جیسا کہ اہل تہذیب پیتے ہیں جس میں بدبو نہیں ہوتی وہ محض مباح ہے، وقد فصّلناہ فی فتاوانا (اس کی تفصیل ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کردی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۳: از مارہرہ بنام شیخ امیر احمد ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ادویہ انگریزی استعمال ہوں یا نہ ہوں اور اگر ہوں تو وہ کون سی ہے جس کو بلا تکلف استعمال کرلیں، اور عام فتوٰی ان کا مطلوب ہے کل ادویات کی نسبت قابل استعمال اور ناقابل استعمال، آیا کل ادویہ ممنوع ہیں یا وہ صرف جن میں اثر شراب ہے خواہ پینے کی ہو خواہ مالش کی ہو، جواب جلد آئے تاکہ استعمال اور عطریات کا بھی معلوم ہو جائے کہ کل عطر منع ہیں جس میں آمیزش شراب کی ہو، بظاہر آمیزش شراب معلوم ہوتی ہو مگر اس میں خلط ہو اور ایسے عطریات کی مالش کیئے جائیں یا سونگھے جائیں؟ اس کی تفصیل بھی ہو جائے۔

الجواب:

انگریزی رقیق دوائیں جو ٹنچر کہلاتی ہیں ان میں عموماً اسپرٹ ہوتی ہے اور اسپرٹ یقیناً شراب بلکہ شراب کی نہایت بدتر قسموں سے ہے وہ نجس ہے، ان کا کھانا حرام، لگانا حرام، بدن یا کپڑے یا دونوں کی مجموع پر ملا کر اگر روپیہ بھر جگہ سے زیادہ میں ایسی شیئ لگی ہوئی نماز نہ ہوگی ہاں خشک دوا جس میں کسی نجاست کی خلط کا حال معلوم نہ ہو لگانا جائز ہے اور اگر کسی حرام شیئ کا اختلاط معلوم نہ ہو تو کھانے کی بھی اجازت ہے، اور افضل احتیاط ہے۔ انگریزی عطروں کا حال فقیر کو معلوم نہیں سوا اس کے کہ بہت بدبُو کریہہ الرائحہ ہوتی ہیں رقیق اشیاء میں ان کی قوت رکھنے کے لئے ڈاکٹری نسخوں میں اسپرٹ ہی کا مطلقاً استعمال ہے لہٰذا ان سے احتراز ہی چاہیے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان میں اسپرٹ ہے تو ان کا نہ صرف لگانا بلکہ سونگھنا بھی ناجائز ہے کہ شراب کے مول لینے والے اٹھانے والے پر بھی لعنت فرماتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۴: بتاریخ ۲۸ جمادی الاول ۱۳۲۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں بروز قیامت حقہ پینے والے سے حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام روئے مبارک پھیرلیں گے اور درود شریف اس کاپڑھنا قبول نہ ہوگا، یہ بیان غلط ہے یا صحیح؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ سب دروغ کاذب ہے اور شریعت مطہرہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء، حقہ تو مباح ہے، اگر بفرض غلط حرام بھی ہوتا تو اتنا گناہ نہ ہوتا جس قدر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کرنا کبیرہ شدیدہ ہے جس کے بعد بس کفرہی کادرجہ ہے **ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۵، ۳۶: مسئولہ عبدالرحیم خاں صاحب از بہرام پور ضلع مرشد آباد بنگال ۲۱ صفر ۱۳۳۲ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سنتے ہیں کہ تاڑی کے خمیر سے ڈبل روٹی پکائی جاتی ہے مسلمانوں کے لئے کھاناکیساہے؟

(۲) اس ملک میں اکثر کھجوروں کارس نکالتے ہیں اس رس کا گڑ بناتے ہیں اکثر کھیر بھی پکاتے ہیں اگر تازہ رس جو کہ شیریں ہوتاہے اور لوگ پیتے بھی ہیں دودھ یاکہ خمیر ملاکر تاڑی بناتے ہیں تاڑی کے پینے سے نشہ ہوتا ہے مسلمانوں کے لئے یہ کیساہے، ازروئے شرع جواب فرمایئے۔ اللہ تعالٰی اجرعطافرمائے گا۔

الجواب:

(۱) اگر ثابت ہوتواس سے احتراز چاہئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جب تک اس میں نشہ نہیں حلال ہے اور اس کی کھیر اور گڑ بھی جائز ہیں اور نشہ لانے کے بعد حرام بھی ہیں اور پیشاب کی طرح نجس بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۷: مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی وانمباڑ

اسپرٹ کااستعمال خوردنی اشیاء میں یارنگ وغیرہ میں جائز ہے یانہیں؟ بہت سے لوگ اس کو شراب کہتے ہیں۔

الجواب:

اسپرٹ واقعی شراب بلکہ سب شرابوں سے تیزوتند ہے حتّٰی کہ اپنی تیزی کے سبب سم ہوگی

مذہب معتمد مفتی بہ یہ ہے کہ ہر بائع مسکر کا ایک قطرہ بھی حرام اور نجس ہے لہٰذا اشیائے خوردنی نیز ادویہ میں اس کا استعمال مطلقاً حرام ہے انگریزی ٹنچروں میں عموماً اسپرٹ ہوتو کھانے پینے کے سوا لگنے وغیرہ میں جہاں خود اس کا چھونا لگانا پڑے وہ بھی ممنوع وناجائز ہے صرف کپڑوں میں فقیر کے نزدیک عموم بلوی حکم طہارت ہے اخذا باصل المذھب والتفصیل فی فتاوٰینا (اصل مذہب کا اعتبار کرتے ہوئے، اور تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ت)

مسئلہ ۳۸: مرسلہ عبدالرحیم ضلع ہوگلی دانمباڑ

پاؤروٹی جو ہندوستان میں اکثر جگہ تاڑی کے لگاؤ سے پکاتے ہیں اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور جو نہ معلوم ہو کہ یہ روٹی تاڑی سے بنی ہے اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور جو تاڑی شامل ہو اس کو جان کر جو کھائے اس پر توبہ لازم ہے یا نہیں؟ اور وہ شخص حرام شیئ کا حلال سمجھنے والا ہوا یا نہیں؟

الجواب:

مسئلہ تحریم حلال کو تو یہاں کوئی تعلق نہیں جب تک نشہ کو حلال نہ جانے،

لانہا فی الحرمۃ القطعیۃ ولیست فی تلك المشروبات الا فی الخمر المسکر حرام قطعا اجماعا۔	اس لئے کہ یہ حرمت قطعیہ میں ہے حالانکہ ان مشروبات میں حرمت قطعیہ نہیں سوائے نشہ آور خمر کے کہ وہ بالاجماع حرام قطعی ہے (ت)

اور جب یہ معلوم نہ ہو کہ یہاں روٹی میں تاڑی پڑتی ہے یا نہیں تو اس کا کھانا بھی حرام نہیں لان الاصل الاباحۃ ولا یثبت حکم بالشک (کیونکہ اصل اباحت ہے اور شک کے ساتھ کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا۔ت) ہاں اہل تقوی کو بچنا بہتر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فمن اتقی الشبہات فقد استبرأ لدینہ وعرضہ۔[1]	جو شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ (ت)

اور نہ بچیں تو مواخذہ نہیں۔ اشباہ ودرمختار میں ہے:

لیس زماننا زمان اتقاء الشبہات[2]۔	ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرألدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الحظر والاباحۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۰۸

اور جہاں تاڑی پڑنا معلوم ہو تو اس سے احتراز لازم ہے لان کل مائع مسکر نجس وحرام (کیونکہ ہر بہنے والی نشہ آور شیئ حرام اور نجس ہے۔ت) مگر جب ثابت ہو اکہ اس میں وہ تاڑی ملائی جایت ہے جو نشہ کی حالت تک نہ پہنچی یا اس طرح ملائی جاتی ہے کہ نمک وغیرہ کی وجہ سے اس کا نشہ قطعًا زائل ہو جاتا ہے اس وقت جواز ہوگا اور نرا احتمال کہ شاید نشہ نہ رہا ہو کافی نہ ہوگا لان الیقین لایزول بالشک (کیونکہ یقین شک سے زائل ہوتا ہے۔ت) اس صورت میں جو اسے کھائے اس پر توبہ لازم ہے اور ہاتھ اور منہ اور برتن پاک کرنا بھی جبکہ شیر یا شوربا میں کھائی گئی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۹: ازڈاک خانہ مہر گنج محلّہ چر لکھی ضلع بریسال ملک بنگالہ مرسلہ محمد حسین صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

یک جماعت ظاہر شدہ اند تمباکو را حرام گویند وحقہ نوشید را حرام زادہ گویند قول امام وصاحبان را اتباع نکنند۔	ایک جماعت ظاہر ہوئی جس کے لوگ تمباکو کو حرام اور حقہ پینے والے کو حرامزادہ کہتے ہیں۔ وہ لوگ امام صاحب اور صاحبین کی اتباع نہیں کرتے (ت)

الجواب:

تمباکو خوردن وکشید نوشیدن ہمہ رواست کما حققناہ فی حقة المرجان، وقد قال فی غمز العیون منہ یعلم حل شرب الدخان [1] وآنکہ حرام زادہ گفت تعدی بر شرع کرد وظلم بر مسلمانان عجب ست کہ بمقتضائے حدیث حرامزادہ نباشد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایبغی علی الناس الا ولد بغی اومن فیہ عرق منہ [2] وہر کہ اتباع ائمہ نکند بری از اتباع نتواں بود متبع شیطان ست	تمباکو کھانا، پینا اور سونگھنا سب جائز ہے جیسا کہ ہم نے رسالہ "حقة المرجان" میں اس کی تحقیق کی ہے۔ غمز العیون میں فرمایا کہ اس سے تمباکو نوشی کا حلال ہونا معلوم ہوا۔ اور جس نے حرامزادہ کہا اس نے شریعت پر زیادتی اور مسلمانوں پر ظلم کیا۔ عجب نہیں کہ وہ خود حدیث کے تقاضے کے مطابق حرامزادہ ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کو زناکار وہی قرار دیتا ہے جو ولدزنا ہو یا اس میں زنا کی کوئی راگ ہو اور جو ائمہ کرام

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدة الثالثہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۹۸

[2] شعب الایمان حدیث ۶۶۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۸۶، کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۳۰۴۵۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۹

گو متبع ائمہ مباش۔واللہ تعالٰی اعلم	کی اتباع نہیں کرتا وہ اتباع سے بری نہیں ہوتا،وہ شیطان کی اتباع کرنے والا ہوتا ہے اگرچہ ائمہ اتباع کرنے والانہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۰تا۴۲: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفرپور نعمت بوڑھا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

(۱) کھجور کا رس جو اس کے درخت کو چھیل کر ہنتنی کے پاس سے نکالتے ہیں اس کا پینا کیسا ہے؟

(۲) تاڑ کا پھل جس میں رس ہوتا ہے اس رس کو نکال کر تاڑی پیتے ہیں اور نشہ کی وجہ سے بدمست ہوجاتے ہیں لیکن پھل کھانے سے نہیں۔بدمست ہوجانا پھل کھانا کیسا ہے؟

(۳) تاڑی جو نشہ کی چیز ہے اس کا سرکہ بنا کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) جب تک نشہ نہ لائے جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

(۲) پھل کھانا جائز ہے اور تاڑی پینا حرام۔واللہ تعالٰی اعلم

(۳) جب حقیقۃً سرکہ ہوجائے جائز ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۳: اختر حسین طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۳صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ سوائے شراب کے بھنگ،افیون،تاڑی،چرس کوئی شخص اتنی مقدار میں پیئے کہ اس سے نشہ نہ آئے وہ شخص حرام کا مرتکب ہوا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

نشہ بذاتہ حرام ہے،نشہ کی چیزیں پینا جس سے نشہ بازوں کی مشابہت ہو اگرچہ نشہ تک نہ پہنچے یہ بھی گناہ ہے یہاں تک کہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ خالص پانی دورِ شراب کی طرح پینا بھی حرام ہے ہاں اگر دوا کے لئے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہو حرج نہیں بلکہ افیون میں اس سے بھی بچنا چاہئے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کردیتی ہے جو افیون کے سوا کسی بلا سے نہیں بھرتے تو خواہی نخواہی بڑھانی پڑتی ہے۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۴: شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ عبدالرحیم تاریخ ۲۱ ماہ شعبان ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک سائل کوچہ وبازار میں

پھرتا ہے اور ہر ایک سے سوال کرتا ہے کہ مجھے اللہ کے واسطے روٹی یا کپڑا یا پیسہ دو۔ بعض دیتے ہیں اور اکثر نہیں دیتے۔ اول اکثروں کے واسطے جو نہیں دیتے ہیں کیا حکم ہے؟ و نیز ایک شخص کسی دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ تو اپنی بیٹی کا اللہ کے واسطے میرے ساتھ نکاح کردے، لیکن وہ نہیں کرتا، اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ و نیز ایک شخص کسی صاحب ریاست و امارت سے کہتا ہے کہ ایک ہزار روپیہ مجھے اللہ کے واسطے دے دے مگر وہ نہیں دیتا اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ بعض سائل ان الفاظ میں سوال کرتے ہیں کہ خدا و رسول کے واسطے مجھے کچھ دو، یا کوئی شخص کسی سے کہہ بیٹھے کہ خدا اور رسول کے واسطے مجھے معاف کرو، ان پر ہر شخص کے واسطے از روئے شرع شریف کیا حکم ہے؟ بالتفصیل جواب عنایت ہو۔ یہ سوالات خالصًا لوجہ اللہ ہیں اس رو رعایت کسی کی نہ پائی جائے، جو شرع شریف کا حکم ہو وہ بیان فرمائیے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ملعون من سأل بوجه الله وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم یسأل هجرا. رواه الطبرانی[1] فی المعجم الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح۔	ملعون ہے جو اللہ کا واسطہ دے کر کچھ مانگے اور ملعون ہے جس سے خدا کا واسطہ دے کر مانگا جائے اس سائل کو نہ دے جبکہ اس نے کوئی بیجا سوال نہ کیا ہو (اس کو طبرانی نے معجم کبیر میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سأل بالله فاعطی کتب له سبعون حسنة. رواه البیهقی فی شعب الایمان[2] عن	جس سے خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگا جائے اور وہ دے دے تو اس کے لئے ستر نیکیاں لکھی جائیں (اس کو بیہقی نے شعب الایمان

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب الادعیۃ باب السؤال بوجہ اللہ الکریم دارالکتاب بیروت ۱۰/ ۱۵۳، الترغیب والترھیب السائل ان یسأل بوجہ اللہ حدیث ۱ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۱، کنز العمال بحوالہ طب عن ابی موسٰی حدیث ۱۶۷۲۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۰۲

[2] کنز العمال بحوالہ ھب عن ابن عمر حدیث ۱۶۰۷۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۶۳

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح۔	میں صحیح سند کے ساتھ سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من سألکم باللّٰہ فاعطوہ وان شئتم فدعوہ۔رواہ الامام الحکیم الترمذی [1] فی النوادر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی جو تم سے خدا کا واسطہ دے کر مانگے اسے دو اور اگر نہ دینا چاہو تو اس کا بھی اختیار ہے(اس کو امام حکیم ترمذی نے نوادر میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایسأل بوجہ اللہ الا الجنّۃ۔رواہ ابوداؤد [2] والضیاء عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	اللہ کے واسطے سے سوائے جنت کے کچھ نہ مانگا جائے(اس کو امام ابوداؤد اور ضیاء نے صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

علمائے کرام نے بعد توفیق و تطبیق احادیث یہ حکم منقح فرمایا کہ اللہ عزوجل کا واسطہ دے کر سوا اخروی دینی شیئ کے کچھ نہ مانگا جائے اور مانگنے والا اگر خدا کا واسطہ دے کر مانگے اور دینے والے کا اس شیئ کے دینے میں کوئی حرج دینی یا دنیوی نہ ہو تو مستحب وموکد دینا ہے ورنہ نہ دے بلکہ امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ جو خدا کا واسطہ دے کر مانگے مجھے یہ خوش آتا ہے کہ اسے کچھ نہ دیا جائے یعنی تاکہ یہ عادت چھوڑ دے،اس تفصیل سے سب سوالات کا جواب واضح ہوگیا۔جو خدا کا واسطہ دے کر بیٹی مانگے اور اس سے مناکحت کسی دینی یا دنیوی مصلحت کے خلاف ہے یا دوسرا اس سے بہتر ہے تو ہرگز نہ مانا جائے کہ دختر کے لئے صلاح واصلح کا لحاظ اس بیباک سے اہم واعظم ہے اور روپیہ پیسہ دینے میں اپنی وسعت وحالت اور سائل کی کیفیت وحاجت پر نظر درکار ہے اگر یہ سائل قوی تندرست گدائی کا پیشہ ور جوگیوں کی طرح ہے تو ہرگز ایک پیسہ نہ دے کہ اسے سوال حرام اور اسے دینا حرام پر اعانت کرنا ہے دینے والا گناہگار ہوگا اور اگر صاحب حاجت ہے اور

[1] کنزالعمال بحوالہ الحکیم عن معاذ حدیث ۱۶۲۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۴۰۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوۃ باب کراھیۃ المسألۃ بوجہ اللہ تعالٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۳۵

جس سے مانگا اس کا عزیز وقریب بھی حاجتمند ہے اوراس کے پاس اتنا نہیں کہ دونوں کی مواسات کرے تواقربا کی تقدیم لازم ہے ورنہ بقدرطاقت ووسعت ضروردے اورروگردانی نہ کرے۔یہ سوالات کاجواب تھااوراتنی بات اور گزارش ہے کہ بے ادب سائل ہونانہ چاہئے، سوال کیاجائے علمائے کرام سے کہ کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین،اورآخرمیں یہ ہدایت کی جائے کہ رورعایت کسی کی نہ پائی جائے،یہ کھلی دریدہ دہنی ہے،علمائے دین ومفتیان شرع متین کو کسی کی رُورواعایت سے کیاتعلق،جواحکام الٰہیہ ہیں بتاتے ہیں جوکسی کی رُورعایت سے معاذاللہ قصداً حکم غلط بتائیں وہ علمائے دین کب ہوئے نائبان شیطان ہوئے،عوام پر علمائے دین کاادب باپ سے زیادہ فرض ہے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثلثۃ لایستخف بحقھم الاالمنافق بین النفاق ذو الشیبۃ فی الاسلام والامام المقسط ومعلم الخیر۔ رواہ ابوالشیخ فی التوبیخ عن جابر والطبرانی فی الکبیر[1] بسند حسن عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	تین شخص ہیں جن کے حق کوہلکانہ جانے گامگرمنافق کھلا منافق ازانجملہ ایک بوڑھا مسلمان،دوسرا عالم کہ مسلمان کو نیک بتائے،تیسرا بادشاہ مسلمان عادل۔(اس کوابوالشیخ نے توبیخ میں حضرت جابر سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اس سائل نے لکھے تھے اس پر چشم پوشی کی گئی اب یہ دوسری بار ہے لہٰذا اطلاع دی گئی سائل کواگران الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی توشروع سوال میں کیافرماتے ہیں علمائے دین، مطلق نہ لکھاکرے، جس سے توہین علماء پیداہو بلکہ خاص اس فقیرکانام لکھ کرآخیرمیں جیسے الفاظ چاہے لکھے واللہ الھادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۱۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸ /۲۳۸، کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ والتوبیخ حدیث ۴۳۸۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶ /۳۲

کتاب الرھن

(رہن کابیان)

مسئلہ ۴۵: ۲۲صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیئ مرہونہ کو اپنے استعمال میں لانا یااس میں سکونت کرنا کسی طور سے جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

کسی طرح جائز نہیں، حدیث میں ہے:

کل قرض جرمنفعة فھو ربو [1] ۔اخرجه الحارث عن سیدنا علی کرّم اللہ تعالٰی وجھه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	یعنی قرض کے ذریعہ سے جومنفعت حاصل کی جائے وہ سود ہے۔(اس کی تخریج حارث نے سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے کی اور حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ت)

علامہ طحطاوی پھرعلامہ شامی خود شرح درمختار میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ	لوگوں کاغالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیئ دیتے وقت نفع اٹھانے کاارادہ رکھتے ہیں

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی الباب الثانی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لما اعطاہ الدراهم وهذا بمنزلة الشرط لان المعروف کالمشروط وهو ممایعین المنع[1] انتهی اقول: ولاشك ان هذا بعينه حال اهل الزمان يعرفه منهم كل من اختبر ومعلوم ان احکام الفقه انما تبنی علی الکثیر الشائع ولاتذکر حال شذت و ندرت فيه الجواز کما نص علیه المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر وغیره من العلماء الکرام فالحکم فی زماننا هو اطلاق المنع لایرتاب فیه من له المام بالعلم ، والکلام ھٰھنا وان کان طویلا فجملة القول ماذکرنا واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اگر یہ نفع اٹھانا مطلوب نہ ہوتو وہ قرض کے لئے درہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہوگیا اس لئے کہ جو چیز معروف ہو وہ مشروط کی طرح ہوتی ہے اور یہ بات ممانعت کو معین کرتی ہے انتہی، **میں کہتاہوں** کہ بیشک بعینہٖ یہی حال ہمارے زمانہ والوں کا ہے جس کو ہر باخبر شخص جانتا ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ فقہی احکام کی بنیاد کثرت سے واقع ہونے والے مروّج حال پر ہوتی ہے اور اس حال کا تذکرہ نہیں کیاجاتا جس میں جواز شاذونادر ہو۔ جیساکہ اس پر محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور دیگر علماء کرام نے نص فرمائی ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں مرہون سے نفع حاصل کرنے کی مطلقاً ممانعت کاحکم ہے، اور اس میں علم سے کچھ بھی تعلق رکھنے والے شخص کو شک نہیں ہوگا۔ یہاں گفتگو اگرچہ طویل ہے مگر اجمالی بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کردی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۶: ۲۲/ صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مثلاً سَو روپیہ کو زید نے عمرو کے پاس رہن رکھا عمرو نے اس خیال سے کہ مجھ کو مکان مرہونہ میں سکونت ناجائز ہے بکر ہندو کے ہاتھ بعوض اسی قدر پر زرِ رہن کے رہن کردیا اور اپنا اُتناہی روپیہ بلا کسی نفع کے بکر سے لے لیا، اب اس مکان میں عمرو کو بکر سے کرایہ پر لے کر سکونت اختیار کرنا جائز ہے یا نہیں اور معاملہ مذکورہ شرعًا درست ہوگا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

الجواب:

شرع مطہر نے عقدرہن صرف اس لئے مشروع فرمایاہے کہ قرض دہندہ کواپنے روپیہ کااطمینان ہوجائے اور وصول نہ ہونے کا اندیشہ جاتارہے اس کی مالیت سے ایک حق مرتہن کا متعلق ہوجاتاہے اور عین شیئ میں سواحفظ وحبس کے کوئی استحقاق نہیں ہوتا مرہون کے رہن یااجارہ کااُسے اختیار نہیں کہ وہ شے اس کی مملوک نہیں صرف اس کے پاس محبوس ہے۔

فی الدرالمختار له حبس رهنه لاالانتفاع به مطلقًا لاباستخدامه ولاسکنی ولالبس ولااجارة ولااعارة[1] الخ وفی ردالمحتار عن التتارخانیة عن شرح الطحاوی لیس للمرتهن ان یرهن الرهن۔[2]	درمختار میں ہے مرتہن کومرہون کے روک رکھنے کااختیار ہے اس سے کسی قسم کانفع اٹھانے کی اجازت نہیں، نہ اس سے خدمت لینے کی، نہ سکونت کی، نہ پہننے کی، نہ اُجرت پر دینے کی اور نہ عاریت پر دینے کی الخ، ردالمحتار میں ہے تاتارخانیہ سے بحوالہ شرح الطحاوی منقول ہے کہ مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون کو رہن پر دے دے۔(ت)

یہاں تک کہ اگربے اذن راہن ان تصرفات کاارتکاب کرے گا گنہگار ہوگااور غاصب ٹھہرے گا۔

کمانص علیه فی غایته ولذالوهلك هلك بالقیمة بالغة مابلغت لابالدین، فی الدرالمختار ضمن بایداعه واعارته واجارته واستخدامه وتعدیه کل قیمته[3] اھ وفی الهندیة عین الرهن امانة فی ید	جیساکہ غایۃ البیان میں اس پر نص کی گئی۔یہی وجہ ہے کہ اگرمرہون ہلاک ہوجائے تو وہ قیمت کے بدلے میں ہلاک ہو جائے گا چاہے جتنی بھی قیمت ہوجائے نہ کہ قرض کے بدلے میں درمختار میں ہے کہ مرتہن مرہون کی کل قیمت کاضامن ہوگا جبکہ وہ مرہون کو ودیعت رکھے، عاریت پردے، اجارہ پردے، اس سے خدمت لے یا تعدی کرے الخ ہندیہ میں ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۹

[3] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

المرتھن بمنزلة الودیعة ففی کل موضع لوفعل المودع بالودیعة لایغرم فکذلك اذا فعل المرتھن ذلك بالرھن[1] اھ ملتقطا	کہ مرہون شیئ بعینہٖ مرتہن کے ہاتھ میں امانت ہے جیسا کہ ودیعت۔ چنانچہ جس جگہ ودیعت میں کچھ تصرف کرنے سے اس شخص پر تاوان لازم نہیں آتا جس کے پاس ودیعت رکھی گئی اسی طرح وہاں رہن میں جب مرتہن کوئی تصرف کرے تو اس پر بھی تاوان لازم نہیں آئے گا اھ (التقاط) (ت)

اور اگر باذن راہن واقع ہوں تو یہ تصرفات اگرچہ جائز و نافذ ہوں گے مگر وہ رہن زائل ہوجائے گا اور مرتہن مذکور مرتہن نہ رہے گا،

فی الدر المختار الاجارة والرھن من اجنبی اذا باشرھا احدھما باذن الاٰخر یخرج عن الرھن ثم لایعود الابعقد مبتدأ لانھا عقود لازمة بخلاف العاریة[2] اھ ملخصا۔	درمختار میں ہے اجنبی شخص سے مرہون کا اجارہ یا عقدرہن جبکہ راہن اور مرہون میں سے کوئی ایک دوسری کی اجازت سے اس کا مباشر ہو تو وہ رہن سے خارج ہوجاتا ہے پھر سوائے نئے عقد کے رہن کی طرف عود نہیں کرتا اس لئے کہ مذکورہ بالا عقود لازم ہیں بخلاف عاریت کے الخ ملخصا (ت)

بہر حال یہ حیلہ عمرو کو کچھ مفید نہیں کہ اگر زید کا اذن نہ تھا تو یہ عقود مال غیر میں تصرف بے جا و گناہ ہے نہ اس مکان میں رہنا جائز، اور اگر باذن زید واقع ہوئے یا بعد وقوع اس نے جائز کردیئے تو اجارہ صحیح اور مکان میں سکونت حلال بعد اجازت اور جو کرایہ ہو اس کا مالک زید مگر مکان رہن سے نکل گیا۔

فی شرح الطحاوی ثم التتارخانیة ثم الشامیة ان رھن باذن الراھن صح الثانی وبطل الاول[3] اھ وفی الھندیة ان آجر المرتھن	شرح طحاوی پھر تاتارخانیہ پھر شامیہ میں ہے اگر مرتہن نے راہن کی اجازت سے مرہون شیئ کو کسی کے پاس رہن رکھا تو دوسرا رہن صحیح اور پہلا باطل ہوگیا الخ ہندیہ میں ہے کہ

---

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الرہن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار بحوالہ التاتارخانیة عن شرح الطحاوی کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۹

من اجنبی بأمر الراھن یخرج من الرھن وتکون الاجرۃ للراھن[1] الخ۔	اگر مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شیئ کسی کو اجارہ داری پر دی تو وہ رہن سے نکل جائے گی اور اُجرت راہن کے لئے ہوگی الخ (ت)

شقوق اس مسئلہ میں بکثرت ہیں،

لان رھن المرتھن اما ان یکون باذن الراھن اولا و علی الثانی اما ان یجیز او یردّ اولا ولا فھٰذہ اربعۃ وعلٰی کل منھا مثلھا فی الاجارۃ فتکون ستۃ عشر وان جعل الاولان من التشقیقین واحدا لاتحاد الحکم فان الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ کما فی الخیریۃ[2] فتبقٰی تسعۃ۔	کیونکہ مرتہن کا مرہون کو رہن رکھنا یا تو راہن کی اجازت سے ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا، بصورت ثانی راہن اجازت دے دے گا یا رَد کردے گا یا نہ اجازت دے گا اور نہ ہی رد کرے گا تو اس طرح چار صورتیں ہوجائیں گی پھر ان میں سے ہر ایک میں یوں ہی چار صورتیں اجارہ کی بنیں گی، چنانچہ مجموعی احتمالات سولہ ہوجائیں گے اور اگر دونوں تشقیقوں کی پہلی صورت کو اتحادِ حکم کی وجہ سے ایک بنادیا جائے کیونکہ اجازت لاحقہ، وکالت سابقہ کی طرح ہوتی ہے جیساکہ خیریہ میں ہے، تو باقی نو صورتیں بچیں گی (ت)

لیکن حاصل حکم اُسی قدر ہے کہ یا تو رہن معدوم یا یہ اجارہ بے جا اور سکونت ناجائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۷: ۲۲/ صفر ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرتہن سے مکان مرہون کرایہ پر لینا مالک مرہون یا غیر مالک کو مباح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

مرتہن سے راہن کا شیئ مرہون کو کرایہ پر لینا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا کہ مالک کا اپنی مِلک کو

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۵۶

دوسرے سے کرایہ پر لینا محض بے معنی ہے۔

فی الھندیۃ آجرھا من الراھن لاتصح الاجارۃ۔[1]	ہندیہ میں ہے مرتہن نے مرہون شیئ راہن کو اجرت پر دی تو اجارہ صحیح نہیں ہوگا۔ (ت)

اور اجنبی کو بھی مرتہن سے اجارہ پر لینا مباح نہیں کہ وہ غیر مالک ہے اور کرایہ پر دینے کا اصلاً اختیار نہیں رکھتا تو جس طرح مرتہن اس فعل سے گناہ گار ہوگا کہ اس نے ملک غیر میں تصرف بیجا کیا اس لئے کرایہ اُسے حلال نہ ہوگا بلکہ شرع حکم دے گی کہ خیرات کردے یا راہن کو دے دے اور یہ اولٰی ہے **کما حققناہ فی تحریر مستقل** (جیسا کہ ہم نے مستقل تحریر میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت) اسی طرح یہ مستاجر بھی جبکہ جانتا ہو کہ مکان اس کی ملک نہیں بلکہ اس کے پاس بطور رہن ہے اس سے کرایہ پر لے کر مبتلائے گناہ ہوگا کہ یہ غیر کے مکان میں بے اس کے اجازت کے رہا اور مرتہن کو گناہ پر معاون ہوا،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ "[2]، ومن القواعد المقررۃ ان ماحرم اخذہ حرم اعطائہ۔[3]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو" اور مسلمہ قواعد میں سے ہے کہ جس چیز کا لینا حرام اس کا دینا بھی حرام ہوتا ہے۔ (ت)

ہاں اگر یہ اجارہ باذن راہن واقع ہو یا راہن بعد وقوع، اجازت دے دے تو بیشک عقد جائز و نافذ اور رہنا حلال ومباح ہوجائے گا مگر اس تقدیر پر در حقیقت راہن سے اجارہ لینا ہوا نہ مُرتہن سے ولہذا بعد اجازت جو کرایہ آئے گا اس کا مالک راہن ہوگا اور اس صورت میں مکان مرہون رہن سے نکل جائے گا کما فی الھندیۃ وغیرھا (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از جالندھر محلّہ راستہ بھگواڑہ دروازہ مرسلہ میاں شمس الدین شعبان ۱۳۱۰ھ

گروی زمین و مکانات سے نفع اٹھانا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۴

[2] القرآن الکریم ۵/ ۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الرابعۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۹

الجواب: اس قسم کے قول منقح ومحرر واصل محقق ومقرر یہ ہے کہ بربنائے قرض کسی قسم کا نفع لینا مطلقاً سود وحرام ہے، حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعة فھو ربًا۔ رواہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیر المومنین المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو قرض کوئی نفع کھینچ کرلائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث نے اپنی مسند میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور اگر اس بنا سے جدا ویسی ہی باہمی سلوک کے طور پر کوئی نفع وانتفاع ہو تو وہ مدیون کی مرضی پر ہے اس کے خالص رضا واذن سے ہو توروا ورنہ حرام، اب یہ بات کہ یہ انتفاع بربنائے قرض ہے یا بطور سلوک اس کے لئے معیار شرط وقرارداد ہے یعنی اگر قرض اس شرط پر دیا کہ نفع لیں گے تو وہ نفع بربنائے قرض حرام ہوا، اور اگر قرض میں اس کا کچھ لحاظ نہ تھا پھر آپس کی رضامندی سے کوئی منفعت بطور احسان ومروّت حاصل ہوئی تو وہ بربنائے حسن سلوک ہے نہ بربنائے قرض تو مدار کار شرط پر ٹھہرا یعنی نفع مشروط سُود اور نفع غیر مشروط سود نہیں بلکہ باذن مالک مباح، پھر شرط کی دو صورتیں ہیں: نصًا یعنی بالتصریح قرارداد انتفاع ہوجائے، اور عُرفاً کہ زبان سے کچھ نہ کہیں مگر بحکم رسم ورواج قرارداد معلوم اور دادوستد خود ہی ماخوذ ومفہوم ہو ان دونوں صورتوں میں وہ نفع حرام وسُود ہے،

فان المعھود کالمشروط لفظًا۔[2]	اس لئے کہ بے شک جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو وہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے لفظوں میں مشروط ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے:

قالوا اذا لم تکن المنفعة مشروطة ولا متعارفة	مشائخ نے کہا جو منفعت مشروط نہ ہو اور نہ ہی متعارف ہو تو اس میں کوئی

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسة الرسالة بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فیما یدخل فی البیع تبعاً الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۹

فلاباس[1]۔	حرج نہیں۔(ت)

فتح القدیر میں ہے:

فی الفتاوی الصغری وغیرھا ان کان النفع مشروطا فی القرض فھو حرام والقرض بھذا الشرط فاسد و الاجاز،الاتری انه لو قضاه احسن مما علیه لایکره اذالم یکن مشروطا وقالوا انما یحل ذٰلك عند عدم الشرط اذا لم یکن فیه عرف ظاھر،فان کان یعرف ان ذٰلك یفعل لذٰلك فلا[2] اھ ملخصًا۔	فتاوٰی صغرٰی وغیرہ میں ہے کہ اگر قرض میں نفع کی شرط لگائی گئی تو نفع حرام،اور قرض اس شرط کے ساتھ فاسد ہوگا، اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو جائز ہے۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ جس پر قرض ہے اگر وہ قرض سے زیادہ بہتر واپس کرے تو یہ مکروہ نہ ہوگا بشرطیکہ اس کی شرط نہ لگائی گئی ہو۔مشائخ نے کہا عدم شرط کی صورت میں یہ حلال تب ہوگا جب زیادہ واپس کرنے کا عرف ظاہر نہ ہو اور اگر یہ معروف ہے تو پھر ایسا کرنا جائز نہیں اھ اختصار۔(ت)

منح الغفار میں جواہر الفتاوٰی سے ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیه منفعة فھو ربًا والافلا باس به۔[3]	جب شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہوگیا جس میں نفع ہے لہٰذا وہ سود ہوا اور اگر مشروط نہیں تو کوئی حرج نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ما فی الجواھر یصلح للتوفیق وھو وجیه،وذکروا نظیره فیما لو اھدی المستقرض للمقرض	جو کچھ جواہر میں ہے وہ موافقت کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ وجیہ ہے۔اس کی نظیر مشائخ نے ذکر کی کہ جب مقروض قرض دہندہ کو

[1] الدرالمختار کتاب الحوالہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الحوالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۵۶

[3] ردالمحتار بحوالہ جواھر الفتاوٰی کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

ان کانت بشرط کرہ والافلا۔[1]	ہدیہ دے تو اگر اس کی شرط لگائی گئی ہے تب تو مکروہ ہے ورنہ نہیں۔(ت)

جب یہ اصل کلی معلوم ہولی حکم مسئلہ واضح ہوگیا کہ اگر مکان وغیرہ شیئ مرہون سے مرتہن کا بذریعہ سکونت وغیرہ نفع لینا مشروط ہوچکا ہے جیسا کہ دخلی رہن ناموں میں اس کی صاف تصریح ہوئی ہے جب تو اس کا صریح سُود حرام ہونا ظاہر، ورنہ غالب عرف وعادت رسم ورواج زمانہ صراحۃً حاکم ابنائے زمان اسی نفع کی غرض سے قرض دیتے ہیں اور لینے دینے والے سب بغیر ذکر اسے قرار یافتہ سمجھتے ہیں، اگر مرتہن جانے کہ مجھے انتفاع نہ ملے گا ہر گز عقد نہ کرے اور راہن بوجہ قرض دبا ہوا نہ ہو تو کبھی مجبورًا اجازت انتفاع نہ دے ولہذا مرتہن اس نفع وسود کو اپنا حق واجب جانتے ہیں اور راہن کو اس پر مجبور کرتے ہیں، تو یہ انتفاع اگرچہ لفظًا مشروط نہ ہو عرفًا بیشک مشروط ومعہود ہے تو حکم مطلق حرمت وممانعت ہے۔علامہ احمد طحطاوی پھر علامہ محمد شافعی قدس سرہما ایسا ہی حواشی دُر میں فرماتے ہیں:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع۔[2]	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ رہن کے وقت وہ مرہون سے نفع اٹھانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر نفع متوقع نہ ہو تو قرض پر درھم ہی نہ دیں گے، اور وہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف کا حکم مشروط کے حکم کی مثل ہوتا ہے اور یہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔(ت)

ہاں اگر مرتہن بے لحاظ انتفاع قرض دے اور صرف بغرض وثوق وصول جو تشریع رہن سے مقصود شارع ہے رہن لے اور عاقدین وقت عقد صراحۃً شرط کرلیں مرتہن کسی طرح نفع اٹھانے کا مجاز نہ ہوگا،

وذٰلك لان ما صار معروفا لا یصیر مرفوعا بالسکوت	یہ اس لئے ہے کہ جو چیز معروف ہوچکی ہو وہ چپ رہنے سے مرفوع نہیں ہوجاتی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] ردالمحتار کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

فلایکفی عدم الشرط بل شرط العدم کی یفوق الصریح الدلالۃ۔	لہٰذا شرط نہ لگانا کافی نہیں بلکہ عدم نفع کی شرط ضروری ہوگی تاکہ صریح، دلالت پر فوقیت پاجائے۔(ت)

پھر راہن اپنی خوشی سے مرتہن کو انتفاع کی اجازت دے اور مرتہن صرف برنبائے اجازت نہ کہ اپنا استحقاق جان کر نفع اٹھائے اور حال یہ ہو کہ اگر راہن اس وقت روک دے تو فوراً رُک جائے یعنی بعد اس شرط عدم انتفاع کے مالک نے برضائے خود مکان رہن میں رہنے کا اذن دیا یہ آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس نے منع کیا تو معاً باز رہے اور اصلاً چون وچرانہ کرے تو ایسا انتفاع جب تک رضائے راہن رہے حلال ہوگا، مگر حاشا ہندوستان میں اس صورت کی صورت کہاں، اللہ عزوجل مسلمانوں کی اصلاح فرمائے، آمین! **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۹: ۴/رجب ۱۳۱۲ھ:

زید نے عمرو سے مبلغ دوہزار روپے بلاسود قرض لئے ایک موضع اپنا بطور رہن کے عمرو کے قبضہ میں دے دیا توفیر اس موضع کی تقریباً تین سو روپیہ ہے اس صورت میں بعوض حق المحنت تحصیل وصول زر وادائے سامان حاکم وقت ودیگر کاروبار متعلقہ موضع مذکور کے مبلغ دس روپیہ ماہوار کے حساب سے ایک سو بیس روپیہ سالانہ عمرو کو دینا چاہتا ہے، پس لینا اُجرت مذکور کا عمرو کو زید سے بحالت مسطورہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور زید کے کاموں کا انجام دینا اور توفیر وصول کرکے پہنچانا باخذ اجرت وحق المحنت درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

رہن واجارہ باہم دو عقد متنافی ہیں کہ شرعاً جمع نہیں ہوسکتے جو اُن میں بوصف نفاذ دوسرے پر وارد ہوگا اسے باطل کردے گا **کما نص علیہ الکبار فی معتمدات الاسفار** (جیسا کہ اس پر معتمد کتابوں میں علماء کبار نے نص فرمائی ہے۔ت) تو رہن دیہات کا یہ طریقہ کہ زمین مزارعین پر کے اجارہ پر رہے اور گاؤں مرتہن کے پاس رہن ہو محض باطل وبے معنی ہے بلکہ یہ رہن اجازت مستاجران زمین پر موقوف رہے گا اور اگر وہ باطل کردیں گے رہن باطل ہوجائے گا اجازت دیں گے تو ان کا اجارہ باطل ہو کر ان کی طرف سے استعفاء قرار پائے گا پھر بعد استعفاء جب رہن صحیح ہوا تو اب زمین زراعت پر نہیں اُٹھ سکتی اگر راہن بے اجازت مرتہن زمین

اٹھائے گا اجازت مرتہن پر موقوف رہے گی، اگر باطل کردے گا اجارہ زمین باطل ہوجائے گا رہن قائم رہے گا، اجازت دے گا تو رہن باطل اجارہ زمین صحیح ہوجائے گا، بہرحال رہن واجارہ دونوں جمع ہوں یہ ہرگز نہ ہوگا کل ذٰلك مصرح به فی الکتب الفقھیة (اس تمام کی تصریح فقہ کی کتابوں میں کردی گئی ہے۔ت) پس صورت مستفسرہ میں کہ زید نے اپنا گاؤں عمرو کے پاس رہن رکھا، ظاہر ہے کہ مزارعین دِہ سے استعفاء نہ لیا ہوگا کما ھو المعروف والمعھود فی ھذا العھود (جیسا کہ اس زمانے میں مشہور و معروف ہے۔ت) تو شرعًا وہ رہن صحیح ہی نہ ہوا، اور اگر بالفرض استعفاء لے بھی تو اب کہ مزارعوں کے پاس اجارہ پر ہے ضرور ہے کہ یہ اجارہ بعد رہن یا راہن نے کیا اور مرتہن سے اسے جائز رکھا کہ تحصیل زر اجارہ پر نوکر رکھنا چاہتا ہے یا مرتہن نے کیا اور راہن نے اسے جائز کردیا کہ تحصیل زر اجارہ پر اسے نوکر رکھنا چاہتا ہے بہرحال گاؤں رہن سے نکل گیا اب نہ زید راہن نہ عمرو مرتہن، نوکری کا اختیار ہے قرضہ عمرو ذمہ زید جدا رہا۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔**

مسئلہ ۵۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفضلائے شرع متین اس بارے میں کہ ایک مکان پختہ زید کا اور بعد فوت زید کے وہ مکان بیچ قبض ودخل دونوں لڑکوں زید کے رہا ایک طفل کلاں کا نام عمرو اور طفل خورد کا نام بکر بباعث تنگدستی کے بکر حصہ اپنا غیر شخص کے ہاتھ مبلغ چہار صد روپیہ کو فروخت کرتا تھا عمرو نے ظلم تعدی کرکے مبلغ تین سو روپیہ کو خرید لیا اس میں سے مبلغ ایک سو روپیہ نقد بکر کو دیئے اور بالعوض مبلغ صد روپیہ کے مکان سکونت اپنے کا عمرو نے پاس بکر کے رہن دخلی کردیا بعدہ وہ مکان بکر ایہ سہ روپیہ ماہواری کرایہ پر بکر نے دے دیا وہ کرایہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر صحت بیع اگر بکر نے مکان مرہون باجازت عمرو کرایہ پر دیا تو رہن باطل ہوگیا اور زر کرایہ عمرو کو ملے گا بکر کا اس میں کچھ حق نہیں اور جو عمرو کی اجازت نہ تھی تو زر کرایہ بکر کا ہے مگر اس کے لئے وہ مال طیب نہیں زر خبیث کو اپنے صرف میں نہ لائے مانع اجابت دعا ہوتا ہے **کما فی الحدیث** (جیسا کہ حدیث میں ہے۔ت) بلکہ تصدق کردے یا مالک کو دے دے **کما فی غمز العیون للحموی عن البزازیة ونحوہ فی الھندیة عن فتاوٰی قاضی خان** (جیسا کہ حموی کی غمز العیون میں بحوالہ بزازیہ منقول

ہے اور اسی کی مثل ہندیہ میں فتاوٰی قاضی خان سے منقول ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۱: از ریاست رام پور

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ ہندہ از زید نابالغ کہ دراں زمان ہشت سالہ بود قرضے گرفت ومکان خود بمیعاد دوماہ نزد او گرو داشت و ہندہ بدستور دراں مکان ساکن بود پس ازاں زید آں مکان را بذریعہ مرتہنی بعمرو پسر ہندہ بحساب یازدہ روپیہ چہار آنہ ماہوار بکرایہ داد در کرایہ گرفتن لفظ عمرو ہم چنیں بودہ کہ مکان فلانی از زید بچندیں اجرت ماہانہ بکرایہ گرفتم واقرار میکنم کہ تاانفکاک رہن اجرت ماہ بماہ دہم ویک اقرار نامہ نوشت کہ میان دوماہ میعاد مندرجہ رہن نامہ موضع مینی عوض مکان نزد مرتہن رہن خواہم کرد روپیہ کرایہ یکساں بمرتہن دہم لیکن عمرو دران مکان یکروزہم سکونت نور زید بمکان مملوک خود کہ ہمدراں محلّہ واقع است ساکن ماند نہ آں مکان فارغ بود کہ ہندہ خود دروسکونت میداشت کہ ازیں بیازدہ ماہ فک رہن و تبدیلش بموضع مینی رونمود زید تاچار ونیم سال از مطالبہ اجرت	کیاارشاد ہے آپ کا اے علماء کرام، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے آٹھ سالہ نابالغ زید سے قرض لیا اور اپنا مکان دوماہ کی مدت کے لئے اس کے پاس رہن رکھ دیا، اس کے باوجود ہندہ حسب سابق اس مکان میں مقیم رہی، پھر زید نے وہ مکان بحیثیت مرتہن لے کر ہندہ کے بیٹے عمرو کو گیارہ روپے چار آنے کے ماہانہ کرائے پر دے دیا، کرائے پر مکان لیتے ہوئے عمرو نے یہ الفاظ کہے کہ میں نے فلاں مکان زید سے اتنے ماہانہ کرائے پر لیا اور میں اقرار کرتا ہوں کہ رہن کے چھڑانے تک ہر ماہ کرایہ ادا کرتا رہوں گا، اور ایک اقرار نامہ لکھا کہ رہن نامہ میں مندرج دوماہ کی مدت میں موضع مینی مرتہن (زید) کے پاس مکان کے بدلے رہن رکھ دوں گا، اور کرائے کے روپے باقاعدگی سے ادا کرتا رہوں گا، لیکن عمرو نے ایک دن بھی اس مکان میں رہائش اختیار نہیں کی بلکہ اپنے مکان ہی میں رہا جو اسی محلے میں ہے۔ وہ مکان فارغ نہیں تھا کیونکہ خود ہندہ اس مکان میں رہائش پذیر تھی، گیارہ ماہ میں رہن کی واگزاری اور موضع مینی کے ساتھ اس کی تبدیلی رونما ہوئی، زید ساڑھے چار

مہر سکوت برلب نہا بعد ایں قدر مدت مدید برائے اجرت یافتن استغاثہ کرد گواہانش بوقوع رہن واجارہ شہادت دادہ بیاں می کنند کہ مدعاعلیہ پس از تصدیق اجارہ نامہ وسپردنش بمدعی قبضہ برمکان کردبہ متعلقان خویش درسکونت،ورزید بلکہ ہنوز قبضہ مدعاعلیہ براں مکان آشکارست حالا از علمائے دین متین ایدھم اللہ بتوفیقہ استفسار میرود کہ درصورت مذکورہ حکم شرعی چیست ورہن واجارہ مسطورہ صحیح است یانہ و زر کرایہ کل یا بعض برذمہ عمرو واجب الادا ست یاچہ وگواہی مذبور صالح استناد وشایان اعتماد است یاخیر۔ **بینوا توجروا**۔	سال تک کرائے کے مطالبے سے خاموش رہا، اس طویل مدت کے بعد اس نے کرایہ وصول کرنے کے لئے دعوی کردیا، اس کے گواہوں نے گواہی دی کہ عقد رہن بھی پایا گیا اور عقد اجارہ بھی پایا گیا، گواہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ مدعاعلیہ نے کرایہ نامہ کی تصدیق اور اسے مدعی کے سپرد کرنے کے بعد مکان پر قبضہ کیا اور اپنے متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار کرلی، بلکہ اب بھی مدعاعلیہ کا قبضہ اس مکان پر ظاہر و باہر ہے۔ اب علماء دین متین سے دریافت کیا جاتا ہے اللہ تعالٰی اپنی توفیق سے انہیں تقویت عطافرمائے کہ صورت مذکورہ میں شرعی حکم کیا ہے کیا رہن اور اجارہ مذکورہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کرایہ پورا یا اس کا کچھ حصہ عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ گواہی قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

رہن مذکورہ ہرگز صحیح نیست واگر نباشد درو جز تقرر اجل تا ایں قدر ہم افساد رابسند است **فی الاشباہ الاجل فی الرھن یفسدہ**[1] ہم چنیں آں اجارہ نیز وجہ صحت ندارد کہ تقریر سوال سپید می گوید کہ مدت درپردہ جہالت ماند نفس ایجاب وقبول از ذکر اجل	رہن مذکور ہرگز صحیح نہیں ہے، اگر اس میں مدت کے معین کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تو یہ بھی رہن کے فاسد کرنے کے لئے کافی تھا، الاشباہ میں ہے، رہن میں مدت کا مقرر کرنا اسے فاسد کردیتا ہے، اسی طرح اس اجارہ (کرائے پر دینے) کے صحیح ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے، سوال کی عبارت سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۴

راسامعزول وآں لفظ کہ تا فکاک رہن کرایہ ماہ بماہ دہم وعدہ ایست جداگانہ از سنخ قبول بیگانہ او اگر نہ آنچناں گیریم تافکاک رہن خود امریست نامعین چہ دانی امروز مے شود یا در دہ سال ومعلوم ہست کہ جہالت مدت دراجارہ فساد آرد فی **الدرالمختار کل ماافسد البیع یفسدھا کجھالۃ مدۃ**[1] اھ ملخصًا پس درصورت مستفسرہ بحساب اجر مثل حدیث باید کرد یعنی یازدہ روپیہ چارآنہ کلا یا بعضًا چیزے لازم نیاید بلے اگر اینجا سخن مے تواں گفت اجر مثل حدیث باید کرد یعنی آنچہ اُجرت ہمچو خانہ در ہمچو جائے در ہمچو زمانے باشد بشرطیکہ برزر مسمّٰی نیفزاید **کما ھو حکم الاجارۃ الفاسدۃ اذا فسدت لالجھالۃ المسمّٰی** لیکن دراجارہ فاسدہ اجر مثل ھم لازم نیاید الابدوشرط یکے حقیقت انتفاع مستاجر بداں چیز مستاجر کہ قوۃ تمکن

واضح ہے کہ مدت اجارہ مجہول رہی، محض ایجاب وقبول کامدت کے ذکر سے کوئی نہیں ہے،اور یہ کہنا کہ ہر ماہ کرایہ دیتا رہوں گا صرف ایک وعدہ ہے جس کا قبول کرنے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے،اور اگر اس پہلو کو نہ لیا جائے تو "رہن کی واگزاری تک" یہ خود غیر معین (اور مجہول ہے) کیا پتا آج ہوتا ہے یا دس سال میں،اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ اجارہ میں مدت کا مجہول ہونا اسے فاسد کردیتا ہے، درمختار میں ہے: جو چیز بیع کو فاسد کردیتی ہے اجارہ کو بھی فاسد کردے گی، جیسے مدت کی جہالت اھ تلخیص۔ لہٰذا جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں بیان کردہ کرائے یعنی گیارہ روپے اور چار آنے کے حساب سے تمام کرایہ یا اس کا کچھ حصہ لازم نہیں آتا، ہاں اس جگہ اگر بات کی جاسکتی ہے تو "اجر مثل" کی بات کرنی چاہیے، یعنی ایسی جگہ اور ایسے وقت میں ایسے گھر کا جو کرایہ ہوسکتا ہے بشرطیکہ بیان کردہ کرائے سے زیادہ نہ ہو، جیسے کہ اجارہ فاسد کا حکم ہے جبکہ وہ فاسد ہو لیکن بیان کردہ کرائے کی جہالت کی وجہ سے نہ ہو، لیکن فاسد اجارے میں اجر مثل بھی تب لازم آتا ہے جب دو شرطیں پائی جائیں: **(۱)** کرائے

[1] الدرالمختار کتاب الاجارہ باب الاجارۃ الفاسدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۷۷

انتفاع رانیجا برگ وبارنیست فی الاشباہ التمکن من الانتفاع یوجب الاجر الافی مسائل الاولٰی اذاکانت الاجارۃ فاسدۃ فلا یجب الابحقیقۃ الانتفاع کما فی فصول العمادی[1] دوم وقوع تسلیم ازجانب مواجر بروجہ اجارہ کما فی غمزالعیون والبصائر عن البزازیۃ انما یجب الاجر فی الفاسد بحقیقۃ الاستیفاء اذا وجد التسلیم من جھۃ الاجارۃ[2] وفی الھندیۃ بعد ماوجب الاستیفاء حقیقۃ انما یجب الاجر اذا وجد التسلیم الی المستاجر من جھۃ المواجر[3] پس درصورتیکہ عمرو مستاجر دراں مکان یکروز ھم سکونت نورزید نہ آں مکان فارغ بود کہ خود ہندہ مالکہ دروسکونت میداشت دگرہیچ مپرس کہ مواجرین رہن عقد تاچند سال تاسخ فکر کردند یافکاک رہن و تبدیل	پر لینے والا کرائے کی چیز سے حقیقۃً نفع اٹھائے، کیونکہ نفع حاصل کرنے کی قوت کا اس جگہ کوئی اعتبار نہیں ہے۔الاشباہ میں ہے: حقیقۃً نفع حاصل کرنے پر قادر ہونا کرائے کو واجب کرتاہے مگر چند مسائل میں (۱) جب اجارہ فاسد ہو تو اجر صرف اس وقت واجب ہوگا جب حقیقۃً نفع حاصل کیاجائے گا جیسے فصول عمادی میں ہے۔(۲) اجرت پر دینے والا بطور کرایہ کرایہ دار کے سپرد کردے، جیسے کہ غمزالعیون والبصائر میں بزازیہ سے نقل کیاگیاہے کہ اجارہ فاسدہ میں کرایہ صرف اس وقت واجب ہوتاہے جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کیا جائے اور بطور کرایہ، کرایہ دار کو، چیز سپرد کی جائے۔فتاوٰی ہندیہ (عالمگیری) میں ہے کہ جب حقیقۃً بھرپور نفع حاصل کرنا پایاجائے تو کرایہ صرف اس صورت میں واجب ہوگا جب کرایہ پر دینے والا کرائے کی چیز کو کرایہ دار کے سپرد کردے گا۔ پس جس صورت میں کرائے دار عمرو نے اس مکان میں ایک دن بھی قیام نہیں کیا، نہ ہی وہ مکان خالی تھا، کیونکہ ہندہ جو اس مکان کی مالک تھی اس مکان میں رہائش پذیر تھی، یہ مت پوچھئے کہ رہن کو بطور کرایہ دینے والوں نے کتنے سال عقد کو فسخ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاجارات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۵۰

[3] الفتاوی الھندیہ کتاب الاجارہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۱۴

مرہون درچہ قدرمدت پدید آمد کائنا ماکان ولئےے ازاُجرت برذمہ اولازم نیست زیراکہ چوں حقیقت انتفاع پربھوائے عدم کشاید لزوم اجرنیزعنان معائش در گو تمکن ھزار باشد و خود ازینجاچہ مے پرسی کہ جائے تمکن ہم مفقودست زید راگو کہ از گریبان عمرو دست کوتاہ دارد از شہادت شہدائے زید ہم اینجا کارے نکشاید وآبے برروئے کارنیاید کہ ازبیان شان بر تقدیر استجماع شرائط قبول ہمیں قدربثبوت می پیوندد کہ مدعاعلیہ براں مکان قبضہ آورد باوابستگان خویش دروسکونت کرد از کجاکہ مدعی نیزآں مکان را از سامان خود تفریغ نمودہ بدست مدعا علیہ سپرد وخود باتوگفتہ ایم کہ مجرد سکونت بے تسلیم مواجر بروجہ اجارہ اینجا ثمرے ندارد می تواند کہ سکونت عمروبرسبیل ہماں انبساط معہود کہ درمیان اصول وفروع بودہ باشد کہ اولاد راچنانکہ دانی اگرچہ مساکیں جداگانہ باشدگاہے از سکونت نزد والدین ھم مانع نیست نہ ازیں بیاں گواہان مدت انتفاع رنگ

کرنے کی فکر کی ہوگی؟ یا رہن کو چھڑانے اور رہن رکھی ہوئی چیز کو تبدیل کرنے پر کتنی مدت صرف ہوئی ہوگی؟ بہر صورت عمرو کے ذمہ پر کرایہ لازم نہیں ہے، اس لئے کہ جب حقیقت انتفاع ہوائے عدم میں پر کھولتی ہے تو کرائے کا لازم ہونا بھی اپنی لگام پھیرلے گا (یعنی جب حقیقۃً نفع حاصل نہیں کیا گیا تو کرایہ بھی لازم نہیں ہے ۱۲ مترجم) اگرچہ نفع حاصل کرنے کی قوت ہزار مرتبہ ہو، آپ اس جگہ کیا پوچھتے ہیں کہ یہاں تو نفع حاصل کرنے کی قدرت بھی نہیں ہے، زید کو کہیں کہ عمرو کا گریبان چھوڑدے، زید کے گواہوں کی گواہی سے بھی اس جگہ کوئی کام نہیں بنتا اور پانی کارآمد ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ قبولیت کی شرطیں جمع ہونے کی صورت میں بھی ان کے بیان سے صرف یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ مدعاعلیہ نے اس مکان پر قبضہ کرلیا اور اپنے متعلقین سمیت اس میں رہائش اختیار کرلی، یہ بات کہاں سے ثابت ہوئی کہ مدعی نے بھی وہ مکان اپنے سامان سے خالی کرکے مدعالیہ کے سپرد کیا۔ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں کہ محض رہائش کا اس جگہ کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ مالک بطور کرایہ کرائے دار کے سپرد نہ کرے،

ظہور یافت و قول ایشاں کہ بلکہ ہنوز قبضہ مدعاعلیہ براں مکان آشکار ست باچہ کار آید کہ قبضہ انتفاع و تمکن انتفاع را شامل وا ینجا محض تمکن از ثمر عاطل کما قد القینا علیک سخن گفتنی ماند از اقرار نامہ کہ مدعا علیہ بتحریرش پرداخت اگرنیک بنگری ہمانا سراسر لغو و مہمل ست و بر بیانش حکمے نمی رسد اینکہ مجرد وعدہ وآں ھم بچیزے کہ شرعا وجہ صحت ندارد از چہ رو مواخذہ و مدعی را مطالبہ روا باشد، بالجملہ ہرچند در اجارہ ملک غیر بے رخصت شرع مطہر اگر پیش از استیفائے منافع اجازتے از مالک رونماید استحقاق اجرت مرعاقد مؤاجر را می باشد شرع فرمائش دہد کہ بصدقہ دہ یابدامان مالک نہ کمافی منیۃ المفتی والخانیۃ والغمز والھندیۃ وغیرہ امادر صورت مستفسرہ بربنائے وجوہ مذکورہ گردن عمرو از بار اجرت آں فرومی بینم فقیر غفراللہ تعالٰی لہ ایں مباحث را

ہوسکتا ہے کہ عمرو کی رہائش اسی معلوم بے تکلفی پر مبنی ہو جو ماں باپ اور اولاد کے درمیان ہوتی ہے، جیسے کہ آپ جانتے ہیں کہ مسکین اولاد اگرچہ الگ رہتی ہو ان کے لئے گاہے بگاہے والدین کے پاس رہنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، گواہوں کے اس بیان سے نفع حاصل کرنے کی مدت بھی واضح نہیں ہوتی اور ان کا یہ کہنا کہ "تاحال مدعاعلیہ کا اس مکان پر قبضہ ظاہر و باہر ہے" کس کام آئے گا؟ کیونکہ قبضہ دونوں صورتوں کو شامل ہے (۱) نفع حاصل کرنے اور (۲) نفع حاصل کرنے کی قوت (یعنی بالفعل اور بالقوۃ نفع حاصل کرنے کو شامل ہے) اور اس جگہ صرف نفع حاصل کرنے کی قوت بے فائدہ ہے، جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کرچکے ہیں۔ کہنے والی ایک بات رہ گئی اور وہ یہ کہ مدعاعلیہ نے جو اقرار نامہ تحریر کیا وہ بالکل لغو اور مہمل ہے، اس کے بیان پر کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا، اس نے صرف ایک وعدہ کیا ہے اور وہ بھی ایسی چیز کا جو شرعًا صحیح نہیں ہے، لہٰذا نہ تو مواخذہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی مدعی کا مطالبہ جائز ہے۔ مختصر یہ کہ غیر کی ملکیت کو شریعت مطہرہ کی اجازت کے بغیر کرائے پر دینے میں اگر منافع کے حاصل کرنے سے پہلے مالک اجازت دے بھی دے

درفتوٰی مفصلہ ہرچہ تمامتر رنگ ایضاح واداست ازانجامی باید گرفت کہ دریں رہ پالغزرفتار نہایت ضرررساں وسخت و دشوار گزاریاں پیشیں راکارچہ بلادشوار افتادہ است "كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۵۳" [1] والعلم بالحق عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد البدر واٰلہ وصحبہ الاقمار و النجوم۔	کرائے کا مستحق وہ ہے جو کرائے کا عقد کرنے والا ہے، شریعت مبارکہ کا حکم ہے کہ یا توصدقہ کردے یا پھر مالک کو واپس کر دے جیسے کہ منیۃ المفتی، خانیہ، غمزالعیون، عالمگیری وغیرہ میں ہے، جس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس میں وجوہ مذکورہ بالا کی بناپر مجھے عمرو کی گردن کرائے کے بوجھ سے آزاد نظرآتی ہے۔ فقیر، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے، نے ان مباحث کو ایک تفصیلی فتوے میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے اس کا مطالعہ کیا جائے، کیونکہ اس راستے میں لغزش کھانے والا پاؤں بہت نقصان دہ ہے اور یہ راستہ بہت مشکل اور دشوار ہے پہلے حضرات کو اس معاملے میں بڑی دشواری پیش آئی ہے، ہر گروہ اپنی رائے پر خوش ہے، حق کا علم اس کے پاس ہے جو علوم کا دینے والا اور ہر راز کا جاننے والا ہے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا ومولا چودھویں کے چاند محمد مصطفٰی اور آپ کی آل اور صحابہ کرام ہدایت کے چاندوں اور ستاروں پر رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین! (ت)

مسئلہ ۵۲: از قصبہ پاڑہم ضلع میں پوری پرگنہ مصطفٰی آباد مسئولہ محمد صادق علی خاں صاحب ۲۵ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں کہ مسماۃ زینب نے پانچ بسوہ زمینداری ایک موضع کی بقرارداد مبلغ (سالہ ۱۳۹) مالیانہ حق مالکانہ کے مسمّٰی خالد سے واسطے معاش اپنے کے تامدت گیارہ سال رہن دخلی کی اور مرتہن یعنی خالد مذکور قابض شیئ مرہون ہوا بعد چند سال مسماۃ زینب راہنہ فوت ہوئی تو بعدازیں بحث مقدمہ اثبات وراثت مسماۃ مریم مدعیہ وارثہ راہنہ جس میں سوت راہنہ اور دوسرا مرتہن جائداد مرہونہ مدعاعلیہا مجیب تھے ازروئے شرع محمد علیہ الصلوات والتسلیم

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۵۳

شَے مرہون جزءً یعنی ۱۶ بسوانسہ ۱۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ ملکیت حقیت راہنہ کی اور مدعیہ وارثہ کی ٹھہری اور جزءً شے مرہون یعنی ۴ بسوہ ۳ سوانسہ ۶ کچوانسہ اور ۲ ثلث کچوانسی شیئ مرہون مال غصب اور حقیت ملکیت شخص ثالث جو فریق مقدمہ مذکور نہ تھا قرار پائی، چنانچہ ۱۶ بسوانسہ ۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ مدعیہ وارثہ راہنہ کو ملے اور بعد ازیں فک الرہن بھی ہوگئی اور ۴ بسوہ ۳ بسوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ یعنی بمقدار مال غصب معلق رہے چنانچہ آج تک وہ مال غصب بہ قبضہ رہن قائم مقام مرتہن ہے اور اب وارثہ راہنہ بھی مرچکی ہے مگر اس کی اولاد باقی ہے یعنی وارثہ راہنہ کی تو مسئلہ فرماؤ بقید نام وباب کتاب کے جس سے مسئلہ اخذ کرو کہ حق انفکاک رہن مذکورہ بالا کا وارثان وارثہ راہنہ کو ہے یا نہیں؟ اجر دے تم کو اللہ صاحب نیک اجر۔

الجواب:

بلاشبہہ ہے۔ تقریر سوال وبیان سائل سے واضح کہ یہاں شخص ثالث نہ فریق مقدمہ تھا نہ راہنہ یا اس کے وارث اپنے غصب کے مقر، تو بالائی طور پر غاصب سمجھ لینا ان کے حق فک کو کیا زائل کرسکے جبکہ علماء تصریح فرماتے ہوں کہ راہن اگر اقرار بھی کردے کہ شیئ مرہون دوسرے کی ملک ہے تاہم اسے یہی حکم دیں گے کہ فک رہن کراکر مالک کو واپس دے، درمختار باب التصرف فی الرہن میں ہے:

لورھن شیئا ثم اقر بالرھن لغیرہ لایصدق فی حق المرتھن ویؤمر بقضاء الدین وردہ الی المقرلہ۔[1]	اگر کوئی شیئ رہن رکھی پھر راہن نے اقرار کیا کہ مرہون شیئ کسی اور کی ملک ہے تو مرتہن کے حق میں راہن کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور راہن کو حکم دیا جائے گا قرض کی ادائیگی کا اور مرہون شیئ، مقرلہ کی طرف لوٹانے کا۔(ت)

معہذا جب ملک غیر بے اذن غیر کوئی شخص راہن کو دے تو راہن غاصب اور مرتہن مثل غاصب الغاصب ہوتا ہے۔ ہدایہ باب الرھن الذی یوضع علی ید العدل میں ہے:

ان مات العبد المرھون فی ید المرتھن ثم استحقہ رجل	اگر مرہون غلام مرتہن کے قبضے میں مرگیا پھر کوئی اور شخص اس کا مستحق نکل آیا تو اس کو

[1] الدرالمختار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

فله الخيار ان شاء ضمن الراهن و ان شاء ضمن المرتهن لان كل واحد منهما متعد فی حقه بالتسليم او بالقبض۔[1]	اختیار ہوگا چاہے توراہن کو ضامن ٹھہرائے اور چاہے تومرتہن کو۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے بسبب رہن کی سپردگی کے یابسبب اس پر قبضہ کرنے کے۔(ت)

غایۃ البیان علامہ اتقانی باب مذکور میں ہے:

ای متعد فی حق المستحق اما الراهن فبتسليم الرهن الی المرتهن واما المرتهن فبالقبض فصار الراهن كالغاصب والمرتهن كغاصب الغاصب۔[2]	یعنی مستحق کے حق میں تعدی کرنے والا ہے۔ راہن اس لئے کہ اس نے مرہون شے مرتہن کے سپرد کی اور مرتہن اس لئے کہ اس نے مرہون پر قبضہ کیالہذا راہن غاصب کی مثل اور مرتہن غاصب سے غصب کرنے والے کی مثل ہوگیا۔ (ت)

راہن جب کہ مالک سے غاصب اور مرتہن کامدیون ہوا توآخر اسے یہی حکم ہوگا کہ مرتہن کا دَین دے اور مالک کو اس کی شیئ واپس کرے اور جب مرتہن اپنادین پالیتاہے تواسے کوئی حق حبس نہیں رہتا اور جس سے وہ چیز لی تھی یعنی راہن اگرچہ وہ حقیقۃً غاصب ہی ہو اسے سپرد کردینے سے بری الذمہ ہوجاتاہے۔ عالمگیری کتاب الغصب باب ثانی عشر میں ہے:

غاصب الغاصب يرد الی الغاصب الاول ليخرج عن العهدة۔[3]	غاصب سے غصب کرنے والا غاصب اول کی طرف مغصوب کولوٹادے تاکہ ذمہ داری سے نکل جائے۔ (ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں بعد ادائے دَین وارثانِ راہنہ کوشیئ مرہون واپس دینے میں مرتہن یااس کے قائمقام کوئی عذر نہیں ہوسکتا اب اگرحقیقۃً اس میں شخص ثالث کا

---

[1] الهداية كتاب الرهن باب الرهن الذی يوضع علی يد العدل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۳۷

[2] غاية البيان كتاب الرهن باب الرهن الذی يوضع علی يد العدل

[3] الفتاوی الهندية كتاب الغصب الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۴۸

حصہ ہے تو ورثہ راہنہ پر فرض ہوگا کہ مستحق کو اس کا حق پہنچائیں۔ یہ دوسری بحث ہے جس سے مرتہن کو تعلق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۳: مسئولہ حاجی غلام حضرت ۵ رجب المرجب ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید کچھ زیور سونے کا عمرو کے پاس لے کر گیا کہ مجھے روپے کی ضرورت ہے زیور رکھ لو اور روپیہ دے دو میں روپیہ دے کر زیور اپنا لے لوں گا عمرو نے کہا اس وقت میرے پاس روپیہ نہیں زید نے کہا تم کسی اور سے یہ کام کرادو عمرو وہ زیور بکر کے پاس لے گیا اور زید کا مقولہ بکر سے کہا بکر نے جواب دیا بیس روپے تولہ کے حساب سے اس زیور کے دام دیتا ہوں اور ایک ماہ تک وعدہ پر واپسی کرتا ہوں یک ماہ تک اگر روپیہ نہ دیا تو میں واپس نہ کروں گا عمرو نے یہ شرط منظور کرکے روپیہ لے لیا۔ زید کا روپیہ عمرو کے پاس قبل وعدہ کے جمع تھا زید نے اپنے زیور کا تقاضا عمرو سے کیا اور کرتا رہا، عمرو اپنے کاروبار میں مصروف تھا بکر سے تقاضا مابین وعدہ نہ کرسکا یہاں تک کہ وعدہ سے عرصہ زیادہ ہوگیا اب عمرو نے بکر سے زید کا وہ زیور طلب کیا اور روپیہ دینا چاہا تو بکر نے زیور واپس کرنے سے انکار کیا اور کہا میں نے بعد گزرنے وعدے کے زیور فروخت کردیا لیکن بدون اطلاع اور بلا اجازت زید وعمرو کے فروخت کیا اور وہ زیور اس قدر روپیہ سے جو زید کو دیا گیا تھا سوائی قیمت سے بھی زائد کا تھا پس صورت مسئولہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے آیا وہ بکر کو وہ زیور واپس کرنا لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کے نفع کا مالک اور نقصان کا متحمل زید یا عمرو یا بکر؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

یہ صورت بیع الوفا کی ہے اور بیع الوفا مذہب معتمدین محض رہن ہے اور مرتہن جب بلااذن راہن شیئ مرہون کو بیع کردے تو وہ بیع اجازت راہن پر موقوف رہتی ہے بشرطیکہ شیئ مبیع ہنوز موجود ہو اور اگر مشتری کے پاس ہلاک ہوجائے تو راہن کو اختیار ہوتا ہے کہ مرتہن یا مشتری جس سے چاہے اپنی چیز کا تاوان لے لے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

سئل فی رجل باع رجلاً اٰخر دارا بثمن معلوم الی اجل معلوم بیعا معادا	ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے دوسرے شخص کے ہاتھ معین ثمنوں کے عوض مدت معلومہ تک کے لئے گھر بیچا ایسی بیع کے

علٰی انہ فی شھر کذا یحضر الثمن ویسترجع الدار ثم مضی الزمن المعین بینھما ولم یقدر البائع علی الثمن الا بعد مدۃ والثمن دون قیمۃ الدار فھل للبائع دفع الثمن واسترجاع الدار،اجاب یجبر المشتری علٰی قبول الثمن من البائع ورد الدار علیه،والذی علیه الاکثر انه رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام[1] اھملخصا۔	ساتھ جولوٹائی جائے گی اس شرط پر کہ فلاں مہینے بائع ثمن حاضر کردے گا،اور گھر واپس لے لے گا۔پھر ان دونوں کے درمیان طے شدہ مدت گزر گئی درآنحالیکہ بائع ثمن حاضر کرنے پر قادر نہ ہوا مگر اس کے کچھ عرصہ بعد وہ دینے پر قادر ہوا جبکہ ثمن قیمت سے کم ہیں۔تو کیا بائع کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ثمن دے کر گھر واپس لے۔اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مشتری کو بائع سے ثمن وصول کرنے اور گھر واپس لوٹانے پر مجبور کیا جائے گا۔اکثر مشائخ اس مؤقف پر ہیں کہ یہ بیع رہن ہے کیونکہ اس میں اور رہن میں کسی بھی حکم میں فرق نہیں اھ تلخیص(ت)

جواہر الفتاوی پھر حاشیہ جامع الفصولین پھر ردالمحتار میں ہے:

حکمه حکم الرھن وھو الصحیح[2]۔	اس کا حکم وہی ہے جو رہن کا حکم ہے اور وہی صحیح ہے۔(ت)

اسی طرح جواہر الاخلاص میں ہے کما رأیته فیھا(جیسا کہ میں نے اس میں دیکھا ہے۔ت)شرح الطحاوی پھر جامع الرموز پھر حاشیہ شامی میں ہے:

توقف علی اجازۃ الراھن بیع المرتھن فان اجازہ جاز والافلا،وله ان یبطله ویعیدہ رھنا،ولوھلك فی ید المشتری قبل الاجازۃ لم تجز الاجازۃ بعدہ و	مرتہن اگر مرہون کو بیچ دے تو یہ بیع راہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔اگر راہن نے اجازت دے دی تو جائز ورنہ نہیں۔راہن کو اختیار ہے کہ بیع کو باطل کرکے اسے رہن کی طرف لوٹادے

[1] الفتاوی الخیریة کتاب البیوع دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۲۵

[2] ردالمحتار بحواله جواھر الفتاوی کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۴۶

للراھن ان یضمن ایھما شاء۔[1]	اگر مرہون مشتری کے قبضہ میں راہن کی اجازت سے قبل ہلاک ہوجائے تو اس کے بعد کی اجازت جائز نہیں اور راہن کو اختیار ہوگا کہ مرتہن اور مشتری میں سے جسے چاہے ضامن ٹھہرائے۔(ت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے:

ضمن بتعدیه (کالبیع بلااذن قھستانی) کل قیمته (ای بالغة مابلغت لانه صار غاصبا، اتقانی) فیسقط الدین بقدره[2] اھ مختصرا۔	مرتہن اپنی تعدی کی وجہ سے (جیساکہ بلااجازت بیع، قہستانی) کل قیمت کا ضامن ہوگا (یعنی وہ قیمت جس قدر بھی ہو، اتقانی) لہٰذا اس کے برابر قرض ساقط ہوجائے اھ اختصار (ت)

پس صورت مستفسرہ میں بکر پر لازم ہے کہ زیور ہنوز نہیں بیچا تو فوراً اپنا دیا ہوا روپیہ لے کر کل زیور واپس کردے اور اس مہمل و باطل قرارداد کی آڑ نہ لے اور اگر بکر نے واقع میں بیع کردیا اور زیور ہنوز مشتری کے پاس موجود ہے تو زید کو اختیار ہے چاہے اس میں بیع کو جائز کردے اور زرِ ثمن تمام و کمال خود لے یا رد کردے اگر رد کردے تو مشتری پر فرض ہے کہ روپے واپس کرے، اور اگر زیور تلف ہوگیا یا اب اس کا پتا نہیں چلتا قابو سے باہر ہے تو زید اس کا پورا تاوان بکر سے لے سکتا ہے مثلاً اگر بکر نے ستر روپے اسے دیئے اور زید کا بازار کے بھاؤ سے سو روپے کا نکلا تو بکر کے ستر روپے ساقط برابر ہوگئے زیادہ کے تیس روپے زید کو دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: از شہر کہنہ مرسلہ عبدالصمد صاحب ۸ ربیع الثانی ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کو شیئ مرہون سے نفع اٹھانا بہ اجازت راہن جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

مرہون سے انتفاع حرام محض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۷

[2] الدرالمختار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷، ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۳

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض منفعت کو کھینچ لائے وہ سود ہے(ت)

بہ اجازت راہن نفع اٹھانے کے یہ معنٰی تھے کہ قرض کے دباؤ سے نہ ہو اور اس کی اجازت ہی کا پابند رہے جب وہ خوشی سے کہہ دے انتفاع کرے اور جس وقت منع کردے فوراً باز رہے مثلاً اس نے اپنی خوشی سے کہہ دیا کہ مکان میں رہو یہ آکر رہا اسی وقت اس نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فوراً نکل جائے کچھ عذر حیلہ درمیان میں نہ لائے ایسا یہاں ہر گز نہیں ہوتا بلکہ قطعاً دباؤ پر رہتے ہیں اور راہن دباؤ ہی کے باعث اجازت دیتا ہے اور وہ رجسٹری کے کاغذوں میں لکھی جاتی ہے کہ اس کے سبب انتفاع بالجبر کرسکیں اور اگر لاکھ کہے کہ نکل جاؤ ہر گز نہ نکلیں گے اور یہی جواب دیں گے کہ پہلے ہمارا قرض دے دو تو جائیں تو یہ صورت اجازت سے اصلاً متعلق نہیں بالاجماع حرام و ربا ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم**

مسئلہ ۵۵: از جائس رائے بریلی محلّہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب ۲/ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرہون شیئ سے فائدہ اٹھانا مثلاً زمین رہن رکھا اس کو جوتتا ہے اور اس میں زراعت بوتا ہے اور اس کے مینڈھ وغیرہ بندھواتا ہے اس کے نیچے اس کا منافع کھاتا ہے اور اس کو قیاس کرتا ہے بکری اور گھوڑے کے اوپر جائز ہے اس کے منافع کھانا یا نہیں؟ فقط

الجواب:

مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانا حرام اور نرا سُود ہے،

کما افادہ العلامۃ الطحاوی و العلامۃ الشامی فی حاشیتی الدر وحققناہ فی فتاوٰینا. واللہ تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علامہ طحاوی اور علامہ شامی نے درمختار کے حاشیوں میں افادہ فرمایا ہے ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کی ہے، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۵۶: از ریاست رامپور متصل کوتوالی مکان مرحوم مجددی مرسلہ مولوی احمد حسین صاحب ۱۸ جمادی الاولٰی ۱۳۲۱ھ

چند شخص نے ایک ملک مشترک اپنے چند شخصوں کے پاس بالاشتراک رہن کی زر رہن

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لے لیا اور ملک پر مرتہنان کو قبضہ دے دیا رہن نامہ میں یہ لکھ دیا کہ ہم نے منافع ملک مرہون مرتہنان کو ہبہ معاف کر دیا اور بخش دیا۔ اکثر راہنان مرگئے اور بعض زندہ ہیں۔ مرتہنان نے بعد موت راہنان متوفی منافع مِلک مرہون زائد از مقدار زر رہن حاصل کریں یہ ارشاد فرمایا جائے کہ منافع مذکورہ حق جائز وشرعی مرتہنان کا ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس کے کہ مرتہنان نے منافع ملک مرہون بقدر مقدار زر رہن یازائد از زر رہن خود کاوصول کرلیا پھر بھی وہ مستحق پانے زررہن کے ہیں یاوارثان راہن زر رہن یا فقتی مرتہن کو منافع وصول شدہ میں مجرا ومحسوب کرسکتے ہیں اور بلاادائے زر دیگر ملک کو چھڑا سکتے ہیں، ہبہ وبخشش زر منافع مذکورہ رہن نامہ عموماً اور بعد موت راہنان خصوصاً کیا اثر رکھتے ہیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں زر منافع مرہون مرتہنوں کے حق میں ضرور حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جرمنفعۃ فھو ربا، اخرجہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیرالمؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ حارث نے اپنی مسند میں امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اس کی تخریج کی (ت)

عقود الدریہ میں محیط سے ہے:

لیس للمرتھن ولاللراھن ان یزرع الارض ولا یؤاجرھا لانہ لیس لھما الانتفاع بالرھن[2]۔	راہن اور مرتہن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ مرہون زمین میں کاشت کریں کیونکہ انہیں رہن سے نفع اٹھانا جائز نہیں۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

یکرہ للمرتھن الانتفاع بالرھن باذن الراھن[3]۔	راہن کی اجازت سے مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے۔ (ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۸

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

تہذیب وجامع المضمرات میں ہے:

یکرہ للمرتھن ان ینتفع بالرھن وان اذن لہ الراھن۔[1]	مرتہن کو رہن سے انتفاع مکروہ ہے اگرچہ راہن اجازت دے دے۔(ت)

درمختار میں ہے:

قال المصنف وعلیہ یحمل ماعن محمد بن اسلم انہ لایحل للمرتھن ذٰلك ولو بالاذن لانہ ربا۔[2]	مصنف نے کہا اور اسی پر محمول ہے وہ جو محمد بن اسلم سے مروی ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن کے اذن سے ہو کیونکہ وہ سود ہے۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

فی الجامع لمجد الائمۃ عن عبداللہ بن محمد بن اسلم انہ لایحل لہ ان ینتفع بشیئ منہ وان اذن لہ الراھن لانہ اذن فی الربا، لانہ یستوفی دینہ فتکون المنفعۃ ربا۔[3]	مجدالائمہ کی جامع میں عبداللہ بن محمد بن اسلم سے منقول ہے کہ مرتہن کو مرہون سے کچھ بھی نفع اٹھانا جائز نہیں اگرچہ راہن نے اس کی اجازت دی ہو کیونکہ یہ سُود کی اجازت ہے اس لئے کہ مرتہن اپنا قرض پورا وصول کرتا ہے تو منفعت سود ہوگی۔(ت)

تحقیق یہ ہے کہ انتفاع مرتہن جب مشروط ہو جائے تو باہم اس کی قرارداد عمل پر آئے تو بالاجماع حرام ہے اور جو امر عرف ظاہر سے معلوم و معہود ہو وہ بلاذکر بھی مثل مشروط ہے اور شک نہیں کہ اب انتفاع مرتہنان کی بلاضرور دائر وسائر وعالمگیر ہے تو رہن میں اگر اس کا ذکر بھی نہ آتا عرفاً مشروط قرار پاتا اور حرام ہوتا، راہنوں کی اجازت قطعاً اسی عرف پر مبنی اور اسی قرض کے دباؤ سے ناشیئ ہے یہ نہ ہو تو ہر گز وہ اجازت نہ دیں کہ ہماری جائداد کا منافع زید و عمرولیں اور ہم نہ پاسکیں، مرتہنوں کا قرض دینا بھی اسی منافع پر ہے اور وہ ضرور

[1] الدرالمختار بحوالہ التہذیب کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

[2] الدرالمختار بحوالہ التہذیب کتاب الرھن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث کتاب الرھن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۱۳

راہنوں کو اس پر مجبور کرتے ولہٰذا دستاویز میں لکھالیتے ہیں اور اگر بعد تحریر راہن انہیں انتفاع سے منع کریں کبھی باز نہ رہیں گے بلکہ تاادائے زررہن اپنا حق جانیں گے، یہ نہ ہرگز راہنوں کی طرف سے بطور خود محض احسانًا بے دباؤ اپنے ملک کی منفعت جب تک اپنا جی چاہے مباح کرنا ہے نہ مرتہنوں کی طرف سے نرے اجنبی طور پر بے کسی دعوی بے کسی داب کے صرف اجازت دہندہ کی خوشی پر جب تک وہ چاہے اس کی ملک سے نفع پاتا ہے بلکہ قطعًا وہی شرط وقرارداد لزومی اور وہ بالاجماع حرام وربا ہے، طحطاوی علی الدرالمختار وردالمحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع [1]،واللہ تعالٰی اعلم۔	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ مرہون شیئ دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ورنہ قرض پر درہم نہ دیں گے اور یہ شرط کی طرح ہوگیا کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

راہنوں کا منافع مرتہنوں کو ہبہ کردینا محض لغو بے معنی ہے منافع کہ ہبہ کئے گئے اس وقت موجود نہ تھے اور معدوم کا ہبہ باطل ہے اور باطل کے لئے کوئی اثر نہیں۔فتاوٰی خیریہ میں ہے:

وبھذا علم عدم صحۃ ھبۃ ماسیتحصل من محصول القریتین بالاولٰی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد فکیف یملکہ وھذا ظاھر۔[2]	اور اسی سے معلوم ہوگیا کہ دونوں قریوں سے اب جو آمدنی حاصل ہوگی اس کا ہبہ بدرجہ اولٰی صحیح نہیں کیونکہ ہبہ کرنے والے نے ابھی خود اس پر قبضہ نہیں کیا تو کسی کو اس کا مالک کیسے بناسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۱

مسئلہ ۵۷: از شہر متصل کچی سرائے مرسلہ ابوتراب بوساطت محمد عبدالرشید صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تین سال کاہواکہ ایک دکان زید نے (ماصہ عہ ۱۲۵) روپیہ پر رہن دخلی بمیعاد پانچ سال حسب فتوٰی ایک مولوی صاحب کے لیاتھا (یعنی اس عرصہ میں جوکچھ اس کی مرمت میں صرف ہواوہ میرااور کچھ آمدنی اس مدت میں ہوگی وہ میری ہوگی جب روپیہ واپس کروگے دکان چھوڑدوں گا) اور تین سال تک اسی طرح کرتارہایعنی اس کی مرمت وغیرہ اپنے پاس سے کرکے منافع کولیتارہااب وہی مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حرام ہےاب آپ حضرات سے التجاہے کہ مولومی صاحب کے ان قولوں میں کون صحیح ہے اگروہ واقعی حرام ہے تواس مدتِ تین سال میں جوکچھ روپیہ مولوی صاحب نے کھلایااس کاگناہ کن پرہوگااور وہ روپیہ کس طرح پاک ہوسکتاہے؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ مولوی صاحب ماخوذوگنہگار ہیں کہ انہوں نے حرام غذا کو حلال بتایااورایک مسلمان کو حرام کھانے میں مبتلاکیا،اوریہ مسئلہ کوئی ایساخفی نہ تھاکہ عالم پر مخفی رہتا،رہازید اس کی دوحالتیں ہیں،وہ مولوی صاحب جس کے فتوٰی پراس نے عمل کیاکوئی ایساہی نام کامولوی تھاجب توزید بھی ماخوذوگنہگارہے،عوام کویہ حکم ہے کہ علمائے معتمدین مفتیان مستندین کے فتوٰی پر عمل کریں نہ یہ کہ ہرکس وناکس سے پوچھ کر،اوراگروہ عالم معتمد تھاتوجب تک اس فعل کے حرام ہونے پرزید کواطلاع نہ ہوئی اس کے لئے امیدآسانی ہے کہ اس نے ایک عالم معتمد کے فتوٰی پر عمل کیاوہ اسی قدر کرسکتاتھا۔

"لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَہَا ط"۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی کسی جان پربوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۸: از شہر بریلی محلّہ گندہ نالہ مرسلہ جناب سید حاجی ابوالحسن صاحب پارچہ فروش ۲۵/ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

زیدوعمرونے ایک جائداد باہمی خریدی اور نفع نقصان اس کابرابر ٹھہرایااسی جائداد کاایک جزایک اور شخص کے پاس رہن تھامبلغ (سہ لہ ۸۸) روپے پر، تواس کوکہاگیاکہ توہماری

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

جائداد واگزاشت کردے اس نے جواب دیا کہ میں مع سود روپیہ لوں گا، زید نے ایک دستاویز اسی شخص کے نام ایک دوسرے شخص سے جس کا وہ مقروض تھا خریدی پھر چند مدت تک وہ دستاویز زید کے پاس رہی بعد کو اس سے کہا گیا کہ تو ہماری جائداد کا جز چھوڑدے اس نے بخوف دستاویز خرید کردہ کے (ما) روپے چھوڑ دیا اب زید عمرو سے کہتا ہے کہ مجھے (ماصہ عہ ۱۲۵) روپے میرے حصے کے دے اب عمرو پر ازروئے شریعت (ماصہ عہ ۱۲۵) اسے دینالازم ہے (یاللعہ للعہ ۴۴) کہ نصف (مہ لہ) ہے **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ زید نے سَو روپے دے کر فک رہن کرایا اور کاغذ میں مرتہن سے ڈھائی سو روپے پانا لکھ لیا اس صورت میں اس کا سواسو روپے مانگنا محض ناجائز ہے صرف پچاس (مہ ۵۰) روپے لے سکتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۹: از ریاست رامپور محلّہ گنج مرسلہ شیخ محمد نور ۳/صفر مظفر ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ۲۴/اگست ۱۸۹۸ء کو ایک دستاویز بہ مضمون بیع نامہ بعوض مبلغ پانصد روپیہ بابت یکمنزلہ دکان مملوکہ خود بنام عمرو تحریر کی ہے جس میں شرط مندرجہ ذیل تحریر ہے:

مضمونِ شرط

اگر میں بائع اندر مدت دس سال کے کل زرثمن یکمشت مشتری کو ادا کروں تو مبیعہ مذکورہ واپس لے لوں ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور کے اسی زرثمن میں یہی بیع قطعی تصور ہوگی لہٰذا بیعنامہ بالوفا لکھ دیا گیا کہ سند ہو۔

عمرو فوت ہوگیا زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ دکان کا خود وصول کیا ورثائے عمرو نے اول زید پر عدالت میں دعوٰی دلا پانے دخلی کا باستحقاق رہن کیا عدالت سے ڈگری باستحقاق رہن دلا پانے دخلی کی ہوگئی مگر تاہنوز ورثائے عمرو نے دخلی حاصل نہیں کیا ہے اب ورثائے عمرو بنام زید دعوٰی کرتے ہیں کہ جس قدر کرایہ زید نے ایام قبضہ رہنے میں کرایہ دار سے وصول کیا ہے وہ ہم کو زید سے دلایا جائے، زید یہ عذر کرتا ہے کہ ورثائے عمرو شرعًا مجھ سے رقم زر کرایہ جو میں نے اپنی مملوکہ دکان سے وصول کیا ہے مجھ سے دلا پانے کے مستحق نہیں ہیں شرعًا کیا ہونا چاہئے؟ جواب بحوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیے۔

بینوا توجروا فقط سائل زید۔

الجواب:

بیع بالوفاء خالص رہن ہے رہن سے زیادہ کچھ اثر نہیں رکھتی۔

فی ردالمحتار عن حاشیۃ جامع الفصولین عن جواھر الفتاوٰی ھٰذا البیع باطل وھو رھن وحکمہ حکم الرھن وھو الصحیح۔[1]	درمختار میں حاشیہ جامع الفصولین سے بحوالہ جواہر الفتاوٰی منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور وہ رہن ہے اس کا حکم رہن کے حکم کی طرح ہے اور وہی صحیح ہے۔(ت)

خیریہ میں ہے:

والذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قدفشا ھٰذا البیع بین الناس و فیہ مفسدۃ عظیمۃ وفتواك انہ رھن وانا ایضاً علٰی ذٰلك فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علی ھٰذا و نظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر ذٰلك بین الناس فمن خالفنا فیہ فلیبرز نفسہ و لیقم دلیلہ۔[2]	اور اکثر مشائخ اس مؤقف پر ہیں کہ بے شک وہ رہن ہے اور کسی حکم میں رہن سے مختلف نہیں ہے۔ سید امام نے کہا کہ میں نے امام الحسن ماتریدی سے کہا یہ بیع لوگوں میں پھیل چکی ہے اور اس میں فساد عظیم ہے۔ آپ کا فتوی یہ ہے جس کے ساتھ میں بھی متفق ہوں کہ یہ رہن ہے، درست بات یہ ہے کہ ہم ائمہ کرام اجماع کرلیں اور اس پر متفق ہو جائیں، اس فتوی کو لوگوں میں ظاہر کریں، تو انہوں نے فرمایا کہ آج کل ہمارا فتوی معتبر ہے اور وہ لوگوں میں ظاہر ہے۔ لہذا جو ہماری مخالفت کرے اس کو چاہئے کہ وہ خود ظاہر کرے اور اپنی دلیل قائم کرے۔(ت)

اور شرع مطہر میں رہن واجارہ دو عقد متنافی ہیں کہ کسی حال جمع نہیں ہوسکتے جو چیز

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب الصرف داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۶

کسی کے اجارہ میں ہے اگر مالک اسے رہن کرے گا یہ رہن اجازت مستاجر پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ چھوڑ کر مرتہن کا قبضہ کرادے تواجارہ جاتارہے گا رہن پورا ہوجائے گا ورنہ رہن تمام نہ ہوگا اور اجارہ باقی رہے گا، اور جو چیز کسی کے رہن ہے اگر مالک اسے اجارہ پر دے یہ اجارہ اجازت مرتہن پر موقوف رہے گا اگر وہ جائز کردے اور اپنا قبضہ مرتہنی چھوڑ کر قبضہ مستاجر کرادے تو رہن جاتارہے گا اجارہ نافذ ہوجائے گا اور رد کردے تواجارہ باطل ہوجائے گا اور رہن بدستور رہے گا، یہ جو عوام زمانہ میں رائج ہے کہ مکان یادکان کرایہ پر ہے وہ اجارہ قائم رکھ کر مالک اسے رہن رکھ دیتاہے اور روز رہن سے اس کرایہ کا مستحق مرتہن سمجھا جاتا ہے محض بیہودہ وبے معنی وحرام ہے اور اصلاً کوئی عقد شرعی نہیں کہ اجارہ میں بھی قبضہ کی حاجت ہے، اذلایمکن الانتفاع الابہ (اس لئے کہ اس کے بغیر نفع اٹھانا ممکن نہیں۔ت) اور رہن تو بے قبضہ تمام ہی نہیں ہوتا۔ فقال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"[1] (تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔ت) اور شیئ واحد وقت واحد میں دو مختلف جہت سے دو قبضوں میں نہیں ہوسکتی۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

اذا کان البیت مقبوضا فی الرھن دون الاجارۃ اعتبر و کان المرتھن احق بمالیتہ من المستاجر، وان کان مقبوضا فی الاجارۃ دون الرھن کان المستاجر احق بہ من المرتھن، وان اتصل بکل منہما قبض فالعبرۃ للاسبق تاریخا منہما مالم یجز صاحب القبض السابق العقد المتأخر لانفساخ السابق بالاجارۃ منہ للعقد اللاحق۔[2]	اگر مکان پر بطور رہن قبضہ ہو نہ کہ بطور اجارہ تو رہن معتبر ہوگا اور مرتہن اس کی مالیت کا بنسبت مستاجر کے زیادہ حقدار ہوگا، اور اگر قبضہ بطور اجارہ ہے نہ کہ بطور رہن تو مستاجر اس کا زیادہ حقدار ہوگا بنسبت مرتہن کے، اور اگر اس کے ساتھ دونوں کا قبضہ متصل ہوگیا تو دونوں میں سے اس کا اعتبار ہوگا جو تاریخ میں مقدم ہے جب تک سابق قبضے والا بعد والے عقد کی اجازت نہ دے کیونکہ اس کی طرف سے بعد والے عقد کی اجازت سے پہلے والا عقد فسخ ہوجائے گا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الرھن دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹۲-۹۳

بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دکان پہلے سے بنیے کے پاس کرایہ پر تھی، اور اب تک کرایہ پر ہے کرایہ دار نے کسی وقت مرتہن کے لئے خالی نہ کی نہ اپنا قبضہ چھوڑ کر عمرو کا قبضہ کرایا اس صورت میں یہ رہن محض ناتمام و بے اثر و بے معنی ہے وارثان عمرو کو کوئی دعوی دخلیابی کا نہ پہنچتا تھا حاکم کو ایسا بے اصل دعوی سننا بھی نہ تھا نہ کہ ڈگری دیتا کہ قبضہ جو رہن میں شرط ہے کہ باذن راہن ہو، نہ یہ کہ قاضی جبراً قبضہ دلادے عقد کہ ناتمام رہا قاضی کو اس کے تمام کرنے پر جبر کا کیا اختیار، عالمگیریہ میں ہے:

لایجوز الرهن الامقبوضاً وشرط صحة القبض ان یأذن الراهن فان قبض بغیر اذن الراهن لم یجز قبضه[1] اھمختصرا۔	رہن جائز نہیں جب تک اس پر قبضہ نہ کیا جائے، اور اس کے قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے۔ اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو جائز نہیں ہوا اھ، اختصارًا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

ان ادعی المرتهن الرهن مع القبض یقبل برهانه علیهما وان ادعی الرهن فقط لایقبل لان مجرد العقد لیس بلازم۔[2]	اگر مرتہن نے رہن کا قبضے سمیت دعوی کیا تو اس کے گواہ رہن اور قبضے پر قبول کرلئے جائیں گے۔ اور اگر فقط رہن کا دعوی کیا تو قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ محض عقد سے رہن لازم نہیں ہوتا۔ (ت)

اور جب خود عمرو کا کوئی حق اس دکان میں ثابت نہیں تو ورثاء عمرو کا کیا حق ثابت ہو سکتا ہے، سائل کا کہنا کہ زید نے دکان مذکور پر اپنا قبضہ کرکے دکاندار سے کرایہ خود وصول کیا اسی غلط فہمی پر مبنی ہے جو عوام میں پھیلی ہوئی ہے کہ شیئ مواجر کے رہن کو بھی باوصف بقائے اجارہ اپنے زعم میں رہن صحیح وتام سمجھتے ہیں ورنہ حقیقۃً قبضہ مستاجر کا ہے اور مِلک زید کی ہے اور عمرو کی ہنوز نہ مرتہنی پوری ہوئی نہ اس کا کوئی قبضہ، بالجملہ شک نہیں کہ زر کرایہ کا مالک خاص زید ہے عمرو وارثان عمرو

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الرھن الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۹

کااس میں کچھ حق نہیں یہاں تک کہ اگر کوئی رہن صحیح وتام ہواور مرتہن بلااجازت راہن اسے کرایہ پر دے یابے اجازت دے اور راہن جائز کردے تواس صورت میں بھی کرایہ کامالک خاص راہن ہوتاہےاور کرایہ پر اٹھانے سے رہن باطل ہوجاتاہے۔

عقودالدریہ میں ہے:

امرأۃ باعت دارھا من رجل بیع وفاء منزلا منزلۃ الرھن ثم ان الرجل اٰجرھا باذنھا من بعلھا باجرۃ معلومۃ قبضھا الرجل ویزعم ان الاجرۃ لہ تکون الاجرۃ للراھنۃ وبطل الرھن۔[1]	کسی عورت نے اپناگھر کسی مرد کے ہاتھ بیع وفاء کے طورپر فروخت کیا درانحالیکہ اس کو بمنزلہ رہن کے کیا، پھر مشتری مرد نے وہی مکان اس عورت کے شوہر کوایک معین اجرت کے عوض اجارہ پردے دیا اوراجرت پر یہ گمان کرتے ہوئے قبضہ کیاکہ یہ اجرت اس کے لئے ہے تویہ اجرت راہنہ کے لئے ہوگی اور رہن باطل ہوجائے گا۔(ت)

عالمگیری میں ہے:

واٰجرہ احدھما بغیر اذنہ ثم اجاز صاحبہ صحت الاجارۃ وبطل الرھن وتکون الاجرۃ للراھن۔[2]	راہن اور مرہون میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ اجارہ پردے دی پھر دوسرے نے اس کو جائز قراردے دیا تواجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔(ت)

یہاں کہ رہن سرے سے خود ہی بے قبضہ وناتمام ہےاور کرایہ دینے والا خود زید مالک دکان ہے توعمرو یاوارثان عمرو کازر کرایہ میں کوئی حق ہونا محض بے معنی ہے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۶۰: ازکانپور محلّہ پٹکاپور مطبع نظامی مرسلہ مولوی ابوسعید صاحب سوم صفر ۱۳۲۶ھ

زیدنے اپنی جائداد رہن کرکے کچھ روپیہ عمروسے قرض لیا، شرائط رہن یہ تھے: میعاداس رہن کی صرف ایک مہینہ ہے اگربعد میعاد فوراً فک نہ کرالوں تویہی دستاویز

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الرھن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

[2] الفتاوی کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

رہن نامہ بجائے بیعنامہ اور یہی زر رہن بجائے زر ثمن مقرر ہوگا اور جائداد مرہونہ بیع شدہ سمجھی جائے گی اور اسی وقت سے قبضہ جائداد مرہونہ پر مرتہن کا مالکانہ ہو جائے گا اور مرتہن مثل میرے ان تمام حقوق کے مالک کامل مشتریانہ ہو جائیں گے جو مجھ کو جائداد مرہونہ میں اس وقت حاصل ہیں لہٰذا یہ چند کلمہ بطور دستاویز بیع بالوفاء کے لکھ دیئے، اس رہن کے پہلے سے ایک مکان میں خود راہن رہتا تھا باقی مکانات و دکانات میں کرایہ دار راہن کی طرف سے تھے بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں اور جس مکان میں خود راہن رہتا تھا اس کا کرایہ بھی ایک مدت تک راہن ادا کرتا رہا۔ اب حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی سے بکمال ادب یہ سوال ہے:

(۱) صورت مذکورہ میں شرعًا جائداد مرہونہ بعد گزرنے ایک ماہ کے رہن رہی یا بیع ہوگئی؟

(۲) جو کرایہ جائداد مرہونہ کا کرایہ داروں اور نیز زید راہن سے عمرو مرتہن کو وصول ہوتا رہا وہ مِلک راہن تھا یا ملک مرتہن شرعًا اصل زر رہن میں محسوب ہوتا گیا یا نہیں؟

(۳) عمرو مرتہن کو اب اسی قدر اصل روپیہ رہن کا لینا حلال ہے جو بعد مجرائے کرایہ وصول شدہ کے باقی ہو یا کل زر رہن بدون وضع کرایہ وصول شدہ کے لینا حلال ہے۔

(۴) جس وقت زید راہن اس قدر روپیہ جو بعد وضع کرایہ وصول شدہ کے عمرو مرتہن کا اصل زر رہن باقی ہو ادا کرے تو عمرو مرتہن پر جائداد مرہونہ چھوڑ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:

وہ بیع بھی باطل محض اور وہ رہن بھی محض بے معنی، اور مرتہن کے لئے وہ زر کرایہ کہ خود راہن یا اور کرایہ داروں سے لیتا رہا حرام محض، اور جبکہ دَین بھی روپے تھے اور کرایہ کہ لیا گیا وہ بھی روپے ہیں بسبب اتحاد جنس مقاصد ہو گیا یعنی جس قدر زر کرایہ عمرو کو وصول ہوا دین میں مجرا ہوگا اصل زر رہن میں اس مجرائی کے بعد جو باقی ہے اسی قدر کا مطالبہ عمرو کو حلال ہے زیادہ حرام ہے اور جائداد ہنوز کامل مرہون ہوئی ہی نہیں چھوڑنا نہ چھوڑنا کچھ معنی نہیں رکھتا، زید کو اختیار ہے کہ بے ادائے بقیہ زر دین اپنا قبضہ جائداد پر رکھے عمرو صرف اپنے بقیہ دَین کا مطالبہ کرسکے گا جائداد کے قبضہ پر جبر کا اسے کوئی اختیار نہیں، بیع تو یوں باطل محض ہے کہ ایک شرط پر معلق کی گئی اور بیع قابل تعلیق نہیں۔ اشباہ میں ہے:

تعلیق التملیکات بالشرط باطل کالبیع والشراء۔[1]	تملیک والے معاملات کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے جیسے بیع اور شراء۔(ت)

اور رہن یوں بے معنی ہے کہ وہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا۔

قال اللہ تعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ"۔[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو رہن ہو قبضہ میں لیا ہوا۔(ت)

قدوری میں ہے:

الرھن یتم بالقبض۔[3]	رہن کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔(ت)

اور جب رہن ہنوز تام نہیں ہوا تو مرتہن کو تحصیل قبضہ پر جبر نہیں پہنچتا، نہ بے اذن راہن قبضہ کر سکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

قال محمد رحمه الله تعالٰی فی کتاب الرھن لایجوز الرھن الا مقبوضاً کذا فی المحیط و شرط صحة القبض ان یاذن الراھن فان قبض بغیراذن الراھن لم یجز قبضه۔[4] (مختصرًا)	امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الرھن میں فرمایا قبضہ کے بغیر رہن جائز نہیں، محیط میں یوں ہے، اور قبضہ صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ راہن اجازت دے اگر راہن کی اجازت کے بغیر قبضہ کیا تو اس کا قبضہ جائز نہ ہوا، مختصرًا۔(ت)

راہن کو اختیار ہے کہ بے ادائے دین اپنا قبضہ رکھے۔ عنایہ میں ہے:

ان قبضه المرتھن علٰی ھذا الوجه تم العقد ولزم وان لم یقبضه فان الراھن بالخیار بین التسلیم	اگر مرتہن نے مرہون پر رہن کی بنا پر قبضہ کرلیا تو عقد تام اور لازم ہوگا ورنہ راہن کو سونپنے اور نہ سونپنے کا اختیار

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الشرط ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

[3] القدوری کتاب الرھن مطبع مجیدی کانپور ص ۱۰۰

[4] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الرہن الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۳۳

وعدمه[1]۔	ہوگا۔(ت)

یہاں کہ تمام اشیائے مرہونہ یا قبضہ مستاجران میں تھیں یا قبضہ خود مالک مکان میں اور بعد رہن بھی مالک ومستاجران ہی کا قبضہ رہا تو مرتہن کا قبضہ متحقق نہ ہوا اور رہن بے اثر و بے معنی رہا جو کچھ زر کرایہ عمرو نے وصول کیا محض ناحق تھا اور اصل دَین میں مجرا ہو کر صرف باقی زر اصل کا اس کو مطالبہ جائز رہا۔ عقود الدریہ میں ہے:

رهن زيد داره عند عمرو بدين ثم اٰجر عمرو الدار من زيد مدة معلومة باجرة معلومة قبضها من زيد فالاجرة باطلة فليرجع زيد بما دفع ان لم يكن من جنس الدين وان كان من جنسه تقع المقاصة۔[2]	زید نے اپنا گھر قرض کے عوض عمرو کے پاس رہن رکھا پھر عمرو نے وہی گھر معین مدت کے لئے معین اجرت کے بدلے میں زید کو بطور اجارہ دے دیا اور زید سے اجرت وصول کری تو وہ اجرت باطل ہے۔ زید کو چاہئے کہ جو کچھ اس نے دیا وہ اس سے واپس لے اگر وہ دین کی جنس سے نہیں ہے۔ اور اگر وہ دین کی جنس سے ہے تو وہ قرض میں مجرا ہوگا۔(ت)

اور بالفرض اگر یہ خیال قابل تقسیم ہو سکے کہ زید کا کرایہ داروں اور عمرو کا سامنا کرادینا اور ان سب کی اس پر تراضی گویا اس کی مفید ہوئی کہ آج سے عقد اجارہ کہ زید ومستاجران میں تھا بتراضی فریقین منتہی ہو کر عمرو ومستاجرین میں باذن زید عقد اجارہ منعقد ہوا اور اسی قدر کو قبضہ مرتہن فرض کرلیا جائے تو اب بھی ہماں آتش درکاسہ (وہ سب کچھ کاسہ میں رہا۔ت) کا مضمون ہوگا مرتہن جب باذن راہن شیئ مرہون کسی شخص ثالث کو بطور اجارہ دے رہن فورًا باطل ہوجاتا ہے اور اجرت کا مالک خاص راہن قرار پاتا ہے تو مرتہن نے جو کچھ لیا غصب تھا دَین سے مجرا ہو کر صرف باقی زر اصل کا اسے مطالبہ پہنچے گا اور جائداد اس کی رہن سے نکل گئی باقی لے کر چھوڑنا کیا معنی۔ ہندیہ میں ہے:

لو آجر واحد منهما(ای من الراهن والمرتهن) باذن	اگر ان دونوں (راہن ومرتہن) میں سے کسی ایک نے دوسرے کی اجازت سے مرہون شیئ

[1] العنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الرہن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۷۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الرہن ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۲۵۴

صاحبہ اوبغیر اذنہ ثم اجاز صاحبہ صحت الاجارۃ و بطل الرھن فتکون الاجرۃ للراھن، وکذٰلك لو استاجرہ المرتھن صحت الاجارۃ وبطل الرھن اذا جدد القبض للاجارۃ ھٰکذا فی شرح الطحاوی[1]۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اجرت پر دے دی یا دوسرے کی اجازت کے بغیر دی پھر دوسرے نے اس کی اجازت دے دی تو اجارہ صحیح ہوگیا جبکہ رہن باطل ہوگیا اور اجرت راہن کے لئے ہوگی اور یونہی اگر مرتہن نے مرہون کو اجارہ پر لے لیا اجارہ صحیح اور رہن باطل ہوگیا جبکہ اجارہ کے لئے نیا قبضہ پایا گیا یونہی شرح الطحاوی میں ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۶۱: از مقام قصبہ بلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سید محمد تجمل حسین صاحب ڈاکٹر

مخدوم ومکرم بندہ حضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بعد سلام علیک کے التماس ہے کہ میں نے ایک مکان رہن یا قبضہ لیا تین سو روپے پر، اور یہ مکان اور دکان ایک ہندو کا ہے اور اسی شخص نے پھر مجھ سے یہ مکان دکان تین روپے مہینے پر کرائے پر لے لیا ہے میعاد دوسال کی ہے مگر شرط یہ بھی دستاویز مذکور میں ہے کہ اگر اندر دوسال کے مکان دکان نہ چھڑا سکے تو رہن نامہ بجائے بیعنامہ کے سمجھا جائے مجھ کو یہ علم نہ تھا کہ یہ فعل ناجائز ہے اور براہ بندہ نوازی اس مسئلہ سے مطلع فرمائیے کہ جو کرایہ نامہ میں نے لکھا ہے وہ روپے لوں یا نہ لوں؟ جائز ہے لینا یا نہیں، اور وہ روپیہ کسی غریب یا کسی حاجتمند کو دیا جاسکتا ہے یعنی کسی کام میں یہ روپیہ کرایہ کا صرف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ روپیہ کسی کام میں آسکتا ہے تو خیر، اور اگر کسی کام میں نہیں آسکتا تو اتنے روپے کو کیا کیا جائے یا جس کے یہ روپیہ ملے اسی کو واپس کیا جائے؟ جواب صاف مرحمت ہو۔ ایک شخص مجھ سے کہتا ہے کہ اگر یہ روپیہ ناجائز ہے اور آپ اپنے صرف میں نہیں لاسکتے ہیں تو میں قرضدار ہوں جس کی ادا میرے امکان سے باہر ہے مجھ کو دے دیجئے کہ میں قرضہ ادا کروں۔

الجواب:

سیّد صاحب سلّمہ فی الواقع رہن دخلی بھی سود ہے اور شیئ مرہون کا راہن کو کرایہ پر دینا اور اس سے کرایہ لینا بھی سود ہے اور سود لینا حرام مگر جب کہ وہ شخص ہندو ہے اگر اس نے کسی مسلمان سے سود لیا ہو تو اس سے یہ رقم نہ بہ نیت سود بلکہ اس نیت سے کہ اس نے

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الرھن الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۶۔۴۶۷

جو ناجائز رقم لی تھی وہ اس مسلمان کی اس پر شرع کی رو سے آتی ہوئی وصول کرکے مستحق کو پہنچاتا ہوں لینا جائز ہے۔ اور اگر یہ اندیشہ ہوتا کہ لوگوں میں سودخواری سے نام مشہور ہوگا اور جس طرح برا کام برا ہے برا نام بھی پسندیدہ نہیں تو یہ جواز خالص بلا کراہت ہوتا یونہی یہ بھی کہ سود کی نیت نہ کی جاتی بلکہ ایک نامسلم غیر ذمی کا مال طریق جائز قانونی سے لے کر اس محتاج مدیون مسلمان کی مدد کرتے جو آپ سے استمداد کررہا ہے اور مساکین مسلمین کے صرف میں لاتے کوئی حرج نہ رکھتا غرض ان نیتوں کے ساتھ حرام نہیں برے نام کے سبب بچنا چاہئے فقط، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۳، ۶۲: از دھاروپور مرسلہ جناب فوجدار خاں صاحب ۱۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

علمائے دین واتباع شرع متین کیا فرماتے ہیں ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی اہل ہنود کی حقیت اگرچہ رہن دخلی رکھی جائے اور اس کی مالگزاری سرکاری سال بہ سال بموجب بندوبست سرکاری سرکار کو ادا کی جائے تو اس کا منافع جو کچھ اراضی میں ہوگا وہ سود میں شمار کیا جائے گا یا نہیں یا کیا حکم ہے؟

(۲) اگر کسی اسامی دخیل کار کی اراضی موروثی چند سال معین کے لئے رہن رکھی جائے اور اس اراضی مرہونہ کا لگان زمین دار کو رہن دار سال بسال ادا کرے تو اس اراضی کے کاشت کرنے سے جو کچھ منافع ہوگا اس کے واسطے کیا حکم ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) ہندو کی حقیت رہن دخلی لینا اور اس سے منافع حاصل کرنا کوئی حرج نہیں مگر شرط یہ ہے کہ اپنے قرض پر نفع لینے یا سود کی نیت نہ کرے بلکہ یہ کہ ہندو کی رضامندی سے اس کے مال پر قبضہ جائز ہے اور اس مباح سے نفع حاصل کیا جاتا ہے،

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء مانوی[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	بے شک عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اور ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) دخیل کار زمین موروثی کا شرعًا مالک نہیں ہوتا اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تامدت رہن ادا کرتا رہے

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲

اس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ دخیل کار کو ہم نے قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط و باطل ہے اور قصد گناہ سے گناہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمین دار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہٰذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے اس میں حکم یکساں ہے خواہ وہ دخیل کار مسلمان ہو یا ہندو،

لانه رهن ملك غيره فالمالك ان لم يقع منه اجازة الرهن واذن لهذا فی الزرع بالاجر المعهود فهذه اجارة نافذة وقد كان الرهن موقوفا علی اجازته وكل موقوف طرأ عليه بات بطل وان فرض انه اجاز الرهن ولودلالة فالرهن الی اجل فاسد والفاسد واجب الفسخ ويستبد به كل منهما فلما آجر من هذا بطل الرهن لان الرهن والاجارة متنافيان لايجتمعان كما صرحوا به، والله تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ یہ ملک غیر کا رہن ہے، چنانچہ مالک نے اگر رہن کی اجازت نہ دی اور مرہون زمین میں معین اجرت کے بدلے کاشت کی اجازت دے دی تو یہ اجارہ نافذ ہوگا۔ اور تحقیق رہن اس کی اجازت پر موقوف تھا اور ہر موقوف جب اس پر قطعیت طاری ہو تو وہ باطل ہو جاتا ہے اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس نے رہن کی اجازت دی اگرچہ بطور دلالت ہو تو یہ ایک مدت تک رہن ہوا جو کہ فاسد ہے، اور فاسد کا فسخ واجب ہوتا ہے۔ عاقدین میں سے ہر ایک اس کو فسخ کرنے میں مستقل ہوتا ہے کہ جب مالک نے اس کو اجارہ پر دے دیا تو رہن باطل ہوگیا کیونکہ رہن اور اجارہ آپس میں متنافی ہیں جو جمع نہیں ہوسکتے جیسا کہ مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)
قال فی ردالمحتار فی مسئلة من اعار ليرهن افتی فی الحامدية فيما لو قيد العارية بمدة معلومة	ردالمحتار میں اس شخص کے بارے میں کہا جس نے کوئی شیئ بطور عاریت دی تاکہ اسے رہن رکھے۔ حامدیہ میں فتوٰی دیا ہے کہ اگر عاریت کو معین مدت کے ساتھ مقید کیا ہے

ومضت المدۃ بأن للمعیر اخذھا من المستعیر قال وبہ افتی فی الخیریۃ والاسمٰعیلیۃ ومثلہ فی فتاوٰی ابن نجیم قائلا ،ولیس لہ مطالبتہ بالرھن قبل مضی المدۃ فاذا مضت وامتنع من خلاصہ من المرتھن اجبر علیہ اھ اقول:ولایخالفہ مافی الذخیرۃ استعارہ لیرھنہ بدینہ فرھنہ بمائۃ الی سنۃ فللمعیر طلبہ منہ وان اعلمہ انہ یرھنہ الی سنۃ اھ لان الرھن ھنا فاسد لتأجیلہ کما مروکلامنا فی تاجیل العاریۃ تأمل اھ واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	اور وہ مدت گزرچکی ہے تو مُعیر اس کو مُستعیر سے لے سکتا ہے۔فرمایااسی کے ساتھ خیریہ اوراسمٰعیلیہ میں فتوی دیا ہے اوراسی کی مثل فتاوٰی ابن نجیم میں ہے کہ معیر کو مدت گزرنے سے پہلے رہن کے مطالبہ کااختیار نہیں اور جب مدت گزرجائے اور وہ مرتہن سے عاریت والی شیئ چھڑانے سے انکاری ہو تو اس پر جبر کیاجائےاھ میں کہتاہوں یہ اس کے مخالف نہیں جو کچھ ذخیرہ میں ہے۔مستعیر نے اس لئے عاریت پر لیاکہ وہ اس شیئ کو اپنے قرض کے بدلے رہن رکھے گا چنانچہ اس نے اس شیئ کو سوروپے کے بدلے میں ایک سال تک کے لئے رہن رکھاتومعیر اس کامطالبہ کرسکتاہے اگرچہ مستعیر نے اسے بتادیاہوکہ وہ سال تک رہن رکھے گا کیونکہ رہن یہاں مدت مقرر کرنے کی وجہ سے فاسد ہے جیساکہ گزرگیا۔اور ہماراکلام عاریت کی مدت مقرر کرنے میں ہے غورکرواھ اوراللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۶۴: از ملک کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(نوٹ) ادھار خریدااور اطمینان کے لئے پاس زیور رہن رکھاجائز ہے یانہیں؟

الجواب:

جائز ہے۔پھراگرزیور مرتہن کے پاس تلف ہوجائے تواگر جنس کے بدلے رہن تھا مثلاً نوٹ روپوں کوخریدااور چاندی کا زیور رہن رکھایااشرفیوں کو مول لیااور سونے کازیور گروی کیاجب تواس کاوزن معتبر ہوگا،اور اگرخلاف جنس کے بدلے رہن تھامگر نوٹ روپوں کوخریدااور سونے کا زیور رہن رکھایااشرفیوں کو مول لیااور چاندی کازیور گروکیاتوزیور کی قیمت معتبر ہوگی

[1] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱ـ۳۳۰

مثلاً نوٹ سوروپے کو مول لیا اور چاندی کا زیور کہ وزن میں سوروپے بھر اور قیمت میں دوسوروپے کا تھا رہن رکھا اور وہ جاتا رہا تو برابر ہوگئے کہ وزن یکساں تھا اور اگر پچاس روپے بھر کا زیور رہن کیا جو قیمت میں سوروپے کا تھا اور تلف ہوگیا تو دَین میں سے صرف پچاس ساقط ہوئے کہ یہاں قیمت میں سَوروپے کا تھا رہن رکھا اور وہ ہلاک ہوگیا تو برابر ہوگئے دین ساقط ہوگیا کہ یہاں قیمت کا اعتبار ہے، درمختار میں ہے:

صح رهن الحجرين والمكيل والموزون فان رهن بخلاف جنسه هلك بقيمته وهو ظاهر وان بجنسه هلك هلك بمثله وزنا او كيلا لاقيمة ولاعبرة بالجودة عند المقابلة بالجنس ثم ان تساويا فظاهر وان الدين ازيد فالزائد فی ذمة الراهن وان الرهن ازيد فالزائد امانة، درر وصدر الشريعة[1] والله سبحٰنه و تعالٰی اعلم۔	اور صحیح ہے رہن رکھنا سونے، چاندی اور کیلی ووزنی چیزوں کا۔ اگر اس نے مذکورہ چیزوں کو ان کی جنس کے خلاف کے عوض رہن رکھا اور مرھون ہلاک ہوگیا وہ قیمت کے ساتھ ہلاک ہوا اور یہ ظاہر ہے۔ اور اگر مذکورہ چیزیں انکی جنس کے مقابل رہن رکھیں اور مرھون ہلاک ہوگیا تو وہ اپنی مثل قرض کے مقابل ہلاک ہوگا باعتبار وزن یا کیل کے نہ کہ باعتبار قیمت کے۔ اور جنس کے ساتھ مقابلہ کے وقت مرھون کے کھَرے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر اگر قرض اور مرہون برابر ہیں توظاہر ہے، اور اگر قرض زائد ہے تو وہ زائد راھن کے ذمے ہوگا۔ اور اگر مرھون زائد ہے تو وہ زائد امانت ہوگا، درر وصدر الشریعۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۵: حیدرآباد دکن محلّہ قاضی پورہ دفتر قادری تفسیر مرسلہ جناب مولوی سید عبدالجبار صاحب سلمہ ۱۰ شعبان ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر سے زید نے مکان رہن لیا اور اب زید اس مکان کے کرایہ سے یاخود رہ کر منتفع ہونا چاہتا ہے آیا درست وجائز ہے یانہیں؟ زید کا بیان ہے کہ کچھ خفیف ترمیم یاآہک پاشی میں اپنی ذات سے کرلیتا ہوں اس صورت میں کیاانتفاع جائز ہوسکتا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

[1] الدرالمختار کتاب الرھن باب مایجوز ارتھانہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۰

الجواب:

مرتہن کو رہن سے کسی طرح کا انتفاع جائز نہیں، نہ رہ کر نہ کرایہ پر، سب حرام اور سود ہے۔ حدیث میں ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربو، رواہ الحارث فی مسندہ[1] عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث نے اپنی مسند میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کیا۔ (ت)

یہاں جو انتفاع ہوتا ہے معروف و معہود ہے اور معروف مشروط اور مشروط بالاجماع حرام اور وہ یقینا روپے کے دباؤ سے ہوتا ہے تو یہاں اذن راہن کی صورت متحقق نہیں اگرچہ حیلہ باطلہ کے طور پر اس کا نام کرلیا ہے کہ انتفاع بالاذن کے یہ معنی ہیں کہ نہ اس کی شرط ہو نہ اس پر اصرار بلا شرط اگر راہن بطور خود مثلاً کسی وقت سکونت کی اجازت دے تو صرف اس کے اذن کی بنا پر رہنا چاہئے اور اس میں اپنے کو ہر وقت اس کے اذن کا محتاج جانے یہاں تک کہ وہ اس وقت کہہ دے کہ باہر نکل جاؤ تو وہ فوراً بلا عذر چلا جائے یا اس نے اجازت دی اور نہ اسباب لایا ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہے کہ راہن نے کہہ دیا مجھے منظور نہیں تو فوراً قدم باہر نکال لے یہ صورت اذن راہن کی ہے مگر حاشا اس کا وجود کہاں بلکہ بالیقین بزور رہتے ہیں اور تا ادائے دَین راہن ہر گز نہیں منع کرسکتا ہے اور منع کرے تو ہر گز نہیں مانتے۔ لاجرم حکم مطلقاً تحریم ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار پھر رد المحتار میں ہے:

الغالب من احوال الناس انھم انما یریدون عند الدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع[2] انتھی۔	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن دیتے وقت نفع حاصل کرنے کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ وہ قرض کے لئے درھم ہی نہ دیں گے۔ اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی مثل ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔ انتہی (ت)

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

آبک پاشی وغیرہ کا حیلہ مفید نہیں کہ اگر اسے اُجرت ٹھہرائیں تو اول تو رہن واجارہ دو عقد متنافی ہیں جمع نہیں ہوسکتے اور رہن چھوڑ کر اجارہ مانیں تو اجرت مجہول ہے اور ایسا اجارہ حرام اور عاقدین گنہگار اور دونوں پر اس کا فسخ واجب، اور وہ نہ کریں تو حاکم پر لازم کہ جبراً فسخ کردے **دفعاً للمعصیۃ کما فی الدر المختار وغیرہ** (معصیت سے بچتے ہوئے جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۶۶: از بھڑوچ مسئولہ محمد عبدالرشید خاں صاحب ۱۹ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس عمرو نے باغ وزمین گرور کھا چند عرصہ میں عمرومع آل اولاد مر گیا اب اس کے باغ وزمین کا واپس لینے والا کوئی نہ رہا وہ باغ وزمین زید ہی کے پاس ہے، اب اگر زید اس باغ و زمین کی آمدنی کے روپے سے خیرات وحج کرے تو ازروئے شرع شریف درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ باغ وزمین اس کے روپے سے جو اس نے راہن کردیا تھا زیادہ قیمت کی ہوں جیسا کہ اکثر اشیاء مرہونہ میں یہی ہوتا ہے تو یہ اس سب کا مالک نہیں ہوسکتا بقدر اپنے روپے کے لے سکتا ہے باقی فقرائے مسلمین کا حصہ ہے جبکہ فی الواقع مالک کا کوئی وارث نہ رہا ہو جس قدر اس کا حصہ ہے اس سے حج کرسکتا ہے اور تصدق سب کا ممکن ہے اپنے حصہ کا باختیار خود اور حصہ فقراء اس طرح کہ وہ انہیں کا مال ہے اور اگر اس کی مالیت اس کے روپے سے کم یا برابر ہو تو اس سب کو اپنے دین میں سے لے سکتا ہے،

علٰی مانقل الفتوٰی علیہ فی ردالمحتار ان فی زماننا اخذ حقہ من خلاف جنسہ۔[1]	جیسا کہ اس پر فتوی منقول ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ ہمارے زمانے میں اس کو خلاف جنس سے اپنا حق وصول کرنے کا اختیار ہے۔ (ت)

اس وقت اس سے حج وتصدق کا جواز خود ظاہر ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔**

[1] ردالمحتار کتاب السرقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰، ردالمحتار کتاب الحجر ۴/ ۹۵ وکتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع ۴/ ۲۷۱

مسئلہ ۶۷: از قصبہ دوکانہ خاص پاڑھم ضلع مین پوری مرسلہ حکیم ظہور الدین صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

جناب فضیلت مآب فیض اکتساب دام اقبالکم، بعد سلام علیکم آنکہ مژدہ صحتوری مزاج کامدام دعاگو درجواب باصواب کاآپ کے اسلامی معاملات شہرہ ویکتائے آفاق ہے منتظر مثل ماہی بے آب ہوں۔

یہ مسئلہ بذریعہ سوال مندرجہ ذیل صدر کے بجواب مندرجہ تحت کہ جس کے نقل منسلک ہذا ہے آنجناب نے عرصہ گزرا کہ حل فرمایا تھا تو ۴ بسوہ ۳ سوانسہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ مال غصب اس وقت معلق تھا کہ بعدہ جس کا دعوی ورثائے شخص کو ثالث نے باستحقاق مستحقہ مجوزہ عدالت بابت دخلیابی بانفکاک الرہن وزیر عدالت کہ جو ۱۳ مئی ۱۸۹۱ء کو بعارض تمادی قانون انگریزی ڈسمس ہوا تواب جو ورثاء راہنہ کو جو ۱۶ سوانسہ ۱۳ کچوانسہ اور ایک ثلث کچوانسہ اور منجملہ پانچ بسوہ رہن کردہ مذکورہ کی پاچکے ہیں اس ۴ بسوہ ۶ کچوانسہ اور دو ثلث کچوانسہ ملکیت مال معلق کو فک الرہن کرادیں تواب بھی ہوسکتا ہے یا کہ بوجہ اس کے ورثائے شخص ثالث مستحقہ کا دعوی ڈسمس ہونے سے قائم مقام مرتہن شرعاً مالک اصل ہوگیا اور ورثہ راہنہ غاصبہ کو انفکاک الرہن کا کوئی حق باقی نہ رہا اور اگر شرعاً استحقاق ہے تواب بصورت استحقاق ورثہ راہنہ فک الرہن کرادیں تو اصل مالک یہ بھی رہے گی یا کہ ورثائے شخص ثالث کو استحقاق پھر بھی ورثہ راہنہ پر پہنچانے کا رہے گا یا کہ کوئی حق ورثائے ثالث کا اب بوجہ اس کے اس کا دعوی ڈسمس ہوچکا ہے نہیں رہا امید کہ جیسی صورت شرعاً ہو بجواب مفصل صاف بحوالہ کتب بواسطے خدا اور سول جواباً ارقام فرماکر معزز ممتاز فرمائیں، والسلام

الجواب:

اٹھارہواں سال ہے کہ ذی القعدہ ۱۳۱۳ھ میں یہ مسئلہ یہاں سے لکھا گیا وہی جواب اس کا اب بھی ہے جو جب تھا حق انفکاک وارثان راہنہ کو ہے ادائے دین مرتہن راہنہ ہی کے ترکہ سے ہوگا جزء معلق کی نسبت اگر ثابت یا وارثان راہنہ کو معلوم ہے کہ وہ شخص ثالث کا ہے تو ان پر فرض ہے کہ بعد انفکاک وارثان ثالث کو پہنچادیں شرع مطہر میں تمادی سے حق نہیں جاتا، جوہرہ نیرہ کتاب الطلاق باب اللعان، پھر اشباہ والنظائر فن ثانی کتاب القضاء والشہادت والدعاوی میں ہے:

الحق لایسقط بتقادم الزمان قذفا او قصاصا او لعانا او حقا للعبد۔[1]	حق زیادہ زمانہ گزر جانے کے سبب سے ساقط نہیں ہوتا چاہے قذف ہو یا قصاص ہو یا لعان ہو یا حق عبد ہو۔(ت)

اور اگر نہ ان کو معلوم نہ کوئی ثبوت تو وہ جز بھی ملک راہنہ سمجھا جائے گا جو اس پر قابض تھی اور جس نے بدعوی مالکانہ اس کو رہن کیا لان القبض دلیل الملک (کیونکہ قبضہ ملکیت کی دلیل ہے۔ت) اس صورت میں وہ خود وارثان راہنہ کا ہے بہر حال وارثان مرتہن کا کسی طرح نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۸: از لکھنؤ نئی سڑک جوتا بازار نخاس مرسلہ حاجی قدرت اللہ خاں تاجر جفت پاپوش ۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

استفتاء مزید (یعنی نسبت مسئلہ آمدہ از کانپور ۳ صفر ۱۳۲۶ھ)

واقعات مندرجہ استفتاء سابق میں لکھا ہے (بعد اس زمین کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں) اس کی نسبت عمرو مرتہن نے ظاہر کیا ہے کہ صحیح واقعہ اس طرح ہے کہ بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد راہن نے کرایہ داروں سے کہا کہ کرایہ عمرو مرتہن کو دیا کریں، اگر یہ صحیح واقعہ استفتاء میں تحریر ہوتا تو فتوی یہ ہوتا کہ شرعا بیع صحیح ہو گئی اور کرایہ وصول شدہ ملک مرتہن ہے۔ لہٰذا حضرات علمائے کرام مدظلہم العالی کی خدمت والا میں بکمال ادب گزارش کہ عبارت استفتاء منسلکہ (بعد اس رہن کے راہن نے کرایہ داروں سے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) عبارت صحیح یہ ہے کہ (بربنائے شرط مندرجہ دستاویز ایک ماہ کے بعد کرایہ داروں سے راہن نے کہہ دیا کہ کرایہ مرتہن کو دیا کریں) پس اس تصحیح واقعہ و تبدیل عبارت کے بعد احکام مندرجہ فتوی میں کیا تبدیلی ہو گی، اور کیا اس صورت میں جائداد بیع ہو جائے گی اور کرایہ وصول شدہ مِلک مرتہن ہوگا، بملاحظہ حالات مندرجہ استفتاء سابق و تصحیح واقعہ مندرجہ استفسار مزید ہٰذا و فتوی منسلکہ جواب بحوالہ کتب عطا ہو۔

[1] الاشباہ والنظائر بحوالہ الجوہرۃ النیرہ، الفن الثانی، کتاب القضاء والشہادت الخ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

الجواب:

اس تبدیلی سے ایک تغیر ضرور ہوا سوال سابق میں اگر عبارت یوں صاف مصرح ہوتی تو جواب میں بہت تخفیف رہتی، عبارت اولیٰ سے ظاہر یہ تھا کہ رہن کے بعد ہی راہن نے کرایہ داروں سے ایسا کہہ دیا اور جب کہ یہ شرط رہن نامہ نہ تھا کہ اس میں حصول بیع وملک مرتہن انقضاء میعاد ایک ماہ وعدم فک رہن پر مشروط تھا پیش از میعاد رہن کے اس کہہ دینے سے ناواقف کو وہم ہوسکتا تھا کہ راہن نے کرایہ داروں سے اپنا اجارہ فسخ کرکے مرتہن سے اجارہ کرادیا اور گویا اس طرح رہن پر مرتہن کا قبضہ ہوگیا جس کے دفع کو فتوائے سابقہ میں وہ تقدیر لکھی گئی نیز یہ وہم ہوسکتا تھا کہ جب کہ اجازت قبل میعاد بربنائے شرط نہیں تو یہ راہن کا مرتہن کو محض احسانا بلاشرط اپنی طرف سے منافع مرہون کی اجازت دینا ہوا تو وہ کرایہ حق مرتہن میں حلال ہونا چاہئے۔ تنویر الابصار میں ہے:

لہ حبس رھنہ لاالانتفاع بہ مطلقًا الاباذن۔[1]	مرتہن کو مرہون کے روک رکھنے کا اختیار ہے نہ کہ اس سے کسی قسم کا نفع حاصل کرنے کا سوائے اس کے کہ راہن اس کو اجازت دے دے۔ (ت)

جواہر الفتاوٰی پھر منح الغفار پھر ردالمحتار میں ہے:

اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ وھو ربا والا لا باس۔[2]	اگر مرہون سے نفع اٹھانے کی شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہو گیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے۔ اور اگر شرط نہیں لگائی گئی تو کوئی حرج نہیں۔ (ت)

اور اس جواب کی حاجت ہوتی جسے ہم نے اپنے فتاوٰی میں منقح کیا جس کا خلاصہ یہ کہ محض بروجہ تبرع واحسان اجازت انتفاع یہاں لفظ بے معنی واسم بے مسمّی ہے یقینا قرض ہی کے دباؤ سے اجازت ہوتی ہے مرتہن اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور معروف مثل مشروط ہے تو وہ

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۶

[2] ردالمحتار بحوالہ الجواھر کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

خالص ربا ہی ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار پھر ردالمحتار میں ہے:

والغالب من احوال الناس انھم یریدون عندالدفع الانتفاع ولولاہ لما اعطاہ الدراھم وھذا بمنزلۃ الشرط لان المعروف کالمشروط وھو مما یعین المنع۔[1]	لوگوں کا غالب حال یہ ہے کہ وہ رہن رکھتے وقت نفع اٹھانے کا ارادہ کرتے ہیں ورنہ قرض پر درہم ہی نہ دیں گے، اور یہ بمنزلہ شرط کے ہے کیونکہ معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے اور وہ ممانعت کو متعین کرتا ہے۔(ت)

نیز یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شرعًا بوجہ تعلیق وعدم قبضہ نہ یہاں بیع ہوئی نہ رہن تمام اور یہ اجازت پیش از میعاد اس قرارداد پر مبنی نہیں کہ کہا جائے جب وہ عقد باطل ہوا یہ اجازت بھی باطل ہوگئی اذا بطل المتضمن بطل المتضمن (جب متضمن باطل ہوگیا تو متضمن بھی باطل ہوگیا۔ت) بلکہ یہ ایک اجازت مستقلہ ہے تو اپنا عمل کرے گی لصدورھا عن اھلھا فی محلھا (اس لئے کہ یہ اپنے اہل سے اپنے محل میں صادر ہوئی۔ت) اور جواب کی حاجت ہوتی ہے کہ رہن نہ سہی قرض تو ہے اور اسی کی وجہ سے یہ اجازت ہے ورنہ راہ چلنے کے لئے کہہ دیتا کہ میری تمام مکانات دکانات کا کرایہ آج سے فلاں کو دیا کرو اور خود اپنے مکان سکونت کا کرایہ دینا اس پر دلیل قاطع ہے تو اجازت اگرچہ مستقلہ ہے اجازت حرام وربا ہے اور ربا ہندہ کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[2]، رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ اس کو حارث بن ابی اسامہ نے بروایت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا ہے۔(ت)

امام عبداللہ ابن محمد ابن اسلم سمرقندی نے فرمایا:

اذن لہ فی الربا لانہ یستوفی	راہن کا مرتہن کو مرہون سے نفع اٹھانے کی

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۱

[2] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

دینہ کاملا فتبقٰی لہ المنفعۃ فیکون ربا وھذا امر عظیم ۔[1]	اجازت دینا سود کی اجازت ہے کیونکہ وہ اپنا قرض مکمل وصول کرتا ہے تو اس کے لئے نفع باقی رہا جوکہ سود ہوگیا اور یہ امر عظیم ہے۔(ت)

اس پر اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ فضل ربا نہیں بلکہ فضل مستحق بالعقد اور یہ جبکہ پیش از میعاد ووقت قرار داد ہے مستحق بالعقد نہیں اور پھر اسی تنبیہ کی ضرورت ہوتی کہ:

المعھود عرفا کالمشروط لفظا۔[2]	جو عرف میں معہود ہو وہ لفظوں میں مشروط کی مثل ہے۔(ت)

غرض اس عبارت سابقہ میں متعدد اوہام اور اس کے دفع کی مؤنت تھی اب کہ سوال میں آپ کی تصریح ہوگئی کہ حسب قرارداد وبعد مرور میعاد اسی شرط کی بنا پر راہن نے یہ اجازت دی سب مؤنتیں اٹھ گئیں اور خود ہی ظاہر ہوگیا کہ یہ اجازت اسی شرط باطل پر مبنی تھی اور باطل پر جو کچھ مبنی ہو باطل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مابال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ ما کان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل ان کان مائۃ شرط فقضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق۔ رواہ الشیخان عن اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا۔[3]	ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں پس اللہ کا فیصلہ زیادہ حق والا ہے اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے۔ اس کو شیخین نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔(ت)

تو اس تبدیل سے احکام فتوائے سابقہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی بلکہ اور ان کی تائید وتوکید ہوگئی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار بحوالہ عبداللہ ابن محمد بن اسلم السمرقندی کتاب الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۱

[3] صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الولاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۷، صحیح مسلم کتاب العتق باب بیان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

مسئلہ ۶۹: از مقام مذکور ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

حضرت اقدس مدظلہ العالی بعد عرض تسلیم بصد تعظیم گزارش ہے کہ قبل اس کے دو عریضے خدمت اقدس میں روانہ کئے ہیں مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی افسر مدرس مدرسہ ندوہ کی رائے یہ معلوم ہوئی کہ وہ منافع جائداد مرہونہ ملک مرتہن بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالمگیری میں ایک جزئیہ موجود ہے الاأن یأذن الراھن (مگر یہ کہ راہن اجازت دے دے۔ت) براہ دستگیری عاجزان اس کے متعلق جو تحقیق صحیح حضوروالا کی رائے میں ہو اس سے آگاہ فرماکے سرفرازی بخشی جائے بعید بندہ نوازی سے نہ ہوگا، زیادہ حد ادب۔ عریضہ قدرت اللہ خاں از لکھنؤ نئی سڑک جوتا بازار۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آج چوتھا روز ہے جواب فتوٰی حاضر کرچکا ہوں، غالبًا اس کے وصول سے پہلے آپ نے یہ کارڈ لکھا۔ اس فتوٰی میں اس وہم کے تین رد موجود ہیں:

(۱) یہاں رہن ہی نہیں محض قرض ہے اور قرض پر نفع سود اور سود کسی کی اجازت سے حلال نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر رہن بھی مانیے تو اجازت راہن جسے شرع اجازت مانتی ہے یہاں عنقا ہے ہر گز محض اس کی اجازت بروجہ احسان و تبرع کے طور پر نفع نہیں لیتے بلکہ دَین کے دباؤ سے جس پر اس مرتہن کا راہن کو دربارہ کرایہ نوٹس دینا شاہد ہے احسان وغیرہ پر نوٹس نہیں ہوتا لاجرم اسے اپنا حق سمجھا اور بالجبر حاصل کرنا چاہا پھر اجازت سے ہونا کیسا۔

(۳) ان سب سے قطع نظر ہو تو جب سائل نے تصریح کردی کہ یہ اجازت بعد انقضائے میعاد بربنائے قرارداد تھی تو قطعًا نفع کی شرط ہوگئی اور دَین پر جو نفع شرط کرلیا جائے بالاجماع ربا وحرام قطعی ہے اسے بہ اجازت راہن لینا نہیں کہہ سکتے بلکہ معاہدہ فاسدہ محرمہ۔

ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم وھو تعالٰی اعلم۔	بلندی وعظمت والے رب کی توفیق کے بغیر نہ تو بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۷۰: از ریاست رامپور محلّہ زینہ عنایت خاں مرسلہ حامد علی خاں صاحب ۱۸جمادی الاخری ۱۳۲۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ازروئے شرع مبین اندریں مسئلہ کہ زید بکر کامقروض ہے بکرنے زید پر عدالت میں دعوٰی دائر کرکے عدالت سے اپنے وصول کرلینے قرضہ کی ڈگری حاصل کی ہے زید کوایک جائداد متروکہ عمرواپنے مورث اعلٰی سے منجملہ ۱۶سہام کے ۶ سہام شرعًا پہنچی، جائداد متروکہ عمرواس کی حیات سے منجانب عمروایک شخص کے پاس رہن دخلی ہے اور کوئی جائداد زید کی سوائے سہام مذکورہ نہیں ہے جس سے وصول ڈگری ہوسکے اندریں صورت بکرحق وحصہ مرہونہ زیدبہ تحفظ حق مرتہنی بکرعدالت سے نیلام کراکر زرڈگری اپناوصول کرنے کامختار ہے یانہیں اگرشے مرہونہ مذکورہ شرعًا بغیرانفکاک نیلام نہیں ہوسکتی اور کیاصورت ہوسکتی ہے کہ بکراپنازرڈگری زید سے وصول کرسکے بکرمجبورًا کل زررہن یافتنی مرتہن قابض عدالت میں داخل کرکے اور انفکاک کرکے حق وحصہ زید جائداد مذکورہ سے نیلام کرادے اور بصورت مذکورہ بکر زر رہن اداکردہ خود کو دے کر بکرحصہ داران شرکاء زید سے شرعًا وصول کرنے کامختار ہوگا یانہیں؟ فقط

الجواب:

بیان سائل سے معلوم ہواکہ وہ جائداد گاؤں ہے اوراس کی زمین زمانہ عمرو سے مزارعوں کواُٹھی ہوئی ہے وہ اس پر بدستور قابض رہے ان سے زمین نکالی نہ گئی اوراسی حالت پر وہ گاؤں ایک شخص کے پاس دخلی رکھ دیااور واقعی یہاں پر یہی معمول ہے یوں ہی کرتے ہیں اجارہ مقدم ہوتاہے رہن مؤخر بلاتخلیہ مزارعین ہرگزنہ زمین سے دست بردار ہوتے ہیں نہ اپناعقد فسخ کرتے ہیں بلکہ اسی مقبوض فی اجارہ کو محض زبانی وکاغذی باتوں سے معًا مقبوض فی الرہن تصور کرلیاجاتاہے حالانکہ شیئ واحد پر وقت واحد میں دوقبضہ مختلف وارد نہیں ہوسکتے توحقیقۃً رہن بے قبضہ وبے اثر رہتاہے اگرچہ براہ نادانی اسے زمین پر قبضہ ہونا سمجھیں اور رہن دخلی کہیں، اعتبار حقائق کاہے نہ مزعومات عوام کا، لہٰذا اس صورت میں اصل حکم شرعی یہ ہے، رہن سرے سے جائز ہی نہیں، نہ مرتہن کو جائداد میں کوئی حق کہ اور قرضخواہوں پر مقدم ہو حاکم زید کو حکم دے کہ اپنے سہام بیچ کر ڈگری اداکرے اگر وہ نہ مانے حاکم نیلام کردے اور حق مرتہنی کوئی نہیں جس کا تحفظ کیاجائے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الواجب فی ذٰلك شرعًا النظر فی	اس میں شرعی طورپر واجب یہ ہے کہ دونوں

کلا العقدین(الرھن والاجارۃ)فان کان البیت مقبوضاً فی الرھن دون الاجارۃ اعتبر وکان المرتھن احق بمالیتہ من المستاجر ومن سائر غرماء المیت وان کان مقبوضًا فی الاجارۃ دون الرھن کان المستاجر (ای الذی عجل الاجرۃ)احق من المرتھن ومن سائر الغرماء(حتی یستوفی الاجرۃ المعجلۃاھ در)وان خلا العقدان عن القبض کان جمیع الغرماء اسوۃ فیہ یتقاسمونہ بقدر حقوقھم وان اتصل بکل منھما قبض فالعبرۃ للاسبق تاریخا منھما مالم یجز صاحب القبض العقد المتاخر لانفساخ السابق بالاجازۃ منہ للعقد اللاحق وکل ھذہ الاحکام صرح بھا علمائنا الاعلام[1] اھ مختصرا موضحا بزیادۃ مابین الاھلۃ۔	عقدوں یعنی رہن واجارہ میں نظر کی جائے۔اگراس گھر پر قبضہ بطوررہن ہے نہ کہ بطور اجارہ تووہ معتبر ہوگا اورمرتہن مرہون کی مالیت کا مستاجر اور میت کے دیگر قرضخواہوں سے بڑھ کرحقدار ہوگا،اوراگرقبضہ بطوراجارہ ہے نہ کہ بطوررہن تو کرایہ دار(جس نے پیشگی کرایہ ادا کردیا ہے)مرتہن اوردیگر قرضخواہوں سے بڑھ کر مرہون کی مالیت کاحقدار ہوگا(یہاں تک کہ وہ پیشگی اداکیاہوا کرایہ پوراوصول کرلےاھ در)اور اگردونوں عقد قبضہ سے خالی ہوں تو تمام قرضخواہ اس میں برابر ہوں گے جواپنے حقوق کے مطابق اس کو تقسیم کریں گے۔اوراگردونوں عقدوں میں سے ہرایک کے ساتھ قبضہ متصل ہے توجو قبضہ تاریخ میں مقدم ہے اس کااعتبار کیاجائے گاجب تک سابق قبضہ والابعد والے عقد کی اجازت نہ دے دے کیونکہ اس کی طرف بعد والے عقد کی اجازت کے باعث پہلا عقد فسخ ہوجائے گا۔ان تمام احکام کی ہمارے علماء کبار نے ایسی تصریح فرمائی جو مختصر مگرچاند سے بڑھ کرواضح ہے۔(ت)

اوراس کے سوا یہاں ایک اورنکتہ ہے رہن توشرع میں نہیں ہوتا مگردخلی،قال تعالٰی "فَرِھٰنٌ مَّقْبُوْضَۃٌ ؕ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا:تورہن قبضہ میں کیاہوا۔ت)

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الرھن دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۹۲و ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۳

مگر عوام جسے رہن دخلی کہتے ہیں جس میں مرہون سے مرتہن کا انتفاع شرط ہوتا ہے جیسے مکان رہن میں اس کا رہنا یا دیہہ رہن کی توفیر لینا یہ قطعًا سود اور محض حرام اور مردود ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی میں کردی۔ت) حدیث میں ہے:

کل قرض جرّ منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

جواھر الفتاوٰی میں ہے:

اذاکان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ فھو ربا۔[2]	جب شرط لگادی گئی تو یہ ایسا قرض ہوگیا جس میں منفعت ہے اور وہ سود ہے (ت)

اور از آنجا کہ مزارعوں سے عقد کرنے والا راہن ہی ہوا،

لانہ العاقد والمنافع انما تتقوم بالعقد۔	کیونکہ عقد کرنے والا راہن ہے اور منافع عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں (ت)

تنویر میں ہے:

ماھو بدل عن المنفعۃ کالکسب و الاجرۃ یکون للراھن۔[3]	جو منفعت کا بدل ہے جیسے کسب و اجرت وہ راہن کا ہے۔(ت)

توراہن نے مرتہن نے اتنی توفیر پائی کہ اس کے تمام و کمال دَین کے برابر یا زائد تھی اور دَین و توفیر ایک جنس ہوں مثلًا روپے قرض دئے تھے اور مزارعوں پر بھی لگان میں روپیہ ہی دیا ہے نہ بٹائی تو مرتہن نے اپنا دین وصول پالیا اور وہ چاہے یا نہ چاہے مقاصہ ہوگیا یعنی یہ توفیر کہ اس نے لی غصبًا تو اس قدر راہن کا دَین مرتہن پر لازم ہوا اور جبکہ یہ اس مقدار کو پہنچ گیا تھا جتنا اس کا دَین راہن پر تھا دونوں کا معاوضہ ہوا اتنی توفیر کا تاوان مرتہن پر سے جاتا رہا اور مرتہن کا دَین راہن پر سے اتر گیا اور جائداد رہن سے نکل گئی اب اسے اس پر کوئی حق و مطالبہ باقی نہیں ہے ڈگری دار بلامزاحمت اپنا حصہ زید سے وصول کرے، اشباہ والنظائر

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] ردالمحتار بحوالہ الجواہر الفتاوٰی کتاب الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۰

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۷

میں ہے:

اٰخر الدینین قضاء للاول۔[1]	دو قرضوں میں سے بعد والا پہلے کی ادائیگی ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

للزوج علیھا دین وطلبت النفقۃ لاتقع المقاصۃ بدین النفقۃ بلارضاء الزوج بخلاف سائر الدیون لان دین النفقۃ اضعف فصار کاختلاف الجنس فشابہ مااذاکان احدالحقین جیداوالاٰخر ردیالاتقع التقاص بلاتراض۔[2]	خاوند کا بیوی پر قرض ہے اور بیوی نے نفقہ کا مطالبہ کیا تو خاوند کی رضامندی کے بغیر قرض میں سے نفقہ کا مجرا نہیں ہوگا بخلاف دوسرے قرضوں کے کیونکہ نفقہ کا قرض ضعیف ہوتا ہے تو وہ اختلاف جنس کی طرح ہو کر اس صورت کے مشابہ ہوگیا جس میں دو حقوں میں سے ایک جید اور دوسرا ردی ہوتا ہے، جس میں باہمی رضامندی کے بغیر دونوں کو ایک دوسرے کا بدلہ قرار نہیں دیا جاتا۔(ت)

اور اگر لگان روپے سے ہوا اور موت راہن تک مرتہن کی توفیر بقدر اپنے دین کے نہ ملی اگرچہ ایک ہی روپیہ کم ہو تو اس صورت میں اگرچہ جائداد راہن سے نہ نکلی اور اسے حق حبس حاصل ہے، درمختار میں ہے:

لایکلف من قضی بعض دینہ تسلیم بعض رھنہ حتی یقبض البقیۃ۔[3]	جس مرتہن کا بعض قرض ادا کردیا گیا ہو اس کو بعض رہن راہن کے حوالے کرنے کا مکلّف نہیں ٹھہرایا جائے گا جب تک وہ اپنا باقی قرض وصول نہ کرلے۔(ت)

ولہٰذا وہ صورت کہ صرف بقدر سہم زید ادائے دَین کرکے اتنے حصے کو فک کرالیں بے رضائے مرتہن ناممکن ہے اور بعد موت راہن جو توفیر مرتہن لیتا رہا اس سے مقاصہ نہ ہوگا کہ اب عاقد

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۷

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۴۹

[3] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۷

خود مرتہن ہے تو بعد کی توفیر کا یہ خود ہی مالک ہوگا،

لما قدمنا ان المنافع فی الاجارۃ وتتقوم الابالعقد فلایملکھا الا العاقد کائنامن کان۔	ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ منافع کا قیام عقد کے ساتھ ہی ہوتا ہے لہٰذا سوائے عاقد کے چاہے وہ کوئی ہو مکان کا مالک نہیں ہوتا۔(ت)

اگرچہ بوجہ ربا ملک خبیث وحرام ہے اوراس پر فرض ہے کہ یہ توفیر مالکان جائداد کو دے اوریہی بہتر ہے یا تصدق کردے کما حققناہ فی فتاوٰینا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) مگرازانجا کہ ملک حرام ہے اور اولٰی یہی ہے کہ مالکوں کو دے تومرتہن کے لئے خیر یہی ہے کہ بعد موت راہن بھی اگرتوفیر بقدرِدَین وصول ہو گئی جائداد سے دست بردار ہو۔ یونہی توفیر اگرروپیہ نہ تھی بلکہ بٹائی ہے تواس کا غلہ بھی اگر موت راہن تک یااس کے بعد آج تک اتنا وصول ہوگیا کہ بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت دَین کے برابر ہو جب بھی اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ اپنا دین وصول سمجھے اور جائداد چھوڑدے بلکہ جتنا روپیہ یا غلہ دَین سے زائد آیا ہو مالکان جائداد کو واپس دے۔ عقود الدریہ میں ہے:

یرد ما قبض علی المالك وھو الاولٰی ثم سئل أیلزم المسمّٰی للمالك ام للعاقد فقال للعاقد ولایطیب له بل یردہ علی المالک۔[1]	مرتہن نے جوکچھ قبضہ میں لیا ہے وہ مالک کو لوٹادے وہی اولٰی ہے۔ پھر پوچھا گیا کہ مقررشدہ بدل مالک کے لئے لازم ہوگا یا عاقد کے لئے فرمایا عاقد کے لئے مگر وہ اس کے لئے اچھا نہیں بلکہ وہ مالک کو لوٹادے۔(ت)

وجیز کردری وغمزالعیون میں ہے:

أجر المرتھن الرھن من اجنبی بلااجازۃ الراھن فالغلۃ للمرتھن ویتصدق بھا کالغاصب اویردھا علی المالک۔[2]	مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر مرہون کو اجارہ پر دے دیا توآمدن مرتہن کے لئے ہوگی تو وہ غاصب کی طرح اس کو صدقہ کرے یامالک کو لوٹادے۔(ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الاجارۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۱۰

[2] غمزعیون البصائرمع الاشباہ والنظائر کتاب الرہن ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۔۱۱۲

خیریہ میں ہے:

والثانی افضل لخروجہ من الخلاف۔[1]	اختلاف سے نکلنے کے لئے دوسری صورت افضل ہے۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ یہاں رہن تسلیم کرلیں ورنہ ہم ثابت کرچکے کہ سرے سے رہن جائز ہی نہیں بہرحال ان صورتوں میں مرتہن کو کوئی مزاحمت پہنچتی ہی نہیں اور اگرابنائے زمانہ اسے نہ مانیں نہ مجوزین سے اس تجویز کی امید ہو کہ مدت سے نہ صرف کفار بلکہ دنیا بھر کے عامہ حکام نے اپنے تراشیدہ قوانین باطلہ کے آگے شرع مطہر کے احکام حقہ عادلہ کو منسوخ سمجھ رکھا ہے تو بکر فقط اُتنا دَین کہ حصہ زید پر ہے ادا کرکے اتنا استخلاص کرالے، اور اگر یہ ناممکن ہو جب تک کل دَین ادا نہ کیا جائے تو مرتہن کا سارا مطالبہ ادا کرکے جمیع جائداد رہن سے چھڑا کر اپنا دَین حصہ زید سے وصول کرے اور جو کچھ اس میں سے مرتہن کو دینا پڑے وہ تمام وکمال ورثاء عمرو سے وصول کرے کہ جو شخص دوسرے کا دَین بے اس کے کہے بطور خود ادا کرے وہ اس وقت متبرع ٹھہرتا ہے کہ اس کی ادا میں مضطر نہ ہو اور جسے بے اس کے چارہ کار نہ ہو وہ متبرع نہیں اور اسے اصل مدیون سے وصول کرنے کا اختیار دیا جاتا ہے اور اپنے حق تک بے اس کے نہ پہنچ سکنے کی بھی صورت اضطرار ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ درمختار میں ہے:

اشتری اثنان شیئا وغاب واحد منھما فللحاضر دفع کل ثمنه ویجبر البائع علی قبول الکل ودفع الکل للحاضر وله قبضه وحبسه عن شریکه اذا حضر حتی ینقد شریکه الثمن۔[2]	دو شخصوں نے مل کر کوئی چیز خریدی پھر ان میں سے ایک غائب ہوگیا، تو جو حاضر ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کل ثمن ادا کرے اور بائع کو کل ثمن وصول کرنے اور کل مبیع حاضر مشتری کے حوالے کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ اور حاضر مشتری کو حق حاصل ہے کہ وہ مبیع کو اپنے قبضہ میں لے کر دوسرے شریک سے روک رکھے یہاں تک کہ وہ شریک سے اس کے ثمن وصول کرلے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الاجارۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۱۲۵

[2] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۱

قولہ غاب واحد منہما قید بہ لان لوکان حاضرا یکون متبرعا بالاجماع لانہ لایکون مضطرا فی ایفاء الکل اذیمکنہ ان یخاصمہ الی القاضی فی ان ینقد حصتہ ولیقبض نصیبہ فتح[1]۔	ماتن کا قول کہ "دونوں میں سے ایک غائب ہو جائے" یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ حاضر ہو تو کل ثمن ادا کرنے والا بالاتفاق متبرع ہوگا کیونکہ وہ کل ثمنوں کی ادائیگی پر مجبور نہیں۔اس لئے کہ قاضی کے پاس مخاصمہ کرکے وہ اپنے حصے کے ثمن دے کر اپنے حصے کا مبیع حاصل کرسکتا ہے، فتح۔ (ت)

درمختار میں ہے:

رھن الاب من مال طفلہ شیئا بدین علی نفسہ جاز ولوادرک الابن و مات الاب لیس للابن اخذہ قبل قضاء الدین ویرجع الابن فی مال الاب ان کان رھنہ لنفسہ لانہ مضطر کمعیر الرھن۔[2]	باپ نے اپنے ذاتی قرض کے عوض اپنے بیٹے کی کوئی چیز رہن رکھ دی تو جائز ہے اگر بیٹا بالغ ہوگیا اور باپ مرگیا ہے تو قرض کی ادائیگی سے پہلے بیٹا مرہون کو لینے کا حقدار نہیں۔وہ بیٹا باپ کے مال میں رجوع کرے گا اگر باپ نے وہ چیز اپنی ذات کے لئے رہن رکھی ہو کیونکہ بیٹا اس میں مجبور ہے جیسے رہن کو عاریت پر دینے والا۔(ت)

ردالمحتار مسئلہ معیر میں ہے:

لانہ یرید بذٰلک تخلیص ملکہ فھو مضطر الیہ[3]۔	کیونکہ اس عمل سے اس کا مقصد اپنی ملکیت کی خلاصی کرانا ہے چنانچہ وہ اس میں مجبور ہے۔(ت)

اور شرعًا اگرچہ یہ مرتہن مرتہن نہ ہو یا اس کا دَین بتمامہ توفیر سے ادا ہوگیا جس کے سبب

---

[1] ردالمحتار کتاب البیوع باب المتفرقات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۷

[2] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۴

[3] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۱

اس کا مطالبہ شرعًا باطل ہو مگر قانون زمانہ کے اعتبار سے اسے بے اس کے دیئے اپنے حق تک وصول ناممکن ہے تو ادا میں مضطر ہوا اور رجوع کا اختیار ملا۔ غرض مدار کار اضطرار پر ہے نہ اس مطالبہ کے حق ہونے پر، درمختار میں ہے:

وکذا النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا فانہا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقہا حتی لواخذت من الاکّار فلہ الرجوع علی مالك الارض وعلیہ الفتوٰی[1]۔	یونہی شاہی ٹیکسوں کی کفالت صحیح ہے اگرچہ وہ ناحق ہوں جیسے ہمارے زمانے میں مظالم سلطانیہ کیونکہ وہ مطالبہ میں قرضوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں یہاں تک کہ اگر مزارع سے وہ مظالم وصول کیئے گئے تو وہ زمین کے مالک کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور اسی پر فتوٰی ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فی اٰخر اجارات القنیۃ برمز ظہیرالدین المرغینانی وغیرہ المستأجر اذا اخذ منہ الجبایۃ الراتبۃ علی الدور والحوانیت یرجع علی الاٰجر وکذا لاکار فی الارض وعلیہ الفتوی[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	قنیہ کی کتاب الاجارات کے آخر میں ہے ظہیرالدین مرغینانی وغیرہ نے ظاہر کیا ہے کہ اگر کرایہ دار سے مروّج ٹیکس جوکہ گھر اور دکانوں پر عائد ہے وصول کیا گیا تو وہ آجر کی طرف رجوع کرے گا۔ اور فتوٰی اسی پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۱ تا ۷۳: مسئولہ ظہورالدین صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) اگر ایک مسلمان کچھ زیور دوسرے مسلمان کے پاس لے کر گیا اور اس سے کچھ روپیہ قرض لیا اور زیور اپنا اس کے پاس روپیہ کی ضمانت میں رکھ دیا جس مسلمان کے پاس زیور رکھا گیا ہے وہ زیور کا حق حفاظت یا کرایہ حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

[1] الدرالمختار کتاب الکفالۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۶

[2] ردالمحتار کتاب الکفالۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۲

زیور جس کے پاس رکھا گیا وہ بندہ خدا سُود سے بچنا چاہتا ہے اور اس طرح سے نفع حاصل کرنا چاہتا ہے۔

(۲) اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے پاس کچھ روپیہ لینے گیا اور اس روپیہ کی ضمانت میں ایک دستاویز لکھا جس میں کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ اس روپیہ کی ضمانت میں تحریر کی اب جس مسلمان نے کہ روپیہ دوسرے مسلمان کو دیا اور اس جائداد کی حفاظت کرنے کا روپیہ مانگتا ہے لہٰذا اس کو لینا جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

مکرّر یہ ہے کہ یہ سنا ہے کہ حضور نے رہن دخلی کی کوئی ایسی صورت نکالی ہے جو جائز ہے امید ہے کہ اس سے بھی مطلع فرمایا جاؤں گا۔

(۳) مکرّر یہ کہ شرعی طور پر ایسی کون کون سی صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں کہ جن سے مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے یا غیر قوم سے روپیہ کا لین دین کرسکیں اور فائدہ اٹھاسکیں، امید کہ ایک یا دو صورتیں تحریر فرمادی جائیں جو حسب تصریح فقہائے کرام ثابت یا حدیث نبوی میں واقع ہوں۔ اللہ تعالٰی اس کا اجر دے گا، فقط۔

الجواب:

(۱) زیور کہ روپیہ کی ضمانت میں دیا گیا اس کے معنی بعینہٖ رھن رکھنے کے ہیں اور رہن کی حفاظت ذمہ مرتہن ہے کہ وہ اسی کے حق میں محبوس ہے اس پر اُجرت لینے کے کوئی معنی نہیں اگر لے گا خالص سود ہوگا، یہ نفع جائز نہیں ہوسکتا بلکہ قطعی حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) جائداد ضمانت میں دینا یہاں دو طریقے پر رائج ہے، ایک یہ کہ جائداد مالک ہی کے پاس رہتی ہے اور وہ دائن کو لکھ دیتا ہے کہ یہ میں نے تیرے دین میں مکفول کی ہے اسے کفالت یا استغراق کہتے ہیں یہ شرعًا محض باطل و مہمل ہے، نہ اس میں کسی حق حفاظت کا وہم ہوسکتا ہے کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی نہیں جاتی۔ دوسری صورت رہن دخلی کی ہے وہ خود ہی حرام و سُود ہے۔ تیسری صورت جو شرعی ہے اور یہاں جاری نہیں وہ یہ کہ جائداد مرتہن کے قبضے میں دی جائے اور مرتہن صرف اس پر قبضہ رکھے کسی طرح کا نفع اس سے حاصل نہ کرے، یہ صورت جائز اور یہی رہن شرعی ہے اور اس کی حفاظت کا وہی حکم ہے جو جواب اول میں گزرا کہ اس پر کچھ لینا محض سود اور حرام قطعی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۳) رہن دخلی کے جواز کی یہاں کوئی شکل نہیں، نہ میں نے نکالی ہے نہ کوئی نکال سکتا ہے اس کے

جواز کی صرف یہ صورت ہے کہ زید نے عمرو کے پاس اپنا مکان رہن رکھا اور کوئی شرط اس کی سکونت کی قرار نہ پائی، پھر زید نے محض اپنی خوشی سے صرف بطور احسان اسے سکونت کی اجازت دی اور وہ اس کی اجازت ہی کی بنا پر اس میں رہنا چاہتا ہے، نہ اس پر اصرار کرے گا نہ قرض کا بار ڈالے گا یہاں تک کہ اگر اس نے اجازت دی اور یہ مکان میں رہنے کو آیا ایک پاؤں دروازے کے باہر اور ایک اندر رہے کہ اس نے کہا اب میں اجازت نہیں دیتا تو فوراً پاؤں باہر نکال لے ایسا رہنا ہو تو ممکن ہے، مگر کیا یہاں ایسی صورت کا احتمال ہے، حاشا ہرگز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۴ و ۷۵: مرسلہ محمد سبحان از موضع پورا کوٹھی ڈاکخانہ شمشیر نگر ضلع گیا ۱۶ صفر المظفر ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہماری بستی میں مسلمانوں کی رائے ہے کہ شاہراہ بیچ بستی کے جو عام لوگ کو فائدہ پہنچ سکے ایک کنواں پختہ تیار کریں اور قیمت چرم قربانی کا اس میں خرچ کریں کیونکہ اس بستی میں ایک شخص کو کسی کو لیاقت نہیں جو ایک آدمی کنواں بندھوا سکے پانی پینے کی از حد تکلیف ہے ایسی حالت میں قیمت چرم قربانی کنویں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

(۲) ہم نے ایک بیگھ کھیت گروی مبلغ پچاس روپے اس شرط پر دے کر لیا کہ تا ادائے روپیہ ہم نے اس کھیت کو آباد کیا اور اس کی مالگزاری لگان وغیرہ ہر سال ادا کرتے گئے اور پیداوار اس کی اپنے مصرف میں لائے اس طور کا کھیت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) قربانی کی کھال ہر نیک ثواب کے کام میں صرف ہو سکتی ہے حدیث میں ہے:

کلوا وادخروا واتجروا۔[1]	کھاؤ، ذخیرہ کرو اور کار ثواب میں خرچ کرو۔ (ت)

ہاں جس نے دام حاصل کرنے کے لئے بیچی ہوئی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ دام فقیروں ہی کو دے۔ حدیث میں ہے:

من باع جلد اضحیۃ	جس نے اپنی قربانی کی کھال فروخت کی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث نبیشۃ الھذلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۷۶-۷۵

لااضحیۃ لہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کی قربانی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) کاشت کار کھیت کامالک نہیں ہوتا، نہ اسے بے اجازت زمین دار رہن کرنے کا اختیار، اور یہاں اگرزمیندار بھی اجازت دے گا تو نہ اس طرح کہ کھیت معطل ہے اور اس کی لگان نہ ملے بلکہ یونہی کہ کھیت تم جوتو اور لگان ادا کرو، یہ اجارہ ہوگا نہ کہ رہن، اس صورت میں اس نے جو روپیہ اس کاشتکار کو دیا وہ اس کے ذمہ رہا اور کھیت کامستاجر اس کی جگہ یہ ہوگیا اسے کھیت سے کوئی تعلق نہ رہا، زمیندار کو اختیار ہے اس کے پاس رکھے خواہ اسے واپس دے، یہ جو کچھ جوتے بوئے اس کا ہے لگان زمین دار کا ہے اور اس کا قرض کاشتکار پر ہے، صورت شرعی تو اس میں یہ ہے، اور اگر یہ سمجھتے ہیں کہ کھیت اسی کاشتکار سابق کے اجارہ میں ہے ہمارے پاس رہن ہے اور زمیندار نے بھی اسے مستاجر نہ بنایا بلکہ اس کو رکھا اور اس نے اس کا قائمقام ٹھہرا کر لگان لیا تو یہ صورت باطل ہے مرتہن کو رہن سے نفع لینا جائز نہیں تو امر ناجائز کا قصد کیا اور ناجائز کا قصد بھی گناہ ہے اگرچہ واقع کے خلاف ہو کہ یہ نہ رہن شرعی ہے نہ رہن واجارہ جمع ہوسکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۶: مرسلہ الف خاں صاحب مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگود ریاست کوٹہ راجپوتانہ ۱۰/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

ایک کاشتکار کی زمین ملکیت سرکاری اس کا کھاتہ بند ہے اور وہ لگان اس کافی بیگہ دو روپیہ ماہوار بابت کاشت کار دیتا رہتا ہے یہی زمین اس نے رفع ہونے کی غرض سے مبلغ ایک صد روپے یا اس سے زیادہ کم میں کسی مسلمان کے رہن بالقبض کردی اب مرتہن نے اس کو کاشت کیا اور وہی سرکاری زمین کا جو سابق کاشتکار دیا کرتا تھا سرکار نے اس سے وصول کرلیا یا اس نے کسی قدر منافع پر دے کر شخص کو کاشت کرادی تو جو منافع زمین سرکاری سے مرتہن نے بحالت ادائیگی کھاتہ معہودہ سرکاری حاصل کیا وہ زر رہن میں محبوس کرے گا یا کیا؟

الجواب:

رہن واجارہ جمع نہیں ہوسکتے یہ زمین کہ اجارہ میں ہے رہن نہ ہوئی اور ظاہر اً یہاں یہ بھی نہیں ہوتا ہے کہ گورنمنٹ اس کی جگہ اس کو مستاجر زمین سمجھے بلکہ مستاجر وہی رہتا ہے

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ک۔ ھق عن ابی ھریرہ حدیث ۱۲۲۰۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۹۴

اور یہ مثل ذیلی اور اس کا اس زمین سے انتفاع نہیں مگر بربنائے قرض اور قرض کے ذریعہ سے جو نفع حاصل کیا جائے جائز نہیں۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا[1]۔	جو قرض نفع لائے وہ سُود ہے۔(ت)

لگان جو مرتہن نے گورنمنٹ کو ادا کی خود کاشت کی اور اس کے بدلے دی نہ راہن کی طرف سے، تو اس کا جس طرح راہن سے مطالبہ کوئی وجہ نہیں رکھتا، ہاں اگر راہن کہے کہ میرے ذمہ جو لگان ہے وہ ادا کیا کر اب وہ اس بناپر ادا کرتا ہے تو اس کا مطالبہ راہن سے کرسکتا تھا اسی طرح جب کہ اس نے زمین میں کاشت کی تو جو پیداوار ہے اس کا یہی مالک ہے اگرچہ یہ انتفاع اس کو ناجائز تھا اس کے سبب زرِ رہن سے کچھ ساقط نہ ہوگا۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۷و۷۸: از موہن پور مسئولہ سالار بخش خیّاط ۱۲/شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کھیت رہن ۶ بیگہ مبلغ ایک سو روپیہ میں رکھا گیا اور لگان اس کا ۶ روپیہ ہے اور کاشت خود کرتے ہیں تو جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زمین داری ۱۲ ابسوانسی رہن دخلی ۱۲ سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ ہیں وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) صورت مسئولہ میں اگر موروثی کھیت دخلیکار آسامی سے بالعوض ایک سو روپے کے رہن رکھا ہے تو اس میں خود کاشت کرنا اس وقت تک جائز نہیں کہ اصل مالک یعنی زمین دار سے اجازت حاصل کریں دخلیکار آسامی موروثی ہونے سے شرعًا مالک نہیں ہوتا، صورت جواز یہ ہے کہ اس پر قبضہ کے بعد اصل مالک یعنی زمین دار سے اس کے کاشت کی اجازت لے کر لگان زمین دار کو تا مدت رہن ادا کرتا رہے اس کا منافع حلال طیب ہے یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے دخلیل کار کو قرض دیا ہے اور اس کی ملک رہن رکھی ہے اور اپنے قرض کا نفع اس سے

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

لیتے ہیں کہ یہ نیت غلط وباطل ہے اور قصد گناہ سے گنہگار ہوگا بلکہ یہی نیت کرے کہ زمین زمیندار کی ہے دخیل کار سے اتنے دنوں کے لئے مل گئی ہے اور ہم نے مالک سے اجازت لے کر کاشت کی ہے لہذا ہم کو اپنی کاشت کا نفع حلال ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔	جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۹: اودے پور میواڑ مرسلہ احمد خاں وکیل دربار مارواڑ متعینہ مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

جناب عالی! عرض ہے کہ زمین داری ۱۲ بسوانسی رہن دخلی ۱۲ سو روپیہ میں اور لگان سرکاری ۳۵ روپیہ میں، وہ جائز ہے یا نہیں؟

مواضعات کا دخلی رہن جیسا کہ آج کل رواج ہے قطعی حرام ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض کہ نفع لائے وہ سود ہے۔

مال مرہونہ سے کسی قسم کا نفع اٹھانا مرتہن کو جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۸۰تا۸۳: از ریاست رام پور مرسلہ منّا بھائی ۲۰صفر ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مبلغ ایک ہزارروپیہ پر چند قطعہ دُکانات ومکانات اپنے جو بقبضہ کرایہ داران زید کی طرف سے تھیں بذریعہ رہن نامہ مصدقہ بکرکے پاس رہن کیں بعدازاں اس زررہن پر مبلغ پانچسوروپیہ اوراضافہ کرکے دوسری دستاویز بحوالہ دستاویز سابقہ تصدیق کرادی دستاویز مذکورمیں اقرار تسلیم قبضہ بکرنے تحریر کرالیااوریہ بھی دستاویز میں تحریر کرالیاکہ جومنافع بذریعہ سکونت وغیرہ کرایہ داروں سے مرتہن وصول کرے وہ حق مرتہن ہے چنانچہ مبلغ چارہزارنوسوپینتالیس روپے بکرنے بذریعہ زید کرایہ داران سے وصول پائے اورحسب مضمون دستاویز ودکانات کو کرایہ پر قائم رکھ کراس کرایہ کی منفعت بکرنے حاصل کی اس کے بعد پھر بکرنے عدالت میں نالش زررہن بغرض نیلام جائداد مرہونہ دائر کی۔

زید مدعاعلیہ کو یہ عذرات ہیں:

(۱) قبضہ مرتہن مرہونہ پرنہیں ہوااس وجہ سے کہ مرہونہ پہلے سے بقبضہ کرایہ داران تھی جس کامرتہن کو خوداقرار ہے اوررہن میں قبضہ واقعیہ وتسلیم خاص کی ضرورت ہے تصریحات فقہیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسلیم وقبضہ کی تحریرکافی نہیں ہے۔ درمختار میں **فاذا سلمه وقبضه المرتهن**[1] (جب راہن، مرہون سونپ دے اورمرتہن اس پرقبضہ کرلے۔ت) یوں نہیں ہے کہ **فاذاکتب تسلیمه وقبض المرتهن**[2] (جب اس کی سپردگی کی تحریرہوگئی اورمرتہن نے قبضہ کرلیا۔ت)

(۲) دستاویز میں یہ الفاظ ہیں کہ جومنافع بذریعہ سکونت وکرایہ مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے یہ اذن راہن برائے اجارہ ہے چنانچہ منافع کرایہ مرتہن نے بذریعہ اجازت راہن کے حاصل کئے اوریہ صورت ہے اجارہ دینے کی مرتہن کا باذن راہن کے اوریہ امر

---

[1] الدرالمختار کتاب الرھن مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۵

[2] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مبطل رہن رہے یہ مانا کہ نئے دکانداروں کو بکر نے دکان نہ دی لیکن پرانے دکانداروں کو قائم رکھ کر منفعت باجازت راہن حاصل کی۔

(۳) رہن میں زیادتی فی الدین حضرت امام الائمہ سید ابو حنیفہ الکوفی وحضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک جائز نہیں حالانکہ پہلے ایک ہزار روپے میں رہن ہونا اس کے بعد پانسو روپے اور لے کر ایک ہزار پانسو میں رہن ہونا خود بکر کو تسلیم ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اس زیادتی فی الدین کو جائز کہنا حجت نہیں ہے کہ فتوٰی اختلاف کی صورت میں امام صاحب کے قول پر ہوتا ہے چہ جائیکہ ان کے ساتھ امام محمد بھی ہیں۔ درمختار میں ہے:

والاصح کما فی السراجیۃ وغیرھا انہ یفتی بقول الامام علی الاطلاق۔[1]	اصح یہ ہے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے کہ فتوٰی مطلقًا امام اعظم کے قول پر ہے۔ (ت)

(۴) بکر مرتہن نے جو زر کرایہ تعدادی چار ہزار نوسو پینتالیس روپے آٹھ آنے کرایہ داروں سے بذریعہ زید وصول کیا ہے وہ حق راہن یعنی زید ہے چنانچہ،

وان باذنہ فللمالک کما فی درمختار[2] وتکون الاجرۃ للراھن کما فی قاضی خاں[3]	اگر اس کی اجازت سے ہے تو اجرت مالک کے لئے ہے جیسا کہ درمختار میں ہے کہ اجرت راہن کے لئے ہوگی جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے۔ (ت)

اس پر بیّن دلیلیں ہیں (بکر مدعی یہ کہتا ہے)

(۱) اقرار قبضہ جبکہ دستاویز میں تحریر ہے تو ضرورت کسی دیگر ثبوت کی نہیں کیونکہ مکانات مرہونہ کو راہن نے جب اپنے حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا جس پر دستاویز شاہد ہے تو مرتہن کا قبضہ پورا ہوگیا۔

(۲) دستاویز کے یہ الفاظ کہ جو منافع بذریعہ سکونت و کرایہ مرتہن حاصل کرے وہ حق مرتہن ہے اور اس پر بذریعہ راہن مرتہن کا عملدرآمد بہ صورت اجارہ باذن راہن ہے اور اجارہ باذن راہن مبطل ہی نہیں ہوتا بلکہ

---

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

[2] الدرالمختار کتاب الرہن فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الرہن فصل فیما یجوز رہنہ ومالا یجوز الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۹۵

دینا مرتہن کا باذن راہن مبطل ہوتا ہے یہاں اجارہ دینا مرتہن کا ثابت نہیں کیونکہ اس نے دکانات پر نئے دکانداروں کو نہیں بٹھایا۔

(۳) زیادتی فی الدین امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک جائز ہے اور معاملات میں اکثر فتوٰی انہیں کے قول پر ہوتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعًا عذرات مندرجہ بالا بکر کے صحیح ہیں یا اقوال زید کے صحیح ہیں ہر سوال کا جواب بالتفصیل نمبروار بحوالہ کتب فقہ عنایت ہو، بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان کرو اور روزِ حساب اجر پاؤ۔ ت)

الجواب:

عذرات زید صحیح ومسموع اور شبہات بکر باطل ومدفوع ہیں۔

(۱) رہن اور یہ اجارہ تو دو عقد ہیں جن کا حکم قبضہ کا دست نگر، رہن بے قبضہ باطل اور اجارہ بے قبضہ نفاذ سے عاطل۔ بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

القبض شرط جواز الرھن لقولہ سبحٰنہ وتعالٰی "فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" وصف سبحٰنہ وتعالٰی الرھن بکونہ مقبوضا فیقتضی ان یکون القبض فیہ شرطا ولانہ عقد تبرع للحال فلایفید الحکم بنفسہ کسائر التبرعات۔[1]	جواز رہن کے لئے قبضہ شرط ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ "تو رہن ہو قبضہ میں دیا ہوا" اللہ سبحانہ وتعالٰی نے رہن کو اس وصف کے ساتھ موصوف فرمایا کہ وہ مقبوض ہو۔ یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ رہن پر قبضہ شرط ہو اور اس لئے بھی رہن حال کے لئے عقد تبرع ہے تو باقی تبرعات کی طرح باعتبار اپنی ذات کے حکم کا فائدہ نہیں دیتا۔ (ت)

اسی میں شرائط نفاذ اجارہ میں ہے:

الحکم فی الاجارۃ المطلقۃ لایثبت بنفس العقد عندنا لان العقد فی حق الحکم ینعقد علی حسب حدوث المنفعۃ فکان العقد فی حق الحکم مضافا	اجارہ مطلقہ میں ہمارے نزدیک نفس عقد سے حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ حکم کے حق میں عقد اجارہ منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔ چنانچہ حکم کے حق میں عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے،

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۳۷

الی حین حدوث المنفعة فیثبت حکمه عند ذٰلك حتی لوانقضت المدة من غیر تسلیم المستأجر لا یستحق شیئاً من الاجر ولومضٰی بعد العقد مدة ثم سلم فلا اجر له فیما مضی لعدم التسلیم فیه۔[1]	للذامنفعت کے پیدا ہونے کے وقت حکم ثابت ہوتا ہے یہاں تک کہ اگرمدت اجارہ گزر گئی اورآجرنے شیئ مستاجر کے حوالے نہ کی تو اجرت میں سے کسی شیئ کاحقدارنہ ہوگا۔اور اگرعقد کے بعد کچھ مدت گزر گئی پھرآجرنے وہ شیئ مستاجر کے حوالے کی گزری ہوئی مدت کی اجرت کاحقدارنہیں ہوگا کیونکہ اس میں سپردگی نہیں پائی گئی۔(ت)

رہن قبضہ مرتہن چاہتا ہے کہ اس کامقتضٰی حبس ہےاور حبس بے قبض ناممکن اوراجارہ قبضہ مستاجر چاہتاہے کہ اس سے مقصود انتفاع ہےاورانتفاع بے قبض نامتصوّر اورشیئ واحد کاوقت واحد میں دومختلف قبضوں میں ہونا محال، وللذا اگرراہن بے اجازت مرتہن یامرتہن باجازت راہن شے مرہون شخص ثالث کے اجارہ میں دے یاراہن خودمرتہن کو اجارہ دے،تینوں صورتوں میں رہن باطل ہوجاتا ہے۔بدائع میں ہے:

لیس له ان یؤاجره من اجنبی بغیر اذن المرتھن لان قیام ملك الحبس له یمنع الاجارة ولان الاجارة بعقد الانتفاع وھو لایملك الانتفاع به بنفسه فکیف یملکه غیره ولوفعل وقف علی اجازته فان رده بطل وان اجازجازت الاجارة وبطل عقدالرھن لان الاجارة اذا جازت وانھاعقد لازم لایبقی الرھن	راہن کے لئے جائزنہیں کہ مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ کسی اجنبی کواجارہ پردے دے کیونکہ مرتہن کاملک حبس اجارہ سے مانع ہےاوراس لئے بھی کہ اجارہ کی بنیاد انتفاع پرہے جبکہ راہن خودمرہون سے انتفاع کامالک نہیں تو کسی غیر کو اس کامالک کیسے بناسکتا ہے،اوراگرراہن نے ایسا کردیا تو یہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگرمرتہن نے اسے رد کردیا توباطل ہوجائے گا اوراگراس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائزجبکہ عقدرہن باطل ہوجائے گا کیونکہ اجارہ جب جائز ہوگااور وہ عقدلازم ہے۔

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارہ فصل واما شرائط الرکن الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۷۹

ضرورة والاجرة للراهن لانها بدل منفعة مملوكة له وولاية قبض الاجرة له ايضًا لانه هو العاقد[1] وكذا ليس للمرتهن ان يؤاجره من غير الراهن بغير اذنه لان الاجارة تمليك المنفعة والثابت له ملك الحبس لاملك المنفعة فكيف يملكها من غيره فان فعل وقف على اجازة الراهن فان اجاز جاز وبطل الرهن لما ذكرنا وكانت الاجرة للراهن، وولاية قبضها للمرتهن لان العاقد هو المرتهن، ولايعود رهنا اذا انقضت مدة الاجارة، لان العقد قد بطل فلايعود الابالاستيناف۔[2]	تو رہن ضرورۃً باقی نہیں رہے گا اور اجرت راہن کی ہوگی اس لئے کہ وہ راہن کے مملوک کی منفعت کا بدل ہے۔ اور اجرت پر قبضہ کی ولایت بھی اسی کو حاصل ہے کیونکہ عقد کرنے والا وہی ہے۔ اور اسی طرح مرتہن کے لئے جائز نہیں کہ وہ مرہون شیئ راہن کے غیر کو اس کی اجازت کے بغیر اجارہ پر دے کیونکہ اجارہ منفعت کی تملیک ہے جبکہ مرتہن کے لئے ملک حبس ثابت ہے نہ کہ ملک منفعت تو وہ کسی غیر کو اس کا مالک کیسے بنا سکتا ہے۔ اگر مرتہن نے ایسا کردیا تو وہ راہن کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر اس نے اجازت دے دی تو اجارہ جائز اور رہن باطل ہوجائے گا اس دلیل کی وجہ سے جس کو ہم ذکر کرچکے ہیں، اور اجرت راہن کے لئے ہوگی جبکہ اجرت پر قبضہ کی ولایت مرتہن کو حاصل ہوگی کیونکہ عقد کرنے والا وہی مرتہن ہے۔ اور وہ شیئ رہن کی طرف عود نہیں کرے گی جبکہ اجارہ کی مدت ختم ہوچکی ہو کیونکہ عقد رہن باطل ہو چکا تو وہ عود نہیں کرے گا مگر یہ کہ نئے سرے سے عقد کیا جائے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

يخرج المرهون عن كونه مرهونا ويبطل عقد الرهن بالاجارة بان آجره الراهن من اجنبى باذن المرتهن او المرتهن	مرہون شیئ مرہون ہونے سے نکل جائے گی اور عقد رہن اجارہ کے ساتھ باطل ہوجائے گا، اس صورت میں کہ راہن نے وہ شیئ مرتہن کی اجازت سے یا مرتہن نے راہن کی اجازت

[1] بدائع الصنائع کتاب الراہن فصل واما حکم الرھن الخ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۴۶

[2] بدائع الصنائع کتاب الراہن فصل واما حکم الرھن الخ ایچ ایم سعید کمپنی ۶/ ۱۴۷

باذن الراھن اواستاجرہ المرتھن۔[1]	سے کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دی یا مرتہن خود اس کو اس اجرت پر لے لے۔(ت)

یہاں کہ فریقین کو اقرار ہے کہ دکان و مکان رہن سے پہلے سے منجانب زید کرائے پر ہیں اور جب سے اب تک برابر قبضہ کرایہ داران میں ہیں کبھی ان سے خالی نہ کرائی گئیں، تو تخلیہ کہ شرط رہن تھا کبھی نہ ہوا اور رہن سرے سے ناجائز و ناتمام رہا عہ۔ عوام عمومًا اور آج کل کے قانون دان خصوصًا نرے زبانی یا کاغذ کے تلفظ کو قبضہ کہتے اور سمجھتے ہیں نہ وہ تخلیہ کے معنی سے آگاہ ہیں نہ اس کی

عہ: مشی فی الھدایۃ والملتقی والتنویر وغیرھا علی ان القبض شرط اللزوم فلایتم الرھن[2] الا بہ. قال فی العنایۃ وھو اختیار شیخ الاسلام وھو مخالف لروایۃ العامۃ قال محمد لایجوز الرھن الا مقبوضاً ومثلہ فی کافی الحاکم الشھید ومختصر الطحاوی والکرخی[3] اھ قال الکرخی انہ قول ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد والحسن بن زیاد وصححہ فی الذخیرۃ قھستانی، و المجتبی درمختار، والمحیط ھندیۃ وبہ جزم

ہدایہ، ملتقی اور تنویر وغیرہ میں یہ روش اختیار کی ہے کہ رہن میں مرہون پر قبضہ کرنا عقد کے لازم ہونے کے لئے شرط ہے۔ چنانچہ اس کے بغیر عقد تام نہیں ہوتا۔ عنایہ میں کہا اور وہی شیخ الاسلام کا مختار ہے اور وہ عام مشائخ کی روایت کے مخالف ہے۔ امام محمد نے فرمایا کہ مرہون پر قبضہ ہوئے بغیر رہن جائز نہیں ہوتا اور اسی کی مثل حاکم شہید کی کافی اور امام طحاوی کی مختصر اور امام کرخی کی مختصر میں ہے الخ کرخی نے کہا کہ یہ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف، امام محمد اور حسن بن زیاد کا قول ہے، اس کو ذخیرہ میں صحیح قرار دیا (قہستانی) اور مجتبٰی میں اس کو صحیح قرار دیا (درمختار) اور محیط میں اس کو صحیح قرار دیا (ہندیہ) (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل امابیان مایخرج بہ المرہون الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۷۱

[2] الھدایہ کتاب الرھن مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۵۱۳

[3] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الرھن مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۶۶

حاجت جانتے ہیں زید اگر اپنا مکان جس میں اس کا مال اسباب رکھا ہوا ہے عمرو کو ہبہ کرے اور کنجی اسے دے دے وہ کہیں گے قبضہ دے دیا حالانکہ ہر گز شرعًا قبضہ نہ ہوا کہ تخلیہ نہ ہوا۔ بدائع میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فی البدائع کما تری وکذا ذکرہ فی الرھن من العقود الدریۃ انہ الصحیح، **اقول:** والھدایۃ مع مشیہ علی انہ شرط اللزوم کلامہ فی الدلائل فی مسئلۃ لایجوز رھن المشاع وغیرھا یدل علی انہ شرط الانعقاد فتدبرہ وراجع العنایۃ ونتائج الافکار وکذا التنویر مع اتباعہ للھدایۃ قال لایصح رھن المشاع[1] قال فی الدر الصحیح انہ فاسد[2] اھ تامل وراجع ما علقنا علی ردالمحتار ویستفاد من العنایۃ ان معنی شرط الجواز عند قائلیہ ان الرھن باطل ان لم یقبض فاخترناہ لما علمت لہ من القوۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔

اور اسی پر بدائع میں جزم کیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے، اور یونہی عقود الدریہ کی کتاب الرھن میں ذکر کیا کہ بے شک وہ صحیح ہے۔ **میں کہتا ہوں** ہدایہ کی اس روش کے باوجود کہ قبضہ شرط لزوم ہے رھن مشاع وغیرہ کے عدم جواز پر دلائل کے ضمن میں صاحب ہدایہ کا کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قبضہ شرط انعقاد ہے۔ پس اس میں غور کر، اور عنایہ اور نتائج الافکار کی طرف رجوع کر۔ یونہی تنویر میں ہدایہ کی اتباع کرتے ہوئے کہا کہ مشاع کا رہن صحیح نہیں۔ در میں کہا صحیح یہ ہے کہ وہ فاسد ہے الخ غور کر، اور ردالمحتار پر ہماری تعلیق کی طرف رجوع کر۔ عنایہ سے مستفاد ہے کہ شرط جواز کا معنی اس کے قائلین کے نزدیک یہ ہے کہ اگر مرہون پر قبضہ نہیں ہوا تو رہن باطل ہے۔ چنانچہ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے جیسا کہ تو اس کی قوت کو جان چکا ہے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب مایجوز ارتھانہ الخ مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶۸

وعلٰی هذا یخرج ماذا وهب دارا فیها متاع الواهب و سلّم الدار الیه اوسلم الدار مع مافیها من المتاع فانه لایجوز،لان الفراغ شرط صحة التسلیم و القبض ولم یوجد۔[1]	اور اسی سے اس صورت کا حکم ظاہر ہو جاتا ہے کہ جب کسی نے ایسا گھر ہبہ کیا جس میں واہب کا کچھ سامان موجود ہے اور اس نے وہ گھر موہوب لہ کے حوالے کردیا یا اس نے وہ گھر اس میں پڑے ہوئے اپنے سامان سمیت موہوب لہ کے حوالے کردیا تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا کیونکہ موہوب کو خالی کرنا سپردگی اور قبضہ کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی گی۔(ت)

دستاویز میں کہ بکر کو قابض کردینا مسطور، یقیناً اس سے یہی محاورہ جہال منظور، توبکر کا اس سے استدلال ہباء منثور، اور اگر فرض کیجئے کہ اسے شرط قبضہ ہی پر محمول رکھیں تواب دو[۲] وجہ سے مردود ہے:

اوّلاً: جب یقیناً معلوم کہ کرایہ داروں سے تخلیہ کرکے قبضہ کسی وقت نہ دلایا پہلے سے اب تک کرایہ داروں کا قبضہ مستمر ہے اور اوپر بیان ہوچکا کہ شے واحد پر وقت واحد میں دو مختلف قبضے محال، تو یہ اقرار بالمحال ہوا، اور اقرار بالمحال باطل و نامسموع ہے مثلاً بھائی اقرار کرے اور رجسٹری کرادے کہ متروکہ پدری اس میں اور اس کی بہن میں بذریعہ میراث پدر نصف نصف ہے یہ اقرار مردود ہے بہن اس سے استدلال نہیں کرسکتی کہ وہ شرعاً محال ہے لہٰذا ثلث سے زیادہ نہ پائے گی۔یوں ہی یہاں باوصف استمرار قبضہ مستاجران قبضہ مرتہن شرعاً محال ہے، لہٰذا اقرار واجب الابطال ہے۔اشباہ والنظائر میں ہے:

الاقرار بشیئ محال باطل کما لواقر له بارش یده التی قطعها خمسمائة درهم ویداه صحیحتان لم یلزمه شیئ کما فی	محال شیئ کا اقرار باطل ہے جیسے کسی کے لئے پانچسو روپے دیت کا اقرار کیا اس کے ہاتھ کے بدلے میں جو مقِر نے کاٹا ہے حالانکہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت ہیں تو مقِر پر کچھ بھی لازم

[1] بدائع الصنائع کتاب الهبه فصل واما الشرائط ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۲۵

التاتارخانیة وعلٰی ھذا افتیت ببطلان اقرار انسان بقدر من السھام لوارث وھو ازید من الفریضة الشرعیة لکونه محالا شرعا مثلا لومات عن ابن وبنت فاقر الابن أن الترکة بینھما نصفان بالسویة فالاقرار باطل لما ذکرنا[1] اھ وقیدہ السید العلامة زیرك زادہ فی حاشیته علی الاشباہ کما رأیت فیھا و نقله السید العلامة الحموی فی الغمز بلفظه قیل و اقرہ بان یزید فی اقرارہ بالارث،قال اذ یتصوران یکون الترکة بینھما نصفین بالوصیة مع الاجازة او غیرھا من وجوہ التملیك کما ھو ظاھر[2] اھ اقول: یمکن التنصیف بینھما بالارث ایضا کما اذا ماتت عن زوج و	نہیں جیساکہ تتارخانیہ میں ہے۔اسی بنیاد پر میں نے فتوی دیاہے کہ کسی انسان کا کسی وارث کے لئے اس قدر سہام کا اقرار کرنا باطل ہے جو اس کے شرعی مقرر حصے سے زائد ہو کیونکہ یہ شرع کی روسے محال ہے مثلاً کوئی شخص ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا بیٹے نے اقرار کیاکہ ترکہ ان دونوں کے درمیان برابری کے طور پر نصف نصف ہے تو یہ اقراراس دلیل کی وجہ سے باطل ہوگا جس کو ہم ذکر کرچکے ہیں الخ سید علامہ زیرک زادہ نے اشباہ پر اپنے حاشیہ میں اس کو مقید کیا جیساکہ میں نے اس کے حاشیہ میں دیکھا اور سید علامہ حموی نے غمز میں لفظ "قیل" کے ساتھ نقل کرکے اس کو برقرار رکھا مقید بایں صورت کیاکہ مُقِر اپنے اقرار میں میراث کاذکر بڑھائے کیونکہ یہ بات متصور ہے کہ ترکہ ان دونوں بہن بھائیوں کے درمیان وصیت کے سبب سے نصف نصف ہوجائے گا وصیت کی اجازت کے ساتھ یا اس کے علاوہ دیگروجوہ تملیک کے ساتھ جیساکہ ظاہر ہے الخ **میں کہتاہوں** ان دونوں کے درمیان میراث کے اعتبار سے بھی ترکہ کا نصف نصف ہونا ممکن ہے جیسے کوئی خاتون فوت ہوگئی

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

بنت منه وابن من زوجها الاول ثم مات هذا الزوج ولم يرثه الابنته فلا بدان يزيد فی الاقرار بارثهما عن ھٰذا المورث۔	جس کے ورثاء میں اس کاخاوند اور اسی خاوند سے ایک بیٹی اوراپنے پہلے خاوند سے ایک بیٹا ہے پھر یہ خاوند فوت ہوگیا جس کاوارث سوائے اس کی بیٹی کے اور کوئی نہیں لہذا مقر کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے اقرار میں اسی مورث سے ان دونوں کے وارث بننے کی قید کااضافہ کرے۔(ت)

ثانیًا: بالفرض زید قبضہ بکر کامقر ہے مگر بکر خود اپنے قبضہ سے منکر ہے کہ تسلیم کرتا ہے کہ اب تک قبضہ مستاجران مستمر ہے اور مقرلہ جب اقرار کی تکذیب کرے اقرار باطل ہوجاتا ہے۔ اشباہ میں ہے:

المقرله اذا کذب المقر بطل اقراره الخ[1] واستثنٰی سبعة اشياء ليس هذا منها۔	مقرلہ جب مقر کو جھٹلادے تو اس کااقرار باطل ہوجائے گاالخ صاحب اشباہ نے سات چیزوں کا استثناء کیا ہے اور یہ ان میں سے نہیں ہے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ بکر کا کہنا کہ حقوق سے خالی کرکے مرتہن کے حوالے کردیا صریح غلط ہے۔

(۲) بلاشبہہ جب باتفاق فریقین یقینًا ثابت کہ دکان ومکان پہلے سے کرایہ پر ہیں اور یہ کہ راہن ومرتہن دونوں اس اجارے اور اس کی بقاپر راضی، مرتہن اب تک اس کرایہ سے متمتع ہوتا رہا تو بعد رہن اگر یہ اجارہ از جانب راہن ہے تو مرتہن کا اذن ہے اور از جانبِ مرتہن فرض کیجئے تو راہن کا اذن ہے، اور ہم بدائع ملک العلماء سے لکھ آئے کہ دونوں صورتوں میں رہن باطل ہے، نیز فتاوٰی امام قاضی خان وفتاوٰی عالمگیریہ وغیرھا میں ہے:

ان آجر المرتهن من اجنبی بامر الراهن يخرج من الرهن وتکون الاجرة للراهن، وان آجره الراهن من اجنبی	مرتہن نے راہن کے حکم پر مرہون شیئ کسی اجنبی کو اجارہ پر دے دی وہ رہن سے نکل جائے گی اوراُجرت راہن کے لئے ہوگی، اوراگر راہن مرتہن کے حکم سے اجنبی کو اجرت

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الاقرار الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹

بأمر المرتھن یخرج من الرھن والاجر للراھن۔[1]	پردے دے تو وہ رہن سے نکل جائے گی اور اجرت راہن کے لئے ہوگی۔(ت)

بکر کا کہنا ہے کہ اجارہ باذن راہن مبطل رہن نہیں ہوتا۔اگر یہ مقصود کہ کسی شخص ثالث فضولی کا باذن راہن اجارہ میں دینا مبطل رہن نہیں جب تک مرتہن بھی اس پر راضی نہ ہو تو صحیح ہے مگر معاملہ دائرہ سے بے علاقہ، یہاں کسی فضولی نے اجارہ نہ دیا اور بالفرض ہو بھی تو راہن ومرتہن دونوں کی رضا موجود، بہر حال رہن باطل ہوگیا۔خانیہ وہندیہ میں ہے:

ان آجرھا اجنبی بغیر اذن الراھن والمرتھن ثم اجازا جمیعا کان الاجر للراھن ویخرج من الرھن۔[2]	اگر اجنبی شخص نے راہن ومرتہن کی اجازت کے بغیر مرہون شیئ اجارہ پر دے دی پھر دونوں نے اکٹھی اجازت دے دی تو اجرت راہن کے لئے ہوگی اور وہ شے رہن سے نکل جائے گی۔(ت)

اور اگر یہ مقصود کہ مرتہن کا باذن راہن اجارہ دینا مبطل رہن نہیں تو صریح کذب اور تمام کتب کے خلاف ہے اور یہ عذر کہ یہاں اجارہ نیا مرتہن کا ثابت نہیں کہ اس نے نئے دکاندار کو نہ بٹھایا محض باطل وبے اثر ہے،

اوّلاً: مرتہن کا اجارہ دینا ثابت نہ سہی راہن کا اجارہ دینا اور اس پر مرتہن کی رضا تو ثابت ہے یہ کیا بطلان رہن کو بس نہیں۔

ثانیاً: عقد اجارہ وقتاً فوقتاً نیا ہوتا ہے کہ منفعت بتدریج پیدا ہوتی ہے اسی تدریج سے اجارہ تجدید پاتا ہے۔بدائع میں ہے:

الطاری فی باب الاجارۃ مقارن لان المعقود علیه المنفعة وانھا تحدث شیئا فشیئا فکان کل جزء یحدث	اجارہ کے باب میں مقارنت طاری ہوتی ہے کیونکہ اس میں معقود علیہ منفعت ہوتی ہے اور وہ وقتاً فوقتاً بتدریج پیدا ہوتی رہتی ہے، چنانچہ منفعت کی ہر جز جو پیدا ہوتی ہے وہ

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الرھن الباب الثامن فی تصرف الراھن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۶۵۔۴۶۴

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الرھن الباب الثامن فی تصرف الراھن الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۴۶۵

معقودا علیه مبتدأ[1]۔	نئے سرے سے معقود علیہ بنتی ہے(ت)

ہدایہ میں ہے:

الاجارۃ تنعقد ساعۃ فساعۃ حسب حدوث المنفعۃ۔[2]	اجارہ وقتاً فوقتاً منفعت کے پیدا ہونے کے مطابق منعقد ہوتا ہے۔(ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

(جواز العقد لیس باعتبار أن المعدوم جعل موجودا حکما وکیف یقال ذٰلك والموجود من المنفعۃ لایقبل العقد لانه عرض لایبقی زمانین فلایتصور فیه التسلیم بحکم العقد والقدرۃ علی التسلیم شرط لجواز العقد وما لایتصور فیه التسلیم لایکون محلا للعقد بل باعتبار ان العین التی هی سب وجود المنفعۃ اقیمت مقام المنفعۃ فی حق صحۃ الایجاب و القبول وفی حق وجوب التسلیم اذ العین هی التی یمکن تسلیمها دون العرض فانعقد فی حقها فی الحال فوجب علیه تسلیمها	اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے نہیں کہ معدوم کو حکمی طور پر موجود بنادیا گیا ہے،اور یہ کیسے کہا جاسکتا ہے حالانکہ جو منفعت موجود ہو وہ عقد کو قبول نہیں کرتی اس لئے کہ وہ عرض ہے جو دو زمانوں میں باقی نہیں رہتی،لہٰذا اس میں عقد کے حکم سے سپردگی متصور نہیں جبکہ سپردگی پر قادر ہونا عقد کے لئے شرط جواز ہے،اور جس میں سپردگی متصور نہیں وہ عقد کا محل نہیں ہو سکتا بلکہ اجارہ کے عقد کا جواز اس اعتبار سے ہے کہ عین شیئ جو کہ وجود منفعت کا سبب ہے اس کو ایجاب و قبول کی صحت اور سپردگی کے وجوب کے حق میں منفعت کے قائمقام کردیا گیا ہے اس لئے کہ اس عین ہی کی سپردگی ممکن ہے نہ کہ عرض کی،لہٰذا اس عین کے حق میں فی الحال عقد منعقد ہو جائے گا اور آجر پر اس کی سپردگی واجب ہو گی

[1] بدائع الصنائع کتاب الاجارۃ واما شرائط الرکن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۸۷

[2] الهدایۃ کتاب الاجارۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۹۱

وصار العقد مضافا غیر منعقد للحال فی حق المنفعة لأن اقصی مایتصور العقد علی المنفعة ان یکون العقد مضافا الی وقت حدوثها فینعقد العقد فی کل جزءٍ من المنفعة علٰی حسب وجودها شیئًا فشیئًا وھو معنٰی قولنا ان عقد الاجارة فی حکم عقود متفرقة یتجدد انعقادھا علٰی حسب حدوث المنافع وانما قامت العین مقام المنفعة تصحیحا للعقد فی حق الانعقاد والتسلیم ضرورة عدم تصورھما فی المنفعة ولاضرورة فیحق الملك فی البدل اذا ماثبت للضرورة یثبت بقدرھا فلا یظھر فی حق ملك البدل کما لا یظھر فی حق ملك المنفعة فیکون العقد مضافا الی وقت حدوثها غیر منعقد للحال فی حقھما[1] اھ وانما سقناہ لمافیہ من الفوائد ولایکفینا بعضہ کما لایخفٰی۔	اور منفعت کے حق میں کہ عقد مضاف ہوگا فی الحال منعقد نہیں ہوگا کیونکہ منفعت پر عقد میں انتہائی تصوریہ ہے کہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہو۔ چنانچہ عقد منفعت کی ہر جز میں اس کے تدریجًا موجود ہونے کے مطابق منعقد ہوگا۔ اور یہی معنی ہے ہمارے اس قول کا کہ "اجارہ کا عقد متفرق عقود کے حکم میں ہے جن کا انعقاد منافع کے پیدا ہونے کے مطابق متجدد ہوتا رہتا ہے۔ انعقاد اور سپردگی کے حق میں ان دونوں کا تصور معدوم ہے اور بدل کے اندر ملک کے حق میں کوئی مجبوری نہیں اس لئے کہ جس شے کا ثبوت ضرورت کی وجہ سے ہو اس کا ثبوت بقدر ضرورت ہوتا ہے، چنانچہ وہ مِلک بدل کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا جیسا کہ مِلک منفعت کے حق میں ظاہر نہیں ہوتا، وہ عقد منفعت کے پیدا ہونے کے وقت کی طرف منسوب ہوگا اور ان دونوں کے حق میں فی الحال منعقد نہیں ہوگا الخ بے شک ہم نے اس عبارت کو ان فوائد کی وجہ سے ذکر کیا ہے جو اس میں موجود ہیں ورنہ ہمیں اس میں سے بعض عبارت کافی ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الاجارہ المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۰۷

توبعد میں جو ساعت آئی اس میں نیا عقد اجارہ ہوا یہ اگر مرتہن کی طرف سے باذن راہن ہے تو بلاشبہہ مرتہن نے جدید اجارہ کیا اور اس کے لئے دکانداروں کو جدید ہونا کیا ضرور عقد نیا ہونا چاہئے وہ بے شک حاصل۔ کیا اگر مرتہن باذن راہن اسی مستاجر کو دے جسے پہلے راہن دے چکا تھا تو رہن باقی رہے گا۔ دوسرے کو دے تو جاتا رہے گا اس کا قائل نہ ہوگا مگر سخت جاہل، مرتہن کے عقد اجارہ باذن راہن کو تمام کتابوں نے مبطل رہن رکھا ہے نہ کہ صرف بحال تبدیل مستاجر۔ رہن پر اجارہ نافذہ کا ورود ہی اسے باطل کرتا ہے کہ دوام حق حبس جو شرط رہن ہے زائل ہوتا ہے۔ تعین مستاجر کو اس میں کیا دخل۔ بدائع میں ہے:

الاجارۃ تبطل الرھن۔[1]	اجارہ رہن کو باطل کردیتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

اخبر اللہ سبحانہ وتعالٰی المرھون مقبوض فیقتضی کونہ مقبوضا مادام مرھونا۔[2]	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے خبردی ہے کہ مرہون مقبوض ہو۔ یہ خبر اس کے مقبوض ہونے کا تقاضا کرتی ہے جب تک وہ مرہون ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الرھن فی اللغۃ عبارۃ عن الحبس قال اللہ تعالٰی عزّوجلّ "کُلُّ امْرِیٴٍۭ بِمَا کَسَبَ رَہِیۡنٌ ﴿۲۱﴾" ای حبیس فیقتضی ان یکون المرھون محبوسا مادام مرھونا ولو لم یثبت ملك الحبس علی الدوام لم یکن محبوسا علی الدوام فلم یکن مرھونا۔[3]	رہن لغت میں حبس کا نام ہے، اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا: ہر شخص اپنے کئے میں مرہون یعنی محبوس ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مرہون جب تک مرہون ہے محبوس ہو اور اگر ملک حبس دائمی طور پر ثابت نہ ہوئی تو وہ دائمی طور پر محبوس نہ ہوا، چنانچہ وہ مرہون نہ ہوا۔(ت)

اسی سے گزرا:

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۷

[2] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۲

[3] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل واما حکم الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۵

الاجارۃ اذا جازت لایبقی الرھن ضرورۃ۔[1]	اجارہ جب جائز ہوجائے توضروری ہے کہ وہ رہن باقی نہ رہے۔(ت)

(۳) بے شک زیادت فی الدین ناجائز ہے، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اوراسی پرمتون و شروح، اوریہی من حیث الدلیل اقوٰی، کمایظھر بمراجعۃ البدائع والتبیین وغیرھا(جیساکہ بدائع اور تبیین وغیرہ کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ت) اور بیشک فتوٰی ہمیشہ قول امام پرہے مگربضرورت، اس بارے میں ہمارا مبسوط رسالہ اجلی الاعلام بان الفتوی مطلقًا علٰی قول الامام طبع ہوچکاہے، بکرکا قول کہ معاملات میں اکثر فتوٰی قول امام ابویوسف پرہوتا ہے غلط ہے یہ صرف مسائل متعلقہ وقف وقضا میں کہاجاتاہے اوروہ بھی کوئی ضابطہ نہیں کہ بے تصحیح صریح اس سے خلاف قول امام وخلاف متون وشروح تصحیح کرلیں مگریہ بحث یہاں کوئی نتیجہ خیز نہیں، نہ اس کی اصلًا حاجت، جبکہ ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کرآئے کہ یہ رہن خود ہی باطل محض ہے، پھر بحث زیادت کی کیا گنجائش!

(۴) چارہزار نوسوپینتالیس روپے آٹھ آنے کہ بکرکے کرایہ داروں سے وصول کئے وہ ضرور حق زید ہیں بکرکاان میں کوئی حبّہ نہیں کہ یہ اجارہ راہن باذن مرتہن ہے یاعلی التنزل اجارہ مرتہن باذن راہن مگرہم کتب معتمدہ بدائع امام ملک العلماء وفتاوٰی امام قاضی خان وفتاوٰی عالمگیریہ سے ثابت کرآئے کہ دونوں صورتوں میں اجر ملک راہن ہے فقط فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کا حق بھی راہن ہی کو ہے، اوردوسری صورت میں مرتہن کوکہ وہی عاقد ہے وہی وصول کرے اورراہن کودے دے خوداس میں سے کچھ نہیں لے سکتا، لہٰذا بکرپرلازم ہے کہ اپناقرض پندرہ سومجراکرکے تین ہزار چارسوپینتالیس روپے آٹھ آنے زید کوادا کرے، دستاویز میں زید کالکھنا کہ جومنافع مرتہن وصول کرے حق مرتہن ہے باطل وبے اثرہے کہ تغییر حکم شرع ہے، اوراگریہ تاویل کی جائے کہ اگرچہ واقع میں عندالشرع وہ حق زید ہے مگرزید کایہ لکھنا اپنی طرف سے بکرکوان منافع کاہبہ ہے جب بھی باطل ہے کہ منافع بوقت تحریر معدوم تھے اورمعدوم کاہبہ باطل۔بدائع میں ہے:

[1] بدائع الصنائع کتاب الرھن فصل وامّا حکم الرھن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۴۶

لاتجوز ھبۃ مالیس بموجود وقت العقد بأن وھب مایثمر نخلہ العام وما تلد اغنامہ السنۃ ونحو ذٰلک بخلاف الوصیۃ والفرق ان الھبۃ تملیک للحال وتملیک المعدوم محال والوصیۃ تملیک مضاف الی مابعد الموت والاضافۃ لاتمنع جوازھا و لاسبیل لتصحیحہ بالاضافۃ الی مابعد زمان الحدوث لان التملیک بالھبۃ ممّالایحتمل الاضافۃ الی الوقت فبطل[1] اھ، واللہ تعالٰی اعلم۔	جو شیئ عقد کے وقت موجود نہ ہو اس کا ہبہ جائز نہیں اس کی صورت یہ کہ کوئی شخص ان پھلوں کا ہبہ کرے جو اس سال اس کے درختوں پر لگیں گے یا اپنی بکریوں کے ان بچوں کا ہبہ کرے جو اس سال وہ جنیں گی اور اسی کی مثل دوسری اشیاء بخلاف وصیت کے، دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہبہ کے لئے تملیک ہے اور معدوم کی تملیک محال ہے اور وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے اور منسوب ہونا وصیت کے جواز کو منع نہیں کرتا، زمانہ حدوث کے مابعد کی طرف نسبت کرکے ہبہ کو صحیح قرار دینے کا راستہ نہیں کیونکہ ہبہ میں تملیک وقت کی طرف نسبت کا احتمال نہیں رکھتی لہٰذا وہ باطل ہے اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۸۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب مفتی عبدالقادر صاحب مفتی کچہری دیوانی ریاست ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

مرہونہ پر بعد عقد رہن مرتہن کا قبضہ شرعی ہوگیا، اس کے بعد بطور عاریت یا اجارہ یا غصب مرہونہ راہن کے قبضہ میں پہنچ گیا تو علمائے محققین سے سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد رہن باطل ہوجائے گا یا وہ علٰی حالہ باقی رہے گا اور کیا مرتہن کو بربنائے رہن مذکور استرداد مرہونہ کا استحقاق شرعًا حاصل ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

فی الواقع صورِ مذکورہ میں عقد رہن باطل نہ ہوگا اور مرتہن کو استرداد مرہون کا حق رہے گا، عاریت وغصب میں توظاہر کہ منافی رہن نہیں عقد اجارہ البتہ منافی رہن ہے ولہٰذا اگر

[1] بدائع الصنائع کتاب الہبہ فصل واما الشرائط الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۱۹

مرتہن باذن راہن یاراہن باذن مرتہن شخص ثالث کو یاراہن مرتہن کو اجارہ دے تو رہن باطل ہو جائے گا مگر یہاں کہ مرتہن نے راہن کو اجارہ دیا خود اجارہ ہی باطل ہوگا کہ مالک کو اس کی ملک اجارہ دینا کیا معنی، اور جب اجارہ باطل ہوا منافی رہن نہ پایا گیا اور عقد بحالہٖ باقی رہا **والمسائل مصرح بہا فی البدائع وغیرھا** (اور ان مسائل کی بدائع وغیرہ میں تصریح کردی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۵: از ہوڑہ محلّہ کو کر بھوکا مکان مدار بخش گنیر مرسلہ جان محمد صاحب ۲۸/ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھیت رہن لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

کھیت کہ زمین دار کی مِلک ہو وہ بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی اجازت سے ہو یا یہ رہن رکھنے والا خود اس زمین کا مالک ہے تو رہن صحیح ہو جائے گا مگر اس میں کھیتی کرنی ناجائز ہوگی۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از قصبہ نگرام ضلع لکھنؤ مرسلہ خضر محمد ۱۱/ صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ملک میں عملداری غیر مسلم کی ہو اور ہر طرح سے انہیں استیلا ہو اور مسلمان باشندے مغلوب ہوں وہاں اگر کوئی غیر مسلم جائداد کسی مسلمان کے یہاں رکھے اور بخوشی خاطر جائداد کے منافع کو اس مسلمان کے لئے حلال کردے تو بقول حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ منافع مسلمان کے لئے سُود تو نہ ہوں گے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں سُود نہیں، ہاں یہ سُود کی نیت سے لے تو اپنی نیت پر گنہگار ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مسئلہ ۸۷: از شہر بریلی مدرسہ منظر اسلام مسئولہ مولوی رحیم بخش صاحب بنگالی ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زمین کو عمر کے پاس رہن رکھامدت پانچ سال کی عمر اس زمین کو خرچ دے کر تصرف کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

کاشتکار بے اجازت زمیندار زمین کو رہن نہیں رکھ سکتا اور بااجازت زمیندار ہو تو وہ اجارے پر نہ رہے گی اجارہ رکھیں گے کہ خراج دے اور کاشت کرے، تو رہن نہ رہے گا نہ زید کو زمین سے تعلق رہے گا عمر کاشتکار مستقل ہوجائے گا، روپیہ زید پر قرض رہا وہ ادا کرے اور اس کے بعد زمین واپس لینے کا اسے اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر عمر خود چھوڑ دے چھوڑ دے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۸: ۲۰/ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کسی کے پاس کوئی چیز رہن رکھے اور وہ مرتہن اس چیز پر برابر سُود لیتا رہے، اور فرض کرو کہ اس نے دوسو روپیہ کا سُود لیا اب وہ شخص جس کی وہ چیز ہے رہن چھٹانا چاہتا ہے تو وہ مرتہن یہ کہتا ہے کہ دوسو روپیہ میں سے میں تم کو پانچ روپیہ واپس دیتا ہوں اس شرط پر کہ تم شریعت کی رُو سے جو سُود کہ تم نے دیا ہے معاف کرو لیکن مالک چیز اس خوف سے کہ یہ پانچ روپیہ بھی ہاتھ سے جاتے ہیں معاف کرنے پر راضی ہوجائے تو یہ معافی جائز ہوگی یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ اور ایسی صورت میں مرتہن کو اپنے سُود کا کتنا حصہ دینا چاہئے؟

الجواب:

مرتہن پر فرض ہے کہ جتنا سُود لیا ہے سب راہن کو واپس دے اور یہ اولٰی ہے یا فقرائے مسلمین پر تصدق کرے اس میں سے اپنے صرف میں ایک حبّہ لانا اسے حرام ہے اور اگر صرف کرچکا ہے اس کا معاوضہ راہن یا فقیروں کو دینا فرض ہے، راہن کے معاف کئے سے معاف نہ ہوگا کہ یہ اس کا آتا ہوا نہیں جو اُس کے چھوڑے سے چھوٹ جائے،

الاتری انه لایجب علی الآخذ ردّه الیه انما حکموا علیه	کیاتُو نہیں دیکھتا کہ لینے والے پرواجب نہیں کہ وہ راہن کو واپس کرے۔ مشائخ نے

بالاولویہ۔	اس کے اولٰی ہونے کا فیصلہ دیا ہے (ت)

بلکہ وہ اللہ واحد قہار کے غضب کا خبیث مال ہے کسی حال میں مرتہن کے لئے حلال نہیں ہو سکتا اگر توبہ بھی کرے گا تو مقبول نہیں جب تک وہ سارا لیا ہوا راہن یا فقراء کو نہ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹ تا ۹۱: مرسلہ نیاز الدین احمد ۱۶ جمادی الاخری ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان صورتوں میں کہ:

(۱) شیئ مرہون میں تصرف جائز ہے یا نہیں؟

(۲) ہمارے اطراف میں ایک قطعہ زمین اس طور پر لیتے ہیں کہ مثلاً صاحب زمین کو سو روپے اس عہد و پیمان و قول پر دیتے ہیں کہ صاحب زمین روپیہ ادا کر سکے تو زمین مرتہن کے قبضہ سے چھوٹ کر راہن کے قبضہ میں آجاتی ہے اس میں بات اتنی ہے کہ مرتہن زمین کا خراج ادا کرتے ہیں اور پیداوار زمین کو خود لیتے ہیں اور جس وقت وہ دیئے ہوئے روپے لے گا وہ سو روپے پورا پورا لے گا۔

(۳) یہ صورت بعینہٖ دوسری ہے مگر ذرا بیش و کم یہ ہے کہ دلیل اس طور پر لکھتے ہیں کہ اگر راہن مدت معہودہ میں روپیہ ادا نہ کرے تو زمین فروخت کرکے مرتہن کے قبضہ میں ہمیشہ کے لئے آجاتی ہے۔

الجواب:

مرتہن کو مرہون سے انتفاع حرام ہے۔ حدیث میں ہے:

کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔[1]	جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے۔ (ت)

زمین رہن رکھنے والا اگر خود مالک زمین ہے جیسے زمین دار معافیدار اگرچہ خراج گورنمنٹی بطور مالگزاری یا ابواب اس پر ہو جب تو یہ وہی صورت مرہون سے انتفاع کی ہے اور حرام ہے، اور اگر رہن رکھنے والا کاشتکار ہے اور خراج وہ لگان ہے کہ زمین دار کو دیا جاتا ہے تو اسے بے اجازت زمیندار نہ رہن رکھنے کا اختیار نہ اسے رہن لینے کا۔ اب کہ رہن رکھ دی اور مرتہن نے زمیندار کو لگان دی اور اس نے قبول کیا یہ عقد اجارہ زمیندار و

[1] کنز العمال بحوالہ الحارث عن علی حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

مرتہن میں ہوا رہن باطل ہوگیا اور پہلا کاشتکار زمین سے بے تعلق ہوگیا یہ مرتہن ہی کاشتکار ہوگیا زراعت اسے جائز ہے اور اس کا روپیہ پہلے کاشتکار پر فرض ہے جب وہ روپیہ دے اس پر زمین چھوڑنا لازم نہیں جب تک سال تمام پر زمین دار اس سے نہ چھڑائے اور دوسری صورت جس میں میعاد گزر جانے پر زمین کا فروخت ہوجانا ہے اگر مالک زمین نے زمین رکھی تو رہی ہے اور یہ شرط مردود اور اگر کاشتکار نے رہن رکھی تو زمین فروخت ہوجانے کا بطلان اور بھی ظاہر، اسے پرائی زمین بیع کردینے کا کیا اختیار؟ غرض یہ سب جاہلانہ طریقے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۲: ۱۶/رجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زمین علٰی وجہ الرہن خریدنا جائز ہے یا نہ؟

الجواب:

علٰی وجہ الرہن خریدنا بعینہٖ رہن لینا ہے اس پر تمام احکام رہن کے ہوں گے، خریدار کو اس سے نفع اٹھانا حرام، دَین اگرچہ بعد میعاد ملے زمین واپس نہ دینا حرام، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۳: از شہر محلّہ روہیلی ٹولہ متصل مسجد جہان خاں مسئولہ طالب علم بنگالی ۱۳ شوال ۱۳۳۸ھ

زید نے بکر سے ایک بیگہ زمین مبلغ ایک صدروپیہ دے کرلے لی اس شرط پر کہ جب تک روپیہ ادا نہیں کریں گے زمین ان کے قبضہ میں رہے گی اور نفع بھی اٹھائیں گے اور اصل روپے میں سے مبلغ عہ ہر سال میں کم ہوتا جائے یہ شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ صورت رہن واجارہ جمع کرنے کی ہے اور وہ جمع نہیں ہوسکتے رہن یوں باطل ہوا کہ دو روپے سال اُجرت منافع زمین رہن ٹھہرے، اجارہ یوں فاسد ہوا کہ مدت مجہول رہی کہ جب تک روپیہ ادا ہو، لہذا یہ شرعًا جائز نہیں گناہ ہے، اس کا فورًا فسخ کرنا دونوں پر واجب ہے زمین فورًا واپس کردے یا اس اجارہ فاسدہ کو فسخ کرکے ازسرنو صحیح اجارہ متعین مدت کرلے جس میں یہ شرط نہ ہو کہ تا ادائے قرض زمین پر قبضہ رہے گا، رہا، اس کا قرض ہے اسے اختیار ہے کہ اب وصول کرے یا جب چاہے، قرض کے لئے

کوئی میعاد لازم نہیں ہوسکتی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۴: اظہار الحق ساکن چندوسی محلّہ کاغذی مکان شیخ عبدالحق صاحب ۱۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک مکان کا مرتہن ہے اگر وہ اس مکان کو راہن سے عاریۃً لے کر اس میں سکونت اختیار کرے یا اس کو کرائے پر اٹھائے تو یہ فعل اس کا جائز ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمایئے۔

الجواب:

بہ اجازت راہن عاریۃً رہے کہ جس وقت راہن منع کرے فوراً سکونت چھوڑ دے مقفل کرکے صرف قبضہ رہن رکھے جائز ہے اور کرایہ پر چلانا بے اجازت راہن ہو تو حرام ہے اور باجازت ہو تو رہن جاتا رہا کرایہ کا مالک راہن ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۵: از میران پور کٹرہ ضلع شاہ جہان پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب ۲۵/ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی اہل ہنود سے زمین دخلی رکھ کر پانچ برس کے واسطے اس میں زراعت خود کرے یا ان کو بونے پر کسی دوسرے کو دے دے کیسا ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ہنود سے اس عقد کے کرنے میں کوئی حرج نہیں **لجواز العقود الفاسدۃ مع من لیس ذمیّا ولا مستامنا** (کیونکہ فاسد عقود ایسے کافروں کے ساتھ جائز ہیں جو ذمّی اور مستامن نہ ہوں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۶و۹۷: از الٰہ آباد مسئولہ سید سبحٰن الحسن صاحب ۷ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

(۱) کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فٹن گاڑی مبلغ ۲۰۰ روپیہ میں دخلی رہن رکھی راہن نے ہر قسم کی مالکانہ اجازت بخوشی دی راہن نے اس کو کرایہ مبلغ ۷ روپیہ ماہوار پر دے دیا یہ کرایہ جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسری یہ کہ زید نے ایک گھوڑا اپنا اس میں لے کر ڈالا اور کرایہ پر اس شخص کو جس سے دخلی رہن رکھی ہے مبلغ سَو روپیہ ماہوار دے دی۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) یہ حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث ہے: **کل قرض جر منفعۃ فھوربا**[1]۔ جو قرض نفع کو کھینچ لائے وہ سود ہے (ت)

(۲) یہ بھی حرام ہے، مالک کو اس کی شے کرایہ پر دینا اور بھی بے معنی ہے، ہاں اگر رہن سے باز آئے اور اس کی گاڑی اسے واپس دے اور اپنا گھوڑا سات روپے مہینے کرایہ پر دے تو جائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۹۸: از ضلع رنگپور ڈاک خانہ مہی پور موضع کلقند مدرسہ ملک بنگال مسئولہ فصل علی صاحب ۱۴/رمضان ۱۳۳۹ھ

چہ می فرمایند علمائے شرع متین ومفتیان دین مبین اندریں مسئلہ کہ شخصی چندبیگہ اراضی خود نزد کسے رہن داشتہ بعوضش یک صد روپیہ قرض گرفت و مرتہن بایں شرط کہ تامدّت ایفائے زر مقروض ازز مین مرہونہ بادائے خراج زمینداران بکاشتکاری خود خواہد داشت، قرض دادپس ایں چنیں قرض دادن جائزست یانہ؟ **بیّنوا توجروا**۔	کیافرماتے ہیں علمائے شرع متین ومفتیان دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی چند بیگھ زمین کسی شخص کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے ایک سو روپیہ قرض لیا مرتہن نے اس شرط پر قرض دیا کہ مقروض سے قرض کی وصولی تک مرہون زمین کا خراج زمینداروں کو دینے کے عوض اس زمین میں کاشتکاری کرے گا تو کیا ایسا قرض دینا جائز ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر پاؤگے (ت)

الجواب:

قرض دادن رواست وآں شرط فاسد وبیجاست وآں رہن باطل وبے معنی ست در درمختار ست **کل ماکان مبادلۃ مال بمال یفسد بالشرط الفاسد کالبیع ومالافلا**	قرض دینا جائز ہے اور وہ شرط فاسد وبے جا ہے اور رہن باطل وبے معنی ہے، درمختار میں ہے: جس عقد میں مال کا مبادلہ مال سے ہو وہ شرط فاسد کے ساتھ فاسد ہوجاتا ہے جیسا کہ بیع، اور جو عقد ایسا نہ ہو

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث حدیث ۱۵۵۱۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۲۳۸

کالقرض[1] راہن مالک زمین نبود ونہ ازمالک برائے رہن استعارہ نمود کاشتکاری برائے او گزاشت وخراج زمیندار ہم بسرش داشت چوں زمیندارایں معنی رضا داد وخراج ازیں مُقرِض گرفت ایں عقد اجارہ میان زمین دار ومقرض شدو راہن بر کراں ماند وذٰلك انّ الراھن والاجارۃ عقدان متنافیان لایجتمعان، واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ فاسد نہیں ہوتا جیساکہ قرض۔ راہن زمین کامالک نہیں تھا اورنہ اس نے مالک سے رہن کے لئے زمین عاریت پرلی، اس نے مرتہن کے لئے کاشتکاری چھوڑی اورزمیندار کاخراج بھی مرتہن کے سرپررکھ دیاجب زمیندار نے اس پر رضامندی ظاہر کردی اورزمین کاخراج قرض دہندہ سے لے لیاتویہ عقد اجارہ زمیندار اورقرض دہندہ کے درمیان ہوااورراہن ایک طرف رہ گیا۔اوریہ اس لئے کہ رہن واجارہ دومتنافی عقدہیں جوجمع نہیں ہوسکتے۔اوراللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۹۹: ازرنگون سکی منٹولی سربرٹ مکان ۲۱کمرہ ۱۳مسئولہ محمدابراہیم خطیب ۲۰رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ زیدنے اپنی جائداد عمروکے پاس رہن رکھی عمرونے زیدکی موجودگی میں مدت رہن ختم ہونے سے پیشترہی کوٹ سے اجازت لے کر بے اطلاع اس کی جائداد مرہونہ کو بیع کردیا،اب زیداس بیع کو فسخ کرے گایانہیں؟ اور ثمن بیع اداکرکے اپنی جائداد واپس لے سکتاہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زیدبے شک اس بیع کو فسخ کرسکتاہے اورزرثمن اداکرنااس کے ذمہ نہیں،زرثمن کامطالبہ مشتری اس مرتہن سے کرے گازید کے ذمہ صرف زرِرہن ہے۔ردالمحتارمیں ہے:

توقف علی اجازۃ الراھن بیع المرتھن فان اجازہ جازو الافلاولہ ان	مرتہن کی بیع راہن کی اجازت پرموقوف ہوگی اگراس نے اجازت دی توجائزورنہ جائزنہیں ہوگی راہن کواختیارہے کہ وہ بیع کو

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مایبطل بالشرط مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

یبطلہ ویعیدہ رھنا۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	باطل کردے اوراسے رہن کی طرف لوٹادے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۰: ازآول ضلع رہتک مسئولہ محمد جمال مہتمم مدرسہ رونق الاسلام ۱۴/شوال ۱۳۴۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع رہن جائز ہے یانہیں؟ زید کہتا ہے کہ جائز ہےاور اس کے لئے کتاب درمختار مطبع منشی نولکشور ص ۵۵۴ کی عبارت پیش کرتا ہے جس کاترجمہ یہ ہے کہ مرہون شیئ کانفع باجازت راہن جائز ہے۔کیازید کی دلیل صحیح ہے؟ مگرقول ثانی درمختار کہ متقی کے لئے جائز نہیں یہ بھی سود ہے۔زید کہتاہے کہ اتقانہایت مشکل ہےاوریہ متقی کے لئے ہے مگرعمروکاجواب ہے کہ ہر مسلمان متقی ہے توکیاعمروکاجواب صحیح ہےاور کیاہر مسلمان متقی ہے؟اور تقوی اور فتوی میں کچھ فرق ہے یانہیں؟بیّنوا توجروا۔

الجواب:

تحقیق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مرتہن کورہن سے انتفاع جس طرح رائج ہے قطعًا مطلقًا اجماعًا حرام ہے اول تو وہ شرط سے ہوتاہے رہن نامہ میں لکھاجاتاہےاور پھراذن بھی حقیقتًااذن نہیں عـــہ۔

مسئلہ ۱۰۱: مدرسہ منظراسلام مرسلہ محمداحمد طالب علم بنگالی مورخہ ۲۴رجب المرجب ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زیدنے بکر سے ہزارروپیہ لیااور اپنامکان بکرکے پاس دخلی رہن چھوڑا یعنی جب تک زید وہ روپیہ نہ دے سکے اتنے روز بکر کواختیارخاص ہے چاہے وہ خود اس مکان میں رہے بسے یادوسرے شخص کے پاس کرایہ پردے کرروپیہ لے،آیااس صورت میں بکرکے لئے ملکیت ثابت ہےاور بکرکامکان سے کرایہ وصول کرنامطابق شرع شریف سُود ہے یانہیں؟

الجواب:

خودرہنا بھی حرام اور کرایہ لینا بھی سُود۔اگرکرایہ پردیاتوازآنجاکہ اجازت زید سے تھا کرایہ کامالک زید ہوااوراب مکان رہن سے نکل گیا۔واللہ تعالٰی اعلم

عـــہ: یہ فتوی ناتمام ہے۔عبدالمبین نعمانی۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۲۷

باب القسم
(قسم کا بیان)

مسئلہ ۱۰۲: از محلّہ بہاری پور بریلی مرسلہ ریاض الدین احمد ۲۹ رجب ۱۳۳۸ھ

کسی سچی بات کے لئے قرآن پاک کی قسم کھانا یا اس کا اٹھالینا گناہ ہے یا نہیں؟ آپ کو تکلیف دینے کی اس وجہ سے ضرورت ہوئی کہ ایک شخص سے کہا گیا کہ اگر تو سچا ہے تو قرآن شریف کو اُٹھالے۔ اس کا اس نے یہ جواب دیا کہ میں سچائی میں ہوں لیکن میں قرآن شریف نہیں اُٹھاسکتا کیونکہ قرآن شریف اٹھانا ہر حالت میں گناہ ہے، دوسرا فریق کہتا ہے کہ سچا قرآن شریف اٹھانا گناہ نہیں ہے البتہ جھوٹا قرآن شریف اٹھانا گناہ ہے، مہربانی فرما کر مطلع فرمائیے کہ ان دونوں باتوں میں کونسی بات سچی ہے؟

الجواب:

جھوٹی بات پر قرآن مجید کی قسم کھانا یا اٹھانا سخت عظیم گناہ کبیرہ ہے، اور سچی بات پر قرآن عظیم کی قسم کھانے میں حرج نہیں اور ضرورت ہو تو اٹھا بھی سکتا ہے مگر یہ قسم بہت سخت کرنا ہے بلاضرورت خاصہ نہ چاہئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

کتاب الوصایا

(وصیتوں کا بیان)

مسئلہ ۱۰۳: از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت سید نا سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ ۱۲۹۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بزرگان دین قدس اللہ تعالٰی اسرارھم العزیزہ سے ایک بزرگ نے اپنے آباء کرام کے سجادہ نشین اور جائداد وقضیہ درگاہ وخانقاہ وقف کردہ امراء اسلام کے متولی تھے بنام اپنے صاحبزادہ حامد اور اپنے نبیرہ احمد بن محمد کے لئے وصیت فرمائی یہ دونوں بعد میرے متولی تمام جائداد ومصارف درگاہ خانقاہ اور جملہ امور متعلقہ ریاست درگاہی وخانقاہی میں شریک مساوی رہیں اور میری جائداد مملوکہ سے احمد بن محمد نبیرہ میرا ثلث حصہ بموجب وصیت شرعیہ پائے اور اس وصیت کو ایک کاغذ پر تحریر فرمایا اور جناب ممدوح نے اپنی صاحبزادی کو اس قدر حصہ کہ بعد وفات انہیں پہنچنا تصور کیا جاتا خواہ اس سے کم اپنی حیات میں اس شرط پر دے کر قبض ودخل کرادیا کہ اب ان کے لئے میراث میں حق نہ ہوا اور یہ تخارج برضامندی ان کی واقع ہوا اور صاحبزادی صاحبہ کی طرف سے حکام کے یہاں تصدیق اس مضمون کی گزر گئی کہ میں نے اپنا حصہ پالیا اب مجھے بعد انتقال حضرت مورث کچھ دعوی ترکہ میں نہ رہا جناب ممدوح نے یہ مضمون بھی اسی وصیت نامہ میں ذکر فرمایا آیا اس صورت میں وہ وصیت کہ حضرت موصوف نے درباره تولیت فرمائی اور وصیت ثلث مال مملوک نسبت احمد بن محمد شرعًا جائز اور نافذ ہے یا نہیں اور یہ تخارج کہ حضرت ممدوح اور صاحبزادی صاحبہ میں واقع ہوا شرعًا معتبر ہے یا نہیں

اگر نامعتبر ہو تو وصیت نامہ مذکورہ میں اس کا ذکر آجانا کل وصیت نامہ کو باطل کردے گا یا صرف اسی قدر نامعتبر اور باقی وصایائے مذکورہ صحیح اور مقبول رہیں گے اسی طرح اس کاغذ میں یہ بھی ذکر فرمایا تھا کہ بعد میرے اگر اہل خانہ میری زندہ رہیں تو خبر گیری ان کی جائداد اور احمد بن محمد بقدر معتدبہ کرتے رہیں یہ امر ان دونوں کے ذمہ ہے مگر بی بی صاحبہ مورث کے سامنے ہی گزر گئیں آیا یہ کلمات بھی کچھ منافی صحت وصایائے مذکورہ ہیں یا نہیں اور بی بی صاحبہ اگر بعد کو زندہ رہتیں تو عام اس سے کہ یہ فقرہ ان کی رضا سے تحریر ہے یا بے رضا بہر تقدیر وہ اس تحریر کی بناء پر ترکہ سے محروم رہتیں یا نہیں اگر نہ رہتیں تو دعوٰی ان کا حامد پر تھا کہ بعد اخراج ثلث وصیت کل جائداد متروکہ پر وہی قابض ہوا یا احمد موصی لہ پر بھی کہ ثلث بحکم وصیت اس نے پایا بعد وصال حضرت ممدوح کے حامد اور احمد دونوں نے اس وصیت نامہ کو معتبر اور مقبول رکھا اور باہم بطریق مصالحت یہ امر قرار پایا کہ جس طرح جائداد مملوکہ میں احمد بن محمد کے لئے ثلث ہے یونہی تولیت اوقاف بھی اثلاثا رہے کہ دو ثلث میں حامد اور ایک میں احمد متولی اور متصرف ہوں آیا بر تقدیر وفرض بطلان کلی وصیت نامہ مذکورہ یہ مصالحہ کہ باہم حامد اور احمد میں واقع ہوا معتبر ہے یا نہیں اور درصورت صحت وصیت نامہ اس صلحنامہ کا کیا حکم ہے اور اگر متولی دربارہ اوقاف دو امر کی وصیت کرے کہ ایک اُن میں سے مطابق تعامل قدیم ہے اور دوسرا مخالف تو اس مخالف کے بطلان سے کل وصیت باطل قرار پائے گی یا صرف یہی امر مخالف اور اگر متولی وقف کسی شخص کے نام تولیت کرے تو یہ وصیت اس کی مطلقاً معتبر رہے گی یا متولیان سابق کا تعامل یہاں بھی دیکھا جائے گا اور اگر ان میں آج تک وصیت تولیت کا رواج نہ تھا تو متولی حال کی وصیت بسبب مخالفت تعامل باطل ہوجائے گی۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ ت)

الجواب:

دربارہ تولیت اوقاف مذکورہ حامد اور احمد کے نام بزرگ ممدوح کی وصیت کہ دونوں شریک مساوی ہوں صحیح ونافذ ہے اور تولیت محل جریان ارث نہیں جس میں حق وارث کا لحاظ ہو کہ ثلث سے زائد میں وصیت بے اذن ورثاء نفاذ نہ پائے۔

فی الوجیز، ان مات القیم و قد اوصی الی احد فوصی القیم بمنزلۃ القیم [1]۔ وفی وقف العلمگیریۃ عن الحاوی	وجیز میں ہے اگر متولی مرجائے اور وہ کسی کے لئے وصیت کرے تو اس متولی کا وصی متولی کے حکم میں ہوتا ہے۔ عالمگیریہ کے باب الوقف میں حاوی

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الوقف النوع الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۵۲-۲۵۱

ان مات احدالوصیین واوصی الی جماعة لم یتفرد واحد بالتصرف ویجعل نصف الغلة فی یدالجماعة الذین قاموامقام الوصی الھالک [1]	سے منقول ہے اگر دوصیوں میں سے ایک مرگیااور وہ ایک جماعت کے بارے میں وصیت کرگیا توا کیلے تصرف میں مستقل نہ ہوگا، اور وقف غلہ میں سے نصف اس جماعت کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا جو مرنے والے کے قائمقام ہوئی۔(ت)

پس دونوں صاحب شرعاً متولی او قاف مذکورہ ہوئے اور ایسے ہوئے کہ ایک بے دوسرے کے تصرفات قوامت میں مستقل نہیں ہوسکتا۔

فقد صرحوا فی الوقف والوصایا ان القوامة والوصایاة اذاکانت الی اثنین لم یجز ان ینفرد احدھما عن الاٰخر۔	تحقیق مشائخ نے وقف ووصایا کے بارے میں تصریح کی کہ تولیت اور وصیت جب دو شخصوں کے لئے ہوتوان میں سے کسی ایک کا دوسرے سے منفرد ہونا جائز نہیں۔(ت)

اور احمد بن محمد کے نام جائداد مملوک میں ثلث کی وصیت تو بدیہی الصحت والنفاذ ہے۔

فلقد قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اللہ تعالٰی تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اٰخر اعمارکم [2] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	تحقیق نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اشاد فرمایا بیشک اللہ تعالٰی نے تمہاری عمروں کے آخر میں تمہارے تہائی مال کے ساتھ تم پر صدقہ فرمایا یا جیسا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔(ت)

نہ احمد بن محمد باوجود حامد وارث نہ وصیت قدر ثلث سے متجاوز کہ کل یا مقدار زائد میں اجازت ورثاء کی احتیاج ہوتی۔

فی تنویر الابصار،ویجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلک [3] الخ۔	تنویرالابصار میں ہے کہ اجنبی کے لئے ایک تہائی کی وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کو جائز نہ رکھیں الخ۔(ت)

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوقف الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۰

[2] مجمع الزوائد باب الوصیة بالثلث دار الکتاب العلمیة بیروت ۴/ ۲۱۲

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

رہامسئلہ تخارج بحالت مورث کہ بزرگ موصوف نے اپنی حیات میں صاحبزادی صاحبہ کو کچھ عطافرماکر میراث سے علیحدہ کردیااور وہ بھی راضی ہوگئیں کہ میں نے اپنا حصہ پالیااور بعد انتقال مورث کے ترکہ میں میرا حق نہیں، اشباہ میں طبقات علامہ شیخ عبدالقادر سے اس صورت کاجواز نقل کیااور اسے علامہ ابوالعباس ناطفی پھر جرجانی صاحب خزانہ پھر شیخ عبدالقادر پھر فاضل زین الدین صاحب اشباہ پھر علامہ سید احمد حموی نے مقرر و مسلم رکھااور فقیہ ابو جعفر محمد بن یمانی نے اس پر فتوٰی دیااور ایساہی فقیہ محدّث ابو عمر و طبری اور اصحاب احمد بن ابی الحارث نے روایت کیا۔

کماقال العلامۃ زین قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الھمزۃ فی احمد، قال الجرجانی فی الخزانۃ، قال ابوالعباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنارحمھم اللہ، فی رجل جعل لاحدبنیہ دارا بنصیبہ علی ان لایکون لہ بعد موت الاب میراث جازوافتی بہ الفقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن شجاع البلخی وحکی ذٰلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمروالطبری انتھٰی۔[1] قال الفقیر المجیب غفراللہ تعالٰی لہ مستند ذٰلك الی خط بعض المشائخ وھذا وان لم یرد علیہ ان الخط لایعمل بہ الا فی بعض صور مستثناۃ کما فی عامۃ الکتب وذٰلك لان خط المفتی من الصور المستثناہ فقد قال العلامۃ الحموی فی شرح احکام	جیساکہ علامہ زین نے کہا شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الھمزہ میں احمد کے ذکر میں کہا، جرجانی نے خزانہ میں کہا، ابو العباس ناطفی نے کہاکہ میں نے بعض مشائخ رحمۃ اللہ علیہم کے خط سے اس شخص کے بارے میں دیکھا جس نے اپنا کوئی مکان اپنے ایک بیٹے کو حصہ کے طور پر دے دیا اس شرط پر کہ وہ باپ کی موت کے بعد وارث نہیں بنے گا تو یہ جائز ہے، اسی کے ساتھ فتوٰی دیا فقیہ ابو جعفر محمد بن یمانی نے جو محمد بن شجاع بلخی کے اصحاب میں سے ہیں۔ اور اسی کی حکایت کی احمد بن ابوالحارث اور ابو عمرو طبری کے اصحاب نے، انتہی۔ فقیر مجیب غفراللہ تعالٰی لہ کہتاہے کہ اس کو بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب کرنے پر اگریہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ خط بعض استثنائی صورتوں کے سوا قابل عمل نہیں ہوتا جیساکہ عام کتابوں میں ہے کیونکہ مفتی کا خط انہی استثنائی صورتوں میں سے ہے۔ تحقیق علامہ حموی

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

الکتابة من غمز العیون والبصائر، یجوز الاعتماد علی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علی اشارته فالکتابة اولی[1] انتھی، لکن فیه جھالة الا ان یقال ان المشائخ کلھم ممن یستند بقوله فلاتضر جھالته کما یقال فی کثیر من المسائل قال بعضھم یجوز وبعضھم لاوان سلم فمعتمدنا تقریر تلك الفحول التحاریر اما قول العلامة الحموی فی شرح مانحن فیه، قوله علی ان لایکون له بعد موت الاب میراث جاز ای صح اقول: یتأمل فی وجه صحّة ذٰلك فانه خفی[2] انتھی **فاقول:** ھذا کما تری صریح فی القبول اذ ذعن رحمه اللّٰه ان له وجھًا صحیحًا ولکنه خفی حری التامل ولولاذٰلك لقال ھذا مما لاوجه له فلایعول علیه، وھذا ممالایخفی علی العارف باسالیب	نے شرح احکام الکتابۃ میں بحوالہ غمز العیون والبصائر کہا مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے مشائخ کے اس قول کااعتبار کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارہ پر اعتماد جائز ہے کیونکہ کتابت اشارہ سے اولٰی ہوتی ہے انتہی، لیکن اس میں جہالت ہے مگر یہ کہ یوں کہاجائے کہ تمام مشائخ وہ ہیں جن کے قول سے استناد کیاجاتاہے تواب جہالت مضر نہ ہوگی جیساکہ بہت سے مسائل میں کہاجاتاہے ان میں سے بعض نے کہاکہ جائز ہے اور بعض نے کہاکہ نہیں جائز ہے، اگراس کو تسلیم کر بھی لیاجائے توہمارا معتمد ان جیّد متبحر علماء کی تقریر ہے۔ رہاہمارے زیر بحث مسئلہ کی شرح میں علامہ حموی کافرمان کہ مرنے والے کا یہ کہنا کہ یہ اس شرط پر ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس بیٹے کے لئے کوئی میراث نہ ہوگی یہ جائزاور صحیح ہے، تو **میں کہتاہوں** اس کی وجہ صحت میں تامل کرناچاہئے کیونکہ یہ خفی ہے انتہٰی۔ **میں کہتاہوں** جیساکہ تودیکھ رہاہے یہ قبول میں صریح ہے کیونکہ علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ نے اذعان فرمایاکہ اس کے لئے وجہ صحیح ہے لیکن وہ خفی ہے جوتامل کے لائق ہے، اگرایسانہ ہوتاتوحضرت علامہ یوں فرماتے کہ اس کے لئے کوئی وجہ نہیں لہٰذا اس پر اعتماد نہ کیاجائے اور یہ بات کلام کے اسلوبوں کو

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

الکلام۔	جاننے والے پر پوشیدہ نہیں۔(ت)

پس اس روایت اور ائمہ کی تقریر وافتاء وحکایت کی بناپر یہ تخارج بھی صحیح اور جائز واقع ہوااور صاحبزادی صاحبہ کو بعد انتقال مورث کوئی دعوی نہیں پہنچتا اور اگر یہ روایت بوجہ قلّت شہرت یا عدم ظہور علت پایہ اعتبار سے ساقط مانی جائے توضرور یہ تخارج باطل قرار پائے گا مگر اس کے کاغذ وصیت میں مذکور ہونے سے وصایائے مذکور کیوں باطل ہونے لگیں ھذا باطل صریح (یہ واضح طور پر باطل ہے۔ت) علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگرایک شیئ کی وارث اور اجنبی کے لئے بالمناصفۃ وصیت کی وہ وصیت وارث کے حق میں باطل اور اجنبی کے نصف میں صحیح اور نافذ رہے گی۔

ففی تنویر الابصار ،ولاجنبی ووارثه اوقاتله له نصف الوصیة وبطل وصیته للوارث والقاتل [1] انتھی ومثله فی عامة الکتب۔	تنویر الابصار میں ہے کہ اجنبی اور وارث یا اجنبی اور قاتل کے لئے وصیت کی تو اجنبی کو وصیت کا نصف ملے گا جبکہ وارث اور قاتل کے بارے میں اس کی وصیت باطل ہوگی انتہی،اور اسی کی مثل عام کتابوں میں ہے۔(ت)

سبحان اللہ! جب عقد واحد ولفظ واحد میں شیئ واحد کہ دو شخصوں کے نام وصیت کی اور ایک کے لئے شرع نے اجازت نہ دی صرف اسی کے حق میں باطل ہوئی اور اس بطلان نے نصف باقی تک سرایت نہ کی،توجہاں عقد متعدد لفظ متعدد معقود علیہ متعدد اور ایک عقد ان میں سے باطل ہوا ان دونوں کے ایک کاغذ میں ذکر کردینے سے کیونکر اس کا بطلان اس تک ساری ونافذ ہوجائے گا،ایسی بے اصل وجہ سے وصایائے مذکور کا ابطال کوئی عاقل تجویز نہیں کرسکتا اور یہیں سے ظاہر ہوگیا سوال اخیر کا جواب کہ اوقاف صحیحہ شرعیہ میں جب بوجہ جہالت شرط واقف معمول قدیم پر مستقر اعتبار رہے توجو وصیت اس کے مطابق ہوگی جائز اور جو مخالف ہوگی باطل،اور باطل کا بطلان جائز تک سرایت نہ کرے گا کما اوضحناہ مع انه کان واضحا (جیسا کہ ہم نے اس کی وضاحت کردی باوجودیکہ یہ واضح تھا۔ت) اور انہیں وجوہ سے وہ فقرہ کہ وصیت نامہ میں جناب بی بی صاحبہ کی نسبت تحریر ہوا صحت وصایائے سابقہ میں خلل انداز نہیں ہوسکتا اگرچہ اس کی تحریر بی بی صاحبہ کو بر تقدیر حیات بعد مورث ترکہ سے حاجب نہ تھی گویہ تحریر ان کی رضا سے واقع ہوئی،

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۶

فان الارث سبب ضروری للملك حتی ان الوارث یرث ویملك سهمه ولوقال الف مرة انی ترکت حقی والمسئلة فی الاشباہ[1] وغیرھا۔	اس لئے کہ وارث ہونامِلک کے لئے سبب ضروری ہے یہاں تک کہ وارث اپنے حصے کاوارث ومالک بن جاتاہے اگرچہ ہزار بار کہے کہ میں نے اپنا حق چھوڑدیاہے اور یہ مسئلہ اشباہ وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

ہاں اگر وہ زندہ رہتیں توان کادعوی حامد پر تھاجس نے بعد اخراج وصیت کل متروکہ پر قبضہ کیاکہ حق ورثہ صرف انہیں دوثلث میں تھا ثلث وصیت ان کے حق سے جداہے تواحمد بن محمد جس نے بحکم وصیت ثلث پایا برتقدیر حیات بی بی صاحبہ اوربرتقدیر بطلان تخارج صاحبزادی صاحبہ دونوں کے دعوے سے بایں معنی بری ہے کہ ان کے ظہور حصص سے اس کے ثلث میں کمی نہیں آسکتی بلکہ بحکم وصیت کل جائداد سے ثلث کامل اسے دیں گے اور دو ثلث باقی ماندہ ورثہ بحصص شرعیہ تقسیم کرلیں گے۔

وذلك لان الوصیة مقدمة علی الارث ومعلوم انه لا یزاحم شیئ شیئا الا اذا کانا فی مرتبة واحدة ولو سلمت مزاحمة المتاخر للمقدم لم یبق المتقدم مقدما والمتاخر متاخرا ھذا خلف۔فثبت ان الموصی له ملك الثلث من دون المزاحم الاتری ان الوصیة لاتزاحم الدیون لتقدم الدیون علیھا فکذلك المیراث لایزاحم الوصیة بعین ذلك الوجه وھذا ظاھر جدًّا۔	اوریہ اس لئے کہ وصیت میراث پر مقدم ہے،اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی شیئ کی مزاحمت نہیں کرسکتی جب تک وہ دونوں ایک ہی مرتبہ میں نہ ہوں۔اگرمتاخر کی مقدم کے لئے مزاحمت تسلیم کرلی جائے تومقدم مقدم نہ رہے گا اور متاخر متاخر نہ رہے گا۔یہ خلاف مفروض ہے۔لہٰذا ثابت ہوگیاکہ جس کے حق میں وصیت کی گئی وہ بغیر کسی مزاحم کے تہائی مال کامالک ہوگیا۔کیاتم نہیں دیکھتے کہ وصیت قرضوں کی مزاحمت نہیں کرتی کیونکہ قرضے اس پر مقدم ہیں۔یوں ہی بعینہٖ اسی وجہ سے میراث وصیّت کی مزاحمت نہیں کرتی اور یہ خوب ظاہر ہے۔(ت)

اب باقی رہامسئلہ صلحنامہ پر کلام جب وصیت بزرگ موصوف دربارہ تولیت بھی صحیح قرار پائی اور حامد اور احمد دونوں نصف نصف جائداد کے قسیم ٹھہرے تونظر فقہی اسے مقتضی ہے اگراحمد کے لئے تفویض عام اور نقل تولیت کامطلقًا اختیار شرط واقف خواہ تعامل قدیم سے ثابت نہ ہو تویہ صلحنامہ وجہ صحت نہیں رکھتا اور احمد اگرلاکھ بار ثلث خواہ ربع خواہ سدس پر مصالحہ کرے شرع ہرگز قبول

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

نہ فرمائے گی، اور اسے نصف کامل کا متولی رکھے گی کہ احمد کی طرف سے یہ صلح اور نصف چھوڑ کر ثلث پر راضی ہونا در حقیقت تولیت سدس سے اپنے نفس کو عزل کرنا ہے اور متولی کو بے علم واطلاع قاضی، عزل نفس کا اختیار نہیں اور اگر ہزار بار عزل کرے گا معزول نہ ہو سکے گا واین القاضی واین العلم (اور کہاں ہے قاضی اور کہاں ہے علم۔ت) بحر الرائق میں ہے:

اذا عزل نفسه عند القاضی فانه ینصب غیره ولا ینعزل بعزل نفسه مالم یبلغ القاضی [1] وبمثله فی اسفار اُخر۔	جب متولی قاضی کے پاس خود کو معزول کرے تو قاضی اس کی جگہ کسی اور کو مقرر کردے گا اور جب تک متولی قاضی تک اطلاع نہ پہنچائے وہ خود کو معزول کرلینے سے معزول نہیں ہوگا، اور اسی کی مثل دوسری کتابوں می مذکور ہے۔(ت)

اگر بغرض باطل وتقدیر غلط وصیت نامہ کو مہمل وکان لم یکن، ٹھہرایا جائے تاہم یہ اجازت شرع حامد اور احمد بن محمد سے جو متولی قرار پائے گا اسے ترک تولیت بعض بر مصالحہ صرف بشرائط مذکورہ جائز ٹھہرے گا والالا، بالجملہ وصیت نامہ صحیح ہو کماھو الحق یا باطل کمافرض، بہر طور صحت صلحنامہ وترک تولیت بعض اسی تفویض عام اور اختیار تام کے ثبوت پر متوقف،

لما تقرر من ان النظار اذا لم یکونوا مرضی بمرض الموت فهم کمثل الوکلاء لیس لهم ان یعزلوا انفسهم الابخیرة من الواقف اوالقاضی اوثبوت التفویض العام الیهم کماصرح به فی الدر المختار ورد المحتار وغیرهما من الاسفار وهذا کله واضح عند من له اجالة نظر فی کلمات القوم۔	بسبب اس کے جو ثابت ہو چکا ہے کہ متولی جب تک مرض الموت میں مبتلا نہ ہوں وہ وکیلوں کی طرح ہیں انہیں یہ اختیار نہیں کہ وہ خود کو معزول کرلیں جب تک واقف یا قاضی کی طرف سے انہیں ایسا کرنے کا اختیار نہ ہو یا جب تک انہیں تولیت کی تفویض عام نہ ہو۔ جیسا کہ در مختار اور ردالمحتار وغیرہ ضخیم کتب میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ اور یہ تمام ہر اس شخص پر روشن وواضح ہے جس کی نظر قوم کے کلام کے نتائج پر ہے۔(ت)

[1] بحر الرائق کتاب الوقف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۳۴، ردالمحتار بحوالہ بحر الرائق کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۲

اور متولی وقف کو وصیت تولیت کا مطلقاً اختیار ہے خواہ نظار پیشیں میں ایسی وصیت کا رواج ہو یا نہ ہو حتی کہ یکے بعد دیگرے ہزار متولی گزرے اور ان میں کسی نے تولیت کی وصیت نہ کی تاہم متولی حال کو اختیار وصیت حاصل ہے۔ فتح القدیر و بزازیہ و والولجیہ ومجتبٰی وسراجیہ وخانیہ وتاتارخانیہ وذخیرہ برہانیہ واشباہ النظائر وشروح حموی وبیری ودرمختار وحواشی طحطاوی وشامی وعقوددریہ و فتاوٰی خیریہ وہندیہ وغیر ذلک عامہ کتب میں اس مسئلہ کی تصریح اور اس سے بحث کرتے ہیں کوئی تحقیق تعامل کی قید نہیں لگاتا۔

والفتاوی الخیریة افصح بیانا واوضح تبیانا لذٰلک، حیث قال بعد نقل المسئلة عن التتارخانیة والبزازیة وعزوہ الی کثیر من الکتب حتی قال فی الخانیة والظھیریة وغیرھما والعبارة للخانیة ولو ان الواقف جعل رجلا متولیا و شرط انه ان مات ھذا المتولی لیس له ان یوصی الٰی غیرہ جازھذا الشرط انتھٰی، والفقیه یفھم من ھذہ العبارة الابلغیة فی اثبات الولایة لوصی الناظر المذکور اذ التنصیص علٰی جواز الشرط لدفع توھم یطرأ علیه بعدم الجواز کما یدریه من اکثر من معاشرة نفائس ابکار عباراتھم، اذ مثل ذٰلك یقال فی مثل ھذہ المسائل التی کثر نقلھا ودورانھا بینھم، حتی کانھا مقررة فی علم کل فقیه فیستغنی عن ذکرھا بذکر مایتفرع علیھا ویتشعب منھا وھٰذہ المسئلة کذٰلك

فتاوٰی خیریہ اس مسئلہ میں زیادہ فصیح بیان اور واضح تفصیل والا ہے، جہاں اس نے تاتارخانیہ اور بزازیہ سے مسئلہ نقل کرنے کے بعد کہا اور اس کو علماء نے بہت سی کتابوں کی طرف منسوب کیا ہے یہاں تک کہ خانیہ اور ظہیریہ وغیرہ میں جبکہ عبارت خانیہ کی ہے اگر واقف نے کسی شخص کو متولی بناتے ہوئے شرط لگائی کہ یہ متولی مرتے وقت غیر کے لئے ولایت کی وصیّت نہیں کرسکتا تو یہ شرط جائز ہے، انتہی۔ اور فقیہ اس عبارت سے متولی مذکور کے وصی کے لئے اثبات ولایت میں مبالغہ سمجھتا ہے اس لئے کہ جواز شرط پر نص کرنا اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے جو اس کے عدم جواز پر طاری ہوتا ہے جیساکہ عمدہ ونفیس عبارات علماء سے زیادہ ممارست رکھنے والا شخص اس کو جانتا ہے، اور یونہی کہا جاتا ہے اس قسم کے مسائل میں جو علماء کے درمیان بکثرت منقول اور دائر ہیں، یہاں تک کہ ہر فقیہ کے علم میں وہ اس طرح پختہ ہوگئے ہیں ان کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جبکہ ان اصول کو ذکر کردیا جائے جن سے یہ مسائل متفرع ومستنبط ہوتے ہیں، اور یہ مسئلہ بھی ایسا ہی ہے

فان کتب المذھب طافحۃ بھا[1] الخ۔	کیونکہ ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں الخ۔(ت)

تقریر علماء سے واضح کہ اگر شروط واقف اس کے ذکر سے عاری ہوں تاہم یہ اختیار قیم کو حاصل، پھر عدم تعامل کیا مضر ہوسکتا ہے،

لان التعامل لایعتمد علیه الا لکونه مظن شرط الواقف کما صرح به فی الذخیرۃ والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا من الاسفار۔	اس لئے کہ تعامل پر اعتماد نہیں کیا جاتا مگر اس کے لئے کہ وہاں شرط واقف پائے جانے کا گمان ہوتا ہے جیسا کہ ذخیرہ، خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔(ت)

بلکہ کلمات علماء موضح کہ یہ اختیار دلالۃً مشروط ہے گو صراحۃً مذکور نہ ہو پھر تعامل وعدم تعامل کی کیا حاجت ہے۔

قال العلّامۃ السید الطحطاوی فی حاشیۃ علی الدر المختار، وجه الاستحسان ان الاول لما اوصی الیه فقد علم ان الوصی لایعیش ابدا ولم یحب ان تکون امورہ ضائعۃ فصار کانه اذن له بان یوصی الٰی غیرہ بطریق الدلالۃ وان لم یاذن له بالافصاح ولوکان اذن له بالافصاح جاز له ان یوصی الٰی غیرہ فکذٰلك اذا اذن له بالدلالۃ[2] الخ **قلت** ومعلوم ان المتولی کالوصی کما فی جامع الفصولین والاشباہ وکذا بالعکس کما فی العقود الدریۃ والوقف والوصیۃ اخوان یستقیان من مورد واحد وینزع مسائل احدھما	علامہ سید طحطاوی نے درمختار کے حاشیہ میں فرمایا استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جب پہلے وصی نے دوسرے کو وصیت کی تو اسے یقین ہوگیا کہ وصی ہمیشہ زندہ نہیں رہے گا اور اس نے اس بات کو پسند نہ کیا کہ وقف کے معاملات ضائع ہوجائیں تو گویا اس کی طرف سے بطور دلالت غیر کو وصی بنانے کی اجازت ہوگئی اگرچہ اس نے صراحۃً اس کی اجازت نہیں دی۔ اگر وہ صراحۃً اجازت دیتا ہے تو اس کے لئے غیر کو وصی بنانا جائز ہوتا، پس یہی حکم بطور دلالت اجازت کی صورت میں بھی ہوگا الخ **میں کہتا ہوں** یہ بات معلوم ہے کہ متولی وصی کی مثل ہے جیسا کہ جامع الفصولین اور اشباہ میں ہے۔اسی طرح اس کا عکس ہے جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے اور اسی طرح وقف اور وصیت ایک دوسرے کے مُشابہ ہیں ایک ہی گھاٹ سے سیراب ہوتے ہیں اور ایک کے مسائل

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۲

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۳۴۰

من الاٰخر کما فی عدۃ مواضع من الخیریۃ والعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ۔	دوسرے سے اخذ کئے جاتے ہیں جیساکہ خیریہ اور عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کے متعدد مقامات پر مذکور ہے۔(ت)

اور نظر دقیق حاکم کہ اس نفس وصیت کو مخالف تعامل سمجھنا ہی محض باطل کہ منافات فعل اور کف میں ہے نہ فعل وترک بمعنی عدم وقوع فعل میں، کماھو المقرر فی اصولنا معشر اھل السنۃ والجماعۃ (جیسا کہ ہمارے یعنی اہل سنت وجماعت کے اصول میں مقرر ہے۔ت) یہاں تک کہ ہمارے ائمہ کالعلامۃ المحقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدّین محمد بن الھمام والفاضل الشیخ زین بن نجیم المصری وغیرھما (جیسا کہ علامہ محقق علی الاطلاق کمال الملۃ والدین محمد بن ہمام اور عظیم فاضل شیخ زین بن نجیم مصری اوران دونوں کے علاوہ دیگر علماء۔ت) تصریح فرماتے ہیں کہ ترک بمعنی مذکور زیر قدرت عبد داخل نہیں۔

وھذا نص الاشباہ فی المبحث الاول فی حد النیۃ من القاعدۃ الثانیۃ بعد ذکر معناھا اللغوی وفی الشرع کما فی التلویح قصد الطاعۃ والتقرب الی اللہ تعالٰی فی ایجاد الفعل انتھی ولایرد علیہ النیۃ فی التروک لانہ کما قدمناہ لایتقرب بھا الااذاصار الترک کفا وھو فعل وھو المکلف بہ فی النھی لاالترک بمعنی العدم لانہ لیس داخلا تحت القدرۃ للعبد کما فی التحریر[1] انتھی۔	یہ نص ہے اشباہ کی جو مبحث اول میں نیت کی تعریف کی تعریف کے بارے میں ہے، قاعدہ ثانیہ میں نیت کا لغوی معنی بیان کرنے کے بعد مذکور ہے، اور اصطلاح شرع میں جیساکہ تلویح میں ہے نیت کہتے ہیں ایجاد فعل میں طاعت اور اللہ تعالٰی کا تقرب حاصل کرنے کا قصد کرنا، اور اس تعریف پر ترک فعل کی نیت کے ساتھ اعتراض وارد نہیں ہوتا کیونکہ جیساکہ ہم پہلے بیان کرچکے کہ اس کے ساتھ تقرب حاصل نہیں کیا جاسکتا مگر اس وقت جب ترک بمعنی کف یعنی رکنا ہو اور وہ فعل ہے اور نہی میں بندے کو اسی کے ساتھ مکلّف بنایا جاتا ہے نہ کہ ترک بمعنی عدم اس لئے کہ وہ بندے کی قدرت میں داخل نہیں جیساکہ تحریر میں ہے انتہی۔(ت)

اور جب ایسا ہو تو اس میں اتباع غیر مقدور اور جہاں اتباع ناممکن مخالفت کا کیا محل،

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۶

قلت وبهذا لم یحرم علینا فعل کل مالم یفعله النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولاالاصحاب ولا التابعون اذ لیس کل ترك کفا وانما التاسی فی الکف فالمعیار هو الغرض علی قواعد الشرع فما حسّنه فهو حسن وماقبحه فهو قبیح هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق۔	میں کہتاہوں اس سے ثابت ہوا کہ ہم پر ہر وہ فعل حرام نہیں جس کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، آپ کے صحابہ اور تابعین نے نہ کیا ہو کیونکہ ہر ترک کف نہیں اور بیشک اقتداء توکف یعنی منع کرنے میں ہے۔ چنانچہ معیار قواعد شرع پر انحصار ہے جس چیز کو شرع نے حسن قرار دے دیا وہ حسن اور جس کو قبیح قرار دے دیا وہ قبیح ہے۔ ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی توفیق کامالک ہے۔ (ت)

ہاں اگر شرط واقف میں تصریح منع ہے کہ متولیوں کو اختیار وصیت نہیں تو بیشک اب وصیت روا نہ رہے گی

لان الصریح یفوق الدلالة[1] کما مر عن الخانیة و الظهیریة وغیرهما قلت یعنی اذا کان الوقف صحیحا شرعیا بحسب مراعاة شروطه. والله سبحانه وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عزشانه احکم و صلی الله تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد وآله وصحبه وبارك وسلم۔	اس لئے کہ صریح دلالت سے برتر ہے جیساکہ خانیہ، ظہیریہ وغیرہ سے گزر چکا۔ میں کہتاہوں مراد اس سے یہ ہے کہ جب وقف شرعی طور پر صحیح ہو اس کی شرطوں کی رعایت کرنے کے اعتبار سے، اللہ پاک اور بلند وبرتر خوب جانتاہے اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے سردار اور آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کی آل اور اصحاب پر اور برکت وسلام نازل فرمائے (ت)

مسئلہ ۱۰۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فالج ایک سال کے بعد مرض الموت رہتاہے یانہیں اور بعض کتب میں جو عدم خوف موت کی قید ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جمہور ائمہ کے نزدیک فالج ودق وسِل وغیرہا امراض مزمنہ جب ایک سال تک تطاول کریں مرض الموت نہیں رہتے اور ایسے مریض کے تمام تصرفات شرعاً مثل صحیح کے ہیں مختصراً امام مجتہد علامہ ابو جعفر طحاوی اور فتاوٰی امام قاضی خاں اور فتوی امام ابو العباس شماس اور امام عبداللہ جرجانی اور امام شمس الائمہ حلوانی اور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۷

فتاوٰی التمرتاشی اور جامع الفتاوٰی اور فصول عمادیہ اور درر علامہ خسرو اور مفتاح اور غمزالعیون علامہ احمد حموی اور مجتبٰی زاہدی اور فتاوٰی خیریہ اور درمختار اور حاشیہ علامہ حلبی اور ردالمحتار علامہ شامی اور فتاوٰی حامدیہ اور عقود الدریہ اور فتاوٰی ہندیہ وغیرہا متون وشروح وفتاوٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے یہاں تک کہ علامہ محمد بن عابدین افندی شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے متون وشروح کے اطلاق وعموم پر نظر فرماکر حاشیہ درمختار میں تصریح کردی کہ اگر فالج وغیرہ امراض مذکورہ ایک سال کے بعد صاحب فراش بھی کردیں اور مریض چلنے پھرنے سے معذور مطلق ہوجائے جب بھی اسے مرض موت نہ کہا جائے گا کیونکہ ایک سال تک تطاول ہوگیا،

حیث قال، قال فی المعراج، وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذٰلك علٰی ان یقدر ان یذهب فی حوائج نفسه خارج الدار اھ اقول: والظاهر انه مقید بغیر الامراض المزمنة التی طالت ولم یخف منه الموت کالفالج ونحوه وان صیرته ذافراش ومنعته عن الذهاب فی حوائجه فلا یخالف ماجرٰی علیه اصحاب المتون والشرح هنا تامل[1] انتهٰی ملخصاً۔	جہاں فرمایا کہ معراج میں کہا ہے صاحب منظومہ سے مرض الموت کی حد کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا ہمارا اعتماد اس مسئلہ میں اس بات پر ہے کہ مریض اپنی حاجات کے لئے گھر سے باہر نہ جاسکے الخ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم دیر تک رہنے والی بیماریوں کے غیر کے ساتھ مقید ہے جو لمبی ہوجاتی ہیں اور ان میں موت کا خوف نہیں ہوتا جیسے فالج وغیرہ، اگرچہ وہ مریض کو صاحب فراش بنادیں اور اسے حاجات کے لئے نکلنے سے روک دیں۔ یہ بات اس کے مخالف نہیں جس پر اصحاب متون اور شارحین چلے۔ غور کرو انتہی، تلخیص (ت)

اور وہ جو بعض کتب میں عدم خوف موت کی قید ہے بہت علماء مثل صاحب مفتاح وعلامہ احمد حموی شارح اشباہ وعلامہ ابراہیم حلبی وعلامہ امین الملۃ والدین شامی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ یہ کوئی قید احترازی نہیں بلکہ بعد تطاول ان امراض کے حال کی شرح ہے یعنی جب سال گزر جاتا ہے توان امراض سے وہ خوف نہیں رہتا جسے شرع مرض الموت میں اعتبار کرتی ہے۔

قال فی الفتاح، ان تطاول ذٰلك فلم یخف منه الموت هٰذه الجملة	مفتاح میں کہا کہ اگر وہ بیماری لمبی ہوجائے تو اس سے موت کا خوف نہیں رہتا۔ یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کے لئے

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

ای الاخیرة وقعت موضحة للجملة الشرطیة[1] اھ ونقله الائمة المذکورون واقروا علیه۔	وضاحت کرنے والا ہے اس کو ائمہ مذکورہ نے نقل فرمایا اور اس کو برقرار رکھا۔(ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

لیس قوله ولم یخف منه الموت تقییدا بل بیانا لحال ذٰلك المرض عند طوله۔[2]	اس کا قول تو اس سے موت کا خوف نہ ہو یہ تقیید نہیں بلکہ بیماری کے لمبا ہوجانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔(ت)

اور اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں تخصیص کی کہ فالج وغیرہ امراض جو اول اول شروع ہوتے ہیں تو اس وقت خوف ہلاک ہوتا ہے،

حیث قال والمقعد والمفلوج والاشل والمسلول اذا تطاول ذٰلك فصار بحال لایخاف منه الموت فھو کالصحیح حتی تصح ھبته من جمیع المال واما فی اول ما اصابه اذا مات من ذٰلك فی تلك الایام وقد صار صاحب فراش فھو مریض یخاف به الھلاك[3] انتھی ملخصًا قوله فصار بحال یخاف منه الموت الفاء للتفریع یعنی ان التطاول یتضرع علی عدم الخوف بل اذا قید فی الاٰخر باول ما اصابه۔	جہاں فرمایا کہ اقعاد، فالج، لنج اور تپ دق کے مریضوں کی بیماری جب لمبی ہوجائے اور وہ اس حال میں ہوجائیں کہ موت کا خوف نہ رہے تو وہ صحت مند کے حکم میں ہیں یہاں تک کہ ان کا تمام مال کو ہبہ کردینا صحیح ہے لیکن جب شروع میں یہ بیماریاں لاحق ہوں تو وہ اسی بیماری کی وجہ سے انہی دنوں میں مرجائے تحقیق وہ صاحب فراش ہوا ایسی بیماری میں مبتلا ہو کہ جس سے موت کا خوف ہوتا ہے انتہی تلخیص، اس کا قول کہ "وہ مریض اس حال میں ہوجائے کہ خوف موت نہ رہے، اس میں فصار پر فاء تفریع کے لئے ہے یعنی بیماری کے لمبے ہونے پر عدم خوف متفرع ہوتا ہے(ت)

اور اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیسے بعض کا قول ہے تاہم نفس خوف موت بالاجماع کافی نہیں کیونکہ اس قدر

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار بحواله الحموی کتاب الوصایا المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار بحواله الحموی کتاب الوصایا المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[3] الفتاوٰی الھندیة کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالة الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۹

سے تو کوئی مفلوج ومدقوق ومسلول کبھی خالی نہیں ہوتا اگرچہ سالہاسال گزرجائیں پھر اس قید کے لگانے سے کیا فائدہ ہوگا بلکہ اعلٰی درجہ کا خوف واندیشہ شدید درکار ہے۔

فی ردالمحتار عن الکفایۃ ثم المراد من الخوف الغالب منہ لانفس الخوف۔[1]	ردالمحتار میں کفایہ کے حوالے سے منقول ہے، پھر خوف سے مراد اس کا غلبہ ہے نہ کہ نفس خوف۔(ت)

اور اس خوف کی امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی وغیرہ علماء نے یوں تفسیر کی کہ جب ان امراض سے یہ نوبت پہنچے کہ اپنی حوائج کے لئے گھر سے باہر نہ نکل سکے تو اس وقت خوف موت کہا جائے گا۔

فی تنویر الابصار من غالب حالہ الھلاک بمرض او غیرہ بان اضناہ مرض عجزبہ عن اقامۃ مصالح خارج البیت۔[2]	تنویر الابصار میں ہے کہ غالب حال اس کا ہلاکت ہو بیماری سے یا اس کے غیر سے اس طورپر کہ بیماری نے اس کو اسی قدر کمزور کردیا ہو جس سے گھر کے باہر وہ اپنے معاملات و ضروریات قائم رکھنے سے عاجز ہوگیا ہو۔(ت)

درمختار میں ہے:

ھو الاصح کعجز الفقیہ عن الاتیان الی المسجد[3]۔	یہی زیادہ صحیح ہے جیسے فقیہ مسجد کی طرف آنے سے عاجز ہو جائے۔(ت)

اور اس قید کے لگانے کے بعد بھی امام شامی فرماتے ہیں:

فان قلت ان مرض الموت ھو الذی یتصل بہ الموت فما فائدۃ تعریفہ بما ذکر قلت فائدتہ ان قد تطول سنۃ فاکثر کما یأتی فلایسمی مرض الموت وان اتصل	اگر تُوکہے کہ مرض الموت تو وہ ہے جس کے ساتھ موت مقترن ہو۔ پھر موت کی یہ تعریف جو ذکر کی گئی اس کا کیا فائدہ ہے۔ **میں کہتا ہوں** کہ بیماری کبھی سال یا اس سے زائد عرصہ تک لمبی ہوجاتی ہے جیسا کہ آرہا ہے تو اس بیماری کو مرض الموت نہیں

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۵

بہ الموت۔[1]	کہا جاتا اگرچہ اس کے ساتھ موت مقترن ہوجائے (ت)

اوراس خوف کی دو تمثیلیں درمختار میں یہ لکھیں کہ جہاز پر سوار تھا جہاز ٹوٹ گیا ایک تختہ پر بہتارہ گیا یا شیر نے حملہ کیا اور اسے اپنے منہ میں لے لیا توجب تک اس کے منہ میں ہے وہ وقت اس خوف کا ہے۔

حیث قال اوبقی علی لوح من السفینۃ اوافتراسہ سبع وبقی فی فیہ۔[2]	جہاں فرمایا کہ وہ کشتی کے ایک تختہ پر پڑا رہ گیا یا کسی درندے نے اس کو اپنے منہ میں لے لیا اور ابھی تک اسی حال میں باقی ہے۔ (ت)

بالجملہ مجرد خوف بالاجماع کافی نہیں بلکہ اس قسم کا خوف ہونا چاہئے جیسے گھڑی ساعت کا نقشہ کہتے ہیں وہ مرض مرض الموت گنا جائے گا اور یہ بات اسی وقت ہے جب صاحب فراش ہوجائے یا گھر سے باہر نکلنے کی طاقت نہ رہی مثلاً عالم ہو تو مسجد تک نہ جا سکے، اسی طرح ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے نقل کرتے ہیں۔

من بہ بعض مرض یشتکی منہ وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق و یقضی مصالحہ لایکون بہ مریضا مرض الموت وتعتبر تبرعاتہ من کل مالہ واذا باع لوارثہ اووھبہ لایتوقف علی اجازۃ باقی الورثۃ۔[3]	جس شخص کو کچھ بیماری ہے جس کی شکایت وہ کرتا ہے اور بسااوقات وہ بازار کی طرف نکلتا ہے اور اپنے امور سرانجام دیتا ہے، اس سے وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہوتا، چنانچہ اس کے تمام مال میں اس کے تبرعات معتبر ہوں گے، جب وہ کسی وارث سے بیع کرے یا اس کو کچھ ہبہ کرے تو یہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا (ت)

اور فتاوٰی خیریہ میں ہے:

حیث کان بالوصف المذکور وھوانہ ای المرض لا یمنع الخروج لقضاء حوائجہ فھبتہ لاحد اولادہ وبیعہ لبقیتھم بالغبن مطلقاً صحیح نافذ باجماع علمائنا	جب وہ وصف مذکور سے متصف ہے اور اس کا مرض اسے اپنی ضرورت کی ادائیگی سے نہیں روکتا تو اس کا اپنی اولاد میں سے کسی ایک کے لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کیلئے بیع کرنا مطلقاً بالاجماع صحیح اور

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰ و ۵۲۱

[2] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۶

[3] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۶۱

صرحوا به فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج [1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح فرمائی جیسے دِق، سل اور فالج وغیرہ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو عارضہ فالج ہوااور وہ عروض عارضہ کے ساڑھے تین برس بعد یاہبہ یا کوئی تصرف وارث یا غیر وارث کسی کے نام کرے تو وہ تصرف شرعًا جائز رہے گا یا نہیں اور مرض شرعًا مرض الموت قرار پائے گا یا غیر؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ہمارے ائمہ کرام نے فالج ودِق وسِل وغیرہا امراض مزمنہ کے مرض الموت ہونے کے لئے سال بھر کی حد مقرر فرمائی ہے اگر اس کے اندر موت ہو تو وہ مرض الموت قرار پاتے ہیں اور جب ایک سال سے تجاوز ہو جائے تو اس مریض کا حکم شرعًا بعینہٖ مثل صحیح وتندرست کے ٹھہرتا ہے اور جو کچھ تصرفات بیع خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث خواہ غیر وارث کسی کے نام کرے مثل تصرفات صحیح کے صحیح ونافذ قرار پاتا ہے۔

فی الفتاوٰی للامام قاضی خان، اذا تصرف بعد سنة فهو کالصحیح یجوز تصرفاته انتهی [2]۔ وفی الفتاوٰی العالمگیریة عن فتاوٰی التمرتاشی، فسّر اصحابنا التطاول بالسنة فاذا بقی علی هذه العلة سنة فتصرفه بعد سنة کتصرفه حال صحته [3] وفی الطحاوی فی مختصره وفی العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة للعلامة	امام قاضی خان کے فتاوٰی میں ہے جب مریض نے ایک سال بعد تصرف کیا تو وہ صحیح کی مثل ہے اور اس کے تصرفات جائز ہیں، انتہی۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوٰی تمرتاشی مذکور ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے، اگر وہ اس بیماری پر ایک سال قائم رہا تو سال کے بعد اس کے تصرفات ایسے ہی ہوں گے جیسے تصرفات وہ حالت صحت میں کرتا تھا۔ طحاوی اس کی مختصر اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ

[1] الفتاوی الخیریہ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۲۸

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفۃ رجل الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۰

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۶۳

الشامی رحمه الله تعالٰی فسّر التطاول بسنة فلو تصرف بعد سنة من مرضه فهو کتصرفاته حال الصحة هٰکذا کان شیخنا ابوعبدالله الجرجانی یقول هذا اللفظ الواقعات وبهذا اللفظ اورده فی جامع الفتاوی عمادیة[1] الخ۔وفی الفتاوی الخیریة لنفع البریة المصرح به فی غیر ما کتاب من کتب ابی حنیفة ان المقعد والمفلوج والمسلول اذا اتصف کل داء منهم بالطول فحکم تصرف کل واحد منهم حکم تصرف الصحیح کما صرح به فی الجامع الصغیر فکان هو الصحیح فاذا علمت ذٰلك علمت ان المدة المذکورة فوق ماقدروه اضعافا فان اصحابنا قدروالمرض یطول بعام والمدة سبعة اعوام والاشهر الزوائد وقع زائدها الیها مضافا لاسیما مع کونه یخرج ویجیئ فی حوائجه ویقضی من ذٰلك بعض مصالحه فاذا ثبت ذٰلك لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ماصدر منه مع زوجته واذا تعارضت بیّنة

طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے اگر اس نے سال کے بعد حالت مرض میں تصرف کیا تو وہ اس کے حالت صحت میں کئے ہوئے تصرفات کی مثل ہے۔ہمارے شیخ ابوعبدالله جرجانی یونہی فرماتے تھے،یہ لفظ واقعات کے ہیں،اورانہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج،مفلوج اور سِل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہوجائے تو ان میں سے ہرایک کا تصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویا کہ وہ صحت مند ہے۔جب تُو نے یہ جان لیا تو سمجھ لیا ہوگا کہ مدت مذکورہ ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ ہمارے علماء نے طوالت مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدت مذکورہ سات سال اور کچھ ماہ مزید ہے،یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصًا جبکہ مریض گھر سے نکلتا اور اپنی ضروریات کے لئے آتا جاتا ہے اور بعض ضروریات کو ادا کرتا ہے،جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہوگیا تو کچھ معاملہ اس مریض کا اپنی بیوی کے ساتھ صادر ہوا وہ صحیح ہوگا۔اگر صحت و مرض کے گواہوں میں

[1] العقود الدریة کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ٦٦

الصحة والمرض فالبينة الصادرة من الزوجة بانه كان فی صحته مرجحة لانها المدعية والورثة ينكرون و البينة للمدعی لاللمنكر صرح به غیرماواحد من علمائنا وحيث طال مابه واتصف بما فهنا به نفذ جميع تصرفه مع الزوجة باتفاق اهل المذهب وائمته والنظر الی العمل بعبارة المكلف اولی من اهدارها و الحاقة بالحيوانات وكلامه بجوارها والله اعلم [1]۔وفی الدرر للعلامة خسرو هٰذه امراض مزمنة فمن عرض له واحدمنها وتصرف بشیئ من التبرعات ثم مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة كان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعدتمامها لم يكن مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول التی كل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احكام المرض حتّی	تعارض ہو تو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کیے گئے گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر ہیں جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ہمارے متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔جب اس کی بیماری طوالت اختیار کی گئی اور وہ سال سے بڑھ گئی تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ ہوگئے۔اس پر تمام اہل مذہب اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے۔مکلّف کی عبارت قابل عمل بنانا اس کو لغو قرار دے کر مکلّف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے اولٰی ہے،اوراللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔علامہ خسرو کی درر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں اگر کسی کو کوئی لاحق ہوجائے اور وہ حالت مرض میں تبرعات میں کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو چار موسموں پر مشتمل سال پورا ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار پائے گی اور ایک تہائی مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے۔اور اگر وہ بیمای کو سال پورا ہونے کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی اس لئے کہ جب وہ چاروں موسموں میں سلامت رہا حالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی،چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الدعوی دار المعرفة بیروت ۲/ ۷۶ و ۷۷

لایشتغل بالتداوی [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑدیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۶ : کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگرایک شخص کو فالج ہوکہ ہاتھ پاؤں بالکل رہ جائیں اورزبان تکلم پر قادرنہ ہوپھرعلاج سے دست وپامطلقاً صحیح ہوجائیں اورزبان بھی تعبیر مطلب سے عاجزنہ ہواپنی حوائج کے لئے اندر باہرآئے جائے چلے پھرے سفرکرے صرف زبان پربقیہ مرض کے سبب گونہ ثقل تکلم باقی ہواور حدوث مرض کو ساڑھے تین برس گزرچکے ہوں ایسی حالت میں وہ کوئی تصرف بیع یا ہبہ یاکچھ اوروارث خواہ غیروارث کے نام کرے تو وہ تصرف شرعاً صحیح ونافذ قرارپائے گایانہیں اورایک سال گزرنے کے بعد فالج مرض الموت رہتاہے یانہیں؟ اوربعض نے جو قید عدم خوف موت کی لگائی ہے اس کے کیامعنی ہیں؟ بیّنواتوجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ شخص بالاجماع شرعاً صحیح وتندرست ہے اوراس کے تمام تصرفات کیسے ہی ہوں اورکسی کے ساتھ ہوں مثل تصرفات صحیح مطلق صحیح نافذ، کہ اول عامہ کتب میں سال گزرنے کے بعد فالج ودِق وسِل وغیرہ کومرض موت قرارہی نہ دیااورسائل کہتاہے کہ یہاں ساڑھے تین برس گزرچکے تھے،

فی الفتاوی الامام قاضیخان اذاتصرف بعد سنة فھو کالصحیح یجوز تصرفاته [2] انتھٰی، وفی الفتاوی العالمگیریة عن فتاوی التمرتاشی فسر اصحابنا التطاول بالسنة فاذا بقی علی ھذہ العلة سنة فتصرفه بعد سنة کتصرفه حال	فتاوٰی امام قاضی خان میں ہے کہ مریض جب سال بعد تصرف کرے تو وہ صحت مند کی طرح ہے اوراس کے تصرفات جائز ہیں،انتہی۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں بحوالہ فتاوٰی تمرتاشی ہے ہمارے علماء نے طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی ہے۔جب مریض ایک سال تک بیماری پر قائم رہاتوسال کے بعداس کے تصرفات اس کی حالت صحت میں کیئے ہوئے تصرفات

[1] الدررالحکام شرح غررالاحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳۲،۴۳۱

[2] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفة الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۰

صحتہ[1]، وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ معنی قولہ طال ذٰلک ارادبہ سنۃ وکذا صاحب السل اذا اتی علیہ سنۃ فھو بمنزلۃ الصحیح ھٰکذا ذکر عن ابی العباس الشماس وکذا ذکر الطحاوی فی مختصرہ[2] وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ للعلامۃ الشامی رحمۃ اللہ علیہ فسر التطاول بسنۃ فلوتصرف بعد سنۃ من مرضہ فھو کتصرفاتہ حال الصحۃ ھکذا کان شیخنا ابو عبد اللہ الجرجانی یقول ھذا لفظ الواقعات بھذا اللفظ اوردہ فی جامع الفتاوی عمادیۃ[3] الخ، وفی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ المصرح بہ فی غیر ما کتاب من کتب الحنفیۃ ان المقعد والمفلوج والمسلول اذا اتصف کل داء منھم بالطول فحکم تصرف الصحیح کما صرح بہ فی جامع الصغیر فکان ھو الصحیح فاذا علمت ذٰلک علمت ان

کی مثل ہے۔ العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے۔ اس کے قول "اس کی بیماری لمبی ہوگئی" کا معنی یہ ہے کہ اس کو سال ہوگیا۔ یونہی سل کی بیماری والے کو جب حالت مرض میں سال گزر جائے تو بمنزلہ صحتمند کے ہے، یوں ہی مذکور ہے ابوالعباس الشماس سے، اور اسی طرح امام طحاوی نے اپنی مختصر میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ علامہ شامی کی تصنیف العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ طوالت مرض کی تفسیر ایک سال کے ساتھ کی گئی ہے۔ للذا اگر کوئی اپنی بیماری کے سال بعد تصرف کرے تو حالت صحت میں تصرفات کی مثل ہوگا۔ یونہی ہمارے شیخ ابوعبداللہ جرجانی کہا کرتے تھے۔ یہ لفظ واقعات کے ہیں اور ان ہی لفظوں کے ساتھ جامع الفتاوی عمادیہ میں وارد ہے الخ۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے کہ مخلوق کے نفع کے لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی متعدد کتب میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ اپاہج، مفلوج اور سِل کا مریض جب لمبی بیماری میں مبتلا ہوجائے تو ان میں سے ہر ایک کا تصرف صحتمند شخص کے تصرف کی مثل ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تصریح جامع صغیر میں ہے گویا کہ وہ صحتمند ہے۔ جب تُو نے یہ جان لیا تو سمجھ لیا ہوگا کہ مدت مذکورہ

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الطلاق الباب الخامس نورانی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۶

[3] العقود الدریۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۶۶

المدة المذکورة فوق ماقدروہ اضعافا فان اصحابنا قدروا المرض الذی یطول بعام والمدة سبعة اعوام والاشھر الزوائد وقع زائدھا الیھا مضافا لاسیما مع کونه یخرج ویجیئ فی حوائجه ویقضی من ذٰلك بعض مصالحه فاذا ثبت ذٰلك لدی الحاکم الشرعی صح جمیع ماصدر منه مع زوجته واذا تعارضت بینة الصحة والمرض فالبینة الصادرة من الزوجة بانه کان فی صحة مرجحة لانھا المدعیة والورثة ینکرون والبینة للمدعی لاللمنکر صرح به غیرما واحد من علمائنا وحیث طال مابه واتصف بما فھنا به نفذ جمیع تصرفه مع زوجته باتفاق اھل المذھب وائمته والنظر الی العمل بعبارة المکلف اولی من اھدارھا والحاقة بالحیوانات وکلامه بحوارھا[1] واللہ اعلم۔ وفی الدرر للعلامة خسروھٰذہ امراض مزمنة فمن عرض له واحد منھا وتصرف بشیئ من التبرعات ثم	ہمارے اصحاب کی مقرر کردہ مدت سے کئی گنا زیادہ ہے کیونکہ ہمارے علماء نے طوالت مرض کی مدت ایک سال مقرر کی ہے جبکہ مدت مذکورہ سات سال اور کچھ ماہ مزید ہے، یہ زیادتی مدت مذکورہ سے کئی گنا ہے خصوصًا جبکہ مریض گھر سے نکلتا اور اپنی ضروریات کے لئے آتا جاتا ہے اور بعض ضروریات کو ادا کرتا ہے۔ جب حاکم شرعی کے پاس یہ ثابت ہوگیا تو کچھ معاملہ اس مریض کا اپنی بیوی کے ساتھ صادِر ہوا وہ صحیح ہوگیا۔ اگر صحت ومرض کے گواہوں میں تعارض ہو تو بیوی کی طرف سے صحت پر پیش کئے گئے گواہوں کو ترجیح ہوگی کیونکہ بیوی مدعیہ اور ورثاء منکر ہیں، جبکہ گواہ مدعی کے ہوتے ہیں نہ کہ منکر کے۔ ہمارے متعدد علماء نے اس کی تصریح کی ہے، جبکہ اس کی بیماری طوالت اختیار کرگئی اور وہ سال سے بڑھ گئی تو بیوی کے ساتھ اس کے تمام تصرفات نافذ ہوگئے۔ اس پر تمام اہل مذہب اور ائمہ مذہب کا اتفاق ہے۔ مکلّف کی عبارت قابل عمل بنانا اور کو لغو قرار دے کر مکلّف کو حیوانات اور اس کے کلام کو جانوروں کی آواز کے ساتھ ملحق کرنے سے اولٰی ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اور علامہ خسرو کی درر میں ہے یہ لمبی بیماریاں ہیں ان میں سے اگر کوئی کسی کو لاحق ہوجائے اور وہ طوالت مرض میں تبرعات میں

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الدعوی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۷۶ و ۷۷

مات قبل تمام سنة مشتملة علی الفصول الاربعة کان المرض مرض الموت فتعتبر تصرفاته من الثلث وان مات بعد تمامها لم یکن مرض الموت لانه اذا سلم فی الفصول وفی کل منها مظنة الهلاك صار المرض بمنزلة طبع من طبائعه وخرج صاحبه من احکام المرض حتی لایشتغل بالتداوی۔[1]	کچھ تصرف کرے پھر بیماری کو چار موسموں پر مشتمل سال پورا ہونے سے پہلے وہ مرجائے تو اس کی بیماری مرض الموت قرار پائے گی اور ایک تہائی سال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے۔ اور اگر وہ بیماری کو سال پورا ہونے کے بعد مرا تو اس کی یہ بیماری مرض الموت نہ ہوگی، اس لئے کہ جب وہ چاروں موسموں میں سلامت رہا حالانکہ ان میں سے ہر ایک میں ہلاکت کا گمان تھا تو گویا یہ بیماری اس کے طبائع میں سے ہوگئی چنانچہ اس بیماری والا مرض کے احکام سے خارج ہوگیا یہاں تک کہ اس نے علاج کرانا بھی چھوڑ دیا (ت)

یہاں تک کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اطلاق متون وشروح پر نظر کرکے تصریح فرمادی کہ فالج وغیرہ کو بعد تطاول وازمان مرض موت نہ کہنا چاہئے اگرچہ صاحب فراش ہو اور چلنے پھرنے سے معذور کردیں،

حیث قال فی المعراج وسئل صاحب المنظومة عن حد مرض الموت فقال اعتمادنا فی ذٰلك علی ان لایقدر ان یذهب فی حوائج نفسه خارج الدار، اھ **اقول:** والظاهر انه مقید بغیر الامراض المزمنة التی طالت و لم یخف منها کالفالج ونحوه وان صیرته ذافراش و منعته عن الذهاب فی حوائجه فلایخالف ماجری علیه اصحاب المتون والشرح هنا تأمل[2] انتهی ملخصًا۔	جہاں معراج میں کہا کہ صاحب منظومہ سے سوال کیا گیا کہ مرض الموت کی حد کیا ہے، توانہوں نے فرمایا اس مسئلہ میں ہمارا اعتماد اس پر ہے کہ مریض اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے پر قادر نہ ہو الخ۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم امراض طویلہ کے غیر کے ساتھ مقید ہے جن کی طوالت اس حد تک ہوجاتی ہے کہ موت کا خوف جاتا رہتا ہے جیسے فالج وغیرہ اگرچہ یہ مریض کو صاحب فراش بنادیں اور اس کو اپنے حوائج کے لئے گھر سے باہر جانے سے روک دیں، لہٰذا یہ اس کے خلاف نہ ہوا جس پر اصحاب متون وشروح قائم ہیں، یہاں غور کرو، انتہی (تلخیص)۔ (ت)

[1] الدرر الحکام شرح غرر الحکام کتاب الوصایا میر محمد کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳۱، ۴۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

اور بعض کتب میں کہ عدم خوف موت کی قید کرکے اکابر علماء ارشاد فرماتے ہیں یہ کوئی قید جداگانہ نہیں بلکہ مجرد ایضاح وبیان واقع ہے یعنی طول سنۃ کے بعد مریض کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ مرض طبعی ہو جاتا ہے اور خوف موت کا غلبہ نہیں رہتا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

والظاھر ان قوله كالفالج الخ تصوير للمرض اذالحال ولم يخف منه الموت وليس قوله ولم يخف منه الموت تقييدا بل بيانا لحال ذٰلك المرض عند طوله ثم رأيت الحموی فی شرحه قال ان تطاول ذٰلك فلم يخف منه الموت هٰذه الجملة ای الاخيرة وقعت موضحة للجملة الشرطية ونقله عن المفتاح انتهی۔[1]	ظاہر یہ ہے کہ اس کا قول کالفالج (مثل فالج کے) مرض کی صورت کا بیان ہے اس لئے کہ طوالت مرض کے سبب مریض کا حال یہ ہو جاتا ہے کہ اس پر موت کا خوف نہیں رہتا، اور اس کا قول کہ اس کو موت کا خوف نہیں رہتا، تقیید نہیں بلکہ اس مرض کے لمبا ہو جانے کے وقت اس کے حال کا بیان ہے۔ پھر میں نے حموی کو دیکھا انہوں نے اس کی شرح میں یوں کہا کہ اگر بیماری لمبی ہو جائے تو موت کا خوف نہیں رہتا، یہ آخری جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے۔ یہ مفتاح سے منقول ہے، انتہی۔ (ت)

حاشیہ طحطاوی میں ہے:

قوله ولم يخف منه الموت هٰذه الجملة وقعت موضحة للجملة الشرطية حموی عن المفتاح۔[2]	اس کا قول کہ "اس سے موت کا خوف نہیں رہتا" یہ جملہ جملہ شرطیہ کی وضاحت کے لئے واقع ہوا ہے، اس کو حموی نے مفتاح سے نقل کیا ہے۔ (ت)

آخر نہ دیکھا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے سال گزرنے کے بعد فالج وغیرہ کو لم یخف منه الموت (اس کو موت کا خوف نہیں رہتا۔ت) کی مثال میں داخل فرمایا اگرچہ اس حد کو پہنچ گئے ہوں کہ چلنے پھرنے سے معذور اور صاحب فراش کردیں کما سبق نقله اٰنفا فافهم وتدبر (جیسا کہ اس کا منقول ہونا بھی گزرا ہے۔ غور وتدبر کرو۔ت) اور اس کی وجہ وہی ہے جو ہم ابھی درر علامہ خسرو سے نقل کر آئے، عالمگیریہ میں تصریح ہے کہ شروع مرض فالج میں خوف ہلاک ہوتا ہے اور بعد تطاول کے

---

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۲۰

وہ مریض مثل صحیح کے گنا جاتا ہے۔

حیث قال والمقعد والمفلوج والمسلول اذا تطاول ذٰلك فصار بحال لایخاف منه فھو کالصحیح حتی تصح ھبته من جمیع المال واما فی اول ما اصابه اذا مات عن ذٰلك فی تلك ایام وقد صار صاحب الفراش فھو مریض یخاف به الھلاک[1]۔ انتھی ملخصًا۔	جہاں فرمایا اقعاد، فالج اور سِل کے مریضوں کا مرض جب لمبا ہو جائے اور وہ اس حال میں پہنچ جائے اس سے موت کا خوف نہ رہے تو وہ صحتمند کی طرح ہو جاتا ہے یہاں تک کہ کل مال میں اس کا ہبہ صحیح ہوتا ہے لیکن شروع میں جب امراض ہوتے ہیں اگر انہی ایام میں مریض ہوگیا درانحالیکہ وہ صاحب فراش تھا تو وہ ایسا مریض ہوتا ہے جس کو موت کا خوف عارض ہوتا ہے انتہی تلخیص (ت)

ثانیًا: اگر اسے قید جدید ہی قرار دیں جیساکہ فاضل قہستانی کا گمان ہے تاہم مجرد خوف اندیشہ سے مرض الموت نہ ہو جائے گا کیونکہ اس قدر سے تو کوئی مفلوج ومدقوق ومسلول خالی کبھی نہیں ہوتے اگرچہ دس برس گزر جائیں بلکہ خوف غالب واندیشہ شدید درکار ہے۔

فی ردالمحتار عن الکفایة، ثم المراد من الخوف الغالب منه لانفس الخوف۔[2]	ردالمحتار میں بحوالہ کفایہ ہے۔ پھر خوف سے مراد اس کا غلبہ ہے نہ کہ نفس خوف (ت)

اور اس خوف کو فاضل قہستانی نے یوں تفسیر کیا کہ اگر روز بروز حال اس کا بدتر اور مرض ترقی پذیر ہوتا جائے تو اسے مرض کہیں گے۔

حیث قال وان لم یکن واحد منھما بان لم یطل مدته بان مات قبل سنة او خیف موته بان یزداد یومًا فیومًا[3] انتھٰی۔	جہاں فرمایا اگر ان مریضوں میں سے کوئی اس حال میں نہ ہو کہ اس کی موت مؤخر ہو گئی ہو بایں طور کہ وہ سال گزرنے سے پہلے مرگیا وہ یا اس کو موت کا خوف لاحق ہو بایں طور دن بدن بیماری بڑھ رہی ہو۔ انتہی (ت)

بالجملہ اگر اطلاق وتوجیہ جماہیر علماء کی طرف لحاظ کریں جب تو ساڑھے تین برس گزرنا ہی صحت ونفاذ تصرفات کے لئے بس ہے اور اگر رائے فاضل قہستانی پر عمل کیا جائے تو صورت مستفسرہ

---

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الرابع فصل فی اعتبار حالة الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبۃ الاسلامیۃ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۸۲

میں جو معنی خوف موت کے علماء نے قرار دیئے ہیں ہرگز موجود نہ تھے کہ مرض پہلے سے بہت کم تھا اور اپنے حوائج کے لئے آنا جانا چلنا پھرنا سفر کرنا علاوہ۔

فی ردّالمحتار عن الاسمٰعیلیۃ من بہ بعض مرض یشتکی منہ وفی کثیر من الاوقات یخرج الی السوق و یقضی مصالحہ لایکون بہ مریضا مرض الموت و تعتبر تبرعاتہ من مالہ واذا باع لوارثہ اووھبہ لا یتوقف علی اجازۃ باقی الورثۃ[1]، وفی العقود الدریۃ، سئل فی مفلوج تطاول بہ فلجہ قدر ثلث سنین فوھب فی ھذہ الحالۃ جمیع مالہ من زید وارثہ وسلمہ ذٰلک ثم مات بعد عدۃ اشھر عنہ لاغیر فھل الھبۃ صحیحۃ الجواب نعم والمفلوج الذی لایزداد مرضہ کل یوم فھو کالصحیح کما فی الخانیۃ[2] وفی الفتاوی الخیریۃ حیث کان بالوصف المذکور وھوانہ ای المرض لایمنعہ الخروج لقضاء حوائجہ فھبتہ لاحد اولادہ وبیعہ لبقیتھم بالغبن مطلقاً صحیح نافذ، صرحوا بہ فی کل مرض یطول کالدق والسل والفالج[3] الخ۔	ردالمحتار میں اسمٰعیلیہ سے منقول ہے جو شخص کسی بیماری میں مبتلا ہو اور بازار کی طرف جاتا ہے اور اپنی حوائج کو پورا کرتا ہے تو وہ مرض الموت کا مریض نہیں ہے۔ اس کے مال میں تبرعات معتبر ہیں۔ جب وہ اپنے کسی وارث سے بیع کرے یا ہبہ کرے وہ باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا۔ عقود دریہ میں ہے ایسے مفلوج کے بارے میں سوال کیا گیا جس کا مرض فالج تین سال تک لمبا ہوگیا۔ اس نے اسی حالت میں اپنا تمام مال اپنے ایک وارث زید کو ہبہ کرکے اس کے حوالے کردیا۔ پھر اس کے چندماہ بعد وہ مرگیا تو کیا اس کا یہ ہبہ صحیح ہوگا۔ جواب یہ ہے کہ ہاں، اور وہ مفلوج جس کا مرض ہر روز بڑھ نہ رہا ہو وہ صحتمند کی مثل ہے جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے جب وہ وصف مذکور پر ہے اور اس کا مرض ضروریات پورا کرنے کے لئے گھر سے نکلنے سے مانع نہیں تو اس کا اپنی اولاد میں سے ایک کے لئے ہبہ کرنا اور باقیوں کے لئے غبن کے ساتھ بیع کرنا مطلقاً صحیح اور نافذ ہے۔ علماء نے ہر طویل مرض کے بارے میں اس حکم کی تصریح کی ہے جیسے تپ دق، سِل اور فالج الخ۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الاقرار باب اقرار المریض دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۶۱

[2] العقود الدریۃ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۷

[3] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۸

پس باتفاق روایات وباجماع ائمہ صورت مسئولہ میں وہ مرض مرض موت نہ تھا اور وہ تصرفات بیع ہوں خواہ ہبہ خواہ کچھ اور وارث کے ساتھ ہوں خواہ غیر وارث کے ساتھ ہوں قطعًا مطلقًا صحیح ونافذ ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۷: ۶۸۷

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپیہ کی قیمت تھی چھ سو روپیہ کو اپنے شوہر ودختر کے ہاتھ بیع کی بعد پندرہ روز کے مرگئی، اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں بیع صحیح نہیں کہ مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ ناجائز ہے اور وارث کے ہاتھ توبرابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز نہیں۔

فی التلویح لوباع من احد الورثۃ عینا من اعیان الترکۃ بمثل القیمۃ فلایجوز عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[1] انتہٰی ملخصًا۔	تلویح میں ہے اگر کسی وارث کے ہاتھ ترکہ کی کوئی معین شیئ اس کی برابر قیمت کے ساتھ بیچی توامام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز نہیں انتہی، تلخیص۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں کل مہر اپنا شوہر کو بخش دیا صرف اس میں سے پانسو روپیہ پانچ دینار کی نسبت کہاکہ اس قدر میں معاف نہیں کرتی اس کے مالک بعد میرے والدین ہیں، پس ازاں ہندہ نے زوج ووالدین وچار خواہر چھوڑ کر انتقال کیا اب مادر وپدر ہندہ معافی مہر اور شوہر ان پانسو روپیہ پانچ دینار کے والدین کو دینے میں کلام کرتا ہے اس صورت میں ترکہ ہندہ کس حساب سے تقسیم ہوگا اور اس قدر مہر معاف اور مابقی کی وصیت کہ والدین کو کی تھی صحیح ہوئی یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

[1] التوضیح والتلویح مع الحاشیۃ التوشیح فصل فی الامور المعترضہ علی الاھلیۃ سماویہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص ۶۶۳

الجواب:

صورت مسئولہ میں ہبہ مہر شوہر کو کہ ہندہ سے اس کی مرض موت میں واقع ہوا تھا اور ورثہ باقین اس کی اجازت نہیں دیتے باطل ہوگیا اسی طرح ان پانسو روپیہ پانچ دینار کی وصیت کہ والدین کے لئے کی تھی اسی وجہ سے صحیح نہ رہی **کماھو مصرح فی کتب الفقہ** (جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ت) پس کل مہر ہندہ ذمہ شوہر لازم اور اس کے ترکہ میں سب وارث مشترک۔ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مقدم **کالدین والوصیۃ الصحیحۃ** (جیسے قرض اور صحیح وصیت) کل مہر ہندہ اور جو کچھ اس کا ترکہ ہو چھ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوج اور ایک مادر اور دو پدر کو ملیں گے اور خواہروں کو کچھ نہ پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص قریب موت کے ایک وارث کو منجملہ اور ورثہ کے زبانی وصیت کرجائے کہ فلاں وارث کو مال میرا ملے اور فلاں وارث کو نہ ملے، یہ وصیت درست ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اگر وصیت مذکورہ کو ورثہ میت سے کوئی عاقل بالغ روا نہیں رکھتا تو وہ وصیت اس وارث موصی لہ کے حصہ میں باطل محض ہوگئی اور ان وارثوں میں کوئی مجنوں یا نابالغ اجازت کو روا رکھتا ہے تو نامعتبر ہے اور جو سب وارث جائز رکھتے ہیں اور وہ سب عاقل بالغ ہیں تو وصیت مذکورہ حق موصی لہ میں تمام وکمال وجائز ونافذ ہوجائے گی پس بعد ادائے دیون مقدمہ علی الوصایا اگر ذمہ میّت ہوں، کل یا بعض جس قدر کی نسبت وصیت کی ہے اس وارث موصی لہ کو دیا جائے گا اور جو ان میں بعض جائز رکھتے اور بعض ناجائز تو جو جائز رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں بقدر ان کے حصص کے وصیت نافذ ہوجائے گی اور بقدر حصوں اجازت نہ دینے والوں اور اطفال ومجانین کے اگرچہ وہ جائز بھی رکھیں **باطل وکان لم یکن** (گویا کہ ہوئی ہی نہیں۔ت) تصور کی جائے گی اور میت کا یہ کہنا کہ فلاں وارث کو میرا مال نہ ملے محض لغو وعبث ہے توریث ورثہ بحکم شرع ہے کہ کسی کے ابطال سے اس کا بطلان ممکن نہیں۔ حتی کہ خود وارث کو اختیار نہیں کہ حق ارث سے دستبردار ہو **کما صرح بہ العلماء قاطبۃ. واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم** (جیسا کہ تمام علماء اس کی تصریح فرما چکے ہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۱۱۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کسی قدر روپیہ اپنے برادر حقیقی عمرو کے پاس کسی مقام سے حالت صحت خود مرض الموت میں بطور امانت بھیجااور بذریعہ خطوط واسطے نگہداشت امانت کے اکثر تاکید کو دم واپسیں تک کام فرمایا اور دو ایک خط میں عمرو اور بکر برادرزادے اپنے کو یہ بھی لکھاکہ تم دونوں اس روپیہ کو آپس میں تقسیم کرلینا اور اسی طرح حفظ امانت کی تاکید کی۔اب زید نے انتقال کیااور سوا عمرو کے کوئی وارث اس کا نہیں پس عندالشرع زرامانت کس طرح تقسیم کیاجائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ وصیت بکر وعمرو دونوں موصی لہما کے حق میں صحیح ہو گئی۔

فی الدر عن ابن الکمال والولوالجیة لواوصی لزوجته اوھی له ولم یکن ثمة وارث اٰخر تصح الوصیة[1] الخ۔	در میں کمال اور ولوالجیہ کے حوالہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے، اور کوئی دوسرا وارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہے الخ(ت)

پس اگر نصف اس زرامانت کا کل متروکہ زید کے بعد ادا باقی رہا ہو ثلث سے زائد نہیں یازائد ہے مگر عمرو اس زیادت کو حق بکر میں جائز رکھتاہے تو وہ زرامانت عمرو بکر میں بالمناصفہ تقسیم ہوجائے گا ورنہ اس روپیہ سے بقدر ثلث متروکہ مذکورہ کے بکر کو دیا جائے۔ باقی ماندہ سب عمرو کا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱: ۲۵/ربیع الاول شریف ۱۳۰۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جائداد اور چند اولاد نابالغ اور ایک پسر جوان لائق نیک اطوار چھوڑا جس نے بعد پدر اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو مثل اپنے بچوں کے پرورش کیااور ان کے مال کی نگہداشت اور ان کی غورو پرداخت میں بجان ودل مصروف رہامگر زید نے اپنے بچوں یاان کے مال کی نسبت کسی کو وصیت نہ کی تھی اس صورت میں ہمارے بلاد میں ابن کبیر ان نابالغوں کے اموال میں دیانت وامانت کے ساتھ تصرفات جائزہ وشرعیہ کا اختیار

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

رکھے گا اور مثل وصی ماذون و مختار سمجھا جائے گا یا نہیں اگر نہیں تو ان اولاد و جائداد کا اختیار کسے دیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

اقول: متوکلا علی العلیم الخبیر الکریم الاکرم مستجیرا بذیل کرمہ عن زیغ البصر وزلۃ القدم۔	میں علیم وخبیر اور سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے پر توکل کرتے ہوئے اور آنکھ کی کجی اور قدم کی لغزش سے اس کے دامن کرم کی پناہ مانگتے ہوئے کہتا ہوں۔(ت)

ہمارے بلاد میں جبکہ یتیموں پر نہ باپ کا وصی ہو نہ حقیقی دادا نہ دادا کا وصی تو اُن کا حقیقی جوان بھائی اگر لائق وامین ہو مثل وصی سمجھا جائے گا، اور امانت و دیانت اور بچوں پر رحمت و شفقت کے ساتھ جن تصرفات کا شرعًا وصی کو اختیار ہوتا ہے اسے بھی ہوگا اگرچہ صراحتًا باپ نے اس کو وصی نہ بنایا ہو کہ یہاں عرفًا و دلالۃً وصایت ثابت ہے ہمارے بلاد میں عادت فاشیہ جاری ہے کے باپ کے بعد جوان بیٹے اموال و جائداد میں تصرف کرتے اور اپنے نابالغ بہن بھائیوں کی پرورش و خبر گیری میں مصروف رہتے ہیں لوگ اگر نابالغ بچوں کے ساتھ کوئی جوان بیٹا بھی رکھتے ہیں تو بے غم ہوتے ہیں کہ ہمارے بعد ان کا خبر گیراں موجود ہے اور صرف نابالغ ہی بچے ہوں تو محزون و پریشان ہوتے ہیں کہ سرپرستی کون کرے گا یہ عادت دائرہ سائرہ دلالۃً اذن تعہد و تصرف ہے **والثابت عرفا کالثابت شرطا** (جو عرف کے اعتبار سے ثابت ہو وہ ایسے ہی جیسے شرع کے اعتبار سے ثابت ہو۔ت) فتاوٰی امام قاضیخاں میں ہے:

لوان رجلا من اھل السکۃ تصرف فی مال المیت من البیع والشراء ولم یکن لہ وارث ولاوصی الا ان ھذا الرجل یعلم انہ لورفع الامر الی القاضی فان القاضی ینصبہ وصیا فاخذ ھذا الرجل المال ولم یرفع الامر الی القاضی وافسدہ حکی عن ابی نصر الدبوسی رحمہ اللہ تعالٰی	گلی والوں میں سے کوئی شخص میّت کے مال میں تصرف کرتا ہے جبکہ اس میّت کا کوئی وارث اور وصی نہیں، مگر یہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جایا جائے تو قاضی اس شخص کو میّت کا وصی مقرر کردے گا، چنانچہ اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور معاملہ قاضی کے پاس نہ لے گیا اور مال کو خراب کردیا، ابونصر دبوسی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ اس

انہ کان یجوز تصرف ھذا الرجل[1] اھ **اقول:** جواز تصرفہ من دون وصایتہ بناء علی علمہ ان لورفع الی القاضی لنصبہ لیس الا اعتمادًا علی صلاحیۃ الاذن عند القاضی مع عدم تحقق الاذن اصلا فالاعتماد علی اذن نفس المورث الواقع المتحقق دلالۃ بحکم العادۃ الفاشیۃ المطردۃ و مقاصد الناس المعروفۃ المعھودۃ اولی واجدر۔	شخص کا تصرف جائز ہے اھ **میں کہتاہوں** وصی کے بغیر اس کے تصرف کا جواز اس بنیاد پر ہے کہ وہ جانتا ہے کہ معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ اس کو متولی مقرر کردے گا یہ محض قاضی کے پاس صلاحیت اذن پر بھروسہ کرتے ہوئے ہے باوجودیکہ وہاں بالکل متحقق نہیں، توپھر خود مورث کے اذن پر بھروسا کرنا جو کہ دلالۃً واقع و متحقق ہے، اس عادت کے حکم سے جو لوگوں میں جاری وساری ہے اور ان مقاصد کے حکم سے جو لوگوں میں مشہور ومعروف میں اولٰی اور زیادہ لائق ہے۔(ت)

اور بلاشبہہ قطعًا معلوم کہ جو لوگ مال واولاد صغار وکبار رکھتے ہیں عام حالت دیکھ کر خوب سمجھتے ہیں کہ یوں ہی ہمارے بعد بھی ولد کبیر تعہد جائداد وپرورش اولاد میں ہمارا قائم مقام ہوگا بلکہ اس امر کی آرزو وتمنا رکھتے ہیں اور یقینا اس پر راضی ہوتے ہیں اگر ان سے کہا جائے تمہارے بعد تمہاری جائداد اور چھوٹے چھوٹے بچے ان کے شفیق وشفیق یعنی تمہارے بیٹے سے چھین کر ایک اجنبی کو سپرد کردیئے جائیں جسے نہ مال کا درد ہو نہ بچوں پر ترس توہر گز ہرگز اس امر کو قبول نہ کریں گے تو عرفًا ودلالۃً اذن وتفویض متحقق اور بیشک اگر نظر فقہی سے کام لیجئے تو اس وصایت معروفہ کو معتبر رکھنے کی شدید ضرورت ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہیں اور اس کے ابطال میں مقاصد شرع کا بالکل خلاف بلکہ عکس مراد وقلب مقصود۔

وذٰلک لان عامۃ الناس فی بلادنا یموتون من دون تصریح بایصاء ویخلفون اموالا وعقارا واولاد صغارا لاجدلھم وربما تکون فیھم بنات قاصرات فلولم تعتبر الوصایا المعھودۃ التی یعلم کل احد	اور یہ اس لئے ہے کہ ہمارے شہروں میں لوگ صراحتًا وصیت کئے بغیر فوت ہوجاتے ہیں جو اپنے پیچھے مال، جائداد اور چھوٹی ناسمجھ اولاد چھوڑ جاتے ہیں انکا دادا نہ ہو جن میں بسا اوقات ناتواں بچیاں بھی ہوتی ہیں۔اگر یہ معروف وصیت معتبر نہ ہو جس کے بارے میں ہر کوئی جانتا ہے جب

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

اذا رجع الی وجدانه الصحیح ان الورث کان راضیا علیها وان لوسئل عنها لافصح بها لزم تلف الاموال والضیاع وضیاع الاولاد اذلم یبق من یقوم بامرهم بحکم الشرع فاما ان یترك المال سائبة والاولاد هملا فهذا الضیاع المردود واما ان ینزع الامر من ید الشقیق الشفیق ویفوض الی اجنبی سحیق فهذا هو قلب المراد وعکس المقصود فوجب المصیر الی ماقلنا والتعویل علی دلالة الاذن کما عولنا والله الموفق۔	وہ اپنے صحیح وجدان کی طرف رجوع کرے کہ مرنے والا اس پر راضی تھا اور اگر اس سے سوال کیا جاتا تو وہ اس کی تصریح کر دیتا تو اموال واسباب کا برباد ہونا اور اولاد کا ضائع ہونا لازم آئے گا کیونکہ کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا جو بحکم شرع ان کے معاملات کا نگران ہو۔اب یا تو اموال واولاد کو بغیر نگران ومتولی کے چھوڑ دیا جائے تو یہ اس کا ضائع کرنا ہے جو کہ مردود ہے پھر شفیق بھائی سے نگرانی واپس لے کر شکستہ دل اجنبی کو سونپ دی جائے تو مقصود ومراد کے برعکس ہوگیا، لہٰذا ہمارے قول کی طرف رجوع کرنا اور دلالت اذن پر اعتماد کرنا ضروری ہے جیسا کہ ہم نے اس پر اعتماد کیا ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔(ت)

بلکہ غمز العیون والبصائر میں ہے:

روی ان جماعة من اصحاب محمد بن الحسن رضی الله تعالٰی عنه حجوا فمات واحد فاخذوا ماکان معه فباعوه فلما وصلوا الی محمد سألهم فذکروا له ذٰلك فقال لولم تفعلوا ذٰلك لم تکونوا فقهاء وقرأ والله یعلم المفسد من المصلح[1] اھ اقول: فاذا ساغ تصرف احد من الرفقة	مروی ہے کہ امام محمد بن حسن علیہ الرحمہ کے اصحاب نے حج کیا اور ان میں سے ایک ساتھی مرگیا تو انھوں نے اس کا مال و متاع جو اس کے پاس تھا فروخت کردیا۔جب وہ امام محمد علیہ الرحمہ کے پاس پہنچے تو امام صاحب نے ان سے پوچھا انہوں نے یہ واقعہ آپ کو بتایا جس پر امام محمد نے فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم فقہاء نہ ہوتے اور امام محمد علیہ الرحمہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی "اور اللہ تعالٰی فساد کرنے والے کو سنوارنے والے سے"اھ۔

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الغصب ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۹

لعدم تیسر الرجوع الی القاضی فی الطریق فالاخ المأذون له دلالة مع انعدام القاضی الشرعی اصلا اولٰی عـــہ۔	میں کہتا ہوں جب راستے میں قاضی کی طرف رجوع میسر نہ ہونے کی صورت میں ایک ہمسفر کو تصرف کی اجازت ہے تو بھائی جو کہ دلالۃً ماذون ہے اور قاضی شرع بھی بالکل معدوم ہے تو اس کو بطریق اولٰی تصرف کی اجازت ہوگی۔(ت)

فتاوٰی کبرٰی پھر فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا تصرف واحد من اهل السكة فی مال الیتیم من البیع والشراء ولاوصی للمیت وھو یعلم ان الامر لورفع الی القاضی حتی ینصب وصیا وانه یاخذ المال	گلی والوں میں سے کسی نے یتیم کے مال میں بیع وشراء وغیرہ تصرف کیا جبکہ میت کا کوئی وصی نہیں اور وہ محلّہ دار شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لیجایا جائے تو وہ متولی مقرر کر دے گا، تو وہ اس کا مال لے اور خرچ

عـــہ:لکن فی وصایا الانقروی ص۴۱۸ مانصه وعن محمد فیمن مات عن ابنین صغیروکبیر وترك الفافانفق الکبیر علی الصغیر خمسمائة وھو لیس بوصی قال ھو متطوع فی ذلك وان کان ترك طعاما اوثوبا فاطعمه والبسه الکبیر لایضمن الکبیر استحسانا من وصایا البزازیة قبیل نوع فی تصرف المریض[1] اھ **قلت الجواب** ان ھذا ھو حکم الاصل وکلامنا فی الضرورة کما تری فافھم ۱۲منه۔	لیکن انقروی کے وصایا ص۴۱۸ میں ہے جس کی عبارت یہ ہے: امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے کہ ایک شخص دو بیٹے ایک بڑا اور ایک چھوٹا چھوڑ کر فوت ہوا اور ہزار ترکہ چھوڑا، تو بڑے نے چھوٹے پر پانچ سو خرچ کردیا حالانکہ وہ وصی نہ تھا، تو امام محمد نے فرمایا یہ پانسو بڑے کی طرف سے تطوع شمار ہوگا اور اگر مرنے والے نے غلہ اور کپڑے ترکہ چھوڑا اور بڑے نے چھوٹے کو وہ غلہ طعام میں اور کپڑے لباس میں دیئے تو بڑا ضامن نہ ہوگا یہ حکم استحسان ہے، بحوالہ مریض کے تصرف کی نوع سے تھوڑا پہلے (بزازیہ کی بحث وصایا) **الجواب: میں کہتا ہوں** کہ یہ اصل حکم ہے جبکہ ہمارا کلام ضرورت میں ہے جیسا کہ دیکھ رہے ہو، سمجھو ۱۲منہ (ت)

[1] الفتاوی الانقرویہ کتاب الوصایا دار الاشاعة العربیة افغانستان ۲/ ۴۱۸

یفسدہ افتی القاضی الدبوسی بان تصرفہ جائز للضرورۃ قال قاضی خان وھذا استحسان وبہ یفتی [1]	کرے۔ قاضی دبوسی نے فتوی دیا ہے کہ بوجہ ضرورت اس کا تصرف جائز ہے۔ قاضی خاں نے کہا یہ استحسان ہے اور اسی پر فتوی دیا جاتا ہے (ت)

فصول عمادی پھر جامع الرموز پھر درمختار میں ہے:

لغیر الوصی التصرف لخوف متغلب وعلیہ الفتوی [2]۔	غلبہ خوف کے وقت غیر وصی کے لئے تصرف جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

درمنتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

انما لم یحصر التصرف فی الوصی اشارۃ الی جواز تصرف غیرہ کما اذا خاف من القاضی علی مالہ ای مال الصغیر فانہ یجوز لواحد من اھل السکۃ ان یتصرف فیہ ضرورۃ استحسانا وعلیہ الفتوی [3] اھ **اقول**: فاذا جاز التصرف لو احد من الجیران لمکان الضرورۃ مع وجود القاضی من دون اذن مورث و لاقاضی اصلا فلان یجوز للشقیق الشفیق عند عدم القاضی الشرعی مع تحقق اذن المورث دلالۃ لکان احری واجدر واجدی واولی۔	تصرف کو وصی میں منحصر نہ کرنے میں اشارہ ہے کہ وصی کے غیر کا تصرف بھی جائز ہے جیسے قاضی کی طرف سے نابالغ یتیم کے مال پر خوف ہو تو گلی والوں میں سے کسی کو اس کے مال میں بوجہ ضرورت تصرف کرنا بطور استحسان جائز ہے۔ اور اسی پر فتوی ہے اھ میں کہتا ہوں جب بوجہ ضرورت مورث اور قاضی کی اجازت کے بغیر ایک پڑوسی کو تصرف کی اجازت ہے باوجودیکہ قاضی موجود ہے تو شفیق بھائی کے لئے قاضی کی عدم موجودگی میں تصرف کا جائز ہونا اولٰی وانسب ہے، جبکہ مورث کی طرف سے بطور دلالت اجازت بھی متحقق ہے۔ (ت)

غرض فقیر بحول القدیر جزم کرتا ہے کہ ایسی صورت میں ابن کبیر کی صحت تصرف وثبوت وصایت بحکم دلالت میں کوئی محل شبہ نہیں۔

واللہ یعلم المفسد من المصلح،	اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] درمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۸

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۶

ومن لم یعرف اھل زمانہ ولم یراع فی الفتیا حال مکانہ فھو جاھل مبطل فی قولہ وبیانہ وارجوان لو عُرض کلامی ھذا علی الفقھاء الفحول نظروا الیہ بعین الرضا وتلقوا طرا بالتحسین و القبول، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	والے سے۔ جو اپنے اہل زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہ رکھے وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اگر میرا یہ کلام فقہاء کے سامنے پیش کیا جائے تو وہ اس کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور تحسین وقبول کے ساتھ اس کا استقبال کریں گے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۲: ۲۷ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دو لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہوا نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں جب وہ بالغ ہوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کر دیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے خود اپنی زندگی میں کر دی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس نہ ہو صرف دو بہنوں کا خرچ پرورش وشادی اپنے مال متروکہ مشترکہ سے کیا، اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارف بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ کرتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانہ کے جوڑے، دولھا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیہ وغیرہ ذٰلک۔

(۳) دُلہن کا جہیز۔

بتوفیق اللہ ہر ایک کا حکم علیحدہ سنئے۔

خرچ پرورش: بیشک بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثان صغیر کی پرورش کرنا اور ان کے کھانے، پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں ان کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف وتبذیر اُن پر اُٹھانا شرعًا جائز ہے جبکہ وہ بچے ان کے پاس ہوں اگرچہ یہ ان پر وصایت وولایت مالیہ

نہ رکھیں۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے:

جازشراء مالابد للصغیر منه(کالنفقة والکسوة و استئجار الظئر منح)وبیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم و ام وملتقط هو فی حجرهم ای فی کنفهم والالا[1]۔	نابالغ کے لئے نفقہ اور لباس وضروری اشیاء خریدنا، دودھ پلانے والی کو اجرت پر حاصل کرنا منح (ت) اسی طرح نابالغ کی خاطر ضروری اشیاء فروخت کرنا بھائی، چچا، ماں اور اس کو اُٹھانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وہ نابالغ ان کی زیر پرورش اور زیر نگرانی ہو ورنہ نہیں۔(ت)

علامہ شامی قول در مختار:

لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلااذنه ولاولایته الا فی مسائل[2]۔	غیر کے مال میں اس کی اجازت وولایت کے بغیر تصرف کرنا سوائے چند مسائل کے ناجائز ہے (ت)

کی شرح میں بضمن مسائل استثناء ارشاد فرماتے ہیں:

کذا لوانفق بعض اهل المحلة علی مسجد لامتولی له من غلته لحصیر ونحوہ اوانفق الورثة الکبار علی الصغار ولاوصی لهم فلاضمان فی کل دیانة[3]اھ ملخصا۔ **اقول:** ولایخالفه بل ربما یؤیدہ مافی شهادة الاوصیاء عن الطحاوی عن الفصول حیث قال ورثة صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار فهلك بعض المال وانفق الکبار البعض علی انفسهم وعلی الصغار فما هلك فهو	جیسا کہ بعض اہل محلّہ کا ایسی مسجد کے محاصل میں سے اس کی چٹائیوں وغیرہ پر خرچ کرنا جس مسجد کا کوئی متولی نہیں یا بڑے وارثوں کا ایسے چھوٹے وارثوں پر خرچ کرنا جس کا کوئی وصی نہیں ان سب پر از روئے دیانت کوئی ضمان نہیں اھ تلخیص۔ **میں کہتا ہوں** یہ بات امام کے اس قول کے مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے جوانہوں نے فصول کے حوالے سے شہادت اوصیاء میں فرمایا کہ کسی کے ورثاء چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی جبکہ ترکہ میں دین اور جائداد ہے۔ پھر کچھ مال ہلاک ہوگیا اور کچھ بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا۔ جو ہلاک ہوا وہ تو سب پر ہے

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۴۶، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۰

[2] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۷

[3] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۷

علی کلھم وما انفقہ الکبار ضمنوا حصۃ الصغار ان کانوا انفقوا بغیر امر القاضی اوالوصی وماانفقوہ بامر احدھما حسب لھم الی نفقۃ مثلھم[1] اھ فان ھذا عند وجود الوصی وما مر فعند عدمہ لاسیما فی بلادنا فافھم۔	اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا ہے اگر وہ قاضی یا وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو چھوٹوں کے حصہ کے ضامن ہوں گے اور اگر ان میں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا تو ان کے لئے مثلی نفقہ میں شمار کرلیا جائے گا اھ بیشک یہ اس صورت میں ہے کہ وصی موجود ہو اور جو پہلے گزرا وہ وصی کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خصوصًا ہمارے ملک میں۔ پس سمجھو(ت)

پس جو کچھ بکر نے ان لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقہ مثل کا دعوٰی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا۔

فانہ کان ماذونا لہ فی ذٰلک من جھۃ الشرع فلایکون ضمینا بل امینا مقبول القول مالم یدع مایکذبہ الظاھر الاترٰی الٰی ماقدمنا عن الفصول حیث حکم بالاحتساب الی نفقۃ المثل عند وجود الاذن ممن لہ الاذن کالوصی والقاضی والشرع المطھر احق من لہ الاذن وقد وجد منہ الاذن فی مسئلتنا وان لم یوجد من وصی اوقاض لفقدانھما ھٰھنا رأسا وانت تعلم ان المفتی انما یفتی بالدیانۃ بل قد اثبتنا عرش التحقیق بتوفیق	کیونکہ وہ اس مسئلہ میں شریعت کی طرف سے ماذون تھا۔ لہٰذا وہ ضامن نہیں بلکہ امین ہوگا۔ اس کا قول قبول ہوگا جب تک وہ ایسا دعوٰی نہ کرے جس کو ظاہر جھٹلاتا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے جو ہم نے بحوالہ فصول ذکر کیا ہے۔ اس میں مثلی نفقہ کی حد تک شمار کرنے کا فیصلہ دیا گیا جبکہ مالک اذن یعنی وصی یا قاضی کی طرف سے اذن موجود ہو، حالانکہ شرع مطہر مالک اذن ہونے کا زیادہ حقدار ہے تو ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا ہے اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے نہیں پایا گیا کیونکہ وہ دونوں یہاں بالکل مفقود ہیں اور تو جانتا ہے کہ مفتی دیانت کے ساتھ فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کی توفیق

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء المکتبۃ العربی کوئٹہ ۴/ ۳۴۵

المولی سبحٰنه وتعالٰی فی کتاب الوصایا من العطایا النبویة فی الفتاوی الرضویه ان الابن الکبیر فی امصارنا هذه فی اعصارنا هذه یقوم مقام وصی ابیه علی الاولاد الصغار من دون حاجة الٰی تصریح بالوصایة لوجود الاذن والتفویض دلالة بحکم العرف الفاشی المطرد مع تحقق الضرورة الملجئة الٰی اعتبار تلك الدلالة، واللّٰه یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اهل زمانه ولم یراع فی الفتیا حال مکانه فهو جاهل مبطل فی قوله وبیانه، وقد بیّنا المسئلة بحول القدیر جل مجده بما یتعین المراجعة الیه وحینئذ فالامر اظهر۔	سے فتاوٰی رضویہ کی کتاب الوصایا میں بلند پایہ تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں ہمارے اس زمانے میں بڑا بیٹا نابالغ اولاد پر باپ کے وصی کے قام مقام ہوتا ہے باوجودیکہ اس کے وصی ہونے کی تصریح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اس کے لئے اذن و تفویض بطور دلالت موجود ہوتی ہے اس عرف کے حکم سے جو جاری وساری ہے۔علاوہ ازیں وہ ضرورت بھی متحقق ہے جو دلالت مذکورہ کا اعتبار کرنے پر مجبور کرتی ہے۔اور اللہ تعالٰی جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے۔جو اپنے اہل زمانہ کو نہیں پہچانتا اور فتوٰی میں اس کے مکان کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ جاہل ہے اور اس کا قول وبیان باطل ہے،ہم نے اللہ تعالٰی قدرت والے کی عطا کردہ قوت سے مسئلہ کو اس قدر وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے کہ اس کی طرف رجوع کرنا متعین ہوگیا۔اب معاملہ زیادہ ظاہر ہے۔(ت)

اور نفقہ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدت میں ایسے بچوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی واسراف کس قدر ہوتا ہے اُتنا مجرا پائے گا۔عالمگیری میں ہے:

نفقة المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط۔[1]	مثلی نفقہ وہ ہے جو فضول خرچی اور ضرورت سے کمی کرنے کے درمیان ہو۔محیط میں یونہی ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماینفق علی مثلهم فی تلك المدة[2]	جو خرچ کیا جاتا ہے ان کی مثل پر اس مدت میں(ت)

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شهادة الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۰

مصارف شادی: عبارت سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعد استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیا کہ مصارف عروسی وجہیز عروس سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہوئیں، نہ ان سے دربارہ صرف کوئی استفسار ہوا تھا نہ ان کا کوئی اذن تھا نہ ان قاصرات سے کہا گیا کہ ہم یہ صرف تمہارے حصہ سے کرتے یا یہ جہیز تمہارے حصہ میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارف شادی کنواریوں سے پوچھ کر نہیں ہوتے نہ ان سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیان مذکور صحیح ہے تو جو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہوئے وہ دلہن کے حصہ میں مجرا نہیں ہوسکتے۔

لانا وان قلنا بوصایة بکر دلالة کما اشرنا الیه فقد انقطعت الولایة بالبلوغ۔	اس لئے اگرچہ ہم بطور دلالت بکر کے وصی ہونے کا قول کر چکے ہیں جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے مگر وہ ولایت بالغوں کے بلوغ سے منقطع ہوگئی۔(ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انهم (یعنی الورثة الکبار) اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکة اصلا الا اذا کان علی المیت دین [1] الخ۔	جب بڑے ورثاء حاضر ہوں تو وصی کو ترکہ میں تصرف کا بالکل اختیار نہیں مگر جب میت پر قرض ہو الخ۔(ت)

تو ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصے پر پڑے گا خواہ ضمناً خواہ قصاصاً، دوسرے ورثہ جنہوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا یہ بری رہیں گے اگرچہ انہوں نے صرف ہوتے دیکھا وہ خاموش رہے ہوں اذلا ینسب الی ساکت قول (چپ رہنے والے کی طرف قول کو منسوب نہیں کیا جاتا۔ت) اشباہ میں ہے:

لورأی غیرہ یتلف ماله فسکت لایکون اذنا	اگر کسی نے غیر کو اپنا مال تلف کرتے دیکھا اور چپ رہا تو یہ تلف کرنے کا

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

باتلافه[1]۔	اذن نہ ہوگا۔(ت)

خصوصًا اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں،

فانه لیس من اهل التبرع ولالاحد ان یتبرع من ماله۔	اس لئے کہ وہ اہل تبرع میں سے نہیں ہے اور نہ ہی کسی کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کے مال میں تبرع کرے۔(ت)

بزازیہ وبحر الرائق وردالمحتار وتنویر الابصار وسراج وہاج وغیرہ میں ہے:

الهبة والقرض وماکان اتلافا للمال اوتملیکا من غیر عوض فانه لایجوز مالم یصرح به نصا[2] اھ **اقول:** هذا افادون فی شریکی العنان والمفاوضة مع ان کلامنهما وکیل عن صاحبه وماذون التصرف فی المال من جانبه فکیف بالشریك شرکة العین فانه اجنبی صرف عن حصة اخیه لیس له التصرف فیه کما نصوا علیه۔	ہبہ اور قرض اور جس صورت میں مال کو تلف کرنا یابغیر عوض کے مالک بنانا پایا جائے یہ جائز نہیں جب تک صراحتًا اس کی اجازت نہ دی گئی ہو اھ، میں کہتا ہوں یہ ممانعت شرکت عنان ومفاوضہ میں ہے باوجودیکہ ان میں ہر ایک دوسرے کا وکیل ہوتا ہے اور ہر ایک کو دوسرے کی طرف سے تصرف کی اجازت ہوتی ہے تو پھر کیسا حکم ہوگا شرکت عین کے شریک کا کیونکہ وہ تو دوسرے بھائی کے حق میں محض اجنبی ہوتا ہے اور اس کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کی اجازت نہیں ہوتی جیسا کہ علماء نے اس پر نص کی ہے(ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

التجهیز لایدخل فیه الجمع والموائد فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعًا وکذا ان کان اجنبیا[3] اھ ملخصًا۔	لوگوں کا اجتماع اور ان کے کھانے کا اہتمام تجہیز میں داخل نہیں ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہو تو یہ خرچ کرنا خود اس کے اپنے حصے سے شمار کیا جائے گا اور وہ اس خرچ میں متبرع ہوگا، اور ایسا ہی ہوگا اگر وہ اجنبی ہو اھ ملخصًا(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیۃ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۵

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۵

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

دلہن کا جہیز: وہ اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو ہبہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیاء تیرے فلاں حصہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جدا جدا جوڑ کر دُلہن کا حصہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اس کے حصہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اس کے لئے جدا کر لیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فضلا عن الاقتصار علی المثلیات والتحرز عن الاستبداد فی القیمیات۔	چہ جائیکہ مثلی اشیاء پر اقتصار ہونا اور قیمتی چیزوں میں تبدیلی کو ترجیح دینے سے بچنا۔(ت)

نہ اجناس مختلفہ میں قسمت جمع بے تراضی ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں کما نصوا علیه فی الکتب جمیعا (جیسا کہ اس پر تمام کتابوں میں علماء نے نص کی ہے۔ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصے میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہو سکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر لمامر، صلح وتخارج یوں نہیں کہ کل ترکہ یا اس کی قسم سے حصہ دلہن کا ساقط نہ کیا گیا نہ دلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعوی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے نہ ایسا امر بے تصریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے فان العقد ربط ولا بد فی الربط من شیئین معھذا (اس لئے کہ عقد تو ربط کا نام ہے اور ربط کے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ت) عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح وتخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

ومامن شیئ خلا عن مقصودہ الابطل و جھالۃ المصلح عنه انما لاتمنع جواز الصلح اذالم تفض الی منازعة والامنعت۔	نہیں ہے کوئی جو مقصود سے خالی ہو مگر یہ کہ وہ باطل ہے اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہو اس کی جہالت صرف اس وقت جواز صلح سے مانع نہیں ہوتی جب اس سے کوئی جھگڑا پیدا نہ ہو ورنہ مانع ہوتی ہے۔(ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع ویقطع الخصومة[1]۔	صلح شرع میں ایسے عقد کو کہتے ہیں جو جھگڑے کو رفع کرے اور خصومت کو ختم کرے۔(ت)

[1] الدر المختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

نہایہ میں ہے:

جهالة تفضی الی المنازعة تمنع جواز الصلح[1]اھ ملخصین۔	ایسی جہالت جو جھگڑے کا باعث ہو وہ جواز صلح سے رکاوٹ ہے اھ تلخیص (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب وقبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے جو بمقدار مالیت جہیز تیرے حصہ میں آئیں بیع کیا اور دُلہن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصہ عروس میں آئیں گی یہاں تک کہ اس قدر بھی نہ ہوابلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اس وقت قلب عروس میں کیانیت تھی اسے کیونکر کوئی عقد شرعی قرار دے سکتے ہیں۔

ومعلوم انه لیس من عقد یتم بالنیة بل لابد من شیئ یظهر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضاء النفسی۔	اور یہ بات معلوم ہے کہ کوئی عقد محض نیت سے تام نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے کسی ایسی چیز کا ہونا ناگزیر ہے جس سے دلی ارادہ ظاہر ہو اور وہ دلی طور پر رضامندی کی دلیل ہو۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

رکنه الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول اوفعل[2] اھ نعم المظهر قدیکون نصا وهو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالة کالمساومة واخذ الثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لا حاجة الی البیان للعرف العام کالخبز مثلا حیث یکون له	اس کا رکن ایسا فعل ہے جو دونوں ملکوں کے باہمی تبادلہ پر رضامندی کی دلیل ہو چاہے قول سے یا فعل سے اھ، ہاں اس کو ظاہر کرنے والی چیز کبھی نص ہوتی ہے جیسے وہ لفظ جو ایجاب وقبول کے لئے مقرر ہیں اور کبھی دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤتاؤ طے کرنا اور دستی لین دین کی بیع میں ثمن بیان کرنے کے بعد اس کو لے لینا، اور جہاں عرف عام کی وجہ سے بیان کی حاجت نہ ہو مثلاً روٹی کی قیمت جب معلوم ہو اس میں

[1] الفتاوی الهندیة بحواله النهایة کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

[2] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۵۵

قیمة معلومة لاتختلف ففتح البائع الدکان وجلوسه للبیع واعداده الخبز لذٰلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء امّا ھٰھنا فان فرضت دلالة من بکر فلادلالة اصلا من قبل العروس ولئن سلمت الرضا فالتعاطی ھٰھنا من احد الجانبین وھو وان جاز عندالبعض وبه یفتی وھوارجع التصحیحین فلابد فیه عند مجیزه من بیان البدل والبدل ھٰھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔	کوئی اختلاف نہ ہو تو بائع کا دُکان کھول کر بیع کے لئے بیٹھنا اور روٹی تیار کرنا بیع کی دلیل ہے اور مشتری کا اس کو لے لینا خریداری کی دلیل ہے۔ مگر یہاں زیر بحث مسئلہ میں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دلہن کی طرف سے بالکل دلالت موجود نہیں۔ اگر اس کی رضامندی کو تسلیم کرلیا جائے تو یہاں تعاطی صرف ایک طرف سے ہے۔ وہ اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے، اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے اور دونوں تصحیحوں میں سے یہ زیادہ راجح ہے۔ لیکن اس کو جائز قرار دینے والے کے نزدیک بدل کا بیان ضروری ہے اور یہاں جیسے کہ تُو جانتا ہے بدل مجہول ہے لہٰذا بالاجماع بیع منعقد نہ ہوئی۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمة الحلوانی کذا فی الکفایة وعلیه اکثر المشائخ وفی البزازیة ھو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احدھما کان لنص محمد رضی الله تعالٰی عنه علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النھر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع ھکذا حکی فتوی	شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک بیع تعاطی میں شرط دونوں طرفوں سے دینا ہے، کفایہ میں یونہی ہے اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، ایسا ہی بحرالرائق میں ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ اگر ایک قبضہ کرے تو کافی ہے کیونکہ امام محمد علیہ الرحمہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی دو میں سے ایک بدل پر قبضہ کرلینے سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ ثمن اور مبیع دونوں کو شامل ہے جیسا کہ النہرالفائق میں ہے اور یہ قائل شرط قرار دیتا ہے اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے ثمن کے بیان کرنے اور مبیع کے سونپنے کو۔

الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذا فی المحیط[1]۔	اور یونہی منقول ہے شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوی جیسا کہ محیط میں ہے۔(ت)

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلًا کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلًا زیور، برتن، کپڑے وغیرہ کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کر دیں وہ سب مطلقًا ملک بکر کی تھیں اور اب یہی خاص اسی کے ملک پر ہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں،

لما علم من ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ۔	کیونکہ معلوم ہے کہ بیع جب نفاذ پائے تو مشتری پر نافذ ہوجاتی ہے(ت)

غایت یہ کہ مال مشترک سے خریدنے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار ہوگا کما نقلنا فی مواضع من فتاوٰینا عن رد المحتار (جیسا کہ ہم ردالمحتار کے حوالے سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کرچکے ہیں۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دلہن کا قبضہ امانت ہوگا لحصولہ بتسلیط المالک (کیونکہ یہ مالک کے مسلط کرنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل و تعدی سے تلف ہوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمہ واجب ہوگی لان الامین ضمین اذا تعدی (کیونکہ امین جب زیادتی کرے تو وہ ضامن ہوتا ہے۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقًا تاوان آئے گا،

و ذٰلك لان بکرا قد تعدی علی حصص الشرکاء بتجھیز الاخت من مال مشترك وتسلیمه الیھا جھاز التلبس وتستعمل وبالتصرف تستقل وکل ید مترتبة علی ید ضمان۔	کیونکہ بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی اس لئے کہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بنا کر اس کے حوالے کردیا کہ وہ اس کو پہنے، استعمال کرے اور تصرف میں مستقل ہوجائے۔ ہر قبضہ جو دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے۔(ت)

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

پس باقی ورثاء جنہوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں لانه الغاصب (کیونکہ وہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے لانها کغاصبة الغاصب (کیونکہ وہ غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت) فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الید المترتبة علی ید الضمان ید ضمان فلرب البهيمة ان یضمن من شاء[1] الخ۔	جو قبضہ دست ضمان پر مرتب ہو وہ دست ضمان ہوتا ہے لہٰذا چارپائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس کو چاہے ضامن ٹھہرائے۔(ت)

اور وہ بکر یا دلہن جس سے ضمان لیں اسے دوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا،

اما بکر فلانه الغاصب وانما قبض العروس بتسليطه واما العروس فلانها قبضت لنفسها لا للبکر۔	بکر پر تو اس لئے کہ وہ غاصب ہے اور دُلہن نے اس کے مسلط کرنے سے اس پر قبضہ کیا ہے۔ رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے بکر کے لئے نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

وهب الغاصب المغصوب اوتصدق او اعار وهلك فی ایدهم وضمنوا للمالك لا یرجعون بما ضمنوا للمالك علی الغاصب لانهم کانوا عاملین فی القبض لانفسهم بخلاف المرتهن والمستاجر والمودع فانهم یرجعون بما ضمنوا علی الغاصب لانهم عملوا له[2] الخ۔	غاصب نے مغصوب چیز کسی کو ہبہ کردی یا صدقہ کردی یا عاریت پر دے دی، وہ چیز ان لوگوں کے ہاتھ میں ہلاک ہوگئی اور وہ اصل مالک کے ضامن ہوگئے تو اب یہ لوگ غاصب پر رجوع نہیں کرسکتے اس تاوان کے بارے میں جو انہوں نے مالک کو دیا کیونکہ وہ مغصوب پر قبضہ میں اپنے لئے عمل کرنے والے ہیں بخلاف مرتہن، مستاجر اور اس شخص کے جس کے پاس غاصب نے مغصوب چیز ودیعت رکھی۔ یہ لوگ اگر بصورت ہلاکت مالک کو تاوان ادا کریں تو اس کے لئے غاصب پر رجوع کرسکتے ہیں کیونکہ انہوں نے غاصب کے لئے عمل کیا(ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں یہ سب احکام اس صورت

[1] الفتاوٰی الخیریہ کتاب الغصب المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۴۹

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۲۶

میں تھے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بیشک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع کما فی الاشباہ وجامع الفصولین و الفتاوی الخیریۃ وغیر ماکتاب وقد نصوا علیہ فی مسائل کثیرۃ۔اقول:ولیس فی تجھیز الاخوۃ الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی مابایدی الاخوۃ من الترکۃ عرف فاش یقضی بالھبۃ بخلاف الاٰباء والامھات فی بلادنا وکیف ویکون الظاھر قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاھر انھم یریدون الاحتساب علیھن من انصبائھن۔	کیونکہ وہ دینے والا ہے لہٰذا وہ دینے کی جہت کو زیادہ بہتر جانتا ہے جیساکہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے،اور علماء نے اس پر متعدد مسائل میں نص فرمائی ہے۔میں کہتا ہوں بھائی جب بہنوں کے لئے جہیز بنائیں جبکہ وہ بہنیں مالدار ہوں اور بھائیوں کے زیر قبضہ ترکہ میں شریک ہوں تو ایسا کوئی عرف ہمارے شہروں میں جاری وساری نہیں جو اس کو ہبہ قرار دے بخلاف ماں باپ کے۔تو واجب کے باقی رہتے ہوئے اس کا قصد تبرع ہونا کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر یہاں یہ ہے کہ بھائی اس کو بہنوں کے حصوں میں سے شمار کرنے کا ارادہ کرتے ہیں۔(ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیت ہبہ کی مگر دلہن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصہ کا معاوضہ یا حصے میں مجرائی سمجھ لیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دلہن کی طرف سے قبول ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذا لم تحسبہ ھبۃ کیف یتصور انھا قبلت الھبۃ۔	اس لئے کہ قبول فرع ہے علم کی۔جب اس خاتون نے اس کو ہبہ سمجھا ہی نہیں تو اس کا ہبہ کو قبول کرنا کیسے متصور ہوگا(ت)

بحرالرائق میں ہے:

وکذا بقولہ اذنت الناس جمیعا فی ثمر نخلی،من اخذ شیئا فھو لہ فبلغ الناس،من اخذ شیئا	یونہی اس کا یہ کہنا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھل کے بارے میں تمام لوگوں کو اجازت دے دی ہے تو لوگوں کو خبر پہنچ گئی جس نے جو کچھ لے لیا ہے وہ اسی کا ہے ایسا ہی

یملکه کذا فی المنتقی وظاهرہ ان من اخذہ ولم یبلغه مقالة الواهب لایکون له کمالا یخفی[1] اھ۔**اقول**:ومثله مافی الهندیة عن الخلاصة رجل سیّب دابته فاصلحها انسان ثم جاء صاحبها واراد أخذها واقر وقال قلت حین خلیت سبیلها من اخذ فهی له او انکرفاقیمت علیه البینة او استحلف فنکل فهی للاٰخذ سواء کان حاضرا سمع هذه المقالة اوغاب فبلغه الخبر[2] اھ ووجهه ظاهرفانه اذا علم بمقالة الواهب فیکون الاخذ علی جهة الاتهاب ویقوم القبض مقام القبول بخلاف ما اذالم یعلم فانه لم یتحقق القبول قطعًا وهو مدار ثبوت الملك للموهوب له قطعًا سواء جعل رکنا کما نص علیه فی التحفة والولوالجیة	منتقی میں ہے۔اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس شخص تک واہب کی یہ بات نہیں پہنچی اس نے جو کچھ لیاوہ اس کامالک نہ ہوگا الخ،**میں کہتاہوں** اوراس کی مثل خلاصہ کے حوالے سے ہندیہ میں ہے کہ ایک شخص نے اپنے چار پائے کو چھوڑدیااور کسی انسان نے اس کو پکڑ کر سنبھال لیا پھراس چار پائے کا مالک آیا جو اس کو لیناچاہتاتھا۔اس نے اقرار کیاکہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت کہاتھاکہ جواس کو پکڑلے یہ اسی کاہے یا اس نے انکارکیامگر گواہوں سے یہ بات ثابت ہوگئی یااس کو قسم کھانے کاکہاگیا اوراس نے انکار کردیا۔ان تمام صورتوں میں وہ چارپایہ پکڑنے والے کاہوگاچاہے وہ خود حاضر تھااوراس نے مالک کی یہ بات سنی تھی یاغائب تھااوراس تک اس کی خبر پہنچی اھ۔اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ جب اس کو واہب کے اس قول کاعلم ہوگیاتواس کالیناہبہ کو لینے کے طورپر ہوااور قبضہ کرنا قبول کے قائم مقام ہوگا۔بخلاف اس کے کہ جب اسے واہب کے اس قول کاعلم نہ ہواہو، کیونکہ اس صورت میں قبول کرنا بالکل متحقق نہیں حالانکہ موہوب لہ کے لئے ملک کے ثبوت کادارومدار قطعی طورپر قبول کرنے پر ہے۔چاہے قبول کورکن

[1] بحرالرائق کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۴

[2] الفتاوٰی الھندیہ کتاب الھبہ الباب الثالث نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۳۸۲

والکافی والکفایة والتبیین و البحرومجمع الانهر و الدر المختار وابی السعود وغیرها من کتب الکبار و هو ظاهر الهدایة وملتقی الابحر وغیرهما من الاسفار الغر اوشرطا کما نص علیه فی المبسوط و المحیط و الهندیة وغیرها و افادفی البدائع انه الاستحسان و ان الاول قول زفر علی کل فاتفق القولان علی انه لا تملک فیها بدون القبول وهو الذی نص علیه فی الخانیة وغیرها وقد حققنا المسئلة بتوفیق الله تعالٰی علٰی هامش ردالمحتار بما لامزید علیه۔	بنایا جائے جیسا کہ تحفہ، ولوالجیہ، کافی، کفایہ، تبیین، بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ بڑی بڑی کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے۔ ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ عظیم کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ چاہے اس کو شرط بنایا جائے۔ جیسا کہ مبسوط، محیط اور ہندیہ وغیرہ میں اس پر نص ہے۔ بدائع میں افادہ کیا ہے کہ یہ استحسان ہے۔ اور پہلا قول امام زفر کا ہے۔ بہر صورت دونوں قول اس پر متفق ہیں کہ ہبہ میں قبول کے بغیر ملک ثابت نہیں ہوتا اور اسی پر خانیہ وغیرہ میں نص کی گئی ہے۔ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں (ت)

تو اس حالت میں بھی وہ اشیاء بدستور ملک اصل مالک پر آئیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء، اور احکام سابقہ عود کریں گے، ہاں اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولاً یا فعلاً یا دلالۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب دُلہن نے اُسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا تو البتہ ایجاب وقبول دونوں متحقق ہوگئے۔

فان القبض بوجه الاتهاب قبول وان ناقصا کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالة علی الرضا کما لایخفٰی۔	کیونکہ بطور ہبہ قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہے جیسا کہ قابل تقسیم چیز کو بلا تقسیم ہبہ کرنے کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ بطور دلالت رضامندی میں وہ سب برابر ہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

ولوالوجیہ میں ہے:

القبض فی باب الهبة جارمجری الرکن فصار کالقبول[1]۔	ہبہ کے باب میں قبضہ کرنا رکن کے قائمقام ہے لہٰذا یہ قبول کی مثل ہوگیا۔ (ت)

پس جو اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دلہن ان کی مالک

[1] ردالمحتار بحوالہ الولوالجیة کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

مستقل ہو گئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہوا یہاں تک کہ خود اس دلہن کے حصے کا بھی جس نے جہیز پایا۔

فان البدل وان الیھا وصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له وتم الضمان ثم العطاء للعروس ھبة علی حدة من مال نفسه فلایرتفع به ضمان قسط العروس۔	کیونکہ بدل اگرچہ اس دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء کا نفاذ بکر پر ہوا چنانچہ اس کے لئے ملک ثابت ہو گئی اور ضمان تام ہو گیا پھر اس کا دلہن کو دینا الگ ہبہ ہے جو بکر کے اپنے مال سے ہوا لہٰذا اس سے دلہن کے حصہ کا تاوان ساقط نہیں ہوگا (ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہوا۔ اذلا اذن منھم ولاولایة علیھم (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہی ان پر ولایت ثابت ہے۔ت) تو اُن کے حصے تو ہر حال دُلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ انہیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر جس پر ڈالیں دوسرے سے مجرانہ پائے گا کما قدمنا عن البزازیة (جیسا کہ بزازیہ کے حوالے سے ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ت) رہا بکر کا اپنا حصہ جہیز میں جو مال قابل تقسیم تھا یعنی اس کے حصے کیجئے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم ملتا تھا، جب تو بکر کے حصے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہوا لانھا ھبة مشاع فیما یقسم (کیونکہ یہ قابل تقسیم چیز میں بلا تقسیم ہبہ ہے۔ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصہ بکر کا تاوان خاص دلہن پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لاتصح ھبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولاتفید الملك فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لا یملکه فیکون مضمونا علیه[1] الخ ملخصا وتمامه فیھا وفی ردالمحتار۔	ایسی غیر منقسم چیز کا ہبہ صحیح نہیں جو تقسیم کا احتمال رکھتی ہو اور ظاہر الروایہ کے مطابق وہ مفید ملک نہ ہوگا۔ امام زیلعی نے کہا اگر غیر منقسم حالت میں اس کو سونپ دیا تو ملک ثابت نہ ہوگا چنانچہ اس پر ضمان آئے گا الخ تلخیص۔ اس کی مکمل بحث فتاوٰی خیریہ اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر مال ناقابل تقسیم ہو مگر دلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الھبه دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۲

یشترط فی صحۃ ھبۃ المشاع الذی لایحتملھا ان یکون قدرا معلوما حتی لووھب نصیبہ من عبد ولم یعلمہ بہ لم یجز[1]۔	ناقابل تقسیم چیز کے غیر منقسم طور پر ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس کی مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر کوئی غلام میں اپنے حصہ کو ہبہ کردے حالانکہ اسے اپنا حصہ معلوم نہیں تو یہ جائز نہیں (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذا علم الموھوب لہ نصیب الواھب ینبغی ان تجوز عندابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی[2] نقلھما فی الفتاوی الھندیۃ۔	جب موہوب لہ کوواہب کے حصہ کا علم ہوتوامام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اس کو جائز ہونا چاہئے۔ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل کیاہے۔(ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذا ھلك افتیت بالرجوع للواھب ھبۃ فاسدۃ لذی رحم محرم منہ اذالفاسدۃ مضمونۃ علی مامر۔[3]	اگروہ ہلاک ہوجائے تومیں ذی رحم محرم کو ہبہ فاسدہ کرنے والے کی طرف رجوع کافتوی دوں گا کیونکہ ہبہ فاسدہ کی صورت میں ضمان آتا ہے جیساکہ گزرگیا(ت)

اور اگر دلہن کو معلوم تھاتواس قدر میں ہبہ صحیح ونافذ وتام ولازم ہوگیااوران اشیاء میں دلہن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہوگئی باقی ورثہ کے حصے بدستور دست عروس میں حکم ضمان پر ہیں جن کاحکم بارہا گزرااور اول سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دلہن کے ہاتھ میں تلف ہوئیں ان میں دلہن اپنے حصے کاتاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اسکامال اسی کے ہاتھ میں ہلاک ہوااور بکرنے اس کے حصے پر کوئی تعدی نہ کی۔

فانہ انما سلم الملك لید من ملك	کیونکہ اس نے تو ایسے کے ہاتھ میں دے دیا جو

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸،بحرالرائق کتاب الھبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۶

[2] الفتاوی الھندیۃ بحوالہ محیط السرخسی کتاب الھبہ الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۷۸

[3] جامع الفصولین الفصل الثلاثون فی التصرفات الفاسدۃ الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷

فما هلك فی یدها فعلیها هلک، هذا کله من اوله الیٰ اٰخره مما افیض علی قلب الفقیر من فیض القدیر واخذته تفقها من کلمات العلماء، اعظم الله اجورهم یوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالیٰ وله الحمد علیه وما اخطأت فمن قصور نفسی وانا اتوب الیه اتقن هذه اتقانا کبیرا فان المسائل مما تمس الیه الحاجة کثیرا، فاغتنم هذا التفصیل الجمیل والحمد لله علی فیضه الجلیل، والله سبحٰنه وتعالیٰ اعلم۔	اس کا مالک ہوگیا۔ اب جو دلہن کے ہاتھ میں ہلاک ہوا تو اسی کے ضمان پر ہلاک ہوا۔ یہ سب کچھ رب قدیر کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا۔ میں نے اس کو بطور تفقہ علماء کرام کے اقوال سے اخذ کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کو عظیم اجر عطا فرمائے۔ جو کچھ میں نے درست کہا اس پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے اور جو میں نے غلطی کی تو وہ میرا اپنا قصور ہے۔ میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ اس کو بہت مضبوط بنائے۔ اس لئے کہ ان مسائل کی ضرورت زیادہ واقع ہوتی ہے، اس خوبصورت تفصیل کو غنیمت سمجھو، اور اللہ تعالیٰ کے فیض جلیل پر تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۳: از شہر کہنہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مجید اللہ خاں ولد کالے خاں ساکن شہر کہنہ نے اپنی جائداد موروثی دین مہر میں زوجہ کو دی یعنی مسماۃ امیر بیگم کو بعدہ مجید اللہ خاں مذکور کا انتقال ہوگیا بعد ازاں جائداد مرقومہ بالا کا داخل مسماۃ امیر بیگم کے نام بذریعہ گواہان کے ہوا یہ شخص گواہ تھے عنایت اللہ خاں صاحب ولد کالے خاں صاحب، دیگر گواہ شفیع علی خان صاحب ولد کالے خان صاحب، مجید اللہ خاں مرقومہ بالا کی ایک لڑکی تھی امیر بیگم، والدہ دختر نے اس کی شادی کردی، چند عرصہ کے بعد نصف جائداد جو بذریعہ مہر کے شوہر اپنے سے پہنچی تھی دختر مذکورہ کو دے دی اور اس کا داخل خارج بھی کردیا بگواہی عنایت اللہ خاں صاحب و شفیع علی خاں صاحب اور پٹی بانٹ اس وجہ سے نہیں ہوسکا کہ اس زمین میں جگہ جگہ غار تھے، دوسرے یہ کہ والدہ اور دختر میں اتفاق بھی بہت تھا حتی کہ تاحیات دختر سے جدا نہیں ہوئی، بعدہ مسماۃ امیر بیگم کی حیات میں دختر جس کے نام نصف جائداد کی تھی فوت ہوگئی مگر مسماۃ امیر بیگم نے وہ جائداد واپس نہیں لی اس پر قابض اور دخیل داماد رہا اور ہے اور جس وقت امیر بیگم کی علالت تھی اس وقت میں داماد مذکور سے وصیت کی کہ برخوردار من میری

تیمارداری کرو اور بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو اور جو کچھ تیمارداری میں خرچ ہو وہ روپیہ نصف جائداد باقیماندہ جو میرے نام ہے اس سے وصول کیجیو ورنہ میں حشر میں دامنگیر ہوں گی اور جو جائداد میں نے اپنی دختر کے نام کی تھی وہ تم کو بخوشی بخشی چونکہ تم نے میری خدمت مثل فرزند بطن کے کی ہے اور کرتے ہو، وصیت کے بعد مسماۃ امیر بیگم کا انتقال ہوگیا داماد مذکور نے قرض دام کرکے تجہیز و تکفین کی اور خرچ تیمارداری کیا اب مسماۃ امیر بیگم کو انتقال کیے ہوئے عرصہ چند ہوا اور مسماۃ امیر بیگم کے وارث یہ ہیں دو بھائی چچازاد اور دو شوہر کی ہمشیریں حیات ہیں، یہ جائداد جس کا ذکر ہے کس طرح پر تقسیم ہوگی اور قرضہ جو داماد مذکور نے خرچ تیمارداری میں اور تجہیز و تکفین میں کیا کس طرح وصول کرے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مسئولہ میں وہ ہبہ کہ امیر بیگم نے بنام اپنی دختر کے کیا بوجہ مشاع وغیر منقسم ہونے زمین کے محض باطل ہوگیا۔ تتمۃ الفتاوٰی پھر مشتمل الاحکام پھر فتاوٰی خیریہ میں ہے:

ھبة المشاع باطلة وھو الصحیح[1]۔	غیر منقسم کا ہبہ باطل ہے اور یہی صحیح ہے (ت)

اور داخل خارج کہ ایک عقد باطل پر مبنی ہوا خود باطل و بے اثر، اسی طرح اس کا موہوب مذکور کی نسبت اپنے داماد سے کہنا میں نے تجھ کو بخوشی بخشی کہ وہ بھی ہبہ ہے اور بوجہ شیوع باطل۔

فی الشامی عن الطحطاوی عن المکی عن الامام قاضی خاں وغیرہ ھبة المریض ھبة حقیقة وان کانت وصیة حکما۔[2]	شامی میں بحوالہ طحطاوی، بحوالہ مکی، بحوالہ امام قاضی خان وغیرہ ہے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے۔ (ت)

پس وہ زمین تمام و کمال ملک و ترکہ امیر بیگم ہے جس میں وارثان دختر یا خواہران شوہر کا اصلاً کچھ حق نہیں صرف امیر بیگم کے دونوں چچازاد بھائی بر تقدیر عدم موانع ارث وانعدام وارث دیگر اس کے مستحق ہیں کہ بعد ادائے دین و وصیت آپس میں نصف نصف کرلیں داماد مورثہ نے جو کچھ اس پر اس کی بیماری و تیمارداری میں اٹھایا وہ امیر بیگم پر اس کا قرض ہے کہ ترکہ امیر بیگم سے لے سکتا ہے فانه لما انفق بامرھا وقد افصحت بالرجوع لم یکن متبرعا (کیونکہ جب

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب الھبة دار المعرفة بیروت ۲/ ۱۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

اس نے مرحومہ کے امر سے خرچ کی اور اس نے رجوع کی تصریح کی تو یہ متبرع نہ ہوا۔ت) اسی طرح جو کچھ کفن ودفن بطریق سنت میں صرف کیا ہو وہ بھی اس کا دین ہے بشرطیکہ امیر بیگم کے حال کے مناسب عرف وعادت کے لحاظ سے جس قیمت کا کفن دینا چاہئے تھا اس سے بیش قیمت نہ دیا ہو ورنہ قیمت کفن اصلاً مجرانہ پائے گا۔ تنویر الابصار و در مختار و ردالمحتار میں ہے:

لوزاد الوصی علی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ ای الا اذا اوصی بھا وکانت تخرج من الثلث وفی القیمۃ وقع الشراء لہ(لانہ متعد فی الزیادۃ وھی غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی[1])۔	اگر وصی نے میت کے مثلی کفن میں زیادتی کی باعتبار تعداد کے تو زائد کا ضامن ہوگا (مگر جب اس کو اس کی وصیت کی گئی ہو اور وہ مال کے ایک تہائی سے پوری ہو سکتی ہو) اور اگر باعتبار قیمت کے زیادتی کی تو یہ خریداری وصی کے لئے واقع ہوگی (کیونکہ اس نے قیمت کی زیادتی میں تعدی کی اور وہ زیادتی ممتاز نہیں لہذا وہ میت کے لئے کفن کی خریداری میں متبرع ہوگا۔ رحمتی) (ت)

اسی طرح جو کچھ کفن دفن کے سوا فاتحہ، درود وسوم، چہلم، عورتوں کے جمع ہونے، ان کے پان چھالیہ کھانے پینے وغیرہ معمولی باتوں میں صرف ہوا اس کا بھی ایک حبہ مجرانہ ملے گا لوجوہ کثیرۃ وحسبک (متعدد وجوہات کی وجہ سے اور تجھے اتنا ہی کافی ہے کہ۔ت) قول امیر بیگم "بعد انتقال کے جو کچھ خرچ ہو" وصیۃ مھملۃ باطلۃ لانفاذ لھا اصلا (وصیت مہمل وباطل ہے جس کا بالکل نفاذ نہیں۔ت)

علامہ سائحانی مسئلہ تنویر الابصار وغیرہ اوصی بان یتخذ الطعام بعد موتہ للناس ثلثۃ ایام فالوصیّۃ باطلۃ[2] (کسی نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد تین دن لوگوں کے لئے کھانا تیار کیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ت) کی تعلیل میں لکھتے ہیں:

انھا وصیۃ للناس وھم لایحصون کما لوقال اوصیت للمسلمین ولیس فی اللفظ مایدل علی الحاجۃ فوقعت تملیکا من مجھول	کیونکہ یہ وصیت لوگوں کے لئے ہے جن کا شمار نہیں ہوسکتا جیسا کہ اگر وہ کہے کہ میں نے مسلمانوں کے لئے وصیت کی ہے درانحالیکہ لفظوں میں ایسی کوئی چیز نہیں جو حاجت پر دلالت کرے تو یہ مجھول

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷، ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

فلم تصح[1] اھ ش۔	کی تملیک واقع ہوئی ہو لہٰذا صحیح نہیں اھ۔(ت)

پھر جس قدر دین اس کا ذمہ امیر بیگم ثابت ہوا اسی کے لائق زمین کا ٹکڑا بیچ کر اپنا دین وصول کرسکتا ہے یا وارثان امیر بیگم اپنے پاس سے اس کا دین ادا کرکے خالص کرلیں۔ ردالمحتار کے باب الوصی میں ہے:

اذاکان علی المیّت دین اواوصی بوصیة ولم تقض الورثة الدیون ولم ینفذوا الوصیة من مالھم فانه یبیع الترکة کلھا ان کان الدین محیطا وبمقدار الدین ان لم یحط وله بیع مازاد علی الدین ایضا عندابی حنیفة خلافالھما قال فی ادب الاوصیاء و بقولھما یفتی کذا فی الحافظیة والقنیة وسائر الکتب اھ ملخصا[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	جب میت پر قرض ہو یا اس نے کوئی وصیت کی ہو اور ورثاء نے اس کا قرض اپنے مال سے ادا نہ کیا اور نہ ہی اس کی وصیت کو نافذ کیا تو وصی تمام ترکہ کو بیچ سکتا ہے اگر قرض اس کو محیط ہو اور قرض ترکہ کو محیط نہ ہو تو قرض کے برابر ترکہ میں سے بیچ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک قرض سے زائد ترکہ کو بھی بیچ سکتا ہے بخلاف صاحبین کے۔ ادب الاوصیاء میں کہا کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر دیا جائے گا۔ ایسا ہی حافظیہ، قنیہ اور دیگر کتابوں میں ہے، اور اسی کی مثل بزازیہ میں ہے اھ تلخیص (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۴: از وطن مرسلہ نواب مولوی سلطان علی خان صاحب ۲ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

چہ می فرمایند علماء رحمہم اللہ تعالٰی در وصیت مطلقہ موصی لہم مردوزن باشند تقسیم برایشاں مساوی شود یا للذکر ضعف الانثی۔	کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم وصیت مطلقہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے کی گئی، تو کیا ان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم وصیت مطلقہ کے بارے میں جو مردوں اور عورتوں کیلئے کی گئی، تو کیا ان سب پر برابر تقسیم ہوگی یا مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا؟

الجواب:

چوں صراحةً واشارةً بہیچ گونہ تفصیل وتفضیل	جب صراحةً اور اشارةً کسی قسم کی تفصیل موجود نہیں

[1] ردالمحتار بحوالہ السائحانی کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۴

احد النوعین علی الآخر مستفاد نباشد بہر ہر ہمہ علی السویہ بخش کنند لعدم الفضل بعدم الفصل پس اگر مثلاً برائے اولاد زید وصیت کند پسران ودختران ہمہ برابر باشند واگر برائے ورثہ زید پس للذکر مثل حظ الانثیین زیراکہ تعبیر بلفظ ورثہ دلیل است برآنکہ حیثیت وراثت او ملحوظ داشتہ پس ہم بحساب وراثت خواہند یافت وتمامہ فی ردالمحتار[1] من الوصیۃ للاقارب۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اور نہ ہی ایک نوع کی دوسری نوع پر کوئی فضیلت سمجھی جارہی ہے، لہٰذا ہر ایک کو برابر برابر حصہ دیں گے کیونکہ فرق نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں ہوگی، لہٰذا مثال کے طور پر اگر زید کی اولاد کے لئے وصیت کرے اس میں بیٹے اور بیٹیاں سب برابر ہوں گے، اور اگر زید کے ورثاء کے لئے وصیت کرے اس صورت میں مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصہ کے برابر ہوگا اس لئے کہ لفظ ورثاء کے ساتھ تعبیر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے وراثت کی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ وہ وراثت کے حساب سے حصہ پائیں گے۔ پوری تفصیل ردالمحتار کے باب الوصیت للاقارب میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از میرٹھ بازار لال کرتی مرسلہ جناب مولوی محمد عبدالسمیع صاحب ۴/ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

بخدمت شریف مخدوم ومکرم محقق ومدقق جناب مولانا محمد احمد رضا خاں صاحب ادام اللہ فیوضہ وبرکاتہ وضاعف اجورہ وحسناتہ، بعد اتحاف ہدیہ سلام مرفوع برائے خورشید انجلائے باد، اس مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی جاتی ہے کہ ایک عورت نے وصیت کی تھی کہ ایک شخص کو کہ یہ سو پچاس روپیہ میرا ہے اس کا یہ بندوبست کیجیو کہ جب کوئی موسم کا میوہ چلا کرے میری فاتحہ اس پر دلا کر تقسیم کردیا کرو، وصی نے ایسا ہی کیا، لیکن ایسا بھی کیا کہ اس مال مذکور سے کوئی کتاب دینی غریب طالب علم کو دلوادی، اور یہ بھی کیا کہ دہم وچہلم کی تواریخ معینہ میں مساکین کو کھانا کھلادیا فاتحہ دلا کر، اور ایک دو خرچ ایسے کئے کہ اس عورت کے مرنے کی خبر سن کر جو دو ایک جگہ سے آدمی آئے تھے اور اس عورت کا کوئی ولی نہ تھا جو ان کی مہمانی کرتا، ان کی مہمانی میں بھی روپیہ مذکورہ سے کچھ صرف ہوا، اب یہ سب اخراجات بقیاس قاعدہ نذر کا اس میں تعین زمان ومکان ومال وانفاق کی قید پر نظر رکھنا واجب نہیں ہے جائز ہوئی یا نہیں۔ وصی نے ان سب کو مصرف خیر سمجھ کو صرف کردیا کہ مقصود فاتحہ میوہ جات سے ایصال ثواب ہے ایصال ثواب ہوگیا اب

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۸

جو دس بیس روپیہ باقی ہے اس کا ارادہ ہے کہ مدرسہ میں دے دوں، اب آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں میرا رجحان تو جواز کی طرف ہوتا ہے۔

الجواب:

رائے سامی قرین صواب ہے اس لفظ میں کہ تقسیم کردیا کیجو نہ کسی قوم محصورین کے لئے وصیت ہے نہ لفظ منبیئ حاجت تو ظاہر بطلان وصیت،

کما هو مقتضی الضابطة المعروفة فی الوصایا قال فی الدر المختار والاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعها لله تعالٰی وهو معلوم وان کان لاینبیئ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت وتمامه فی الاختیار۔[1]	جیسا کہ وصیتوں کے بارے میں معروف ضابطہ کا تقاضا ہے، درمختار میں فرمایا ضابطہ یہ ہے کہ وصیت جب ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیسا کہ فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے، تو یہ وصیت صحیح ہوگی اگرچہ جن کے بارے میں وصیت کی گئی وہ غیر منحصر ہوں، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی، اور یہ معلوم ہے، اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر نہ دیتا ہو تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ منحصر ہیں تو وصیت صحیح ہوگی اور اس وصیت کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ منحصر نہیں تو وصیت باطل ہوگی، اس کی پوری تفصیل اختیار میں ہے۔(ت)

مگر اس کا کہنا "میری فاتحہ دلا کر" یہ بتارہا ہے کہ تقسیم مساکین پر مقصود تو لفظ میں اشعار بحاجت وقربت موجود گویا یوں کہا کہ ہر موسم میں اس کا میوہ خرید کر لوجہ اللہ مساکین پر تقسیم کردیا کرو یہ قطعًا وصیت صحیحہ جائزہ ہے۔

کذا هذا فی الهندیة عن الخانیة مریض قال بالفارسیة صددرهم از من بخشش کنید قال الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالٰی هی	یُوں ہی ہندیہ میں بحوالہ خانیہ منقول ہے کہ ایک مریض نے فارسی زبان میں کہا" میری طرف سے سَو درہم بخشش کر دو"۔ شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہا یہ وصیت باطل ہے

[1] الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

باطلة لان ھذا للاغنیاء والفقراء جمیعا ولوقال صددرھم از من رواں کنید قال کانت الوصیة جائزة لان ھذا اللفظ یرادبه القربة۔[1]	کیونکہ یہ اغنیاء اور فقراء سب کے لئے ہے۔اور اگر کہا"میری طرف سے سَودرہم رواں کردو"تو امام ابوبکر نے کہاکہ وصیت جائز ہے،کیونکہ اس لفظ سے قربت مراد ہوتی ہے۔ (ت)

اورمذہب صحیح اور مفتی بہ میں موصی جس چیز کی مساکین کے لئے وصیت کرے وصی کواختیار ہے کہ وہ نہ دے اس کی قیمت تصدق کردے وبالعکس یعنی روپے خیرات کرنے کی وصیت ہوتوچیز خرید کر صدقہ کرسکتاہے۔

فیھا عنھا رجل اوصی بان یتصدق عنه بالف درھم فتصدقوا عنه بالحنطة او علی العکس قال ابن مقاتل یجوز ذٰلك وقال الفقیه ابواللیث وبه ناخذ ولو اوصی بان یباع ھذا العبد ویتصدق بثمنه علی المساکین جازلھم ان یتصدقوا بنفس العبد ولو قال اشتر عشرة اثواب وتصدق بھا فاشتری الوصی عشرة اثواب له ان یبیعھا ویتصدق بثمنھا[2]اھ ملخصًا۔	ہندیہ میں خانیہ ہی کے حوالے سے ہےایک شخص نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے ہزاردرہم صدقہ کئے جائیں توانہوں نے اس کی طرف سے گندم صدقہ کردی یامعاملہ اس کے بر عکس ہوا۔ابن مقاتل نے کہایہ جائز ہے۔فقیہ ابواللیث نے کہا ہم اسی سے اخذ کرتے ہیں۔اوراگروصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ دیاجائے اوراس کی قیمت صدقہ کردی جائے توان کے لئے جائزہے کہ وہ خود غلام کوصدقہ کردیں۔اوراگرکہادس کپڑے خریدواوران کوصدقہ کردو۔پھروصی نے دس کپڑے خریدلئے تواسے اختیارہے کہ وہ ان کپڑوں کو بیچ دے اوران کی قیمت صدقہ کردے الخ تلخیص(ت)

یونہی اس کے کلام سے اس صدقہ کاچند موسم بدفعات اداکرنانکلتاہےاس کااتباع بھی ضرورنہیں وصی کواختیار ہے کہ ایک وقت میں سب روپیہ تصدق کردے،

فیھا عنھا لوقال اوصیت	ہندیہ میں خانیہ سے ہی منقول ہے،اگرکہا

[1] الفتاوی الھندیہ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۵

[2] الفتاوی الھندیہ کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴

بان یتصدق من ثلثی کل سنة مائة درهم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنة الاولٰی ولایوزع علی السنة[1] اھ وفیھا عن الخلاصة عن النوازل لو اوصی بان یتصدق فی عشرة ایام فتصدق فی یوم جاز۔[2]	"میں نے وصیت کردی کہ میرے ترکہ کے ثلث میں سے ہر سال سَو درہم صدقہ کئے جائیں" تو اس صورت میں وصی پہلے ہی سال پورے ثلث کو صدقہ کردے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے اھ ہندیہ میں بحوالہ خلاصہ نوازل سے منقول ہے اگر وصیت کی کہ دس دنوں میں صدقہ کیا جائے، اور وصی نے ایک دن میں صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ (ت)

پس وصی نے جو کتاب اس مال سے خرید کرکے مسکین کو دی یا مساکین کو کھانا کھلایا سب جائز و بجا واقع ہوا، یونہی اب جو روپیہ باقی ہے جائز کہ مدرسہ کے طلبہ مساکین کو نقد یا کپڑا یا کھانا یا کتابیں خرید کردے دے خواہ امداد طلبہ مساکین کو جو تنخواہ مقرر ہو اس میں صرف کردے غرض جس قدر وجوہ تصدق ہیں سب کا اختیار رکھتا ہے رہاوہ کھانا کہ اہل تعزیت کو کھلایا اگر وہ محل تصدق تھے اور انہیں بطور تصدق کھلایا جائز ہوا، اور اگر اغنیاء تھے ناجائز، اور اس قدر روپے کا تاوان ذمہ وصی لازم، مگر یہ کہ اسے دھوکا ہوا اور اپنے نزدیک محل صدقہ جان کر تصدق کیا ہو،

فیھا عن التاتارخانیة سئل عن رجل اوصی بثلث ماله للفقراء فاعطی الوصی الاغنیاء وھو لایعلم قال محمد رحمه الله تعالٰی لایجزیه والوصی للفقراء ضامن فی قولھم جمیعا۔[3]	ہندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے، اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے فقیروں کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی اور وصی نے لاعلمی میں اغنیاء کو دے دیا، امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ یہ کفایت نہ کرے گا۔ اور تمام ائمہ کے قول کے مطابق وصی فقیروں کے لئے ضامن ہوگا۔ (ت)

اسی طرح اگر کھانا بطور تملیک نہ تھا بلکہ جس طرح دعوت میں بر سبیل اباحت کھلایا جاتا ہے کہ

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۵

[2] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴

[3] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الثامن مسائل شتی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۵

کھانے والوں کو طعام کامالک نہیں کیاجاتا ہے بلکہ مِلک مالک پراس کے اذن سے تصرف کرتے ہیں، تو بھی ناجائزاور تاوان لازم ہوگا،

فانه انما کان مامورا بالتصدق ولاتصدق الا بالتملیك ولاتملیك فی الاباحة وکل ذٰلك ظاهر عـــه عندمن له المام بالفقة. والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ اس کو توفقط صدقہ کرنے کاحکم دیاگیاتھااور صدقہ تملیک کے بغیر نہیں ہوتا۔اور اباحت میں کوئی تملیک نہیں۔ یہ سب کچھ اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس کو فقہ کے ساتھ کچھ بھی تعلق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بحالت شدت مرض میں کہ امید حیات قطع ہوچکی تھی اور طاقت حس وحرکت بالکل نہ تھی مگر ہوش وحواس باقی تھے ایک دستاویز ہبہ نامہ اپنی دختر کے نام اس طورپر لکھی کہ اس میں ایک دکان خاص اپنی مملوکہ اور ایک مکان کہ واقع میں مملوک دختر ہی تھاشامل اوراسی حالت میں ایک حویلی اپنی ماں کو بقدر سہام شرعی اس کے لائق ہوگی ہبہ لکھ دی اور زر ثمن معاف کردیااوراپنے خرچ دفن کے لئے تیس روپیہ اپنی بیٹی کے سپرد کر دیئے اور وصیت کردی کہ یہ روپے میری تجہیز وتکفین میں خرچ کرنا اگرزیادہ ضرورت ہوتو میرے زیور سے کوئی چیز بیچ کر ڈالنااورایک دکان جو میرے مال سے باقی ہےاس میں سے ڈائی سوروپے جو مجھ پر قرض ہیں ادا کرنااور کچھ مسجد وغیرہ میں خرچ کرنا اور میرے بھائیوں کو دینا اس وقت کسی شخص نے کہا تمہارے بھائی مسکین ہیں اور حاجتمند ہیں ان کاحق پورادا کرنا خرچ مسجد وغیرہ سے اولٰی ہے توکہا جوشریعت سے ہو اور بہتر ہو بعدہ ہندہ نے ایک دختر اور تین برادر حقیقی اور ماں چھوڑ کرانتقال کیا اس صورت میں اشیائے منقولہ وغیر منقولہ کس طرح تقسیم ہوں گی اور ہرایک کو کتنا کتنا پہنچے گا اور وہ دستاویز جائزیاناجائزاور بھائیوں کاحق پورادیاجائے گایانہ اور خرچ تجہیز وتکفین میں کیادخل ہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل مظہر کہ ہندہ نے اسی حالت میں دوایک روز بعدوفات پائی توصورت مستفسرہ میں وہ

عـــہ: **ھٰھنا سقط ولعله عند** صح ۱۲ اختر رضاخاں ازہری غفرلہ

مرض بلاشبہہ مرض الموت تھا،

فی الدرالمختار قیل مرض الموت ان لایخرج لحوائج نفسه وعلیه اعتمد فی التجرید بزازیة و المختار انه ماکان الغالب منه الموت وان لم یکن صاحب فراش قهستانی عن هبة الذخیرة[1]۔	درمختار میں ہے کہا گیا ہے کہ مرض الموت یہ ہے کہ مریض اپنی حاجتوں کے لئے گھر سے نہ نکل سکے، اسی پر اعتماد کیا ہے تجرید میں (بزازیہ)، اور مختار یہ ہے کہ اس کے سبب سے غالب موت ہو اگرچہ وہ صاحب فراش نہ ہو اور یہ بات قہستانی نے ذخیرہ کے باب الہبہ سے نقل کی۔ (ت)

اگرچہ ہوش وحواس بالکل صحیح ہوں کہ اختلال کچھ مرض الموت کے لئے شرط نہیں،

والالم تکن تبرعاته نافذة فی الثلث موقوفة فی الزائد مثلاً بل بطلت عن اٰخرها کمالایخفٰی۔	ورنہ یوں نہ ہوگا کہ اس کے تبرعات ایک تہائی میں نافذ ہوں اور اس سے زائد میں موقوف ہوں، بلکہ یہ وصیت سرے سے ہی باطل ہوگی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

پس ہندہ نے جو مال اپنا اپنی دختر کو ہبہ کیا بشرطیکہ اپنی زندگی میں دختر کا قبضہ کاملہ کرادیا ہو اور جو کچھ اپنی ماں کے ہاتھ بیچا اور وہ زر ثمن کہ ماں کو معاف کیا اور دکان باقیماندہ سے بعد ادائے قرض جو بھائیوں کو کچھ دینا کہا چاروں تصرف اجازت باقی ورثہ پر موقوف ہیں ہبہ بنام دختر میں مادر وبرادران کی اجازت درکار ہے اور بیع وہبہ ثمن بنام مادر میں دختر وبرادران اور بھائیوں کو کچھ دینے کے باب میں مادر ودختر کی اجازت چاہئے جس تصرف کو باقی سب ورثہ جائز رکھیں گے بشرطیکہ وہ عاقل بالغ ہوں پورا نافذ ہوجائے گا جیسے باقی ورثہ سے کوئی اجازت نہ دے بالکل باطل ہوجائے گا اور جسے بعض اجازت دیں بعض نہ دیں تو صرف اجازت دہندہ عاقل بالغ کے حصہ میں نفاذ پائے گا باقی کے حصہ میں باطل وبے اثر ہوگا تو جس چیز میں باقی سب ورثہ کی اجازت معتبر شرعیہ ہوگئی وہ تمام وکمال اسی کو ملے گی جس کے نام ہندہ نے کردی دوسری کے ورثہ اس میں سے اصلا حصہ نہ پائیں گے اور کسی کی اجازت نہ ہوئی تو وہ کل ترکہ میں شامل کی جائے گی اور بعض کی ہوئی اور بعض کی نہ ہوئی تو اجازت نہ دینے والے اس میں سے حصہ پائیں گے اور دینے والوں کا حصہ اسے جس کے نام وہ چیز کی گئی تھی

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۰

اور بھائیوں کے نام وصیت میں کچھ دینا ہے جس کی مقدار ہندہ نے معین نہ کی تو ان کی تعین مقدار مادر و دختر کے متعلق ہو گی اگر دونوں اس وصیت کو جائز رکھیں تو دونوں سے کہا جائے گا تو اپنے حصہ سے جو مناسب سمجھے بنام وصیت انہیں دے، اور ان سب صورتوں میں اجازت وہ معتبر ہو گی جو بعد موت ہندہ واقع ہوئی مثلاً حیات ہندہ میں کسی تصرف کو کوئی وارث تسلیم کر چکا تھا اس کی موت کے بعد اب جائز نہیں رکھتا تو وہ اجازت نہ دینا ہی ٹھہرے گا مگر بعد موت اجازت دے کر پھرنے کا کسی کو اختیار نہیں مثلاً موت ہندہ پر کسی وارث نے ان میں سے کسی تصرف کی اجازت دے دی تو اس کی طرف سے اجازت ہو گئی اور اس کے حق میں نافذ ہو چکا اب اس سے رجوع نہیں کر سکتا۔ رہی مسجد وغیرہ کے لئے وصیت جبکہ ہندہ نے اسے قائم نہ رکھا بلکہ کہہ دیا جو شریعت میں بہتر ہو تو حکم شرع یہ ہے کہ تہائی مال سے کم کی وصیت اگرچہ مستحب ہے مگر جب ورثہ محتاج ہوں اور انہیں اس کے متروکہ سے ہر ایک کو اتنا نہ پہنچتا ہو جو اسے غنی کر دے تو وصیت کا ترک ہی اولٰی ہے، اور غنی ہونے کی مقدار یہ ہے کہ ہر وارث محتاج کو کم سے کم چار ہزار درہم کے قدر مال پہنچے جو یہاں کے روپے سے گیارہ سو بیس روپے ہوتے ہیں پس اگر ہندہ کا مال جو شرعاً بعد لحاظ مسائل مذکورہ بالا اس کا ترکہ قرار پائے بعد ادائے دین واخراج وصیت دس ہزار اسی روپے کی مالیت کا رہے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ نافذ کی جائے گی اور اس کے مقدار کا بیان پانچوں وارثوں کے متعلق ہو گا جو ان کا جی چاہے دے دیں جب اتنی مالیت قابل تقسیم ورثہ رہے تو ہر بھائی کو گیارہ سو بیس کا پہنچے گا جو اسے غنی کر دے گا اور ایسی حالت میں وصیت افضل ہے اور اگر اتنی مالیت نہ بچے تو وصیت بنام مسجد وغیرہ منسوخ ہو گئی کہ اس صورت میں افضل ترک وصیت ہے اور تجہیز وتکفین سے مصارف غسل وکفن ودفن بقدر سنت مراد ہیں فاتحہ درود کے خرچ اس میں شامل نہیں،

فی الدرالمختار اعتاقه ومحاباته وهبته و وقفه و ضمانه کل ذٰلك حکمه کحکم وصیة[1] اھ	در مختار میں ہے مریض کا آزاد کرنا، بیع میں سہولت برتنا، ہبہ کرنا، وقف کرنا اور اس کا ضامن ہونا ان میں سے ہر ایک کا حکم وصیت کے حکم کی طرح ہے اھ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

فی ردالمحتار قوله هبته اما اذامات ولم یقبض فتبطل الوصیة لان هبة المریض هبة حقیقة وان کانت وصیة حکما کما صرح به قاضیخاں وغیره عن المکی[1] اھ۔وفی الدرلالوارثه الاباجازة ورثته وهم کبار عقلاء فلم تجز اجازة صغیرومجنون ولواجاز البعض وردالبعض جاز علی المجیز بقدر حصته[2] اھو فیه وقف بیع المریض لوارثه علی اجازة الباقی[3] وفی ردالمحتار ولوبمثل القیمة وان مات منه و لم تجز الورثة بطل فتح[4] اھ.وفی الدرولاتعتبر اجازتهم حال حیاته اصلا بل بعدوفاته[5] اھ	ردالمحتار میں ہے کہ ماتن کا قول "اس کا ہبہ کرنا" اس کا مطلب یہ ہے کہ موت سے پہلے اس پر قبضہ ہوجائے، لیکن اگروہ مر گیا اور قبضہ نہ کیا تو وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہے اگرچہ حکماً وصیت ہے جیسا کہ قاضیخان وغیرہ نے مکی کے حوالے سے اس کی تصریح کی الخ۔ درمختار میں ہے کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے دوسرے وارثوں کی اجازت کے اس حال میں کہ وہ بالغ اور عاقل ہوں، لہٰذا نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے رَد کردیا اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے برابر جائز ہے اھ اسی میں ہے کہ مریض کی بیع کسی وارث کے لئے باقی وارثوں کی اجازت پر موقوف ہوگی، ردالمحتار میں ہے اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو، اگروہ مرگیا اور وارثوں نے اجازت نہیں دی تو وہ بیع باطل ہوگئی، فتح اھ۔ درمختار میں ہے کہ اس کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد اھ

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۳۵

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی ۲/ ۳۱۹

[3] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی ۲/ ۳۲

[4] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی ۴/ ۱۳۹

[5] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

وفیه اذا اوصی بالزیادة علی الثلث اولقاتله اولوارثه فاجازتها الورثة حیث لایکون لهم المنع بعد الاجازة بل یجبرواعلی التسلیم لماتقرران المجاز له یتملکه من قبل الموصی عندنا وعند الشافعی من قبل المجیز[1] اھ وفیه وبجزء او سهم من ماله فالبیان الی الورثة یقال لهم اعطوه ماشئتم اھ[2] فی رد المحتار مثله الحظ والشقص و النصیب والبعض جوهرة[3] اھ و فی الدر ندبت باقل منه ولو عندغنی ورثته او استغنائهم بحصتهم کما ندب ترکها بلاغنی او استغناء لانه ح صلة وصدقة[4] اھ فی رد المحتار صیرورتهم اغنیاء بان یرث کل منهم	اسی میں ہے کہ جب ایک تہائی سے زائد کی وصیت کی یا اپنے قاتل کے لئے وصیت کی یا اپنے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسرے وارثوں نے اس کی اجازت دے دی، تو اب ان وارثوں کو اجازت دینے کے بعد روکنے کا اختیار نہیں، بلکہ اس کو سونپنے پر وہ مجبور کئے جائیں گے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی کہ جس کے لئے اجازت دی گئی ہمارے نزدیک وہ وصیت کرنے والے کی طرف سے مالک بنتا ہے اور امام شافعی کے نزدیک اجازت دینے والے کی طرف سے اھ، اور اسی میں ہے کہ اپنے مال کی ایک جزء یا ایک حصہ کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے سپرد ہو گا ان کو کہا جائے گا کہ جو حصہ چاہو اس کو دے دو اھ۔ ردالمحتار میں ہے اسی کی مثل حکم ہو گا اگر مرنے والے نے اپنے مال میں کسی حظ، شقص، نصیب یا بعض کی وصیت کی، جوہرہ الخ۔ درمختار میں ہے ایک تہائی مال سے کمتر میں وصیت کرنا مستحب ہے اگرچہ وہ وصیت وارثوں کی مالداری کے ساتھ ہو یا میراث کے حصوں کی وجہ سے ان کو استغناء حاصل ہو رہا ہو جیسا کہ وارثوں کے مالدار نہ ہونے اور میراث کے حصوں کے سبب

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷-۳۲۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹

[4] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

اربعة اٰلاف درهم علی ماروی عن الامام اویرث عشرة الآف درهم علی ماروی عن الفضلی القهستانی عن الظهیریة واقتصر الاتقانی علی الاول [1] اھ وفی الدر وللموصی الرجوع عنها بقول صریح او فعل [2] الخ وفی الطحطاوی علی الدر التجهیز لایدخل السبح و الصمدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة [3] الخ۔	مستغنی نہ ہونے کی صورت میں وصیت کو ترک کرنا مستحب ہے کیونکہ اس صورت میں ترک وصیت صلہ رحمی اور صدقہ ہے اھ۔ ردالمحتار میں ہے ان کے غنی ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ ہر ایک ان میں سے چارہزار درہم کا وارث بنے جیسا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول ہے، یا دس ہزار درہم کا وارث بنے جیساکہ امام فضلی قہستانی سے بحوالہ ظہیریہ منقول ہے، اتقانی نے قول اول پر اقتصار کیا اھ۔ در مختار میں ہے کہ موصی کو وصیت سے رجوع کا اختیار ہے چاہے صریح قول کے ساتھ رجوع کرے یا فعل کے ساتھ الخ۔ درمختار کے حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ دعا و درود، ختم قل وچہلم، لوگوں کا اجتماع اور کھانے کا اہتمام وغیرہ تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ امور لازمہ میں سے نہیں الخ۔ (ت)

ان سب مسائل مذکورہ کے بعد جو متروکہ ہندہ ٹھہرے بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین واجزائے وصیت بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین اٹھارہ سہام پر منقسم ہو کر تین سہم مادر اور نو دختر اور دو دو ہر برادر کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۷: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مری اس نے اپنی حیات میں وصیت کی کہ میرا جو کچھ ہے وہ سب راہ خدا یعنی تعمیر مسجد وغیرہ میں خرچ کیا جائے۔ اب ازروئے شرع کے جو حکم ہو وہ کیا جائے اور اس کے وارثوں میں ایک زوج اور دو دختر اور ماں باپ اور ایک برادر اور ایک ہمشیرہ اس نے چھوڑی اور زیور ساختہ زوج کا وہ زوج کے پاس ہے کس کا حق قرار پائے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ اُن وارثوں میں دونوں لڑکیاں نابالغہ ہیں اور زیور کہ زوج نے بنایا صرف پہننے کو

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

دیا تھا عورت کو ہبہ نہ کیا تھا، وہاں تملیک کا عرف ہے، بلکہ یونہی پہننے کو بنادیتے ہیں۔ پس صورت مستفسرہ میں اگر سب بیان واقعی ہیں تو زیور ساختہ زوج ملک زوج ہے اس میں ورثہ زوجہ کا کچھ حق نہیں اور متروکہ عورت سے اگر اس پر کوئی دین ہو ادا کیا جائے اس کے بعد جو باقی بچے اس کا ایک ثلث تعمیر مسجد وغیرہ میں حسب وصیت صَرف کردیں اگرچہ ورثہ راضی نہ ہوں دو ثلث کہ باقی رہے اس کی تقسیم برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین پندرہ سہام میں سے زوج کے تین ماں باپ کے دو دو، ہر دختر کے چار چار اور برادر وخواہر کا کچھ نہیں پھر ایک ثلث میں وصیت نافذ کرنے کے بعد دو ثلث باقی ماندہ سے دونوں بیٹیوں کا حصہ تو ضرور رہے دیا جائے گا کہ بوجہ نابالغی ان کے حق میں وصیت کسی طرح عمل نہیں کرسکتی باقی تینوں وارثوں میں جو شخص وصیت کی اجازت نہ دے اس کا حصہ اسے دیا جائے گا اور جو جائز رکھے اس کا حصہ بھی وصیت کے مطابق صَرف کردیا جائے گا، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۸: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی محبوب علی نے اپنی حالت صحت ونفاذ تصرفات میں اپنی جائداد مملوکہ مقبوضہ اپنی زوجہ ہندہ کے نام بعوض اس کے دین مہر کے منتقل کردی بعدہ محبوب علی کا انتقال ہوا، اب ہندہ نے ایسی حالت میں کہ اسے مرض فالج ہوچکا تھا جسے ایک سال سے زائد گزرا اور اب کوئی حالت اس کی ترقی روزانہ اور اس سے غلبہ خوف ہلاک کی نہ تھی بلکہ مزمن ہوچکا تھا وہ جائداد اپنے شوہر کے بھانجے کو اس کے حسن خدمت کے صلہ میں ہبہ کی اور شرعی اور نیز قانونی تکمیل کردی، ہندہ ہنوز زندہ ہے، اب زید کہ محبوب علی کے چچا کی اولاد میں اور اس کا عصبہ ہے اس ہبہ پر فرض ہوتا اور جائداد میں اپنا حصہ بتاتا ہے اس صورت میں اس کا یہ دعوی مسموع اور ہبہ مذکورہ باطل ومرفوع ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہبہ مذکورہ تام وکامل اور دعوی زید نامسموع وباطل، محبوب علی نے جو جائداد اپنی صحت میں اپنی زوجہ کو بعوض دین مہر دے دی محبوب علی وورثہ محبوب علی کو اس سے کچھ تعلق نہ رہا، ہندہ اس کی مالک مستقل ہوگئی مالک کو اختیار ہے کہ اپنی صحت میں اپنا مال جسے چاہے دے دے کسی کو اس پر اعتراض نہیں پہنچتا، زید اگرچہ بذریعہ وراثت محبوب علی مدعی ہے تو وراثت محبوب علی کو مال ہندہ سے کیا علاقہ، اور اگر وہ ہندہ کا بھی وارث شرعی اور اس بناپر مدعی ہے تاہم حیات مورث میں دعوی وراثت کیا معنی، ہاں اگر کوئی شخص مرض موت میں اپنا مال کسی کو ہبہ کرے تو

وہ ہبہ بمنزلہ وصیت ہوتا ہے جس کا اثر یہ کہ بعد موت واہب اس کے ورثہ کو ثلث کو کل متروکہ واہب کے لحاظ سے اگر ہبہ میں کچھ زیادت ہوئی ہو تو صرف اس مقدار زائد میں اختیار اعتراض ہے زندگی واہب میں یہ اعتراض بھی نہیں پہنچتا کہ ابھی اس مرض کا مرض ہونا ہی معلوم نہیں، کیا معلوم کہ شفا ہو جائے تو مرض موت نہ رہے کہ مرض موت تو وہ مرض مہلک ہے جس میں موت واقع ہو جائے معہذا حیات مورث میں اس کے ثلث مال کی تعیین بھی ناممکن جس سے خیال کرسکیں کہ یہ ہبہ اس حد کے اندر یا اس سے زائد ہے، کیا معلوم کہ جو مال اب ہے اس سے زائد اسے کسی وجہ سے اور حاصل ہو جائے کہ جسے اس وقت ثلث سے زائد تصور کرتے ہیں ثلث سے کم رہ جائے، پھر ہندہ کا مرض مذکور کو مرض موت کی اصل جنس ہی سے خارج کہ جو مرض مزمن ہو جائے وہ مرض موت نہیں رہتا اگرچہ اس میں موت واقع ہو۔ بالجملہ دعوی زید اصلاً کسی طرح کوئی وجہ صحت نہیں رکھتا۔ درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

تصرفات المریض نافذۃ وانما تنقض بعد الموت[1]۔	مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ موت کے بعد وہ ختم ہو جاتے ہیں (ت)

ہدایہ میں ہے:

لامعتبر باجازتھم فی حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عندالموت[2]۔	موصی کی زندگی میں وارثوں کی اجازت معتبر نہیں کیونکہ یہ ثبوت حق سے قبل ہوئی اس لئے کہ وارثوں کا حق تو موت کے وقت ثابت ہوتا ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

یعتبر کونہ وارثا اوغیروارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ[3]۔	وارث ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار موت کے وقت ہوتا ہے نہ کہ وصیت کے وقت (ت)

درمختار میں ہے:

ھبۃ مقعد وفالج ومسلول من کل مالہ ان طالت مدتہ سنۃ ولم یخف	مقعد، مفلوج اور سِل کے مریض کا ہبہ کا کل مال میں نافذ ہوتا ہے جبکہ بیماری سال تک لمبی ہو گئی اور

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰

موتہ منہ لانہا امراض مزمنۃ[1] اھ ملخصًا	موت کا خوف اس بیماری سے نہ رہا ہو کیونکہ یہ لمبی بیماریاں ہیں اھ تلخیص (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المراد من الخوف الغالب منہ لانفس الخوف کفایۃ[2]۔	خوف سے مراد خوف کا غالب ہونا ہے نہ کہ نفس خوف، کفایۃ (ت)

اسی میں ہے:

المانع من التصرف مرض الموت وھو مایکون سببا للموت غالبا وانما یکون کذٰلك اذاکان بحیث یزداد حالا فحالا الی ان یکون اٰخرہ الموت[3]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	تصرف سے مانع مرض الموت ہے اور وہ غالبًا موت کا سبب ہوتی ہے۔ اور بیشک ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ بیماری دن بدن بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی انتہاء موت پر ہوتی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱۹: ۲۲/رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ مرسلہ جمیل احمد صاحب پیلی بھیت محلّہ پکریا

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد سے بقید حیات اپنے عمرو کے واسطے اور بعد انتقال عمرو کی زوجہ کے واسطے مبلغ دوروپیہ مشاہرہ مقرر کیا تھا بقضائے الٰہی زید اور عمرو نے انتقال کیا اور زوجہ عمرو متوفی موجود ہے اس حالت میں زوجہ مذکورہ اس مشاہرہ مقررہ کی جو زید نے یعنی بقید حیات مقرر کیا تھا شرعًا ورثاء زید سے مستحق پانے کی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سائل مظہر کہ بعد انتقال سے مراد بعد انتقال عمرو ہے تو یہ وصیت نہ ہوئی **فان الوصیت انما تکون مضافۃ الی مابعد الموت** (کیونکہ وصیت تو موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ت) بلکہ صرف اپنی زندگی تک ایک تبرع کا وعدہ تھا **ولا جبر علی تبرع ولا علی وفاء وعد** (تبرع اور وعدہ پورا کرنے پر جبر نہیں ہوتا۔ت) اور سائل مظہر کہ زید نے اپنی حیات تک وعدہ وفا بھی کیا انتقال عمرو

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

سے پیشتر ہوا، غرض صورت مذکورہ میں خواہ وفائے وعدہ ہوا یا نہ ہوا زوجہ عمرو اس مشاہرہ کا مطالبہ نہ ورثائے زید سے کر سکتی ہے نہ ترکہ زید سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۲۰: مسئولہ نواب محمد میاں خاں صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک موضع کی نسبت وصیت کی کہ میرے باپ کے اور میرے وقت سے جو جو جس جس کا مقرر ہے وہ اس کی توفیر سے ادا ہوتا رہے، خالد نے موضع مذکور کا ٹھیکہ لیا اور تین برس تک حقوق مستحقین کو نگاہ رکھا اب اس نے بالکل بند کر لیا شرعاً خالد کا زندہ زید کو ایسا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور وصیت مذکورۃ الصدر شرعاً درست ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

وصیت جبکہ ثلث کل متروکہ موصی بعد ادائے دین سے زائد نہ ہو تو واجب النفاذ ہے وارث بھی اسے بند نہیں کر سکتے نہ کہ کارندہ یا ٹھیکیدار تو کل موضع مذکور اگر ثلث متروکہ زید سے زائد نہیں تو یہ وصیت بتمامہا ہمیشہ نافذ رہے گی۔

فی التنویر تجوز بالثلث للاجنبی وان لم یجز الوارث ذٰلک[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم	تنویر میں ہے اجنبی کے لئے ایک تہائی میں وصیت جائز ہے اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۸ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپے اور بعض چیزیں اپنی بہن کو دے کر یہ کہا کہ اسے اپنے پاس رکھو یا تو وقتاً فوقتاً ہم لے لیا کریں گے یا اگر ہمارا انتقال ہو گیا تو تم اس کو ہمارے نام پر صدقہ کر دینا ہم کو تم سے امید ہے کہ تم ہمارے بعد صدقہ کر دو گی، بخلاف باپ کے کہ ان سے امید نہیں اس کے بعد وہ شخص کچھ دن پیچھے مر گیا اب وارث اس کی بی بی اور اس کا باپ ہے تو آیا بہن حسب وصیت بھائی کے ان روپوں اور چیزوں کو بلا اطلاع ورثہ صدقہ کر دے یا ورثہ کے حوالے کر دے خواہ وہ صدقہ کریں یا نہ کریں مگر امید صدقہ کی نہیں پائی جاتی۔ **بیّنوا توجروا۔**

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

الجواب:

اگر وہ مال کل متروکہ شخص مذکور بعد ادائے مہر و دیگر دیون کے ثلث سے زائد نہیں تو وصیت بلااجازت ورثہ نافذہ ہے بہن کہ وصیہ ہے بلااطلاع ورثہ صدقہ کرسکتی ہے اور اگر زائد ہے تو صرف قدر ثلث تصدق کرسکتی ہے زیادہ میں حاجت اجازت ورثہ ہے اگر اجازت نہ دیں قدر زائد انہیں واپس دے اور اگر مہر یا اور کوئی دین تمام ترکہ کو محیط ہے تو وصیت اصلاً نافذ نہیں سب مال دین میں دیا جائے گا مثلاً مورث نے تین سو روپے کا مال وصیہ کے پاس رکھوایا اور سات سو روپے کا اور متروکہ ہے اور اس پر مہر وغیرہ کوئی دین نہیں تو ظاہر ہے کہ تین سو روپیہ ہزار روپے کے ثلث سے کم ہیں یا اس صورت میں مثلاً سو روپے کا مہر وغیرہ دین ہے تو ہزار میں سے دین کے سو نکل کر نوسو رہے یہ تین سو روپے ان کے ثلث سے زائد نہیں ان دونوں صورتوں میں پورا تین سو کا مال بہن تصدق کردے اور اگر مہر وغیرہ دیون کی مقدار چار سو روپے ہے تو بعد ادائے دیون چھ سو بچیں گے تین سو میں اس کے ثلث سے سو روپے زائد ہیں لہٰذا دو سو تصدق کرے اور سو کا تصدق اجازت ورثہ پر موقوف ہے اور اگر ہزار روپے یا اس سے زائد مقدار مہر و دیون ہے تو کچھ تصدق نہ کرے سب ان کی ادا میں صرف کیا جائے۔

والاحکام کلھا واضحۃ جلیلۃ معلومۃ متداولۃ فی عامۃ الکتب الفقھیۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور احکام تمام کے تمام واضح، روشن، معلوم اور فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۲: ۲۲/صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس (ماصہ) روپے بکر کے جمع ہیں اور بکر مر گیا اور اس کی وارث ایک بی بی ہے کہ اس نے اب دوسرا نکاح کرلیا ہے اور ایک بھائی حقیقی اور دو بھائی چچازاد ہیں تو ہر ایک کو اس میں سے کس قدر حصہ ملنا چاہئے اور سوائے اس کے ارادہ بکر کا حج کا تھا اور حج اس پر فرض بھی تھا لیکن مرتے وقت کوئی وصیت اس روپے کی بابت نہیں کی تھی سو اس صورت میں زید اگر چاہے تو اس کی طرف سے حج بھی کراسکتا ہے یا نہیں فقط مکرر یہ کہ مرتے وقت بکر کے حواس بھی درست نہیں تھے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

زید کو اس روپے میں کسی تصرف کا اختیار نہیں کہ وہ امانت دار تھا اب اس امانت کے مالک وارثان بکر ہوئے زید پر واجب ہے کہ سب روپے انہیں واپس دے۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهْلِهَا "[1] ۔	(اللہ تعالٰی فرماتا ہے) بیشک اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو پہنچادو۔

روپے اور جو کچھ ترکہ بکر ہو بر تقدیر عدم موانعات ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم دین و مہر و وصیت چار سہم پر منقسم ہو کر ایک سہم اس کی زوجہ اور تین حقیقی بھائی کو پہنچیں گے چچازاد بھائیوں کا کچھ حق نہیں، نکاح ثانی کرلینا عورت کے مہر یا میراث کو ساقط نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے وقت فوت گواہوں کے روبرو کہا کہ میرا کچھ قرض میری بہنوں پر آتا ہے وہ میں نے بعوض ان کے حصے کے اپنے ترکہ میں معاف کیا اب وارث میری صرف دو دختر ہیں، بعدہ چاروں وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

تخارج وغیرہ کوئی عقد نسبت ترکہ کہ حیات مورث میں ہو صحیح نہیں تو یہ قول زید کاأن لم یکن (نہ ہونے کے برابر ہے۔ ت) اب اگر خواہریں اس کی اس بات پر راضی ہو جائیں کہ بدلہ عــــہ قرضہ کے ترکہ سے دست بردار ہوں تو سب ترکہ زید بالمناصفہ اس کے دختروں کو پہنچے گا اور خواہروں کو کچھ نہ ملے گا اور اگر نہ راضی ہوں تو کل ترکہ مع اس قرضہ کے جو خواہروں پر ہے بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و تقدیم امور کاداء الدین واجراء الوصیہ وانحصار ورثہ فی المذکورین چھ سہام پر منقسم ہو کر دو دو سہم دختروں اور ایک ایک خواہروں کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر یتامٰی کے اولیاء واوصیاء ان کے مال سے قدرے شیرینی وغیرہ کوئی چیز ہدیۃً کسی کو بھیجیں تو اسے لینا جائز یا ناجائز؟ اور اگر بغرض تالیف قلوب و محابت یا بجہت قرابت رحمی اس شرط پر لے کہ اتنا ہی یا اس سے زیادہ معاوضہ کروں گا تو کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

عــــہ: لعل الصواب قرضہ کے بدلہ ۱۲ ازہری غفرلہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

الجواب:

وہ ولی جسے مال یتیم میں تصرف جائز ہو تین ہیں، باپ کا وصی، دادا اور دادا کا وصی۔ ان کے سوا اور اقارب اگرچہ مادر و برادر و عم و خواہر ہوں انہیں راسا تصرف فی المال کا اختیار نہیں۔

فی الدر المختار ولیه احد اربعة الاب ثم وصیه ثم الجد ثم وصیه[1] اھ ملخصًا۔	درمختار میں ہے اس کا ولی چار میں سے کوئی ایک ہوگا باپ پھر اس کا وصی۔ دادا پھر اس کا وصی اھ تلخیص۔ (ت)

اب رہے اولیائے ثلٰثہ انہیں بھی یہ مجال نہیں کہ مال یتیم کسی کو بخش دیں یا ہدیۃً دیں یا کسی طرح کا تبرع اس سے عمل میں لائیں، نہ مہدی الیہ یا موہوب لہ کو اس کا لینا جائز، اگرچہ ہزار قرابت رحمی رکھتا یا تالیف و محابت کا قصد کرتا ہو۔

قال تبارك وتعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠(۱۰)"[2]	(اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا) جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں یونہی ہے کہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں اور جلد بیٹھیں گے دہکتی آگ میں (ت)

اور شرط عوض بھی کچھ نافع نہیں کہ ہبہ بشرط العوض اگرچہ انجام میں بیع ہوجاتی ہے مگر ابتداءً ہبہ ہے اور وہ یہاں محض ناجائز، یہاں تک کہ ہمارے امام کے نزدیک باپ کو بھی اختیار نہیں کہ اپنے نابالغ بچہ کا مال بشرط عوض کسی کو دے۔

فی الدر المختار من الهبة عن الخانیة لایجوز ان یهب شیئا من مال طفله ولو بعوض لانها تبرع[3] وفیه ایضا لایخفی ان ماهو تبرع ابتداء ضار فلا یصح باذن ولی الصغیر کقرض[4] اھ۔	درمختار کے باب الہبہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ باپ کو یہ جائز نہیں کہ اپنے نابالغ لڑکے کے مال سے کچھ ہبہ کرے اگرچہ اس پر کچھ بھی لے کیونکہ یہ تبرع ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے پوشیدہ نہ رہے کہ جو ابتداء کے اعتبار سے تبرع ہو وہ مضر ہے چنانچہ ولی صغیر کی اجازت سے صحیح نہیں ہوسکتا جیسے قرض اھ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

[3] الدرالمختار کتاب الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۰

[4] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

البتہ اگر وصی یتیم مال یتیم کو ان لفظوں سے ہدیہ کردے کہ میں نے یہ چیز تجھے بعوض اتنے مال کے ہدیہ دی اور اس مال کی تعین و تبیین کردے اور مہدی لہ قبول کرے اور وہ یعنی جسے ہدیہ دیا گیا نہ میت کا وارث ہو نہ اس وصی کا ایسا قریب کہ اس کی گواہی اس کے لئے جائز نہ ہو یعنی اصول وفروع ماں باپ دادا دادی نانا نانی بیٹا بیٹی پوتا پوتی نواسا نواسی، تو یہ صورت جائز ہے بشرطیکہ اس میں غبن فاحش نہ ہو کہ ہبہ بالعوض ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے اور بیع وصی بشرائط مذکورہ روا۔

فی الدر المختار الھبة بشرط العوض المعین فھی ھبة ابتداء وبیع انتھاء وھذا اذاقال وھبتك علی ان تعوضنی کذا اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء وانتھاء وقید العوض بکونه معینا لانه لوکان مجھول بطل اشتراطه فیکون ھبة ابتداء وانتھاء [1]اھ ملخصا وفی تنویر الابصار صح بیعه وشرائه من اجنبی بما یتغابن الناس [2]اھ فی ردالمحتار قوله من اجنبی ای عن المیت وعن الوصی فلو باع ممن لا تقبل شھادته اومن وارث المیّت لایجوز [3]۔	درمختار میں ہے جو ہبہ عوض معین کی شرط کے ساتھ مشروط ہو وہ ابتداء کے اعتبار سے ہبہ اور انتہاء کے اعتبار سے بیع ہے، یہ اس صورت میں ہے جب واہب یوں کہے میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ فلاں چیز مجھے عوض میں دے لیکن اگر یوں کہے کہ میں نے تجھے فلاں چیز کے مقابلے میں ہبہ کیا کہ یہ ابتداء و انتہاء دونوں کے اعتبار سے بیع ہے اور عوض کے ساتھ معین ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ اگر وہ مجہول ہو تو شرط لگانا باطل ہوگیا چنانچہ یہ ابتداء وانتہاء دونوں کے اعتبار سے ہبہ ہوگا اھ تلخیص۔ تنویر الابصار میں ہے اس کی بیع وشراء اجنبی کے ہاتھ اتنے غبن کے ساتھ صحیح ہے جتنا لوگوں میں چلتا ہے اھ، رد المحتار میں ماتن کے قول "من اجنبی" کے تحت مذکور ہے یعنی وہ میت اور وصی سے اجنبی ہو۔ اگر ایسے کے ہاتھ بیچا جس کی شہادت وصی کے حق میں مقبول نہیں یا میت کے وارث کے ہاتھ بیچا تو جائز نہیں (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الهبه باب الرجوع فی الهبه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۳

مسئلہ ۱۲۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد یوسف کی حیات میں اس کی زوجہ نے انتقال کیاایک پسر اور ایک دختر وارث چھوڑے، مہراس کا ذمہ محمد یوسف کے رہا، محمد یوسف نے نکاح ثانی کیا، طرفداران زوجہ ثانیہ نے محمد یوسف کے مرض موت میں سب مال واسباب اس کابنام زوجہ ثانیہ محمد یوسف کے لکھوا کر رجسٹری کرادی وہ عورت اب اس پر قابض ہے، اس صورت میں شرعًا وہ تحریر محمد یوسف کی بنام زوجہ ثانیہ جائز ہے یانہیں اور مہر زوجہ اولٰی کا ترکہ محمد یوسف سے جس پر زوجہ ثانیہ قابض ہے ادا کیا جائے گا یانہیں اوراس کے پسر ودختر کو بھی اس میں سے کچھ ملے گا یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ عقد کہ محمد یوسف سے اس کے مرض موت میں صادر ہوا اگر ہبہ نہیں توبدون اجازت اور وارثوں کے صحیح نہیں کہ ہبہ مرض موت کا مثل وصیت کے ہے اور وصیت وارث کے لئے وقت وجود دیگر ورثہ کے بلااجازت اوروں کے نافذ نہیں،

فی فتاوی قاضیخان لان ہبۃ المریض وصیۃ والوصیۃ للوارث باطل[1]۔	فتاوٰی قاضی خان میں ہے مریض کاہبہ کرنا وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے۔(ت)

اور اگر بیع ہے تو یا کم قیمت کو ہے پس وراثت سے بغیر اجازت اور ورثہ کے اتفاقًا یا قیمت مساوی کو ہے تومذہب امام اعظم میں خلافًا للصاحبین جائز نہیں بہر تقدیر جب یہ عقد ناجائز ٹھہرا تو اول مہر زوجہ اولٰی اوراسی طرح ثانیہ کا، اگر ثابت ہو ترکہ سے علی السویہ اگر برابر ہوں ورنہ رسدی ادا کیا جائے گا مابقے بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم باقی امور مقدمہ علی المیراث کاجراء الوصیۃ واداء الدین چوبیس ۲۴ سہام پر منقسم ہو کر تین سہام زوجہ ثانیہ کو اور چودہ پسر اور سات دختر کو پہنچیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۶: (سوال دستیاب نہ ہوا)

الجواب:

صورت مسئولہ میں اگر محب اللہ کا اپنی بھانجی کے لئے یہ الفاظ کہنا اور وصیت کرنا ثابت ہو تو درصورت عدم اجازت ورثہ بر تقدیر صدق استفتاء وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین بعد

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الاقرار فصل فی اقرار المریض نولکشور لکھنؤ ۳/ ۶۲۴

ادائے قرض ومہر زوجہ اگر ذمہ محب اللہ ہوں جو مال باقی بچے گا اس کا تہائی جگا کو ملے گا اور دو تہائی باقی چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم عجوبہ اور تین چھدا کو پہنچیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد سے ایک حقیت کی بنام اپنی نواسی سلمٰی بنت لیلٰی اور حقیت اور پانچ روپیہ ماہوار ملا کرنے کی، اپنے پانچ بھتیجوں کے نام وصیت کی، اور ایک بیٹی لیلٰی اور پھر پانچ بھتیجے حقیقی اور ایک بھتیجی علاتی اور بھاوج اور بھتیجیاں اور ایک بھائی کہ پہلے سے مفقود الخبر ہے وارث چھوڑ کر انتقال کیا، اس صورت میں ترکہ اس کا شرعاً کس طرح منقسم ہوگا اور برادر مفقود کے لئے اگر کچھ حصہ امانت رکھا جائے گا تو وہ حصہ اس کی بی بی بیٹی کے قبضہ میں دے دیں گے یا کیا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اول ہندہ پر جو دین ہو، ادا کیا جائے بعدہ جو باقی بچے اس کے تین حصے مساوی کئے جائیں کہ ایک حصہ میں دونوں جائداد موصٰی بہا جن کی وصیت بنام سلمٰی دختر لیلٰی و بنام برادر زادگان ہوئی ہے داخل ہوں اور اس حصہ کا نام مثلاً "ثلث وصیت" رکھیں دو ثلث باقیماندہ سے بالفعل ایک ثلث لیلٰی کو دے دیا جائے اس کا نام "ثلث وراثت" فرض کیجئے تیسرا حصہ کہ باقی رہا اسے "ثلث موقوف" سے نامزد ٹھہرایئے، اب ثلث وصیت ہے کہ حسب اظہار زبانی سائل ان وصایا کے لئے کافی بلکہ زائد ہے جس قدر جائداد کی وصیت بنام سلمٰی بنت لیلٰی کی ہے بالفعل اس کا نصف سلمٰی کو دیا جائے باقی کل جائداد تا ظہور حیات مفقود کسی ایسے امین دیانتدار کے ہاتھ میں امانت رہے جس طرح کسی طرح اس میں تصرف بے جا اور ایک پیسہ ناحق لینے کا گمان نہ ہو۔

قال العلامۃ البدر العینی رحمۃ اللہ علیہ فی البنایۃ و یوضع علی ید عدل الی ان یظھر المستحق [1]۔	علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا بنایہ میں ہے کہ مستحق کے ظاہر ہونے تک اس کو کسی عادل کے قبضہ میں رکھ دیا جائے گا۔ (ت)

اب اس امین کے ہاتھ میں ثلث موقوف تو تمام وکمال ہے اور ثلث وصیت سے نصف وصیت سلمٰی نکال کر باقیماندہ اس کی امانت میں ہے اس باقیماندہ کی جائداد تین نوع پر ہے:

[1] البنایۃ فی شرح الھدایۃ کتاب المفقود المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۹۵۱

[1] ایک تو وصیت سلمٰی کا نصف ثانی، اسے حصہ نمبر اول کہیے۔
[2] دوسری جائداد وصیت شدہ بنام برادر زادگان، اسے حصہ نمبر دوم ٹھہرائیے۔
[3] تیسرے پارہ حال تعیین وصیت ہے، اسے حصہ نمبر سوم قرار دیجئے۔

تو امانت امین میں چار قسم کی جائداد ہوئی، تینوں حصے یہ اور ایک ثلث موقوف بالاشتراک، اب یہ امین فصل بفصل ان چاروں قسم کی جائداد کا حساب دخل وخرج جدا جدا تفصیل وار لکھتا رہے اور ہر حصہ کا خرچ ومالگزاری اسی کی آمدنی سے نکالے جو پس انداز ہو اسے تفریق سے جمع کرتا رہے یہاں تک کہ مفقود کا حال ظاہر ہو یا شرع اس کے حق میں کچھ حکم فرمائے اور ظہور حال مفقود کی نسبت دو [2] صورتیں ہیں:

[1] ایک یہ کہ اس کی زندگی بعد موت ہندہ کے ثابت ہو اگرچہ اس کے بعد ایک آن جی کر انتقال کرگیا یا اب تک زندہ ہو۔
[2] دوسرا یہ کہ ہندہ سے ایک آن پہلے سے اس کی وفات تحقیق ہو اس قدر زمانہ تک اس کا کچھ حال مرنے جینے کا نہ کھلے کہ اس کے شہر وطن میں اس کے ہمعمروں سے کوئی زندہ نہ رہے اس وقت ایک شخص کو پنچ قرار دے کر مقدمہ اس کے حضور پیش کریں اور وہ بوجہ مرور مدت مذکور اس کی موت کا حکم کردے (پچھلی صورت میں) تو کچھ وقت نہیں ثلث وصیت کا حصہ نمبر اول اور آج تک جو اس حصہ کے واصلات ہوں سب سلمٰی کو دے کر اس کی وصیت پوری کردی جائے، اور بھتیجے اس صورت میں بحکم وصیت کچھ نہ پائیں گے کہ جب مفقود کا انتقال ہندہ سے پہلے ٹھہرا تو یہ وارث ہوئے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ باطل، پس بعد ادائے دین واخراج وصیت سلمٰی جس قدر متروکہ ہندہ باقی رہے مع ثلث وراثت و ثلث موقوف وواصلات حصہ ۲ وحصہ ۳ وواصلات ثلث موقوف سب بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین دس سہم پر منقسم ہو کر پانچ سہم لیلٰی اور ایک ایک ہر برادر زادہ حقیقی کو دیا جائے (اور پہلی صورت پر) یعنی جبکہ بعد ہندہ مفقود کا زندہ رہنا ثابت ہو اس تقدیر پر ثلث موقوف مع اس کے واصلات کے مفقود یا اس کے ورثہ کو دے دیا جائے اور ثلث وراثت تو لیلٰی نے پہلے ہی پالیا تھا باقی رہا ثلث وصیت اس میں سے حصہ نمبر دوم مع واصلات اور بھتیجوں کو دے دیا جائے اور حصہ ۱ و ۳ بدستور امین کے ہاتھ میں رہیں اور ان کی واصلات جمع شدہ سے روز موت ہندہ سے آج تک حساب پانچ روپیہ ماہواری کا لگا کر جو روپیہ حساب سے نکلے بھتیجوں کو دیا جائے اور زر واصلات سے جو باقی بچے دست امین میں رہے اور ہمیشہ ان دونوں حصص کی توفیر سے پانچ روپیہ ماہوار بھتیجوں کو دیا کرے اگر کمی پڑے تو واصلات باقیماندہ سے پورا کرے اور بچ رہے تو اپنے پاس امانت رکھے

یہاں تک کہ پانچوں اپنی اپنی اجل کو پہنچ کر انتقال کر جائیں اور ان میں سے جو گزرتا جائے اس کا حصہ ماہوار اس کے وارثوں کو نہ ملے بلکہ وہ پورا پانچ روپیہ مشاہرہ باقیماندہ بھتیجوں میں بٹتا رہے یہاں تک کہ اگر ان میں سے ایک بھی باقی رہے تو وہی پانچ روپیہ بالاستیعاب پاتا رہے جب ان میں سے کوئی باقی نہ رہے تو حصہ اجو وصیت سلمٰی میں سے دست امین میں امانت تھا اور اس کے واصلات سے کچھ بچا ہو تو وہ بھی سلمٰی کو دے کہ اس کی وصیت پوری کر دی جائے اور حصہ ۳ مع اس کی واصلات کے اگر کچھ باقی ہو لیلٰی و مفقود میں نصف نصف منقسم ہو جائے اس وقت امین کا ہاتھ خالی اور ہر ایک اپنے اپنے حق کو پورا پہنچ جائے گا اور بھاوج بھتیجیاں علاتی بھتیجا ہر صورت میں محروم رہیں گے نہ وہ حصہ جو مفقود کے لئے امانت رکھا گیا ہے اس کو عورت یا دختر اپنے قبضہ میں کر سکتی ہے بلکہ جس طرح ہم نے تفصیل کی اسی طرح امین کے ہاتھ میں رہے گا، یہ ہے حکم شرع کا اور شرع ہی کے لئے حکم ہے۔

والوجه فی ذٰلك ان الترکة اذا انتظرت مفقود الایعطی منها احد من المستحقین ورثة کانوا او موصی لهم الا اقل نصیبه المتیقن به علی کل من حالتی حیاة المفقود ومماته وامر العصبات اعنی بهم ابناء اخیها دائر بین ان یکون المفقود حیا فیحجبهم ولیستحقوا منه ما اوصی لهم به وان یکون میتا فیرثوا فلا تنفذ لهم الوصیة من دون اجازة الورثة الباقین فوصیتهم ووراثتهم کلاهما مشکوك فیهما بالمرة فلا یعطوا بالفعل شیئا ولا تسمع دعوی الملك الا بتفسیر	اس کی وجہ یہ ہے کہ ترکہ جب مفقود کا منتظر ہو تو اس میں سے وارثوں اور جن کے لئے وصیت کی گئی ہے کو کچھ نہیں دیا جائے گا مگر وہ جو میت کی دو حالتوں یعنی حالت حیات اور حالت ممات میں سے جس حالت میں کمتر ملتا ہے کیونکہ یہ یقینی ہے۔ اور عصبات یعنی بھتیجوں کا معاملہ دو حالتوں کے درمیان دائر ہے۔ ایک یہ کہ مفقود زندہ ہو اور ان کے لئے حاجب بنے۔ اس صورت میں ان کو وہ شیئ ملے گی جس کی ان کے حق میں وصیت کی گئی ہے اور دوسری یہ کہ مفقود مردہ ہو تو اس صورت میں وہ وارث بنیں گے اور دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر ان کے لئے وصیت نافذ نہ ہوگی چنانچہ ان کی وصیت و میراث دونوں یکبارگی مشکوک ہیں لہٰذا انہیں بالفعل کچھ نہیں دیا جائے گا۔ اور ان کا دعوی ملک مسموع نہ ہوگا جب تک وہ سبب ملک کی

السبب والتفسیر غیر ممکن فتعین التاخیر۔	تفسیر نہ بیان کریں اور تفسیر ممکن نہیں لہٰذا تاخیر متعین ہو گئی۔(ت)

مسئلہ ۱۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور دو دختر اور ایک ہمشیرہ حقیقی چھوڑی، اور نیز بحالت صحت وثبات عقل یہ وصیت کی کہ میری جو دختر کلاں میرے سامنے مر گئی ہے اور اس سے ایک پسر اور ایک دختر باقی ہے میری جائداد سے جو حصہ شرعی کہ میری بڑی بیٹی کو پہنچے اس جائداد کے مالک اس مرحومہ کے بچے ہیں اگر اس وصیت میں فرق ہوگا تو بروز حشر دامن گیر ہوں گا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر الفاظ وصیت یہی تھے تو وہ باطل وبے اثر ہے کہ وصیت اس حصہ شرعی کی نسبت ہے جو ترکہ موصی سے دختر کلاں کو پہنچے اور صورت واقعہ میں دختر کلاں کو شرعاً کچھ نہیں پہنچتا تو وصیت اصلاً کسی شیئ سے متعلق نہ ہوئی اور موصی لہا کا کوئی استحقاق نہ ہوا۔

اوصی بعین اوبنوع من مالہ کثلث غنمہ فھلك قبل موتہ بطلت الوصیۃ ولایتعلق حق الموصی لہ بشیئ کما فی العالمگیریۃ[1] وغیرھا لعدم مایتعلق بہ فکیف اذالم یوجد اصلاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اپنے مال میں سے کسی عین یا نوع کی وصیت کی جیسے بکریوں کے ایک تہائی کے بارے میں وصیت کی، پھر وہ عین یا نوع موصی کی موت سے پہلے ہلاک ہو گئی تو وصیت باطل ہو جائے گی اور اس کے ساتھ وصیت کا حق متعلق نہ ہوگا جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کیونکہ وہ شیئ معدوم ہو گئی جس کے ساتھ وصیت متعلق ہوتی پھر کیسے باطل نہ ہوگی اس صورت میں جبکہ سرے سے وہ شیئ پائی ہی نہیں گئی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹: سوال دستیاب نہ ہوا۔

الجواب:

وصیت زوجہ کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں البتہ اگر دین مہر واجب الادا ہے تو وہ تقسیم ترکہ سے مقدم ہوگا پس بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر چالیس سہام پر منقسم ہو کر

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۶

پانچ سہم وکالت بیگم اور چودہ کریم الدین ونصیر الدین اور سات فضیلت بیگم کو ملیں گے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سنو نے اپنی جائداد اپنی زوجہ اگھانی کے ہاتھ بعوض دین مہر کے بیع کی، پھر اگھانی ورثہ حسب تفصیل ذیل چھوڑ کر فوت ہوئی، اب سنو نے اپنی موت کے دو ایک روز پیشتر بحالت علالت ایسی کیفیت میں کہ صاحب فراش ہوگیا تھا اور طاقت نشست وبرخاست نہ رہی تھی اپنی بیٹی معصومہ کے ہاتھ بیع کی اور مر گیا اور باقی ورثہ بیع ثانی کی اجازت نہیں دیتے، اس صورت میں وہ انتقال سنو کا کہ اس نے اپنی زوجہ کے ہاتھ کیا شرعًا صحیح ونافذ ہے یانہیں؟ اور اس انتقال ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور ترکہ اگھانی کا اس کے ورثہ پر کس طرح منقسم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سنو نے کہ اپنی جائداد بعوض دین مہر اپنی زوجہ کے ہاتھ بیع کی اس کی صحت میں شبہہ نہیں، بعد اس انتقال کے اس جائداد کی مالک اگھانی قرار پائے گی اور وہ اسی کا ترکہ ٹھہرے گا، پھر اس کی وفات کے بعد سنو نے جو اپنا حصہ اپنی بیٹی کے ہاتھ مرض موت میں بیع کیا اور باقی وارث اسے روا نہیں رکھتے تو وہ بیع باطل محض ہوگئی اور وہ حصہ بھی حسب فرائض کل ورثہ پر منقسم ہوجائے گا۔

فی الخانیۃ ومن الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض ولم یجز الورثۃ بطل البیع[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	خانیہ میں ہے اگر مریض نے مرض الموت میں اپنے کسی وارث کے ہاتھ اپنے مال میں سے کوئی عین شیئ فروخت کی تو بیع موقوف رہے گی۔ اگر وہ صحت مند ہوگیا تو بیع جائز ہو جائے گی۔ اور اگر اسی بیماری میں مرگیا اور باقی وارثوں نے اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی البیع الموقوف نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۵۳

مسئلہ ۱۳۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ نذر علی کے تین زوجہ اور تین پسر اور تین دختر، زوجہ اولیٰ سے ایک پسر ذو الفقار علی، اور زوجہ ثانیہ سے دوپسر اور دو دختر، اور زوجہ ثالثہ سے ایک دختر۔ ذوالفقار علی نے روبرو شیخ نذر علی کے انتقال کیا، ایک زوجہ اور ایک پسر محمد باقر وارث چھوڑے، شیخ نذر علی نے اپنی حیات میں روبرو دیگر ورثہ کے محمد باقر پسر ذو الفقار علی کو کہ عندالشرع مجحوب تھا عوض دین مہر اپنی زوجہ یعنی والدہ ذوالفقار علی کے جو ترکہ کہ شیخ ذوالفقار علی کو بواجب شرع بعد شیخ نذر علی کے ملتا وہ بنام نہاد محمد باقر کردیا اور جملہ ورثاء نے قبول کرلیا حیات شیخ نذر علی میں زوجہ اولیٰ وثانیہ نے بھی رحلت کی اور بعد انتقال شیخ نذر علی کے ایک زوجہ کے دوپسر تین دختر ایک محمد باقر پسر ذوالفقار علی وارث رہے۔

الجواب:

پسر کے لئے وصیت بشرطیکہ پسر موجود نہ ہو جائز ہے کہ یہ تقدیر وانداز ہے نہ وصیت بمال الغیر اذلاحق لابن مات قبل ابیہ فی ترکۃ ابیہ (اس لئے کہ باپ سے پہلے مرجانے والے بیٹے کا باپ کے ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ ت) ہدایہ میں ہے:

اذا اوصی بنصیب ابنہ فالوصیۃ باطلۃ ولواوصی بمثل نصیب ابنہ جاز لان الاول وصیۃ بمال الغیر لان نصیب الابن مایصیبہ بعدالموت والثانی وصیۃ بمثل نصیب الابن ومثل الشیئ غیرہ وان کان یتقدربہ فیجوز [1] اھ قلت وقیدہ الشراح بمااذاکان الابن موجودا قالوا وان لم یکن	اگر اپنے بیٹے کے حصے کی وصیت کی تو وصیت باطل ہے۔اور اگر بیٹے کے حصے کے مثل کی وصیت کی تو جائز ہے، کیونکہ پہلی صورت میں مال غیر کی وصیت ہے کیونکہ بیٹے کا حصہ وہ ہے جو اس کو باپ کی موت کے بعد حاصل ہوگا اور دوسری صورت میں بیٹے کے حصہ کی مثل وصیت ہے اور شیئ کی مثل شیئ کا غیر ہوتی ہے اگرچہ شیئ کے ساتھ اس کا اندازہ کیا جاتا ہے چنانچہ یہ جائز ہوگی اھ میں کہتا ہوں شارحین نے اس کے ساتھ قید لگائی یہ کہ جب بیٹا موجود ہو۔ انہوں نے کہا کہ

[1] الهدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۸-۶۵۹

موجوداصحت الوصیة[1] وبھذا التفصیل اتی فی الدرالمختار[2] معزیا للعنایة حاشیة الھدایة والجوھرة وشرح التکملة۔	اگربیٹا موجودنہ ہوتو وصیت صحیح ہوگی۔اوریہی تفصیل در مختار میں لائی گئی جس کوہدایہ کے حاشیہ عنایہ،جوہرہ اور شرح التکملہ کی طرف منسوب کیاگیا۔(ت)

پس بلاشبہہ یہ تصرف صحیح اور بوجہ قبول محمد باقر نافذ ہوکر سہام موصی لہابعد محمد باقر کے اس کے ورثہ شرعی کی طرف منتقل ہو گئے امام النساء ان سے اپنے حصہ کی مالک ہوئی اب کہ بوجہ کبرسن وپیرانہ سال اس کے عقل میں قصور اور حواس میں فتور اس درجہ ہوگیاکہ نجاست وطہارت میں تمیز نہیں کرتی اور قلّت فہم واختلاط کلام وفساد تدبیر اسے لازم،تو وہ معتوہہ ہے اور کل تصرفات قولیہ سے مجورہ۔

قال الفاضل المحقق محمد بن علی بن محمد علاؤ الدین الدمشقی الحصکفی فی الدرالمختار فی تفسیر الحجر ھو منع من نفاذ تصرف قولی وسببہ صغر و جنون یعم القوی والضعیف کما فی المعتوہ[3] اھ ملتقطا.قال شیخہ العلام خیرالملة والدین الرملی فی فتاواہ ان کان قلیل الفھم مختلطا فاسد التدبیر لکن لایضرب ولایشتم فھو المعتوہ[4] و مثلہ فی العالمگیریة وغیرہ۔	فاضل محقق محمد بن علی بن محمد علاء الدین دمشقی حصکفی نے حجر کی تفسیر کرتے ہوئے درمختار میں فرمایاکہ وہ تصرف قولی کو نفاذ سے روکنا ہے اوراس کاسبب نابالغ ہونا اور مجنون ہونا ہے،عام ازیں کہ جنون قوی ہو یاضعیف جیساکہ معتوہ میں ہوتاہے اھ التقاط،ان کے شیخ علامہ خیرالدین رملی نے اپنے فتاوی میں فرمایاکہ اگروہ تھوڑی سمجھ والا گفتگو میں خلط ملط کرنے والااور فاسد تدبیر والا ہے لیکن وہ کسی کو مارتا نہیں اور نہ ہی گالیاں دیتاہے تو وہ معتوہ ہے اوراسی کی مثل عالمگیریہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

پس ایسی حالت میں اگراس نے کسی کے آمادہ کرنے خواہ اپنی خواہش سے وصیت کی تو ہرگز نافذ نہ قرار پائے گی اور توریث ترکہ امام النساء حسب بیان مجیب اول ہے۔واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

---

[1] البنایة فی شرح الھدایة کتاب الوصایا باب الوصیت بثلث المال المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۴/ ۵۹۹

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۳

[3] الدرالمختار کتاب الحجر مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۸

[4] الفتاوی الھندیة کتاب الحجر الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۴

مسئلہ ۱۳۲: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ رامپورہ مرسلہ شیخ عبدالمجید صاحب سب سرویئر ۱۴ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین نسبت مسائل ذیل کے، زید کی منکوحہ اولیٰ متوفی سے ایک پسر بکر بالغ اور منکوحہ ثانی موجودہ سے دو پسر عمروسعد نابالغ بعد وفات زید باقی ہیں، زید پر جو قرض تھا بکر نے ادا کیا اور نیز واسطے خرچ شادی وخوردونوش نابالغان کے اپنے نام یا بشمول نام مادر قرض لے کر صرف کیا اس قرض سے کچھ ادا ہوا کچھ باقی ہے، اب عمروسعد بھی بالغ ہیں اور درباب تقسیم جائداد وادائے قرضہ سابق وحال تنازع ہے، لہٰذا علمائے شریعت مطلع فرمائیں کہ مکانات موروثی کس طرح تقسیم ہوں اور قرضہ سابق وحال حسب سہام کل شرکاء پر چاہئے یا قرضہ سابق وحال میں کچھ تفریق ہے اور جو مکان بکر نے اپنے روپے سے خرید ااس میں دوسرے برادران کو حصہ پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور منکوحہ اولیٰ جو زید کے حیات میں فوت ہو گئی اس نے اپنی وفات کے وقت زید کو مہر معاف کر دیا تھا اور منکوحہ ثانیہ نے کہ اب زندہ ہے وقت وفات زید مہر معاف کر دیا اور ہماری برادری میں مہروں کا یہی دستور ہے یہ بھی واضح ہو کہ بعد وفات زید کھانا جملہ شرکاء کا یکجا رہا۔ جب نابالغ بالغ ہوئے علیحدہ ہو گیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

قرض مورث کہ بکر پسر بالغ نے ادا کیا تمام وکمال ترکہ مورث سے مجرا پائے گا جبکہ وقت ادا تصریح نہ کردی ہو کہ مجرا نہ لوں گا۔

فی فتاوٰی قاضیخان والعالمگیریۃ وغیرھما بعض الورثۃ اذا قضٰی دین المیت کان لہ الرجوع فی مال المیت والترکۃ انتہٰی[1] مختصرًا۔ وفی جامع الفصولین والاشباہ وغیرھما لو استغرقھا دین لا یملکھا بارث الا اذا ابرأ المیّت غریمہ اواداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء امّا لو ادّاہ من مال نفسہ مطلقًا	فتاوٰی قاضی خان اور عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کسی وارث نے میت کا قرض ادا کیا تو اسے میت کے مال اور ترکہ کی طرف رجوع کا حق حاصل ہے انتہٰی۔ جامع الفصولین اور اشباہ وغیرہ میں ہے اگر دین ترکہ کو محیط ہے تو وارث میراث کے ساتھ اس ترکہ کا مالک نہیں بنے گا، مگر یہ کہ قرض خواہ میت کو بری کر دے یا میت کے وارث نے ادائیگی کے وقت بشرط تبرع قرض ادا کیا ہو لیکن اگر اس نے مطلقًا اپنے مال سے قرض ادا کیا ہو

[1] الفتاوی الھندیۃ بحوالہ فتاوٰی قاضیخاں کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

بلاشرط تبرع او رجوع یجب له دین علی المیّت فتصیر الترکة مشغولة بدینه فلا یملکها[1]۔	نہ اس میں تبرع کی شرط ہو اور نہ ترکہ میت کی طرف رجوع کی تو میت پر اس کا دین ثابت ہوجائے گا تو ترکہ قرض ادا کرنے والے وارث کے دین کے ساتھ مشغول ہوگا لہٰذا وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔(ت)

جو روپیہ بکر یا زوجہ زید نے قرض لے کر شادی نابالغان میں صرف کیا اس کا مطالبہ صرف اس قرض لینے والے پر ہے نابالغوں کے ساتھ اس کا احسان سمجھا جائے گا اسی طرح جو کچھ قرض لے کر خورد ونوش نابالغان میں اٹھایا وہ بھی ان سے مجرانہ ملے گا جبکہ یہ قرض لینے والا مورث کی جانب سے ان نابالغوں کا وصی نہ تھا یعنی زید اسے کہہ نہ مرا تھا کہ جائداد یا نابالغ اولاد تیری سپردگی میں دیتا ہوں یا ان کی غور پرداخت تیرے متعلق ہے یا اس کے مثل اور الفاظ جو دلیل وصایت ہوں۔

فی ردالمحتار عن الحاوی المختار للفتوی مافی وصایا المحیط بروایة ابن سماعة عن محمد مات عن ابنین صغیروکبیروالف درهم فانفق علی الصغیر خمسمائة نفقة مثله فهو متطوع اذا لم یکن وصیا[2] الخ وفی لقطة الدرالمختار هو متبرع لقصور ولایته[3] اھ وثمه فی ردالمحتار عن البحر لانّ الامر متردد بین الحسبة والرجوع بلایکون دینا بالشک[4] اھ۔	ردالمحتار میں حاوی سے منقول ہے۔ فتاوی کے لئے مختار وہ ہے جو محیط کے کتاب الوصایا میں بروایت ابن سماعہ امام محمد سے منقول ہے کہ کوئی شخص دو بیٹے ایک نابالغ اور ایک بالغ چھوڑ کر فوت ہوا اور ہزار درھم ترکہ میں چھوڑے پھر بڑے نے چھوٹے پر مثلی نفقہ کے ساتھ پانچسو درھم خرچ کئے تو وہ اپنی طرف سے بطور احسان خرچ کرنے والا ہوگا جبکہ وہ وصی نہ ہو الخ درمختار کے باب لقطہ میں ہے وہ احسان کرنے والا ہے بسبب اس کی ولایت کے قاصر ہونے کے الخ یہاں ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ یہ معاملہ اجر وثواب اور رجوع کے درمیان دائر ہے۔ چنانچہ یہ

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شهادة الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۸

[3] الدرالمختار کتاب اللقطة مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۶

[4] ردالمحتار کتاب اللقطة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۲

	بسبب شک کے دین نہیں ہوسکا اھ۔(ت)

جو مکان بکر نے اپنے روپے سے اپنے نام خریدا اس میں سے دوسرے کا کچھ حق نہیں، مہر کہ زوجہ اولٰی نے اپنے مرتے وقت شوہر کو بخشا، اس کی معافی بکر وغیرہ دیگر وارثان زوجہ اولٰی کی اجازت پر موقوف ہے اگر انہوں نے جائز نہ رکھا تو معاف نہ ہوا اور اس کا مطالبہ ترکہ زید سے ہوسکتا ہے۔

فی العالمگیریة مریضة وهبت صداقها من زوجها فان کانت مریضة مرض الموت لایصح الابا جازة الورثة۔[1]	عالمگیریہ میں ہے ایک مریض عورت نے اپنا مہر خاوند کو ہبہ کردیا پس اگر وہ مرض الموت کے ساتھ مریض ہے تو وہ ہبہ دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوسکا۔(ت)

ہاں زوجہ ثانیہ نے کہ وقت وفات زید اپنا مہر معاف کیا وہ معاف ہوگیا پس صورت مستفسرہ میں ترکہ زید سے قرضہ بکر (جو بابت ادائے قرضہ سابقہ اس کے لئے ترکہ پر لازم ہوا) اور زوجہ اولٰی کے مہر سے بعد اسقاط چہارم کہ خود حصہ زید ہوا کل یا بعض (جس قدر بوجہ عدم اجازت وارثان زوجہ ذمہ زید لازم رہا) اور اسی طرح اور دیون جو زید پر ہوں ادا کرکے ثلث باقی سے اس کی وصیتیں اگر کی ہوں) نافذ کرکے جو بچے بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چوبیس سہام پر تقسیم کریں تین سہم زوجہ ثانیہ اور سات سات ہر پسر کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۳۳: از بیجناتھ پاڑہ رائے پور ممالک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دبیر مجلس انجمن نعمانیہ ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فیض النساء بیگم سوتیلی ماں نے خدیجہ بی بی کا نکاح حسام الدین داروغہ جنگل کے ساتھ کیا، والدین خدیجہ مرچکے تھے، فیض النساء بیگم بعض اموال اپنے خدیجہ بی بی کے پاس عاریت بتاتی ہے، حسام الدین کہتا ہے کہ خدیجہ بی بی بہت دنوں بیمار رہی اس کی بیماری میں میرا ذاتی روپیہ بہت سا خرچ ہوا متوفیہ کالڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا ماں کی جائداد کالڑکا مالک ہوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوا متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں، لہٰذا مفتیان شرع متین سے سوال ہے کہ حسب فہرست صرفہ حسام الدین نے وقت بیماری وغیرہ میں جو صرفہ کیا وہ حسام الدین پانے کا حقدار ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبہ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۳

الجواب:

اگر خدیجہ بی کے کوئی اور وارث نہ تھا، نہ اس پر اس بیان شوہر کے سوا کسی اور کا ایسا دین ہے جو اس سے ملا کر مقدار ترکہ سے بڑھ جائے، نہ اس کے پسر متوفی پر کسی کا اتنا دین آتا ہے کہ ترکہ خدیجہ بی سے دین شوہر وغیرہ ادا کرکے باقی سے جو حصہ پسر کو پہنچے اس کی مقدار سے زائد ہو جب تو یہ شوہر کا دعوی محض بے معنی ہے کہ خدیجہ بی کے پاس کا اگر کچھ مال حسب بیان فیض النساء بیگم ملک فیض النساء بیگم ہونا ثابت ہو تو اس میں سے خرچ دوائے خدیجہ بی پانے کے کوئی معنی نہیں وہ تو فیض النساء بیگم کو واپس دیا جائے گا اور جب خدیجہ کا سوائے پسر و شوہر اور اس پسر کے سوائے پدر کوئی وارث نہ رہا تو جو مال خدیجہ کا ٹھہرے اس کا وارث صرف حسام الدین ہے، دوسرے کسی دائن کا اگر خدیجہ بی پر کچھ آتا ہو تو جس حالت میں ترکہ اس کے دَین کو گھٹا سکے نہ نہ کرنا بڑھا سکے اسی طرح جبکہ ترکہ خدیجہ بی سے دَین شوہر وغیرہ ادا کرکے بھی جو بچتا ہے اس میں سے حصہ پسر دَین پسر کو کافی ہے تو شوہر کا ترکہ پر دین کا دعوی نہ اپنے استحقاق کو بڑھا سکے نہ نہ کرنا گھٹا سکے، بہر حال دعوی وعدم دعوی ہر صورت میں اس کا استحقاق ایک ہی مقدار پر رہتا ہے خواہ اس پر دَین ثابت کرکے قرض میں لے لے یا بے ثابت کئے میراث میں لے، ایسا فضول دعوی قابل سماعت نہیں ہوتا ہاں اگر خدیجہ بی کے بعد اس کا کوئی وارث بھی رہا (کہ نظر بتقریر سوال وہ اس کی نانی ہی ہو سکتی ہے، تو دعوی شوہر نافع ہے تاکہ میراث سے پہلے یہ بذریعہ دین بعض یا کل متروکہ لے، یونہی اگر دوسرے دائن کا دَین ایسا ہے کہ اس کے دعوی سے مل کر مقدار ترکہ سے زائد ہو جائے گا تو نافع ہے کہ ترکہ دونوں دَین پر حصہ رسد بٹ جائے، اسی طرح اگر پسر متوفی پر ویسا دین ہو تو نافع ہے کہ اول شوہر کا دین ترکہ خدیجہ بی سے ادا کیا جائے گا، اگر کچھ نہ بچے گا دائن پسر کچھ نہ پائے گا اور بچے گا تو باقی سے جس قدر حصہ پسر ہے وہ اس میں سے لینے کا مستحق ہوگا، اور بے دعوی زائد میں سے پاتا وهذا كله ظاهر بادنٰی حساب (یہ تمام ادنٰی حساب کے ساتھ ظاہر ہے۔ت) ان صورتوں میں دعوی شوہر البتہ قابل سماعت ہے، اب حکم مسئلہ یہ کہ اگر حسام الدین نے بطور خود اپنی زوجہ کے دوا دارو میں اپنا مال صرف کیا تو دعوی باطل ہے اور واپسی کا مستحق نہیں۔

فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ غیر مضطر الیہ فلا یرجع علیہ اذ لم یکن نافذ التصرف فیما لدیہ کما ابانت عنہ فروع جمة	جب کوئی غیر کے معاملے میں اس کی اجازت کے بغیر خرچ کرے اور وہ اس خرچ کرنے میں مجبور نہ ہو تو اسے رجوع کا حق نہیں اس لئے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس میں اس کا تصرف

مصرح بہا فی کلمات الائمۃ۔	نافذ نہیں ہے جیسا کہ اس سے پیشتر فروع ظاہر ہیں جن کی ائمہ کرام کے اقوال میں تصریح کی گئی ہے۔(ت)

بلکہ اگر خدیجہ بی نے درخواست بھی کی کہ میرا علاج کرو اور اس کے سوا کوئی شرط رجوع وواپسی درمیان نہ آئی نہ وہاں عرف عام سے ثابت ہو کہ ایسی صورت میں شوہر جو کچھ معالجہ زوجہ میں اٹھائے اس سے واپس پائے تو بھی حسام الدین کو دعوی نہیں پہنچتا لعدم مایوجبہا من نص اوعرف (کسی نص یا عرف کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جو اس کو واجب کرے۔ت) ہمارے بلاد کا تو عرف یہ ہے کہ شوہر جو اپنی بی بی کے علاج میں صرف کرتا ہے وہ یا عورت کسی کے خیال میں واپسی کا وہم بھی نہیں گزرتا ہاں اگر خدیجہ بی سے صراحۃً واپسی کی شرط ہو گئی تھی یا وہاں کے عرف عام کی رو سے استحقاق واپسی ثابت ہے تو ضرور اختیار واپسی ہوگا فان المعھود عرفا کالمشروط لفظا (کیونکہ جو باعتبار عرف کے معہود ہو ایسے ہی ہے جیسے باعتبار لفظ کے اس کی شرط لگائی گئی ہو۔ت) درمختار میں ہے:

لارجوع ولو بامرہ الا اذا قال عوض عنی علی انی ضامن، لعدم وجوب التعویض بخلاف قضاء الدین (و)الاصل ان(کل مایطالب بہ الانسان بالحبس والملازمۃ یکون الامر بادائہ مثبتا للرجوع من غیر اشتراط الضمان ومالافلا)الا اذا شرط الضمان ظھیریۃ[1] الخ **قلت** وانت تعلم ان الدواء ممالایجب اصلا فضلا عن ان یکون لہ مطالب من جھۃ العبد فضلا عن ان یکون طلبہ بحبس اوملازمۃ فلارجوع فیہ من دون شرط شیئ من ھذہ الاصول۔	اس میں رجوع نہیں اگرچہ اس کے امر سے خرچ کرے مگر یہ کہ جب کہے تو میری طرف سے بدلہ دے اس شرط پر کہ میں ضامن ہوں کیونکہ تعویض واجب نہیں بخلاف قرض کی ادائیگی کے۔اور ضابطہ یہ ہے کہ جس چیز کا انسان سے حبس و ملازمہ کے ساتھ مطالبہ کیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کا امر رجوع کو ثابت کرنے والا ہے ضمان کی شرط لگائے بغیر،اور اگر ایسا نہ ہو تو رجوع ثابت نہ ہوگا جب تک ضمان کی شرط نہ لگائے، ظہیریہ الخ۔ **میں کہتا ہوں** تو جانتا ہے کہ دوا ان چیزوں میں سے جو بالکل واجب نہیں چہ جائیکہ بندے کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا ہو اور چہ جائیکہ اس کا مطالبہ حبس و ملازمہ کے ساتھ ہو،لہذا اس میں کسی اصول کی شرط کئے بغیر رجوع کا حق نہ ہوگا(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۲

عقود الدریہ میں ہے:

ماجری به العرف فی الرجوع علی الأمر یرجع[1] اھ اقول: هذه مسئلة اضطربت فیها اقوال العلماء اصلًا وفرعًا فاصلوا اصولا لاتنضبط وفرعوا فروعا لاتلتئم واراد العلامة الشامی تحریرها فی العقود فلم یتهیأله الا الاقتصار علی بعض فروع نقلت مع طرح جمیع الاصول التی اصلت وللعبد الضعیف هٰهنا کلام ذکرته فیما علقت علیها وهٰذا الذی اخترته هنا واضح جلی لاخفاء به ان شاء الله تعالٰی۔ والله تعالٰی اعلم۔	جس چیز کا آمر پر رجوع کرنے میں عرف جاری ہو وہاں رجوع کرے گا اھ۔ **میں کہتاہوں** اس مسئلہ میں علماء کرام کے اقوال اصول وفروع کے اعتبار سے مضطرب ہیں۔ انہوں نے کچھ ایسے اصول بنائے جو منضبط نہیں اور کچھ ایسے فروع ذکر کئے جو مجتمع ومربوط نہیں۔ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے عقود میں ان کی تحریر کرنے کا ارادہ فرمایا تو انکو میسر نہ ہوا سوائے بعض فروع پر اقتصار کرنے کے جو نقل کئے گئے باوجودیکہ انہوں نے وہ اصول چھوڑدیئے جو وضع کئے گئے ہیں۔ اور اس عبد ضعیف کا یہاں کچھ کلام ہے جس کو میں نے شامی پر اپنی تعلیقات میں ذکر کیا ہے۔ اور وہ جس کو میں نے یہاں اختیار کیا وہ بالکل واضح وروشن ہے اس میں ان شاء الله تعالٰی کوئی پوشیدگی نہیں۔ والله تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از ریاست مرسلہ ۲۸/ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ۱۲۷۸ ہجری میں انتقال کیا اور اپنے چاروں بیٹے محمد زکریا، محمد یحیٰی، محمد عیسٰی، محمد موسٰی بالغ ونابالغ اور بیٹی بالغہ اور حافظ محمد عظیم صاحب خسر ۳۸سال، ۲۰سال، ۱۲سال کے سامنے یہ وصیت کی اس وصیت کو سب ورثاء نے تسلیم کیا اور اس پر عملدرآمد کیا اب یحیٰی وعیسٰی اپنا بقیہ ورثہ تقسیم کراتے ہیں اور بڑا بھائی مصرف خورد ونوش وپارچہ وخرچ شادی یحیٰی وعیسٰی جو اس نے اپنے پاس سے زید کے انتقال کے بعد سے ان پر کیا ہے طلب کرتا ہے یحیٰی و عیسٰی یہ عذر کرتے ہیں کہ جو کچھ آپ نے ہم پر صرف کیا تبرعًا واحسانًا تھا یہ ہم سے مجرانہ ہونا چاہئے نیز بروقت وصیت ہم نابالغ تھے اور قطع نظر اس ۱۳۰۳ھ میں جو تحریر فریقین برادران ہوئی جس میں محمد یحیٰی نے

[1] العقود الدریة کتاب الکفالة ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

آمدنی کا حساب سمجھ کر ۴ روپے ماہوار اپنے حصے کے لئے منظور کئے ہیں اور اب تک لیتے ہیں اور وصیت پر علمدرآمد ہوا تو تم میں کسی نے انکار نہیں کیا بلکہ تسلیم وقبول تحریری موجود ہے چنانچہ نقل وصیت نامہ و نقل تحریر دیگر حسب ذیل ہے زید کی جائداد جوالور میں ہے وہ اب تک غیر منقسم اور ایک ہی مکان میں سب ورثاء رہتے ہیں اور اس کی تقسیم بھی چاہتے ہیں زکریا تقسیم پر راضی ہے مگر کہتا ہے کہ جو لاگت بعد انتقال زید میں نے اپنے پاس سے اس پر لگائی ہے مجھ کو ملنی چاہئے یحیٰی وعیسٰی کہتے ہیں کہ تم نے بلا وجہ پہلی عمارت کو ڈھایا اور نئی عمارت بنائی ہم اس کے ڈھانے کا نقصان تم سے لیں گے نئی عمارت بنانے کا تم کو بلا رضامندی ہمارے اختیار نہ تھا، زکریا جواب دیتا ہے کہ بوجہ بوسیدگی تم سب کے سامنے ہنگام شادی محمد عیسٰی جس میں اب تک وہی رہتا ہے ایک ضلع خام تھا از سر نو پختہ میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بنایا اور ضلع اپنے واسطے پختہ بنایا اس وقت تم میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور اب تک تم ہم سب وہیں رہتے ہیں ازروئے شرع شریف ان سب امور کا جواب مرحمت ہو۔ بینوا توجروا۔

نقل وصیّت نامہ

والد ماجد حکیم غلام نجم الدین مرحوم نے اپنے انتقال سے تخمیناً اٹھائیس روز پہلے روبروئے جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب وبرادران عزیز محمد یحیٰی، محمد عیسٰی ومحمد موسٰی کہ مجھ کو جو وصیت فرمائی میں اس وقت مضمون وصیت روبروئے جناب ماموں صاحب موصوف وبرادران عزیز مذکور کے بیان کرتا ہوں اگر میرے بیان میں کچھ خلاف ہے تو اصلاح فرمادیں اور اگر میرا بیان صحیح ہے تو اس کاغذ کو تصدیق کریں، فقط۔ میرے والد نے مجھے محمد زکریا سے یہ فرمایا کہ میں نے تمہاری اور تمہاری ہمشیر کی شادی کردی تم دو کے فرض سے میں ادا ہوا۔ محمد یحیٰی ومحمد عیسٰی ومحمد موسٰی کی شادی باقی ہیں دہلی کی محلسرا اور دیوان خانہ فروخت کرکے ان کی شادی کردینا اور تمہاری والدہ کا جو زیور ہے وہ ان تینوں کے چڑھاوے میں چڑھادینا۔ باقی مکانات دہلی کے اور ظروف اور پارچہ وغیرہ جو ہے اس کو بموجب شرع شریف کے تم پانچوں بہن بھائی تقسیم کرلینا فقط۔

مبلغ دوصد روپیہ دو شخصوں کو دے کر ایک کو میرے واسطے اور دوسرے کو اپنی والدہ کے واسطے حج پر بھیجنا، باقی مکانات اور چاہ واراضی وباغ وتنخواہ جو الور میں ہے اس کا تو مختار ہے اگر محمد یحیٰی وعیسٰی وموسٰی تیری تابعداری کریں تو تم فرزندوں کی طرح ان کی پرورش کرتے رہنا اگر تیری تابعداری نہ کریں تو اپنا سر کھائیں فقط ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ہجری

بقلم بندہ امراؤ علی۔

یہ نوشتہ میرے سامنے لکھا گیا درست ہے۔ العبد محمد موسٰی العبد محمد یحیٰی العبد محمد عیسٰی العبد خدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ نوشتہ محمد عبدالرحمٰن علی

جو کچھ مجھ محمد زکریا نے بموجب وصیت والد ماجد کے تعمیل کی اور کرتا رہوں گا وہ مراتب اس صفحے پر درج ہیں اور آپ صاحب اس سے رضامند ہیں تو اس پر اپنے اپنے دستخط کریں۔ فقط مرقوم ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ

والدہ ماجدہ کا زیور برادران عزیز محمد یحیٰی و محمد عیسٰی و محمد موسٰی کو میں نے تقسیم کردیا اور ظروف و پارچہ مجھ محمد زکریا و محمد یحیٰی و محمد عیسٰی و محمد موسٰی و ہمشیرہ عزیزہ نے حسب وصیت والد مغفور باہم تقسیم کرلیا اور محلسرا اور دیوان خانہ کو تو میں نے فروخت نہیں کیا بلکہ اپنے پاس سے عزیز محمد یحیٰی و محمد عیسٰی کی تو میں نے شادی کردی اور محمد موسٰی کا حج ہوگیا اور باقی مکانات واقعہ دہلی بھی حسب وصیت تقسیم کئے جائیں ان شاء اللہ تعالٰی اور باقی مکانات و تہوار و چاہ و اراضی و باغ و تنخواہ الور کی جو بلاشرکت غیرے حسب وصیت والد ماجد میرے قبضے میں ہے، مگر حویلی میں جس طرح ہم سب بھائی رہتے ہیں، اسی طرح میں اور میری اولاد اور وہ اور ان کی اولاد بدستور ہیں اور کھانے پینے کو جو خدا مجھ کو دے جس طرح آج تک محمد عیسٰی و محمد موسٰی کھاتے پیتے رہے ہیں اسی طرح کھلاتا پلاتا رہوں گا، اور محمد یحیٰی کو دو روپیہ اور محمد عیسٰی کو (۸ /) اور محمد موسٰی کو ۱۲/ ماہوار دیتا رہوں گا، مبلغ دو صد روپیہ جناب ماموں حافظ محمد عظیم صاحب کی معرفت دو شخصوں کو دے کر حج کو بھیج دیئے فقط مرقوم صدر بقلم امراؤ علی

یہ نوشتہ میرے سامنے لکھا گیا درست ہے۔ العبد محمد عیسٰی العبد محمد یحیٰی عفی عنہ العبد محمد موسٰی عفی عنہ العبد خدیجہ خانم بقلم محمد عظیم العبد محمد عظیم گواہ شد محمد عبدالرحمٰن نقل تحریر

سابق میں ۲۳ ستمبر ۱۸۷۹ء مطابق پنجم شوال ۱۲۹۶ھ کو جو وصیت نامہ والد مرحوم کا روبروئے جناب ماموں صاحب حاجی حافظ محمد عظیم مرحوم کے تحریر ہوا تھا اس وقت عزیز محمد یحیٰی کو دو روپیہ ماہوار دینا تجویز ہوا تھا چنانچہ آج تک دیا گیا، اب پھر عزیز مذکور نے کہا کہ میرا گزارہ اس میں نہیں ہوتا کچھ زیادہ مقرر ہوجائے، اس واسطے مجھ زکریا نے اراضی بارانی و چاہ جال والا و چاہ تاج خاں والا کی آمدنی بوقوف عزیز محمد یحیٰی دو سو ساٹھ روپیہ مشخص کراکر عزیز مذکور کا حصہ للعہ ۱۷/ ماہوار کا قرار پایا مگر عزیز مذکور نے چار روپیہ چار آنے ماہوار اس میں سے لینے منظور کئے بشرطِ اس کے کہ مجھ سے چاہت کی مرمت وغیرہ کا مصارف نہ لیا جائے۔ مجھ محمد زکریا کو یہ بھی منظور ہے کہ میں ۴/للعہ ماہوار جب تک اراضی عطیہ سرکار ہمارے قبضہ میں ہے

خواہ آمدنی میں کمی ہو یا بیشی عزیز محمد یحیٰی کو اپنی زیست بھر دیتا رہوں گا اور بعد میرے آمدنی یہ دو چاہات مذکورہ واراضی بارانی و باغ یعنی جملہ آمدنی ان مواضعات کی وجملہ مصارف شکست ریخت مرمت وغیرہ متعلقہ ان کے ہمگی دس حصوں مفصلہ ذیل پر تقسیم ہوجائے اور جو حصہ دار مرجائے تو اس کے حصہ دار اس کے وارث یعنی فرزند یا دختر یا زوجہ کو ملتا رہے اور جو حصے دار بلا وارث فوت ہو اس کا حصہ سب پر تقسیم ہوجائے، تفصیل حصص یہ ہے: محمد زکریا، محمد یحیٰی، محمد عیسٰی، محمد موسٰی، ہمشیرہ عزیزہ، پھوپھی صاحبہ ان میں سے دو دو حصے چاروں بھائی لیتے ہیں اور ایک ایک حصہ ہمشیرہ عزیزہ اور پھوپھی صاحبہ لیتی رہیں فقط۔

بقلم احقر العباد امراؤ علی مرقومہ ہشتم جمادی الاولٰی ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۸۶ء

العبد محمد زکریا العبد بندہ محمد یحیٰی عفی عنہ العبد محمد عیسٰی عفی عنہ العبد محمد موسٰی عفی عنہ گواہ شد محمد فضل حق عفی عنہ

الجواب:

اوّل: تنخواہ پر بھائیوں کا دعوی باطل بیجا ہے کہ وہ اجرت ہے اور اجرت میں غیر اجیر کا حق نہیں، عقد اجارہ جو ان کے باپ سے تھا موت پدر پر ختم ہوگیا۔

فان الاجارۃ لامعنی لبقائھا بعد ھلاك الاجیر۔	کیونکہ اجیر کے فوت ہوجانے کے بعد اجارہ کے باقی رہنے کا کوئی معنی نہیں ہے (ت)

اب کہ برادر سے عقد جدید ہوا اس میں کیا حق، تو ایک ہو سکتا ہے بلکہ اگر اس تنخواہ کو بطور منصب ہی فرض کیجئے تو بتصریح علماء منصب و پنشن بھی موروث نہیں بعد فوت منصبدار، رئیس جس کا نام مقرر کردے وہی مستحق ہے باقی ورثہ کا کچھ حق نہیں۔ فتح القدیر و ردالمحتار میں ہے:

العطاء صلۃ فلایورث ویسقط بالموت[1]۔	عطیہ ایک صلہ ہے وراثت نہیں ہے اور موت سے پہلے یہ صلہ ختم ہوجاتا ہے (ت)

دوم: محمد زکریا نے جو کچھ محمد یحیٰی و محمد عیسٰی کی شادیوں میں اپنے پاس سے صرف کیا اگریہ صرف بعد بلوغ محمد موسٰی تھا جبکہ وہ بھی اجازت وصیت شامل ہولیا تو تمام کمال ترکہ سے مجرا پائے گا کہ زکریا وصی تھا اور یہ مورث کی وصیت جسے بقیہ ورثہ نے نافذ رکھا اور بوجہ بلوغ ان سب کی تنفیذ شرعًا معتبر تھی تو وصیت

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۲

کا وارثوں کے لئے ہونا مضر نہیں،

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر اس صورت میں کہ باقی وارث اسے جائز قرار دیں (ت)

اور وصیت میں جبکہ اس کی تنفیذ کسی شیئ کو بیچنے کے ساتھ مذکور ہو تو وصی پر اس کا اتباع لازم نہیں اسے روا ہے کہ وہ شیئ نہ بیچے اور دوسرے مال سے وصیت نافذ کرے۔ آداب الاوصیاء میں ہے:

فی المحیط والظھیریۃ والخلاصۃ اوصی بان یکفنہ من ثمن ھذا العین قال ابو القاسم للوصی ان یکفنہ من ثمن عین اٰخر ولایبیع تلك العین و تلك العین تکون للورثۃ وان وجد لما اوصی ببیعہ مشتریا ولا یضمن الوصی۔[2]	محیط، ظہیریہ اور خلاصہ میں ہے کسی نے وصیت کی کہ فلاں معین چیز کے ثمن سے اس کو کفن دیا جائے ابو القاسم نے فرمایا وصی کو اختیار ہے کہ کسی دوسرے چیز کے ثمن سے کفن دے اور اس معین چیز کو فروخت نہ کرے اور یہ معین چیز سب ورثاء کی مشترکہ قرار پائے گی اگرچہ جس چیز کو فروخت کرنے کی وصیت تھی اس کا کوئی خریدار بھی موجود ہو، ایسی صورت میں وصی ضامن نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے:

فی الخاصی اوصی بان یتصدق منہ کذا وکذا وقرا من الحنطۃ وعین لثمن تلك الحنطۃ نوعا من اموالہ کثمن دارہ فجعل الوصی من غیر ذٰلك المال قال	خاصی میں ہے کسی نے وصیت کی کہ اس کی طرف سے اتنی اتنی مقدار گندم کی صدقہ کی جائے اور اس گندم کی قیمت کے لئے اس نے اپنے اموال میں سے کوئی نوع متعین کردی جیسے اپنے گھر کی قیمت، وصی نے کسی اور مال سے صدقہ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹، کنزالعمال بحوالہ ق عن عمرو بن خارجہ حدیث ۴۶۰۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۷

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی تنفیذ الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۔۳۱۲

جازلہ ذٰلك الا ان یکون فیما عینه دلیل علی التعیین کان یکون ماعینه معروفا بالطیب وسائرہ بالخبث فیخص الطیب بالوصیة فلایشتری من المال الخبیث۔[1]	کردیا تو جائز ہے مگر اس صورت میں کہ جو کچھ موصی نے متعین کیا اس میں تعین پر دلیل موجود ہے مثلاً جس شیئ کو اس نے معین کیا وہ پاکیزگی کے ساتھ معروف ہے اور دیگر اشیاء خبث کے ساتھ معروف ہیں تو اس صورت میں پاکیزہ شیئ کو وصیت کے ساتھ خاص کیا جائے گا اور وصی خبیث مال سے خریداری نہیں کرے گا۔(ت)

اور قطع نظر اس سے کہ وصی جب اپنے مال سے وصیت نافذ کرے تو قول مفتٰی بہ پر اسے مطلقاً حق رجوع وواپسی ہے یہاں کہ وصیت عباد کے لئے تھی اور وصی وارث ہے باتفاق علماء اسے حق رجوع حاصل ہوا، خانیہ وہندیہ وغیرہما میں ہے:

وصی انفذ الوصیة من مال نفسه قالوا ان کان ھذا الوصی وارثا یرجع فی ترکة المیت والا فلایرجع وفیه ان کانت الوصیة للعباد یرجع لان لھا مطالبا من جھة العباد وکان کقضاء الدین وان کانت الوصیة ﷲ تعالٰی لایرجع وقیل له ان یرجع فی الترکة علٰی کل حال و علیه الفتوٰی۔[2]	وصی نے اپنے مال میں سے وصیت نافذ کردی، علماء نے کہا اگر یہ وصی وارث ہے تو ترکہ میت میں رجوع کرے گا ورنہ نہیں، اور اسی میں ہے اگر وہ وصیت بندوں کے لئے ہے تو رجوع کرے گا اس لئے کہ اس وصیت کے لئے بندوں کی جہت سے کوئی مطالبہ کرنے والا ہے تو یہ دین کی ادائیگی کی طرح ہوگئی، اور اگر وصیت اللہ تعالٰی کے لئے ہے تو رجوع نہیں کرے گا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ہر حال میں ترکہ میت میں رجوع کرے گا۔ فتوٰی اسی پر ہے۔(ت)

اور اگر قبل بلوغ محمد موسٰی ہوا تو حصہ محمد موسٰی اس صَرف سے بری رہے گا کہ نابالغ کی اجازت کوئی چیز نہیں، نہ اس کی طرف سے کوئی ولی یا وصی خواہ کوئی شخص اسے تصرف کی اجازت دے سکتا ہے

[1] آداب الاوصیاء فصل فی تنفیذ الوصیة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴

[2] الفتاوٰی الھندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

لکونہ ضررًا محضاً (اس کے محض نقصان ہونے کی وجہ سے۔ت) اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اس صورت میں بعد بلوغ محمد موسٰی کا اس تصرف گزشتہ پر راضی ہونا یا اسے جائز کرنا بھی بکار آمد نہ ہوگا۔

لکونہ وقع ولا مجیز وکل تصرف کذا فھو باطل کما فی الدر وغیرہ والاجازۃ انما تلحق الموقوف لا الباطل کما بینہ فی الفتح وغیرہ۔	بسبب اس کے کہ یہ واقع ہوا دراں حالیکہ کوئی اس کی اجازت دینے والا نہیں۔ اور ہر وہ تصرف جو ایسا ہو وہ باطل ہوتا ہے جیسا کہ در وغیرہ میں ہے اور اجازت فقط موقوف کو لاحق ہوتی ہے نہ کہ باطل کو، جیسا کہ اس کو فتح وغیرہ نے بیان کیا ہے۔(ت)

سوم: خورد ونوش برادران میں جو کچھ محمد زکریا نے اپنے پاس سے صرف کیا اس میں سے محمد موسٰی نابالغ کے مصارف زمانہ نابالغی کے مجرا پائے گا،

فی الخانیۃ والھندیۃ بعد العبارۃ المذکورۃ وکذا الوصی اذا اشتری کسوۃ للصغار اواشتری ماینفق علیھم من مال نفسہ فانہ لایکون متطوعا[1]۔	خانیہ اور ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت کے بعد ہے اور یونہی وصی نے جب اپنے مال سے نابالغ کے لئے لباس خریدا یا وہ شیئ خریدی جو اس پر خرچ کرے گا تو وہ احسان کرنے والا نہ ہوگا(ت)

اور بالغوں پر جو صرف کیا اگر بطور خود بے ان کے امر کے تھا نہ شرط رجوع کرلی تھی جیسا کہ عبارت سوال سے ظاہر ہے تو محمد زکریا کا تبرع واحسان تھا جس کا معاوضہ ان سے نہیں لے سکتا،

لعدم الولایۃ علیہ بالبلوغ ولم یکن مضطرا فیما فعل ولا امروہ ولا شرط الرجوع ففیم یرجع وھذا ظاھر جدا عند من خدم نفائس کلامھم۔	کیونکہ بلوغ کی وجہ سے وصی کو اس پر ولایت نہیں رہی نہ وہ اس فعل میں مجبور ہے، نہ انہوں نے وصی کو حکم دیا اور نہ رجوع کی شرط کی گئی تو وہ کس چیز میں رجوع کرے گا، یہ خوب ظاہر ہے اس شخص کے نزدیک جس نے فقہاء کے عمدہ کلام کی خدمت کی۔(ت)

خانیہ میں ہے:

لوقال انفق من مالک علٰی عیالی اوفی بناء داری یرجع بما انفق[2]	اگر کہا تو اپنے مال میں سے میری اہل وعیال یا میرے گھر کی تعمیر پر خرچ کر تو اس نے جو کچھ

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب الکفالہ فصل فی الکفالۃ بالمال نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۷

وکذا لوقال اقض دینی یرجع علی کل حال [1] ولوقضی نائبۃ غیرہ بامرہ رجع علیہ وان لم یشترط الرجوع ھو الصحیح۔ [2]	خرچ کیا وہ اس کے بارے میں رجوع کرے گا۔اسی طرح اگر کہا تو میرا قرض ادا کردے تو وہ ہر حال میں رجوع کرے گا اور اگر کسی کی حاجت اس کے امر پر پوری کردی تو وہ رجوع کرے گا اگرچہ رجوع کی شرط نہ لگائی گئی ہو،یہی صحیح ہے۔(ت)

فصول عمادیہ وفتاوٰی حامدیہ میں ہے:

من قضی دین غیرہ بغیر امرہ لایکون لہ حق الرجوع علیہ۔ [3]	جس نے دوسرے کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردیا اس کو رجوع کا حق نہیں(ت)

انہیں میں ہے:

المتبرع لایرجع علی غیرہ کما لوقضی دین غیرہ بغیر امرہ [4]۔	احسان کرنے والا غیر پر رجوع نہیں کرتا جیساکہ کوئی کسی کا قرض اس کے حکم کے بغیر ادا کردے(ت)

چہارم: زیور زوجہ میں موصی کی وصیت اسی قدر اثر ڈال سکتی تھی جس قدر اس زیور سے موصی کا حصہ شوہری ہوتا باقی حصص کہ ملک اولاد تھے ان کی نسبت اس کی وصیت محض بے معنی ہے اذلاتصرف لابن آدم فیما لایملک (اس لئے کہ ابن آدم کو ایسی چیز میں تصرف کا حق نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو۔ت) تو یحیٰی وعیسٰی وموسٰی کو وہ کل زیور دے دینا اگرچہ باجازت جملہ ورثہ ہو خود انہیں ورثہ کے حصص میں اصلاً مؤثر نہ ہوگا کہ غایت درجہ ان کی یہ اجازت اجازت تملیک بلامعاوضہ ہوگی کہ عین ہبہ ہے اور ہبہ مشاع باطل اور باطل کی اجازت مہمل۔ہدایہ میں ہے:

من اوصی من مال رجل لاٰخر بالف بعینہ فاجاز صاحب المال بعد موت الموصی فان دفعہ فھو جائز ولہ ان یمنع لان ھذا تبرع بمال الغیر فیتوقف علی اجازتہ واذااجازیکون تبرعامنہ ایضافلہ	جس نے کسی شخص کے لئے غیر کے مال سے ایک ہزار معین درہموں کی وصیت کردی اور موصی کی موت کے بعد اس غیر یعنی مالک مال نے اس کی اجازت دے دی پھر اگر اس نے وہ مال اس کے سپرد کردیا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو جائز ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ مال کو روک لے

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الکفالۃ فصل فی الکفالۃ بالمال نولکشور لکھنؤ ۳/ ۵۸۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الکفالۃ الباب الثانی الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۶۹

[3] العقود الدریۃ بحوالہ عمادیہ کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

[4] العقود الدریۃ بحوالہ عمادیہ کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳

ان یمتنع من التسلیم[1]۔	کیونکہ غیر کے مال سے تبرع ہے تو یہ اس غیر کی اجازت پر موقوف ہوگا اور جب اس نے اجازت دے دی تو یہ اس کی طرف سے بھی تبرع و احسان ہوگا لہذا اسے اختیار ہوگا کہ وہ سپردگی سے انکار کردے(ت)

غایۃ البیان میں ہے:

لان العقد الموقوف اذالحقه الاجازة صار مضافا الی المجیز فاذا اضیف الیه صار ذٰلك هبة منه والهبة لاتتم الابالتسلیم۔[2]	کیونکہ موقوف عقد کو جب اجازت لاحق ہوتی ہے تو وہ اجازت دینے والے کی طرف منسوب ہوجاتا ہے،جب اس کی طرف منسوب ہوگیا تو یہ اسی کی طرف سے ہبہ ہوا اور ہبہ سپردگی کے بغیر تام نہیں ہوتا(ت)

تو محمد زکریا کا خود اپنا حصہ اس کی ملک سے نکلا نہ خدیجہ بیگم کا حصہ اس کی ملک سے،اگر زیور باقی ہے تو حصہ شوہری موصی چھوڑ کر سب ورثہ اپنے اپنے حصے اس سے لے سکتے ہیں،اور اگر یحیٰی وعیسٰی وموسٰی نے ہلاک کردیا تو باقیوں کے حصص کے تاوان دیں، رہا موصی کا حصہ شوہری کہ وہی محل نفاذ وصیت تھا نظر کی جائے کہ چڑھاوا جو دولھا کی طرف سے دلہن کو جاتا ہے وہاں عرف شائع میں دلہن کی ملک سمجھا جاتا ہے یا ملک پر دولہا ہی کے رہتا ہے اور دلہن کو پہننے کے لئے دیا جاتا ہے،اگر دلہن کی ملک سمجھا جاتا ہے تو اس حصے میں بھی وصیت باطل ہوئی کہ اب یہ وصیت حقیقۃً دلہنوں کے لئے تھی اور دلہنیں وقت موت موصی تک معدوم تھیں کہ دلہن ہونا بعد نکاح صادق ہوتا ہے اور نکاح موت موصی سے ایک مدت کے بعد ہوئے اور معدوم کے لئے وصیت باطل ہے کہ وہ تملیک اور معدوم صالح تملیک نہیں،ولہذا حمل کے لئے وصیت میں شرط ہے کہ اس کا باپ زندہ ہے تو چھ مہینے کے اندر پیدا ہو،اور مرگیا یا طلاق بائن دے دی اور عورت عدت میں ہے تو دو برس کے اندر پیدا ہوا کہ اس وقت اس کا وجود ہو یدا ہوا۔ تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

ھی تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع و شرائطها کون الموصی اهلا للتملیك والموصی له حیا وقتها تحقیقا	وہ تملیک ہے جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔اور اسی کی شرائط میں سے ہے کہ موصی تملیک کی اہلیت رکھتا ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ بوقت

[1] الهدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بثلث المال مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۶۶

[2] غایة البیان

اوتقدیرا لیشمل الحمل،وصحت للحمل ان ولد لاقل من ستة اشهر لو زوج الحامل حیا،ولو میتا وهی معتدة حین الوصیة فلاقل من سنتین بدلیل ثبوت نسبه اختیار وجوهره[1] اهملتقطا۔	وصیت حقیقتًا یا تقدیرًا زندہ ہو تاکہ یہ حمل کو بھی شامل ہے، حمل میں وصیت تب صحیح ہوگی وہ چھ ماہ سے کم مدت میں پیدا ہو جائے جبکہ حاملہ کا شوہر زندہ ہو اور اگر وہ مردہ ہے اور حاملہ عورت بوقت وصیت معتدہ ہے تو اس صورت میں حمل کے لئے وصیت تب صحیح ہوگی جب دو سال سے کم مدت میں پیدا ہو اور اس پر دلیل اس مدت میں اس کے نسب کا ثابت ہونا ہے،اختیار وجوہرہ اھ التقاط۔

ردالمحتار میں ہے:

قوله وقتها **اقول**:فی التاتارخانیة الموصی له اذاکان معینا من اهل الاستحقاق یعتبر صحة الایجاب یوم اوصی ومتی کان غیر معین یعتبر صحة الایجاب یوم موت الموصی فلواوصی بالثلث لبنی فلان ولم یسمهم ولم یشرالیهم فهی للموجودین عندموت الموصی وان سماهم اواشارالیهم فالوصیة لهم حتی لوماتوا بطلت الوصیة لان الموصی له معین فتعتبر صحة الایجاب یوم الوصیة[2] .قوله لاقل من ستة اشهر ،اذلو	ماتن کا قول "بوقت وصیت" **"میں کہتا ہوں** تاتارخانیہ میں ہے جس کے لیے وصیت کی گئی ہے اگر وہ مستحقین میں سے متعین ہے تو صحت ایجاب کا اعتبار وصیت کے دن سے کیا جائے گا اور جب وہ غیر متعین ہے تو صحت ایجاب کا اعتبار موصی کی موت کے دن سے کیا جائے گا،اگر فلاں کے بیٹوں کے لئے ایک تہائی کی وصیت کی اور ان کا نام نہیں لیا نہ ہی ان کی طرف اشارہ کیا تو یہ وصیت صرف ان کے لئے ہوگی جو موصی کی موت کے وقت موجود ہوں گے۔اور اگر ان کا نام لیا یا ان کی طرف اشارہ کیا تو وصیت خاص انہی کے لئے ہوگی۔ اگر وہ مرگئے تو وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ جس کے لئے وصیت کی گئی وہ متعین ہے۔لہذا صحت ایجاب کا اعتبار وصیت والے دن سے ہوگا۔ماتن نے کہا کہ چھ ماہ سے کم مدت میں حمل پیدا ہو۔یہ اس لئے

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷ و ۳۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۵ و ۱۶

ولد لستة اشھر او لاکثر احتمل وجودہ وعدمہ فلا تصح، افادہ الاتقانی، قولہ ولومیتا مثل الموت الطلاق البائن[1]۔	ہے کہ اگر پورے چھ ماہ پر یا اس سے زائد مدت میں پیدا ہوا تو بوقت وصیت اس کا وجود وعدم دونوں محتمل ہوئے، لہٰذا وصیت صحیح نہ ہوئی، ماتن کا قول کہ اگروہ مردہ ہو، طلاق بائن بھی موت کی طرح ہے۔(ت)

ہندیہ میں ہے:

شرطھا کون الموصی اھلا للتملیك و الموصی لہ اھلا للتملک۔[2]	وصیت کے لئے شرط یہ ہے کہ موصی تملیک کا اہل ہو اور جس کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ مالک بننے کا اہل ہو۔(ت)

ولہٰذا صحت وصیت کے لئے شرط ہے کہ یا تو اہل حاجت کے لئے واقع ہو جیسے بنی فلاں کے یتیموں یا بیواؤں کے لئے کہ اس تقدیر پر وصیت حضرت حق عزوجل کے لئے واقع ہوگی اور وہ معلوم ہے ورنہ وہ لوگ معدود قابل شمار ہوں جیسے زید کے بیٹے کہ انہیں تملیک صحیح ہوسکے اور دونوں صورتیں نہ ہوں مثلاً سیدوں یا شیخوں کے لئے تو وصیت باطل ہے، درمختار میں ہے:

الاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی مامر لوقوعھا للہ تعالٰی و ھومعلوم وان کان لاینبیئ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والا بطلت۔[3]	اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تو وصیت صحیح ہوگی اگروہ قابل شمار نہ ہوں جیسا کہ گزرچکا ہے کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی ہے اور وہ معلوم ہے اور اگر ایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہے تو اس صورت میں جن کے لئے وصیت کی گئی ہے اگروہ قابل شمار ہیں تب تو وصیت صحیح ہوگی اور اس کو تملیک قرار دیا جائے گا ورنہ وصیت باطل ہوگی۔(ت)

ولہٰذا اگر وارثان فلاں کے لئے وصیت کی اور فلاں ابھی زندہ ہے تو صحت وصیت کے لئے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۸

[2] الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

ضروری ہے کہ وہ اس موصی سے پہلے مرجائے تاکہ وارثانِ فلاں کا لفظ صادق آئے ورنہ وصیت باطل ہوجائے گی، ایسی جگہ ذات شخص کا وجود کافی نہیں بلکہ ذات مع اس وصف کے وجود ہونا درکار جس وصف کے لحاظ سے وصیت واقع ہوئی ہے۔

فی الدرالمختار، شرط صحتها فی الوصیة لورثة فلان ومافی معناها کعقب فلان موت الموصی لورثته اولعقبه قبل موت الموصی لان الورثة والعقب انما یکون بعد الموت فلومات الموصی قبل موت الموصی لورثته اوعقبه بطلت الوصیة لورثته اوعقبه لان الاسم لایتناولهم الابعدالموت[1] اھ مختصرًا، وفی ردالمحتار قوله لان الاسم لایتناولهم، فکانت وصیة لمعدوم۔[2]	درمختار میں ہے فلاں کے وارثوں یا اس کے ہم معنی یعنی فلاں کے پسماندگان کے لئے وصیت کی تو اس وصیت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ جس کے وارثوں اور پسماندگان کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ موصی سے پہلے مرے کیونکہ اس کے مرنے کے بعد ہی وہ لوگ اس کے وارث یا پسماندگان بنیں گے اور اگر موصی اس سے پہلے مرگیا اور جس کے وارثوں اور پسماندگان کے لئے وصیت کی گئی ہے وہ ابھی زندہ ہے تو اس کے وارثوں یا پسماندگان کے لئے وصیت باطل ہوجائے گی کیونکہ ان پر لفظ ورثاء اور پس ماندگان کا اطلاق تو اس کے مرنے کے بعد ہوگا اھ اختصار۔ ردالمحتار میں ہے اس کا قول کیونکہ لفظ ورثاء اور پس ماندگان کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا، لہٰذا یہ معدوم کے لئے وصیت ہوئی۔ (ت)

اور اگر بحکم عرف چڑھاوا دُولہا کی ملک ہوتا ہے۔ (یہ جواب ناتمام دستیاب ہوا)

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرہا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۹و۳۳۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۰

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ

الشرعة البهية فی تحدید الوصیّة ۱۳۱۷ھ

(کشادہ راستہ وصیّت کی جامع ومانع تعریف کے بیان میں)

مسئلہ ۱۳۵: از رنگون مکان نمبر ۸۵و۸۶ گلی نمبر ۳۱ مرسلہ شیخ عبدالعزیز سرکار ۲۵ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً فی الدنیا والآخرۃ اس میں کیافرماتے ہیں کہ زید کے دو وطن تھے ایک قدیم اور دوسرا جدید، اور دوہی بیویاں، ایک وطن قدیم میں شادی کرائی ہوئی، دوسری وطن جدید، اعنی شہر رنگون میں بطریق شادی مطابق شرع محمدی نکاح میں لائی ہوئی، زید نے بفضلہ تعالٰی رنگوں میں بہت کچھ کمایا، پھر یہیں کی کمائی سے وطن قدیم اور رنگون دونوں جگہ میں جائداد معتدبہ پیدا کی لیکن وطن قدیم تخمینا پانچ ہزار روپیہ سالانہ آمدنی کی کل جائداد کو بحیلہ اپنے وطن قدیم کی ایک مسجد پر وقف کرنے کے جوکہ دس بارہ روپیہ ماہواری کے خرچ کی حاجت نہیں رکھتی وطن قدیم کی بی بی کی اولاد پر روک دیا اور وقف نامہ میں لکھ دیا کہ متولی اس وقف کے یہی لوگ رہیں جو کچھ مصارف مسجد سے بچے اپنے کام میں لائیں۔ رنگون کی بیوی کے بطن کی اولاد کو اس میں سے ایک حبہ نہیں دیا اور رنگونی جائداد میں سے وطن قدیم والی اولاد کو حصہ بھی دیا اور اس جائداد کے نفع سے کئی ہزار روپیہ لوگوں کو دینے کی اور پچاس روپیہ ماہواری اس مسجد وطن قدیم پر خرچ کرنے کی وصیت بھی کہ چنانچہ یہ امر نقل وصیت نامہ مرسل مع استفتاء سے بخوبی واضح ہوگا، پس چونکہ زید کی یہ وصیت رنگونی ورثہ کی مضرت یعنی حق تلفی اور وطن قدیم کے ورثہ کی منفعت کے لئے ہے، لہٰذا چند باتیں عرض کرتاہوں:

۱ **اول:** علی مافی کتب الفقہ، موصی کو توصیت کرنا مستحب ہے لیکن ورثہ پر اس کا ادا کرنا واجب ہے کہ اگر نہ کریں گے تو ماخوذ ہوں گے یا کیا؟

۲ **دوم:** زید کی یہ وصیت بکیفیت وعبارت کذائیتین (اعنی مجموعہ ترکہ کے نفع سے نہ اس کے کسی جزو معین کے نفع سے اور بایں عبارت کہ اس قدر روپیہ میری تجہیز و تکفین کے لئے رکھیں اور اتنا روپیہ میرے ملک کے لئے غرباء کے لئے رکھیں) شرعًا صحیح ہے یا نہیں؟

۳ **سوم:** زید کے قول (اور میں خصوصًا اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار وکرایہ مکانات واراضی سے تمام سرکاری ومینوسپال کے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز و تکفین کے جمع رکھیں الٰی قولہ اور ماہ بماہ مبلغ ۵۰ روپیہ موضع سالولا میرا پاڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیا کریں) کا خلاصہ مضمون یہ ہے یا نہیں کہ لکڑی کی تجارت کے نفع اور مکانات واراضی کے کرایہ سے سوا مبالغ ٹیکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے باقیماندہ مبالغ سے اتنا یوں کریں اور اتنا یوں کریں اعنی زید کا یہ قول متضمن استثنائے مبالغ معلومہ کو ہے یا نہیں؟

۴ **چہارم:** وصیت از قبیل معاملات ہے یا نہیں؟

۵ **پنجم:** بر تقدیر زید کے قول مذکور کے متضمن استثنائے مبالغ معلومہ اور وصیت کے از قبیل معاملات ہونے کے جیسے کہ بقول معتبر:

لایجوز ان یبیع ثمرۃ ویستثنی منہا ارطالا معلومۃ۔[1]	یہ جائز نہیں کہ وہ پھل فروخت کرے اور اس میں سے کچھ معین رطل مستثنٰی کرلے۔ (ت)

بیع ثمرہ باستثنائے ارطال معلومہ، بوجہ احتمال عدم وجود ماسوائے ارطال مستثناۃ کے جائز نہیں ایسے ہی اس کے قیام پر بجامع تملیک وصیت دراہم باستثنائے دراہم معلومہ بوجہ مذکور ناجائز ہوگی یا نہیں؟ اور یہ امر ظاہر ہے کہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوا ٹیکس میونسپال وخزانہ سرکاری کے مکانات واراضی وتجارت سے وصول نہیں ہوتا بلکہ کبھی اس میں بھی کمی ہوجاتی ہے۔

۶ **ششم:** زید کی یہ وصیت متضمن مضرت ہے اور بعض شارحین مشکوٰۃ شریف حدیث مرفوع ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

---

[1] الھدایۃ کتاب البیوع فصل فی دخول بناء الراد فی البیع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳ /۳۲

المخرج فی مسندالامام احمد وجامع الترمذی و سنن ابی داؤد وابن ماجۃ ان الرجل لیعمل والمراۃ بطاعۃ اللہ ستین سنۃ ثم یحضرھما الموت فیضاران افی الوصیۃ فتجب لھما النار ثم قرء ابوھریرۃ من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین غیر مضار الآیۃ۔[1]	جس کی تخریج مسند امام احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن ابی داؤد میں کی گئی ہے کہ بیشک کوئی مرد اور عورت ساٹھ سال تک اللہ تعالٰی کی طاعت وعبادت میں مصروف عمل رہتے ہیں، پھر انہیں موت آتی ہے تو وہ وصیت میں نقصان پہنچاتے ہیں چنانچہ ان کے لئے جہنم واجب ہوجاتی ہے، پھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی: "میت کی وصیت یاقرض نکالنے کے بعد رانحالیکہ اس وصیت میں وہ نقصان پہنچانے والانہ ہو۔(ت) کی شرح میں ایسی وصیت کو مکروہ لکھتے ہیں،

اور صاحب درمختار کے قول لانھا حینئذ وصیۃ بالمکروہ[2] (اس لئے کہ اب یہ وصیت ہے مکروہ کے ساتھ۔ت) جو کہ صاحب تنویرالابصار کے قول اوصی بان یطین قبرہ اویضرب علیہ قبۃ فھی باطلۃ[3] (اگر کسی کو وصیت کی کہ وہ اس کی قبر کی لپائی کرے یا اس پر گنبد بنائے تو یہ وصیت باطل ہے۔ت) کے تحت ہے) وصیت مع الکراہت کا بطلان ثابت ہے علامہ شامی صاحب دُر کے قول مذکر کے تحت لکھتے ہیں:

مقتضاہ انہ یشترط لصحۃ الوصیۃ عدم الکراھۃ و قدم اول الوصایا انھا اربعۃ اقسام وانھا مکروھۃ لاھل فسوق و مقتضی ماھنا بطلانھا اللھم الا ان یفرق[4] الخ۔	اس کا تقاضا یہ ہے کہ وصیت کے صحیح ہونے کے لئے عدم کراہت شرط ہے جبکہ کتاب الوصایا کے شروع میں کہا گیا ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں اور یہ کہ فاسقوں کے لئے وصیت مکروہ ہے اور جو کچھ یہاں ہے اس کا تقاضا اس وصیت کے بطلان کا ہے، اے اللہ! مگر یہ کہ فرق کیا جائے الخ(ت)

پس اس وصیت کے بطلان کی یہ تقریر صحیح ہے یا نہیں، بر تقدیر ثانی علامی شامی نے جو تقریر

[1] جامع الترمذی ابواب الوصایا باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث امین کمپنی دہلی ۲ /۳۳، سنن ابی داؤد کتاب الوصایا باب فی کراہیۃ الاقرار فی الوصیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۴۰

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۰

[4] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۴۱

وصیت مکروہہ لاہل فسوق کی صحت کی اللھم سے آخر تک کی ہے اس کے صحیح ہونے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔
۷ ہفتم: موصی کے وطن قدیم والی اولاد نے صرف اپنے فائدہ کی وصیتوں پر عمل کیا اور اس کی ان وصیتوں پر عمل نہیں کیا:
(۱) اور میری وصیت ان کو (یعنی وصیان مذکور) کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہمگی میری یافتنی ومطالبات موجودہ اور مطالبات و یافتنی آئندہ کی بابت کرایہ مکانات یا اراضی بنام میرے وصول کریں۔
(۲) اور میں خصوصاً اپنے پسران مذکور کو اس طرح فرمان اور وصیت کرتا ہوں کہ بعد میرے مرنے کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں، پس موصی کی وصایا میں سے بعض پر عمل نہ کرنے اور بعض پر کرنے سے کل وصایا میں کچھ خلل آئے گا یا نہیں؟
۸ ہشتم: موصی کی وصیت (اور میں نیز میرے وصیان مذکور کو اختیار دیتا ہوں کہ میرے جمیع نابالغ ورثہ کے امین اور حامی ہو رہیں الی قولہ مطابق شرع محمدی تقسیم کردیں) کی رو سے وصیوں پر وثہ صغار کے کل سہام کو بعینہ رکھنا لازم ہوگا ان میں بلاوجہ کسی وجہ سے تصرف بیع وغیرہ کرنے کے مجاز ہوں گے ان سب باتوں کا جواب مفصل ومدلل رحمت فرمائیں اور اجر اللہ سے پائیں عرض ضرور ہے۔
رنگون کے چند علماء کو وصیت کے بارے میں حکم بنایا گیا تھا انہوں نے اس کی صحت کا حکم دیا اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ یہ وصیت بالمنافع ہے اور وصیت بالمنافع جائز لہٰذا یہ بھی جائز ہے۔ اب بہ اجازت انہیں علماء کے آپ حضرت سے اس کی اپیل کی گئی ہے خوب غور فرما کر جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔

نقل ترجمہ وصیت نامہ از زبان انگریزی

میکہ شیخ حاجی محمد بھولو سرکار لائق ساکن نمبر ۱۳۱ گلی شہر رنگون مالکی مکانات وکارخانہ ہائے ظاہر کرتا ہوں کہ جو کچھ تحریرات سابق اس کے منجانب میری ہو سب کی سب کو خرید ومنسوخ کرکے یہ میری وصیت صحیح کے کرتا ہوں اور بحالت صحت ذات نفس اور ثبات عقل اظہار کرتا ہوں کہ بایں وصیت نامہ میں اپنے داماد میاں رحیم بخش اور فرزندان خود شیخ میاں عبدالعزیز لائق اور شیخ میاں عبدالغنی لائق الحال ساکنان شہر رنگون مذکور الفوق کو اور شیخ میاں عبدالواحد لائق الحال ساکن موضع سالمولا میراپاڑہ ضلع بردوان اور ملا مقصد صاحب تاجر لکڑی الحال شہر رنگون کو اپنی وصیان واسق[عہ] بنایا ہوں اور میری یہ وصیت ان کو کرتا ہوں کہ جو کچھ جملگی وہملگی

عــــہ: کذا فی الاصل ۱۲ ازہری غفرلہ۔

میری یافتنی ومطالبات موجودہ اور مطالبات ویافتنی آئندہ کے بابت کرایہ مکانات یاسکینات یااراضی بنام میرے وصول کریں اور میں خصوصًا اپنے پسران مذکور کواس طرح فرمان اور وصیت کرتاہوں کہ میرے بعد میری موت کے کاروبار کارخانہ لکڑی جاری رکھیں اور منافع کاروبار وکرایہ مکانات واراضی سے تمام سرکاری ومیونسپال کے خزانہ وغیرہ اداکیا کریں اور مبلغ ایک ہزار روپیہ برائے میری تجہیز وتکفین جمع رکھیں اور مبلغ پانسوروپیہ میرے وطن میں غرباء کے خیرات کے لئے رکھیں اور میرے داماد مذکور میاں رحیم بخش کو مبلغ دوہزارروپیہ دیں اور میرے برادرزادہ شیخ حاجی محمد اسحاق لائق کو مبلغ دوسوروپیہ دیں اور مبلغ ایک سوروپیہ بنوبی بی زوجہ برادر مرحوم خود کودیں اور نسارن بی بی زوجہ برادر مرحوم خود کو مبلغ ایک سوروپیہ دیں اور دھنوبی بی کو مبلغ ایک سوروپیہ دیں اور ماہ بماہ مبلغ پچاس روپیہ موضع سالمولا میراپاڑہ کی مسجد کے اخراجات کے لئے دیا کریں اور میں نیز اپنے وصیان مذکور کوایک یاجملہ مکانات جوکہ قسم خود میں معروف یعنی پانچواں درجہ لاٹ نمبر ۲۲،۲۱ بلال ایچ اے پر واقع ہیں اگران کافروخت کرنامناسب سمجھیں اوراس زرفروختگی سے کچھ مال غیر منقولہ میرے ورثہ کی منفعت کے لئے خرید کریں اور میں نیز میرے وصیان مذکور کواختیار دیتاہوں کہ میرے جمیع نابالغ مذکوراپنے سن بلوغ کو پہنچیں اور جب ہرایک اپنے سن بلوغت کو پہنچ جائیں ان کے حقوق جومیری جائداد میں ہیں مطابق شرع محمدی کے تقسیم کردیں اور میں اپنی وصیان مذکور کو نیزاختیار دیتاہوں کہ بایں امرکہ میرے وطن میں ہرماہ محتاجوں اور مسکینوں کواس قدر خیرات دیا کریں کہ جوصاحبان موصوف کی نظر میں مناسب آئیں۔لہٰذا ان چند کلمات کوبطور سند لکھ دیاہوں کہ عندالحاجت کام آئے۔

رنگون مؤرخہ ۱۵/ماہ مئی ۱۸۹۴ء دستخط حاجی محمد بھولوسرکار بزبان بنگلہ

ایں وصیت نامہ دستخط شدہ واعلان نمودہ واظہار کردہ شدہ بحضرات شاہدین مرقوم الذیل:

منشی مراد بخش، شیخ محمد اسحٰق، لعل محمد وشیخ سخاوت حسین

نقل مطابق اصل نمودہ شد معین الدین غفرلہ،

الجواب:

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطافرما۔ت)

جواب سوال اول: وصیت نافذہ شرعیہ اگرچہ فی نفسہ واجبہ نہ ہو اپنے حد نفاذ تک کہ ثلث مال باقی بعداداء الدین سے محدود ہے واجب التسلیم ہے جس طرح وقف کہ واقف پر اس کی انشاء واجب نہیں اور بعد انشاء لازم وواجب العمل ہے بلکہ نفس وقف درکنار شرائط واقف مثل نص شارع

واجب الاتباع ہیں کما نصوا علیه بشرائطه (جس طرح فقہاء نے شرائط سے متعلق نص فرمائی ہے۔ت) ورثہ اگر وصیت کو روکیں رد کریں گنہگار ہوں گے اور دوسرے کے حق پر ظالم وستمگار، قرآن عظیم نے ورثہ کا حق وصیت سے مؤخر رکھا ہے:

" مِّنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ "[1]	جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکالنے کے بعد۔(ت)

یہی آیت ثبوت ایجاب میں بس ہے کہ ورثہ کو ان کا حق پہنچانا ضرور فرض ہے اور وہ بنص قرآن تقدیم وصیت پر محوّل،

ومالایتأتی الواجب الابه وجب ان یحکم بایجابه۔	جس کے بغیر واجب حاصل نہ ہو تو اس کے ایجاب کا حکم واجب ہے۔(ت)

بالجملہ اس کی تسلیم اور اس میں ترک مزاحمت ورثہ پر قطعًا واجب ہے اگرچہ تنفیذ وادا ذمہ وصی ہو یہی حال جملہ تبرعات مالیہ کا ہے کہ مالک پر واجب نہیں اور بعد وقوع وتمامی دوسرا ان میں مزاحمت نہیں کر سکتا، لاجرم علماء نے ایجاب کو نفس حقیقت وصیت میں داخل مانا اس کی تعریف ہی یوں کی:

"الوصیة مااوجبها الموصی فی ماله بعد موته اومرضه الذی مات فیه" کما فی نتائج[2] الافکار عن النهایة عن الایضاح۔	وصیت وہ ہے جس کا ایجاب موصی اپنے مال میں کرے، موت کے بعد یا اس بیماری میں جس میں وہ مرا۔ جیسا کہ نتائج الافکار میں نہایہ سے بحوالہ ایضاح منقول ہے۔(ت)

یا یوں ہے:

ایجاب بعد الموت کما فی الوقایة[3] والنقایة قلت وسیأتیك غایة التحقیق فانتظر۔	وہ ایجاب ہے موت کے بعد، جیسا کہ وقایہ اور نقایہ میں ہے۔ **میں کہتا ہوں** اس کی انتہائی تحقیق عنقریب آرہی ہے۔ انتظار کر۔(ت)

جواب سوال دوم: صحت وصیت کو کسی خاص جزء معین کی تعیین ضروری نہیں خواہ وصیت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] نتائج الافکار (وهو تکملة فتح القدیر) بحواله النهایة کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[3] النقایة مختصر الوقایة کتاب الوصایا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۹۳

بالمنافع ہو مثل غلہ و کرایہ خواہ بالاجزاء مثل ثلث وربع خواہ بدراہم وسکہ مثل ہزار و پانصد وصد روپیہ

کما تواترت بہ المسائل وسیأتیك ان الجھالۃ لا تمنع الوصیۃ حتی لواوصی بجزء مجھول منمالہ ولم یبین مقدار نفسہ فضلا عن تعیین مایقع فیہ صح و یکون البیان الی الورثۃ یقال لھم اعطوہ ما شئتم و ھذاکلہ واضح عند من لہ ادنی المام بالعلم۔	جیساکہ اس کے ساتھ مسائل تواتر سے وارد ہیں عنقریب تیرے سامنے آرہا ہے کہ جہالت وصیت سے مانع نہیں یہاں تک کہ اگر کسی نے اپنے مال میں سے مجہول جزئ کی وصیت کی خود اس کی مقدار ہی بیان نہیں کی چہ جائیکہ اس کی تعین کرتا جس میں وصیت واقع ہے تو یہ وصیت صحیح ہے اوراس کا بیان وارثوں کے ذمہ ہوگا۔انہیں کہا جائے گا کہ جو تم چاہو اس کو دے دو۔یہ تمام واضح ہے ہراس شخص کے لئے جس کو علم کے ساتھ معمولی سا تعلق ہے۔(ت)

یوں ہی پانسو روپیہ غربائے وطن پر خیرات کی وصیت بھی بدیہی الصحۃ محاورۂ ہندہ میں غرباء فقراء کو کہتے ہیں اور فقراء شہر فلاں کے لئے وصیت جائز اگرچہ مذہب مفتی بہ میں انہیں فقراء کی تخصیص لازم نہیں ہر جگہ کے فقیروں کو دے سکتے ہیں ہاں افضل انہیں کو دینا ہے،

فی الدر المختار، فی المجتبی،اوصی بثلث مالہ للکعبۃ جاز ویتصرف لفقراء الکعبۃ لاغیر وکذا للمسجد و للقدس وفی الوصیۃ لفقراء الکوفۃ جاز لغیرھم۔[1]	درمختار میں بحوالہ مجتبٰی ہے کسی نے کعبہ شریف کے لئے اپنے تہائی مال کی وصیت کی تو یہ وصیت جائز ہے اور مال صرف کعبہ شریف کے فقیروں پر خرچ کیا جائے گا کسی اور پر نہیں۔یہی حکم مسجد اور بیت المقدس کے لئے وصیت کا ہے، اور فقراء کوفہ کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیر پر خرچ کرنا بھی جائز ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الخلاصۃ،الافضل ان یصرف الیھم وان اعطی غیرھم جاز وھذا قول ابی یوسف وبہ یفتی وقال محمد	خلاصہ میں کہا ہے کہ افضل فقراء کوفہ پر ہی خرچ کرنا ہے، اگر ان کے غیر کو دے دیا تب بھی جائز ہے،یہ امام ابویوسف کا قول ہے۔اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے۔امام محمد رحمہ اللہ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲۔۳۲۱

لایجوز[1]۔	نے فرمایا کہ یہ جائز نہیں ہے۔(ت)

اور اگر وہاں غریب اپنے معنی اصلی یعنی مسافر ہی کے لئے بولا جاتا ہے تو مسافروں کے لئے بھی وصیت صحیح ہے کہ یہ لفظ بھی حاجتمندی سے خبر دیتا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ الٰی قولہ تعالٰی وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ"۔[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: صدقات فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے لئے ہیں، اللہ تعالٰی کے قول ابن السبیل یعنی مسافر تک۔(ت)

اور وصیت جب غیر محصور لوگوں کے لئے ہے تو اس کا مناط صحت یہی دلالت حاجت ہے۔

فی الدرالمختار الاصل ان الوصیة متی وقعت باسم ینبیئ عن الحاجة کایتام بنی فلان تصح وان لم یحصوا علی ما مر لوقوعها للہ تعالٰی وھو معلوم و ان کان لاینبئ عن الحاجة فان احصوا صحت ویجعل تملیکا والابطلت۔[3]	درمختار میں ہے وصیت میں اصل یہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم کے ساتھ واقع ہو جو حاجت کی خبر دیتا ہے جیسے فلاں قبیلے کے یتیموں کے لئے تو وصیت صحیح ہوگی، اگرچہ اس قبیلے کے یتیم قابل شمار نہ ہوں، جیسا کہ گزر چکا، کیونکہ یہ وصیت اللہ تعالٰی کے لئے واقع ہوئی اور وہ معلوم ہے، اور اگر وصیت ایسے اسم کے ساتھ واقع نہ ہو تو پھر جن کے لئے وصیت کی گئی اگر وہ قابل شمار ہیں تو وصیت صحیح ہے اور اس کو تملیک قرار دیا جائے گا اور اگر وہ قابل شمار نہیں تو وصیت باطل ہے۔(ت)

ہاں مستحق یہاں بھی فقرائے مسافرین ہوں گے نہ اغنیاء۔

فی وجیز الامام الکردری نوع من الفصل الثانی من کتاب الوصایا اوصی لاھل السجون اوالیتامٰی او الارامل اوابناء السبیل اوالغارمین اوالزمنٰی یعطی فقراء ھم لاغنیائھم[4] اھ۔	قیدیوں یا یتیموں یا بیواؤں یا مسافروں یا مقروضوں یا اپاہجوں کے لئے وصیت کی تو ان کے فقراء کو دیا جائے گا نہ کہ ان کے مالداروں کو الخ، اور اسی کی مثل کافی

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۰

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[4] الفتاوی البزازیة علی ہامش الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۸

ومثله فی سادس وصایا الهندیة عن الکافی۔	امام کردری کی وجیز میں کتاب الوصایا، فصل ثانی کی ایک نوع میں ہے کسی شخص نے کے حوالے سے ہندیہ کے وصایا کی فصل سادس میں ہے۔(ت)

رہی تجہیز وتکفین کے لئے وصیت وہ صرف حد مسنون وکفن متوسط تک مقبول ہے اس سے زیادہ میں باطل ونا معمول، مثلاً سو روپیہ میں تجہیز بقدر سنت وکفن میانہ ہوسکتی تھی اور اس کے لئے ہزار روپے کی وصیت کی تو ۹۰۰ روپیہ میں وصیت باطل ہے۔ فتاوی انقریہ میں ہے:

لواوصی الرجل بان یکفن هو بعشرة الاف فانه یکفن بکفن الوسط من غیر سرف ولاتقتیر. قاضی خان فیما تجوز وصیته من کتاب الوصایا. وفی المنیة. الوصیة بالاسراف فی الکفن باطلة۔[1]	اگر کسی شخص نے وصیت کی کہ اسے دس ہزار درھم کا کفن پہنایا جائے گا جس میں نہ تو فضول خرچی ہوگی اور نہ کمی کی جائے گی۔ یہ بات قاضی خاں کی کتاب الوصایا فیما تجوز وصیتہ، میں مذکور ہے، اور منیہ میں ہے کہ کفن میں اسراف کی وصیت باطل ہے۔(ت)

جواب سوال سوم: زید کا یہ قول ان کاموں کے شمار میں ہے جو اس نے اپنے اوصیاء کو سپرد کئے جس طرح ایک کام یہ بتایا کہ جملگی میری یافتنی ومطالبات موجودہ وآئندہ وصول کریں۔ یونہی ایک کام یہ تفویض کیا کہ کارخانہ جاری رکھیں اور منافع سے خزانہ وغیرہ ادا کیا کریں اسے استثناء قرار دینے سے مستثنٰی ومستثنٰی منہ میں ایک جملہ اجنبیہ مستقلہ بے گانہ فاصل ہونا لازم آئے گا کہ اس کے متصل یہ لفظ ہیں "ہزار روپے برائے تجہیز وتکفین جمع رکھیں" اس سے ہرگز وہ روپیہ مراد نہیں ہوسکتا جو بعد موت موصی، کارخانہ جاری رہ کر اس کے منافع سے آئندہ وصول ہونا متوقع سمجھا جائے کہ حاجت تجہیز وتکفین بعد موت فوری ہے نہ کہ بعد بقاء کارخانہ منافع مشکوکہ آئندہ پر محمول وهذا ظاهر جدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) معہذا اس عبارت میں کہ "ہزار روپے تجہیز کو رکھیں اور پانسو غرباء کو خیرات کے لئے اور فلاں کو دوہزار دینا اور فلاں کو دوسو اور فلانہ وفلانہ کو سَو سَو روپے دیں" اس تخصیص پر کوئی دلیل نہیں کہ یہ روپے منافع آئندہ سے دیئے جائیں، وما لا دلیل علیه لامصیر الیه (اور جس پر دلیل نہ ہو اس کی طرف رجوع نہیں ہوتا۔ت) لاجرم جملہ اولٰی وہی ایک کام کی سپردگی ہے اور جمل مابعد میں وصیت تکفین سے یہاں تک کوئی جملہ وصیت بالمنافع نہیں بلکہ وصیت بدراہم مرسلہ ہیں جس کا اصلی حکم یہ ہوتا ہے کہ اگر

---

[1] الفتاوی الانقرویة کتاب الوصایا دار الاشاعة العربیة کوئٹہ پاکستان ۲/ ۴۰۹

اتنے روپے بوجہ عدم تجاوز حد شرعی وصیت کے مجموع وصایا کے لئے ثلث باقی بعد اداء الدین ہے تمام وکمال قابل نفاذ تو اگر فی الحال ترکہ میں موجود ہیں سب ابھی دے دیئے جائیں ورنہ ان کے لائق حصہ جائداد بیچ کرادا ہوں،

فی ردالمحتار عن المنح عن السراج اذا اوصی بدراھم مرسلۃ ثم مات تعطی للموصی لہ لوحاضرۃ و الاتباع الترکۃ ویعطی منھا تلک الدراھم۔[1]	ردالمحتار میں منح سے بحوالہ سراج منقول ہے کہ جب کسی نے مطلق درھموں کی وصیت کی پھر مرگیا تو وہ درھم اس شخص کو دیئے جائیں گے جس کے لئے وصیت کی گئی ہے، اگر درھم حاضر ہیں ورنہ ترکہ بیچ کر اس میں سے وہ درہم دیئے جائیں گے۔(ت)

مگر یہاں وصیت ثلث درکنار جمیع مال کے دوچند سے بھی متجاوز ہے کہ تنہا مسجد کے لئے ماہوار کی وصیت کل مال کی وصیت تو وہی ہو گئی، باقی تین ہزار روپے کی وصایائے مذکورہ معینہ علاوہ رہیں،

فی الھندیۃ اوصی بان ینفق علٰی فلان خمسۃ کل شھر ماعاش وعلٰی فلان وفلان عشرۃ کل شھر ماعاشا و اجازت الورثۃ یقسم المال بین الموصی لہ بخمسۃ و الموصی لھما بعشرۃ نصفین فیوقف نصف المال علی صاحب الخمسۃ والنصف علی صاحبی العشرۃ لان الموصی لہ بالخمسۃ موصی لہ بجمیع المال وصیۃ واحدۃ و الموصی لھما بجمیع المال وصیۃ واحدۃ فکانہ اوصی لھذا بجمیع المال ولھما بجمیع المال فیقسم المال بینھم نصفین عندالکل وان لم تجز الورثۃ یقسم الثلث نصفین عندالکل کذا فی المحیط اھ مختصرًا۔[2]	ہندیہ میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ فلاں شخص پر جب تک وہ زندہ رہے پانچ درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور فلاں اور فلاں شخص پر جب تک وہ دونوں زندہ رہیں دس درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں اور وارثوں نے اس کی اجازت دے دی تو مال اس شخص کے درمیان جس کے لئے پانچ درہم کی وصیت کی گئی اور ان دونوں کے درمیان جن کے لئے دس درہموں کی وصیت کی گئی نصف نصف تقسیم کیا جائے گا، چنانچہ نصف مال پانچ درہم والے کے لئے اور نصف دس درہم والوں کے موقوف رکھا جائے گا، اس لئے کہ جس کے لئے پانچ درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی اس کے لئے تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی اور جن دو کے لئے دس درہم ماہانہ کی وصیت کی گئی ان کے لئے بھی تمام مال کے ساتھ ایک وصیت کی گئی گویا کہ موصی نے اس کے لئے تمام

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۱

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۲۹

	مال کی وصیت کی اور ان دونوں کے لئے بھی تمام مال کی وصیت کی۔ لہذا تمام ائمہ کے نزدیک ان کے درمیان مال نصف نصف تقسیم ہوگا۔ اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو تمام ائمہ کے نزدیک تہائی مال ان کے درمیان نصف نصف تقسیم کیا جائے گا۔ محیط میں یونہی ہے اھ (اختصار) (ت)

صرف تین ہزار اس لئے کہ تجہیز و تکفین تو حاجات اصلیہ سے ہے اور دین مہر بھی مقدم تو ان کے وصایا کے مرتبے میں یہی تین ہزار رہے۔

فی العقود الدریة، سئلت عن رجل اوصی بالف یخرج منها تجهیزه وکتفینه والباقی منها لعمل میراث و اوصی بخمسمائة لزید وبمثلها لعمارة مسجد کذا و بمثله لعمارة مسجد کذا ایضا وله مملوك قیمته خمسمائة ایضا اعتقه منجزا فی مرض موته واوصی له بالف و خمسمائة وخمسین وبلغ ثلث ترکته ثلثة الاف وثمان مائة وبلغت نفقة تجهیزه ثلثمائة فکیف تقسم فاجبت کلفة التجهیز الشرعی من اصل المال فکانه استثناها من الالف فیکون الباقی من الالف لعمل المیراث سبعمائة وتصیر جملة الوصیة اربعة الاف ومائتین وخمسین وقد ضاق الثلث	العقود الدریہ میں ہے مجھ سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ہزار درھم کی وصیت کی کہ اس میں سے اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ نکالا جائے اور باقی نیک کاموں پر خرچ کیا جائے اور اسی نے زید کے لئے پانچسو درہم اور فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے پانچ سو درہم اور مزید فلاں مسجد کی تعمیر کے لئے بھی پانچ سو درہم کی وصیت کی۔ اور اس کا ایک غلام تھا اس کی قیمت بھی پانچسو درہم تھی جس کو اس نے اپنی مرض موت میں بطور تنجیز آزاد کردیا اور اس کے لئے ایک ہزار پانچ سو پچاس درہم کی وصیت کی، اور اس کے ترکہ کا تہائی حصہ تین ہزار آٹھ سو تک پہنچا اور اس کی تجہیز و تکفین کا خرچ تین سو تک پہنچا تو اب اس کی وصیت کیسے تقسیم کی جائے گی؟ میں نے اس کا جواب دیا شرعی تجہیز و تکفین کا خرچ اصل مال سے ہوگا گویا اس نے ہزار میں سے اس کو مستثنٰی کیا ہے تو اس طرح نیک کاموں پر خرچ کرنے کے لئے ہزار میں سے سات سو درہم باقی بچے، اور اس کی وصیت کا مجموعہ چار ہزار دو سو پچاس ہوا جو ترکہ کے تہائی حصہ میں سے نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ وصیت صرف مال

عنہافینفذ الثلث فقط[1] الخ۔	کے تہائی حصہ میں نافذ کی جائے گی فقط (ت)

پھر سب میں پچھلی وصیت ہے کہ وصیان مذکور ہر ماہ محتاجوں کو اس قدر خیرات دیا کریں جو نظر میں مناسب آئے دوبارہ کل مال کی وصیت ہے کہ اس کی تعیین مقدار میں اگرچہ اوصیاء کو اختیار دیا ہے اور یہ اختیار صحیح اور ایسی وصیت جائز ہے۔

کما اذا اوصی بجزء اوسھم من مالہ فالبیان الی الورثۃ یقال لھم اعطوہ ماشئتم کما فی الدر[2] المختار وعامۃ الاسفار وفی ردالمحتار عن التبیین لانہ مجھول یتناول القلیل والکثیر والوصیۃ لاتمتنع بالجھالۃ و الورثۃ قائمون مقام الموصی فکان الیھم بیانہ[3] اھ **قلت** فالوصی المفوض الیہ بنص الموصی اولی بذٰلک کمالایخفی۔	جیسے کسی شخص نے اپنے مال میں سے ایک جز یا ایک سہم کی وصیت کی تو اس کا بیان وارثوں کے ذمے ہوگا انہیں کہا جائے گا کہ جو کچھ رقم تم چاہو اس کو دے دو جیسا کہ درمختار اور عام کتابوں میں ہے۔ ردالمحتار میں تبیین کے حوالے سے منقول ہے کیونکہ وہ مجہول ہے قلیل و کثیر دونوں کو شامل ہے اور وصیت بسبب جہالت کے ممنوع نہیں ہوتی اور وارث موصی کے قائم مقام ہوتے ہیں لہٰذا اس کا بیان انہیں کو سونپا جائے گا الخ **میں کہتا ہوں** کہ وہ وصی اس کا زیادہ حقدار ہے جس کے سپرد معاملہ موصی کی نص سے ہوا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں (ت)

مگر یہ کوئی مقدار تجویز کریں آخر کچھ نہ کچھ ماہوار کی وصیت ہوگی اور وہ بلا تفرقہ کثیر و قلیل مطلقاً جمیع مال کی وصیت ہے،

کما علمت اٰنفا عن العٰلمگیریۃ وفیھا ایضا عن المبسوط لواوصی بان ینفق علیہ خمسۃ دراھم کل شھر من مالہ فانہ یحبس جمیع الثلث لینفق علیہ منہ کل	جیسا کہ عالمگیریہ کے حوالہ سے ابھی ابھی تو جان چکا ہے، اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کہ اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے فلاں پر پانچ درہم ماہانہ خرچ کئے جائیں تو اس کے ترکہ کا ایک تہائی حصہ پورا روک لیا جائے گا تاکہ اس میں سے موصی

[1] العقود الدریۃ تنقیح الفتاوٰی الحامدیہ کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۱۱

[2] الدر المختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۴

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۹

شهر خمسة کما اوجبه الموصی و یستوی ان امربان ینفق علیه فی کل شهر منه درهما اوعشرة دراهم [1] اھ والسرفیه ان الوصیة بشیئ للفقراء کل شهر مؤبدة لانهایة الی اٰخر الدهر والغلال بمعرض الزوال و معتور التبدل بالتکثر والتقلل فلایدری متٰی تفنی و متٰی تحصل ومتی تقل والی ماتصل فوجب ابقاء جمیع الثلث مصونا لها قال فی الهندیة متصلا بما مر قبله اوصی بعشرین درهما من غلته کل سنة لرجل فاغل سنة قلیلا وسنة کثیر فله ثلث الغلة کل سنة یحبس وینفق علیه کل سنة من ذٰلك عشرون درهما ما عاش هٰکذا اوجبه الموصی وربما لاتحصل الغلة فی بعض السنین فلهذا یحبس ثلث الغلة علٰی حقه [2] اھ قلت واطلقوه فشمل	کی وصیت کے مطابق ہر مہینے پانچ درہم خرچ کئے جائیں، اوراس میں حکم برابر ہوگا اگر وہ ایک درھم یا دس درھم ماہانہ خرچ کرنے کا حکم دے الخ اس میں راز یہ ہے کہ فقیروں کے لئے ماہانہ کچھ خرچ کرنے کی وصیت دائمی ہوتی ہے اور آخر تک اس کی انتہا نہیں ہوتی جبکہ محاصل معرض زوال میں ہوتے ہیں اور ان میں زیادتی اور کمی کے ساتھ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے معلوم نہیں کب تک ختم ہوجائیں اور کب حاصل ہوں اور کب ختم ہوجائیں اور وہ کب کہاں تک پہنچے۔ لہٰذا پورے تہائی کو وصیت کے لئے محفوظ رکھنا واجب ہے۔ ہندیہ میں مذکورہ بالا عبارت سے ماقبل قریب ہی کہا ہے کہ کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کے لئے اپنی جائداد کی پیداوار میں سے بیس درہم سالانہ کی وصیت کی اور چونکہ پیداوار کسی سال تھوڑی اور کسی سال زیادہ ہوتی ہے لہٰذا اس کے لئے ہر سال پیداوار کا تہائی حصہ روک رکھا جائے گا اور سالانہ اس پر جس کے لئے وصیت کی گئی ہے بیس درہم خرچ کئے جاتے رہیں گے جب تک وہ زندہ ہے۔ اسی طرح موصی نے ایجاب کیا ہے۔ اور بسااوقات بعض سالوں میں پیداوار حاصل نہیں ہوتی اسی لئے اس شخص کے حق میں جس کے لئے وصیت کی گئی پیداوار کا تہائی حصہ روک رکھا جاتا ہے الخ **میں کہتا ہوں** انہوں نے

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع فی الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۸

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع فی الوصیة نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۸

ما اغل مما کثر او قل مع ان الوصیة محدودة بسنین معدودة قدر ماعسی ان یعیش الموصی له فکیف بجهة لا انقطاع لها۔	اس کو مطلق رکھا کہ یہ شامل ہے جب تک پیداوار حاصل ہوتی ہے گی چاہے وہ پیداوار کثیر ہو یا قلیل باوجودیکہ وصیت چند معدود سالوں کی حد تک محدود ہے یعنی جب تک وہ شخص زندہ رہے گا جس کے لئے وصیت کی گئی ہے تو پھر یہ وصیت ایسی جہت سے کیسے ہوئی جس کے لئے انقطاع نہیں۔ (ت)

توحاصل یہ ٹھہرا کہ زید نے اپنے کل مال کی وصیت اس مسجد کے لئے کی اور نیز کل کی وصیت فقرا کو ماہوار کے لئے اور ان کے علاوہ پانسو روپے مطلقاً فقراء یا خاص فقراء مسافرین کو اور دینے کہے اور ڈھائی ہزار ان اشخاص معلومین کو وصیۃً دیئے جملہ اموال وصایا دوبار جمیع مال اور تین ہزار روپے ہوئے پُر ظاہر کہ کل مال بھی ان وصایا کے نصف کی بھی گنجائش نہیں رکھتا تو اب اس کے دریافت کی حاجت ہوگی کہ ان میں کون کون وصیت کس کس حد پر نفاذ پائے گی کتنا کتنا ہر وصیت میں دیا جائے گا کون سی وصیت بوجہ ازجحیت تقدیم پائے گی کونسی مرجوح ٹھہر کر تاخیر کردی جائے گی اس کا حساب صحیح بتانے کے لئے یہ جاننا ضرور کہ کل مال بعد تجہیز و تکفین مسنون وادائے دیون کی مقدار کس قدر ہے میت نے ترکہ میں زرنقد کتنا چھوڑا جائداد منقولہ وغیر منقولہ متروکہ خالصہ یعنی بعد تجہیز وتکفین وقضائے دیون کی قیمت بازار کے بھاؤ سے کیا ہے وارثوں میں بالغ کتنے ہیں ان میں کون کون کس کس وصیت کو کس حد تک جائز رکھتا کون کون اجازت نہیں دیتا ہے ان امور سے سوال میں کچھ مذکور نہیں نہ سائل نے اس بحث سے استفسار کیا لہٰذا ہم بھی مطوی وملتوی رکھیں اگر دریافت منظور ہو امور مسطورہ بتفصیل تام بتا کر سوال کیا جاسکتا ہے۔

جواب سوال چہارم: تقسیم عبادات ومعاملات میں عبادات سے مطلقاً حقوق اللہ مراد ہوتے ہیں خواہ عبادات محضہ ہوں جیسے ارکان اربعہ یا قربات محضہ جیسے عتق ووقف حتی کہ نکاح بھی خواہ عبادت یا قربت مع معنی عقوبت جیسے کفارات اور معاملات حقوق العباد ہیں مثل بیع واجارہ وہبہ واعارہ وغیرہ اور یہاں نظر مقصود اصل کی طرف ہے اصل مقصود تقرب الی اللہ ہے تو عبادت ہے یا مصالح عباد تو معاملہ

فاجتماعهما کما فی النکاح لایقدح فی التقسیم وقد تکفل ببیان کل ذٰلك فی ردالمحتار صدر	ان دونوں کا اجتماع جیسا کہ نکاح میں ہے تقسیم میں مانع نہیں، تحقیق اس تمام کے بیان کی ردالمحتار میں کتاب البیوع کے آغاز پر کفالت

کتاب البیوع۔	کی گئی ہے (ت)

پھر وصیت دو قسم ہے، ایک تملیک مثلاً زید یا عمرو یا ابنائے فلاں وغیرہم معین و محصور اشخاص کے لئے یہ صورت اغنیاء وفقراء سب کے لئے ہو سکتی ہے، صورت اولیٰ معاملات سے ہے مثل ہبہ اور ثانیہ عبادات سے مثل صدقہ، دوسری قربت بلا تملیک مثل وصیت بوقف وعتق ودیگر اعمال پھر وصیت برائے ارباب حاجت غیر محصورین بوجہ عدم انحصار تملیک نہیں ہو سکتی یہ صرف قربت واز قبیل عبادات ہے۔

یرشدك الی هذا ماقدمنا عن الدر من الاصل فی الوصیة الخ وفی الهندیة عن المحیط عن فتاوی الامام ابی اللیث فیما لواوصی بثلث ماله لاعمال البر ان کل مالیس فیه تملیك فهو من اعمال البرحتی یجوز صرفه الی عمارة المسجد وسراجه دون تزیینه[1] الخ ومسائل الباب اکثر من ان تحصٰی۔ **اقول:** وبه ظهران ماذکر فی عامة الکتب فی حد الوصیة انها تملیك مضاف الی مابعد الموت علی وجه التبرع فهو تحدید له باعتبار احدنوعیه والحد الجامع ما قدمناعن النتائج عن النهایة عن	اس کی طرف تیری رہنمائی کرتی ہے وہ بات جو در کے حوالے سے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یعنی وصیت میں اصل یہ ہے الخ اور ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی امام ابواللیث محیط سے منقول ہے اس صورت کے بارے میں کہ اگر کسی نے نیک کاموں کے لئے اپنے مال کے تہائی کی وصیت کی یہ کہ جس میں تملیک نہ ہو وہ نیک کاموں میں سے ہے یہاں تک کہ اسے مسجد کی تعمیر اور چراغ کے لئے خرچ کرنا جائز ہے نہ کہ اس کی زیب وزینت کے لئے الخ اس باب کے مسائل شمار سے زائد ہیں۔ **میں کہتا ہوں** اور اس سے ظاہر ہوگیا وہ جو عام کتابوں میں وصیت کی حد یعنی تعریف کے بارے میں مذکور ہے کہ بے شک وصیت ایسی تملیک ہے جو موت کے مابعد کی طرف بطور تبرع منسوب ہوتی ہے، یہ وصیت کی تعریف اس کی دو نوعوں میں سے ایک کے اعتبار سے ہوئی اور جامع تعریف وہ ہے جسے ہم نتائج سے

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۷

الایضاح،والاولٰی مااسلفنا عن الوقایة والنقایة لعدم تقییدہ بالمال فیعم ما اذا اوصی بان یدفن فی مقبرة کذا بثوب فلان الزاھد فقد قال فی الخلاصة و البزازیة والشرنبلالیة وردالمحتار وغیرھا یراعی شرائطه ان لم یلزم مؤنة الحمل فی الترکة[1] اھ**قلت** و المراد بالموت مایعم الحکمی وھو مرض الموت و الاولی التصریح به لکن ھذا لابد من تخصیصه بالمال فان الایجابات الغیر المالیة کامرہ اجیرہ او ابنه ان اسقنی اواخذ منی لاتعد وصیّة وان کانت فی مرض الموت بخلاف المضاف الی مابعدہ کما لایخفی فاذن احق مایقال فی حدھا ایجاب مضاف الی مابعد الموت او الی منجزفی مرض الموت فاحفظه۔واللّٰه التوفیق۔	بحوالہ نہایہ بحوالہ ایضاح پہلے نقل کرچکے ہیں،اور اولٰی تعریف وہ ہے جسے ہم بحوالہ وقایہ ونقایہ پہلے ذکر کرچکے کیونکہ اس میں مال کی قید نہیں لگائی گئی۔لہٰذا وہ شامل ہوگئی اس صورت کو کہ جب کسی نے وصیت کی کہ اس کو فلاں قبرستان میں فلاں زاہد کے کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ خلاصہ، بزازیہ،شرنبلالیہ اور ردالمحتار وغیرہ میں کہاہے وصیت کی شرائط کا لحاظ کیا جائے گا اگر ترکہ میں باربرداری کا خرچہ لازم نہ آئے الخ۔ **میں کہتاہوں** موت سے مراد وہ ہے جو موت حکمی کو شامل ہے اور وہ مرض الموت ہے،اوراس کی تصریح کرنا اولٰی ہے،لیکن اس میں مال کی تخصیص ضروری ہے اس لئے کہ ایجابات غیر مالیہ جیسے کسی شخص کا اپنے اجیر یا بیٹے کو حکم دینا کہ مجھے پانی لاکر پلاؤ یا میری خدمت کرو۔ان کا شمار وصیت میں نہیں ہوتا اگرچہ یہ مرض الموت میں ہوں بخلاف اس کے کہ وہ موت کے مابعد کی طرف منسوب ہو،جیساکہ پوشیدہ ہیں۔تو اس صورت میں وصیت کی تعریف یوں کرنا اولٰی وانسب ہے کہ وہ ایسا ایجاب ہے جو موت کے مابعد کی منسوب ہو یا اس کی طرف منسوب ہو جس کی تنجیز مرض الموت میں کی گئی ہے۔اس کو محفوظ کرلے۔اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔(ت)

بالجملہ مطلق وصیت نہ عبادات سے ہے نہ معاملات سے بلکہ دونوں میں داخل دونوں کو شامل۔

[1] الفتاوی البزازیة علٰی ھامش الفتاوی الھندیة کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۴۰

جواب سوال پنجم: وجہ مذکور سے وصیت پر کوئی اثر عدم جواز کا نہیں پڑ سکتا اس وجہ کی نہ بنا صحیح ہے نہ مبنی درست، نہ وصیت کا بیع پر قیاس مقبول۔

اوّلاً جواب سوال سوم میں معلوم ہولیا کہ یہاں سرے سے استثناء ہی نہیں۔ **ثانیاً** ہو بھی تو قول صحیح ومعتمد ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ ارطال معلومہ کا استثناء بیع میں بھی روا۔ ہدایہ میں بعد عبارت مذکورہ سوال ہے:

لان الباقی بعدالاستناء مجھول قال رضی اللہ تعالٰی عنہ قالوا ھذا روایۃ الحسن وھو قول الطحاوی اما علی ظاھر الروایۃ ینبغی ان یجوز لان الاصل ان ما یجوزا یرادالعقد علیہ بانفرادہ یجوز استثناہ من العقد وبیع فقیرمن صبرۃ جائزفکذا استثنائہ بخلاف استثناء الحمل واطراف الحیوان لانہ لا یجوز بیعہ فکذا استثناءہ[1] اھ باختصار۔	کیونکہ استثناء کے بعد باقی مجہول ہے۔ مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت امام حسن کی ہے اور وہی طحاوی کا قول ہے۔ لیکن ظاہر الروایۃ پر اس کو جائز ہونا چاہئے اس لئے کہ ضابطہ یہ ہے جس شیئ پر بطور انفراد عقد کا وارد ہونا جائز ہو عقد سے اس کا استثناء بھی جائز ہوتا ہے۔ ڈھیر میں سے ایک بوری کی بیع جائز ہے تو اسی طرح اس کا استثناء بھی جائز ہوگا بخلاف حمل اور جانور کے اجزاء کے، کیونکہ ان کی بیع جائز نہیں، اسی طرح ان کا استثناء بھی جائز نہیں اھ (اختصار) (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

ماجاز ایراد العقد علیہ بانفرادہ صح استثناؤہ منہ فصح استثناء ارطال معلومۃ من بیع ثمر نخلۃ۔[2]	جس پر بطور انفراد عقد کا وارد کرنا جائز ہے اسکا استثناء بھی عقد سے جائز ہے۔ چنانچہ درخت کے پھل کی بیع سے معیّن رطلوں کا استثناء صحیح ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

[1] الھدایۃ کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۳۲و۳۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

لصحۃ ایراد العقد علیھا ولوالثمر علٰی رؤس النخل علی الظاھر[1]۔	کیونکہ اس پر عقد کو وارد کرنا صحیح ہے اگرچہ ظاہر روایت کے مطابق جو پھل درختوں کے اوپر ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ(علی ظاھر)متعلق بقولہ فصح ومقابل ظاھر الروایۃ الحسن عن الامام انہ لایجوز واختارہ والطحاوی والقدوری لان الباقی بعدالاستثناء مجھول[2]۔	ماتن کا قول "علی ظاہر" اس کے قول "فصح" سے متعلق ہے اور ظاہر الروایت کے مقابلے میں حسن کا قول ہے جو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ استثناء جائز نہیں ہے۔ اسی کو اختیار کیا ہے امام طحاوی اور قدوری نے، کیونکہ استثناء کے بعد جو بچتا ہے وہ مجہول ہے۔ (ت)

ثالثًا بیع میں عدم جواز ہی معتمد سہی تو اس کا دائرہ بہت تنگ ہے اور وصیت کا باب نہایت وسیع۔ ابھی سن چکے کہ بیع حمل ناجائز ہے اور وصیت بالحمل قطعًا روا۔

فی الدر، صحت للحمل وبہ کقولہ اوصیت بحمل جاریتی اودابتی ھذہ لفلان[3]۔	دُر میں ہے کہ حمل کے لئے وصیت اور حمل کے ساتھ وصیت صحیح ہے جیسے موصی کا یوں کہنا کہ میں نے اپنی اس لونڈی یا اس جانور کے حمل کی فلاں شخص کے لئے وصیت کی۔ (ت)

بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہوتی ہے اور وصیت پر ان کا کچھ اثر نہیں، ولہذا بیع کنیز سے استثناء حمل روا نہیں اور وصیت سے صحیح۔

فی الھدایۃ اشتری جاریۃ الاحملھا فالبیع فاسد لانہ بمنزلۃ اطرف الحیوان لاتصالہ بہ خلقۃ وبیع الاصل یتناولھا فالاستثناء	ہدایہ میں ہے کسی شخص نے لونڈی خریدی مگر اس کا حمل نہ خریدا تو بیع فاسد ہے کیونکہ حمل حیوان کے اعضاء کی مثل ہے اس لئے کہ حمل خلقی طور پر حیوان کے ساتھ متصل ہے اور اصل کی بیع اس کو

[1] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی مایدخل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۴۱

[3] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

یکون علی خلاف الموجب فیصیر شرطا فاسد او البیع یبطل بہ والھبۃ والصدقۃ والنکاح لاتبطل بل یبطل الاستثناء وکذا الوصیۃ لاتبطل لکن یصح الاستثناء لان الوصیۃ اخت المیراث والمیراث یجری فیما فی البطن [1] اھ ملخصاً۔	شامل ہے، تو یہ استثناء موجب کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہوا اور بیع شرط فاسد کے ساتھ باطل ہوجاتی ہے۔ ہبہ، صدقہ اور نکاح باطل نہیں ہوتے بلکہ استثناء باطل ہوجاتا ہے۔ یونہی وصیت باطل نہیں ہوتی لیکن اس میں استثناء صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وصیت میراث کی بہن ہے اور میراث اس میں جاری ہوجاتی ہے جو پیٹ میں ہے اھ (تلخیص) (ت)

جہالت بیع میں مفسد ہے اور وصیت کو مضر نہیں کما قدمنا عن الشامی عن الزیلعی (جیسا کہ ہم شامی سے بحوالہ زیلعی پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ت) اور بیع میں استثنائے ارطال معلومہ سے روایت فساد کی علت یہی جہالت تھی کما سمعت عن الھدایۃ وردالمحتار ومثلہ فی الفتح وغیرہ (جیسا کہ تو ہدایہ اور ردالمحتار سے سن چکا ہے اور اسی کی مثل فتح وغیرہ میں ہے۔ت) تو وصیت کا اس پر قیاس کھلا مع الفارق ہے۔

رابعاً علت منع یہی سہی کہ شاید اتنے ہی رطل پیدا ہوں تو یہ بھی وصیت میں اصلاً خلل انداز نہیں،

کما اسلفنا عن الھندیۃ عن المحیط من قولہ وربما لاتحصل الغلۃ فی بعض السنین۔ [2]	جیسا کہ ہم ہندیہ سے بحوالہ محیط اس کا یہ قول ذکر کرچکے ہیں کہ بسا اوقات بعض سالوں میں پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ (ت)

خامساً: وقت محاصل وغلہ قُری وبساتین وغیرہا کی صحت وصیت میں شبہ نہیں کتب فقہ میں اس کے لئے باب جداگانہ موضوع اور شک نہیں کہ ان اشیاء پر جو محصول جانب سلطنت سے معین ہوتا ہے وہ عرفاً معلوم الادا و معہود الاستثناء ہے **والمعھود عرفا کالمشروط لفظا** (جو عرف کے اعتبار سے معہود ہو وہ اس کی مثل ہوتا ہے جو لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ت) تو جو استثناء بے ذکر کئے خود ہی مذکور ہے اس کی تصریح کیا مفسد ہوسکتی ہے **وھذا ظاھر جدا** (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۶۳

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۸

جواب سوال ششم: بطلان وصیت کے لئے تقریر مذکور اصلاً صحیح نہیں، اوپر گزرا کہ وصیت دو قسم ہے: تملیک وقربت۔ **وانا اقول وباللہ التوفیق** (اور میں کہتاہوں اور توفیق اللہ ہی کی ہے۔ت) کراہت منافی تملیک ہر گز نہیں ہو سکتی،

الاترى ان البيوع الفاسدة محرمة وتفيد الملك فاذا جامع الملك الحرمة فمابالك بالكراهة۔	کیاتونہیں دیکھتاکہ بیوع فاسدہ حرام ہیں اور مِلک کافائدہ دیتی ہیں۔جب ملک حرمت کے ساتھ جمع ہوگیاتو کراہت کے ساتھ جمع ہونے میں تیراکیاخیال ہے۔(ت)

اور منافی قربت بھی صرف اس صورت میں ہے کہ شیئ فی نفسہ مکروہ ہو اور یہ جبھی ہوگا کہ وہ اصلاً نوع قربت سے نہ ہو،

فان الندب والكراهة متنافيان لايسوغ اجتماعهما من جهة واحدة۔	کیونکہ ندب اور کراہت آپس میں متنافی ہیں لہٰذاایک ہی جہت سے ان کااجتماع جائز نہیں(ت)

بخلاف کراہت عارضی کہ زنہار منافی قربت نہیں ہزار جگہ ہوتاہے کہ شیئ فی نفسہ قربت ہو اور اسے خارج سے کراہت عارض جیسے آستین چڑھائے ہوئے نمازپڑھنا، علماء نے کراہت ومعصیت سے بطلان وصیت پر صرف دوصورت خاصہ میں استثناء کیا ہے جہاں تملیک نہیں اور فعل فی نفسہٖ مکروہ ہے، حاصل استدلال یہ کہ یہاں تملیک نہ ہونا تو ظاہر اور اس ظہور ہی کے باعث یہ مقدمہ مطوی فرما جاتے ہیں، رہی قربت وہ یوں نہیں ہو سکتی کہ فعل خود مکروہ ہے اور ایسا مکروہ قربت نہیں ہو سکتا تو دونوں نوع وصیت منتفی ہوئیں اور بطلان لازم آیا،

فان انتفاء الاقسام باسرها قاض بانتفاء المقسم راسا۔	تمام اقسام کامنتفی ہونا مقسم کے منتفی ہونے کاتقاضا کرتا ہے۔(ت)

بخلاف دوصورت باقی اعنی صورت تملیک وصورت قربت ذاتی وکراہت عارضی کہ ان میں ہر گز کراہت سے بطلان پر حجت نہیں پاتے بلکہ صراحۃً صحت وصیت ارشاد فرماتے ہیں تینوں صورتوں کے شواہد لیجئے:

صورت اولٰی: کی دو مثالیں یہی ضرب قبہ وتطیین قبر ہیں یعنی جب بہ نیت تزیین ہو کہ اپنی قبر کو مزین کرانا فی نفسہ نوع قربت سے نہیں، بخلاف اس صورت کے کہ بقائے نشان مقصود ہو کہ یہ فعل شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے معہود۔

کما فعل بقبر عثمٰن بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ و وضع حجرا لیتعرف بھا قبرہ ویدفن الیہ من مات من اھلہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما اخرجہ ابوداؤد[1] فی سننہ بسند جید۔	جیساکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر پر پتھر نصب فرمایا تاکہ اس پتھر کے سبب قبر کی پہچان رہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان مبارک سے وصال فرمانے والے افراد کو اس قبر کے قریب دفن کیا جائے، جیساکہ امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں جید سند کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔(ت)

اس سے نفع وانتفاع میت زائرین حاصل یہ مقصد محمود ہے اور ہر مقصد محمود قربات میں معدود۔ درمختار میں زیر عبارت مذکورہ سوال ہے:

قدمنا فی الکراھیۃ انہ لایکرہ تطیین القبور فی المختار[2] الخ زادفیھا وفی الجنائزعن السراجیۃ لاباس بالکتابۃ ان احتیج الیھا حتی لایذھب الاثر و لایمتھن[3]۔	ہم باب الکراہیۃ میں ذکر کرچکے ہیں کہ قول مختار میں قبروں کی لپائی مکروہ نہیں الخ اسی کے باب الجنائز میں بحوالہ سراجیہ یہ اضافہ کیا کہ قبر پر لکھنے کی اگرضرورت ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ س کانشان نہ مٹے اوراس کی توہین نہ کی جائے۔(ت)

خانیہ میں ہے:

اوصی بعمارۃ قبرہ للتزیین فھی باطلۃ۔[4]	زینت کے لئے قبر پر عمارت کی وصیت کی تو یہ وصیت باطل ہے۔(ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب فی جمع الموتی فی قبر والقبر یعلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۱

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ للاقارب وغیرھم مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۰

[3] الدرالمختار باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۵۔۱۲۶، الفتاوی السراجیۃ کتاب الجنائز باب الدفن مطبع نولکشور لکھنؤ ۲۴

[4] فتاوٰی قاضیخان کتاب الوصایا فصل فی مایکون وصیۃ مطبع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۳۶

اذا اوصی بان یطین قبرہ اویوضع علی قبرہ قبۃ فالوصیۃ باطلۃ الا ان یکون فی موضع یحتاج الی التطیین بخوف سبع اونحوہ سئل ابوالقاسم عن من دفع الی ابنتہ خمسین درھما فی مرضہ وقال ان مت فاعمری قبری وخمسۃ دراھم لك واشتری بالباقی حنطۃ وتصدق بھا قال الخمسۃ لھا لاتجوز وینظر الی القبر الذی امر بعمارتہ فان کان یحتاج الی العمارۃ للتحصین لاللزینۃ عمرت بقدر ذٰلك والباقی تتصدق بہ علی الفقراء وان کان امر بعمارۃ فضلت علی الحاجۃ الذی لابدمنھا فوصیۃ باطلۃ[1]۔	کسی نے وصیت کی کہ اس کی قبر کی لپائی کی جائے اوراس پر گنبد بنایا جائے تووصیت باطل ہوگی۔ مگر یہ کہ وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کی ضرورت ہے تومکروہ نہیں۔ مثلاً وہاں کسی درندے وغیرہ کا خوف ہو۔ ابوالقاسم سے اس شخص کے بارے میں سوال کیاگیا جس نے اپنی بیٹی کو بیماری کی حالت میں پچاس درہم دے کر کہا اگر میں مرجاؤں تو میری قبر تعمیر کرانا اور پانچ درھم تیرے ہیں باقی سے گندم خرید کر اسے صدقہ کردینا۔ ابوالقاسم نے کہاکہ بیٹی کے لئے پانچ درہموں کی وصیت جائز نہیں۔ اور قبر کو دیکھاجائے گا اگروہاں قبر کی حفاظت کے لئے عمارت کی محتاجی ہے توبقدر حاجت وہ تعمیر کرائے لیکن زینت کے لئے جائز نہیں اور جو باقی بچے وہ فقراء پر صدقہ کردے۔ اگر موصی نے قدرحاجت سے زائد عمارت کا حکم دیاتواس کی وصیت باطل ہوگی۔(ت)

بزازیہ میں ہے:

عمارۃ القبران لتحصین یجوز وان لتزیین فالوصیۃ ایضاباطلۃ ویصرف الکل الی الفقراء۔[2]	قبر کی عمارت اگر حفاظت کے لئے ہے تو وصیت جائز ہے اور اگر زیبائش کے لئے ہے تو ناجائز و باطل ہے۔ لہٰذا وہ سب مال فقراء پر خرچ کیا جائے گا۔(ت)

مثال سوم: وصیت کی کہ اُسے ٹاٹ کا کفن دیں اور گلے میں طوق پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر دفن کریں یہ امر نامشروع کی وصیت ہے مقبول نہ ہوگی اور بطور مشروع دفن کریں گے۔

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۶

[2] فتاوی البزازیة علی هامش الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۳۹

فی الھندیۃ عن المحیط اذا اوصی ان یدفن فی مسح کان اشتراہ ویغل و یقید رجلہ فھذہ وصیۃ بما لیس بمشروع فبطلت ویکفن بکفن مثلہ ویدفن کما یدفن سائر الناس۔[1]	ہندیہ میں بحوالہ محیط منقول ہے جب کسی نے وصیت کی کہ اسے ٹاٹ میں کفن دیا جائے جو اس نے خریدا ہے اور اس کو طوق پہنایا جائے وراس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی جائیں، تو چونکہ یہ شرعی طور پر ناجائز کام کی وصیت ہے لہٰذا باطل ہوگی، اس کو کفن مثلی دیا جائے گا اور دیگر لوگوں کی طرح دفن کیا جائے گا۔(ت)

مثال چہارم: وصیت کی کہ مجھے میرے گھر میں دفن کریں باطل ہے کہ یہ حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے ساتھ مخصوص اور امت کے حق میں نامشروع ہے، خلاصہ وبزازیہ وتاتارخانیہ وہندیہ وغیرہ میں ہے:

واللفظ للثالثۃ اوصی بان یدفن فی دارہ فوصیتہ باطلۃ الا ان یوصی ان یجعل دارہ مقبرۃ للمسلمین[2]۔	لفظ تیسری کتاب یعنی تاتارخانیہ کے ہیں۔اگر کسی نے وصیت کی اس کو اپنے گھر میں دفن کیا جائے تو وہ وصیت باطل ہوگی سوائے اس کے وہ یوں کرے کہ اس کے گھر کو مسلمانوں کے لئے قبرستان بنادیا جائے۔(ت)

صورت ثانیہ: یعنی وصیت تملیک باوصف کراہت صحیح ہے اس کی ایک سند وہی ہے جو سوال میں بحوالۂ شامی مسطور کہ فسّاق کے لئے وصیت مکروہ ہے اور باوجود کراہت صحیح سند دوم۔وجیز امام کردری میں ہے:

الثانی معصیۃ مطلقًا کالوصیۃ للنائحۃ والمغنی ان لم یکن یحصون لایصح وان لقوم باعیانھم صح[3]۔	دوسری مطلقًا گناہ ہے جیسے نوحہ کرنے والی عورت اور گویّے کے لئے وصیت۔اگر وہ قابل شمار نہ ہوئے تو صحیح نہیں اور معین قوم کے لئے تو صحیح ہے۔(ت)

تبیین الحقائق پھر ردالمحتار میں ہے:

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۶۔۹۵

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۵

[3] الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۳۶

الوصیة انما صحت باعتبار التملیك لھم[1]۔	یہ وصیت تو محض ان کے لئے تملیک کے اعتبار سے صحیح ہے۔(ت)

یہ کیسے نصوص صریحہ ہیں کہ وصایائے تملیک اگرچہ معصیت ہوں صحیحہ ہیں۔سند سوم کافر حربی کے لئے وصیت باوصف ممانعت صحیح ونافذ ہے۔

مطلقًا علی ما اختارہ الائمة الجلة طاھر بن عبد الرشید البخاری و الامام السغناقی اول شراح الھدایة والامام النسفی صاحب الکنز والوافی و الامام حافظ الدین البزازی اوبشرط الاستیمان علی مامشی علیه فی الغرر الدرر والتنویر والدر واجعله فی الخانیة اجماعا وفی المقام تحقیق انیق اتینابه فیما علقنا علی ردالمحتار لولا غرابة المقام لاسعفنابه۔	بغیر کسی طرح کے جیساکہ بزرگ ائمہ کرام یعنی طاہرین عبد الرشید بخاری، ہدایہ کے شارح اول امام سغناقی، کنزو وافی کے مصنف امام نسفی اورامام حافظ الدین برازی نے اختیار کیا، یامستامن ہونے کی شرط کے ساتھ جیساکہ غرردرر، تنویر اوردر میں اس کو اپنایا ہے۔اس مقام پر نہایت عمدہ تحقیق ہے جس کو ہم نے رد المحتار پر اپنی تعلیق میں ذکر کیا ہے۔ اگر مقام کی اجنبیت نہ ہوتی تو ہم اس کو یہاں ذکر کرتے۔(ت)

خلاصہ ونہایہ وکافی ووجیز میں ہے:

واللفظ للاول،الوصیة لاھل الحرب باطلة،وفی السیر الکبیر مایدل علی الجواز والتوفیق بینھما انه لاینبغی ان یفعل ولو فعل یثبت الملك۔[2]	اور لفظ پہلی کتاب کے ہیں کہ اہل حرب کے لئے وصیت باطل ہے اور سیر کبیر کی عبارت جواز پر دلالت کرتی ہے۔ان دونوں کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ اہل حرب کے لئے وصیت نہ کرنی چاہئے لیکن اگر کردے تو ملک ثابت ہوجائے گا۔(ت)

صورت ثالثہ: یعنی وصیت قربت صحیح ہے اگرچہ نظر بخارج کراہت ہواس کے دلائل وہ تمام مسائل ہیں جن میں قربت کے لئے ثلث سے زائد وصیت کو صحیح مانا اور ورثہ اجازت دیں تو پوری مقدار

[1] تبیین الحقائق کتاب الوصایا باب وصیة الذمی المطبعة الکبری بولاق مصر ۶/ ۲۰۵

[2] خلاصة الفتاوٰی کتاب الوصایا جنس آخر فی الفاظ الوصیة مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۳۰

میں نافذ جانا، پر ظاہر کہ ہنگام قیام ورثہ مثلاً کل مال کی وصیت ممنوع ہے وہی بعض شراح مشکوٰۃ اعنی علامہ ابن فرشتہ اسی حدیث کے نیچے اسی قول میں فرماتے ہیں:

فیضاران الوصیة ای یوصلان الضرر الی الوارث بسبب الوصیة للاجنبی باکثر من الثلث [1] الخ۔	وہ دونوں وصیت میں ضرر پہنچائیں یعنی اجنبی کے حق میں تہائی سے زائد کی وصیت کرکے وارث کو نقصان پہنچائیں الخ (ت)

جلالین میں زیر آیت ہے:

(او اثما) بان تعمّد ذٰلك بالزیادة علی الثلث او تخصیص غنی مثلا۔ [2]	(یا گناہ کیا) بایں صورت کہ تہائی سے زائد کا قصد کیا یا غنی کو وصیت کے ساتھ مختص کیا (ت)

مگر ازانجاکہ فعل فی نفسہ قربت اور منع بوجہ عارضی یعنی تعلق حق ورثہ ہے باطل نہ ہوئی ورنہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہ ہو سکتی۔

فان الباطل لاوجود له والمعدوم لاینفذ بالتنفیذ۔	کیونکہ باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اور معدوم کسی کے نافذ کرنے سے نافذ نہیں ہوتا (ت)

میں ایں وآں سے استدلال کرتا ہوں قرآن عظیم دلیل اکبر ہے کہ وصیت باوصف ظلم و معصیت صحیح و معتبر ہے۔

قال اللہ عزوجل "فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸۲﴾"۔ [3]	(اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا) جو کسی کی وصیت میں ظلم یا گناہ پر اطلاع پائے پس ورثہ اور موصی لہم میں صلح کرادے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (ت)

وصیت بحال کراہت اگر باطل ہوتی تو باطل پر صلح کے کیا معنی تھے اور وہ موصی لہم کیوں قرار پاتے۔ معالم میں ہے:

قال الاٰخرون انه اراد به انه	دوسروں نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ جب

[1] مرقاۃ المفاتیح بحوالہ ابن الملك باب الوصایا الفصل الثانی تحت حدیث ۳۰۷۵ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۲۵۷

[2] تفسیر جلالین تحت آیت ۲/ ۱۸۲ اصح المطابع الدھلی النصف الاول ص ۲۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۲

اذا اخطأ المیّت فی وصیته اوجار معتمدا فلاحرج علی ولیه او وصیه او والی امور المسلمین ان یصلح بعد موته بین ورثته وبین الموصی لھم ویرد الوصیة الی العدل والحق۔[1]	میت نے وصیت میں خطا کی یا جان بوجھ کر ظلم کیا تو ولی یا وصی یا مسلمانوں کے امور کے والی کے لئے کوئی حرج نہیں کہ وہ موصی کی موت کے بعد اس کے وارثوں اور وصیت والوں کے درمیان صلح کرادیں اور وصیت کو عدل وحق کی طرف لوٹادیں۔(ت)

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) سر اس میں یہ ہے کہ شرع مطہر کسی حرکت لغو وبے معنی کو مشروع ومقرر نہیں فرماتی تمام عقود وافعال ومعاملات کی صحت فائدے پر اعتماد رکھتی ہے فائدہ خواہ دوسرے کاہو اگرچہ محض دنیوی خواہ اپنا اگرچہ صرف اخروی اور جو عبث محض ہے ہر گز صحیح نہیں ولہذا ایک روپیہ اسی کے مثل وہمسر دوسرے روپے کے بدلے بیچنا یا مکان کے مساوی شرکائے مشاع کا اپنا حصہ دوسرے کے حصے سے بدلنا یا کسی کی سکونت کو سکونت کے عوض اجارہ میں دینا صحیح نہ ہوا۔ درمختار میں ہے:

خرج بمفید مالایفید فلایصح بیع درھم بدرھم استویا وزنا وصفة ولامقایضة احدالشریکین حصة دارہ بحصة الاخر(صیرفیه)ولااجارة السکنی بالسکنٰی اشباہ[2]۔	مفید کی قید سے غیر مفید نکل گئی چنانچہ وزن وصفت میں برابر ایک درہم کی دوسرے درہم کے بدلے بیع صحیح نہیں، اور نہ ہی ایک مکان کے دوبرابر شریکوں میں سے ایک کا دوسرے سے اپنے حصے کا تبادلہ صحیح ہے(صیرفیہ)،اور سکونت کے بدلے سکونت کو اجارہ پر دینا صحیح نہیں(اشباہ)۔(ت)

خصوصًا وہ عقود جو برخلاف قیاس بنظر حاجات ناس مشروع ہوئے وہ توحاجت پر ہی اعتماد کیا چاہیں، ولہذا نا قابل سواری بچھڑے کاسواری کے لئے اجارہ جائز نہ ہوا کہ قیاس جوازاصل اجارہ کانافی اور داعی جواز یعنی حاجت، بوجہ عدم قابلیت یہاں منتفی۔

فی الفتح من باب العنین لم یجز استئجار الحجش للحمل	فتح کے باب العنین میں ہے سواری کی صلاحیت نہ رکھنے والے بچھیرے کو سواری اور بار برداری

[1] معالم التنزیل علی ھامش تفسیر الخازن تحت آیۃ ۲/ ۱۸۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۰

[2] الدر المختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲

والرکوب۔[1]	کے لئے کرائے پر لینا جائز نہیں(ت)

وصیت بھی انہیں عقود مجوزہ للحاجہ سے ہے۔

فی الھدایۃ القیاس یابی جوازھا لانہ تملیك مضاف الی حال زوال مالکیتہ ولو اضیف الی حال قیامھا بان قیل ملکتك غدا کان باطلا فھذا اولی الا انا استحسناہ لحاجۃ الناس الیھا[2] الخ۔	ہدایہ میں ہے قیاس تو اس کے جواز سے مانع ہے کیونکہ وصیت ایسی تملیک ہے جو موصی کی مالکیت کے حال زوال کی طرف منسوب ہوتی ہے۔اگر اس کی نسبت اس حالت کی طرف کی جائے جب مالکیت قائم ہوتی ہے یعنی یوں کہا جائے میں نے تجھے آئندہ کل اسی کا مالک کردیا تو یہ باطل ہوگی۔چنانچہ بطلان مالکیت والی حالت میں اس کا بطلان بدرجہ اولٰی ہوگا مگر ہم نے بطور استحسان اس کو جائز قرار دیا کیونکہ لوگوں کو اس کی حاجت ہے الخ(ت)

توبے فائدہ محض اس کی تشریع معقول نہیں حالت تملیک وافعال قربت میں حصول فائدہ ظاہر اور معصیت عارضہ غایت یہ کہ مثل بیع وقت اذان جمعہ یا نماز عصروقت زردی فرض کردے منافی صحت نہیں ہوسکتی بخلاف اس صورت کے کہ نہ تملیک نہ سرے سے قربت،ایسی ہی جگہ کہا جائے گا کہ وصیت امر مکروہ ونامشروع کی ہے،لہٰذا صحیح نہیں کہ موجب صحت یعنی حاجت معدوم ہے معہذا ہم اوپر واضح کر آئے کہ وصیّت ایجاب ہے اور ایجاب لحق وغیرہ ہو جیسے تملیک میں یا لحق نفسہ جیسے قربات میں جہاں کوئی نفع نہیں ایجاب کیوں ہونے لگا۔

فی الھندیۃ عن المحیط لواوصی بان یباع عبدہ ولم یسم المشتری لایجوز الا ان یقول وتصدقوا بثمنہ اویقول بیعوہ نسیۃ ویحط الی الثلث عن المشتری[3] الخ وفیھا عن المبسوط اوصی بعبدہ ان یباع ولم یزد علی	ہندیہ میں محیط سے منقول ہے اگر کسی نے وصیت کی کہ اس کا غلام بیچ دیا جائے اور خریدار کو متعین نہیں کیا تو جائز نہیں مگر یہ کہ یوں کہے کہ اس کی قیمت کو صدقہ کردو یا کہے کہ اس کو ادھار پر بیچ دو اور مشتری سے تہائی تک قیمت کم کردے الخ اور اسی میں بحوالہ مبسوط ہے کسی نے اپنے غلام کے

[1] فتح القدیر باب العنین مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۱۳۵

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۰

[3] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۶

ذٰلك واوصی بان یباع بقیمته فھو باطل لانه لیس فی ھذہ الوصیة معنی القربة لیجب تنفیذھا لحق الموصی[1]۔	بارے میں وصیت کی کہ اسے بیچ دیا جائے وراس سے زائد کچھ نہ کہا یا وصیت کی کہ غلام کو اس کی قیمت کے ساتھ بیچ دیا جائے تو یہ باطل ہے اس لئے کہ اس وصیت میں قربت کا معنی موجود نہیں تاکہ موصی کے حق کے لئے اس کو نافذ کرنا واجب ہوتا۔(ت)

بحمداللہ اس تحقیق انیق نے کوئی دقیقہ تدقیق فروگزاشت نہ کیا۔علامہ شامی کا کلام مذکور بھی بطرف خفی اسی تقریر منیر کی طرف مشیر۔

حیث قال اللھم الا ان یفرق بان الوصیة اما صلة اوقربة ولیست ھذہ واحدۃ منھما فبطلت بخلاف الوصیة لفاسق فانھا صلة لھا مطالب من العباد فصحت وان لم تکن قربة کالوصیة لغنی لانھا مباحة ولیست قربة[2] الخ۔	جہاں شامی نے کہا اے اللہ! مگر یہ کہ یوں فرق کیا جائے کہ بیشک وصیت یا توصلہ ہوتی ہے یا قربت حالانکہ یہ ان دونوں میں سے نہیں ہے چنانچہ باطل ہوجائے گی بخلاف اس وصیت کے جو فاسق کے لئے ہو اس لیے کہ وہ صلہ ہے اور بندوں میں سے کوئی اس کا مطالبہ کرنے والا موجود ہے چنانچہ وہ صحیح ہوگی اگرچہ وہ قربت نہیں جیسے غنی کے لئے وصیت، کیونکہ وہ مباح ہے اور قربت نہیں ہے الخ(ت)۔

اب مانحن فیه کو دیکھئے تو اس میں وصایائے تملیک ہیں یا وصایائے قربت کوئی وصیت ایسی نہیں جو فی نفسہ ان دونوں سے خالی ہو تو وجہ مذکور سے اس کے بطلان پر استدلال باطل وعاطل ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق(ایسے ہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

جواب سوال ہفتم: اوصیاء کا بعض وصایا بجانہ لانا وصیت میں کیا خلل ڈال سکتا ہے تنفیذ وصیت حق موصی لہ یا صرف حق موصی ہے اور وہ ان کے گناہ سے بری۔

قال اللہ تعالٰی " فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: توجو وصیت کو سن کر بدل دے اس کا گناہ انہیں بدلنے

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۱۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیة للاقارب وغیرہم دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۱

یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ؕ﴿۱۸۱﴾ "[1]۔	والوں پر ہے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے (ت)

جواب سوال ہشتم: ہاں بعد تجہیز و تکفین واداے دیون وانفاذ وصایا جو سہام ورثہ نا بالغین کو پہنچیں گے وصی بلاوجہ شرعی ان کی بیع وتبدیل اور کسی فعل مخالف حفظ کا مجاز نہیں کہ وصی محافظ ہے نہ متلف ولہٰذا ان کی جائداد منقولہ کو بیچ سکتا ہے کہ اس کی بیع از قبیل حفظ ہے جبکہ یتیم کا اس میں ضرر نہ ہو اور غیر منقولہ کو ہرگز نہیں بیچ سکتا مگر چند صور استثناء میں۔

فی الهندیة، للوصی ان یبیع کل شیئ الترکة من المتاع و العروض والعقار اذا کانت الورثة صغارا اما بیع ما سوی العقار فلان ماسوی العقار یحتاج الی الحفظ و علی ان یکون حفظ الثمن ایسر و بیع العقار ایضا فی جواب الکتاب، قال شمس الائمة الحلوانی رحمه الله ماقال فی الکتاب قول السلف کذا فی فتاوی قاضی خان، وجواب المتاخرین انه انما یجوز بیع عقار الصغیر اذاکان علی المیت دین ولاوفاء له الامن ثمن العقار اویکون للصغیر حاجة الی ثمن العقار او یرغب المشتری فی شراءه بضعف القیمة وعلیه الفتوی کذا فی الکافی[2] اھ، وفی الدر	ہندیہ میں ہے وصی کو اختیار ہے کہ وہ ترکہ کی ہر شیئ کو فروخت کرے چاہے وہ اسباب وسامان کے قبیلہ سے ہو یا غیر منقول جائداد جبکہ ورثاء نابالغ ہوں۔ غیر منقولہ جائداد کے ما سوا کی بیع تو اس لئے جائز ہے کہ اس کی حفاظت کی خاطر اس کی ضرورت ہے ممکن ہے کہ ثمنوں کی حفاظت زیادہ آسان ہو اور کتاب کے حکم کے مطابق غیر منقول جائداد کی بیع بھی جائز ہے۔ شمس الائمہ حلوانی علیہ الرحمہ نے کہا کہ کتاب میں جو کہا ہے وہ اسلاف کا قول ہے، یونہی فتاوٰی قاضی خان میں ہے۔ اور متاخرین نے اس کا حکم یہ بیان کیا ہے کہ نابالغ کی غیر منقول جائداد کو فروخت کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب میت پر اس قدر قرض ہو کہ وہ اس جائداد کی قیمت کے بغیر پورا نہیں ہوتا یا نابالغ کو اس جائداد کی قیمت کی محتاجی ہو یا خریدار اس جائداد کو دگنی قیمت پر خریدنے کی رغبت رکھتا ہے، فتوٰی اسی پر ہے جیسا کہ کافی میں ہے الخ، در میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۱

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۴۴

جاز بیعه عقار صغیر من اجنبی لامن نفسه بضعف قیمته اولنفقة الصغیر اودین المیت اووصیة مرسلة لانفاذ لها الامنه اولکونه غلاته لاتزید علی مؤنته او خوف خرابه اونقصانه اوکونه فی ید متغلب درر واشباه ملخصا قلت وهذا لو البائع وصیا لامن قبل ام اواخ فانهما لایملکان بیع العقار مطلقًا [1] الخ و فی الشامیة عن الرملی عن الخانیة فی مسئلة بیع المنقول لنسیئة ان کان یتضرربه الیتیم بان کان الاجل فاحشا لایجوزا [2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	نابالغ کی غیر منقول جائداد کو اجنبی کے ہاتھ دُگنی قیمت پر بیچنا جائز ہے وصی خود نہیں خرید سکتا۔ یونہی نابالغ کے نفقہ یا میت کے قرض کی ادائیگی یا ایسی وصیت مطلقہ کے نفاذ کے لئے بیچنا جائز ہے جس وصیت کانفاذ اس جائیداد کو بیچے بغیر نہیں ہو سکتا یا اس جائداد کی پیداوار اس کے اخراجات سے زیادہ نہیں یا اس جائداد کے خراب ہونے یا ناقص ہونے یا کسی جابر کے قبضہ میں چلے جانے کا خوف ہو تو بھی بیع جائز ہے، درر واشباہ (تلخیص) اور یہ تب ہے کہ بائع ماں کی طرف سے یا بھائی کی طرف سے وصی نہ ہو، کیونکہ یہ دونوں غیر منقول جائداد کو بیچنے کا مطلقًا اختیار نہیں رکھتے الخ اور شامیہ میں بحوالہ خانیہ رملی سے منقول ہے کہ منقول جائداد کی ادھار پر بیع اگر یتیم کے لئے نقصان دہ ہو بایں صورت کہ ادھار کی مدت بہت زیادہ ہو تو جائز نہیں الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رسالہ

الشرعة البهیّة فی تحدید الوصیّة (۱۳۱۷ھ)

ختم ہوا

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۳

مسئلہ ۱۳۶: ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۱۹ھ مرسلہ حافظ محمود حسین صاحب تلمیذ و مرید گنگوہی صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہاجرہ ہندی مدنی نے کہ اس کی جائداد ہندوستان میں واقع ہے اس طرح وصیت کی تھی کہ میری جائداد کا منافع ایک ثلث یہاں مدینہ منورہ علٰی صاحبہا افضل التسلیم والتحیۃ بھیج دیا جایا کرے، اور صورت یہ ہے کہ ہندوستان میں اس کے بعض اقارب قریبہ بلکہ ذی رحم محرم حاجتمند و مفلس موجود ہیں کہ اس درجہ قریب رشتہ دار مدینہ منورہ میں موصیہ کے نہیں ہیں، پس اس صورت میں اگر اس کی وصیت کا روپیہ یہاں ہندوستان میں اس کے اقربائے قریبہ حاجتمند و مفلس کو دیا جائے تو وصیت ادا ہوگی یا نہیں؟ اور کیا افضل ہے مدینہ منورہ بھیجنا یا یہاں قریب ذی رحم حاجتمند و مفلس کو دینا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جہاں کے فقراء کو دیں گے وصیت ادا ہو جائے گی کچھ خاص مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری نہیں ہر جگہ کے فقراء کو دینا جائز ہے۔ خلاصہ پھر شرنبلالیہ پھر درمختار میں ہے:

لواوصی لفقراء بلخ فاعطی غیرھم جاز عند ابی یوسف وعلیہ الفتوی۔[1]	اگر کسی نے وصیت کی بلخ کے فقیروں کے لئے۔ اور وصی نے ان کے غیر کو دے دیا تو امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے، اور اسی پر فتوی ہے۔ (ت)

شرح القدوری للزاہدی میں ہے:

فی الوصیۃ لفقراء الکوفۃ جاز لغیرھم۔[2]	کوفہ کے فقیروں کے لئے وصیت کی صورت میں ان کے غیر کو دینا جائز ہے (ت)

قاضی خان پھر ہندیہ میں ہے:

رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من مالہ علی فقراء الحاج ھل یجوز ان یتصدق علی غیرھم من الفقراء قال الشیخ الامام ابونصر رحمہ اللہ	کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کے مال میں سے کچھ حاجی فقراء پر صدقہ کیا جائے تو کیا ان کے غیر پر صدقہ کرنا جائز ہے؟ شیخ امام ابونصر علیہ الرحمہ نے کہا کہ جائز ہے کیونکہ امام ابویوسف

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۵

[2] الدرالمختار بحوالہ المجتبٰی کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

تعالٰی یجوز ذٰلك لما روی عن ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی فی رجل اوصی بان یتصدق علی فقراء مکة قال یجوز ان یتصدق علی غیرھم من الفقراء۔[1]	علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراء مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی، امام ابویوسف نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دوسرے فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے۔(ت)

ہاں افضل یہی ہے کہ مدینہ منورہ بھیجیں اتباعا للوصیة وخروجا عن الخلاف (وصیت کی اتباع کے لئے اور اختلاف سے نکلنے کے لئے۔ت) ردالمحتار میں ہے:

قال فی الخلاصة، الافضل ان یصرف الیھم وان اعطی غیرھم جاز وھذا قول ابی یوسف وبه یفتی وقال محمد لایجوز اھ قلت والاول موافق لقولھم فی النذر بالغاء تعیین الزمان والمکان والدرھم والفقیر۔[2] واللہ تعالٰی اعلم عـــہ۔	خلاصہ میں کہا افضل یہی ہے کہ انہی پر خرچ کیا جائے اور اگران کے غیر کو دے دیا تو جائز ہے، یہی امام ابویوسف علیہ الرحمہ کا قول ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جائز نہیں الخ۔ میں کہتاہوں پہلا قول مشائخ کے اس قول کے موافق ہے جو نذر میں زمان، مکان، درھم اور فقیر کی تعیین کو لغو قرار دینے سے متعلق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۷: ۱۱/جمادی الاولٰی ۱۳۱۹ھ ازانجمن اسلامیہ بریلی

چند سوال متعلقہ انتظام یتیم خانہ مسلمانان پیش کئے جاتے ہیں بموجب شرع شریف جواب مرحمت ہوں خدا اس کا اجر عطا فرمائے،

پہلا سوال: بعض لوگ میت وغیرہ کے استعمال کپڑے ایسے بھیج دیتے ہیں جو ایتام کے جسم پر درست نہیں آتے یا ان کے استعمال کے لائق نہیں ہوتے، پس نادرست کو بعد قطع برید درست کراکے ایتام کے استعمال میں لانا اور ناقابل استعمال کو فروخت کرکے یتیموں کی پرورش میں صرف کرنا کیسا ہے؟

دوسرا سوال: بعض لوگ کلام مجید جدید وغیر مستعمل متعدد اور بعض میت کے تلاوت کا یتیم خانے

عـــہ: الجواب اس عورت کی وصیت پر عمل واجب ہے،اور وہ ثلث مدینہ منورہ ہی بھیجنا ضروری ہے گو ہندوستان کے فقراء اس جگہ کے فقرا سے زیادہ ضرورت مند ہوں۔بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

---

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوصایا فصل فی مسائل مختلفه مطبع نولکشور لکھنؤ ۴ /۸۴۳

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۲۶

میں عطا کرتے ہیں اور ان کی تعداد یتیموں کی تعداد سے زیادہ ہو جاتی ہے دینے والے بعض یہ کہہ دیتے ہیں کہ اگر ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کرکے قیمت پرورش ایتام میں صرف کی جائے مگر بعض بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں پس قسم آخر کو درحالیکہ ضرورت سے زیادہ ہوں ہدیہ کرکے قیمت کو ایتام کے مصارف میں لاسکتے ہیں اور نیز یہ ہی قسم کسی غیر ایتام کو تلاوت کے واسطہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

تیسرا سوال: یتیم خانہ میں بعض لوگ میت کے استعمال کا پلنگ نواڑ وغیرہ کا جو یتیموں کی معمولی چارپائیوں سے بہت زیادہ قیمتی اور عمدہ ہوتا ہے بدون کسی بیان کے بھیج دیتے ہیں اگر وہ بعض ایتام کے کام میں لایا جائے تو دوسروں کی دلشکنی ہوتی ہے لہٰذا اس کو فروخت کرکے قیمت دیگر مصارف ایتام میں دی جائے یا قیمت سے معمولی چارپائیاں یتیموں کے واسطے بنوادی جائیں تو کیسا ہے؟

چوتھا سوال: جو چندہ کہ یتیموں کے مصارف کے لئے آتا ہے اسی سے یتیم لڑکوں کی رسم ختنہ اور یتیمات کی رسم نکاح کی جاتی ہے پس نکاح میں جو براتی دولہا کی طرف سے آتے ہیں ان کو کھانا کھلانا زر مذکورہ سے کیسا ہے؟

الجواب:

مصحف شریف، کپڑے، پلنگ وغیرہ جو کچھ لوگ یتیموں کو بھیجتے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے مقصود تصدق ہوتا ہے اور تصدق تملیک ہے۔

وهبة المشاع فيما لايقسم صحيحة وقبض من يعولهم يكفي عن قبضهم كما نصوا عليه وجماعة المسلمين حيث لاولاية ولاقضاة من الاسلام كالقضاة في النظر للايتام وامثال ذلك من المهام كما صرحوا به في غير ما مقام۔	ناقابل تقسیم شیئ کا غیر منقسم طور پر ہبہ صحیح ہے، اور یتیموں کے کفیلوں کا قبضہ ان کی طرف سے کافی ہے جیسا کہ اس پر مشائخ نے نص فرمائی، جہاں یتیموں کے ولی اور قاضی اسلام موجود نہ ہوں تو وہاں یتیموں کی دیکھ بھال اور اس قسم کے دیگر اہم امور کے لئے مسلمانوں کی جماعت قاضیوں کے قائم مقام ہوتی ہے جیسا کہ مشائخ نے متعدد مقامات پر اس کی تصریح فرمائی۔(ت)

تو جماعت مسلمین کو کہ اس کام پر معین ہیں روا ہے کہ کپڑے قطع برید کرکے مصارف یتامٰی میں لائیں یا ناقابل استعمال ملبوس اور پلنگ اور حاجت سے زائد مصاحف شریفہ ہدیہ وبیع کرکے زرِ ثمن کار یتامٰی میں خرچ کریں مگر مال یتیماں دوسرے کو عاریۃً نہیں دے سکتے اگرچہ تلاوت کے لئے قرآن مجید فانه تبرع ولاولاية في التبرع (کیونکہ یہ تبرع ہے اور تبرع میں ولایت نہیں ہوتی۔ت)

زر چندہ سے یتیموں کا ختنہ کرسکتے ہیں اور براتیوں کو معمولی کھانا دینا بھی جائز بشرطیکہ سراف نہ ہو صرف بقدر کفایت ہو۔

فی ردالمحتار عن القنیۃ لایضمن ما انفق فی المصاھرات بین الیتیم والیتیمۃ وغیرھما فی خلع الخاطب اوالخطیبۃ وفی الضیافات المعتادۃ والھدایا المعھودۃ وفی اتخاذ ضیافۃ لختنۃ للاقارب والجیران مالم یسرف فیہ[1] اھ مختصرا۔ واللہ اعلم۔	ردالمحتار میں بحوالہ قنیہ منقول ہے یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی وغیرہ کی شادی کے موقع پر دولہا اور دلہن کے جوڑوں، عادت کے مطابق دعوتوں، عرف کے مطابق تحائف اور ختنہ کے موقع پر عزیز واقارب اور پڑوسیوں کی دعوت میں جوکچھ خرچ کیا جائے اس پر تاوان لازم نہیں آتا جب تک اس میں فضول خرچی نہ کی جائے اھ مختصراً۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۸: ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ودکان اپنی زوجہ کے نام بیع کردیا تھا زوجہ نے انتقال کیا۔ زید کے تین بچے نابالغ اپنی ماں کے وارث ہیں۔ اب زید کے پاس کچھ نہیں کہ اس سے اپنا اور ان نابالغوں کا کھانا پینا چلے۔ زید نیک چلن ہے مال برباد کرنے والا نہیں وہ نیک نیتی سے چاہتا ہے کہ اپنا اور اپنے نابالغ بچوں کا حصہ بیچ کر تجارت کرے جس سے ان سب کا رزق پیدا ہو۔ اس صورت میں زید ان حصوں کے بیچنے کا اختیار رکھتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پایئے۔ت)

الجواب:

فی الواقع صورت مستفسرہ میں اگر زید نیک چلن ہے اولاد کا مال برباد کرنے کا اس پر اندیشہ نہیں اور بیع مناسب اور معقول قیمت کو ہو تو اسے ان حصوں کے بیچنے کا اختیار ہے، عقود الدریہ میں فصول عمادی سے ہے:

الحاصل ان بیع الاب عقار الصغیر بمثل القیمۃ یجوز اذاکان محمودا اومستورا اواذاکان مفسدا	خلاصہ یہ کہ باپ کا نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو مثلی قیمت کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے جبکہ وہ نیک چلن یاپوشیدہ حال والا ہو، اور اگر

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۳

لایجوز الابضعف القیمۃ۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	وہ بدچلن اور فسادی ہے تو پھر سوائے دگنی قیمت کے اسے فروخت کرنا جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹ (۱): ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حاجی محمد کفایت اللہ کی دو زوجہ، زوجہ اولٰی نجم النساء کے بطن سے حافظ عبدالحق، احسان الحق دو پسر اور عجائب النسائ، لطیف النساء، حبیب النساء، جمیل النساء چار دختر سب بالغ، اور زجہ ثانیہ حمید النساء عرف ننھی کے بطن سے فضل حق، ضیاء الحق، ریاض الحق تین پسر اور احمدی بیگم ایک دختر سب نابالغ، اور ننھی کی ایک دختر بالغہ کریم النساء ہے جسے دیر ورثہ نطفہ حاجی کفایت اللہ سے نہیں بناتے بلکہ ربیبہ کہتے ہیں حمید النساء حیات شوہر میں انتقال کر گئی حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض الموت میں بشمول نجم النساء ایک وصیت نامہ سات امر پر مشتمل لکھا۔ اول ظاہر کیا ہے کہ جائداد مندرجہ وصیت نامہ ہر دو کاتبان کی ہے ابتداء کام نقدی و جائداد و کاتبہ نمبر ۲ سے شروع ہوا اور اضافہ و ترقی ہوتی رہی اور وہ جز حصہ ہشتمی زوجیت و دین مہر کاتبہ کا جائداد مصرحہ تحت میں شامل ہے جائداد و نقدی ایسی مخلوطہ ہے جس کو علیحدہ دکھانا بلا ضرورت ہے خاص کر جب ہر دو کاتبان کا منشا دلی یہ ہے کہ جائداد مصرحہ تحت تمام اولاد مصرحہ ذیل پر حسب شرع شریف بلا استثناء کسی جز کے تقسیم ہو جائے اور کسی اولاد کے ساتھ کوئی خاص رعایت نہ دکھائی جائے تو ایسی حالت میں جائداد تمام اولاد پر حسب شرع شریف تقسیم مطابق وصیت نامہ ہذا ہوگی۔ کاتب نمبر ا نے تیاری تحریری وصیت نامہ ہذا کی کی تھی کاتبہ نمبر ۲ نے بھی کاتب نمبر ا سے خواہش کی کہ کاتب نمبر ا کی جائداد عین کاتبہ نمبر ۲ کی جائداد کی ہے تمام اولاد پر بذریعہ وصیت نامہ ہذا منتقل ہو ہر دو کاتبان نے اپنی خوشی سے وصیت نامہ ہذا تمام اولاد مندرجہ تحت کے نام تحریر کیا کہ جائداد بحیثیت موجودہ بعد ہمارے ہم لوگوں کے قبضہ میں رہے اور ہماری اولاد کو پوری واقفیت ہو جائے کہ کون جز جائداد کا ان کی ملکیت میں رہے گا۔ دوم: حاجی کفایت اللہ نے کچھ دیہات و دکان و مکان اپنی تندرستی میں احسان الحق و فضل الحق و کریمن کے نام کر دیئے تھے اس وصیت میں وہ بھی شامل کئے اور لکھا وصیت نامہ کی یہ بھی ضرورت ہوئی کہ اکثر جائداد فرضی بعض اولاد کے نام تھی اس کی بابت احتمال تھا کہ کوئی تحریر نہ ہو تو وہ اولاد تنہا اپنی

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۳

ملکیت سمجھے۔

سوم: تحریر کیا جاتا ہے کہ کاتب نمبر ا کی زوجہ ثانی حمید النساء کا مہر ایک سو پندرہ روپے کا تھا وہ ان کی حیات میں ادا کر دیا گیا۔

چہارم: نا بالغان مذکورین پر ولایت کا یہ انتظام لکھا، ولی جائداد حافظ عبد الحق واحسان الحق نا بالغان کے رہیں گے ولی ذات نا بالغان اللہ جلائی والدہ کاتب وصاحب النساء ہمشیرہ کاتب رہیں گی ان کی سرپرستی ونگرانی وحفاظت میں ان کے ساتھ نا بالغ رہیں گے ولی جائداد آمدنی نا بالغان سے (۸۰ لہ) روپیہ ماہوار سپرد ہر دو ولی ذات بنام پرورش نا بالغان کرے گا عقد وتعلیم حسب رائے ہر دو ولی ذات ہو گی۔

پنجم: کچھ جائداد حاجی کفایت اللہ نے مصارف خیر کے لئے بحال تندرستی پہلے وقف کی تھی اس کی تفصیل بھی اسی وصیت نامہ میں بغرض یادگار درج کی اور ایک بنگلہ نمبری ۱۶۷ قیمتی دس ہزار روپے جدید وقف اس وصیت نامہ میں کیا ہے ہے مقدار ثلث متروکہ سے بدرجہا کم ہے اور یہ سب اوقاف تمام ورثہ کو تسلیم ہیں۔

ششم: تمام اولاد مذکورین گیارہ اشخاص کے نام جدا جدا بتفصیل جائداد غیر منقولہ لکھی ان میں کریم النساء کا نام بھی ہر جگہ بزمرۂ اولاد لکھا اور اس کے لئے بھی دیگر دختروں کے برابر حصہ جداگانہ مشخص کیا اگرچہ مکان اور ایک دکان کہ اول سے اس کے نام تھی وہ بھی شامل حصہ کی جس طرح ایک موضع کہ احسان الحق اور ایک موضع ایک مکان کہ فضل حق کے نام اول سے تھے ان کے حصص میں داخل کئے اور لکھا کہ ہم لوگوں نے اپنی تمام اولاد کو یکجا کرکے وصیت نامہ ہذا لکھا اور جو جائداد اولاد کے نام درج ہے ان کی رضا سے تحریر ہوئی کوئی کمی بیشی جائداد میں نہیں نیز لکھا جس جائداد کے محاذ میں جس وارث اولاد کا نام ہے وہ اس جائداد کا مالک ہوگا۔ عنوان فہرست تقسیم میں لکھا جو جائداد غیر منقولہ اولاد کے قبضے میں آئے گی وہ ہر اولاد کے نام کے مقابل درج کی جاتی ہے جس کو تمام اولاد بالغ وولی نا بالغان نے بقدر حصہ شرعی حساب لگا کر قبول ومنظور کیا ہے۔

ہفتم: حاجی کفایت اللہ نے اپنی والدہ اللہ جلائی کو جائداد سے کچھ نہ دیا مگر آخر میں اتنا لکھا ہے کہ کاتب نمبر ا عرصہ سے (لعہ عہ/) ماہواری اپنی والدہ اور ان کی دختر صاحب النساء کے اخراجات کے واسطے دیتا رہا ہے میری خواہش تمام اولاد ذکور واناث سے ہے کہ مثل میرے مبلغان مذکورہ اپنی جائداد کی آمدنی سے ذکور دو ہر حصہ اناث اکہرا جملہ (ہہ/) کے رقم والدہ وصاحب النساء کو تاان کی حیات

دیتے رہیں۔ ۹/دسمبر ۲ء کو یہ وصیت نامہ تحریر ہوا اور ۱۳/دسمبر ۲ء کو حاجی کفایت اللہ موصی نے وفات پائی رجسٹری اس کی بعد موت موصی ۱۸/دسمبر کو معرفت حافظ عبدالحق پسر کلاں کے ہوئی بعد فوت موصی والدہ موصی اللہ جلائی اپنے حصہ شرعی سدس کی طالب ہوئی نجم النساء اور اس کی اولاد بطنی نے باستناد وصیت نامہ حصہ دینے سے انکار کیا۔ ۱۲/مئی ۳ء کو اللہ جلائی نے نجم النساء وجملہ اولاد یازدہ گانہ کو مدعا علیہ بنا کر نالش دائر کی اور عرضی دعوت میں نسبت وصیت نامہ لکھا دستاویز مظہرہ مدعا علیہم کا مدعیہ کو کوئی علم نہیں تاریخ مظہرہ مدعٰی علیہم کے قبل اور بعد حاجی کفایت اللہ میں قابلیت اظہار ارادہ اور تحریر اور سمجھنے مضمون کی نہ تھی نجم النساء نے اپنے بیان تحریری میں لکھا کہ حاجی کفایت اللہ بہت کم مایہ شخص تھے مدعا علیہا کے سرمایہ سے حاجی کفایت اللہ نے تجارتیں کرکے نفع کثیر حاصل کیا اور جائداد خریدکیں واقعی مالک جائداد کی مدعا علیہا ہے، مدعا علیہا نے حسب خواہش شوہر وبنظر رفع نزاع باہم ورثاء بلالحاظ ملکیت جائداد خود اور دین مہر یافتنی اپنا برضامندی جملہ ورثاء مدعا علیہا اور شوہر مدعا علیہا نے وصیت نامہ تحریر کیا جملہ ورثاء اور نیز کریم النساء نے وصیت نامہ تسلیم کرکے موافق حصص مندرجہ وصیت نامہ اپنا اپنا قبضہ جائداد پر کیا اور کاغذات مال میں اپنا نام درج کرالیا بیان مدعیہ کا بابت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ کے محض غلط ہے جبکہ مشورہ بابت تحریر وصیت نامہ کے ہوا تھا اس وقت بھی مدعیہ نے کہا میرے واسطے کچھ جائداد نہ چاہئے (عہ/) ماہوار مجھ کو کافی ہے اب مدعیہ کو استحقاق دعوی جائداد کا نہیں درحالیکہ تمام جائداد سرمایہ مدعا علیہا سے کفایت اللہ نے پیدا کی تو واقعی جملہ مالک جائداد مدعا علیہا ہے کفایت اللہ کا اس میں کچھ حق نہیں اگر جائداد میں کوئی جزء متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ٹھہرے تو بلاادائے مبلغ (صہ) ہزار دین مہر یافتنی ذمگی حاجی کفایت اللہ شرعًا وراثت جاری نہیں ہوسکتی ہنوز تنقیح نہ ہوئی تھی کہ جملہ تیرہ اشخاص فریقین بالغوں کی طرف سے اصالۃً اور نابالغوں کی جانب سے ولایۃً اقرار نامہ ثالثی ۱۳/اگست ۳ء کو تحریر ہوا جس میں لکھا گیا کہ ہم مقران کے تنازع بابت تقسیم ترکہ حاجی کفایت اللہ کے ہے ہم سب کی خواہش ہے کہ ثالثان جائداد منقولہ وغیر منقولہ مفصلہ ذیل ترکہ حاجی کفایت اللہ کی تقسیم حسب احکام شرع شریف باہم مقران کردیں۔ زرادائی مفصلہ ذیل جو ذمہ حاجی کفایت اللہ مرحوم واجب الادا ہے اس کو منجملہ مقران کے صرف حافظ عبدالحق ادا کریں گے۔

سید عبدالستار	صراف کانپور	جیون لال
(سا/)	(ماصہ عہ/)	(مہ معہ)

علاوہ اس کے اور کوئی دادنی نہیں۔ ثالثان جو فیصلہ جوازی یاناجوازی وصیت نامہ مناسب سمجھیں کریں ثالثی میں نجم النساء کی درخواست بایں مضمون گزری کہ در واقع مالک جائداد کی مدعاعلیہا ہے اگر کوئی جز جائداد متروکہ حاجی کفایت اللہ قرار پائے اور وصیت نامہ ناجائز ہو تو بلاادا (مہ صہ) دین مہر یافتنی مدعاعلیہا وراثت جاری نہیں ہوسکتی بہ نسبت عذرات مذکورہ تنقیح قائم کی جائے۔ ثالثوں میں اس پر اختلاف ہوا ہر دو کی رائے میں یہ درخواست ناقابل سماعت ہوئی کہ مہر نجم النساء کی بحث امور مفوضہ سے نہیں ایک کی رائے اس کے خلاف ہے کہ اقرار نامہ میں تقسیم حسب احکام شرع شریف کی درخواست نہیں اور تقدیم مہر حکم شرع شریف ہے، اب حضرات علماء کرام سے امور ذیل کا استفسار ہے:

(۱) کیاوصیت نامہ مذکورہ کلا یا جزء قابل نفاذ ہے؟

(۲) اگر وصیت نامہ باطل قرار پائے تو جائداد حسب بیان نجم النساء مملوکہ نجم النساء ٹھہرے گی حالانکہ اس کے نام کوئی جزی جائدادنہ تھی یا تمام وکمال ترکہ حاجی کفایت اللہ ہو کر تقسیم ہوگی۔

(۳) کیانسبت نادرستی حواس حاجی کفایت اللہ اللہ جلائی کادعوی قابل سماعت ہے؟

(۴) جائداد میں کہ حالت تندرستی حاجی کفایت اللہ سے احسان الحق وفضل حق وکریمین کے نام تھیں وہ انہیں کی ٹھہرے گی یا حسب بیان وصیت نامہ ان کے نام فرضی قرار پاکر شامل تقسیم ہوں گی؟

(۵) کیا حمید النساء کامہر (معہ) ہونااور یہ کہ وہ حیات حمید النساء میں ادا کردیا گیا حسب تصریح وصیت نامہ ماناجائے گا۔

(۶) کیا کریم النساء دختر کفایت اللہ قرار پائے گی یا حسب بیان نجم النساء وغیرہ ربیبہ۔

(۷) کیا نجم النساء کی درخواست مذکورہ قابل سماعت ہے ثالثی میں اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم کی جائے؟

(۸) کیانابالغوں پر ولایت ذات ومال حسب بیان وصیت نامہ رہے گی یا کس طرح؟

(۹) کیااللہ جلائی کادعوئ نسبت ششم حصہ شرعی صحیح ہے یاماہوار کے سوااس کااستحقاق نہیں؟

(۱۰) زیور طلائی ونقرئی مندرجہ نمبر ۳۱ فہرست اقرار نامہ جسے لکھا ہے کہ بنگال بینک کانپور میں مورث نے امانت رکھا ہے، مگر بموجب مشہور حالت کے وہ زیور متروکہ حمید النساء ہے کس کا قرار پائے گا اور تقسیم مال میں شامل ہوگا یا بحق نابالغان اولاد حمید النساء محفوظ رہے گا۔

(۱۱) زر مجتمع شملہ بینک مذکور نمبر ۴۴ فہرست اقرار نامہ کی نسبت بینک مذکور کے بھیجے حساب سے معلوم ہوا ہے کہ ۱۱ دسمبر ۲ء کو فوت حاجی کفایت اللہ سے دو روز پہلے اس میں سے بارہ ہزار پانسو بارہ روپے حافظ عبدالحق کی معرفت آئے۔ حافظ عبدالحق نے روبروئے ثالثان لانا اس روپے کا مانا اور کہا میں نے اپنے باپ کو لاکر دے دیا مگر اس روپے کا ذکر نہ وصیت نامہ میں ہے نہ کوئی وارث اسے قبول کرتا ہے نہ موصی کا کسی کو دینا ظاہر ہوتا ہے اور نہ اس وقت کی حالت موصی کی اس قدر زر کثیر و تصرف کرنے کے معلوم ہوتی ہے یہ رقم کس حساب میں درج ہوگی۔ **بیّنوا توجروا۔**

کاغذات نقول وصیت نامہ و عرضی دعوی و بیان تحریری نجم النساء واقرار نامہ و درخواست نجم النساء بغرض ملاحظہ حاضر ہیں۔

مسئلہ ۱۳۹(ب): ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مقدمہ مذکورہ ترکہ حاجی کفایت اللہ میں چند جلسے ثالثان کے قائم ہوئے لیکن بجائے اس کے کوئی امر متنازعہ کا تصفیہ عمل میں آئے تنازعوں کی بحثوں نے روز بروز ترقی پکڑلی جس کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مقدمہ پنچایت سے طے نہ ہوگا اور عدالت کے جھگڑوں میں یہ سب جائداد برباد اور تلف ہوجائے گی اور فریقین تباہ ہو خاص کر نابالغین بے زبان اور بے قصور باوجود بروئے ترکہ صاحب جائداد ہونے کے خرچہ معینہ ان کا نہیں ملتا خرچہ کی وجہ سے سخت تکلیفیں اٹھا رہے ہیں نہ کوئی تعلیم کا ان کی انتظام ہے اگر اب بھی کوئی انتظام ان کی جائداد کے تحفظ کا نہ ہوا اور یہ جھگڑے طے نہ ہوئے تو یہ مظلوم خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ ان وجوہات پر غور کرکے بعض فریق مقدمہ نے سبقت کی اس امر میں کہ فیمابین کہ مصالحت سے بعض سے چھٹا کر یا بعض کو دلا کر امور متنازعہ کا قلع قمع کرکے آئندہ جھگڑوں کا باب مسدود کرنے کا قصد کیا، چونکہ بالغین مختار ہیں اپنے اپنے حقوق چھوڑنے کے اور کمی وبیشی یعنی دینے کی چونکہ ایسی صورت میں کمی بیشی آنے سے جس کی بعض حصص میں کمی واقع ہوتی رہی اس کا اثر نابالغوں پر ہی پڑتا رہا جس اثر ہر شریک مقدمہ کے حق میں موجب وبال ہے، اور عنداللہ ماخوذی ہے، لیکن انجام کار کی مصلحتوں پر غور کرنے سے ظاہر حال دلالت کرتا ہے کہ اگر مجوّزین بلالحاظ اپنے منافع ذاتی اور اغراض نفسانی کے محض بغرض دفع فساد ورفع نزاع باہمی مسلمانوں کے اور نیز بے جا ضائع ہونے مسلمانوں کے مال کے بالخصوص تحفظ جائداد نابالغان کے تصفیہ باہمی میں کوشش کریں اور آئندہ جھگڑے پیدا ہونے والوں کو بچانے کی غرض سے جو جو نقصان بظاہر حال نابالغوں کے حصہ جائداد میں واقع ہوتے ہیں حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ کہ جائداد پیلی بھیت کے دکانات ومکانات جواز روئے قیمت کے باعتبار زیادہ اور آمدنی کم ہے لیکن مدعیہ کو اپنی سکونت پیلی بھیت کی وجہ سے نافع ہے اور اس کی خواہش کے موافق دی گئی۔

(۲) مہر مسماۃ نجم النساء زوجہ مورث کا باوجود اقرار نامہ اور وصیت نامہ درج نہ ہونے کے دلایا گیا۔

(۳) خرچہ نالشات ہر دو فریق کا از روئے بیان حلفی ہر فریق کہ جس قدر بیان کریں جملہ جائداد سے اول منہا ہو مابقے جائداد از روئے حصص شرعی تقسیم کی جائیگی اور تقرر قیمت اور حصص اس قاعدہ سے قرار پایا ہے جیسا کہ اس سے کچھ زمانہ قبل سب شرکاء کے آپس کی رضامندی سے ایک فہرست تیار کی تھی اور اس وقت بسبب نہ طے پانے بعض نزاع کے ملتوی ہو گیا تھا نفاذ اس کا۔

(۴) جو جائداد از قسم دھات ودکان ومکان بنام محض ورثاء مسمیان احسان الحق وکریم النساء بالغان وفضل حق نابالغ مورث نے اپنی حالت صحت میں نامزد کر دیا تھا اور ان کی تحریرات بھی باضابطہ ان کے ناموں سے ہو چکی تھی مگر وصیت نامہ اور نیز اقرار نامہ ثالثی میں ان کے مالکوں نے اور فضل حق نابالغ کی طرف سے بولایت شیخ عبدالعزیز کے جن کی ولایت بعض ورثاء کی جانب سے قرار دی گئی ہے بشمول جملہ جائداد کی جملہ ورثاء پر تقسیم کر دینا قبول ومنظور کیا ہے۔

(۵) زر مجتمع شملہ بینک جو نمبری ۴۴ اقرار نامہ کے تحت میں بلا تعداد لکھے بھی اور حساب بینک مذکور کے آنے سے تعدادی بارہ ہزار پانسو بارہ روپیہ حافظ عبدالحق کا لانا دو روز قبل وفات مورث کے معلوم ہوا لیکن حافظ عبدالحق اس مجرا دینے سے انکار کرتے ہیں اس بناء پر کہ بوقت دستخط کرنے اقرار نامہ ثالثی کے اس میں سے بعض وارث احسان الحق وغیرہ کو کوئی جز دلانے کے بعد مابقے کا مطالبہ نہ کرنا بعض ورثاء نے بوعدہ زبانی یا کسی خاص تحریری رقعہ کے ذریعہ سے قبول ومنظور کرلیا ہے آیا اس رقعہ کا بار بحق نابالغان بھی پڑے بخیال مصلحت مرقومہ بالا کے تو کیا حکم رکھتا ہے۔

(٦) بمد ۳۱ اقرار نامہ کے زیر طلائی ونقرئی بنگال بینک میں امانت رکھانا لکھا ہے اور بموجب بیانات مشہورہ کے نابالغان کی والدہ متوفی حمیدن کا زیور واسطے نابالغوں کے بینک میں رکھایا تھا اس کی

تقسیم بھی بشمول جملہ ترکہ ہوگی یا بحق نابالغان امانت رہے گا۔

(۷)علاوہ مدات مرقومہ صدر کے اور کسی قسم کا بھی نزاع کا تصفیہ بغرض دفع نزاع کیا جائے جس میں نابالغان کا کسی قسم کا نقصان متصور ہو اور نیز ہر شش دفعات مذکورہ بالا کے بموجب کرنا بغرض دفع نزاع اور تحفظ اموال کے قاعدہ شرعیہ کے خلاف ہوگا یا موافق اور نیز اس میں سعی کرنے والے ماجور ہوں گے یا گنہگار؟ بیان فرمایئے ثواب پایئے۔

الجواب:

نابالغوں خصوصًا یتیموں کا مال آگ ہے انہیں نقصان دینے والا سخت کبیرہ شدیدی کا مرتکب ہے ان کا مال یا ان کے مال میں سے ایک ذرہ دیدہ ودانستہ خود غصب کرنے والا اگرچہ کسی فیصلہ کے زور سے ہو یا دوسرے کو دے دینے یا دلا دینے والا یا ان کی ادنٰی حق تلفی پر راضی ہونے والا سب شدید عذاب جہنم کے مستحق ہیں۔ حق سبحانہ، وتعالٰی قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًاؕ-وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۠ " [1]	بے شک جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھائیں وہ اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتے دوزخ میں غرق ہوں گے۔

کاغذات مقدمہ ملاحظہ ہوئے امور ذیل معلوم رہیں:

اولًا: جو جائدادیں احسان الحق وکریم النساء کے نام صحت مورث میں ہوچکی تھیں وہ اب ضرور ان کی نہ رہیں بلکہ ترکہ حاجی کفایت اللہ ہیں کہ وصیت نامہ میں ان کا نام فرضی ہونا لکھا اور انہوں نے تسلیم کیا اور اقرار نامہ میں صراحۃً ان کا ترکہ حاجی کفایت اللہ ہونا مان لیا۔ فضل حق اگر بالغ ہوتا اور اسی طرح قبول کرتا اس کا بھی یہی حال ہوتا مگر وہ نابالغ ہے اور کوئی ولی کوی وصی کوئی حاکم نابالغ کے مال میں اس کا نام فرضی ہونا مان لینے کا اختیار نہیں رکھتا وصیت نامہ میں حاجی کفایت اللہ کا لکھوانا اصلًا قابل التفات نہیں، کیا کوئی شخص کوئی جائداد ہبہ یا بیع کرکے مدعی ہو کہ یہ انتقال فرضی تھا تو صرف اس کے کہنے سے مان لیا جائے گا ہرگز نہیں۔ اور یہ شبہہ کہ روپیہ حاجی کفایت اللہ کا تھا اس نے خرید کر اپنے پسر نابالغ کے نام جائداد کی جب تک چاہا دی اب نہیں دیتا محض مہمل وبے معنی ہے اگر اس کا ثبوت مان بھی لیا کہ روپیہ درحقیقت حاجی متوفی کا تھا نابالغ کو اس کی ماں یا اور کسی سے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

پہنچا تھاتواس سے جائداد مذکور بھی متوفی کاہونا کیونکر لازم آیا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب۔[1]	باپ کے مال سے خریداری سے لازم نہیں آتا کہ مبیع باپ کے لئے ہو۔(ت)

باپ جو چیز اپنے نابالغ بچے کے نام خریدے وہ اس کے لئے ہبہ ہوتی ہے اور باپ ہی کے قبضہ سے نابالغ کی ملک ہوجاتی ہے۔ ردالمحتار جلد ۴ص ۷۷۴:

الاب اشتری لها فی صغرها اوبعد ماکبرت وسلم الیها وذٰلك فی صحة فلاسبیل للورثة علیه ویکون للبنت خاصة[2] اھ منح۔	باپ نے اپنی بچی کے لئے اس کی صغر سنی میں یا اس کے بالغ ہونے کے بعد کچھ خریدا اور اس کے سپرد کردیا اور یہ کام اس نے اپنی صحت کے زمانے میں کیا تو دیگر وارثوں کا اس پر کوئی حق نہیں وہ بیٹی کے لئے خاص ہوگا اھ منح (ت)

عقود الدریہ ج ۲ص ۲۸۰ و ۲۸۱:

ذکر فی الذخیرة والتجنیس،امرأة اشترت ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لا تملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة والام تملك ذٰلك ویقع قبضا عنه، احکام الصغار من البیوع۔[3]	ذخیرہ اور تجنیس میں مذکور ہے کسی عورت نے نابالغ بیٹے کے لئے اپنے مال سے جائداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور وہ اس کی مالک ہے اور جائداد پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا، احکام الصغار من البیوع۔(ت)

تو موضع ومکان جو متوفی نے فضل حق نابالغ کے نام خریدا اگرچہ روپیہ متوفی ہی کا تھا فضل حق کی

---

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب البیوع دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۱۹

[2] ردالمحتار کتاب العاریة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۶

[3] العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

مِلک ہوگیا اب اس کا نام فرضی بتانا اس ہبہ سے رجوع کرنا ہے اوراولاد کو ہبہ کرکے رجوع باطل محض ونامسموع۔ درمختار جلد ۴ص ۷۹۱:

لووھب لذی رحم محرم منه نسبا ولوذمیا او مستامنالایرجع۔[1]	اگرکسی نے اپنے نسبی ذی رحم کوہبہ کیااگرچہ وہ ذمّی یامستامن ہوتواب رجوع نہیں کرسکتا۔(ت)

درمختار جلد ۴ص ۷۹۲:

لوکانا ای العبد ومولاہ ذارحم محرم من الواھب فلا رجوع اتفاقا[2]۔	اگروہ دونوں یعنی غلام اور اس کامالک واہب کے ذی رحم محرم ہوں توبالاتفاق رجوع نہیں ہوسکتا۔

پس فرض ہے کہ جو موضع ومکان فضل حق کے نام تھے وہ خاص اس کے سمجھے جائیں اوراس تقسیم سے جدا رہیں اوروہ باقی تمام متروکہ کہ کفایت اللہ میں برابرکاحصہ دیاجائے۔

ثانیًا: نجم النساء اقرار نامہ میں صراحۃً مان چکی ہے کہ ان تین رقوم مصرحہ اقرار نامہ کے سوااور کوئی دادنی ذمہ حاجی کفایت اللہ نہیں تواس کادعوی مہرساقط ہوگیا بالغین اختیار رکھتے ہیں کہ باوصف سقوط دعوی بھی اس کابار اپنے سرلیں مگرکسی نابالغ پراس کابارڈالنااپنے سرعذاب الٰہی کاوبال لیناہے۔

ثالثًا: اس سوال میں سائل نے مہرحمید النساء والدہ نابالغان کاذکرنہ کیا۔ سوال اول میں اس کاتذکرہ تھااورملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہرہواکہ حاجی کفایت اللہ نے اس کامہر(ماصہ عہ)کاظاہرکیااوریہ کہ وہ ان کی حیات میں اداکردیاگیا، مگرکبھی مدیون کاقول خفت مقداردین یااس کے اداکردینے کے بارے میں مقبول نہیں ہوسکتا اگرگواہان عادل شرعی سے حمیدالنساء کامہراداہوجانا ثابت ہے فبہاورنہ لازم کہ مہرمثل تک حمیدالنساء کامہر قائم اوراس میں سے چہارم حصہ شوہراورایک حصہ کریم النساء بالغہ (جبکہ وصیت نامہ کوتسلیم کرچکی ہو) ساقط کرکے باقی اولاد نابالغان حمیدالنساء کے حصے ان نابالغوں کودیئے جائیں۔

[1] الدرالمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[2] الدرالمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

رابعًا: زر شملہ بنک کی نسبت اگر گواہان عادل شرعی سے ثابت ہو کہ یہ روپیہ بنک سے لانے کے لئے حاجی کفایت اللہ نے حافظ عبدالحق کو مامور کیا تھا جب تو حافظ عبدالحق کا بیان کہ میں نے اپنے والد کو لاکر دے دیا حلف کے ساتھ قبول کرلیا جائے گا کہ اب وہ وکیل ہوا اور وکیل امین ہے اور امین کا قول قسم کے ساتھ مقبول ہے ورنہ اس میں سے بھی حصہ نابالغان ہر گز نہیں چھوٹ سکتا، بعد اس تحریر کے دوسرے جلسے میں حافظ عبدالحق نے اقرار کیا کہ وہ روپیہ شملہ بنک سے لایا اپنے نام سے بنک میں جمع کردیا تو وہ اس روپے کا متغلب ہوا بقیہ ورثہ کا حصہ اس کے ذمے عائد ہے بالغوں کو چھوڑ دینے کا اختیار ہے، یتیموں کا حق کوئی نہیں چھوڑ سکتا، اس کا بیان کہ ساڑھے تین ہزار والد نے اس کا قرضہ ادا کرنے کو اسے دیئے ہر گز مقبول نہیں، بلکہ بالفرض اگر گواہان شرعی سے ثابت بھی ہوجائے کہ حاجی کفایت اللہ نے اپنے مرض مذکور میں اتنے ہزار حافظ عبدالحق کو دے دیئے کہ اپنا قرضہ ادا کرلو جب بھی نابالغوں کا حصہ اور نیز ان بالغوں کا جو اس دینے کو جائز نہ رکھیں دینا آئے گا کہ ہبہ مرض میں وصیت ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت ورثہ نافذ نہیں ہوسکتی وارث موصی لہ جو کچھ قبل موت موصی تصرف میں لاچکتا ہے بعد موت موصی جو ورثہ اجازت نہ دیں ان کا حصہ واپس دینا پڑتا ہے، درمختار جلد پنجم ٦٦٧:

اعتاقه ومحاباته وهبته ووقفه وضمانه کل ذٰلك حکمه کحکم وصية۔[1]	مرض الموت کے مریض کا آزاد کرنا، کم قیمت پر بیچنا، ہبہ کرنا، وقف اور ضمان سب کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے۔ (ت)

ایضًا ص ۶۶۴:

لالوارثه الا باجازة ورثته لقوله علیه الصلٰوة والسلام لاوصية لوارث الا ان یجیزها الورثة۔[2]	وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے دیگر وارثوں کی اجازت کے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

عالمگیری جلد چہارم ص ۱۴۱:

مریض وهب غلاما لامرأته فقبضته	مریض نے اپنی بیوی کو غلام ہبہ کردیا بیوی نے اس پر

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۲۷

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

واعتقته ثم مات المریض فالعتق نافذ وتتضمن القیمة کذا فی خزانة المفتین[1]۔	قبضہ کیا اور آزاد کردیا۔ پھر مریض مرگیا تو عتق نافذ ہوگا اور بیوی اس کی قیمت کی ضامن ہوگی۔ یوں ہی خزانۃ المفتین میں ہے۔(ت)

درمختار جلد ۴ ص ۱۲۷:

اقرفی مرض موته لوارثه یؤمر فی الحال بتسلیمه الی الوارث فاذا مات یرده، بزازیة، وفی القنیة، تصرفات المریض نافذة وانما تنقض بعد الموت۔[2]	مریض نے اپنی مرض الموت میں کسی وارث کے لئے کچھ اقرار کیا تو اسی وقت وہ شیئ وارث کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر جب مریض ہوگیا تو وارث وہ شیئ واپس لوٹائے گا (بزازیہ) اور قنیہ میں ہے کہ مریض کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں البتہ اس کے مرنے کے بعد ٹوٹ جاتے ہیں۔(ت)

کفن دفن بقدر مسنون میں جو روپیہ صرف کیا وہ ضرور مجرا ہوگا باقی فاتحہ درود خیرات سوم وغیرہ کے مصارف صرف اس صرف کرنے والے پر پڑیں گے اجازت نہ دینے والے ورثہ پر نہ آئیں گے خصوصًا یتیم بچے کہ ان کے حصے مطلقًا محفوظ ہیں نہ ان کی طرف سے کوئی اجازت دے سکتا ہے۔ طحطاوی حاشیہ درمختار جلد چہارم:

التجهیز لایدخل فیه السبح والصدیة والجمع و الموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثة یحسب علیه من نصیبه و یکون متبرعا وکذا لوکان اجنبیا۔[3]	تجہیز میں فاتحہ، درودوخیرات، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ ضروری امور میں سے نہیں ہیں لہٰذا یہ امور بجالانے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ سے مجرا ہوگا اور اس میں احسان کرنے والا ہوگا۔ ایسا ہی حکم اجنبی کا بھی ہے۔(ت)

توصرف بقیہ چھ ہزار سے حصہ نابالغان دینا کافی نہیں بلکہ کفن دفن بقدر سنت میں جو دس بیس روپے صرف ہوں مجرا کرکے باقی پورے بارہ ہزار پانسو بارہ ہیں کامل حصص نابالغان دیا جانا لازم ہے

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الھبة الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۰۲

[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

[3] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

شیخ حبیب اللہ کا مطالبہ جانے اور حافظ عبدالحق، وعدہ کرنے اور خط لکھنے والے جانیں اور حافظ عبدالحق، یتیموں پر ان باتوں کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ احسان الحق کو اگر ہزار پہنچے ہیں وہ اس کے حصے میں مجرا ہوں گے، شیخ حبیب اللہ کا مطالبہ ترکہ پر نہیں۔

خامسًا: زیور امانت بنگال بنک کا معاملہ شہادت عادلہ پر ہے اگر ثابت ہو کہ وہ ملک حمید النساء تھا تو اس میں نابالغوں کے حصے بحق نابالغان محفوظ رکھے جائیں گے اور اگر ملک حاجی کفایت اللہ ثابت ہو تو سب ورثہ پر تقسیم ہوگا۔

سادسًا: خرچہ نالشات بقدر ضروری و معمولہ جو کچھ نابالغوں کی طرف سے ان کے کسی ولی یا وصی شرعی نے بلا اسراف اٹھایا وہ ضرور نابالغوں پر پڑے گا اس سے زائد ایک پیسہ ان پر ڈالنا حرام ہے نابالغین مختار ہیں کہ آپس میں اپنے حقوق کا جس طرح چاہیں فیصلہ کرلیں۔

سابعًا: تشخیص قیمت جائداد و تعیین حصص وغیرہ کسی امر میں کوئی نقصان نابالغوں کی طرف رکھنا محض حرام قطعی ہے اور اللہ واحد قہار ان کی طرف سے حساب لینے والا ہے اصل احکام شرعیہ یہ ہیں بایں ہمہ اگر ولی نابالغان اور ان کے حقیقی خیر خواہ اہل ایمان یقینی قطعی طور پر بلاشک و شبہہ و بلا مکر و حیلہ جانیں کہ یہ تصفیہ ہی نابالغوں کے حق میں خیر ہے اور اس میں جو نقصان ان بیکس مظلوموں کو پہنچتا ہے وہ اس نقصان عظیم سے ہلکا ہے جو بحال عدم تصفیہ یقینًا انہیں پہنچنے والا ہے تو شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے کہ:

من ابتلی بلیتین اختار اھونھما۔[1]	جو شخص دو بلاؤں میں مبتلا ہو ان میں سے ہلکی کو اختیار کرے۔

ایسی صورت محض مجبوری و ضرورت میں جو نابالغوں کی اصلاح چاہے گا اور وہ ایسا ہوگا جیسا آکلہ پیدا ہونے پر ہاتھ یا پاؤں کاٹ دینا کہ یہ معاملہ بالغ و نابالغ سب کے ساتھ روا ہے کہ فساد عظیم کا فساد قلیل سے دفع ہے۔

"وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ"[2]	اللہ خوب جانتا ہے کہ کون مفسد ہے اور کون اصلاح چاہتا ہے۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۰

ادب الاوصیاء جلد ۲ ص ۲۰۸:

ذکر فی الخانیة والخلاصة والعمادیة والحافظیة انه لایجوز ان یصالح الوصی باقل من الحق ان کان الخصم مقرا به ومقضیا علیه اوللموصی بینة عادلة علیه والاجاز لانه فی الاول متلف لبعض الحق فلا یجوز وفی الثانی محصل للبعض بقدر الامکان وفیه من النظر مالایخفی فیجوز۔[1]	خانیہ، خلاصہ، عمادیہ اور حافظیہ میں مذکور ہے وصی کے لئے جائز نہیں کہ وہ حق سے کمتر پر صلح کرے جبکہ خصم اقراری ہو اوراس پر فیصلہ ہوچکا ہو یاموصی کے پاس عادل گواہ موجود ہوں ورنہ جائز ہے کیونکہ پہلی صورت میں وصی بعض حق کو برباد کرنے والا ہے لہٰذا جائز نہیں، اور دوسری صورت میں وہ مقدور بھر بعض کو حاصل کرنے والا ہے اوراس میں نگرانی موجود ہے، جیساکہ پوشیدہ نہیں، لہٰذا جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے ص ۲۰۹:

فیه تحصیل بعض الحق للیتیم فی حال توٰی کله فلا شك فی خیریته۔[2]	اس یتیم کے بعض حق کو حاصل کرنا ہے جبکہ تمام ہلاک ہو رہا ہے تواس کے خیر ہونے میں کوئی شک نہیں(ت)

اُسی میں ہے ص ۲۸۷:

ذکر فی النوازل والخانیة سلطان نزل دارالوصی فقیل له ان لم تعط السلطان شیئا استولی علی الدار و العقار فاعطی له شیئا من العقار قال ابو القاسم یجوز مصانعته۔[3]	نوازل اور خانیہ میں مذکور ہے کوئی بادشاہ وصی کے گھر میں وارد ہوا اور وصی کو کہا گیا کہ اگر تونے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تو وہ مکان اور جائداد پر قبضہ کرلے گا چنانچہ وصی نے اس کو کچھ جائداد دی۔ ابوالقاسم نے فرمایا وصی کا یوں نرمی کرنا جائز ہے۔(ت)

احکام الصغار جلد دوم ص ۷۳ و ۷۴:

[1] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الصلح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۸

[2] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الصلح اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۹

[3] آداب الاوصیاء علی هامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۷

هو قول ابن سلمة وهو استحسان وعن الفقيه ابی اللیث عن ابی یوسف رحمه الله انه کان یجیز للاوصیاء المصانعة فی اموال الیتامٰی واختیار ابن سلمة موافق لقول ابی یوسف وبه یفتی والیه اشار فی کتاب الله تعالٰی (اما السفینة فکانت لمسٰکین یعملون فی البحر فاردت ان اعیبها) اجاز العیب فی مال الیتیم مخافة اخذ المتغلب ذکره قاضی خان فی وصایا فتاویه، وفیها ایضا وصی انفق علی باب القاضی من مال الیتیم فاعطی علی وجه الاجازة لایضمن، قال محمد بن الفضل رحمه الله لایضمن مقدار اجر المثل والغبن الیسیر وما اعطی علی الرشوة کان ضامنا وفیها رجل مات واوصی الی امرأته وترك ورثة صغارا فنزل سلطان جائر دارهم فقیل لها ان لم تعطه شیئا استولی علی الدار والعقار فاعطته شیئا من العقار قالوا	وہ ہی قول ابن سلمہ کا ہے اور وہ استحسان ہے۔ فقیہ ابواللیث سے بحوالہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ منقول ہے کہ وہ یتیموں کے مال میں نرمی اختیار کرنے کی وصیوں کو اجازت دیتے تھے۔ ابن سلمہ کا مختار امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے قول سے موافقت رکھتا ہے اور اسی کے ساتھ فتوی دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی کتاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے "وہ جو کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریامیں کام کرتے تھے تو میں نے چاہاکہ اس کو عیب دار کردوں" اس میں کسی جابر کے قبضہ کے ڈر سے یتیم کے مال کو عیب دار کرنے کی اجازت ہے۔ اس کو قاضی خان نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوصایا میں ذکر کیا ہے۔ اسی میں یہ بھی ہے کہ وصی نے قاضی کی کچہری میں یتیم کا مال خرچ کیا۔ اگر بطور اجارہ دیا ہے تو ضامن نہیں ہوگا۔ محمد بن فضل علیہ الرحمہ نے کہاکہ مثلی اجرت اور غبن یسیر کی حد تک ضامن نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اس نے یتیم کا مال بطور رشوت دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ اسی میں ہے کہ ایک مرد فوت ہوااور اس نے اپنی بیوی کو وصی مقرر کیا اور چھوٹے ورثاء بھی چھوڑے، پھر کوئی جابر بادشاہ ان کے گھر میں اترا اور اس عورت کو کہاگیاکہ اگر تو نے بادشاہ کو کچھ نہ دیا تو وہ پورے گھر اور جائداد پر جبراً قبضہ کرلے گا۔ چنانچہ عورت نے جائداد میں سے کچھ بادشاہ کو دے دیا تو مشائخ نے

یجوز مصانعتہا[1]۔	کہا کہ اس کی یہ نرمی جائز ہے۔(ت)

یہ اسی حالت میں ہے جبکہ نہ ماننے میں اس سے عظیم تر نقصان پہنچنے کا یقین ہو، فقط موہوم ضرر کے لئے موجود مال لینا حلال نہیں۔ پھر بھی فرض قطعی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عرق ریزی کی جائے کہ یہ ظلم ان بیکسوں پر سے دفع ہو یا جتنا کم ہوسکے کم ہو۔ پھر بھی یہ جواز صرف ادھر سے رہے گا وہ ظالمین جو اس طرح دبا کر یتیموں کا حق لیں گے ان کے لئے وہ خالص آتش جہنم ہے وہ سخت عذاب الٰہی کے لئے مستعد رہیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

جواب سوال ششم: کریم النساء کا جبکہ کسی اور شخص کی دختر ہونا معروف ومشہور وثابت نہیں اور وہ اپنے آپ کو دختر حاجی کفایت اللہ کہتی ہے اور اس کی عمر اس کی قابلیت رکھتی ہے تو ایسی حالت میں قطع نظر تمام تحریرات وخطوط کفایت اللہ کے صرف یہ وصیت نامہ جسے یہ لوگ جو کریم النساء کے نسب پر معترض ہیں تسلیم کررہے ہیں دلیل کافی وحجت وافی تھا جس کے بعد معترضین کا اعتراض ہرگز مسموع نہ ہوتا اور وہ ضرور دختر حاجی کفایت اللہ قرار پائی کہ وصیت نامہ میں جابجا اولاد، اپنی اولاد، ہماری اولاد لکھ کر انہیں کے نام کی فہرست میں کریم النساء کو بھی مثل دیگر دختران داخل کیا اور سب کو حصہ شرعی بلاکم وبیش پہنچنا لکھنا۔ درمختار میں ہے:

وان اقر لغلام مجھول النسب فی مولدہ فی بلد ھو فیھا وھما فی السن بحیث یولد مثلہ لمثلہ انہ ابنہ و صدقہ الغلام لو ممیزا والا لم یحتج لتصدیقہ کمامر حینئذ ثبت نسبہ ولو المقر مریضا واذا ثبت شارك الغلام الورثۃ۔[2]	اگر کسی نابالغ لڑکے کے بارے میں جس کا نسب معلوم نہیں اس کے وطن میں یا اس شہر میں جس میں وہ وارد ہے یہ اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے درانحالیکہ دونوں کی عمر ایسی ہے کہ اس جیسا اس کا بیٹا ہوسکتا ہے اور لڑکے نے اس کی تصدیق کردی جبکہ لڑکا باتمیز ہو ورنہ اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں، جیسا کہ گزرچکا ہے، چنانچہ صورت مذکورہ میں اس کا نسب ثابت ہوجائے گا اگرچہ اقرار کرنے والا مریض ہو جب نسب ثابت ہو گیا تو وہ لڑکا باقی وارثوں کا شریک ہوگا۔(ت)

[1] جامع احکام الصغار علی ہامش جامع الفصولین فی مسائل الوصایا اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۳ و ۴۴

[2] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۷

نہ کہ خود سب معترضین و غیر معترضین اقرار نامہ میں بالاتفاق اسے بنت حاجی کفایت لکھ چکے تو اب اس کے دختر کفایت اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں وہ مثل دیگر دختران نہ بذریعہ وصیت بلکہ بوجہ وراثت حصہ پائے گی۔

جواب سوال ہشتم: وصیت نامہ جہاں تک نابالغوں یاان وارثوں کے حقوق پر جو اسے جائز نہیں رکھتے اثر رسان ہے مردود و باطل ہے جو بالغ وارث اسے مان رہے ہیں صرف ان کے باہمی حقوق پر اس کا اثر مقبول ہوسکتاہے۔ در مختار میں ہے:

لم تجز اجازۃ صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصّتہ۔[1]	نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں۔ اگر بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے انکار کیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کی مقدار میں جائز ہے۔(ت)

وصیت نامہ میں ماں کو حصہ مادری اصلاً نہ دیا اور وہ اس پر راضی نہیں نابالغ کا موضع ومکان اسم فرضی ٹھہرا کر تقسیم میں شامل کرلیا اور یوں اسی کے مال سے اس کا حصہ پورا کیا اور یہ محض ظلم ہے نابالغوں کے مال کا مہر ایک خفیف مقدار بتا کر وہ بھی ادا ہو جانا لکھا یہ ہرگز بے بیّنہ عادلہ مقبول نہیں، لہٰذا تقسیم وصیت نامہ واجب الرد ہے بلکہ فضل حق کا موضع ومکان خالصًا اسی کو دے۔ حمید النساء کا مہر ادا ہو جانا گواہان عادل شرعی سے ثابت نہ ہو تو مہر مثل تک ادا کرے پھر جو کچھ متروکہ حاجی کفایت اللہ منقول وغیر منقول ہے سب سے اس کی ماں کو چھٹا اور نجم النساء کو آٹھواں دیگر باقی سب بیٹوں اور مع کریم النساء سب دختروں پر "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ"[2] (مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہے۔ت) از سر نو تقسیم کریں نابالغوں کے حصے بلا تقسیم یک جا رہیں بالغوں کے حصے کا انہیں اختیار ہے جس طرح چاہیں باہم تصفیہ کرلیں۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۰: از پٹنہ محلّہ لودی کڑہ مرسلہ جناب قاضی عبدالوحید صاحب ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت میں جو چیز ہبہ کی جائے اس پر احکام ہبہ کے ہوں گے یا وصیت کے؟

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

الجواب:

ہبہ اگرچہ مرض الموت میں ہو حقیقۃً ہبہ ہے تمام شرائط ہبہ درکار ہوں گی بلاقبضہ تمام نہ ہوگا مشاع ناجائز ہوگا واہب اگر قبل قبضہ کاملہ موہوب لہ انتقال کرجائے ہبہ باطل ہوجائے گا غرض وہ ہمہ وجوہ ہبہ ہے اور اسی کے احکام رکھتا ہے مرض الموت میں ہونے کا صرف اتنا اثر ہے کہ وارث کے لئے مطلقًا اور اجنبی کے واسطے ثلث باقی بعد ادائے دیون سے زیادہ میں بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہ ہوگا اجازت وارث عاقل بالغ نافذ التصرف کی بعد وفات مورث درکار ہے اس کی حیات میں اجازت دینی نہ دینی بیکار ہے۔ پس اگر مورث مثلاً اپنے پسر کو اپنے مرض الموت میں کوئی شیئ ہبہ کرے اور قبضہ بھی پورا کرادے اور اس کے انتقال کے بعد دیگر ورثہ اسے نہ مانیں وہ یکسر باطل ہوجائے گا اور بعض مانیں اور بعض نہ مانیں تو اس نہ ماننے والے کے حصے کے لائق باطل قرار پائے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ھبتہ ووقفہ وضمانہ کوصیۃ فیعتبر من الثلث۔[1]	مریض کا ہبہ، وقف اور ضمان اس کی وصیت کی مثل ہے، لہٰذا ایک تہائی میں سے معتبر ہوں گے۔ (ت)

ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ وھبتہ ای اذا اتصل بھا القبض قبل موتہ، اما اذا مات ولم یقبض فتبطل الوصیۃ لان ھبۃ المریض ھبۃ حقیقۃ وان کانت وصیۃ حکما کما صرح بہ قاضیخاں وغیرہ اھ طحطاوی عن المکی، قولہ حکمہ کحکم وصیۃ ای من حیث الاعتبار من الثلث لا حقیقۃ الوصیۃ لان الوصیۃ ایجاب بعد الموت وھٰذہ	ماتن کا قول "وراس کا ہبہ" اس سے مراد یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے قبضہ اس کے ساتھ مقترن ہوجائے لیکن اگر وہ مرگیا اور اس پر قبضہ نہ ہوا تو وصیت باطل ہوجائے گی اس لئے کہ مریض کا ہبہ درحقیقت ہبہ ہی ہے اگرچہ باعتبار حکم کے وصیت ہے، جیسا کہ قاضیخاں وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی اھ طحطاوی میں بحوالہ مکی منقول ہے کہ ماتن کا قول "اس کا حکم وصیت کے حکم کی مثل ہے" یعنی

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۷

التصرفات منجزة فی الحال زیلعی[1] ۔	ایک تہائی سے اعتبار کرنے کی حیثیت سے نہ کہ حقیقت وصیت کے اعتبار سے اس لئے کہ وصیت ایسے ایجاب کو کہتے ہیں جو موصی کی موت کے بعد ثابت ہوتا ہے جبکہ یہ تصرفات فی الحال نافذ ہیں، زیلعی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا لوارثه الا باجازة ورثته وھم کبار عقلاء فلم تجز اجازة صغیر ومجنون ولو اجاز البعض ورد البعض جاز علی المجیز بقدر حصته۔[2]	وارث کے لئے وصیت نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دیں دراں حالیکہ وہ ورثاء عاقل وبالغ ہوں چنانچہ نابالغ اور مجنون کی اجازت جائز نہیں، اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے رد کردیا تو اجازت دینے والے پر بقدر اس کے حصہ کے جائز ہوگی۔ (ت)

تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

انما یصح قبولها بعد موته لان اوان ثبوت حکمها بعد الموت فبطل قبولها وردها قبله[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	وصیت کو قبول کرنا موصی کی موت کے بعد ہی صحیح ہوتا ہے کیونکہ وصیت کے حکم کے ثبوت کا وقت موصی کی موت کے بعد ہے لہٰذا اس کی موت سے پہلے وصیت کو قبول کرنا اور رد کرنا باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر واہب مرض الموت میں اپنی جز یا کُل املاک کو کسی ایک وارث کی بلارضامندی دیگر ورثاء کے ہبہ کردے تو یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

یہ ہبہ حقیقۃً ہبہ اور حکماً وصیت ہے، اگر واہب نے اپنی وصیت میں موہوب لہ کو قابض نہ کردیا یا شیئ قابل تقسیم مشاع و مشترک تھی اور بلا تقسیم قبضہ کرادیا اور مرگیا جب تو ہبہ محض باطل ہوگیا کہ اجازت ورثہ سے بھی نافذ نہیں ہوسکتا۔ درمختار موانع الرجوع میں ہے:

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۳۵

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب العتق فی المرض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۹

المیم موت احد العاقدین بعدالتسلیم فلوقبلہ بطل [1]۔	میم سے مراد یہ ہے کہ سپردگی کے بعد واہب اور موہوب لہ میں سے کسی ایک کامر جانا، اگر سپردگی سے پہلے مرگیا تو عقد ہبہ باطل ہوگیا۔ (ت)

اوراگر حیات واہب میں باذن واہب قبضہ کاملہ یاشیئ غیر قابل تقسیم پر مشاعًا قبضہ ہولیاتو اب اس ہبہ کانفاذ موت واہب کے بعد اجازت صحیحہ باقی ورثہ پر موقوف ہے صحت اجازت کے لئے اجازت دہندہ کاعاقل بالغ ہونا ضرور ہے اگر باقی وارث سب عاقل بالغ ہیں اور سب نے بعد موت مورث اس ہبہ کو جائز رکھاتمام وکمال نافذ ہوجائے گا اور اگر بعض نے اجازت دی اور بعض نے نہ مانایا بعض اجازت دہندہ نابالغ یا مجنون تھے تو صرف اسی عاقل بالغ مجیز کے حصے کے قدر نفاذ پائے گا باقی نافذ نہ ہوگااور ہبہ شیوع کہ بعض ورثہ کی عدم اجازت سے پیداہوا باقی میں نفاذ ہبہ کو منع نہ کرے گا کہ شیوع وہ مبطل ہبہ ہے جو ابتدا سے ہونہ شیوع طاری کہ بعد کو لاحق ہو۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قال (ای محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ) فی الاصل ولاتجوز ہبۃ المریض ولاصدقتہ الامقبوضۃ فاذا قبضت جازت من الثلث واذامات الواھب قبل التسلیم بطلت یجب ان یعلم بان ہبۃ المریض ہبۃ عقد او لیست بوصیۃ واعتبارھا من الثلث ماکانت لانھا وصیۃ معنی لان حق الورثۃ یتعلق بمال المریض و قدتبرع بالھبۃ فیلزم تبرعہ بقدر ماجعل الشرع لہ وھو الثلث واذاکان ھذا التصرف ہبۃ عقدا شرط لہ سائر شرائط الھبۃ ومن جملۃ شرائطھا	امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کہاکہ مریض کاہبہ اور صدقہ جائز نہیں مگراس وقت جبکہ اس پر قبضہ کرلیاگیاہو پس اگر اس پر قبضہ ہوگیاتوایک تہائی میں جائز ہوگا، اور اگر واہب سپردگی سے پہلے مرجائے تو ہبہ باطل ہوجائے گا۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ مریض کاہبہ عقد کے اعتبار سے ہبہ ہے وصیت نہیں ہے۔ اوراس کا ایک تہائی سے اعتبار کرنا اس وجہ سے نہیں کہ وہ باعتبار معنی کے وصیت ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وارثوں کا حق مریض کے مال کے ساتھ وابستہ ہوگیا ہے اور مریض نے ہبہ کے ساتھ تبرع کیا ہے تو اس کا تبرع صرف اسی حدتک لازم ہوگا جوشرع نے اس کے لئے مقرر کی ہے

[1] الدرالمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

قبض الموھوب لہ قبل موت الواھب کذا فی المحیط[1]۔	اور وہ تہائی مال ہے، جب یہ تصرف عقد کے اعتبار سے ہبہ قرار پایا تواس کے لئے ہبہ کی تمام شرطوں کا پایا جانا شرط ہوگا اور ہبہ کی شرطوں میں سے ایک یہ ہے کہ واہب کی موت سے پہلے وہ شخص اس پر قبضہ کرلے جس کے لئے ہبہ کیا گیا ہے، محیط میں یونہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لاتجوز الوصیة للوارث عندنا الا ان یجیزھا الورثة ولاتعتبراجازتھم فی حیاۃ الموصی حتی کان لھم الرجوع بعد ذٰلك کذا فی فتاوی قاضی خان و لایمنع الشیوع صحة الاجازۃ،ولو اجاز البعض وردالبعض یجوزعلی المجیز بقدر حصّته وبطل فی حق غیرہ کذا فی الکافی،والاجازۃ انما یجوز اذا اجازہ وھو عاقل بالغ صحیح کذا فی خزانة المفتین۔[2] اھ مختصرًا۔	ہمارے نزدیک وارث کے لئے وصیت جائز نہیں سوائے اس کے کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں اوران کی اجازت موصی کی زندگی میں معتبر نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ اجازت کے بعد رجوع کرسکتے ہیں۔یونہی فتاوٰی قاضیخان میں ہے۔ اور غیر منقسم ہونا اجازت کے صحیح ہونے سے مانع نہیں ہوتا، اگر بعض وارثوں نے اجازت دے دی اور بعض نے رَد کردیا تو اجازت دینے والے پر اس کے حصہ کے مطابق جائز ہوگی اور اس کے غیر کے حق میں باطل ہوگی،کافی میں یونہی ہے۔ اجازت اسی وقت ہوگی جب اجازت دینے والا عاقل بالغ صحت مند ہو،خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اھ (اختصار)۔ (ت)

درمختار میں ہے:

المانع عن تمام القبض شیوع مقارن للعقد لا طاری[3]۔	قبضہ کی تمامیت سے مانع وہ شیوع ہے جو عقد کے ساتھ مقترن ہو نہ کہ وہ جو اس پر طاری ہو۔(ت)

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۰۰

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۹۰و۹۱

[3] الدرالمختار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۱۶۰

ردالمحتار میں ہے:

قوله لاطارئ اقول منه مالووهب دارا فی مرضه ولیس له سواها ثم مات ولم یجز الورثة الهبة بقیت الهبة فی ثلثها وتبطل فی الثلثین کما صرح به فی الخانیة[1]، والله تعالٰی اعلم۔	ماتن کا قول "کہ اس پر طاری نہ ہو" میں کہتا ہوں اگر کسی نے مرض الموت میں اپنا مکان ہبہ کر دیا اور سوائے اس مکان کے اس کی ملکیت میں کچھ نہیں، پھر وہ مر گیا اور وارثوں نے ہبہ کی اجازت نہ دی تو ہبہ اس کے ایک تہائی میں باقی رہے گا جبکہ دو تہائی میں باطل ہوجائے گا، جیساکہ خانیہ میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مرض الموت کی کیا تعریف ہے اور کس کس مرض پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کب تک اس کی مدت مقرر ہے کہ قبل اس کے مرض الموت نہ کہا جاسکے۔

الجواب:

شرعًا کسی مرض کے مرض الموت ہونے کے لئے دو[۲] باتیں درکار ہیں کہ وہ دونوں جمع ہوں تو مرض الموت ہے اور ان میں ایک بھی کم ہو تو نہیں۔

(۱) اس مرض میں خوف ہلاک واندیشہ موت قوت وغلبہ کے ساتھ ہو، اگر اصلاً خوف موت نہیں یا ہے تو ضعیف ومغلوب ہے تو مرض موت نہیں اگرچہ اتفاقًا موت واقع ہوجائے۔

(۲) اس غلبہ خوف کی حالت میں اس کے ساتھ موت متصل ہو اگرچہ اس مرض سے نہ مرے موت کا سبب کوئی اور ہوجائے مثلًا زید کو ہیضہ یا طاعون ہو اور ابھی اسے انحطاط کافی نہ ہوا تھا خوف ہلاک غالب تھا کہ سانپ نے کاٹا مر گیا یا کسی نے قتل کردیا تو اس مرض میں جو تصرفات کئے وہ مرض الموت میں تھے اگرچہ موت اس مرض سے نہ ہوئی اور اگر انحطاط کافی ہوگیا تھا کہ غلبہ خوف ہلاک جاتا رہا اور اب اتفاقًا اسی مرض خواہ دوسرے سبب سے مر گیا تو وہ تصرفات مرض کے نہ تھے اگرچہ حال اشتداد ہی میں کئے ہوں کہ انحطاط مرض وزوال خوف نے اسے مرض الموت نہ رکھا یوں ہی اگر بحال انحطاط وعدم خوف تصرفات کئے اور ان کے بعد پھر اشتداد ہو کر خوف غالب اور ہلاک واقع ہوا تو یہ تصرفات

[1] ردالمحتار کتاب الهبة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۱

حالت مرض کے نہ ہوں گے کہ بحال غلبہ خوف نہ تھے اگرچہ ان سے قبل وبعد غلبہ تھا۔ ردالمحتار میں ہے:

فی نور العین، قال ابو اللیث کونه صاحب فراش لیس بشرط لکونه مریضا مرض الموت بل العبرة للغلبة والغالب من هذا المرض فهو مرض الموت وان کان یخرج من البیت وبه کان یفتی الصدر الشهید ثم نقل عن صاحب المحیط انه ذکر محمد رضی الله تعالٰی عنه فی الاصل مسائل تدل ان الشرط خوف الهلاك غالبا لا کونه صاحب فراش [1] اھ۔	نور العین میں ہے: ابو اللیث نے کہا کہ مریض کا صاحب فراش ہونا اس کے مرض الموت کے مریض ہونے کے لئے شرط نہیں بلکہ اعتبار غلبہ کا ہے، اور اس کا بیماری سے غالب گمان موت کا ہو تو وہ مرض الموت ہوگی اگرچہ وہ گھر سے نکلتا ہو، اور اسی کے ساتھ صدر الشہید فتوٰی دیتے تھے۔ پھر صاحب محیط سے منقول ہے کہ بیشک امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اصل میں کچھ ایسے مسائل ذکر فرمائے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں اس بیماری میں ہلاکت کے خوف کا غالب ہونا شرط ہے نہ کہ مریض کا صاحب فراش ہونا اھ (ت)

تبیین الحقائق میں ہے:

ان صار صاحب فرش بعد التطاول فهو کمرض حادث حتی تعتبر تصرفاته من الثلث [2] اھ۔	اگر وہ بیماری کے لمبا ہونے کے بعد صاحب فراش ہوا تو وہ نوپید بیماری کی مثل ہے یہاں تک کہ تہائی مال میں اس کے تصرفات معتبر ہوں گے اھ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصله انه ان صار قدیما بان تطاول سنة ولم یحصل فیه ازدیاد فهو صحیح اما لومات حالة الازدیاد الواقع قبل التطاول اوبعده فهو مریض [3]۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بیماری پرانی ہوگئی بایں صورت کہ سال کو محیط ہوگئی اور اس میں بیماری کی شدت حاصل نہیں ہوئی تو وہ صحت مند ہوگا۔ لیکن اگر وہ بیماری کی شدت کی حالت میں مرگیا چاہے وہ شدت بیماری کی طوالت سے پہلے واقع ہوئی یا اس کے بعد تو وہ مریض قرار پائے گا۔ (ت)

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۰

[2] ردالمحتار بحوالہ الزیلعی کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب طلاق المریض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۱

در مختار میں ہے:

مات فیہ بذٰلك السبب اوبغیرہ کان یقتل المریض اویموت لجھۃ اخری[1]۔	وہ اس بیماری میں مرا اسی بیماری کے سبب سے یا کسی اور سبب سے مثلاً اس مریض کو قتل کردیا وہ کسی اور وجہ سے مرجائے(ت)

مسئلہ ۱۴۳: از شہر کہنہ محلّہ سہسوانی ٹولہ ۱۰/صفر ۱۳۲۳ھ از مکان سید فرزند علی مرحوم

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ مسمّی زید نے بعد فوت ہونے کے ایک منکوحہ اور دولڑکے اور دو دختر چھوڑے، مسمّی بکرپسر زید نے بعد فوت ہونے زید کے کل اخراجات خانگی اور پرورش نابالغان کا اپنے ذمہ لیاحتی کہ بکر نے بذریعہ معاش نوکری کی پرورش حتی الوسعت کی، بعدہ، اس کی ایک لڑکی جو حد سن بلوغ تک پہنچی اس کانکاح بقانون شرع متین کے کردیااور مسمّٰی بکر بوجہ نکاح کرنے دختر زید کے مقروض ہوگیا تاہنوز قرضہ ادانہیں ہوا اب ایک لڑکا زید کاجو نابالغ تھا سن بلوغ پہنچ کرآمادہ اس بات پر ہے کہ جو چیز زید کی ہے اس کامالک میں ہوں اور بکر سے کہاکہ تو نے اپناحصہ فروخت کرکے اس پر صرف نہیں کیااب تیراکچھ نہ رہازید نے فوت ہون کے بعد اپنی ملکیت میں ایک منزل حویلی پختہ اور تین درخت املی اورایک درخت جامن کا اورایک نیب کااور املی برد عـــہ۱ نے علاوہ حویلی پختہ کے اورایک قطعہ باغ تخمیناً دوبیگھ کاچھوڑا، مسمّٰی بکرپسر زید چند مدت بیکار رہااوردودرخت املی اورایک درخت جامن برائے خوردونوش نابالغان کے فروخت کرکے خوب سرے عـــہ۲ کی اور قطعہ باغ کوفروخت کرکے نکاح دختر زید فوت شدہ کے صرف کیا اب ایک درخت املی ایک درخت نیب کا اوراملی برد عـــہ۳ نے اورایک منزل حویلی پختہ کل املی بردنے اور حویلی کے تخمینا عـــہ۴ دوبیگھ ہوا اب شیئ موجودہ میں زید کا بموجب حصص رشد شرعی کے کس طرح حصہ ہوناچاہئے۔ تعداد اولاد زید چاراولاد، دولڑکے دودختر، بیوہ منکوحہ ایک، ایک دختر نکاح شدہ شامل ہے فقط۔

الجواب:

بیان مسائل سے واضح ہواکہ دودرخت املی کااورایک جامن کابیچ کردونوں بھائیوں اور

عـــہ۱ وعـــہ۲ وعـــہ۳ وعـــہ۴: کذافی الاصل ۱۲ازہری غفرلہ]

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب طلاق المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۳۶

نابالغہ اور ماں کے خورد ونوش میں صرف ہوئے خواہر کتخدا اس صرف سے علیحدہ تھی اور باغ بیچ کر صرف اس خواہر کتخدا کی شادی میں صرف ہوا اور اس سے بھی کام نہ چل سکتا کہ وہ صرف اسی روپیہ کو بکا اس میں سے اس کا جہاز عـــہ اور معمولی ضروری مصارف نہ ہو سکتے تھے اس کے لئے بکر نے قرض لیا اور قرض میں اس سے مجرا لینے کی نیت نہیں اور نکاح میں ضرورت خرچ سے زیادہ نہ اٹھایا اور زید نے اپنے انتقال سے تھوڑی دیر پہلے اپنی زوجہ ان بچوں کی ماں سے کہا تم فکر نہ کرو بلکہ بکر ایسا نہیں کہ تمہیں تکلیف پہنچنے دے اسے میں چھوڑے جاتا ہوں یہ تم کو کسی وقت دغا نہ دے گا اگر یہ یہاں ثابت ہو جب تو ظاہر ہے کہ زید نے اپنے بڑے بیٹے بکر کو اپنی اولاد وجائداد پر وصی کر دیا اور ان سے ان تمام تصرفات کا جو وصی کے لئے ثابت ہوتے ہیں اختیار ملا اور اگر یہ ثابت نہ بھی ہو جب بھی ہمارے بلاد میں ایسی صورت میں بڑا بیٹا لائق ہونہار حکماً وصی ہوتا ہے۔

هذا هو الثابت دلالةً والثابت دلالة كالثابت لفظًا وقد حققناه بتوفيق الله تعالٰى فى فتاوٰنا بما لا مزيد عليه۔	یہ وہ ہے جو بطور دلالت ثابت ہے اور جو بطور دلالت ثابت ہو اس کی مثل ہے جو صراحۃً لفظ کے ساتھ ثابت ہو۔اس کی تحقیق اللہ تعالٰی کی توفیق سے ہم نے اپنے فتاوٰی میں کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔(ت)

فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوان رجلا من اهل السكة تصرف فى مال الميت فى البيع والشراء ولم يكن له وارث ولا وصى الا ان هذا الرجل يعلم انه لو رفع الامر الى القاضى ينصبه وصيا فاخذ هذا الرجل المال ولم يرفع الامر الى القاضى وافسده حكى عن ابى نصر الدبوسى رحمه الله تعالٰى انه كان يجوز تصرف هذا الرجل۔[1]	اگر اہل محلّہ میں سے کسی شخص نے میت کے مال میں بیع و شراء وغیرہ کا تصرف کیا جبکہ اس میت کا نہ تو کوئی وارث ہے اور نہ ہی وصی، لیکن وہ شخص جانتا ہے کہ اگر معاملہ قاضی کے پاس لے جائے تو قاضی اس کو وصی مقرر کردے گا،اس شخص نے میت کا مال لے لیا اور قاضی کے پاس معاملہ نہ لے گیا اور اس مال کو برباد کردیا۔امام ابونصر دبوسی علیہ الرحمۃ سے منقول ہے کہ وہ اس شخص کے تصرف کو جائز قرار دیتے تھے(ت)

عـــہ: یعنی جہیز ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] فتاوٰی قاضی خان کتاب الوصایا فصل فی تصرفات الوصی فی مال الیتیم نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

فتاوٰی کبرٰی وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

افتی القاضی الدبوسی بان تصرفه جائز للضرورة قال قاضی خان وھذا استحسان وبه یفتی۔[1]	قاضی الدبوسی نے فتوٰی دیا کہ اس کا تصرف ضرورت کے لئے جائز ہے۔امام قاضی خان نے کہا یہ استحسان ہے اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جائے گا۔(ت)

پس بیعیں کہ بکر نے کیں جائز ہوئیں، درختوں کا روپیہ جن جن کے صرف میں آیا انہیں پر پڑے گا، کتخدا لڑکی اس سے جدا رہے گی اور باغ کا روپیہ تنہا اسی لڑکی پر پڑے گا، اگر یہ اس کے تمام حصے کے برابر تھا تو اس نے اپنا تمام پورا[عہ] حصہ پایا اور اگر کم تھا تو جتنا باقی اتنا پائے گی اور اگر زیادہ تھا تو جس قدر زائد گیا وہ بکر کے اپنے حصے پر پڑے گا یا ماں کی اجازت تھی تو وہ بھی اس کے تاوان میں شریک ہو کر باقی ورثہ بری رہیں گے کل جائداد زید جس قدر اس نے وقت انتقال چھوڑی تھی بعد ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا اڑتالیس حصے ہو کر چھ سہم بیوہ زید کے ہوں اور چودہ چودہ ہر ہر پسر اور سات سات ہر دختر کے اور ان میں سے وہ اشیاء جو بک کے کتخدا کے صرف میں الگ اس کے حصے مجراہوں اور جو اوروں کے صرف میں آئیں ان کے حصے سے مجراہوں جو باقی رہیں ان میں جس جس کا جس قدر باقی رہا اس حساب سے تقسیم ہو جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۴:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) یہ کہ مسماۃ ہندہ لاولد فوت ہوئی اور شوہر و والد و والدہ و ہمشیرہ اور چار بھائی حسب ذیل وارث چھوڑے:

شوہر	والد	والدہ	ہمشیرہ	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی
خالد	زید	کبرٰی	صغرٰی	بکر	حامد	محمود	مسعود

(۲) یہ کہ ہندہ مرحومہ نے دو۲ روز قبل از فوت اپنی حالت مرض الموت میں اپنے والد زید سے وصیت کی کہ میں نے کچھ روپیہ بہ نیت حج چھوڑا تھا مگر مجھ کو موقع بسبب نہ دستیاب ہونے محرم ہمراہ سفر کے میسر نہیں ہوا اور دوسروں کے ذریعہ سے حج کرانے میں بسبب کمیابی امانت دار کے

عہ: کذا فی الاصل وھو مکرر کما تری ۱۲ ازہری غفرلہ

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

مجھ کو اطمینان حاصل نہیں لہذا وہ روپیہ حامد اور محمود کے پاس جمع ہے اور جو کچھ زیور میرا میرے گھر میں ہے اس جملہ مالیت میں ہے حق وراثت میرے شوہر کا ادا کیا جائے اس وجہ سے کہ ان کو حاجت رہتی ہے بعد اس کے جو کچھ زرمالیت باقی رہے اس کو میرے والد زید اپنی رائے کے موافق تعمیر چاہ وغیرہ خیرات وصدقات میں صرف کردے اس واسطے کہ مرحومہ کے گمان میں باقی ورثاء کا حق لینا خیال میں نہ تھا اور یہ بھی وصیت کی کہ نو روزہ رمضان کے فوت شدہ کی میرے ذمہ قضا ہے اس کا فدیہ بھی دیا جائے اس کے بعد اس کے والد زید نے سوال کیا کہ کچھ نمازوں کی بھی قضا ہمارے ذمہ ہے جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ نماز ادا کی ہے لیکن مجھ کو یاد نہیں شاید ابتدائے عمر میں کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں، پس اس وصیت کے بعد مرحومہ نے قضا کی۔

(۳) یہ کہ بروز قضا قبل از دفن اس کے والد زید نے چند دیگر اشخاص معززین کی موجودگی میں شوہر خالد وبعض ورثاء ذکور کو بلا کر اس وصیت کا اظہار کرکے یہ ظاہر کیا کہ میری رائے میں قبل صدقات نافلہ کے تحقیق کرکے اس کے ذمہ نمازوں کی فوت اگر کچھ ثابت ہو تو ہمراہ فدیہ صوم کے فدیہ نمازوں کا بھی ادا کیا جائے، چنانچہ اسی بناء پر اس کی سسرال کی بوڑھی مستورات سے دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں غیر بلوغت کی حالت میں بیاہ کر آئی تھی اور نمازیں ادا کرتی تھی مگر ہم یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ حسب رواج جیسا کہ نئی عروسوں کو حیادامنگیر ہوتی ہے ایسی حالت میں شاید کوئی نمازیں قضا ہوئی ہوں اس بناء پر بعض حاضرین جلسہ نے تین ماہ اور بعض نے چھ ماہ کی قضا نمازوں کے فدیہ ادا کرنے کا تخمینہ کیا ازاں بعد وارثان موجودہ مرقومہ بالا سے دریافت کیا گیا کہ تم اپنا حق وراثت لیتے ہو اس کے جواب میں شوہر خالد نے بے ساختہ کہا کہ مجھ کو نہیں چاہئے ہے اس کے ذمہ کے حقوق اور فدیہ وغیرہ ادا کرو اور اس کے صدقات میں صرف کرواگر اس میں کسی قدر کمی دس پانچ روپیہ کی باقی رہے تو اور مجھ سے لے لو چونکہ وقت میں گنجائش نہ تھی اس کی تکفین کی عجلت تھی بایں وجہ دوسرے وقت پر اس تعمیل کو ملتوی رکھا گیا قبل از دفن صرف نو روزے کا فدیہ دا کردیا گیا۔

(۴) یہ کہ ایسی حالت میں کیا احتیاطی نمازوں کا فدیہ ادا کیا جائے گا اور اگر فدیہ احتیاطی نمازوں کا ادا کیا جائے گا تو کس قدر زمانہ کی نمازوں کا ادا کیا جائے گا یا مالیت مرقوم الصدر نقدات میں زیورات شامل کرنے سے جو مقدار سفر حج کو کافی ہوسکتا ہے ادائے حج اس کے ذمہ فرض متصور ہوگا تو کیا قضائے حج دوسرے شخص کو بھیج کر واجب ہوگی اور کیا دیگر صدقات نافلہ

پر مقدم متصور ہوگا یا بموجب وصیت متوفیہ کے صرف متروکہ کا دیگر صدقات نافلہ میں کرنا لازم ہوگا۔
(۵) یہ کہ زید مرحومہ کا والد ان صورتوں مرقومہ بالا میں کس طرح اپنے ذمہ کے حقوق وصیت کو ادا کرکے گلوخلاصی حاصل کرے، بیان فرمایئے ثواب پایئے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ہندہ کے صرف تین وارث شرعی ہیں: شوہر، ماں، باپ، باپ کے ہوتے بہن بھائیوں کا کوئی استحقاق نہیں، ترکہ میں حق شوہر نصف ہے، اس کے اخراج کے بعد جمیع نصف باقی کی نسبت اس کی وصیت ہے کہ حسب رائے پدر تعمیر چاہ وغیرہ خیرات میں صرف کیا جائے باپ اس وصیت کو نافذ کرچکا اور زبانی اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ ماں ہنوز ساکت ہے نہ اس نے انکار کیا نہ اجازت دی، پس اگر ماں بھی اجازت دے دے تو نصف متروکہ شوہر کو دیں اور نصف حسب رائے پدر امور مذکورہ میں صرف ہو تعمیر چاہ جس کا اس نے خاص نام لیا کی جائے اور باقی صدقات وخیرات میں صرف کیا جائے ان صدقات میں پدر کو روا ہے کہ ہندہ کی نمازوں کے فدیہ کی نیت کرلے کہ یہ نیت نہ مانع صدقہ ہے نہ مخالف وصیت۔ یہ اندازہ کہ اس کے ذمہ کتنی نمازوں کا فدیہ ہوگا یہاں نہیں ہوسکتا اس کے اعزہ ہی اس کا حال جانتے ہوں گے۔ جب اس پر کسی نماز کی قضا لازم رہتی معلوم نہیں اور وہ ہمیشہ سے پابند نماز تھی تو فدیہ نماز لازم نہیں اور شبہہ کے لئے احتیاط کرے تو بعد تعمیر چاہ جو کچھ دے سب میں فدیہ نماز کی نیت سے کوئی مانع نہیں اگر واقع میں کوئی نماز قضا تھی امید ہے کہ اس کا فدیہ ہوجائے ورنہ صدقہ بہرحال ہے، مگر حج میں اسے صرف نہ کرے کہ وہ صراحۃً حج کرانے سے انکار کرچکی کہ مجھے کسی پر اطمینان نہیں۔ اور لفظ خیرات ہمارے عرف میں حج بدل پر صادق نہیں، اور اگر ماں بھی اجازت نہ دے تو کل ترکہ کے اٹھارہ حصے کرکے نو حصے شوہر کو دیئے جائیں اور ایک حصہ ماں کو، باقی آٹھ حصے وصیت مذکورہ میں صرف کردیں۔

وذٰلك لان الوصية وان كانت تقدم علی الارث لكنها انما لاحقت ھٰھنا النصف الباقی بعد اخراج نصيب الزوج ففی ھذا تنفذ بقدر ثلث كل المال لعدم الدين من دون حاجة الٰی اجازة الوالدين فاذا خرج النصف والثلث بقی السدس فثلثه	اور یہ اس لئے ہے کہ وصیت اگرچہ میراث سے مقدم ہوتی ہے مگر یہاں وہ شوہر کا حصہ نکالنے کے بعد باقی بچنے والے نصف کو لاحق ہوئی چنانچہ اسی نصف باقی میں کل مال کے ثلث کے برابر وصیت نافذ کی جائے گی کیونکہ قرض میت پر نہیں ہے اور والدین سے اجازت کی ضرورت نہیں، جب کل مال میں سے نصف اور ایک تہائی نکل گیا باقی کل مال کا چھٹا حصّہ

للام وھو الجزء الواحد من ثمانیۃ عشر جزء وثلثاہ فی الوصیۃ بحکم التنفیذ من الاب۔	بچا چنانچہ اس چھٹے حصے کا تہائی ماں کو دیا جائے جو کہ کل مال کے اٹھارہ حصوں میں سے ایک ہے اور اس چھٹے حصے کے باقی دو ثلث وصیت میں دے دیئے جائیں گے اس لئے کہ باپ کی طرف سے وصیت کا نافذ کرنے کا حکم ہو چکا ہے (ت)

یہ نصف کہ شوہر کو پہنچا اس کی نسبت اگرچہ وہ کہہ چکا ہے کہ مجھ کو نہیں چاہئے اس کے ذمہ کے حقوق وفدیہ وصدقات میں صرف کرو مگر ارث ساقط کئے ساقط نہیں ہوتی لانہ جبری کما فی الاشباہ وغیرہ (اس لئے کہ میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ت) اور اس نصف کی نسبت وصیت نہ تھی کہ اس کا یہ قول وصیت کی اجازت قرار پائے اور اس کو اختیار نہ رہے، لاجرم وہ مختار ہے اگر حصہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے اور اگر ہندہ کے لئے صرف کر دینا چاہئے تو یہ بھی کر سکتا ہے اور اس پر وہ پابندی نہیں جو وصیت ہندہ میں تھی، اور اس قدر میں شک نہیں کہ اجازت دے کر اپنے قول سے پھر جانے میں اگرچہ حکمًا اس پر جبر نہیں لانہ متبرع ولاجبر علی متبرع (کیونکہ وہ متبرع ہے اور متبرع پر جبر نہیں ہوتا۔ت) مگر قول سے پھر جانا شرعًا بھی مذموم ہے تو وہ اگر ثابت قدمی چاہے تو مناسب یہ ہے کہ اس نصف سے ہندہ کی جانب سے حج بدل کرادے کہ یہ فرض اس پر رہ گیا ہے حق صحبت اسی کو چاہتا ہے کہ اس دین شدید سے اس کی گلوخلاصی کرادے اور اگر اس کا نصف حج کے لئے کافی نہ ہوتا ہو اور ماں نے ہنوز اجازت وصیت نہ دی اور دینا چاہتی ہے تو مناسب یہ ہے کہ وہ بھی وصیت کی اجازت نہ دے بلکہ اپنا حصہ کہ کل مال کا اٹھارہواں ہے اُسی نصف شوہر میں شامل کر دے پھر بھی کچھ کمی رہے تو حسب وعدہ شوہر اپنے پاس سے دس پانچ اور ملادے باقی باپ پورا کردے غرض جس طرح ممکن ہو اس کی طرف سے حج بدل میں سعی جمیل بجالائیں کہ یہ اس پر سے سختی کا ٹالنا ہوگا، اور جو کسی مسلمان پر سے سختی دور کرے گا اللہ تعالٰی روز قیامت اس پر سے سختیاں دُور فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّج عن مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربات یوم القیٰمۃ۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	جس نے کسی مسلمان سے ایک سختی کو دُور کیا قیامت کے دن اللہ تعالٰی اس سے کئی سختیوں کو دور فرمائے گا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب لایظلم المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۳۰

مسئلہ ۱۴۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر وارثان مذکور حاضرین جلسہ مرقومہ استفسار نمبراول مندرجہ سوال سوم جواپناحق وراثت لینے سے انکار کرچکے ہیں اور اس کو ادائے فدیات وصدقات کرنے کی اجازت دے چکے ہیں اگروہ اپنے قول سے رجوع کرکے اپناحق وراثت لینے کی خواہش کریں توایسی شکل میں کیاوہ اپناحق وراثت پانے کے مستحق ہوسکتے ہیں یانہیں؟

الجواب:

جواب سوال اول میں معلوم ہولیاکہ بہن بھائیوں کا اس میں کوئی حق نہیں اور باپ اپنی اجازت سے نہیں پھرسکتاکہ وہ وصیت کی اجازت تھی اور وارث جب بعد موت مورث وصیت کو جائز کردے اس سے پھر رجوع کرنے اور اپناحق وراثت مانگنے کا اختیارنہیں رکھتا شوہر رجوع کرسکتاہے کہ اس کے حق کے متعلق وصیت نہ تھی وہ اجازت اس کی اپنی خوشی سے تھی جس پر قائم رہے تومحبوب ومندوب ہے ورنہ جبر نہیں۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان ہے دنیائے ناپائیدار سے رحلت کی اور پندرہ اشرفی قیمتی دوسوپچیس روپے کی صندوقچی میں سے بعد مردن کے برآمد ہوئیں اوراس کے برادر حقیقی نے اپنے پاس رکھیں کہ متوفی کے سالے کی بی بی نے ظاہر کیاکہ متوفی نے اس روپیہ کے بارہ میں مجھ سے وصیت کی ہے کہ دفع مذکورہ میرے فوت کے بعد حسب تفصیل ذیل خرچ کردیناکہ مبلغ دس روپیہ ہرنوچندی جمعرات کو دس جمعرات تک بقدر سوروپیہ کے فاتحہ میں میری صرف کردینا بالقصہ مبلغ ایک سوپچیس کہ کسی مرد مسلمانوں کودے کرواسطے حج بدل کے بھیج دینایہ رقم برآمد شدہ مجھ کو دے دو چنانچہ حوالے بی بی موصوفہ کے وہ روپیہ کردیئے گئے اب سوائے بی بی موصوفہ کے وصیت کا کوئی گواہ مرد یاعورت نہیں ہے دوسری ایک بات قابل ظاہر کرنے کی اور ہے ایک وصیت نامہ جوکہ متوفی نے اپنی حیات میں مع ساڑھے روپیہ کے بنام اراکین برادری کے تحریر کیاہے اس میں بھی کچھ ذکربی بی صاحبہ کی وصیت کا نہیں ہے اب وہ رقم مذکورہ بی بی صاحبہ موصوفہ کو حوالہ ورثہ کردیناجائز ہے یانہیں اور ورثاء اس رقم کولے سکتے ہیں یانہیں؟ کیاحکم شرع شریف کا ہے، خلاصہ دعوی ورثہ متوفی بی بی صاحبہ موصوفہ غیرکفوناخواندہ ہیں جدی نہیں ہیں، تنہاعورت کابیان قابل یقین ہے یانہیں، بی بی صاحبہ بیوہ ہیں ورثاء سے کوئی تعلق نہیں، وصیت نامہ میں کوئی ذکروصیت بی بی صاحبہ کانہیں ہے۔

الجواب:

تنہا عورت کا بیان حجت نہیں ورثاء بالغین کو اختیار ہے اگر چاہیں اس کی بات پر اعتبار کرکے خواہ اس احتیاط سے کہ شاید میت نے یہ وصیت بھی کہ اسے جائز وجاری کردیں اور چاہیں نہ مانیں اور مان سکتے ہوں تو ماننا بہتر ہے اس لئے کہ وہ عورت کوئی اپنے نفع کی بات نہیں کہتی۔ عورت کو اگر خوب تحقیق صحیح یاد ہے کہ اس نے وصیت مذکورہ کی ہے اور وہ مورث کے ثلث ترکہ بعد ادائے دین سے کم ہو تو اسے ضرور ہے کہ وہ وصیت میں حسب وصیت اسے لگادے وارثوں کو باختیار خود ہرگز واپس نہ دے مگر وارثوں کو اختیار ہے کہ اگر اس وصیت کا سوا بیان عورت کے کوئی ثبوت نہیں تو تسلیم نہ کریں اور جبراً وہ روپیہ کہ اب خود ان کی ملک ہوگیا عورت سے لے لیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۷: غلام علی ساکن بریلی علاقہ ترائی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ ایک شخص فوت ہوگیا اور اس کے وارثوں میں ایک حقیقی بھانجی ہے جس کو مرتے وقت اس نے ۱۸ اگاؤ مادہ اور تین جاموس مادہ دینے کی وصیت کی ان کے سوا اس کے باقی مال متروکہ کا جو دعوٰی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو وارث قرار دیتے ہیں وہ یہ لوگ ہیں: ماموں زاد بھائی، چچازاد بھائی، چچازاد بہن۔ ان لوگوں میں کون کون وارث جائز اور مستحق ترکہ پانے کا اور کس کس کا کتنا کتنا حصہ ہے اور کس طرح تقسیم ہونا چاہئے از روئے علم فرائض کے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اس صورت میں صرف اس کے چار چچازاد بھائی وارث ہیں باقی کوئی وارث نہیں ہے یہ اٹھائیس گائیں، پانچ بھینسیں اگر بعد ادائے دین اس کے تہائی ترکہ کی مقدار تک یا اس سے کم ہوں تو یہ دونوں وصیتیں تمام وکمال پوری کردی جائیں مثلاً ان ۳۳ جانوروں کی قیمت اگر تین سو روپیہ کی ہو اور متوفی پر کچھ دین آتا ہو تو اسے ادا کرکے جو باقی بچا وہ نو سو روپیہ یا زیادہ کا ہے مع ان چاروں کے جب تو یہ سب جانور جس طرح اس نے وصیت کی ہے اس کے بھانجی اور پھوپھی زاد دونوں کی وصیت سے حصہ رسد کم کرلیں باقی وصیت بے اجازت چچازاد بھائیوں کے نافذ نہ ہوگی یہ عام حکم ہے اور خاص طور پر اس کا حساب چاہیں تو اتنی باتیں بتانے پر ہوسکتا ہے:

(۱) زید کا کل مال، جانور، زمین، مکان، زرنقد، گھر کا اسباب وغیرہ کتنی مالیت کا ہے۔

(۲) زید پر کوئی قرض یا کسی کا دین یا عورت کا مہر آتا تھا یا نہیں، اگر آتا تھا تو کس قدر۔

(۳)ان سب جانوروں میں ہر ایک کی قیمت کتنی ہے۔

(۴) چاروں چچازاد بھائی اس وصیت کو پورا کرنے پر راضی ہیں یاسب ناراض ہیں یا کون کون راضی ہے کون کون ناراض۔

(۵) جو راضی ہیں وہ دونوں شخصوں کے لئے وصیت کامل پر راضی ہیں یافقط ایک کے لئے، اگر فقط ایک کے لئے راضی ہیں تو بھانجی کے واسطے یا پھوپھی زاد بھائی کے لئے، ان باتوں کا ٹھیک معلوم ہونے پر صحیح حساب بتایا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۸: ازپرانا شہر محلّہ فراشی ٹولہ مسئولہ جناب کفایت اللہ صاحب

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں زید سے بکر نے ایک دفعہ چھ سوچھیانوے روپیہ دستگردان قرض لئے زید نے بارہا تقاضا کیا بکر نے اقرار دینے کا کیا زید نے اپنے انتقال سے پیشتر ایک وصیت نامہ لکھا وصیت نامہ میں وہ روپیہ اپنی زوجہ کے دین مہر میں لکھا کہ بکر سے روپیہ وصول ہو کر میری زوجہ کو دے دو، جب بکر بھی فوت ہوگیا وصیت نامہ مصدقہ حکام مدینہ طیبہ موجود ہے یہ مہر کا روپیہ شرعًا بکر کے وارثوں کے ذمہ ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بکر نے اگر کچھ ترکہ چھوڑا تو یہ روپیہ اور اگر ذمہ بکر کچھ اور قرض ودین ہوتو وہ بھی اس ترکہ پر لازم ہے اور اس میں سے کل (بحال تنگی متروکئ وزیادت دیون) حصہ رسد ادا کیا جانا واجب ہے، اگر بکر نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا تو وارثان بکر پر کچھ مطالبہ نہیں۔ یوں ہی اگر ترکہ چھوڑا تو جتنا وصول ہوسکے وصول ہو باقی کا مطالبہ بکر پر آخرت کے لئے رہا وارثوں پر مواخذہ نہیں۔ پھر یہ جو وصیت زید نے اپنی زوجہ کے لئے کہ اگر گواہوں سے ثابت ہو کہ اس کا مہر اتنا یا اس سے زائد ہے یا زید نے اپنی تندرستی میں اس مقدار یا زائد کا اقرار مہر کیا ہو یا یہ مقدار خواہ اس سے زائد ہے یا زید نے اپنی تندرستی میں اس مقدار یا زائد کا اقرار مہر کیا ہو یا یہ مقدار خواہ اس سے زائد ورت کا مہر مثل ہو یا یہ بھی نہیں تو بقیہ ورثہ زید عاقل بالغ اس زیادت پر راضی ہوں تو یہ رقم پوری زوجہ زید کو اس کے مہر میں دی جائے گی اور اگر نہ گواہوں سے ثابت کہ مہر اس قدر یا اس سے زائد بندھا ہے اور یہ رقم عورت کے مہر مثل سے زائد ہے اور بقیہ ورثہ زید اس پر راضی نہیں تو عورت کو صرف مہر مثل تک دیا جائے گا زیادہ حسب فرائض زوجہ زید ودیگر وارثان زید پر تقسیم ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۹: از جواہر پور ڈاک خانہ شیر گڈھ ضلع بریلی مرسلہ خان صاحب دلاور حسین قاسمی قادری برکاتی ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

قبلہ ایمانیاں وکعبہ روحانیاں وجان ایماں بخش ایں بیجان مقبول بارگاہ صمدیت مولانا ومرشدنا اعلحضرت ادام اللہ تعالٰی برکاتہم وافضالہم، بعد بجاآوری مراسم سرافگندگی وآداب دست بستہ کے گزارش خدمت کفش برادران حضور میں یہ ہے کہ جو ترکہ متوفیہ کنیزک حضور میں اس کے دو نابالغ لڑکے حضور کے غلام زادہ اور ایک پدر اور ایک شوہر ہیں اور متاع ترک مختلف طور پر ہے زیور وپارچہائے پوشیدنی وبرتن واثاث البیت اس کی تقسیم میں نہایت تفکر ہے اس میں سے قریب چار سو روپے کے زیور فروخت ہوگیا جس کا روپیہ موجود ہے اور پانسو روپے کے قدر اور اسباب وزیور باقی ہے جس کا فروخت ہونا نہیں معلوم اور ہو تو عرصہ میں ہیں اور کم قیمت پر اب چونکہ نابالغ شریک ہیں اس کی فروخت میں بھی خوف ہے پھر اس کی حفاظت اپنی طبیعت قطعی اس بار کو نہیں اٹھاتی دنیا کے مال ومتاع اور فرزندان حتی کہ مادر وپدر سے بھی دلچسپی نہیں اگر اطاعت والدین اور تعلیم فرزندان فرض نہ ہوتی تو کسی طرح یہ بار پسند نہ ہوتا حضور ہی کے قدموں پر یہ زندگانی مستعار بسر کی جاتی اور اس امر کی حضور سے التجا ہے کہ ایسا نصیب ہو، یہ امر یقینی ہے کہ حضور کسی وقت اپنے سگ دور افتادہ کو توجہ باطنی سے فراموش نہ فرماتے ہوں گے اگر حضور کا تصرف باطنی معاذاللہ ایک دم کو جدا ہوجائے تو یہ اندوہگیں طالب طلب حضور از حضور مسلمان نہ رہے اور جان سے بیکار ہوجائے اس مال میں سے اپنا حصہ لینے کا قصد بیت اللہ شریف کے قصد سے ہے اور کوئی سبیل بظاہر نہیں معلوم ہوتی ورنہ لڑکوں اور پدر کے نام باآسانی تقسیم ہوجاتا اگر ایسے ممکن ہو کہ بقیہ اسباب تخمینے سے تقسیم کرلیا جائے اور روپیہ حساب سے پدر کا حصہ پدر کو دے دیا جائے اور لڑکوں کا حصہ مع زر نقد کے خرید لیا جائے اور یہ ان کے حصے کے روپے بطور قرض میرے پاس رہیں جب وہ بالغ ہوں تو ادا کردیئے جائیں اس وقت مجھ کو ان کے تصرف کا اختیار حاصل ہوجائے تو اس میں بہت آسانی ہوجائے کیونکہ بہت چیزیں ایسی ہیں کہ فروخت بھی نہیں ہوسکتیں مثل پارچہائے پوشیدنی زنانہ اور ان کا بیچنا بھی معیوب معلوم ہوتا ہے جبکہ یہ احقر غلامان اس پر شریعت کی رو سے قابض ہوجائے گا تو اختیار خدا کی راہ میں دے دینے کا ہوجائے گا ورنہ وہ رکھے رکھے بیکار ہوجائیں گے یا اپنے میں مشغول کریں گے جس سے طبیعت عاری ہے جیسا ارشاد ہو تعمیل کی جائے، اور کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے باپ اس میں سے کچھ لے لیں اور بقیہ کو معاف کردیں یا بلا تقسیم کچھ نقد لے کر میرے ہاتھ فروخت کردیں جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا کہ اپنی خوشی سے اس کے

عوض ایک رومال لے لیں تو بھی عہدہ برآئی ہوسکتی ہے اور ایسی حالت میں یہ رومال دے کر راضی ہونے میں لفظ معافی کی ضرورت ہوگی یا یہ رومال صرف اس کی قیمت ہوجائے گا۔ تکلیف دہی کی معافی فرمائیں اور اپنی محبت عطا۔ عریضہ ادب سگ بارگاہ دلاور حسین

الجواب:

۷۸۶

۹۲

بملاحظہ محب خداغلام بارگاہ مصطفیٰ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جوان صالح سعید مفلح خاں صاحب محمد دلاور حسین خاں صاحب قادری برکاتی حفظہ اللہ تعالٰی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

حق سبحانہ، وتعالٰی آپ کو اپنی اور اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت کاملہ میں ابد الآباد تک سرشار رکھے اور اپنی مرضیات کی توفیق دے۔ والدین کی خدمت بچوں کی تربیت یہ بھی عین کاردین ورضائے رب العالمین ہے۔ ریاضت ومجاہدہ نام کاہے کا ہے اسی کا کہ رضائے الٰہی میں اپنی خواہش کے خلاف کرنا۔ خدمت والدین وتربیت اولاد رضائے رب العزت ہے اور اب کہ آپ کی طبیعت ان تعلقات سے بھاگتی ہے رضائے الٰہی کے لئے اس کا خلاف کیجئے یہی ریاضت ہوگی، تعلقات سے نفرت وہ محمود ہوتی ہے جس میں حقوق شرعیہ تلف نہ ہوں ورنہ وہ بے تعلّقی نفس کا دھوکہ ہوتا ہے کہ اپنی تن آسانی کے لئے شرعی تکالیف سے بچنا چاہتا ہے اور اسے دنیا سے جدائی کے پیرایہ میں آدمی پر ظاہر کرتا ہے۔ فقیر دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی آپ کو اپنا کرلے اور ہمیشہ اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق بخشے اور آپ کے طفیل میں اس نالائق ننگ خلائق کی بھی اصلاح قلب واعمال وتحسین احوال وافعال وتحصیل مرادات وآمال فرمائے اعدائے دین پر مظفر ومنصور رکھے خاتمہ ایمان وسنت پر کرے، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وصحابہ وابنہ واحزابہ اجمعین آمین والحمدللہ رب العٰلمین۔

مشترک مال تقسیم کرکے نابالغوں کا حصہ جدا کرنے کا ان کے باپ کو مطلقًا اختیار ہوتا ہے اور ایسی تقسیم تو وصی کو بھی روا ہے کہ وارثان بالغین حاضرین کا حصہ جدا کرکے ان کو دے دے اور نابالغوں کے حصے بلا تقسیم الگ کرلے تو آپ کو بدرجہ اولٰی جائز ہے کہ بچوں کے نانا کے ساتھ تقسیم کرکے بچوں کا حصہ جدا کرلیجئے نیز باپ کو جبکہ فاسق وفاسد نہ ہو جائز ہے کہ ان کے ایسے اموال بازار کے بھاؤ پر خود خرید لے بازار کے بھاؤ میں چیز کی اصل لاگت نہیں دیکھی جاتی بلکہ یہ اس حالت میں موجودہ پر

بازار میں بیچیں تو کیا دام اٹھیں گے۔ پہننے کے کپڑوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ نیا تازہ جوڑا اسی وقت بازار میں بیچئے تو ہرگز آدھے دام بھی نہیں لگتے نہ کہ استعمال پہنے ہوئے نہ کہ ایسا مال جس کا بکنا دشوار اور رکھے رکھے بیکار ہوجائے گا اندیشہ اسے خرید لینے میں تو بچوں کا سراسر نفع ہے نیز اس کو روا ہے کہ بچوں کا مال قرضوں خرید لے یعنی قیمت فی الحال نہ دی جائے گی بلکہ اتنے دنوں کے وعدہ پر مگر روپیہ بیع نہیں ہوسکتا ہاں باپ اپنی حاجتمندی کی حالت میں اس میں سے بقدر ضرورت خرچ کرسکتا ہے اوران کا روپیہ خود بطور قرض لے لینے کا بھی باپ کو اختیار ہے یا نہیں اس میں علماء مختلف ہیں بہت کتابیں جواز کی طرف ہیں باپ اگر دین دار متدین خدا ترس ہو تو اس کے لئے جواز پر فتوٰی دینے میں کچھ باک نہیں آپ بفضلہٖ تعالٰی ان صفات کے جامع ہیں پھر جو کچھ ان کے مال سے قرض لیجئے یا قرضوں ایک میعاد معین پر خریدیئے اس کا کاغذ لکھ دینا چاہئے کہ کسی وقت بچوں کو ضرر نہ پہنچے اوراس سب سے بہتر اور خالص بے دغدغہ یہ صورت ہے اگر ممکن ہو کہ اس ترکہ میں نابالغوں کا جتنا حصہ ہے مثلاً اگر سب ترکہ نو سو روپے کی مالیت کا ہے تو بچوں کا حصہ سوا پانسو روپے ہوا اس کے عوض اتنے یا اس سے کچھ خفیف زیادہ مالیت کی اپنی جائداد زمین یا مکان یا دکان یا گاؤں میں سے بچوں کے نام بیع کردیجئے اور کاغذ لکھ دیجئے کہ باپ برابر قیمت کو بھی اپنا مال بچوں کے ہاتھ بیچ سکتا ہے یوں ترکہ میں جس قدر ان کا حصہ اور زیورو اسباب میں ہے سب آپ کا ہوجائے گا جو چاہئے کیجئے پھر وہ جائداد کہ جو بچوں کے نام آپ بیچیں گے اس کے حفظ و نگہداشت و غور پرداخت و تحصیل و تصرف کا اختیار بھی بچوں کے بالغ ہونے تک آپ ہی کو ہوگا،اوراگر آپ کے پاس مال نہ ہو تو اس کی آمدنی س آپ بقدر کفایت اپنے کھانے پہننے کا بھی صرف کرسکیں گے جس میں بچوں کا ضرر نہ ہوگا اوراگر آپ خود اس کے کام اہتمام سے بچنا چاہیں تو یہ بھی روا ہوگا کہ کسی ہوشیار کار گزار دیندار دیانتدار کو کارکن بنائیں یوں ہی ہر طرح سبکدوشی ہوسکتی ہے۔ رہا نانا کا حصہ،وہ اگر یونہی آپکو معاف کردیں تو معاف نہ ہوگا یا قبل تقسیم آپ کو ہبہ کردیں تو جائز نہ ہوگا بلکہ تقسیم کرکے ان کو سپرد کردیجئے پھر وہ چاہیں تو آپ کو ہبہ کردیں یا بلا تقسیم اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیچ کر زرِ ثمن معاف کردیں اوراس صورت میں ضرور ہوگا کہ زرِ ثمن اتنا ٹھہرے جس کا وزن اس قدر چاندی کے چھٹے حصے سے زائد ہو جو ترکہ کے نقدوزیور وغیرہ میں ہے کہ یہی چھٹا حصہ مرحوہ کے باپ کا ہے یا یوں کریں کہ اپنا حصہ مثلاً ایک کتاب کے عوض آپ کے ہاتھ بیع کردیں وہ کتاب ہی اس کا معاوضہ ہوجائے گی اور پھر معافی کی کوئی حاجت نہ رہے گی اگرچہ کتاب چار ہی ورق کی ہو،یونہی ان کے تمام حصے کے عوض

یک رومال دے کر بھی بیع ہوسکتی ہے فقط باہمی رضادرکار ہے۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

وکان الوصی قسم بین الورثۃ وعزل نصیب کل انسان فھذا علی خمسۃ اوجہ **الاول** ان تکون الورثۃ صغارا کلھم لیس فیھم کبیر وفی ھذا لوجہ لاتجوز قسمتہ اصلا وھذا بخلاف الاب اذا قسم مال اولادہ الصغار ولیس فیھم کبار فانہ یجوز (ثم قال) **الرابع** اذاکانوا صغار اوکبارا فعزل نصیب الکبار وھم حضور فدفعہ الیھم وعزل نصیب الصغار جملۃ ولم یفرز نصیب کل واحد من الصغار جاز[1]۔	اگر وصی نے وارثوں میں میراث تقسیم کی اور ہر وارث کا حصہ الگ کردیا تو اس میں پانچ صورتیں ہیں **پہلی صورت** یہ ہے کہ تمام وارث نابالغ ہوں ان میں سے کوئی بھی بالغ نہ ہو۔ ایسی صورت میں اس کی تقسیم بالکل جائز نہیں بخلاف باپ کے کہ اگر وہ اپنی نابالغ اولاد کا مال تقسیم کردے جن میں کوئی بالغ نہ ہو تو جائز ہے (پھر فرمایا) **چوتھی صورت** یہ ہے کہ وارثوں میں بالغ بھی ہوں اور نابالغ بھی ہوں، پھر اس نے بالغوں کا حصہ الگ کرکے ان کو دے دیا جبکہ تمام بالغ ورثا حاضر ہیں اور نابالغوں میں سے ہر ایک کا حصہ الگ الگ نہ کیا تو جائز ہے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

بیع الاب مال صغیر من نفسہ جائز بمثل القیمۃ وبما یتغابن فیہ[2]۔	باپ اگر نابالغ کے مال کی بیع اپنی ذات سے کرے تو مثلی قیمت کے ساتھ اور معمولی غبن کے ساتھ جائز ہے۔ (ت)

والوالجیہ وجامع الفصولین وادب الاوصیاء میں ہے:

للاب شراء مال طفلہ بیسیر الغبن لابفاحشۃ[3]۔	باپ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے نابالغ بیٹے کا مال تھوڑے سے غبن کے ساتھ خریدلے نہ کہ زیادہ غبن کے ساتھ۔ (ت)

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۴۳

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۷

[3] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۳۲

نیز ادب الاوصیاء فصل الضمان میں ہے:

فی ھبة فتاوی القاضی ظھیر الدین لوکان الاب فی فلاۃ ولہ مال فاحتاج الی طعام ولدہ باکلہ بقیمتہ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاب احق بمال ولدہ اذا احتاج الیہ بالمعروف و المعروف ان یتناولہ مجانا فقیرا او بالقیمة غنیا۔[1]	فتاوٰی قاضی ظہیر الدین کے باب الھبۃ میں ہے اگر باپ بیابان میں ہو اور اس کا کائی مال بھی ہے، پھر وہ اپنی اولاد کے طعام کی طرف محتاج ہوا تو وہ قیمت کے ساتھ اس کو کھا سکتا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ باپ اگر اولاد کے مال کا محتاج ہو تو وہ معروف طریقے سے اس کو لینے کا زیادہ حقدار ہے اور معروف طریقہ یہ ہے کہ اگر باپ فقیر ہے تو وہ اس کو مفت میں لے لے اور اگر غنی ہے تو قیمت کے ساتھ لے لے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

وفی العدۃ اجمعوا علی انہ لیس للوصی قضاء دینہ من مال الصبی وفی الصغری وللاب ذٰلك لانہ بمنزلة بیع مال الصبی من نفسہ ویملکہ الاب بمثل القیمة بخلاف الوصی حیث یلزم فی بیعہ الخیریة۔[2]	عدہ میں ہے مائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وصی نابالغ بچے کے مال سے اپنا قرض ادا کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور صغرٰی میں ہے کہ باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے اس لئے کہ یہ نابالغ کے مال کو اپنی ذات پر بیچنے کے قائم مقام ہے اور باپ مثلی قیمت کے ساتھ ایسا کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ بخلاف وصی کے کیونکہ باپ کے اس کو بیچنے سے خیر ہونا لازم ہے۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے نیز ادب الاوصیاء فصل القرض میں ہے:

لواستقرض الوصی من مال الصبی یضمن وعند محمد لایضمن کالاب۔[3]	اگر وصی نے نابالغ کے مال سے قرض لیا تو وہ ضامن ہوگا، اور امام محمد کے نزدیک ضامن نہیں ہوگا جیسا کہ باپ ضامن نہیں ہوتا (ت)

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۸۳

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الضمان اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۹۰

[3] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۷۴

خلاصہ میں ہے:

لیس للوصی اقراض مال الصبی ولااستقراضه وعن محمد له الاستقراض کالاب[1] اھ اقول: وظاهر قوله کالاب الاتفاق علی ان للاب الاستقراض غیر ان محمدا ربما استشهد بخلافیة علی اخری تنبیها علی منازع الاقوال۔	وصی کے لئے مال صغیر کو قرض پر دینا اور اس کو قرض پر لینا جائز نہیں۔ اور امام محمد کے نزدیک اس کو قرض پر لینا جائز ہے جیسا کہ باپ کے لئے جائز ہے اھ **میں کہتاہوں** کہ اس کا قول "کالاب" (مثل باپ کے) ظاہراً اس پر دلالت کرتا ہے کہ باپ کے لئے مال صغیر کو قرض پر لینے کے جواز پر اتفاق ہے سوائے اس کے کہ امام محمد علیہ الرحمہ دوسری صورت کے اختلاف ہونے پر استشہاد کرتے ہیں اقوال کے مختلف ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے۔ (ت)

ادب الاوصیاء میں عبارت مذکورہ کے بعد ہے:

وفی قضاء الجامع، اخذ الاب مال صغیر قرضا جاز وفی الخلاصة، انه ذکر فی رهن الاصل ان الاب یضمن کالوصی[2]۔	جامع کے باب القضاء میں ہے باپ کا مال صغیر کو بطور قرض لینا جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ اصل کے باب الرہن میں امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: بیشک باپ وصی کی طرح ضامن ہوگا (ت)

اسی کی فصل الاباق میں شرح مختصر الطحاوی للامام الاسیجابی سے ہے:

للاب ان یدفعه (ای مال الصغیر) الی غیره مضاربة اوبضاعة وان یضارب ویبضع بنفسه، وان یودع ماله عند انسان وان یعیر لاحد استحسانا لاقیاسا وان یرهن ماله بدین نفسه فلو هلك الرهن یضمن	باپ کو اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی غیر کو بطور مضاربت و بضاعت دے دے، اور خود بھی اس کو بطور مضاربت و بضاعت لے سکتا ہے اور یہ بھی اسے اختیار ہے کہ وہ مال صغیر کسی کے پاس ودیعت رکھے یا کسی کو بطور عاریت دے دے یہ بطور استحسان ہے نہ کہ بطور قیاس۔ اور یہ کہ وہ مال صغیر کو اپنے قرض کے بدلے میں رہن

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین بحوالہ خلاصہ فصل فی الاسباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۱۔۱۲۰

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین بحوالہ خلاصہ فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۷۴

قدر مایصیر مؤدیا منہ دینہ ومثلہ فی ھذا کلہ الوصی[1] (ملخصًا)	رکھے پھر اگر وہ رہن ہلاک ہوگیاتو یہ اس کا ضامن بنے گا،اور ان سب صورتوں میں وصی باپ کی مثل ہے(ملخصًا) (ت)

اسی میں ہے:

فی الخلاصۃ ورھن القوانسی ومختارات النوازل لوباع الوصی مال الصبی اوالاب من غریم نفسہ تقع المقاصۃ بینھما ویضمن الصبی الثمن عند الطرفین ولایقع عند ابی یوسف وکذا الحکم فی بیع الاب[2]۔	خلاصہ، رہن القوانس اور مختارات النوزل میں ہے اگر وصی یا باپ نے مال صغیر کو اپنے قرض خواہ کے ہاتھ بیچ دیا تو ثمن اس قرض کا بدل واقع ہوگا،اور وہ وصی یاباپ صغیر کے لئے ثمن کے ضامن ہوں گے۔ یہ طرفین کے نزدیک ہے۔امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک وہ بدل واقع نہیں ہوگا،یہی حکم باپ کی بیع کی صورت میں ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی فتاوٰی الدیناری الوصی اذا باع مال الیتیم باجل جاز ومثلہ الاب وفی الخلاصۃ والمنیۃ للوصی البیع بالنسیئۃ ان لم یخف تلفہ بالجحود والانکار ولا المنع عند حصول الاجل وانقجائہ ولم یکن الاجل بعیدا فاحشا ذکرہ فی کل من الولوالجیۃ والخانیۃ[3] اھ **اقول:** وبما مر	فتاوٰی دیناری میں ہے کہ وصی اگر مال یتیم کو ایک مدت تک ادھار پر بیچ دے تو جائز ہے اور باپ بھی اسی کی مثل ہے۔ خلاصہ اور منیہ میں ہے وصی کو ادھار پر بیع کرنا جائز ہے اگر یہ خوف نہ ہو کہ مال بسبب انکار کے ضائع ہوجائے گااور نہ یہ ڈر ہو کہ مدت گزر جانے کے باوجود مشتری ثمن نہیں دے گااور نہ ہی وہ مدت بہت زیادہ لمبی ہوگی۔یہ تمام ولوالجیہ اور خانیہ سے منقول ہے اھ۔ میں کہتاہوں

---

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۴۰

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۴۳

[3] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۴۴

من فرع المقاصة ومن نص الاسبیجابی ان الوصی فیه کالاب یعکر علی دعوی الاجماع المار عن العدة و یقدح فیها ایضا مافی غمزالعیون اٰخر الفرائض عن فوائد صاحب المحیط. اذا استقرض(ای الوصی)مال الیتیم هل یصح فی قول الامام لایملك وقد اختلف المشائخ فقال بعضهم ان کان الوصی ملیا یملك والافلا والاصح انه لایملک[1] اھ۔ وفی قرض ادب الاوصیاء وفی نوادرھشام، سمعت محمدا یقول لیس للوصی ان یستقرض مال الیتیم عند ابی حنیفة واما انا فلا اری به باسا ان فعل ذٰلك وله وفاء بما استقرض ومثله فی المنتقی والعتابیة والخانیة[2] الخ وتمامه فیه نعم الاظھر احوط ھو المنع کیف وھو مذھب الامام۔ اقول:	ما قبل میں مذکور بدل واقع ہونے والی فرع سے اور اسبیجابی کی اس نص سے کہ "وصی مثل باپ کے ہے" وہ دعوئ اجماع گدلا ہو جاتا ہے جو بحوالہ عدہ گزرا ہے اور اس کو وہ بات بھی مجروح کرتی ہے جو غمزالعیون کے باب الفرائض کے آخر میں صاحب محیط کے فوائد سے منقول ہے کہ وصی اگر مال یتیم کو قرض پرلے تو کیا وہ امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق صحیح ہوگا اس میں مشائخ کا اختلاف ہوا ان میں سے بعض نے کہا اگر وصی مالدار ہے تو اس کو ایسا کرنے کا اختیار ہے ورنہ نہیں، اور اصح یہ ہے کہ اس کو ایسا کرنے کا اختیار نہیں اھ۔ آداب الاوصیاء کے باب القرض اور نوادر ہشام میں ہے میں نے امام محمد علیہ الرحمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی کو مال یتیم قرض پر لینے کا اختیار نہیں لیکن میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا، اگر اس نے ایسا کیا اور اس کے پاس اس قرض کو ادا کرنے کے لئے مال موجود ہو تو حرج نہیں اور اسی کی مثل منتقٰی، عتابیہ اور خانیہ میں ہے الخ اور اس کی مکمل بحث آداب الاوصیاء میں ہے، ہاں زیادہ ظاہر اور زیادہ محتاط منع ہی ہے، کیسے نہ ہو جبکہ وہ امام ابوحنیفہ

[1] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۳۱

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الفرائض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۳۔۱۷۲

ولك ان تجيب عن فرع الرهن بانه ليس تملكا ولا اهلاكا فلا يقاس عليه الاسقراض ولا اداء دين نفسه من مال الصبي، اما لزوم الضمان في الرهن فحكم الهلاك العارض وفي صورة المقاصة ايضا انما صدر منه البيع وهو سائغ له والمقاصة وقعت لان الحقوق ترجع اليه وكم من شيئ يثبت ضمنا ولا يثبت قصدا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	علیہ الرحمہ کامذہب ہے۔ میں کہتاہوں تو رہن والی فرع کا جواب یوں دے سکتاہے کہ وہ نہ توتملک ہے اورنہ ہلاک کرنا، لہٰذا اس پر قرض لینے اور مال صغیر سے اپناقرض اداکرنے کو قیاس نہیں کیاجاسکتا۔ رہا رہن میں ضمان کالازم ہونا تو وہ ہلاک عارض کاحکم ہے اور بدل واقع ہونے والی صورت میں بھی بیع تو اس سے اس حال میں صادر ہوئی کہ وہ اس کے لئے جائز تھی اور ثمن کاقرض کے لئے بدل واقع ہونا اس لئے ہے کہ حقوق بائع کی طرف لوٹتے ہیں اور بہت سی اشیاء ضمناً ثابت ہوتی ہیں اور قصداً ثابت نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

نیز ادب الاوصیاء فصل اباق میں ہے:

في المنتقى يجوز للوصي شراء مال اليتيم لنفسه وبيعه مال نفسه من اليتيم فاذا رفع ذلك الى القاضي ان رأى خيرا ابرمه والزمه والا فسخه ونقضه قال ومثله بيع الاب وشرائه حيث يكون للقاضي فسخه ان لم يكن خيرا لليتيم يعني الابن لكن عدم الخيرية في الاب كونه ناقصا عن ثمن المثل نقصانا لا يتغابن فيه الناس[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	منتقی میں ہے وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ مال یتیم کو اپنے لئے خریدے یا اپنامال یتیم پر بیچے پھر جب یہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچے تو اگر وہ اس میں بھلائی دیکھے تو اس کو پکا اور لازم کر دے ورنہ اس کو فسخ کردے، اور اسی کی مثل باپ کی خرید و فروخت ہے، اگر وہ یتیم بیٹے کے حق میں خیر نہ ہو تو قاضی اس کو فسخ کرنے کا اختیار رکھتاہے لیکن باپ کی صورت میں خیر کانہ ہوتاتب ہوگاکہ جب وہ خرید وفروخت ثمن مثلی سے اس قدر کم ہو جس قدر کی کاغبن لوگوں میں رائج نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۵

مسئلہ ۱۵۰: ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس امر میں کہ زید نے ایک مکان بحالت مرض الموت بی بی کے کہنے سے بی بی کے نام بعوض دوسو روپے مہر کے منتقل کردیا تھا حالانکہ قبل اس کے بی بی نے مہر معاف کردیا تھااور بی بی نے اس غرض سے مکان منتقل کرایا تھاکہ قرضہ سے بچ جائے ___________ زید اس تحریر کے تیسرے روز مرگیااور ایک لڑکاایک لڑکی اور بی بی چھوڑے، اول بی بی نے سواسو روپے میں رہن رکھااوراب فروخت کرتی ہے اور لڑکالڑکی بدستور قابض ودخیل ہیں، ایسی صورت میں کہ کس قدر حصہ پاسکتے ہیں اور یہ انتقال زید کاکیاحکم رکھتاہے؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

انتقال کی یہ غرض اگرثابت ہوتواس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انتقال فرضی ہواور جب زید اقرار کررہا ہے کہ اس پرزوجہ کامہر باقی ہے اور اس کے عوض میں یہ جائداد دیتا ہے تواس کے وارثوں کادعوی کہ عورت پہلے اپنا مہر معاف کرچکی ہے تھی مسموع نہیں۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل اقر لامرأته بمهر الف درهم فی مرض موته و مات ثم اقامت الورثة البينة ان المرأة وهبت مهرها من زوجها فی حياة الزوج لاتقبل والمهر لازم باقراره وكذا فی الخلاصة۔[1]	کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے ایک ہزار درہم مہر کا اقرار کیااور وہ مرگیا پھر اس بات پر گواہ قائم ہوگئے کہ عورت نے شوہر کی زندگی میں اپنا مہر شوہر کو ہبہ کردیا تھاتو یہ گواہ قبول نہیں کئے جائیں گے اور شوہر کے اقرار کی وجہ سے مہر لازم ہوگا۔ خلاصہ میں یونہی ہے۔(ت)

مگر جبکہ مہر روپے تھے ان کے عوض مکان دینا بیع ہے اور زید کو مرض الموت تھااور عورت اس کی وارث ہے اور وارث کے ہاتھ مریض کاکوئی چیز بیچنا اگرچہ برابر قیمت کو ہو بے اجازت دیگرورثہ کے باطل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا باع المريض فی مرض الموت من وارثه	مریض نے مرض الموت میں اپنے وارث کاہاتھ

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۱۷۶

عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذٰلک المرض ولم تجز الورثۃ بطل البیع[1]۔	اپنے مال سے کوئی خاص شیئ فروخت کی، پھر اگر وہ مریض صحت مند ہوگیا تو اس کی بیع جائز ہوگی اور اگر وہ کسی بیماری سے مرگیا اور وارثوں نے بیع کی اجازت نہ دی تو بیع باطل ہوجائے گی (ت)

پس اگر دیگر ورثہ اس انتقال کو جائز نہیں رکھتے تو یہ بیع باطل ہو گئی مکان بدستور متروکہ زید ہوا البتہ دوسو روپے مہر کے دینے رہے بعد ادائے مہر و دیگر دیون مکان و دیگر متروکہ زید حسب شرائط فرائض چوبیس سہام ہو کر تین سہم زوجہ چودہ پسر سات دختر کو ملیں، تنہا عورت کو اس کی بیع کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱: مرسلہ حافظ محمد ایاز از قصبہ نجیب آباد ۲۸ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

بکر نے اپنے ترکہ میں دو لڑکے زید، عمرو اور ایک مکان مسکونی چھوڑا۔ چند مدت کے بعد بڑے بھائی زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی اور ایک لڑکا رہ گیا، اس متوفی کی جانب سے ایک شخص شریک اور مختار کل کاروبار تھا۔ بکر کے دوسرے لڑکے عمرو نے نصف حصہ مکان اپنے بھائی متوفی زید کا منجانب پسر نابالغ متوفی معرفت مختار متوفی پچاس روپے کو بیع خرید کو بیعنامہ مختار سے لکھا لیا کہ جس پر مختار نے پسر متوفی کے دستخط اپنے ہاتھ سے کردیئے اور ایک دستخط اپنے خود کردیئے لیکن رجسٹری نہیں ہوئی اور گواہان حاشیہ بھی سب فوت ہوچکے بعد تحریر وغیرہ کے ایک مکان یا زمین جو زیر دیوار مکان مبیع مذکور کے تھی اسی پچاس روپے سے جو اوپر دے چکے تھے پسر متوفی و بیوہ متوفی مذکور کو بکر کے چھوٹے لڑکے عمرو نے خرید دی اور اس کا بیعنامہ پسر متوفی یعنی اپنے برادرزادہ کے نام تحریر کرادیا جس کی عمر ۴، ۳ برس کی تھی پس اس وقت بیوہ متوفی زید اپنے پسر نابالغ کو لے کر اس مکان میں چلی گئی جو ان کو خرید دیا تھا، اب وہ مکان متروک بکر بالکل سارا اس کے چھوٹے لڑکے عمرو کے پاس رہا مکان متروک بکر کچھ پختہ و کچھ خام تھا عمرو نے اپنی لاگت سے اس خام کو بھی پختہ کرلیا قریب ماصہ روپے کے اس میں صرف ہوئے اور عرصہ ۳۲ برس سے برابر اس عمرو کی اس میں سکونت و دخل ہے اب عرصہ دو تین برس کے عمرو کے برادرزادہ نے اس مکان ترکہ بکر میں اپنے باپ متوفی زید کا نصف حصہ طلب کیا ہے اور اس برادرزادہ کی عمر اس وقت قریب ۳۸ برس کی ہے جب سے بالغ ہوا تھا جب سے کوئی جھگڑا نہیں کیا تھا اب

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب البیوع الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۳ /۱۵۴

کرتا ہے اور برادرزادہ یہ بیان کرتا ہے کہ وہ پچاس روپے جس سے مجھ کو مکان چچا عمرو نے خرید کر دیا تھا وہ میں نے ۱۷ برس ہوئے کہ واپس چچا صاحب کو دے دئے ہیں اور چچا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے واپس نہ لئے تھے اور اس امر کا طرفین سے کوئی گواہ دیدہ موجود نہیں ہے شنیدہ معتبر نہیں۔ اب یہ معاملہ پنچایت میں پیش ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہیں:

(۱) جو بیعنامہ مختار نے نابالغ کی طرف سے کر دیا وہ بیع درست ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر بیع درست نہ ہوئی تو نصف حصہ چچا و نصف حصہ برادرزادہ کا ہوگا یا نہیں؟

(۳) جو چچا نے بعد خرید لینے مکان متروکہ کے (ماصہ) کی تعمیر اپنی لاگت سے کی وہ اس کو ملنا چاہئے یا نہیں؟

(۴) ۳۲ برس سے جو چچا صاحب نے اس مکان متروک میں خالصًا سکونت کی ان کا کرایہ نصف کا حقدار برادرزادہ ہے یا نہیں؟

(۵) جو برادرزادہ بیان کرتا ہے کہ میں نے چچا کو پچاس روپیہ واپس دے دیئے ہیں اگر چچا حلف اٹھالیں تو میں مکان سے دست بردار ہوتا ہوں ورنہ میں حلف اٹھاتا ہوں اس صورت میں کس کا حلف معتبر ہے اور کس کو حلف دلایا جائے؟

(۶) اگر بیعنامہ مذکورہ جائز تسلیم ہو اور برادرزادہ نے پچاس روپے کا حلف کیا ہو تو اس کو پچاس روپے ہی دلائے جائیں گے یا کیا ہوگا کیونکہ جب مکان کی بیع جائز ہو چکی ہو؟

(۷) اگر مکان کی بیع ناجائز ہے تو بعد حلف برادرزادہ کے نصف حصہ مکان برادر زادہ کا قرار پائے گا یا نہیں اور بابت لاگت اور کرایہ مکان کیا عمل درآمد ہوگا؟

مسائل متذکرہ بالا میں نہایت جھگڑے اور فساد واقع ہیں لہذا موافق شرع شریف ارشاد فرمادیجئے اجر عظیم وثواب دارین ہوگا۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما۔ت) مکان ۳۴ برس سے عمرو کے قبض وتصرف میں ہے اور پسر زید کو بالغ ہوئے بھی بیس برس سے زیادہ زمانہ گزرا اور وہ اتنی مدت مدید تک ساکت رہا یہ اگرچہ اسے مستلزم ہوتا کہ اب پسر زید کا دعوی نہ سنا جاتا مگر جبکہ عمرو تسلیم کرتا ہے کہ واقعی یہ نصف مکان پسر زید کی ملک کا اقرار اور اس سے اپنی طرف انتقال ملک کا دعوی ہوا اور کوئی دعوی بے دلیل مقبول نہیں اور ہر مقر اپنے اقرار پر

ماخوذ ہے اور بعد اقرار کوئی تمادی مخل نہیں ہوتی، اگر سو برس کے بعد کوئی اقرار کرے کہ یہ شیئ فلاں کی ملک ہے تو وہ اقرار اس مقر پر حجت ہوگا اور سو برس گزر جانا کچھ خلل نہ ڈالے گا۔ علامہ خیر الدین رملی استاد صاحب در مختار رحمہما اللہ تعالٰی کے فتاوٰی خیر یہ میں ہے:

دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینة وصار المدعی علیه مدعیا وكل مدع محتاج الی بینة ینور بهما دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذكورة مع الاقرار المذكور ولیس من باب ترك المدعوٰی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیره اخذ باقراره، ولوكان فی یده احقابا كثیرة لاتعد وهذا مالایتوقف فیه [1]۔	مورث سے ملک حاصل کرنے کا دعوی مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے ملکیت کے مقر کی طرف منتقل ہونے کا دعوی ہے، چنانچہ مدعا علیہ گواہ لانے کا محتاج ہوگا اور مدعا علیہ مدعی بن جائے گا اور ہر مدعی ایسی گواہی کا محتاج ہوتا ہے جس کے ساتھ اس کا دعوی روشن ہو۔ اقرار مذکور کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک اس کا قبضہ اسے کچھ نفع نہیں دے گا۔ یہ ترک دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کے سبب مؤاخذہ کے باب سے ہے۔ جس شخص نے غیر کے لئے کسی شیئ کا اقرار کیا اس کے اقرار کے سبب سے وہ شیئ اس سے لے لی جائے گی اگرچہ وہ بے شمار اس کے قبضے میں رہی ہو اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر توقف نہیں کیا جاتا۔ (ت)

ذریعہ انتقال جو عمرو نے بتایا کہ مختار پدر سے بیعنامہ کرالیا محض باطل وبے اثر ہے اول تو زید کی زندگی میں اس کا مختار ہونا زید کے بعد اس کی اولاد پر وصی ہونا نہیں زید کے مرتے ہی وکالت ختم ہوگئی۔ تنویر الابصار ودر مختار میں ہے:

ینعزل الوکیل بموت احدهما۔ [2]	دونوں میں سے کسی ایک کی موت کے سبب سے وکیل معزول ہوجاتا ہے (ت)

اور اگر ثابت بھی ہو کہ یہ مختار وصی بھی تھا تو اگر یہ پچاس روپے اس نصف مکان کی واقعی قیمت کے

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار باب عزل الوکیل مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۱۳

پورے دونے یادونے سے بھی زائد نے تھے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو صورت مذکورہ میں اسے بیع مکان کا اختیار اصلًا نہ تھا، وصی نابالغ کی جائداد غیر منقولہ دوچند قیمت سے کم کو تو صرف معدود صورت ضرورت میں بیچ سکتا ہے میت پر کوئی دین ایسا ہو کہ بغیر اس کے بیچے ادانہ ہوسکے گا یا اس نے کچھ روپوں کی ایسی وصیت کی کہ اسے بیچ ہی کر پوری ہوسکے گی یا مکان گراجاتا خراب ہواجاتا ہے اور مرمت کے لئے کچھ پاس نہیں یا کسی ظالم نے دبالیا ہے کہ نہ بیچے تو مفت ہاتھ سے جائے یا نابالغ کے کھانے پینے کو اس کے سوا کچھ نہیں وہ جائداد یا کرایہ و محصول کی چیز ہے اور اس کی آمدنی اسی کو لگ جاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

وجاز بیعه عقار صغیر بضعف قیمته اولنفقة الصغیر اودین المیت اووصیة مرسلة لانفاذ لها الامنه او لکونه نملاته لاتزید علی مؤنته اوخوف خرابه او نقصانه اوکونه فی ید متغلب، درر واشباه[1] ۔ ملخصًا	وصی کے لئے جائز ہے کہ وہ نابالغ کی غیر منقولہ جائداد کو دگنی قیمت پر یا صغیر کے نفقہ کے لئے یا میت کے قرض کی ادائیگی کے لئے یا اس کی ایسی وصیت مطلقہ کے نفاذ کے لئے بیچ دے جس وصیت کا نفاذ اس جائداد کو بیچے بغیر نہیں ہوسکتا نیز اس جائداد کی پیداوار اس پر خرچ سے زائد ہو یا اس جائداد کے ویران ہونے یا ناقص ہونے یا کسی جابر کے ہاتھ لگ جانے کا ڈر ہو تو بھی اس کو بیچ سکتا ہے، درر واشباہ (ملخصًا) (ت)

ظاہر ہے کہ یہاں ان صورتوں میں سے کچھ نہ تھا ان بلاد میں ہرگز یہ امید ہے کہ نصف مکان جس میں پختہ عمارت بھی ہے صرف پچیس روپے یا اس سے بھی کم ہو تو نظر بظاہر ہوا کہ عمرو نے اپنا نفع خیال کیا اپنے لئے مکان خالص کرلینا چاہا اور جو قیمت اپنی خواہش کے موافق چاہی اس پر ایک اجنبی سے جسے یتیم کا کیا درد ہوتا فیصلہ کرالیا اور اس کے عوض دوسرا مکان یتیم کو خرید دیا غرض صور مذکورہ میں مختار کو اس بیع کا کچھ اختیار نہ تھا تو یہ بیع فضولی ہوئی اور وقت عقد اس کا کوئی اجازت دینے والا نہ تھا کہ ان چند عُذروں کے سواجب خود وصی کو اختیار بیع نہیں تو غیر وصی بدرجہ اولٰی کہ فضولی جو ایسا عقد کرے جس کا نافذ کرنا اس وقت کسی کا منصب نہ ہو وہ عقد محض باطل ہوتا ہے۔ درمختار باب الفضولی میں ہے:

کل تصرف صدرمنه وله مجیز	ہر تصرف جو فضولی سے صادر ہو دراں حالیکہ

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۷ ۳۳

حال وقوعه انعقد موقوفا ومالا مجیز له حالة العقد لاینعقد اصلا[1]۔	بوقت عقد اس کی اجازت دینے والا کوئی موجود ہو تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف ہوجائے گا اور جس کی اجازت دینے والا بوقت عقد کوئی نہ ہو وہ بالکل منعقد نہیں ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں جامع الفصولین سے ہے:

لوطلق او وهب ماله اوتصدق به اوباع ماله محاباة فاحشة اوشری شیئا باکثر من قیمته فاحشا اوعقد عقدا مما لو فعله ولیه فی صباه لم یجز علیه فهذه کلها باطلة وان اجازها الصبی بعد بلوغه لم تجز لانه لامجیز لها وقت العقد[2]۔	نابالغ نے اگر طلاق دی یا اپنا مال ہبہ کیا یا اسے صدقہ کیا یا اپنا مال بہت زیادہ کم قیمت پر فروخت کیا یا کوئی شیئ اس کی اصل قیمت سے بہت زیادہ قیمت کے بدلے خریدی یا کوئی ایسا عقد کیا کہ اگر اس کا ولی اس کی صغر سنی میں وہ عقد کرتا تو جائز نہ ہوتا۔یہ تمام عقود باطل ہیں۔اور اگر نابالغ ہونے کے بعد ان کی اجازت دے دی تو وہ جائز نہیں ہوں گے اس لئے کہ وہ وقت عقد ان کی اجازت دینے والا کوئی نہیں تھا۔(ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

یتیم باع جدہ عقارہ بغیر مسوغ صرح فی التتارخانیة عن المنتقی انه باطل۔[3]	یتیم کے دادا نے یتیم کی غیر منقولہ جائداد بلاجواز بیچ دی، تاتارخانیہ میں منتقی سے اس بات پر تصریح منقول ہے کہ یہ بیع باطل ہے(ت)

اور جب وہ بیع باطل ہوئی تو پچاس روپے جو قیمت کے قرار دیئے تھے وہ بھی ملک عمرو سے نہ نکلے کیلا یجتمع البدلان فی ملك واحد (تاکہ ملک واحد میں دونوں بدل جمع نہ ہوں۔ت) اگر عمرو نے یہ روپے پسر زید کو نہ دیئے تھے جب تو ظاہر کہ اس کی ملک اس کے پاس تھی اور اگر دے دیئے تھے اور پھر دوسرا مکان خریدنے کے لئے اس سے لے کر بائع مکان دوم کو دئے تھے تو جس وقت پسر زید سے واپس لئے عمرو کے روپے عمرو کو پہنچ گئے اور پسر زید پر ان کا مطالبہ نہ رہا۔در مختار میں ہے:

[1] الدر المختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۶

[3] الفتاوی الخیریه کتاب الوصایا دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۱۷

والاصل ان المستحق بجهة اذ اوصل الی المستحق بجهة اخری اعتبروا صلا بجهة مستحقه ان وصل الیه من المستحق علیه والافلاوتمامه فی جامع الفصولین۔[1]	ضابطہ یہ ہے کہ کسی شیئ میں ایک جہت سے استحقاق ثابت ہوا اور وہ کسی دوسری جہت سے مستحق تک پہنچ گئی تو اس میں اسی جہت مستحقہ سے موصول ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ شیئ مستحق تک اس شخص کی طرف سے پہنچتی ہو جس پر استحقاق ثابت ہوا ورنہ یہ حکم نہ ہوگا۔اس کی مکمل بحث جامع الفصولین میں ہے(ت)

پھر جبکہ عمرو نے بھتیجے کو دوسرا مکان خرید دیا اور اس کی قیمت اس روپے سے ادا کی جو عمرو ہی کی ملک تھا تو یہ مکان عمرو کی طرف سے اس کو ہبہ ہوا قیمت کا مطالبہ پسر زید سے نہ ہوگا۔ احکام الصغار پھر عقود دریہ میں ذخیرہ و تجنیس سے ہے:

امرأة اشترت ضیعة لولدها الصغیر من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولدوتكون الضیعة للولد لان الام تصیر واهبة۔[2]	ایک عورت نے اپنے مال سے اپنی نابالغ اولاد کے لئے جائداد خریدی تو وہ خریداری ماں کے لئے واقع ہوگی کیونکہ وہ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور وہ جائداد اولاد کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوئی۔(ت)

پسر زید جو پچاس روپے عمرو کو واپس کرنے کا دعوی کرتا ہے جب تک شہادت شرعیہ سے ثبوت نہ ہو مقبول نہیں، ہاں اگر گواہان عادل سے ثابت ہوجائے یا پسر زید حاکم کے یہاں گواہ نہ دے اور عمرو سے حلف مانگے اس پر عمرو حلف سے انکار کردے تو یہ پچاس روپے عمرو پر ثابت ہوجائیں گے اور از انجا کہ پسر زید نے اس گمان سے دیئے کہ یہ حق عمر ہیں ان کی واپسی شرعًا مجھ پر لازم ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہ تھا تو یہ روپے بھی عمرو پسر زید کو واپس دے گا۔ خیریہ پھر حامدیہ میں ہے:

فی شرح النظم الوهبانی لشیخ الاسلام عبدالبر،ان من دفع شیئا لیس بواجب فله استرداده الا اذا دفعه علی وجه الهبة واستهلكه	شیخ الاسلام عبدالبر کی تصنیف شرح النظم الوہبانی میں ہے اگر کوئی کسی کو ایسی شیئ دے جس کا دینا اس پر واجب نہیں تو وہ اس شیئ کو واپس لے سکتا ہے مگر اس وقت نہیں لے سکتا جب

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

[2] العقود الدریة کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

القابض اھ وقد صرحوا بان من ظن ان علیه فبان خلافه یرجع بما ادی ولوکان قد استھلکه رجع ببدله۔[1]	اس نے وہ شیئ بطور ہبہ دی اور اس پر قبضہ کرنے والے نے اسے ہلاک کردیا الخ تحقیق مشائخ نے تصریح فرمائی کہ کسی کو گمان ہوا کہ اس پر کسی کا قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا تو جو کچھ اس نے ادا کیا اس میں رجوع کرسکتا ہے، اور اگر اس کو وصول کرنے والے نے ہلاک کردیا ہو تو اس کے بدل کے ساتھ رجوع کرے گا۔(ت)

ان روپوں کے دعوی میں حلف چچا پر ہے پسر زید کا حلف معتبر نہیں، اور اگر چچا حلف کرے تو یہ روپے اس پر لازم نہ آئیں گے مکان پر اس کا اثر نہ ہوگا پسر زید کا کہنا کہ چچا حلف کرلیں تو میں مکان سے دستبردار ہوتا ہوں مہمل و باطل ہے کہ دستبرداری ان اشیاء سے نہیں جن کو کسی شرط پر معلق کرسکیں۔ ردالمحتار میں ہے:

علل فی الخلاصة لعدم صحة تعلیق الرجعة بالشرط بانه انما یحتمل التعلیق بالشرط مایجوز ان یحلف به ولایحلف بالرجعة اھ بمعنی انه لایقال ان فعلت کذا فعلیّ ان اراجع زوجتی کما یقال فعله حج او عمرة اوغیرھما مما یحلف به۔[2]	رجوع کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنے کی عدم صحت کے بارے میں خلاصہ میں یہ تعلیل بیان کی کہ شرط کے ساتھ معلق کرنے کا احتمال وہ چیز رکھتی ہے جس پر حلف جائز ہو جبکہ رجوع کا حلف جائز نہیں اھ معنی یہ ہے کہ یوں نہیں کہا جائے گا اگر میں نے ایسا کیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنی بیوی سے رجوع کروں جیسا کہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھ پر حج یا عمرہ وغیرہ لازم ہوگا یعنی ایسی چیز کا ذکر کیا جس کے ساتھ حلف جائز ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

وعزل الوکیل (ای لایصح تعلیقه) بان قال عزلتك علی ان تھدی الیّ شیئا اوان قدم فلان لانه لیس مما یحلف به فلایجوز	اور وکیل کو معزول کرنے کی تعلیق صحیح نہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ یوں کہے کہ اگر تو مجھے کوئی شیئ ہدیہ دے یا اگر فلاں شخص آئے تو میں نے تجھے معزول کیا اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی نہیں

[1] العقود الدریة کتاب الوقف الباب الثالث ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۲۲۷

[2] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد ویصح تعلیقه به دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

تعلیقہ بالشرط عینی[1]۔	جن کے ساتھ حلف جائز ہو لہذا ان کو کسی شرط کے ساتھ معلق کرنا جائز نہیں ہوگا۔(ت)

پھر جب نصف مکان پسر زید کا ٹھہرا اور اس میں عمرو نے اپنے روپے سے عمارت جدید بنائی مکان تقسیم کیا جائے جتنی عمارت عمرو حصہ پسر زید میں ہے عمرو پر لازم ہے کہ اپنی عمارت اس کے حصے سے اکھیڑ کر خالی کردے اور اگر اس میں زمین پسر زید کو نقصان کثیر پہنچے تو پسر زید کو اختیار ہوگا کہ وہ عمارت خود لے لے اور اس کی اتنی قیمت عمرو کو دے دے جو اکھیڑے ہوئے عملہ کی ہوتی ہے اور اس میں سے اس کے اکھیڑنے کی اجرت مجرا کرلے مثلاً یہ عمارت حالت موجودہ پر نرخ رائج سے ساٹھ روپے کی ہوتی ہے اور اکھیڑلی جائے تو ٹوٹا ہوا عملہ تیس روپے کا رہ جائے اور دو روپے اس کے اکھڑوانے کی مزدوری میں صرف ہوئے تو پسر زید اٹھائیس روپے عمرو کو دے اور عمارت اپنی ملک کرلے۔ تنویر الابصار میں ہے:

من بنی اوغرس فی ارض غیرہ بغیر اذنہ امر بالقلع والرد وللمالك ان یضمن له قیمة بناء اوشجر امر بقلعه ان نقصت الارض به۔[2]	کسی شخص نے دوسرے کی زمین میں اس کی اجازت کے بغیر بنا دی یا درخت لگادیئے تو اس کو درخت اکھیڑنے اور زمین واپس کرنے کا حکم دیا جائے گا، اور زمین کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ اس عمارت یا درخت جس کو اکھاڑنے کا حکم دیا گیا ہے کی قیمت کا ضمان دے دے اگر اکھاڑنے سے زمین کو نقصان ہوتا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

وھی اقل من قیتمه مقلوعا مقدار اجرة القلع فان کانت قیمة الارض مائة و قیمة الشجر المقلوع عشرة واجرة القلع درھم بقیت تسعة دراھم فالارض مع ھذا الشجر	اور اس قیمت میں اکھاڑی ہوئی عمارت یا درخت کی قیمت سے اکھاڑنے کی اُجرت کے برابر کمی کی جائے گی چنانچہ اگر زمین کی قیمت سو درھم ہو اور اکھڑے ہوئے درخت کی قیمت دس درہم ہو جبکہ اکھاڑنے کی اجرت ایک درہم ہو تو اس

[1] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۲۶

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۰۷

تقوم بمائۃ وتسعۃ دراھم فیضمن المالك التسع، منح [1]۔	ایک درہم کو نکال کے درخت کی قیمت نو درہم بچی لہٰذا اس درخت کی قیمت سمیت ایک سو نو درہم میں پڑی تو مالک نو درھم ضمان دے گا، منح۔(ت)

اور جبکہ نصف مکان بدستور پسر زید کی ملک ٹھہرا اور وہ اس وقت یتیم تھا توجس دن کہ کل مکان پر عمرو نے قبضہ کیا اس وقت سے پسر زید کے بالغ ہونے تک جتنی مدت گزری زیادہ سے زیادہ گیارہ برس اور کم سے کم آٹھ برس ہوگی اس مدت میں ملک زید کا کرایہ مثل عمرو کے ذمہ واجب الادا ہے جب تک عمرو نے عمارت جدیدنہ بنائی تھی اس حیثیت موجودہ پر نرخ عام سے جو اس مکان کا کرایہ ہوتا ہے کا نصف دینا آئے گا اور جس نے عمارت قدیم منہدم کردی تھی توجو کچھ اس میں قابل تاوان تھا اس کا تاوان عمرو پر آئے گا اور اس کے بعد سے جو خالی زمین کا کرایہ مثل ہو زمان بلوغ تک وہ واجب آئے گا کہ یہ مال یتیم تھا اور مال یتیم پر قبضہ کرنے سے بلاعقد اجارہ اجرت مطلق لازم آتی ہے اگرچہ تصرف کرنے والا یتیم کا شریک ہو خواہ بدعوی خریداری وغیرہ تصرف کرے۔ درمختار میں ہے:

منافع الغصب استوفاھا اوعطلھا لاتضمن الا فی ثلث فیجب اجرالمثل ان یکون المغصوب وقفا اومال الیتیم فعلی المعتمد تجب الاجرۃ علی الشریك وبه افتی ابن نجیم اومعدا للاستغلال الا فی المعد اذا سکن بتاویل ملك کبیت سکنه احد الشرکاء اوعقد کبیت الرھن سکنه المرتھن	غصب کے منافع پر ضمان نہیں چاہے غاصب نے ان منافع کو حاصل کیا ہو یا انہیں معطل رکھا ہو سوائے تین صورتوں کے کہ ان میں غصب کے منافع پر مثلی اُجرت واجب ہوتی ہے وہ یہ ہیں کہ مغصوب وقف ہو یا مغصوب یتیم کا مال ہو تو معتمد مذہب کی بنیاد پر شریک پر اجرت واجب ہوگی اور اسی کے ساتھ فتوٰی دیا ابن نجیم نے، یا وہ مغصوب کرایہ حاصل کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہو مگر غاصب اس میں مِلک کی تاویل کے ساتھ

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۳۴

سکنہ المرتھن ثم بان للغیر معد اللاجارۃ فلاشیئ علیہ [1] اھ ملتقطا۔	سکونت پذیر ہوا ہو جیسے وہ گھر جس میں اس کے شرکاء میں سے کوئی ایک سکونت اختیار کرے یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس میں رہائش پذیر ہو جیسے رہن کا مکان جس میں مرتہن نے سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ مکان کسی غیر شخص کا ہے جو اجارہ کے لئے بنایا گیا ہے تو اس پر کچھ بھی ضمان نہیں ہوگا اھ (التقاط۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ الا فی المعد، افاد ان الاستثناء من قولہ او معدا فقط وان الوقف ومال الیتیم یجب فیہ الاجر علی کل حال ولذا قدم الشارح انہ لو شری دارا وسکنھا فظھرت وقفا اولصغیر لزمہ الاجر صیانۃ لھما و قدمنا انہ المختار مع انہ سکنھا بتاویل ملك او عقد فاحفظہ فقد یخفی علی کثیر۔ [2]	ماتن کے قول "الا فی المعد" (مگر یہ اس کو بنایا گیا ہو) نے اس بات کا فائدہ دیا ہے کہ استثناء فقط ماتن کے قول "معدا" سے ہے، اور یہ کہ بے شک وقف اور مال یتیم کسی صورت میں ہو بہر حال اجرت واجب ہوگی، اسی واسطے شارح پہلے بیان کر چکے ہیں کہ کسی نے کوئی گھر خریدا اس میں سکونت اختیار کی پھر ظاہر ہوا کہ وہ وقف ہے یا کسی نابالغ کا ہے تو اس پر اجرت لازم ہوگی ان دونوں کی حفاظت کے لئے۔ اور ہم نے پہلے بیان کیا کہ بیشک یہی مختار ہے حالانکہ وہ مالک یا عقد کی تاویل کے ساتھ اس گھر میں سکونت پذیر ہوا۔ اس کو یاد کر لے۔ تحقیق یہ بہت سے افراد پر مخفی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

لزمہ اجر المثل قال الحموی ھو مبنی علی تصحیح المحیط وھو الذی ینبغی اعتمادہ وقال الشیخ شرف الدین	اسے مثلی اجرت لازم ہے۔ حموی نے کہا کہ وہ محیط کی تصحیح پر ہے اور وہ وہی ہے جس پر اعتماد چاہئے۔ شیخ شرف الدین نے کہا وہی

[1] الدرالمختار کتاب الغصب مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۹۔۲۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۳۲

ھوالمختار کما فی التجنیس والمزید قلت وھو ما اعتمدہ فی وقف البحر ومشی علیہ الشارح وافتی بہ فی الخیریۃ وغیرھا فلیحفظ۔[1]	مختار ہے، جیسا کہ تجنیس اور مزید میں ہے۔ میں کہتا ہوں اسی پر بحر کے باب الوقف میں اعتماد کیا ہے اور اسی پر شارح علیہ الرحمہ چلے ہیں اور اسی کے ساتھ خیریہ وغیرہ میں فتوی دیا گیا ہے اسے یاد رکھنا چاہئے۔(ت)

اسی کے آخر کتاب الشرکہ میں ہے:

ولوکان وقفا ومال یتیم یلزمہ اجرۃ شریکہ علی ما اختارہ المختارون وھو المعتمد۔[2]	اگر وہ وقف یا مال یتیم ہے تو اس کے شریک کی اجرت لازم ہے جیسا کہ اس کو اختیار کیا ہے اختیار کرنے والوں نے۔ اور وہی معتمد ہے (ت)

یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ یتیم کے مال میں بے احتیاطی برتی۔ ہاں اگر گواہا عادل سے ثابت ہو جائے کہ مختار زید نے عمرو کے ہاتھ پسر زید کا حصہ بیع کیا اور وہ مختار زید کا وصی تھا اور اس وقت یہ نصف مکان مع اس وقت کی عمارت کے پچیس روپے یا اس سے بھی کم قیمت کا تھا تو البتہ عمرو اس دعوی سے بری ہو جائے گا پھر اس صورت بعید از قیاس میں کہ بیع مذکور جائز ٹھہرے پچاس روپے واپس دینے پر جس کا دعوی پسر زید کرتا ہے اس سے حلف نہ لیا جائے گا بلکہ وہی حکم ہے کہ پسر زید اس واپسی کے گواہ دے اور نہ دے سکے تو عمرو کا حلف چاہے تو عمرو سے حلف لیں اگر حلف کرلے پسر زید کا دعوی واپسی باطل ہو اور عمرو حلف سے انکار کردے تو پچاس روپے پسر زید کو دے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۳، ۱۵۲: مسئولہ بنگالی ۲۶/رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک یتیم نے کنویں میں سے پانی اپنے واسطے یا دوسرے شخص کے واسطے بھرا اور اس پانی کو یتیم نے بجبر یا اپنی خوشی سے پھر کنویں میں ڈال دیا ان دونوں صورتوں میں اس کنویں کا پانی قابل استعمال رہا یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

(۲) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغ نے کنویں سے پانی اپنے یا کسی

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۱۸

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۵۷

دوسرے شخص کے واسطے بھرا اس پانی سے بالغ شخص کو وضو کرنا، پینا وغیرہ جائز ہوگا یا نہیں؟ اور ہر شیئ نابالغ کی خریدی ہوئی یا لائی ہوئی کا شخص بالغ کو استعمال جائز ہوگا یا نہیں؟ اور وہ نابالغ خود اپنی اولاد ہو یا غیر، سب کا ایک حکم ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

(۱) نابالغ جس پانی کا مالک ہو خواہ یوں کہ اس نے اپنے یا کسی کے لئے کنویں سے بھرا اور کنویں کی حد سے باہر نکال لیا اس کے پاس برتن میں اپنی ملک پانی اس کنویں سے جدا تھا اور وہ خود اس نے بخوشی یا بجبر کنویں میں ڈال دیا یا کسی اور نے اس کی اجازت سے خواہ بے اجازت کنویں میں اُلٹ دیا غرض کسی طرح نابالغ کی مِلک پانی کنویں میں مل گیا تو اب جب تک اس میں وہ پانی رہے گا اس بچہ کے سوا کوئی کسی طرح اس کا پانی استعمال نہیں کرسکتا، اس میں بچہ کی ملک ملی ہوئی ہے اس کے ہبہ یا مباح کر دینے کا کسی کو اختیار نہیں، نہ اس کی بیع ممکن کہ بیع میں تسلیم پر قدرت شرط ہے اور اس پر قبضہ دلانا ممکن نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ملأ الصبی کوزا من حوض ثم صبه فیه لم یحل لاحد ان یشرب منه۔[1]	نابالغ بچے نے حوض سے کوزہ بھرا پھر اسی میں انڈیل دیا تو کسی کے لئے حلال نہیں کہ اس سے پانی پیئے۔ (ت)

اس کا چارۂ کار یہ ہے کہ جتنا پانی اس نے کنویں میں ڈالا اُتنا یا اس سے زائد بھر کر اس نابالغ کو دے دیا جائے یا وہ خود بھر لے اس کے بعد باقی پانی مباح ہوجائے گا **کما حققناہ علی ھامش الغنیۃ** (جیسا کہ غنیہ کے حاشیے میں ہم نے اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) کنویں کی مَن سے جب پانی باہر نکلتا ہے بھرنے والے کی ملک ہوجاتا ہے، نابالغ کی مِلک میں کسی کو تصرف کا اختیار نہیں، ہاں ماں باپ کہ فقیر ہوں بقدر حاجت تصرف کرسکتے ہیں، یہ کلیہ جو چیز نابالغ کی ملک ہو خواہ خرید کی ہوئی یا کسی طرح کی لائی ہوئی اس میں فقیر والدین کے سوا کوئی تصرف نہیں کرسکتا اور اس کی ملک نہ ہو تو مالک کی اجازت سے تصرف ہوسکتا ہے۔

فی غمز العیون عن شرح المجمع	غمز العیون میں بحوالہ ذخیرہ شرح المجمع سے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۱۵۰

عن الذخیرۃ، اذاجاء صبی بالکوز من ماء مباح لا یحل لابویه ان یشربا منه اذا کانا غنیین لان الماء صار مملوکا له ولایحل لهما الاکل من ماله بغیر حاجة۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	منقول ہے اگر بچہ مباح پانی سے کوزہ بھرلائے تو اس بچے کے مالدار ماں باپ کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کوزے سے پانی پئیں کیونکہ وہ پانی اس بچے کی ملکیت ہوگا اور ماں باپ کو حاجت کے بغیر بچے کا مال کھانا حلال نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۵۴: از شہر کہنہ قاضی ٹولہ مرسلہ قاضی محمد عیوض صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد نے بحالت مرض سو روپے زید کے پاس امانۃً جمع کئے اور وصیت کی کہ تندرست ہوگئی تو یہ روپیہ لے کر حج کو جاؤں گی اور اگر مرگئی تو تم کو اختیار ہے کہ کسی کارخیر میں صرف کردینا اس میں سے میرے کسی رشتہ دار کو ایک حبّہ نہ دیا جائے، دوبارہ اس ماہ کے بعد سو روپے اور زید کے پاس جمع کئے اور وصیت کی کہ یہ رقم دوبارہ جمع شدہ بعد میرے مرنے کے تجہیز وتکفین اور ایک سال تک میری فاتحہ درود میں خرچ ہوں اور رقم سابق جس کی وصیت کرچکی ہوں اس کارخیر میں اٹھائی جائے اب وصیت سے ایک ماہ بعد مسماۃ کا انتقال ہوگیا (للعہ) اس کی تجہیز وتکفین فاتحہ میں صرف ہوئے جس کو ابھی سال نہ ہوا (ماعہ) باقی ہیں اور پہلی رقم بجنسہٖ موجود ہے کل (ما) باقی ہیں ہندہ کی ایک ہمشیرہ حقیقی دوسری بھتیجی جس کا باپ بیس سال سے مفقود الخبر ہے اور ایک ہندہ کے شوہر ثانی کی لڑکی ہے وہ ہندہ کی دختر نہیں اب کس طرح تقسیم ہو؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

ہندہ کی بہن کے بیان سے واضح ہوا کہ ہندہ نے ان روپوں کے سوا اتنی چیزیں اور چھوڑیں چوڑیاں (صہ/) توڑا (ص/) بالی پتے (صہ/) کڑے (ر)، پانچ برتن وزنی تخمیناً سوسیر، ان میں چوڑیاں اپنی موت سے آٹھ دن پہلے سے اپنے جیٹھ کی نواسی کو دے دیں اور توڑے اور بالی پتوں کی بھی اسی کے لئے وصیت کی، کڑوں اور برتنوں میں کوئی وصیت نہ کی، اس کی تجہیز وتکفین میں بیس روپے اُٹھے اور چوالیس روپے کے کھانے پکواکر صرف مساکین کو دیئے، ہندہ کا بھائی جس وقت مفقود ہوا اس کی عمر چالیس سال تھی اور ہندہ پر کوئی اعتراض نہیں۔ برتقدیر صدق جملہ بیانات مذکور بیس روپے کہ

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ النظائر الفن الثالث ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۵۰

تجہیز و تکفین میں صرف ہوئے وہ توحاجت اصلیہ میں اُٹھے شامل وصایا نہیں، وصیت گویا ان روپوں میں ایک سواسی کی ہے اور پندرہ کی اس نواسی کے لئے کل وصیت ایک سو پچانوے کی ہے اور جملہ متروکہ دوسو آٹھ روپے، اس کی تہائی انہتر روپے پانچ آنے چار پائی، یہاں تک بے اجازت ورثہ نافذ ہوگی اور ثلث جب وصایا پر تنگی کرے تواس کا قاعدہ یہ ہے کہ جو وصیت ثلث کو مجموع وصایا سے ہے اسی نسبت سے ہر وصیت نفاذ پائے گی مثلاً ثلث اگر مجموع وصایا کا نصف ہے تو ہر وصیت اپنے نصف میں نافذ ہوگی اور تہائی تو تہائی، وعلیٰ ہذا القیاس۔ غایۃ البیان میں شرح الطحاوی للامام الاسبیجابی سے ہے:

الوجه فی ذٰلك ان تجمع الوصایا کلها وینظر الیها والی الثلث والیٰ نقصانه من الوصایا فان کان النقصان مثل نصف الوصایا ینقص من کل وصیة نصفها وان کان النقصان مثل ثلثها ینقص من کل وصیة ثلثها نحو ما اذا بلغت الوصایا الف درهم لاحدهم مائة و للاٰخر مائتان وللاٰخر ثلثمائة وللاٰخر مائتان و للاٰخر ثلثمائة وللاٰخر اربعمائة وثلث ماله خمسمائة فالنقصان من خمسمائة الی مبلغ الوصایا مثل نصفها خمسمائة فینقص من کل وصیة نصفها لصاحب المائة خمسون ولصاحب المئتین مائة وعلیٰ	وصیتوں کے مجموعے سے کتنا کم ہے اگروہ کمی وصیتوں کے نصف کے برابر ہے تو ہر وصیت سے اس کا نصف کم کردیا جائے گا اور اگر کمی وصیتوں کے مجموعے کی تہائی کے برابر ہے تو پر وصیت میں سے اس وصیت کا تیسرا حصہ کم کردیا جائے گا جیسے کسی شخص نے مجموعی طور پر ہزار درہموں کی وصیت کی یعنی ایک شخص کے لئے سو درہم، دوسرے کے لئے دوسو درہم، ایک اور شخص کے لیے تین سو درہم اور مزید ایک شخص کے لئے چار سو درھم کی وصیت کی جبکہ اس کے مال کا تہائی حصہ پانچ سو درہم ہے، تواس طرح وصیتوں کے مجموعے سے کمی نصف کے برابر ہوئی یعنی پانچ سو درہم کم ہیں چنانچہ ہر وصیت میں سے نصف کم کردیا جائے گا یعنی سو کی وصیت والے کو پچاس اور دوسو والے کو دو درھم دیں گے اور اسی پر دیگر کو قیاس

ھذاالقیاس[1] ۔	اس میں توجیہ یہ ہے تمام وصیتوں کو جمع کرکے ان وصیتوں اور میت کے مال کی ایک تہائی کو دیکھا جائے گا کہ وہ تہائی مال کرلو۔ (ت)

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) یایوں کریں کہ ہر وصیت کوجونسبت مجموعہ وصایا سے ہے ہرایک کے لئے اتناہی حصہ ثلث سے دیں جووصیت مجموع وصایا کی نصف ہو اس کے لئے ثلث کا نصف دیں،اورجو ربع ہو اس کے لئے ربع،وقس علیہ،دونوں طریقوں کاحاصل ایک ہے اگر ثلث کاحصہ دریافت کرنا ہوکہ اس میں سے فلاں وصیت کوکیاملے گا تویہ طریقہ کہ فقیر نے ذکرکیا عمل میں لائیں،اوراگروصیت کسی عین مثلاً گہنے یابرتن یامکان وغیرہ کی ہے معلوم کرناچاہیں کہ اس عین کاکتناحصہ دیاجائے گا تووہ پہلاطریقہ برتیں مثلاً پہلے طریقہ پرجونسبت (لعہ صہ ۵/) کو(ماصہ لعہ) یادوسوآٹھ کوپانچ سوپچاسی بلکہ سولہ کوپینتالیس سے ہے اسی نسبت پر ہر وصیت دی جائے گی یعنی ہروصیت سے ۴۵/ ۱۶ نافذ کریں گے،چوڑیاں اورتوڑا اور بالی پتے ہرایک سے اتناہی حصہ جیٹھ کی نواسی کاہےاورہرایک سے ۴۵/ ۲۹ وارثوں کا،اگران تینوں چیزوں کی قیمت (صہ ۶۵) ہے تو ان میں سے وصیت کاحصہ پانچ روپیہ پانچ آنے چار پائی ہوگی اوردوسرے طریقہ پر جبکہ ان کی قیمت (صہ عہ) ہےاور مجموع وصایا ۱۹۵ تویہ وصیت اس مجموع کاتیرھواں حصہ ہوئی توثلث یعنی (لعہ ۵/ ۴) پائی کاتیرھواں حصہ اس کانصیب ہوگا جس کے وہی (صہ ۵/ ۴) پائی ہوئے۔__________ یوں ہی دونوں حسابوں پرکارخیر کے لئے سوروپوں کی وصیت تھی اس کاحصہ پینتیس روپے پونے نوآنے ایک صحیح دوتہائی پائی (صہ ۰۸/۔ا۔ ۳/ ۲) پائی آئے گااورفاتحہ کی وصیت اسی ۸۰ روپے میں رہی تھی اس کاحصہ اٹھائیس روپے سات آنے ایک صحیح ایک تہائی پائی (مہ عہ/ا۔ ۳/ ۱) پائی۔فاتحہ میں اس کے حصہ سے زائد اٹھادیئے مگرفاتحہ بھی جبکہ صرف مساکین پرصرف کی گئی کارخیر ہےاور مجموعہ ان دونوں وصیتوں کے حصول کاجوکارخیر و فاتحہ کے لئے تھیں چونسٹھ روپے ہوئے ان میں سے چوالیس اُٹھ گئےاوراس نے سال بھرمیں اٹھانے کوکہاتھاوہ سال سے پہلے ہی اٹھادیئے اس میں بھی کچھ حرج نہ ہوابلکہ جلدی ہی بہتر تھی،

---

[1] غایۃ البیان

فی الهندیة عن الخانیة عن الجامع. اذا اوصی بثلث ماله للمساکین یتصدق منه کل سنة ثمانیة دراهم اوقال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنة مائة درهم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنة لاولٰی ولایوزع علی السنة۔[1]	ہندیہ میں بحوالہ جامع وخانیہ سے منقول ہے اگر کسی نے اپنا تہائی مال مسکینوں کو دینے کی وصیت کی اس طورپر کہ ہر سال اس کے تہائی مال سے ان پر اٹھارہ درہم صدقہ کئے جائیں یا یوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصے سے ہر سال سو درہم صدقہ کئے جائیں یایوں کہا میں نے اس بات کی وصیت کی ہے کہ میرے مال کے تہائی حصہ سے ہر سال سودرہم صدقہ کئے جائیں، تو اس صورت میں وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے اور اس کو سالوں پر تقسیم نہ کرے۔ (ت)

تواب فقط بیس روپے کار خیر میں اور خرچ کردیں اور اتنا حصہ چوڑیوں، توڑے، بالی پتوں کا یعنی ہر ایک میں سے ۴۵/ ۱۶اس وصیت کا حصہ ہوا باقی ان تین گہنوں میں ہر ایک کا ۴۵/ ۲۹ اور کڑے اور برتن پورے اور ایک سو سولہ روپے۔ یہ سب حق ورثہ رہے، بھتیجی یا شوہر ثانی کی لڑکی تو اصلاً وارث نہیں صرف بہن وارث ہے اور وہ مفقود الخبر بھائی، لہٰذا وہ جسے ہندہ نے امین ووصی کیا تھا بیس روپے کار خیر میں خرچ کردے، بہن اور جیٹھ کی نواسی تقسیم چاہیں تو ان تینوں گہنوں کے ۴۵/ ۱۶ جیٹھ کی نواسی کو دے دے اور ہر ایک کی دو تہائی بھائی کے لئے اٹھا رکھے یہاں تک کہ اس مفقود کی عمر سے ستر برس گزرجائیں، اگر یہ صحیح ہے کہ چالیس برس کی عمر میں مفقود ہوا تھا اور مفقود ہوئے بیس برس گزرے تو دس برس اور انتظار کریں اگر اس دس برس میں وہ زندہ ظاہر ہو تو یہ دو تہائی اسے دے دیں، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ کے بعد مرگیا تو یہ دو تہائی اس کی بیٹی وغیرہ اس کے ورثہ کو دے دیں جو مفقود کی موت کے وقت اس کے وارث تھے، اگر یہی بہن بیٹی اس کے وارث تھے تو ان دو تہائی کا نصف مفقود کی بیٹی کو دیں اور نصف بہن کو، اور اگر معلوم ہو کہ وہ ہندہ دے پہلے مرگیا یا اسکی عمر سے ستر برس گزرجائیں اور اس کی موت حیات کا کچھ حال نہ معلوم ہو تو یہ دو تہائی بھی ہندہ کی بہن ہی کو دے دیں۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

ذکر فی الذخیرة والخانیة والخلاصة والحافظیة. ان قسمة الاب ووصیه ولو بمرات جائزة علی	ذخیرہ، خانیہ، خلاصہ اور حافظیہ میں مذکور ہے کہ باپ اور وصی کی تقسیم نابالغ پر ہر شیئ میں جائز ہے اگرچہ کئی مرحلوں میں ہو جب تک کہ

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۳۵

الصبی فی کل شیئ مالم یکن بفاحش الغبن وکذا قسمۃ الجد الصحیح ووصیہ عند عدم الاب ووصیہ وکذا تجوز قسمۃ ھٰؤلاء علی الکبیر الغائب فی غیر العقار وکذا قسمۃ وصی نحوالام من العم وابنہ و الاخ وابنہ ان کانت(ای القسمۃ)فی عروض ترکۃ الموصی ولم یکن ھناك من ھو اقوی منہ من الاوصیاء [1] اھباختصار۔	غبن فاحش کے ساتھ نہ ہویونہی جد صحیح اوراس کے وصی کی تقسیم جبکہ باپ اوراس کاوصی نہ ہوں،اسی طرح مذکورہ بالاحضرات کی تقسیم بالغ غائب پراس کی منقولہ جائداد میں جائز ہے یونہی ماں کے وصی کی تقسیم اس حصہ میں جونابالغ کوماں کی طرف سے ملا۔یہی حکم چچا،اس کے بیٹے، بھائی اور اس کے بیٹے کے وصی کی تقسیم کاہوگاجب کہ وہ تقسیم ترکہ موصی کے سامان میں جاری ہوااوروہاں ان سے اقوی کوئی وصی موجودنہ ہواھ (اختصار) (ت)

اسی میں خانیہ سے ہے:

ان کانوا(ای الورثۃ)کبارا کلھم وبعضھم غائب فقاسم الوصی مع الحاضرین برضاھم وامسك انصباء الغائبین جازت قسمتہ۔ [2]	اگروہ وارث بالغ ہوں تمام یابعض غائب ہوں اوروصی حاضرین کی رضامندی سے ان میں میراث تقسیم کردے اور جو غائب ہیں ان کے حصے روک لے تویہ تقسیم جائز ہوگی۔(ت)

اسی میں ہے:

فی جامع الصغیر،اذا قاسم(ای الوصی)للموصی لہ بالثلثفان کانت الورثۃ صغاراکلھم اوغائبین فقاسمہ واعطاہ الثلث وامسك الثلثین للورثۃ جاز مقاسمتہ و ان کان	جامع الصغیر میں ہے کہ جب وصی اس شخص کے لئے ثلث مال کامقاسمہ کرلے جس کے لئے وصیت کی گئی پھراگر تمام ورثاء نابالغ ہیں یاتمام غائب ہیں تواس نے مقاسمہ کرکے تہائی مالوصیت والے کودے دیااوردوتہائی وارثوں کے لئے روک لیاتواس کامقاسمہ جائز ہے

[1] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۵۲۔۲۵۱

[2] آداب الاوصیاء علی ھامش جامع الفصولین فصل فی القسمۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۵۳

بعضهم صغارا اوغائبا تجوز مقاسمة الوصی فیما سوی عقار الغائبین أما لوقاسم للورثة علی الموصی له بان کان الموصی له هو الغائب وامسك له الثلث لم تجز مقاسمته ومثله فی الولوالجیة واستدل بان الوصی قائم مقام الموصی والورثة خلف عن الموصی فکان الوصی قائما مقام الورثة فتصح مقاسمته للموصی له عن الورثة والموصی له لیس بخلف عن الموصی فلایقوم الوصی مقامه فلاتجوز مقاسمته للورثة عن الموصی له وهذا معنی ما فی الجامع الصغیر والهدایة والسراجیة والخلاصة والمنیة والغنیة والبنیة وغیرها[1] اھ مختصرا۔

اور اگر ان میں سے بعض نابالغ یا غائب ہیں تو وصی کا مقاسمہ غائب وارثوں کی غیر منقول جائداد کے ماسوا میں جائز ہوگا، اور اگر اس نے وارثوں کے لئے وصیت والے شخص پر مقاسمہ کیا بایں صورت کہ وہ وصیت والا شخص غائب تھا اور وصی نے اس کے لئے تہائی مال روک لیا تو اس کا مقاسمہ جائز نہیں، اور اسی کی مثل ولوالجیہ میں ہے، اور استدلال یوں کیا گیا ہے کہ وصی موصی کے قائم مقام ہے اور ورثاء موصی کے پسماندگان ہیں تو گویا وصی وارثوں کے قائم مقام ہوگیا لہٰذا وصیت والے شخص کے لئے اس کا وارثوں سے مقاسمہ کرنا صحیح ہے، اور وصیت والا شخص موصی کا جانشین نہیں لہٰذا وصی اس کے قائم مقام نہیں ہوگا تو وصیت والے شخص سے وارثوں کے لئے اس کا مقاسمہ جائز نہیں ہوگا، اور یہی معنی ہے اس کا جو کچھ جامع صغیر، ہدایہ، سراجیہ، خلاصہ، منیہ، غنیہ اور بنیہ وغیرہ میں ہے الخ (اختصارًا)۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۵: از جائس ضلع رائے بریلی محلّہ غوریانہ خورد مرسلہ عبدالحمید صاحب معرفت حافظ علی بخش صاحب ساکن بریلی محلّہ بہاری پور ۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرحومہ نے اپنے دم واپسیں اپنے زیورات کے بارہ میں یہ وصیت کی کہ اس کو فروخت کرکے میرے نام کا ایک چاہ بنوادیا جائے کہ جس میں مجھ کو ثواب ملے لیکن یہاں جامع مسجد میں جب کثرت نمازیوں کی ہوتی ہے تو صحن مسجد میں بھی دو ایک صفیں نمازیوں کی ہوجایا کرتی ہیں ایام گرما میں بوجہ تمازت آفتاب زمین بھی نہایت گرم رہتی ہے اور اوپر کی دھوپ اور بھی ان نمازیوں کے لئے جو صحن میں ہوتے ہیں

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القسمة اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۷۔۲۵۶

باعث تکلیف ہوتی ہے پس ایسی صورت میں اگر مرحومہ کی وصیت کو نہ خیال کیا جائے اور بجائے تعمیر چاہ کے صحن مسجد میں ایک سائبان ٹین کا تعمیر کرایا جائے کہ جس سے نمازیوں کو آرام ملے تو وصیت مرحومہ کی وجہ سے کسی قسم کا نقص شریعت کی روسے تو نہیں ہے کیونکہ مرحومہ کی وصیت چاہ کے بارے میں ہوئی ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب: وصیت میں ایسی تبدیلی جائز نہیں،

لان حفرۃ البئر قربۃ مقصودۃ فلا تغیر کما حققناہ فی ماعلی ردالمحتار علقناہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ کنواں کھودنا قربت مقصودہ ہے لہذا اسے غیر سے بدلا نہ جائے گا کہ ہم نے اس کی تحقیق ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں کردی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم (ت)**

مسئلہ ۱۵۶: از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبدالرب صاحب ساکن دریئس بره ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کل جائداد اپنے بیٹے عمرو کے نام ہبہ کردی اور قبضہ تام کرادیا بعد کو عمرو کا انتقال ہوگیا اور عمرو نے دو لڑکے کے نابالغ اور ایک لڑکی نابالغہ اور ایک زوجہ اور والدین چھوڑے، ان میں سے ہر ایک کو موافق فرائض کے حصص پہنچے اور کاغذات مال میں عملدرآمد ہوگیا، اس کے بعد لڑکی کا بھی انتقال ہوگیا اس نے ایک دادا اور دادی اور ایک دختر اور شوہر چھوڑے ان کو اس کی جائداد سے حصص شرعی پہنچے اور کاغذات مال میں تکمیل ہوگئی لیکن چونکہ اس گھر میں ذکور میں سے عاقل وبالغ کوئی سوائے زید کے نہ رہا لہذا زید ہی سب کی طرف سے کل حصص کا کارکن و منتظم رہا بالغان کی طرف سے باجازت اور نابالغان کی طرف سے بولایات اور کسی کا حساب وروپیہ اپنی حیات بھر علیحدہ نہ کیا اور نہ کسی کی آمدنی اس کے قبضہ میں دی بلکہ اپنی اور سب کی آمدنی مخلوط اپنے ہی پاس رکھی اور جہاں چاہا محض اپنی رائے سے اس مشترک کی آمدنی سے صرف کرتا رہا یعنی سب شرکاء کے ضروری اخراجات علاوہ خیرات ومیراث مثل بناء مسجد وچاہ وپل اور جائداد خرید کر وقف کرنا اور روپیہ غرباء عرف وعجم کو تقسیم کرنا اور حج کے واسطے ضرورت سے زائد ہمراہ لے جانا اور اپنے دوست واحباب ورعایا کو قرض اتنا دینا جس کی امید وصول نہیں اور ان امور میں سے کچھ نہ کسی شریک بالغ یا نابالغ کی اجازت سے تھا اور نہ ان میں کوئی راضی تھا بلکہ نابالغوں

نے بعد بلوغ اور بالغان نے جب یہ حالت دیکھی توان کو شاق گزرا مگر چونکہ زید سب کا بزرگ اور ذی رعب شخص تھا اس واسطے کوئی اس سے تاحین حیات نہ اپنا حساب اور نہ اپنی آمدنی طلب کر سکا اور نہ اپنا حصہ اس کے قبضہ سے نکال کر خود قابض ہو سکا البتہ زید نے اول حصہ جائداد کا جو ترکہ پسر سے اس کو پہنچا تھا ہر دو نبیرگان کے نام بیع کرکے امین بازرز ثمن یہ الفاظ تحریر کرائے کہ کل زر ثمن ہم نے بوجہ محبت قلبی مشترکان کو بخش دیا اور دوسری حصہ جائداد کا جو ترکہ دختر پسر سے پہنچا تھا دونوں نبیروں کے نام بیعنامہ لکھا اور اس میں یہ لکھا کہ زر ثمن تمام وکمال وصول پایا زید نے اس کے بعد اس مشترکہ آمدنی سے اپنے نام سے خرید کی اور زید کا ایک مکان بھی ذاتی تھا اس نے جائداد اور مکان کا بیعنامہ بھی نبیرگان مذکور کے نام کر دیا اور اس میں بھی کل زر ثمن کی وصولیابی تحریر کر دی مگر یہ دونوں وصولیابیاں فرضی تھیں اور اس سے بھی زر ثمن کا معاف کرنا مقصود تھا پہلے اور دوسرے بیعنامہ کے وقت ایک نبیر وبالغ اور دوسرا نابالغ تھا، اور تیسرے بیعنامے کے وقت دونوں بالغ تھے، ان بیعناموں میں کسی سے قبل زبانی کوئی بیع نہ ہوئی تھی نہ کسی طرف سے کوئی ایجاب یا قبول ہوا سوائے اس کے کہ زید نے تحریر بیعنامہ سے پہلے اپنے مکان پر نبیروں سے کہا ہم چراغ سحری ہیں ہم چاہتے ہیں کہ اپنی جائداد تم دونوں کے نام نصف نصف کر دیں کہ ہمارے بعد جھگڑا نہ ہو۔ نبیروں نے کہا بہت اچھا۔ اس کے بعد شہر جا کر انہوں نے یہ بیعنامے تحریر کرادئے اور اس کی تکمیل کو نبیروں نے قبول رکھا اور جس قدر زر ثمن بیعناموں میں لکھا گیا کسی وقت وہ اس مال کی قدر نہ تھا جو زید اول مصارف بالائی میں بلا رضا واجازت نبیرگان صرف کرتا رہا وہ مال زر ثمن سے ہمیشہ زائد تھا، اب زید کا انتقال ہو گیا اس نے آمدنی مشترکہ سے کچھ زر نقد اور اثاث البیت چھوڑا اور کچھ اپنا ذاتی روپیہ چھوڑا اور اشخاص مذکورین مشارکین الحصص میں سے یہ ورثاء چھوڑے، دو نبیرگان، ایک زوجہ، علاوہ ازیں ایک زوجہ مع دختر اپنی چھوڑی کہ مذکورین سابق سے نہ تھی، اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ اس جائداد کا زید منتظم وکارکن تھا اور زید نے بلا رضا مندی مالکان تصرفات مذکورہ بالا کئے وہ زید پر قرضہ ہوگا یا نہیں؟ در صورت قرضہ قرار پانے جو زر نقد ملک زید تھا وہ قرضہ میں دیا جائے گا یا ترکہ تقسیم ہوگا اور جو جائداد زید نے اپنے نبیرگان کے نام بیعنامہ بصور مختلفہ مذکورہ بالا بیع کی وہ یا زر ثمن معاف شدہ قرضہ میں مجرا ہوگا یا نہیں؟ اور مشترکہ روپیہ اور اثاث البیت کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مال مشترک سے جس قدر روپیہ زید نے خیرات ومبرات مذکورہ میں

صرف کیا اس میں سے حصہ نابالغان کا تاوان اس پر لازم ہونا تو ظاہر ہے لانه لایملك التبرع بمالهم (اس لئے کہ وہ نابالغوں کے مال میں تصرف کا مالک نہیں۔ت) یونہی قرض مذکورہ کہ وہ بھی تبرع ہے۔ ادب الاوصیاء میں عمدہ وولوالجیہ وقنیہ وخلاصہ سے ہے:

لایقرض الاب ولا وصیه مال الیتیم۔[1]	باپ اور وصی یتیم کے مال کو قرض پر نہیں دے سکتے۔(ت)

یوں ہی جبکہ بالغوں کی بھی رضا واجازت نہ تھی تو ان کا بھی تاوان زید پر عائد اگرچہ انہوں نے زید کو صرف کرتے دیکھا اور اس کے رعب سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اشباہ میں ہے:

لورأی غیرہ یتلف ماله فسکت لایکون اذنا باتلافه۔[2]	اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مال برباد کرتے دیکھ کر چپ رہا تو یہ اس کی طرف سے برباد کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔(ت)

ظاہر ہے کہ زر نقد یا جو ترکہ زید نے چھوڑا اس سے ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے اور یہ تاوان بھی زید پر دَین ہیں تو جب تک ادانہ ہولیں ورثائے زید کو ترکہ نہ پہنچے گا جائداد کہ زید نے اپنے نام خریدی اسی کی ملک ہوئی اگرچہ اس کی قیمت زر مشترک سے ادا کی اس سے شرکاء کا جائداد خرید کردہ میں حصہ نہیں ہوجاتا ہاں زر ثمن کہ مال مشترک سے دیا ہے ہر شریک کا اس میں جتنا حصہ تھا اُتنے کا تاوان زید پر آیا کہ یہ بھی اگلے تاوانوں میں شامل ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

مااشتراہ احدهم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترک۔[3]	شرکاء میں سے اگر کسی نے کوئی چیز اپنی ذات کے لئے خریدی تو وہ اسی کی ہوگی اور وہ ثمن میں سے دیگر شرکاء کے حصوں کا ضامن ہوگا جبکہ اس نے ادائیگی مال مشترک سے کی ہو۔(ت)

توظاہر ہوا کہ تینوں بیعنامے صحیح ہوئے ہر ایک میں زید نے اپنی ہی ملک نبیران کے نام بیع کی اور نبیرے اُن سب مبیعوں کے مالک ہوگئے۔

---

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۷۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثانیہ عشر ادارۃ القرآن کراچی ۱ /۱۸۵

[3] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۳۸

والبیعان الاولان وان لزم فیهما تفریق الصفقة لان احد المبیع منهما کان صغیرا ثم البیع فی حقه بمجرد الایجاب والاخر بالغا تاخر فی حقه الی قبوله لکنه لیس تفریقا علی البائع بل منه فلا یضر لانه انما کان یمنع لحقه فاذا رضی به فلا حرج کمن باع صبرة طعام کل قفیز بدرهم جاز البیع فی قفیز واحد و للمشتری الخیار لتفرق الصفقة علیه کما فی الهدایة[1] لا للبائع وان تفرقت علیه ایضا لان التفرق جاء منه فیکون راضیا به کما فی البنایة۔[2]	پہلی دونوں بیعوں میں اگرچہ تفریق صفقہ لازم ہے کیونکہ جن دولڑکوں کے نام بیع کی گئی ان میں سے ایک نابالغ ہے، پھر اس نابالغ کے حق میں بیع فقط ایجاب سے ہوئی اور دوسرا چونکہ بالغ ہے لہٰذا اس کے حق میں بیع اس کے قبول کرنے پر موقوف ہوگئی لیکن صفقہ میں یہ تفریق بائع پر لازم نہیں آئی بلکہ اسکی طرف سے لازم آئی چنانچہ یہ نقصان دہ نہیں۔ اس لئے کہ ممانعت تو اس کے حق کی وجہ سے تھی جب وہ اس پر راضی ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسے کسی نے گندم کا ڈھیر بیچا کہ ہر بوری ایک درہم کی ہے تو یہ بیع ایک بوری میں جائز ہوگئی اور چونکہ مشتری پر صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے لہٰذا اس کو اختیار ہے جیساکہ ہدایہ میں ہے بائع کو اختیار نہیں ملے گا اگرچہ اس پر بھی صفقہ کا متفرق ہونا لازم آیا ہے کیونکہ یہ متفرق ہونا اس کی طرف سے لازم آیا ہے تو اس طرح وہ اس پر راضی ہوا، جیساکہ بنایہ میں ہے۔(ت)

تو یہ جائدادیں اس تاوان کی زیر پا نہیں ہوسکتیں، رہے ان کے زر ثمن پچھلے دونوں بیعنامے جن میں زر ثمن کا فرضی وصول لکھ دیا ان کا مطالبہ نبیروں پر سے ساقط نہ ہوا اگرچہ اس سے مقصود یہی ہو کہ زر ثمن مشتریوں کو معاف ہوجائے کہ شرع میں دربارہ عقود و معاملات معانی الفاظ پر نظر ہے، نہ مقاصد واغراض پر، ورنہ حیل شرعیہ یکسر باطل ہوجائیں وقد حققناہ فی کاسر السفیه الواهم (اور اس کی تحقیق ہم نے رسالہ کاسر السفیہ الواھم میں کردی ہے۔ت) یہاں لفظ اقرار وصول ہے اور وہ نہ ہبہ ہے نہ ابرا بلکہ ایک غلط خبر تو مجرد

---

[1] الهدایة کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۷

[2] البنایة فی شرح الهدایة کتاب البیوع المکتبة الامدادیة مکة المکرمة ۳/ ۲۱

نیت سے دَین ساقط نہ ہو جائے گا اقرار کاذب و دیانۃً تو باطل و محض بے اثر ہے اور قضاءً بھی جبکہ اس کا راضی ہونا ثابت ہو جیساکہ یہاں ہے کہ خود نبیروں کو اس کے فرض ہونے کا اقرار ہے بلکہ یہاں جبکہ زید پر نبیروں کا مطالبہ تاوان حقیقۃً موجود تھا تو اقرار وصول کو فرضی ٹھہرانے کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ اپنا مطالبہ ثمن ان کے مطالبہ تاوان کی مجرائی سے وصول پانا مراد ہو سکتا ہے اور معنی صحیح و صادق بنتے ہوئے اقرار غلط و کاذب پر محمول نہ کریں گے ہاں پہلا بیعنامہ جس میں ہبہ ثمن لکھا ہے یہ ہبہ نبیرہ نابالغ کے لئے صحیح ہو گیا اور بالغ کے حق میں صحیح نہیں کہ باپ یا دادا جب اپنے نابالغ بچہ کے نام بیع کریں تو بیچا کہتے ہی بیع تمام ہو جاتی ہے اور یہی ایک لفظ ایجاب قبول دونوں قرار پاتا ہے۔ درمختار میں ہے:

وینعقد ایضا بلفظ واحد کما فی بیع القاضی والوصی والاب من طفله و شرائه منه فانه لوفور شفقته جعلت عبارته کعبارتین۔[1]	اس کا انعقاد ایک ہی لفظ کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے جیساکہ قاضی اور وصی کی بیع۔ اور باپ کی بیع و شراء اپنے نابالغ بیٹے کے لئے، اس لئے کہ کمال شفقت کی وجہ سے اس کی عبارت دو عبارتوں کی طرح بنادی گئی ہے۔ (ت)

ادب الاوصیاء میں ہے:

فی شرح الطحاوی الجد الصحیح کالاب فی ذٰلك یعنی عند عدمه۔[2]	شرح طحاوی میں ہے کہ اس مسئلہ میں جد صحیح بھی باپ کی طرح ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی میں۔ (ت)

اور شک نہیں کہ بیعناموں میں پہلے شیئ کی بیع کرنا لکھا جاتا ہے اس کے بعد ثمن ہبہ کرنا تو یہ ہبہ حق نابالغ میں بعد تمامی بیع واقع ہوا اور صحیح ہو گیا تو اس بیعنامہ کے نصف ثمن کو جو نبیرہ نابالغ کے لئے ہبہ ہوا اس نابالغ کے آتے ہوئے تاوانوں میں مجرانہ کریں گے کہ ہبہ تملیک بلا عوض ہے اور مجرا ہونا معاوضہ تو خلاف تصریح زید اسے معاوضہ نہیں کہہ سکتے۔ عالمگری میں ہے:

من علیه الدین وھب مالا	جس شخص پر قرض ہو اگر وہ کچھ مال قرض کے

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الاباق اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۳۲

من رب الدین یملکه رب الدین بالھبة لابالدین کذافی المحیط[1]۔	مالک کو بطور ہبہ دے دے تو وہ بطور ہبہ اس کا مالک بن جائے گا نہ کہ بطور قرض کی وصولی کے۔ محیط میں یونہی ہے۔(ت)

مگر نصف ثمن کہ دوسرے نبیرۂ نابالغ کو ہبہ کیا یہ ہبہ باطل ہوا کہ حسب تصریح مسائل یہاں کوئی بیع پہلے نہ ہوئی تھی یہی بیعنامہ ایجاب بیع تھا اور اس میں ہبہ ثمن لکھا گیا اور حق بالغ میں نفس ایجاب سے بیع تمام نہ ہوئی اور ثمن واجب نہیں ہوتا جب تک بیع کے دونوں رکن ایجاب وقبول متحقق نہ ہولیں تو یہ ہبہ اس وقت ہوا کہ ابھی ثمن اس نبیرہ بالغ پر واجب ہی نہ ہوا تھا اور ہبہ قبل وجوب باطل ہے۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

لوقال بعتك ھذا الشیئ بعشرۃ دراھم ووھبت لك العشرۃ ثم قبل المشتری البیع جاز البیع ولایبرء المشتری عن الثمن لان الثمن لایجب الابعد قبول البیع فاذا ابرأ عن الثمن قبل القبول کان برأ قبل السبب فلایصح۔[2]	اگر کسی شخص نے کہا یہ شیئ میں نے تیرے ہاتھ دس درہم کے عوض فروخت کردی اور دس درہم تجھے ہبہ کردیئے پھر مشتری نے قبول کرلیا تو بیع جائز ہوگئی اور مشتری ثمنوں سے بری نہ ہوگا کیونکہ ثمن قبول بیع کے بعد واجب ہوتے ہیں تو جب اس نے قبول سے پہلے ثمنوں سے مشتری کو بری قرار دے دیا تو یہ بری کرنا سبب سے پہلے ہوا لہٰذا صحیح نہیں ہوگا۔(ت)

مشترک روپے اور اثاث البیت سے اس زوجہ اور نبیران کے ذاتی حصے الگ کرلئے جائیں گے جو اس میں شریک تھے اور جب کوئی ذریعہ تمیز نہ ہو تو زید اور یہ تینوں اس زرواثاث میں بحصہ مساوی شریک مانے جائیں گے،

کما ھو حکم شرکة الملك المنصوص علیه فی الخیریة وردالمحتار وغیرھما۔	جیساکہ شرکت ملک کا حکم ہے جس پر فتاوٰی خیریہ اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔(ت)

(تو حاصل یہ ٹھہرا کہ) زوجہ اور دونوں نبیرے کہ اس جائداد میں شریک تھے جن کا کارکن زید تھا

---

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الھبة الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۵

[2] فتاوی قاضی خاں کتاب البیوع فصل فی احکام البیع نولکشور لکھنؤ ۲/ ۳۴۹

اُن تینوں کی آمدنیاں حساب کی جائیں پھر ہر ایک کا خرچ اس سے مجرا کیا جائے باقی کہ زید نے مصارف مذکورہ خیرات ومبرات وقرض مُردہ خریداری جائداد بنام خود میں صرف کردیا اس حصہ میں حصہ رسد زوجہ اور ہر نبیرہ کا تاوان زید پر آیا، اب زوجہ کا یہ تاوان تو پورا واجب الادا ہے اور دونوں نبیروں کے تاوانوں سے ہر دو بیعنامہ اول کا نصف زرِ ثمن بھی ساقط کیا جائے جو جو باقی رہے وہ ان دونوں کا تاوان ہے، اب زید پر دونوں زوجہ سے جس جس کا جتنا مہر واجب الاد ہو اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین زید پر آتا ہو وہ سب ان تینوں تاوانوں کے ساتھ ملاکر یہ مجموع دیون ترکہ زید سے حصہ رسد ادا کئے جایں خواہ وہ اس کا ذاتی روپیہ ہو یا اس زر واثاث البیت مشترک کا حصہ، اگر ان کے ادا سے کچھ نہ بچے کوئی وارث وراثۃً کچھ نہ پائے ورنہ باقی حسب شرائط فرائض سولہ سہام ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین ہر نبیرہ کو ملیں گے۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۵۷: از نجیب آباد ضلع بجنور محلّہ مجید گنج مرسلہ محمد حسین ولد مولٰی بخش ۲۰ شوال ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی اور بہنوں کی جائداد بطریقہ جائزہ خرید کر اپنی زوجہ کے نام لکھا دی اب اس شخص کے دو بیٹے ہیں (ایک بیٹی بھی تھی جس کا انتقال ہوگیا اور اب اس کی جانب سے کوئی دعویدار نہیں مگر اس کا شوہر ہے آیا وہ شرعاً حقدار ہے یا نہیں) شخص مذکور نے اپنے انتقال سے پیشتر اپنے حصہ کی جائداد اور نیز نئی خرید کردہ جائداد جو بی بی کے نام لکھ دی تھی اپنے دونوں بیٹوں میں کسی طرح تقسیم نہ کی اب اس شخص کی بی بی نے ایک کاغذ بنوا کر باقی جائداد بھی بعوض مہر اپنے نام کرالی اور مشہور کردیا کہ یہ کاغذ میرے خاوند کے سامنے کا لکھا ہوا ہے مگر یہ بات محلّہ میں مشہور ہے کہ یہ کاغذ جعلسازی سے تیار کیا گیا ہے اور بات بھی یہی ہے اس شخص کے بڑے بیٹے نے اپنے والد کے حین حیات اس وجہ سے تنگ آکر کہ ساس بہو میں اکثر لڑائی رہتی ہے اپنا مکان تبدیل کرلیا تھا اب والد کے انتقال پر جب وہ بالکل مختار ہوگئیں تو محلّہ کی مستورات اور چھوٹے بیٹے کی لگائی بجھائی سے ان کی رنجش اور بڑھ گئی اور مرنے سے ۲/۱-۱ ماہ پیشتر تمام جائداد اسی چھوٹے بیٹے کے نام ہبہ کرادی، ہبہ سے چندروز پیشتر بڑے بیٹے نے تمام اہل برادری کو اپنی والدہ کے سامنے جمع کیا اور اپنی خطا ہوئی ہو اور جب نہ ہوئی ہو جب معاف کرائی اور انہوں نے معاف کی، پھر بھی پندرہ بیس روز بعد انہوں نے تمام جائداد کا ہبہ نامہ چھوٹے بیٹے کے نام کر دیا میں نے دیوانی میں اپنے بھائی پر اپنے حصے کی نالش کی ہے آیا میں اس جائداد میں حقدار ہوں یا نہیں؟

الجواب:

مجرد تحریر اگرچہ رجسٹری شدہ ہو کوئی چیز نہیں جب تک گواہان شرعی سے ثابت نہ ہو پس اگر دو گواہ عادل موجود ہوں کہ شخص مذکور نے اپنی صحت میں وہ جائداد بعوض مہر بنام زوجہ کردی تو دیگر ورثہ کا اس میں کچھ حق نہ رہا عورت نے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو ہبہ کردی اگر قبضہ تامہ اپنی حیات میں دلا دیا تو چھوٹا بیٹا اس کا مالک مستقل ہو گیا ہاں اگر قبضہ کاملہ نہ دلایا اور عورت کا انتقال ہو گیا تو ہبہ باطل ہو گیا اور اب وہ جائداد متروکہ زن قرار پا کر اس کے وارثوں میں تقسیم ہو گی جس میں سے بڑا بیٹا بھی اپنا حصہ شرعی پائے گا اور اگر گواہان شرعی سے مہر میں دینے کا ثبوت نہیں تو اب یہ دیکھا جائے گا کہ مہر کچھ باقی تھا یا سب معاف یا ادا ہو گیا تھا اگر کچھ باقی نہ تھا یا جتنا باقی تھا وہ اس جائداد کی قیمت سے جو شوہر کے نام تھی کم تھا تو عورت کو کوئی استحقاق نہ تھا کہ وہ سب جائداد بعوض مہر اپنے نام کر لیتی اور اب جو اس نے اس جائداد کو چھوٹے بیٹے کا نام ہبہ کیا محض باطل ہوا اگرچہ قبضہ دلا دیا ہو،

لانہا ھبۃ مشاع وھی باطلۃ حتی لاتملك بالقبض فی الصحیح۔	اس لئے کہ وہ غیر مقسوم کا ہبہ ہے اور وہ باطل ہے یہاں تک اس میں قبضہ سے بھی ملک ثابت نہیں ہوتا، یہ صحیح قول کے مطابق ہے (ت)

اس تقدیر پر بعد ادائے مہر وغیرہ دیون ونفاذ وصایا جو وارثان شخص مذکور ہوں ان پر حسب فرائض تقسیم ہو گی، دختر اگر باپ کے بعد زندہ رہی ہو تو وہ بھی حصہ پائے گی اور اگر پہلے مر گئی تو اس کا کچھ حق نہیں اس کے شوہر کا دعوی باطل ہے ہاں اگر مہر کل یا جتنا باقی تھا اس جائداد کی قیمت کے برابر یا زائد تھا تو ایک فتوی اقطع کی بناء پر عورت اسے اپنے مہر میں لے سکتی تھی اور اب کہ وہ ما بلکہ ہو گئی اس کا حکم وہ پہلی صورت کا ہو گیا کہ چھوٹے بیٹے کے نام س کا ہبہ صحیح ہو گیا اگر قبضہ دلا دیا اور باقی وارثوں کا کچھ حق نہ رہا اور قبضہ کاملہ نہ ہوا تو جائداد متروکہ زن ٹھہر کر وارثان زن پر تقسیم ہو گی جن میں بڑا بیٹا بھی ہے اور اس صورت میں پسر کلاں خواہ کسی وارث کو اس پر دعوی بیکار ہے مگر یہ کہ مہر اپنے پاس سے ادا کر دے تو حسب اصل مذہب جائداد سے اپنا حصہ لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۸: از کچہری چیف کورٹ ریاست بہاولپور مرسلہ محمد دین صاحب جج ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ

(۱) آج یہ مسل پیش ہوئے فتاوائے مصدرہ میں جو سوال زیر بحث اکثر طے ہو چکے ہیں

ان کے اس حکم درمیانی میں تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ذیل میں ان سوالات کاذکر کیا جاتا ہے جن میں :

(الف) ابھی تک اطمینان کی ضرورت ہے موصی اگر دو شخصوں کے حق میں وصیت کرے جن میں سے کچھ مال وارث کے نام اور دوسرا کچھ مال ایک شخص اجنبی کے نام جیسا کہ اس مقدمہ کی صورت ہے توکیا ایسی وصیتیں جائز اور قابل نفاذ ہیں، اگر سوال اول کاجواب جواز وصایا متعدد ہو تو پھر یہ دیکھنا ہے کہ پہلے کون سی وصیت کو نافذ کرنا چاہئے، آیا اس وصیت کو جو ایک وارث کے حق میں کی گئی یا اس وصیت کو جو ایک اجنبی شخص کے حق میں کی گئی ہے، اجنبی شخص کے حق میں چونکہ وصیت زائد علی ثلث المال ہے اس لئے وارث کے اعتراض پر اس وصیت کا نفاذ ثلث المال تک محدود کرنا پڑے گا یا کس طرح، ایسی صورت میں اگر بحق الوارث ناقابل نفاذ قرار دی جائے یا اس کا نفاذ نفاذ وصیت بحق وارث سے مقدم قرار دیا جائے تو ثلث المال میں جمیع مال موصی کا ثلث، نفاذ وصیت کے لئے شمار کیا جائے گا یا زیورات کو جن کی نسبت متوفی نے شاہ محمد کے نام کوئی وصیت نہیں کی علیحدہ رکھ کر باقی ماندہ کے ثلث پر وصیت نافذ ہوگی، دونوں صورتوں میں جو جائز قرار دی جائے اس کی سند ہونی چاہئے بعد نفاذ وصایا اور ادائے فرض ورثاء کے جو مال باقی ترکہ متوفی کا بچ رہے اس کی تقسیم میں علماء میں بحث اور اختلاف ہے اس کا اقتباس یہ ہے :

(۱) باقیماندہ مال اس اصول پر کہ نفاذ وصیت لزائد علی ثلث المال (ایک تہائی سے زائد مال کی۔ت) کا اب کوئی مزاحم نہیں رہا اب موصی لہ بزائد علی ثلث المال کو ملنا چاہئے۔

(۲) باقیماندہ مال کا اب چونکہ کوئی حقدار نہیں رہا اور زوجہ موجود ہے اس لئے رد علی الزوجین کے فتوی کے مطابق زوجہ کو دیا جائے۔

(۳) باقیماندہ کی تقسیم بعد ادائے فرائض ودیون وفرائض وصایا کی جو ترتیب ہو سکتی ہے وہ حسب ذیل مستحق بالترتیب ہوں گے :

[۱]ذوی الفرائض، [۲]عصبات، [۳]ردذوی الارحام، [۴]مقرلہ، [۵]موصی لہ بمازاد علی الثلث، [۶]ردعلی الزوجین، [۷]بیت المال۔

اسی ترتیب کی رو سے بمازاد علی الثلث کو دیا جائے۔

فقرہ بالاکی صورت نمبر ۳، ۲ میں علماء کا

اختلاف تقدم وتاخر رد علی الزوجین اور موصی لہ بکل المال کے ہے اور اس حقوق کے متعلق بحث بھی فتاوی میں بہ تفصیل درج ہے، ایک جزئی سند اس قسم کی زیر بحث ہے جس میں علماء متاخرین نے بیت المال کو بوجہ فساد وعدم وجود بیت المال کے رد علی الزوجین سے متاخر کردیا ہے، اور موصی لہ بکل المال کو رد علی الزوجین پر مقدم رکھنے کے متعلق کوئی سند صریح اور جزئی ظاہر نہیں کی گئی صرف مندرجہ ذیل استشہاد میں کی گئی جن کو دوسرے علماء اسی متاخرین اور متقدمین کی بحث میں لاکر رد علی الزوجین سے مؤخر خیال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں فتاوٰی۔

یہ سوالات ہیں جو ابھی تک تصفیہ طلب ہیں، نقول فتاوٰی علماء نے منسلکہ مسل معہ نقل استفتاء و نقل وصیت نامہ خدمت میں مولوی صاحب مولوی احمد رضاخاں صاحب بریلوی مرسل ہوں اور التماس کی جائے کہ ان تمام فتاوٰی کوملاحظہ فرمائیں، اور ان سوالات حل طلب کے متعلق اپنی رائے کامعہ استناد جواب تحریر فرماکر بہت جلد مرحمت فرمائیں، مبلغ (صہ/) بذریعہ منی آرڈر مولوی صاحب کی خدمت میں بھجوادیئے جائیں، اور یہ بھی التماس ہو کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں، ملاحظہ فتاوٰی سے اختلاف علماء کے تمام جزئیات اور صورتیں واضح ہوں گی، ہر ایک فتوی پر علیحدہ علیحدہ نمبر دیئے گئے ہیں مقدمہ چونکہ عرصہ سے دائر ہے اس لئے نتیجہ کے بھجوانے کے لئے استدعا کی جاتی ہے کہ بہت جلدی عدالت ہذا میں بھجوایا جائے، تحریر ۱۷/اگست ۱۳۱۳ھ

(مسماۃ عالمون بنام شاہ محمد دعوی جائداد بروئے وراثت)

نقل وصیت نامہ ادا

میکہ واحد بخش ولد دین محمد ذات شیخ نومسلم پیشہ نان بائی عمر تخمیناً (صہ للعہ) سال حال مقیم خانپور ریاست بہاولپور کا ہوں بجمعی حواس خمسہ وہوش عقل بلااجبار واکراہ احدیکہ اقرار کرتا ہوں اور لکھ دیتا ہوں اس بات پر کہ مظہر بعارضہ بیماری تپ دق کے بیمار ہے اور یہ بیماری ایک ایسی بیماری ہے کہ اس سے نجات قسمت اور خداداد زندگی پر شفایابی حاصل ہوتی ہے اور اب مجھ کو ایسے نازک وقت پر اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے تاکہ پسماندگان میرے میں کوئی تکرار مدار برپا نہ ہو، پس اب میں اس طرح پر اپنا انتظام کرتا ہوں کہ چونکہ میرا کوئی فرزند نرینہ یامدینہ نہیں ہے صرف ایک عورت نوجوان ہے جس پر یہ بھروسا کم ہے کہ بعد موتیدگی میرے کے وہ میرے حق میں رہے اور یہ ضرور ہے کہ میری جائداد بعد میرے تباہ و خراب ہوجائے اس کا یہ انتظام ہے کہ زیورات ذیل کنٹھمالہ طلائی ۸ یا پانچ لڑی قیمتی (یاعہ ۲۰) کڑیاں نقرہ ایک جوڑا قیمتی یک صدروپیہ، چندن ہار ایک قیمتی مبلغ (صہ) تولہ طلائی، اور ایک عدد قیمتی (عہ/)

عطردان، ایک قیمتی مبلغ سے بازوبند نقرہ، ایک جوڑہ قیمتی سے کنگن نقرہ، دانوال ایک جوڑہ قیمتی مبلغ (عہ) کل جملہ مبلغ (ماعہ عہ) کے زیورات، مندرجہ بالا اپنی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو ملے گا ان زیورات سے کسی کا تعلق اور واسطہ نہ ہوگا، میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون مذکورہ بالاکے ہیں، ماسوائے اس کے میری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات رہائش بمقام نوشہرہ ہیں اور وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں ان کا انتظام اس طور پر رہے گا کہ وہ مکانات زیر حفاظت شاہ محمد خاں ولد مسکر خاں ذات نانبوچی سکنہ خان پور کے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر مظہر کی عورت مظہر کے حق میں رہ کر گزارہ کرے تو اس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا وہ یعنی تا حق مظہر آباد رہے گی، رہن اور بیع مسماۃ عالم خاتون زوجہ ام کو اختیار ہر گز نہ ہوگا اور اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرادے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے اور اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن زررہن یا زربیع میری تجہیز وتکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن گلی ومسی وکٹ وغیرہ دیگچہ ہا مسی و تھالی کلاں مسی وکٹورہ کٹ وچار پائی ہائے وغیرہ جملہ سامان خانہ دارری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا، بموقع محفل امامین شہیدین شریفین شاہ محمد خاں جملہ برتن ہائے میں سے گلیم دری کلاں وغیرہ لے جائے اور استعمال کرے سب کچھ شاہ محمد خاں کے اختیار میں ہوگا زوجہ ام مسماۃ عالم خاتون کو ضرورت استعمال کے لئے دیئے جائیں گے بشرطیکہ وہ فروخت یا بیع روپوش نہ کرے ورنہ کلہم اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت گزاری اور وفاداری از حد کی ہے بعد انتقال میری بھی تجہیز وتکفین کا انتظام کرے گا اور میری منزلت آخر کو پورا انجام دے گا۔ یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گی جب تک میں حیات موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے اور قابل عمل ہوں گی لہٰذا ایں چند حروف بطور وصیت نامہ لکھ دیتا ہوں کہ سند رہے اور وقت حاجت کے کام آئے۔

المرقوم ۲۲ صفر ۱۳۳۱ھ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۱۱ء

استفتاء

مسمّٰی واحد بخش مر گیا ہے صرف ایک بیوہ مسماۃ عالمون چھوڑ گیا ہے دیگر کوئی اس کا وارث نہیں مرنے سے قریب ایک یا دو ماہ یا پندرہ یوم وہ چہار پائی بند ہوگیا اس کو تپ دق کی بیماری تھی اسی بیماری میں وہ فوت ہوا، ہوش اس کو آخر تک رہی، مرنے سے ایک ہفتہ پہلے اس کے معالج نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ اب نہ بچے گا اور اس

لئے اس کا علاج کرنا بھی چھوڑ دیا تھا، مرنے سے قریب تین چار یوم پہلے ۲۳ فروری ۱۳۱۱ھ کو واحد بخش مذکور نے ایک وصیت تحریری تکمیل کی، اس وصیت کی ایک نقل شامل ہذا کی جاتی ہے یہ شاہ محمد موصی کا نہ رشتہ دار نہ ہم قوم ہے، متوفی ایک نومسلم تھا جو اپنے آپ کو وصیت میں شیخ نومسلم پیشہ نان بائی لکھتا ہے، اسی شاہ محمد کے گھر میں وہ مرا جس نے اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کی، اب دعوی جائداد متوفی کا باہم اس شاہ محمد کے اور عالم خاتون بیوہ موصی کے ہے، موخر الذکر مدعیہ ہے وہ مانتی ہے کہ شاہ محمد مدعاعلیہ نے پاس اس کو زیورات قیمتی (سماعہ عہ) (جس کا ذکر وصیت میں ہے) بعد وفات موصی دے دیئے ہیں لیکن وہ کہتی ہے کہ شاہ محمد مدعاعلیہ کے پاس دیگر زیورات واثاث البیت ظروف وغیرہ مالیت (ماعہ ۱۴/) اور دو منزل مکانات قیمت آٹھ سو روپے از ترکہ شوہرش مذکور موجود ہیں، وہ بھی شرعًا تنہا مدعیہ کو ملنا چاہئے مدعاعلیہ کا کوئی حق نہیں، وصیت کی تکمیل اور جوازی دونوں کو وہ تسلیم نہیں کرتی جو زیورات قیمتی سماعہ ورثہ مدعیہ کو ملے ہیں ان کی نسبت وہ یہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ہے، شاہ محمد مدعاعلیہ کو وصیت کی تعمیل پر اقرار ہے وہ کہتا ہے کہ وصیت جائز ہے اور یہ کہ مدعیہ حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہیں رہی اور یہ کہ وصیت کو مدعیہ نے وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا سوال یہ ہیں:

(۱) کیا بروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اگر ہوئی تو اس سے جوازی وصیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعاعلیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد متوفی میں مدعیہ کو کیا حصہ ملنا چاہئے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعہ عہ بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں کیا ان میں سے مدعاعلیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتا ہے یا یہ کہ ان زیورات کو چھوڑ کر باقی جائداد میں ہر دو فریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سوال ۲ ان کے پائے جائیں۔

(۴) جو اخراجات تجہیز و تکفین مدعاعلیہ نے کئے ہوں مدعاعلیہ کو علاوہ ملیں گے یا کہ اس کے اپنے حصے پر چارج ہوں گے یعنی یا یہ کہ مدعاعلیہ کے حصہ پر ان کا بار ہوگا؟

(۵) مکان میں جو بصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیا گیا ہے کیا وہ شرعًا جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کو بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان تملیک قطعی دے دیا جائے۔

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کے ظروف وغیرہ کا بھی دیاجانادرج وصیت ہے کیایہ چیز ہے اور بلحاظ سوال ۲اثر پذیر ہوسکتاہے؟

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہر دوفریق کاسوال ۲قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ میں جداجداد یاجاسکتاہے یا کہ بالکل جائداد منقولہ غیر منقولہ کی قیمت مقرر کرکے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جاسکتی ہے۔ ۷اجنوری

سوال ۲: زید اس طرح وصیت کرکے مرگیاہے کہ بعد مرنے میرے کے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ کامالک عمرو ہے میری تجہیز وتکفین بھی کرے گا اور اللہ میری ارواح کو بھی دے گا بعد وفات زید کے عمرو نے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفاء امورات میں لگ گیامتوفی کاوارث بجزایک زوجہ اور کوئی نہیں ہے اب زوجہ متوفی کہتی ہے کہ یہ تمام مال متروکہ شوہر خود صرف میراہی حق ہے میں دوسرے شخص کو دینانہیں چاہتی، پس شرع شریف میں یہ وصیت جائز ہے یا کسی طرح اور، زوجہ کا حق مال متروکہ میں کیاہے اور وصیت کاحصہ کیاہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

نقل جواب ۱

مندرجہ سوال حالات میں مسمّٰی واحد بخش کی متروکہ جائداد میں سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین شرعی کاجس میں رواجی صدقات و خیرات شامل نہیں ہیں خرچ اداکرنے کے بعد اس کی بیوہ مسماۃ عالم خاتون کاحق مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہوادا کریں گے اس حق مہراداکرنے کے بعد جس قدر جائداد منقولہ یاغیر منقولہ باقی بچے اس کے تین حصے کرکے دوحصہ مسمات عالم خاتون بیوہ واحد بخش کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں گے۔اس مختصر جواب کے بعد عدالت کے سولات کانمبروار جواب دیا جاتاہے:

(۱) یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور شرعًا جائز ہے۔

(۲) عالم خاتون مدعیہ کے اعتراض کرنے پر جائداد متروکہ کے جبکہ اس میں سے واحد بخش کی شرعی تجہیز وتکفین کاخرچ اور عالم خاتون کے حق مہر کی رقم نکالی جاچکی باقی کے تیسرے حصہ میں جائز ہوگی اس سے زائد میں جائز نہیں ہوگی اس لئے اس باقیماندہ جائداد میں سے دوحصے عالم خاتون کو اور ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں گے۔

(۳) زیورات قیمتی (سماعہ عہ) کی بابت اگر یہ ثابت ہوجائے کہ یہ زیورات عالم خاتون کے حق مہر کے عوض میں دیئے گئے ہیں توپھر ان میں شاہ محمد خاں کاکچھ بھی حق نہیں ہے لیکن اگران تمام زیورت کے

تیسرے حصہ میں اور دوسری صورت میں باقی ماندہ زیورات کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دونوں صورتوں میں باقی دو حصے عالم خاتون کے حق ہوں گے۔

(۴) تجہیز و تکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہیں پڑے گا۔

(۵) مسماۃ عالم خاتون کو رہائش کا حق شرعاً حاصل نہیں ہے اس بات میں واحد بخش کی وصیت لغو اور بے اثر رہے گی۔

(۶) ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہوگی کہ ان کے تیسرے حصے میں شاہ محمد خاں کا حق ہے اور دو حصے مسمات عالم خاتون کا حق ہے لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو ان ظروف میں ہے وہ واحد بخش کی جائداد غیر منقولہ سے پورا کر دیا جائے۔

(۷) فریقین یعنی عالم خاتون اور شاہ محمد خاں کا اصل حق تو موجودہ جائداد متروکہ واحد بخش ہی میں ہے لیکن اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت لینے پر رضامند ہوجائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو خواہ وہ عالم خاتون ہو یا شاہ محمد خاں اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا شرعاً عدالت کے اختیار سے باہر ہے۔

نوٹ: متوفی کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں بعد ادا کرنے خرچ تجہیز و تکفین اور ادا کرنے حق مہر یا ایسی ہی اور قرضوں کے جس قدر باقی بچے اس باقیماندہ ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے وصیت ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس میں سے چہارم حصہ بیوہ کا حق ہوتا ہے۔ لیکن اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو جیسا کہ موجودہ سوال کی صورت میں ہے تو بعد ادائے خرچہ تجہیز و تکفین اور ادائے حق مہر و دیگر قرضوں اور ادائے حصہ وصیت کے جس قدر باقی بچے وہ سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ کتاب درمختار و ردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہوا ہے ھذا واللہ اعلم بالصواب۔

نقل جواب ۲

(نقل فتوی مولوی صاحب برانڈا مولویان)

ھو الملھم بالحق والصواب (یہ حق اور درستگی کے ساتھ الہام کیا گیا۔ت)

شرعاً یہ وصیت صحیح اور نافذ ہے کیونکہ وصیت کنندہ عاقل بالغ ہے اور زوجہ کا حق مال متروکہ متوفی سے سدس ہے اور باقی عمرو موصی لہ کا ہے اور اللہ اسباب خیر میں بھی صرف کرے مثلاً تعمیر مسجد کی کرادے یا پل تیار کرادے یا طلبائے علم دین اسلام کو دے، روایات کتب معتبرہ اس پر دال صریح الدلالۃ

اور واضح البیان ہے۔

شواھد:	دلائل:
فی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ ومات ولم یترك وارثا الاامرأتہ فان لم تجز فلھا السدس و الباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلااجازۃ فیبقی الثلثان فلھاربعھما وھو سدس الکل درمختار[1] قولہ فلھا ربعھما لان الارث بعد الوصیۃ ففرضھا ربع الثلثین الباقین شامی[2]۔ کذٰلك لومات الرجل عن امرأتہ و اوصی بمالہ کلہ لاجنبی واوصی بمالہ کلہ لاجنبی ولم تجز المرأۃ فللمرأۃ السدس وخمسۃ اسداسہ للموصی لہ لان الثلث صار مستحقا بالوصیۃ بقیت الشرکۃ فی ثلثی المال	فتاوٰی نوازل میں ہے ایک شخص نے اپنے تمام مال کی کسی مرد کے لئے وصیت کی اور مرگیا درانحالیکہ سوائے ایک بیوی کے اس نے کوئی وارث نہیں چھوڑا، پھر اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ اور باقی اس شخص کو ملے گا جس کے لئے وصیت کی گئی اس لئے کہ وصیت والے مرد کو ایک تہائی تو بلا اجازت ملے گا باقی دو تہائی بچا تو بس بیوی کو دو تہائی میں سے چوتھا حصہ ملے گا اور وہ کل مال کا چھٹا حصہ بنتا ہے (درمختار)۔ ماتن کا قول کہ "بیوی کو دو تہائی کا چوتھا حصہ ملے گا" وہ اس لئے ہے کہ میراث وصیت کے بعد ہوتی ہے چنانچہ بیوی کا فرضی حصہ باقی بچنے والے دو تہائی میں سے چوتھا ہوگا (شامی)۔ اسی طرح اگر کوئی شخص ایک بیوی چھوڑ کر مرا اور تمام مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کر گیا اور عورت نے وصیت کی اجازت نہیں دی تو اس صورت میں عورت کو کل مال کا چھٹا (۱/ ۶) ملے گا، اور باقی پانچ حصے (۵/ ۶) وصیت والے شخص کو ملیں گے۔ اس لئے کہ وہ شخص وصیت کے سبب سے ایک تہائی کا مستحق ہوگیا اور دو تہائی

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰

فللمرأة ربع ذٰلك والباقی للموصی له لان الوصیة مقدمة علی بیت المال فتاوٰی عالمگیری[1]۔وکذلك فی الفتاوی الخلاصة.اوصی بثلث ماله لله تعالٰی فهی باطلة وقال محمد رحمه الله تصرف لوجوه البر در مختار[2]۔قوله وقال محمد رحمه الله تصرف لوجوه البر قدمنا عن الظهیریة انه المفتی به ای لانه وان کان کل شیئ لله تعالٰی لکن المراد التصدق لوجهه تعالٰی تصحیحا لکلامه بقرینة الحال شامی[3]، ولو اوصی بالثلث فی وجوه الخیر یصرف الی القنطرة او بناء المسجد اوطلبة العلم کذا فی تاتارخانیة فتاوٰی عالمگیری[4]،وهکذا فی فتاوٰی خلاصة.ولامن صبی غیر ممیز اصلا ولوفی وجوه الخیر خلافاللشافعی

مال میں شرکت باقی رہی،چنانچہ عورت کو اسی کا چوتھا حصہ ملے گااور باقی وصیت والے شخص کو ملے گا کیونکہ وصیت بیت المال پرمقدم ہے(فتاوائے عالمگیری)۔اسی طرح فتاوٰی خلاصہ میں ہے اگر کسی نے اپنے تہائی مال کی اللہ تعالٰی کے لئے وصیت کی تو وہ باطل ہے۔امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ "اس کو نیکی کے کاموں میں خرچ کیاجائے گا"ہم بحوالہ ظہیریہ پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ بیشک فتوٰی اسی پر ہے اس لئے کہ اگرچہ ہر شیئ اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے لیکن اس سے مراد اللہ تعالٰی ہی کے لئے ہے لیکن اس سے مراداللہ تعالٰی کی رضاکے لئے صدقہ کرنا ہے تاکہ قرینہ حالیہ کی وجہ سے موصی کاکلام صحیح قرار دیاجاسکے(شامی)۔اوراگرنیکی کے کاموں میں تہائی کی وصیت کی تو وہ مال پل،مسجد کی تعمیر اورطالبعلموں پرخرچ کیاجائے گا،یونہی تاتارخانیہ میں ہے(فتاوٰی عالمگیری)۔ایسا ہی فتاوٰی خلاصہ میں ہے،اور نابالغ تمیزنہ رکھنے والے بچے کی وصیت بالکل نافذنہیں ہوتی اگرچہ نیکی کے کاموں کے لئے ہو،بخلاف امام شافعی

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۰۵

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا الباب الثالث مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۲۲

[3] ردالمحتار کتاب الوصایا الباب الثالث داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۶

[4] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۹۷

وکذا لاتصح من ممیز الافی تجهیزه وامر دفنه وعلیه تحمل اجازة عمر رضی الله عنه لوصیة یافع رضی الله عنه یعنی المراهق درمختار[1]، علی حسب اظهار السائل۔ والله تعالٰی اعلم۔	علیہ الرحمہ کے۔اسی طرح تمیز رکھنے والے نابالغ کی وصیت بھی صحیح نہیں مگر تجہیز و تکفین میں اس کی وصیت صحیح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قریب البلوغ لڑکے کی وصیت کو جائز قرار دینا اسی تجہیز و تکفین پر محمول ہے (درمختار)۔یہ حکم سائل کے اظہار کے مطابق ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

بحقیقة الحال وصدق المقال (ہمہ) مستفتی نے بعد تکمیل استفتاء ہذا کے بیان کیا کہ متوفی نے چند زیورات معدودہ شخصہ معہودہ کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کرگیا تھا یعنی کہہ گیا تھا کہ بعد وفات میری کے ان زیورات مذکورات کی مالک میری زوجہ ہے، پس اس کا جواب شرعًا یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت متوفی نے اپنی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ چیز سالم متوفی کی زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت کے اپنے خاوند سے لے سکتی ہے،

والشاهد فیه لو اوصی لزوجته اوهی له ولم یکن ثمة وارث اٰخر تصح الوصیة ابن کمال درمختار[2]۔ هذا ما عندی ولعل عند غیری ابلغ من هذا۔	اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر مرد نے اپنی بیوی کے لئے یا بیوی نے اپنے شوہر کے لئے وصیت کی درانحالیکہ وہاں کوئی اور وارث نہیں تو وصیت صحیح ہے، ابن کمال (درمختار)، یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے ہوسکتا ہے میرے غیر کے پاس اس سے بڑھ کر موجود ہو۔ (ت)

استفتاء: ماقولکم رحمکم الله (تمہارا کیا ارشاد ہے؟ اللہ تعالٰی تم پر رحم فرمائے۔ت) اندریں صورت ایک شخص مسمّٰی واحد بخش جو عرصہ سے مریض تھا اپنے مرض الموت میں مرنے سے دو دن پہلے بدیں مضمون وصیت کی کہ چونکہ میں بیمار ہوں اور حیات ناپائیدار پر اعتبار نہیں ازاں بعد میں وصیت کرتا ہوں کہ فلاں فلاں زیورات قیمتی (سماعہ عہ) میرے مرنے کے بعد میری زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو بعوض حق المہر دیئے جائیں اور ماسوائے اس کے کل جائداد میری کا مالک مسمّٰی شاہ محمد خاں ہوگا،

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

بعد کرنے اس وصیت کے فوت ہوگیااور واضح رہے کہ واحد بخش متوفی وصیت کنندہ کا بغیر عالم خاتون کے جو اس کی زوجہ ہے اور کوئی وارث نہیں شاہ محمد موصی لہ ایک اجنبی آدمی ہے، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعًا ایسی وصیت کو کیا حکم ملتاہے، بوقت موجودگی وارث دیگر اجنبی کے واسطے وصیت جائز ہے یانہ؟ اگر جائز ہے تو جمیع مال سے یا ثلث میں عورت کو شرعًا اس کے متروکہ سے کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟ اور اگر ملے گا تو کیا؟ **بیّنوا توجروا۔**

نقل جواب ۳ وباللہ التوفیق

شرعًا بوقت موجودگی ورثہ میت بجمیع مال نافذ نہیں ہوسکتی، ثلث سے جاری ہوگی ثلث یعنی مال متروکہ سے تیسرے حصہ سے زیادہ وصیت کرنا ناجائز ہے جن جن زیورات کے بارہ میں مسمّٰی واحد بخش متوفی بعوض حق المہر مسماۃ عالم خاتون زوجہ خود کے دینے کی وصیت کرگیا ہے وہ اس کا فرض تھا اور اس کا ادا کرنا اس کو فرض تھا،

ویبدأ من ترکۃ المیت بتجھیزہ ثم دینہ۔ کنز الدقائق۔[1]	ترکہ میت میں سے ابتداء اس کی تجہیز وتکفین سے کی جائے گی پھر اس کا قرض ادا کیا جائے گا(کنزالدقائق)۔(ت)

اس کے ماسوا باقیماندہ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ متروکہ واحد بخش متوفی موصی میں سے ثلث یعنی تیسرا حصہ شاہ محمد موصی لہ کو شرعًا دیا جائے گا،

ولاتصح بمازاد علی الثلث ۱۲ کنزالدقائق۔[2] ولاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ ۱۲ ھدایہ[3] وتجوز بالثلث للاجنبی عند عدم المانع وان لم یجز الوارث ذٰلک لاالزیادۃ	تہائی مال سے زائد پر وصیت صحیح نہیں،(کنزالدقائق)(ت) تہائی مال سے زائد پر وصیت جائز نہیں کیونکہ وہ وارثوں کا حق ہے ۱۲(ہدایہ)(ت) اجنبی کے لئے تہائی مال کی وصیت جائز ہے جبکہ کوئی مانع موجود نہ ہو اگرچہ وارث اس کی اجازت نہ دے۔ تہائی سے زائد کی وصیت

[1] کنزالدقائق کتب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳

[2] کنزالدقائق کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۱۴

[3] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴ /۶۵۱

علیہ ۱۲ الدر المختار[1]۔	جائز نہیں ۱۲ الدر المختار (ت)

اور باقی اس کی زوجہ مسماۃ عالم خاتون کو دیا جائے گا کیونکہ ربع اس کو بالفریضہ ملتا ہے،

فللزوجات حالتان الربع بلاولد والثمن مع الولد ۱۲ الدر المختار۔[2] والربع للزوجات اذا لم یکن ولد و ولد ابن ۱۲ اجوھرہ نیرہ۔[3]	بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو تو بیویوں کو کل مال کا چوتھا حصہ اور اولاد ہو تو آٹھواں حصہ ملتا ہے ۱۲ در مختار (ت) اور بیویوں کو چوتھا حصہ ملے گا اگر مرنے والے شوہر کی اولاد نہ ہو تو ۱۲ اجوہرہ نیرہ (ت)

اور باقی بھی مساۃ عالم خاتون کو بالرد ملتا ہے یعنی بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے اس پر یعنی زوجہ پر رَد کیا جائے گا،

قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال وقد مناہ فی الولاء، الدر المختار[4]۔ قولہ وفی الاشباہ قال فی القنیۃ و یفتی بالرد علی الزّوجین فی زماننا لفساد بیت المال و فی الزیلعی عن النھایۃ مافضل عن فرض احد الزوجین یرد علی و کذا البنت والابن من الرضاع یصرف الیھما	**میں کہتا ہوں** کہ اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر میراث کو رَد کیا جائے گا۔ اس کا ذکر ہم کتاب الولاء میں کرآئے، درمختار۔ (ت) اور اس کا قول کہ "اشباہ میں ہے "قنیہ میں فرمایا ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رَد کا فتوی دیا جائے گا، اور زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک فرضی حصہ کی وصولی کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ اسی پر لوٹادیا جائے گا۔ اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف میراث کو

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷
[2] الدر المختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۵
[3] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الفرائض مکتبہ امدایہ ملتان ۲ /۴۰۹
[4] الدر المختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

وقال فی المستصفٰی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وھو قول المتأخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیٰی ابن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام۔ ردالمحتار شرح الدرالمختار۔[1]	لوٹا جائے گا۔ اور مستصفی میں کہا آج کے دور میں فتوٰی زوجین پر رَد کرنے کے ساتھ ہے۔ یہی قول ہمارے متاخر علماء کا ہے۔ حدادی نے کہا کہ آج کل فتوی زوجین پر رَد کرنے کے ساتھ ہے۔ احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوٰی دیا جبکہ ان کے علاوہ عزیز و اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ حکمران بگڑ چکے ہیں، ردالمحتار شرح الدرالمختار (ت)

عبارت کتب معتبرہ مرقومۃ الفوق سے ظاہر ہے کہ جمیع مال سے ایک ثلث مسمّٰی شاہ محمد خاں موصی لہ لے گا اور دو ثلث مسماۃ عالم خاتون زوجہ متوفی کو ملیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب عندہ ام الکتاب۔ ۲۰/رجب المرجب ۱۳۲۹ھ۔ (مفتی مولوی محمد مجید صاحب لاہوری نے تحریر فرمایا) مگر ائمہ متاخرین یہ فرماتے ہیں کہ بچا ہوا ترکہ جس طرح پہلی قسم کے حصے داران پر بحصہ رسدی رَد ہو سکتا ہے اسی طرح دوسری قسم کے حصہ داران پر بھی رَد ہو سکتا ہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جو کچھ بچا ہوا ترکہ ہو وہ احدالزوجین کو دے دیں گے یعنی موصی لہ بکل المال کو نہ دیں گے انتہی خلاصہ دو ورق کا یہ دو سطریں ہیں۔

نقل جواب ۴

(تردید منجانب علمائے ریاست بہاولپور)

ہمارے ہاں بھی مسلم اور ماعلیہ العمل یہی قول متاخرون کا ہے جو الیوم رد علی الزجین (آج کل زوجین پر رد۔ ت) پر فتوی ہے اور سیدنا امیر المومنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اور ان سے بیان وجہ رد علی الزوجین کا اگرچہ درمختار میں اس کا ماعلیہ اور شامی میں اس سے جواب نقلا عن روح الشروح کمال الوضوح (روح الشروح سے کامل وضاحت کے ساتھ نقل کرتے ہوئے۔ ت) کے مُبیَّن ہے تاہم مع قطع النظر ان دونوں امروں کے ہم کو بالراس والعین منظور ہے مگر تاسف اس کم توجہی مفتی صاحب پر ہے کہ رد علی الزوجین کا محل الوقوع اور موقعہ ملحوظ نہ کرنا اور بلاتامل اس کے موصی بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلاف عقل اور نقل ہے اور سراسر تحکم وتعسف اور دعوی بلادلیل ہے فقہاء نے رد علی الزوجین کی علت مرادایہ بیان فرمائی ہے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

کہ لفساد بیت المال (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) چنانچہ مفتی صاحب نے بھی خود تحریر کیا ہے اور یہ تو ایک دفعہ بھی نہیں لکھا کہ لفساد الوصیة لجمیع المال (کل مال کی وصیت کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔ت) اس سے صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین جو بناء علی مذہب المتاخرین قول مفتٰی بہ ہے اس کا درجہ صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزجین جو بناء علی مذہب المتاخرین قول مفتٰی بہ ہے اس کا درجہ صرف بیت المال سے مقدم ہے چنانچہ بنات المعتق وذوی ارحامه والبنت والابن من الرضاع (معتق کی بیٹیوں، اس کے ذوی الارحام، اس کی رضاعی بیٹی اور اس کے رضاعی بیٹے۔ت) کو بیت المال سے تقدیم ہے،

کما حققناه الشامی[1] رحمه الله تحت قوله فی الاشباه نقل عن معراج الدرایة۔	جیساکہ اس کی تحقیق علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے مصنف کے قول فی الاشباہ کے تحت معراج الدرایہ سے نقل فرمائی ہے۔(ت)

نہ یہ کہ رد علی الزوجین کو مستحقین پر تقدیم ہے بلکہ رد علی ذوی الفروض النسبیه وذوی الارحام موصی له بکل المال (نسبی ذوالفرض پر رد، ذوی الارحام اور وہ جس کے حق میں تمام مال کی وصیت کی گئی۔ت) جو اہل استحقاق ہے یہ سارے فریق رد علی الزوجین سے مقدم ہیں اب جزئی صریح اس امر کی کہ:

الموصی له بجمیع المال مقدم علی الرد علی الزوجین۔	جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی وہ زوجین پر رَد سے مقدم ہے۔(ت)

ہدیہ ناظرین ہے،

وفی السراجی ثم الموصی له بجمیع المال ثم بیت المال[2] ان لم یکن احد المذکورین فالمال کله للموصٰی له لان منعه عن زیادة الثلث کان للمضرة بالورثة وقد انتفی بها	سراجی میں ہے پھر وہ جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی پھر بیت المال، اگر ان میں سے کوئی موجود نہ ہو جن کا ذکر کیا گیا ہے تو سارا مال اس شخص کو دیں گے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی، اس لئے کہ اس کے لئے تہائی مال سے زائد کی ممانعت وارثوں کے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[2] السراجی فی المیراث خطبة الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۵و۶

وان کان احدالزوجین فالباقی له وان کان وارث غیرھما فللموصی له الثلث ۱۲شیخ الاسلام[1] ضیاء السراج السراجی۔ وفی المستصفٰی والفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدمه المستحق لعدم بیت المال ۱۲شامی[2] تحت قوله وفی الاشباہ والفتوی الیوم بالرد علیھما اذا لم یکن للباقی مستحق لان الظلمة لایصرفون مال بیت المال الی مصرفه مستصفٰی۔[3]	ضرر کی وجہ سے تھی اور وہ یہاں منتفی ہے۔اور اگر زوجین میں سے کوئی ہے تو باقی اس کو دیں گے۔اور اگر ان دونوں کے علاوہ کوئی وارث ہے تو پھر جس کے حق میں کل مال کی وصیت ہے اس کو ایک تہائی دیں گے ۱۲شیخ الاسلام ضیاء السراج السراجی۔ مستصفٰی میں ہے آج کل فتوٰی زوجین پر لوٹانے کے ساتھ ہے جبکہ کوئی اور مستحق موجود نہ ہو بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے ۱۲شامی تحت قولہ وفی الاشباہ۔اور فتوٰی آج کل زوجین پر لٹانے کا ہے جبکہ باقی کا کوئی اور مستحق موجود نہ ہو اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کے مال کو اس کے مصرف میں خرچ نہیں کرتے (مستصفٰی)(ت)

جو نقل مستصفٰی کا مفتی صاحب نے شامی سے تحت قولہ وفی الاشباہ لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تمام قول کو اول سے آخر تک نہیں دیکھا اگر دیکھتے اور غور کرتے تو عند عدم المستحق کی قید ضرور ساتھ لگاتے جو اس قول میں درج ہے اور ہر جگہ رَد ہے صرف ناتمام جزئ نقل کرکے خوش ہورہے ہیں نقل میں ما قبل اور مابعد کے لحاظ چاہیئے تاکہ نقل صحیح اور تمام ہو نہ کہ ناقص اور غلط، ہاں اگر دیدہ ودانستہ دیکھ کر نہیں لکھا تو سفسطہ اور مکابرہ ہے۔

ولیستوضح لك معنی المستحق ویاتیك تحقیقه عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔	اور تیرے لئے مستحق کے معنی کی وضاحت کرتے اور اس کی تحقیق آرہی ہے عنقریب ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

اب توجہ فرمائیے کہ یہ فریق ایک دوسرے کے عدیل اور ردیف ہیں سوائے بیت المال کے

---

[1] ضیاء السراج حاشیۃ السراجی خطبۃ الکتاب ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

سارے فریق رد علی الزوج سے مقدم ہیں۔

ثم رد علی ذوی الفروض النسبیۃ بقدر حقوقھم ثم ذوی الارحام ثم بعدھم مولی الموالاۃ کما مر فی کتاب الولاء ولہ الباقی بعد فرض احد الزوجین ثم المقرلہ بنسب علی غیرہ لم یثبت فلو ثبت حقیقۃ و زاحم الورثۃ ثم بعدھم الموصی لہ بمازاد علی الثلث و لو بالکل ثم یوضع فی بیت المال ۱۲ درمختار۔[1]	پھر نسبی ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے مطابق رد کرنا پھر ذوی الارحام پھر ان کے بعد مولی الموالاۃ۔ جیسا کہ کتاب الولاء میں گزرا۔ اور اس کو زوجین میں سے ایک کا فرضی حصہ نکالنے کے بعد جو باقی بچے گا وہ ملے گا۔ پھر وہ شخص جس کے لئے کسی غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہو اور نسب ثابت نہ ہوا اور اگر حقیقۃً اس کا نسب ثابت ہوگیا تو وہ وارثوں میں شریک ہوجائے گا۔ پھر ان کے بعد وہ شخص جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہو اگرچہ کل مال کی ہو پھر بیت المال میں رکھا جائے گا۔ (درمختار)۔ (ت)
قولہ ثم ذوی الارحام ای یبدأ بھم عند عدم ذوی الفروض النسبیۃ والعصبات فیاخذون کل المال اوما بقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیھما ۱۲ شامی[2]۔	ماتن کا قول "پھر ذوی الارحام" اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوی الارحام سے ابتداء ہوگی جبکہ نسبی ذوی الفروض اور عصبات نہ ہوں تو وہ ذوی الارحام کل مال لیں گے یا وہ مال لیں گے جو زوجین میں سے ایک کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد باقی رہ جائے کیونکہ زوجین پر رد نہیں ہوتا ۱۲ شامی (ت)
قولہ ولہ الباقی ای ان لم یوجد احد ممن تقدم فلہ کل المال الا ان وجد احد الزوجین	ماتن کا قول کہ "اس کے لئے باقی ہے" یعنی اگر ماقبل میں مذکور افراد میں سے کوئی موجود نہ ہو تو کل مال اسی کا ہے مگر جب زوجین میں سے

[1] درمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۳۔۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۷

فله الباقی عن فرضه ۱۲ شامی [1]۔ قوله ثم المقرله بنسب علی غیره فیعطی کل المال الا اذاکان احد الزوجین فیعطی مافضل بعد فرضه ۱۲ شامی۔[2] قوله لم یثبت ای یکون هذا الاقرار وصیة معنیً ولذا صح رجوعه عنه ولاینتقل الی فرع المقرله ولا اصله ۱۲ شامی[3]۔ (قوله ثم بعدهم) ای اذا عدم من تقدم ذکره یبدأ بمن اوصی له بجمیع المال فیکمل له وصیته لان منعه عما زاد علی الثلث کان لاجل الورثة فان لم یوجد احدمنهم فله عندنا ماعین له کملا سید ولا یخفی ان المراد انه	کوئی موجود ہو تو اس کے فرضی حصہ کے بعد باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا ۱۲ شامی (ت) ماتن کا قول کہ "پھر وہ جس کے لئے غیر پر نسب کا اقرار کیا گیا ہے" یعنی اس کو کل مال دیا جائے گا مگر جب زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اس کے فرض حصہ کے بعد جو باقی بچا ہو اس کو ملے گا ۱۲ شامی (ت) ماتن کا قول کہ "نسب ثابت نہیں ہوا" یعنی یہ اقرار باعتبار معنی کے وصیت ہے اسی لئے اس سے رجوع کرنا صحیح ہے اور یہ اقرار نہ تو مقرلہ کی فرع کی طرف منتقل ہوگا اور نہ ہی اس کی اصل کی طرف ۱۲ شامی (ت) ماتن کا قول "پھر ان کے بعد" یعنی مقدم الذکر تمام مفقود ہوں تو ابتداء اس شخص سے کی جائے گی جس کے لئے تمام مال کی وصیت کی گئی ہے اور اس کے لئے وصیت کی تکمیل ہوگی کیونکہ تہائی مال سے زائد کی وصیت وارثوں کی وجہ سے ممنوع تھی، جب ورثاء میں سے کوئی ایک بھی موجد نہیں تو ہمارے نزدیک وہ تمام وصیت والے کو دیں گے جس کا تعین موصی نے اس کے لئے کیا ہے (سید) اور

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۷

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۸

یاخذ الزائد بطریق الاستحقاق بلاتوقف علی اجازۃ فلایرد ان اخذ الزائد لایشترط فیہ عدم الورثۃ اذ لواجازوا جاز ۱۲شامی[1]۔	پوشیدہ نہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ تہائی مال سے زائد بطور استحقاق لے گا، کسی کی اجازت پر موقوف نہیں ہوگا، چنانچہ یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ زائد کے لینے کے لئے وارثوں کا معدوم ہونا شرط نہیں کیونکہ اگر وہ اجازت دیں تو زائد کا لینا جائز ہوتا ہے ۱۲شامی (ت)

اس عبارت لایخفی (پوشیدہ نہیں۔ت) سے مخفی نہیں ہے بلکہ صاف ظاہر ہے کہ موصی لہ بکل المال مستحق ہے اور وہ رد علی الزوجین پر مقدم ہے ھذا ماوعدناہ من قبل والحمدﷲ علی الوفاء (یہ وہ ہے جس کا وعدہ ہم نے ماقبل میں کیا تھا اس کے پورا کرنے پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت) اور قولہ لم یثبت (اس کا قول کہ ثابت نہیں۔ت) کی تحقیق علامہ شامی رحمہ اللہ سے کھل گیا کہ جب اقرار مذکور کو معنًی وصیت قرار دیا گیا اور مقرلہ مذکور جمیع مال کا مستحق بنا بعد اخراج اصل فرض احدالزوجین سے تو یہ شان وصیت کا ہے پس اس میں کوئی شک نہ رہا کہ وصیت بجمیع المال کو تقدیم ہے رد علی الزوجین پر۔ الاٰن حصص الحق (اب حق واضح ہوگیا۔ت)

قولہ ثم یوضع فی بیت المال ای ان لم یوجد موصی لہ بالزائد یوضع کل الترکۃ فی بیت المال اوالباقی ان وجد موصی لہ بمادون الکل ۱۲شامی[2]	ماتن کا قول "پھر بیت المال میں رکھا جائے گا" یعنی جب ایسا شخص نہ پایا جائے جس کے لئے تہائی سے زائد کی وصیت کی گئی ہے تو اس صورت میں کل مال اور تہائی سے زائد اور کل سے کم وصیت والے شخص کے ہوتے ہوئے باقی مال بیت المال میں رکھا جائے گا ۱۲شامی (ت)

باقی رہا یہ امر کہ آیا رد علی الزوجین اور ادخال الترکۃ فی بیت المال میں سے کون مقدم ہے سو متقدمین کے نزدیک بیت المال مقدم ہے کیونکہ اس نیک عصر میں بیت المال صلاحیت میں تھے اور مصرفون مستحقوں میں خرچ ہوتے تھے اور متاخرون کے نزدیک بسبب فساد بیت المال کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۸

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

رد علی الزوجین مقدم ہے بیت المال پر اور الیوم فی زماننا ھذا مفتی بہ (اور آج کے ہمارے زمانے میں اسی پر فتوی دیا جاتا ہے۔ ت) یہ قول ہے اور ہمارا مسلک بھی یہی ہے اور عمل ہمارا بھی اسی پر ہے۔

وفی القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال ۱۲ شامی۔[1]	قنیہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رد کا فتوی دیا جائے گا ۱۲ شامی (ت)

صاف ظاہر ہے کہ رد علی الزوجین مقابل اور مربوط بیت المال سے ہے نہ کہ وصیت بکل المال سے وھدایة الانصاف من اللہ الھادی (اور انصاف کی ہدایت ہدایت دینے والے اللہ تعالٰی کی طرف ہے۔ ت) بڑے تعجب کی بات ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک علمائے لاہور نے اپنے دعوی الرد علی الزوجین مقدم علی الوصیة لجمیع المال (زوجن پر رَد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی۔ ت) کی ضعیف جزئی بھی ثابت نہ کی، صرف نمّی تطویل سے اوراق لکھ لکھ کر تضییع اوقات عزیزہ کی فرمائی، صرف رد علیہا کے مسئلہ معروفہ کو لکھ بھیجا جن کا انکار بھی کسی کو نہ تھا سو وہ مسئلہ ایسا بے موقعہ فرمایا جس کی تردید سے کتاب مملوو مشحون ہیں علمایان ریاست نے اپنے دعوی الوصیة بکل المال مقدم علی الزوجین (تمام مال کی وصیت مقدم ہے زوجین پر رد کرنے سے۔ ت) پر، پہلے ابتدائے مسئلہ میں اور اب اس تردید کے ضمن میں کیا صاف صاف واضح جزئیات اظہر من الشمّس ہدیہ ناظرین کئے ہیں، انصاف فرمایا جائے۔

تذییل: ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ جن مفتی صاحبان لاہور نے پہلے استفتاء بھیجا تھا اب ہماری تردید پہلے کو ملاحظہ فرماکر وہ صاحبان موصوفہ تو بنظر الانصاف خیر الادصاف لب بسکوت ہو رہے ہیں اب اس دوسری مرتبہ مولوی مفتی محمد مجید صاحب کو اشتعال آیا تو انہوں نے قلم اٹھایا اب یقین ہے کہ اس جواب کو ملاحظہ فرماکر وہ بھی تسلیم فرمائیں گے اور تحسین کا تحفہ ہم داعیان بالخیر کی طرف ارزانی فرمائیں گے خداوند کریم کرے کہ ان کا شعلہ اس پانی سے مطفی ہوا اور بجھ جائے،

ورجاء القبول والثواب من اللہ تعالٰی وھو اعلم واحکم بالصواب۔	قبول وثواب کی امید تعالٰی سے ہے درستگی کو خوب جاننے والا اور مضبوط و بہتر حکم ولا ہے (ت)

محررہ بتاریخ ۱۶/ اگست ۱۲ء

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

نقل جواب۵: متوفی کے اقرار نامہ میں یہ الفاظ ہیں مالک اور قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے یعنی غرضیکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کاہے یہ جملہ شرائط میرے قابل قبول ہوں گے جب تک میں حیات میں موجود ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گی، ان لفظوں سے تملیک بعدالموت جس کو وصیت کہتے ہیں ثابت نہیں ہوئی تو شرعًا اس کا کیانام ہے بیان کیجئے:

سوالات عدالت

(۱) کیابروئے شرع شریف یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی، اور اگر ہوئی تو اس سے جوازی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

(۲) چونکہ شاہ محمد مدعاعلیہ بالکل اجنبی ہے اور وصیت مدعیہ اس کے حق میں ہے ایسی وصیت مدعیہ کے اعتراض پر کس حد تک جائز رہ سکتی ہے یعنی جائداد مدعیہ کو کیا حصہ ملنا چاہئے اور مدعاعلیہ کو کیا حصہ ملنا چاہئے؟

(۳) جو خاص زیورات قیمتی سماعہ عہ بروئے وصیت مدعیہ کو دلائے گئے ہیں اس میں سے مدعاعلیہ کو کوئی حصہ بروئے وصیت مل سکتا ہے یا کہ ان زیورات کو حصہ بناکر باقی جائداد میں ہردوفریق کو وہ حصص ملیں گے جو بروئے سول ۲ اس کے پائے جائیں۔

(۴) اخراجات تجہیز و تکفین مدعاعلیہ نے کئے ہوں وہ مدعاعلیہ کو علاوہ ملیں گے یا کہ اس کے اپنے حصہ میں چارج ہوں گے یا کہ مدعا علیہ کے حصہ پر ان کا بار ہوگا؟

(۵) مکان میں جو خوبصورت حق متوفی میں رہنے کے مدعیہ کو حق رہائش دیاگیا وہ شرعًا جائز ہے اور اثر پذیر ہے جبکہ مدعیہ کے اعتراض پر اس کی بروئے سوال ۲ ایک حصہ مکان بتملیک قطعی دیدیا جائے؟

(۶) حق متوفی میں رہنے کی شرط پر مدعیہ کو کسی ظروف وغیرہ کا بھی دیاجانا درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے اور بلحاظ سوال ۳ اثر پذیر ہوسکتا ہے؟

(۷) جو حصہ جائداد متوفی میں ہردو فریق کا بروئے سوال ۲ قرار پائے وہ مکانات میں اور جائداد منقولہ ۲ وغیر منقولہ کی قیمت مقرر کرکے صرف نقدی رقم بموجب حصہ کے مدعیہ کو دلائی جاسکتی ہیں۔

جواب شرع شریف

شرعًا یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جوازی وصیت پر یہ اثر پیدا ہوا کہ حق الارث

شرعی مدعیہ کے ماسوائے مدعاعلیہ کو ملے جو موصی لہ ہے جیساکہ جواب سوال ۲ میں ہرایک کا حق ظاہر کیا جائے گا مدعیہ نے اس وصیت پر اعتراض کیا اس شرعًا جائداد متوفی میں سے مدعیہ وارث شرعیہ کو ۶/ ۱ حصہ ملنا چاہئے مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث شرعی کے واسطے وصیت ناجائز ہے بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیساکہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کی متحمل قوی یہ ہے اور حق مہر دین ہوتا ہے اس ئے وصیت اور ارث دونوں سے مقدم ہے مدعاعلیہ موصی لہ کا تعلق ان زیورات کے ساتھ نہ سمجھا جائے ماسوائے زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیساکہ بالا تشریح ہوچکی ہے اخراجات تجہیز و تکفین کا بار حصہ مدعاعلیہ پر جو اس نے اپنے اختیار سے اپنے مال سے خرچ کیا ہے، صرف خرچ کرنے دفن میت کا چھ سات روپیہ تک آخر دس روپیہ تک اس کا بار فریقین پر ہے اس قدر سے زیادہ خرچ کا بار خرچ کرنے والے پر ہے، بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا حق سوائے چہارم مابقے من الدین والوصیۃ کے کوئی حق رہائش مکان ونان نفقہ وغیرہ کا نہیں ہے صورت متنازعہ میں مال متوفی منقولہ وغیر منقولہ سے اگر مدعیہ کو (۶/ ۱) حصہ تقسیم کرکے بطور تملیک قطعی دے دیا جائے تو حق سے اس کے پورے ہوچکے اس میں کوئی اثر نہیں ہے۔ شرعًا ظروف وغیرہ کا بھی بلحاظ سوال نمبر ۲۔ ۶/ ۱ حصہ مدعیہ کو تقسیم کرکے دے دیا جائے فوت ہونے متوفی کے بعد مال متروکہ متوفی کا علی حسب حصص شرعی جبرًا تملیک ورثاء باقیماندہ کے ہوجاتا ہے بعد فوتیدگی صرف تقسیم کرنے متروکہ کے حاجت ہوتی ہے اس صورت میں مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے ہر حصہ سے ۶/ ۱ حصہ بجنسہ لے سکتی ہے اگر باختیار خود اپنے حصہ ۶/ ۱ فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

الاٰن نکتب الروایات الفقھیۃ عن المعتبرات الحنفیۃ وفی فتاوی النوازل اوصی لرجل بکل مالہ و مات ولم یترك وارثا الاامرأتہ فان لم تجزفلھا السدس والباقی للموصی لہ لان لہ الثلث بلااجازۃ فبقی الثلثان فلھا ربعھا وھو سدس الکل درمختار [1]	اب ہم احناف کی معتبر کتابوں سے فقہی روایات تحریر کرتے ہیں۔ فتاوٰی نوازل میں ہے کوئی شخص کل مال کی وصیت کسی مرد کے لئے کرکے مرگیا اور سوائے بیوی کے کوئی وارث نہیں چھوڑا، اگر بیوی نے اس وصیت کی اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور باقی موصی لہ کو ملے گا کیونکہ وہ ثلث کا بغیر اجازت حقدار ہے باقی دو ثلث بچے جن میں سے بیوی چوتھائی کی حقدار ہے جبکہ یہ چوتھائی کل کا چھٹا حصہ ہے، در مختار۔

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

وعلی ھذا اذا ترك زوجة لاوارث له غیرھا واوصی لرجل بجمیع ماله کان لھا سدس وللموصی له خمسة اسداس لانھا لاتستحق من المیراث شیئا حتی یخرج الثلث للوصیة فاذا اخرج الثلث استحقت ربع الباقی ومابقی بعد ذٰلك یکون للموصی له بالجمیع واصله من اثنی عشر للموصی له اربعة وھو الثلث یبقی الثلثان، ثمانیة للزوجة ربعھا اثنان یبقی ستة تعود للموصی له، فیکون له عشرة من اثنی عشر وذٰلك خمسة اسداسھا جوھرۃ النیرۃ[1] شرح قدوری، وھٰکذا فی فتاوی الھندیة وردالمحتار والدر المختار وھذہ الکتب من معتبرات الحنفیة، وان لم تجز واوصی لھا ایضا اولا فقد اوضحه فی الجوھرۃ فراجعھا وردالمحتار فی قوله لاالزیادۃ علیه[2] الخ۔	اسی بنیاد پر اگر کسی نے بیوی کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑا اور کسی مرد کے لئے کل مال کی وصیت کرگیا تو بیوی کو کل مال کا چھٹا (۱/۶) حصہ اور وصیت والے مرد کو باقی پانچ چھٹے ملیں گے اس لئے کہ جب تک کل مال سے تہائی حصہ بطور وصیت نہ نکال لیا جائے اس وقت تک بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی مستحق نہیں اور جب تہائی حصہ نکال لیا گیا تو باقی کے چوتھائی کی مستحق ہوگی، پھر جو باقی بچ گیا وہ کل مال کی وصیت والے شخص کو ملے گا، اس کی اصل بارہ سے ہے یعنی کل مال کے بارہ حصے بنائے جائیں گے جن سے ایک تہائی یعنی چار حصے بطور وصیت وصیت والے شخص کو ملیں گے باقی دو تہائی یعنی دو حصے بیوی کو ملیں گے پھر جو چھ باقی بچ گئے وہ وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں گے تو اس طرح وصیت والے شخص کو بارہ میں سے دس حصے مل گئے جو کہ چھ میں سے پانچ ۵/۶ ہوئے (جوہرہ نیرہ شرح قدوری) ایسا ہی فتاوٰی ہندیہ، ردالمحتار اور درمختار میں ہے جو کہ فقہ حنفی کی معتبر کتابیں ہیں، اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی جبکہ اس نے پہلے اس کے لئے بھی وصیت کی تھی اس کی وضاحت جوہرہ میں ہے اسی کی طرف رجوع کرنا چاہئے، یہ بات شامی میں ماتن کے قول "لاالزیادۃ علیه" کے تحت مذکور ہے الخ (ت)

اور صاحبان انجمن مستشار العلماء لاہور نے اس صورت موجودہ میں ۱/۳ حصہ یعنی سوم حصہ مدعا علیہ کا بتایا جو موصی لہ تھا اور ۲/۳ حصہ یعنی دو ثلث حصہ مدعیہ کا بتایا یہ اثر بے غوری اور کمال بے توجہی

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲ /۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

صاحبان کا ہے، اور محض رائے اپنی لکھ دی اور اس بارہ میں روایت ندارد، دراصل مسئلہ شرعی اس طور پر نہیں ہے بلکہ مسئلہ شرعی اس طور پر ہے جو مولوی صاحبان خانپور نے لکھا ہے یعنی ۱/۶ حصہ مدعیہ وراثۃ کا ہے اور ۵/۶ حصہ مدعا علیہ موصی لہ کا ہے اور اسی مطلب پر روایات کتب معتبرہ مذہب حنفیہّ ناطقہ ہیں اور میرا بھی اتقان ان صاحبان سے ہے اور وجہ غلطی صاحبان انجمن کی یہ ہے کہ انہوں نے یہ قول دیکھا ہے کہ فی زماننا، مذہب متاخرین کی ایک صورت خاص ہے اور صورت متنازعہ مغائر اس کے ہے یعنی صورت خاص یہ ہے کہ متوفی کے حقداروں میں سے صرف ایک زوجہ اس کی موجود ہے اور ماسوائے اس کے کوئی حقدار نہ ہوئے اور صورت متنازعہ میں زوجہ کے سوائے دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے تو اس صورت خاص میں ۱/۴ یعنی چہارم حصہ ارثی یعنی سہ ربع باقی ماندہ زوجہ کو بالرد ملنا چاہئے کیونکہ اگر سہ ربع باقیماندہ اس کو نہ دیئے جائیں تو مذہب متقدمین کے مطابق بیت المال کے سوائے دوسری جگہ نہیں ہے سو بسبب فاسد ہونے بیت المال کے فتوی متاخرین کا یہ ہے کہ یہ سہ ربع باقیماندہ بھی زوجہ متوفی پر رَد کئے جائیں کہ وہ وارث شرعی ہے اور بیت المال سے فائق ہے اور یہ فتوی متاخرین کا عندالکل مسلم ہے اگرچہ آج تک اس کا ردعمل نہیں ہوا، الامانحن فیہ میں جاری نہیں ہوسکتا،

کما مر وقال المحقق احمدبن یحیی بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیهما اذالم یکن من الاقارب سواهما لفساد الامام وظلم الحکام فی هذه الایام اه وفی المستصفی والفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عندعدم المستحق لعدم بیت المال اذالظلمة لایصرفونه الی مصرفه اه اقول ولم نسمع ایضا فی زماننا من افتی بشیئ من ذلك ولعله لمخالفته للمتون فلیتأمل، ردالمحتار [1] فی قوله وفی الاشباه الخ	جیسا کہ گزرچکا ہے محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ اکثر مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں، کیونکہ ہمارے زمانے میں پیشوا خراب اور حکام ظالم ہوچکے وہ بیت المال کو صحیح مصرف میں خرچ نہیں کرتے اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہم نے یہ بھی نہیں سنا کہ ہمارے زمانے میں کسی نے ایسا فتوی دیا ہے شاید اس کے مخالف متون ہونے کی وجہ سے۔ تو اس میں تأمل چاہئے۔ یہ بات ردالمحتار کے کتاب الفرائض، بیان الرد باب العول میں ماتن کے قول "وفی الاشباہ الخ" کے تحت

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

فی کتاب الفرائض فی بیان الرد فی باب العول۔قال علمائنا رحمھم اللہ تعالٰی تتعلق بترکۃ المیت حقوق اربعۃ مرتبۃ الاوّل یبدأ بتکفینہ وتجھیزہ بلا تبذیر ولاتقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایا من ثلث مابقی بعدالدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ سراجی [1]۔ولالوارثۃ وقاتلہ مباشرۃ لاتسببا کما مر الابأجازۃ ورثتہ لقولہ علیہ السلام ولاوصیۃ الوارث الاان یجیزھا الورثۃ یعنی عندوجود وارث اٰخر کمایفیدہ اٰخر الحدیث وسنحققہ ۱۲درمختار [2]۔	مذکور ہے۔ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم نے فرمایا کہ میت کے ترکہ کے ساتھ بالترتیب چار حقوق وابستہ ہوتے ہیں سب سے پہلے میت کے مال سے زیادتی یا کمی کئے بغیر تجہیز و تکفین کا اہتمام کیاجائے گا پھر باقی بچے ہوئے تمام مال سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے۔پھر قرض کی ادائیگی سے بچ جانے والے مال کے تہائی سے اس کی وصیت نافذ کی جائے گی۔پھر جو باقی بچ گیا اسے کتاب اللہ،سنت اور اجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیاجائے گا(سراجی)۔وارث اور قاتل المباشرۃ نہ کہ بالسبب کے لئے وصیت جائز نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں جیساکہ گزرچکا،نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دوسرے ورثاء اس کی اجازت دے دیں یعنی جب کوئی دوسرا وارث موجود ہو جیساکہ حدیث کا آخر اس کا فائدہ دیتا ہے۔ہم عنقریب اس کی تحقیق کریں گے(درمختار)۔(ت)

نقل جواب ٦

یہ فقہ کا مسلم الثبوت ہے کہ مصارف تجہیز و تکفین شرعی اور ادائے قرض کے بعد جس قدر جائداد منقولہ غیر منقولہ باقی بچے اس کے تیسرے حصہ میں وصیت جاری اور نافذ ہوسکتی ہے اور اگر متوفی نے تیسرے حصے سے زیادہ کی وصیت کی تھی تو اس زائد علی الثلث پر نافذ ہونا وارثوں کی اجازت پر موقوف رہتا ہے یعنی اگر وہ نفاذ کی اجازت دیں تو نافذ ہوگی ورنہ نافذ نہ ہوگی،کتاب ہدایہ میں ہے:

ولاتجوز بمازاد علی الثلث الا	تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں مگر

[1] السراجی مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳و۴

[2] الدالمختار کتاب الوصایا ۲/ ۳۱۹

ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ وھم کبار لان الامتناع لحقھم وھم اسقطوہ۔[1]	یہ کہ دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں اور وہ ورثاء بالغ ہوں، کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے اور انہوں نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔(ت)

چونکہ مسئلہ زیر کتب زیر بحث میں متوفی واحد بخش کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے ۳/ ۱ حصہ سے زیادہ ہے بغیر اجازت عالم خاتون بیوہ متوفی کے نافذ نہیں ہو سکتی، ادائے وصیت کے بعد جس قدر جائداد بچے اس میں سے ۴/ ۱ حصہ یعنی چہارم حصہ کی جو اصلی ترکہ کا ۶/ ۱ یعنی چھٹا حصہ ہوتا ہے، عالم خاتون بیوہ واحد بخش کا حق ہے۔ کتاب سراجی میں ہے:

یبدأ بتکفیہ وتجھیزہ بلا تبذیر ولا تقتیر ثم تقضی دیونہ من جمیع مابقی من مالہ ثم تنفذ وصایا من ثلث مابقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثتہ بالکتاب والسنۃ واجماع الامۃ۔[2]	ابتداء میت کی تجہیز و تکفین سے کی جائے گی نہ تو اس میں فضول خرچی اور نہ ہی ضرورت سے کمی کی جائے گی، پھر جو باقی بچا اس تمام سے میت کے قرضے ادا کئے جائیں گے، پھر قرض کی ادائیگی کے بعد بچ جانے والے مال کی تہائی سے میت کی وصیتیں نافذ کی جائیں گی، پھر جو باقی بچا اسے کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق وارثوں میں تقسیم کیا جائے گا۔(ت)

نیز کتاب مذکور میں ہے:

للزوجات حالتان الربع للواحدۃ فاعدۃ عند عدم الولد اوولد الابن وان سفل۔[3]	بیویوں کی دو حالتیں ہیں، اگر مرحوم خاوند کی اولاد یا اس بیٹے کی اولاد نیچے تک کوئی نہ ہو تو ان کو کل مال کا چوتھائی حصہ ملتا ہے چاہے ایک بیوی ہو یا متعدد۔(ت)

جب ترکہ میں سے ۳/ ۱ حصہ یعنی تیسرے حصہ من حیث الوصیۃ اور ۶/ ۱ یعنی چھٹا حصہ عالم خاتون

---

[1] الھدایہ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[2] السراجی مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۳و۴

[3] السراجی فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص۱۱

کے من حیث الارث دے دیا گیا تو اب واحد بخش کے ترکہ میں سے ۱/۳ یعنی آدھا ترکہ باقی رہ جاتا ہے اب سوال یہ ہے کہ باقی ترکہ کس کو دیا جائے، شاہ محمد کو یا عالم خاتون کو؟

یہ مسلم الثبوت مسئلہ ہے کہ اگر حصہ داروں کو جس میں کوئی عصبہ نہ ہو ان کے مقرری حصہ دینے کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تو وہ بھی حصہ داران پر بحصہ رسدی رد کردیا جائے لیکن حصہ دار دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ حصہ دار جو متوفی کے برادری کے ہیں مثلاً متوفی کی دختر، اس کی ماں، اس کی ہمشیرہ وغیرہ۔ دوسرے وہ حصہ دار ہیں کہ جن سے صرف نکاح کا تعلق ہے یعنی وہ متوفی کا شوہر ہے اگر متوفی عورت ہو یا وہ متوفی کی بیوہ ہو اگر متوفی مرد ہو ائمہ متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ وہ بچا ہوا ترکہ پہلے ہی قسم کے حصہ داران پر رَد کیا جائے گا اور دوسرے قسم کے حصہ داران پر یعنی شوہر یا بیوہ پر اس کا رد نہیں ہوگا اور درصورتیکہ صرف دوسرے ہی قسم کے حصہ دار ہوں ہوگے اور بچا ہوا ترکہ بہ ترتیب ان کو دے دیا جائے گا جو رد کے درجہ کے بعد والے ہیں مثلاً ذوی الارحام کو اور ذوی الارحام بھی نہ ہوں تو مولی الموالات اور مولی الموالات بھی نہ ہوں تو مقرلہ النسب پر غیر کو مقرلہ النسب پر، غیر بھی نہ ہوں تو موصی لہ بالزائد علی الثلث کو، موصی لہ بالزائد علی الثلث بھی نہ ہو یا اسے دے کر بھی کچھ بچ رہے تو بیت المال کو دیں گے، علمائے علاقہ بہاولپور نے بزار میں جو نقل فرمائے ہیں وہ اس مذہب متقدمین کے موافق ہیں مگر ائمہ متاخرین فرماتے ہیں کہ بچا ہوا ترکہ جس طرح پہلے قسم کے حصہ داران پر بحصہ رسدی رد ہو سکتا ہے اسی طرح دوسرے قسم کے حصہ داران پر بھی رد ہو سکتا ہے اور اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو جو کچھ بچا ہوا ترکہ ہو وہ احد الزوجین یعنی شوہر کو درصورتیکہ متوفی عورت ہو یا عورت کو درصورتیکہ متوفی مرد ہو دے دیں گے۔ یہی قول حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے، اور اسی قول متاخرین پر فتوٰی دیا گیا ہے، پس اس مفتی بہ قول کے موافق واحد بخش متوفی کے ترکہ میں ہے جو ۴/۳ یعنی آدھی جائداد عالم خاتون کو بحیثیت رَد کے ملے گی اور ۶/۱ اس کو بحیثیت میراث کے پہلے ہی مل چکی ہے تو ظاہر ہے کہ عالم خاتون کو اس کے شوہر کے ترکہ میں سے ۶/۴ یا ۳/۲ مل جائے گی اور شاہ محمد موصی لہ صرف وصیت کی حیثیت سے ۳/۱ حقدار رہے گا، اب ہم وہ روایتیں نقل کئے دیتے ہیں جن سے متاخرین کے رد علی الزوجین کا قائل ہونا ہوا اور پھر اس کا مفتی بہ ہونا ثابت ہو۔ کتاب درمختار میں ہے:

فان فضل عنہا ای عن الفروض والحال انہ لاعصبۃ ثمۃ یرد	اگر میت کا ترکہ فروض سے بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ موجود نہ ہو تو وہ بچا ہوا مال پھر

ذٰلك الفاضل علیهم بقدر سهامهم اجماعًا لفساد بیت المال الاعلی الزوجین فلا یرد علیهما،وقال عثمان رضی الله عنه یرد علیهما ایضا قاله المصنف وغیرہ قلت وجز فی الاختیار بان هذا وهم من الراوی فراجعه قلت وفی الاشباہ انه یرد علیهما فی زماننا لفساد بیت المال۔[1]	ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق لوٹا دیا جائے گا کیونکہ بیت المال میں فساد آچکا ہے،مگر زوجین پر رَد نہیں کیا جائے گا،عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رد کیا جائے گا۔مصنف وغیرہ نے یونہی کہا ہے،میں کہتا ہوں اختیار میں یقین کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے تو اس کی طرف رجوع کر۔میں کہتا ہوں اشباہ میں ہے کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے گا۔(ت)

کتاب ردالمحتار میں ہے:

قوله وفی الاشباہ الخ قال فی القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النهایة مافضل عن فرض احد الزوجین یرد علیه و كذا البنت والابن من الرضاع یصرف الیهما وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وهو قول المتاخرین من علمائنا وقال الحدادی الفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی بن سعد التفتازانی افتی	مصنف کا قول "الاشباہ میں ہے" قنیہ میں کہا کہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رَد کا فتوی دیا جاتا ہے۔زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کر دیا جائے گا۔یونہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف رَد کر دیا جائے گا۔مستصفٰی میں کہا کہ آج کے دور میں زوجین پر رد کا فتوی ہے اور یہ ہی ہمارے متاخرین علماء کا قول ہے،حدادی نے کہا آج کے دور میں زوجین پر رَد کا فتوی ہے۔محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا کہ بہت سے مشائخ نے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

کثیرمن المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما[1]۔	زوجین پر رَد کا فتوی دیاہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر اقارب معدوم ہوں۔(ت)

مندرجہ بالا روایتوں سے رد علی الزوجین کامذہب متاخرین نیز اسی کا مفتی بہ ہونا بوضاحت ثابت ہوگیااوراب معلوم ہوگیاکہ علماء علاقہ بہاولپور کی منقولہ روایتیں متقدمین کے مذہب کے موافق ہیں مگر مفتی بہ متاخرین کاقول ہے اراکین مستشار العلماء کو معلوم تھاکہ عام اور مشہور قول عدم الرد علی الزوجین کے موافق عالم خاتون کو صرف ۶ /۱حصہ مل سکتاہے لیکن کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ایک عام اور مشہور قول کے واسطے قول بالرد علی الزوجین کوجس پر فتوی بھی دیاگیا ہے چھوڑدیں اورخاص کرجبکہ وہ بالکل معقول بھی ہو کیونکہ بعض صورتوں میں جبکہ تمام حصے داروں کے مقرری حصے دینے سے متوفی کاترکہ قاصر ہو جس کو علم الفرائض کی اصطلاح میں عول کہتے ہیں توسب حصے داروں کے حصوں میں سے رسدی طور پر کم کرلیتے ہیں اوراس میں زوجین کو مستثنٰی کرتے توکوئی وجہ نہیں ہے کہ جب متوفی کے ترکہ میں سے کچھ بچ جائے تواس بچے ہوئے کے دینے سے زوجین کو مستثنٰی کردیں اوران کوکچھ بھی نہ دیں خاص کر جبکہ متوفی کاکوئی رشتہ دار بھی موجودنہ ہوغرض قول بالرد علی الزوجین کوجو معقول بھی ہے اور مفتی بہ بھی ہے جیساکہ مندرجہ بالاروایتوں سے ثابت ہوتاہے چھوڑدینااور قول بعدم الرد علی الزوجین پر عمل کرنا خصوصًا جبکہ متوفی کاکوئی رشتہ دار موجودنہ ہو روایت اوردرایت دونوں کے برخلاف ہے۔

نوٹ: وصیت نامہ پر غور کرنے سے یہ بھی معلوم ہوتاہے کہ واحد بخش متوفی نے شاہ محمد خاں کے حق میں کچھ بھی وصیت نہیں کی ہے بلکہ اس کوصرف اپناکارپرداز اوروصی مقررکیاہے چنانچہ وہ اسی وصیت نامہ میں لکھتاہے کہ بعد فروخت یاکہ رہن زر رہن یازربیع میرے تجہیز وتکفین اور میری ارواح پر بخش دے گااب اگروصیت بحق شاہ محمد ہوگی تو واحد بخش کایہ کہناکہ بعد فروخت یارہن زرِرہن یازربیع میری تجہیز وتکفین اور میری ارواح پر بخش دے گابے معنی ہوجاتاہے کیونکہ اگرشاہ محمد خاں موصی ہوتاتووہ وصیت کاخود مالک ہوتااور جوچاہتاوہ کرتااس لئے شاہ محمد خاں کوبحیثیت وصیت کے تیسراحصہ جائداد کاملے گاوہ اس لئے ملے گاوہ بحق واحد بخش کردے یانہ،اس لئے کہ وہ خود اس کامالک بن جائے ھذاواللہ اعلم بالصواب۔

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

نقل جواب ۷

حامدًا ومصلیًا نے کاغذ مندرجہ مسل مقدمہ استفتاء عدالت وصیت نامہ فتوی علمائے لاہور، فتوی علمائے ریاست دیکھے جواب استفتاء چند مقدمات کی تمہید پر موقوف ہے جو مسلم فقہ میں مبین ومبرہن ہے۔

تمہید، میت کے ترکہ میں سے سب سے مقدم جمیع مال سے خرچ تجہیز وتکفین ہے اس کے بعد مابقے میں سے ادائے دیون اس کے بعد مابقے میں سے تنفیذ وصیت بالثلث اس کے بعد مابقے کی تقسیم علی فرائض اللہ، وصیت زائد علی الثلث اس وقت نا جائز ہے جبکہ متضمن ابطال حق ورثہ ہو، اور اگر ورثہ مال متروکہ کے متعلق نہ ہو مثلًا کوئی وارث موجود نہ ہو، یا وارث موجود ہو اور ابطال حق نہ ہو، یا ورثہ اپنے اضرار اور ابطال حق کو قبول کرلیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز ونافذ ہوگی۔

قال فی الجوھرۃ لان الامتناع لحقھم فیجوز باجازتھم[1]، وقال العلامۃ ابوالسعود فلولم یکن وارث ولوحکما صحت الوصیۃ بالکل لان المانع من الصحۃ تعلق حق الوارث[2]، وقال فی فتح القدیر فالوصیۃ بالزیادۃ علی الثلث تتضمن ابطال حقھم وذٰلك لایجوز من غیر اجازتھم۔[3]	جوہرہ میں کہا اس لئے کہ ممانعت وارثوں کے حق کی وجہ سے ہے لہٰذا ان کی اجازت سے جائز ہوجائے گی۔ علامہ ابوالسعود نے کہا اگر کوئی وارث موجود نہ ہو۔ اگرچہ حکمی طور پر تو کل مال کے ساتھ وصیت صحیح ہوگی کیونکہ صحیح ہونے سے رکاوٹ تو حق وارث کا اس سے متعلق ہونا ہے۔ فتح القدیر میں کہا تہائی سے زائد کی وصیت وارثوں کے حقوق کے ابطال کو متضمن ہے اور وہ ان کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ (ت)

اگر زائد علی الثلث اجنبی کو وصیت کی اور صرف احد الزوجین وارث موجود ہے اور اس نے اس وصیت کو قبول نہ کیا تو اس کا اثر صرف اسی قدر ہوگا کہ اول ثلث بطور وصیت نکال کر باقیماندہ

[1] الجوھرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۸۹

[2] فتح المعین کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۵۲۸

[3] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) کتاب الوصایا المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۹/ ۳۴۶

تمام مال میں سے ربع یانصف حصہ احدالزوجین نکالاجائے گا اور مابقے بعداحدالزوجین کل یاجز موصی لہ کو بقدر وصیت دیا جائے گااور بعدازاں اگرکچھ باقی رہے گاتوبیت المال میں داخل کیاجائے گاتووصیت بثلث المال اس مال کی وصیت سے مقدم ہے جومال ثلث کے بعد باقی رہاہے اوراس کی بھی یہی وصیت کی گئی ہے زوجین کے لئے عدم جواز وصیت کا بھی مشروط بایں شرط ہے کہ کوئی دوسراوارث موجود ہو۔اوراگردوسراکوئی وارث موجود نہ ہوتواحدالزوجین کی وصیئت للآخر صحیح ونافذ ہے، حاصل یہ کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگریہ نہ ہوتوپھرکوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہویا بالمنفعت۔

قال فی ردالمحتار والاتصح کما لو اوصی احدالزوجین للاٰخر ولاوارث غیرہ۔[1]	ردالمحتار میں کہاورنہ صحیح ہے جیساکہ خاوندبیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اوراس کے علاوہ وارث موجودنہ ہو۔(ت)

ردعلی الزوجین کاحق بیت المال سے اضعف ہے لفسادبیت المال۔اشباہ میں ہے:

انہ یردعلیھما فی زماننا لفسادبیت المال[2]۔	ہمارے زمانے میں بیت المال کے فاسد ہوجانے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیاجائے گا۔(ت)

ردالمحتامیں ہے:

قال فی القنیۃ ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفسادبیت المال[3]۔	قنیہ میں کہاکہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کافتوی دیاجائے گا۔(ت)

پس اگربیت منتظم ہے تومستحقین سے باقیماندہ مال بیت المال میں داخل کیاجائے گااور اگربیت المال نہیں ہے یاہے اور منتظم نہیں ہےاوراندیشہ ہے کہ وکیل بیت المال سے اس مال کوبیت المال میں داخل نہ کرے اوراپنے اوراپنے خدام کے صرف میں لائے تواس صورت میں ضرورۃً زوجین پرحسب فتوی متاخرین رد کیاجائے گااور بعدتمہید مقدمہ مذکورہ اس استفتاء کا صحیح جواب

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۶

[2] الدرالمختار بحوالہ الاشباہ کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

یہ ہے کہ واحد بخش متوفی کے جمیع مال متروکہ میں سے سب سے اول اس کی تجہیز و تکفین کاخرچ نکالا جائے گا جس میں رواجی صدقات وخیرات داخل نہیں بشرطیکہ مدعاعلیہ نے یہ خرچ اپنے ذاتی مال میں سے بلااجازت مدعیہ کونہ کیاہو، اوراگرایساکیاہو تو تبرع ہو کراس کا باراس کی ذات پر رہے گا، نہ مدعیہ پر، بعدازاں اگرمتوفی نے مدعیہ کو دین مہرمیں زیورات کی وصیت کی ہے چنانچہ اس کااعتراف ہے اور مدعاعلیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کرکے قبول کرلیاہے توزیورات اس کو دین مہرمیں دیئے جائیں گے اوراگر بالفرض دین مہرمیں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تواس صورت میں باقیماندہ تمام مال میں سے دین مہر زوجہ اداکیاجائے گا بعدازاں وصیت جاری کی جائے گی صورت موجودہ میں واحد بخش نے تین وصیتیں کی ہیں جواس تمام مال کو مستغرق ہیں ایک وصیت زوجہ کو کی ہے جو صرف زیورات کے متعلق ہے خواہ یہ وصیت محضہ ہو یاوصیت اداء دین مہرکے لئے ہو جیساکہ زوجہ کااقرار اوردوسری وصیت زوجہ کو ہے جو مکان کے سکنی اور ظروف کے استعمال کے متعلق ہے اور تیسری وصیت باقی ماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے جس کومدعیہ نے قبول نہیں کیاہے اوروہ وصیت ثلث مال سے زائد کی ہے پس صورت موجودہ میں بعد خرچ تجہیز و تکفین وادائے دین مہرکے لئے ہو جیساکہ زوجہ کااقرار ہے اوردوسری وصیت زوجہ کو ہے جو مکان کے سکنی اور ظروف کے استعمال کے متعلق ہے اور تیسری وصیت باقیماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے جس کومدعیہ نے قبول نہیں کیاہے اوروہ وصیت ثلث مال سے زائد کی ہے پس صورت موجودہ میں بعد خرچ تجہیز و تکفین واداۓ دین مہر اس طرح نفاذ وصیت کیاجائے گا کہ اگردین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ اداہواہے توزیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یاظرف وغیرہ ایک ثلث یعنی ۱۲/۴ اول شاہ محمد کو دیاجائے گا اور باقیماندہ میں سے چوتھائی حصہ ۸/۲ جو زوجہ کا ہے یعنی سدس کل ۱۲/۲ اس کو دیاجائے گا پھر باقیماندہ ۱۲/۶ بھی بعدم المزاحم شاہ محمد کو دیاجائے گا اور تصحیح سہامات کی بارہ سے ہوگی تمام جائداد منقولہ اورغیر منقولہ علاوہ زیورات بارہ سہام ہو کر، اول چار سہام بحکم وصیت بالثلث شاہ محمد کو دئے جائیں گے بعدازاں باقی ماندہ آٹھ سہام میں سے دوسہام جو ربع مابقے ہے اورسدس کل ہے عالم خاتون زوجہ کو دیئے جائیں گے، بعدازاں چھ سہام باقیماندہ بحکم وصیت زائد علی الثلث لعدم المزاحم شاہ محمد کو دیئے جائیں گے، پس شاہ محمد کواس مال میں سے ۱۲/۱۰ سہام ملین گے اورعالم خاتون زوجہ کواس مال میں سے جس کی وصیت شاہ محمد کو کی ہے ۱۲/۲ سہام دیئے جائیں گے۔ روایات ذیل ملاحظہ ہوں:

قال العلامة السعود فی فتح المعین ولواوصت بکل مالها لزوجها کان الکل له. نصفه بطریق الارث ونصفه بطریق الوصیة قهستانی عن قاضیخان وکذا یستحق الزوج الکل اذا	علامہ ابوالسعود نے فتح المعین میں فرمایا اگرعورت نے اپنے شوہر کے لئے کل مال کی وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہوگا نصف بطور میراث اور نصف بطور وصیت۔ قہستانی میں بحوالہ قاضیخان منقول ہے یونہی خاوند کل مال کا مستحق ہوگا جبکہ

اوصت له بالنصف، ثم قال، وانما قیدوا بالزوجین لان غیرهما لایحتاج للوصیة لانه یرث الکل برد او رحم [1]۔ قال العلامة ابن عابدین فی ردالمحتار فاذا اوصی بما زاد علی الثلث ولم یکن الاوارث یرد علیه و اجازها فالبقیة له وان اجاز من لایرد علیه ففرضه فی البقیة وباقیها لبیت المال، فلواوصی بثلثی ماله و اجازت الزوجة فلها ربع الثلث واحد من اثنی عشر مخرج الثلثین وربع الباقی، ولبیت المال ثلثة ولزید ثمانیه وان لم تجزواوصی لها ایضا اولافقد اوضحه فی الجوهرة فراجعها [2]۔ قال فی الجوهرة فی شرحه ولا یجوز مازاد	عورت نے اس کے لئے نصف مال کی وصیت کی ہو، پھر کہاکہ مشائخ نے زوجین کے ساتھ قید لگائی ہے کیونہ ان دونوں کے علاوہ جو ورثاء ہیں انہیں وصیت کی محتاجی نہیں اس لئے وہ رد یا رشتہ داری کی وجہ سے کل کے وارث بن جاتے ہیں۔ علامہ ابن عابدین نے ردالمحتار میں کہا اگر تہائی سے زائد کی وصیت کی اور اس کا صرف ایک ایساوارث موجود ہے جس پر رد کیا جاتا ہے اوراس نے وصیت کی اجازت دے دی تو باقی مال اس کا ہے۔ اور اگرایسے وارث نے اجازت دی جس پرَرد نہیں کیا جاتا تو اس کا فرضی حصہ باقی سے نکال کر جو بچ گیاوہ بیت المال میں رکھاجائے گا۔ اگر کسی نے دو تہائی مال کی وصیت کی اور اس کی بیوی نے اجازت دے دی تو بیوی کو ایک تہائی کاچوتھا حصہ ملے گا جو کہ بارہ میں سے ایک بنتاہے اور بارہ مخرج ہے دو تہائی اور باقی کی چوتھائی کا۔ چنانچہ بارہ میں سے بیت المال کے لئے تین اور زید جس کے لئے وصیت کی گئی تھی کے لئے آٹھ حصے ہوں گے۔ اور اگر بیوی نے اجازت نہ دی حالانکہ یہ پہلے اس کے لئے بھی وصیت کرچکا ہے تو اس کو جوہرہ میں خوب واضح کیاہے اسی کی طرف رجوع کرو،

[1] فتح المعین کتاب الوصایا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳ /۲۹-۵۲۸

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

على الثلث يعنى اذاكان هناك وارث يجوز ان يستحق جميع الميراث اما اذاكان لايستحق الميراث اما اذا كان لايستحق جميع المال كالزوج والزوجة فانه يجوز ان يوصى بمازاد على ذٰلك ولايمنع من ذٰلك استحقاقهما مايرثانه لانهما يستحقان سهما من الميراث لايزاد عليه بحال فمازاد على ذٰلك فهو مال المريض لاحق فيه لاحد فجاز ان يوصى به وعلى هذا قال محمد رحمه الله اذا تركت المرأة زوجا ولم تترك وارثا غيره واوصت لاجنبى بنصف مالها فالوصية جائزة ويكون للزوج ثلث المال وللموصى له النصف وبقى السدس

جوہرہ میں اس کی شرح میں کہا تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں اگر وہاں کوئی ایساوارث موجود ہوجو کل مال کا وارث بن سکتاہے لیکن جو کل مال کا مستحق نہیں بن سکتا جیسے خاوند اور بیوی تو وہ تہائی مال سے زائد کی وصیت کرسکتا ہے۔ اور زوجین جس حصہ میراث کے مستحق ہیں وہ اس سے مانع نہیں کیونکہ وہ میراث کے ایک خاص حصہ کے وارث ہوتے ہیں اس پر کسی حال میں اضافہ نہیں ہوتا، جو اس سے زائد ہے وہ مریض کامال ہے اس میں کسی کا حق نہیں لہٰذا جائز ہے کہ وہ اس کی وصیت کرجائے۔ امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر کوئی عورت خاوند کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے اور کسی اجنبی شخص کے لئے نصف مال کی وصیت کرجائے تو وصیت جائز ہوگی۔ اس صورت میں شوہر کو ایک تہائی اور وصیت والے شخص کو نصف مال ملے گا۔ باقی رہا چھٹا حصہ وہ بیت المال کا ہے۔ اور شوہر کے لئے کل کا تہائی حصہ اس لئے ملے گا کہ شوہر وصیت کامال نکالنے کے بعد ہی میراث کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ پہلے وصیت والے شخص کے لئے کل مال سے تہائی حصہ بطور وصیت نکالنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ شخص ہر حال میں اس کا مستحق ہے باقی دو تہائی مال بچا تو شوہر اس دو تہائی میں سے نصف یعنی ایک تہائی کا بطور میراث مستحق ہوگا۔ باقی ایک ثلث بچ گیا اس میں سے

لبیت المال وانما کان للزوج الثلث لانه لایستحق المیراث الابعد اخراج الوصیة فیحتاج الی ان یخرج الثلث اولاللموصی له لانه یستحقه بکل حال فیبقی الثلثان یستحق الزوج نصفه میراثا یبقی الثلث، السدس للموصی له تکملة للنصف ویبقی السدس لایستحق له فیکون لبیت المال وکذا اذااوصت بذٰلك لزوجها کان المال کله له نصفه میراثا ونصفه وصیة لانه لایستحق الوصیة قبل المیراث بخلاف الاجنبی لان الزوج وارث وانما جازت له الوصیة لانه لاوارث لها تقف صحة الوصیة علی اجازته،وعلی ذٰلك اذا ترك زوجة لاوارث له غیرها واوصی لرجل بجمیع ماله کان لها السدس وللموصی له خمسة اسداس لانها لاتستحق من المیراث شیئا حتی یخرج الثلث للوصیة فاذا خرج الثلث استحقت ربع الباقی وما بقی بعد ذٰلك یکون للموصی له بالجمیع واصله من اثنی عشر للموصی له اربعة وهو الثلث یبقی الثلثان ثمانیة للزوجة ربعها اثنان،یبقی ستة تعودللموصی له فیکون له عشرة

وصیت والے شخص کو چھٹا حصہ دیں گے تاکہ کل کا نصف مکمل ہوجائے اور ایک چھٹا حصہ باقی بچا جس کا کوئی مستحق نہیں لہٰذا وہ بیت المال کا ہے، یونہی اگر اس عورت نے شوہر کے لئے نصف مال کی وصیت کی تو تمام مال شوہر کا ہوجائے گا نصف بطور میراث اور نصف بطور وصیت، کیونکہ شوہر میراث سے پہلے وصیت کا مستحق نہیں ہوتا بخلاف اجنبی کے اس لئے کہ شوہر وارث ہے۔ بیشک شوہر کے لئے یہ وصیت جائز ہے کیونکہ کوئی ایسا وارث موجود نہیں جس کی اجازت پر وصیت کا صحیح ہونا موقوف ہو۔ اور اسی کی بنیاد پر اگر کسی کا بیوی کے سوا کوئی وارث نہ ہو اور وہ اجنبی شخص کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کرجائے تو بیوی کو چھٹا حصہ (٦ /١) ملے اور جس کے لئے وصیت کی گئی اس کو پانچ حصے (٦ /٥) ملیں گے کیونکہ بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی اس وقت تک مستحق نہیں ہوگی جب تک وصیت کے لئے کیونکہ بیوی میراث میں سے کسی شیئ کی اس وقت تک مستحق نہیں ہوگی جب تک وصیت کے لئے ایک تہائی مال ترکہ سے نکال نہ لیاجائے جب ایک تہائی مال ترکہ سے نکال نہ لیاجائے جب ایک تہائی مال نکل گیاتو بیوی باقی (جوکہ دو تہائی ہے) کے چوتھے حصے کی مستحق ہوگی، پھر بیوی کے حصہ کے بعد جو بچ گیا وہ اس شخص کو دے دیا جائے گا جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے، اس میں کل مال کی وصیت کی گئی ہے، اس میں کل مال کے بارہ حصے بنائے جائیں گے جن میں سے وصیت والے کو ایک تہائی یعنی چار حصے دیں گے باقی دو تہائی یعنی آٹھ حصے بچے جن کا

من اثنی عشر و ذٰلك خمسة اسداسها[1]۔	چوتھائی یعنی دو حصے بیوی کے ہیں باقی چھ حصے وصیت والے شخص کی طرف لوٹ جائیں تو اس طرح اس کے کل حصے بارہ میں سے دس ہوجائیں گے جو کہ چھ میں پانچ (۶/۵) بنتے ہیں۔(ت)

بعدازاں سوالات عدالت کا نمبروار جواب بتفصیل ہے یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی ہے اور موافق اس تفصیل کے جو مجمل جواب میں گزرچکی ہے شرعًا صحیح و نافذ ہے وصیت بحق شاہ محمد زائد علی الثلث ہے عالم خاتون زوجہ نے اگر اس کو قبول نہیں کیا تو اس کا نفاذ حسب ذیل تقسیم ہو کر ہوگا۔ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار ہوگا بلکہ تمام زیورات اس کو ملیں گے۔ ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو ۳/۲ سہام، مدعاعلیہ کو ۳/۱ سہام اور دیگر جائداد و مکانات و ظروف وغیرہ میں سے مدعیہ ۱۲/۲ اور مدعاعلیہ کو ۱۲/۱۰ سہام ملیں گے کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعاعلیہ کو ملے گا پھر ربع باقی ماندہ ۸/۲ یعنی سدس کل ۱۲/۲ مدعیہ کو ملے گا بعدازاں باقیماندہ یعنی نصف ۱۲/۶ مدعاعلیہ کو ملے گا جو زیورات قیمتی (سماعہ عہ) بروئے وصیت مدعیہ کو دیئے گئے ہیں اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں ہے اور اگر محض بطور وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصی بالثلث حق ثلث ہوگا اور اس صورت میں تمام زیورات میں ۳/۱ سہام مدعاعلیہ کو اور ۳/۲ مدعیہ کو ملیں گے۔ لیکن اس شق ثانی پر نفاذ وصیت سے بیشتر مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا اگر مدعاعلیہ نے تجہیز و تکفین متوفی کی اپنے مال سے بلا اطلاق و بلااجازت مدعیہ کی ہے چونکہ یہ صرف تبرع ہے لہٰذا اس خرچ کا بار صرف مدعاعلیہ کے مال پر ہے اور مدعیہ پر اس کا مطلق بار نہ ہوگا اور اگر باجازت مدعیہ اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ہے یا متوفی کے ترکہ میں سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا جو ہر دو مدعاعلیہ اور مدعیہ کے متعلق ہوگا۔ حق سکنی مکانات اور حق استعمال ظروف وغیرہ کے جو موصی نے عالم خاتون زوجہ کو وصیت کی ہے اس وصیت کے بار سے ثلث مال جو بطور وصیت شاہ محمد کو اول ملے گا بری رہے گا البتہ علاوہ ثلث مال کے جو شاہ محمد کو بعد اخراج ثلث ملے گا اس میں مدعیہ کو تا نکاح ثانی حسب وصیت حاصل رہے گا کیونکہ زوجہ کی وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہوسکتی ہاں زائد علی الثلث کے مساوی ہے لہٰذا زائد علی الثلث یعنی ۶/۱۲ میں اس کا نفاذ اس طرح ہوگا کہ رقبہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے اور منفعت کی وصیت مدعیہ کے لئے قرار دی جائے گی جو حصہ مدعیہ کا اور مدعاعلیہ کا جائداد منقولہ یا غیر منقولہ میں ہے اس کے متعلق ہر ایک فریق کو اختیار ہے کہ وہ فریق ثانی سے بشرطیکہ

---

[1] الجوہرۃ النیرۃ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۸۹-۹۰

وہ رضامند بھی ہو قیمت لے ورنہ حسب سہامات مذکور تقسیم کرالے شرعاً قیمت لینے کے متعلق کسی فریق پر جبر نہیں ہوسکتا۔

الحاصل: تعین حصص مدعیہ ومدعی کے متعلق جواب علمائے ریاست صحیح ہے اور مستشار العلماء لاہور صحیح نہیں ہے زیورات کے متعلق شرعی بایں تفصیل ہے کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگرمدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیکاً دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں ان پر کوئی بار حتی کہ تجہیز و تکفین اور وصیت کا بھی نہیں ہوگا اور اگر مرض موت میں وصیت کی ہے تو اگر بعوض دین مہر ہو تو البتہ اس صورت میں تجہیز و تکفین کے بار سے حسب حصہ زیورات مستثنیٰ نہ ہوں گے بشرطیکہ مدعاعلیہ نے بلااجازت مدعیہ اپنے مال سے خرچ نہ کیا ہو لیکن وصیت بالثلث کے بار سے مستثنیٰ ہوں گے یعنی بعد خرچ تجہیز و تکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے۔ اور اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بعد تجہیز و تکفین اول دین مہر ادا کیا جائے گا۔ بعدازاں بحکم وصیت بالثلث زیورات میں سے بھی ۳/ ۱ یعنی ۳/ ۲ ثلث مدعا علیہ کو ملے گا باقیماندہ ۳/ ۲ حصہ زیورات مدعیہ کو ملیں گے۔ پس حکم عدم جواز وصیت صحیح نہیں اور نیز حکم بعدم جواز وصیت بالمنفعت بھی صحیح نہیں بلکہ اس کا نفاذ علاوہ ثلث کے ہوگا، صورت موجودہ میں علماء انجمن مستشار العلماء کا دعوی بطلان وصیت اور جواز رد علی الزوجین کے متعلق صحیح نہیں ہے کیونکہ رَد علی الزوجین کا تعلق اس صورت کے ساتھ جس جگہ حقوق متقدمہ سے باقیماندہ کو بیت المال کے لیے قرار دیا ہے اور جس صورت میں حقوق تمام ترکہ کو مستغرق ہوں اور بیت المال تک نوبت نہ پہنچے جیساکہ وہاں بیت المال کے لئے کچھ نہیں باقی رہا تو رد علی الزوجین کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ بحکم مقدمہ خامسہ رد علی الزوجین کے جواز کا حکم ہرگز نہیں ہوسکتا بیت المال کے فساد کے ساتھ مشروط ہے اگر بیت المال منتظم موجود ہو تو رد علی الزوجین نہیں ہوسکتا لہٰذا حکم رد علی الزوجین حکم تفویض بیت المال سے بھی مؤخر ہوا صورت موجودہ میں، اور فرض زوجہ تمام باقیماندہ ترکہ کو مستغرق ہیں باقی ماندہ ترکہ کا کوئی فرد ان حقوق متقدمہ کے بعد باقی نہیں رہتا، پس نہ تفویض بیت المال کا حکم ہوسکتا ہے نہ رد علی الزوجین کا۔ پس یہ بحث اس جگہ نہایت تعجب انگیز ہے، چنانچہ اس کی تشریح اور تردید اپنی تحریر مندرجہ مسل کافی طور پر کردی ہے اپنی دوسری تحریر میں ایک نوٹ لکھتے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ واحد بخش نے شاہ محمد کو حفاظت جائداد کی وصیت کی ہے، نہ تملیک کی، لہٰذا وہ وصی ہے نہ موصی لہ چونکہ اس کی تردید علمائے ریاست نے کافی طور پر فرمائی ہے لہٰذا ہم کو اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے فقط واللہ اعلم وعلمہ

اتم واحکم۔

نقل جواب ۸

میں نے حضرات علمائے کرام کے فتاوٰی معہ کاغذات متعلقہ مسل مقدمہ کو غور سے پڑھااور بار بار بغرض تنقیح امر متنازعہ فیہ حوالہ جات کتب فقہ میں تدبر کیاچنانچہ حسب ذیل فیصلہ پر آگاہ ہوا، بتوفیقہ تعالٰی اس میں توکلام نہیں کہ رد علی الزوجین میں فقہائے متاخرین کااختلاف ہے یعنی فقہائے متقدمین قطعًا رد علی الزوجین کے قائل نہیں ہیں اور فقہائے متاخرین ردمذکور کے قائل ہیں نیزاس میں کلام نہیں کہ فتوی متاخرین کے قول پر ہے چنانچہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں:

قال فی القنیة ویفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا الفساد بیت المال وفی الزیلعی عن النهایة مافضل عن فرض احد الزوجین یردعلیه وکذا البنت و الابن من الرضاع یصرف الیهما وقال فی المستصفی والفتوی الیوم بالرد علی الزوجین وقال المحقق احمد بن یحیی بن سعد التفتازانی افتی کثیر من المشائخ بالرد علیهما اذا لم یکن من الاقارب سواهما لفساد الامام وظلم الحکام فی هذه الایام[1] الٰی اٰخره۔	قنیہ میں کہاکہ ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پررد کافتوی دیاجائے گا،زیلعی میں نہایہ سے منقول ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے فرضی حصہ کو وصول کرنے کے بعد جوکچھ بچ جائے وہ اسی پررد کردیاجائے گا یونہی رضاعی بیٹی اور رضاعی بیٹے کی طرف لوٹایاجائے گا۔ مستصفٰی میں کہاآج کے زمانے میں فتوی زوجین پررد کرنے کے ساتھ ہے، محقق احمد بن یحیٰی بن سعد تفتازانی نے کہا بہت سے مشائخ نے فتوی دیا ہے کہ زوجین پررَد کیاجائے گا جبکہ ان کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو، کیونکہ ان دونوں میں پیشواخراب اور حکام ظالم ہوچکے ہیں الخ۔(ت)

اب بحث طلب بات رہ جاتی ہے کہ فقہائے متاخرین جن کے قول پر فتوی ہے ذوی الارحام مول الموالات، مقرلہ بالنسب علی الغیر، موصی لہ بجمیع المال ان چاروں کے نہ ہونے کی صورت میں ردمذکور کے قائل ہیں، صاحب درمختار کی عبارت مندرجہ ذیل سے صاف معلوم ہوتاہے کہ متاخرین رد علی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجہ میں اور انہیں کے ساتھ رد علی احدالزوجین کے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

قائل ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

والرد ضدہ (ای ضد العول) کما مر وحینئذ فان فضل عنہا ای عن الفروض والحال انہ لاعصبۃ ثمۃ یرد الفاضل علیہم بقدر سہامہم اجماعا لفساد بیت المال الاعلی الزوجین فلایرد علیہما وقال عثمان رضی اللہ عنہ یرد علیہما ایضا قالہ المصنف وغیرہ قلت جزم فی الاختیار بان ہذا وہم من الراوی فراجعہ قلت وفی الاشباہ انہ یرد علیہما فی زماننا لفساد بیت المال وقدمناہ فی الولاء۔[1]	رد ضد ہے عول کی، جیسا کہ گزرا، تواب جب فروض سے کچھ بچ جائے درانحالیکہ کوئی عصبہ وہاں موجود نہ ہو تو وہ بچا ہوا مال بالاتفاق ذوی الفروض پر ان کے حصوں کے مطابق رد کیا جائے گا سوائے زوجین کے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ زوجین پر بھی رَد کیا جائے گا، ایسا ہی مصنف وغیرہ نے کہا ہے۔ میں کہتا ہوں اختیار میں جزم کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے تو تم اسی کی طرف رجوع کرو۔ میں کہتا ہوں اشباہ میں ہے ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے زوجین پر رد کیا جائے گا۔ اس کا ذکر پہلے ہم کتاب الاولیاء میں کرآئے ہیں۔ (ت)

اگر فقہائے متاخرین کے نزدیک رد علی الزوجین کا درجہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہوتا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اور مصنف صاحب اشباہ کے اختلاف کو یہاں یعنی رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے ساتھ ملا کر بیان کی کیا ضرورت تھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول پر جو دلیل کتاب روح الشروح سے منقول ہے اس سے یہی صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ رد علی الزوجین اور رد علی ذوی الفروض النسبیہ ایک ہی درجہ پر رکھتے ہیں کیونکہ اس میں رد کو عول پر قیاس کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ عول میں ذوی الفروض النسبیہ اور احد الزوجین برابر ہیں تو پھر رد میں بھی ان کو برابر ہونا چاہئے متاخرین کی طرف سے رد علی الزوجین کی دلیل میں فساد بیت المال بیان کیا جاتا ہے اس سے یہ شبہہ ہوتا ہے کہ جب ترکہ کے بیت المال میں جانے کا موقعہ ہو تو اس کے فاسد ہوجانے کے باعث رد علی الزوجین ہونا چاہئے اور جب بیت المال میں جانے کا موقعہ موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہے تو رد علی الزوجین بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد ہونا چاہئے لیکن درمختار کی عبارت مسطورہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد علی ذوی الفروض النسبیہ کی دلیل سے ہی فساد بیت المال ہی کو پیش کیا ہے تو چاہئے کہ رد علی ذوی الفروض النسبیہ بھی موصی لہ بجمیع المال کے بعد

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

ہی ہو اور اس کا تو کوئی قائل بھی نہیں ہے۔ حاشیہ ضیاء السراج وغیرہ سے جو جزئیات علماء نے نقل کئے ہیں وہ سب متقدمین کے مذہب پر مبنی ہیں جو زیادہ ترمروج اور مشہور ہے، اسی لئے ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

اقول: ولم نسمع ایضاً فی زماننا من افتی بشیئ من ذٰلك ولعله لمخالفته للمتون فلیتأمل لکن لایخفی ان المتون موضوعة لنقل ماھو المذھب وھٰذہ المسئلة مما افتی بھا المتاخرون علی خلاف اصل المذھب۔[1]	**میں کہتا ہوں** ہم نے اپنے زمانے میں سنا بھی نہیں کہ کسی نے ایسا فتوٰی دیا ہو شاید متون سے اس کے مخالف ہونے کی وجہ سے۔ پس تامل چاہئے، لیکن پوشیدہ نہیں کہ متون نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں، اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جن میں متاخرین نے اصل مذہب کے خلاف فتوٰی دیا ہے۔ (ت)

بہر کیف اگر کسی صاحب کو کوئی ایسی صریح روایت مل جائے کہ فقہائے متاخرین موصی لہ بجمیع المال کے نہ ہونے کی صورت میں رد علی الزوجین کے قائل ہیں تو خاکسار اور دیگر اراکین مستشار العلماء کو اپنی رائے بدل دینے میں کوئی عذر نہیں ہو سکتا لیکن حضرات مفتیان نے ابھی تک اس امر کو پایہ ثبوت تک نہیں پہنچایا وہ روایات وجزئیات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ موصی لہ بجمیع المال کے ہوتے ہوئے رد علی الزوجین نہیں ہوگا وہ بتمامہا فقہائے متقدمین کے قول پر مبنی نہیں ہے اور اس قول کے موافق اگر موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو بھی رد علی الزوجین نہیں ہو سکتا مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو رد علی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں، اور میرے خیال میں یہ کسی کا بھی مذہب نہیں، بہر صورت جزئیات مندرجہ فتاوٰی متعلقہ مسئلہ ہذا جن سے موصی لہ بجمیع المال کو رد علی الزوجین پر مقدم رکھا گیا ہے وہ مذہب متقدمین پر مبنی ہیں نہ متاخرین پر جو متاخرین پر جو مفتی بہ مذہب ہے اور اگر یہ امر قطعاً ثابت ہو جائے کہ وہ مذہب متاخرین پر مبنی نہیں تو حضرات علماء ریاست کا فتوٰی صحیح ہے مگر بنظر امعان صاف معلوم ہوتا ہے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۰۲

کہ اس امر کو کسی مفتی نے صاف نہیں کیا لہٰذا خاکسار کا فیصلہ اس مسئلہ میں وہی ہے جس کو انجمن مستشار العلماء لاہور نے اپنے فتوی میں لکھ دیا ہے اور جس کے ساتھ یہی متفق ہیں اس مسئلہ میں اس سے زیادہ بحث فضول ہے اور فیصلہ عدالت کے لئے کافی ہے فقط واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔ فقط

الجواب:

(جواب امام احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ رب العٰلمین وبہ ثم برسولہ نستعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہے جو کل جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی سے پھر اس کے رسول سے ہم مدد چاہتے ہیں اللہ تعالٰی اپنے رسول پر درود، سلام اور برکتیں فرمائے اور آپ کی تمام آل واصحاب پر۔ (ت)

الحمدللہ یہاں فتوی پر فیس نہیں لی جاتی "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" [1] (میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔ ت) منی آرڈر واپس کردیا، سوالات اور ان کے متعلق آٹھ فتوے ملاحظہ ہوئے، مفتیوں کے نام نہ لکھنا عجیب نہ تھا ایک فتوی میں دوسرے کا جو ذکر تھا وہ لکھ کر محو کردیا گیا یا بیاض چھوڑی ہے یہاں اس سے کوئی بحث نہیں بعونہ عزوجل تحقیق سے کام ہے مگر اتنی گزارش مناسب ہے بحمدہ تعالٰی یہاں مسائل میں نہ کسی دوست کی رعایت ہے، ہمارے رب عزوعلانے نہ فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ" [2]	اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہوجاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۹

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

نہ کسی مخالف سے ضد اور نفسانیت۔ کیا ہمارے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے نہ فرمایا:

"لَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ " [1]	اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو، انصاف کرو وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔(ت)

مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت پھر مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت سے امید واثق ہے کہ لایخافون لومۃ لائم سے بہرہ وافی عطا فرمایا ہے، وللہ الحمد، اسی بنا پر بہت افسوس کے ساتھ گزارش کہ آٹھوں فتووں میں اصلًا ایک بھی صحیح نہیں اکثر سراپا غلط ہیں اور بعض مشتمل بر اغلاط۔ اب ہم بتوفیق اللہ تعالیٰ **اوّلًا:** کچھ مسائل کا افادہ کریں اور ہر افادہ پر جو فوائد متفرع ہوئے اس کے ساتھ لکھیں جن سے وضوح احکام کے ضمن میں یہ بھی واضح ہو کہ ان فتووں نے کہاں کہاں کیا غلطیاں کیں اور ان کے علاوہ کیا کیا ضروری باتیں ان کی نظر سے رہ گئیں۔ مفتی صاحبوں نے انصاف فرمایا تو یہ امر باعث ناراضی نہ ہوگا بلکہ وجہ شکر کہ مقصود بیان حق واظہار احکام ہے کہ کسی کے طعن والزام، اور یہ امر قدیم سے معمول علمائے اسلام۔

ثانیًا: پانچوں سوالات حال کے جواب دیں۔

ثالثًا: ساتوں سوالات سابق کے جواب لکھیں جو ان مفتیوں سے کئے گئے اور جواب غلط وناقص ہے، یہ اس لئے کہ محکمہ قضاء نے جن امور کی نسبت تحریر فرمادیا ہے کہ فتاوی مصدرہ میں جو سوال زیر بحث آکر طے ہوچکے ہیں ان کے ذکر کی ضرورت نہیں ان میں بھی اظہار حق ہو کہ قابل اطمینان بات صاف نہ ہوئی تھی اس کا حق ہمیں خود ہی تھا اور اس تحریر دار القضا کے بعد بدرجہ اولیٰ کہ علاوہ امور مستفسرہ کے اگر کوئی اور امر بھی قابل اصدار فتوی معلوم ہو تو اطلاع بخشیں۔

رابعًا: حکم اخیر لکھیں کہ اس مقدمہ میں دار القضاء کو کیا کرنا چاہئے۔ **وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکّلت والیہ انیب** (اور میری توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸

افادات والتفریعات

(افادے اور تعریفیں)

افادہ اولٰی

شاہ محمد خاں مکانات واثاث البیت کا ضرور موصٰی لہ ہے آغاز وصیت نامہ میں ہے وہ مکانات زیر حفاظت شاہ محمد خاں کے رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا اگر صرف "زیر حفاظت" کہتا شاہ محمد خاں وصی ہوتا مگر اس فقرہ نے کہ مالک بھی رہے گا ظاہر کردیا کہ مقصود وصیت ہے نہ کہ وصایت۔ پھر کہا مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے، پھر کہا غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے اس "وغیرہ" کی یوں تشریح کی ہے علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ پھر کہا کل اشیاء مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے۔ غرض جابجا تملیک کی تصریح کی اور پر ظاہر کہ یہ تملیک بلامعاوضہ بروجہ تبرع واحسان ہے اور آخر میں کہا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں، بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے، صاف واضح کردیا کہ یہ تملیک مضاف الیہ مابعد الموت ہے تو قطعًا وصیت ہوئی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ میں فرماتے ہیں:

الوصیة فی الشریعة تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع[1]۔	وصیت شریعت میں ایسی تملیک کو کہتے ہیں جو بطور تبرع موت کے مابعد کی طرف منسوب ہوتی ہے۔(ت)

ہاں وصیت نامہ میں مالک و قابض شاہ محمد خاں مذکور ہے کے بعد یہ لکھا ہے کہ اس کو اختیار ہے کہ اس کو فروخت کرے یا رہن کرے بعد فروخت یا رہن یا زربیع میری تجہیز و تکفین اور میری ارواح پر بخش دے گا اسے منافی تملیک سمجھنا صریح غلط ہے وہ خود اس کے متصل ہی کہتا ہے یعنی غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے خود اسی کلام کی تفسیر تملیک سے کررہا ہے تو اسے تملیک سے جدا کرنا توجیه القول بمالایرضی به قائله (قول کی ایسی توجیہ کرنا جس پر قائل

[1] العنایة علی ھامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب صفة الوصایا الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۲

راضی نہ ہو۔ت) ہے اور جب مالک شاہ محمد خاں ہوا تو جملہ مذکورہ کسی طرح وصیت یعنی اسے وصی بنانے کا مفید نہیں ہوسکتا کہ وصی وہ ہے جسے موصی مال میں تصرف کا اختیار دے نہ وہ جسے ایک مال کا مالک کرکے پھر اس سے درخواست کرے کہ وہ اپنا مال بیچ کر اس کے کام میں خرچ کردے یہ سوال ہوا نہ کہ ایضا ظاہر ہے کہ وصایت مثل وکالت دوسرے کو اپنی جگہ قائم کرنا ہے بلکہ وصایت عین وکالت ہے فرق اس قدر کہ وکالت حیات میں ہوتی ہے اور وصایت بعد موت۔ خانیہ پھر ردالمحتار میں ہے:

انت وکیلی بعد موتی یکون وصیا انت وصیی فی حیاتی یکون وکیلا لان کلامنھما اقامۃ للغیر مقام نفسہ فینعقد کل منھما بعبارۃ الاٰخر۔[1]	تو میرے مرنے کے بعد میرا وکیل ہے تو وہ وصی بن جائے گا۔ اور تو میری زندگی میں میرا وصی ہے تو اس سے وہ وکیل بن جائے گا کیونکہ ان دونوں میں ہر ایک کسی غیر کو اپنا قائمقام بنانا ہے لہٰذا ان میں سے ہر ایک دوسرے کی عبارت کے ساتھ منعقد ہوجائے گا۔(ت)

مال اگر اپنی ملک پر رکھ کر اس سے کسی تصرف کے لئے کہتا تو ضرور اسے اپنی جگہ قائم کرنا ہوتا اور جب مال اس کی ملک کرچکا تو اب موصی کا اس میں کیا مقام رہا جس پر اسے قائم کرتا ہے ولوجہ اجلی وصایت باب ولایت واطلاقات سے ہے یعنی دوسرے کو اختیار دینا اسے نافذ التصرف بنانا، ولوالوجیہ پھر ادب الاوصیاء میں ہے:

ایصاء المیت نقل الولایۃ الی الوصی۔[2]	میت کا وصیت کرنا اپنی ولایت کو وصی کی طرف منتقل کرنا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ان فی الوکالۃ والاذن للعبد اطلاقا عما کانا ممنوعین عنہ من التصرف فی مال المؤکل والمولٰی۔[3]	اس لئے کہ وکالت اور اپنے غلام کو اذن دینے میں اس چیز کی اجازت دینا ہے جس سے پہلے اس کے لئے ممانعت تھی یعنی موکل اور مولا کے مال میں تصرف کرنا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الاوصیاء باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۷

[2] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی الایصاء اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۶

[3] ردالمحتار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۳۔۲۲۲

توضرور ہے کہ اس کے اختیار دینے سے اسے اختیار ملے اور جس مال کاآدمی خود مالک ہوگیا اس کااختیار خود اس کی مالکیت اسے دے گی اگرچہ شیئ کی مالکیت دوسرے کے دیئے سے ہو جیسے ہبہ کہ موہوب لہ بعد ملک جو اس میں تصرفات کرے گا اپنے اختیار ذاتی سے کرے گا نہ کہ واہب کی نیابت سے اگرچہ موہوب لہ پر ملک واہب کے دیئے سے ملی توجس طرح تملیک عین بلا عوض فی الحیاۃ یعنی ہبہ سے حصول اختیارات کے باعث موہوب لہ واہب کا وکیل نہ ہوجائے گا یوں ہی تملیک عین بلا عوض بعد الممات یعنی وصیت مال سے حصول اختیارات کے سبب موصی لہ موصی کا وصی نہیں ہوسکتا۔وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

وبوجہ اخصر یہ تملیک ہے اور کوئی اطلاق تملیک نہیں تو یہ اطلاق نہیں اور ہر وصایت اطلاق ہے تو یہ وصایت نہیں وھوالمطلوب قیاس ثانی کا صغری پہلے کا نتیجہ ہے اور کبری کا ثبوت ردالمحتار سے گزرا اور قیاس اول کا صغری بدیہی ہے اور کبری کا ثبوت اس عبارت درمختار سے ہے۔

کل ماکان من التملیکات اوالتقییدات یبطل تعلیقہ بالشروط والاصح لکن فی اسقاطات والتزامات یحلف بھما یصح مطلقًا وفی اطلاقات وولایات وتحریضات بالملائم بزازیۃ۔[1]	جو کچھ تملیکات وتقییدات میں سے ہے وہ اس کی تعلیق شرط کے ساتھ باطل ہے ورنہ صحیح ہے، لیکن اسقاطات والتزامات جن پر قسم کھائی جاتی ہے ان میں شرط کے ساتھ تعلیق مطلقًا صحیح ہے جبکہ اطلاقات، ولایات اور ترغیبات میں بشرط مناسب جائز ہے، بزازیہ۔(ت)

تنبیہ: قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ اگر مملّک بالکسر کہ تملیک بلاعوض کے ساتھ مملَّک بالفتح کی کسی مصلحت میں خرچ یا استعمال کرنا ذکر کرے تو اسے مشورہ ٹھہراتے ہیں مُملَّک پر اس کی پابندی ضرور نہیں ہوتی کہ جب وہ مالک ہوگیا اسے اختیار ہے جہاں چاہے اُٹھائے مثلًا یہ کپڑا میں نے تجھے دیا کہ تو اسے پہنے یا یہ مکان تجھے ہبہ کیا کہ تو اس میں سکونت کرے۔ تنویر الابصار میں ہے:

تصح بایجاب کوھبت ونحلت واطعمتك ھذا الطعام وداری لك ھبۃ تسکنھا۔[2]	یہ ایجاب سے صحیح ہوجاتا ہے جیسے کہا کہ میں نے ہبہ کیا، میں نے بخوشی بخشا، میں نے یہ طعام تجھے دے دیا اور میرا گھر تیرے لئے ہبہ ہے کہ تو اس میں رہائش رکھے۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۹۔۱۵۸

در مختار میں ہے:

لان قولہ تسکنھا مشورۃ فقد اشار علیہ فی ملکہ بان یسکنہ فان شاء قبل مشورۃ وان شاء لم یقبل۔[1]	کیونکہ اس کا قول کہ "تو اس میں رہائش رکھے" ایک مشورہ ہے جو واہب نے موہوب لہ کی ملکیت میں دیا اگر چاہے تو مشورہ قبول کرلے ورنہ نہیں۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

کقولہ ھذا الطعام لك تاکلہ اوھذا الثوب لك تلبسہ بحر[2]۔	جیسے واہب کا قول کہ یہ کھانا تیرے لئے ہے کہ تو اس کو کھائے یا یہ کپڑے تیرے لئے ہے کہ تو اس کو پہنے، بحر۔(ت)

اور اگر خود اپنی یا اس چیز یا صالح استحقاق شخص ثالث کی کوئی مصلحت ذکر کرے تو اسے شرط فاسد قرار دے کر تملیک کو صحیح اور شرط کو باطل کرتے ہیں۔ مثلاً یہ غلام میں نے تجھے ہبہ کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر میری یا زید کی خدمت کرے، یا اس شرط پر کہ تو اسے آزاد کردے۔ در مختار میں ہے:

حکمھا انھا لاتبطل بالشروط الفاسدۃ فھبۃ عبد علی ان یعتق تصح و تبطل الشرط۔[3]	ہبہ کا حکم یہ ہے کہ وہ شرط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا، چنانچہ غلام کا ہبہ اس شرط پر کہ موہوب لہ اس کو آزاد کردے صحیح ہے اور شرط باطل ہوجائے گی۔(ت)

نہ یہ کہ زید اپنی مصلحت ذکر کرے تو سرے سے تملیک ہی اڑادیں اور اسی ذکر مصلحت کو اس کے بطلان کا قرینہ ٹھہرادیں۔ یوں ہوتا تو یہ کہنا کہ میں نے زید کو اس غلام کا مالک کیا اس شرط پر کہ مہینہ بھر بعد مجھے واپس کردے ہبہ نہ ہوتا عاریت قرار پاتا حالانکہ یہ باجماع ائمہ حنفیہّ باطل ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

---

[1] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۹

[2] ردالمحتار کتاب الھبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۹

[3] الدرالمختار کتاب الھبہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۸

قال اصحابنا جمیعا رحمھم اللہ تعالٰی اذا وھب ھبۃ وشرط فیھا شرطا فاسدا فالھبۃ جائزۃ والشرط باطل کمن وھب لرجل أمۃ فاشترط علیہ ان یردھا علیہ بعد شھر کذا فی السراج الوھاج۔[1]	ہمارے تمام اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ جب کسی نے ہبہ کیا اور اس میں کوئی فاسد شرط لگادی تو ہبہ جائز اور شرط باطل ہے۔ جیسے کسی نے لونڈی اس شرط پر ہبہ کی کہ ایک ماہ بعد موہوب لہ، وہ لونڈی واہب کو لوٹادے گا، سراج وہاج میں یوں ہی ہے۔ (ت)

افادہ ثانیہ

جس طرح الفاظ مذکورہ سے شاہ محمد خاں کو وصی سمجھنا باطل ہے یوں ہی ان مکانوں کی وصیت تجہیز و تکفین وایصال ثواب کے لئے ٹھہرانا حلیہ صواب سے عاری وعاطل ہے وہ تو مکانات کو شاہ محمد خاں کی ملک کرچکا اور اختیار بیع رہن کا ملک پر متفرع ہونا بدیہی۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ شاہ محمد پر لازم ہے کہ ان کو بیع یا رہن کرکے روپیہ میری تجہیز و تکفین وفاتحہ میں اٹھادے بلکہ یہ کہتا ہے کہ شاہ محمد ان کا مالک ہے اسے بیع ورہن کا اختیار ہے ہاں اگر بیع یا رہن کرے تو اس صورت میں کہتا ہے کہ روپیہ میری ارواح پر بخش دے گا۔ اس جملہ کو اگر اس کے ظاہر پر رکھیں تو خبر ہے جس کا حاصل شاہ محمد خاں اور موصی کی دوستی کا بیان ہے کہ مجھے اس سے یہ امید ہے ولہذا میں اسی کو اپنے مال کا مالک کرنا چاہتا ہوں جس طرح آخر میں کہا کہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے جس نے میری خدمت از حد کی ہے بعد انتقال میری تجہیز و تکفین کا انتظام کرے گا اور میری منزلت اخیر کو پورا انجام دے گا اور اگر خبر بمعنی امر لیں تو حاصل یہ ہوگا کہ شاہ محمد خاں اگر بیع یا رہن کرے تو روپیہ میری ارواح پر بخشدے، یہ ایصال ثواب کی وصیت نہیں ہوسکتا بعد اس کے کہ مکانات ملک موصی لہ کرچکا، پرائی ملک میں اسے وصیت کا کیا اختیار رہا، وصیت ایجاب ہے اور ملک غیر میں اس کے کہے سے کوئی بات واجب نہیں ہوسکتی مالک کو اختیار ہے کہ مانے یا نہ مانے، ایضاح پھر نہایہ شرح ہدایہ پھر نتائج الافکار میں ہے:

الوصیۃ ما اوجبھا الموصی فی مالہ بعد موتہ او مرضہ	وصیت وہ ہے کہ موصی اپنے مال میں اس کا ایجاب کرے اس کی موت کے بعد یا ایسی

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الھبہ الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۶

الذی مات فیہ[1]۔	بیماری میں جس کے اندر وہ مرا۔(ت)

تفریعات

(۱) فتوی ۶ کا ادعا کہ وصیت نامہ پر غور سے معلوم ہوتا ہے کہ متوفی نے شاہ محمد کے حق میں کچھ بھی وصیت نہ کی بلکہ صرف اپنا وصی مقرر کیا ہے، محض باطل ہے۔

(۲) فتوی ۶ کا اس ادعا پر جملہ مذکورہ میری ارواح بخش دے گا سے استدلال کہ وصیت بحق شاہ محمد متوفی ہوتی تو یہ کہنا بے معنی ہو جاتا خود بے معنی اور صحیح و باطل کا قلب کردینا ہے جیسا کہ تنبیہ میں واضح ہوا۔ اس نے مطلقاً کہا ہے کہ مالک محمد شاہ خاں مذکور ہے اور اس کے بعد وہ الفاظ کہ بعد فروخت یار ہن الخ جملہ مستقلہ ہیں کہ اس جملہ کی قید و شرط نہیں ہوسکتے۔ بحر الرائق متفرقات البیوع جلد ۶ میں ہے:

فی بیوع الذخیرۃ اشتری حطبا فی قریۃ شراء صحیحا وقال موصولا بالشراء من غیرشرط فی الشراء، احملہ الی منزلی، لایفسد العقد لان ہذا لیس بشرط فی البیع بل ہو کلام مبتدأ بعد تمام البیع فلایوجب فسادہ اھ فعلی ہذا لواستاجر قریۃ اوارضا للزراعۃ ثم قال بعد تمامہا ان الحرث علی المستأجر لاتفسد لانہ لم یکن شرطا فیہا وانما یکون شرطا لوقال علی ان الحرث علیہ فلیحفظ ہذا فانہ یخرج علی کثیر من المسائل۔[2]	بیوع ذخیرہ میں ہے کسی نے ایک قریہ میں ایندھن خریدا صحیح خریداری کے ساتھ پھر اس سے متصل بلاشرط کہا اس کو میرے گھر تک لے چلو تو عقد فاسد نہ ہوگا کیونکہ یہ بیع میں شرط نہیں بلکہ بیع مکمل ہوجانے کے بعد نیا کلام ہے جو موجب فساد نہیں اھ اسی پر مبنی ہے یہ مسئلہ کہ کسی نے زراعت کے لئے دیہات یا زمین کرایہ پر لی پھر بیع کے مکمل ہونے کے بعد کہا کہ کاشت کرنا کرایہ دار کے ذمہ ہوگا تو اجارہ فاسد نہ ہوگا، کیونکہ یہ اجارہ میں شرط نہیں وہ تو تب ہوتی کہ یوں کہتا اس شرط پر کہ کاشتکاری کرایہ دار کے ذمہ ہوگی، اس کو محفوظ کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے بہت سے مسائل کی تخریج ہوسکتی ہے۔(ت)

اور اگر بفرض غلط اس کے معنی یہ قرار دے لیجئے کہ شاہ محمد کی تملیک کو اس شرط سے مشروط

---
[1] نتائج الافکار (تکملہ فتح القدیر) کتاب الوصایا مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۳۴۱

[2] بحر الرائق کتاب البیوع باب المتفرقات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۱۸۸

کرتا ہے یعنی میں نے شاہ محمد خاں کو وصیۃً ان مکانات کامالک کیااس شرط پر کہ اگر وہ بیع یا رہن کرے تو روپیہ میری فاتحہ میں اٹھائے، **تواوّلاً:** ہم ثابت کرچکے کہ تملیک بلاعوض میں ایسی شرط باجماع ائمہ حنفیہ باطل ہوگی۔

ثانیاً: ہم پوچھتے ہیں اس صورت میں بعد موت موصی کے مکانات ملک موصی سے خارج ہوگئے ملک موصی لہ میں داخل ہوئے یانہیں، اگرکہتے ہو ہاں تو مقصود حاصل کہ مالک پر اس کی ملک میں جبر کیا معنی، اور اگرکہتے ہو نہیں تو کیوں، حالانکہ موصی نے وصیت کی اور موصی لہ قبول کرچکااور وصیت بعد قبول ناقل ملک ہے۔ اشباہ میں ہے:

الموصی لہ یملك الموصی بہ بالقبول[1]۔	جس کے لئے وصیت کی گئی وہ وصیت والی چیز کو قبول کرنے سے اس کامالک ہوجاتاہے۔(ت)

اور یہ کہنا محض نادانی ہوگاکہ وصیت تومشروط تھی جب تک شرط نہ پائے جائے گی، یہ شرط فی الوصیۃ بالشرط اور تعلیق الوصیۃ بالشرط میں فرق نہ کرنے سے ناشیئ ہوگا یہاں اگر ہے تواول ہے نہ ثانی کہ سرے سے مبطل وصیت ہے کہ وصیت تملیک ہے اور تملیکات تعلیق بالخطر قبول نہیں کرتیں، درمختار میں ہے:

کل ماکان من التملیکات اوالتقییدات یبطل تعلیقہ بالشرط۔[2]	جو کچھ تملیکات یاتقییدات میں سے ہے اس کو شرط کے ساتھ معلق کرنا باطل ہے(ت)

معلٰہذا وہ کیاشرط تھی کہ نہ پائی گئی آیا روپیہ صرف فاتحہ کرنا نہ ہوا، تو یہ توبحال بیع ورہن شرط تھا بیع ورہن خود ہی نہ پائے گئے، رہابیع ورہن کرناتو یہ شرط ہی نہ کئے گئے تھے شرط لازم کی جاتی ہے اور بیع ورہن کااس نے اختیار بتایا ہے نہ کہ ایجاب۔

(۳) فتوی ٦ کاقول کہ اسلئے شاہ محمد خاں کو بحیثیت وصیت تیسرا حصہ جائداد کاملے گااس لئے کہ بحق واحد بخش خیرات کردے نہ اس لئے کہ وہ خود اس کامالک بن جائے، بنائے فاسد علی الفاسد ہے، بلکہ بلاشبہہ وہ وصیت بحق شاہ محمد ہے اس لئے کہ وہ خود اس کامالک کرچکا

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۳

[2] الدرالمختار کتاب البیوع مایبطل بالشرط الفاسد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۳

موصی نے جابجا جس کی صریح تصریح کی مگر فتوی کہتا ہے کہ موصی خود اپنی مراد نہ سمجھا، مراد یہ ہے جو ہم کہتے ہیں۔

(۴) بفرض باطل ایسا ہوتا بھی تو یہ الفاظ کہ میری ارواح کو بخش دے گا موصی نے صرف مکانات کی نسبت لکھے ہیں باقی وصیت کی نسبت نہیں فتوی ۶ کا تو مطلقاً سب جائداد پر یہی حکم لگا دینا اور پورا ثلث خیرات کے ٹھہرا دینا صریح ظلم یا عدم فہم ہے **نسأل اللہ العفو والعافیۃ** (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ت)

(۵) یہی خطا فتوی ۲ کو آڑے آئی لکھا زوجہ کا حق متروکہ متوفی سے سدس ہے باقی موصی لہ کا ہے اور اللہ اسباب خیر میں صرف کرے جب باقی موصی لہ کا ہو چکا پھر وجوہ خیر میں صرف کرنے کا اس پر ایجاب کیا معنی، اگر وہ کرے گا تبرع ہوگا اور تبرع پر جبر نہیں "**مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍؕ**"[1] (احسان کرنے والوں پر کوئی راہ نہیں۔ت)

(۶) بلکہ فتوی ۲ کی غلطی فتوی ۶ سے بڑھ کر ہے اس نے تو شاہ محمد کے لئے وصیت مانی ہی نہ تھی تو اسے گنجائش ملی کہ خیرات کے لئے وصیت ٹھہرا دے اگرچہ یہ سرتاپا غلط تھا اس نے اس سے عجیب تر راہ اختیار کی کہ تمام باقی بعد فرض الزوجہ کی وصیت شاہ محمد کے لئے مانی پھر اسی پر خیرات کا حکم لگا دیا یعنی شیئ واحد کی وصیت عمرو کے لئے بھی ہے اور بعینہٖ اس شیئ کی وصیت اللہ عزوجل کے لئے بھی ہے حالانکہ یہ بداہۃً محال ہے۔

(۷) فتوی ۲ نے اس مطلب پر عبارات یہ نقل کیں:

(۱) اوصی بثلث مالہ للہ تعالٰی[2]۔	اللہ تعالٰی کے لئے اس نے اپنے تہائی مال کی وصیت کی (ت)
(۲) لو اوصی بالثلث وجوہ الخیر[3]۔	اگر اس نے نیکی کے کاموں کے لئے تہائی کی وصیت کی (ت)
(۳) لاتصح من ممیز الا فی تجہیزہ[4]۔	باتمیز صغیر کی وصیت صحیح نہیں مگر صرف اس کی تجہیز میں۔ (ت)

اور نہ دیکھا کہ جب میں باقی کی وصیت عمرو کے لئے مان چکا تو ان عبارات کا کیا محل رہا۔ **نسأل اللہ العفو والعافیۃ**۔

[1] القرآن الکریم ۹ / ۹۱

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا ۵/ ۴۲۲

[3] الفتاوی الہندیۃ الباب الثانی ۶/ ۹۷

[4] الدرالمختار کتاب الوصایا ۲/ ۳۱۹

افادہ ثالثہ

عالم خاتون بھی ضرور موصی لہا ہے مکانات واثاث البیت کے باب میں اس کے لئے وصیت المنفعۃ ہونا تو بدیہی اور نظر بر سیاق و سباق وصیت نامہ، اس زیور کی بھی اس کے لئے وصیت ہے ابتداء وصیت نامہ میں ہے مجھ کو اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ کا انتظام ضروری ہے کہ پس ماندگان میں تکرار نہ ہو اس کا انتظام یہ ہے کہ زیورات ذیل زوجہ کو ملے گا الخ پھر مکانات واثاث البیت کے وصیت بنام شاہ محمد خاں کی جس کا حاصل یہ تقسیم ہوئی کہ وہ زیور عالم خاتون کے اور مکانات واثاث البیت شاہ محمد خاں کے۔ آخر میں لکھا یہ جملہ شرائط بعد میرے قابل تعمیل ہوں گے جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں بموجب بالا تقسیم ہوں گے صاف واضح ہو گیا کہ دونوں کے لئے تملیک بعد الموت کر رہا ہے تو اس کا زیور مذکور کی نسبت کہنا میری زوجہ کے ہیں ایسا ہی ہے جیسا مکانات کو کہا مالک شاہ محمد خاں ہے اور وارث کے لئے وصیت بلاشبہہ جائز ہے جبکہ اور کوئی وارث نہ ہو، ردالمحتار بیان شرائط وصیت میں ہے:

وکونہ غیر وارث ای ان کان ثمۃ وارث اٰخر والا تصح کما لو اوصی احد الزوجین للاٰخر ولا وارث غیرہ۔[1]	اور اس کا غیر وارث ہونا، یعنی جب وہاں کوئی اور وارث ہو ورنہ صحیح ہے، جیسا کہ زوجین میں ایک دوسرے کے لئے وصیت کرے اور اس کے علاوہ کوئی اور وارث نہ ہو (ت)

درمختار میں ہے:

لا لوارثہ الا باجازۃ ورثتہ او لم یکن لہ وارث سواہ کما فی الخانیۃ حتی لو اوصی لزوجتہ اوھی لہ ولم یکن ثمۃ وارث اٰخر تصح الوصیۃ، ابن کمال[2]۔	وارث کے لئے وصیت جائز نہیں مگر اس وقت دیگر ورثاء اجازت دے دیں یا کوئی اور وارث موجود ہی نہ ہو جیسا کہ خانیہ میں ہے، یہاں تک اگر خاوند نے بیوی کے لئے بیوی نے خاوند کے لئے وصیت کی اور وہاں کوئی دوسرا وارث موجود نہیں تو وصیت صحیح ہوگی، ابن کمال۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

تفریعات

(۸) فتوی ۵ کا قول مدعیہ وارث شرعی ہے اس کے حق میں وصیت نہ سمجھی جائے اس لئے کہ وارث کے واسطے وصیت جائز ہے۔ مسئلہ وارث واحد کے حکم سے غفلت ہے۔

(۹) طرفہ یہ کہ خود فتوی ۵ نے سند میں عبارت در مختار **لالوارثہ الخ** (وارث کے لئے جائز نہیں۔ت) نقل کی جس کے آخر میں موجود **یعنی عند وجود وارث اٰخر**[1] (دوسرے وارث کی موجودگی میں۔ت)

(۱۰) زیور بعد موت عوض مہر میں دیئے جانے کو لکھنا بھی وصیت ہوا **لکونہ ایجابا بعد الموت** (موت کے بعد ایجاب ہونے کی بناپر) تو فتوی ۵ کا کہنا کہ بلکہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں اور اسے منافی وصیت جاننا عجیب ہے۔

(۱۱) استفتاء مرتبہ ڈسٹرکٹ ججی خانپور کے سوال میں آتا ہے کہ جو زیورات مدعیہ کو ملے ہیں ان کی نسبت وہ کہتی ہے کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا ان سے بھی ہر گز مفہوم نہ ہوا کہ یہ دیا جانا صحت میں تملیک فی الحال تھا جب وہ لکھ گیا کہ میرے بعد یہ زیور میری زوجہ کے ہیں تو ضرور وصیت ہی ہوئی اگرچہ بعوض مہر دینا مراد ہو اور اس صورت میں عورت کا کہنا کہ مجھ کو حق مہر میں شوہر دے گیا بلاشبہہ صادق ہے تو فتوی ۵ کا قول کہ بلکہ زیورات مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے محض نامفید مقصود ہے۔

(۱۲) ہم واضح کرچکے ہیں کہ وصیت نامہ کا صریح مفاد تملیک بعد الموت ہے وہ نص کرچکا کہ جب تک میں حیات ہوں کسی کا تعلق نہیں بعد میں تقسیم ہوں گے تو فتوی ۵ کا قول کہ خود عبارت وصیت نامہ کا محمل قوی یہ ہے، عجیب ہے۔

افادہ رابعہ

وصیت جس طرح رقبہ شیئ کی صحیح ہے یوں ہی تنہا منفعت کی، یونہی یہ بھی کہ ایک کے لئے رقبہ کی وصیت کرے دوسرے کے لئے منفعت کی پہلی صورت میں متروکہ ملک وارثہ ہوگا اور اس کی

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

منفعت ملک موصی لہ اور دوسری صورت میں پہلا موصی لہ رقبہ شیئ کامالک ہوگا اور دوسرا اس کی منفعت کا۔ بہر حال وہ شیئ بغرض انتفاع موصی لہ بالمنفعت کے قبضہ میں رہے گی ورثہ یا موصی لہ بالرقبہ کو اس کی بیع کا اختیار نہ ہوگا جب تک موصی لہ بالمنفعۃ کو اس سے انتفاع کا حق باقی رہے، مثلاً سال بھر کے لئے وصیت منافع کی تو سال بھر تک اور موصی لہ کی زندگی تک تو اس کی حیات تک۔ ہدایہ میں ہے:

تجوزالوصیة بخدمة عبدہ وسکنی دارہ سنین معلومة وتجوزبذٰلك ابدافان خرجت رقبة العبد من الثلث یسلم الیه لیخدمه وان کان لامال له غیرہ خدم الورثة یومین والموصی له یوما بخلاف الوصیة بسکنی الدار اذاکانت لاتخرج من الثلث حیث تقسم عین الدار اثلاثا للانتفاع لانه یمکن القسمة بالاجزاء وھواعدل للتسویة بینھما زمانا وذاتا ولو اقتسموا الدار مهایاة تجوز ایضا لان الحق لھم، ولیس للورثة ان یبیعوا مافی ایدیھم من ثلثی الدار لان حق الموصی له ثابت فی سکنی جمیع الدار وله حق المزاحمة فیمافی ایدیھم اذا خرب مافی	اپنے غلام کی خدمت اور گھر کی سکونت کی وصیت معین سالوں کے لئے جائز ہے اور دائمی وصیت بھی جائز ہے، پھر اگر غلام کی گردن یعنی اس کی قیمت موصی کے تہائی مال سے نکل سکتی ہے توغلام موصی لہ کو سونپ دیا جائے گا تاکہ اس کی خدمت کرے، اور اگر موصی کا سوائے اس غلام کے کوئی اور مال نہیں تو وہ غلام دو دن وارثوں کی اور ایک دن موطی لہ کی خدمت کرے گا بخلاف گھر کی سکونت سے متعلق وصیت کے کہ اگر گھر تہائی مال سے نہیں نکل سکتا تو اس سے نفع اٹھانے کے لئے تہائیوں کے اعتبار سے خود گھر کو تقسیم کرلیا جائے گا کیونکہ گھر کے اجزاء کی تقسیم ممکن ہے اور یہ تقسیم زمان وذات کے اعتبار سے زیادہ عدل پر مبنی ہے، اور اگر انہوں نے باریوں کے اعتبار سے تقسیم کرلیا تب بھی جائز ہے کیونکہ یہ انکا اپنا حق ہے، وارثوں کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے زیر قبضہ دو تہائی گھر کو فروخت کریں کیونکہ موطی لہ کے لئے تمام گھر میں سکونت کا حق ثابت ہے، جب موصی لہ کے زیر قبضہ تہائی حصہ خراب ہو جائے تو اس کے وارثوں

یدہ والبیع یتضمن ابطال ذٰلك فمنعوا عنه[1]۔ (ملخّصًا)	کے زیر قبضہ دو تہائی مکان میں مزاحمت کا حق ہے جبکہ بیع اس حق کے ابطال کو متضمن ہے لہذا وارثوں کو اس سے روکا جائے گا۔ ملخصا (ت)

اسی میں ہے:

ولواوصی له بخدمة عبده ولاٰخر برقبته وهو یخرج من الثلث فالرقبة لصاحب الرقبة والخدمة علیها لصاحب الخدمة لانه اوجب لکل منها شیئا معلوما، ثم لما صحت الوصیة لصاحب الخدمة فلولم یوص فی الرقبة بشیئ لصارت الرقبة میراثا للورثة مع کون الخدمة للموصی له فکذا اذا اوصی بالرقبة لانسان اخراذ الوصیة اخت المیراث من حیث ان الملك یثبت فیهما بعدالموت[2]۔(ملخصًا)	اگرایک شخص کے لئے غلام کی خدمت اور دوسرے کے لئے اس کے رقبہ کی وصیت کی درآنحالیکہ وہ تہائی مال سے نکل سکتا ہے تو رقبہ صاحب رقبہ کے لئے جبکہ اس پر خدمت صاحب خدمت کے لئے ہوگی کیونکہ موصی نے ہرایک کے لئے وصیت میں کچھ معین شیئ ثابت کردی، پھرجب صاحب خدمت کے لئے وصیت صحیح ہوجائے اور رقبہ میں وہ کسی کے لئے وصیت نہ کرے تو رقبہ وارثوں کی میراث ہوگا باوجودیکہ خدمت موصی لہ کے لئے ہوگی۔ اور یہی حکم ہوگا اگر اس نے رقبہ کی وصیت کسی دوسرے انسان کے لئے کردی کیونکہ وصیت میراث کی بہن ہے اس حیثیت سے کہ ان دونوں میں ملک موت کے بعد ثابت ہوتی ہے۔ ملخصًا (ت)

اسی طرح اور کتب جلیلہ میں ہے اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ اگر دو یا دس مکانوں کے سکنٰی کی زید کے لئے وصیت کی تو اگرچہ وہ ان میں سے ایک ہی میں سکونت کرے گا جس کا اسے اختیار ہوگا کہ ان میں سے جس مکان میں چاہے رہے مگر وہ سب مکان اس کے حق کے لئے مدت حق تک محبوس رہیں گے ورثہ یا موصی لہ بالرقبہ کو ان کی بیع کا اختیار نہ ہوگا کہ اس کا حق ہر مکان میں

[1] الهدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۷۹۔۸۰

[2] الهدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۲

ثابت ہے اور ہر مکان کی نسبت محتمل ہے وہی باقی رہے اور سب کسی آفت سے منہدم ہو جائیں تو اگر ان میں بعض کو مالکان رقبہ بیچ سکیں تو موصی لہ بالمنفعۃ کا حق ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

وانظر الٰی قول الھدایۃ حق المزاحمۃ فیما فی ایدیھم [1] وثم لم تثبت لہ الوصیۃ الا فی الثلث فکیف وقد اوصی لہ بکل۔	ہدایہ کے قول پر نظر کرو کہ موصی لہ کو وارثوں کے زیر قبضہ گھر میں مزاحمت کا حق ہے اور پھر نہیں ثابت ہوئی اس کے لئے وصیت مگر تہائی مال میں تو کیسا حال ہوگا جبکہ اس نے کل مال کی وصیت کردی ہے۔ (ت)

اور اس کے لئے ہر گز شرط نہیں کہ وہ اپنی ملک میں کوئی شے ایسی نہ رکھتا ہو جس سے یہ منفعت حاصل کرسکے جو اپنا ذاتی مکان رکھتا ہو اس کے لئے وصیت یا سکنٰی کی ممانعت نہیں نہ یہ امر مانع نفاذ وصیت ہو، وھذا ظاھر جدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت)

تفریعات

(۱۳) یہیں سے ظاہر کہ فتوی ۷ کہ اس احتمال کی کہ متوفی نے زیورات مذکورہ اگر مدعیہ کو مرض الموت سے پہلے تملیکا دے دیئے ہیں اور وصیت نامہ کی تحریر اس کا بیان ہے تو وہ زیورات متوفی کے ترکہ سے خارج ہیں یہاں کوئی گنجائش نہیں۔

(۱۴) تملیک مضاف الی مابعد الموت اگرچہ حالت صحت میں ہو وصیت ہے کہ فتوی ۷ کا یہاں مطلق تملیک کہنا اور شق مقابل کو اگر مرض الموت میں وصیت کی ہے مرض سے مقید کرنا ضیق بیان ہے، ہدایہ میں فرمایا:

کل ماأوجبہ بعد الموت فھو من الثلث وان اوجبہ فی حال صحتہ اعتبارا بحال الاضافۃ دون حال العقد۔ [2]	ہر وہ تملیک جس کا ایجاب موت کے بعد کیا ہو تو وہ تہائی مال میں نافذ ہوگی اگرچہ اس کا ایجاب حالت صحت میں کیا ہو حالت اضافت کا اعتبار کرتے ہوئے نہ کہ حال عقد کا۔ (ت)

(۱۵) فتوی ۵ کا قول بعد وفات متوفی کے مدعیہ کا کوئی حق رہائش مکان و نان نفقہ وغیرہ کا

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنٰی والخدمۃ الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۰

[2] الھدایۃ کتاب الوصایا باب العتق فی مرض الموت مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۶۹

نہیں۔نہ فقط وصیت نامہ بلکہ سوال سائل کو بھی نہ سمجھنے پر مبنی ہے،سائل نے یہ نہ پوچھاتھاکہ جس طرح حیات میں زوجہ کا نفقہ وسکنٰی شوہر پر ہے آیا بعد وفات شوہر بھی یہ حق باقی رہتے ہیں جس کاجواب نفی میں دیاجائے وہ تواس حق سکنٰی کوپوچھتاہے جس کی اس کے لئے موصی نے وصیت کی ہے اس کاانکار کرنااوراپنی طرف سے اس میں نان نفقہ دلادیناکیامعنی رکھتاہے۔

(۱۶) یوں ہی مستفتی نے وصیت مذکورہ دربارہ ظروف کودریافت کیاتھاکہ زوجہ کے لئے جائزاوراپناحصہ پانے کے بعد بھی نافذ ہے یانہیں فتوی ۵ نے وصیت نامہ وسوال سائل ومسئلہ وصیت بالمنفعۃ سب سے ذہول فرماکر لکھ دیاکہ اس میں کوئی اثر نہیں۔

(۱۷) اس سے عجیب تر فتوی ا کا قول ہے کہ عالم خاتون کورہائش کاحق حاصل نہیں اس باب میں واحد بخش کی وصیت لغوبے اثر رہے گی،فتوی ۵ نے تووصیت سے ذہول کیاحیات کے نفقہ وسکنٰی کے مثل کسی حق بعدالوفاۃ سے استفسار سمجھامگر فتوی اولٰی نے صراحۃً وصیت مان کر محض بلاوجہ شرعی اسے لغوبے اثر کردیا،یہ عجیب منطق ہے،کیاشرعًا وصیت بالسکنی باطل ہے یاخاص زوجہ تنہاوارثہ کے لئے باطل ہے اور جب کچھ نہیں تواسے لغو کہناہی لغونہیں صریح باطل ہے۔

(۱۸) سوال ۶ کوفتوی ا بھی مثل فتوی ۵ نہ سمجھاکہ استفسار اس وصیت کے جواز سے ہے جس کاجواب اثبات میں دیناواجب تھایا یہاں بھی اپنی اسی منطق کی بناپر وصیت کولغو ٹھہرالیاہے۔نسأل اللہ العفووالعافیۃ(ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

افادہ خامسہ جلیلہ مشتمل بر فوائد جزیلہ

فائدہ،اصل یہ ہے کہ ترکہ میں تجہیز وتکفین کے بعد سب سے مقدم دین ہے پھر اجنبی کے لئے ثلث تک وصیت پھر وارث کی میراث پھر وارث منفرد کے لئے وصیت اور اجنبی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت ہے یہ دونوں مرتبہ واحدہ میں ہیں ثلثہ پیشیں کی تقدیم اور باہم ترتیب معروف ومشہور ہے اور میراث کاوصیۃ للوارث اور مافوق الثلث وصیۃ للا جنبی پر تقدم ہے اگروہ وارث کل مال بذریعہ ارث پاسکتاہے توثلث وصیت کے بعد کل میراث ہی ٹھہرے گااس کی وصیت اپنے نفاذ کامحل ہی پائے گی یونہی اجنبی کی وصیت قدرزائد علی الثلث میں معطل رہ جائے گی یعنی جبکہ وارث اجازت نہ دے ورنہ وصیت ثلث کے مثل ارث مجیز پر تقدم پائے گی اوراگر بذریعہ میراث صرف بعض کامستحق ہے اور وہ نہیں مگر زوجین کہ ربع یانصف سے زائد کے مستحق نہیں توثلث وصایاکے بعد

باقی کاربع یانصف انہیں ارثاً پہنچے گا پھر جو بچا اس میں ان کی وصیت اور اجنبی کی زیادہ از ثلث وصیت حصہ رسد نفاذ پائے گی اگرچہ ان کے خواہ اجنبی خواہ ہر ایک کے لئے کل مال کی وصیت ہو بالجملہ وصیت زائد للاجنبی حصہ میراث میں نافذنہ ہوگی اور وصیت للوارث نہ اس میں نافذ ہو نہ ثلث اجنبی میں اس مراعات ترجیح پر ہر ایک کی وصیت ملحوظ رہے گی یہ ہے ان دونوں کی باہم تساوی اور میراث کا ان پر تقدم۔ مثلاً میت نے صرف ایک زوجہ وارث چھوڑی اور کل مال کی وصیت اس کے لئے جدائی اور زید کے لئے جدا کہ ہر ایک موصی لہ بجمیع المال ہوا اس صورت میں ترکہ بارہ سہم ہو کر پانچ سہم زوجہ کو ملیں گے اور سات زید کو۔ اس لئے کہ اولاً زید کو ثلث دیا کہ میراث پر مقدم ہے ۴ ہو کر، باقی ۸ کا ربع یعنی ۲ زوجہ نے ارثا لئے، ۶ بچے، زید کی وصیت کل مال یعنی پورے ۱۲ سہام کی تھی وہ حصہ میراث ۲/۱۲ میں نافذ نہیں ۱۰/۱۲ بچے جن میں سے ۴/۱۲ پاچکا ہے باقی ۶/۱۲ رہے اور زوجہ کی وصیت بھی پورے ۱۲ سہام کی تھی وہ نہ اس ۴/۱۲ میں جاری ہو سکتی ہے جو زید نے ابتداءً پائے نہ ان ۲/۱۲ میں جو خود زوجہ نے ارثا لئے تو اس کی وصیت بھی ۶/۱۲ رہی دونوں برابر ہوئے تو ۶ باقی ان میں نصف نصف ہو کر زوجہ کے ۵ زید کے ۷ ہوئے، قس علیہ۔

اقول: ولعل السرفی تقدیم ارث الوارث علی الوصیة له ان الارث جبری فبمجرد مامات المورث اوفی اٰخرجزء من اجزاء حیاته علی القولین فیه لمشائخ بلخ والعراق انتقل الملك فی قدر المیراث الی الوارث غیرمتوقف علی شیئ بخلاف الوصیة فانها تتوقف علی قبوله فنفاذها یعقب القبول وقبوله یعقب الموت والارث یقارن الموت اویتقدمه فتاخرت ضرورة اما الوصیة للاجنبی فالمال باق فیها الی الثلث علی ملك الموصی نظرا له من الشارع کمانصوا	**میں کہتا ہوں** شاید وارث کی میراث کو اس کے حق میں وصیت سے مقدم کرنے میں راز یہ ہے کہ میراث جبری ہے، محض مورث کی موت یا اس کی زندگی کے آخری جزء میں جیسا کہ مشائخ بلخ وعراق کے قول ہیں بقدر میراث ملک وارث کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ بخلاف وصیت کے کہ وہ قبول پر موقوف رہتی ہے چنانچہ وصیت کا نفاذ قبول اور قبول موت کے بعد ہوتا ہے جبکہ میراث موت کے ساتھ مقترن یا اس سے مقدم ہوتی ہے تو وصیت میراث سے بداہۃً مؤخر ہوئی، رہی اجنبی کے لئے وصیت تو اس میں مال ایک تہائی تک شارع کی طرف موصی کی ملک پر باقی رہتا ہے جیسا کہ اس پر مشائخ نے

علیہ واشار الیہ فی الھدایۃ فلایجری فیہ الارث مالم یرد الموصی لہ فاذا قبل فقد تقدم وملکہ من دون ان یلحقہ ملك الوارث۔	نص کی ہے اور اسی کی طرف ہدایہ نے اشارہ فرمایا ہے تو اس میں اس وقت تک میراث جاری نہیں ہوگی جب تک موصی لہ اس کو رد نہ کردے اگر وہ اس وصیت کو قبول کرلے تو اس کی ملکیت مقدم ہوگی بغیر اس کے اس کے ساتھ کسی وارث کا حق ملحق ہو۔(ت)

درمختار کتاب الاقرار میں ہے:

لولم یکن وارث اٰخر واوصی لزوجتہ اوھی لہ صحت الوصیۃ واما غیرھما فیرث الکل فرضا اوردا فلایحتاج لوصیۃ شرنبلالیۃ۔[1]	اگر کوئی اور وارث موجود نہ ہو خاوند بیوی کے لئے یا بیوی خاوند کے لئے وصیت کرے تو یہ وصیت صحیح ہوگی، لیکن جوان دونوں کا غیر ہے وہ بطور فرض یا بطور رد کل مال کا وارث ہو جائے گا لہٰذا وہ وصیت کا محتاج نہیں، شرنبلالیہ(ت)

اسی کے وصایا میں ہے:

وانما قیدوا بالزوجین لان غیرھما لایحتاج الی الوصیۃ لانہ یرث الکل برد اورحم۔[2]	زوجین کی قید مشائخ نے اس لئے لگائی کہ ان کا غیر وصیت کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ وہ بطور رَد یا بطور رشتہ داری کل مال کا وارث بن جاتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ترك امرأۃ واوصی لھا بالنصف ولاجنبی بالنصف یعطی للاجنبی اولا الثلث وللمرأۃ ربع الباقی ارثا	کسی شخص نے بیوی چھوڑدی اور اس کے لئے اپنے نصف مال کی وصیت کی جبکہ نصف مال کی وصیت کسی اجنبی کے لئے کی تو پہلے اجنبی کو

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۶

[2] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

والباقی یقسم بینھما علی قدر حقوقھما تاتارخانیة۔[1]	تہائی مال دیں گے پھر باقی سے چوتھا حصہ بیوی کو میراث دیا جائے اور جو باقی بچا وہ ان دونوں میں ان کے حقوق کے مطابق تقسیم کیا جائے گا، تاتارخانیہ (ت)

فتاوٰی خانیہ وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

اذامات الرجل وترك امرأة ولیس له وارث غیرھا و اوصی للاجنبی بجمیع ماله ولامرأته بجمیع ماله یاخذ الاجنبی ثلث المال بلامنازعة وللمرأة ربع ما بقی وھو السدس بحکم المیراث ویبقی نصف المال یکون بینھما وبین الاجنبی نصفین۔[2]	اگر کوئی مرد مرا اور ایک بیوی چھوڑی جس کے علاوہ کوئی اور وارث موجود نہیں، اور اس نے ایک اجنبی شخص کے لئے کل مال کی وصیت کی اور بیوی کے لئے بھی کل مال کی وصیت کی تو اجنبی شخص تہائی مال بغیر کسی منازعت کے لے گا پھر باقی میں سے چوتھا حصہ بیوی کو بطور میراث جو کل کا چھٹا حصہ بنتا ہے، باقی کل نصف بچ گیا جو بیوی اور اجنبی پر برابر برابر تقسیم ہوگا۔ (ت)

امام اجل نسفی کافی شرح وافی کتاب الوصایا باب المتفرقات میں زوجہ موصی لہا کی نسبت فرماتے ہیں:

ماکان مستحقالھا بحکم الارث لاتستحقه بحکم الوصیة۔[3]	جس حصہ کی مستحق وہ بطور میراث ہے اس کی مستحق بطور وصیت نہیں ہوگی۔ (ت)

اس کے ایک ورق بعد زوج موصی لہ کی نسبت فرمایا:

حق الزوج کان فی النصف ایضا بالوصیة ولکن بطل فی السدس لانه اخذ الثلث بحکم الارث شائعا فخرج السدس عن محل	خاوند کا حق نصف میں بھی بطور وصیت تھا لیکن وہ چھٹے حصے میں باطل ہوگیا کیونکہ وہ ایک تہائی بطور میراث مشترکہ مال میں سے لے چکا ہے لہٰذا وہ چھٹا حصہ وصیت کے محل سے نکل گیا تو

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰۔۲۱

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب السادس نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۱۷

[3] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

الوصیة فبطلت وصیته فی ذلك ضربا و استحقاقا عند الکل فبقی حقه فی الثلث[1]۔	اس میں سب کے نزدیک ضرب واستحقاق کے اعتبار سے وصیت باطل ہوگئی لہٰذا اس کا حق تہائی میں باقی رہا۔(ت)

نیز اسی میں عبارت اولٰی کے بعد فرمایا:

ان اوصی لکل واحد من الزوجة ولاجنبی بکل ماله له سبعة و لها خمسة لان الوصیة للاجنبی یقدم علی الارث فیعطی له الثلث من ستة ولها ربع مابقی بحکم الارث بقی ثلاثة بینهما نصفان عند ابی حنیفة رحمه الله فحق الاجنبی کان فی کل المال وقد استوفی سهمین فلایضرب بذٰلك ولایضرب ایضا بما اخذت بحکم الارث وذٰلك سهم فانما یضرب بثلاثة والمرأة لاتضرب بالثلث الذی اخذ الاجنبی اولالان الوصیة للاجنبی بقدر الثلث وصیة قویة فتبطل وصیتها بذلك القدر فلاتضرب المرأة بذٰلك ولابالسهم الذی اخذت ارثا وانما یضرب بثلاثة فاستویا	اگر بیوی اور اجنبی میں سے ہر ایک کے لئے اپنے کل مال کی وصیت کی تو اجنبی کے لئے سات اور بیوی کے لئے پانچ حصے ہوں گے کیونکہ اجنبی کے لئے وصیت میراث سے مقدم ہوتی ہے، چنانچہ اس کو چھ میں سے ایک تہائی دیا جائے گا پھر بیوی کو باقی کا چوتھائی بطور میراث ملے گا باقی تین بچے جوان دونوں کے درمیان امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک نصف نصف ہوں گے کیونکہ اجنبی کا حق کل مال میں تھا جبکہ وہ دو حصے وصول کرچکا ہے تو اب ان کو وہ شامل نہیں کرے گا اور اس کو بھی شامل نہیں کیا جائے گا جو بیوی بطور میراث لے چکی جو کہ ایک حصہ ہے چنانچہ وہ فقط تین حصوں میں شریک ہوگا اور عورت اس تہائی میں شریک نہ ہوگی جو اجنبی پہلے لے چکا ہے کیونکہ وصیت تہائی مال تک اجنبی شخص کے لئے مضبوط وصیت ہے لہٰذا عورت کی وصیت اتنی مقدار میں باطل ہوجائے گی چنانچہ عورت نہ تو اس حصہ میں شراکت کرے گی اور نہ اس حصہ میں جس کو بطور میراث حاصل کر چکی۔ شراکت

[1] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

فی الضرب فی الثلاثة الباقیة فتخرج المسئلة من اثنی عشر۔[1]	صرف تین حصوں میں رہ گئی لہٰذا ان تین باقی حصوں میں وہ دونوں برابر کے شریک ہیں اس لئے مسئلہ بارہ سے بنے گا۔(ت)

فائدہ۲: جب ایک شخص کے لئے وصیت رقبہ اور اس کے بعد متصلاً خواہ برسوں کے فصل سے وصیت منفعت کی جائے تو موصی لہ اول صرف مالک رقبہ ہوتا ہے اور اسی قدر میں اس کے لئے وصیت مستفاد ہوتی ہے منفعت میں اس کا کوئی حق نہیں ہوتا مثلاً مکان کی وصیت زید کے لئے اور اس کے دس برس بعد سکونت مکان مذکور کی وصیت عمرو کے لئے کردی تو زید صرف رقبہ مکان پائے گا سکونت تاحیات عمرو یا جب تک کے لئے موصی نے کہا صرف حق عمرو رہے گی اور یہ ٹھہرے گا کہ زید کے لئے خالی رقبہ مکان کی وصیت تھی۔ ہدایہ میں فرمایا:

اسم الرقبة لایتناول الخدمة وانما یستخدمه الموصی له بحکم ان المنفعة حصلت علی مبلکه فاذا اوجب الخدمة لغیرہ لایبقی للموصی له فیه حق۔[2]	رقبہ کا اسم خدمت کو شامل نہیں۔ موصی لہ تو اس سے خدمت اس وجہ سے لیتا ہے کہ منفعت اس کی ملکیت پر حاصل ہے، پس جب خدمت اس نے کسی اور کے لئے ثابت کردی تو اب موصی لہ کے لئے اس میں کوئی حق نہ رہا۔(ت)

اسی طرح کافی میں فرمایا اور اتنا اور بڑھایا:

وکذا اسم الدار لایتناول السکنی واسم النخیل الا یتناول الثمرة۔[3]	اسی دار کا اسم سکونت کو اور درختوں کا اسم پھل کو شامل نہیں ہوتا۔(ت)

عنایہ میں فرمایا:

وصیة الرقیة والخدمة فان الموصول والمفصول فیهما فی الحکم سواء۔[4]	خدمت ورقبہ کی وصیت چاہے اکٹھے ہو یا الگ الگ ہو وہ حکم میں برابر ہے(ت)

[1] الکافی شرح الوافی کتاب الوصایا باب المتفرقات

[2] الہدایۃ کتاب الوصایا باب الوصیۃ بالسکنی الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۸۳

[3] الکافی شرح الوافی

[4] العنایۃ علی ہامش فتح القدیر کتاب الوصایا باب السکنی الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/ ۴۱۳

فائدہ۳: وصیت شیئ اگرچہ وضعًا تملیک منفعت شے نہیں مگر التزامًا ضرور مفید تملیک منفعت شے ہے ولہٰذا اگر پہلے عمرو کے لئے وصیت منفعت کی اس کے بعد شیئ کی وصیت زید کے لئے کی اگر دونوں وصیتیں متصلا کیں جب تو منفعت والے منفعت اور رقبہ والے کو رقبہ کہ ایسا کلام متصل دلیل توزیع و تقسیم ہوتا ہے ولہٰذا اگر کہا کہ یہ انگشتری زید کو دینا اور اس کا نگ عمرو کو یا یہ مکان زید کو دیں اور اس کا عملہ عمرو کو تو بالاتفاق صاحبین زید کے لئے خالی انگشتری بے نگ اور زمین بلا عمارت ہوگی اور عملہ اور نگ تنہا عمرو کا حالانکہ انگشتری نگ کو بھی شامل تھا اور مکان میں عملہ بھی داخل تھا، کافی میں ہے:

ان اوصی بھذہ الامۃ لفلان وبحملھا لاخراوبھذہ الدار لفلان وببنائھا لاخراوبھذا الخاتم لفلان و بفصہ لأخر فان وصل فلکل واحد مااوصی (الی قولہ) لان ذٰلك بمنزلۃ دلیل التخصیص والاستثناء فیتبین بہ انہ اوجب لصاحب الخاتم الحلقۃ خاصۃ دون الفص الاتری انہ لواوصی بالجاریۃ واستثنی حملا صح الاستثناء۔[1]	اگر یوں وصیت کی لونڈی فلاں کے لئے اور اس کا حمل فلان کے لئے یہ مکان فلاں کے لئے اور اس کی عمارت فلاں کے لئے یا یہ انگوٹھی فلاں کے لئے اور اس کا نگینہ فلاں کے لئے ہے اگر یہ وصیتیں متصلًا کیں تو ہر ایک کو وہی ملے گا جس کی وصیت اس کے لئے کی ہے (اپنے اس قول تک) اس لئے کہ تخصیص و استثناء کی دلیل ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ موصی نے انگوٹھی والے کے لئے حلقہ خاص کیا ہے بغیر نگینے کے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر لونڈی کی وصیت کی اور حمل کو مستثنٰی کردیا تو استثناء صحیح ہے۔ (ت)

اور اگر وصیت رقبہ وصیت منفعت کے بعد کلام مفصول میں کی اور اس میں منفعت کا نام نہ بھی لیا جب بھی مالک رقبہ زید ہوگا اور منفعت عمرو زید میں نصف نصف ہوجائے گی۔ بدائع امام ملک العلماء مسعود پھر عالمگیریہ میں ہے:

لوابتدأبالتبع فی ھذہ المسائل ثم بالاصل بان اوصی بخدمۃ	اگر ان مسائل میں ابتداء تابع سے کی پھر اصل کی وصیت کی مثلًا پہلے خدمت کی وصیت کسی

---
[1] الکافی شرح الوافی

العبد لانسان ثم بالعبد لاٰخر اواوصی بسکنی ھذہ الدار لانسان ثم بالدار لاٰخر اوبالثمرۃ لانسان ثم بالشجرۃ لاٰخر فان ذکر موصولا فلکل واحد منھما ماسمی لہ بہ وان ذکر مفصولا فالاصل للموصی لہ بالاصل والتبع بینھما نصفان۔[1]	شخص کے لئے کی پھر خود غلام کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردی یا سکونت کی وصیت کسی کے لئے کرکے پھر اسی گھر کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کردی یا پھل کی وصیت کسی کے لئے کرکے پھر درخت کی وصیت کسی دوسرے کے لئے کر دی، اگر وصیتوں کا ذکر متصلاً کیا ہے تب تو ہر ایک کو وہی ملے گا جس کا اس نے نام لیا اور اگر دونوں وصیتوں کے ذکر میں فاصلہ کیا تو پھر جس کے لئے اصل کی وصیت ہے اس کو اصل ملے گا اور تابع ان دونوں میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔(ت)

تو اگر وصیت رقبہ اصلاً مفید تملیک منفعت نہ ہوتی تو بحال فصل تنصیف منفعت کی وجہ نہ تھی ہاں وصیت رقبہ کے بعد دوسرے کے لئے وصیت منفعت، اول کے لئے استحقاق منفعت کے لئے مانع ہو کر اس کے لئے تملیک مجرد رقبہ رہ جاتی ہے، اور جب مانع نہ ہوگا دونوں ثابت ہوں گی، یہ وضعاً اور وہ التزاماً، کافی میں عبارت مذکورہ آنفاکے بعد فرمایا:

وانما تستحق ھذہ الاشیاء بملك الاصل اذا لم یوجد المانع وھنا وجود المانع وھو الوصیۃ للثانی۔[2]	ان تمام اشیاء میں ملک اصل کا استحقاق تب ہوگا جب کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ ہے دوسرے کے لئے وصیت۔(ت)

فائدہ ۴: وصیت منفعت بمنزلہ وصیت رقبہ ہے جس شیئ کی منفعت کسی کے لئے وصیۃً قرار دی گویا اسے خود وہ شیئ اس کی حیات یا ایک زمانہ معین تک وصیۃً دی اور اگر ایک شیئ کا رقبہ زید اور منفعت عمرو کے لئے رکھی تو گویا اس شیئ کی دونوں کے لئے وصیت کی زید کے لئے مطلق اور عمرو کے لئے وقت محدود انتفاع تک ولہذا صاحب منفعت حساب ثلث وضرب حصص میں صاحب رقبہ کا ہمسر ہوتا ہے اور تنگی ثلث کے وقت اس کا مزاحم ہو کر اس کی وصیت کو

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۲۵

[2] الکافی شرح الوافی

گھٹاتا ہے جب اس کی مدت ختم ہو جاتی ہے صاحب رقبہ اس وقت اپنی وصیت کی تکمیل پاتا ہے، کافی میں فرمایا:

الوصیۃ بالخدمۃ مالم یستوف الموصی لہ کمال حقہ بمنزلۃ الوصیۃ بالرقبۃ۔[1]	جب تک خدمت کا موصی لہ اپنا حق پورا وصول نہیں کرلیتا اس وقت تک وہ بمنزلہ رقبہ کی وصیت کی ہے۔(ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لوکان لہ ثلثۃ اعبد فاوصی برقبۃ احدھم لرجل و قیمتہ ثلثمائۃ و بخدمۃ الثانی لاٰخر وقیمتہ خمسمائۃ و قیمۃ الثالث الف جاز لکل واحد ثلثۃ ارباع وصیتہ یعطی لصاحب الرقبۃ ثلثۃ ارباعھا ویخدم لصاحب الخدمۃ ثلثۃ ایام وللورثۃ یوما لان الوصایا جاوزت الثلث لان ثلث المال ستمائۃ والوصایا کانت ثمانمائۃ وکان ثلث المال ثلثۃ ارباع الوصایا کذا فی محیط السرخسی. واذا مات صاحب الخدمۃ استکمل صاحب الرقبۃ عبدہ کلہ	اگر کسی شخص کے تین غلام ہیں، اس نے ایک غلام کے رقبہ کی ایک شخص کے لئے وصیت کی جس کی قیمت تین سو درھم ہے، اور دوسرے غلام کی خدمت کی وصیت کسی اور شخص کے لئے کی جس کی قیمت پانچ سو درہم ہے جبکہ تیسرے غلام کی قیمت ایک ہزار درھم ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے تین چوتھائی (۳/۴) وصیت جائز ہوگی چنانچہ پہلے موطی لہ کو اس کی وصیت کے غلام کا تین چوتھائی ملے گا اور صاحب خدمت کی وصیت کا غلام تین روز اس کی اور ایک روز وارثوں کی خدمت کرے گا کیونکہ وصیتیں تہائی مال سے بڑھ گئیں، تہائی مال تو فقط چھ سو درھم ہے جبکہ وصیتیں آٹھ سو درہم ہو چکی ہیں تو اس طرح کل مال کا تہائی حصہ وصیتوں کا تین چوتھائی (۳/۴) ہوگیا۔ محیط میں یوں ہی ہے۔ اگر صاحب خدمت مر گیا تو صاحب رقبہ اپنا وصیت کا غلام پورا لے لے گا۔ اسی طرح اگر وہ غلام مر جائے جو

[1] الکافی شرح الوافی

وکذٰلك ان مات العبد الذی کان یخدم ولوکانت قیمة العبید سواء کان لصاحب الخدمة نصف خدمة العبد و لصاحب الرقبة نصف رقبة الاٰخر کذا فی المبسوط۔[1]	خدمت کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہوگا۔اگرغلاموں کی قیمت برابر ہوتوصاحب خدمت کے لئے نصف خدمت اورصاحب رقبہ کے لئے نصف رقبہ ہوگا۔ مبسوط میں یوں ہی ہے۔(ت)

فائدہ ۵: یہیں سے ظاہر ہواکہ جس کے لئے وصیت رقبہ ہواسے وصیت منفعت کی حاجت نہیں کہ وہ بحکم ملک مختار انتفاع ہوگا اس کے ساتھ مطلقًا یا کسی وقت خاص میں اختیار انتفاع کا ذکراسی لازم کااظہار ہوگانہ کہ اس کے لئے وصیت بالمنفعۃ جوبوجہ عدم حاجت لغووبے اثرہے جس طرح تنہاوارث غیر زوجین کے لئے وصیت کما تقدم عند الدر المختار وعن غنیة ذوی الاحکام (جیساکہ درمختار اورغنیہ ذوی الاحکام کے حوالے سے گزرچکاہے۔ت)

فائدہ۶: وصیت میں مقصد موصی پر نظرلازم ہے۔ہدایہ وکافی میں دربارہ موصی لہ بخدمۃ العبد ہے:

لیس للموصی له ان یخرج العبد من الکوفة الا ان یکون الموصی له واهله فی غیر الکوفة فیخرجه الی اهله للخدمة هنالك اذاکان یخرج من الثلث لان الوصیة انما تنفذ علی مایعرف من مقصود الموصی فاذاکانوا فی مصره فمقصوده ان یمکنه من خدمته فیه بدون ان یلزمه مشقة السفر واذا کانوا فی غیره فمقصوده ان یحمل العبد الی اهله لیخدمهم۔[2]	موصی لہ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ غلام کو کوفہ سے نکالے ہاں اگر موصی لہ اوراس کے اہل خانہ غیر کوفہ میں رہتے ہیں تو غلام کونکال کرلے جاسکتاہے کیونکہ وصیت اس مقصود پر نافذ ہوتی ہے جو موصی سے معلوم ہو۔اگر موصی لہ اور اس کے اہل خانہ موصی کے شہر میں رہتے ہیں تواب موصی لہ کا مقصود یہ ہے کہ وہ سفر کی مشقت کے لزوم کے بغیر اس کی خدمت کرسکے اور اگر وہ اس شہر کے غیر میں رہتے ہیں تواب مقصود یہ ہوگا کہ موصی لہ اس غلام کووہاں اپنے اہل خانہ کے پاس لے جائے تاکہ یہ ان کی خدمت کرسکے۔(ت)

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب السابع نورانی کتب خانہ کراچی ۶/ ۱۲۶

[2] الهدایة کتاب الوصایا باب الوصیة بالسکنی والخدمة الخ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۸۲۔۶۸۱

فائدہ۷: دربارہ مہرمہر مثل تک عورت کا قول مع الیمین بلابینہ معتبر ہے جبکہ زوجیت معروف ومعلوم ہو فتاوٰی خانیہ میں قبیل فصل رجوع عن الوصیۃ ہے۔

ان ادعت المرأۃ مقدار مہر مثلہا یدفع الیہا اذا کان النکاح ظاہرا معروفا ویکون النکاح شاھدالہا۔[1]	اگر عورت نے مہر مثل کا دعوی کیاتو اس کو دیا جائے گا جبکہ نکاح ظاہر ومعروف ہو اور نکاح ہی اس کا شاہد ہوگا۔(ت)

اسی کے باب الوصی پھر ہندیہ میں ہے:

ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الٰی مہر مثلہا یدفع ذٰلك الیہا۔[2]	اگر نکاح معروف ہوتو عورت کا قول مہر مثل کی حد تک مقبول ہوگا اور وہ اس کو دیا جائے گا۔(ت)

فائدہ۸: مہر بھی مثل سائر دیون ہے اور دین کا تعلق مالیت سے ہے نہ عین سے ولہذا ورثہ کو اختیار ہوتا ہے کہ دائن کا دین اپنے پاس سے دے کر ترکہ اپنے لئے بچالیں اگرچہ دین مستغرق ہو جس کے سبب ورثہ کے لئے ترکہ میں اصلًا ملک ثابت نہیں ہوتی۔ جامع الفصولین واشباہ میں ہے:

واستغرقہا دین لایملکہا بالارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ اواداہ وارثہ[3] الخ	اگر قرض پورے ترکہ کو محیط ہو تو میراث کے طور پر کوئی اس کا مالک نہیں بنے گا سوائے اس قرض خواہ میت کو بری کردے یا کوئی وارث اس کو ادا کردے الخ(ت)

اشباہ میں اس کے بعد فرمایا:

وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین لو مستغرقا۔[4]	وارث کو اختیار ہے کہ قرض ادا کرکے ترکہ کو واگزار کرالے جبکہ قرض پورے ترکہ پر حاوی ہو۔(ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا فصل مسائل مختلفہ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۴۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی الخ ۴/ ۸۵۹

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[4] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

فائدہ۹: وصیت جہت موصی سے تملیک ہے تو اس کے بتائے سے تجاوز نہیں کر سکتی وصیت اگر حصہ شائعہ مثل نصف مال یا ثلث متروکہ کی ہو تو ضرور ترکہ باقیہ بعد اداء الدین کے ہر جز میں شائع ہو گی مگر اعیان معینہ کی وصیت صرف انہیں اعیان پر مقتصر رہے گی ان کے غیر سے ایک حبہ نہ پاسکے گا یہاں تک کہ اگر وہ اعیان ثلث مال یا اس سے بھی کم ہوں اور تمام وکمال بحکم وصیت اسے ملتے ہوں اور ان میں سے کسی منازعت کے سبب کچھ کم ہو جائے تو اس کی وصیت اسی کم میں نفاذ پائے گی باقی ترکہ سے اس کی تکمیل نہ کی جائے گی کہ یہ ایجاب بلا موجب ہے اور وہ محض باطل ولہٰذا اگر ترکہ پندرہ سو روپے نقد اور تین سو روپے کا اسباب یا زمین وغیرہ ہو اور اس تمام اسباب وزمین کی وصیت زید کے لئے کی اور اپنے مال کے ۱/۶ کی وصیت عمرو کے لئے تو مجموع ترکہ اٹھارہ سو ہوا اور مجموع وصایا چھ سو کہ اس کا ثلث ہے اور ثلث تک وصیت بلا اجازت نافذ ہے تو چاہئے تھا کہ دونوں موصی لہ کی وصیت پوری نافذ کرتے اسباب وزمین زید کو دے دیتے اور تین سو روپے کہ سدس مال ہے عمرو کو مگر ایسا نہ کریں گے بلکہ عمرو کو دو سو پچاس روپے نقد دیں گے اور پچیس کی قدر زمین واسباب اور باقی صرف پونے تین سو روپے کا اسباب زید پائے گا زر نقد سے اس کی وصیت پوری نہ کریں گے کہ زر نقد میں اس کا کوئی حق نہ تھا اس تقسیم کی وجہ وہی ہے کہ عمرو کے لئے سدس مال کی وصیت ترکہ کے ہر جز نقد وجنس وجائداد ہر شیئ کے ۱/۶ کی وصیت ہے تو اسے پندرہ سو نقد کا بھی سدس چاہئے اور اسباب وزمین کا بھی سدس۔ سدس نقد میں اس کا کوئی منازع نہیں وہ (ماصہ) اسے دے دیئے ہیں سدس جائداد میں زید اس کا منازع ہے وہ کہے گا کہ تمام وکمال بحکم وصیت میرا ہے عمرو کہے گا اس میں سے بھی ۱/۶ میرا ہے تو اس مال کا ۵/۶ زید کے لئے بلا نزاع ہے اور ۱/۶ میں زید وعمرو متنازع ہیں تو بحکم انصاف وہ ان میں نصفا نصف ہو کر اسباب وزمین کا ۱/۱۲ عمرو پائے گا اور ۱۱/۱۲ زید اور اس کے سوا زید کو نقد سے کچھ نہ ملے گا۔ ردالمحتار میں ہے:

لو اوصی لرجل بسیف قیمتہ مثل سدس مالہ ولاٰخر بسدس مالہ ومالہ سوی السیف خمسمائۃ فللثانی سدسہا وللاول خمسہ	اگر کوئی کسی کے لئے اپنی تلوار کی وصیت کرے جس کی قیمت اس کے کل مال کے چھٹے حصے کے برابر ہے اور دوسرے شخص کے لئے اپنے کل مال کے چھٹے حصے کی وصیت کی جبکہ تلوار کے علاوہ موصی کا مال پانچسو درہم ہے۔ اس

اسداس السیف وسدس السیف بینھما لان منازعتھما فی سدس السیف فقط فینصف بینھما [1]۔	صورت میں دوسرا شخص پانچ سو درہم میں سے چھٹا حصہ پائے گا اور پہلا شخص تلوار کی قیمت کے چھ حصوں میں سے پانچ (۵/۶) حصے لے گا، جبکہ تلوار کا چھٹا حصہ ان کے درمیان تقسیم ہوگا کیونکہ دونوں کی منازعت فقط اسی چھٹے حصے میں ہے لہٰذا ان کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ (ت)

فائدہ ۱۰: وصیت اجنبی کہ ثلث تک نافذ ہے اس کے حساب ثلث کے لئے کل متروکہ بعد الدین ملحوظ ہوگا وہ چیزیں بھی جن کی اس کے لئے وصیت ہے اور وہ بھی جن کی اس کے لئے وصیت نہیں مگر اس کا حق ان اشیاء سے ہرگز متجاوز نہ ہوگا جن کی وصیت اس کے لئے ہے جیسا ابھی مسئلہ مذکورہ میں گزرا بالجملہ وصیت کا ثلث تک نفاذ وصیت معینہ کو وصیت شائعہ نہ کردے گا اس کا اثر صرف اس قدر ہوگا کہ باقی بعد دین جس قدر مال ہے جس کی وصیت کی ہے اور جس کی نہیں سب کا ثلث لے کر دیکھیں گے کہ جن اعیان مخصوصہ کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کی مالیت اس ثلث کی مقدار سے کم ہے یا برابر یا زائد، دو صورت اولیٰ میں وہ تمام اعیان موصی لہ کو دے دیئے جائیں گے اور صورت ثالثہ میں ان میں سے صرف اتنا حصہ پائے گا جو ثلث کل باقی بعد اداء الدین کی مقدار تک ہے نہ یہ کہ جس چیز کی اس کے لئے وصیت نہ کی اس کا بھی ثلث محض بلا استحقاق اس کو دے دیا جائے یہ سخت جہالت فاحشہ ہے کتب مذہب کے صدہا نصوص اس کے اوپر ناطق، اور یہی مسئلہ کہ ابھی ردالمحتار سے گزرا، کافی اور ادنٰی خادم فقہ پر یہ امر خود بدیہیات واضحہ سے ہے **کمالایخفی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

فائدہ ۱۱: اقرار کے بعد کسی تفتیش کی حاجت نہیں، نہ حقوق العباد میں بلادعوی قاضی کو اختیار حکم، نہ اسے ایسی بات کی تکذیب پہنچتی ہے جس میں کوئی معارض ہو کہ وہ قطع خصومت کے لئے مقرر ہوا ہے نہ کہ انشاء خصومت کے واسطے۔ ہدایہ میں فرمایا: **الاقرار موجب بنفسہ** [2] (اقرار خود موجب ومثبت ہے۔ت) تنویر میں ہے:

القضاء فصل الخصومات وقطع	قضاء تو جھگڑوں کا فیصلہ کرنا اور تنازعات کو

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصیۃ بثلث المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۸

[2] الہدایۃ کتاب الدعوی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۰۱

المنازعات۔[1]	ختم کرنا ہے(ت)

درمختار میں ہے:

بعد دعوی صحیحة من خصم علی خصم حاضر والا کان افتاء۔[2]	ایک خصم کے دوسرے حاضر خصم پر صحیح دعوٰی کے بعد ورنہ یہ افتاء ہوگا(ت)

ردالمحتار میں فواکہ بدایہ سے ہے:

اتفق ائمة الحنفیة والشافعیة علی انه تشترط لصحة الحکم واعتبارہ فی حقوق العباد الدعوی الصحیحة۔[3]	اس پر ائمہ حنفیہ شافعیہ کا اتفاق ہے قضاء کے صحیح ہونے اور حقوق العباد میں اس کے معتبر ہونے کے لئے صحیح دعوی ہونا شرط ہے(ت)

فائدہ ۱۲: زوجہ کے لئے یہاں دو وصیتیں ہیں۔

وصیت منفعت کہ مکانوں میں رہے ظروف استعمال کرے یہ وصیت انہیں اعیان میں ہے جن کی وصیت شاہ محمد اجنبی کے لئے ہے تو ثلث کل مال بعد اداء الدین کے جتنا حصہ مکانات واسباب کا آئے اس میں نافذ نہ ہوگی کہ وصیت اجنبی وصیت وارث سے مقدم ہے کما فی الفائدۃ الاولٰی (جیساکہ پہلے فائدہ میں ہے۔ت) اور یہاں اگر یہ وہم گزرتا کہ وصیت رقبہ کرکے اس کے لئے وصیت منفعت کردینے سے اول کے لئے صرف رقبہ کی وصیت رہ جاتی ہے منفعت میں اس کا کچھ حق نہیں رہتا کما فی الفائدۃ الثانیة (جیساکہ دوسرے فائدہ میں ہے۔ت) وصیت اجنبی کہ مقدم ہے اپنے محل نفاذ میں مقدم ہوگی نہ کہ اس شَے میں جس کی اس کے لئے وصیت ہی نہیں یعنی منفعت کہ اس میں اجنبی کے لئے وصیت معدوم ہے معدوم کی تقدیم کیا معنی، تو اس کا جواب ہماری تقریر سابق سے واضح، وصیت منفعت بھی بمنزلہ وصیت رقبہ ہے ثابت ہو تو اس کی مزاحم ہوتی ہے کما فی الفائدۃ الرابعة (جیساکہ چوتھے فائدہ میں ہے۔ت) اور منفعت میں اس کا حق نہ رہنا اسی بناپر ہوتا ہے کہ یہ مانع آتی ہے کما فی الفائدۃ الثالثة (جیساکہ تیسرے فائدہ میں ہے۔ت) اور وصیت وارث جب وصیت اجنبی سے مؤخر ہے تو اس کے مقابل مضمحل ہوگی اور اس کے رقبہ میں کالعدم، نہ کہ اس کی مانع ومزاحم، پھر بقدر ثلث نفاذ وصیت اجنبی کے بعد مرتبہ ارث کا

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱

[2] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۸

[3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۹۸

ہے کما فی الفائدۃ الاولیٰ (جیسا کہ پہلے فائدہ میں ہے۔ت) اور جو کچھ ارثاً ملک زوجہ ہوگا اس میں اسے وصیت منفعت کی حاجت بھی نہیں ان دونوں کے بعد جو حصہ مکانات واسباب کا بچا اس میں زوجہ کی وصیت نفاذ پائے گی اور اس میں سے موقع محفل حضرات طیبات امامین شہیدین رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ جس قدر ظروف کی شاہ محمد کو حاجت ہوگی اس وقت خاص پر اُتنے ظروف زوجہ کو استعمال کے لئے نہ دیئے جائیں گے موصی نے اس وقت شاہ محمد کے لئے ان کا استعمال لکھا ہے یہ اگرچہ شاہ محمد کے لئے وصیت بالمنفعۃ نہیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ (جیسا کہ پانچویں فائدہ میں ہے۔ت) مگر وصیت زوجہ سے اتنے وقت اخراج کے لئے کافی ہے،

لما تقدم عن الھدایۃ والکافی انہ انما لم یکن للموصی لہ بالعین حق فی المنفعۃ مع مبلکہ للرقبۃ للایصاء بھا لغیرہ وتجرید الرقبۃ فی الوصیۃ لہ فلم یثبت لہ فوق ما اثبت الموصی اماھنا فقد اثبت لہ الانتفاع فی الوقت الخاص فکان معزولاعما اوصی بہ لغیرہ وکان کأن یقول اوصیت لھا بالمنفعۃ الاوقت کذا ولو اقتصر علی ھذا لم یکن للزوجۃ الانتفاع فی الوقت المستثنٰی وکان ذٰلك للاجنبی الموصی لہ بحکم الملك فاذا صرح بکونہ لہ فیہ فبالاولی۔	اس دلیل کے ساتھ جو ہدایہ وکافی کے حوالہ سے گزرچکا کہ عین کے موصی لہ کے لئے رقبہ میں ملکیت کے باوجود منفعت میں کوئی حق نہیں، اس لئے وصیت میں اس کے لئے رقبہ کی تخصیص اور منفعت کی وصیت کسی اور کے لئے کی گئی ہے لہٰذا موصی کے مقصود سے زائد اس کے لئے کچھ ثابت نہ ہوگا لیکن یہاں تو اس کے لئے خاص وقت میں انتفاع کا اثبات ہے، تو جس چیز کی وصیت اس کے غیر کے لئے ہے اس میں وہ معزول ہوگا۔ گویا موصی یوں کہے میں نے عورت کے لئے نفع اٹھانے کی جو وصیت کی سوائے فلاں وقت کے، اگر اسی پر اقتصار کرتا تو بھی بیوی کو مستثنٰی وقت میں انتفاع کا حق نہ ہوتا اور یہ اجنبی شخص کے لئے بطور ملک ثابت ہوتا جب اس نے اس کی تصریح کردی تو بدرجہ اولٰی یہ حکم ہوگا۔(ت)

اور پُرظاہر کہ اس کے بعد زوجہ کے لئے وصیت استعمال سے یہ مقصود موصی نہیں کہ محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے وقت استعمال شاہ محمد کو منع کردے یا اس وقت کی ضروری اشیاء سے

صرف نصف حاجت روائی شاہ محمد کے لئے رکھے نصف درجہ کو دے بلکہ مقصود یہی ہے کہ اس وقت خاص جن اشیاء کی حاجت ہو شاہ محمد استعمال کرے باقی اوقات میں زوجہ اپنے صرف میں رکھے اور مقاصد موصی پر نظر لازم ہے کمافی الفائدۃ السادسۃ (جیسا کہ چھٹے فائدہ میں ہے۔ت)

وصیت زیور، جس کی نسبت اگرچہ وصیت نامہ میں کوئی تصریح معاوضہ نہیں مگر زوجہ کہتی ہے کہ میرے مہر میں دیئے ہیں اور اس کا یہ کہنا دعوی نہیں بلکہ اقرار ہے مہر مثل تک اس کا قول بلابینہ معتبر تھا کما فی الفائدۃ السابعۃ (جیسا کہ ساتویں فائدہ میں ہے۔ت) اور وصیت نامہ میں زیور کی خالص وصیت اس کے نام لکھی ہے یہاں نہ کوئی دوسرا وارث ہے کہ زوجہ کا معارض ہو اس سے کہے کہ تیرا حق دین میں ہے نہ عین میں کمافی الفائدۃ الثامنۃ (جیسا کہ آٹھویں فائدہ میں ہے۔ت) یا کہے تیرے لئے وصیت بے میری اجازت کے باطل ہے۔نہ زیور کے کسی جز کو شاہ محمد کے لئے وصیت ہے نہ اس کی وصیت کہ ثلث کل مال کی مقدار تک حق تقدم رکھتی ہے اسے اس زیور کے کسی ذرہ کی مستحق بناسکتی ہے کمافی الفائدۃ التاسعۃ (جیسا کہ نویں فائدہ میں ہے۔ت) اگرچہ وصیت محضہ للزوجہ ہو جب بھی اجنبی کے لئے صرف حساب ثلث میں ملحوظ ہوگا نہ کہ اس کا کوئی حبہ اسے ملے کمافی الفائدۃ العاشرۃ (جیسا کہ دسویں فائدہ میں ہے۔ت) نہ کل زیور زوجہ کے لئے بعوض مہر ماننا شاہ محمد کے حساب ثلث پر کوئی اثر ڈال سکتا ہے۔اگر زیور مہر مثل سے کم یا برابر ہے جب تو ظاہر کہ مہر مثل کی مقدار تک زوجہ کا قول مسلم اور وہ شاہ محمد کی وصیت پر مقدم اور اگر بالفرض مہر مثل سے زائد ہو جب بھی یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ سب زیور بعوض مہر حق زوجہ ماننے میں شاہ محمد کا حصہ ثلث مکانات واسباب میں کم ہو جائے گا فرض کیجئے کہ زیور ۳۲۲ روپے کا ہے اور مہر مثل ۲۰۲ کا اور مکانات واسباب جن کی وصیت شاہ محمد کے لئے ہے ۱۲۰۰ کے تو اگر کل زیور بحق مہر زوجہ کے لئے مانا جائے تو وہ ثلث جس میں وصیت اجنبی ہوگی صرف مکانات واسباب کا ثلث رہا جبکہ اس کے سوا اور کوئی متروکہ نہ ہو شاہ محمد ان میں سے صرف ۴۰۰ کے قدر بحکم وصیت مقدمہ پائے گا اور اگر فقط مہر مثل تک زوجہ کو مہر میں دیں تو بعد ادائے مہر متروکہ ۱۳۲۰ بچے گا ۱۲۰۰ کے مکانات اسباب اور ۱۲۰ کا باقی زیور جس کا ثلث ۴۴۰ تو مکانات واسباب سے ۴۰ روپے کے قدر شاہ محمد کے حق مقدم میں بڑھ جائیں گے یہ وہم اس وقت ہو سکتا ہے کہ بحال کمی مہر مثل کل زیور زوجہ کو مرتبہ مہر مثل تک تقدم ہے اور زیادہ ان مہر مثل بعوض مہر مثل ہونا محاباۃ ہے اور وہ زوجہ کے لئے وصیت ہے اور زوجہ کے لئے وصیت خود اس کی میراث سے بھی مؤخر ہے

کمافی الفائدۃ الاولٰی (جیساپہلے فائدہ میں میں ہے۔ت) تو وصیت اجنبی سے دودرجہ مؤخر ہے جب تک وصیت مقدمہ اجنبی ادا نہ ہولے زیور زائداز مہر مثل ضرور متروکہ ہی ٹھہر کر حساب ثلث میں محفوظ رہے گااور شاہ محمد کو مکانات واسباب کے حصہ مقدمہ میں کچھ نقصان نہ پہنچے گا بہرحال اس کے اس قول سے کسی کا کچھ ضرر نہیں تواس میں اس کا کوئی مخاصم نہیں پھر قاضی کس وجہ سے اس کی تکذیب کرسکتاہے کما فی الفائدۃ الحادیۃ عشرۃ (جیساکہ گیارہویں فائدہ میں ہے۔ت) زوجہ اگراس بیان میں سچی ہے فبہااور اگراس نے غلط کہاتو یہ اسی کے حق میں مضر ہوااسے صاف اختیار تھاکہ مہر کادعوی جداکرتی جس میں مہر مثل تک اس کا قول معتبر رہتا اور یہ زیور بحکم وصیت جدالیتی کہ اس میں اس کامعارض نہ تھامگراس نے ایسانہ کیابلکہ اسی زیورہی کواپنے مہر میں دیاجانابتایاتو یہ اس کااپنے ہی حق میں اضرار ہوا، ولہذا نہ دعوی بلکہ اقرار ہوااور بعداقرار حاجت تفتیش کیامعنی کما فی الفائدۃ المذکورۃ (جیساکہ مذکورہ بالافائدہ میں ہے۔ت) اور سب پر علاوہ یہ کہ ادھرزوجہ نے یہی زیوراپنے مہرکے عوض بتائے ان سے جداکوئی دعوی مہرنہ رکھاادھرشاہ محمد نے وہ تمام وکمال زیوراس کے تسلیم کرکے اسے سپرد کردیئے اب خواہ ان سب کواس کاوہ حق مہرماناجو وصیت شاہ محمد پر مقدم رہتایابعض کو حق مہربعض کو اوراس کے لئے وصیت یاکل کو وصیت جو وصیت شاہ محمد سے مؤخررہتی مگرجب یہ اسے نافذکرچکااپنے حق کو ساقط کردیاجیسے وارث کہ زائد از ثلث میں وصیت اس کے حق ارث سے مؤخرہے مگروہ اجازت دے دے تو وہ مؤخرہی مقدم ہوجاتی اوراس قدر میں اجازت دہندہ کاحق ارث ساقط ہوجاتاہے یہاں تک کہ اگروصیت کل مال کی تھی اورسب ورثہ عاقلین بالغین نے اجازت دے دی کل مال موصی لہ کاہوجائے گااور کوئی وارث کچھ نہ پائے گاتوعالم خاتون کامہراور کل زیوراس کی ملک ہونااور شاہ محمد کاضرباً یااستحقاقاً اس سے کچھ معلق ہونایہ سب مسائل طے شدہ اورفریقین کے متفق علیہ ہیں جن میں انہیں کوئی نزاع نہیں اور وہ ان کے خالص حقوق تھے جن کے ابقاء اسقاط کا انہیں اختیار مطلق تھااب قاضی مفتی کسی کواصلاً حق نہیں کہ ان طے شدہ امور کوزیربحث لائے ان کے لئے کوئی تفتیش اپنی طرف سے قائم کرے فریقین میں ایک کودوسرے پراس بارے میں کوئی دعوی نہیں یہ خودمدعی بنے اور اس متفق علیہ کونزاعی قراردے کمافی الفائدۃ المذکورۃ ایضاً (جیساکہ یہ بھی فائدہ مذکورہ میں ہے۔ت)

تفریعات

(۱۹) فتوٰی اکا قول بعد اس کے عالم خاتون کا مہر جس قدر عدالت کی رائے میں ثابت ہو ادا کریں گے نافہمی ہے۔

(۲۰) فتوٰی اکا کہنا ہے اگر ثابت ہو جائے کہ یہ زیور مہر کے عوض دیئے گئے اقرار میں تفتیش ہے۔

(۲۱) فتوٰی اکی اس پر تفریع کہ توان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں مفہوم غلط ہے شاہ محمد خاں کا زیور میں کسی طرح کچھ حق نہیں اگرچہ مہر کے عوض دیا جانا ثابت نہ بھی ہو۔

(۲۲) فتوٰی انے اس مفہوم باطل ہی پر قناعت نہ کی بلکہ آگے اس ظلم صریح کی تصریح کردی کہ لیکن اگر ان زیورات کا مہر میں دیا جانا ثابت نہ ہو تو زیورات کے تیسرے حصہ میں شاہ محمد خاں کا حق ہوگا اور دو حصے عالم خاتون کے، انا ﷲ وانّا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت) شاہ محمد خاں وارث نہیں زیور کی اس کے لئے وصیت نہیں، وصیت نہ ہونا درکنار موصی نے صراحۃً زیور کو اس کی وصیت سے جدا کردیا کہ بعد ذکر زیور کہا ماسوا اس کے میری جائداد الخ مگر یہ فتوٰی کہتا ہے کہ موصی کو دینے نہ دینے سے کیا ہوتا ہے ہم جو دیتے ہیں ولاحول ولاقوۃ الاباﷲ العلی العظیم (بلندی وعظمت والے اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ لڑائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

(۲۳) فتوٰی ے نے اور کمال کیا زوجہ کا وہ قول اقرار مان کر پھر اگر مگر کو دخل دیا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائے گا۔

(۲۴) فتوٰی ے نے اور بھی قدم عشق پیشتر بہتر کی ٹھہرائی یعنی زوجہ کا قول اقرار بھی ٹھہرایا اور شاہ محمد کی تسلیم بھی مانی پھر بھی فریقین کی متفق علیہ بات بات طے شدہ نہ جانی کہ سب سے اول تجہیز و تکفین کا خرچ ادا کیا جائے بعد ازاں اگر متوفی نے مدعیہ کو دین مہر میں زیورات کی وصیت کی ہے (چنانچہ اس کا اعتراف ہے اور مدعاعلیہ نے بھی زیورات اس کو تسلیم کرکے قبول کرلیا ہے) تو زیورات اس کو دین مہر میں دیئے جائیں گے۔

(۲۵) فتوٰی ے ان دونوں کی تصریحوں خود اپنے اقراروں اعترافوں کے ساتھ ایک فرض غلط کی راہ نکالی ہے اگر بالفرض دین مہر میں نہیں دیئے بلکہ محض وصیت کی تو باقی تمام مال میں سے مہر زوجہ

ادا کیا جائے گا یہ فرض بے معنی کس لئے اور فتوٰی متعلقہ دار القضاء میں اس کا کیا محل۔

(۲۶) فتوٰی ۷ نے اس تفریع میں ڈگری بلا دعوی بھی فتوی اول کی طرح دی اور آگے چل کر کہا مدعیہ کا مہر کل مال سے ادا کیا جائے گا زوجہ تو کہہ رہی ہے کہ مجھے یہ زیور مہر میں دیا فتوی کہتا ہے نہیں نہیں تمام مال میں سے تجھے مہر ملے گا اگرچہ کل مال کو مستغرق ہو اور موصی لہ کے لئے کچھ نہ بچے۔

(۲۷) فتوی ۷ کو منظور نہیں کہ یہاں کسی غلطی میں فتول اول سے پیچھے رہے بلاوصیت استحقاق اجنبی میں بھی اس کا ساتھ دیا کہ زیورات اگر مہر میں دیئے تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا ورنہ زیورات میں سے مدعیہ کو ۳/ ۲ مدعا علیہ کو ۳/ ا۔

(۲۸) بلکہ فتوی ۷ کا یہاں بھی قدم پیشتر ہے اس نے صاف مانا کہ زیوروں کی وصیت شاہ محمد خاں کے لئے نہیں پھر بھی اسے تہائی کا حصہ دار کر دیا۔ زیور کا یہ حکم لکھ کر آگے کہا اور دیگر جائداد مکانات ظروف وغیرہ سے مدعیہ ۱۲/ ۲ مدعا علیہ ۱۲/ ۱۰ کیونکہ اول ثلث اس کا بطور وصیت مدعا علیہ کو ملے گا پھر ربع باقیماندہ یعنی سدس کل، مدعیہ کو ملے گا بعد ازاں باقیماندہ مدعا علیہ کو، اگر یہ فتوی زیور کی بھی اس کے لئے وصیت مانتا تو یہی حکم اس پر بھی کرتا نہ کہ شاہ محمد کو زیور کا ۳/ ا اور باقی اموال کے ۶/ ۵۔

(۲۹) فتوی ۷ نے اس باطل صریح پر استدلال کی بھی جرات کی یوں بھی اسے فتوی ا پر فوقیت رہی کہ اس کے آگے زیوروں کو کہا اگر محض بطور وصیت دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعا علیہ کا بروئے وصیت بالثلث حق ثلث ہوگا، پھر کہا اگر بعوض دین مہر نہ ہو تو بحکم وصیت بالثلث زیورات میں بھی ۳/ ا مدعا علیہ کو ملے گا ۳/ ۲ زیورات مدعیہ کو۔ اس کا منشاء ہی غلط شدید و بعید ہے کہ ثلث کل مال کے لحاظ سے وصیت کی تنفیذ وصیت معینہ کو وصیت شائعہ کر دی ہے جس کا رَدِّ بلیغ فائدہ نہم و دہم میں گزرا۔ سبحٰن اللہ۔ حساب کے لئے ثلث ہر شیئ کا لحاظ کیا ہوا کہ ثلث ہر شیئ میں اس کی ملک ہی پیدا ہو گئی اگرچہ اس شیئ کا اسے اصلا استحقاق نہیں، نہ اس کے لئے وصیت، بلکہ اس کی وصیت سے جدا ہونے کی صاف تصریح، ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم (بلندی و عظمت والے اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ برائی سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

(۳۰) فتوی ا نے یہاں ایک اور غلطی کی اگر زیور بعوض مہر دیا جانا ثابت نہ ہونے کی حالت میں اس کے نزدیک ان کا ثلث شاہ محمد کو ملنا تھا تو مطلقاً یہ کہتا کہ اگر زیور مہر کے عوض دیئے گئے تو ان میں شاہ محمد خاں کا کچھ حق نہیں غلط بر غلط ہے اگر زیور مقدار مہر سے زائد ہوئے تو قدر زیادت میں زوجہ کے لئے وصیت بالمحاباۃ ہوئی اور وہ اجنبی کے حق ثلث کو باطل نہیں کرتی بلکہ خود اس کے حضور مضمحل ہو جاتی ہے۔

(۳۱) فتوی ۷ نے بھی یہاں غلطی میں اس کا ساتھ دینے کی منت مانی ہے اس نے بھی جابجا وہی تصریحات کیں بلکہ صاف تر کہا کہ زیورات اگر متوفی نے مہر میں دیئے ہوں تو زیورات پر وصیت کا بار نہ ہوگا تمام زیورات اس کو ملیں گے ورنہ مدعاعلیہ کو ۱/۳ پھر کہا اگر وہ مہر میں دیئے گئے ہیں تو ان میں مدعاعلیہ کا بروئے وصیت کچھ حق نہیں اور محض بطور وصیت دیئے گئے تو مدعاعلیہ کا ثلث۔ پھر کہا وصیت اگر بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بار سے مستثنیٰ ہوں گے گویا ان صاحبوں کے نزدیک کوئی مال بعوض دین دینے کی وصیت کرنا خود اس مال کو دین کر دیتا ہے کہ اس کا ادا کرنا مطلقاً وصیت سے مقدم ہو جاتا ہے اگرچہ ایک روپیہ دین کے عوض ہزار روپیہ کا مال دینے کی وصیت کی ہو۔

(۳۲) فتوی ۷ نے یہاں بھی قدم پیشتر کی آن نہ چھوڑی یہ ٹھہری کہ بعوض مہر کے وصیت ہونا تمام وکمال زیوروں کو دَین کے مرتبہ میں کردے گا کہ ان کا ادا کرنا وصیت للا جنبی سے مقدم ہوگا اور بعوض مہر دیئے جانے کا ثبوت نہیں مگر بیان زوجہ تو اب اس ادعا سے اپنا نفع اور موصی لہ کا ضرر چاہتی ہے کہ وہ وصیت جو وصیت نامہ میں بلامعاوضہ لکھی ہے جو وصیت اجنبی سے مؤخر رہتی بمعاوضہ بتا کر وصیت اجنبی سے مقدم کئے لیتی ہے تو اب اس کا قول تو صرف اقرار بلکہ صاف دعوی ہوا اور اگر مدعی محض اپنے زبانی دعوی پر ڈگری نہیں پا سکتا تو یہ کہنا کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ ایک ثلث شاہ محمد کو دیا جائے گا عجب در عجیب ہے۔

(۳۳) اگر فتوی ۷ وہ بھاری غلطی کہ ایک صورت میں کہ بلاوصیت وبلااستحقاق شاہ محمد کو زیوروں میں تہائی کا حصہ دار کر دیا نہ بھی کرتا جب بھی اس کا مطلقاً یہ کہنا کہ اگر وصیت بعوض مہر ہو تو زیورات وصیت بالثلث کے بار سے مستثنیٰ ہوں گے یعنی بعد خرچ تجہیز وتکفین باقیماندہ مال سے تمام زیورات مدعیہ کو ملیں گے صحیح نہ تھا کہ اگر زیور مہر سے زائد ہیں تو قدر زیادت میں وصیت بالثلث کے بار سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتے ثلث میں وہ بھی محسوب ہوتے اگرچہ ان میں سے شاہ محمد خاں کو کچھ نہ دیا جاتا انہیں مطلق مستثنیٰ شاہ محمد کی تسلیم نے کر دیا نہ کہ وصیت بعوض مہر ہونے نے۔

(۳۴) یونہی فتوی ۵ کا قول کہ یہ زیورات حق مہر کے عوض سمجھے جائیں جیسا کہ خود مدعیہ کا قول ہے اور خود عبارت وصیت نامہ کی محمل قوی ہے اور مہر دین ہے اس لئے وصیت اور ارث دونوں سے مقدم ہے وہی طرفہ منطق ہے محمل وصیت نامہ کا حال تو اوپر گزرا اور بالفرض اس کی عبارت محتمل ہو تو محض قوت احتمال غایت درجہ ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں ہو سکتا، ہدایہ وغیرہ تمام کتب مع ﷲ میں تصریح ہے کہ:

الظاھر یصلح حجۃ للدفع لاللاستحقاق۔[1]	ظاہر حجت دفاع ہے حجت استحقاق نہیں (ت)

اب نہ رہامگر خود مدعیہ کا قول اُسے اپنے حق میں حجت مان لینانرالا قانون ہے زیور اگر مہر سے زائد ہیں تو وہ سب کیونکر دین سمجھ کر وصیت وارث دونوں سے مقدم کردیئے جائیں۔

(۳۵) فتوٰی ۳ نے اور بھی دون کی لی کہ جن زیورات کے بارے میں متوفی بعوض مہر زوجہ کے دینے کی وصیت کرگیا ہے وہ اس کاقرض تھااس کاادا کرنا اس کو فرض تھاقرض وفرض کا قافیہ ملالیا اگرچہ مہر شرعاً قرض نہیں ہوتاقرض ودین میں عموم وخصوص ہے، خیر یہ بات کہ بعوض مہر دینے کی وصیت کرگیاہے وصیت نامہ میں توکہیں نہیں، عورت کا بیان ہے اور ہو بھی توبحال کمی مہر محاباۃ ہے نہ قرض ہے نہ فرض۔

(۳۶) فتوٰی ۷ نے یہاں ایک اور غلطی کی کہ زوجین کی وصیت سے مانع مزاحمت حق ورثہ ہے اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی مانع نہیں خواہ وہ وصیت بالرقبہ ہو یا بالمنفعۃ، وہ حصہ اور یہ سب کلی دونوں غلط ہیں اجنبی کی وصیت بالثلث بھی اس کی مانع اوراس سے مقدم ہے۔

(۳۷) فتوٰی ۷ کو خود اپنا کہا یاد نہ رہا، آگے چل کر کہا حق سکنٰی مکانات وحق استعمال ظروف وغیرہ کی جو زوجہ کو وصیت کی ہے اس کے بارے ثلث مال جو شاہ محمد کو اول ملے گا بری رہے گا کیونکہ زوجہ کے لئے وصیت اجنبی کی وصیت بالثلث کے مزاحم نہیں ہوسکتی۔اب یہ وصیت للزوجہ کا بے مزاحمت حق ورثہ اور مزاحم قوی ومرجح کدھر سے نکل آیا یہ صاف تناقض ہے۔

(۳۸) یونہی فتوٰی ۲ کا قول کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی ہے وہ سالم زوجہ کی حقیت ہے جو بذریعہ وصیت لے سکتی ہے اس سے ذہول ہے کہ وارث کے لئے وصیت میراث سے مؤخر ہے تو بعد اجرائے میراث جو باقی بچے اتنی چیز بذریعہ وصیت لے سکے گی نہ کہ سالم۔نسأل اللہ السلامۃ۔

افادۂ سادسہ

وصیت ضرور مقید بشرط ہوسکتی ہے اور وہ زبان موصی پر ہے ایک شخص کے لئے متعدد وصایا میں اگر ایک وصیت کو کسی شرط سے مقید کردے دوسری کو نہ کرے یا ایک کو ایک شرط سے مقید کرے

[1] الھدایۃ کتاب ادب القاضی باب التحکیم مسائل شتّٰی مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۴۷

دوسری کو دوسری سے توجس طرح اس نے کہا ہے اسی پر عمل واجب ہوگا، جو جس شرط سے مقید اسی سے مقید رہے گی نہ کہ دوسری کی قید سے، اور جو مطلق ہے مطلق رہے گی نہ کہ از پیش خود اسے بھی مقید کرلیا جائے **المطلق یجری علی اطلاقہ** (مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے۔ت) قاعدہ اجماعیہ ہے اور **القران فی الذکر لایستلزم القران فی الحکم** (ذکر میں اقتران حکم میں اقتران کو مستلزم نہیں۔ت) ضابطہ وفاقیہ جمع محققین ہے اور **المطلق لایحمل علی المقید فی حادثتین** (دو حادثوں میں مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ت) قاعدہ مطردہ حنفیّہ ہے موصی نے زوجہ کے لئے صرف وصیت سکونت کو اس شرط سے مقید کیا کہ مظہر کی عورت مظہر کے عقد میں رہ کر گزارہ کرے تو اس کو فقط حق آسائش کا حاصل رہے گا یعنی تا حق مظہر آباد رہے گی، وصیت ظروف میں یہ شرط نہ لگائی تو صرف وصیت سکونت مکانات اس قید سے مقید ہوگی یعنی جب تک نکاح ثانی نہ کرے اسے حق سکونت رہے گا اور اگر نکاح کرلے گی یہ حق جاتا رہے گا مگر وصیت ظروف مطلق رہے گی استعمال ظروف کا اسے اختیار رہے گا اگرچہ نکاح ثانی کرلے۔

وھٰھنا فی تقیید الوصیۃ بعدم التزوج دقیقۃ انیقۃ نبھنا علیھا فیما علقنا ردالمحتار من متفرقات البیوع۔	اور یہاں وصیت کو شادی نہ کرنے کی قید سے مقید کرنے میں انتہائی نفیس باریک نکتہ ہے جس پر ہم نے ردالمحتار باب متفرقات البیوع پر اپنی تعلیق میں خبردار کیا ہے۔(ت)

رہا شاہ محمد خاں کا ادعا کہ مدعیہ (**معاذاللہ**) حرام کاری کرتی ہے اس لئے بروئے وصیت مکانات میں نشست کی بھی حقدار نہ رہی اوّل تو ایسی ناپاک بات ہے جس کی نسبت رب عزوجل کا ارشاد ہے:

"**یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِہٖۤ اَبَدًا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷﴾**" [1]	اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ پھر ایسا نہ کہنا اگر ایمان رکھتے ہو۔

اور جس کی نسبت ہم کو ہدایت فرماتا ہے کہ اسے سنتے ہی فورًا کہیں: "**سُبۡحٰنَکَ ہٰذَا بُہۡتَانٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۶﴾**" [2] پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے۔ اور جس کی نسبت حکم فرماتا ہے کہ اگر وہ چار گواہ نہ لائیں

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۶

(چاروں مرد ثقہ عادل جنہوں نے نہ کوئی گناہ کبیرہ کیا ہو نہ کسی گناہ صغیرہ کے عادی ہوں نہ کوئی حرکت خلاف مروت ان سے صادر ہوئی ہو اور چاروں یک زبان گواہی دیں کہ ہم نے اس عورت کو اپنی آنکھوں سے زنا کرتے دیکھا اور اس طرح دیکھا جیسے سرمہ دانی میں سلائی) ایسے چار گواہ نہ لاسکیں، "فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾"[1] تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔ پھر ان کی سزا بیان فرماتا ہے:

"فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ"[2]	ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی گواہی نہ مانو۔

کیا شاہ محمد خاں اپنے اس اتہام پر ایسے چار گواہ پیش کرسکتا ہے اور جب نہیں لاسکتا تو وہی عند اللہ جھوٹا ہے اور اسی کوڑوں کا مستحق ہے، اور اگر بفرض باطل وہ سچا بھی ہوتا جب بھی اس کا کہنا کہ اب وہ نشست کی بھی حقدار نہ رہی غلط تھا موصی نے حق سکونت کو عورت کی پارسائی سے مشروط نہ کیا بلکہ اس شرط سے کہ وہ نکاح ثانی نہ خود کرے نہ دوسرے کی وکالت ووساطت سے، وہ خود اپنی شرط کا مفہوم بتاتا ہے کہ اگر وہ کسی دوسری جگہ اپنا عقد نکاح کرائے یا جدید خاوند کرے تو اس کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہوگا عورت کہ نکاح ثانی نہ کرے روز قیامت اپنے شوہر کو ملے گی جبکہ دونوں نے ایمان پر وفات پائی ہو۔

اللھم ارزقنا الوفاۃ علی الایمان بجاہ حبیبك الکریم یارحمٰن علیہ وعلٰی اٰلہ افضل واکمل التسلیمات ما بقیت الجنان۔	اے اللہ اے مہربان! ہمیں اپنے حبیب کریم کے صدقے ایمان پر وفات نصیب فرما، اپنے حبیب کریم اور ان کی آل پر افضل واکمل درود سلام نازل فرماتا رہ جب تک جنتیں باقی ہیں۔ (ت)

اور اگر دوسرا شوہر کرے تو اس کے نکاح میں مرجائے اس دوسرے کو بشرط ایمان ملے گا، کمافی حدیث۔ اور اگر اس سے بھی بیوہ ہوگئی غرض کسی شوہر کے نکاح میں نہ مری تو اسے روز قیامت اختیار دیا جائے گا کہ ان شوہروں میں جسے چاہے پسند کرلے وہ اسے پسند کرے گی جو اس کے ساتھ زیادہ نیک سلوک سے معاشرت کرتا تھا،

کمافی حدیث اٰخر والتطبیق بینھما	جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے ان دونوں حدیثوں

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۴

ماذکرنا کما بیناہ فی فتاوٰنا۔	میں تطبیق وہ ہے جیسا ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا۔ (ت)

بہر حال نکاح ثانی سے عورت یا تو شوہر اول کے لئے رہتی ہی نہیں یا اس کے لئے اس کا رہنا مشکوک ہو جاتا ہے بخلاف بدکاری کہ وہ اسے حق شوہر سے باہر نہیں کرتی حق کا ابطال حق اقوی سے ہوتا ہے نہ کہ ناحق و باطل طعنوی سے جیسے بحال حیات اس کے باعث نہ نکاح میں فرق آئے نہ شوہر کو اس سے جدائی لازم ہو۔ در مختار میں ہے:

لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ۔[1]	بدکار عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں۔ (ت)

(۳۹) فتوٰی ۷ کا وصیت سکنٰی و وصیت ظروف وغیرہا دونوں کو قید عدم نکاح ثانی سے مقید کرنا کہ حق سکنٰی و حق استعمال ظروف وغیرہ مدعیہ کو تا نکاح ثانی حاصل رہے گا صحیح نہیں۔

افادہ سابعہ

وصیت نامہ کے کسی لفظ کا مفاد نہیں کہ شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال ہو، زیوروں کو جدا کرکے بھی، اس کے لفظ یہ ہیں ماسوا اس کے میری جائداد غیر منقولہ از قسم مکانات ہیں وہ پیدا کردہ مظہر کے ہیں وہ زیر حفاظت شاہ محمد خاں رہیں گے اور مالک بھی یہی رہے گا۔ یہاں سے صرف مکانات کی وصیت ہوئی آگے کہا علاوہ اس کے اسباب خانہ داری از قسم برتن و چارپائی وغیرہ جملہ سامان خانہ داری کا مالک بھی شاہ محمد خاں رہے گا۔ اس سے اثاث البیت کی وصیت ہوئی خاتمہ پر اس نے انہیں اشیائے معینہ میں وصیت کا انحصار کردیا کہ کل اشیائے مندرجہ بالا کا مالک شاہ محمد خاں ہے تو مندرجہ بالا مکانات و اثاث البیت کے سوا اگر کچھ ترکہ ہو وہ زیر وصیت نہ آیا اور استفتائے مرتبہ بجی خانپور سے واضح کہ زوجہ دعوی کرتی ہے کہ مدعا علیہ کے پاس دیگر زیورات از ترکہ شوہرش موجود ہیں تو جب تک اس دعوی کا ابطال ثابت نہ ہو شاہ محمد خاں موصی لہ بجمیع المال کیونکر ٹھہر سکتا ہے۔ ہاں موصی نے ذکر مکانات و اختیار فروخت و رہن مکانات کے بعد یہ لفظ بھی لکھا کہ غرضکہ مالک شاہ محمد خاں مکانات وغیرہ کا ہے۔ یہ وغیرہ اسی اختیار بیع و رہن پر محمول ہے کہ اس نے اس کے متصل ہی بلا فصل یہ لفظ لکھے اور علاوہ اس کے اسباب خانہ داری الخ

[1] الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۴

اگر وغیرہ سے کل متروکہ جمیع مملوکہ مراد ہوتا تو اس کے علاوہ کہنا باطل ہوجائے گا اور کلام عاقل بالغ کامہما امکن محمل صحیح پر حمل کرنا واجب۔ معہذا اگرچہ یہ محمل متعین نہ ہو تو احد الاحتمالین بلکہ انصافاً اقوی الاحتمالین ہے تو مکانات واثاث البیت کے غیر میں وصیت ثابت نہ ہوئی اور یہاں عدم ثبوت ثبوت عدم ہے۔

اذ الوصیۃ ایجاب یحدثہ الموصی فلاوجوب بلا ایجاب فلاثبوت لوجوب بلاثبوت ایجاب و الوجوب فی القضاء مرھون بالثبوت فاذلاثبوت لاوجوب وھو المطلوب۔	کیونکہ وصیت ایک ایسا ایجاب ہے جس کو موصی صادر کرتا ہے، تو ایجاب کے بغیر وجوب نہیں ہوتا، چنانچہ ایجاب کے ثبوت کے بغیر وجوب کا ثبوت نہیں ہوتا اور قضاء میں وجوب محتاج ہے ثبوت کا۔ جب ثبوت نہیں تو وجوب نہیں، وہی مطلوب ہے۔ (ت)

تفریعات

(۴۰) فتوی ا کا قول، مہر کے بعد جس قدر جائداد بچے تین حصے کرکے ایک حصہ شاہ محمد خاں کو دیں۔

(۴۱) فتوی ۵ کا قول شرعاً جائداد متوفی میں سے مدعیہ کو ۱/۶ ملنا چاہئے اور مدعا علیہ کو ۵/۶ پھر اس کا قول ماسوی زیورات کے کل جائداد میں ہر فریق کو اپنا اپنا حصہ ملے گا جیسا کہ بالاتشریح ہوچکی ہے پھر اس کی تصریح کہ صورت متنازعہ میں زوجہ کے ساتھ دوسرا حقدار بھی موجود ہے جو موصی لہ بجمیع المال ہے۔

(۴۲) فتوی ۶ کا قول، جب ترکہ میں سے ۱/۶ من حیث الوصیۃ اور ۱/۶ عالم خاتون کو من حیث الارث دے دیا گیا تو آدھا ترکہ باقی رہتا ہے۔

(۴۳) یونہی فتوی ۷ کا قول کہ اگر دین مہر تمام زیور سے حسب اقرار زوجہ ادا ہوا ہے تو زیور چھوڑ کر باقیماندہ خواہ مکانات ہیں یا ظروف وغیرہ ۱۲/۲ اس کو دیا جائے گا ۱۲/۶ شاہ محمد کو نیز اس کی تصریح کہ تین وصیتیں کی ہیں جو اس کے تمام مال کو مستغرق ہیں نیز اس کی صاف تر تصریح کہ تیسری وصیت باقیماندہ تمام مال کی شاہ محمد خاں کو کی ہے، یہ سب بے ثبوت محض و بلاافادہ وصیت نامہ صرف اپنی طرف سے شاہ محمد کو موصی لہ بجمیع المال یا بجمیع ماسوی علی المہر ٹھہرالینا ہے اور اگر دعوی زوجہ ثابت ہوجائے کہ ان کے سوا اور زیور بھی متروکہ موصی شاہ محمد کے پاس موجود ہیں تو صریح حق تلفی

اور دوبارہ ظلم ہوگا کہ مستحق کو نہ دینا اور نا مستحق کو دینا شاہ محمد کیونکر بلاوصیت کل جائداد باقیماندہ کو ۵/۶ لے لے گا۔

(۴۴) فتوی ۵ نے اس طلب پر عبارت درمختار وجوہرہ پیش کیں اول میں صراحۃً تھا۔

اوصی لرجل بکل مالہ فلھا السدس والباقی للموصی لہ[1]۔	خاوند نے کسی مرد کے لئے پورے مال کی وصیت کی تو بیوی کو کل مال چھٹا حصہ (۱/۶) اور باقی موصی لہ کو ملے گا۔ (ت)

دوم (جوہرہ) میں تھا:

اوصی لرجل بجمیع مالہ کان لھا السدس وللموصی لہ خمسۃ اسداس۔[2]	اگر خاوند نے اجنبی مرد کے لئے اپنے تمام مال کی وصیت کی تو اس کی بیوی کو کل مال کا چھٹا حصہ (۱/۶) ملے گا اور موصی لہ کو چھ میں سے پانچ (۵/۶) حصے ملیں گے۔ (ت)

حکم وہ نقل کرنا جو اجنبی کے لئے وصیت بجمیع المال کی حالت میں ہو اور اسے وہاں منطبق کردینا جہاں اس کا ہرگز ثبوت نہیں۔

(۴۵) یونہی فتوی ۷ نے بھی اس پر یہی عبارت جوہرہ نقل کی یعنی حد اوسط کا اشتراک ثابت نہیں اور تعدیہ ہوگیا۔

(۴۶) فتوی ۲ نے بھی یہی حکم لکھا کہ زوجہ کا حق سدس ہے باقی موصی لہ کا مگر اس پر اس حکم میں اعتراض نہیں کہ سوال جو اس کے یہاں پیش ہوا اس میں سائل ہی نے ایک غلط عبارت موصی کی طرف سے لکھ دی تھی کہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مالک عمرو ہے اس کا مفاد ضرور وصیت بجمیع المال ہے اگرچہ وصیت نامہ میں اس کا کہیں نشان نہیں تو مجیب سے جیسا سوال ہوا ویسا جواب دیا مگر اب فتوی ۲ کا یہ اطلاقی حکم کہ جس چیز کی زوجہ کے واسطے وصیت کی وہ سالم زوجہ کی ہے بذریعہ وصیت لے سکتی ہے صریح غلط ہے اس کے سامنے سائل کا یہ بیان ہوا ہے کہ چند زیورات کی بابت اپنی زوجہ کے واسطے بھی وصیت کرگیا یعنی کہہ گیا کہ بعد میرے ان زیورات کی مالک میری زوجہ ہے اس بیان پر وہ جواب باطل ہے زوجہ کے لئے وصیت وارث کے لئے ہے

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

[2] الجوہرۃ النیرہ کتاب الوصایا مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۳۹۰

اور وارث کی وصیت اجنبی کی وصیت سے دو[2] درجہ مؤخر ہے باقی کلام مباحث سابقہ سے واضح۔

افادہ ثامنہ

یونہی استفتائے مرتبہ جی خانپور سے واضح کہ شاہ محمد خاں دعوی کرتا ہے کہ وصیت کو مدعیہ نے بوقت وصیت اور نیز بعد وفات شوہر خود قبول کیا تھا، یہ دعوی بہت واجب اللحاظ ہے اگر اس کا ثبوت ہو جائے تو پھر زوجہ مکانات واثاث البیت سے بحق میراث کچھ نہ پائے گی اور بعد قبول اس کا اعتراض ہر گز نہ مسموع ہو گا اور اس کا دعوی بوجہ تناقض مدفوع ہوگا، ہدایہ میں فرمایا:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ بعد موتہ ولامعتبر باجازتھم حال حیاتہ لانھا قبل ثبوت الحق اذالحق یثبت عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف مابعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق فلیس لھم ان یرجعوا عنہ لان الساقط متلاش۔[1]	تہائی سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے دیگر ورثاء موصی کی موت کے بعد اس کی اجازت دے دیں، اسکی زندگی میں اجازت معتبر نہیں کہ وہ ثبوت حق سے قبول ہوئی کیونکہ حق تو موصی کی موت کے وقت ثابت ہوگا لہٰذا انہیں موصی کی موت کے بعد رد کرنے کا اختیار ہے۔ بخلاف موت کے بعد کی اجازت کیونکہ وہ ثبوت حق کے بعد ہوئی لہٰذا اس سے رجوع نہیں کرسکتے اس لئے کہ جو ساقط ہو جائے وہ لاشیئ ہو جاتا ہے۔ (ت)

البتہ منفعت کی وصیت کہ ثلث کے بعد میں نافذ ہو گی نافذ رہے گی اور یہ خود اسی دعوی موصی لہ سے ظاہر کہ وصیت کو مدعیہ نے بعد وفات شوہر قبول کیا وصیت میں وصیت منفعت کی تصریح ہے تو اس کا قبول اس کا قبول ہے نہ کہ اس سے عدول، قبول کا حاصل یہ کہ موصی جو کر گیا منظور ہے اور وہ یہ کر گیا کہ مکانات واثاث البیت کا مالک شاہ محمد کو اور منفعت کا اختیار زوجہ کو۔

وھذا ظاھر جدا نعم ماابطلہ الشرع وھو وصیتھا الی حق الثلث	اور یہ خوب ظاہر ہے، ہاں جس کو شرع نے باطل کیا ہے تو تہائی کے حق تک اس کی وصیت

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

فلیسا الیہا قبولہ کما لایخفی۔	ہے جسے قبول کرنے کا اختیار اس کے پاس نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

تفریعات

اس امر مہم کے لحاظ سے سب فتووں نے ذہول کیا جن جن کے سامنے استفتائے جگی خانپور پیش ہوا۔

(۴۷) فتوی ا کا قول مہر کے بعد جس قدر بچے دو حصے عالم خاتون کو دیں۔

(۴۸) فتوی ۵ کا قول مدعیہ نے وصیت پر اعتراض کیا اس پر مدعیہ کو ۱/۶ ملنا چاہئے۔

(۴۹) فتوی ۶ باقی سے ۱/۴ عالم خاتون کا حق ہے سب محل تفصیل میں یکطرفی حکم ہے۔

(۵۰) فتوی ۵ نے اعتراض مدعیہ کے ساتھ استناد کیا اور لحاظ نہ کیا کہ اگر بعد موت شوہر قبول کرچکی تو اب اعتراض کا اسے کیا حق رہا۔

(۵۱) یونہی فتوی ا نے کہا کہ مدعیہ کے اعتراض پر تیسرے حصہ کے زائد میں جائز نہ ہوگی، کیا اگر اعتراض بعد القبول ہو، یہ دونوں فتوے تو وصیت بالمنفعت کے بھی قائل نہیں انہیں تو یہ کہنا لازم تھا کہ اگر زوجہ قبول کرچکی تو دامن جھاڑ کر اُٹھ کھڑی ہو اس کے لئے میراث و وصیت کچھ نہیں کہ مطلقاً اسے پورے دو ثلث دے دیں۔

(۵۲) فتوی ۵ نے خود ہی درمختار سے عبارت نقل کی:

ان لم تجز فلہا السدس۔[1]	اگر بیوی نے اجازت نہ دی تو اس کو کل مال کا چھٹا حصہ ملے گا۔(ت)

اور حکم میں یہ قید بھلادی۔

(۵۳) فتوی ۶ نے آپ ہی کہا تھا کہ اگر وہ اجازت دے دیں نافذ ہوگی، پھر کس طرح مطلقاً حکم مذکور لگادیا۔

(۵۴) فتوی ۷ نے خود ہی کہا کہ اگر ورثہ اپنے اضرار کو قبول کرلیں تو وہ وصیت زائد علی الثلث جائز و نافذ ہوگی پھر مطلقاً یہ حکم کس لئے کہ دو سہام جو ربع ما بقے ہے عالم خاتون کو۔

(۵۵) ہاں فتوی ۷ نے یہ علاج کیا کہ وصیت باقی تمام مال کی شاہ محمد کو کی ہے جس کو مدعیہ نے

[1] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۹

قبول نہ کیا۔ یہ جزی حکم کس بناپر حالانکہ سوال میں دونوں پہلو تھے۔

افادہ تاسعہ

اگر زوجہ کا قبول ثابت نہ ہو تو وصیت کا بے اجازت وارث ثلث سے زائد میں نافذ نہ ہونا ان ورثہ کے ساتھ ہے جن کے حقوق میراث کے بعد کچھ نہ بچے زوجین کہ کسی حال میں ان کا حق ارث ربع یا نصف سے زائد نہیں، وصیت میں ثلث پر زیادت جہاں تک ان کے حق کے معارض نہیں یعنی زوجہ کے ساتھ ثلث کے علاوہ نصف مال اور زوج کے ساتھ ثلث کے علاوہ دوسرے ثلث میں اس کا نفاذ ان کی اجازت ورضا پر موقوف نہیں، ہاں ارث پر حق تقدم صرف ثلث تک ہے جس کا بیان اوپر گزرا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ثلث سے زیادہ موصی لہ بالزائد کو بے ان کی اجازت کے ملتے ہی نہیں یہ محض باطل ہے، نوازل امام فقیہ ابواللیث پھر فتاوٰی حامدیہ، جوہرہ نیرہ پھر عقود الدریہ وغیرہا میں ہے:

الوصیة بمازاد علی الثلث غیر جائزة اذاکان ھناك وارث یجوز ان یستحق جمیع المال اما اذاکان لا یستحق جمیع المیراث کالزوج والزوجة فانه یجوز ان یوصی بمازاد علی الثلث[1]۔	تہائی مال سے زائد کی وصیت ناجائز ہے جبکہ کوئی ایسا وارث موجود ہو جو تمام مال کا مستحق بن سکتا ہے لیکن اگر وہ وارث تمام مال کا مستحق نہ بن سکتا ہو جیسے خاوند اور بیوی، دو تہائی سے زائد کی وصیت کرنا جائز ہوگا۔ (ت)

تفریعات

(۵۶) فتوٰی ا کا وصیت شاہ محمد کے لئے کہنا کہ مدعیہ کے اعتراض کرنے پر تیسرے حصہ میں جائز ہوگی زائد میں جائز نہ ہوگی اس لئے دو حصے عالم خاتون کو دیں گے۔

(۵۷) یونہی فتوٰی ۳ کا قول کہ بوقت موجودگی ورثہ وصیت ثلث سے جاری ہوگی ثلث سے زیادہ ناجائز ہے۔

(۵۸) اسی طرح فتوٰی ۶ کا ادعا ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں متوفی کی بیوہ موجود ہے جو اس کی وارث ہے اس لئے جس قدر وصیت ترکہ کے ۱/۳ سے زیادہ ہے بدون اجازت عالم خاتون کے نافذ نہیں

[1] العقود الدریة کتاب الوصایا ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۰۹

ہوسکتی، سب باطل اور مسئلہ **لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ**[1] (تہائی مال سے زائد کی وصیت ورثاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہوتی۔ت) میں ورثہ سے مراد علماء کی نافہمی پر مبنی ہے۔

(۵۹) فتوی ۳ نے اور ترقی کی کہ صریح مخالفت عبارت اپنی سند ٹھہرائی عبارت ہدایہ:

لاتجوز بمازاد علی الثلث لانہ حق الورثۃ۔[2]	تہائی مال سے زائد کی وصیت اس لئے جائز نہیں کہ وہ وارثوں کا حق ہے۔(ت)

صاف ارشاد فرمارہی تھی کہ یہ عدم جواز معارضہ حق وراثت کے سبب ہے زوجہ کا حق وراثت ربع سے زیادہ کہاں ہے کہ باقی نصف مال میں معاوضہ کرے۔

(۶۰) یہی خوش فہمی فتوی ۶ نے دکھائی عبارت ہدایہ یہ سنائی:

لاتجوز بمازاد علی الثلث الا ان یجیزھا الورثۃ لان الامتناع لحقھم۔[3]	تہائی مال سے زائد کی وصیت جائز نہیں سوائے اس کے ورثاء اجازت دے دیں کیونکہ ممانعت ان کے حق کی وجہ سے ہے۔(ت)

اور جملہ تعلیل کو نہ دیکھا کہ صراحۃً اس کے خلاف ہے، مگر یہ اخلاط ان فتاوائے سہ گانہ کی اس شدید غلط فہمی پر مبنی ہیں جس کا کشف افادہ آخر میں آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

افادہ عاشرہ

کسی تقسیم میں نہ حاکم کو یہ جبر پہنچتا ہے نہ ایک حصہ دار کو روا ہے کہ بے رضائے دیگر بجائے عین، قیمت لے مگر بمجبوری محض جہاں بے اس کے مساوات ناممکن ہو نہ زنہار حاکم کو یہ اختیار کہ بے رضائے فریقین مختلف الجنس اشیاء میں ایک کا حصہ کہ اس جنس میں ہو دوسرے کو دے دے اور اس کے بدلے دوسری جنس دوسرے کے حصے سے اسے دلائے۔ درمختار میں ہے:

اعلم ان الدراھم لاتدخل فی	یہ جان لے کہ درھم، زمین اور گھر کی تقسیم میں داخل

[1] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[2] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

[3] الھدایۃ کتاب الوصایا مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۶۵۱

القسمة لعقار اومنقول الابرضاهم فلو کان ارض و بناء اومنقول قسم بالقیمة عند الثانی وعند الثالث یرد من العرصة بمقابلة البناء فان بقی فضل ولا یمکن التسویة ردالفضل دراهم للضرورة و استحسنه فی الاختیار۔[1]	نہیں ہوتے مگر اس وقت جب شرکاء اس پر راضی ہوں۔ چنانچہ اگر زمین، عمارت یا مال منقول ہو تو اس کی تقسیم امام ابو یوسف کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک زمین کو عمارت کے مقابل پھیر دیا جائے گا، پھر اگر کچھ عمارت زائد بچ جائے زمین دے کر دونوں میں برابری ممکن نہ ہو تو مجبورًا اس زیادتی کے برابر درھم پھیرے جائیں گے۔ اختیار میں ہے اس کو مستحسن قرار دیا ہے۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

لاتدخل فی القسمة الدراهم والدنانیر الا بتراضیهم لانه لاشرکة فی الدراهم والقسمة من حقوق الاشتراك لانه یفوت به التعدیل فی القسمة، واذا کان ارض و بناء فعن ابی یوسف انه یقسم علی اعتبار القیمة لانه لایمکن اعتبار المعادلة الا بالتقویم۔[2]	شرکاء کی باہمی رضامندی کے بغیر دراھم و دنانیر تقسیم میں داخل نہیں ہوتے کیونکہ دراہم میں کوئی شراکت نہیں اور تقسیم حقوق اشتراک میں سے ہے، اس لئے بھی کہ اس سے تقسم برابری فوت ہوجاتی ہے۔ اور جب زمین مع عمارت ہو تو امام ابویوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک قیمت کے اعتبار سے تقسیم ہوگی کیونکہ اس کے بغیر برابری کا اعتبار ممکن نہیں۔ (ت)

اور روایت مذکورہ امام محمد کے بیان میں فرمایا:

اذا بقی فضل ولایمکن تحقیق التسویة بان لاتفی الوصیة بقیمة البناء حینئذ یرد للفضل دراهم لان الضرورة فی هذا القدر	جب عمارت میں کچھ زیادتی باقی رہی اور زمین کی قیمت لگا کر بھی وصیت میں مساوات ممکن نہیں تو اب وہ زیادتی بامر مجبوری دراھم سے لوٹائی جائے گی کیونکہ مجبوری فقط اتنی ہی مقدار

[1] الدرالمختار کتاب القسمة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۲۰

[2] الهدایة کتاب القسمة فصل فی کیفیة القسمة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۴

فلایترك الاصل الابھا وھذا یوافق روایۃ الاصل۔[1]	میں ہے لہٰذا سوائے اس کے اصل کو نہیں چھوڑا جائے گا۔اور یہ مبسوط کی روایت کے موافق ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لایقسم الجنسین بعضھما فی بعض لانہ لااختلاط بین الجنسین فلایقع القسمۃ تمییزابل تقع معاوضۃ وسبیلھا التراضی دون جبر القاضی۔[2]	دو جنسوں کی تقسیم میں بعض کو دوسری بعض میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ دو جنسوں میں اختلاط نہیں ہوتا تو اس طرح تقسیم تمیز کے لئے نہیں بلکہ معاوضہ کے لئے واقع ہو گی اور اس کی صورت صرف باہمی رضامندی ہے نہ کہ جبر قاضی۔(ت)

تفریعات

(۶۱) فتوی ا کا قول کہ اگر کوئی فریق اپنے حصے کے بدلے اس کی قیمت پر رضامند ہو جائے تو عدالت کو لازم ہوگا کہ اس فریق کو قیمت دے دے لیکن کسی فریق کو اس کے حصے کی قیمت لینے پر مجبور کرنا عدالت کے اختیار سے باہر ہے ناقص و قاصر ہے ایک فریق کے رضامند ہونے سے عدالت کو لازم در کنار جائز بھی نہیں کہ اسے قیمت دلادے جب تک دوسرا فریق بھی قیمت دینے پر راضی نہ ہو، اسے قیمت لینے پر مجبور کرنا اختیار سے باہر ہے تو اسے قیمت دینے پر مجبور کرنا کب اختیار میں داخل ہے۔

(۶۲) فتوی ۵ نے اس سے بھی زیادہ بے تکان کہا کہ مدعیہ کو اختیار ہے اگر چاہے تو ہر چیز ۱/۶ حصہ بجنسہٖ لے سکتی ہے اگر باختیار خود قیمت اپنے حصے کی فریق ثانی سے لے لے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(۶۳) طرفہ تر فتوی ا کا یہ قول ہے کہ ظروف وغیرہ کی تقسیم کی بھی یہی صورت ہوگی کہ تیسرے حصہ میں شاہ محمد کا حق اور دو حصے مسماۃ کا حق ہیں لیکن یہ مناسب ہوگا کہ تمام ظروف شاہ محمد خاں کو دے دیئے جائیں اور عالم خاتون کا حق جو ان ظروف میں ہے وہ جائداد غیر منقولہ سے پورا

---

[1] الھدایۃ کتاب القسمۃ فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۱۵۔ ۴۱۴

[2] الھدایۃ کتاب القسمۃ فصل فی کیفیۃ القسمۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۱۲

کر دیا جائے۔ اب یہاں ایک فریق کی رضا بھی شرط نہ رہی خود ہی حاکم کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ یوں کردو۔ لطف یہ کہ یہاں اس سے سوال بھی نہ تھا سوال یہ تھا کہ ظروف وغیرہ کا دیا جانا بھی درج وصیت ہے کیا یہ جائز ہے، اس کا جواب یہ ہوتا ہے جو پیش نظر ہے، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

افادۂ حادیہ عشر

اجنبی کہ نہ وارث ہو نہ وصی اگر میت کی تجہیز و تکفین بطور خود کرے تو اسے ترکہ میں رجوع کا اختیار نہیں وہ اس کا تبرع ٹھہرے گا جب تک وارث کے اذن واجازت سے نہ ہوا اور وارث کی اجازت بھی کافی نہیں جب تک اس کا امر نہ ہوا اور تحقیقاً اس کا امر بھی کافی نہیں جب تک واپسی کی شرط نہ کرلی ہو مثلاً زید نے وارث سے کہا میں اس کی تجہیز و تکفین کئے دیتا ہوں جو خرچ ہوگا ترکہ سے لے لوں گا وارث نے سکوت کیا زید نے اس کہنے پر لوگوں کو گواہ کرلیا اور اپنے مال سے تجہیز و تکفین کی ایک حبّہ واپس نہ پائے گا کہ یہ بلااذن وارث تھی یا زید نے وارث سے کہا میت میرا دوست یا میرا معظم تھا میں چاہتا ہوں کہ اس کی تجہیز و تکفین میں خود کروں اس نے کہا اچھا، یا وارث ہی نے اس سے کہا کہ اگر تم اس کی تجہیز و تکفین کا ثواب لینا چاہو تو تمہیں اجازت ہے اس نے کہا منظور، دونوں صورتوں میں وارث کی اجازت ہوئی اور اختیار رجوع نہیں کہ بے امر وارث ہے، یا وارث نے کہا میت تمہارا دوست تھا یا تمہارا پیر یا استاد تھا تم پر بھی اس کا حق ہے اس کی تجہیز و تکفین تمہیں اپنے مال سے کرو، اس نے کہا بسر و چشم، اس میں وارث کا بھی امر ہوا اور رجوع نہیں کہ اس کی شرط نہ کی گئی، ہاں وارث نے کہا تم اس کی تجہیز و تکفین کردو جو خرچ ہوگا ترکہ سے تمہیں دے دیا جائے گا تو اب بلاشبہہ اختیار رجوع ہے۔ عیون پھر تاتارخانیہ پھر نہج النجاۃ پھر تنقیح الحامدیہ میں ہے:

اذا کفن الوارث المیّت من مال نفسہ یرجع و الاجنبی لایرجع[1]۔	اگر وارث نے میت کو اپنے مال سے کفن پہنایا تو رجوع کر سکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کر سکتا۔ (ت)

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

ردالمحتار متفرقات البیوع مسئلہ تکفین میں ہے:

لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشهد علی الوارث اولم یشهد ولوکفن الوصی من مال نفسه لیرجع کان له الرجوع۔[1]	اگر غیر وارث نے میت کو وارث کے حکم کے بغیر اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار نہیں ہوگا چاہے وارث کو گواہ بنایا ہو یا نہیں اور اگر وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا تاکہ وہ ترکہ میں رجوع کرے تو اس کو رجوع کا اختیار ہوگا۔(ت)

مجمع الفتاوٰی پھر نورالعین پھر تنقیح مغنی المستفتی میں ہے:

امراحد الورثة انساناً بان یکفن المیت فکفن ان امرہ لیرجع علیه یرجع کمافی انفق فی بناء داری وهو اختیار شمس الاسلام وذکرالسرخسی ان له ان یرجع بمنزلة امرالقاضی[2] اھ **قلت** والتعلیل دلیل التعویل ثم التقدیم دلیل التقدیم ثم الاختیار من الفاظ الفتوی۔	اگر وارثوں میں سے ایک نے کسی شخص کو کہا کہ وہ میت کو کفن پہنادے اور اس نے پہنادیا اب اگر وارث نے اس کو رجوع کا کہا تو رجوع کرسکے گا، جیساکہ کوئی کسی کو کہے تو میرے گھر کی عمارت میں خرچ کر، وہی شمس الاسلام کا اختیار ہے، اور امام سرخسی نے ذکر فرمایا کہ اس کو بمنزلہ امر قاضی رجوع کا اختیار ہے اھ **میں کہتاہوں** کہ تعلیل دلیل تعویل ہے، پھر تقدیم دلیل تقدیم ہے پھر اختیار فتوی کے الفاظ میں سے۔(ت)

یہاں شرط رجوع درکنار امر زوجہ بر کنار اجازت زوجہ کا بھی ثبوت نہیں بلکہ ظاہر یہی ہے کہ شاہ محمد نے بطور خود یہ تجہیز و تکفین کی موصی نے اسی کے گھر میں وفات پائی اس کا اس کا یارانہ تھا اور اس نے اس پر احسان کیا کہ اپنے دونوں مکان اور جملہ اسباب خانہ داری اپنی زوجہ سے چھڑا کر اس کو وصیت کرگیا اور اس نے وصیت نامہ میں دوجگہ اس سے اپنی تجہیز و تکفین درخواست تھی اور سوال فتوائے دوم جس کی طرز ادا بتارہی ہے کہ وہ شاہ محمد کا مرتب کرایا ہوا ہے

[1] العقودالدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

[2] العقودالدریة بحوالہ مجمع الفتاوٰی کتاب الکفالہ ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۰۳۔۳۰۲

اس میں یہ لفظ ہیں زید وصیت کرگیاکہ بعد میرے میری جائداد منقولہ غیر منقولہ کامالک عمرو ہے میری تجہیز وتکفین بھی کرے گااورللہ میری ارواح بھی دے گابعد وفات زید عمرونے وصیت مذکورہ کو قبول کرکے ایفائے اموراتِ ایصاء میں لگ گیا جس سے صاف واضح کہ یہ تجہیز وتکفین بربنائے درخواست ووصیت نامہ تھی نہ بربنائے امر عالم خاتون، توکوئی امر ایساثابت نہیں جس سے یہ خرچ اسے واپس دلایاجائے بلکہ اس کے خلاف کاثبوت ظاہر ہے توحکم واپسی نہیں ہوسکتاثم اقول: یہاں ایک دقیقہ اور ہے تجہیز وتکفین ضرور جمیع حقوق متعلقہ بہ ترکہ پر مقدم ہے،

اما المتعلق بعین کالمرھون والمبیع المحبوس بالثمن ودارمستأجرة قدم اجرتھا وعین جعلھا مھرا والمقبوض بالبیع الفاسد فانہ اذامات الراھن اوالمشتری اوالاٰجر اوالزوج اوالبائع فی ھذہ الصور علی الولاء قدم حق المرتھن اوالبائع اوالمستاجر او المرأة اوالمشتری علی تجھیزالمیت فانما ذلك لتعلقھا بالمال قبل صیرورتہ ترکة کما فی الدر المختار وردالمحتار[1]۔	لیکن وہ حق جو عین سے متعلق ہے جیسے رہن رکھی ہوئی چیز، وہ مبیع جو ثمن کے بدلے روکاگیاہے، وہ اجارہ کامکان جس کا کرایہ پیشگی اداکیاگیاہے، وہ عین شیئ جس کو مہر بنایاگیاہے اور وہ شیئ جس شیئ پر بیع فاسد کے ذریعے قبضہ کیاگیا۔ان صورتوں میں اگرراہن، مشتری، آجر، خاوند یابائع اسی حال پر مرگیاتومذکورہ حقوق یعنی مرتہن، بائع، مستاجر، بیوی یامشتری کاحق تجہیز میت پر مقدم ہوگایہ اس لئے ہے کہ یہ حقوق مال کے ترکہ ہونے سے پہلے ہی اس سے متعلق ہوگئے ہیں، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار میں ہے۔(ت)

مگریہ تقدیم تجہیز وتکفین کوہے نہ اس دَین کوکہ بسبب تجہیز وتکفین عائد ہو وہ اگرہے تو مثل سائردیون ایک دین ہے نہ کہ اور جملہ دیون پر مقدم **اوّلاً**: تمام علماء نے یبدأ بتجھیزہ(اس کی تجہیز سے ابتداء کی جائے گی۔ت)فرمایا ہے کہیں یبدأ بدین تجھیزہ(اس کی تجہیز کے قرض سے ابتداء کی جائے گی۔ت) بھی آیاہے۔

ثانیاً: علماء نے اسے لباس حیات پر قیاس فرمایاہے کہ زندگی میں تن کے کپڑے دائن کو

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲،ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۴۔۴۸۳

نہ دیئے جائیں گے یا کپڑوں کی حاجت ہے تو اس قدر دین میں نہ دیں گے، شریفیہ میں فرمایا:

انما کان قضاء الدین مؤخرا عن الکفن لانہ لباسہ بعد وفاتہ فیعتبر بلباسہ فی حیاتہ الاتری انہ یقدم علی دینہ اذلایباع ما علی المدیون من ثیابہ مع قدرتہ علی الکسب[1]۔(ملخصًا)	بیشک قرض کی ادائیگی کفن سے مؤخر اس لئے ہے کہ کفن مرنے کے بعد میت کا لباس ہے، للذا اس کو اس کی زندگی کے لباس پر قیاس کیا جائے گا کیا نہیں دیکھتے ہو کہ زندگی میں لباس قرض پر مقدم ہوتا ہے، اس لئے کسب کی قدرت رکھنے والے مدیون کے کپڑے فروخت نہیں کئے جاتے۔(ملخصًا)(ت)

اور پر ظاہر کہ زید کے مدیون نے اگر عمرو سے قرض لے کر کپڑے بنائے تو عمرو کو زید پر کوئی ترجیح نہ ہوگی دونوں دَین یکساں ہوں گے دَین پر تقدم لباس کو تھی نہ کہ دَین لباس کو شرع میں اس کی کہیں اصل نہیں تو واجب کو دَین تکفین بھی دیگر دیون پر اصلاً مقدم نہ ہو بلکہ کفن دہندہ اسوہ غرباء ہو۔ در منتقی پھر ردالمحتار میں ہے:

الاصل ان کل حق یقدم فی الحیاۃ یقدم فی الوفاۃ[2] اھ ویضم منہ علی العرف الفقھی ان مالایقدم فی الحیاۃ لایقدم فی الوفاۃ۔	اصل یہ ہے کہ جو حق زندگی میں مقدم ہوتا ہے وہ موت میں بھی مقدم ہوتا ہے اھ اور عرف فقہ میں اس کے ساتھ یہ ضابطہ ملایا جاتا ہے کہ جو زندگی میں مقدم نہ ہو وہ وفات میں بھی مقدم نہیں ہوتا۔(ت)

ثالثًا: علماء اس کی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ میت کو برہنہ رکھنا جائز نہیں کہ تعظیم مسلمان مردہ و زندہ کی یکساں ہے۔ تبیین الحقائق میں فرمایا:

المرء یقدم نفسہ فی حیاتہ فیمایحتاج الیہ من النفقۃ والسکنی والکسوۃ علی اصحاب الدیون فکذا	انسان اپنی ذات کو زندگی میں اپنی ضروری حاجات یعنی نفقہ، سکونت اور لباس میں قرضخواہوں پر مقدم رکھتا ہے اسی طرح وفات

[1] الشریفۃ شرح السراجیہ خطبۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۴

بعد وفاته يقدم تجهيزه وهو محترم حيا وميتا فلا يجوز كشف عورته و فى الاثر لعظام الميت من الحرمة مالعظام الحى[1]۔ (ملخصًا)	کے بعد اس کی تجہیز و تکفین کو مقدم رکھا جائے گا انسان زندہ و مردہ دونوں حالتوں میں محترم ہے لہٰذا اس کو برہنہ کرنا جائز نہیں، حدیث میں ہے میت کی ہڈیوں کا احترام وہی ہے جو زندہ کی ہڈیوں کا ہے۔ ملخصًا (ت)

اور پر ظاہر کہ یہ علت نفس تجہیز میں ہے نہ دَین تجہیز میں۔

رابعًا: علماء فرماتے ہیں یہاں دو چیزیں ہیں: حق للمیت اور وہ تجہیز ہے، اور حق علی المیت اور وہ دَین ہے، اور اول ثانی پر مقدم ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں فرماتے ہیں:

اعلم ان الحقوق المتعلقة بالتركة هنا خمسة بالاستقراء لان الحق اما للميت او عليه اولا والاول التجهيز والثانى الدين الخ۔[2]	تو جان لے کہ بیشک میت کے ترکہ سے متعلق حقوق بطور استقراء پانچ ہیں اس لئے کہ حق یا تو میت کے لئے ہوگا یا اس پر ہوگا یا ایسا نہیں ہوگا بصورت اول تجہیز ہے اور بصورت ثانی قرض الخ (ت)

ظاہر ہے کہ دَین تجہیز مثل سائر دیون حق علی المیت ہے نہ کہ حق للمیت، تو مرتبہ دیون ہی میں ہوگا نہ مرتبہ تجہیز میں۔

خامسًا: جس طرح یہ دَین حاجت ستر کے لئے تھا اور بہت دیون بھی آدمی اپنے کھانے پینے پہننے رہنے وغیرہا حاجات اصلیہ کے اپنی حیات میں لیتا ہے، تو شیئ اپنے مثل پر کیسے مقدم ہو سکتی ہے، یوں ہی مہر مثل بھی وہ دَین کہ حاجت اصلیہ کے سبب لازم آتا ہے۔

ھدایہ باب اقرار المریض میں ہے:

النكاح من الحوائج الاصلية وهو بمهر المثل[3]۔	نکاح حاجات اصلیہ میں سے ہے اور وہ مہر مثل کے ساتھ ہوتا ہے۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۲۹۔۳۰

[2] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۱۹۳

[3] الھدایۃ کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۲۴۰

تودین تجہیز اس پر مقدم ہونے کے کوئی معنی نہیں فقیر نے جد الممتار میں اس مسئلہ کا استظہار کیا تھا اور اب یہ اس کی تحقیق تام ہے وباللہ التوفیق عبارت اس کی یہ ہے:

ونصوا علٰی ان الوصی اوالوارث اذا کفن من مال نفسه کفن المثل یرجع فی الترکة ویظهر لی انه یکون المکفن حینئذ اسوة للغرباء لاتقدیم لحقه علٰی حقوقهم وان کان دینه لاجل التکفین فان تقدیم التجهیز کان لحاجة المیت اعتبارا بحالة الحیاة وقد اندفعت حاجته ولم یبق الااداء الدین فیکون کمثل سائر الدیون الاتری ان المدیون ان کان محتاجا الی اللباس یقدم علی اداء الدیون وان البسه رجل من مال نفسه شارطا علیه الرجوع کان کاحد الدائنین، وایضا ربما یستدین الرجل فی حیاته لاکله وشربه و مالابد منه، فالذی ادانه لهذا کیف یتأخر عن الذی ادانه لمثل الحاجة بعد الموت، والله تعالٰی اعلم۔[1] اھ۔	مشائخ نے اس پر نص فرمائی کہ وصی یاوارث جب اپنے مال میں سے میت کو مثلی کفن پہنادے تووہ ترکہ میں رجوع کرے گا۔ میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ اس صورت میں وہ کفن دینے والا باقی غرباء کے مساوی ہوگا دوسروں کے حق پر اس کا حق مقدم نہ ہوگا اگرچہ اس کا یہ قرض تکفین کی وجہ سے ہے کیونکہ تجہیز کو مقدم کرنا میت کی حاجت کے لئے اس کی زندگی کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے۔اور تحقیق وہ حاجت پوری ہوچکی اور نہ باقی رہا مگر قرض کاادا کرنا تو وہ مثل باقی قرضوں کے ہوگیا۔ کیاتونہیں دیکھتا کہ مقروض جب لباس کا محتاج ہو تو وہ قرض کی ادائیگی پر لباس کو مقدم رکھتاہے۔ اور اگر کوئی شخص اپنے مال سے اس کو لباس پہنادے اس شرط کے ساتھ کہ وہ اس پر رجوع کرلے گا تو وہ دیگر قرضخواہوں میں سے ایک ہوجائے گا نیز بسااوقات کوئی شخص اپنی زندگی میں کھانے پینے اور دیگر ضروری اشیاء کے لئے قرض لیتاہے، تو جس شخص نے ان ضروریات کے لئے قرض دیا وہ اس شخص سے کیسے متأخر ہوگا جس نے موت کے بعد ایسی ہی حاجت کے لئے اس کو قرض دیا، اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

[1] جدالممتار علی ردالمحتار

تو اگر شاہ محمد بامرزوجہ بشرط رجوع تجہیز و تکفین کرتا جب بھی غایت درجہ میں دَین مرتبہ دَین میں رہتا نہ کہ مرتبہ تجہیز و تکفین میں ہو کر مہر وغیرہ دیون پر مقدم ہو جاتا کہ یہ محض بلاوجہ بلکہ بے معنی ہے۔

ومن ادعی فعلیہ البیان ولایستطیع الیٰ ان یؤب القارظان۔	جو دعوی کرے دلیل بیان کرنا اس کے ذمے ہے اور وہ دلیل نہیں لاسکے گا یہاں تک کہ سلم کے پتے چننے والے واپس آئیں (ت)

تفریعات

(۶۵،۶۴) فتوی ا کا قول تجہیز و تکفین کا خرچ پہلے ہی سے نکال لیا جائے گا اس کا بار کسی فریق کے حصے پر نہ پڑے گا۔

(۶۷،۶۶) فتوی ۵ کا قول خرچ دفن کرنے کا چھ سات روپے تک آخر دس روپے تک اس کا بار فریقین پر ہے۔

(۶۹،۶۸) فتوی ۷ کا قول جمیع متروکہ میں سے سب سے اول تجہیز کا خرچ نکال لیا جائے گا نیز اس کا قول وصیت اگر بعوض دین مہر ہو تو تجہیز و تکفین کے بارے حسب حصہ زیورات مستثنٰی نہ ہوں گے الخ سب دو دو وجہ سے غلط ہیں اوّلًا بلا ثبوت موجب رجوع بلکہ بعد ظہور مانع رجوع، حکم رجوع دینا، ثانیًا اسے مرتبہ تجہیز و تکفین میں رکھنا۔

(۷۰) فتوی ۷ کا قول اگر مدعا علیہ نے تجہیز و تکفین اپنے مال سے بلااطلاع و بلااجازت مدعیہ کی ہے اس کا بار صرف مدعا علیہ کے مال پر ہوگا اور باجازت مدعیہ اپنے مال سے کی ہے یا متوفی کے ترکہ سے تو اس کا بار متوفی کے تمام ترکہ پر ہوگا بھی صحیح نہیں فقط اجازت مدعیہ رجوع کے لئے کافی نہیں طرفہ یہ کہ شق اول میں بلااطلاع کا لفظ بڑھا دیا جو اس کا موہم کہ صرف باطلاع وارث ہونا ہی رجوع کو بس ہے۔

افادۂ ثانیہ عشر جامع فوائد غرر

فائدہ ۱۳: ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب یہ ہے کہ اصحاب فرائض میں کہ ۱زوجین پر رد نہیں ان کے فرض سے جو بچے اور کوئی ۲عصبہ نسبی و ۳سببی نہ ہو تو باقیماندہ ۴ذوی الارحام کو دیں گے، وہ ۵نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کو، ۶وہ نہ ہو تو مقرلہ بالنسب علی الغیر کو، ۷وہ نہ ہو تو موصی لہ بالزائد

کو، ۸ وہ نہ ہو یا اسے دے کر بھی بچے تو وہ باقی فقراء مسلمین کا حق ہے مسلمانوں کے بیت المال میں رکھیں مثل تمام اموال ضائعہ کے جن کا کوئی مالک وارث نہ ہو ان تمام مراتب اوران کی ترتیب میں ائمہ وعلمائے حنفیہ کرام متقدمین ومتاخرین کسی کو اصلاً خلاف نہیں جمیع کتب سلف وخلف میں آج تک برابر اسی طرح لکھتے اوراسی پر عمل کرتے فتوے دیتے آئے اور جبکہ ترتیب مراتب کے یہ معنی ہیں کہ محل استحقاق رتبہ متقدمہ میں رتبہ متاخرہ کو نہ دیا جائے گا بلکہ وہ اس وقت پائے گا کہ رتبہ متقدمہ موجود نہ ہو جیسے جمیع صور میں یا اس کے حق کے بعد بھی کچھ باقی بچے جیسے اصحاب فرائض وعصبات یا احدالزوجین ومراتب نازلہ یا موصی لہ بالزائد دون الکل وبیت المال میں اور بیت المال کا کوئی حصہ معین نہیں کہ اس کے بعد کچھ بچے نہ زمان برکت نشان سلف میں اس کے عدم کی صورت تھی لہذا ائمہ متقدمہ نے اسے آخرالمراتب رکھا زمانہ متاخرین میں جبکہ بیت المال فاسد ہو اور فاسد مثل معدوم ہے تو اب بیت المال آخرالمراتب نہ رہا اور صورت یہ پیدا ہوئی کہ ۴ ذوی الارحام نہ ہوں تو ۵ مولی الموالاۃ کو، ۶ وہ نہ ہو تو مقرلہ کو، وہ نہ ہو تو ۷ موصی لہ بالزائد کو، وہ نہ ہو تو ۸ بیت المال کو، اور وہ بھی نہ ہو جیسے زمانہ متاخرہ میں تو اب کس کو۔ اس کے لئے ائمہ متاخرین نے ۹ نواں مرتبہ رد علی الزوجین نکالا اور زوجین بھی نہ ہوں تو ۱۰ بنات معتق کو، وہ بھی نہ ہوں تو معتق کے ۱۱ ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کے اولاد رضاعی کو، کوئی عاقل نہ کہے گا کہ ان مراتب اربعہ کے احداث سے علماء متاخرین اس ترتیب مجمع علیہ مراتب سابقہ کو توڑنا چاہتے ہیں حاشا اس پر تو ہمارے تمام علماء کا قطعی اجماع بلانزاع ہے بلکہ از انجا کہ مرتبہ اخیرہ اب مرتبہ اخیرہ نہ رہا اس کے بعد اور مراتب بڑھاتے ہیں تو یہ چاروں مراتب جدیدہ بالیقین بیت المال منتظم سے مؤخر ہیں، اور بیت المال منتظم موصی لہ بالزائد سے مؤخر ہے تو قطعاً یقیناً یہ چاروں مراتب موصی لہ بالزائد سے بدرجہا مؤخر ہیں، علماء نے جس طرح رد علی الزوجین کا مرتبہ نکالا یہ تینوں مراتب بنات معتق وذوی الارحام معتق واولاد رضاعی بھی نکالے، نہایہ پھر تبیین الحقائق پھر اشباہ والنظائر پھر منح الغفار پھر درمختار کتاب الولاء میں ہے:

واللفظ له لومات المعتق ولم یترك الاابنة معتقه فلاشیئ لها ویوضع ماله فی بیت المال هذا ظاهر الروایة وذکر الزیلعی معزیاللنهایة ان	اور لفظ درمختار کے ہیں کہ اگر مُعتَق مرگیا اور سوائے مُعتِق کی بیٹی کے اس کے پسماندگان میں کوئی نہیں تو اس کو کچھ نہیں ملے گا، اور معتق کا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا، یہ ظاہر الروایۃ ہے، اور زیلعی نے نہایہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے

بنت المعتق ترث فی زماننا لفساد بیت المال وکذا ما فضل عن فرض احد الزوجین یرد علیه وکذا المال یکون للابن اوالبنت رضاعاً کذا فی فرائض الاشباہ واقرہ المصنف وغیرہ[1]۔	ذکر کیا کہ معتِق کی بیٹی ہمارے زمانے میں بیت المال کے فساد کی وجہ سے وارث ہوگی یونہی زوجین میں کسی ایک کے فرضی حصہ قبول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی پر رَد کردیا جائے گا۔اوراسی طرح ترکہ کامال رضاعی بیٹے یا بیٹی کو ملے گا۔الاشباہ کی کتاب الفرائض میں یونہی ہے،اور مصنّف وغیرہ نے اس کو برقرار رکھا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

ومثله فی الذخیرۃ قال وھکذا کان یفتی الامام ابو بکر البرزنجری والقاضی الامام صدر الاسلام لانھا اقرب الی المیت من بیت المال فکان الصرف الیھا اولٰی اذلوکانت ذکرا تستحق المال،قوله ترث فی زماننا عبارۃ الزیلعی یدفع المال الیھا لابطریق الارث بل لانھا اقرب الناس الی المیت ح،قوله وکذا مافضل الخ عزاہ فی الذخیرۃ الٰی فرائض الامام عبد الواحد الشھید،قوله للابن اوالبنت رضاعا عزاہ فی الذخیرۃ الٰی محمد رحمه اللہ تعالٰی[2]۔	اسی کی مثل ذخیرہ میں فرمایا،اورایسے ہی فتوی دیتے تھے امام ابوبکر البرزنجری اور قاضی امام صدرالاسلام۔کیونکہ معتِق کی بیٹی بیت المال کی بنسبت میت کے زیادہ قریب ہے۔چنانچہ مال کواس کی طرف پھیرنااولٰی ہے،کیونکہ اگر وہ مذکر ہوتی تو مال کی مستحق ہوتی۔ماتن کا قول"وہ ہمارے زمانے میں وارث بنے گی"۔زیلعی کی عبارت ہے اس کو مال بطور میراث نہیں دیا جائے گا بلکہ اس لئے دیا جائے گا کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے ح۔ماتن کا قول"اوریونہی جو بچ جائے الخ"اس کو ذخیرہ میں فرائض امام عبدالواحد شہید کی طرف منسوب کیاہے۔ماتن کا قول"رضاعی بیٹا یا بیٹی"اس کو ذخیرہ میں امام محمد علیہ الرحمہ کی طرف منسوب کیاہے۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الولاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۹۴

[2] ردالمحتار کتاب الولاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۷۶

الرحیق المختوم میں ہے:

بنت المعتق فلاشیئ لها فی ظاهر الروایة وافتی بعضهم بدفعه لها لکن لابطریق الارث بل لکونها اقرب الناس الیه بل ولذی ارحامه بل وللولد رضاعا کمایرد علی الزوجین فی زماننا کما فی القنیة والزیلعی عن النهایة والاشباه اقره فی المنح وسکب الانهر۔[1]	ظاہر الروایہ میں معتِق کی بیٹی کے لئے کچھ نہیں، اور بعض مشائخ نے اس کو دینے کا فتوٰی دیا ہے لیکن بطور میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میت کے زیادہ قریب ہے بلکہ معتِق کے ذوی الارحام بلکہ اس کی رضاعی اولاد کو دینے کا بھی فتوٰی دیا ہے جیسا کہ ہمارے زمانے میں زوجین پر رد کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قنیہ، زیلعی بحوالہ نہایہ، اور الاشباہ میں ہے اسی کو برقرار رکھا ہے منح اور سکب الانہر نے۔ (ت)

کیا کوئی عاقل وہم کرسکتا ہے کہ یہ مراتب موصی لہ بالزائد پر مقدم ہیں زید اگر اپنے کل مال کی وصیت عمرو کے لئے کر جائے اور کوئی وارث نہ رکھتا ہو ایک لڑکی ہو جس نے اس کی زوجہ کا دودھ کہ اس سے تھا پیا ہے تو زید کی وصیت نافذ نہ کریں گے اور ثلث سے زائد اس دودھ کی لڑکی کو دے دیں گے یہ بلاشبہہ باطل ومردود وخلاف اجماع ہے یہ سب مراتب جدیدہ اس امر میں یکساں ہیں کہ سب مرتبہ اخیرہ کے بعد رکھے گئے ہیں۔

فائدہ ۱۴: اقول: زیادت علی الثلث میں موصی لہ کا حق صرف وارث سے مؤخر ہے اور غیر وارث پر مقدم، ولہذا بیت المال پر مقدم ہے کہ بیت المال ہمارے نزدیک وارث نہیں۔ علامہ سید شریف شرح سراجیہ پھر علامہ شیخی زادہ مجمع الانہر پھر علامہ شامی رد المحتار میں فرماتے ہیں:

اذا عدم من تقدم ذکره یبدأ بمن اوصی له بجمیع المال فتکمل له وصیته لان منعه عمازاد علی الثلث کان لاجل	جب وہ معدوم ہو جائیں جن کا پہلے ذکر ہوا تو پھر اس سے ابتداء کی جائے گی جس کے لئے میت نے کل مال کی وصیت کی۔ چنانچہ اس کی وصیت پوری کردی جائے گی اس لئے کہ

[1] الرحیق المختوم شرح قائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۱۸

الورثۃ فاذالم یوجد منھم احد فلہ عندنا ماعین لہ کملا، وانما اخرذٰلك عن المقرلہ بناء علی ان لہ نوع قرابۃ بخلاف الموصی لہ۔[1]	تہائی مال سے زائد کی وصیت کاممنوع ہونا وارثوں کی وجہ سے تھاجب ان میں سے کوئی موجودنہیں توہمارے نزدیک موصی لہ کومکمل طورپر وہ دے دیں گے جس کی تعیین اس کے لئے موصی نے کی ہے۔ موصی لہ اس شخص سے مؤخراس لئے ہے کہ جس کے لئے میت نے نسب کااقرار کیاہے کہ اقراروالے کوایک قسم کی میت سے قرابت حاصل ہے بخلاف موصی لہ کے۔(ت)

اوران مراتب اربعہ جدیدہ کودیاجانابطورارث نہیں تو واجب کہ موصی لہ بالزائد رد علی الزوجین وباقی مراتب ثلثہ پر مقدم ہو۔
امام فخر الدین زیلعی تبیین میں فرماتے ہیں:

لومات المعتق ولم یترك الا ابنۃ المعتق فلاشیئ لبنت المعتق فی ظاھر الروایۃ اصحابنا ویوضع مالہ فی بیت المال وبعض مشائخنا کانوا یفتون بدفع المال الیھا لابطریق الارث بل لانھا اقرب الناس الی المیت فکانت اولٰی من بیت المال الاتری انھا لوکانت ذکرا کانت تستحقہ ولیس فی زماننا بیت المال ولو دفع الی السلطان اوالی القاضی لایصرفہ الی المستحق ظاھرا وعلی ھذا مافضل عن فرض احد الزوجین یردعلیہ لانہ اقرب	اگر مُعتَق مرگیا اور معتِق کی بیٹی کے علاوہ کسی کو نہ چھوڑا تو ظاہر الروایہ میں ہمارے اصحاب کے نزدیک معتِق کی بیٹی کو کوئی شے نہیں ملے گی اورسارا مال بیت المال میں رکھ دیا جائے گا، ہمارے بعض مشائخ معتِق کی بیٹی کومال دینے کافتوٰی دیتے تھے مگر بطور میراث نہیں بلکہ اس لئے کہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے لہٰذا وہ بیت المال کی بنسبت اولٰی ہے۔ کیاتم دیکھتے نہیں کہ اگر وہ مذکر ہوتی تومال کی مستحق ہوتی۔ اورہمارے زمانے میں بیت المال نہیں ہے اوراگروہ مال بادشاہ یاقاضی کودیاجائے توبظاہر مستحق پرخرچ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی میں سے کسی کے فرضی حصہ وصول کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ اسی

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۴۸، الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

الناس الیه ولایوضع فی بیت المال وکذا الابن والبنت من الرضاع یصرف الیهما اذا لم یکن هناك اقرب منهما ذکر هذه المسائل فی النهایة۔[1]	پر رد کیا جاتا ہے کیونکہ وہ لوگوں میں سے میت کے قریب ترین ہے اور وہ بچا ہوا مال بیت المال میں نہ رکھا جائے گا، اسی طرح رضاعی بیٹے اور بیٹی کی طرف مال کو لوٹایا جائے گا اگر وہاں ان سے بڑھ کر کوئی قریبی موجود نہ ہو، یہ مسائل نہایہ میں مذکور ہیں۔(ت)

یہ کلام فہیم کے لئے نص صریح ہے کہ رَد علی الزوجین وراثۃً نہیں بلکہ اسی طرح ہے جیسے مفاسد بیت المال فاسد سے بچنے کو رضاعی اولاد کو دیا جاتا ہے نیز اس پر دلیل انہیں امام جلیل کا ارشاد ہے کہ اصحاب رد پر رد بجہت عصوبت ہے۔

حیث قال الاخذ بطریق الرد لیس بفرض وانما هو بطریق العصوبة۔[2]	جہاں فرمایا بطور رَد لینا یہ فرض کے طور پر نہیں بلکہ عصبہ کے طور پر ہے۔(ت)

اور ظاہر ہے کہ زوجیت عصوبت نہیں، نیز انہیں کا ارشاد ہے:

الرد علی ذوی السهام اولٰی من ذوی الارحام لانهم اقرب الا الزوجین فانهما لاقرابة لهما مع المیت۔[3]	ذوی الفرض پر رَد کرنا ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میت سے زیادہ قرب رکھتے ہیں سوائے زوجین کے اس لئے کہ ان دونوں کی میت سے کوئی قرابت نہیں۔(ت)

نیز امام اجل نسفی کا شرح وافی میں ارشاد:

الرد باعتبار الرحم حتی لایرد علی الزوجین لعدم الرحم۔[4]	رد قرابت کے اعتبار سے ہے یہاں تک کہ زوجین پر قرابت کے نہ ہونے کی وجہ سے رد نہیں کیا جاتا۔(ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الولاء المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۵/ ۱۷۸

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[3] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

[4] الکافی شرح الوافی

لاجرم رحیق المختوم میں تصریح فرمائی:

ان الرد انما یستحق بالرحم والزوجان لیسا بذوی رحم فلذا استثناھما، وقیل یرد علیھما لفساد بیت المال و قدمنا فی عصبۃ العتق ان ذٰلک لابطریق الارث۔[1] (ملخصًا)	بیشک رَد کا استحقاق قرابت کی وجہ سے ہے زوجین چونکہ قرابت نہیں رکھتے اس لئے وہ دونوں مستثنٰی ہیں۔اور کہا گیا ہے کہ بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے زوجین پر رَد کیا جائے گااور ہم معتق کے عصبہ میں بیان کرچکے ہیں کہ وہ بطور میراث نہیں۔ ملخصًا(ت)

توزوجین کہ باہم اجنبی ہوں اور کوئی رشتہ نہ رکھتے ہوں ان پر رد بجہت ارث نہیں ہوسکتا اور اسے ارث ٹھہرانا کتاب اللہ پر زیادت ہے، تو وہ نہیں مگر اسی وجہ مذکور اولاد رضاعی پر، اور موصی لہ کامانع نہ تھا مگر حق ارث تو رد علی الزوجین اس کامانع نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے مؤخر رہنا واجب، **وھو المقصود والحمدﷲ الودود۔**

فائدہ۱۵: اقول: رد علی الزوجین اگر مرتبہ میں فرض کیا جائے تو رد کی چار صوتوں سے جن پر متقدمین متاخرین سب کی کتب اجماع کئے ہوئے ہیں دو منسوخ ہوجائیں کہ اب ذوی الفروض میں من لایرد علیہ کوئی نہ رہا مرد مرے اور ایک زوجہ ایک دختر چھوڑے توجمیع کتب متقدمین ومتاخرین حنفیہّ میں مسئلہ آٹھ سے کرتے ہیں ایک زوجہ کا کہ صرف اس کا فرض ہے اور سات دختر کے چار فرضًا اور تین ردًّا، ہم بہت شکر گزار ہوں گے اگر کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد مثلًا علامہ طحطاوی یا علامہ شامی وغیرہما کسی کے کلام میں دکھادیں کہ صورت مذکورہ میں زوجہ ودختر کو نصف نصف دلایا ہو، اگر کہئے زوجین پر رد ہے تومگر ذوی الفروض النسبیہ پر رَد سے مؤخر ہے یعنی وہ ہوں تو انہیں پر رَد ہوگا نہ ان پر، تو اسی کی سند کسی معتمد اگلے پچھلے کے کلام سے دکھایئے جب مذہب منسوب با میر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ لیا گیا اور عول پر قیاس کیا گیا اور اسی زعم پر عدم رد کے خلاف روایت ودرایت بتایا گیا تو وجہ تفرقہ کیا۔

فائدہ۱۶: اقول: نہ سہی اگر رد علی الزوجین کو متاخرین نے مرتبہ رَد میں رکھا ہے توآخر کسی متاخر نے ذوی الارحام پر مقدم کیا ہوگا کہ باجماع حنفیہ رَد ان پر مقدم ہے اسی کی تصریح

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۳۰

کسی متاخر سے متاخر حنفی معتمد کے کلام میں دکھادیجئے کہ آدمی مرے اور زوجہ یا زوج اور حقیقی نواسا نواسی بھتیجی بھانجا بھانجی چھوڑے تو سارا مال زوج یا زوجہ کو ملے گا، نواسا کچھ نہ پائے گا اور کیونکر دکھا سکتے ہیں کہ وہ اجماع حنفیّہ کے خلاف ہے۔ امام نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

اجمعوا علی ان ذوی الارحام لایحجبون بالزوج والزوجة ای یرثون معهما فیعطی الزوج والزوجة نصیبه ثم یقسم الباقی بین ذوی الارحام کما لو انفرد وامثاله زوج وبنت بنت وخالة وبنت عم فللزوج النصف والباقی لبنت البنت۔[1]	مشائخ کا اس پر اجماع ہے کہ ذوی الارحام خاوند اور بیوی کی وجہ سے محروم نہیں ہوتے یعنی ان دونوں کی موجودگی میں وارث بنتے ہیں چنانچہ خاوند یا بیوی کو فرضی حصہ دے کر باقی ذوی الارحام میں تقسیم کردیا جائے گا جیسا کہ ان کے منفرد ہونے کی صورت میں کیا جاتا، اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے یہ ورثاء چھوڑے خاوند، نواسی، خالہ اور چچا کی بیٹی تو اس صورت میں نصف خاوند کو ملے گا باقی نواسی کو ملے گا۔ (ت)

اس مسئلہ بدیہیہ میں تشکیک کرنے والے اگر اپنے ہی کارنامے یاد کریں تو غالبًا ایسا بے معنی فتوٰی کبھی نہ دیا ہوگا بلکہ ہمیشہ فرض احدالزوجین دلاکر باقی نواسے وغیرہ کو پہنچایا ہوگا۔

فائدہ ۱۷: اقول: اگلی کارروائیاں یاد دلانے کی کیا حاجت، اور ممکن کہ بہتوں کو کبھی مسئلہ ذوی الارحام کا اتفاق ہی نہ ہوا ہو، اب حال کے یہی فتاوٰی نہ دیکھے جو کہ مقدمہ میں پیش نظر ہیں، فتوٰی اولٰی میں ہے اگر متوفی کا کوئی بھی قریبی یا بعیدی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ درمختار وردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ فتوٰی سوم میں ہے بوقت نہ ہونے دیگر ورثہ کے زوجہ پر رد کیا جائے گا۔ فتوٰی ششم میں ہے اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہوا ترکہ احدالزوجین کو دے دیں گے۔ فتوٰی سوم ششم وہشتم نے اس پر عبارت بھی نقل کی ہے:

الرد علیهما اذا لم یکن من الاقارب سواهما۔[2]	زوجین پر رد اس صورت میں ہوگا جب ان کے ماسوا اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو۔ (ت)

---

[1] الکافی شرح الوافی

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

مگر نسی ماقدمت یداہ کا کیا علاج۔

فائدہ۱۸: تمام کتب شاہد ہیں کہ اس فتوی متاخرین کی علت فساد بیت المال ہے کہ عبارات سابقہ سے واضح اور خود ان خلافی فتووں نے نادانستہ اسے بار بار نقل کیا۔ فتوی سوم وششم وہفتم سب میں بحوالہ ردالمحتار قنیہ سے ہے:

یفتی بالرد علی الزوجین فی زماننا لفساد بیت المال۔[1]	بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کا فتوی دیا جائے گا۔(ت)

نیز ان میں بحوالہ شامی محقق علامہ تفتازانی سے ہے:

افتی کثیر من المشائخ بالرد علیھما اذا لم یکن من الاقارب سواھما لفساد الامام۔[2]	بہت سارے مشائخ نے زوجین پر رَد کا فتوی دیا ہے جبکہ ان کے علاوہ اقارب میں سے کوئی موجود نہ ہو کیونکہ پیشوا بگڑ چکے ہیں۔(ت)

نیز ان سب میں بحوالہ درمختار اشباہ سے ہے:

یرد علیھما فی زماننا لفساد بیت المال۔[3]	بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے ہمارے زمانے میں زوجین پر رَد کیا جائے گا۔(ت)

اللہ عزوجل عافیت بخشے ہر تھوڑی عقل والا بھی ان عبارات کو بنگاہ اولین دیکھتے ہی فوراً سمجھ لیتا کہ زوجین پر رَد اس عارض کے سبب ضرورۃً مانا ہے اگر یہ عارض نہ ہو یعنی بیت المال منتظم ہو تو باقیماندہ اسی میں رکھا جائے گا اور زوجین پر رَد نہ کیا جائے گا تو رَد علی الزوجین موصی لہ بالزائد سے دومرتبہ مؤخر ہوا نہ کہ زبردستی اس پر مقدم کردیا جائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم نسأل اللہ العفو والعافیۃ (بلندی اور عظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ کسی کو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت، ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

فائدہ۱۹: اقول: شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک بیت المال وارث ہے ولہذا وہ بحالت عدم عصبہ اصحاب فرائض نسبیہ پر بھی رَد نہیں کرتے بعد کے مراتب ذوی الارحام و مولی الموالاۃ

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

ومقرلہ وموصی لہ بالزائد کا کیا ذکر ہے، تو ان کے نزدیک مستحقین صرف چار ہیں، اصحاب فرائض پھر عصبات نسبیہ پھر سببیہ پھر بیت المال۔ کافی میں ہے:

مافضل عن فرض ذوی الفروض ولامستحق له یرد علی ذوی الفروض بقدر حقوقهم الاعلی الزوجین عندنا وهوقول عامة الصحابة رضوان الله تعالٰی علیهم، وقال زید الفاضل لبیت المال ولایرد علیهم و به قال مالك والشافعی رحمهم الله تعالٰی وقیل مسألة الرد مبنیة علٰی مسألة ذوی الارحام اذالرد باعتبار الرحم حتی لایرد علی الزوجین لعدم الرحم و عند مالك والشافعی رحمهما الله تعالٰی لم یستحق ذووالارحام شیئا ومصب المال بیت المال فکذا الفاضل عن فرض ذوی الفروض مصبه بیت المال[1] اھ **اقول:** وعندی الاظهر عکسه ای تبنی مسألة ذوی الارحام علی مسألة الرد فان قرابة ذوی السهام اقوی فلماتعارض عندهما بیت المال و	ذوی الفروض سے جو کچھ بچ جائے اور اس کا کوئی مستحق نہ ہو تو ہمارے نزدیک زوجین کے علاوہ ذوی الفروض پر ان کے حقوق کے برابر رد کیا جائے گا یہی قول عام صحابہ کرام کا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جو بچ گیا وہ بیت المال کا ہے ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائے گا، اور یہی فرمایا امام شافعی اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما نے۔ اور کہا گیا ہے کہ رد کا مسئلہ ذوی الارحام کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ رد قرابت ورشتہ داری کے اعتبار سے ہوتا ہے یہاں تک کہ رشتہ داری نہ ہونے کی وجہ سے زوجین پر رَد نہیں کیا جاتا امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک ذوی الارحام کسی شیئ کے مستحق نہیں اور مال رکھنے کی جگہ بیت المال ہے، یونہی جو ذوی الفروض کے فرضی حصوں سے بچ گیا اس کو رکھنے کی جگہ بھی بیت المال ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** میرے نزدیک زیادہ ظاہر اس کا عکس ہے یعنی ذوی الارحام کا مسئلہ رَد کے مسئلہ پر مبنی ہے کیونکہ ذوی الفروض کی قرابت زیادہ قوی ہے تو جب وہ امام

[1] الکافی شرح الوافی

قدم علی الرد علیھم لم تعارضه قرابة ذی الرحم الاولٰی وکانه رحمه اللہ تعالٰی لذا عبرہ بقیل۔	شافعی اور امام مالک کے نزدیک بیت المال کے معارض ہے تو بیت المال ذوی الفروض پر رَد سے مقدم ہوگیا، ذوی الارحام کی قرابت بدرجہ اولٰی مزاحم نہیں ہوگی گویا مصنّف علیہ الرحمہ نے اسی واسطے اسے قِیۡلَ سے تعبیر فرمایا ہے۔(ت)

کتاب الانوار امام یوسف اردبیلی شافعی میں ہے:

اسباب التوریث القرابة والنکاح والولاء والاسلام[1] اھ فالقرابة لذی سھم والعصبة النسبیین والنکاح لذی السھم السببی والولاء للعصبة السببیة و الاسلام لاھل بیت المال۔	وارث بننے کے اسباب قرابت، نکاح، ولاء اور اسلام ہیں پس قرابت تو نسبی ذوی الفروض اور نسبی عصبہ کے لئے ہے اور نکاح سببی ذوی الفروض کے لئے ہے اور ولاء سببی عصبہ کے لئے ہے اور اسلام بیت المال والوں کے لئے ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

قلنا لایرد علی اصحاب الفروض ولایورث ذو والارحام۔[2]	ہم کہتے ہیں کہ ذوی الفروض پر رد نہیں کیا جائے گا اور نہ ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔(ت)

مگر فساد بیت المال کے وقت وہ بھی رد علی اصحاب الفروض النسبیہ اور ان کے بعد توریث ذوی الارحام کے قائل ہوئے ہیں اور اس کی علت وہی فساد بیت المال بتاتے ہیں، سید علی السراجی میں ہے:

عندالشافعیة ان بیت المال ان کان منتظما یقدم علی ذوی الارحام والرد وان لم ینتظم ردا ولاعلی ذوی الفروض النسبیة بنسبة فرائضھم ثم یصرف	شافعیہ کے نزدیک بیت المال اگر منتظم ہو تو وہ ذوی الارحام اور رَد پر مقدم ہوتا ہے اور اگر وہ منتظم نہ ہو تو پھر اوّلًا نسبی ذوی الفروض پر ان کے فرضی حصوں کے مطابق رَد کیا جائے گا پھر ذوی الارحام کی طرف پھیرا جائے گا ان کے

[1] انوار لاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعة الجمالیہ مصر ۲/ ۲

[2] انوار لاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعة الجمالیہ مصر ۲/ ۳

الی ذوی الارحام ولامیراث عندھم اصلا لمولی الموالاۃ ولاللمقرلہ بالنسب علی الغیر ولاللموصی یجمع المال۔[1]	نزدیک مولٰی موالاۃ اور نسب کے اقرار والے شخص اور کل مال کے موصٰی لہ کے لئے کوئی میراث نہیں۔(ت)

تبیین میں ہے:

ان کثیرامن اصحاب الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ منھم ابن سریج خالفوہ وذھبوا الٰی توریث ذوی الارحام وھو اختیار فقھائھم للفتوی فی زماننا لفساد بیت المال وصرفہ فی غیر المصارف۔[2]	امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بہت سارے اصحاب جن میں ابن سُریج بھی ہیں نے اس کی مخالفت کی اور وہ ذوی الارحام کو وارث بنانے کی طرف گئے ہیں اور یہی ہمارے زمانے میں فتوٰی کے لئے ان کے فقہاء کا مختار ہے۔بیت المال کے فاسِد ہونے کی وجہ سے اور مصارف کے غیر میں اس کے خرچ ہونے کی وجہ سے۔(ت)

انوارشافعیہ میں ہے:

ان لم ینتظم ای بیت المال فالصحیح المرجح المفتی بہ ان یرد الفاضل منھم علیھم ویورث ذو والارحام ان فقدوا۔[3]	اگر بیت المال منتظم نہ ہو تو صحیح راجح مفتٰی بہ قول یہ ہے کہ ذوی الفروض سے بچاہوا انہیں پر رَد کیا جائے گا اور اگر وہ مفقود ہوں تو ذوی الارحام کو وارث بنایا جائے گا۔(ت)

توفسادبیت المال کے وقت مسئلہ رَد میں ہمارا ان کا اتفاق ہوگیا ہم تو رَد مانتے ہی تھے اور اب بوجہ فساد وہ بھی ماننے لگے یہ معنی ہیں عبارت درمختار:

ان فضل عن الفروض ولاعصبۃ یرد الفاضل علیھم اجماعالفساد	اگرذوی الفروض سے کچھ بچ جائے اور کوئی عصبہ موجودنہ ہوتوبچاہوا بالاجماع ذوی الفروض

[1] الشریفۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

[3] الانوار لاعمال الابرار کتاب الفرائض مطبعۃ الجمالیۃ مصر ۲/ ۲

بیت المال الاعلی الزوجین۔[1]	پر لوٹادیا جائے گا بوجہ بیت المال کے فاسد ہونے کے سوائے زوجین کے۔(ت)

توفسادبیت المال علت اتفاق ہے نہ کہ ہمارے نزدیک ذی سہم نسبی پر رَد کی علت جسے ادنٰی طالب علم بھی نہ کہے گا، پھر علت ہے توصرف اتفاق شافعیہ کی ورنہ مالکیہ سے منقول کہ بحال فساد بھی رد نہیں کرتے۔لاجرم ردالمحتار میں ہے:

قولہ لفساد بیت المال علۃ لقولہ اجماعا ولایظہر لان المشہور من مذہب مالك انہ لبیت المال و ان لم یکن منتظما۔[2]	مصنّف کاقول"بوجہ فساد بیت المال"علت ہے اس کے قول اجماعًا کی اور یہ ظاہر نہیں کیونکہ امام مالک کے مذہب سے مشہور ہے کہ ذوی الفروض کے فرضی حصوں سے بچاہوا مال بیت المال کا ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔(ت)

طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ اجماعا لفساد بیت المال ھذہ العلۃ غیرظاہرۃ بالنظر للقول بالرد عندنا فان الرد عندنا مقدم علی بیت المال وان کان منتظما وان کان علۃ لقولہ اجماعا لایظہر ایضا لان القول بالرد حینئذ قول بعض الشافعیۃ والمشہور من مذہب المالکیۃ انہ لبیت المال وان لم یکن منتظما۔[3]	ماتن کاقول"بالاجماع بوجہ فساد بیت المال"یہ علت ہمارے نزدیک رَد کے قول کی طرف نظر کرتے ہوئے ظاہر نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک ردبیت المال پر مقدم ہے اگرچہ بیت المال منتظم ہو اور اگر یہ ماتن کے قول اجماعًا کی علت ہو تو بھی ظاہر نہیں کیونکہ اس صورت میں رد کا قول بعض شافعیہ کا قول ہے،اور مالکیہ کے مذہب سے مشہور یہ ہے کہ وہ بیت المال کے لئے ہے اگرچہ بیت المال منتظم نہ ہو۔(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

فائدہ۲۰: قول ذی سہم نسبی پر رَد کی علت ہمارے نزدیک فسادبیت المال ٹھہرانا افسد فاسدات ہے، **اوّلاً:** ہمارے ائمہ کے نزدیک وہ کوئی امر عارضی نہیں کہ بضرورت مانا گیا بلکہ عصوبت کے بعد حق قول راجح قول مستقل ہے کہ قرابت ذوی الارحام پر بھی مقدم ہے نہ کہ دیگر مراتب نازلہ۔ ہمارے علماء نے اسے آیت واحادیث وارشادات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت فرمایا ہے نہ کہ فسادبیت المال کی ناچاری سے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

لناقوله تبارك وتعالٰى واولوالارحام بعضهم اولٰى ببعض فى كتاب الله وهو الميراث فيكون اولٰى من بيت المال ومن الزوجين الافيما ثبت لهما بالنص وكان ينبغى ان يكون ذلك لجميع ذوى الارحام لاستوائهم فى هذا الاسم الا ان اصحاب الفرائض قدموا علٰى غيرهم من ذوى الارحام لقوة قرابتهم الاترى انهم يقدمون فى الارث فكانوا احق به ومن حيث السنة ماروى ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم دخل على سعد يعوده فقال يارسول الله صلى الله عليك وسلم ان لى مالا ولايرثنى الاابنتى الحديث ولم ينكر عليه رسول الله صلى الله عليه وسلم حصر الميراث على ابنته	ہماری دلیل اللہ تبارک وتعالٰی کا یہ ارشاد ہے "اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں الآیۃ"۔ اور وہ میراث ہے چنانچہ ان پر رد، بیت المال سے اولٰی ہوگا اور زوجین سے بھی اولٰی ہوگا سوائے اس کے جو زوجین کے لئے نص سے ثابت ہے اور چاہئے کہ بچے ہوئے کا رَد تمام رشتہ داروں کے لئے برابر ہو کیونکہ اس نام میں سب برابر ہیں مگر اصحاب فرائض باقی رشتہ داروں پر اپنی قرابت کی قوت کی وجہ سے مقدم ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ میراث میں مقدم ہیں تو وہ رَد کے بھی زیادہ حقدار ہوں گے اور یہ حکم سنت سے بھی ثابت ہے۔ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو انھوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم میرا کچھ مال ہے اور سوائے میری ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں (الحدیث) انہوں نے اپنی بیٹی پر میراث کو منحصر کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ اگر

ولولا ان الحکم کذٰلك لانکر علیه ولم یقرّہ علی الخطا لاسیما فی موضع الحاجة الی البیان وکذا روی ان امرأة اتت الی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فقالت یارسول اللّٰه انی تصدقت علی امی بجاریة فماتت امی وبقیت الجاریة فقال وجب اجرك ورجعت الیك فی المیراث جعل الجاریة راجعة الیها بحکم المیراث وھذا ھو الرد۔[1]	حکم ایسانہ ہوتا تو آپ ضرور انکار فرماتے اورانہیں خطاپر برقرار نہ رہنے دیتے خصوصًا جبکہ بیان کی ضرورت ہو۔یونہی مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم میں نے اپنی ماں پرایک لونڈی صدقہ کی اب میری ماں فوت ہوگئی اوروہ لونڈی باقی رہ گئی توآپ نے فرمایا تیرا اجر ثابت ہوچکا اوروہ لونڈی میراث میں تیری طرف لوٹ آئی۔توآپ نے بطور میراث وہ لونڈی اس کی طرف لوٹائی، اور یہی رد ہے۔(ت)

اقول: پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے اوردوسری حدیث عبدالرزاق نے مصنف اورسعید ابن منصور نے سنن اورابن جریر نے تہذیب الآثار میں اور بریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی ہے اوراس کے لفظ یہ ہیں:

فقال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لك اجرك وردھا علیك المیراث۔[2]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے تیرا اجرثابت ہے اور وہ لونڈی میراث نے تیری طرف لوٹا دی۔(ت)

یہ لفظ،لفظ مذکور تبیین سے ادل علی المقصود ہیں کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ت)علامہ سید شریف نے آیت کریمہ سے استدلال کرکے حدیث اول سے اورزیادہ نفیس وجہ سے استدلال کیااور بعض اوراحادیث جلیلہ زائد کیں،فرماتے ہیں:

وایضا لما دخل صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی سعد بن ابی وقاص یعودہ	جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبری الامیریة بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] کنزالعمال برمزعب،ص وابن جریر فی التہذیب حدیث ۳۰۷۰۶ موسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۸۳

قال سعد اما انه لایرثنی الا ابنة لی فاوصی بجمیع مالی قال لاقال فاوصی بنصفه قال لاالحدیث الی ان قال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الثلث خیروالثلث کثیر فقد ظهران سعدا اعتقدان البنت ترث جمیع المال ولم ینکر صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ومنعه عن الوصیة بمازاد علی الثلث مع انه لاوارث له الاابنة واحدة فدل ذٰلك علی صحة القول بالرد اذلولم تستحق الزیادة علی النصف بالرد تجوزله الوصیة بالنصف وفی حدیث عمروبن شعیب عن ابیه عن جده انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ورّث الملاعنة ای جمیع المال عن ولدها ولایکون ذٰلك الابطریق الرد وفی حدیث واثلة بن الاسقع انه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال تحرز المرأة میراث لقیطها وعتیقها

عیادت کرنے تشریف لائے تو حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا سوائے ایک بیٹی کے میرا کوئی وارث نہیں، کیا میں اپنے تمام مال کی وصیت کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ انہوں نے عرض کی: نصف کی وصیت کردوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں (الحدیث) یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تہائی بہتر ہے اور تہائی بہت ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اعتقاد تھا کہ بیٹی تمام مال کی وارث بن سکتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہیں فرمایا اور آپ نے تہائی مال سے زائد کی وصیت سے انہیں منع فرمایا باجودیکہ سوائے ایک بیٹی کے ان کا کوئی وارث نہیں تھا، تو یہ دلیل ہے اس بات پر کہ رد کا قول صحیح ہے کیونکہ اگر وہ بیٹی بذریعہ رد نصف سے زائد کی مستحق نہ ہوتی تو ان کے لئے نصف کی وصیت جائز ہوتی۔ عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعان والی عورت کو اپنی ولد کے تمام مال کا وارث بنایا۔ اور یہ بذریعہ رَد ہی ہوسکتا ہے۔ اور واثلہ بن اسقع کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت اپنے لقیط یعنی جو بچہ اسے گمشدہ ملا ہے اور اپنے آزاد شدہ

والابن الذی لوعنت بہ۔[1]	غلام یالونڈی اوراپنے اس بیٹے جس کے سبب اس عورت کے ساتھ لعان کیاگیاکی میراث کوسمیٹ لیتی ہے۔(ت)

ثانیًا: سراجیہ وتبیین وعامہ کتب حنفیّہ میں ہے:

ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وبہ اخذ اصحابنا۔[2]	عام صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کاوہی قول ہے اورہمارے اصحاب نے اسی سے اخذکیاہے۔(ت)

اقول: امام سفین ثوری کتاب الفرائض اور عبدالرزاق مصنّف اور سعید بن منصور سنن میں عامر شعبی سے راوی:

قال کان علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ یرد علی کل ذی سھم سھمہ الا الزوج والمرأۃ۔[3]	حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایاہرذی فرض پر اس کاحصہ رَد کیاجائے گاسوائے شوہراوربیوی کے۔(ت)

سعید بن منصور وبیہقی انہیں سے راوی:

ان علیارضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی ابن الملاعنہ ترک اخاہ وامہ لامہ الثلث ولاخیہ السدس ومابقی فھو رد علیھما بحساب ماورثا۔[4]	بیشک حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لعان والی عورت کے ایسے بیٹے کے بارے میں فرمایاجوایک بھائی اور ماں چھوڑ کرمرگیاکہ اس کی ماں کاحصہ کل مال سے تہائی ہے جبکہ بھائی کاحصہ چھٹاہے اورجوباقی بچاوہ ان دونوں پران کے میراث والے حصہ کے حساب کے مطابق رَد ہوگا۔(ت)

امام اجل طحاوی سوید بن غفلہ سے راوی:

ان رجلا مات وترك ابنۃ	ایک مرد فوت ہواجس کے پسماندگان میں ایک بیٹی

---

[1] الشریفۃ شرح السراجیۃ باب الرد مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۵

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[3] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض حدیث ۱۹۱۲۸ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۶

[4] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب میراث ولد الملاعنۃ دارصادر بیروت ۶/ ۲۵۸

وامرأۃ ومولاہ قال سوید انی جالس عند علی کرّم اللہ تعالٰی وجھہ اذجاءتہ مثل ھذہ القصّۃ فاعطی ابنتہ النصف وامرأتہ الثمن ثم رد مابقی علی ابنتہ ولم یعط المولی شیئا۔[1]	ایک بیوی اور ایک اس کا آزاد کیا ہوا غلام ہے، حضرت سوید نے کہا کہ میں حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس ایک خاتون ایسا ہی قصہ لے کر آئی تو آپ نے مرنے والے شخص کی بیٹی کو نصف اور اس کی بیوی کو آٹھواں حصہ دیا، پھر جو بچ گیا وہ اس کی بیٹی پر رَد فرمادیا اور اس کے آزاد شدہ غلام کو کچھ نہیں دیا۔(ت)

بیہقی نے اسے مختصراً روایت کیا:

کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ یعطی الابنۃ النصف والمرأۃ الثمن ویرد مابقی علی الابنۃ۔[2]	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ مرنے والے کی بیٹی کو کل مال کا نصف اور بیوی کو کل مال کا آٹھواں حصہ دیتے تھے اور باقی کو بیٹی پر رد فرمادیتے تھے۔(ت)

سعید بن منصور نے امام شعبی سے روایت کی:

انہ قیل لہ ان اباعبیدۃ ورث اختا المال کلہ فقال الشعبی من ھو خیر من ابی عبیدۃ قد فعل ذٰلک کان عبداللہ بن مسعود یفعل ذٰلک۔[3]	حضرت ابو عبیدہ کے بارے میں امام شعبی کو کہا گیا کہ انہوں نے بہن کو کل مال کا وارث بنایا ہے تو امام شعبی نے فرمایا کہ جو ابو عبیدہ سے بہتر ہے اس نے ایسا کیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ایسا کرتے تھے۔(ت)

سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابہ فی قول زید بن ثابت وعلی بن ابی طالب	جریر نے مغیرہ سے انہوں نے آپ کے اصحاب سے حضرت زید بن ثابت، حضرت علی بن ابی طالب

[1] شرح معانی الآثار کتاب الفرائض باب مواریث ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۲۷۱

[2] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب المیراث بالولاء دار صادر بیروت ۶/ ۲۴۲

[3] کنزالعمال برمز ص حدیث ۳۰۵۶۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۶

وعبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہم اذا ترک المتوفی اباہ ولم یترك احدا غیرہ فلہ المال۔[1]	اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جب مرنے والا باپ کو چھوڑ جائے اور اس کے علاوہ کوئی وارث نہ چھوڑے تو تمام مال باپ کا ہوگا۔ (ت)

عبدالرزاق نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

انہ قضی فی ام واخ من ام، لاخیہ السدس ومابقی لامہ۔[2]	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ماں اور اخیافی بھائی کے بارے میں فیصلہ فرمایا کہ بھائی کو چھٹا حصہ اور باقی سب ماں کو ملے گا۔ (ت)

کیا امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا عبداللہ بن مسعود وعامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد کرامت عہد میں بھی بیت المال فاسد تھا۔

ثالثًا: احادیث صحاح وحسان سے گزرا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اصحاب فرائض پر رَد فرمایا معاذاللہ کیا زمانہ اقدس میں بھی انتظام بیت المال نہ تھا ایسے مسئلہ جلیلہ کو کہ عہد رسالت وزمانہ صحابہ سے ثابت و مستمر ہے آخر زمانہ کے فساد پر مبنی کرنا کس درجہ نادانی، اور دانستہ ہو تو کیسی سخت بے ادبی ہے۔ **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

فائدہ ۲۱: امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رَد علی الزوجین ثابت نہیں وقائع عین مورد ہر گونہ احتمال ہوتے ہیں شوہر جبکہ چچا کا بیٹا اور تنہا وارث ہو کل مال پائے گا نصف فرضًا نصف عصوبۃً اسے رَد سے کیا علاقہ۔ درمختار میں ہے:

قال عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ یرد علیہما ایضا قالہ المصنف وغیرہ **قلت** وجزم فی الاختیار بان ھذا وھم من الراوی۔[3]	حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا زوجین پر بھی رَد کیا جائے گا۔ مصنف وغیرہ نے ایسا ہی کہا ہے۔ **میں کہتا ہوں** اختیار میں اس پر جزم کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے۔ (ت)

[1] السنن الکبرٰی کتاب الفرائض باب ترتیب العصبۃ دار صادر بیروت ۶/ ۲۳۸

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب الخالۃ العمۃ الخ حدیث ۱۹۱۱۷ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۴

[3] الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

رحیق المختوم میں ہے:

بل الذی صح عنه الرد علی الزوج فقط وتأویله ان کان ابن عم فاعطاه الباقی بالعصوبة۔[1]	بلکہ ان سے جو مرتبہ صحت کو پہنچاہے وہ فقط خاوند پر رد ہے جس کی تاویل یہ ہے کہ وہ خاوند اپنی بیوی کا چچازاد تھا، چنانچہ آپ نے باقی اس کو بطور عصبہ عطافرمایا۔(ت)

بلکہ امام ابراہیم نخعی سے منقول کہ صحابہ کرام میں کوئی بھی رد علی الزوجین کا قائل نہ تھا طحطاوی میں عجم زادہ علی الشریفیہ سے ہے:

نقل عن ابراھیم النخعی انه لم یکن احد من اصحاب النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم یقول انه یرد علی الزوجین[2] اھ اماقوله خبرالمثبت اولٰی **فاقول:** الشان اوّلًا فی الثبوت روایة واین الثبوت وثانیًا درایة لما علمت من تاویله۔	ابراہیم نخعی سے منقول ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں سے کوئی ایک بھی نہیں کہتا تھا کہ زوجین پر رَد کیاجائے گا اھ لیکن اس کا قول کہ خبر مثبت اولٰی ہے۔**تو میں کہتا ہوں** کہ اوّلًا ثبوت میں روایت ہے،اور کہاں ہے ثبوت۔ثانیًا درایت ہے جس کی تاویل تو جان چکا ہے۔(ت)

اور بالفرض امیر المومنین سے منقول ہے تو یہ کہ زوجین پر بھی رد فرماتے ہیں یہ اصلًا کہیں نہیں کہ اور کوئی رشتہ دار متوفی نہ ہو تو اس وقت رد علی الزوجین کرتے ہیں امیر المومنین کی طرف اس کی نسبت باطل وفریہ محض ہے۔

فائدہ۲۲: عول پر قیاس سے ہمارے علمائے کرام جواب شافی دے چکے۔ تبیین الحقائق میں ہے:

ادخال النقص علی الزوجین بالعول مما یوافق الدلیل النافی لارثھما لان ارثھما ثبت بالنص علی خلاف القیاس واخذ الزیادة مما یخالف	زوجین پر عول کی وجہ سے کمی کا آنا اس دلیل کے موافق ہے جو زوجین کی میراث کے منافی ہے۔ کیونکہ ان کا وارث بننا خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور زوجین کا زائد کو لینا اس

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم (رسائل ابن عابدین) باب الرد سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۳۰

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب العول المکتبة العربیه کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

الناس فی لارثهما فلایمکن اثباته بالقیاس لان ماثبت علی خلاف القیاس یقتصر علیه۔[1]	دلیل کے مخالف ہے جوزوجین کی میراث کے منافی ہے۔چنانچہ اس کو قیاس سے ثابت کرنا ممکن نہیں کیونکہ جوخلاف قیاس ثابت ہو وہ اپنے مورد پر منحصر رہتاہے۔(ت)

اسی میں ہے:

الرد علی ذوی السهام اولی من ذوی الارحام لانهم اقرب الاالزوجین فانهما لاقرابة لهما مع المیت وارثهما نظیرالدین فان صاحب الدین لایرد علیه مافضل بعد قضاء الدین فکذا لایرد علیهما مافضل من فرضهما[2] اھ **اقول**:ای واذاضاق المال عن الدیون دخل النقص علی کل دائن بحساب دینه فکذا الزوجان ینقصان ولایزادان۔	ذوی الفروض پر رد ذوی الارحام سے اولٰی ہے کیونکہ وہ میت سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں سوائے زوجین کے، کیونکہ ان کی میت کے ساتھ کوئی قرابت نہیں ہوتی۔اوران کاوارث بننا قرض کی طرح ہے، توجس طرح قرض کی ادائیگی سے بچا ہوا مال صاحب قرض پر رد نہیں کیاجاتا اسی طرح زوجین کے فرضی حصوں سے بچاہوامال ان پر رد نہیں کیاجائے گا اھ **میں کہتاہوں** جب ترکہ کامال قرضوں سے کم ہوجائے تو ہر صاحب قرض پر اس کے قرض کے حساب سے کمی واقع ہوتی ہے اسی طرح زوجین کے حصے کم تو ہوجاتے ہیں مگرزائد نہیں ہوتے۔(ت)

روح الشروح پھر طحطاوی پھر شامی میں ہے:

میراث الزوجین علی خلاف القیاس لان وصلتهما بالنکاح وقد انقطعت بالموت وماثبت علی خلاف القیاس نصایقتصر علی موردالنص ولانص فی الزیادہ علی فرضهما	زوجین کی میراث خلاف قیاس ہے کیونکہ ان دونوں کااتصال نکاح کی وجہ سے ہے جو موت کے سبب سے ختم ہوچکا ہے۔اورجوکچھ خلاف قیاس نص سے ثابت ہو وہ موردنص میں منحصر رہتاہے اورزوجین کے فرضی حصوں سے زائد

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۷

[2] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی بولاق مصر ۶/ ۲۴۲

و لما کان ادخال النقص فی نصیبہما میلا للقیاس النافی لارثہما قیل بہ و لم یقل بالرد لعدم الدلیل فظہر الفرق وحصحص الحق۔[1]	کے بارے میں کوئی نص نہیں۔جب زوجین کے حصوں میں کمی کا واقع ہونا اس قیاس کی طرف مائل ہے جوان کی میراث کے منافی ہے تو اس کا قول کردیا گیااور رَد کا قول نہیں کیاگیا کیونکہ اس پر دلیل معدوم ہے لہذا فرق ظاہر اور حق خوب واضح ہوگیا۔(ت)

فائدہ۲۳: اقول: رد علی الزوجین کا ماننا دو طرح ہے،ایک یہ کہ اسے حق اصلی مستقل رد علی اصحاب السہام النسبیہ مانا جائے، دوسرے یہ کہ اس کا کوئی حق خاص نہیں مال ضائع بلا مستحق ہے اور ایسے مال کا ٹھکانا بیت المال مگر وہ اب فاسد و نا منتظم ہے لہذا بیجا مصارف میں صرف ہونے سے یہی بہتر ہے کہ زوجین کو دے دیا جائے کہ میت سے بہ نسبت نرے بیگانوں کے اقرب ہیں، اول کی علت عول پر قیاس ہے کہ جب وقت تنگی انہیں ان کے حق سے کم ملتا ہے تو وقت بیشی انہیں بھی اور ذوی الفروض کی طرح زائد ملنا چاہئے کہ الغنم بالغرم نقصان اٹھائیں تو نفع بھی پائیں،اور دوم کی علت فساد بیت المال ہے،یہ دونوں علتیں باہم متضاد ہیں جن کا اجتماع محال ہے،پہلی کا مقتضٰی ان کا استحقاق ہے اور دوسری کا مقتضٰی عدم استحقاق کہ اصل موضع بیت المال مانا اور اس کے فساد کے سبب ایک طرف پھیرا اور بیت المال اسی مال کا محل ہے جس کا کوئی خاص مستحق نہ ہو تو ان دونوں کو جمع کرنا جمع بین الضدین ہے،ہمارے علماء نے کہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس روایت کو ثابت نہ مانا یا قول عام صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کو اس پر مرجح جانا اور قیاس علی العول کو بے محل بتایا،رد علی الزوجین نہ مانا انہیں ان کا مستحق نہ جانا بیت المال تک جمیع مراتب کو اس پر مرجح رکھا ہاں جب بیت المال میں فساد آیا بضرورت اخیر درجہ انہیں اور ایک درجہ بنت معتق وذوی الارحام معتق واولاد رضاعی کو دلایا اگر ہمارے علماء روایت مذکورہ کو امیر المومنین سے ثابت مان کر اس مسئلہ میں برخلاف عامہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ان کی تقلید فرماتے یہ قیاس علی العول کو صحیح وماخوذ ٹھہراتے تو فساد بیت المال سے ہرگز تعلیل نہ کرتے نہ ذوالارحام سے لے کر موصی لہ بالزائد تک تمام مراتب نازلہ الرد کو اس پر تقدیم دیتے کہ اب وہ بالاستقلال مثل فرض باقی کے بھی مستحق ٹھہراتے تو مثل فرض اس حق میں بھی تمام نازلات عن الرد

[1] حاشیۃ الطحطاوی کتاب الفرائض باب العول المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۹۴

پر مقدم رہتے،

وھذا کلہ واضح جدا عند من الم بالفقہ الماما ونظر بالانصاف ماقدمنا او القی السمع وھو شھید۔	یہ سب کچھ اس شخص کے نزدیک خوب واضح ہے جس کو فقہ سے کچھ تعلق ہے اور وہ ماقبل میں مذکور ہمارے بیان کو انصاف کی نظر سے دیکھے یا کان لگائے اس حال میں کہ متوجہ ہو۔(ت)

فائدہ ۲۴: اقول: درمختار میں اول اپنے ائمہ کامذہب بیان فرمایا کہ زوجین پر رد نہیں پھر یہ کہ امیر المومنین سے رَد منقول ہوا، پھر یہ کہ امیر المومنین سے اس کے ثبوت میں کلام ہے، پھر یہ کہ فساد بیت المال کے باعث ہمارے زمانہ میں ان پر رَد کردیں گے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء رد علی ذوی الفروض النسبیہ کے درجہ میں اور ان کے ساتھ رد علی الزوجین کے ہرگز قائل نہیں کہ وہ درجہ استحقاق کا ہے اور یہ درجہ اس مال کا ہے کہ ضائع و بلا مستحق ہو **کما علمت ماقدمنا** (جیسا کہ تو جان چکا ہے اس بیان سے جس کو ہم پہلے ذکر کرچکے۔ت) مستحق و نامستحق کو ایک درجہ میں ٹھہرادینا کیسا باطل فاحش ہے نیز عبارت درمختار سے صاف معلوم ہوا کہ ہمارے علماء رد علی الزوجین کو سب میں اخیر مرتبے یعنی بیت المال منتظم سے بھی پیچھے رکھتے ہیں کہ بحال فساد انہیں دیتے ہیں، روشن ہوا کہ فساد نہ ہو تو انہیں نہ دیا جائے گا بلکہ بیت المال ہی میں رکھا جائے گا عبارت درمختار میں یہ دو قاہر دلیلیں نہ ہوتیں جب بھی ہمارے علماء کا اجماع ہے کہ **القران فی الذکر لایستلزم القران فی الحکم** (ذکر میں اقتران کو حکم میں اقتران لازم نہیں۔ت) تمام کتب میں اسے تعلیلات فاسدہ سے ٹھہرایا ہے نہ کہ ان روشن براہین کے ہوتے ہوئے یہاں ذکر کرنے سے یہ گمان فاسد لیجانا کہ علماء رد علی الزوجین کو رد علی ذوی الفروض النسبیہ ہی کے درجے میں اور اسی کے ساتھ مانتے ہیں ورنہ یہاں بیان نہ آتا یہ اوّلاً سخت جہل شدید ہے کہ ادنٰی طالبعلم سے بھی بعید ہے۔ ثانیًا اب معنی عبارت درمختار یہ ہوں گے کہ ازانجا کہ بیت المال فاسد ہوگیا لہٰذا علماء نے رد علی الزوجین اصلی مرتبہ رَد میں رکھ دیا اور ذوی الارحام و من تحتہم سب پر مقدم کردیا یعنی فاسد تو ہوگا بیت المال اور مارے جائیں گے ذوی الارحام و مولی الموالاۃ و مقرلہ و موصی لہ بالجمیع سب کے سب، گناہ ہوگا ایک سے اور پکڑے جائیں گے پانچ، یہ کون سی شریعت ہے، بفضلہٖ تعالٰی درمختار تو ایسے جنون سے منزّہ ہے زیادہ کیا گزارش ہو۔

فائدہ ۲۵: اقول: بفضلہٖ تعالٰی یہ مسئلہ ہم نے ایسے طور سے بیان کیا جس میں کسی

عاقل کو اصلاً جائے ریب نہ رہے ایسے دلائل قاہرہ کے بعد زیادہ تر تصریح کی حاجت نہیں ہوتی اور اگر اب بھی ہوس باقی ہو تو حاشیہ درمختار میں سید علامہ طحطاوی کا قول ادنٰی ذی فہم کو کافی ووافی۔ فرماتے ہیں:

الذخیرۃ ان الفاضل من سھام الزوجین لایوضع فی بیت المال بل یدفع الیھما لانھما اقرب الی المیت من جھۃ السبب من غیرھما وکذا الابن والبنت من الرضاع انتھی روح الشروح وفی حاشیۃ المولٰی عجم زادہ عن الخانیۃ ذکر الامام عبدالواحد الشھید فی فرائضہ ان الفاضل عن سھام الزوج والزوجۃ لا یوضع فی بیت المال بل یدفع الیھما لانھما اقرب الناس الی المیت من جھۃ السبب فکان الدفع الیھما اولٰی من غیرھما انتھی وقولہ لایوضع فی بیت المال کقول الذخیرۃ السابق یدل علی ان الدفع الیھما متعین لا ان الدافع مخیر بین الدفع الیھما والی بیت المال کما توھمہ اُخرا لعبارۃ بل ربما یکون المراد انھما اولی من نحو الجیران لما جری بینھما من الزوجیۃ[1]۔ (ملخصًا)	ذخیرہ میں ہے زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ زوجین کو دے دیا جائے گا کیونہ وہ بنسبت غیر کے، سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں۔ یہی حکم رضاعی بیٹے اور رضاعی بیٹی کا ہے انتہی روح الشروح۔ مولٰی عجم زادہ کے حاشیہ میں خانیہ سے منقول ہے، امام عبدالواحد شہید نے اپنے فرائض میں ذکر کیا کہ خاوند اور بیوی کے فرضی حصوں سے بچا ہوا مال بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا بلکہ ان ہی کو دے دیا جائے گا کیونکہ وہ سبب کی جہت سے میت کے ساتھ زیادہ قرب رکھتے ہیں بنسبت غیر کے، لہٰذا ان کو دینا غیر کو دینے سے اولٰی ہے انتہی۔ امام عبدالواحد کا قول مثل ذخیرہ کے قول کے کہ "بیت المال میں نہیں رکھا جائے گا" اس بات کی دلیل ہے کہ زوجین کو دینا متعین ہے۔ ایسا نہیں کہ انہیں دینے یا بیت المال میں رکھنے کا اختیار ہے جیسا کہ عبارت کے آخر سے وہم ہوتا ہے بلکہ بسااوقات مراد یہ ہوتی ہے کہ زوجین پڑوسیوں کی بنسبت اولٰی ہیں کیونکہ ان میں زوجیت کا تعلق جاری ہوا ہے۔ (ت)

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۷۲

زوجین کو دینا اوروں کو دینے سے اولیٰ بتانے سے جو یہ احتمال پیدا ہوا کہ اگر زوجین کو نہ دیں اور بیت المال فاسد میں دے دیں جب بھی جائز ہو اگرچہ خلاف اولیٰ ہو کہ ان کو دینا صرف اولیٰ ہی تھا اس کے رفع کو اسی عبارت امام عبدالواحد شہید کا سباق اور نص ذخیرہ پیش کیا کہ نہیں بلکہ انہیں کو دیا جائے بیت المال فاسد میں رکھنے کی اجازت نہیں اب اولویت کے لئے مفضل علیہ تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی تو ہمسائے بتائے اوّلاً اگر زوجین پر رد، مرتبہ رد میں ہوتا تو خاص مراتب مستحقین میں چار موجود تھے خصوصًا ذوی الارحام، تو انہیں سے اولویت کیوں نہ بتائی جاتی خارج المراتب سے ہمسایوں کو لانے کے لئے کیا معنی تھے۔ ثانیًا زوجین کے ہوتے ہوئے ہمسایوں کو دینے کا اگر جواز نہ ہوتا تو تفضیل اولویت کو بیت المال سے پھیر کر ہمسایوں پر رکھنا ہوتا کہ یہاں بھی وہی ایہام رہتا تو واجب کہ زوجین کے ہوتے جائز ہو کہ ان پر رد نہ کریں اور ہمسایوں کو دے دیں اگرچہ زوجین پر رَد اولیٰ ہے اور بداہۃً معلوم کہ ہمسائے میراث میں مستحق نہیں تو اگر زوجین مستحق رد ہوتے جیران کو دینا حلال نہ ہوتا لیکن حلال ہے تو زوجین مستحق رَد نہیں اور موصی لہ قطعًا مستحق ہے اور مستحق کی نا مستحق پر تقدیم بدیہی۔

فائدہ۲۶: اس سے بھی سیری نہ ہو تو مستصفی پھر معراج الدرایہ پھر علامہ شامی کا ارشاد:

الفتوی الیوم علی الرد علی الزوجین عند عدم المستحق لعدم بیت المال اذ الظلمۃ لایصرفونہ الی مصرفہ۔[1]	آج کے زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ زوجین پر رد کیا جائے گا کیونکہ بیت المال کے نہ ہونے کی وجہ سے مستحق معدوم ہے اس لئے کہ ظالم حکمران بیت المال کو اس کے مصرف پر خرچ نہیں کرتے۔(ت)

صریح جزئیہ ہے زوجین پر رد اس وقت بتاتے ہیں جب کوئی مستحق نہ ہو اور شک نہیں کہ موصی لہ بالزائد مستحقین سے ہے اگر اس میں بھی شک ہو تو یہی علامہ شامی موصی لہ بالزائد کی نسبت فرماتے ہیں:

ان المراد انہ یاخذ الزائد بطریق	مراد یہ ہے کہ وہ بطور استحقاق زائد مال

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۲

الاستحقاق[1]۔	کو لے گا۔(ت)

توصاف روشن ہوا کہ موصی لہ بالزائد کے ہوتے رد علی الزوجین نہ ہوگا۔ فتوٰی ۴ نے کہ یہ عبارت در مختار:

ثم مولی الموالاۃ ولہ الباقی بعد فرض احد الزوجین۔[2]	پھر مولی الموالاۃ اور وہ زوجین کے فرضی حصے سے بچ جانے والا مال لے گا۔(ت)

اور یہ عبارات شامی پیش کیں کہ ذوی الارحام کو فرمایا:

یاخذون کل المال اومابقی عن احد الزوجین لعدم الرد علیہما۔[3]	وہ کل مال لیں گے یا زوجین کے فرضی حصوں سے بچ جانے والا مال لیں گے کیونکہ ان پر رد نہیں ہوتا۔(ت)

مولی الموالاۃ کو فرمایا:

ان وجد احد الزوجین فلہ الباقی عن فرضہ۔[4]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہو تو اس کے فرض حصہ سے جو باقی بچا وہ مولی الموالاۃ کو ملے گا۔(ت)

مقرلہ کو فرمایا:

اذاکان احد الزوجین فیعطی مافضل بعد فرضہ۔[5]	اگر زوجین میں سے کوئی ایک موجود ہے تو اس کو فرضی حصہ دے کر جو بچ گیا وہ مقرلہ کو دیا جائے گا۔(ت)

یہ البتہ کافی نہ تھیں اور مخالف کو ان پر صریح گنجائش تھی کہ یہ قول ائمہ متقدمین پر ہے جو زوجین پر رَد نہیں مانتے الاتری الی قولہ لعدم الرد علیہما (کیا تو اس کے قول کو نہیں دیکھتا کہ زوجین پر رَد نہیں۔ت) اسی طرح مقرلہ کی نسبت یہ ارشاد علامہ شامی پیش کیا:

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸
[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۳
[3] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷
[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷
[5] ردالمحتار کتاب الفرائض باب العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۷

یکون ھذا الاقرار وصیۃ معنی۔[1]	یہ اقرار معنی کے اعتبار سے وصیت ہوگا۔(ت)

اور اس سے استنباط کیا کہ وصیت بالزائد رد علی الزوجین پر مقدم ہے اس کا بھی اوّلاً وہی جواب تھا، واقول: ثانیاً یہ اقرار اگرچہ قضاءً معنی وصیت میں ہوا اس لئے کہ اس کا نسب ثابت نہ ہوا اور نہ درجہ نسب میں جاکر مزاحم ورثہ ہوتا کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت) مگر وصیت اجنبی محض سے ضرور اقوی ہے کہ دیانۃً احتمال صدق مقر رکھتا ہے ولہٰذا اسے ایک نوع قرابت گنتے ہیں۔ سید علی السراجیہ و مجمع الانہر و درمختار و فتح المعین وغیرہا میں ہے:

وانما اخر ذٰلک عن المقر لہ بناء علی ان لہ نوع قرابۃ بخلاف الموصی لہ۔[2]	تہائی سے زائد مال کے موصی لہ کو مقرلہ سے مؤخر اس لئے کیا کہ مقرلہ کو ایک قسم کی قرابت حاصل ہے بخلاف موصی لہ کے۔(ت)

لاجرم و باجماع حنفیّہ موصی لہ بالزائد سے اقوی اور اس پر مرجح و بالا ہے تو رد علی الزوجین پر اس کی تقدم تقدیم وصیت بالزائد کو مستلزم نہیں لیکن کلام مذکور مستفتی کسی طرح اس تاویل کو قبول نہیں کرتا کہ یہ مذہب متقدمین کے موافق ہے یہاں تو خاص مسلک متاخرین ہی بیان فرمارہے ہیں تو قطعًا واضح ہوا کہ متاخرین اگرچہ رد علی الزوجین کے قائل ہوئے مگر جبکہ موصی لہ بالزائد بھی نہ ہو ورنہ عدم رد علی الزوجین پر حنفیّہ کرام کا اجماع ہے اسانید پیش کردیئے فتوٰی ۴ میں صرف ایک یہی سند مستفتی مصفی و مستصفی ہے۔

فائدہ۲۷: اقول: اگر اس سے بھی تسکین نہ ہو تو حاشیہ درمختار میں علامہ سید طحطاوی کا ارشاد لیجئے، عبارت مذکورہ درمختار یرد علیھم اجماعا لفساد بیت المال[3] (بیت المال کے فاسد ہونے کی وجہ سے بالاجماع ان پر رَد کیا جائے گا۔ت) پر فرماتے ہیں:

محل ھذا التعلیل القول بالرد علی الزوجین وبنات المعتق وارحامہ فانہ اذا لم یکن من مراتب المستحقین	اس تعلیل کا محل زوجین، معتق کی بیٹیوں اور اس کے ذوی الارحام پر رد کا قول ہے کیونکہ جب مستحقین کے مراتب میں سے کوئی نہ رہا سوائے بیت المال

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۸

[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۱

الابیت المال فان ھٰؤلاء یقدمون علیه لھذه العلة۔[1]	کے تو یہ مذکورہ لوگ بیت المال پر مقدم ہوں گے۔(ت)

کیسی صریح تصریح ہے کہ اصحاب فرائض بلکہ تجہیز و تکفین سے بیت المال تک جتنے مراتب بیان کئے گئے ان میں سے بیت المال کے سوا کوئی مرتبہ موجود نہ ہو تو اس وقت متاخرین کے نزدیک زوجین پر رَد کرتے ہیں موصی لہ بالزائد کا بھی ان مراتب میں ہونا ایسی بات نہیں جس میں کوئی آنکھوں والا شبہہ کرسکے، تو صاف روشن ہوا کہ موصی لہ بالزائد بھی اگر نہ ہو گا تو سب سے اخیر درجے زوجین پر رد کریں گے، اب اتنا باقی رہ گیا کہ کتاب میں صاف نام لے کر لکھا ہوتا کہ شاہ محمد کی وصیت زائدہ عالم خاتون پر رَد سے مقدم ہے ایسا جزئیہ البتہ نہیں مل سکتا نسأل اللہ السلامۃ (ہم اللہ تعالٰی سے سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ت)

تفریعات

(۷۱ تا ۷۴) فتوی ۸، ۶، ۳، ۱ کا موصی لہ بالزائد کے ہوتے زوجہ پر رد کرنا اجماع جمیع ائمہ کا خرق اور محض ایجاد بندہ ہے "مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ"[2] (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ت) اتنے امر میں یہ چاروں فتوے مشترک ہیں۔

(۷۵ تا ۷۸) موصی لہ بالزائد کا مرتبہ ہر غیر وارث سے مقدم ہے اور زوجین ماورائے ربع ونصف میں وارث نہیں کما فی الفائدۃ الرابعۃ عشر (جیسا کہ چودھویں فائدہ میں ہے۔ت) ان چاروں نے عکس کیا۔

(۷۹ تا ۸۲) چاروں نے تصریحات کتب معتمدہ کا صریح خلاف کیا کما فی الفوائد الثلثۃ الاخیرۃ (جیسا کہ آخری تین فوائد میں ہے۔ت)

(۸۳ تا ۸۶) چاروں نے رد علی الزوجین کو سب وارثوں سے مؤخر اور موصی لہ بالزائد پر مقدم کیا کما فی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترہویں فائدہ میں ہے۔ت) یہ ترتیب نوساختہ متقدمین متاخرین تمام عالم میں کسی کے مسلک پر منطبق نہیں۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۴/ ۳۹۴

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

(۸۷تا۸۹) فتوٰی ۱ نے اسی ترتیب ایجادی کا حوالہ درمختار اور ردالمحتار وغیرہ پر رکھا، عبارت فائدہ ۱۷ میں گزری اور توضیح مراد عنقریب آتی ہے یہ ان تینوں پر افتراء ہے اس ترتیب کا نشان نہ درمختار میں ہے نہ ردالمحتار میں نہ وغیرہ میں۔

(۹۰تا۹۲) فتوٰی ا کا قول مذکور بعد ادائے حصہ وصیت جس قدر بچے سب بیوہ کا حق ہوتا ہے جیسا کہ درمختار وردالمحتار وغیرہ میں صاف لکھا ہے۔ اقول: حصہ وصیت سے مراد وصیت بالغۃً مابلغت ہے یا صرف ثلث مال تک، اول عین مراد اور خود اپنے فتوٰی کا راد ہے واقعی ثلث یا نصف یا اس سے بھی زائد جتنی وصیت موصی لہ کی ہے وہ ثلث تک ترجیحاً نافذ ہوگی پھر زوجہ اپنا فرض پائے گی پھر باقی وصیت تمام وکمال نافذ کریں گے اس کے بعد بھی اگر کچھ بچے اور کوئی مستحق نہ ہو تو یہ باقیماندہ زوجہ پر رَد کریں گے یہاں کہ شاہ محمد کے لئے وصیت قدر ثلث سے بہت زائد تھی صرف مقدار ثلث پر محدود کرکے دو تہائی زوجہ کو دلا دینا باطل محض ہوا اور برتقدیر ثانی اگر مراد وہ صورت ہے کہ وصیت ہی ثلث سے زائد نہ ہو جب بھی صحیح اور خود اپنے فتوٰی کا رد صحیح ہے واقعی تہائی سے زیادہ وصیت ہی نہ کی ہو تو جتنی وصیت ہے موصی لہ کو، پھر احد الزوجین کا حصہ مقررہ اس کو دے کر باقی کا جب کوئی مستحق نہیں احد الزوجین پر رد کردیں گے مگر یہاں تو وصیت ثلث سے زائد تھی وہ زوجہ پر کیونکر رد ہوئی، اور اگر مراد عام ہے کہ اگرچہ وصیت ثلث سے زائد یا جمیع مال کی ہو صرف ثلث وصیت دیں گے باقی سب زوجہ کو پہنچائیں گے ربع فرضاً وباقی رداً اور بے شک یہی مراد مفتی ہے تو یہ قطعاً باطل محض اور درمختار وردالمحتار اور وغیرہ تینوں پر افترا ہے کسی کتاب معتمد میں ہرگز صاف نہیں لکھا کہ وصیت زائد علی الثلث اور زوجہ ہو تو وصیت صرف ثلث تک نافذ کرکے باقی سب زوجہ کو دیں گے۔

(۹۳تا۱۰۱) فتوٰی ۳ وفتوٰی ۶ وفتوٰی ۸ ہر ایک نے تین عبارتیں نقل کیں جو صریح اس کا رَد تھیں اور نادانستہ انہیں اپنی سند بنایا کما فی الفائدۃ الثانیۃ عشر (جیسا کہ بارہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۲،۱۰۳) فتوٰی ۸،۶ نے رد علی الزوجین کو مرتبہ رد مان کر رد کی چار صورت مجمع علیہا سے جن میں خلاف کی بو اصلاً کسی کتاب متقدم یا متاخر میں نہیں دو صورتیں صاف کردیں کما فی الفائدۃ الخامسۃ عشر (جیسا کہ پندرھویں فائدہ میں ہے۔ت) فتوٰی ۸ میں تو اس کی تصریح ہے اور فتوٰی ۶ نے قیاس علی العول پر بڑا زور دیا، اور اس سے مرتبہ رَد میں رکھنا صاف لازم

کمافی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین (جیسا کہ تیئسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۴، ۱۰۵) فتوی ۶، ۸ پر لازم کہ زوج وزوجہ کے ساتھ تمام ذوی الارحام کو ہمیشہ محروم کریں اور یہ اجماع حنفیّہ کے خلاف ہے کمافی الفائدۃ السادسۃ عشر (جیسا کہ سولہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۶، ۱۰۷) باایںہمہ فتوی ۶، ۸ کا ماننا کہ متوفی کے اقارب سے کوئی بھی موجود ہو توزوجین پر رد نہ کریں گے صریح تناقض ہے کمافی الفائدۃ السابعۃ عشر (جیسا کہ سترہویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۸) فتوی ۶ کا برخلاف مذہب وبرخلاف عامہ صحابہ کرام روایت منسوبہ امیر المومنین ذی النورین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے استناد مخدوش ہے کمافی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۰۹، ۱۱۰) فتوی ۶ کا برخلاف مذہب قیاس علی العول پر اعتماد محض مردود، ائمہ مذہب کے روشن جوابوں سے آنکھیں بند کرکے خود حکم مذہب کو بے وجہ اوراس پر عمل کو روایت ودرایت دونوں کے برخلاف کہنا سخت ودریدہ دہنی وجسارت مطرود۔ کمافی الفائدۃ الثانیۃ والعشرین (جیسا کہ بائیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۱) فتوی ۶ کا قول کہ اگر متوفی کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو تو بچا ہوا ترکہ احد الزوجین کو دیں گے یہی قول حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افتراء کی حد کو پہنچا ہے امیر المومنین سے اس قید کے ساتھ ہرگز یہ کہیں منقول نہیں۔ کمافی الفائدۃ الحادیۃ والعشرین (جیسا کہ اکیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۲) فتوی ۸ کا قول کہ درمختار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں رد علی الفروض النسبیہ کی دلیل میں بھی فساد بیت المال ہی کو پیش کیا ہے محض نافہمی ہے۔ کمافی الفائدۃ التاسعۃ عشر (جیسا کہ انیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۳) فتوی ۸ کا زعم مذکور کہ ذوالفروض النسبیہ پر رد کی علت ہمارے مذہب میں بھی فساد بیت المال ہے محض باطل وخیال محال ہے کمافی الفائدۃ العشرین والثالثۃ والعشرین (جیسا کہ بیسویں اور تیئسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۴، ۱۱۵) فتوی ۸ کا قول کہ درمختار کی عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین رَدہی کے

درجہ میں رَد علی الزوجین کے قائل ہیں جہل بعید بھی ہے اور ظلم شدید بھی۔ کما فی الفائدۃ الرابعۃ والعشرین (جیسا کہ چوبیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۱۶) فتوی ۸ کا قول مجھے کسی ایسی روایت کا علم نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ موصی لہ بجمیع المال موجود نہ ہو تو رد علی الزوجین ہوگا ورنہ نہیں اور میرے خیال میں یہ کسی کامذہب نہیں اپنی سخت ناواقفی کا اظہار اور کمال نادانی کا اقرار ہے جو اس کے خیال میں کسی کامذہب نہیں قطعًا وہی مسلک متاخرین ہے اور جو اس کے خیال میں مختار متاخرین ہے قطعًا کسی حنفی کا مسلک نہیں **کما ظھر وزھر اظھر وازھر من الشمس والقمر** (جیسا کہ ظاہر و روشن ہوا اور سورج و چاند سے بڑھ کر ظاہر اور روشن ہوا ہے۔ت)

(۱۱۷ تا ۱۲۱) فتوی ۴ نے جو پانچ عبارات درمختار وردالمحتار پیش کیں سب بے محل و ناکافی تھیں **کما فی الفائدۃ السادسۃ والعشرین** (جیسا کہ چھبیسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۲۲) فتوی ۴ کی عبارت اخیرہ سے استنباط ہرگز نہیں **کما فیھا**۔

(۱۲۳) فتوی ۴ کا قول سیدنا امیر المومنین ذی النورین کی حدیث اور ان سے بیان وجہ رد علی الزوجین کا اگرچہ درمختار میں اس کا ماعلیہ اور شامی میں جواب مبین ہے تاہم قطع النظر ان دونوں امروں کے ہم کو بالراس والعین منظور ہے مگر رد علی الزوجین کا موقع ملحوظ نہ کرنا اور موصی لہ بجمیع المال سے مقدم رکھنا خلاف عقل و نقل ہے جب اسے مذہب امیر المومنین مان لیا اور اسے اور عول پر قیاس کو بالراس والعین منظور کرلیا تو اب رد علی الزوجین آپ ہی مرتبہ رد میں آگیا اور اسے مان کر اسے موصی لہ بالزائد سے مؤخر ٹھہرانا ہی خلاف عقل و نقل ہے **کما فی الفائدۃ الثالثۃ والعشرین** (جیسا کہ تیئسویں فائدہ میں ہے۔ت)

(۱۲۴) فتوی ۴ کا قول ہمارے فقہاء نے رد علی الزوجین کی علت مرارًا یہ بیان فرمائی ہے لفساد بیت المال وہ قول اور قیاس عول تسلیم کرکے اس کے جواب میں یہ تعلیل پیش کرنا خلط مبحث و جمع بین الضدین ہے **کما فیھا**۔

تنبیہ: اگرچہ فتوی ۴ نے بھی جابجا موصی لہ بجمیع المال سے بحث کی اور اسی کا نام لیا جس سے ظاہر کہ شاہ محمد کا موصی لہ بالجمیع ہونا اسے بھی مسلم حالانکہ اس کا ثبوت نہیں **کما تقدم** (جیسے کہ پیچھے گزرا۔ت) مگر ازانجا کہ فتوی ۴ مقدمہ دائرہ کا بیان احکام نہیں

کرتا وہ صرف ایک بحث تقدیم وتاخیر رد علی الزوجین پر تقریر ہے جس پر شاہ محمد کے موصی لہ بجمیع یا بالزائد دون الکل ہونے سے کچھ اثر نہیں پڑتا اور ممکن کہ وہ اس نے مشائعۃً للخصوم لکھا ہو لہذا یہ اس کے اغلاط میں معدود نہ ہوا۔

الحمدللہ تحقیق اپنے ذروہ علیا کو پہنچی اور تمام مسائل متعلقہ کا انکشاف منتہی کو۔ اب بتوفیقہ تعالٰی جواب سوالات کی طرف توجہ کریں اور صرف بیان حکم پر قناعت اکثر حکم کی دلیل وسند افادات میں واضح ہوچکی، وللہ الحمد۔

جواب استفتائے چیف کورٹ بہاولپور

(ا) اجنبی کے نام وصیت ثلث متروکہ بعد اداء دین تک مطلقًا نافذ ہے اگرچہ ورثہ اجازت نہ دیں اور زائد علی الثلث میں بے اجازت ورثہ نافذ نہیں اگر وارث احدالزوجین کے سوا ہو اور اگر صرف احدالزوجین وارث ہو تو ثلث تک وصیت اجنبی تقدیمًا نافذ ہوگی پھر باقی کا ربع یا نصف زوجہ یا زوج کو دے کر ما بقے میں بقیہ وصیت اجنبی نافذ کریں گے اگرچہ زوجہ یا زوج اجازت نہ دے، رہی وصیت وارث وہ بے اجازت ورثہ مطلقًا نافذ نہیں اور اگر تنہا وہی وارث ہو تو اس کے لئے وصیت صحیح ہے، پھر اگر اس کے ساتھ کسی اجنبی کے لئے وصیت بھی نہیں تو وارث اگر غیر زوج وزوجہ ہے تو کل مال بحکم میراث لے لے گا اسے وصیت کی حاجت نہیں، اور اگر زوج یا زوجہ ہے تو پہلے اپنا فرض لے کر باقی میں اس کی وصیت عمل کرے گی اب بھی کچھ بچا تو اسی کو بحکم رد ملے گا۔ اور اگر کسی اجنبی کے لئے بھی وصیت ہے تو اگر اس نے وصیت وارث کو قبول کرلیا حق تقدم کہ وصیت اجنبی کو ملتا ساقط ہوگیا ورنہ اجنبی کی وصیت ثلث مال تک اول نافذ کرکے باقی سے وارث کو میراث دیں گے اگر وہ وارث غیر احد الزوجین ہے کل باقی ارثًا لے لے گا اور خود اس کے لئے جو وصیت تھی نفاذ کا محل نہ پائے گی، اور اگر احدالزوجین ہے تو اس باقی سے اس کا فرض ربع یا نصف دے کر اس کے بعد جو بچے اس میں اس کی وصیت اور اگر اجنبی کی وصیت ہنوز ناتمام رہی تھی تو اس کے ساتھ بھی دونوں حسب حصص نافذ ہوں گے ان سے کچھ نہ بچا تو ظاہر ورنہ جو باقی رہا احدالزوجین کو بحکم رد دے دیں گے۔

(ب) اس کا جواب سوال اول میں آگیا۔

(ج) اس کے بھی فقرہ اول کا جواب ہوگیا، اور دوم کا جواب کہ بعد ادائے دین جس قدر

بھی باقی بچے خواہ اس کی وصیت اجنبی کے لئے کی یا نہ کی اس سب کا ثلث نفاذ وصیت اجنبی میں لحاظ کیا جائے گا وصیت نافذ انہیں اشیاء میں ہوگی جن کی وصیت اس کے لئے کی ہے ان کے ماوراء اور کسی شیئ سے کچھ نہ پائے گا ہاں وصیت حصہ شائعہ مثل ربع مال وغیرہ کی ہے تو جملہ متروکہ بعد ادائے دَین میں بقدر وصیت حصہ دار ہوگا۔

(د) وصیت اجنبی بمازاد علی الثلث رد علی الزوجین پر شرعًا باجماع ائمہ حنفیّہ مقدم ہے اقوال اقتباس شدہ میں جو خلل وزلل ہیں اوپر واضح ہوچکے۔

(ہ) اس کا مفصل جواب شافی ووافی افادہ ثانیہ عشرہ میں گزرا اور نصوص صریح سے ثابت کردیا کہ متاخرین کے نزدیک بھی رد علی الزوجین کا مرتبہ وصیت زائدہ سے دو درجے مؤخر ہے **واللہ تعالٰی اعلم**۔

جواب استفتائے ججی خانپور

(۱) ہاں یہ وصیت مرض الموت میں ہوئی اور اس سے جواز وصیت پر کوئی اثر خلاف نہیں پڑتا۔

(۲) اگر ثابت ہو کہ مدعیہ بعد وفات شوہر وصیت شاہ محمد کو قبول کرچکی تھی جیسا کہ شاہ محمد کا دعوی ہے تو بے اعتراض مدعیہ محض نامسموع اور شاہ محمد کے لئے وصیت اپنی اخیر حد تک جائز ونافذ ورنہ اعتراض کا اتنا اثر ہوگا کہ ثلث کل مال بعد اداء الدین کی حد تک صرف مکانات واثاث البیت میں وصیت شاہ محمد نافذ کرکے باقی کل مال مکان واسباب وغیرہ سب کا ربع زوجہ کو دیں گے پھر صرف باقی مکانات واثاث البیت شاہ محمد کو بحکم وصیت ملیں گے باقی جو کچھ بچا سب زوجہ کا ہوگا وصیۃً خواہ ردًّا۔

(۳) ان زیوروں سے مدعا علیہ کو کسی حال کوئی ذرہ نہیں مل سکتا وہ تمام وکمال عالم خاتون کے ہیں انہیں چھوڑ کر باقی تمام مال کے لحاظ سے جواب نمبر ۲ کا حکم جاری کریں گے مگر مکانات واثاث البیت کے سوا کوئی اور زیور متروکہ بھی شاہ محمد کے پاس ہے جیسا کہ دعوی زوجہ ہے تو اس میں سے شاہ محمد کو حصہ نہ دیں گے اس کا حصہ صرف مکانات واثاث البیت میں ہوگا۔

(۴) اخراجات تجہیز وتکفین کا بار ترکہ خواہ عالم خاتون کے حصے پر ہونے کا یہاں کچھ ثبوت نہیں بلکہ صورت روداد سے ظاہر کہ وہ صرف ایک تبرع تھا کہ شاہ محمد نے اپنے محسن کے ساتھ اس کی درخواست پر کیا۔

(۵) ہاں وہ وصیت شرعًا جائز وموثر ہے اور اسے ایک حصہ مکان بحکم جواب نمبر دوم وراثۃً ملنا اس کے نفاذ کا کچھ مانع نہیں۔ پس اگر مدعیہ اعتراض سے پہلے وصیت مدعاعلیہ کو قبول کرچکی تھی تو جملہ مکانات واثاث البیت کا مالک شاہ محمد خاں ہے اور دو ثلث مکانات میں حق وآسائش عالم خاتون کو تاوقتیکہ وہ نکاح ثانی نہ کرے اور اگر مدعیہ نے اس کی وصیت کو نہ مانا تھا تو ثلث کل مال کے حد تک مکانات واثاث البیت کا حصہ شاہ محمد کو ایک ربع عالم خاتون کو ملے گا ان دونوں حصص کے بعد جو حصہ مکانات بچا اس میں وقت مذکور تک عالم خاتون کو حق سکونت بحکم وصیت ہوگا۔

(۶) ہاں ظروف میں بھی وصیت استعمال زوجہ کے لئے جائز ہوئی اگرچہ بروئے جواب نمبر ۲ کچھ حصہ ظروف کی وہ مالک مستقل ہوجائے اور حق متوفی میں رہنے کی شرط اس وصیت میں نہ تھی یہ وصیت تاحیات زوجہ نافذ رہے گی اگرچہ وہ نکاح ثانی کرلے اور اس کا نفاذ اسی طور پر ہوگا کہ بحال قبول وصیت دو ثلث کل ظروف ورنہ بعد اخراج وصیت تاحد ثلث مال واخراج حصہ ربع باقی میں نافذ ہوگی اور بہرحال خاص موقع محفل امامین شہیدین کہ جس قدر ظروف کہ شاہ محمد کو ضرورت ہو اتنے اس وقت خاص میں اس وصیت زوجہ سے مستثنٰی ہوں گے۔

(۷) جو حصہ مال میں جس کا ہے اس کے عین سے اس کو دیا جائے گا قیمت لینا دینا صرف رضامندی ہر دو فریق پر منحصر ہے اس میں حاکم کو کسی چیز کا اختیار نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

حکم اخیر

(۱) (سامعہ عہ) کہ وہ زیور تمام وکمال عالم خاتون کے ہیں شاہ محمد خاں کا اس میں کچھ حق نہیں اور ازانجا کہ وہ ان میں ملک عالم خاتون تسلیم کرکے عالم خاتون کو تسلیم کرچکا اب وہ نفاذ وصیت شاہ محمد خاں کے لئے ثلث مال میں محسوب بھی نہ ہوں گے۔

(۲) وہی زیور حسب اقرار زوجہ مہر زوجہ میں ہیں اس سے زائد کسی تفتیش کی حاکم کو حاجت نہ بلادعوی قضا کی اجازت۔

(۳) خرچ تجہیز وتکفین شاہ محمد خاں نے تبرعًا کیا لہٰذا ترکہ اس بار سے بھی بری ہوا اب نہ رہی مگر عالم خاتون کے میراث اور مکانات اثاث البیت میں مدعی ومدعاعلیہ دونوں کی وصیت مدعیہ کا دعوی کہ شاہ محمد کے پاس ترکہ کے اور زیور بھی ہیں شاہ محمد کا دعوی کہ مدعیہ بعد وفات شوہر اس کی وصیت کو قبول کرچکی ہے، اب چار ۴ صورتیں ہیں:

اوّل: دونوں دعوے ثابت ہوں مثلاً شاہ محمد نے اور زیوروں کااقرار کرلیا یاعالم خاتون نے اسے گواہوں سے ثابت کردیا یاشاہ محمد پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کرگیایونہی عالم خاتون نے قبول وصیت بعد وفات شوہر کااقرار کرلیایاشاہ محمد نے اسے گواہوں سے ثابت کردیایاعالم خاتون پر قسم رکھی اور وہ قسم کھانے سے انکار کرگئی۔

دوم: دونوں بے ثبوت رہیں۔

سوم: عالم خاتون کادعوی ثابت ہواورشاہ محمد خاں کاپایہ ثبوت کونہ پہنچے۔

چہارم: اس کاعکس۔

صورت اولیٰ میں جملہ مکانات واثاث البیت کامالک شاہ محمد خاں ہے اوران کے دو ثلث سے انتفاع کاحق عالم خاتون کو ہے مکانات سے تانکاح ثانی اوراثاث البیت سے مطلقاً اگرچہ نکاح ثانی کرلے صرف ظروف بقدرضرورت محفل امامین رضی اللہ تعالٰی عنہما اس وقت خاص میں مستثنٰی ہیں بہرحال اثاث البیت سے کوئی چیز مطلقاً جب تک عالم خاتون زندہ ہے اور دو ثلث مکانات سے جب تک وہ نکاح نہیں کرتی شاہ محمد خاں بیچ نہیں سکتا، رہاوہ دوسرا زیور کہ شاہ محمد کے پاس ہے اس کی تنہا مالک عالم خاتون ہے ربع فرضًا باقی ردًا۔

صورت ثانیہ میں مکانات واثاث البیت کاایک سدس عالم خاتون کا پانچ سدس شاہ محمد خاں کے ہیں اورنصف مکانات واثاث البیت سے حسب تفصیل مذکور صورت اولیٰ عالم خاتون کو حق انتفاع ہے اوراسی تفصیل سے اس نصف کے بیع کاشاہ محمد خاں کواختیار نہیں۔

صورت ثالثہ میں مکانات واثاث البیت اوروہ زیور دوم سب کی قیمت لگاکراس کے ثلث کے حدتک شاہ محمد کو مکانات واثاث البیت سے دیاجائے باقی مکانات واثاث البیت اورکل زیور دوم ان سب کاربع عالم خاتون وراثتًہ پائے اس کے بعد مکانات واثاث البیت میں حصہ رہااس کے رقبہ کامالک شاہ محمد خاں اوربتفصیل سابق اس کی منفعت کی مالک عالم خاتون اور تین ربع باقیماندہ زیوردوم عالم خاتون کو بحکم رد۔

صورت رابعہ کاحکم مثل صورت اولیٰ ہے سوائے حکم زیوردوم کہ وہ اس صورت میں موجود نہیں۔

تنبیہ: ظاہر مرادیہ کہ متوفی کے ذمہ اور کوئی دَین نہیں اس بناپر یہ تمام تفاصیل ہیں اوراگراور بھی دَین ہوتواب یہ تحقیق بھی لازم ہوگی کہ وہ پہلے زیور کہ (سماعہ عہ) کابتایاگیاعالم خاتون کے

مقدار حصہ سے زائد ہے یا نہیں اس تقدیر پر تقسیم میں بہت تبدیل راہ پائے گا اگر یہ صورت ظاہر ہو تو اس دَین کی تعداد اور مہر مثل کی مقدار اس کے متعلق تمام امور کی تحقیق کے بعد صورت موجودہ بتا کر سوال کرنا چاہئے۔

وباللہ التوفیق واللہ تعالٰی اعلم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین وبارك وسلم اٰمین والحمدللہ ربّ العٰلمین۔	توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔اور اللہ تعالٰی ہمارے سردار ومالک محمد مصطفٰی اور آپ کے تمام آل واصحاب پر درود، سلام اور برکت نازل فرمائے، آمین۔اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۵۹: از شہر علی گڑھ محلّہ مدار دروازہ مرسلہ عمر احمد سوداگر پارچہ بنارسی ۴ربیع الاول ۱۳۳۴ھ

ہندہ کے نہ ماں باپ بھائی بہن نہ اور کوئی رشتہ دار ہے جو سوائے زید کے وارث ہو، ہندہ کے پاس ذاتی اس کا اسباب پندرہ بیس روپیہ کا تھا اور دو تین سو روپیہ کا اسباب زید کا دیا ہوا ہے جو زید کے پاس ہے، زید سے ہندہ نے اپنے مال کی بابت کچھ نہ کہا، زید نے ہندہ سے کہا کہ تم منت مانو کہ اچھے ہونے پر میں کنواں بنواؤں گی اگر تم مرجاؤگی تو میں کنواں اور مرمت مسجد کرادوں گا تمہارے مال میں سے ایک حبّہ نہ لُوں گا میں جو دے چکا وہ تمہارا ہے میں وہ ان شاء اللہ خیرات کردوں گا بلکہ اپنے پاس سے اور جو مجھ کو میسر ہوگا لگادوں گا، ہندہ نے اور شخصوں سے کہا کاش میں مرجاؤں تو میرا کل مال بیچ کر مسجد یا کنواں بنادینا کہ مجھ کو ہمیشہ ثواب ملتا رہے، زید سے اس وجہ سے نہ کہا کہ زید خود کہا کرتا تھا کہ میں تمہارا مال خیرات کردوں گا، پس اس صورت میں زید وہ مال بیچ کر کنواں اور یا مرمت مسجد کراسکتا ہے یا نہیں کیونکہ سوائے زید کے اس کا کوئی وارث نہیں ہے، کنواں بنوادینے کا زیادہ ثواب ہے یا مرمت مسجد کا؟ مردہ کو کس سے زیادہ ثواب ملے گا؟ اور کس سے اُسے زیادہ نفع ہوگا؟ کیا حکم شریعت ہے؟

الجواب:

جو مال ہندہ کا تھا وہ تو تھا ہی جو زید نے بنواکر دیا اس کی بھی ہندہ مالک ہوگئی، بعد وفات ہندہ اس کے نصف کا زید وراثۃً مالک ہوا، اگر اس کی وصیت کو قائم رکھتا ہے اور یہی

اسے چاہئے کہ وہ وعدہ کرچکا ہے وعدہ خلافی نہ چاہئے جب تو وہ کل مال حسب وصیت صرف کردے ورنہ نصف صرف کرنا ضرور ہوگا مسجد کی اصل عمارت اگر اپنی بقا کے لئے محتاج مرمت ہے تو وہ ہی کنویں سے افضل ہے اور اگر مرمت گچکاری اور سفیدی سے مراد ہے تو کنواں اس سے افضل ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰: ازکاٹھیاواڑ دھوراجی محلہ سپاہی گران مرسلہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

یہ وصیت نامہ قابل عمل ہے یانہیں؟ اگر قابل عمل نہیں ہے تو یہ لوگ جن کو فیصلہ کرنے کے واسطے کرگیا ہے کیا کرنا چاہئے اگر اس وصیت نامہ پر عمل نہ کرادیں تو مقدمہ کورٹ کو جائے گا اگر حقدار کمی بیشی پر باہم راضی ہوجائیں تو عمل کرایا جائے موصی کو مرے ہوئے چھ سات برس کا عرصہ ہوگیا اس درمیان میں خورد ونوش اور ایک لڑکی کی شادی اسی مال سے ہوئی۔ اس کی کیا صورت ہے اور وہ لڑکی بالغہ ہے شریعت کے مطابق تقسیم پر حصہ زوجہ کو کم ملتا ہے اور وصیت کے مطابق ٹھیک ملتا ہے وہ وصیت پر راضی ہے اس صورت میں اس کو زیادہ دے کر باقی حصہ سب شریعت کے مطابق ہوں تو یہ جائز ہے جن کو موصی وصیت کرگیا اور حکم مقرر کرگیا ہے عدم جواز کی صورت میں ان کو کیا کرنا چاہئے، کنارہ کشی یا حکم کرنا؟ علاتی بھائی کے مال سے حصہ ترکہ مثل حقیقی کے ہے یا کم وبیش؟

الجواب:

ملاحظہ وصیت نامہ سے ظاہر کہ حاجی محمد نور محمد صاحب نے اپنی زوجہ آئی حور اور دو دختر آمنہ و حلیمہ اور برادرزادے چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے مال میں ایک طویل وصیت کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ چار چار ہزار چار چار سو روپے دونوں دختروں کو دیئے جائیں فرزند عائشہ کے نام جو رقم کمپنی میں جمع ہے اس کی لڑکی حلیمہ کو دی جائے میری جائداد منقولہ وغیر منقولہ زوجہ کو دی جائے جب اس کا انتقال ہوجائے اس کے بعد ہزار ہزار روپے لڑکیوں کو اور دیئے جائیں اور بقیہ ملکیت بھتیجوں پر برابر تقسیم کردی جائے اور میری روح کو ثواب پہنچانے کی غرض سے ہزار روپیہ مدرسہ کو دیا جائے بعد انتقال زوجہ یہ تین ہزار وضع کرکے باقی کل بھتیجوں کو دینے کے لئے مختاروں کو حکم کرتا ہوں چھ شخصوں بلکہ سات یعنی زوجہ کو بھی اپنا وصی کیا کہ لکھا کہ مختاروں یعنی اوصیائے مذکورین کو آئی حور کی زندگی میں اس کی صلاح کے موافق عمل کرنا چاہئے نیز لکھا میری زوجہ کے مشورہ سے

صرف کریں۔

اب یہاں تین قسم کی وصیتیں ہیں:

اوّل: حلیمہ بنت عائشہ کے نام اس کا حکم یہ ہے کہ عائشہ حاجی محمد کی بیٹی کہ اس کے سامنے انتقال کر گئی جیسا کہ عبارت وصیت نامہ سے مفہوم ہوتا ہے جو رقم کمپنی میں اس کے نام سے جمع ہے اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی تھی جب تو بعد وفات عائشہ حاجی محمد اس میں سے صرف اپنے حصہ پدری کا مالک ہوا اگر عائشہ نے وارث یہی دختر حلیمہ اور باپ چھوڑے تو بعد عائشہ نصف رقم حاجی محمد کی ہوئی اور اگر عائشہ کے اور وارث بھی رہے مثل شوہر وغیرہ تو حساب فرائض سے جو حصہ حاجی محمد کا نکلے بہر حال یہ وصیت کہ حاجی محمد نے حلیمہ بنت عائشہ کے لئے کی وہ صرف اس حصہ پر نافذ ہوگی جو اس روپے میں حاجی محمد کا ہوا اور اگر وہ رقم عائشہ کی ذاتی نہ تھی بلکہ حاجی محمد نے اپنے مال سے اس کے نام جمع کی تھی تو اس میں دو صورتیں ہیں اس وقت اگر عائشہ نابالغہ تھی تو کل رقم عائشہ کی ہوگئی،

فان الجمع باسمها تملیك هذا عرفا وهبة الاب للصغیر تتم بمجرد الایجاب۔	بیشک اس کے نام سے جمع کرنا عرف کے اعتبار سے تملیک ہے، اور نابالغ کے لئے اس کے باپ کا ہبہ فقط ایجاب سے تام ہو جاتا ہے۔(ت)

یونہی اگر بالغہ تھی اور جمع کرنے سے پہلے حاجی محمد نے عائشہ کو وہ رقم دے کر قبضہ کرا کر اس کے بعد جمع کی جب بھی کل رقم عائشہ کی ہوئی ان صورتوں کا بھی وہی حکم ہوگا جو عائشہ کے ذاتی مال ہونے میں تھا اور اگر عائشہ اس وقت بالغہ تھی اور اسے بے قبضہ دلائے یہ رقم اس کے نام جمع کردی اور تا وفات عائشہ باذن پدر اس کے قبضہ میں نہ آئی تو ہبہ باطل ہوگیا،

لان موت احد العاقدین قبل التسلیم یبطلها کما فی الدر[1] وغیرہ۔	کیونکہ سپردگی سے پہلے عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہبہ کو باطل کردیتی ہے، جیسا کہ درو غیرہ میں ہے(ت)

اس صورت میں وہ کل رقم ملک حاجی محمد ہے اور وہ سب حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ہے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

دوم: ہزار روپے مدرسہ کے لئے، یہ وصیت اگرچہ اس نے انتقال زوجہ کے بعد رکھی مگر وصیت قابل اضافت بزمانہ آئندہ ہے لانھا لاتکون الامضافة لما بعدالموت (کیونکہ وصیت نہیں ہوتی مگر اس حال میں کہ وہ موت کے بعد کی طرف منسوب ہو۔ت) درمختار میں ہے:

ماتصح اضافته الی الزمان المستقبل الایصاء و الوصیة۔[1]	جس کی نسبت آئندہ زمانے کی طرف صحیح ہوتی ہے وہ ایصاء ووصیت ہے۔(ت)

تو اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہی ہوگا۔ یہ دونوں وصیتیں یعنی جو رقم بنام عائشہ جمع ہے کل یا اس میں سے جو حصہ حاجی محمد ہو اور ہزار روپے مدرسہ کے یہ مجموع اگر حاجی محمد کے ثلث مال سے زائد نہیں تمام وکمال بے اجازت ورثہ نافذ ہوں گے ورنہ تا حد ثلث، اور اگر ان کا مجموعہ ثلث مال سے بھی بڑھتا ہو تو ثلث مال حاجی محمد، ان دونوں وصیتوں پر حصہ رسد تقسیم ہوگا۔

سوم: باقی وصیتیں دونوں دختروں اور زوجہ کے نام ابتداءً اور بعد موت زوجہ دونوں دختروں اور بھتیجوں کے لئے، یہ سب وصیتیں وارث کے لئے ہیں اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ اصلاً مقبول نہیں۔

کما فی الکتب قاطبة وفی الحدیث ان اللہ اعطی کل ذی حق حقه[2] لاوصیة لوارث الا ان یجیزھا الورثة۔[3]	جیساکہ تمام کتابوں میں ہے۔ حدیث میں ہے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا، خبردار وارث کے حق میں وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔(ت)

پس اگر ورثہ اس وصیت پر راضی نہ ہوں تو ثلث متروکہ میں حلیمہ بنت عائشہ اور مدرسہ کی وصیتیں حسب تفصیل بالا نافذ کرکے جو مقدار حلیمہ بنت عائشہ کے لئے وصیت ٹھہرے اسے دے دیں اور جو حصہ مدرسہ کا ثابت ہو یعنی مجموع ہر دو وصیت مدرسہ و حلیمہ بنت عائشہ ثلث مال سے زائد نہ ہونے کی حالت میں پورے ہزار روپے ورنہ بحساب حصہ رسد جتنا روپیہ مدرسہ کا ٹھہرے اس کے لئے محفوظ رکھیں کہ اس کا نفاذ بعد انتقال زوجہ ہوگا بقیہ جائداد منقولہ وغیر منقولہ

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب المتفرقات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۴

[2] سنن ابی داؤ کتاب الوصایا ۲/ ۴۰ وجامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/ ۳۳، سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص۱۹۹ وسنن النسائی کتاب الوصایا ۲/ ۱۲۹

[3] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

سب حسب فرائض تقسیم کردیں، یوں کہ اس میں آٹھواں حصہ زوجہ کا اور دو ثلث آمنہ وحلیمہ بنت موصی کے باقی بھتیجوں کا۔ اگر اس پر ناراضی ہو تو مختاروں کو خلاف حکم شرع کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ مقدمہ کورٹ کو جائے خواہ کچھ ہو، بحال عدم اجازت دیگر ورثہ مختاروں کو یہ بھی جائز نہیں کہ زوجہ کو اس کے حق شرعی سے زیادہ دیا تو باقیوں پر مطابق شرعی تقسیم کریں بلکہ جب ایک وارث کو اس کے حق شرعی سے زائد دے کر باقی حصے مطابق شرعی تقسیم کب ہوئی کہ شریعت سے ان کا زائد تھا اور دیا کم۔ مختاران مذکورین وصی ہیں حکم نہیں نہ بے رضائے فریقین کوئی حکم بن سکتا ہے اگرچہ موصی اسے حکم بناتا کہ موصی کو نزاع ورثہ فیصل کرنے کے لئے کسی کو حکم بنانے کا اختیار نہیں۔

اذ لیس لہ علیھم ولایۃ الحکم لاسیما بعد الموت فکیف یولی علیھم غیرہ للحکم۔	کیونکہ موصی کو خود ان پر حکم کی ولایت حاصل نہیں خصوصًا موت کے بعد، تو وہ کسی دوسرے کو ان پر حکم کا ولی کیسے بنا سکتا ہے۔(ت)

لہٰذا اگر ورثہ راضی نہ ہوں مختاروں کو کنارہ کشی لازم ہے اپنی طرف سے کچھ حکم نہیں کرسکتے ہاں ورثہ سب عاقل بالغ ہوں اور آپس میں جیسی کمی بیشی پر چاہیں راضی ہوجائیں تو وہ اس کا اختیار رکھتے ہیں اس کے مطابق عمل کرایا جائے لان الحق لھم ولاحجر علیھم من الشرع (کیونکہ حق ان کا ہے اور ان پر شرع کی طرف سے کوئی پابندی نہیں۔ت)

مسئلہ ۱۶۱: از شہر بریلی مرسلہ اہلیہ کلاں حکیم اکرام الدین صاحب مرحوم معرفت عبداللہ ملازم محلہ کٹرہ بروز شنبہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

حضرت مولوی صاحب قبلہ مدظلہ العالی بعد سلام مسنون کے یہ عرض ہے کہ جناب والا سے مجھے ایک سوال کا جواب حاصل کرنا مقصود ہے یہ کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی ضرورت کے پورا کرنے کو بطریق قرض کچھ زیور دیا اور یہ کہا کہ یہ زیور رہن کرکے اپنا کام انجام دے لو بعد کو واگزاشت کراکے دے دینا کچھ عرصہ کے بعد یعنی واگزاشت زیور سے قبل دائن یعنی مالک زیور کا انتقال ہوگیا مدیون کو ایک ثالث شخص کی زبانی یہ دریافت ہوا ہے کہ دائن قبل انتقال کے یہ وصیت کی ہے کہ اگر میرا انتقال ہوجائے تو زیور واگزاشت کرنے کے بعد یہ زیور مجھ دائن کے بیٹے کو نہ دیا جائے بلکہ میرے پوتے کو دیا جائے۔ اطلاعًا یہ بھی عرض ہے کہ دائن کی وصیت بیان کرنے والے ایک معمولی شخص ہیں کچھ مقدس یا ابرار برگزیدہ شخص نہیں پھر بھی ممکن ہے کہ دائن نے بعالم بدحواسی وہ وصیت کردی ہو مریض کے مرض کی شدت میں یا مرنے سے کچھ وقت پہلے

حواس درست نہیں رہتے ہیں اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے، یہ بھی اطلاع کرنے کی ضرورت ہے کہ دائن کا پسر جو ہے وہ شراب خوار نہیں ہے قمار باز نہیں ہے کسی طرح کی بدچلنی یا آوارگی کی بھی بالکل شہرت نہیں ہے بجائے اس کے بہت غریب اور تنگدست آدمی ہے، مرحوم کا پوتا جو ہے وہ بعمر پانزدہ سالہ ہے اور سعادت مند نیک چلن نہیں ہے اس کی آوارگی سے یہ ضرور اندیشہ ہے کہ اگر یہ زیور دائن کے پوتے کو دیا جائے گا تو ضرور ضائع کردے گا، زیور قیمتی کم وبیش پانچسو روپے کا ہے، اس ہفتہ میں زیور واگزاشت ہوگیا ہے اب یہ زیور دائن کے پسر کو دینا چاہئے یا کہ پوتے کو؟ جواب مناسب مع دستخط ومہر مرحمت فرمایا جائے، فقط۔

الجواب:

جس نے زیور عاریت لیا تھا اسے چاہئے مالک زیور کے سب وارثوں کو جمع کرکے ان کے سپرد کردے، اور اگر صرف ایک بیٹا ہی اس کا وارث ہے تو اسی کو دے دے وہ وصیت اس شخص سے تعلق نہیں رکھتی، نہ یہ اسے بطور خود نافذ کرنے کا کچھ اختیار رکھتا ہے خصوصًا اس حالت میں کہ وہ ابھی پایہ ثبوت کو بھی نہیں پہنچی، ایک شخص اور وہ بھی ثقہ نہیں، وہ وصیت اگر مالک نے واقع میں کی ہے تو جسے کی ہے تو ایسا کرنا وہ وصی ہوا اس کے ذمہ اس کی فکر ہے ورثہ اگر صرف اس بیان پر وصیت تسلیم کرلیں اور سب عاقل بالغ ہوں ثلث مال میں نافذ کریں اور اگر نہ مانیں تو اسے گواہان شرعی سے ثبوت دینا ہوگا بے ثبوت نافذ نہ کی جائے گی یہ وصیت اگر خود ہی عاریۃً لینے والے کو کی ہے تو اس کے لئے یہی حکم ہے۔ **وھو تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۲: از ضلع نینی تال موضع درؤ اشفاق حسین خاں روز شنبہ بتاریخ ۲۶رجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ مورث عثمان خان مرحوم نے ایک رقم بخیال مصرف خیر ایک عزیز امین صاحب کے امانت رکھ دی تھی جس کو بارہ برس گزرگئے ہنوز آدھی رقم موجود ہے اسی زمانہ میں عثمان خاں مرحوم کے مرنے کے بعد ہی ایک لڑکے اور دو بیٹی مرنے سے کام خراب ہوگیا اب ایک نور چشم اندھی اور دو پوتی اور ایک بہو زندہ موجود ہیں پردہ نشین اندھی لاوارث بیٹی وبہو خواہش ظاہر کرتی ہیں کہ ہمارے باپ کی خیراتی رقم امانت شدہ سے ہمارے اور ہمارے دوسرے بچوں نابالغ کے خیرات میں ہے مزور مش عـــہ معلوم ہوجائے تو دوسروں کی خیرات

عـــہ: اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

اور در در کی امداد سے بچیں، اب امین صاحب چراغ سحری صدسالہ نے بوجہ پیری وپیرانہ سالی اپنے جملہ کار اپنے سعادت مند برخوردار کے تفویض فرماکر امید کرلی ہے کہ مثل امین صاحب کے نیک کاموں مصرف خیر کی رقم ضروریات تعمیر مسجدوں وبیاہ شادیوں میں محتاجوں کو حسب ضرورت آئندہ تقسیم کردی جائے گی لہذا اس رقم مصارف خیر سے مورث اعلیٰ کی بیٹی پردہ نشین اپنی اور اپنی بھتیجیوں کی تعلیم وخورد نوش کے واسطے بمد خیرات خیرات مانگتی ہیں امین صاحب اس معاملہ رقم مصرف خیر کو علماء کی رائے پر چھوڑتے ہیں پس بمقابلہ امانت دائمی ورفتہ رفتہ مستحسن طریقہ پر خرچ وصرف ہونے کے برخلاف ان بچوں کے ترتیب وتعلیم قرآن حقیقی اندھی لاوارث بیٹی نمازی پردہ نشین کی صرف طعام وبیوہ بہو باعصمت کی خورش وصرف بطریقہ خیرات میں رقم خرچ وواپس دے دینے سے امین صاحب مخدوم مواخذہ گیر خدا ورسول کے نہیں ہوسکتے ہیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عثمان خاں نے اگر وہ رقم امین صاحب کے پاس خیرات کرنے کے لئے امانت رکھی اور اس کے ساتھ کوئی لفظ وصیت کا نہ تھا کہ بعد میرے جو مال بچے وہ بھی یونہی خیرات ہو یا ہوا کرے جب تو عثمان خاں کے مرتے ہی وہ مد باطل ہوگئی اور باقیماندہ جس قدر رقم تھی وارثان عثمان خاں کی مِلک ہوگئی اب امین کو جائز نہیں کہ کوئی پیسہ بے ان کی اجازت صحیحہ کے خیرات کرے اور لازم ہے کہ باقی تمام رقم وارثان عثمان کو واپس دے اور اگر الفاظ وصیت تھے تو ان لفظوں کی تفصیل اور یہ کہ باقیماندہ رقم املاک عثماں خاں بعد ادائے دَین کے قدر ثلث سے زائد ہے یا نہیں، زائد ہے تو کس قدر، اور بعد عثمان خاں امین نے اس میں سے کچھ خرچ کیا یا نہیں، کیا تو کس قدر، اور باجازت یا بلا اجازت، ان سب باتوں کی تفصیل اور یہ بھی کہ عثمان خاں پر کوئی دَین تھا یا نہیں، اور تھا تو کس قدر۔ ان سب باتوں کی تفصیل معلوم ہونے پر جواب دیا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۳: از نینی تال موضع وڈاکخانہ کچھا یک شنبہ ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اٹھارہ سو روپیہ عمر کے پاس جمع کرکے اپنے حقیقی بھتیجے اور حقیقی داماد سے کہا کہ جس وقت دو ہزار روپیہ ہوجائیں گے تو اس وقت رقم مذکورہ سے کوئی جائداد خرید کرکے وقف کردوں گا، اس پر برادر زادہ نے بخیال دور اندیشی سے کہا کہ اس رقم موجودہ سے آج ہی کسی مدرسہ اسلامیہ کی امداد فرمایئے تاکہ آپ کے روبرو یہ رقم خرچ ہو جائے، تب زید نے جواب دیا کہ رقم ہنوز پوری نہیں ہے، پھر زید نے بیٹے سے کہا کہ چھوٹا لڑکا میرا جو

اس وقت خواندگی میں ہے بشرط نیک چلنی وسعادتمندی کے رقم مذکور کواس کے سپرد کردوں گاتاکہ بعد موت میری کے فی سبیل اللہ آمدنی اس روپیہ کی خرچ کرتا رہے اوراصل روپیہ قائم رکھے درصورت بدچلنی کے جائداد خرید کرکے خانہ کعبہ کے نام کردوں گا۔ ہنوز مشرط مختلف خیالات اور تنہا کی ہوئی وصیت اور تعداد رقم دوہزارروپے پورے نہ کرسکے تھے کہ زید صاحب کا انتقال ہوگیا اور تعدادی انیس سوپچیس روپے کی رقم کارِ خیر کے سوادوسرے جائداملک توسوروپے کے خرید شدہ ذاتی اور متروکہ خوشدامن زیدوسالی لاولد وزوجہ منکوحہ خود قیمتی صدسوروپیہ کے مالک بن کراپنی حیات میں ثبات عقل کے ساتھ مبلغ پندرہ سوروپیہ کے کل جائداد ملک سہ برخورداران بالغ ونابالغ کے نام بسبب بخل وبیم حق رسی مردونورچشمان شادی شدہ کے تحریر رجسٹری کرادی تحریر شدہ جائداد اورر جسٹری کے ڈھائی تین انداز ازیادہ سے زیادہ چارسال کے بعد سب سے بڑالڑکا میرااس کے شرعی حصہ سے جو متروکہ تھا پھر دوبارہ ہمشیریں کو جبریہ محروم رکھاگیا، اب زید کی حقیقی بیٹی نابینانمازی عمرپچپن سالہ اورسالی کا لڑکا عمرپینتالیس برس اورلڑکی سالی کی عمرپچاس برس بحلف نائب رسول اللہ کے سامنے شہادت دینے کو تیار ہیں اوربیان کرتے ہیں کہ چشم دید گفتگو وزوجہ ہندہ زمانہ علالت ونیزعلالت سے قبل بصورت رضامندی وبصورت مناقشہ ماں باپ زندہ ومُردہ عورت یگانہ وغیرہ وعزیز سے روبرومیرے یامیرے باپ کے سامے یاہمارے یاہمارے خالوپھوپاکے بالمشافہ لینے زیدکے روبرو ہمیشہ ہمیشہ یہ دریافت ہوتارہے کہ رقم عدم معافی قرض دی مہرکے جوتعدادی پانچہزارروپیہ پچاس اشرفی محمدشاہی بتلاتے ہیں دوسرا قرضہ زرنقد کسی دوسرے شخص کازیدپرنہ تھا جن کے بالعوض زیدنے اپنی زندگی میں بامیددائمی چراغ روشن خیالی سے انفیاط حقوق نورچشمان کرکے صرف مردفرزندوں کوکل اپنی جائداد ملک معافی پرمثل ذات خودمالک اصلی بنادیا تھا اور خود سرپرست اورولی بن کرآمدنی ملک فرزندان اپنے قبضہ میں اورآمدنی پیشہ ملازمت سے مبلغ دوہزارروپے کی رقم پوری نہ کرسکتے تھے کہ فوت ہوگئے حضورکے فتوی کے جواب میں پرسش دین کے جواب میں حلفاً دریافت حال کرکے واقعات اصلی لکھے گئے لیکن زیدصاحب نے اپنی زندگی یابیماری میں کوئی خاص مجمع جمع کرکے یاکسی بالغ بیٹابیٹی کے مشورہ سے یادیگر شہادت معتبرورثاء یاعزیزورثاء کی موجودگی میں حالات مذکورہ وتذکرہ وصیت میں اپنی اصلی اصل رائے ظاہر مصرف خیر نہیں کی ہاں صرف عمر صاحب سے زیدنے چندمزید روپے کے جمع کرنے کے ہنگامہ [عہ] تذکرہ کردیاتھاکہ اس مال جمع کوکارخیر میں خرچ کردینا عمر صاحب نے

عہ: اصل میں ایساہی ہے۔ازہری غفرلہ۔

اس زید کے قول کو بطور وصیت تصور کرکے دو ثلث روپیہ وارثان زید کو اور ایک ثلث روپیہ سے کچھ روپے حصہ بلااجازت وارثان مذکور دو ایک کام میں مثل جدید مسجد بنانے میں اور سید صاحب کی لڑکی کے مصارف جہیز میں اور چاہ بنانے میں خرچ کردیا، اب یہ فعل عمر صاحب کا جائز ہے یا نہیں، اور وصیت اس قسم کی درست ہے یا نہیں، بقیہ روپیہ ثلث کا بعد عرصہ بارہ برس کے بھی یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنے سے بچا ہوا اب قریب قریب تین سو پچیس روپیہ کے عمر صاحب کے پاس موجود ہے اس روپے کو پانے کے واسطے مورث اعلیٰ زید کی بیٹی اندھی اور دو پوتے بعمر ایک سال وہفت سالہ ہیں مصرف خیر سے اپنے رفع محتاجی کے واسطے خیرات مانگتی ہے محتاجی وپریشانی کے سبب موجودہ عدالت کے خرچ وصرف جدا بجائے جھگڑا عدالت سے وامیں۔ منجملہ اصلی رقم ثلث مبلغ چھ سو پچاس کے اب تین سو پچیس باقی ہیں۔ حقدار زید کی نور چشمی نابینا، زید کے فرزند خالد کی بیوہ، اولاد حقیقی تین بچے ہفت سالہ وایک سالہ دوسرا بچہ، دوسرا زید کا فرزند بکر لاوارث مرا زوجہ سے دین شرعی وصول کیا۔ صرف اتنے ہی حقدار موجود ہیں، اس زمانہ میں جبکہ زید کا روپیہ تقسیم ورثاء پر ہونا چاہئے تھا تو صرف کے فرزند خالد و بکر و نور چشمی زندہ تھے۔ روپیہ ثلث بھی محض مصروفیت [عہ۱] زبانی پر تقسیم ہو کر باقی رہا اب وہ پارسال جملہ فوت ہوگئے۔

الجواب:

یہ سوال متعدد بار آیا اور ہر بار مختلف اور خود اس بار کہ سب سے مشورہ سے لکھا جانا بیان کیا اس ایک ہی پرچہ میں اختلاف ہے۔ اوپر لفظ یہ ہیں کہ خرچ کردوں گا اور آخر میں کہ خرچ کرنا سائل نے وقت استفسار بیان کیا کہ یہ صرف عمرو مدعی وصیت کا بیان ہے اور وہ بھی اتنا ہی بیان کرتا ہے کہ یہ کہا تھا کہ خرچ کردینا، اس سے زائد لفظ اضافت معتبرہ فی الایصال [عہ۲] نہ تھا صورت واقع اگر یہ ہے تو وہ وصیت نہ ہوئی وہ تمام وکمال روپیہ بعد مرگ زید وارثان زید کی ملک ہوا ان میں سے جس عاقل بالغ نے عمرو کے ان تصرفات کو اپنی طرف سے جائز رکھا ہو فبہا اور اگر عمرو کے بیان سے دھوکہ کھا کر وصیت سمجھ کر اجازت دی ہو تو وہ اجازت بھی معتبرہ نہیں کہ غلط گمان کی بناء پر ہے **ولاعبرۃ بالظن**

عہ۱: اصل میں ایسا ہی ہے۔ ازہری غفرلہ

عہ۲: کذا فی الاصل ولعل الصواب فی الایصاء۔ ازہری غفرلہ

البین خطأہ[1] (جس کی خطا ظاہر ہو اس میں ظن کا اعتبار نہیں۔ت)
اور جو عاقل و بالغ نہ تھا اس کی اجازت تو کسی طرح معتبر نہیں، صرف اس پہلی صورت کے سوا یعنی جس عاقل بالغ نے نہ بربنائے وصیت بلکہ از طرف خود اجازت دی ہو اس کے حصہ کے سوا باقی تمام ورثاء کے حصص اس روپے سے کہ عمرو نے مساجد وغیرہ میں صَرف کیا ان کا تاوان دینا عمرو پر فرض ہے اور بقیہ جو تین سو پچیس رہ گیا ہے لازم ہے کہ وارثان کو دے ورنہ حق العباد میں گرفتار رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۴: مسئولہ شیخ محمد انعام الٰہی صاحب سوداگر لیمپ صدر بازار میرٹھ ۵ صفر ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنی بیماری میں اپنا جملہ زر نقد وزیور واسباب وغیرہ جو ذاتی تھا اور بوقت شادی دیا گیا تھا وہ اور جو شوہر زید کے یہاں سے شادی میں چڑھایا گیا تھا جس کو زید نے دین مہر میں نہیں دیا اور نہ ہبہ کیا وہ کل کا کل اپنے برادر حقیقی وغیرہ کو وصیت کرکے فوت ہوگئی، اب عندالشرع شوہر اپنے مال کا جو بطریق رسم ورواج کے چڑھایا گیا تھا جس کو اس نے ہبہ نہیں کیا تھا مالک ہے یا نہیں؟ اور زوجہ کے مال میں سے شوہر کا حصہ ہے یا نہیں؟ اور مسماۃ متوفیہ لاولد کی وصیت کل مال میں اپنے شوہر کے جاری ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

چڑھاوے کا حکم اس قوم کی رسم ورواج پر موقوف ہے اگر ان میں عرف یہ ہے کہ عاریۃً چڑھاتے ہیں اور زوجہ کی ملک نہیں کرتے تو وہ چڑھاوے کی مالک نہیں اور اس میں اس کی وصیت باطل ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً تملیک کردی ہو کہ میں نے تجھے اس کا مالک کردیا یا تجھے ہبہ کردیا اور اگر وہاں عرف یہ ہو کہ بطور تملیک ہی چڑھاتے ہیں تو زوجہ بعد قبضہ مالک ہوگئی اور اس میں اسی کا اختیار ہے مگر یہ کہ شوہر نے صراحۃً نفی تملیک کرکے چڑھایا ہو کہ میں تجھے اس کا مالک نہیں کرتا مِلک میری ہی رہے گا، لاولد زوجہ کے ترکہ میں شوہر کا نصف ہے مگر دَین ووصیت کے بعد وصیت تہائی مال میں بے اجازت ورثہ نافذ ہوگی مگر عورت کا باپ یا دادا اس کے بعد رہا تو بھائی کے حق میں وصیت جائز ہے ورنہ بے اجازت ورثہ اصلاً جائز نہیں کہ وہ خود وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السابعۃ عشرۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۹۳

مسئلہ ۱۶۵: مرسلہ مستجاب خاں صاحب از ریواڑی ضلع گوڑگانوں ۹صفر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہذا میں کہ زید حج کو جاتے وقت حاجی علی جان والوں کے پاس سے سات سوروپیہ کی ہنڈوی لکھوالے گااوران کی بہی میں یہ الفاظ لکھواگیاکہ اگرمیں یہ روپیہ ہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکاتومسماۃ ثمرالنساء بیگم کوجومیری حقیقی بھاوج ہے برمکان مولوی محمد سعید کوچہ پنڈت دہلی میں روپیہ مل جائے اورزبانی بھی مولوی محمد سعید صاحب سے اوردوتین شخصوں سے کہہ گیاکہ میں نے فلاں صاحب کے یہاں سے سات سوروپے کی ہنڈوی لکھوالی ہے اوربہی میں مذکورہ بالابیان لکھوادیاہےاس کے بعد وہ جب حج کوگیاتواثنائے راہ میں زید موت ہوگیاچونکہ متوفی کنوارااولاولد تھا اورحقیقی بھتیجا بھی نہیں چھوڑاتھا اس لئے زید کے متروکہ مال کے اس کے چچازاد، بھتیجے عصبہ ہونے کی وجہ سے سرکاری سرٹیفکیٹ حاصل کرکے قابض ومالک ہوگئے، جائداد متروکہ حسب ذیل ہے:

(۱) مکان مالیتی تقریبًا دوہزارروپیہ

(۲) دوہزارروپے نقد جوبنک میں جمع تھے۔

(۳) پانچسوروپے جوڈاک خانہ میں جمع تھے۔

میزان کل چارہزارپانچ سوروپے۔

مبلغ سات سوروپے جوزید کی بھاوج نے حاجی علی جان والوں کے یہاں سے بہی کی تحریر کے مطابق وصول کئے تھے ان کا بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ ہماراہی حق ہے اب سوال صرف یہ ہے کہ آیا عندالشرع وہ عصبات مذکورہ ان سات سوروپے کے مستحق ہیں یابہی کی تحریراورزبانی دوتین شہادتوں کے سبب مسماۃ مذکور ثمرالنساء بیگم اس کی مالک حقدار ہے کیونکہ ہنڈوی کی رقم مذکورہ رقومات کی نسبت ایک تہائی سے کم ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجرپائیے۔ت)

الجواب:

زید کاوہ لکھوانا کہنا نہ مرض الموت میں تھانہ اس میں اپنے بعدکاذکرہنڈوی کے ذریعہ سے مکہ شریف میں نہ لے سکا معنی موت میں متعین نہیں لہٰذا کسی طرح وصیت کی حد میں نہیں آسکتافلاں کومل جائے ہبہ وودیعت دونوں کو محتمل اورودیعت اقل تو وہی متعین، معہذااوراگرہبہ صریح ہوتاجب بھی قبضہ ثمرالنساء بعد موت واہب ہواتوموت قبل قبضہ سے ہبہ باطل ہوگیا،

فی الدرالمختار من موانع الرجوع	درمختار موانع الرجوع میں ہے کہ میم سے مراد

والمیم موت احدالعاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل۔[1]	واہب اور موہوب لہ میں سے ایک کی موت ہے سپردگی کے بعد، اور اگر سپردگی سے قبل موت واقع ہوئی توہبہ باطل ہوجائے گا۔(ت)

بہرحال اس سات سو میں ثمرالنساء بیگم کا کوئی حق نہیں واجب ہے کہ ورثہ کو واپس دے۔ **واﷲ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۶: مسئولہ مادی حسین صاحب بریلی محلہ ذخیرہ ۱۴شعبان ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے بعزم حج بیت اﷲ شریف اپنی حقیت ملک کو فروخت کیا اور اپنا سکونتی مکان زید (اپنے ہمشیرزادہ) کی لڑکیوں کے نام نصف نصف باضابطہ لکھ دیا اور قبل روانگی اپنی حقیت کی قیمت میں سے مبلغ پچاس روپیہ اس نیت سے کہ زید مذکور کی کنواری دختر کے نکاح میں کام آئیں گے زوجہ عمرو کے پاس بطور امانت چھوڑے اور یہ کہا کہ میں آئی یا نہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقد کے صرف کا ہے اس کی خبر زید کو نہ کرنا اگر کسی نوع سے اس روپیہ کی خبر اس کو ہو بھی جائے تو اس کو ہرگز نہ دیا جائے وعلاوہ ازیں چھ عدد بالیاں طلائی زید مذکور کی بڑی دختر کے پاس ہندہ نے چھوڑیں جس کا علم پورے طور پر نہیں کہ کس غرض سے چھوڑیں، آیا اس کو ہبہ کردیں یا کیا کریں، کوئی کہتا ہے کہ زید کی دونوں لڑکیوں کی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ہندہ اپنی موت حیات اور فاتحہ درود کے واسطے چھوڑ گئی ہے، زید کی بڑی لڑکی کہتی ہے کہ مجھے دے ڈالی ہیں میں مالک ہوں، غرض اس کے بعد ہندہ ہمراہ زید مذکور مع اس کی کنواری دختر کے مکہ معظمہ زادہا اﷲ شرفاً وتعظیماً چلی گئی بعد حج مدینہ طیبہ جاکر ہندہ نے قضا کی اور زید مع اپنی کنواری دختر کے واپس وطن آیا ہندہ نے اپنی وفات کے بعد دو چچیرے بھائی چھوڑے جن میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا اور اس نے دو پسر اور ایک دختر منکوحہ اپنے وارث چھوڑے، زید مذکور کی دختر کا عقد اس کے نانادادی کے صرف سے ہوگیا کیونکہ عجلت کی وجہ سے زوجہ عمرو سے ہندہ متوفی کے امانتی روپیہ کا بروقت نکاح زید کی لڑکی کے بندوبست نہ ہوسکا جو اس دم کام آتا اب زوجہ عمرو سے ہندہ متوفیہ کے روپیہ کی ہر طرف سے مانگ ہے زید کہتا ہے کہ ہندہ کا روپیہ مجھے دینا اس معنی کر کہ ہندہ نے اس کو طفولیت سے پالا

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ باب الرجوع فی الہبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

اور پرورش کیا ہے اور زید کی لڑکی مذکورہ کہتی ہے کہ مجھے ملنا چاہئے اس لئے کہ میری شادی کے واسطے ہندہ چھوڑ گئی تھی۔ اور ہندہ کے چچیرے بھائی متوفی کے وارث کہتے ہیں کہ ہم ہندہ متوفیہ کے متروکہ پانے کے بذریعہ اپنے پدر متوفی کے مستحق ہیں اگر ہندہ متوفیہ کا روپیہ دیا جائے تو ہم کو دیا جائے، صورت مسطورہ میں ہندہ متوفیہ کا روپیہ کس کو ملنا چاہئے اور بالیان مذکورہ بالا کا کیا کرنا چاہئے؟ فقط۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

فقط نیت سے کچھ نہیں اور یہ الفاظ کہ میں آئی یا نہ آئی یہ روپیہ زید کی کنواری لڑکی کے عقد کے صرف کا ہے یہ بھی حد وصیت میں نہیں آتے صرف اسی قصد ونیت کا اظہار کرتے ہیں بالیاں کہ وہ زید کی بڑی لڑکی کے پاس چھوڑ گئی صرف اس کے کہنے سے کہ مجھے دے ڈالی ہیں اس کی نہیں ہوسکتیں جب تک گواہان شرعی سے ثبوت نہ ہوگا لہٰذا وہ پچاس روپیہ اور بالیاں سب متروکہ ہندہ ہیں حسب شرائط فرائض اس کے چچازاد بھائی موجود اور دوسرے بھائی کی اولاد وزوجہ کو ہر ایک کو بقدر اس کے حصے کے دیئے جائیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۷: مسئولہ حاجی محمد نور اللہ از محلّہ قاضی ٹولہ بریلی ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ مرض الموت میں ابراء دین یا ہبہ مال یا زوجہ کو مرض الموت میں انتقال کے چند روز قبل معاف کردینا مہر کا درست ونافذ ہے یا نہیں؟ دیوبندی وتھانوی وغیرہم کہتے ہیں کہ اس کا بھی نفاذ ثلث سے ہوگا۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مرض الموت میں ابراء یا ہبہ مال کا ہو یا دین کا، وصیت ہے۔ اور وصیت وارث کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ باطل ہے، اور شوہر وارث ہے۔ درمختار باب اقرار المریض میں ہے:

ابراؤہ (ای المریض) مدیونہ وھو مدیون غیر جائز ای لایجوز ان کان اجنبیا وان وارثا فلایجوز مطلقًا سواء کان المریض مدیونا اولا۔[1]	مریض کا اپنے مقروض کو قرض سے بری کرنا جبکہ خود مریض مقروض ہو، ناجائز ہے یعنی اگر مقروض اجنبی ہو اور اگر وہ مقروض اس مریض کا وارث ہو تو مطلقًا ناجائز ہے چاہے مریض مقروض ہو یا نہ ہو۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الاقرار باب اقرار المریض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۳۶

ہاں اگر شوہر وقت موت زن وارث نہ رہے مثلاً عورت کو طلاق دے دی پھر وہ مرگئی تو اب یہ ابراء وہبہ ثلث سے نافذ ہوگا وارث ہونے نہ ہونے میں وقت موت مورث کا اعتبار ہے۔ درمختار کتاب الوصایا میں ہے:

یعتبر کونہ وارثاً اوغیروارث وقت الموت لاوقت الوصیۃ علی عکس اقرار المریض للوارث۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	کسی کے وارث یا غیر وارث ہونے کا اعتبار مورث کی موت کے وقت ہوگا نہ کہ وصیت کے وقت۔ یہ حکم وارث کے لئے مریض کے اقرار کے برعکس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۸: از اسلام نگر ضلع بدایون مرسلہ محمد نوشہ علی صاحب سب اسسٹنٹ سرجن شفاخانہ ۸ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

ہندہ نے اپنی جائداد فروخت کرکے زرثمن اپنی بھانجی کے پاس بطور امانت رکھا اور بارہا اس نے یہ وصیت اپنے دیگر رشتہ داروں سے کی کہ میری خوردونوش اور مصارف تجہیز و تکفین کے بعد جس قدر روپیہ باقی رہے اس کو حسب منشا تجویز علمائے دین کسی خیراتی مصرف میں لگادیا جائے اگر میری وصیت پر عمل نہیں کیا گیا تو حشر میں اس کے خلاف کرنے والوں کے دامنگیر ہوں گی ہندہ مذکورہ کا یہی روپیہ ذریعہ اوقات بسری تھا چنانچہ اسی وجہ سے وہ کسی خیراتی کام میں نہ لگاسکی ہندہ کی حالت حیات میں اس کے کچھ رشتہ دار اور ورثاء میں سے کسی سے اس کو کچھ امدانہ ملی اب ہندہ فوت ہوئی اس کے ورثاء میں سے دو بھائی اور ایک بیوہ بہن اور ایک بیوہ بھاوج موجود ہیں بھائی دونوں مرفع حال ہیں بہن بیوہ کی خبرگیری اس کا داماد کرتا ہے بیوہ بھاوج کا ایک سوتیلا لڑکا ہے جو بہت کم مدد کرتا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ بحالت مذکورہ بالا وصیت پر کہاں تک عمل ہوگا یا کل ترکہ میں یا جزو ترکہ خیرات کردیا جائے گا، اور اس کا صرف کرنے کا مجاز کون ہوگا، آیا امین یا ورثاء اور صحیح مصرف اس کا کیا ہے، اگر ورثاء میں سے کسی کو حق پہنچا تو ان کے حصص شرعی کیا ہوں گے؟

الجواب:

اس کے مال میں سے اگر اس پر کچھ قرض ہو ادا کرکے باقی کی تہائی میں یہ وصیت نافذ ہوگی باقی دو تہائی بہن بھائی کا حق ہے، دو حصے بھائیوں کے اور ایک بہن کا، اور ثلث وہاں کے علماء

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۸

اہلسنت کی صوابدید سے کسی مصرف خیر میں صَرف کیا جائے اور یہ صرف اس کے ہاتھ سے ہوگا جن کو یہ وصیت کی تھی کہ ایسا کرنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۶۹: از درگاہ مخدوم صاحب قدس سرہ العزیز ڈاکخانہ سندیلہ ضلع ہردوئی مرسلہ سید فراست حسین صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ فخر النساء نے وفات پائی اور ورثہ ذیل چھوڑے:

مسماۃ فخر النساء ناکتخدا مرد

خال	خالہ	جدہ یعنی نانی	عم الاب	ابن عم الاب	اخت حقیقیہ
سید واجد علی	صدیقۃ النساء	والدہ سید واجد علی	سید محمد ذکی	سید فراست حسین	قمر النساء

لہٰذا صورت مسئولہ میں کون شخص وارث حقدار ہے اور اس کا حصہ کتنا ہے اور کون محجوب الارث ہے نیز یہ امر واضح رہے کہ مسماۃ فخر النساء کے قبضے میں وہ جائداد ہے کہ اس کو اس کے والد ریاست حسین نے پہلے اپنی زوجہ رؤف النساء یعنی مادر فخر النساء کو دین مہر میں دے دی، پھر مسماۃ رؤف النساء نے اپنے مرض موت میں بذریعہ وصیت نامہ کے سید واجد علی کو ولی بنا کر اپنے ہر دو دختر مسماۃ فخر النساء و قمر النساء کو دے دی سید واجد علی ماموں مسماۃ قمر النساء نے کچہری بندوبست میں بدرخواست و برضامندی اپنی بنام دختران فخر النساء و قمر النساء کے داخل خارج کرادیا۔

الجواب:

اگر رؤف النساء کے یہی تین وارث تھے دو دختر اور ایک بھائی، اور رؤف النساء نے دختروں کے نام وصیت کی تو وہ کل جائداد اس بناء پر کہ برادر نے اس وصیت کو جائز و نافذ کیا دونوں دختروں کی مِلک ہوگئی سید واجد علی کا اس میں کچھ حق نہ رہا۔ حدیث میں ہے:

لاوصیۃ للوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

اب کہ فخر النساء نے انتقال کیا نصف یہ جائداد کہ اس کا حصہ ہے اور اس کے علاوہ اور جو متروکہ فخر النساء ہو حسب شرائط فرائض چھ سہام منقسم ہو کر ایک سہم نانی اور تین سہم قمر النساء اور

[1] سنن الدار قطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

سید محمد ذکی کو ملیں گے سید فراست حسین بوجہ بُعد درجہ اور سید واجد علی وصدیقۃ النساء بوجہ ذوی الارحام ہونے کے محروم ہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۰: ازرائے پور گول بازار سی بی مرسلہ محمد اسمٰعیل بیگ ۱۰جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی ہندہ سے زید کے ایک لڑکا بکر تھا، بکر کی دو بیبیاں شکورن وغفورن تھیں، شکورن سے دولڑکے اور غفورن سے ایک لڑکا بکر کے تھا، بکر اپنے والد زید کی زندگی ہی میں انتقال کرگیا، لڑکے تینوں نابالغ تھے، اسی عرصہ میں زید کاانتقال بھی ہوگیا، شکورن نے اپنے دونوں لڑکوں کا حصہ جو بکر کے والد زید کے ترکہ سے انہیں پہنچتا تھاچونکہ دونوں لڑکے نابالغ تھے اس لئے بہ حیثیت ولی جائز، غفورن نے اپنی ملکوں کوفروخت کردیا، پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا یہ بیع جائز ہے یا کیا؟ اور شکورن اپنے دونوں نابالغ لڑکوں کی طرف سے ازروئے شرع شریف ولی قرار پاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

ماں کواصلاً اختیار نہیں ہے کہ وہ نابالغوں کاحصہ بیع کرے، نہ مال کی ولایت ماں کو ہوتی ہے،

ولیه فی المال ابوہ ثم وصیه ثم جدہ ثم وصیه ثم قاض [1] کمافی الدرالمختار وغیرہ۔	نابالغ کے مال میں اس کاولی اس کاباپ ہے، پھر باپ کاوصی، پھر نابالغ کادادا، پھر دادا کا وصی، پھر قاضی۔ جیساکہ درمختار وغیرہ میں ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۱: ازبریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب بنگال ۱۹صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر باپ اپنی نابالغ لڑکی کامہر قبل شادی کے زوج یاوالی زوج سے ادا کرے اوراس مہر کولڑکی کی شادی میں صرف کرے خواہ اپنے پاس سے صرف کرسکتاہے یانہیں اس خیال سے کہ جب لڑکی بالغ ہوگی تولڑکی سے معاف کرالوں گایاادا کردوں گا توجائز ہوگا یانہیں اوراگر لڑکی بالغ ہو اور لڑکی کے اذن سے صرف کرے توکیاحکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

[1] الدرالمختار کتاب الوکالۃ ۲/ ۱۰۹، کتاب الماذون ۲/ ۲۰۳ مطبع مجتبائی دہلی

الجواب:

بالغہ کی اجازت سے صرف کرسکتا ہے اور نابالغ کی شادی میں بقدر معروف خرچ کرسکتا ہے اور اپنے صرف میں بطور قرض اٹھالینے کے جواز میں اختلاف ہے احتیاط بچنا ہے اگر صرف کرلے گا عوض دے گا یا لڑکی بالغہ ہوکر معاف کردے تو یہ بھی صحیح ہے۔ ادب الاوصیاء میں ہے:

فی العمدۃ لواستقرض الوصی من مال الصبی یضمن، وعند محمد لایضمن کالاب، وفی قضاء الجامع اخذ الاب مال صغیرہ قرضًا جاز، وفی الخلاصۃ انہ ذکر فی رھن الاصل ان الاب یضمن کالوصی، وفی الخانیۃ لیس للوصی قضاء دینہ بمال الیتیم وللاب ان یقضی بہ وذکر شمس الائمۃ السرخسی عدم الجواز للاب ایضًا[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	عمدہ میں ہے اگر وصی نے نابالغ بچے کے مال سے قرض لیا تو اس کا تاوان دے گا۔ اور امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک وصی باپ کی طرح تاوان نہیں دے گا۔ قضاء الجامع میں ہے باپ کا بطور قرض اپنے نابالغ بیٹے کا مال لینا جائز ہے۔ خلاصہ میں ہے کہ مبسوط کی کتاب الرہن میں مذکور ہے بے شک باپ وصی کی طرح تاوان دے گا۔ اور خانیہ میں ہے کہ وصی کو یہ اختیار نہیں کہ یتیم کے مال سے اپنا قرض ادا کرے اور باپ کو ایسا کرنے کا اختیار ہے۔ شمس الائمہ سرخسی نے باپ کے لئے بھی عدم جواز کو ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۷۲: از سہونہ ڈاکخانہ شیش گڈھی ضلع بریلی مسئولہ عنایت اللہ صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بیوہ لاولد نے کچھ روپیہ ایک شخص کے پاس جمع کیا اور کہا کہ اس روپیہ کو تجارت میں لگاؤ اور اس کا منافع نصف مجھ کو دینا اور نصف تم اپنے حق محنت میں لینا اور بعد میرے مرنے کے اس روپیہ میں سے میری تجہیز و تکفین کرنا باقی جو بچے وہ خیر خیرات فاتحہ وغیرہ میں صرف کردینا۔ اس کے دو برس بعد اب مسماۃ ہندہ کا انتقال ہوا چونکہ ورثہ میں اولاد تو ہے نہیں شوہر کا انتقال پہلے ہوچکا صرف ایک بھائی حقیقی متوفی کا اور

[1] آداب الاوصیاء علی ہامش جامع الفصولین فصل فی القرض اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۔ ۱۷۴

دو بہنوں کی اولاد بھانجی بھانجے ہیں۔اب گزارش یہ ہے کہ روپیہ جمع شدہ جو بعد گور وکفن باقی بچا ہے وہ بموجب کہنے مسماۃ متوفی کے صَرف کیا جائے یا وہ روپیہ اور گھر کا مال اسباب ورثاء موجودہ بھائی بھانجوں پر تقسیم کر دیا جائے،اور تقسیم کیا جائے تو ہر ایک کا کیا حصہ ہوگا؟

الجواب:

کفن دفن بقدر سنت کے بعد جو بچا اس کا تہائی خیرات کیا جائے اور زیادہ کی اجازت بھائی سے لی جائے اگر نہ دے یا اجازت دینے کے قابل نہ ہو مثلاً نابالغ ہو تو دو تہائی بھائی کو دیا جائے بھانجی بھانجوں کا کچھ حق نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۷۳: از آگرہ محلّہ قرولپاڑہ مکان ۱۷۹۵ ۱۵جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں منجملہ اپنے زرنقد واثاث البیت کے کچھ زرنقد اپنے حقیقی بھائی خالد کے نام جمع کیا جس محکمہ میں وہ ملازم تھا اور جیسا کہ اس محکمہ کا قاعدہ تھا کہ تمہارے فوت ہو جانے کے بعد یہ روپیہ کس کو دیا جائے ہر سال اس محکمہ کے قواعد کے مطابق ہمیشہ تصدیق کرتا رہا جس کے نام یہ روپیہ میں نے جمع کر دیا ہے اسی کو یہ روپیہ ملے تخمیناً دس سال بعد زید کا انتقال ہو گیا۔زید نے ایک زوجہ سعیدہ اور دو نابالغ لڑکے رشید وعزیز چھوڑے نیز چار بھائی حقیقی مع خالد چھوڑے رشید چند روز بعد مر گیا جو اثاث البیت اور زرنقد بقدر (سما ۶۰۰) کے وزیور وغیرہ پر زوجہ تنہا قابض ہو گئی وہ روپیہ جو زید نے خالد کے نام جمع کیا تھا اس کا مالک وہ حقیقی بھائی خالد ہے یا زوجہ یا لڑکا؟

الجواب:

زید کے کل متروکہ سے اول دین مہر اور دیگر دیون اگر اس کے ذمہ ہوں ادا کئے جائیں اگر کچھ باقی نہ رہے تو نہ خالد کچھ پائے گا نہ کوئی وارث،اور اگر بعد ادائے مہر ودیون کچھ باقی بچے تو اس کی تہائی میں یہ وصیت جو اس نے خالد کے نام کی ہے بلا رضائے دیگر ورثہ نافذ ہوگی،اور اسی طرح اور وصیت اگر اس نے کسی کے نام کی وہ بھی اسی ثلث میں شریک ہوگا،بعد ادائے دیون جو باقی بچے اس کے ثلث سے یہ روپیہ جو بنام خالد اس نے جمع کیا ہے زائد نہیں تو تمام وکمال زرجمع شدہ خالد کو دیا جائے گا جبکہ اور وصیت اس کے معارض نہ ہو ورنہ حصہ رسد بانٹ دیں گے،اور اگر یہ روپیہ اس کو کافی نہیں تو ادائے مہر ودیون کے بعد جتنی تہائی ہو اتنی میں وصیتیں نافذ ہوں گی زیادہ پر ورثہ راضی نہ ہوں تو وہ نہ دلائی جائے گی۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۴: از بمبئی پوسٹ ۱۶ ماہم مرسلہ عبدالمجید صاحب دہلوی ۱۶ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کے کرایہ کی آمدنی میں یہ وصیت کی کہ کچھ رقم معین مکہ شریف و مدینہ شریف وبغداد شریف کے سادات کو دی جائے اور باقی رقم میں چند ایام مقررہ میں طعام پکا کر مساکین کو کھلایا جائے اور کچھ رقم معین دو مسجدوں میں دی جائے مگر بعد فوت زید کے اس جائداد کے متولیان یہ کرتے ہیں کہ بجائے سادات کے امیروں کی سفارش سے اس رقم کو واسطے شادی کردینے ان لڑکیوں کے جن کے والدین غریب ہیں دیتے ہیں وردیگر رقم معین کو دو مسجدوں میں دیتے ہیں اور باقی رقم معین میں چند ایام مقررہ میں طعام پکار کر تھوڑا مساکین میں اور تھوڑا ذی ثروت لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ زید کی وصیت کے بموجب کیا جائے وہ درست ہے یا جو متولیان کرتے ہیں وہ درست ہے؟ جو کار خیر ہو، موافق حکم شریعت جواب عنایت ہو۔

الجواب:

جو رقم اس نے دونوں مسجدوں کے لئے معین کی ہے وہ انہیں کو دی جائے گی، جو رقم اس نے مساکین کے کھانے کے لئے معین کی ہے اس میں سے اہل ثروت کو دینا درست نہیں، اور جو رقم سادات حرمین طیبین وبغداد مقدس کے لئے معین کی ہے اگر انہیں بلاد طیبہ کے سادات مساکین کو بھیجی جائے تو بہتر ہے ورنہ یہاں کے مساکین پر بھی صرف ہوسکتی ہے قید بلاد کا اتباع ضروری نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵: از قصبہ ادرن ضلع قلابہ علاقہ کولین احاطہ بمبئی مرسلہ ابراہیم صاحب موتی ۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں تین ہزار چھ سو تیس روپے کی وصیت حسب ذیل طریقہ پر کی:

(۱) اپنی زوجہ کی فاتحہ خوانی پر سالانہ تین سو روپے خرچ کرنا۔

(۲) خود کی فاتحہ پر سالانہ تین سو روپیہ۔

(۳) قرآن شریف کے پڑھنے والوں کو ایک سو تیس روپے سالانہ دیا جانا۔

(۴) ماہ محرم میں مولود شریف پڑھوانا اور بارہویں محرم کو کھانا کھلانے پر خرچ کرنا، سالانہ پانچسو روپیہ۔

(۵) گیارہویں شریف کے مہینے میں مولود شریف پڑھوانا اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ پانچسو روپے۔

(۶) رمضان میں روٹی پاؤ وغیرہ مسجد میں بھیجنے پر خرچ کرنا سالانہ ایک سو پچیس روپے۔

(۷) حاجیوں کو برائے بیت اللہ شریف دینافی حاجی۔ پانچ حاجیوں کو جس پر سالانہ خرچ ایک سو پچاس۔

(۸) ما سالانہ مکہ مکرمہ بھیجنا۔

(۹) مامہ عہ روپے سالانہ مدینہ طیبہ۔

(۱۰) بغداد مقدس کو سالانہ قا۔

(۱۱) حضرت پیر بابا ملنگ صاحب کی درگاہ پر جو پہاڑ ہے پچاس روپیہ سالانہ۔

(۱۲) مہایم شریف سالانہ مہ۔

(۱۳) میلاد شریف صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز اور کھانا کھلانے پر خرچ کرنا سالانہ ایک ہزار روپیہ۔

اوپر لکھی ہوئی رقمیں جس جس مہینے میں خرچ کرنے کی ہیں یہ اس میں خرچ ہوسکتی ہیں یا بعد بھی جائز ہیں یا ناجائز؟ اور جو رقم میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کھانے کی ہے اگر اس میں سے کچھ رقم بچالی جائے اور کسی اچھے کاموں میں صرف کی جائے مثلاً مساکین و یتیم و بیوہ اور علمائے دین وغیرہا کو تو جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسری جو چھوٹی چھوٹی رقمیں ہیں مثلاً قرآن عظیم پڑھنے والوں کی اس میں اگر بڑی رقموں سے لے کر خرچ کردیں تو جائز ہے یا کیا، وصیت کرنے والے نے جس وقت وصیت کی اس وقت حالات اور تھی اور موجودہ حالت اور ہے یعنی اس وقت قحط سالی اور ہر ایک شیئ گراں، اگر موجودہ حالت کو مدنظر رکھ کر غرباء وغیرہا کو بجائے کھانا کھلانے کے اگر نقد روپیہ دیا جائے تو جائز ہے یا کیا؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اصل حکم یہ ہے کہ سالانہ تین ہزار چھ سو تیس روپے امور خیر و سبیل اللہ میں صرف ہوجانا لازم ہے وہ خاص صورتیں کہ زید نے مقرر کیں ان کی تعیین لازم نہیں ان مہینوں میں ہو یا ان کے غیر میں کھانا کھلانا ہو یا مساکین کو نقد دینا، کچھ رقم بچا کر ہو یا کل، انہیں مقامات کو بھیجیں یا یہاں۔ ہم نے جدالممتار تعلیقات ردالمحتار کتاب الصوم میں اس بیان کو مبسوط لکھا ہے وہیں سے چند حوالوں کا التقاط کافی ہے۔

فی وصایا الهندیة اوصی ان یباع هذا العبد ویتصدق بثمنه علی المساکین جازلهم ان یتصدقوا بنفس العبد، ولوقال اشترعشرة اثواب وتصدق ثمنها، و عن محمد لواوصی بصدقة الف درهم بعینها فتصدق الوصی مکانها من مال المیت جاز، رجل اوصی بان یتصدق بشیئ من ماله علی فقراء الحاج هل یجوز ان یتصدق علیٰ غیرهم من الفقراء، قال الشیخ الامام ابونصر یجوز ذٰلك کما روی عن ابی یوسف فی رجل اوصی ان یتصدق علی فقراء مکة قال یجوز ان یتصدق علی غیرهم من الفقراء وعلیه الفتوی، وفی النوازل لواوصی ان یتصدق فی عشرة ایام فتصدق فی یوم جازکذا فی الخلاصة[1] و یتأتی اکثر هذا المسائل متنًا وشرحًا وحاشیة فی الایمان والوصایا۔	ہندیہ کے کتاب الوصایا میں ہے کسی شخص نے وصیت کی کہ اس کا یہ غلام بیچ کر اس کے ثمن مسکیوں پر صدقہ کئے جائیں تو وصیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ خود غلام کو صدقہ کردیں۔ اور اگر کہا کہ دس کپڑے خرید کران کو صدقہ کرو۔ پھر وصی نے دس کپڑے خرید لئے تو اسے اختیار ہے کہ وہ کپڑے بیچ دے اوران کے ثمنوں کو صدقہ کردے۔ امام محمد علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے ہزار معین درھم صدقہ کرنے کی وصیت کی وصی نے ان کی جگہ میت کے مال میں سے صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ ایک شخص نے اپنے مال میں سے حاجی فقراء پر کچھ صدقہ کرنے کی وصیت کی توان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا جائز ہے یا نہیں، شیخ امام ابونصر نے فرمایا یہ جائز ہے جیساکہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ سے اس شخص کے بارے میں منقول ہے جس نے فقراء مکہ پر صدقہ کرنے کی وصیت کی۔ امام ابویوسف نے فرمایا کہ ان کے علاوہ دیگر فقراء پر صدقہ کرنا بھی جائز ہے۔ اوراسی پر فتوی ہے۔ نوازل میں ہے اگر کسی نے دس دن صدقہ کرنے کی وصیت کی اور وصی نے ایک ہی دن میں صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ خلاصہ میں یونہی ہے۔ ان میں سے اکثر مسائل متن، شرح اور حاشیہ کے اعتبار سے کتاب الایمان اور کتاب الوصایا میں آتے ہیں۔ (ت)

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب الثامن نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۳۴

مگر حق یہ ہے کہ نظر بحال زمانہ تعیین و تحدید نہ ہونے کی حالت میں دستبرد بعض متولیان سے بچنا دشوار ہے اور جواز مخالفت جواز موافقت کا نافی نہیں اور ان نیاز مندیوں کا اظہار جو موصی نے ان وصایا میں ذکر شریف ومزارات طیبہ سے مرعی رکھا اور اس کا مرعی رہنا ہی انسب، میلاد مقدس کے عوض اور کسی کارِ خیر میں صرف کردیں تو مسلمانوں کو ذکر شریف کا نفع کب پہنچا، اس کے بعد زوجہ کے قبور پر تلاوت قرآن عظیم سے جو نزول رحمت اور ان امتیوں کے لئے انس وطمانیت ہو وہ بغیر اس کے کیونکر ہوگا، تو مناسب یہی ہے کہ جن طرق کی اس نے وصیت کی وہی جاری رہیں، ہاں ان سے اہم مصرف کی ضرورت ہو تو بنگرانی ارباب دین ودیانت ان میں سے بچاکر اس میں سے صرف کریں اور انہیں بھی بقدر میسر جاری رکھیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۶تا۱۷۷: از علی گڈھ محلّہ بنی اسرائیل مرسلہ مولوی احسان علی صاحب مدرس ۱۸شوال ۱۳۳۸ھ

(۱) زید کا بیان ہے کہ میری بیوی ہندہ نے مرض الموت میں چار روز قبل مہر معاف کردیا ہے، اور گواہ میں چار شخص یعنی ایک اپنی حقیقی ماں اور ایک حقیقی بہن اور ایک اجنبی مرد اور ایک اجنبی عورت پیش کرتا ہوں مہر معاف ہوا یا نہیں؟ اور گواہی ایسے معاملہ میں کیسے لوگوں معتبر ہے؟

(۲) زید باحلف بیان کرتا ہے کہ میری بیوی نے مہر معاف کردیا ہے، عندالشرع اس کا قول صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) گواہی ہر معاملہ میں ثقہ معتمد لوگوں کی معتبر ہے، ماں باپ کی گواہی اولاد کے حق میں معتبر نہیں۔ مرض موت میں ہبہ حکم وصیت میں ہے اور زوج وارث ہے اور وارث کے لئے وصیت بے اجازت باقی ورثہ باطل ہے۔

لاوصیة لوارث الا ان یجیزھا الورثة۔[1]	خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

تو اگر شہادت کافیہ سے ثابت ہوجائے جب بھی بے اجازت دیگر ورثہ جائز نہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

[1] سنن الدارقطنی کتاب الفرائض حدیث ۴۰۸۱ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۷

(۲) اصلاً معتبر نہیں،

البیّنۃ علی المدعی والیمین علی من انکر [1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم	گواہ مدعی پر اور قسم منکر پر ہوتی ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۷۸: نعمت علی خاں بوڑرھا از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور ۹ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

اگر باپ نے بیٹے سے وصیت کی کہ اتنا روپیہ یا اتنی زمین یا کوئی سامان فلاں کو دینا، بیٹے نے نصف یا تہائی یا چوتھائی وصیت ادا کیا تو بیٹا قیامت کے دن جوابدہ ہوگا یا نہیں؟ اگر بیٹے نے موصی لہ، سے کچھ دے کر بقیہ معاف کرالیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر وہ وصیت بعد ادائے دین مال متروکہ کی تہائی سے زائد نہ تھی تو کل کا ادا کرنا اس پر لازم ہے اور زائد ہے تو تہائی تک کا ادا کرنا ضروری ہے اس سے اگر کچھ کمی کرے گا ماخوذ ہوگا اور معافی دَین کی ہوتی ہے۔

مسئلہ ۱۷۹: از شہر محلّہ شاہ آباد مسئولہ مسیت خاں یکم صفر المظفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مسماۃ لاولد عرصہ دراز سے بعارضہ چند در چند بوجہ تپ کہنہ کے مبتلا رہ کر فوت ہوئی اس نے اپنے وارث ایک شوہر اور ایک بھائی اور ایک بہن حقیقی اور ایک برادر زادہ اور ایک بھتیجی جن کا باپ بموجودگی متوفیہ کے فوت ہوگیا ہے وارث چھوڑے، شوہر نے متروکہ متوفیہ طلب کیا تو متوفیہ کی بہن اور بھائی کہتے ہیں کہ متوفیہ کی یہ وصیت ہے کہ تم مال واسباب از قسم زیور وزر نقد یعنی جملہ اشیاء البیت کو خود تقسیم کرلینا شوہر کو نہ دینا، یہ ظاہر کرنا مشار الیہم کا شوہر متوفیہ کو وراثت سے محروم کرتا ہے اگر نہیں کرتا ہے تو کس قدر شوہر اپنا حصہ بموجب شرع شریف کے پانے کا مستحق ہے اور زیور اثاث البیت متروکہ متوفیہ کا جو ہے وہ فراہم کردہ شوہر کا ہے اور جو متروکہ متوفیہ کے والد سے پہنچا تھا وہ متوفیہ نے اپنے بھائی کے ہاتھ بیع کردیا اور یہ وصیت کردی کہ اس روپیہ سے میری تجہیز وتکفین کرنا۔

برادر حقیقی ہمشیر حقیقی، بھتیجا جس کا باپ بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔ بھتیجی جن کا باپ

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۲۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۸۷

بموجودگی متوفیہ فوت ہوگیا۔

الجواب:

سائل نے بیان کیا ہے کہ متوفیہ نے اپنی موت سے چار مہینے پیشتر بھائی کے ہاتھ بیع کی وہ اس وقت بھی بعارضہ دق مبتلا تھی اور حالت خطرناک تھی، اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہ بیع معتبر نہیں،

لان البیع من وارث فی مرض الموت لایصح عند الامام وان کان بمثل القیمۃ۔	اس لئے کہ مرض الموت میں وارث کے ہاتھ بیع امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو۔ (ت)

زیور واثاث البیت جو شوہر نے بنادیا تھا اگر عورت کو مالک نہ کردیا تھا تو اس کا مالک شوہر ہی ہے اس میں وراثت جاری نہ ہوگی اور اگر مالک کرکے قبضہ دے دیا تھا عورت کا ہے جس طرح وہ جہیز کہ باپ کے گھر سے لائی، ان اشیاء کی نسبت بہن اور بھائی کے لئے عورت کی جو وصیت بتائی جاتی ہے بے اجازت شوہر باطل ہے،

لحدیث صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ لاوصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ۔[1]	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے، خبردار! وارث کے لئے وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء اس کی اجازت دے دیں۔ (ت)

ان احکام کے لحاظ سے جو ترکہ متوفاۃ کا ٹھہرے مع مہر اگر ذمہ شوہر ہو حسب شرائط فرائض چھ ۶ حصے ہوکر تین حصے شوہر اور دو سہم برادر اور ایک بہن کو ملے گا بھتیجے بھتیجی کا کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۰: از بریلی صدر بازار مسئولہ عبدالغفور خاں

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت نے ایک بزرگ کے ہاتھ پر اپنے پیشہ سے توبہ کی اور سلسلہ بیعت میں داخل ہوئی اور مرنے تک اس پر قائم رہی اور

[1] سنن ابی داؤد کتاب الوصایا ۲/ ۴۰ وجامع الترمذی ابواب الوصایا ۲/ ۳۳، سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا ص ۱۹۹ وسنن النسائی کتاب الوصایا ۲/ ۱۲۹

نیک چلنی کی زندگی بسر کی، بیماری کی حالت میں اس نے یہ وصیت کی کہ اگر میں اسی بیماری میں جانبر نہ ہوں تو میری کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اور کل زر نقد میرے مرشد کا حق ہے دوسرا کوئی وارث اس کا نہیں وہ جس طور پر چاہیں صرف کریں، اب مسماۃ کا انتقال ہوگیا اس کی جائداد و مکان زر نقد از روئے شرع اسلام کس کو پہنچتا ہے۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

سائل سے معلوم ہوا کہ اس کا کوئی وارث نہیں صرف اس کی ایک ماں سنی جاتی ہے کہ کافرہ ہے اس صورت میں جو مال شرعًا اس کا متروکہ ہو وہ تمام وکمال اس کا ہے جس کے لئے اس نے وصیت کی یہ مال وہ ہوگا جو اس نے وجہ حلال سے حاصل کیا یا اگرچہ زر حرام سے خریدا مگر اس پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے یعنی یہ نہ ہوا کہ زر حرام دکھا کر کہا ہو اس کے بدلے دے دینا اور پھر ثمن میں وہی دیا اور جو مال عین حرام اس کے پاس ہے کہ خود زنا یا غنا کی اُجرت میں اسے ملا وہ اس کی ملک نہیں اس میں وصیت جاری نہ ہوگی وہ فقراء پر تقسیم کیا جائے اور جس کی خریداری میں عقد و نقد زر حرام پر جمع ہوگئے ہوں وہ بھی خبیث ہے لینا نہ چاہئے فقراء کو دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۱: از سگرام پورہ سورت مسئولہ نور محمد غلام رسول ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

نور محمد مذکور نے اپنی حیات میں مکان رہن رکھ کر کئی مدت بعد مرحوم لڑکے مذکور اور حاملہ عورت کو چھوڑ کر گزر گیا بعدہ، لڑکی پیدا ہوئی مذکور عورت نے اس مکان کو اپنے خاوند کے اجناس میں اسباب کو بیچ کر مکان چھڑایا بعد مذکور عورت نے اس مکان کو بیچ ڈالا، لڑکے اور لڑکی کی پرورش اس کے ماموں نے کی، بعد میں عورت بھی اور لڑکا بھی گزر گیا فقط صغیر لڑکی مذکور مریم بی حال عاقلہ بالغہ ہوئی ہے اور اپنے والد کی میراث طلب کرتی ہے، سوال اتنا ہے کہ ماں کو بچوں کی پرورش کا حق تھا نہ کہ صغیرہ کا ورثہ بیچ ڈالنے کا یہ خلاصہ کی شرع موجب ضرورت ہے۔

الجواب:

اگر عورت کا مہر ترکہ کو محیط تھا اور اس نے وہ مکان اپنے مہر میں لے لیا کہ اور کوئی سبیل اس کے ادا کی نہ تھی تو وہ بیع جائز ہے ورنہ ورثہ کا دعوی اس پر پہنچتا ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۸۲: از علی گڑھ مسئولہ جناب آل احمد خلف سید صفدر علی صاحب پیشکار چونگی ۲۴ جمادی الاولٰی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مجمع میں یہ کہا کہ تم گواہ رہو میں نے

فلاں عورت غائب کا اس مرد حاضر سے نکاح کر دیا اور یہ شخص نکاح کرنے والا اس عورت کا شرعی ولی نہیں ہے اور پھر اس عورت کو اس طرح نکاح کردینے کی خبر پہنچی اس عورت نے اس کو قبول ومنظور کرلیا تو کیا یہ نکاح جائز ومکمل ہوجائے گا اور اگر مہر کی تعداد بیان نہیں کی گئی کہ کس قدر مہر واجب ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر اُس مرد حاضر نے اسی وقت قبول کرلیا تھا تو یہ نکاح نکاح فضولی ہوا بشرطیکہ یہ مرد حاضر اس عورت کا کفو ہو نسب، مذہب، چال چلن، پیشے کسی بات میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعث ننگ وعار ہو، یا عورت کوئی ولی رکھتی ہی نہ ہو، ان صورتوں میں جبکہ عورت نے خبر پا کر اس نکاح کو قبول کرلیا نافذ وتام ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

الفضولی کل تصرف صدر منه کتزویج اوطلاق وله مجیز حال وقوعه انعقد موقوفا۔[1]	فضولی سے جو تصرف صادر ہو جیسے کسی کی شادی کرنا یا طلاق دینا اور اس کے وقوع کے وقت کوئی اس کی اجازت دینے والا موجود ہو تو اس کا انعقاد موقوف ہوجاتا ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ای علی اجازة من یملك ذلك العقد۔[2]	یعنی اس شخص کی اجازت پر موقوف ہوتا ہے جو اس عقد کا مالک ہے۔ (ت)

ہاں اگر جس سے نکاح ہوا کفو بمعنی مذکور نہ تھا اور عورت کا کوئی ولی زندہ تھا اور اس نے پیش از نکاح شخص مذکور کو غیر کفو جان کر صراحۃً اس نکاح کی اجازت نہ دی تھی تو یہ نکاح سرے سے باطل ہوا، عورت کی اجازت سے جائز نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

یفتی فی غیر الکفو بعدم جوازه اصلا[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم	غیر کفو میں اس کے بالکل عدم جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب البیوع فصل فی الفضولی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱

[2] ردالمحتار کتاب البیوع فصل فی الفضولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۵

[3] الدرالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

مسئلہ ۱۸۳: ازبزم حنفیہّ خواجگان منزل لاہور مسئولہ محمد عبدالحمید صاحب قادری رضوی ۲۴جمادی الاولٰی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامی قمرالدین عرصہ ۴۰یوم سے وفات ہوگیا ہے اب ذیل ورثاء موجود ہیں اس کاترکہ کس طرح تقسیم ہوناچاہئے۔ بینواتوجروامذہب حنفیہّ

قمرالدین

زوجہ اخ اخ اخت اخت اخ الاب

(۱) زوجہ میت کی اس کی تمام پسماندہ جائداد پر قبضہ کر بیٹھی ہے۔

(۲) میت نے کس قسم کی کوئی جائداد کے متعلق وصیت نہیں کی ہے۔

(۳) اخ ۲ مرحوم بھائی کے مکان میں ہی رہائش پذیراوراس کے تمام کاروبار میں اس کامعاون ومددگار رہاہے، حضرت سلامت اس مسئلہ کولاہورکے کسی مفتی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ للذابزم حنفیہّ لاہورکے معرفت حضرت قبلہ مدظلہ العالی کے دارالافتائے اہلسنت وجماعت میں بھیجاجاتاہے، صورت متنازعہ محظورہے للذاجواب باصواب سے جلدی ممنون فرمایاجائے۔

الجواب: زوجہ کامہر جتناواجب الاداہے اگرکل متروکہ شوہرکے برابریااس سے زائد ہے تواس کاکل متروکہ پرقبضہ کرناایک دعوی صحیح کی بناء پرہے جب دین جائداد مستغرق ہوتوجب تک ادانہ کرلے اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔

قال تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ"۔[1]	اللہ تعالٰی نے فرمایا اس وصیت کے بعد جو تم کرجاتے ہو یاقرض کی ادائیگی کے بعد۔(ت)

ہاں وارثوں کویہ حق ہے کہ اگرجائداد دینے پرراضی نہ ہوں مہراپنے پاس سے استحساناًاداکردیں اس وقت عورت کولازم ہوگاکہ جائداد چھوڑدے اورصرف اپناحصہ شرعی لے اوراگراس کے لئے کوئی مہرواجب الادانہ رہایاجتناہے وہ قدرمتروکہ سے کم ہے توکل جائداد پراس کاقبضہ کرناظلم ہے کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں۔ جامع الفصولین واشباہ ونظائر

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وغیرہما میں ہے:

لواستغرقها دين لايملكها بارث الا اذا ابرأ الميت غريمه اواداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء امالواداه من مال نفسه مطلقًا بشرط التبرع اوالرجوع يجب له دين على الميت فتصير مشغولة بدين فلايملكها۔[1]	اگرقرض میت کے ترکہ کو محیط ہوتوکوئی اس ترکہ کابطور میراث مالک نہیں بنتامگریہ کہ جب قرضخواہ میت کو قرض سے بری کردے یامیت کاکوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کے ساتھ اس قرض کواداکردے، ہاں اگر کوئی اپنے مال سے اس قرض کو اداکردے بغیر تبرع یا رجوع کی شرط کے، تواس کے لئے میت پر قرض ثابت ہوجائے گاتواس طرح ترکہ قرض میں مشغول ہوجائے گا۔چانچہ وارث اس کامالک نہیں بنے گا۔(ت)

نیزاشباہ میں ہے:

للوارث استخلاص التركة بقضاء الدين ولو مستغرقا۔[2]	وارث کواختیارہے کہ وہ قرض اداکرکے ترکہ کوچھڑالے اگرچہ قرض ترکہ کومحیط ہو(ت)

خلاصہ میں ہے:

المرأة تاخذ مهرها من التركة من غير رضى الورثة ان كانت التركة دراهم اودنانير وان كانت التركة شيأ يحتاج الى البيع فتبيع ماكان يصلح وتستوفى صداقها ان كانت الوصية من جهة زوجها اولم تكن۔[3]	عورت اپنامہروارثوں کی رضامندی کے بغیرترکہ میں سے لے سکتی ہے اگرترکہ درہموں یادیناروں کی صورت میں ہو۔ اور اگرترکہ ایسی شیئ ہے جس کو بیچنے کی ضرورت ہے تووہ اس چیز کو بیچ لے جس میں بیع کی صلاحیت ہےاوراپنامہرپوراوصول کر لے، شوہر کی طرف سے اس کی وصیت ہو یانہ ہو۔(ت)

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الوصایا الفصل السابع مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۴۱

ردالمحتار میں ہے:

قال الحموی فی شرح الکنز نقلا عن العلامۃ المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق و الفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان۔[1]	حموی نے کنز کی شرح میں علامہ مقدسی سے نقل کیا انہوں نے اپنے دادا اشقر سے اخصب کی شرح قدوری کے حوالے سے ذکر کیا کہ خلاف جنس سے اپنا حق لینے کا عدم جواز متقدمین کے زمانہ میں تھا کیونکہ وہ حقوق میں شریعت کی اطاعت کرتے تھے۔اور آج کے دور میں فتوٰی اس پر ہے کہ جس مال سے بھی حق وصول کرنے پر قادر ہو اس کا لینا جائز ہے۔(ت)

بہر حال جس صورت میں یہ ترکہ ورثہ کو پہنچے حسب شرائط فرائض ۸ سہام کئے جائیں دو زوجہ کو اور دو دو ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو اور اخ للاب یااخ لاب یعنی چچا ہو یا سوتیلا بھائی وہ کچھ نہ پائے گا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

نوٹ

جلد ۲۵ کتاب المداینات سے شروع ہو کر کتاب الوصایا

کے عنوان پر ختم ہوئی، جلد ۲۶ ان شاء اللہ کتاب الفرائض سے شروع ہوگی۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۹۵

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۶

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
چھبیسویں ۲۶ جلد 9
ضروری بات 10
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 41
کتاب الفرائض 55
رسالہ 153
المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع ۱۳۱۵ھ 153
(چوتھی قسم کے عصبہ ہونے میں نفع دینے والا مقصد) 153
رسالہ 189
طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان 189
(جہتوں اور بدنوں کے تعدّد کے بارے میں انتہائی گہرائی میں بہترین نظر کرنا) 189
رسالہ 213
تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم ۱۳۲۱ھ 213
(صلح کورش کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں) 213
کتاب الشّتّی (حصّہ اوّل) 395
(متفرق موضوعات) 395
تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین 395
رسالہ 405
نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال 405
(حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی) 405
رسالہ 439

جمع القراٰن وبِمَ عزوہ لعثمان ١٣٢٢ھ 439
(قرآن کو جمع کرنا اور اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کرتے ہیں) 439
فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن 453
رسالہ 467
الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام ١٣١٥ھ 467
(کاٹنے والی تلوار اس شخص کی گردن پر جو علوم ارحام سے تعلق رکھنے والی آیتوں میں شک ڈالنے والا ہے) 467
محافل ومجالس 495
(میلاد وگیارہویں شریف وغیرہ) 495
رسالہ 495
اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تھامۃ ١٢٩٩ھ 495
(نبی تہامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام تعظیمی پر اعتراض کرنے والے پر قیامت قائم کرنا) 495
تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری ومریدی 555
رسالہ 595
کشف حقائق واسرار ودقائق ١٣٠٨ھ 595
(ظاہر کرنا حقیقتوں، رازوں اور باریک باتوں کو) 595
اوراد ووظائف وعملیات 605

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸
پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃُ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۶

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۲۶
تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین
باہتمام و سرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات ____________ ۶۱۶
اشاعت ____________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ / مارچ ۲۰۰۴ء
مطبع ____________
ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت ____________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲
*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

(ا) پیش لفظ ____ ۵
کتاب الفرائض ____ ۵۵
تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین ____ ۳۹۵
فوائد تفسیریہ وعلوم القرآن ____ ۴۵۳
محافل ومجالس ____ ۴۹۵
تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری مریدی ____ ۵۵۵
اوردووظائف وعملیات ____ ۶۰۵

فہرست رسائل

O المقصد النافع ____ ۱۵۳
O طیب الامعان ____ ۱۸۹
O تجلیة السلم ____ ۲۱۳
O نطق الهلال ____ ۴۰۵
O جمع القرآن ____ ۴۳۹
O الصمصام ____ ۴۶۷
O اقامة القیامة ____ ۴۹۵
O کشف حقائق ____ ۵۹۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ **انتہائی کامیابی اور** برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ	(۱۳۲۳ھ)
مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ	(۱۳۲۶ھ)
(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ	(۱۳۲۶ھ)
مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری	(۱۳۲۸ھ)
(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم	(۱۳۲۴ھ)
(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	(۱۳۰۵ھ)
(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ	(۱۳۱۴ھ)
(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ	(۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویہ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالیٰ جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریباً چودہ سال کے مختصر عرصہ میں چھبیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی پچیس جلدوں کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ـــــــــ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۰ـــــــــ ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰ـــــــــ فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشھادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱ـــــــــ جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر ـــــ ۱۴۲۲ ـــ مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل ـــــ ۱۴۲۳ ـــــ مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری ـــــ ۱۴۲۳ ـــ اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ـــــ ۱۴۲۳ ـــــ فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ـــــ ۱۴۲۳ ـــــ فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب ـــــ ۱۴۲۴ ـــ ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے

بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ و فتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظر والاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہٰذا اکیسویں ۲۱ جلد سے مسائل حظر واباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظر والاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۲،۲۱، ۲۴، ۲۳ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوائے اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف و کرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظر والاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط ومنضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہو گئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل و مفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

چھبیسویں ۲۶ جلد

یہ جلد ۳۲۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارہویں، بارہویں، تیرہویں، سولہویں، سترہویں، اٹھارہویں، انیسویں، بیسویں، اور پچیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکی ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الفرائض اور کتاب الشتی (حصہ اول) کے چندابواب یعنی تاریخ وتذکرہ، فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن، محافل ومجالس، تصوف وطریقت اور اَوراد ووظائف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے۔

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہٰذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کردی گئی ہے، نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کردی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقّت وابہام پیدا نہ ہو۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل آٹھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع (۱۳۱۵ھ)

عصبہ بنفسہٖ کی قسم چہارم یعنی فروع جدمیت کے بارے میں آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء کا مفصل ومدلل جواب۔

(۲) طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں تعدّد جہات وابدان کے معتبر ہونے کا روشن بیان۔

(۳) تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم (۱۳۲۱ھ)

بعض مسائل فرائض میں کچھ علماء معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ

(۴) نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال (۱۳۱۷ھ)

حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت مبارک اور وصال اقدس کی صحیح تاریخ باعتبار قمری ماہ وسال۔

(۵) جمع القراٰن وبم عزّوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ)

جمع قرآن کی تاریخ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنے کا سبب۔

(۶) الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)

علوم ارحام سے متعلق آیات کریمہ کی تفسیر اور ڈاکٹروں کے ادعاء اور پادریوں کا رَدّ۔

(۷) اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ (۱۲۹۸ھ)

محفل میلاد میں بوقت ذکرولادت طیبہ قیام تعظیمی کا ثبوت اور اس کے منکرین کا رَدِّ بلیغ

(۸) کشف حقائق واسرارِ دقائق (۱۳۰۸ھ)

تصوف سے متعلق چند اشعار کی توضیح وتشریح۔

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندار جمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ و عصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پرگامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

۲/مارچ ۲۰۰۴ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

کتاب الفرائض		جہیز خاص عورت کا ہے۔	۷۲
متبنّٰی وارث نہیں ہے۔	۵۵	شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں ان سے نکاح جائز نہیں اور وہ اہلسنت کا ترکہ نہیں پائیں گے۔	۷۳
مصارف تجہیز وتکفین ترکہ سے کب وضع ہوگا۔	۵۶	معافی کی زمین کا حکم (فارسی سوال وجواب)	۷۴
مہر ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے دیا جائے۔	۵۸	شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر واجب الادا ہے بیوی مر گئی تو وہ وارث ہوگا۔	۷۷
غیر منکوحہ اور اس کی اولاد ترکہ نہیں پائیں گی۔	۵۹	رافضیہ زوجہ شرعیہ نہیں ہے اور ترکہ کی مستحق نہیں۔	۷۸
قبل تقسیم ترکہ بعض ورثہ مرجائیں توان کو کان لم یکن کرنے کی صورت۔	۶۶	کوئی وارث دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ کو خرچ کرڈالے تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔	۸۲
زید مرگیا جس کے وارثوں میں دو زوجہ، ایک دختر اور ایک بھائی موجود ہے، زوجہ اولٰی کا مہر سوا لاکھ **اور زوجہ ثانیہ کا مہر دس** ہزار روپے ہے جائداد کیسے تقسیم ہوگی۔	۶۹	ایک شخص فوت ہوا جس کے وارثوں میں پھوپھی زاد بھائی کی بیوہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔	۸۲
تقسیم جائداد سے قبل کچھ وارثوں کے فوت ہونے کی ایک صورت کے بارے میں سوال۔	۷۰		

ولدالزناء زانی کاوارث نہیں ہوتا۔	۸۴	ترکہ تاج محمد اس کے ورثہ احیاء پر چارلاکھ تین ہزار دوسوسہام ہوکر تقسیم ہوتا ہے تواس کی ایک سوساٹھ گز متروکہ زمین میں سے ہر وارث مذکور کو کس قدر ملے گا۔	۹۴
متبنّٰی یاسوتیلابیٹاشرعاًترکہ میں کوئی استحقاق پیدانہیں کرتا۔	۸۴	زید نے اپنے دونوں بیٹوں کی شادی کرکے جائداد کو دونوں بہوؤں پر تقسیم نصف نصف کرکے بیع کردی بعد کو چھوٹے بیٹے کی بیوی نے انتقال کیاتوکیاصورت ہوگی۔	۹۴
عاق کرنا کوئی شرعی چیز نہیں والدین کواس کاحق نہیں۔	۸۵	ادائیگی مہر ترکہ کی تقسیم پر مقدم ہے۔	۹۶
عاق کرنے سے ترکہ سے محروم نہ ہوگا۔	۸۵	زید ایک حقیقی بھائی اور بیوی چھوڑ کر مرگیا پھر ایک ماہ بعد بیوی فوت ہوئی جس کے تین بھائی ہیں ترکہ زید کیسے تقسیم ہوگا۔	۹۶
ایک عورت دوماموں اور ایک پھوپھی زاد بھائی کابیٹا چھوڑ کر مرگئی توماموں وارث بنیں گے جبکہ مذکور بھتیجا محروم رہے گا۔	۸۶	بے وجہ شرعی کسی وارث کو میراث سے محروم کرناجائز نہیں۔	۹۸
زید نے وارثوں میں ماں، ایک بہن اور پڑدادے کے چچاکاایک پڑپوتا چھوڑا ہے ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔	۸۷	مفقودالخبر دوسرے کے حق میں مثل میت ہے ترکہ نہ پائے گا۔	۹۹
شریعت مطہرہ کے نزدیک اثبات نسب میں نہایت احتیاط منظور ہے۔	۹۰	ایک شخص نے یکے بعد دیگرے تین شادیاں کیں جن کامہر پینسٹھ پینسٹھ ہزار تھادومرگئی ہیں تیسری زندہ ہے مہرورثاء کو کتناکتناملے گا۔	۱۰۲
ناناکی بھاوج ہوناشرعاًذریعہ توریث نہیں۔	۹۲	ہندہ فوت ہوئی شوہر اور کافرماموں زاد بھائی کی دو مسلمان بیٹیاں زندہ ہیں تقسیم ترکہ کی کیاصورت ہوگی۔	۱۰۳
ہبہ کب تام اور کب باطل ہوتا ہے۔	۹۲	شوہر مادر کے بیٹے جونہ اپنے ماں باپ کے نطفہ سے ہوں اور نہ ہی اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وراث نہیں بنتے۔	۱۰۴
ناتمام ہبہ کی صورت میں موت واہب کے بعد اشیاء موہوبہ وارثان واہب کو پہنچیں گی۔	۹۲	ایک مسئلہ غریبہ جس کواغرب مسائل کہاجاسکتا ہے۔	۱۰۶
متبنّٰی کرناشرعاًکوئی چیز نہیں۔	۹۲	غیر میت سے جو حمل ہوتا ہے وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے۔	۱۰۹
اگرقرض ترکہ پرمحیط ہوتوادائیگی قرض سے قبل کوئی وارث اس وراثت سے کچھ نہیں لے سکتا۔	۹۳		

غیر میت سے جو حمل ہوتا ہے وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے۔	۱۰۹	مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہوتا ہے۔	۱۱۹
زن فاحشہ اگر ولدالزنا ہو تو اس کا ترکہ مادری اقرباء کو ملے گا ورنہ مثل تمام لوگوں کے درمیان تقسیم ہوگا۔	۱۱۱	حیات خاتون ایک بیٹی اور شوہر چھوڑ کر فوت ہوئی پھر شوہر بھی کچھ ورثاء چھوڑ کر مرگیا تو تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔	۱۲۰
اولادزناء صرف مادری رشتوں سے وارث و مورث ہوتی ہے۔	۱۱۱	درصورت احاطہ دین ورثہ کے لئے ترکہ میں مِلک ثابت نہیں ہوتی، نہ بے فراغ ذمہ باہم تقسیم کرسکیں۔	۱۲۲
دوسوال پر مشتمل استفتاء۔	۱۱۲	بے رضا ارباب دیون وارثوں کو بیع ترکہ کا اختیار نہیں جبکہ دین ترکہ کو مستغرق ہو۔	۱۲۳
سوال اول	۱۱۲	میّت کی تجہیز وتکفین یا دین کی ادائیگی بعض ورثاء نے اپنے مال سے کی تو انہیں میت کے مال سے لینے کا حق ہے۔	۱۲۵
ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا وارث ہوتا ہے۔	۱۱۳	کوئی وارث اگر میّت کا دین مہر اپنے مال سے ادا کردے تو کس صورت میں ترکہ سے وصول کرسکتا ہے۔	۱۲۵
سوال دوم	۱۱۵	بے اجازت مدیون ترکہ میں تصرف کا حق نہیں۔	۱۲۷
چڑھاوے کے زیورات کا حکم	۱۱۵	چار قطعہ باغ زید نے اپنی ماں کی حیات میں اس کی رضامندی سے غرس کئے تھے اب ماں کی وفات کے بعد ان باغوں میں زید کی بہنوں کا بھی کچھ حق ہوگا یا نہیں۔	۱۲۸
زید نے ایک دکان اپنے روپے سے خرید کر اپنے نبیرہ کے نام کردی اور بولایت اس کے باپ کے دکان پر قبضہ کرادیا، اب انتقال زید کے بعد وہ دکان حسب فرائض ورثاء زید میں تقسیم ہوگی یا صرف نبیرہ کو ملے گی۔	۱۱۸	فاتحہ وغیرہ کا صرفہ ترکہ سے وضع نہ ہوگا۔	۱۳۰
جو جائداد دادی سے ایک پوتے کو بطور وصیت ملی اس میں پوتے کے دیگر برادران شامل نہیں۔	۱۱۹	حق میراث حکم شرع ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔	۱۳۳
جب تک مہر اور دیگر دیون ادا نہ ہوجائیں ترکہ کی تقسیم نہ کی جائے۔	۱۱۹	زید پر کئی لوگوں کا قرض ہے اس نے ایک دائن کے پاس اپنی بیوی کا کچھ زیور رہن رکھا اس کے بعد مندرجہ ذیل رشتہ دار چھوڑ کر فوت ہوگیا، ایک بیوی، ماں، پانچ بیٹیاں، ایک بھائی اور دو بہنیں۔ اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔	۱۳۳

بازاری عورت کو صرف تعلق فاجرانہ کی بناء پر منکوحہ قرار نہیں دیاجاسکتا۔	۱۳۵	ماں باپ کی خدمت اور بہن بھائیوں کی پرورش وشادی میں جوکچھ خرچ کیاوہ والدین کے ترکہ سے نہیں لے سکتا،البتہ باپ کے قرض کی ادائےگی اور تجہیز وتکفین پر جوخرچ کیاوہ لے سکتاہے۔	۱۴۴
جواولاد بے نکاح پیداہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوگا اور وہ صرف ماں کی جہت سے وارث بنتے ہیں۔	۱۳۵	ایک شخص کے ذمے دوبیویوں کامہرواجب الاداہے جبکہ اس کاترکہ صرف ایک کے مہرکے برابر ہے توکیاحکم ہے۔	۱۴۴
غیر وارث کووارث بنانا کسی کے اختیار میں نہیں۔	۱۳۶	ایک عورت اپنے والدین،ایک بیٹا،ایک بہی اور شوہر چھوڑ کر فوت ہوئی اس کا دس ہزار روپے مہر شوہرکے ذمے واجب الادا ہے جبکہ شوہرک ے پاس رف پانچ ہزار کی ملکیت ہے تقسیم کیسے ہوگی۔	۱۴۶
توریث رب العالمین کے حکم سے ہے،نہ زید وعمرو کی زبان میں۔	۱۳۷	زناء کی تہمت لگاناحرام،جس پراسی کوڑے لگانے کاحکم ہےاور وہ مردودالشادۃ ہے	۱۴۷
مشترکہ جائداد میں صرف ایک وارث کی وصیت نافذ نہیں ہوتی۔	۱۳۸	حمل کی اکثرمدت دوسال ہے۔	۱۴۷
علاتی بھائیوں کو محروم کرنے کے لئے اپنی جائداد کو ماموں زاد بھائی کے نام کردیناگناہ ہے۔	۱۴۱	عورت لاولد فوت ہوئی جس کا مہرشوہرپرقرض ہے توکیاشوہراس واجب الادامہر میں سے نصف حصہ پاسکتاہے۔	۱۴۷
ہندہ ایک چچازاد بھائی،ایک ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن چھوڑ کر فوت ہوگئی اس کی جائداد کوکیسے تقسیم کیاجائے گا۔	۱۴۲	زید نے انتقال کیا،دولڑکے اول بیوی کے اورایک لڑکی دوسری بیوی کی چھوڑی،پہلی بیوی زید کی موجودگی میں فوت ہوگئی تھی جس کا مہربذمہ شوہر تھا،اب لڑکے اپنی ماں کامہر طلب کرتے ہیں اس میں حکم شرعی کیاہے۔	۱۴۹
ایک شخص فوت ہوگیا وارثوں میں زوجہ،ایک نابالغ بیٹا،ایک نابالغ بیٹی اور ایک حقیقی بھائی چھوڑے ہیں،اس کاترکہ کیسے تقسیم ہوگااور بچوں کاحق ولایت کس کو پہنچتاہے۔	۱۴۳		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

حقیقی بھائی کو محروم کرنے کے لئے اپنی جائداد بھتیجوں کے نام کردینے والے شخص پر شرعاً کیا مؤاخذہ ہے۔	۱۵۰	سوال چہارم: شرع شریف میں کہیں ایسا حکم ہے کہ غیر حاضرین حصہ داران کو اطلاع نہ دی جائے یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں وہ اپنے حقوق واجبی سے محروم رہیں ان کی تلاش نہ کی جائے۔	۱۵۴
○ رسالہ **المقصد النافع فی عصوبة الصنف الرابع** (۱۳۱۵ھ)	۱۵۳	سوال پنجم: ایسا ہوسکتا ہے کہ عرب سے کوئی شخص آئے اور آپ کو سید یعنی اولاد علی و بنی فاطمہ ثابت کرکے ہند میں کسی اولاد علی بنی فاطمہ کا ترکہ اس کے ذوی الفروض سے تقسیم کرالے یا ہند کا کوئی سید عرب میں جاکر کسی سید متوفی کا ترکہ پائے قاضیان عرب بصورت ثابت کردینے نسب کے اس کو دلادیں گے۔	۱۵۴
(عصبہ بنفسہ کی قسم چہارم یعنی فروع جدمیت کے بارے میں آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء)	۱۵۳	سوال ششم: عہد صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین یا تابعین یا تبع تابعین میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ کو بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دلایا گیا ہے کہ نہیں، اگر دلایا گیا تو کس کتاب سے ثابت ہے۔	۱۵۴
سوال اول: عصبات کی اقسام اربعہ خصوصاً قسم چہارم میں جو الفاظ (او عالیہا) مشروع ہیں ان کا ماخذ کیا ہے۔	۱۵۴	سوال ہفتم: اس استفتاء کے مفتیان صاحبان کے علم میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ یعنی پردادا کے بھائی کی اولاد یا سردادا کی عم کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو بحالت موجودگی ذوی الفروض نسبی کے حصہ ملا ہے کہ نہیں اگر ملا ہے کب کس خاندان میں۔	۱۵۵
سوال دوم: عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا حسب شرح صدر ناممکن ہے یا نہیں۔	۱۵۴	سوال ہشتم: اگر کسی قصبہ یا شہر میں رواج یہ ہے کہ بصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے منجملہ قسم چہارم جد کی اولاد تک بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دیا جاتا ہے اَب الجد یا جد الجد یا اس سے بھی عالی کسی جد اولاد کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ ذوی الفروض پر رَد ہوجاتا ہے تو یہ رواج قابل عمل درآمد ولائق لحاظ ہے کہ نہیں۔	۱۵۵
سوال سوم: عصبات نسبی کا غیر اگر موجود ہونا ناممکن ہے تو مسائل متعلقہ عصبات سببی وغیرہ جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مشروع ہیں کس صورت میں کارآمد ہوں گے۔	۱۵۴		

جواب سوال اول، جو ایک آیۃ کریمہ اور چھ احادیث پر مشتمل ہے۔	۱۵۵	مہر جبکہ کل یا بعض ذمہ شوہر ہو اور عورت بے ابراء ومعافی معتبر شرعی مرجائے تو وہ مثل دیگر دیون واموال ترکہ زن ہوتا ہے۔	۱۶۷
جواب سوال دوم، جو آٹھ صورتوں پر مشتمل ہے۔	۱۵۸	ایک شخص کی بیوی فوت ہوگئی، اس کے بعد ایک لڑکا اور لڑکی جو اس شوہر سے تھی وہ بھی فوت ہوگئے، اب مرحومہ کے باپ کی جائداد متروکہ سے جو اس کے بھائی اور ماں کے قبضہ میں ہے اس کے شوہر کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں، اگر مل سکتا ہے تو کس حساب سے، اور اگر اس نے مہر معاف نہ کیا ہو تو اس کے ماں اور بھائی اس کے شوہر سے زر مہر پانے کے مستحق ہیں یا نہیں۔	۱۶۷
سوال سوم چونکہ خود مندفع ہوگیا لہذا حاجت جواب نہیں۔	۱۵۹	عورت کی تجہیز وتکفین شوہر کے ذمہ ہے۔	۱۶۹
تنبیہ (صورت نادرہ)	۱۵۹	شادی کا خرچ مانگنا محض بے جا ہے۔	۱۷۰
سیدنا حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں۔	۱۵۹	محمدی بیگم نے مندرجہ ذیل ورثاء چھوڑے ہیں ایک بہن کی دو بیٹیاں، دوسری بہن کے دو بیٹے اور ایک بیٹی، جبکہ بھائی کی ایک بیٹی، تو ترکہ کیسے تقسیم کیا جائے۔	۱۷۰
جواب سوال چہارم	۱۶۱	ایک عورت فوت ہوئی اور سوائے زوج البنت، اخت الزوج اور ابن عم الزوج کے کوئی وارث نہیں چھوڑا اس کا ترکہ کس کو دیا جائے گا۔	۱۷۱
جواب سوال پنجم	۱۶۲	داماد محرم ومانند پسر کے ہوتا ہے۔	۱۷۱
مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کا نسیب ہوں توریث نہیں ہوسکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔	۱۶۲	نہ جدا ہوجانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے۔	۱۷۲
استحقاق ارث عصوبت صرف نسیب ہونے پر متبنی نہیں بلکہ شرع میں اس کے لئے ترتیب ہے۔	۱۶۲	ہندہ فوت ہوئی جس کے ورثاء یہ ہیں ایک عینی بہن، ایک بھانجا، دو حقیقی بھائی، ایک علاتی بھائی اور شوہر، تقسیم ترکہ کیسے ہوگا۔	۱۷۲
جواب سوال ششم	۱۶۳	عصبات وذوی الارحام کی ہر نوع میں قرب درجہ مطلقاً موجب ترجیح ہے۔	۱۷۳
جواب سوال ہفتم	۱۶۴	زندگی میں اولاد پر تقسیم کی جائے تو بیٹا بیٹی کو برابر دیا جائے۔	۱۷۶
جواب ہشتم	۱۶۶		

منکوحہ غیر سے لاعلمی میں نکاح ہوا تو فاسد ہے اور اولاد ترکہ پائے گی۔	۱۷۶	تعدد جہات میں امام ابویوسف علیہ الرحمۃ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کا نقطہ نظر	۱۹۰
زید کے تین بیٹوں میں سے ایک کو کسی لاولد شخص نے اپنا متبنی بنالیا ہے، کیا یہ اپنے باپ کا بھی وارث بنے گا یا نہیں۔	۱۷۸	مصنف علیہ الرحمہ کی اعتبار تعدد جہات فی الاصول کے بارے میں تحقیق۔	۱۹۱
زید نے تین بیویاں لیلٰی، سلمٰی، سعاد، ایک ماموں زاد بھائی عمرو، ایک خالہ زاد بہن جمیلہ اور ایک پھوپھی زاد بہن حسینہ چھوڑ کر انتقال کیا، اس کی زوجہ سلمٰی عمرو کی اور دوسری زوجہ سعاد جمیلہ کی حقیقی بہن ہے۔ اس صورت میں ترکہ زید کس طرح منقسم ہوگا۔	۱۷۹	تعدد جہات تعدد اشخاص کا موجب ہے اگرچہ حکماً ہو۔	۱۹۱
لفظ آق اور عاق کا معنی۔	۱۸۰	کسی فرع میں تعدد جہات اس کے بدن میں تکثر کو ثابت نہیں کرتا۔	۱۹۲
کوئی کاغذ بے شہادت شرعیہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور نہ وہ منسوب الیہ کا لکھا قرار پاسکتا ہے۔	۱۸۱	تقسیم مسئلہ	۲۰۳
ہندہ کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا جبکہ اس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے ہیں، ایک چچازاد بہن کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں، دوسری چچازاد بہن کی دو بیٹیاں، پھوپھی زاد بہن کا ایک بیٹا، ماموں زاد بہن کی ایک بیٹی اور دو بیٹے۔	۱۸۲	لاوارث کا ترکہ	۲۰۸
شوہر کے بہن وبھائی کی اولاد وارث نہیں بنتی۔	۱۸۲	جہیز اور چڑھاوے کا حکم	۲۰۹
مناسخہ کی ایک صورت۔	۱۸۴	قبل خلوت طلاق ہونا باعث سقوط نصف مہر ہوتا ہے۔	۲۱۰
○رسالہ **طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان** (۱۳۱۷ھ)	۱۸۹	موت اگرچہ قبل خلوت ہو کل مہر کو لازم کردیتی ہے۔	۲۱۰
ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا۔	۱۹۰	سوتیلے بہن بھائیوں کی توریث سے متعلق سوال اور اس کا جواب۔	۲۱۰

○ رسالہ **تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم** (۱۳۲۱ھ)	۲۱۳	تین ان اصول میں سے ہے جن میں کبھی عول نہیں ہوتا۔	۲۲۶
(بعض مسائل فرائض میں کچھ علماء معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ)	۲۱۳	کل مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا۔	۲۲۶
فصل اول	۲۱۳	کن مخارج میں عول ہوتا ہے اور کن میں نہیں ہوتا۔	۲۲۷
مولوی عبدالحیٰ لکھنوی صاحب کی مسئلہ تخارج میں سخت لغزش	۲۱۴	خاص جزئیہ شمول کی تصریحات۔	۲۲۹
زیادت ایضاح کے لئے مسئلہ کی تین صورتیں۔	۲۱۶	فصل سوم	۲۳۱
سراجی وشریفیہ سے مسئلہ کی صریح تصریح۔	۲۱۸	وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل وبے اثر ہے، اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا، ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہوجائے گی۔	۲۳۲
فصل دوم	۲۲۱	منف علیہ الرحمہ کی تحقیق کہ مسئلہ مذکورہ میں روایات تین طرح کی ہیں۔	۱۳۲
اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات الابن اور اس سے سفلیات کے ساتھ عصبہ مع غیرہ بنانے کی صورت اور اس میں پائے جانے والے وہم کا ازالہ۔	۲۲۱	فصل چہارم	۲۳۹
شرح بسیط کا بیان صریح لغزش ہے۔	۲۲۲	سوائے مادر حقیقی دیگر زوجات اَب اور سوائے جدہ حقیقیہ دیگر زوجات جد میراث پاتی ہیں یا نہیں۔	۲۳۹
بنت الابن ضرور بنت ابن الابن وغیرہ جملہ سفلیات کو متناول ہے، تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے۔	۲۲۲	درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے "فصاعداً" اور "اوا کثر" سے کیا مراد ہے۔	۲۳۹
عدم ذکر ہر گز ذکر عدم نہیں ہوسکتا۔	۲۲۲	تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام تین چار یہاں تک کہ پندرہ جدات کس بناء پر درج ہیں۔	۲۳۹
مسئلہ کا کلیہ	۲۲۴	آدمی کی ام وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل اور یہ ان کی فرع ہو، باقی زوجات اَب وجَد، ام وجدہ نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ ہے۔	۲۳۹
اخوات کے پانچ حال	۲۲۶	تعدّد ام واب کی صورت بحالت تنازع۔	۲۴۰
کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۲۶	جدّات صحیحہ امیہ وابویہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ۔	۲۴۲

نقشہ امیات۔	۲۴۳	علامہ انقروی نے کتاب "حل المشکلات" ۹۶۴ھ میں تصنیف فرمائی۔	۲۵۱
نقشہ ابویات۔	۲۴۳	چھٹی دلیل	۲۵۲
نقشہ جدّات ثابتہ ابویات وامیہ درجہ پنجم۔	۲۴۳	ساتویں دلیل	۲۵۲
نقشہ پانزدہ جدہ صحیحہ کے امیہ وچہاردہ ابویہ بطریق اخصر کہ دردرجہ چہاردم حاصل میشوند۔	۲۴۴	جس شَے کا وجود مستلزم عدم ہو وہ محال ہوتی ہے۔	۲۵۲
فصل پنجم۔	۲۴۵	عصبات میں اصل مطرد یہ ہے کہ میت کی جزء میت کے باپ کی جزء پر مقدم ہوتی ہے۔	۲۵۲
ایک شخص فوت ہوا جس نے ایک بیوی، تین بیٹیاں، تین پوتیاں اور بھائی کے دو پوتے چھوڑے ہیں، تقسیم ترکہ کیسے ہونا چاہئے۔	۲۴۵	آٹھویں دلیل	۲۵۲
صورت مذکورہ میں پوتیاں بیٹیوں کی وجہ سے محجوب ہوں گی۔	۲۴۶	تعصیب محاذیہ دوصلبیہ کے وجود کے ساتھ مختص نہیں ہے۔	۲۵۳
دلائل۔ پہلی دلیل	۲۴۶	نویں دلیل	۲۵۴
پوتیوں کو صرف پوتا پڑپوتا ہی عصبہ بناسکتا ہے	۲۴۶	صورت عول میں کوئی عصبہ نہیں ہوتا۔	۲۵۵
دوسری دلیل	۲۴۸	دسویں دلیل	۲۵۵
تعصیب میں میت کے پوتے اور پوتیاں بالاجماع اس کے بیٹوں اور بیٹیوں کے تحت داخل ہیں۔	۲۴۸	فصل ششم	۲۵۹
تیسری دلیل۔	۲۴۸	حق ارث تقادم زمان کے ساتھ ساقط ہوجاتا ہے یانہیں۔	۲۵۹
علماء جب عصبہ بغیرہ کو ذکر کرتے ہیں تو پوتی کو پوتے کی تعصیب کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔	۲۴۸	تحقیق مصنف کہ یہاں دو مقام ہیں۔	۲۶۱
چوتھی دلیل	۲۴۹	مقام اول	۲۶۱
بیٹے، پوتے، عینی بھائی اور علاتی بھائی کے علاوہ کسی کو قوت تعصیب نہیں ہے۔	۲۴۹	مقام دوم	۲۶۲
پانچویں دلیل۔	۲۵۰	ایک شخص حسب ذیل ورثاء چھوڑ کر فوت ہوا: ایک بیوی، ماں، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچازاد بھائی، جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچازاد بھائی کے لئے کردی ہے، اب اس کی وصیت کے بارے میں کیا حکم ہے اور تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔	۲۷۱

وصیت ایک تہائی میں ہوتی ہے۔	۲۷۲	گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔	۲۸۱
کس وارث کے لئے وصیت ممنوع اور کس کے لئے جائز ہے۔	۲۷۳	نکاح فاسد و باطل کی صورت میں عورت وارث نہیں بنتی۔	۲۸۲
مجوب کے لئے وصیت بالاجماع رواہے۔	۲۷۳	بغیر نکاح کے چماری سے پیداہونے والالڑکاوارث نہیں بنتا۔	۲۸۳
عصبہ کی تعریف	۲۷۴	ایک مجمل سوال کاجواب۔	۲۸۵
جب تک دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد موجود ہو بھتیجیاں وارث نہیں بن سکتیں۔	۲۷۵	بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو کچھ نہیں ملے گا۔	۲۸۶
عقائد روافض حد کفر تک نہ پہنچیں توان کی میراث کاحکم۔	۲۷۶	زید حاملہ بیوی اور دو بھائی چھوڑ کر فوت ہوگیا تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔	۲۸۷
مرتد کے زمانہ اسلام کاکمایاہوامال اس کے مسلمان وارثوں کاہے اور حالت ردت کافقراء مسلمین کے لئے۔	۲۷۶	اگر کوئی وارث فاتحہ، سوم، چہلم اور قبر پکی کرانے میں کچھ خرچ کرے تودیگر ورثاء اس کے ذمہ دارنہ ہوں گے۔	۲۸۸
مہراور تمام دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہیں۔	۲۷۷	عورت نے وقت وفات ایک زوج، ایک پسر، ایک دختر وارث چھوڑے۔ پسر نے بہ نظر ثواب یابغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دوہزار سات سو بلامشورت دیگر ورثاء تجہیز و تکفین وفاتحہ و چہلم وغیرہ مورث کاکیاورثا کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہوسکتے ہیں۔	۲۸۸
شوہر کاجو قرضہ عورت نے بطور خود اپنازیور بیچ کر اداکیاوہ شوہر کے ترکہ سے لے سکتی ہے۔	۲۷۷	صرف تجہیز و تکفین وفاتحہ وسوم وچہلم وعرس وغیرہ شرعاً کس قدر تبلیغ وراثت پر مقدم رکھاگیاہے۔	۲۸۸
زید کاانتقال ہوااس نے ایک زوجہ، چار بھانجیاں اور چار چچازاد بہنیں چھوڑی ہیں، ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔	۲۷۷	شرعاً زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز و تکفین و فاتحہ وعرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہوسکتاہے۔	۲۸۸
بیوی اپنے شوہر مقروض کے ترکہ سے اپناآٹھواں حصہ الگ کرکے دیون صرف دیگروارثوں ے سہام پرڈالے تو یہ محض باطل ہے۔	۲۷۸	شرعاً لباس قیمتی اہل اللہ کامریدان ومعتقدان کو تبرکاً ومساکین کو ثواباً ایک بلااسترضادیگر ورثاء تقسیم کرسکتاہے۔	۲۸۹
وراثت مفقود سے متعلق ایک سوال کاجواب۔	۲۷۹		

شرعاً صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں، اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے۔	۲۸۹	جس مکان کو متعلق خانقاہ مہمان خانہ یا لنگرخانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس کے مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکرالٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً عرس سالانہ مورث ونذر ونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہوسکتے ہیں یا نہیں۔	۲۸۹	اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۱
شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں۔	۲۸۹	قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔	۲۹۱
جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا تعلیم ذکرالٰہی ہوتی ہو یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں۔	۲۹۰	ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے۔	۲۹۱
جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح ومرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلاشرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں، اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔	۲۹۰	کیا عورت بوجہ ناقابلیت کے فطرتی کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے۔	۲۹۲
فرش وشیشہ آلات ودیگر اسباب منقولہ جو عرس میں اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں۔	۲۹۰		

ایک شخص نے خالص بیوی کے روپے سے اپنے لئے مکان خریدا اور پچاس روپے اس نے قرض لئے پھر بیوہ، دو بیٹیاں، ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے چھوڑ کر فوت ہوگیا، اب اس کے قرض کی ادائیگی اور تقسیم ترکہ کی کی صورت ہوگی۔	۲۹۲	کم ایسا عرض ہے جو لذاتہٖ تقسیم کو قبول کرتا ہے۔	۳۰۶
دین جب ترکہ سے زائد ہو تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے۔	۲۹۲	الواحد یستحیل ان یفرض فیه ش دون شیئ والا لتعدد فلم یکن واحدا۔	۳۰۶
فاسق وبدمذہب وارث کو ترکہ سے محروم کرنا بہتر وافضل ہے۔	۲۹	انما التحلیل الی ما منه الترکیب۔	۳۰۶
فسق اعتقاد فسق عملی سے اشد ہے۔	۲۹۵	الوحدۃ لستحیل ان تصیر وحدتین۔	۳۰۷
بعض ورثاء کو وراثت سے محروم کرنے والے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۲۹۶	الواحد وحدۃ والاثنان وحدتان وھکذا۔	۳۰۷
تقسیم ترکہ سے پہلے بعض وارثوں کا اس میں تجارت وغیرہ تصرف کرنے سے متعلق سوال۔	۲۹۶	لایعقل للوحدۃ بعض اصلاً۔	۳۰۷
آفتاب بیگم فوت ہوئی اس کے وارثوں میں ایک چچازاد بہن کا پوتا، ایک علاتی خالہ اور چار اخیافی بھتیجے ہیں جن کا باپ فوت ہو چکا ہے اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوا۔	۲۹۸	کسور کے معنی کی تحقیق۔	۳۰۷
وصی اور وارث اپنے مال سے تجہیز وتکفین کرے تو معاوضہ پائے گا۔	۲۹۹	وجہ دوم (ثانیاً)	۳۰۷
تداخل سے متعلق ایک سوال کا جواب۔	۳۰۱	صفر حاشیہ عدد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ محض سلب ہے۔	۳۰۷
مصنف علیہ الرحمہ کے فتوٰی میں مذکور قول مبارک "بل التحقیق ان لیس ھناک الاقسمان" سے متعلق مولانا ظفر الدین کا استفسار اور مصنف علیہ الرحمہ کا پانچ تحقیقی وجوہات پر مشتمل جواب۔	۳۰۴	صفر خلو مرتبہ کا نام ہے۔	۳۰۷
وجہ اول (اوّلاً)	۳۰۶	وجہ سوم (ثالثاً)	۳۰۸
محققین کے نزدیک واحد عدد نہیں ہے۔	۳۰۶	جمع الصفر مع عدد کام عنی۔	۳۰۸
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے دلیل قاطع۔	۳۰۶	وجہ چہارم (رابعاً)	۳۰۸
عدد کم ہے۔	۳۰۶	عددیت صفر بداہت عقل سے باطل ہے۔	۳۰۹
		عدد شیئ ہے اور صفر لاشیئ ہے۔	۳۰۹

وجہ پنجم (خامساً)	۳۰۹	طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کافتوی۔	۳۱۷
الصفر لایعدہ الا الصفر والصفر لایعد الا الصفر۔	۳۰۹	مرتد کسی کاوارث نہیں ہوسکتا۔	۳۱۸
فاتحہ کاصرف ترکہ سے اصلاً مجرانہ ہوگا۔	۳۱۱	جو شخص مرتد کی حالت پرآگاہ ہوکر اس کو قابل امامت سمجھے گا اس کی نماز تو درکنار ایمان بھی نہ رہے گا۔	۳۱۸
عورت کاکفن دفن شوہر پرواجب ہے۔	۳۱۲	فتوی قول امام پر دیاجائے۔	۳۱۸
زید نے عمر کے پاس انتقال کیاعمر ہی زید کاکھاتا یااس کو کھلاتا رہا۔ اب زید کامال اس کے وارثوں کو ملے گا یا عمر کو۔	۳۱	چند اصول افتاء ورسم المفتی۔	۳۱۸
خاندان طوائف میں نکاح کرنے سے حق میراث زائل ہوجاتا ہے یاشرع شریف کے مطابق حق ملتاہے۔	۳۱۲	کسی وارث کے کالعدم کرنے کی مثالیں۔	۳۱۸
بے نکاحی اولاد صرف اپنی ماں اور مادری رشتہ والوں کاحصہ پاتی ہے۔	۳۱۲	پہلی مثال۔	۳۲۰
لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام ہے۔	۳۱۴	دوسری مثال۔	۳۲۰
جو شخص رسم ہنود پر راضی ہو اور حکم شریعت سے راضی نہ ہو وہ تجدید اسلام کرے۔	۳۱۴	تیسری مثال۔	۳۲۰
اولاد کے عاق ہونے کامطلب۔	۳۱۵	چوتھی مثال۔	۳۲۰
باپ کے عاق کردینے سے اولاد نہ تواولاد ہونے سے خارج ہوتی ہے اور نہ ہی میراث سے محروم ہوتی ہے۔	۳۱۵	پانچویں مثال۔	۳۲۱
غیر کفو میں نکاح کب باطل ہوتا ہے۔	۳۱۵	تشحیذ اذہان فرائض داناں کے لئے ایک صورت بدیعہ۔	۳۲۳
ایک کثیر الشقوق والمباحث مسئلہ کاجواب۔	۳۱۶	کیا تصحیح اخیر مناسخہ کبھی پھر قابل اختصار ہوجاتی ہے، اگرہوجاتی ہے توہاں خلاصہ عمل کہ مناسخہ کے آخر میں لکھاجاتا ہے کس طرح تحریر کیاجائے۔	۳۲۴
جو صرف اولاد دختری رکھتاہو اس کے اجداد کی اولاد ذکور میں جو مرد کتنے ہی فاصلہ پرجاکے ملتاہو وہ اس کاعصبہ ہے۔	۳۱۷	کافر کافر کاوارث ہے۔	۳۲۶
عصبہ کاحق اہل فرائض کے برابر نہیں ہوتابلکہ متاخر ہے۔	۳۱۷	ایک مسئلہ جو اکثر علماء زماں کی سمجھ میں سہل آنے کانہیں۔	۳۲۸

جو جلدی کرتا ہے خطا میں پڑتا ہے (حدیث)	۳۲۸	لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔	۳۴۰
ترکہ سسر میں بموجودگی دیگر ورثاء بلاواسطہ براہ مستقیم داماد کا کیا حق ہے۔	۳۳۱	دنیوی فائدے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا اپنے کفر کا اقرار ہے جس پر تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم ہے۔	۳۴۱
متبنّی کرنا اور وارث بنانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں۔	۳۳۱	زید نے انتقال کیا اور ایک زوجہ، حقیقی دادی کا ایک بھائی، حقیقی دادا کا ایک نواسہ اور والد کے دو پھوپھیرے بھائی چھوڑے ہیں، اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے گا۔	۳۴۲
وارث بنانے کی دو صورتیں ہیں: ایک حقیقۃً، دوسری حکماً۔	۳۳۲	باپ کے مال میں بیٹوں کا حق بنص قطعی قرآن ہے جسے کوئی رَد نہیں کرسکتا۔	۳۴۳
ایک خاتون نے اپنے بھتیجے کو متبنّی بناکر پرورش کی جو اپنے آپ کو خاتون کے شوہر یعنی اپنے پھوپھا کا خلف کہلاتا ہے، تو وہ کس کا پسر متصور ہوگا اور میراث وغیرہ میں اس کی کیا صورت ہوگی۔	۳۳۲	وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثاء کے عمل کو۔	۳۴۳
خلف کا معنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں۔	۳۳۴	مہر میراث ہے اور میراث میں افضل وغیر افضل نہیں دیکھے جاتے۔	۳۴۴
اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا باپ کہے تو وہ شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں۔	۳۳۴	میراث جبری ہے جو کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔	۳۴۴
ہندہ نے انتقال کیا اور ایک زوج جو اس کا ابن الخال بھی ہے، ایک بنت العمہ اور ایک بنت الخال کو چھوڑا۔ ازروئے فقہ حنفی کے اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا۔	۳۳۷	زوجہ مقتول کو محض شبہہ میں بلاشہادت عینی کے عدالت سے سزا ہوئی تو کیا ترکہ مقتول میں حصہ شرعی اور مہریابی کی مستحق ہے۔	۳۴۴
جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔	۳۳۸	بعد مقتول جو لڑکا پیدا ہوا وہ ترکہ مقتول سے حصہ یابی کا مستحق ہے یا نہیں۔	۳۴۴
جو چیز تاحین حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مستقل مالک ہوجاتا ہے اس کی واپسی بعد موت حرام ہے۔	۳۳۸	شوہر نے بیوی کے گور وکفن، فاتحہ وخیرات کے مصارف دیگر وارثوں کی اجازت سے بنیت اداء دین مہر ادا کئے تو اس کی شرعاً کیا صورت ہوگی۔	۳۴۵
مہر میراث ہے۔	۳۴۰		

جو مسلمان سنی المذہب ورثہ کا لین دین ہندو مذہب کے مطابق کرے اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔	۳۴۶	بیٹے یا چچا کی موجودگی میں ماموں کو میراث سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔	۳۵۵
پھوپھی کا ترکہ دو بھتیجوں کو برابر ملا جس میں سے ایک بھتیجے نے پھوپھی کی بیماری اور تجہیز و تکفین کا خرچ برسی اپنے پاس سے کیا دوسرے بھتیجے کو نصف ادا کرنا واجب ہے نہیں۔	۳۴۷	غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ کہ پرائے مال سے۔	۳۵۵
ایک ایسے سوال کا جواب جس میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے گئے ہیں۔	۳۴۸	مہر معجّل کی ادائیگی پیش از رخصت ضروری ہے ورنہ جب عورت طلب کرے۔	۳۵۶
عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے۔	۳۴۹	بے ثبوت شرعی طلاق ہرگز نہیں مانی جاسکتی عورت ضرور مستحق میراث ہے۔	۳۵۶
عوام کے خیال میں عاق کرنے کا جو مفہوم ہے وہ محض باطل ہے۔	۳۴۹	مسائل ذوی الارحام میں فتوٰی کس کے قول پر ہے۔	۳۵۶
موانع خمسہ ارث۔	۳۴۹	ایک شخص کا انتقال ہوا جس نے ایک دادی، ایک نانی، باپ اور بہن چھوڑے ہیں تقسیم ترکہ کیسے ہوگا۔	۳۵۶
ایک شخص متوفی کی جائداد کسی کے پاس رہن ہے، اس کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کاروائی بیع کی کس کے ساتھ ہوگی۔	۳۵۰	خالہ زاد بہن بھائی کے ہوتے ہوئے پردادا کے پوتے کا نواسہ محروم رہتا ہے کیونکہ درجے میں وہ اولاد خالہ سے بعید ہے۔	۳۶۰
دو بیویوں کے زوج کی میراث سے متعلق پانچ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۳۵۰	عورت کے اسباب جہیزی میں میراث سے متعلق سوال۔	۳۶۰
جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے گنہگار ہیں، اور یہ کہنا کہ ان کا کوئی حق نہیں صریح کفر ہے۔	۳۵۳	مسلمان اور کافر کے درمیان توریث کا حکم شرعی۔	۳۶۱
وراثت شرعیہ کا منکر خارج از اسلام ہے وہ نہ مسجد کا متولی ہو سکتا ہے نہ اوقات مسلمین کا۔	۳۵۴	مسلمان ہونے سے مِلک زائل نہیں ہوتی۔	۳۶۱
مہر معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے۔	۳۵۵	اسلام قاطع ملک نہیں۔	۳۶۱
ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔	۳۵۵	عاق کردینا شرع میں کوئی اصل نہیں رکھتا اور نہ ہی اس سے میراث ساقط ہوتی ہے۔	۳۶۲

فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے۔	٣٦٢	فاسد بیع میں قبضہ سے قبل مشتری مالک نہیں ہوتا۔	٣٦٩
تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثاء وترتیب اموات نہیں ہوسکتا۔	٣٦٣	نابالغہ کا بھائی بالغ موجود ہو توماں کو ولایت نکاح حاصل نہ ہوگی۔	٣٧٠
فاسق اور بدچلن بیٹے کو میراث سے محروم کرنے کا طریقہ۔	٣٦٤	احوال ام سے متعلق سراجی کی ایک عبارت کا مطلب۔	٣٧٠
مرض الموت سے ہبہ کرکے قبضہ دلادیا تودوسرے وارثوں کا اس میں کوئی حق نہیں۔	٣٦٤	بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے۔	٣٧١
مہر کی مالک عورت ہے۔	٣٦٥	روافض کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔	٣٧١
دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہوسکتا۔	٣٦٥	اختلاف دین مانع ارث ہے۔	٣٧١
وارثوں کی اجازت کے بغیر ترکہ کامال مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	٣٦٦	ایک شخص سنی المذہب کا انتقال ہوا اس نے دو بہنیں سنی المذہب اور ایک بہن شیعی المذہب چھوڑی، اس صورت میں شرعاً تقسیم ترکہ کس صورت میں ہوگا۔	٣٧١
عورتوں کو میراث سے محروم کرنا حرام قطعی، اتباع ہنود اور شریعت مطہرہ سے منہ پھیرنا ہے۔	٣٦٦	زید نے تین لڑکے اور چھ لڑکیاں چھوڑ کر انتقال کیا لڑکے مشترکہ مال میں تجارت کرتے رہے اور کچھ نفع بھی حاصل کیا اب لڑکیاں حصہ مانگتی ہیں تو اس کی کیا صورت ہوگی۔	٣٧٢
ایک سوال کا جواب جو زائد باتوں سے بہت مفصّل اور ضروری باتوں سے نہایت مجمل ہے۔	٣٦٧	مال غصب پر حاصل کئے جانے والے نفع کا شرعی حکم۔	٣٧٣
شریعت مطہرہ نے پدری ووصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے۔	٣٦٨	زید نے زوجہ کو دیئے گئے زیور کا مالک نہیں بنایا اور نہ ہی عرف ورواج سے مالک ہونا مفہوم ہوتا ہے توزید ہی اس کا مالک ہے۔	٣٧٤
ماں ولی مال نہیں ہوسکتی۔	٣٦٨	نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانا نانی۔	٣٧٤
قبضہ سے قبل واہب یا موہوب لہ فوت ہوجائے توہبہ باطل ہوجاتا ہے۔	٣٦٩	ذوی الارحام کی صنف رابع کی اولاد کے قاعدہ تحریکی سے متعلق سراج الفقہاء مولانا سراج احمد خانپوری علیہ الرحمہ کا استفتاء مرسلہ جناب احمد بخش چشتی سجادہ نشین جھجہ شریف بہاولپور۔	٣٧٤
بیع بوجہ جہالت ثمن باطل ہوتی ہے۔	٣٦٩		

مکتوب بنام صدر الشریعۃ مولانا امجد علی صاحب علیہ الرحمہ۔	۳۷۸	متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں۔	۳۸۴
محققانہ جواب از اعلیحضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ۔	۳۷۸	سراجیہ، منیہ اور اشباہ کا مرتبہ۔	۳۸۴
یہاں دو مسئلے ہیں: اول بحالت اختلاف بھی ولد الوارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔ دوم اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔	۳۷۸	ساتویں تنبیہ (سابعاً)	۳۸۴
کتاب "حل المشکلات" مصنّفہ ۹۶۴ھ کے مصنف مولانا فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی ہیں۔	۳۷۹	امام سرخسی نے مبسوط میں تمام کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے۔	۳۸۵
مختصر الفرائض ۱۲۴۱ھ اور زبدۃ الفرائض کے مصنّفوں کا نام۔	۳۷۹	مبسوط شریف کا نص ملخص۔	۳۹۳
چند ضروری تنبیہات۔	۳۸۱	اولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد۔	۳۹۴
پہلی تنبیہ (اولا)	۳۸۱	تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین	
ہدایہ میں کتاب الفرائض نہیں ہے حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔	۳۸۱	جس نے کسی کو سرکار سے زیادہ علم والا بتایا اس نے سرکار کو گالی دی۔	۳۹۵
دوسری تنبیہ (ثانیاً)	۳۸۱	ذرّیت شیطان کے بارے میں چند اقوال۔	۳۹۶
وہ شروح ہدایہ جن میں فرائض نہیں۔	۳۸۱	شب معراج نماز پنجگانہ کی فرضیت احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔	۳۹۶
تیسری تنبیہ (ثالثاً)	۳۸۲	ہاروت وماروت کے واقعہ کی حقیقت۔	۳۹۷
کنز کی ایک عبارت پر بحث۔	۳۸۲	سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی روح اقدس نے شب معراج براق پر سوار ہونے کے وقت حضور کو کاندھا دیا یا نہیں، اس امر کا بیان۔	۳۹۸
چوتھی تنبیہ (رابعاً)	۳۸۳	قرآن پر اعراب کس نے لگائے۔	۳۹۹
پانچویں تنبیہ (خامساً)	۳۸۳	حسین بن منصور حلّاج کے انا الحق کہنے کا واقعہ۔	۴۰۰
بعد استواء درجہ تقدم ولد الوارث کا حکم عام ہے۔	۳۸۳	کیا الیاس وخضر علیہما السلام نبی ہیں۔	۴۰۱
چھٹی تنبیہ (سادساً)	۳۸۳	حضرت الیاس وخضر علیہما السلام دونوں ہر سال حج کے لئے تشریف لے جاتے ہیں، آب زم زم پیتے ہیں اور وہی سال بھر کے لئے کفایت کرتا ہے۔	۴۰۱

حائکہ اور جوتا سینے کا پیشہ کن اولیاء نے اپنایا۔	۴۰۲	وصال اقدس ربیع الاول میں بروز دوشنبہ ہوا۔	۴۱۵
شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے منکر کا حکم۔	۴۰۳	حجۃ الوداع بالاتفاق جمعہ کو ہوا۔	۴۱۸
○رسالہ **نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال** (۱۳۱۷ھ) (حضور کی ولادت مبارکہ اور وصال اقدس کی صحیح تاریخ باعتبار قمری ماہ وسال)	۴۰۵	حرمین طیبین میں رؤیت ہلال کے اختلاف کی کیفیت۔	۴۲۱
فصل اول	۴۰۵	متواترہ ۲۹ کے تین اور تیس کے چار مہینوں سے زیادہ نہیں ہوتے۔	۴۲۳
مسئلہ اولٰی: استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا۔	۴۰۵	دلیل اول	۴۲۴
مسئلہ ثانیہ: دن کیا تھا۔	۴۰۶	دلیل دوم	۴۲۴
مسئلہ ثالثہ: مدت حمل شریف کس قدر تھی۔	۴۰۷	علم توقیت وہیئت سے اس بات کی تحقیق کہ وال اقدس ۱۳ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی کو ہوا۔	۴۲۶
مسئلہ رابعہ: ولادت شریفہ کا دن کیا تھا۔	۴۰۸	کچھ کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ۹ ربیع الاول درج ہے کیا یہ صحیح ہے اور کیا عید میلاد ۹ ربیع الاول کو کی جائے۔	۴۲۷
مسئلہ خامسہ: ولادت شریف کا مہینہ کون سا تھا۔	۴۰۸	مشہور عندالجمہور ۱۲ ربیع الاول اور علم زیجات وہیأت کے حساب سے ۸ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے، ۹ ربیع الاول کسی حساب سے صحیح نہیں۔	۴۲۷
زمانہ جاہلیت میں مہینوں کی تعیین کس طرح ہوتی تھی۔	۴۰۹	استن حنانہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی اور دفن کرنا ایک روایت میں آیا ہے۔	۴۲۸
حضور کی تاریخ ولادت مشہور وراجح قول کے مطابق ۱۲ ربیع الاول شریف ہے۔	۴۱۱	حضور علیہ السلام کی دجّال کے ساتھ ملاقات اور حضرت عمر کے دجّال کو تلوار مارنے کا واقعہ جھوٹ اور افترا ہے۔	۴۲۹
مسئلہ سادسہ: ۱۲ ربیع الاول کو تاریخ وسنہ عیسوی کیا تھی۔	۴۱۴	طبرانی، صاحب عقد الفرید اور صاحب خلل ایام کے بارے میں سوال کا جواب۔	۴۲۹
فصل دوم	۴۱۴		

بارہ اماموں کے بارے میں سوال۔	۴۳۰	شاہ مدار کے خلفاء کے بارے میں تمام باتیں بے سروپا ہیں۔	۴۳۴
حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کا سلام پہنچایا۔	۴۳۰	سورہ فاتحہ کا نزول کسی خاص واقعہ کے لئے نہیں۔	۴۳۵
امامت سے کیا مراد ہے۔	۴۳۰	آیات انما اموالکم واولادکم فتنۃ اور یایھا الذین اٰمنوا لاتلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکر اللہ سے خطاب عام ہے خاص اشخاص مراد نہیں ہیں۔	۴۳۵
صحاح میں صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بہت کم ہیں۔	۴۳۱	خضر علیہ السلام مالک بری ہیں یا بحری۔	۴۳۶
رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد اور کسی کو ایصال الی المطلوب۔	۴۳۱	ادریس علیہ السلام آسمان پر ہیں۔	۴۳۶
امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں۔	۴۳۱	حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے بارے میں ایک غلط روایت۔	۴۳۶
امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔	۴۳۱	ایک روایت کے بارے میں سوال جو بعض کتبِ تصوّف میں ہے۔	۴۳۷
حضرت علی مرتضٰی اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہما کے مزارات کہاں ہیں۔	۴۳۲	سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یقینا قطعاً اجل سادات کرام سے ہیں۔	۴۳۷
حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسماء گرامی۔	۴۳۲	روافض زمانہ کفار مرتدین ہیں۔	۴۳۸
سرکار غوث پاک کے امام احمد کو خواب میں دیکھنے والی روایت صحیح نہیں۔	۴۳۳	رافضیوں کے یہاں معیار سیادت رِفض ہے وہ سنی کو سیّد نہیں مانتے۔	۴۳۸
سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صلبی اولاد نہیں تھی۔	۴۳۳	○رسالہ جمع القراٰن وبم عزوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ)	۴۳۹
کیا سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کے بارے میں تمام روایات ضعیف ہیں۔	۴۳۴	(جمع قرآن کی تاریخ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنے کا سبب)	۴۳۹
		قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بامر الٰہی حسب بیان جبرائیل واقع ہوئی۔	۴۳۹

قرآن مجید صحابہ کے سینوں، کاغذوں، پتھروں اور ہڈیوں وغیرہ پر تھاسارا قرآن مجموع نہ تھا۔	۴۴۰	آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں جس ترتیب سے لوح محفوظ میں تھیں۔	۴۵۰
جنگ یمامہ اور تدوین قرآن مجید۔	۴۴۰	قرآن مجید تیئیس برس میں اُترا۔	۴۵۰
فاروق اعظم کی تحریک پر صدیق اکبر نے زید بن ثابت کو جمع قرآن کا حکم دیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔	۴۴۰	سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتادیا کرتے تھے۔	۴۵۰
قرآنی صحیفے کس کس کے پاس رہے۔	۴۴۰	وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کادارومدار ہے کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتاہے کہ اسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا۔	۴۵۲
حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ہر قومِ عرب کو اپنے طرز ولہجہ میں قراءت کی اجازت تھی۔	۴۴۱	جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تین کام کئے جس کی وجہ سے آپ کو "جامع القرآن" کہا جاتاہے۔	۴۵۲
امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت علی مرتضٰی ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مشورہ سے تمام لوگوں کو خالص لغت قریش کے مطابق پڑھنے کا پابند کردیا۔	۴۴۱	**فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن**	
عثمان غنی نے صحائف کی نقلیں تیار کراکے مختلف شہروں میں بھیج دیں۔	۴۴۱	ایک آیت کا شان نزول۔	۴۵۳
صحائف صدیقی خلافت امیر معاویہ تک محفوظ تھے پھر مروان نے لے کر چاک کردیئے۔	۴۴۱	حدیث ثعلبہ صحیح ہے یا حسن یا ضعیف یا موضوع۔	۴۵۳
حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو صحائف صدیقی کی نقلیں کراکے بلاد اسلام میں بھیجنے کی وجہ سے "جامع قرآن" کہا جاتا ہے ورنہ حقیقۃً جامع قرآن خود اللہ رب العزۃ اور بنظر ظاہر حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام، اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، تائید میں روایات۔	۴۴۲	ثعلبہ بن حاطب غزوہ احد میں شہید ہوئے اور ثعلبہ بن ابی حاطب عہد عثمانی میں مرا۔	۴۵۴
اس سوال کا جواب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جامع قرآن مجید کس رو سے کہتے ہیں۔	۴۵۰	حاشاللہ نور وظلمت کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔	۴۵۴

ثعلبہ بن حاطب اور ثعلبہ بن ابی حاطب کے درمیان ایمان ونفاق کافرق۔	۴۵۷	○ رسالہ **الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام** (۱۳۱۵ھ)	
شاہ عبدالقدیر صاحب کے ترجمہ میں بعض ناپسندیدہ الفاظ کی نشاندہی۔	۴۵۷	(اس شخص کی گردن پر کاٹنے والی تلوار جس کو ان آیتوں کے بارے میں شک ہے جن کا تعلق علم ارحام سے ہے)	۴۶۷
شیخ سعدی شیرازی کے ترجمہ قرآن کی خوبی۔	۴۵۸	آیات ارحام کی تفسیر وتشریح۔	۴۶۸
عالین کے معنی کی تشریح۔	۴۵۹	کسی آلہ کے ذریعہ پیٹ میں موجود بچہ کے بارے میں یہ جان لیناکہ یہ مذکر ہے یا مؤنث، آیات ارحام کے قطعاً منافی نہیں۔	۴۷۰
ایک آیت میں شیطان کی صفت "عالین" سے ہونا بیان کی گئی ہے اس کی تشریح منیب۔	۴۵۹	علم باری اور ان جدید آلات کے ذریعے حاصل علوم کے درمیان فرق چند وجوہ پر ہے۔	۴۷۱
بعدولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں۔	۴۶۰	اللہ تعالٰی نے اپنے محبوبوں کو بے شمار علوم عطافرمائے۔	۴۷۲
قرآن مجید میں ناسخ آیتیں کتنی ہیں اور منسوخ کتنی۔	۴۶۰	آلہ کے ذریعے بچے کے مذکر ومؤنث ہونے کی کچھ نشانیاں معلوم ہوجاتی ہیں۔	۴۷۵
آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں۔	۴۶۰	خالق کے مقابل مخلوق کے علم کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔	۴۷۷
حضرت سیدہ مریم جنت میں سرکار کے نکاح اقدس سے مشرف ہوں گی۔	۴۶۰	ایک مثال کے ذریعہ وضاحت۔	۴۷۸
حضرت عیسٰی وحضور علیہما السلام کے درمیان کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔	۴۶۲	نصارٰی کے عقائد فاسدہ کی تفصیل۔	۴۸۱
اولی الامر سے مراد علماء دین ہیں۔	۴۶۳	لوط علیہ السلام وداؤد کی شان اقدس میں صریح گستاخی۔	۴۸۳
یزید پلید علیہ مایستحقہ اولی الامر میں سے نہیں۔	۴۶۳	آیت کریمہ "لایموت فیھا ولایحیٰی" میں ارتفاع نقیضین کیونکر جائز ہوسکتاہے۔	۴۸۸
اس حدیث کامطلب کہ "جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پر ہوگی"۔	۴۶۴	"فلما اخذتھم الرجفۃ" میں رجفہ کی معنوی تحقیق۔	۴۸۹
"دون" عربی زبان میں دس معنٰی پر مشتمل ہے۔	۴۶۴		

ایک تفسیری قول کے حوالہ کے بارے میں سوال کا جواب۔	۴۸۹	زمانہ کے اعتبار سے کتب دینیہ کی ترتیب وتصنیف۔	۵۰۲
پاروں پر تقسیم امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہ کی، نہ کسی صحابی نے نہ کسی تابعی نے، معلوم نہیں اس کی ابتداء کس نے کی، یہ بہت حادث ہے۔	۴۹۲	حوادث زمانہ کے اعتبار سے نوپید مسائل میں اس زمانے کے مستند علماء کی سند کافی ہے۔	۵۰۲
قرآن مجید پر اعراب کب لگائے گئے۔	۴۹۳	اذان کے بعد الصلٰوۃ والسلام کا آغاز ۷۸۱ھ میں ہوا۔	۵۰۳
تفسیر قادری کے بارے میں ایک سوال کا جواب۔	۴۹۳	وہابیہ کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے۔	۵۰۴
محافل ومجالس **(میلاد وگیارھویں شریف وغیرہ)** ○رسالہ **اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامہ** (۱۲۹۸ھ)		غیر مقلدین اہل ہوا ہیں۔	۵۰۴
(محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت قیام تعظیمی کا ثبوت اور منکرین کا رَدِّ بلیغ)	۴۹۵	وہابیہ کے نزدیک ائمہ، صحابہ، انبیاء بلکہ خود خدا بھی مشرک ہے۔ معاذاللہ۔	۵۰۴
دو مقام واجب الاعلام۔	۴۹۷	ذکر ولادت کے وقت قیام صدہا سال سے بلاد اسلام بلکہ حرمین طیبین میں مقرر ومقبول ہے۔	۵۰۴
مقام اول	۴۹۷	امام سبکی اور کثیر علماء نے بوقت ذکر ولادت ومدح سرکار قیام فرمایا۔	۵۰۵
قرآن کریم سمجھنے کے لئے دو مبارک قانون۔	۴۹۸	غیر مقلد وہابیہ بھی امام سبکی کو بالاجماع امام جلیل مانتے ہیں۔	۵۰۶
قانون اول۔	۴۹۸	فاضل اجل جعفر علوی مدنی کے نزدیک قیام مستحب ہے اور امت کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوسکتا۔	۵۰۷
قانون دوم۔	۴۹۸	شب ولادت خوشی منانا اور میلاد شریف پڑھنا حاضرین کو کھانا کھلانا یہ سب تعظیم رسول سے ہے۔	۵۰۹
حوادث غیر متناہی ہیں۔	۵۰۰	ذکر ولادت کے وقت روح اقدس حضور جلوہ فرما ہوتی ہے۔	۵۱۱
ہر زمانہ میں ایک گروہ سواد اعظم حق پر رہے گا۔	۵۰۰		

یہ قیام ائمہ کے درمیان متوارث چلاآیا ہے۔	۵۱۲	حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے۔	۵۲۶
احیاء العلوم سے قیام کا ثبوت۔	۵۱۴	دوسرا نکتہ۔	۵۲۸
بدعت کی اقسام کا بیان۔	۵۱۵	عموم واطلاق سے استدلال صحابہ سے لے کر آج تک شائع ہے۔	۵۲۸
مجلس وقیام کا منکر بدعتی ہے۔	۵۱۶	جس بات کو شرع نے محمود فرمایا وہ ہمیشہ محمود رہے گی جب تک کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے۔	۵۲۸
حدیث پاک کہ "جس چیز کو مسلمان نیک جانیں وہ نیک ہے"۔	۵۱۶	مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔	۵۲۸
میلاد وقیام سے متعلق استحباب کا فتوی جس پر تیس علماء کی مہریں ہیں۔	۵۱۶	ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں۔	۵۲۸
علماء حرمین کے متعدد فتاوٰی۔	۵۱۶	پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع ہے۔	۵۲۸
بیس ممالک کے علماء کے فتاوٰی۔	۵۲۱	ورفعنالک ذکرک کی تفسیر۔	۵۳۰
سواد اعظم کی پیروی کرنا حدیث شریف سے ثابت ہے۔	۵۲۲	محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے۔	۵۳۰
ذکر رسول کی تعظیم مثل تعظیم رسول ہے۔	۵۲۳	ولادت اقدس صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے۔	۵۳۰
لطیفہ نظیفہ۔	۵۲۳	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے۔	۵۳۰
خود وہابیہ کے عمدۃ المحدثین بھی قیام کو مستحب قرار دے چکے۔	۵۲۴	بوجہ اطلاق آیات تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس طریقے سے کی جائے حسن ومحمود رہے گی۔	۵۳۱
مقام دوم۔	۵۲۵	حضواقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا ممنوع ہے۔	۵۳۱
چند اجمالی نکتے۔	۵۲۵	ذبح کے وقت تکبیر کی بجائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لینا ممنوع ہے۔	۵۳۱
پہلا نکتہ۔	۵۲۵	تنبیہ۔	۵۳۱
اصل اشیاء میں اباحت ہے۔	۵۲۵	تابعین وتبع تابعین تودرکنار خود قرآن مجید سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے۔	۵۳۱

تیسرا نکتہ۔	۵۳۱	بات فی نفسہٖ اچھی ہونی چاہئے خواہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔	۵۴۰
چوتھا نکتہ۔	۵۳۲	جمع قرآن کا قصہ۔	۵۴۰
شرعاً وعقلاً کسی طرح زمانے کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح پر قابو نہیں۔	۵۳۲	دسواں نکتہ۔	۵۴۲
کسی چیز کا نوپید ہونا موجب کراہت نہیں۔	۵۳۲	گیارہواں نکتہ۔	۵۴۳
بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں۔	۵۳۲	فعل جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن عدم فعل ہرگز ممانعت پر دال نہیں۔	۵۴۳
امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں۔	۵۳۲	بارہواں نکتہ۔	۵۴۴
اقسام بدعت۔	۵۳۳	تیرہواں نکتہ۔	۵۴۵
پانچواں نکتہ۔	۵۳۴	چودھواں نکتہ۔	۵۴۵
خیر القرون قرنی سے ہرگز ہر بدعت کا گمراہی ہونا ثابت نہیں۔	۵۳۴	جس بات کو حضور کی تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے۔	۵۴۶
علماء دین کسی وقت میں مصدر ومظہر شر نہیں ہوتے۔	۵۳۵	چند مثالیں ان امور کی جو دربارہ تعظیم وآداب حادث ہوئے۔	۵۴۶
چھٹا نکتہ۔	۵۳۵	مثال اول	۵۴۷
کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا احادیث میں مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس زمانے کے محدثات خیر ٹھہریں۔	۵۳۶	مثال دوم	۵۴۸
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور معنی حدیث "خیر القرون قرنی"۔	۵۳۶	امام مالک مدینے میں سواری پر سوار نہ ہوتے۔	۵۴۸
قرن کا معنی۔	۵۳۶	مثال سوم	۵۴۸
ساتواں نکتہ۔	۵۳۷	مثال چہارم	۵۴۸
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا۔	۵۳۸	مثال پنجم	۵۴۸
آٹھواں نکتہ۔	۵۳۹	مثال ششم	۵۴۹
صحابہ کے اقوال اس بات پر خود شاہد ہیں کہ ہمارے زمانے میں ہونا خیر ہونے کی دلیل نہیں۔	۵۳۹	مثال ہفتم	۵۴۹
نواں نکتہ۔	۵۴۰	تصدیقات علماء کرام: مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری۔	۵۵۰

مولانا عبدالقدیر صاحب محب رسول بدایونی	۵۵۱	شاہ بدر الدین مدار صاحب اکابر اولیاء میں سے ہیں۔	۵۵۹
مولانا عبدالمقتدر صاحب	۵۵۱	سیدنا غوث اعظم امام مہدی کے ظہور تک غوث الاغواث ہیں اور تمام اولیاء کی گردن پر آپ کا قدم ہے۔	۵۵۹
مولانا سلامت اللہ صاحب رامپوری و دیگر علماء۔	۵۵۲	شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب سے استدلال کہ خداوند قدوس پیر کی شکل میں متشکل ہوتا ہے غلط فہمی ہے۔	۵۶۲
قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہونا بہتر ہے جیسے حاضری روضہ انور کے وقت حکم ہے۔	۵۵۳	پیر کا حق کیا ہے ت۔	۵۶۲
قیام مولود کب مستحب، کب سنت اور کب واجب ہے۔	۵۵۳	کیا شیخ اپنی زوجہ کو بیعت کر سکتا ہے۔	۵۶۳
آج کل جو میلاد مروّج ہے مع زیب وزینت واہتمام،اس کے متعلق حکم شرعی۔	۵۵۳	کرامت اور فیض میں فرق۔	۵۶۴
تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری ومریدی		بیعت غائبانہ ہو سکتی ہے۔	۵۶۵
عشق میں اہل ہدایت کے مقام۔	۵۵۵	حضرت سیدنا غوث الاعظم سید الاولیاء ہیں، حضرت شاہ مدار کو ان سے افضل کہنا جہالت ہے۔	۵۶۶
مقام اول (ادنیٰ)	۵۵۶	بیعت کے لئے لازم ہے کہ پیر چار شرطون کا جامع ہو۔	۵۶۶
مقام جوشش عشق ورشک۔	۵۵۶	بیعت جبراً نہیں ہوتی والدین کی اجازت کے بغیر ہو سکتی ہے۔	۵۶۷
مقام دوم (اوسط)	۵۵۶	اگر پیر جامع شرائط نہیں تو اس کو چھوڑ کر دوسرے کی بیعت جائز ہے۔	۵۶۸
مقام فنائے ارادہ در محبوب	۵۵۶	بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی جائز ہے۔	۵۶۸
مقام سوم (اعلیٰ)	۵۵۶	اصل ارادت فعل قلب ہے۔	۵۶۸
مقام فناء فی المحبوب۔	۵۵۶	خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے۔	۵۶۸
مدار صاحب کا سلسلہ بیعت جاری نہیں، محض تبرک کے لئے اکابر میں جاری ہوا۔	۵۵۷	سیدنا غوث اعظم قطب ارشاد ہیں۔	۵۶۸
سلسلہ قادریہ افضل السلاسل ہے۔	۵۵۷	جو پتہ یا درخت بوجہ غفلت تسبیح گر جائے یا جانور ذبح کر دیا جاتا ہے تو پھر بعد از سزائے غفلت اس کا تسبیح میں مشغول ہونا ثابت ہے یا نہیں۔	۵۶۹
مرید وطالب میں فرق۔	۵۵۸		

مرید ہونا سنت ہے۔	۵۷۰	مکتوبات امام ربانی کا ذکر خیر۔	۵۷۷
مرید ہونے کا فائدہ اور اس کی ضرورت۔	۵۷۰	پیر سنی صحیح العقیدہ عالم کی طرف رجوع نہ ہونا شیطانی وسوسہ ہے۔	۵۷۷
جس کا پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔	۵۷۰	پیر اور مریدی کی ایک رسم کے بارے میں سوال۔	۵۷۷
ایک پِیر کے بارے میں سوال جو خرقہ فقر واجازت کے بغیر لوگوں کو بیعت کرنے لگا۔	۵۷۰	مدار صاحب اور ان کے دو خلیفوں احسن اور جمن جتی کے بارے میں سوال۔	۵۷۸
رسم پیری ومریدی کے لئے چند شرائط ہیں۔	۵۷۱	ایک دن کا بچہ بھی اپنے ولی کی اجازت سے مرید ہوسکتا ہے۔	۵۷۸
پیر کامل میسر نہ ہو تو طالب خدا کو درود شریف کی کثرت کرنی چاہئے۔	۵۷۴	جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہوچکا ہو تو دوسروں کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے۔	۵۷۹
اگر کوئی مسلمان طریقہ معرفت میں کسی کا مرید نہ ہو توکیا حشر میں اس کا پیر شیطان ہوگا۔	۵۷۴	جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔	۵۷۹
من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن کا مصداق کون لوگ ہیں۔	۵۷۵	دوسرے جامع شرائط پیر سے طلب فیض میں حرج نہیں۔	۵۷۹
شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت سنت متوارثہ مسلمین ہے۔	۵۷۵	شیخ ثانی کا طالب ہونا جائز ہے مگر اپنی ارادت شیخ اول سے ہی رکھے۔	۵۸۰
اپنے پیر کے وصال کے بعد دوسرے کا مرید ہونا جائز ہے۔	۵۷۵	خلفاء راشدین کی بیعت ہر خلافت کے وقت ہونے کی وجہ۔	۵۸۰
پیر کو چار شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔	۵۷۵	حقوق پیر۔	۵۸۱
سید ہونا پیر کے لازمی نہیں۔	۵۷۶	پیر کے بارے میں شیخ عطار کے اشعار۔	۵۸۳
کوئی شخص سلسلہ قادریہ میں مرید ہونے کے بعد سلسلہ نقشبندیہ میں مرید ہوسکتا ہے یانہیں۔	۵۷۶	جامع شرائط پیر کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین یا شوہر کی اجازت ضرورت نہیں۔	۵۸۴
بلاضرورت شرعیہ شیخ تبدیل کرنا جائز نہیں۔	۵۷۷	جہل سے طلب اولٰی ہے مگر پیر صحیح سے انحراف جائز نہیں۔	۵۸۴

اگر کوئی مرشد دور ہو تو بذریعہ قاصد یا بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے۔	۵۸۵	شجرہ خوانی کو دام تزویر کہنا محض باطل ہے۔	۵۹۰
کلمہ طیبہ مکمل یا اس کی جز دوم کا ورد کیا جائے تو ساتھ درود بھی پڑھا جائے۔	۵۸۵	بہارستان مولانا جامی کی ایک عبادت کا جواب۔	۵۹۰
کلمہ طیبہ کی جزء اول گرم اور جزء ثانی ٹھنڈی ہے۔	۵۸۵	اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کو جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا۔	۵۹۱
ایک غیر منقوط درود شریف۔	۵۸۵	شجرہ خوانی کے فوائد۔	۵۹۱
زید مروج پیری مریدی کو سنت نہیں مانتا اور سنت ماننے والے اپنے استاذ کے پیچھے نماز بھی نہیں پڑھتا اور مخالفت کرتا ہے، زید کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے۔	۵۸۵	جسے کسی پیر سے اجازت نہ ملی ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز نہیں۔	۵۹۲
بیعت سنت محبوبہ ہے اس پر دلائل۔	۵۸۶	ابوالحسن جوسقی علیہ الرحمۃ کے مرید کا واقعہ کہ وہ شیطانی شعبدہ کو شب قدر سمجھ بیٹھا۔	۵۹۳
بیعت کو خاص بجہاد سمجھنا جہالت ہے۔	۵۸۶	جامع شرائط بیعت پیر کے وصال کے بعد اس کا مرید دوسرے کی بیعت نہ کرے تاہم فیض لے سکتا ہے۔	۵۹۴
تارک جماعت فاسق و مردود الشہادت ہوتا ہے۔	۵۸۷	o رسالہ **کشف حقائق واسرار دقائق** (۱۳۰۸ھ) **(تصوف سے متعلق چند اشعار کی تشریح وتوضیح)**	۵۹۵
پیر کے لئے شرائط اربعہ۔	۵۸۸	شعر اول	۵۹۶
چار شرطوں میں سے ایک بھی جس میں کم ہو اس کے ہاتھ پر بیعت جائز نہیں۔	۵۸۸	اللہ تعالٰی رحیم بھی ہے اور قہار بھی، رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔	۵۹۶
دیوث فاسق معلن ہے۔	۵۸۸	اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔	۵۹۶
مناقب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۵۸۸	اللہ تعالٰی کی شان جمال وشان جلال کی مثالیں۔	۵۹۷
عورت بغیر اجازت شوہر مرید ہوسکتی ہے۔	۵۸۹	غوث پاک کا ایک مرید آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے پگھل گیا۔	۵۹۷
حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طریقہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا ہے نہ کہ پیالہ پلانا۔	۵۸۹	شعر دوم۔	۵۹۸
کسی کے اصرار پر مرید ہوا کیا یہ شرعاً مرید ہوا یا نہیں۔	۵۹۰		

نورآفتاب کی مثال سے مسئلہ کی توضیح۔	۵۹۸	رب کو کہاں تلاش کیا جائے۔	۶۰۳
شعر سوم	۵۹۹	شعر ہشتم	۶۰۳
قلب وروح کی معرفت بے معرفت الٰہی نہیں ہوتی۔	۵۹۹	تمام عالم نور محمدی سے پیدا ہوا تو اصل ہر چیز کی آپ کا نور ہے پس مرتبہ ایجاد میں وہی وہ ہیں۔	۶۰۳
من عرف نفسہ عرف ربّہ۔	۵۹۹	مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے۔	۶۰۳
عالم دو۲ ہیں: عالَم امر وعالم خلق۔	۶۰۰	وحدت وجود کا معنی۔	۶۰۳
شعر چہارم	۶۰۰	شعر نہم	۶۰۴
نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی بنا اور اس کے پرتو سے سارا عالَم ظاہر ہوا۔	۶۰۰	شعر میں علم کے نکتہ سے مراد ذات پاک باری تعالٰی ہے کہ ہرگز اس کی کنہ نہ فہم تصور میں آسکے نہ بیان وکلام میں سماسکے۔	۶۰۴
زمین وآسمان اور عناصر اربعہ کی تخلیق کے مراحل۔	۶۰۰	**اوراد ووظائف وعملیات**	
پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔	۶۰۰	جانب مغرب السلام علیک یا خواجہ عبدالکریم، جانب مشرق السلام علیک یا خواجہ عبدالرحیم، جانب شمال السلام علیک یا خواجہ عبدالرشید، اور جانب جنوب السلام علیک یا خواجہ عبدالجلیل کہنا کیسا ہے۔	۶۰۵
موت کا معنی۔	۶۰۱	جہات اربعہ کے اوتادِ اربعہ۔	۶۰۵
شعر پنجم	۶۰۱	ہر غوث کا نام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کا نام عبد الملک اور عبدالرب ہے۔	۶۰۶
روح علوی وروح سفلی کا مطلب۔	۶۰۱	نسیان کا مجرب علاج۔	۶۰۶
انسان میں صفت ملکوتی وصفت بہیمی وصفت شیطانی سب جمع ہیں۔	۶۰۱	حاضرات جن سے جنوں کو بلانا اور ان سے صحبت وملاقات مقصود ہونا محمود نہیں کم از کم ضرر جو جِن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ ہے کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے۔	۶۰۶
بندہ مومن اللہ تعالٰی کو بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔	۶۰۲	سیدنا موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا نام یُوحانذِ ہے۔	۶۰۶
شعر ششم	۶۰۲	اجازت نامہ اوراد و وظائف واعمال۔	۶۰۷
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کو دنیا میں دیدار الٰہی کیوں نہیں ہوسکتا۔	۶۰۲	کن مقاصد کے لئے تعویذات ونقوش جائز اور کن کے لئے حرام وممنوع ہیں۔	۶۰۷
شعر ہفتم	۶۰۳		

ظالم کی اعانت حرام ہے۔	۶۰۷	کچھ ادعیہ کے پڑھنے کے ثواب کے بارے میں سوال کا جواب۔	۶۱۰
سورہ واقعہ کی زکوٰۃ کے بارے میں ایک شخص کی درخواست پر مصنف نے اس کو اجازت دی اور اس کی لغزشوں پر اس کی اصلاح فرمائی۔	۶۰۸	نور نامہ کی روایات بے اصل ہیں۔	۶۱۰
کسی عمل کا ثواب مولیٰ تعالیٰ کی نذر کرنا جہالت ہے۔	۶۰۹	اشرفعلی تھانوی کے بیان کردہ ایک عمل اور اس کی کفری عبارت سے متعلق سوال۔	۶۱۰
نبی یا ولی کو ثواب بخشنا بے ادبی ہے۔	۶۰۹	دفع غضب کے لئے وظیفہ۔	۶۱۲
بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے۔	۶۰۹	سب گھر والوں میں اتفاق کے لئے عمل۔	۶۱۲
سورۃ یٰس میں اللہ تعالیٰ کے ایک اسم مقدس کے بارے میں سوال کا جواب۔	۶۰۹	کسی کی یادداشت کمزور ہوجائے تو کیا کرے۔	۶۱۲
ضمیمہ تاریخ وتذکرہ		امام سبکی اور کثیر علماء نے بوقت ذکر ولادت ومدح سرکار قیام فرمایا۔	۵۰۵
سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں۔	۱۵۹	جمع قرآن کا قصہ۔	۵۴۰
کتاب "حل المشکلات" مصنفہ ۹۶۴ھ کے مصنف مولانا فاضل شجاع بن نوراللہ انقروی ہیں۔	۳۷۹	مدار صاحب کا سلسلہ بیعت جاری نہیں، محض تبرک کے لئے اکابر میں جاری ہوا۔	۵۵۷
مختصر الفرائض ۱۲۴۱ھ اور زبدۃ الفرائض کے مصنّفوں کا نام۔	۳۷۹	مکتوبات امام ربانی کا ذکر خیر۔	۵۷۷
ثعلبہ بن ابی حاطب غزوہ اُحد میں شہید ہوئے، اور ثعلبہ بن ابی حاطب عہد عثمانی میں مرا۔	۴۵۴	مدار صاحب اور ان کے دو خلیفوں احسن اور جمن جتی کے بارے میں سوال۔	۵۷۸
بعد ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں۔	۴۶۰	ابوالحسن جوسقی علیہ الرحمۃ کے مرید کا واقعہ کہ وہ شیطانی شعبدہ کو شب قدر سمجھ بیٹھا۔	۵۹۳
آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں۔	۴۶۰	غوث پاک کا ایک مرید آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے پگھل گیا۔	۵۹۷
یزید پلید علیہ مایستحقہ اولی الامر میں سے نہیں۔	۴۶۳	جہات اربعہ کے اوتادِ اربعہ۔	۶۰۵
اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام کا آغاز ۷۸۱ھ میں ہوا۔	۵۰۳		

ہر غوث کا نام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کا نام عبدالملک اور عبدالرب ہے۔	۶۰۵	قرآن مجید صحابہ کے سینوں، کاغذوں، پتھروں اور ہڈیوں وغیرہ پر تھا سارا قرآن مجموع نہ تھا۔	۴۴۰
سیدنا موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا نام یوحانذ ہے۔	۶۰۶	فاروق اعظم کی تحریک پر صدیق اکبر نے زید بن ثابت کو جمع قرآن کا حکم دیا رضی اللہ عنہم۔	۴۴۰
ضمیمہ تصوّف وطریقت		قرآنی صحیفے کس کس کے پاس رہے۔	۴۴۰
شرعاً صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں، اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے۔	۲۸۹	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ اقدس میں ہر قوم عرب کو اپنے طرز ولہجہ میں قرات کی اجازت تھی۔	۴۴۱
شرعاً عرس سالانہ مورث ونذر ونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہو سکتے ہیں یا نہیں۔	۲۸۹	اس سوال کا جواب کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی نہ کو جامع قرآن مجید کس رُو سے کہتے ہیں۔	۴۵۰
شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں۔	۲۸۹	آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہیں جس ترتیب سے لوح محفوظ میں تھیں۔	۴۵۰
ایک روایت کے بارے میں سوال جو بعض کتب تصوف میں ہے۔	۴۳۷	قرآن مجید تئیس برس میں اُترا۔	۴۵۰
ضمیمہ فوائد تفسیریہ		سورتوں اور آیتوں کی ترتیب خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتادیا کرتے تھے۔	۴۵۰
قرآن پر اعراب کس نے لگائے۔	۳۹۹	جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تین کام کئے جس کی وجہ سے آپ کو "جامع القرآن" کہا جاتا ہے۔	۴۵۲
سورہ فاتحہ کا نزل کسی خاص واقعہ کے لئے نہیں۔	۴۳۵	قرآن مجید سمجھنے کے لئے دو مبارک قانون۔	۴۹۸
آیات انما اموالکم واولادکم فتنۃ اور یایھا الذین اٰمنوا لاتلھکم اموالکم ولااولادکم عن ذکراللہ سے خطاب عام ہے خاص اشخاص مراد نہیں ہیں۔	۴۳۵	ورفعنالک ذکرک کی تفسیر۔	۵۳۰
قرآن عظیم کی جمع وترتیب وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بامر الٰہی حسب بیان جبرائیل واقع ہوئی۔	۴۳۹	سورۂ یٰس میں اللہ تعالٰی کے ایک اسم مقدس کے بارے میں سوال کا جواب۔	۶۰۹

فہرست ضمنی مسائل

نماز		صرف تجہیز وتکفین وفاتحہ وسوم وچہلم وعرس وغیرہ شرعاً کس قدر تبلیغ وراثت پر مقدم رکھا گیا ہے۔	۲۸۸
شب معراج نماز پنجگانہ کی فرضیت احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔	۳۹۶	شرعاً زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز وتکفین وفاتحہ وعرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہو سکتا ہے۔	۲۸۸
جنائز		وصی اور وارث اپنے مال سے تجہیز وتکفین کرے تو معاوضہ پائے گا۔	۲۹۹
مصارف تجہیز وتکفین ترکہ سے کب وضع ہوگا۔	۵۶	شوہر نے بیوی کے گوروکفن، فاتحہ وخیرات کے مصارف دیگر وارثوں کی اجازت سے بنیت اداء دین مہر ادا کئے تو اس کی شرعاً کیا صورت ہوگی۔	۳۴۵
میّت کی تجہیز وتکفین یا دین کی ادائیگی بعض ورثاء نے اپنے مال سے کی تو انہیں میت کے مال سے لینے کا حق ہے۔	۱۲۵	**نکاح وطلاق**	
عورت کی تجہیز وتکفین شوہر کے ذمہ ہے۔	۱۶۹	رافضیہ زوجہ شرعیہ نہیں ہے اور ترکہ کی مستحق نہیں۔	۷۸
اگر کوئی وارث فاتحہ، سوم، چہلم اور قبر پکی کرانے میں کچھ خرچ کرے تو دیگر ورثاء اس کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔	۲۸۸		

بازاری عورت کو صرف تعلق فاجرانہ کی بناء پر منکوحہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔	۱۳۵	عورت لاولد فوت ہوئی جس کا مہر شوہر پر قرض ہے تو کیا شوہر اس واجب الادا مہر میں سے نصف حصہ پاسکتا ہے۔	۱۴۷
منکوحہ غیر سے لاعلمی میں نکاح ہوا تو فاسد ہے۔	۱۷۶	زید نے انتقال کیا، دولڑکے اول بیوی کے اور ایک لڑکی دوسری بیوی کی چھوڑی، پہلی بیوی زید کی موجودگی میں فوت ہو گئی تھی جس کا مہر بذمہ شوہر تھا، اب لڑکے اپنی ماں کا مہر طلب کرتے ہیں اس میں حکم شرعی کیا ہے۔	۱۴۹
قبل خلوت طلاق ہونا باعث سقوط نصف مہر ہوتا ہے۔	۲۱۰	مہر جبکہ کل یا بعض ذمہ شوہر ہو اور عورت بے ابراء ومعافی معتبر شرعی مرجائے تو وہ مثل دیگر دیون واموال ترکہ زن ہوتا ہے۔	۱۶۷
وراثت مفقود سے متعلق ایک سوال کا جواب۔	۲۷۹	موت اگرچہ قبل خلوت ہو کل مہر کو لازم کردیتی ہے۔	۲۱۰
گواہوں کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔	۲۸۱	مہر میراث ہے۔	۳۴۰
نکاح فاسد و باطل کی صورت میں عورت وارث نہیں بنتی۔	۲۸۲	مہر معاف کرنے سے معاف ہوجاتا ہے۔	۳۵۵
غیر کفو میں نکاح کب باطل ہوتا ہے۔	۳۱۵	مہر معجّل کی ادائیگی پیش از رخصت ضروری ہے ورنہ جب عورت طلب کرے۔	۳۵۶
بے ثبوت شرعی طلاق ہرگز نہیں مانی جاسکتی۔	۳۵۶	مہر کی مالک عورت ہے۔	۳۶۵
محرمات		**جہیز**	
داماد محرم ومانند پسر کے ہوتا ہے۔	۱۷۱	جہیز خاص عورت کا ہے۔	۷۲
مہر		جہیز اور چڑھاوے کا حکم	۲۰۹
مہر ترکہ تقسیم کرنے سے پہلے دیا جائے۔	۵۸	جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔	۳۳۸
ادائیگی مہر ترکہ کی تقسیم پر مقدم ہے۔	۹۶	عورت کے اسباب جہیزی میں میراث سے متعلق سوال۔	۳۶۰
مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہوتا ہے۔	۱۱۹	**حمل**	
ایک شخص کے ذمے دو بیویوں کا مہر واجب الادا ہے جبکہ اس کا ترکہ صرف ایک کے مہر کے برابر ہے تو کیا حکم ہے۔	۱۴۴	حمل کی اکثر مدت دوسال ہے۔	۱۴۷

نسب		شریعت مطہرہ نے پدری ووصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے۔	۳۶۸
شریعت مطہرہ کے نزدیک اثبات نسب میں نہایت احتیاط منظور ہے۔	۹۰	نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے۔	۳۶۸
جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوگا اور وہ صرف ماں کی جہت سے وارث بنتے ہیں۔	۱۳۵	ماں ولی مال نہیں ہو سکتی۔	۳۶۸
مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کا نسیب ہوں توریث نہیں ہو سکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔	۱۶۲	نابالغہ کا بھائی بالغ موجود ہو تو ماں کو ولایت نکاح حاصل نہ ہوگی۔	۳۷۰
بغیر نکاح کے چماری سے پیدا ہونے والا لڑکا وارث نہیں بنتا۔	۲۸۳	نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانا نانی۔	۳۷۴
ایک خاتون نے اپنے بھتیجے کو متبنّٰی بنا کر پرورش کی جو اپنے آپ کو خاتون کے شوہر یعنی اپنے پھوپھا کا خلف کہلاتا ہے، تو وہ کس کا پسر متصور ہوگا اور میراث وغیرہ میں اس کی کیا صورت ہوگی۔	۳۳۲	فوائد فقہیہ	
اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا باپ کہے تو وہ شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں۔	۳۳۴	متبنّٰی وارث نہیں ہے۔	۵۵
بعد مقتول جو لڑکا پیدا ہوا وہ ترکہ مقتول سے حصہ پانے کا مستحق ہے یا نہیں۔	۳۳۴	ولد الزناء زانی کا وارث نہیں ہوتا۔	۸۴
حضانت		متبنّٰی یا سوتیلا بیٹا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق پیدا نہیں کرتا۔	۸۴
لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔	۳۴۰	عاق کرنا کوئی شرعی چیز نہیں والدین کو اس کا حق نہیں۔	۸۵
ولایت		عاق کرنے سے ترکہ سے محروم نہ ہوگا۔	۸۵
ایک شخص فوت ہوگیا وارثوں میں زوجہ، ایک نابالغ بیٹا، ایک نابالغ بیٹی اور ایک حقیقی بھائی چھوڑے ہیں، اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا اور بچوں کا حق ولایت کس کو پہنچتا ہے۔	۱۴۳		

متبنّی کرنا شرعاً کوئی چیز نہیں۔	۹۲	حق ارث تقادم زمان کے ساتھ ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں۔	۲۵۹
مفقود الخبر دوسرے کے حق میں مثل میت ہے ترکہ نہ پائے گا۔	۹۹	تحقیق مصنف کہ یہاں دو مقام ہیں۔	۲۶۱
ایک مسئلہ غریبہ جس کو اغرب مسائل کہا جاسکتا ہے۔	۱۰۶	عصبہ کی تعریف	۲۷۴
ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا وارث ہوتا ہے۔	۱۱۳	قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔	۲۹۱
کوئی کاغذ بے شہادت شرعیہ قابل تقسیم نہیں ہوتا اور نہ وہ منسوب الیہ کا لکھا قرار پاسکتا ہے۔	۱۸۱	اولاد کے عاق ہونے کا مطلب	۳۱۵
ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا۔	۱۹۰	باپ کے عاق کردینے سے اولاد نہ تو اولاد ہونے سے خارج ہوتی ہے اور نہ ہی میراث سے محروم ہوتی ہے۔	۳۱۵
تعدد جہات میں امام ابویوسف علیہ الرحمۃ اور امام محمد علیہ الرحمۃ کا نقطہ نظر	۱۹۰	ایک کثیر الشقوق والمباحث مسئلہ کا جواب۔	۳۱۶
تعدد جہات تعدد اشخاص کا موجب ہے اگرچہ حکماً ہو۔	۱۹۱	تشحیذ اذہان فرائض داناں کے لئے ایک صورت بدیعہ۔	۳۲۳
کسی فرع میں تعدد جہات اس کے بدن میں تکثر کو ثابت نہیں کرتا۔	۱۹۲	ایک مسئلہ جو اکثر علماء زماں کی سمجھ میں سہل آنے کا نہیں۔	۳۲۸
اخوات کے پانچ حال	۲۲۶	ایک ایسے سوال کا جواب جس میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے گئے ہیں۔	۳۴۸
کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔	۲۲۶	عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے۔	۳۴۹
تین ان اصول میں سے ہے جن میں کبھی عول نہیں ہوتا۔	۲۲۶	عوام کے خیال میں عاق کرنے کا جو مفہوم ہے وہ محض باطل ہے۔	۳۴۹
درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے "فصاعداً" اور "اوا کثر" سے کیا مراد ہے۔	۲۳۹	ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا۔	۳۵۵
جدّات صحیحہ امیہ وابویہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ۔	۲۴۲	فاسق اور بدچلن بیٹے کو میراث سے محروم کرنے کا طریقہ۔	۳۶۴
علماء جب عصبہ بغیرہ کو ذکر کرتے ہیں تو پوتی کو پوتے کی تعصیب کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔	۲۴۸		

قیام مولود کب مستحب، کب سنت اور کب واجب ہے۔	۵۵۳	علاتی بھائیوں کو محروم کرنے کے لئے اپنی جائداد کو ماموں زاد بھائی کے نام کردینا گناہ ہے۔	۱۴۱
کسی عمل کا ثواب مولیٰ تعالیٰ کی نذر کرنا جہالت ہے۔	۶۰۹	زندگی میں اولاد پر تقسیم کی جائے تو بیٹا بیٹی کو برابر دیا جائے۔	۱۷۶
نبی یا ولی کو ثواب بخشنا بے ادبی ہے۔	۶۰۹	جو چیز تاحین حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مستقل مالک ہوجاتا ہے اس کی واپسی بعد موت حرام ہے۔	۳۳۸
بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے۔	۶۰۹	مرض الموت سے ہبہ کرکے قبضہ دِلادیا تو دوسرے وارثوں کا اس میں کوئی حق نہیں۔	۳۶۴
ضمان وتاوان		قبضہ سے قبل واہب یا موہوب لہ فوت ہوجائے تو ہبہ باطل ہوجاتا ہے۔	۳۶۹
کوئی وارث دیگر ورثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ کو خرچ کرڈالے تو اس پر تاوان لازم ہوگا۔	۸۲	زید نے زوجہ کو دیئے گئے زیور کا مالک نہیں بنایا اور نہ ہی عرف ورواج سے مالک ہونا مفہوم ہوتا ہے تو زید ہی اس کا مالک ہے۔	۳۷۴
ہبہ		**قرض**	
ہبہ کب تام اور کب باطل ہوتا ہے۔	۹۲	اگر قرض ترکہ پر محیط ہو تو ادائیگی قرض سے قبل کوئی وارث اس وراثت سے کچھ نہیں لے سکتا۔	۹۳
ناتمام ہبہ کی صورت میں موت واہب کے بعد اشیاء موہوبہ وارثان واہب کو پہنچیں گی۔	۹۲	جب تک مہر اور دیگر دیون ادا نہ ہوجائیں ترکہ کی تقسیم نہ کی جائے۔	۱۱۹
چڑھاوے کے زیورات کا حکم	۱۱۵	بے رضا ارباب دیون وارثوں کو بیع ترکہ کا اختیار نہیں جبکہ دین ترکہ کو مستغرق ہو۔	۱۲۳
زید نے ایک دکان اپنے روپے سے خرید کر اپنے نبیرہ کے نام کردی اور بولایت اس کے باپ کے دکان پر قبضہ کرادیا، اب انتقال زید کے بعد وہ دکان حسب فرائض ورثاء زید میں تقسیم ہوگی یا صرف نبیرہ کو ملے گی۔	۱۱۸	کوئی وارث اگر میّت کا دین مہر اپنے مال سے ادا کردے تو کس صورت میں ترکہ سے وصول کرسکتا ہے۔	۱۲۵

ایک شخص نے خالص بیوی کے روپے سے اپنے لئے مکان خریدا اور پچاس روپے اس نے قرض لئے پھر بیوہ، دو بیٹیاں، ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے چھوڑ کر فوت ہوگیا، اب اس کے قرض کی ادائیگی اور تقسیم ترکہ کی کی صورت ہوگی۔	۲۹۲	اگر پیر جامع شرائط نہیں تو اس کو چھوڑ کر دوسرے کی بیعت جائز ہے۔	۵٦۸
دین جب ترکہ سے زائد ہو تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے۔	۲۹۲	بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی جائز ہے۔	۵٦۸
حظر واباحت		اپنے پیر کے وصال کے بعد دوسرے کا مرید ہونا جائز ہے۔	۵۷۵
بے وجہ شرعی کسی وارث کو میراث سے محروم کرنا جائز نہیں۔	۹۸	بلاضرورت شرعیہ شیخ تبدیل کرنا جائز نہیں۔	۵۷۷
بے اجازت مدیون ترکہ میں تصرف کا حق نہیں۔	۱۲۷	ظالم کی اعانت حرام ہے۔	٦۰۷
شادی کا خرچ مانگنا محض بے جا ہے۔	۱۷۰	**وصایا**	
شرعاً لباس قیمتی اہل اللہ کا مریدان ومعتقدان کو تبرکاً ومساکین کو ثواباً ایک بلااسترضا دیگر ورثاء تقسیم کرسکتا ہے۔	۲۸۹	جو جائداد دادی سے ایک پوتے کو بطور وصیت ملی اس میں پوتے کے دیگر برادران شامل نہیں۔	۱۱۹
لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام ہے۔	۳۱۴	مشترکہ جائداد میں صرف ایک وارث کی وصیت نافذ نہیں ہوتی۔	۱۳۸
فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے۔	۳٦۲	ایک شخص حسب ذیل ورثاء چھوڑ کر فوت ہوا: ایک بیوی، ماں، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچا زاد بھائی، جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچازاد بھائی کے لئے کردی ہے، اب اس کی وصیت کے بارے میں کیا حکم ہے اور تقسیم ترکہ کی کیا صورت ہوگی۔	۲۷۱
پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادالٰہی کرنا ممنوع ہے۔	۵۲۸	وصیت ایک تہائی میں ہوتی ہے۔	۲۷۲
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا ممنوع ہے۔	۵۳۱	کس وارث کے لئے وصیت ممنوع اور کس کے لئے جائز ہے۔	۲۷۳
ذبح کے وقت تکبیر کی بجائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لینا ممنوع ہے۔	۵۳۱	محجوب کے لئے وصیت بالاجماع روا ہے۔	۲۷۳

فوائد اصولیہ		اصل اشیاء میں اباحت ہے۔	۵۲۵
حق میراث حکم شرع ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔	۱۳۳	حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے۔	۵۲۶
غیر وارث کو وارث بنانا کسی کے اختیار میں نہیں۔	۱۳۶	عموم واطلاق سے استدلال صحابہ سے لے کر آج تک شائع ہے۔	۵۲۸
نہ جدا ہوجانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے۔	۱۷۲	جس بات کو شرع نے محمود فرمایا وہ ہمیشہ محمود رہے گی جب تک کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے۔	۵۲۸
عدم ذکر ہر گز ذکر عدم نہیں ہوسکتا۔	۲۲۲	ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں۔	۵۲۸
مسئلہ کا کلیہ	۲۲۴	شرعاً وعقلاً کسی طرح زمانے کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح پر قابو نہیں۔	۵۳۲
جس شَے کا وجود مستلزم عدم ہو وہ محال ہوتی ہے۔	۲۵۲	کسی چیز کا نوپید ہونا موجب کراہت نہیں۔	۵۳۲
عصبات میں اصل مطرد یہ ہے کہ میت کی جزء میت کے باپ کی جزء پر مقدم ہوتی ہے۔	۲۵۲	بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں۔	۵۳۲
فسق اعتقاد فسق عملی سے اشد ہے۔	۲۹۵	امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں۔	۵۳۲
انما التحلیل الی ما منه الترکیب۔	۳۰۶	خیر القرون قرنی سے ہر گز ہر بدعت کا گمراہی ہونا ثابت نہیں۔	۵۳۴
االوحدة لستحیل ان تصیر وحدتین۔	۳۰۷	کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا احادیث میں مذکور ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ اس زمانے کے محدثات خیر ٹھہریں۔	۵۳۶
الواحد وحدة والاثنان وحدتان وھکذا۔	۳۰۷	بات فی نفسہ اچھی ہونی چاہئے خواہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔	۵۴۰
باپ کے مال میں بیٹوں کا حق بنص قطعی قرآن ہے جسے کوئی رد نہیں کرسکتا۔	۳۴۳	فعل جواز پر دلالت کرتا ہے لیکن عدم فعل ہر گز ممانعت پر دال نہیں۔	۵۴۳
وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثاء کے عمل کو۔	۳۴۳	جس بات کو حضور کی تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے۔	۵۴۶
میراث جبری ہے جو کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔	۳۴۴	اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کو جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا۔	۵۹۱
حاشاللہ نور وظلمت کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔	۴۵۴		

لُغت		افتاء ورسم المفتی	
لفظ آق اور عاق کا معنی۔	۱۸۰	مولوی عبدالحیٔ لکھنوی صاحب کی مسئلہ تخارج میں سخت لغزش	۲۱۴
خلف کا معنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں۔	۳۳۴	زیادت ایضاح کے لئے مسئلہ کی تین صورتیں۔	۲۱۶
عالین کے معنی کی تشریح۔	۴۵۹	شرح بسیط کا بیان صریح لغزش ہے۔	۲۲۲
"دون" عربی زبان میں دس معنٰی پر مشتمل ہے۔	۴۶۴	بنت الابن ضرور بنت ابن الابن وغیرہ جملہ سفلیات کو متناول ہے، تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے۔	۲۲۲
"فلما اخذتھم الرجفۃ" میں رجفہ کی معنوی تحقیق۔	۴۸۹	فتوٰی قول امام پر دیا جائے۔	۳۱۸
قرن کا معنی۔	۵۳۶	چند اصول افتاء ورسم المفتی۔	۳۱۸
موت کا معنی۔	۶۰۱	مسائل ذوی الارحام میں فتوٰی کس کے قول پر ہے۔	۳۵۶
حدود وتعزیر		تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثاء وترتیب اموات نہیں ہوسکتا۔	۳۶۳
زناء کی تہمت لگانا حرام، جس پر اسی کوڑے لگانے کا حکم ہے اور وہ مردود الشہادۃ ہے	۱۴۷	ہدایہ میں کتاب الفرائض نہیں ہے حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔	۳۸۱
تارک جماعت فاسق ومردود الشہادت ہوتا ہے۔	۵۸۷	وہ شروح ہدایہ جن میں فرائض نہیں۔	۳۸۱
ترغیب وترہیب		متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں۔	۳۸۴
حقیقی بھائی کو محروم کرنے کے لئے اپنی جائداد بھتیجوں کے نام کردینے والے شخص پر شرعاً کیا مؤاخذہ ہے۔	۱۵۰	سراجیہ، منیہ اور اشباہ کا مرتبہ۔	۳۸۴
فاسق وبدمذہب وارث کو ترکہ سے محروم کرنا بہتر وافضل ہے۔	۲۹۵	امام سرخسی نے مبسوط میں تمام کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے۔	۳۸۵
بعض ورثاء کو وراثت سے محروم کرنے والے کے لئے حدیث میں وعید شدید۔	۲۹۶	اولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد۔	۳۹۴
جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے گنہگار ہیں، اور یہ کہنا کہ ان کا کوئی حق نہیں صریح کفر ہے۔	۳۵۳	میلاد وقیام سے متعلق استحباب کا فتوٰی جس پر تیس علماء کی مہریں ہیں۔	۵۱۶

علماء حرمین کے متعدد فتاوٰی۔	۵۱۶	**وقف**	
بیس ممالک کے علماء کے فتاوٰی۔	۵۲۱	جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح ومرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلاشرکت غیرے اپناقبضہ خالص اپنی حیات تک رکھاہے بلکہ اپنی ضروریات میں اس مکان کومکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیاہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتاہے یانہیں، اورایسامکان وقف قرار دیاجاسکتاہے یانہیں۔	۲۹۰
صلح		اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیاہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہوسکتاہے یانہیں۔	۲۹۱
وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل وبے اثر ہے،اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا،ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تواب صحیح ہوجائے گی۔	۲۳۲	**احکام مسجد**	
قسمت		وارثوں کی اجازت کے بغیر ترکہ کامال مسجد میں لگانا جائز نہیں۔	۳۶۶
جس مکان کے گوشہ صحن میں قبور اہل اللہ یا قبور مورث واقع ہوں وہ مکان مع صحن بعد مستثنٰی کرنے اراضی قبور کے شرعاً قابل تقسیم ہے یانہیں۔	۲۹۰	**تحقیق وتقید**	
جس مکان کو متعلق خانقاہ مہمان خانہ یا لنگرخانہ موسوم کیاجائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس کے مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکرالٰہی پانے والے قیام پذیر ہواکرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابل تقسیم ہے یانہیں۔	۲۹۱	مصنف علیہ الرحمہ کے فتوٰی میں مذکور قول مبارک "بل التحقیق ان لیس ھناک الاقسمان" سے متعلق مولانا ظفر الدین کااستفسار اور مصنف علیہ الرحمہ کا پانچ تحقیقی وجوہات پر مشتمل جواب۔	۳۰۴

فلسفہ وریاضی		اصفر لایعدہ الا الصفر والصفر لایعد الا الصفر۔	۳۰۹
محققین کے نزدیک واحد عدد نہیں ہے۔	۳۰۶	زمین وآسمان اور عناصر اربعہ کی تخلیق کے مراحل۔	۶۰۰
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے دلیل قاطع۔	۳۰۶	**عقائد وکلام وسیَر**	
عدد کم ہے۔	۳۰۶	شیعہ ضروریاتِ دین کے منکر ہیں ان سے نکاح جائز نہیں اور وہ اہلسنت کا ترکہ نہیں پائیں گے۔	۷۳
کم ایسا عرض ہے جو لذاتہ تقسیم کو قبول کرتا ہے۔	۳۰۶	عقائد روافض حد کفر تک نہ پہنچیں توان کی میراث کا حکم۔	۲۷۶
الواحد یستحیل ان یفرض فیہ شیئ دون شیئ والا لتعدد فلم یکن واحدا۔	۳۰۶	مرتد کے زمانہ اسلام کا کمایا ہوا مال اس کے مسلمان وارثوں کا ہے اور حالت ردت کا فقراء مسلمین کے لئے۔	۲۷۶
لایعقل للوحدۃ بعض اصلاً۔	۳۰۷	جو شخص رسم ہنود پر راضی ہو اور حکم شریعت سے راضی نہ ہو وہ تجدید اسلام کرے۔	۳۱۴
کسور کے معنی کی تحقیق۔	۳۰۷	مرتد کسی کا وارث نہیں ہوسکتا۔	۳۱۸
صفر حاشیہ عدد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ محض سلب ہے۔	۳۰۷	جو شخص مرتد کی حالت پر آگاہ ہو کر اس کو قابل امامت سمجھے گا اس کی نماز تو درکنار ایمان بھی نہ رہے گا۔	۳۱۸
صفر خلو مرتبہ کا نام ہے۔	۳۰۷	دنیوی فائدے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا اپنے کفر کا اقرار ہے جس پر تجدید اسلام وتجدید نکاح کا حکم ہے۔	۳۴۱
جمع الصفر مع عدد کا معنی۔	۳۰۸	جو مسلمان سنی المذہب ورثہ کا لین دین ہندو مذہب کے مطابق کرے اس کا شرعاً کیا حکم ہے۔	۳۴۶
عددیت صفر بداہت عقل سے باطل ہے۔	۳۰۹	وراثت شرعیہ کا منکر خارج از اسلام ہے وہ نہ مسجد کا متولی ہو سکتا ہے نہ اوقات مسلمین کا۔	۳۵۴
عدد شَے ہے اور صفر لاشے ہے۔	۳۰۹		

مسلمان اور کافر کے درمیان توریث کا حکم شرعی۔	۳۶۱	ذکر رسول کی تعظیم مثل تعظیم رسول ہے۔	۵۲۳
مسلمان ہونے سے مِلک زائل نہیں ہوتی۔	۳۶۱	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے۔	۵۳۰
اسلام قاطع ملک نہیں۔	۳۶۱	بوجہ اطلاق آیات تعظیم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس طریقے سے کی جائے حسن ومحمود رہے گی۔	۵۳۱
روافض کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔	۳۷۱	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا۔	۵۳۸
جس نے کسی کو سرکار سے زیادہ علم والا بتایا اس نے سرکار کو گالی دی۔	۳۹۵	اللہ تعالٰی رحیم بھی ہے اور قہار بھی، رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔	۵۹۶
کیا الیاس وخضر علیہما السلام نبی ہیں۔	۴۰۱	اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔	۵۹۶
امامت سے کیا مراد ہے۔	۴۳۰	من عرف نفسہ عرف ربہ۔	۵۹۹
روافض زمانہ کفار مرتدین ہیں۔	۴۳۸	عالم دو ہیں: عالَم امر وعالم خلق۔	۶۰۰
رافضیوں کے یہاں معیار سیادت رِفض ہے وہ سنی کو سیّد نہیں مانتے۔	۴۳۸	نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی بنا اور اس کے پرتو سے سارا عالَم ظاہر ہوا۔	۶۰۰
خالق کے مقابل مخلوق کے علم کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔	۴۷۷	پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔	۶۰۰
نصارٰی کے عقائد فاسدہ کی تفصیل۔	۴۸۱	بندہ مومن اللہ تعالٰی کو بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔	۶۰۲
لوط علیہ السلام وداؤد کی شان اقدس میں صریح گستاخی۔	۴۸۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کو دنیا میں دیدار الٰہی کیوں نہیں ہوسکتا۔	۶۰۲
حوادث غیر متناہی ہیں۔	۵۰۰	مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے۔	۶۰۳
ہر زمانہ میں ایک گروہ سواد اعظم حق پر رہے گا۔	۵۰۰	وحدت وجود کا معنی۔	۶۰۳
شب ولادت خوشی منانا اور میلاد شریف پڑھنا حاضرین کو کھانا کھلانا یہ سب تعظیم رسول سے ہے۔	۵۰۹	**رَدِّ بدمذہباں**	
بدعت کی اقسام کا بیان۔	۵۳۳و ۵۱۵	طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی۔	۳۱۷
مجلس وقیام کا منکر بدعتی ہے۔	۵۱۶		

وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دارومدار ہے کہ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا۔	۴۵۲	**شرح کلام علماء**	
وہابیہ کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے۔	۵۰۴	احوال ام سے متعلق سراجی کی ایک عبارت کا مطلب۔	۳۷۰
غیر مقلدین اہل ہوا ہیں۔	۵۰۴	کنز کی ایک عبارت پر بحث۔	۳۸۲
وہابیہ کے نزدیک ائمہ، صحابہ، انبیاء بلکہ خود خدا بھی مشرک ہے۔ معاذاللہ۔	۵۰۴	بہارستان مولانا جامی کی ایک عبادت کا جواب۔	۵۹۰
رہن		**غصب**	
ایک شخص متوفی کی جائداد کسی کے پاس رہن ہے، اس کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کاروائی بیع کی کس کے ساتھ ہوگی۔	۳۵۰	بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے۔	۳۷۱
صدقہ وخیرات		مال غصب پر حاصل کئے جانے والے نفع کا شرعی حکم۔	۳۷۳
غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ کہ پرائے مال سے۔	۳۵۵	**رؤیت ہلال**	
بیوع		حرمین طیبین میں رؤیت ہلال کے اختلاف کی کیفیت۔	۴۲۱
دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہوسکتا۔	۳۶۵	متواترہ ۲۹ کے تین اور تیس کے چار مہینوں سے زیادہ نہیں ہوتے۔	۴۲۳
بیع بوجہ جہالت ثمن باطل ہوتی ہے۔	۳۶۹	**توقیت وہیئت وفلکیات**	
فاسد بیع میں قبضہ سے قبل مشتری مالک نہیں ہوتا۔	۳۶۹	علم توقیت وہیئت سے اس بات کی تحقیق کہ وال اقدس ۱۳ ربیع الاول بروز دوشنبہ مطابق ۸ جون ۶۳۲ عیسوی کو ہوا۔	۴۲۶
		مشہور عندالجمہور ۱۲ ربیع الاول اور علم زیجات وہیأت کے حساب سے ۸ ربیع الاول تاریخ ولادت ہے، ۹ ربیع الاول کسی حساب سے صحیح نہیں۔	۴۲۷

نورآفتاب کی مثال سے مسئلہ کی توضیح۔	۵۹۸	**فضائل و مناقب**	
فوائد حدیثیہ		اولی الامر سے مراد علماء دین ہیں۔	۴۶۳
جو جلدی کرتا ہے خطامیں پڑتا ہے (حدیث)	۳۲۸	اللہ تعالٰی نے اپنے محبوبوں کو بے شمار علوم عطافرمائے۔	۴۷۲
صحاح میں صدیق اکبروفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بہت کم ہیں۔	۴۳۱	غیر مقلدوہابیہ بھی امام سبکی کو بالاجماع امام جلیل مانتے ہیں۔	۵۰۶
حدیث ثعلبہ صحیح ہے یاحسن یاضعیف یاموضوع۔	۴۵۳	مطلق ذکرالٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔	۵۲۸
اس حدیث کامطلب کہ "جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پرہوگی"۔	۴۶۴	علماء دین کسی وقت میں مصدرومظہر شر نہیں ہوتے۔	۵۳۵
حدیث پاک کہ "جس چیز کو مسلمان نیک جانیں وہ نیک ہے"۔	۵۱۶	چندمثالیں ان امور کی جو درباره تعظیم وآداب حادث ہوئے۔	۵۴۶
سوادِاعظم کی پیروی کرناحدیث شریف سے ثابت ہے۔	۵۲۲	امام مالک مدینے میں سواری پرسوار نہ ہوتے۔	۵۴۸
شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور معنی حدیث "خیرالقرون قرنی"۔	۵۳۶	سلسلہ قادریہ افضل السلاسل ہے۔	۵۵۷
اسماء الرجال		شاہ بدرالدین مدار صاحب اکابراولیاء میں سے ہیں۔	۵۵۹
ثعلبہ بن حاطب اور ثعلبہ بن ابی حاطب کے درمیان ایمان ونفاق کافرق۔	۴۵۷	سیدنا غوث اعظم امام مہدی کے ظہور تک غوث الاغواث ہیں اور تمام اولیاء کی گردن پرآپ کاقدم ہے۔	۵۵۹
		حضرت سیدنا غوث الاعظم سیدالاولیاء ہیں، حضرت شاہ مدار کو ان سے افضل کہنا جہالت ہے۔	۵۶۶
		خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے۔	۵۶۸

I.T. Majlis of DawateIslami

سیدنا غوث اعظم قطب ارشاد ہیں۔	۵۶۸	حوادث زمانہ کے اعتبار سے نوپید مسائل میں اس زمانے کے مستند علماء کی سند کافی ہے۔	۵۰۲
مناقب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۵۸۸	**فضائل سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**	
طب		حضرت سیدہ مریم جنت میں سرکار کے نکاح اقدس سے مشرف ہوں گی۔	۴۶۰
آلہ کے ذریعے بچے کے مذکر و مؤنث ہونے کی کچھ نشانیاں معلوم ہوجاتی ہیں۔	۴۷۵	محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے۔	۵۳۰
علم، علماء، تعلیم		ولادت اقدس صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے۔	۵۳۰
زمانہ کے اعتبار سے کتب دینیہ کی ترتیب و تصنیف۔	۵۰۲	تمام عالم نور محمدی سے پیدا ہوا تو اصل ہر چیز کی آپ کا نور ہے پس مرتبہ ایجاد میں وہی وہ ہیں۔	۶۰۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الفرائض

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱: یکم ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک عورت قوم طوائف سے تھی جس نے عمرو سے نکاح کیا، ہندہ کی نائکہ کے اور بھی چند رنڈیاں مختلف البطن تھیں جو اپنا پیشہ کسب اب تک کرتی ہیں ہندہ نے جس کا کوئی وارث نہ تھا شوہر کے بھتیجے کو متبنّٰی کیااور اپنی حیات میں اپنے کل متروکہ کی بابت جواسے ترکہ شوہر ہی سے پہنچاتھازید کے لئے وصیت کی کہ میرے بعد کل ترکہ کامالک زید ہو،اب بعد انتقال ہندہ اس کی نائکہ کی دوسری رنڈیاں لیلٰی بدعوی خواہری ترکہ چاہتی ہے اس صورت میں شرعًا حق لیلٰی کاہے یازید کا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کرواجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

شوہر کا بھتیجایہ اپنامتبنی شرعًاوارث نہیں، پس اگر گواہان عادل سے جنہیں شرع قبول کرلے وصیت ثابت ہوجائے توشک نہیں کہ زید ہرطرح موصی لہ ہوگیاخواہ لیلٰی ہندہ کی بہن ہو یانہ ہوفرق یہ ہوگاکہ لیلٰی وہندہ ایک ماں کے پیٹ سے پیداہوئیں تو وہ اخیافی بہن ٹھہرکرچھٹے حصے کی فرضًااور نصف کی ردًا مستحق ہوگی **فان الرد مقدم عندنا علی الموصی لہ لجمیع المال** (کیونکہ ہمارے نزدیک رَداس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔ت)

صرف ایک ثلث باقی بعد ادائے دَین میں وصیت نافذ ہوگی دو ثلث باقیماندہ لیلٰی کو ملیں گے۔ فرضًا و ردًّا اور اگر ثابت ہوگا کہ لیلٰی ہندہ کی بہن نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے انہیں بہنیں کہا جاتا کہ دونوں ایک ڈیرے کی رنڈیاں تھیں تو وصیت کل مال میں جاری ہوگی اور بعد ادائے دَین اگر ذمہ ہندہ ہو کل متروکہ زید کو ملے گا مگر اس امر کالحاظ واجب ہے کہ نسب کے ثبوت میں صرف شہرت کافی ہے **کما فی الخلاصة والخانیة والهدایة والهندیة والدر وغیرها** (جیسا کہ خلاصہ، خانیہ، ہدایہ، ہندیہ اور در وغیرہ میں ہے۔ت) پس اگر مشہور ہو کہ یہ دونوں عورتیں ایک ماں کے پیٹ سے ہیں اگرچہ اولادِ زنا ہی ہوں تو بیشک وہ بہنیں ٹھہریں گی اور لیلٰی وارثہ ہوگی **کما فی الدر المختار وغیرہ** (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲: ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے مرتے وقت زیور اپنے بھائی کے سپرد کیا اور یہ کہا یہ زیور میری بہو متوفی کا ہے، اس تفصیل سے کہ کچھ اس کے والدین کا دیا ہوا ہے اور کچھ میرا دیا ہوا ہے اور اول بہو کا انتقال ہوا تو اس کی تجہیز و تکفین میں نے کی اور بعد کو اس کے خاوند کا انتقال ہوا تو اس کی بھی تجہیز و تکفین میں نے کی اور دونوں لاولد مرے ہیں اور بالعوض اس کے مال دونوں کے مرنے میں اس مال کی تعداد سے زیادہ روپیہ خرچ ہوگیا ہے اور اس مال میں کسی کا دعوٰی نہیں ہے تم بعد میرے کل مال کے میرے خیرات کردینا، اب بہو کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مال ہے ہم وارث ہیں اور خاوند کے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی اور بھاوج کا مال ہے ہم وارث ہیں، عورت کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مہر بھی چاہئے، خاوند کے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی نے کہا کہ مہر مجھ کو میری زوجہ نے بخش دیا ہے۔ اب بموجب شرع شریف کے وہ مال خیرات کیا جائے یا وارثان کو دیا جائے اور کس کس وارث کو کس تعداد سے دیا جائے؟

الجواب:

اگر عورت نے اپنی بہو کی تجہیز و تکفین اپنے پاس سے بطور خود کی تو اس کا معاوضہ پانے کی اصلًا مستحق نہیں،

فی العقود الدریة عن التتارخانیة عن العیون اذا کفن الوارث المیّت	عقود الدریہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ عیون منقول ہے کہ جب اپنے مال سے میت کو کفن پہنائے

من مال نفسه یرجع والا جنبی لایرجع[1] اھ وفیھا عن نھج النجاۃ لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسه لیرجع فی ترکته بغیر امرالوارث فلیس له الرجوع اشھد علی الوارث اولم یشھد[2]۔	تو وہ ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کرسکتا اھ اور اسی میں نہج النجاۃ سے منقول ہے اگر غیر وارث اپنے مال سے وارث کی اجازت کے بغیر اس نیت سے میت کو کفن پہنائے کہ وہ میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں چاہے وارث کی موجودگی میں ایسا کرے یا غیر موجودگی میں۔(ت)

اس تقدیر پر نصف زیور خاص بہو کے ماں باپ کا ہے جس کی نسبت عورت کی وصیت محض مہمل، اور اگر شوہر متوفاۃ یعنی اپنے پسر خواہ بہو کے مادر یا پدر غرض اس کے کسی وارث کے اذن سے تجہیز و تکفین کی تو جس قدر صرف کفن دفن میں صَرف ہوا بشرطیکہ اس میں قدرِ سنت یعنی پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو اس قدر کی قیمت بہو کے ترکہ سے لے سکتی ہے۔

فی العقود اما الاجنبی فلا رجوع له مطلقا الا فی اذن له الوارث[3]۔	عقود میں ہے لیکن اجنبی کو مطلقاً رجوع کا حق نہیں سوائے اس کے کہ وارث نے اس کی اجازت دی ہو۔(ت)

باقی کا نصف اس کے ماں باپ کا حق ہے، رہا دونوں صورتوں پر باقیماندہ آدھا نصیبہ شوہر تھا، اب تجہیز و تکفین پسر میں بھی نظر کریں گے اگر قدر سنت یا کفن مثل سے زیادت کی ہے مثلاً تین کپڑوں کی جگہ چار کپڑے دیئے یا جیسے کپڑے وہ عید کو پہنتا تھا ان سے بہتر کفن دیا تو یہاں بھی ترکہ پسری سے اس کا مطالبہ نہ کرسکیں گے بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا جو اس نے بطور خود کیا،

فی العقود عن الانقروی عن مجمع الفتاوٰی، ان کفنه باکثر من کفن المثل لایرجع لان احدالورثة لا یملکه وھل له ان یرجع فی الترکة بقدر کفن المثل	عقود میں انقروی سے بحوالہ مجمع الفتاوٰی منقول ہے اگر وارث نے میت کو کفن مثلی سے زائد پہنایا تو رجوع نہیں کرے گا کیونکہ کوئی ایک وارث ایسا نہیں کرسکتا، کیا صورت مذکورہ میں اس کو ترکہ میں کفن مثلی کی حد تک رجوع کا

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

[2] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

[3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

قالوا لایرجع لان اختیارہ ذٰلك دلیل التبرع [1] اھ قلت مثله فی الخانیة مقتصرا معللا وبه حکم فی الخلاصة والبزازیة والملتقط وان قالوا فیما بعد انه ان قیل یرجع بقدر الکفن المثل فله وجه کما ھو لفظ الاولین اولایبعد کماھو لفظ الاخیر فان ذٰلك لیس بروایة ولافیه دلالة علی الحکم به اوالاختیار کما لا یخفٰی۔	حق ہے؟ مشائخ نے کہا کہ اسے حق نہیں کیونکہ کفن مثلی سے زائد کو اختیار کرنا تبرع کی دلیل ہے اھ میں کہتا ہوں اسی کی مثل خانیہ میں ہے اقتصار کرتے ہوئے اور علب بیان کرتے ہوئے، اسی کے ساتھ حکم لگایا گیا ہے خلاصہ، بزازیہ اور ملتقط میں اگرچہ اس کے بعد مشائخ نے فرمایا کہ اگر مثلی کفن کے برابر رجوع کرنے کا قول کیا جائے تو اس کی بھی وجہ ہے جیسا کہ پہلی دونوں کتابوں کی عبارت ہے یا یہ کہ ایسا کرنا بعید نہیں جیسا کہ آخری کتاب کی عبارت ہے کیونکہ یہ کوئی روایت نہیں اور نہ ہی اس میں مذکور کے ساتھ حکم لگانے یا اسے اختیار کرنے پر دلالت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔(ت)

اسی طرح کفن دفن کے علاوہ سوئم، چہلم، فاتحہ، درودوغیرہا کے مصارف کہیں مجرا نہیں ملتے،

فی الحاشیة الطحطاویة علی الدرالمختار التجهیز لایدخل فیه السبح والصدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الورثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا [2]۔	درمختار پر حاشیہ طحطاویہ میں ہے کہ میت کی تجہیز میں دعاو درود، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا داخل نہیں کیونکہ یہ لازمی امور میں سے نہیں ہیں لہٰذا ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں شمار کیا جائے گا اور وہ متبرع ہوگا۔ اور یہی حکم ہوگا اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو۔(ت)

ہاں اگر تجہیز و تکفین پسر مطابق سنت کی اور اس میں کفن مثل پر زیادت نہ کی تو بیشک ترکہ پسری

[1] العقود الدریة فی تنقیح الحامدیة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبة العربیه کانسی روڈ کوئٹہ ۴ /۳۶۷

میں اس قدر کا استحقاق سب وارثان سے پیشتر رکھتی ہے لانہ دین والدین مقدم علی الارث (کیونکہ وہ قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہے۔ت) اور یہاں کسی وارث پسر کا اذن بھی درکار نہیں کہ عورت خود اپنے پسر کی وارث تھی۔

فی العقود عن حاوی الزاهدی احد الورثة انفق فی تجهیز المیت من الترکة بغیر اذن الباقین یحسب من مال المیت ولایکون متبرعا[1]۔	عقود میں حاوی الزاہدی سے منقول ہے اگر کسی ایک وارث نے باقی وارثوں کی اجازت کے بغیر میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز پر خرچ کیا تو وہ میت کے ترکہ سے شمار کیا جائے گا اور وہ خرچ کرنے والا متبرع نہیں ہوگا۔(ت)

مگر صرف اس کا کہنا کہ میں اپنے پاس سے پسر کا کفن دفن کیا حجت نہیں دیگر ورثہ بھی مانیں یا گواہان شرعی سے ثبوت ہو تو اس وقت یہ ٹھہرے گا کہ پسر پر اس قدر اس کی ماں کا دَین ہے۔ یونہی وارثان مرد کا یہ کہنا کہ ہمارے بھائی نے کہا تھا زوجہ نے مجھے مہر بخش دیا محض نامسموع ہے اگر وہ سچ بھی کہتے ہیں تو مدیون کا اپنی زبان سے دعوی عفو کیونکر حجت ہوسکتا ہے بلکہ گواہ درکار ہیں کہ زوجہ نے مہر بخش دیا تھا اگر بخشش ثابت ہوجائے تو اس نصف سے جو نصیبہ مرد قرار پایا تھا پہلے اس کی ماں کا دَین جو بشرائط مذکورہ (یعنی ثبوت باقرار ورثہ یا شہادت گواہان وعدم تجاوز بر قدر مسنون وکفن مثل) قابل ادا ہو ادا کرکے باقی وارثان مرد پر (جن میں اس کی ماں بھی داخل ہے) حسب فرائض منقسم ہوجائے اور اگر معافی ثابت نہ ہو تو یہ دیکھنا ہے کہ زوجہ کا نصف مہر جس کا مطالبہ شوہر پر باقی رہا اور ماں کا دَین بابت تجہیز وتکفین جو بشرط مذکور قابل ادا ثابت ہو (اور اسی طرح اور قرض بھی اگر ذمہ مرد ہوں) سب مل کر مقدار کل ترکہ مرد سے (خواہ یہ نصف حصہ زیور ہو جو اسے ترکہ زوجہ سے ملا یا اپنا مال ہو اس مجموع سے) زیادہ ہے یا برابر یا کم اگر برابر یا زائد ہو تو ماں یا بھائی کوئی وارث بحیثیت وراثت کچھ نہ پائے گا بلکہ اس حصہ زیور اور دیگر ترکہ مرد سے سب دائنوں کا حق حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور اگر مجموعہ دیون مجموعہ ترکہ پسر سے کم ہے تو بعد ادائے دیون (وانفاذ وصایا پسر اگر کی ہوں) جو بچے گا وہ وارثان مرد پر مع اس کی ماں کے تقسیم ہوجائے گا۔ اب ان صورتوں میں جو کچھ اس

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳۲۷

عورت وصیت کنندہ کے حصہ میں آکر پڑے گا خواہ بہو کے ترکہ سے بذریعہ دَین تجہیز و تکفین (جس حالت میں کہ وہ واجب الاداہو) یا پسر کے حصہ سے خواہ بذریعہ مطالبہ تجہیز و تکفین شرط مذکور یا بطور وراثت یا دونوں وجہوں سے ان سب کو جمع کرکے مع اس کے باقی مال کے (اگر رکھتی ہو) اس مجموع کی تہائی میں اس کی وصیت خیرات بے اجازت اس کے وارثوں کے نافذ ہوگی،

فان الدین ایضا یدخل فی الوصیۃ بالمال علی ما رجحہ فی الوھبانیۃ لانہ مال حکمی واذا خرج صار مالاحقیقۃ وثبوت حق الموصی لہ بعد الخروج ممکن کالموصی لہ فی القصاص واذا انقلب مالا یثبت فیہ حقہ لانہ مال المیت اما قولھم من حلف لامال لہ ولہ دین لایحنث فذٰلك لان بناء الایمان علی العرف افادہ فی معراج الدرایۃ قلت ومن الدلیل علی ماقلت جواز البیع بالدین وانما ھو مبادلۃ مال بمال فافھم۔	میت نے جو قرض لینا ہے وہ بھی مال کی وصیت میں داخل ہوگا جیسا کہ وھبانیہ میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ حکمی طور پر مال ہے اور جب وہ وصول ہوجائے تو حقیقۃً مال ہوگا اور موصی لہ، کے حق کا ثبوت وصولی کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ قصاص میں موصی لہ، اور جب وہ قرض مال بن گیا تو اس میں موصی لہ، کا حق ثابت ہوجائے گا کیونکہ وہ میت کا مال ہے۔ لیکن مشائخ کا قول کہ "جس شخص نے قسم کھائی کہ اس کا کوئی مال نہیں حالانکہ اس کا قرض کسی پر ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے معراج الدرایہ میں اس کا فائدہ دیا ہے، میں کہتا ہوں میرے قول پر ایک دلیل قرض کے بدلے بیع کا جائز ہوتا ہے کیونکہ بیع نام ہے مال کا مال کے ساتھ تبادلے کرنے کا۔ پس سمجھ۔ (ت) باقی جو رہے گا خاص اس کے وارثوں کا ہے۔ واللہ تعالٰی سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ اولٰی جس نے نصف مہر اپنا اپنی حیات میں زید کو ہبہ کردیا تھا ایک بیٹا اسی شوہر سے اور ایک ماں اور شوہر چھوڑ کر انتقال کرگئی اس کے بعد وہ لڑکا بھی باپ اور نانی کے سامنے مرگیا، زید نے دوسری

شادی کی، زوجہ ثانیہ نے کل مہر اپنا زید کو معاف کردیا، اب زید نے یہ زوجہ اور دو برادر حقیقی ورثہ اپنے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا؟ اور بابت مہر باقیماندہ زوجہ اولٰی کے ترکہ سے کس قدر کسے دیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات ترکہ زید سے پہلے بقیہ مہر زوجہ اولٰی جو ذمہ زید واجب الاداء ہے یعنی نصف مہر باقیماندہ کے بہتّر ۷۲ حصوں سے انیس ۱۹ حصے زوجہ اولٰی کی ماں کو دیئے جائیں **کما یظھر بالتخریج** (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہوگا۔ت) اسی طرح اگر اور دیون ووصایائے زید ہو تو وہ بھی ادا ونافذ کئے جائیں۔ اس کے بعد جس قدر باقی بچے آٹھ سہم پر منقسم ہو دو سہم زوجہ ثانیہ اور تین تین ہر بھائی کو پہنچیں۔ **واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم** (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ت)

مسئلہ ۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص تین پسر اور ایک دختر بطن زوجہ منکوحہ ذی مہر سے چھوڑ کر فوت ہوا اور تین پسر اور تین دختر بطن دو عورتوں غیر منکوحہ سے چھوڑے بعدہ، زوجہ منکوحہ بھی وہی اولاد مذکور چھوڑ کر فوت ہوئی، اس صورت میں ترکہ متوفیہ کا کس طرح منقسم ہوگا اور بحالت زندہ رہنے اور عورات غیر منکوحہ اور ان کی اولاد کے کون کون مستحق وراثت کا ہے اور ادائے دین مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جن دو ۲ عورتوں کو سائل غیر منکوحہ ظاہر کرتا ہے اگر فی الواقع ان سے نکاح ہونا ثابت نہیں، نہ وہ کنیزان شرعی، نہ ایک مدت تک اس شخص کے پاس مثل ازواج رہیں، اور باہم ان میں معاملات مانند زن وشوہر جاری نہ تھے تو وہ دونوں اور ان کی اولاد سب ترکہ سے محروم ہیں۔ اس صورت میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدیون واجراء الوصایا ترکہ شخص متوفی کا سات سہم پر منقسم ہو کر دو ۲ دو ۲ سہم تینوں پسر زوجہ منکوحہ اور ایک اس کی دختر کو ملے گا اور ادائے دین مہر مثل سائر دیون ووصایا تقسیم ترکہ پر بلاریب مقدم ہے **ھو مصرح بہ فی کتب الفقہ** (کتب فقہ میں اس کی تصریح

کردی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر عددین متوافقین کا مخرج جزء وفق بارہ ۱۲ ہو توان میں نسبت توافق بجزء من اثنی عشر (بارہ میں سے ایک جز کے ساتھ۔ت) کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر قبل تقسیم ترکہ ایک یا دو یا زائد ورثہ انتقال کریں اور ان کے وارث باعیانہم وہی ورثہ میت اول ہوں اور ان کی موت سے تقسیم متغیر نہ ہو توان ورثہ اموات کو بین سے خارج اور کأن لم یکن (گویا کہ وہ تھا ہی نہیں۔ت) کردینا اولٰی ہے یا ان بطون کی اقامت اور ہر ایک کی علیحدہ تصحیح۔ بیّنوا توجروا (بیان کرواجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

واللہ الموفق والصواب (اللہ تعالٰی ہی سچائی اور درستگی کی توفیق دینے والا ہے۔ت) صورت مستفسرہ میں جیسے کہ تعبیر بکسر منطق اور ان عددین کو متوافقین بنصف السدس یا بسدس النصف کہنا جائز ویسے ہی تعبیر بالجزء اور انہیں متوافقین بجز من اثنی عشر کہنا بھی روا، اور فرائضیوں میں شائع وذائع۔

فی السراجیه ففی الاثنین بالنصف وفی الثلاثة بالثلث وفی الاربعة بالربع هکذا الی العشرة وفی ما وراء العشرة یتوافقان بجزء منه اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی خمسة عشر بجز من خمسة عشر [1]۔ وفی شرحها الشریفیة وبالجملة یمکن فیما وراء العشرة باسرها ان یعبر فی التوافق بالاجزاء المضافة الی المخرج کجزء من احد عشر وجزء من اثنی عشر	سراجیہ میں ہے کہ دو میں آدھے کا توافق، تین میں تہائی کا اور چار میں چوتھائی کا، اور یونہی دس تک یعنی دس میں دسویں کا توافق ہوگا۔ اور دس سے اوپر جو عدد ہے اس میں توافق اس کی ایک جزء کا ہوگا مثلاً گیارہ میں گیارہ کی ایک جز کا اور پندرہ میں پندرہ کی ایک جز کا۔ اس کی شرح شریفیہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دس سے اوپر والے تمام عددوں کے توافق میں تعبیر ان اجزاء کے ساتھ ہوگی جو مخرج کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے گیارہ میں سے

[1] السراجی فی المیراث فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۳ و ۳۴

وجزء من ثلثة عشر ویمکن فی بعضها ان یعبر بالکسور المنطقة المرکبة وللتنبیه علی ذٰلك خلط الشیخ المنطق بالاصم حیث ذکر احد عشر وخمسة معا[1]۔وفی حاشیتها للقاضی عبدالنبی الاحمد نگری رحمه الله تعالٰی فان قیل لم قال المص وفیما وراء العشرة یتوافقان بجزء مع انه یمکن التعبیر فی البعض بغیر لفظ الجزء قلت غرض المص رحمه الله تعالٰی ا ان توافق العددین فیما وراء العشرة بجزء حکم کلی دون التعبیر بلفظ اخرفافهم[2]۔وفی رد المحتار(تنبیه)اذا توافقا فی عدد مرکب وهو مایتألف من ضرب عدد فی عدد کخمسة عشر مع خمسة و اربعین فان شئت قلت هما متوافقان بجزء

ایک جزء بارہ میں سے ایک جزء اور تیرہ میں سے ایک جزء اور ان میں سے بعض میں کسور منطقہ مرکبہ کے ساتھ تعبیر ممکن ہے۔اسی پر تنبیہ کرنے کے لئے شیخ (صاحب سراجیہ) نے منطق (جس کسر کو لفظ جزئیت وغیر جزئیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہو) اور اصم (جس کسر کو فقط لفظ جزئیت کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہو) کو ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ اس نے گیارہ اور پندرہ کو اکٹھا ذکر کیا۔اس پر قاضی عبدالنبی احمد نگری علیہ الرحمہ کے حاشیہ میں ہے۔اگر کہا جائے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کیوں کہا کہ دس سے اوپر والے اعداد میں توافق ان کی ایک جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے تعبیر ممکن ہے تو میں کہوں گا کہ مصنف علیہ الرحمہ کی غرض یہ ہے کہ دس سے اوپر والے اعداد میں جزء کے ساتھ توافق ایک حکم کلی ہے۔بخلاف کسی دوسرے لفظ کے ساتھ تعبیر کے۔پس سمجھو۔رد المحتار میں ہے (تنبیہ) جب دو عدد کسی عدد مرکب میں باہم متفق ہوجائیں جو کہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مؤلف ہوتا ہے جیسے پندرہ پینتالیس کے ساتھ۔پس اگر تو چاہے تو یوں کہے کہ ان دونوں میں توافق پندرہ کی ایک

[1] الشریفیة شرح السراجیه فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۶۱

[2] حاشیة شرح الشریفیة

من خمسة عشر وان شئت نسبت الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الاٰخر فتقول بينهما موافقة ثلث خمس او خمس ثلث فيعبر عنه بالجزء و بالكسور المنطقة المضافة بخلاف غير المركب فانه لايعبر عنه الا بالجزء [1]۔ وفی الفتاوی العالمگیریة ان كان الجزء المفنی للعددين اكثر من عشرة فانظر فان كان المفنی فردا او لا وهوالذی ليس له جزء صحيح ای لايتركب من ضرب عدد فی عدد كأحد عشر فقل الموافقة بينهما بجزء من احد عشر لانه لايمكن التعبير عنه صحيحا بشيئ اٰخر وان كان العدد المفنی زوجا كالثمانية عشرا وفردا مركبا و هوالذی له جزء ان صحيحان او اكثر كخمسة عشر، فان شئت ان تقول كما قلت فی الفرد الاول	ایک جزء کے ساتھ ہے اور اگر تو چاہے تو واحد کی پندرہ کی طرف ایسی دو کسروں کے ساتھ نسبت کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، اور تو یوں کہے ان دونوں کے درمیان موافقت پانچویں کے تہائی کے ساتھ ہے یا تہائی کے پانچویں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کو جزء کے ساتھ اور کسور منطقہ جو کہ ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہیں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔ بخلاف غیر مرکب کے کہ اس کو سوائے جزء کے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے: اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد دس سے زائد ہو تو پھر نظر کر اگر وہ عدد فرد مفرد ہو، اور فرد مفرد وہ ہے جس کی کوئی جزء صحیح نہ ہو یعنی وہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مرکب نہ ہو جیسے گیارہ تو اب کہہ کہ ان دونوں میں موافقت گیارہویں جزء کی ہے اس لئے کہ کسی دوسری شیئ کے ساتھ اس کی صحیح تعبیر ممکن نہیں، اور اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد زوج ہو جیسے اٹھارہ یا فرد مرکب ہو، ارفرد مرکب وہ ہوتا ہے جس کی دو یا دو سے زائد جزئیں صحیح ہوں جیسے پندرہ، تو اس صورت میں اگر تو چاہے تو ایسے ہی کہے جیسا کہ تونے

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض باب المخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۱۲

ھو موافق بجزء من خمسة عشر وبجزء من ثمانية عشروان شئت ان تنسب الواحد الیه بکسرین یضاف احدھما الی الاٰخر فتقول فی خمسة عشر بینھما موافقه بثلث الخمس وفی ثمانیة عشر بثلث السدس وقس علیه نظائرہ [1] وفی مختصر الفرائض فان اتفقا فی الاثنین فھما متوافقان بالنصف وفی الثلث بالثلث وھکذا فی العشرۃ بالعشرون توافقا فی احد عشر اواکثر منه یعبر بالجزء مثلا فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی اثنی عشر بجزء من اثنی عشر وھکذا[2] الخ۔وفی زبدۃ الفرائض مولانا عمادالدین البکنی رحمة اللہ تعالٰی علیه واگر در دوازدہ متفق شوند توافق بجزء من اثنی عشر، گویند یعنی توافق بحصہ دوازدہم چنانچہ بست وچہار ۲۴ وسی وشش ۳۶	فرد مفرد میں کہاکہ اس میں توافق پندرہویں جزء کا ہے یا اٹھارہویں جزء کا۔اگرچاہے تو واحد کو اس کی طرف ایسی دو کسروں سے منسوب کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے،چنانچہ توپندرہ میں یوں کہے کہ یہ پانچویں کے تہائی میں موافق ہے اور اٹھارہ ۱۸ میں یوں کہے کہ یہ چھٹے کے تہائی میں موافق ہے اور اسی پر دیگر نظائر کو قیاس کرلے۔ مختصر الفرائض میں ہے کہ اگر دو ۲ عدد،دو ۲ میں متفق ہوجائیں توان میں آدھے کاتوافق ہے اور تین میں متفق ہوں توتہائی کاتوافق ہے یونہی دس ۱۰ تک کہ اس میں دسویں کاتوافق ہے اور اگروہ دونوں گیارہ یااس سے زائد میں متفق ہوں تواس کو لفظ جزء کے ساتھ تعبیر کیاجائے گامثلاً گیارہ میں گیارہویں جزء اور بارہ ۱۲ میں بارہویں جزء،اور اسی طرح آخر تک۔اور مولانا عمادالدین رحمۃاللہ تعالٰی علیہ کی تصنیف زبدۃالفرائض میں ہے کہ اگردوعدد بارہ ۱۲ میں متفق ہوں توکہیں گے کہ ان میں توافق بارہ کی ایک جز میں ہے یعنی توافق بارہویں حصہ میں ہے چنانچہ چوبیس ۲۴ اور

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الفرائض الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۶۷

[2] مختصر الفرائض

وعلٰی ھٰذا القیاس درجمیع مراتب[1] وفی زبدۃ الفرائض مولاناعبدالباسط القنوجی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ درمافوق العشرۃ بجزء وے کہ مضاف بسوئے عاد باشد تعبیر کنند پس دراحد عشر بجزوے ازاحد عشر واثنی عشر بجزوے ازاثنی عشر وھکذاتا غیر نہایت[2]۔	چھتیس کی صورت میں توافق چوبیسویں اور چھتیسویں حصہ میں ہوگا،اوراسی پر قیاس ہوگا تمام مراتب میں۔اور مولانا عبدالباسط قنوجی رحمہ اللہ تعالٰی کی تصنیف زبدۃالفرائض میں ہے کہ دس سے زائد عددوں میں اس عدد کی ایسی جزء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو جزء عددمفنی کی طرف مضاف ہوتی ہے چنانچہ گیارہ میں اس کی گیارہویں جزء اور بارہ میں اس کی بارہویں جزء،اسی تک غیر نہایت تک۔(ت)

اور جب انتقال بعض ورثہ قبل از تقسیم کیفیت مذکورہ سے ہو تو انہیں خارج من البین وکان لم یکن کرنا ھی اولٰی ہے نہ اقامت بطون وافراز تصحیحات۔

فی الفرائض الشریفیۃ(لوصار بعض الانصباء میراثا قبل القسمۃ)فنقول ان کانت ورثۃ المیت الثانی من عداہ من ورثۃ المیت الاول ولم یقع فی القسمۃ تغییر فانہ یقسم المال حینئذ قسمۃ واحدۃ اذلافائدۃ فی تکرارھا کما اذاترک بنین وبنات من امرأۃ واحدۃ ثم مات احدی البنات ولاوارث لھا سوی تلک الاخوۃ والاخوات لاب وام فانہ یقسم مجموع الترکۃ بین الباقین للذکر مثل حظ الانثیین قسمۃ واحدۃ واحدۃ کماکانت تقسم بین الجمیع	فرائض شریفیہ میں ہے(اگر بعض حصے تقسیم سے پہلے میراث ہوجائیں)تو ہم کہتے ہیں کہ اگر میت ثانی کے ورثاء سوائے میت ثانی کے وہی ہین جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تو اس صورت میں مال کو ایک تقسیم کے ساتھ بانٹ دیا جائے گا کیونکہ تقسیم کی تکرار کا کوئی فائدہ نہیں۔جیسے کسی شخص نے ایک ہی بیوی سے کچھ بیٹے اور کچھ بیٹیاں چھوڑی ہوں پھر ایک بیٹی مر گئی جس کا ان حقیقی بہن بھائیوں کے سوا کوئی وارث نہیں تو اس صورت میں تمام ترکہ باقی بیٹوں اور بیٹیوں میں ایک ہی تقسیم کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق اسی طرح تقسیم کریں گے جیسا کہ ان تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا تھا

[1] زبدۃ الفرائض
[2] زبدۃ الفرائض

كذٰلك فكانّ الميّت الثانی لم يكن فی البين[1]. وفی الدر المختار (مات بعض الورثة قبل القسمة للتركة صحت المسئلة الاولٰی) واعطيت سهام كل وارث (ثم الثانية) الا اذا اتحد كأن مات عن عشرة بنين ثم مات احدهم عنهم[2]. وفی الفتاوٰی الهندية ان كانت ورثة الميت الثانی هم ورثة الميت الاول ولاتغير فی القسمة تقسم قسمة واحدة لانه لافائدة فی تكرار القسمة[3]، فی مستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق (ان مات البعض قبل القسمة فصحح مسئلة الميت الاول و اعطی سهام كل وارث ثم صحح مسئلة الميت الثانی) هذا اذا كانت ورثة يرثون خلاف مايرثون من الميت الاول اما اذا كانوا يرثونه بعينهم فلاحاجة الی التصحيحين كمالومات عن عشرة ابناء ثم مات احد البنين ولم يترك وارثاسواهم كذا فی الزاهدی	گویا کہ میت ثانی درمیان میں تھا ہی نہیں، درمختار میں ہے ترکہ کی تقسیم سے پہلے وارثوں میں سے کوئی مرگیا تو پہلے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہروارث کے حصے دیئے جائیں گے پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی سوائے اس کے کہ دونوں مسئلے متحد ہوں، جیسے کوئی شخص دس ۱۰ بیٹے چھوڑ کر مرگیا پھر ان میں سے ایک باقی نو بھائی چھوڑ کر مرگیا۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے اگر میت ثانی کے ورثاء وہی ہوں جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو ایک ہی تقسیم کی جائے گی کیونکہ تقسیم کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں۔ مستخلص الحقائق شرح کنزالدقائق میں ہے اگر وارثوں میں سے کوئی ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرگیا تو پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہروارث کو حصے دیئے جائیں گے پھر مسئلہ ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی، یہ اس وقت ہوگا جب میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے مختلف ہوں۔ لیکن اگر میت ثانی کے ورثاء بعینہٖ میت اول کے ورثاء ہوں تو پھر دو تصحیحوں کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کوئی شخص دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا پھر بیٹوں میں سے ایک مرگیا اور اس نے سوائے اپنے مذکورہ نو بھائیوں کے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ یونہی زاہدی اور زبدہ باسطیہ

[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب المناسخۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۹۱

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی المناسخۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۶

[3] الفتاوٰی الهندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۷۰

وفی الزبدۃ الباسطیۃ [1] بدانکہ اگر ورثہ میت ثانی عین ورثہ میت اول باشند و نیز قسمت تغیر نیابد بجہت آنکہ از یک جنس بودند پس بنابر اختصار میت ثانی راکالعدم شمار کردہ بر تصحیح واحد اکتفا نمایند۔ وفی مختصر الفرائض اعلم ان ورثۃ المیت الثانی ان کانوا ھم الوارثین للمیت الاول سوی المیت الثانی ولایتغیر التقسیم بموتہ تقسم الترکۃ علی الورثۃ الباقیۃ تقسیما واحدا ویجعل المیت الثانی کأن لم یکن فی البین مثلًا ترک اربعۃ ابناء و ثلاث بنات کلھم من زوجۃ واحدۃ ثم مات ابن واحد قبل القسمۃ وترک ثلثۃ اخوۃ وثلث اخوات لاب وام ثم ماتت اخت وترکت ثلثۃ اخوۃ واختین کانت المسئلۃ من الثمانیۃ لکل من الابناء الثلثۃ اثنان ولکل من البنتین واحد ویجعل الابن والبنت کأن لم یکونا فی البین [2] انتہت معھذا مطمح نظر علمائے

میں ہے: تو جان لے کہ اگر میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء کا عین ہوں اور تقسیم میں بھی کوئی تبدیلی نہ آتی ہو اس لحاظ سے کہ وہ ایک ہی جنس سے تعلق رکھتے ہوں تو اختصار کی بنیاد پر میت ثانی کو کالعدم شمار کرتے ہوئے ایک ہی تصحیح پر اکتفاء کرتے ہیں۔ مختصر الفرائض میں ہے: تو جان لے کہ میت ثانی کے ورثاء اگر وہی ہوں جو میت اول کے وارث بنتے ہیں سوائے میت ثانی کے۔ اور میت ثانی کی موت کی وجہ سے تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو اس صورت میں ترکہ کو ایک ہی تقسیم کے ساتھ باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور میت ثانی کو درمیان سے کالعدم قرار دے دیا جائے گا مثلًا کوئی شخص چار بیٹے اور تین بیٹیاں چھوڑ کر مر گیا جو کہ تمام ایک ہی بیوی سے ہیں پھر تقسیم سے پہلے ایک بیٹا مر گیا جس نے تین حقیقی بھائی اور دو بہنیں چھوڑی ہیں تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا تین بیٹوں میں سے ہر ایک کو دو ۲ دو ۲ حصے ملیں گے اور دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک حصہ ملے گا۔ اور مر جانے والے بیٹے اور بیٹی کو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ وہ درمیان میں تھے ہی نہیں انتہت، اس کے باوجود ہمیشہ علماء فرائض کا مطمح نظر سہام کو کم کرنا اور حساب کو

---

[1] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق

[2] مختصر الفرائض

فرائض دواما تقليل سهام وتسهيل حساب كما ليس بخاف على من له ادنٰى مرور فى زقاق هذا الفن۔	آسان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس کا اس فن کی گلیوں میں تھوڑا سا گزر ہوا ہے۔(ت)

ولہٰذا در صورت تعدد عاد اکثر الاعداد کا اعتبار فرماتے ہیں تاجزء وفق اقل ہو اور حساب اہون و اسہل اور اصول ثلثہ تصحیح سے کہ بین السہام والرؤس مقرر ہیں نسبت تداخل کو محض روگا للاختصار خارج اور اگر سہام رؤس پر تقسیم ہو جائیں تو تماثل ورنہ توافق کی طرف راجع کرتے ہیں **ونظائر ذٰلك كثيرة وفى اسفار الفن مسطورة** (اس کی نظیریں بہت ہیں جو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ت) اور پر ظاہر کہ ورثہ مذکورین کو **كأن لم يكن** (گویا کہ وہ نہیں تھا۔ت) کرنے میں اختصار قسمت اور خفت مؤنث اور حساب کی ہے اور اسی مقصود فن سے کمال مناسبت، **واللّٰه تعالٰى اعلم وعلمه اتم وحكمه احكم۔**

مسئلہ ۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرا اور وارثوں میں اپنی دو زوجہ اور زوجہ اولٰی کا مہر سوا لاکھ روپیہ کا اور ایک دختر بھی ہے اور زوجہ ثانی لاولد اور مہر اس کا دس ہزار روپیہ تک ہے، اور ایک بھائی، کتنے سہام پر جائداد تقسیم ہوگی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سائل مظہر کہ جائداد بقدر عہ/ کے ہے اور حکم شرع میں ادائے مہر و دیگر دیون تقسیم ترکہ پر مقدم اس صورت میں کہ مقدار دونوں مہروں کی حیثیت جائداد سے زائد ہے، کسی وارث کو جائداد میں استحقاق مالکانہ نہیں، لہٰذا کل جائداد متروکہ سے جو بعد تجہیز و تکفین کے باقی رہا دونوں زوجہ کے مہر اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین ہو تو ان کے ساتھ وہ بھی سب بطور حصہ رسد ادا کر دیئے جائیں اور کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ مہر معاف ہو جائے یا کوئی وارث جائداد کے خالص کر لینے کو اپنے پاس سے ادا کر دے تو بعد ادائے دین و اجراء وصیت جو بچے گا سولہ ۱۶ سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور چھ برادر

کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷: ۸ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد کے مالک زید وعمرو وبکر سہ برادران حقیقی تھے، اول زید فوت ہوا، خالد وعمدہ والدین چھوڑے۔ پھر عمدہ نے عمرو بکر پسر ہندہ سعیدہ دختر خالد شوہر چھوڑے پھر خالد نے وارثان مذکور سے انتقال کیا پھر عمرو نے زوجہ خدیجہ چھوڑ کر لاولد وفات پائی پھر ہندہ شوہر عبداللہ پسر حامد محمود دختر فاطمہ چھوڑ کر مر گئی، ترکہ کیونکر منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم مایقدم کالمہر والدین والوصیۃ ایک ثلث جائداد کہ حصہ زید ہے نو سو ساٹھ ۹۶۰ سہام پر منقسم ہو کر ورثہ احیاء پر جس حساب سے بٹ جائے۔

المبلغ ۹۶۰

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۴۴۰	۲۲۰	۸۰	۵۵	۶۶	۶۶	۳۳

وذلك لان التصحیح یبلغ الفین وثمان مائۃ وثمانین ۲۸۸۰ وکأن ینقسم ھٰکذا۔	اور یہ اس لئے ہے کہ تصحیح دو ہزار آٹھ سو اسی ۲۸۸۰ تک پہنچتی ہے گویا اس طرح تقسیم ہوتی ہے۔(ت)

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۱۳۲۰	۶۶۰	۲۴۰	۱۶۵	۱۹۸	۱۹۸	۹۹

کما یظھر بالتخریج فوجدنا فی السھام کلھا موافقہ بالثلث فرددنا المسئلۃ للاختصار الٰی ماتریٰ۔	جیسا کہ تخریج سے ظاہر ہوتا ہے، پس ہم نے تمام حصوں میں تہائی کا توافق پایا تو ہم نے مسئلہ کو اختصار کے لئے تہائی کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔(ت)

اور ثلث دوم کہ حصہ عمرو ہے تین سو برس سہام پر انقسام پا کر یوں ہر وارث کو ملے۔

المبلغ ۳۲۰

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۸۰	۱۲۰	۶۰	۱۵	۱۸	۱۸	۹

کما یظھر بالمناسخۃ (جیسا کہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ت)

اور ثلث سوم خاص بکر کا ہے اور اگر ساری جائداد ملا کر دفعۃً تقسیم کرلینا چاہیں تو بہت اختصار ہوجائے گا کل جائداد کے ایک سو چوالیس حصے کرکے اس طرح تقسیم کریں ہر ایک اپنے تمام حقوق کو پہنچ جائے گا:

المبلغ ۱۴۴

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
	۲۰	۱۶	۵	۶	۶	۳

یہ اختصار قابل امتحان طلبہ ہے کہ کیونکر ان سہام میں بکر کا ثلث الگ ہو کر دونوں ترکے پورے پورے تقسیم ہوگئے **من دون ان یمکن فرض باطل کجعل المورث الاعلی واحدا اولیستعان بقاعدۃ فوق التقسیم المفرد علٰی ضوابطھا المقررۃ عند الحساب** (بغیر اس کے کہ کسی باطل کو فرض کیا جائے مثلاً صورت اعلٰی کو ایک قرار دیا جائے یا تقسیم مفرد کے اوپر والے قاعدے سے ان ضوابط کے مطابق مدد لی جائے جو حساب میں طے شدہ ہیں۔ت) مگر یہ جبھی ممکن کہ وقت تقسیم تینوں بھائی جائداد میں بحصہ مساوی شریک ہوں عام ازیں کہ اول ہی سے برابر تھے اور زید وعمرو کے ترکہ پر دین وصیت کچھ نہ تھا یا تھا اور اس جائداد کے غیر سے ادا کردیا گیا یا اول سے مختلف تھے اور دیون ووصایائے زید وعمرو اس ترکہ سے ادا ہو کر اب تینوں حصے برابر آگئے اور اگر وقت تقسیم کمی بیشی ہے خواہ ابتداء سے تھی یا اب بوجہ ادائے دین ووصیت ہوگئی تو تقسیم کی وہی پہلی صورت رہے گی کہ ہر ایک کا جدا بٹے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸: ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لڑکا بعمر ڈھائی برس اور زوجہ اور والدہ اپنی اور برادر حقیقی چھوڑ کر فوت ہوگیا بعدہ، بلا اجازت زوجہ زید کے چچا زید متوفی نے مال متروکہ زید ونیز مال جہیزی زوجہ زید کا پسر زید کے نام کرکے تابلوغ پسر مذکور سپرد برادر حقیقی زید کے کردیا وقت سپردگی مال مذکور کے نانا لڑکے اور نیز اہل برادری نے سپردگی مال میں رضامندی ظاہر کی

پس اس صورت میں جو رضامندی اور اجازت زوجہ زید سے نہیں لی گئی مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر حقیقی زید کے سپرد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مال زید کے سہام پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

مال جہیز تو خاص ملک زوجہ زید ہے نہ وہ زید کا ترکہ نہ زید کے کسی وارث کا اس میں کوئی حق۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأة لاحق لاحد فیہ[1]۔	ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔(ت)

اور متروکہ زید بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون و تنفیذ وصایا، چوبیس سہام پر منقسم ہو کر تین سہم زوجہ اور چار والدہ اور سترہ پسر کو ملیں گے تو متروکہ زید میں بھی چوبیس سہام سے سترہ کا استحقاق پسر کو تھا کل ترکہ زید بنام پسر زید کردینا ظلم وجہالت ہے اور اس کے ساتھ زوجہ زید کا جہیز بھی ملا دینا اور ظلم بر ظلم اور نانا یا اہل برادری کی رضامندی کوئی چیز نہیں کہ وہ غیر مالک ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ(ت)

پس کل مال لرکے کے نام قائم کرنا اور برادر زید کی سپردگی میں دینا سب بیہودہ وباطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹: ماہ صفر ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل تسنن پر فوت ہوا اور اس نے ایک دختر سنی زوجہ اولٰی متوفیہ کے بطن سے اور ایک زوجہ مدخولہ نومسلم شیعہ اور ایک برادر خالہ زاد کہ زید کا بہنوئی ہے اور دو بھانجی حقیقی مذہب سنی اور ایک بھائی چچا زاد شیعہ اور ایک نواسہ شیعہ اور داماد شیعہ یعنی باپ اس نواسہ کا کہ جس کی ماں حیات میں زید متوفی کی مر گئی تھی وارث چھوڑے جائداد مقبوضہ مملوکہ زید متوفی جمیع ورثہ پر از روئے فرائض کس طرح

---

[1] ردالمحتار باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

تقسیم ہونا چاہئے اور کون کون ذی حق جائداد مذکور میں ہوسکتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

تحریرات مجتہد لکھنؤ و تجربہ خواص و عوام شیعہ سے ثابت کہ اس زمانے کے شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو ہرگز نہ ان سے مناکحت جائز، نہ وہ نکاح شرعًا نکاح، نہ وہ اہلسنت کا ترکہ پاسکیں، نہ اہل سنت کو ان کا مورث کہہ سکیں۔ عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبقولھم فی خروج امام باطن (الی من قال) وھٰؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذافی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کو کافر قرار دیناواجب ہے ان کے اس قول کی وجہ سے کہ مردے دنیا کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ امام باطن کا ظہور ہونا ہے (یہاں تک کہا) اور یہ قوم ملت اسلام سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔ یونہی ظہیریہ میں ہے (ت)

اسی میں ہے:

اختلاف الدین ایضا یمنع الارث[2]۔	دین کا اختلاف بھی میراث سے مانع ہے (ت)

پس کل ترکہ زید بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وعدم وارث اُخر و تقدیم یا یقدم کالدین والوصیۃ، صرف اس کی دختر سنیہ کو ملے گا۔ اور یہ مدخولہ اور چچازاد بھائی کہ شیعہ ہیں کچھ نہ پائیں گے نہ خالہ زاد بھائی بھانجوں نواسے داماد کا کوئی حق ہے ہاں اگر یہ مدخولہ یا چچازاد بھائی دونوں کسی ضروری دین کا انکار نہ کرتے ہوں تو بشرائط مذکورہ ترکہ آٹھ سہم پر منقسم ہوگا ایک زوجہ اور چار دختر اور تین ابن العم کو ملیں گے اور صرف ابن العم منکر نہ ہو تو دو حصہ ہو کر دختر وابن العم کو نصفانصف پہنچے گا زوجہ کچھ نہ پائے گی، اور صرف زوجہ منکر نہ ہو تو آٹھ پر تقسیم ہو کر ایک سہم زوجہ اور سات دختر کو پہنچیں گے ابن العم محروم رہے گا۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

---

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

مسئلہ ۱۰: ازاوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۲۰ صفر ۱۳۰۸ھ

چہ فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید بابرادر خرد حقیقی شریک حال بودہ مکان وزیور ونقدوظروف واشیائے خانہ داری تعدادی تخمینا پانزدہ صد روپیہ ہردوبشرکت بزور بازوئے خودفراہم کردند ودر خوردونوش معیشت ہیچ امتیازے نداشتند وعلاوہ اموال مذکورہ صدبیگھہ زمین از سرکار خاص بنام زید معاف شد الادرستی وآبادی زمین مزبورہ وتیاری چاہ بزر مشترک شد وآمدنی سالیانہ بشرکت صرف می نورحالا زید زوجہ ثانیہ لاولد وزوجہ ثالثہ ویک پسروسہ دختراز بطن زوجہ اولٰی کہ پیش از زید مردہ بود وشادی اینہا زید بحیات خودش کرد وسہ پسراز بطن زوجہ ثالثہ کہ ہرسہ بحیات زید ناکتخدا ماندند وہمیں یک برادر وارث گزاشتہ وفات یافت پس ترکہ زید چساں انقسام یابد وزمینے کہ تنہا بنام زید معاف ست دراں برادر دیگر را ہم حصہ است یاخیر ودر اولاد زوجہ اولٰی و ثالثہ بوجہ کتخدا زدن بحیاتِ زیدازرف زیدوناکتخدا ماندن فرقے در ارث خواہد بود یانے۔ بیّنوا توجروا۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ تھااور دونوں نے شراکت میں اپنے زور بازو سے مکان، زیور، نقدی، برتن اور خانہ داری کی دیگراشیاء جن کی مالیت تقریبًا پندرہ سو روپے ہے جمع کیں اور کھانے پینے میں وہ دونوں آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے، احوال مذکورہ کے علاوہ سوبیگھہ زمین حکومت نے خاص زید کے نام الاٹ کی مگرمذکورہ زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری مشترکہ طور پر صَرف ہوتی رہی، اب زید مرگیااور اس نے اپنی دوسری بیوی بے اولاد چھوڑی اور پہلی بیوی جو زید سے پہلے مرگئی سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑیں جن کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی، اور تیسری بیوی چھوڑی جس سے زید کے تین بیٹے ہیں جو زید کی زندگی میں کنوارے رہے اور ایک یہ بھائی چھوڑاہے، تواب زید کاترکہ کیسے تقسیم ہوگااور جو زمین تنہازید کے نام پرالاٹ ہوئی اس میں دوسرے بھائی کا بھی حصہ ہے یانہیں؟اوراس کی پہلی اور تیسری بیویوں کی اولاد میں اس وجہ سے کوئی فرق ہوگا یانہیں کہ پہلی بیوی کی اولاد زید کی زندگی میں زید کے خرچ سے شادی شدہ ہوئی جبکہ تیسری بیوی کی اولاد کنواری رہی۔ بیان کرواجر دیئے جاؤگے (ت)

الجواب:

زمینے کہ تنہا بنام زید معاف شد خاص ملک اوست. برادر دیگر را دران استحقاقے نیست فان الاقطاع انما یکون لمن اقطع لہ کما ان الموہوب لایملکہ الا من وہب لہ ودرآبادی وتیاری چاہ صرف زر مشترک مستلزم ملک برادر درعین زمین نیست کما لایخفٰی اما آنچہ بحالت اتحاد ویکجائی بزور بازوئے خود پیدا کردند اگر ہر دو بکسب واحد بروجہ شرکت اشتغال میداشتند گو یکے عمل بیش می کرد ودیگرے کم یا آنچہ بہ مکاسب جداگانہ خود ہامی اند وختند خلط می کردند ویک جا صرف می نمودند کہ درملک ہر دو تفاوت معلوم نیست پس ہمہ آنچہ بہم حاصل کردہ اند نصفاً نصف علی السویہ ملک ہر دو برادر باشد فی الفتاوی الخیریۃ سئل فی اخوین سعیہما واحد وعائلتہما واحدۃ حصلا بسعیہما اموالا من مواش وغیرھا فہل جمیع ماحصلاہ بسعیہما و کسبہما مشترک بینہما تجب	جو زمین اورزید کے نام الاٹ ہوئی وہ خاص اسی کی ملکیت ہے۔ دوسرے بھائی کا اس میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ زمین کے قطعات اس کے لئے ہوتے ہیں جس کے لئے الاٹ کئے جائیں۔ جیسا کہ موہوب کامالک سوائے اس کے کوئی نہیں ہوتا جس کے لئے ہبہ کیاگیا اورزمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری میں مشترکہ مال کاخرچ ہونا عین زمین میں بھائی کی ملکیت کامقتضی نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، لیکن جو کچھ انہوں نے اتحاد واتفاق کی حالت میں اپنے زور بازو کے ساتھ کمایا اگر دونوں ایک ہی کسب میں بطور شرکت مشغولیت رکھتے تھے اگرچہ ایک کام زیادہ کرتا ہو اور دوسرا کم یا وہ الگ الگ کسب کرکے جو کچھ جمع کرتے اس کو اکٹھا کرلیتے اور اکٹھا خرچ کرلیتے اس طور پر کہ دونوں کی ملکیت میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا پس جو کچھ انہوں نے حاصل کیا ہے وہ ان دونوں بھائیوں میں مساوی طور پر نصف نصف ہوگا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے دو بھائیوں کے بارے میں سوال کیاگیا جن کا کاروبار ایک ہے اور ان دونوں کا کنبہ بھی ایک ہے ان دونوں نے اپنی محنت سے مویشی وغیرہ کی صورت میں کچھ مال جمع کیا، توکیاجو کچھ انہوں نے اپنی محنت اور کسب سے

قسمته بینهما مناصفة ام لااجاب نعم[1] اھ ملخصا،فی ردالمحتار یؤخذ من هذا ماافتی به فی الخیریة،فی زوج امرأة وابنها اجتمعا فی دار واحدة واخذ کل منهما یکتسب علی حدة ویجمعان کسبهما ولایعلم التفاوت ولاالتساوی و لاالتمییز فاجاب بانه بینهما سویة وکذٰلك لواجتمع اخوة یعملون فی ترکة ابیهم ونما المال فهو بینهم سویة ولواختلفوا فی العمل والرای[2] اھ وناکتخدا ماندن بعض اولاد بحیات مورث موجب زیادت حصه ایشاں برکتخد ایان نیست فان الارث انما یکون بعد الموت اوعنده علی اختلاف العلماء لاقبله بالاجماع فما وصل الٰی بعضهم من قبل علی جهة تبرع

حاصل کیا وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہے اس کی تقسیم ان دونوں کے درمیان نصف نصف واجب ہوگی یا نہیں؟ جواب دیا کہ ہاں اھ تلخیص۔ردالمحتار میں ہے اس سے اخذ کیا جائے گا وہ جو خیریہ میں ایک عورت کے شوہر اور ان کے بیٹے کے بارے میں فتوٰی دیا ہے جو دونوں ایک گھر میں اکٹھے رہتے ہیں ہر ایک ان میں سے الگ کمائی کرتا ہے پھر وہ دونوں اپنی کمائی یکجا کرلیتے ہیں اور اس میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا اور نہ ہی اس میں برابری اور کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے تو جواب دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان برابر ہوگا۔اسی طرح کچھ بھائی اکٹھے ہوکر اپنے باپ کے ترکہ میں کام کرتے ہیں اور مال بڑھ جاتا ہے تو وہ ان کے درمیان برابر برابر ہوگا اگرچہ وہ عمل اور رائے میں مختلف ہوں،اور بعض اولاد کا باپ کی زندگی میں کنوارہ رہ جانا اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ ان کا حصہ شادی شدگان پر زیادہ ہوجائے کیونکہ میراث موت کے بعد یا موت کے وقت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ علماء کے مختلف قول ہیں۔موت سے پہلے میراث بالاجماع ثابت نہیں ہوتی۔اور جو کچھ بعض اولاد کو مورث کی طرف سے موت سے قبل بطور تبرع موصول ہوا

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الشرکة دارالمعرفة بیروت ۱/ ۱۱۲

[2] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۹

من المورث لایمکن ان یحسب من الارث وسببه ھی الوصلة المعلومة وھم فیھا سواء پس دریں صورت کل زمین معافی ونیمه ایں اموال که درآنہا شرکت ہر دوبرادر ست برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثه فی المذکورین وتقدیم امور مقدمه علی المیراث مثل اداء مہر ہر سه زوجه ودیگر دیون وانفاذ وصایا بریک صد وہفتاد وشش سہام انقسام یافته یازده سہم بہر زن موجوده وبست وہشت بہر پسر وچارده بہر دختر رسد وبرادر را در ترکه زید حظے نیست والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم بالصواب۔	اس کو میراث میں سے شمار کرنا ممکن نہیں اور اس کا سبب وہی ملاپ اور تعلق ہے جو معلوم ہے اور وہ سارے اس میں برابر ہیں، چنانچہ اس صورت میں الاٹ شدہ تمام زمین اور دونوں بھائیوں کے درمیان مشترکہ اموال میں سے نصف اس تقدیر پر کہ میراث کے موانع میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کے ورثاء صرف یہی مذکورہ افراد ہوں اور جن امور کو میراث سے مقدم کرنا لازم ہے مثلاً تینوں بیویوں کا مہر، دیگر قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے نفاذ کے بعد جو مال بچے اس کے ایک سو چھہتر حصے کرکے گیارہ گیارہ حصے ہر موجودہ بیوی کو اٹھائیس ۲۸ حصے ہر بیٹے کو اور چودہ حصے ہر بیٹی کو پہنچیں گے بھائی کے لئے زید کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔اللہ سبحانہ، وتعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۱: ۸ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مہر مسماۃ ریاست النساء مرحومہ کا ذمہ احمد شاہ خاں شوہر کے واجب الادا ہے اور ترکہ مسماۃ سے نصف حصہ اس کے شوہر کا ہے مہر بتعداد پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ ہے اور ترکہ بمقدار قلیل مسماۃ کی والدہ اور بھائی دعویدار مہر ہیں۔اس صورت میں ترکہ اس کے شوہر کو ملے گا یانہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بیشک ملے گا،

فان الدین المحیط علی المیت تمنع تقسیم الترکة بین الورثة لادین	اس لئے کہ ترکہ کا احاطہ کرنے والا قرض اگر میت پر ہو تو وہ ورثاء میں ترکہ کی تقسیم سے مانع ہوتا اور اگر میت کا قرض دوسروں پر ہو

البیت۔	تو وہ مانع نہیں ہوتا۔(ت)

وہ ترکہ سے اپنا حصہ لے اور باقی وارث اس سے نصف مہر لیں اگر نہ دے دعوی کرلیں فان الدین قد حل بالموت (کیونکہ موت کے سبب سے قرض کی ادائے گی کا وقت آپہنچا ہے۔ت) یہ خیال کہ اس پر مہر کثیر اور جائداد قلیل اگر ترکہ سے حصہ دے دیا جائے گا شاید کسی کے نام منتقل کردے اور مہر مارا جائے ہرگز اسے ترکہ ملنے سے مانع نہ ہوگا نہ یہ روکنا کچھ مفید کہ وہ بلا تقسیم بھی بیع کرسکتا ہے جو قطعاً نافذ ہوگی کہ یہ حجر بالدین امام کے نزدیک مطلقاً اور بے حکم قاضی اجماعاً جائز نہیں۔ ہندیہ میں محیط سے ہے:

ثم لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لا یثبت الابقضاء القاضی [1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	پھر صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرض کی وجہ سے پابندی قضاء قاضی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۱۲: ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مرد مذہب اہلسنت وجماعت نے عورت مذہب شیعہ تبرائی سے حسب طریقہ رفاض صیغہ پڑھایا اور اپنی زوجیت میں لایا وہ عورت زوجہ شرعی ہوسکتی ہے یا نہیں اور ترکہ اس مرد کی مستحق ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

وہ ہرگز زوجہ شرعیہ نہیں، نہ اصلاً ترکہ کی مستحق۔ رافضی تبرّائی ہمارے فقہاء کرام اصحاب فتاوٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک مطلقاً کافر ہے، عامہ کتب فتاوٰی میں اس مسئلہ کی جابجا تصریح ہے اور فقہائے ممدوحین کے نزدیک ان کا کفر بوجوہ کثیرہ ثابت:

اوّلاً: خود یہی تبرائے ملعون والعیاذ باللہ تعالٰی فقہاء کرام فرماتے ہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شان میں ان کلمات ملعون کا بکنے والا کافر ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے:

---

[1] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الحجر الباب الثانی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۵

الرافضی اذاکان لیسب الشیخین و یلعنهما والعیاذ باللّٰه فهو کافر [1]۔	رافضی جب شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہوگا۔(ت)

بحر الرائق میں ہے: امام ابوزید دبوسی وامام ابواللیث سمرقندی وامام ابوعبداللہ حاکم شہید وغیرہم ائمہ کبار نے رافضی تبرائی کے مطلقاً کافر ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اشباہ والنظائر وتنویر الابصار ومنح الغفار ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ میں جزم کیا۔ درمختار میں ہے:

فی البحر عن الجوهرة معزیا للشهید من سب الشیخین اوطعن فیهما کفرولاتقبل توبة وبه اخذ الدبوسی وابواللیث، وهو المختار للفتوی انتهی و جزم به فی الاشباه واقره المصنف [2] الخ۔	بحر میں بحوالہ جوہرہ شہید کی طرف منسوب ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہوگیا ور اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اسی سے دبوسی اور ابو اللیث نے اخذ کیا اور وہی فتوی کے لئے مختار ہے انتہی۔ اشباہ میں اسی پر جزم کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مسلم رکھا ہے الخ(ت)

ثانیاً: حضرت افضل الاولیاء المحدبین امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت برحق سے انکار کرنا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: صحیح مذہب پر اس کا منکر کافر ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنه ای خلافته بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم علی الامة فهو کافر فی القول الصحیح لاجماع الامة علٰی ذٰلك من غیر خلاف احد یعتدبه [3]۔	جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد امت پر آپ کی خلافت کا انکار کیا تو صحیح قول میں وہ کافر ہے، کیونکہ اس پر اجماع امت ہے اور کسی قابل اعتبار شخص نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔(ت)

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

[3] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الاول نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۲۱

اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **الصحیح انہ کافر**[1] (صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ت)

ثالثًا: حضرت امیر المومنین امام العادلین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت برحق سے منکر ہونا، فقہاء کرام فرماتے ہیں: اصح مذہب پر یہ بھی کفر ہے۔ ظہیریہ وعالمگیریہ وسیرت احمدیہ وغیرہا میں ہے:

اسی طرح جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہے اصح قول میں وہ کافر ہے۔(ت)	كذلك من انكر خلافة عمر رضی الله تعالٰی عنه فی اصح الاقوال[2]۔

فتاوٰی خلاصہ وفتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

اگر کسی نے صدیق اکبر یا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہے۔(ت)	ان انکر خلافة الصدیق اوعمر فهو کافر[3]۔

اور کتب فقہ کا تتبع کیجئے تو ان کے سوا اور وجوہ کفر بھی روافض تبرائی میں پیدا ہوں گی اور حق یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے یہ رافضی قطعًا یقینًا بالاجماع کافر مرتد ہیں کہ ان کا منکر ضروریات دین ہونا تحریرات مطبوعہ مجتہد لکھنؤ وغیرہ سے ثابت۔

ہم نے اپنے بعض فتووں میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے۔ ان میں سے ہرگز تجھے کوئی ایسا نہ ملے گا کہ جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو موجودہ قرآن مجید ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن مجید سے کم ہے۔ اس بات کی تصریح ان کے بڑوں، چھوٹوں، عالموں اور جاہلوں نے تحریر و تقریر میں کی ہے۔ اسی	وقد فصّلنا ذٰلك فی بعض فتاوٰنا ولن تجد احدا منهم الا وهو یقول بنقصان القراٰن العظیم الموجود بایدی المسلمین الیوم عن القدر المنزل علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وقد افصح بذٰلك کبارهم وصغارهم وعلماؤهم وجهالهم تحریرا

[1] الفتاوی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[2] الفتاوی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۴

[3] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱ /۳۰۴

وتقریرا وکذٰلك بتفضیل سیدنا علی ن المرتضٰی وسائر الائمۃ الاطھار کرم اللہ تعالٰی وجوھھم علٰی جمیع الانبیاء السابقین صلواۃ اللہ وسلامہ علیھم اجمعین فلایجوز لمسلم ان یرتاب فی کفرھٰؤلاء الانجاس الارجاس و العیاذ باللہ تعالٰی من شرکل وسواس خناس۔	طرح وہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور باقی ائمہ اطہار کی تمام سابقہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر افضلیت کے قائل ہیں لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پلید وغلیظ لوگوں کے کفر میں شک کرے، ہر چھپ کر پھسلانے والے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

پس بلاشبہہ رافضیہ ہرگز اہلسنت کی زوجہ شرعیہ نہیں ہوسکتی اور ان سے مناکحت محض باطل اور اولاد اولاد زنا اور وہ ہرگز ترکہ اہلسنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ عالمگیری میں ہے:

اختلاف الدین یمنع الارث [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سید حسین علی نے نوکری سے روپیہ پیدا کیا اور اپنے مکان پر جمع کرکے بھیجا اس کی زوجہ معصومہ نے بعد انتقال میر حسین علی کے اس روپے سے اپنے نابالغ بیٹے میر فضل علی کے نام جائداد خرید دی میر علی حسین نے یہی زوجہ وپسر اور دو دختر مستین، بسم اللہ وارث چھوڑے پھر فضل علی نے یہی وارث اور حیدر علی چچا پھر بسم اللہ نے شوہر علی جان اور یہی ورثہ پھر معصومہ نے دختر مستین وارث چھوڑ کر انتقال کی اس صورت میں وہ جائداد میر حسین علی کی قرار پائے گی یا فضل علی کی؟ اور ہر وارث کو کس قدر پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مالک جائداد فضل علی ہے۔ عقود الدریۃ میں ہے:

ذکر فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر	ذخیرہ اور تجنیس میں ہے ایک عورت نے اپنے مال سے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے جائداد خریدی

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۵۴

من مالها وقع الشراء للام لانها لاتملك الشراء للولد وتكون الضيعة للولد لان الام تصير واهبة و الام تملك ذلك ويقع قبضا عنه احكام الصغار من البيوع [1]۔	تو خریداری ماں کی طرف سے واقع ہوگی کیونکہ وہ نابالغ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور اس کی وہ مالک ہے اور ماں کا مبیع پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا (احکام الصغار، کتاب البیوع) (ت)۔

پس جائداد مذکورہ بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم ہو کر اس حساب سے ورثہ فضل علی کی دی جائے گی۔

مستین	حیدر علی	علی جان
۱۷	۴	۳

البتہ جبکہ وہ روپیہ جس کے عوض یہ جائداد خریدی گئی ملک میر حسین علی تھا اور اس میں تمام وارثانِ میر حسین علی کا حق تھا جسے معصومہ نے بے اجازت دیگر ورثہ خرچ کرڈالا تو باقی وارثوں کے حصص کا تاوان معصومہ پر آیا کہ وہ اس کے متروکہ سے (خواہ اسی جائداد فضل علی کا حصہ ہو یا اس کے سوا اور کوئی چیز ہو) وصول کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ما اشتراہ احدهم لنفسه یکون له ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترک [2]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	شرکاء میں سے ایک نے جو کچھ اپنی ذات کے لئے خریدا وہ اسی کا ہوگا اور اس کے ثمن میں دیگر شرکاء کے حصہ کا تاوان دے گا اگر اس نے مشترکہ مال سے ثمن ادا کیا ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید مظہر حسن صاحب خادم جبہ مقدسہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین خاں لاولد مرا اور اس نے نکاح

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۳۸

بھی نہ کیا تھا اس کا وارث سوا خیراتی خان، اس کے پھوپھی زاد بھائی کے اور کوئی نہ تھا مگر خیراتی خاں اس کے سامنے مرگیا۔ خیراتی خاں نے اپنی زوجہ سے کہ اس کے سامنے مرچکی تھی ایک دختر چھجی اور زوجہ ثانیہ سے کہ زندہ ہے دو پسر بندہ حسن و مجب حسین چھوڑے، اس صورت میں یہ وارثان خیراتی خاں غلام حسین خاں کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اگر ہوں گے تو کس کس کو کتنا کتنا پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، ک ترکہ غلام حسین خاں کا پانچ سہام پر منقسم ہو کر دو۲ دو۲ سہم بندہ حسن و مجب حسین اور ایک سہم چھجی کو ملے گا اور زوجہ خیراتی خاں کچھ نہ پائے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

ان اجتمعوا وکان حیز قرابتھم متحدا فالاقوی اولی، ثم ولد الوارث اولی، وان استوت قرابتھم فللذکر مثل حظ الانثیین، فان ترك ابن عمة وابنة عمة فالمال بینھما للذکر مثل حظ الانثیین، والکلام فی اولاد ھؤلاء بمنزلة الکلام فی اٰبائھم عند انعدام الاصول[1] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر ذوی الارحام کی صنف رابع کے چند رشتہ دار جمع ہوں او ران کی قرابت متحد ہو تو ان میں سے جو اقوی ہوگا وہ اولٰی ہوگا۔ پھر وارث کی اولاد اولٰی ہوگی، اور اگر ان کی قرابت برابر ہے تو مذکر کے لئے مؤنث سے دگنا ہوگا۔ اگر ایک پھوپھی کا بیٹا اور ایک پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر مرگیا تو ترکہ کا مال ان کے درمیان یوں تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دگنا ملے گا، ان کی اولاد میں کلام ایسے ہی ہے جیسا ان کے آباء میں ہے جبکہ اصول معدوم ہوں اھ التقاط۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵: از ٹونک دروازہ کلاں مرسلہ احمد حسن خاں محرر تھانہ جھندوا پرگنہ سرونج ریاست ٹونک ۱۰ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی بوہار خاں نے ایک عورت مسلمان کی تھی

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب العاشر الصنف الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۴۶۲ تا ۴۶۴

اس سے تین لڑکے بوہار خاں کے پیدا ہوئے مگر نکاح نہ کیا تھا اب بوہار خاں کے ترکہ میں یہ لڑکے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر فی الواقع ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ بوہار خاں اس عورت کو بے نکاح تصرف میں لایا اور یہ لڑکے معاذاللہ محض زنا سے پیدا ہوئے غرض حالت وہ ہو کہ شرع ان کا نسب بوہار خاں سے اصلاً نہ ثابت کرے تو بیشک ترکہ بوہار خاں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زنا اور لعان کی صورت اولاد فقط ماں کی طرف سے وارث ہوگی جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶: ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید پیدا ہوا اس کی خالہ نے اپنی بہن سے اسے لے کر اپنا بیٹا کرکے پالا اور بعد انتقال ہمشیرہ یہ عورت پدرِ زید کے نکاح میں آئی اس صورت میں کچھ ترکہ اسے ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر مراد سائل کی یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو اپنی اس خالہ کے ترکہ سے بوجہ متبنی یا سوتیلے بیٹے ہونے کے کچھ پہنچے گا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ کچھ نہیں کہ متبنی یا سوتیلا بیٹا ہونا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اس صورت میں زید اپنی حقیقی والدہ یا والد کے ترکہ سے حصہ پائے گا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ بیشک پائے گا کسی کا اسے اپنا بیٹا بنالینا اپنے حقیقی والدین کے بیٹے ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷: ازمارہرہ شریفہ باغ پختہ مرسلہ مولوی نبی بخش صاحب ۲۰ شوال المکرم ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے فرزند سے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

جو کہ عورت منکوحہ سے ہے بسبب اس کے اعمال زبون (یعنی فرزند اپنے باپ کی عزت کاخواہاں نہ ہے اور سخن نازیبا باپ کو کہتاہے اور قصد کرتاہے کہ اگر موقع ہوتو باپ کو مارڈالوں) کے سخت ناخوش ہے اور چاہتاہے کہ اس کو عاق کردے اور اپنی جائداد کو دواور لڑکوں کو جو عورت غیر منکوحہ سے ہیں دے دے تو اس شخص کا اپنے فرزند کے ان افعال پر عاق کرنا اور اپنی جائداد کو غیر منکوحہ کے لڑکوں کو دینا کیساہے اور عاق ہونے کے واسطے کون سے الفاظ کئے جاتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کاعلاقہ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کاعلاقہ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کااستعمال کریں تو اولاد عاق ہو کر ترکہ سے محروم ہوجائے۔ مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقہ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہوسکے، مگر معاذاللہ بحالت ارتداد والعیاذ باللہ تعالٰی۔ شرع میں عقوق ناحق نافرمانی والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کار اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کاحکم بے عذر شرعی نہ مانے گا یامعاذاللہ انہیں آزار پہنچائے گا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرط محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتا اور جو فرمانبرداری والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یابحکم **لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی**[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ت) کسی مخالف شرع بات میں ان کاکہنا نہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔ اور اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کردیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کرسکتاہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہوسکے۔ یہ شخص اگر اپنی جائداد اپنے بیٹے کو محروم کرنے کے لئے ان بے نکاحی عورت کے لڑکوں کو دے دے گا تو دنیا میں یہ کاروائی اس کی اگرچہ چل جائے مگر عنداللہ ماخوذ ہوگا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] کنز العمال برمز ق۔ د۔ن عن علی حدیث ۱۴۸۷۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۶۷

وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔ رواہ ابن ماجه [1] عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔ والله تعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی اس کی میراث جنت سے قطع کردے (اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸: از صاحب گنج گیا مکان سید محمد ابوصالح خان بہادر رئیس کڑہ مرسلہ شیخ وزارت حسین خاں ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیااور دو ماموں ایک بھتیجا یعنی پھوپھی زاد بھائی کالڑکا جس کا باپ اس عورت کے سامنے مرچکا تھااور ایک پھوپھی زاد بہن کو چھوڑا، اس صورت میں ترکہ اس کا کس کس کو کس کس قدر ملے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مایقدم کالدین والوصیة، کل ترکہ دونوں ماموں نصفاً نصف پائیں گے۔ پُھپی کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا۔ علامہ ابوعبداللہ محمد غزی تنویر میں ذوی الارحام کے احکام عامہ میں فرماتے ہیں:

یحجب اقربهم الابعد [2] اھ، والله تعالٰی اعلم۔	ان میں سے جو اقرب ہے وہ دوروالے کے لئے حاجب (رکاوٹ) بن جاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹: از بدایوں مولانا مولوی عبدالرسول محب احمد سلمہ اللہ تعالٰی ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

مولانا المجد زاد مجد کم بادائے مایجب مستسعد بودہ شرف انداز معروضات ام	ہمارے مولانا بزرگوار آپ کی بزرگی میں اضافہ ہو آداب واجبہ کی ادائےگی کے ساتھ سعادتمندی

---

[1] سنن ابن ماجه کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۳

استفتاء بدست حامل ابلاغ والاخدمت ست۔	حاصل کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں عرض پیش کرنے سے مشرف ہو رہاہوں کہ حامل ہذاکے ہاتھ خدمت اقدس میں استفتاء ارسال ہے جس کی صورت اس طرح ہے:

اصل المسئلۃ زید

صورتھ ـــــــــــــــــ کذا

مادر	خواہر	ابن ابن ابن عم جدالاب
۲	۳	۱

قال فی الدرثم العصبات بانفسھم اربعۃ اصناف جزء المیت ثم اصلہ ثم جزء ابیہ ثم جزء جدہ [1] الخ۔قال العلامۃ الشامی قولہ ثم جزء جدہ اراد بالجد مایشمل اب الاب ومن فوقہ [2] الی اٰخرھا. واللہ اعلم الساطرالوارد محب احمد عبدالرسول عفی عنہ فریق مخالف رادریں مسئلہ مخالفتے است میگوید کہ مراد از جزء جدہ فقط عم اب وعم جد است نہ آنہاکہ فوق اینہا اند ونزد شامی علیہ الرحمۃ از من فوقہ صرف ہمیں دواہل قرابت مراداند	در میں کہا پھر عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں: میت کی جزء، پھر میت کی اصل، پھر میت کے باپ کی جزء، پھر میت کے دادا کی جزء الخ۔علامہ شامی نے کہاکہ مصنف کے قول "پھر میت کے دادا کی جزء" میں دادا سے مراد وہ ہے جو باپ کے باپ اور اس سے اوپر والے کو شامل ہو الخ۔اللہ تعالٰی خوب جانتاہے، راقم السطور محب احمد عبدالرسول اس کی مغفرت ہو جائے۔ مخالف فریق اس مسئلہ کی مخالفت رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ دادا کی جزء سے مراد فقط باپ کاچچا اور دادا کا چچاہے نہ کہ اس سے اوپروالے۔اورشامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اوپر والوں سے مرادیہی دواہل قرابت ہیں

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی العصبات داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۹۳

چنانکہ از مثال پر ظاہر ست بوا پسی حامل جواب مطلوب والسلام یکے از خدم افقر البرایا عبدالرسول محب احمد عفی عنہ۔	جیسا کہ مثال سے خوب ظاہر ہے حامل ہذا کے ہاتھ جواب مطلوب ہے۔آپ کا مخلص خادم مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج عبدالرسول محب احمد،اس کی مغفرت ہو جائے۔(ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم الاکرام السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب جناب حق وصواب ست فی الواقع درصورت مستفسرہ بکر عصبہ زید و مستحق باقی ودر قول درجزء جدہ داخل است کہ در فرائض بلکہ ہمہ ابواب فقہ از جد ہمیں پدر پدر یاجد قریب پدر مراد نباشد بلکہ از نسب پدر جملہ ذکور کہ در نسبت بایشان زن نیاید بذلك عرفوہ قاطبۃ وھو المراد حیث اطلق سراجیہ در ہمیں بیان تقسیم عصبات فرمود ثم الجد ای اب الاب وان علا [1] خود درہمیں عبارت درمختار است ثم الجد الصحیح و ھو اب الاب وان علا [2]۔در شریفیہ است ھو الذی لا تدخل فی نسبتہ الی المیت ام	مولانا مکرم رب کریم آپ کو اکرام بخشے،السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔جناب کاجواب حق اور درست ہے۔فی الواقع صورت مسئولہ میں بکرزید کا عصبہ اور بچے ہوئے مال کا مستحق ہے اور درکے قول"میت کے دادا کی جزء"میں داخل ہے کیونکہ فرائض بلکہ فقہ کے تمام ابواب میں دادا سے فقط باپ کا باپ کاجد قریب ہی مراد نہیں ہوتابلکہ باپ کے نسب کے تمامذکر جن کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت واسطہ نہ آتی ہو۔تمام نے دادا کی یہی تعریف کی ہے اور جب اس کا اطلاق کیاجائے تویہی مراد ہوتاہے۔صاحب سراجیہ نے تقسیم عبارت کے اسی بیان میں فرمایا پھرجد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔خود درمختار کی اسی عبارت میں ہے پھرجد صحیح اور وہ باپ کا باپ ہے اگرچہ اوپر تک ہو۔شریفیہ میں جد صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں ماں داخل نہ ہو جیسے

Majlis of Dawatelslami

[1] السراجی فی المیراث باب العصبات مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۲

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

کاب الاب وان علا [1] در زبدۃ الفرائض ست یعنی اب الاب ہر چند بالا رود، مسئلہ واضح ست وشک درآن از ہیچ ذی علم معقول نے تاہم نص جزئیہ خاصہ بشنوید در زبدہ است عصبہ بنفسہ چار قسم است (الی قولہ) چہارم جزء جد میت مانند عم اعیانی و علاتی وابنائے ایشاں ہر چند بالاو پایان روند ہمہ رانست بعدازاں جزء جد میت یعنی اعمام او وبعد ازاں جزء جد اب میّت یعنی اعمام اب او بعد ازاں ابنائے ایشاں ہر چند پایان روند بعدازاں اعمال جد میت وابناء ایشاں ہر چند بالا و پایان روند تا غیر نہایت۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔ زبدۃ الفرائض میں ہے یعنی باپ کا باپ جہاں تک اوپر چلا جائے۔ مسئلہ واضح ہے اس میں کسی علم والے کی طرف سے شک کا تصور نہیں ہوسکتا تاہم خاص جزئیہ کی نص سماعت فرمائیں، زبدہ میں ہے عصبہ بنفسہٖ چار قسم پر ہے (اس کے اس قول تک) چوتھی قسم میت کے دادا کی جزء ہے جیسے اعیانی اور علاتی چچے جہاں تک اوپر چلے جائیں اور ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں، اسی قسم میں داخل ہیں۔ اس کے بعد میت کے باپ کے دادا کی جزء یعنی باپ کے چچے اس کے بعد ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں، اس کے بعد میت کے دادا کے چچے پھر ان کے بیٹے جہاں تک اوپر یا نیچے چلے جائیں غیر نہایت تک۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰: ازاوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں آخر شعبان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرعیہ ومفتیان طریقہ نبویہ اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حافظ فتح محمد صاحب کے تین فرزند حمیدالدین اور رحیم الدین اور نورالدین، ان تینوں برادران حقیقی کی اولاد سے کوئی ورثہ شرعیہ باقی نہیں، مگر زوجہ رحیم الدین فقط باقی ہے، لیکن نورالدین کی عورت مطلقہ کے نطفہ زنا سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی، اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکی توبحین حیات نورالدین فوت ہوئی اور زوجہ مطلّقہ باقی ہے، اب وہ لڑکا جو نطفہ زنا دختر سے نورالدین کے پیدا ہوا زوجہ رحیم الدین سے حصہ چاہتا ہے توفرزند زنا زادہا از روئے شرعی حقدار حصہ ہے یا محروم؟ اور زوجہ رحیم الدین مرحوم نے اپنے برادرزادہ کو اس حصہ اپنے کا ترکہ شوہری سے حسب القاعدہ شرعیہ پایا تھا مالک ومتبنی ومختار کرکے ہبہ نامہ نمودہ قاضی صاحب لکھ کر قبضہ کرواکے چندروز کے بعد منتقل سوئے جنان ہوئی تو اس جائداد وہبہ شدہ حصہ ترکہ شوہری سے بنام برادرزادہ زوجہ رحیم الدین

---
[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب معرفۃ الفروض ومستحقیھا مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

وزوجہ حمیدالدین موسومہ عظیم خاں خلف محبوب خانصاحب سے وہ لڑکا زنازادہ حصہ چاہتا ہے۔ درست یا ممنوع اور خط تبنگی اور وہ ہبہ نامہ جو زوجہ رحیم الدین اور حمیدالدین نے جائداد منقولہ وغیر منقولہ اور مقبوضہ وغیر مقبوضہ حصہ یافتہ کیا تھا جائز ہے یا منسوخ؟ اس مسئلہ میں جو حکم بالتحقیق ہو بیان فرمائیں بحوالۃ الکتاب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب:

شرع مطہر کو اثبات نسب میں نہایت احتیاط منظور، جہاں ادنٰی گنجائش پائی ہے نسب ثابت فرمائی ہے، اور حتی الامکان ہرگز ولد الزنا نہیں ٹھہراتی۔ صدہا صورتیں نکلیں گی کہ عوام اپنے بے علمی سے بچہ کو ولدالزنا سمجھیں اور شرعًا وہ ثابت النسل ہو مثلًا یہی مطلقہ کی صورت ہے اگر عورت کو طلاق رجعی دے اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا تو اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد بچہ پیدا ہو شوہر کا ہی قرار پائے گا، یونہی اگر طلاق بائن یا مغلظ تھی اور ہنوز دو برس نہ گزرے کہ بچہ ہوگیا یا دو برس کے بعد ہوا اور شوہر نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو بھی اس ہی کا ٹھہرے گا۔ یوں ہی بہت صورتیں ہیں جن میں زعم جہّال مخالف شرع مطہر ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولو لعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طہرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ کما یثبت بلادعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز	طلاق رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دوسال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے، چاہے بیس سال یا اس سے زیادہ گزر جائیں کیونکہ طہر کے دراز ہونے اور عدت ک دوران حمل ٹھہرنے کا احتمال موجود ہے جب تک عورت نے عدت کے گزر جانے کااقرار نہ کیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ بغیر دعوی کے احتیاطًا بائنہ طلاق والی کے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ طلاق کے وقت سے

وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا وان لتمامھما لایثبت النسب و قیل یثبت،وزعم فی الجوھرۃ انہ الصواب الا بدعوتہ لانہ التزمہ [1] الخ ملخصًا۔	دوسال سے کم مدت میں بچہ جنے کیونکہ بوقت طلاق حمل کے موجود ہونے کا امکان ہے اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا اور اگر وہ پورے دوسال پر بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ ثابت ہوجائے گا،جوھرہ میں گمان کیا کہ یہی درست ہے مگر جب شوہر دعوٰی کرے تو نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ شوہر نے اس کا التزام اپنے اوپر کرلیا الخ ملخصًا۔(ت)

پس اگر زن مطلّقہ نورالدین کی وہ لڑکی جسے سائل نطفہ زنا سے بتاتا ہے کسی ایسی ہی صورت پر پیدا ہوئی تھی جس میں شرعًا وہ دختر نورالدین قرار پائی اگرچہ جہال دختر زنا کہیں تو بیشک اس دختر کا بچہ اگرچہ وہ اس کے بطن سے معاذاللہ بذریعہ زنا ہی پیدا ہوا ہو نورالدین کا نواسا اور اس کے ذوی الارحام سے ہے کہ اگر نورالدین کا کوئی وارث اہل فرض وعصبات سے نہ تھا تو وہ مستحق ترکہ نورالدین ہے اور اگر نورالدین اپنے کسی بھائی سے پہلے مرا تو ان بھائیوں میں جو سب سے پیچھے مرا ہو کہ نہ اس کا کوئی عصبہ ہو نہ سوائے زوجہ کے کوئی ذی فرض تو اس کا ترکہ اس لڑکے کو پہنچے گا کہ یہ اس کے بھائی کا نواسا ہے،ولدالزنا کا نسب اگرچہ باپ سے نہیں ہوتا شرعًا اس کا کوئی باپ ہی نہیں وللعاھر الحجر [2] (اور زانی کے لئے پتھر۔ت) مگر ماں سے یقینا ثابت اور اس کی طرف سے ضرور وارث ہوتا ہے اور نانا یا نانا کے بھائی کی قرابت قرابت مادری ہے تو اس ذریعہ سے اس کی وراثت میں شک نہیں۔

فی الھندیۃ ولدالزنا لا اب لہ،فترثہ قرابۃ امہ و یرثھم [3] اھ ملخصا۔	ہندیہ میں ہے کہ ولدالزنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا چنانچہ اس کی ماں کے قرابت دار اس کے وراث نہیں بنیں گے اور وہ ان کا وارث بنے گا اھ تلخیص(ت)

ہاں اگر مطلّقہ نورالدین کی دختر کا نسب شرعًا نورالدین سے نہ ٹھہرے تو اس کا یہ بیٹا

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۱

[2] الصحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۲

نورالدین کا کوئی نہیں، اگرچہ یہ پسر ولد الحلال ہے کہ دختر زنا شرعًا در باہ میراث دختر نہیں تو وہ لڑکی خود ہی نورالدین کی بیٹی نہ تھی اس کا بیٹا نواسا کیونکر ہو سکتا ہے، پھر جس حال پر ہم اسے وارث کہہ آئے اس تقدیر پر بھی زوجہ رحیم الدین کے مال میں اس کا کوئی حق نہیں کہ نانا کی بھاوج ہونا شرعًا ذریعہ توریث نہیں خصوصًا جو مال کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہبہ شرعیہ کرکے قابض کراچکی اس سے اسے بھی کچھ تعلق نہ رہا وہ خاص اس موہوب لہ، کا مال ہو چکا اس میں اس شخص کا دعوی اور بھی بے جا ہے، اور ہبہ جس قدر اشیائے منقسمہ جداگانہ بلاشرکت وشیوع تھا اور واہبہ نے موہوب لہ، کو اس پر قبضہ کاملہ دلادیا اس قدر میں تام وکامل ہوگیا اور جن اشیائے موہوب لہ، کو قبضہ کاملہ نہ دلایا خواہ یوں کہ سرے سے قبضہ ہی نہ ہوا یا ہوا تو شیئ موہوب جداو منقسم ہو کر قبضہ میں نہ آئی اس قدر میں باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلوقبلہ بطل[1]۔	میم سے مراد سپردگی کے بعد واھب یاموہوب لہ میں سے کسی ایک کامر جانا ہے اور سپردگی سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

اس صورت میں یہ اشیاء جن کا ہبہ ناتمام رہا بعد موت واہبہ وارثان واہبہ کو وراثۃً پہنچے گی، رہا متبنی کرنا وہ شرعًا کوئی چیز نہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓـِٔىۡ وَلَدۡنَهُمۡ"[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کی مائیں نہیں مگر وہ جنہوں نے ان کو جنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد علی نے زوجہ رحموا، ابن غلام محمد دوبنت بجو، منیرن اور ایک مکان خام جس میں دوسو گز، زمین تھی چھوڑ کر انتقال کیا پھر بجو مادر رحمو اور شوہر وپسر ودختر چھوڑ کر فوت ہوئی پھر رحمو نے پسر غلام محمد دختر منیرن چھوڑ کر وفات پائی غلام محمد نے بعد پدر اس مکان خام کا ایک حصہ کچے گے اور ایک حصہ بیرونی پختہ اینٹ سے بصرف خویش

---

[1] الدرالمختار کتاب الهبة باب الرجوع فی الهبة مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

تعمیر کیا اور تین سو ساٹھ روپے اپنے اوپر قرضہ اور صرف اسی مکان کا حصہ متروکہ اور زوجہ تیاربی بی دو پسر علی محمد، ولی محمد، دختر آبادی بیگم چھوڑ کر رحلت کی۔ علی محمد، ولی محمد نے باپ کی تجہیز و تکفین کی اور کل قرضہ ادا کیا۔ اس صورت میں حصہ غلام محمد کس قدر ہوا اور وارثان آبادی بیگم ترکہ غلام محمد سے اپنی موروثہ کا حصہ علی محمد ولی محمد سے بے ادائے قرضہ پانے کے مستحق ہیں یا اب ترکہ علی محمد کہ صرف یہی حصہ ہے اور اس کی مقدار دین مذکور سے بہت کم ہے علی محمد و ولی محمد کا مدیون ہوگیا کہ جب تک یہ دین ادا نہ ہو کوئی وارث حصہ پانے کا مستحق نہیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و صحت ترتیب اموات و تقدیم مایقدم کالمہر والوصیۃ ترکہ شیخ محمد علی سے حصہ غلام محمد ۲۸۸ / ۱۵۷ ہے کما یظھر بالتخریج و رد الکسر الی اقل المخارج (جیسا کہ تخریج اور کسر کو اقل مخرج کی طرف لوٹانے سے ظاہر ہے۔ت) یعنی اگر اس جائداد کے دو سو اٹھاسی حصے کئے جائیں تو ان میں سے ایک سو ستاون غلام محمد کے ہوں گے باقی وارثان منیرن و شوہر واولاد بجو کے، اور جب کہ حسب بیان سائل ترکہ غلام محمد صرف یہی ہے اور وہ مقدار دین سے بہت کم، تو جب تک دین ادا نہ کرلیا جائے کوئی وارث غلام محمد بذریعہ وراثت اس سے کچھ نہیں پاسکتا۔ جائداد جیسے پہلے اور شخص کے دین میں مستغرق تھی اب علی محمد و ولی محمد کا دین اس پر محیط ہے جبکہ انہوں نے صراحۃً یہ نہ کہہ دیا ہو کہ ہم یہ قرضی محض بطور تبرع واحسان ادا کرتے ہیں ترکہ پدری سے واپس نہ لیں گے۔ اشباہ میں ہے:

والدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث. فی جامع الفصولین لو استغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأہ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء. اما لو اداہ من مال نفسہ مطلقا یجب لہ دین علی المیت فتصیر مشغولۃ بدین	جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملکیت سے مانع ہے۔ جامع الفصولین میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس ترکہ کا کوئی مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جب قرض خواہ میت کو بری کردے یا اس میت کا کوئی وارث وہ قرض ادا کردے اس طور پر کہ وہ ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرے۔ اور اگر اس نے اپنے مال سے قرض ادا کیا مطلقاً بغیر شرط تبرع ورجوع کے تو اس وارث

فلا یملکھا[1] اھ ملخصًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کا قرض میت پر ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ ترکہ قرض میں مشغول ہوگا لہٰذا وارث اس کا مالک نہیں بنے گا اھ ملخصا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲: ۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ تاج محمد کا اس کے ورثہ احیاء پر چار لاکھ تین ہزار دو سو سہام ہو کر یوں منقسم ہوا:

ظہورن	ننھی بنت کلن	زوجہ چمو	اعجبہ	بھجو	سعد اللہ جیبا	چھٹن برادر زادہ عمہ
۲۳۰۴۰	۳۰۷۲۰	۲۸۸۰۰	۵۷۶۰	۱۱۷۱۶۸	۸۰۶۴ ۱۱۷۱۶۸	۱۶۲۰۰

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ نتھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
۱۶۲۰۰	۱۶۲۰۰	۲۰۲۵	۱۴۱۷۵	۵۱۲۰	۲۵۶۰

پس ایک سو ساٹھ گز زمین متروکہ مورث سے ہر وارث مذکور کو کس کس قدر پہنچے گا؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

ظہورا	ننھی بنت کلن	زوجہ چمو	اعجبہ	بھجو	سعد اللہ جیبا	چھٹن برادر زادہ عمہ
لعہ گز ۲ ۲/۷ گرہ	؏۱۲ گز ۳ ۱/۲۱ گرہ	لہ ۱۱ گز ۶ ۶/۷ گرہ	درعان ۴ ۴/۷ گرہ	للعہ ۴۶ گز ۷ ۹۷/۱۰۵ گرہ	للعہ ۴۶ گز ۷ ۹۷/۱۰۵	ے ۶ گز ۳ ۱/۵ گرہ

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ نتھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
ے ۶ گز ۶ ۶/۷ گرہ	ے ۶ گز ۶ ۶/۷ گرہ	۱۲ ۶/۷ گرہ	صہ گز ۱۰ گرہ	درعان ۳۲/۶۳ گرہ	درعہ ۱۶/۶۳ گرہ

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳: کیا فرماتے علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو لڑکے عمرو بکر ہیں جس میں سے عمر بڑا لڑکا اور بکر چھوٹا لڑکا ہے۔ زید نے دونوں لڑکوں کی شادی کرا کر

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

اپنی جائداد کو نصف نصف دونوں بہوؤں پر یعنی زوجہ بکر و زوجہ عمر پر تقسیم کرکے بیع کردی، بعد کو بکر کی زوجہ نے انتقال کیا۔
بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر مدعی اب تک وہاں موجود نہ تھا یا بوجہ نابالغی وغیرہ معذور تھا یا بکر کو اقرار ہو کہ یہ جائداد بذریعہ میراث زوجہ اس نے پائی ہے تو ان صورتوں میں دعوی مدعی قابل سماعت ہے ورنہ نہیں

کما فصله العلماء فی کتبهم مثل الفتاوی الخیریة و العقود الدریة وغیرهما۔ والله تعالٰی اعلم۔	جیسا کہ علماء نے اپنی کتابوں میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریۃ وغیرہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴: ۳۰ صفر ۱۳۱۱ھ

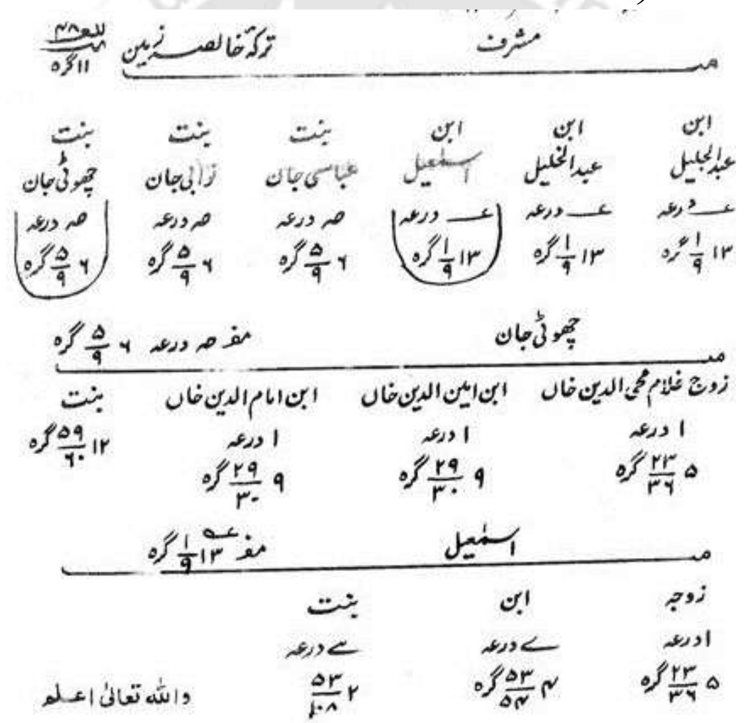

مسئلہ ۲۵: علمائے دین ومفتیان شرع متین کیافرماتے ہیں اس بارے میں کہ مسمّٰی زید فوت ہواایک زوجہ اور چند اولاد بیٹاو بیٹی متوفی کے وارث ہیں، زوجہ چاہتی ہے کہ ترکہ متوفی کا بعوض دین مہر کے کہ ادا نہیں ہوا ہے مجھ کوملنا چاہئے۔دین مہر کثیر، ترکہ قلیل، دین مہر کو کافی نہیں ہوسکتا ہے۔دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ بموجب فرائض کے ترکہ میں سے وراثتًا سب کو حصہ ملنا چاہئے، اب اول ادائے دین مہر ہونا چاہئے یا ترکہ وارث کل ورثاء پر تقسیم ہوئے۔

الجواب:

ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جب تک مہر ادا یا معاف نہ ہولے کوئی وارث کچھ نہیں پاسکتا جبکہ اس کی مقدار ترکہ سے زائد ہے۔

قال تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِیَّۃٍ تُوۡصُوۡنَ بِہَاۤ اَوۡ دَیۡنٍ ؕ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس وصیت کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کے بعد۔ (ت)

مگر عین جائداد کا مہر میں دیا جانا ضروری نہیں ورثہ کو اختیار ہے کہ مہر اپنے پاس سے ادا کریں اور جائداد تقسیم ترکہ کے لئے بچالیں یا جائداد بیچ کر ادائے مہر میں صرف کی جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶: صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوصیت انتقال کیا اور چھوڑی جائداد منقولہ مکسوبہ ومتفرقہ خود از قسم زر نقد وزیور طلائی وغیرہا اور اثاث البیت خانگی، ایک مکان مع حصہ اراضی موروثی، اور وارثان شرعی زید کے حسب ذیل: یک برادر حقیقی بکر حیات، یک زوجہ ہندہ جو تخمینًا یک ماہ بعد زید کے مرگئی اور اپنا مہر شرعی روبروشاہدین شوہر زید کو معاف کردیا تھا اور خورد ونوش یکجائی ہندہ کے بعد وفات شوہر کے بہمراہی بکر مکان مذکور میں تھی چنانچہ تجہیز وتکفین ورسومات موتہ زید ونیز ہندہ کی زید کے روپے سے ہوئی۔بعد وفات کے مسمیان خالد ومحمود، حامد، احمد برادران ہندہ متوفیہ زر نقد مع زیور مذکورہ بالا جس پر کہ زید بحیات خود باختیار تصرف مثل رہن وبیع وغیرہ وقتًا فوقتًا مالکانہ متصرف تھا اس کو برادران ہندہ باخفائے ورثائے زید مکان موروثی سے لے گئے، لہٰذا اب تنازع بابت

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

متروکہ زید کے درمیان ورثاء زید یعنی بکروخالد وحامدو محمود واحمد کے ہے، پس صورت مذکورہ بالا تقسیم متروکہ کے کس طورپر ہوناچاہئے اور تجہیز و تکفین وسویم وغیرہا زید کی بکرنے زید کے روپے سے اور ہندہ کی تجہیز و تکفین وغیرہ برادران ہندہ نے زید کے روپے سے کی۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جو زیور ملک زید تھا (یعنی نہ جہیز ہندہ کا تھا نہ زید نے ہندہ کو تملیک کردیا تھا اگرچہ پہننے کو دیا ہو) وہ متروکہ زید ہے خاص ورثاء اس کے مستحق نہیں۔ برادر زید نے تجہیز و تکفین زید بقدرسنت میں جو خرچ کیا وہ مجرا پائے گا کہ اسے نکال کر باقی ترکہ وارثان زید پر تقسیم ہوگا، اور جو کچھ صدہ خیرات روز وفات وقت دفن وسوم وغیرہا میں اٹھایا وہ خاص برادر زید کے حصہ پر پڑے گا، باقی ورثہ کو اس سے سروکار نہیں۔ پس برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات خرچ تجہیز و تکفین زید بقدر سنت اور نیز اگر کوئی دین ذمہ زید ہو وہ ادا کرکے جو باقی بچے مع اس روپے کے جو برادر زید و برادران ہندہ نے خرچ فاتحہ وصدقہ وغیرہا میں اٹھایا سب کے سولہ سہام کریں ان میں سے چار سہم کامل خواہر زید کو دیں اور آٹھ سہم میں خرچ فاتحہ وصدقات زید شامل کرکے برادر زید کو دیں یعنی جو کچھ برادر زید نے فاتحہ میں اٹھایا وہ اسے وصول پایا ہوا تصور کریں باقی چار سہام میں کل خرچ تجہیز و تکفین ہندہ بقدر سنت وخرچ فاتحہ ہندہ کہ برادران ہندہ نے کیا سب شامل کرکے برادران ہندہ کو دیں یعنی موت ہندہ کا کل خرچ انہیں چار سہام پر ڈالیں پھر اس میں سے خرچ مسنون ترکہ ہندہ پر پڑے گا اور خرچ زائد صرف ان برادران کے حصہ پر جنہوں نے اٹھایا اور سب نے اٹھایا تو سب پر۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷: از شہر کہنہ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے بیٹے نے انتقال کیا پوتا اور بھتیجے موجود ہیں، بھتیجے اس پر زور ڈالتے ہیں کہ اپنامال ہمیں لکھ دے اس لئے کہ ہم تیرے وارث ہیں پوتا محجوب الارث ہوچکاہے، اس صورت میں پوتے کو محروم کرکے بھتیجوں کو لکھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ان کی درخواست قابل سماعت ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ان کی یہ درخواست مہمل وناقابل سماعت ہے اول توحیات مالک میں اس مال کا کوئی وارث نہیں اور بعد موت کب معلوم کون زندہ ہوگا کون مردہ، اور اگر عورت کے بعد پوتا اور بھتیجے سب باقی رہے تو پوتا ہی وارث ہوگا۔ بھتیجے اس کے ہوتے کچھ نہ پائیں گے تو محجوب الارث خود بھتیجے ہوں نہ کہ پوتا۔ پوتا اپنے دادی دادا کا خود وارث ہے نہ بواسطہ پدر کہ ان کے پہلے مرجانے سے یہ محجوب الارث ہوجائے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عورت کو ہرگز جائز نہیں کہ پوتے کو محروم کرنے کے لئے اپنا مال بھتیجوں کو لکھ دے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّ من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیٰمة، والعیاذبالله تعالٰی، رواه ابن ماجة عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه [1]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔ (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸: از لکھنؤ محلّہ محمود نگر مطبع مصطفائی مرسلہ مولوی ابوالخیر محمد جان صاحب ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰی اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً زید کے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکا بحیات والدین بالکل مفقود الخبر ہوگیا پچیس تیس برس سے اس کا کہیں پتا نہیں، اس درمیان میں پہلے اس کے والد نے پھر اس کی والدہ نے انتقال کیا اب زید متوفی کے لڑکے اپنے والدین متوفین کے متروکہ کو حسب ہدایت شرع شریف تقسیم کرنا چاہتے بلکہ ماں کے متروکہ کو کیونکہ جائداد ماں کے نام ہے لیکن اس مفقود الخبر لڑکے کی زوجہ جو ہنوز زندہ ہے عذر کرتی ہے کہ میرے زوج مفقود الخبر کا بھی حصہ لگاؤ اور چونکہ وہ نہیں ہے لہٰذا حصہ وہ مجھے دو، پس استفسار کیا جاتا ہے کہ ابن مفقود الخبر کی زوجہ عندالشرع زوج

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

مفقود کا حصہ پا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر پا سکتی ہے تو کس قدر؟ اور لڑکیوں کا حصہ کیا ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

وہ لڑکا کہ حیات مادر میں مفقود الخبر ہوگیا ترکہ مادر میں مثل میت ہے۔

فی التنویر میت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ[1]۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر غیر کے حق میں مردہ ہوتا ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث نہیں بنے گا۔ (ت)

توجب تک بعد وفات مادر اس کا زندہ رہنا شرعًا ثابت نہ ہوجائے اس کی زوجہ وغیرہ مدعیان ارث مفقود کو ترکہ مادری سے اس کے حصہ کا مطالبہ ہرگز نہیں پہنچتا کہ بے اس ثبوت کے شرعًا خود اسے ترکہ مذکورہ سے کچھ نہ ملے گا اس کے ورثہ کو بذریعہ توریث بالواسطہ پہنچنا کیا معنٰی، بلکہ وہ ترکہ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر وتقدم مقدم کالدین والوصیۃ، چوبیس سہام پر منقسم کریں ہر پسر موجود کو چھ ہر دختر کو تین دے کر چھ موقوف رکھیں یہاں تک کہ عمر مفقود سے ستر سال کامل گزرجائیں یعنی وہ مدت منقضی ہو کہ اگر زندہ ہوتا تو ستر ۷۰ برس کا ہوجاتا مثلاً وقت فقدان بست ۲۰ سالہ تھا اور مفقود ہوئے تیس ۳۰ برس ہوئے تو بیس برس اور انتظار کریں یا پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں گما اب پچیس ۲۵ گزرے تو دس ۱۰ برس۔

ھذا احسن مایصار الیہ ویعول علیہ فانہ المؤید بالحدیث و شاھد حال الزمان للحدیث ان المرمٰی ھٰھنا ھو حصول الظن لیس الا فانہ لاسبیل الی الیقین فتقدیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر من تقدیر غیرہ وقد نص العلماء کشارحی المنیۃ العلامۃ المحقق محمد بن	اور یہ بہترین قول ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر بھروسا کیا جائے کیونکہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حال زمانہ حدیث کا شاہد ہے کیونہ یہاں عمر کی حد مقرر کرنا محض گمان غالب کی بنیاد پر ہے کیونکہ یہاں یقین کی کوئی صورت نہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اندازہ مقرر فرمانا غیر کے اندازے سے بہتر ہے۔ اور علماء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ منیہ کے دو شارحین علامہ محقق محمد بن امیر الحاج نے

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

امیرالحاج فی الحلیة والعلامة ابراھیم الحلبی فی الغنیة وغیرھما فی غیرھما انه لایعدل عن درایة ماوافقتھا روایة[1] لاسیما وھو الارفق بالناس و الاوفق بالزمان فقد تقاصرت الاعمار وتعجلت المنون وحسبناالله ونعم الوکیل فلذا عولنا علیه فی جمیع فتاوٰنا وبالله التوفیق اخرج الترمذی عن ابی ھریرة وابویعلٰی عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنھما قالا قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعمار امتی مابین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذٰلک[2] سندہ حسن کمانص علی الحافظ فی فتح الباری،	حِلیہ میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ اس دِرایت سے عدول نہیں کیاجائے گا جس کی موافقت روایت کرے خصوصًا جبکہ اس میں لوگوں کے لئے زیادہ نرمی اور زمانے کے ساتھ زیادہ موافقت موجود ہو۔ تحقیق عمریں کم ہو گئیں اور موتیں جلدی واقع ہونے لگیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیاہی اچھاکارساز ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے تمام فتاوٰی میں اس پر اعتماد کیا اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابویعلٰی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی، ان دونوں نے کہاکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان ہوں گی بہت کم ان میں سے ایسے ہوں گے جو اس سے آگے بڑھیں۔ اس کی سند حسن ہے جیساکہ فتح الباری میں حافظ نے اس پر نص کی ہے۔(ت)

امام محقق علی الاطلاق مالک ازمۃ الترجیح والتقیا فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

عندی الاحسن سبعون لقوله علیه الصلٰوة والسلام اعمار امتی مابین الستین الی	میرے نزدیک سب سے بہتر ستر سال والا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ میری امت کی عمریں

[1] غنیه المستملی شرح منیة المصلی فرائض الصلوٰة الثامن تعدیل الارکان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵، جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منر امین کمپنی دہلی ۲ /۱۹۴

[2] کنزالعمال برمزت عن ابی ہریرہ حدیث ۴۲۶۹۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۵ /۶۷۷

السبعین فکانت المنتهی غالبًا[1]۔	ساٹھ سے ستر سال تک کے درمیان ہوں گی۔ چنانچہ غالبًا ستر پر زندگی کی انتہا ہوتی ہے۔(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انہ احوط واقیس[2] (بے شک وہ زیادہ احتیاط والا اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ت) اسی میں ہے: وعلیہ الفتوی[3] (اور اسی پر فتوی ہے۔ت) اس مدت میں اگر ظاہر ہو کہ مفقود زندہ ہے یا بعد موت مادر زندہ تھا اگرچہ ایک آن بعد مر گیا تو یہ چھ سہام بحالت حیات خود اسے، ورنہ بحسب اَحکام فرائض اس کی زوجہ وغیرہ ان کے ورثہ کو کہ اس کی موت کے وقت زندہ تھے اگرچہ اب مرچکے ہوں دے دیئے جائیں اور اگر ثابت ہو کہ مفقود پیش از مادر مر گیا تھا یا مدت مذکورہ گزر جائے اور کچھ ثبوت نہ ہو یہاں تک کہ روز فقدان سے اس کی موت کا حکم کردیا جائے توان سہام میں اس کے ورثہ کا کچھ حق نہیں بلکہ انہیں چار اولاد موجود کو دیئے جائیں ہر پسر کو دو ہر دختر کو ایک۔

فی التنویر یوقف قسطہ فان ظھر حیافلہ ذٰلك وبعدہ یحکم بموتہ فی مال غیرہ من حین فقد فیرد الموقوف لہ الی من یرث مورثہ عند موتہ[4] اھ ملخصًا۔	تنویر میں ہے مفقود الخبر کا حصہ موقوف رکھیں گے اگر وہ زندہ ظاہر ہوگیا تو یہ حصہ اس کا ہے، اس کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد) اس کے گم ہونے کے وقت سے غیر کے مال میں اس کی موت کا حکم دیا جائے گا، چنانچہ جو کچھ اس کے لئے موقوف رکھا گیا تھا وہ ان کی طرف لوٹادیں گے جو اس کے مورث کی موت کے وقت وارث بنے تھے اھ ملخصًا (ت)

یہ چھ[۶] سہام تاانفصال احکام اس کے پاس امانۃً رہیں گے جس کے قبضہ میں متروکہ مذکورہ اس وقت یعنی بعد موت مورثہ ہے خواہ وہ کوئی پسر موجود ہو یا دختر یا زن پسر یا کوئی اجنبی

---

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۵/ ۳۷۴

[2] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص۱۲۰

[3] جواہر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص۱۲۰

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۹

جس میں حفظ واصلاح ضروری کے سوا کسی تصرف مالکانہ کا اسے اصلاً اختیار نہ ہوگا جب تک اس سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو ورنہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی عادل ثقہ امین متقی خداترس کو سپرد کریں گے، فتح میں ہے:

رجل مات عن ابنتین وابن مفقود وابن ابن والمال فی ید اجنبی لاینزع من ید الاجنبی الا اذا ظهرت خیانته فیوخذ منه ویوضع علی ید عدل ولوکان فی ید البنتین لایحول المال من موضعه ولوکان فی ید ولد المفقود یوقف فی ید من کان فی یده[1] اھ ملتقطًا۔	کوئی شخص دو بیٹیاں ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ کر مرگیا جبکہ اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اجنبی کے ہاتھ سے واپس نہیں لیاجائے گا مگر اس وقت جب اس کی خیانت ظاہر ہوجائے اس صورت میں اس سے مال لے کر کسی عادل کے قبضہ میں دے دیاجائے گا، اور اگر مال دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور اگر وہ مقصود کی اولاد کے قبضہ میں ہے تو مفقود کا حصہ اسی کے ہاتھ میں موقوف رکھاجائے گا جس کے ہاتھ میں وہ ہے اھ ملتقطًا (ت)

فقیر کہتاہے غفراللہ تعالٰی لہ، امین نہ کریں گے اس پر مگر جو مال غیر کو نارسوزاں جانتاہو اور قبول نہ کرے گا اسے مگر فاسق افسق یاغافل احمق یاعادل مرفق قلیل ماھم ھیھات ھیھات کہاں علم اور کہاں عدالت، لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ط واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از تھانہ کچھا علاقہ خام ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام غوث نے اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کی، پھر دوسری کے انتقال ہوجانے کے بعد تیسری شادی کی، پہلی کا حقیقی بھائی اور دوسری کی ایک لڑکی جو اس کے ساتھ آئی تھی اور تیسری مع اپنے لڑکے کے جو ہمراہ آیا تھا زندہ ہے، تینوں عورتوں کا مہر پینسٹھ پینسٹھ روپیہ کا بندھا تھا، اب شرع شریف کے نزدیک کتنا مہر کس کس وارث کو پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ ۵/ ۳۷۴۔۳۷۵

الجواب:

صورت مستفسرہ میں پہلی بیوی لاولد کے بھائی یا اس کے سوااور جو وارث ہوانہیں ترکہ غلام غوث سے مہر کے بتیس ۳۲ روپے آٹھ آنے دیئے جائیں، اور دوسری کی بیٹی وغیرہ ورثہ کو اس کے مہر کے اڑتالیس ۴۸ روپے بارہ آنے، اور تیسری کہ زندہ ہے اسے اس کے مہر کے پورے پینسٹھ (۶۵) روپے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰: از میرٹھ چھتہ شیخاں مرسلہ حافظ محمد اکبر صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

زید مع اپنے کل خاندان کے کافر ہے، ہندہ زید کی بیٹی اور جہندہ زید کی بیوی، بعد مرنے زید کے دونوں مسلمان ہو گئیں۔ ہندہ رنڈی بن کر کسب کرانے لگی اپنی ذاتی جائداد پیدا کی اور نکاح کرلیا اب وہ مر گئی اور سوائے خاوند کے کوئی وارث نہیں، ہندہ کے ماموں زاد بھائی کی جو اس وقت تک کافر ہے دو بیٹیاں مسلمان ہو گئیں ان کا باپ یعنی ہندہ کا ماموں زاد بھائی کافر ہے، کیا یہ دونوں وارث شرعی ہندہ کے ترکہ کی ہو سکتی ہیں؟ اور ان کا باپ حاجب ہے اور مانع اختلاف دینیین کا اس پر اثر ہے اور یہ دونوں ذوی الارحام ہیں۔ **بینوا توجروا**

الجواب:

ہندہ کی ماں اگر اس سے پہلے مر گئی بعد اس کے صرف شوہر اور یہ دو عورتیں اس کے ماموں زاد بھائی کی بیٹیاں رہیں اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان کہ درجہ وراثت میں ان کے ہمسر یا ان سے مقدم ہو، نہیں، تو متروکہ ہندہ بعد ادائے دیون ووصایا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہم شوہر اور ایک ایک ان دونوں عورتوں کو ملے گا اور ان کے کافر باپ کا زندہ ہونا انہیں محروم نہ کر سکے کہ کافر ترکہ مسلم میں مردہ ہے اور مردہ نہ خود وارث ہو نہ دوسرے وارث کو محروم کر سکے۔ شریفیہ میں ہے:

المحروم عن المیراث بالکلیۃ لایحجب عندنا غیرہ اصلا لاحجب حرمان ولاحجب نقصان ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم روی ان امرأۃ مسلمۃ ترکت زوجا مسلما	جو شخص کلی طور پر میراث سے محروم ہو ہمارے نزدیک وہ کسی غیر کے لئے بالکل حاجب نہیں بنتا، نہ حجب حرمان کے ساتھ اور نہ ہی حجب نقصان کے ساتھ۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مروی ہے کہ ایک مسلمان عورت نے مسلمان خاوند اور

واخوین من امھا مسلمین وابناکافرا فقضی فیھا علی وزید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنھما بان للزوج النصف ولاخویھا الثلث ومابقی فھو للعصبة[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	دو مسلمان اخیافی بھائی اور ایک کافر بیٹا چھوڑا۔ تو اس کے بارے میں حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فیصلہ دیا کہ اس کے خاوند کے لئے نصف اور دنوں بھائیوں کے لئے ایک تہائی ہے، اور جو باقی بچا وہ عصبہ کے لئے ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱: ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ:

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک عورت اور بیٹی اس کی مسلمان ہوئی اور ایک میں سے اس نے نکاح کرلیا اور اپنی بیٹی کا بھی نکاح کردیا۔ اور جس مرد نے مال لیا تھا اس کی پہلی بی بی سے اولاد ہے اور اس نو مسلم عورت اور شوہر ثانی سے کوئی اولاد نہ ہوئی بجز اس لڑکی کے اور کوئی اولاد نہیں، ماں باپ فوت ہوگئے، اب یہ عورت جو رہی اس کا خاوند مرا، موافق شرع شریف کے اس کے خاوند کا جو کچھ ترکہ تھا تقسیم ہوگیا، اب یہ عورت مری، اس کی کوئی اولاد نہیں دو بھائی اس کے ہیں ماں میں شریک نہیں ماں باپ الگ ہیں، اب اس عورت کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو؟ بیان کرو اللہ تعالٰی اجر دے گا۔

الجواب:

شوہر مادر کے بیٹے جو نہ اپنے باپ کے نطفے نہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وارث نہیں، پس اگر عورت مذکورہ کا کوئی وارث شرعی مسلمان موجود نہیں نہ اس نے کسی کے لئے اپنے مال کی وصیت کردی تو اس کا کل مال بعد ادائے دَین (اگر اس کے ذمہ ہو) محتاج بیکس مسلمانوں کو دے دیا جائے یا ان دواداروکفن میں صرف کیا جائے اگر یہ پسران شوہر مادر بیکس محتاج ہیں تو انہیں بھی دیں یا انہیں کو دے دیں، غرض یہ محتاج ہوں تو بوجہ محتاجی مستحق ہوسکتے ہیں نہ بوجہ وراثت۔ درمختار میں ہے:

ترکة بلاوارث مصرفھا لقیط فقیر وفقیر بلاولی	وہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہیں، اس کا مصرف وہ گراپڑا بچا ہے جس کو

[1] الشریفیہ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۹

اھ ملخصاً۔[1]	کسی فقیر نے اٹھالیایا ایسا فقیر ہے جس کا کوئی ولی نہیں اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفقیر بلاولی ای لیس لہ من تجب نفقتہ علیہ قال فی البحر یعطی منہ نفقتھم وادویتھم ویکفن بہ موتاھم ویعقل بہ جنایتھم[2] اھ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مصنف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور ان کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از کلکتہ مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی سید عبدالرؤف صاحب طالبعلم ساکن ڈھاکہ عشرہ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ

چہ می فرمایند علماء دین متین اندرینکہ شخصے درہنگام زوجہ وے اموال خودرا بحین حیات خود درمیان ورثہ کہ ورائے او چہار پسر ویک دختر بودند ہیچ اعتراض نکردہ واظہار انکار برعدم شمار او درمیان ورثہ نانمودہ باہتمام خود حصہ یک پسر راکہ بر تقدیر عدم شمار او درمیان ورثہ دوبہرہ از نہ سہام می شدی بہ زوجہ پسر کلاں وے درعوض کابین نوشتہ داد وباختیار خود رجسٹری نمود بعداز وفات زن بوقت اخذ پسران دیگر بہرہائے خود رادعوی نماید ومیگوید کہ ربع از اموال متروکہ زن	کیافرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی نے اپنی زندگی میں شوہر کے سوا دیگر ورثاء میں جوکہ چاربیٹے اور ایک بیٹی ہیں اپنا مال تقسیم کردیا، اور شوہر نے تقسیم کے وقت کوئی اعتراض نہیں کیا، اور وارثوں میں اسے شمار نہ کئے جانے پر انکار ظاہر نہیں کیا بلکہ ورثاء کے درمیان اس کا شمار نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک بیٹے کو نَو میں سے جو دوحصے ملتے ہیں ان کو بڑے بیٹے کی بیوی کے مہر کے عوض تحریر کرتے ہوئے اپنے

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۴

[2] ردالمحتار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۲

بمن میرسد پس اگر ربع از مابقی بعد از اخذ زوجہ پسریکہ دو بہرہ از نہ برضائے او یافتہ گرفتہ آید حیف علی الارث پسران دیگر لازم آید کہ زن در حین حیات خود بریں راضی ناشدہ زوج را اجمالاً چیزے از اموال خود دادہ راضی بر عدم اخذ ترکہ وے نمودہ بود تا حیف علی الارث در حقوق فرزندان دیگر کہ ورائے پسر کلاں او بودند لازم نیاید **بیّنوا توجروا**۔	اختیار سے رجسٹری کرانے کااہتمام کیا۔اب بیوی کی وفات کے بعد دوسرے بیٹوں کے اپنا حصہ لینے کے وقت خاوند دعوی کرتے ہوئے کہتاہے کہ بیوی کے متروکہ مال میں سے چوتھا حص مجھے ملتاہے۔چنانچہ خاوند کی رضامندی سے بڑے بیٹے کی بیوی کے نو۹ میں سے دو۲ حصے وصول کرنے کے بعد باقی میں سے خاوند کو اگر چوتھا حصہ دیاجائے تودوسرے بیٹوں کی میراث پر ظلم لازم آتاہے کیونکہ عورت نے اپنی زندگی میں اس صورت حال پرراضی نہ ہوتے ہوئے شوہر کواپنے مال میں سے کوئی چیز دے کرترکہ میں سے کچھ نہ لینے پراس کوراضی کیاتاکہ دوسرے بیٹوں کے حقوق میں میراث پر ظلم لازم نہ آئے جوکہ اس کے بڑے بیٹے کے علاوہ ہیں۔بیان کرو اجر دیئے جاؤگے۔(ت)

الجواب:

اگرچہ مسئلہ بس غریبہ کہ از اغرب مسائل توان گفت بعض علماء صورتے آوردہ اند تابصورت تخارج بحیات مورث **کما ذکرہ فی الاشباہ عن طبقات الشیخ عبدالقادر عن خزانۃ الجرجانی عن ابی العباس الناطقی عن بعض مشائخہ وفی جامع الرموز عن الناطقی ثم اعقبہ عن الجواھر بما ھو اوفق واقرب وفی جامع الفصولین عن جامع الفتاوٰی حکی قولین کما فی ردالمحتار**	اگرچہ مسئلہ بہت انوکھا ہے کہ اس کو سب سے انوکھا مسئلہ کہاجاسکتاہے بعض علماء نے اس کو مورث کی زندگی میں تخارج کی صورت قرار دیا ہے جیساکہ اشباہ میں طبقات شیخ عبدالقادر سے بحوالہ خزانۃ الجرجانی نقل کیاہے،اورجرجانی نے ابوالعباس ناطقی سے اس کے بعض مشائخ کے حوالے سے ذکر کیا،اور جامع الرموز میں ناطقی سے نقل کیا،پھر اس کے بعد جواہر کے حوالے سے ذکر کیا جوکہ اوفق واقرب ہے۔اور جامع الفصولین میں جامع الفتاوٰی کے حوالے سے منقول کہ انہوں نے دو۲قول نقل کئے جیساکہ ردالمحتار

قلت ورأیت فی جامع الفصولین قدم قبله عن السیر الکبیر للامام محمد ماھو الموافق للاصول والموافق للمعقول والمنقول کما اشرنا الی کل ذٰلك فیما علقنا علٰی ردالمحتار الّا آں نیز بایں طورست کہ مورث ہریکے از ورثہ امالے دہد برآں شرط کہ پس از مرگ بہرہ از امیر شش نباشد اینجا بعد استفسار حالے ظاہر شد کہ زن شوہر خود را چیزے ندادہ است بلکہ مالے بنام پسر پنجمین او کہ از ہمخوابہ پیشین بودہ ہمراہ پسران خودش تعیین نمود و شوہر ہمبریں معنی راضی باسقاط حقش از میراث شد پس ایں نماند جز وعدہ تبرک ارث ووعدہ مجردہ جز قضا رانسزد فی الظھیریة والخانیة و الھندیة لایلزمه الوفا بالمواعید[1]۔وفی الذخیرۃ و الھندیة ھذا وعد منه ولایلزمه بذٰلك شیئ[2] خاصہ در امر میراث کہ ھم باختیار وارث نیست بلکہ بناچار رسد فی الاشباہ	میں ہے، **میں کہتاہوں** میں نے جامع الفصولین میں دیکھا کہ انہوں نے اس سے ما قبل امام محمد کی سیر کبیر سے وہ قول نقل فرمایا جو اصول کے موافق اور معقول ومنقول کے مناسب ہے جیسا کہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس تمام کی طرف اشارہ کیاہے لیکن وہ بھی اس طور پر ہے کہ مورث وارثوں میں سے ہرایک کو اس شرط پر کچھ مال دے کہ اس کے مرنے کے بعد میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا جبکہ اس جگہ تفتیش کے بعد یہ حالت ظاہر ہوئی کہ عورت نے اپنے شوہر کو کوئی چیز نہیں دی بلکہ کچھ مال اپنے پانچویں بیٹے کے لئے جو کہ پہلے خاوند سے ہے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ مختص کیا۔ اور شوہر اس صورت پر میراث میں سے اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہوا، چنانچہ یہ میراث چھوڑنے کے وعدہ کے سوا کچھ نہیں اور محض وعدہ سوائے قاضی کی قضا کے کسی شیئ کے لائق نہیں۔ ظہیریہ، خانیہ اور ہندیہ میں ہے کہ وعدوں کی وفا اس پر لازم نہیں۔ ذخیرہ اور ہندیہ میں ہے یہ اس کی طرف سے وعدہ ہوا جس سے اس پر کچھ لازم نہیں آتا خصوصًا میراث کے معاملے میں جو وارث کے اختیار سے نہیں بلکہ جبری طور پر اسے پہنچتی ہے۔

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۴۲۷

من القول فی الملك لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا وکذا الوصیة فی مسألة[1] الخ خاصہ بحالے آں وعدہ پیش از ثبوت ارث ہم درحیات مورث صورت بست وپیداست کہ سقوط پیش از ثبوت معنی ندارد الاتری ان المرأہ لو اسقطت حقها من القسم کان لها الرجوع قال فی غمز العیون انما جازلها الرجوع لان حقها لم یکن ثابتا بعد فیکون مجرد وعد فلایلزم کالمعیر[2] الخ ولہذا اگر مورث برائے وارثے وصیتے کرد ودیگران بحیاتش رضا دادند ایں اجازت بجوے نیرزد وایشاں راپس ازمرگ مورث رجوع میرسد۔ فی الدر المختار لاتعتبر اجازتهم حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[3] فی ردالمحتار لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فکان لهم ان یردوہ بعد وفاته بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق	اشباہ کے اندر ملکیت کے قول میں ہے کہ انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق اس کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے اور اسی طرح وصیت ایک مسئلہ میں الخ خاص طور پر اس حال میں کہ وہ وعدہ بھی میراث کے ثبوت سے پہلے مورث کی زندگی میں رونما ہوا۔ پس ظاہر ہے کہ کسی چیز کے ثبوت سے پہلے اس کا ساقط ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عورت اگر اپنی باری کا حق ساقط کردے تو اسے رجوع کا حق ہوتا ہے۔ غمز العیون میں کہا کہ اس کو رجوع کا حق اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا حق ابھی تک ثابت نہیں ہوا تو یہ محض ایک وعدہ ہوگا جو لازم نہیں ہوتا جیساکہ عاریت پر دینے والا الخ اور یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کسی وارث کے لئے وصیت کی اور دوسروں نے اس کی زندگی میں رضامندی ظاہر کردی تو یہ اجازت وجوب کے لائق نہیں اور ان وارثوں کو مورث کے مرنے کے بعد رجوع کا حق حاصل ہے۔ درمختار میں ہے مورث کی زندگی میں وارثوں کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[2] غمز عیون البصائر الفن الثالث احکام النقد ومایتعین فیه الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۲

[3] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۱۷

وتمامہ فی المنح[1] پس دعوی شوہر بجائے خودست آنچہ ہنگام مرگ زن درملک زن بودہ ربع اوبشرط عدم موانع ارث وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ بشوہرش می رسد وہیچ حیف درمیراث لازم نیست کہ آنچہ پسر کلاں پیش ازموت مورثہ یافت اگرمابلکہ بروجہ صحیح شرعی تملیک او کردہ بودآں مقدار از ارث خودبیروں رفت کہ ارث متعلق نہ شود جزبترکہ و ترکہ نیست جزآنکہ ہنگام موت مورث درملک اوست۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	کہ وہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہے کیونکہ ان کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے توان کے لئے جائز ہے کہ وہ مورث کی وفات کے بعد اس کو رَد کردیں بخلاف مورث کی موت کے بعد ہونے والی اجازت کے کیونکہ وہ حق کے ثبوت اور اس کی تمامیت کے بعد واقع ہوئی ہے(المنح)، چنانچہ شوہر کا دعوی برمحل ہے، جوکچھ بوقت موت عورت کی ملکیت میں تھا اس کا چوتھا حصہ شوہر کو ملے گا بشرطیکہ میراث سے روکنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے، اور جو چیزیں میراث سے مقدم ہیں انہیں مقدم کردیا گیا ہو جیسے قرض اور وصیت۔ اور میراث میں کوئی ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ عورت کی موت سے پہلے جوکچھ اس کے بڑے بیٹے نے پایا اگر مابلکہ نے شرعی طریقے پر اس کو مالک بنادیا تھا تو اتنی مقدار خود میراث سے خارج ہوگئی کیونکہ میراث کا تعلق ترکہ کے ماسوا کے ساتھ نہیں ہوتا اور ترکہ سوائے اس شیئ کے نہیں جو مورث کی موت کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۳: از اٹنگہ مرسلہ حامد حسین خاں ۱۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ماں اور تین حقیقی چچاوارث چھوڑے اور اس کی ماں کے، انتقال ہندہ سے سال بھر بعد، ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

غیر میت سے جو حمل ہو وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے، یاتو وقت موت میت

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

سے ٹھیک چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے اندر پیدا ہو یا اس کی ماں موت یا طلاق کی عدت میں ہو اور اس کے پیدا ہونے تک عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرے یا باقی وارث اقرار کرتے ہوں کہ یہ بچہ وقت موت میت اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ سائل مظہر کہ یہاں یہ صورتیں نہ تھیں کہ لڑکا موت ہندہ سے سال بھر بعد پیدا ہوا اور اس کا باپ زندہ رہا اور ماں کو طلاق بھی نہ ہوئی کہ عدت میں ہوتی اور دیگر ورثہ کو تسلیم بھی نہیں کہ یہ وقت موت ہندہ اپنی ماں کے حمل میں تھا۔ پس صورت مستفسرہ میں بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا نو سہام پر منقسم ہو کر تین سہم اس کی ماں اور دو دو ہر حقیقی چچا کو ملیں گے۔

فی ردالمحتار وان کان (ای الحمل) من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشھر او اقل والا فلا الا اذا کانت معتدۃ و لم تقربا نقضائھا اواقر الورثۃ بوجودہ کما یعلم من سکب الانھر مع شرح ابن کمال وحاشیۃ یعقوب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم	ردالمحتار میں ہے اگر حمل میت کے غیر کا ہے تو وہ اس صورت میں وارث بنے گا اگر وہ پورے چھ ماہ کی مدت میں یا اس سے کم تر مدت میں پیدا ہو، ورنہ نہیں بنے گا سوائے اس کے کہ اس کی ماں معتدہ ہو اور اس نے عدت گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو یا وارث اقرار کریں کہ یہ مورث کی موت کے وقت موجود تھا جیسا کہ سکب الانہر مع شرح ابن کمال اور حاشیہ یعقوب سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شادی ہندہ سے کی اور بہ سبب ناچاقی طرفین کے ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور بعد کو اسی زید نے ایک شادی ایک طوائف سے کی، بعدہ، زید فوت ہوگیا، اور بعد فوت ہونے زید کے طوائف بھی فوت ہوگئی اور اس طوائف نے اپنی کچھ ملکیت چھوڑی، تو اس ملکیت کا مالک کون ہوگا جبکہ طوائف لاولد ہے آیا زید کا بھائی بہن یا ہندہ یا کون ہوگا؟

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی والحرقٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۱۱

الجواب:

زن فاحشہ اگر ولدالزنا ہو تو اس کا ترکہ اس کے مادری اقربا مثل مادر ومادر مادر وبرادر وخواہر مادری یاخالہ ماموں وغیرہم کو ملے گااور اگرولدالزنا نہ تھی تو اس کاترکہ مثل تمام لوگوں کے اقربائے پدری ومادری سب کو حسب فرائض پہنچے گااور اگر اس کا کوئی وارث اصلًا نہ ہوگا توفقرائے مسلمین پر تقسیم کردیا جائے گا **کما ھو حکم سائر الضوائع** (جیساکہ تمام لاوارث چیزوں کا حکم ہے۔ت) بہرحال زید کے بہن بھائی یا ہندہ کا اس میں کوئی حق نہیں مگرجب کہ ثابت ہو کہ اس کا کوئی وارث شرعی نہیں اور ترکہ فقراء کو دینا ٹھہرے تو ان میں جو فقیر ہو بحکم فقر مثل اور فقراء کے پاسکتا ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۵: ازمارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی ۱۳ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ حرامیوں کاکیسے تقسیم ہو، باپ کی سمت تومفقود محض ہوگئے ماں کی سمت کو پہنچے گا یا اس کو بھی نہیں، مثلاً ایک عورت کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں حرام سے، توبعد فوت ایک اخت کے دوسری اخت وارثہ ہوگی یا نہیں، اور اگرایک اخت عقد کرکے پردہ نشین ہوگئی دوسری بدستور بے پردہ اور پیشہ کسب کار کھتی ہے تو اس اخت تائبہ کاترکہ اس غیر تائبہ کو ملے گا یانہیں؟ اور اگر ملتا ہو اور یہ تائبہ اس خیال سے کہ میراترکہ فاحشہ کو نہ ملے کہ اس کے فسق وفجور میں مدد پہنچے گی اپنامال امور خیر میں صرف کردے تو یہ جائز ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

اولادزنا صرف مادری رشتوں سے وارث ومورث ہوتی ہے مثلاً صورت مسئولہ میں ایک بہن دوسری کاترکہ اخت مادری ہوکر پائے گی نہ اخت عینیہ، اگرچہ دونوں ایک ہی شخص کے نطفہ سے ہوں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[1]۔	زِنا اور لعان کی اولاد فقط ماں کی جہت سے وارث بنتی ہے جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں ان دونوں کاکوئی باپ نہیں ہوتا(ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

اور جس طرح اُخت تائبہ غیر تائبہ کی وارث ہوتی ہے یونہی غیر تائبہ تائبہ کی وارث ہوگی کہ زانیہ ہونا موانع میراث سے نہیں، ہاں بخیال مذکور تائبہ کا اپنے مال کو وجوہ خیر میں صَرف کردینا اور فاحشہ کے لئے میراث نہ چھوڑنا بتصریح علماء جائز بلکہ یہی افضل وبہتر ہے۔ خلاصہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا فارادان یصرف الی وجوہ الخیرہ ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]۔	اگر کسی شخص کی اولاد فاسق ہو اور وہ شخص چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے۔ تو یہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑنے سے بہتر ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر کسی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنا مال نیک کام میں خرچ کرے اس حال میں کہ اس کا بیٹا فاسق ہو۔ اس بیٹے کے لئے مال چھوڑنے سے نیک کام میں خرچ کرنا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد کرنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶ و ۳۷: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۷ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مصرحہ ذیل میں:

سوال اوّل

شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت ہر سہ برادران حقیقی ایک جائداد مشترک پر قابض ودخیل تھے، شاہ محمد عیسٰی نے انتقال کیا، دولڑکے تین لڑکیاں چھوڑیں، لڑکے نے دو لڑکیوں کا نکاح مختلف جگہوں پر کردیا، وہ دونوں چندروز کے بعد مرگئیں۔ اب تقسیم ترکہ کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الہبۃ الفصل الاول الجنس الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

وقت ترکہ میں وہ حصہ جائداد بھی شامل کیاجائے جولڑکیوں کے باپ کی جائداد متروکہ مشترکہ میں سے ہوتا یانہیں، اور واضح رہے کہ وہ جائداد اوّلاً شاہ محمد عیسٰی، شاہ محمد فصاحت میں مشترک تھی۔ پھربعد انتقال شاہ محمد عیسٰی کے ان کے لڑکے اور شاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں مشترک رہی اور آج تک بدستور مشترک ہے صرف نام تینوں آدمیوں کاکاغذات سرکاری میں داخل ہے لیکن تحصیل وصول انتظام وغیرہ سب ایک جابالاشتراک ہوتاہے آپس میں بقدر حصہ کے لوگ تقسیم کرلیتے ہیں۔ لڑکیوں نے اپنی حیات میں اپناحصہ بھی نہیں مانگااور نہ دینے کاعرف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جائداد میں جومشترک در مشترک ہے (یعنی پہلااشتراک ابن شاہ محمد عیسٰی وشاہ محمد یعقوب وشاہ محمد فصاحت میں اور دوسرااشتراک شاہ محمد عیسٰی کے لڑکے اور لڑکیوں میں) ان لڑکیوں کے شوہروں کاکچھ حق ہوتاہے کہ نہیں؟ تفصیل سے حوالہ قلم فرمایئے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کامالک ہوتاہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یانہ لے، دینے کاعرف ہو یانہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک دراشتراک کی نوبت آئے اصلاً کوئی بات میراث ثابت کوساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اﷲ کو تغیر کرسکتاہے، یہاں تک کہ نہ مانگنادرکنار اگر وارث صراحۃً کہہ دے کہ میں نے اپناحصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہوگی توشاہ محمد عیسٰی کے ترکہ میں بشرط عدم مانع ارث و وارث آخر وتقدیم دین ووصیت، ہر دختر سات سہام سے ایک سہم کی مالک ہوئی اور ہر دختر کے متروکہ سے بشرائط مذکورہ اگر اولاد تھی شوہر نصف ورنہ ربع کاجس کے ثبوت میں دو آیہ قرآنیہ:

"یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ-لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ"[1] وقولہ تعالٰی "وَ لَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتاہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت) اور اس کافرمان ہے اور تمہاری بیبیاں جو

[1] القرآن الکریم ۴ /۱۱

اَزْوَاجُکُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ کَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَکُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِیَّةٍ یُّوْصِیْنَ بِهَاۤ اَوْ دَیْنٍ ؕ"[1]	چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دَین نکال کر۔(ت)

اشباہ میں ہے:

لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا[2] الخ۔	انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق داخل ہوتی ہے الخ(ت)

اسی میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذا الملك لایبطل بالترک[3]۔	اگر وارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا کیونکہ مِلک چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتا۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدهما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترك بل ان کان عینا فلابد من التملیك وان کان دینا فلابد من الابراء[4]۔	اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مر گیا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ حصہ لازم ہے جو چھوڑ دینے سے متروک نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ عین ہو تو اس کے لئے تملیک ضروری ہے، اور اگر دین ہو تو اس سے برات کرنا ضروری ہے الخ(ت)

اشباہ میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

[4] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

الحق لایسقط بتقادم الزمان[1]۔	زیادہ زمانے کے گزرجانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا۔(ت)

اسی میں ظہیریہ سے ہے:

التعامل بخلاف النص لایعتبر[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	نص کے خلاف لوگوں کاتعامل معتبر نہیں ہوتا۔واللہ تعالٰی اعلم(ت)

سوال دوم

احمدی بی بی نے انتقال کیاماں اور شوہر اورایک بھائی اور دو بہنوں کو چھوڑا، چونکہ تقسیم ترکہ کارواج نہ تھااور نہ کسی نے اپنے حصہ کااس وقت مطالبہ کیااس وجہ سے احمدی بی بی کے زیورات اور برتن وغیرہ اسباب جہیز میں سے (جو کل شوہر کے قبضہ میں تھے) شوہر نے بہت کچھ اپنی دوسری منکوحہ کو پہنا کر سسرال سے میکے رخصت کردیااور برتن میں سے بھی کچھ اپنے عزیز کو بوقت ضرورت دے دیااور خود یعنی وہ شوہر بھی تھوڑے دنوں کے بعد انتقال کرگیا،اب یہاں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

ایک یہ کہ احمدی بی بی کے ترکہ میں سے شوہر کاکتنا ہوتا تھا؟

دوسرے جوزیور وغیرہ کہ شوہر نے اپنی پہلی بیوی مسماۃ احمدی کے ترکہ مشترکہ میں سے بلا اجازت دیگر ورثہ کے دوسری منکوحہ کو پہنادیا وہ اس کا یعنی دوسری منکوحہ کاہوایا شوہر کے مرنے کے بعد پھر شوہر کی طرف عود کرآئے گا اور شوہر ہی کی ملک سمجھا جائے گا؟

تیسرے یہ کہ اب احمدی بی بی کے باقی ورثہ یعنی ماں باپ بھائی وغیرہ اپنا حصہ لینے پر مستعد ہوئے ہیں تو اب ان ورثہ کاحق ان زیورات اور برتن وغیرہ میں بھی ہوتاہے یانہیں جو شوہر متوفی نے اپنی دوسری منکوحہ کو بلا اجازت پہنادیئے تھے اور عزیز کو دے دیئے تھے اگر ہوتاہے تو یہ حق اب کس طرح لیاجائے،آیا ان زیورات اور برتنوں کو دوسری منکوحہ اور عزیز سے واپس لے کرہر شخص بقدر حصے کے تقسیم کرے یا ان زیورات وغیرہ دے دی ہوئی چیزوں سے دستبردار ہو کر شوہر متوفی کے علاقہ سے بقدر اپنے حصہ کے نقد روپیہ وصول کریں۔

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۵۳

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ السادسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۳۸

چوتھے اس کی تصریح فرمایئے کہ شوہر اپنی حین حیات میں جو زیورات اور کپڑے کہ اپنی زوجہ کو پہنادیئے یا پہننے کو دے دیئے تو وہ زوجہ کا ہوجاتا ہے یا نہیں یعنی اگر شوہر مرجائے تو وہ زیورات اور کپڑے زوجہ سے واپس لے کر شامل ترکہ کریں گے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بحالت صحت واختصاص وراثت وتقدیم دین ووصیت، ترکہ احمدی بی بی بارہ سہم پر تقسیم ہو کر دو سہم مادر، چھ شوہر، دو برادر، ایک ایک ہر خواہر کا ہوا۔ شوہر جو زیور اپنی عورت کو پہنائے اگر صراحۃً دلالۃً لفظاً عرفاً کسی طرح ثابت ہو کہ اس سے مقصود زوجہ کو مالک کردینا ہے تو عورت بعد قبضہ مالک ہوجاتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال ثیاب ونفقہ کے سوا ان بھاری گرانبہا جوڑوں کا ہے جو شادی براتوں میں آنے جانے کے لئے پہنتے ہیں عورت کا صرف پہننا برتنا دلیل ملک نہیں کہ زن وشوہر اپنے اپنے باہمی انبساط کے باعث ایک دوسرے کے مِلک سے تمتع کیا ہی کرتے ہیں۔ بحرالرائق وعقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعها بمشربه ورضاه بذٰلك دلیلا علی ان ملکها ذٰلك کما تفهمه النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا[1]۔	عورت کا شوہر کی خواہش اور رضامندی سے زیور وغیرہ سے نفع اٹھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت کی ملک ہے جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں حالانکہ میں کئی بار یہ فتوٰی دے چکا ہوں۔(ت)

پس وہ زیور کہ شوہر احمدی بی بی نے اپنی زوجہ ثانیہ کو پہنایا اور وہ برتن کہ عزیز کو دیئے اگر ان میں دلیل ہبہ وتملیک ثابت نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ وہ زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور سے واپس لے کر وارثان شوہر وبقیہ ورثہ احمدی بی بی پر نصفا نصف منقسم ہوں گے۔ ہر چیز کا نصف کہ حق شوہر تھا زوجہ ثانیہ ودیگر ورثہ شوہر کو حسب فرائض پہنچے گا اور نصف باقی انہیں چھ سہام مذکورہ ہر مادر وبرادر وخواہران احمدی بی بی کو اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے یہ زیور، برتن زوجہ وعزیز کو ہبہ کردیئے تھے تاہم وہ ہبہ ہر شیئ کے نصف میں کہ مملوک بقیہ ورثہ احمدی بی بی تھا بوجہ ناراضی مالکان باطل و

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی لایکون استمتاع المرأۃ بما اشتراہ زوجها الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

بے اثر ہوا وہ ہر چیز کا نصف زوجہ و عزیز سے بٹوا سکتے ہیں، باوصف بقائے عین متروکہ خواہی نخواہی اخذ قیمت پر مجبور نہ کئے جائیں گے کہ ہر عدد کا نصف ان موہوب لہما کے ہاتھ میں بطور غصب تھا اور مغصوب جب تک بعینہٖ قائم ہو حکم اس کا رد عین ہے نہ کہ ایجاب ضمان۔

قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی رواہ احمد والاربعة[1] والحاکم عن سمرة بن جندب رضی الله تعالٰی عنه بسند حسن۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پر لازم ہے جو کچھ اس نے لیا یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کردے۔اس کو امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ اور امام حاکم نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ت)

ہاں نصف دیگر کہ حق شوہر تھا بوجہ ہبہ شوہر وقبضہ موہوب لہما وازانجاکہ زیور و برتن دونوں ایسی چیز ہیں جن کا ایک ایک عدد جداگانہ قابل تبعیض نہیں۔

ولایضر الشیوع فیما یضرہ التبعیض لکونه ممالا یحتمل القسمة ولذا جاز هبة درهم صحیح من رجلین علی الصحیح کما فی الخانیة[2] وغیرها وقال فی الحادی والثلثین من جامع الفصولین الشائع ینقسم علی قسمین شائع یحتمل القسمة کنصف الدار و نصف البیت الکبیر وشائع لایحتملها کنصف قن و رحی وحمام وثوب وبیت صغیر فالفاصل بینهما	غیر منقسم ہونا اس چیز میں نقصان دہ نہیں جس میں تقسیم نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں اسی لئے دو شخصوں کو ایک درھم کا ہبہ صحیح قول کے مطابق درست ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔اور جامع الفصولین کی اکتیسویں فصل میں کہا کہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے جیسے گھر کا نصف اور بڑے مکان کا نصف (۲) وہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا جیسے غلام، چکی، حمام، کپڑے اور

[1] جامع الترمذی ۲/ ۱۵۲ و سنن ابی داؤد ۲/ ۱۴۵ و سنن ابن ماجہ ص ۱۷۵ و مسند احمد بن حنبل ۵/ ۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الهبة فصل فی هبة المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۹

حرف واحد وھو ان القاضی لو اجبر احد الشریکین علی القسمۃ بطلب الاٰخر فھو من القسم الاول ولو لم یجبرفھو من الثانی اذا الجبر آیۃ القبول [1] اھ وفی القسمۃ الھندیۃ الاوانی المتخذۃ من اصل واحد کالاجانۃ والقمقمۃ والطست المتخذۃ من صفر ملحقۃ بمختلفۃ الجنس فلا یقسمھا القاضی جبرا کذا فی العنایۃ ویقسم تبرالفضۃ والذھب وما اشبہ ذٰلک ممالیس بمصوغ [2] الخ۔	چھوٹے مکان کا نصف۔ان دونوں قسموں کے درمیان فرق ایک لفظ کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ اگر قاضی نے دوشریکوں میں سے ایک کو دوسرے کے مطالبے کی وجہ سے تقسیم پر مجبور کیا تو وہ پہلی قسم سے ہے،اور اگر مجبور نہیں کیا تو وہ دوسری قسم سے ہے کیونکہ جبر قبول کرنے کی نشانی ہے الخ ہندیہ کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ ایک ہی مادہ سے بنائے جانے والے برتن جیسے ٹب، دیگچہ اور تھال جو کہ پیتل سے بنائے گئے ہوں وہ ان چیزوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں جن کی جنسیں مختلف ہوں، چنانچہ قاضی ان کو جبراً تقسیم نہیں کرے گا۔عنایہ میں یونہی ہے،اور سونے چاندی کے ٹکڑوں اور جوان کے مشابہ ہے جسے پگھلایا نہ گیا ہو کو قاضی جبراً تقسیم کرے گا الخ(ت)

وہ برتن اور زیور زوجہ ثانیہ وعزیز مذکور کی ملک ہوگیا جن سے اب واپسی ممکن نہیں **لمکان الزوجیۃ وموت الواہب وکلاھما یمنع الرجوع** (زوجیت کی موجودگی اور واہب کی موت کے سبب سے اور وہ دونوں رجوع سے مانع ہیں۔ت) اس بیان سے تمام مراتب مسئولہ کا جواب واضح ہوگیا۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک دکان اپنے نبیرہ کے نام اپنے روپے سے خرید کردی اور اسے بولایت اس کے باپ کے اس دکان پر قبضہ کرادیا، اب زید نے انتقال کیا، اس صورت میں وہ دکان حسب فرائض ورثہ زید پر منقسم ہوجائے گی یا صرف نبیرہ کو ملے؟ **بیّنوا توجروا۔**

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب القسمۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۹

الجواب:

صورت مستفسرہ میں جب کہ زید نے وہ دکان اس کے نام خریدی اور بولایت اس کے پدر کے اسے قابض کردیا تو وہ نبیرہ اس کا مالک ہوگیا اور وہ دکان متروکہ زید نہ قرار پائے گی کہ حسب فرائض اس کے ورثہ پر تقسیم ہو۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۹: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑ کر انتقال کیا اور ہندہ نے اپنے پوتوں میں سے ایک پوتے کو جسے اپنا متبنّٰی کیا تھا نسبت اپنی جائداد کے وصیت کیا بعد انتقال ہندہ اس کے ورثہ مذکورین اور نبیرہ موصی لہ میں پنچایت ہوئی سرپنچ و پنچان مقبولہ فریقین نے فیصلہ کردیا کہ تین بسوہ جائداد ہندہ سے بابت وصیت نافذہ فی الثلث نبیرہ موصی لہ کو دیئے اور باقی مال ورثہ پر تقسیم کردیا۔اب پسر ہندہ نے انتقال کیا اس کے اور بیٹے اپنے بھائی پر دعوی کرتے ہیں کہ وہ تین بسوہ حسب فرائض ہم پر منقسم ہوجائیں،اس صورت میں حکم شرع کیا ہے؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں وہ تین بسوہ کہ نبیرہ موصی لہ نے بابت وصیت حسب فیصلہ پنچایت پائے ان کا مالک صرف یہی موصی لہ ہے۔اس کے اور بھائیوں کا اس میں کچھ حق دعوی نہیں،نہ وہ حسب فرائض ان پر تقسیم ہوسکیں کہ یہ متروکہ ان کے باپ کا نہیں بلکہ اسے مال جدہ سے از روئے وصیت پہنچے ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک پسر اور سہ دختران وارث اپنے چھوڑے،ذی مہر قابض جائداد ہے ترہ مورث کا تقسیم نہیں ہونے دیتی اور کہتی ہے پانچ ہزار روپیہ دین مہر میرے کا بموجب وصیت مورث کے ادا کردو،بعد ادا کرنے دین مہر کے جائداد تقسیم کرلو۔اس صورت میں ترکہ مورث کا بدوں ادائے دین مہر کے تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پس جب تک مہر اور دیگر دیون بھی اگر ہوں ادا نہ ہولیں

تقسیم نہ کرنا چاہئے مگرہاں تعین مقدار پنج ہزار وپیہ میں تفصیل ہے اگریہ مقدار سوا اقرار مورث کے دوسرے طریقہ سے بھی ثابت ہے یا مورث کاوہ مرض جس میں اس نے انتقال کیا مرض موت یعنی ایسا مرض نہ تھا جس میں غالب ہلاک ہوتا ہو یا اس کے سبب سے وہ صاحب فراش یا کارہائے بیرون خانہ سے عاجز ہوگیا ہو یا ورثہ نے بعد اقرار حیات مورث میں خواہ اس کے بعد تصدیق اس مقدار کے کئے تھے گواب مجیز نہ ہوں یا یہ مقدار مہر مثل زوجہ سے زائد نہیں تو ان سب صورتوں میں پورے پانچ ہزار دینالازم ہیں ورنہ بقدر مہر مثل دلایا جائے گااور قدر زائد میں اقرار مورث کااعتبار نہ کیاجائے گا۔

فی الهندیة اقرفی مرض موته بدین من مهر لامرأة یصدق الی تمام مهرمثلها وتحاص غرماء الصحة کذا فی خزانة المفتین ولواقرلها بزیادة علی مهر مثلهافالزیادة باطلة کذافی المبسوط[1]۔	ہندیہ میں ہے کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے دین مہر کا اقرار کیاتو تمام مہر مثل تک اس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور وہ بیوی صحت کے قرضخواہوں میں شامل ہو جائے گی۔ خزانۃ المفتین میں یونہی ہے اور اگر بیوی کیلئے مہر مثل سے زائد کا اقرار کیاتو زیادتی باطل ہے، مبسوط میں یونہی ہے۔(ت)

مسئلہ ۴۱: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ فوت ہوئی زید پسر، عائشہ دختر، خالد زوج وارث چھوڑے۔ زیور و اسباب متروکہ ہندہ، خالد اپنے تصرف میں لایا بعدہ، خالد بھی فوت ہوا۔ فاطمہ زوجہ اور زید وعائشہ پسر ودختر وارث چھوڑے۔ مہر ہندہ کاذمہ خالد ہے، آیا زید وعائشہ کوترکہ خالد سے مطالبہ اس زیور واسباب کا پہنچ سکتاہے یا نہیں؟ اور مہر ہندہ تقسیم ترکہ پر مقدم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی زید وعائشہ کومطالبہ اپنے سہام شرعیہ کا اس زیورواسباب کے متروکہ خالد سے پہنچتاہے اور ان سہام اور نیز مہر ہندہ اور مہر فاطمہ بھی اگرہو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

---

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۱۷۶

مسئلہ ۴۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حیات ایک دختر سارہ اور ایک شوہر امیر الدین وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوئی بعدہ شوہر کا زوجہ فتح خاتون اور مریم اور تین پسر علاء الدین بطن فتح خاتون سے اور حمید الدین، بشیر الدین بطن مریم سے اور تین دختر سارہ بطن حیات خاتون اور سکینہ وہندہ بطن مریم سے وارث اپنے چھوڑ کر مرگیا اور امیر الدین نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک حصہ اپنی جائداد کا فتح خاتون اور علاء الدین کو دے کر الگ کردیا تھا اس صورت میں امیر الدین کو متروکہ حیات خاتون سے کیا ملے گا اور وہ ورثہ امیر الدین پر کیونکر تقسیم ہوگا اور فتح خاتون وعلاء الدین بھی ترکہ امیر الدین سے حصہ پائیں گے یابسبب اس کے کہ وہ بقدر اپنے حصص کے حیات مورث میں لے کر جدا ہوگئے تھے اب نہ پائیں گے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی الخ متروکہ حیات خاتون سے چہارم امیر الدین کو ملے گا اور وہ مثل اس کے اور متروکات کے بشرط عدم موانع ارث ووارث اخر وتقدیم دیون ومہور زنان ووصایا ۱۴۴ سہام پر منقسم ہوکر ۹،۹ سہام فتح خاتون و مریم اور ۲۸،۲۸ علاء الدین وحمید الدین وبشیر الدین اور ۱۴، ۱۴ سارہ وسکینہ وہندہ کو ملیں گے اور امیر الدین کے فتح خاتون وعلاء الدین کو ایک پارہ جائداد دے کر الگ کردینا مانع ارث نہیں مگر ہاں اگر یہ دینا بطریق تصالح وتخارج تھا یعنی امیر الدین نے وہ جائداد ان دونوں کو اس شرط سے دی تھی کہ یہ میں تمہارے اس حصہ میں دیتاہوں جو تمہیں بعد میرے پہنچے اب تمہیں میرے بعد میری جائداد میں استحقاق میراث نہیں اور انہوں نے اس معنی کو قبول کرلیا اور اس پر راضی ہوگئے تواب انہیں دعوی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا حصہ برضائے خود پہلے ہی لے چکے صرح بذٰلك الشیخ العلامۃ عبدالقادر فی الطبقات (شیخ علامہ عبدالقادر نے طبقات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۳: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور جائداد پر قبضہ چھوڑا اور دین مہر (لہ صہ) روپیہ چھوڑا کچھ جائداد وصی وارثوں نے اپنے قبضہ میں لے لی، بقیہ جائداد مسماۃ نے یعنی زوجہ متوفی نے بہ مجبوری بہ خوف کمی قیمت تصفیہ دین مہر فروخت کرکے قرضہ شوہر اداکیا اور آپ کچھ نہ لیا، اب ورثہ دعوی کرتے ہیں پس بلاادائے مہر اور قرضہ یہ دعوی صحیح ہے یانہیں؟ اور شرعًا ایسی بیع درست ہے یانہیں؟ اور

دعوٰی تقسیم بلا تصفیہ مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے ظاہر کہ دین ترکہ کو محیط تھا اور درصورت احاطہ دین ورثہ کے لئے ترکہ میں ملک ثابت نہیں ہوتی نہ بے فراغ ذمہ بادا یا ابراء باہم تقسیم کرسکیں۔

فی الاشباہ والنظائر الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث قال فی جامع الفصولین من الفصل الثامن و العشرین لواستغرقھا الدین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء الخ[1]۔	الاشباہ والنظائر میں ہے جو قرض ترکہ کا احاطہ کرنے والا ہو وہ ملک وارث سے مانع ہے، جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرے تو بطور میراث کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو بری الذمہ قرار دے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس کو ادا کردے الخ (ت)

پس زوجہ زید نے کہ جائداد متروکہ بیچ کر زید کو باردیون سے سبکدوش کیا اور ان قرضخواہوں میں ایک خود وہ تھی جس نے آپ کچھ نہ لیا اور باقی دائنوں نے جنہیں اختیار نقض بیع حاصل تھا ثمن مبیعہ سے اپنا اپنا قرض لیا اور بیع پر کچھ اعتراض نہ کیا تو اب ورثہ زید کہ بغرض تقسیم وتصرف بے جابے قصد استخلاص ترکہ بادائے مہر و دیگر دیون دعوی کرتے ہیں یہ دعوی ان کا محض نام قبول اور شرعًا قابل سماعت سے معزول۔

فی فتاوی الفاضل العلامۃ خیرالدین الرملی رحمۃ اللہ علیہ سُئل فی رجل مات وعلیہ دین فباع بعض ورثتہ شیئا من عقارہ فی وفاء دینہ ھل لبقیۃ ورثتہ نقضہ	فاضل علامہ خیر الدین رملی علیہ الرحمہ کے فتاوٰی میں ہے کہ اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس پر قرض تھا اور وہ مرگیا تو اس کے بعض وارثوں نے اس کا قرض ادا کرنے کے لئے میت کی جائداد کا کچھ حصہ فروخت کردیا، کیا باقی وارثوں

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملك ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

ام لا اجاب ان لم تکن الترکۃ مستغرقۃ بالدین لا ینفذ بیعہ الا فی حصتہ فلبقیۃ الورثۃ نقضہ فی حصصھم و ان کانت مستغرقۃ بہ لاینفذ بیعہ فی حصتہ اذا کان بغیر اذن الغرماء اوبغیر اذن القاضی فللغرماء نقضہ والحال ھذہ واللہ اعلم [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔	کو یہ بیع توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟آپ نے جواب دیا اگرقرض نے ترکہ کا احاطہ نہیں کیاہوا تو بیع فقط فروخت کرنے والے کے حصہ میں نافذ ہوگی باقی وارثوں کو اپنے حصوں میں بیع کے توڑنے کا حق ہوگااور اگرقرض نے ترکہ کا احاطہ کیاہوا ہے توخود بائع کے حصہ میں بھی بیع نافذ نہ ہوگی جبکہ وہ بیع قرضخواہوں اور قاضی کی اجازت کے بغیر ہو اور قرضخواہوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بیع کو توڑدیں۔یہاں صورت حال ایسی ہی ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہےاھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۴:(مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے،کوئی شخص فوت ہوا جس کا قرض ترکہ کو محیط ہے۔ایک بیٹا زید اور دو بیٹیاں کبرٰی اور صغرٰی اس کی وارث ہیں،قرض کی ادائیگی کے لئے زید اور صغرٰی جائداد بیچنا چاہتے ہیں جبکہ کبرٰی اس سے منع کرتی ہے،کیا وہ قرض کی ادائیگی کے لئے ترکہ کی جائداد فروخت کرسکتے ہیں،اور کیا کبرٰی کو منع کا حق ہے؟)

الجواب:

زید وصغرٰی کو بے رضائے ارباب دیون بیع ترکہ کا اختیار نہیں اور اگر بیع کریں گے تو نافذ نہ ہوگی کہ دین ترکہ کو مستغرق ہے۔

فی الاشباہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین و انما یبیعہ القاضی [2] قال الحموی قولہ ولا ینفذ بیع الوارث الخ یعنی ان بیعہ موقوف	الاشباہ میں ہے:وارث کا ایسے ترکہ کی بیع کرنا نافذ نہ ہوگا جو قرض میں گھرا ہوا ہے،فقط قاضی اس کی بیع کرسکتا ہے۔حموی نے فرمایا کہ صاحب اشباہ کے قول"وارث کی بیع نافذ نہ ہوگی"سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیع

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب البیوع دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۳ و ۲۲۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

علٰی رضاء الغرماء قال فی البزازیۃ فی السابع من کتاب الوصایا لایملک الوارث بیع الترکۃ المستغرقۃ بالدین المحیط الا برضاء الغرماء[1] اھ۔	قرضخواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ بزازیہ کتاب الوصایا کی ساتویں فصل میں ہے وارث قرضخواہوں کی اجازت کے بغیر ایسے ترکہ کی بیع کا مالک نہیں جو قرض سے گھرا ہوا ہو اھ (ت)

اور کبرٰی اگر اپنے مال سے ادائے دین چاہے تو زید و صغرٰی کو اگرچہ غرماء بیع پر راضی ہوں بلکہ خود حاکم کو بیچنے سے روک سکتی ہے ورنہ مجرد منع اس کا کچھ بکار آمد نہ ہوگا کہ ورثہ کو بوجہ استغراق دین کوئی استحقاق ملکیت اس ترکہ میں نہیں۔

قال الحموی قولہ وانما یبیع القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا و قضاء الدین من مالھم[2] اھ ملخصا، و فی الاشباہ و الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	حموی نے کہا صاحب الاشباہ کا قول کہ "فقط قاضی اس کو بیچ سکتا ہے" میں کہتاہوں کہ بیع وارثوں کی موجودگی میں ہونی چاہئے کیونکہ انہیں حق حاصل ہے کہ وہ ترکہ کے مال کو روک لیں اور میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردیں اھ تلخیص اور الاشباہ میں ہے جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملک سے مانع ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چند اولاد اور متروکہ میں جائداد چھوڑ کر انتقال کیا اس کا کفن و دفن اس کے مال سے کیا گیا اور اس کی عورت نے اس کی فاتحہ و درود و سوم و چہلم وغیرہ میں بہت روپیہ اس کے مال سے اٹھایا اب وہ دعوی کرتی ہے کہ میں نے ان امور میں تین سو روپے اپنے مال سے اٹھائے میں ان کے پانے کی مستحق ہوں۔ اس صورت میں یہ دعوی اس کا مسموع ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

الجواب:

دعوی اس کا باطل ہے اور امور مذکورہ اگرچہ اس نے اپنے روپے سے کئے ہوں تبرع واحسان قرار پائیں گے اور ان کا صرف اس کے ترکہ سے واپس نہ ملے گا اور مال میت سے اٹھایا تو اسی قدر اس کے حصہ سے مجرا ہو جائے گا۔

فی الطحطاوی التجهیز لایدخل فیه السبح و الصمدیة والجمع والموائد لان ذٰلك لیس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان کان من الوارثة یحسب علیه من نصیبه ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[1] اھ۔	طحطاوی میں ہے فاتحہ ودرود، لوگوں کا اجتماع اور ان کے لئے کھانے کا اہتمام کرنا تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور میں سے نہیں، یہ کام کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصہ میں سے بے شمار ہوگا اور وہ تبرع و احسان کرنے والا قرار پائے گا، اور یونہی اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو اھ۔ (ت)

ہاں اگر کفن ودفن بطریق سنت اس نے اپنے مال خاص سے کیا ہو تو بیشک بقدر قیمت کفن وخرچ قبر ترکہ سے واپس لے سکتی ہے۔

فی الخانیة من باب الوصی بعض الورثة اذا قضی دین المیت اوکفن المیت من مال نفسه لایکون متطوعا وکان له الرجوع فی مال المیت والترکة[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	خانیہ کے باب الوصی میں ہے اگر کوئی وارث میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردے یا میت کو اپنے مال سے کفن پہنادے تو وہ اس میں تبرع واحسان کرنے والا قرار نہیں پائے گا بلکہ وہ مال میت اور ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور اس نے زوجہ ہندہ کو بالعوض دین مہر کے اپنی جائداد پر قابض کرادیا بعدہ، منجملہ وارثان ایک وارث عمرو نے کل دین مہر زوجہ اپنے پاس سے ادا کرکے جائداد کو اس کے قبضہ سے مستخلص کرایا۔ اب سب وارثان اور زوجہ اپنے اپنے حصہ شرعی کے خواستگار ہیں اس صورت میں زوجہ اور جملہ وارثان کو

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۳۵۴

بقدر حصہ رسدی دین مہر کے عمرو کو دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب:

سائل مظہر کہ یہ قبضہ زوجہ کا بذریعہ ہبہ بالعوض نہ تھا بلکہ جائداد دین مہر میں صرف مکفول تھی، پس صورت مستفسرہ میں اگر عمرو نے دین مہر زوجہ اس شرط پر ادا کیا تھا کہ یہ اپنے پاس سے بطریق تبرع دیتا ہوں اور ترکہ میت سے واپس نہ لوں گا تو ذمہ میت دین سے بری ہوا اور عمرو اس کا مطالبہ ترکہ میت خواہ ورثہ باقین سے نہیں کرسکتا اور جو یہ شرط نہ لگائی تھی تو اس قدر دین عمرو کا ذمہ میت عائد رہا تاوقتیکہ اس ترکہ مشترکہ سے ادا نہ کردیا جائے تقسیم نہ ہونے پائیگی مگر یہ باقی ورثہ دین عمرو کو حصہ رسد اپنے پاس سے اپنے مال خاص سے ادا کردیں اگرچہ یہ امر ان پر لازم نہیں کہ مدیون عمرو میت ہے "نہ ورثہ" یا دین مذکور ترکہ سے کم ہے اور اس جائداد کے سوا جس کی تقسیم مطلوب ہے اور مال بھی متوفی نے چھوڑا ہو جو ادائے دین مسطور کے لئے کفایت کرے تو اس صورت میں بھی اس قدر جائداد کی تقسیم جائز ہوگی اور دین عمرو مال باقی غیر مقسوم سے ادا کیا جائے گا۔

فی الاشباہ عن جامع الفصولین من الفصل الثامن والعشرین لواستغرقها دین لایملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه اواداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء امالواداه من مال نفسه مطلقا بشرط التبرع او الرجوع یجب له دین علی المیت فتصیر مشغولة بدین[1] الخ وفیه بعد سطور للوارث استخلاص الترکة بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] اھ وفی العقود الدریة عن الفصول العمادیة عن قسمة	اشباہ میں جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل سے منقول ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا جبکہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری کردے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس قرض کو ادا کردے۔ لیکن جب وارث نے تبرع اور رجوع کی شرط کئے بغیر مطلقاً اپنے مال سے قرض ادا کیا تو میت پر اس وارث کا قرض واجب ہوجائے گا۔ اسی طرح وہ ترکہ وارث کے قرض میں مشغول ہوجائے گا الخ اور اسی میں چند سطروں کے بعد ہے وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض ادا کرکے ترکہ کو واگزار کرالے اگرچہ وہ قرض ترکہ کو محیط ہو الخ۔ عقود الدریۃ میں فصول العمادیہ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵۔ ۲۰۴

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

الهدایة ان القسمة مؤخرة قضاء الدین لحق المیت الا اذا بقی من الترکة مایفی بالدین فاذا قسمت جاز[1] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم	سے بحوالہ قسمۃ الہدایۃ (ہدایۃ کی کتاب القسمۃ) منقول ہے کہ حق میت کی وجہ سے میراث کی تقسیم قرض کی ادائیگی سے موخر ہوگی مگر جبکہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے اتنامال باقی بچتاہے جو قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے تو ایسی صورت میں اگر ترکہ تقسیم کردیاگیاتو جائز ہے اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوااور ترکہ اس کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ مکفول تھا، عمرو وارث نے نالش انفکاک رہن کرکے بادائے ایک سوتریسٹھ ۱۶۳ روپیہ دین مہر کے دائر کرکے ڈگری حاصل کی اور کل دین مہر زوجہ ہندہ کو بلاتبرع اداکردیا، بعدہ، ہندہ نے اپناحصہ بدست مسماۃ حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا، اب حسینی بلاادائے دین کے ترکہ مورث تقسیم کردیناچاہتی ہے، اس صورت میں بلاادائے دین مہر رسدی کے حسینی حصہ اپنی ماں کا تقسیم کراسکتی ہے یانہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

جبکہ عمرو نے اپنے زرخاص سے دین مہر ہندہ بلاتبرع اداکیاتو وہ ترکہ جس طرح پہلے دین ہندہ کے لئے محبوس تھا اب دین عمرو کے لئے محبوس ہوگیا،

ذکر ذٰلك فی الحموی ان الوارث لولم یشترط التبرع لم تخلص الترکة من الدین لانه صار محبوسا من حق الوارث[2]۔	اس کو حموی میں ذکر کیاہے کہ اگروارث تبرع کی شرط نہ کرے توترکہ قرض سے واگزار نہیں ہوگا کیونکہ وہ وارث کے حق میں محبوس ہوجائے گا (ت)

حتی کہ جب تک دین عمرو متروکہ زید سے ادانہ کیاجائے یاورثہ اپنے مال خاص سے بطریق تبرع قضانہ کردیں اس ترکہ میں کوئی تصرف ورثہ کا مثل بیع وہبہ وغیرہما کے بلااجازت عمرو مذہب راجح پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب القسمۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۹۶۔۱۹۵

[2] غمز العیون البصائر

فی الطحطاویۃ حکم الترکۃ قبل قضاء الدین کحکم المرھون بدین علی المیت فلاتنفذ تصرفات الورثۃ فیھا ھذا اذاکانت الترکۃ اقل من الدین اومساویۃ لہ واما اذاکان فیھا زیادۃ علیہ ففی نفوذ تصرفات الورثۃ وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدرالدین واظھر ھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون [1] اھ	طحطاویہ میں ہے قرض کی ادائیگی سے پہلے ترکہ کا حکم میت پر قرض کے بدلے رہن رکھی ہوئی شے کے حکم کی مثل ہے۔ چنانچہ اگر ترکہ قرض سے کم ہو یا اس کے برابر ہو تو ترکہ میں وارثوں کے تصرفات نافذ نہیں ہوں گے۔ لیکن اگر ترکہ میں قرض سے زیادتی موجود ہو تو وارثوں کے تصرفات نافذ ہونے میں دو ۲ وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ تصرفات نافذ ہوں گے جب تک ترکہ بقدر قرض باقی رہے اور ان میں سے زیادہ ظاہر وجہ مرہون پر قیاس کرتے ہوئے تصرفات کا عدم نفاذ ہے اھ (ت)

پس اگر عمرو نے بیع ہندہ کو اجازت نہ دی تو حسینی کو اختیار ہے چاہے اس وقت صبر کرے کہ ترکہ دین سے فارغ ہوجائے یا حکم شرع کی طرف رجوع کرکے بیع فسخ کرالے کما ھو حکم المرھون المصرح بہ فی المتون (جیسا کہ مرہون کا حکم ہے جس کی تصریح متون میں کردی گئی ہے۔ت) رہی تقسیم ترکہ پس اگر اس ترکہ کے سوا زید متوفی کا اور کوئی مال ایسا ہے جو ادائے دین کے لئے وفا کرے یا ورثہ اس جائداد سے بقدر کفایت دین جدا کردیں تو باقی ماندہ کو باہم حسب فرائض تقسیم کرسکتے ہیں ورنہ جب تک ترکہ دین سے فارغ نہ ہوجائے خواہ بایں طور کہ اسی جائداد سے دیا جائے یا ورثہ اپنے پاس سے تبرعًا دیں یا عمرو دین معاف کردے، بے اس کے تقسیم ترکہ سے ممنوع رہیں گے کما فی القسمۃ الھندیۃ وغیرھا من کتب الفقہ (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ کتب فقہ کی کتاب القسمۃ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں مادر زید زمین داری تھا وہ ایک پسر تین دختر چھوڑ کر فوت ہوئی، ایک دختر نے اپنا حصہ زید کو دے دیا باقی دختران کو زید نے دو حصہ بموجب شرع شریف گاؤں یں دے دیئے، اس گاؤں میں چار قطعہ باغ زید نے اپنی ماں کی حیات میں اس کے رضامندی سے غرس کئے تھے۔ اب بعد فوت مادران باغوں میں بہنوں کا بھی کچھ حق

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

ہے یا وہ فقط غارس کے لئے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

اگر زید نے تعین کی تھی کہ یہ باغ میں اپنے واسطے لگاتا ہوں یا اس کی والدہ نے اس سے کہا تھا کہ تو اپنے لئے باغ لگالے تو درختوں کا مالک زید ہی ہے نہ دیگر ورثہ۔ اور اگر نہ اس نے اپنے لئے تعین کی نہ مورثہ کے کلام میں خاص اس کے لئے اجازت تھی بلکہ صرف باغ لگانے کی رضامندی ظاہر کی تو وہ باغ بی مادر زید کی ملک ٹھہر کر اس کے سب وارثوں پر حسب فرائض منقسم ہو جائیں گے۔

فی شتی الدرالمختار عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دین علیها الصحه امرها ولو عمر لنفسه فالعمارة له [1] اھ ملتقطا۔ قال الشامی فلو باذنها تکون عاریة [2] اھ وفی وقف الاشباہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہ فالبناء لمالکها [3] قال الحموی قیل ھذا اذا طلق او عینه للمالك فلو عینه لنفسه فھو له ویکون مستعیر الارض الخ، وذیله بقوله	در مختار کے مسائل شتّٰی میں ہے مرد نے بیوی کی اجازت سے اس کا مکان اپنے مال سے تعمیر کیا تو وہ عمارت بیوی کی ہوگی اور خرچہ اس بیوی پر قرض ہوگا کیونکہ بیوی کا امر صحیح ہے، اور اگر مرد نے اپنے لئے تعمیر کرائی تو وہ عمارت مرد کی ہوگی اھ التقاط۔ شامی نے کہا اگر عورت کی اجازت سے تعمیر کرائی تو وہ عاریت ہوگی اھ الاشباہ کی کتاب الوقف میں ہے جس شخص نے غیر کی زمین میں اس کے حکم کے ساتھ عمارت بنائی تو وہ عمارت زمین کے مالک کی ہوگی۔ حموی نے کہا: کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عمارت بنانے والا تعیین نہ کرے یا مالک کے لئے تعیین کرے۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی ذات کے لئے تعیین کی تو عمارت اس کی ہوگی اور وہ

[1] الدرالمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۴۸

[2] ردالمحتار مسائل شتّٰی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۷۶

[3] الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

فاغتنمه[1] اھ،وفی متفرقات غصب الندیة اذا غزلت المرأة قطن زوجها فان اذن لها بالغزل وقال اغزلیه لنفسك کان الغزل لها ولو قال اغزلیه ولم یذکر شیأ کان الغزل للزوج[2] اھ بالالتقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	زمین کو عاریت پر لینے والا قرار پائے گا الخ اور اس کے آخر میں یہ قول لکھا کہ تو اس کو غنیمت جان اھ۔ ہندیہ میں کتاب الغصب کے متفرقات میں ہے ایک عورت نے اپنے شوہر کی روئی سے سوت کاتا، اگر شوہر نے اس کو کاتنے کی اجازت دی اور کہا کہ تو اس کو اپنے لئے کات لے (صاحب ہندیہ نے کہا) تو وہ سوت عورت کا ہوگا، اور اگر کہا کہ تو اس کو کات لے، اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا تو سوت شوہر کا ہوگا اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چار پسر دو نابالغ اور ایک دختر بالغہ چھوڑ کر انتقال کیا اور کچھ روپیہ زید کا لوگوں پر قرض اور کچھ نقد تھا اس میں نقد سے تین سو روپے والدہ و دو برادران بالغ کی رضامندی سے دختر کی شادی اور کچھ روپے زید کی فاتحہ و درود میں صرف ہوئے اور دوسرے برادران بالغ نے بطور خود تجارت کی اور اس کے نفع کا قدرے روپیہ بھی فاتحہ زید میں اٹھایا۔ اس صورت میں ترکہ زید مکان وقرض ونقد کیونکر تقسیم ہوگا اور صرف شادی وفاتحہ کس کس پر پڑے گا اور کل مصارف شادی یہ ورثہ اس دختر سے مجرا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نفع تجارت کا صرف انہیں دو برادران کو استحقاق ہے یا کل وارث اس میں بھی شریک ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی قعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ، کل متروکہ زید مکان وقرض ونقد بہتر سہام پر منقسم ہو کر نو سہام اس کی زوجہ اور چودہ ہر پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور صرف فاتحہ کا خواہ ترکہ میں سے ہوا ہو یا جدا مال سے جس جس نے کیا انہیں کے ذمہ پڑے گا اور جس کی اجازت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۵۳۔۱۵۲

نہ تھی وہ اس سے بری رہے گا والمسئلة فی الفرائض من الحاشیة الطحطاویة علی الدر المختار (یہ مسئلہ در مختار پر حاشیہ طحطاویہ کے فرائض میں سے ہے۔ت) علی الخصوص دونوں نابالغ کہ ان کے ذمہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا اگرچہ انہوں نے اجازت بھی دے دی ہو وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت) اور بعینہٖ یہی حال صرف شادی کا ہے جس نے صرف کیا فقط وہی اس کا متحمل ہوگا اجازت نہ دینے والوں یا نابالغوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں وہ اپنا حصہ متروکہ پدری سے پورا پورا پائیں گے اور صَرف شادی کا مطالبہ صرف دختر سے نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اس سے ٹھہرالیا ہو کہ ہم یہ سارا صَرف تیرے حساب میں مجرا لیں گے،

وذلك لان ماکانوا مضطرین فی ذلك وماسبیله هذا ففاعله متبرع الا ان یشرط الرجوع کما اذا کفن الاجنبی المیت اوقضی دین غیره بلا اذنه والمسئلتان فی الدر المختار[1] والعقود الدریة۔	یہ اس لئے ہے کہ وہ اس میں مجبور نہیں تھے نہ اس کی یہ سبیل ہے لہٰذا ایسا کرنے والا متبرع قرار پائے گا سوائے اس کے کہ اس نے رجوع کی شرط کی ہو جیسا کہ کوئی اجنبی میت کو کفن پہنائے یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردے۔یہ دونوں مسئلے در مختار اور عقود الدریہ میں مذکور ہیں (ت)

اور مال ترکہ سے تجارت کہ دو[۲] بالغین برادروں نے بطور خود کی اس کے نفع کا صرف انہیں دونوں کو استحقاق ہے اور کوئی وارث اس میں شریک نہیں، مگرہاں اس قدر ضرور ہے کہ جو نفع حاصل ہوا وہ بقدر ان کے حصوں کے ان کے لئے طیب ہے باقی خبیث۔انہیں چاہئے کہ اس قدر باقی ورثہ کو بحساب ان کے حصوں کو دے دیں یا خیرات کردیں اپنے صرف میں نہ لائیں۔مثلاً فرض کیجئے کہ ہ روپیہ نفع میں حاصل ہوئے واس میں للعہ عہ توان کے لئے پاک ہیں کہ بھائی کو معہ اور عہ ناپاک ان عہ عہ کو یا تصدق کردیں یا ان میں سے للعہ عہ دونوں برادران نابالغ کو دے دیں اور عہ ۸/ ہمشیرہ کو اور للعہ والدہ کو، اور یہی صورت بہتر ہے۔

فی العقود الدریة نقل المؤلف عن الفتاوی الرحیمیة سئل عن مال	العقود الدریہ میں ہے مؤلف نے فتاوٰی الرحیمیہ سے نقل کیا ہے ایسے مال کے بارے میں سوال

[1] الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شهادة الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۹، العقود الدریة کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۶

مشترك بین ایتام وامهم استربحه الوصی للایتام هل تستحق الام ربح نصیبها اولاجاب لاتستحق الام شیأا مما استربحه الوصی بوجه شرعی لغیرها کاحد الشریکین اذا استربح من مال مشترك لنفسه فقط ویکون ربح نصیبها کسبا خبیثا ومثله سبیله التصدق علی الفقراء اھ اقول ایضا ویظهر من هذا ومماقبله حکم مالوکان المباشر للعمل والسعی بعض الورثة بلاوصایة اووکالة من الباقین [1] انتهی مافی العقود **قلت** واما ماذکرنا من ان الاولی الدفع لاصحاب الحصص فلما تقرر فی کلمات العلماء ان کان خبیثا مثل هذا فسبیله التصدق وان رد علی المالك فهذا اولی والطیب له لکونه ربح مبلکه والله تعالٰی اعلم وعلمه اتم وحکمه احکم۔	کیاگیاجوکچھ یتیموں اور ان کی ماں کے درمیان مشترک ہے۔ وصی نے یتیموں کے لئے اس پر کچھ نفع حاصل کیا توکیاماں اپنے حصہ کے نفع کی مستحق ہوگی یانہیں؟ امام نے جواب دیا جو نفع وصی نے اس طور پر حاصل کیاکہ خریداری ماں کے غیر کے لئے کی اس میں سے ماں کسی شیئ کی مستحق نہیں ہوگی، جیسے دوشریکوں میں سے کوئی ایک اگرمال مشترک میں سے فقط اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کرے۔البتہ ماں کے حصہ کا نفع ان کے لئے خبیث ہوگا جس کاشرعی راستہ یہ ہے کہ فقراء پر صدقہ کردیاجائے اھ میں کہتاہوں اس سے اور اس کے ماقبل سے اس صورت کاحکم بھی ظاہر ہوگیاکہ اگرمشترکہ مال میں کام اور محنت کرنے والے بعض وارث ہوں بغیر باقی وارثوں کی وصایت ووکالت کے، العقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی۔ **میں کہتاہوں** یہ جو ہم نے ذکر کیاہے کہ حصوں کے مالکوں کو نفع دے دینااولٰی ہے اس کی دلیل وہ ہے جو علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ اس جیسا مال خبیث ہے چنانچہ اس کا شرعی راستہ فقراء پر صدقہ کرنا ہے اور اگرمالک کولوٹادے تو یہ اس کے لئے اولٰی اور طیب ہے کیونکہ یہ اس کی ملک کا نفع ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔(ت)

[1] العقود الدریة کتاب الشرکة لاتستحق الام مما استربحه الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۹۴

مسئلہ ۵۰: (مسئلہ مذکور نہیں غالبًا یوں ہونا چاہئے خورشید حسن خاں ایک بیٹا امداد حسن خاں اور دو بیٹیاں وجیہ النساء اور تربیگم چھوڑ کر انتقال کرگیا امداد حسن خاں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا اب تقسیم ترکہ کیسے ہوگا؟)

الجواب:

حق میراث حکم شرع ہے کہ رب العالمین تبارک وتعالٰی نے مقرر فرمایا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

قال علماؤنا کما فی الاشباہ وغیرہ الارث جبری لایسقط بالاسقاط۔	ہمارے علماء نے فرمایا جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے کہ حق میراث جبری ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیٹا مثلًا اپنے باپ کا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے تو جس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹا سکتا یونہی اپنے حق میراث کو نہیں ساقط کرسکتا، پس امداد حسن خاں کا ترکہ متوفی سے دستبردار ہونا ہرگز معتبر نہیں، اور وہ اس وجہ سے زنہار کالعدم نہیں ہوسکتا اگر لاکھ بار دست برداری کرلے شرع تسلیم نہ فرمائے گی اور اسے اس کے حصہ کا مالک ٹھہرائے گی ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں تو یوں کرے کہ لے کر اپنی بہن خواہ بھاوج خواہ جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابل تقسیم ہو اسے منقسم کرکے قبضہ دلادے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہوجائے گا ورنہ مجرد دست برداری کچھ بکار آمد نہیں پس کل ترکہ خورشید حسن خاں منقولہ وغیر منقولہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ چار سہام پر منقسم ہوکر ایک وجیہ انساء اور دو امداد حسن خاں اور ایک تربیگم کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کا کچھ زیور کہ وہ اپنے جہیز میں لائی تھی باجازت اس کے خاص اپنے قرض کے عوض دائن کے پاس رہن رکھا اور اس کے سوا اور قرضہ بھی زید پر تھا اور ایکزوجہ زید کی اس کے سامنے مر گئی بعدہ، زید نے زوجہ ثانیہ اور ماں اور تین بیٹیاں ایک بطن زوجہ اولٰی اور دو بطن ثانیہ سے اور ایک بھائی اور دو بہنیں وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ ثانیہ نے بعد وفات زید زیور مرہون بالعوض اس قرضہ کے جس میں زیور رہین تھا مرتہن ک ودے دیا اور اس قدر روپیہ ترکہ شوہر سے لینا چاہتی ہے۔ اس صورت

میں وہ روپیہ زوجہ ثانیہ کو دلایا جائے گا یا نہیں؟ اور تقسیم ترکہ کس حساب سے ہوگی اور زوجہ اولیٰ کہ زید سے پہلے مرگئی مستحق حصہ پانے کی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں اگر ورثہ میت نابالغین ہوں تو اس کا وصی اور وصی نہ ہو تو حاکم کوئی وصی نصب کرے کہ وہ شیئ مرہون کو بیع کرکے دین مرتہن ادا کرے درمختار ص ۶۲۳، اور جو کبار ہوں تو وہ خود چھٹالیں سہ ً، اگر ترکہ دین مرتہن ومہر زوجیت ودیگر دیون کو وفانہ کرے تو پہلے دین مرتہن ادا کیا جائے بعدہ، اگر باقی بچے تو دیگر دیون حصہ رسد اگر سب دین صحت یادین مرض ہوں ورنہ دین صحت مقدم ہوگا فرائض۔ بعدہ، اگر کچھ باقی ہے تو اس کے ثلث سے اور ورثہ زیادہ کی اجازت دیں تو زیادہ سے وصایا اس کے اگر ہوں تو نافذ کی جائیں پھر ما بقے بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین ترکہ زید متوفی کا دو سو اٹھاسی سہام پر منقسم ہو کر ۳۶ سہام زوجہ اور ۴۸ ماں پائیں گی اور ۶۴/۶۴ ہر سہ دختران کو ملیں گے اور ۶ بھائی اور ۳/۳ دونوں بہنیں پائیں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

صورت مستفسرہ میں جب وہ زیور خاص ملک زوجہ ثانیہ تھا اور زید نے اس کی اجازت سے پہلے قرض کے عوض رہن رکھا اور اس کے بعد وفات زوجہ نے وہ قرضہ ادا کردیا تو وہ بلاشبہہ اس قدر روپیہ ترکہ زید سے واپس پائے گی،

فی تنویر الابصار ولوافتکہ المعیر اجبر المرتھن علی القبول ثم یرجع المعیر علی الراھن بماادی[1] اھ	تنویر الابصار میں ہے اگر عاریت پر دینے والا رہن کو چھڑائے تو مرتہن کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر عاریت پر دینے والے نے جو کچھ ادا کیا ہے، وہ راہن سے اس کا رجوع کرسکتا ہے اھ (ت)

اسی طرح وہ قرضہ دوسروں کا جو ذمہ زید ہے اور دونوں زوجہ کا مہر اگر باقی ہو الخ۔

مسئلہ ۵۲: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت کے بلانکاح ایک لڑکا زید اور تین لڑکیاں لیلٰی، سلمٰی، عذرا پیدا ہوئیں وہ عورت مرگئی اور اس کا بیٹا زید ایک بیٹا عمرو چھوڑ مرا اور لیلٰی سلمٰی نے نکاح کرلئے اب لیلٰی نے بھی سلمٰی، عذرا دو بہنیں اور عمرو بھتیجا اور ایک شوہر چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس صورت میں ترکہ لیلٰی کا کیونکر منقسم ہوگا اور عذرا کہ

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرھن باب التصرف فی الرھن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۲۷۵

ہنوز اسی پیشہ پر ہے مستحق ارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب:

بازاری عورت جو اپنے پیشہ پر رہے اور ایک شخص کے ساتھ بطور زنان منکوحہ پابند ہو کر خانہ نشینی اختیار نہ کرے اسے صرف تعلق فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے تاوقتیکہ حجت شرعیہ سے ثبوت نکاح نہ ہو اور جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوتا ہے نہ باپ سے، اگرچہ اس کے نطفے سے ہونا متعین ہو اور وہ اس خیال سے اس کی طرف نسبت بھی کئے جائیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔(ت)

تو وہ چاروں صرف ماں کے جانب سے بہن بھائی ہوئے اور اسی جہت سے وراثت پا سکتے ہیں۔

فی الدرالمختار یرث ولد الزنی واللعان بجھۃ الام حدہ لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما [2]۔	درمختار میں ہے زنا اور لعان کا بچہ فقط ماں کی جہت سے وارث بنتا ہے، جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔(ت)

اور عذرا کا پیشہ فسق وفجور میں ہونا مانع ارث نہیں کہ وہ گناہ ہے نہ کفر۔ پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم ماتقدم کالدین والوصیۃ ترکہ لیلٰی کا چار سہام پر منقسم ہو کر دو سہام بکر اور ایک ایک سلمٰی وعذرا کو ملے گا،

وذٰلك لانھما شریکتا ثلث وللزوج النصف بقی السدس یرد علیھما فتعود مستۃ الی اربعۃ۔	اور یہ اس لئے ہے کہ وہ دونوں ایک تہائی میں شریک ہیں اور خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوگا باقی چھٹا حصہ بچا جسے ان دونوں (سلمٰی وعذرا) پر رد کیا جائے گا تو مسئلہ چھ سے چار کی طرف عود کرے گا۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/۲۷۶ وکتاب الفرائض ۲/۱۰۰۱ وباب للعاھر الحجر ۲/۱۰۰۷ وکتاب الاحکام ۲/۱۰۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۵

اور عمرو کہ لیلٰی کا بھتیجا ہے بہنوں کے ہوتے کچھ نہ پائے گا فانہ ابن اخ لام فکان من ذوی الارحام کما فی تنویر الابصار وغیرھا (کیونکہ وہ اخیافی بھائی کا بیٹا ہے لہٰذا ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میر محسن نے ایک مکان زنانہ اور ایک نشستگاہ مردانی اور اس کے متصل ایک قطعہ زمین افتادہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد ان کے سوا میر انفع علی پسر اور میر جمال علی و حسن شاہ پسران میر اقنع علی برادر حقیقی میر انفع علی جو اپنے والد میر حسن کے سامنے قضا کر چکے تھے اور کوئی باقی نہ رہا جبکہ دونوں نبیرے اپنے چچا کے سامنے محروم تھے مگر میر انفع علی نے براہ محبت ان کا محروم نہ کرنا چاہا اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کرنا چاہتا ہوں، یہ کل جائداد ان دونوں اور میرے پسر میر عون علی کی ہے۔ مکان زنانہ اپنے سامنے تین حصہ پر جدا جدا تقسیم کرکے ایک مکان پر میر جمال علی اور ایک پر میر حسن شاہ اور ایک پر اپنے پسر میر عون علی کو قابض کر دیا مگر مکان نشست منقسم نہ ہوا اور اس میں میر انفع علی وغیرہ یہ چاروں بیٹھا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ زمین افتادہ بھی منقسم نہ ہوئی مگر میر انفع علی نے تحریر کل جائداد کے نسبت کی تھی جس میں وہ زمین و نشستگاہ بھی داخل تھی۔ اب بعد انتقال میر جمال علی، میر حسن رضا و میر ملائی دو پسر اور بعد انتقال میر حسن شاہ، میر عابد علی و میر باقر علی دو پسر اور زبیدۃ النساء دختر وارث ہوئے، اور میر انفع علی کا سوا میر عون علی کے کوئی وارث نہ تھا جس کے انتقال کے بعد صرف میر فیض علی پسر اس کے وارث ہوئے، میر فیض علی نے اپنا کل حق حقوق میر حسن رضا و میر مولائی کے ہاتھ بیع کر دیا۔ اب ان بائع و مشتریان نے بھی وفات پائی۔ میر عابد علی و میر باقر علی پسران میر جمال علی دعوی کرتے ہیں کہ میر فیض علی سوا مکان اندرونی موسوم بنام میر عون علی کے مکان نشستگاہ و زمین افتادہ میں کچھ حق نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس بیع میں داخل نہیں ہو سکتا۔ آیا یہ دعوی ان کا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور زبیدۃ النساء کو متروکہ میر جمال علی سے کچھ پہنچتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جب کہ بعد انتقال میر محسن کے شرعاً میر انفع علی کے سوا ان کا کوئی وارث نہ تھا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ ان کے سامنے محجوب الارث تھے تو غیر وارث کو وارث کرنا کسی کے اختیار میں نہیں تنہا میر انفع علی اس کل جائداد کے مالک ہوئے اور ان کی یہ خواہش کہ میں اپنے ان

دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کیا چاہتا ہوں زبانی ہو خواہ تحریری ہر گز شرعًا قابل قبول نہیں ہوسکتی کہ توریث رب العالمین جل جلالہ، کے حکم سے ہے نہ زید وعمرو کے زبان میں۔ غایت یہ کہ اگر الفاظ اس اقرار نامہ کے صالح ہبہ ہوں یا زبانی میر انفع علی سے الفاظ ہبہ صادر ہوئے ہوں تو یہ تینوں بھائی یعنی میر عون علی و میر جمال و میر حسن شاہ اس کل جائداد ے موہوب لہ، قرار پائیں گے مگر مکان اندرونی جسے میر انفع علی نے اپنی زندگی میں جدا جدا تین حصہ پر تقسیم کرکے ہر شخص کو ایک مکان علیحدہ پر قابض کرایا تو وہاں تو ہبہ واقعی صحیح و نافذ وتام ہے اور وہ تینوں حصے ان تینوں کا شرعًا مملوک ہوگئے لیکن مکان بیرونی وزمین افتادہ میں کہ اگرچہ ہزار بار ہبہ زبانی خواہ تحریری مانا جائے، شرعًا مورث ملک نہیں ہوسکتا کہ تاوقت انتقال میر انفع علی کے وہ دونوں غیر منقسم تھے اور میر انفع علی نے اپنا تعلق وتصرف ونشست وبرخاست حسب دستور قدیم بھی نہ اٹھادیا تھا پس تادم انتقال میر انفع علی کے موہوب لہم کا قبضہ نہ پایا گیا اور ایسا ہبہ بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے کمافی الدر المختار (جیساکہ درمختار میں ہے۔ت) اب کہ ہبہ باطل قرار پایا تو اس مکان بیرونی وزمین افتادہ کا شرعًا کوئی مالک سوا میر عون علی کے نہ ہوا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ کا ہر گز ان میں کچھ حق نہ تھا بعد انتقال میر عون علی کے میر فیض علی ان دونوں قطعوں اور ایک مکان اندرونی کے بلاشرکت غیرے مالک ہوئے اور یہ سب مکانات بذریعہ بیع میر حسن رضا اور میر مولائی کی طرف بالمناصب منتقل کئے گئے میر عابد علی و میر باقی علی کا حق شرعی سوا اس دو ثلث مکان اندرونی کے جو میر انفع علی اپنی حیات میں ان کے مورث میر جمال علی کو دے کر قابض کرادیا تھا ہر گز نہیں، اور اس میں بھی بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ کالدین والوصیۃ پانچواں حصہ ان کی بہن زبیدۃ النساء کا ہے، یہ ہے حکم شرعی، اور اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل محض۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴: یافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ رحم علی و شیخ سعادت و شیخ احمد تین بھائی تھے، انہوں نے اپنے روپے سے ایک جائداد پیدا کی، ان تینوں کی زندگی تک مشترک رہے اور خورد ونوش سب کا یکجا تھا، پس از اں شیخ رحم علی کا انتقال ہوا اور ان کے اولیاء زوجہ اور بچن پسر اور بجو، بجو، بلاقن تین دختر وارث چھوڑے ان میں سے بجو نے ماں اولیاء اور شوہر محب اللہ اور ابن سعد اللہ اور بنت عمدہ پھر نجو نے ماں اولیاء اور دو پسر وزیر، مسیت اور دو دختر امیرن، فقیرن پھر اولیاء نے بچن و بلاقن پسر و دختر چھوڑ کر انتقال کیا۔ بعد وفات

شیخ رحم علی کے وہ جائداد مشترکہ وغیر منقسمہ سعادت احمد کے پاس رہی اور سعادت نے زوجہ عظیمہ اور چار ابن عبداللہ جمن، ننھے، مہدی حسین، چاربنت ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور جائداد سب شیخ احمد کے ہاتھ میں رہی کہ قادر بخش وممن دو پسران کے وارث رہے ان میں پہلے ممن دو بیبیاں بلاقن وبندہ جو قادر بخش سے کچھ روپیہ لے کر ترکہ سے برضائے خود علیحدہ ہو گئیں چھوڑ کر انتقال کیا پھر قادر بخش نے کہ بعد مرنے اپنے باپ اور بھائی کے تمام جائداد پر قابض تھا دو زوجہ مجو، بنی، ک اور ایک دختر نیازن اور پانچ بھائی چچازاد بچن، عباداللہ، جمن، ننھے، مہدی حسین ورثہ چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے مرض موت میں کل مال کے نسبت اپنی دختر وزوجین کے لئے وصیت کرگیا کہ مالک اس جائداد کے بعد میرے وہ ہیں اور پانچوں بھائی اس کے یہ وصیت گوارہ نہیں کرتے، اس صورت میں وہ متروکہ کس حساب سے منقسم ہوگا؟ اور یہ وصیت قادر بخش کی صحیح ونافذ رہے گی یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مسئولہ میں مالک اس جائداد کے رحم علی وسعادت واحمد تینوں کے ورثہ ہیں صرف قادر بخش مالک نہ تھا کہ سے اکل جائداد کے وصیت کرنے کا اختیار ہوتا اور ایک حصہ ایک جائداد کا اس کے پاس رہنے سے حق دیگر ورثا کا باطل نہیں ہوتا رہا، حصہ اس کا اس میں وصیت نافذ ہو جاتی اگر پانچوں چچازاد بھائی اس کی اجازت دیےت اب کہ وہ اسے گوارہ نہیں کرتے تو وہ بھی غیر نافذ ہوئی، پس کل جائداد کے بوجہ اس کے کہ اصل مورثان اعلیٰ تاحیات خود اس میں شریک رہے اور ایک دوسرے کے مال میں باہم تمیز نہ تھی اور خورد ونوش سب کا یکجا تھا برابر تین حصے کئے جائیں گے اور ہر مورث کا حصہ اس کے وارث پر برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت تنیب اموات وتقدیم امور مقدمہ چوں ادائے مہور زوجات و قضائے دیون اس طریق سے منقسم ہو جائے گا:

تقسیم ترکہ رحم علی

مسئلہ ۴۰ مضروبہ ۳۶ (۱۴۴۰) رحم علی

زوجہ اولیاء	ابن بچن	بنت بلاقن	بنت بجو	بنت نجو
۵/۱۸۰	۱۴/۵۰۴	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲

مسئلہ ۳۶ بجو بینہما تباین مف ۷/۱

ام اولیا	زوجہ محب اللہ	ابن سعد اللہ	بنت عمدہ
۶/۴۲	۶/۶۳	۱۴/۹۸	۷/۴۹

مسئلہ ۳۶ نجو فاستقامت مف ۲۵۲

ام اولیا	ابن مسیت	ابن وزیر	بنت امیرن	بنت فقیرن
۶/۴۲	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۵/۳۵	۵/۳۵

مسئلہ ۳ اولیا فاستقامت مف ۲۶۴

ابن بچن	بنت بلاقن
۲/۱۷۶	۱/۸۸

المبلغ ۱۴۴۰

الاحیاء

بچن	بلاقن	محب اللہ	سعد اللہ	عمدہ	مسیت	وزیر	امیرن	فقیرن
۶۸۰	۳۴۰	۶۳	۹۸	۴۹	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵

تقسیم ترکۂ سعادت

مسئلہ ۹۶ سعادت

زوجہ عظیمن	ابن عبادالله	ابن جمن	ابن ننھے	ابن مہدی حسین	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

تقسیم ترکہ شیخ احمد

سوا اس مال کے جو اس کے پسر قادر بخش نے بلاقن وبندہ ہر دوزوجہ ممن کو دے کر بتراضی اس کو ترکہ سے خارج کردیا اس طور پر:

مسئلہ مضروبہ ۸۰ ۸۰

شیخ احمد

ابن قادر بخش	ابن ممن
۱	

کان لم یکن لانہ لم یرثہ الا الاخ والزوجان ثم ان الزوجین قد تصالحتا علٰی شیئ معلوم وتخارجتا من الترکۃ فلم یکن الباقی الا اخاہ قادر بخش۔	گویا کہ وہ تھا ہی نہیں چنانچہ سوائے بھائی اور دوبیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویاں بھی کسی معین شیئ پر مصالحت کرکے ترکہ سے دست بردار ہوگئیں اور سوائے اس کے بھائی قادر بخش کے کوئی باقی نہ رہا۔ (ت)

مسئلہ ۸۰ قادر بخش مف ۱

زوجہ بجو	زوجہ بنی	بنت نیازن	ابن العم بچن	ابن العم عباداللہ	ابن العم جمن
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶

ابن العم ننھے	ابن العم مہدی حسین
۶	۶

المبلغ ۸۰

الاحیاء

بجو	بنی	نیازن	بچن	عباداللہ	جمن	ننھے	مہدی حسین
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶	۶	۶

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم

اتم وحکمہ احکم۔	کامل اور اس کا حکم مضبوط ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۵: از ڈونگر گڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پرونس مسئولہ شیخ حسن الدین احمد خاں صاحب ۱۱شعبان ۱۳۱۳ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک صاحب محمد عبدالکریم خاں ڈاکٹر نہایت عابد متقی لاولد ہیں جائداد بہت ہے، خاص ان کی ذاتی پیدا کی ہوئی ہے موروثی نہیں اپنے والد کی جائداد مین سے ایک حبّہ نہ لیا کل جائداد پر ان کے علاتی بھائی قابض ہوگئے، ڈاکٹر صاحب کے کوئی بھائی بہن حقیقی نہیں ان کی خواہش ہے کہ کل جائداد اپنے ماموں زاد بھائی کے نام کرکے مکہ معظّمہ چلا جاؤں مگر یہاں کے دیوان جو اہل اسلام ہیں فرماتے ہیں کہ اس تحریر سے کچھ نہ ہوگا اس کے حقدار علاتی بھائی بھی ہوں گے، لہٰذا ڈاکٹر صاحب فتوی چاہتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر بذریعہ بیع صحیح یا ہبہ مع القبض اپنی تمام جائداد اپنے بھائی ماموں زاد کو دے دیں گے وہ مالک مستقل ہو جائے گا علاتی بھائیوں کا کوئی استحقاق نہ ہوگا مگر یہ فعل اگر بلاوجہ شرعی برادران علاتی کو اپنے ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے ہوگا تو گناہ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[1]۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا۔

ہاں اگر وہ لوگ فسّاق فجّار ہوں کہ جائداد کو معاصی الٰہی میں صرف کریں گے اور ماموں زاد بھائی ایسا نہیں تو جائز بلکہ بہتر ہے۔

فی وجیز الامام الکردری ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔	امام کردری کی وجیز میں ہے اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنا مال نیکی کے کام میں خرچ کرے درانحالیکہ اس کا بیٹا فاسق ہے تو اس بیٹے کے لئے مال چھوڑ جانے سے نیکی کے کام میں خرچ کر دینا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد ہے۔(ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

یونہی اگر اپنے مال کا ثلث ماموں زاد بھائی کو لکھ دیں تو کسی حال میں کچھ مضائقہ نہیں، ترکہ پدری سے جو حصہ ان کا تھا یہ اگر نقل صحیح شرعی مثل بیع یا بعد تقسیم ہبہ مع القبض کے ذریعہ سے برادران علاتی کو نہیں دے دیا ہے تو وہ بدستور ان کی مِلک پر باقی ہے مطالبہ نہ کرنے یا یونہی چھوڑ دینے سے ان کی ملک سے خارج نہ ہوا دو ثلث جو برادران علاتی کے لئے باقی چھوڑیں ان میں وہ حصہ بھی محسوب کرسکتے ہیں مثلاً ان کا وہ حصہ جو ان کے قبضہ میں ہے اگر دو ہزار کا ہے اور اس کے علاوہ جائداد پیدا کردہ ہزار روپے کی ہے تو یہ کل جائداد جدید ماموں زاد بھائی کو دے سکتے ہیں کہ دو ثلث ان کے پاس خود موجود ہے اور یہ نئی جائداد چار ہزار کی ہے تو اس میں سے نصف ماموں زاد بھائی کو دے دیں کہ نصف یہ اور وہ حصہ مل کر دو ثلث ہو جائیں **وعلٰی ھٰذا القیاس، واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم** (اور اسی پر قیاس ہوگا، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور تین شخص قرابتی اس کے باقی رہے جس میں ایک حقیقی چچازاد بہن اور ایک بھائی ماموں زاد اور ایک بہن ماموں زاد ہے، پس ان تینوں میں ترکہ کس طرح پر تقسیم ہوگا؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث دیگر وتقدیم دین ووصیت ترکہ ہندہ کا نو سہام پر منقسم ہو کر چھ سہم چچازاد بہن اور دو ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن کو ملے گا۔

فی الشریفیة ان استودا فی القرب ولٰکن اختلف قرابتھم بان کان بعضھم من جانب الاب وبعض من جانب الام فلا اعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابة ولا لولد العصبة فی ظاھر الروایة ولا لولد العصبة فی ظاھر الروایة فبنت العم لیست اولٰی من بنت الخال لعدم اعتبار کون بنت العم ولدا العصبة لکن الثلثین لمن یدلی بقرابة الاب	شریفیہ میں ہے اگر وہ قرابت میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں جیسے بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو یہاں ظاہر الروایۃ کے مطابق قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا اعتبار نہیں کہ چچا کی بیٹی عصبہ ہے لیکن جو باپ کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو

والثلث لمن یدلی بقرابة الام [1] اھ مختصرًا۔	اس کے لئے دو تہائی اور جو ماں کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو اس کے لئے ایک تہائی ہوگا اھ مختصرًا (ت)

مسئلہ ۵۷: ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی ننھے فوت ہوا ایک زوجہ ایک بیٹا ایک بیٹی ایک بھائی حقیقی وارث چھوڑے، ننھے کی بی بی مہر معاف کرچکی ہے اور اپنا نکاح ثانی کیا چاہتی ہے اور بچوں کو کہ ابھی نابالغ ہیں چھوڑے دیتی ہے، پس ترکہ ننھے کا ان وارثوں کو کس قدر پہنچے گا اور حق ولایت بچوں کا کس کو پہنچتا ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ لڑکا آٹھ برس کا اور لڑکی چار برس کی ہے اور ننھے کا بھائی جوان ہے اور ان بچوں کی نانی بیوہ زندہ ہے اور عورت ایسے شخص سے نکاح کیا چاہتی ہے جو ان بچوں کا محرم نہیں، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا تو ابھی سے اپنے چچا پس رہے گا۔ اور لڑکی اپنی ماں کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی اگر وہ عورت ایسے شخص سے نکاح نہ کرے اور اگر نکاح کرے گی تو لڑکی تنی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گی اس کے بعد چچا کی سپردگی میں دی جائے گی اور ترکہ ننھے کا بر تقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم مہر و دیگر دیون و وصایا چوبیس ۲۴ سہام پر منقسم ہوکر تین سہم زوجہ اور چودہ سہم پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور بھائی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۵۸: ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ مرسلہ بولاقی خاں، بریلی

جناب مولوی صاحب سلامت، بعد آداب گزارش ہے کہ ایک ہمشیرہ اور تین ہم بھائی ہیں، جناب والد صاحب نے ایک عرصہ سے سب کام چھوڑ دیا تھا جو مجھ کو میسر آتا تھا حاضر لاتا تھا ایک ہمشیرہ میری نابالغ تھی اس کو میں نے اپنی محنت سے پرورش کرکے شادی کردی اور دونوں بھائی چھوٹے ان کو بھی پرورش کیا اور بھائیوں کی بھی شادی کردی، اب جو جائداد والد کے وقت کی ہے وہ طلب کرتے ہیں، واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد گزرنے والد کے اور

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام فصل فی اولادھم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۰۔ ۱۱۹

والدہ کے دونوں کو میں نے دفن کیا اور کوئی پیسہ ان کا خرچ نہیں ہوا اور قریب دو سو روپے کے والد پر قرض تھے وہ بھی میں نے دیئے اور بھائی اور بہن خود تسلیم کرتے ہیں، لہذا آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ شرعًا کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب:

سائل نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے ماں سے پہلے انتقال کیا ماں مہر معاف کر دیا تھا دونوں کے وارث یہی تین بیٹے رہے۔اس صورت میں سائل نے جو کچھ اپنے ماں باپ کی خدمت ہیں صَرف کیا وہ کسی سے نہ پائے گا جو اپنے بہن بھائیوں کی پرورش و شادی میں اٹھایا وہ کسی سے نہ ملے گا، ہاں جو کچھ باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بقدر سنت باپ کے کفن دفن میں اٹھایا وہ باپ کے مال پر اس کا قرض ہے پہلے یہ قرضہ اور جو قرضہ اس کے باپ کے ذمہ ہو ادا کرکے باقی تہائی سے اگر باپ نے کچھ وصیت کسی کے لئے کی ہو نافذ کرکے باقی کے آٹھ حصے کریں ایک حصہ ماں اور دو دو ہر بیٹے اور ایک بیٹی کو، اب یہ ایک حصہ جو ان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو ان کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو کچھ سائل نے ماں کے کفن دفن بقدر مسنون میں اٹھایا وہ اور جو قرضہ اس کی ماں پر ہے ادا کریں اگر کچھ نہ بچے تو ماں کے اس حصہ میں سے دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اگر کچھ باقی رہے تو اس کی تہائی سے ماں کی وصیت اگر اس نے نافذ کی ہو ادا کرکے باقی کے سات حصے کریں ہر بیٹے کو دو بیٹی کو ایک۔**واللہ اعلم فقط۔**

مسئلہ ۵۹: از بیجناتھ بازار رائے پور ملک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دیرا انجمن نعمانیہ ۷ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

فیض النساء بیگم کے شوہر یعقوب علی مرحوم کی جائداد وقت مرنے کے اس قدر تھی جو فیض النساء بیگم کے مہر کو اکتفا کرتی اس لئے فیض النساء بیگم کل جائداد پر بعوض اپنے دین مہر کے قابض ہوئی، فرمایئے کہ یعقوب علی مرحوم کی پہلی بیوی کی اولاد کو اپنی ماں متوفیہ کے مہر میں اس جائداد سے بحصہ رسدی حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جبکہ دوسری عورت کا بھی کچھ مہر ذمہ شوہر باقی ہے تو نہ ایک عورت کل ترکہ سے اپنا ہی دَین پانے کی مستحق ہو سکتی ہے اگرچہ تنہا اسی کا مہر مقدار ترکہ سے زائد ہو بلکہ دونوں عورتوں کا بقدر واجب الادا مہر اور ان کے سوا اور جو دَین ذمہ مورث ہوں سب حصہ رسد متروکہ سے ادا

کئے جائیں گے، نہ عورت بطور خود اپنے مہر کے بدلے جائداد پر قابض ہو سکتی ہے بلکہ جائداد بیچ کر مہر ادا کیا جائے گا **فان حقها فی المالیة لافی العین** (کیونکہ عورت کا حق مالیت میں ہے نہ کہ عین میں۔ت) عالمگیریہ میں ہے:

میت اوصی الی امرأته وترك مالا وللمرأة علیه مهرها ان ترك المیت صامتا مثل مهرها کان لها ان تاخذ مهرها من الصامت لانها ظفرت بجنس حقها وان لم یترك المیت صامتا کان لها ان تبیع ماکان اصلح للبیع و تستوفی صداقها من الثمن[1] اھ **قلت** والتقیید بالاصلح حیث لم یکن الدین محیطا ولابیع کل شیئ کمالایخفی۔	میت نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی اور کچھ مال چھوڑا، عورت کا اس کے ذمے مہر ہے، اگر میت نے عورت کے مہر کی مثل نقدی چھوڑی ہے تو عورت اس نقدی سے اپنا مہر وصول کر سکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس کو پانے پر کامیاب ہو گئی ہے، اور اگر میت نے کوئی نقدی نہیں چھوڑی تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ترکہ میں سے جو چیز قابل بیع ہے اس کو بیچ کر ثمن میں سے اپنا مہر وصول کرے اھ، **میں کہتا ہوں** قابل بیع ہونے کی قید وہاں ہوگی جہاں قرض ترکہ کو محیط نہ ہو اور اس کی ہر شیئ نہیں بیچی جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں۔(ت)

وارثان زوجہ اولٰی اپنی ماں کے مہر سے مقدار واجب الاداء کا دعوٰی فیض النساء بیگم پر کر سکتے ہیں،

لانها وارثة فتصلح خصما للغرماء من هٰذه الجهة و ان لم تصلح من جهة انها دائنة وذٰلك بناء علی ما اختاره الفقیه ان الوارث خصم الغریم وان کانت الترکة	کیونکہ بیوی وارث ہے اس لئے وہ اس جہت سے قرضخواہوں کے لئے خصم بن سکتی ہے اگرچہ وہ قرضخواہ ہونے کی حیثیت سے خصومت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور یہ مبنی ہے اس قول پر جس کو فقیہ نے اختیار کیا کہ وارث قرضخواہ کا خصم بن سکتا ہے اگرچہ ترکہ قرض میں

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۳

مستغرقۃ بالدین نعم لاحلف علیہ ح کما فی وصی الھندیۃ[1] عن المحیط۔	گھرا ہوا ہو۔ ہاں اس صورت میں اس پر قسم نہیں آتی۔ جیسا کہ ہندیہ کے باب الوصی میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وارثان زن متوفاۃ پر کوئی امر مسقط مدعی یا مانع دعوی ثابت نہ ہو ورنہ دعوی نامسموع ہوگا کما لایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۶۰: زید کی بیٹی کا خالد کے ساتھ نکاح ہوا، دس ہزار مہر معین ہوا، زید کی بیٹی مر گئی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور والدین اور شوہر اس کا باقی رہا، خالد کے پاس پانچ ہزار کی ملکیت ہے، در صورت غیر دعویدار ہونے اولاد اور شوہر کے والدین کو حصہ کس قدر ملکیت موجودہ سے ملنا چاہئے یا بقدر مہر؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

صورۃ مستفسرہ میں چہارم مہر کا شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا باقی اگر تمام وکمال اسے حصول نہ ہو تو جتنا وصول ہو ہر وارث اس میں سے بقدر سہم فرائض کے لے سکتا ہے نہ یہ کہ بعض ورثہ اپنا کل مطالبہ لے لیں، سائل مظہر ہے کہ اولاد دونوں نابالغ ہیں اس صورت میں اس کا دعوی نہ کرنا کب کیا مسقط حق ہوسکتا ہے البتہ اگر کوئی وارث بالغ دَین میں سے بقدر اپنے سہم کے معاف کردے تو باقی ورثہ اپنا اپنا مطالبہ لے سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۱: ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید مرا، زوجہ اپنی کو سہ ماہ کے حمل میں چھوڑا، بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا، عمرو از راہ بددیانتی وخوف اس کے کہ لڑکا زید متوفی کی جائداد کا مستحق ہو اس کی حق تلفی کے واسطے لڑکے کو ولد الحرام بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعد انتقال زید کے لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا، اولا تو لڑکا صحیح طور پر بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا، اور بالفرض عمرو کا قول تصدیق کیا جائے کہ لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا تو بموجب شرع شریف کے لڑکا حلالی ہے یا ولد الحرام؟ اور زید متوفی کے نطفے سے ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

الجواب:

عمرو جھوٹا ہے، ایسی تہمت پر قرآن عظیم نے اسی کوڑوں کا حکم دیا ہے اور گواہی کو ہمیشہ مردود۔ سوابرس تو تھوڑا ہے دو۲ برس تک بھی پیدا ہوتا تو بلاشبہہ زید کا قرار پاتا، یہ لڑکا شرعًا ضرور زید کا اور اس کا وارث شرعی ہے، ہاں اگر عورت بعد موت شوہر قبل ولادت پسر اقرار کرچکی ہوتی کہ میری عدت گزر گئی، اور اس اقرار سے چھ ماہ یازائد کے بعد بچہ پیدا ہوتا تو شوہر متوفی کا قرار نہ پاتا ورنہ صرف اس بناپر کہ موت کے سوابرس بعد پیدا ہوا اولادالحرام کہنا محض ظلم و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الموت لاقل منھما(ای من سنتین)من وقت الموت[1] الخ۔	موت کی عدت گزرانے والی خاتون اگر شوہر کی موت کے وقت سے دوسال سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔(ت)

شریفیہ میں ہے:

ان کان الحمل من المیت بان خلف امرأۃ حاملا و جائت بالولد لتمام اکثر مدۃ الحمل ای سنتین او اقل ولم تکن اقرت بانقضاء العدۃ یرث ذٰلک الولد من المیت واقاربہ[2]۔ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر حمل میت کا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی چھوڑی ہو اور وہ مدت حمل یعنی دوسال کے پورا ہونے پر یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے جبکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بچہ میت اور اس کے قرابتداروں کا وارث بنے گا۔ ملتقطا، واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۶۲: از شہر بنارس محلّہ کنڈی گڈ ٹولہ مسجد بازار مرسلہ حافظ ولی محمد صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زوجہ زید کچھ اپنے ورثائے شرعی اور زید اپنے خاوند کو چھوڑ کر مر گئی اور مہر جو زید کے ذمہ واجب الاداء ہے وصول نہیں پایا اور کوئی اولاد اس نے نہیں چھوڑی، اس صورت میں زید مہر میں سے بھی جو اس کے ذمہ واجب الاداء ہے نصف حصہ پاسکتا ہے جیسا کہ ہندہ کے کل متروکہ سے پاسکتا ہے یا نہیں، شبہ یہ ہوتا ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۱

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب ذوی الارحام فصل فی الحمل مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۳۲

کہ قیاسًا تومہر میں سے بھی نصف حصہ زید کو پانا چاہئے ہے مگر مہر کو شارع اسلام نے بغرض احترام بضع رکھا ہے اور غایت اس کی عزت واحترام زوجہ ہے اور بحالت نصف حصہ پالینے زید کے مہر میں سے بھی یہ غایت فی الجملہ ہو جائے گی، ہر صورت کے جزئی بھی باحوالہ کتب تحریر فرمائی جائے اور جواب سے جدل سرفرازی بخشی جائے فقط۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں ضرور نصف مہر ذمہ زید سے ساقط ہوا نہ بمعنی عدم وجوب رأسًا کہ مہر بعد تاکد بالموت بایں معنی قابلیت سقوط نہیں رکھتا اور غایت مذکورہ میں اگر کچھ نقص آتا تو اسی صورت سے، بلکہ بمعنی تملک بخلافت ووراثت زوجہ **لقولہ تعالٰی** "**وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ**"[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں ان میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ت) اور شک نہیں کہ مہر بھی متروکہ زوجہ میں داخل ہے اور یہ معنی اس غایت کے منافی نہیں بلکہ مؤکد ومقرر ہیں کہ کل مہر زوجہ ولو مآلًا منافی غرض مذکور ہو تو ہبہ وابرا بھی ناجائز ہوں مگر وہ یونہی جائز ہیں کہ ملک زوجہ پر متفرع ہیں تو اس کے مقرر ہیں نہ دافع اگرچہ رافع ہوں بلکہ اگر رفع بھی خلافت غایت ہو تو اس سے چارہ کہاں کہ موت قطعاً نافی ملک ہے، اگر کہئے کہ ملک ورثہ بوجہ خلافت قائم مقام ملک زوجہ ہے تو گویا وہ بقائے نائب باقی ہے تو ملک زوج بھی اس نصف میں وراثۃً ہی ہوئی یہاں بھی وہی گویا حاصل اور شبہ زائل، قنیہ میں ہے:

قال استاذنا رحمه الله تعالٰی سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتین واخ لاب وام ولا مال لها سوی مهر علی زوجها مائة دینار ثم مات الزوج و لم یترك الا خسین دینارا	ہمارے استاذ صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا مجھ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو خاوند اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کر گئی اور اس کا کوئی مال نہیں سوائے اس کے کہ سو دینار اس کے مہر کے خاوند کے ذمے ہیں، پھر خاوند مر گیا اور سوائے

[1] القرآن الکریم ۴/۱۲

فقلت یقسم بین البنتین والاخ اتساعا بقدر سہامھم لانہ ذکر فی کتاب العین والدین اذاکان علٰی بعض الورثۃ دین من جنس عین الترکۃ یحسب ما علیہ من الدین کانہ عین ویترک حصتہ علیہ ویترک العین لانصباء غیرہ من الورثۃ فحسبنا علی الزوج من المھر خمسۃ وعشرین دینارا کانہ عین و بقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین و الاخ فتکون بینھم علٰی سہامھم من اصل المسألۃ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	پچاس دینار کے کچھ نہیں چھوڑا، تومیں نے کہا کہ ترکہ کے نو حصے بناکر دوبیٹیوں اور بھائی کے درمیان ان کے سہام کے مطابق تقسیم کیاجائے گا، اس لئے کہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے جب کسی وارث پر عین ترکہ کی جنس سے کچھ قرض ہو تو اس قرض کو اس کے حصہ میں شمار کریں گے گویا کہ وہ عین ہے، اور اس کا حصہ اس قرض پر چھوڑدیں گے اور عین کو اس وارث کے علاوہ دیگر ورثاء کے حصوں کیلئے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کئے گویا کہ وہ عین ہیں۔ اور باقی پچاس دینار دوبیٹیوں اور بھائی کے حصہ میں بچ گئے تو وہ ان کے درمیان اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق ہوں گے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳: ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور دولڑکے اول بیوی کے چھوڑے، اور ایک لڑکی دوسری بیوی سے چھوڑی، اور بیوی دوسری زندہ ہے اور پہلی بیوی نے انتقال کیا شوہر کے روبرو، اور مہر اس کا ذمہ شوہر کے چاہئے، اب لڑکے اس کے مہر اپنی ماں کا طلب کرتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل مظہر کہ پہلی زوجہ کامہر پچیس ہزار ہے اور دوسری کا تین سو ساٹھ تھا جس میں سے ڈیڑھ سو زید نے خود ہی ادا کردیئے تھے، اب دوسودس باقی ہیں اور جائداد دونوں مہروں کو

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

کافی نہیں۔ صورت مستفسرہ میں دونوں مہراور اسی طرح اور جو دین زمہ زید ہو حصہ رسد ادا کریں، پہلی بی بی اس سبب سے کہ اس کا نکاح پہلے ہوا پہلے پانی کی (کہ جب تک اس کا مہر ادا نہ ہولے زوجہ ثانیہ کا بقیہ مہر یا اور کسی دائن کا دَین ثابت ادا نہ کیا جائے) ہر گز مستحق نہیں بلکہ وہ سب ایک ساتھ ادا کئے جائیں گے اور جبکہ جائداد اور نہیں، کافی نہیں دونوں مہروں اور ہر دَین ثابت کو حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور جب کچھ نہ بچے ورثہ کچھ بذریعہ وراثت نہ پائیں گے۔

قال اللہ تعالٰی "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ تُوۡصُوۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ"[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم	اللہ تعالٰی نے فرمایا "اس وصیت کے بعد جو تم کر جاؤ اور قرض کے بعد"۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ ۶ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کثیر اپنے محروم الارث بھتیجوں کو لکھ دی او اپنے حقیقی بھائی وارث کے لئے ایک خفیف شیئ رکھی اس سے اس کی نیت بھائی کی حق تلفی تھی کہ اسے میرے بعد نہ پہنچے، اس صورت میں اس پر کچھ مواخذہ عنداللہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

جبکہ وارث آوارہ بدوضع نہ ہو جس سے مظنون ہو کہ مال جو اس کے لئے رہے گا معاصی الٰہیہ میں اُڑائے گا تو اسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی کارروائی کرنی عنداللہ قابل مواخذہ ہے، حدیث میں ہے:

من فرمن میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة[2]۔ رواه ابن ماجة عن انس رضی الله تعالٰی عنه۔	جو اپنے وارث کے میراث پانے سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا (اسے ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

اور کوئی خفیف شیئ باقی رکھنا کافی نہ ہوگا جبکہ نیت اس فساد کی ہو۔

فانما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی[1]۔	بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

مگر نیت کا ثبوت چاہئے ورنہ صدیق اکبر وامام حسن مجتبٰی وام المومنین صدیقہ وغیرہم ائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بارہا اپنے کل مال تصدق فرمادیئے ہیں اپنے کھانے پہننے کو بھی کچھ نہ چھوڑا، کما صحت بذٰلك الاحادیث (جیسا کہ اس پر صحیح احادیث وارد ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤالوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع ۱۳۱۵ھ
(چوتھی قسم کے عصبہ ہونے میں نفع دینے والا مقصد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۶۵: از اٹاوہ متصل کچہری منصفی مکان مولوی حبیب علی صاحب مرسلہ مولوی وصی علی ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصبات کی جو چار قسم مقرر ہیں، فروع میت، اصول میت، فروع اب میت، فروع جد میت، منجملہ ان کی قسم اول ودوم وسوم میں کوئی بحث نہیں مگر قسم چہارم یعنی فروع جد میت کا سلسلہ ایسا وسیع ہے کہ حق رسی اس کی دشوار بلکہ غیر ممکن معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کا عصبہ نسبی قسم چہارم یعنی دادا کی اولاد یا پر دادا کی اولاد یا سر دادا کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد موجود نہ ہو اگر دیہہ یا قصبہ مسکونہ میت میں نہ ہوگا تو دوسرے دیہہ یا قصبہ میں یا دوسرے شہر یا ملک میں ہوگا مثلاً ہند میں نہ ہوگا تو عرب یا عجم میں ہوگا تمامی ربع مسکون میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگا، پس درصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے ایسے عصبات کو تلاش کرنا

اور ان کا حصہ ان کو پہنچانا غیر ممکن ہے اور ظاہرًا شرع شریف میں کوئی ایسا حکم بھی پایا نہیں جاتا کہ میت کے ورثاء حاضرین میت کے ترکہ کو باخود تقسیم کرلیں حقدار ان غیر حاضرین کو اطلاع بھی نہ دیں یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا بوجہ لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں نے ان کے حقوق ضائع کردیئے جائیں بلکہ مفقود کے واسطے جبکہ یہ حکم ہے کہ حصہ اس کا نوے برس کی عمر تک امانت رہے تو ایسے حصہ دار کیونکر محروم کئے جاسکتے ہیں، علاوہ اس کے دیگر حقداران جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مستحق ہیں مثلاً مولی العتاق ذوی الفروض مستحق پانے حصہ کے بطور رد کے ذوی الارحام ولی الموالات مقرلہ النسب موصی لہ مستحق رد وغیرہ ان کے حقوق قائم ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جب عصبہ نسبی کا غیر موجود ہونا حسب تشریح صدر غیر ممکن ہے تو حقداران مابعد کے حقوق قائم ہونا بھی غیر ممکن ہے پس ایسے حقداران کے متعلق جو مسائل ہیں وہ محض بیکار ہوئے جاتے ہیں حالانکہ شریعت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو مورد اعتراض کسی قسم کا ہوسکے لہٰذا دریافت طلب امور مصرحہ ذیل ہیں:

اولاً: عصبات کی جو اقسام قرار دی گئی ہیں خصوصًا قسم چہارم جو الفاظ "ادعالیہا" (یا اس سے اوپر۔ت) مشروع ہیں ان کا ماخذ کیا ہے یعنی کس آیۂ قرآن شریف یا کس حدیث شریف سے ماخوذ ہے یا اور کس ماخذ سے۔

ثانیًا: عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا حسب شرح صدر نا ممکن ہے کہ نہیں۔

ثالثًا: عصبات نسبی کا غیر اگر موجود ہونا نا ممکن ہے تو مسائل متعلقہ عصبات سببی وغیرہ جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مشروع ہیں کس صورت میں کارآمد ہوسکتے ہیں۔

رابعًا: شرع شریف میں کہیں ایسا حکم ہے کہ غیر حاضرین حصہ داران کو اطلاع نہ دی جائے یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں وہ اپنے حقوق واجبی سے محروم رہیں ان کی تلاش نہ کی جائے۔

خامسًا: ایسا ہوسکتا ہے کہ عرب سے کوئی شخص آئے اور آپ کو سید مثلاً اولاد علی و بنی فاطمہ ثابت کرکے ہند میں کسی اولاد علی بنی فاطمہ کا ترکہ اس کے ذوی الفروض سے تقسیم کرالے یا ہند کا کوئی سید عرب میں جاکر کسی سید متوفی کا ترکہ پائے قاضیان عرب بصورت ثابت کردینے نسب کے اس کو دلادیں گے۔

سادسًا: عہد صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین یا تابعین یا تبع تابعین میں کبھی ایسے

عصبات بعیدہ کو بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دلایا گیا ہے کہ نہیں، اگر دلایا گیا تو کس کتاب سے ثابت ہے۔

سابعاً اس استفتاء کے مفتیان صاحبان کے علم میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ مثلاً پر دادا کے بھائی کی اولاد یا سر دادا کے عم کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو بحالت موجودگی ذوی الفروض نسبی کے حصہ ملا ہے کہ نہیں، اگر ملا ہے تو کب کس خاندان میں۔

ثامناً اگر کسی قصبہ یا شہر میں رواج یہ ہے کہ بصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول ودوم وسوم کے منجملہ قسم چہارم جد کی اولاد تک بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دیا جاتا ہے اَب الجد یا جد الجد یا اس سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ ذوی الفروض پر رَد ہو جاتا ہے تو یہ رواج قابل عملدر آمد ولائق لحاظ ہے کہ نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے)

الجواب:

جواب سوال اوّل

ماخذ اس کا کلام اللہ عزوجل وسنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ ع"[1]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

حدیث اول[1]: عبد بن حمید وابن جریر اپنی تفسیر میں قتادہ سے راوی:

ان ابابکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی خطبتہ الا ان الاٰیۃ التی ختم بہا سورۃ الانفال انزلہا فی اولی الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ	سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: خبردار وہ آیت جس پر سورۂ انفال ختم کی گئی اللہ تبارت وتعالٰی نے اس کو رشتہ والوں کے بارے میں نازل فرمایا کہ "ان میں سے بعض بعض سے اولٰی ہیں

[1] القرآن الکریم ۸/۷۵

ماجرت بہ الرحم من العصبة[1]، ھذا مختصر۔	اللہ تعالٰی کی کتاب میں "یعنی ہر وہ عصبہ جس میں نسبی رشتہ جاری ہو۔ یہ مختصر ہے۔(ت)

حدیث دوم۲: احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر[2]۔	فرائض ذوی الفروض کو دو، اور جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے۔(ت)

حدیث سوم۳: صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مؤمن الا وانا اولٰی بہ فی الدنیا والاٰخرۃ اقرؤا ان شئتم النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم فایما مؤمن مات وترک مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا ومن ترک دینًا اوضیاعًا فلیأتنی فانا مولاہ والحدیث عند الشیخین[3] واحمد والنسائی وابن ماجۃ وغیرھم عنہ نحوہ۔	کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ میں دنیا وآخرت میں اس کا ولی ہوں، اگر تم چاہو تو آیت پڑھ لو" یہ نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔ پس جو کوئی مومن مرگیا اور اس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے قریبی وارثوں اور عصبہ کے لئے ہے جو بھی وہ ہوں، اور جس نے قرض یا کمزور اولاد چھوڑی ہو تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا مولٰی ہوں۔ اور یہ حدیث شیخین، امام احمد، اور نسائی وغیرہ کے نزدیک ثابت ہے(ت)

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ لیستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ المطبعۃ المیمنہ مصر ۲۴۶، الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وغیرہ ////// مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۲/ ۲۵۱

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ وجامع الترمذی ۲/ ۳۱ ومسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب الصلٰوۃ علی من ترک دینًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳، ///کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب // // ۲/ ۷۰۵

حدیث چہارم [۴]: احمد وابوداؤد ونسائی وابن ماجہ وبیہقی بسند صحیح بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما احرز الولد اوالوالد فھو لعصبتہ من کان [1]۔	جو ولاء اولاد یا والد حاصل کرے وہ اس کے عصبہ کے لئے ہے چاہے وہ کوئی ہو۔ (ت)

حدیث پنجم [۵]: عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے راوی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل نسب تووصل علیہ فی الاسلام فھو وارث موروث [2]۔	ہر نسب جو اسلام میں ملتا ہو وہ وارث و موروث ہے۔ (ت)

حدیث ششم [۶]: سنن بیہقی میں ہے:

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابہ قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اصحابہ اذا لم یجدوا ذاسھم اعطوا القرابۃ وماقرب اوبعد اذاکان رحما فلہ المال اذا لم یوجد غیرہ [3]، ھذا مختصر۔	حضرت جریر نے حضرت مغیرہ یعنی ان کے اصحاب سے روایت کی، مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب جب کوئی ذی سہم نہ پاتے تو وہ ترکہ رشتہ داروں کو دے دیتے وہ قریب والا ہو یا بعید والا جبکہ رشتہ دار ہو تو سب مال اسی کا ہے جب اس کا غیر موجود نہ ہو۔ یہ مختصر ہے۔ (ت)

آیۃ کریمہ نے رشتہ داروں کو مطلق رکھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمادی کہ آیت میں ہر عصبہ نسبی داخل۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث سوم وچہارم میں صاف تعمیم فرمائی کہ عصبہ وارث ہے کوئی ہو، حدیث پنجم میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء آفتاب عالم پریس لاہور ۴۸/۲، سنن ابن ماجہ // باب میراث الولاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[2] المصنف لعبدالرزاق // // باب الحمیل حدیث ۱۹۱۸۰ المجلس العلمی بیروت ۳۰۱/۱۰

[3] السنن الکبرٰی للبیہقی // // باب من قال بتوریث ذوی الارحام دار صادر بیروت ۲۱۷/۶

اسلام میں نسب جہاں جا کر ملے موجب وراثت ہے، حدیث ششم میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد کہ رشتہ دار پاس کا ہو یا دور کا، جب اور نہ ہو تو سب مال اسی کا ہے۔ ان ارشادات نے تو تمام قریب وبعید کے عصبات نسبی کو دائرۂ توریث میں داخل فرمایا اور حدیث دوم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس نے کہ جو اہل فرائض سے بچے وہ قریب تر مرد کے لئے ہے ترتیب الاقرب فالاقرب کا حکم بتایا لاجرم بلحاظ قرب اتصال یہ اقسام اربعہ منتظم ہوئیں۔

جواب سوال دوم

ہر گز ناممکن نہیں بلکہ بارہا واقع ہوا اور خود زمانہ رسالت میں ہوا، اور اب واقع ہے اور عادۃً واقع ہوتا رہے گا۔

اوّلاً: فرض کیجئے مجوس وہنوز ونصارٰی یہود وغیر ہم کفار کی اقوام سے ایک شخص مسلمان ہوا اور اس کے باقی رشتہ دار اپنے کفر پر ہیں ان میں ان کا عصبہ نسبی کون ہے کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، رواہ الشیخان[2] عن اسامۃ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔ اس کو شیخین نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/۴۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب لایرث المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۰۱، صحیح مسلم ۔۔ باب قدر الطریق الخ ۔۔ ۲/۳۳

ثانیًا: ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی اورایام اسلام میں بچہ پیدا ہوااس کے چھوٹے بچے جو زمانہ کفر ہی میں پیدا ہوئے تھے بحکم **الولد یتبع خیرالابوین دینا**[1] (بچہ والدین میں سے بہتر دین رکھنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ت) مسلمان قرار پائے ان بچوں کا کوئی قریب نسبی ان کا عصبہ نہیں۔

ثالثًا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **للعاھر الحجر**[2]۔زانی کے لئے پتھر (ت)

تو ولد الزنا کانہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی، لہٰذا ایک عورت کے دو بچے کہ زنا سے ہوں اگرچہ ایک مرد سے ہوں باہم ولدالام کی میراث پاتے ہیں نہ بھی الاعیان کی کما فی الدرالمختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے۔ت)

رابعًا: زن وشو نے لعان کیا بچہ بے عصبہ نسبی رہ گیا لانہ ایضا لااب لہ کما فی الدر ایضا (کیونکہ اس کا بھی کوئی باپ نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے۔ت)

خامسًا: دارالحرب سے کچھ کفار مقید ہو کر آئے امیر المومنین نے غانمین پر تقسیم فرمادیئے یہ سب کنیز وغلام مسلمان ہوگئے آپس میں نہایت قریب کے رشتہ دار ہیں اور سب مسلم مگر سب مملوک، اب ان میں ایک آزاد ہوا، باقی اس کے عصبہ نسبی نہیں کہ رق مانع ارث ہے۔

سادسًا: ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا ملا پرورش کیا گیا اس کا عصبہ نسبی کسے کہا جائے اسی طرح اور بعض صور بھی ممکن، ان میں بعض صورتیں علم عدم کی ہیں جیسے ولدزنا ولعان، بعض عدم علم کی جیسے لقیط، اور مقصود اس سے بھی حاصل کہ توریث بے علم نا ممکن، لاجرم رد وغیرہ مدارج تحتانیہ کی طرف رجوع ہوگی، ہمارے زمانے میں زوجین پر بھی رَد ہوتا ہے **کما نصوا علیہ** (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے۔ت) اب **سوال سوم** خود مندفع ہوگیا اور حاجت جواب نہیں۔

تنبیہ: ان امور کے سوا ایک صورت نادرہ اور ہے کہ وہ بھی ایک بار واقع ہوئی اور ممکن تو بے شمار بار ہے یعنی بچے کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

اب تک کوئی عصبہ نسبی نہیں یہاں تک کہ بعد نزول ان کے اولادِ ذکور پیدا ہوں۔ اب رہا زمانہ رسالت میں وقوع، اس کے لئے حدیثیں سنئے:

حدیث ہفتم ۷: سنن ابی داؤد و جامع ترمذی میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان مولی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات وترک شیأ ولم یدع ولدا ولا حمیما فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطوا میراثہ رجلا من اھل قریتہ[1]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک آزاد شدہ غلام فوت ہوا اس نے کچھ مال چھوڑا اور اولاد نہیں چھوڑی، نہ کوئی اور قرابت دار چھوڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی میراث اس کے قریہ والے کسی مرد کو دے دو۔ (ت)

حدیث ہشتم ۸: مسند الفردوس حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان وردان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقع من عذق نخلۃ فمات فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمیراثہ فقال انظروالہ ذا قرابۃ قالوا مالہ ذوقرابۃ قال فانظروا ھمشھریًّا لہ فاعطوہ میراثہ یعنی بلدیًّا لہ[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وردان نامی ایک آزاد شدہ گلام کھجور کے ایک درخت سے گر گیا اور فوت ہوگیا اس کی میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ے پاس لائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی قرابتدار دیکھو، صحابہ نے عرض کی اس کا کوئی قرابتدار نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس کا کوئی ہم وطن یعنی اس کے شہر کا کوئی شخص دیکھو تو اس کی میراث اسے دے دو۔ (ت)

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک غلام آزاد شدہ نے انتقال فرمایا ان کے نہ اولاد تھی نہ کوئی قرابتدار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عباس حدیث ۳۰۶۶۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۷

نے ان کاترکہ ان کے ایک ہم وطن کو عطافرمادیا۔علماء فرماتے ہیں یہ عطافرمانا بطور تصدق تھا نہ کہ بطور توریث،اور خود حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذریعہ ولائے عتاقہ وارث نہ ہوئے کہ انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ان کا وارث مال ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

جواب سوال چہارم

شرع مطہر میں کہیں ایسا حکم نہیں،نہ ترک دعوی،اگرچہ باوصف علم وفات مورث وعلم مسائل شرعیہ بالقصد بلکہ بالتصریح ہو موجب حرمان۔اشباہ میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه[1]۔	اگروارث نے کہا میں نے اپناحق چھوڑدیا ہے تو اس کاحق باطل نہیں ہوگا۔(ت)

غمزالعیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترك[2]۔	اگر کوئی شخص دوبیٹے چھوڑ کر مرگیاان میں سے ایک نے کہا میں نے میراث سے اپناحصہ چھوڑدیاتواس کاحصہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس کاحصہ لازم ہے جوچھوڑنے سے متروک نہیں ہوتا(ت)

بلکہ شرع مطہر میں حکم ہے کہ اگرکچھ لوگ قاضی کے پاس حاضرآئیں اور کسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ظاہر کریں کہ ان کے فلاں مورث سے ترکہ میں انہیں پہنچی اوراس کی تقسیم چاہیں تو قاضی صرف ان کے بیان پراس کی تقسیم نہ کرے جب تک بینہ سے ثابت نہ کریں کہ مورث مرگیااوراتنے وارث چھوڑے۔

فی الدرالمختار عقار یدعون انه میراث عن زید لایقسم حتی یبرھنوا علی موته	درمختار میں ہے کہ کچھ لوگ کسی غیر منقولہ جائداد کے بارے میں یہ دعوی کریں کہ وہ زید کی میراث ہے تو قاضی اس کی تقسیم نہ کرے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۶۰

[2] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر ،،،،، ۲/ ۱۶۰

وعدد ورثتہ[1]۔	جب تک وہ زید کی موت اور اس کے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم نہ کریں۔(ت)

اور مال منقول کو اگرچہ تقسیم کردے گا مگر کاغذ قسمت میں لکھ دے گا کہ یہ صرف ان کے بیان پر تقسیم کیا گیا۔

فی الھندیۃ یذکر القاضی فی صك القسمۃ باقرارھم[2]۔	ہندیہ میں ہے کہ قاضی ان کا اقرار کاغذ قسمت میں ذکر کردے گا۔(ت)

اس سوال کا جواب تو یہ ہے مگر اس کو مانحن فیہ یعنی توریث عصبہ بعیدہ قسم چہارم پر ورود نہیں کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ عنقریب تو جان لے گا اللہ تعالٰی نے چاہا۔ت)

جواب سوال پنجم

اولاً: مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کا نسیب ہوں توریث نہیں ہوسکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔

ثانیاً: استحقاق ارث عصوبت صرف نسیب ہونے پر مبنی نہیں بلکہ شرع میں اس کے لئے ترتیب ہے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس ترتیب کی رو سے یہی مستحق یا یہ بھی مستحق ہے ترکہ نہیں دیا جاسکتا یہاں عدم علم عدم حکم میں مثل علم عدم کے ہے ولہذا چند شخص ایک معرکہ میں مقتول یا ایک واقعہ میں غریق یا حریق ہوں اور ان کی موت کا تقدم تاخر نہ معلوم ہو تو نہ باپ بیٹے کا ترکہ پائے گا نہ بیٹا باپ کا، ہر ایک کے ورثہ احیاء وارث ہوں گے وبس۔ جب کسی سید کا انتقال ہو تو جہاں تک اس کا سلسلہ نسب معلوم ہے اس کے آباء و آباء آباء الاقرب فالاقرب کی اولاد ذکور الاقرب فالاقرب تلاش کریں گے جو اقرب ثابت ہوگا اسے عصبہ ٹھہرائیں گے اگرچہ بیس پشت پر اس سے ملتا ہو اور سلسلہ معلومہ کی اولاد ذکور سے کوئی معلوم نہیں تو تمام یہاں کے سادات کرام کو عصبہ ٹھہرانا محال کہ ان میں یقیناً بعض بعض سے اقرب ہیں اور ایک معین کو جزافاً عصبہ اقرب کہہ دینا محال کہ ترجیح بلا مرجح ہے و حکم بلادلیل ہے اور جب کسی کی عصوبت ثابت نہیں کسی کا استحقاق ثابت نہیں تو ان میں کوئی شخص کیونکر ترکہ بٹا سکتا ہے یا قاضی اسے دلا سکتا ہے۔ علامہ

[1] الدرالمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] الفتاوی الہندیۃ ؍؍ ؍؍ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۱۰

سید شریف قدس سرہ الشریف شریفیہ میں فرماتے ہیں:

لنا ان سبب استحقاق کل منهما میراث صاحبه غیر معلوم یقینا ولما لم یتیقن بالسبب لم یثبت الاستحقاق اذلایتصور ثبوته بالشک۔[1]	ہمارے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کے استحقاق کا سبب اس کے ساتھ کی میراث ہے جو کہ یقینی طور پر معلوم نہیں۔ جب سبب یقینی نہ ہوا تو استحقاق ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ثبوت شک کے ساتھ متصور نہیں۔(ت)

جواب سوال ششم

اس مبحث میں بمقابلہ ذوی الفروض کی قید زائد وضائع ہے کلام ایسی عصوبت بعیدہ کے ترکہ پانے میں ہے وہ زمانہ صحابہ کرام بلکہ زمانہ اقدس سید انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہوا۔

حدیث نہم ۹: عبدالرزاق اپنی مصنف میں اور ابن جریر و بیہقی ضحاک بن قیس سے راوی:

انه کان طاعون بالشام فکانت القبیلة تموت باسرها حتی ترثها القبیلة الاخری[2] الحدیث۔	یعنی زمانہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں طاعون واقع ہوا کہ سارا قبیلہ مرجاتا یہاں تک کہ دوسرا قبیلہ اس کا وارث ہوتا۔

حدیث دہم ۱۰: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام ابوداؤد سنن میں حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازدیا ادفعه	یعنی ایک صاحب نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی میرے پاس ایک ازدی یعنی قبیلہ بنی ازد سے ایک شخص کا ترکہ ہے اور

[1] الشریفیه شرح السراجیة فصل فی الغرقی والهدمی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب ذوالسهام حدیث ۱۹۱۳۶ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۸

الیه قال فاذهب فالتمس ازدیا حولا قال فاتاه بعد الحول فقال یارسول الله لم اجد ازدیا ادفعه الیه قال فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاه فادفعه الیه فلما ولی قال علی الرجل فلما جائه قال انظر کبرخزاعة فادفعه الیه[1] ولفظ ابن ابی شیبة قال فاذهب فادفعه الی اکبر خزاعة[2]۔	مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دوں، فرمایا سال بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا۔ فرمایا تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جداعلیٰ سے قریب ہو اسے دے دے۔ جب وہ لوٹا تو فرمایا اسے میرے پاس بلالاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اسے دے دینا۔ ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں آپ نے فرمایا جا اور خزاعہ کے سب سے عمر رسیدہ شخص کو دے دے۔

بنی ازد بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جب میت کے قبیلہ اقرب کا کوئی نہ ملا تو ترکہ نے قبیلہ اعلیٰ کی طرف رجوع کی، اب کون بتا سکتا ہے کہ یہ میت اس اکبر خزاعی سے کہ اس کا عصبہ ٹھہرا کس قدر پشتہا پشت کے فصل پر جا کر ملتا ہوگا۔ اس حدیث سے وہ تلاش کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس کا سوال چہارم میں استفسار تھا۔

جواب سوال ہفتم

ان حدیثوں کے بعد اگرچہ نہ اس سوال کا محل نہ اس کے جواب کی حاجت، مگر استفسار پر کہا جاتا ہے کہ ہاں بارہا فقیر کے یہاں سے ایسی عصوبات بعیدہ کو ترکہ دلایا گیا ہے کئی کئی روز سائلوں نے کہا اس کا کوئی عصبہ نہ رہا کوئی نہیں اور ان پر بار بار تحقیق و تفتیش کی تاکید کی گئی اور بالآخر پتا لگا کرلائے کہ پردادا یا پردادا کے باپ کی اولاد کا فلاں مرد فلاں جگہ باقی ہے۔ فقیر نے پندرہ سولہ سال سے تقسیم ترکہ کے مسائل اپنے اصحاب واحباب کے متعلق

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۴۶/۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ // حدیث ۱۶۳۹ ادارۃ القرآن کراچی ۱۱/ ۴۱۴

کر دیئے ہیں اور نادرًا جو خود لکھنا ہوتا ہے اپنے مجموعہ فتاوٰی عہ میں ان کی نقل نہیں رکھتا مگر جب کسی فائدہ نفیسہ پر مشتمل ہو لہٰذا ان سب وقائع کا پتا نہیں دے سکتا ہاں ابھی اسی شعبان میں اسی شہر کا ایک مسئلہ لکھا گیا جس میں قاضی زادوں کے خاندان سے ایک عورت کے پردادا کا پرپوتا اس کا وارث ہوا۔ ثواب الخیر بنت رعایت علی بن قاضی رحمت علی بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کا ترکہ فرزند علی بن محمد علی بن قاضی ب درالاسلام بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کو ملا۔ فرائض نویسان زمانہ دریافت نہیں کرتے سائلوں جاہلوں کے بتانے پر قناعت کرتے ہیں وہ کیا جانیں کس کس کو ترکہ پہنچتا ہے، لاجرم بلاوجہ حق تلفیاں ہوتی ہیں اگر تفتیش کامل کی عادت ہوتی تو آج ایسی توریثیں اچنبھانہ معلوم ہوتیں۔ سچ ہے جو وارد ہوا حدیث میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی:

تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانہ نصف العلم وانہ ینسی وھو اول ماینزع من امتی [1]۔ رواہ ابن ماجۃ و الحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھولا جاتا ہے اور پہلا علم جو میری امت سے نکل جائے گا (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

عــــہ: بعدہ ۹/صفر ۱۳۱۹ھ کو اسی بریلی کے مسلمان حلوائیوں کا ایک مناسخہ آیا جس میں احمد بخش نامی ایک شخص کا ترکہ کہ اس کی زوجہ وہمشیرہ سے بچا بلاقی وانعام اللہ نے پایا کہ احمد بخش کے پردادا کے چچا پوتے ے پوتے ہیں ان کا سلسلہ نسب یوں ہے، یہاں ذی فرض نسبی بھی موجود ہے پھر احمد بخش کی پھوپھی سراجن مری وہی دو عصبہ اس کے بھی وارث ہوئے وہ اس کے دادا کے چچا کے پرپوتے کے بیٹے ہیں، یہ بحمداللہ اس تحقیق کا نتیجہ ہے جو بیان کی جاتی ہے۔

زید

صلابت نور محمد

کمو لال محمد غلام غوث

سعد اللہ عطاء اللہ فیض اللہ

محمد بخش

انعام اللہ بلاقی احمد بخش

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب الحث علی تعلیم الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹، المستدرک للحاکم کتاب الفرائض دارالفکر بیروت ۳۳۲/۴

جواب سوال ہشتم

یہ رواج باطل ومردود ونامعتبر ہے کہ صراحۃً مخالف شرع مطہر ہے کوئی رواج نص کے خلاف معتبر نہیں ہو سکتا ورنہ ربا وزنا وشراب ورباب کارواج اس سے بدرجہازائد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم توفرمائیں:

فلاولی رجل ذکر [1]۔	کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے (ت)

جو فرائض مقدرہ دلاکر باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو بہ نسبت دیگر اقارب کے میت سے قریب تر ہے، ایسے مرد کے ہوتے ہوئے جو رَد کیا جائے گا صراحۃً حق تلفی وظلم ابعد اور ایسا رد خود واجب الرد ہوگا، یہ رواج نہ صرف حدیث بلکہ اجماع امت کے خلاف ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد اجمعوا علی ان مابقی بعد الفرائض فھو للعصبات یقدم الاقرب فالاقرب [2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ مشائخ کا اس پر اجماع ہے جو اصحاب الفرائض کے بعد باقی بچے وہ عصبوں کے لئے ہے، جو سب سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۷۳: از دیگر شریف ضلع ہردوئی مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر اور ایک دختر ہے، بعد فوت زوجہ اولٰی خالد نے عقد ثانی کیا اس سے بھی اولاد ہے اب خالد ن اولاد زوجہ اولٰی کو مکان سے نکال دیا اور جملہ حقوق سے محروم کیا اور زمہ خالد کے مہر زوجہ اولٰی کا واجب الادا ہے۔ پس اس صورت میں اولاد زوجہ اولٰی مستحق پانے مہر وغیرہ

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷،

صحیح مسلم ۲/ ۳۴

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب البیوع باب الفرائض حدیث ۳۰۴۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۲۳۰

مادر متوفیہ اپنی کے خالد سے ازروئے شرع شریف ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مہر جبکہ کُل یا بعض ذمہ شوہر واجب الادا ہو اور عورت بے ابراو معافی معتبر شرعی مر جائے تو وہ مثل دیگر دیون و اموال متروکہ زن ہوتا ہے اگر شوہر بعد کو زندہ رہے تو وہ خود بھی اس سے اپنا حصہ شرعی حسب شرائط مقررۂ علم فرائض پاتا ہے جبکہ عورت کا ترکہ قابل تقسیم ورثہ ہو یعنی عورت پر کوئی دین ایسا نہ ہو جو اس کے تمام متروکہ نقد و دَین و جائداد کو محیط و مستغرق ہو ورنہ شوہر خواہ کوئی وارث بذریعہ وراثت مہر خواہ دیگر متروکہ سے کچھ پانے کے مستحق نہ ہوں گے سب ادائے دین مورثہ میں صرف کیا جائے گا **لقولہ تعالٰی** "مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِيۡنَ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ" [1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں اور قرض کے بعد"۔ت) پس صورت مستفسرہ میں زوجہ اولٰی پر اگر ایسا دَین تھا تو کل مہر جس قدر ذمہ خالد واجب الاداء ہے اس سے وصول کرکے زن متوفاۃ کے قرضخواہوں کو دیں اور اگر ایسا نہیں تو جس قدر دَین غیر محیط عورت پر ہو اس کے کل متروکہ مہر وغیرہ سے ادا کرکے باقی ثلث میں اس کی وصیت اگر اس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کا ایک ربع خالد پر سے ساقط کریں کہ یہ خود اس کا حصہ ہوا اور تین ربع دیگر وارثان زن کو دیں خواہ یہی پسر و دختر ہوں یا ان کے ساتھ اور بھی مثل مادر و پدر زن یا اس کے جد صحیح وجدہ صحیحہ علٰی قضیۃ الفرائض اللہ تعالٰی۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۴: از بہیڑی متصل مسجد لب سڑک مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۱۳ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بی بی فوت ہوئی اور اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو اس سے تھے وہ بھی فوت ہوگئے۔ اب متوفیہ کے باپ کی جائداد متروکہ میں سے جو اس کے بھائی اور ماں کے قبضہ میں ہے متوفیہ کے شوہر کو ازروئے شرع شریف حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مل سکتا ہے تو کس حساب سے؟ اور متوفیہ کے ماں اور بھائی اس کے شوہر سے اگر اس نے معاف نہ کیا ہو زر مہر پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ہندہ یعنی زن متوفاۃ کا بھائی اس کے مہر وغیرہ متروکہ سے کسی شیئ کا مستحق نہیں اور لیلٰی یعنی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

مادر ہندہ ضرور اپنا حصہ مہر شوہر ہندہ سے پانے کی مستحق ہے یونہی زید یعنی شوہر ہندہ اپنا حصہ ہندہ کے اس ترکہ سے جو اس نے متروکہ پدری سے پایا مادر وبرادر ہندہ سے لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ لیلٰی کا مہر اور زید کا اس ترکہ میں کتنا حق ہے؟ اس کی تعیین تفصیل ورثہ ہندہ پر موقوف تھی، سائل نے کچھ نہ بتایا کہ عمرو وسلمٰی یعنی پسر ودختر ہندہ کی شادیاں ہوئی تھیں یا نہیں، ان کے بعد عمرو کی زوجہ یا سلمٰی کا شوہر یا کسی کی کچھ اولاد رہی یا نہیں، اگر رہی تو از قسم اناث تھی یا کیا، برتقدیر اول ایک دختر تھی یا متعدد، پھر ان وارثان عمرو وسلمی میں اگر تھے کسی ایسے کا انتقال ہو یا نہیں جس کی موت سے لیلٰی کا حصہ بڑھے، ہوا تو کتنوں کا، کس ترتیب سے، کیا کیا وارث چھوڑے، ان صور کے اختلاف سے زید ولیلٰی کے استحقاق یوں یہ اختلاف پڑے گا کہ ان میں ہر ایک ترکہ عمرو وسلمٰی سے کبھی سدس پائے گا کبھی کم کبھی زائد، اور بعض صورتوں میں زید کے لئے پانچ سدس ہوں گے لہٰذا تعیین نہیں کی جاسکتی کہ زید ولیلٰی ترکہ ومہر ہندہ سے کس کس قدر کے مستحق ہوئے۔ اجمالاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندہ کو جو کچھ ترکہ پدری سے ملا زیور ومہر وغیرہا اور جو کچھ اس کا ذاتی تھا برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دَین ووصیت چھتیس سہام ہو کر نو سہم زید اور چھ لیلٰی اور چودہ عمرو اور سات سلمی کو ملیں گے، اور جو کچھ عمرو وسلمٰی کو ملا وہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہوگا جن میں زید ولیلٰی بھی ضرور مستحق یا صرف یہی دونوں مستحق ہوں گے، بہرحال وہ چہارم کہ زید نے ترکہ ہندہ سے پائے اور جو جو حصہ اسے ترکہ عمرو وسلمی سے ملا اس کے مجموع کا مطالبہ وہ اس ترکہ ہندہ سے کرسکتا ہے جو قبضہ مادر وبرادر ہندہ میں ہے اور وہ چھٹا حصہ کہ لیلٰی نے مہر ہندہ سے پایا اور جو جو کچھ اسے حصہ عمرو وسلمٰی سے پہنچا منجملہ مہر اس مجموع کا مطالبہ لیلٰی زید سے کرسکتی ہے اگر صورت یہ ہو کہ عمرو وسلمٰی نے سوا زید ولیلٰی کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل متروکہ ہندہ مہر وغیرہ سب بہتر سہام ہو کر انیس سہم لیلٰی اور ترپن ۵۳ زید کو ملیں گے اس صورت میں زید مادر وبرادر ہندہ سے منجملہ حصہ ہندہ از ترکہ پدری ۵۳/۷۲ لینے کا مستحق ہے اور لیلٰی منجملہ مہر زید سے ۱۹/۷۲، کما لایخفی علی من یعرف التخریج (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو تخریج کی پہچان رکھتا ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵: ۲۵/رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین پسر دو دختر ایک زوجہ تھی زوجہ نے انتقال کیا عمرو پسر کلاں نے کہ ماں اسی کے ساتھ رہتی تھی بے اذن زید بطور خود اپنی والدہ کی تجہیز وتکفین

کی جب زید کا وقت انتقال قریب آیا اس نے تیس روپیہ قرض لے کر اپنے منجھلے پسر بکر کو کہ زید اس کے ساتھ رہتا تھا دیئے کہ کفن ودفن میں اٹھا نا اب تقسیم جائداد زید پر منازعت ہے۔ عمرو کہتا ہے والد نے تیس روپے اپنی تجہیز کے لئے بکر کو دیئے تھے میں نے والدہ کی تجہیز وتکفین کی اس کے تیس روپیہ میں ترکہ والدہ سے لوں گا، خالد پسر خورد کہتا ہے والد نے اور بھائیوں کی شادی خود کی میری شادی نہ ہوئی اس کا صرف علاوہ حصہ شرعیہ کے ترکہ والد سے مجھ کو ملے، اس صورت میں شرعًا کیا حکم ہے اور پسر کلاں وخورد کے یہ دونوں دعوے قابل سماعت ہیں یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اور اجر پایئے۔ت)

الجواب:

دونوں دعوی باطل وناقابل سماعت ہیں عورت کی تجہیز وتکفین اگرچہ مذہب مفتی بہ میں مطلقًا ذمہ شوہر لازم ہے تو بکر نے اپنے باپ کا واجب ادا کیا مگر جب کہ یہ فعل اس کا بطور خود بے اذن پدر تھا تو وہ اس کی طرف سے تبرع یعنی احسان اور ایک نیک سلوک ٹھہرے گا جس کا معاوضہ پانے کا وہ ماں یا باپ کسی کے ترکہ سے استحقاق نہیں رکھتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

اختلف فی الزوج والفتوٰی علٰی وجوب کفنها علیه وان ترکت مالا[1]۔	زوج کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور فتوٰی اس پر ہے کہ بیوی کا کفن خاوند پر واجب ہے اگرچہ بیوی نے مال چھوڑا ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

لو کفنه الحاضر من ماله لیرجع علی الغائب منهم بحصته فلا رجوع له ان انفق بلا اذن القاضی حاوی الزاهدی واستنبط منه الخیر الرملی انه لو کفن الزوجة غیر زوجها بلا اذنه	اگرچہ حاضر نے میت کو اپنے مال سے اس نیت سے کفن پہنایا کہ غائب وارثوں پر اس کے حصہ کا رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر کفن پر خرچ کیا ہو۔ یہ حاوی الزاہدی میں ہے۔ اسی سے علامہ خیر الدین رملی نے استنباط کیا کہ اگر بیوی کو خاوند کے غیر نے خاوند اور قاضی کی اجازت کے

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

ولااذن القاضی فهو متبرع[1]۔	بغیر کفن پہنایا تو وہ اس میں احسان کرنے والا قرار پائے گا۔(ت)

اسی طرح شادی کا صرف مانگنا محض بے معنی ہے جس کی شرع مطہر میں کچھ اصل نہیں، مصارف شادی زید پر دَین نہ تھے کہ اس کے ترکہ سے لئے جائیں **کما لایخفٰی علی احد ممن له مساس بالعلم** (جیسا کہ علم سے مس رکھنے والے کسی شخص پر پوشیدہ نہیں۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۶: ۱۹/ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمدی بیگم فوت ہوئی، ایک بہن کی دو دختر زینب وسکینہ، اور دوسری بہن کے دو پسر ایک دختر خالد، ولید، ہندہ اور بھائی کی ایک دختر ہاجرہ وارث چھوڑے۔ یہ سب بہن بھائی حقیقی تھے تو ترکہ محمدی بیگم کا ان پر کس طور سے تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دَین ووصیت ترکہ محمدی بیگم کا انچاس سہام پر منقسم ہو کر چودہ سہم ہاجرہ اور پانچ پانچ زینب وسکینہ وہندہ اور دس دس خالد و ولید کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

صورۃ القسمۃ ھکذا (تقسیم کی صورت اس طرح ہے۔ت)

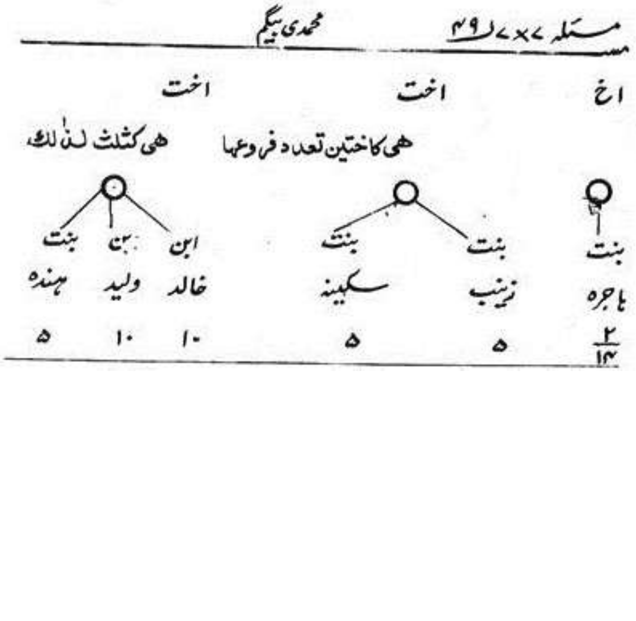

[1] ردالمحتار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۰و۵۸۱

مسئلہ ۷۷: ازملک بنگالہ ضلع بردوان ڈاکخانہ گدا موضع کدمیہ مرسلہ محمد مسلم صاحب ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوئی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے زوج البنت واخت الزوج وابن عم الزوج کے، آیا انہیں کو ملے گا بطور وراثت یا بطور استحقاق بیت المال؟ اس زمانہ میں بیت المال نہیں ایسا مال مہتمم مدرسہ کو دیا جائے کہ وہ حوائج مدرسہ میں خرچ کرے، جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

جبکہ میت کا کوئی وارث شرعی موصی لہ بجمیع المال تک نہ ہو توجو کچھ اس کی تجہیز وتکفین وادائے دیون سے بچے فقرائے بیکس و بے قدرت عاجزین مسلمین کو دیا جائے۔ ان تین شخصوں میں اگر کوئی اس طرح کا ہو تو اسے دیں، اور اگر داماد فقیر عاجز ہو تو وہ مستحق تر ہے اسے دینا انسب ہے کہ وہ سب سے زیادہ عورت کا قریب ہے، داماد محرم ومانند پسر ہوتا ہے، اس مال کا مہتمم مدرسہ کو ایسے خرچ مدرسہ کے لئے دینا جو مصرف مذکور سے جدا ہو عامہ کتب کے خلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

بیوت المال اربعة (الی قوله) ورابعها الضوائع "مثل مالا *یکون له اناوارثونا* ثم قال ورابعها فمصرفه جهات* تساوی النفع فیها المسلمونا[1] * قال فی رد المحتار لکنه مخالف لما فی الهدایة والزیلعی فان الذی فی الهدایة وعامة الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین هو الثالث اما الرابع فمصرفه اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم کما فی الزیلعی وغیره عامة	بیت المال کی اقسام چار ہیں (ماتن کے اس قول تک کہ) ان میں چوتھی قسم گری پڑی اشیاء ہی جیسے وہ مال جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو۔ پھر کہا اس کا مصرف وہ جہتیں ہیں جن کے نفع میں تمام مسلمان برابر ہوں، ردالمحتار میں کہا لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو کچھ ہدایہ اور زیلعی میں ہے، کیونکہ ہدایہ وعام کتابوں میں ہے کہ جو کچھ مسلمانوں کی مصلحتوں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ تیسری قسم ہے۔ چوتھی قسم کا مصرف تو وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کا کوئی ولی نہیں ہوتا جیسا کہ زیلعی وغیرہ عام کتابوں میں

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴۰

الکتب [1] اھ مختصرا وتمام تحقیقہ البازغ فیما علقنا علیہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	ہے اھ اختصار، اور اس کی مکمل روشن تحقیق ردالمحتار پر ہماری تعلیق میں ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بکر نے انتقال کیا اور اپنی ملکیت سے دو مکان زنانے اور ایک مردانہ اور ایک کھپریل بقیمت مبلغ ۳۰ اور ایک درخت نیب بقیمت مبلغ آٹھ روپے کا چھوڑا۔ زید اور عمرو مکانات مذکور پر بتقسیم مساوی کہ ایک مکان خاص زید کا اور ایک خاص عمرو کا، اور نشست گاہ اور کھپریل اور درخت نیب پر مشترک قابض ہوئے، زید نے خاص اپنا کہ جس میں صرف دو کوٹھے تھے فروخت کردیا بعد چند روز کے فوت ہوگیا، اولاد زید کی عرصہ تیس برس تک مکانات مشترکہ اور درخت نیب و کھپریل پر قابض رہے اور سکونت بھی مکان خاص عمرو میں اپنے چچا کے پاس رہے، قضاءً عمرو اور اولاد زید میں نااتفاقی ہوئی، اولاد زید نے جدا ہو کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی، بعد چند روز کے عمرو بھی فوت ہوگیا تب اولاد عمرو نے وہ سب مکانات اور درخت نیب تین حصہ مساوی پر آپس میں تقسیم کرلیا، اولاد زید کو کچھ آیا بوجہ جدا ہوجانے اور قبضہ چھوڑ دینے کے اولاد زید کا حق نہ رہا۔

الجواب:

نہ جدا ہوجانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے، نشست گاہ اور کھپریل اور درخت میں نصف اولاد زید کا ہے۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۷۹: ۱۱/ذی الحجہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ہندہ فوت ہوئی اور زینب اخت عینی اور زید پسر ہمشیرہ اور عمرو پسر برادر حقیقی اور خالد برادر علاتی اور شوہر وارث چھوڑے، پس تقسیم ترکہ کس طرح ہوگی؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا دو سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم شوہر اور ایک حقیقی خواہر کو ملے گا باقی کو کوئی کچھ نہ پائے گا، بھانجا تو ذوی الارحام سے ہے اور بھتیجا بھائی کے ہوتے محروم بھائی عصبہ تھا اہل فرائض یعنی شوہر وخواہر سے جو بچتا لیتا مگر ان سے کچھ باقی بچا ہی نہیں لہذا کچھ نہ پہنچا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۰: ازالہ آباد کچہری دیوانی مرسلہ شیخ رضی الدین صاحب وکیل ۱۴ محرم ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین فرقہ سنت وجماعت بیچ اس مسئلہ کے کہ شیخ معین الدین نے انتقال کی اور مسماۃ بینا بی بی ایک زوجہ لاولد اور مسماۃ عائشہ بی بی ایک خالہ علاتی یعنی نانا کی دختر دوسری ماں سے جو متوفی کی حقیقی نانی نہ تھی اور مسماۃ مصری بی بی ایک خالہ عینی کے تین پسر اور ایک دختر اور مسماۃ برکت النساء بی بی دختر عم حقیقی متوفی کو چھوڑا اور بعد فوت شیخ معین الدین مذکور کے مسماۃ برکت النساء بی بی بھی تین پسر و تین دختر چھوڑ کر فوت ہو گئی پس ایسی صورت میں املاک متروکہ شیخ معین الدین متوفی ازروئے شرع شریف حنفی کے کس کس کو کس کس قدر پہنچے گا و ملے گا؟ فتوٰی بحوالہ عبارت کتاب کے ارقام و مرحمت فرمایا جائے۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں برتقدیر عدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم مہر و دیون ووصایا ترکہ شیخ معین الدین کا چار سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم زوجہ اور تین سہم عائشہ کو ملیں گے اور مصری کی اولاد یا برکت النساء کے لئے کچھ نہیں۔ شرعاً ذوی الارحام کے ہر صنف بلکہ عصبات کی بھی ہر نوع میں یہ حکم عام ہے کہ قرب درجہ مطلقاً موجب ترجیح ہے ایک صنف کے ذوی الارحام یا ایک نوع کے عصبات میں جسے میت تک انتساب میں وسائط کم ہوں گے وہ کثیر الوسائط پر ہمیشہ مقدم رہے گا اگرچہ دوسرا قوت قرابت یا ولدیت عصبہ رکھتا ہو مثلاً برادر علاتی ابن الاخ عینی سے مقدم ہے اور بنت خالہ ابن ابن العمہ پر مرجح ہے۔ وھکذا شریفیہ میں ہے:

اولٰھم بالمیراث اقربھم الی المیت من ای جھۃ کان ای سواء کان الاقرب من جھۃ الاب او من غیر جھتہ فاولاد العمۃ اولٰی من اولاد	ان میں سے میراث کا زیادہ حقدار وہ ہوگا جو میت کے زیادہ قریب ہو چاہے کسی بھی جہت سے ہو یعنی برابر ہے کہ وہ زیادہ قریب باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔ چنانچہ پھوپھی کی اولاد، خالی کی اولاد کی اولاد سے

اولاد الخالۃ وبالعکس لوجود الاقربیۃ مع اختلاف الجھۃ[1] اھ مختصرًا۔	اولٰی ہوگی اور یوں ہی اس کے برعکس کیونکہ جہت مختلف ہونے کے باوجود اقربیت پائی گئی اھ مختصرًا(ت)

درمختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف[2]۔	ہر صنف میں زیادہ قرب رکھنے والے کو مقدم کیا جائے گا(ت)

اور شک نہیں کہ خالہ بنت العم سے اقرب ہے، خالہ کے معنی ہیں خواہر مادر میت اور بنت العم کے معنی دختر برادر پدر میت ولہذا بنت العم ابن الخالہ یا بنت الخالہ پر مقدم نہیں ہوتی دونوں ایک درجے میں لکھی جاتی ہیں۔ حل المشکلات علامہ انقروی میں ہے:

من مات وترک بنت عم لابوین و ابن خال لاب اولام فالمال بین الفریقین اثلاثا ثلثا المال للبنت لانھا من جانب الاب وثلثہ للابن لانہ من جانب الام[3]۔	جو شخص حقیقی چچا کی بیٹی اور علاتی یا اخیافی ماموں کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کا مال دونوں فریقوں میں تہائیوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، دو تہائی بیٹی کو ملیں گے کیونکہ وہ باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کی جانب سے ہے۔(ت)

اور جب بنت العم اولاد خالہ سے مساوی الدرجہ ہوئی تو خالہ سے بالبداہۃ نیچے درجے میں ہوئی اور جب بنت العم نے بوجہ ولدیت عصبہ اولاد خالہ پر ترجیح نہ پائی کہ حیز قرابت مختلف ہے تو خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی ولدیت عصبہ بدرجہ اولٰی ساقط الاعتبار ٹھہری۔ سراجیہ وشریفیہ میں ہے:

ان استووا فی القرب ولکن اختلف حیز قرابتھم بان کان بعضھم	اگر وہ قرب میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں مثلاً ان میں سے بعض باپ

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۷

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حل المشکلات

من جانب الاب وبعضھم من جانب الام فلااعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولالولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لاب وام لیست اولٰی من بنت الخالۃ لعدم اعتبار کون بنت العم ولد العصبۃ[1] اھ باختصار۔	کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو یہاں قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونے کاظاہر الروایہ کے مطابق کوئی اعتبار نہیں ہوگا، لہٰذا حقیقی چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں چچا کی بیٹی کااولاد عصبہ ہونا معتبر نہیں ہے اھ اختصار (ت)

بالجملہ خالہ اگرعلاتیہ صنف رابع میں ہے اوربنت العم حکماً اولاد صنف رابع کے مثل ہے حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

حکم بنات الاعمام حکم اولاد الصنف الرابع[2]۔	چچوں کی بیٹیوں کاحکم صنف چہارم کی اولاد کے حکم کی طرح ہے۔ (ت)

اور صنف رابع اولاد صنف رابع پر بالاجماع مقدم ومرجح ہے کمالایخفی (جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۱: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ مرسلہ محمد عبدالصبور

جناب مولوی صاحب قبلہ فیض رسان دام ظلہم، بعد تسلیم کے عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکااور ایک لڑکی ہے اور ایک نواسے کوبیٹابنایاہے اب وہ شخص اپنی حیات میں اپنامال واسباب تقسیم کرناچاہتاہے اوریہ دریافت کرتاہے کہ نواسے کو مثل بیٹے کے جواسباب وغیرہ تقسیم کرکے دوں تواس کا مواخذہ میرے ذمے تونہ ہوگا کہ بیٹی کے مقابلے میں نواسے کو بھی مثل بیٹے کے حصہ دیاہے اس کافتوٰی صحیح طورپر مہرلگا کر مرحمت فرمایئے گاتاکہ اس پر عمل کیاجائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مہروغیرہ دَین جوکچھ ادا کرکے جوباقی بچے تین حصے برابر کردیجئے، ایک پسر، ایک دختر، ایک نواسے کو، اس میں کوئی مواخذہ یاکسی کی حق تلفی نہ ہوگی، زندگی میں

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

جواولاد پر تقسیم کی جائے اس میں بیٹا، بیٹی دونوں برابر رکھے جاتے ہیں اکہرے دوہرے کا تفاوت بعد موت ہے۔ **واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۲: از فیروز پور مرسلہ مولوی غلام صدیق نائب مدرس مدرسہ شاہی ضلع بریلی ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو قابل نکاح سمجھ کر اپنے نکاح میں لایا اور ہمبستر ہوا یہاں تک کہ ہندہ کو حمل رہا اس کے بعد زید پر واضح ہوا کہ ہندہ نے دھوکا دیا وہ عمرو کی منکوحہ ہے زید نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا ہندہ نے اپنے شوہر عمرو کو کچھ دے کر طلاق لی اور بعد تین مہینے گزرنے کے پھر زید کے پاس آئی زید نے اب اسے رکھ لیا اور حمل مذکور سے لڑکا بھی پیدا ہو لیا تھا مگر اب بعد طلاق اس سے نکاح نہ کیا اس پر لوگ انگشت نما ہوئے زید نے پھر عورت کو نکال دیا اس نے تیسرے شخص سے نکاح کرلیا، اب زید کا انتقال ہوا ایک یہی لڑکا جو یقیناً زید کے نطفہ سے ہے اور چار لڑکیاں اور ایک بھائی ایک بھتیجا ایک چچازاد بہن وارث چھوڑے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا اور یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مستفسرہ میں یہ لڑکا شرعاً زید کا بیٹا اور اس کا وارث ہے منکوحہ غیر سے نکاح جبکہ ناکح کو اس کا نکاح غیر میں ہونا معلوم نہ ہو نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر و معتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا قال "فی البحر "فعلٰی ھذا یفرق بین فاسدہ و باطلہ فی العدۃ ولھذا یجب الحد مع العلم	رِدّالمحتار میں بحر سے بحوالہ مجتبٰی منقول ہے غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ سے نکاح ہوا تو اس میں دخول عدت کو واجب نہیں کرتا اگر ناکح جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس کے جائز ہونے کا قول کسی نے بھی ہیں کیا، چنانچہ یہ نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا۔ بحر میں کہا اس بنیاد پر عدت کے بارے میں نکاح فاسد اور نکاح باطل کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حرمت کا علم ہونے کے

بالحرمة لانه زنا کما فی القنیة وغیرها[1]۔	باوجود ایسا کرنے والے پر حد واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور ایسی صورت میں مذہب مفتی بہ پر حتی الامکان بچہ اسی ناکح ثانی بنکاح فاسد کا قرار پاتا ہے نہ شوہر اول صاحب نکاح صحیح کا۔

فی الدر المختار غاب عن امرأته فتزوجت بآخر و ولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانی علی المذہب الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتوی کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وفی حاشیة شرح المنار لابن الحنبلی وعلیه الفتوی ان احتمله الحال[2] فی ردالمحتار قوله غاب عن امرأته شامل لما اذا بلغها موته او طلاقه فاعتدت و تزوجت ثم بان خلافه ولما اذا ادعت ذٰلك ثم بان خلافه ح[3] اھ وفیه حکم الدخول فی	درمختار میں ہے کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا اس نے دوسرے شخص سے شادی کرکے اولاد جنی، پھر پہلا خاوند آگیا تو اس مذہب کے مطابق جس کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے رجوع فرمایا اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی، اور اسی پر فتوٰی ہے۔ جیسا کہ خانیہ، جوہرہ اور کافی وغیرہ میں ہے۔ ابن الحنبلی کی شرح منار کے حاشیہ میں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اگر حال اس کا احتمال رکھتا ہو، ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "وہ بیوی چھوڑ کر غائب ہوگیا" یہ اس صورت کو شامل ہے جب بیوی کو خاوند کی موت یا اس کے طلاق دینے کی خبر پہنچی ہو تو اس نے عدت گزار کر شادی کرلی پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا، اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب اس عورت نے اس کا دعوٰی کیا ہو پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا ہو (ح) الخ۔

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۰۷

[2] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۳

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۱

النکاح الموقوف کالدخول فی الفاسد فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الاقل من المسمی ومن مھر المثل[1] الخ۔	اور اسی میں ہے نکاح موقوف میں دخول کا حکم نکاح فاسد میں دخول کے حکم کی طرح ہے، چنانچہ اس سے حد ساقط ہوگی، نسب نامہ ثابت ہوگا اور مقررہ مہر اور مہر مثل میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا الخ (ت)

اور جب شرعًا اس کا نسب زید سے ثابت، اور وہ زید کا بیٹا ہے، تو وارث ہونے میں شبہہ کیا ہے **حیث لامانع من الارث** (اس لئے کہ میراث سے کوئی مانع موجود نہیں۔ت) پس برتقدیر عدم وارث آخر وتقدیم دین ووصیت ترکہ زید چھ سہام پر منقسم ہو کر دو سہم یہ لڑکا اور ایک ایک سہم ہر ایک بیٹی پائے گی اور بھائی بھتیجا بہن کوئی کچھ نہ پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۳: از ریاست عثمان پور ضلع بارہ بنکی مرسلہ شیخ محمد عنایت حسین صاحب ۳۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اطہر ومفتیان شرع مطہر اندریں مسئلہ کہ مسمّٰی زید سہ پسر دارد بکر، عمرو، خالد۔ خالد را شخصے لاولد بہ تبنیت گرفت وقائم مقام جائز خود نمود، دریں صورت خالد از متروکہ پدری شرعی حصہ ہم خواہد یافت یا محروم الارث خواہد شد فقط۔	کیا فرماتے ہیں دین اطہر کے علماء اور شرع مطہر کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں کہ زید نامی شخص کے تین بیٹے ہیں: بکر، عمرو اور خالد۔ خالد کو ایک بے اولاد شخص نے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کو اپنی اولاد کے قائم مقام کرلیا۔ اس صورت میں خالد اپنے باپ کے ترکہ سے بھی شرعی حصہ پائے گا یا اس کی میراث سے محروم ہوگا فقط؟

الجواب:

پسر خواندہ نہ چنیں کس را پسر می شود نہ خود بے علاقہ از پدر ان الحقائق لاتغیر، شرعًا وارث پدر	منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق ہوتا ہے کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا۔ شرعی طور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۵۰

ست نہ ابنکس دیگر۔ خواستہ اش حسب خواستہ است کہ وصیت کرد بدست متبنی آمدہ باشد ایں وراثت نیست الا لا وصیۃ لوارث[1] قال اللہ تعالٰی "وَمَاجَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ"[2] الٰی قولہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ" الاٰیۃ[3]، وقال اللہ تعالٰی "يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"[4] نیست خاصہ تبنی کسے از موانع ارث ارث پسر از پدر وھذا اظھر من ان یظھر واللہ تعالٰی اعلم۔	پر وہ اپنے باپ کاوارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو منہ بولا بیٹا بنایا ہے۔ اگر دوسرا شخص چاہے تو منہ بولے بیٹے کے حق میں وصیت کردے تاکہ اس کامال اس کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے۔ اور یہ وراثت نہ ہوگی، خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی، اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا" (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) "انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" الآیہ، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔ اور کسی کا منہ بولا بیٹا بن جانا اس کے لئے باپ کی میراث سے مانع نہیں ہوا۔ اور یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۸۴: ۵/ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تین زوجہ لیلٰی، سلمٰی، سعاد اور ایک ماموں زاد بھائی عمرو اور ایک خالہ زاد بہن جمیلہ اور ایک پھپی زاد بہن حسینہ چھوڑ کر انتقال کیا

---

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الوصایا باب الاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

اور اس کی زوجہ سلمیٰ عمرو کی حقیقی بہن ہے اور دوسری زوجہ سعاد جمیلہ کی حقیقی بہن ہے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید بہتر سہم ہو کر اس حساب [عہ] سے منقسم ہوگا:

مسئلہ ۴ × ۶ = ۲۴ × ۳ = ۷۲

زوجہ لیلیٰ	زوجہ وھی بنت خالہ سلمیٰ		زوجہ وھی بنت خالہ سعاد		ابن الخال	بنت الخالہ	بنت العمۃ
	فرضا	رحما	فرضا	رحما	عمرو	جمیلہ	حبینہ
۶	۶	۴	۶	۳	۸	۳	۳۶
	۱۰		۹				

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۵: از بشارت گنج بریلی ۶ شوال ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عاق بالعین وآق بالالف کے کیا معنی ہیں؟ ایک کاغذ میں زید کے جانب سے زید کے بیٹے کا عاق ہونا لکھا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کو زید نے لکھا بھی ہے یا نہیں، وہ کاغذ زید کے مرنے کے سو سوا سو برس بعد ایک شخص پیش کرتا ہے، آیا وہ قابل تسلیم ہے یا نہیں؟ اور زید کا لڑکا اس کاغذ کے رو سے عاق ہوگا یا نہیں؟ درصورت عاق ہونے کے بھی آیا ترکہ سے محروم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب:

"آق" ترکی سپید کو کہتے ہیں، اور "عاق" عربی میں وہ اولاد کہ ماں یا باپ کو آزار پہنچائے

عــــہ: اس لئے کہ چار سے ایک تینوں زوجہ پر منکسر ہے اور باقی تین سے دو قرابت پدری اور ایک قرابت مادری کو پہنچا اس میں دو خال اور دو خالہ ہیں یا ایک ایک خال وخالہ ہوں تو بوجہ تعدد اولاد بجائے دو خال ودو خالہ ہیں بہرحال یہ ایک چھ پر منقسم ہوگا اس پر منکسر ہے تین اور چھ جن پر انکسار ہوا متداخل ہیں اور چھ عدد اکبر ہے تو اسی کی ضرب چار میں دی گئی اب قرابت مادری کو چھ پہنچے جن میں سے چار اولاد خال کے لئے ہیں اور وہ ایک بنت ہے چار تین پر منکسر ہوئے ۲۴ میں پھر ۳ کی ضرب سے بہتر ۷۲ ہوئے ۱۲ منہ۔

ناحق ناراض کرے۔ کوئی کاغذ بے شہادت شرعیہ قابل تسلیم نہیں ہوتا، نہ وہ منسوب الیہ لکھا اقرار پاسکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الخط یشبه الخط فلا یعتبر [1]۔	خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا (ت)

درمختار میں ہے:

لایعمل بالخط [2]۔	خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجة والحجة هی البیّنة او الاقرار اما الصك فلا یصلح حجة لان الخط یشبه الخط [3]۔	قاضی فقط حجت کے ساتھ فیصلہ کرے، اور حجت (دلیل) گواہ ہیں یا اقرار۔ رہ تحریر تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (ت)

تو پسر زید اس کاغذ بے ثبوت کے ذریعہ سے ہرگز عاق نہیں ٹھہر سکتا اور جو شخص فی الواقع عاق ہو تو اس کا اثر امور آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کرکے اس کا گناہ معاف نہ فرمائے تو اس کی سزا جہنم ہے، والعیاذ باللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے ہمارا ترکہ اسے نہ پہنچے اصلًا وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حق میراث قرآن عظیم نے مقرر فرمایا ہے۔

وقال اللہ تعالٰی "یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْۗ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِۚ" [4]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔

والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا ولہٰذا تمام

[1] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ باب فیمن یمر علی العاشر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۷۷

[2] الدرالمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۳

[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/ ۷۴۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع ارث سے نہ گنا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸۶: از شہر کہنہ ۱۸ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ فوت ہوئی اس نے اپنے حقیقی چچا کی ایک دختر کے تین پسر اور تین دختر اور دوسرے حقیقی چچا کی دختر کے دو دختر اور حقیقی پھپی کے دختر کا ایک پسر اور حقیقی ماموں کے دختر کے دو پسر ایک دختر اور اپنے شوہر کے حقیقی بھائی کی دختر اور شوہر کے حقیقی بہن کے دختر کے ایک دختر تین پسر چھوڑے۔اس صورت میں ترکہ ہندہ کا کس کو پہنچے گا اور کَے سہام پر منقسم ہوگا۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ ہندہ کا دوہزار آٹھ سو پانچ سہام پر منقسم ہو کر چچازاد بہن کے ہر پسر کو تین سو بیس ۳۲۰ اور دونوں چچازاد بہنوں کی ہر دختر کو ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اور پھپی زاد بہن کے پسر کو ایک سو دس ۱۱۰ اور ماموں زاد بہن کے ہر پسر کو تین سو چوہتر ۳۷۴ اور اس کی دختر کو ایک سو ستاسی ۱۸۷ ملیں گے اور شوہر کے بھائی بہن کی اولاد کچھ نہ پائے گی۔

وصورۃ المسألۃ ھکذا (مسئلہ کی صورت اس طرح ہے۔ت)

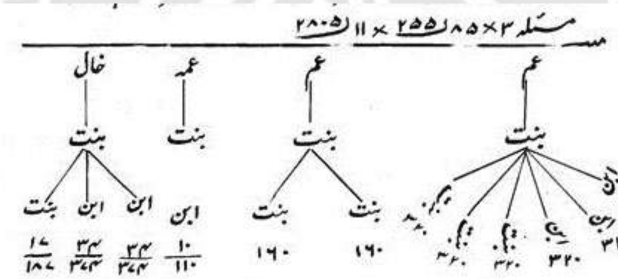

وذٰلك لا اصل المسئلة من ثلثة اثنان منها القرابة الاب وواحد لقرابة الام ثم ما اصاب	یہ اس لئے ہے کہ مسئلہ تین سے بنے گا جس میں سے دو حصے باپ کی قرابت اور ایک حصہ ماں کی قرابت کے لئے ہوگا، پھر جو باپ

قرابۃ الاب یقسم علی اول بطن اختلف ذکورۃ و انوثۃ وھو البطن الاول و یعتبر فی الاصول ابدان الفروع فالعم الاول ستۃ اعمام والثانی عمان والعمۃ واحدۃ فھم کسبع عشرۃ عمات بینھن وبین سھمھن اعنی اثنین مباینۃ وما اصاب قرابۃ الام و ھوالواحد ینقسم علٰی خمسۃ وبینھما ایضا مباینۃ فقررنا الرأسین اعنی ۱۷ و ۵ علٰی حالھما وبینھما ایضا تبائن فضربنا احدھما فی الاٰخر کانت ۸۵ ضربناہ فی المسئلۃ بلغت ۲۵۵ منھا ۸۵ لفریق الام منقسم اخماسا ۱۷ البنت و ۳۴ لکل ابن ومثلاہ اعنی ۱۷۰ الفریق الاب منقسما علی سبعۃ عشر فسھم منھا اعنی ۱۰ للعمۃ ای لابنھا و ھی طائفۃ الانثٰی عن ھذا الفریق وجمعنا بالطائفۃ الذکور منہ و	کے قرابت داروں کوملاوہ اس پہلے بطن پر تقسیم ہوگا جومذکرومؤنث میں مختلف ہے اور وہ پہلابطن ہے، چونکہ یہاں اصول میں فروع کے ابدان کا اعتبار کیاجاتا ہے لہٰذا پہلاچچا(گویاکہ) چھ اوردوسراچچا(گویاکہ) دو چچے ہوگئے جبکہ پھوپھی بھی ایک ہے تواس طرح یہ سترہ پھوپھیوں کے برابر ہوگئے(کیونکہ ایک چچا دوپھوپھیوں کے برابر ہوتاہے) ان سترہ اوران کے حصوں یعنی دومیں تباین کی نسبت ہے، جوماں کی قرابت کوملاوہ پانچ پر منقسم ہوگا جبکہ پانچ اوران کے حصے یعنی ایک میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ چنانچہ ہم نے دونوں کے رؤس یعنی ۱۷ اور ۵ کوان کے حال پر برقراررکھااوران دونوں میں بھی تباین کی نسبت ہے۔ پھرہم نے ایک کو دوسرے میں ضرب دی تو حاصل ضرب ۸۵ ہواجسے اصل مسئلہ (یعنی تین) میں ضرب دینے سے ۲۵۵ حاصل ہوااس میں سے ۸۵ ماں کی قرابت والے فریق کوملیں گے جوپانچ پر منقسم ہوں گے۔ ۱۷ بیٹی کو اور ۳۴ ہرایک بیٹے کو دیئے جائیں گے اور ۸۵ کادوگنایعنی ۱۷۰ باپ کی قرابت والے فریق کوملیں گے جو ۱۷ پر تقسیم ہوں گے۔ ایک سترہواں حصہ یعنی ۱۰ پھوپھی یعنی اس کے بیٹے(نواسے) کے لئے یہ اس فریق کا گروہ مؤنث ہے اس کو ہم نے گروہ مذکر کے حصوں جو کہ

ہو ۱۶۰ ونظرنا تحتهم فلم يكن فی البطن الثانی اختلاف بذكورة وانوثة انما كان فی البطن الثالث الحی فيه ثلثة ابناء وخمس بنات فی قوة احدی عشرة بنات و ۱۶۰ لاتستقيم عليهن بل تباين فضربنا ۱۱ فی المبلغ صحت من ۲۸۰۵ منها لطائفة الذكور من فريق الاب لكل بنت ۱۶۰ ولكل ابن ۳۲۰۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	۱۶۰ ہیں کے ساتھ جمع کیا اور گروہ مذکر کے نیچے نظر کی تو دوسرے بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تیسرے بطن میں ہے جس میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں زندہ ہیں اور وہ تمام گیارہ بیٹیوں کی قوت میں ہیں جبکہ ان کے حصے جو کہ ۱۶۰ ہیں ان پر برابر تقسیم نہیں ہو سکتے بلکہ ان میں تباین کی نسبت ہے لہٰذا ہم نے ۱۱ کو ۱۷۶۰ مسئلہ کے مجموعے یعنی ۲۵۵ میں ضرب دی تو ۲۸۰۵ حاصل ضرب ہوا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اس میں سے باپ والے فریق کے گروہ مذکر کے لئے ۱۷۶۰ حصے ہیں۔ ہر بیٹی کو ۱۶۰ اور ہر بیٹے کو ۳۲۰ ملیں گے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۷: ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو پسر تھے عمرو وبکر، اور دو دختر ہندہ وسعاد، بعد انتقال زید کے بکر کی دختر کی پوتی لیلٰی باقی ہے اور سعاد کا پرپوتا خالد ہے اور عمرو کے ایک پسر ایک دختر تھی دختر عمرو کا پوتا ولید ہے، اور پسر عمرو کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا بیٹا سعید، دوسری کی بیٹی جمیلہ زندہ ہے، اور ہندہ کے دو پسر تھے ایک پسر کا پوتا حمید ہے اور دوسرے پسر کے ایک بیٹا تھا جس کی دختر حسینہ اور ایک بیٹی تھی جس کا پسر رشید ہے۔ اس صورت میں زید کا ترکہ ان آٹھوں وارثوں پر کیونکر تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا ترکہ زید کا نوسو پینتالیس ۹۴۵ سہام پر منقسم ہو کر اس حساب سے تقسیم پائے گا:

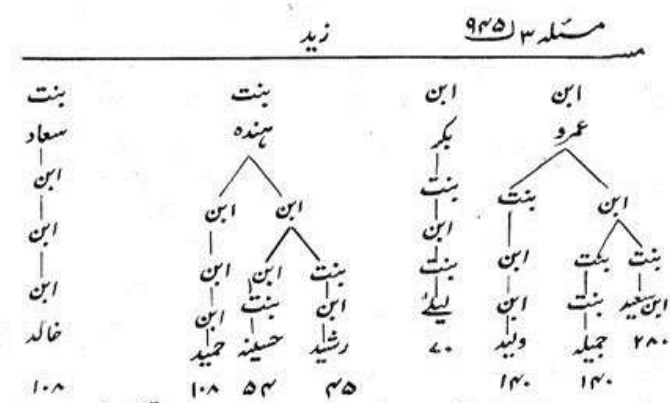

وذٰلك لان القسمة علٰی اول بطن اختلف بالذکورة و الانوثة وھو ھٰھنا البطن الاول ویعتبر عدد الفروع فی الاصول ففیه ابن بابنین وابن اٰخر وبنت ببنتین و بنت اخری فاذا تساوی عدد الطائفتین فلطائفة الذکور ضعف بالطائفة الاناث فکانت المسئلة من ثلثة اثنان لطائفة البنین و واحد لطائفة البنات ثم فی طائفة البنین فی البطن الثانی ابن کابنین وبنتان فینقسم مالھما اعنی ۲ علٰی ستة

اور یہ اس لئے ہے کہ تقسیم اس پہلے بطن پر ہوگی جس میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہوا اور وہ یہاں پر بطن اول ہے۔ اور اصول میں فروع کی تعداد کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک بیٹا جوکہ دو بیٹیوں کے حکم میں ہوگیا اور ایک دوسرا بیٹا ہے۔ اسی طرح ایک بیٹی جوکہ دو کے حکم میں ہو گئی اور ایک دوسری بیٹی ہے، جب دونوں فریقوں کی تعداد برابر ہے تو مذکر فریق کے لئے مونث فریق سے دوگنا ہوگا۔ لہٰذا مسئلہ تین سے ہو کر دو بیٹیوں کے فریق اور ایک بیٹیوں کے فریق کو ملے گا۔ پھر بیٹیوں کے گروہ کے بطن ثانی میں ایک بیٹا جو دو کے حکم میں ہے اور دو بیٹیاں ہیں لہٰذا جوان کو ملا یعنی دو حصے وہ چھ پر منقسم ہوں گے۔

فیحتاج الٰی ضرب المسئلۃ فی ثلٰثۃ تصح من تسعۃ لطائفۃ البنین منھا ستۃ ومن ھٰذہ الستۃ فی البطن الثانی اثنان للبنتین واربعۃ للابن الکائن کابنین فنجعلھما طائفتین ثم لا اختلاف تحت احد منھما فی البطن الثالث وفی الرابع تحت کل ابن وبنت فینقسم مالکل من ھاتین الطائفتین اعنی اربعۃ و اثنین علٰی ثلٰثۃ فلاجل التباین یحتاج اخری الٰی ضرب المبلغ فی ثلٰثۃ وتصح علٰی طائفۃ بنی زید من سبعۃ وعشرین لسعید ثمانیۃ ولجمیلۃ اربعۃ وکذا الولید وللیلٰی اثنان جئنا الٰی طائفۃ بناتہ لھا واحد من اصل المسئلۃ ولا اختلاف فی البطن الثانی بل فی الثالث بنت وثلٰثۃ ابناء فینقسم علٰی سبعۃ ویحتاج الٰی ضرب اصل المسئلۃ اعنی ثلٰثۃ فی سبعۃ تصح من احد وعشرین ھٰھنا لطائفۃ بنات زید سبعۃ تستقیم علی البطن الثالث ثم یجعل البطن الثالث طائفتین فالواحد الذی اصاب البنت یعطی ابنھا رشید ویجمع بالطائفۃ الابناء وھی ستۃ وتحتھم بنت وابنان فھم

تو اس طرح اصل مسئلہ کو تین میں ضرب دینے کی ضرورت پڑے گی تو اس طرح مسئلہ نو (۹) سے بن جائے گا۔ بیٹوں کے فریق کو اس میں چھ حصے ملیں گے، پھر ان چھ میں سے بطن ثانی میں دو حصے دو بیٹیوں کو اور چار بیٹے کو ملیں گے جو دو بیٹیوں کے قائم مقام ہے چنانچہ ہم ان کے دو گروہ بنائیں گے پھر ان دونوں فریقوں کے تحت تیسرے بطن میں کوئی اختلاف نہیں اور چوتھے بطن میں ہر ایک کے تحت ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ لہٰذا ان دونوں فریقوں کے حصوں یعنی چار اور دو کو تین پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تباین چار اور دو کو تین پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور تباین کی وجہ سے ایک بار پھر مسئلہ کے عدد کو تین میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح زید کے بیٹوں کا مسئلہ ۲۷ سے صحیح ہوگا۔ سعید کو آٹھ، جمیلہ کو چار، یونہی ولید کو چار اور لیلٰی کو دو حصے ملیں گے۔ اب ہم زید کی بیٹیوں کی طرف آتے ہیں جن کا اصل مسئلہ سے ایک حصہ ہے۔ ان کے بطن ثانی میں کوئی اختلاف نہیں بلکہ تیسرے بطن میں ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔ چنانچہ ان کا حصہ سات پر منقسم ہوگا اور تباین کی وجہ سے اصل مسئلہ یعنی تین کو سات میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح حاصل ضرب اکیس ہو جائے گا زید کی بیٹیوں کے گروہ کو یہاں پر سات حصے ملیں گے جو ان کے تیسرے بطن پر برابر تقسیم ہو جائیں گے، پھر تیسرے بطن کے دو فریق بنائے جائیں گے۔ جو ایک حصہ بیٹی کو ملا ہے وہ اس کے بیٹے رشید کو دیا جائے گا

کخمسة ولاتستقیم علیه الستة فیضرب اصل المسئلة فی خمسة تکن من مائة وخمسة منها لطائفة بنات زید خمسة و ثلثون منقسمة فی البطن الثالث علی سبعة للبنت اعنی لابنها رشید خمسة ولطائفة الذکور ثلثون تنقسم علی خمسة للبنت وھی حسینة ستة ولکل ابن اثنی عشر فاذا کان تصحیح المسئلة علی طائفة ابناء زید من ۲۷ وعلی طائفة بناته من ۱۰۵ وبینهما توافق بالثلث ضربنا احدهما فی ثلث الأخر صارت تسعمائة و خمسة واربعین وذٰلك مبلغ التصحیح ولمعرفة السهام اضرب ماکان لاولاد الابناء من التصحیح الاول ۲۷ فی وفق تصحیح الثانی ۱۰۵ وهو ۳۵ وماکان لاولاد البنات من التصحیح الثانی فی وفق التصحیح الاول وهو یحصل ماذکرنا وان شئت عملت من الرأس تمرنا فقلت التصحیح من ۹۴۵ لطائفة ابناء زید منها ستمائة وثلثون ۶۳۰	اوراس کو بیٹوں والے فریق کے حصوں جو کہ چھ ہیں کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کے تحت ایک بیٹی اور دو بیٹے ہیں تو وہ پانچ رؤس ہوئے جن پر چھ برابر تقسیم نہیں ہوسکتا، لہٰذا اصل مسئلہ یعنی اکیس کو پانچ میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح ایک سو پانچ (۱۰۵) ہوجائیں گے جن میں پینتیس ۳۵ زید کی بیٹیوں کے فریق کے لئے ہیں جو کہ تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوں گے۔ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو پانچ حصے ملیں گے اور گروہ مذکرین کو تیس جو پھر پانچ پر تقسیم ہوکر بیٹی یعنی حسینہ کو چھ اور ہر بیٹے کو بارہ حصے ملیں گے۔ جب زید کے بیٹوں کے فریق پر مسئلہ کی تصحیح ستائیس اور بیٹیوں کے فریق پر ایک سو پانچ سے ہوئی اور ان دونوں تصحیحوں میں تہائی کا توافق ہے لہٰذا ہم نے ایک کو دوسرے کی تہائی میں ضرب دی تو مجموعی طور پر مسئلہ کی تصحیح نوسو پینتالیس (۹۴۵) سے ہوئی۔ وارثوں کے حصوں کی پہچان کے لئے جو کچھ بیٹوں کی اولاد کو تصحیح اول یعنی ستائیس ۲۷ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ کے وفق یعنی ۳۵ میں ضرب دے اور بیٹیوں کی اولاد کو جو کچھ تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملا ہے اس کو تصحیح اول یعنی ۲۷ کے وفق یعنی ۹ میں ضرب دے تو وہی حاصل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر تو نئے سرے سے عمل کرنے کا تکلف کرنا چاہے تو یوں کہے گا

ینقسم فی البطن الثانی علی ستّه سدساه اعنی مائتین وعشرة للبنتین واربعة اسداسه اعنی اربعمائة وعشرین ۴۲۰ للابن الکائن کابنین ثم ماللبنتین منقسم فی البطن الرابع علی ثلثة ثلثاه اعنی مائة واربعین۱۴۰ لولید وثلثه اعنی سبعین ۷۰للیلی و کذٰلك ماللابنین ینقسم فیه اثلاثا ثلثاہ اعنی مائتین وثمانین۲۸۰ لسعید وثلثه ای مائة واربعین ۱۴۰ لجمیلة ولطائفة بنات زید منها ثلثمائة وخمسة عشر ۳۱۵ منقسمة فی البطن الثالث اسباعا سبعها اعنی خمسة و اربعین ۴۵ للبنت ای لابنها رشید و الباقی مائتان وسبعون لطائفة الذکور مقسومة فی البطن الرابع اخماسا خمسه اربعة وخمسون لحسینة وخمساه مائة وثمانیة لحمید ومثله لخالد و قد فرغ التقسیم التقن ھٰذا الطریق الانیق۔ واللہ سبحانه وتعالٰی اعلم۔	کہ مسئلہ کی تصحیح ۹۴۵ سے ہوئی۔ زید کے بیٹوں کے گروہ کے لئے اس میں سے ۶۳۰ حصے ہیں جو بطن ثانی میں چھ پر منقسم ہوئے۔ ان میں دو چھٹے حصے (۶ /۲) یعنی ۲۱۰ دو بیٹیوں کے لئے اور چار چھٹے حصے (۶/ ۴) یعنی ۴۲۰ اس بیٹے کے لئے ہیں جو دو بیٹوں کے حکم میں ہے۔ پھر جو دو بیٹیوں کے حصے ہیں وہ چوتھے بطن میں تین پر منقسم ہوگئے جس میں سے دو تہائی یعنی ۱۴۰ ولید کو اور ایک تہائی یعنی ۷۰ لیلٰی کو ملے۔ اسی طرح جو بیٹوں کے حصے ہیں وہ تین پر تقسیم ہوئے جن میں سے دو تہائی یعنی ۲۸۰ سعید کو اور ایک تہائی یعنی ۱۴۰ جمیلہ کو دیئے گئے۔ زید کی بیٹیوں کے گروہ کے لئے ۳۱۵ حصے ہوئے جو تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہوگئے۔ ان میں سے ایک ساتواں (۷ /۱) یعنی ۴۵ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو ملے اور باقی ۲۷۰ مذکر گروہ کے لئے ہیں جو چوتھے بطن میں پانچ پر تقسیم ہوئے۔ ایک پانچواں حصہ (۵ /۱) یعنی ۵۴ حسینہ کو اور دو پانچویں حصے (۵ /۲) یعنی ۱۰۸ حمید کو اور اسی کی مثل یعنی ۱۰۸ خالد کو دیئے۔ تقسیم مکمل ہوگئی ہے۔ اس پسندیدہ طریقے کو مضبوطی سے اختیار کر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

رسالہ
طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان
(جہتوں اور بدنوں کے تعدّد کے بارے میں انتہائی گہرائی میں بہترین نظر کرنا)

مسئلہ ۸۸: ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بھائی تھے عمرو وبکر اور دو بہنیں ہندہ وعمرہ، عمرو کے دختر لیلٰی کے ایک پسر خالد ہوا اور عمرو کے پسر ولید کے ایک دختر سلمٰی ہوئی خالد و سلمٰی سے ایک دختر سعاد اور ایک پسر سعید پیدا ہوئے بکر کی پوتی جمیلہ بنت حمید بن بکر کا نکاح رشید بن فرید بن ہندہ خواہر زید سے ہوا جن کی ایک دختر حسینہ ہے۔ رشید کا دوسرا نکاح اس کے چچا مجید بن ہندہ کی دختر حسن آراء سے ہوا ان دونوں کے ایک دختر گلچہرہ پیدا ہوئی، حسن آراء نے انتقال رشید کے بعد اپنی پھپی محبوبہ بنت ہندہ کے پسر محبوب بن مطلوب بن عمرہ خواہر زید سے نکاح کیا جس سے ایک پسر گلفام پیدا ہوا، محبوبہ و مطلوب کی ایک دختر حبیبہ تھی جس کی دختر شہناز ہے، اب زید نے انتقال کیا اور صرف ایک زوجہ چمن آراء اور یہی سعاد وسعید وحسینہ و گلچہرہ وگلفام وشہناز اس کے وارث ہوئے۔ اس صورت میں ترکہ زید کا شرعًا کس طرح منقسم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر وثواب دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تصویر صورت سوال اور بر تقدیر اجتماع شرائط معلومہ توریث تقسیم مال اس حال ومنوال پر ہے:

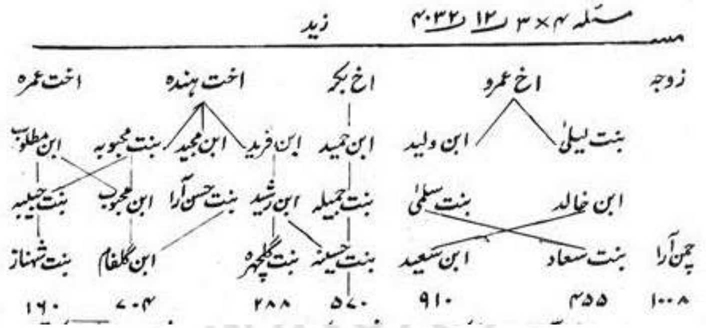

اب اول یہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں پانچ ورثہ کو زید سے دو دو رشتے ہیں اور گلفام کو تین۔ سعاد بنت ابن بنت الاخ بھی ہے اور بنت بنت ابن الاخ بھی یعنی بھتیجی کی پوتی اور بھتیجے کی نواسی۔ یونہی سعید بھی یہی دو رشتے رکھتا اور بھتیجی کا پوتا بھتیجے کا نواسا ہے۔ حسینہ بنت بنت ابن الاخ اور بنت ابن ابن الاخت ہے یعنی بھتیجے کی نواسی اور بھانجے کی پوتی۔ گلچہرہ بنت ابن ابن الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے کی پوتی دوسرے کی نواسی۔ شہناز بنت بنت الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجی اور ایک بھانجے دونوں کی نواسی۔ گلفام ابن بنت ابن الاخت اور ابن ابن بنت الاخت اور ابن ابن ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے اور ایک بھانجی دونوں کا پوتا اور ایک بھانجے کا نواسا۔ اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رو سے حصہ پائے گا مگر امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات کا خود فروع یعنی بطن زندہ میں اعتبار فرماتے ہیں تو ان کے نزدیک گویا گلفام تین وارث ہے اور باقی دو دو، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی تعدد جہات فروع کو ان کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں اس کی صورتیں دو ہیں ایک یہ کہ فرع متعدد الجہات اصول متعددہ کی فرع ہو جیسے حسینہ کہ اس کے دو رشتے بکر وہندہ دو اصول مختلفہ سے ہیں یا شہناز کہ ہندہ وعمرہ دونوں کی طرف سے قرابت دار ہے جب تو

اصول میں اعتبار یوں حاصل کہ جب وہ ہر اصل اس فرع کے لحاظ سے تقسیم ملحوظ رہی ہر جہت قرابت لحاظ میں آ گئی اور ہر جہت کا حصہ اس وارث نے جمع کرلیا کتب متداولہ جو اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں ان میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کی زیادہ تشریح نہیں اور مثال جس نے دی اسی صورت خاصہ کی دی۔ صورت دوم یہ کہ اس فرع کو ایک ہی اصل کے ذریعہ سے میت کے ساتھ دو رشتے ہوں جیسے سعاد و سعید کہ ان کے دونوں علاقے بذریعہ شخص واحد اعنی عمرو کے ہیں۔ یونہی گلچہرہ و گلفام کو بذریعہ ہندہ اگرچہ گلفام کو ایک رشتہ اصل دیگر عمرہ کی طرف سے بھی ہے اس صورت کی تصریح مثال اس وقت نظر میں نہیں۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) مانحن فیہ میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کا مطلب یہ ہے کہ ایسی فرع کی اصل کو اصول متعددہ بعدد جہات حاصلہ بذریعہ فرع مذکور سمجھا جائے، مثلاً صورت مذکورہ میں عمرو بلحاظ سعاد کہ ذات جہتین ہے دو بھائی ہے نیز بلحاظ سعید بھی ایسا ہی ہے تو لحاظ جہات لحاظ ابدان کا اجتماع عمرو کو چار بھائی کردے گا اور ہندہ بلحاظ جہات گلچہرہ دو بہن ہے اور اسی طرح بلحاظ جہات گلفام اور بلحاظ بدن حسینہ و شہناز ایک ایک بہن تو وہ مجموع چھ بہن ہے اور عمرہ میں صرف تعدد ابدان گلفام و شہناز ہے تعدد جہات نہیں کہ یہ دونوں اگرچہ جہات عدیدہ رکھتے ہوں مگر نہ بذریعہ تنہا عمرہ تو وہ صرف دو بہن ہے اور بکر جس کی فرع میں نہ تعدد بدن ہے نہ اسی کے ذریعے سے تعدد جہت تنہا ایک بھائی ہے تو بطن اول میں زوجہ اور پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں ہیں۔

والدلیل علیہ علٰی مایظھر للعبد الضعیف واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ان تعدد الجہات یوجب تعدد الاشخاص ولو حکمًا الاتری ان ابایوسف لما اعتبر تعدد الجہات فی الفروع جعل کل فرع ذی جہتین کفرعین کما نصواعلیہ قاطبۃ وکذٰلک محمد رحمہ اللہ تعالٰی	اور اس پر دلیل جیسا کہ اس عبد ضعیف پر ظاہر ہوئی، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، یہ ہے کہ جہتوں کا متعدد ہونا اشخاص کے تعدد کو ثابت کرتا ہے اگرچہ حکمی طور پر ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے جب فروع میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیا تو ہر دو جہتوں والی فرع کو دو فرعوں کی طرح بنایا جیسا کہ اس پر تمام مشائخ نے نص فرمائی ہے۔ یوں ہی

لما اعتبر تعدد الجهات فی الجدّات جعل الجدة جدّتین وجدّات، کما فی السراجیة وغیرها عامة الکتب وبالجملة لامعنی لتعدد الجهة الابتعدد الشخص ولوفی اللحاظ فمحمد اذا اعتبره ھٰھنا فی الاصول فان کانوا متعددین فقد حصل التعدد حقیقةً باخذهم منفردین فی القسمة ثم ایصال ماوصل الیهم جمیعًا الی الفرع الواحد المنتهی بهم کماذکرنا اما اذاکان الاصل واحدًا وقد اخذ [عـــه]	امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جب جدّات (دادیوں) میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیاتو ایک دادی کودو یا کئی دادیوں کے برابر بنایا، جیسا کہ سراجیہ وغیرہ عام کتابوں میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ اشخاص کے تعدد کے بغیر جہت کے متعدد ہونے کا کوئی معنی نہیں اگرچہ تعدد اشخاص اعتباری ہو۔ چنانچہ امام محمد علیہ الرحمۃ نے جب یہاں پر اصول میں تعدد کا اعتبار کیا تو اگراصول متعدد ہوں توحقیقتًا تعدد حاصل ہوگا اس طور پر کہ ان کو تقسیم میں الگ الگ لیاجائے گا۔ پھر جوکچھ ان سب کو ملے گا وہ اس ایک فرع تک پہنچایاجائے گا جس پر اصول کی انتہاہوتی ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ لیکن اگراصل ایک ہواور اس کو

عـــه:احترازا عمااذا وقع فی بطن متفق بالذکورة والانوثة فانه لایقسم علی من فیه اصلا سواء کان لفرعه جهة اوجهات کمالایلاحظ من فیه بدنا سواء کان فی فرعه بدن او ابدان ولیس ھٰذا لان الجهات لو الابدان لما تعتبر ھٰھنا بل لان مایصیبهم یجمع جمیعا ویقسم علی	عـــه: اُس صورت سے احتراز ہے کہ جب وہ ایسے بطن میں واقع ہو جو مذکر ومؤنث کے اعتبار سے متفق ہے کیونکہ وہ اس پر تقسیم نہیں کیاجاتا جس میں ایک اصل ہے چاہے اس کی فرع کی ایک جہت ہو یا متعدد جہتیں ہوں جیسا کہ نہیں لحاظ کیاجاتا اس کا جس میں ایک بدن ہوچاہے اس کی فرع میں ایک بدن ہو یا متعدد۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہاں جہتوں اوربدنوں کا اعتبار نہیں کیا جاتابلکہ (باقی برصفحہ آئندہ)

فی القسمۃ فلایظھر اعتبارہ تعدد الجھۃ فیہ الاباعتبارہ اصولا متعددۃ۔ ویوضع لك ھذا ما اقول لیکن ابن ابن ابن بنت ھو ابن بنت بنت تلك البنت ایضًاومعہ ابن بنت بنت ابن ھٰکذا:	تقسیم میں لیاجائے تو اس میں جہت کا تعدد ظاہر نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اس ایک اصل میں متعدد اصول کااعتبار کر لیاجائے، اور تیرے لئے اس مسئلہ کو واضح کردے گا وہ قول جو **میں کہتاہوں** وہ یہ کہ کسی شخص نے ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا چھوڑا اور وہ اسی بیٹی کی نواسی کابیٹا بھی ہے۔اور اس کے ساتھ ایک بیٹے کی نواسی کابیٹا بھی چھوڑا ہے۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

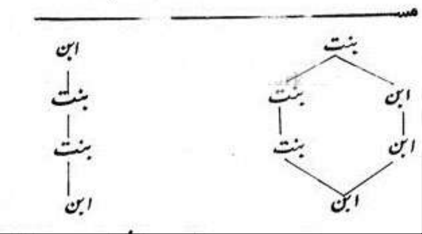

فلولم نجعل البنت لتعدد الجھۃ فی فرعھا بنتین	اگر ہم بیٹی کو اس کی فرع میں تعدد جہت کے پائے جانے کی وجہ سے دو بیٹیاں نہ بنائیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ما تحتھم فلافائدۃ فی التفریق بالتقسیم ثم جمع ذاك المتفرق کمالایخفی ۱۲منہ۔	اس لئے ہے کہ جو کچھ ان کو ملے گا وہ جمع کرکے ان کے نیچے والوں پر تقسیم کیاجائے گا للذا اس کو تقسیم کے ذریعے متفرق کرکے پھر اس متفرق کو جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔جیساکہ پوشیدہ نہیں ۱۲منہ (ت)۔

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

لکانت المسئلة من ثلثة ثلثاها لفرع الابن وثلثها لفرع البنت لانك اذا قسمت المال علی البطن الاول لاختلافه ذکورة وانوثة اثلاثا اصاب فرع الابن اثنان نصیب ابیها وکان للبنت العلیا واحد وتحتها فی البطنین وان کان اختلاف ذکورة وانوثة لکن لا حاجة الی اعتبارہ والضرب فی المسئلة لانکسارہ لان کل مایصیب طائفة الذکر والانثٰی تحتها انما یحوزہ فرعها لاخیر فیکون له واحد ولصاحبه اثنان ولو لم یکن الاول ذاقرابتین کأن کان ابن ابن ابن بنت فقط او ابن بنت بنت بنت فحسب لکان التقسیم ایضًا ھکذا له واحد ولصاحبه اثنان فلم یصل الیه من تعدد جهات قرابته الا ما کان یصل لذی قرابة واحدة ھف بخلاف ما اذا جعلنا البنت بنتین فان المسئلة تکون	تو مسئلہ تین سے بنے گا۔ اس میں سے دو تہائی بیٹے کی فرع کے لئے جبکہ ایک تہائی بیٹی کی فرع کے لئے ہوگا اس لئے کہ جب تونے مال کو تین حصے بناتے ہوئے پہلے بطن پر تقسیم کیا کیونکہ وہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے مختلف ہے تو بیٹے کی فرع کو دو حصے ملے جو اس کے باپ کا حصہ ہے اور سب سے اوپر والی بیٹی کو ایک حصہ ملا، اور اس کے نیچے دو بطنوں میں اگرچہ مذکر ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرنے اور کسر کی وجہ سے مسئلہ میں ضرب دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس لئے کہ جو کچھ مذکر فریق اور مؤنث کو ملا اسے اس فریق کی آخری فرع سمیٹ لے گی۔ چنانچہ مؤنث کی فرع کو ایک اور اس کے صاحب (مقابل) کو دو ملیں گے اور اگر پہلا وارث دو قرابتوں والا نہ ہو جیسا کہ وہ فقط بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو یا فقط بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو، تو اس صورت میں بھی تقسیم ویسی ہی ہوگی جیسی پہلے ہوئی یعنی بیٹی کی فرع کو ایک اور اس کے مقابل کو دو حصے ملیں گے۔ چنانچہ اس کو قرابت کی متعدد جہتوں سے بھی اتنا ہی حصہ موصول ہوا جتنا ایک قرابت والے کو ملتا ہے۔ یہ خلاف مفروض ہے۔ بخلاف اس کے کہ جب ہم بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کرلیں تو اس صورت میں

حینئذٍ من اثنین لان الابن یساوی البنتین فیکون المال بین الفرعین نصفین وماھو الالکون فرع البنت ذاقرابتین والالاصاب ھو واحدًا وفرع الابن اثنین، وھذا بعون اللہ تعالٰی ولوجھہ الحمد دلیل قاطع ویوضح ایضًا ما **اقول:** لیعلم **اولًا** ان ذاجھتین مساوٍ لاثنین ذوی جھۃ مثلًا ابن ابن ابن بنت وابن بنت بنت بنت اٰخر واخریجمع النسبین فھٰذا یساوی الاولین ھکذا:	مسئلہ دو۲ سے بنے گا، کیونکہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا مال دوفرعوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔اور یہ فقط اس لئے ہے کہ بیٹی کی فرع دو۲ قرابتوں والی ہے ورنہ اسے ایک اور بیٹے کی فرع کو دو ملتے ہیں۔اور یہ اللہ تعالٰی کی مدد سے اس حال میں کہ حمد اسی کی ذات کے لئے ہے قطعی دلیل ہے نیز اس کو واضح کرتا ہے وہ قول جو میں کہتا ہوں، **اولًا** جاننا چاہئے کہ دوجہتوں والاالگ الگ جہتیں رکھنے والے دو کے برابر ہوتا ہے مثلًا ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو اور ایک دوسری بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور بیٹا موجود ہو جو ان دونوں نسبوں کا جامع ہو تو یہ پہلے دونوں بیٹوں کے برابر ہوگا۔مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

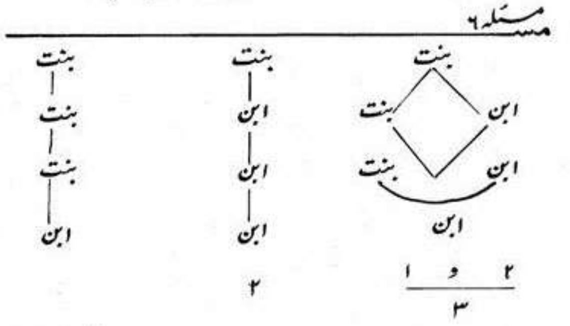

قسمنا علی البطن الثانی لانہ اول	ہم نے دوسرے بطن پر تقسیم کی کیونکہ وہی پہلا

بطن وقع فیه الاختلاف وفیه ابنان وبنتان فالمسئلة من ستّة اربعة لطائفة الذکور واثنان لطائفة الاناث ثم لاخلف تحت شیئ من الطائفتین فی بطن مافیصیب الابن الاول من ابیه اثنین و کذٰلك الابن الثانی والابن الاول من امه واحد و کذٰلك الابن الثالث فیکون للاول ثلثة مثل ما لمجموع الباقین وھٰکذا کان ینبغی لانه جامع لقرابتهما جمیعا ولیعلم **ثانیا** ان ھاتین الجهتین المذکورتین مثلًا فی جانب البنات مجموعهما مساوٍ لجهة واحدة فی جانب الابن اذا لم یکن صاحبها وارثاولاولدوارث کولدولد بنت ابن ھٰکذا:	بطن ہے جس میں مذکور ومؤنث کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوا۔اس بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، چنانچہ مسئلہ چھ سے بنے گا جس میں سے چار مذکر فریق اور دو مؤنث فریق کے لئے ہوں گے پھران دونوں فریقوں کے نیچے کسی بطن میں مذکر ومؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں، لہٰذا پہلے بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے یونہی دوسرے بیٹے کو بھی (اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے) اور پہلے بیٹے کو بھی اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا یونہی تیسرے بیٹے کو بھی (اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا) تو اس طرح پہلے بیٹے کو تین حصے ملے جو باقی دونوں بیٹوں کے مجموعی حصوں کے برابر ہیں، اور یونہی ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان دونوں کی قرابتوں کا جامع ہے۔اور **ثانیًا** جاننا چاہئے کہ یہ دونوں مذکورہ جہتیں جو مثال کے طور پر بیٹیوں کی جانب میں ہیں ان کا مجموعہ اس ایک جہت کے برابر ہے جو بیٹے کی جانب میں ہے جبکہ اس کا صاحب نہ تو وارث ہو اور نہ ہی وارث کی اولاد ہو، جیسے پوتی کی اولاد کی اولاد۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ۲ × ۳ = ۶

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	$\frac{1}{۳}$

وانما اعبرنا فیھما بالولد لیعم الذکر والانثٰی فان الحکم لایختلف،المسئلۃ من اثنین لان ابنا کبنتین فنصیب الابن لفرع الاخیر ونصیب طائفۃ البنات یقسم فی البطن الثانی اثلاثا فتضرب المسئلۃ فی ثلثۃ وتصح من ستّۃ ثلثۃ منھا لفرع الابن واثنان لابن الکائن فی البطن الثانی من طائفۃ البنات وواحد للبنت التی فیہ ثم ینتقلان الٰی فرعیھما فیکون ما لفرعی البنتین مساویا لماکان لفرع الابن وبعد تمھید ھٰذا نقول اذا اجتمعوا اعنی صاحبی الجھتین وجامعھما من جانب البنات

ہم نے ان دونوں بطنوں میں اولاد کے ساتھ اس لئے تعبیر کی تاکید یہ مذکر ومؤنث دونوں کو عام ہوجائے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہیں ہوتا۔مسئلہ ۲ سے بنے گا کیونکہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کی مثل ہے چنانچہ بیٹے کا حصہ اس کی آخری فرع کو ملے گا جبکہ بیٹیوں کے فریق کا حصہ تین حصے بناتے ہوئے دوسرے بطن میں تقسیم ہوگا۔اصل مسئلہ یعنی دو کو تین میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح چھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی جس میں سے تین بیٹے کی فرع کو ملیں گے اور دو اس بیٹے کو ملیں گے جو بیٹیوں کے فریق سے دوسرے بطن میں ہے جبکہ ایک بیٹی کو ملے گا جو اس بطن میں ہے پھر ان دونوں کے حصے ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوں گے۔چنانچہ جو کچھ دونوں بیٹیوں کی فرعوں کو ملا وہ بیٹے کی فرع کو ملنے والے حصوں کے برابر ہے۔اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دو الگ الگ جہتوں والے اور ان دونوں جہتوں کا جامع بیٹیوں کی جانب سے جمع ہوئے ہیں

وفرع کذائی من جھة الابناء بحکم المقدمتین المذکورتین ان یکون المال بینھم اثلاثا ثلثه للصاحبین واٰخرللجامع واٰخر للابنی لتساویھم جمیعًا کما عرفت وھٰذا انما یتأتی اذا اعتبر اصل الفرع الجامع اصلین ھٰکذا:	اور اگر یہی صورت بیٹوں کی جانب سے متحقق ہو تو بھی مذکورہ بالا دو مقدموں کی بنیاد پر حکم یہی ہوگا کہ مال ان کے درمیان تین حصوں کے طور پر منقسم ہوگا،ایک تہائی دو الگ الگ جہتوں والوں کے لئے اور ایک تہائی دونوں کے جامع کے لئے اور ایک تہائی بیٹے کی فرع کے لئے، کیونکہ وہ سب آپس میں مساوی ہیں۔ جیسا کہ تو پہچان چکا ہے۔اور یہ اسی وقت ہوگا جب دونوں جہتوں کی جامع فرع کی اص کو دو اصلیں فرض کیا جائے۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

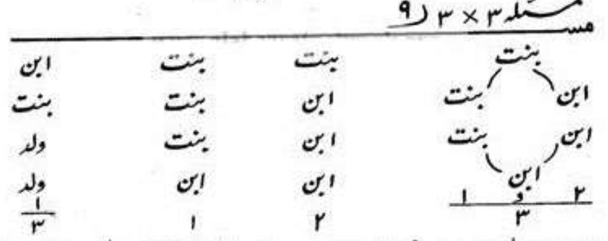

اعتبرنا البنت الاولیٰ بنتین فکان فی البطن الاول ابن واربع بنات کابنین وعلی الاختصار ثلثة ابناء فالمسئلة من ثلثة واحد منھا لفرع الابن واثنان لطائفة البنات وتحتھن فی البطن الثانی ابنان وبنتان ای کثلثة ابناء ولایستقیم اثنان علیھم فتضرب المسئلة فی ثلثة تکن من تسعة	ہم نے پہلی بیٹی کو دو بیٹیاں فرض کیا تو اس طرح پہلے بطن میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہو گئیں جو کہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ بطور اختصار یہ کہ تین بیٹے ہو گئے۔ چنانچہ مسئلہ تین سے بنے گا جن میں سے ایک بیٹے کی فرع کے لئے اور دو بیٹیوں کے فریق کے لئے ہوں گے اور ان بیٹیوں کے نیچے دوسرے بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں یعنی تین بیٹے ہو گئے۔اور دو

وبها تصح لفرع الابن منها ثلثة ولطائفة البنات ستّة تنقسم فى البطن الثانى اثلاثا للبنتين اثنان منتقلان الى فرعيهما لعدم الاختلاف وللابنين اربعة منتقلة كذلك الى فرعيهما فيصيب الابن الجامع ثلثة اثنان من ابيه وواحد من امه ولصاحبى القرابتين اثنان و واحد مجموعهما ثلثة وللفرع الابن ايضا ثلثة كما كان حكم المقدمتين المذكورتين بخلاف ما اذا لم يعتبر الاصل اصلين فانه يزيد حينئذٍ سهم الابنى على السهمين الباقيين ھٰكذا:	ان تین پر تقسیم نہیں ہوسکتے۔لہٰذا مسئلہ کو تین میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب نو(۹) ہوگا، اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی بیٹے کی فرع کے لئے نو میں سے تین جبکہ بیٹیوں کے فریق کے لئے چھ حصے ہوں گے جو دوسرے بطن میں تین پر تقسیم ہوجائیں گی، جن میں سے دو حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جو عدم اختلاف کے سبب سے ان دونوں کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔اور چار حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جوکہ اسی طرح ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوجائیں گے۔لہٰذا دونوں جہتوں کے جامع بیٹے کو تین حصے ملیں گے دو باپ کی طرف سے اور ایک ماں کی طرف سے۔اور دوالگ الگ قرابتوں والوں کے لئے۔دو اور ایک یعنی مجموعی طور پر تین حصے بنے۔اور بیٹے کی فرع کے لئے بھی تین حصے ہوں گے جیسا کہ دونوں مذکورہ مقدموں کا حکم ہے۔بخلاف اس کے کہ جب اصل کو دو اصلیں فرض نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیٹے کی فرع کا حصہ باقی دو بیٹوں کے حصوں سے زائد ہوجائے گا۔صورت مسئلہ یوں ہوگی (اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

I.T. Majlis of DawateIslami www.dawateislami.net

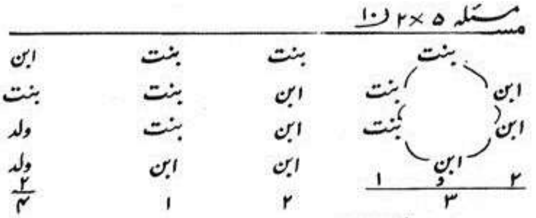

والبیان ظاھرھف فظھران اعتبار تعدد الجھات فی الاصول انما یکون بحصول التعدد فی الذوات فان کان حقیقۃ ذاك کما فی الامثلۃ التی ذکروھا فی الکتب والاوجب اعتبارہ حکما وعد اصل اصلین فی القسمۃ و یظھر ھذالمن تأمل فیما صوروہ ایضا من کون الجھۃ من اصلین کما اذا ترك بنتی بنت ابن بنت ھما ایضا بنتا ابن ابن بنت اخری وابن بنت بنت ابن بھذہ الصورۃ:

اور بیان ظاہر ہے، یہ خلاف مفروض ہے۔ پس ظاہر ہوگیا کہ اصول میں تعدد جہات کا اعتبار ذوات میں تعدد کے اصول سے ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ تعدد حقیقتاً ہو توفبہا جیسا کہ ان مثالوں میں ہے جن کو مشائخ نے کتابوں میں ذکر فرمایا ورنہ حکمی طور پر تعدد کا اعتبار کرنا اور تقسیم میں ایک اصل کو دو اصلیں شمار کرنا ضروری ہوگا اور یہ اس شخص کے لئے بھی ظاہر ہو جاتا ہے جو مشائخ کی بیان کردہ اس صورت میں غور کرے جو انہوں نے دو اصلوں سے حاصل ہونے والی جہت کے بارے میں بیان کی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک بیٹی کی پوتی کی دو بیٹیاں چھوڑی ہیں اور وہی دونوں میت کی دوسری بیٹی کے پوتے کی بھی بیٹیاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا چھوڑا ہے۔ صورت مسئلہ یوں ہوگی:

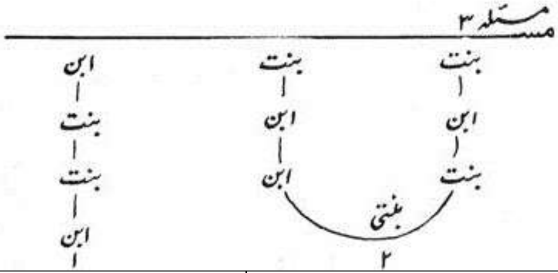

المسئلة من ثلثة لان كل بنت فى البطن الاول كبنتين اى كابن فكانهم ثلثة بنين ومنها تصح واحد لفرع الابن واثنان للبنتين والتقسيم فى البطن الثالث وان كان علٰى ثلثة لان فيه بنتا كابن وابنا كابنين لااستقامة علٰى ثلثة لاثنين لكن لما كان الانقسام فى البطن الاخير علٰى بنتين فحسب يصل كلامنهما ثلث من قبل الاب وثلث من قبل الام فكان لكل واحدة كملا ولا حاجة الى الضرب فجعل بنتين فى الاصول كاربع بنات انما اتى من جهة ان تعدد الجهة فى الفروع اورث التعدد فى

مسئلہ تین ۳ سے بنے گا کیونکہ پہلے بطن میں ہر بیٹی دو بیٹیوں یعنی ایک بیٹے کے برابر ہے گویا کہ وہ تین بیٹے ہوگئے اور تین سے ہی مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ایک حصہ بیٹے کی فرع کو جبکہ دو حصے دونوں بیٹیوں کو ملیں گے اور تیسرے بطن میں اگرچہ تقسیم تین پر ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایک بیٹی، بیٹے کی مثل ہے، اور ایک بیٹا دو بیٹوں کی مثل ہے۔اور دو کا تین پر تقسیم ہونا بلا کسر درست نہیں، لیکن جبکہ آخری بطن میں فقط دو ہی بیٹیوں پر تقسیم ہوتی ہے ان دونوں کو ایک تہائی باپ کی طرف سے اور ایک تہائی ماں کی طرف سے موصول ہوگا۔ تو ہر ایک کیلئے مکمل ثلث ہوگا اور ضرب کی ضرورت پیش نہیں آئے گی، لہٰذا اصول میں دو بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی طرح بنانا فقط اس اعتبار سے ہے کہ فروع میں جہت کا تعدد اصول میں تعدد کو ثابت کرتا ہے۔اور یہ محض فروع کے ابدان کے

الاصول ولیس هذا من قبل ابدان الفروع فحسب فانما هماثنتان لاغیر کما ان الاصل بنتان لاغیر فالتربیع لم یأت الا لاجل الجهات فان قلت لما کانت الفرعان فرعی کل من اصلین کانتا کاربعة فروع کانها بنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الاب وبنتان من قبل الامر فلم تتعدد الاصول الابتعدد الفروع قلت تعدد الجهات فی فرع لایورث تکثر فی بدنه فزید لایصیر زیدین لکونه ابن ابیه وابن امه فالتربیع فی الفرعین ماجاء الابتعدد الجهات وجعلتموه مستلزما لتربیع الاصلین فکان ذٰلك قولا منکم بقولنا من حیث لاتشعرون وبالجملة اذا صدقت المقدمان القائلتان کلما تعددت الجهات	اعتبار سے نہیں کیونکہ ابدان توفقط دو ہیں جیسا کہ اصل میں فقط دو بیٹیاں ہیں تو انہیں چار بتانا فقط تعدد جہات کی وجہ سے ہے۔ اگر تو کہے کہ جب دونوں فرعیں دو اصلوں میں سے ہر ایک کی فرعیں ہیں تو کل فرعیں چار ہوگئیں گویا کہ دو بیٹیاں باپ کی جانب سے اور دو ماں کی جانب سے ہیں۔ تو اس طرح اصول بغیر تعدد فروع کے متعدد نہیں ہوئے۔ میں کہوں گا فرع میں جہتوں کا متعدد ہونا بدن میں کثرت کو ثابت نہیں کرتا۔ چنانچہ زید اس وجہ سے دو زید نہیں بن جاتا کہ وہ اپنے باپ کا بھی بیٹا ہے اور اپنی ماں کا بھی، لہٰذا دو فرعوں کا چار بن جانا نہیں ہوا مگر تعدد جہات کی وجہ سے۔ اور تم اس کو دو اصلوں کے چار ہونے کے لئے مستلزم قرار دے چکے ہو تو غیر شعوری طور پر تم نے وہی بات کہہ دی جو ہمارا قول ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب مذکورہ بالا دونوں مقدمے سچے ہوں اور یوں کہا جائے کہ جب جہات متعدد ہوں تو فروع متعدد ہوتی ہیں اور جب فروع متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوتے ہیں جیسا کہ تم اعتراف کرچکے ہو۔ تو نتیجے کا سچا ہونا واجب ہے۔ اور یوں کہا جائے گا کہ جب جہات متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوں گے۔ اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ یہ وہ ہے جو

تعددت الفروع وکلما تعددت الفروع تعددت الاصول کما اعترفتم وجب صدق النتیجة القائلة کلما تعدد الجھات تعددت الاصول وھوالمقصود ھٰذا ماظھر للعبد الفقیر بعون الملك القدیر عزجلالہ وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی فعلیك بہ فلعلك لاتجدہ فی غیر ھٰذہ السطور، واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الامور۔	قدرت والے بادشاہ جس کی بزرگی غالب ہے کی مدد کے محتاج بندے کے لئے ظاہر ہوا، اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ تو اس کو حاصل کر شاید تو اس کو ان سطور کے غیر میں نہ پائے۔ اور اللہ تعالٰی امور کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے۔(ت)

اب تقسیم مسئلہ کی طرف چلئے، اصل مسئلہ بوجہ زوجہ چار سے ہے اس کا فرض دے کر تین بچے جس کے مستحق پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں برابر چار بھائیوں کے، گویا نو بھائی ہیں تین نو کو تین بار فنا کرتا ہے، لہٰذا مسئلے میں تین[٣] کی ضرب ہو کر بارہ[١٢] ہوئے جس سے تین زوجہ کے اور پانچ طائفہ مردان اور چار طائفہ زنان کے۔ اب طائفہ مردان کے نیچے بطن دوم میں لیلٰی دو[٢] بنت ہے اور ولید دو[٢] ابن اور حمید ایک۔ مجموع تین[٣] ابن دو[٢] بنت، گویا چار[٤] ابن ہیں، بوجہ تبائن مسئلے میں چار[٤] کی ضرب ہو کر اڑتالیس[٤٨] ہوئے، بارہ چمن آرا کے اور بیس[٢٠] طائفہ مردان اور سولہ[١٦] طائفہ زنان کے۔ یہ بیس[٢٠] یوں تقسیم ہوئے

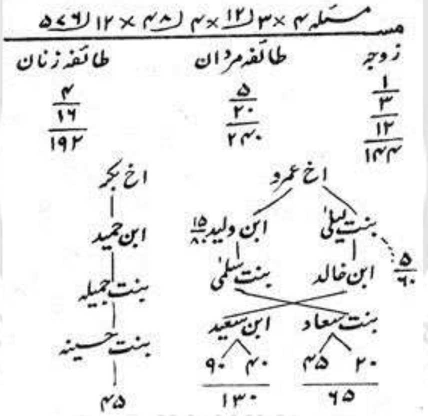

کہ لیلٰی کو پانچ اور طائفہ ذکور اعنی ولید وحمید کے پندرہ، یہ طائفہ ذکور کے بعد بطن ثالث میں اختلاف نہیں، رابع ہیں ایک ابن سعید اور دو بنت سعاد وحسینہ، گویا چار بنت ہیں۔ پندرہ ان پر مستقیم نہیں، اور لیلٰی کو بھی سعاد وسعید ابن وبنت ہیں، اور پانچ تین پر مستقیم نہیں لہٰذا بوجہ تبائن

سہام ورؤس فریقین دونوں رؤس اعنی چار اور تین معتبر ہوئے اور یہ بھی متبائن ہیں تو باہم ضرب دے کر اصل مسئلہ میں بارہ کی ضرب سے پانسو چھہتر (۵۷٦) ہوئے، چمن آرا کے ایک سو چوالیس (۱۴۴) طائفہ زنان کے ایک سو بانوے (۱۹۲)، طائفہ مردان کے دوسو چالیس (۲۴۰) جن میں سے لیلٰی کو ساٹھ پہنچے کہ سعید کو چالیس، سعاد کو بیس ہو کر بٹ گئے اور ولید وحمید کے ایک سواسی پون بٹے کہ سعید کو نوے اور سعاد وحسینہ کو پینتالیس[۴۵]، بالجملہ سعید کے مجموعے ایک سو تیس[۱۳۰] ہوئے اور سعد کے پینسٹھ[٦۵] اور حسینہ کے پینتالیس[۴۵]، یہ تصحیح طائفہ مردان کا مقتضٰی ہے، اب طائفہ زنان لیجئے

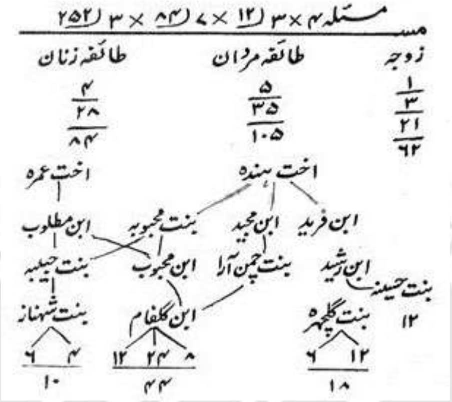

اصل مسئلے سے اس طائفہ کے چار تھے اس کے بطن ثانی میں تین ابن ایک بنت ہے، ہر ایک مثل دو کے، گویا سات ابن ہیں، تو مسئلہ چوراسی سے ہوا۔ طائفہ زنان کے اٹھائیس ان میں چار محبوبہ کے ہیں بطن ثالث میں اس کے ابن وبنت محبوب وحبیبہ یعنی تین پر مستقیم نہیں۔ اور چوبیس[۲۴] طائفہ ذکور فرید ومجید ومطلوب کے ہیں، بطن ثالث میں فرید کا ابن رشید دو ابن ہے، اور مجید کی بنت حسن آرا دو[۲] بنت، اور مطلوب کی اولاد محبوب وحبیبہ ایک ایک ابن وبنت، تو مجموع تین ابن تین بنت، یعنی نو بنت ہیں۔ چوبیس[۲۴] اور نو میں توافق بالثلث ہے تو رؤس طائفہ انثی اعنی محبوبہ بھی تین ہوئے، اور رؤس طائفہ ذکور بھی باعتبار وفق تین ہی رہے انہیں تماثل ہے صرف تین[۳] کی ضرب ہو کر مسئلہ دوسو باون[۲۵۲] سے ہوا جس سے طائفہ علیائے اناث کے چوراسی[۸۴] ان سے بطن ثانی میں محبوبہ کے بارہ کہ محبوب کو آٹھ[۸]، حبیبہ کو چار ہو کر بٹے اور وہ آٹھ[۸] گلفام اور یہ چار[۴] شہناز کو پہنچ گئے اور طائفہ ذکور کے بہتر کہ بطن ثالث میں رشید وحسن آرا محبوب وحبیبہ پر اثلاثا بٹے یعنی اس تازہ طائفہ ذکور رشید ومحبوب کے اڑتالیس[۴۸] اور

نئے طائفہ اناث حسن آرا و حبیبہ کے چوبیس، اب یہ طائفے بھی جدا کردیئے طائفہ ذکور کے نیچے ایک ابن دو بنت ہیں، تو گلفام نے چوبیس، حسینہ و گلچہرہ نے بارہ [۱۲] بارہ [۱۲] پائے، اور طائفہ اناث کے نیچے بھی ایک ابن دو [۲] بنت ہیں، تو گلفام کو بارہ [۱۲]، گلچہرہ شہناز کو چھ [۶] چھ [۶] ملے۔ یہ تصحیح باعتبار طائفہ اناث ہوئی، تصحیحین میں توافق بسدس السدس یاربع التسع یعنی بجزء من ستۃ وثلثین [۳۶] جزء ہے، اول کا وفق سولہ [۱۶] ہے اور ثانی کا سات [۷]، توان میں جس کو دوسرے کی وفق سے ضرب دی مبلغ تصحیح چارہزار بتیس ہوئے، تصحیح اول میں جس نے جو پایا تھا اسے سات میں ضرب دی، اور تصحیح ثانی کے سہام کو سولہ [۱۶] میں،

سعاد	سعید	حسینہ	حسینہ	گلچہرہ	گلفام	شہناز
۶۵	۱۳۰	۴۵	۱۲	۱۸	۴۴	۱۰
۴۵۵	۹۱۰	۳۱۵	۱۹۲	۲۸۸	۷۰۴	۱۶۰

توحسینہ کے مجموع پانسو سات (۵۰۷) ہیں اور چمن آرا کے ہر طرح ایک ہزار آٹھ ۱۰۰۸، اور یہی وہ تقسیم ہے کہ مذکور ہوئی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹

۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

مسئلہ ۳۶ × ۱۶ = ۵۷۶ — محمد یار

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	ابن	بنت	بنت
حافظ جان	نیاز علی	محمد علی	کلن	محمد حسین	احمدی	بی جان	امیر علی	بنی جان	حبن
کان لم یکونا		۶	۱۵ / ۲۴۰	۱۰	۵	کان لم یکونوا			

توضیحش آنکہ اولًا حافظ جان مُردو ہمیں ابناء وبنات ورثہ گزاشت باز نیاز علی گزشت وبقیہ اخوۃ واخوات وارث داشت پس ایں ہر دو کان لم یکن شدند ومسئلہ بہ ۱۲ تقسیم یافت چار پسر را	اس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے حافظ جان مرا اور یہی بیٹے اور بیٹیاں ورثاء چھوڑے، پھر نیاز علی فوت ہوا اور باقی بہن بھائی وارث چھوڑے، پس یہ دونوں کالعدم ہوگئے۔ اور مسئلہ نے بارہ کے عدد سے تقسیم

ہشت وہر چار دختر راچہار بازامیر علی بعدہ، محمد علی مُرد وباقی دوبرادر وخواہران گزاشت بازحبن بازبنی جان مردن وہمیں اخوین واخوات ورثہ گزاشتند پس چار سہم کہ باین سہ می رسید در دوبرادر اعنی کلن ومحمد حسین ودوخواہر اعنی احمدی وبی جان منحصر گردید وایں چارکسان رابجائے شش دہ رسید وحاصل مسئلہ بآں گرائید کہ ازترکہ یک سدس بہ محمد علی وبقیہ پنج اسداس بریں چہار اشخاص للذکر مثل حظ الانثیین برشش سہم منقسم۔ اول عددیکہ سدس اوبرآوردہ باقی رابر ٦ قسمت توانیم سی وشش ست ازہمیں مسئلہ کردیم ٦ بہ محمد علی رسید وبہریک ازکلن ومحمد حسین دہ وبہریک ازاحمدی وبی جان پنج فامابعد اینہا بی جان مردہ وہمین کلن برادرش وارث گزاشتہ پس او را نیز برآوردیم وسہم کلن پانزدہ کردیم فائدہ ایں تصرفات عجیبہ تخفیف عظیمی ست کہ در تقسیم مسئلہ راہ یافت چنانکہ برسالک طریق معہود بموازنہ ایں طرز محمود روشن شود۔

پائی، چاروں بیٹوں کو آٹھ حصے اور چاروں بیٹیوں کو چار حصے ملے، پھرامیر علی اور اس کے بعد محمد علی فوت ہوا باقی دو بھائی اور بہنیں چھوڑیں۔ پھر حبن اور پھر بنی جان مرگئے اور وہی دو بھائی اور بہنیں ورثاء میں چھوڑے۔ چنانچہ وہ چار حصے جوان تینوں کو پہنچتے ہیں وہ دو بھائیوں یعنی کلن اور محمد حسین اور دو بہنوں یعنی احمدی اور بی جان میں منحصر ہوگئے۔ اور ان چار شخصوں کو بجائے چھ کے دس حصے ملتے مسئلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکہ میں سے ایک سدس یعنی چھٹا حصہ (٦ /١) محمد علی کو ملا اور باقی پانچ چھٹے حصے (٦/ ٥) چار شخصوں پر اس طرح تقسیم ہوتے ہیں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے برابر ہو تو اس طرح یہ حصے چھ پر منقسم ہوں گے اور وہ پہلا عدد جس کا چھٹا حصہ نکال کر باقی کو چھ پر تقسیم کریں وہ چھتیس ہے۔ لہٰذا ہم نے چھتیس سے مسئلہ بنادیا، اس میں سے چھ محمد علی کو اور کلن اور محمد حسین میں سے ہرایک کو دس دس اور احمدی اور بی جان میں سے ہرایک کو پانچ پانچ حصے دیئے۔ لیکن ان کے بعد بی جان فوت ہوئی اور وہی کلن اپنا بھائی وارث چھوڑا چنانچہ ہم نے بی جان کو تقسیم سے نکال دیا اور کلن کے حصے پندرہ کردیئے۔ ان عجیب تصرفات کا فائدہ اس مشقت میں کافی حد تک تخفیف کرنا ہے جو مسئلہ کی تقسیم میں راہ پاتی ہے جیسا کہ معروف طریقہ پر چلنے والے شخص پر اس پسندیدہ طرز کے ساتھ موازنہ کرنے سے روشن ہوجاتا ہے۔ (ت)

مسئلہ　　　محمد علی　　　عـ۶ـ

زوجہ محبوبن	ابن وزیر علی	ابن احمد علی
کان لم یکونا		۱
		۶
		۹۶

زیرا کہ محبوبن را ہمین دو پسر وارث شدند باز وزیر علی را ہمین یک برادر۔

(اس لئے کہ محبوبن کے یہی دو بیٹے وارث ہوئے پھر وزیر علی کا یہی ایک بھائی وارث ہوا۔ت)

مسئلہ ۱　　　احمدی　　　مـ۵ـ

زوج ابن	بنت محمدی
کان لم یکونا	۱
	۵
لمثل ما مرفی محمد علی	۸۰

مسئلہ ۳۲　　　محمد حسین توافق بالنصف　　　مـ۱۰ـ

زوجہ ثانیہ آسودہ	ابن من الثانیۃ	بنت من الاولیٰ	بنت من الاولیٰ
۴	علی حسین	بنی	بتولن
۲۰			
	۱۴	۷	۷
	۷۰	۳۵	۳۵

مسئلہ ۴۰　　　کلن　　　فاستقامت　　　مـ۲۴۰ـ

زوجہ مونگا	ابن واحدیار	ابن حامدیار	بنت بسم اللہ
۵	۱۴	۱۴	۷
۳۰	۸۴	۸۴	۴۲

المبلغ ۵۷۶

الاحیاء

احمد علی	آسودہ	علی حسین	بنی	بتولن	مونگا	واحدیار	حامدیار	بسم اللہ	محمدی
۹۶	۲۰	۷۰	۳۵	۳۵	۳۰	۸۴	۸۴	۴۲	۸۰

آسودہ کہ بعد انتقال محمد حسین حسب بیان سائل محمد حسین کا زر نقد واثاث البیت اپنے حصے سے زائد لے کر مع اپنے دو سالہ بچے علی حسین کے چلی گئی اور بارہ سال سے

مفقود الخبر ہے علی حسین کے ستر سہام اس کی ستر سال عمر تک امانت رہیں اگر وہ زندہ معلوم ہو اسے دیئے جائیں یا مر گیا ہو تو اس کے ورثہ کو پہنچائے جائیں، اور اگر اس مدت تک پتانہ چلے تو اس وقت جو اس کے وارث شرعی ہوں وہ پائیں آسودہ جو کچھ اپنے حصص سے زائد لے گئی اگر اس کا مہر واجب الادا تھا اور وہ مال کہ لے گئی مقدار مہر واجب الاداء سے زائد نہ تھا تو اس کا حصہ بھی بدستور اس کی ستر سال عمر ہونے تک امانت رہے، اور اگر زائد تھا تو اس کا الزام علی حسین نابالغ پر نہیں صرف آسودہ کے حصے سے بنی و بتولن اپنے حصے کا نقصان وصول کرسکتی ہیں۔

وھو مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق المفتی بہ الآن علی جواز الاخذ [1]۔واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔	اور وہ مسئلہ ہے اپنے حق کی جنس کے غیر کو وصول کرنے پر کامیابی حاصل کرنے کا۔آج کے دور میں اس کو لینے کے جواز پر فتوی ہے۔واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۰: از صوبہ پنج علاقہ گوالیار مرسلہ مولوی مبارک حسین صاحب ۲۵/رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک بیوہ عورت نے وفات پائی اور اس نے جو ترکہ چھوڑا اس میں کچھ تو اس کا ذاتی ہی مال ہے اور کچھ ایسا ہے جو اس کے شوہر نے اپنی حیات میں اسے دے دیا تھا متوفیہ کا کوئی رشتہ دار قریب و بعید نہیں ہے نہ ذوی الفروض میں نہ عصبات میں نہ ذوی الارحام میں، غرضیکہ کسی قسم کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے، متوفیہ کے شوہر کا ایک لڑکا پہلی عورت سے ہے اور وہ متوفیہ کے ترکہ کا دعوی کرتا ہے آیا ترکہ ذاتی متوفیہ اور اس کے شوہر کا دیا ہوا اس لڑکے کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ اور اگر ملنا چاہئے تو متوفیہ کا ذاتی و شوہری دونوں یا ایک، اور اگر نہ ملنا چاہئے تو وہ ترکہ کس کو ملنا چاہئے؟ عملداری ہنود ہونے کی وجہ سے بیت المال بھی نہیں ہے جو اس میں جائے بصیغہ لاوارثی سرکار میں

---

[1] ردالمحتار کتاب السرقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۰۰، ردالمحتار کتاب الحجر داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۹۵

جانا چاہئے یا متوفیہ کے شوہر کا لڑکا وارث ہونا چاہئے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں متوفیہ کا کل متروکہ خواہ اس کا ذاتی مال ہو خواہ شوہر کا دیا ہوا بعد ادائے دیون وانفاذ وصایا تمام وکمال فقرائے مسلمین کا حق ہے جو کسب سے عاجز ہوں اور ان کا کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

فی ردالمحتار ترکة لاوارث لها مصرفه اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لهم فیعطی منه نفقتهم و ادویتهم وکفنهم وعقل جنایتهم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصله ان مصرفه العاجزون الفقراء [1] اھ ملتقطا۔	ردالمحتار میں ہے کہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں۔اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں، کفن کے اخراجات اور جنایات کی دِیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاط (ت)

شوہر کا بیٹا اگر فقیر عاجز ہے تو وہ بھی اور فقرائے عاجزین کے مثل مستحق ہے ورنہ اس کا اصلاً استحقاق نہیں، نہ متوفیہ کے ذاتی مال میں نہ شوہر کے دیئے ہوئے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱: ۳/شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسمّٰی حسین بخش کی دختر کا نکاح ہوا اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں کل ایک گھنٹہ قیام کیا اور بعدہ اپنے والد کے یہاں چلی آئی اور دو ماہ بارہ یوم تک بعد نکاح کے زندہ رہی اور اس درمیان میں اپنے شوہر کے یہاں نہ گئی اور اپنے والدین کے یہاں مر گئی اس کے پاس زیور والدین کا تھا اور کچھ زیور اس کے شوہر نے چڑھایا تھا اب اس کا شوہر کل زیور کا دعوی کرتا ہے اور اس کی تجہیز وتکفین اس کے والدین نے کی، اس صورت میں ازروئے شرع شریف اس کا شوہر زیور پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

الجواب:

زیور، برتن، کپڑے وغیرہ جوکچھ ماں باپ نے دختر کودیا تھاوہ سب ملک دختر ہےاس میں سے بعد ادائے دَین اگر ذمہ دختر ہو نیز اجزائے وصیت اگر دختر نے کی ہو ہر چیز کانصف شوہر کا حصہ ہےاور نصف ماں باپ کا،اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھااس میں ان لوگوں کے رسم رواج کو دیکھنالازم ہے اگر وہ چڑھاوا صرف اس نیت سے دیتے ہیں کہ دلہن پہنے مگر دلہن کی مِلک نہیں کردیتے بلکہ اپنی ہی ملک رکھتے ہیں جب توچڑھاوا شوہر یا شوہر کے ماں باپ کا ہے جس نے چڑھایا ہو،اور اگر دلہن ہی کو اس کامالک کر دیتے ہیں تو وہ بھی مثل جہیز ترکہ دختر ہے اسی حساب نصفانصف پر تقسیم ہوگا۔اور جس طرح شوہر آدھے ترکہ کا مستحق ہے یونہی دختر کے والدین شوہر سے آدھا مہر لینے کے مستحق ہیں۔سائل نے جو بیان کیاکہ عورت صرف گھنٹہ بھر کیلئے دن میں مکان شوہر پر گئی تھی اسی دن اس کے بھائی کی شادی تھی جس میں بلالی گئی اور مکان تنہا میں زن وشوہر نہ رہنے پائے تواس صورت میں بھی آدھا مہر کامل ہی والدین کو شوہر سے ملے گاکہ قبل خلوت طلاق ہونا سقوط نصف مہر ہوتا ہے۔موت اگرچہ قبل خلوت ہوکل مہر کولازم کردیتی ہے۔

فی الدر یتأکد عند وطئ اوخلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[1] الخ۔	دُر میں ہے کہ مہروطی کے وقت یاشوہر کی طرف سے خلوت صحیحہ کے وقت یازوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت لازم ہوجاتاہے الخ۔(ت)

توبعد موت کل مہرلازم شدہ سے نصف حصہ زوج ہوااور نصف والدین کو پہنچے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: ازکانپور بانس منڈی مرسلہ محمد علیم الدین صاحب محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمدیٰسین نے انتقال کیااپنے وارثوں سے ایک ابن کریم بخش و بنت مریم وزوجہ عمرہ ووالدہ اخیافی وپانچ بھائی اور ایک بہن اخیافی چھوڑی ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہواتھاکہ اس میں سے زوجہ عمرہ نے انتقال کیا

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

اس نے ایک بھائی اخیافی اور ایک بہن حقیقی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی حقیقی چھوڑی، ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے کریم بخش نے انتقال کیا اس نے اپنے وارثوں میں سے ایک زوجہ مسماۃ آمنہ اور بہن حقیقی اور ایک دادی اور پانچ چچے اخیافی اور ایک پھوپھی اخیافی چھوڑے۔ از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

عبارت سائل سے ظاہر یہ ہے کہ اس کے نزدیک اخیافی سوتیلی کو کہتے ہیں یعنی جسے باپ کی طرف سے علاقہ ہو اور ماں کی طرف سے جدا، وللہذا اس نے اخیافی، والدہ کو لکھا یعنی سوتیلی ماں۔ اگر بہن بھائی اخیافی میں بھی یہی مراد ہے یعنی وہ یٰسین کے سوتیلے بہن بھائی ہیں کہ باپ ایک اور ماں جدا، تو اس صورت میں محمد یٰسین کا ترکہ بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت تیس سہام پر منقسم ہو کر بیس سہام مریم اور پانچ آمنہ اور ایک یٰسین کے ہر سوتیلے بھائی کو ملے گا۔ صورت مناسخہ یہ ہے مگر اخیافی حقیقۃً ان بھائی بہن کو کہتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں اور باپ جدا۔ اگر یہ چھ شخص محمد یٰسین کے ایسے ہی بہن بھائی تھے تو ترکہ بشرائط مذکور صرف چھ سہام پر منقسم ہو کر پانچ سہم مریم اور ایک آمنہ کو ملے گا۔ محمد یٰسین کے ان بہن بھائیوں کا کچھ استحقاق نہیں **لانھم من ذوی الارحام والرد مقدم علیھم** (اس لئے کہ وہ ذوی الارحام ہیں اور رَد ان پر مقدم ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم ۱۳۲۱ھ

(صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی ادخلنا فی السلم، وعاملنا بالمن والعفو والحلم، وعلمنا من العلم ومن نصف العلم، والصلٰوۃ والسلام علی الجواد الکریم الفائض علی عبیدہ من علم الفرائض، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واحبابہ وارثی علمہ واٰدابہ۔ اٰمین!	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام میں داخل فرمایا اور ہمارے ساتھ احسان، درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ اور ہمیں علم اور نصف علم (علم فرائض) سکھایا۔ اور درود وسلام ہو اس ذات پر جو سخی، کرم فرمانے والا، اپنے غلاموں پر علم میراث کا فیضان فرمانے والا ہے اور آپ کی آل واصحاب اور دوستوں پر جو آپ کے علم اور آداب کے وارث ہیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

امّا بعد، یہ بعض مسائل فرائض ہیں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کئے۔ مقصود ازالہ اوہام واغلاط واراء ت سواء الصراط ہے، وباللہ التوفیق۔

فصل اوّل

مسئلہ ۹۳: ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

اعلیحضرت مجدّد مائۃ الحاضرہ دام ظلکم العالی، وقت قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان وزیور واثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار ے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کردیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم واسد علی اپنے حصہ ترکہ کے عوض مکان وزیور واثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرار نامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم واسد علی کا ان اشیاء میں اور لطیفن بیگم کا زر نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم واسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چنانچہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرادیئے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہئے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے، اور فتاوٰی مولوی عبدالحٔ صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۱۰ کی عبارت پیش کی کہ اس کی رو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہئے، اس کا خلاصہ عبارت ملاحظہ اقدس کے لئے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد ورثہ گزاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّٰی بہ رابعہ وسہ برادر زادیاں مسمّی فاطمہ وزینت وکلثوم ویک برادرزادیان مسمّٰی فاطمہ و زینب وکلثوم ویک برادرزادہ حقیقی مسمے بکر ویک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی او راحصہ ہشتم داد و راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید کہ چگونہ تقسیم باید **ھو المصوب** بعد تقدیم ماتقدم علی الارث ورفع موانع بقیہ ترکہ زید تقسیم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں بہمشیرہ حقیقی ویک سہم بہ برادر زادہ خواہد شد باقی ورثہ محجوب خواہند شد۔ **واللہ**	کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے یہ ورثاء چھوڑ کر انتقال کیا، ایک حقیقی بہن جس کا نام رابعہ ہے، تین بھتیجیاں جن کے نام فاطمہ، زینب اور ام کلثوم ہیں، ایک حقیقی بھائی جس کا نام بکر ہے اور ایک بیوی جس کا نام خدیجہ ہے۔ تمام مذکورہ بالا نسبی وارثوں نے بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر راضی کردیا ہے۔ زید کا بقیہ ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہئے؟ **ھوالمصوب**۔ جو چیزیں میراث پر مقدم ہیں ان کی تقدیم اور رکاوٹوں کے رفع کے بعد زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ اس میں سے

اعلم بالصواب۔ کتبہ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ عفاعنہ القوی۔	ایک حقیقی بہن اورایک بھتیجے کو دیا جائے گا باقی ورثاء محروم ہوں گے۔اوراللہ تعالٰی درستگی کوخوب جانتاہے۔اس کو محمد عبدالحیٔ نے لکھاہے قوت والارب اس سے درگزر فرمائے(ت)

جواب کی پوری عبارت عرض کی ہے یہ صورت بعینہٖ وہی صورت واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فورًاارشاد فرمایا تھامگر کتاب کاحوالہ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے بھی نہیں دیاہے لہٰذاامیدوارہوں کہ اس مسئلہ کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد ہو۔ ظلکم ممدود باد بندہ محمداحسان الحق عفی عنہ۔ ١۴محرم شریف ١٣٢١ھ

الجواب:

مکرمی اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ، حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہےاس صورت کو فقہ میں تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شَے لے کر جداہوجائے،اس کاحاصل یہ نہیں ہوسکتاکہ گویاوہ وارث کہ جداہوگیاسرے سے معدوم تھاکہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوجواس کے عدم کی حالت میں ہوتی اس نے ترکہ سے حصہ پایاہے تومعدوم کیونکر قرار پاسکتاہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچاہے،بلکہ اس کاحاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لئے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالئے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے عــــہ (اتنے اتنے،) سہام ہی پر تقسیم ہو۔جس جس قدرانہیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے یہاں کے مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑامسئلہ چار سے ہواایک زوجہ دوبہن ایک بھتیجے کا،زوجہ ترکہ سے اتنامال لے کر جداہوگئی توچار میں سے اس کاایک اداہولیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اورایک بھتیجے کا،تولازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو،بہن کودو، بھتیجے کوایک،نہ کہ دونوں کو نصفانصف کہ اس تقدیر پر بہن کاحصہ نصف،باقی بعد فرض الزوجہ ہوجائے گایعنی زوجہ کاحصہ نکال کر جوبچااس کاآدھاحالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کاسہم نصف کل متروکہ تھا۔

عــــہ:اصل میں ایساہی ہے شاید یہاں کچھ چھوٹ گیاہےاور غالبًا عبارت یوں ہے:اس قدر سہام ہی پر یا اتنے ہی سہام ہی ہے،لہٰذاقوسین میں بنادیاہے۔ازہری غفرلہ،

قال اللہ تعالٰی " اِنِ امْرُؤٌا ھَلَکَ لَیْسَ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَہٗۤ اُخْتٌ فَلَھَا نِصْفُ مَا تَرَکَ ۚ "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (ت)

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسب تصریح علمائے کرام خلاف اجماع ہے، زیادہ ایضاح چاہئے باآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اوّل: یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہو گئی۔

دوم: اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورت مذکورہ میں مکان وزیور واثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم: اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورت ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کے تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم وبیش پاتا ہے حصے کہ ہر شیئ میں مشاع تھے فقط جدا ہو جاتے ہیں۔

صورت اولٰی میں جبکہ باقی مع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہو جائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم ونا انصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شیئ جو وارث مذکور لے کر جدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورت ثانیہ میں سب بقیہ ورثاء اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالانکہ ان میں سب کے حصے تھے اور سب راضی ہوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۷۶

جنہیں ہر عاقل ادنٰی نظر سے سمجھ سکتا ہے۔ فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزان عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولٰی میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہو گئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ۱۲ ہزار اور اسد علی کا چھ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دوگنا، اور اسی حساب سے زیور و مکان و اثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لئے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دو حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دو ۲ ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چودہ ۱۴ ہزار اور اسد علی کے سات ۷ ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ۶ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ۱۲ ہزار سے چار ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ۶ ہزار سے دو ۲ ہزار۔ اب بقیہ بارہ ۱۲ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت دو ۲ اور ایک کی آگئی۔ صورت ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ۶ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبّہ کم نہ ہونا چاہئے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہر گز عدل کا نام و نشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ۳ ہزار نکل کر اکیس ۲۱ ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفًا نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار ۴ سخت شناعتیں لازم آئیں:

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہئے تھے بہن کو ان سے ایک حبّہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ۱۲ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کتر گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ۶ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بٹے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر

پورا نزلہ بہن پر گرا۔ کامل چھ ۶ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ بنایا اس کا حصہ مفت کا تھا الٰی غیر ذٰلك مما یخاف ولا یخاف الانصاف (وغیرہ ذالک جس کا ڈر ہے اور ڈر نہیں مگر انصاف کا۔ ت)

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصہ سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہئیں تھے بے کم و بیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے دیوڑھا پالیا۔ اگر نوٹ و متاع کی تبدیلی نہ کرتے تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی و لطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہوگئے۔ اس واضح روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی مگر زیادت اطمینان عوام کے لئے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علم فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی و وافی و مکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور و معروف و متداول ہے یعنی متن امام سراج الدین و شرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

(من صالح من الورثۃ علی شیئ معلوم من الترکۃ فاطرح سھامہ من التصحیح) ای صحح المسئلۃ مع وجود المصالح بین الورثۃ ثم اطرح سھامہ من التصحیح (ثم اقسم باقی الترکۃ) ای مابقی منہا بعد ما اخذہ المصالح (علی سھام الباقین) من التصحیح (کزوج وام وعم) فالمسئلۃ	جس وارث نے ترکہ سے کوئی معین شیئ لے کر دیگر ورثاء سے مصالحت کرلی تو اس کا حصہ تصحیح میں سے نکال دو یعنی اس کو وارثوں کے درمیان موجود تصور کرکے مسئلہ کی تصحیح کردو اور پھر تصحیح میں سے اس کے حصے نکال دو۔ پھر صلح کرنے والے نے جب معین شیئ لے لی تو تصحیح میں سے جو باقی بچا اس کو دیگر ورثاء کے حصوں پر تقسیم کردو جیسے کوئی خاتون اپنا شوہر، ماں اور چچا چھوڑ کر فوت ہوگئی تو مسئلہ خاوند کی موجودگی میں چھ سے

مع وجود الزوج من ستة وھی مستقیمة علی الورثة للزوج عــــہ۱ ثلثة وللام السھمان عــــہ۲ وللعم سھم عــــہ۳ (فصالح الزوج)من نصیبه الذی ھو النصف (علٰی مافی ذمته للزوجة من المھر وخرج من البین فیقسم باقی الترکة)وھو ماعدالمھر (بین الام والعم اثلاثا بقدر سھامھما من التصحیح(وحینئذ یکون سھمان)من الباقی للام و سھم واحد للعم کما کان کذٰلك عــــہ۴ فی سھامھما من التصحیح فانقلت ھلّا جعلت الزوج بعد المصالحة واخذہ المھر وخروجه من البین بمنزلة المعدوم وایّ فائدۃ فی جعله داخلا فی تصحیح المسئلة مع انه لایاخذ شیئا وراء ما اخذہ قلت فائدته انالوجعلناہ کان لم یکن وجعلنا الترکة ماوراء	بنے گا جو کہ ورثاء پر برابر تقسیم ہوجائے گا،خاوند کو تین،ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا۔چونکہ شوہر اپنے ذمہ مہر کے بدلے میں ترکہ میں سے اپنا حصہ جو کہ نصف ہے چھوڑنے پر صلح کرکے وارثوں کے درمیان سے خارج ہوگیا للذا باقی ترکہ جو کہ مہر کے علاوہ ہے ماں اور چچا کے درمیان تصحیح میں سے ان کے حصوں کے مطابق تین پر تقسیم ہوگا۔اور اس صورت میں مہر کو نکال کر باقی ترکہ میں سے دو حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو ملے گا۔جیسا کہ یہی حال تصحیح سے حاصل شدہ ان دونوں کے حصوں میں تھا اگر تو کہے کہ صلح کے بعد اور شوہر کے مہر کو لے لینے اور وارثوں کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تم نے شوہر کو بمنزلہ معدوم کے کیوں قرار نہیں دیا اس کو مسئلہ کی تصحیح میں داخل کرنے کا کیا فائدہ ہے باوجودیکہ وہ اس کے ماسوا کچھ نہیں لیتا جو کچھ وہ لے چکا ہے؟ میں کہوں گا اس کا فائدہ یہ ہے اگر ہم اس کو کالعدم قرار دیتے اور مہر کے ماسوا کو

عــــہ۱:فی النسخة التی بایدینا وللزوج منھا سھام ثلثة۔

عــــہ۲:السھمان کذافی نسختنا۔

عــــہ۳:وللعم الیك قوموسھم کذاعندنا۔

عــــہ۴:کماکان الحال کذٰلك کذابنسختنا۔

المهر لانقلب فرض الام من ثلث اصل المال الی ثلث مابقی اذحینئذ یقسم الباقی بینهما اثلاثا فیکون للام سهم وللعم سهمان وهو خلاف الاجماع اذ حقها ثلث الاصل واذا ادخلنا الزوج فی اصل المسئلة کان للام سهمان من الستة وللعم سهم واحد فیقسم الباقی بینهما علی هٰذا الطریق فتکون مستوفية حقها من المیراث [1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔واعلم ان ھٰهنا طریقه اخرٰی اخذبها بعض المشائخ رحمهم الله تعالٰی لاتعلق لها عندی بما نحن فیه وان فرض فانما یکون علیها فی الصورة المسئول عنها لفاطمة ثلثة عشر الفا ومائة وخمسة وعشرون ولاسد علی سبعة اٰلاف وثمان مائة وخمسة وسبعون لم نخترها لان العمل والفتیا بالراجح لاسیما المذهب وانت تعلم ان هذه	ترکہ بناتے توماں کافرضی حصہ مال کی تہائی سے باقی مال (مہر نکالنے کے بعد) کی تہائی کی طرف منتقل ہوجاتا، کیونکہ اس صورت میں باقی مال ان دونوں (ماں اور چچا) کے درمیان تین حصوں میں تقسیم ہوتا جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور چچا کو دوحصے ملتے اور وہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ماں کا حق اصل ترکہ کا ایک تہائی ہے۔اور جب ہم نے شوہر کواس مسئلہ میں داخل رکھا توماں کے لئے چھ میں سے دو جبکہ چچاکے لئے ایک حصہ ہوا۔چنانچہ مہر نکالنے کے بعد باقی بچ جانے والا مال ان دونوں کے درمیان اسی طریقے پر منقسم ہوگا، تو اس طرح ماں میراث میں سے اپنا پورا حق وصول کرے گی اھ اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے، تو جان لے کہ یہاں ایک اور طریقہ جس کو بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی نے اختیار کیا میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔اگرہم اس کو فرض کرلیں تو اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں فاطمہ کے لئے تیرہ ہزار ایک سو پچیس اور اسد علی کے لئے سات ہزار آٹھ سو پچھتّر حصے ہوں گے۔ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ عمل اور فتوی قول راجح پر ہوتاہے خصوصًا جبکہ وہ مذہب ہو۔اور تو جانتاہے کہ یہ طریقہ

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی التخارج مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ۷۳ و ۷۴

ایضا لاتوافق ماسبلکه المجیب اللکنوی فھو خلاف الاجماع قطعًا و باللہ العظمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	بھی اس طریقے کے موافق نہیں جس پر مجیب لکھنوی چلے ہیں تو وہ قطعی طور پر خلاف اجماع ہوا۔ اور اللہ تعالٰی ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۹۴: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحیداللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

حضرت مطاع ومحترم مد ظلہم العالی تحیہ تسلیم بالوف تکریم مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ناچار گزارش کیا جاتا ہے سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا ہے جیسا اور مواقع مثلاً تفصیل اَبْ میں ہے وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کرلیا اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

اقتصر علٰی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلك علٰی ان السفالۃ غیر معتبرۃ فی صیرورتھن عصبۃ[1] انتہٰی۔	مصنف نے پوتیوں پر اکتفاء فرمایا اور یوں نہیں کہا اگرچہ نیچے تک ہوں اور ایسا ہی علم فرائض کی دیگر کتابوں میں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (پڑپوتیاں وغیرہ یعنی) جو بھی پوتیوں کے نیچے ہوں وہ بہنوں کو عصبہ بنانے میں معتبر نہیں ہیں انتہٰی۔ (ت)

اس خیال کی تائید کرتا ہے اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیا جاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عملدرآمد کیا جائے یا کیا؟ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب

1

آفتاب فیض سے یہ حقیر ذرہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی بعد اہدائے ہدیہ تحفہ سینہ سنیہ ملتمس عصوبت اخوات کے لئے معیت بنت ابن الابن وبنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعًا کافی ہے۔ اور شرح بسیط کا بیان صریح لغزش بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفًا شائعًا بنت ضرور ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے تصریح وان سفلت محض ایضاح وتاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، تو عدم ذکر ہرگز ذکر عدم نہیں ہوسکتا ولہٰذا صدہا جگہ علماء نے وہاں کے عموم یقینا ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا۔ کنزالدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن[1]۔	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

ولد الابن کولدہ عن دعمدہ[2]۔	میت کے بیٹے کی اولاد بیٹے کی عدم موجودگی میں خود میت کی اپنی اولاد کی طرح ہے۔(ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ والبنت وبنت الابن والاخت[3] الخ۔	اور عورتوں میں سے سات ہیں ماں، جدّہ، بیٹی، پوتی اور بہن الخ(ت)

اسی میں ہے:

النصف للبنت ولبنت الابن عند عدمها[4]۔	ترکہ کا نصف بیٹی کے لئے ہے اور بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کے لئے(ت)

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳

[2] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۴

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

[4] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵

اُسی میں ہے:

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن ولاب مع الولد او ولدالابن ولبنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب[1]۔ (ملتقطًا)	اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں ماں کے لئے چھٹا حصہ ہوگا، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اور حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کے لئے چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ پوتیاں متعدد ہوجائیں۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن[2]۔	میت کے باپ اور اس کے دادا کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو۔ (ت)

در مختار میں ہے:

والتعصیب مع البنت او بنت ؏ الابن[3]۔	میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں بہن کو عصبہ بنانا۔ (ت)

اسی میں ہے:

ممن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین ولاخت لأب والزوج[4]۔	جن کا فرضی حصہ ترکہ کا نصف ہوتا ہے اور وہ پانچ ہیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن اور خاوند۔ (ت)

سراجیہ میں ہے:

بنات الابن کبنات الصلب و	پوتیاں حقیقی بیٹوں کی طرح ہیں اور ان کے

؏: ھذا الضم ملتقطاً ملخصاً ۱۲ ازہری غفرلہ

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/ ۳۴۵ و ۳۴۶

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۵

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

لھن احوال ستٌّ [1]۔	چھ حال ہیں۔(ت)

شریفیہ میں ہے:

أربع من النسوۃ فرضھن النصف والثلثان الاولی البنت،والثانیۃ بنت الابن فان حالھا کحال البنت عند عدمھا [2]۔(ملخصًا)	عورتوں میں سے چار جن کافرضی حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے۔ان میں سے پہلی بیٹی اور دوسری پوتی ہے،کیونکہ بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کاحال بیٹی کے حال جیسا ہوتا ہے۔(ت)

بلکہ کئی جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا حالانکہ بنات الابن وان سفلن قطعًا سب اسی حکم میں داخل۔تنویر میں ہے:

یصیر عصبۃ لغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات باخیھن ومع غیرہ الاخوات مع البنات [3]۔	بیٹیاں بیٹے کے ساتھ،پوتیاں پوتے کے ساتھ اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوجاتی ہیں جبکہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہیں۔(ت)

اسی مسئلہ کاکلیہ ارشاد ہوا ہے:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ [4]۔	بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو عصبہ بناؤ۔(ت)

اور پھر یہی نہیں کہ ان حضرات کو ترک ذکر سفول کا التزام ہو جس سے ان کی عادت پر حمل کرکے سفول مفہوم ہو،نہیں بلکہ انہیں کتب میں جابجا سفول مذکور۔کنز میں ہے:

للام الثلث ومع الولد او ولد الابن وان سفل السدس	ماں کے لئے ایک تہائی ہوتا ہے اور اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو،کی موجودگی میں

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لاہوری گیٹ لاہور ص ۴۰

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷،الشریفیہ شرح السراجیہ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۷

وللزوج النصف ومع الولد اوولد الابن وان سفل الربع، وللزوجة الربع ومع الولد او ولد الابن و ان سفل الثمن[1]۔	ماں کے لئے چھٹا ہوتا ہے، خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوتا ہے، اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے۔ اور بیوی کے لئے ترکہ کا چوتھا حصہ ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہوگی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ (ت)

ملتقی میں ہے:

اقربھم جزء المیت وھوالابن وابنہ وان سفل[2]۔	ان میں سے قریب ترین میت کی جزء ہے، اور وہ میت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے اگرچہ نیچے تک ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتحجب الاخوۃ بالابن وابنہ وان سفل[3]۔	میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں جبکہ اس کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ نیچے تک ہوں۔ (ت)

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن ثم ابنہ وان سفل[4]۔	ان میں سے جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا، جیسا کہ میت کا بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ (ت)

توظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر وعدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح

[1] کنزالدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳ و ۴۳۴

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العصبات مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۶

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

[4] الدرالمختار شرح تنویر الابصار فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۶

بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح بسیط کا تمسک صراحۃ بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن الابن کی جگہ۔ یوں ہی بنات الابن نہ ہوں تو بنات الابن کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر جزاہم اللہ احسن جزاء انہوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمد متداولہ متون وشرح فتاوٰی مثل سراجیہ وشریفیہ و تبیین الحقائق وتکملۃ البحر للطوری و در مختار وملتقی الابحر ومجمع الانہر وخزانۃ المفتین وفتاوٰی عالمگیریہ وقلائد المنظوم وغیرھا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا، اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر۔ ہاں یہ فقیر سے سنئے۔ زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا۔ بنتین ابن الابن کے لئے تو یہاں یقینا ثلثین ہے جس میں کسی ادنٰی طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوت کے پانچ حال ہیں، ایک کو نصف، زائد کو ثلثان، بھائی) کے ساتھ "لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[1] (مذکر کے لئے دو مؤنثوں کے حصہ کی مثل ہوتا ہے۔ ت) بنات کے ساتھ عصوبت ابن واب وان سفل وعلا کے ساتھ سقوط پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ **اولاً:** خود باطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔ مجمع الانہر میں ہے:

لایتصور فی مسئلۃ فقط اجتماع ثلثین وثلثین اوثلث وثلث وثلثین[2]۔	کسی مسئلہ میں یہ بالکل متصور نہیں کہ اس میں دو تہائی اور دو تہائی (دوبار) یا ایک تہائی اور ایک تہائی اور دو تہائی جمع ہو جائیں۔ (ت)

ثانیاً: اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین ان اصول میں ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶۱

کبھی عول نہیں ہوتا۔ سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعة اربعة منها لاتعول وھی الاثنان والثلثة والاربعة والثمانیة [1]۔	توجان لے کہ کل مخارج سات ہیں، ان میں سے چار ہیں جن میں عول نہیں کرتا اور وہ یہ ہیں دو ۲، تین، چار ۴ اور آٹھ۔ (ت)

شریفیہ و منح الغفار ورد المحتار وغیرہ میں ہے:

اتعول اصلا لان الفروض المتعلقة بھذہ المخارج الاربعة اما ان یفی المال بھاء ویبقٰی منه شیئ زائد علیھا [2]۔	ان میں عول بالکل نہیں ہوتا کیونکہ ان چار مخرجوں سے جو فرضی حصے تعلق رکھتے ہیں یاتو ترکہ کامال ان پر پورا ہو جاتا ہے یا ان حصوں سے کچھ مال زائد بچ جاتا ہے۔ (ت)

یہ بھی تصریح ہے کہ دو ۲ ثلثین جمع نہیں ہوسکتے، نیز شریفیہ وغیرہا میں ہے۔

لاعول فی الثلثة لان الخارج منھا اماثلث ومابقی کام واخ لاب و ام واماثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب و ام [3]۔	تین میں عول نہیں ہوتا کیونکہ اس سے جو حصے نکلتے ہیں وہ یا تو ایک تہائی اور باقی بچ رہنے والا ہے، جیسے میت کی ماں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا دو تہائی اور باقی بچ جانے والا ہے، جیسے میت کی دو بیٹیوں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا ایک تہائی اور دو تہائی ہیں جیسا کہ میت کی دو اخیافی بہنوں اور دو حقیقی بہنوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ت)

اس حصر میں اور بھی واضح کردیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔ شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملة المخارج سبعة وانما تعول	کل مخارج سات ہیں ان میں سے عول فقط

[1] السراجی فی المیراث باب العول مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۳۱

[2] الشریفیة شرح السراجیة باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

[3] الشریفیة شرح السراجیة باب العول مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

منہا الستة و اثنا عشرة واربعة وعشرون والاربعة الاخری لاتعول۔[1]	چھ ۶، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴ میں ہوتا ہے دیگر چار میں عول نہیں ہوتا۔

بعینہٖ اسی طرح تکملہ طوری میں ہے۔ در مختار میں ہے:

المخارج سبعة اربعة لاتعول الاثنان والثلثة و الاربعة والثمانية[2]۔	مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اربعة مخارج لاتعول الاثنان والثلثة[3] الخ۔	مخارج میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو اور تین الخ (ت)

خزانۃ المفتین میں پھر ہندیہ میں ہے:

اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة ستة و ثمانية و اثناعشر واربعة وعشرون فاربعة منها لا تعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية الخ[4]۔	توجان لے کہ مسئلوں کے اصول سات ہیں جو کہ یہ ہیں دو ۲، تین ۳، چار ۴، چھ ۶، آٹھ ۸، بارہ ۱۲ اور چوبیس ۲۴۔ ان میں سے چار یعنی دو، تین، چار اور آٹھ میں عول نہیں ہوتا الخ (ت)

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصول اربعة ليست بذات عول، اثنان والثلثة التالية واربع ضعفها الثمانية[5]۔	اصول کے مخارج سات ہیں جن میں سے چار عول والے نہیں ہیں یعنی دو اور اس کے ساتھ تین اور چار اور اس کا دوگنا آٹھ۔ (ت)

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعة الکبرٰی الامیریة بولاق مصر ۶ / ۲۴۴

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۶۱

[3] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسة الرسالة بیروت ۲ /۳۴۹

[4] فتاوٰی خزانة المفتین کتاب الفرائض باب العول قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۲ /۲۵۳

5

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ ہی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔	لیکن ہر تیز رفتار گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کبھی اُچٹ جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی لغزش ہو جاتی ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے در گزر اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ (ت)

فقیر نے بہ طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو ورنہ بحمد اللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔ الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولو متعددۃ (مع بنت) الصلب واحدۃ ایضا فاکثر (و) کذا مع (بنت الابن) وان سفلت کذلك و کذا مع بنت و بنت ابن (ذات اعتصاب مع غیر)[1]۔	اور بہن اگرچہ متعدد ہوں صلبی بیٹی کے ساتھ چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد۔ یونہی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ چاہے ایک ہو یا اس سے زائد عصبہ مع غیرہ بن جاتی ہے۔ (ت)

مختصر الفرائض میں اخوات لاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبۃ مع البنات اوبنات عـــہ الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب وام[2]۔	علاتی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ بہنیں موجود نہ ہوں۔ (ت)

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیر ھادو ۲ زنان اندیکے	عصبہ مع غیرہ دو عورتیں ہوتی ہیں ایک

عـــہ: لعل الصواب اوبنات الابن صح ۱۲ ازہری غفرلہ بل ھو المتعین کما یظھر فیما معنی ومایاتی۔

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم رسالہ من رسائل ابن عابدین باب العصبات سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۲۱۵

[2] مختصر الفرائض

اخت اعیانی میت کہ بابنت یابنت ابن اوہرچند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطور تین عصبہ می شود[1]۔	میت کی عینی بہن جبکہ میت کی بیٹی یاپوتی کے ساتھ ہواگرچہ پوتیاں نیچے تک ہوں۔ دوسری میت کی علاتی بہن ہیں جو میت کی بیٹی اورپوتی کے ساتھ ہو اگرچہ وہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔ (ت)

اسی میں اخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہرچند پایاں روند[2]۔	عینی بہنوں کاچوتھا حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اورپوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں (ت)

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات ومع بنات الابن ہرچند پایاں روندوقتے کہ عینی نباشد[3]۔	علاتی بہنوں کاپانچواں حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اورپوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں بشرطیکہ عینی بہن موجود نہ ہو (ت)

علامہ ابن نوراللہ انقروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیارفرمایاکہ کہیں وان سفلت وان نزلن (اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ ت) نہ کہیں اورہرجگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتداء میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایاکہ جس مسئلہ میں فلاں وارث ہو اسے فلاں باب میں دیکھو مسائل بنات الابن کے لئے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض فھی فی الباب الثانی عشر[4]۔	اگرکسی مسئلہ میں میت کی پوتی اگرچہ نیچے تک ہو دیگرذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو تووہ مسئلہ بارھویں باب میں مذکور ہوگا۔ (ت)

پھرختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی عشر منھا فی بنت الابن	بارھواں باب میت کی پوتی کے بارے میں ہے

[1] زبدۃ الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

[3] زبدۃ الفرائض

[4] حل المشکلات

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض [1]۔	اگرچہ نیچے تک چلی جائے جبکہ وہ دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو۔(ت)

اسی طرح اورابواب کی نسبت بھی فرمادیا اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے۔اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترك بنت ابن واختا لابوین فالمسئلة من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبة [2]۔ غرض حکم مسئلہ واضح ہے وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	کوئی شخص ایک پوتی اور ایک عینی بہن چھوڑ کر فوت ہوگیا تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے۔ چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بہن کو بطور عصبہ ملے گا۔اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

فصل سوم

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد گجرات محلّہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیان مدرسہ طیبہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۵/رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حق میراث معاف کرالیا بھائی نے معاف کردیا زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپے کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کئے اور جومال باقی رہا اس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کردیا جائے بعدہ، زید نے انتقال کیا،اس صورت میں یہ وقف ووصیت نافذ ہوئے یانہیں؟اور صلح جو وارث سے مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یانہیں؟اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہوگیا اب بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یانہیں؟ بیّنوا توجروا۔

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

الجواب:

وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیات مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل وبے اثر ہے اس سے وارث کا حق ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہوجائے گی۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق تفصیل المقام ان الروایات فی ھٰذہ المسئلۃ توجد علٰی ثلثۃ انحاء، الاول البطلان وھو واضح البرھان غنی عن البیان فان الارث لاثبوت لہ فی حیاتہ فکان اعتیاضا عن معدوم وھو باطل وبھذا ھو نص محرر المذھب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ قال فی جامع الفصولین ذکر "م" رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی سک (ای محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی السیر الکبیر الذی ھو من کتب الاصول الستۃ) ان المریض لواعطی من اعیان مالہ بعض ورثتہ لیکون لہ بحقہ من المیراث بطل[1] اھ۔ الثانی الجواز ولایظھر لہ وجہ قال فیہ عقیبہ برمز جف لجامع الفتاوٰی جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ	**اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، پہلی قسم یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔ اس کی دلیل واضح ہے جو بیان سے بے نیاز ہے کیونکہ میراث کا ثبوت مورِث کی زندگی میں نہیں ہوتا تو یہ معدوم کابدل طلب کرنا ہوا اور وہ باطل ہے۔ اور اسی پر محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی۔ جامع الفصولین میں ہے کہ "م" رحمہ اللہ تعالٰی نے سک میں ذکر فرمایا (یعنی امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیر کبیر میں ذکر فرمایا جو کہ چھ کتب اصول میں سے ہے) کہ کسی مریض نے اگر اپنے عین مال میں سے کسی وارث کو اس لئے کچھ دیا کہ وہ میراث میں سے اس کا حق بن جائے تو یہ باطل ہے الخ۔ دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔ جامع الفصولین میں مذکورہ عبارت کے بعد جامع الفتاوٰی کی رمز یعنی جف کے ساتھ کہا کسی شخص نے اپنے دو۲ بیٹوں

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۶۰

علی ان لایکون له بعد موت الاب میراث قیل جاز وبه افتی بعضهم وقیل لا [1] اھ، وقال فی فرائض الاشباہ و النظائر قال الشیخ عبدالقادر فی الطبقات فی باب الهمز فی احمد قال الجرجانی فی الخزانة قال ابو العباس الناطفی رأیت بخط بعض مشائخنا رحمهم الله تعالٰی فی رجل جعل لاحد ابنیه دارا بنصیبه علی ان لایکون بعد موت الاب میراث جازوافتی به الفقیه ابوجعفر محمد بن الیمانی احد اصحاب محمد بن الشجاع البلخی وحکی ذلك اصحاب احمد بن ابی الحارث وابوعمر والطبری [2] انتهی اھ قال فی غمز العیون یتامل فی وجه صحة ذلك فانه خفی [3] اھ **والثالث** الجواز اذارضی به الوارث بعد ماورث	میں سے ایک کو اس کے حصے کا گھر اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی۔ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے۔اورایک قول میں ہے کہ جائز نہیں ہے۔الخ۔الاشباہ و النظائر کی کتاب الفرائض میں کہا کہ شیخ عبدالقادر نے طبقات کے باب الہمز فی احمد میں فرمایا،جرجانی نے خزانہ میں کہا کہ ابوالعباس ناطفی نے فرمایا میں نے اپنے بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی کی وہ تحریر دیکھی جو اس شخص کے بارے میں ہے جس نے دو بیٹوں میں سے ایک کو اس کے حصے کا مکان اس شرط پر دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث نہیں ہوگی تو یہ جائز ہے۔اسی پر فقیہ ابوجعفر محمد بن الیمانی نے فتوٰی دیا جو کہ محمد بن شجاع بلخی کے شاگردوں میں سے ایک ہیں۔احمد بن ابوحارث اورابوعمروطبری کے شاگردوں نے اس کو نقل کیا ہے۔انتہٰی۔غمزالعیون میں کہا اس کی صحت کی وجہ میں غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ پوشیدہ ہے الخ۔**اور تیسری قسم** یہ ہے کہ صلح اس صورت میں جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا

[1] جامع الفصولین کتاب الوصیة الفصل الرابع والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲

قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطقی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذاعین الواحد من الورثة شیئا کالدار علی ان لایکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل هذا اذرضی ذلك الوارث به بعد موته فحینئذٍ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواهر [1] اھ ونقله فی اوائل وصایا ردالمحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جازوبه افتی بعضهم وقیل لاانتهی [2] اھ ولم یجنح لحکایة ماقدمه فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انه کان هو العمدة فی الباب فان ماذکر من الجواز افتاء البعض لولم یکن مستنده کماعلمت الی خط بعض	وارث اس صلح پر رضامندی ظاہر کردے، جامع الرموز میں کہاتو جان لے امام ناطفی نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیاکہ مریض جب کسی ایک وارث کے لئے کوئی شے معین کردے مثلاً گھر اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو جائز ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب مریض کے مرنے کے بعد وہ وارث اس پر رضامندی ظاہر کرے تو اس صورت میں میت کا معین کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کے ساتھ باقی وارثوں نے تعیین کی ہو۔ جیسا کہ جواہر میں ہے الخ۔ اس کو ردالمحتار کے وصایا کے شروع میں نقل کیااور یہ زائد کیاکہ ان دونوں قولوں کو جامع الفصولین میں نقل کیا ہے، اور کہا ہے کہ ایک قول میں کہاگیاہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوی دیاہے۔ اورایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے الخ اور ماقبل جامع الفصولین میں بحوالہ سیر کبیر ذکر کردہ حکایات کی طرف میلان نہیں کیا حالانکہ اس باب میں وہ عمدہ ہے کیونکہ جواز اور بعض مشائخ کے فتوی کا ذکر اگر بعض مشائخ کے خط کی طرف منسوب نہ ہو

[1] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/ ۶۷۹

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۲۰

المشائخ مع مافی الخط من شبھة تنزله عن مرتبة الاشارة فضلا من العبارة فعندی فیما ذکر الحموی فی الغمز من احکام الکتابة یجوز الاعتماد علی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علی اشارته فالکتابة اولٰی [1] اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ به عند حصول الامن و رکون القلب ولذا اجمعوا علی جواز النقل من الکتب المعتمدة المعروفة المتداولة کما افادہ فی الفتح فمع قطع النظر من کل ذلك لم یکن له بجنب نص محمد فی ظاھر الروایة قیام علی ساق مع ما فیه من عدم التئامه بقواعد المذھب علی الاطلاق نعم ماذکر فی الجواھر محمل حسن وبه یدنو من التحقیق ویزول القلق ویحصل التوفیق بیدان الواجب عندی	جیسا کہ تونے جان لیا باوجودیکہ خط میں شبہہ ہوتاہے تو یہ اشارہ کے مرتبہ سے بھی گرجائے گا چہ جائیکہ عبارت (کے برابر ہو) چنانچہ میرے نزدیک اس میں جس کو امام حموی نے احکام کتابت سے غمز میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے۔ مشائخ کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارے پر اعتماد جائز ہے تو کتابت پر بدرجہ اولٰی جائز ہوگا الخ اس اخذ میں نظر ہے، اگرچہ ہم حصول امن اور میلان قلبی کے وقت اس کے ساتھ اخذ کے جواز کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشہور و مروج اور قابل اعتماد کتابوں سے نقل کے جواز پر مشائخ نے اجماع کیا ہے جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا ہے، اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قول ظاہر الروایہ میں مذکور امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص کے مقابل اپنی پنڈلی پر قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے باوجود اس میں علی الاطلاق مذہب کے قواعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں ہے۔ ہاں جو جواہر میں ہے وہ ایک اچھا محمل ہے، اور اسی کے ساتھ یہ تحقیق کے قریب ہوجاتاہے اور اضطراب زائل ہوجاتا ہے اور مطابقت و موافقت حاصل ہوجاتی ہے۔ اس کے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابة ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

رضی الورثۃ جمیعا بعد موت المورث لا رضی المصالح وحدہ فان التخارج مبادلۃ بینھم فلابد من رضاھم جمیعا لاسیما اذا کان الذی عُیّن لہ ازید من حقہ و کانہ لحظ الیٰ ان التعیین لواحد علیٰ ان لایکون لہ فی سائر الترکۃ شیئ انما یکون غالبًا باقل من حقہ اوما یساویہ ولیس فیہ مایقتضی عدم رضی سائر الورثۃ فاقتصر علیٰ ذکر اشتراط رضاہ وحدہ واللہ تعالٰی اعلم. فان قلت لم لایجوز ان یحمل کلام محمد محرر المذھب رحمہ اللہ تعالٰی علی بطلان الحق قلت کلا فان الارث جبری لایسقط باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبتہ اللہ تعالٰی فی کتابہ والتخارج مبادلۃ لا اسقاط والمبادلۃ تقرر الحق وتثبتہ لاتبطلہ فلو صح ما فعل المریض لقیل صح مافعل و الحق حصل لا ان بطل ھذا عندی	علاوہ میرے نزدیک مورث کے مرنے کے بعد تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہے نہ کہ تنہا صلح کرنے والے کی رضامندی۔ کیونکہ تخارج وارثوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہے لہٰذا ان سب کی رضامندی ضروری ہے خصوصًا اس صورت میں جب مذکورہ بالا وارث کے لئے اس کے حق سے زائد کی تعیین کردی گئی ہو۔ گویا اس بات کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ کسی ایک وارث کے لئے تعیین اس شرط پر ہوگی کہ ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ غالبًا یہ تعیین اس کے حق سے کم تر میں یا اس کے حق کے مساوی میں ہی ہوتی ہے، حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو باقی ورثاء کی عدم رضا کا تقاضا کرتی ہو۔ چنانچہ اکیلے اس وارث کی رضامندی کے شرط ہونے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اگر تو کہے کہ محرر مذہب امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے کلام کو بطلان حق پر محمول کرنا کیوں جائز نہیں؟ تو میں کہوں گا ہر گز نہیں کیونکہ وارث بننا جبری امر ہے جو ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں ثابت فرمایا اس کو باطل کرنا کیسے جائز ہوگا، اور تخارج باہمی تبادلہ ہے نہ کہ کسی حق کو ساقط کرنا۔ اور باہمی تبادلہ حق کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اس کو باطل کرتا ہے۔

والعلم بالحق عند ربی۔	اگروہ صحیح ہوتا جو مریض نے کیا ہے توالبتہ کہاجاتاکہ جوکچھ مریض نے کیاہے وہ صحیح ہے۔اور حق حاصل ہوگیا ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہوگیاہے،یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔(ت)

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیات مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علٰی وجہ الاطلاق سوال کیا۔رہی یہ صورت خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح وتخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سوچالیس روپے پرواقع ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد تھے اور روپے کے حق سے کم روپوں پر تخارج قطعًا باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدرالمختار فی اخراجہ عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصلح الا ان یکون مااعطی لہ اکثر من حصتہ من ذٰلک الجنس تحرزاعن الربا[1]۔	درمختار میں ہے نقدین(سونے چاندی)میں سے کسی ایک کے بدلے میں کسی وارث کونقدین وغیرہ سے خارج کرنا صحیح نہیں مگر اس وقت کہ جوکچھ اس وارث کودیاگیاہے وہ اسی جنس میں سے اس کے استحقاقی حصے سے زائد ہو تاکہ سود سے بچاؤ ہوجائے۔(ت)

تو یہ تخارج ہوتاتویقینا باطل ہوتامگریہاں دوسراوارث کوئی ہے ہی نہیں،نہ کوئی موصی لہ تھاجس سے مبادلہ ٹھہرے تو یہاں صلح وتخارج ومبادلہ کودخل ہی نہیں اس کاحاصل صرف اتناہے کہ"میراث سے میں نے اتنے روپے لے لئے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنی رکھتاہے تمام ترکہ میں بدستور اس کاحق باقی ہے تصرفات مذکورہ زیدبے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں جووصایا تھیں ان کی اجازت تو بحال حیات موصی مفید ہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اس وقت کہہ دیاہو کہ میں نے ان وصیتوں کونافذ کیاجائز رکھانہ اسے ان تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہراسکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جووصایا تھیں ان کی اجازت کاتوحیات موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدرالمختار لاتعتبر اجازتھم	درمختار میں ہے کہ وارثوں کی اجازت موصی کی

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[1] اھ فی ردالمحتار ای لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عندالموت فکان لهم ان یردوہ بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح[2]۔	زندگی میں بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہوتی ہے الخ۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ وہ اجازت وارثوں کے حق کے ثبوت سے قبل ہے کیونکہ ان کے حق کا ثبوت موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے لہٰذا وہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رَد کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو موصی کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ وہ ثبوت حق کے بعد ہے۔ اس کی پوری بحث منح کے اندر ہے۔(ت)

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کردیا اگر وارث سے حیات مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ وتام ہوگیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیة تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیرہ اذا صدر فی مرض الموت و اجازہ الوارث قبل الموت لاروایة فیه عن اصحابنا قال الامام علاء الدین السمرقندی اعتق المریض عبدہ ورضی به الورثة قبل الموت لایسعی العبد فی شیئ	رِدّالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ موت کے بعد کی اجازت معتبر ہے نہ کہ پہلے کی۔ یہ وصیت کے بارے میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اپنے حکم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے آزاد کرنا وغیرہ جب یہ مرض الموت میں صادر ہوں اور موت سے پہلے وارث اجازت دے دے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ امام علاء الدین سمرقندی نے کہا کہ کسی مریض نے اپنا غلام آزاد کردیا اور موت سے پہلے وارثوں نے اس پر رضامندی ظاہر کردی تو وہ غلام کسی شیئ میں سعی نہیں کرے گا۔

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۱۷

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۱۷

وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولایملك المطالبة بعد موت المجروح [1] اھ	اور مشائخ نے اس بات پر نص فرمائی کہ زخمی کا وارث جب زخمی کرنے والے کو معاف کردے تو معافی صحیح ہوگی اور وارث زخمی کی موت کے بعد مطالبے کا مالک نہیں ہوگا اھ (ت)

اور یہیں سے واضح ہوا کہ صورت کچھ واقع ہوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحال حیات مورث خواہ بعد وفات مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے کے سوا باقی مال حسب تصرفات مورث وقف و وصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف و وصیت کے لئے رہا دو ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جدًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (اور یہ خوب ظاہر ہے، اور اللہ سبحانہ، و تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۹۶: از لشکر گوالیار ڈاکخانہ دربار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۳۱۴ھ

مخدوم ومطاع نیازمندان دام مجدکم پس از اظہار نیاز گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمان ریاست وامداد وکلا ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض وصیت ہبہ، وقف، نکاح، مہر اور طلاق وغیرہا کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے۔ایک شبہہ یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے مادر حقیقی دیگر زوجاتِ اَب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجات جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں تو درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور اوا کثر سے کیا مراد ہے؟ اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳، ۶، ۴ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے بمجرد ملاحظہ نیاز نامہ مرحمت ہو۔نورالدین احمد عفی عنہ

الجواب:

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، آدمی کی ام وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل یہ ان کی فرع ہوئی باقی زوجات اب وجد ام و

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

جدہ نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ، تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسرے کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجہ کی جدہ امیہ ہوئیں یعنی ام الام نانی یا ام الام نانی کی ماں، نہ یہ کہ میت کی اپنی دو تین ماں۔ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالت تنازع قائم فرمائی ہے مثلاً چند عورتیں ایک بچہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادت شرعیہ قائم کردیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبوراً ان سب کی طرف اسے منتسب کردے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع وعدم ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہو جائیں گی۔اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولد جاریہ مشترکہ کی ہے جبکہ سب شرکاء دعوی کریں۔

غمز العیون کتاب الاقرار میں ہے:

لایستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان اوثلثة الی خمسة کما فی الجاریة المشترکة اذا ادعاہ الشرکاء بل قدیثبت نسب الواحد الحر الاصیل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منهما من امرأة حرة کما فی التتارخانیة[1]۔	شرعی طور پر یہ محال نہیں کہ ایک شخص کے دو یا تین بلکہ پانچ باپ ہوں جیسا کہ مشترکہ لونڈی میں جبکہ شرکاء اس کا دعوی کریں بلکہ کبھی ایک اصلی حر کا نسب دونوں طرفوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ گرے پڑے بچے کے بارے میں جب دو آزاد مرد دعوی کریں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی آزاد عورت سے اس کی ولادت کا مدعی ہو، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔(ت)

خانیہ کتاب الدعوی فصل فیما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریة بین رجلین اوثلثة اواکثر ولدت ولدا فادعوہ جمیعا ثبت النسب من الکل فی قول ابی حنفیة	ایک لونڈی نے بچہ جنا جو کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ مردوں کی مملوکہ تھی ان سب نے اس بچے کا دعوی کیا تو امام ابو حنیفہ، امام زفر

[1] غمز العیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲ /۲۵

وزفر والحسن بن زیادہ رحمهم الله تعالٰی وعن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فی روایة یثبت من الخمسة لامن الزیادة[1] الخ اقول: فافادان التحدید المذکور فی الغمز مبتن علی روایة نادرة والمذهب الاطلاق۔	اور حسن بن زیادہ رحمہم اللہ تعالٰی کے قول میں سب سے نسب ثابت ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ پانچ تک سے نسب ثابت ہوگا زیادہ سے نہیں اھ **میں کہتا ہوں** اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ غمز میں مذکور حدبندی نادر روایت پر مبنی ہے جبکہ مذہب مطلق ہے (ت)

ہندیہ کتاب الدعوی میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه رجلان خارجان اقام کل واحد (منهما) البینة انه ابنه ولد علی فراشه من امرأته هذه جعل ابن الرجلین والمرأتین[2] الخ۔	امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ دو غیر قابض مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرا بیٹا ہے میرے فراش پر میری اس بیوی سے پیدا ہوا ہے تو اس کو ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا الخ (ت)

اور جدہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو، اصل دو ۲ ہیں اَب واُم، اور ان میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں، تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو ۲ مرد اور دو ۲ عورتیں، یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔ پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لئے دو اصلیں ہیں تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے، چار مرد چار عورتیں، یہ چاروں عورات جدہ ہیں، دو ۲ امیہ ام اب الام، ام ام الام اور دو ۲ ابویہ ام اب الاب ام ام الاب ابو یہ دونوں صحیحہ ہیں اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔ یونہی ہر درجہ میں جدات کا عدد دونا ہوتا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں آٹھ، چوتھے

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوی فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۳ /۴۹۶

[2] الفتاوٰی الهندیة کتاب الدعوی الباب الرابع عشر الفصل الخامس الخ نورانی کتب خانہ کراچی ۴ /۱۲۵

میں سولہ، پانچویں میں بتیس [۳۲] وعلٰی ھذا القیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہوں گی، نصف امیہ نصف ابویہ، اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُمیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدہ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدہ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میت کے سلسلے میں سوا ام کے اَب اصلًا نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہوں گی باقی ساقط مثلًا پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ فاسدہ، اور دسویں میں دس صحیحہ پانچ سو دو ساقطہ وعلٰی ھذا القیاس کہ جدہ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدہ صحیحہ ہے اور جہاں دو ام کے بیچ میں لفظ اَب آیا وہیں فاسدہ ہو جائے گی پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں اتنی ہی بار لفظ اَب. برابر. برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر اُم لکھ دیجئے، یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظ ام باقی اب ہے۔ سطر دوم میں اُم کے قریب جو پہلا اَب ہے اسے بھی اُم سے بدل دیجئے کہ دو ام ہوں اور باقی اَب اسی طرح، سطر سوم میں تین ام، چار میں چار یہاں تک کہ اخیر میں سب اُم ہو جائیں۔ یہ سب جدات صحیحات ہوں گی یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا احصر ہونا ظاہر ہے کہ طریق اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب وام لکھنے ہوں گے اور یہاں ان کی ضعف سے بھی ایک کم مثلًا سو جدہ دکھانے کو اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہوں گے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے احصر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہو دونوں کے وسط پر اُم لکھ دیجئے آباء واُمہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملا دیجئے اور اُم اخیرہ سے اس کے قریب کے اَب واُم دونوں اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط محرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدیہ امیہ کو بنالے گا اور باقی خطوط ابویات صحیحہ کو یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہو جائیں گے دو نقشہ اول میں جہاں لفظ اُم بخط نسخ ہے وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقطہ۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

نقشہ اُمیات

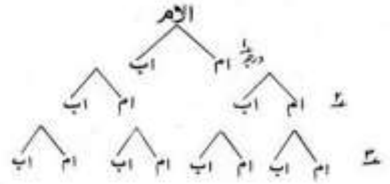

نقشہ ابویات

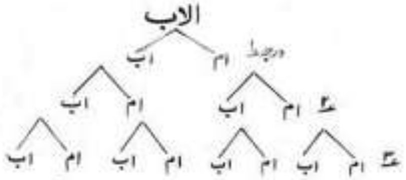

نقشہ جدّات ثابتہ ابویات و اُمیہ درجہ پنجم

۱	ام	اب	اب	اب	اب	اب
۲	ام	ام	اب	اب	اب	اب
۳	ام	ام	ام	اب	اب	اب
۴	ام	ام	ام	ام	اب	اب
۵	ام	ام	ام	ام	ام	اب
۶	ام	ام	ام	ام	ام	ام

نقشہ پانزدہ[۱۵] جدّہ صحیحہ یکے امیہ و چاردہ[۱۴] ابویہ بطریق اخصر کہ در درجہ چہاردہم حاصل میشوند

اس تقریر سے فصاعدا اور اوا کثر اور ایک درجہ میں پندرہ جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کر سکتے ہیں مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجہ بست وچہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کل جدات ایک کروڑ سڑسٹھ لاکھ ستر ہزار دو سو سولہ (۱۶۷۷۷۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس ایک اُمیہ اور چوبیس [۲۴] ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیان منیر فقیر حقیر نے عین وقت تحریر میں اپنے ذہن سے اسخراج کیا پھر دیکھا تو ہندیہ میں

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

اختیار شرحمختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل پنجم

مسئلہ ۹۷: از کلکتہ مولوی امداد علی لین نمبرا مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اندریں کہ شخصے بحضور یک زوجہ وسہ بنت وسہ [3] بنت الابن ودو ابن ابن الاخ اموال گزاشتہ پیک اجل رالبیک گت پس ترکہ اش درمیان ورثہ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد بینوا توجروا۔	اے علماء کرام اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے ایک بیوی، تین بیٹیوں، تین پوتیوں اور بھائی کے دو پوتوں کی موجودگی میں مال چھوڑ کر موت کے پیغام کو لبیک کہا۔ پس اس کا ترکہ مذکورہ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴ تصحہ ۵۰۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۳۰	۳۰

جناب من! حد ادب، پس از سلام سنت خیر الانام عرض بخدام برتر مقام میگزارم کہ بر صورت مرقوم بالا دریں صوبہ بنگلہ اختلافات شتّٰی رد دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ؟ از دلائل ردالمحتار وشریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ بابرادر عینی خود عصبہ شوند ہمبران نسق با بن عم خود ہم عصبہ شوند وایشاں ھم بنی عم ایں زمان اند پس مستحق باقی مال زید تواند شد	میری سرکار! بے حد ادب، اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت کی سنت کے مطابق بارگاہ عالی میں سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرتا ہون کہ مزکورہ بالا صورت میں صوبہ بنگال میں متعدد اختلاف رونما ہوچکے کہ میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ ہو سکتے ہیں یا کیا صورت ہے؟ ردّالمحتار اور شریفیہ کے دلائل سے معلوم ہوا کہ پوتیاں اپنے عینی بھائی کے ساتھ عصبہ ہو جاتی ہیں، اسی طرح اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بھی عصبہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بھی اس وقت

یانہ. برہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ وجواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت فرمایند. بفحوائے آیہ کریمہ **وتعاونوا علی البر والتقوی، ولاتکتموالحق** زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام۔ عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ۔	چچا کے بیٹے ہیں، پس وہ زید کے باقی مال کے مستحق ہوسکتے ہیں یانہیں؟ دونوں صورتوں میں معتبر کتابوں سے دلیل لاتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرما کر احسان مند فرمائیں اس آیت کریمہ کے تقاضے کی وجہ سے "اور نیکی کے کاموں اور تقوی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو" اور "حق کو مت چھپاؤ" تعظیم وتکریم کے ساتھ مزید سلام۔ درخواست گزار فدوی محمد عبدالعزیز اس سے در گزر فرمایا جائے۔ ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ (ت)

الجواب:

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ در صورت مستفسرہ تصحیح از یک صد وچہل وچارست وبنات الابن محجوبات بہ بنات و تقسیم چناں۔	مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پوچھی گئی صورت میں مسئلہ کی تصحیح ایک سو چوالیس (۱۴۴) سے ہوگی۔ پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہوں گی۔ اور تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵	م
			بنت الابن		بنت الابن	
			م		م	

اگر دلائل بکارست **فاقول وباللہ التوفیق:** **اوّلاً:** بنات الابن راعصبہ نتواں کرد مگر ابن الابن وان سفل پس چوں بادو یا بیش	اگر دلائل درکار ہیں **تو میں کہتا ہوں** اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے: **پہلی دلیل:** پوتیوں کو سوائے پوتے کے کوئی عصبہ نہیں بنا سکتا اگرچہ وہ پوتا ان سے نچلے

صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقاً مگر صورت واحدہ کہ باایشاں فافروتر ازیں شان مردے از اولاد پسر میت باشد۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی در تنویر الابصار متن الادرالمختار فرمود **اذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن موازاو نازل**[1] علامہ ابراھیم حلبی در ملتقی الابحر کہ از متون معتمدہ فی المذہب ست فرماید **اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن او اسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائه ومن فوقه من لیست بذات سھم وتسقط من دونه**[2]۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملہ بحرائق فرماید **ان کان للمیت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون**	درجے میں ہو۔ پس جب دو۲ یا دو۲ سے زائد میت کی صلبی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں بالکل کچھ نہیں پاتیں سوائے ایک صورت کے کہ ان کے ساتھ یا ان کے نیچے کے درجے میں میت کے بیٹے کی اولاد سے کوئی مرد موجود ہو۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبیداللہ غزی تمرتاشی نے درمختار کے متن تنویر الابصار میں فرمایا جب بیٹیاں اپنا فرضی حصہ مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان سے نیچے کے درجے کا کوئی پوتا انہیں عصبہ بنادے۔ علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر جو کہ مذہب کے قابل اعتماد متون میں سے ہے فرماتے ہیں جب صلبی بیٹیاں دوتہائی مال مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان کے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو جو کہ ذی فرض نہ ہوں عصبہ بنادیتا ہے، اور اس پوتے سے نیچے کے درجے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری بحر الرائق کے تکملہ میں فرماتے ہیں اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان پوتیوں

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی الحجب مؤسسة الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

فی درجتھا اواسفل منھا ابن ابن فتصیر عصبة له[1] پیداست کہ ابن ابن الاخ ابن الابن نیست پس از صورت استثناء خارج باشد۔ **ثانیًا:** نص ہمیں در تعصب بنات بہ ابناء واخوات بہ اخوۃ آمدہ است وبس بنات وابنائے ابن دربنات وابنائے میت داخل اند بالاجماع پس تعصیب بنات ابن بہ ابنائے اخ بے دلیل شرعی ست۔ علامہ شیخی زادہ رومی در مجمع الانہر فرماید ان النص الوارد فی صیرورۃ الاناث بالمذکور عصبة انما ھو فی موضعین البنات بالبنین والاخوات بالاخوۃ۔[2] **ثالثًا:** علماء جائیکہ عصبات بغیرہن راشمارند بنت الابن رابقید تعصیب ابن الابن آرند در ہندیہ از حاوی القدسی آورد عصبة بغیرہ وھی کل انثی تصیر عصبة	کے درجے میں یا ان سے نیچے کے درمیں یا ان ان سے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا ہو تو وہ پوتیاں اس پوتے کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ میت کے کے بھائی کا پوتا میت کا پوتا نہیں ہے لہٰذا وہ استثناء والی صورت سے خارج ہوگا۔ **دوسری دلیل:** نص تو فقط بیٹوں کے سبب سے بیٹیوں کے اور بھائیوں کے سبب سے بہنوں کے عصبہ بننے کے بارے میں آئی ہے میت کے پوتے اور پوتیاں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں میں بالاجماع داخل ہیں۔ چنانچہ میت کی بھتیجیوں کا اس کے بھتیجوں کے سبب سے عصبہ بننا دلیل شرعی کے بغیر ہے۔ علامہ شیخی زادہ رومی مجمع الانہر میں فرماتے ہیں مذکر کے سبب سے مؤنث کے عصبہ ہوجانے کے بارے میں نص دو جگہوں میں وارد ہے (۱) بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ (۲) بہنیں بھائیوں کے ساتھ۔ **تیسری دلیل:** علماء کرام نے جس جگہ عصبہ بغیرہٖ کو شمار کیا ہے پوتی کے ساتھ یہ قید لائے ہیں کہ پوتا اس کو عصبہ بنائے۔ ہندیہ میں حاوی القدسی سے نقل کیا ہے عصبہ بغیرہٖ ہر وہ مؤنث ہے جو اپنے برابر کے

[1] تکملہ بحر الرائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸ /۴۹۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۷۵۴

بذکر یوازیہا وھی اربعة البنت بالابن وبنت الابن بابن الابن والاخت لاب وام باخیہا والاخت لاب باخیہا[1] در متن تنویر وشرح او در مختار ست تصیر عصبة بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا[2]۔امام حسین بن محمد سمعانی در خزانۃ المفتین فرماید الثانی وھو العصبة بغیرہ ووھواربع من النساء یصرن عصبة باخوھن فالبنات یصرن عصبة بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات لاب وام باخیھن والاخوات لاب باخیھن[3]۔	مذکر کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔اور وہ چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی بیٹے کے ساتھ (۲) پوتی پوتے کے ساتھ (۳) حقیقی بہن اپنے بھائی کے ساتھ (۴)علاتی بہن اپنے بھائی کے ساتھ۔ متن تنویر اور اس کی شرح در مختار میں ہے: بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ اگرچہ وہ نیچے تک ہوں عصبہ بغیرہ بن جاتی ہیں۔امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین میں فرماتے ہیں: عصبہ کی دوسری قسم عصبہ بغیرہ ہے،وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، چنانچہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ،پوتیاں پوتے کے ساتھ، حقیقی بہنیں اپنے بھائی کے،اور علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں
رابعًا: غیرابن وابن الابن وان سفل واخ عینی یاعلاتی ہیچ ذکرراقوت تعصیب نیست تاآنکه ابن الاخ یاعم وابن الاعم ہم خواهر عینیه خودش راعصبه نتواں نمود۔علامه محمد بن علی دمشقی درہمیں درمختار فرمود	**چوتھی دلیل:** بیٹے، پوتے اگرچہ نیچے تک ہوں، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کے سوا کوئی مذکر کسی کو عصبہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا یہاں تک کہ بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا بھی خود اپنی حقیقی بہنوں کو عصبہ نہیں بنا سکتے۔علامہ محمد بن علی دمشقی نے اسی درمختار میں فرمایا

[1] الفتاوی الهندیه کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانه پشاور ۶ /۴۵۱

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۷

[3] خزانة المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخه ۲ /۲۵۲

قال فی السراجیۃ۔

ولیس ابن الاخ بالمعصب

من مثلہ اوفوقہ فی النسب

بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ او فوقہ ممن لم تکن ذات سھم ویسقط من دونہ[1]۔ امام سمعانی درخزانۃ المفتین متصل بہ عبارت مذکورہ بالا فرماید والباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون اخواتھم وھم اربعۃ ایضا العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق۔[2]

خامسًا: اگر مراد بوقوع غلام بمحاذات بنات یا بالا یا فرود وقوع او درہمیں سلسلہ نسب ست کہ نوعیت انتساب متبدل نگردد کما ھو الحق المبین بجزم ویقین پس آنگاہ ابناء اخ راخود مساغ نیست کہ ایں جاسخن درجزء میت ست واوجزء پدر میت و اگر مراد اعم گیرند تا ابن ابن الاخ کہ بمحاذات درجہ بنت الابن ست

کہ سراجیہ میں کہا ہے: بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے۔نہ اپنی مثل کو نہ اس کو جو نسب میں اس سے اوپر ہے۔بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ نیچے تک ہو وہ اپنی مثل اور اپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ بنادیتا ہے جبکہ وہ ذی فرض نہ ہوں اور اس سے نیچے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔امام سمعانی خزانۃ المفتین میں عبارت مذکورہ کے متصل فرماتے ہیں: باقی عصبات وہ ہیں جن کے مذکر تنہا میراث پاتے ہیں ان کی بہنیں میراث نہیں پاتیں، وہ بھی چار ہیں: (۱) چچا (۲) چچا کا بیٹا (۳) بھتیجا (۴) آزاد کرنے والے کا بیٹا۔

پانچویں دلیل: اگر بیٹیوں کے برابر یا اوپر کے درجے میں یا نیچے کے درمے میں لڑکے کے واقع ہونے سے مراد اسی سلسلہ نسب میں اس کا واقع ہونا ہے کہ انتساب کی نوعیت میں تبدیلی نہ آئے جیسا کہ یہی حق ہے، اور جزم ویقین کے ساتھ ظاہر ہے، تو اس صورت میں بھتیجوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ گفتگو یہاں میت کی جزء میں ہے جبکہ بھتیجا میت کے باپ کی جزء ہے۔اور اگر اس سے مراد عام لی جائے تاکہ بھائی کا پوتا جو میت کی پوتی کے

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲/ ۲۵۲

او را عصبه کند واجب شد که ابن الاخ که بالاترازوست بنت الابن رااز میراث افگند اگرچه درانجا صلبیه ہیچ نبود که سقوط سفلیات بغلام عالی عام و مطلق ست از درمختار شنیدی ویسقط من دونه وخوددرمسئله تشبیب که لاشیئ للسفلیات گفته اند فرض مسئله بے صلبیات ست و خودپیداست که چوں کارتعصیب کشد اقرب حاجب ابعد بود حالانکه ایں معنی مخالف اجماع است حجب بنات الابن ہمیں به ابن ودوصلبیه نوشته اند نه بابن الاخ وعلامه انقروی درحل المشکلات که خود اوتاریخ تالیفش قد حل المشکلات [۹۶۴] فرموده است می نگارد اذا مات رجل وترك ابن اخ وزوجة وبنت ابن فالمسئلة من ثمانية لان فیها ثمنا ونصفا ومابقی فالثمن للزوجة والنصف لبنت الابن ومابقی

محاذی (برابر درجے میں) ہے اس کو عصبہ بنادے تو ضروری ہوگا کہ بھائی کا بیٹا جو پوتے سے اوپر درجے میں ہے پوتی کو میراث سے خارج کردے اگرچہ وہاں کوئی صلبی بیٹی موجود نہ ہو کیونکہ نچلے درجے والیوں کا اوپر کے درجے والے لڑکے کی وجہ سے ساقط ہوجانا عام اور مطلق ہے۔ درمختار سے تو سن چکا ہے کہ لڑکا اپنے سے نچلے درجے والی کو ساقط کردیتا ہے۔ خود مسئلہ تشبیب جس کو فرض ہی صلبی بیٹیوں سے خالی کیا گیا ہے میں کہا گیا ہے کہ نچلے درجے والیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ خود ظاہر ہے کہ جہاں عصبہ بنانے کی کاروائی ہوتی ہے وہاں قریب والا دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے حالانکہ یہ معنیٰ اجماع کے خلاف ہے۔ پوتیوں کا میراث سے محروم ہونا بیٹے اور دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے ہی مشائخ نے تحریر فرمایا ہے نہ کہ بھتیجے کی وجہ سے۔ علامہ انقروی حل المشکلات میں لکھتے ہیں جس کی تاریخ تالیف خود انہوں نے قد حل المشکلات (تحقیق مشکلیں حل ہوگئیں) فرمائی ہے۔ جب کوئی مرد فوت ہو اور اس نے ایک بھتیجا، ایک بیوی اور ایک پوتی چھوڑی ہو تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں آٹھواں حصہ، نصف اور بقیہ ہے، چنانچہ آٹھواں حصہ بیوی کو، نصف پوتی کو

لابن الاخ[1] الخ وفیہ مسائل اخرٰی من ھٰذا النوع۔

سادسًا: اگر ابن الاخ حاجب بود اخ کہ اقرب از دست اولٰی باوست وایں ہم باطل ست باجماع وفی حل المشکلات اذامات رجل وترک اخاوبنت ابن **فالمسئلۃ من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن ومابقی للاخ۔**[2]

سابعًا: ایں تعصیب اگربودے نبودے وشیئ چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود بیان ملازمت آنکہ درعصبات اصل مطرد آنست کہ جزء میت مقدم برجزء پدراوست پس ابن ابن الاخ اگربنت الابن راعصبہ نمودی بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب میشد تعصیب کہ میکرد، **فھٰذا شیئ لوکان لم یکن وای محال اب عد منہ۔**

ثامنًا: تعصیب محاذیہ مختص بوجود

اور بقیہ بھتیجے کو ملے گا الخ حل المشکلات میں اس نوعیت کے دیگر مسائل بھی ہیں۔ (حل المشکلات)

چھٹی دلیل: اگر بھتیجا حاجب ہوتا ہے اولٰی حاجب بنے گا۔ اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے۔ حل المشکلات میں ہے جب کوئی مرد ایک بھائی اور ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہوجائے تو مسئلہ دو ۲ سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے، چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بھائی کو ملے گا۔

ساتویں دلیل: یہ عصبہ بنانا اگرچہ موجود ہوتا تو معدوم ہوتا۔ اور جس شیئ کا وجود اس کے عدم کو چاہے وہ شیئ محال ہوتی ہے۔ ملازمہ کا بیان یہ ہے کہ عصبوں کے اندر یہ قاعدہ کلیہ جاری ہے کہ میت کی جزئ اس کے باپ کی جزئ پر مقدم ہوتی ہے۔ لہٰذا بھائی کا پوتا اگر میت کی پوتی کو عصبہ بناتا تو وہ پوتی اس کو میراث سے محروم کردیتی۔ اور جب وہ خود محروم ہوجاتا تو عصبہ کیونکر بناتا؟ یہ ایک ایسی شیئ ہے کہ اگر موجود ہوتو معدوم ہوگی اور اس سے بڑھ کر کون سا محال ہوگا؟

آٹھویں دلیل: کسی پوتے کا اپنی برابر والی

[1] حل المشکلات

[2] حل المشکلات

I.T. Majlis of Dawateislami

دو صلبه نیست بلکه بایک صلبیه وبے صلبیه نیز حکم ہمیں ست فی ردالمحتار للبنات ستة حوال ثلثة تتحقق فی بنات الصلب وبنات الابن وھی النصف للواحدة والثلثان لاکثر واذا کان معھن ذکر عصبھن[1]۔ در سراجیه و شریفیه فرماید العصبة بغیرہ اربع من النسوة البنت و بنت الابن والاخت لاب و ام والاخت لاب یصرن عصبة باخوتھن[2] اھ مختصرا۔ پس برتقدیر تعصیب لازم آید که در مسئله زوج وبنت وبنت الابن وابن ابن الاخ مسئله ازدوازده باشد سه بشوہر وشش بدختروسه باقی در عصبتین للذکر مثل حظ الانثیین کما ھو مصرح به فی جمیع الکتب فی مسئلة تعصیب بنت الابن بغلام معھا او اسفل منھا۔ پس بنت الابن را یک باشد و

پوتیوں کو عصبہ بنانا دو٢ صلبی بیٹیوں کے موجود ہونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ایک صلبی بیتی ہو یا کوئی صلبی بیٹی نہ ہو تب بھی حکم یہی ہے۔ ردالمحتار میں ہے: بیٹیوں کے چھ حال ہیں جن میں سے تین صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں متحقق ہوتے ہیں، اور وہ یہ ہیں اکیلی ہو تو نصف، ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی، اور اگر ان کے ساتھ کوئی مذکر ہو تو وہ ان کو عصبہ بنائے گا۔ سراجیہ اور شریفیہ میں فرماتے ہیں: عصبہ بغیرہٖ چار عورتیں ہیں: بیٹی، پوتی، عینی بہن اور علاتی بہن۔ یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اھ اختصارا۔ پس عصبہ بنانے کی تقدیر پر لازم آتا ہے کہ خاوند، بیٹی، پوتی اور بھائی کا پوتا چھوڑنے کی صورت میں مسئلہ بارہ سے ہو، جس میں سے تین خاوند کو، چھ بیٹی کو اور باقی تین دو عصبوں میں اس طرح تقسیم ہوں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہو، جیسا کہ برابر والے لڑکے یا نچلے درجے والے لڑکے کی وجہ سے پوتیوں کے عصبہ بن جانے والے مسئلہ میں تمام کتابوں میں اس کی تصریح کردی گئی ہے، چنانچہ

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۹۲

[2] الشریفة شرح السراجیة باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ ہرچہ فروتر روندہ را دو لیکن دریں مسئلہ اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس میشود بنت الابن رادو باشد وبرادر حقیقی را یک۔فی حل **المشکلات اذ ماتت امرأة وترکت اخا وزوجا وبنت صب وبنت ابن فالمسئلة من اثنی عشر لان فیھا سدسا وربعا ونصفا ومابقی فالسدس لبنت الابن و الربع للزوج والنصف لبنت اللب ومابقی للاخ**[1]۔پس استحقاق اخ کمتر از استحقاق ابن ابن ابن خودش اگرچہ بصد درجہ پایان تر از وست ایں خود شبیہہ بالمحال ست۔

تاسعًا: بلکہ لازم آید کہ اخ عینی محروم باشد واینکہ بصد واسطہ دور تر از وست ارث یابد مسئلہ زوج وام وبنت وبنت الابن و

پوتی کو ایک حصہ ملے گا اور بھائی کے پوتے کو بلکہ بھائی کے پوتے کے پوتے کو جہاں تک نیچے چلاجائے دو حصے ملیں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں بھائی کے پوتے کے بجائے اگر حقیقی بھائی کو فرض کریں تو معاملہ الٹ جاتاہے۔اس صورت میں پوتی کو دو اور حقیقی بھائی کو ایک حصہ ملتاہے۔حل المشکلات میں ہے جب کوئی عورت فوت ہوئی اور اس نے ایک بھائی، خاوند، ایک صلبی بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی تو مسئلہ بارہ سے بنے گا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں ایک چھٹا حصہ، ایک چوتھا حصہ، نصف اور بقیہ ہے۔ چنانچہ چھٹا حصہ پوی کے لئے، چوتھا حصہ خاوند کے لئے، نصف صلبی بیٹی کے لئے، اور بقیہ بھائی کے لئے ہوگا۔ تو اس طرح بھائی کا استحقاق اپنے پوتے کے پوتے کے استحقاق سے کمتر ہوگا اگرچہ بھائی کے پوتے کا پوتا بھائی سے سَو درجے نیچے ہو۔ یہ خود محال کے مشابہ ہے۔

نویں دلیل: بلکہ لازم آتا ہے کہ حقیقی بھائی محروم ہوجائے اور جو اس سے سَو درجے دور ہے وہ میراث پائے۔ خاوند، ماں، بیٹی، پوتی اور بھائی کے پوتے کے پوتے کا

[1] حل المشکلات

I.T. Majlis of DawateIslami

ابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دوازدہ شدہ بسی وشش تصحیح پذیر دنہ بشوھر وشش بمادر ہیجدہ بدختر ودودو باابن پسر برادر ویک بدختر پسر واگر جائے او خود برادر آید مسئلہ بسیزدہ عول کند و برادر عینی تہی دست رود، اذلاشیئ بعصبة مع العول، اگر زاعمے زعم فرماید کہ اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید خود نصوص صریحہ اسقاط اعلی السفلی راخلاف کردہ باشد۔

عاشراً: اگر ازیں ہمہ قطع نظر راکار فرمایم تابر تقدیر تعمیم غلام بایں ابنائے اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اند زینہار منطبق نباید وسخن بہ تناقض ونہافت گراید کلام سید قدس سرہ شنیدن دارد کہ می فرماید ان بنات الابن اذاکان بحذائھن غلام سواء کان اخاھن اوابن عمھن فانہ یعصبھن کما ان الابن الصلبی یعصب البنات الصلبیة و ذلك لان الذکر من اولاد الابن یعصب الاناث اللاتی

مسئلہ بارہ سے بنے گا جس کی تصحیح چھتیس سے ہوگی۔ نو حصے خاوند کو، چھ ماں کو، اٹھارہ بیٹی کو اور دو بھائی کے پوتے کو اور ایک پوتی کو ملے گا۔ اور اگر بھائی کے پوتے کی جگہ خود بھائی آتا تو مسئلہ تیرہ کی طرف عول کرتا اور حقیقی بھائی خالی ہاتھ جاتا، اس لئے کہ عول کے ہوتے ہوئے کچھ نہیں ملتا، اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان کرے کہ بھائی بھی پوتی کو عصبہ بناتا ہے تو وہ خود ان صریح ان نصوص کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا جن میں اوپر والے وارث کے نیچے والے کو ساقط کرنے کا بیان ہے۔

دسویں دلیل: اگر اس تمام سے قطع نظر کا کروائی کریں تو غلام (لڑکے) کو عام مان کر چچا کے بیٹوں کو اس میں شامل کرنے کی صورت میں وہ دلیل جسے انہوں نے ذکر کیا ہے وہ مسئلہ پر منطبق نہیں ہوگی اور کلام ٹکراؤ اور کمزوری کی طرف مائل ہو جائے گا۔ سید قدس سرہ، کا کلام سننے کے لائق ہے، فرماتے ہیں کہ پوتیوں کے برابر جب کوئی لڑکا ہو چاہے وہ ان کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو تو وہ انہیں عصبہ بنادیتا ہے جیسا کہ صلبی بیٹا صلبی بیٹیوں کو عصبہ بنادیتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ میت کے بیٹے کی اولاد میں سے جو مذکر ہو وہ میت کی صلبی اولاد

فی درجته اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبها فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصبتین والیه ذهب عامة الصحابة وعلیه جمهور العلماء وقال ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه لایعصبهن بل الباقی کله لابن الابن و لاشیئ لبناته، اذ الانثی انما تصیر عصبة بالذکر اذا کانت ذات فرض عند الانفراد عنه کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن کذلك فلاتصیربه عصبة کبنات الاخوة والاعمام مع بنیهم واجیب بان بنت الابن صاحبة فرض عند الانفراد عن ابن الابن لکنها محجوبة بالصلبیتین ھٰهنا الاتری انها تاخذ النصف عند عدم الصلبیات بخلاف بنات الاخ و العم اذ لافرض لها عند انفرادها عن ابنهما فلا تصیر عصبة به[1]	نہ ہونے کی صورت میں اپنے درجے کی لڑکیوں کو تمام مال کے استحقاق میں بالاتفاق عصبہ بنادیتا ہے اوریونہی دو صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں دوتہائی سے بچ جانے والے مال کے استحقاق میں انہیں عصبہ بنادیتا ہے۔عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اسی طرف گئے ہیں،اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاکہ وہ پوتیوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ باقی تمام مال پوتے کے لئے ہوگاپوتیوں کوکچھ نہیں ملے گا۔کیونکہ مذکر کے ساتھ مل کر مونث اسی صورت میں عصبی بنتی ہے جب وہ اس مذکر سے الگ ہو کر ذی فرض ہوتی ہو جیسے بیٹیاں اور بہنیں۔اور اگروہ اس طرح نہ ہوتو مذکرکے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی جیسے بھائیوں اور چچوں کی بیٹیاں ان کے بیٹوں کے ساتھ۔اور اس کاجواب یوں دیاگیاہے کہ پوتی پوتے سے الگ ہوکرذی فرض ہوتی ہے لیکن یہاں پروہ دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے محروم ہے۔کیاتونہیں دیکھتاکہ صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی نصف مال لیتی ہے۔بخلاف بھائی اور چچا کی

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲و۲۳

ایں کلام از سرتا پا شاہد عدل است کہ مراد بغلام ہمان ذکرے از اولاد ابن ست کلام درہمان ست ودلیل ہم بران وخلاف ابن مسعود ھم دراں ورنہ ہیچکس قائل نیست کہ ابن ابن الاخ حاجب بنات ابن است وھم درنفس سخن تصریح ست کہ ابن عم مربنت عم خودش راتعصیب نتواں کرد۔لاجرم مراد بہ تعمیم **سواء کان اخاھن اوابن عمھن** ہمیں قدرست کہ خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد کہ ایں دختر دختراوست یا پسر پسر دیگر کہ عم ایں دختر بودنہ از بنی اعمام ایں زنان باشد معصب ایناں بود اگرچہ از سلسلہ جزئیت میت بیرون بود ھذا مما لایقول بہ احد، بایں تقدیر بحمد اللہ حکم مسئلہ نیز نقش بکرسی نشست وھم بوضوح پیوست کہ کلام درمختار وشریفیہ صراحۃً راغم زعم زاعم ست نہ آنکہ بوفاقش حاکم ست بازاگر بایں ہمہ ہا متسلی نشوند تا تصریح ازعالم تنقیح بشنوند، علامہ	بیٹیوں کے کہ ان کے لئے ان دونوں کے بیٹوں سے الگ ہوکر کوئی فرضی حصہ نہیں ہوتا لہذا بھائی اور چچا کی بیٹیاں ان کے بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنیں گی۔یہ کلام سر سے لے کر پاؤں تک عادل گواہ ہے کہ غلام (لڑکے) سے مراد وہی مذکر ہے جو میت کے بیٹے کی اولاد میں سے ہو۔گفتگو اسی میں ہے، دلیل بھی اسی پر ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اختلاف بھی اسی میں ہے، ورنہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ بھائی کا پوتا میت کی پوتیوں کے لئے حاجب ہوتا ہے، نیز نفس کلام میں تصریح موجود ہے کہ چچا کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی کو عصبہ نہیں بنا سکتا تو یقینا اس تعمیم سے کہ چاہے وہ ان پوتیوں کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا ہو جس کی یہ بیٹی ہے یا کسی دوسرے بیٹے کا بیٹا ہو جو اسی بیٹی کا چچا ہو۔یہ مراد نہیں کہ ان عورتوں کے چچا کے بیٹے ان کو عصبہ بنانے والے ہوتے ہیں اگرچہ وہ میت کی جزء کے سلسلہ سے باہر ہوں۔یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی قائل نہیں۔اس تقدیر پر اللہ تعالٰی کی حمد وثناء کے ساتھ مسئلہ کا حکم بھی کرسی پر منقش ہوگیا نیز خوب وضاحت کے ساتھ راسخ ہوگیا کہ درمختار اور شریفیہ کا کلام گمان کرنے والے کے گمان کے صراحۃً خلاف ہے نہ کہ اس کی موافقت کا حکم کرنے والا ہے۔پھر اگر اس تمام کے باوجود ان کی تسلی نہ ہو حتی کہ وہ کسی عالم کی واضح

شامی قدس سرہ السامی درعقود الدریہ فرماید **سئل فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق وعن بنتی ابن و خلفت ترکۃ کیف تقسم الجواب للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لایعصبہ اختہ ولامن ھی اعلی منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن۔**

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثلہ اوفوقہ فی النسب

نعم ابن الابن یعصب بنت الابن[1] اھ ملخصا مسئلہ بکمال وضوحش ازایضاح بے نیاز بوداین مابہ اطناب چہ شا لیست اماچہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیرمے بایست **ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی زلۃ ھٰھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد آفندی فاکدذلک عزمنا علی الاکثار۔لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیط عنھاکل غیم وعلۃ وبربنا**

تصریح صاف طور پر سن لیں۔علامہ شامی قدس سرہ السامی عقودالدریہ میں فرماتے ہیں۔اس عورت کے بارے میں سوال کیاگیا جودو۲ بیٹیاں، حقیقی بھائی کاایک بیٹا اور دوپوتیاں چھوڑکرفوت ہوئی اس نے کچھ ترکہ چھوڑا وہ کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ جواب: بیٹیوں کو دوتہائی ملے گا اور باقی حقیقی بھائی کے بیٹے کو ملے گا۔بھائی کابیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا اور نہ ہی اپنے سے اوپر کے درجے والی کو یانچلے درجے والی کو چہ جائیکہ وہ میت کی پوتیوں کو عصبہ بنائے۔اور بھتیجاعصبہ بنانے والانہیں ہے نسب میں اپنی مثل کو اورنہ اپنے سے اوپر والی کو۔ہاں پوتاپوتی کو عصبہ بناتاہے الخ تلخیص۔مسئلہ کامل طورپرواضح ہونے کی وجہ سے وضاحت کرنے سے مستغنی تھا۔اس طویل بحث کی کیاضرورت تھی، مگرکیاکیاجاسکتاہے کہ وہم کے عارض ہونے کے بعد اس کاازالہ ضرور ہونا چاہئے۔جب ہم پانچویں دلیل تک پہنچے توہم اس لغزش پرآگاہ ہوئے جویہاں علامہ حامدآفندی کے قلم سے سرزد ہوئی۔ تو اس نے ہمارے عزم کو مزیدوضاحت کرنے پر مضبوط کیاتاکہ حق اس طرح ہوجائے جس طرح بادل اور گردوغبار کے دورکئے جانے کے بعد چاند روشن ہوتے ہیں۔

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۷

نخص الحمد کلہ والصلوۃ والسلام علٰی صاحب الملۃ محمد واٰلہ وصحبہ والجلۃ آمین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اور ہم اپنے رب کے لئے ہی تمام تعریفوں کو مختص کرتے ہیں، درود وسلام ہو صاحب ملت پر جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ہے اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر اور سب پر، آمین! واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل ششم

مسئلہ ۹۸: از کلکتہ تال کمیدن باغ نمبر ۱۴ مسجد مانک دفتری مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس پیشکشی قدمبوسی وناصیہ فرسائی دست بستہ معروض میدارد کہ ازروئے کرم فرمائی ومرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بہ تحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسطور دست دہد ازروئے فیض رسانی برجملہ جہان بر قرطاس مرقوم دستخط نمودہ فیض المرام بخشند۔ مسئلہ اینست کہ چہ مے فرمایند علماء دین رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یانہ؟ بینوا توجروا۔ **الجواب:** حق ارث بتقادم زمان ساقط نمی شود کما فی رد المختار، لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرۃ	قدموں کو چومنے اور ان پر پیشانی رکھنے کی پیشکش کے بعد دست بستہ گزارش ہے کہ کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے اس ارسال کردہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں، اگر جناب والا کا فیصلہ اس تحریر کے موافق ہو تو تمام جہان پر فیض رسانی کی رو سے تحریر کردہ کاغذ پر دستخط کرکے حاجت برآری فرمائیں، مسئلہ یہ ہے، کیا فرماتے ہیں اے علماء دین اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ زیادہ عرصہ گزر جانے سے میراث کا حق ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر دیئے جاؤگے۔ (ت) **الجواب:** میراث کا حق زیادہ عرصہ گزر جانے سے ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ درمختار میں ہے، اگر بادشاہ پندرہ سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد قاضی کو دعوی کی

سنة فسمعهالم ينفذ قلت فلاتسمع الاٰن بعدها الابأمر الا فی الوقف والارث و وجود عذر شرعی وبه افتی المفتی ابوالسعود فليحفظ [1]۔وفی ردالمحتار قال السيد الحموی فی حاشية الاشباہ ان السلاطين الآن يأمرون قضاتهم فی جميع الاياٰتهم ان الا يسمعوادعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث [2]اھ وكما فی ردالمحتار عن الحامدية انه كتب علٰی ثلثة اسئلة انه تسمع دعوی الارث ولا يمنعها طول المدة [3] وفی ردالمحتار عن الاشباہ وغيرها ان الحق لايسقط بتقادم الزمان اھ ولذا قال فی الاشباہ ايضا ويجب عليه سماعها اھ ای يجب علی السلطان الذی نهٰی قضاته عن	سماعت نہ کرنے کا حکم دے۔پھر قاضی اس کی سماعت کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔میں کہتا ہوں اب بادشاہ کی طرف سے ممانعت کے بعد اس کے حکم کے بغیر سماعت نہ کی جائے گی سوائے وقف، میراث اور کسی عذر شرعی کے پانے کی۔مفتی ابو السعود نے یہی فتوی دیا ہے،اس کو یاد رکھنا چاہئے۔ردالمحتار میں ہے سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں کہا کہ اب بادشاہ اپنی تمام ولایتوں میں پندرہ سال گزر جانے کے بعد وقف اور میراث کے علاوہ دعوی کی سماعت کرنے سے قاضیوں کو روک دیتے ہیں اھ جیسا کہ ردالمحتار میں حامدیہ سے منقول ہے،انہوں نے تین مسئلوں کے جواب میں لکھا کہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور مدت کا دراز ہونا اس سے مانع نہیں ہوگا۔ردالمحتار میں اشباہ وغیرہ سے منقول ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوا اھ۔اسی لئے اشباہ میں بھی کہا ہے کہ اس پر دعوی کی سماعت واجب ہے اھ یعنی جس بادشاہ نے پندرہ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اپنے

[1] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۸۱

[2] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۲

[3] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس داراحیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

سماع الدعوی بعد هذه المدة ان یسمعها بنفسه او یأمر بسماعها کی لا یضیع حق المدعی والظاهر ان هذا حیث لم یظهر عن المدعی امارة التزویر [1]۔ مخفی مباده روایات فقهیه که در باب عدم سماع دعوی بعد از مرور پانزده سال یاسی سال یاسی وسه سال یاسی وشش سال وارد مخصوص بصورتے ست که دعوی متضمن بر علامت تزویر یا حیله باشد چنانچه از عبارات ردالمحتار وغیره مفهوم می شود وهذا حکم الکتاب واللّٰه تعالٰی اعلم بالصواب والیه المرجع والمآب۔	قاضیوں کو دعوی کی سماعت سے منع کیا ہے خود اس پر واجب ہے کہ وہ بذات خود دعوی کی سماعت کرے یا اس کی سماعت کا حکم دے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو۔ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب مدعی کی طرف سے دھوکہ بازی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔پوشیدہ نہ رہے کہ پندرہ سال، تیس سال، تینتیس سال یا چھتیس سال گزرنے کے بعد دعوی کی سماعت نہ کرنے سے متعلق فقہی روایات اس صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ دعوی دھوکہ دہی اور حیلہ سازی کی علامات کو متضمن ہو جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔یہ کتاب کا حکم ہے،اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف کرآنا ہے۔(ت)

الجواب:

اللّٰهم هدایة الحق والصواب ایں جا دو مقام ست یکے نفس الامر وابانت حکمش همان ست که هیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواه غیر او مطلقاً اجماعاً بتقادم زمان زنهار ساقط نشود چنانکه در جوهره واشباه وغیرهما	اے اللہ حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما،اس جگہ دو مقام ہیں، **مقام اول** نفس الامر،اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو چاہے میراث ہو یا کوئی اور مطلقاً بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہر گز ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ جوہرہ اور اشباہ

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۳۴۳

منصوص شد وخود در ثبوت او آیات و احادیث وعقیدہ اجماعیہ مجازات یوم الدین بر مظالم وتبعات بسندہ است اگر عند اللہ بمرور دہور حق ساقط شدے روزجزاجریان مجازات و مطالبہ تبعات مبادلہ حسنات ووضع سیئات بمیان نیامدے کہ بندہ رابربندہ حقے نماندہ گوازروئے تعدی حدوداِلٰہیہ ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد باطل اجماعًا بلکہ عنداللہ ہرچند ظالم بر ظلم متمادی رودظالم ترشود نہ آنکہ تمادی ایام ظلم برخیز دوحق بناحق آمیزد۔

دوم سماع دعوی بدارالقضاء۔اینجا نیز نفس مرورزمان فی حدود ذاتہ اصلًا جمع باثبات منع نیرزد نہ درارث ونہ درغیرآں کائنا ماکان بلکہ منع از دوجہت خیزدیکے سد باب تزویر وقع اطماع فاسدہ ایں حکم حکم اجتہادی فقہائے کرام وائمہ اعلام ست ومتون وشروح وفتاوائے بدمذہب باوناطق وارث وغیرارث

وغیرہ میں منصوص ہے۔اس کے ثبوت کے لئے کود قرآنی آیات،احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے متعلق ظلم اور زیادتیوں کا بدلہ دلوایا جائے گا،اگرمدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالٰی کے نزدیک حق ساقط ہوجاتا تو قیامت کے دن بدلہ دلوانے اور حقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اورگناہوں کے مٹانے کا قانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کا دوسرے پر کوئی حق نہ رہتا اگرچہ حدوداِلٰہیہ تعدی کرنے سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے مواخذہ ہوتا،اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے،بلکہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ظالم جتناعرصہ ظلم پر قائم رہتا ہے زیادہ ظالم ہوتا جاتا ہے،ایسانہیں ہے کہ زیادہ دنوں کا گزرنا ظلم کواٹھا دے اور حق کو ناحق کے ساتھ ملادے،

مقام دوم قاضی کی کچہری میں دعوی کی سماعت۔اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس لائق نہیں کہ سماع دعوی کی ممانعت کا باعث بنے،چاہے میراث کا دعوی ہو یااس کے علاوہ کسی بھی شیئ کا۔بلکہ ممانعت دووجہوں سے پیدا ہوتی ہے،وجہ اول دھوکہ دہی کا دروازہ بند کرنا اورفاسد لالچوں کاختمہ کرنا۔یہ حکم فقہاء کرام اور مشہور ائمہ عظام کا اجتہادی حکم ہے۔جیسا کہ مذہب کے

ہمہ در ویکساں ومتوافق وعندالتحقیق متقید نیست بہیچ مدتے ممدود وعدتے معدود صورتش آنست کہ مثلاً زید دارے ست کہ شراءً یا ارثاً یا بہیچ وجہ از وجوہ تملک نزد اوست واو زمانے درو تصرفات مالکانہ مے کرد وعمرو عاقل وبالغ ہمدراں شہر ساکن وبرآں تصرفات آگاہ بود وموانع ارجاع دعوے یکسر مفقود حالا خود او یا وارث او برمی خیزد ونزاع مے انگیزد وگردن دعوی رمی فرازد کہ ای خانہ (خانہ) ازاں منست زینہار نشنوند گو دعوی از جہت ارث گاش زیرا کہ سکوت تامدتے صالحہ باوصف انعدام موانع و وجود مقتضی اعنی اطلاع بر تصرفات مالکانہ زید قرینہ واضحہ است برانکہ دار دار زیدست ودعوی عمرو از راہ کید لاجرم آں سکوت را در رنگ اقرار او بملک زید فرا گرفتہ مانع دعوی دانند آنچنانکہ اگر صراحةً مقر شدے کہ دار ازاں زیدست وباز بے توفیق معقول وقابل قبول بدعوی برخاستے تناقض گریبانش گرفتے ودعوی پیش نہ رفتے کذا ھذا وپیداست کہ دریں باب

متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں۔ میراث اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رو سے یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید ومشروط نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کا ایک گھر ہے جو اس نے خریدا یا میراث میں پایا یا ملکیت کی وجوہ میں سے کسی اور وجہ سے اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا۔ عمرو جو کہ عاقل وبالغ اور اسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے تصرفات پر آگاہ تھا۔ دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ رہا) اب عمرو خود یا اس کا کوئی وارث اٹھ کر جھگڑا پیدا کرتا ہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے اور گردن دعوی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو یہ دعوی ہر گز قابل سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے دعوی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے والی مدت میں چپ رہنا جبکہ دعوی میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کا مقتضی بھی موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کا ہے اور عمرو کا دعوی بطور مکر ہے۔ یقینا اس کی خاموشی کو زید کی ملکیت کا اقرار اقرار دیتے ہوئے مشائخ کرام دعوی سے مانع سمجھتے ہیں، جس طرح کہ اگر وہ صراحةً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کا ہے پھر کسی معقول اور قابل قبول توجیہ کے بغیر اس

ادعائے ارث وغیر ارث ہمہ یکساں ست اللّٰھم مگر آنجا کہ زید مقرباشد بآنکہ درملک مورث عمرو بودہ است ومن ازوشراءً یاہبۃً گرفتہ ام آنگاہ امر دعوی بازگونہ گرد و زید مدعی شود وعمرو مدعاعلیہ وتصرفات زید تا زمانے مدید سودش نکند کہ دعوی رابینہ بایدنہ مجرد تصرفات۔ کمالایخفی علی اھل التصرف۔ **دوم** نہی سلطان اسلام، این ست آنچہ درارث وغیر ارث متخالف شود کاربر تحدید مدت ازپیشگاہ سلطنت قرار گیرد بے نظر بصدور تصرف واطلاق مدعی وعدم موانع وظہور تزویر وغیر ذلک، سرایں کارآنست کہ ولایت قضاۃ مستفاد از جہت سلطان وقضا بزمان ومکان واشخاص واشیاء ہرچہ سلطان مولی بآں تخصیص فرماید تخصیص پزیرد پس اگر سلطان اسلام اعزاللہ نصرہ قضاۃ خودرا بعد مدتے معینہ مثلاً پانزدہ سال یاماہ یا فرضادو سہ روز از سماع دعوی نہی کند قاضیان بعدآں زمان درحق آں دعاوی معزول باشند سماع نامقبول دریں اختلاف استثنائے	گھر پر دعوی کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤاس کا گریبان پکڑلیتا اور اس کے دعوی میں پیشرفت نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے۔ظاہر ہے کہ اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوی سب برابر ہیں۔اے اللہ! مگراس صورت میں کہ زید اس بات کااقرار کرتا ہو کہ یہ گھر عمرو کے مورث کی ملکیت میں تھا میں نے اس سے خرید لیا یابطور ہبہ حاصل کیا ہے تو اس وقت دعوی کا معاملہ الٹ ہوجائے گا کہ زید مدعی اور عمرو مدعاعلیہ بن جائے گا، اور عرصہ درازتک زید کااس میں تصرفات کرنا اس کو فائدہ نہیں دے گا۔ کیونکہ دعوی کے لئے گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات۔ جیساکہ اہل تصرف پرپوشیدہ نہیں ہے۔**وجہ دوم** بادشاہ اسلام کا منع کرنا۔ یہ ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیر میراث مختلف ہوتے ہیں۔اسی میں کاروائی مدت کی حدبندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی ہے۔اس میں تصرف کا صادر ہونا،مدعی کاآگاہ ہونا، رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور دھوکہ دہی کاظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں ہوتے۔اس کاروائی کارازیہ ہے کہ قاضیوں کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ ہے اور قضاء زمانے، مکان، اشخاص اور دیگر جن اشیاء کے ساتھ بادشاہ خاص کردے

وقف وارث ومال یتیم وغائب وغیر ذلک ہمہ یا بعض یامطلقًا عدم استثناء ازہمیں جہت داشتہ است اسلطان ہرزمان آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند وآنکہ استثنا کرد استثناء فرمودند کہ اینجا کاربرزبان شہریارست وبس وازیں بیان بوضوح پیوست کہ دریں وادی نیزارث وغیراوہمہ متساوی الاقدام ست تاآنکہ اگرسلطانے قضاۃ خودرابعدیک سال مثلًا خاص ازسماع دعوی ارث منع فرماید بالخصوص ہمیں دعوی ارث نامسموع باشد وغیراومسموع والعکس بالعکس ایں ست ریں مقام تحقیق انیق وباللہ التوفیق سخن دریں باب درکتاب القضاء والدعاوی از فتاوٰی خودم قدرے درازرانده ام اینجا بر تلخیص عباراتے چند قناعت ورزیدن برازراه اسہاب و اطناب گزیدن درفتاوٰی علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویرالابصار ست سئل عن رجل له بیت فی دارلیسکنه مدة تزید علی ثلث سنوات وله جار بجابجانبه والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور بناء وعمارة مع اطلاع جاره علی تصرفه فی المدة المذکورة فهل اذا ادعی البیت بعد

خاص ہوجاتی ہے، لہٰذا، اگر بادشاہ اسلام اللہ تعالٰی اس کی نصرت کو غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک خاص مدت جیسے پندرہ سال یا پندرہ مہینے یا بالفرض دو تین دن کے بعد دعوی کی سماعت سے منع کردے تو قاضی صاحبان اس مدت کے بعد ان دعووں کے حق میں معزول ہوجاتے ہیں اور ان کی طرف سے دعوی کی سماعت نامقبول ہوتی ہے۔ اس مسئلہ میں میراث، وقف، مال یتیم اور مال غائب وغیرہ میں کل یا بعض کے استثناء یامطلقًا عدم استثناء کااختلاف اسی وجہ سے ہے کہ ہردور کے بادشاہ نے جس کو مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھا اور بادشاہ نے جسے مستثنٰی کردیا علماء نے بھی اسے مستثنٰی کردیا کیونکہ یہاں کاروائی فقط بادشاہ کی زبان پر ہے، اس بیان سے خوب وضاحت ہوگئی کہ اس وادی میں میرا اور غیر میراث برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے طور پر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو خاص دعوی میراث کی سماعت سے منع کردے تو خاص اسی دعوی میراث کی ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی

ماذکر تسمع دعواہ امر لا۔اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیه الفتوٰی [1]۔درفتاوی علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب در مختار است سئل فی رجل اشتری من اخر ستة اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا بناء وتصرف فیه ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکور ان له ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امه والحال ان امه تنظر یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل له ذلك امر لا۔اجاب لاتسمع دعواہ لان علمائنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاواھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحوالبناء والغرس والذرع یمنعه من	سماعت ہوسکے گی اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔اس مسئلے سے متعلق میں نے اپنے فتاوٰی کی کتاب القضاء اور کتاب الدعاوی میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔اور یہاں پر بطور خلاصہ چند عبارتوں پر قناعت اختیار کرنا طوالت کا راستہ اپنانے سے بہتر ہے۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے پاس کسی گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں رہتے ہوئے اس کو تین سال سے زائد عرصہ ہوچکا ہے۔اس گھر کی ایک جانب شخص مذکور کا ایک پڑوسی رہتا ہے اور شخص مذکور اس کمرے میں جس کا ذکر گزرچکا ہے عمارت و تعمیر وغیرہ کا تصرف تین سالہ مدت میں کرتا رہا جس پر اس کا پڑوسی آگاہ تھا۔کیا مدت مذکورہ کے بعد اگر وہ پڑوسی اس کمرے پر دعوی کرے تو اس کا دعوی سنا جائے گا یا نہیں؟آپ نے جواب دیا مفتٰی بہ قول کے مطابق اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا۔صاحب در مختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی کے

[1] العقود الدریة بحوالہ فتاوی الامام الغزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۴

سماع الدعوی قال صاحب المنظومة اتفق اساتیذنا علی انه لاتسمع دعواہ ویجعل سکوته رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل و التلبیس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع[1]۔ ہمدران ست سئل فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدود انه مبلکه ورثه عن والدہ فاجابه المدعی علیه انی اشتریته من والدك وعمّك وانی ذوید علیه من مدة تزید علٰی اربعین سنة وانت مقیم معی فی بلدة ساکت من غیر عذر یمنعك عن الدعوٰی ھل یکون ذٰلك	فتاوٰی میں ہے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے بائع کے زیر قبضہ زمین میں سے چھ ہاتھ زمین خرید کر اس کو تعمیر کیا اور اس میں تصرف کیا، پھر بعدازاں ایک شخص نے تعمیر کرنے والے شخص مذکور پر دعوی کردیا کہ اس فروخت شدہ زمین میں ساڑھے تین قیراط میرے ہیں جو مجھے ماں کی میراث سے ملے ہیں، حالانکہ اس کی ماں عمارت بنانے اور انتفاع مذکور کے تصرف کو دیکھتی رہی۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ خصم کے مطلع ہوتے ہوئے مبیع میں مشتری کا تصرف اگرچہ وہ اجنبی ہو جیسے عمارت بنانا، درخت لگانا اور کھیتی باڑی کرنا اس کے دعوی کی سماعت سے مانع ہوتا ہے۔ صاحب منظومہ نے کہا ہمارے اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا دعوی نہیں سنا جائے گا اور دھوکہ دہی، لالچ، حیلے اور فریب کے خاتمہ کے لئے اس کی خاموشی کو بیع کے ساتھ رضامندی قرار دیا جائے گا۔ اس کی بوقت بیع وہاں موجودگی اور منازعت کے ترک کرنے کو

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲ /۸۷و۸۸

www.dawateislami.net Majlis of DawateIslami

من باب الاقرار بالتلقی من مورثیه اجاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علی الی بیّنة وصار المدعی علیه مداعیًا وکل مدعٍ یحتاج الی بیّنة ینوّر بها دعواه ولا ینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیرہ اخذ باقرارہ ولو کان فی یدہ احقابا کثیرة لاتعد وھذا مما لا یتوقف فیه[1]۔

اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ وہ بائع کی ملک ہے۔اسی میں ہے اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا جب زید نے عمرو پر ایک احاطہ سے متعلق دعوی کیا کہ یہ اس کا ہے جو اسے اپنے والد سے بطور میراث ملا ہے۔مدعی علیہ (عمرو) نے جواب دیا کہ میں نے یہ احاطہ تمہارے والد اور چچا سے خریدا تھا اور چالیس سال سے زائد عرصہ ہوا کہ میں اس پر قابض ہوں جبکہ تم میرے ساتھ اسی شہر میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اب تک دعوی سے خاموش رہے ہو حالانکہ کوئی عذر موجود نہ تھا جو تجھے دعوی سے روکتا۔کیا یہ عمرو کی طرف سے اس احاطہ کو زید کے مورثوں (باپ اور چچے) سے حاصل کرنے کا اقرار ہوگا؟ توآپ نے جواب دیا کہ ہاں مورث سے مِلک حاصل کرنے کا دعوی، مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے مقر کی طرف ملکیت کے منتقل ہونے کا دعوی ہے۔چنانچہ مدعی علیہ گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوگا اس صورت میں مدعی علیہ مدعی بن جائے گا۔اور ہر مدعی ایسے گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوتا ہے جس سے اس کا دعوی ثابت ہو۔مذکورہ بالا اقرار کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک عمرو کا قابض رہنا اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔یہ ترک دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کے باب سے ہے۔جو شخص دوسرے کے لئے کسی شیئ کے بارے میں اقرار کرلے

[1] فتاوی الخیریة کتاب الدعوٰی دار المعرفة بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

درعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ست رجل تصرف زمانًا فی ارض ورجل اٰخر راٰی الار والتصرف ولم یدّع ومات علی ذٰلك لم تسمع بعد ذٰلك دعوی ولدہ [1] اھ ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری لان مایمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث ثم البیع غیرقید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتھادی نص علی الفقھاء [2] کما رأیت ملقطًا۔ ہمدرانست سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ المدۃ من بلوغہ	تووہ اپنے اقرار کے سبب سے پکڑا جائے گا اگرچہ وہ شیئ سالہاسال سے اس کے قبضہ میں ہو۔اس مسئلہ میں توقف نہیں کیا جائے گا۔(ت) عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ تک ایک زمین میں تصرف کی اور ایک دوسرا شخص اس کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور دعوی نہیں کیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کی اولاد کا دعوی نہیں سنا جائے گا اھ مشائخ نے اس حکم کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ تودیکھ رہا ہے۔اور جو شیئ مورث کے دعوی کی صحت سے مانع ہو وہ وارث کے دعوی کی صحت سے بھی مانع ہوتی ہے۔پھر بیع کی کوئی قید نہیں بلکہ محض تصرف پر مطلع ہونا دعوی سے مانع ہے اور یہ حکم بادشاہ کی طرف سے ممانعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس پر فقہاء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے ملتقطا۔اسی میں ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو زید پر اپنی ماں کی میراث کا دعوی کرنا چاہتا ہے جس کو فوت ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزرچکا ہے جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے۔یہ عرصہ اس شخص کے عاقل بالغ ہونے کے

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۳

[2] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۴

رشید اولم یدع بذٰلك ولامنعه مانع شرعی وهما مقیمان فی بلدة واحدة فهل تکون دعواه بذلك غیرمسموعة للمنع السلطانی۔ **الجواب** نعم والقضاء یجوز تخصیصه وتقییده بالزمان والمکان واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصة، اشباه وفیها الحق لایسقط بتقادم الزمان کذا فی الجوهرة قال الحموی السلاطین الاٰن یامرون قضاتهم ان لایسمعوا دعوی بعد مضی خمس عشرة سنة سوی الوقف والارث، ومقتضی ماافتی به الخیر الرملی ان الارث غیرمستثنی، وقد کتب احمد آفندی المهنداری علی ثلثة اسئلة بانه تسمع دعوی الارث ولایمنعها طول المدة وکتب علی سؤال اٰخر انها لاتسمع وصرح العلائی قبیل باب التحکیم باستثناء الوقف و الارث، ونقل المنلاعلی عن فتاوٰی عل اٰفندی مفتی الروم عدم سماعها، ونقل مثله السائحانی عن فتاوی عبدالله

بعد گزرا ہے اور اس نے دعوی نہیں کیاحالانکہ کسی شرعی مانع نے اس کو دعوی سے نہیں روکااور وہ دونوں ایک ہی شہر میں رہائش پذیر ہیں۔کیا بادشاہ کی طرف سے ممانعت کی وجہ سے اس کا یہ دعوی نہیں سناجائے گا، جواب: ہاں، اور قضاء کو کسی خاص زمان ومکان کے ساتھ مختص اور مقید کرنا اور بعض تنازعات کواس سے مستثنٰی کردیناجائز ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے(اشباہ)۔اسی میں ہے کہ زیادہ زمانہ کے گزرنے سے حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔امام حموی نے کہا کہ اب بادشاہ اپنے قاضیوں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ پندرہ سال کاعرصہ گزرجانے کے بعد کسی دعوی کی سماعت نہ کریں سوائے میراث اور وقف کے، اور خیرالدین رملی کے فتوے کا تقاضا یہ ہے کہ میراث مستثنٰی نہیں ہے۔احمد آفندی مہنداری نے تین سوالوں پر لکھاکہ میراث کے دعوی کی سماعت کی جائے گی اور طوالت مدت اس سے مانع نہ ہوگی جبکہ ایک اور سوال تحریر فرمایا کہ میراث کے دعوی کی سماعت نہیں کی جائے گی۔علائی نے باب التحکیم سے تھوڑا ساپہلے وقف اور میراث کے مستثنٰی ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔منلاعلی نے مفتی روم علی آفندی کے فتاوٰی سے اس کا قابل سماعت نہ ہونا نقل کیا ہے۔اسی کی مثل سائحانی نے عبداللہ آفندی کے

آفندی فقد اضطرب کلامهم کما تری فی مسألة الارث والظاهر انه تارة ورد امر مع استثنائها وتارة بدونه[1] اهملخصًا۔	فتاوٰی سے نقل کیاہے،ان کے کلام میں جیسا تودیکھ رہاہے میراث کے بارے میں اضطراب پایاگیاہے بظاہر کبھی تواس کے استثناء کے ساتھ امر وارد ہوا اور کبھی بغیر استثناء کے۔ اھ ملخصًا۔(ت)
درردالمحتار است لیس لهذا(یعنی منع الدعوی للسکوت مع الاطلاع علی التصرفات)مدة محدودة واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرة سنة اذا ترکت بلاعذر فذاك فی غیر هٰذه الصورة[2]۔والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	ردالمحتار میں ہے کہ اس کے لئے (یعنی تصرفات پر مطلع ہو کرچپ رہنے کی سے دعوی کی ممانعت کے لئے) کوئی مدت متعین نہیں ہے۔رہاپندرہ سال کے گزر جانے کے بعد دعوی کی سماعت نہ ہونے کامعاملہ جبکہ بغیر عذر کے اس کو چھوڑاہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے۔اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتاہے۔(ت)

مسئلہ ۹۹ : از شہر چاٹگام موضع نیاپارہ مرسلہ مولوی قدرت اللہ صاحب آخر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخصے وفات یافت یک زوجہ و والدہ ویک خواہر حقیقی ویک اُخت علاتی ویک برادر اخیافی ویک ابن العم گزاشت وجمیع مال وصیت برائے ابن العم کردہ بود، پس حکم وصیت چیست و تقسیم ترکہ چسان۔ **بینوا توجروا**۔	کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور وارثوں میں ایک بیوی، ماں،ایک حقیقی بہن،ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچاکابیٹا چھوڑا ہے جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچاکے بیٹے کے لئے کردی تھی،اس وصیت کا حکم کیاہے اور ترکہ کی رقم تقسیم کیسے ہوگی؟ بیان کرو اجر پاؤگے۔(ت)

[1] العقود الدریة کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیمایتعلق بوقف الاود دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۴۴۶

الجواب:

بر تقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر بعد ادائے مہر زوجہ وغیرہ ہرچہ دین ذمہ متوفی باشد از باقی ماندہ ایک ثلث بے اجازت ورثہ وبیشتر ازاں بشرط اجازت وارثان بالغین نافذ التصرف بابن العم وصیۃً دہند ودو ثلث مابقے یا کم ترازاں ہرچہ ماند بر پانزدہ بخش قسمت کردہ سہ سہم بزوجہ ودو بوالدہ وشش بخواہر عینیہ ودو باخت علاتیہ ودو بہ برادر اخیافی رسانند ایں درصورتیست کہ ہمہ ورثہ اصحاء بالغین زیادت بر ثلث تاحد معین کم از کل مال روا داشتہ باشند۔ واگر ہیچ وارث اجازت ندادآنگاہ بعد ادائے دیون بیش از ثلث بابن العم ندہند ودو ثلث باقی تمام وکمال برہمہ حساب بورثہ بخشش نمایند واگر ہمہ اجازت وصیت در جمیع مال دادند پس بعد اخراج دیون ہرچہ ماند جملہ بابن العم رسانند واگر بعض اجازت تمام وصیت دادند وبعض نے یا بعض نابالغ باشند آنگاہ حصہ اجازت دہندگان ہم بابن العم دہند واگر اجازت بعض در زیادہ بر ثلث بہر تمام وصیت نبود مثلاً در دو ثلث تنفیذ

میراث سے کسی مانع اور مذکورہ وارثوں کے علاوہ کسی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مہر وغیرہ جو بھی فرض متوفی کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ترکہ کا ایک تہائی وارثوں کی اجازت کے بغیر اور اس سے زیادہ بالغ ورثاء جن کا تصرف نافذ ہوتا ہے کی اجازت سے چچا کے بیٹے کو بطور وصیت دیں گے جبکہ باقی دو تہائی یا اس سے کمتر جتنا بھی بچا ہے اس کو پندرہ حصوں پر تقسیم کرکے تین حصے بیوی کو، دو ماں کو، چھ حقیقی بہن کو، دو علاتی بہن کو اور دو اخیافی بھائی کو دیں گے، یہ اس صورت میں ہے کہ تمام عاقل بالغ وارثوں نے ایک تہائی سے زائد کل مال سے کم معین حد تک کو جائز قرار دیا ہو۔ اگر کسی وارث نے اجازت نہ دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی سے زائد چچا کے بیٹے کو نہیں دیں گے اور باقی دو تہائی مکمل طور پر تمام وارثوں پر ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم کریں گے، اگر تمام وارثوں نے کل مال میں وصیت کی اجازت دے دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ باقی بچا وہ سارا چچا کے بیٹے کو دیں گے، اگر بعض وارثوں نے تمام وصیت کی اجازت دی اور بعض نے نہ دی یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو اجازت دینے والوں کا حصہ بھی

نمایند آنگاہ حصہ رسد از سہام مجیزان کم کنند۔ ابن العم اینجا اگرچہ اہل میراث ست ووارث راوصیت بے اجازت دیگر ورثہ روانبود فاما ازانجا کہ اہل فرض چیزے برائے عصبہ نگزاشتند بلکہ مال برایشاں نیز تنگ آمد کہ حاجت بعول افتاد ابن العم وارث بالفعل نماند وصیت کہ ممنوع ست برائے وارث بالفعل ست نہ برائے ہر آنکہ مجرد اہلیت ارث دارد کما یرشد الیہ صدر الحدیث **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ الا لاوصیۃ لوارث الا ان یشاء الورثۃ**[1] یا نہ بینی کہ وصیت برائے محجوب نیز از اہلیت واستحقاق ارث بر کران نیست ہمیں تقدم دیگرے بر و او را محجوب نمودہ است در تبیین الحقائق وردالمحتار وغیرہما است **اوصی الاخیہ وہو وارث ثم ولد لہ ابن صحت الوصیۃ للاخ**[2] الخ۔

چچا کے بیٹے کو دے دیں گے اور اگر بعض وارثوں کی ایک تہائی سے زائد کی اجازت تمام وصیت کے لئے نہیں مثلاً وہ دو تہائی تک وصیت کو نافذ کریں تو اس صورت میں اتنی مقدار تک اجازت دینے والوں کے حصوں میں کمی کی جائے گی۔ چچا کا بیٹا یہاں پر اگرچہ وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہے اور وارث کے لئے وصیت دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر یہاں چونکہ ذوی الفروض نے عصبہ کے لئے کوئی شیئ نہیں چھوڑی بلکہ خود ان پر مال کے سہام تن پڑ گئے جس کی وجہ سے عول کی ضرورت پیش آئی لہذا چچا کا بیٹا بالفعل وارث نہ رہا اور وصیت کی ممانعت اس کے لئے ہے جو بالفعل وارث ہو نہ کہ محض وارث بننے کی اہلیت رکھتا ہو، جیساکہ اس حدیث کا ابتدائی حصہ تیری رہنمائی کرتا ہے کہ "بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ خبردار کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں مگر یہ کہ دیگر ورثاء کی مرضی سے ہو"۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ محجوب کے لئے بالاجماع وصیت جائز ہے حالانکہ وہ بھی وارث بننے کی اہلیت واستحقاق سے خالی نہیں ہے بلکہ محض کسی دوسرے وارث کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے یہ میراث سے محروم ہوگیا ہے۔ تبیین الحقائق اور ردالمحتار

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹، کنزالعمال حدیث ۴۶۰۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/۱۶

[2] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

درشریفیہ فرمود الاخوة مع الاب لایجعلون کالموتٰی وان کانوا لایرثون معه لان اهلیة الارث ثابتة لهم وانما لم یرثوا فی هذه الحالة لفقدان الشرط وهو عدم الاب[1]۔

بلکہ حجب بجہت آں کہ اصحاب فرائض ہیچ نگزاشتند ودخل دراخراج او از زمرہ ورثہ است بہ نسبت حجب وارث اقرب زیراکہ آنجا فقد شرط است واینجا فقدان محل کہ عصبہ را محل وراثت نیست مگرمالیکہ ازذوی الفرائض باقی ماند، درسراجیہ فرمود العصبة کل من یاخذ من الترکة ما ابقته اصحاب الفرائض[2] الخ هٰذا ماعندی والعلم بالحق عندربی، واللّٰہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی درانحالیکہ وہ وارث تھا پھر میت کا بیٹا پیدا ہوگیا تو بھائی کے لئے وصیت صحیح ہوگئی۔(ت)

شریفیہ میں فرمایا کہ باپ کی موجودگی میں میت کے بھائیوں کو مردوں کی طرح نہیں بنایا جائے گا اگرچہ باپ کے ہوتے ہوئے وہ وارث نہیں بنتے کیونکہ ان کے لئے وارث بننے کی اہلیت ثابت ہے مگر اس حالت میں وہ اس لئے وارث نہیں بنتے کہ ان کے وارث بننے کی شرط مفقود ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی۔(ت)

بلکہ عصبہ کا محجوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ اصحاب فرائض نے اس کے لئے کچھ نہیں چھوڑا، اس کا دخل عصبہ کو وارثوں کے زمرہ سے خارج کرنے میں زیادہ ہے بنسبت وارث اقرب کے وارث ابعد کو محجوب کرنے کے، کیونکہ وارث اقرب کے سبب سے ابعد کے محجوب ہونے میں شرط مفقود ہے جبکہ صورت مذکورہ میں عصبہ کے محجوب ہونے میں محل مفقود ہے۔اس لئے کہ عصبہ کے لئے وراثت کا محل نہیں سوائے اس مال کے جو اصحاب فرائض سے باقی بچ جائے۔سراجیہ میں فرمایا کہ عصبہ اس شخص کو کہتے ہیں جو اصحاب فرائض سے بچا ہوا ترکہ لے لے الخ، یہ وہ ہے جو میرے پاس تھا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۰

[2] السراجی فی المیراث مقدمة الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۴و۵

مسئلہ ۱۰۰: از لکھنؤ محلّہ باغ قاضی مکان داروغہ منشی مظفر علی مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بریلوی ثم اللکنوی رجب ۱۳۲۱ھ
بعد آرزوئے قدمبوسی معروض خدمت یہاں دربارہ ترکہ جھگڑا ہے، فرنگی محل کے علماء نے ترکہ زوجہ اور ہمشیر اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کی لڑکیوں کو محجوب کیا ہے مقصود صرف اس قدر ہے کہ ان بھتیجوں کو کسی وجہ سے ترکہ پہنچتا ہے جبکہ متوفی کے روبروان کے والد فوت ہو چکے ہیں فقط۔

الجواب:

فی الواقع جب تک دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد باقی ہے اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتے کا ہو اس کے سامنے سگی بھتیجیاں کچھ نہیں پاسکتیں، حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولی رجل ذکر۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اصحاب فرائض کو ان کے مقررہ حصے دو جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اس کو امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۱: از شہر کہنہ ۲۵ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک باپ اور دوماں سے تین بیٹے ہیں، پہلی بیوی سے سید محرم علی اور دوسری بیوی سے سید وزیر علی سید منیر علی پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سید محرم علی صحبت شیعہ میں شیعہ ہوگئے اب ان کا انتقال ہوا موافق وصیت کے تجہیز وتکفین ان کی شیعوں نے کی اسباب ان کا مالیت تخمیناً ـــــ کا ہے یہ اسباب بموجب شرع شریف سید وزیر علی ومنیر علی اور ہمشیران پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲ /۳۴ و جامع الترمذی ابواب الفرائض ۲ /۳۱، مسند احمد بن حنبل ۱ /۳۲۵

الجواب:

بیان سائل سے واضح ہوا کہ سید محرم علی کے عقائد مثل عقائد اکثر روافض زمانہ حد کفر تک پہنچنا معلوم نہیں، نہ کبھی ان سے کوئی بات ایسی سنی۔ اور سید وزیر علی وسید منیر علی اور دونوں سیدانیاں غنی نہیں۔ پس صورت مذکورہ میں وہ مال انہیں چاروں بہن بھائیوں کو چھ حصے کرکے دیا جائے کہ دو حصے ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو کہ اگر محرم علی کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ یہ بہن بھائی وارث ہیں اور اگر پہنچ گئے ہوں تو اس میں سے جتنا مال محرم علی کے زمانہ اسلام کا کمایا ہوا ہو اس کے بھی وارث یہی بہن بھائی ہیں۔

فان کسب المرتد فی الاسلام لورثۃ المسلمین کما نص علی فی الدر [1] وغیرھا عامۃ الکتب۔	مرتد نے جو حالت اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لئے ہے جیسا کہ درو غیرہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

اور جتنا مال زمانہ کفر کا کمایا ہوا ہو وہ حق فقرائے مسلمین ہے اور یہ بہن بھائی بھی فقراء ہیں اغنیاء نہیں، تو ہر حال میں انہیں اس مال کا استحقاق ہے،

وفی قسمتہ علیھم اثلاثا خروج عن العھد بیقین کما عرفت۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	ان پر مال تین حصے بناکر تقسیم کرنے میں یقینی طور پر ذمہ داری سے فراغت ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی محلّہ کہنہ منشی شرافت علی بتاریخ ۷ ۲ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید قرضدار تھا اور اسی عرصہ میں فوت ہوگیا تو فرمائیے کہ اس کا ترکہ قرضداروں کو ملنا چاہئے یا کہ بی بی کا مہر ملنا چاہئے یا عزیزوں کو ملنا چاہئے اور بعد وفات اپنے شوہر کے بی بی نے کچھ قرضہ اپنا زیور فروخت کرکے قرضداروں کو دیا تھا مگر وارثوں نے قرض ادا کرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا، تو فرمائیے کہ وقت تقسیم ترکہ کے پہلے قرضداروں کو ملنا چاہئے یا کہ مہر بی بی کا ملنا چاہئے یا اور وارثوں کو۔ اور ترکہ اس قدر نہیں ہے جو کہ سب کو کافی ہوسکے اور مہر بی بی کا بھی ویسا ہی قرضہ ہے جیسا کہ دوسرے قرضداروں کا یا نہیں، اور مہر کا

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

دعوی اگر عورت تین سال یا کچھ زائد تک نہ کرے وہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

مہر ویساہی دین ہے جیسا کہ دیون۔ اور مہر اور تمام دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہیں جب تک مہر وغیرہ سب دیون ادا نہ ہولیں وارثوں پر تقسیم نہ ہوگی۔ مہر اور دیگر دیون کو جب کہ جائداد کافی نہ ہوگی تو مع مہر سب حصہ رسد ادا ہوں گے۔ مہر کا دعوی تین برس تک عائد نہ کرنے سے مہر شرعًا ہرگز ساقط نہیں ہوتا یہ محض جھوٹ ہے۔ شوہر کا جو قرضہ عورت نے بطور خود اپنا زیور بیچ کر ادا کیا ہے وہ اب عورت کا دین ترکہ پر ہوگیا مہر کے ساتھ اس کا بھی حصہ اس کے لئے لگایا جائے گا اگر اس نے باقی وارثوں سے ترکہ میں واپس لینے کی شرط نہ کرلی ہو ہاں اگر عدم واپسی کی شرط کرلے کہ یہ میں اپنی طرف سے ادا کرتی ہوں اور واپس نہ لوں گی تو البتہ اس قدر کی واپسی کا استحقاق نہ ہوگا، جامع الفصولین میں ہے:

ولواستغرقھا دین لایملکھا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ اواداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء اما لو ادی من مال نفسہ مطلقا بلاشرط تبرع او رجوع یحب لہ دین علی المیت فتصیرالترکۃ مشغولۃ بدینہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو کوئی وارث بطور میراث اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری قرار دے دے یا کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کردے اور ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط لگادے لیکن اگر وارث نے مطلقًا یعنی تبرع یا رجوع کی شرط کے بغیر اپنے مال سے قرض ادا کردیا تو میت پر اس وارث کا قرض لازم ہو جائے گا اور ترکہ اس کے قرض میں مشغول ہوجائے گا۔(ت)

مسئلہ ۱۰۳: از بیرم نگر ڈاک خانہ شیر گڑھ ضلع بریلی مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک زوجہ، چار بھانجیاں اور چار چچازاد بہنیں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲

چھوڑیں۔ ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پاؤ گے۔)

الجواب:

مسئلہ ۱۶

زوجہ ۔ ابن الاخت ۔ ابن الاخت ۔ ابن الاخت ۔ ابن الاخت ۔ بنت العم ۔ بنت العم

۴ ۳ ۳ ۳ ۳ م م

بنت العم بنت العم

م م

برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید کا سولہ سہام ہو کر چار سہم زوجہ اور تین تین ہر بھانجی کو ملیں گے اور چچازاد بہنیں کچھ نہ پائیں گی۔

من الصنف الثالث جزء ابوی المیت مقدم علی الصنف الرابع جزء جدیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تیسری قسم سے میت کے والدین کی جزء چوتھی قسم سے اس کے دادا کی جزء پر مقدم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴: ازلاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی ایک منکوحہ ہے اور منکوحہ سے جو فوت ہوگئی ہے ایک لڑکا ہے۔ یہ ایسی صورت ہے کہ متوفی کی منکوحہ کو آٹھواں حصہ متوفی کے متروکہ مال سے پہنچے اس شخص متوفی پر دَین بھی ہے کہ متوفی کے اس متروکہ سے دلوایا جاسکتا ہے۔ پس اگر منکوحہ مذکورہ اپنے آٹھویں حصہ کو دین کے ادا سے بچالے اور یہ چاہے کہ اولاد متوفی کے دَین کے بارکے متکفل ہوں اور میرا حصہ خالص رہے، پس ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟ قاضی شرع دین کا حساب اس آٹھویں میں بخوبی دے گا یا اس پر جبر نہیں کرسکتا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عورت کا مہر اگر باقی ہے تو وہ بھی مثل سائر دیون ایک دَین ہے اس کے ذریعہ سے حصہ رسد ثمن سدس نصف ثلث کم زائد جو کچھ پڑے اپنے لئے بچاسکتی ہے مگر یہ خواہش کہ ترکہ سے اپنا ثمن حق زوجیت بذریعہ وراثت جدا کرے اور دیون صرف ورثہ کے سہام پر ڈالے

یہ محض باطل تغییر حکم شرع ہے۔

قال تعالٰی " فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ؕ " [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان (بیویوں) کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کو نکالنے کے بعد جو تم کر جاؤ اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از قصبہ چاندپور ضلع بجنور متصل تھانہ مرسلہ مولوی حکیم سید مشتاق حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں مفتیان شرع متین وعلمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ترکہ میں کچھ جائداد موروثی چھوڑی تھی اور نو (۹) وارث چھوڑے تھے تین فرزند چھ دختران، اور ہر کوئی اپنے حصے کا شرعًا مالک قرار دیا گیا مگر قبضہ اور تصرف فرزندوں کا رہا اور ہنوز ہے لیکن منجملہ دختران کے ایک دختر کے دو فرزندوں میں سے ایک فرزند جو عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے فی الحال انتقال کیا اس عورت کے حصہ کا جو اپنے خاوند مفقود الخبر کے حصہ کی مالک متصور تھی اب کون قرار دیا جائے اور کس کا نام کتاب میں درج ہو، آیا مفقود الخبر کا بھائی ہوگا یا اس عورت کا بھائی ہوگا یا حقیقت عود کرکے حصہ داران مذکوران تین فرزندان کو جواب تک مالک وقابض ہیں پہنچیں گے؟ **بیّنوا توجروا۔** فقط

الجواب:

سائل نے کچھ نہ بتایا کہ یہ مفقود الخبر اپنی ماں کے انتقال سے پہلے مفقود ہوا تھا یا بعد، اگر زندگی مادر میں مفقود الخبر ہو چکا تھا تو ہنوز اس کا استحقاق حصہ مادر میں ثابت ہیں، جتنے ورثہ مادر بحال موت وحیات مفقود الخبر ہر حال میں جس قدر یقینی پائیں گے اتنا ان کو دے کر باقی موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ مفقود الخبر کی موت وحیات کا حال معلوم ہو یا اس کی عمر سے ستر سال گزر جائیں اور کچھ حال نہ کھلے پس اگر وہ زندہ ثابت ہو تو حصہ خود اس کا ہے اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت نہیں اور اس مدت تک کچھ حال نہ ظاہر ہو یا ثابت ہو کہ وہ اپنی ماں سے پہلے مر چکا تھا تو خود اس کے لئے وراثت نہیں اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت کیسے ثابت ہوگی، اور اگر ثابت ہو کہ ماں کے بعد مرا تو اگر موت زوجہ بھی اس کی موت سے پہلے ہے زوجہ کے لئے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وراثت نہیں جو حصہ اسے ماں سے پہنچا اسی کے بھائی وغیرہ ان وارثوں کا ہے جو موت مفقود کے بعد زندہ تھے اور اگر معلوم ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو زوجہ بھی وارثہ ہے اور مفقود کے بھائی بھی وارث ہیں، جو حصہ حصہ مفقود میں زوجہ کو پہنچے اس کا وارث زوجہ کا بھائی ہے یا اور جو وارث زوجہ ہو، دیگر وارثان مفقود کا اس میں حق نہیں، اوا گر وہ شخص اپنی ماں کی موت کے بعد مفقود الخبر ہوا تو متروکہ مادر میں اس کا حصہ ثابت ہو لیا اب وہ حصہ تقسیم نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی موت وحیات ظاہر ہو یا اس کی پیدائش سے ستر برس گزر جائیں، اگر ستر سال گزریں اور کچھ حال موت وحیات مفقود الخبر معلوم نہ ہو تو زوجہ مفقود اور نیز وہ تمام اشخاص جو اس ستر سال گزرنے سے پہلے مر چکے ہوں گے کچھ نہ پائیں گے، اس ستر سال گزرنے کے وقت جو وارثان شرعی مفود کے لئے ہوں وہی مستحق ہوں گے اور اگر عمر کے ستر سال گزرنے سے پہلے ظاہر ہو جائے کو مفقود زندہ ہے تو مال اس کا ہے زوجہ وغیرہا کوئی وارث نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ موت زوجہ کے بعد مرا تو زوجہ وارث نہیں مفقود کے بھائی وغیرہ جو ورثہ موت مفقود پر رہے ہوں وہ پائیں گے، اور اگر ظاہر ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو جو حصہ زوجہ کو پہنچے اس کے وارث زوجہ کے بھائی وغیرہ ہیں نہ کہ دیگر وارثان مفقود۔ اگر مفقود اپنی ماں کے بعد مفقود ہوا تو اس کے حصہ میں اسی کی مالکیت مندرج رہے گی یہاں تک کہ حال کھلے یا ستر ۷۰ سال گزریں اور حسب تفصیل بالا ورثہ کی طرف انتقال ہو، اور اگر موت مادر سے پہلے مفقود ہو تو جس قدر موقوف رکھا جائے گا اس میں ہنوز کسی کا نام درج نہیں ہو سکتا بلکہ حصہ موقوفہ از ترکہ فلاں بانتظار فلاں مفقود تا مدت بست ۲۰ سال ازیں تاریخ حاضر اور پچاس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو بجائے بست ۲۰ سال دہ ۱۰ سال لکھیں وعلٰی ھذا القیاس۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۰۶: شہر بریلی محلّہ بھوڑون نوازی میاں ۱۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ساتھ تعین مہر بدون گواہوں کے ایجاب قبول کر لیا۔ اور زید کا ہندہ کو حمل رہ گیا اور زید مر گیا، اب ہندہ داد خواہ ہے ترکہ زید سے اپنے اور اپنے لڑکے کے حصہ کی۔ وارثان زید کہتے ہیں کہ تیرا حصہ نہیں چاہئے ہم تجھ کو نہیں دیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اگر جس وقت زید نے ہندہ سے ایجاب وقبول کیا تھا دو مرد مسلمان یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان وہاں موجود تھے اور ان کا ایجاب وقبول سن رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے جب تو نکاح ہوگیا، ہندہ اور اس کا لڑکا دونوں ترکہ زید میں اپنے اپنے حصے کے مستحق ہیں کچھ اس کی ضرورت نہیں کہ خاص کرکے دو۲ شخصوں کو گواہی کے ساتھ نامزد کیا جائے جبھی تو نکاح ہوا اور اگر واقع میں اس وقت زید وہندہ تنہا تھے یا فقط ایک مرد یا صرف چند عورتیں یا کچھ غیر مسلمان کفار موجود تھے اور زید وہندہ نے ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح نہ ہوا ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں مگر بیٹا حصہ پائے گا۔

لان النکاح بغیر شھود فاسد لاباطل والصواب التفرقة بین فاسد النکاح وباطله کما تشھد به فروع جمة وماشاع علی السنة من ان النکاح لاینعقد الا بشھود فالمراد الصحة بقول الدر یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشھود [1] الخ۔ وفی ردالمحتار عن النھر ،ان النکاح له فی قولھم فرق۔ [2] فسخ طلاق وھٰذا الدر یحکیھا تبائن الدار مع نقصان مھر کذا فساد عقد وفقد الکفؤ ینعیھا الٰی قوله وتلك الفسخ یحصیھا [3]	کیونکہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہے باطل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ فاسد اور باطل نکاح میں فرق کیا جائے گا جیسا کہ تمام فروع اس پر گواہ ہیں، اور عام لوگوں کی زبانوں پر جو مشہور ہو گیا ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اس سے مراد نکاح کا صحیح ہونا ہے۔ درکے قول کے مطابق کہ نکاح فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے اور نکاح فاسد وہ ہے جس میں صحت نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے گواہوں کی موجودگی الخ۔ رد المحتار میں نہر سے منقول ہے کہ مشائخ کے قول میں نکاح کی جدائیاں کئی قسم پر ہیں فسخ اور طلاق۔ اور موتی جیسی یہ نظم ان کو بیان کرتی ہے۔ پہلی جدائی اختلاف دار، دوسری مہر کی کمی کے ساتھ نکاح کرنا، اسی طرح تیسری عقد کا فاسد ہونا

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸

[3] الدالمختار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

قال فی ردالمحتار بعد مابدل الشطر الاول الی ما ذکرنا لتصحیح الوزن، قولہ فساد عقد کان تزوج بغیر شھود[1] اھ فھذا ایضاً نص انہ اذا نکح بغیر شھود تکون الفرقۃ فیہ فسخا ومعلوم ان لافسخ الا بانعقاد ثم المرأۃ لاترث بالنکاح الفاسد بل الولد فی الدر المختار یستحق الارث بنکاح صحیح فلاتوارث بفاسد ولاباطل اجماعا[2] قال الشامی قولہ بفاسد ھو ما فقد شرط صحتہ کشھود ولاباطل کالمتعۃ[3] اھ و فیہ اٰخر باب ثبوت النسب انہ نکاح باطل، فالوطء فیہ زنا لایثبت بہ النسب بخلاف الفاسد فانہ وطء بشبھۃ فیثبت	اورچوتھی کفوکامفقود ہونا عورت کو موت کی خبر سناتا ہے اس قول تک کہ ان سب جدائیوں کو فسخ جمع کرتا ہے۔ ردالمحتار میں قسم اول کو جہاں تک ہم نے بیان کیاوزن کی تصحیح کے لئے کچھ تبدیل کرنے کے بعد فرمایا کہ ماتن کاقول "فساد عقد" جیسے کسی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیاہو اھ۔ تو یہ بھی اس پر نص ہے کہ اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیاتوجدائی بطور فسخ ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ فسخ بغیر انعقاد کے نہیں ہوتا پھر نکاح فاسد کے ساتھ عورت وارث نہیں ہوتی بلکہ اولاد وارث ہوتی ہے۔ درمختار میں ہے کہ میراث کا استحقاق نکاح صحیح کے ساتھ ہوتا ہے نکاح فاسد اور نکاح باطل کے ساتھ بالاتفاق میراث جاری نہیں ہوتی۔ شامی نے کہاکہ ماتن کے قول "نکاح فاسد میں میراث جاری نہیں ہوتی" میں نکاح فاسد سے مراد وہ نکاح ہے جس میں کوئی شرط صحت مفقود ہو جیسے گواہوں کا موجود ہونا اور "نہ نکاح باطل میں میراث جاری ہوتی ہے" نکاح باطل کی مثال جیسے نکاح متعہ اھ۔ اوراسی میں باب ثبوت نسب کے آخر میں ہے کہ نکاح متعہ باطل ہے اور

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۳۰۸

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۵۲

[3] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۸۶

بہ النسب ولذا تکون بالفاسد فراشا لابالباطل، رحمتی[1]۔	اس میں وطی کرنا زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا بخلاف نکاح فاسد کے۔ کیونکہ وہ وطی ہے شبہہ کے ساتھ جس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے۔اسی لئے عورت نکاح فاسد کے ساتھ فراش ہو جاتی ہے نہ کہ نکاح باطل کے ساتھ، رحمتی۔(ت)

ہاں عورت اپنا مہر بہر حال پائے گی لحصول الوطء کما تقدم، واللہ تعالٰی اعلم (وطی کے حاصل ہو جانے کی وجہ سے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۱۰۷: ہدایت علی شہر کہنہ بریلی ۱۴ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور اس کے دو لڑکیاں تھیں،ایک لڑکی جو زید کی حین حیات میں فوت ہو گئی اس کا ایک لڑکا فی الحال موجود ہے اور ایک لڑکی اور تین چچازاد بھائی عمر، بکر، خالد بعد فوت ہونے اپنے وارث چھوڑے، عمر بڑے چچا کا لڑکا اپنی شریف خاندانی منکوحہ ماں سے ہے اور دوسرے چچا کا لڑکا ایک چمارن غیر منکوحہ عورت سے ہے جس کا ختنہ بھی نہیں ہوا ہے،اور تیسرے چچا کا لڑکا ایک رنڈی سے ہے جس کے نکاح کی تصدیق نہیں،اس صورت میں ترکہ کی تقسیم کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

مکرر یہ ہے کہ زید مذکور کی تین بہنیں تھیں اور دس بسوہ اراضی زید کو اور اس کی تینوں بہنوں کو موروثی باپ کے ترکہ سے ملی تھی۔ایک بہن زید کی لاولد فوت ہو گئی اور دو بہنیں وہ بھی زید کے سامنے فوت ہو گئیں مگر ان دو کے اولاد ہے ایک بہن کے ایک لڑکا، دوسری کے تین پسر اور ایک دختر، تو اب زید کے ان بھانجی بھانجوں کو ترکہ زید کا جو کہ اراضی تعدادی دس بسوہ ہے اور زید حین حیات میں اپنے بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا اور بعد فوت اپنی تینوں بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا کسی طرح تقسیم ہو گا یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سائل نے ظاہر کیا کہ چماری کا نکاح نہ ہوا تھا،نہ یہ لڑکا زید کے چچا کا تھا بلکہ چماری کے ساتھ آیا اور اس رنڈی کو پردہ نہ کرایا تھا بلکہ اخیر تک ویسی ہی بے پردہ پھرتی رہی اور اس کے

---

[1] ردالمحتار باب ثبت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۳۳

نکاح کا کوئی ثبوت نہیں اگر یہ بیان واقعی ہیں تو زید کا ترکہ حسب شرائط معلومہ دو حصے ہوں کر نصف دختر موجودہ زید اور نصف بڑے چچا کے لڑکے کو ملے گا جو منکوحہ سے ہے اور باقی دونوں لڑکے اور بھانجے اور بھانجیاں سب محروم ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۸: از قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ڈیوڑھی کلاں ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین زادھم اللہ شرفا کہ زید اور بکر دو بھائی حقیقی تھے، زید کا لڑکا عمرو اور عمرو کا لڑکا حامد اور حامد کی لڑکی ہندہ یہ لاولد فوت ہوئے زید کے لڑکے عمرو نے حامد کو بایں شرط اس مضمون کی وصیت تحریر کی "ہماری موروثی جائداد خاندان دیگر ونسل وغیرہ میں منتقل نہ ہوگی" بعد فوت عمرو کے حامد قابض جائداد ہوئے حامد نے بھی ایک وصیت سعیدہ یعنی زوجہ خود ونیز دختر ہندہ کو حسب شرائط تحریر کی "یعنی زوجہ منکوحہ سعیدہ اپنی حیات تک منتظم ومنصرم رہے گی، بعد وفات اس کے ہندہ نسلاً بعد نسل مالک و وارث کل جائداد کی ہوگی" چونکہ ہندہ بموجودگی مسماۃ سعیدہ اپنی والدہ کے فوت ہوئی اور بعد چند سال کے سعیدہ بھی فوت ہوگئی جو کہ خاندان غیر سے تھی اور بکر کے دو دختر یعنی زاہدہ اور عابدہ۔ زاہدہ منسوب چچازاد بھائی عمرو کو جس کا لڑکا حامد اور حامد کی ہندہ جو لاولد فوت ہوئی بلکہ شاخ بھی ختم ہوگئی باقی رہی عابدہ جو منسوب ہوئی محمود کو جن سے ہوئے خالد اور ان سے ہوئے ولید حی القائم، پس بموجب شرع شریف حنفی المذہب کے تقسیم حصص کیا ہے اور وارث جائز کون ہے جبکہ عصبہ وذوی کوئی نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر پاؤ گے۔ت) شجرہ مندرجہ ذیل ہے:

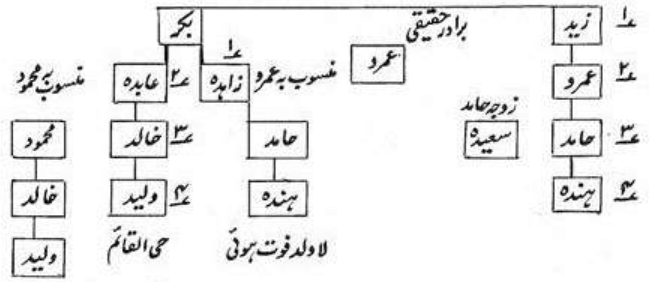

الجواب:

یہ سوال مجمل ہے معلوم نہیں کہ بکر کے بعد زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا یا نہیں، نہ معلوم کہ عابدہ کا شوہر محمود عابدہ سے پہلے مرا یا بعد، اگر بعد کو مرا تو اس کے ماں یا باپ یا دوسری زوجہ اور اولاد سوائے ولید تھی یا نہیں، بہر حال حکم یہ ہے کہ عمرو حامد کی وصایائے مذکورہ باطل وبے اثر ہیں، وہ تغییر حکم شرع جس پر کسی کو قدرت نہیں، پس صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض ایک بھائی زید کا جو کچھ متروکہ ہے تمام وکمال وارثان سعیدہ کو پہنچے گا سعیدہ کا جو کوئی وارث وقت موت سعیدہ موجود تھا اس تمام حصہ کا مالک ہے،

لان مالزید وصل لابنه حامد ومنه لعرسه سعیدة و بنته هندة ومن هنده لامها سعیدة لان ذوی الارحام لاارث لهم مع اصحاب الفرائض فجمعت سعیدة کل مالزید۔	اس لئے کہ جو کچھ زید کا ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملا پھر حامد سے اس کی بیوی سعیدہ اور بیٹی ہندہ کو ملا پھر ہندہ سے اس کی ماں سعیدہ کو ملا کیونکہ اصحاب فرائض کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں بنتے تو اس طرح جو کچھ زید کا تھا وہ تمام سعیدہ کو پہنچ گیا(ت)

رہا دوسرے بھائی بکر کا حصہ، اس میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ انتقال بکر کے وقت زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا اس تقدیر پر حصہ بکر سے دو تہائی وارثان سعیدہ کا ہے۔

لانه یصیرا ثلاثا بین بنته والعصبة فماکان للعصبة یصل سعیدة کما قدمنا وماکان لزاهدة تصیر لابنها حامد ومنه الی سعیدة۔	اس لئے کہ وہ بکر کی بیٹی اور اس کے عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے لئے ہے وہ سعیدہ کو پہنچے گا جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اور جو کچھ زاہدہ کے لئے ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملے گا اور اس سے سعیدہ کو پہنچے گا۔(ت)

دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی وقت انتقال بکر زندہ نہ تھا اس صورت میں حصہ بکر کا نصف وارثان سعیدہ کا ہے،

لانه ینتصف بین بنتیه فماکان لزاهدة یصل	کیونکہ وہ اس کی دو بیٹیوں کے درمیان نصف نصف ہوگا پھر جو کچھ زاہدہ کو ملا وہ سعیدہ

لھم کماتقدم۔	کے وارثوں کو پہنچے گا، جیسا کہ گزر چکا۔(ت)

باقی حصہ بکر کا ایک ثلث یا نصف وہ خاص ولید کے لئے ہے، اگر محمود عابدہ سے پہلے مر گیا ہو یا بعد کو مرا اور سوا ولید کے محمود کا بھی کوئی وارث مثل مادر یا پدر یا زوجہ ثانیہ یا اولاد محمود از زوجہ دیگر نہ تھا ورنہ اس تہائی یا نسف کے تین ربع ولید کے لئے بلا شرکت ہیں اور ایک رع میں کہ عابدہ سے محمود کو پہنچا باقی وارثان محمود کے ساتھ ولید کا ہے جب تک بقیہ ورثہ محمود کی تعیین نہ ہو یا بتانا ناممکن ہے کہ اس ربع سے ولید کو کیا پہنچے گا۔

بالجملہ مجموع جائداد زید وبکر کے اڑتالیس حصے کریں، پھر اگر انتقال بکر کے وقت حامد زندہ تھا تو چالیس حصے وارثان سعیدہ کو دے دیں اور باقی آٹھ ولید کو اگر محمود کے اور وارث کا استحقاق نہ ہو، ورنہ آٹھ میں سے چھ ولید کو اور دو مع ولید جمیع ورثہ محمود پر تقسیم ہوں اور اگر حامد بکر سے پہلے مرا ہو تو اڑتالیس سے چھتیس حصے وارثان سعیدہ کو دیں باقی بارہ ولید کو اگر وارث محمود مستحق نہ ہو ورنہ بارہ سے نو ولید کو اور تین ولید وغیرہ دیگر ورثہ محمود پر منقسم ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑا، ترکہ زید میں سے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

پوتے کو کچھ نہ ملے گا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلاولی رجل ذکر[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔ت) بیٹے کے ساتھ پوتے کو حصہ دلانا کفار ہند کا مسئلہ ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۰: مرسلہ حاجی احمد اللہ خاں صاحب از پیلی بھیت ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ بہو اپنی ایک حمیدہ اور ایک فہمیدہ اور دو دختر ایک جمیلہ اور ایک سعیدہ اور ایک پوتی کلثوم چھوڑ کر فوت ہوگئی اور بعد وفات

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

ہندہ اس کی دختر سعیدہ بھی فوت ہوگئی بعد چار یوم کے اور ہندہ کے دونوں فرزند اس کی حیات میں اس کی روبرو مرچکے تھے جن زوجہ حمیدہ اور فہمیدہ ہیں یعنی ان کے شوہر اور فہمیدہ کے بطن سے کلثوم ہے اور فہمیدہ حاملہ بھی اپنے شوہر سے ہے جو اپنی ماں کے روبرو فوت ہوئی تو ایسی صورت میں جمیلہ اور کلثوم دونوں وراثت ہندہ پائیں گی یا صرف جمیلہ دختر ہندہ اور حمل فہمیدہ قابل ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

بر تقدیر عدم موانع ارث ووارث آخیر وصحت ترتیب اموات وتقدیم ماتقدم اگر موت ہندہ کو چھ مہینے ابھی نہ گزرے یا گزر گئے ہیں تو جمیلہ کو تسلیم ہے کہ فہمیدہ اپنے شوہر سے حاملہ ہے تو ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر تقسیم کرکے نو سہم فی الحال جمیلہ کو دے دیں اور باقی کو سہم موقوف رکھیں اگر فہمیدہ کے لڑکا پیدا ہو تو ان میں سے سات سہم اسے اور دو کلثوم کو دیں اور اگر لڑکی ہو یا کچھ نہ ہو تو وہ نو سہم بھی جمیلہ کو دے دیں کلثوم وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از محلّہ بیج ناتھ پاڑا مرزا عادل بیگ شہر رائے پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کے بعد اس کی بیوی اور دو[۲] بھائی ہیں عورت حاملہ ہے۔ پس عند الشرع تقسیم مال کیسے ہوگا؟

زید
زوجہ | اخ | اخ

الجواب:

عورت کے حمل تک انتظار ہو تو بہتر ہے ورنہ ترکہ خالصہ (یعنی ادائے دیون ومہر ووصایا کے بعد جو بچے) اس کے بعد سولہ حصہ کرکے دو حصہ عورت کو بالفعل دے دیں باقی کسی کو کچھ نہ ملے یہاں تک کہ وضع حمل ہوا اگر لڑکا پیدا ہو باقی چودہ حصے سب اس لڑکے کو دے دیئے جائیں اور بھائیوں کو کچھ نہ ملے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو باقی چودہ میں سے آٹھ حصے اس دختر کو دیں اور تین تین دونوں بھائیوں کو اور اگر بچہ زندہ نہ پیدا ہو یا موت مورث کو دو سال کامل گزر جائیں اور کچھ پیدا نہ ہو تو باقی چودہ میں سے دو حصہ زوجہ کو اور دے دیئے جائیں اور چھ چھ دونوں بھائیوں کو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۲ تا ۱۲۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہائے ذیل میں کہ سائل بحوالہ کتب فقہ حنفی جواب چاہتا ہے **بیّنوا توجروا۔**

(۱) عورت نے وقت وفات ایک زوج، ایک پسر، ایک دختر وارث چھوڑے۔ پسر نے بہ نظر ثواب یا بغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دو ہزار سات سو بلا مشورت دیگر ورثاء تجہیز و تکفین و فاتحہ، چہلم وغیرہ مورث کا کیا، ورثاء کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

الجواب:

بقدر سنت غسل و کفن و دفن میں جس قدر صرف ہوتا ہے بقیہ ورثاء صرف اسی قدر کے حصہ رسد ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ فاتحہ و صدقات وسوم وچہلم میں جو صرف ہوا یا قبر کو پختہ کیا یا اور مصارف قدر سنت سے زائد کئے وہ سب ذمہ پسر پڑیں گے باقی وارثوں کو اس سے سروکار نہیں۔ طحطاوی کے حاشیہ میں ہے:

(تتمہ)التجهيز لايدخل فيه السبح والصمدية والجمع والموائد لان ذٰلك ليس من الامور الازمة فالفاعل لذٰلك ان كان من الورثة يحسب على من نصيبه ويكون متبرعًا وكذا ان كان اجنبيا[1] الخ والله تعالٰی اعلم۔	(تتمہ) میت کی تجہیز میں دعا و فاتحہ (سوم، چہلم وغیرہ) لوگوں کو جمع کرنا اور دعوت طعام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور سے نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں سے شمار ہوگا اور وہ متبرع ٹھہرے گا۔ یونہی اگر اجنبی نے ایسا کیا تو وہ بھی متبرع قرار پائے گا الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) صرف تجہیز و تکفین و فاتحہ وسوم وچہلم و عرس وغیرہ شرعًا کس قدر تبلیغ وراثت پر مقدم رکھا گیا ہے؟

الجواب:

اس کا جواب جواب سوال اوّل میں ہو گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) شرعًا زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز و تکفین و فاتحہ و عرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہو سکتا ہے؟

الجواب:

تجہیز و تکفین میں اسی قدر جو عام مسلمانوں کے لئے صرف ہو سکتا ہے فاتحہ و عرس کے لئے

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

شرع سے کوئی مطالبہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۴) شرعًا لباس قیمتی اہل اللہ کا مریدان ومتعقدین کو تبرکًا ومساکین کو ثوابًا ایک وارث بلااستر ضادیگر ورثا تقسیم کر سکتا ہے؟

الجواب:

قیمتی ہو یا کم قیمت، بلاوصیت مورث وبلارضائے دیگر ورثاء نہیں دے سکتا، جو کچھ دے گا وہ خاص دینے والے کے حصہ میں محسوب ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۵) شرعًا صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے؟

الجواب:

سجادہ نشین وہ صاحب ہدایت عــــہ ہے کہ پہلے صاحب ہدایت کی وصیت یا مسلمانان ذی رائے کی تجویز سے اس کا جانشین بغرض ہدایت ہوا ہو در بارہ وراثت اس کو کسی وارث پر کوئی حق فائق نہیں یہ محض بے اصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۶) شرعًا عرس سالانہ مورث ونذر ونیاز شہدائے کربلا وعرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثاء بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ امور اگر بطور شرع شریف ہوں تو صرف مستحبات ہیں اور مستحب پر جبر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر مورث کوئی جائداد کسی مصرف خیر کے لئے وقف کر دیتا تو اس کا اتباع ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۷) شرعًا خانقاہ کس کو کہتے ہیں؟

الجواب:

یہ کوئی اصطلاح شرعًا مطہر نہیں عرف میں مکان مسند افاضۂ اولیاء کو خانقاہ کہتے ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

عــــہ: **اقول:** شرط اجازت ضروری ہے آج کل بہت لوگ صاحب سجادہ بطور وراثت بنادیئے جاتے ہیں اور وہ بیعت کرنے لگتے ہیں یہ حرام ہے۔ ۱۲

(۸) جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکر الٰہی کیا کرتے ہوں یا عرس یا جلسہ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پائخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکہ مورث ہے یا نہیں اور قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر یہ مکانات مملوکہ مورث تھے تو ضرور تقسیم کئے جائیں گے جب تک کہ مورث نے ان میں کسی کو وقف صحیح شرعی نہ کر دیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

(۹) جس مکان کے گوشہ صحن میں قبور اہل اللہ یا قبور مورث واقع ہوں وہ مکان مع صحن بعد مستثنٰی کرنے اراضی قبور کے شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہاں جبکہ وقف نہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۰) جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح ومرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلا شرکت غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضرورت میں اس مکان کو مکفول کرکے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیرات مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکاء سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا مکان وقف قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

جبکہ مورث اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کرچکا تھا تو اس کے فعل سے صراحۃً اس کا وقف نہ ہونا ثابت ہے اور جب وہ مملوک مورث ہے تو تقسیم بر ورثا سے محفوظی کی کوئی وجہ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۱) فرش وشیشہ آلات ودیگر اسباب، منقولہ جو عرس اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابل تبلیغ وراثت ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ مال اگر ملک خاص مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر وقف ہے یا مریدوں نے اس کام کے لئے لاکر دیا اور مورث کو مالک نہ کردیا تھا تو تقسیم نہ ہوگا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۱۲) جس مکان کو متعلق خانقاہ، مہمان خانہ یا لنگرخانہ موسومل کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکر الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعًا قابل تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر ملک مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر اس کا وقف ہونا بہ ثبوت شرعی ثابت ہو تو منقسم نہ ہوسکے گا صرف اتنی بات سے کہ اس کا نام مہمان خانہ یا لنگرخانہ ہے یا اس میں سجادہ نشین رہتے یا اشخاص مذکورین قیام کرتے تھے وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۳) اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعًا اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

نہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۴) قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکام طریقت اور احکام شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔

الجواب:

یہ محض جھوٹ ہے اور بددینوں کا مذہب ہے، اہل اسلام کے نزدیک جو طریقت شریعت کے خلاف ہو مردود ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ اکابر اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

"کل حقیقة ردته الشریعة فهی زندقة"[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	"جس حقیقت کو شریعت رَد فرمائے وہ بے دینی ودہریت ہے"۔ اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

(۱۵) ورثاء کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے؟

الجواب:

وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ ۱وارث غلام ہو یا ۲مورث کا قاتل یا ۳کافر ہو یا ۴دارالحرب میں رہتا ہو باقی کوئی ناقابلیت اسے اس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الرسالہ القشیریة ومن ذلك الشریعة والحقیقة مصطفی البابی مصر ص ۴۳، الحدیقة الندیة الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۶۹

(۱۶) کیا عورت بوجہ ناقابلیت فطرتی کے کسی ترکہ مورث سے محروم رہ سکتی ہے؟

الجواب:

دربارہ حرمان وراثت مرد وعورت کا ایک ہی حکم ہے، عورت فطرتی طور پر صرف اس وجہ سے کہ عورت ہے ہر گز قابل محرومی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا خاص اس کا روپیہ تھا اس کے سوا کسی کا ایک حبہ نہیں تھا اس کے خاوند (زید) نے اس روپیہ سے ایک مکان اپنے نام خرید کیا اور وہ فوت ہوگیا اور اس کا گور وکفن اس کی بیوی نے سب اپنے پاس سے کیا اور مبلغ ۵۰ روپیہ اس کے خاوند نے مکان پر قرض لئے تھے وہ قرض ادا نہیں ہوئے وہ کس کس کو ادا کرنا چاہئے اور اس کے خاوند نے اپنی بیوی کو چھوڑا ہے اور دو بیٹی ہیں اور ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے ہیں اب کس کس کو پہنچتا ہے؟

الجواب:

شوہر نے جو قرض لیا تھا وہ زید کے مال سے ادا ہوگا اس کے بعد وارثوں پر تقسیم ہوگا، اور مکان کہ زید نے اپنی بیوی کے روپے سے اپنے لئے خریدا اس کا مالک زید ہوا پھر اگر وہ روپیہ بے اجازت عورت سے لے کر دیا تھا یا عورت نے قرضًا دیا تھا تو اتنا روپیہ عورت کا ذمہ شوہر قرض رہا اور اگر گواہان شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے وہ روپیہ شوہر کو ہبہ کر دیا تھا تو ہبہ ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں اور گور وکفن جو بیوی نے بقدر سنت کیا اس قدر ترکہ میں سے مجرا پائے گی اس سے زائد جو فاتحہ و درود وغیرہ میں اٹھایا وہ کسی سے مجرا نہ ملے گا، بالجملہ جو کچھ اس مکان وغیرہ تمام ترکہ شوہر پر دَین ثابت ہو مثلاً عورت کا مہر اور وہ پچاس روپیہ اور بقدر سنت گور وکفن کا صرف اور مکان کی قیمت کا روپیہ جب کہ عورت کا شوہر کو ہبہ کر دینا نہ ہو اور ان کے سوا اور جو کچھ شوہر پر دین ہو سب ترکہ سے ادا کرکے اگر کچھ بچے تو باقی کے تہائی میں شوہر نے اگر کوئی وصیت کی ہو نافذ کریں اس کے بعد جو باقی بچے اس کے چوبیس حصہ حسب شرائط فرائض ہو کر تین حصے زوجہ اور آٹھ آٹھ ہر بیٹی اور پانچ بہن کو پہنچیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹: ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نیاز احمد کے دو زوجہ زینب، ننھی، دونوں کا مہر ۵۰۰ /۵۰۰، جائداد ۲۰۰ روپے کی۔ پہلی بیوی شوہر سے پہلے مروی جس کے وارث زوج نیاز احمد، باپ جیون بخش، چار دختر، آمنہ، فضلو، نور النساء، بیگما۔ ان میں بیگما نے انتقال کیا۔ زوج عبدالرزاق، باپ نیاز احمد، دختر شہر بانو وارث چھوڑے، عبدالرزاق کی وارث یہی دختر ہی۔ نیاز احمد نے وفات پائی تو زوجہ ثانیہ اور اس کے بطن سے ایک پسر نتھو، ایک دختر متین، اور تین دختر زوجہ اولٰی سے وارث رہے۔ ورثہ سب بالگ ہیں اور مہروں میں مکان دینے پر راضی ہیں اور ان مہروں کے سوا نیاز احمد پر کوئی قرض نہیں۔ اس صورت میں ہر وارث کتنا پائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں مکان کے پینتالیس حصے کئے جائیں، ازاں جملہ چھبیس حصہ زوجہ ثانیہ ننھی کو اس کے مہر میں دے دیں اور انیس حصوں سے چار چار جیون بخش، آمنہ، فضلو، نور النساء کو اور تین شہر بانو کو اس لئے کہ جب دونوں زوجہ کو مکان نصف نصف ملنا چاہئے تھا مگر زوجہ اولٰی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا تو اس کے مہر سے ۱۳ /۳ خود نیاز احمد کو پہنچے یعنی اس پر سے ساقط ہو گئے اور ۱۳ /۲ جیون بخش اور ہر چہار دختر زینب کو ملے۔ ان میں سے بیگما مر گئی اور اسے جو پہنچتا تھا اس کا چہارم پھر نیاز احمد کو پہنچا یعنی اس پر سے ساقط ہوگیا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ مہر زینب سے ۲۶ /۷ نیاز احمد سے ساقط ہوگیا ۲۶ /۱۹ باقی رہا اور مہر ننھی پور باقی ہے بوجہ مساوات سابقہ اسے بھی ۲۶ سہم فرض کیجئے تو مکان دونوں زوجہ پر اسی ۲۶ و ۱۹ کی نسبت سے بٹنا چاہئے کہ دیون جب ترکہ سے زائد ہوں تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے لہذا مکان کے ۴۵ حصہ کرکے ۲۶ حصے ننھی کو دیئے جائیں اور ۱۹ بحساب مذکور وارثان زینب پر تقسیم ہوں۔

فی القنیۃ قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج و بنتین واخ لاب وام ولا مال لھا سوی مھر علی زوجھا	قنیہ میں ہے ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے

مائة دینار ثم مات الزوج ولم یترك الاخمسین دینارا افقلت یقسم بین البنتین والاخ اتساعا بقدر سهامهم لانه ذکر فی کتاب العین والدین اذا کان علی بعض الورثة دین من جنس الترکة یحسب ماعلیه من الدین کانه عین وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینهم علی سهامهم من اصل المسئلة وقد افتی کثیر من مفتی زماننا انه یقسم الخمسون بینهم اثلاثا وانه غلط فاحش[1] اھ **اقول** و نظیره الغلط الواقع فی مسئلة زوج وام وعم وقد تخارج الزوج علی مافی ذمته من المهر فقسموا البقیة اثلاثا للام سهم وللعم سهمان والصواب العکس للعم سهم وللام سهمان کما حرره فی الدر المختار[2]۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔

خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا شوہر صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین ہے اب چونکہ دونوں بیٹیوں اور بھائی کے حصے میں پچاس دینار باقی بچے ہیں لہٰذا وہ ان پر اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق تقسیم ہوں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوٰی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بنا کر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ۔ **میں کہتا ہوں** اس کی نظیر وہ غلطی ہے جو خاوند، ماں اور چچا کے مسئلے میں واقع ہوئی جبکہ خاوند اپنے مہر کے بدلے میں ترکہ سے دستبردار ہوگیا تو علماء نے باقی کو تین حصے بنا کر ایک ماں اور دو چچا کو دینے کا فتوٰی دیا حالانکہ صحیح اس کے برعکس ہے یعنی ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ درمختار میں اس کو تحریر فرمایا ہے۔ واللہ سبحٰنه وتعالٰی اعلم

Majlis of DawateIslami

[1] القنیة المنیة لتتمیم الغنیة کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

[2] الدر المختار کتاب الفرائض باب المخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷۰

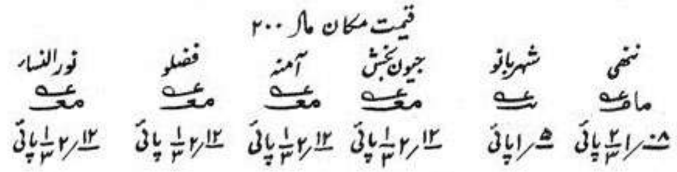

مسئلہ ۱۳۰: ازدیورہ ڈاکخانہ مئو ضلع گیا مرسلہ شیخ ولایت حسین صاحب ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ورثاء کو محروم الارث کرکے اپنی جائداد موروثی ومتروکی ومحصولی کو اپنے بعض ورثاء کو دے دینا چاہتاہے۔ آیا بموجب حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی زید کا یہ فعل ظلم ہوگا اور وہ شخص ظالم اور گنہ گار ہوگا یانہیں؟ اور حق تلفی اس شخص نے بعض ورثاء کے مقابل میں کیا یانہیں؟ بیّنوا توجروا بالکتاب والسنۃ۔

الجواب:

جس وارث کو محروم کرنا چاہتاہے اگر وہ فاسق معاذاللہ بدمذہب ہو تو اسے محروم کرنا ہی بہتر وافضل ہے۔ خلاصہ ولسان الحکام و فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]۔	اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں پر خرچ کرکے فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے تو ایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔(ت)

بدمذہب بدترین فساق ہے، فاسق میں یہ خوف تھا کہ مال اعمال بد میں خرچ کرے گا، بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانت گمراہی و ضلالت میں اٹھائے گا یہ اس سے لاکھ درجے بدتر ہے۔ غنیہ میں ہے:

الفسق من حیث العقیدۃ اشد من الفسق من حیث العمل[2]۔	عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہونا عمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے(ت)

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الهبة الباب السادس فی الهبة للصغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۴ /۳۹۱

[2] غنیہ المستملی شرح منیة المصلی فصل فی الامامة سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اور اگر ایسا نہیں بعض ورثاء کو محروم کرنا ضرور ظلم ہے جس کے لئے حدیث صحیح نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما لاتشھد فی علی جور [1] (مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ت) کافی۔ ابن ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فر من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیمة [2]۔ وهو عند الدیلمی عنه رضی الله تعالٰی عنه بلفظ من زوی میراثا عن وراثه زوی الله عنه میراثه من الجنة [3]۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے۔ (یہ حدیث دیلمی کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے وارث سے میراث کو سمیت دیا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث کو سمیٹ دے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ عبدالحق برادر حاجی عبدالرزاق از پیلی بھیت محلّہ عنایت گنج ۷ اذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

زید نے بعد وفات تین بیٹے عبدالقدیر، عبدالحفیظ، عبدالبصیر اور والدہ مسماۃ فاطمہ بی کو وارث چھوڑا، زید اپنی حیات میں بہ شراکت عمرو تجارت کرتا تھا زید نے بحالت مرض الموت اپنی وفات سے ایک یا دو روز قبل اپنے شریک عمرو سے کہا تینوں پسر اپنے تمہارے سپرد کرتا ہوں اور زید نے اپنی حیات میں بڑے بیٹے کی شادی کردی تھی عمرو نے بعد وفات زید کے تجارت کو بجنسہٖ جاری رکھا اس خیال سے کہ پسران زید خورد سال کی پرورش وشادی تجارت سے ہو جائے گی جو بچے گا وہ کام آئے گا۔ چنانچہ بڑے لڑکے کو بجائے زید دکان پر بٹھایا ہر سہ پسران کو تجارت مشترکہ سے تنخواہ ماہانہ دیتا رہا وفات زید کے تخمیناً چھ سات سال بعد متروکہ زید سے عمرو نے دو ۲ پسران کی شادی کردی ایک ہزار کے قریب صَرف ہوا اور تیرہ سو کے قریب مصارف خورد و نوش میں صَرف ہوا پھر اکیس سو روپیہ کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الھبات باب کراھیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۷۱۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۵۴۸

قریب اور چار قطعہ مکانات تخمیناً اکیس سو روپے کے جملہ چارہزار روپے کی مالیت بچی جس کو ہر سہ پسران زید نے باہم متساوی تقسیم کرلیا اور مسماۃ فاطمہ بی کو ترکہ زید سے کچھ نہ دیا پسران زید متروکہ سے تجارت کرتے رہے، بعد تقسیم متروکہ تین چار سال بعد مسماۃ فاطمہ بی فوت ہوئی اس نے دو وارث ایک لڑکا عبداللہ ایک دختر سعیدہ کو چھوڑا، آج تک زید کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً بارہ چودہ سال گزرا ہوگا پسران زید وقت تقسیم کرلینے متروکہ سے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ تجارت کرتے رہے ہیں اور اس وقت ہر سہ پسران زید کے پاس تخمیناً بیس ہزار روپے کے ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ورثاء فاطمہ بی، عبداللہ و سعیدہ متروکہ زید سے جو کہ ذمہ پسران زید واجب الادا ہے پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ آیا اس وقت جس قدر تعداد مالیت نزد پسران زید جو قریب بیس ہزار کے ہے اس جملہ مالیت سے کیونکہ ترکہ فاطمہ بی کا جو کچھ تھا کچھ نہ دیا گیا تو متروکہ فاطمہ بی بھی اس وقت تک شامل ہے ہر سہ پسران کے حصول میں اور ترقی پارہا ہے یا اس تعداد میں جو بیالیس سو روپے کی مالیت بعد پرورش و شادی بچی اور باہم پسران زید نے تقسیم کیا ہے اس میں سے پانے کی مستحق ہوگی یا ایک ہزار مصارف شادی اور تیرہ سو مصارف خورد ونوش جملہ بیالیس سو تقسیم شدہ شامل کرکے کل چھ ہزار پانچ سو روپے ہوئے اس سے پانے کی مستحق ہے۔ جواب مع عبارات چاہئے۔

الجواب:

اگر پسران زید مقر ہوں کہ یہ تجارت مملوکہ زید تھی اور وقت وفات زید اس کی والدہ فاطمہ زندہ تھی اور اس کو حصہ نہ دیا گیا تو وارثان فاطمہ پسران زید سے اس کل مال کا چھٹا حصہ حسب شرائط فرائض پانے کے مستحق ہیں جو وقت وفات زید موجود تھا خواہ مکانات موجود ہوں یا مال تجارت یا زر نقد یا اسباب وغیرہ۔ خورد ونوش پسران میں جو صرف ہوا وہ انہیں کے حصوں پر پڑے گا حصہ فاطمہ کو اس سے تعلق نہیں دو ۲ پسران کی شادی میں جو اٹھا وہ انہیں دو پر پڑے گا حصہ فاطمہ سے مجرا نہ ہوگا بعد وفات زید تا زمان تقسیم وبعد تقسیم تاحال جو کچھ مال میں تجارت کے ترقیاں ہوئیں ان میں بھی فاطمہ کی ملک نہیں جبکہ وہ تجارت عمرو وصی زید و پسران زید بطور خود کرتے رہے اور فاطمہ اس میں شریک نہ ہوئی ہاں جبکہ حصہ فاطمہ اس میں شامل تھا تو اس کے حصہ سے جو ترقی ہوئی پسران زید کے لئے ملک خبیث ہے ان کو حلال نہیں کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائیں بلکہ واجب ہے کہ اس قدر مال تصدیق کردیں یا وارثان فاطمہ کو دے دیں اور یہی بہتر وافضل ہے جو مکان متروکہ زید نہ تھا بلکہ مال تجارت سے وصی زید یا پسران زید نے خود خریدا اس مکان میں حصہ فاطمہ نہیں بلکہ اس کا حصہ صرف اس قدر کا

چھٹا حصہ ہے جو بوقت وفات زید متروکہ زید تھا۔

والمسائل مبینۃ فی الفتاوی العالمگیریۃ والفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھا وقد اوضحناھا فی فتاوانا غیر مرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ان مسائل کو فتاوٰی عالمگیریہ، فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں کئی بار ان کو واضح کیا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از شہر مسئولہ جناب سلطان احمد خان صاحب زید مجدہ، ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آفتاب بیگم کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں ایک حقیقی چچا زاد بہن مسماۃ عمدہ بیگم کا پوتا وصی احمد اور ایک علاتی خالہ بنو بیگم اور چار اخیافی بھتیجے جن کے باپ کا انتقال آفتاب بیگم کے سامنے ہو گیا موجود ہیں وصی احمد نے تجہیز وتکفین اپنے صرف سے کی اور اس وصی احمد کو متوفیہ نے اس شرط سے اپنا وصی بھی کیا کہ بعد اخراجات تجہیز وتکفین وفاتحہ ودرود بعد جس قدر روپیہ بچے وہ سب تیرا ہے اب تقسیم ترکہ ان وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر ہوگا اور اخراجات تجہیز وتکفین متروکہ سے نکلے گا یا نہیں؟ شجرہ ذیل میں درج ہے۔

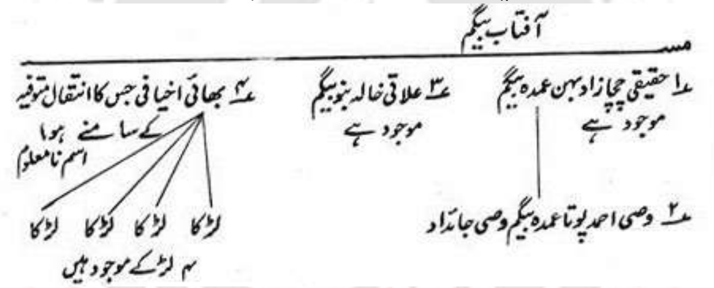

الجواب:

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا آفتاب بیگم کا ترکہ چار سہم ہو کر ہر اخیافی بھتیجے کو ایک ایک ملے گا اور چچازاد اور خالہ کچھ نہ پائیں گی آفتاب بیگم کی تجہیز وتکفین کہ وصی احمد غیر وارث نے اپنے مال سے کی وہ بطور احسان وسلوک نیک واقع ہوئی اس کا معاوضہ نہ پائے گا کہ وہ نہ وارث ہے نہ وصی ہے اس کہنے سے کہ بعد ازان

مصارف کے جو بچے وہ تیرا ہے وہ موصی لہ ہوا نہ کہ وصی، ہاں اگر آفتاب بیگم نے یوں کہا ہو کہ میرے بعد میرے مصارف سے یہ یہ صرف کرنا اور جو بچے تیرا ہے تو اس صورت میں وہ وصی بھی ہو جائے گا اور اب جو تجہیز و تکفین میں اپنے مال سے صرف کیا مجرا پائے گا جس قدر کہ اس کے کفن وجہاز مثل بقدر سنت میں اٹھایا ہو اس سے زیادہ وصی کو بھی مجرانہ ملے گا۔ درالمختار میں ہے:

الوصی کفنہ من مال نفسہ او کفن الوارث المیت من مال نفسہ فانہ یرجع ولا یکون متطوعا[1]۔	وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا یا میت کے وارث نے اپنے مال سے میت کو کفن دیا تو وہ ترکہ میں سے رجوع کرے گا اور متبرع قرار نہیں پائے گا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے: ای کفن المثل[2] (یعنی کفن مثلی دیا۔ت) بلکہ اگر کفن مثل پر قیمت میں زیادت فاحشہ کی مثلاً ۸ آنے گز کا کپڑا اس کا کفن مثل تھا اس نے بلاوصیت میت روپے گز کا لگایا تو کچھ مجرانہ پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لوزاد الوصی علی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ وفی القیمۃ وقع الشراء لہ وحینئذ ضمن مادفعہ من مال الیتیم ولوالجیۃ[3]۔	اگر وصی نے میت کے کفن مثلی پر شمار میں زیادتی کی تو وہ زیادتی کا تاوان دے گا اور اگر قیمت میں زیادتی کی تو خریداری وصی کی طرف سے واقع ہوگی اور اس وقت وصی پر ان ثمنوں کا تاوان لازم آئے گا جو اس نے یتیم کے مال سے دیئے، والولجیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ضمن الزیادۃ الا اذا اوصی بھا وکانت تخرج من الثلث ط، قولہ وقع الشراء لہ لانہ متعد فی الزیادۃ وھی	وہ زیادتی کا تاوان دے گا مگر جب میت نے اس کی وصیت کی ہو اور وہ ایک تہائی ترکہ سے نکل سکتا ہو (تو تاوان لازم نہیں ہوگا) (ط) ماتن کا قول کہ خریداری وصی کی طرف سے واقع

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی شھادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی شھادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۸

[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲ /۳۳۷

غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی[1]۔	ہوگی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی قیمت میں زیادتی کرکے تعدی کرنے والا ہو اس حال میں کہ وہ زیادتی ممتاز اور جدا نہیں ہے تو وہ میت کو زیادہ قیمتی کفن پہنانے میں متبرع ٹھہرا، رحمتی۔(ت)

رہی وصیت وہ بعد ادائے دیون بلااجازت ورثہ تہائی مال میں سے نافذ ہوگی اس ثلث سے جس قدر فاتحہ و درود بطور جائز و محمود معروف و معہود میں صرف ہو وہ چاہیں ابھی مساکین پر خرچ کردیا جائے سال بھر کا انتظار ضرور نہیں پھر کچھ باقی بچے تو وہ وصی احمد کا ہے ورنہ کچھ نہیں۔ ہندیہ میں ہے:

فی النوازل اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز کذا فی الاخلاصۃ۔[2]	نوازل میں ہے میت نے وصیت کی کہ دس دن صدقہ کیا جائے اور وصی نے ایک ہی دن صدقہ دے دیا تو جائز ہے۔ خلاصہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

فی الجامع مع قال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنۃ بمائۃ درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنۃ الاولٰی ولایوزع علی السنۃ کذا فی فتاوٰی خانیۃ[3]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	جامع میں ہے کہ موصی نے کہا میں نے اپنے تہائی مال سے ہر سال دو درھم صدقہ کرنے کی وصیت کی تو وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے گا اور اس کو کئی سالوں پر متفرق نہیں کرے گا، فتاوٰی خانیہ میں یونہی ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۳: ازآرہ محلّہ تری مطب حکیم عبدالوہاب صاحب مسئولہ مولوی ظفرالدین صاحب زید مجدہ مدرس اول مدرسہ حنفیّہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پرنور متع اللہ المسلمین بطول بقائہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، بدعائے والا مع الخیر رہ کر خواہان عافیت سرکار کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۴۵۴

[2] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن (مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۴

[3] الفتاوی الھندیۃ الباب الثامن (مسائل شتی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۱۳۵

جملہ خدام ہوں ایک بات دریافت طلب ہے وہ یہ کہ سراجی بیان مناسخہ میں تصحیح مسئلہ اور مافی الید کہ چار نسبتوں میں تین کو بیان کیا اور تداخل کو بالکل چھوڑ دیا اگرچہ اس کی وجہ اس کی اظہریت معلوم ہوتی ہے اور صورت اس کی یہی ہوگی کہ اس کی دو[2] صورتیں ہیں یا تصحیح زائد ہو اور مافی الید کم یا برعکس، اگر اولٰی ہے تو جزء تداخل کو اوپر کی تصحیح میں ضرب دیں اور ورثائے پیشین کے حصوں کو اسی حساب سے زیادہ کردیں اس میت کے ورثاء کے انصباء میں زیادتی کی ضرورت نہیں، اور اگر تسحیح کم اور مافی الید زائد ہے تو جزتداخل کے انصباء وارثین اس میت کو ضرب دیں اوپر والوں کے حصوں میں زیادتی نہ ہوگی یا اس کی اور کوئی صورت ہے فرضًا اس کی تقدیر عربی زبان میں تحریر فرمائی جائے تو بعید شان بندہ نوازی سے نہیں۔

الجواب:

اعلم ان التداخل لیس الا قسما من التوافق وانما یجعل قسما عندالتفصیل بل التحقیق ان لیس ھٰھنا الاقسمان ولھما حکمان وذٰلك لان العددین ان عدھما ثالث ای عدد ولو مثلا لھما او لاحد ھما و الواحد لیس بعدد فمتوافقان والا فمتبائنان و یسمی ذٰلك الثالث مابه التوافق وحاصل قسمة کل من التوافقین علیه وفقه فمن صور التوافق اربعة و اربعة یعدھما اربعة وفق کل واحد،وھذا یخص باسم التماثل،ومنھا اربعة	توجان لے کہ تداخل تو محض ایک قسم ہے توافق کی صرف تفصیل کے وقت اس کو الگ قسم بنادیا جاتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں اور ان کے دو حکم ہیں، یہ اس لئے ہے کہ دو عدد دو حال سے خالی نہیں ہوں گے کہ ان دونوں کو اگر کوئی تیسرا یعنی تیسرا عدد فنا کردے اگرچہ وہ ان دونوں یا ان میں سے ایک کی مثل ہو اور ایک (کاہندسہ) عدد نہیں ہوتا، تو اس صورت میں وہ دونوں عدد متوافقان کہلاتے ہیں ورنہ (یعنی اگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا نہ کرے تو) تو وہ متبائنان ہوں گے۔ اس تیسرے عدد کو مابہ التوافق (جس کے ذریعے سے باہم موافقت حاصل ہوئی) کہا جاتا ہے اور متوافقین میں سے ہر ایک کی مابہ التوافق پر تقسیم سے جو حاصل ہو وہ اس عدد کا وفق ہے۔ توافق

وثمانية يعدهما اربعة وفق الاول واحد والثانی اثنان ويخص باسم التداخل، و منها اربعة وستة يعدهما اثنان وفق الاول اثنان والثانی ثلثة وهو التوافق بالمعنی الاخص وحيث ان الوفق فی التماثل ليس الا واحدا ولا اثر لضرب شیئ فی واحد فاذا کان فی التصحيح و ما فی اليد تماثل لايحتاج الی الضرب اصلا ولما کان فی التداخل وفق الاصغر واحدا لانه حاصل قسمة الشیئ علٰی نفسه ابدا فان کان التصحيح اصغر لم يحتج فی التصحيح العالی و الانصباء السابقة الی الضرب و ضرب فی انصباء هذا البطن بوفق مافی اليد الاکبر وان کان مافی اليد الاصغر انعکس الحکم وفی صورة التوافق الاخص	کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چار ہوں تو ان کو چار فنا کرتا ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کا وفق ایک ہوا اور یہ تماثل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ اور ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور آٹھ ہوں، ان دونوں کو چار فنا کردیتا ہے۔ پہلے کا وفق ایک اور دوسرے کا دو ہے اور یہ تداخل کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور چھ ہوں، ان کو دو فنا کردیتا ہے۔ پہلے کا وفق دو اور دوسرے کا تین ہے۔ اور یہی توافق بالمعنی الاخص ہے۔ چونکہ تماثل میں وفق سوائے ایک کے نہیں ہوتا اور ایک میں کسی شے کو ضرب دینے کا کوئی اثر نہیں ہوتا للذا جب تصحیح اور مافی الید (جو کچھ قبضہ میں ہے) میں تماثل ہو تو ضرب کی بالکل کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور جبکہ تداخل میں چھوٹے عدد کا وفق ایک ہوتا ہے کیونکہ کسی شیئ کو اپنے آپ پر تقسیم کرنے سے ہمیشہ ایک ہی حاصل ہوتا ہے للذا اگر تصحیح کا عدد (مافی الید سے) چھوٹا ہے تو اس کو اوپر والی تصحیح اور پہلے والے وارثوں کے حصوں میں ضرب دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ البتہ اس بطن کے وارثوں کے حصوں کو بڑے مافی الید کے وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ اور اگر مافی الید (تصحیح سے) چھوٹا ہو تو حکم اُلٹ جائے گا۔ توافق اخص کی صورت میں چونکہ متوافقین میں سے

لماکان لکل من المتوافقین وفق فوق الواحد احتیج الی ضربین وھذا ھو التحقیق لان الاقسام انما تعتبر للاحکام وماثم الا حکمان الضرب بکل العدد فی التباین ویوفقه فی التوافق وان استغنی عنه عند کون الوفق واحدا کما فی التماثل فی الجانبین و فی التداخل فی جھة الاصغر وان شئت ثلثت فقلت العددان ان تساویا فتماثل وان اختلفا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب و الثانی الضرب بالوفق والثالث بالکل،وان شئت ربعت وقلت العددان ان تساویا فتماثل والافان عد الاصغر الاکبر فتداخل والا فان عدھما ثالث فتوافق والا فتبائن وحکم الاول ان لاضرب اصلا و الثانی عدم الضرب فی جھة الاصغر والضرب بالوفق فی جھة الاکبر

ہر ایک کا وفق ایک سے اوپر ہوتا ہے لہٰذا دو ضربوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی تحقیق ہے کیونکہ اقسام کا اعتبار احکام کے لئے کیا جاتا ہے اور یہاں صرف دو ہی حکم ہیں (۱) تباین کی صورت میں کل عدد کے ساتھ ضرب دینا (۲) توافق کی صورت میں عدد کے وفق کے ساتھ ضرب دینا، اگرچہ وفق ایک ہونے کی صورت میں دونوں جانبوں میں ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ تماثل میں ہوتا ہے اور تداخل کی صورت میں چھوٹے عدد کی جانب ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر تو تین قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل اور اگر مختلف ہیں پھر تیسرا عدد ان کو فنا کردیتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہیں ہوگی، دوسری کا حکم وفق میں ضرب اور تیسری کا حکم کل میں ضرب ہے۔ اگر تو چار قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل ہے اور اگر ایسا نہیں تو پھر چھوٹا عدد بڑے کو فنا کرتا ہے تو تداخل ہے اور اگر نہیں کرتا تو پھر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا کرتا ہے یا نہیں، اگر کرتا ہے تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں کوئی ضرب نہ ہوگی۔ دوسری کا حکم یہ ہے کہ چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوگی اور بڑے کے جانب وفق میں ضرب دی جائے گی۔

والثالث الضرب بالوفق فی الجهتین والرابع الضرب بالکل فیهما۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	تیسری کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور چوتھی کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: از محل مذکور مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور پرنور آقائے نعمت دریائے رحمت متع اللّٰہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خادم بارگاہ مع الخیرہ کر خواہان عوافی مزاج اقدس ہیں مع متعلقین کرام ہے تقریر پر تنویر نے شرف ورود فرما کر معزز ومشرف فرمایا قول مبارک بل التحقیق ان لیس هناك الاقسمان پر ایک بات سمجھ میں آئی گزارش کرتا ہوں:

قوله مدظله بل التحقیق ان لیس هناك الاقسمان، اقول بل فی ظنی ان لاتعددهنا اصلالافی التقسم ولافی الحکم بل شیئ واحد وله حکم واحد لان العددین لابد ان یعدهما ثالث والواحد عدد لانه نصف مجموع حاشیتیه فان فی اعلاه اثنین وفی تحته صفر مجموعهما اثنان فقط اذلا اثر لحط الصفر من عدد ولالزیادته فیه ونصفهما واحد فامّا ان یعدهما واحد فهما متبائنان اوعدد مثلهما فمتماثلان او مثل الاصغر فمتداخلان	مصنف مدظلہ، کا قول "تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں" **میں کہتا ہوں** بلکہ میرے گمان کے مطابق یہاں بالکل تعدد نہیں ہے۔ نہ تقسیم میں اور نہ ہی حکم میں بلکہ یہاں ایک ہی چیز ہے اور اس کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ دو عددوں کے لئے کسی ایسے تیسرے عدد کا ہونا ضروری ہے جو ان کو فنا کرے اور ایک بھی عدد ہے کیونکہ وہ اپنی دونوں طرفوں کے مجموعے کا نصف ہے اس لئے کہ اس کے اوپر دو اور نیچے صفر ہے جن کا مجموعہ فقط دو ہے کیونکہ صفر کو کسی عدد سے گھٹانے یا اسے کسی عدد میں جمع کرنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا، اور دو کا نصف ایک ہے، چنانچہ دو عددوں کو فنا کرنے والا یا تو ایک ہوگا اس صورت میں وہ متبائنان ہوں گے یا ایسا عدد ہوگا جو ان دونوں عددوں کی مثل ہے۔ اس صورت میں وہ متماثلان ہوں گے یا چھوٹے عدد کی مثل ہوگا،

اولامثل احد فمتوافقان ویسمی ذٰلك العاد مابه التوافق والحکم فی الکل الضرب فی الوفق لکن لماکان وفق المتباینین هما العدد ان بانفسهما فانهما حاصل قسمتها علی مابه التوافق ای الواحد لان کل عدد یقسم علی واحد یحصل ذٰلك العدد بعینه یضرب کل التصحیح فی کل التصحیح وکل مافی الید فی کل السهم لکل من الورثة ولان الوفق فی التماثل من الجانبین وفی التداخل من الاصغر لیس الا واحد او لایظهر اثر الضرب فی واحد لان کل عدد اذا ضرب فی واحد یحصل ذٰلك العدد بنفسه اشتهر عند الناس انه لایضرب فی التماثل وفی جانب الاصغر من التداخل وفی المتوافقین وفی جهة الاکبر من التداخل الضرب بالوفق کما هو المشهور والعلم بالحق عند العلیم الغفور۔	اس صورت میں وہ متداخلان ہوں گے یا ان دونوں میں سے کسی کی مثل نہ ہوگا تواس صورت میں وہ متوافقان ہوں گے۔ اس فنا کرنے والے عدد کو مابہ التوافق کہا جاتا ہے ان سب صورتوں کا حکم وفق میں ضرب دینا ہے لیکن جب متبائنین کا وفق بذات خود وہی دونوں عدد ہیں کیونکہ انہیں جب مابہ التوافق یعنی ایک پر تقسیم کیا جائے توخود وہی حاصل ہوتے ہیں لہذا کل تصحیح کو کل تصحیح کو میں اور کل مافی الید کو ہر وارث کے کل حصے میں ضرب دی جائے گی۔اور اس لئے کہ بصورت تماثل دونوں جانبوں میں اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب میں وفق صرف ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ضرب کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ کسی بھی عدد کو جب ایک میں ضرب دی جائے توحاصل ضرب خود وہی عدد ہوتا ہے لہذا لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ بصورت تماثل بالکل ضرب نہیں ہوتی اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوتی جبکہ بصورت توافق دونوں جانب اور بصورت تداخل بڑے عدد کی جانب وفق میں ضرب دی جاتی ہے جیساکہ مشہور ہے اور حق کا علم اس ذات کے پاس ہے جو علم والی اور مغفرت فرمانے والی ہے (ت)

اور یہیں سے صورت تربیع کی ایک اور تقریر بھی ظاہر ہوئی،

لان العددین ان عدهما اواحد	اس لئے کہ دو عددوں کو یاتوایک فنا کرے گا

فتباین اوعدد مثلھما فتماثل او مثل الاصغر فتداخل والا فتوافق، واللہ تعالٰی اعلم۔	اس صورت میں ان کے درمیان تباین ہوگا یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو یہ تماثل ہوا یا وہ چھوٹے عدد کی مثل ہوگا تو یہ تداخل ہوا، اور اگر مذکورہ تینوں صورتیں نہ ہوئیں تو توافق ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس کی صحت وسقم سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام بالوف التعظیم ولا کرام (آپ پر ہزاروں تعظیم وتکریم کے ساتھ سلام ہو۔ ت)

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یاولدی حفظك اللہ الٰی یوم الدین وادام بك ظفر الدین اتیت التدقیق واعملتہ وابیت التحقیق واھملتہ **اما اولًا** فلان الواحد لیس بعدد عند المحققین وماقررہ اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی فی انت طالق کم شئت کما فی الفتح وغیرہ فمبنی علی العرف **اقول** والدلیل القاطع علیہ ان العدد کم والکم عرض یقبل القسمۃ لذاتہ والواحد لیستحیل ان یفرض فیہ شیئ دون شیئ والا لتعدد فلم یکن واحدا، وبعبارۃ اخری انما التحلیل الٰی مامنہ	اور تم پر بھی سلام، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں اے میرے بیٹے اللہ تعالٰی آپ کو روز قیامت تک محفوظ رکھے اور آپ کے ذریعے دین کی کامیابی کو ہمیشہ رکھے، آپ نے تدقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر عملدرآمد کیا اور تحقیق سے منہ موڑتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہے **وجہ اول** اس لئے کہ محققین کے نزدیک ایک عدد نہیں ہے اور ہمارے اصحاب علیہم الرحمہ نے "انت طالق کم شئت" میں جو تقریر کی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے وہ عرف پر مبنی ہے **اقول:** (میں کہتا ہوں) اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ عدد کم ہے اور کم ایسا عرض ہوتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تقسیم کو قبول کرتا ہے جبکہ واحد میں ایک شیئ کو فرض کرنا سوائے دوسری شیئ کے محال ہے ورنہ وہ متعدد ہو جائے گا اور واحد نہیں رہے گا۔ دوسری عبارت کے ساتھ یوں کہ شیئ کی تحلیل اس کی طرف ہوتی ہے

التركیب فلوانفسهم لکان شیئین لاواحدا وبعبارة اظهر ودفع للمقال لا انقسام هنا الا الی الوحدات والوحدة لیستحیل ان تصیر وحدتین والا لم تکن وحدة بل کثرة فیلزم الانقلاب فان صارت فماکانت الاوحدتین اخذنا واحدة بالاعتبار فکان اثنین لا واحد، وبعبارة اخصرما ثم الاوحدات محضة فالواحد وحدة والاثنان وحدتان وهکذا ولایعقل للوحدة بعض اصلا اما الکسور فلیس معنی ۲ /۱ مثلا جزء من جزئ واحد حقیقی بل اعتباری ای واحد من اثنین فرض واحدا کما حققناه فی رسالة الارثماطیقی، **واما ثانیًا** فلان الصفر لایمکن ان یکون حاشیة عدد فانه محض سلب اذهو عبارة عن خلو المرتبة فلیس معناه ان	جس سے وہ شیئ مرکب ہے، اگر واحد منقسم ہوجائے تو وہ دو چیزیں بن جائے گا اور واحد نہیں رہے گا، زیادہ ظاہر اور گفتگو کا زیادہ دفاع کرنے والی عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں منقسم ہونا نہیں ہے مگر وحدتوں کی طرف اور ایک وحدت کا دو وحدتیں ہوجانا محال ہے ورنہ وہ وحدۃ نہیں رہے گی بلکہ کثرۃ بن جائے گی تو اس طرح حقیقتوں میں انقلاب لازم آئے گا، اگر وہ وحدت ہو بھی تو حقیقت میں دو وحدتیں ہی ہوں گی جن کو ایک وحدت اعتبار کرلیاگیاہے تو وہ دو ہوئیں نہ کہ ایک۔ زیادہ مختصر عبارت کے ساتھ یوں کہاجائے گا کہ یہاں تو محض وحدتیں ہیں، چنانچہ واحد ایک وحدت اور اثنان دو وحدتیں ہوں گی، اوراسی طرح باقی میں ہوگا۔ اور وحدت کے لئے بعض بالکل متصور نہیں۔ لیکن کسریں تو ان میں مثال کے طور پر ۲ /۱ کا معنی یہ نہیں ہے کہ واحد حقیقی کی دوجزؤں میں سے ایک بلکہ واحد اعتباری کی دوجزؤں میں سے ایک یعنی ایسے دو میں سے ایک جن کو ایک فرض کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق رسالہ ارثماطیقی میں کر دی ہے۔ وجہ دوم اس لئے کہ صفر کا کسی عدد کیلئے حاشیہ (طرف) بننا ممکن نہیں کیونکہ صفر تو محض نفی ہے اس لئے کہ وہ مرتبہ کے خالی ہونے کا نام ہے تو اس کا یہ معنی نہ ہوگا کہ

هناك شیئا یسمی صفرا بل معناه ان لاشیئ هناك اصلا ولهذا لا اثر لحطه من عدد ولاضمه الیه کما ذکرت ولوکان شیئا لاستحال ان یکون شیئ دون شیئ اوشیئ مع شیئ مساویا لشیئ نفسه فیتساوی الکل والجزء بل کل الکل وجزء الجز کما لایخفی وبه تبین **وجه ثالث** وهو ان الصفر مع اثنین مثلا لیس مجموع شیئین بل الشیئ وحده ومعنی جمع الصفر مع عدد ان لم یجمع معه شیئ فلیس الواحد نصف مجموع حاشیتیه بل نصف حاشیة واحدة **واما رابعا** فلانه لوسوغ کون العدم حاشیة لکان العدم المضاف الی شیئ معین مثل ا و ۲ وغیرهما اولی بذلك فکان الصفر ایضا عدد الان احدی حاشیتیه واحد والاخری-ا ومجموعهما صفر نصفه صفر وکونه مثل المجموع لاینفی کونه نصفه لانه معتبر فی الحساب قطعا الاتری ان نصف

وہاں کوئی ایسی شیئ موجود ہے جس کا نام صفر ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں بالکل کوئی شیئ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صفر کو کسی عدد سے گھٹائیں یا اس کے ساتھ ملائیں کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ تونے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ شیئ ہو تو اس کا ایک شیئ ہونا سوائے دوسری شیئ کے اور کسی شیئ کے ساتھ اس طرح شیئ ہونا کہ وہ شیئ خود اس کے مساوی ہوجائے محال ہوگا کیونکہ اس طرح تو کل جزء کے بلکہ کل کا کل جزء کے جزء کے برابر ہوجائے گا جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اسی سے **وجہ سوم** واضح ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ صفر کا دو کے ساتھ اکٹھا ہونا دو چیزوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔ صفر کے عدد کے ساتھ جمع ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس عدد کے ساتھ کوئی شیئ جمع نہیں ہوئی تو اس طرح واحد اپنی دونوں طرفوں کا نصف نہ ہوا بلکہ ایک طرف کا نصف ہوا۔ **وجہ چہارم** اس لئے کہ اگر عدد کو عدد کا حاشیہ (طرف) قرار دے دیا جائے تو کسی معین شیئ کی طرف مضاف ہونے والا عدم بدرجہ اولٰی طرف قرار پائے گا جیسے ا اور ۲ وغیرہ تو اس طرح صفر بھی عدد بن جائے گی کیونکہ اس کے ایک طرف واحد اور دوسری طرف ا (ایک) ہے جن کا مجموعہ صفر ہے اور اس کا نصف بھی صفر ہے۔ اس کا مجموعے کی مثل ہونا اس کے نصف ہونے کی نفی نہیں کرتا کیونکہ حساب میں یہ قطعی طور پر معتبر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ۲۰ کا

۲۰ = ۱۰ ویکفی لصدق المحدود صدق الحد وان صدق علیه ماسواه ایضا وعددیة الصفر باطلة ببداهة العقل لان العدد شیئ والصفر لاشیئ، **واما خامسا** لوتنزلنا عن هذا کله وسلمنا ان الصفر ایضا عدد لعاد التدقیق علٰی مقصوده بالنقض فان المراد نفی القسمة وارجاع الکل الی التوافق والآن یستحیل ذٰلك لان الصفر کلما قیس مع واحد اوشیئ من الاعداد لم یمکن ان یعدهما ثالث فان الصفرلا یعده الا الصفر والصفرلایعد الا الصفر فالصفر وکل عدد سواه متباینان وکل باقیین فیما بینهما متوافقان فوجب التقسم وذهب الانکار ولزم الوقوع فیما عنه الفرار هذا، وقولك اما ان یعدهما واحد فمتبائنان اوعدد مثلهما فمتماثلان ماتقول فی واحد مع واحد أهمامتبائنان ومتماثلان معا بل قل ان عدهما	نصف ۱۰ ہے، محدود کے صدق کے لئے حد کا صادق آنا کافی ہے اگرچہ اس پر حد کا غیر بھی صادق آتا ہو اور صفر کا عدد ہونا بداہت عقل کے ساتھ باطل ہے کیونکہ عدد شیئ ہے اور صفر کوئی شیئ نہیں ہے۔ **وجہ پنجم** اگر ہم اس سب کچھ سے نیچے اتر کر مان لیں کہ صفر بھی عدد ہے تو تدقیق اپنے مقصود پر بطور نقض وارد ہوگی کیونکہ تدقیق سے مقصود تو تقسیم کی نفی اور سب کو توافق کی طرف لوٹانا تھا جو اس صورت میں محال ہوجائے گا اس لئے کہ صفر کو جب واحد یا کسی عدد کے ساتھ ملایا جائے تو ممکن نہیں کہ کوئی تیسرا ان دونوں کو فنا کردے، کیونکہ صفر کو صرف صفر ہی فنا کرتی ہے اور صفر صرف صفر کو ہی فنا کرتی ہے لہٰذا صفر اور ہر وہ عدد جو صفر کے ماسوا ہے متبائنین ہوں گے۔ ان کے علاوہ ہر دو عدد آپس میں متوافقین ہوں گے تو اس طرح تقسیم کا انکار گیا اور تقسیم ضروری ہوگئی اور اسی میں گرنا لازم آیا جس سے فرار اختیار کیا تھا۔ اس کو یاد کرلو۔ اور تمہارا یہ کہنا کہ ان دونوں عددوں کو یا تو واحد فنا کرے گا تو وہ متبائنین ہوں گے یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو وہ متماثلین ہوں گے تو واحد اور واحد جمع ہونے کی صورت میں تو کیا کہے گا، کیا وہ دونوں بیک وقت متبائنین اور متماثلین ہوں گے؟

مثلهما فتماثل او مثل احدهما فتداخل اولاولا فان كان العادفوق الواحد فتوافق اوواحد فتبائن وهذا هو معنى التربيع الذی ذكرت سابقا واما ماذكرت انت قبل هذا فی كتاب منك وسألت عن صحته ان العددين ان كان احدهما هو الآخر بعينه فتماثل والا فينقص الاصغر من الاكبر مرة اومرارا من جانب او جانبين فان انتهى الى التماثل فتداخل او الى واحد فتبائن والا فتوافق ففيه ان النهاية فی التداخل الى النفاد لاالى بقاء مثل الاصغر فليس ان اربعة تسقط من عشرين اربع مرات فتبقى اربعة مماثلة للاصغر بل تسقط خمس مرات فلايبقى شيئ وذلك لانه يتعرف بالتقسيم واذا قسمنا عشرين على اربعة حصل خمسة ومابقى شيئ لاانه يحصل اربعة وتبقى اربعة بل النهاية فی الكل

بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عددوں کو وہ عدد فنا کرے جو ان دونوں کی مثل ہے تو تماثل ہے اور اگر ان میں سے ایک کی مثل ہے توتداخل، اور اگر ایسا نہیں یعنی نہ تو وہ دونوں کی مثل ہے اور نہ ان میں سے ایک کی مثل ہے تو پھر اگر فنا کرنے والا عدد ایک سے اوپر ہے تو توافق، اور اگر ایک تو تباین ہوگا۔ یہ معنی ہے چار قسمیں بنانے کا جس کا آپ پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ رہا وہ جس کا ذکر آپ نے اس سے پہلے اپنے خط میں کیا اور اس کے صحیح ہونے کے بارے میں سوال کیا کہ دو عددوں میں سے ایک اگر بعینہ دوسرا ہو تو تماثل، ورنہ اگر چھوٹے عدد کو بڑے سے ایک یا کئی بار کم کرنے سے وہ تماثل تک پہنچ جائے تو تداخل، اور اگر ایک تک پہنچ جائے تو تباین، ورنہ توافق ہے۔ اس میں یہ اعتراض ہے کہ تداخل میں انتہا ختم ہونے پر ہے نہ کہ چھوٹے عدد کی مثل باقی رہنے پر۔ ایسا نہیں ہے کہ چار کو بیس میں سے چار مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو چار باقی بچے جو چھوٹے عدد کی مثل ہے بلکہ چار کو بیس میں سے پانچ مرتبہ ساقط کیا جائے گا تو اس طرح کچھ بھی باقی نہیں بچے گا کیونکہ یہی تقسیم کی پہچان ہے۔ جب ہم بیس کو چار پر تقسیم کریں تو پانچ حاصل ہوگا اور باقی کچھ نہیں بچے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ چار حاصل ہو اور چار باقی بچے بلکہ کل میں

الی النفاد الاتری انك ذکرت فی الکل العد وما العد الا الانفاد فنسقط ثلثة من خمسة یبقی اثنان فنسقطهما من ثلثة یبقی واحد نسقطه من اثنین لا یبقی شیئ وهنالك یتحقق العدوان ترك العمل بعد خروج الواحد للعلم بانه یعد کل شیئ بل قل ان تساویا فتماثل والا فینقص الاصغر من الاکبر فان افناه فتداخل والایسقط الباقی من الاصغر فان بقی فالباقی من الباقی وهکذا الی ان یحصل النفاد فان کان بواحد فتباین اوبعدد فتوافق ثم لیس حاصله الا ماقدمت فی التربیع اما ذکر الاسقاطات فبطریق استخراج النسبة الصق۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔	انتہا اس کے ختم ہونے پر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ آپ نے کل میں عدّ کو ذکر کیا ہے اور عدّ نہیں ہے مگر ختم کرنا۔ چنانچہ ہم تین کو پانچ سے ساقط کریں گے باقی دو بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے باقی ایک بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے تو باقی کچھ نہیں بچے گا تو وہاں پر عدّ (ختم کرنا) متحقق ہوگا۔ اگرچہ ایک کے نکلنے کے بعد عمل کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک ہر شیئ کو ختم کردیتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عدد باہم مساوی ہیں تو تماثل ہے ورنہ چھوٹے کو بڑے سے کم کیا جائے گا اگر چھوٹا بڑے کو فنا کردے تو تداخل اور اگر فنا نہ کرے تو باقی کو چھوٹے عدد سے کم کیا جائے گا پھر اگر کچھ باقی بچا تو اس کو باقی سے کم کریں گے اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک ختم ہونا حاصل ہوجائے۔ اگر ختم ہونا واحد سے حاصل ہوا تو تباین اور اگر کسی عدد سے حاصل ہوا تو افق ہے۔ پھر اس کا حاصل نہیں مگر وہی جو میں چار قسمیں بناتے ہوئے ذکر کرچکا ہوں۔ رہا اسقاطات کا ذکر تو اس کو نسبت کے استخراج کے طور پر ملحق کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۸/ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

جب زید کی بی بی کا انتقال ہوا تو اس کے زیور یعنی جہیز میں سے اس کی تجہیز و تکفین کی اس واسطے کہ زید خود دست نگر دوسرے کا ہے صرفہ میت اور فاتحہ وغیرہ کا اس کے جہیز سے کیا گیا، اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس کے جہیز واپس کرنے میں یہ صرفہ مجرا ہو یا نہیں؟

الجواب:

فاتحہ کا صرف اصلاً مجرا نہ ہوگا وہ ایک ثواب کی بات ہے جو کرے گا اس کے ذمہ ہوگا

اور عورت کا کفن دفن شوہر پر واجب ہے اسے عورت کے ترکہ سے نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

الفتوی علٰی وجوب کفنھا علیه وان ترکت مالا[1]۔	فتوی اس پر ہے کہ عورت کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ مال چھوڑ کر فوت ہوئی ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواجب علیه تکفینھا وتجھیزھا الشرعیان من کفن السنة اوالکفایة وحنوط واجرة غسل وحمل و دفن[2] الخ۔	شوہر پر بیوی کی شرعی تجہیز وتکفین واجب ہے چاہے کفن سنت ہو یا کفن کفایت۔خوشبو، غسل کی اجرت، جنازہ اٹھانے کی اجرت اور دفن کی اجرت بھی شوہر پر واجب ہے الخ(ت)

تو یہ جس قدر شوہر نے صرف کیا ہے سب شوہر پر پڑے گا، نصف جہیز تمام وکمال اسے واپس کردینا ہوگا۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۶: ۱۰/ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں، زید نے عمرو کے پاس انتقال کیا اور عمرو ہی زید کا کھاتا یا زید کو کھلاتا رہا، اب زید نے انتقال کیا تو زید کے مال کو زید کے وارث پائیں گے یا عمرو کو دلایا جائے گا؟

الجواب:

عمرو کے پاس رہنے یا انتقال کرنے یا زید کا کھانے یا زید کو کھلانے سے نہ عمرو زید کا وارث ہوگیا نہ زید کے وارث اس کے مال سے محروم ہوگئے،

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقه[3]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔(ت)

ہاں اگر زید عمرو کا کھایا کرتا ہو اور حسب قرارداد وہ کھانا اسے بطور قرض دیتا ہو تو زید اس مقدار

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۱

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[3] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

میں عمرو کامدیون ہوگااورادائے دین تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پہلے وہ اور جواور دین ہو ادا کرکے باقی میں میراث جاری ہوگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بلاوجہ شرعی زید کی جائداد پر قابض ہو جائے اسے اپنے دین کامطالبہ پہنچتا ہے اگر واقع میں دین ہو اور اگر عمرو اس کے پاس یا بطور مہمان غرض قرضًا کھلانے کاقرار دادنہ تھا تو عمرو ایک حبہ کامطالبہ نہیں کرسکتا اور جائداد سے وارثان شرعی کو محروم کرنا ظلم وغصب ہے والظلم ظلمات یوم القیٰمۃ[1] (اور ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث بنے گا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷: ازکانپور چوک صرافہ بردکان محمد عمر محمد قمر سوداگر مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۹صفر ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ خاندان طوائف میں جولڑکے کے نکاح پر بیوی اس کو اس کی والدہ اور والد اور ماموں وغیرہ کاحق متروکہ میں ملے گا یا خالد کی لڑکی کے لڑکے کو بوجہ کمائی پیشہ طوائفی کے حق ملے گا خلاصہ یہ کہ خاندان طوائف میں نکاح کرنے سے حق زائل ہوجاتا ہے یا شرع شریف کے مطابق حق ملتاہے بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

نکاح کرنے سے حق زائل نہیں ہوتا ہے خصوصًا اس فرقہ کانکاح کہ وہ توگناہ عظیم سے توبہ ہے مگر طوائف کے لئے بے نکاحی اولاد صرف اپنی ماں اورمادری رشتہ والوں کاحصہ پائیں گے شرعًا اس کے لئے کوئی باپ نہیں کہ اس سے یا پدری رشتہ والوں سے حصہ پائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: ازاحمد آباد گجرات مرسلہ مولوی علاؤالدین صاحب زید مجدہ ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

اس ملک گجرات میں ایک قوم ہے جو میمن وبورے کرکے مشہور ہیں ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال متروکہ سے اپنی لڑکی کو محروم رکھتے ہیں اور جس قدر مال واسباب ہوتا ہے وہ کل لڑکوں کاحصہ مقرر کرکے جاتے ہیں بلکہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں، اور سرکاری دفتروں میں دستخط

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب الظلم ظلمات اوریوم القیٰمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

کرچکے ہیں کہ ہم ہنود لوگوں کے طریق میراث تقسیم کرنے میں راضی ہیں اسلام وشریعت کے موافق راضی نہیں ہیں وہ لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے ہیں کل مال لڑکے کو دیتے ہیں اور وہ لوگ مسلمان ہیں حج وزکوۃ ونماز وروزہ ودیگر کل احکام کو حق جانتے ہیں اور مانتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی کافرمان ہے: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرمن میراثہ وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ[2]۔	جو اپنے وارث کو میراث پہنچنے سے بھاگے گا اللہ تعالٰی جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے گا۔

اور جنہوں نے یہ لفظ کہے یا لکھے ہیں کہ وہ رسم ہنود پر راضی ہیں اور حکم شریعت پر راضی نہیں ہوہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ غمز العیون والبصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا قرار دیا اسکی تکفیر پر مشائخ کا اتفاق ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹: مسئولہ محمد عبدالحلیم خان صاحب مدرس و مہتمم مدرسہ انجمن ظفر الاسلام ضلع بھنڈارہ ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی نے اپنی دختر کا نکاح مع کل لوازمات شادی کے کرادیا، بعد چند عرصہ کے داماد شخص مذکور کا فوت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن ابن ماجۃ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

ہوگیا دختر نے اپنا نکاح ثانی کا ارادہ غیر کفو سے کرنے کا کیا، باپ نے دختر مذکور کو کہا کہ میں تمہارا نکاح ثانی کسی عمدہ جگہ کفو میں کرادیتا ہوں مگر دختر مذکور نے نہیں سنا اور نکاح ثانی غیر کفو میں کرلیا۔ باپ نے ناراض ہو کر لڑکی کو عاق کردیا او کہا کہ اب تجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا، کیونکہ تم نے غیر کفو میں اپنا نکاح بغیر میری اجازت کے کیا اور تحریر کردیا کہ بعد میرے مرنے کے لڑکی کو میرے مال سے کوئی حق نہ دیا جائے اس کا جو حق تھا وہ میں نے شادی کرکے ادا کردیا ہے، اب بعد مرنے کے شخص مذکور کی دختر مذکور کو مع دیگر ورثاء کے حق ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

اولاد کا عاق ہونا یہ ہے کہ ماں باپ کی ناحق نافرمانی کریں یا انہیں ایذادیں ماں باپ کے عاق کرنے سے کوئی اثر نہیں پیدا ہوتا عوام کے خیال میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کو طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے یونہی اولاد عاق کئے سے اولاد ہونے سے خارج ہوجاتی ہے یہ محض غلط ہے، نہ اس کے سبب اولاد ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں لڑکی نے باپ کی نافرمانی کی اس سے وہ گنہگار ہوئی، پھر اگر غیر کفو کے معنی یہ ہیں کہ جس سے نکاح ہوا وہ مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے باپ کے لئے باعث ننگ وعار ہو تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں محض باطل ہے اگر قربت ہوگی زنا ہوگی ان دونوں مردوعورت پر فوراً جدا ہوجانا لازم ہے بایں ہمہ لڑکی ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔

قال اللہ تعالٰی "یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ" [1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۰: ۵/ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ مسئولہ حکیم ضمیر احمد صاحب از شاہجہانپور محلّہ متالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کی اور کچھ جائداد چھوڑی، زید کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، زید نے اپنی زوجہ کا مہر بھی نہیں ادا کیا اور

[1] القرآن الکریم ۴/۱۱

نہ اس بارہ میں کوئی وصیت کی، بعد انتقال زید کے اس کی زوجہ ۳۶ سال سے اس کی ملکیت پر قابض ہے، تو اب یہ اس ملک میں بیع وہبہ وغیرہ کا پورا تصرف اپنی مرضی کے موافق کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد انتقال اس زوجہ زید کے اس کی ملکیت کے وارث اور مالک زید کے رشتہ دار ہوں گے یا زوجہ کے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

مسئلہ بہت کثیر الشقوق والمباحث ہے بقیہ ورثہ کی رضا سے کل متروکہ پر بعوض مہر قابض ہوئی، اور وہ سب عاقل بالغ تھے جب تو بالاتفاق وہ کل متروکہ کی مالک ہوگئی اور اگر بے ان کی اجازت کے ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ مہر مقدار جائداد سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے تو بے ان کی رضا کے زر مہر کے عوض جائداد بطور خود لے لینا اصل مذہب میں جائز نہ ہوگا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا، اور اگر ان میں بعض نابالغ ہیں تو ان کی اجازت بھی کافی نہ ہوگی، اور اگر مہر برابر یا زائد ہے تو اگرچہ ورثہ کے لئے جائداد میں ملک نہیں مگر ان کو حق استخلاص حاصل ہے **کما نص علیه فی جامع الفصولین والاصباح وغیرھا** (جیسا کہ جامع الفصولین اور اصباح وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور اب وہ مسئلہ وارد ہوگا کہ غیر جنس سے استیفائے حق مثلاً روپے کے عوض اور مال کہ اس سے زائد کی حیثیت کا نہ ہو لے لینا جائز ہے یا نہیں، ہمارا مذہب عدم جواز ہے اور اب بوجہ فساد زمان متاخرین نے جواز پر فتوٰی دیا **کما ذکرہ فی ردالمحتار** (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت) پھر یہ بحث پیش آئے گی کہ جائداد سے استیفائے مہر عورت کو مطلقاً جائز ہے اگرچہ وہ میت کی وصی ہو **کما فی الخانیۃ** (جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ت) مگر ان سب مباحث سے قطع نظر کرکے جب چھتیس سال گزرگئے اور کوئی مدعی نہ ہوا اور وہ تصرفات مالکانہ رکھتی ہے اور ورثاء دیکھا کئے اور معترض نہ ہوئے تو اسی پر حمل کیا جائے گا کہ عورت بروجہ صحیح مالک کل جائداد ہے **کما بینه فی مواضع کثیرۃ من عقود الدریۃ وفصلناہ فی فتاوانا** (جیسا کہ عقود الدریہ کے متعدد مقامات پر اس کو ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) لہٰذا بعد موت زن وراثت صرف ورثہ زن کو پہنچے گی نہ کہ ورثہ زید کو۔

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: مرسلہ احمد خان صاحب صابری قادری از تلونڈی رائے ڈاک خانہ خاص ضلع لدھیانہ ملک پنجاب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک شخص ایک متوفی کو چھٹی پشت پر ملتاہے اور متوفی اولاد نرینہ نہیں رکھتا ہے صرف اولاد دختری ہے اور وہ شخص جو کہ متوفی کو چھٹی پشت پر ملتاہے اپنے حق کو حق دختری پر فائق بیان کرتا ہے، آیا وہ شخص غاصب ہے یا کہ نہیں اور امامت کے لائق ہے؟ دوسرے اس کے گھر کا خورد ونوش کیسا ہے؟ یہ شخص رشید احمد گنگوہی کا مرید اور ہمارے گاؤں میں گروہ وہابیہ کذابیہ کا سرغنہ ہے یوں تو نام کو مولوی کہلاتا ہے لیکن مولوی تو درکنار اس میں جاہلوں سے بھی بڑھ کر برے اوصاف ظہور میں آتے ہیں جو کہ ایک کافر وفاسق میں بھی نہیں پائے جاتے۔

الجواب:

جو صرف اولاد دختری رکھتا ہو اس کے بعد اس کی اولاد ذکور میں جو مرد کتنے ہی فاصلہ پر جاکے ملتا ہو وہ اس کا عصبہ ہے کہ اصحاب فرائض سے جو باقی بچے اس کا مستحق ہے جبکہ اس سے قریب تر دوسرا عصبہ موجود نہ ہو تو یہ شخص کہ مورث سے چھٹی پشت میں ملتاہے ضرور اس کا وارث اور باقی بعد الفروض کا مستحق ہوتا ہے جبکہ صالح وراثت ہوتا اور اس سے اقرب اور عصبہ نہ ہوتا اس حالت میں اس کا دعوی استحقاق باطل نہ ہوتا اگرچہ اپنا حق حق بنات پر فائق کہنا بہرحال غلط تھا کہ عصبہ کا حق اہل فرائض کے برابر بھی نہیں بلکہ متأخر ہے۔

لانہ لیس لہ الا ما ابقتہ اصحاب الفرائض حتی لولم یبق شیئًا لم یکن لہ شیئ۔	کیونکہ عصبہ کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا جو اصحاب فرائض سے باقی بچا ہو یہاں تک کہ اگر کچھ باقی نہ بچا تو اس کے لئے کوئی شیئ نہیں ہوگی۔ (ت)

یہ غلطی ایسی نہ تھی جس کے سبب وہ قابل امامت نہ رہتا یا غاصب ٹھہرتا یا اس کے گھر کا خورد ونوش ممنوع ہوتا لیکن یہ سب اس صورت میں تھا کہ وہ مسلمان ہوتا، طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کا فتوی ہے کہ وہ کفار مرتدین ہیں اور اسی میں شفائے امام قاضی عیاض وبزازیہ ومجمع الانہر ودرمختار وغیرہا کتب معتمدہ کے حوالہ سے فرمایا ہے:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر [1]۔	جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا کافر ہوگیا۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

جو شخص گنگوہی اور اس کے مثال کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے نہ کہ جو اس کا مرید اور اس کے گروہ کا سرغنہ ہو ایسے مرید کے پیچھے کے نطفے ضرور اوپر ہو جائیں گے اور مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا اور اس کی امامت کے کیا معنی، جو اس کی اس حالت پر آگاہ ہو کر اسے قابل امامت جانے گا اس کی نماز درکنا ایمان بھی نہ رہے گا لان من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر [1] (اس لئے کہ جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ت) اور ایسے سے میل جول اور اختلاط بلاشبہہ حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" [2]۔ وقال اللہ تعالٰی "وَ اِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی۔ (ت) اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دادا کے سامنے سب بہن بھائی بالکل محروم ہیں اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما سگے سوتیلے بہن بھائیوں کو دادا کے ساتھ ترکہ دلاتے ہیں، شریفیہ میں فرمایا: مفتی کو اختیار ہے جیسا موقع دیکھے فتوٰی دے۔ اس "موقع" کی کیا صورت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

مفتٰی بہ امام ہی کا قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتی اسی پر فتوٰی دے، متون نے قول امام ہی اخذ کیا اور عامہ ائمہ فتوٰی نے اسی پر فتوٰی دیا صرف مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے قول صاحبین پر فتوٰی منقول ہوا اور زاہدی نے مجتبٰی میں کہ تصنیف ومصنف دونوں نامعتبر ہیں اور مصنف سراجیہ نے اپنی شرح میں اس کا اتباع کیا تو فتوٰی احق واقعی قول امام ہی پر ہے۔ صاحب شریفیہ نے بیان لحاظ موقع نہ لکھا نہ اور کسی معتمد کے کلام سے یہاں ایسا خیال میں ہے کہ مفتی جیسا موقع دیکھے

---

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳، الدالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۳۵۶/۱

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۳

[3] القرآن الکریم ۶۸/۶

فتوٰی دے بلکہ صاحب شریفیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اس پر بنائے کار کی ہے کہ جب امام ایک طرف اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے جس طرف چاہے فتوٰی دے مگر تحقیق یہ کہ یہ صرف اس مفتی کے لئے ہے کہ منصب اجتہاد رکھتا ہو، مفتی مقلد پر لازم ہے کہ ہمیشہ قول امام پر فتوٰی دے مگر یہ کہ ائمہ فتوٰی نے اس کے خلاف پر اختلاف کیا ہو،

کمافی البحر الرائق [1] وتنویر الابصار والفتاوی الخیریۃ و الدرالمختار وغیرھامن معتمدات الاسفار۔	جیسا کہ البحرالرائق، تنویرالابصار، فتاوٰی خیریہ اور درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔(ت)

تو یہاں موقع کی بحث ہی فضول ہے نہ یہاں اختلاف موقع کی کوئی وجہ چنداں معقول ہے ہاں کہہ سکتے ہیں **اوّلاً** اگر دادا مفلس اور بھائی غنی ہوں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثانیاً: بھائیوں میں کوئی فاسق و مسرف ہو کہ اسے مال دینا فسق پر اعانت کرنا ہے اور دادا صالح تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس تو مقاسمہ۔

ثالثاً: اگر دادا اپنا حصہ لے کر امور خیر واشاعت علم دین میں وقف کر دینا چاہتا ہے نہ بھائی تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع دین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

رابعاً: جد جواد و سخی ہے اور اس کا مال اکثر امور خیر میں صرف ہوتا ہے اور بھائی ایسے نہیں تو قول امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع مساکین مسلمین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ مگر ان میں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ مذہب مفتٰی بہ سے عدول چاہے عمل ہمیشہ اسی پر ہے جو مفتٰی بہ ہو۔ واللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کسی وارث کے کان لم یکن (کالعدم) کرنے کی مثالیں ارشاد ہوں جن سے اس کے مواقع پر روشنی پڑے۔ بیّنوا توجروا۔

---

[1] البحرالرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۷۰۔ ۲۶۹، الفتاوی الخیریۃ کتاب الشہادات دارالمعرفۃ بیروت ۲ /۳۳، الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۱۴

الجواب:

پہلی مثال: زید تین بھائی حقیقی یا تینوں علاتی چھوڑ کر مر گیا پھر ان میں ایک بھائی نے قبل تقسیم ترکہ یہ ہی دو بھائی اپنے وارث چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں اس میت دوم کو کان لم یکن (کالعدم) کرکے مسئلہ صرف دو سے تقسیم کردیں گے اس شکل پر:

مسئلہ ۲ زید

اخ	اخ	اخ
عمرو	بکر	خالد
کان لم یکن (کالعدم)	۱	۱

دوسری مثال: ایک شخص مرا اور ماں اور زوجہ اور بیٹا چھوڑے اور تقسیم ترکہ سے پہلے زوجہ مرجائے پھر اس کا وارث یہی بیٹا رہے تو زوجہ کو کان لم تکن (کالعدم) کردیں گے اس طرح:

مسئلہ ۶

زوجہ	ام	ابن
کان لم تکن (کالعدم)	۱	۵

تیسری مثال: اسی صورت میں اگر ماں قبل تقسیم ترکہ مرجائے تو وہ کان لم تکن (کالعدم) ہوگی اس طرح:

مسئلہ ۸

زوجہ	ام	ابن
۱	کان لم تکن (کالعدم)	۷

چوتھی مثال: مسئلہ ۴

زوجہ	ام	اخ متوفی
۱	۳	

اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک زوجہ اور ماں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کیا پھر قبل تقسیم ترکہ اس بھائی نے انتقال کیا اور اس کے وارث یہی ماں رہی تو ازانجا کہ اس کی موت وحیات سے صورت تقسیم نہیں بدلتی کہ حی مان کر دوسرا بطن قائم کریں جب بھی حاصل وہی ہوگا

کہ زوجہ کو ربع اور باقی ماں کو، سدس پہلی میت سے اور باقی دوسری میت سے، اور دوسرے سے کان لم یکن (کالعدم) مانیں جب بھی حاصل یہی ہوگا اس لئے کہ زوجہ اہل رَد سے نہیں اس کا حصہ ربع سے نہ بڑھے گا اور باقی ماں ہی کو ملے گا للذا کان لم یکن (کالعدم) ہی کرنا اولٰی ہوا۔

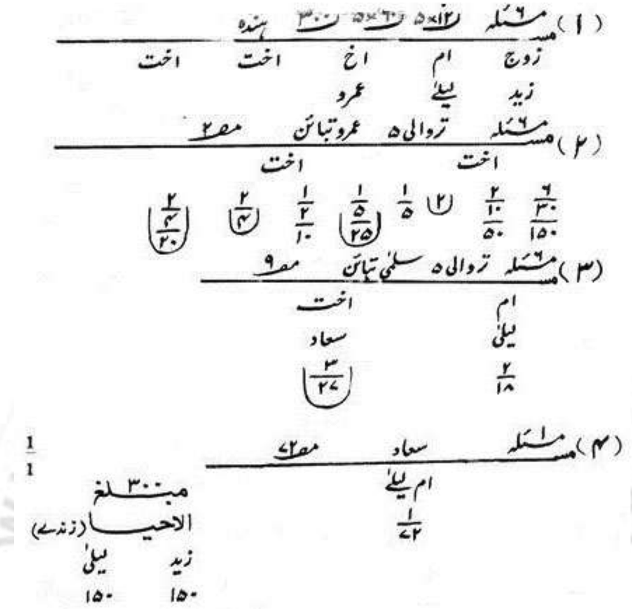

اس کی صورت یہ ہے کہ اول ہندہ نے شوہر زید اور ماں لیلٰی اور ایک بھائی حقیقی عمرو اور دو بہنیں حقیقی سلمٰی، سعاد چھوڑ کر وفات پائی پھر عمرو مرا اور اس کے ورثہ یہی ماں اور دونوں بہنیں رہیں پھر سلمٰی مری اور اس کے وارث یہی ماں اور بہن ہوئی پھر سعاد مری اور اس کی وارث صرف ماں رہی، اب اگر اس طریقہ پر مناسخہ کرتے جو لوگوں میں رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی:

اس میں کس قدر تطویل ہوئی اور وہ ہی ہوا کہ نصف زوج نصف ماں کا، لہٰذا اول ہی سے بھائی بہنوں تینوں کو کان لم یکن (کالعد) کردینا چاہیے، ہمارے اس بیان سے واضح ہوا کہ عام کتابوں میں جو کان لم یکن (کالعدم) کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ جو وارث مرا اس کے سب ماورا اس کے وارث ہوں یہ قید ہرگز لازم نہیں اور بعض کتابوں میں جو یہ شرط کی کہ وہ ورثہ سب ایک جنس کے ہوں یہ بھی غلط ہے اس کی بھی حاجت نہیں صرف دو باتیں درکار ہیں ایک یہ کہ وارث کا وارث وارثان مورث کے سوا اور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تقسیم بدلے نہیں بلکہ حقیقۃً صرف یہی شرط ہے پہلی شرط بھی ہر جگہ لازم نہیں مثلاً مثال ثالث میں ام مری اور اپنی ایک بنت اور وارث چھوڑے کہ وہ ورثہ مورث اول کے سوا ہیں لیکن پھر یہ بنت مری اور ابن الاخ مذکور کے سوا وارث نہ چھوڑا تو حاصل وہی ہوا کہ ثمن زوجہ کے بعد باقی سب ابن کا۔ مناسخہ یوں ہوگا:

مسئلہ ۲۴ زید

زوجہ	ام	ابن
سعیدہ	حمیدہ	عمرو
۳	(۴)	۱۷

مسئلہ ۲ حمیدہ مص ۴

بنت	ابن الابن
رشیدہ	عمرو
(۱/۲)	(۱/۲)

مسئلہ ۱ رشیدہ مص ۲

ابن الاخ
عمرو
۱/۲

مبلغ ۲۴ الاحیاء (زندے)

سعیدہ	عمرو
۳	۲۱

مبلغ ۸ الاختصار

سعیدہ	عمرو
۱	۷

مآل وہی رہا یہاں اُم کو کان لم یکن (کالعدم) یوں لکھا جائے گا:

I.T. Majlis of DawateIslami

مسئلہ ۸   زید

زوجہ سعیدہ	ام حمیدہ کان لم تکن لانھا خلفت ابن ابنھا عمر اوبنتا ماتت فلم تخلف الا ابن اخیھا عمر (وہ کالعدم ہے کیونکہ اس نے ایک پوتا عمر چھوڑا اور ایک بیٹی چھوڑی جو مرگئی اور سوائے ایک بھتیجے عمرو کے کوئی وارث نہیں چھوڑا)	ابن عمرو
۱		۷

۱

یہ تمام بیان ہمارے فتاوٰی میں مشرح ہے اور اس میں صور کان لم یکن (کالعدم کی صورتوں) میں عجیب عجیب تصرفات بدیعہ ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گے ازانجملہ ایک صورت تشحیذ اذہان فرائض دانان کے لئے لکھتے ہیں ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ کو سوال آیا تھا کہ محمد یار نے ایک زوجہ حافظ جان اور پانچ بیٹے نیاز علی، محمد علی، کلن، محمد حسین، امیر علی اور چار بیٹیاں احمدی، بی جان، بنی جان، حسین وارث چھوڑے، پھر حافظ جان مری اور یہی بیٹے بیٹیاں وارث رہے، پھر نیاز علی مرا اور یہی بہن بھائی وارث ہوئے۔ پھر محمد علی نے ایک زوجہ محبوبن اور دو بیٹے وزیر علی، احمد علی چھوڑ کر انتقال کیا جن میں محبوبن مری اور یہی دو بیٹے چھوڑے۔ پھر وزیر علی مرا اور یہی بھائی وارث رہا۔ پھر امیر علی مرا اور باقی دو بھائی اور چاروں بہنیں وارث ہوئیں۔ پھر حسین پھر بنی جان نے انتقال کیا اور یہی بقیہ بہن بھائی وارث چھوڑے۔ پھر احمدی نے شوہر و پسر و دختر محمدی چھوڑ کر انتقال کیا پھر شوہر کے وارث یہی بیٹا بیٹی ہوئے۔ پھر پسر کی وارثہ یہی ہمشیرہ محمدی رہی۔ پھر محمد حسین ایک زوجہ آسودہ اور بیٹا علی حسین اور بیٹیاں بنی، بتولا چھوڑ کر مرگیا۔ پھر بی جان مری اور صرف کلن اس کا وارث ہوا۔ پھر کلن نے زوجہ مونگا اور دو ابن واحد یار و حامد یار اور ایک بنت بسم اللہ چھوڑ کر وفات پائی اس مسئلہ کو جس میں پندرہ میت ہیں صرف پانچ بطن سے تقسیم کیا ہے تصحیح اخیر ۵۷۶ ہے اور بطن اول یوں بانٹا ہے:

مسئلہ ۳۶   محمد یار

ابن محمد علی	ابن کلن	ابن محمد حسین	بنت احمدی
۶	۱۵	۱۰	۵

باقی سب کان لم یکن (کالعدم) فرائض دان حضرات اس پر غور فرما کر بتائیں ورنہ فتاوائے فقیر کی طرف رجوع فرمائیں کہ اس میں اس کی توضیح کر دی ہے۔

مسئلہ ۱۴۴: ۱۰/ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

فرائض میں قوانین وہ رکھے گئے ہیں کہ تقسیم چھوٹے سے چھوٹے عدد ممکن سے ہو ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ باوصف اس کے تصحیح اخیر مناسخہ کبھی پھر قابل اختصار ہو جاتی ہے اگر ہو جاتی ہے تو وہاں خلاصہ عمل کہ آخر مناسخہ میں لکھا جاتا ہے کس طرح تحریر کیا جائے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

ہاں بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ بطون میں تقسیم مسائل جس طرح کی گئی ان سے کمی ناممکن تھی مگر جب زیر مد احیاء ہر ایک کے سہام مقبوضہ جمع کرکے لکھے تو ان میں باہم توافق ہو گیا کہ ہر ایک کو ایک عدد کاٹ سکتا ہے اس عدد کو مابہ التوافق کہتے ہیں اور فرائض میں حتی الامکان عدد اقل ہی لیا جاتا ہے ولہٰذا ہر نسبت میں مقدم علیہ اعظم اور ہر تصحیح میں ذواضعاف اقل کا لحاظ رہتا ہے تو ہر بطن میں کم از کم دو وارثوں کے سہم میں تباین ضرور ہوتا ہے جس کے سبب اختصار ناممکن مگر تباین متباین مل کر بھی متوافق ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مد احیاء کے بعد ایک مد اختصار کھینچے اور اسمائے ورثہ ثبت کرکے ہر ایک کے سہم مکتوب مد احیاء اس مابہ التوافق مشترک پر تقسیم کرکے درج کرے یونہی مبلغ کو اوپر تقسیم کرکے یہ مبلغ دوم بالائے مد اختصار لکھے اور آخر کی معمولی عبارت جو لکھی جاتی ہے کہ جب شرائط فرائض ترکہ فلاں اتنے سہام پر منقسم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بمد احیاء اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے اس میں بجائے سہام مخرج بالا سہام مبلغ دوم تحریر کرے اور مد احیاء کے عوض مد اختصار کا نام لے اس کی مختصر مثال دو ہی بطن میں اختصار کی ضرورت ہو یہ ہے:

(۱) مسئلہ ۲۴ × ۴ = ۹۶ زید

زوجہ حسنیٰ	ام اسماء	بنت شیریں	اخت عینیہ نسرین
۳ / ۱۲	۴ / ۱۶	۱۲ / ۴۸	۵

(۲) مسئلہ ۶ تروالی ۴ نسرین تباین مف ۵

ام	بنت	الاحیاء (زندے) المبلغ ۹۶			
اسماء	یاسمین	حسنی	اسماء	شیریں	یاسمین
۱/۵	۳/۱۵	۱۲	۲۱	۴۸	۱۵

ان کو دیکھا تو تمام اعداد توافق بالثلث رکھتے ہیں لہٰذا مبلغ وسہام سب کو تین پر تقسیم کرکے مد اختصار یوں لکھا:

یہاں نقشہ کی امیج بنانی ہے جلد ۲۶ ص ۳۲۵

حسب شرائط فرائض ترکہ زید کا بتیس سہام ہوکر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بعد اختصار اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

حسب شرائط فرائض ایک مجمل لفظ ہے تفصیل یوں لکھتے ہیں. بر تقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا من ثلث الباقی بعدالدین (قرض کی ادائیگی کے بعد باقی کے تہائی میں سے وصیتوں کو نافذ کرنا۔ت) ترکہ زید کا الخ اور اس کا اختصار یہ ہے. بر تقدیر عدم مانع ارث ووارث آخر وصحت ترتیب اموات وتقدیم مہر ودیون ووصایا ترکہ الخ ذکر تجہیز وتکفین کی اس لئے حاجت نہیں کہ سوال غالبًا بعد تجہیز وتکفین ہوتا ہے تو اس کی تقدیم خود ہولی، اور اگر وہ ترکہ پر قرض لے کر کی گئی ہے تو دیون میں آگئی مہر کا ذکر اس وقت چاہئے جب اصل مورث خواہ مناسخہ میں کسی میت نے زوجہ یا زوجات چھوڑی ہوں جیسا کہ صحت ترتیب کی قید صرف مناسخہ میں ہے نہ کہ بطن واحد میں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۵: از قصبہ بڑاودہ علاقہ ریاست مالوہ جاورہ مسئولہ محمد یٰسین خاں صاحب ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندو تھا اس کے مادر اور ایک زوجہ دو دختران ودو پسران تھے عرصہ چار سال کا ہوا کہ زید مذہب ہندو میں بقضائے الٰہی فوت ہوا وراس کی مادر وزوجہ ودو دختران ودو پسران بقید حیات رہے،

زید کی زوجہ مسلمان ہوگئی اور دو پسران بھی کہ جن کی عمر ۸ و ۴ سال کی ہے ان کو بھی مسلمان کیا اور دو دختران ومادر زید نے اسلام ناقبول کرکے زوجہ زید سے علیحدگی اختیار کی بعد انتقال زید کے زوجہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر قابض ومتصرف رہی اور اب بھی قابض ہے مادر زید نے زوجہ زید کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے عدالت مجاز میں دعوی کیا ہے کہ مال منقولہ وغیر منقولہ اور دونوں پسر میرے سپرد کئے جائیں کیونکہ زوجہ زید مسلمان ہوچکی جب کہ زوجہ زید ودونوں پسران مسلمان ہو کر اسلام قبول کرچکے ہیں تو ایسی حالت میں کیا زوجہ زید شوہر کی جائداد سے محروم ہوسکتی ہے اور دونوں پسران جو اسلام لاچکے ہیں وہ سپرد زید کی مادر جو ہندو ہے ہوسکتے ہیں اور ان پسران کی پرورش کا اب اہل اسلام کو حق ہے یا اہل ہنود کو؟ اور کیا مسلمان ہونے کے بعد ہندو پسران کے حقدار ہوسکتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تقریر سوال سے صراحۃً ظاہر ہے کہ عورت بعد مرگ زید مسلمان ہوئی ہے اس لئے وہ اور اس کی اولاد ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کے بعد مسلمان ہوگئے، درمختار میں ہے:

الکافر یرث بالنسب والسبب کالمسلم [1]۔	کافر مسلمان کی طرح نسب اور سبب کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معلوم انه حین موت مورث لم یکن مسلما فلم یوجد المانع حین استحقاقه الارث وانما وجد بعدہ فکان کمن اسلم بعد موت مورثه الکافر فلم یکن فی الحقیقة ارث مسلم من کافر بل ھو ارث کافر من کافر [2]۔	یہ معلوم ہے کہ وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں تھا تو میراث کا مستحق ہونے کے وقت مانع نہیں پایا گیا بلکہ بعد میں پایا گیا تو گویا وہ اس شخص کی طرح ہوگیا جو کافر مورث کے مرنے کے بعد مسلمان ہوا، تو یہ درحقیقت مسلمان کا کافر کی میراث پانا نہ ہوا بلکہ کافر کا کافر کی میراث پانا ہوا۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی والحرقٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۹

ماں کے مسلمان ہونے دونوں نابالغ بچے مسلمان ہوگئے، ہدایہ ودرمختار وغیرہما میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا[1]۔	بچہ والدین میں سے بہتر دین والے کے تابع ہوتا ہے۔(ت)

زید کی ماں یا کسی ہندو کا ان میں کچھ حق نہیں، قرآن عظیم میں ہے:

"لَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾ "[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور اللہ تعالٰی ہرگز کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہیں دے گا۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی قاری محمد نور صاحب معرفت مولوی فضل حسن صاحب نائب ایڈیٹر دبدبہ سکندری ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مسماۃ ہندہ نے وفات کی، وارثان دو پسر ایک دختر مادر چھوڑی کچھ عرصہ کے بعد ہندہ سے ہندہ کے پسر خورد نے وفات کی، اس نے اپنے وارثان میں زید مذکور اور نانی اور ایک بھائی ایک بہن چھوڑی، بعد گزرنے عرصہ آٹھ سال ہندہ متوفیہ سے ہندہ کی مادر اور ہندہ کے پسر متوفی کی نانی ہوتی تھی وفات پائی اس نے اپنا وارث ایک پسر یعنی عمرو چھوڑا، بعد گزرنے دوسال ہندہ متوفیہ کے زید نے اپنا عقد نکاح ثانی بدین مہر پچیس ہزار ۲۵۰۰۰ روپیہ زبیدہ سے کیا اور اسی قدر مہر زوجہ اولٰی ہندہ متوفیہ تھا عرصہ سہ ماہ کا ہوا کہ زید نے وفات کی، زوجہ ثانیہ زبیدہ اور دو ۲ پسر جو زبیدہ سے ہوئے ہیں چھوڑے، آیا شرعًا ترکہ زید مکان واثاثہ تقریبًا آٹھ سو روپے کی مالیت کا ہے وارثانِ ہندہ متوفیہ و پسر ہندہ متوفی ہر ایک کو حصہ کس قدر پہنچے گا اور زید کے زوجہ ثانی یعنی زبیدہ مع ہر دو پسران کو متروکہ زید دین مہر میں کس قدر پہنچے گا تشریحًا وتفصیلًا ارشاد فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔ فقط

الجواب:

صورت مستفسرہ میں کہ مہر ترکہ سے زائد اور دونوں مہروں کی مقدار مساوی ہے اگر زید پر کوئی اور دین نہ ہو تو کل متروکہ زید دوسو اسّی ۲۸۰ سہم ہو کر حسب شرائط فرائض یوں تقسیم ہو:

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/۱۴۱

مسئلہ ۲۸۰ (دوسو اسی)	زید		
زوجۂ ثانیہ	برادر ہندہ زوجۂ اولٰی	پسر زندہ ہندہ	دختر ہندہ
زبیدہ	عمرو	بکر	لیلٰی
۱۸۰	۳۷	۴۲	۲۱

اور اگر زید پر اور دین بھی ہو تو دین مہر زبیدہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰، اور دین مہر ہندہ تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی (۱۳۸۸۸) روپیہ چودہ آنے ۲۔۳/۳ ۲ پائی، اور دین جو کچھ ہو ان سب پر متروکہ زید کو حصہ رسد تقسیم کریں پھر جو حصہ مہر ہندہ ہو وارثان ہندہ پر اسی طرح سو حصے ہو کر بٹے، ۳۷ برادر اور ۴۲ پسر ۲۱ دختر کو۔ اور بہر حال پسران زبیدہ کہ وارثان ہندہ نہیں اور زبیدہ خود زندہ ہے کچھ نہ پائیں گے۔ یہ مسئلہ وہاں اکثر علمائے زماں کی سمجھ میں سہل آنے کا نہیں اگرچہ ہمارے یہاں سے طریقہ مسلوکہ واضح ہے۔ ذرا غور کو کام فرمائیں جلدی نہ کریں۔ حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: **من استعجل اخطأ**[1] جو جلدی کرتا ہے خطاء میں پڑتا ہے، **والعیاذ باللہ**۔ اور اب بھی سمجھ میں نہ آئے تو فتاوائے فقیر میں اس کا ایضاح ہے اس کی طرف رجوع لائیں **وباللہ التوفیق**۔ **واللہ تعالٰی اعلم**۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ جب ہندہ نے انتقال کیا اس کے وارث شوہر زید اور ماں سلمٰی اور دو پسر بکر و خالد اور ایک دختر لیلٰی ہوئے، ربع کہ حق زید تھا اوپر سے ساقط ہو گیا تو بقیہ کی تقسیم یوں رہی:

بقیہ ۴۵	ہندہ		
ام	ابن	ابن	بنت
لیلٰی	بکر	خالد	لیلٰی
۱۰	۱۴	۱۴	۷

پھر خالد کا انتقال ہوا اس کا سدس اُم الاُم نے پایا اور باقی زید نے تو سہم خالد کے پانچ سدس زید پر سے اور ساقط ہو گئے، ۱۴ کو ۶ سے توافق بثلث تھا لہذا بقیہ کا مسئلہ یوں ہوا:

[1] نوادر الاصول الاصل التاسع والثمانون والمائتان فی تمثیل الحرص الخ دار صادر بیروت ص ۴۲۳، الجامع الصغیر حدیث ۸۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۵۱۲

بقیہ ۱۳۵ ہندہ

سلمیٰ	بکر	خالد	لیلیٰ
۳۰	۴۲	۴۲	۲۱

خالد کے ۴۲ سے ۳۵ بحق زید ساقط ہوئے اور سات سلمیٰ کو گئے جو اس کی موت پر اس کے بیٹے عمرو کو ملے اور حاصل یہ ہوا:

مسئلہ ۱۰۰ ہندہ

عمرو	بکر	لیلیٰ
۳۷	۴۲	۲۱

تو مسئلہ ہندہ کہ ۱۸۰ سے ہو تو ۱۰۰ سے رہ گیا ۱۸۰/۸۰ یعنی چار تسع بحق زید ساقط ہوئے تو پچیس ہزار سے تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی دو آنے ۲۔۳/۲ پائی کا مطالبہ رہا۔ قنیہ میں ہے:

قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتين واخ لاب وام ولامال لها سوى مهر على زوجها مائة دينار ثم مات الزوج ولم يترك الاخمسين دينارا فقلت يقسم بين الابنتين والاخ اتساعا بقدر سهامهم لانه ذكر في كتاب العين والدين اذاكان على بعض الورثة دين من جنس عين التركة يحسب ماعليه من الدين كانه عين ويترك حصته عليه وتترك العين لانصباء غيره من الورثة فحسبنا على الزوج من المهر خمسة وعشرين دينارا كانه عين	ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر فوت ہو گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا خاوند صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین

وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینھم علٰی سھامھم من اصل المسئلۃ وقد افتی بہ کثیر من مفتی زماننا انہ یقسم الخمسون بینھم اثلاثا وانہ غلط فاحش[1] اھ **اقول:** معنی حسبان ماعلیہ عینا وترک حصتہ علیہ ان یجعل کانہ وجد ھذا بسھمہ فیضرج من البین علی رسم التخارج فتصحح المسئلۃ معہ ثم یسقط سھمہ و یقسم الباقی علی الباقی بقدر سھامھم من اصل التصحیح لاان یجعل کأن لم یکن وتصحح المسئلۃ بدونہ کما فعل اولئک وکما غلط مثلہ بعض الکبراء فی مسئلۃ التخارج کماذکرہ فی الدرالمختار وبہ ظھر ان ماسقط منہ لایورث عنہ لان الساقط غیر مملوک و لامتروک فلاموروث الا تری ان لو ورث الربع من الزوج لکانت المسئلۃ	ہے۔مقروض وارث کا حصہ اس قرض پر چھوڑ دیا جائے گا اور عین دیگر وارثوں کے حصوں کے لئے چھوڑ دیا جائے گا چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کرلئے گویا کہ وہ عین ہیں اور بیٹیوں اور بھائی کے حصے کے لئے پچاس دینار باقی بچے تو وہ اصل مسئلہ میں سے ان کے حصوں کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوٰی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بنا کر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ، **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) وارث پر جو قرض ہے اس کو عین شمار کرنے اور مقروض وارث کے حصہ کو اس پر چھوڑنے کا معنٰی یہ ہے کہ اس وارث کے بارے میں یہ فرض کیا جائے گا گویا کہ وہ اپنا حصہ لے کر تخارج کے طریقہ پر درمیان سے نکل گیا۔ لہٰذا مسئلہ کی تصحیح اس وارث سمیت کی جائے گی پھر اس کے حصہ کو تصحیح میں سے ساقط کیا جائے گا اور باقی کو باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا ان حصوں کے مطابق جو ان کو اصل تصحیح میں سے ملے ہیں یوں نہیں ہے کہ اس وارث کو کالعدم قرار دے کر اس کے بغیر مسئلہ کی تصحیح کی جائے جیسا کہ ان مفتیوں نے کیا اور جیسا کہ بعض اکابر نے مسئلہ تخارج میں ایسی ہی غلطی کی ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔اسی سے ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ ساقط ہو جائے اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیونکہ ساقط نہ تو مملوک ہے اور نہ ہی متروک (ترکہ میت) ہے لہٰذا اس کو میراث نہیں بنایا جائے گا۔کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر (صورت مذکورہ میں) خاوند کو چوتھے حصے کا وارث بنایا جاتا

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

من ۲۴ لکل بنت ۱۱ وللاخ ۲ ولیس ھٰکذا بل ھو من ۹ لکل بنت ۴ وللاخ واحد فھذا ھو الفقہ فی المسئلۃ و باللہ التوفیق، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔	تو مسئلہ ۲۴ سے بنتا گیارہ گیارہ ہر بیٹی کو اور دو بھائی ملتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسئلہ نو سے بنا کر چار چار ہر بیٹی کو اور ایک حصہ بھائی کو دیں گے۔ چنانچہ مسئلہ میں یہی فقہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷، ۱۴۸: از قصبہ بہار ضلع بھنڈ ریاست گوالیار مرسلہ قاضی یعقوب علی ۷ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال اوّل: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم امّا بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین کہ

ترکہ سسر میں بموجودگی دیگر ورثاء بلاواسطہ براہ مستقیم داماد کا کیا حق ہے یا نہیں ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

امید کہ جواب سے بغور ملاحظہ بصیغہ بیرنگ مشرف فرمائے۔ والسلام

الجواب:

داماد یا خسر ہونا اصلاً کوئی حق وراثت ثابت نہیں کر سکتا خواہ دیگر ورثاء موجود ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر اور رشتہ ہے تو اس کے ذریعہ سے وراثت ممکن ہے مثلاً داماد بھتیجا ہے خسر چچا ہے تو اس وجہ سے باہم وراثت ممکن ہے ایک شخص مرے اور دو وارث چھوڑے ایک دختر اور ایک بھتیجا کہ وہی اس کا داماد ہے تو داماد بوجہ برادرزادگی نصف مال پائے گا اور اگر اجنبی ہے تو کل مال دختر کو ملے گا داماد کا کچھ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال دوم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

متبنّٰی کرنا اور وارث بنانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

متبنّٰی کرنا اسلام میں کچھ اصل نہیں رکھتا نہ وہ وارث ہو سکے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ	اللہ تعالٰی نے فرمایا: انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم

فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ "[1]۔	نہ ہوں تودین میں تمہارے بھائی ہیں اوربشریت میں تمہارے چچازاد۔(ت)

وارث بنانے کی دوصورتیں ہیں، **ایک** حقیقۃً، وہ یہ کہ مثلاً کوئی نومسلم عاقل بالغ جس کا کوئی وارث نسبی نہیں اپنے مسلمان کرنے والے خواہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تومیرا مولٰی ہے میں مرجاؤں توتو میراوارث ہو اور میں جرم کروں توتو میری طرف سے جرمانہ دے اور وہ قبول کرلے تو یہ قبول کرنے والا اس کا شرعاً وارث ہوجاتاہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہوتو یہ اس کاترکہ پاتاہے۔

دوم حکماً وہ یہ کہ زید کسی کی نسبت اپنے ایسے رشتہ کااقرار کرے جس سے وہ اس مقرکے کسی عزیز کی اولاد قرار پاتا ہو خود اپنی اولاد نہ بتائے مثلاً کہے میرا بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا ہے یا چچاکا بیٹا ہے اور جس سے اس کانسب قرار دیا ہے اس سے نسب ثابت ہوجائے مثلاً بھائی کہااور باپ نے تسلیم کیاکہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، تووہ حقیقی بھائی ہوگیااور یہ مقر اپنے اس اقرار سے کبھی پھرے نہیں تواس صورت میں یہ شخص اس مقرکاترکہ پائے گا جبکہ اس کانہ کوئی رشتہ دار ہو نہ پہلی صورت کا حقیقی وارث بنایاہوا۔ بس یہ دوصورتیں وارث بنانے کی ہیں اور کوئی نہیں۔ **والمسائل مصرح بھافی الکتاب** (اوران مسائل کی کتاب میں تصریح کردی گئی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۴۹تا۱۵۲: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں (زوجہ غلام احمد خاں ساکن بریلی محلّہ قلعہ) نے بسبب لاولد ہونے کے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں ساکن بدایون کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالت شیر خواری بطور اپنے بیٹے کے پرورش کرکے تعلیم وتربیت میں کماحقہ کوشش کی اور شادی بیاہ وغیرہ کے تمام رسومات مثل اولاد خود انجام دیئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کے زوجہ اولٰی سے علی مظفر خاں پیداہوئے، علی مظفر خاں کی ماں کاانتقال ہوگیا جبکہ مولوی یعقوب علی خاں نے دوسری شادی کاقصد کیاتوان کی پھوپھی مسماۃ عائشہ بیگم نے بنظر دوراندیشی اپنی نصف جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ مولوی یعقوب علی خاں خلف غلام احمد خاں) اورنصف جائداد بنام علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں منتقل کردی بموجب اس کے سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہوکر اس جائداد پر قبضہ مالکانہ مولوی یعقوب علی خاں اور

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کا ہوگیا، مولوی یعقوب علی خاں پسر محمد وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں جیسا کہ ان کی پھوپھی نے کہلایا تھا تحریر کرتے تھے مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد ان کی دو بیویاں مسماۃ الطاف بیگم اور مسماۃ نادر النساء اور ایک لڑکا علی مظفر خاں باقی تھے۔ علی مظفر خاں اپنی اور اپنے باپ مولوی یعقوب علی خاں کی تمام جائداد کے مالک و قابض ہوگئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کی ایک بیوی مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا دوسری بیوی مسماۃ نادر النساء موجود ہے۔ علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، علی مظفر خاں نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی مسماۃ حسینی بیگم کا دین مہر ادا کر دیا۔ اب علی مظفر خاں کا انتقال ہوگیا مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں کی موجود ہے۔ مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں نے بحق زوجیت اور نواب عبدالقادر خاں نے بدعوی اس کے کہ نواب غلام احمد خاں میرے دادا کے بھائی تھے جائداد متروکہ علی مظفر خاں کو نصف نصف کرکے آپس میں تقسیم کرلیا اور اپنے اپنے حصوں پر قابض ہوگئے۔

سوال اول: اس صورت میں مولوی یعقوب علی خاں پسر وزیر خاں متصور ہوں گے یا نواب غلام احمد خاں کے اور (الف) لفظ خلف سے کیا مراد ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو مولوی یعقوب علی خاں صاحب وزیر خاں کے پسر ہیں نواب غلام احمد خاں سے کوئی تعلق نہیں، متبنّٰی بنانے کا مسئلہ ہنود کے یہاں ہے شریعت مطہرہ نے اسے باطل فرمادیا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ"[1]۔ وقال اللہ تعالٰی "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کرپکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمہارے مردوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ "[1] وقال تعالٰی "لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْۤ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىٕهِمْ "[2]	میں سے کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیویوں میں۔ (ت)

خلف بمعنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں جبکہ اپنے باپ کے بعد رہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال دوم: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا باپ کہے تو وہی شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:

ہر گز نہیں مگر اس صورت میں کہ یہ شخص مجہول النسب ہو اور بلحاظ عمر اس کا بیٹا ہو سکتا ہو اور اسے اپنا باپ بتائے اور وہ قبول کرے کہ واقعی یہ میرے نطفہ سے ہے تو وہ اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال سوم: متروکہ علی مظفر خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں کے سمجھے جائیں گے یا خاندان نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی کے؟

الجواب:

جب کہ علی مظفر خاں لاولد تھے اور کوئی بھائی بھتیجا بھی نہ تھا توان کے وارث وزیر خاں کے بیٹے پوتے ہوں گے نہ کہ خاندان نواب غلام احمد خاں۔

قال اللہ تعالٰی "وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور رشتے والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

حدیث میں ہے:

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

الحقواالفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	فرائض اہل فرائض کو دو، جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

سوال چہارم: اگر علی مظفر علی خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں سے متصور ہوں توجائداد متروکہ علی مظفر خاں حسب تفصیل مندرجہ شجرہ آپس میں کس طرح تقسیم ہوگی؟ امید کہ جواب باصواب بآیات قرآن وحدیث مرفوعہ موافق مذہب حنفیّہ مع عبارات وحوالہ کتاب صحیح صحیح طور پر صاف صاف لفظوں میں بمصداق آیہ کریمہ:

"وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾" [2]	اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔ (ت)

مرحمت فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

سائل نے نہ لکھا کہ علی مظفر خاں کے بعد ان کے پانچوں چچوں میں کوئی زندہ تھا یا نہیں۔ علی مظفر خاں کے ترکہ سے حسب شرائط فرائض چہارم حسینی بیگم کا ہے باقی حسین علی خاں کا ہے اگر وہ زندہ رہا ہو تو سوتیلے چاروں چچوں میں ایک یا زائد جتنے علی مظفر خاں کے بعد زندہ رہے ہوں وہ باقی ان سب کا بحصہ مساوی ہے اور اگر کوئی زندہ نہ تھا تو باقی ان دسوں چچازاد بھائیوں کا ہے ولایتی بیگم واولاد افراد بیگم کا بہر حال کچھ نہیں۔ اسی طرح باقی آٹھوں دختران اعمام علاتی کچھ نہ پائیں گی۔ یہ سب جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل نے پوری صحیح بات لکھی ہو، حق نہ چھپایا ہو، نہ سچ میں جھوٹ ملایا ہو، ورنہ وبال اس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(شجرہ اگلے صفحہ پر)

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷، صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/ ۳۴ و جامع الترمذی کتاب الفرائض ۲/ ۳۱ مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۴۲

۳۳۶

شجرہ خاندان وزیرخاں ساکن بدایوں

جناب مولوی یعقوب علی خاں کی تین بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے علی مظفر خاں تھے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا، اس لئے مولوی صاحب موصوف نے دوسری شادی بمقام چھاؤنی اشرف خاں بانکے میں مسماۃ الطاف بیگم بنت زور باز خاں کے ساتھ کی، ان سے اولاد نہیں ہوئی اس لئے تیسری شادی مولوی یعقوب علی خاں نے شہر بریلی میں مسماۃ نادر النساء کے ساتھ کی ان سے اولاد ہوئی مگر زندہ نہ رہی۔ مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا۔ تیسری بیوی مسماۃ نادر النساء ہنوز موجود ہے۔

مسئلہ ۱۵۳: ۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

ہندہ نے انتقال کیا اور ایک زوج (جو کہ متوفیہ کا ابن الخال بھی ہے)، ایک بنت العمہ اور ایک بنت الخال کو چھوڑا، اس صورت مسئولہ میں ترکہ متوفیہ کا از روئے فقہ احناف کس طرح تقسیم ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مذکورہ میں ترکہ ہندہ حسب شرائط فرائض اٹھارہ[18] سہام ہو کر گیارہ[11] سہم زوجہ کو **تسعۃ للزوجیۃ واثنان للرحم** (نو[9] بیوی ہونے کی وجہ سے اور دو ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے۔ت) اور ایک[1] بنت الخال اور چھ[6] بنت العمہ کو ملیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۴: از انولہ گھیر انو خاں مرسلہ حاجی اللہ بخش صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے انتقال کیا اور اس قدر وارث چھوڑے: شوہر، ماں، دو[2] بہنیں، ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ اور جو مال کہ ہندہ کے پاس تھا اس میں بعض مال تو ایسا تھا کہ اس کو جہیز میں ملا تھا اور بعض مال اس کو بوقت شادی شوہر کی جانب سے بطور چھڑاوے کے ملا تھا اور بعض مال بعد شادی کے شوہر نے اس کو پہنا دیا تھا اور بعض مال انتظام خانگی سے پس انداز کرکے اس نے جمع کیا تھا اب ان اموال مذکورہ سے کون سا مال ہندہ کی ملکیت میں شرعاً متحقق ہے اور کون سا ہندہ کی ملکیت سے خارج ہے اور در صورت ہندہ کے مابلکہ نہ ہونے کے اس مال کا کون مالک ہے اور ہندہ کی قوم میں رواج ایسا بھی ہے کہ بعد انتقال کے لڑکی والے جہیز اپنا دیا ہوا جو کہ اس وقت موجود ہوتا ہے واپس کرلیتے ہیں اور لڑکے والے اپنا چڑھاوا موجود لے لیتے ہیں بعد معافی دین مہر کے، اور دَین مہر شوہر پر اگر باقی ہے وہ کس کو ملنا چاہئے، اور جس مال کی ہندہ شرعاً مابلکہ ہے اس کی تقسیم وارثوں مذکورہ بالا پر کتنے سہام کے منقسم ہونا چاہئے اور نابالغوں کا

ورثہ باپ کے پاس رہنا چاہئے یانانی کے پاس اولٰی مستحق کون ہے اور بچوں کی پرورش وخدمت کا حق کس کے ذمہ ہے اور میت کی قضانمازوں اور روزوں کا کفارہ کس کے ذمہ ہونا چاہئے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔ ردالمحتار باب النفقہ میں ہے:

کل احدیعلم ان الجھازملك المرأة وانه اذا طلقھا تاخذہ کله واذا ماتت یورث عنھا[1]۔	ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے، جب خاوند اس کو طلاق دے دے تو سارا جہیز لے لیتی ہے اور جب وہ مرجائے توبطور میراث (عورت کے وارثوں میں) تقسیم کیاجاتا ہے۔(ت)

ہندہ کی قوم میں بھی اگر یہی عرف ہے اور بعد موت جہیز موجود کا واپس لینا اس گمان پر ہے کہ لڑکی کو تاحین حیات اس کا مالک کرتے ہیں بعد موت جو باقی رہا اپنی ملک سمجھ کر واپس لیتے ہیں تو یہ سخت غلطی ہے جو چیز تاحین حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مالک مستقل ہوجاتا ہے بعد موت اس کا واپس لینا ممکن وحرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العمری میراث لاھلھا۔ رواہ مسلم[2] عن جابر۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کی میراث ہے جس کو وہ دیاگیاہے۔ اس کو امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیاہے۔(ت)

دوسری روایت میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

العمری لمن وھبت له۔ رواہ عن جابر وابوداؤد[3] و النسائی۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کے لئے ہے جس کو ہبہ کیاگیا۔ اس کو امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نیز ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیاہے(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸

[3] صحیح مسلم کتاب الھبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸، سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب العمرٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۴

درمختار میں ہے:

جاز العمرٰی للمعمر له و لورثته بعده لبطلان الشرط[1]۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) جائز ہے اس کے لئے جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے، کیونکہ اس میں شرط باطل ہے۔(ت)

ہاں اگر قوم ہندہ میں یہ رواج ہے کہ جہیز عاریۃً دیا جاتا ہے عورت کو اس کا مالک نہیں سمجھا جاتا تو بیشک وہ ملک ہندہ نہ ہوگا اور جس نے دیا تھا اس کو واپس ملے گا،

فان العارية مودّاة وعلى اليد ما اخذت حتی تردّها[2]۔	عاریت پر لی ہوئی چیز واپس کی جائے گی اور ہاتھ کے ذمے ہے جو اس نے لیا یہاں تک کہ اس کو لوٹا دے۔(ت)

یوں ہی چڑھاوے میں اگر اس قوم کا عرف دلہن کو مالک کردینا ہے اگرچہ تاحین حیات تو چڑھاوا بھی ہندہ کی ملک ہے ورنہ جس نے چڑھایا تھا اس کا ہے فان العادة محکمة (کیونکہ عادت مستحکم ہے۔ت) بعد شادی جو زیور شوہر نے پہنایا وہ شوہر کی ملک ہے مگر یہ کہ صراحۃً یا عرفاً ہندہ کو مالک کردینا مفہوم ہوا ہو۔

فی احکام الصغار والهندية عن الملتقط وفی ردالمحتار عن العلامة بیری عن خزانة الفتاوٰی اذا دفع لابنه مالا فتصرف فيه الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالة التملیک[3]۔	احکام الصغار اور ہندیہ میں ملتقط سے اور ردالمحتار میں علامہ بیری سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب کسی نے اپنے بیٹے کو کچھ مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کردیا تو وہ باپ کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی تملیک پر دلالت کرنے والی دلیل پائی جائے۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الهبة فصل فی مسائل متفرقه مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵

[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العارية مؤداة امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۵۲

[3] احکام الصغار مسائل الهبة دارالکتب العلمية بیروت ص ۱۷۴، الفتاوی الهندية کتاب الهبة الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۲، ردالمحتار کتاب الهبة داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۸

جومال ہندہ نے خرچ خانگی سے پس انداز کرکے جمع کیا اس کی دو ۲ صورتیں ہیں اگر شوہر انتظامات خانگی کے لئے اسے روپیہ دیتا ہے جس سے سارے گھر کا خوردونوش ہوتا ہے جس میں خود شوہر بھی داخل، اس میں نوکروں کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل۔ جیسا کہ غالب رواج یہی ہے جب تو اس مال کامالک شوہر ہے اور عورتیں جو اس میں سے خفیہ بچا کر جمع کرلیتی ہیں یہ جائز نہیں، اور اگر شوہر نے نفقہ زن میں کوئی مقدار مثلاً دس ۱۰ بیس ۲۰ یاسو ۱۰۰ دوسو ۲۰۰ روپے ماہوار مقرر کردی ہے کہ وہ خاص عورت کو دی جاتی ہے اس میں سے عورت نے پس انداز کیا تو وہ عورت کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے:

وقالوا مابقی من النفقۃ لہا فیقضی باخرٰی۔[1]	مشائخ نے کہا جو نفقہ سے بچ جائے وہ عورت کی ملکیت ہے اور قاضی مزید نفقہ اس کو دلائے گا۔(ت)

طحاوی میں ہے:

ویتفرع علیہ مالو قررلہا کل یوم مثلا قدرا معینا من الفضۃ فامرتہ بانفاق البعض وارادت ان تمسك الباقی فمقتضی التملیك ان لہا ذٰلك وقدمناہ۔[2]	اسی پر متفرع ہے کہ اگر عورت کے لئے یومیہ چاندی کی ایک خاص مقدار معین کی گئی عورت نے اس میں سے بعض کو خرچ کرنے کا کہا اور ارادہ کیا کہ باقی کو روک رکھے تو تملیک کا تقاضایہ ہے کہ وہ ایسا کرسکتی ہے اور ہم اس کو پہلے ذکر کرچکے ہیں۔(ت)

پس ان سب باتوں سے حسب تفصیل بالاجومال کی ملک ہندہ سمجھا جائے مع مہر ہندہ حسب شرائط فرائض سب کے چھتیس ۳۶ سہام ہو کر نو ۹ سہم شوہر اور چھ ۶ سہم مادر اور چودہ ۱۴ پسر اور سات دختر کو ملیں گے، بہنوں کا کچھ نہیں، نابالغوں کاحصہ ان کے باپ کے قبضہ میں رہے گا، نانی سے کچھ تعلق نہیں، لڑکا سات برس اور لڑکی نوبرس کی عمر تک نانی کے پاس رہیں گے پھر باپ لے لے گا۔ نمازروزوں کے کفارہ کی اگر ہندہ نے وصیت کی ہے تو وہ قبل تقسیم ترکہ بعد ادائے

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقہ المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/ ۲۶۰

دین اگر ذمہ ہندہ تھا تہائی مال تک وجوبًا جاری کی جائے گی اور اگر وصیت نہ کی تو وہ کسی وارث پر واجب نہیں جو اپنی طرف سے کرے گا ثواب پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۵: مسئولہ محمد حسین از جودھ پور ملک مارواڑہ امام مسجد محلّہ نائکان متصل جونی بال زیر قلعہ بروز چہار شنبہ بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، از راہ عنایت مندرجہ ذیل کے استفتاء کا جواب مدلل تحریر فرما کر مشکور کریں۔ چونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے لہذا بہت ممنون فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ کو اپنی زندگی میں کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ہبہ کرکے اس کا قبضہ کردیا جواب تک قابض ہے کیونکہ سوائے ہندہ کے اور کوئی اولاد زید کے نہیں ہے، زید کا انتقال ہوئے قریبًا آٹھ دس برس کا عرصہ گزر چکا ہے، اب زید کے ایک چچا اور چچیرے بھائیوں نے اس کی اور دختر ہندہ پر مکان سکنی کے بابت عدالت میں دعوی کیا ہے اور محض اپنے فائدے کے واسطے خلاف واقعہ اپنے بیان میں یہ لکھایا ہے کہ یہ خاندان ہندو دھرم شاستری ہے اسی حق بازگشت کا پابند ہے، جو مسلمان اپنے فائدہ کی غرض سے شرع شریف کے احکامات سے انحراف کرکے ہندو شاستر کا پابند بنے تو اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ مع حوالہ کتب کے جواب دیں۔

الجواب:

اپنے دنیوی فائدے مال حرام خلاف شرع ملنے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا معاذ اللہ اپنے کفر کا اقرار کرنا ہے اور اپنے سارے خاندان کی طرف اسے نسبت کرنا سارے خاندان کو کافر بنانا ہے، ایسے لوگوں کو تجدید اسلام کا حکم ہے، پھر اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔

قال اللہ تعالٰی "وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۝۴۴" [1] والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

مسئلہ ۱۵۶: بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۲ محرم ۱۳۳۴ھ

کیا حکم ہے شرع متین کا اس مسئلہ میں، زید نے انتقال کیا، ایک زوجہ، ایک دادی حقیقی کا بھائی، ایک والد کی سوتیلی ہمشیرہ کا لڑکا یعنی حقیقی دادا کا حقیقی نواسہ اور دو والد کے پھوپھیرے بھائی یعنی دادا کی بہن کے لڑکے۔ ترکہ زید کا اس صورت میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ مذکورین کے سوا کوئی غیر وارث نہیں ہے۔

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ ترکہ چار حصے ہوگا ایک حصہ زوجہ اور تین زید کی سوتیلی پھوپھی کے پسر کو ملیں گے، باپ کا ماموں اور باپ کے پھوپھی زاد بھائی اس کے آگے محجوب ہیں کہ وہ خود زید کی پھوپھی کا بیٹا ہے، تو پدر زید کے ماموں، پھوپھی اور ان کی اولاد پر مقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم جزء جدیہ او جدتیہ وھم الاخوال والخالات ثم عمّات الاباء والامھات واخوالھم وخالاتھم واولاد ھٰؤلاء [1]۔ (ملتقطًا)	پھر میت کے دونوں دادوں (دادا اور نانا) کی جزء یا اس کی دونوں دادیوں (دادی اور نانی) کی جزء جو کہ ماموں اور خالائیں ہیں۔ پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں اور ان کی اولادیں ہیں بالالتقاط (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصلہ انہ اذالم یوجد عمومۃ المیت وخؤلتہ و اولادھم انتقل حکمھم المذکور الی ھٰؤلاء ثم اولادھم [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میت کے چچے، ماموں اور ان کی اولادیں موجود نہ ہوں تو مذکورہ بالا حکم ان لوگوں (میّت کے آباء وامّہات کی پھوپیوں، ماموؤں اور خالاؤں) کی طرف پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۲۔۳۶۳

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۸

مسئلہ ۱۵۷، ۱۵۸: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ بروز پنجشنبہ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ جلیسن بی بی وصحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال ۱: جناب والد صاحب مرحوم نے (یعنی شیخ امیر حسن صاحب مرحوم نے) جومال ومتاع منقولہ یاغیر منقولہ چھوڑ کر قضا کر گئے ان میں حصہ نثار حسین کا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیاہمارے بھائیوں کو شرعًا جائز ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ شرعی ہضم کرکے نثار حسین کو مساوی یا اپنے سے کم وبیش حصہ دے دیں کاش وہ لوگ غلطی سے اگرایسی کارروائی کر گزرے ہوں تو کیا یہ غلط تقسیم خلاف شرع اور قابل استرداد نہیں ہے؟ اور کیا اس غلط کارروائی سے شرعًا ہم لوگوں کا شرعی حصہ سوخت ہوسکتا ہے؟

الجواب:

باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق بنص قرآن قطعی قرآن ہے جسے کوئی رد نہیں کرسکتا، بیٹوں نے اگر بیٹیوں کو حصہ نہ دیا کل آپ نے لے لیا یا بعض کسی غیر وارث کو دے دیا تو یہ ضرور ظلم ہے اور وہ تقسیم واجب الرد۔ نثار حسین اس مسئلہ میں محجوب الارث ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

سوال ۲: شیخ امیر بخش مرحوم نے جس وقت اپنے فرزند اصغر حسین کو جدا کیا تجارتی مال میں پانچواں حصہ دیا، اس عملی کارروائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اپنے فرزند زادہ یعنی نثار حسین کو باوجود محجوب ہونے کے حصہ دینا منظور تھا ورنہ اصگر حسین کو پانچواں حصہ نہ دیتے بلکہ چوتھائی حصہ دیتے کیونکہ لڑکے چارہی موجود تھے ونیز بعد وفات امیر بخش صاحب کے جب نثار حسین کے چچا لوگوں نے ترکہ تقسیم کیا تو نثار حسین کا بھی ایک حصہ اپنے برابر دے دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امیر بخش مرحوم کے ارادہ کو ان کے لڑکوں نے باوجود خود مختار ہونے کے قبول اور منظور کرلیا۔ اس صورت میں جو حصہ نثار حسین کے قبضہ میں آگیا وہ اس کے شرعًا مالک ہوگئے یا نہیں؟

الجواب:

وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثہ کے عمل کو، **ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ**[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے۔ ت) بہنوں کے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ المؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

حصہ کا نثار حسین بے ان کی اجازت کے کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا، اور بھائیوں کے حصہ کی تفصیل وہ ہے جو ابھی گزری۔
واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹: از ضلع کانپور ڈاکخانہ موسٰی نگر موضع چاندپور مسئولہ عبدالحق کاشتکار موروثی بتاریخ ۷ اصفر المظفر ۱۳۳۴ھ
بعد مرجانے عورت کے مہر کا روپیہ کس کو دینا چاہئے کس کا حق ہوتا ہے اور اگر حق تحریر کیا جائے تو افضل کون شخص ہوتا ہے جس کو مہر ادا کیا جائے؟

الجواب:

مہر میراث ہے اور میراث میں افضل وغیر افضل نہیں دیکھے جاتے جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے **الارث جبری لایسقط بالاسقاط** (میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) لہٰذا ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ت) **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۰ تا ۱۶۲: مرزا بیگ مسئولہ محمد محی الدین موضع چاندیانہ ضلع بلند شہر روز یک شنبہ بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ
ایک مسلمان بدمذہب حنفی قتل ہوا اور قاتل ایک مرد اور دوسری اس کی زوجہ قرار دیئے، مرد کے ذمہ قتل کرنا اور عورت کے ذمہ قتل کرانے کا الزام عائد ہو کر قاتل کو حکم موت اور عورت کو بعبور دریائے شور کی سزادی گئی، چونکہ عورت حاملہ متروکہ مقتول پر شمول پسران متوفی کے زوج کے نام بھی حصہ شرعی درج کاغذات ہوا، کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زوج مقتول کو محض شبہہ میں بلاشہادت عینی کے عدالت سے سزا ہوئی تو کیا ترکہ مقتول میں حصہ شرعی ومہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟
دوم: قتل کے واسطے شہادت چشم دید یا شبہہ کے حالات میں شرعاً گواہی واجب ہے کیا؟
سوم: بعد مقتول جو لڑکا زوجہ کے پیدا ہوا وہ بھی مستحق ترکہ مقتول سے حصہ پانے کا ہے یا نہیں فقط؟

الجواب:

بچہ اگر موت پدر سے دو برس کے اندر پیدا ہوا وارث ہوگا، یہ تو پانچ ہی مہینے کے اندر

پیدا ہوا ضرور وارث ہے، اور عورت اگر قتل بھی کرتی مہر نہ ساقط ہوتا لانہ دین واجب لایسقط بالقتل (کیونکہ وہ دین واجب ہے جو قتل کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا۔ت) ہاں اگر خود قتل کرتی تو میراث نہ پاتی۔ رہا اس کے ثبوت گویا عورت کا اقرار ہونا یا دوسرے ثقہ عادل کی شہادت معائنہ بغیر اس کے ثبوت قتل نہ ہوتا یہاں تو اسے سزا بھی قتل کرنے کے جرم میں نہ ہوتی بلکہ قتل کرانے کے، اگر واقع میں اس نے قتل کرایا بھی ہو تو قتل کرنا میراث سے محروم کرتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

التسبب الی القتل لایحرم المیراث۔[1]	قتل کا سبب بننا میراث سے محروم نہیں کرتا۔(ت)

بہر حال بچہ بھی وارث ہے اور عورت بھی مہر پائے گی اور بعد مہر و دیگر دیون ترکہ سے آٹھواں حصہ میراث بھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: مسئولہ عبداللہ از بریلی محلّہ گلاب نگر ۱۹/ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز سہ شنبہ

کیا حکم فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اسلام ادام اللہ برکاتہم مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ زبیدہ مطلقہ نے اپنا عقد ثالث ساتھ مسمّٰی عبداللہ کے بمہر شرعی جس کی تعداد چار سو درھم چاندی وقت عقد وکیل نے قائم کردی تھی کیا۔ مسمّٰی عبداللہ مبلغ پانچسو روپیہ کا پہلے سے قرضدار تھا جب مسماۃ زبیدہ کو حال مقروضی شوہر معلوم ہوا تو اپنا مہر بخشنے پر از خود آمادہ ہوئی شوہر نے آئندہ وقت پر ملتوی رکھا، مسماۃ ساڑھے تین ماہ عبداللہ کے گھر زندہ رہی جب بیمار ہوئی عبداللہ کو روپیہ قرض لے کر علاج کرانے سے منع کرتی تھی، علاج ہوا مگر مر گئی، متوفیہ کے وارث ایک شوہر ایک بیٹی جوان جو دوسرے شوہر سے پیدا تھی اور ایک بہن دو حقیقی بھائی ہیں۔ قبل وفات اپنے شوہر سے چھ روزہ کا کفارہ دے دینے کو کہا اور باوجود دریافت اپنے مہر کی بابت کچھ وصیت نہ کی اور اپنی بیٹی اپنی بہن کے سپرد کی اس کا باپ اسی شہر میں موجود تھا وقت وفات اس کے ایک بہن ایک بیوی موجود تھی بعد وفات انہوں نے کہا کہ گور و کفن فاتحہ خیرات اچھی طرح ہونا چاہئے، عبداللہ نے کہا کہ میں مقروض ہوں مگر مہر اس کا میرے ذمہ ضرور چاہئے مقدار مہر تم چاہو تو میں روپیہ قرض لے کر گور و کفن اور فاتحہ خیرات حسب مرضی تمہاری کردوں تو انہوں نے رضامندی اپنی ظاہر کی تو عبداللہ نے روپیہ قرض لے کر گور و کفن و کفارہ و خیرات بروز دفن (۱۰/عہ) اور فاتحہ سوم میں (۸/ہہ) اور

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس فی الموانع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

فاتحہ چہلم میں (۲/عہ) اور سہ ماہی اور شش ماہی میں (۰۱۵/لعہ) صرف کرکے کھانا پکا کر قبروں پر، یتیموں اور مساکین کو دیا گیا اور دو جوڑے پارچہ جدید تیار کرکے دیئے گئے جملہ (۰۱۱/صہ لعہ) فاتحہ وخیرات میں بہ نیت ادائے دین مہر صرف کیا (۰۱۲عہ) منجملہ ایک سو بارہ روپے آٹھ آنہ دین مہر باقی ہیں اور متوفیہ نے قبل وفات یہ کہا تھا کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا چنانچہ (۱۱صہ للعہ) کا پارچہ پوشیدنی جو وقت ولیمہ نکاح متوفیہ کی قرض لے کر بنایا تھا اور کچھ پارچہ اور جو اس کو دیا تھا جملہ (ال ہہ صہ) بمنشائے متوفیہ اس کی بیٹی کو دے دیا اور دیگر پارچہ فحاجان کو دیئے گئے متوفیہ کا ترکہ صرف چار سو درھم چاندی جس کے (ماعہ ۳عہ) ہوتے ہیں تھا اور کچھ زیور ونقد نہ تھا۔ فتوٰی یہ طلب ہے کہ مہر کے ترکہ میں ورثاء کا کتنا کتنا حصہ شرعی تھا اور صرفہ گور وکفن وفاتحہ وخیرات میں جو شوہر نے بمرضی بہن وبیٹی متوفیہ قرض لے کر مبلغ (معہ لعہ ۰۱۱) صرف کیا اس قدر ذمہ شوہر سے دین مہر ادا ہوا یا نہیں، اس کے وارثان نے ایک پیسہ فاتحہ خیرات میں صرف نہیں کیا بلکہ اپنا خرچ بھی عبداللہ پر ڈالا تھا فقط۔

الجواب:

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بیٹی اور بہن نے اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ مہر میں سے یہ مصارف کردو، اور ان کی اجازت سے یہ صرف ہوئے تو یہ مصارف شوہر اور بیٹی اور بہن کے حصص مہر پر پڑیں گے بھائی کہ اس اجازت سے الگ ہیں ان کے حصہ پر نہ پڑیں گے اور (لہ صہ) کا کپڑا جو زبیدہ کی دختر کو دیا وہ صرف عبداللہ کے حصہ پر ہیں چار سو درھم چاندی یہاں کے سکہ سے پورے ایک سو بارہ (ماعہ عہ) روپے بھر ہے آٹھ (۸/) اوپر زائد نہیں سائل نے دین مہر حساب میں گور وکفن وخیرات. بر قبر وتوشہ کفارہ ۶/روزہ رمضان المبارک میں (عہ ۱۱/) بتایا اس میں سے قبر کی خیرات اور توشہ منہا کیا جائے گا باقی ضروری تھا کہ وارثوں پر تقسیم سے پہلے لازم تھا اس کے بعد جو کچھ بچا اس کے بیس حصہ ہوں گے پانچ شوہر کے، دس ۱۰ دختر کے، دو ۲ دو ۲ ہر بھائی کے، ایک بہن کا، اب جو توشہ وخیرات وسوم وچہلم وغیرہ میں صرف ہوا وہ جب کہ بیٹی اور بہن کی اجازت سے ہوا تو ان کے اور شوہر کے حصوں پر پڑے گا دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ پورا پورا دیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۴: از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بروز چہارشنبہ تاریخ ۱۲/رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

مسلمان سنی المذہب ورثہ لیتے وقت بجائے قانون شریعت مطہرہ کے ہندو یعنی مطابق

احکام مذہب ہنود کے جس سے بہت حقوق شرعی باطل ہوتے ہیں ورثہ لے یادے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب:

قال اللہ عزوجل: "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝" [1]	(اللہ عزوجل نے فرمایا:) کیا تم انہیں نہیں دیکھتے جن کا زبانی دعوی تو یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا پھر فیصلہ چاہتے ہیں کفر کا اور انہیں حکم تو یہ تھا کہ اس سے انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں گمراہ کرکے دور پھینک دے۔

جو لوگ شریعت مطہرہ کے خلاف میراث مانگیں یا لیں یا بخوشی دیں یا اس میں سعی کریں سب گمراہ ہیں اور عذاب شدید کے سزاوار، اور اگر اسے پسند کریں تو کھلے کفار، بہر حال وہ مال ان کے لئے حرام وقطعہ نار، اور جو مجبور ہو کر دے وہ مظلوم ومعذور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵: از کوہ شملہ کفایت حسین یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک پھوپھی کا ترکہ دو بھتیجوں کو برابر ملا جس میں سے ایک بھتیجے نے پھوپھی کی بیماری کا خرچ اور تجہیز وتکفین کا خرچ مع برسی تک کا خرچ اپنے پاس سے کیا قریب ایک سو روپیہ کے اب نصف روپیہ دوسرے بھتیجے کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب:

یہ اس نے اپنی خوشی سے اٹھایا دوسرے بھتیجے پر اس کا نصف یا کوئی جزء دینا لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: از بمبئی پوسٹ مانڈوی مکان چمناجی راجو بھائی پان والا نمبر ۲۸۔۱۳۲ ناگدیوی سٹریٹ مرسلہ مانک بھائی باپو بھائی ۱۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص چمناجی دکھنی مسلمان فوت ہوگیا اس نے ایک عورت ایک لڑکا حسین میاں

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawat-e-Islami

ایک لڑکی لال بائی یہ تین وارث چھوڑے پھر عورت بھی گزر گئی اور کچھ عرصہ کے بعد لڑکا بھی مرگیا حسین میاں مرحوم کے مرنے پر اس کی بی بی شرعی طور پر اپنا حصہ لے کر الگ ہوگئی اس کے ماسوا اور جو حقدار نکلے سب کو ان کے حق کے مطابق ورثہ ملا لال بائی جو چمنا جی کی بیٹی تھی وہ بھی اپنا حصہ لے کر الگ ہوگئی پہلے لال بائی کا شوہر مرگیا پھر وہ مرگئی اس نے اپنا وارث ایک لڑکا ابراہیم چھوڑا ابراہیم بھی دوسال بعد مرگیا ابراہیم کے دو بیبیاں ہیں ایک بسم اللہ ایک مریم نیز چمنا جی کا سالا ڈھونڈھی بھائی لال بھائی کے مرحوم مرد کا ماموں قاسم حاشہ یا یہ دونوں دعوی کرتے ہوئے مرگئے، اب ان دونوں کے دو لڑکے دعوی کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں کیا حکم شرع ہے آخر وارث ابراہیم ہوا اس نے کوئی اولاد یا بھائی بہن وغیرہ نہ چھوڑا صرف دو ۲ بی بی ہیں لہٰذا کس طرح حق ہوتا ہے اور فی ہزار کیا ہر حقدار کا نکلے گا۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سوال میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے ہیں ڈھونڈھی بھائی کو چمنا جی کا سالا لکھا ممکن کہ وہ لال بائی کا ماموں ہو اور ممکن کہ چمنا جی کی کسی اور عورت کا بھائی ہو جسے لال بائی سے کوئی علاقہ نہیں یوں ہی قاسم حاشہ کو لال بی کے شوہر کا ماموں لکھا۔ محتمل کہ وہ ابراہیم کے باپ کا ماموں ہو یا کسی دوسرے شوہر کا مگر سوال میں نہ چمنا جی کی کوئی اور عورت لکھی ہے۔ نہ لال بائی کا دوسرا نکاح بتایا جس سے ظاہر یہی ہے کہ ڈھونڈھے بھائی ابراہیم کی ماں کا ماموں ہے اور قاسم حاشہ ابراہیم کے باپ کا ماموں، اگر واقعہ اسی طرح ہے اور ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم حقوق مقدمہ مثل مہر ہر دو زوجہ وغیرہ ابراہیم کا ترکہ آٹھ سہم ہو کر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور چار سہم قاسم حاشہ اور دو سہم ڈھونڈے بھائی کو ملیں گے یعنی دونوں عورتوں کا مہر جس قدر ذمہ ابراہیم لازم رہا اور اس کے سوا اور جو دین ابراہیم پر ہو اول ادا کریں۔ پھر جو بچے اس کے تہائی سے ابراہیم نے اگر کوئی جائز وصیت کی ہو نافذ کریں باقی مال میں فی ہزار ایک سو پچیس روپے ایک بی بی کو، ایک سو پچیس روپے دوسری بی بی کو اور پانچ سو پچیس ۵۲۵ روپے قاسم حاشہ کو ڈھائی سو ڈھونڈے بھائی کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں ہے:

ثم عمات الاباء والامھات واخوالھم وخالاتھم واذا استووا فی درجۃ واتحدت الجھۃ قدم	پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں ہیں۔ جب ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اور قرابت

ولد الوارث فلو اختلف فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث [1]۔	کی جہت بھی متحد ہو تو وارث کی اولاد مقدم کی جائے گی، اور اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت والوں کے لئے میت کے ترکہ میں سے دو تہائی اور ماں کی قرابت والوں کے لئے ایک تہائی ہوگی۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۶۷: از علی گڑھ محلّہ سرائے بی بی مرسلہ حافظ عبداللطیف صاحب مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی المذہب اپنے لڑکے مسلمان حافظ قرآن پابند صوم وصلٰوۃ کو کسی وجہ سے عاق کردے تو یہ حافظ قرآن عاق ہوجائے گا یانہیں؟ اور اپنے والد کا ترکہ پائے گا یانہیں؟ اور بہ تقدیر پانے اور نہ پانے کے اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان فرمائیے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے جو بلاوجہ شرعی ماں یا باپ کو ایذا دے وہ عاق ہے اگرچہ ماں باپ اس سے راضی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ ماں باپ بلاوجہ اس سے ناراض ہوں۔ ماں یا باپ کا عاق کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عوام کے خیال میں یہ ہے کہ اولاد کو عاق کرنا ایسا ہے جیسا عورت کو طلاق دینا، طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، یونہی ماں باپ کے عاق کرنے سے اولاد اولاد ہونے سے خارج اور ترکہ سے محروم ہوجاتی ہے، یہ محض باطل ہے، اولاد کسی طرح اولاد ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی سوا کفر کے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اور کسی طرح ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی سوا موانع خمسہ معلومہ کے کہ دین مختلف ہو یا دار مختلف یا مملوک ہو یا معاذاللہ مورث کو قتل کرے یا دونوں کا اس طرح انتقال ہو کہ معلوم نہ ہو ان میں پہلے کون مرا ان کے سوا وہی عام حکم ہے کہ:

"یُوۡصِیۡکُمُ اللّٰہُ فِیۡۤ اَوۡلَادِکُمۡ ٭ لِلذَّکَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَیَیۡنِ ۚ" [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

مسئلہ ۱۶۸: از قصبہ سانگود سوائے بادھپور مدرسہ انجمن اسلامیہ ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم انجمن ۱۲ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ
ایک شخص متوفی کی جائداد قیمتی (سہ ۳۰۰) روپے ایک شخص کے پاس ایک صدروپے میں رہن ہے اور متوفی کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کارروائی بیع کی کس کے ساتھ کی جائے گی؟

الجواب:

بحکم حاکم شرع فقراء کے ساتھ۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۹تا۱۷۳: مرسلہ مولوی محمد ظہور حسین صاحب فاروقی رام پوری ۵ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے اپنی زندگی کے وقت دو نکاح کئے، زوجہ اولٰی کا انتقال زید کے سامنے ہوا، بعد عقد ثانی زید نے انتقال کیا اور ایک مکان قیمتی تین چار سو روپے کا چھوڑا۔ زوجہ اولٰی کا دین مہر ڈھائی ہزار روپے کا تھا اور زوجہ ثانیہ کا نو سو روپے کا۔ زوجہ ثانیہ خود موجود ہے اور زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تین بھائی، ایک بہن، دو بھتیجیاں، ایک زوج یعنی زید مرحوم کا کہ جس کی وارث اس وقت زوجہ ثانیہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا مکان مذکور کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اولًا دونوں دین مہروں میں مکان نصف نصف ہوجائے گا من بعد نصف ثانی جو زوجہ اولٰی کا حصہ ہے اس میں سے بحق زوجیت زید کو نصف ملے گا اور یہ نصف زوجہ ثانیہ کی طرف منتقل ہو جائے گا باقی ایک رُبع جو رہے گا وہ زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

(۲) ایسی حالت میں کہ مکان متروکہ زید دونوں دین مہر سے قیمتاً کم ہے کل مکان دونوں دین مہروں میں مستغرق ہو کر نصف نصف ہوگا یا جس زوجہ کا دین مہر نو سو کا ہے اس کو مکان مذکور میں سے ایک حصہ اور جس کا دین مہر ڈھائی ہزار کا ہے اس کے ورثہ کو باقی مکان ملے گا تقسیم ورثہ کی اس وقت کیا صورت ہوگی؟

(۳) یہ کہ زید کی تجہیز و تکفین اور زوجہ ثانیہ کی عدت وچارماہ تک فاتحہ وغیرہ کا خرچ جو مجموعہ تین سو روپیہ کا ہوا وہ اسی مکان سے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۴) زید نے اپنے حین حیات جو کچھ خرچ اور روپیہ زوجہ ثانیہ کے ہاتھ میں دیا وہ اس کے واسطے ہبہ تھا یا نہیں اور اس روپے سے جو اسباب زوجہ ثانیہ اپنے استعمال کا جیسے کپڑا،

زیور وغیرہ جو خاص عورتوں کے استعمال کا ہے کیا اس کی بھی تقسیم ہوگی؟

(۵) زید کی زوجہ اولٰی کا اسباب اس قسم کا تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

زوجہ اولٰی جو جہیز لائی وہ اس کا متروکہ ہے حسب شرائط فرائض اس میں سے نصف شوہر کا ہے، جو کچھ روپیہ زید نے زوجہ اولٰی یا ثانیہ کو دیا اگر تملیگا دیا اس کی مالک زوجات ہیں اور اس سے جو اسباب خریدا انہیں کا ہے اور اگر تملیگا نہ دیا گھر کے خرچ کے لئے دیا اور عورات کو حسب دستور اسباب خانگی خریدنے کی اجازت دی تو وہ اسباب اور جتنا روپیہ بچا ہو سب ملک زید ہے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین میں صرف پندرہ ۱۵ روپے خرچ ہوئے باقی فاتحہ و خرچ عدت ہے خرچ عدت تو زوجہ کسی سے مجرا نہیں لے سکتی کہ معتدہ وفات کے لئے نفقہ نہیں یوں ہی جو کچھ فاتحہ میں اٹھایا تبرع ہے اس کا بھی معاوضہ نہیں پاسکتی، ہاں وہ پندرہ ۱۵ کہ تجہیز و تکفین میں اٹھے ازانجا کہ زوجہ وارثہ ہے اور وارث کہ تجہیز و تکفین کرے مجرا پاتا ہے یہ پندرہ پائے گی مگر اس وجہ سے کہ تجہیز و تکفین جو ہر حق پر مقدم تھی ہوچکی زوجہ کا مطالبہ باقی رہا تو یہ پندرہ ۱۵ بھی دَین میں آگئے اور اس کا دین نوسو پندرہ ۹۱۵ روپے ہوئے اور زوجہ اولٰی کا نصف مہر بحق شوہر ساقط ہو کر اس کا دین ساڑھے بارہ سو ۱۲۵۰ روپے ہوئے مجموع دین اکیس سو پینسٹھ ۲۱۶۵ روپے ہیں متروکہ زید کہ تین چار سو کا مکان ہے اگر اس زر واسباب وغیرہ سے مل کر جو اُسے ترکہ زوجہ اولٰی سے ملا یا دونوں زوجہ کے پاس اس کی اپنی ملک تھا اگر اس مجموع کے برابر ہو اور زید پر اور کوئی دَین نہ ہو تو ۱۲۵۰ زوجہ اولٰی کے ورثہ کو دَین اور ۹۱۵ زوجہ ثانیہ کو۔ اور اگر اس سے زائد ہے تو دونوں دَین پورے ادا کرکے جو بچے اس کے ثلث سے وصیت اگر زید نے کی ہو نافذ کرکے باقی سے ایک ربع زوجہ ثانیہ کو دیں اور تین ربع اور جو کوئی وارث زید عصبات یا ذوی الارحام سے ہو اسے دیں اور کوئی نہ ہو اور کسی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی ہو اس کی وصیت کی تکمیل کریں اگرچہ یہ تین ربع کل اس وصیت میں چلے جائیں اور اگر موصی لہ بھی کوئی نہ ہو تو یہ تینوں ربع اور اگر ہو اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد بھی کچھ بچے تو وہ باقی سب زوجہ ثانیہ کو دے دیں **فان الازواج یرد علیھا عند عدم انتظام بیت المال** (بیت المال منظّم نہ ہونے کے وقت خاوند اور بیوی پر رَد کیا جائے گا۔ت) اور اگر کل متروکہ زید اس مجموع دین ۲۱۶۵ سے کم ہے اور زید پر اور دین نہیں تو اس کا کل متروکہ چار سو تینتیس ۴۳۳ سہام کرکے دوسو پچاس ۲۵۰ سہم وارثان زوجہ اولٰی کو دیں اور ایک سو تراسی ۱۸۳ سہم زوجہ ثانیہ کو۔ اور

اس صورت میں اگر یہ چاہیں کہ ورثہ زوجہ اولیٰ پر بھی ساتھ ہی تقسیم ہوجائے تو کل متروکہ زید تین ہزار اکتیس ۳۰۳۱ سہم کرکے زوجہ اولیٰ کے ہر بھائی کو پانچ سو سہم بہن کو دوسو پچاس ۲۵۰، زوجہ ثانیہ کو بارہ سواکیاسی ۱۲۸۱ دیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۴: ازاحمد آباد محلّہ مرزاپور مرسلہ شاہ محمد مورخہ ۱۶/ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

جناب مخدومنا و مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب، السلام علیکم! واضح رائے عالی ہو کہ شہر احمد آباد میں جماعت گاؤقصابوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی اور بہن کو ورثہ مال متروکہ میت سے کبھی کچھ نہیں دیا کرتے اور ان کا مقولہ یہ ہے کہ لڑکی اور بہن کا ورثہ میت کے مال میں سے کسی چیز میں نہیں پہنچتا۔ لہٰذا آپ پر فرض ہے کہ فتوٰی لکھ کر روانہ کریں تاکہ وارث اس شخص کی اپنا پورا حق عدالت سے لڑکر وصول کریں لہٰذا ٹکٹ (۳/) کی اس رجسٹری لفافہ میں ملفوف ہیں، مولانا صاحب تخمیناً پندرہ ۱۵ سال کا عرصہ ہوا کہ ایک رجسٹری سوال سود کے بارہ میں حضور کے یہاں روانہ کیا تھا مگر بالکل جواب سے آپ نے مجھے محروم رکھا تھا شاید کہ آپ سے وہ استفتاء گم ہوگیا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گزرگیا اس نے ایک لڑکی اور دو بہنیں حقیقی اور چار بھتیجے اور ایک زوجہ چھوڑے۔ اب ان میں کون کون سے وارث کو حق پہنچتا ہے اور کون سے وارث محروم رہتے ہیں **بیّنوا حکم الکتاب توجروا بیوم الحساب** (کتاب کا حکم بیان کرو قیامت کے دن اجر پاؤگے۔ ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ اس شخص کا سولہ سہام ہوکر دو سہم اس کی زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین سہم ہر بہن کو ملیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ"[1]	پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

"وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ"[1]	اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ آدھا ہے (یعنی ترکہ کا نصف)۔ (ت)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبة[2]۔	بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنادو (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ"[3]	اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے قرآن مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا جس کے ظاہر معنٰی یہ ہیں کہ ان کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا یہ صریح کلمہ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۵،۱۷۶: از کراچی جھونہ مارکیٹ مرسلہ سید کریم شاہ صاحب ۴ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصہ سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکام شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانون شریعت وراثت کے بالکل منکر ہیں اور اپنے آباء قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور کچہری میں بیان کیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وراثت کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہندو لایعنی قانون وراثت اہل ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں اور کچہری سے خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے احکام وراثت ہندو قانون پر ہونے چاہئیں۔

اس جماعت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، یہ لوگ منکر نص قرآن ہیں یا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن الدارمی کتاب الفرائض باب فی بنت واخت حدیث ۲۸۸۴ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرہ ۲/ ۲۵۱، السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۶

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

اور جو نص قرآن کو جان بوجھ کر نہ مانے وہ دائرہ اسلام میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ قال اللہ تعالٰی:

"وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ﴿۴۴﴾ "[1]۔	اور جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (ت)

سوال دوم: وہ لوگ جن کا سوال اول میں ذکر ہے مسلمانوں کے اوقاف یا مسجد دونوں کے متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوئے بھی تھے تو دربارہ وارثت احکام شرعیہ ماننے سے انکار کرکے مرتد ہوگئے، وہ نہ مسجد کے متولی کئے جاسکتے ہیں نہ اوقاف مسلمین کے۔

قال اللہ تعالٰی "فَلَا وَرَبِّكَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوۡكَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا﴿۶۵﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷۷: از ترگہ گوری ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ ملا نذیر احمد صاحب مورخہ ۸/ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوی کی، اس کے ساتھ ایک لڑکی آئی اور لڑکی ایک اسی بیوی سے زید کی پیدا ہوئی، بعد چند روز کے زید کا انتقال ہوگیا اب یہ دو لڑکیاں ایک تو زید کی ہے اور ایک جو بیوی اگلے خاوند کی ساتھ لائی تھی، بعد وفات زید کے بھتیجا نے یعنی حقیقی تایا کے بیٹے نے اپنا حق معاف کردیا اور بیوی نے بھی معاف کرکے وہ جائداد دونوں لڑکیوں پر تقسیم کردی، اب زید کی بیوی اپنا مہر لینا چاہتی ہے اب یہ تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ شرع شریف سے آگاہی

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

بخشی جائے۔

الجواب:

مہر معاف کرنے سے معاف ہوگیا اب دوبارہ نہیں لے سکتی مگر ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا اگر وارث یہی ہیں تو حسب شرائط فرائض زید کا ترکہ آٹھ حصہ ہو کر ایک حصہ بی بی کو اور چار حصہ زید کی لڑکی کو اور تین بھتیجے کو ملیں گے اور اگلے شوہر کی بیٹی کچھ نہ پائے گی، بھتیجا اگر نہ لینا چاہے تو لے کر تقسیم کرا کر پھر زید کی دختر کو ہبہ کرکے قبضہ دے دے یا یوں ہی بلا تقسیم اپنا حصہ اس کے ہاتھ بیچ کر قیمت اسے معاف کردے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۸: از گوندیا ضلع بھنڈارا ملک متوسط ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک مسماۃ نے اپنی کچھ رقم مالی کے لئے اپنے حین حیات میں وصیت کی کہ بعد وفات میرے ایک فرزند میرا جو نابالغ ہے یہ رقم اس کو دی جائے اگر فرزند میرا قضا کر جائے تو یہ رقم مالی مکہ مدینہ کے کسی کارِ خیر میں بھیج دی جائے، بعد وفات مسماۃ اس کا فرزند بالغ ہو کر فوت ہوا تو اب اس کی وہ رقم کس کو دی جائے چونکہ اس کا ایک چچازاد زندہ ہے مگر لڑکے کی پرورش بعد اس کی والدہ کے ماموں نے کی اور ایک اس کی مدد میں شریک رہا، اس کا چچا مالدار ہے اس کے کسی امر میں مونس بھی نہیں ہوا بجز ماموں کے، لہٰذا ہم اس لڑکے کی رقم کو اس کے ماموں کو دینا چاہتے ہیں چونکہ اس کا ماموں بہت غریب مفلس معذور شخص ہے محض اس کے عزیز واقارب اس کی اعانت کیا کرتے ہیں لہٰذا یہ رقم ہم اس کے ماموں کو دینا پسند کرتے ہیں چونکہ شرعًا بھی مفلس عزیز کو مدد دینا لازم ہے۔

الجواب:

فرزند کے لئے وصیت تو بیکار تھی وہ خود ہی مالک ہوا جبکہ عورت کا اس کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا جیسا کہ ظاہر سوال ہے اب اس کے انتقال کے بعد اس کے جو وارث ہیں ان کو پہنچے گی اگر صرف یہی چچا وارث ہے تو یہی پائے گا وارث ہونے کے لئے کچھ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کے کسی امر میں شریک ہوا ہو، ماموں کتنا ہی محتاج ہو نہ بہن کے ترکہ میں اس کا کچھ حق ہے کہ بیٹا موجود تھا نہ بھانجے کے ترکہ میں کہ اس کا چچا موجود ہے قریبی غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ پرائے مال سے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۷۹: از چتیرہ ڈاکخانہ امال پور پرگنہ سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ عبداللہ خان صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید سے وقت مناکحت مہر معجّل قرار پایا اور بعد از مدت دراز وولادت طفل یازدہ سالہ مرحوم

حیات طفل مرحوم میں زید نے بواسطہ کچہری وہ مہرادا کردیا بعدہ زید کاانتقال ہوگیااب زوجہ اپنے حق ربع کی مدعیہ ہے مقدمہ کچہری میں زیر بحث ہے کوئی تحریری تقریری ثبوت طلاق نہیں ہے نہ قبل ازادائے مہرنہ مابعدآں، پس حکم شرع شریف سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:

ہر معجّل کاادا کرنا پیش رخصت ضرور ہوتا ہے اور اگر عورت قبل رخصت نہ مانگے تو جب طلب کرے اس کاادا کرنا کسی طرح طلاق دینے کی دلیل کیاشبہہ بھی نہیں ہوسکتااور بے ثبوت شرعی طلاق ہرگز نہیں مانی جاسکتی عورت ضرور مستحق میراث ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ؕ " [1] ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کاچوتھائی ہے اگر تمہاری اولادنہ ہو، پھراگر تمہاری اولاد ہوتو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کرجاؤ اور قرض نکال کر۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۰: از لکھنؤ بلوچ دروازہ مسجد متصل اکھاڑہ مرسلہ مولوی محمد عثمان طالب علم ۵رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

بعد تحیّہ سلام گزارش ہے کہ یہاں علماء مسائل ذوالارحام میں مختلف ہیں بعض امام ابویوسف کے قول کے موافق جواب دیتے ہیں بعض امام محمد کے قول کے موافق جناب کی رائے میں کس قول کے موافق عمل درآمد ہونا چاہئے اور جناب کامعمول کیا ہے

الجواب:

اصل فتوی قول امام محمد علیہ الرحمۃ پر ہے فقیر کااسی پر عمل ہے مگراس کے استخراج میں قدرے دشواری ہوتی ہے لہذا بعض مشائخ نے بغرض آسانی قول امام ثانی علیہ الرحمہ پر فتوی دیا۔وهو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱: ۱۴/شعبان ۱۳۳۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کاانتقال ہوااس نے ایک دادی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

اورایک نانی اور باپ اور بہن وارث چھوڑے تواز روئے شرع شریف ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ چھ سہم ہو ایک سہم نانی اور پانچ باپ کو پہنچیں گے اور دادی اور بہن کو کچھ نہیں، هذا هو قضية النظر الفقهي وان كانت الروايات فيه مختلفة (نظر فقہی کا تقاضا یہی ہے اگرچہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ ت) اختیار شرح مختار پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوترك ابا وام اب وام ام فام الاب محجوبة بالاب واختلفوا ماذا لام الام قيل لها السدس وقيل لها نصف السدس[1] اھ **اقول:** مامنزع القول الاخر الا القياس على مسئلة اب وام واخوين فانهما محجوبان بالاب ويحجبانها من الثلث الى السدس كذالك ام الاب محجوبة بالاب وتحجب الامية من السدس الى نصفه وهذا ليس شيئ۔اما **اولاً** فلان حجب النقصان يكون من فرض الى فرض دونه ولافرض للجدّة الا السدس وماكان التنصيف	اگر کسی شخص نے باپ، دادی اور نانی چھوڑی تو دادی باپ کی وجہ سے میراث سے محروم ہوگی، اور نانی کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا۔ایک قول ہے کہ اس کو چھٹا حصہ دیا جائے گا اور دوسرا قول ہے کہ اس کو بارہواں حصہ ملے گا الخ۔ **میں کہتاہوں** دوسرے قول کاماخذ تو فقط باپ، ماں اور دو بھائیوں کے مسئلہ پر قیاس ہے کیونکہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے اور وہ دونوں ماں کو تہائی سے محروم کرکے چھٹے حصے کی طرف منتقل کردیں گے۔اسی طرح دادی باپ کی وجہ سے محروم ہوگی حالانکہ وہ نانی کو چھٹے حصے سے بارہویں حصے کی طرف منتقل کردے گی۔اور یہ بوجوہ کوئی شیئ نہیں۔وجہ اول کیونکہ حجب نقصان ایک مقررہ حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف ہوتا ہے جو پہلے حصے سے کمتر ہو جبکہ جدّہ کامقررہ حصہ صرف چھٹا ہے اور اس کو

[1] الفتاوی الهندية كتاب الفرائض الباب الرابع فی الحجب نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۳

لان فرضها اذ ذاك نصف السدس بل ليس فرضها الا السدس وكانت كل منهما تدعيه لنفسها كملا فجعلناه بينهما نصفين على سبيل المنازعة لعدم المرجح كما اذا اقام كل من الخارجين على ان الارض له فانها تنصف بينهما كذٰلك هٰهنا فاذا سقطت مزاحمة الابوية لحجب الاب اياها بقيت دعوى الامية بلا معارض فكان لها السدس كملا كما اذا كان لدار شفيعان متساويان وادعى كل منهما جميع الدار المشفوعة ثم عرض لاحدهما مايسقط حقه كانت الدار كلها للثانی لزوال المزاحمة۔ **واما ثانيا** فلان الله سبحانه و تعالٰی قد اعطی كل ذی حق حقه [1] فلايجوز ان ينقل من فرض احد شيئ الی غيره وقد	نصف نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس صورت میں جدّہ کا مقررہ حصہ چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے تو ان دونوں (دادی اور نانی) میں سے ہر ایک اپنے لئے پورے چھٹے حصے کا دعوی کرے گی۔ چنانچہ ہم نے منازعت کے باعث اور مرجح نہ ہونے کی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کر دیا۔ جیسا کہ بائع اور مشتری کے علاوہ دو اجنبی مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کر دیئے کہ فروخت شدہ زمین اس کی ہے تو وہ زمین دونوں کے درمیان نصف نصف کر دی جائے گی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوگا۔ جب دادی کی مزاحمت اس وجہ سے ختم ہو گئی کہ باپ نے اس کو محروم کر دیا ہے تو نانی کا دعوی بلا منازعت رہا لہٰذا اس کو مکمل چھٹا حصہ دیا جائے گا۔ جیسے کسی گھر کے دو مساوی شفیع ہوں اور ہر ایک شفعہ والے پورے گھر کا دعوی کرے پھر ان میں سے ایک کو ایسا عارضہ لاحق ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہو جائے تو مزاحمت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے پورا گھر دوسرے کو ملے گا۔ وجہ دوم کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی کے مقررہ حصے سے کوئی شے دوسرے کی طرف منتقل ہو جائے۔ بیشک

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ مؤسسة الرساله بیروت ۱۶/ ۶۱۴

اجمعنا ان فرض الجدۃ السدس فان نصفناہ ھٰھنا ولاحق للابویۃ یرجع النصف لامحالۃ الی الاب فیشارك الجدۃ فی فرضھا ولانظیرلہ فی الشرع فتبین ان الاول ھو المرجح وکانھا لھذا قدمہ فی الاختیار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہمارا اس پر اجماع ہے کہ جدہ کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے۔ اگر یہاں ہم اس کو نصف کردیں (یعنی بارہواں بنادیں) حالانکہ دادی کا یہاں کوئی حق نہیں تو یقینا چھٹے کا نصف (بارہواں حصہ) باپ کی طرف لوٹے گا تو اس طرح وہ جدہ کے مقررہ حصے میں شریک ہوجائے گا اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو واضح ہوگیا کہ پہلے قول کو ہی ترجیح دی جائے گی گویا اسی وجہ سے اختیار میں اس کو مقدم کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مفصلہ ذیل میں:

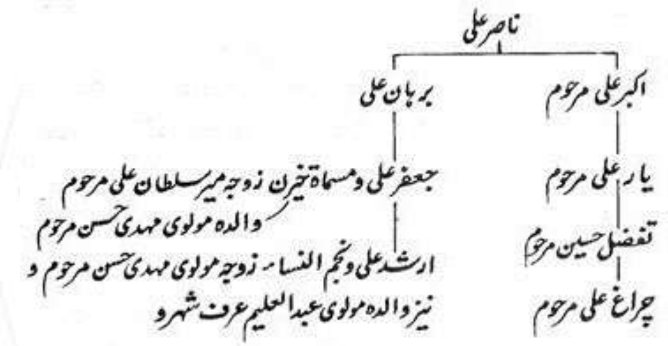

اور چراغ علی مرحوم کے محمد مسیح اپنے خلیرے بھائی اور مسماۃ فاطمہ زہرا اپنی خلیری بہن بھی ہیں، اب چراغ علی مرحوم کا متروکہ کس کو ملے گا عبدالعلیم عرف شہرو کو ملے گا یا خلیرے بھائی و بہن کو ملے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض چراغ علی کا کل ترکہ تین حصہ ہو کر دو حصے اس کے

خالہ زاد بھائی کو اور ایک حصہ اس کی خالہ زاد بہن کو ملے گا عبدالعلیم کچھ نہ پائے گا کہ وہ بہت دور رشتہ دار ہے ایک رشتہ پر ابن بنت ابن عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے پردادا کے باپ ناصری کے پوتے کا نواسہ ہے اور دوسرے رشتہ پر ابن ابن بنت عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے باپ کے پردادا کے پوتی کا پوتا ہے بہر حال ذوی الارحام سے ہے خود عصبہ وارث نہیں اور اولاد خالہ سے درجے میں بعید ہے لہٰذا ان کے سامنے اسے کچھ نہ ملے گا۔ تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف واذا استووافی درجۃ قدم ولد الوارث[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہر صنف میں زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا، اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳: از بہٹ ضلع سہارنپور مرسلہ مشتاق حسین ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے بعد معاف کرنے مہر شرعی جن کے شاہد اس کی ماں اور بہن نیز ماموں حقیقی ہیں انتقال کیا اور ایک لڑکی سہ سالہ اور خاوند چھوڑے اسباب جہیزی میں سے کچھ زیور اور کپڑا اس کے شوہر کے یہاں سے اس کی ماں اور بہن لے گئے باقی کی ایک فہرست اس کے شوہر کو دی اور کہا کہ اس کو بیچ کر ایصال ثواب اور فاتحہ میں خرچ کریں، بس کیا حکم شرعی ہے اس بارے میں پسماندہ اسباب کا کون مالک اور مصرف ہے اور ماں باپ اور بہن کو اس کی واپسی کا کیا حق ہے؟

الجواب:

جہیز وغیرہ جو کچھ عورت کی ملک تھا صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض اگر وارث صرف یہی ہیں ہر ہر چیز کے بارہ ۱۲ حصے ہوں گے تین ۳ حصہ شوہر کے، دو ۲ ماں کے، چھ بیٹی کے، ایک بہن کا۔ ماں بہن جو کچھ لے گئیں واپس لا کر سب ملا کر بارہ حصہ کر کے اپنے تین حصے لے کر ان کو فاتحہ وغیرہ جس میں چاہیں صرف کریں شوہر کے تین حصوں کا اختیار شوہر کو ہے اور دختر کے چھ ۶، تو کوئی بھی فاتحہ وغیرہ میں صرف نہیں کر سکتا وہ اس کے باپ کے قبضے میں رہ کر خود

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

اس کے خورد ونوش میں صرف ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۴: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی کافر میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو اب وہ بھائی کافر اس کا اس کو حق حصہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ہمارے مذہب سے نکل گئے تمہارا حق کیسا آیا اس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب:

اگر مثلاً باپ کا ترکہ دونوں بھائیوں نے پایا تھا اب ایک مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے حصے کا مالک ہے مسلمان ہوجانے سے ملک زائل نہ ہوئی ہاں اس کے اسلام کے بعد ان کافروں میں جو مرا اس کا ترکہ اسے نہ ملے گا لاختلاف الدین (دین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵: از دربھنگہ قلعہ گھاٹ مرسلہ غلام اکبر ۱۴/رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مرا اور اس کی بی بی مرنے کے بعد اس کی کل جائداد پر قابض ودخیل ہوئی اور اپنا اندراج نام بھی دفاتر گورنمنٹی میں کرایا۔ چندسال کے بعد وہ مسلمان ہوگئی تو اب جائداد مذکورہ بعد تبدیل مذہب زن نو مسلمہ کو شرعاً ملے گی یا نہیں؟

الجواب:

جو چیز اس وقت اس کی ملک سمجھی جاتی تھی وہ بعد اسلام بھی اس کی ملک رہے گی، اسلام قاطع ملک نہیں، واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۶: از حجرہ کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور براستہ چھانگا مانگا سب آفس بلوکی مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۵/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بھائی خورد عمرو کو بصد محنت تعلیم کتب دینیہ کی دے کر اچھا خاصہ اہل علم بنادیا اور دیگر حقوق خورد ہونے کے بھی ادا کئے مگر عمرو اس جوہر کا نکلا کہ جملہ حقوق پر خاک ڈال کر بے مروّتی پر کمر باندھ لی اور اپنے بڑے بھائی واستاد وہمسایہ کی ایذارسانی پر کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا حتی کہ فی الحال بلا اولد زید کے

عمرو زید کی موت کا ملتجی ہے اور زید نے ان حرکات ناشائستہ سے تخمیناً عرصہ سات برس تک صبر کیا مگر جب طاقت بشری تحمل کی نہ رہی تو مجبوراً زید کو عمرو کا عاق کرنا پڑا، کیا یہ عمرو عاق کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ اور عاق ہونے کے بعد وراث ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

صورت مذکورہ میں عمرو ضرور عاق وفاسق ومستحق عذاب النار ہے مگر عقوق بمعنی ارث نہیں۔

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[1]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطافرمادیا ہے۔ (ت)

نہ عاق کردینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے نہ اس سے میراث ساقط ہو، ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقف اہلی کردے اور اس میں عمرو کے لئے شرط لگادے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان باتوں کا پابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصود زید حاصل ہو سکتا ہے، اور اگر امید اصلاح نہ ہو اور بالکل محروم کردے جب بھی حرج نہیں کہ فاسق کو میراث سے محروم کردینے کی اجازت ہے یہ توقف ہے۔ فتاوٰی خلاصہ ولسان الحکام وفتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھٰذا خیر من ترکہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر اس کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کردے اور فاسق اولاد کو اس سے محروم کردے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۷: از شہر سیالکوٹ بازار پینج پورہ زیر قلعہ مرسلہ امام الدین صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تین لڑکے چھوڑ کر مر گیا دو ۲ بڑے

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

عمرو بکر شادی شدہ تھے اور تیسرا خالد کم سن غیر شادی شدہ تھا عمرو بکر نے جو قرضہ والد کا تھا وہ اپنے ذمے لے لیا اور مکان کا تیسرا حصہ اور مبلغ دوصد روپیہ شادی کے واسطے اس چھوٹے بھائی خالد کو دے دیئے اور قرضہ اور جائداد دونوں بڑے بھائیوں نے نصف نصف کرلیا اس کے بعد بڑا بھائی عمرو فوت ہوا اور اس کی عورت کو چھوٹے بھائی خالد نے اپنے ساتھ نکاح کرلیا، عمرو کی دو لڑکیاں تھیں چونکہ وہ کم سن غیر شادی شدہ ہیں اس واسطے وہ بھی اپنی والدہ کے ہمراہ خالد اپنے چچا کے پاس آئیں۔ اس نے اپنی مرضی سے بڑی لڑکی کا نکاح کردیا اس کے بعد دونوں لڑکیاں فوت ہوگئیں، اب اس کے پاس عمرو کی سب جائداد معہ عورت موجود ہے اور دوسرے بھائی بکر کو کچھ نہیں دیتا اور جو رقم مبلغ دوصد روپیہ کی اس کو قبل تقسیم اس کی شادی کے واسطے دیئے گئے تھے وہ بھی اس کے پاس ہے کیونکہ اس کی شادی پر وہ خرچ نہیں ہوئے کیونکہ رانڈ بھاوج سے نکاح کرلیا ہے اب کس طرح اس جائداد کو تقسیم کیا جائے نیز ان تینوں بھائیوں کی نانی حقیقی کو ان کے والد مرحوم زید نے کچھ حصہ مکان کا بیع کردیا ہوا تھا وہ بھی مرگئی وہ بھی اسی خالد کے قبضے میں ہے اس میں سے بھی عمرو بکر کو حصہ آتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال میں کچھ نہ بتایا کہ مکان کے علاوہ زید کی باقی جائداد منقولہ وغیر منقولہ وجنس ترکہ کس قدر تھا اور اس پر قرض کتنا، نہ یہ کہ دونوں لڑکیوں میں پہلے کون مری، اور جس کی شادی ہوگئی تھی اس کے بعد اس کا شوہر یا کوئی بچہ رہا یا نہیں، اور دوسری کی شادی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی، تو اس کے وارث کون کون سے رہے، ان کی ماں ان کی نانی سے پہلے مری یا بعد، اس کے کون کون ورثہ رہے، تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثہ وترتیب اموات نہیں ہوسکتا، اتنا اجمالاً کہا جاسکتا ہے کہ اگر بعد ادائے قرضہ زید اس کا متروکہ چھ سو روپے سے زیادہ کا تھا اور خالد کو صرف دوسو پہنچے تو عمرو بکر کے پاس خالد کا حق رہا اور جائداد باہم بانٹ لینا اور خالد نابالغ کو روپیہ دینا یہ بھی ناجائز تھا پھر خالد کا جتنا حق عمرو کے پاس رہا وہ تو خالد کے قبضے میں آہی گیا جتنا بکر کو گیا تھا اگر وہ ان حصوں کے برابر ہے جو بکر کو دختران عمرو اور اپنی نانی کے مال سے پہنچتے ہیں تو برابر ہوگئے ورنہ بکر یا خالد جس کے پاس پہنچا ہوا ہے وہ دوسرے کو دے کہ حق العباد سے پاک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: ۲۶/رمضان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکااور تین لڑکیاں ہیں اور لڑکے کی ولایت ثابت ہوچکی ہے لڑکابد چلن اور بدوضع ہے اوراپنی ہمشیرگان وپدر کونہایت تکلیف دہ ہے زیداسے عاق کرناچاہتاہے کہ وہ آئندہ میری لڑکیوں کے اور میرے متروکہ میں اگرکچھ میرے پاس باقی بچے تووہ اس حق سے جومجھ سے پہنچے اورلڑکیوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے عاق کرناکس حدتک جائزہے؟

الجواب:

عاق کرناشرع میں کوئی چیز نہیں، نہ وہ اس کے سبب ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں اگروہ واقعی فاسق وآوارہ ہے تویہ جائزہے کہ اپناسب مال بذریعہ وقف علی الاولاد یابذریعہ بیعنامہ یاجداجدا تقسیم کرکے قبضہ دے کر بذریعہ ہبہ نامہ اپنی بیٹیوں کے نام کر دے یوں بیٹے کوآپ ہی کچھ نہ پہنچے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۹: از شہر بریلی محلّہ گندانالہ مسئولہ حافظ محمد جان صاحب ۱۱ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیااس نے دولڑکے چھوڑے، ایک لڑکے کواپنی زندگی میں جوکچھ اس کے پاس چیز تھی وہ دے دی اوراس پراس کو قابض کرگئی، لڑکے نے والدہ کی زندگی میں اس میں سے صرف بھی کیا اپنے اختیار سے، اور جوکچھ باقی رہاوہ اس کے قبضہ میں ہے، پس اس صورت میں شریعت مطہرہ دوسرے لڑکے کوکچھ دلاسکتی ہے یانہیں؟

الجواب:

اگرمرض الموت سے پہلے دے کرقبضہ تامہ دے گئی تھی تودوسرے لڑکے کااس میں کچھ حق نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۰: از شاہجہانپور مرسلہ شیخ علی حسین صاحب ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زیدنے کہ کوئی وراثت کانہیں حق رکھتااور شرعًا ترکہ کابوجہ من الوجوہ ذی استحقاق نہیں ہوسکتا، اب بحالت مول لینے جائداد ترکے کے ترکہ دین مہرپانے کاجوحق بیچنے والے وارثوں کاہے کیایہ خریدنے والادعوی کرسکتاہے کہ جائداد ترکہ لینے سے مجھ کوترکہ دین مہرپانے کاحق حاصل ہےاور دعوی اس کاشرعًا جائزہے یانہیں؟

الجواب:

ہر گز خریدار ترکہ کو کوئی استحقاق دعوی مہر کا نہیں مہر کی مالک عورت ہے نہ کہ یہ مشتری متروکہ بلکہ اگر قبل ادائے دین مہرو دیگر دیون (اگر ہوں) ورثہ غیر زوجہ نے جائداد بیع کردی اور مہر تنہا یا مع دیگر دیون جائداد متروکہ کو محیط یعنی اس کے مساوی یا زائد ہے تو زوجہ ودیگر دائنان کو اختیار ہے کہ یہ بیع رَد کردیں اور اپنے مہر و دیون اس سے وصول کریں،

فان الترکۃ المستغرقۃ بالدیون لاتصیر ملکا للورثۃ کما فی الاشباہ[1] وغیرھا۔	جس ترکہ کو قرضوں نے گھیر رکھا ہو وہ وارثوں کی ملکیت نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔(ت)

اور اگر متروکہ کے ساتھ عورت سے اس کا مہر بھی مشتری نے خرید لیا ہے جب بھی اس کا دعوی باطل ہے کہ دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہوسکتا، اشباہ ودرمختار وغیرہا میں تصریح ہے کہ:

بیع الدین ممن لیس علیہ باطل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	قرض کی بیع اس شخص کے ہاتھ کرنا جس پر وہ قرض نہیں ہے باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۱۹۱: ازہلدوانی ضلع نینی تال مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ اسرارالحق صاحب ۱۶صفر ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج زوجہ کا انتقال ہوگیا بعد انتقال کے روپیہ نقد اور زیور چھوڑا، روپیہ اور زیور کو برادری نے جمع کرلیا شخص مرنے والے کی ایک بھتیجی حقیقی یعنی حقیقی بھائی کی لڑکی بیوہ اور یتیم بچے ہمراہ، اور برادری یہ بات کہتی ہے کہ یہ روپیہ اور زیور مسجد کو دے دینا چاہئے اور بھتیجی کو نہ دینا آیا اس صورت میں بھتیجی بیوہ کا حق نکلتا ہے یا نہیں یا کہ مسجد کو دے دیں، اس صورت میں مسجد کو دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ زوجہ مرنے والی کے بھائی بھانجے ہیں وہ بھی اس روپیہ زیور میں سے حصہ کے دعویدار ہیں یا نہیں؟ مگر یہ بھائی بھانجے حقیقی نہیں ہیں اور دور رشتہ کے ہیں ان کا بھائی حق روپیہ زیور میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

[2] الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵-۱۶۶

الجواب:

برادری کا کہنا قابل سماعت نہیں، وہ مال وارثوں کا ہے، زوج یا زوجہ جس کا مال ہے۔ اس کے جو وارث ہوں اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتہ کے بھائی یعنی دادا پر دادا کی اولاد کے بھائی ان میں جو قریب تر ہے وہ وارث ہوگا اس کے ہوتے بھتیجی بھی وارث نہیں، نہ بے اجازت وارث، ایک حبّہ اس میں سے مسجد میں لگانا جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۲: از چتور گڑھ میواڑ مرسلہ فتح محمد ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قوم میں تقسیم ترکہ کا رواج نہیں تو ایسے مال سے کہ جس میں بالغ اور نابالغ وارث ہیں کھانا لینا دینا خیرات کا ہونا جائز ہے یا ناجائز جب کہ بالغ بھی وارث مال ہیں اور وہ کریں جیسے کا کو کریم بخش کی صورت کہ تقسیم ترکہ ہوتا ہی نہیں اناث تو متروک الارث سمجھے جاتے ہوں اور ذکور ہی صرف وارث بنے جاتے ہیں ہمارے یہاں تو بالغین کا صرف کرنا کیسا؟

الجواب:

اناث کو محروم کرنا حرام قطعی ہے ہنود کا اتباع اور شریعت مطہرہ سے منہ پھیرنا ہے جبکہ اس میں نابالغوں کا حق مخلوط ہے اور معلوم ہے کہ یہ خالص اپنے حصے سے نہیں کرتے بلکہ کل کو اپنا ہی حصہ جانتے ہیں تو اس میں سے نہ کھانا جائز نہ کچھ لینا۔

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ اَمۡوَالَ الۡیَتٰمٰی ظُلۡمًا اِنَّمَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ نَارًا ؕ وَ سَیَصۡلَوۡنَ سَعِیۡرًا ﴿۱۰﴾ "[1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نہیں بھرتے مگر آگ اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳: از دفتر صدر اول بزم حنفیّہ لاہور خواجگان منزل مرسلہ مولوی حکیم عبدالحمید صاحب صدر اول ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل اسلام مفتیان حنفیہ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت متشرع فوت ہوا۔ زید عمرو، بکر، خالد اور زبیدہ وہندہ یہ چھ اولادیں چھوڑیں۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

نے اس کے ترکہ کو بقوانین شرع تقسیم پر صاف انکار کیا، نمبر ۳ کی طرف سے اس پر ڈیڑھ سال تک اعتراض اور انکار ہوتا رہا بالآخر انہوں نے جو ثالث کیا اس نے بھی فیصلہ بحق ہر سہ بالا بخلاف شریعت کر دیا۔ اس فیصلہ میں نمبر ۳ کا بہت سا حق زائل کر لیا گیا زبیدہ بھی خلاف شرع حصہ پاچکی ہے مگر ہندہ جو بعد متوفی فوت ہو گئی، اب فریق نمبر ۳ اپنے قلیل حصہ سے بھی جو اس کو وراثۃً ملا ہے اپنی ہمشیرہ مرحومہ کے شرعی حصہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے مرحومہ کی سسرال اور بالخصوص خاوند فاسق فاجر عقائد میں صلح کل جس کا پسر الولد سرٌ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے) ہے پس فریق نمبر ۳ حیرت میں ہے کہ مرحومہ کا ورثہ کس کو ادا کیا جائے اس کا ارادہ ہے کہ یہ حصہ بنام بزم حنفیّہ کر دیا جائے اور وہ بتدریج اشاعت مذہب حنفیّہ وحمایت کلام مجید صرف کرے، اب استفسار ہے کہ کیا اس صورت میں جب کہ لڑکا بھی فاسق فاجر کے قبضہ میں ہے اگر یہ روپیہ اس کو دے دیا جائے تو فسق وفجور اور بدمذہبی میں صرف ہوگا تو کیا اس ترکہ کو (جو یک صد روپے کے اندر اندر ہوگا) بزم حنفیّہ حمایت کلام مجید اور اشاعت مذہب اہلسنت میں صرف کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

سوال زائد باتوں سے بہت مفصّل اور ضروری باتوں سے نہایت مجمل ہے کیسی تقسیم خلاف شرع ہوئی اگر اس شیطانی مسئلہ پر عمل ہوا جو آج کل شیاطین الانس میں ہے کہ بنات کو ترکہ نہیں دیتے تو زبیدہ کو کیسے ملا اور پسر سوم کا حق کیسے زائل ہوا اور اگر یہ ہے کہ تینوں بیٹوں اور ایک بیٹی نے باہم لے لیا اور ایک دختر کو کچھ نہ دیا اور پسر سوم کو اس کے حصہ سے بہت کم دیا اس صورت میں اس دختر کے حصہ کا اس پسر پر کیا بار ہے؟ اس نے اس کا کیا دبایا ہے جس سے سبکدوشی چاہتا ہے؟ ترکہ کیا چیز ہے اور تقسیم کس طرح؟ صاف تحریر فرمائیں کہ جواب دیا جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۹۴ تا ۱۹۶: از کانپور نئی سڑک دکان حاجی رحیم بخش وحاجی فہم بخش مرسلہ کاظم حسین صاحب ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ زید فوت ہو گیا اور اپنی بیوی اور ایک نابالغہ لڑکی چھوڑی، عمرو جو زید کا باپ ہے اس وجہ سے کہ اس نے ایک غیر کفو کی عورت سے بعد وفات والدہ زید نکاح کر لیا تھا ہمیشہ زید سے علیحدہ رہا۔ اب بعد وفات زید زید کی جائداد پر ناجائز صورت سے قابض ہو گیا ہے اور اتلاف جائداد کی نیت سے لڑکی نابالغہ کا ولی بننا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اوّل: زید کی متروکہ جائداد زید کی لڑکی و بیوی پر تقسیم ہونے کی کیا صورت ہے؟

دوم: زید کے متروکہ میں عمرو کا اور زید کے علاتی بھائی خالد کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟

سوم: ایسی حالت میں جبکہ عمرو کی ولایت سے جائداد کے تلف ہوجانے کا احتمال ہے تو نابالغہ کی ماں ولیہ نابالغہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

بعد ادائے مہرودیگر دیون حسب شرائط فرائض متروکہ زید کے آٹھ حصوں سے ایک حصہ اس کی زوجہ اور چار سہم دختر اور تین سہم عمرو کو ملیں گے فرضًا وعصوبۃً (بطور فرض اور بطور عصبہ) اور علاتی بھائی کا کوئی حق نہیں شریعت مطہرہ نے پدرووصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے ماں کسی طرح ولی مال نہیں، نہ کہ دادا پر اس کو ترجیح ہو۔ درمختار میں ہے:

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	نابالغ کا ولی اس کے مال میں اس کا باپ پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی ہوتا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مرسلہ حافظ جان محمد صاحب ساکن گندہ نالہ شہر بریلی

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیا اور ایک مکان واسطے ادائیگی مہر اپنی بیوی کے چھوڑا ایک لڑکا پانچ لڑکیاں اولاد چھوڑی ایک لڑکی کی شادی والد نے خود کردی ۴ لڑکیاں رہیں ان لڑکیوں کی والدہ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم اپنی کمائی سے ان کے عقد نکاح کا انتظام کردو اس مکان کا تم کو مالک کیا چنانچہ لڑکے نے حسب فرمان اپنی والدہ کے چاروں کا عقد نکاح کردیا بعد کو والدہ نے انتقال کیا اس کے بعد دو لڑکیاں انتقال کرگئیں بعد اس کے اس لڑکے نے بھی انتقال کیا اس نے تین ہمشیرہ اور اپنی بیوی اور دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں بعد کو ایک ہمشیرہ اور انتقال کرگئی لیکن ان سب کی اولاد موجود ہیں کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وہ ہمشیرہ جس کی شادی خود والد نے کی، زندگی میں نہ کسی نے مکان پر قبضہ کیا نہ طلب کیا اور اس لڑکی کے ذمہ قرضہ دینا ہے جتنے کا مکان کا حصہ ہے اتنا قرضہ بھی ہے،

---

[1] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

پس اس صورت میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟ آیا لڑکی یا ان کی اولاد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اور لڑکے کی بیوی کو اور اولاد کو حق پہنچے گا یا قرض ادا کیا جائے گا؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

ماں نے جو لفظ لڑکے سے کہے تھے کہ ان کا نکاح کردو تمہیں مکان کا مالک کیا اس سے ہبہ خواہ بیع کہ ٹھہرائیں جبکہ ماں بلکہ لڑکا بھی قبل قبضہ مکان انتقال کرگئے لڑکا کسی طرح اس مکان کا مالک نہ ہوا ہبہ میں توظاہر کہ قبل قبضہ ان میں ایک کی موت سے باطل ہوتا ہے اور بیع میں یوں کہ یہ بیع بوجہ جہالت ثمن باطل تھی اور بیع فاسد میں قبل قبضہ مشتری مالک نہیں ہوتا۔ در مختار میں ہے:

اذا قبض المشتری المبیع برضاء بائعه فی البیع الفاسد ولم ینهه ملکه[1]۔(ملتقطا)	جب مشتری بیع فاسد میں بائع کی رضامندی سے مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع اس کو منع نہ کرے تو وہ مبیع کا مالک ہوجائے گا۔(بالالتقاط)۔(ت)

تو مکان کہ ماں کے مہر میں تھا اسی کی ملک رہا اس کے لڑکے اور پانچوں لڑکیوں سب کا اس میں حصہ ہوا جو موجود ہیں ان کو اور جن کا انتقال ہوگیا ان کی اولاد ورثہ کو حصہ پہنچے گا، جو حصہ اس پسر کا ہوگا اس سے جو قرضہ اس پر ہے ادا کیا جائے گا اگر کچھ بچا تو اس کی زوجہ اور بیٹے بیٹیاں پائیں گے ورنہ کچھ نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۸: از پولیس لائن ضلع سیتاپور مرسلہ عرفان خاں کانسٹیبل محرر ۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

اصغری بیگم کا خاوند مرگیا، اصغری بیگم کے ایک لڑکا بالغ عرفان خاں اور ایک نابالغہ لڑکی مظہری بیگم ہے، مسمّاۃ بیوہ نے مظہری کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہا اور عرفان خاں کو خط لکھا کہ میں تمہاری بہن مظہری بیگم کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں تمہاری کیا رائے ہے۔ عرفان خاں نے اپنی ماں کو جواب دیا کہ بکر بدچلن اور خلاف شرع شخص ہے مجھے اپنی بہن کا عقد اس سے منظور نہیں باوجود ممانعت عرفان خاں ماں نے بولایت خود خلاف مرضی عرفان خاں بکر کے ساتھ مظہری کا عقد کردیا اور پندرہ دن بعد بذریعہ خط عرفان خاں کو عقد مذکور کی اطلاع دی عرفان خاں نے جواب دیا کہ تم نے میری بلااجازت اور خلاف مرضی جو نکاح مظہری کا بکر کے ساتھ کردیا ہے میں اس کو ہرگز نہ مانوں گا اور مظہری کی رخصت بکر کے ساتھ نہ کروں گا نکاح کو ڈھائی سال ہوئے مظہری اب بالغہ ہے اور

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

اس نکاح سے اپنی نارضامندی ظاہر کرتی ہے اور فسخ کرانا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

الجواب:

اگر یہ بیان صحیح ہے تو عرفان خاں نے جس وقت نکاح کی اطلاع پانے پر اس نکاح کے ماننے سے انکار کیا اسی وقت وہ نکاح رَد ہو گیا اور مظہری کو بکر سے کچھ علاقہ نہ رہا فسخ کی کیا حاجت کہ وہ سرے سے نہ رہا مظہری کو اختیار ہے جس مناسب جگہ چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: ازمدرسہ عین العلوم پوسٹ برتلہ ۲۴ پرگنہ مرسلہ محمد سراج الدین صاحب ۱۲/رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے انتقال کیا اور زوجہ واب وام وایک اخت عینی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا اگر اس صورت میں ام کو ثلث مابقے ملے تو سراجی کی عبارت ذیل کا کیا مطلب ہوگا:

وثلث مابقی بعد فرض احد الزوجین وذٰلك فی مسألتین زوج وابوین اوزوجۃ وابوین[1]۔ بیّنوا توجروا۔	ماں کو زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تہائی ملے گا اور وہ دومسئلوں میں ہوتا ہے: (۱) میت نے خاوند اور والدین چھوڑے ہوں۔ (۲) میت نے بیوی اور والدین چھوڑے ہوں۔ بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

ہاں اس صورت میں ام کو ثلث باقی ملے گا اور یہ عبارت سراجیہ کے مخالف نہیں، وہی صورت زوجہ وابوین کی ہے کہ اخت عینیہ کا وجود وعدم یکساں ہے کہ خود محجوب بالاب ہے اور ام کو حاجبہ عن الثلث نہیں، ہاں دو عینیہ ہوتیں تو ام کو سدس ملتا زوجہ کو ربع باقی اب کو عصوبۃً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: لکھنؤ محلّہ رکاب گنج گڈھیا متصل احاطہ کمال خاں ۲ مکان مرسلہ مہدی حسن خاں صاحب مورخہ ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر اول سے دو پسر زید وبکر اور ہندہ کے شوہر ثانی سے ایک پسر خالد ہے، اور ہندہ کے شوہر ثانی کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر ولید ہے۔ خالد فوت ہوا اس نے ورثہ ذیل چھوڑے ایک بیوہ لاولد

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۸

اور زید وبکر برادران اخیافی اور برادر علاتی ولید جو کہ رافضی المذہب ہے۔ تو ایسی صورت میں تقسیم ترکہ کن کن ورثہ پر ہوگا؟ دیگر یہ کہ متوفی نے جو جائداد چھوڑی ہے وہ متوفی کی خاص قوت بازو سے حاصل کی ہوئی ہے کسی مورث قدیم کا کچھ ترکہ اس میں شامل نہیں ہے اور بیوہ لاولد متوفی کی کسی وارثان استحقاق شدہ کو کچھ حصہ نہیں دیتی ہے بلکہ آمادہ جنگ وجدال ہے تو اس صورت میں نزدیک شرع شریف کے عنداللہ گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ فقط۔ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بیوہ کا مہر واجب الادا اگر قدر متروکہ سے زائد یا برابر ہے اور وہ اس دعوی سے کسی وارث کو کچھ دینا نہیں چاہتی تو گنہ گار نہیں، وارث اگر مہر میں جائداد دینا نہ چاہیں مہر ادا کریں اس کے بعد جائداد میں حصہ لیں، اور اگر مہر نہیں یا قدر متروکہ سے کم ہے تو بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے اور وہ گنہ گار۔ خالد کا ترکہ حسب شرائط فرائض بعد ادائے مہر ودیگر دیون و انفاذ وصایا وانحصار ورثہ فی المذکورین آٹھ سہم ہو کر دو سہم زوجہ اور تین تین سہم دونوں اخیافی بھائیوں کو ملیں گے اور ولید برادر علاتی کو بوجہ اختلاف دین کچھ نہ ملے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے دربارہ روافض ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام کی طرح ہیں۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

واختلاف الدین یمنع الارث[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے (ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۱: از سنبھل ضلع مرادآباد محلہ کوٹ غربی متولیان مسئولہ سید محمد علی صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص سنی المذہب کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی دو بہنیں سنی المذہب اور ایک بیٹی شیعی المذہب چھوڑیں، شرعاً اس صورت

[1] الفتاوی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب الخامس ۶/ ۴۵۴

میں ترکہ متوفی کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ **بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب** (کتاب سے بیان کرو حساب کے روز اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض متوفی کا ترکہ نصف نصف دونوں بہنوں کو پہنچے گا اور بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین کذا فی الفتاوی الظھیریۃ[1]۔	رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام جیسے ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ میں یوں ہی ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

المرتدین لایرث من مسلم ولا من مرتد مثلہ کذا فی المحیط[2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**	مرتد نہ تو مسلمانوں کا وارث بنتا ہے اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ ایسا ہی محیط میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم** (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از شہر بہار چوک بازار پٹنہ دکان پارچہ حاجی ناصر علی محمد ابراہیم ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

زید نے انتقال کیا، تین لڑکے چھ لڑکیاں چھوڑیں جن میں چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں اور دو نابالغہ اور ایک لڑکا نابالغ، اور احد و محمود دو لڑکے بالغ، یہ پانچوں اور ان کی والدہ ایک ساتھ رہے، اور کل متروکہ انہیں کے قبضہ میں رہا۔ وہ چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں، وقت انتقال زید حق پدر کی طالب نہ ہوئیں، متروکہ پدری سے احد و محمود نے تجارتیں کیں کچھ ایسے ہی اور کچھ میں مضارب بن کر جس سے عظیم کاروبار ہوگیا وہ چاروں دختر اب پدری حق چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کچھ تجارتوں میں زیادتی ہوئی ہے وہ بھی ہمارے ہی باپ کا مال ہے اس میں بھی ہمارا حق ہونا چاہئے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت) اور اگر نفع میں بھی ان کو حصہ دیا جائے تو کیا اس نفع سے بھی حصہ ملے گا جس میں احد و محمود مضارب ہوئے تھے؟

[1] الفتاوی الهندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الفرائض الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۵

الجواب:

جبکہ نہ ان لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کرسکتی ہیں تجارت سے جو نفع ہوا وہ لڑکیاں اس کی مالک نہیں، ہاں ان کے حصہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں، ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل واولٰی ہے اور ان لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انہیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعًا حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو صلہ رحم ہو صاحب حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے، **واللہ تعالٰی اعلم**

اور اس میں برابر ہے وہ نفع کہ انہیں مال متروکہ کی تجارت پر ملا اور وہ جس میں احد و محمود مضارب ہے کہ ان چار لڑکیوں نے نہ حصہ طلب کیا نہ ان کو مضارب کیا، بطور خود مضارب بن جانا مہمل محض ہے اور اگر ماں نے مضارب کیا تو ان چار لڑکیوں کے حصوں پر اسے بھی کوئی اختیار نہ تھا بہر حال ان کا حصہ ان کے ہاتھ میں بطور غصب رہا اور اس پر نفع جس طرح بھی حاصل ہوا خبیث ہوا اور اس کا وہی حکم ہے جو گزرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳: از بمبئی محلّہ کماٹی پورہ دوسری گلی مسئولہ محمد عثمان صاحب سنی حنفی قادری ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک نادار شخص ہے جس کی اہلیہ اور ایک دختر تین سال کی ہے قرض لے کر اپنی زوجہ و دختر کو زیور بنادیا اور اب بھی مقروض ہے اس کی خوشدامن بغیر اجازت زید اپنی لڑکی اور نواسی کو اپنے مکان پر لے گئی اور آنے نہ دیا اس درمیان میں زوجہ زید بیمار ہوگئی اور حالت بیماری میں اپنے شوہر کو دو آدمیوں کے روبرو بلوا کر مہر معاف کردیا۔ زید نے قرض لے کر تجہیز و تکفین کردی اب خسر زید زیور اور نواسی کو دینے سے انکار کرتا ہے کہ تمہارا اب کوئی حق نہیں اور نہ تمہاری ہمشیرہ کو لڑکی کے پرورش کرنے کا کوئی حق ہے لہٰذا صورت مسئولہ میں زیور اور نواسی کو نہ دینا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟ **بیّنوا بیانا شافیا توجروا اجرا وافیا** (تسلی بخش طور پر بیان کرو پھر پورا اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

اگر زوجہ ودختر کو زیور کا مالک نہ کردیا تھا نہ وہاں کے عرف ورواج سے مالک کردینا مفہوم ہوتا ہو تو اس زیور کا مالک خود زید ہے عورت کا ماں باپ کو اس کے رکھ لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر مالک کردیا تھا جب بھی لڑکی کا زیور وہ نہیں رکھ سکتے کہ نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانا نانی۔ رہا عورت کا زیور اس کے تیرہ حصوں میں سے چار حصے اس کے ماں باپ کے اور تین حصے شوہر اور چھ حصے لڑکی کے، عورت کے والدین اپنے چار حصے لے سکتے ہیں، باقی نو حصے لینے اور رکھنے کا مستحق اس کا شوہر ہے۔ یوں ہی مہر کے تیرہ حصوں میں سے تین حصے بحق شوہر ساقط ہوگئے اور چھ حصے کہ حق دختر ہیں نانا نانی ان کا مطالبہ نہیں کرسکتے اپنے چار حصے مانگ سکتے ہیں، اگر عورت کا معاف کرنا کہ مرض الموت میں تھا منظور نہ رکھیں اور اگر بعد مرگ زن اس معافی کو منظور کرچکے ہوں تو ان کا مہر میں کوئی حق نہ رہا لڑکی نو برس کی عمر ہونے تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از حجرہ شریف ریاست بہاولپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب چشتی سجادہ نشین ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ موجب روایت متون سراجی وہدایہ وکنز وملتقی الابحر عند اختلاف الجہۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ وبکون الاصل وارثا معتبر نہیں یعنی بنت العم وابن الخال میں سے کسی کو ترجیح نہیں بلکہ بنت العم کو دو حصہ ابن الخال کو ایک حصہ دیا جائے گا اور اسی روایت کو صاحب فتاوٰی حامدیہ نے مفتی بہ قرار دیا ہے **بقولہ المعتبر مافی المتون لانہا موضوعۃ لنقل المذہب**[1] (اپنے اس قول کے ساتھ کہ معتبر وہی ہے جو کچھ متون میں ہے کیونکہ وہ نقل مذہب کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ت) اور صاحب فتاوٰی خیریہ نے روایت شمس الائمہ سرخسی کو بہت نقول کے ساتھ مؤید کرکے مفتی بہ قرار دیا یعنی عند اختلاف الجہۃ ولد عصبہ کو ترجیح ہے، علامہ شامی نے بھی اسی روایت کی بڑی تائید کرتے ہوئے اپنی کتاب تنقیح حامدیہ میں مفتی بہ قرار دیا مگر **عند اختلاف الجہۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ** (اختلاف جہت کے وقت قوت قرابت کے ساتھ ترجیح۔ت) میں اضطراب کرکے امر بمراجعۃ کتب کیا ہے،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

بقوله بقى ما اذا اختلفت الجهة فهل يرجح بقوة القرابة امر لا. اما على رواية انه لاترجيح لولد العصبة على ولد ذى الرحم فقد صرحوا بانه لا ترجيح ايضًا بقوة القرابة فلا يرجح ولد العمة لا بوين على ولد الخال اوالخالة لاب، قالوا وانما يعتبر ذٰلك فى كل فريق بخصوصه فالمدلولون بقرابة الاب يعتبر فيما بينهم قوة القرابة ثم ولد العصبة اى فيقدم ولد العمة لابوين على ولد العمة اوالعم لاب، وكذا المدلولون بقرابة الام فيعتبر فيهم قوة القرابة ولاتتصور عصوبة فى قرابة الام فولد الخالة لابوين مقدم على ولد الخال لاب، واما على رواية ترجيح ولد العصبة عنداختلاف الجهة فلم ارمن ذكرانه يرجح بقوة القرابة، بل ظاهر اطلاق هذه الرواية ترجيح بنت العم لاب على ابن الخال لابوين وان كان ابن الخال اقوى منها، ومقتضى ما مر عن السيد من التعليل بان

اپنے اس قول کے ساتھ، باقی رہی اختلاف جہت کی صورت کہ کیا اس میں قرابت کی قوت سے ترجیح ہوگی یانہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر کوئی ترجیح نہیں مشائخ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قوت قرابت کے ساتھ بھی ترجیح نہیں ہوگی۔ چنانچہ حقیقی پھوپھی کی اولاد کو علاتی ماموں یاعلاتی خالہ کی اولاد پر ترجیح نہ ہوگی۔ مشائخ نے کہاکہ قوت قرابت کااعتبار ہر فریق میں علیحدہ ہوگا۔ لٰہذا جورشتہ دار باپ کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہیں ان کے درمیان قوت قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونا معتبر ہوگا یعنی سگی پھوپھی کی اولاد علاتی پھوپھی یاعلاتی چچاکی اولاد پر مقدم ہوگی۔ یونہی ماں کی قرابت سے میت کی طرف منسوب ہونے والوں کے درمیان قرابت کی قوت معتبر ہوگی مگران میں عصبہ ہونا متصور نہیں ہے۔ چنانچہ حقیقی خالہ کی اولاد علاتی ماموں کی اولاد پر مقدم ہوگی۔ لیکن اس روایت کی بنیادپر کہ جہت مختلف ہونے کے باوجود عصبہ کی اولاد کوترجیح ہوگی میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا جس نے قوت قرابت کے ساتھ ترجیح کا ذکر کیاہو بلکہ اس روایت کے اطلاق کاظاہر تو یہ ہے کہ حقیقی ماموں کے بیٹے پر علاتی چچا کی بیٹی کوترجیح حاصل ہوگی حالانکہ ماموں کابیٹا چچاکی بیٹی سے اقوی ہے۔ اور سید کے حوالے سے جو دلیل پہلے گزری کہ کسی شخص کواس معنی کے

ترجیح شخص بمعنی فیہ اقوی من الترجیح بمعنی فی غیرہ یقتضی ترجیح ابن الخال فی المثال المذکور، ویؤیدہ ان الترجیح بقوۃ القرابۃ اقوی من الترجیح بکون الاصل وارثا فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضاً لانہا اقوی فتامل وراجع[1] اھ۔	اعتبار سے ترجیح جو اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اقوی ہے اس ترجیح سے جو اس کو غیر میں پائے جانے والے معنی کے اعتبار سے حاصل ہو اس کا مقتضٰی تو مثال مذکور میں ماموں کے بیٹے کی ترجیح کو چاہتا ہے، اس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ قرابت کی قوت سے حاصل ہونے والی ترجیح اس ترجیح سے اقوی ہے جو اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے کہا کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر ترجیح ہے۔ اس کے لئے قوت قرابت سے ترجیح دینا بھی لازم ہوگا کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ غور کر اور مراجعت کر الخ (ت)

الغرض آپ کے نزدیک روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ یا متون، اگر روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ ہے تو ترجیح قوت قرابت بھی کی جائے گی،

کماھو رأی الشامی بقولہ ویؤیدہ الخ یانہ کما ھو الظاھر من اطلاق روایۃ السرخسی۔	جیسا کہ شامی کی رائے ہے اس قول کے ساتھ کہ اس کی تائید کرتا ہے الخ یا نہیں، جیسا کہ سرخسی کی روایت کے اطلاق سے ظاہر ہے۔ (ت)

پس بموجب متون قاعدہ اولاد صنف رابع اس طرح ہے:

یرجعون بقرب الدرجۃ ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق علیحدۃ الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بولد العصبۃ۔	وہ قرب درجہ کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق میں علیحدہ قوت قرابت، پھر اولاد عصبہ ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب ظاہر اطلاق سرخسی قاعدہ یہ ہے:

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۱

یرجعون بقرب الدرجة ثم بکون الاصل وارثا ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثا۔	وہ قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں۔ پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ پھر ہر فریق میں قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب مذاق شامی قاعدہ یہ ہے:

یرجعون بقرب الدرجة ثم بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثا اتحدت الجھۃ اواختلفت ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔	وہ قرب درجہ، پھر قوت قرابت، پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں چاہے جہت متحد ہو یا مختلف، پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا (ت)

پس ان میں سے کس قاعدہ کو معمول بہ کیا جائے؟ **بیّنوا توجروا۔**

بخدمت حضرت مولانا صاحب علامۃ الدہر مولوی احمد رضا خاں سلمہ الرحمٰن، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

چونکہ یہ خاکسار اس وقت ایک ایسے رسالہ علم میراث کی تصنیف میں لگا ہوا ہے جو نہایت سہل، مختصر اور منضبط قواعد پر مشتمل ہو، تقلید قواعد قدیمہ کی بالکل ترک کرکے جدید قواعد ایسے ایجاد ہوچکے ہیں جو ایک ہی عمل کے ذریعے سے مناسخہ تک مسئلہ جاتا ہے کہ دوسرے عمل رد، عول تصحیح وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ علیٰ ہذا القیاس ذوی الارحام اور اس کے مناسخہ کی تسہیل بھی پرلے درجہ تک کی گئی ہے، امید کہ بعد تکمیل وہی رسالہ بنابر تقریظ حضور کی خدمت میں بھی ارسال کیا جائے گا، چونکہ اولاد صنف رابع کے قاعدہ تحریمی میں سخت اختلاف ہے لہٰذا حل ہونا اس مشکل کا بغیر امداد آں حل المشکلات صاحب کمال کے سخت مشکل ہے اور کوئی دوسرا اہل فن باکمال میری رائے میں موجود نہیں کہ حل کرسکے، پس بہر حال دوسرے شغل کو بالفعل بند فرماکر مکمل قاعدہ مفتٰی بہ بمع نقل عبارات فقہیہ لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ بعینہٖ آپ کے فتوٰی کو درج رسالہ کیا جائے میرے پاس کوئی اور کتاب بجز شامی ودُرر و

فتاوٰی تنقیح الحامدیہ کے نہیں ہے تاکہ صریح جزئی کامسئلہ حاصل کرسکوں، جوابی لفافہ مرسل خدمت ہے، جب تک جواب نہیں آئے گامیں سخت انتظار میں مضطرب رہوں گااور رسالہ بھی ناقص رہے گا،

ختم ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء راقم خادم الشرع سراج احمد مدرس علوم عربیہ جھجہ ریاست بہاولپور از طرف فقیر احمد بخش چشتی سجادہ نشین جھجہ شریف۔ تاکید مزید بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بخدمت جناب ابوالعلامہ امجد صاحب سلمہ المذہب السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مسئلہ قاعدہ تحریم صنف رابع ذوی الارحام مندرجہ لفافہ ہمارے علماء گردونواح کامختلف فیہ واقع ہواہے کوئی متون کو ترجیح دیتے ہیں دیوبندیوں کافتوی بھی یہ ہے حتی کہ کتاب مفید الوارثین میں بالتصریح مذکور ہے اور کوئی فتاوٰی خیریہ کو مقدم سمجھتے جس کی شامی نے بھی تائید کی۔ اب مسئلہ معرکہ آرابن گیا ہے ایک نقل اس استفتاء کامولوی عبدالغفور ہمایونی کو بھیجاگیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ فوت ہوگئے ہیں باقی دیوبندی علماء غیر مقلد ہیں ان کے فتوے پر اعتبار نہیں آتا۔ آج کل فقہ حنفی کاعالم متبحر بغیر مولوی صاحب مولوی احمد رضاخاں صاحب کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا، ایک خط پہلے دربارہ استفتائے مذکور مولوی احمد رضاخاں صاحب کے پاس بھیجاگیا سب علماء اس جگہ والے منتظر جواب ہیں اس لئے آج دوسرا استفتائے مذکور کی نقل آپ کی وساطت سے بجناب مولوی صاحب بھیجی جاتی ہے. براہ عنایت واعانت دین آپ بنفس نفیس یہ استفتاء مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرکے جواب لکھواکر واپس فرمائیں اللہ تعالٰی جل شانہ، آپ کو اس تکلیف کانعم البدل عطافرمائے گا مگر جواب صرف نعم اور لا میں نہ ہوبلکہ بہ نقول وحوالہ کتب فقہ حنفی مستدل ومبرہن لکھوادیں ایسے اختلاف عظیم کامٹانا اور حق دریافت کرنا جس میں علامہ شامی جیسا محقق بھی عاجز ہوکر دوسروں کو فیصلہ پر امر بمراجعہ کتب فرمارہاہے بجز مولوی صاحب جیسے علامہ متبحر کے اور کوئی قادر نہ ہوسکے گا۔ آج مولوی صاحب جیسی شمع روشن ہے کل کو خدانخواستہ کوئی شخص اس کو حل نہ کرسکے گا۔ مولوی صاحب کے ہاں ذخیرہ کتب موجود ہے امید ہے کہ کسی عالم مصریاشام نے اپنے فتاوٰی میں ذکر اس جزئی کاکیاہو وہ ضرور نقل فرمائیں فقط ۱۱/اگست ۱۹۱۸ء راقم فقیر احمد بخش سجادہ نشین شہر جھجہ ریاست بہاولپور

الجواب:

یہاں دو۲ مسئلے ہیں: **اوّل**[۱]: بحالت اختلاف حیز بھی ولدالوارث کو ترجیح ہے یانہیں۔

دوم: اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولٰی کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ کہا گیا اور ترجیح متون التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات، تو معتمد یہ ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل سلمہ اللہ تعالٰی کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہے ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کواکب مضیہ میں ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی وصاحب ہدایہ ومتن کنز وملتقی واکثر شروح کنز وہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے۔ علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسے اختیار کیا

اقول: اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس ادرنہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات" تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔

حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام[1] اھ بالتخصیص۔	جہاں فرمایا کہ حقیقی چچا کی بیٹی اور اخیافی ماموں کی بیٹی میں مال تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا (اول الذکر کو دو تہائی اور موخر الذکر کو ایک تہائی) کیونکہ باپ کے فریق اور ماں کے فریق کے درمیان قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونا معتبر نہیں اھ تلخیص (ت)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبدالواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ وزبدۃ الفرائض مولوی عبدالباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف جانا ہی چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، **اول** کی عبارت یہ ہے:

وان کان واسطۃ قرابتھم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام والاعتبار	اور اگر ان کی قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی ماں باپ کی قرابت اور ایک تہائی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ ان کے درمیان قوت قرابت

[1] حل المشکلات فی الفرائض

بقوۃ القرابۃ وولدیۃ العصبۃ بینھا کما لوترك اخت الاب لاب وام واخت الام لاب لیس للاولٰی ترجیح علی الثانیۃ وان کانت الاولی ولد العصبۃ وایضا لھا قوۃ القرابۃ کذا ھذا[1]۔	اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔جیسے کسی نے باپ کی حقیقی بہن اور ماں کی علاتی بہن چھوڑی ہو تو پہلی کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوگی حالانکہ پہلی عصبہ کی اولاد ہے اور اسے قوت قرابت بھی حاصل ہے۔(ت)

دوم میں ہے:

واگرہم بدرجہ قرابت برابر باشند ودر حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند وبعض از جانب ام دریں ہنگام درظاہر الروایۃ مر قوت قرابت وولد عصبہ رااعتبار نہ باشد پس ولد عمہ اعیانی از ولد خال یاخالہ علاتی یااخیافی اولٰی نبود کہ قوت قرابت ولد عمہ رااعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یاخالہ اعیانی اولٰی نباشد کہ ولد عصبہ رااعتبار نیست بر قیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یااخیافی اولٰی نہ بود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذوقرابتین است وولد وارث از جہتین یعنی از جہت اب وام زیراکہ پدر اوجد صحیح است ام اوجدہ صحیحہ[2]۔	اگر قرابت کے درجہ میں برابر ہوں اور جہت قرابت میں مختلف یعنی باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو اس وقت ظاہر الروایہ میں قوت قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔لہٰذا حقیقی پھوپھی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں یاخالہ کی اولاد سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ پھوپھی کی اولاد کے لئے قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہے۔اسی طرح حقیقی چچا کی بیٹی حقیقی ماموں یا خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہ ہوگی کیونکہ عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیساکہ حقیقی پھوپھی، علاتی یا اخیافی خالہ سے اولٰی نہیں ہوتی باوجودیکہ حقیقی پھوپھی دو قرابتوں والی ہے اور دو جہتوں سے وارث کی اولاد ہے یعنی باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی کیونکہ اس کا باپ میت کا جد صحیح اور اس کی ماں میت جدّہ صحیحہ ہے۔(ت)

[1] مختصر الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

اسے ظاہر الروایہ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے، اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا یوں کہ قول متن:

واذا استووا فی درجة قدم ولد الوارث۔	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ (ت)

میں واتحدت الجهة[1] (اور جہت متحد ہو۔ ت) کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا:

فلو اختلفت فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث[2]	اگر جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کو ایک تہائی ملے گا (ت)

علامہ سید احمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ:

ان اختلف حیز القرابة فلا عبرة للاقوی ولا لولد العصبة[3]۔	اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو اقوی اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

یونہی علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔

یہ ہیں وہ عبارات جو اس قول پر نظر حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔

فاقول: ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و سراجیہ اسی پر ہیں لہذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر **اوّلاً:** وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھذا ظاھر الروایة کما فی السراجیة والفرائض العثمانیة لصاحب الھدایة[4]۔	یہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ سراجیہ اور صاحب ہدایہ کی فرائض عثمانیہ میں ہے۔ (ت)

ثانیًا: شروح ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث فی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷

امام اتقانی ونتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہیں۔ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔غالبًا یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلًا اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر حذف فرمادیا توظاہرًا غالب شروح ہدایہ کہنا خیر یہ کا سبق قلم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

ثالثًا: کنز کی عبارت یہ ہے:

وذورحم وھو قریب لیس بذی سھم وعصبۃ(الٰی ان قال)وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجۃ ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام[1]۔	ذورحم وہ قریبی رشتہ دار ہے جو صاحب فرض اور عصبہ نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا)اور ان کی ترتیب عصبات کی ترتیب کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے سے ہے جہت قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔(ت)

حضرت علامہ شامی اس میں محل استدلال جملہ اخیرہ کا اطلاق اور اسی بناء پر اسے متون وشروح کی طرف نسبت کیا جانا بتاتے ہیں۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ آنفا ہے:

وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھۃ القرابۃ فلقرابۃ الاب ضعف قرابۃ الام فلم یفرقوا بین ولد العصبۃ وغیرہ[2]۔	وہ متون وشروح کا ظاہر اطلاق ہے جہاں مشائخ نے فرمایا کہ جہت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔چنانچہ انہوں نے عصبہ کی اولاد اور اس کے غیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔(ت)

اقول: یہ جملہ دو قاعدہ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف واحوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعًا ان سے مقید ہے ورنہ اختلاف جہت کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے وعلی التنزیل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف واتحاد جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق سے معارض ہے۔

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۷۔۸

رابعًا: مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں:

واذا استوی وارثان فی درجة واحدة فاولٰهم من ادلٰی بوارث واقربهم اولٰی من ابعدهم[1]۔	جب دو وارث ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے میت کی طرف منسوب ہونے والا اولٰی ہوگا اور ذوی الارحام میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔(ت)

خامسًا: اسی طرح متن تنویر میں تمام اصناف ذکر کرکے فرمایا:

واذا استووافی درجة قدم ولد الوارث واذا اختلفت الاصول اعتبر محمد من الاصول وقسم علیهم اثلاثا[2] الخ۔(ملتقطًا)	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا، اور جب اصول مختلف ہوں تو امام محمد علیہ الرحمہ اصول کا اعتبار کرتے ہوئے مال کے تین حصے بناکر ان پر تقسیم کرتے ہیں الخ (ملتقطًا)۔(ت)

اس نے بھی صاف کردیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولد وارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکورۃ وانوثۃ میں یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری وکنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی کہ منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (حیز) سے خاص **هکذا ینبغی ان یفهم کلام الکرام** (بزرگوں کے کلام کو یوں ہی سمجھنا چاہئے۔ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ **واذا استووافی درجة** (جب درجہ میں برابر ہوں۔ت) کے بعد درمختار کا "**واتحدت الجهة**"[3] (اور جہت متحد ہو۔ت) کی طرف خود ان کا میل برخلاف متن ہے۔

سادسًا: ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر نہیں۔

[1] القدوری کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

قدوری، کنزو تنویر کاحال معلوم ہوا سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں اس کا مرتبہ فتاوٰی یا غایت درجہ شروح کا ہے جیسے منیہ واشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہر گز نہیں بلکہ فتاوی میں کما بیّناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ت) متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں جیسے مختصرات طحاوی و کرخی وقدوری اور سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔

ان المصنف لما خرج من فرغانة الی بخارا وجد فیها الفرائض المنسوبة الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنها واخذ فی تصنیف هذا الکتاب شرحا لها[1]۔	مصنف علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین السمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انہیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب (سراجیہ) کو لکھنا شروع کیا (ت)

تو نہ رہی مگر ایک ملتقی، اس میں بیشک یہ قول مصرح ہے:

حیث قال یرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة ثم یکون الاصل وارثا عند اتحاد الجهة[2]۔	جہاں فرمایا کہ اتحاد جہت کے وقت وہ قرب درجہ پھر قوت قرابت پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں (ت)

تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی ہی پر ہیں۔ **سابعًا:** شروح ہدایہ کا حال معلوم ہوا اور شروح کنز نے مسئلہ متن کو مقرر رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہو لیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوٰی امام تمرتاشی و مجمع الفتاوٰی و فتاوٰی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ ومذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصرو تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے: علیه الفتوی[3]۔ جامع المضمرات میں ہے: هو الصحیح[4]۔ معراج الدرایہ میں ہے: هو الاولی بالاخذ للفتوی[5] (فتوی کے لئے اخذ

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام مطبع علیمی لاہور ص ۹۶

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل ذوالرحم قریب مؤسسة الرساله بیروت ص ۳۵۱

[3] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[4] الفتاوی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[5] العقود الدریة کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

کرنے کے زیادہ لائق یہ ہے۔ت)علامہ محقق خیر الدین رملی [1] نے اسی پر فتوٰی دیا۔

اقول: بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص ۷ میں ہے:

اجمعنا انه لوکان احدهما ولد عصبة اوصاحب فرض کان اولی من الاٰخر [2]۔	ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو تو وہ دوسرے سے اولٰی ہوگا (ت)

اسی کے صفحہ ۵ میں ہے:

من کان منهم ولد عصبة اوصاحب فرض فانه یقدم علی من لیس بعصبة ولاصاحب فرض [3]۔	ان میں سے جو عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو وہ مقدم ہوگا اس پر جو عصبہ یا صاحب فرض نہیں۔ (ت)

اسی طرح علامہ سید شریف نے زیر قول مصنف **اولٰهم بالمیراث اقربهم** [4] (ان میں میراث کا زیادہ حقدار وہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ت) نقل فرمایا اور مقرر رکھا۔

پھر مبسوط امام سرخسی کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انہوں نے کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے اس میں انہوں نے صرف اسے ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں ہے نیز ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے:

ان کان احدهما ولد عصبة اوولد صاحب فرض فعند اتحاد الجهة یقدم ولد العصبة وصاحب الفرض و عند اختلاف الجهة لایقع الترجیح بهذا بل یعتبر المساواة فی الاتصال بالمیت،	اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہے تو اتحاد جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحب فرض کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اختلاف جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوات کا اعتبار کیا جائے گا اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً کوئی

---

[1] الفتاوٰی الخیریة کتاب الفرائض دار المعرفة بیروت ۲/ ۲۴۲

[2] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفة بیروت ۳۰/ ۷

[3] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفة بیروت ۳۰/ ۵

[4] الشریفیة شرح السراجیة باب ذوی الارحام فصل فی الصنف الاول مطبع علیمی لاہور ص ۱۰۰

بیانه فیما اذا ترك ابنة عم لاب وامٍّ اولابٍ وابنة عمة فالمال كله لابنة العم لانها ولد عصبة، ولو ترك ابنة عم و ابنة خال اوخالة فلابنة العم الثلثان ولابنة الخال اوالخالة الثلث لان الجهة مختلفة هنا فلا یترجح احدهما بكونه ولد عصبة وهذا فی روایة ابن ابی عمران عن ابی یوسف فاما فی ظاهر المذهب ولدالعصبة اولٰی سواء اختلفت الجهة او اتحدت لان ولدالعصبة اقرب اتصالا بوارث المیت فكان اقرب اتصالا بالمیت فان قیل فعلٰی هذا ینبغی ان العمة تكون احق بجمیع المال من الخالة لان العمة ولد العصبة وهو اب الاب، والخالة لیست بولد عصبة ولا ولد صاحب فرض لانها ولد اب الام، قلنا لا كذٰلك فان الخالة ولدام الام وهی صاحبة فرض فمن هذا الوجه تتحقق المساواة بینهما فی الاتصال بوارث المیت، الا ان اتصال الخالة بوارث وهی امّ، فتستحق فریضة الام و اتصال العمة بوارث وهو اب	شخص حقیقی یا علاتی چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا تو تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔اور اگر چچا کی بیٹی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا تو چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی کو ایک تہائی ملے گا، کیونکہ یہاں جہت مختلف ہے۔دونوں میں سے ایک کو عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔یہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ سے ابن ابی عمران کی روایت ہے۔لیکن ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد، کیونکہ عصبہ کی اولاد کا میت کے وارث سے زیادہ قریبی تعلق ہے گویا میت سے اقرب ہے۔اگر کہا جائے اس بناء پر چاہئے کہ پھوپھی خالہ کی بنسبت تمام مال کی زیادہ حقدار ہو کیونکہ پھوپھی عصبہ یعنی دادا کی اولاد ہے جبکہ خالہ نہ تو عصبہ کی اولاد ہے اور نہ ہی صاحب فرض کی، کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔تو ہم کہیں گے کہ اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے اور وہ صاحب فرض ہے۔اس اعتبار سے پھوپھی اور خالہ میں میت کے وارث سے متصل ہونے میں مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہٰذا

فتستحق نصیب الاب،فلهذا كان المال بينهما اثلاثا[1]۔	ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا جس وارث کے ذریعے تعلق ہے وہ باپ (دادا) ہے لہٰذا وہ باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔اسی لئے ان میں مال تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا (دو حصے پھوپھی کے اور ایک حصہ خالہ کا)۔(ت)

بعینہٖ یہی مضمون تمام وکمال تکملہ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ **اتصالا بالمیت** تک۔اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول سے جواب کا بھی افادہ فرمادیا:

اقول:ولایقدح فی تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجهتین و یستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولانظر الیها عند اختلاف الحیز کما صرحوا به قاطبۃ نعم رایتنی کتبت علی ھامش تکملۃ البحر مانصه۔ **اقول**:لایتمشی اذاکانت الخالۃ اخت الام لاب اھ ای فانها لاحظ لها من ولدیۃ وارث اصلا۔لایقال نصوا انها اقوٰی من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ بالاب و اخرٰی لام احرزت الاولی جمیع المال ولاشیئ للاخرٰی والخالۃ لام لاتحجبها العمۃ لاستوائهما معها فی ولدیۃ الوارث فاذالم تحجب	میں کہتا ہوں مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ پھوپھی جبکہ حقیقی ہو تو وہ دونوں جہتوں سے وارث کی اولاد ہے اور یہ بات خالہ میں محال ہے (کیونکہ وہ صرف ایک جہت سے وارث کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قرابت کی قوت ہے جس کا اختلاف جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ تمام مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے تکملہ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ **میں کہتا ہوں** یہ جواب اس وقت نہیں چلے گا جب خالہ ماں کی علاتی بہن ہو الخ کیونکہ وہ بالکل وارث کی اولاد نہیں۔یوں نہ کہا جائے کہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہے کہ علاتی خالہ اخیافی خالہ سے اقوی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص علاتی خالہ اخیافی خالہ چھوڑ کر مرا تو سارا مال پہلی خالہ لے گی دوسری کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔پھوپھی اخیافی خالہ کو محروم نہیں کر سکتی کیونکہ وارث کی اولاد ہونے میں وہ اس کے ساتھ شریک ہے۔جب پھوپھی

[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

الاضعف وجب ان لاتحجب الاقوٰی لانی اقول انما قوتها قوة قرابتها فان الانتماء بالاب اقوی من الانتماء بالام وھٰذہ قوة لانظر الیها عنداختلاف الجهة فتبقی ولدیة العمة للوارث قوة بلامعارض فیلزم ان تحجب الخالة لاب وھو باطل فعلم ان ولدیة الوارث ایضا لاتلاحظ فی الحیز المختلفة۔

اقول: وبالله التوفیق توریث الخالة مع العمة اثلاثا عند الفقهاء رضی الله تعالٰی عنهم لاقامة العمة مقام العم والخالة مکان الام قال الامام شمس الائمة اعلم بان العمة بمنزلة العم عندنا والخالة بمنزلة الام، وقال اهل التنزیل العمة بمنزلة الاب و الخالة بمنزلة الام، قالوا اتفقت الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم علی ان للعمة الثلثان وللخالة الثلث اذا اجتمعتا ولاوجه لذلك الا بان تجعل العمة کالاب باعتبار ان قرابتها قرابة الاب

اضعف کو محروم نہیں کرسکتی تو ضروری ہے کہ اقوی یعنی علاتی خالہ کو بھی محروم نہ کرے اس لئے کہ میں کہتا ہوں پہلی خالہ کی قوت قوت قرابت ہے کیونکہ باپ کے ذریعے سے میت کی طرف منسوب ہونا ماں کے ذریعے منسوب ہونے سے زیادہ قوی ہے لیکن اختلاف جہت کے وقت اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہٰذا پھوپھی کے اولاد وارث ہونے والی قوت کسی معارض کے بغیر باقی رہے گی۔ اور لازم آئے گا کہ پھوپھی علاتی خالہ کو محروم کردے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ معلوم ہوا کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں وارث کی اولاد ہونے کا بھی اعتبار نہیں۔ میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو ماں کے قائمقام رکھا جاتا ہے، امام شمس الائمہ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک پھوپھی، چچا اور خالہ ماں کے مرتبہ میں ہے۔ اہل تنزیل نے کہا کہ پھوپھی بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔ مشائخ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اس پر متفق ہیں کہ جب خالہ اور پھوپھی جمع ہوں تو پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کے لئے ایک تہائی ہوگا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہوسکتی کہ پھوپھی کو باپ کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ کی

والخالة کالام باعتبار ان قرابتها قرابة الام، وجه قول علمائنا رحمهم الله تعالٰی ان الاصل ان الانثٰی متی اقیمت مقام ذکرفانها تقوم مقام ذکر فی درجتها۔والذکر الذی فی درجة العمة العم و هو الوارث فتجعل العمة بمنزلة العم، والخالة لو اقمناها مقام ذکرفی درجتها وهو الخال لم ترث مع العمة فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام فالعمة ترث الثلثین وللخالة الثلث بهذا الطریق بمنزلة مالو ترك امًا وعمًا[1] اھ(مختصرًا)فاذاکان الامر علی هذا سقط تقدم العمة لولدیة العصبة فانّها قداقیمت مقام العصبة فضلا عن الوالدیة ولم تحجب الخالة لاقامتها مقام الام والام لاتحجب بالعم وفی هذه الحالات کلهن سواء قدرأینا ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما هو اقوی اسبابه وهو قرب درجة،الاتری ان من

قرابت کی وجہ سے ہے۔اور خالہ کوماں کے قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ہمارے علماء کے قول کہ "خالہ ماں کی طرح ہے" کی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ کی رو سے عورت کو جب کسی مرد کے قائم مقام کیاجائے تو اپنے ہم مرتبہ مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کاہم مرتبہ مرد چچا ہے جوکہ وارث ہے لہٰذا اسے چچا کے قائم مقام کیاجاتاہے اور خالہ کو اگر اس کے ہم درجہ مرد یعنی ماموں کے قائم مقام کیاجائے تو وہ پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکے گی۔اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا، لہٰذا اس طرح پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کوایک تہائی ملے گا جیساکہ ماں اور چچا کو چھوڑ کر فوت ہونے کی صورت میں ہوتا(اختصار) جب معاملہ اس طرح ہے توپھوپھی کو عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اس کو عصبہ کی اولاد کے بجائے خود عصبہ کے قائم مقام قرار دیاگیاہے پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کرسکے گی کیونکہ خالہ کوماں کی جگہ رکھاگیاہے اور ماں چچا سے محروم نہیں ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ تحقیق ہم نے دیکھاکہ قائم مقام قراردینے کی وجہ سے قرب درجہ جیساقوی ترین سبب بھی محروم نہیں کرسکتا۔کیاتو نہیں دیکھتاکہ کوئی شخص اگر

[1] مبسوط الامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث العمات والاخوال والخالات دارالمعرفة بیروت ۳۰/ ۱۸و۱۹

خلف بنتا وبنات ابن فلهن السدس تكملة للثلثين لاقامتهن مقام بنت فلم يحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وكذلك اذا مات عن بنتين وبنت ابن وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لم يحجب بنت الابن وبنت ابن الابن لانهما اقيمتا فی درجة الذكر كی تتعصب به فهذا هو السرفی وراثة الخالة لاب مع العمّات والله تعالٰی اعلم ثم اقول: لايذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر علی الذوات ولاتتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لايجعلون كاولادالام الاتری ان ذكورهم لايساوون اناثهم بل للذكر مثل حظ الانثيين وهذا كولدية العصبة لاتسری من الولد الی ولد الولد كما فی ردالمحتار وغيره عن سكب الانهر وغيره فا بنت العم لايقدم علی بنت ابن العمة او الخال اوالخالة فاحفظ۔	ایک بیٹی اور چند پوتیاں چھوڑ کر مرجائے تو دوتہائی کی تکمیل کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا، کیونکہ انہیں بیٹی کے قائم مقام رکھاگیاہے لہٰذا بیٹی کے درجہ سے دوری انہیں محروم نہیں کرے گی۔اسی طرح اگر کوئی شخص دوبیٹیاں،ایک پوتی، ایک پوتے کی بیٹی اورایک پوتے کابیٹا چھوڑ کر مرگیا توپوتی اور پوتے کی بیٹی محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان کو مرد کے درجے میں رکھاگیاہے تاکہ اس کے ذریعے وہ عصبہ بن جائیں۔علاتی خالہ کے پھوپھیوں کے ساتھ وارث بننے میں یہی راز ہے،اور اللہ تعالٰی خوب جانتاہے۔میں پھر کہتاہوں تجھے ہرگزیہ نہ بھولے کہ قائم مقام قراردینا صرف ذوات تک محدود ہے اولاد کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہوتا۔لہٰذا خالہ کی اولاد کو ماں کی اولاد کی طرح نہیں بنایا جائے گا۔کیاتونے نہیں دیکھاکہ خالہ کی اولاد میں مذکرومؤنث آپس میں برابر نہیں بلکہ لڑکے کاحصہ دولڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔یہ عصبہ کی ولدیت کی طرح ہے کہ اولاد سے اولاد کی طرف منتقل نہیں ہوتی جیساکہ ردالمحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے منقول ہے۔چنانچہ چچاکانواسہ،پھوپھی،ماموں یاخالہ کی پوتی سے مقدم نہ ہوگا۔پس اس کو یاد کرلے۔(ت)

بالجملہ قول دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر الروایۃ اور مذہب بتایا اور

تصحیحات صریحہ اسی کے لئے ہیں، خصوصاً آکد تصحیحات علیہ الفتوی، تواسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔
درمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتھم[1]۔ واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔	ہم پر ان کی ترجیح و تصحیح کی اتباع ضروری ہے جیساکہ وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوی دیتے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثانیہ: جبکہ یہاں اختلاف جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتٰی بہ میں ولدیت وارث معتبر ہے، آیا قوت قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاق روایت بتایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوت قرابت ولدیت وارث سے اقوی ہے جب یہ معتبر تو اس کا اعتبار بدرجہ اولٰی ہے۔ عبارت عقود سائل فاضل کے پیش نظر ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے نسخہ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا:

قولہ رحمہ اللہ تعالٰی یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانہا اقوی **اقول:** قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لانظر بقوۃ القرابۃ مع اختلاف الحیز فلاتقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولاالخالۃ العینیۃ عل العمۃ الام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقوی من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لایوجب اعتبارھا مع اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل	مصنف علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ قوت قرابت سے بھی ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ وہ (عصبہ کی اولاد ہونے سے) زیادہ قوی ہے۔ **میں کہتاہوں** روایات ظاہرہ میں مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں قوت قرابت کا اعتبار نہیں ہوتا للذا حقیقی پھوپھی کو اخیافی خالہ پر ترجیح نہیں ہوگی اور نہ حقیقی خالہ کو اخیافی پھوپھی پر ترجیح ہوگی۔ جہت واحدہ میں قوت قرابت کے ولدیت عصبہ سے زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلاف جہت کے وقت بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قوت قرابت کا اعتبار ساقط ہوتا ہے۔ چنانچہ اضعف کے بر محل معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

جریانه لایستلزم جریان الاقوی فیه مع انعدام المحلیة له، والحق ان لامعنی لقوۃ القرابة فی حیز الاکون قریب ذاجهتین کالعینی او ذاجهة اقوی کالعلاتی مع الاخیافی وظاهر ان اجتماع الجهتین فی حیز لایلغی الحیز الاٰخر واذاکان نفس احد الحیزین اعنی الاب اقوی من الاٰخر اعنی الام ثم لم تورث قوته الغاء الحیز الاٰخر فکیف تورث قوۃ جهته الغاء الاٰخر وتعلیل قوۃ القرابة انما هو فی الحیز الواحد لا تقدیم ذی حیز علی ذی حیز اٰخر لقوۃ القرابة فی حیزه والایقدم الحیز الابوی مطلقا علی الامی وایضا لونظر الٰی قوۃ القرابة لعاد نقضا علی المقصود فان الاقوی غیرمعتبر مع اختلاف الحیز باجماع الروایات الظاهرۃ فکیف تعتبرون فیه الاضعف و یؤول الامر الی الغاء کلا الترجیحین وهو خلاف ما قررتم انه صحیح مفتی به وانما الجواب ماقدمت ان الاقوی لم یعتبر لعدم المحل	اقوی بے محل بھی معتبر ہو۔اور حق یہ ہے کہ ایک جہت میں قوت قرابت کا معنی فقط یہ ہے کہ ایک قریبی رشتہ دار دو جہتیں رکھتا ہو جیسے سگا رشتہ دار یاایک زیادہ قوی جہت رکھتا ہو جیسے علاتی رشتہ دار اخیافی رشتہ دار کے ساتھ۔ظاہر ہے کہ ایک جانب میں دوجہتوں کااجتماع دوسری جانب کو محروم نہیں کرتا۔جب خود ایک حیز یعنی باپ جو کہ اقوی ہے دوسرے حیز یعنی ماں سے۔اس کے باوجود اس کی قوت دوسرے حیز کو محروم نہیں کرتی تواس کی جانب سے حاصل ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم کرسکے گی۔قوت قرابت فقط ایک جہت میں معتبر ہے۔اس کی وجہ سے ایک جانب کو دوسری پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا کہ باپ کی جانب کو مطلقًا ماں کی جانب پر تقدیم حاصل ہو، نیز قوت قرابت کا اعتبار مقصود پر بطور نقض لوٹے گا کیونکہ اختلاف جہت کے وقت تمام روایات ظاہرہ کے مطابق اقوی معتبر نہیں توتم اس میں اضعف کااعتبار کیسے کرتے ہو۔چنانچہ معاملہ دونوں ترجیحوں کو لغو قرار دینے کی طرف لوٹ آئے گا اور یہ خود تمہاری تقریر کے خلاف ہے کہ وہ (ولد عصبہ سے ترجیح) صحیح اور مفتٰی بہ ہے۔اس کاجواب وہ ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اقوی کااس لئے اعتبار نہیں ہے کہ اس کا محل نہیں۔

فلایلغی الآخر مع حصول المحلیة وذٰلك لان ولدیة العصبة تسقی من العصوبة والعصوبة تقضی علٰی غیرھا مطلقا وان کان من غیر حیزھا کالعدم یحجب الخال فکذا ولدیة العصبة وبھٰذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقوٰی کما ذھب الیه العلامة الشامی ووجوب اسقاط الاضعف لسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالٰی اعلم ولی الانعام۔	لہذا دوسری ترجیح بر محل ہونے کی وجہ سے لغو نہ ہوگی۔ یہ اس لئے ہے کہ عصبہ کی اولاد کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے اگرچہ جہت مختلف ہو مثلاً چچا (جو کہ عصبہ ہے) ماموں کو محروم کردے گا اسی طرح عصبہ کی اولاد بھی محروم کردیتی ہے۔ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہوجاتے ہیں یعنی اقوی کے اعتبار کا وجوب جیسا کہ علامہ شامی اس کی طرف گئے ہیں اور اقوی کے سقوط کی وجہ سے اضعف کو ساقط کرنے کا وجوب جیسا کہ ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔ اور اللہ تعالٰی ہی انعام عطا فرمانے والا ہے۔ (ت)

اس حاشیہ نے بحمدہٖ تعالٰی کشف شبہہ کردیا اس وقت تک مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط شریف کا نص ملخص یہ ہے:

فی ظاھر المذھب ولد العصبة اولٰی سواء اختلفت الجھة او اتحدت، فان کان قوم من ھٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال اوالخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام اوالعمات لام، فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا، سواء من کل جانب ذوقرابتین	ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ان میں سے ایک جماعت ماں کی طرف سے ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی بیٹیاں اور ایک جماعت باپ کی طرف سے ہو مثلاً اخیافی پھوپھیوں یا اخیافی چچوں کی بیٹیاں، تو مال دونوں فریقوں میں تین حصے بنا کر تقسیم کیا جائے گا چاہے ہر جانب دو قرابتیں ہوں

اومن احد الجانبین ذوقرابۃ واحدۃ ثم مااصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جھۃ ذی القرابتین علی ذی قرابۃ واحدۃ[1]۔	یاایک جانب فقط ایک قرابت ہو۔ پھر ہر فریق کو جوملا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم کیاجائے گا درانحالیکہ دوقرابتوں والے کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔(ت)

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوت قرابت سے نہیں تواولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقا ثم ان اختلف الحیزفولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابۃ ثم ولدالوارث و بعد ھذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث.واللہ تعالٰی اعلم۔	اقرب ہر حال میں مقدم ہوگا پھر اگر جہت مختلف ہو توعصبہ کی اولاد کو اور اگر متحد ہو توپہلے اقوی کو پھر عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی۔ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دوتہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

---

[1] مبسوط امام السرخسی کتاب الفرائض فصل فی میراث اولاد العمات الخ دار المعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

کتاب الشّتّی (حصّہ اوّل)

(متفرق موضوعات)

تاریخ وتذکرہ وحکایات صالحین

مسئلہ ۲۰۵: از توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبہ دار مدرسہ فیض احمدی کانپور بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۷ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مولوی عبیداللہ صاحب

یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورہ بقر کے ختم فرمانے کے شکریہ میں دعوت فرمائی؟ اور نسیم الریاض کے کس جلد کے کس صفحہ میں ہے کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کے علم کو حضرت سید السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کے علم سے اشرف واوسع کہے گا؟

الجواب:

وہ عبارت نسیم الریاض کی جلد رابع ص ۳۷۷ طابع قسطنطنیہ میں ہے:

من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقد عابه ونقصه (الٰی قوله) فھو ساب ای کالساب و الحکم فیه	جس شخص نے کہا فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے اس نے آپ کو عیب لگایا اور تنقیص کی (مصنف کے اس قول تک) چنانچہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا ہے یعنی گالی دینے والے کی مثل ہے اس کا حکم گالی

حکم الساب من غیر فرق بینھما[1]۔	دینے والے کی طرح ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔(ت)

خطیب نے رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر فاروق علیہما الرضوان سے روایت کی:

قال تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ سیکھی، جب مکمل کرلی تو (شکرانے کے طور پر) اونٹ ذبح فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶،۲۰۷: از بمبئی مرسلہ مولوی محمد عثمان صاحب بوساطت ضیاء الاسلام پیلی بھیت　۱۸/رجب ۱۳۲۴ھ

(۱) شیطان کے انڈا دینے کا ثبوت۔

(۲) نماز خمسہ معراج میں نہیں فرض ہوئیں۔

الجواب:

(۱) مفسرین نے ذریت شیطان میں چند اقوال لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ انڈے دیتا ہے اس سے اس کی نسل پھیلتی ہے۔

(۲) یہ محض غلط ہے، صحیحین[3] وغیرہما کی احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ شب معراج ہی میں پانچوں نمازیں فرض ہوئیں۔

مسئلہ ۲۰۸: از شہر کہنہ مرسلہ منشی قاضی عبدالحق صاحب　۳۰/ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

بشرف ملاحظہ خدامان بارگاہ شریعت پناہ، صاحب حجۃ قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، حامی ملت، حضرت عالم اہلسنت مدظلہم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کمترین عقیدت گزیں عبدالحق عرض پرداز ہے کہ اگر خادمان عالی کا حرج اوقات نہ ہو تو تفصیل اس امر کی فرمادی جائے کہ ہاروت وماروت جو چاہ بابل میں قید ہیں فرشتے ہیں یا جن یا انسان؟ اگر ان کو فرشتہ مانا جائے تو عصمت فرشتوں کی کس دلیل سے ثابت کی جائے؟ اور اگر جن وانس کہا جائے تو درازی عمر کے واسطے کیا حجت پیش کی جائے؟ اور جلال الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا

---

[1] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہلسنت برکات رضا ۴/ ۳۳۵

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی بحوالہ مالک باب کیفیۃ التعلم والفقہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰

[3] صحیح البخاری باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ۱/ ۵۱ و صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۹۱

اور ایک فرشتہ طوق وزنجیر پہنے ہوئے وسط میں حاضر ہوا، اور منادی نے ندا کی کہ اس فرشتہ نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی یہ سزا ملی، کہاں تک صحیح ہے؟ چونکہ قدیم سے میرے تمام اسقام کا چارہ اسی آستانے سے ہوتا رہا ہے اس واسطے اس سمع خراشی کی جرات پڑ گئی۔ والسلام

الجواب:

جناب من! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصہ ہاروت وماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمہ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے، جس کی تفصیل شفاء شریف اور اس کی شروح میں ہے، یہاں تک کہ امام اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

هذه الاخبار من كتب اليهود وافترائهم [1]۔	یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور ان کی افتراؤں سے ہیں۔

ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازی عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر وسیدنا الیاس وسیدنا عیسٰی صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلائے خلق کے لئے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ:

"اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ" [2]	ہم تو آزمائش ہی کے لئے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کر۔

اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔

به قال اكثر المفسرين على ماعزا اليهم فى الشفاء الشريف [3]۔	اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے جیسا کہ شفا شریف میں ان کی طرف منسوب ہے (ت)

اور یہ روایت کہ تاریخ الخلفاء کی طرف نسبت کی قطعاً باطل اور بے اصل محض ہے، نہ اس وقت تاریخ الخلفاء میں اس کا ہونا یادِ فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: مسئولہ از مولوی نور احمد کانپوری ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع ریواں ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

ماقولکم یا علماء الملة السمحة البیضاء ومفاتی الشریعة الغراء فی هذه (اے ملت مقدسہ نورانیہ کے علماء کرام اور روشن شریعت کے مفتیان عظام آپ کا کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ۔ ت) مولوی غلام امام شہید نے

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی القول فی عصمة الملائکة المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۷۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی العقول فی عصمة الملائکة المطبعة الشرکة الصحافیة ۲/ ۷۱

ص ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک نے حاضر ہو کر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزلت بخشے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ تو محی الدین ہے اور جس طرح آج میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منازل اثناء عشریہ بھی تحفہ قادریہ سے لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص ۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے۔ براق نے شوخی شروع کی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ کیا بے حرمتی ہے تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے، خلاصہ ہیجدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ براق نے کہا اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس کرنی ہے۔ فرمایا بیان کرو۔ عرض کیا آج میں دولت زیارت سے مشرف ہوں، کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے التجا اس کی قبول فرمائی۔ صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔

میرا استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ کتب احادیث میں وشفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن سیر میں موجود ہے یا نہ؟ بیّنوا توجروا ببیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتمدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرالجزأ (قابل اعتبار واعتماد اسانید کے ساتھ مکمل وضاحت وتفصیل کی روشنی میں تسلی بخش طور پر بیان فرمائیں اجر پاؤ گے۔ اللہ تعالٰی تمہیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ ت)

الجواب:

کتب احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثناعشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری، نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔ تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے، میں اس کا مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا جو میری نظر سے گزرا اس میں یہ روایت اصلاً نہیں۔

باایں ہمہ اس زمانے کے بعض مفتیان جہول یعنی دیوبندیان نامعقول اور مخطیان غفول نے جو اس کا بطلان اس طرح ثابت کرنا چاہا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیسا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بوئے تفضیل نکلتی ہے، یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رَد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کہ کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو کھٹور ضلع سورت سے اس کا سوال آیا تھا، ہاں فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی اہلی نے کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید ابن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی کتاب "حرز العاشقین" سے نقل کیا، اور ایسے امور کو اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوٰی میں ہے جس کا سوال ۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۱۰: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع ٹپورا کاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

اعراب قرآنی کی ایجاد کس سنہ میں ہوئی اور اس کا بانی کون ہے؟ یہ بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ اگر بدعت حسنہ ہے تو "**کل بدعة ضلالة**" (ہر بدعت گمراہی ہے۔ت) کے کیا معنی؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

زمن عبدالملک بن مروان میں اس کی درخواست سے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے شاگرد رشید حضرت ابوالاسود دُئلی نے یہ کار نیک کیا، بدعت حسنہ تھا، اور تمام ممالک عجم میں یقینا واجب کہ عام لوگ بے اس کے اس کی صحیح تلاوت نہیں کرسکتے۔ بدعت ضلالت وہ ہے کہ رَدّ ومزاحمت سنت کرے، اور یہ تو مؤید ومعین سنت، بلکہ ذریعہ ادائے فرض ہے،

فان اللحن حرام بلاخلاف کما فی العٰلمگیریة[1] فترکه فرض وهذا سبیله۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔	کیونکہ لحن بلاخلاف حرام ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لہٰذا اس کا چھوڑنا فرض ہے اور یہ اس سے بچنے کا راستہ ہے۔

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

مسئلہ ۲۱۱: از بھوپال مکان منشی سید سعید احمد صاحب متصل نور محل مرسلہ سید احمد علی

مکرم و معظم بعد آداب نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بناء پر حضرت منصور کے بارے میں فتوٰی دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں۔ اگر فتوٰی میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا۔ اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے گا۔ ایک معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب:

حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا، اوران کا اسم گرامی حسین عـــہ، اکابر اہل حال سے تھے، ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں، وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادالٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتانہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا، دوسری شب میں قصداً سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہو لئے، دیکھتے رہے آسمان سے سونے کی زنجیر یاقوت کا جام اُترا اور ان کے دہن مبارک کے برابر آ گا، انہوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہوسکا کہ یہ جنت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمہیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انہوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا، انہوں نے پیا، اس کے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر درودیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انہوں نے کہنا شروع کیا "اَنَا لَاَحَق" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا زیادہ سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سننے میں آیا "انا الحق" (میں حق ہوں۔ ت)، وہ دعوی خدائی سمجھے، اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بدل دینه فاقتلوه، رواه احمد[1] والستة الامسلما عن	جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحاب ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے

عـــہ: فی الاصل منصور

[1] جامع الترمذی ۱/ ۱۷۶ و سنن ابی داؤد ۲/ ۲۴۲ و سنن ابن ماجہ باب المرتد عن دینہ ص ۱۸۵، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۷ و ۲۸۲ و ۲۸۳، صحیح البخاری کتاب المغازی باب لایعذب بعذاب اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۲: از بریلی بازار لال کرتی مرسلہ حاجی غلام نبی صاحب ساکن پاکپتن شریف معرفت حاجی ابوالحسن صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ ہے اور ان دونوں کو اللہ تعالٰی نے کس کس کام پر مختار کیا ہے اور کیا کیا مرتبہ دیا ہے؟ فقط

الجواب:

سیدنا الیاس علیہ السلام نبی مرسل ہیں،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین میں سے ہیں۔ (ت)

اور سیدنا خضر علیہ السلام بھی جمہور کے نزدیک نبی ہیں اور ان کو خاص طور سے علم غیب عطا ہوا ہے،

قال اللہ تعالٰی "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا۔ (ت)

یہ دونوں حضرات ان چار انبیاء میں ہیں جن کی وفات ابھی واقع ہی نہیں ہوئی، دو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے، سیدنا ادریس وسیدنا عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام۔ اور یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں دریا سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق ہے اور خشکی سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے۔ دونوں صاحبان حج کو ہر سال تشریف لاتے ہیں، بعد حج آب زمزم شریف پیتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے۔ دونوں صاحب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۵

الانبیاء بنو علات[1]۔	سارے نبی آپس میں بھائی ہیں۔(ت)

اس کے سوا ان دونوں صاحبوں کا اور کوئی رشتہ معلوم نہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۳: ۱۷/ رجب ۱۳۳۲ھ

حائکہ کا پیشہ کون سے اولیاء وعلماء نے کیا ہے؟ مع حدیث حوالہ کتاب سے تحریر فرمائیے گا۔

الجواب:

بعض اولیاء وعلماء نے جس طرح بضرورت جوتا سینے کا پیشہ کیا ہے جیسے امام خصاف۔یوں ہی بعض نے بضرورت کپڑا بھی بنا ہے جیسے ابوالخیر نسّاج وعلامہ اسماعیل حائک مفتی دمشق وشام رحمہم اللہ تعالٰی، مگر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ قوم کے جلاہے تھے جہالت ہے **ویظهر الفرق بمطالعة رسالتنا ارائة الادب لفاضل النسب** ف (اور ہمارے رسالے "ارائۃ الادب لفاضل النسب کے مطالعہ سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۱۴: از ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ ڈاکخانہ دبانوں مسئولہ محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دبانوں روز دوشنبہ ۱۹/ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

نسب نامہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب:

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اولاد سلاطین کیان سے ہیں اور ان کا مرتبہ اس سے اجل واعظم ہے کہ نسب سے انہیں فخر ہو۔ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی اولاد ہیں، ان کا یہ فضل ہے کہ وہ ہزارہا دینی بادشاہوں کے باپ ہیں۔ سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

الفقهاء کلهم علی عیال	تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۶۳، ۴۳۷، ۳۱۹، ۵۴۱، صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عیسٰی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۴و۲۶۵

ف: رسالہ "ارائۃ الادب لفاضل النسب" فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور، کی تیئیسویں جلد کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔

ابی حنیفة[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	بال بچوں کی طرح ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۵: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتواری چوک ناگپور بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نہر فرات پر ہوئی یا نہیں؟ علمائے حنفیّہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ضرور برحق ہے، نہ فقط حنفیّہ بلکہ جملہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے، اس کا منکر مبتدع گمراہ ہے۔

مسئلہ ۲۱۶: از علی گڑھ مرسلہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ۲۵صفر ۱۳۳۸ھ

مولانا المعظم وبرادر محترم مولانا مصطفٰی رضاخاں صاحب ارفع اللہ شانہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،، کالج کا ایک کام آگیا ہے جس میں ضرورت ہے چند اسماء ان علمائے کرام کے لکھے جانے کی، جو سندھ کے تھے یا سندھ میں آئے کم از کم پانچ نام ہونا چاہئے۔انساب سمعانی میں بعض اسماء ملے لیکن صرف نام، اس کی خبر نہ ملی کہ انہوں نے کیا خدمت انجام دی۔طبقات حنفیّہ کی فہرست میں کوئی نام نہ ملا۔آنجناب براہ کرم اعلٰی حضرت سے استفسار فرمائیں۔متقدمین یا متاخرین علماء اہلسنت، محدثین میں ہوں یا فقہاء میں۔اگر اس قدر فرصت نہ ہو تو صرف ان کتابوں کے نام لکھ بھیجئے جن میں تلاش کروں۔آپ کی خدمت میں نیاز نامہ اس لئے لکھا کہ آپ کو اعلیحضرت کی حضوری حاصل ہے۔فقیر کا سلام وقدمبوسی فرمادیجئے۔ مستحق دعا ہوں اور بڑا محتاج ہوں۔

الجواب:

(۱) مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابن ہمام مصنف منسک کبیر، منسک صغیر ومنسک متوسط معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے المسلک المتقسط فی شرح المنسک المتوسط۔

(۲) مولانا محمد عابد سندھی مدنی محدث صاحب "حصر الشارد"۔

(۳) مولانا محمد حیات سندھی شارح کتاب الترغیب والترھیب۔

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر فی ثناء الائمة علیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۷، تاریخ بغداد ترجمہ ۷۲۹۷ نعمان بن ثابت دار الکتاب العربی بیروت ۱۳/ ۳۴۶

(۴) مولانا محمد ہاشم سندھی، یہ بھی فقہ میں صاحب تصنیف ہیں۔
(۵) علامہ محمد ابن الہادی سندھی محشیٔ فتح القدیر وصحاح ستہ ومسند امام احمد، استاذ علامہ محمد حیات سندھی متوفی ۱۱۳۸ھ
(۶) شیخ نظام الدین سندھی نزیل دمشق تلمیذ جلیل ومحبوب حضرت قدوۃ العارفین سید صبغۃ اللہ بروجی
(۷) علامہ سندھی مصنف غایۃ التحقیق جن سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ در مختار باب الامامۃ میں استناد کیا۔
(۸) شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین ورجال اسانید حصر الشارد سے ہیں۔ اس وقت یہی نام خیال میں آئے۔

رسالہ
نطق الهلال بارخ ولاد الحبیب والوصال
(حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

فصل اوّل

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۱۷: اولٰی استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بعض غرہ رجب کہتے ہیں رواہ الخطیب عن سیّدنا سھل التستری قدس سرہ (اس کو خطیب نے سیدنا سہل تستری قدس سرہ سے روایت کیا۔ت) اور بعض دہم محرم،

اخرج ابونعیم وابن عساکر عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جدہ قال حمل برسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی عاشوراء المحرم وولد	اس کو ابونعیم اور ابن عساکر نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استقرار حمل دس محرم ہوا اور ولادت

یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من رمضان[1] **اقول:** فیہ مسیب بن شریك ضعیف جدا۔	باسعادت بروز پیر دس رمضان المبارک کو ہوئی۔ **میں کہتا ہوں** اس میں مسیب بن شریک ہے جو انتہائی ضعیف ہے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ ماہ عــہ حج کی بارہویں تاریخ ھکذا صححہ فی المدارج کما سیأتی (مدارج میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ت) **اقول:** (میں کہتا ہوں۔ت) اس کی مؤید ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر کہ زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا، رمی جمار کا عذر فرمایا، بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی، اور حمل اقدس مستقر ہوا، پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہمبستری کی؟ فرمایا ہاں، کہا کہ وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجئے کہ ان کے حمل میں افضل اہل زمین ہے۔

قال ابن سعد انا وھب بن جریر ابن حازم ثنا ابی سمعت ابایزید المدینی قال نبئت ان عبداللہ ابا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتی امرأۃ من خثعم فرأت النور بین عینیہ نورا ساطعا الی السماء فقالت ھل لك فیّ قال نعم حتّی ارمی الجمرۃ[2] الحدیث۔	ابن سعد نے کہا ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے میرے باپ نے بتایا کہ میں نے ابویزید مدینی کو کہتے ہوئے سنا مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور آسمان تک بلند دیکھا اور کہا کہ کیا آپ کو مجھ میں کوئی رغبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں یہاں تک کہ میں جمرات کو رمی کرلوں، حدیث۔ (ت)

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸: ثانیہ دن کیا تھا؟

الجواب:

کہا گیا روز دوشنبہ ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم

عــہ: اس کی تحقیق مسئلہ پنجم میں آتی ہے۔ ۱۲منہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹

[2] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر طہارۃ مولدہ وطیب اصلہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۲۸

فی مجمع البحار [1] (اس کو زبیر نے ذکر کیا اور مجمع البحار میں اسی پر جزم فرمایا۔ت) اور اصح یہ ہے کہ شب جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر و برکت و کرامت و سعادت جو اس میں اُتری اس کے ہمسر نہ کبھی اُتری نہ قیامت تک اُترے، وہاں "تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْہَا" [2] (اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ت) یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزول اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

استقرار نطفہ زکیّہ درایّام حج بر قول اصح دراوسط ایام تشریق شب جمعہ بود، وازیں جہت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعہ را افضل تر از لیلۃ القدر داشتہ [3] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم	اصح قول کے مطابق نطفہ مطہرہ کا استقرار حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان جمعہ کی رات کو ہوا۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شب جمعہ کو شب قدر سے افضل سمجھتے ہیں الخ (ت)

مسئلہ ۲۱۹: ثالثہ مدت حمل شریف کس قدر تھی؟

الجواب:

دہ ۱۰ و نہ ۹ ہفت ۷ و شش ۶ ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو ۹ مہینے ہیں،

فی شرح الزرقانی للمواھب اختلف فی مدۃ الحمل بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل تسعۃ اشھر کاملۃ و بہ صدر مغلطائی قال فی الغرر وھو الصحیح [4] الخ و اللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔	مواہب کی شرح زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدت حمل میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا کہ پورے نو ماہ ہے۔ مغلطائی نے اسی قول کو مقدم کیا۔ غرر میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے الخ، اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار بیان نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۵/ ۲۶۵

[2] القرآن الکریم ۹۷/ ۴

[3] مدارج النبوۃ باب اول نور مصطفی استقرار نطفہ زکیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ملتان ۲/ ۱۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ وآمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۶

مسئلہ ۲۲۰: رابعہ ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

الجواب:

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلامۃ ابن حجر فی افضل القری (علامہ ابن حجر نے افضل القری میں اس کی تصریح فرمائی۔ ت)

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں:

ذٰلك یوم ولدت فیه، رواہ مسلم [1] عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میں اسی دن پیدا ہوا ہوں (اس کو امام مسلم نے ابو قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱: خامسہ کیا مہینہ تھا؟

الجواب:

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح ومشہور وقول جمہور ربیع الاول ہے، مدارج میں ہے:

مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود [2]۔	مشہور یہ ہے کہ ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔ (ت)

شرح الہمزیہ میں ہے:

الاصح فی شہر ربیع الاول [3]۔	اصح یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ت)

ربیع الاول، مواہب میں ہے: **وھو قول جمہور العلماء** [4] (اور وہ جمہور علماء کا قول ہے۔ ت) پھر کہا **فی شہر ربیع الاول علی الصحیح** [5] (صحیح قول کے مطابق ربیع الاول میں ہے۔ ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۶۸

[2] مدارج النبوۃ باب اول ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۱۴

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الھمزیۃ قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

[4] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول یوم الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۰

[5] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول شہر الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

شرح زرقانی میں ہے:

قال ابن کثیر ھو المشھور عند الجمھور[1]۔	ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے(ت)

اسی میں ہے: وعلیہ العمل[2] (اور اسی پر عمل ہے۔ت) علماء نے باآنکہ اقوال مذکرہ سے آگاہ تھے محرم ورمضان ورجب کی نفی فرمائی، مواہب میں ہے:

لم یکن فی المحرم ولافی رجب ولافی رمضان[3]۔	ولادت مبارکہ نہ تو محرم میں ہوئی اور نہ ہی رجب میں اور نہ رمضان میں۔(ت)

شرح ام القرٰی میں ہے:

لم یکن فی الاشھر الحرم اور مضان[4]۔	حرمت والے مہینوں یا رمضان میں ولادت مبارکہ نہیں ہوئی(ت)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی وابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔ نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے:

اتفقوا علٰی انہ ولد یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول[5]۔	اس پر علماء متفق ہیں کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیر کے روز پیدا ہوئے۔(ت)

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے، کما للزرقانی ثم عزاہ ایضا لابن الجزار (جیسا کہ زرقانی کا قول ہے، پھر اس کو ابن جزار کی طرف منسوب کیا۔ت) پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماء واختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر، فقیر کہتاہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل ماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گزرا کہ مدت حمل شریف نہ ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں لکنی اقول: وباللہ التوفیق (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں۔ت) مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الاول یوم ولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۲

[4] شرح ام القرٰی

[5] نسیم الریاض فصل ومن ذٰلک ماظھر من الآیات عند مولدہ مرکز اہل سنت برکات رضا ۳/ ۲۷۵

تاخیر کرلیتے جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کرجاتا،

قال اللہ تعالٰی "اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا ان کا مہینے پیچھے ہٹنا نہیں مگراور کفر میں بڑھنا، اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہوجائیں جو اللہ تعالٰی نے حرام فرمائی(ت)

یہاں تک کہ صدیق اکبر ومولٰی علی کرم اللہ وجھما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینا واقع عـــہ میں ذیقعدہ تھا سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا:

ان الزمان قد استدار کھیأته یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض الحدیث۔رواہ الشیخان [2]۔	یعنی زمانہ دورہ کرکے اسی حالت پر آگیا جس پر روز تخلیق زمین وآسمان تھا اس حدیث کو امام بخاری وامام مسلم نے روایت فرمایا ہے۔ت)

عـــہ: اس پر اعتراض ہے کہ بروز عرفہ صدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے "وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﳔ وَ رَسُوْلُهٗ" [3] (اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت) فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا ایسا نہ فرماتا۔اقول: وفیه نظر بوجوہ فتامل منه غفرلہ (میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے پس غور کرو۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ براۃ باب قولہ ان عدۃ الشہور الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۲، صحیح مسلم کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳

اس دن سے نسی نسیًا منسیا ہوا اور یہی دورہ دوازدہ ماہہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانہ استقرار مبارک کو ایام حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اس وقت کے عرف میں اسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔ **اقول:** اب مسئلہ ثالثہ وخامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولٰی کا جواب ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دور نسیئ اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینا ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ اور پہلا سال شوال، ولادت شریفہ رمضان ااور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن ان نامنتظموں کی کوئی بات منظّم نہ تھی جب جیسی چاہتے کرلیتے، لٹیرے لوگ جب لوٹ مار چاہتے اور مہینا ان کے حسابوں اشہر حرم سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینا حلال کردے، وہ حلال کردیتا، اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرا دیتا **کمارواہ ابناء جریر والمنذر ومردویہ وابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما**[1] (جیسا کہ اس کو جریر، منذر، مردویہ اور ابو حاتم کے بیٹوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

فائدہ: سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو[۲]، آٹھ[۸]، دس[۱۰]، بارہ[۱۲]، سترہ[۱۷]، اٹھارہ[۱۸]، بائیس[۲۲]، سات[۷] قول ہیں مگر اشہر واکثر وماخوذ ومعتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں **کما فی المواہب والمدارج**[2] (جیسا کہ مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ت) اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں:

المشہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ[3]۔	مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔ (ت)

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۹/ ۳۷ ۴/ ۱۷۳

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الاول ۱/ ۱۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے:

هو المشهور عند الجمهور[1]۔	جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔(ت)

اسی میں ہے: **هو الذی علیه العمل**[2] (یہی وہ ہے جس پر عمل ہے۔ت) شرح الہمزیہ میں ہے: **هو المشهور وعلیه العمل**[3] (یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔ت) اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی۔

وان کان اکثر المحدثین والمؤرخین علی ثمان خلون وعلیه اجمع اهل الزیجات واختاره ابن حزم والحمیدی وروی عن ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی الله تعالٰی عنهم وبالاول صدر مغلطائی و اعتمده الذهبی فی تهذیب التهذیب تبعا للمزی و حکم المشهور بقیل وصحح الدمیاطی عشراخلت **اقول**: وحاسبنا فوجد ناغرة المحرم الوسطیة عام ولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم یوم الخمیس فکانت غرة شهر الولادة الکریمة الوسطیة یوم الاحد والهلالیة یوم الاثنین فکان یوم الاثنین الثامن من الشهر، ولذا اجمع	اگرچہ اکثر محدثین و مورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت با سعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی، اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ ابن حزم و حمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس و جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے۔ مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں اسی پر اعتماد کیا اور قیل کے ساتھ مشہور کا حکم لگایا اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔ **اقول**: (میں کہتا ہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہ ولادت کریمہ کا غرہ وسطیہ بروز اتوار اور غرہ ہلالیہ بروز پیر ہوا اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے۔ یہ وجہ

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوّج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الهمزیۃ تحت قوله لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

علیه اصحاب الزیج ومجرد ملاحظة الغرة الوسطیة یظهر استحالة سائر الاقوال ماخلا الطرفین والعلم بالحق عند مقلب الملوین۔	ہے کہ اہل زیجات کااس پر اجماع ہے۔ محض غرّہ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کامحال ہونا ظاہر ہو جاتا ہے اور حق کا علم شب وروز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفطر یوم یفطر الناس والاضحٰی یوم یضحی الناس، رواہ الترمذی [1] عن امّ المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالٰی عنها بسند صحیح۔	عیدالفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عیدالاضحٰی اس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں (اس کو امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون۔ رواہ ابوداؤد [2] والبیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح ورواہ الترمذی وحسنه فزاد فی اوله "الصوم یوم تصومون والفطر" [3] الحدیث وارسله الشافعی فی مسندہ والبیهقی فی سننه عن عطاء فزاد فی اٰخرہ "وعرفة یوم تعرفون" [4]	تمہاری عیدالفطر اس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو اور تمہاری عیدالاضحٰی اس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحٰی سمجھو۔ اس کو ابوداؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن قرار دیا اور اس کے شروع میں یہ بڑھایا کہ روزہ کا دن وہی ہے جس کو تم سب روزے کا دن قرار دو اور عید الفطر کا دن وہ ہے (حدیث کے آخر تک)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اس کو بطور ارسال ذکر فرمایا۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی الفطر والاضحی متی یکون امین کمپنی دہلی ۱/ ۹۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطأ القوم الهلال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۸

[3] جامع الترمذی ابواب الصیام باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۸

[4] السنن الکبرٰی کتاب الحج باب خطأ الناس یوم عرفه دار صادر بیروت ۵/ ۱۷۶

	بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ کیا کہ یوم عرفہ وہ ہے جس کو تم یوم عرفہ سمجھو۔(ت)

یعنی مسلمانوں کا روز عید الفطر و عید الاضحیٰ روز عرفہ سب اس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے **وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری** (اگرچہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو اس کی نظیر قبلہ تحری ہے۔ت) لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول و عمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلاوفق العمل ماعلیہ العمل (بہترین و مناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔ت) یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔**واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجوع والمآب۔**

مسئلہ ۲۲۲: سادسہ شمسی تاریخ کیا تھی؟

الجواب:

ولادت اقدس ہجرت مقدسہ سے ترپین ۵۳ برس پہلے ہے، مرفوع ۶۰ سال ۵ نداک، مرفوع ۷ سال مرکا۔۵ لح اکہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا، سات پر تقسیم کئے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چارشنبہ تھا اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا، اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اس ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التاریخین ہماری تحقیق میں اح ح لط ہے ۵ لح ا۔ نرھ لح۔ محرم وصفر نط۔ط ربیع الاول۔ نرنامو۔۵۰۰۵ سال ھ ح مط ررضر ۷۰ سال روراھ مارچ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۵۷۱ء معرفت یوم ہماری جداول سے ۵۷۱۔۳۳۶ ۔۲۳۵۔۲۸ باقی ۱۱ پس جدول رمیں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چارشنبہ پس بستم اپریل دوشنبہ، **وھوالمطلوب واللہ تعالٰی اعلم۔**

فصل دوم

مسئلہ ۲۲۳: ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وفات شریف حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

قول مشہور و معتمد جمہور دوازدہم ربیع الاول شریف ہے، ابن سعد نے طبقات میں بطریق عمر بن علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کی:

قال مات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول[1]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات شریف روز دوشنبہ بارہویں تاریخ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔

شرح مواہب علامہ زرقانی آخر مقصد اول میں ہے:

الذی عند ابن اسحٰق والجمہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول[2]۔	امام ابن اسحاق اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال اقدس ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوا۔(ت)

اسی میں آغاز مقصد دہم میں ہے:

قول الجمہور انہ توفی ثانی عشر ربیع الاول[3]۔	جمہور کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔(ت)

خمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین نصف النہار لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ من الھجرۃ ضحی فی مثل الوقت الذی دخل فیہ المدینۃ[4]۔	نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ بروز پیر دوپہر کے وقت ہوا جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔(ت)

---

[1] الطبقات الکبرٰی ابن سعد ذکر کم مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد العاشرہ دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۲۵۰

[4] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس ذکر وقت موتہ علیہ السلام موسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۲

اسی میں امام ابوحاتم رازی وامام رزین عبدری وکتاب الوفاء امام ابن جوزی سے ہے:

مرض فی صفر لعشر بقین منه وتوفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول یوم الاثنین[1]۔	حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیس صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاول پیر کے روز آپ کا وصال ہوا۔(ت)

کامل ابن اثیر جزری میں ہے:

کان موته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من ربیع الاول[2]۔	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوا۔(ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

وصل بالحق فی نصف نهاره لاثنی عشر من ربیع الاول وقیل لمستهله وقیل للیلتین خلتا منه والاول اکثر من الاخیرین[3]۔	آپ بارہ ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول یکم ربیع الاول کو واصل بہ حق ہوئے، ایک قول دو ربیع الاول کا ہے مگر پہلا قول (۱۲ ربیع الاول) آخری دونوں سے اکثر ہے۔(ت)

اسعاف الراغبین فاضل محمد صبان میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بیت عائشة یوم الاثنین قبیل الزوال للیلتین مضتا من ربیع الاول وقیل لیلة مضت منه وقیل لاثنتی عشرة لیلة مضت منه وعلیه الجمهور[4]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دو ربیع الاول شریف بروز پیر زوال سے تھوڑی دیر پہلے وصال فرمایا۔ ایک قول میں یکم اور ایک قول میں بارہ ربیع الاول ہے اور جمہور اسی قول پر ہیں۔(ت)

---

[1] تاریخ الخمیس ابتداء مرضه علیه الصلوٰة والسلام مؤسسة شعبان بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] الکامل فی التاریخ ابن اثیر ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۳۲۳

[3] مجمع بحار الانوار فصل فی السیر من سیرنا المختصر فی سبب قدوم الحبشه الخ مکتبه دار الایمان المدینة المنورہ ۵/ ۲۹۴

[4] اسعاف الراغبین

اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسب رؤیت مکہ معظّمہ ربیع الاول شریف کی تیرہویں تھی مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی لہٰذا ان کے حساب سے بارہویں ٹھہری وہی رواۃ نے اپنے حساب کی بناپر روایت کی اور مشہور و مقبول جمہور ہوئی، یہ حاصل تحقیق امام بارزی وامام عماد الدین بن کثیر وامام بدرالدین بن جماعہ وغیرھم اکابر محدثین و محققین ہے، اس کے سوادو قول ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسٰی بن عقبۃ واللیث والخوارزمی وابن زبر[1] (اس کو موسٰی بن عقبہ، لیث، خوارزمی اور ابن زبر نے ذکر کیا۔ت) دوسرا دوم ربیع الاول شریف کہ دورافضیان کذاب ابو مخنف و کلبی کا قول ہے،

ففی الزرقانی بعد عزوالاول الٰی من ذکرنا وعندابی مخنف والکلبی فی ثانیہ[2]۔	زرقانی میں یکم ربیع الاول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کے بعد جن کا ہم نے ذکر کیا ہے فرمایا کہ ابومخنف اور کلبی کے نزدیک دور بیع الاول کو وصال ہوا۔(ت)

یہ دونوں اقوال محض باطل و نامعتبر بلکہ سراسر محال و نامتصور ہیں،

وان میل الٰی کل نظرالی الحساب لامن حیث ان روایتھا اثبت فی الباب وانما یقضی الحساب علی القولین بالبطلان والذھاب کماستعرف بعون الملک الوھاب، ووقع فی الکامل حکایۃ ثالث حیث قال بعد ما اعتمد قول الجمھور کما نقلنا وقیل مات نصف النھار یوم الاثنین للیلتین بقیتا من ربیع الاول[3] **اقول:** وھو	ان دونوں قولوں میں سے ہرایک کامیلان نظر حساب کی طرف ہے، اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی روایت اس باب میں اثبت ہے، جبکہ حساب تو ان کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے جیساکہ عنقریب تو اس کی مدد سے جان لے گا جو بہت عطافرمانے والا بادشاہ ہے۔ کامل میں ایک تیسری حکایت واقع ہوئی ہے جہاں صاحب کامل نے جمہور کا معتمد قول جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھائیس ربیع الاول

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصدالاول آخر البعوث النبویۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] الکامل فی التاریخ ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارصادر بیروت ۲/ ۳۲۳

وھم وکانہ شبہ علیہ خلتا بقیتا فان الحفاظ انما یذکرون ھٰھنا سوی المشھور قولین لاغیر۔	بروز پیر وصال فرمایا اقول: (میں کہتا ہوں) یہ وہم ہے گویا کہ قائل کو خلتا کے بجائے بقیتا کا اشتباہ ہوا کیونکہ حفّاظ نے یہاں پر قول مشہور کے علاوہ فقط دو ہی قول ذکر کئے ہیں (ت)

تفصیل مقام وتوضیح مرام یہ ہے کہ وفات اقدس ماہ ربیع الاول روز دوشنبہ میں واقع ہوئی، اس قدر ثابت ومستحکم ویقینی ہے جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ومواہب لدنیہ وشرح زرقانی میں ہے:

(ثم ان وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی یوم الاثنین) کما ثبت فی الصحیح عن انس ورواہ ابن سعد باسانیدہ عن عائشۃ وعلی وسعد وعروۃ وابن المسیب وابن شہاب وغیرھم (من ربیع الاول بلا خلاف) کماقال ابن عبدالبر بل کادیکون اجماعًا[1]۔ الخ	(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال پیر کے روز ہے) جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے۔ اس کو ابن سعد نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ سیدنا عائشہ صدیقہ، علی مرتضی، سعد، عروہ، ابن مسیب اور ابن شہاب وغیرہ سے روایت کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ربیع الاول میں وصال مبارک کے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ تقریبًا اس پر اجماع ہے الخ (ت)

ادھر یہ بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روز پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع شریف بالاجماع روز جمعہ ہے،

وقد ثبت ذٰلك فی احادیث صحاح لامنازع لھا فلاحاجۃ بنا الی اطالۃ الکلام بسردھا۔	تحقیق یہ ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت ہوچکا ہے جن کا کوئی مزاحم نہیں لہذا ہمیں اس کی تفصیل میں طویل کلام کی کوئی ضرورت نہیں۔ (ت)

اور جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹ روز پنجشنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ کسی طرح روز دوشنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لئے جائیں تو غرہ ربیع الاول روز

---

[1] المواہب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۱

چار شنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیرہویں، اور اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں، اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجئے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں، اور اگر ایک کامل دو ناقص مانئے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے پھر پیر کی آٹھویں پندرھویں، غرض بارہویں کسی حساب سے نہیں آتی، اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں، قول جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انہوں نے قول یکم اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔

فی المواہب بعد ذکر القول المشہور (استشکله السهيلی وذلك انهم اتفقوا ان ذا الحجه كان اوله يوم الخميس) للاجماع ان وقفة عرفة كانت الجمعة (فمهما فرضت الشهور الثلثة توام او نواقص او بعضها لم يصح) ان الثانی عشر من ربيع الاول يوم الاثنين (قال الحافظ ابن حجر وهو ظاهر لمن تامله وقد جزم سليمٰن التيمی احد الثقات بان ابتداء مرضه صلی الله تعالٰی عليه وسلم كان يوم السبت الثانی و العشرين من صفر ومات يوم الاثنين لليلتين خلتا من ربيع الاول فعلی هذا يكون صفر ناقصا ولا يمكن ان يكون اول صفر السبت الا ان يكون ذوالحجه والمحرم ناقصين فيلزم منه نقص ثلثة	مواہب لدنیہ میں قول مشہور کے ذکر کے بعد ہے۔ سہیلی نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء ذوالحجہ کے جمعرات کو شروع ہونے پر متفق ہیں کیونکہ وقوف عرفہ بروز جمعہ ہونے پر اجماع ہے۔ تو اب اگر تینوں مہینے (ذوالحجہ، محرم، صفر) کامل (تیس تیس دن کے) فرض کئے جائیں یا تینوں ناقص (انتیس انتیس دن کے) فرض کئے جائیں یا بعض کامل اور بعض ناقص فرض کئے جائیں کسی صورت میں یہ صحیح نہ ہوگا کہ بارہ ربیع الاول شریف پیر کے دن ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اشکال اس شخص پر ظاہر ہے جو تامل کرے۔ سلیمان تیمی جو کہ ثقہ ہیں قطعی طور پر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز بائیس صفر بروز ہفتہ ہوا اور آپ کا وصال دو ربیع الاول شریف کو ہوا، اس حساب سے ماہ صفر ناقص ہوگا اور جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں صفر کا آغاز ہفتہ کے روز ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح تین مسلسل مہینوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا جو کہ مسلسل

اشهر متوالية)وهی غاية مايتوالی قال الحافظ واما من قال مات اول يوم من ربيع الاول فيكون اثنان ناقصين وواحد كاملا ولذا رجحه السهيلی(والمعتمد ماقاله ابو مخنف)الاخباری الشيعی قال فی الميزان وغيره كذاب تالف متروك،وقد وافقه ابن الكلبی (انه توفی ثانی ربيع الاول وكان سبب غلط غيره انهم قالوا مات فی ثانی شهر ربيع الاول فغيرت فصارت ثانی عشر واستمر الوهم بذٰلك يتبع بعضهم بعضا من غيرتامل[1] اھ)مختصرا۔مزيدا من الشرح **اقول:**و يظهر لمن تامل هذا الكلام منشأ اختلاف نظر الامامين فی الليل الی القولين فكان السهيلی نظر ان قول ابی مخنف لايتأتی الا ان تتوالی الاشهر الثلثة ذو الحجة ومحرم وصفر نواقص وهذا فی غاية الندرة

ناقص ہونے کی آخری حد ہے۔حافظ نے فرمایا جس شخص نے کہا ہے کہ آپ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہے تو اس حساب سے دو مہینے ناقص اور ایک کامل ہوگا۔اسی لئے سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے۔اس باب میں ابومخنف مؤرخ شیعہ کا قول معتمد ہے۔میزان وغیرہ میں ہے کہ وہ کذاب،تالف اور متروک ہے۔ابن کلبی نے اس کی موافقت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ۲ربیع الاول کو ہوا۔ابومخنف کے غیر زکی غلطی کا سبب یہ ہے کہ علماء نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وصال شہر (ربیع الاول) کی ثانی (دو) کو ہے،اس میں تغیر کردیا گیا تو یہ اس طرح ہوگیا کہ آپ کا وصال ربیع الاول کی ثانی عشر (بارہ ۱۲) کو ہے (یعنی لفظ شہر کی بجائے لفظ عشر ہو گیا) پھر یہ وہم چلتا رہا اور اس میں بعض علماء بعض کی بلاتامل پیروی کرتے رہے اھ اختصار شرح میں کچھ اضافے کے ساتھ ۔ **اقول:**(میں کہتا ہوں)اس کلام میں تامل کرنے والے پر دونوں اماموں کے دو قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطہ نظر کے اختلاف کا منشا ظاہر ہوجاتا ہے، سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کا قول تب ہی متحقق ہوسکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذو الحجہ، محرم اور صفر پے در پے ناقص ہوں اور یہ انتہائی نادر ہے

[1] المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۸۔۶۴۹، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰و۱۱۱

بخلاف القول الاول فان علیه یکون شهرا کاملا و شهران ناقصین وهذا کثیر فترجح ذٰلك فی نظره مع انه اشد ثبوت بالنسبة الی ذٰلك وکان الحافظ نظران علی القول الاول لایبقی للجمهور عذر فی الباب فالمیل الی مایکون فیه ابداء عذرلهم کما ذکر من وقوع تصحیف شهر بعشر احسن او امتن۔	بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دو ناقص ہوتے ہیں اور یہ کثیر الوقوع ہے۔ چنانچہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودیکہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوی ہے جبکہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ قول اول پر جمہور کے لئے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لئے عذر کا اظہار ہو زیادہ بہتر اور زیادہ قوی ہے جیسا کہ لفظ شھر کے لفظ عشر کے ساتھ تبدیل ہوجانے کا ذکر گزر چکا ہے۔ (ت)

مگر امام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ اثنی عشر خلت سے بارہ دن گزرنا مراد ہے نہ کہ صرف بارہ راتیں، اور پر ظاہر کہ بارہ[۲] دن گزرنا تیرہویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا اور دوشنبہ کی تیرہویں بے تکلف صحیح ہے جبکہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں کما علمت، اور امام بارزی و امام ابن کثیر نے یوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی رؤیت شام چارشنبہ کو ہوئی پنجشنبہ کا غرہ اور جمعہ کا عرفہ مگر مدینہ طیبہ میں رؤیت دوسرے دن ہوئی تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاول پنجشنبہ اور بارہویں دوشنبہ آئی ذکرھا الحافظ فی الفتح (اس کو حافظ نے فتح میں ذکر کیا۔ ت)

اقول: مدینہ طیبہ مکہ معظّمہ سے اگرچہ طول میں غربی اور عرض میں شمالی ہے،

اما الثانی فظاهر معروف لکل من حج وزار واما الاول فثابت مثبت کالثانی فی الزیجات والاطالس من قدیم الاعصار۔	لیکن قول ثانی ہر اس شخص کے لئے ظاہر اور معروف ہے جو حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا جبکہ قول اول قول ثانی کی طرح زمانہ قدیم سے زیجات و اطلس میں ثابت و مثبت ہے۔ (ت)

اور ان دونوں اختلافوں کو اختلاف رؤیت میں دخل بیّن ہے کہ اختلاف طول سے بعد نیرین کم و بیش ہوتا ہے اور اختلاف عرض سے قمر کے ارتفاع مدار کے انتصاب اور بالائے افق

اس کی بقامیں تفاوت پڑتا ہے اور کثرت بعد و زیادت انتصاب مدار وارتفاع قمر وطول مکث سب معین رویت ہیں اور ان کی کمی مخل رؤیت، مگر بلدین کریمین کے طول وعرض میں چنداں تفاوت کثیر نہیں اور جو کچھ ہے یعنی طول میں دو[۲] درجے اور عرض میں تین درجے وہ مانحن فیہ میں ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ مکہ معظّمہ میں تو رؤیت ہو اور مدینہ طیبہ میں نہ ہو بلکہ اگر مقتضٰی ہوگا تو اس کے عکس کا کہ مقام جس قدر غربی تر ہو امکان رؤیت بیشتر ہوگا کہ دورہ معدّل میں مواضع غربیہ پر نیرین کا گزر مواضع شرقیہ کے بعد ہوتا ہے اور حرکت قمر توالی بروج بر غرب سے شرق کو ہے تو جب موضع شرقی میں فصل قمرین حد رؤیت پر ہو غربی میں اور زیادہ ہوگا کہ وہاں تک پہنچنے میں قمر نے قدرے اور حرکت شرق کو کی اور شمس سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا یوں ہی جب عرض مرئی قمر شمالی ہو جیسا کہ یہاں تھا تو عرض بلد کا شمالی تر ہونا موجب زیادت تعدیل الغروب زائد ہو کر زیادت بعد معدل وطول مکث قمر ہوگا مگر ہے یہ کہ موانع رؤیت حد انضباط سے خارج ہیں تو دفع استحالہ وتوجیہ مقالہ کے لئے احتمال کافی اور قواعد پر نظر کیجئے تو واقعی وہ دن مدینہ طیبہ میں رؤیت عادیہ کا نہ تھا سلخ ذی القعدہ وسطیہ روز چار شنبہ کو غروب شرعی شمس کے وقت افق کریم مدینہ منورہ میں مؤامرہ رؤیت کے مقدمات یہ تھے۔

ما ج ے ا	تقویم شمس
ما ئج مد	تقویم مرئی قمر
ح صح الب	عرض مرئی قمر شمالی
ط قہ	تعدیل الغروب
مالح الحہ	قمر معدّل
ط صہ لو لحہ	بُعد معدّل
ح صہ کحہ	بُعد سوا

پر ظاہر کہ جب بُعد معدّل وبعد سوا دونوں دس درجے سے کم ہیں تو یہ حالت حالت رؤیت نہیں قریب قریب اسی حالت کے مکہ معظّمہ میں تھی مگر ازانجا کہ وہ نو درجے یہ آٹھ درجے سے زائد ہے رؤیت پر حکم استحالہ بھی نہ تھا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکات بے نہایات کے حضور یہ کیا بات تھی کہ ایسے امکان غیر متوقع کی حالت میں فصل وقفہ جمعہ ملنے کے لئے بحکم الٰہی مکہ معظّمہ میں شام چار شنبہ کو رؤیت واقع ہو گئی افق مدینہ طیبہ میں حسب عادت معہودہ نہ ہوئی پھر روز رؤیت ایام حمل ثور

وجوزا خصوصًا ان بلاد گرم سیر میں گرد وغبار ہونا کوئی نامتوقع بات نہیں۔ یہ تحقیق کلام علما ہے مگر امام عسقلانی نے ان توجیہوں پر قناعت نہ کی، پہلی پر مخالفت محاورہ سے اعتراض فرمایا کہ اہل زبان جب یہ لفظ بولتے ہیں بارہ۱۲ راتیں ہی گزرنا مراد لیتے ہیں، نہ بارہ دن کہ یہ تیر ہویں پر صادق ہو اور اول ودوم دونوں میں یہ استبعاد بتایا کہ چار مہینے متواتر تیس دن کے ہوئے جاتے ہیں۔

فی المواھب عن الفتح ھذا الجواب بعید من حیث انہ یلزم منہ توالی اربعۃ اشھر کوامل[1]۔	مواہب میں فتح سے منقول ہے کہ یہ جواب اس لئے بعید ہے کہ اس سے چار مہینوں کا پے درپے کامل ہونا لازم آتا ہے۔(ت)

اقول: اگر ندرت مقصود تو الزام مفقود کہ دفع استحالہ کو احتمال کافی، خود امام عسقلانی نے جو قول اختیار فرمایا اس پر تین مہینے متوالی ناقص آتے ہیں یہ کیا نادر نہیں، اور اگر امتناع مراد تو ظاہر الفساد تین سے زیادہ متواتر ۲۹ کے مہینے نہیں ہوتے تیس کے چار تک آتے ہیں ہاں پانچ نہیں ہوتے۔ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیرازی وزیج الغ بیگی میں ہے:

واللفظ لہ "اہل شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رؤیت ہلال گیرند وآں ہر گز از سی روز زیادہ نباشد واز بست ونہ روز کمتر نے وتا چہار ماہ متوالی سی سی آید وزیادہ نے وتا سہ ماہ متوالی بست ونہ بست ونہ آید وزیادہ نے۔[2]	اور لفظ اس کے ہیں۔اہل شرع اس تاریخ کے مہینوں کو چاند کی رؤیت سے لیتے ہیں اور وہ ہر گز تیس دن سے زائد اور انتیس سے کم نہیں ہوتے اور چار ماہ تک متواتر تیس تیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں، اور تین ماہ تک متواتر انتیس انتیس کے ہو سکتے ہیں زیادہ نہیں۔(ت)

ثم اقول: **وباللہ التوفیق** (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ت) قول جمہور سے قول مہجور کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لئے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لئے توجیہ وجیہ موجود ہے نہ کہ جب وہ اقوال مہجور ودلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اوپر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب ہے کہ پیر کا دن

[1] المواھب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۹

[2] زیج الغ بیگ

یقینی تھا اور وہ بارھویں پر منطبق نہیں آتا پہلی دوسری پر آسکتا ہے مگر حساب ہی شاہد عدل ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یا دوسری پیر کو ہونا باطل ومحال ہے، فقیر اس پر دو حجت قاطعہ رکھتا ہے۔

دلیل اوّل: غرہ وسطیہ کہ علماء زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیرّین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رؤیت ہلال اجتماع قمرین سے ایک مدت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے تو غرہ ہلالیہ کبھی غرہ وسطیہ سے مقدم نہ آئے گا وانما غایۃ التساوی (اس کی غایت تو محض تساوی ہے) اور اجتماع ورؤیت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دو برج طے کر جائے لہٰذا تقدم وسطیہ کی نہایت ایک دو دن ہے وبس، **کل ذٰلك ظاھر من له اشتغال بالفن** (یہ سب ظاہر ہے اس شخص کے لئے جو فن کے ساتھ مشغولیت رکھتا ہے۔ت) اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ھ ہجریہ میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کا غرہ وسطیہ روز سہ شنبہ تھا تو غرہ ہلالیہ یک شنبہ یا دو شنبہ کیونکر متصور کہ اگر یہ سہ شنبہ متاخر ہے تو ہلالیہ کا وسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر مقدم ہے تو اجتماع سے چار پانچ روز تک رؤیت نہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے اور دونوں باطل ہیں،

وبعین الدلیل یستحیل ماتقدم عن سلیمٰن التیمی من کون غرۃ صفر یوم السبت فان غرته الوسطیة یوم الاثنین فکیف یمکن ان تتقدمها الھلالیة بیومین او تتاخر عنها بخمسة ایام وبه یظھر استحالة ما اعتمدہ الحافظ بوجه اٰخر فان مبناہ انما کان علی ھذا کما علمت۔	اور اسی دلیل سے سلیمان تیمی کے اس قول کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزر چکا یعنی ماہ صفر کا آغاز بروز ہفتہ ہوا اس لئے کہ جب اس کا غرہ وسطیہ بروز پیر ہے تو غرہ ہلالیہ کا اس پر دو دن مقدم ہونا یا اس سے پانچ دن مؤخر ہونا کیسے ممکن ہے اور اسی سے حافظ کے قول معتمد کا محال ہونا ایک اور وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی اسی دلیل پر ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔(ت)

دلیل دوم: فقیر نے شام دو شنبہ ۲۹ صفر وسطے ۱۱ھ کے لئے افق کریم مدینہ طیبہ میں نیرّین کی تقویمات استخراج کیں اور حساب صحیح معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قمرین حد رؤیت معتادہ پر نہ تھا آفتاب جوزا کے ۶ درجے سترہ دقیقے باون ثانیے پر تھا اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ درجے ستائیس دقیقے اکتیس ثانیے، فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے

۳۹ ثانیے تھا، اور حسب قول متعارف اہل عمل رؤیت کے لئے کم سے کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہئے۔ حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ البرجندی میں ہے:

المذکور فی الکتب المشهورة انه ینبغی ان یکون البعد بین تقویمی النیرین اکثر من عشرة اجزاء وقیل ینبغی ان یکون مابین مغاربیها عشرة اجزاء او اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعة او اکثر والمشهور فی هذا الزمان بین اهل العمل انه ینبغی ان یتحقق الشرطان حتی تمکن الرؤیة ویسمون البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل[1]۔	مشہور کتابوں میں مذکور ہے کہ نیرّین (شمس وقمر) کی تقویموں کے درمیان دس درجے سے زائد فاصلہ نہ چاہئے۔ اور کہا گیا ہے کہ ان کی مغربوں کے درمیان دس درجے یا اس سے زائد فاصل ہونا چاہئے یہاں تک کہ چاند غروب آفتاب کے بعد دو تہائی ساعت یا اس سے زائد مقدار پر زمین سے اوپر ہو۔ اور اس زمانہ میں اہل عمل کے درمیان مشہور یہ ہے کہ دونوں شرطیں متحقق ہونی چاہئیں تاکہ رؤیت ممکن ہو۔ بعد اول کا نام بعد سواء اور بعد ثانی کا نام بعد معدل رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح زیج سلطانی میں ہے:

باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یازیادہ وبعد میان دو تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تاہر دو شرط وجود نگیر دہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان ایں ست[2]۔	بُعد معدل دس درجے یا اس سے زائد ہونا چاہئے اور ان کی دو تقویموں کے درمیان بُعد دس سے زائد ہوگا۔ جب تک دونوں شرطیں موجود نہ ہوں چاند دکھائی نہیں دے گا۔ اس زمانہ میں یہی متعارف ہے۔ (ت)

[1] حاشیۃ شرح چغمینی

[2] شرح زیج سلطانی

جزئیاتِ موامرہ کی جدول یہ ہے

وتم	وقت غروب شرعی بعد نصف النہار وسطے زیجی
ج وسرنب	تقویم حقیقی شمس بوقت مذکور
ج لوے الف	تقویم حقیقی قمر بوقت مذکور
حر سم	عرض حقیقی قمر شمالی
مقہ نا	اختلاف منظر قمر طولی جدولی
الح قرح	اختلاف منظر قمر عرضی جدولی
ج مہ الرلا	تقویم مرئی قمر ....
ج مح لب	عرض مرئی قمر شمالی
احر	تعدیل الغروب ....
ج سولدلا	قمر معدل ....
زند حہ لح	مطالع نظیر جزء الشمس ....
زسو لود	مطالع نظیر جزء القمر المعدل ....
ماحمہ لح	بعد معدل ....
طحط لط	بعد سوائے............
غیر متوقع	حکم رویت ہلال ....

جب شب سہ شنبہ تک نیرّین کا یہ حال تھا کہ وقوع رؤیت ہلال ایک مخفی غیر متوقع احتمال تھا تواس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ کو قطعًا کئ درجے اس سے غربی تھا اور غروب شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلٰی مستحب وقت تھا جب چاند حجلہ نشین مغرب ہو چکا پھر رات کو رؤیت ہلال کیا زمین چیر کر ہوئی۔ غرض دلائل ساطعہ سے ثابت ہے کہ اس ماہ مبارک کی پہلی یا دوسری دوشنبہ کی ہر گز نہ تھی اور روز وفات اقدس یقینا دوشنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعًا باطل ہیں اور حق وصواب وہی قول جمہور بمعنی مذکور ہے یعنی واقع میں تیرہویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بارہویں کہ بحساب شمسی نہم

جزیران ۹۴۳ سنہ رومی نو سو تینتالیس رومی اسکندر رانی ہشتم عہ جون ۶۳۲ چھ سو بتیس عیسوی تھی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۴: از فیروزپور محلّہ پیراں والا مسئولہ غیاث اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن علی مذہب النعمان ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

مشہور ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بارہویں ربیع الاول[1] کو ہوئی ہے چنانچہ تواریخ حبیب الٰہ اور مولود برزنجی میں یہی لکھا ہے اور اذاقۃ الآثام کے ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ:

"مولینا رفیع الدین خاں مرادآبادی اپنے سفر کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ بارہویں تاریخ ربیع الاول کو حرمین شریفین میں یہ محفل منعقد ہوتی ہے"[2]

مگر زید کہتا ہے کہ دراصل پیدائش کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے اور سال فیل کے حساب کرنے سے ۹ تاریخ ربیع الاول کی آتی ہے اس لئے ۱۲ ربیع الاول جو روز وفات ہے عید میلاد کرنی ممنوع ہے اور ایک کتاب رحمۃ للعالمین ایک شخص نے پٹیالہ میں حال میں لکھی ہے اس میں بھی ۹ تاریخ ولادت بحساب سال فیل تحریر کیا ہے اور شبلی نعمانی نے بھی اپنی سوانح میں ایسا درج کیا ہے تو اب ان میں صحیح اور معتبر کون سی تاریخ ہے؟ اور اگر دراصل ۹ تاریخ ولادت تو کیا عید میلاد ۹ کو کی جایا کرے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لئے وقعت عظیم ہے اور مشہور عند الجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علم ہیأت و زیجات کے حساب سے روز ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعامل مسلمین حرمین شریفین و

عہ: یعنی اس وقت جو شمار رائج تھا اس کے حساب سے ۸ جون اور اصلی حساب سے ۱۲ تھی زیج بہادر خانی سے بستم جون آتی ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقات سال مسیحی میں واضح کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۳۱

[2] اذاقۃ الاثام

مصروشام بلاد اسلام وہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے،،اور روز ولادت شریف اگر آٹھ یا بفرض غلط نو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عید میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے وہ وجہ کہ اس شخص نے بیان کی خود جہالت ہے،اگر مشہور کا اعتبار کرتا ہے تو ولادت شریف اور وفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے ہمیں شریعت نے نعمت الٰہی کا چرچا کرنے اور غم پر صبر کرنے کا حکم دیا،لہٰذا اس تاریخ کو روز ماتم وفات نہ کیا روز سرور ولادت شریفہ کیا **کما فی مجمع البحار الانوار** (جیسا کہ مجمع البحار الانوار میں ہے۔ت) اور اگر ہیأت وزیج کا حساب لیتا ہے تو تاریخ وفات شریف بھی بارہ نہیں بلکہ تیرہ ربیع الاول **کما حققناہ فی فتاوٰنا** (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کر دی ہے۔ت) بہرحال معترض کا اعتراض بے معنی ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۵: مرسلہ جناب قاضی ارشاد علی صاحب از بیلپور ضلع پیلی بھیت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ استن حنانہ یعنی وہ چوب خشک جس سے حضور پر نور علیہ الصلوٰۃ والسلام تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اور جس کا قصہ مولانا روم رحمہ اللہ تعالٰی نے مثنوی شریف میں تحریر فرمایا ہے،کیا اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی؟

الجواب:

نماز جنازہ پڑھنا غلط ہے اور منبر شریف کے نیچے دفن کرنا ایک روایت میں آیا ہے،**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۲۶: از پورسہ پوسٹ آفس نیت پور ضلع دیناج پور مرسلہ محمد حافظ علی صاحب،ام اِم رجسترار پورسہ ۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

شخصے می گوید کہ سوائے قصہ ابن الصیاد رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با دجال ملاقات کردہ بودند و دجال برصورت خود کہ بوقت خروج باشدہ بود وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ممانعت آنحضرت گوش نہ کردہ برآں دجال تلوار زدہ بودند اما بردجال نہ افتادہ برپیشانی مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ او فتادہ بود بنابرآں ازآں	ایک شخص کہتا ہے کہ ابن صیاد کے قصہ کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دجال کے ساتھ ملاقات کی جبکہ دجال اپنی اصلی صورت پر تھا جیسا کہ خروج کے وقت وہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ممانعت پر کان نہ دھرتے ہوئے دجال کو تلوار ماردی جو اس کو نہ لگی بلکہ خود حضرت عمر

پیشانی مبارک بے انتہا خون جاری شدہ بودوہم برآں نشانے باقی ماندہ ایں روایتش صحیحہ است یا غلط؟	رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مبارک پیشانی پر جالگی جس سے بہت زیادہ خون جاری ہوا اور پیشانی پر زخم کانشان باقی رہا، کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:

ایں کذب وافترائے محض ست ماناکہ ازمختلقات اہل رفض ست "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۰﴾ "[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	یہ خالص جھوٹ اور افتراء ہے۔یقینا رافضیوں کی من گھڑت روایتوں میں سے ہے۔اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷: از شہر محلّہ قلعہ مرسلہ حامد حسین خاں مؤرخہ ۴ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

مخدومی مکرمی محتشمی دامت برکاتہ سلام علیکم۔جناب مہربانہ توجہ مبذول فرماکر تحریر فرمائیں کہ مفتیان ذیل کس مذہب وملت واعتقاد کے لوگ ہیں اور ان کے افعال واقوال کس درجہ تک قابل تسلیم ہیں؟ خادم نوازی سے ممنون ہوں گا۔اور یہ ان کی کتب مندرجہ ذیل بطور استدلال ہیں کس پایہ کی سمجھی جاتی ہیں؟ زیادہ والسلام، علامہ طبرانی، صاحب عقدالفرید، صاحب خلل ایام فی الخلفاء الاسلام۔

الجواب:

وعلیکم السلام، محمد بن جریر طبرانی دو گزرے ہیں: ایک مفسر، محدث، سنی، شافعی المذہب، ان کی تاریخ کبیر کمیاب ونادر الوجود ہے۔دوسرا رافضی مصنف مطاعن صحابہ وایضاح المسترشد۔اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اس کے اقوال کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں، پھر تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدار عقیدہ نہیں ہوسکتی، مورخ رطب، یابس، مسند، مرسل، مقطوع، معضل سب کچھ بھردیتے ہیں۔ایک عقدالفرید تو در بارہ تقلید علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی تالیف ہے یہ گیارہویں صدی کے ایک متاخر سنی عالم فقیہ حنفی ہیں، فقہ حنفی میں نورالایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح وغیرہ بہت کتب ورسائل ان کی تصنیف ہیں، عقدالفرید میں ان کی رائے نہ محققین کو قبول نہ خود ان کی معمول۔دوسرا رسالہ اس نام کا شیخ عطاء الدین علی سمہودی کا اس باب میں ہے، تیسرا انساب، چوتھا علم تجوید، پانچواں کلام، چھٹا اخلاق ہیں۔صاحب کشف الظنون نے اور ذکر کئے جن کے نام اس کتاب میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

دیکھے جاتے ہیں وبس۔ خلل ایام کسی کتاب کا نام بھی سننے میں نہ آیا، نہ کشف الظنون میں کوئی کتاب اس نام کی لکھی شاید حال کے کسی شخص کی ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۸: از ضلع سیتاپور محلّہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان میں باستثنائے جناب امام علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن وحضرت امام حسین وحضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارۃً یاصراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہئے ان کے عقائد واحکام واعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یاسب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یامقلد؟ بعض اعمال وجفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہوسکتی ہے اہلسنّت کی کتابوں میں ان کے حالات کم لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ ان سے ہمارا اسلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان کی غایت تکریم کی اور کہا: **رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلّم علیک**[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور **اخرج منکما الکثیر الطیب**[2] (اللہ تعالٰی تم دونوں کو کثیر پاکیزہ اولاد عطا فرمائے) میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدی فی الدین ہونے کے ہے تو بلاشبہہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دووزیر ہوتے ہیں عبدالملک و عبدالرب، انہیں امامین کہتے ہیں، تو بلاشبہہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے۔ اور اگر امامت بمعنی خلافت عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا امام حسن مجتبٰی کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۶۹۰۱ محمد بن علی بن حسین دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۷/ ۲۱۶، ۲۱۵

[2] تنزیہ الشریعۃ باب فی مناقب السبطین وامہما وآل البیت دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۱۱

وہ خاصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا "اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًاؕ "[1] (میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ "[2] (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ ت) ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا: "وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا"[3] (اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ ت) مگر اطیعوا الرسول کے مرتبے تک نہیں ہو سکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت و بے دینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک تو بلاشبہہ یہ حضرات مجتہدین وائمہ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالبًا مجتہد ہوں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

یہ نظر بظاہر ہے ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبرٰی تک واصل تھے، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائے گا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب و یابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب، نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہ افضلیت ہے نہ اس کی قلّت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم وامام شافعی سے ایک بھی نہیں، اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذونادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت ارفع واعلٰی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں رُبع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تھے ان سے جتنی روایات صحاح میں ملیں گے صدیق وفاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط وافتراء ہے کہ ان کے احوال اہلسنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہلسنّت کی جتنی کتابیں بیان حالات اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبان خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۷۳

خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۲۹: از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب قادری برکاتی رضوی ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت مولائے مسلمین امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نجف اشرف میں قبر شریف کے اندر پردہ پوش ہیں یا آنجناب رضی اللہ تعالٰی عنہ مدفون نہیں ہوئے اور نجف شریف میں آپ کی قبر شریف نہیں ہے؟ بر تقدیر ثانی حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نیت سے نجف اشرف جانا کیسا ہے؟ شیر خدا رضی اللہ تعالٰی عنہ کہاں آرام فرماتے ہیں؟

الجواب:

روایات مختلف ہیں، یہ بھی روایت آئی کہ نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی غرض سے ایک بغلہ پر رکھ کر چلے اور وہ چھوٹا اور غائب ہوگیا اور منع زیارت کے لئے عدم مزار کا یقین چاہئے اور جواز زیارت کے لئے ایک روایت و احتمال کافی ہے اور یہ لوگ اللہ کے نور ہیں انہیں جہاں سے پکاروگے فیض پہنچائیں گے۔ حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہا الکریم وعلیہا وعلٰی بعلہا وابنیہا وبارک وسلم کے مزار اطہر میں بھی دو۲ روایتیں ہیں، بقیع شریف میں اور خاص جوار روضہ اقدس میں۔ایک صاحب دل نے مدینہ طیبہ کے ایک عالم سے کہا میں دونوں جگہ حاضر ہو کر سلام عرض کرتا ہوں انوار پاتا ہوں۔فرمایا: یہ کریم ذاتیں جگہ کی پابند نہیں تمہاری توجہ چاہئے پھر نور باری ان کا کام ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۳۰: از ضلع خاندیش بیچھم بھاگ تعلقہ ڈاک خانہ لگر مند اسوستان کاٹھی مقام علاکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

حضرت پیران پیر دستگیر کے گیارہ نام کیا کیا ہیں؟

الجواب:

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسماء شریفہ یہ ہیں: سید محی الدین سلطان، محی الدین قطب، محی الدین خواجہ، محی الدین مخدوم، محی الدین ولی، محی الدین بادشاہ، محی الدین شیخ، محی الدین مولٰنا، محی الدین غوث، محی الدین خلیل، محی الدین، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۳۱: از مقام کاٹھیاواڑ، ترسالی احمد داد صاحب یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ "حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب ضعیف ہوا جاتا ہے لہٰذا تم میرے مذہب میں آجاؤ میرے مذہب میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ہوجائے گی، اس لئے حضرت غوث پاک حنفی سے حنبلی ہوگئے۔

الجواب:

یہ روایت صحیح نہیں، حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اس کے مطابق فتوٰی دیا کہ حضور محی الدین اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۲: از حیدرآباد قریب ڈیوڑھی نواب نصرت جنگ بہادر مرسلہ سید غلام فضل بیابانی قاضی درنگل یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی تھی یا نہیں؟ مولانا کی تحقیقات میں جو بات ثابت ہو اس سے بھی بحوالہ کتب حسن ایما ہو۔

الجواب:

حضرت سید احمد کبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی نہ تھی حضرت کے بھانجے تھے، وفیات الاعیان میں ہے: **لم یکن له عقب**[1] (آپ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ت) قلائد الجواہر میں ہے:

قال العلامۃ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی سیدی الشیخ الکبیر محی الدین سلطان العارفین ابو العباس احمد بن الرفاعی لم یبلغنا انه اعقب کما جزم به غیر واحد من الائمۃ المرضیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم	علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ ہمارے سردار، شیخ کبیر، محی الدین، سلطان العارفین، ابوالعباس احمد بن رفاعی علیہ الرحمہ نے کوئی اولاد چھوڑی ہو، جیسا کہ متعدد پسندیدہ ائمہ نے اس پر جزم فرمایا ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے(ت)

[1] وفیات الاعیان ترجمہ ابو العباس احمد بن علی المعروف بابن الرفاعی ۲۰ دار الثقافۃ بیروت ۱/۱۷۲

[2] قلائد الجواہر فی مناقب عبد القادر

مسئلہ ۲۳۳: مسئولہ غلام رسول ۱۱ شوال محلّہ بہاری پور

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کیونکہ اس وقت تمام مخالفین موجود تھے وہ ہی راوی ہوں گے لہذا کوئی ثقہ نہ پایا گیااور نیز اصحاب رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین موجود نہ تھے بالفرض مان لیاجائے کہ موجود تھے تو اپنی اپنی جگہ ، لہذا ان کو خبر ملے توان مخالفین سے اس وجہ سے یہ بھی ضعیف ہوگی۔اور بکر کہتاہے کہ ایسے مواقع میں خبر صحیح ہوسکتی ہے۔زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھے اور حرم محترم بھی موجود تھے اور موافقین تھے لہذا روایتیں صحیح ہوسکتی ہیں ان دونوں سے کون حق پر ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بکر حق پر ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۳۴تا۲۴۱: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی پرگنہ اجاؤں ضلع بریلوی مرسلہ امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ :

(۱) زید کہتاہے کہ میں اولاد سید بدیع الدین صاحب عرف شاہ مدار کے ہوں اوران ہی سے ہمیں خلافت بھی ہے۔عمرو نے اس پر جواب دیا کہ سید بدیع الدین صاحب نے نہ شادی کی نہ ان کی اولاد ہوئی پھر تم کہاں سے پیدا ہوئے اور تمہیں خلافت کس نے دی۔زید نے اس پر جواب دیا کہ نہیں سیّد بدیع الدین صاحب نے دو خلیفہ کئے ہم انہیں کی اولاد میں ہیں اورانہیں سے خلافت چل رہی ہے۔

(۲) زید کہتاہے کہ ہم مدار صاحب کے بھتیجوں کی اولاد میں ہیں۔

(۳) زید کہتاہے کہ سید مدار صاحب نے ایک نقش لکھ کر ایک عورت کو دکھایا کہ جس کے دیکھنے سے وہ حاملہ ہوگئی اوراس سے جواولاد پیدا ہوئی ہم اس کی اولاد میں ہیں یہاں تک کہ ایک گاؤں اس کی اولاد سے آباد ہے۔

(۴) زید کامرید مع زید یہ بات کہتاہے کہ جب ہماری خلافت ثابت نہیں توآج تک کسی عالم نے کیوں نہیں منع کیا۔

(۵) یہ کہ اب علماء فرمائیں کہ سید مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ کیا یانہیں یاشادی کی یانہیں

یا کوئی بھتیجا ہمراہ آیا تھا یا نہیں، اور اگر کسی کو خلیفہ کیا تو اس کی اولاد ہوئی یا نہیں اور وہ خلیفہ کہاں گئے اور کیا ہوئے؟

(۶) سید مدار صاحب کا وصال مکن پور ہوا یا کہیں اور؟ اور وہ خلیفہ کہاں مدفون ہیں؟

(۷) یہ کہ وہ خلیفہ ہندوستان میں گئے یا عرب میں یا کہاں؟

(۸) یہ کہ وہ خلیفہ سید مدار صاحب سے پہلے رحلت کرگئے یا بعد کو؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

بے اصل وبے سروپا باتیں ہیں جن کا کہیں پتا نہیں، سبع سنابل شریف میں ہے: حضرت مدار صاحب قدس سرہ نے فرمایا ہے: خلافت نہ کسے دادہ ام نخواہم داد[1]، میں نے خلافت نہ کسی کو دی ہے نہ آگے دوں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۲: از موصل تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب ۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

سورہ فاتحہ کا شان نزول کہیں نہیں ملتا، شان نزول بیان فرمائیں۔

الجواب:

سورۂ فاتحہ رحمت الٰہی ہے، دعا وثنا ہے کہ رب عزوجل نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی، کسی خاص واقع کے لئے اس کا نزول نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۳: حافظ نجم الدین صاحب نجم چترھائی نیب ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیات: "**اِنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ**"[2]

"**یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ**"[3] کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اور ان کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب:

یہ خطاب عام ہے خاص اشخاص اس سے مراد نہیں، سب مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ

---

[1] سبع سنابل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۱

[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۹

تمہارے مال واولاد آزمائش ہیں ایسانہ ہو کہ ان کے سبب یادالٰہی سے تم غافل ہو جاؤاور جوایسا کرے گا وہ نقصان پائے گا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۴: از شہر گیا محلّہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین احمد اللہ خاں ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خضر علیہ السلام مالک بری ہیں یا بحری؟اورادریس علیہ السلام اب کہاں ہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

مالک بحر وبر ہر خشک وتر اللہ عزوجل ہے اوراس کی عطا سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضور کی نیابت سے حضر علیہ السلام کے تصرفات خشکی ودریادونوں میں ہیں۔ادریس علیہ السلام آسمان پر ہیں، **قال اللہ تعالٰی** "وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾"[1] (اللہ تعالٰی کافرمان ہے اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۴۵: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انہوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑااس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہاکہ مجھ کو بھی دریاکے پار کردیجئے، تب ان بزرگ کامل نے کہا"تم میرے پیچھے یاجنید یاجنید کہتے چلواور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا" درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگاتب وہ ڈوبنے لگا،اس وقت ان بزرگ نے کہاکہ تواللہ اللہ مت کہہ یاجنید یاجنید کہہ، تب اس آدمی نے یاجنید یاجنید کہاجب وہ نہیں ڈوبا۔یہ درست ہے یا نہیں؟اور بزرگ کامل کے لئے کیاحکم ہے اورآدمی کے لئے کیاحکم ہے؟**بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

یہ غلط ہے کہ سفر میں دریاملابلکہ دجلہ ہی کے پار جاناتھا،اوریہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتاچلوں گا،اوریہ محض افترا ہے کہ انہوں نے فرمایاتواللہ اللہ مت کہہ۔یاجنید کہنا خصوصًا حیات دنیاوی میں خصوصًا جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کر سکتاہے کہ آدمی کاحکم پوچھاجائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے حکم پوچھنا کمال بے ادبی وگستاخی ودریدہ دہنی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۷

مسئلہ ۲۴۶: از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت جناب فیض درجت خدام ذوی الاحتشام حضرت نعمان الزمان مولانا و بالفضل اولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت شموس افاداتہ بازغہ معروض باد۔ معراج میں ایک قطار اونٹوں کی کہ ہر ایک پر دو صندوق، ہر صندوق میں انڈے بھرے، ہر انڈے میں ایک عالم مثل اس عالم کے، اس قطار کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رواں ہی دیکھا ابتداء انتہا نہیں دیکھی، حضرت کی درخواست پر منظور ہو کر اجازت دی اور انڈا کھولا گیا، حضرت ایک شہر کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ حضرت خاتم النبیین کا ذکر فرماتے تھے واعظ نے یہ بھی کہا کہ حضرت اس جہاں میں ایک بار تشریف لائیں گے، سر اٹھا کر دیکھا اور قدمبوسی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم تو بے شمار مگر خاتم ایک ہی ہے۔ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

روایت بعض کتب[1] تصوّف میں ہے، حدیث میں اس کی کچھ اصل نہیں، اور ہو تو وہ عالم مثال کی تصویریں ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ "[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں، ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۷: از وزیر آباد محلّہ لکڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ مسئولہ نظام الدین عثمانی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سید نہیں اور نہ حسن مثنّٰی کی اولاد میں ہیں۔ مہربانی فرما کر کتب معتبرہ شیعہ وسنی سے نقل عبارت مع صفحہ ونام کتاب تحریر فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا**

الجواب:

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یقینا قطعًا اجل سادات کرام سے ہیں، حضور کی سیادت متواتر ہے، حضرت سیدی امام اوحد ابوالحسن لخمی قدس سرہ کی بہجۃ الاسرار شریف

---

[1] رہبر حق ص ۴۰

[2] القرآن الکریم ۱۵/ ۲۱

اور امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی کی اسنی المفاخر وعلامہ علی قاری کی نزہۃ النواظر اور مولینا نورالدین جامی کی نفحات الانس اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی زبدۃ الآثار وغیرہم اجلہ اکابر کی معتمدات اسفار ملاحظہ ہوں۔ فقیر بوجہ علالت تبدیل ہوا کے لئے پہاڑ پر آیا ہوا ہے ورنہ کتابوں کے حوالے اور صفحات کے نشان لکھتا۔ رافضیوں کی کتابیں میرے کتب خانہ میں نہیں، نہ مسلمانوں کو ان کی بات پر کان رکھنا جائز، میں رسالہ ردالرفضہ میں کتب معتمدہ کثیرہ ودلائل قاطعہ منیرہ سے ثابت کرچکا ہوں کہ روافض زمانہ سب کفار مرتدین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1]	ان سے دور رہو اور انہیں اپنے سے دور کرو کہیں وہ تمہیں بہکانہ دیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈالدیں۔ (ت)

رافضیوں کے یہاں تو معیار سیادت رفض ہے، سنی کیسا ہو جلیل القدر سید ہو اسے ہر گز سید نہ مانیں گے اور کوئی کیسا ہی رذیل ذلیل قوم کا آج رافضی ہو جائے کل سے میر صاحب ہے "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[2] (اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

رسالہ
جمع القراٰن وبِمَ عزوہ لعثمان ۱۳۲۲ھ
(قرآن کو جمع کرنا اور اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کرتے ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۲۴۸: از شہر کہنہ بریلی ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا تھا یا ان سے پہلے بھی کسی نے جمع کیا؟ اور یہ جو سنا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا، اور ان کا جمع کیا ہوا مدفون کردیا گیا، یہ سچ ہے یا غلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پرنور سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں بامر الٰہی حسب بیان جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاد وتعلیم حضور سیدالمرسلین واقع ہوئی تھی، مگر قرآن عظیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے

سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دنبے کی پوستوں، شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا ایک جگہ سارا قرآن عظیم مجموع نہ تھا۔ جب جنگ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذاب ملعون مدعی نبوت سے زمانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی صدہا صحابہ کرام حفاظ قرآن نے شہادت پائی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دل الہام منزل میں حق جل وعلانے القاء کیا کہ حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے۔ یونہی جہادوں میں حفّاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآن عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب سورتیں یکجا کرلی جائیں۔ خلیفہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالٰی سارا قرآن عظیم یکجا ہوگیا، ہر سورت ایک جدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیات صدیقی حضرت خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم کے پاس رہے۔ عرب میں ہر قوم و قبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرف تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث:

لیس من امبر الصیام فی امسفر[1]۔	سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (ت)

وارد ہے علامات مضارع حروف "اتین" کو کوئی مفتوح پڑھاتا تھا کوئی مکسور، ماشبہہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع، اِنَّ و اَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے (م) کو (ب)، تاء رحمۃ ونحوہا کوئی حالت وقفی میں کوئی (ہ) کہتا کوئی (ت) منصوب منوّن پر، کوئی الف سے وقف کرتا کوئی صرف سکون سے، بعض مرفوع ومجرور پر بھی واو ویا سے وقف کرتے۔ بعض قومیں حروف مدہ حرکات موافقہ پر قناعت کرتیں **اَعُوْذُ** کو **اَعُذُ**، **تَعَالٰی** کو **تَعَالَ** وغیر ذلک کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوت لہجہ وطرز ادا تھے، قرآن عظیم خاص لغت قریش پر اُترا تھا کہ صاحب قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قریشی تھے ۔

گلبن تو کہ ز گلزار قریشی گل کرد زان سبب آمدہ قرآن بزبان قرشی

[1] شرح معانی الآثار کتاب الصیام باب الصیام فی السفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۸۵

(آپ کا شجرہ گلاب چونکہ قریش کے باغ سے ظاہر ہوا، اسی سبب سے قرآن مجید قریش کی لغت پر آیا۔ت)

زمانہ اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآن عظیم نیا نیا اُترا تھا اور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ قدیمی عادات کا دفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قرأت قرآن عظیم کرے، زمانہ نبوت کے بعد شدہ شدہ اقوام مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا جس لہجہ ولغت میں پڑھتے ہیں اس میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یہاں تک کہ زمانہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدل وزدو کوب کی نوبت پہنچی یہ کہتا تھا قرآن اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ اس دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعوی کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمان غنی کو پہنچی فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہوا تو آئندہ کیا امید ہے۔ لہٰذا حسب مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم ودیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم یہ اقرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب و لہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغت قریش پر جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے باز رکھنا چاہئے، صحیفہائے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ حضرت ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس محفوظ ہیں منگا کر ان کی نقلیں لے کر تمام سورتیں ایک مصحف میں جمع کریں اور وہ مصاحف بلاد اسلام میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرز اداکے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفع فتنہ کے لئے تلف کردیئے جائیں، اسی رائے صائب کی بناء پر امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجئے، امیر المومنین نے زید بن ثابت و عبداللہ بن زبیر وسعید بن عاص وعبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا، وہ نقلیں مکہ معظّمہ وشام ویمن وبحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس دیئے ان کی نسبت معاذاللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرادینے کا بیان محض جھوٹ ہے وہ مبارک صحیفے خلافت عثمانی پھر خلافت مرتضوی پھر خلافت امام حسن پھر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کردیئے۔

بالجملہ اصل جمع قرآن تو بحکم رب العزّۃ

حسب ارشاد حضور پُرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو لیا تھا سب سُوَر کا یکجا کرنا باقی تھا امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کیا پھر اسی جمع فرمودہ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورہ امیر المومنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بلاد اسلام میں شائع کئے اور تمام امت کو اصل لہجہ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالٰی شانہ ہے، کما قال عز من قائل:

"اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ﴿ۚ۱۷﴾ "۔[1]	بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔(ت)

اور بنظر ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حاکم مستدرک میں بشرط بخاری ومسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع[2]	یعنی ہم زمانہ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان شریف میں فرماتے ہیں:

قد کان القرآن کتب کله فی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[3]۔	سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد اقدس میں لکھا گیا تھا لیکن وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا اور سورتیں مرتب نہیں ہوئی تھیں۔(ت)

صحیح بخاری شریف میں انھیں سے مروی:

قال ارسل الی ابوبکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جنگ یمامہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر جمع القرآن لم یکن مرة واحدة دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۹

[3] الاتقان النوع الثامن عشر فی جمعه و ترتیبه مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

عندہ فقال ابوبکر ان عمر افانی فقال ان القتل قداستحر یوم الیمامۃ بقراء القراٰن وانی اخشی ان یستحر القتل بقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القراٰن وانی اری ان تامر بجمع القراٰن قال زید قال ابوبکر انك رجل شاب عاقل لا نتّھمك وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القراٰن فاجمعہ فتتبعت القراٰن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال.فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر[1] ھذا مختصرًا۔	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں موجود تھے،ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرے پاس حضرت عمر آئے ہیں اور کہا ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قراء قرآن شہید ہوئے ہیں، مجھے خوف ہے کہ اگر جنگوں میں قراء کثرت سے شہید ہوتے رہے توقرآن مجید کابہت سا حصہ ضائع ہوجائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کاحکم دیں، حضرت زید نے کہاحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے فرمایا تم ایک نوجوان عقلمند مرد ہو ہم آپ کو کسی معاملے میں تہمت نہیں لگاتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن مجید تلاش کرو اور اس کو جمع کردو، چنانچہ میں نے قرآن مجید کو ڈھونڈا اور اس کو کھجور کے پٹھوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا تھا وہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس رہے آپ کے وصال کے بعد سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس موجود رہے(اختصار)۔(ت)

اس حدیث طویل کاخلاصہ وہی ہے کہ بعد جنگ یمامہ فاروق نے صدیق کو جمع قرآن کامشورہ اور صدیق نے زید بن ثابت کواس کاحکم دیا کہ متفرق پرچوں سے سب سورتیں یکجا ہو کر صدیق پھر عمر فاروق پھر ام المومنین کے پاس رہیں رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر	مصاحف میں سب سے زیادہ ثواب ابوبکر کا

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶،۷۴۵

رحمۃ اللّٰہ علٰی ابی بکر، ھو اول من جمع کتاب اللّٰہ، رواہ ابن ابی داؤد المصاحف[1] بسند حسن عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول فذکرہ۔	ہے اللہ ابوبکر پر رحمت کرے سب سے پہلے انہیں نے قرآن جمع کیا۔(اس کو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سند حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا، پھر وہی حدیث ذکر کی۔ت)

امام اجل عارف باللہ محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں:

کتابۃ القراٰن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأمر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخھا من مکان الی مکان مجتمعا وکان ذٰلک بمنزلۃ اوراق وجدت فی بیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم فیھا القراٰن منتشر فجمعھا جامع وربطھا بخیط حتی لایضیع منھا شیئ۔ نقلہ فی الاتقان[2]۔	یعنی قرآن کا لکھنا کوئی نیا کام نہیں یہ تو زمانہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بحکم اقدس ہوچکا تھا مگر متفرق تھا پارچوں، شانے کی ہڈیوں اور کھجور کے پٹھوں پر لکھا ہوا تھا صدیق نے یکجا کردیا تو گویا کہ یہ ایسا ہوا کہ قرآن کے اوراق جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کاشانہ مبارک میں منتشر تھے وہ جمع کرنے والے نے ایک ڈورے میں باندھ دیئے تاکہ اس میں سے کوئی شے ضائع نہ ہو۔(اس کو اتقان میں نقل کیا۔ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

حدثنا موسٰی ثنا ابراھیم ثنا ابن شھاب ان انس بن مالك حدثہ ان حذیفۃ بن الیمان قدم علٰی عثمٰن وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیۃ	ہمیں موسٰی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہمیں ابراہیم نے انہوں نے کہا ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انہیں حدیث بیان کی کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ

[1] الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد فی المصاحف النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

[2] الاتقان بحوالہ الحارث المحاسبی فی کتاب فہم السنن النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

واٰذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة اختلافهم فی القراٰة فقال حذیفة لعثمان یاامیر المؤمنین ادرك هذه الامّة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصارٰی فارسل عثمٰن الی حفصة رضی الله تعالٰی عنها ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردّها الیك فارسلت بها حفصة الی عثمٰن فامر زید بن ثابت وعبدالله بن زبیربن وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحارث بن هشام فنسخوها فی المصاحف و قال عثمٰن للرهط القرشیین الثلثة اذا اختلفتم انتم وزید بن ثابت فی شیئ من القراٰن فاکتبوه بلسان قریش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتّٰی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمٰن الصحف الٰی حفصة و ارسل الٰی کل افق بمصحف ممّا نسخوا وامر بماسواه من القراٰن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق[1]۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے جبکہ وہ اہل شام اوراہل عراق کوآرمینیہ اورآذربیجان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کوفتح کرنے کے لئے لشکرتیار کررہے تھے، حذیفہ کواہل شام اوراہل عراق کے قرآن پڑھنے کے اختلاف نے گھبراہٹ میں ڈال دیاتو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا اے امیرالمومنین ! اس امت کو یہود ونصارٰی کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے سے روکیں، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کوام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہاکے پاس بھیجاکہ وہ صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں ہم ان کو مصحف میں لکھ کرپھر آپ کو واپس کردیں گے۔ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہانے صحیفے امیرالمومنین کے پاس بھیج دیئے توانہوں نے زیدبن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعیدبن عاص اور عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کوحکم دیا، انہوں نے اس کو مصاحف میں لکھ دیا۔حضرت عثمان غنی

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۶

	رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قریشیوں کو حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن مجید کے کسی کلمے میں اختلاف ہوجائے تو اس کو لغت قریش کے مطابق لکھو کیونکہ قرآن مجید صرف لغت قریش پر نازل ہوا۔ انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ جب انہوں نے صحیفوں کو مصاحف میں لکھ دیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے، اور ملک کے ہر کونے میں ایک مصحف بھیج دیا جو انہوں نے لکھا تھا اور حکم دیا اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفہ یا مصحف میں ہے اس کو جلادیا جائے۔ (ت)

دیکھو یہ حدیث صحیح بخاری صاف گواہ عدل ہے کہ امیر المومنین عثمان غنی نے اختلاف لہجہ ولغات سن کر صحیفہائے صدیقی حضرت حفصہ سے منگائے اور انہیں کی نقلوں سے مصحف بناکر بلاد اسلام میں بھیجے اور وہ صحیفے بعد نقل حضرت ام المومنین کو واپس دیئے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ابن اشتہ کتاب المصاحف میں راوی:

اختلفوا فی القراءۃ علی عہد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذٰلك عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال عندی تکذبون بہ وتلحنون فیہ، فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا واکثر لحنا یا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجتمعوا فاکتبوا للناس اماما فاجتمعوا فکتبوا الحدیث رواہ من طریق ایوب عن ابی قلابۃ قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال لہ انس بن مالک[1]، فذکرہ۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں لوگوں میں قرآن مجید کے اندر اس قدر اختلاف پڑگیا جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچوں اور پڑھانے والے اساتذہ میں لڑائی ہونے لگی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ تم میرے سامنے قرآن کو جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دور ہیں وہ اس سے بھی زیادہ جھٹلاتے اور غلطی کرتے ہوں گے، اے اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! جمع ہوجاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (قرآن) لکھو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جمع ہوکر قرآن لکھا۔ اس حدیث کو ابن اشتہ نے ایوب کے طریق پر ابوقلابہ سے روایت کیا، اس نے کہا مجھ سے بنی عامر کے ایک مرد نے بیان کیا جس کو انس بن مالک کہا جاتا ہے، پھر وہی حدیث مذکور ذکر کی۔ (ت)

سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشتہ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

لاتقولوا فی عثمٰن الّا خیرا فواللّٰه مافعل فی المصاحف الامن ملأمنا قال ماتقولون فی هذه القراءة فقد بلغنی ان بعضهم یقول ان قراءتی خیر من قرائتك وھٰذا یکادیکون کفرا قلنا فماتری، قال اری ان یجمع الناس علٰی مصحف واحد فلاتکون فرقة ولااختلاف قلنا نعم مارأیت[1]۔رواہ ابوبکر بن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلة قال قال علی رضی اللّٰه تعالٰی فذکرہ۔	یعنی عثمان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم معاملہ مصاحف میں انہوں نے جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ و اتفاق سے کیا انہوں نے ہم سے کہا کہ تم ان مختلف لہجوں میں کیا کہتے ہو مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اوروں سے کہتے ہیں میری قرات تیری قرات سے اچھی ہے اور یہ بات کفر کے قریب تک پہنچی ہوئی ہے، ہم نے کہا بھلاآپ کی کیارائے ہے، فرمایا میری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کوایک مصحف پر جمع کردیں کہ پھر باہم نزاع واختلاف نہ ہو، ہم سب نے کہا آپ کی رائے بہت خوب ہے (اس کو ابوبکر بن ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ سوید بن غفلہ سے ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا پھر حدیث مذکور ذکر کی۔ت)

اتقان میں ہے:

قال ابن التین وغیرہ الفرق بین جمع ابی بکر وجمع عثمٰن ان جمع ابی بکر کان لخشیة ان یذھب من القراٰن شیئ بذھاب حملته لانه لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعه فی صحائف مرتبا لاٰیات سورہ علی ماوقفھم علیه النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم، وجمع عثمٰن	ابن تین وغیرہ نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جمع کرنا اس خوف سے تھا کہ قراء قرآن کی شہادت کے سبب سے قرآن کا کچھ ضائع نہ ہو جائے کیونکہ قرآن مجید یکجانہ تھا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قرآن مجید کو صحیفوں میں اس طرح جمع کردیا کہ ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان کے مطابق مرتب

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشۃ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۹

کان لما کثرالاختلاف فی وجوہ القرأۃ حتی قرؤوہ بلغاتھم علی اتساع اللغات فادی ذٰلك بعضھم الی تخطئۃ بعض فخشی من تفاقم الامر فی ذٰلك فنسخ تلك الصحف فی مصحف واحد مرتبا لسورہ واقتصر من سائر اللغات علٰی لغۃ قریش محتجّابانّہ نزل بلغتھم ،وان کان قدوسّع فی قرأتہ بلغۃ غیرھم رفعا للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر فرأی ان الحاجۃ الی ذٰلك قدانتھت فاقتصر علی لغۃ واحدۃ[1]۔	کرکے درج فرمادیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس وقت قرآن مجید جمع فرمایا جب قراءت کی وجوہ میں بکثرت اختلاف واقع ہوا۔ جبکہ عربوں نے وسیع لغات کی بناء پر اپنی اپنی زبانوں میں الگ الگ قراءت میں قرآن پڑھنا شروع کردیا اور ایک زبان والے دوسری زبان والوں کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لوگوں کے درمیان معاملہ سے حد سے بڑھ جانے کا خوف محسوس ہوا اس لئے آپ نے تمام صحیفوں کو ایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام لغات کو چھوڑ کر صرف لغت قریش پر اکتفاء کیا۔ اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ قرآن مجید لغت قریش پر نازل ہوا اگرچہ حرج اور مشقت سے بچنے کے لئے شروع شروع غیر قریش کی لغات میں پڑھنے کی بھی اجازت تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سمجھا کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی۔ لہٰذا آپ نے ایک ہی لغت پر انحصار فرمایا۔ (ت)

امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

کان ھذا سببا لجمع عثمٰن القراٰن فی المصحف،و الفرق بینہ وبین الصحف ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیھا القراٰن فی عھد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانت سورا مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ باٰیاتھا علٰی حدۃ،لکن	یہ تھا سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مصحف میں قرآن جمع کرنے کا۔ صحیفوں اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ صحیفے وہ اوراق ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں قرآن مجید لکھا گیا تھا اس میں سورتیں الگ الگ تھیں، ہر سورت اپنی آیات کے ساتھ الگ مرتب تھی لیکن بعض کو بعض کے بعد

[1] الاتقان النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰۔۵۹

لم یرتب بعضها اثر بعض فلما نسخت و رتب بعضها اثر بعض صارت مصحفا،ولم یکن مصحفا الا فی عهد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[1]	بالترتیب نہیں رکھا گیا تھا،جب ان کو اس طرح لکھا گیا بعض سورتوں کو بعض کے بعد بالترتیب رکھا گیا تو مصحف بن گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد سے پہلے مصحف نہ تھا۔(ت)

عمدۃ القاری واتقان شریف میں ابوبکر بن ابی داؤد سے منقول:

قال سمعت اباحاتم السجستانی یقول کتب سبعة مصاحف فارسل الی مکة و الی الشام والی الیمن والی البحرین و الی البصرة والی الکوفة وحبس بالمدینة واحدا[2]۔	اس نے کہا میں نے ابوحاتم سجستانی کو کہتے سنا کہ حضرت عثمان نے سات مصحف تحریر فرمائے۔ایک مکہ مکرمہ،ایک شام، ایک یمن،ایک بحرین،ایک بصرہ اور ایک کوفہ میں بھیج دیا جبکہ ایک مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

(حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف ردعثمن الصحف الٰی حفصة)فکانت عندها حتی توفیت فاخذها مروان حین کان امیرا علی المدینة من قبل معٰویة رضی اللہ تعالٰی عنه فامر بها فشققت وقال انما فعلت هذا لانی خشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فیها مرتاب رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ۔[3]	یہاں تک کہ جب انہوں نے صحیفے مصحف میں رکھ لئے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیئے،وہ وصال تک حضرت حفصہ کے پاس رہے،پھر مروان امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر بنا تو اس نے ان کو لے کر پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے پر کوئی شک کرنے والا اس میں شک نہ کرے۔اس کو ابن ابی داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔(ت)

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/ ۱۸
[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۹

اسی میں ہے:

کان التالیف فی الزمن النبوی والجمع فی المصحف فی زمن الصدیق والنسخ فی المصاحف فی زمن عثمٰن وقدکان القراٰن کله مکتوبا فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم لکنه غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[1]۔ انتهی والله سبحانه وتعالٰی اعلم۔	قرآن مجید کی تالیف عہد نبوی میں ہوئی۔ صحیفوں میں جمع زمانہ صدیقی میں ہوا اور مصاحف میں اس کی کتابت زمانہ عثمانی میں ہوئی۔ بے شک سارا قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا لیکن وہ سارا یکجا لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی سورتیں ترتیب وار لکھی ہوئی تھیں۔ (ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از پٹنہ عظیم آباد ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جامع قرآن مجید کس رو سے کہتے ہیں؟ اس کا جواب کتب احادیث وتواریخ سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالٰی ہے، قال جل وعلا:

"اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾"[2]	بے شک ہمارے ذمے ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔

پھر جمع عزوجل کے مظہر اول واتم واکمل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے۔ آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مطابق ترتیب لوح محفوظ حسب تبلیغ جبریل وتعلیم جلیل صاحب تنزیل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہولیں، قرآن عظیم ۲۳ برس میں حسب حاجت عبادت متفرق آیتیں ہو کر اُترا، کسی سورت کی کچھ آیات اترتیں پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں پھر سورت اولٰی کی نازل ہوتیں، حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں،

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۶

[2] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

اسی طرح سورہ قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے، قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اوران کے لہجے باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامات مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل ات ن کو مکسور کرکے نِعبد نِستعین کہتے، لغت قریش میں "تابوت" آخر میں تائے قرشت سے تھا دوسروں کے لغت میں "تابوہ" ہائے ہوّز سے۔ اسی قسم کے بالائی اختیارات بکثرت تھے جن سے معنی کلام بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا، اورمادری لہجہ زبانوں پرچڑھاہوادفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔ لہٰذا حضور پرنور رحمت مہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کرکے دیگر قبائل والوں کے لئے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اترچکاہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمداللہ تعالٰی حفّاظ اہلسنّت میں باقی ہے اور باقی رہے گی حتّٰی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کا امر آجائے گااور وہ اس پر قائم ہوں گے۔ت) سال اخیر میں حامل وحی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہواتھا حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علہ وسلم کے ساتھ دَور کیا اور اس تکرار سے اشارہ ہواکہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے استقرار امر ہوا۔ سُوَر اگرچہ زمانہ اقدس میں مرتب ہوچکی تھیں مگر یکجا مجتمع نہ تھیں متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں سوان مبارک سینوں کے جن میں ساراقرآن عظیم محفوظ تھا حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا، خلافت خلیفہ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابہ کرام حافظان قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنا وعدہ صادقہ "وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۹"[1] (اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ت) پورا فرمانے کو پہلے یہ کریم داعیہ قلب کریم حضرت موافق الرائے بالوحی والکتاب سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ڈالا حضرت فاروق نے بارگاہ صدیقی میں عرض کی کہ جنگ یمامہ میں بہت حفّاظ شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوں ہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پاگئے تو بہت ساقرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتارہے گا میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہواکہ جو فعل

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا ہم کیونکر کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بلا کر فرمان خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وہی شبہہ پیش کہ کیونکر کیجئے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے، یہاں تک کہ صدیق وفاروق وزید بن ثابت و جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کرلیا گیا، اور وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دار ومدار ہے کہ جو فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا، والحمدللہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہوگئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا

(۲) اس مصحف کے نسخے معظم بلاد اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بناپر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزّل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جدا تھے دفع فتنہ کے لئے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدہ الٰہیہ تام وکامل ہوا اس لئے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
احمد رضا خاں

فوائد تفسیریہ وعلوم قرآن

مسئلہ ۲۵۰: از مدرسہ منظر اسلام ۲۶/ جمادی الاولی ۱۳۲۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ شان نزول اس آیت شریفہ کا:

"وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ(۷۵)"[1]۔الآیۃ	اوران میں سے کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیاتھاکہ اگرہمیں اپنے فضل سے دے گا توہم ضرور خیرات کریں گے اورہم ضرور بھلے آدمی ہوجائیں گے (ت)

حدیث ثعلبہ ابن حاطب ہے یااور کوئی حدیث؟ حدیث ثعلبہ کی صحیح یاحسن یاضعیف یاموضوع؟ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری ہے یااور کوئی؟

الجواب:

بدری حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے اگرچہ یہ بھی قوم اَوس سے تھا۔اور بعض نے اس کانام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔مگروہ بدری خودزمانہ اقدس حضورپرنور صلی اللہ علیہ وسلم میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔اور یہ منافق زمانہ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں مرا۔جب اس نے زکوۃ دینے سے انکار کیااور آیہ کریمہ اس کی مذمت میں اتری۔حضورپرنور صلی اللہ

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۵

تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زکوۃ لے کر حاضر ہوا حضور نے قبول نہ فرمائی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت میں لایا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تیری زکوۃ قبول نہ فرمائی اور میں قبول کرلوں، ہرگز نہ ہوگا۔ پھر خلافت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابوبکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافت عثمٰن ذی النورین غنی رضی اللہ عنہ میں لایا، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق وفاروق نے قبول نہ فرمائی میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انہیں کی خلافت میں مرگیا۔ اللہ عزوجل اہل بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرماچکا:

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم۔[1]	جو چاہو کرو میں تمہیں بخش چکا۔

اور اس منافق کے باب میں فرماتا ہے:

"فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ"[2]	اس کے پیچھے اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔

حاشاللہ نور وظلمت کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔ امام حافظ الشان اصابہ میں فرماتے ہیں:

ثعلبة بن حاطب بن عمرو الانصاری ذکرہ موسٰی بن عقبة وابن اسحٰق فی البدریین وکذا ذکرہ ابن الکلبی وزاد انہ قتل باحد۔[3]	ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری کو موسٰی بن عقبہ اور ابن اسحاق نے اہل بدر میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابن کلبی نے ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ اُحد میں شہید ہوئے۔ (ت)

تفسیر امام ابن جریر میں ہے:

حدثنی محمد ابن سعد حدثنی	مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا انہوں نے کہا

[1] کنز العمال حدیث ۳۷۹۵۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۴/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۷

[3] الاصابة فی تمییز الصحابة ترجمہ ۹۲۷ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالٰی عنهما ان رجلا یقال له ثعلبة ابن ابی حاطب اخلف ماوعده فقصّ اللّٰه تعالٰی شانه فی القراٰن ومنهم عاهد اللّٰه الٰی قوله یکذبون [1]۔	مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا اس نے کہا مجھ سے میرے چچانے بیان کیا اس نے کہا مجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ایک شخص کو ثعلبہ بن ابی حاطب کہا جاتا ہے جس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اللہ تعالٰی نے اس کے حال کو قرآن مجید میں بیان فرمایا یعنی "ومنهم من عٰهد اللّٰه" سے "یکذبون" تک۔ (ت)

تفسیر معالم میں ہے:

قال الحسن ومجاهد نزلت فی ثعلبة بن ابی حاطب [2] الخ۔	امام حسن اور مجاہد نے کہا یہ آیت ثعلبہ بن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی الخ (ت)

تفسیر ابن جریر و ثعلبی وغیرہم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

فانزل اللّٰه تعالٰی فیه ومنهم من عاهد اللّٰه الخ وعند رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم رجل من اقارب ثعلبة فسمع ذٰلك فخرج حتی اتاه فقال ویحك یاثعلبة قد انزل اللّٰه فیك كذا وكذا فخرج ثعلبة حتی اتی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم	تو اللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "اور ان میں کوئی وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا" الخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک شخص موجود تھا جس نے اس آیت کو سنا تو وہ وہاں سے نکلا اور ثعلبہ کے پاس آکے کہا اے ثعلبہ! تیرے لئے ہلاکت ہو اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں ایسا ایسا حکم نازل فرمایا ہے۔ تو ثعلبہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیة ۹/ ۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی تحت آیة ۹/ ۷۵ دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۶۴

فسأله ان يقبل منه صدقته فقال ان الله منعنى ان اقبل منك صدقتك. ثم اتى ابابكر حين استخلف فقال اقبل صدقتى فقال ابو بكر لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وانا اقبلها؟ فلما ولى عمر اتاه فقال ياامير المؤمنين اقبل صدقتى فقال لم يقبلها، رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولاابو بكر وانا لااقبلها ثم ولى عثمان فاتاه فسأله فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ولاابو بكر ولاعمر رضوان الله تعالٰى عليهما وانا لااقبلها منك فلم يقبلها منه وهلك ثعلبة فى خلافة عثمان رضى الله تعالٰى عنه[1] اھ مختصرًا۔	حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھے منع فرمادیا ہے کہ میں تیرا صدقہ قبول کروں۔ پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنے تو ثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا میرا صدقہ قبول کرلیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور میں قبول کرلوں؟ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو ثعلبہ نے آکر کہا اے امیر المومنین! میرا صدقہ قبول فرمالیں تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسے قبول فرمایا اور میں بھی اس کو قبول نہیں کرتا۔ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو اس نے آکر صدقہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے قبول فرمایا تو میں بھی اسے قبول نہیں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے قبول نہیں فرمایا اور آپ ہی کی خلافت میں ثعلبہ مرگیا اھ اختصار (ت)

یہ سب اس حدیث ثعلبہ کی تسلیم پر ہے، ورنہ وہ سرے سے ثابت الصحت نہیں۔ امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا:

ان صح الخبر ولااظنه يصح[2]۔	اگر یہ خبر صحیح ہو اور میں اس کو صحیح گمان نہیں کرتا (ت)

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۴

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۸ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

اقول: یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب، ابن حاطب کہا۔ ابن جریر وبغوی وثعلبی وابن السکن وابن شاہین وباوردی سب کے یہاں بطریق معاذ ابن رفافہ عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، اور علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: **ضعیف**[1]۔ امام دارقطنی نے فرمایا: **متروک**[2] امام بخاری نے فرمایا: **منکر الحدیث**[3]۔ اور فرمایا:

کل من اقول: فیہ منکر الحدیث لاتحل الروایۃ عنہ[4] واللہ تعالٰی اعلم۔	جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱: (سوال مذکور نہیں) ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

الجواب:

(بجواب مسئلہ مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہوری)

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیں محفوظ رہیں:

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً "**غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ**"[5] کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تونے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے "**طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ**"[6] فرمایا۔

[1] تقریب التھذیب ترجمہ علی بن یزید ۴۸۳۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۷۰

[2] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[3] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۲۶ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۶۱

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ابان بن حبلہ ۳ دار المعرفۃ بیروت ۱/

[5] القرآن الکریم ۱/ ۷

[6] القرآن الکریم ۷۳/ ۱۳

اس سے استعارہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کرسکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا: "نہ ان کی جن پر تو نے غضب فرمایا، یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں" خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۴) سب سے اہم واعظم واقدم والزم مراعات وتشابہات کہ ان میں ہمارے ائمہ کرام سے دو مذہب ہیں:

اول ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، "**اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ**"[1] (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ ت) معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، ان سے اگر **قولہ تعالٰی ثم** "**ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ**"[2] کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے: "پھر استواء فرمایا آسمان کی طرف" اگر پوچھئے **استوٰی** کے کیا معنی، تو **لاندری** (ہم نہیں جانتے۔ ت) سے جواب ملے گا۔

دوم تاویل کہ متاخرین نے تفہیم جہال کے لئے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شان عزت پر محال نہ ہو۔ اور طرف تجویز وتجارب میں لفظ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو۔ ان سے اگر آیہ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے: "پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال وظاہر کا صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کردیں جیسے کریمہ مذکورہ کا ترجمہ "پھر چڑھ گیا آسمان کو" کہ چڑھنا اور اُترنا شان عزت پر محال قطعی اور جہال کے لئے معاذاللہ موہم بلکہ مصرح بہ جسمانیت ہے۔ یہ ہمارے ائمہ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک۔ اس سے احتراز فرض قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرت قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک ومنزہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے۔ **وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۹

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ جناب محمد یعقوب صاحب بریلی ۵ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو دیا اور ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس پر ارشاد ہوا: "اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝" [1] کیا تو نے تکبر کیا، کیا تو عالین سے تھا۔ یہ عالین کون لوگ ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

عالی بمعنی متکبر ہے،

قال اللہ تعالٰی: "ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ىٕهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝" [2]۔	پھر ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے جتھے کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے ہی متکبر لوگ۔

تو معنی آیت یہ ہوئے کہ رب عزوجل نے شیطان لعین سے فرمایا کہ تو نے جو آدم کو سجدہ نہ کیا یہ ایک تکبر تھا کہ اس وقت تجھے پیدا ہوا، یا تو قدیم سے متکبر ہی تھا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

یقول تعالٰی لابلیس تعظمت عن السجود لاٰدم فترکت السجود له استکبارا علیه، ولم تکن من المتکبرین العالین قبل ذٰلک "ام کنت من العالین" یقول ام کنت کذٰلك من قبل ذا علو وتکبر علی ربک [3]۔	اللہ تعالٰی نے ابلیس سے فرمایا تو نے حضرت آدم کے سجدہ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور ان پر بڑائی ظاہر کرتے تو نے سجدہ ترک کیا دراصل تو متکبرین میں سے نہ تھا، یا یہ کہ پہلے ہی سے اپنے رب پر علو و تکبر ظاہر کرنے والا تھا۔

یا یہ کہ تکبر خاص تجھی میں پیدا ہوا، یا تیری قوم ہی متکبر ہے۔ معالم میں ہے:

"ام کنت من العالین" المتکبرین یقول استکبرت بنفسك ام کنت من القوم الذین	یا تو عالین متکبرین میں سے تھا۔ فرماتا ہے کہ تو نے خود ہی تکبر کیا، یا تو متکبرین کے گروہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۴۵ و ۴۶

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۸/ ۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۳/ ۲۱۶

یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونك منھم [1]۔	میں سے تھا سجدہ سے تکبر کیا۔(ت)

یا عالین کو بمعنی بلند ورفیع المرتبت لیں، اور معنی یہ ہوں کہ تونے جو سجدہ نہ کیا یہ تیرا تکبر تھا کہ واقع میں تجھے آدم پر بڑائی نہیں اور براہ غرور آپ کو بڑا ٹھہرایا، یا واقع ہی تجھے اس پر فضیلت۔ بیضاوی میں ہے:

"استکبرت ام کنت من العالین" تکبرت من غیر استحقاق او کنت ممن علا واستحق التفوق [2]۔	تونے تکبر کیا یا عالین میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ بے استحقاق کے تو غرور میں مبتلا ہوا یا ان میں سے تھا جن کو بلندی اور تفوق حاصل ہے۔

اور یہ معنی نہیں کہ ملائکہ میں کوئی گروہ عالین ہے کہ وہ حکم سجود سے مستثنٰی تھا وان وقع فی کلام سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ (اگرچہ ہمارے سردار شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں واقع ہوا ہے۔ت) رب عزوجل نے متعدد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔ "فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ" [3] تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ فاللام للاستغراق واکدت بکل واکد باجمعون (لام استغراق کے لئے ہے پھر لفظ کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳تا۲۵۵: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

(۱) بعد ولادت حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں؟

(۲) قرآن مجید میں ناسخ کی آیتیں کتنی ہیں اور منسوخ کتنی؟

(۳) آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں؟

الجواب:

(۱) سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ولادت کے بعد بھی حضرت بتول طیبہ طاہرہ سیدتنا مریم بکر تھیں، بکر ہی رہیں، اور بکر ہی اٹھیں گی، اور بکر ہی جنت النعیم میں داخل ہوں گی یہاں تک کہ حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کے

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۷۵/۳۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۶۰

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت آیۃ ۷۵/۳۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۷۳/۳۸

نکاح اقدس سے مشرف ہوں گی۔ان کی شان کریم:

"لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿۲۰﴾ "[1]	نہ مجھے کسی نے ہاتھ لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔

ظاہر ہے کہ بعد ولادت بھی صادق ہے،اور یہی معنی بکریت ہے،رہا بکارت بمعنی پردہ عروق کازوال،اولاً اس ولادت معجزہ میں ہونا کیا ضرور اور اس کا کہاں ثبوت۔جو بے باپ کے پیدا کرسکتا ہے بے زوال بکارت ولادت دینے پر بھی قادر ہے۔بکر کے لئے بھی منفذ ہوتا ہے جس سے خون آتا ہے،اور بالفرض اس کازوال ہو بھی تو وہ منافی بکریت نہیں۔بہت ابکار کا یہ پردہ کسی صدمہ یا خون حیض کی حدت وغیرہ سے جاتا رہتا ہے،مگروہ بکر سے ثیب،نارسیدہ سے شوہر دیدہ نہیں ہوجاتیں بلکہ حقیقۃً بھی بکر ہوتی ہیں،اور حکم شرع میں بھی بکر ہی رہتی ہیں۔ان کا نکاح ابکار کی طرح ہوتا ہے اور وہ ابکار کے لئے وصیت میں داخل ہوتی ہیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

من زالت بكارتها بوثبة اودرور حيض اوجراحة اوكبر بكرحقيقة[2]۔	جس کا پردہ بکارت کودنے،حیض آنے یا زخم یا زیادتی عمری کی وجہ سے زائل ہوا وہ عورت حقیقۃً باکرہ ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار میں ہے:

البكر اسم لامرأة لم تجامع بنكاح ولاغيره[3]۔	باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے بہ نکاح یا بلانکاح صحبت نہ کی گئی ہو۔

بحر وشامی میں ہے:

حاصل كلامهم ان الزائل فی هذا المسائل العذرة ای الجلدة التی علی المحل لاالبكارة فكانت بكرا حقيقة وحكما ولذا تدخل فی الوصية لابكار	ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ان مسائل میں عذرۃ زائل ہوئی ہے یعنی وہ جھلی جو شرمگاہ میں ہوتی ہے،تو عورت ان صورتوں میں حقیقۃً اور حکماً ہر طرح باکرہ ہوتی ہے۔اس لئے اگر کسی نے بنی فلاں کی باکرہ عورتوں کے لئے

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

بنی فلان [1]۔واللہ تعالٰی اعلم	وصیت کی تو یہ بھی ان میں داخل ہوگی (ت)

(۲) اس میں اختلاف کثیرہ ہیں۔ حازمی کی کتاب الناسخ والمنسوخ اور اتقان وغیرہ میں مفصل بیان ہے اور اختلاف کا بڑا منشاء اختلاف اصطلاح بھی ہے کمالایخفی علی من سیرونظروتامل وتدبر (جیسا کہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو گھوما پھرا، دیکھا اور غور وفکر کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الدنیا والاٰخرۃ لیس بینی وبینہ نبی۔رواہ احمد [2] والشیخان وابو داؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دنیاوآخرت میں سب سے زیادہ عیسٰی ابن مریم کا ولی میں ہوں، مجھ میں اور ان میں کوئی نبی نہیں (اس کو امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا دعوۃ ابراھیم وکان اٰخر من بشر بی عیسٰی بن مریم۔رواہ الطیالسی [3] وابن عساکر وغیرھما عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث صحیحین اصح ماورد فی الباب، فلایعارضہ مایذکر من حدیث خالد بن سنان وغیرہ۔	میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں اور سب میں پچھلے میری بشارت دینے والے عیسٰی علیہم الصلوٰۃ والسلام تھے (اس کو طیالسی اور ابن عساکر وغیرہ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاہے۔ صحیحین کی حدیث اس باب میں صحیح ترین ہے، لہٰذا خالد بن سنان وغیرہ کی روایت سے مذکور حدیث اس کا معارضہ نہیں کرسکتی۔ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۰،۴۸۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل ۲/ ۲۶۴ و۲۶۵ وسنن ابی داؤد ۲/ ۲۸۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۹

[3] کنزالعمال حدیث ۳۱۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۵

معہذاانبیاء علیہم السلام میں احتیاط یہ ہے کہ:

اٰمنّا بانبیاء اللّٰہ جمیعا لانفرق بین احد من رسلہ۔	ہم تمام انبیاء پر ایمان لائے ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

کہ بعض پر ایمان لائیں اور معاذاللہ بعض پر نہیں، جیساکہ یہود و نصارٰی خذلہم اللہ تعالٰی نے کیا۔ اور بالیقین کسی کو نبی ماننے کے لئے تواتر شرط ہے، یہاں احاد کافی نہیں لما تقرران الاحاد لاتفید الاعتماد فی مثل الاعتقاد واللہ الھادی الٰی سبیل الرشاد (کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اخبار احاد اعتقادیات جیسے امور میں اعتماد کافائدہ نہیں دیتیں اور اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۶: مسئولہ سید شرف حسین صاحب ہیڈ محرر سلطان پور ضلع سہارن پور ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

مطلع فرمایئے کہ "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ "[1] (اور ان کا حکم مانو جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت) کی بابت رشید احمد صاحب "علماء وفقہاء" تجویز فرماتے ہیں اور بعض علماء نے "بادشاہ اسلام" مراد لیا ہے۔ لہٰذا آپ اپنی رائے بابت "اولی الامر" کے تجویز فرمایئے کہ کون ہیں جن کی اطاعت قرین اطاعت جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے اور نیز یہ بھی تحریر فرمایئے کہ جس نے امام وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پر ہوگی، اس کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمایئے کہ جس وقت یزید ملعون تخت نشین تھا آیا وہ بھی "اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ" میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس وقت کون "اولی الامر" تھا۔ مفصل ومشرح "اولی الامر" کے معنی اس وقت سے اس وقت تک کے تحریر فرمایئے۔

الجواب:

"اولی الامر" میں اصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں کما نص علیہ الزرقانی وغیرہ (جیساکہ اس پر زرقانی وغیرہ نے نص فرمائی ہے۔ت) نہ کہ سلاطین جن کے بہت احکام خلاف شرع ہوتے ہیں۔ یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ کرام وتابعین اعلام تھے وہی "اولی الامر" تھے نہ کہ یزید علیہ مایستحقہ۔ ہر رسالت کے زمانہ میں وہ رسول اور اس کی کتاب امام ہوتی ہے قال تعالٰی "كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ"[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: موسٰی علیہ السلام کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۲

کتاب پیشوا اور مہربانی ہے۔ت) زمانہ ختمیت میں آخر دہر تک قرآن عظیم وحضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام ہیں، جس نے انہیں نہ پہچانا ظاہر کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵۷: مسئولہ جناب حافظ سید عبدالجلیل صاحب مارہروی ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خطبہ میں ہے **لایکلّف اللہ نفسا الا دون وسعھا**۔ یہ پڑھنا کیسا ہے اور یہاں دون کا محل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

آیہ کریمہ بدون "دون" ہے، خطبہ میں اگرچہ نہ وہ آیت ہو نا ضرور، نہ قرآن عظیم سے اقتباس محذور، مگر زیادت موہومہ خلاف مراد محذور۔ دون زبان عرب میں دس معنی پر مشتمل ہے:

(۱) غیر، "اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ" [1]، ای غیرہ [2]۔	غیر، کیا بہتان سے اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا چاہتے ہو یعنی اس کا غیر۔(ت)
(۲) تحت [3]، "وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ" [4]۔	تحت، اور ہم میں سے کچھ اس سے کمتر ہیں۔(ت)
(۳) فوق، فھی اذن من الاضداد کما افادہ المجد [5]۔	فوق، تو اس صورت میں یہ اضداد کے قبیلہ سے ہوگا جیسا کہ مجد نے اس کا افادہ فرمایا ہے۔(ت)
(۴) اقل، لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ [6]۔	اقل، پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے(ت)

(۵و۶) وراء وامام، یعنی اس پار یا اس پار۔

کیف الوصول الی سعاد و"دونھا" قلل الجبال ودونھن حتوف [7]	وراء وامام، سعاد تک کیسے پہنچ جاسکتا ہے حالانکہ اس کے سامنے بلند چوٹیوں والے پہاڑ ہیں اور ان کے پیچھے موتی ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۸۶

[2] جلالین تحت الآیۃ ۳۷/ ۸۶ اصح المطابع ص ۳۷۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۱

[5] القاموس المحیط باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۲۵

[6] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۸۹ و ۱۹۴ وصحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۱۵

[7] ابجد العلوم علم التعابی فی الحروب ۲/ ۱۶۵

وفی الحدیث من قتل دون اھلہ فھو شھید [1] ای اما مھم فی حفظھم والدفاع عنھم۔ وفی الحدیث لیس دونہ تعالٰی منتھٰی [2] ای وراہ۔ وقد جمعھا قولہ فی الخمر ع: تریك القذی من دونھا وھی دونہ [3]۔	اور حدیث میں ہے جو اپنے اہل وعیال کے سامنے قتل کیا گیا وہ شہید ہے یعنی ان کے سامنے ان کا دفاع کرتے ہوئے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالٰی سے آگے کوئی منتہی نہیں۔ (ت) اور شراب سے متعلق شاعر کے قول نے ان معانی کو جمع کردیا ہے، یہ شراب تجھے دکھاتی ہے کہ تنکا اس کے آگے ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔ (ت)

(۷) حقیر، ع:

ویقنع بالدون من کان دونا۔ [4]	حقیر، حقیر چیز پر قناعت کرلیتا ہے وہ جو حقیر ہوتا ہے۔ (ت)

(۸) شریف،

حکاہ بعض النحاۃ وقال المجد علیہ ضد [5]۔	شریف، بعض نحویوں نے اس کو حکایت کیا ہے، اور مجد نے کہا کہ یہ پہلے معنی کی ضد ہے (ت)

(۹) نزدیک تر بچیزے بہ نسبت مضاف الیہ۔ مضاف الیہ کی بہ نسبت زیادہ قریب چیز۔

"وَوَجَدَ مِنۡ دُوۡنِہِمُ امۡرَاَتَیۡنِ تَذُوۡدٰنِ ۚ" [6]۔ (۱۰) مقارب مضاف الیہ مکانا مکانۃ۔	اور اس نے ان مردوں کے قریب دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور روک رہی ہیں۔ (ت) مضاف الیہ کے قریب مکان۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فھو شھید الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۰

[2] مجمع بحار الانوار باب الدال مع الواو تحت لفظ "دون" مکتبہ دارالایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۲۱۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[5] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۲۵

[6] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۳

ھذا دونك[1] ای قریب۔	یہ تیرے قریب ہے۔(ت)

ظاہر ہے کہ معنی ۷ و ۸ کو تو یہاں سے تعلق ہی نہیں۔اور باقی معانی سب مخالف قرآن ہیں۔قرآن عظیم یہ حصر فرماتا یہ چاہتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدر قدرت و وسعت وطاقت۔اور یہاں یہ حصر ہوگا کہ اللہ سبحانہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے سوا، یا طاقت سے نیچے، یا طاقت کے اوپر، یا طاقت سے کم، یا طاقت سے اس پار، یا طاقت سے اِس پار۔اور یہی نیچے اور کم اور اس پار کا حاصل۔دو معنی اخیر میں نکلے گا کہ ان پانچوں معنی میں منتہی تک نہ پہنچنا ملحوظ ہے۔صحاح و صراح و مجمع البحار وغیرہا میں ہے: **معناہ تقصیر عن الغایۃ**[2] (اس کا معنی ہے کہ غایت تک نہ پہنچنا۔ت) توان پانچوں کا حصر صریح مخالف قرآن ہے اور ان دو یعنی اوپر اور اس پار کا شدید مناقض۔اور سِوا تو صراحۃً نقیض معنی قرآن ہے۔وبعد التیا والتی تاویلات دور از کار کو گنجائش دی جائے تو ایہام معانی باطلہ نقد وقت ہے اور اسی قدر منع کے لئے بس ہے۔

فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[3]۔واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔	ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں ہے کہ محض معنی محال کا ایہام ممانعت کے لئے کافی ہے۔واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

---

[1] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[2] مجمع البحار تحت لفظ دون ۲/ ۲۱۶ و الصحاح تحت لفظ دون ۵/ ۱۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

رسالہ

الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ

(کاٹنے والی تلوار اس شخص کی گردن پر جو علوم ارحام سے تعلق رکھنے والی آیتوں میں شک ڈالنے والا ہے)

مسئلہ ۲۵۸: از عظیم آباد پٹنہ محلّہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی قاضی محمد عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی نہم جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ مدظلہ دست بستہ تسلیم، اس کے بعد التجا ہے ایک ضروری مسئلہ جلد اندر ہفتہ مدلل ومکمل عقلی ونقلی طور پر لکھ کر ایک مسلمان کی جان بلکہ ایمان کی حفاظت کیجئے، عنداللہ ماجور ہوں گے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ پاک قرآن میں فرماتا ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور سے ہے یا اناث سے، حالانکہ ایک آلہ نکلا ہے جس سے سب حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتا ملتا ہے۔

کمترین خادمان

عبدالوحید حنفی الفردوسی منتظم تحفہ عفا اللہ تعالٰی عنہ

فتوٰی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ الذی لایخفٰی علیہ شیئ فی الارض ولافی السماء ھوالذی یصوّرکم فی الارحام کیف یشاء، و الصّلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء الاٰتی بکتاب مبین فیہ رحمۃ وشفاء وماحظّ الکٰفرین منہ الانقمۃ وشقاء وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ البررۃ الاتقیاء الزین ھم فی بطون امھاتھم سعداء ماجَنّ جنین فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ بین غشاء وغطاء اٰمین!	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس پر زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ وہی ہے جو تمہاری صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسے چاہے، اور درود وسلام ہو خاتم الانبیاء پر جو روشن کتاب لے کر تشریف لانے والے ہیں، جس میں رحمت وشفاء ہے، کافروں کا اس سے سوائے انتقام اور بدبختی کے کچھ نہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر جو نیک اور متقی ہیں، اور وہ ماؤں کے پیٹوں میں سعادتمند ہوئے، جبکہ جنین تین تاریکیوں میں پردے اور اندھیرے کے درمیان پوشیدہ رہے۔ آمین! (ت)

مولٰینا حامی سنت ماحی بدعت اکرمکم اللہ تعالٰی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالٰی جل وعلا سورہ آل عمران شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخۡفٰی عَلَیۡہِ شَیۡءٌ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ﴿۵﴾ ہُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۶﴾"[1]	بیشک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسا چاہے، کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا۔

سورہ رعد شریف میں فرماتا ہے:

"اَللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ کُلُّ اُنۡثٰی	اللہ جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵و۶

وَ مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُؕ وَ كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ(۸) عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ(۹) "[1]	اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ اور جتنے پھیلتے یاجو کچھ گھٹتے ہیں اور جو کچھ بڑھتے اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے جاننے والا نہاں وعیاں کاسب سے بڑا بلندی والا۔

سورہ حج شریف میں فرماتا ہے:

"وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى "[2]	اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں مادہ کے پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک مقرر وعدے تک۔

سورہ لقمان شریف میں فرماتا ہے:

" اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًاؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ(۳۴) "[3]	بیشک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو اپنی خبر نہیں کہ کہاں مرے گا بیشک اللہ ہی جاننے والا خبردار۔

اور سورہ ملٰئکہ شریف میں فرماتا ہے:

"وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًاؕ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖؕ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ(۱۱) "[4]	اللہ نے بنایا تمہیں مٹی سے پھر منی سے پھر کیا تمہیں جوڑے جوڑے اور نہیں گابھن ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور نہ کوئی عمر والا عمر دیا جائے اور نہ گھٹایا جائے اس کی عمر سے مگر یہ سب لکھا ہے ایک نوشتہ میں بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے۔

سورہ حم السجدہ شریف میں فرماتا ہے:

" اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِؕ	اللہ ہی کی طرف پھرا جاتا ہے علم قیامت کا

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۸و۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۵

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۳۴

[4] القرآن الکریم ۳۵ / ۱۱

"وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ"[1]	اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے اور نہ پیٹ رہے کسی مادہ کو اور نہ جنے مگر اس کی آگاہی سے۔

اور سورہ والنجم شریف میں فرماتا ہے:

"هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ﴿۳۲﴾"[2]	اللہ خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے بنایا تم کو زمین سے اور جب تم چھپے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں۔ تو آپ اپنی جان کو ستھرا نہ کہو، اسے خوب خبر ہے کون پر ہیزگار ہوا۔

آیات کریمہ میں مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ اپنے بے پایان علوم کے بیشمار اقسام سے ایک سہل قسم کا بہت اجمالی ذکر فرماتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے سب کا سارا حال [۱] پیٹ رہتے وقت اور [۲] اس سے پہلے اور [۳] پیدا ہوتے اور [۴] پیٹ میں رہتے اور [۵] جو کچھ اس پر گزرا اور [۶] گزرنے والا ہے، [۷] جتنی عمر پائے گا [۸] جو کچھ کام کرے گا [۹] جب تک پیٹ میں رہے گا، [۱۰] اس کا اندرونی بیرونی ایک ایک عضو ایک ایک پر زہ جو صورت دیا گیا جو دیا جائے گا [۱۱] ہر ہر رونگٹا جو مقدار مساحت وزن پائے گا، [۱۲] بچے کی لاغری، فربہی، غذا، حرکت خفیفہ زائدہ، انبساط، انقباض اور زیادت و قلّت خون، طمث و حصول فضلات وہوا و رطوبات وغیرہا کے باعث آن آن پر پیٹ جو سمٹتے پھیلتے ہیں غرض ذرّہ ذرّہ سب اسے معلوم ہے ان میں کہیں نہ تخصیص ذکورت وانوثت کا ذکر نہ مطلق علم کی نفی وحصر، تو یہ مہمل و مختل اعتراض پادر ہوا کہ بعض پادریان پادر بند ہوا کی تازہ گھڑت ہے اس کا اصل منشا معنی آیات میں بے فہمی محض یا حسب عادت دیدہ و دانستہ کلام الٰہی پر افتراء و تہمت ہے۔ قرآن عظیم نے کس جگہ فرمایا ہے کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو کسی طرح تدبیر سے اتنا معلوم نہیں کر سکتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اگر کہیں ایسا فرمایا ہو تو نشان دو۔ اور جب نہیں تو بعض وقت بعض اناث کے بعض حمل کا بعض حال بعض تدابیر سے بعض اشخاص نے بعض جہل طویل و عجز مدید بعض آلات بیجان کا فقیر ومحتاج ہو کر اس فانی وزائل وبے حقیقت نام کے ایک ذرہ علم وقدرت سے (کہ وہ بھی اسی بارگاہ علیم وقدیر سے حصہ رسد چند روز سے چند روز کے لئے پائے

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۷

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

اوراب بھی اسی کے قبضہ واقتدار میں ہیں کہ بے اس کے کچھ کام نہ دیں) اگر صحرا سے ذرہ سمندر سے قطرہ معلوم کرلیاتو یہ آیات کریمہ کے کس حرف کاخلاف ہوا، وہ خود فرماتا ہے:

"يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ وَ لَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ"[1]	اللہ جانتا ہے جوان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے کسی چیز کو مگر جتنی وہ چاہے۔

تمام جہان میں روزاول سے ابدالآباد تک جس نے جو کچھ جانا یاجانے گا سب اسی الا بماشاء کے استثناء میں داخل ہے جس کے لاکھوں کروڑوں سر بفلک کشیدہ پہاڑوں سے ایک نہایت قلیل وذلیل وبے مقدار ذرہ یہ آلہ بھی ہے، ایسا ہی اعتراض کرنا ہو تو بے گنتی گزشتہ وآئندہ باتوں کاجو علم ہم کو ہے اسی سے کیوں نہ اعتراض کرے جو صیغہ **یعلم مافی الارحام** میں ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے بعینہٖ وہی صیغہ "يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ۚ"[2] میں ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ گزرا اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ جب ان بے شمار علوم تاریخی وآسمانی ملنے میں کسی عاقل منصف کے نزدیک اس آیت کا کچھ خلاف نہ ہوا نہ تیرہ سو برس سے آج تک کسی پادری صاحب کوان علوم کے باعث اس آیہ کریمہ پر لب کشائی کاجنون اچھلا تواب ایک ذرا سی آلیانکال کر اس آیت کا کیابگاڑ متصور ہوسکتا ہے، ہاں عقل نہ ہو توبندہ مجبور ہے یاانصاف نہ ملے تو انکھیارا بھی کور ہے **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

ثمّ اقول: وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ت) مفصلاً حق واضح کو واضح تر کروں۔ اصل یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزت عزوجل سے تخصیص اور اس کی ذات پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اوّل: علم کاذاتی ہونا کہ بذات خود بے عطائے غیر ہو۔

دوم: علم کاغنا کہ کسی آلہ جارحہ وتدبیر وفکر ونظر والتفات وانفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم: علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم: علم کاوجوب کہ کبھی کسی طرح اس کاسلب ممکن نہ ہو۔

پنجم: علم کاثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیر وتبدل فرق تفاوت کاامکان نہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

ششم: علم کا اقصٰی غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آتیہ موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہوسکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعًا مطلقًا منفی یعنی کسی کو کسی ذرہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرے کا ایسا علم ثابت کرے یقینا اجماعًا کافر مشرک ہے۔ان تمام وجوہ کی طرف آیات کریمہ میں باطلاق کلمہ یعلم اشارہ فرمایا کہ یہاں علم کو مطلق رکھا اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف اور علم کامل بلکہ علم حقیقی حق الحقیقہ وہی ہے جو ان وجوہ ستہ کا جامع ہو اسی لحاظ پر ہے وہ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

"یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ"[1]	جس دن اللہ عزوجل رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

کفار کے پاس ان محبوبان خدا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم کا تشریف لانا ہدایت فرمانا ان ملاعنہ کا تکذیب وانکار واصرار و استکبار وبیہودہ گفتار سے پیش آنا کسے نہیں معلوم مگر حضرات انبیاء عرض کریں گے لاعلم لنا ہمیں اصلًا علم نہیں، لا نفی جنس کا ہے سلب مطلق فرمائیں گے یعنی وہی علم کامل کہ بحقیقت حقیقہ علم اسی کا نام ہے اصلًا اس کا کوئی فرد ہمیں حاصل نہیں، حق حقیقت تو یہ ہے جب اس سے تجاوز کرکے حقیقت عرفیہ یعنی مطلق دانستن کی طرف چلئے خواہ بالذات ہو یابغیر ہو غنی ہو یا محتاج سرمدی ہو یاحادث ابدی ہو یافانی واجب ہو یا ممکن ثابت ہو یا متغیر تام ہو یا ناقص بالکنہ ہو یا بالوجہ بایں معنی مطلق علم کہ ایک آدھ چیز کے جاننے سے بھی صادق زنہار مختص بحضرت عزت عزت عظمتہ نہیں، نہ معاذاللہ قرآن عظیم نے ہرگز کہیں اس کا دعوٰی کیا بلکہ جس طرح معنی اول کا غیر کے لئے اثبات کفر ہے اس معنے کی غیر سے نفی مطلق بھی کفر ہے کہ یہ خود صدہا نصوص قرآن عظیم بلکہ تمام قرآن عظیم بلکہ تمام ملل وشرائع وعقل ونقل وحس سب کی تکذیب ہوگی قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں کے لئے بے شمار علوم عظیمہ عطا فرمائے اور ان کے عطا سے منت رکھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

قال تعالٰی "وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾"[1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا)اور سکھادیا اللہ نے تجھے اے نبی! جو تجھے معلوم نہ تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔
"وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾"۔[2]	اور فرشتوں نے ابراہیم کو مژدہ دیا علم والے لڑکے کا۔
"وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ"۔[3]	اور بیشک یعقوب علم والا ہے ہمارے علم عطا فرمانے سے۔
"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا"۔[4]	سکھادیئے آدم کو سب نام۔
"وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾"[5]	اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم واسحٰق ویعقوب قدرت والوں اور علم والوں کو۔
"يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ"[6]	بلند کرے گا اللہ تعالٰی تمہارے ایمان والوں کو اور ان کو جنہیں علم عطا ہوا درجوں میں۔

بلکہ عام بشر کو فرماتا ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾[7]	رحمان نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، اسے بتایا بیان۔
"عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾"[8]	سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔
"وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾"[9]	اللہ نے نکالا تمہیں ماں کے پیٹ سے نرے ناداں اور دیئے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل شاید تم حق مانو۔

www.dawateislami.net — I.T. Majlis of Dawateislami

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳
[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۸
[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۸
[4] القرآن الکریم ۲/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۳۸/ ۴۵
[6] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱
[7] القرآن الکریم ۵۵/ ۱تا۴
[8] القرآن الکریم ۹۶/ ۵
[9] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۸

بلکہ عام تر فرماتا ہے:

"اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾" [1]	کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی پاکی بولتے ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں اور پرندے پرا باندھے سب نے جان لی ہے اپنی اپنی نماز و تسبیح، اور اللہ کو خوب خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تو کوئی اندھے سے اندھا بھی کسی آیت کا یہ مطلب نہیں کہہ سکتا کہ بایں معنی مطلق علم کو غیر سے نفی فرمایا ہے ہاں اس معنی پر علم مطلق غیر سے ضرور مسلوب، اور یہ وجہ ہفتم حصر و تخصیص کی ہے یعنی تمام موجودات و ممکنات و مفہومات وذوات وصفات ونصب واضافات وواقعیات و موہومات غرض ہر شیئ و مفہوم کو علم کا عام وتام ومحیط ومستغرق ہونا کہ غیر متناہی معلومات کے غیر متناہی سلاسل اور ہر سلسلے کے ہر فرد سے غیر متناہی علوم متعلق اور یہ سب نامتناہی نامتناہی نامتناہی علوم معًا حاصل ہوں جن کے احاطے سے کوئی فرد اصلًا خارج نہ ہو جسے فرماتا ہے:

"وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾" [2]	بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہوا۔

اور فرماتا ہے:

"عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳﴾" [3]	جاننے والا ہر چھپی چیز کا اس سے چھپی نہیں کوئی ذرہ بھر چیز آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے۔

ایسا علم بھی غیر کے لئے محال اور دوسرے کے واسطے اس کا اثبات کفر وضلال کما بیّنّاہ فی رسالتنا "مقامع الحدید علی خدالمنطق الجدید" (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "مقامع الحدید علی خدّالمنطق الجدید" میں بیان کر دیا ہے۔ت) مانحن فیہ میں مولا سبحانہ وتعالٰی نے اس وجہ ہفتم کی طرف اشارہ فرمایا کل انثٰی میں کلمہ کل اور ماتحمل من انثٰی

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۱
[2] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۲
[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳

میں نکرہ منفیہ پھر تاکید بہ من اور ما فی الارحام عموم ما اور لام استغراق سے، وعلٰی ھذا القیاس۔ اب آلہ محدثہ کی طرف چلئے، فقیر اس پر مطلع نہ ہوا، نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا، ظاہر ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال "فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ"[1] تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہوجائے اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے کہ بعد علوق فم رحم سخت منضم ہوجاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے اور اس جائے تنگ وتار میں جنین محبوس ہوتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اور چڑھے ہوتے ہیں اور ایک غشائے رفیق ملاقی جسم مبین جس میں اس کا فضلہ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف تر مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلہ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلاف اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے، توظاہرًا آلے کا محصل صرف بعض علامات وامارات ممیّزہ منجملہ خواص خارجیہ کا بتانا ہوگا جن سے ذکورت وانوثت کا قیاس ہوسکے، جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کئے گئے ہوں، اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کی بیشتر جنبش، یا حاملہ کی پستان راست یا چپ کے حجم میں افرایش، یا سرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا، یا رنگ روئے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا، یا حرکات زن میں خفت یا ثقل پانا، یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی، یا عورت کے خلاف عادت بعض اطعمہ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہونی، یا پشم کبود میں زرادند مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی اریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزہ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ، الٰی غیر ذٰلک مما یعرفہ اھل الفن ولکل شروط یراعیھا البصیر فیصیب الظن (اس کے علاوہ جس کو اہل فن جانتا ہے اور عقلمند تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہے تو گمان درست ہوتا ہے۔ت)

اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمتہ سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں جن سے جنین مشاہدہ ہی ہوجاتا ہو مثلًا بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں[عہ] میں بقدر حاجت کچھ توسیع وتفریح دے کر

عہ: ہر سہ غشاہائے مذکورہ وفوق انہا زیر وبالا دو طبقہ زہدان بر ہمہ گر غلاف است ۱۲

تین مذکورہ پردے اور ان پر اوپر نیچے دو طبقے زہد کے ایک دوسرے پر غلاف ہیں۔ ۱۲ (ت)

[1] القرآن الکریم ۶/۳۹

روشنی پہنچا کر کچھ شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیہ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یازجاجات متخالفۃ الملاایسی وضعیں پائیں کہ اشعہ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم مناظر الغطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں جس طرح آفتاب کا کنارہ کہ ہنوزافق سے دوراور مقابلہ نظرسے محجوب ومستور ہوتا ہے بوجہ اختلاف ملاوغلظت عالم نسیم ہمیں محاذات بصر سے پہلے ہی نظرآجاتااور طلوع مرئی کہ وہی ملحوظ فی الشرع ہے پیشتر ہوتا ہے یوں ہی جانب غروب بعد زوال محاذات ووقوع حجاب میں کچھ دیر تک دکھائی دیتااور غروب مرئی معتبر فی الشرع غروب حقیقی کے بعد ہوتا ہے، وللہذا فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے جب کبھی موامرات زیجیہ سے محاسبہ کیا اوراسے مشاہدہ بصری سے ملایا ہے ہمیشہ نہار عرفی کونہار نجومی پراس سے بھی زائد پایا ہے جو طرفین طلوع وغروب میں تفاوت افقین حسی وحقیقی بحسب ارتفاع قامت معتدلہ انسانی وتفاضل نیم قطر فاصل میان حاجت ومرکز کا مقتضٰی ہے نیز اسی لئے فقیر کا مشاہدہ ہے کہ قرص شمس تمام وکمال بالائے افق مشہور ہونے پر بھی ظلمت شب مطلع ومغرب میں نظر آتی ہے حالانکہ مخروط ظلی وشمس میں ہر گز نیم دورسے کم فصل نہیں اوراختلاف منظرآفتاب غایت قلّت میں ہے کہ مقدار عسر قطر تک بھی نہیں پہنچتا۔ خیر کچھ بھی ہو ہم یہی صورت فرض کرتے ہیں کہ مجرد کسی امارت خارجہ کی بناپر قیاس ہی نہیں بلکہ بذریعہ آلہ اعضائے جنیں باچناں وچنیں حجابات وکمیں مشہود ہوجاتے ہیں بہرحال آخر تمام منشاومبنائے اعتراض مہمل صرف اس قدر کہ جو علم قرآن عظیم نے مولٰی سبحٰنہ وتعالٰی کے لئے خاص مانا تھا ہمیں اس آلے سے حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ لاواللہ " كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۝ "[1] کیابڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ تو نہیں کہتے مگر جھوٹ۔ ہم پوچھتے ہیں اس آلے سے تم کو اُتنا ہی علم دیا جو وجہ ہشتم عام وشامل میں ہے جس کا باری عزوجل سے خاص جاننا محال اور خود بحکم قرآن عظیم کفروضلال تھا جب تو اعتراض کتنا مالیخولیا اور کس درجہ کا جنون ہے کہ سرے سے مبنی ہی باطل وملعون ہے اس قسم علم یعنی دانستن کو اگرچہ کیسا ہی ہو حضرت عزت عزت عظمتہ سے قرآن عظیم نے کب خاص مانا تھا اس قسم کے کروڑوں علم عام انسان بلکہ حیوانات کو روز ملتے رہتے ہیں اور قرآن عظیم خود غیر خدا کے لئے انہیں ثابت فرماتا ہے ایک اس کے ملنے میں کیا نئی شاخ نکلی کہ آیت الٰہی کا خلاف ہوگیا یہ بھی اس " عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ۝ "[2] (انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

[2] القرآن الکریم ۹۶/ ۵

کے ناپید کنار صحراؤں سے ایک ذلیل ذرہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے سکھایا آدمی کو جو اسے معلوم نہ تھا، دیکھوا بھی تمہیں آیت سنا چکا ہوں کہ اللہ نے تمہیں نکالا ماں کے پیٹ سے نرے جاہل کہ کچھ نہ جانتے تھے پھر تمہیں عقل وہوش وچشم وگوش دیئے کہ اس کا حق مانو، تم نے اچھا حق مانا کہ اسی کی برابری کرنے لگے، اور اگر یہ مقصود کہ اس سے تمہیں ان سات وجوہ مخصوصہ بحضرت باری عزوجل سے کسی وجہ کا علم مل گیا تو یہ اس سے بھی لاکھوں درجہ بدتر جنون ہے۔کیا یہ علم تمہارا ذاتی ہے، عطائے الٰہی سے نہیں؟ اہل کتاب کہلاتے ہو شاید، ایسا خدائی دعوی تو نہ کرو۔ابھی چندروز ہوئے تم اس آلے سے جاہل تھے اللہ عزوجل نے تمہیں تمہاری بساط کے لائق عقل دی، ریاضی سکھائی، دنیا کمانے کی راہ بتائی، تمہارے ذہن میں اس کا طریقہ ڈالا، آنکھیں ہاتھ جوارح دیئے جن کے ذریعہ سے کام کرسکو، جس چیز کا کوئی آلہ بناؤ اور جس چیز پر اسے استعمال میں لاؤ انہیں تمہارے لئے مسخر کیا اسباب مہیا کرکے تمہارے دل میں اس کا خیال ڈالا پھر تمہارے جوارح کو کام کی طرف مصروف فرمایا پھر محض اپنی قدرت کاملہ سے بنادیا اور اس کا بننا تمہارے ہاتھوں پر ظاہر ہوا تم سمجھے ہم نے اپنی قدرت اپنے علم سے بنالیا اندھے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کرتے ہیں جو ظاہری سبب کے غلام اور حلقہ بگوش اور مسبّب وخالق وعالم وقادر حقیقی سے غافل وبیہوش ہیں "كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾"[1] (اللہ تعالٰی یونہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ت) جیسے قارون ملعون جسے اللہ عزوجل نے بے شمار خزانے دیئے دنیا بھر کی نعمتیں بخشیں جب اس سے کہا گیا "اَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَیْكَ"[2] بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی، تو کافر کیا بکتا ہے "اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ"[3] یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو مجھے آتا ہے۔پھر بدلا دیکھا کس مرنے کا چکھا:

"فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِیْنَ ﴿۸۱﴾"[4]	دھنسادیا ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئے اس کے کچھ یار کہ اسے بچالیتے اللہ کی گرفت سے اور نہ وہ مدد لاسکا۔

اور اس علم کا غنی نہ ہونا خود بدیہی کہ ایک بے جان آلے کی بودگی پر ہے جب تک آلہ نہ تھا تو ڈاکٹر صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۷

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۸

[4] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۱

کچھ نہ کہہ سکتے تھے کہ میم صاحب کے پیٹ میں مس میڈیم ہے یا باوالوگ، ازلی ابدی واجب کیسے کہہ سکتے ہو جب تم خود ہی حادث فانی باطل ہو، ازلی بڑی چیز ہے ایام حمل ہی مدتوں اپنے جہل وعجز کا اقرار کرنا پڑے گا جب تک نطفہ صورت نہ پکڑے پانی کی بوند یا خون بستہ یا گوشت کا ٹکڑا رہے، ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹری کچھ نہیں چل سکتی کہ نر نظر آتا ہے یا مادہ۔ کیا تمہارا علم ثابت ونا قابل نقصان وزیادت ہے استغفر اللہ قبل مشاہدہ کی حالت کو مشاہدہ اجمالی، مشاہدہ اجمالی کو نظر تفصیلی، نظر تفصیلی بالائی کو نظر بعد تصریح عملی سے ملاؤ۔ حالت التفات وذہول کا فرق دیکھو پھر طریان نسیان تو سرے سے ارتفاع ہے۔ کیا تمہارا علم کامل ہے، حاش للہ اضافات بتانے کی کیا قدرت کہ وہ غیر متناہی ہیں مثلاً اس کے بدن کا کوئی ذرہ لے لیجئے اور اس کی ماں کے بدن اور تمام اجسام عالم میں جتنے نقطے فرض کئے جاسکتے ہیں اس کے بدن کے ہر ذرے کا اس ہر نقطہ ارضی وسماوی وشرقی وغربی وجنوبی و شمالی ونزدیک ودور وموجود وحال وماضی واستقبال سے بعد بتاؤ یہ لاتعد ولاتحصٰی خطوط جو ہر نقطہ جسم جنین سے تمام نقاط عالم تک نکل کر بے حد وبے شمار زاویے بناتے آئے ہر زاویے کی مقدار بولو، نہ سہی یہی بتادو کتنے خطوط پیدا ہوں گے، نہ سہی یہی کہہ دو کہ تمام اجسام جہان میں کتنے نقطے نکلیں گے، نہ سہی اتنا ہی کہو کہ صرف جنین کے بدن میں کس قدر نقاط مانے جائیں گے اور جب یہ ادنٰی علم جو علوم الٰہیہ متعلقہ بجنین کے کروڑہا کروڑ حصوں سے ایک حصہ بھی نہیں ایک جنین میں بھی اس قلیل کے اقل القلیل حصے کا جواب نہیں دے سکتے اگرچہ دنیا بھر کے ڈاکٹر وپادری اکٹھے ہو جاؤ تو باقی علوم کی کیا گنتی ہے حالانکہ واللہ العظیم یہ تمام علوم تمام نسبتیں تمام خطوط تمام نقاط تمام زاویے تمام مقادیر گزشتہ وموجودہ وآئندہ تمام جن وبشر وحیوانات کے تمام حملوں میں رب العزت آن واحد میں معاً تفصیلاً ازلاً ابداً جانتا ہے اور یہ اس کے بحار علوم سے ایک قطرہ بلکہ بے شمار یم سے ادنٰی نم ہے اور یہ سب کا سب مع ایسے ایسے ہزارہا علوم کے جن کی اجناس کلیہ تک بھی وہم بشری نہ پہنچ سکے شمار افراد در کنار سب انہیں دو کلموں کے سرخ میں داخل ہیں کہ یعلم مافی الارحام جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں ہے۔ تمہاری تنگ نظری کوتاہ فہمی دو لفظ دیکھ کر ایسے سستے سمجھ لئے کہ ایک آلے کی ناچیز وبے حقیقت ہستی پر علم ارحام کے مدعی بن بیٹھے، ہاں نصب واضافات کو جانے دو کہ نامتناہی معدود ومحدود ہی اشیاء بتاؤ اور وہ بھی کسی ایک جنین کی نسبت اور وہ بھی خاص اپنے گھر کے کہ آدمی کو گھر کا حال خوب معلوم ہوتا ہے اپنا اور اپنی جورو کا واقعہ تو خود اسی پر گزرا اس کے سامنے ہی گزرا اور اوپر سے مدد دینے کو آلہ موجود کوئی پادری صاحب آلہ لگا کر بولیں کہ جس وقت ان کی میم صاحب کو پیٹ رہا نطفہ کتنے وزن کا گرا تھا اس میں کتنے حیوان منوی تھے

گرتے وقت رحم کے کس حصہ پر پڑا، رحم میں کتنی دیر بعد کون سی خمل ونقرہ میں مستقر ہوا، جب سے اب تک کتنا خون حیض اس کے کام آیا، یہ اصل نطفہ کس کس غذا کے کس کس کے جزاور کتنے وزن کا فضلہ تھا وہ کہاں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی کھانے کے کتنی دیر بعد اس نے صورت نطفیہ اخذ کی تھی جب سے اب تک ایک ایک منٹ کے فاصلہ پر اس کی وزن ومساحت وہیأت میں کیا کیا اور کتنا کتنا تغیر ہوا، حوادث مذکورہ بالا کے باعث جب سے اب تک میم صاحبہ کی رحم شریف کئی بار اور کتنی کتنی دیر کو اور کس کس قدر سمٹی پھیلی، بچہ کتنی دفعہ اور کس کس قدر اور کدھر کدھر کو پھُرپھرایا، ہر جنبش پر وضع اعضا میں کیا کیا تغیر ہوا، یہی سب احوال اب سے پیدا ہونے تک کس کس طرح گزریں گے منٹ منٹ پر وضع ووزن ومساحت ومکان وحرکت وسکون و غذا واحوال جنین ورحم میں کیا کیا تغیرات ہوں گے، باوالوگ رحم شریف میں کب تک بسیں گے، کس گھنٹے منٹ سکنڈر تھڈ پر برآمد ہوں گے، پہلے کون سا عضو آگے بڑھائیں گے، اس وقت کتنے فربہ کتنے دراز ہوں گے، دروازہ برآمد کی وسعت کس مقدار مخصوص تک چاہیں گے، آسانی گزر کو کتنی رطوبت کی پچکاریاں ساتھ لائیں گے، آپ کئی بار زور لگائیں گے، میم صاحبہ سے کتنے کرائیں گے، کون سی چیخ پر باہر آئیں گے، برآمد بھی ہوں گے یا کچے ہی گر جائیں گے، جی بچے تو کیا عمر پائیں گے، کہاں کہاں بسیں گے، کیا کیا کھائیں گے، کس کس مشن میں لونڈے پڑھائیں گے، **الی غیر ذٰلك مما لا یعد ولا یحصی** (اس کے علاوہ جن کی گنتی اور شمار نہیں کیا جاسکتا۔ت)

واللہ کہ تمام عالم کی تمام ماضی وموجود ومستقبل حملوں رحموں کے ایک ایک ذرہ احوال مذکورہ وغیر مذکورہ گزشتہ وموجودہ و آئندہ کو رب العزت عزوجل کا علم ازلاً ابداً معاً تفصیلاً محیط ہے اور یہ سب انہیں دو پاک کلمہ **یعلم ما فی الارحام** (جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے۔ت) کی شرح میں داخل۔ تم اپنے ہی گھر کے ایک ہی پیٹ کے مختصر احوال کے کروڑوں حصوں سے ایک حصہ کا بھی ہزارواں حصہ نہیں بتاسکتے اور عالم ارحام بننے کے مدعی نہ سہی ماضیہ وآتیہ کو بھی جانے دو، صرف موجودہ ہی لو اور حالات میں بھی فقط موجودہ ہی پر قناعت کرو۔ کیا انہیں کو تمہارا علم عام ہے **سبحان اللہ** **اوّلاً** ان کا بھی علم بالفعل کہاں تمام عالم میں جتنے حمل اس وقت موجود ہیں سب کی گنتی تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا سب کے حال پر اطلاع کجا۔ **ثانیاً** اچھا علم بالفعل سے بھی گزر وصرف بذریعہ آلہ امکان علم ہی پر قناعت کرو کہ گو ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر جو پاس آئے اور قدرت ملے تو آلہ لگا کر جان سکتے ہیں اگرچہ صاف ظاہر کہ یہ علم نہ ہوا کھلا جہل واقرار جہل ہوا، تاہم موجود حملوں میں آدمی کے حمل اور ہر گونہ جانور طیر ووحش وسباع و بہائم وہوام سب کے سب گابھ داخل، ذرا کوئی پادری صاحب آلہ آپ لگا کر یا کسی ڈاکٹر صاحب سے

لگوا کر بتائیں تو کہ چیونٹی کے پیٹ میں کَے انڈے ہیں، ان میں کتنی چیونٹیاں کتنے چیونٹے ہیں۔ایک چیونٹی کیا خفاش کے سب پرند اور نیز مچھلیاں، سانپ، گرگٹ، گوہ، ناکا، سقنقور وغیرہا لاکھوں جانور کَے انڈے دیتے ہیں پادری صاحب کی حکمت سب جگہ بیکار ہے کیا یہ یعلم مافی الارحام میں داخل نہ تھے۔**ثالثًا** اور اتروں فقط بچے ہی والوں پر قناعت سہی کیا ان سب کے پیٹ آلے کے قابل ہیں۔**رابعًا خامسًا تا عاشرًا** وغیرہ، اس سے بھی درگزروں فقط قابل آلہ فقط انسان بلکہ فقط امریکا یا انگلستان بلکہ فقط پادریان بلکہ فقط پادری فلاں بلکہ ان کے گھر کا بھی فقط ایک ہی پیٹ بلکہ وہ بھی فقط اسی وقت جب بچہ خوب بن لیا اور اپنی نہایت تصویر کو پہنچ چکا اور وہ بھی فقط اتنی ہی دیر کے لئے جبکہ میم صاحبہ کے پیٹ میں آلہ لگا ہوا ہے کلام کروں اب لو لاکھوں عموم کے دریا سمٹ کر صرف بالشت بھر کی ایک ہی گھڑیا کی تلاش رہ گئی کیوں پادری صاحب کیا آپ کے مافی الرحم میں صرف بچہ کا آلہ تناسل داخل ہے کہ نرمادہ بتایا اور یعلم مافی الارحام صادق آیا اس کے اعضائے اندرونی کیا رحم میں نہیں جنین کے دل ودماغ گردے شش سپرز مثانے تلخے امعا معدے رگ پٹھے عظم عضلے ایک ایک پرزے کا وزن مقدار مساحت طول عرض عمق فربہی لاغری کے اختلافات غرض سب حالات صحیح صحیح محقق مفصل نہ فقط شرابی کی زق زق یا اندھے کی اٹکل بیان کرو۔اچھا جانے دو اندرونی اعضائے آلہ وآلہ پرست سب کورے کورہیں بیرونی ہی سطح کا حصہ سہی۔بولو میس میڈم جو پیٹ میں جلوہ آرا ہیں، ان کے سر پر کتنے بال ہیں، ہر بال کا طول کس قدر، عرض کتنا، عمق کس قدر، وزن کتنا، جلد میں مسام کتنے ہیں، ہر سوراخ کے ابعاد ثلثہ کیا کیا ہیں، ان میں کتنے باہم ایک دوسرے سے ۱۳/ ۹ کی نسبت رکھتے ہیں ہر ایک باقی سے کتنا متفاوت ہے بغل اور سینے اور ران اور پیر اور دونوں لب بالا چاروں لب زیرین وغیرہا جوڑوں وصلوں میں ہر ایک کا زاویہ کس حد ونہایت تک پھیل سکتا ہے۔کئی درجے دقیقے ثانیے عاشرے وغیرہا تک پہنچتا ہے دس تجاویف [ع] ظاہرہ میں طبعًا

ع: پنج در نصف بالا صماخین ومنخرین ودہن وپنج در نصف زیریں ثقبہ در قلہ جبل الزہرہ کہ سترہ وناف تامندوسہ در دامان از انہا دو در ابرۃ الزہرہ کہ بطر ونوف خوانندہ یکے پائینش کہ مہبل گویند کہ وپنجم فرجہ پسین ۱۲۔

پانچ اوپر والے نصف میں، دوکانوں کے اندر، دوناک کے اندر اور ایک منہ۔اسی طرح پانچ نیچے والے نصف میں، جبل الزہرہ کے بالائی حصہ میں سوراخ جسے سرہ اور ناف کہا جاتا ہے اور تین اس کے دامان میں ہیں جن میں سے دوابرہ زہرہ میں جن کا نام بطر اور نوف ہے اور نیچے کی طرف جسے مہبل کہتے ہیں اور پانچواں سوراخ پیچھے کی طرف۔۱۲۔(ت)

وقسراً کہاں تک پھیلنے کی قابلیت ہے کہ اس سے ذرہ بھر قسر زائد واقع ہو توقطعاً خارق ہو اور اس حد تک یقینا تحمل کے قابل ولائق ہو تجاویف حاصلہ وتجاویف صالحہ میں ہر جگہ کتنا تفرقہ ہے۔ الی غیر ذٰلك من الاحوال الزاھرۃ فی السطوح الظاھرۃ (اس کے علاوہ روشن احوال، ظاہر سطحوں میں۔ت) یہ تمام تفاصیل تو یعلم ما فی الارحام کے لاکھوں سمندروں سے ایک خفیف قطرہ بھی نہیں اسی کو بتادو۔

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَ لَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَ الۡحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتۡ لِلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۴﴾ "[1]	پھر اگر نہ بتاؤ اور ہر گز نہ بتاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پہاڑ، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

بالجملہ اس اعتراض کی ایک بہت ناقص نظیر یہ ہو سکتی ہے کہ بادشاہ تمام روئے زمین اپنی مدح کرے، میں ہوں مالک خزائن عامرہ میں ہوں صاحب اموال متکاثرہ، میرے لئے ہیں بلاد وقری کے محصول، پہاڑوں کے حاصل، صحراؤں کی کانیں، دریاؤں کے محاصل، یہ سن کر ایک بے ادب، گستاخ، فقیر، قلاش، گدیہ گر، بے معاش، لنجھا، بولا، اندھا، ہیولے چوتڑوں کے بل گھسٹتا بادشاہ ہی کے کسی گاؤں میں بادشاہ ہی کی رعیت سے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بادشاہ ہی کے دیئے ہوئے مال سے ایک پھوٹی کوڑی مانگ لائے اور سر بازار تالیاں بجائے کہ لیجئے بادشاہ تواپنے ہی آپ کو مالک خزائن واموال ومحاصل معادن وبحار وجبال بتاتا تھا یہ دیکھو مدتوں مصیبت جھیل کر پاپڑ بیل کر ہم نے بھی ایک کانی کوڑی پائی ہے کیوں ہم بھی مالک خزائن ومحاصل بحار ہوئے یا نہیں مسلمانوں نہ فقط مسلمانوں ہر قوم کے عاقلوں کیا اس اندھے کا ہلکا سا لقب مجنون نہ ہوگا کیا اس سے نہ کہا جائے گا کہ او بے عقل اندھے کیا بادشاہ نے کہیں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے خزانہائے عامرہ کے سوا ممکن نہیں کسی کے پاس کوئی پھوٹی کوڑی نکل سکے اگرچہ ہماری عطا کی ہوئی ہو، حاش للہ سلطان نے تو جابجا صاف فرمادیا ہے کہ ہم نے اپنی رعایا کو بہت اموال کثیرہ عطایائے عزیزہ انعام فرمائے ہیں اور ہمیشہ فرمائیں گے، ہاں اصل مالک ہمارے سوا کوئی نہیں نہ ہمارے برابر کسی کا خزانہ ہو، او مجنون اندھے! کیا یہ بھیک کی کوڑی لاکر تواس کا ذاتی مالک بے عطائے سلطان ہوگیا یا اس پھوٹی کوڑی سے تیرا مال خزائن شاہی کے برابر ہولیا

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

اور جب کچھ نہیں تو کس ملعون بناء پر فرمان شاہی کی تکذیب کرتا اور قہر جبّار قہار سے نہیں ڈرتا ہے۔ہاں ہاں یہ پادری معترض اس اندھے سے بھی بہت بدتر حالت میں ہے اندھا فقیر اور وہ بادشاہ کبیر دونوں ان باتوں میں کانٹے کی تول برابر ہیں کہ دونوں مالک بالذات نہیں، دونوں مالک حقیقی نہیں، دونوں کی ملک مجازی حادث، دونوں کی ملک فانی زائل، دونوں حقیقت میں نرے محتاج، دونوں بے شمار خزانوں کے مجازًا بھی مالک نہیں، پھر اس کوڑی کو اس کے خزائن سے ایک نسبت ضرور کہ دونوں محدود اور ہر متناہی کو دوسری متناہی سے کچھ نسبت ضرور دے سکتے ہیں اگرچہ نسبت نما میں ہزار صفر لگا۔بخلاف علم حقیقی خالق و علم اسمی مخلوق جن میں اصلًا کوئی تناسب ہی نہیں وہ ذاتی یہ عطائی، وہ غنی یہ محتاج، وہ ازلی یہ حادث، وہ ابدی یہ فانی، وہ واجب یہ ممکن، وہ ثابت یہ متغیر، وہ کامل یہ ناقص، وہ محیط یہ قاصر، وہ ازلًا ابدًا نامتناہی در نامتناہی در نامتناہی، یہ ہمیشہ ہر وقت معدود و محدود، پھر متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت بتاہی نہیں سکتے کہ یہ اس کا فلاں حصہ ہے، بھلا اس اندھے کو تو ہر عاقل مجنون کہتا ان اندھوں کو کیا کہا جائے، یہ تو مجنون سے بھی کئی لاکھ درجے بدتر ہوئے، اور اندھے پن میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر، اس کی آنکھیں تو باقی ہیں اگرچہ بے نور ہیں، یہاں آنکھوں کا نشان تک نہیں، ہاں ہاں کون سی آنکھیں، یہ دو چتلی کوڑیاں نہیں جو خرو خوک سب کے منہ پر لگی ہوتی ہیں بلکہ ہیئے کی، جنہیں قرآن عظیم میں فرماتا ہے:

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾" [1]	تو ہے یوں کہ ان کافروں کی آنکھیں اندھی نہیں وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

والعیاذ باللّٰه رب العٰلمین ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰه العلی العظیم۔ خیر کسی کافر سے کیا شکایت مجھے تو ان ناسمجھ مسلمانوں سے تعجب آتا ہے جو مہمل و بے معنے شکوک واہیہ سن کر متحیر ہوتے ہیں، سبحان اللّٰه اللّٰه اللّٰه کہاں اللّٰه رب السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشھادہ سبحنہ وتعالٰی اور کہاں کوئی بے تمیز بونگا ہیولی ہنقہ ناپاک ناشتہ کھڑے ہو کر موتنے والا ع

ببیں کہ از کہ بریدی و باکہ پیوستی

(دیکھا کہ تونے کس سے قطع تعلق کیا اور کس کے ساتھ منسلک ہوا ہے۔ت)

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن، دین کے رہزن، جنم کے کودن کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں، اس کی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲ / ۴۶

پاک باندی ستھری کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں، پھر خاوند کی حیات خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہو اسے دوسرے کا گائیں، خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے لوٹیوں کے بھوکے روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دَر دَر چبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گزری ادھر موت کے بعد کفار کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے۔ طرفہ خدا جس پر لعنت آئے جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون۔ تف تف وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں، اسی کے گوشت پر دانت رکھیں، اف اف وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں، سخت فحش بیہودہ کلام گھڑیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زِہ زِہ بندگی خَہ خَہ بندگی خَہ خَہ تعظیم، پَہ پَہ تہ۔ زیب قَہ قَہ تعلیم (مثال کے لئے دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۳ ورس عـــہ۱ ۱۵ تا ۱۸) خدا کا معاذاللہ زنا کی خرچی کو مقدس ٹھہرانا اور اپنے مقربوں کے لئے اسے چن رکھا کہ کھائیں اور مستائیں۔ ایضاً کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس عـــہ۲ ۳۰ تا ۳۸ سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاذاللہ اپنی دختروں سے

عـــہ۱: وہ عبارت یہ ہے (۱۵) اس دن ایسا ہوگا کہ صور کسی بادشاہ ایام کے مطابق ستر برس تک فراموش ہوجائیں گی، اور ستر برس کے پیچھے صور کو چھنال کے مانند گیت گانے کی نوبت ہوگی۔ (۱۶) او چھنال جو کہ فراموش ہوگئی ہے بربط اٹھالے اور شہر میں پھرا کر تار کو خوب چھیڑ اور بہت سی غزلیں گا تاکہ تجھے یاد کریں (۱۷) کیونکہ ستر برس کے بعد ایسا ہوگا کہ خداوند صور کی خبر لینے آئے گا اور پھر وہ خرچی کے لئے جائے گی اور روئے زمین کی ساری مملکتوں سے زنا کرے گی (۱۸) لیکن اس کی تجارت اور اس کی خرچی خداوند کے لئے مقدس ہوگی اس کا مال ذخیرہ نہ کیا جائے گا اور رکھ چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کے سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔

عـــہ۲: (۳۰) اپنی دونوں بیٹیوں سمیت پہاڑ پر جا رہا (۳۱) پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا (۳۲) آؤ ہم باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں (۳۳) پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

زنا کرنا بیٹیوں کا باپ سے حاملہ ہو کر بیٹے جننا۔ ایضاً کتاب دوم اشمویل نبی باب ۱۱ ورس [عہ۱] ۲ تا ۵ سیدنا داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ہمسائے کی خوبصورت جورو کو ننگی نہاتے دیکھ کر بلانا اور معاذاللہ اس سے زنا کرکے پیٹ رکھانا، ایضاً کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ ورس [عہ۲] یکم تا ۲۱ معاذاللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۳۴) دوسرے روز پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جاکے اس سے ہم بستر ہو (۳۵) سو اس رات چھوٹی اس سے ہمبستر ہوئی (۳۶) سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۷) اور بڑی ایک بیٹا جنی اس کا نام موآب رکھا وہ موآبیوں کا جو اب تک ہیں باپ ہو (۳۸) اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اس کا نام بنی عمی رکھا وہ بنی عمون کا جو اب تک ہیں باپ ہو اھ مختصراً ۱۲۔

عہ۱: (۲) ایک دن شام کو داؤد چھت پر ٹہلنے لگا وہاں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہارہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی (۳) تب داؤد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا حتی اوریاہ کی جورو (۴) داؤد نے لوگ بھیج کے اس عورت کو بلالیا اور اس سے ہمبستر ہوا وہ اپنے گھر چلی گئی (۵) اور وہ عورت حاملہ ہوگئی سو اس نے داؤد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اھ مختصراً۔

عہ۲: (۱) خداوند کا کلام مجھے پہنچا اس نے کہا (۲) اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) انہوں نے مصر میں زناکاری کی وے اپنی جوانی میں یارباز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں ان کی بکر کے پستان چھوئے گئے (۴) ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیہ اور وے میری جورواں ہوئیں (۵) اہولیہ جن دنوں میں میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اسوریوں پر عاشق ہوگئی (۶) وے سرلشکر اور حاکمان تھے دلپسند جوان ارغوانی پوشاک (۷) اس نے ان سب کے ساتھ چھنالہ کیا (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اس نے مصر میں کی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انہوں نے اس کی بکر پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر اُنڈیلی تھی (۹) اس لئے میں نے اس کے یاروں کے ہاتھ میں، ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تھی کردیا (۱۰) انہوں نے اس کو بے ستر کیا (۱۱) اس کی بہن اہولیہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے (باقی برصفحہ آئندہ)

خدا کی دوجوروؤں کا قصہ اور سخت شرمناک الفاظ میں ان کی بے حد زناکاریوں سے شہوت رانیوں کا تذکرہ نیا عہد نامہ پولیس رسول کا خط کلیسوں کو باب ۳ ورس ۱۳ انصاری کے یسوع مسیح مصنوع کا ملعون ہونا الٰی غیر ذٰلک مما لا یعد ولا یحصی۔

"اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ مَاۤ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ	ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق ویعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسٰی و عیسٰی اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بدتر ہوئی، اس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور جو اس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر چڑھتے اور دل پسند جوان تھے، عاشق ہوئی (۱۳) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہو گئی (۱۴) بلکہ اس نے زناکاری زیادہ کی کیونکہ جب اس نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں شنگرف سے کھچی تھیں (۱۵) کمروں پر ٹپکے کسے سروں پر اچھی رنگین پگڑیاں (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ ان پر مرنے لگی اور قاصدوں کو ان کے پاس بھیجا (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور انہوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی تو اس کا جی ان سے بھر گیا (۱۸) تب اس کی زناکاری علانیہ ہوئی اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسا میرا جی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا میرا دل اس سے بھی ہٹا (۱۹) تسپر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی زناکاری پر زناکاری کی (۲۰) سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا (۲۱) اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کہ جس وقت مصری تیری جوانی کے پستانوں کے سبب تیری چھاتیاں ملتے تھے یاد دلائی اھ ملخصًا۔

عـــہ۲: مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکا دیا گیا سو لعنتی ہے ۱۲۔

اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ ۡ وَنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ ۝۱۳۶ "[1]	میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ (ت)
" اَلَا لَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۝۱۸ الَّذِيۡنَ يَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَيَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمۡ بِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝۱۹ "[2]	ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ (ت)
" اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ۝۶۹ ؕ "[3]	وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)
فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ۚ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۷۹ "[4]	تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس ہے کہ ان کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔ (ت)

اللہ اللہ یہ قوم یہ قوم یہ سراسر لوم یہ لوگ یہ لوگ جنہیں عقل سے لاگ جنہیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ ولاحول ولاقوۃ الاباللّٰہ العلی العظیم (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلندی وعظمت والا ہے۔ت) یہ پہلی اپنی ساختہ بائبل تو سنبھالیں قاہر اعتراض باہر ایراد اس پر سے اٹھالیں، انگریزی میں ایک مثل کیا خوب ہے کہ شیش محل کے رہنے والا پتھر پھینکنے کی ابتدا کرے یعنی رب جبار قہار کے محکم قلعوں کو تمہاری کنکریوں سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے، مگر ادھر سے ایک پتھر بھی آیا تو حجارۃ من سجّیل (کنکر کا پتھر۔ت) کا سماں کعصف ماکول (کھائی ہوئی کھیتی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸و۱۹

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

کا مزہ چکھادے گا۔

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ" [1] واٰخر دعوٰینا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین سیّدنا و مولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔اور درودوسلام ہو آخری نبی پر جو ہمارے آقا و مولا محمد مصطفٰی ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔آمین! (ت)

کتبہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن

المصطفٰی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

الصمصام علی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مسئلہ ۲۵۹: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسلہ شمس الدین صاحب

قرآن پاک میں "لَا یَمُوۡتُ فِیۡهَا وَ لَا یَحۡیٰی ﴿۷۴﴾"[1] (نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے۔ت) اہل نار کی حالت لکھی ہے حالانکہ انسان کو حیات یا ممات کا ہونا ضروری ہے، پس بعد اثبات وجود کے ارتفاع نقیضین کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب:

قرآن عظیم محاورہ عرب پر اُترا ہے،

قال اللہ تعالٰی "فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾"[2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: توآسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔(ت)

اور عرب بلکہ تمام عرب وعجم کا محاورہ ہے کہ ایسی کرب شدید ومصیبت مدید کی زندگی کو یوں ہی کہتے ہیں کہ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں، لاحیی فیرجی ولامیت فیرثی (نہ زندہ ہے کہ امید رکھی جائے اور نہ مردہ ہے کہ مرثیہ کہا جائے۔ت) اس کا بیان دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ:

"یَاۡتِیۡهِ الۡمَوۡتُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَیِّتٍ ؕ"[3]	اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔

یاتیه الموت من کل مکان یہ "لایحیٰی" اور ماھو بمیت یہ "لایموت فیھا" ہوا، اور موت وحیات نقیضین نہیں کہ انسان نہ موت ہے نہ حیات، بلکہ ان میں تقابل تضاد ہے اگر موت وجودی ہے اور عدم وملکہ اگر عدمی۔

والاول ھو الصحیح عندی الظاھر قوله تعالٰی "خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوةَ"[4] والحدیث	اوراول ہی میرے نزدیک صحیح ہے اللہ تعالٰی کے ظاہر فرمان کی وجہ سے کہ اس نے موت اور

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۷۴ و ۸۷/ ۱۳

[2] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۱۴/ ۱۷

[4] القرآن الکریم ۶۷/ ۲

ذبح الکبش یوم القیٰمۃ[1]، واللہ تعالٰی اعلم۔	حیات کو پیدا کیا، اور قیامت کے دن مینڈھے کو ذبح کرنے والی حدیث کی وجہ سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰: از میرٹھ چمار دروازہ لنگری مسجد مکان جناب قاری مولوی محمد اسحاق صاحب مسئولہ محمد یعقوب صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۱ھ

آیت "**فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ**"[2] (جب ان کو رجفہ نے پکڑا۔ت) میں ایک شخص رجفہ کے معنی "کڑکڑانے" کے کہتا ہے، اور ایک شخص کہتا ہے کڑکڑانے کے معنی نہیں ہیں بلکہ رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں جلالین شریف میں اور دیگر تفاسیر میں اور لغت کی کتابوں میں رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں کڑکڑانے کے نہیں ہو سکتے۔۔ وہ شخص پہلا یہ کہتا ہے کہ درایت اس کو چاہتی ہے کہ رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہوں اور یہی ہیں کیونکہ ان کا کڑکڑانا عذاب کا سبب ہوا تھا اس واسطے رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ پہلے کا قول صحیح ہے جو رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے کرتا ہے یا ثانی کا جواب کہ معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اور پہلا شخص **من فسر برائہ**[3] (جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی۔ت) کا مصداق ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اہلسنت وجماعت کے موافق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

رجفہ کے معنی یہ کڑکڑانا محض باطل و بے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افتراء اور اس کا استدلال کہ وہ سبب استدلال آیت میں دوسری تحویل اور لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف تبدیل ہے کہ اخذ عذاب حقیقت ہے اور سبب کی طرف اسناد مجاز یا بحذف مضاف تقدیر وبال کی جائے، بہر حال محض بلا وجہ بلکہ بلا مجال وحی عدول بہ مجاز ہے کہ باطل و نامجاز ہے۔ اسی قصہ میں دوسری

---

[1] روح البیان تحت الآیۃ وفدیناہ بذبح عظیم ۲۳/ ۴۷۷ و مرقاۃ المفاتیح تحت الحدیث ۵۵۹۱، ۹/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۵

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برأیہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹، احیاء العلوم کتاب آداب تلاوۃ القرآن الباب الرابع مطبعۃ المشھد الحسینی قاہرہ ۱/ ۲۸۹

جگہ "فَاَخَذَتۡكُمُ الصّٰعِقَةُ"[1] (توتم کو صاعقہ نے پکڑا۔ت) فرمایا صاعقہ کے معنی میں بھی اسی دلیل سے یہی کڑکڑانا ہوگا بلکہ جہاں جہاں قرآن عظیم نے اقوال کفار پر نار یا حمیم یا غساق وغیرہا کا ذکر فرمایا ہے ان سب کے معنی میں یہی کڑکڑانا آئے گا کہ یہی اس عذاب کا سبب ہوا ایسی بات علم تو علم عقل سے بعید ہے۔ **وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۱: از احمد آباد گجرات دکن محلّہ جماپور مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۵/رجب ۱۳۳۶ھ

اخرج محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمٰن۔	محمد بن جریر طبری نے محمد بن ابراہیم سے تخریج کی کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ اسی طرح ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی کرتے تھے۔ (ت)

یہ روایت تفسیر ابن جریر میں اور تفسیر درمنثور میں اور تفسیر کبیر میں کس آیت کی تفسیر میں ہے؟

الجواب:

درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۸:

اخرج ابن المنذر وابن مردویہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأتی اُحد اکل عام فاذا تفوہ الشعب سلم علی قبور الشھداء فقال سلٰم علیکم بماصبرتم فنعم عقبی الدار	ابن منذر اور ابن مردویہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لاتے تھے۔ جب گھاٹی کی فراخی میں داخل ہوتے تو قبور شہداء پر سلام کہتے ہوئے یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

وابوبکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[1]	سیدنا ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

ابن جریر جلد ۱۳ ص ۸۴:

حدثنی المثنی ثنا سوید قال اخبرنا ابن المبارك عن ابراھیم بن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابو بکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[2]	مجھے مثنی نے بحوالہ سوید حدیث بیان کی۔ سوید نے کہا ہمیں ابن المبارک نے خبر دی، انہوں نے ابراہیم بن محمد سے، انہوں نے سہیل بن ابوصالح سے، انہوں نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵:

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یأتی قبور الشھداء رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھکذا کانوا یفعلون رضی اللہ تعالٰی عنہم۔[3]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو آخرت کا گھر کیا ہی خوب ملا۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔(ت)

تفسیر نیشاپوری جلد ۱۳ ص ۹۲:

وروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے

[1] الدر المنثور تحت آیت ۱۳/ ۲۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۶۸۔۵۶۷

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۳/ ۸۴

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیت ۱۳/ ۲۴ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۹/ ۴۵

انه کان یأتی قبور الشهداء علٰی رأس کل حول فیقول سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[1]۔ فقط	اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور بازار سبزی منڈی مرسلہ محمد امین تاجر ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقسیم قرآن شریف برائے فیض پیرائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ تیس پارہ پر ہے، کوئی پارہ سورت سے شروع ہوا اور کوئی رکوع سے اور کوئی درمیان رکوع سے، اور کوئی پارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا، اس کے واسطے کوئی قاعدہ ہے جس کی رعایت ہر پارہ میں ہے یا بلا رعایت قاعدہ کلیہ مقرر کردی ہے؟ الحمد کو پارہ اول سے علیحدہ رکھا ہے اور ربما سے ایک آیت چھوڑ دی شروع سورت سے اس کا سر اور جو کچھ اور اس میں مرعی ہے حضور ہی بیان فرما سکتے ہیں اور ہم جہلا کی تسکین حضور پر نور ہی کے قلم سے ہو سکتی ہے۔

الجواب:

پاروں پر تقسیم امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نہ کی نہ کسی صحابی نہ کسی تابعی نے۔ معلوم نہیں اس کی ابتدا کس نے کی، یہ بہت حادث ہے، ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتداء کی اس نے اپنے پاس کے مصحف شریف کو تیس حصوں پر کہ باعتبار عدد اوراق مساوی تھے تقسیم کرلیا اور یہ تقسیم ان ان مواقع پر آکے واقع ہوئی، اور یہی ان بلاد میں رائج ہو گئی، سب جگہ اس پر اتفاق بھی نہیں بلکہ شام وغیرہ کی تقسیم اس سے کچھ مختلف ہے۔ بہر حال یہ کچھ ضروری بات نہیں نہ اس کے ماننے میں حرج۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۶۳: از بارکپور محلہ مرغی محال متصل کنجڑام حال مرسلہ حافظ محمد جعفر پیش امام ۱۰/ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید با اعراب خداوند کریم کی طرف سے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہوا کرتا تھا یا اعراب بعد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درست کیا گیا؟

الجواب:

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی عبارت کریمہ نازل ہوئی عبارت میں

[1] غرائب القرآن تحت آیۃ ۱۳/ ۲۴ مصطفی البابی مصر ۱۳/ ۸۳

اعراب نہیں لگائے جاتے حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثل امیر المومنین عثمٰن غنی وحضرت زید بن ثابت وامیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم اسے لکھتے ان کی تحریر میں بھی اعراب نہ تھے یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۴: از موضع پاکڑی ضلع گوڑگانوہ ڈاکخانہ ڈہنیہ مسئولہ محمد یسین خاں ۱۰/رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ تفسیر قادری معتبر ہے یا غیر معتبر؟

الجواب:

یہ اُردو کتاب ہے میں نے نہیں دیکھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

www.dawateislami.net I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

محافل ومجالس

(میلاد وگیارہویں شریف وغیرہ)

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ ۱۲۹۹ھ

(نبی تہامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے قیام تعظیمی پر اعتراض کرنے والے پر قیامت قائم کرنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۲۶۵: از ریاست مصطفٰی آباد عرف رامپور بضمن سوالات کثیرہ ۱۲۹۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کیا ہے، بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث رکھتے اور اسے بدیں وجہ کہ

قرون ثلٰثہ میں نہ تھا بدعت سیئہ وحرام سمجھتے اور کہتے ہیں ہمیں صحابہ وتعابعین کی سند چاہئے ورنہ ہم نہیں مانتے۔ان کے اقوال کا حل کیا ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

الحمدلله الذی باذنه تقوم السماء والصّلوٰة والسلام علٰی من قامت به ارکان الشریعة الغرّاء سیّدنا و مولانا محمد الذی قامت فی مولدہ ملئکة العلیا وعلٰی اٰله وصحبه القائمین باٰداب تعظیمه فی الصبح و المساء واشهد ان لااله الا الله وحدہ لاشریك له و ان محمدا عبدہ ورسوله قیم الانبیاء صلوات الله و سلامه علیه وعلیهم ماقامت تسبیح القیام اشجار الغبراء وسجدت للحی القیوم نجوم الخضراء اٰمین! قال القائم ببعض الضراعة الی صاحب المقام المحمود والشفاعة عبدالمصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی غفرالله له واقامه مقام السلف الکرام البررة الکلمة اٰمین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس کے حکم سے آسمان قائم ہے۔درود وسلام ہو اس ذات پر جس کے ذریعے روشن شریعت کے ارکان قائم ہیں وہ ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کے میلاد کے وقت عالی مرتبت ملائکہ نے قیام کیا، اور آپ کی آل واصحاب پر جو صبح وشام آپ کے لئے آداب تعظیم کی بجاآوری میں قائم رہے، میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلاہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ انبیاء کرام کے متولی و نگران ہیں،آپ پراور تمام انبیاء پر درود وسلام ہو جب تک غبار آلود درخت تسبیح کے ساتھ قائم رہیں اورجب تک آسمان کے ستارے بارگاہ حی وقیوم میں سجدے کرتے رہیں،آمین ! مقام محمود اور شفاعت کے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عاجزانہ قیام کرتے ہوئے کہتاہے عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اوراسے سلف صالحین کا قائم مقام بنائے۔آمین۔(ت)

اللھم ھدایة الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت فرما۔ت)

یہاں دو مقام واجب الاعلام ہیں:

اولاً: اس مقام مبارک پر اپنے طور پر کتب وفتاوائے علماء قدست اسرارھم سے حکم بیان کرنا جس سے بعونہٖ موافقین کے لئے ایضاح حق واضاحت باطل ہو، اور منصب فتوٰی اپنے حق کو واصل ہو۔

ثانیاً: اس مغالطہ کا جواب دینا جو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر واصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرون ثلٰثہ میں نہ تھا تو بدعت وضلالت ہوا۔ اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہ وہی کرتے اس فعل اور اس کے مثال امور نزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اسی قدر ہے جس کی بناپر اہلسنت وسواد اعظم ملت وہزاران ائمہ شریعت وطریقت کو معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوف خدا وترس روز جزا دل میں نہیں لاتے۔ مقام افتاء اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جانہیں مگر ایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبا نہیں، لہٰذا فقیر مقام دوم میں چند اجمالی جملے حاضر کرے گا جن کے مبانی دیکھئے حرفے چند اور معانی سمجھئے تو بس جامع و بلند۔ وباللہ التوفیق فی کل حین وعلیہ التوکل وبہ نستعین والحمدللہ رب العٰلمین۔

مقام اوّل: اللہ عزوجل نے شریعت غرا، بیضا، زہرا، عامہ، تامہ، کاملہ، شاملہ اتاردی اور بحمدہٖ تعالٰی ہمارے لئے ہمارا دین کامل فرما دیا اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرما دی۔ قال اللہ تعالٰی:

" اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ "[1]	آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ (ت)
والحمدللہ ربّ العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی من بہ انعم علینا فی الدنیا والدین وبہ ینعم ان شاء اللہ تعالٰی فی الاٰخرۃ الٰی ابد الاٰبدین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود نازل ہو اس ذات پر جس کے صدقے اللہ تعالٰی نے دین ودنیا کی نعمتیں ہمیں عطافرمائیں۔ اوران کے طفیل ان شاء اللہ ابدالآباد تک آخرت کی نعمتیں بھی ہمیں عطا ہوں گی۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

الحمدللہ ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: حسبنا کتاب اللہ[1]۔ (ہمیں قرآن عظیم بس ہے)

مگر قرآن عــہ عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے اس لئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے: **اوّل:**

"مَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ"[2]	جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) لو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لئے ہے تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"[3]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شیئ ہر چیز ہر موجود کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی ولہذا فرمایا:

"وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ"[4]	اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کے لئے بیان فرمادو جو کچھ ان کی طرف اُترا ہے۔

یعنی اے محبوب! تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو، لہذا آیۃ کریمہ اولٰی میں نزلنا علیك فرمایا جو خاص حضور کی نسبت ہے اور آیۃ کریمہ ثانیہ میں مانزّل الیھم فرمایا جو نسبت بہ امت ہے۔ **دوم:**

"فَسْــَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ	علم والوں سے پوچھو جو تمہیں

عــہ: قرآن امام حدیث ہے، حدیث امام مجتہدین، مجتہدین امام علما، علماء امام عوام الناس۔ اس سلسلہ کا توڑنا گمراہ کا کام۔

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۴۳﴾" عـــہ [1]	نہ معلوم ہو۔

مصنف نے یہاں معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

اقول: ھذا من محاسن نظم القراٰن العظیم امر الناس ان یسئلوا اھل العلم بالقراٰن العظیم وارشد العلماء ان لایعتمدوا علی اذھانھم فی فھم القراٰن بل یرجعوا الی مابیّن لھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فردالناس الی العلماء والعلماء الی الحدیث والحدیث الی القراٰن وان الی ربك المنتھٰی فکما ان المجتھدین لوترکوا الحدیث ورجعوا الی القراٰن فضلوا کذٰلك العامۃ لوترکواالمجتھدین ورجعوا الی الحدیث فضلوا ولھذا قال الامام سفیٰن بن عیینۃ احد ائمۃ الحدیث قریب زمن الامام الاعظم و الامام المالك رضی اللہ تعالٰی عنھم الحدیث مضلۃ الاالفقھاء نقلہ عنھم الامام ابن الحاج مکی فی مدخل۔ [2]	**میں کہتاہوں** کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جوکچھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایااس کی طرف رجوع لائیں تولوگوں کوعلماء کی طرف پھیرا اور علماء کوحدیث کی طرف اورحدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہاء ہے توجس طرح مجتہدین اگرحدیث چھوڑدیتےاورقرآن کی طرف رجوع کرتے بہک جاتے یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں توضرور گمراہ ہو جائیں، اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہاکہ امام اعظم وامام مالک کے زمانہ کے قریب حدیث کے اماموں سے تھے فرمایا کہ حدیث بہت گمراہ کردینے والی ہے مگر فقہاء کو، اسے امام ابن حاج مکی نے مدخل میں نقل فرمایا ۱۲ مصحح غفرلہ (ت)

عـــہ: اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے: "بِالۡبَیِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ" [3] الاٰیۃ۔	روشن دلیلیں اورکتابیں لے کر اوراے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

[3] تعلیقات المصنف علٰی معالم التنزیل تحت الآیۃ ۱۶/ ۴۳، ۴۴

حوادث غیر متناہی ہیں احادیث میں ہر جزئیہ کے لئے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی ان کا حفظ وضبط نامقدور ہوتا پھر مدارج عالیہ مجتہدان امت کے لئے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے نیز اختلافات ائمہ کی رحمت ووسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہذا حدیث نے بھی جزئیات معدودہ سے کلیات حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف استعارہ فرمایا اس کی تفصیل وتفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ ف تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل وتفصیل مجمل وتقیید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آئے ہر زمانہ کے حوادث تازہ احکام اس زمانے کے علماء کرام، حاملان فقہ وحامیان اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے **حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذٰلک** (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اپنا امر لے آئے اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں۔ت) درمختار میں ہے:

ولایخلوا الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظناً وعلٰی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبرائۃ ذمتہ[1]۔	زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

جزم بذٰلك اخذ امما رواہ البخاری من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ قولہ وعلٰی من لم یمیز عبر بعلی المفیدۃ للوجوب للامر بہ فی قولہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر	شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لئے

[1] الدرالمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

ف: حوادث کا پیدا ہوتے رہنا اور ان کے احکام کا۔ اور ایک یہ کہ جو ہر بات پر کہے صحابہ تابعین کی سند لاؤ۔ یا امام ابوحنیفہ کا قول دکھاؤ، وہ مجنون ہے یا گمراہ۔

ان کنتم لاتعلمون۔[1]	واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے کہ علماء سے پوچھو اگر تمہیں نہ معلوم ہو۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبرٰی میں فرماتے ہیں:

مافصّل عالم مااجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الا للنور المتصل من الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالمنۃ فی ذٰلک حقیقۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھوالذی اعطی العلماء تلک المادۃ التی فصلوا بھامااجمل فی کلامہ کما ان المنۃ بعدہ لکل دور علٰی من تحتہ فلوقدر ان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدورالذی قبلہ لانقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولا تفصیل مجمل، وتامل یااخی لولاان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل بشریعتہ مااجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علٰی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتھدین لولم یفصلوا مااجمل فی السنۃ لبقیت السنۃ علٰی اجمالھا وھکذا الٰی عصرناھذا، فلولاان حقیقۃ الاجمال	جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحب شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے ملاتو حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے انہوں نے علماء کو یہ استعداد عطافرمائی جس سے انہوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگرفرض کیاجائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کرجائے توشارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملاہواہے وہ کٹ جائے گااور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر، اگررسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملات قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملات حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تواگر یہ نہیں کہ حقیقت اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے تونہ متون کی شرح

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۳

ساریۃ فی العالم کلّہ ماشرحت الکتب ولاترجمت من لسان الی لسان ولاوضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح۔[1]	لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ ونوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل وواقعات تصنیف فرمائی گئیں پھر متون وشروح وحواشی وفتاوٰی وقتًا فوقتًا تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافہ کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن وسنت کی تفصیل ہے۔ نصاب الاحتساب وفتاوٰی عالمگیری زمانہ سلطان عالمگیر انار اللہ تعالٰی برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل وواقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یاخاص امام اعظم وصاحبین کا نص لاؤ تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاوٰی اسعدیہ وفتاوٰی حامدیہ و طحطاوی علی مراقی الفلاح وعقود الدریہ وردالمحتار ورسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیامیں ان پر اعتماد ہورہاہے دو اول کے سوایہ سب تیرہویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہاوہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوٰی شاہ عبدالعزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل واربعین تک پر اعتماد ہورہاہے کیامائۃ مسائل واربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ وتابعین وائمہ تو بہت بالاہیں عالمگیری وردالمحتار تک کہیں دکھاسکتے ہیں اب ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹو گراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یاامام ابوحنیفہ یایہ نہ سہی ہدایہ یادرمختار یایہ بھی نہ سہی عالمگیری وطحطاوی وردالمحتار یایہ سب جانے دو شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ، تواسے مجنون سے بہتر اور کیالفظ کہا جاسکتاہے، ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جداہے کہ اپنے آپ تو تیرہویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ وتابعین کی سند مانگیں۔ خطبہ عــہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگرجب سے حادث ہے علماء نے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی،

عــہ: ان کابیان کہ حادث ہوکر مستحب ٹھہریں۔

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل ومما یدلك علی صحۃ ارتباط جمیع اقوام علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۷

درمختار میں ہے:

یندب ذکر الخلفاء الراشدین والعمّین۔[1]	خطبہ میں چاروں خلفاء کرام اور دونوں عم کریم سیدالانام علیہ الصلٰوۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لئے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفاء کرام کا ذکر نہ کیا تھا سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔ اذان کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے۔ درمختار میں فرمایا:

التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاٰخر سنۃ سبع مائۃ واحدی وثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ۔[2]	اذان کے بعد صلٰوۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشاء شب دوشنبہ میں حادث ہوا پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلٰوۃ کہی گئی پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی اور یہ ان نوپیدا باتوں سے ہے جو شرعًا مستحب ہیں۔

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے اسی وقت کے علماء معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے مجلس میلاد مبارک و قیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگئی ان پر انہیں علماء کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانہ میں ان کا وجود تھا جیسے مجلس مبارک کے لئے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی وامام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالٰی جن کے نام وکلام کی تصریح بار بار کردی گئی۔ یونہی مسئلہ قیام میں ان علماء کرام کی سند لی جائے جن کا ذکر شریف آیا ہے وباللہ التوفیق بحمداللہ تعالٰی موافقین اہل حق وانصاف ودین کے لئے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا ان کی پروا کیا۔ وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علماء کرام کو مانیں ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل افہام واوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذاللہ مشرک گمراہ بتاتے ہیں، جو ان میں بظاہر نام تقلید

[1] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱

[2] درمختار کتاب الصلٰوۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

لیتے ہیں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے اہوائے باطلہ کے سامنے قرآن وحدیث کی تو سنتے نہیں پھر ائمہ کی کیا گنتی ان کے منہ سے تقلید امام اور ان سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جانیں ورنہ حالت وہ ہے جو ان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر جو کہے "اللہ ورسول نے غنی کردیا" وہ مشرک[1]، حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

"اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ"[2]	اللہ ورسول نے انہیں دولتمند کردیا اپنے فضل سے۔

محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے کیا کہا یہ کہ:

"اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾"[3]	میں تمہارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا حالانکہ وہ معنی عطا میں متعین بھی نہیں، بخش بہرو حصہ کو کہتے ہیں تو جبریل کہ صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں دین اسمٰعیلی میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن عظیم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء نہ جبریل نہ خود رب العٰلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم۔ یہ بحث فقیر کے اور رسائل عـــہ میں مفصل ملے گی، یہاں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ مخالفین کی نہ ماننے کی پروا کیا ہے انہوں نے اور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے لہٰذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق ویقین کی طرف کریں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد و آلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین۔ مولٰی عزوجل توفیق دے تو یہاں منصف غیر متعصب کے لئے اسی قدر کافی کہ یہ فعل مبارک اعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوۃ والسلام صدہا سال سے بلاد دار الاسلام میں رائج و معمول، اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرر ومقبول، شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع

عـــہ: خصوصًا کتاب مستطاب "اکمال الطامہ علٰی شرک سوی بالامور العامہ" مصحح ۱۲۔

[1] تقویۃ الایمان

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

ان الحکم الاللہ [1]، وانما الحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مماعفاعنہ [2]۔	حکم نہیں ہے مگراللہ تعالٰی کے لئے۔اور حرام وہ ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا، اور جس پر سکوت فرمایا وہ معاف شدہ چیزوں میں سے ہے(ت)

علی الخصوص حرمین طیبین مکہ معظّمہ ومدینہ منورہ صلی اللہ تعالٰی علٰی منورھما وبارک وسلم کہ مبدء و مرجع دین وایمان ہیں وہاں کے اکابر علماء ومفتیان مذاہب اربعہ مدتہامدت سے اس فعل کے فاعل وعامل و قائل و قابل ہیں ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا بلکہ بلاشبہہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا۔ علامہ عـــہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعت حسنہ ہے۔اور ارشاد فرماتے ہیں:

قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عالم الامۃ ومقتدی دینًا وورعًا تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی وتابعہ علٰی ذٰلک مشائخ الاسلام فی عصرہ فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد فیہ قول الصرصری	بیشک وقت ذکر نام پاک سیدالانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمہ اللہ تعالٰی سے پایاگیا جوامت مرحومہ کے عالم اوردین و تقوی میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پران کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی بعض علماء یعنی انہیں امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابونصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقات کبرٰی میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت

عـــہ: کتب علماء سے قیام کا ثبوت۔

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۹، المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ دارالفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

مدحہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ قلیل لمدح المصطفی الخط بالذھب علی ورق من خط احسن من کتب وان تنھض الاشراف عند سماعہ قیامًا صفوفًا اوجثیًا علی الرکب فعند ذٰلک قام الامام السبکی وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر بذٰلک المجلس ویکفی مثل ذٰلک فی الاقتداء۔[1]	کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سیدالابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھے جن کاخلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑاہے کہ سب سے اچھا خوشنویس ہواس کے ہاتھ سے چاندی کے پتّرپر سونے کے پانی سے لکھی جائے اور جولوگ شرف دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سن کر صف باندھ کرسروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں ان اشعار کے سنتے ہی حضرت امام سبکی وجملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایااوراس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر پیروی کے لئے کفایت کرتاہے انتہی (ت)

اقول: یہ امام صرصری صاحب قصیدہ نعتیہ وہ ہیں جنہیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبیل الھدٰی والرشاد میں اپنے زمانے کاحسان اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کامحب صادق فرمایااور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہ الشریف کی جلالت شان ورفعت مکان توآفتاب نیمروز سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل ومجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں، اوراس زمانے کے اعیان علماء ومشائخ اسلام کاان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمد اللہ تعالٰی متبعین سلف صالحین کے لئے ایک کافی سند ہے آخر نہ دیکھاکہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایااسی قدراقتداء کے لئے بس ہے، عالم کامل عارف باللہ سید سند مولٰینا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کارسالہ عقدالجوہر فی مولد النبی الازہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرمین محترمین ودیگر بلاد دارالاسلام میں رائج ہے اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اوران مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے اپنے اسی رسالے مبارکہ میں فرماتے ہیں:

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۸۴

قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمة ذوروایة ودرایة فطوبٰی لمن کان تعظیمه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم غایة مرامه ومرماہ۔[1]	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکرولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو صاحب روایۃ و درایۃ تھے توشادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مرادو مقصود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

فاضل اجل سیدی جعفر بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علٰی عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔ فقیہ محدث مولانا ابن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر ولادة سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم امر لاشك فی استحبابه واستحسانه و ندبه یحصل لفاعله من الثواب الاوفرو الخیر الاکبر لانه تعظیم ای تعظیم للنبی الکریم ذی الخلق العظیم الذی اخرجنا اللہ به من ظلمات الکفر الی الایمان وخلصنا اللہ به من نار الجهل الی جنات المعارف والایقان فتعظیمه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیه مسارعة الٰی رضاء رب العٰلمین واظهار اقوی شعائر الدین ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب ومن یعظم حرمات اللہ فهو خیرله عند ربه۔[2]	قرأت مولد شریف میں ذکر ولادت شریف سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بیشک مستحب و مستحسن ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر و فضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی تعظیم ان نبی کریم صاحب خُلقِ عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ وتعالٰی ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اوران کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچا کر بہشت معرفت ویقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کا آشکار ہونا اور جو تعظیم کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اورجو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

[1] عقد الجوهر فی مولد النبی الازهر (مترجم باُلاردویة) جامعة الاسلامیه لاهور ص ۲۵و۲۶

[2] اثبات القیام

پھر بعد نقل دلائل فرمایا:

فاستفید من مجموع ماذکرنا استحباب القیام لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عند ذکرولادتہ لما فی ذٰلک من التعظیم لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایقال القیام عندذکرولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بدعۃ لانا نقول لیس کل بدعۃ مذمومۃ کما اجاب بذٰلک الامام المحقق المولی ابوذرعۃ العراقی حین سئل عن فعل المولد أمستحب اومکروہ وھل ورد فیہ شیئ اوفعل بہ من یقتدی بہ فاجاب بقولہ الولیمۃ واطعام الطعام مستحب کل وقت فکیف اذا انضم الٰی ذٰلک السرور بظھورنورالنبوۃ فی ھذاالشھر الشریف ولانعلم ذٰلک عن السلف ولایلزم من کونہ بدعۃ مکروھۃ فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ اذا لم تنضم بذٰلک مفسد واللہ الموفق[1]۔	یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ قیام تو بدعت ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بری نہیں ہوتی، جیساکہ یہی جواب دیا امام محقق مولی ابوذرعہ عراقی نے، جب ان سے میلاد کو پوچھا تھا کہ مستحب ہے یامکروہ اوراس میں کچھ وارد ہوا ہے، یا کسی پیشوا نے کی ہے؟ تو جواب میں فرمایا ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے پھر اس صورت میں کیاپوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہ مبارکہ میں ظہور نبوت کی خوشی مل جائے، اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اوراللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

قداجتمعت الامۃ المحمدیۃ من اھل السنۃ و الجماعۃ علی استحسان	بیشک امت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ سے اہلسنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام

[1] اثبات القیام

القیام المذکور وقدقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ۔[1]	مستحسن ہے اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

امام علامہ مدالقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جرت عادۃ القوم بقیام الناس اذا انتہی المداح الی ذکر مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار السرور التعظیم الخ نقلہ المولی الدمیاطی۔[2]	یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکر میلاد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے الخ (مولینا دمیاطی نے اس کو نقل فرمایا۔ت)

علامہ ابوزید رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں:

استحسن القیام عند ذکر الولادۃ۔[3]	ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے۔

خاتمۃ المحدثین زین الحرم عن الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقرأۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واطعام الطعام وغیر ذٰلك مما یعتاد الناس فعلہ من انواع البر فان ذٰلك	یعنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم سے حضور کی شب ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

[1] اثبات القیام

[2] اثبات القیام

[3] رسالۃ المیلاد للعلامہ ابی زید

کلہ من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد افردت مسئلۃ المولد ومایتعلق بھابالتالیف واعتنی بذٰلک کثیر من العلماء فالفوافی ذٰلک مصنفات مشحونۃ بالادلّۃ والبراھین فلا حاجۃ لنا الی الاطالۃ بذٰلک۔[1]	تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اوراس کے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علماء دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل وبراہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

شیخ مشائخنا خاتمۃ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیہ سیدنا برکتنا علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

القیام عند ذکر مولدہ الاعطر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استحسنہ جمع من السلف فھو بدعۃ حسنۃ۔[2]	ذکر مولد اعطر حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعت سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعۃ حسنہ ہے۔

پھر علامہ انباری کی موارد الظمآن سے نقل فرماتے ہیں:

قام الامام السبکی وجمیع من بالمجلس وکفی بمثل ذٰلک فی الاقتداء[3] اھ ملخصًا۔	امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس نے قیام کیا اوراس قدر اقتداء کے لئے بس ہے۔

مولانا جمال عمر قدس سرہ کے اس فتوٰی پر موافقت فرمائی مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامۃ الوری علم الھدٰی مولانا وشیخنا وبرکتنا السید السند احمد وزین دحلان شافعی اور مولٰینا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولٰینا حسین بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرھم اکابر علمانے نفعنا اللہ تعالٰی بعلومھم آمین۔ یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں:

استحسنہ کثیر من العلماء وھو حسن	اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا، اور وہ حسن ہے

---

[1] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ دار الشفقۃ استانبول ترکیا ص ۱۸

[2] فتاوٰی جمال بن عمر المکی

[3] فتاوٰی جمال بن عمر المکی

لما یجب علینا تعظیمه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم [1]۔	کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے۔

مولٰینا محمد بن یحیٰی حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اذ یحضر روحانیته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فعند ذٰلك یجب التعظیم والقیام [2]۔	ہاں ذکرولادت حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روح اقدس حضور معلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم وقیام ضرور ہوا۔
قوله رحمه اللّٰه تعالٰی یجب القیام الخ اقول: اراد التاکد فی محل الادب کقول القائل لحبیبه حقك واجب علیّ وهو من المحاورات الشائعة بینهم کمالا یخفی علی من تتبع کلماتهم واما حضور روحانیته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فعلی مافصل ونقح ابی و مولائی مقدام العلماء الکرام فی کتابه اذاقة الاٰثام و اللّٰه تعالٰی اعلم۔	مولانا علیہ الرحمہ کا قول کہ قیام واجب ہے الخ میں کہتا ہوں اس سے مولانا موصوف نے محل ادب میں تاکید کاارادہ فرمایا ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے، یہ عربوں میں مشہور محاورات میں سے ہے، جیسا کہ ان کے کلام کے تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں، رہا حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روحانیت کا جلوہ گر ہونا، تو اس کی تفصیل وتنقیح علماء کے پیشوا میرے آقا و والد گرامی نے اپنی کتاب اذاقۃ الآثام میں کردی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مولٰینا عبداللہ بن محمد مفتی حنفیّہ فرماتے ہیں: استحسنه کثیرون [3] (اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا ہے)

1
2
3

شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبداللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

توارثه الائمة الاعلام واقره الائمة والحکام من غیر نکیر منکرو ردّراد ولهذا کان حسنا ومن یستحق التعظیم غیره صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویکفی اثر عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنهما ماراٰه المسلمون حسنا فهو عندالله حسن[1]۔	یہ قیام مشہور برابر اماموں میں متوارث چلاآتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برابر رکھااور کسی نے رَدّوانکارنہ کیا لہٰذا یہ مستحب ٹھہرااور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوااور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہل اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی۔

فتوائے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظّمہ مولٰینا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولانا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبدالکریم بن عبدالحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبدالجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیار حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتوی مزیّن بخطوط ومواہیر علماء ممدوحین فقیر نے بچشم خود دیکھااور مدتوں فقیر کے پاس رہاجس میں اکثر مسائل متنازع فیہاپر بحث فرمائی ہے اور دلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر باطل ومردود ٹھہرایاہے، اس میں دربارہ قیام مذکور ہے:

واما قیام اهل الاسلام عند ذکر ولادته علیه الصّلوٰة والسلام فی ذٰلك المحفل اشاعة للتعظیم واظهار	یعنی ذکرولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم واظہاراحترام کے لئے قیام کرنا

1

الاحترام فقد صرح فی انسان العیون المشهور بالسیرة الحلبیة باستحسانه کذٰلك وقال العلامة البرزنجی فی رسالة المولد قداستحسن القیام عند ذکر مولده الشریف ائمة ذو درایة وروایة فطوبیٰ لمن کان تعظیمه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم غایة مرامه ومرماه[1] انتهی بلفظه اما الحکم بحرمة ذٰلك التعظیم وممانعته بدلیل عدم ذکره بالخصوص فی السنة فهو فاسدعندجمهورالمحققین قال فی عین العلم والاسرار بالمساعدة فیمالم ینه عنه وصار معتادابعد عصرهم حسنة وان کان بدعة[2] الخ

اقول: والدلیل علیٰ ھذا ماروی ابن مسعودرضی الله تعالیٰ عنه مرفوعًا وموقوفًامارأہ المسلمون حسنًا فھو عندالله حسن[3] وقوله علیه الصلوٰة والسلام خالقوا الناس باخلاقھم رواہ الحاکم وقال صحیح علیٰ شرط الشیخین[4]، وقال الامام حجة الاسلام فی

بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے۔اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمہ ذودرایت وروایت کے نزدیک مستحب ہے توخوشی ہو اسے جس کی غایت مرادومرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے **انتھی** اور اس تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث میں مذکور نہیں حرام و ممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے۔عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شروع میں نہی نہ آئی اوربعدزمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کادل خوش کرنابہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہی ہو الخ **میں کہتاہوں** اس پردلیل وہ حدیث ہے جوحضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاداورخود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خداکے نزدیک بھی نیک ہے۔اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ان کی عادتوں کے مطابق برتاؤ کرو۔حاکم نے اسے روایت کیااور کہاکہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے،اور

---

[1] عقدالجوھر فی مولدالنبی الازھر للبرزنجی(مترجم باالاردویة)جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵و۲۶

[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت وآفات اللسان امرت پریس لاہور ص ۴۱۲

[3] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۷۸

[4] اتحاف السادة المتقین، بحوالہ الحاکم، کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث دارالفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

الاحیاء الادب الخامس موافقة القوم فی القیام اذا قام واحد منھم فی وجد صادق غیر ریاء اوتکلف اوقام باختیار من غیر وجد فلابد من الموافقة فذٰلك من ادب الصحبة ولکل قوم رسم ولابد من مخالقة الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیھا حسن العشرة و تطییب القلب و قول القائل ان ذٰلك بدعة لم یکن فی الصحابة فلیس کل مایحکم باباحته منقولًا عن الصحابة و انما المحذور بدعة تراغم سنة ماثورة ولم ینقل النھی عن شیئ من ھذا وکذٰلك سائر انواع المساعدات اذا قصد بھا تطییب القلب، و اصطلح علیھا جماعة، فالاحسن المساعدة الافیما ورد فیه نھی لایقبل التاویل[1] انتھی کلام الامام حجة الاسلام باختصار المرام۔	امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: "پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش وتکلف یا بلاوجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین اس کی موافقت کریں اور کھڑے ہو جائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے، اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیساکہ حدیث میں وارد ہوا اور خصوصًا جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کی خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے صحابہ سے ثابت نہیں، تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو۔ بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کاکاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدتیں جب ان کے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کرلیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے، مگران باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں"۔ یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد تھا کہ باختصار منقول ہوا، انتہی۔

[1] احیاء العلوم کتاب السمع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبعة المشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

آخر روضۃ النعیم میں جو فتوائے علماء کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے ۸ حضرات علماء مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن وخوبی محفل میلاد شریف مذکور:

والحاصل ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف وقرائته بحضرۃ المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادۃ الرسول الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورش ماء الورد والقاء البخور وتزیین المکان وقرأۃ شیئ من القراٰن والصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واظہار الفرح والسرور فلاشبہۃ فی انہ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ وفضیلۃ شریفۃ مستحسنۃ اذلیس کل بدعۃ حرامًا، بل قد تکون واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو وسائر العلوم المعینیۃ علٰی فھم الکتاب والسنۃ کما ینبغی، ومندوبۃ کبناء الربط والمدارس، ومباحۃ کالتوسع فی الماکل والمشارب اللذیذۃ والثیاب کما فی شرح المناوی علی جامع الصغیر عن تہذیب النووی فلاینکرھا الامبتدع لااستماع لقولہ بل علی حاکم الاسلام ان یعزرہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنا اور حال ولادت مسلمانوں کو سنانا اور خیرات ومبرات بجالانا اور ذکر ولادت رسول امین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبوئیں سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن پڑھنا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور فرحت وسرور کا ظاہر کرنا بیشک بدعت حسنہ مستحبہ فضیلت اور شریفہ مستحسنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رَد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا، کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیساکہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیاتو ان امور کاانکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا، اس کی بات سننا نہ چاہئے بلکہ حاکم اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزادے، واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] روضۃ النعیم

اس فتوٰی پر مولٰینا عبدالجبار وابراہیم بن خیار وغیرہما تیس ۳۰ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکہ معظّمہ میں میلاد وقیام کا استحباب علمائے سلف سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

فالمنکر لھذا مبتدع بدعة سیئة مذمومة لانکارہ علی شیئ حسن عند اللہ والمسلمین کماجاء فی حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ماراٰہ المسلمون حسناً فھو عنداللہ حسن والمراد من المسلمین ھٰھنا الذین کملواالاسلام کالعلماء العالمین وعلماء العرب والمصروالشام والروم والاندلس کلھم رواہ حسناً من زمان السلف الی الاٰن فصارالاجماع والامرالذی ثبت بہ اجماع الامة فھو حق لیس بضلال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تجتمع امتی علی الضلالة فعلی حاکم الشرع تعزیر المنکر۔واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	پس مجلس وقیام کامنکر بدعتی ہے اوراس منکر کی بدعت سیئہ و مذمومہ کہ اس نے ایسی چیزپر انکارکیاجوخدااوراہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیساکہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آیاہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل، اوراس مجلس وقیام کو عرب و مصروشام وروم واندلس کے تمام علمائے سلف نے آج تک مستحسن جاناتواجماع ہوگیااور جو امر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پراجتماع نہیں کرتی۔پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزادے۔واللہ تعالٰی اعلم انتہی۔

اس فتوٰی پر حضرت سید العلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ وجناب مستطاب شیخنا وبرکتنا سراج الفضلا مولانا عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیّہ ومولانا حسن مفتی حنابلہ ومولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس ۴۵ علماء کی مہریں ہیں اور فتوائے علماء جدہ عـــہ میں مجیب اول مولانا ناصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اوراس میں قیام وتعیّن یوم وتزئین مکان واستعمال خوشبو وقرات قرآن واظہار سرور و اطعام طعام کی نسبت فرماتے ہیں:

بھٰذہ الصورة المجموعة من	جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعًا

عـــہ: فتاوٰی ۱۰ از علمائے جدہ

[1] روضة النعیم

الاشیاء المذکورۃ بدعۃ حسنۃ مستحبۃ شرعًا لا ینکرھا الامن فی قلبہ شعبۃ من شعب النفاق و البغض لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکیف یسوغ لہ ذٰلك مع قولہ تعالٰی ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب[1]۔	بدعت حسنہ ہے جس کاانکارنہ کرے گامگروہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیونکر رواہوگا حالانکہ حق تعالٰی فرماتاہے جوخداکے شعائروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں عہ۱۔

مولاناعباس بن جعفربن صدیق فرماتے ہیں:

ماجاب بہ الشیخ العلامۃ فھو الصواب لایخالفہ الا اھل النفاق ومافی السوال فھو حسن کیف وقد قصد بذٰلك تعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاحرمنا اللہ تعالٰی من زیارۃ فی الدنیا ولامن شفاعۃ فی الاخرٰی ومن انکر من ذٰلك فھو محروم منھما۔[2]	شیخ علامہ ناصربن احمد بن علی نے جوجواب دیاوہی حق ہے اس کے خلاف نہ کریں گے مگرمنافقین، اور جوکچھ سوال میں مذکورہے سب حسن ہے، اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہوتی ہے، اللہ تعالٰی ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیامیں اورنہ ان کی شفاعت سے آخرت میں، اورجو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے۔ عہ۲

مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:

اعلم ان ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماوقع من المعجزات والحضور لسماعہ	جان توکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولایت ومعجزات کاذکراوراس کے سننے کوحاضرہونا بیشک سنت ہے مگریہ ہیئت مجموعی جس میں

عہ۱: فتوٰی ۹ علماءمکہ معظّمہ ومفتیان مذاہب اربعہ۔

عہ۲: منکرزیارت وشفاعت سے محروم ہے۔

1

2

سنة بلاشك وريب لكن من هٰذه الصورة المجموعة من الاشياء المذكورة كما هو المعمول فى الحرمين الشريفين وجميع ديار العرب بدعة حسنة مستحبة يثاب فاعلها و يعاقب منكرو مانعها[1]۔	قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیارعرب کا معمول ہے اور یہ بدعت حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنے والے کو ثواب اور منکر ومانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

نعم اصل ذكر المولد الشريف وسماعه سنة وبهٰذه الكيفية المجموعة بدعة حسنة مستحبة وفضيلة عظيمة مقبولة عندالله تعالٰى كما جاء فى اثر عبدالله بن مسعود رضى الله تعالٰى عنه ماراٰه المسلمون حسنًا فهو عندالله حسن، والمسلمون من زمان السلف الى الاٰن من اهل العلم والعرفان كلهم رواه حسنا بلا نقصان فلاينكر ولايمنع من ذٰلك الامانع الخيرو الاحسان وذٰلك عمل الشيطٰن۔[2]	ہاں اصل ذکر مولد شریف اوراس کاسننا سنت ہے اوراس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعت حسنہ مستحبہ اوربڑی فضیلت پسندیدہ خدا ہے کہ حدیث عبد اللہ بن مسعود میں وارد" جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے"اور مسلمان سلف سے آج تک علماء اولیاء سب اسے مستحسن بلانقصان سمجھتے آئے تو اس سے منع و انکارنہ کرے گا مگر وہ کہ خیراور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے۔

مولانا احمد جلیس لکھتے ہیں:

الحمدلله وكفٰى والصلوٰة على المصطفٰى نعم ذكر ولادة النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ومعجزة وحلية والحضور	خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود۔ہاں ولادت ومعجزات وحلیہ شریفہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاذکر کرنا اور

1

2

لسماعه وتزیین المکان ورش ماء الورد والبخور بالعود تعیین الیوم والقیام عند ذکر ولادته صلی الله تعالٰی علیه وسلم واطعام الطعام وتقسیم التمرو قرائة شیئ من القراٰن کلها مستحبة بلاشك وریب والله تعالٰی اعلم بالغیب۔[1]	اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکنا اور اگربتی سلگانا، اور دن مقرر کرنا اور ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا بلاشک وشبہہ مستحب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالغیب۔

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں:

امّة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من العرب والمصر و الشام والروم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمع علی استحبابه واستحسانه[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت عرب ومصر وشام وروس وروم واندلس وتمام بلاد اسلام اس کے استحباب واستحسان پر اجماع واتفاق کئے ہوئے ہے۔

اور اسی طرح احمد بن عثمان واحمد بن عجلان ومحمد صدقہ وعبدالرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا تھا، فتاوائے علمائے جدّہ میں مولانا یحیٰی بن اکرم فرماتے ہیں:

الّف فی ذٰلك العلماء وحثوا علی فعله فقالوا لاینکرها الامبتدع فعلی حاکم الشریعة ان یعزره۔[3]	علماء نے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی، تو حاکم شرع پر اس کی تعزیر لازم۔

مولانا علی شامی فرماتے ہیں:

لاینکر هذا الا من طبع الله علی قلبه وقد نص علماء السنة علی	اس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل پر خدا نے مہر کردی اور بیشک علمائے اہلسنت نے

1
2
3

ان ھذا من المستحسن المثاب علیہ وردّ وارد الحسن علی منکرہ[1] الخ۔	صریح فرمائی کہ یہ مستحسن و کار ثواب ہے منکر کا خوب رَد فرمایا۔

مولانا علی بن عبداللہ لکھتے ہیں:

لایشك فیہ الا مبتدع یلیق بہ التعزیر[2]۔	اس میں شک وہی کرے گا جو بدعتی قابل سزا ہوگا۔ عـــہ۱

مولانا علی طحان لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام فیہ مستحب ومن انکر ذلك فھو جحود لایعرف مراتب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[3]	مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں۔ عـــہ۲

مولانا محمد بن داوٗد بن عبدالرحمٰن لکھتے ہیں:

مستحب یثاب فاعلہ ولاینکرہ الا متبدع۔[4]	مستحب کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی ہوگا۔

مولانا محمد بن عبداللہ لکھتے ہیں:

قرائۃ المولد الشریف والقیام عند ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکل شیئ فی السوال حسن بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن یستحق التعظیم غیرہ۔[5]	مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں یہ سب تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔

مولانا احمد بن خلیل لکھتے ہیں:

ھو الصواب اللائق بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعلی حاکم الشریعۃ	یہی حق ہے اور تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مناسب۔ پس حاکم شریعت مطہرہ پر لازم

عـــہ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عـــہ۲ منکر کو رسالت کی قدر نہیں۔

1
2
3
4
5

المطھرۃ زجر من انکرو تعزیرہ [1]۔	کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔ عہ ۱

مولانا عبدالرحمٰن بن علوی حضرمی لکھتے ہیں:

استحسنو القیام تعظیماله اذاجاء ذکر مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وماصار تعظیماله صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فوجب علینا اداؤہ والقیام به ولاینکر ما ذکرنا الامبتدع مخالف عن طریق اھل السنة و الجماعة لااستماع واصغاع لکلامه وعلٰی حاکم الاسلام تعزیرہ۔ [2]	علماء نے فتوٰی وقت ذکر ولادت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کی تعظیم کے لئے قیام مستحسن سمجھا اور جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہوگیا اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی مخالف طریقہ اہلسنت وجماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل نہ توجہ کے لائق، اور حاکم اسلام پر اس عہ ۲ کی تعزیر واجب ہے۔

بالجملہ سردست اس قدر کتب فتاوٰی وافعال واقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کے استحسان واستحباب کی سند صریح حاضر ہے جس میں سو ۱۰۰ سے زائد ائمہ وعلماء کی تحقیق وتصدیق روشن وظاہر اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے فتوے چھپے ہیں پچاس ۵۰ سے زیادہ مہرو دستخط ہیں اب منصف انصاف کرے آیا اس قدر علماء ۱مکہ معظمہ و ۲مدینہ منورہ و ۳جدہ ۴وحدیدہ و ۵روم و ۶شام و ۷مصر و ۸دمیاط و ۹یمن و ۱۰زبید و ۱۱بصرہ و ۱۲حضر موت و ۱۳حلب و ۱۴حبش و ۱۵برزنج و ۱۶برع و ۱۷کرد و ۱۸داغستان و ۱۹اندلس و ۲۰ہند کا اتفاق قابل قبول ارباب عقول نہ ہوگا، یا معاذاللہ یہ عمائد شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع وبدمذہب، اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب ومستحسن ماننے والے ٹھہریں گے، تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالات اِیں وآں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سیکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے ایک زبان ہو کر بلند آواز سے فرمایا ہے، بیشک مستحب ہے، وہ کون ہے جو اسے برا کہتا ہے، ذرا ہمارے سامنے آئے، اس وقت ان کی

عہ ۱: منکر واجب التعزیر ہے۔ عہ ۲: منکر واجب التعزیر ہے۔

1

2

شوکت وجبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مانعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جا کر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتاہے اور یوں تو: ؎

چوں شیراں برفتند از مرغزار زند روبہ لنگ لاف شکار[1]

(جب جنگلات اور سبزہ زار سے شیر چلے جائیں تو لنگڑی لومڑی بھی شکار کی ڈینگیں مارنے لگتی ہے۔ت)

جسے چاہئے کہہ دیجئے کہ وہ کیا تھا ہم ان کی کب مانتے ہیں، ان کا قول کیا حجت ہوسکتاہے، یہ بھی نہ سہی، بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیان مسئلہ میں غلطی وخطا ہو جائے تو نقل وروایت میں تو معاذاللہ کذب وافتراء نہ کریں گے، اب اوپر کی عبارتیں دیکھئے کہ کتنے علمائے اہلسنت وجماعت وعلمائے بلاد دارالاسلام کا اس فعل کے استحباب واستحسان پر اجماع نقل کیاہے، کیا اجماع اہلسنت بھی پایہ قبول سے ساقط، اور ہنوز دلیل وسند کی حاجت باقی ہے، اچھا یہ بھی جانے دو، اور چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب یہاں کسی طرح کا دینی بندوبست ونظام نہ رہا اور ہر ایک کو جو منہ پر آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت وموقع پا کر بہک اٹھے ہیں، قادح اجماع جانو، تاہم ہماری طرف سواد اعظم میں تو شک نہیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار۔[2]	بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔

اور فرماتے ہیں:

انما یاکل الذئب القاصیۃ۔[3]	بھیڑیا اسی بکری کو کھاتاہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے۔

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء واعیان قضاۃ ومشائخ اسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لئے حجت کافیہ تھا

[1]

[2] المستدرك للحاکم کتاب العلم دار الفکر بیروت ۱/ ۱۱۶۔۱۱۵

[3] السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب فرض الجماعۃ فی غیر الجمعہ علی الکفایۃ دار صادر بیروت ۳/ ۵۴

جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی، جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی وعلامہ انباری وغیر ہما علماء نے تصریح فرمائی نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دارالاسلام کے خواص و عوام میں صدہا سال سے شائع وذائع ہے اور ہزار ہا علماء واولیاء اس پر اتفاق واجماع فرمائیں جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو، صد حیف ہزار افسوس کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب معاذاللہ بدعتی وگمراہ وخطاکار ٹھہریں اور سچے پکے سنی بنیں تو یہ چند ہندی جنہیں اس ملک میں احکام اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کردی "اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ۱۵۶" [1] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

ف[1] یہ مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی، اس کے سوا دلائل متکاثرہ وحجج باہرہ وبراہین قاہرہ قرآن وحدیث واصول وقواعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل وتوضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل وتفضیح پر طرز بدیع ونہج نجیح حضرت حجۃ الاسلام بقیۃ السلف تاج العلماء راس الکملا سیدی ومولائی خدمت والد ماجد حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی نے رسالہ مستطابہ **اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام** میں بمالامزید علیہ بیان فرمائی، جسے تحقیق عدیل وتدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو، رہا یہ کہ قیام ذکر ولادت شریف کے وقت کیوں ہے، اس کی وجہ نہایت روشن، اوّلاً صدہا سال سے علماء کرام وبلاد دارالاسلام میں یونہی معمول، ثانیًا ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذات اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت وقت قدوم معظم بجالائی جاتی ہے اور ذکر ولادت شریف حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

لطیفہ نظیفہ: ہمارے ف[2] فرقہ اہلسنت وجماعت پر رحمت الٰہیہ کی تمامی سے ہے کہ اس مسئلہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

ف۱: تحقیق ذکر ولادت شریفہ

ف۲: ایک بڑے وہابی میاں نذر حسین دہلوی کا کلام اور اس سے ڈنکے کی چوٹ ثبوت قیام۔

میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست و پا زدن باقی نہیں وہ بزور زبان قیام کو بدعت و ناجائز کہے جاتے ہیں مگر ان کے امام تو مولٰی و مرشد و آقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سر و سردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں جن کی نسبت وہابیہ ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بیباک کشور تو ہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ ممانعت مجلس و قیام مسمّٰی بہ غایۃ الکلام میں لکھا:

زبدۃ المحققین وعمدۃ المحدثین و مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی از اولیائے عصر واکابر علمائے این زمان ست[1] الٰی آخرا لہذیان۔	محققین میں افضل اور محدثین کے معتمد مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی اس زمانے کے اولیاء واکابر علماء میں سے ہیں۔ خرافات کے آخر تک۔(ت)

یہ حضرت من حیث لایشعر جواز و استحباب قیام تسلیم فرما چکے، امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت و ذکر حضور اصطفا علیہ افضل التحیۃ والثناء سن کر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آئے اور اس سے ملا مجتہد دہلوی بھی انکار نہیں کرسکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے مستند علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی سبل الہدٰی والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی اب سنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوی میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے: تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے۔ امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الامام المجمع علی جلالتہ واجتہادہ[2]۔	وہ امام جن کی جلالت و اجتہاد پر اجماع ہے۔(ت)

یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام تو کیا ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مؤدی ہوا اور اجتہاد بیشک حجت شرعیہ ہے۔ اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم، اور سنئے اسی فتوی میں ہے جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہوسکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت

[1] غایۃ الکلام بشیر الدین القنوجی

[2] فتاوٰی حدیثیہ مطلب فیما جری من ابن تیمیہ الخ مطبع جمالیہ مصر ص ۸۵

نہیں ٹھہر سکتا، جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ تو مظہر حکم خدا ہے، نہ مثبت۔اب تو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قیام کو بدعت وضلالت کہے وہ خود خبیث بدعتی احبار و رہبان پرست ہے۔اور سنئے تمام لطائف جو ایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت وارد۔مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کر دیا کہ اسی فتوے میں ہے خدا نے مجتہدوں کو اس لئے بنایا ہے کہ جو واقعہ تازہ پیدا ہو اس کا حکم بیان کریں تو اس کا اماموں پر طعنہ بعینہٖ قرآن وحدیث پر طعن ہے اور ایسی جگہ حدیث من احدث الخ پڑھنا اول تو جھوٹ دوسرے کتاب بے محل الخ اس مقام کا زیادہ احقاق وکمال اور دلائل مانعین کا ازہاق وابطال فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے رسالہ الصارم الالٰھی علٰی عمائد المشرب الواھی پر محمول کہ رَدِ فتوائے مولوی نذیر حسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے وہاں ان شاء اللہ العزیز فیض الٰہی نئے طور سے بندہ اذل ارذل کے لئے کارفرمائے عنایت ہوگا جو کچھ لکھا جائے گا محض اقرار واعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہوگا، **واللہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ تو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ت)

مقام دوم: اس مقام کی شرح وتفصیل مفضی نہایت اطناب وتطویل کہ اگر اس کا ایک حصہ بیان میں آئے تو کتاب مستقل ہو جائے معہذا ہمارے علمائے عرب وعجم بحمد اللہ اس سے فارغ ہو چکے کوئی دقیقہ احقاق حق وابطال کا اٹھانہ رکھا علی الخصوص حضرت حامی سنن وماحی الفتن حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سیدی خدمت والدم روّح اللہ روحہ ونوّر ضریحہ نے کتاب مستطاب **اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد** میں وہ تحقیقات بدیعہ وتدقیقات منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لیے نہیں مگر غایت انجلاء بیان باطل کو نصیب نہیں مگر بے موت بے امان، **والحمد للہ رب العالمین**، لہٰذا فقیر یہاں چند اجمالی نکتوں پر بر سبیل اشارہ وایماء اکتفا کرتا ہے اگر اسی قدر چشم انصاف میں پسند آیا فبہا ورنہ ان شاء اللہ تعالٰی فقیر تفصیل وتکمیل کے لئے حاضر **ولاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم** (اور نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی، اور نہ ہی نیکی کرنے کی مگر بلندی، عظمت اور قدرت والے معبود کی توفیق سے۔ت)

نکتہ اف: اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت اور اس کی

ف: نکتہ ا: اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

برائی پر دلیل شرعی ناطق، صرف وہی ممنوع ومذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز ومباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز وحرام یامکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے اور جائز ومباح کہنے والوں کو ہر گز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ جامع ترمذی وسنن ابن ماجہ ومستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال مااحل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرّم اللہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مماعفاعنہ۔[1]	حلال وہ ہے جو خدانے اپنی کتاب میں حلال کیااور حرام وہ ہے جو خدانے اپنی کتاب میں حرام فرمادیااور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔[2]	اس حدیث سے ثابت ہواکہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

شیخ شرح میں فرماتے ہیں:

وایں دلیل ست برآنکہ اصل دراشیاء اباحت است۔[3]	یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔(ت)

نصر کتاب الحجۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اللہ عزوجل خلقکم وھو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم وانزل علیکم کتابا وحدلکم	بیشک اللہ عزوجل نے تمہیں پیدا کیااور وہ تمہاری ناتوانی جانتا تھا تو تم میں تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا، اور تم پر ایک کتاب اتاری اوراس

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۴۹، المستدرك للحاکم کتاب الاطعمہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الاطعمہ تحت حدیث ۴۲۲۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۷

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الاطعمہ الفصل الثانی تحت حدیث ۴۲۲۸ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۰۶

فیہ حدودا امرکم ان لاتعتدوھا وفرض فرائض امرکم ان تتبعوھا وحرم حرمات نھاکم ان تنتھوھا وترك اشیاء لم یدعھا نسیئًا فلاتکلفوھا و انما ترکھا رحمۃ لکم۔[1]	میں تمہارے لئے کچھ حدیں باندھیں اور تمہیں حکم دیا کہ ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمہیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمہیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑدیں کہ بھول کر نہ چھوڑیں ان میں تکلف نہ کرو اور اس نے تم پر رحمت ہی کے لئے انہیں چھوڑا ہے۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔[2]	یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افتراء کردو کہ حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتداء بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد اوالکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب والسّنّۃ او اجماع الامۃ۔[3]	یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

اور اس کے لئے بہت آیات وحدیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف وخلف کے کلام میں اس کی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی کے فتوائے مصدقہ مہری دستخطی میں ہے "اومدہوش بے عقل، خدااور رسول کا جائز نہ کہنااور بات ہے اور ناجائز کہنااور بات۔ یہ بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدااور رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے۔[4] "الخ اھ ملخصًا۔

---

[1] کتاب الحجۃ

[2] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[3] رسالہ الاقتداء بالمخالف

[4] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

پس مجلس میلاد و قیام وغیرہا بہت امور متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور بحکم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے، ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا اور سول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز کہا ہے اور ثبوت نہ دو ان شاء اللہ تعالٰی ہر گز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرع مطہر پر افتراء کیا،

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۞" [1]	بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

سبحان اللہ الٹا سند کا مطالبہ ہم سے۔

نکتہ ۲ ف: عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک علماء میں شائع و ذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہو گی ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکر الٰہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہو گی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یاد الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاج دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجھم سلفا وخلفا بالعمومات من غیر نکیر۔ [2]	متقدمین و متاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے (ت)

اسی میں ہے:

العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق۔ [3]	مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے (ت)

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] مسلم الثبوت الفصل الخامس مسئلۃ للعموم صیغ مطبع انصاری دہلی ص ۷۳

[3] مسلم الثبوت فصل المطلق مادل علی فرد منتشر مطبع انصاری دہلی ۱۱۹

ف: نکتہ ۲: مطلق حکم اس کی تمام خصوصیتوں میں جاری رہتا ہے۔

تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے:

العمل بہ ان یجری فی کل ماصدق علیہ المطلق۔[1]	اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے (ت)

یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے: "جب عام و مطلق چھوڑا تو یقینا اپنے عموم واطلاق پر رہے گا عموم واطلاق سے استدلال برابر زمانہ صحابہ کرام سے آج تک بلانکیر رائج ہے۔"[2] اب سنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت،

قال اللہ تعالٰی "اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ "[3]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا:) خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا۔

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء ف واولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، معہذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد مجالس ومحافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک وتعالٰی نے انہیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے جنہیں حق سبحانہ وتعالٰی نے ایسے درجے دیئے اس وقت یہ کلام کریمہ "وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ"[4] (اور کوئی وہ ہے جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔ت) کی قبیل سے ہوگا، چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ"[5] (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ت) وآیہ کریمہ "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی"[6] (وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ت) کے طور پر ہو جائے گا۔ حق سبحانہ وتعالٰی اپنے

1

2 فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

3 القرآن الکریم ۳۳/ ۴۱

4 القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

5 القرآن الکریم ۱۷/ ۱

6 القرآن الکریم ۹/ ۳۳

ف: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بعینہٖ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: "وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ" [1] (اور بلند کیا ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر۔) امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں اس آیہ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك ذکرنی۔ [2]	یعنی حق تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمہیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا تو جو تمہارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے پس بحکم اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی اور مجلس میلاد وصلوٰۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لئے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی ہاں جو کوئی ان طرق کو ممنوع کہے وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے، اسی طرح نعمت الٰہی کے بیان واظہار کا ہمیں مطلقًا حکم دیا گیا،

قال اللہ تعالٰی "وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" [3]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔

اور ولادت اقدس حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان واظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان واظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور چاہئے کہ جس قدر ہوسکے لوگ جمع کئے جائیں اور انہیں ذکر ولادت باسعادت سنایا جائے اسی کا نام مجلس میلاد ہے، علٰی ہذا القیاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقًا ثابت، قال اللہ تعالٰی:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ" [4]	اے نبی! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو۔

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۱/ ۱۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۸ و ۹

وقال تعالٰی "وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّہَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ﴿۳۲﴾" [1]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔
قال "وَ مَنۡ یُّعَظِّمۡ حُرُمٰتِ اللّٰہِ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ؕ"۔ [2]	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لئے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظّم میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیہا مشارکۃ اللہ تعالٰی فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللہ ابصارھم۔ [3]	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالٰی کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام ف۱ کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم واکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجا لاتے ہیں بیشک حسن و محمود ٹھہرے گا تاوقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانّٰی لھم ذٰلک (اور یہ ان کے لئے کہاں سے ہوگا۔ت)

تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین وتبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے۔ الحمدللہ رب العٰلمین۔

نکتہ ۳ ف۲: ہم پوچھتے ہیں تمہارے نزدیک کسی فعل کے لئے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[3] الجوہر المنظم مقدمہ فی آداب السفر الفصل الاول المکتبۃ القادریۃ فی الجامعۃ النظامیہ لاہور ص ۱۲

ف۱: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا نفیس طریقہ۔

ف۲: نکتہ ۳: منکروں کی عجیب ہٹ دھرمی۔

کہ قرآن وحدیث میں اس کا نام لے کر جائز کہا یا منع کیا ہو یا اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت میں داخل ہونا کفایت کرتا ہے۔ بر تقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس وقیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ بر تقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے خصوصیت کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکر وتحدیث وتعظیم وتوقیر کے تحت میں داخل ہیں جائز نہیں مانتے۔

نکتہ ۴ ف: حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرون وزمان کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن و حدیث میں بایں ہیئت کذائی کہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانے میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو ضلالت و گمراہی، حالانکہ شرعاً وعقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین وتقبیح پر قابو نہیں، نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانے میں ہو برا ہے، آخر بلوائے مصر وواقعہ کربلا وحادثہ حرہ وبدعات خوارج وشناعات روافض و خباثات نواصب وخرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ زمانہ صحابہ وتابعین میں حادث ہوئے مگر معاذاللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس وتصنیف کتب وتدوین علوم ورَد مبتدعین وتعلیم نحو وصرف وطریق اذکار وصور اشغال اولیائے سلاسل قدست اسرارہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوئے مگر عیاذاً باللہ اس وجہ سے بدعت نہیں قرار پاسکتے، اس کا مدار نفس فعل کے حسن وقبح پر ہے، جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت وہ بیشک حسن ہوگا چاہے کہیں واقع ہو اور جس کام کی برائی تصریحاً یا تلویحاً وارد وہ بیشک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو جمہور محققین ائمہ وعلمانے اس قاعدے کی تصریح فرمائی اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں۔ امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ "کسی چیز کا نو پیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو[1]"۔ اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا ومولانا حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور کہ "صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رَد کرے[2]" اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] اثبات القیام

[2] احیاء العلوم کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبع المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

ف: نکتہ ۴: منکرین کی حماقت کہ انہوں نے زمانہ کو حکم بنایا ہے۔

ایں ہمہ گرچہ بدعت ست واز صحابہ وتابعین نقل نہ کردہ اند لیکن نہ ہرچہ بدعت بودنہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد پس بدعت مذموم آں بود کہ بر مخالفت سنّت بود[1]۔	یہ سب امور اگرچہ نوپید ہیں اور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں ہیں مگر ایسا بھی نہیں، ہر نئی بات نا جائز ہو کیونکہ بہت ساری نئی باتیں اچھی ہیں، چنانچہ مذموم بدعت وہ ہوگی جو سنت رسول کے مخالف ہو۔ (ت)

امام بیہقی وغیرہ علماء حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

المحدثات من الامور ضربان احدھما احدث مما یخالف کتابًا اوسنّةً اواثرًا اواجماعًا فھٰذہ البدعة ضالة والثانی ما احدث من الخیر ولاخلاف فیہ لواحد من ھٰذہ وھی غیر مذمومة۔[2]	نوپیدا باتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ ہیں کہ قرآن یا احادیث یا آثار اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت وگمراہی ہے، دوسرے وہ اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

والبدعة ان کانت مماتندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنة وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحة الافھی من قسم المباح۔[3]	بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔ اب مجلس وقیام وغیرہما امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں نہ تھے لہذا ممنوع ہیں محض باطل ہوگیا، ہاں اس وقت ممنوع ہوسکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعًا کوئی برائی ہے ورنہ اگر

[1] کیمیائے سعادت رکن دوم اصل ہشتم باب دوم انتشارات گنجینہ ایران ص ۳۸۸_۸۹

[2] القول المفید للشوکانی باب ابطال التقلید ۱/ ۷۸

[3] فتح الباری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان مصطفی البابی مصر ۵/ ۵۷_۱۵۶

کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود، اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہو کر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعًا محمود ہوتا ہے **کما فی البحر الرائق وغیرہ** (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت) کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی وجہالت تھا **والحمدللہ** (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)

نکتہ ۵ ف: بڑی مستندان حضرات کی حدیث:

خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم [1]۔	سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا۔(ت) ہے۔

اس میں **بحمداللہ** ان کے مطلب کی بو بھی نہیں، حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر دوسرا پھر تیسرا، اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہو جائے گا، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق ماموربہ کے تحت میں داخل ہو شنیع ومذموم ٹھہرے گا، جو اس کے ثبوت کا دعوی رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔اے عزیز! یہ تو بالبداہۃ باطل کہ زمانہ صحابہ وتابعین میں شر مطلقًا نہ تھا نہ ان کے بعد خیر مطلقًا رہی، ہاں اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خداترس متقی پرہیزگار تھے بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے، پھر یہ کن میں، یہ انہیں لوگوں میں جو علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے، ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں منبع و مجمع خیر رہے ہیں مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے تھے اور جو جاہل تھے وہ علماء کے فرمانبردار، اس لئے شر و فساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامن علم سے وابستہ ہے اس کے بعد علم کم ہوتا گیا، جہل نے فروغ پایا، جاہلوں نے سرکشی وخودسری اختیار کی، لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا، اب یہیں نہ دیکھ لیجئے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس وقیام کو مستحب ومستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے، انہیں سرتابیوں نے اس زمانے کو زمانہ شر بنادیا۔تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں اس زمانہ مابعد کے جہّال کی طرف راجع

---

[1] جامع الترمذی ابواب الشہادات امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۴

ف: نکتہ ۵: حدیث خیرالقرون قرنی کا مطلب

ہیں ان سے کون استدلال کرتا ہے، نہ ہمارا عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہوجائے گی۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابر امت مستحب و مستحسن جانیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے۔ **والحمدﷲ ربّ العٰلمین** (اور سب تعریفیں اﷲ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

نکتہ ۶ **ف**: اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اخرج الحاکم وصححه عن انس رضی اﷲ تعالٰی عنه قال بعثنی بنو المصطلق الی رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم فقالوا سل لنا رسول اﷲ صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم الی من ندفع صدقاتنا بعدک، فقال الی ابی بکر قال فان حدث بابی بکر حدث فالی من، فقال الی عمر قالوا فان حدث بعمر حدث، فقال الی عثمان قالوا فان حدث بعثمٰن حدث فقال ان حدث بعثمان حدث فتبالکم الدھر تبا[1] اھ ملخصًا۔ و اخرج ابونعیم فی الحلیة والطبرانی عن سھل بن ابی حثمة رضی اﷲ تعالٰی عنه فی حدیث طویل قال صلی اﷲ تعالٰی علیه وسلم اذا اتی علی ابی بکر اجله وعمر اجله وعثمٰن اجله فان	امام حاکم نے تخریج و تصحیح فرمائی کہ حضرت انس رضی اﷲ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور دوعالم صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھوں حضور کے بعد ہم اپنے اموال کی زکوۃ کسے دیں، فرمایا ابوبکر کو، عرض کی اگر ابوبکر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عمر کو۔ عرض کی اگر عمر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عثمان کو۔ عرض کی اگر عثمان کو کوئی حادثہ منہ دکھائے فرمایا اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو، فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے ہمیشہ پھر خرابی ہے اھ ملخصًا۔ (ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حثمہ رضی اﷲ تعالٰی عنہ سے ایک طویل حدیث میں تخریج فرمائی۔ت) حضور اقدس صلی اﷲ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال کریں ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہوسکے کہ مرجائے

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة امر النبی صلی اﷲ علیه وسلم لابی بکر بامامة الناس فی الصلوٰة دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

ف: نکتہ ۶: حدیث خیر القرون کی دوسری طرح سے بحث۔

استطعت ان تموت فمت[1]۔ اخرج الطبرانی فی الکبیر عن عصمة بن مالك رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ویحك اذامات عمر فان استطعت ان تموت فمت[2]۔ حسنه الامام جلال الدین وفی الحدیث قصةٌ۔	تو مرجانا۔ (طبرانی نے کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج فرمائی، فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس جب عمر مرجائیں تو اگر مرسکے تو مرجانا۔ (امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس کو حسن قرار دیا، اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ت)

اب تمہارے طور پر چاہئے کہ زمانہ پاک حضرات خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بلکہ صرف زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہو اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا و مولٰینا امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ میں وہ معاذاللہ سب شر و قبیح ومذموم وبدعت ضلالت قرار پائے، خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مزہ یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون بھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب کے دادا اور دادا استاد اور پر دادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی انہیں احادیث اور ان کے امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ اور بتاگئے ہیں، دیکھئے ازالۃ الخفا میں کیا کچھ فرمایا ہے، حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:

بنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیحی ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست کہ قرن اول از زمانہ ہجرت آنحضرت ست صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تازمانہ وفات وی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تاوفات حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما وقرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی	اس استدلال کی بنیاد ایک صحیح توجیہ پر ہے جس پر اکثر احادیث شاہد ہیں وہ یہ ہے کہ قرن اول حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے آپ کی وفات کے زمانے تک ہے، اور قرن ثانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ابتدائے خلافت سے وفات فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ہے، اور قرن ثالث سیّدنا

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ سہل بن ابی حثمہ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۱۸۱

عنہ وہر قرنے قریب بہ دوازدہ سال بودہ است قرن در لغت قوم متقارنین فی السن بعد ازاں قومے راکہ در ریاست وخلافت مقترن باشد قرن گفتہ شد چوں خلیفہ دیگر باشند ووزرائے حضور دیگر وامرائے امصار دیگر ورؤسائے جیوش دیگر وسپاہان دیگر وحربیان دیگر وذمیان دیگر تفاوت قرون بہم می رسد[1]۔	حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ خلافت ہے اور ہر قرن تقریبًا بارہ سال کا ہے۔قرن لغت میں اس قوم کو کہتے ہیں جو عمر میں قریب قریب ہوں، پھر اس کا اطلاق اس قوم پر ہونے لگا جو ریاست وخلافت میں مقترن ہو۔جب خلیفہ دوسرا ہو، اس کے وزراء وامراء، سپہ سالار، فوج، حربی اور ذمی دوسرے ہوں تو قرن بدل جاتا ہے۔(ت)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قرن اول زمان آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بوداز ہجرت تاوفات وقرن ثانی زمان شیخین وقرن ثالث زمان ذی النورین بعدازاں اختلافہا پدید آمد وفتنہا ظاہر گردیدند[2]۔	قرن اول سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت سے وصال تک کا زمانہ ہے اور قرن ثانی شیخین یعنی صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کازمانہ ہے اور قرن ثالث سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ ہے اس کے بعد اختلافات نمودار ہوئے اور فتنے ظاہر ہوئے۔(ت)

بالجملہ اس قدر میں تو شک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقینا ساقط۔والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ ۷ ف:اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں تو بسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بسند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل امتی مثل المطر لایدری	میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ

[1] ازالۃ الخفاء فصل چہارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۷۵

[2] ازالۃ الخفاء فصل چہارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۱

ف: نکتہ ۷: حدیث قرن کا تیسرا جواب۔

اولہ خیر ام اٰخرہ۔[1]	نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ است از بودن ہمہ اُمت خیر چنانکہ مطر ہمہ خیر و نافع ست۔[2]	یہ تمام امت کے خیر ہونے کی طرف اشارہ جیسا کہ بارش تمام کی تمام خیر اور فائدہ مند ہوتی ہے۔(ت)

امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

لاتزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لایضرھم من خذلھم اوخالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون علی الناس۔[3]	میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا انہیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انہیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

گماں مبر کہ درزمان شرور ہمہ کس شریر بودہ اند وعنایت ہائے الٰہی در تہذیب نفوس بیکار افتاد بلکہ اینجا اسرار عجیب ست ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند درہر زمانہ طائفہ را مہبط انوار و برکات ساختہ اند۔[4]	یہ گمان مت کر کہ برے زمانے کے سب لوگ برے ہوتے ہیں اور عنایات الٰہی ان کی تہذیب نفوس میں بیکار ثابت ہوتی ہے بلکہ اس جگہ عجیب راز ہیں۔ شراب کے تمام عیوب تو تم نے بیان کردیئے کچھ اس کی خوبی بھی بیان کرو۔ عامی کا دل رکھنے کے لئے حکمت کا بالکل انکار نہ کرو۔ قدرت ہر زمانے میں بندگان خدا کے ایک گروہ کو انوار و برکات کا مرکز بناتی ہے۔(ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الامثال ۲/ ۱۱۰ و مسند احمد بن حنبل عن انس بیروت ۳/ ۱۴۳

[2] اشعۃ اللمعات کتاب المناقب والفضائل باب ثواب ھذہ الامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۷۵۳

[3] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳

[4] ازالۃ الخفاء فصل پنجم تنبیہات تتمہ مقصد بالا سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۴۵

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص، اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علماء وعرفائے مابعد میں بلحاظ اصول عموم واطلاق شائع ہوئے، **والحمدﷲ**۔

نکتہ ۸ ف: صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے محاورات ومکالمات دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانے میں ہونے پر مدار خیریت نہیں، دیکھئے بہت نئی باتیں کہ زمانہ پاک حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انہیں بُرا کہتے اور نہایت تشدد وانکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوئیں کہ ان کو بدعت ومحدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر وحسن بتاتے۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نعمت البدعۃ ھذہ۔[1]	کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نماز چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

انھا بدعۃ ونعمت البدعۃ وانھا لمن احسن ما احدث الناس[2]۔	بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

سیدنا ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

احدثتم قیام رمضان فدوموا علیہ ولاتترکوہ۔[3]	تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تواب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کئے جاؤ اور اسے کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو یہاں تو صحابہ نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا، اور انہیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع۔[4]	نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم فصل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۴۲۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۴۴۶ ۸/۲۱۸ والدرالمنثور تحت الآیۃ ۵۷/ ۲۷ ۸/ ۶۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب التثویب فی الاذان والاقامۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۷۵

ف: نکتہ ۸: حدیث قرن کا چوتھا جواب۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ بآواز پڑھتے سنا، فرمایا:

ای بنی محدث ایاك والحدث۔[1]	اے میرے بیٹے! یہ نوپیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔

یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انہیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہٖ زمانہ تابعین وتبع تابعین میں رائج رہا ہے۔ اپنے زمانہ کی بعض نوپیدا چیزوں کو منع کرتے بعض کو جائز رکھتے اور اس منع واجازت کے لئے آخر کوئی معیار تھا اور وہ نہ تھا مگر نفس فعل کی بھلائی برائی، تو باتفاق صحابہ وتابعین وتبع تابعین قاعدہ شرعیہ وہ قرار پایا کہ حسن حسن ہے اگرچہ نیا ہو اور قبیح قبیح ہے اگرچہ پرانا ہو، پھر ان کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے، ہماری شرع بحمداللہ ابدی ہے، جو قاعدے اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے، معاذاللہ زید وعمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

نکتہ ۹ ف: یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں زمانہ صحابہ میں پیش ہو کر رَد ہو چکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ وسیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قرار پاچکا کہ بات فی نفسہٖ اچھی ہونا چاہئے اگرچہ پیشوائے دین نے نہ کی ہو۔

صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ارسل الی ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر ابن الخطاب عندہ،	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملان قرآن شہید ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی ترك الجھر امین کمپنی دہلی ۱/ ۳۳

ف: نکتہ ۹: حدیث قرون کا پانچواں جواب اور اس کا رَد کہ پیشواؤں نے نہ کیا تم کیسے کرتے ہو اور زمانہ صدیق میں وہابیت پر صحابہ کبار کا اتفاق۔

قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قداستحر یوم الیمامۃ بقراء القراٰن وانی اخشی ان استحر القتل بالقرّاء بالمواطن فیذھب کثیر من القراٰن وانی ارٰی ان تامر بجمع القراٰن قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال عمر ھذا واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذٰلک ورأیت فی ذٰلک الذی رأی عمر قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القراٰن واجمعہ فواللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ماکان اثقل علیّ مما امرنی بہ من جمع القراٰن قال قلت لابی بکر کیف	توفرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میرے پاس آئے ہیں اورانہوں نے کہاہے کہ یمامہ میں بہت حفاظ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر حاملان قرآن تیزی سے شہید ہوتے گئے تو قرآن کاایک بڑا حصہ ختم ہوجائے گا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے اورایک جگہ لکھنے کاحکم دیں، صدیق اکبر نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تو یہ کام کیاہی نہیں تم کیونکر کروگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایااگرچہ حضوراقدس سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیامگرخداکی قسم کام توخیر ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں پھر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مجھ سے اس معاملہ میں بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خداتعالٰی نے میراسینہ اس امرکے لئے کھول دیا اور میری رائے عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رائے سے موافق ہو گئی۔ زید بن ثابت نے کہاابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایانوجوان مردعاقل ہو ہم تمہیں متہم بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ تم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھاکرتے تھے پس قرآن تلاش کرواوراس کو جمع کرو، اللہ کی قسم! اگرمجھے کسی پہاڑ کواٹھانے کی تکلیف دیتے توقرآن جمع کرنے سے جس کاانہوں نے مجھے حکم دیا تھازیادہ بھاری نہ ہوتا، میں نے کہاوہ کام تم کیسے کروگے جو

تفعلون شیئًا لم یفعله رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم قال هو واللّٰه خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح اللّٰه صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القراٰن واجمعه [1] الحدیث۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ اچھاکام ہے،ابوبکر صدیق میرے ساتھ بحث کرتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کا سینہ کھولا تھا پھر میں نے قرآن تلاش کرنا اور جمع کرنا شروع کیا۔الحدیث۔

دیکھو زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا توان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ یہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہوناتو پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے،بلکہ یہی جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کام نہ کیا پر وہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے۔اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔اب غضب کی بات ہے ان حضرات کو سودا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہوچکی پھر اکھیڑیں۔

نکتہ ۱۰ف: جو اعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت وتعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کچھ انہوں نے نہ کیا تم کرتے ہوئے،لطف یہ ہے کہ بعینہٖ وہی اعتراض اگر قابل تقسیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وارد مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین کسی نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے،ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین ہی کرتے تبع تابعین کیا اس سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جو انہوں نے نہ کیا یہ کریں گے اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہو اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کیوں نہ کرتے تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے علٰی ہذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں انہیں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۵

ف: نکتہ ۱۰: اس کا رد کہ تم کیا اگلوں سے محبت وغیرہ میں زیادہ ہو۔

بزہد وورع کوش وصدق وصفا ولیکن میفزائے بر مصطفٰی

(زہد، تقوی، سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مت بڑھ۔ت)

کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعال خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ غرض یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بناء پر عیاذًا اللہ عیاذًا باللہ تمام صحابہ وتابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں مگر اصل وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق، وہ نہ کریں تو تبع پر الزام نہیں، وہ نہ کریں تو ہم پر مضائقہ نہیں۔ بس اتنا ہونا چاہئے کہ شرع کے نزدیک وہ کام برا نہ ہو۔ عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین کا قطعًا نہ کرنا تو حجت نہ ہوا اور تبع کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کے اجازت ملی مگر تبع میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب پچھلوں کے لئے راستہ بند ہوگیا اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خاں شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کرلو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انہوں نے بے دھڑک فرمایا "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا سب بدعت وگمراہی ہے"۔ اب چاہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معاذاللہ گمراہ ٹھہرایا اور اعدائے دین کے پیرومرشد عبداللہ بن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا، انّا للہ وانّا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ت)

مجلس وقیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی اللہ تعالٰی اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

نکتہ ۱۱ف: امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[1]۔	کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

[1] المواہب اللدنیہ

ف: نکتہ ۱۱: نہ کرنا اور ہے اور منع کرنا اور۔

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثناء عشریہ میں فرماتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگرست ومنع فرمودن چیزے دیگر [1] اھ ملخصًا۔	نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے اھ ملخصًا۔ (ت)

تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

نکتہ ۱۲ف: سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجاست،

حقیقت الامر یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کو اعلاء کلمۃ اللہ وحفظ بیضاء اسلام ونشر دین متین وقتل قہر کافرین واصلاح بلاد وعباد واطفائے آتش فساد واشاعت فرائض وحدود الٰہیہ واصلاح ذات البین ومحافظت اصول ایمان وحفظ روایت حدیث وغیرہا امور کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امر جزئیہ مستحبہ تو کیا معنی بلکہ تاسیس قواعد واصول وتفریع جزئیات وفروع وتصنیف وتدوین علوم ونظم دلائل حق ورد شبہات اہل بدعت وغیرہا امور عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرماسکے۔ جب بفضل اللہ تعالٰی ان کے زور بازو نے دین الٰہی کی بنیاد مستحکم کردی اور مشارق ومغارب میں ملت حنفیّہ کی جڑ جم گئی۔ اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت وبخت سازگار پاکر بیخ وبن جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کرکے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب توبے خلش صرصر واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھو دیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں۔ علماء واولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں ہواخواہان دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر باریاں فرمائیں یہاں تک کہ یہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باغ ہرا ابھرا پھلا پھولا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتّوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا، الحمدللہ رب العالمین، اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے یہ کنچھیاں جواَب پھوٹیں جب کہاں تھیں، یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواَب جھومتی ہیں نوپیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جواَب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ، او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلٰثہ طعن ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

ف: نکتہ ۱۲ اصل بات اور اگلے لوگوں میں نہ ہونے کی وجہ۔

محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھِر گئے اور لاکھوں روپوں کا مال واسباب بھی تھا اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا، یہ واقعہ چند بے خرد بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہوگیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا برا جان کر چھوڑا تھا۔ اللہ تعالٰی کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین!

نکتہ ۱۳ف: ہم نے مانا کہ جو کچھ قرون ثلٰثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے چندہ لینا اور طلباء کے لئے مطبع نولکشور سے فیصدی دس روپیہ کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور بہ تخصیص روز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا، جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا، دعوتیں اڑانا، مناظروں کے لئے جلسے اور پنچ مقرر کرنا، مخالفین کی رَد میں کتابیں لکھوانا چھپوانا، واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا، صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ اکابر واصاغر طائفہ میں بلا نکیر رائج ہیں قرون ثلٰثہ میں کب تھی اور ان پیشوایان فرقہ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا ہے جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مہر ثبت کریں، مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتوی، جج کو جائیں تو کمشنر دہلی وبمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں، شاید یہ تین باتیں قرون ثلٰثہ میں تھیں یا تمہارے لئے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہی باتوں میں ہیں جنہیں تعظیم ومحبت حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال وشیر مادر، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی الاکبر۔

نکتہ ۱۴(ف): واجب الحفظ۔ افسوس! کیا الٹا زمانہ ہے اور امور تعظیم وادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمہ دین کا یہی داب رہا کہ ورود وعدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی بلکہ صریحًا

ف۱: نکتہ ۱۳ مسئلہ قرون کا چھٹا جواب وہابیہ کی ہٹ دھرمی۔

ف۲: نکتہ ۱۴ تعظیم محبوبان خدا میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر چاہو نئے طریقے نکالو سب حسن ہیں جب تک کسی خاص طریقے کی شرع میں ممانعت نہ ہو۔

قاعدہ کلیہ بنایا:

کل ماکان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔ کما صرح بہ الامام المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس سیدی کمال الملّۃ والدین محمد فی فتح القدیر[1] وتلمیذہ الشیخ رحمہ اللہ السندی فی المنسک المتوسط واقرہ الفاضل القاری فی المسلک المتقسط واثرہ فی العالمگیریۃ وغیرھا۔	جس بات کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب وتعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے (جیسا کہ امام، محقق علی الاطلاق، فقیہ النفس، میرے آقا، کمال الملۃ والدین محمد نے فتح القدیر میں تصریح فرمائی اوران کے شاگرد شیخ سندی علیہ الرحمۃ نے منسک المتوسط میں وضاحت فرمائی اور فاضل قاری علیہ الرحمۃ نے اس کو برقرار رکھا اور عالمگیریہ وغیرہ میں اس کو ترجیح دی ہے۔ت)

اورامام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہر طرح بہتر ہے جب تک کہ الوہیت اللہ میں شریک نہ ہو،اسی لئے سلفاء وخلفاء جس مسلمان نے کسی نئے طریقے سے حضوراقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاادب کیااس ایجاد کو علماء نے اس کے مدائح میں شمار کیانہ یہ کہ معاذاللہ بدعتی گمراہ ٹھہرایا یہ بلانہی مدعیان دین وادب میں پھیلی کہ ہربات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں فلاں نے کب کیں حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جوفلاں نے کیں نہ فلاں نے کیں مگریہ بھی طرفہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گھٹانے مٹانے کے لئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں ع

بعدازخدابزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر یہ کہ اللہ تعالٰی کے بعد سے زیادہ بزرگی والے آپ ہیں۔ت)

اور بلطائف الحیل جہاں تک بن پڑے اور محبت وتعظیم میں کلام کرتے جائیں آخران کا امام اکبر تفویۃ الایمان[2] میں تصریح کرچکاکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف ایسے کروجیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو یہ ایمان ہے یہ دین ہے اوردعوی ہے۔ **لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم۔**

خیر بات بڑھتی ہے مطلب پرآیئے۔ہاں تواگر میں ان امور کااستیعاب کروں جو دربارہ آداب وتعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا توایک دفترطویل ہوتا ہے،لہٰذا چونکہ مثالوں پراقتصار کررہاہوں:

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

مثال ۱: سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بآنکہ مثل سیدنا عبداللہ بن عمرو وعبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ اتباع سلف وصحابہ کرام کااحداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے۔اس پر ان کے ایمان ومحبت کاتقاضا ہواکہ ادب وحدیث خوانی میں وہ باتیں علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرااوران کی غایت ادب ومحبت پر دلیل قرار پایا۔امام علامہ قاضی عیاض رحمۃاللہ تعالٰی علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

قال مطرف کان اذا اتی الناس مالکا خرجت الیھم الجاریۃ فتقول لھم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث اوالمسائل فان قالوا المسائل خرج الیھم، وان قالوا الحدیث دخل مغتسلہ واغتسل وتطیب ولبس ثیابا جُددا ولبس ساجہ وتعمم وضع علٰی رأسہ ردائہ وتلقی لہ منصّۃ فیخرج ویجلس علیھا وعلیہ الخشوع لایزال یبخر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غیرہ ولم یکن یجلس علٰی تلک المنصّۃ الا اذا حدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن اویس فقیل الملک فی ذٰلک فقال احب وان اعظم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا احدث بہ الا علٰی طھارۃ متمکنا[1]۔	مطرف نے کہاجب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے ایک کنیز آکرپوچھتی شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہویافقہ ومسائل؟اگرانہوں نے جواب دیا فقہ ومسائل،جب توآپ تشریف لاتے اوراگرکہاکہ حدیث، توپہلے غسل فرماتے خوشبولگاتے نئے کپڑے پہنتے طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے چادرسرمبارک پررکھتے ان کے لئے ایک تخت مثل تخت عروس بچھایاجاتااس وقت باہرتشریف لاتے اوربنہایت خشوع اس پرجلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگربتی سلگاتے اوراس تخت پراسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی۔حضرت سے اس کاسبب پوچھا،فرمایا میں دوست رکھتاہوں کہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کروں اورمیں حدیث بیان نہیں کرتاجب تک وضوکرکے خوب سکون ووقار کے ساتھ نہ بیٹھوں۔

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الثانی الباب الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۸،۳۹

مثال ۲: اسی میں ہے:

کان مالك رضی اللہ تعالٰی عنه لایرکب بالمدینة دابة وکان یقول استحی من اللہ تعالٰی ان اطأتربة فیھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بحافر دابة[1]۔	امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالٰی سے کہ جس زمین میں حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔

مثال ۳: اسی میں ہے:

قد حکی ابوعبدالرحمٰن السلمی عن احمد بن فضلویة الزاهد وکان من الغزاة الرماة ان عقال ما مسست القوس بیدی الاعلٰی طهارة منذ بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اخذ القوس بیده۔[2]	امام ابوعبدالرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیرانداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی جب سے سنا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کمان دست اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴: امام ابن حاج مالکی کہ مستندین مانعین سے ہیں اور احداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں مدخل میں فرماتے ہیں:

وتقدمت حکایة بعضهم انه جاور بمکة اربعین سنة ولم یبل فی الحرم ولم یضطجع فمثل هذا تستحب له المجاورة اویؤمر بها۔[3]	بعض صالحین چالیس برس مکہ معظّمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم میں پیشاب نہ کیا اور نہ لیٹے۔ ابن الحاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب یا یوں کہئے کہ اسے مجاورت کا حکم دیا جائے گا۔

مثال ۵: اسی میں ہے:

[1] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعة الشرکة الصحافیہ ۲/ ۴۸

[2] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعة الشرکة الصحافیہ ۲/ ۴۸

[3] المدخل فصل فی ذکر بعض مایعتور الحاج فی حجه الخ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

وقد جاء بعضهم الٰی زیارته صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فلم یدخل المدینة بل زار من خارجها ادبا منه رحمه اللّٰه تعالٰی مع نبیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فقیل له الاتدخل؟ فقال امثلی یدخل بلاد سید الکونین صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم لااجد نفسی تقدر علٰی ذٰلك او کما قال[1]۔	یعنی بعض صالحین زیارت نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے بلکہ باہر سے زیارت کرلی، اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ، اس پر کسی نے کہا اندر نہیں چلتے، کہا کیا مجھ سا داخل ہو سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر میں، میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال ۶: اسی میں ہے:

قال لی سید ابومحمد رحمه اللّٰه تعالٰی لما ان دخل مسجد المدینة ماجلست فی المسجد الاالجلوس فی الصلٰوة وکلامًا هذا معناه ومازلت واقفا هناك حتی دخل الرکب۔[2]	یعنی مجھ سے میرے سردار ابومحمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا میں جب مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدہ نماز کے سوانہ بیٹھا اور برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلہ نے کوچ کیا۔

مثال ۷: اس کے متصل انہیں امام سے نقل کرتے ہیں:

ولم اخرج الٰی بقیع ولاغیرہ ولم ازر غیرہ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وکان قدخطر لی ان اخرج الٰی بقیع الغرقد فقلت الٰی این اذهب، هذا باب اللّٰه تعالٰی المفتوح للسائلین والطالبین والمنکسرین والمضطرین والفقراء والمساکین و	میں حضوری چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی، اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں پھر میں نے کہا کہاں جاؤں گا یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکستہ اور بے چاروں اور مسکینوں کے لئے اور وہاں

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۴

[2] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

لیس ثم من یقصد مثله فمن عمل علٰی هذا ظفر ونجح بالمأمول والمطلوب او کما قال[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علی وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے، فرماتے ہیں پس جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفراللہ تعالٰی لہ بھی اس فتوے کو انہیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔ اور اپنے رب کریم تبارک وتعالٰی کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتوٰی نہ صرف قیام ہی میں بیان کافی وبرہان شافی ہو بلکہ بحول اللہ تعالٰی اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل پر مشعل ہدایت ہو جائے، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقه وسراج افقه سیدنا ومولانا محمد وألہ وصحبه اجمعین، اٰمین، اٰمین، اٰمین!

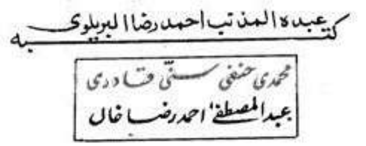

نقل عبارات ومواہیر فضلائے بدایوں وعلمائے رامپور وغیرہم

ذٰلك الجواب العجاب هو الصواب لاریب فیه ولا ارتیاب فللّٰه در المجیب المثاب حیث اتی بالتحقیق الحق فیما اجاب۔

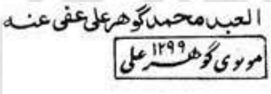

الحمدللّٰه ما اجاب به مولٰینا المحقق واستاذنا المدقق دام فضله ومدظله فهو الحق فلا فریه وخلاف باطل بلا مریه۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

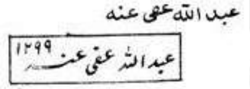

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۹

فللّٰہ در المجیب المثاب حیث افاد واطاب واجاد واباد اھل الجحود المستحقین للعقاب۔ ۱۲۹۹ محمد ارشاد حسین احمدی المجیب مصیب ویثاب والجواب صحیح وصواب۔ حررہ الفقیر الحقیر المظفر مطیع رسول اللہ القادر المدعو بمحمد عبدالمقتدر العثمانی القادری الحنفی غفر اللہ تعالٰی بجاہ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔ عبدالمقتدر	اصاب من اجاب حررہ الفقیر عبدالقادر انصاری محمد عبدالقادر محب رسول قادری الجواب صواب ۱۲۸۵ امداد حسین قد اصاب من اجاب حافظ بخش محمد ۱۳۰۲ صح الجواب بلاارتیاب ۱۲۹۸ عبدالرزاق بن عبدالصمد

نعم الجواب وجد التحقیق للتصدیق والصواب ولعمری النہار لعروۃ وثقی لطالب الرشد وتستغنی بہا عما سوی کیف لاومن لہ ادنی بصیرۃ وروی فانہ یریہا احدی من تفاریق العصار یہتدی بہا الی صراط مستقیم و طریق السوی ومن جعل اللہ لہ نور عین بصیرۃ یکحل الانصاف والتقی فانہ لاحمد رضا الفاضل المجیب الذی بذل جہدہ للحق وسعی وجمع الادلۃ واوفی واتی بتحقیق مرضٰی واستقصٰی حتی صار بمقابلۃ اھل الضلال ومصداقا للقول الدائر المثل السائر لکل فرعون موسٰی وکذٰلک یحق اللہ الحق ویقذفہ علی الباطل فیہ معہ فاذا ھو زاھق واھوٰی ومن کان فی ھذہ الوریقۃ اعمٰی فھو

فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلا وربکم اعلم۔ العبد محمد سلامت اللہ

العبد محمد سلامت اللہ

۱۲۹۶
محمد سلامت اللہ ابوالذکا سراج الدین

صح الجواب واصاب من اجاب
کتبہ عبدہ الاواہ محمد شاہ عفی عنہ

۱۳۰۴
محمد شاہ

الجواب صحیح والمجیب نجیح
کتبہ محمد سلطان احمد عفی عنہ

سلطان احمد

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبیّ تہامۃ

ختم ہوا۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مسئلہ ۲۶۶: از باکپور مرغی محال مسجد حافظ محمد جعفر صاحب مرسلہ پیش امام صاحب ۱۰/ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام مولود شریف فرض ہے یاواجب ہے یاسنت؟ عمرو کہتاہے کہ قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہوناچاہئے اور زید کہتاہے کہ ہاتھ چھوڑ کر ہوناچاہئے توبتلائیے کہ کس کی بات سچ ہے؟

الجواب:

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بہتر ہے جیساحاضری روضہ انور کے وقت حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

یقف کمایقف فی الصّلٰوۃ۔[1]	ایسے کھڑاہو جیسے نماز میں کھڑاہوتاہے(ت)

اسی طرح لباب وشرح لباب واختیار شرح مختار وغیرہا کتب معتبرہ میں ہے۔ قیام مجلس مبارک مستحب ہے اور مجلس کھڑی ہو توسنت، اور ترک میں فتنہ، یاالزام وہابیت ہوتوواجب **کمافی ردالمحتار فی قیام الناس بعضھم لبعض**[2] (جیساکہ رد المحتار میں بعض لوگوں کے بعض کی خاطر کھڑے ہونے کے بارے میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۶۷: از حسیب والہ ضلع بجنور تحصیل دہانپور مرسلہ منظور ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو میلاد مروّج ہے مع زیب وزینت واہتمام، اس کے متعلق شرع شریف میں کیاحکم ہے؟

الجواب:

مسلمانوں کو جمع کرکے ولادت اقدس وفضائل علیہ حضور سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سنانا، ولادت اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یاشیرینی تقسیم کرنی بلاشبہہ جائز ومستحب ہے، اور جائز زینت فی نفسہ جائز، اور بہ نیت فرحت ولادت شریفہ وتعظیم ذکرانور قطعًا مستحب۔ اللہ عزوجل فرماتاہے:

"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾ "[3]	(اوراپنے رب کی نعمت کاخوب چرچا کرو۔ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسك مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فی البیع وآخر فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶، ۲۴۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

اور فرماتا ہے: "وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ"[1] (اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ت) اور فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا "[2]۔	تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت، اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ"۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔	تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۵

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۲

تصوّف وطریقت وآداب بیعت وپیری ومریدی

مسئلہ ۲۶۸: (سوال مفقود ہے)

الجواب:

"نہ وہ باتیں" خیال میں ہیں نہ یہی یاد کہ میں نے کیا بتائے تھے مگر اس وقت جو نظر کی اب بھی بہ نگاہ اوّلیں تین ہی مطلب ذہن میں آئے۔ عجب نہیں کہ یہ وہی مطالب ہوں جو اس وقت فکر میں آئے تھے یا غیر ہوں۔

شاعر "ارباب تمکین" سے نہیں جو ایک حال پر مستقیم و مستقر رہے بلکہ "اصحاب تلوین" میں سے ہے جن پر واردات مختلفہ مقتضٰی قضایائے مختلفہ وارد ہوتے ہیں وہ اپنے ان احوال گوناگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

" میخواہم " (میں خواہش کرتا ہوں۔ت) تو ظاہر ہے کہ عشق میں "اہل بدایت" کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی خواہش یہی کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔

اور " نمی خواہم " (میں خواہش نہیں کرتا۔ت) تین مقامات مختلفہ سے ناشیئ ہے جن میں ایک دوسرے سے اعلٰی ہیں۔

مقامِ اوّل: ادنٰی مقام "جوشش عشق ورشک ہے" یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلش رقیب جلوہ گر ہو مگر "حبیب ورقیب" شدت مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویت رقیب نہ ہوگی۔ اور رویت رقیب ہرگز منظور نہیں، اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے، رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا۔ اور دیدار حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقامِ دوم: اوسط "مقام فنائے ارادہ درارادہ محبوب" یعنی خواہش دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے وہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔ جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا مقام وارد ہوتا ہے میں اپنی اس خواہش دلی سے درگزر کرتا ہوں۔

میل من سوئے وصال وقصد او سوئے فراق ترک کام خود گرفتم تابر آید کام دوست

(میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا مقصد ترک کر دیا تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے۔ت)

؎ فراق ووصل چہ خواہی رضائے دوست طلب کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

فراق ووصل کیا چاہتا ہے دوست کی رضامندی طلب کر کیونکہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا افسوسناک ہوگا۔ت)

مقام سوم: "اعلیٰ مقام فناء فی المحبوب" کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے غیر واضافات ونسبت وتعلقات کہاں سے آئیں۔ رقیب کا غیر ہونا ظاہر، اور رویت حبیب کا تصور بھی تصور غیر ہے کہ رؤیت تین چیزوں کو چاہتی ہے: رائی، مرئی، اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصور نفس ممکن نہیں کہ حبیب وہ جس سے محبت ہو۔ اور محبت کو ہر دو حاشیہ محب ومحبوب واضافت بینہما سے چارہ نہیں۔ جب میں ہمہ تن فناء فی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب ورویت وعدم رویت کو کون سمجھے، اور ارادہ وخواست کدھر سے آئے۔ لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

اللھم ارزقنا ھذا المقام فی رضاك وصل وسلم وبارك علی مصطفاک	اے اللہ! ہمیں اپنی رضا میں یہ مقام عطا فرما۔ اور اپنے منتخب محبوب، اس کی آل، اصحاب

وآلہ واولیائہ وکل من والاک۔ اٰمین واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔	اور اپنے ہر محب پر درودوسلام وبرکت نازل فرما، آمین۔ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم واحکم ہے۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۹: از ترٰیا ضلع بریلی مسئولہ امداد حسین صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدار صاحب کا سلسلہ بیعت کرنے کا ہے یا نہیں؟ تھا یا توڑ دیا، کیاان کے خاندان میں بیعت ہونا روا ہے یا نہیں؟ کل وجہ تسمیہ اس سلسلہ کی تحریر فرمایئے۔ **بیّنوا توجروا** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب: حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ الشریف اکابر اولیائے عظام سے ہیں، مگر ولی ہونے کو یہ ضرور نہیں کہ اس سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہو۔ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں صرف چند صاحبوں سے سلسلہ بیعت ہے، باقی کسی صحابی سے نہیں۔ پھر ان کی ولایت کو کس کی ولایت پہنچ سکتی ہے۔ اس خاندان کا جو سلسلہ اکابر میں چلاآیا ہے وہ محض تبرک کے لئے ہے۔ جیسے حدیث شریف کا سلسلہ، باقی افاضہ کا اجراء اس سے نہ ہوا، جیساکہ حضرت سید نامیر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی نے سبع سنابل شریف میں فرمایا: تو جسے بیعت صحیحہ سلاسل نافذہ منفقہ میں ہو وہ اپنے مشائخ سے تبرگا اس سلسلہ کی بھی سند لے تو حرج نہیں، اور اسی پر اکتفاء، اور خصوصًا اہل فسق جو اکثر اس سلسلہ کا غلط نام بدنام کرنے والے ہیں ان سے رجوع، یہ باطل اور ممنوع ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۷۰، ۲۷۱: محمد جعفر خاں الملقب بہ عارف ابوالحسینی قادری محلّہ چودھری بدایوں ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین وطریقت کیاارشاد فرماتے ہیں کہ مثلًا زید نے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور چندروز کے بعد پیر نے خلافت بھی مرحمت فرمائی، پھر بعد چندروز کے جامہ طریقت بھی پہنایا یعنی فقیر بنایا، مگر اس کے بزرگ خاندان مداریہ سے بیعت کرتے چلے آئے ہیں اور نیز زید کا باپ سرگروہ بھی تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زید کو خاندان مداریہ کا طالب ہونا ضروری ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کو اپنے بزرگوں کے خاندان کے طالب ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں؟

دوم طالب اور مرید میں کیافرق ہے:

الجواب:

اول، ان سے طالب ہونا ہرگز کچھ ضرور نہیں، بلکہ جب افضل السلاسل سلسلہ علیہ، عالیہ،

صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ میں شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر فخر بیعت نصیب ہوچکا ہے تو اسے دوسری طرف اصلاً توجہ وپریشان نظر ہی نہ چاہئے۔

دوم: مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبت شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے۔ اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیض شیخ ہی جانے، ورنہ دودر کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾ "[2]۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی ایک مثال بیان فرماتا ہے، ایک غلام میں کئی بدخو آقا شریک ہوں اور ایک نرے ایک مولٰی کا۔ کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب خوبیاں اللہ کو ہیں بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۲: از کیمپ صدر بازار بریلی مسئولہ امام علی شاہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم بندہ مولوی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب و تسلیمات کے عرض رسا ہوں، گزارش یہ ہے کہ ایک جگہ ایسا جھگڑا آپڑا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خاندان غوثیہ والے ایک صاحب یعنی خاندان محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحب نے مداریہ خاندان والوں سے کہا کہ ہمارا خاندان بڑا ہے، تم لوگ ہمارے یہاں بیعت ہو۔ انہوں نے کہا یعنی مداریہ والوں نے جواب دیا کہ ہمارا خاندان تمہارے خاندان سے اچھا نہیں ہے، اور اچھا بھی ہے تو خدا کے یہاں خاندان نہ پوچھا جائے گا بلکہ عمل پوچھا جائے گا۔ خاندان غوثیہ والوں نے ثبوت پیش کیا کہ حضرت غوث پاک کے بارے میں جناب رسول مقبول صلی اللہ

1

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم کل اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔مداریوں نے دریافت کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گردن پر بھی اور حضرات حسنین علیہما السلام خواجہ حسن کی گردن پر بھی رحمۃ اللہ علیہ وحضرت خواجہ حبیب عجمی اور مدار صاحب کی گردن پر تھا یا نہیں؟ خاندان غوثیہ والوں نے جواب دیا کہ مدار صاحب کی گردن پر قدم تھا۔ اور جو صاحبان پہلے گزر چکے ہیں ان پر نہیں خاندان مداریہ والوں نے جواب دیا: ہمارا خانوادہ طیفوریہ دوئم اور تمہارا خانوادہ طوسیہ ہفتم ہے، ہمارے خاندان سے تمہارا خاندان بعد میں ہوا۔اور مداریہ کہتے ہیں کہ مدار کا رتبہ غوث سے اعلٰی ہے۔جناب کو تکلیف دے کر عرض ہے کہ مدار کے کیا معنی ہیں؟ اور جو درجہ مداریہ ہے اس کی کیا تشریح ہے؟ اور ان دونوں خاندان والے صاحبان میں کون حق پر ہیں اور کون سے نہیں؟ سو آپ کے اور کوئی عالم صاحب اس مرحلہ کو طے نہیں کرسکتے بلکہ یہاں تک نوبت ہوگئی ہر دو جانب سے آمادہ فساد پر ہوجائیں تو عجب نہیں۔ماشاء اللہ آپ عالم باعمل ہیں اور جملہ خاندان عالیہ سے سند یافتہ ہیں۔اہل علم میں فساد ہونا موجب سبکی کا ہے۔اور دونوں خاندان والے جناب کے قول کو صادق ہونے پر مضبوط ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مولوی صاحب فرمائیں گے وہ ہم دونوں صاحبان کو منظور ہے۔اللہ پاک جناب کو ہم سیہ کاروں پر ہمیشہ ہمیشہ سلامت اور قائم رکھے۔حضور کے ہونے سے جملہ صاحبان اہل آلام کو ہر طرح کی تقویت حاصل ہے۔زیادہ حد ادب!

الجواب:

عوام کو ایسے امور میں بحث کرنا سخت مضرت کا باعث ہوتا ہے۔مبادا کسی طرف گستاخی ہوجائے تو عیاذًا باللہ سخت تباہی و بربادی، بلکہ اس کی شامت سے زوال ایمان کا اندیشہ ہے، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس اللہ سرہ العزیز ضرور اکابر اولیاء سے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مرتبہ بہت اعلٰی و افضل ہے۔غوث اپنے دَور میں تمام اولیائے عالم کا سردار ہوتا ہے۔اور ہمارے حضور امام حسن عسکری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد سے سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تشریف آوری تک تمام عالم کے غوث اور سب غوثوں کے غوث اور سب اولیاء اللہ کے سردار ہیں اور ان سب کی گردن پر ان کا قدم پاک ہے۔امام ابوالحسن علی بن یوسف بن حمریر لخمی بن شطنوفی قدس سرہ العزیز نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں بسند مسلسل دو اکابر اولیاء اللہ معاصرین حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت سیدی احمد ابن ابی بکر حریمی و حضرت ابو عمرو عثمان ابن صریفینی قدس اللہ اسرارہما سے دو حدیثیں روایت فرمائیں۔

پہلی کی سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی صالح ابن احمد بن علی البغدادی المالکی سنۃ احدی وسبعین وستمائۃ قال اخبرنا الشیخ ابوالحسن البغدادی المعروف بالخفاف قال اخبرنا شیخنا الشیخ ابو السعود احمد بن ابی بکر ن الحریمی بہ سنۃ ثمانین وخمسمائۃ۔[1] اور دوسری سند یہ ہے: اخبرنا ابو المعالی قال اخبرنا شیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف الصریفینی[2]۔ اور ان دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے کہ دونوں حضرات کرام نے فرمایا:

واللہ ماأظہر اللہ تعالٰی ولایظہر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔[3]	یعنی خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مانند نہ کوئی ولی عالم میں ظاہر کیا نہ ظاہر کرے۔

نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں حضرت سیدی ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کو فرماتے سنا:

ماأوصل اللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاہ ولاسقی اللہ حبیبا کاسا من حبہ الاوکان الشیخ عبدالقادر اھناہ، ولاوھب اللہ لمقرب حالا الا وکان الشیخ عبدالقادر اجلہ، وقد اودعہ اللہ تعالٰی سرّا من اسرارہ سبق بہ جمہور الاولیاء وما اتخذ اللہ ولیا کان اویکون الا وھو متادب	یعنی اللہ تعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبدالقادر کا مقام اس سے اعلٰی ہے، اور جس پیارے کو اپنی محبت کا جام پلایا شیخ عبدالقادر کے لئے اس سے بڑھ کر خوشگوار جام ہے اور جس مقرب کو کوئی حال عطا فرمایا شیخ عبدالقادر کا حال اس سے اعظم ہے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے اسرار سے وہ راز ان میں رکھا ہے جس کے سبب ان کو جمہور اولیاء پر سبقت ہے۔ اور اللہ تعالٰی کے جتنے ولی ہوگئے یا ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[2] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵
[3] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلام بشیئ من عجائب احوالہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۵

معہ الٰی یوم القیٰمۃ۔[1]	ادب کریں گے۔

یہ شہادتیں ہیں حضرت خضر اور حضرات اولیاء کرام کی، علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا

جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

واللہ تعالٰی اعلم علمہ احکم۔

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور محلّہ پرانی سبزی منڈی کی مسجد متصل چوک مرسلہ عبدالرشید ۸ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی درویش کہتا ہے کہ پیر کی شکل پر متشکل ہو کر خداوند تعالٰی مرید سے ملاقات کرتا ہے اور دلیل کتاب "انتباہ" شاہ ولی اللہ صاحب کی لاتا ہے۔ مضمون کتاب ہذا یہ ہے کہ:

حضرت سلطان الموحدین وبرہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضیخاں صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنین می فرمودن کہ صورت مرشد کہ ظاہرًا دیدہ می شود مشاہدہ حق سبحانہ وتعالٰی است بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ خلق اٰدم علٰی صورۃ الرحمٰن ومن راٰنی فقد راٰی الحق۔ گر تجلی ذات خواہی صورت انساں بیبں ذات حق را آشکارا اندر و خنداں بیبں[3] اکثر علماء دریں عبارت مذبورا مخالف ھستند، بادلیل معتبرہ عندالشرع شریفہ ہرچہ حق باشد۔بیّنوا توجروا۔	حضرات گرامی مرتبت، موحدوں کے بادشاہ، عاشقوں کی برہان، متکلمین کی حجت، شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضی خاں، صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت جو ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے وہ حق سبحانہ وتعالٰی کا مشاہدہ ہے۔ آب وگل کے پردہ کے بغیر، کیونکہ اللہ تعالٰی نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے حق کو دیکھا۔ "اگر تو تجلی ذات کا خواستگار ہے تو انسان کی صورت دیکھ۔ ذات حق کو اس میں واضح طور پر ہنستا ہوا دیکھ"۔ اکثر علمائے کرام عبارت مذکورہ کے مخالف ہیں، جو کچھ حق ہے معتبر دلیل شرعی کے ساتھ بیان فرمائیں، اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

[1] بھجۃ الاسرار ذکر ابو محمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم درحسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مطبوعہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۶

[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۹۲ و ۹۳

الجواب:

قول مذکور گستاخی اور دریدہ دہنی ہے، اور عبارت انتباہ سے اس پر استدلال غلط فہمی، عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لم یقضہ عـــہ و قضیضہ، مظاہر ومجالی حضرت خالق عزوجل جلالہ ہے۔

فی الاٰفاق وانفسکم افلاتبصرونo مارأیت شیئا الاورأیت اللہ فیہ۔[1]	آفاق میں اور خود تم میں نشانیاں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں، میں کسی شیئ کو نہیں دیکھتا مگر اس کے ساتھ میں اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (ت)

مظہر اول واعظم واجل واتم واکمل کہ مظہر ذات ہے ذات اقدس حضور انور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات ہے، باقی تمام عالم حسب استعداد اس پر تو اصلی کا پر تو در پر تو بواسطہ ووسائط ہے۔ شیخ جس میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور بصفت ہدایت وارشاد وتربیت متجلی ہے اور عالم ملکوت عالم ملک سے ازکی واصطفٰی واجلی وابہٰی واحلٰی ہے، تو اس سے مشاہدہ ایک زیادہ صاف ومجلی آئینہ سے مشاہدہ ہے ورنہ متجلی شکل وتشکل سے منزہ ومتعالٰی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۴: از مقام موضع سرنیاں ضلع بریلی بتاریخ ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے پیرومرشد کا کیا حق ہے مرید کے روپیہ واسباب میں کتنا مرشد کو دے اور کتنا مرید اپنے خرچ میں لائے۔ وہ بات تحریر فرمائی جائے جس سبب سے پیر کے حق سے چھوٹے، تاکہ قیامت میں مواخذہ نہ ہو، اور اگر پیرومرشد کی عدولی کرے، اور جیسا کہ مرید کو حکم ہوا اس پر عمل نہ کرے، ایسے مرید کے لئے کیا حکم ہے اور قیامت میں مواخذہ ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

پیر واجبی پیر ہو، چاروں شرائط کا جامع ہو، وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اس کے حقوق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حقوق کے پر تو ہیں جس سے پورے طور پر

عـــہ: کل کا کل (المنجد) عبدالمنان اعظمی۔

[1] الحدیقۃ الندیۃ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۱۳

عہدہ برا ہونا محال ہے، مگر اتنا فرض ولازم ہے کہ اپنی حد قدرت تک ان کے ادا کرنے میں عمر بھر ساعی رہے۔ پیر کی جو تقصیر رہے گی اللہ ورسول معاف فرماتے ہیں پیر صادق کہ ان کا نائب ہے یہ بھی معاف کرے گا کہ یہ تو ان کی رحمت کے ساتھ ہے۔ ائمہ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ مرشد کے حق باپ کے حق سے زائد ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ باپ مٹی کے جسم کا باپ ہے اور پیر روح کا باپ ہے، اور فرمایا ہے کہ کوئی کام اس کے خلاف مرضی کرنا مرید کو جائز نہیں۔ اس کے سامنے ہنسنا منع ہے، اس کی غیبت میں اس کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنا منع ہے، اس کی اولاد کی تعظیم فرض ہے اگرچہ بے جا حال پر ہوں، اس کے کپڑوں کی تعظیم فرض ہے، اس کے بچھونے کی تعظیم فرض ہے، اس کی چوکھٹ کی تعظیم فرض ہے، اس سے اپنا کوئی حال چھپانے کی اجازت نہیں، زا اپنے جان ومال کو اسی کا سمجھے۔

پیر کو نہ چاہئے کہ بلاضرورت شرعی مریدوں کو مالی تکلیف دے، انہیں جائز نہیں کہ اگر اسے حاجت میں دیکھیں تو اس سے اپنا مال دریغ رکھیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی ملک اور بندہ بے دام سمجھے، اس کے احکام کو جہاں تک بلاتاویل صریح خلاف حکم خدا نہ ہوں حکم خدا اور سول جانے۔ وباللّٰہ التوفیق، واللّٰہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع نیشٹھ ضلع امر تسر ڈاک خانہ خاص متصل اسٹیشن اٹاری

مسئولہ سید رشید الدین صاحب عرف سید محمد عبدالرشید بریلوی ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ صاحب ارشاد مرفوع الاجازت شیخ کا اپنی زوجہ کو بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کہے کہ اپنی منکوحہ کو بیعت کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام بتاتا ہے، کیونکہ زوجہ بیٹی بن جاتی ہے اور نکاح نہیں رہتا بلکہ فسخ ہو جاتا ہے اور نیز یہ دلیل بھی بیان کرتا ہے کہ یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ کسی نے خلفائے راشدین میں سے ایسا کیا اور نہ کسی سلف صالحین میں سے اپنی زوجہ کو بیعت کیا ہے۔ پس یہ قول اس شخص کا صحیح ہے یا غلط ومردود؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب اللہ سے بیان کرو۔ حساب والے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب:

زوجہ کو مرید کرنا جائز ہے، تمام امت انبیائے کرام علیہم الصلوٰہ والسلام کی مرید ہی ہوتی ہے پھر وہ انہیں میں سے تزوّج فرماتے ہیں۔ مرید حقیقۃً اولاد نہیں ہوتا، وہ ایک دینی علاقہ ہے جو صرف پیر بلکہ استاذ علم دین کو بھی شاگرد پر حاصل ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انا لکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہارے لئے والد کی طرح ہوں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ (ت)

اور زوجہ کو مسائل دینی تعلیم کرنے کا زوج کو حکم ہے۔

قال تعالٰی "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا"[2]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اپنی ذاتوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

مسئلہ ۲۷۶: مسئولہ محمد تقی صاحب از راندیر ضلع خاندیس شرقی بر مکان قاضی صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

کرامت اور فیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:

کرامت خرق عادت ہے کہ ولی سے صادر ہو، اور فیض وبرکات اور نورانیت کا دوسرے پر القا فرمانا ہے۔ یہ القاء اگر برخلاف عادت ہو تو فیض بھی ہے اور کرامت بھی۔ جیسے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نصرانی کے گھر تشریف لے جاکر اسے سوتے سے جگا کر کلمہ پڑھنے کا حکم دیا اس نے فوراً پڑھ لیا۔ فرمایا: فلاں جگہ کا قطب مرگیا ہے ہم نے تجھے قطب کیا۔ نیز ایک بار ایک نصرانی کو کلمہ پڑھا کر اسی وقت ابدال میں سے کردیا۔ اور اگر موافق عادت تربیت وریاضات ومجاہدات سے ہو تو فیض ہے، کرامت نہیں۔ اور اگر خلاف عادت غیر القائے مذکور ہو جیسے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہا مردے کو زندہ، زندہ کو مردہ فرمادیا۔ تو کرامت ہے فیض نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلہ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۲۷۷: از کوہ شملہ لکڑ بازار کوٹھی دورلی مرسلہ عبدالرحیم خاں ۱۸/ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

مخدوم ومکرم اعلٰی حضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب زاد مجدہ، سلام مسنون نیاز مندانہ کے بعد عرض خدمت ہے زید کہتاہے بیعت غائبانہ کوئی شیئ نہیں، اور زید جناب والا کا معتقد ہے۔ لہٰذا بیعت غائبانہ جس حدیث شریف سے ثابت ہو جناب والا تحریر فرماکر اور مہر سے مزیّن فرماکر مشکور فرمائیں تاکہ زید کی تسلی کردی جائے۔ اور وہ اگر حاضری سے معذور ہے تو آنخضرت سے غائبانہ بیعت کاشرف حاصل کرے۔ اس کاجواب اس پتہ پر روانہ فرمائیے۔ کوہ شملہ بمعرفت امام جامع مسجد عبدالرحیم کو ملے۔

الجواب:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ"[1]۔	وہ جو تم سے بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اور فرماتا ہے:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ"[2]	بے شک اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ تم سے بیعت کرتے ہیں درخت کے نیچے۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب یہ بیعت ہوئی ہے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ غائب تھے، بیعت حدیبیہ میں ہوئی اور وہ مکہ معظّمہ گئے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر اسے اپنے دوسرے دست مبارک پر مار کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے، لفظ حدیث یہ ہیں: **واما تغیبه عن بیعت الرضوان فانه لوکان احد اعز ببطن مکة من عثمان بن عفّان لبعثه مکانه فبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان وکانت بیعت الرضوان بعد ماذهب عثمان الی مکة فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیده الیمنی هذه ید عثمان فضرب بها علٰی یده وقال هٰذه**

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

لعثمان۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۸، ۲۷۹: از موضع پچھی پور ڈاکخانہ سگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مسئولہ احمد حسین محرر روز دوشنبہ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ

جناب فیض مآب، فیض بخش، فیاض زماں، مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب دام افضالہ، بعد سلام علیک دست بستہ کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ:

(۱) جیسا اور خاندانوں میں سلسلہ پیری مریدی جاری ہے اسی طرح سے جناب حضرت "شاہ مدار" صاحب کا ہے یا نہیں؟

(۲) خدام زیارت مکنپوری اپنے تین خاندان خلفاء وجدی "شاہ مدار" صاحب سے بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فی زمانہ چارہی خاندان کی بیعت سنی اور خاندان کی نہیں سنی، اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید حضرت شاہ مدار صاحب مرید حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم سے زیادہ ہیں، یہ امر تصدیق طلب ہے، لہٰذا تصدیعہ وہ کہ براہ غرباء پروری اور بندہ نوازی حکم سے اطلاع بخشی جائے۔

الجواب:

حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرضوان سید الاولیاء ہیں، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ السریر کو ان سے افضل کہنا جہل وطغیان وافتراء وبہتان ہے۔ بیعت کے لئے لازم ہے کہ پیر چار شرطوں کا جامع ہو:

(۱) سنی صحیح العقیدہ

(۲) صاحب سلسلہ

(۳) غیر فاسق معلن

(۴) اتنا علم دین رکھنے والا کہ اپنی ضروریات کا حکم کتاب سے نکال سکے۔

جہاں ان شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہے بیعت جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از بنارس چھاؤنی محلّہ ڈیٹوری تھانہ سکرور مسئولہ عبدالوہاب سہ شنبہ ۲۰/صفر ۱۳۳۲ھ

کسی کو جبراً مرید کرنا اور نابالغوں کو بغیر ان کے والدین کی اجازت کے دست بیع کرنا جائز

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالٰی ان الذین تولوا منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲

ہے کہ نہیں؟ فقط

الجواب:

مرید اور جبر دونوں متبائن ہیں جمع نہیں ہوسکتے۔ مریدی اپنے دل کی ارادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنہیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرت مریدین سے اپنی شہرت۔ نابالغ اگر ناسمجھ ہے تو بے اجازت ولی اسے مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں تعلیق ارادت ممکن ہے جس کا قبول اس کے عقل وبلوغ پر موقوف رہے گا۔ اگر کسی میں رشد کے آثار پائے اور گمان کرے کہ اس کے زمانہ عقل تک شاید اپنی عمر وفانہ کرے اور اسے شیخ کی حاجت ہو۔ اور زمانہ کی حالت یہ ہے کہ

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکلوں میں ہیں للذا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہئے۔ت)

وللذا اسے اپنا کرلے، اور وہ زمانہ عقل تک پہنچ کر اسے قبول کرلے تو بیعت کی تکمیل ہوجائے گی اور اگر عاقل ہے اور اس کی رغبت دیکھے تو مرید کرسکتا ہے، اجازت والدین کی حاجت نہیں[1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۱و۲۸۲: از کلکتہ بڑا بازار سوناپٹی کنیش بھگت کا کڑہ ۲۶جمادی الاولٰی ۱۳۴۰ھ

(۱) ایک شخص ایک آدمی سے مرید ہے، پہلے وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور علم بھی کچھ نہیں جانتا تھا اب اللہ تعالٰی نے اس کو کچھ علم بخشا تو وہ دیکھتا ہے کہ جو پیر ہمارا ہے وہ ہم سے بھی بدتر ہے افعال میں اور صرف اردو قرآن شریف کے سوا کچھ نہیں جانتا ہے۔ اور قرآن شریف بھی دیکھ کر پڑھتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ اور کھانا کپڑا بھی مانگ کے چلاتا ہے اور رات دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اب وہ شخص جو مرید ہوا ہے اس کا سوال ہے کہ میں دوسرے سے پھر مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ اور جس شخص سے پہلے مرید ہے وہ خاندانی سید ہے۔ اور اس خط کے شامل شجرہ بھی ان کا جاتا ہے۔

(۲) ایک شخص گویا کلکتہ میں ہے اور اس کے دل میں ہے کہ میں مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ مگر وہ جس سے مرید ہونا چاہتا ہے وہ دوسرے ملک میں ہے، پھر وہ کس طرح سے مرید ہوسکتا ہے؟

الجواب:

(۱) حسب تصریح ائمہ کرام پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

[1] مثنوی معنوی دفتر اول ص ۱۲ وگلدستہ مثنوی معارف نعمانیہ لاہور ص ۶۰

اوّل: سنی صحیح العقیدہ۔

دوم: علم دین بقدر کافی رکھتا ہو۔

سوم: کوئی فسق علانیہ نہ کرتا ہو۔

چہارم: اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح اتصال سے ملا ہو۔

اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطع السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہئے جہاں یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔

(۲) بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل ارادت فعل قلب ہے۔**والقلم احد اللسانین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم** (قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۳: مسئولہ مولانا سید دیدار علی صاحب الوری اواخر شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دربارہ ایسے شخص کے جو فتوٰی دے ایسا کہ جو کوئی خاندان عالیہ قادریہ کو اور خاندانوں سے افضل واعلٰی نہ جانے اور باوجود افضیلت کے پھر دوسرے خاندانوں میں بیعت حاصل کرے وہ ضال اور مضل اور ذریت شیطان لعین میں سے ہے۔ایسا کہنے والا یہ فتوٰی دینے والا کیسا ہے؟**بینوا توجروا۔**

الجواب:

بلاشبہہ خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے کہ حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاولیاء وامام العرفاء وسید الافراد وقطب ارشاد ہیں۔مگر حاشاللہ کہ دیگر سلاسل حقہ راشدہ باطل ہوں یا ان میں بیعت ناجائز وحرام ہو۔ اس کی نظیر بعینہٖ مذاہب اربعہ اہل حق ہیں۔ہمارے نزدیک مذہب مہذب حنفی افضل المذاہب واضح المذاہب واولٰہا بالحق ہے مگر حاشا کہ متبعان مذہب ثلٰثہ باقیہ عیاذاباللہ ضال ومضل ہیں۔ایسا کہنا خود صریح باطل وغلو ہے۔**والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم** (اللہ تعالٰی کی پناہ۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۸۴: از کانپور مرسلہ مولوی آصف علی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو پتہ یا درخت بوجہ غفلت تسبیح گرجاتا ہے یا جانور ذبح کردیا جاتا ہے تو پھر بعد از سزائے غفلت اس کا تسبیح میں مشغول ہونا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:

رب عزوجل فرماتا ہے:

"تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ"[1]۔	اس کی تسبیح کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

یہ کلیہ عامہ جمیع اشیائے عالم کو شامل ہے، ذی روح ہو یا بے روح۔ اجسام محضہ جن کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں، کہ دائم التسبیح ہیں کہ "ان من شیئ" کے دائرے سے خارج نہیں۔ مگر ان کی تسبیح بے منصب ولایت نامسموع نہ مفہوم۔ اور وہ اجسام جن سے روح انسی یا ملکی یا جنی یا حیوانی یا نباتی متعلق ہے ان کی دو تسبیحیں ہیں: ایک تسبیح جسم، کہ اس روح متعلق کے اختیار میں نہیں وہ اسی "ان من شیئ" کے عموم میں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔ دوسری تسبیح روح، یہ ارادی اختیاری ہے اور برزخ میں ہر مسلمان کو مسموع و مفہوم۔ اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزا حیوان و نبات کو قتل و قطع سے دی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جب جانور مرجائے یا نبات خشک ہوجائے منقطع ہوجاتی ہے ولہذا ائمہ دین نے فرمایا کہ تر گھاس مقابر سے نہ اکھیڑیں فانه مادام رطبا یسبح الله فیؤنس المیت[2] کہ جب تک وہ تر ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے تو میت کا دل بہلتا ہے۔ مگر قتل و قطع و موت و یبس کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفس جسم کی تھی جب تک اس کا ایک جزو لایتجزی باقی رہے گا منقطع نہ ہوگی کہ "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ"[3] (اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ت) اسے روح سے تعلق نہ تھا کہ تعلق روح نہ رہنے سے منقطع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[2] ردالمحتار باب صلٰوۃ الجنائز مطلب فی وضع الجدید ونحو الآس علی القبور دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

مسئلہ ۲۸۵: مرسلہ عبدالستار بن اسمعیل شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۵ھ

مرید ہونا واجب ہے یاسنت؟ نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں؟ مرشد کی کیوں ضرورت ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب الملفوظ

مرید ہونا سنت ہے اور اس سے فائدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال مسلسل۔ تفسیر عزیزی دیکھو آیہ کریمہ:

"صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ"[1]	راستہ ان کا جن پر تو نے انعام کیا۔(ت)

میں اس کی طرف ہدایت ہے، یہاں تک فرمایا گیا:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطن۔[2]	جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔(ت)

صحت عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیح متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے تو اس کے برکات ابھی دیکھتے ہیں جنہیں نظر نہیں وہ نزع میں قبر میں حشر میں اس کے فوائد دیکھیں گے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۸۶: مسئولہ عبدالعزیز انصاری از اٹاوہ شنبہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و عرفائے اہل یقین اس مسئلہ میں کہ زید شیخ وقت نے اپنے بیٹے عمرو کو امور فقر میں اپنا خلیفہ نہیں کیا اور نہ اجازت مرید کرنے کی دی، عمرو نے بعد وفات اپنے والد زید کے بوجہ نہ پانے خرقہ فقر و اجازت کے ان کے ایک خلیفہ نصیر سے اجازت خلافت حاصل کی تھی مگر جب کسی کو مرید کیا تو اپنے باپ زید کے نام سے کیا، اپنے پیر اجازت کا نام شجرہ لکھنا نہیں معمول رکھا۔ یہ طریقہ عمرو کا مطابق کتب اہل طریقت و طریقہ مشائخ عظام جائز ہوا یا نہیں؟ پھر عمرو نے اپنے بیٹے خالد کو اپنے حین حیات خرقہ دیا جس کو خالد نے کچھ عرصہ کے بعد یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نہیں لوں گا، اور نہ کبھی خالد نے عمرو کی زندگی بھر تجدید اجازت و خلافت کی بابت کچھ تذکرہ کیا البتہ عمرو نے اپنے مرض وصال میں قریب انتقال اپنی تسبیح و کتب وظائف وغیرہ ایک دوسرے شخص بکر کو جو اس کا اہل تھا مع اجازت و خلافت دے دی اور اپنے مریدین کو بھی اسی کے سپرد کیا مگر اپنے بیٹے خالد کو بوجہ اس کے نااہل ہونے و خرقہ واپس کرنے کے کچھ نہیں دیا، لیکن بعد وفات عمرو کے خالد نے خود بخود اس کے خرقہ کو

---

[1] القرآن الکریم ۱/ ۷

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ الحسینی ص۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص۱۸۱

پہن کر اپنے والد کے نام سے مرید کرنا شروع کر دیا، اور اسی پر عامل رہے۔ یہ عمل خالد کا بلحاظ کتب معتبرہ اہل تصوف درست تھا یا نہیں جیسا کہ اس کا معمول تھا، موافق کتب مع اہل طریقت جواب ہونا چاہئے۔ خالد نے اپنے بیٹے نذیر کو اپنی زندگی میں اپنا خرقہ دیا (جو بمطابق تحریر بالا ناجائز ہونا چاہئے تھا) اب نذیر اپنے مریدین کو اپنے باپ خالد اور دادا عمرو کے نام سے مرید کرنے کا معمول رکھتا ہے اور شجرہ میں بھی انہیں دونوں کا نام لکھا جاتا ہے حالانکہ دونوں غیر مجاز تھے، آیا یہ طریقہ نذیر کا جائز ہے یا ناجائز جبکہ عمرو کو خلافت واجازت اپنے باپ زید سے نہ تھی تو عمرو و خالد و نذیر ان سب کا یہ فعل و عمل بروئے طریقت ناروا ہونا چاہئے یا نہیں؟ امید کہ کتب معتبرہ سے تحقیق فرما کر ان تینوں امور کا جواب مفصل عنایت ہو۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب الملکتوب

صورت مستفسرہ میں خالد ونذیر دونوں محض باطل پر ہیں اور ان کے ہاتھ پر بیعت ناجائز، اور نادانستہ کی ہو تو اس سے رجوع واجب۔ حضرت قدسی منزلت سیدنا میر عبدالواحد صاحب بلگرامی قدس سرہ السامی کتاب مستطاب سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے برادر! از پیری و مریدی رسمے واسمے بیش نمانده است وآں رسم واسم نیز مبنی بچند شرائط می داں کہ بے آں شرائط اصلا پیری و مریدی درست نیست۔ اما نخست از شرائط پیری یکے[1] آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم[2] از شرائط پیری آنست کہ پیر درادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم[3] از شرائط پیری آنست کہ پیر را اعتقاد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت پس ایں رسمے کہ از پیری و مریدی مانده است بے ایں سہ شرائط اصلاً درست نیست وایں ہر سہ شرائط رابیان مختصر واضح کنم اما شرط اول کہ مسلک صحیح است مرید صادق را تفحص	اے بھائی! پیری و مریدی کی محض رسم اور نام باقی رہ گیا ہے، اس سے زائد کچھ نہیں، اس نام اور رسم کو بھی چند شرائط پر مبنی سمجھ کر ان شرائط کے بغیر پیری و مریدی بالکل درست نہیں۔ پیری کی اولیں شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرع کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی کرنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کا عقیدہ صحیح اور مذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ یہ رسمی پیری و مریدی ان تین شرائط کے بغیر ہرگز درست نہیں۔ ان تینوں شرطوں کی مختصر بیان کے ساتھ وضاحت کرتا ہوں۔ پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ سچے مرید کو صحیح سلسلہ کی چھان بین کرنی چاہئے

سلسلہ درست باید کرد دراکثر جاہا خلط وخبط گشتہ است نوعے ازاں آنست درویشے کہ درحالت حیات بسبب غفلت ویابہ سبب دیگر فرزند خود راخلافت نمی دہد ومردماں راوصیت ہم نمی کند کہ بعداز من باید کہ خرقہ من فرزند مرابپوشانید واو رابجائے من بنشانند فاما مردماں آں مقام روز سوم خرقہ پدر پسر رامی پوشانند واورابجائے پدرمے نشانند از صحت وغیر صحت ایں کار نمی دانند خلقے بہ بیعت اواسیری گرددوادبے رخصت واجازت پدر پیرمی شودہمہ ضلالت درضلالت است چہ اگرچہ خرقہ متروکہ پدربسبب ارث ملک پسر شدولیکن شرط صحت بیعت رخصت واجازت پدراست نہ مجرد خرقہ پدر مؤلف راست قطعہ۔ اے پسر شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف است بدغل سکہ بہرہ مزن کاں رہ کاسداں ناخلف است نوع دیگرانست اولیاء اسلاف کہ قطب وغوث بودند فرزندان ایشاں بے صحت اسناد وبے رخصت واجازت بمجرد نسبت فرزندی خلقے رامرید می کنند وخلق می دانند کہ مابخانوادہ فلاں قطب وغوث پیوند درست کردیم وانابت	اکثر جگہ اس میں خلط ملط ہوجاتا ہے۔اس کی ایک قسم یہ ہے کہ کوئی درویش اپنی زندگی میں غفلت یاکسی اوروجہ سے اپنے بیٹے کوخلافت نہیں دیتااورلوگوں کووصیت بھی نہیں کرتا کہ میرے بعد میراخرقہ میرے بیٹے کوپہنانا اوراس کو میری گدّی پر بٹھانا۔لیکن اس علاقے کے لوگ وصال کے تیسرے روز اس کے بیٹے کوخرقہ پہنا کر باپ کی گدی پر بٹھادیتے ہیں اوراس کام کے صحیح یاغلط ہونے کاانہیں کوئی علم نہیں۔لوگ اس کی بیعت کے پابند ہوجاتے ہیں اوروہ باپ کی اجازت ورخصت کے بغیر پیربن جاتاہے۔یہ سب گمراہی درگمراہی ہے،اس لئے کہ اگرچہ باپ کاخرقہ متروکہ بطور میراث بیٹے کی ملکیت ہوتاہے مگرصحت بیعت کی شرط باپ کی رخصت واجازت ہے نہ کہ محض باپ کے خرقہ کاحاصل ہوجانا، قطعہ: "اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پرمہرمت لگاکہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کاہے"۔ دوسری قسم یہ ہے اولیائے اسلاف جوکہ غوث وقطب تھے ان کے بیٹے صحیح سند اوران کی رخصت واجازت کے بغیر محض بزرگوں سے نسبت فرزندی رکھنے کی وجہ سے لوگوں کومرید بناتے ہیں

آوردیم سر بسر گمراہی است۔[1]	لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں غوث اور قطب کے خانوادہ کے ساتھ تعلق قائم کرلیا ہے اور ان کی طرف رجوع کرلیا ہے۔ یہ مکمل طور پر گمراہی ہے۔(ت)

حضرت سیدنا سید شاہ حمزہ قدس سرہ الکریم نے فص الکلمات شریف میں خلافت کی سات قسمیں بعض مقبول بعض مردود بیان فرمائیں ازانجملہ اقسام مردودہ میں فرمایا:

شیخ ازیں عالم نقل کرد وکسے را خلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یا مریدے را بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روانیست وایں نوع خلافت راافترائی گویند۔[2]	شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ قوم اور قبیلہ نے کسی وارث یا مرید کو اس کی خلافت کے لئے تجویز کردیا، مشائخ کے نزدیک یہ خلافت درست نہیں۔ خلافت کی اس قسم کو خلافت افترائی کہا جاتا ہے(ت)

رہا عمرو اگرچہ نصیر کی جانب سے ماذون ہو کر اس کی خلافت ضرور صحیح اور اسے مرید کرنے کی اجازت ہوگی، مگر محل نظر یہ ہے کہ اس نے اپنے والد زید کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی یا مرید بھی نصیر ہی کا ہے، صورت ثانیہ بہت سخت ہے، اور اصل الزامات کا ورود اولٰی میں بھی نقد وقت ہے، شجرہ کہ مریدین کو دیا جاتا ہے اس میں اتصال سلسلہ اجازت ہی متعارف، اور یہی اس سے مفہوم ہے تو اس میں تدلیس ہوئی تلبیس ہوئی پیر اجازت کی نعمت کا کفران ہوا مریدین کو فریب دینا ہوا بلاواسطے جانب پدر سے اپنے مجاز وماذون ہونے کا اظہار ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور۔ رواہ الشیخان[3] عن اسماء ومسلم عن الصدیقۃ بنتی	نعمت نایافتہ کا اظہار کرنے والا اسی طرح ہے جو سر سے پاؤں تک جھوٹ کا جامہ پہنے ہوئے ہے(اسے امام بخاری وامام مسلم نے اسماء

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۳۹، ۴۰

[2] فص الکلمات

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب المتشبع بمالم ینل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۵، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب النھی عن التزویر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۶

الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور امام مسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ج"۔[1]	وہ جو ایسی بات سے اپنی تعریف چاہتے ہیں جو انہوں نے نہ کی ہر گز انہیں عذاب سے چھٹکارے کی جگہ خیال نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من غشنا فلیس منّا۔[2] نسأل اللہ العفو والعافیۃ، و اللہ تعالٰی اعلم۔	دھوکا دینے والا ہمارے گروہ سے نہیں۔ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۸۷: از فرخ آباد شمس الدین احمد شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

جس حالت میں کہ پیر کامل میسر نہ ہو تو طالب خدا کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب:

درود شریف کی کثرت کرے یہاں تک کہ درود کے رنگ میں رنگ جائے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸۸: مرسلہ عبدالکریم شہر کانپور محلہ بنگام گنج ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان طریقہ معرفت میں کسی کا مرید نہ ہو تو کیا حشر میں اس کا پیر شیطان ہوگا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

ایک حدیث روایت کی جاتی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی من غشا فلیس منّا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطن۔[1]	جس کا کوئی پیر نہیں شیطان اس کا پیر ہے۔

اس کے پورے مصداق وہ لوگ ہیں کہ مشائخ کرام کے قائل ہی نہیں، جیسے روافض ووہابیہ وغیر مقلدین۔ اور شرف وبرکت اتصال بمحبوب ذوالجلال علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت سنت متوارثہ مسلمین ہے، اور اس میں بے شمار منافع وبرکت دین ودنیا وآخرت ہیں بلکہ وہ "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ"[2] (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ت) کے طرق جلیلہ سے ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹ و ۲۹۰: مقام گڈھوا ضلع پلاموں مرسلہ حکیم محمد عبدالحق صاحب

(۱) جو شخص کسی پیر سے مرید ہوا ہو اور قبل اس کے کہ وہ طریقت کی تعلیم پورے طور سے پائے اس کے پیر نے انتقال کیا تو بعد مرجانے اول پیر کے وہ شخص کسی دوسرے عالم سے جو علم قرآن وحدیث وفقہ میں کامل وسند یافتہ ہو اور پیر کامل سے اس کو اجازت مرید کرنے کی اور خلافت حاصل ہو مرید ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مرید ہونا اس کا شرعًا از روئے شریعت جائز ودرست ہوگا یا نہیں؟

(۲) پیر ہونے کے لئے سید اور آل رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونا ضرور ہے دوسری قوم کا عالم وطریقت سے واقف و پیر سے اجازت وخلافت پایا ہوا پیر ہونے اور مرید کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا ہے یا کیا تحقیق اس مسئلہ کی ہے مع سند جواب درکار ہے۔ بیّنوا ایّھا العلماء الکرام جزاکم اللہ یوم القیام (اے علماء کرام! بیان فرمایئے اللہ تعالٰی روز قیامت آپ کو جزا دے۔ت)

الجواب:

(۱) جائز ہے، اس پر شرع سے کوئی ممانعت نہیں جبکہ وہ عالم چاروں شرائط پیری کا جامع ہو اگر ایک شرط بھی کم ہے تو اس سے بیعت جائز نہیں۔ سب سے اہم واعظم شرط مذہب کا سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہونا۔

دوسری شرط فقہ کا اتنا علم کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتا ہو اور حاجت جدید

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشھد الحسینی ص۷۸ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص۱۸۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

پیش آئے تو اس کا حکم کتاب سے نکال سکے۔ بغیر اس کے اور فنون کا کتنا ہی بڑا عالم ہو عالم نہیں۔
تیسری شرط اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح و متصل ہو۔
چوتھی شرط علانیہ کسی کبیرہ کا مرتکب یا کسی صغیرہ پر مصر نہ ہو۔
ان شرائط کے ساتھ اس سے ارادت کر سکتا ہے، مگر یہ ارادت ارادت استفاضہ ہوگی نہ کہ ارادت استعاضہ، یعنی پیر کو چھوڑ کر اس کے عوض پیر بنانا کہ جو ایسا کرے گا دونوں طرف سے محروم رہے گا بشرطیکہ اس کا پہلا پیران چاروں شرائط کا جامع تھا، اور اگر اس میں وہ شرطیں نہ تھیں تو وہ پیر بنانے کے قابل ہی نہ تھا آپ ہی کسی دوسرے جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت چاہئے۔

(۲) یہ محض باطل ہے، پیر ہونے کے لئے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں، ہاں ان شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو تو نور علٰی نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسل طریقت کا باطل کرنا ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بعد ہی سے امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی، اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، اسی طرح دیگر سلاسل رضوان اللہ تعالٰی علٰی مشائخنا اجمعین۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۱: از ایلٹا کاٹھیاواڑ مرسلہ سید قاسم علی قادری مورخہ ۴/ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

مخدومی و مطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں قادریہ خاندان میں مرید تھا مگر چونکہ اب حضرات نقشبند کے بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جاتے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا چلا ہے۔ مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے کہ میں بھی بیعت اس خاندان میں کروں۔ مجھے مکتوبات امام ربّانی الف ثانی کی اردو تینوں جلدیں دی گئی ہیں ان کو پڑھ کر میں ان کا خلاصہ آپ سے طلب کرتا ہوں کہ اس خاندان میں بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور مکتوبات اور دیگر کتب خاندان نقشبندیہ پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب:

ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلٰی و افضل ہے اور

تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں۔حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[1]۔	جسے کسی شَے میں رزق دیا جائے تو وہ اس کو لازم پکڑے۔(ت)

مکتوبات مثل اور کتب مشائخ کے ہے اور تفصیل عقائد اہلسنت و بیان مسائل نفیسہ فقہ و کلام کے سبب بہت کتب پر مزیت ہے البتہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین کا ارشاد **کل ماخوذ من قولہ**[2] الخ (ہر ایک اپنے قول سے پکڑا جاتا ہے الخ۔ت) سوائے قرآن عظیم سب کتب کو شامل ہے نہ اس سے ہدایہ، درمختار مستثنٰی، نہ فتوحات و مکتوبات و ملفوظات۔اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے۔

مسئلہ ۲۹۲: از شہر رجمنٹ اکا کور ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین سہارنپوری ۲۰/ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بکر آقا کے کہنے سے ایک شخص کا مرید ہوگیا، اور نہ بکر واقف تمام مرید ہونے کی شرطوں سے، صرف آقا کے حکم سے مرید ہوگیا۔اب بکر ملازم بھی نہیں رہا ہے، اب بکر کا خیال ہے کہ میں مرید صادق ہوں یا مریدین سے خارج ہوں، کیونکہ پیر کی طرف دل رجوع نہیں کرتا میں چاہتا ہوں کوئی پیر اور کروں۔

الجواب:

اگر پیر سنی صحیح العقیدہ عالم ہے اور اس کا سلسلہ متصل ہے اور فاسق نہیں تو اس سے دل رجوع نہ ہونا شیطانی وسوسہ ہے توبہ کرے اور اس کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کرے، اور اگر پیر میں ان چاروں باتوں سے کوئی بات کم ہے تو وہ پیر نہیں، کوئی اور پیر کہ ان چاروں باتوں کا جامع ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۳و۲۹۴: موضع رجب پور ڈاک خانہ تحصیل امروہہ ضلع مراد آباد حاجی شبیر علی ۵جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) کچھ پیروں نے آج کل پیرامریدی جاری کی ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہوا اس کو گولیاں دی جاتی ہیں وہ گولیاں چھٹی کے دن گھول کر بچہ کے ہونٹوں سے لگا دینے سے بیعت ہوگیا۔یہ پیرامریدی

[1] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

[2] الیواقیت والجواھر بحوالہ الامام مالک المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حضور حکم صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

(۲) مکنپور کے جو حضرت شاہ بدیع الدین شاہ صاحب جن کا کہ نام دیہات میں مدار صاحب کہتے ہیں سنا جاتا ہے. بزرگوں سے کہ ان کے گھرانے میں پیرامریدی نادرست ہے، علاوہ اس کے سنا گیا ہے کہ کوئی خلیفہ آپ نے نہیں کیا ہے، اور یہ بھی سنا ہے کہ دو خادم آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے کہ جن کا نام یہ ہے، ایک کا نام احسن، دوسرے کا نام جمّن جتی۔ للذا احسن ندی ہو کر بہہ گیا اور جمن جتی اور کسی سے بیعت ہوگئے، للذا جو مکن پور کے پیر جی لوگ ہیں اور یہ پیرامریدی آپ کے نام سے کرتے ہیں یہ پیرامریدی جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حکم حضور صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

الجواب:

(۱) ایک دن کا بچہ بھی اپنے والی کی اجازت سے مرید ہوسکتا ہے، اور گولیاں بے اصل ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم**

(۲) بہہ جانا وغیرہ بے اصل ہے مگر اس فرقہ کے لوگ بے شرع اکثر ہیں، اور بے شرع کسی فرقے کا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۵ و ۲۹۶: از گلمائز ڈاک خانہ ماہی ضلع فرید پور مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب ۲۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) زید طریقہ نقشبندیہ متبرکہ میں بیعت ہوا اور اپنے شیخ سے مقامات پورا کیا مگر بعض مقام میں قدرے شبہہ رہتی ہے اور خلافت واجازت نہ ملتی ہے، شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا، اب زید کے لئے اس شبہہ کو دور کرنے اور اجازت وخلافت حاصل کرنے کے واسطے دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے یا اپنے شیخ سے جو حاصل ہوئی اسی پر اکتفا کرنا چاہئے؟ اگر اسی پر اکتفاء کرنے کی کوشش کی تو ترقی وفیض یاب ہوسکتا ہے اور شبہہ باقی ماندہ دور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے تو اسے نقشبندیہ طریقہ کا ہونا ضروری ہے یا دیگر چہار طریقہ میں سے جو ہو کافی ووافی ہوں گے؟ پھر اسی نقشبندیہ طریقہ کی جو مشائخ زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں اگر وہ زید کے شیخ سے کمالیت واشغال میں کم درجہ کے ہیں ان کو مرشد بنائے یا جو مشائخ زید کو مسافت بعیدہ وغیرہ وغیر ملکی ہونے کے میسر نہیں ہوتے ہیں حالانکہ

وہ سب زید کے شیخ سے بڑھ کر ہے یا برابر ہے تو اب زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں ان سے پورا کرے یا جو غیر میسر ہیں ان کی توقع وامید پر رہے؟

(۲) قادری کوئی شخص دوسرے قادری سے یا نقشبند دوسرے نقشبندی سے یا قادری نقشبندی سے یا نقشبندی قادری علی ہذا البواقی خواہ علی الوفاق ہوئے یا علی الخلاف بیعت ہونے کو چاہے تو از سر نو بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ بیعت جدیدہ کہلائے گی یا کیا؟ اور شیخ اول ہی بدستور رہیں گے یا دونوں؟ اور مرید کن کا کہلائے گا؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہو تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے۔ اکابر طریقت فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین۔[1]	جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا (ت)

خصوصاً جبکہ اس سے کشود کار بھی ہو چکا ہو، حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ۔[2]	جسے اللہ تعالٰی کسی شیئ میں رزق دے وہ اس کو لازم پکڑے۔ (ت)

دوسرے جامع شرائط سے طلب فیض میں حرج نہیں اگرچہ وہ کسی سلسلہ صریحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے،

کما فی سبع[3] سنابل مبارکۃ عن سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جیسا کہ سبع سنابل شریف میں سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہو اس کی تکمیل بطور خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا

1

2 شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

3

چلنے کی نہیں،

کما افادہ الامام القشیری فی رسالۃ المبارکۃ والامام السھروردی فی العوارف الشریفۃ وبیناہ فی فتاوٰی افریقۃ۔	جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کاافادہ فرمایا ہے۔اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیاہے۔(ت)

بلکہ کسی لائق تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظ قرب رکھے اپنے شیخ کے خلفاء میں سے کوئی اس قابل ہو تو وہ اولٰی ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلاف راہ اطالت عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخۃ سے کسی کو افضل جاننا سوءِ ادب ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۷: از بانس بریلی محلّہ قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نور اللہ شاہ صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین فتحپور ۱۴ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

ماقولکم ایھا العلماء الراسخون رحمکم اللہ تعالٰی فی ھٰذہ المسئلۃ (اے علماء راسخین! اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ت) کہ جس مرید کو اپنے شیخ سے تعلیم طرق صوفیہ مراتب اذکار واشغال وغیرہ نہ معلوم ہوئے اور وہ شیخ انتقال فرما گئے یا بوجوہات معقولہ ان سے تعلیم محال۔ پس اس مرید کو شیخ ثانی سے تجدید بیعت توبہ کرکے طالب ہونا اولٰی ہے یا کہ اسی حال پر بے تعلیم رہنا مناسب، اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی بیعت ہر خلافت کے وقت کس لئے صادر ہوئی۔

الجواب:

دوسرے شیخ سے طالب ہو مگر اپنی ارادت شیخ اول ہی سے رکھے اور اس سے جو فیض حاصل ہو وہ اپنے ہی کی عطا جانے۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں ایک شخص کے دو باپ نہیں ہو سکتے، ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہو سکتے، ایک مرید کے دو شیخ نہیں ہو سکتے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دست اقدس پر بیعتیں ان کو امام ماننے اور ان کی اطاعت کرنے کی تھیں جیسے ہر جدید بادشاہ کے ہاتھ پر کی جاتی ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۸: از ریاست رامپور محلّہ گھیر زبیر خاں مرسلہ مرزا محمد فاروق بیگ صاحب ۱۰/ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

حقوق پیر بغرض تصحیح وترمیم:

(۱) یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیوض وبرکات سے محروم رہے گا۔

(۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان ومال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

(۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فورًا بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتدانہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال ومقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کا کرنا زہر قاتل ہے۔

(۴) جو وِرد وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔

(۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے یہاں تک کہ سوائے فرض وسنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

(۶) حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

(۷) اس کے مصلے پر پَیر نہ رکھے۔

(۸) اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

(۹) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

(۱۰) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ وضو کرے، ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں۔

(۱۱) اس کے روبرو کسی سے بات نہ کرے، بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

(۱۲) جس جگہ مرشد بیٹھتا ہو اس طرف پَیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو۔

(۱۳) اور اس طرف تھوکے بھی نہیں۔

(۱۴) جو کچھ مرشد کہے اور کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسٰی وخضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔

(۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

(۱۶) اگر کوئی شبہہ دل میں گزرے توفوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہہ حل نہ ہوتا تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر اس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

(۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو اسے بھی عرض کردے۔

(۱۸) بے ضرورت اور بے اذن مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

(۱۹) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور بآواز اس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

(۲۰) اور مرشد کے کلام کو دوسرے سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

(۲۱) اور مرشد کے کلام کو رَد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

(۲۲) اور کسی دوسرے کا سلام وپیام شیخ سے نہ کہے۔

(۲۳) جو کچھ اس کا حال ہو برا یا بھلا اسے مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کرکے سکوت نہ کرے۔

(۲۴) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ہو تو اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲۵) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے (کذافی ارشاد رحمانی) **قال العارف الرومی** (عارف رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ت): ؎

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو | ہمچو موسٰی زیر حکم خضر رو

صبر کن بر کار خضر اے بے نفاق | تانگوید خضر رو ہذا فراق [1]

جب تو نے پیر بنالیا تو خبردار اب سر تسلیم خم کرلے، موسٰی علیہ السلام کی طرح

[1] مثنوی معنوی وصیت کردن بر رسول خدا امر علی مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۳۱۱

خضر علیہ السلام کے حکم کے ماتحت چل اے نفاق سے پاک شخص حضرت خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کرتا کہ خضر علیہ السلام یہ نہ فرمادیں کہ جا یہ جدائی ہے۔ت)

قال العطار (شیخ عطار علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ت):

(۱) گر ہوائے ایں سفر داری دلا	دامن رہبر بگیر و پس بیا
(۲) در ارادت باش صادق اے مرید	تا بیابی گنج عرفاں راکلید
(۳) دامن رہبر بگیر اے راہ جو	ہر چہ داری کن نثار راہ او
(۴) گر روی صد سال در راہ طلب	راہبر نبود چہ حاصل زان تعب
(۵) بے رفیقے ہر کہ شد در راہ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہی عشق
(۶) پیر خود را حکم مطلق شناس	تا براہ فقر گردی حق شناس
(۷) ہر چہ فرماید مطیع امر باش	طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
(۸) آنچہ میگوید سخن تو گوش باش	تا نگوید او بگو خاموش باش [1]

(۱) اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راہنما کا دامن پکڑ، پھر آ۔

(۲) اے مرید! ارادت میں صادق ہو، تاکہ تو معرفت کے خزانے کی چابی پائے۔

(۳) اے راہ طریقت کے متلاشی! کسی راہنما کا دامن پکڑ، جو کچھ تو رکھتا ہے اس کی راہ میں قربان کردے۔

(۴) اگر تو طلب کی راہ میں سو سال چلتا رہے، راہنما اگر نہیں ہے تو اس مشقت کا کیا فائدہ ہے!

(۵) کسی رفیق کے بغیر جو کوئی عشق کے راستے پر چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

(۶) اپنے پیر کو حاکم مطلق سمجھ، تاکہ فقیری کی راہ میں تو حق کو پہچاننے والا ہو جائے۔

(۷) جو کچھ پیر فرمائے اس کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو جا، اس کی خاک پا کو آنکھوں کا سرمہ بنا۔

(۸) پیر جو بات کرے تو ہمہ تن گوش ہو جا، جب تک وہ نہ کہے کہ بولو تو چپ رہ۔ت)

1

الجواب:

یہ تمام حقوق صحیح ہیں، ان میں بعض قرآن عظیم اور بعض احادیث شریفہ اور بعض کلمات علماء اور بعض ارشادات اولیاء سے ثابت ہیں اور اس پر خود واضح ہیں جو معنی بیعت سمجھا ہوا ہے، اکابر نے اس سے بھی زیادہ آداب لکھے ہیں، اتنوں پر عمل نہ کریں گے مگر بڑی توفیق والے، اور نمبر ۱۷ سے شیطانی خواب پریشان مہمل مستثنیٰ ہے کہ اسے بیان کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اور نمبر ۲۲ عوام مریدین کے لئے ہے جن کو بارگاہ شیخ میں بھی منصب عرض معروض دیگران حاصل نہ ہوا یسوں سے اگر کوئی عرض سلام کے لئے کہے عذر کردے کہ میں حضور شیخ میں دوسرے کی بات عرض کرنے کے ابھی قابل نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۹۹ و ۳۰۰: از شہر کہنہ بریلی قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نوراللہ شاہ اشرفی الجیلانی کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بیعت ہونے میں والدین یا شوہر وغیرہ کی اجازت شرط ہے یا نہیں؟

(۲) اپنا مرشد انتقال کرگیا ہو یا موجود ہو مگر بوجوہات معقولہ واقعہ اس سے تعلیم محال ہو تو بغرض تعلیم طریقہ کرام دوسرے شیخ سے طالب ہونا اولٰی ہے یا بے علم رہنا بہتر؟

الجواب:

(۱) جو پیر سنی صحیح العقیدہ عالم غیر فاسق ہو اور اس کا سلسلہ آخر تک متصل ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین خواہ شوہر کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۲) جہل سے طلب اولٰی ہے مگر پیر صحیح سے انحراف جائز نہیں، جو فیض ملے اسے شیخ ہی کی عطا جانے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۱ تا ۳۰۴: از شہر غازی پور مرسلہ علی بخش محرر رجسٹری ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کسی بزرگ سے بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے عقیدت ہو اور بوجہ دوری وہ شخص اس بزرگ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے تو وہ شخص اس بزرگ سے کیسے مرید ہوسکتا ہے یا ہو ہی نہیں سکتا کسی طرح پر؟

(۳) ایک وظیفہ ایسا ارشاد فرمائیے اور اجازت دیجئے جس میں صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پڑھنا ہو چاہے بطرق شغل قادریہ یا چشتیہ وغیرہا یا کسی اور طریقہ پر ہو۔

(۴) ایک مختصر درود شریف ایسا تحریر فرمایئے اور اس کی اجازت دیجئے کہ جو غیر منقوط ہو یعنی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہ ہو۔

الجواب:

(۱) بذریعہ خط بیعت ہو سکتی ہے۔

(۲) بذریعہ قاصد یا خط مرید ہو سکتا ہے۔

(۳) وظیفہ کے لئے پورا کلمہ طیبہ مناسب تر ہے مگر اس کے ساتھ درود شریف لانا ضرور ہے یعنی یوں وِرد کرے لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صرف جز ثانی مع درود کا بھی ورد کر سکتا ہے مگر مبتدی یا طالب کہ محتاج تصفیہ ہے اسے صرف جزء اول کا ذکر و شغل بتاتے ہیں کہ اس میں حرارت ہے اور دوسرا جز کریم ٹھنڈا لطیف اور تزکیہ گرمی پہنچانے کا محتاج، ہاں جب جز اول سے حرارت حد سے متجاوز ہو تو تعدیل کے لئے بتاتے ہیں کہ مثلاً ہر سو بار لاالٰہ الا اللہ کے بعد ایک بار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہہ لے کہ تسکین پائے۔

(۴) اس کی حاجت کیا ہے، وہ صیغہ مثلاً یہ ہو سکتا ہے اللّٰھم صلّ وسلّم لرسولك محمد واٰله، اس میں لام بمعنی علٰی ہے آپ اس کا ورد کریں اجازت ہے۔

مسئلہ ۳۰۵ تا ۳۰۷: از علی گڑھ محلّہ دویکا پڑاؤ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب مورخہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ بیعت کرنا یعنی جو آج کل عرف میں پیری مریدی سے مشہور ہے سنت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ سنت ہے۔

(۲) زید مذکور باوجود مسجد میں بروقت جماعت حاضر ہونے کے بلاوجہ شرعی جماعت سے علیحدہ نماز پڑھتا ہے محض اسی بنیاد پر کہ مسئلہ اول میں عمرو کے ساتھ اتفاق نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں۔

(۳) زید مذکور اپنے پیش امام سے جو کہ استاد بھی ہیں سلام و کلام سے پرہیز کرتا ہے اور بجائے احسان ماننے کے غیروں سے کہتا ہے وہ کیا جانے ہم سے مقابلہ کرا لو، اس کی وجہ بھی مذکور ہے ان سب صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا بحوالۃ الکتاب و توجروا عند اللہ بحر الثواب (بحوالہ کتاب بیان فرمایئے اللہ تعالٰی کے بحر ثواب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

بیعت بیشک سنت محبوبہ ہے، امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عوارف شریف سے شاہ ولی اللہ دہلوی کی قول الجمیل تک اس کی تصریح اور ائمہ واکابر کا اس پر عمل ہے، اور رب العزت عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ" [1]	بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ" [2]	ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

"لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ" [3]	بے شک اللہ تعالٰی راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔(ت)

اور بیعت کو خاص بجہاد سمجھنا جہالت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤی اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾" [4]	اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

زید بوجہ ترک جماعت فاسق فاجر مردود الشہادۃ مستوجب عذاب نار ہے۔ زید بلاوجہ شرعی اپنے باطل خیال کے باعث مسلمان سے ترک سلام وکلام کرکے دوسرے جرم کا مرتکب ہوا اور جبکہ امام اس کا استاد بھی ہے تو عاق بھی ہوا، اور اس پر ان حرکات شنیعہ سے توبہ فرض ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۰۸: از ضلع چاندہ ممالک متوسط نزول سرور آفس مسئولہ رحیم بخش خاں محمد شہزاد خاں ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمترین ایک مولوی وحید صاحب نامی کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا دس بارہ برس تک برابر خدمت کرتا رہا جہاں تک ہو سکتا اپنی برادری کے لوگوں کو بھی آپ کی بیعت میں داخل کرایا، جب مولوی صاحب کا رسوخ ہماری برادری میں اچھی طرح اثر پذیر ہوگیا تو مولوی صاحب لگے ہماری برائی کرنے، جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ خاکسار خادم قدیم سے کچھ قصور ہوا ہے تو حضور مجھ کو سزا دیتے عام لوگوں میں بلاسبب رسوا کرنا کیا مصلحت ہے، اس پر جھوٹی قسم کھا گئے کہ ہم نے کچھ کسی سے نہ کہا، اتفاق سے وہ لوگ بھی موجود تھے اس وقت مولوی صاحب بہت نادم ہوئے، میں خاموش ہوگیا، وقت گذشت کیا، کیونکہ ہر طرح سے اپنی برائی ہوتی تھی اگرچہ مولوی صاحب کی ہی غلطی کیوں نہ ہو۔

دوسرے آپ نے ایک شادی بھی اس بستی کی ایک ایسی عورت سے کرلی جو مرید بھی نہیں اور جس کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہے، اس سے تمام بستی کے لوگ بدگمان وبدعقیدہ ہوگئے یہاں تک کہ نماز بھی ان کے پیچھے نہ پڑھتے تھے، تابعدار نے اپنا پیر بنالیا تھا، اس لئے بہت ہی کوشش وبستی کے لوگوں کی خوشامد کرکے فساد کو رفع دفع کرایا مگر چند روز کے بعد آپ نے اپنی منکوحہ صاحب کو علانیہ مسجد میں بلاپردہ آنے پر کچھ روک ٹوک نہ کیا یہاں تک کہ مسجد کے پابند نمازی لوگوں نے بھی کہا مگر جواب یہ ملا کہ لونڈی ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا ہماری پٹھان برادری کی لڑکی ہے لونڈی کیسے ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ بہت شر پیدا ہوگیا۔ نہ بی بی صاحبہ پردہ میں رہتی ہیں نہ مولوی صاحب تنبیہ کرسکتے ہیں۔ ایسی حالت میں تین بچے بھی ہوگئے مگر حالت ہنوز روز اول ہے اب یہ ہوگیا ہے کہ نئے نئے لُچّے لفنگے روز مرید ہوتے ہیں۔ غریب پابند صوم وصلاۃ کے قدیم خدمت گزار مردود علانیہ بنائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا مردود کیا ہوا خدا اور سول اور پیروں کا مردود ہے ہماری بی بی امہات المومنین ہیں مریدوں کے لئے۔ ہر روز نئے نئے جھگڑے فساد برپا ہوتے رہتے ہیں۔

آج ایک مرید کو مقبول بنایا کل دوسرے کو مردود کیا، یہ سب باتیں توظاہر ہیں، علاوہ اس کے ایسے حالات ہیں جن کااظہار کرنا زبان گوارانہیں کرتی۔ یہ خاکسار عجیب پریشانی میں ہے۔ خداکے واسطے رسول کے واسطے اوراپنے طریقت کے بزرگوں کے واسطے مجھے کوئی راہ نجات کی بتائیں، یہ کہ ایسی حالت میں کسی دوسرے صاحب شریعت وطریقت کے ہاتھ پر بیعت کرسکتاہوں یا نہیں؟اورایسے شخص کی بیعت فسخ ہے یانہیں؟

الجواب:

پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علماء حرمین شریفین ہو۔

دوسرے: اتناعلم رکھتاہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

تیسرے: فاسق معلن نہ ہو۔

چوتھے: اس کاسلسلہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔

جس میں یہ چاروں شرطیں جمع ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے اورایسے پیرکے افعال واقوال پراعتراض سخت حرام اور موجب محرومی برکات دارین ہے، اس کی جو بات اپنے ذہن میں خلاف معلوم ہو واجب ہے کہ اچھی تاویل کرے اورتاویل میں سمجھ نہ آئے تویہ سمجھے کہ اس کا کوئی عمدہ منشا ہوگا جو میری سمجھ میں نہ آیا، اب آپ اپنے پیر کو دیکھئے ان چار شرطوں میں سے اگر کسی شرط کی کمی ہے توبیعت ناجائز ہوئی، آپ کو چاہئے کہ کسی پیر جامع شرائط پر بیعت کریں، کمی شرط کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اس کی منکوحہ باریک کپڑے پہنے جن سے بدن یابال چمکتے ہوں، یابالوں یاگلے یاکلائی یاپنڈلی کاکوئی حصہ ظاہر ہو یاکپڑے اتنے چست ہوں کہ بدن کی ہیأت بتاتے ہوں اوروہ یوں علانیہ مجمع مرداں میں آتی ہے اور شوہر جائز رکھے تودیّوث فاسق معلن ہے قابل پیری نہیں، اوراگرایسانہیں اورچاروں شرطیں جمع ہیں تواس پراعتراض جائز نہیں اوراس کی بیعت سے روگردانی منع ہے، وہ قسم جواس نے کھائی اس میں تاویل یہ سمجھے کہ ہم نے خود کسی سے کچھ نہ کہا بلکہ ہم سے کہلوایاگیااس طرح حضرت سیدتنا کلثوم بنت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے شوہر سیدنا عمرفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے پرجو فضائل ان کے بیان کئے ان کے والد امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا: **واللہ ماقالت ولکن قولت**[1] خداکی قسم یہ

---

[1] تاریخ الامم والملوك للطبری من ندب عمرورثاہ رضی اللہ عنہ دارالقلم بیروت ۵/ ۲۸

انہوں نے نہ کہے بلکہ ان سے کہلوائے گئے، اور اس کا کہنا کہ مریدوں کے لئے میری بیوی امہات المومنین ہیں اگرچہ سخت معیوب وناشائستہ ہے مگر نہ اس قابل کہ چاروں شرطیں ہوتے ہوئے اس کی بیعت فسخ کی جائے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۰۹: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بغیر اجازت شوہر کے مرید ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر بغیر اجازت ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب:

ہوسکتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۰: از کھنڈیا ضلع ریاست رامپور مسئولہ عزیز احمد ۲ جمادی الاولی ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند لوگ سنبھل مکن پور کے اس طرح بیعت کرتے ہیں کہ پیالہ پلاتے ہیں اور بندگان خدا کو کسی قسم کی تعلیم نہیں کرتے یہی لوگ موضع کھنڈیا علاقہ ریاست رامپور میں جمع ہوئے اور بیان کیا کہ طریقہ بیعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہی ہے۔ ایک صاحب خاندان قادریہ کے وہاں موجود تھے انہوں نے کہا کہ چار طریق سے بیعت شرعاً جائز ہے ایک بذریعہ خواب کے دوسرے قبر سے تیسرے پیالہ پلاکر چوتھے اس شخص سے جو صاحب اجازت نہ ہو۔ ان دونوں بیانوں میں کون سا صحیح ہے؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء کیا کہ حضور کا طریقہ بیعت پیالہ پلانا تھا حاش للہ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا، اور یہی طریقہ آج تک مشائخ میں ہے پیالہ پلانا بھنگڑوں بیقیدوں کے یہاں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ" [1]۔	اے نبی! یہ جو تم سے بیعت کررہے ہیں یہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں یہ تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر نہیں اللہ کا دست قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔

معلوم ہوا کہ طریقہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تھا نہ کہ پیالہ پلانا تھا۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

مسئلہ ۳۱۱: ازمدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ محمد ثناء اللہ طالب علم ۲۸ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید علم دین حاصل کررہاہے اس کاارادہ یہ ہے کہ جب میں فارغ التحصیل ہوجاؤں گا تومیں جہاں جہاں بزرگ لوگ ہیں وہاں جاکر ان سے ملاقات کروں گااور جس سے دل گواہی دے گااس ہی سے مرید ہوجاؤں گا۔ علم کے حاصل کرنے کے زمانہ میں چندلوگ اہل وطن اور غیر وطن ایک بزرگ کے مرید ہوئے اور زید سے بھی اصرار کیاکہ تم بھی مرید ہوجاؤ، بعد اصرار کے زید بھی مرید ہوگیا، آیا شرعًا مرید ہوایانہیں؟

الجواب:

اگران کے اصرار کے بعد اس کے دل میں عقیدت آگئی اور بالقصد مرید ہوامرید ہوگیا، اور صرف ان کے اصرار کے سبب بے دلی سے بیعت کی مرید نہ ہواکہ ارادت قلب سے ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۳۱۲: ازلاہور مسجد بیگم شاہی ٹولی مولوی احمددین صاحب ۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتاہے شجرہ خوانی دام تزویر ہے اور اس پر بہارستان مولانا جامی سے یہ عبارت نقل کرتاہے:

از حضرت سید بہاؤالدین صاحب نقشبند رحمۃ اللہ علیہ پرسید ند کہ حضرت شجرہ شماچیست، فرمودند کہ کسے از شجرہ خوانی بجائے نرسد، پس خدائے عزوجل رابیگانگی می شناسیم وبہمہ انبیاء واولیاء ایمان آریم ومقید سلسلہ نیستیم۔	حضرت سید بہاؤالدین نقشبند علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھاکہ اے حضرت! آپ کا شجرہ کیاہے؟ فرمایا شجرہ پڑھنے سے کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچا، پس ہم اللہ عزوجل کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور تمام انبیاء اولیاء پر ایمان لاتے ہیں کسی سلسلہ کے مقیّد نہیں ہیں۔(ت)

یہ قول صحیح ہے یاغلط؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

یہ قول محض باطل ہے اور اس میں ہزارہا اولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی، ساختہ ہے، اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کالفظ کہیں نہیں اور "پس خدائے عزوجل" سے اخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے بہارستان میں نہیں۔ شجرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے جس طرح حدیث کی اسنادیں، امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ اولیاء وعلماء ومحدثین وفقہاء سب کے امام ہیں

فرماتے ہیں:

لولا الاسناد لقال فی الدین من شاء ماشاء۔[1]	اگر اسناد نہ ہوتا تو جس کا جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا۔(ت)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں: **اوّل** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔

دوم صالحین کا ذکر کہ موجب نزول رحمت ہے۔

سوم نام بنام اپنے آقایان نعمت کو ایصال ثواب کہ ان کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔

چہارم جب یہ اوقات سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا وہ اوقات مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرّف الی اللہ فی الرخاء یعرفك فی الشدۃ۔ رواہ ابو القاسم[2] بن بشران فی امالیه عن ابی ھریرۃ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	توخوشحالی میں اللہ تعالٰی کو پہچان وہ مصیبت میں تجھ پر نظر کرم فرمائے گا۔ اس کو ابوالقاسم بن بشران نے امالی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اسی کے غیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم(ت)

مسئلہ ۳۱۳: ازآنولہ محلّہ کٹرہ پختہ کوچہ بنگلہ ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد **۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ**

علمائے شریعت وہادیان طریقت کیافرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی مختلف حالتیں ہوئیں، کبھی فسق وفجور کی طرف مائل رہتا تھا اور کبھی عبادت الٰہی میں مستغرق ہوجاتا تھا، آخر میں وہ کئی پیروں سے بیعت ہوکر مختلف قسم کی ریاضتیں اور بہت سی عبادتیں کیں اور چلّے کئے، اب وہ ولایت کا مدعی ہے اور کہتا ہے میں قطب ارشاد ہوں، اب وہ فسق وفجور کی طرف مائل ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ پہلے میں اس لئے کرتا تھا کہ لوگ مجھ پر بدگمان رہیں اور میری ولایت ظاہر نہ ہو اور اب چونکہ خدائے تعالٰی نے حکم دیا ہے اس لئے اپنی ولایت ظاہر کرتا ہوں۔ اور لوگوں سے بیعت بھی

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۲۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۷۹

لیتاہے حالانکہ اس کو کسی ظاہری پیر سے اجازت نہیں ملی ہے لیکن وہ کہتاہے کہ خداکی طرف سے بذریعہ الہام مجھے اجازت ملی ہےاوراب کسی بندہ کی طرف رجوع کرنا میرے لئے ناجائز ہے،اس کے آثاریہ ہیں کہ اس کی توجہ میں بڑازبردست اثر ہےاس سے بیعت کرنے کے تھوڑے دنوں بعد لطیفہ قلب روشن ہو کرذکر جاری ہو جاتاہےاس کا مجلس پر بھی اثر ہو جاتاہےاوراس سے بیعت کرنے پر بہت سے گمراہ آدمی پابند صوم وصلوٰۃ ہو جاتے ہیں اوران نغ دل میں عشق الٰہی بھر جاتاہےاور دیوانہ وار پھرتے ہیں اس کی سرّی نماز میں بہت شوروغل ہوتاہےاور کبھی جذبہ آتاہے رقص بھی کرتے ہیں، کیامذکورہ بالاصفات کے ساتھ موصوف شخص سے جو کسی ظاہری پیر سے اجازت یافتہ نہ ہو بیعت کرنااوراسے بیعت لیناجائز ہے یانہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

ایسے شخص کو بیعت لیناجائز نہیں اوراس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز۔

اے پسر شرط صحت بیعت در طریقت اجازت سلف ست

بدغل سکہ نہ بہرہ مزن کان رہ کاسدان ناخلف ست [1]

(اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط، طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہر مت لگاکہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کاہے۔ت)

حضرت سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ ودیگر اکابر کرام قدست اسرارہم فرماتے ہیں:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطان۔[2]	بے پیرے کاپیر شیطان ہوتاہے۔

یہ جوظاہری ذوق وشوق لوگوں میں دیکھاجاتاہے قابل اعتبار نہیں شیطان کی طرف سے بھی ہوتاہےاوراس پرواضح دلیل نماز میں شوروغل مچانا،اوررقص کرنایہ نہیں مگر شیطان کی طرف سے کہ نماز فاسد کرے، صحابہ کرام واکابراولیاء عظام سے ایسا کبھی منقول نہ ہوااان سے زیادہ تاثیروبرکت کس کی ہوسکتی ہے مگر صادقین سے برکت ہوتی ہےاورکاذبین سے حرکت۔**قال اللہ تعالٰی "وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾"** [3] اپنے عمل باطل نہ کرو۔**وقال تعالٰی "وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾"** [4] اللہ کے حضور

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۰

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المتشھد الحسینی ص ۸۷ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

[3] القرآن الکریم ۴۷/ ۳۳

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۸

ادب سے کھڑے رہو۔ اس کا اقرار کرنا کہ فسق وفجور کرتا تھا اور اس کا عذر بیان کرنا کہ اخفاء ولایت کے لئے تھا، عذر بدتر از گناہ ہے۔ حضرات ملامتیہ قدست اسرارہم کی ریس کرتا ہے، وہ کبھی مستحب بھی ترک نہیں کرتے معاذاللہ فسق وفجور کیا معنی۔

او گمان بردہ کہ من کردم چو او   فرق را کہ بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے بھی اس کی مثل کیا، وہ جنگجو فرق کو کب دیکھتا ہے۔ت)

شیطان کے دھوکے اس سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں، حضرت سیدی ابوالحسن جوسقی خلیفہ حضرت سیدی علی بن ہیتی فیض یافتہ بارگاہ سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک مرید کو اعتکاف میں بٹھایا ایک شب حجرہ سے زار زار رونے کی آواز آئی، دروازہ پر تشریف لے گئے، حال پوچھا، عرض کی شب قدر میرے پیش نظر ہے آفاق نور سے روشن ہیں درودیوار حجر و شجر سجدے میں گرے ہیں میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں سینے میں ایک لوہے کی سلاخ ہے کہ جھکنے نہیں دیتی اس پر روتا ہوں۔ فرمایا: اے فرزند! یہ لوہے کی سلاخ وہ سِر ہے جو میں نے تیرے سینے میں القا کیا ہے وہ تجھے جھکنے نہیں دیتا یہ شب قدر نہیں شیطان کا شعبدہ ہے۔ یہ فرما کر دونوں دست مبارک پھیلائے اور آہستہ آہستہ انہیں قریب لاتے گئے جتنا ہاتھ سمٹتے وہ نور تاریکی سے مبدل ہوتا تھا جب دونوں ہاتھ مل گئے واویلا اور فریاد کی آواز آئی۔ فرمایا: اب تو میرے مریدوں کو اغوا نہ کرے گا۔ یہ فرما کر چھوڑ دیا۔ وہ جھوٹا کرشمہ سب باطل ہوگیا۔ اس کے دھوکے اس سے بھی سخت ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اور اس کا وہ کلمہ کہ "اب کسی بندہ کی طرف رجوع میرے لئے ناجائز ہے" اگر اپنے ظاہر عموم پر رکھا جائے تو صریح کلمہ کفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی بندے ہیں اور ان سے کسی وقت بے نیازی کسی نبی مرسل کو بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ این وآں۔

والعیاذباللہ تعالٰی من وساوس الشیطان ولاحول ولا قوۃ الاباللہ العلی العظیم ○ واللہ تعالٰی اعلم۔	شیطان کے وسوسوں سے اللہ تعالٰی کی پناہ، بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت وقوت نہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۴: ازمدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خاندان قادریہ میں ایک بزرگ سے بیعت ہوا

لیکن ان بزرگ صاحب نے کچھ نصیحت احکام شرعیہ کی نہ کی اور چند ہی روز کے بعد ان کا انتقال ہوگیا اب زید خاندان قادریہ میں کسی دوسرے بزرگ سے بیعت حاصل کرسکتا ہے یا نہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

اگروہ پیر جامع شرائط بیعت تھے یعنی عالم، سنی، صحیح العقیدہ، متصل السلسلہ، غیر فاسق، تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے فیض لے سکتا ہے۔ اوران چار شرطوں میں سے کوئی شرط کم تھی تو اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہی نہ تھی، دوسرے سے بیعت کرے جو ان شرائط کا جامع ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رساله
کشف حقائق واسرار ودقائق ۱۳۰۸ھ
(ظاہر کرنا حقیقتوں، رازوں اور باریک باتوں کو)

مسئلہ ۳۱۵: از بڑودہ باڑہ نواب صاحب مرسلہ حضرت نواب سید نورالحسن خاں بہادر ۲۵ شعبان ۱۳۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمدللہ ربّ العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علٰی سیدالمرسلین محمّد واٰلہ وصحبہ واولیاء امّتہ وعلماء ملّتہ وعلینا معھم اجمعین۔

امّا بعد

ایں پاسخ اشعار وقت اشعار تصوف اشعار حسب الارشاد لازم الانقیاد حضرت عظیم الدرجہ جناب صاحب والامناقب نواب سید نورالدین حسین خاں بہادر رئیس اعظم بڑودہ ادام اللہ تعالٰی اقبالھم وضاعف اجلالھم۔ بزبان عام اردو ومطالب سہل الحصول مطابق عقائد	یہ جواب ہے تصوف سے متعلق کچھ بلند پایہ اشعار کا۔ ان کے ارشاد کے مطابق جس کی فرمانبرداری لازم ہے یعنی بلند و عظیم درجات ومناقب کے مالک محترم جناب سید نور الدین حسین خان بہادر رئیس اعظم بڑودہ، اللہ تعالٰی ان کی خوش بختی کو ہمیشہ رکھے اوران کی بزرگی کو دگنا کردے، عام اردو زبان میں کہ مطالب آسانی سے حاصل ہوں، جو مطابق ہے

اہل حق ومدارک افہام وعقول بتاریخ بست وپنجم شعبان المعظم روزجاں افروز دوشنبہ ۱۳۰۸ھ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ دربانس بریلی ملک ہند بخامہ خام نگار فقیر ذلیل ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی آل رسولی غفراللہ لہ وحقق املہ باوصف قلّت بضاعت وجہل صناعت بامداد نور باطن حضور لامع النور سلالۃ الواصلین نقاوۃ الکاملین بحر طریقت بدر حقیقت حضرت سیدناومولانا وشیخنا حضرت سیدشاہ ابوالحسین احمدنوری الملقب بمیاں صاحب قبلہ مارہری ادام اللہ فیضھم المعنوی والصوری درساعت واحدہ ریختہ ع گرقبول افتدزہے عزّوشرف	اہل حق کے عقائد اور موافق ہے عقول وافہام کے۔یہ جواب بانس بریلی ہندوستان میں بروز پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۰۸ھ کو اس فقیر حقیر،ذرہ بے مقدار عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی برکاتی،آل رسولی (اللہ اس کی مغفرت فرمائے اور اس کی امید برآری فرمائے) کے قلم سے پونجی کی قلّت اور فن میں عدم مہارت کے باوجود صرف ایک گھنٹے میں معرض تحریر میں آیا۔یہ ان کے نور باطن کی مدد سے ہوا جو روشن نور والے،واصلین کے خلاصہ،کاملین میں عمدہ،طریقت کے سمندر اور حقیقت کے چاند ہیں یعنی ہمارے سردار،ہمارے آقا،ہمارے شیخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ مارہروی،اللہ تعالٰی ان کے معنوی اور صوری فیض کو ہمیشہ رکھے۔ اگر قبول ہوجائے تو کیا ہی عزت اور شرف ہے(ت)

شعر اول: سب پیر اور مشائخ میرا سوال بولو   صورت جلال کیا ہے اور کیا جمال بولو

الجواب: اللہ جل وعلا رحیم بھی ہے اور قہار بھی ہے رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔دوستوں کو انواع نعمت سے نوازنا ان کے لئے بہشت اور اس کی خوبیاں آراستہ فرمانا انہیں اپنی رضا ودیدار سے بہرہ مندی بخشنا تجلی شان جمال ہے۔دشمنوں کو اقسام عذاب کی سزادینا ان کے لئے دوزخ اور اس کی سختیاں مہیا فرمانا انہیں اپنے غضب وحجاب میں مبتلا کرنا تجلی شان جلال ہے۔پھر دنیا میں جو کچھ نعمت ونقمت وراحت وآفت ہے انہیں دونوں شانوں کی تجلی سے ہے۔کبھی یہ شانیں ایک دوسرے کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔مثلاً دنیا میں اپنے محبوبوں کے لئے بلا بھیجنا کہ:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل۔[1]	تمام لوگوں سے بڑھ کر تکلیفیں نبیوں پر آئیں پھر ان سے کم درجہ والوں پر پھر ان سے کم درجہ والوں پر۔(ت)

[1] کنزالعمال حدیث ۶۷۸۰ و ۶۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۳۲۸و۳۲۹

بظاہر شان جلال ہے اور حقیقۃً شان جمال کہ اس کے باعث وہ اللہ تعالٰی کی بڑی بڑی نعمتیں پاتے ہیں، قال اللہ تعالٰی:

"لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ "۔[1]	اسے اپنے لئے برانہ جانو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

کفار کو کثرت مال وغیرہ دنیا کی راحتیں دینا بظاہر شان جمال ہے اور درحقیقت شان جلال ہے کہ اس کے سبب وہ اپنی غفلت وگمراہی کے نشے میں پڑے رہتے ہیں اور ہدایت کی توفیق نہیں پاتے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْۤا اِثْمًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ (۱۷۸) "۔[2]	کافر کا خیال کہ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دے رہے ہیں کچھ ان کے لئے بھلی ہے یہ ڈھیل تو ہم اس لئے دیتے ہیں کہ وہ اور گناہ میں پڑیں اور ان کے لئے ذلت کی مار ہے۔

تجلی وجمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے جب یہ قلب عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازی کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنپھیاں، اور تجلی جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخوف و تعب جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے بلکہ اگر طاقت سے زیادہ واقع ہوتی ہے فنا کر دیتی ہے۔ انہیں دونوں تجلّیوں کا اثر تھا کہ ایک روز وعظ میں برسر منبر حضور پر نور سیدنا غوث اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دیکھا گیا کہ حضور کا جسم اقدس سمٹ کر ایک چڑیا کے برابر ہوگیا اور اسی وقت یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ تن مبارک پھیل کر ایک بُرج کی مثل ہوگیا اور دیکھا گیا کہ حضور (رضی اللہ تعالٰی عنہ) منبر سے گرنے لگے یہاں تک کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست اقدس کے سہارے روک لیا، یہ وہ عظیم تجلی تھی جس کا تحمل بے قوت نبوت ناممکن تھا، لہٰذا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قوت مصطفویہ سے مدد فرماکر اس کا تحمل کرادیا، اسی شان جلال کا اثر ہے جو حضور پر نور سیدنا غوث اعظم صلی اللہ تعالٰی علٰی جدہ الکریم وعلیہ وسلم کے ایک مرید پر حضور کے پیچھے نماز میں واقع ہوئی کہ سجدہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۸

جاتے ہی جسم گھلنے لگا گوشت پوست، استخواں سب فنا ہوگیا صرف ایک قطرہ آب باقی رہا۔ حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد نماز روئی کے پارہ میں اٹھا کر دفن کردیا اور فرمایا سبحان اللہ ایک تجلی میں ساعت قیامت ہے یہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو فنا کردے گی اسی لئے باری عزوجل اس دن یوں ارشاد فرمائے گا: "لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ط"[1] کل تک سب کہتے تھے یہ ملک میری ہے یہ ملک میرا ہے آج بتاؤ کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی فرمائے گا "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾"[2] ایک اللہ قہر والے کی۔ اس وقت باسم قہار اپنا وصف بیان فرمائے گا کہ وہ تجلی شان قہر کی ہوگی، **وحسبنا اللہ۔**

شعر دوم: خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو

الجواب: اس کی ایک ظاہری مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے، نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے نہ قوت وضعف کا فرق ہے، نہ جدا جدا رنگ ہیں، نہ متعدد نام ہیں، وہی نور واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا، پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی وقوت ہوتی رہی، شب چہاردہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی، پھر اس میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ فنا ہوگیا۔ وہی نور واحد آئینہ مصفّا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے کہ نگاہ خیرہ وحیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہوا، اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کمی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں کولوں وغیرہ سیاہ بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا وہی ایک نور ہے کہ جب قریب اُفق جانب شرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب دن نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں تو دیکھو ایک آفتاب کی تجلی اور اتنے اختلاف، اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جدا نام ہیں اور جدا اوصاف، بااین ہمہ وہ نور اپنی ذات میں ایک ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں، نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہوگیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا، نہ شفق کے وقت اس نے لباس سرخ پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید، نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہوگیا تھا نہ بدر پر پڑتے بشکل دائرہ، نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف،

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶

مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اس شے واحد کی اتنی تعبیریں اور اس قدر حالتیں ہو گئیں۔ پس یہ مثال نور مطلق ذات باری عزوجل کی سمجھنا چاہئے کہ واحد حقیقی ہے تغیر واختلاف کو اصلاً اس کے سراپردہ عزت کے گرد بار نہیں، پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں جنہیں ہم عالم نام رکھتے ہیں یہ ظاہری تفہیم کے لئے ایک بہت ناقص وناکارہ وناتمام مثال ہے "وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ" [1] (اور ان کی شان سب سے بلند ہے۔ت) اس سے زائد بیان سے باہر اور مرتبہ عقل سے وراء ہے۔ تا کرا بخشند وبکہ روزی دارند (یہاں تک کہ کس کو بخشیں گے اور کس کو روزی دیں گے۔ت)

شعر سوم: مخفی میں کیونکہ تھا وہ سری میں کس طرح تھا

پھر روح کیوں ہوا ہے دل کا خصال بولو

الجواب: وہ نور پاک اپنی ذات میں نہایت ظہور پر ظاہر ہے اور اپنے بے نہایت ظہور کے سبب باطن کہ نور جس قدر تابندہ تر ہو گا نظر اس پر کام کم کرے گی، جب نور احدیت کی تابش غیر محدود ہے چشم جسم وچشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں تو وہ اپنے کمال ظہور کے سبب کمال خفا وبطون میں ہے پھر اپنے مظاہر وتجلیات میں تو اس کا ظہور ذی عقل پر ظاہر ہے اور اسی نور کے متعدد پرتووں نے روح وقلب وغیرہ وغیرہ بے حساب نام پائے ہیں جس طرح ہم ابھی مثال میں واضح کر آئے قلب وروح کی معرفت بے معرفت الٰہی نہیں ہوتی۔

من عرف نفسه فقد عرف ربّه، [2] من عرف نفسه كلّ لسانه۔ [3]	جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کی زبان بند ہو گئی۔ (ت)

ناواقفوں سے فقط اتنا ارشاد ہوا:

"قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾"۔ [4]	تو فرما روح میرے رب کے امر سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۶۰

[2] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[3] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

عالم دو ہیں: عالم امر و عالم خلق،

"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾"[1]	سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے رب سارے جہان کا۔(ت)

عالم خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے انسان، حیوان، نباتات، جمادات، زمین و آسمان وغیرہا کہ نطفہ و تخم و عناصر سے بنے عالم امر وہ جو صرف امر کن سے بنا، اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ وارواح و عرش ولوح و قلم وجنت ونار وغیرہ۔ تو فرمایا روح عالم امر سے ایک چیز ہے، عقل کا حصہ اسی قدر ہے، آگے اس کی ماہیت اکابر اہل باطن جانتے ہیں، سبحان اللہ! آدمی خود اسی روح کا نام ہے اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ؎

تنت زندہ بجاں جان نہانی　　　تو از جاں زندہ وجاں را نہ دانی

(تیرا بدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے، اور جان کو نہیں جانتا ہے۔ت)

اور سِرّ وخفی وروح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم سے ہیں جن میں تجلیات حق کے رنگا رنگ ذوق کا ادراک کار عیاں ہے نہ کار بیان ع

ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

اللہ کی قسم تو اس شراب کا مزہ نہیں پہچان سکتا جب تک اسے چکھ نہ لے۔ت)

شعر چہارم:

اربع عناصر اب یوں نکلے کہو کہاں سے
مرتا سو کون اس میں کس کو وصال بولو

الجواب: نور احدیت کے پرتو سے نور محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنا اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا، اول پانی پیدا ہوا، پھر اس میں دھواں اٹھا اس سے آسمان بنا، پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہو کر زمین ہوگیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کر دیا پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کئے، یونہی پانی سے آگ بنی، ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پا کر ہَوا ہُوا ہو اور ہَوا گرم ہو کر آگ، یا جس طرح مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے چاہا، غرض پانی مادہ تمام مخلوق کا ہے۔ امام احمد وابن حبان وحاکم کی

[1] القرآن الکریم ۷/ ۵۴

حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **کل شیئ خلق من الماء**[1] ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ موت بدن کے لئے ہے جس کے معنی روح کا اس سے جدا ہو جانا۔ روح پہلے نہ تھی جب بنی تو پھر اس کے لئے فنا نہیں، یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ولہٰذا بعد مرگ سمع وبصر، علم وفہم وغیرہ تمام افعال کہ حقیقۃً روح کے تھے برقرار رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ ترقی پاتے ہیں، جن کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پرند قفس میں محبوس ہے اس کی پَرافشانی اسی پنجرے کے لائق ہوگی جب اسے نکال دیجئے تو اس کی پروازیں دیکھئے۔ فقیر نے اپنی کتاب "**حیات الاموات فی بیان سماع الاموات**" میں اس مسئلہ کو بحمداللہ تعالٰی نہایت شرح وبسط سے ثابت کیا ہے یہ روح اپنے معدن اصلی سے غریب الوطن ہو کر قفس بدن میں بحکم الٰہی ایک مدت معین تک محبوس ہے جب وقت آئے گا اپنی اصل کی طرف رجوع کرے گی "**یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾**"[2] (اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یوں کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ت) اس کا نام وصال ہے۔ت)

شعر پنجم:

اول ہے روح علوی دوسری کا نام سفلی
ایک روح دو صفت کیوں پکڑا کمال بولو

الجواب: اس شعر کے دو معنے ہیں: ایک یہ روح مجرد ہے یعنی جسم اور جسم کی سب آلائشوں سے پاک ومنزہ، یہ صفت اس کی علوی ہے، پھر وہی روح اس جسم پر عاشق اور اس سے متعلق اور حیات دنیوی میں اس کی عادی کام اس جسم کے آلات پر موقوف، یہ صفت اس کی سفلی ہے مگر اس بلندی سے اس تنزّل میں آنے کے بعد ہی وہ اپنے کمالات کو پہنچتی ہے "**قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا**"[3] (ہم نے فرمایا تم جنت سے اُتر جاؤ۔ت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باعث ہزاراں برکات وخیرات ہوا۔

دوسرے یہ کہ انسان میں صفت ملکوتی وصفت بہیمی وصفت شیطانی سب جمع ہیں، اگر صفت ملکوتی پر عمل کرے ملک سے بہتر ہو اور اگر دوسری صفت کی طرف گرے بہائم سے بدتر ہو۔

---

[1] کنزالعمال حدیث ۱۵۲۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۵۶

[2] القرآن الکریم ۸۹/ ۲۷و۲۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۸

حدیث میں آیا ہے:

قال اللہ تعالٰی عبدی المومن احب الیّ من بعض ملئکتی[1]	اللہ تعالٰی فرماتا ہے میرا بندہ مومن مجھے اپنے بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہے۔

اور کفّار کے حق میں فرمایا:

"اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ"[2]	وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

اور اس کا کمال انہیں دو صفت کے اجتماع سے کہ جب وہ باوجود موانع کہ صفت بہیمی اسے شہوات کی طرف بلاتی ہے اور صفت شیطانی خیرات سے روکتی ہے پھر ان کا کہنا نہ مانے اور اپنے رب کی عبادت وطاعت میں مصروف ہو تو اس کی بندگی نے وہ کمال پایا جو عبادت ملائکہ کو حاصل نہیں کہ ملائکہ بے مانع وبے مزاحم مصروف عبادت ہیں اور یہ ہزار جالوں میں پھنسا ہوا ان سب سے بچ کر بندگی بجالاتا ہے۔

فرشتہ گر بہ بیند جوھر تو
دگرہ سجدہ آرد بر در تو
(فرشتہ اگر تیرے جوہر کو دیکھ لے تو پھر تیرے در پر سجدہ کرے۔ت)

شعر ششم:

دِکھتا ہے جو کہ خاکی آنکھوں سے سب فنا ہے
دِکھتا ہے کس نظر سے وہ جگ اُجال بولو

الجواب: ظاہر ہے یہ آنکھیں فانی ہیں اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا، لہٰذا دنیا میں دیدار الٰہی سوا حضرت سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کسی نبی مقرب کو بھی نصیب نہ ہوا ہاں چشم روح باقی ہے ہم ابھی ذکر کر آئے کہ روح کے لئے تو اولیاء نظر دل سے اُس جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور روز حشر وہ آنکھیں ملیں گی جنہیں پھر کبھی موت وفنا نہیں تو اس دن چشم جسم سے بھی مسلمان دیدار الٰہی تبارک وتعالٰی سے مشرف ہوں گے۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین!

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الصوم دار الفکر بیروت ۴/ ۱۹۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

شعر ہفتم:

ہر چیز ذات حق سے معمور ہے ولیکن
ملتا ہے کس محل میں ابرو ہلال بولو

الجواب: اس کا جواب وہ ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہوا انہوں نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی: الٰہی! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: **عندالمنکسرۃ قلوبھم لاجلی**[1] اُن کے پاس جن کے دل میرے لئے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک شخص حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا پنجوں کے بل گھٹنے ٹیکے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون رواں ہے، عرض کی حضرت! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: میں ایک قدم میں یہاں سے عرش تک گیا عرش کو دیکھا کہ رب عزوجل کی طلب میں پیاسے بھیڑیے کی طرح منہ کھولے ہوئے ہے بانگے بر عرش زدم کہ ایں چہ ماجراست ہمیں نشان دیتے ہیں **الرحمٰن علی العرش استوٰی** (رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استوا فرمایا۔ت) میں رحمٰن کی تلاش میں تجھ تک آیا تیرا یہ حال پایا، عرش نے جواب دیا: مجھے ارشاد کرتے ہیں کہ اے عرش! اگر ہمیں ڈھونڈنا چاہے تو بایزید کے دل میں تلاش کر۔[2]

شعر ہشتم:

سب جسم ہے محمد موجود ذات حق ہے
اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو

الجواب: حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام عالم نور حضرت سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پیدا کیا تو اصل ہر چیز کی نور سراپا حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے پس مرتبہ ایجاد میں بس وہی وہ ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے قصیدہ نونیہ نعتیہ میں بحمد اللہ تعالٰی اس نفیس مضمون میں بہت ابیات رائقہ لکھے ہیں، **ھٰھُنا قولی** ؎

خالق کل الورٰی ربك لاغیرہ نورك کل الورٰی غیرك لم، لیس، لن[3]

(کل کائنات کا خالق تیرا رب ہے نہ کہ اس کا غیر، تیرا نور ہی کل کائنات ہے اور تیرے سوا لم، لیس، لن ہے۔ت)

ای **لم یوجد ولیس موجودًا ولن یوجد ابدًا** (یعنی کہیں نہیں پایا گیا، نہ موجود ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ت) اور مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے وحدت وجود کے جس قدر معنے عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دار الفکر بیروت ۶/ ۲۹۰

[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی رحمہ اللہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۰۰

[3] بساتین الغفران منظومہ نونیۃ فی مدح سید الانبیاء رضا دار الاشاعت لاہور ص ۲۲۳

موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے "کُلُّ شَیۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ"[1] (ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔ت) اور حاشا یہ معنی ہر گز نہیں کہ من وتو زید وعمرو ہر شَے خدا ہے، یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔ یہی کفر واسلام کا پردہ سنبھالنا ہے۔

شعر نہم:

نکتہ نہیں علم کا قرآن میں سمایا

معنی علم کے نکتہ کے اب محال بولو

الجواب: علم کا نکتہ وہ باریک بات سمجھ میں نہ آئی یہاں اس سے مراد ذات پاک باری عزوجل ہے کہ ہر گز اس کی کُنہ نہ فہم تصور میں آسکے نہ بیان وکلام میں سماسکے ادراک اس کا محال اور خوض اس میں ضلال، **والعیاذ باللہ ذی الجلال**، قرآن اللہ عزوجل کا کلام اور اس کی صفت ہے۔ صفت ذات میں ہوتی ہے ذات صفت میں نہیں آسکتی۔

کس نہ دانست کہ منزل گہ آں یار کجاست　　　ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(کسی کو معلوم نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اتنا جانتا ہے کہ کسی گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ت)

ھذا واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیّدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم۔ اٰمین!

رسالہ

کشف حقائق واسرار ودقائق

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

اورادووظائف وعملیات

مسئلہ ۳۱۶: از صاحب گنج گیا مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف

سوال یہ ہے: "السلام علیکم یاخواجہ عبدالکریم جانب مشرق، السلام علیک یاخواجہ عبدالرحیم جانب شمال، السلام علیک یاخواجہ عبدالرشید، جانب جنوب، السلام علیک یاخواجہ عبدالجلیل"۔ جانب مغرب بعدہ یہ پڑھنا:

اللّٰھم انت قدیم ازلی تنزیل العلل ولم تزل ولاتزال ارحمنی برحمتك یاارحم الراحمین. اللّٰھم اغفر لامة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم. اللّٰھم ارحم امة سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعدہ پڑھنا درود شریف کا بعدِ طاق جائز ہے یانہیں؟ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بھی لکھا ہے اور نیز کیمیائے سعادت میں ہے۔

الجواب:

دعائے مذکور جائز ہے اور اس میں بہت برکات ہیں۔ یہ چاروں حضرات جہات اربعہ میں اوتادِ اربعہ ہیں۔ یہ اسمائے طیبہ ان کے اشخاص کے نہیں بلکہ عہدہ کے ہیں۔ جس طرح ہر غوث کا نام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کے نام عبدالملک اور عبد الرب ہیں۔ جو اس عہدہ پر مقرر ہو گا ظاہر میں کچھ نام رکھتا ہو یا باطن میں اس کا یہ نام رکھا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۷: از سہسوان محلّہ مستولی ٹولہ مرسلہ پرورش علی صاحب

نسیان کا مجرب علاج کیا ہے؟

الجواب:

دفع نسیان کو ۷اابار سورہ الم نشرح ہر شب سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کرنا، اور صبح ۷ا بار پانی پر دم کرکے قدرے پینا، اور چینی کی رکابی پر یہ حروف اھ ظ م ف ش ذ لکھ کر پلانا نافع ہے۔ اور چالیس روز سفید چینی پر مشک وزعفران وگلاب سے لکھ کر آب تازہ سے محو کرکے پئیں۔ تسمیہ اس کے بعد **فسھّل یاالٰھی کل صعب * بحرمۃ سیدالابرار سھّل* یامحی الدین اجب، یا جبرائیل بحق یابدوح**۔ **والسلام**۔

مسئلہ ۳۱۸: از مقام سوروں ضلع ایٹہ۔ اللہ دیا وچندومنہار روز دوشنبہ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

رہنمائے دین متین، مرشد راہ یقین بندہ دام فیضہ۔ بعد اظہار لوازم کے یہ عاصی پرمعاصی بندہ خاکسار حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہے، آج کل مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضور مجھ کو ذکر قلبی بتلادیجئے، آپ حضور لکھ دیں فوراً خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا اسم شریف کیا ہے، وہ مجھ کو تحریر کریئے گا۔ اور ایک حافظ آئے تھے "سرائے ترین" سوداگر کنگھی والے، وہ مجھ کو ایک حاضرات بتلاگئے ہیں، حضور اجازت دیں تو عمل میں لاؤں۔ سورہ رحمٰن کے دوسرے رکوع میں ہے: **یامعشر الجن**، حضور اس کا جواب بہت جلد دیجئے گا اور خان حمید الدین شاہ صاحب مجھ کو ایک عمل ہمزاد تجربہ کادے گئے ہیں وہ اب تک بغیر اجازت حضور کے نہیں کیا۔

الجواب:

حاضرات جن سے جنوں کو بلانا اور ان سے صحبت وملاقات مقصود ہو محمود نہیں۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں: "کم سے کم وہ ضرر کہ جن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہوجاتا ہے"۔ یہ کتنا بڑا ضرر ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا: "کیا متکبروں کا ٹھکانہ جہنّم نہیں"۔[1]

ذکر کے طریقے کثیر ہیں، تلاوت قرآن وکلمہ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھئے۔ اور جو اذکار بطریقہ اشغال ہیں وہ بالمشافہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔ سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف **یُوْحَانِذ** ہے۔ **وھوتعالٰی اعلم**۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مسئلہ ۳۱۹: (سوال مذکور نہیں)

اجازت نامہ اوراد ووظائف واعمال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے جملہ نقوش و تعویذات خاندانی جو فقیر کو اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا حضرت جناب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مارہری قدس سرہ العزیز یا ارشادات ائمہ کرام واولیائے عظام وعلمائے اعلام سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے پہنچے یا فقیر نے بفضلہٖ تعالٰی مجاز وماذون ہو کر خود ایجاد کئے یا آئندہ ایجاد کروں ان سب کی اجازت عامہ تامہ صحیحہ نجیحہ اپنے خواہر زادہ برخوردار حکیم علی احمد خاں سلمہ کو دی۔ مولٰی تعالٰی اپنے کرم سے برکت فرمائے شرط یہ ہے کہ کسی کام خلاف شرع کے لئے نہ خود استعمال کریں نہ کسی ایسے کو دیں یا بتائیں جو کوئی کام خلاف شرع چاہتا ہو۔

[۱] جس طرح عورتیں اکثر تسخیر شوہر چاہتی ہیں کہ شوہر ہمارے کہنے میں ہو جائے جو ہم کہیں وہی کرے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسے شرک فرمایا اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا نہ کہ محکوم۔ [۲] یا یہ چاہتی ہیں کہ اپنی ماں بہن سے جدا ہو جائے یا [۳] ان کو کچھ نہ دے ہمیں کو دے، یہ سب مردود خواہشیں ہیں۔ [۴] مقدمات فوجداری میں مسلمانوں کو نقوش حفاظت دیئے جائیں۔ [۵] دیوانی و مال کے مقدمات میں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے نہ دیں کہ ظالم کی اعانت حرام ہے۔ [۶] حب و تسخیر عورت کے لئے نقش و عمل کسی کو نہ دیا جائے اس میں اکثر مقاصد فاسد بھی ہوتے ہیں اگر فی الواقع نکاح ہی کا طالب ہو جب بھی صریح اندیشہ معصیت ہے کہ اجنبی کی محبت دلِ عورت میں پیدا ہو نا سمِ قاتل ہے ممکن کہ نکاح میں تعویق ہو یا اولیائے زن نہ مانیں اور محبت طرفین سے پیدا ہو چکی تو اس کا نتیجہ برا ہو۔ [۷] یونہی اگر تسخیر زن نہ چاہے بلکہ اولیائے زن کی تسخیر کہ وہ اس سے نکاح کر دیں اور یہ ان کا کفو نہ ہو یعنی ایسا کم ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث مطعونی یا معصیت شرعی ہو جب بھی ہرگز نہ دیں کہ یہ مسلمانوں کی مضرت رسانی ہے بلکہ [۸] بہتر یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مطلقاً دیا ہی نہ جائے نکاح خصوصًا ہندوستان میں عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور انجام کا علم اللہ عزوجل کو۔ ممکن کہ یہ رشتہ طرفین میں کسی کے لئے شر ہو تو شر کا سبب بنانہ چاہئے، یہاں ایسوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کی جاتی ہے کہ استخارہ شرعی کریں اور دعا کہ

اللہ عزوجل وہ کرے جو بہتر ہو۔[۹] نہ خود کسی مسلمان کی ضرر رسانی کا کوئی عمل کیا جائے نہ کسی کو بتایا جائے اگرچہ وہ اپنی کتنی ہی مظلومی اور اس کا ظالم و موذی ہونا ظاہر کرے، ہاں اگر ثبوت شرعی سے ثابت ہو جائے کہ وہ عام طور پر موذی وظالم ہے تو اس کے لئے اسی قدر ضرر کی خواہش روا ہے جس قدر کا شرعًا اسے استحقاق ہے اس سے زیادہ حرام ہے اور اس کا صحیح معیار پر اندازہ خصوصًا اپنے معاملہ میں بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا ہمیشہ یہاں سپر ہی ہاتھ میں رکھی تلوار کام میں نہ لائی گئی، اسی پر عمل رہے۔[۱۰] مسلمانوں کو لوجہ اللہ تعویذات واعمال دیئے جائیں دنیوی نفع کی طمع نہ ہو جیسا آج تک بحمد اللہ تعالٰی یہاں کا دستور ہے۔[۱۱] کفار کو اگر نقوش دیئے جائیں تو مضمر، انہیں مظہر کی اجازت نہیں اور وہ بھی اس امر میں ہو جس سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہو اور ان سے معاوضہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔ جو کافر خصوصًا مرتد جیسے قادیانی، نیچری، وہابی، رافضی، چکڑالوی، غیر مقلد مسلمان کو ایذا دیا کرتا ہوا گرچہ رسائل کی تحریر یا مذہبی تقریر سے اس پر سے دفع بلا خواہ رفع مرض کا بھی نقش نہ دیا جائے، اور ایسا نہ ہو اور اس کام میں کسی مسلمان کا ذاتی نقصان بھی نہ ہو جب بھی مرتدوں کا مبتلائے بلا ہی رہنا بھلا۔ اور اگر دیں تو ضرور بمعاوضہ کہ اس میں دینی نفع تو تھا ہی نہیں دنیوی بھی نہ ہو تو آخر کس لئے۔ یہ بارہ[۱۲] باتیں بطور نمونہ ہیں، غرض ہر طرح مصلحت شرعیہ ملحوظ رہے اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین!

مسئلہ ۳۲۰: از کیلا سپور ضلع سہارنپور مرسلہ عبداللہ صاحب امام مسجد منہاران ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

میں سورہ واقعہ کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ شروع چاند میں جو پہلی جمعرات کے دن بعد نماز مغرب، اول آخر درود شریف کے بعد چھ مرتبہ سورہ مذکورہ کی تلاوت کرے اور پھر دوسرے روز پانچ بار پڑھے اسی طرح دوسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھتا رہے دوسری جمعرات کو سورہ شریف پانچ بار پڑھ کر مع درود شریف کے اس ہفتہ کی تلاوت خدا کی نذر کر۔ اس کے بعد فورًا پھر مع درود شریف چھ بار سورہ شریف کی تلاوت کرے اور بعدہ روزمرہ بدستور تیسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھے اس ہفتہ کا ثواب حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بخشے۔ اور پھر فورًا از سر نو شروع کرے اور ترکیب بالا جمعرات تک کرے اس ہفتہ کا ثواب جمیع ارواح مومنین کو ہدیہ، عمل تمام ہو۔ لہٰذا حضور باجازت اس عمل کی مجھے دیں اس میں جو کچھ غلطی ہو تو اصلاح فرمادیں، اور ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ سورہ یسین میں اللہ تعالٰی

کے اسماء میں سے ایک اسم رکھاگیاہے اور وہ اسم سورہ یسین کے وسط میں ہے اس کے پانچ کلمے اور سولہ حرف ہیں چار حرف منقوطہ ہیں اور دو حرفوں پر اوپر نقطے ہیں اور دو حرفوں کے نیچے ہیں للذا میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے پتہ نہ چلا، امید کہ آپ اس مشکل کو حل کریں۔

الجواب:

کسی عمل کا ثواب مولٰی تعالٰی کی نذر کرنا محض جہالت ہے وہ غنی مطلق ہے اور حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خواہ اور نبی یا ولی کو ثواب بخشنا کہنا بے ادبی ہے بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے، پہلے ہفتہ کی تلاوت کا ثواب نذر حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کرے، دوسرے کی تلاوت کا ثواب نذر باقی انبیاء و اولیاء، تیسرے کا ثواب ہدیہ ارواح جملہ مومنین و مومنات کرے، اس طرح کیجئے میں نے آپ کو اجازت دی، وہ سورہ مبارکہ کی ایک پوری آیت ہے کارڈ میں آیت نہیں لکھی جاسکتی اس کا اول س ل م اور آخر ر ح ی م۔ اس سائل نے ۱۶ حرف یوں بتائے کہ سلام میں چار حرف سمجھے یہ غلط ہے مصحف کریم میں یہ لفظ بے الف ہے تو پندرہ ہی حرف ہیں اس میں چار حرف منقوط ہیں ق ن ب ی، مگر نون کے اوپر نقطہ کہنا نہ چاہئے کہ وہ جوف میں ہے فقط۔

مسئلہ ۳۲۱: از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

یکے ملا میگوید کہ دردعاء گنج العرش و دردعاء عکاشہ وغیرہ ادعیات عربی و فارسی و در نور نامہ ہندی کہ در آن ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتفصیل است ثواب چنداں نوشتہ است کہ چہل شہید و حج وغیرہ امورات ثواب حاصل آید کہ بخواند، آں ملا میگوید ہرچہ ثواب نوشتہ است آں حاصل نباشد و غلط نوشتند برائے فروختگی کتاب نوشتہ و ہیچ اصل نیست آیا گفتہ ملا بموجب شرع شریف است یا مخالف اگر ثواب ہمچناں ست کہ نوشتہ است. براہ مہربانی	ایک ملا کہتا ہے کہ دعاء گنج العرش اور دعاء عکاشہ وغیرہ عربی وفارسی دعاؤں پر اور اسی طرح نور نامہ ہندی جو میلاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تفصیلی ذکر پر مشتمل ہے، کو پڑھنے پر ثواب اس قدر لکھا ہے کہ چالیس شہیدوں اور حج وغیرہ نیک امور کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ملا مذکور کہتا ہے یہ ثواب جو لکھا ہوا ہے حاصل نہیں ہوتا یہ غلط لکھا ہوا ہے صرف کتابیں فروخت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیا ملا کا قول شرع شریف کے مطابق ہے یا مخالف؟ اگر ثواب

سند وحوالہ کتاب کہ در ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چنداں ثواب ست تحریر فرمایند بلاحیثیت۔	ایسا ہی جیسا کہ لکھا ہوا ہے تو براہ مہربانی سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ میلاد مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنے پر اس قدر ثواب ہے؟ (ت)

الجواب:

رسالہ منظومہ ہندیہ کہ بنام نورنامہ مشہور است روایتش بے اصل است خواندنش روانیست چہ جائے ثواب وبرادعیہ در مطابع انچہ روایتہائے اسنادی نویسند اکثر بے اصل است وثواب بدست رب الارباب، یکبار سبحان اللہ میزان رالبُر میکند ولاالٰہ الااللہ پستر از عرش نمی ایستد، یک کلمہ ازینہا اگر مقبول شود جزائے اوجز جنت نیست وثواب اللہ اطیب واکثر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	ہندی زبان میں لکھا ہوا رسالہ جو نورنامہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی روایت بے اصل ہے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ثواب کی جگہ پر اور دعاؤں پر مطبعوں میں جو اسنادی روایتیں لکھتے ہیں وہ اکثر بے اصل ہیں۔ اور ثواب تو اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے، ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا نیکیوں کے ترازو کو بھر دیتا ہے اور لاالٰہ الا اللہ کہنا عرش سے نیچے نہیں رکتا، ان میں سے اگر ایک کلمہ بھی قبول ہو جائے تو اس کا ثواب جنت کے ماسوا نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰی کا عطا کردہ ثواب بہت پاکیزہ اور بہت زیادہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۲: از بریلی مدرسہ منظرالاسلام اہلسنت وجماعت مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب لکھنوی رضوی متعلّم مدرسہ ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ماقولکم یاحماۃ السنۃ السنیۃ البیضاء ویاماحاۃ البدعۃ القبیحۃ الظلماء نصرکم اللہ تعالٰی بتائیدات الرحمانیۃ وایدکم بالنصر السبحانیۃ فی ھذہ المسئلۃ ان اشرفعلی التھانوی الذی تفوّہ بالکفر الجلی فی کتابہ حفظ الایمان	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے اے روشن چمکدار سنتوں کے حامیو، اور اے تاریک قبیح بدعت کو مٹانے والو! اس مسئلہ میں کہ اشرفعلی تھانوی جس نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں کفر صریح کا قول کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم وہ کتاب (دراصل) حبط الایمان (ایمان کی بربادی) ہے۔ اس میں تھانوی نے

اپنی کتاب آثار تبیانی جزء ثالث از اعمال قرآنی کے حوالے سے امساک کے لئے ایک عمل لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے ایک اور عمل واسطے امساک کے۔ انگور کے پتے پر لکھ کر بائیں ران پر باندھے ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ۔ اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھادیتا ہے۔ اے فلاں بن فلانہ کی پشت سے نازل ہونے والے پانی رک جا بسبب "لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" کے۔ کیا اس میں قرآن عظیم کی توہین اور اسے گندگی میں ملوث کرنے کی پیشکش ہے؟ اور حفظ الایمان میں اس کا قول مذکور کفر ہے یا گمراہی یا ان میں سے کچھ نہیں۔ تفصیل کے ساتھ بیان کرو جلالت والے بادشاہ کے پاس اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)	وماهو والله الاحبط الایمان قد کتب عملا للامساك فی ص۱۰۹ فی کتابه المسمی بآثار تبیانی الجزء الثالث من اعمال قرآنی المطبوع فی برقی پریس الواقع فی دهلی ۱۳۳۵ھ فقال ماترجمته عمل اٰخر للامساك، یکتب علی ورقة الکرم ویعلق علی الفخذ الایسر بأبجد هوز حطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ وقیل یا ارض ابلعی مائك ویسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر، کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأها الله امسك ایها الماء النازل من صلب فلان بن فلانة بلا حول ولاقوة الا بالله العلی العظیم[1]. هل فیه تعریض القراٰن العظیم للاهانة وللانجاس والتوهین والتلویث بالارجاس وقوله هذا هل فیه کفر ام ضلال ام لیس فیه شیئ من هذه الاحوال۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملك الجلیل۔

الجواب:

میرے آقا امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ نے اپنے قصیدہ کریمہ ہمزیہ "ام القری فی مدح خیر الوری" میں ابوجہل لعین کے بارے میں فرمایا:	الامام الاجل سیدی محمد البوصیری قدس سره قال فی قصیدته الکریمة الهمزیة ام القری فی حق ابی جهل

[1] اعمال قرآنی حصہ سوم دار الاشاعت کراچی ص ۱۱۶ و ۱۱۷

اللعین ع ماعلی مثلہ یُعَدّ الخطاء [1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔	"اس جیسے کی خطائیں شمار نہیں کی جاسکتیں"۔اوراللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۳۲۳و۳۲۴: از شہر کہنہ ۱۶رجب ۱۳۳۵ھ بارہ دری مسئولہ مصطفٰی علی خاں

(۱) کسی شخص کا غصہ بڑھ جائے تو اس کے لئے آپ کوئی تعویذ دیں اور کچھ پڑھنے کو بتائیں۔

(۲) ماں باپ میں یا بہن بھائی ہو یا میاں بیوی ہو محبت اور اتفاق پیدا ہو پڑھنے کو بتائیں یا کوئی تعویذ دیجئے۔

الجواب:

(۱) دفع غضب کے لئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جس وقت غصہ آئے دل کی طرف متوجہ ہو کر تین بار لاحول پڑھے تین گھونٹ ٹھنڈا پانی پی لے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، لیٹا ہو تو اُٹھے نہیں۔

(۲) سب گھر والوں میں اتفاق کے لئے بعد نماز جمعہ لاہوری نمک پر ایک ہزار ایک ۱۰۰۱ بار یا ودود پڑھیں، اول آخر دس ۱۰ دس بار درود شریف، اور اس وقت سے اس نمک کا برتن زمین پر نہ رکھیں، وہ نمک سات ۷ دن گھر کی ہانڈی میں ڈالیں، سب کھائیں، مولٰی تعالٰی سب میں اتفاق پیدا کرے گا۔ ہر جمعہ کو سات دن کے لئے پڑھ لیا کریں۔

مسئلہ ۳۲۵: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو دینی یا دنیوی بات یاد نہ رہتی ہو وہ کیا پڑھے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

سپید چینی کی تشتری پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ا ھ ط م ف ش ذ اور اسے ذرا سے پانی سے دھو کر اس پر ۹۹۸ بار، اور نہ ہو سکے تو ۴۰۰ یا ۱۰۰ ہی بار یا حفیظ پڑھ کر دم کرے اور وہ پانی پی لے۔ روز ایسا ہی کرے، اور

[1] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل السادس حزب القادریۃ لاہور ص ۱۶

سوتے وقت ۱۷بار سورہ الم نشرح شریف پڑھ کر سینے پر دم کرلیا کرے اور کلنگ ذبح کرکے ذبح کی گرمی میں اس کا مغز نکال کر ۴۰ بار اس پر یاحفیظ دم کرکے کھالے۔**واللہ تعالٰی اعلم**

نوٹ

۲۶ویں جلد کتاب الفرائض سے شروع ہو کر کتاب الشتّی

کے حصہ اول پر اختتام پذیر ہوئی، ان شاء اللہ العزیز

۲۷ویں جلد کتاب الشتّی حصہ دوم سے شروع ہو گی۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۷

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
ستائیسویں ۲۷ جلد 9
ضروری بات 11
فہرست مضامین مفصّل 13
فہرست مضامین مفصّل 35
کتاب الشتی (حصّہ دوم) 41
فوائدِ حدیثیہ 41
رسالہ 61
الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذہبی 61
(فضل (الٰہی) کا عطیّہ (امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اس قول کے 61
معنی میں کہ جب کوئی حدیث صحت کو پہنچے تو وہی میرا مذہب ہے) 61
ملقّب بلقب تاریخی 61
اعزّ النّکات بجواب سوال ارکات ۱۳۱۳ھ 61
فوائدِ فقہیہ وافتاء ورسم المفتی 89
فلسفہ، طبعیات، سائنس، نجوم، منطق 93
رسالہ 105
مقامع الحدید علٰی خدّ المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ 105
(لوہے کے گرز منطقِ جدید کے رخسار پر) 105
رسالہ 195
نزول اٰیاتِ فرقان بسکونِ زمین وآسمان 195
زمین اور آسمان کے ساکن ہونے کے بارے میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی (قرآن مجید کی) آیتوں کا نازل ہونا) 195
رسالہ 229

معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ١٣٣٨ھ 229
(سورج کی گردش اور زمین کے ساکن ہونے کے لیے مددگار) 229
(امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف، پورٹا کی پیشگوئی کا رَدّ) 229
رسالہ 243
فوزِ مبین دررَدِّ حرکتِ زمین 243
(زمین کی حرکت کے رَد میں کُھلی کامیابی) 243
فصل اوّل 294
نافریت کا رَدّ اور اس سے بُطلانِ حرکت زمین پر بارہ دلیلیں۔ 294
فصل دوم 301
جاذبیت ؏ کا رَدّ اور اس سے بُطلانِ حرکت زمین پر پچاس ۵۰ دلیلیں 301
فصل سوم: 332
حرکتِ زمین کے ابطال پر اور ۴۳ دلائل 332
رسالہ 383
الکلمة الملهَمَة فی الحکمة المحکمة لوِهاء الفلسفة المشئمة ١٣٣٨ھ 383
(مضبوط حکمت میں الہام شدہ کلمہ منحوس فلسفہ کی کمزوری کے لیے) 383
مناظرہ ورَدِّ بدمذہباں 577
رسالہ 581
النیر الشهابی علٰی تدلیس الوهابی ١٣٠٩ھ 581
(روشن آگ کا شعلہ وہابی کی تدلیس پر) 581
رسالہ 597
السّهم الشهابی علٰی خداع الوهابی ١٣٢٥ھ 597
(شعلے برساتا ہوا تیر بڑے دھوکا باز وہابی پر) 597
رسالہ 621
دفع زیغ زاغ 621

(کوّے کی کجی کو دُور کرنا) 621
ملقّب بلقب تاریخی 621
رامی زاغیان ۱۳۲۰ھ 621
(کوّا والوں پر تیر اندازی کرنے والا) 621
رسالہ 643
اطائِب الصّیّب علی ارض الطیّب ۱۳۱۹ھ 643
(طیب (عرب صاحب) کی زمین پر بہت پاکیزہ بارش) 643
خاتمہ 677
لطیفہ 681
عرب صاحب کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء 681

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِی الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۷

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ـــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ـــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴، ۷۶۵۷۷۷۲

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۲۷

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام وسرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشاتابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۶۸۴

اشاعت ____________ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

(ا) پیش لفظ ____ ۵

فہرست مضامین مفصل ____ ۱۳

فہرست ضمنی مسائل ____ ۳۵

فوائد حدیثیہ ____ ۴۱

فوائد فقہیہ ____ ۸۹

فلسفہ وطبعیات وسائنس ونجوم ____ ۹۳

مناظرہ ورد بدمذہباں ____ ۵۷۷

فہرست رسائل

○ الفضل الموھبی ____ ۶۱

○ مقامع الحدید ____ ۱۰۵

○ نزول آیاتِ فرقان ____ ۱۹۵

○ معینِ مبین ____ ۲۲۹

○ فوزِ مبین ____ ۲۴۳

○ الکلمۃ الملھمۃ ____ ۳۸۳

○ النیر الشھابی ____ ۵۸۱

○ السھم الشھابی ____ ۵۹۷

○ دفع زیغ زاغ ____ ۶۲۱

○ اطائب الصیب ____ ۶۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ	(۱۳۲۳ھ)
مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ	(۱۳۲۶ھ)
(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ	(۱۳۲۶ھ)
مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری	(۱۳۲۸ھ)
(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم	(۱۳۲۴ھ)
(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	(۱۳۰۵ھ)
(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ	(۱۳۱۴ھ)
(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ	(۱۳۰۷ھ)

(۷)الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں ستائیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی چھبیس جلدوں کے مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطھارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطھارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطھارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطھارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر (ا)	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر (ب)	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰______اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۰______ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰______فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱______جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر______۱۴۲۲___مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل___۱۴۲۳___مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری___۱۴۲۳___اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ___۱۴۲۳___فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ___۱۴۲۳___فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب___۱۴۲۴___ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام___۱۴۲۵ مارچ___۲۰۰۴	۶۱۶

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ

سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہٰذا اکیسویں جلد سے مسائل حظروا باحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۲، ۲۱، ۲۴، ۲۳ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط ومنضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہو گئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

ستائیسویں ۲۷ جلد

یہ جلد ۳۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے،اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ اطائب الصیب کے کہ اس کے مترجم حضرت مولانا مولوی سید محمد عبدالکریم قادری مجیدی علیہ الرحمہ ہیں۔رسالہ الکلمۃ الملھمۃ کے چند عربی حواشی جوکہ ادق فنی مباحث پر مشتمل تھے اور مس پرنٹنگ کی وجہ سے انھیں پڑھنے میں بہت دشواری آرہی تھی استاذی المکرم شرف الملت شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتھم العالیہ نے علالت شدیدہ کے باوجود انتہائی عرق ریزی سے ان حواشی کوازسرنو نقل فرمایااور محنت شاقہ سےان کی تصحیح وترجمہ کرکے ہماری مشکل کشائی فرمائی، جس پر ہم تہہ دل سے ان کے شکر گزار ہیں اور ان کی صحت ودرازی عمر کے لیے دعاگو ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طورپرکتاب الشتی (حصہ دوم) کے چند ابواب فوائد حدیثیہ، فوائد فقہیہ، فلسفہ، طبعیات، سائنس، نجوم، مناظرہ، اوررد بدمذہباں پر مشتمل ہے، تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں، لہذا مذکورہ بالابنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لیے تیار کردی گئی، انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دس رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی (اقسامِ حدیث، حدیث کی صحت اثری وصحت عملی اور نذیر حسین دہلوی کی جہالتوں کابیان ۱۳۱۳ھ)

(۲) مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید (غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات پر مشتمل مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی کی کتاب "المنطق الجدید لناطق النّالہ الحدید" کازوردار عقلی ونقلی دلائل براہین سے رَدّ ۱۳۰۴ھ)

(۳)نزول آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان (قرآنی آیات سے زمین وآسمان کے ساکن ہونے کا ثبوت (۱۳۳۹ھ)

(۴) معینِ مبین بہر دور شمس وسکونِ زمین (امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی پیشگوئی کا سترہ وجوہ سے رَد (۱۳۳۸ھ)

(۵) فوزِ مبین در رَدِّ حرکتِ زمین (حرکت زمین کے نظریہ کا دلائل عقلیہ وبراہین فلسفہ سے زوردار رَد (۱۳۳۸ھ)

(۶)الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ (فلسفہ قدیمہ کے نظریات کا رَدِّ بلیغ (۱۳۳۸ھ)

(۷)النیر الشھابی علیٰ تدلیس الوھابی (غیر مقلد وہابیوں کی تدلیس وتضلیل اور مسئلہ تقلید کی تحقیق وتفصیل (۱۳۰۹ھ)

(۸)السھم الشھابی علیٰ خداع الوھابی (مولوی رحیم بخش غیر مقلد کی مکاریوں اور غیر مقلدین کو اہلِ حدیث قرار دینے کا مدلل رَد (۱۳۲۵ھ)

(۹) دفع زیغ زاغ ملقب بلقب تاریخی رامی زاغیاں (وہ چالیس ۴۰ سوالات جو مصنف علیہ الرحمہ نے مولوی رشید احمد گنگوہی کو حِلتِ غراب کے بارے میں ارسال کئے جن کے جوابات سے وہ عاجز رہے۔ (۱۳۲۰ھ)

(۱۰)اطائب الصیب علی ارض الطیب (۱۳۱۸ھ)

تقلید کے ضروری ہونے کا ثبوت اور غیر مقلدین کا رد۔

رسالہ "فوز مبین" در رد حرکت زمین" کی قلمی نسخہ سے تبییض حضرت علامہ مولانا عبد النعیم عزیزی (علیگ) بلرامپوری زید مجدہ کا قابل قدر کارنامہ ہے اور جانشین مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خان ازہری دامت برکاتہم العالیہ نے ادارہ "سنی دنیا" بریلی سے پہلی بار اس کی اشاعت کا اہتمام فرمایا جو ارباب علم ودانش پر آپ کا احسان عظیم ہے۔ رسالہ "مقامع الحدید" کی اصل نسخہ سے تبییض وتصحیح اور اس کی اشاعت اول حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کی مرہون منت ہے۔ اس رسالہ کے چند مقامات پر مولانا نواب سلطان احمد خان بریلوی علیہ الرحمہ اور علامہ مصباحی مد ظلہ العالی نے حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ اللہ تعالی ان اکابر اہلسنت کی عظیم کاوشوں اور مساعی جمیلہ

کو قبول فرمائے اور انہیں اس پر اجر جزیل عطا فرمائے آمین۔ ان رسائل کو شائع ہوتے عرصہ دراز گزر گیا ہے اور تقریبا یہ نایاب ہوچکے ہیں ہم نے انھیں فتاوی رضویہ میں شامل اشاعت کردیا ہے تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوجائیں اور مسلسل شائع ہوتے رہیں۔

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندار جمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دوجلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی
۲/مارچ ۲۰۰۴ — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین مفصّل

فوائد حدیثیہ		کتاب کس دن شروع کی جائے	۴۳
مصنف علیہ الرحمہ کی تواضع اور کسر نفسی	۴۱	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسم شریف کریم المخرج کونسی حدیث کے موافق ہے	۴۴
حدیث میں لفظ راس حسبِ محاورہ عرب ضرور بمعنی آخر ہے	۴۱	حدیث "من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ" صحیح ہے	۴۵
مجدّد مائۃ کی نشانی	۴۱	حدیث "من زوٰی میراثاً عن وارثہ زوی اللہ عنہ میراثہ من الجنۃ" بطورِ محدثین اس کی سند میں کلام ہے مگر اس کے معنی عند العلماء مقبول ہیں	۴۶
اشیائے متوالیہ میں حدِ فاصل ایک آن مشترک ہوتی ہے	۴۱	اضرار وصیّت کے چند طریقے	۴۶
صدی کے مجدد کو مجدد مائۃ ماضیہ کہا جائے **یا مجدّد مائۃ حاضرہ**	۴۲	قصد حرمان ورثہ حرام ہے۔	۴۷
جمعہ کے روز ہیبت آنے کا تذکرہ	۴۲	قبول علماء کے لیے شانِ عظیم ہے کہ اس کے بعد ضعف اصلاً مضر نہیں رہتا	۴۷
ان اللہ خلق اٰدم علی صورتہ حدیث ہے اور اس کی تشریح	۴۲	جہاں کو حدیث میں گفتگو سزاوار نہیں	۴۷
عبادلہ ثلثہ کن صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے	۴۳		

حرمان ورثہ والی حدیث میں وعید کس معنی پر محمول ہے	۴۸	قولِ حماد رضی اللہ تعالٰی عنہ "ترکت الحدیث" کا مطلب	۵۵
روایتِ حدیث کے دو طریقے ہیں۔ روایت باللفظ اور روایت بالمعنی	۴۹	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کھڑے ہو کر امام ابوحنیفہ کو جگہ دی۔ اس کا کیا مطلب ہے	۵۷
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تحدیث بالمعنٰی کی اجازت فرمائی ہے	۴۹	شانِ امام ابوحنیفہ میں وارد ہونے والی حدیث کو شارحین ہدایہ نے موضوع کیوں کہا	۵۸
قرآن عظیم میں نقل بالمعنی جائز نہیں	۴۹	○ رسالہ الفضل الموھبی فی معنی اذاصح الحدیث فھو مذھبی (اقسامِ حدیث، حدیث کی صحت اثری و صحت عملی اور نذیر حسین دہلوی کی جہالتوں کا بیان)	۶۱
اولیت خلق سے متعلق چار حدیثیں اور ان پر گفتگو	۴۹	کوئی حنفی المذہب حدیث صحیح غیر منسوخ غیر متروک پر عمل کرے تو کیا وہ مذہب حنفی سے خارج ہوجاتا ہے یا حنفی ہی رہتا ہے	۶۱
حدیث کو موضوع کب کہا جائے گا	۵۰	ردالمحتار، مقاماتِ مظہری اور عقد الجید کی عبارات کے بارے میں استفسار	۶۱
بارہ ۱۲ خلفاءِ قریش سے متعلق حدیث کے بارے میں سوال کا جواب	۵۱	صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر اور صحت حدیث لعمل المجتہدین میں نسبت	۶۴
من مات الخ، ولوکان سالم الخ۔ ومن اتاکم الخ احادیث ہیں یا نہیں	۵۱	کبھی صحتِ حدیث عمل پر متفرع ہوتی ہے نہ کہ عمل صحتِ حدیث پر	۶۴
معرفت فرع وجود ہے	۵۴	عباراتِ ائمہ سے مسئلہ کی تائید	۶۴
جب امام موجود ہو تو اسے امام نہ جاننا باعثِ موت جاہلیت ہے	۵۴	حدیثِ ضعیف حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اعمال میں اس پر عمل ہوتا ہے	۶۴
حدیثِ متواتر کے مقابل احاد سے استناد سخت جہالت ہے	۵۴	بارہا حدیث صحیح ہوتی ہے مگر امام مجتہد اس پر عمل نہیں کرتا جس کی متعدد وجوہ ہیں۔	۶۵
اجماع کے رَد میں بعض اشارات سے اپنے استنباط پر اعتماد اشد ضلالت ہے	۵۴	مجرد صحت مصطلحہ اثر صحت عمل مجتہد کے لیے ہر گز کافی نہیں	۶۶
حدیث سے بہتر حدیث کی کیا تفسیر ہوگی	۵۴	امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیثِ عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ در بارہ تیمّم جنب عمل نہ کیا۔	۶۶
حدیث اول الرسل کس کتاب میں ہے۔	۵۵		

یوں ہی حدیث فاطمہ بنت قیس در بارہ عدم النفقۃ والسکنی للمبتوتہ پر عمل نہ کیا	۶۶	فضیلت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۷۷
ضابطہ مذکورہ کی متعدد مثالیں	۶۶	ابن شحنہ اہلِ اختیار میں سے نہیں	۷۸
مجرد صحت اثری صحتِ عملی کو مستلزم نہیں بلکہ محال ہے کہ مستلزم ہو ورنہ ہنگام صحت متعارضین قول بالمتنافیین لازم آئے گا	۷۰	البہنسی اصحابِ تصحیح میں سے نہیں	۷۸
بالیقین اقوال مذکورہ سوال اور ان کے امثال میں صحت حدیث سے صحتِ عملی اور خبر سے وہی خبر واجب العمل عندالمجتہد مراد ہے	۷۰	صاحبِ نہر الفائق اہل ترجیح میں سے نہیں	۷۸
کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور کسی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس امام کا مذہب نہیں ہوسکتی۔	۷۰	دہلوی مجتہد کی حدیث دانی اور ایک ہی مسئلہ میں اتنی گل فشانی	۷۹
کسی حدیث کو بزعم خود مذہبِ امام کے خلاف پاکر دعویٰ کردینا کہ مذہب امام اس کے مطابق ہے دو امر پر موقوف ہے	۷۰	امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ایک مکتوب کا حوالہ اور اس سے استدلال	۸۲
احکامِ رجال و متون وطرق احتجاج ووجوہِ استنباط اور ان کے متعلقات اصول مذہب پر احاطہ تامہ کے لیے چار دشوار گزار منزلیں پیش آتی ہیں	۷۰	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے رسالہ مبداومعاد سے استدلال	۸۴
منزل اول نقدِ رجال	۷۰	کلامِ مجدد الف ثانی سے پانچ وجوہ سے استدلال	۸۴
منزلِ دوم: صحاح و سنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزاء وغیرہ کتبِ احادیث میں ان کے طرق مختلفہ والفاظ متنوعہ میں نظرِ تام کرنا	۷۱	مجدد صاحب کے کلام کے دس ۱۰ فوائد	۸۶
منزل سوم: علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرنا	۷۱	**فوائد فقہیہ وافتاء ورسم المفتی**	
منزل چہارم	۷۵	ائمہ مجتہدین اختلاف حلّت وحرمت کے بارے میں کس طرح درست وحق ہے	۸۹
جو شخص ان چار منزلوں سے گزر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے	۷۶	کچھوا امام شافعی کے صحیح مذہب میں بھی حرام ہے	۸۹
مناقب امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۷۶		

متروک التسمیہ عمداً اور ضب کے بارے میں اختلاف ہے	۸۹	عوام میں معروف سبب زلزلہ محض بے اصل ہے	۹۴
مجتہد کی شان	۹۰	ہمارے نزدیک ترکیب اجسام جواہر فردہ سے ہے اور ان کا اتصال محال ہے	۹۴
امیر اور میر میں کچھ فرق نہیں	۹۰	کاسہ لیسان فلاسفہ نے جس قدر دلائل ابطال جزء لایتجزیٰ پر لکھے ان میں سے کسی سے ابطال نفس جزء نہیں ہوتا	۹۴
فقط میر صاحب ہونے سے میر محلّہ نہیں ہوتا	۹۰	دلائلِ فلاسفہ سے دو جزء کا اتصال محال نکلتا ہے جو نہ ہمارے قول کے منافی اور نہ جسم کے اتصال حِسّی کے نافی	۹۴
میرِ محلّہ کی تعریف	۹۰	مسئلہ کی تائید میں متعدد مثالیں	۹۴
فتوے کئی قسم کے ہوتے ہیں	۹۱	کواکبِ ثابتہ کے لیے اختلافِ منظر کیوں نہیں	۹۴
جوہر استفتاء کا جواب دے مجنون ہے	۹۱	اہلِ سنت کے نزدیک ہر چیز کا سبب اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے	۹۵
مجموعہ فتاوٰی عبدالحیٔ کے بارے میں سوال کا جواب	۹۱	زلزلہ کا سببِ اصلی ارادۃ اللہ، عالمِ اسباب میں باعث اصلی بندوں کے معاصی اور وجہِ وقوع کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے	۹۶
مرشد کے فتوٰی کے رَد پر تصدیق کرنے والا بیعت سے خارج ہوتا ہے یا نہیں	۹۲	کوہ قاف کیا ہے	۹۶
بعض فتوؤں کا رد کفر ہوتا ہے۔ بعض کا ضلالت۔ بعض کا جہالت بعض کا حماقت اور بعض کا حق	۹۲	زلزلے کے بارے میں فلاسفہ کے نظریے کا مولانا روم علیہ الرحمہ کی طرف سے رَد	۹۷
فلسفہ وطبیعات ونجوم وغیرہ		بادل وہوا کی بنیاد کیا ہے	۱۰۰
بجلی کیا شے ہے	۹۳	عورتوں کو مردوں سے سَو حصے زیادہ شہوت دی گئی لیکن اللہ تعالٰی نے اُن پر حیا ڈال دی	۱۰۱
زلزلہ آنے کا کیا باعث ہے	۹۳	دن رات کی تبدیلی گردشِ ارضی سے ماننا قرآن عظیم کے خلاف اور نصارٰی کا مذہب ہے اور گردشِ سماوی بھی ہمارے نزدیک باطل ہے حقیقتًا اس کا سبب گردشِ آفتاب ہے	۱۰۲

زائچہ نکالنے کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۱۰۲	قول چہارم	۱۰۸
○رسالہ مقامع الحدید علی خدالمنطق الجدید (غیر اسلامی اور خالص فلسفیانہ نظریات پر مشتمل مولوی محمد حسن صاحب سنبھلی کی کتاب "المنطق الجدید لناطق النّالہ الحدید" کازوردار عقلی و نقلی دلائل براہین سے رَدّ)	۱۰۵	عقول عشرہ اور نفوس قدیم ہیں	۱۰۸
استفتاء از مولانا نواب سلطان احمد خان صاحب بریلوی	۱۰۵	قول پنجم	۱۰۸
خلاصہ اقوال فلسفیہ مع حکم جواب از مستفتی	۱۰۵	حیوان مطلق امکان ذاتی کے سبب سے مستحق وجود ہے جب کہ حیوان خاص جزئی کا توقف اپنے وجود میں استعداد، مادہ اور اس کے متعلقات پر ہوتا ہے لہذا مطلق کلی فیضان وجود کا احق ہوگا	۱۰۸
قول اول	۱۰۶	قول ششم	۱۰۹
تحقیق یہ ہے کہ تمام طبیعتیں مجرد محض نہیں ہیں لیکن تجرد و مادیت کے اعتبار سے طبائع مطلقہ کے کئی مرتبے ہیں	۱۰۶	مفہوم کے کلی و جزئی کی طرف منقسم ہونے پر اعتراض اور اس کا جواب	۱۰۹
عالم کے متعدد خالق	۱۰۷	عقول عشرہ ہر عیب سے پاک ہیں اور عالم کے کسی ذرّہ کا کسی وقت ان سے غائب ہونا محال ہے	۱۱۰
رسالہ "القول الوسیط" کی عبارت میں مسئلہ کی تحقیق	۱۰۷	قول ہفتم	۱۱۰
کیا علّتِ جاعلہ کا واجب الوجود ہونا واجب ہے یا وہ ممکن ہے	۱۰۷	اعدام لاحقہ زمانیہ در حقیقت اعدام نہیں	۱۱۰
قول دوم	۱۰۸	عدم لاحق غیبوبت زمانی کا نام ہے	۱۱۰
"کل حادث مسبوق بالعدم" یہ قاعدہ حادث زمانہ کے ساتھ مختص ہے اور مادہ حادث ذاتی ہے	۱۰۸	عدم حقیقی فقط صفحہ واقع سے مرتفع ہونے کا نام ہے	۱۱۱
قول سوم	۱۰۸	قول ہشتم	۱۱۱
صورتِ جسمیہ اور صورت نوعیہ حوادثِ زمانیہ میں سے ہیں	۱۰۸	فلسفی مصنف کا اپنی کتاب کے بارے میں قول کہ یہ فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے	۱۱۱

اعلیحضرت امام احمد رضاخان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی طرف سے تحقیق و مفصل جواب	۱۱۲	آیتِ کریمہ "جعل الشمس ضیاء والقمر نورًا" نص واضح ہے کہ قمر مستنیر ہو کر انارہ عالم کرتا ہے (حاشیہ)	۱۲۱
جواب قولِ اول	۱۱۳	لفظ "مجازی" جس طرح حقیقت کے مقابل بولتے ہیں یونہی بمقابل ذاتی بلاعنت	۱۲۲
شنوائی اور نگاہوں کا مالک اللہ ہے	۱۱۴	چاند گرہن اور سورج گرہن کے بارے میں فلاسفہ کا نظریہ منقوض ہے (حاشیہ)	۱۲۲
اللہ نہ چاہے تو صور کی آواز بھی کان تک نہ جائے	۱۱۴	حاش للہ۔ نہ اللہ کے سوا کوئی خالق بالذات، نہ ہرگز ہرگز اس نے منصب ایجاد عالم کسی کو عطا فرمایا کہ قدرت مستفادہ سے خالقیت کیا کرے	۱۲۴
وہ نہ چاہے تو روشن دن میں بلند پہاڑ نظر نہ آئے	۱۱۴	بالجملہ باری تبارک و تعالٰی کو کسی شیئ کی تدبیر و تصرف سے بے تعلق، یا اس کے غیر کو خالق جواہر خواہ ایجاد باری تعالٰی کا متمم کہنا قطعًا جزمًا کفریاتِ خالصہ میں سے ہے	۱۲۵
ہر بدن میں اللہ تعالٰی کے کام اور انسان کی تخلیق کے مرحلے	۱۱۴	تنبیہ	۱۲۵
اللہ چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے یا آسمان سے برسالے	۱۱۵	بلا اکراہ کلمہ کفر بولنا خود کفر ہے اگرچہ دل میں اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو	۱۲۵
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے ایک آیت کریمہ کی مختصر تفسیر	۱۱۶	عباراتِ ائمہ و علماء سے مسئلہ کی تائید	۱۲۵
سفہائے فلسفہ، نظرائے ہنقہ سے کیا جائے شکایات کہ وہ افعال متقنہ تصور جنین کو نفس حیوانی بلکہ قوتِ غیر شاعرہ کی طرف مستند کرنے میں بھی باک نہیں رکھتے (حاشیہ)	۱۱۶	کلماتِ کفر کو بطورِ حکایت نقل کرنے کا حکم شرعی	۱۲۷
خالقیت عقول کا کفر بواح ہو نا خود ایسا بیّن کہ محتاج بیان نہیں	۱۱۸	عباراتِ علماء	۱۲۷
آیاتِ کریمہ سے مسئلہ کی تائید	۱۱۸	حدیثِ موضوع کی روایت بے ذکرِ ردوانکار ناجائز ہے	۱۲۹
عقول عشرہ کو تخلیق وایجاد میں شرط و واسطہ ماننا ایک کفر نہیں بلکہ معدن کفر ہے	۱۱۹	رد اہل بدعت بوقتِ حاجت اہم فرائض سے ہے	۱۳۰
قولِ وسیط کی تقریر پر گرفت	۱۲۰		

جب صحابہ کرام کو سب وشتم کیا جائے تو اہل علم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے	۱۳۰	نصوصِ صریحہ قرآنیہ کی خلاف ورزی	۱۴۷
قول دوم وسوم وچہارم کا جواب	۱۳۱	اہلسنت کا اجماع ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل کیے جائیں	۱۴۹
ہیولٰی، صورتِ جسمیہ، صورتِ نوعیہ، عقول عشرہ اور نفوس کو قدیم زمانی ماننا کفر ہے	۱۳۱	دوسری شناعت (ثانیًا)	۱۴۹
ائمہ دین فرماتے ہیں جو کسی غیر خدا کو ازلی کہے باجماعِ مسلمین کافر ہے	۱۳۱	لازم آیا کہ حضرتِ حق جل وعلا کسی موجود کو معدوم نہ کرسکے	۱۴۹
حوالہ جات از عباراتِ ائمہ	۱۳۱	تیسری شناعت (ثالثًا)	۱۵۰
متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ قدیم کو فاعل کی طرف منسوب کرنا محال ہے	۱۳۵	چوتھی شناعت (رابعًا)	۱۵۱
حدوث تمام اجسام وصفاتِ اجسام پر تمام اہل ملل کا اتفاق ہے	۱۳۷	لازم کہ کافر بحالتِ کفر داخلِ جنت ہو	۱۵۱
معدنِ ضلالات قول پنجم کا جواب	۱۳۷	پانچویں شناعت (خامسًا)	۱۵۱
اس قول کی متعدد شناعاتِ عظیمہ کا بیان	۱۳۷	لازم کہ عالمِ ایجاد کا ذرّہ ذرّہ ازلی ابدی ہو	۱۵۱
پہلی شناعت (اولًا)	۱۳۷	اگر صرف وجود علمی وجود واقعی ہو تو ممتنعات کے سوا کوئی معدوم نہ رہے	۱۵۴
دوسری شناعت (ثانیًا)	۱۳۸	تنبیہ	۱۵۴
تیسری شناعت (ثالثًا)	۱۳۹	ایک مشکل علمی مسئلہ	۱۵۴
چوتھی شناعت (رابعًا)	۱۳۹	قول ہشتم کا جواب	۱۵۷
حاصل مذہبِ اہلسنت یہ ہے کہ تمام مقدورات اس جناب رفیق کے حضور یکساں ہیں کوئی اپنی ذات سے کچھ استحقاق نہیں رکھتا کہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہیں	۱۴۰	قولِ مذکور کی پہلی خرابی (اوّلًا)	۱۵۷
حوالہ جات	۱۴۰	کافروں کے کسی کام کی تحسین کرنے والا کافر ہے	۱۵۸
قول ششم کا جواب	۱۴۴	دوسری خرابی (ثانیًا)	۱۵۸
قول ہفتم کا جواب	۱۴۷	فاسق کی تعریف سے عرشِ خدا ہل جاتا ہے	۱۵۸
اس قول پر لازم آنے والی شناعتِ شدیدہ حدِّ عد سے خارج ہے	۱۴۷	تیسری خرابی (ثالثًا)	۱۵۹
پہلی شناعت (اولًا)	۱۴۷	استحلالِ کبیرہ کُفر ہے	۱۵۹

حرام قطعی کی تعریف و تحسین کفر مبین ہے	۱۵۹	حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عظمت	۲۰۰
چوتھی خرابی (رابعًا)	۱۶۰	شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں	۲۰۰
علماء فرماتے ہیں ملائکہ سے تشبیہ دینا نہ چاہیے اور اس پر اصرار موجب اکفار ہے	۱۶۰	اجمال۔	۲۰۰
حوالہ جات	۱۶۰	ایک آیتِ کریمہ کی تفسیر	۲۰۱
کتاب "المنطق الجدید لناطق النالہ الحدید" کے نام پر مصنف علیہ الرحمہ کی فاضلانہ گرفت	۱۶۲	حضرتِ حذیفہ بن الیمان صاحبِ سرّ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں	۲۰۲
بر تقدیر اضافت	۱۶۲	فرمانِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے کہ قرآن پاک چار شخصوں سے پڑھو	۲۰۲
وجہ دوم	۱۶۶	جو مسئلہ تمام مسلمانوں میں مشہور و مقبول ہے مسلمان اسی پر اعتقاد لائے	۲۰۴
وجہ سوم	۱۷۰	تفصیل	۲۰۵
بر تقدیرِ توصیف	۱۷۱	زوال کے معنی	۲۰۵
تنبیہ النبیہ	۱۷۵	قرآن عظیم نے آسمان وزمین کے متحرک ہونے کی نفی فرمائی ہے	۲۰۶
حکیم اخیر	۱۸۳	امساک کے معنی	۲۱۲
خاتمہ چند تنبیہاتِ زائیات میں	۱۸۶	فعل قوۃ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیزّ نفی میں عام ہوتا ہے	۲۱۳
تنبیہ اول	۱۸۶	قرآن پاک کے مطلق کو مقید، عام کو مخصص بنانا جائز نہیں	۲۱۳
تنبیہ دوم	۱۸۸	اجلّہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے مطلق حرکت کو زوال مانا	۲۱۶
تنبیہ سوم (واجب الملاحظہ نافع الطلبہ)	۱۸۸	تنبیہ	۲۱۶
○رسالہ **نزول آیاتِ فرقان بسکون زمین وآسمان** (زمین وآسمان کے سکون و حرکت کے بارے میں حضرت مولانا حاکم علی صاحب کے ایک مفصل استفتاء کا انتہائی مدلل جواب	۱۹۵	کعب احبار تابعین اخیار سے ہیں	۲۱۶
مصنف علیہ الرحمہ نے ازراہِ شفقت مستفتی کو مجاہدِ اکبر قرار دیا	۲۰۰		

نصاریٰ پہلے سکونِ ارض کے قائل تھے	۲۱۷	۷ا دسمبر ۱۹۱۹ء کو کواکب کے حقیقی مقامات کا نقشہ	۲۳۱
قرآن مجید سے ثبوت کہ زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں	۲۱۸	تیسرا رَد	۲۳۲
وجہ تسمیہ مطرد نہیں ہوتی	۲۱۹	اسلامی اصول پر کلام کے بعد عقلی اصول پر کلام	۲۳۲
جرجیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک حکایت	۲۱۹	چوتھا رد	۲۳۲
حرکتِ یومیہ حرکت شمس سے ہے نہ کہ حرکتِ زمین	۲۲۲	۷ا دسمبر ۱۹۱۹ کو اوساط کواکب کا نقشہ	۲۳۲
زمین کی حرکت محوری ومداری دونوں باطل ہیں	۲۲۳	آفتاب کواکب سے ہزاروں درجے بڑا ہے	۲۳۲
بے شک مسلمان پر فرض ہے کہ حرکتِ شمس و سکون زمین پر ایمان لائے	۲۲۴	پانچواں رَد	۲۳۲
علماء نے تشبیہ مہد سے بھی زمین کا سکون ہی ثابت کیا ہے	۲۲۵	مریخ زحل سے بہت چھوٹا ہے	۲۳۲
"فوز مبین" فلسفہ جدید کے رَد میں بہترین کتاب ہے	۲۲۶	چھٹا رد، عطارد سب سے چھوٹا ہے	۲۳۳
یورپ والوں کو طریقہ استدلال ہر گز نہیں آتا	۲۲۷	غیب کا علم اللہ تعالٰی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے	۲۳۳
○رسالہ **معین مبین بہر دور شمس و سکونِ زمین** (امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کی پیشگوئی کا سترہ وجوہ سے رَد)	۲۲۹	ساتواں رَد	۲۳۳
پہلا رَد	۲۳۰	آفتاب وزمین کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے	۲۳۳
زمین کا مرکز ثقل مرکزِ عالم ہے اور سب کواکب اور شمس اس کے گرد دائر ہیں	۲۳۰	مقررات تازہ (حاشیہ)	۲۳۴
آیاتِ کریمہ سے تائید	۲۳۰	تنبیہ ضروری	۲۳۵
دوسرا رد	۲۳۱	آفتاب کو مرکز ساکن اور زمین کو اس کے گرد دائرہ ماننا صراحتًا آیاتِ قرآنیہ کا انکار ہے	۲۳۵
اوساط کواکب کے حقیقی مقامات نہیں ہوتے	۲۳۱		

آفتاب خود متحرک ہے نہ کہ حرکت فلک سے	۲۳۵	سولھواں اور سترھواں رَد	۲۴۱
قرآن وحدیث سے حوالہ جات	۲۳۵	بیان منجم پر سترہ ۱۷ مؤاخذات پر اکتفاء کی وجہ	۲۴۲
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ ہیں	۲۳۵	○رسالہ **فوزِ زمین در رَدِّ حرکتِ زمین** (حرکت زمین کے بارے میں فلاسفہ اور ہیآتِ جدیدہ کے نظریات کا عقلی دلائل سے رَد)	۲۴۳
حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صاحبِ سِرِّ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں	۲۳۵	ترتیب کتاب	۲۴۵
آٹھواں رَد	۲۳۶	مقدمہ	۲۴۵
جاذبیت کے بطلان پر دوسرا شاہد عدل قمر ہے	۲۳۶	امورِ مسلمہ ہیات جدیدہ اور انکی اغلاط پر تنبیہ	۲۴۵
نوواں رَد	۲۳۶	ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے جاذبیت کہا جاتا ہے	۲۴۵
لطف یہ ہے کہ اجتماع کے وقت قمر آفتاب سے قریب تر اور مقابلہ کے وقت دُور تر	۲۳۶	اجسام میں اصلاً کسی طرف اُٹھنے گرنے سرکنے کا میل ذاتی نہیں بلکہ ان میں بالطبع قوتِ ماسکہ ہے کہ حرکت کی مانع اور تاثیر قاسر کی تاحدِ طاقت مدافع ہے	۲۴۶
دسواں رَد	۲۳۷	قوت نافرہ وہاربہ ودافعہ ومحرکہ نافریت	۲۴۶
لطیفہ (حاشیہ)	۲۳۷	جب کوئی جسم کسی دائرے پر حرکت کرے اس میں مرکز سے نفرت ہوتی ہے	۲۴۷
مصنف علیہ الرحمہ کی نوعمری کا ایک دلچسپ واقعہ	۲۳۷	حرکتِ دور کیسے پیدا ہوتی ہے	۲۴۹
شمس وقمر کا قطر	۲۳۷	سیاروں کی حرکت کا سبب	۲۴۹
گیارھواں رَد	۲۳۸	تنبیہ	۲۴۹
آفتاب کا کلف یعنی داغ	۲۳۸	ہر مدار میں نافرہ وجاذبہ برابر رہتی ہیں	۲۵۰
بارھواں، تیرھواں، چودھواں اور پندرھواں رَد	۲۴۰	نافرہ بمقدار جذب ہے اور سرعتِ حرکت بمقدار نافرہ ہے	۲۵۰

اجسام اجزائے دیمقراطیسیہ سے مرکب ہیں	۲۵۱	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق کہ مد کا جذب قمر سے ہونا اگرچہ نہ ہم کو مضر نہ اس کا انکار ضرور، مگر بر سبیل ترک ظنون و طلب تحقیق وہ بوجوہ مخدوش ہے	۲۶۲
فائدہ، ثقل ووزن میں فرق	۲۵۱	وجہ اوّل	۲۶۲
ہر جسم کا مادہ ہے جسے ہیولٰی و جسمیہ کہتے ہیں مادہ کیا چیز ہے	۲۵۲	سمندر کی گہرائی	۲۶۳
جاذبیت بحسبِ مادہ سیدھی بدلتی ہے اور بحسبِ مربع بُعد بالقلب	۲۵۲	قمر کا بُعد	۲۶۳
نتیجہ	۲۵۳	زمین کا قطر	۲۶۳
تنبیہ جلیل	۲۵۳	وجہ دوم	۲۶۴
طبعی قوت جذب ہر شَے کی طرف یکساں متوجہ ہوتی ہے	۲۵۳	کششِ قمر سے مد کس وقت ہوتا ہے	۲۶۴
جذب بحسب مادہ مجذوب ہے	۲۵۴	اُصولِ ہیئت کے دو حیلے	۲۶۴
تنبیہ	۲۵۴	وجہ سوم	۲۶۶
ثانیاً تنبیہ	۲۵۵	کشش ماہ سے مد چھوٹے پانیوں میں کیوں نہیں ہوا۔	۲۶۶
تنبیہ ضروری	۲۵۵	اصول ہیئت نے ہتھیار ڈال دیئے	۲۶۶
جذب کی تبدیلی تین ہی وجہ سے ہے	۲۵۵	وجہ چہارم	۲۶۶
جذب اگرچہ باختلاف مادہ مجذوب مختلف ہوتا ہے مگر جاذب واحد	۲۵۵	کیا آفتاب پانی کو جذب نہیں کرتا	۲۶۶
جب کوئی جسم دائرے میں دائر ہو تو مرکز سے نافرہ اور مرکز کی طرف جاذبہ، مربع سرعت بے نصف قطر دائرہ کی نسبت سے بدلتی ہے	۲۵۷	وجہ پنجم	۲۶۷
آفتاب زمین کو کھینچتا ہے، اور زمین قمر کو، ان دونوں کششوں میں نسبت کیا ہے	۲۵۸	وجہ ہفتم	۲۶۷
وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے اور اس کے اختلاف سے گھٹتا بڑھتا ہے	۲۵۹	وجہ ہشتم	۲۶۸
ہر شبانہ روز سمندر میں دوبار مدوجزر ہوتا ہے جسے جوار بھاٹا کہتے ہیں	۲۶۲	موسم سرما میں صبح کا مد کیوں زیادہ ہوتا ہے اور گرما میں شام کا	۲۶۸
		وجہ نہم	۲۶۸

مد کی چال تجدد امثال سے ہے	۲۶۸	مبادرت اعتدال کیا ہے	۲۷۴
وجہ دہم	۲۶۸	میل کلی زمانہ اقلیدس میں	۲۷۹
مد کی چال	۲۶۸	مرکز شمس تحت حقیقی ہے	۲۸۰
جذب قمر میں اختلاف کیوں ہے	۲۶۹	زہرہ وعطارد کو سفلیین اور مریخ وغیرہ کو علویات کیوں کہتے ہیں	۲۸۰
ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت محض ارادۃ اللہ جل وعلا ہے	۲۶۹	خلاء ممکن بلکہ واقع ہے	۲۸۱
سمندر کے نیچے آگ ہے	۲۶۹	کرہ زمین کی مساحت	۲۸۱
۱۰۵۶ء میں بحر الکاہل سے دھواں نکلنے کا واقعہ	۲۶۹	تنبیہ لطیف	۲۸۲
طوفانِ آب کا ایک سبب	۲۶۹	آسمان فضائے خالی نامحدود وغیر متناہی ہے	۲۸۴
جاذبیت مرکز سے نکل کر اس کے اطراف میں خطِ مستقیم پر پھیلتی ہے اور مرکز ہی کی طرف کھینچتی ہے۔	۲۷۰	تمام مباحث ہیات کی امہات دوائر دو دائرے ہیں معدل النہار اور دائرۃ البروج	۲۸۶
ہوا، پانی، مٹی سب مل کر ایک کُرہ زمین ہے	۲۷۰	معدل النہار اور دائرۃ البروج کا تقاطع تناصف پر ہے	۲۸۶
ہوا رُوئے زمین سے ۴۵ میل بلندی تک ہے	۲۷۰	گلوب کسے کہتے ہیں	۲۸۶
ہوا کا وزن	۲۷۰	تین بدیہی نتیجہ	۲۸۷
عجیب منطق	۲۷۱	فوائد	۲۸۸
کُرہ بخار وعالم نسیم	۲۷۱	معدل النہار اور دائرۃ البروج دونوں دائرہ شخصیہ ہیں	۲۸۸
غلطی وہیں مانی جاتی ہے جہاں دلیل سے خلاف ثابت ہو بلا دلیل تغلیط حس سے امان اٹھادیتا ہے	۲۷۲	قطبین جنوبی وشمالی ساکن نہیں	۲۸۹
ہوا خفیف ہے اس کو ثقیل ماننا باطل ہے	۲۷۲	ہیاتِ جدیدہ ہمیشہ معکوس گوئی کی عادی ہے	۲۸۹
ہوائے تجارت اور اس کا سبب	۲۷۳	ہر سیّارے کے اپنے محور کے گرد گھومنے کا سبب	۲۹۰
زمین خطِ استواء پر اونچی اور قطبین کے پاس چپٹی ہے	۲۷۳	تنبیہ	۲۹۱

چال میں تیزی و سستی کا اختلاف دوسرے مرکز کے لحاظ سے ہے	۲۹۳	ہارے کا بے سروپا حیلہ	۳۰۴
فصل اول	۲۹۴	توضیح جواب	۳۰۷
نافریت کا رد اور اس سے بطلانِ حرکت زمین پر بارہ دلیلیں	۲۹۴	چاند کا زمین کو اٹھالینا نِرا ہذیان ہے۔	۳۱۱
نافریت بے دلیل ہے اور دعوٰی بے دلیل باطل و علیل ہے	۲۹۴	زمین کا وزن	۳۱۱
دو مساویوں میں سے ایک کا اختیار کرنا عقل و ارادہ کا کام ہے۔	۲۹۵	فائدہ	۳۱۳
ترجیح بلامرجح باطل ہے	۲۹۵	تنبیہ	۳۱۶
فائدہ	۲۹۶	دلائل نیوٹن ساز جاذبیت گداز	۳۲۰
ظاہر ہے نفرت جذب سے ہے اور جذب جمیع جہات شمس سے یکساں اور جتنا جذب اتنی نفرت	۲۹۶	دلائل بربنائے اتحاد واثر جذب	۳۲۱
فائدہ	۲۹۷	دلائل بربنائے جذب کلی	۳۲۳
نافریت جاذبیت سے دست و گریباں ہو کر کوئی مدار بنا ہی نہیں سکتی	۲۹۷	پانی اور تیل کا وزن	۳۲۴
ہر غیر مجنون جانتا ہے کہ نافریت کا اثر دور کرنا اور جاذبیت کا اثر قریب کرنا ہے	۳۰۰	ہوا میں تابِ مزاحمت نہیں	۳۲۶
انتفائے لازم کو انتفائے ملزوم لازم ہے	۳۰۰	جتنا مادہ زائد ماسکہ زائد تو مقاومت زائد تو اثرِ جذب کم	۳۲۶
فصل دوم	۳۰۱	جذب مان کر جانب اسفل حرکت کو جذب سے نہ ماننا سخت عجیب ہے	۳۲۸
جاذبیت کا رد اور اُس سے بطلانِ حرکت زمین پر پچاس دلیلیں۔	۳۰۱	صدمہ کے لیے دو چیزیں درکار ہیں۔ شدت ثقل متصادم اور اس کی قوتِ رفتار	۳۲۸
اہلِ ہیاتِ جدیدہ کی ساری مہارت ریاضی و ہندسہ وہیات میں منہمک ہے	۳۰۱	دلائل قدیمہ	۳۳۰
عقلیات میں اہلِ ہیاتِ جدیدہ کی بضاعت قاصر یا قریب صفر ہے۔ وہ نہ طریقِ استدلال جانیں نہ داب بحث	۳۰۱	تذییل	۳۳۱
مطلقاً جذب کا انکار نہیں بلکہ جاذبیت شمس وارض کا رد مقصود ہے	۳۰۱	فصل سوم	۳۳۲

حرکتِ زمین کے ابطال پر اور ۴۳ دلائل	۳۳۲	اہلِ ہیات جدیدہ وجودِ افلاک کے قائل نہیں	۳۴۱
تمام عقلائے عالم اور ہیاتِ جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل النہار اور منطقۃ البروج دونوں مساوی دائرے ہیں۔ معدل و منطقہ کا مرکز ایک ہے۔ معدل و منطقہ کا تقاطع تناصف پر ہے۔ معدل ومنطقہ دونوں کُرّے سماوی حقیقی یا مقدر کے دائرہ عظیمہ ہیں۔ معدل و منطقہ دائرہ شخصیہ ہیں اور بارہ برج متساوی ہیں	۳۳۳	جہاتِ ستّہ میں چپ وراست۔ پس و پیش پہلو بدلنے سے بدل جاتے ہیں	۳۴۲
مقدمہ نمبر ۱	۳۳۳	حرکت موجب سخونت وحرارت ہے	۳۴۲
دو متساوی دائروں میں جب ایکدوسرے کے مرکز پر گزرا ہو تو واجب ہے کہ وہ دوسرا بھی اس کے مرکز پر گزرے۔	۳۳۳	زمین کی حرکت یومیہ کا سبب	۳۴۴
تساوی واتحاد مرکز میں عموم وخصوص من وجہ ہے (حاشیہ)	۳۳۳	حرکت وضعیہ میں قطب سے قطب تک تمام اجزاء محور ساکن ہوتے ہیں	۳۴۵
تناصف اور تساوی واتحاد مرکز میں عموم وخصوص مطلق ہے	۳۳۴	اجزاء زمین میں تدافع ہے	۳۴۵
مقدمہ نمبر ۲	۳۳۴	چند احکام جو اصولِ ہیات جدیدہ پر یقیناً ثابت ہیں	۳۴۵
جب متساوی دائرے ایک دوسرے کے مرکز پر گزرے ہوں ان کا تقاطع تثلیث ہوگا	۳۳۴	بعض اجزاء ارض کا مقابل شمس اور بعض کا حجاب میں ہونا قطعی ہے	۳۴۵
تمام عقلائے عالم اور ہیاتِ جدیدہ کا اجماع ہے کہ مبادرت اعتدالین ایک بہت خفیف حرکت ہے اور یہ کہ مدار پر دورہ کرنے والا (شمس ہو یا زمین) سال بھر میں تمام بروج میں ہو آتا ہے۔	۳۳۴/ ۳۳۵	مقابلہ زمین قرب و بعد اور خطوط واصلہ کا عمود منحرف ہونے کا اختلاف یقینی ہے	۳۴۵
دائرہ میلیہ کسے کہتے ہیں	۳۳۶	اختلاف مذکورہ سے جاذبیت میں اختلاف اور اس سے نافریت میں کمی بیشی اور اس کمی بیشی سے چال میں تفاوت حتمی ہے اور اس تفاوت سے اجزاء میں تلاطم واضطراب ضروری ہے	۳۴۵
چند مقدماتِ نافعہ	۳۳۸	پانی زمین سے لطیف تر ہے	۳۴۶
فوق وتحت نسبت واقعیہ سے ہے	۳۳۹	دلائل قدیمہ	۳۴۶

طبعیاتِ جدیدہ میں قرار پاچکا ہے کہ ہوا اوپر اٹھنے کی مقاومت کرتی ہے	۳۴۹	جواب دوم	۳۶۳
ابطال حرکت وضعیہ زمین پر جو سات دلائل ہیں وہی حرکتِ اینیہ کے ابطال پر بھی ہوسکتے ہیں	۳۵۰	ہیاتِ جدیدہ کاایک ادّعائے باطل	۳۶۳
ہیأت جدیدہ کے دو جواب	۳۵۲	مخالف کی طرف سے چھ مثالیں اور مصنف کی طرف سے ان کا رَد جامع و قامع	۳۶۴
جواب اول	۳۵۲	(تذییل) رَد، دیگر دلائل فلسفہ قدیمہ میں	۳۷۴
مستدل کو عدمِ لزوم کافی نہیں لزوم عدم چاہیے۔ مخالف کو جواز بس ہے	۳۵۳	دس تعلیلیں	۳۷۵
ملازمت جسم للجسم ملازمت وضع للوضع کو مستلزم نہیں	۳۵۴	تعلیل اوّل	۳۷۵
ہمارے نزدیک افلاک متحرک نہیں	۳۵۴	تعلیل دوم وسوم	۳۷۷
حرکت عرضیہ میں متحرک بالعرض خود ساکن ہوتا ہے دوسرے کی حرکت اس کی طرف منسوب ہوتی ہے	۳۵۵	تعلیل چہارم و پنجم	۳۷۸
حق یہ ہے کہ حرکتِ وضعیہ میں حرکتِ عرضیہ کی کوئی تصویر پایہ ثبوت تک نہ پہنچی	۳۵۶	تعلیل ششم	۳۷۹
این موہوم سے کیا مراد ہے	۳۵۶	تعلیل ہفتم	۳۸۰
من ادعٰی فعلیہ البیان	۳۵۷	تعلیل ہشتم و نہم	۳۸۱
دفع دوم	۳۵۷	**○الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوھاء فلسفۃ المشئمۃ** (فلسفہ قدیمہ کے نظریات کارَدِّ بلیغ)	۳۸۳
فلک الافلاک سے متصل صرف فلک ثوابت ہے	۳۵۸	تقدیم	۳۸۵
دفع سوم و چہارم	۳۵۸	تقریبِ کتاب	۳۸۶
مخالف کی طرف سے مولانا عبدالعلی صاحب کے تین جوابات اور ان کارَد	۳۵۹	مقامِ اول	۳۸۶
دفع پنجم	۳۶۰	اللہ عزوجل فاعل مختار ہے	۳۸۷
دفعِ ششم	۳۶۱	ہر فلک کی شکل، حرکت، جہت اور پرزے	۳۸۸
کثیف منجمد کے اجزاء حرکت میں برقرار رہتے ہیں	۳۶۱	فلک اطلس	۳۸۸
دفع ہفتم و ہشتم	۳۶۲		

فلک ثوابت	۳۸۸	حیز، شکل۔ مقدار کا جسم کے لیے طبعی ہونا ضروری نہیں	۴۱۸
فلک زحل	۳۸۹	مقام ہفتم	۴۲۱
فلک مشتری	۳۸۹	فلک الافلاک میں میل مستقیم ہے	۴۲۱
فلک مریخ	۳۸۹	مقام ہشتم	۴۲۲
فلک شمس	۳۸۹	فلک میں مبدء میل مستدیر نہیں	۴۲۲
فلک زہرہ	۳۸۹	مقام نہم	۴۲۲
فل عطارد	۳۸۹	جسم میں کوئی نہ کوئی مبدء میل ہونا کچھ ضرور نہیں	۴۲۲
فلک قمر	۳۹۰	مقامِ دہم	۴۲۳
سوالات	۳۹۱	حرکت وضعیہ کا طبیعہ ہونا محال نہیں	۴۲۳
مقام دوم	۴۰۳	مقام یازدہم	۴۲۸
اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالق جملہ عالم ہے	۴۰۳	حرکتِ وضعیہ فلک بھی طبعیہ ہوسکتی ہے	۴۲۸
فلاسفہ اور عقول عشرہ	۴۰۳	مقام دوازدہم	۴۲۹
مقامِ سوم	۴۱۰	طبعیت کا دائمًا اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں	۴۲۹
فلک محدد جہات نہیں	۴۱۰	مقام سیزدہم	۴۳۴
فلسفہ قدیمہ کے وجودِ فوق پر دو دلیلیں	۴۱۱	حرکتِ فلک قسریہ ہوسکتی ہے	۴۳۴
اول	۴۱۱	فلاسفہ کی طرف سے چند شبہات اور مصنف کی طرف سے جوابات	۴۳۴
دوم	۴۱۲	مقام چہارم دہم	۴۳۶
مقام چہارم	۴۱۳	فلک کی حرکت ارادیہ ہونا ثابت نہیں	۴۳۶
قسرے لیے مقسور میں کوئی میل طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں	۴۱۳	فلاسفہ کے دو شبہات اور مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے جواب	۴۳۶
مقام پنجم	۴۱۷	مقام پانزدہم	۴۳۷
خلا محال نہیں	۴۱۷	بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت	۴۳۷
مقام ششم	۴۱۸	مذکورہ بالا دعوٰی پر دو دلیلیں	۴۳۷

حجت اولٰی	۴۳۷	بطلانِ حرکت متدیرہ پر سات دلیلیں	۴۵۸
حجت ثانیہ	۴۳۸	مقام بست ویکم	۴۵۹
مقام شانزدہم	۴۳۸	در حرکت مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں	۴۵۹
فلک پر خرق والتیام جائز ہے	۴۳۸	گروہ ارسطو کے دو شبہے	۴۵۹
نیچری منکرِ معراج کیوں ہیں	۴۳۸	مقام بست ودوم	۴۶۲
تنبیہ	۴۴۷	امور غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقاً محال مجتمع ہوں خواہ متعاقب ہوں یا غیر مرتب برہان تطبیق وتضایف	۴۶۲
مقامِ ہفدہم	۴۵۱	مقام بست وسوم	۴۶۵
فلک بسیط نہیں	۴۵۱	قدم نوعی محال ہے	۴۶۵
فلسفی کے چار شبہے اور مصنف علیہ الرحمہ کے جوابات	۴۵۱	فلاسفہ کے نزدیک بہت سی اشیاء کے افراد حادث ہیں مگر طبیعت کلیہ قدیم ہے	۴۶۵
اصولِ فلسفہ پر حجتِ قطعیہ	۴۵۲	نظریہ مذکورہ کے رَد پر چھ حجتیں	۴۶۵
مقام ہیجدہم	۴۵۳	تنبیہ	۴۶۸
فلک کا قابلِ حرکت متدیرہ ہونا ثابت نہیں	۴۵۳	مقام بست وچہارم	۴۶۹
مقام نوزدہم	۴۵۴	قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں	۴۶۹
فلک کی حرکت ثابت نہیں	۴۵۴	ابنِ سینا کی دلیل کی تلخیص اور اس کا رد	۴۶۹
ریاضیوں نے کواکب کی نو حرکات مختلفہ دیکھیں	۴۵۴	تکملہ	۴۷۱
ثبوت حرکت افلاک میں تین شبہات	۴۵۵	مقام بست وپنجم	۴۷۴
مقام بستم	۴۵۸	آن سیال کوئی چیز نہیں	۴۷۴
بلکہ اصول فلسفہ پر فلک کی حرکت متدیرہ بلکہ مطلقاً جنبش یکسر باطل	۴۵۸	ارسطو اور ابن سینا کے نزدیک حرکت کے دو اطلاق	۴۷۴
کسی چیز کو باطل کہنا دو طور پر ہوتا ہے ایک بطلانِ ثبوت دو ثبوتِ بطلان	۴۵۸		

مقام بست وششم	۴۸۵	دعوی مذکورہ پر دلائل	۵۰۴
زمانہ کا وجود خارجی اصلاً ثابت نہیں	۴۸۵	کشف معضلہ	۵۰۵
متشدق (صاحب شمس بازغہ) کے تناقضات	۴۸۶	قدیم زمانہ پر فلاسفہ کی مایہ ناز دلیل کے متعدد جوابات	۵۱۰
تناقضات	۴۸۶	مقام سی ویکم	۵۳۵
ابطال دلائل وجود حرکت بمعنی القطع	۴۹۰	جزء لایتجزیٰ باطل نہیں	۵۳۵
ابطال دلائل وجود زمانہ	۴۹۱	موقف اول	۵۳۶
چند شبہات اور ان کے جوابات	۴۹۱	اس مسئلہ میں ابطال رائے فلسفی اور در بارہ جزء میں ہمارا مسلک	۵۳۶
تنبیہ جلیل	۴۹۶	مؤقف دوم	۵۳۹
حدیث میں ہے کہ ایام ومشہور ومحشور ہوں گے	۴۹۶	اثبات جزء لایتجزیٰ	۵۳۹
مقام بست وہفتم	۴۹۷	مؤقف سوم	۵۴۰
زمانے کے لیے خارج میں کوئی منشاء انتزاع بھی نہیں	۴۹۷	ابطال دلائل ابطال	۵۴۰
تنبیہ نافع	۴۹۸	شہادت بہ براہین ہندسیہ	۵۵۵
مقام بست وہشتم	۴۹۹	مؤقف چہارم	۵۷۱
زمانہ موجود ہو خواہ موہوم کسی حرکت کی مقدار نہیں ہوسکتا	۴۹۹	در بارہ جسم ہماری رائے	۵۷۱
مقام بست ونہم	۴۹۹	مناظرہ ورَدِّ بدمذہباں	
زمانہ کا مقدار حرکت فلکیہ ہونا تو کسی طرح ثابت نہیں	۴۹۹	ایک سابق ناظم ندوہ کے عقیدہ کے بارے میں سوال	۵۷۷
مقام سیم	۵۰۴	پیر طریقت، جامع شرائط صحت بیعت سے بلاوجہ شرعی انحراف ارتداد طریقت ہے اور شرعاً معصیت کہ بلاوجہ ایذا واحتقار مسلم ہے اور وہ دونوں حرام	۵۷۷
زمانہ حادث ہے	۵۰۴	بلاوجہ مسلمان کی تکفیر کرنے والے خود اپنے اسلام کی خیر منائیں	۵۷۸

○رسالہ **النیر الشھابی علیٰ تدلیس الوھابی** (غیر مقلد وہابیوں کی تدلیس و تضلیل اور مسئلہ تقلید کی تحقیق و تفصیل)	۵۸۱	امر دوم	۵۹۱
زید مقلدین آئمہ مجتہدین کو رافضی و خارجی بتاتا ہے اور ترک تقلید کو تمام دینِ محمدی پر عمل کرنا قرار دیتا ہے۔ اس کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے	۵۸۱	زید کے اس دھوکے کا رَد کہ چاروں اماموں کے مسائل لینے میں کل دینِ محمدی پر بخوبی عمل ہوسکتا ہے اور ایک کی تقلید میں یہ ناممکن ہے	۵۹۱
امرِ اوّل	۵۸۲	پہلا رَد (اوّلاً)	۵۹۲
تقلیدِ شخصی کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی گواہی	۵۸۳	مثال سے وضاحت	۵۹۲
دوسری صدی ہجری کے بعد ایک امامِ معین کی تقلید اہلِ اسلام پر واجب ہوگئی۔	۵۸۳	دوسرا رَد (ثانیًا)	۵۹۲
اہلسنت کا گروہ ناجی اب چار مذاہب میں مجتمع ہے	۵۸۳	تیسرا رَد (ثالثًا)	۵۹۳
جو چاروں مذہبوں سے باہر ہے وہ بدعتی جہنمی ہے	۵۸۴	چوتھا رد (رابعًا)	۵۹۳
ابن عبدالوہاب نجدی اپنے موافقان کے علاوہ تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر و مشرک کہتا تھا۔	۵۸۴	پانچواں رَد (خامسا)	۵۹۴
شیخ نجدی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں علامہ شامی کا بیان	۵۸۴	○رسالہ **السھم الشھابی علیٰ خداع الوھابی** (مولوی رحیم بخش غیر مقلد کی مکاریوں اور غیر مقلدین کو اہلِ سنت قرار دینے کا مدلل رَد)	۵۹۷
علامہ سید احمد زینی دحلان مکی قدس سرہ کا وہابیہ کے بارے میں مفصل تبصرہ	۵۸۵	غیر مقلد مولوی مذکور کی کتاب سے نقل کردہ چند عبارات پر مشتمل استفتاء	۵۹۷
ہندی وہابیوں کے عقائد وہی ہیں جو نجدی وہابیوں کے ہیں۔ جو کچھ امام نجدی نے لکھا وہی کچھ ان کے امام ہندی نے لکھ دیا۔	۵۸۹	جواب از مصنف علیہ الرحمہ	۶۰۰
		مولوی رحیم بخش صریح غیر مقلد وہابی ہے۔ حنفیوں کا صریح مخالف و بدخواہ، اور اُس کی کتاب مذکور (اسلام کی پہلی کتاب، دوسری کتاب تیسری کتاب وغیرہ) گمراہی و فساد پھیلانے والی ہے	۶۰۰

مصنف مذکور کے غیر مقلد وہابی اور دشمن احناف ہونے کے دلائل	۶۰۰	نقل مفاوضہ اول اعلیحضرت بنام مولوی رشید احمد گنگوہی	۶۲۵
پہلی دلیل (اولاً)	۶۰۰	چالیس [۴۰] سوالات مرسلہ از امام اہلسنت بنام مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب	۶۲۶
دوسری دلیل (ثانیًا)	۶۰۲	تنبیہ	۶۳۲
تیسری دلیل (ثالثًا)	۶۰۲	نقل کارڈ مولوی گنگوہی صاحب بجواب مفاوضہ عالیہ	۶۳۲
چوتھی دلیل (رابعًا)	۶۰۳	مفاوضہ دوم اعلیحضرت دررَد کارڈ گنگوہی صاحب	۶۳۴
پانچویں دلیل (خامسًا)	۶۰۳	بعض جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے اور قائل مستحق تعزیر شدید ہے	۶۳۷
مصنف مذکور عیار نے نادان مسلمانوں اور اُن کے بے سمجھ بچوں کو سخت فریب دیا۔	۶۰۳	قاضی عیاض علیہ الرحمہ کی تصنیف جلیل شفا شریف سے مسئلہ مذکورہ کی تائید	۶۳۷
پچاس [۵۰] غلط مسائل کا بیان جن میں مصنف مذکور اور اس کے حمایتی جتنے ہیں مذہبِ حنفی کے دشمن اور بدخواہ ہیں مسلمانوں پر ان سے احتراز فرض ہے۔	۶۰۴ تا ۶۱۸	○رسالہ **اطائب الصیب علیٰ ارض الطیب** (تقلید کے ضروری ہونے کا ثبوت اور غیر مقلدین کا رد)	۶۴۳
○رسالہ **دفع زیغ زاغ ملقب بلقب تاریخی رامی زاغیاں**		خطبہ ومقدمہ	۶۴۳
(وہ چالیس [۴۰] سوالات جو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے حِلتِ غراب کے بارے میں مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کو بھیجے جن کے جواب سے وہ عاجز رہے)	۶۲۱	خط اول عرب صاحب بنام نامی اعلیحضرت مدظلہ السامی	۶۴۶
تمہید اور پس منظر از مولوی محمد سلطان الدین سلہٹی	۶۲۲	مفاوضہ اول از اعلیحضرت مدظلہ الاکمل بجواب خطِ اول	۶۴۷
مولوی رشید احمد گنگوہی نے پہلے مسئلہ امکان کذب نکالا، پھر ابلیس لعین کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتایا۔ پھر کوے کی حلت کا غوغا بلند کیا)	۶۲۲	خط دوم عرب صاحب بقبول ہدایت اولیٰ واستفادہ مسئلہ اُخریٰ	۶۵۶

مفاوضہ دوم اعلیحضرت مد ظلہ بجواب خط دوم	۶۵۸	وہ سوالات کہ عرب صاحب سے کیے گئے اور انہوں نے جواب نہ دیئے اور انہیں بار بار مطلع کردیا ہے کہ بے ان کے جواب کے آپ کی خارجی باتیں مسموع نہ ہوں گی	۶۷۷
خط سوم عرب صاحب بہ تبدیل رنگ واظہار خشم بے درنگ	۶۶۸	تنبیہ	۶۷۸
مفاوضہ چہارم اعلیحضرت دام ظلہ بجواب خط سوم۔	۶۷۱	عرب صاحب کہ تہذیب	۶۷۸
مفاوضہ پنجم اعلیحضرت دام ظلہ باعلام تمامی حجت	۶۷۲	عرب صاحب کی عربی دانی	۶۸۰
نامی نامہ مولانا واعظ الدین صاحب بجواب ہماں خط سوم عرب صاحب	۶۷۳	لطیفہ	۶۸۱
خاتمہ	۶۷۷	عرب صاحب کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء یہ مجتہد صاحب تو نیچری کانفرنس کے رکنِ رکین نکلے	۶۸۱

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین مفصّل

فوائد تفسیریہ		جب امام موجود ہو تو اسے امام نہ جاننا باعث موت جاہلیت ہے	۵۴
مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے ایک آیہ کریمہ کی مختصر تفسیر	۱۱۶	اہلسنت کے نزدیک ہر چیز کا سببِ اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے	۹۵
آیاتِ کریمہ سے مسئلہ کی تائید	۱۱۸	زلزلہ کا سبب اصلی ارادۃ اللہ۔ عالمِ اسباب میں باعث اصلی بندوں کے معاصی اور وجہ وقوع کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے	۹۶
آیت کریمہ "جعل الشمس ضیاء "والقمر نورًا" نص واضح ہے کہ قمر مستنیر ہو کر انارہ عالم کرتا ہے (حاشیہ)	۱۲۱	دن رات کی تبدیلی گردش ارضی سے ماننا قرآن عظیم کے خلاف اور نصارٰی کا مذہب ہے اور گردش سماوی بھی ہمارے نزدیک باطل ہے حقیقتًا اس کا سبب گردشِ آفتاب ہے	۱۰۲
ایک آیتِ کریمہ کی تفسیر	۲۰۱	کیا علتِ جاعلہ کا واجب الوجود ہونا واجب ہے یا وہ ممکن ہو سکتا ہے	۱۰۷
قرآن عظیم نے آسمان و زمین کے متحرک ہونے کی نفی فرمائی ہے	۲۰۶	شنوائی اور نگاہوں کا مالک اللہ ہے	۱۱۴
عقائد وکلام		اللہ نہ چاہے تو صور کی آواز بھی کان تک نہ جائے	۱۱۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

وہ نہ چاہے تو روشن دن میں بلند پہاڑ نظر نہ آئے	۱۱۴	کافروں کے کسی کام کی تحسین کرنے والا کافر ہے	۱۵۸
ہر بدن میں اللہ تعالٰی کے کام اور انسان کی تخلیق کے مرحلے	۱۱۴	استحلالِ کبیرہ کُفر ہے	۱۵۹
اللہ چاہے تو کروڑوں انسان پتھروں سے نکالے یا آسمان سے برسالے	۱۱۵	حرام قطعی کی تعریف و تحسین کفر مبین ہے	۱۵۹
عقولِ عشرہ کو تخلیق وایجاد میں شرط وواسطہ ماننا ایک کفر نہیں بلکہ معدنِ کفر ہے	۱۱۹	علماء فرماتے ہیں ملائکہ سے تشبیہ دینا نہ چاہیے اور اس پر اصرار موجب اکفار ہے	۱۶۰
حاش للہ نہ اللہ کے سوا کوئی خالق بالذات، نہ ہرگز ہرگز اس نے منصب ایجاد عالم کسی کو عطا فرمایا کہ قدرت مستفادہ سے خالقیت کیا کرے	۱۲۴	شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک زمین وآسمان دونوں ساکن ہیں	۲۰۰
بالجملہ باری تبارک وتعالٰی کو کسی شیئ کی تدبیر وتصرف سے بے تعلق یا اس کے غیر کو خالق جواہر خواہ ایجاد باری تعالٰی کا متمم کہنا قطعًا جزمًا کفریاتِ خالصہ میں سے ہے	۱۲۵	بے شک مسلمانوں پر فرض ہے کہ حرکت شمس وسکونِ زمین پر ایمان لائے	۲۲۴
بلا اکراہ کلمہ کفر بولنا خود کفر ہے اگرچہ دل میں اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو	۱۲۵	غیب کا علم اللہ تعالٰی کو ہے اور اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے	۲۳۳
کلماتِ کفر کو بطورِ حکایت نقل کرنے کا حکم شرعی	۱۲۷	اللہ عزوجل فاعل مختار ہے	۳۸۷
ردِّ اہل بدعت بوقتِ حاجت اہم فرائض سے ہے	۱۳۰	اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالق جملہ عالم ہے	۴۰۳
ائمہ دین فرماتے ہیں جو کسی غیر خدا کو ازلی کہے باجماعِ مسلمین کافر ہے	۱۳۱	بلاوجہ مسلمان کی تکفیر کرنے والے خود اپنے اسلام کی خیر منائیں	۵۷۸
حاصلِ مذہبِ اہلسنت یہ ہے کہ تمام مقدورات اس جناب رفیق کے حضور یکساں ہیں کوئی اپنی ذات سے کچھ استحقاق نہیں رکھتا کہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہیں	۱۴۰	**فضائل سیّد المرسلین**	
		نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا اسم شریف کریم المخرج کون سی حدیث کے موافق ہے	۴۴

فوائدِ اصولیہ		حدیثِ ضعیف حجت نہیں ہوتی مگر فضائل اعمال میں اس پر عمل ہوتا ہے	۶۴
اشیائے متوالیہ میں حدِ فاصل ایک آن مشترک ہوتی ہے	۴۱	بارہا حدیث صحیح ہوتی مگر امام مجتہد اس پر عمل نہیں کرتا جس کی متعدد وجوہ ہیں	۶۵
قبول علماء کے لیے شانِ عظیم ہے کہ اس کے بعد ضعف اصلاً مضر نہیں رہتا	۴۷	مجرد صحت مصطلحہ اثر صحت عمل مجتہد کے لیے ہرگز کافی نہیں	۶۶
جہال کو حدیث میں گفتگو سزاوار نہیں	۴۷	مجرد صحت اثری صحتِ عملی کو مستلزم نہیں بلکہ محال ہے کہ مستلزم ہو ورنہ ہنگام صحت متعارضین قول بالمتنافین لازم آئے گا	۷۰
روایتِ حدیث کے دو طریقے ہیں روایت باللفظ اور روایت بالمعنی	۴۹	کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور کسی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس امام کا مذہب نہیں ہوسکتی	۷۰
قرآن عظیم میں نقل بالمعنی جائز نہیں	۴۹	احکامِ رجال و متون و طرق احتجاج وجوہِ استنباط اور ان کے متعلقات اصول مذہب پر احاطہ تامہ کے لیے چار دشوار گزار منزلیں پیش آتی ہیں	۷۰
حدیث کو موضوع کب کہا جائے گا	۵۰	حدیثِ موضوع کی روایت بے ذکر ردّ و انکار ناجائز ہے	۱۲۹
معرفت فرع وجود ہے	۵۴	اہلسنت کا اجماع ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل کیے جائیں	۱۵۹
حدیث متواتر کے مقابل احاد سے استناد سخت جہالت ہے	۵۴	جو مسئلہ تمام مسلمانوں میں مشہور و مقبول ہے مسلمان اسی پر اعتقاد لائے	۲۰۴
اجماع کے رَد میں بعض اشارات سے اپنے استنباط پر اعتماد اشد ضلالت ہے	۵۴	قرآن پاک کے مطلق کو مقید، عام کو مخصص بنانا جائز نہیں	۲۱۳
کوئی حنفی المذہب حدیث صحیح غیر منسوخ غیر متروک پر عمل کرے تو کیا وہ مذہب حنفی سے خارج ہوجاتا ہے یا حنفی ہی رہتا ہے	۶۱	وجہ تسمیہ مطرد نہیں ہوتی	۲۱۹
صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر اور صحتِ حدیث لعمل المجتہدین میں نسبت	۶۴	مستدل کو عدم لزوم کافی نہیں لزومِ عدم چاہیے، مخالف کو جو از بس ہے	۳۵۳
کبھی صحتِ حدیث عمل پر متفرع ہوتی ہے نہ کہ عمل صحتِ حدیث پر	۶۴		

ملازمت جسم للجسم ملازمت وضع للوضع کو مستلزم نہیں	۳۵۴	مصنف علیہ الرحمہ نے ازراہِ شفقت مستفتی کو مجاہدِ اکبر قرار دیا	۲۰۰
من ادعیٰ فعلیہ البیان	۳۵۷	حضرت حذیفہ بن الیمان صاحب سِرّ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں	۲۰۲
کسی چیز کو باطل کہنا دو طور پر ہوتا ہے ایک بطلانِ ثبوت۔ دوسرا ثبوتِ بطلان	۴۵۸	کعب احبار تابعین اخیار سے ہیں	۲۱۶
تاریخ وتذکرہ واسماء الرجال		نصاریٰ پہلے سکونِ ارض کے قائل تھے	۲۱۷
عبادلہ ثلٰثہ کن صحابہ کرام کو کہا جاتا ہے	۴۳	جرجیر کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک حکایت	۲۱۹
حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کھڑے ہو کر امام ابوحنیفہ کو جگہ دی، اس کا کیا مطلب ہے	۵۷	مصنف علیہ الرحمہ کی نوعمری کا ایک دلچسپ واقعہ	۲۳۷
امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ در بارہ تیمّم جنب عمل نہ کیا	۶۶	متشرق (صاحبِ شمسِ بازغہ) کے تناقضات	۴۸۶
یوں ہی حدیث فاطمہ بنتِ قیس در بارہ عدم النفقۃ والسکنی للمبتوتہ پر عمل نہ کیا	۶۶	ابنِ عبدالوہاب نجدی اپنے موافقان کے علاوہ تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتا تھا	۵۸۴
ابن شحنہ اہلِ اختیار میں سے نہیں	۷۸	مولوی رحیم بخش صریح غیر مقلد وہابی ہے، حنفیوں کا صریح مخالف و بدخواہ تھا اوراس کی کتاب مذکور (اسلام کی پہلی کتاب، دوسری کتاب، تیسری کتاب وغیرہ) گمراہی وفساد پھیلانے والی ہے	۶۰۰
صاحب نہر الفائق اہلِ ترجیح میں سے نہیں	۷۸	تمہید اور پس منظر از مولوی محمد سلطان الدین سہلٹی	۶۲۲
الجھنسی اصحاب تصحیح میں سے نہیں۔	۷۸	**تصوف وطریقت**	
امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے ایک مکتوب کا حوالہ اور اس سے استدلال	۸۲	مرشد کے فتویٰ کے ردّ پر تصدیق کرنے والا بیعت سے خارج ہوتا ہے یا نہیں	۹۲
حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے رسالہ مبداء و معاد سے استدلال	۸۴	پیر طریقت، جامع شرائط صحت بیعت سے بلاوجہ شرعی انحراف ارتداد طریقت ہے اور شرعًا معصیت کہ بلاوجہ ایذاء واحتقار مسلم ہے اور وہ دونوں حرام،	۵۷۷
کلامِ مجدد الف ثانی سے پانچ وجوہ سے استدلال مجدد صاحب کے کلام کے دس ۱۰ فوائد	۸۶		

فضائل ومناقب		اضرار وصیت کے چند طریقے	۴۶
شانِ امام ابوحنیفہ میں وارد ہونے والی حدیث کو شارحین ہدایہ نے موضوع کیوں کہا	۵۸	قصد حرمان ورثہ حرام ہے	۴۷
مناقب امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ	۷۶	**علم وتعلیم وتعلّم**	
فضیلتِ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ	۷۷	کتاب کس دن شروع کی جائے	۴۳
مجتہد کی شان	۹۰	جب صحابہ کرام کو سبّ وشتم کیا جائے تو اہلِ علم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے	۱۳۰
حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی کی عظمت	۲۰۰	**لُغت**	
فرمان نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے کہ قرآن پاک چار شخصوں سے پڑھو	۲۰۲	حدیث میں لفظ راس حسبِ محاورہ عرب بمعنی آخر ہے،	۴۱
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ ہیں	۲۳۵	امیر اور میر میں کچھ فرق نہیں	۹۰
حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ صاحبِ سرّ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ہیں	۲۳۵	فقط میر صاحب ہونے سے میرِ محلّہ نہیں ہوتا	۹۰
میراث ووصیت		میر محلّہ کی تعریف	۹۰
حدیث "من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیمۃ" صحیح ہے	۴۵	زوال کے معنٰی۔	۲۰۵
حدیث "من زوٰی میراثا عن وارثہ زوی اللہ عنہ میراثہ من الجنۃ" بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے مگر اس کے معنی عندالعلماء مقبول ہیں	۴۶		

امساک کے معنی	۲۱۲	بعض جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے اور قائل مستحق تعزیر شدید ہے	۶۳۷
آداب		**بلاغت**	
مصنف علیہ الرحمہ کی تواضع اور کسر نفسی	۴۱	لفظ "مجازی" جس طرح حقیقت کے مقابل بولتے ہیں یونہی بمقابل ذاتی	۱۲۲ـ
عورتوں کو مردوں سے سَو حصّے زیادہ شہوت دی گئی لیکن اللہ تعالٰی نے اُن پر حیا ڈال دی	۱۰۱	فعل قوۃ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوتا ہے	۲۱۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

کتاب الشتی (حصّہ دوم)

فوائدِ حدیثیہ

مسئلہ ۱: از ریاست عثمان پور ضلع بارہ بنکی مرسلہ مولوی محمد مظہر الحق صاحب نعمانی رودولوی نائب ریاست مذکور ۷ ربیع الاخر شریف ۱۳۲۱ھ (سوال اصل میں مذکور نہیں)

الجواب:

مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالٰی ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ، فقیر حقیر حاش للہ اس لفظِ گراں مایہ مہین پایہ کے ہزارویں لاکھویں حصے کے لائق نہیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ حضرات علمائے کرام اہلسنت اپنے کرم سے جن الفاظِ عالیہ سے چاہتے ہیں نوازتے ہیں مگر تحقیقِ لفظ کے لیے گزارش ہے کہ حدیث میں راس حسبِ محاورہ عرب ضرور بمعنی آخر ہے۔ ولہذا علمائے کرام ارشاد فرماتے ہیں مجدد کے لیے ضروری ہے ان **تمضی علیہ المائۃ وھو عالم مشھور مفید** (اس پر صدی گزرے اس حال میں کہ وہ مفید مشہور عالم ہو۔ت) لیکن ایسی اشیائے متوالیہ میں حدِ فاصل ایک آن مشترک ہوتی ہے کہ وہ جس طرح اوّل کے آخر ہے یونہی آخر کے اوّل اور عمل تجدید مجدد ہرگز ختم صدی سے ختم و منتہی نہیں ہو جاتا بلکہ وہ آخر اول و اول آخر دونوں میں ہوتا ہے۔ **تمضی علیہ المائۃ وھو کذا** (اس پر صدی گزرے اس حال میں کہ وہ ایسا ہو۔ت) ہی اس پر دلیل ہے اور تمام مجددین معدودین للمائۃ کو ملاحظہ فرمائیں کہ آخر صدی ماضی واول صدی حاضر دونوں میں ان کی تجدید اسلام

و مسلمین کو مفید رہی تو بحالِ حیات مجدد جب کہ ایک صدی کاآخر گزر گیااور دوسری کااول موجوداور وہ حی ہو مجدد مائتہ ماضیہ کہنا مناسب ہوگا جو انقطاعِ تجدید کا موہم ہو۔ یا مجدد مائتہ حاضرہ کہ اس کی حیات اور فیض و تجدید کے استمرار پر دلیل ہو۔ والسلام۔
واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲: مرسلہ جناب خلیل صاحب سوداگر۔ کٹرہ مانسرائے۔بریلی۔

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کو رمضان المبارک میں کوئی ہیبت ناک بات آنے والی ہے جس کی نسبت حضور کی طرف بعض آدمیوں نے کی ہے کہ مولوی صاحب نے ایسا فرمایا کہ جمعہ کی رات کو ایک ہیبت ناک آواز آئے گی۔
بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

آئے گی مگر یہ نہ کہا تھا کہ اسی رمضان آئے گی۔ جب آئے گی تو وہ رمضان ہی ہوگا جس کی پندرھویں جمعہ کو ہوگی۔ اس سال زلزلے کثرت سے ہوں گے۔ اَولے کثرت سے پڑیں گے۔ پندرھویں شبِ رمضان شب جمعہ ایک دھماکہ ہوگا صبح کی نماز کے بعد ایک چنگھاڑ سنائی دے گی۔ حدیث میں آیا کہ اس تاریخ کو نمازِ صبح پڑھ کر گھروں کے اندر داخل ہو جاؤاور کواڑ بند کرلو۔ گھر میں جتنے روزن ہوں بند کرلو۔ کان بند کرلو۔ پھر آواز سنو تو فورًا اللہ عزوجل کے لیے سجدہ میں گرواور کہو "سبحٰن القدوس سبحٰن القدوس ربنا القدوس" (قدوس کے لیے پاکی ہے قدوس کے لیے پاکی ہےاور ہمارا پروردگار قدوس ہے۔ت) جو ایسا کرے گا نجات پائے گا جو نہ کرے گا ہلاک ہوگا[1]۔

یہ حدیث کا مضمون ہے۔اس میں یہ تعیین نہیں کہ کس سنہ میں ایسا ہوگا۔ بہت رمضان گزر گئے جن کی پہلی جمعہ کو تھی اوران شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی گزریں گے۔ ہاں جو خبر دی ہے ہونے والی ضرور ہے جب کبھی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے خوف و امید ہر وقت رکھنا چاہیے۔**واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۳: مسئولہ حاجی شاہ محمد عرف کمال اللہ شاہ ساکن بریلی شریف محلّہ برام پورہ ۱۴ربیع الاخر شریف ۱۳۲۷ھ

انّ اللہ خلق اٰدم علی صورتہ[2] (بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ت) اور حضور سے یہ عرض ہے یہ حدیث ہے یا قول ہے؟

---

[1] مسند الشاشی حدیث ۸۳۷ مکتبۃ العلوم والحکیم مدینہ منورہ ۲/ ۲۶۲و۲۶۳

[2] مسند احمد حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۴۴، ۲۵۱، ۴۳۴، صحیح مسلم کتاب البروالصلۃ باب النہی عن ضرب الوجہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۲۷

الجواب:

یہ حدیث صحیح ہے اور اضافت شرف کے لیے ہے، جیسے بیتی (میرا گھر) اور ناقۃاللہ (اللہ کی اونٹنی) یا ضمیر آدم کی طرف ہے یعنی آدم کو ان کی کامل صورت پر بنایا۔ طولہ ستّون ذراعًا[1] ان کا قد ساٹھ ہاتھ کا۔ بخلاف اولادِ آدم کو بچہ چھوٹا پیدا ہوتا پھر بڑھ کر اپنے کامل قد کو پہنچتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴: از ملک بنگال ضلع فرید پور موضع ٹپورا کاندے مرسلہ شمس الدین صاحب "عبادلہ ثلٰثہ" محققین کی اصطلاح میں کن کو کہتے ہیں؟

الجواب:

ابنائے عمر و عباس و عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

لاشتراکھم فی الزمان واقترابھم فی الاسنان اما افضل العبادلۃ عبداللہ ابن مسعود فوق الکل وشیخ الکل رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین۔	ان کے ایک زمانے میں مشترک ہونے اور عمروں میں قریب قریب ہونے کی وجہ سے ان سب میں افضل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو ان سب سے فائق اور سب کے شیخ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

ہاں ہماری اصطلاح فقہی میں بجائے ثالث یہ اول الکل ہیں۔ کمافی فتح القدیر، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از صاحب گنج مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

کسی حدیث یا اقوال مشائخ وغیرہ سے ثابت ہے کہ چہار شنبہ کو عصر کے وقت عربی کتاب جو شروع کرتے ہیں یا نہیں؟ اکثر لوگ چہار شنبہ عصر کے بعد نماز عربی کی کتاب اور جمعہ کے دن کو کسی وقت فارسی کی کتاب شروع کرنے کی عادت رکھتے ہیں یہ کیسا ہے؟

الجواب:

حدیث میں نبی کریم فرماتے ہیں:

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب خلق آدم و ذریتہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۸ صحیح مسلم کتاب الجنۃ ۲/ ۳۸۰

مامن شیئ بدایوم الاربعاء الاتم [1]۔	جو چیز بدھ کے دن شروع کی جاتی ہے وہ اتمام کو پہنچتی ہے۔

مگر بعد نماز عصر کی تخصیص ثابت نہیں بلکہ ظہر وعصر کے درمیان مناسب ہے کہ بدھ کے دن یہ وقت ساعتِ اجابت ہے کمافی حدیث احمد عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنھما (جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث احمد میں ہے۔ت) ابتدائے فارسی کے لیے جمعہ کی تخصیص بے اصل ہے اور نہ اس بارے میں کچھ وارد، بلکہ صدرِ اوّل میں تو فارسی سے مخالفت تھی کہ وہ اس وقت کفار کی زبان تھی۔ امیر المومنین فارق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایاکم ورطانۃ الاعاجم فانہ یورث النفاق [2] عجمیوں کی زبان سے بچو کہ یہ نفاق پیدا کرتی ہے۔ت)

مسئلہ ۶: مسئولہ مولوی عبدالحمید صاحب از بنارس محلّہ پتر کنڈہ متصل تالاب ۱۸ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

ہمارے سُنّی حنفی علماء اکثر ہم اللہ تعالٰی کیا فرماتے ہیں کہ کتابِ مستطاب "دلائل الخیرات" مطبوع مطبع نظامی ۱۲۷۹ھ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے شریفہ کے اخیر میں ایک اسم شریف "کریم المخرج" بھی لکھا ہے۔ اس کے متعلق حاشیہ پر یہ عبارت لکھی ہے:

"قال الشیخ ھذا زائد لیس بداخل الکتاب لکن جرت العادۃ بقرائہ لانہ موافق للحدیث الخ"	شیخ نے کہا یہ زائد ہے کتاب میں داخل نہیں لیکن اس کے پڑھنے کی عادت جاری ہے کیونکہ یہ حدیث کے موافق ہے۔(الخ ت)

پس وہ حدیث شریف جس کے یہ موافق ہے کون سی ہے اور کس کتاب میں ہے؟ اور اس اسم شریف کا مفصل مطلب کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب:

یہ نام نامی "دلائل الخیرات" کی بعض روایت میں داخل ہے اور اس کا بلفظہ کسی جنس [عـــہ] میں آنا

عـــہ: فی الاصل ھکذا اظنہ "حدیث" عبدالمنان اعظمی۔

[1] کشف الخفاء تحت حدیث ۲۱۸۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۶۳

[2] السنن الکبرٰی کتاب الجزیۃ باب کراھیۃ الدخول علی اہل الذمۃ الخ دار صادر بیروت ۹/ ۲۳۴

معلوم نہیں۔ مطالع المسرات میں اس پر کوئی حدیث نہ لکھی، مواہب اللدنیہ و سیرت شامی و زرقانی میں اس نام کا ذکر نہیں۔ معنی واضح ہیں مخرج جائز طور پر کہ نسب و مولد و محل اشتہار و غلبہ یعنی حرمین طیبین کو شامل ہے اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہمہ وجوہ کریم ہیں۔ خود کریم، نسب کریم، مولد کریم، مہاجر کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

مسئلہ ۷: ۲۸ ذوالقعدہ ۱۳۲۱ھ

ذیل میں جو حدیث تحریر کی جاتی ہے اس کی صحت اور غیر صحت کی نسبت اختلاف ہے۔ لہٰذا علمائے دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر حدیثِ مذکور صحیح ہے تو اپنے مُہر و دستخط فرمائیں۔ اور جو شخص منکر اس حدیث کا ہو اس کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

"عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنّۃ یوم القیامۃ[1] رواہ ابن ماجۃ البیہقی فی شعب الایمان"	حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اپنے وارث کو میراث سے کاٹا اللہ تعالٰی قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کو کاٹے۔ اس کو ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔-(ت)

الجواب:

یہ حدیث ابن ماجہ نے اپنی سُنن ابواب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ میں یوں روایت کی۔

"حدثنا سوید بن سعید ثنا عبدالرحیم ابن زید العمّی عن ابیہ عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[2]	سوید ابن سعید عبدالرحیم ابن زید سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے باپ سے وہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو آدمی اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی قیامت کے دن جنت سے اس کی میراث کاٹے۔

[1] مشکوٰۃ المصابیح باب الوصایا الفصل الثالث ص ۲۶۶ و ابن ماجہ کتاب الوصایا ۲/ ۹۰۲

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۹۰۲

اور دیلمی نے مسند الفردوس میں انہیں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بایں الفاظ روایت کی۔

"من زوی میراثاعن وارثه زوی الله عنه میراثه من الجنة"[1]	جو اپنے وارث کی میراث سمیٹے تو اللہ جنت سے اس کی میراث سمیٹ لے گا۔

بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے۔

"فزید یضعف وابنه شدید الضعف لاجرم ان قال السخاوی للحدیث بعد ایراده فی المقاصد الحسنة هو ضعیف جدًا[2] وقال المناوی فی التیسیر والعزیزی فی السراج المنیر ضعفه المنذری"[3]	زید ضعیف ہیں اور ان کے لڑکے شدید ضعیف اسی لیے امام سخاوی نے اس حدیث کو مقاصد حسنہ میں نقل کرنے کے بعد فرمایا یہ حدیث بڑی ضعیف ہے۔ اور مناوی نے تیسیر میں اور عزیزی نے سراج منیر میں منذری کے حوالے سے اس کو ضعیف کہا۔

مگر اس کے معنی عند العلماء مقبول ہیں۔ مشکوۃ میں اسے بروایت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سنن ابن ماجہ اور بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شعب الایمان سے "مذکور فی السوال" کا لفظ نقل کیا اور شراح نے اس کی توجیہات لکھیں اور ابن عادل نے اپنی تفسیر میں اسے بصیغہ جزم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرکے اس سے تحریم اضرار فی الوصیۃ پر استدلال کیا۔ اور یہ آیت کریمہ سے اس کی تاکید کی۔ حیث قال:

"الاضرار فی الوصیة علی وجوه "ان یوصی باکثر من الثلث اویقر بماله لاجنبی، اوعلی نفسه بدین لاحقیقة له او بان الدین الذی کان له علی فلان استوفاه، اویبیع بثمن رخیص، اویشتری بغال، کل ذلك لان لایصل	اضرار وصیت میں چند طریقے پر ہوتا ہے۔ (۱) ثلث سے زائد وصیت کرے (۲) اجنبی کے لیے مال کا اقرار کرے۔ (۳) یا فرضی قرض کا اقرار کرے (۴) وہ قرض جو دوسرے پر تھا اس کو وصول کرچکا ہو۔ (۵) کسی چیز کو سستا بیچ دے (۶) مہنگا خریدے (۷) ثلث کی وصیت کرے۔

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث نمبر ۵۷۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۵۴۸

[2] المقاصد الحسنہ تحت حدیث ۱۱۲۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۴۱۳

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر ۸۸۸۶ مکتبۃ الامام الشافعی ۲/ ۴۳۳، السراج المنیر شرح الجامع الصغیر من فر من میراث وارثہ المطبعۃ الازہریہ المصریہ مصر ۳/ ۳۴۵

المال الی الورثة ، او یوصی بالثلث لا لوجه الله لکن لتنقیص الورثة فهذا هو الاضرار فی الوصیة وقال علیه افضل الصلوة والسلام من قطع میراثا فرضة قطع الله میراثه من الجنة ویدل علی ذلك قوله تعالٰی بعد هذه الایة تلك حدود الله [1] اھ ملخصًا"	مگر رضائے الٰہی کے لیے نہیں ورثاء کو ضرر دینے کے لیے کہ میرے بعد مال انہیں نہ ملے، تو یہ سب وصیت میں اضرار کی صورتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالٰی کے مقرر کردہ حصہ کو قطع کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کا حصہ جنت سے قطع کردے گا۔ اس کے بعد والی آیت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالٰی کے حدود ہیں۔ اھ ملخصًا

امام ابن حجر مکی نے زواجر عن اقتراف الکبائر میں اسی تمسک وتائید کو مقرر رکھا ہے۔ اور قصد حرمان ورثہ کو حرام بتایا، نیز تیسیر میں زیر حدیث فرمایا۔

"افادان حرمان الوارث حرام وعدّہ بعضهم من الکبائر" [2]۔	پتہ چلا کہ وارث کو محروم کرنا حرام ہے اور بعض علمائے کرام نے اس کو گناہ کبیرہ بتایا ہے۔

عزیزی میں ہے۔ "فاذا حرمان الوارث حرام" [3]۔ وارث کو محروم کرنا حرام ہے۔

منکر حدیث مذکور اگر ذی علم ہے اور بوجہ ضعف سند مکدم کرتا ہے فی نفسہ اس میں حرج نہیں مگر عوام کے سامنے ایسی جگہ تضعیف سند کا ذکر ابطال معنی کی طرف منجر ہوتا ہے اور انہیں مخالفتِ شرع پر جری کردیتا ہے۔ اور حقیقۃً "قبول علماء" کے لیے شانِ عظیم ہے کہ اس کے بعد ضعف اصلا مضر نہیں رہتا۔ "کما حققناہ فی الهاد الکاف فی حکم الضعاف" (جیسا کہ اس کی تحقیق ہم نے اپنے رسالہ الهاد الکاف فی حکم الضعاف میں کردی ہے۔ ت)

اور اگر جاہل ہے بطورِ خود جاہلانہ برسرپیکار ہے تو قابلِ تادیب وزجر وانکار ہے کہ جُہّال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے۔ وعیدِ حدیث اپنی اخوات کی طرح زجر وتہدید یا حرمانِ دخول جنت

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر بحوالہ ابن عادل باب الوصیة دار الفکر بیروت ۱/ ۴۴۰

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۸۸۸۶ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۳۳

[3] السراج المنیر تحت حدیث ۸۸۸۶ مکتبہ الامام الشافعی ریاض ۳/ ۴۴۵

مع السابقین یا صورت قصد مضارّت بمضادّت شریعت پر محمول ہے۔

"والاٰخراحب الی والاوسط وسطاوالاوّل لایعجبنی یطلع علٰی ذلك من راجع کلام الامام البزازی فی الوجیز فیمایذکر الفقھاء من الکفار"	آخری مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ درمیان والا متوسط ہے اور پہلا مجھے پسند نہیں۔اس پر وہ شخص مطلع ہوگا جو امام بزازی کے کلام کی طرف رجوع کرے جو انہوں نے وجیز میں کفار سے متعلق اقوال فقہاء ذکر کیے ہیں۔(ت)

اقول : یا یہ کہ وہ قصور جناں کہ بر تقدیر اسلام کفّار کو ملتے اور ان سے خالی رہ کر مومنین کو بطور مزید عطا ہوں گے ان سے حرمان مراد ہو۔"وھذاان شاء اللہ تعالٰی احسن و امکن وابین و ازین" (اور ان شاء اللہ یہ سب سے بہتر، سب سے مضبوط، سب سے واضح اور سب سے خوبصورت ہے۔ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸و۹ : مرسلہ حکیم عبدالشکور صاحب از ڈاکخانہ رتسڑ ضلع بلیا ۲ربیع الاخر ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین سوالات مندرجہ ذیل میں :

(۱) زید کہتا ہے کہ اس پر ائمہ مجتہدین و علمائے کاملین وحضراتِ محدثین کا اتفاق ہوچکا ہے کہ ان صحاح ستّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک کے ارشاد فرمائے ہوئے کلمات بعینہٖ اُس حدیث میں موجود نہیں بلکہ صحابہ نے معنٰی مرادی ہی کو اختیار فرما کر اس پر حدیث کا حکم دے دیا ہے۔زید کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟اور ایسے شخص پر آپ کا کیا فتوٰی ہے۔جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ لفظی کو رد کرتا ہے؟

(۲)"حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری [1] واول ماخلق اللہ العقل [2] واوّل ما خلق اللہ القلم [3] واوّل ما خلق اللہ العرش۔ [4]	سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ میرا نور ہے، اور سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ عقل ہے۔اور سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ قلم ہے۔اور سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے جس چیز کو پیدا فرمایا وہ عرش ہے۔(ت)

[1] المواھب اللدنیہ اول المخلوقات المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۷

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب العلم باب شرف العقل دارالفکر بیروت ۱/ ۴۵۳

[3] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورہ الجاثیہ دارالفکر بیروت ۲/ ۴۵۴

[4] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان باب الایمان بالقدر الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۹۱

یہ چار حدیثیں ہیں ان میں سے کون صحیح ہے اور کون موضوع؟ زید کہتا ہے کہ حدیث اول ما خلق اللہ نوری بالمعنی صحیح ہے۔ اگرچہ اس کے الفاظ کتابوں میں مذکور نہیں۔ اب علماء سے سوال یہ ہے کہ جس حدیث کے الفاظ کتب احادیث میں مذکور نہیں اس کو موضوع کہیں گے یا نہیں؟ اور اس کے مرادف کون حدیث ہے جس کے اعتبار سے کہا جائے کہ یہ حدیث بالمعنٰی صحیح ہے اور حدیث کے موضوع ہونے کے لیے کیا شرط ہے، الفاظ اور معنی دونوں یا صرف الفاظ معنی نہیں؟ جواب مفصل فرمایئے مع حوالہ کتب بینوا توجروا۔

الجواب:

(ا) روایت حدیث کے دونوں طریقے ہیں۔ روایت باللفظ و روایت بالمعنٰی، خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحدیث بالمعنی کی اجازت فرمائی ہے' قرآن عظیم کے نظم کریم و حکم عظیم دونوں کے ساتھ تعبّد ہے اس میں نقل بالمعنی جائز نہیں حدیث کے حکم کے ساتھ تعبّد ہے جو الفاظِ کریمہ جوامع الکلم سے ارشاد ہوئے ہیں وہ بعینہا منقول ہیں اور باقی میں لفظ پر اقتصار موجب ضیق و عسر تھا۔ اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"مَاجَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ"[1]۔	تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔

اور وہ یقیناً حدیث ہے اُسے یہ کہنا کہ صحابہ نے اس پر حدیث کا حکم دے دیا ہی ایک بہت برا پہلو رکھتا ہے، بادشاہ فرمائے زید سے کہو کہ ابھی آئے اس پر حکم پہنچانے والا زید سے جا کر کہے کہ ظل سبحانی نے فرمایا ہے۔ فوراً حاضر ہو، تو بے شک اس نے بادشاہ ہی کا حکم پہنچایا اور بادشاہ ہی کی بات نقل کی۔

(۲) عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

یاجابر ان اللہ تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہ[2]	اے جابر! بے شک اللہ تعالٰی نے تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

یہ اس معنٰی میں نص صریح ہے اور قلم و عقل کے بارے میں بھی احادیث ذکر کی جاتی ہیں جن میں سے احادیث عقل غایت درجہ ضعف میں ہیں۔ حدیث کے جب معنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[2] المواہب اللدنیہ اول المخلوقات المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷۱

وآلہ وسلم وسلم سے ثابت اور صحیح ہیں تو اسے موضوع نہیں کہہ سکتے ورنہ صحیحین کی صدہا حدیثیں معاذاللہ موضوع ہو جائیں گی۔ہاں اگر کوئی یہ دعوی کرے کہ یہی الفاظ بعینہا زبان اقدس سے صادر ہوئے ہیں، اور اس کا ثبوت نہ ہو تو وہ سخت خاطی ہے اور اگر دانستہ کہے تو۔

"من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار"[1]	جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(ت)

میں داخل۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰: از محلّہ بارہ ریواڑی ضلع گوڑگانوہ ہزاری مرسلہ مرزا یوسف صاحب ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جس کے متعلق حدیث شریف ذیل میں درج ہے۔

"عن جابر بن سمرة قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول لایزال الاسلام عزیزا الی اثناعشر خلیفة کلھم من قریش[2] وفی روایة لایزال امر الناس ماضیا ماولھم اثنا عشر رجلا کلھم من قریش[3] فی روایة لایزال الدین قائما حتی تقوم الساعة اویکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش[4]"	جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ بارہ خلیفوں کے گزرنے تک اسلام غالب رہے گا اور وہ قریش سے ہوں گے۔اور ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کا معاملہ ہمیشہ چلتا رہے گا۔جب تک ان پر بارہ خلیفوں کی ولایت رہے گی، جو سب کے سب قریشی ہوں گے۔اور ایک روایت میں ہے کہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے یا تم پر بارہ خلفاء کی خلافت قائم رہے گی جو تمام قریشی ہیں۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدیمی کتاب خانہ کراچی ۱/ ۲۱، صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب تغلیظ الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷

[2] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[3] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[4] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب باب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

اشارۃً یہ عبارت کتاب سے نقل کردی ہے مجھ کو عربی لکھنے پڑھنے کی مہارت نہیں ہے۔لہٰذا یہ کام اہل علم کا ہے کہ وہ ذرا سے اشارہ سے سمجھ لیں۔دریافت طلب امر یہ ہے کہ بموجب اس حدیث شریف کے وہ کون سے بارہ خلیفہ قریش میں سے آں سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد جانشین یا ولیعہد یا نائب منجانب خدااور رسول اُمتِ محمدیہ میں قابل شمار ہیں،چونکہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لیں تو پوری تعداد ہوگی۔اور اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لیں تو اصحاب ثلثہ رہ جاتے ہیں غرض کونسی وہ صورتِ حق ہے جو اس حدیث شریف کا مصداق ہے؟ یا یہ حدیث ہی ماننے کے قابل نہیں ہے۔اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عنایت کرے۔جواب سے ممنون فرمائیے۔

الجواب:

حدیث ہے،اور صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی شمار لینالازم کہ اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے۔

"یکون بعدی اثنا عشر خلیفة ابوبکر الصدیق لا یلبث الا قلیله"۔[1]	میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے ابوبکر تھوڑے ہی دن رہیں گے۔

اس سے مراد وہ خُلفاء ہیں کہ والیانِ اُمّت ہوں اور عدل وشریعت کے مطابق حکم کریں،ان کا متصل مسلسل ہونا ضرور نہیں۔نہ حدیث میں کوئی لفظ اس پر دال ہے،اُن میں سے خلفائے اربعہ وامام حسن مجتبٰی وامیر معاویہ وحضرت عبداللہ بن زبیر وحضرت عمر بن عبدالعزیز معلوم ہیں اور آخر زمانہ میں حضرت سیدنا امام مہدی ہوں گے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔یہ نو ہوئے باقی تین کی تعیین پر کوئی یقین نہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱: از سیتا پورتا مسنگنج کوٹھی حضرت سید شاہ محمد صادق صاحب مرسلہ حضرت مولٰینا سید شاہ محمد صاحب قادری مدظلہ العالی ۹ جمادی الاخری ۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا المعظم والمکرم دامت برکاتہم العالیہ۔پس از آداب وتسلیمات معروض کہ تحریر حامد علی کا جواب ابھی کچھ دینے کا ارادہ نہیں مگر اس میں جو "من مات الخ ولوکان سالم الخ ومن اتاکم الخ"مذکور ہیں اُن کی نسبت اُسی قدر دریافت طلب ہے کہ یہ احادیث ہیں اور ہیں تو کیسی؟جواب سے جلد معزز ہوں۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱/ ۹۰

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

بوالاملاحظہ حضرت بابرکت حامیِ سنت جناب مولانا مولوی حافظ سید محمد میاں صاحت دامت برکاتہم التسلیم مع التعظیم۔ نیاز مند پہلی بھیت گیا ہوا تھا کل جمعہ کو واپس آیا۔

(۱) حدیث "**من مات ولم یعرف**" ان لفظوں سے نہیں ہاں صحیح مسلم میں یوں ہے:

من فارق الجماعة شبرا فمات فمیتة جاھلیة"[1]	جو ایک بالشت جماعت سے الگ ہوا پھر مر گیا تو جاہلیت کی موت مرے گا۔ (ت)

(۲) حدیث "**لوکنت مستخلفا**"[2] (اگر میں کسی کو خلیفہ بناتا بغیر مشورہ کے تو عبداللہ بن مسعود کو بناتا) (ت) ترمذی و ابن ماجہ میں بسند ضعیف ہے اور تورپشتی وطیّبی وعلی قاری وشیخ محقق دہلوی وشارح جامع صغیر علامہ مناوی نے تصریح کی کہ۔

"المراد تامیرہ علٰی جیش بعینه واستخلافه فی امر من امورہ حال حیاته لا الخلافة لان الائمة من قریش[3]	اس سے مراد کسی خاص لشکر کا امیر بنانا اور حالت حیات میں کسی امر میں جانشین مقرر کرنا ہے اس سے مراد خلافت نہیں کیونکہ خلفاء تو قریش میں سے ہیں۔ (ت)

امام تورپشتی وغیرہ نے فرمایا۔

"لایجوز حمله الا علی ذلک"[4]	اس حدیث کو صرف اسی معنی پر محمول کرنا جائز ہے (اس کے علاوہ پر محمول کرنا جائز نہیں) (ت)
(۳) "لوکان سالم مولٰی حذیفة بن الیمان حیا لا ستخلفه"	اگر حذیفہ بن یمان کا مولٰی سالم زندہ ہوتا تو میں اس کو خلیفہ مقرر کرتا (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب الملازمۃ عند ظہور الفتن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

[2] سنن ابن ماجہ فضل عبداللہ بن مسعود ص ۱۳ وجامع ترمذی مناقب عبداللہ بن مسعود ۲/ ۲۲۲

[3] مرقاۃ المفاتیح تحت حدیث ۶۲۳۱ ۱۰/ ۶۰۴ و شرح الطیبی للمشکوۃ تحت حدیث ۶۲۳۱ ۱۱/ ۳۴۱، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر ۷۴۸۴ ۵/ ۳۲۰ والتسیر شرح الجامع الصغیر ۲/ ۳۱۲، شرح مصابیح السنۃ تحت الحدیث ۴۷۰۰ مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۳۵۱

[4] مرقاۃ المفاتیح تحت حدیث ۶۲۳۱ ۱۰/ ۶۰۴ و شرح الطیبی المشکوۃ تحت حدیث ۶۲۳۱ ۱۱/ ۳۴۱، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۷۴۸۴ ۵/ ۳۲۰ والتسیر شرح الجامع الصغیر ۲/ ۳۱۲، مرقاۃ المفاتیح تحت الحدیث ۶۲۳۱ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۶۰۴

سائل معترض نے براہ خطا وضع کی ہے' نہ سالم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مولٰی تھے نہ حذیفہ کا کوئی مولٰی سالم، بفرض صحت قطعًا اس کی وہی مراد ہے جو حدیث ابن ام عبد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ہے۔

(۴) "من اتاکم وامرکم جمیع" صحیح مسلم میں ہے مگریوں۔

ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ بالسیف کائنا من کان۔[1]	عنقریب فتنے ہوں گی تو جو شخص اس امت کی جمیعت کو توڑنے کا ارادہ کرے اس کو تلوار سے مارو چاہے وہ کوئی شخص ہو۔(ت)

یا یوں۔

"من اتاکم وامرکم جمیع علی رجل واحد یرید ان یشق عصاکم او یفرق جماعتکم فاقتلوہ"[2]	جب تم ایک شخص کی امامت پر متفق ہو جاؤ تو جو شخص تمہارے اتحاد کی لاٹھی کو توڑنے یا تمہاری جماعت میں تفریق ڈالنے کی کوشش کرے تو اس کو قتل کر دو۔(ت)

لمعات میں ہے:

"ادفعوا من خرج علی الامام بالسیف وان کان اشرف وافضل وترونہ احق وافضل"[3]	جو شخص امام کے خلاف خروج کرے تو تلوار کے ساتھ اس کا دفاع کرو اگرچہ وہ خروج کرنے والا اشرف وافضل ہو اور تم اس کو زیادہ حقدار اور افضل سمجھتے ہو۔(ت)

تو کلام خروج علی الامام میں ہے:

ثبت العرش ثم النقش۔	کمال تحقیق ثابت ہو گئی اور گرد وغبار چھٹ گیا

جہاں امام نہ ہو اسی صحیح مسلم میں حکم یہ ہے:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب حکم من فرق امر المسلمین وھو مجتمع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۸

[3] لمعات التنقح شرح مشکوۃ المصابیح

"قلت فان لم یکن لهم جماعة ولا امام قال فاعتزل تلك الفرق کلها"[1]	میں نے کہا اگر اس وقت مسلمانوں کی کوئی جماعت اور امام نہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ تو آپ نے فرمایا تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ۔ (ت)

حدیثِ اوّل اگر اسی لفظ سے ہو جو سائل نے نقل کیے تو معرفت فرع وجود ہے یعنی جب امام موجود ہو تو اسے امام نہ جاننا باعثِ موتِ جاہلیت ہے۔ یہ اس سے کیونکر مفہوم ہوا کہ ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی امام ہوگا۔ یہی معنٰہ احدیث متواتر کے مقابل احاد سے استناد سخت جہالت اور اجماع کے رد میں بعض اشارات سے اپنے استنباط پر اعتماد اشد ضلالت۔ یہ جہال حدیث "ان امر علیکم عبد مجدع یقود کم بکتاب اللہ فاسمعوا له واطیعوا"[2] (اگر تم پر ناک کٹے ہوئے غلام کو حاکم بنادیا جائے اور وہ تم کو کتاب اللہ کے مطابق حکم دے تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ ت) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اور قید قرشیت در کنار قیدِ حریت بھی اٹھانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اس سے مراد یہ کہ خلیفہ کسی شہر پر غلام کو والی کردے تو اطاعت واجب ہے۔ نہ کہ خود غلام و خلیفہ ہو۔ مرقاۃ وغیرہ میں ہے:

ای ان استعمله الامام الاعظم علی القوم لاان العبد الحبشی هو الامام الاعظم فان الائمة من قریش۔[3]	یعنی اگر امام اعظم (خلیفہ) کسی حبشی غلام کو کسی قوم پر عامل بنادے نہ یہ کہ حبشی غلام ہی امام اعظم ہو جائے، کیونکہ خلفاء تو قریش میں سے ہیں۔ (ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ ت) حدیث سے بہتر حدیث کی تفسیر کیا ہوگی، خود حدیث نے اس معنی کی تصریح فرمائی، حاکم صحیح مستدرک اور بیہقی سنن میں امیر المومنین مولٰی علی سے راوی۔

الائمة من قریش وان امرت علیکم قریش عبدا حبشیا مجدعا فاسمعوا له واطیعوا"۔[4] واللہ تعالٰی اعلم	خلفاء قریش میں سے ہوں گے، اور اگر قریش تم پر نکٹے حبشی غلام کو امیر مقرر کردیں تو اس کی بھی بات سُنو اور اس کی اطاعت کرو۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب ملازمۃ جماعت المسلمین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۷

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیتہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۲۵

[3] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح تحت حدیث ۳۶۶۳ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۷/ ۲۴۶

[4] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابہ موالاۃ قریش امان لاہل الارض دار الفکر بیروت ۴/ ۷۶

مسئلہ ۱۲: از سیتاپور محلّہ تامسن گنج کوٹھی حضرت سید محمد صادق صاحب وکیل علیہ الرحمۃ
مرسلہ حضرت مولٰینا مولوی سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

حضرت مولانا المعظم والمکرم دامت برکاتہ العالیہ پس از آداب و تسلیمات معروض، حدیث اوّل الرسل الخ۔ کس کتاب احادیث میں مروی ہے؟ اور حکیم ترمذی نے اُسے اپنی کس کتاب میں روایت کیا ہے؟

الجواب:

حضرت بابرکت دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، یہ حدیث سیدنا ابوذر علیہ الرضوان سے مسندِ احمد میں یوں ہے۔

قلت یارسول اللہ ای الانبیاء کان اوّل قال اٰدم. قلت یارسول اللہ ونبی کان. قال نعم نبی مکلم"[1]	میں نے عرض کیا یارسول اللہ ! کون سا نبی سب سے اوّل ہوا؟ آپ نے فرمایا آدم میں نے کہا وہ نبی تھے؟ آپ نے فرمایا وہ نبی تھے جن سے کلام کیا گیا ہے۔ (ت)

اور نوادر الاصول تصنیف امام حکیم الامۃ ترمذی کبیر میں ان سے مرفوعًا یوں ہے:

اول الرسل اٰدم واخرھم محمد علیہ وعلیھم افضل الصلٰوۃ والسلام۔[2]	رسولوں میں اوّل آدم اور ان میں آخر محمد ہیں، آپ پر اور سب رسولوں پر بہترین درود وسلام ہو۔ (ت)

والا نامہ کل یکشنبہ کو بعد روانگی ڈاک ملا ورنہ کل ہی جواب حاضر کرتا والتسلیم۔

مسئلہ ۱۳: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

"قول حماد رضی اللہ تعالٰی عنہ ترکت الحدیث ؏ الخ مرا بفہمایند"	حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کے قول "میں نے حدیث کو چھوڑ دیا" کا مطلب مجھے سمجھادیں۔ (ت)

؏: تمام عبارت مذکورہ سوال ایں است سمعت عبدالحکم بن میسرۃ یقول	سوال میں مذکور مکمل عبارت یہ ہے، میں نے عبدالحکم بن میسرہ کو کہتے ہوئے سنا۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۷۸

[2] الجامع الصغیر بحوالہ الحکیم عن ابی ذر رضی اللہ عنہ حدیث ۲۸۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۶۹

الجواب:

"درمناقب خوارزمی و درمناقب کردری ہر دواز حاکم صاحب مستدرک آوردہ اندکہ مرادش احادیث موضوعہ و مخالف کتاب ست اقول این بقول اوعلیک بالرای وقول حماد وترکت الحدیث نمی چسپد وانچہ نجاطرم ریختند کہ لام درحدیث برائے عہد ست حدیثے بودہ باشد کہ حماد روایتش میکرد وبواقع صحیح نبود امام حماد باعتمادش درمسئلہ قیاس صحیح میکرد تقدیماللحدیث علی الرای حضرت امام اوراتنبیہ نمود کہ ایں حدیث صحیح نیست واعتماد رانشاید دریں مسئلہ ہم.بررائے عمل کن عبدالحکم را	مناقبِ خوارزمی اور مناقب کردری دونوں میں بحوالہ امام حاکم صاحبِ مستدرک وارد ہے کہ اس سے مراد موضوع حدیثیں ہیں جو کتاب اللہ کے مخالف ہیں۔میں کہتا ہوں کہ یہ معنی امام صاحب کے قول کہ "تجھ پر لازم ہے کہ قیاس پر عمل کر"اور حضرت حماد کے قول کے "میں نے حدیث کو چھوڑ دیا ہے"پر منطبق نہیں ہوتا۔اور میرے دل میں القاہوا ہے کہ حدیث پر الف لام عہدی ہے۔اس سے مراد کوئی خاص حدیث ہے جس کو حضرت حماد علیہ الرحمۃ روایت کرتے تھے اور واقع میں وہ حدیث صحیح نہ تھی جب کہ آپ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اور حدیث کو قیاس پر مقدم جانتے ہوئے کسی خاص مسئلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اتیت حمّاد بن ابی حنیفه وقد کان امسك عن الحدیث فسألته ان یحدثنی وذکرت له مجتبی ایاہ فقال ترکت الحدیث فانی رایت ابی فی المنام کانّی اقول له ما فعل بك ربك فیقول هیهات هیهات علیك بالرای ثلاث مرات ودع الحدیث ودع الحدیث ثلاث مرات[1] اھ

کہ میں حضرت حماد بن امام ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ نے حدیث بیان کرنا بند کردیا تھا میں نے ان سے کہا کہ مجھے حدیث بیان فرمائیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے حدیث کو ترک کردیا ہے کیونکہ میں نے خواب میں اپنے والد گرامی کو دیکھا گویا کہ میں ان سے کہہ رہا ہوں۔کہ آپ کے پروردگار نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تو وہ مجھے فرماتے ہیں کہ تجھ پر افسوس ہے۔قیاس پر عمل کرو۔یہ تین بار فرمایا اور حدیث کو چھوڑ دو،یہ تین مرتبہ فرمایا۔اھ(ت)

1

از حماد ایں حدیث بواسطہ رسیدہ بود خواست حاضر و از حماد شنود پس او را سوال کرد حماد فرمود من آں حدیث را ترک کردہ ام وآں خواب بیان کرد۔ وترک حدیث نہ بر بنائے مجرد خواب باشد بلکہ بہ تنبیہہ امام متوجہ شدہ وعلت قادحہ در آں بروظاہر گشتہ باشد واللہ تعالٰی اعلم"	میں قیاس صحیح کے خلاف عمل کرتے تھے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور اعتماد کے لائق نہیں ہے لہٰذا اس مسئلہ میں بھی قیاس پر عمل کرو۔ عبد الحکم کو حضرت حماد کی، یہ حدیث کسی اور کے واسطے سے پہنچی تھی۔ آپ نے خود حاضر ہو کر حضرت حماد سے یہ حدیث سننے کی خواہش کی۔ چنانچہ ان سے حدیث سنانے کا مطالبہ کیا جس پر حضرت حماد نے فرمایا کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور خواب مذکور کو بیان کیا۔ اس حدیث کو چھوڑنا' محض خواب کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ حضرت حماد علیہ الرحمۃ خواب میں امام صاحب کی تنبیہ فرمانے پر متوجہ ہوئے تو اس حدیث میں علت قادحہ آپ پر ظاہر ہو گئی ہو گی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ)

"قام علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ وامکن لہ وھاب منہ وبجلہ عـــہ چہ معنی دارد؟"	حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر امام ابو حنیفہ کو جگہ دی ان کو محتشم جانا اور ان کی تعظیم کی، اس کا کیا معنی ہے؟ (ت)

الجواب:

بسیارے از خواب ماول باشد نہ کہ بر ہر ظاہر	بہت سے خواب ایسے ہوتے ہیں جو ظاہر کے خلاف

عـــہ: تمام عبارت ایں ست قال صالح بن الخلیل رأیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعلیا معہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فجاء ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقام علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ وامکن لہ وھاب منہ وبجلہ [1]	پوری عبارت یوں ہے، صالح بن خلیل نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ وہاں آئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جگہ دی، اور انکو محتشم ٹھہرایا اور ان کی تعظیم کی۔ (ت)

1

محمول و تعظیم اکابر خورد ان خود را برائے اظہار عظمت ایشاں دور نیست سید عالم علیہ وسلم برائے حضرت بتول زہرا قیام فرمودے و دست اورا بوسہ دادہ بر جائے خود نشاندے وہیبت اینجا بمعنی احتشام ست یعنی اورا محتشم داشت وعامل معہ معاملۃ الھائب واللہ تعالٰی اعلم۔	ہوتے ہیں یعنی ظاہر پر محمول نہیں ہوتے اور بڑوں کا اپنے سے چھوٹوں کی تعظیم کرکے ان کی عظمت کا اظہار کرنا کوئی بعید نہیں۔ خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ بتول زہرہ رضی اللہ عنہا کے لیے کھڑے ہوتے، ان کا ہاتھ چومتے اور ان کو اپنی مسند پر بٹھاتے اور ہیبت یہاں (سوال میں) بمعنی احتشام ہے یعنی اُسے محتشم قرار دیا اور اس کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا جیسا کسی ہیبت ناک شخص کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی ۲۸ شوال ۱۳۳۷ھ

عــــہ: حدیث کہ در شان امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ وارد ست بسیار طرق و بسیار علماء الحفاظ اورا قبول کردہ اند در فقہ شافعی نیز مذکور ست شراح ہدایہ چرا بوضع وے قول کردہ اند دریں جامی باید کہ قول از واضعین وی ثبوت رسانند واگرنہ قول ایشاں مقبول نیست۔	وہ حدیث جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان میں متعدد طرق سے وارد ہے۔ بہت علماء و حفاظ نے اس کو قبول کیا ہے اور وہ فقہ شافعی میں بھی مذکور ہے۔ تو پھر ہدایہ کے شارحین نے اس کے موضوع ہونے کا قول کیا ہے۔ اس جگہ ضروری ہے کہ اس کو موضوع قرار دینے والے ثبوت فراہم کریں ورنہ ان کا قول مقبول نہیں ہوگا۔ (ت)

عــــہ: لفظ آن حدیث ایں است قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیکون فی اُمتی رجل یقال لہ ابوحنیفۃ النعمان وھو سراج امتی الی یوم القیامۃ[1]	اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب میری اُمت سے ایک مرد کامل ہوگا جس کو ابوحنیفہ کہا جائے گا وہ قیامت تک میری امت کا چراغ ہوگا۔ (ت)

[1] مناقب الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ للکردری العاشر منہم عائشہ بنت عجر مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱/ ۲۱

الجواب:

در سندش کذّابین وضّاعین یافتہ اند ارجع الی اللاآلی المصنوعۃ للحافظ السیوطی وشیخ قاسم حنفی نیز پیروی ایشاں کرد، ردالمحتار باید دید، واللہ تعالٰی اعلم۔	شارحین ہدایہ نے اس حدیث کی سند میں حدیثیں گھڑنے والے کذابوں کو پایا ہے۔امام حافظ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ کی کتاب "اللآلی المصنوعہ" کی طرف رجوع کرو۔ اور شیخ قاسم حنفی نے بھی ان کی پیروی کی ہے۔ردالمحتار کو دیکھنا چاہیے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی

(فضل (الٰہی) کا عطیّہ (امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے اس قول کے)
معنی میں کہ جب کوئی حدیث صحت کو پہنچے تو وہی میرا مذہب ہے)

ملقّب بلقب تاریخی

اعزّ النّکات بجواب سوال ارکات ۱۳۱۳ھ

مسئلہ ۱۶: از گڑامپور علاقہ نارتھ ارکاٹ مرسلہ کاکا محمد عمر ۱۳ رجب ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس امر میں کہ کوئی حنفی المذہب حدیث صحیح غیر منسوخ و غیر متروک جس پر کوئی ایک امام آئمۂ اربعہ وغیرہم سے عمل کیا ہو۔ جیسے آمین بالجہر اور رفع یدین قبل الرکوع و بعد الرکوع اور وتر تین رکعتیں ساتھ ایک قعدہ اور ایک سلام کے ادا کرے تو مذہب حنفی سے خارج ہو جاتا ہے یا حنفی ہی رہتا ہے۔ اگر خارج ہو جاتا ہے کہیں تو رد المحتار میں جو حنفیہّ کی معتبر کتاب ہے اس میں امام ابن الشحنہ سے نقل کیا۔

اذا صح الحدیث وکان علٰی خلاف المذہب عمل بالحدیث ویکون ذٰلك مذہبہ ولایخرج مقلدہ عن کونہ حنفیا بالعمل بہ فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذہبی، وحکی ذلك ابن عبدالبر عن ابی حنیفة وغیرہ من الائمة[1] انتھی۔	جب صحت کو پہنچے حدیث اور وہ حدیث خلاف پر مذہب امام کے رہے عمل کرے وہ حنفی اس حدیث پر، اور ہو جائے وہ عمل مذہب اس کا، اور نہیں خارج ہوتا ہے مقلد امام کا حنفی ہونے سے بسبب عمل کرنے اس حدیث پر، اس لیے کہ مکرر صحت کو پہنچی یہ بات امام ابوحنیفہ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب صحت کو پہنچے حدیث پس وہی مذہب میرا ہے۔ اور حکایت کیا اس کو ابن عبدالبر نے امام ابوحنیفہ اور دوسرے اماموں سے بھی۔ انتہی۔

اور کتاب مقاماتِ مظہری میں حضرت مظہر جانجاناں حنفی کے سولہویں (۱۶) مکتوب میں ہے:

اگر بحدیث ثابت عمل نماید از مذہب امام بر نمی آید، چراکہ قولِ امام اذا صح الحدیث فھو مذہبی نص است دریں باب واگر باوجود اطلاع بر حدیث ثابت عمل نکند ایں قول امام را ترک کوا قولی بخبر الرسول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) خلاف کردہ باشد۔[2] انتھٰی	اگر کوئی شخص حدیث صحیح پر عمل کرے تو وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے مذہب سے خارج نہیں ہوتا کیونکہ قولِ امام جب حدیث صحت کو پہنچے تو وہی میرا مذہب ہے اس باب میں نص ہے۔ اور اطلاع کے باوجود حدیث صحیح پر عمل نہ کرے تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے اس قول کی خلاف ورزی کرنے والا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے سامنے میرے قول کو چھوڑ دو (انتہی ت)

اور بھی اسی مکتوب میں ہے:

ہر کہ میگوید عمل بحدیث از مذہب امام برمی آرد اگر برہانے بریں دعوے دارد بیارد۔[3]	جو شخص یہ کہتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنا مذہب امام سے خارج کر دیتا ہے، اگر اس کے پاس اس دعوی کی کوئی دلیل ہے تو پیش کرے (ت)

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی نے اپنی کتاب عقد الجید میں فرمایا:

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶

[2] کلمات طیبات فصل دوم در مکاتیب حضرت مرزا صاحب مکتوب ۱۶ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹

[3] کلمات طیبات فصل دوم در مکاتیب حضرت مرزا صاحب مکتوب ۱۶ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۹

لاسبب لمخالفۃ حدیث النبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) الانفاق خفی او حمق جلی۔[1]	پوشیدہ منافقت یا واضح حماقت کے بغیر حدیث رسول صلی اللہ وسلم کی مخالفت کا کوئی سبب نہیں (ت)

ان سب بزرگوں کے اُن اقوال کا کیا جواب اگر مذہب امام سے نہیں خارج ہوتا ہے کہیں تو اس پر طعن و تشنیع کرنا گناہ اور بے جا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ الذی انزل الفرقان فیہ تبیان لکل شیئ تمییز االطیب من الخبیث وامر نبیہ ان یبینہ للناس بما اراہ اللہ فقرن القرآن ببیان الحدیث والصلوۃ والسلام علی من بین القرآن واقام المظان واذن للمجتہدین باعمال الاذہان فاستخرجوا الاحکام بالطلب الحثیث فلو لا الائمۃ لم تفہم السنۃ ولو لا السنۃ لم یفہم الکتاب ولو لا الکتاب لم یعلم الخطاب فیا لہا من سلسلۃ تہدی و تغیث وعلی اٰلہ و صحابتہ ومجتہدی ملتہ وسائرا متہ الی یوم التوریث۔	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے ستھری کو گندے سے الگ کرنے کے لیے اور اس نی اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لیے بیان فرمایں جو کچھ اللہ تعالٰی نے آپ کو دکھایا چنانچہ اس نے قرآن کو بیانِ حدیث کے ساتھ مقترن فرمایا اور درود وسلام ہو اس پر جس نے قرآن کی وضاحت فرمائی اور اصول قائم فرمائے اور مجتہدین کو اذن بخشا کہ وہ ذہنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر قیاس واجتہاد کریں۔ چنانچہ انہوں نے بھرپور طلب کے ساتھ احکام مستنبط کیے۔ اگر ائمہ متجہدین نہ ہوتے تو سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نہ سمجھی جاتی۔ اور سنت نہ ہوتی تو اللہ تعالٰی کا خطاب نہ سمجھا جاتا۔ لہٰذا ایک راہنما اور معاون سلسلہ مہیا فرمادیا، نیز آپ کی آل، صحابہ، آپ کی اُمت کے مجتہدین اور قیامت تک آپ کی امت پر درود وسلام ہو۔ (ت)

[1] عقد الجید (مترجم اردو) ابن حزم کے کلمات کا مصداق محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی ص ۶۳

اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) صحتِ حدیث علی مصطلح الاثر وصحتِ حدیث العمل المجتہدین میں عموم خصوص مطلقًا بلکہ من وجہ ہے، کبھی حدیث سندًا ضعیف ہوتی ہے، اور ائمہ اُمت واُمنائے ملّت بنظر قرائنِ خارجہ یا مطابقت قواعدِ شرعیہ اس پر عمل فرماتے ہیں کہ اُن کا یہ عمل ہی موجبِ تقویت وصحتِ حدیث ہو جاتا ہے۔ یہاں صحت عمل پر متفرع ہوئی نہ عمل صحت پر۔ امام ترمذی نے حدیث:

من جمع بین الصلوٰتین من غیر عذر فقد اتی بابا من ابواب الکبائر۔[1]	جس شخص نے کسی عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کیا تو بے شک وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں داخل ہوا۔ (ت)

روایت کرکے فرمایا۔

حنش ھذا ھو ابوعلی الرحبی وھو حنش بن قیس و ھو ضعیف عنداھل الحدیث ضعفه احمد وغیرہ و العمل علٰی ھذا عنداھل العلم۔[2]	اس حدیث کا راوی ابو علی رحبی حنش بن قیس اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہے۔ امام احمد وغیرہ نے اس کی تضعیف فرمائی اور علماء کا عمل اسی پر ہے۔

امام جلال الدین سیوطی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں فرماتے ہیں:

اشار بذٰلك الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیرواحد بأن من دلیل صحة الحدیث قول اھل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علٰی مثله۔[3]	یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا کہ حدیث کو قول علماء سے قوت مل گئی اور بے شک متعدد ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت بھی صحتِ حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے لیے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

امام شمس الدین سخاوی فتح المغیث میں شیخ ابوالقطان سے ناقل:

ھذا القسم لایحتج به کله بل یعمل به	حدیث ضعیف حجت نہیں ہوتی بلکہ، فضائل اعمال

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۶

[2] جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الجمع بین الصلوتین امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۶

[3] التعقبات علی الموضوعات باب الصلوۃ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ص ۱۲

فی فضائل الاعمال، ویتوقف عن العمل بہ فی الاحکام الا اذا کثرت طرقہ او عضدہ اتصال عمل اوموافقۃ شاھد صحیح اوظاھر القرآن۔[1]	میں اس پر عمل کریں گے اور احکام میں اس پر عمل سے باز رہیں گے۔ مگر جب کہ اس کی سندیں کثیر ہوں یا عمل علماء کے ملنے یا کسی شاہد صحیح یا ظاہر قرآن کی موافقت سے قوت پائے۔

امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر باب صفۃ الصلوۃ میں فرماتے ہیں:

لیس معنی الضعیف الباطل فی نفس الامر بل مالم یثبت بالشروط المعتبرۃ عنداھل الحدیث مع تجویز کونہ صحیحا فی نفس الامر فیجوز ان تقترن قرینۃ تحقق ذلك وان الراوی الضعیف اجاد فی ھذا المتن المعین فیحکم بہ۔[2]	ضعیف کے یہ معنٰی نہیں کہ واقع میں باطل ہے بلکہ یہ کہ اُن شرطوں پر ثابت نہ ہوئی جو محدثین کے نزدیک معتبر ہیں۔ واقع میں جائز ہے کہ صحیح ہو تو ہوسکتا ہے کہ کوئی قرینہ ایسا ملے جو اس جواز کی تحقیق کردے اور بتادے کہ ضعیف راوی نے یہ خاص حدیث ٹھیک روایت کی ہے تو اس کی صحت پر حکم کردیا جائے گا۔

بارہا حدیث صحیح ہوتی ہے اور امام مجتہد اُس پر عمل نہیں فرماتا خواہ یوں کہ اس کے نزدیک یہ حدیث نامتواتر نسخ کتاب اللہ چاہتی ہے یا حدیث احاد زیادت علی الکتاب کررہی ہے۔ یا حدیث موضوع تکرر وقوع وعموم بلوی یا کثرت مشاہدین وتوفر دواعی میں احاد آئی ہے یا اس پر عمل میں تکرار نسخ لازم آتی ہے۔ یا دوسری حدیث صحیح اس کی معارض اور وجوہ کثیرہ ترجیح میں کسی وجہ سے اس پر ترجیح رکھتی ہے۔ یا وہ بحکم جمع وتطبیق وتوفیق بین الادلہ ظاہر سے مصروف و موؤل ٹھیری ہے، یا بحالتِ تساوی وعدم امکان جمع مقبول وجہل تاریخ بعد تساقط ادلہ نازلہ یا موافقت اصل کی طرف رجوع ہوئی ہے۔ یا عمل علماء اس کے خلاف پر ماضی ہے۔ یا مثل مخابرہ تعامل امت نے راہ خلافت دی ہے۔ یا حدیث مفسر کی صحابی راوی نے مخالفت کی ہے۔ یا علت حکم مثل سہم مؤلفۃ القلوب وغیرہ اب منتفی ہے۔ یا مثل حدیث لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[3] (اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو۔ ت) مبنائے

---

[1] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۰

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۶۶

[3] صحیح البخاری کتاب الجمعہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۳ وصحیح مسلم کتاب الصلوۃ ۱/ ۱۸۳

حکم حال عصر یا عرف مصر تھا، کہ یہاں یا اب منقطع ومنتہی ہے، یا مثل حدیث شبہات اب اس پر عمل ضیق شدید وحرج فی الدین کی طرف داعی ہے۔ یا مثل حدیث تغریب عام اب فتنہ وفساد ناشی ہے، یا مثل حدیث ضجعہ فجر وجلسہ استراحت منشاء کوئی امر عادی یا عارضی ہے۔ یا مثل جہر آیۃ فی الظہر احیانًا وجہر فاروق بدعائے قنوت حامل کوئی حاجت خاصہ نہ تشریع دائمی ہے۔ یا مثل حدیث علیك السلام تحیۃ الموتٰی[1] (علیک السلام)۔ مردوں کا سلام ہے۔ت) مقصود مجرد اخبار نہ حکم شرعی ہے۔

الٰی غیر ذلك من الوجوہ التی یعرفھا النبیہ ولا یبلغ حقیقۃ کنھھا الا المجتھد الفقیہ۔	اس کے علاوہ دیگر وجوہ جن کو باخبر لوگ پہچانتے ہیں، اور سوائے مجتہد عالم کے ان کی حقیقت تک کسی کی رسائی نہیں۔ (ت)

تو مجرد صحت مصطلحہ اثر صحت عمل مجتہد کے لیے ہر گز کافی نہیں۔ حضراتِ عالیہ صحابہ کرام سے لے کر پچھلے ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین تک کوئی مجتہد ایسا نہیں جس نے بعض احادیث صحیحہ کو مؤول یا مرجوح یا کسی نہ کسی وجہ سے متروک العمل نہ ٹھہرایا ہو۔

امیر المومنین عمر فارق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث عمار رضی اللہ تعالٰی عنہ دوبارہ تیمّم جنب پر عمل نہ کیا۔ اور فرمایا۔

اِتق اللہ یا عمار کما فی صحیح مسلم۔[2]	اے عمار! اللہ سے ڈر، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔ (ت)

یونہی حدیث فاطمہ بن قیس در بارہ عدم النفقہ والسکنی للمبتوتہ پر۔ اور فرمایا:

لانترك کتاب ربنا ولا سنۃ نبینا بقول امرأۃ لا ندری لعلھا حفظت ام نسیت رواہ مسلم ایضا۔[3]	ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک ایسی عورت کے قول سے نہیں چھوڑیں گے جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ اس نے یاد رکھا، یا بھول گئی، اس کو بھی مسلم نے روایت کیا (ت)

یوں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حدیث مذکور تیمّم پر اور حضرت

[1] المصنف لعبد الرزاق باب کیف السلام والرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۳۸۴

[2] صحیح مسلم کتاب الحیض باب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۱

[3] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۵

ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

اولم تر عمر لم یقنع بقول عمار کما فی الصحیحین۔[1]	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے قول پر قناعت نہیں کی، جیسا کہ صحیحین میں ہے۔(ت)

یونہی حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حدیث مذکور فاطمہ پر اور فرمایا:

مالفاطمۃ الا تتقی اللہ، رواہ البخاری۔[2]	فاطمہ کو کیا ہے، کیا وہ اللہ تعالٰی سے نہیں ڈرتی۔اس کو بخاری نے روایت کیا۔(ت)

یونہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ:

الوضوء مما مست النار۔[3]	اس چیز کی وجہ سے وضو لازم ہے کہ جس کو آگ نے چھُوا۔ت)

پر اور فرمایا:

انتوضّاء من الدھن انتوضاء من الحمیم رواہ الترمذی۔[4]	کیا ہم تیل کی وجہ سے وضو کریں گے، کیا ہم گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں گے۔اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔(ت)

یونہی حضرت امیر معاوضہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما:

انہ لانستلم ھذین الرکنین۔[5]	ہم ان دو رکنوں کو بوسہ نہیں دیتے۔(ت)

پر اور فرمایا:

لیس شیئ من البیت مھجورا کما فی البخاری۔[6]	بیت اللہ شریف میں سے کچھ بھی چھوڑنے کے لائق نہیں۔جیسا کہ بخاری میں ہے۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب التیمم باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرضی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۰، صحیح مسلم کتاب الحیض باب التیمم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۱

[2] صحیح البخاری کتاب الطلاق باب قصۃ فاطمہ بنت قیس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۰۲

[3] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲

[4] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب الوضوء مما غیرت النار امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲

[5] صحیح البخاری کتاب المناسک باب من لم یستلم الا الرکنین والیمانیین قدیمی کتب خانہ ۱/ ۲۱۸

[6] صحیح البخاری کتاب المناسک باب من لم یستلم الا الرکنین والیمانیین قدیمی کتب خانہ ۱/ ۲۱۸

یوں ہی جماہیر ائمہ صحابہ وتابعین ومن بعد ہم نے حدیث الوضوء من لحوم الابل۔[1] (اونٹوں کا گوشت کھانے کی وجہ سے وضو ہے۔ت) پر:

وھوصحیح معروف من حدیث البراء وجابر بن سمرۃ وغیرھما رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اور یہ حدیث حضرت براء اور جابر بن سمرۃ اور دیگر صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے صحیح ومعروف مروی ہے۔(ت)

امام دارالہجرۃ عالمِ مدینہ سیدنا مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے:

العمل اثبت من الاحادیث۔[2]	عمل علماء حدیثوں سے زیادہ مستحکم ہے۔

ان کے اتباع نے فرمایا:

انہ لضعیف ان یقال فی مثل ذلك حدثنی فلان عن فلان۔[3]	ایسی جگہ حدیث سنانا پوچ بات ہے۔

ایک جماعت ائمہ تابعین کو جب دوسروں سے ان کے خلاف حدیثیں پہنچتیں، فرماتے:

مانجھل ھذا ولکن مضی العمل علٰی غیرہ۔[4]	ہمیں ان حدیثوں کی خبر ہے مگر عمل اس کے خلاف پر گزر چکا۔

امام محمد بن ابی بکر بن جریر سے بارہا ان کے بھائی کہتے تم نے فلاں حدیث پر کیوں نہ حکم کیا؟فرماتے:

لم اجد الناس علیہ۔[5] میں نے علماء کو اس پر عمل کرتے نہ پایا۔ بخاری و مسلم کے استاذ الاستاذ امام المحدثین عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے:

السنۃ المتقدمۃ من سنۃ اھل المدینۃ خیر من الحدیث۔[6]	اہل مدینہ کی پرانی سنت حدیث سے بہتر ہے۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الطہارۃ باب الوضوء من لحوم الابل امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۲، سنن ابو داؤد کتاب الطہارت باب الوضوء من لحوم الابل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴، سنن ابن ماجہ ابواب الطہارت وسننہا باب ماجاء فی الوضوء من لحوم الابل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۸، مسند احمد بن حنبل عن براء بن عازب المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۸۸

[2] المدخل لابن الحاج بحوالہ مالک فصل فی ذکر النعوت دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۲

[3] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر الصلوۃ علی المیت فی المسجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[4] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر الصلوۃ علی المیت فی المسجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[5] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر الصلوۃ علی المیت فی المسجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[6] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر الصلوۃ علی المیت فی المسجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

نقل هذا الاقوال الخمسة الامام ابو عبدالله محمد بن الحاج العبدری المکی المالکی فی مدخله فی فصل النعوت المحدثة، وفیه فی فصل فی الصلوة علی المیت فی المسجد ماورد "من ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم صلی علی سهیل بن بیضاء فی المسجد" فلم یصحبه العمل والعمل عند مالك رحمه الله اقوی الخ۔[1]	ان پانچوں اقوال کو امام ابو عبداللہ محمد بن الحاج العبدری مکی مالکی نے اپنی کتاب المدخل کی فصل فی النعوت المحدثۃ میں نقل فرمایا، اور اسی کتاب میں مسجد کے اندر نماز جنازہ سے متعلق فصل میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مسجد کے اندر سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نماز جنازہ کے بارے میں جو وارد ہے عملِ (علماء) اس کی موافقت نہیں کرتا۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے نزدیک عمل زیادہ مستحکم ہے۔ (الخ) (ت)

خود میاں نذیر حسین صاحب دہلوی معیار الحق میں لکھتے ہیں: بعض ائمہ کا ترک کرنا بعض احادیث کو فرعِ تحقیق اُن کی ہے کیونکہ انہوں نے اُن احادیث کو احادیث قابل عمل نہیں سمجھا۔ بدعوی نسخ یا بدعوی ضعف اور امثال اس کے۔[2]

اس امثال کے بڑھانے نے کھول دیا کہ بے دعوی نسخ یا ضعف بھی ائمہ بعض احادیث کو قابل عمل نہیں سمجھتے۔ اور بے شک ایسا ہی ہے خود اسی معیار میں حدیث جلیل صحیح بخاری شریف حتی ساوی الظل التلول۔[3] (یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہوگیا۔ ت) کو بعض مقلدین شافعیہ کی ٹھیٹ تقلید کرکے بحیلہ تاویلات باردہ کاسدہ ساقطہ فاسدہ متروک العمل کردیا اور عذر گناہ کے لیے بولے کہ جمعا بین الادلۃ۔[4] (دلائل میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے۔ ت) یہ تاویلیں حقہ کی گئیں۔ اور اس کے سوا اور بہت احادیث صحاح کو محض اپنا مذہب بنانے کے لیے بدعاوی باطلہ عاطلہ ذاہلہ زائلہ بے دھڑک واہیات و مردود بتادیا جس کی تفصیل جلیل فقیر کے رسالہ ف حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ میں مذکور، یہ رسالہ صرف ایک

---

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر الصلوۃ علی المیت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۸۹

[2] معیار الحق مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۱۵۱

[3] صحیح البخاری کتاب الاذان باب الاذان لمسافر اذا کانوا جماعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸

[4] معیار الحق مکتبہ نذیریہ لاہور ص ۳۵۴

ف: رسالہ حاجز البحرین الواقی فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن کی جلد پنجم ۱۵۹ پر ملاحظہ ہو

مسئلہ میں ہے اس کے متعلق حضرت کی ایسی کاروائیاں وہاں شمار میں آئیں۔ باقی مسائل کی کار گزاریاں کس نے گنیں اور کتنی پائیں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ او بہارش را

(اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کرلے۔ ت)

بالجملہ موافق مخالف کوئی ذی عقل اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ مجرد صحتِ اثری صحت عملی کو مستلزم نہیں بلکہ محال ہے کہ مستلزم ہو۔ ورنہ ہنگامِ صحت متعارضین قول بالمتنافیین لازم آئے اور وہ عقلاً ناممکن تو بالیقین اقوال مذکورہ سوال اور ان کے امثال میں صحتِ حدیث سے صحتِ عملی، اور خبر سے وہی خبر واجب العمل عندالمجتہد مراد پھر نہایت اعلیٰ بدیہات سے ہے کہ اگر کوئی حدیث مجتہد نے پائی اور براہِ تاویل خواہ دیگر وجوہ سے اُس پر عمل نہ کیا تو وہ حدیث اس کا مذہب نہیں ہو سکتی، ورنہ وہی استحالہ عقلی سامنے آئے کہ وہ صراحۃً اس کا خلاف فرما چکا تو آفتاب سے روشن تر وجہ پر ظاہر ہوا کہ کوئی حدیث بزعم خود مذہب امام کے خلاف پا کر بحکم اقوال مذکورہ امام دعوی کر دینا کہ مذہب امام اس کے مطابق ہے، دو امر پر موقوف۔

اوّلاً: یقینا ثابت ہو کہ یہ حدیث امام کو نہ پہنچی تھی کہ بحال اطلاع مذہب اس کے خلاف ہے نہ اس کے موافق۔ لاجرم علامہ زرقانی نے شرح موطا شریف میں تصریح فرمائی:

قد علم ان کون الحدیث مذهبه محله اذا علم انه لم یطلع علیه اما اذا احتمل اطلاعه علیه وانه حمله علی محمل فلا یکون مذهبه۔[1]	یعنی ثابت ہو چکا ہے کہ کسی حدیث کا مذہب مجتہد ہونا صرف اُس صورت میں ہے جب کہ یقین ہو کہ یہ حدیث مجتہد کو نہ پہنچی تھی ورنہ اگر احتمال ہو کہ اس نے اطلاع پائی اور کسی دوسرے محل پر حمل کی، تو یہ اس کا مذہب نہ ہوگی۔

ثانیاً: یہ حکم کرنے والا احکام رجال و متون وطرق احتجاج ووجوہ استنباط اور ان کے متعلقات اصولِ مذہب پر احاطہ تامہ رکھتا ہو۔ یہاں اُسے چار منزلیں سخت دشوار گزار پیش آئیں گی۔ جن میں ہر ایک دوسری سے سخت تر ہے۔

منزل اوّل: نقد رجال کہ اُن کے مراتب ثقہ وصدق وحفظ وضبط اور اُن کے بارے میں ائمہ شان کے

[1] شرح الزرقانی علی مؤطا الامام مالک

اقوال ووجوہ طعن و مراتب توثیق، و مواضع تقدیم جرح وتعدیل وحوامل طعن و مناشی توثیق و مواضع تحامل وتساہل و تحقیق پر مطلع ہو، استخراج مرتبہ اتقان راوی بنقد روایات وضبط مخالفات واوہام وخطیات وغیر ہا پر قادر ہو، اُن کے اسامی والقاب وکنی و انساب ووجوہِ مختلفہ تعبیر رواۃ خصوصًا اصحابہ تدلیس شیوخ وتعیین مبہمات ومتفق ومتفرق ومختلف مؤتلف سے ماہر ہو۔ ان کے موالید ووفیات وبلدان ورحلات ولقاء وسماعات واساتذہ وتلامذہ وطرق تحمل ووجوہ اداوتدلیس وتسویہ وتغیر واختلاط آخذین من قبل وآخذین من بعد وسامعین حالین وغیرہما تمام امور ضروریہ کا حال اس پر ظاہر ہو۔ اُن سب کے بعد صرف سند حدیث کی نسبت اتنا کہہ سکتا ہے صحیح یا حسن یا صالح یا ساقط یا باطل یا معضل یا مقطوع یا مرسل یا متصل ہے۔

منزل دوم: صحاح وسُنن ومسانید وجوامع ومعاجیم واجزاء وغیرہا کتب حدیث میں اس کے طرقِ مختلفہ والفاظ متنوعہ پر نظرِ تام کرے کہ حدیث کہ تواتر یا شہرت یافردیت نسبیہ یا غرابت مطلقہ یا شذوذ یا نکارت واختلافاتِ رفع ووقف وقطع ووصل ومزید فی متصل الاسانید واضطراباتِ سند ومتن وغیرہا پر اطلاع پائے نیز اس جمع طرق واحاطہ الفاظ سے رفع ابہام ودفعِ اوہام وایضاح خفی واظہار مشکل وابانت مجمل وتعیین محتمل ہاتھ آئے۔ ولہذا امام ابوحاتم رازی فرماتے ہم جب تک حدیث کو ساٹھ (۶۰) وجہ سے نہ لکھتے اس کی معرفت نہ پاتے۔ اس کے بعد اتنا حکم کر سکتا ہے کہ حدیث شاذ یا منکر، معروف یا محفوظ، مرفوع یا موقوف، فرد یا مشہور کس مرتبہ کی ہے۔

منزل سوم: اب علل خفیہ وغوامض دقیقہ پر نظر کرے جس پر صدہا سال سے کوئی قادر نہیں۔ اگر بعد احاطہ وجوہ اعلال تمام علل سے منزہ پائے تو یہ تین منزلیں طے کرکے طرف صحت حدیث بمعنی مصطلح اثر پر حکم لگاسکتا ہے۔ تمام حفاظِ حدیث واجلہ نقاد ناو اصلان ذروہ شامخہ اجتہاد کی رسائی صرف اس منزل تک ہے۔ اور خدا انصاف دے تو مدعی اجتہاد وہمسری ائمہ امجاد کو اِن منازل کے طے میں اصحابِ صحاح یا مصنفانِ اسماء الرجل کی تقلید جامد سخت بے حیائی نری بے غیرتی ہے بلکہ ان کے طور پر شرک جلی ہے۔ کس آیت وحدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ بخاری یا ترمذی بلکہ امام احمد وابن المدینی جس حدیث کی تصحیح یا تجریح کردیں وہ واقع میں ویسی ہی ہے۔ کون سا نص آیا کہ نقد رجال میں ذہبی وعسقلانی بلکہ نسائی وابن عدی ودارقطنی بلکہ یحیٰی قطان ویحیٰی بن معین وشعبہ وابن مہدی جو کچھ کہہ دیں وہی حق جلی ہے۔ جب خود احکام الٰہیہ کے پہچاننے میں ان اکابر کی تقلید نہ ٹھہری جو ان سے بدرجہا ارفع واعلیٰ واعلم واعظم تھے۔ جن کے یہ حضرات اور ان کے امثال مقلد ومتبع ہوتے جن کے

درجاتِ رفیعہ امامت انہیں مسلّم تھے توان سے کم درجہ امور میں اُن اکابر سے نہایت پست مرتبہ اشخاص کی ٹھیٹ تقلید یعنی چہ جرح وتعدیل وغیرہ جملہ امور مذکورہ جن جن میں گنجائش رائے زنی ہے محض اپنے اجتہاد سے پایہ ثبوت کو پہنچایئے، اور این وآن وفلان وبہمان کا نام زبان پر نہ لایئے۔ ابھی ابھی تو کھلا جاتا ہے کہ کس برتے پہ تتّا پانی۔

ما اذا اخاضك یا مغرور فی الخطر　　حتّٰی هلکت فلیت النمل لم تطر[1]

(اے مغرور! تجھے کس شے نے خطرے میں ڈالا یہاں تک کہ تُو ہلاک ہوگیا، کاش! چیونٹی نہ اڑتی۔ت)

خیر کسی مسخرہ شیطان کے منہ کیا لگیں۔ برادران باانصاف انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابو عبداللہ حاکم جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے، امام ابن حبان جیسے ناقد بصیر تساہل کی طرف نسبت کیے گئے۔ اِن دونوں سے بڑھ کر امام اجل ابوعیسٰی ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ٹھہرے، امام مسلم جیسے جبل رفیع نے بخاری وابوزرعہ کے لوہے مانے۔ کما اوضحنا فی رسالتنا مدارج طبقات ۱۳۳۳ھ الحدیث (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ مدارج طبقات الحدیث میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ت) پھر چوتھی منزل تو فلک چہارم کی بلندی ہے جس پر نورِ اجتہاد سے آفتاب منیر ہی ہو کر رسائی ہے۔ امام ائمۃ المحدثین محمد بن اسمٰعیل بخاری سے زیادہ ان میں کون منازل ثلثہ کے منتہٰی کو پہنچا۔ پھر جب مقام احکام و نقص وابرام میں آتے ہیں وہاں صحیح بخاری وعمدۃ القاری وغیرہا بنظر انصاف دیکھا چاہیے۔ بکری کے دودھ کا قصہ معروف مشہور ہے۔ امام عیسٰی بن ابان کے اشتغال الحدیث پھر ایک مسئلہ میں دو جگہ خطا کرنے اور تلامذہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ملازم خدمت بننے کی روایت معلوم وماثور ہے۔ ولہذا امام اجل سفین بن عیینہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وامام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور امام بخاری وہ امام مسلم کے استاذ الاستاذ اور اجلہ ائمہ محدثین وفقہائے مجتہدین وتبع تابعین سے ہیں رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ارشاد فرماتے ہیں:

الحدیث مضلّۃ الاّ للفقهاء۔[2]	حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو۔

علامہ ابن الحاج مکّی مدخل میں فرماتے ہیں:

1

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر النعوت دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۲

یرید انّ غیر ھم قد یحمل الشیئ علی ظاھرہ ولہ تاویل من حدیث غیرہ او دلیل یخفی علیہ او متروك اوجب ترکہ غیر شیئ مما لایقوم بہ الا من ستبحرو تفقہ۔	یعنی امام سفین کی مراد یہ ہے کہ غیر مجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنے سمجھ میں آتے ہیں اُن پر جم جاتا ہی حالانکہ دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور ہے۔ یا وہاں کوئی اور دلیل ہے جس پر اس شخص کو اطلاع نہیں، یا متعدد اسباب ایسے ہیں۔ جن کی وجہ سے اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ان باتوں پر قدرت نہیں پاتا مگر وہ جو علم کا دریا بنا اور منصبِ اجتہاد تک پہنچا۔

خود حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نضر اللہ عبدًا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا فربّ حامل فقہ غیر فقیہ وربّ حامل فقہ الٰی من ھو افقہ منہ۔[1] اخرجہ امام الشافعی والامام احمد۔[2] و الدارمی و ابوداؤد و الترمذی وصححہ و ابن ماجۃ و الضیاء فی المختارۃ والبیھقی فی المدخل عن زید بن ثابت والدارمی عن جبیر ین مطعم ونحوہ احمد و الترمذی و ابن حبان بسند صحیح	اللہ تعالٰی اس بندے کو سرسبز کرے جس نے میری حدیث سن کر یاد کی اور اسے دل میں جگہ دی، اور ٹھیک ٹھیک اوروں کو پہنچادی کہ بہتریوں کو حدیث یاد ہوتی ہے مگر اس کے فہم و فقہ کی لیاقت نہیں رکھتے۔ اور بہتیرے اگرچہ لیاقت رکھتے ہیں۔ دوسرے ان سے زیادہ فہیم و فقیہ ہوتے ہیں۔ (امام شافعی، امام احمد، دارمی، ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی تخریج کی اور اس کو صحیح قرار دیا، نیز اس کی تخرین کی ابن ماجہ، ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی ذکر النعوت دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۲ و ۱۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۸۲، سنن الدارمی باب الاقتداء بالعلماء حدیث ۲۳۴ دار المحاسن قاہرہ ۱/ ۶۵، سنن ابی داؤد کتاب العلم باب فضل نشر العلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۹، جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۰، جامع سنن ابن ماجہ باب من بلغ علماء ایچ ایم سعید کمپنی دہلی ص ۲۱، مشکوۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الثانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۵

عن ابن مسعود والدارمی عن ابی الدرداء رضی الله عنهم اجمعین۔	میں، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور دارمی واحمد نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ترمذی و ابن حبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور دارمی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔ت)

فقط حدیث معلوم ہو جانا فہمِ حکم کے لیے کافی ہوتا تو اس ارشادِ اقدس کے کیا معنی تھے۔

امام ابن حجر مکی شافعی کتاب الخیرات الحسان میں فرماتے ہیں امام محدثین سلیمان اعمش تابعی جلیل القدر سے کہ اجلہ ائمہ تابعین و شاگردانِ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ہیں کسی نے کچھ مسائل پوچھے، اس وقت ہمارے امام اعظم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی حاضر مجلس تھے، امام اعمش رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ مسائل ہمارے امام سے پوچھے۔ امام نے فورًا جواب دیا۔ امام اعمش نے کہا: یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کیے؟ فرمایا۔ اُن حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں۔ اور وہ حدیثیں مع سندِ روایت فرمادیں۔ امام اعمش رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا۔

حسبك ماحدثتك به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ماعلمت انك تعمل بهٰذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء ونحن الصیادلة وانت ایها الرجل اخذت بكلا الطرفین۔[1] والحمد لله رب العلمین ۝ ذٰلك فضل الله یؤتیه من یشاء، والله ذوالفضل العظیم	بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ گھڑی بھر میں مجھے سنائے دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کردیتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور محدث لوگ عطار ہیں، یعنی دوائیں پاس ہیں مگر ان کا طریق استعمال تم مجتہدین جانتے ہو۔ اور اے ابوحنیفہ! تم نے تو فقہ وحدیث دونوں کنارے لیے۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو کل جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے، جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی عظیم فضل والا ہے۔ت)

[1] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۴

اب باقی رہی **منزل چہارم**، اور تُو نے کیا جانا کیا ہے منزل چہارم سخت ترین منازل دشوار ترین مراحل، جس کے سائر نہیں مگر اقل قلائل، اس کی قدر کون جانے۔ ؎

گدائےف خاک نشینی تو حافظا مخروش　　که نظمِ مملکت خویش خسرواں دانند[1]

(اے حافظ! تو خاک نشین گدا گر ہے شور مت مچا، کیونکہ اپنی سلطنت کے نظام کو بادشاہ ہی جانتے ہیں۔ت)

اس کے لیے واجب ہے کہ جمیع لغاتِ عرب و فنونِ ادب و وجوہِ تخاطب و طرق تفاہم و اقسامِ نظم و صنوف معنٰے و ادراک علل و تنقیح مناط و استخراج جامع و عرفانِ مانع و موارد تعدیہ و مواضع قصر و دلائل حکم آیات و احادیث، و اقاویل صحابہ و ائمہ فقہ قدیم و حدیث و مواقع تعارض، و اسبابِ ترجیح، و مناہج توفیق و مدارج دلیل و معارک تاویل مسالک تخصیص، مناسک تقیید، و مشارع قیود، و شوارع مقصود وغیرہ ذلک پر اطلاع تام و وقوفِ عام و نظر غائر و ذہن رفیع، و بصیرتِ ناقدہ و بصر منیع رکھتا ہو، جس کا ایک ادنٰی اجمال امام شیخ الاسلام زکریا انصاری قدس سرہ الباری نے فرمایا کہ:

ایاکم ان تبادروا الی الانکار علی قول مجتھد او تخطئته الابعد احاطتکم بِاَدِلَّة الشریعة کلّھا و معرفتکم بجمیع لغات العرب التی احتوت علیھا الشریعة و معرفتکم بمعانیھا وطرقھا۔	خبردار مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اُسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا، جب تک شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغتِ عرب جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی اُن کے راستے جان نہ لو۔

اور ساتھ ہی فرمادیا **واَنّٰی لکم بذٰلك** بھلا کہاں تم اور کہاں یہ احاطہ **نقله الامام العارف باللّٰه عبدالوھاب الشعرانی فی المیزان**[2]۔ (اس کو خدا شناس امام عبدالوہاب شعرانی نے میزان میں نقل فرمایا۔ت) ردالمحتار جس کی عبارت سوال میں نقل کی خود اُسی ردالمحتار میں اسی عبارت کے متصل اس کے معنے فرمادیئے تھے کہ وہ سائل نے نقل نہ کیے، فرماتے ہیں:

---

[1] دیوان حافظ ردیف شین معجمہ سب رنگ کتاب گھر دہلی ص ۳۵۸

[2] میزان الشریعة الکبرٰی فصل فان ادعی احد من العلماء ذوق ھٰذہ المیزان دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۹

ف: دستیاب دیوان حافظ کی نسخہ میں اس شعر کے الفاظ یہ ہیں۔ ؎

رموزِ مصلحت ملک خسرواں دانند　　گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

ولا یخفی ان ذلك لمن کان اھلاً للنظر فی النصوص و معرفة محکمھا من منسوخھا فاذا نظر اھل المذھب فی الدلیل وعملوا بہ صح نسبتہ الی المذاھب۔[1]	یعنی ظاہر ہے کہ امام کا یہ ارشاد اُس شخص کے حق میں ہے جو نصوصِ شرع میں نظر اور ان کے محکم و منسوخ کو پہچاننے کی لیاقت رکھتا ہو۔ تو جب اصحابِ مذہب دلیل میں نظر فرما کر اُس پر عمل کریں، اس وقت اس کی نسبت مذہب کی طرف صحیح ہے۔

اور شک نہیں کہ جو شخص اِن چاروں منازل کو طے کر جائے وہ مجتہد فی المذہب ہے، جیسے مذہب مہذب حنفی میں امام ابو یوسف و امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہما بلاشبہ ایسے ائمہ کو اُس حکم و دعوے کا منصب حاصل ہے اور وہ اس کے باعث اتباعِ امام سے خارج نہ ہوئے کہ اگرچہ صورۃً اس جزئیہ میں خلاف کیا مگر معنی اذنِ کلی امام پر عمل فرمایا پھر وہ بھی اگرچہ ماذون بالعمل ہوں۔ یہ جزمی دعوی کہ اس حدیث کا مفاد خواہی نخواہی مذہب امام ہے، نہیں کرسکتے، نہایت کار ظن ہے، ممکن کہ اِن کے مدارک مدارک عالیہ امام سے قاصر رہے ہوں۔ اگر امام پر عرض کرتے وہ قبول فرماتے تو مذہب امام ہونے پر تیقن تام وہاں بھی نہیں۔

خود اجل ائمہ مجتہدین فی المذہب قاضی الشرق والغرب سیدنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جن کے مدارج رفیعہ حدیث کو موافقین و مخالفین مانے ہوئے ہیں۔ امام مزنی تلمیذ جلیل امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔

ھو اتبع القوم للحدیث۔[2] (وہ سب قوم سے بڑھ کر حدیث کے پیروکار ہیں۔ت)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: منصف فی الحدیث[3]۔ (وہ حدیث میں منصف ہیں۔ت)

امام یحیٰی بن معین نے باآں تشدّد شدید فرمایا:

لیس فی اصحاب الرای اکثر حدیثا و لا اثبت من ابی یوسف۔[4]	اصحاب رائے میں امام ابو یوسف سے بڑھ کر کوئی محدث نہیں اور نہ ہی ان سے بڑھ کر کوئی مستحکم ہے۔ت)

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۶

[2] تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السادسۃ ترجمہ ۲۷۳ ۲ ۴۲/ ۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۱۴، میزان الاعتدال ترجمہ یعقوب بن ابراہیم ۹۷۹۴ دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۴۴۷

[3] تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السادسۃ ترجمہ ۲۷۳ ۲ ۴۲/ ۶ دارالکتب العلمیہ ۱/ ۲۱۴

[4] میزان الاعتدال ترجمہ یعقوب بن ابراہیم ۹۷۹۴ دارالمعرفتہ بیروت ۴/ ۴۴۷، تذکرۃ الحفاظ الطبقۃ السادسۃ ترجمہ ۲۷۳ ۲ ۴۲/ ۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۱۴

نیز فرمایا:

صاحب حدیث وصاحب سُنّة [1]	وہ صاحبِ حدیث وصاحبِ سُنّت ہیں۔(ت)

امام ابن عدی نے کامل میں کہا:

لیس فی اصحاب الرّأی اکثر حدیثا منه [2]	اصحاب رائے میں امام ابویوسف سے زیادہ بڑا کوئی محدث نہیں۔(ت)

امام عبداللہ ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظِ حدیث میں شمار اور کتاب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان **الامام العلامة فقیه العراقین۔**[3] (امام بہت علم والا عراقیوں کا فقیہ ت) ذکر کیا۔ یہ امام ابویوسف بایں جلالتِ شان حضور سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت فرماتے ہیں:

ماخالفته فی شیئ قطّ فتدبرته الا رأیت مذهبه الذی ذهب الیه انجی فی الاخرة وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان هو ابصر با الحدیث الصحیح منّی۔[4]	کبھی ایسانہ ہوا کہ میں نے کسی مسئلہ میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خلاف کرکے غور کیا ہو، مگر یہ کہ انہیں کے مذہب کو آخرت میں زیادہ وجہ نجات پایا، اور بارہا ہوتا کہ میں حدیث کی طرف جھکتا پھر تحقیق کرتا تو امام مجھ سے زیادہ حدیث صحیح کی نگاہ رکھتے تھے۔

نیز فرمایا: امام جب کسی قوم پر جزم فرماتے میں کوفہ کے محدثین پر دورہ کرتا کہ دیکھوں اُن کی تقویت قول میں کوئی حدیث یا اثر پاتا ہوں۔ بارہا دو تین حدیثیں میں امام کے پاس لے کر حاضر ہوتا اُن میں سے کسی کو فرماتے صحیح نہیں کسی کو فرماتے معروف نہیں۔ میں عرض کرتا حضور کو اس کی کیا خبر حالانکہ یہ تو قولِ حضور کے موافق ہیں۔ فرماتے: میں اہل کوفہ کا عالم ہوں۔ **ذکر کلّه الامام ابن الحجر فی الخیرات الحسان**[5] (یہ سب کچھ امام ابن حجر نے الخیرات الحسان میں ذکر فرمایا ہے۔ت)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ الطبقة السادسة ترجمہ ۲۷۳ ۲/ ۴۲ دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۱۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ یعقوب بن ابراہیم ۹۷۹۴ دارالمعرفة بیروت ۴/ ۴۴۷

[3] تذکرۃ الحفاظ الطبقة السادسة ترجمہ ۲۷۳ ۲/ ۴۲ دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۱۴

[4] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[5] الخیرات الحسان الفصل الثلاثون ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

بالجملہ نابالغان رتبہ اجتہاد نہ اصلاً اس کے اہل، نہ ہر گز یہاں مراد، نہ کہ آج کل کے مدعیان خامکار جاہلان بے وقار کہ من وتوکا کلام سمجھنے کی لیاقت نہ رکھیں۔ اور اساطین دین الٰہی کے اجتہاد پر کھیں۔ اسی ردالمحتار کو دیکھا ہوتا کہ انہیں امام ابن الشحنہ وعلامہ محمد بن محمد البہنسی استاد علامہ نورالدین علی قادری باقانی وعلامہ عمر بن نجیم مصری صاحبِ نہر الفائق وعلامہ محمد بن علی دمشقی حصکفی صاحبِ ردمختار وغیرہم کیسے کیسے اکابر کی نسبت صریح کی کہ مخالفت مذہب درکنار، روایات مذہب میں ایک راجح بتانے کے اہل نہیں۔ کتاب الشہادات باب القبول میں علامہ سائحانی سے ہے:

ابن الشحنۃ لم یکن من اھل الاختیار [1]	ابن شحنہ اہل اختیار میں سے نہیں تھا۔ (ت)

کتاب الزکوۃ صدقہ فطر میں ہے:

البھنسی لیس من اصحاب التصحیح [2]	البہنسی اصحابِ تصحیح میں سے نہیں (ت)

کتاب الطلاق باب الحضانہ میں ہے:

صاحب النھر لیس من اھل الترجیح [3]	صاحبِ نہر الفائق اہل ترجیح میں سے نہیں (ت)

کتاب الرھن میں ایک بحث علامہ شارح کی نسبت ہے:

لاحاجۃ الی اثباتہ بالبحث والیقاس الذی لسنا اھلا لہ [4]	اس کو بحث وقیاس کے ساتھ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں جس کے ہم اہل نہیں ہیں۔ (ت)

ان کی بھی کیا گنتی خود اکابر اراکین مذہب اعاظم اجلّہ رفیع الرتب مثل امام کبیر خصاف وامام اجل ابو جعفر طحاوی وامام ابوالحسن کرخی وامام شمس الائمہ حلوانی وامام شمس الائمہ سرخسی وامام فخر الاسلام بزدوی وامام فقیہ النفس قاضیخاں وامام ابوبکر رازی و امام ابوالحسن قدوری وامام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ وغیرہم اعاظم کرام ادخلھم اللہ تعالٰی فی دار السلام۔ (اللہ تعالٰی ان کو سلامتی والے گھر میں داخل فرمائے۔ (ت) کی نسبت علامہ ابن کمال باشار حمۃ اللہ تعالٰی سے تصریح نقل کی۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۸۳

[2] ردالمحتار کتاب الزکوۃ باب صدقۃ الفطر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶

[3] ردالمحتار کتاب الطلاق باب الحضانۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۷

[4] ردالمحتار کتاب الرھن باب الحضانۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۱۳

انھم لایقدرون علٰی شیئ من المخالفۃ لا فی الاصول ولا فی الفروع [1]	وہ اصلاً مخالفت امام پر قدرت نہیں رکھتے، نہ اصول میں نہ فروع میں۔

للہ انصاف! اللہ عزوجل کے حضور جانا اور اسے منہ دکھانا ہے ایک ذرا دیر منہ زوری، ہماہمی ڈھٹائی، ہٹ دھرمی کی نہیں سہی، آدمی اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور ان کا برائمہ عظام کے حضور اپنی لیاقت قابلیت کو دیکھے بھالے تو کہیں تحت الثرٰی تک بھی پتا چلتا ہے۔ ایمان نہ نگلے تو ان کے ادنٰی شاگردانِ شاگردی کی شاگردی و کفش برادری کی لیاقت نہ نکلے۔ خدارا جو شکاران شیرانِ شرزہ کی جست سے باہر ہو لومڑیاں، گیدڑ اس پر ہمکنا چاہیں۔ ہاں اس کا ذکر نہیں جسے ابلیس مَرید اپنا مرید بنائے۔ اور اپنی تقلید سے تمام ائمہ امت کے مقابل اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ (میں اس سے بہتر ہوں (ت) سکھائے۔

جان برادر! دین سنبھلانا ہے یا بات پالنا۔ چند منٹ تک خفگی، جھنجھلاہٹ، شوخی تلملاہٹ کی نہیں بدی، ذرا لیاقتی دعووں کے آثار تو ملاحظہ ہوں۔ تمام غیر مقلدان زمانہ کے سروسر گروہ سب سے اونچی چوٹی کے کوہ پر شکوہ سب سے بڑے محدث متوحد سب میں چھنٹے امام متفرد علامۃ الدہر مجتہد الدہر العصر جناب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہداہ اللہ تعالٰی الی الصراط السوی ہیں۔ انہیں کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ کیجئے۔ فقیر نے بضرورت سوالِ سائلین جو اسی ماہ رواں میں صرف ایک مسئلہ جمع بین الصلوتین کے متعلق حضرت کی حدیث دانی کھولی۔ ماشاء اللہ وہ وہ نزاکتیں پائیں کہ بایں گردش و کہن سالی آج تک پیر فلک کو بھی نظر نہ آئیں۔ تفصیل درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مذکورہ حاجز البحرین [عہ] ملاحظہ ہو۔

یہاں اجمالاً معروض:

دہلوی مجتہد کی حدیث دانی اور ایک ہی مسئلہ میں اتنی گل فشانی

(۱) ضرت کو ضعیف محض متروک میں تمیز نہیں۔
(۲) تشیّع ورِفض میں فرق نہیں۔
(۳) فلان یغرب وفلان غریب الحدیث میں امتیاز نہیں۔

عہ: رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین فتاوٰی رضویہ جلد پنجم، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور میں صفحہ ۱۵۹ پر ملاحظہ ہو۔

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء الثرات العربی بیروت ۱/ ۵۳

(۴) غریب ومنکر میں تفرقہ نہیں۔

(۵) فلان یھم کو وہمی کہنا جانیں۔

(۶) لہ اوھام کا یہی مطلب مانیں

(۷) حدیث مرسل تو مردود و مخذول وعنعنہ مدلس ماخوذ و مقبول

(۸) ستم جہالت کہ وصل متاخر کو تعلیق بتائیں، مثلاً محدث کہے:

رواہ مالك عن نافع عن ابن عمر حدثنا بذلك فلان عن فلان عن مالک۔	اس کو امام مالک نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، ہم کو ایسے ہی حدیث بیان کی فلاں نے فلاں سے اور اس نے امام مالک سے۔(ت)

حضرت اسے معلق ٹھہرائیں اور حدّثنا بذلک کو ہضم کر جائیں۔

(۹) صحیح حدیثوں کو نری زبان زوریوں سے مردود و منکر و واہیات بتائیں۔

(۱۰) حدیث ضعیف جس کے منکر و معلول ہونے کی امام بخاری وغیرہ اکابر ائمہ نے تصریح کی محض بیگانہ تقریرون سے اسے صحیح بنائیں۔

(۱۱) ضعفِ حدیث کو ضعفِ رواۃ پر مقصور جانیں۔ ہنگام ثقہ رواۃ علل قوادح کو لاشیئ مانیں۔

(۱۲) معرفتِ رجال میں وہ جوش تمیز کہ امام اجل سلیمن اعمش عظیم القدر جلیل الفخر تابعی مشہور و معروف کو سلیمن بن ارقم ضعیف سمجھیں۔

(۱۳) خالد بن الحارث ثقہ ثبت کو خالد بن مخلد قطوانی کہیں۔

(۱۴) ولید بن مسلم ثقہ مشہور کو ولید بن قاسم بنالیں۔

(۱۵) مسئلہ تقوی طرق سے نرے غافل۔

(۱۶) راوی مجروح و مرجوع کے فرق بدیہی سے محض جاہل۔

(۱۷) متابع ومدار میں تمیز دو بھر صاف صاف متابعت ثقات، وہ بھی باقرب وجوہ پیش نظر، مگر بعض طرق میں بزعم شریف وقوع ضعیف سے حدیث سخیف۔

(۱۸) جابجا طریق جلیلہ موضحۃ المعنی مشہور و متداول کتابوں خود صحیحین و سنن اربعہ میں موجود۔ انہیں تک رسائی محال، باقی کتب سے جمع طرق واحاطہ الفاظ اور مبانی و معانی کے محققانہ لحاظ کی کیا مجال۔

(۱۹) تصحیح و تصنیف میں قولِ ائمہ جبھی مقبول کہ خود اُن کی تصانیف میں مذکور و منقول، ورنہ نقل ثقات

مردود و مخذول۔

(۲۰) اجلہ رُواۃ بخاری و مسلم بے وجہ وجیہہ و دلیل ملزم کوئی مردود و خبیث کوئی متروک الحدیث مثل امام بشر بن بکر تنیسی و محمد بن فضیل بن غزوان کوفی و خالد بن مخلد ابوالہیثم بجلی، بھلا یہ تو بخاری و مسلم کے خاص خاص رجال بے مساغ و مجال پر فقط منہ آئے۔ اس سے بڑھ کر سنیئے کہ حضرت کی حدیث دانی نے صحاح ستّہ کے ردوابطال کو قواعد سبعہ وضع فرمائے کہ جس راوی کو تقریب میں صدوق رمی بالتشیع یا صدوق متشیع یا ثقہ یغرب یا صدوق یخطیئ یا صدوق یھم یا صدوق لہ اوہام لکھا ہو وہ سب ضعیف و مردود الروایت و متروک الحدیث ہیں، حالانکہ باقی صحاح درکنار، خود صحیحین میں ان اقسام کے راوی دو چار نہیں، دس بیس نہیں سینکڑوں ہیں چھ قاعدے تو یہ ہوئے۔ جس سند میں کوئی راوی غیر منسوب واقع ہو۔ مثلاً حدثنا خالد عن شعبۃ عن سلیمن اسے برعایت قرب طبقہ وروایات مخرج جو ضعیف راوی اُس نام کا ملے رجماً بالغیب جزماً بالترتیب اس پر حمل کرلیجئے۔ اور ضعفِ حدیث و سقوط روایت کا حکم کردیجئے

مسلمانو! حضرت کے یہ قواعد سبعہ پیش نظر رکھ کر بخاری و مسلم سامنے لایئے اور جو جو حدیثیں ان مخترع محدثات پر رد ہوتی جائیں کاٹتے جایئے۔ اگر دونوں کتابیں آدھی تہائی بھی باقی رہ جائیں تو میرا ذمہ خدا نہ کرے کہ مقلدین ائمہ کا کوئی متوسط طالب علم بھی اتنا بو کھلایا ہو۔ معاذ اللہ جب ایک مسئلہ میں یہ کوتک تو تمام کلام کا کمال کہاں تک۔ العظمۃ اللہ ! جب پرانے پرانے چوٹی کے سیانے جنہیں طائفہ بھر اپنی ناک مانے، اونچے پائے کا مجتہد جانے، ان کی لیاقت کا یہ اندازہ کہ نری شیخی اور تین کانے، تو نئی امت حچھٹ بھیوں کی جماعت کس گنتی شمار میں ہیں۔ کس شمار قطار میں۔ لافی العیر ولا فی النفیر والعیاذ باللہ من شر الشرّ (نہ عیر میں اور نہ ہی نفیر میں (نہ تین میں نہ تیرہ میں) شریر کے شر سے اللہ تعالٰی کی پناہ ت) مرزا صاحب و شاہ صاحب کیا عیاذا باللہ ان جیسے بدعقل وعدیم الشعور تھے کہ اثبات احکام شریعت الٰہی و فہم احادیث رسالت پناہی صلوات اللہ تعالٰی و سلامہ علیہ کی باگ ایسے بے مہاروں بے خرد نابکاروں کے ہاتھ میں دیتے۔ ان کا مطلب بھی وہی ہے کہ جو اس کا اہل ہو اسے عمل کی اجازت بلکہ ضرورت نہ کہ کودن نااہل بکھاری ترجمی مسکوۃ کے ترجمے میں ہلدی کی گرہ پائیں اور پنساری بن جائیں یا بنگالی بھوپالی کسی مذہب کو اپنے زعم میں خلاف حدیث بتائیں تو اللہ عزوجل تقلید ائمہ حرام کرکے فرض فرمادے کہ بھوپالی بنگالی پر ایمان لے آئیں۔ جانِ برادر یہ بودی تقلید تو اب بھی رہی۔ ابوحنیفہ و محمد کی تو نہ ہوئی۔ بھوپالی بنگالی کی سہی۔ وائے بے انصافی کہ شاہ صاحب و مرزا صاحب کے کلام کے یہ معنی

مانیں اور انہیں معاذاللہ دائرہ عقل سے خارج جانیں، حالانکہ ان دونوں صاحبوں کے ہادی بالامر شد اعلیٰ دونوں صاحبوں کے آقائے نعمت مولائے بیعت دونوں صاحبوں کے امام ربانی جناب شیخ مجدد الف ثانی صاحب اپنے مکتوبات جلد اول مکتوب ۳۱۲ میں فرماتے ہیں:

مخدوما! احادیث نبوی علی مصدرہا الصلوۃ والسلام درباب جواز اشارت سبابہ بسیار وارد شدہ اند وبعضے از روایات فقہیہ حنفیّہ نیز دریں باب آمدہ وغیر ظاہر مذہب است، وآنچہ امام محمد شیبانی گفتہ کان رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم یشیرو نصنع کما یصنع النبی علیہ وعلٰی الہ الصلوۃ والسلام ثم قال ھذا قولی وقول ابی حنفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما از روایات نوادر است نہ روایات اصول، ہرگاہ در روایات معتبرہ حرمت اشارہ واقع شد باشد، وبرکراہت اشارتِ فتوی دادہ باشند، ماامقلدان رانمی رسد کہ بمقضائے احادیث عمل نمودہ جرات دراشارت نمائیم مرتکبِ ایں امراز حنیفہ یا علمائے مجتہدین راعلم احادیث معروفہ جواز اشارت اثبات نمی آید یا انگارد کہ اینہا بمقضاء آراء خود برخلافِ احادیث حکم کردہ اند، ہر دوشق فاسد است تجویز نہ کند آنرامگر سفیہ یا	اے مخدومِ گرامی! احادیثِ نبوی (ان کے مصدر پر درود و سلام ہو) تشہد میں اشارہ سبابہ کے جواز کے باب میں بہت وارد ہوئی ہیں اور اس باب میں فقہ حنفی کی بھی بعض روایات آئی ہیں جو کہ ظاہر مذہب کے غیر ہیں۔اور وہ جو امام محمد شیبانی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم انگلی شہادت سے اشارہ کرتے تھے اور ہم بھی اسی طرح اشارہ کرتے ہیں جس طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کرتے تھے۔ پھر امام محمد نے فرمایا یہی میرا قول اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے روایات نوادر میں سے ہے نہ روایات اصول میں سے، جب کہ معتبر روایات میں اشارے کی حرمت واقع ہوچکی ہے اور اشارے کے مکروہ ہونے پر فتوی دیا گیا ہے۔ ہم مقلدوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ حدیث کے متقضا کے مطابق عمل کرکے اشارہ کرنے کی جرات کریں۔ حنفیّہ میں سے اشارہ سبابہ کا ارتکاب کرنے والا دو حال سے خالی نہیں، یا توان علمائے مجتہدین کے لیے جوازِ اشارہ میں معروف احادیث کا علم تسلیم نہیں کرتا یاان کو ان احادیث کا عالم جانتا ہے۔ لیکن ان بزرگوں کے لیے ان احادیث کے مطابق عمل جائز تسلیم نہیں کرتا۔اور خیال یہ کرتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے خیالات

معاند حسن ظن مابہ ایں اکابر آنست کہ تادلیل برایشاں ظاہر نشدہ است حکم بحرمت یا کراہت نہ کردہ اند، غایت مافی الباب ماراعلم بآں دلیل نیست، وایں معنے مستلزم قدح اکابر نیست اگر کسے گوید کہ ماعلم بخلاف آں دلیل داریم، گوئیم کہ علم مقلد دراثبات حل و حرمت معتبر نیست، دریں باب ظن بہ مجتہد معتبراست احادیث راایں اکابر بواسطہ قربِ عہد ووفور علم وحصول ورع و تقوی ازمادور افتادگاں بہتر مے دانستند، و صحت وسقم ونسخ وعدم نسخ آنہارا، بیشتر از مامی شناختند، البتہ وجہ موجہ داشتہ باشند درترک عمل بمقتضائے احادیث علی صاحبہا الصلوۃ والسلام وآنچہ از امام اعظم منقول است کہ اگر حدیثے مخالف قول من بیابند برحدیث عمل نمائید مراد ازاں حدیثے است کہ بحضرت امام نرسیدہ است وبنابرعدم علم ایں حدیث حکم بخلافِ آں فرمودہ است واحادیث اشارت ازاں قبیل نیست، اگر گویند کہ علمائے حنفیّہ برجواز اشارت نیز فتوے دادہ اند بمقتضائے فتاوائے معارضہ بہر طرف عمل مجوز باشند گوئیم اگر تعارض

کے مطابق احادیث کے خلاف حرمت اور کراہت کا حکم صادر فرمایا ہے یہ دونوں شقیں فاسد ہیں انہیں وہی جائز قرار دے گا جو بے وقوف ہو یا ضدی، ان اکابر کے ساتھ ہمارا حسن ظن یہ ہے کہ اس باب میں جب تک ان پر حرمت یا کراہت کی دلیل ظاہر نہیں ہوئی حرمت یا کراہت کا انہوں نے حکم نہیں لگایا۔ زیادہ سے زیادہ اس باب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہے اور یہ معنی اکابر میں کسی عیب کو مستلزم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ ہم اس دلیل کے خلاف علم رکھتے ہیں تو کہیں گے کہ حلت وحرمت کے اثبات میں مقلد کا علم معتبر نہیں ہے بلکہ اس باب میں مجتہد کے ظن کا اعتبار ہے، یہ اکابر حدیث کو قرب زمانہ نبوی، زیادتی علم، اور ورع و تقوی سے آراستہ ہونے کی وجہ سے ہم دور افتادوں سے بہتر جانتے تھے، اور احادیث کی صحت وسقم اور ان کے نسخ وعدم نسخ کو ہم سے زیادہ پہچانتے تھے انھیں ضرور کوئی معتبر دلیل ملی ہوگی تب ہی انھوں احادیث علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے مقتضی کے مطابق عمل نہیں کیا، اور وہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ تعالی علیہ سے منقول ہے کہ اگر کوئی حدیث میرے قول کے مخالف پاؤ تو میرے قول کو چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو تو اس حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو حضرت امام کو نہ پہنچی ہو۔ اور اس حدیث کو نہ جاننے کی بنا پر

درجواز وعدم جواز واقع شود ترجیح عدمِ جواز رااست۔[1] ملتقطًا	اس کے خلاف حکم فرمایا ہے اور اشارے کی حدیث اس قبیلہ سے نہیں۔ اگر کہیں کہ علمائے حنفیّہ نے جوازِ اشارہ کا فتوٰی دیا ہے۔ لہٰذا متعارض فتاوٰی کے مطابق جس بات پر بھی عمل کرلیا جائے جائز ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز و عدم جواز اور حلت و حرمت میں تعارض واقع ہو تو تعارض کی صورت میں ترجیح عدم جواز اور جانب حرمت کی ہوتی ہے اھ التقاط (ت)

نیز جناب موصوف کے رسالہ مبدو معاد سے منقول ہے:

مدّتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے پیدا شود در مذہب حنفی تادرخلفِ امام قراءتِ فاتحہ نمودہ آید، امابواسطہ رعایت مذہب بے اختیار ترک قراءت مے کرد وایں ترک راز قبیل ریاضت مے شمرد، آخر الامر اللہ تعالٰی ببرکت رعایت مذہب کہ نقل از مذہب الحادست، حقیقت مذہب حنفی در ترک قراءت ماموم ظاہر ساخت وقراءت حکمی از قراءتِ حقیقی در نظرِ بصیرت زیباتر نمود۔[2]	مجھے ایک عرصہ تک آرزو رہی کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کی مذہب حنفی میں کوئی وجہ ظاہر ہوجائے، مگر بواسطہ رعایت مذہب بے اختیار ترک قراءت کرتا رہا اور اس ترک کو ریاضت کے قبیلے سے شمار کرتا رہا۔ آخر اللہ تعالٰی نے رعایت مذہب کی برکت سے (کیونکہ مذہب کی مخالفت الحاد ہے) مقتدی کی ترک قراءت کے بارے میں مذہب حنفی کی حقانیت ظاہر فرمائی اور قراءت حکمی کو نظر بصیرت میں قراءت حقیقی سے خوب تر دکھایا(ت)

ہاں صاحب! ان بزرگوں کے اقوال کی خبریں کہیے۔ ان بزرگوں کے بزرگ، بڑوں کے بڑے اماموں کے امام کیا کچھ فرمارہے ہیں، ادعائے باطل عمل بالحدیث پر کیا کیا بجلیاں توڑتے گھنگھور بادل گرمارہے ہیں۔

اوّلًا: تصریحًا تسلیم فرمایا کہ التحیات میں انگلی اٹھانا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بہت حدیثوں میں وارد۔

ثانیًا: وہ حدیثیں معروف و مشہور ہیں۔

---

[1] مکتوبات امام ربّانی مکتوب ۳۱۲ نولکشور ۱/ ۴۴۸ تا ۴۵۱

[2] مبدأ و معاد

ثالثًا: مذہب حنفی میں بھی اختلاف ہے۔روایت نوادر میں خود امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ فرماتے تھے ہم بھی کریں گے۔

رابعًا: صاف یہ بھی فرمادیا کہ یہی قول امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہے۔

خامسًا: نہ فقط روایت بلکہ علمائے حنفیّہ کا فتوٰی بھی دونوں طرف ہے۔بااینہمہ صرف اسی وجہ سے کہ روایاتِ اشارہ ظاہر الروایۃ نہیں،صاف صاف فرماتے ہیں کہ ہم مقلدوں کو جائز نہیں کہ حدیثوں پر عمل کرکے اشارے کی جرات کریں۔جب ایسی سہل و نرم حالت میں حضرت امام ربانی صاحب کا یہ قاہر ارشاد ہے تو جہاں فتوائے حنفیّہ مختلف نہ ہو۔جہاں سرے سے اختلافِ روایت ہی نہ ہو وہاں خلافِ مذہب امام حدیث پر عمل کرنے کو کیا کچھ نہ فرمائیں گے۔

کیوں صاحبو! کیا انہیں کو شاہ ولی صاحب نے کہا تھا کہ کھلا احمق ہے،یا چھپا منافق،استغفر اللہ،استغفر اللہ ذرا تو شرماؤ،ذرا تو ڈرو،شاہ صاحب کی بزرگی سے حیا تو کرو۔ان کی تو کیا مجال تھی کہ معاذ اللہ وہ جناب مجددیت مآب کی نسبت ایسا گمان مردود و نا محمود رکھتے وہ تو انہیں قطب الارشاد وہادی و مرشد ودافع بدعات جانتے ہیں اور ان کی تعظیم کو خدا کی تعظیم،ان کے شکر کو اللہ کا شکر مانتے ہیں کہ اپنے مکتوب ہفتم میں لکھتے ہیں:

شیخ قطب ارشادایں دورہ است و بردست وے بسیارے از گمراہاں بادیہ صبیعت وبدعت خلاص شدہ اند،تعظیم شیخ تعظیم حضرت مدور ادوار ومکون کائنات است،و شکر نعمت مفیض اوست۔[1] اعظم اللہ تعالٰی لہ الاجور۔	شیخ اس دور کے قطبِ ارشاد ہیں،ان کے ہاتھ پر تکبر وبدعت کی گمراہی میں مبتلا بہت سے افراد نے ہدایت پائی،شیخ کی تعظیم خالق کائنات کی تعظیم ہے اور شیخ کی نعمت کا شکر اس نعمت کو عطا کرنے والے اللہ کا شکر ہے۔اللہ تعالٰی انہیں عظیم اجر عطا فرمائے۔(ت)

ہاں شاید میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کی چوٹ حضرت مجدد صاحب ہی پر ہے کہ معیار الحق میں لکھتے ہیں:
آج کل کے بعض لوگ اسی تقلید معین کے التزام سے مشرک ہورہے ہیں کہ مقابل میں روایت کیدانی کے اگر حدیث صحیح پیش کرو تو نہیں مانتے۔[2]

[1] کلماتِ طیبات فصل چہارم درمکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۶۳

[2] معیار الحق بحث تلفیق مکتبہ نذیریہ چناب بلاک اقبال ٹاؤن لاہور ص ۱۸۳

اسی مسئلہ اشارہ میں روایت کیدانی پیش کی جاتی ہے۔جناب مجدد صاحب نے فتاوٰی غرائب و جامع الرموز وخزانۃ الروایات وغیرہا پیش کیں۔وہ بات ایک ہی ہے۔یعنی فقہی روایت کے مقابل حدیث نہ ماننا۔اب دیکھ لیجئے حضرت مجدد کا روایت فقہی لانا اور اُن کے سبب صحیح حدیثوں پر عمل نہ فرمانا۔اور میاں جی صاحب دہلوی کا بے دھڑک شرک کی جڑ جاننا۔خدا ایسے شرک پسندوں کے سائے سے بچائے۔خیر یہ تو میاں جی جانیں اور ان کا کام،

کلامِ جناب مجدد صاحب کے فوائد سنیے:

اوّل[1]: بڑا بھاری فائدہ تو یہ ہوا۔

دوم[2]: حضرت موصوف نے یہ بھی فرمادیا کہ اقوال امام کے مقابل ایسی معروف حدیثیں جیسی رفع یدین وقراءت مقتدی وغیرہما میں آئیں کہ کسی طرح احادیث اشارہ سے اشتہار میں کم نہیں وہی پیش کرے گا جو نرا گاؤدی کو دن بے عقل ہو یا معاند مکابر ہٹ دھرم کہ نہ وہ حدیثیں امام سے چھپ رہنے کی تھیں۔نہ معاذ اللہ امام اپنی رائے سے حدیث کا خلاف کرنے والے، تو ضرور کسی دلیل قوی شرعی سے ان سے عمل نہ فرمایا۔

سوم[3]: یہ بھی فرمادیا کہ ہمیں جواب احادیث معلوم ہوجانا کچھ ضرور نہیں۔اس قدر اجمالاً جان لینا بس ہے کہ ہمارے عالموں کے پاس وجہ موجود ہوگی۔

چہارم[4]: یہ بھی فرمادیا کہ ہمارے علم میں کسی مسئلہ مذہب پر دلیل نہ ہونا درکنار اگر صراحۃً اس کے خلاف پر ہمیں دلیل معلوم ہو جب بھی ہمارا علم کچھ معتبر نہیں اُسی مسئلہ مذہب پر عمل رہے گا۔

پنجم[5]: یہ بھی فرمادیا کہ ہمارے علمائے سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم کو جیسا علمِ حدیث تھا جیسا وہ صحیح و ضعیف و منسوخ و ناسخ پہچانتے تھے بعد کے لوگ ان کی برابری نہیں کرسکتے کہ نہ انہیں ویسا علم نہ یہ اس قدر زمانہ رسالت سے قریب، جب حضرت مجدد اپنے زمانہ کو ایسا فرمائیں۔تو اب تو اس پر بھی تین سو برس گزر گئے۔آج کل کے الٹے سیدھے چند حرف پڑھنے والے کیا برابری ائمہ کی لیاقت رکھتے ہیں۔

ششم[6]: اس شرط کی بھی تصریح فرمادی کہ امام کے وہ اقوال منقولہ سوال خاص اُسی حدیث کے باب میں ہیں جو امام کو نہ پہنچی، اور اس سے مخالف برنبائے عدمِ اطلاع ہوئی نہ یہ کہ اصول مذہب پر وہ بوجوہ مذکورہ کسی وجہ سے مرجوع یا مؤول یا متروک العمل تھی کہ یوں تو بحالِ اطلاع بھی مخالفت ہوتی۔کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

ہفتم[7]: جناب مجدد صاحب کی شان علم سے تو ان حضرات کو بھی انکار نہ ہوگا۔یہی مرزا جانجاناں صاحب

جنہیں بزرگ مان کر ان کے کلام سے استناد کیا گیا۔ جناب موضوع کو قابل اجتہاد خیال کرتے اور اپنے ملفوظ میں لکھتے ہیں:

عرض کردم یارسول اللہ حضرت درحق مجدد الف ثانی چہ فرمایند؟ فرمودند مثل ایشاں درامتِ من دیگر کیست [1]	عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضور حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میری امت میں اس کی مثل دوسرا کون ہے۔(ت)

جب ایسے بزرگان بزرگ فرمائیں کہ ہم مقلدوں کو قولِ امام کے خلاف حدیثوں پر عمل جائز، جو اس کا مرتکب ہو وہ احمق بے ہوش یا ناحق باطلل کوش ہے۔ تو پھر آج کے جھوٹے مدعی کسی گنتی میں رہے۔

یہ سات فائدے عبارت مکتوبات میں تھے۔

ہشتم[۸]: اگرچہ قول امام کی حقانیت اپنے خیال میں نہ آئے مگر عمل اسی پر کرنا لازم یہی اللہ عزوجل کو پسند موجب برکات ہے۔ دیکھو ایک مدت تک مسئلہ قراءت مقتدی میں حقانیت مذہب حنفی جناب مجدد صاحب پر ظاہر نہ تھی، قراءت کرنے کو دل چاہا مگر بپاس مذہب نہ کرسکے، یہی ڈھونڈتے رہے کہ خود حنفی مذہب میں کوئی راہ جواز کی ملے۔

نہم[۹]: اس سوال کا بھی صاف صاف جواب دے دیا کہ ایک مسئلہ بھی اگر خلاف امام کیا اگرچہ اسی بناپر کہ اس میں حقانیت مذہب ظاہر نہ ہوئی تاہم مذہب سے خارج ہوجائے گا۔ اسے نقل از مذہب فرماتے ہیں۔

دہم[۱۰]: یہ سخت اشد و قاہر حکم دیکھئے جو ایسا کرے وہ ملحد ہے۔ آپ حضرات اپنے ایمان میں جو مناسب جانیں مانیں، چاہے حضرت مجدد صاحب کے نزدیک معاذ اللہ تعالٰی شاہ صاحب و مرزا صاحب کو سفید و معاند و ملحد قرار دیں، چاہے ان دونوں صاحب کے طور پر حضرت مجدد کو مدعی باطل و مخالف امام اور عیاذًا باللہ کھلا حق یا چھپا منافق ٹھہرائیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق نہیں مگر بلندی و عظمت والے معبود کی توفیق سے۔ت) لاجرم یہ دونوں صاحب اسی صحتِ عملی میں کلام کررہے ہیں جس پر اطلاع فقہائے اہل نظر و اجتہاد فی المذہب کا کام، اب نہ یہ کلام باہم متخالف، نہ ان میں کوئی حرف ہمارے مخالف ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق۔

---

[1] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جانجاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۷

(یوں ہی تحقیق ہونی چاہیے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق عطافرمانے والا ہے۔(ت) یہ مبحث بہت طویل الاذیال تھی جس میں بسطِ کلام کو دفتر ضخیم لکھا جاتا۔ مگر ماقل وکفٰی خیر مما کثر والٰہی (جو مختصر اور جامع ہو وہ اس سے بہتر ہے جو کثیر اور لغو ہو) حضرات ناظرین خاص مبحث مسئول عنہ پر نظر رکھیں۔ خروج عن المبحث سے کہ صنیع شنیع جہلہ وعاجزین ہے حذر رکھیں۔

"رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾" [1]، وصلی اللہ تعالٰی علی سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین۔	اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر، اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے، اور درود نازل فرمااللہ تعالٰی رسول کے سردار محمد مصطفٰی پر اور آپ کی تمام آل واصحاب پر (ت)

مناسب کہ ان مختصر سطور کو بلحاظ مضامین الفضل الموھبی فی معنی اذا صح الحدیث فھو مذھبی (اللہ تعالٰی کا عطا کردہ فضل اس قول (امام اعظم) کے معنی میں کہ جب کوئی حدیث صحت کو پہنچے تو وہی میرا مذہب ہے۔ت) سے مسمّٰی کیجئے۔ اور بنظر تاریخ اعزالنکات بجواب سوال ارکات (مضبوط ترین نکات، علاقہ ارکاٹ سے بھیجے ہوئے سوال کے جواب میں ت۔) لقب دیجئے۔

"رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾"۔ [2] آمین۔ والحمدللہ رب العلمین واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، بے شک تو سُننے والا جاننے والا ہے، آمین اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے وہ پاک اور بلند ہے۔ اس کی بزرگی جلیل اور اس کا علم تام مستحکم ہے۔(ت)

کتب عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

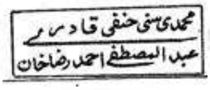

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۸۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۷

فوائدِ فقہیہ وافتاء ورسم المفتی

مسئلہ ۱۷: ۷ اربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

الجواب:

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہماراایمان ہے کہ آئمہ اربعہ برحق ہیں۔ پھر ایک چیز معین پر انہی اماموں نے فرمایا ہے کہ حلال ہے اور حرام ہے۔ مثلاً کچھوا کہ ہمارے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ حرام ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حلال ہے، اور یہ محال ہے کہ ایک ہی چیز حرام بھی ہو اور حلال بھی ہو، اور ہم دونوں کو برحق کہیں۔ بیّنوا بالدلیل وتوجروا من الجلیل (دلیل کے ساتھ بیان کرو، جلالت والے اللہ کی بارگاہ سے اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب:

سائل نے کچھوے کی مثال صحیح نہیں لکھی۔ کچھوا امام شافعی کے صحیح مذہب میں بھی حرام ہے۔ ہاں اور اشیاء ہیں کہ ان کے نزدیک حلال ہمارے نزدیک حرام ہیں۔ جیسے متروک التسمیہ عمداً اور ضب، اور بعض شافعیہ کے نزدیک کچھوا بھی۔ بہرحال دونوں برحق ہونے کی یہ معنی ہیں کہ ہر امام مجتہد کا اجتہاد جس طرف مودی ہو اس کے اور اس کے مقلدوں کے حق میں اللہ تعالٰی کا وہی حکم ہے۔ شافعی المذہب اگر متروک التسمیہ عمداً کھائے گا اس کی عدالت میں فرق نہ آئے گا نہ دنیا میں اسے تعزیر دی جائے نہ آخرت میں اس سے اس کا مواخذہ ہو۔ اور حنفی المذہب کہ اسے حرام جانتا ہے اور اس کا ارتکاب

کرے گا تو اس کی عدالت بھی ساقط ہوگی اور دنیا میں مستحق تعزیر اور آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا۔ یونہی بالعکس جو چیز ہمارے نزدیک حلال ہے اور ان کے نزدیک حرام، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کل مجتھد مصیب والحق عند اللہ واحد وقد یصیبہ وقد لا۔[1]	ہر مجتہد مصیب ہے، لیکن عنداللہ حق ایک ہی ہے جس کو مجتہد کبھی پہنچتا ہے اور کبھی نہیں پہنچتا۔

امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

احدبہ واقبل شھادتہ یرید شارب المثلث نقلھما فی فواتح الرحموت۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔	میں مثلث پینے والے پر حد بھی جاری کروں گا اور گواہی دے تو اس کی گواہی بھی قبول کروں گا اسے فواتح الرحموت میں نقل کیا گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸: از گورکھپور محلّہ دھمال مسؤلہ سعید الدین ۹ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) امیر محلّہ کا لفظ جو بعض کتبِ فقہ میں آیا ہے اور میر محلّہ ان دونوں لفظوں میں کچھ شرعًا و عرفًا فرق ہے یا نہیں؟

(۲) ہندوستان میں عام طور پر سید کو میر صاحب کہتے ہیں تو کیا اس کہنے سے فی الواقع وہ امیر محلّہ بن سکتے ہیں یا امیر محلّہ کے احکام اس پر عائد ہو سکتے ہیں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے، اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

(۱) امیر اور میر میں کچھ فرق نہیں، میر اُسی کا مخفف ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۲) فقط میر صاحب ہونے سے میر محلّہ نہیں ہوتا میر محلّہ وہ ہے جو علم دینی میں سب اہل محلّہ سے زائد ہو یا جسے سلطان یا مسلمانوں نے میر محلّہ بنایا ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰:

حامی دین متین ماحی البدعۃ والشرک محی الدین جناب مولٰینا زاد اللہ شرفہ۔ بعد ہدیہ سلام و

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی فصل فی آداب المناظرۃ منشورات الرضی قم مصر ۲/ ۳۸۱

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفٰی الاصل الثانی السنۃ مسئلہ مجہول الحال الخ الرضی قم مصر ۲/ ۱۴۸

سنتِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام معلوم فرمائیں ایک فتوی جس میں چند سوال ہیں آنجناب کی خدمت میں پیش کرنے کا قصد ہے اگرچہ مدارس اسلامیہ وجائے اِفتاء تو ہندوستان میں کثیر ہیں ولیکن بندہ کی خوشی یہ ہے کہ آنجناب کی لسان ترجمان فیض رسان و کلک سے جواب ظہور میں آئے اس وقت چونکہ رمضان شریف ہے روزہ کی وجہ سے شاید جواب میں دقت وکلفت ہو بدیں خیال مقدم یہ جوابی خط ارسال کرکے آنجناب کی مرضی مبارک حاصل کی جاتی ہے کہ اگر فتوی اس وقت رمضان شریف میں بھیجا جائے تو کیا اس وقت جواب مل سکتا ہے یا کہ بعد رمضان شریف؟ اگر بعد رمضان شریف فتوی بھیجا جائے تو شوال کی کتنی تاریخ تک بھیجا جائے؟ آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ جیسا آپ فرمائیں گے ویسا کیا جائے گا۔ فقط زیادہ والسلام، جوابی خط ارسال ہے۔

الجواب:

جناب من سلمکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، رمضان مبارک میں بھی فتاوے بفضلہٖ تعالٰی لکھے جارہے ہیں، آپ نے استفتاء نہ بتا کس مضمون کا ہے۔ بعض ضروری وفوری ہوتے ہیں، بعض مہلت وفرصت کے، بعض ایسے کہ جواب دینا ہی بے کار یا ضروریات کے آگے ناقابلِ اعتبار غرض فتاوٰی کہ پوچھے جاتے ہیں، ان کی حالتیں بہت مختلف ہیں، لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہمارے ہر فتوی کا جواب ملنا شرعًا لازم ہے اور وہ بھی تحریری، اور حضرت سیدنا ابن مسعود علیہ الرضوان فرماتے ہیں:

من افتی فی کل ما استفتی فھو مجنون[1] ۔	جو ہر استفتاء کا جواب دے مجنون ہے۔

یہ اس لیے لکھ دیا کہ اگر آپ نوعیتِ سوال سے مطلع فرماتے تو جواب لاو نعم ودیر وشتاب معین ہوسکتا۔ والسلام۔

مسئلہ ۲۱: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، من جانب احقر العباد ملک محمد امین جالندھر شہر،

مجموعہ فتاوٰی عبدالحئ صاحب اہلسنت وجماعت کے مطابق ہے یا کچھ گڑبڑ ہے؟ اطلاع بخشی جائے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اس میں بہت مسائل میں فرق ہے خصوصًا پہلی اور

1

دوسری جلد میں جس کی کچھ کچھ اصلاح خود انہوں نے اپنی طرف سے سوالات قائم کرکے کی ہے والسلام۔

مسئلہ ۲۲: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسؤلہ مولوی نور محمد صاحب طالب علم ۹ ربیع الآخر ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے مرشد کے فتوے کے رَد پر تصدیق کرے یہ بیعت سے خارج ہوا یا نہیں؟

الجواب:

بعض فتوؤں کا رَد کفر ہوتا ہے، بعض کا ضلالت، بعض کا جہالت، بعض کا حماقت، بعض کا حق ایک حکم نہیں ہو سکتا، کیا فتوٰی تھا اور کیا رد، سائل مفصل لکھے اور یہ بھی تصدیق کرنے والے کو اس کے خلاف اپنے مرشد کا فتوٰی معلوم تھا یا نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فلسفہ، طبعیات، سائنس، نجوم، منطق

مسئلہ ۲۳: مرسلہ مولوی احمد شاہ، ساکن موضع سادات

بجلی کیا شَے ہے؟

الجواب:

اللہ تعالٰی نے بادلوں کے چلانے پر ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جس کا نام رعد ہے، اس کا قد بہت چھوٹا ہے، اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا کوڑا ہے۔ جب وہ کوڑا بادل کو مارتا ہے اس کی تری سے آگ جھڑتی ہے اس کا نام بجلی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۴: مرسلہ احمد شاہ مذکور

زلزلہ آنے کا کیا باعث ہے؟

الجواب:

اصلی باعث آدمیوں کے گناہ ہیں، اور پیدا یوں ہوتا ہے کہ ایک پہاڑ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے زمین کے اندر اندر سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں جیسے بڑے درخت کی جڑیں دور تک اندر اندر پھیلتی ہیں، جس زمین پر معاذاللہ زلزلہ کا حکم ہوتا ہے وہ پہاڑ اپنے اس جگہ کے ریشے کو جنبش دیتا ہے زمین ہلنے لگتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۵: از ضلع کھیری ڈاک خانہ مونڈا کوٹھی مجیب نگر مرسلہ سردار مجیب الرحمان خان ۲۶ صفر ۱۳۲۷ھ

جناب مولوی صاحب معظم مکرم منہل الطاف و کریم الاخلاق عمیم الاشفاق زاد مجدکم و فیوضکم۔ پس از تسلیم مسنون، نیاز مشحون و تمنائے لقائے شریف عرض خدمت والا ہے۔ نسبت زلزلہ مشہور ہے کہ زمین ایک شاخ گاؤ پر ہے کہ وہ ایک مچھلی پر کھڑی رہتی ہے۔ جب اس کا سینگ تھک جاتا ہے تو دوسرے سینگ پر بدل کر رکھ لیتی ہے۔ اس سے جو جنبش و حرکت زمین کو ہوتی ہے اس کو زلزلہ کہتے ہیں۔ اس میں استفسار یہ ہے کہ سطح زمین ایک ہی ہے، اس حالت میں جنبش سب زمین کو ہونا چاہیے، زلزلہ سب جگہ یکساں آنا چاہیے۔ گزارش یہ ہے کہ کسی جگہ کم، کسی مقام پر زیادہ، کہیں بالکل نہیں آتا۔ بہر حال جو کیفیت واقعی اور حالت صحیح ہو، اس سے معزز فرمائیے۔ بعید از کرم نہ ہوگا۔ زیادہ نیاز و ادب۔

راقم آثم سردار مجیب رحمان خان عطیہ دار علاقہ مجیب نگر۔

الجواب:

جناب گرامی دام مجدکم السامی، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

زلزلہ کا سبب مذکورہ زبان زد عوام محض بے اصل ہے اور اس پر وہ اعتراض نظر بظاہر صحیح و صواب۔ اگرچہ اس سے جواب ممکن تھا کہ ہمارے نزدیک ترکیب اجسام جواہر فردہ سے ہے اور ان کا اتصال محال صدرا وغیرہ میں کاسہ لیسانِ فلاسفہ نے جس قدر دلائل ابطال جزء لایتجزی پر لکھے ہیں ان میں کسی سے ابطال نفس جز نہیں ہوتا۔ ہاں دو جز کا اتصال محال نکلتا ہے، یہ نہ ہمارے قول کے منافی نہ جسم کے اتصال حسی کا نافی، دیوار جسم وحدانی سمجھی جاتی ہے، حالانکہ وہ اجسام متفرقہ ہے، جسم انسان میں لاکھوں مسام مثبت افتراق ہیں اور ظاہر اتصال، خوردبین سے دیکھنا بتاتا ہے کہ نظر جسے متصل گمان کرتی ہے کسی قدر منفصل ہے، پھر ان شیشوں کی اختلاف قوت بتا رہی ہے کہ مسام کی باریکی کسی حد پر محدود نہیں ٹھہرا سکتے جو شیشہ ہمارے پاس اقوی سے اقوی ہو اور اس سے بعض اجسام مثل آہن وغیرہ میں مسام اصل نظر نہ آئیں ممکن کہ اس سے زیادہ قوت والا شیشہ انہیں دکھادے۔ معہذا نظر آنے کے لیے دو۲ خط شعاعی میں کہ بصر سے نکلے زاویہ ہونا ضرور۔ جب شے غایت صغر پر پہنچتی ہے دونوں خط باہم منطبق مظنون ہو کر زاویہ رویت معدوم ہو جاتا اور شے نظر نہیں آتی ہے یہی سبب ہے کہ کواکب ثابتہ کے لیے اختلاف منظر نہیں کہ بوجہ کثرتِ بعد وہاں نصف قطر زمین یعنی تقریباً چار ہزار میل کے طول و امتداد کی اصلاً قدر نہ رہی دونوں خطہ کہ مرکزِ ارض اور مقامِ ناظر سے نکلے باہم ایک دوسرے پر منطبق معلوم ہوتے ہیں زاویہ نظر باقی نہیں رہتا تو مسام کا اس باریکی تک پہنچنا کچھ دشوار نہیں بلکہ ضرور ہے کہ کوئی قوی سے قوی خوردبین انہیں امتیاز نہ کرسکے اور سطح بظاہر متصل محسوس ہو، اور جب زمین اجزائے متفرقہ کا

نام ہے تو اس حرکت کا اثر بعض اجزاء کو پہنچنا بعض کو نہ پہنچنا مستبعد نہیں کہ اہل سنت کے نزدیک ہر چیز کا سبب اصلی محض ارادۃ اللہ عزوجل ہے۔ جتنے اجزاء کے لیے ارادہ تحریک ہوا انہیں پر اثر واقع ہوتا ہے وبس۔ سواران دریا نے مشاہدہ کیا ہے کہ ایامِ طوفان میں جو بلاد شمالیہ میں حوالی تحویل سرطان یعنی جون جولائی اور بلاد جنوبیہ میں حوالی تحویل جدی یعنی دسمبر جنوری ہے۔ ایک جہاز ادھر سے جاتا ہے اور دوسرا ادھر سے آرہا ہے۔ دونوں مقابل ہو کر گزرے اس جہاز پر سخت طوفان ہے اور اسے بالکل اعتدال واطمینان، حالانکہ باہم کچھ ایسا فصل نہیں۔ ایک وقت ایک پانی ایک ہوا اور اثر اس قدر مختلف، تو بات وہی ہے کہ **ماشاء اللہ کان ومالم یشاء لم یکن** جو خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ مگر اس جواب کی حاجت ہم کو اس وقت ہے کہ وہ بیان عوام شرع سے ثابت ہو، اس کے قریب قریب ثبوت صرف ابتدائے آفرینش زمین کے وقت ہی جب تک پہاڑ پیدا نہ ہوئے تھے۔ عبدالرزاق وفریابی وسعید بن منصور اپنی اپنی سنن اور عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن مردودیہ و ابن ابی حاتم اپنی تفاسیر اور ابو الشیخ کتاب العظمہ اور حاکم بافادہ تصحیح صحیح مستدرک اور بیہقی کتاب الاسماء اور خطیب تاریخ بغداد اور ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان اول شیئ خلق اللہ القلم فقال له اکتب. فقال یارب وما اکتب؟ قال اکتب القدر فجری من ذلك الیوم ماهو کائن الی ان تقوم الساعة ثم طوی الکتاب وارتفع القلم وکان عرشه علی الماء فارتفع بخار الماء ففتقت منه السمٰوٰت ثم خلق النون فبسطت الارض علیه والارض علی ظهر النون فاضطرب النون فمادت الارض فاثبتت بالجبال۔[1] کما قال تعالٰی "وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝" [2]۔ وقال تعالٰی " وَ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ	فرمایا، اللہ عزوجل نے ان مخلوقات میں سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس سے قیامت تک کے تمام مقادیر لکھوائے اور عرشِ الٰہی پانی پر تھا پانی کے بخارات اٹھے ان سے آسمان جدا جدا بنائے گئے پھر مولٰی عزوجل نے مچھلی پیدا کی اس پر زمین بچھائی، زمین پشتِ ماہی پر ہے، مچھلی تڑپی، زمین جھونکے لینے لگی۔ اس پر پہاڑ جما کر بوجھل کر دی گئی۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ اور پہاڑوں کو میخیں بنایا۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اور اس نے زمین میں لنگر

[1] الدر المنثور تحت آیت ۶۸/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۵۴

[2] القرآن الکریم ۷۸/ ۷

اَنۡ تَمِیۡدَ بِكُمۡ"[1]	ڈالے کہ کہیں تمہیں لے کر نہ کانپے۔(ت)

مگر یہ زلزلہ ساری زمین کو تھا۔خاص خاص مواضع میں زلزلہ آنا، دوسری جگہ نہ ہونا، اور جہاں ہونا وہاں بھی شدت و خفت میں مختلف ہونا، اس کا سبب وہ نہیں جو عوام بتاتے ہیں۔سبب حقیقی تو وہی ارادۃ اللہ ہے، اور عالمِ اسباب میں باعث اصلی بندوں کے معاصی۔

"مَاۤ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ۝۳۰ "[2]	تمہیں جو مصیبت پہنچتی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائیوں کا بدلہ ہے۔اور بہت کچھ معاف فرمادیتا ہے۔(ت)

اور وجہ وقوع کوہ قاف کے ریشہ کی حرکت ہے۔حق سبحٰنہ و تعالٰی نے تمام زمین کو محیط ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جس کا نام قاف ہے۔کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اس کے ریشے زمین میں نہ پھیلے ہوں۔جس طرح پیڑ کی جڑ بالائے زمین تھوڑی سی جگہ میں ہوتی ہے اس کے ریشے زمین کے اندر اندر بہت دور تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں کہ اس کے لیے وجہ قرار ہوں اور آندھیوں میں گرنے سے روکیں۔پھر پیڑ جس قدر بڑا ہوگا اتنی ہی زیادہ دور تک اس کے ریشے گھیریں گے۔جبل قاف جس کا دور تمام کرہ زمین کو اپنے پیٹ میں لیے ہے اس کے ریشے ساری زمین میں اپنا جال بچھائے ہیں۔کہیں اوپر ظاہر ہو کر پہاڑیاں ہوگئے کہیں سطح تک آکر تھم رہے جسے زمین سنگلاخ کہتے ہیں۔کہیں زمین کے اندر ہے قریب یا بعید ایسے کہ پانی کی چوان سے بھی بہت نیچے ان مقامات میں زمین کا بالائی حصہ دور تک نرم مٹی رہتا ہے۔جسے عربی میں سھل کہتے ہیں۔ہمارے قرب کے عام بلاد ایسے ہی ہیں مگر اندر اندر قاف کے رگہ و ریشہ سے کوئی جگہ خالی نہیں جس جگہ زلزلہ کے لیے ارادہ الٰہی عزوجل ہوتا ہے۔**والعیاذ برحمتہ ثمہ برحمۃ رسولہ جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** (اللہ تعالٰی جل جلالہ کی پناہ اس کی رحمت کے ساتھ اور اس کے رسول اللہ کی رحمت کے ساتھ۔ت) قاف کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے وہاں کے ریشے کو جنبش دیتا ہے۔صرف وہین زلزلہ آئے گا جہاں کے ریشے کو حرکت دی گئی۔پھر جہاں خفیف کا حکم ہے اس کے محاذی ریشہ کو آہستہ ہلاتا ہے اور جہاں شدید کا امر ہے وہاں بقوت، یہاں تک کہ بعض جگہ صرف ایک دھکا سا لگ کر ختم ہو جاتا ہے۔اور اسی وقت دوسرے قریب مقام کے در و دیوار جھونکے لیتے اور تیسری جگہ زمین پھٹ کر پانی نکل

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۴۲/ ۳۰

آتا ہے۔ یا عنف حرکت سے مادہ کبریتی مشتعل ہو کر شعلے نکلتے ہیں چیخوں کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ،ت) زمین کے نیچے رطوبتوں میں حرارت شمس کے عمل سے بخارات سب جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور بہت جگہ دُخانی مادہ ہے، جنبش کے سبب منافذِ زمین متسع ہو کر وہ بخار و دُخان نکلتے ہیں، طبیعات میں پاؤں تلے کی دیکھنے والے انہیں کے ارادہ خروج کو سبب زلزلہ سمجھنے لگے حالانکہ اُن کا خروج بھی سبب زلزلہ کا مسبّب ہے۔

امام ابوبکر ابن ابی الدنیا کتاب العقوبات اور ابوالشیخ کتاب العظمہ میں حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال خلق الله جبلا يقال له قاف محيط بالعالم وعرقه الى الصخرة التى عليها الارض، فاذا اراد الله ان يزلزل قرية امر ذلك الجبل، فحرك العرق الذى يلى تلك القرية فيزلزلها ويحركها فمن ثم تتحرك القرية دون القرية[1]	اللہ عزوجل نے ایک پہاڑ پیدا کیا جس کا نام ق ہے، وہ تمام زمین کو محیط ہے اور اس کے ریشے اس چٹان تک پھیلے ہیں جس پر زمین ہے جب اللہ عزوجل کسی جگہ زلزلہ لانا چاہتا ہے اس پہاڑ کو حکم دیتا ہے وہ اپنے اس جگہ کے متصل ریشے کو لرزش و جنبش دیتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ زلزلہ ایک بستی میں آتا ہے۔ دوسری میں نہیں۔

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ الشریف مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

(۱) رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف ۔۔۔ دید کہ راکز زمرد بود صاف

(۲) گرد عالم گشتہ آں محیط ۔۔۔ ماند حیراں اندراں خلق بسیط

(۳) گفت تو کوہی دگرہا چیستند ۔۔۔ کہ بہ بیش عظیم تو بازایستند

(۴) گفت رگہائے من اندآں کوہہا ۔۔۔ مثل من نبوند در حسن وبہا

(۵) من بہر شہرے رگے دارم نہاں ۔۔۔ بر عروقم بستہ اطرافِ جہاں

(۶) حق چوخواہد زلزلہ شہرے مرا ۔۔۔ امر فرماید کہ جنباں عرق را

(۷) پس بجنبانم من آں رگ رابقہر ۔۔۔ کہ بداں رگ متصل گشت است شہر

(۸) چوں بگوید بس، شود ساکن رگم ۔۔۔ ساکنم وزروئے فعل اندر تگم

(۹) ہمچو مرہم ساکن وبس کارکن ۔۔۔ چوں خرد ساکن وزوجنباں سخن

(۱۰) نزدآنکس کہ نداند عقلش ایں ۔۔۔ زلزلہ ہست از بخارات زمیں

[1] الاسرار المرفوعۃ بحوالہ ابن ابی الدنیا وابی الشیخ حدیث ۱۲۲۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۳۲۱

(۱۱) ایں بخارات زمیں نہ بود بداں | زامر حق است وازاں کوہ گراں[1]
(۱۲) مورکے بر کاغذے دید او قلم | گفت با مور دگر ایں راز ھم
(۱۳) کہ عجائب نقشہاآں کلک کرد | ہمچو ریحان وچو سوسن زار وورد
(۱۴) گفت آں مور اصبع ست آں پیشہ ور | ویں قلم در فعل فرع ست واثر
(۱۵) گفت آں مور سوم کز بازوست | کا صبع لاغر نہ زورش نقش بست
(۱۶) ہمچنیں میرفت بالاتا یکے | مہتر موراں فطن بود اندکے
(۱۷) گفت گز صورت مبینید ایں ہنر | کہ بخواب ومرگ گردد بے خبر
(۱۸) صورت آمد چوں لباس وچوں عصا | جز بعقل وجاں نجنبد نقشہا[2]

(۱) حضرت ذوالقرنین کوہ قاف کی طرف تشریف لے گئے، انہوں نے ایک پہاڑ دیکھا جو زمرد سے زیادہ صاف تھا۔
(۲) اس احاطہ کرنے والے نے تمام جہاں کے گرد حلقہ کیا ہوا تھا۔ اس وسیع مخلوق کو دیکھ کر آپ حیران رہ گئے۔
(۳) آپ نے فرمایا تو پہاڑ ہے دوسرے کیا ہیں کہ تیری بڑائی کے سامنے کھڑے ہوں۔
(۴) اس نے کہا کہ وہ دوسرے پہاڑ میری رگیں ہیں جو حسن اور قیمت میں میری مثل نہیں ہیں۔
(۵) ہر شہر میں میری رگ چھپی ہوئی ہے۔ دنیا کے کنارے میری رگوں پر بندھے ہوئے ہیں۔
(۶) جب اللہ تعالٰی کسی شہر میں زلزلہ لانا چاہتا ہے تو مجھے حکم دیتا ہے کہ رگ کو ہلادے۔
(۷) میں زور سے اس رگ کو ہلا دیتا ہوں جس رگ سے وہ شہر ملا ہوا ہوتا ہے۔
(۸) جب وہ فرماتا ہے کہ بس، تو میری رگ ساکن ہو جاتی ہے، میں بظاہر ساکن ہوں مگر حقیقت میں متحرک ہوں۔
(۹) جیسے کہ مرہم ساکن اور بہت کام کرنے والی ہے۔ جیسے عقل ساکن ہے اور اس کی وجہ سے بات متحرک ہے۔
(۱۰) جس کی عقل اس کو نہیں سمجھتی اس کے نزدیک زلزلہ زمین کے بخارات کی وجہ سے۔

---

[1] مثنوی معنوی دفتر چہارم رفتن ذوالقرنین بکوہ قاف، مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۴/ ۵۱۔ ۳۵۰
[2] مثنوی معنوی دفتر چہارم بیان آنکہ مورکے بر کاغذ می رفت الخ، مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور، ۴/ ۳۵۲

(۱۱) سمجھ لے کہ یہ زمین کے بخارات نہیں ہیں اللہ تعالٰی کے حکم اور اس بھاری پہاڑ کی وجہ سے ہے۔
(۱۲) ایک چھوٹی سی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو دیکھا۔ تو اس نے دوسری چیونٹی سے بھی یہ راز کہہ دیا۔
(۱۳) کہ اس قلم نے عجیب نقشے کھینچے ہیں، جیسے ناز بو، سوسن کا کھیت اور گلاب کا پھول۔
(۱۴) اس چیونٹی نے کہا اصل میں یہ سارا کام کرنے والی انگلی ہے۔ یہ قلم تو عمل میں اس انگلی کے تابع ہے اور اس کا اثر ہے۔
(۱۵) تیسری چیونٹی نے کہا کہ وہ بازو کی وجہ سے ہے کیونکہ کمزور انگلی نے اپنی طاقت سے یہ نقش و نگار نہیں کیا ہے۔
(۱۶) بات اسی طرح اوپر چلتی گئی۔ یہاں تک کہ چیونٹیوں کی ایک سردار جو کچھ سمجھدار تھی۔
(۱۷) اس نے کہا اس کو جسم کا ہنر مت سمجھو کیونکہ وہ تو نیند اور موت میں بے خبر ہو جاتا ہے۔
(۱۸) جسم تو لباس اور لاٹھی کی طرح ہے۔ عقل اور جان کے بغیر یہ نقش نہیں بن سکتے ہیں۔ (ت)

بحر العلوم قدس سرہ فرماتے ہیں:

ایں ردست بر فلاسفہ کہ میگویند بخارات در زمین محسوس مے شوند بالطبع میل خروج کنند واز مصادمت ایں ابخرہ تفرق اتصال اجزائے زمین مے شود و زمین در حرکت می آید وایں نست زلزلہ، پس مولوی قدس سرہ رد ایں قول می فرمایند کہ قیام زمین از کوہہا ست ورنہ در حرکت میماند ہمیشہ پس آں کوہ جنبش مے دہد زمین را بامر اللہ تعالٰی۔	یہ فلاسفہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ بخارات زمین میں محسوس ہوتے ہیں اور طبعی طور پر خروج کی طرف میلان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان بخارات کے ٹکراؤ کی وجہ سے زمین کے اجزائے متصلہ میں تفرق پیدا ہوتا ہے اور زمین حرکت کرنے لگتی ہے اور یہی زلزلہ ہے۔ چنانچہ مولوی قدس سرہ اس قول کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زمین کا قیام تو پہاڑوں کے سبب ہے ورنہ یہ مسلسل حرکت کرتی رہتی۔ لہذا وہ پہاڑ اللہ تعالٰی کے حکم سے زمین کو حرکت دیتا ہے۔ (ت)

چیونٹیوں کی حکایت سے بھی ان سفہاء کی تنگ نظری کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جس طرح قلم کی حرکت انگلیوں سے انگلیوں کی قوت بازو سے بازو کی طاقت جان

سے ہے تو نقش کہ قلم سے بنتے ہیں جان بناتی ہے مگر احمق چیونٹیاں اپنی اپنی رسائی کے موافق ان کا فاعل قلم انگلیوں بازو کو سمجھیں، یوں ہی ارادۃ اللہ سے کوہ قاف کی تحریک ہے اس کی تحریک سے بخارات کا نکلنا زمین کا ہلنا ہے۔ یہ احمق چیونٹیاں جنہیں فلسفی یا طبیعی والے کہئے صدمہ بخارات کو سببِ زلزلہ سمجھ لیجئے) بلکہ نظر کیجئے تو یہ ان چیونٹیوں سے زیادہ کودن وبد عقل ہیں۔ انہوں نے سبب ظاہری کو سبب سمجھا۔ انہوں نے سبب کے دو مسببوں سے ایک کو دوسرے کا سبب ٹھہرایا۔

وباللہ العصمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (حفاظت اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

مسئلہ ۲۶:　　از سورنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری　　۱۲رجب ۱۳۲۱ھ

بادل، ہوا کی کیا بنیاد؟ کس جگہ سے شروع ہوتے ہیں؟ اور تمام جگہ یکساں ہوا چلتی ہے، زمین میں مقام ہے یا آسمان پر؟

الجواب:

ہوا ربّ العزت تبارک وتعالٰی کی ایک پُرانی مخلوق ہے کہ پانی سے بنائی گئی اور اس کے لیے علم الٰہی میں ایک خزانہ ہے جس پر دروازہ لگا ہوا ہے۔ اور وہ بند ہے اور فرشتہ اس پر موکل ہے۔ جتنی ہوا اس میں سے رب العزت بھیجنا چاہتا ہے فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ اس میں سے بمقدار حکم ایک بہت خفیف حصہ روانہ کرتا ہے۔ جب قومِ عاد پر اللہ تعالٰی نے ہوا کا طوفان بھیجنا چاہا جو سات راتیں اور آٹھ دن متواتر ان پر رہا، ان سب کو ہلاک کر دیا۔ اس وقت اس فرشتہ کو حکم ہوا تھا کہ عاد پر ہوا بھیج۔ اس نے عرض کی اتنا سوراخ کھولوں جتنا بیل کا نتھنا۔ فرمایا تو چاہتا ہے کہ ساری زمین کو الٹ دے بلکہ چھلے برابر کھول۔ اور یوں ہوا ہر وقت زمین اور آسمانوں سب میں بھری ہے اور انسان اور اکثر حیوانات کی اس پر زندگی ہے۔

اور بادل بخارات سے بنتے ہیں، جب رطوبت میں حرارت عمل کرتی ہے بھاپ پیدا ہوتی ہے، حق سبحانہ، ہوا بھیجتا ہے کہ وہ اس کو جمع کرتی ہے پھر تہہ بہ تہہ اس کے بادل بناتی ہے پھر جہاں حکم ہوتا ہے اسے لے جاتی ہے اور بحکم الٰہی حرارت کے عمل سے وہ پگھل کر پانی ہو کر گرتی ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۷:　　مسئولہ محمد اسمٰعیل صاحب محمود آبادی امام مسجد چھاؤنی بریلی　　۷ربیع الثانی ۱۳۳۴ھ

کیا یہ بات معتبر حدیث سے ثابت ہے کہ عورتوں کو نسبت مرد کے نو حصہ شہوت زیادہ دی گئی ہے؟

اگر ہے تو شریعت مطہرہ میں چار عورتوں تک نکاح جائز ہے ماسوائے اس کے لونڈیاں الگ۔ تو ایک خاوند باوجود ہونے کے ایک حصہ شہوت کے کیونکر چار عورتوں اور لونڈیوں کی خواہش پوری کر سکے گا؟ یہی اس میں کیا حکمت ہے؟ براہ کرم بتفصیل جواب عنایت ہو تاکہ دشمنانِ اسلام کو اس شہوت کے بارے میں جواب

دے سکیں۔ مکرر آنکہ چار عورتوں تک کے حکم میں بہت سی حکمتیں ہیں مگر اس سوال میں فقط شہوت کی نسبت جواب طلب ہے۔

الجواب:

عورتوں کی شہوت فقط نو حصے نہیں بلکہ سو حصے زائد ہے۔ **ولکن اللہ القی علیھن الحیاء** [1]۔ لیکن اللہ تعالٰی نے ان پر حیاء ڈال دی ہے۔ آدمی جب اپنے سے کسی ذرا زائد عقل والے کا کام دیکھتا ہے اور سمجھ میں نہیں آتا تو کہتا ہے کہ اس کی عقل زائد ہے اس نے کچھ سمجھ کر کیا ہے۔ پھر رب العزت حکیم وخبیر جل جلالہ کے افعال میں کیوں خدشات پیدا کرتا ہے کہ اس میں ایک سہل سی حکمت یہ ہے کہ فعلِ جماع میں مرد کا تعلق صرف لذت کا ہے اور عورت کو صدہا مصائب کا سامنا ہے، نو مہینے پیٹ میں رکھتی ہے کہ چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا دشوار ہوتا ہے۔ پھر پیدا ہوتے وقت تو ہر جھٹکے پر موت کا پورا سامنا ہوتا ہے پھر اقسام اقسام کے درد میں نفاس والی کی نیند اڑ جاتی ہے۔ اسی لیے فرماتا ہے:

"حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ"۔ [2]	اس کی ماں نے اس کو پیٹ میں رکھا تکلیف سے اور جنا اس کو تکلیف سے، اور اس کو اٹھائے پھرنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینہ میں ہے۔ (ت)

تو ہر بچہ کی پیدائش میں عورت کو کم از کم تین برس بامشقت جیل خانہ ہے تو اگر اس قدر کثیر و غالب نہ رکھی جاتی ایک بار کے بعد پھر کبھی پاس نہ آتی۔ انتظام دنیا تباہ ہو جاتا ہے۔ مرد کے پیٹ سے اگر ایک دفعہ بھی چوہے کا بچہ پیدا ہوتا تو عمر بھر کو کان پکڑ لیتا، یہ حکمت ہے جس کے سبب وہ ان تمام مصائب کو بھول جاتی ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۸: از ڈاکخانہ دہاموں کے تحصیل ڈسکہ ضلع سیالکوٹ مرسلہ محمد قاسم صاحب قریشی مدرس مدرسہ مورخہ ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

سوال رفع اشتباہ کے لیے مطلع فرمادیں کہ دن رات کی تبدیلی کا موجب گردش ارضی ہے یا سماوی؟ جواب تفصیل سے مشکور فرمائیں۔ اللہ تعالٰی جزائے خیر و توفیق نیک عطا فرمائے۔

---

[1] المقاصد الحسنہ کتاب النکاح و ابواب من متعلقاتہ حدیث ۶۰۵ دار الکتاب العربی بیروت ص ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۵

الجواب:

دن رات کی تبدیلی گردشِ ارضی سے ماننا قرآن عظیم کے خلاف اور نصاری کا مذہب ہے، اور گردش سماوی بھی ہمارے نزدیک باطل ہے۔ حقیقۃً اس کا سبب گردش آفتاب ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۳۸﴾ "[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ اندازہ ہے زبردست علم والے کا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹: مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب۔

زائچہ نکالنے میں پہلا خانہ طالع وہ جزء فلک البروج کا ہوتا ہے جو وقت ولادت مولود طلوع کر رہا ہے یا وہ جزء فلک البروج جس میں کوئی ستارہ سیّارہ ہو تو اس وقت طلوع کر رہا ہے۔ یا بعد کو طلوع کرے گا۔ ولادت عزیزیہ رزینہ خاتون سلمہا تقریبًا ۷ بجے صبح کے وقت ہوئی تھی اور ولادت عزیزیہ رئیسہ خاتون شبِ جمعہ ۳ بجے۔ کیا زائچہ ان دونوں کا یہی ہوگا یا دوسرا؟

الجواب:

طالع وہ نقطہ فلک البروج ہے جو کسی وقت میں مطلوب میں جانب شرق افق حقیقی بعدی پر ہی زائچہ ولادت میں لیا جاتا ہے۔ اور یہی زائچہ سال میں بھی جملہ اعمال میں، اور یہ معنی کہ وہ برج طالع فی الحال یا فی الاستقبال جس میں وقت مطلوب کوئی سیارہ ہو ہرگز سیاست ربح مجیم مکسر جفر وغیرہ کسی علم یا کسی ذی علم کی اصطلاح نہیں، یوں ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنی اصطلاح جو چاہے مقرر کرے مگر وہ اسی حد تک محدود رہے گی کسی علم یا فن میں ملحوظ نہیں ہو سکتی طالع اگرچہ غیر متجری ہے جیسا کہ اس کے موجب میں ظاہر ہوا مگر اہل تنجیم و فن تنجیم اس سے وہ درجہ مراد لیتے ہیں جو وقت مطلوب افق شرقی پر بلدی پر ہو اور اس کا باعث یہ ہے کہ انکے نزدیک احکام زائچہ متبدل نہیں ہوتے جب تک درجہ طالع نہ دے دے، اور اس میں تین چار منٹ تک کی غلطی کا تحمل بھی ہے کہ منٹ سکنڈ بالے صحیح وقت ولادت معلوم ہونا نادر ہے۔ بہر حال اس تین چار منٹ کی تخمین کے اندر از رای محاسبہ جو نقطہ وقت ولادت خاص جائے ولادت کے افق شرقی پر ہو اسے طالع کہتے ہیں پھر حسبِ قواعد مقررہ اس سے وہاں دیگر بیوت معلوم کرتے ہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۸

پھر تسویۃ البیوت کے تین قاعدوں میں (جن میں بحسب مرکز طالع فلک البروج یا معدل النہار یا اول البیوت کے بارہ حصے مساوی کیے جاتے ہیں اور یہ فقیر کے نزدیک بحسب دلائل مختار تقسیم اول السمٰوٰت ہے) بیوت دوازدگانہ کے مبادی و مقاطع معلوم کرکے زائچہ درست کرتے ہیں اب وقت مطلوب پر جو کچھ تقویم سیارات سبعہ و راس و ذنب ہو استخراج کرکے ہر ایک کو اس کے جہت میں رکھتے ہیں۔اور ہر کوکب کے ۴۵ ضعف ۶۶ نوموں اور اس کے مراتب سے نتیجہ حاصلہ قوت یا ضعف مع تعین مرتبہ نکالتے ہیں۔اس کے بعد استخراج اسہام ہے جس میں سہم السعادۃ سہم الغیب ضروری سمجھے جاتے ہیں اس کے بعد احکام بکنے کا وقت ہے۔جو محض جہل و جزاف ہے۔

"قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ" [1]	تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ (ت)

آپ کی خوشی کے لیے استخراج طالع و مراکز بیوت و تسویۃ البیوت کرکے میں بھیج سکتا ہوں،ان شاء اللہ تعالٰی مگر وقت ولادت کا دقیقہ ساعت اور موضع ولادت کے طول و عرض کا علم ضروری ہے اس سے اطلاع دیجئے اور جب تک آپ تقویم کواکب سبعہ اس وقت حاضر کے لیے استخراج کرکے مجھے بھیج دیجئے کہ اس کی جانچ کرلوں،تقویمات نکالنے کے متعدد براہان و طریقہ میرے رسالہ **مسفر المطالع فی التقویم الطالع** میں ہیں۔سہل تر طریقہ یہ ہے کہ۔

(۱) المنک میں ہر مہینہ کے صفحہ چہارم خانہ اوّل سے اس تاریخ آفتاب کی تقویم اور خانہ سوم سے اس کا لوگارثم بعد اٹھائے پھر ختم جداول سال النیرین کے بعد جو خمسہ متحیرہ کے جدول میں دیتا ہے المناک حال میں ص ۱۴۶ جدول عطارد ہے ۱۵۴ سے جدول زہرہ وہکذا اس میں تاریخ مطلوب تین اخیر خانوں سے طول کوکب بمرکزیت شمس و عرض کوکب بمرکزیت شمس و لوگارثم بعد کوکب اٹھائے یہ اسی ترتیب پر لکھے ہیں پھر تقدیم شمس پر چھ برج اٹھا کر تقویم کوکب بمرکزیت شمس سے تفریق کیجئے باقی کا نام زاویۃ الشمس رکھئے مفروق منہ کم ہو تو اس پر دو رو بڑھا لیجئے زاویۃ الشمس کے نصف کا ربع دور صہ حہ سے تفاضل لے کر اس کا نام محفوظ رکھئے محفوظ کا ظل لوگارثمی لیجئے۔

(۲) عرض کوکب بمرکزیت شمس جیب التمام لوگارثمی لیجئے پھر علویات یعنی زحل و مشتری و مریخ میں اس لوجم کو لو بعد کوکب میں جمع کرکے لو لو شمس اس سے تفریق کردیجئے اور سفلیات یعنی زہرہ و عطارد میں لو بعد شمس سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۵

اس مجموعہ لوجم ولو بعد کوکب کو تفریق کیجئے، بہر حال جو بچے اسے جدول ظل لوگارثمی میں مقوس کرکے قوس حاصل سے ۴۵ درجے گھٹا کر باقی کا ظل لوگارثمی لیجئے۔

(۳) اسی ظل محفوظ کو جمع کیجئے اور سفلیان میں محفوظ سے تفریق اس حاصل یا باقی کا نام زاویہ الارض رکھئے۔ پس اگر زاویۃ الشمّس نصف دور قف جہ سے کم ہے تقویم شمس سے زاویۃ الارض کم کرلیجئے۔ ورنہ تقویم شمس وزاویۃ الارض کو جمع کرلیجئے۔ یہ باقی یا حاصل تقویم کوکب اس نصف النہار مرصدی کے لیے ہوگی۔ اسی طرح دوسرے نصف النہار مرصدی کی تقویم لیجئے جب دو نصف النہار مرصدی مکتنف بوقت مطلوب کی تقویم معلوم ہوگئی تعدیل مافی طرفین سے تقویم کوکب بوقت مطلوم معلوم ہوجائے گی۔

تنبیہ: یہ جو ہم نے دو نصف النہار مکتنف بوقت مطلوب کی تقویم نکالنے کو کہا اور ابتداً وقت مطلوب کی تقویم لینا نہ کہا ان سے تطویل نہ سمجھا جائے بلکہ بہت تخفیف مونت اور تین فائدوں پر مشتمل ہے۔

(۱) یوں تقویم ولو بعد شمس و تقویم کوکب بمر کزیت شمس شمس و عرض کوکب کذلک ولو بعد کوکب بعینہا لکھے ملیں گی ورنہ پانچوں میں تعدیل مابین السطرین کرنی ہوگی۔

(۲) دو نصف النہار مکتنف تقویض کے لینے سے کار اجع کوکب واقف مستقیم ہونا معلوم ہوجائے گا۔

(۳) اس دن کے ہر منٹ کی تقویم اس سے معلوم ہوسکے گی اگر بعد کو تحقیق ہو کہ مثلاً وقت ولادت اتنے منٹ آتے یا پیچھے تھا تو ادراک تقویمات کے لیے تجدید انحمال کی حاجت نہ ہوگی۔

رسالہ
مقامع الحدید علٰی خدّ المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ
(لوہے کے گرز منطقِ جدید کے رخسار پر)

مسئلہ ۳۰: از بریلی مجانب نواب مولوی سلطان احمد صاحب یکم رجب ۱۳۰۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

رائے بیضاضیائے حضرات علمائے دین ادام اللہ برکاتھم الٰی یوم الدین (اللہ تعالٰی قیامت تک ان کی برکتوں کو دوام بخشے۔ت) پر واضح ہو کہ ان روزں (دنوں) زید فلسفی نے کہ اپنے آپ کو سنی کہتا بلکہ اعلم علمائے اہلسنت جانتا اور اپنے سوا اور علماء کو بہ نگاہ کو بہ نگاہِ تحقیر واہانت دیکھتا ہے ایک کتاب منطق میں تالیف کی اور اسے جابجا ذکر ہیولٰی و قدم اشیاء و عقولِ عشرہ ومزعومہ فلاسفہ وغیر ذلک مسائل فلسفیہ سے مملو و مشحون کیا۔

یہ خادم سنت بہ نظر حمایت ملت اس سے چند اقوال التقاط کرکے مشہد انظار عالیہ علمائے دین میں حاضر کرتا ہے[عہ]:

عہ: خلاصہ اقوال فلسفیہ مع حکم جواب از مستفتی۔

قول اول: اللہ تعالٰی کے سوا عالم کے دس ۱۰ خالق اور ہیں۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

قول اوّل: التحقیق انّہا لیست الطبائع کلہا مجردۃ محضۃ لکن للطبائع المرسلۃ فی باب التجرد والمادیۃ مراتب (الی ان قال)	تحقیق یہ ہے کہ تمام طبعیتیں مجرد محض نہیں ہیں لیکن تجرد و مادیت کے اعتبار سی طبائع مطلقہ کے کئی مرتبہ ہیں (یہاں تک کہ اس نے کہا) ساتواں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الجواب: یہ عقیدہ کفر ہے۔

قول دوم: مادہ اجسام قدیم ہے۔

الجواب: یہ قول کفر ہے۔

قول چہارم: عقول عشرہ و نفوس قدیم ہیں۔

الجواب: یہ قول کفر ہے۔

قول پنجم: بعض چیزیں خود زیادہ استحقاقِ ایجاد رکھتی ہیں، اگر اللہ تعالٰی انہیں نہ بنائے تو بخیل ٹھہرے اور ترجیح مرجوع لازم آئے۔

الجواب: یہ قول بدعت و ضلالت و مستلزم کفر ہے۔

قول ششم: کی دلیل میں نقل کیا کہ یہ عقولِ عشرہ ہر عیب و نقصان سے پاک و منزّہ ہیں اور محال ہے کہ تمام عالم میں کوئی ذرہ کسی وقت ان کے علم سے غائب ہو۔

الجواب: یہ کفر سے تمسک ہے۔

قول ہفتم: حدوث و تغیر، نہ کوئی شے نابود تھی نہ کبھی نابود ہو بلکہ جسے ہم کہتے ہیں اب تک نہ تھی وہ فقط پوشیدہ تھی اور جسے کہتے ہیں اب نہ رہی وہ صرف مخفی ہو گئی، حقیقۃً ہر چیز ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

الجواب: یہ کفر ہے اور بہت سے کفروں کو مستلزم۔

قول ہشتم: میری یہ کتاب نہایت تحقیق کے اپیہ پر اور فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے۔

الجواب: یہ قول نہایت سخت گناہ عظیم اور بہت جا روایت کی رو سے کفر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

السابعة مرتبة الماهيات المجردة بالكلية. لاتعلق لها بالمادة تعلق التقويم اوالحلول اوالتدبير و التصرف، ولاتعلق لها الاتعلق الخلق والايجاد مثلاً وهى حقائق المفارقات القدسية كالمعقب القدسى و سائر المعقول العشرة والحقيقة الواجبة اھ ملتقطا من ص ۲۵۰ الى ۲۵۱۔	مرتبہ ان ماہیتوں کا ہے جو کُلّی طور پر مجرد ہیں، ان کا مادہ کے ساتھ تقویم حلول باندربیر وتصرف کا کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی تعلقِ خلق وایجاد کے سوا ان کا کوئی اور تعلق ہے اور وہ حقائق مفارقاتِ قدسیہ ہیں جیسے معقب قدسی، عقول عشرہ اور حقیقتِ واجبہ اھ ملتقطاص ۲۵۰ تا ۲۵۱۔

دوسرے رسالہ القول الوسیط میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں لکھی ہے۔

العلة الجاعلة هل يجب كونها واجبة الوجود اويمكن كونها ممكنة؟ المشهور الثانى فيما بين الحكماء لكن المحققين منهم نصوا انّ العلة المؤثرة بالذات هو البارى، والعقول كالوسائط والشروط لتعلق التاثير الواجبى بغيرها كيف والماهية الامكانية انما وجودها بالاستعارة عن الواجب. فهو المعطى بالذات الوجودات، فان اعطاء المستعيرليس اعطاء حقيقة وانما هو اعطاء من تلقاء المالك. كما ان استناد اضاء العلم الى القمر ليس حقيقة بل بحسب الظاهر. وانما هو مستند الى الشمس. والقمر واسطة محضة الانتقال ضوءها الى العالم. فالمنير بالذات هى لاهو. فعلّية الممكن للممكن ظاهرية مجازية. فهذا الوجود الضعيف	کیاعلتِ جاعلہ کا واجب الوجود ہونا واجب ہے یا اس کا ممکن ہونا جائز ہے؟ مشہور حکماء میں قول ثانی ہے لیکن ان میں سے محقق نے صراحت کی ہے کہ علت موثرہ بالذات فقط باری تعالٰی ہے اور عقول تاثیر واجبی کے ان کے غیر کے ساتھ متعلق ہونے کے لیے واسطوں اور شرطوں کی طرح ہیں کیوں نہ ہو حالانکہ ماہیت ممکنہ کا وجود تو واجب سے مستعار ہے چنانچہ وجودوں کا بالذات معطی واجب الوجود ہی ہے کیونکہ مستعیر کا کسی کو عطا کرنا درحقیقت اس کا عطا کرنا نہیں بلکہ وہ مالک کی طرف سے عطا کرنا ہے جیسا کہ عالم کو روشن کرنے کی نسبت چاند کی طرف کرنا حقیقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ ظاہر کے اعتبار سے ہے درحقیقت اضاءت عالم سورج کی طرف منسوب ہے چاند تواس کی روشنی کو عالم کی طرف منتقل کرنے کا محض واسطہ ہے۔ لہٰذا بالذات روشن کرنے والا سورج ہے نہ کہ چاند۔ چنانچہ

یصلح علّة بمعنی الواسطة والشرط والمتمم والالة لا مفیدة لا وجود عـــه حقیقة وقد استوفی هذا التحقیق فی مقامه اھ ملخصاص ۲۔	ممکن کا ممکن کے لیے علّت ہونا ظاہری و مجازی ہے، تو یہ ضعیف وجود اس معنی میں علت ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ واسطہ، شرط، متمم اور آلہ ہے نہ کہ حقیقتًا مفید وجود ہے۔ اس کی پوری تحقیق اپنے مقام پر کردی گئی ہے اھ ملخصاص ۲ (ت)۔
قول دوم: المسئلة القائلة بان کلّ حادثٍ مسبوق بالعدم مخصوصة بالحادث الزمانی، والمادة حادث ذاتی اھ مختصراص ۲۵۵۔	یہ جو کہا جاتا ہے کہ ہر حادث مسبوق بالعدم ہوتا ہے یہ مسئلہ حادث زمانی کے ساتھ مختص ہے اور مادہ حادث ذاتی ہے اھ (مختصر صفحہ ۲۵۵) (ت)۔
قول سوم: الصورة الجسمیة والنوعیة ایضامن من الحوادث الذاتیة ص ۲۔	صورتِ جسمیہ اور صورتِ نوعیہ بھی حوادثِ ذاتیہ میں سے ہیں۔ ص ۲ (ت)
قول چہارم: السرمد یات والثابتات الدھریة کالعقول والنفوس القدیمة اھ ملتقطاص ۱۵۔	سرمدیات (جن کی نہ ابتداء ہو نہ انتہاء) اور ثابتات دہریہ جیسے عقول اور نفوس قدیمہ اھ (التقاط ص ۱۵)۔
قول پنجم: کلی طبعی کے موجود فی الخارج ہونے پر لکھا: اِعلم ان الباقر استدل علی هذا بان طبیعة الحیوان المرسل لیس متعلق الذات بمادة ومدة، فلایکون مرھونه الوجود بالامکان الاستعدادی، فلا مکان الذاتی ھناك ملاك فیضان الوجود. فاذا کان ھذا الحیوان المتعلق بالمادة فائض الوجود کان المرسل احق بالفیضان لاستحقاق الامکان الذاتی۔ و حاصله ان الحیوان المطلق مستحق	تو جان لے کہ میر باقر نے اس پر یوں استدلال کیا کہ بے شک حیوان مطلق کی طبیعت بالذات کسی مادہ و مدت سے متعلق نہیں ہوتی تو وہ امکانِ استعدادی کے ساتھ وجود کی مرہون نہ ہوگی چنانچہ امکان ذاتی یہاں پر فیضان وجود کی بنیاد ہوگا، پس جب یہ حیوان جو کہ مادہ سے متعلق ہے وجود کا فیضان کرنے والا ہے تو حیوان مطلق امکان ذاتی کے استحقاق کی وجہ سے فیضان وجود کا زیادہ حقدار ہوگا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حیوان مطلق امکان ذاتی کے سبب سے

عـــه: کذا فی المخطوطة المنقولة، ولعل فی الاصل لا مفیدة وجودٍ حقیقةً ۱۲ محمد احمد۔

للجود بامکانۃ الذاتی،والحیوان الخاص الجزئی یتوقف فی وجودہ علی استعدادٍ ومادّۃٍ وغواشیھا فالمطلق الکلی احق بفیضان الوجود۔

فلا یردما اور دہ بعض الکُتّاب بانّ الامکان علۃ اقتصار،لا علۃ الجعل۔فحقیقۃ الفیض لایستلزم الفعلیۃ لم لایجوزان الطبیعۃ لقصورھاوعدمِ قابلیتھا للوجود الخارجی،ما استفاض الوجود۔انتھی۔

ثم ھذا القول مردود بوجوہ:

الاول:اَنّ احقیۃ الفیض مستلزمۃ للفعلیۃ لا نہ لابخل من جانب المبدء عـــہ الفیاض،فلولم یوجود الاحق واستفاض منہ غیر الاحق لزم ترجیح المرجوح۔اھ(باختصار ص۳۴۹)۔

مستحق وجود ہے جب کہ حیوان خاص جزئی کا توقف اپنے وجود میں استعداد،مادہ اور اس کے متعلقات پر ہوتا ہے۔لہٰذا مطلق کلی فیضان وجود کا اَحق (زیادہ حق دار ہوگا)۔

چنانچہ اس پر بعض مصنفوں کا یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ امکان تو علّتِ اقتصار ہے نہ کہ علتِ جعل۔لہٰذا فیضان وجود کا احق ہونا اس کی فعلیت کو مستلزم نہیں۔ایسا کیوں نہیں ہوسکتا کہ طبیعت اپنے قصور اور وجود خارجی کی عدم قابلیت کی وجہ سے مستفیض وجود نہ ہوئی ہو۔انتہی۔

پھر یہ قول کئی وجوہ سے مردود ہے۔

پہلی وجہ:یہ ہے کہ فیضانِ وجود کا احق ہونا اس کی فعلیت کو مستلزم ہے کیونکہ مبدا فیاض کی جانب سے کوئی بخل نہیں،لہٰذا اگر وہ احق کو وجود نہ بخشے اور غیر احق اس سے مستفیض ہوجائے تو مرجوح کو ترجیح دینا لازم آئے گا۔(اختصار ص۳۴۹)۔

قول ششم:فلاسفہ نے مفہوم کی تقسیم جزئی وکلی کی طرف کی۔اس پر اعتراض ہوا کہ:

عـــہ:**اقول:**اللہ جل جلالہ کو مبدءِ فیاض کہنے میں نظر ہے۔

اولاً:لفظ مبدء شرع سے ثابت نہیں،بلکہ مُبدِئ جو باب اکرام سے ہے۔

ثانیاً:مبدء ایک جانب کم متصل یا منفصل کو کہتے ہیں جہاں سے مثلاً حرکت یا شمار آگے چلے تو لفظ موہم ہے۔

ثالثاً:یوں ہی فیاض غیر ثابت

رابعاً:حق تعالٰی پر اطلاق صیغہ مبالغہ سماع پر موقوف۔

خامساً:اس لفظ کے دوسرے معنی بھی ہیں کہ جناب باری پر محال۔فیض ہلاک شدن۔فیاض بسیار ہالک ۱۳

الجزئی المجرد لایدرك الابعنوان کلی، والمادی لا یمکن ارتسامه فی العقل المجرد، والمفهوم ماحاصل فی العقل۔	جزئی مجرد کاادراک عنوان کلی کے بغیر نہیں کہا جاسکتااور جزئی مادی کا عقل مجرد میں مرتسم ہونا ممکن نہیں اور مفہوم وہ ہے جو عقل میں حاصل ہو۔(ت)

زید نے اسے طویلہ عبارت طویلہ میں بیان کرکے لکھا۔

الجواب: انا لا نسلم ان الجزئی المادیَّ یدرك بعنوان کلی، بل ذلك [عـــہ] هو التحقیق عندنا لا ن العقول العشرة عندهم مبرّأة عن جمیع شوائب النقص والقبح، ومقدسة منزّهة عن سائر القبائح والنقائص، والجهل اشدّ القبائح، فلا یَعْزُب عن علیھا ذرّة من ذرّات الموجود فی العالم کلیاته وجزئیاته ومادیاته ومجرداته، فلایمکن ان لایعلم العقل الاول مثلًا تشخصات الموجودات والالزم الجهل فیه اھ بقدر المقصود ص ۲۰۶۔ **قول ہفتم:** المذهب المحقق عند المحققین انّ الاعدام اللاحقة الزمانیة	**جواب:** بے شک ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جزئی مادی کا ادراک عنوان کلی سے ہوتا ہے بلکہ ہمارے نزدیک یہی تحقیق ہے۔ کیونکہ فلاسفر کے نزدیک عقول عشرہ نقصان اور برائی کے تمام شائبوں سے بری اور تمام نقائص و قبائح سے پاک و صاف ہیں جب کہ جہالت تمام قباحتوں سے بڑی قباحت ہے چنانچہ موجوداتِ عالم کے ذرات میں سے کوئی ذرہ عقول عشرہ کے علم سے پوشیدہ نہیں ہوسکتا چاہے کلیات ہوں یا جزئیات، چاہے مجردات ہوں یا مادیات۔ لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ عقل اول مثلاً موجودات کے تشخص کو نہ جانے ورنہ اس میں جہل لازم آئے گا۔ اھ، بقدر مقصود ص ۲۰۶۔ محققین کے نزدیک مذہب محق یہ ہے کہ لاحق ہونے والے اعدام زمانیہ درحقیقت اعدام نہیں بلکہ عدم لاحق

عـــہ: اقول لایخفٰی قلق العبارة ھٰهنا، ومقصوده۔ [عـــہ] ۔ان الجزئی المادی لاتدرکه العقول بوجه جزئی، بل ذلک الخ ۱۲ سلطان احمد۔

عـــہ: لایبدؤ وماھٰهنا فی الاصل۔ لعله (ان یقول۔ ونحوه) والمعنی تام بدون ذٰلك ایضًا ۱۲ محمد احمد غفرله۔

لیست اعداماً حقیقة بل العدم الاحق غیبوبة زمانیة، بناء علی ماثبت من وجود الدھرا المعبرعنه بمتن نفس الامر وحاق الواقع الذی یسع کل موجود ـــــــ وعلٰی ھذا فالاعدام السابقة علی الوجود اذا کان الحادث عـــہ۱ متحققا فی جزء من اجزاء الزمان، ایضًا غیبوبات مانیة والعدم الحقیقی انما ھوبالارتفاع والبطلان عن صفحة الواقع، فلایکون العدم بانتفائه عن کل جزء عـــہ۲ من اجزاء الزمان، کما فی السرمدیات المتعالیة عن الزمان و التغیر۔ وبالجملة علی ھذا التحقیق لایکون الزمانیات معدومةً عن الواقع بل عن وقت وجودہ عـــہ۳ ۔اھ بالتقاط ص۱۵۔	تو غیبوبت زمانی کا نام ہے۔اس بات پر بناء کرتے ہوئے کہ وجود دہر میں سے کچھ ثابت ہے اس کو نفس الامر اور واقع سے تعبیر کیا جاتا ہے جو کہ ہر موجود کو شامل ہے اور اس بنیاد پر وہ اعدام جو وجود پر سابق ہیں جب وجود زمانے کی کسی جزء میں متحقق ہو تو وہ بھی غیبوبت زمانیہ ہیں۔اور عدم حقیقی تو فقط صفحہ واقع سے مرتفع ہونے کا نام ہے۔چنانچہ اجزاء زمانہ میں سے ہر جز سے منتفی ہونے سے عدم نہ ہوگا، جیسا کہ سرمدیات میں جو زمان و تغیر سے ماوراء ہیں۔اور مختصر یہ کہ اس تحقیق کی بنیاد پر زمانیات واقع سے معدوم نہیں ہوتیں بلکہ اس کے وجود کے وقت سے معدوم ہوتی ہیں اھ التقاط ص ۱۵(ت)

قول ہشتم: خود اسی کتاب کی تعریف میں لکھا ہے:

"یہ کتاب فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے۔اور صیقل ذہن کے لیے عجب اکسیر اعظم و نافع کبیر ہے"۔

عـــہ۱: **اقول** ھٰذا مستغنیً عنه بعد ذکر السبقة علی الوجود، کمالا یخفٰی ۱۲س۔

عـــہ۲: **اقول** ھٰذا اجھل عظیم، فان الزمانی لایوجد الافی الزمان، فان خلاعنه الزمان بجمیع اجزاءہ خلاعنه الواقع البتة ـــــ وقسه بالمکان اِن خلت عنه الامکنة باسرھا کان معدوما فی نفس الامر، والا لم یکن المکانی مکانیا، ھف، ۱۲س عفی عنه۔

عـــہ۳: **اقول** ھذا اعظم جھلا، فان الزمان ایضًا بما فیه موجود فی الدھر وکذلك کون الزمان فی الزمان، فلایمکن علی القول بالدھر ان ینعدم الزمانی عن وقت وجودہ، وھل ھذا الّا کالقول بالنقیضین ۱۲س عفی عنه۔

اور خطبہ کتاب میں اُس کے مضامین کو اِکتناہِ حقائق وتدقیق فصیح وتحقیق صریح سے تعبیر کیا۔ ص ۲ اور اس کا نام " اَلْمَنْطِقُ الْجَدِیْدِ لِنَاطِقِ النّاَلہ الحدید" رکھا___ لوح میں نام یونہی مطبوع ہوا مگر متن میں بجائے لِنَاطق، من ناطق ہے۔
آیا یہ اقوال شرعًا صحیح یا باطل؟___ اور یہ مدح حلیہ صواب سے مُتحلّی یا عاطل؟___ اور اس نام میں کوئی محذورِ شرعی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله الذی رضی لنا الاسلام دینا واغنانا عن شقاشق الفلاسفة غناءً مبینًا* وارسل نبینا بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله *فاتم الحجّة، واوضح المحجة، وصدع بالحق دِقّه وجِلّه فصلی الله تعالٰی علیه وسلم وبارك علیه، وعلٰی اٰلهٖ وصحبه ÷ حُمَاة السنن، ومُحاة الفتن، وکُلِّ محبوب، و مرضی لدیه، صلاةً تبقٰی وتدوم *بدوام الملك الحّی القیوم * واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریك له فی الخلق والتدبیر *والامر والتقدیر، والوجود القدیم والعلم المحیط* وانّ سیدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، الاٰتی	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے ہمارے لیے اسلام کو بطورِ دین پسند فرمایا، اور ہمیں فلاسفہ کے جھاگ سے واضح طور پر بے نیاز کردیا اور ہمارے نبی کو ہدایت و دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے چنانچہ اس نے دلیل کو تام اور راستے کو واضح فرمایا۔ اور چھوٹے بڑے حق کو کھلم کھلا بیان کردیا۔ اللہ تعالٰی آپ پر درود و سلام بھیجے اور برکتیں نازل فرمائے اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر جو سنتوں کے محافظ اور فتنوں کو مٹانے والے ہیں۔ اور ہر اُس شخص پر جو آپ کا محبوب و پسندیدہ ہے ایسا درود جو باقی رہنے والا اور دائمی ہے بادشاہ حی و قیوم کے دوام کے ساتھ، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے اور خلق وتدبیر، امر و تقدیر، وجود قدیم اور علم محیط میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور یہ کہ ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

بالملّة الغراء، والحکمة البیضاء المنزهة عن کل خبط وتخلیط÷ وافراط و تفریط ÷ ___ صلوات الله و سلامه علیه وعلٰی اٰله وصحبه وکلّ منتمٍ الیه، اٰمین، اٰمین، اٰله الحق اٰمین!	اس کے بندے اور رسول ہیں، وہ ایسی چمکدار ملّت اور روشن حکمت لے کر آئے ہیں جو ہر بے راہروی، آمیزش اور کمی سے پاک ہے، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام ہو آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور ہر اس شخص پر جو آپ کی طرف منسوب ہے۔ اے سچے معبود! ہماری دعا قبول فرما (ت)

حق جل وعلا دین حق پر قائم اور آفات تفلسف سے محفوظ و سالم رکھے۔ فی الواقع عامہ اقوالِ مذکورہ سخت شنیع و فظیع ہیں۔ اور شرع مطہر میں اُن کے قائل کا حکم نہایت شدید و وجیع۔ لاسیما۔

قولِ اوّل

کہ اس میں بالتصریح باری عزّمجدُہ کو تدبیر و تصرفِ مادیات سے بے علاقہ مانا، مثلاً بدن انسانی میں جو مُبین متین، ظاہر، باہر زاہر قاہر تدبیریں صبح شام، دن رات ہر وقت عیاں و نہاں ہوتی رہتی ہیں جن کی حکمتوں میں عقول متوسط انگشت بہ دنداں ہیں، یہ سب جلیل و جمیل کام نفسِ ناطقہ کی خوبیاں ہیں۔ اللہ تعالٰی کو اصلاً ان سے تعلق نہیں، نہ اس کا بندوں کے بدنوں میں کوئی تصرف۔

لاالٰہ اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے بغیر کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ت) ___ استغفر اللہ (میں اللہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں ت) ___ والعیاذ باللہ (اللہ کی پناہ، ت) ھیھات، ھیھات! اس سے بڑھ کر کونسا کفر ملعون ہوگا ___ سبحٰنه وتعالٰی "سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴۳﴾"[1] اسے پاکی اور برتری ان کی باتوں سے بڑی برتری۔ ت)

سورۂ یونس رعد و سورہ الم تنزیل السجدہ کے پہلے رکوع اس نزعہ فلسفیّہ کے رَد کو بس ہیں۔ اور سورہ یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے رکوع چہارم میں فرماتا ہے: "قُلۡ مَنۡ یَّرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ یَّمۡلِکُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ یُّخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَیُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَمَنۡ

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۴۳

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ "[1] تو فرما کون تمہیں روزی دیتا ہے آسمان سے (مینہ اتار کر) اور زمین سے (کھیتی اُگا کر) یا کون مالک ہے شُنوائی اور نگاہوں کا۔ (کہ مُسبَّبات کو اسباب سے ربطِ عادی دیتا ہے۔ اور قَرع سے ہوا کہ صوت کا حامل کرتا، پھر اُسے اذنِ حرکت دیتا، پھر اسے عَصبہ مفروشہ تک پہنچاتا، پھر اس کے پہنچنے کو محض اپنی قدرتِ کاملہ سے ذریعہ ادراک فرماتا ہے ___ اور اگر وہ نہ چاہے تو صور کی آواز بھی کان تک نہ جائے۔ یونہی جو چیز آنکھ کے سامنے ہو، اور موانع و شرائط عادیہ مرتفع و مجتمع۔ واللہ اعلم انّ ذٰلک بالانطباع او خروج الشعاع، کما قد شاع، او کیفما ماشاء (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے کہ وہ انطباع کے ساتھ ہوا یا شعاع کے نکلنے سے ہوا جیسا کہ مشہور ہے یا جیسے اس نے چاہا۔ ت) ___ اس وقت اِبصار کا حکم دیتا ہے ___ اور اگر وہ نہ چاہے روشن دن میں بلند پہاڑ نظر نہ آئے۔ اور وہ کون ہے جو نکالتا ہے زندے کو مُردے سے (کافر سے مومن، نطفہ سے انسان، انڈے سے پرند) اور نکالتا ہے مردے کو زندے سے، اور کون تدبیر فرماتا ہے ہر کام کی۔ (آسمان میں اس کے کام، زمین میں اس کی کام، ہر بدن میں اس کے کام، کہ غذا پہنچاتا ہے۔ پھر اُسے روکتا ہے۔ پھر ہضم بخشتا ہے۔ پھر سہولت دفع کو پیاس دیتا ہے۔ پھر پانی پہنچاتا ہے۔ پھر اس کے غلیظ کو رقیق، لزج کو منزلق کرتا ہے۔ پھر ثِقل کیلوس کو امعا کی طرف پھینکتا ہے۔ پھر ماساریقا کی راہ سے، خالص کو جگر میں لے جاتا ہے۔ وہاں کیموس دیتا ہے۔ تلچھٹ کا سودا، جھاگوں کا صفرا۔ کچے کا بلغم، پکے کا خون بناتا ہے۔ فُضلہ کو مثانہ کی طرف پھینکتا ہے۔ پھر انہیں بابُ الکَبِد کے راستے سے عُروق میں بہاتا ہے۔ پھر وہاں سہ بارہ پکاتا ہے۔ بے کا کو پسینہ بنا کر نکالتا ہے۔ عطر کو بڑی رگوں سے جَداول، جداول سے سواقی، سواقی سے باریک عروق، پیچ در پیچ تنگ بر تنگ راہیں چلاتا ہوا، رگوں کے دہانوں سے اعضاء پر اُنڈیلتا ہے۔ پھر یہ محال نہیں کہ ایک عضو کی غذا دوسرے پر گرے۔ جو جس کے مناسب ہے اسے پہچانتا ہے۔ پھر اعضاء میں چوتھا طبخ دیتا ہے کہ اس صورت کو چھوڑ کر صورتِ عُضویّہ لیں۔ اِن

[1] القرآن الکریم ۱۰/۳۱

حکمتوں سے بقائے شخص کو مَا یَتَحَلَّلُ کا عوض بھیجتا ہے__ جو حاجت سے بچتا ہے اُس سے بالیدگی دیتا ہے اور وہ ان طریقوں کا محتاج نہیں۔ چاہے تو بے غذا ہزار برس جِلائے اور نماء کامل پر پہنچائے__ پھر جو فُضلہ رہا اُسے منی بنا کر صلب و ترائب میں رکھتا ہے۔ عقد و انعقاد کی قوت دیتا ہے۔ زن و مرد میں تالیف کرتا ہے۔ عورت کو باوجود مشقت حمل وصعوبت وضع شوق بخشتا ہے۔ حفظِ نوع کا سامان فرماتا ہے۔ رحم کو اذن جذب دیتا ہے__ پھر اس کے اِمساک کا حکم کرتا ہے۔ پھر اسے پکا کر خون بناتا ہے۔ پھر طبخ دے کر گوشت کا ٹکڑا کرتا ہے۔ پھر اس میں کلیاں، کنپھیاں نکالتا ہے۔ قسم قسم کی ہڈیاں، ہڈیوں پر گوشت، گوشت پر پوست، سینکڑوں رگیں، ہزاروں عجائب __ پھر جیسی چاہے تصویر بناتا ہے۔ پھر اپنی قدرت سے رُوح ڈالتا ہے۔ بے دست و پا کو ان ظلمتوں میں رزق پہنچاتا ہے۔ پھر قوت آنے کو ایک مدت تک روکے رہتا ہے۔ پھر وقتِ معین پر حرکت وخروج کا حکم دیتا ہے۔ اس کے لیے راہیں آسان فرماتا ہے۔ مٹی کی مورت کو پیاری صورت، عقل کا پُتلا، چمکتا تارا۔ چاند کا ٹکڑا کر دکھاتا ہے۔ "فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝۱۴ "[1] (تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانے والا۔ ت) اور وہ اِن باتوں کا محتاج نہیں، چاہے تو کروڑوں انسان پتھر سے نکالے، آسمان سے برسالے۔

ہاں بتاؤ وہ کون ہے جس کے یہ سب کام ہیں؟ "فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ "[2] اب کہا چاہتے ہیں کہ اللہ۔ تو فرما پھر ڈرتے کیوں نہیں؟ "اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ "[3] (ہم ایک اللہ پر ایمان لائے۔ ت) ____آہ! آہ! اے مُتفلسف مسکین! کیوں اب بھی یقین آیا یا نہیں کہ تدبیر وتصرف اسی حکم علیم کے کام ہیں۔ جَلَّ جَلَالُہ وَعَمَّ نَوالُہ۔ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ ۝۵۰ "[4] (پھر اس کے بعد کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۱

[3] القرآن الکریم ۴۰/ ۸۴

[4] القرآن لکریم ۷۷/ ۵۰

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں یہ دو حرف مختصر بقدر ضرورت ذکر کیے، ورنہ روز اوّل سے اب تک جو کچھ ہوا، اور آج سے قیامت، اور قیامت سے اَبدُالا باد تک جو کچھ ہوگا وہ سب کا سب اِن دو لفظوں کی شرح ہے کہ: "یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ"[1] (اور تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ت)

سُبۡحَانَہ مَا اعظم شانہ (وہ پاک ہے اور کتنی عظیم اس کی شان ہے۔(ت)

مسلمان غور کرے کہ یہ عظیم حکیم کام جن کے بحر سے ایک قطرے، اور صحرا سے ایک ذرے کی طرف ہم نے اجمالی اشارہ کیا، شبانہ روز انسان کے بدن میں ہوا کرتے ہیں اور لاکھوں کروڑوں نفوس ناطقہ کی زمین کو اُن کی خبر نہیں ہوتی ــــــ ہزاروں میں دو ایک، سالہاسال کے ریاض و تعلیم میں، اُن میں سے اقل قلیل پر بقدرِ قدرت اطلاع پاتے ہیں۔اِس پر جو کل بگڑی بنائے نہیں بنتی۔جو ڈور الجھے سلجھائے نہیں سلجھے، پھر کیسا سخت جاہل عـــہ ہے جو تدبیر اَبدان، نفس کے سر دھرے ــــــ اچھا مُدبّر اور اچھے مُعتَقِد!! "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ ۝"[2]۔(کتنا کمزور چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔ت)

سبحٰن اللہ اگر یہی بات واقعی ہے، اور ہمارے رب تعالٰی کو ان امور سے اصلاً علاقہ نہیں،

عـــہ: مگر سُفہائے فلسفہ، نظرائے ہنقہ سے کیا جائے شکایت کہ وہ افعال متقنہ تصویر جنین کو نفس حیوانی بلکہ قوت غیر شاعرہ کی طرف مستند کرنے میں بھی باک نہیں رکھتے۔ ع

ماعلٰی مِثلھم یُعَدُّ الۡخَطاء

(ان جیسوں پر خطاء شمار نہیں کی جاتی۔ت)

سبحان اللہ! خالقِ مختار جَلَّت قُدرَتہ کی طرف بلاواسطہ تمام کائنات کے استناد میں ان کے لیے وہ زہر گھلا ہے کہ یہ حق ناصع کسی طرح قبول نہیں، اور ایسی بدیہی خرافتیں منظور و مقبول، "وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ۝"[3]۔(اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ت) ۱۲منہ (من المصنف قدس سرہ)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۳

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

جیسا کہ اس متفلسف نے ادعا کیا تو وائے جہالت! نفس ہی کو نہ پُوجے! جو ایسی قاہر قدرت رکھتا، اور بہ طورِ خود اپنے بدن کی یہ جلیل تدبیر کیا کرتا ہے ــــــ "وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾" [1] (اور ہمارے رب رحمٰن ہی کی مدد درکار ہے ان باتوں پر جو تم بتاتے ہو۔ت)

زید کے اس قول میں ایک کفر جلی تو یہ ہے ــــــ **ثُمَّ اَقُوْلُ** (میں پھر کہتا ہوں۔ت) ناظر عارف، مناظر منصف آگاہ و واقف کو سوق عبارت سے خالقیتِ عقول متبادر عــہ۱ و منکشف ـــ اور قائلانِ عقول کا یہ مسلک ہونا اس کا اقوی مشید و مرصف ـــ اگرچہ پائے مکابر لنگ، نہ مجال مناقشہ تنگ ـــ اور اگر نہ سہی، تاہم عــہ۲ تعادل کفتین میں اشتباہ نہیں ـــ اور نہ بھی مانو تو ایہام شدید سے بچنے کی راہ نہیں ـــ اور ایسی جگہ مجرد ایہام بحکم شرع ممنوع و حرام ہے۔ کما سیاتی۔

عــہ۱: اقول: فقیر ایک مثالِ واضح ذکر کرتا ہے کہ منصف کو کافی ہو اور مُتعسف کو دفتر بس نہیں ــــــ مثلاً اگر کہا جائے کہ قرآن مجید سے علاقہ رکھنے میں لوگ مختلف رنگ پر ہیں ــــــ کوئی بہ قوت اجتہاد اس سے استنباط احکام کرتا ہے، کوئی بہ حزم و احتیاط اس کی تفسیر لکھتا ہے، کوئی حافظ ہے کوئی قاری، کوئی سامع کوئی تالی، ایک معلم دوسرا متعلّم ــــــ یہ سب لوگ اس سے سچا علاقہ رکھتے ہیں ـــ ـــ اور بعض وہ جن کے لیے ان علاقوں میں سے کچھ نہیں، اور انہیں قرآن کریم سے تعلق نہیں مگر مثلاً علاقہ عداوت، تکذیب جیسے مصنف منطق الجدید و مجوس و ہنود و نصارٰی و یہود۔

ایمان سے کہنا اس کلام سے صاف صاف یہی سمجھا جائے گا یا نہیں کہ قائل نے مصنف منطق الجدید کو بھی دشمن و مکذب قرآن بتایا ـــ ـــ اگرچہ لفظ "مثلاً" میں اتنی گنجائش ہے کہ یہ علاقہ مذکورین مابعد کے لیے سمجھیں اور منصف مسطور کے لیے اور کچھ تصور کرلیں۔ مثلاً فال کھولنا یا تجارت کرنا ــــــ تقصیر معاف! اس نہج خاص پر وضع مثال اظہارِ حق کے لیے ہے کہ آدمی اپنے مقابلہ میں خواہی نہ خواہی ظاہر متبادر پر جاتا ہے، اور وہاں دوسرے کی طرف سے ابدائے عذر کو احتمالاتِ بعید تلاش نہیں کرتا ــــــ اب اس مثال کو اپنی عبارت سے ملا کر دیکھ لیجئے کہ بعینہٖ اُسی رنگ کی ہے یا نہیں؟ ــــــ پھر جب یہاں یہ متبادر تو وہاں سے ادعائے خالقیت عقول کیونکر ظاہر نہ ہوگا؟ واللہ تعالٰی الھادی ۱۲ عبدہ سلطان احمد خان غفرلہ۔

عــہ۲: یہ سب تنزُّلات بہ لحاظِ مجادلین ہیں ورنہ اصل کارد ہی تبادرِ خالقیت ہے کما بیننا ۱۲ اس عفی عنہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۱۲

بہر حال اگر یہی مقصود عہ۱ تو اس کا کفرِ بواح ہونا خود ایسا بین کہ محتاج بیان نہیں ــــ رب تبارک و تعالٰی فرماتا ہے:

" هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ "[1]	کیا کوئی اور بھی خالق ہے خدا کے سوا۔

اور ارشاد فرماتا ہے عزوجل:

" يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴ "[2]	اے لوگو! ایک کہاوت بیان کی گئی اسے کان لگا کر سنو، بے شک وہ جنہیں تم اللہ کے سوا معبود ٹھہراتے ہو ہر گز ایک مکھی نہ بنائیں اگرچہ اس پر ایکا کرلیں۔

اور فرماتا ہے:

جَلَّت عظمتہٗ " اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۵۴ "[3]۔	سن لو! خاص اُسی کے کام ہیں خلق عہ۲ و تکوین، برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔

اور فرماتا ہے تعالٰی شانہ:

" اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۰ "[4]	اللہ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا، پھر روزی دی، پھر مارے گا پھر جِلائے گا۔ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کرے؟ پاکی اور برتری ہے اُسے ان کے شرک سے۔

عہ۱: کماھو الظاھر المتبادر وان انکر المکابر ۱۲ اس عفی عنہ۔

عہ۲: یہاں خلق سے مراد مادہ سے بنانا جیسے آدمی نطفہ سے، اور تکوین سے مراد امر کن سے موجود فرمادینا جیسے ارواح کی پیدائش ۱۲ سلطان احمد خاں بریلوی عفاعنہ المولی القوی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/۳۵

[2] القرآن الکریم ۲۲/۷۳

[3] القرآن الکریم ۷/۵۴

[4] القرآن الکریم ۳۰/۴۰

اور سورہ لقمان میں افلاک و عناصر و جمادات و حیوانات و آثارِ علویہ و نباتات سب کی طرف اجمالی ارشارہ کرکے ارشاد فرماتا ہے تقدس اسمہ:

"هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۠" [1]	یہ سب تو خدا کا بنایا ہوا ہے وہ مجھے دکھاؤ کہ اس کے سوا اوروں نے کیا بنایا، بلکہ ناانصاف لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

صدق اللہ سبحٰنہ ____ یہاں تک کہ اس امر کا باری عزاسمہ سے خاص ہونا مدارک مشرکین عرب میں بھی مرتسم تھا۔ قال جل ذکرہ:

"وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ" [2]	اور بے شک اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمان و زمین کس نے بنائے، ضرور کہیں گے اللہ نے۔

یہ سخافتِ جلیہ وخرافت علیہ جس نے انہیں امیر الحیر بنایا عُقلائے فلسفہ کا حصہ تھی۔ "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝" [3] (اللہ تعالٰی انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت)

سلّمنا کہ زید کا یہ مطلب نہیں، نہ وہ عقول عشرہ کو خالق بالذات و موجد مستقل مانے بلکہ انہیں صرف شرط و واسطہ جانتا، اور باری تعالٰی کی تاثیر و فاعلیت کا متمم مانتا ہے تو گویا "مثلاً "اسی تنویع کی طرف مشیر، کہ علاقہ خلی ہو یا وساطت فی الخلق، اور اس قدر سے اسے انکار کی گنجائش نہیں، کہ دوسرے رسالہ میں خود اس کا اقرار کیا اور اسے مذہب محقق و مشرب حق قرار دیا____ تو یہ خود کفر و واضح وارتداد فاضح ہونے میں کیا کم ہے۔ کہ اس میں صراحۃً اس قادر ذوالجلال، غنی متعال تبارک و تعالٰی کو خلق و ایجاد میں غیر کافی، اور دوسری چیز کے توسط و آلیت کا محتاج اور صاف صاف اس قدیر مجید عزوجل کو فاعلیت میں ناقص، اور عقول عشرہ کو اس کا کامل و تام کرنے والا مانا ___ وَاَیّ کُفْرًا فحش مِنْ هٰذا؟ (اور کون سا کفر اس سے بدتر ہے؟ (ت) ___ یہ ایک کفر نہیں بلکہ معدنِ کفر ہے۔ باری کا عجز ایک کفر___ دوسرے کی طرف نیاز دو کفر___ آپ ناقص ہونا تین کفر___ غیر سے تکمیل پانا چار کفر___ خالق مستقل نہ ہونا پانچ کفر۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۵و۳۹/ ۳۸

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰و۶۳/ ۴

فکفر فوق کفرٍ فوق کفر　　　　کان الکفر عہ۱ من کثر و وفر

کماءٍ اسن عہ۲ فی نتن دفر　　　　تتابع قطرہ من ثقب کفر عہ۳

(وہ ایک کفر ہے اوپر کفر کے اوپر کفر کے۔ گویا کہ کفر اس کی کثرت و بہتات سے ہے۔ جیسے گندہ بدبودار متعفن پانی، جس کے قطرے بڑے بڑے پہاڑ کے سوراخ سے پے در پے نکل رہے ہیں۔ت)

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) اِستقصاء کیجئے تو ہنوز تعدّد خالق کے لوائح، کلامِ زید سے علانیہ لائح ـــــ قول وسیط کی تقریر ـــــ اس میں چاند سورج کی تنظیر ـــــ قید "بالذات" کی بار بار تکریر صاف صاف بتارہی ہے کہ عقول سے صرف خالقیت ذاتیہ منتفی مانتا ہے ـــــ نہ خالقیت مستفادہ ـــــ اور اس قدر واقع و نفس الامر میں صدقِ خالق کا منافی نہیں ـــــ یوں تو علم و سمع و بصر و حیات بلکہ نفس وجود تمام عالم سے منفی اور حضرت حق جل وعلاء سے خاص ـــــ پھر بایں ہمہ "اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ"[1] (بے شک وہ صاحب علم ہے۔ت) و "فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۲﴾"[2] (ہم نے اسے سنتا دیکھتا کردیا۔ت) "بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ"[3] (بلکہ وہ اپنے رب کے پاس زندہ ہیں۔ت) و "فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾"[4] (تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہوجا

عــــہ۱: فیہ توجیھان: **الاول** اَنّ من بما بعدہ متعلق بالشطر الاتی، وخبر کان قولہ ءٍ الخ فمن علی ھذا للتعلیل، **والثانی** انھا ھی الخبر بعد تعلقھا بما خوذ اونحوہ، واللام فی الکفر للعھد، ای کان کفرہ ھذا ماخوذ من الکُثر والوفر باسقاط بعض الحروف منھا ۱۲س۔

عــــہ۲: ماء اٰسن متغیر الطعم والرائحۃ، نتن گندہ شدن وگندگی۔ دَفر بدال مہملہ مفتوحہ بوئے بغل ۱۲س۔

عــــہ۳: کفر بالفتح کوہِ بزرگ۔ تتابَع پے درپے آمدن ۱۲س۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۸

[2] القرآن الکریم ۷۶/ ۲

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۷

تو وہ فوراً ہو جاتی ہے ت) قضایائے حقہ صادقہ ہیں۔اور **حقائق الاشیاءِ ثابتۃ**[1] (اشیاء کی حقیقتیں ثابت ہیں۔ت)

پہلا عقیدہ خود اپنی ہی نظیر میں دیکھے کہ نور قمر تاب آفتاب سے مستفاد ہونا "**جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا**" عــہ[2] (اس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا۔ت) کے مخالف نہ ٹھہرا۔

عــہ: آیہ کریمہ نص واضح ہے کہ قمر مستنیر ہو کر انارہ عالم کرتا ہے۔

هوالراجح من جهة العقل ایضا والیه جنح المحققون منهم الامام الرازی۔

عقل کے اعتبار سے بھی وہی راجح ہے اور محققین کا میلان بھی اسی کی طرف ہے جن میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ بھی شامل ہیں۔(ت)

نہ یہ کہ استنارہ صرف ضوء شمس کا تادیہ کرے کماظنہ بعض الفلاسفۃ (جیسا کہ بعض فلاسفہ نے اس کا گمان کیا ہے۔ت)

رہا یہ کہ وہ خود نورانی نہیں بلکہ پرتو مہر سے روشن ہوتا ہے۔**اقول**: اس کی نہ ہم نفی کریں لعدم ورود السمع بتکذیبہ (اس کی تکذیب پر دلیل نقلی وارد نہ ہونے کی وجہ سے۔ت) نہ اُس پر جزم ضرور ہے لعدم قیام البرھان علٰی تصویبہ اس کی درستگی پر برہان قائم نہ ہونے کی وجہ سے۔ت)

والدوران لیس فی شیئ من البرهان وان زعموا انه بدیهی ثابت بالحدس، کیف ولا قاطع بابطال قول ابن الهیثم فی الاهلّة، وما ذکروہ من حدیث الخسوف فیجوز ان یکون ذٰلك لان القادر تعالٰی ینزع منه النور متی شاء من دون ان تکون

اور دوران برہان میں سے کچھ نہیں، اگرچہ ان کا گمان یہ ہے کہ یہ بدیہی ہے حدس سے ثابت ہے، یہ کیسے ہوگا، حالانکہ چاندوں کے بارے میں ابن ہثیم کے قول کے ابطال کا کوئی قاطع نہیں ہے۔اور چاند گرہن کے بارے میں جو حدیث انہوں نے ذکر کی تو ایسا ہونا ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالٰی اس پر قادر ہے کہ جب چاہے چاند کا نور سلب فرمادے بغیر اس کے کہ سورج اور چاند کے درمیان

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح العقائد النسفیہ، دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار پاکستان۔ص ۸

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۵

اور لفظ "مجازی" جس طرح "حقیقت" کے مقابل بولتے ہیں، یونہی بہ مقابلہ ذاتی اطلاق،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الحیلولۃ ھی الموجبۃ لہ ___ والمعیۃ لاتفید العلیۃ ___ بل ھٰذا الذی ذکرنا ھوالمستفاد من ظواھر الاحادیث ___ وقد رأینا کذبھم فی کسوفٍ وقع علٰی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعشرٍ خلونَ من شوال ___ مع ان قاعدتھم تقضی بان لایقع الاآخر الشھر، اذ المقارنۃ لاتکون الا اذ ذاک۔فلما ظھرلنا انتقاض الدوران فی الکسوف عسی ان یظھر ایضًا فی الخسوف ___ علٰی ان فی الباب احتمالات اُخر لایتکا فیھا الدلیل ___ وبالجملۃ مالہ یخبر عنہ نراہ مضطر با ھٰکذاالی یوم القیمۃ فاستفدہ فانہ مھم ___ نعم افاد الامام عبدالوہاب الشعرانی فی میزان الشریعۃ الکبرٰی اجماع اھل الکشف علٰی ان انور القمر مستفاد من انور الشمس [1] فمن ھذا الوجہ نحن نقول بہ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ای من المصنف قدس سرہ)

زمین حائل ہو جو کہ چاند گرہن کا موجب ہے اور معیت مفید علیت نہیں، بلکہ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یہی ظاہر حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔اور بے شک فلاسفہ کا جھوٹ ہم نے دیکھ لیا اس سورج گرہن میں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دس شوال کو واقع ہوا، باوجود یہ کہ ان کے قاعدہ کا تقاضا یہ ہے کہ سورج گرہن صرف مہینہ کے آخر میں واقع ہوسکتا ہے کیونکہ مقارنت اسی وقت ہوتی ہے جب ہمارے لیے سورج گرہن میں دوران کا ٹوٹ جانا ظاہر ہوگیا ہے تو چاند گرہن میں بھی ظاہر ہوجائے گا۔علاوہ ازیں اس باب میں اور بھی کئی احتمال ہیں جن میں کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں۔خلاصہ یہ کہ جس کے بارے میں خبر نہیں دی گئی ہم اسے قیامت تک یوں ہی مضطرب دیکھیں گے۔اس سے فائدہ حاصل کر کیونکہ یہ بہت اہم ہے۔ہاں۔امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے میزان الشریعۃ الکبرٰی میں افادہ فرمایا کہ نور قمر کے نور شمس سے مستفاد ہونے پر اہل کشف کا اجماع ہے۔اسی وجہ سے ہم اس کے قائل ہیں۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے ۱۲ منہ (یعنی مصنف علیہ الرحمۃ کی طرف سے) (ت)

---

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی

اور ذاتی کو بہ لفظ حقیقت خاص کرتے ہیں ____ ہماری مِلک مِلک مجازی ہے، یعنی بہ عطائے الٰہی، نہ اپنی ذات سے ____ نہ یہ کہ حقیقت ونفس الامر میں باطل ہے۔

قال تعالٰی: "فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ۝" [1] (تو یہ اُن کے مالک ہیں، ت)

قال تعالٰی: "مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ" [2] (وہ جس کے مالک ہوئے ان کے دائیں ہاتھ، ت)

ولہذا "وَسۡـَٔلِ الۡقَرۡيَةَ" [3] (اور اس بستی سے پوچھ۔ ت)

مجاز ہوا کہ علم وسماع وقدرت علی الجواب جو مُصحح استفسار حقیقی ہیں وہاں مسلوب ومعدوم ____ اور "سَلۡهُمۡ اَيُّهُمۡ بِذٰلِكَ زَعِيۡمٌ ۝" [4] (تم اُن سے پوچھو ان میں کون سا اس کا ضامن ہے۔ ت) قطعاً حقیقت کہ ثبوت یقینی ____ اگرچہ عطائی ہے۔

ہر عاقل جانتا ہے کہ مدارِ حقیقت ثبوت فی الواقع پر ہے ___ اور وہ ذاتی ومستفاد دونوں سے عام ____ ع

هٰذا الذی تعرف البطحاء واطأته

(یہ وہی ہے جس کے روندنے کو وادی بطحا پہچانتی ہے۔ ت)

اور ___ ع

العرب تعرف من انکرت والعجم،

(جس کا تو نے انکار کیا اس کو عرب وعجم پہچانتے ہیں۔ ت)

میں جو فرقِ استعمال ہے عاقل پر مستور نہیں ____ یہیات! اگر حقیقت منُوط بہ ذاتیت، ہو تو لازم آئے معاذ اللہ خلقِ اشیاء حقیقۃً جناب باری سے مسلوب بلکہ محال ہو، اور ان کا اثبات فقط مجازی خیال ____ کہ جب حقیقۃً افاضۂ وجود نہ ہوا تو واقع میں کچھ نہ بنا ____ "اَعۡطٰى كُلَّ شَىۡءٍ خَلۡقَهٗ" [5] (اس نے ہر چیز کو اس کے لائق صورت دی۔ ت) کیونکر صادق آئے وقس علٰی ھذا اشنائع اُخرٰی (اسی پر دوسری برائیوں کو قیاس کرلو۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۷۱

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۷۱

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۸۲

[4] القرآن الکریم ۶۸/ ۴۰

[5] القرآن الکریم ۲۰/ ۵۰

لاجرم ایسی مجاریت صدق حقیقی کی نافی نہ ثبوت واقعی کے منافی ____ تو زید کا یہ بیان علی الاعلان منادی کہ عقول عشرہ سے صرف خالقیت ذاتیہ منفی، ورنہ حقیقۃً وہ خالق عالم ہیں جیسے چاند منیر زمین اگرچہ یہ خالقیت حق جل وعلا سے مستعار، جس طرح شمس سے قمر کے انوار۔ قرآن واہل قرآن سے پوچھ دیکھئے کہ یہ عقیدہ ان کے نزدیک کس درجہ بطلان پر ہے۔ حاش للہ! نہ اللہ کے سوا کوئی خالق بالذات، نہ ہرگز ہرگز اس نے منصب ایجاد عالم کسی کو عطا فرمایا کہ قدرت عـــہ مستفادہ سے خالیقت کیا کرے۔ "سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ "[1] (اسے پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے۔ت)

عـــہ: "اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَـةِ الطَّیْرِ "[2] ____ فلا یخفٰی علٰی ذی لُبٍ انّ فیه تبدیل الجسم التعلیمی دون ایجاد الطبعی، بل ذٰلك ایضًا ____ اعنی زوال ابعاد و حدوث اُخرٰی ____ اِنّما هو علٰی طریقة الحکماء القائلین بالکم المتصل واما المتکلمون فلم یحدث عندهم فی الطین شیئ لم یکن، ولم یزل عنه شیئ قد کان، وانما انتقلت الجواهر الفردة من طولٍ الٰی عرض اوبالعکس مثلاً کما صرّحوا به فی الشمعة ____ وهذا هو معنی تصویر الملك المؤکل بالرحم الجنین فیها، فلیس الا ابداءُ هیأت لاجزاء الجسم، لا ایجاد لحمٍ اوشحم اوعظم واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه (قدس سره)

بے شک میں تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی سی صورت بناتا ہوں، کسی عقلمند پر پوشیدہ نہیں کہ یہ جسم تعلیمی کی تبدیلی ہے نہ کہ جسم طبعی کی ایجاد، بلکہ یہ بھی یعنی بعض ابعاد کا زوال اور دوسرے ابعاد کا حدوث بھی ان حکماء کے طریقہ پر ہے۔ جو کم متصل کے قائل ہیں۔ رہے متکلمین تو ان کی نزدیک گارے میں کوئی ایسی شے پیدا نہیں ہوئی جو پہلے نہ تھی اور نہ کوئی شے زائل ہوئی جو پہلے وہاں نہ تھی۔ بلکہ فقط جواہر فردہ کا طول سے عرض یا عرض سے طول کی طرف انتقال ہوا جیسا کہ موم کے باری میں انہوں نے تصریح کی۔ ماں کے پیٹ میں مؤکل فرشتی کے جنین کی صورت بنانے کا بھی یہی معنی ہے۔ یہ تو محض اجزاء جسم کو ایک ہیات دینا ہے نہ کہ گوشت، چربی اور ہڈیوں کو موجود کرنا۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہی ۱۲منہ (قدس سرہ)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۱۸و۱۶/۱و ۳۰/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

بالجملہ باری تبارک وتعالیٰ کو کسی شیئ کی تدبیر وتصرف سے بے تعلق، یا اس کے غیر کو خالق جواہر، خواہ ایجاد باری تعالیٰ کا متمم کہنا قطعًا جزمًا کفریاتِ خالصیہ ـــــ اور یہ سب مسائل اجلی ضروریات دین سی ہیں ـــــ بلکہ ان میں بھی ممتاز ـــــ اور اپنے کمال وضوح میں تجشم ایضاح سے غنی وبے نیاز۔

تنبیہ: ہاں عجیب نہیں کہ زید کو سرگرمی وساوس ان عذر بارد پر لائے کہ ان میں ان امور کا دل سے معتقد نہیں، یہ تو میں نے فلاسفہ کے طور پر لکھ دیا ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں، ت) **لاتعدم الخرقاءُ حیلةً** (کوئی مکار عورت حیلہ سازی سے خالی نہیں ہوتی، ت) ـــــ بین و واضح کہ یہاں کوئی صورت اِکراہ نہ تھی، اور بِلا اکراہ کلمہ کفر بولنا خود کفر، اگرچہ دل میں اس پر اعتقاد نہ رکھتا ہو، اور عامہ علما فرماتے ہیں کہ اس سے نہ صرف مخلوق کے آگے بلکہ عنداللہ بھی کافر ہوجائے گا کہ اس نے دین کو معاذاللہ کھیل بنایا اور اس کی عظمت خیال میں نہ لایا۔ امام علامہ فقیہ النفس فخر الدین اوزجندی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ خانیہ میں فرماتے ہیں:

رجل کفر بلسانه طائعا و قلبه علی الایمان یکون کافرًا، ولا یکون عند الله مؤمنا[1]۔	جس شخص نے زبان سے بخوشی کلمہ کفر کہا، حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو وہ کافر ہوجائے گا اور وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک مومن نہ ہوگا۔ (ت)

حاوی میں ہے:

من کفر باللسان وقلبه مطمئن بالایمان فهو کافر و لیس بمؤمن عند الله[2]۔	جس نے زبان سے کفر بکا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو وہ کافر ہے اور اللہ تعالٰی کے نزدیک وہ مومن نہیں ہے۔ (ت)

مجمع الانہر وجواہر الاخلاطی میں ہے: **وهذا الفظ المجمع** (اور یہ لفظ مجمع کے ہیں۔ ت):

من کفر بلسانه طائعا و قلبه مطمئن الایمان فهو کافر ولا ینفعه ما فی قلبه، لانّ الکافر یعرف بما ینطق به بالکفر فاذا نطق بالکفر	جس نے بخوشی زبان سے کفر بکا حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہے تو وہ کافر ہے، اور جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس کو نفع نہ دے گا کیونکہ کافر تو منہ سے بولے ہوئے کفر سے پہچانا جاتا ہے جب اس نے

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب السیر باب مایکون کفرا من المسلم ومالایکون الخ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۸۱

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ الحاوی مطلب فی ایرادا لالفاظ المکفرۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۵

کان کافرا عندنا وعنداللہ تعالٰی [1]۔	زبان سے کفر بول دیا تو وہ ہمارے نزدیک اور اللہ تعالٰی کے نزدیک کافر ہوگیا۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

والحاصل انّ من تکلمّ بکلمۃ الکفر ھازلًا او لاعبًا کفر عندالکل، ولا اعتبار باعتقادہ، ومن تکلمہ بھا خطأً اومکرھًا لایکفر عند الکل ومن تکلم بھا عالمًا عامدا کفر عند الکل [2]۔	خلاصہ یہ کہ جس شخص نے بطور ہزل اور بطور کھیل کلمہ کفر بکا وہ سب کے نزدیک کافر ہوگیا اس کے اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں۔ جس نے خطاءً یا مجبورًا کلمہ کفر کہا وہ سب کے نزدیک کافر نہ ہوگا۔ اور جس نے جان بوجھ کر قصدًا کلمہ کفر کہا وہ سب کے نزدیک کافر ہوگیا۔(ت)

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

التکلم بما یوجبہ(ای الکفر)طائعًا من غیر سبق اللسان عالمًا بانّہ کفر(کفر)بالاتفاق، وکذاالفعل و لوھزلًا ومزاحًا بلا اعتقاد مدلولہ، بل مع اعتقاد خلافہ(بقلبہ)فانہ یکفر عنداللہ تعالٰی ایضًا فلا یفیدہ(فی عدم الکفر)اعتقاد الحق(بقلبہ)لانّ ذٰلک جعِلَ کفرًا فی الشرع، فلا تعمل النیّۃ فی تغییرہ [3]اھ ملخصا	موجب کفر کے ساتھ تکلم جب کہ بخوشی بغیر سبقت لسانی کے ہو اور متکلم جانتا ہو کہ یہ کلمہ کفر ہے بالاتفاق کفر ہے یہی حکم فعل کفر کا ہے اگرچہ ہزل ومزاح کے طور پر ہو اور اس کے مدلول کا اعتقاد نہ رکھتا ہو تو وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی کافر ہوگا اور دلی طور پر حق کا معتقد ہونا اس عدم کفر میں مفید نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کو شرع میں کفر قرار دیا گیا ہے لہٰذا نیت اس کی تبدیلی میں عمل نہیں کر سکتی اھ تلخیص(ت)

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب السیر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۸۸

[2] البحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۵

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الخلق الخامس، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۵۰

رہا یہ کہ فلاسفہ کے طور پر کہا، اقول: سچ ہے، ہم کب کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے طور پر کہا، آخر جو کلمہ کفر کہا جائے گا **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی کی پناہ ت) وہ غالبًا کسی نہ کسی فرقہ کافرہ کے طور پر ہوگا۔ پھر کیا اس قدر اس حکم سے نجات دے سکتا ہے؟ ____ **حاشا وکلّا** (ہر گز ہر گز نہیں۔ت)

زید متفلسِف سے استفسار کیجئے، بھلا اُسے کفر تو جانتا تھا کہیں اس عبارت میں اس کے رَدّیا اُس سے تَبرّی کی طرف بھی اشارہ کیا؟____ کسی کلمہ، کسی حرف سے کراہت وناپسندی کی بُو بھی آتی ہے؟ ہیہات ہیہات!! نہ ہرگز ہرگز کوئی لفظ ایسا لکھا جس سے معلوم ہوتا کہ دوسرے کا قول نقل وحکایت کرتا ہے، بلکہ اس سب کے برعکس اسے لفظ التحقیق کے نیچے داخل کیا۔ اور "قولِ وسیط" میں **ھٰذا التحقیق** کہا جس نے رہا سہا بھرم کھول دیا **فانّا للہ وانّا الیہ راجعون** (بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ت)

آئمہ دین، یہاں تک کہ خود مُنَقّحِ مذہب حضرت امام ربانی ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی اللہ تعالٰی عنہ تصریح فرماتے ہیں کہ: "جو شخص اپنی زبان سے **المسیح ابن اللہ** (مسیح اللہ تعالٰی کا بیٹا ہے۔ت) کہے اور کوئی لفظ ایسا کہ حکایت قول نصارٰی پر دلیل ہو، ذکر نہ کرے، اگرچہ قصدِ حکایت کا دعوی کرتا ہے، ہرگز سچا نہ ٹھہرائیں گی اور عورت نکاح سے نکل جانے کا حکم دیں گے"۔

علامہ بدرالدین رشید حنفی رسالہ **الفاظِ مُکفِرہ** میں فتاوٰی صغرٰی وغیرہا سے ناقل!

وقالت للقاضی سمعت زوجی یقول المسیحُ ابنُ اللہ فقال انما قلت حکایة عمّن یقوله.فانّه اقرّ انّه لم یتکلم الا بھٰذہ الکلمة بانتِ امرأته [1]۔	اگر کسی عورت نے قاضی کے پاس آکر کہا کہ میں نے اپنے شوہر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے اس پر شوہر نے کہا کہ میں نے یہ کلمات اس شخص کی طرف سے نقل کرتے ہوئے کہے جو اس کا قائل ہے اور شوہر نے اقرار کیا۔ کہ اس نے یہی کلمات کہے ہیں تو اس کی عورت بائنہ ہوجائے گی۔ (ت)

اُسی میں ہے:

قال محمد ان شھد الشھود انّھم سمعوہ یقول المسیح ابن اللہ، و	امام محمد علیہ الرحمۃ نے فرمایا اگر گواہ گواہی دیں کہ انہوں نے شوہر کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایة مصطفیٰ البابی مصر، ص ۱۹۴

لم یقل غیر ذٰلک،یفرّق القاضی بینهما ولا یصدّقه[1]۔	مسیح اللہ تعالٰی کا بیٹا ہے،اور اس کے علاوہ کوئی کلمہ اس نے نہیں کہا تو قاضی اس شوہر اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کردے گا اور شوہر کی تصدیق نہیں کرے گا۔(ت)

سبحان اللہ! جب اس مسئلہ میں ــــ جہاں قرین قیاس کہ اس نے لفظِ حکایت کہا ہو اور زن وشہود نے نہ سنا، حکم بینونت دیتے ہیں تو آدمی کفرِ صریح سے کتاب کو گندہ کرکے اور اسے وھذا التحقیق کے زیور پہنا کے کیونکر سبیلِ نجات پاسکتا ہے۔ ونسألُ اللہ العَافِیّة(ہم اللہ تعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں۔ت)

سیدنا امام اجل،عالم المدینہ مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک شخص کی نسبت سوال ہوا کہ اس نے قرآن کریم کو مخلوق کہا۔فرمایا کافر ہے،قتل کردو،اس نے عرض کی: میں نے تو اوروں کا قول ذکر کیا ہے۔فرمایا ہم نے تو تجھ سے سُنا ہے۔اِعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

سأل رجل مالکاعمن یقول القراٰن مخلوق،فقال مالک:کافر،اقتلوه،فقال:انمّا حکیته،عن غیری، فقال مالک:انما سمعناه منك[2]	ایک شخص نے امام مالک سے اُس شخص کے بارے میں سوال کیا جو کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔آپ نے فرمایا: وہ کافر ہے اس کو قتل کردو۔اس شخص نے کہا: میں نے تو دوسروں کی بات نقل کی ہے،توآپ نے فرمایا: ہم نے تو تجھ ہی سے یہ سُنا ہے۔(ت)

بلکہ علمائے دین تصریح فرماتے ہیں کہ ایسی باتیں بہ تصریح حکایت بیان کرنا بھی حرام وناروا،اور حکایت کنندہ مستحق سزا،جب تک غرض محمود ومہم عندالشرع۔ مثلِ تحذیر خلق واظہارِ حق وابطال باطل ــــ یا دارالحکم میں دعوٰی وشہادت بہ غرضِ قتل وعقوبت قائل وغیرہا ضرورات دینیہ پر مبنی ومشتمل،اور علانیہ اظہارِ بیزاری وکراہت وتبری سے مقرون ومتّصِل نہ ہو۔

امام علامہ قاضی عیاض مالکی قدِسَ سرُّہ،شفا شریف اور علامہ شہاب الدین احمد خفاجی حنفی،

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایةً،مصطفی البابی مصر ص ۱۹۴

[2] اعلام بقواطع الاسلام الفصل الثالث مکتبۃ الحقیقۃ استنبول ترکی ص ۳۸۵

رحمۃ اللہ تعالٰی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

امّا ذکرھا علٰی غیر ھذا(الوجه من الرّدّ والابطال و نحوہ مما مرّ)علٰی وجه الحکایات والخوض فی قیل وقال وما لایعنی فکل ھذا(المحکی)ممنوع(غیر جائز شرعًا)وبعضه اشدّ فی المنع والعُقُوبة من بعض.فما کان من قائله الحاکی له.(عن غیرہ)علی غیر قصدٍ و معرفة بمقدار ماحکاہ.ولم یکن الکلام(الذی حکاہ) من البشاعة حیث ھو ولم یظھر علٰی حاکیه استحسانه واستصوابه زُجِرَ(وَوُبِّخَ)ونھی عن العود الیه وان قوم ببعض الادب فھو مستوجب له.وان کان لفظه من البشاعة حیث ھو.کان الادب اشدّ اھ ملخصًا[1]۔	ان کلمات کفریہ کو رد وابطال وغیرہ وجوہ مذکورہ کے علاوہ بطور حکایات نقل کرنا یا لایعنی قیل و قال کے طور پر ذکر کرنا سب ممنوع اور شرعًا ناجائز ہے،اور ممانعت و عقوبت میں بعض کلمات بعض سے شدید تر ہیں۔چنانچہ جو کچھ ناقل نے لاقصد تحقیر حکایت کیا جب کہ وہ اس کی شناعت کی حد سے بے خبر ہے اور وہ ایسا کلام نقل کرنے کا عادی بھی نہیں بلکہ محض نادرًا اس سے ایسے کلام کا صدور ہوا،اور وہ کلام بھی حد درجے کا قابل اعتراض نہیں اور یہ بھی ظاہر نہیں ہوا کہ ناقل نے اس کلام کو مستحسن وپسندیدہ سمجھا ہے تو اس کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور ایسے کلام کے اعادہ سے منع کیا جائے گا اگر اس کو کچھ سزا دی جائے تو وہ اس کا مستحق ہے۔اور اگر اس کے الفاظ زیادہ قابلِ اعتراض ہیں تو ناقل کو سزا بھی زیادہ سخت دی جائے۔ اھ ملخصًا(ت)

اقول: اور کیونکر حرام نہ کہیں گے حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ حدیث موضوع کی روایت بے ذکر رد و انکار ناجائز ہے۔وھذا ما اُخِذَ به علی الحافظین المعاصرین ابی نعیم وابن مندۃ(اور اسی وجہ سے دو ہمعصر حافظوں ابونعیم اور ابن مندہ کا مواخذہ کیا گیا۔ت)اور یہاں مجرد بیانِ سند سے براءت عہد نہیں۔صَرَّح به الشمس الذھبی وغیرہ من آئمة الشان (امام شمس الذہبی اور دیگر عظیم الشان آئمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)توجب وہاں یہ حکم ہے باآں کہ صدہا

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل الوجه السادس المطبعة الشرکة الصحافیه ۲/ ۲۳۵۔۲۳۶،نسیم الریاض فی شرح شفا القاضی عیاض فصل الوجه السادس مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۴/ ۴۲۲تا۴۲۴

احادیثِ موضوعہ کے مضمون حق و نافع ہوتے ہیں، تو اُن اختلافاتِ ملعونہ کی مجرد حکایت کیونکر حلال ہوگی جو صریح مخالفِ اسلام ومہلک ہائل ومضر عظیم وسم قاتل ہیں۔ نسأل اللّٰہ العافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ت)

بلکہ بہت آئمہ ناصحین رحمۃُاللہ تعالٰی علیہم اجمعین تو بروجہِ رد وابطال بھی، ایسی بلکہ ان سے بدرجہا کم خرافات کی اشاعت پسند نہیں کرتے۔ اور ایک یہ وجہ بھی ہے جس کے سبب کلامِ متاخرین پر ہزاروں ہزار طعن وانکار فرماتے ہیں، فصّل بعضہ الفاضل علیُّ القاری فی شرح الفقہ الاکبر (جیسا کہ اس میں سے بعض کی تفصیل امام فاضل ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں کی ہے۔ت)

حتّٰی کہ سیدنا امام ہمام عماد السنہ احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سیدنا عارف باللہ امام الصوفیہ حارث محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس وجہ پر ملاقات ترک کردی اور فرمایا۔

ویحك الستَ تحکی بدعتھم اوّلًا ثمّ تَرُدُّ علیھم، الستَ تحمل الناس بتصنفك علٰی مطالعۃ البدعۃ، والتفکر فی الشبھۃ، فیدعوھم ذٰلك الی الرّأیِ و البحثِ والفتنۃ[1]	تجھ پر افسوس، کیا تُو پہلے اُن کی بدعات کو نقل نہیں کرتا پھر اُن کا رَد کرتا ہے کیا تو اپنی تصنیف کے ذریعے لوگوں کو بدعت کے مطالعہ اور شبہات میں غور کرنے پر برانگیختہ نہیں کرتا ہے؟ چنانچہ یہ بات ان کو رائے، بحث اور فتنہ کی طرف دعوت دیتی ہے۔ (ت)

اگرچہ ہے یوں کہ رد اہل بدعت، وقت حاجت اہم فرائض سے ہے۔ اور خود امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے رَدِّ جہمیہ میں کتاب تصنیف فرمائی۔ وفی حدیثٍ عند الخطیب وغیرہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال: خطیب وغیرہ کے نزدیک ایک حدیث میں رسول اللہ نے فرمایا:

اذا ظھرت عــہ الفتن اوقال البدع وسُبَّ اصحابی فلیظھر العالم	جب فتنے ظاہر ہوں یا فرمایا جب بدعتیں ظاہر ہو اور میرے اصحاب کو سبب وشتم کیا جائے تو

عــہ: اقول فانظر الٰی قولہ "ظَھرت" یظھرلك الماخذان، واللّٰہ تعالٰی اعلم، ۱۲منہ (قدس سرہ۔)

1

علمه، فمن لم یفعل ذٰلك فعلیه لعنة الله والملٰئکة والناس اجمعین، لایقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً [1]	اہلِ علم کو اپنا علم ظاہر کرنا چاہیے، جس نے ایسانہ کیا اس پر اللہ تعالٰی، تمام فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو، اللہ تعالٰی اس کے فرض و نفل کو قبول نہیں کرے گا۔(ت)

بالجملہ اس میں شک نہیں کہ زید کی دونوں عبارتیں صریح کلمہ کفر ـــــ اور انہیں یوں داخل کتب کرنے میں کوئی عذر قابل قبول نہیں، والله المستعان (اور اللہ تعالٰی ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ت)۔

قول دوم وسوم وچہارم

کا بھی بعینہٖ یہی حال کہ اُن میں ہیولٰی و صورتِ جسمیہ و صورت نوعیہ و عقول عشرہ و بعض نفوس کو قدیم زمانی مانا۔ اور یہ سب کفر ہیں۔

آئمہ دین فرماتے ہیں: جو کسی غیر خدا کو ازلی کہے باجماع مسلمین کافر ہے۔ شفا و نسیم میں فرمایا:

من اعتراف بالٰهیة الله تعالٰی ووحدانیته لٰکنّه اعتقد قدیماً غیره، (ای غیر (عہ) ذاته وصفاته. اشارة الی ماذهب الیه الفلاسفة من قدم العالم و العقول) اوصانعًا للعالَم سواه (کالفلاسفة الذین یقولون انّ الواحد لایصدر عنه الّا واحد) فذلك کلّه کفر (و معتقده کافر باجماع المسلمین	جس نے اللہ تعالٰی کی الوہیت و حدانیت کا اقرار کیا لیکن اللہ تعالٰی کے غیر کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھا۔ (یعنی اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کے علاوہ، یہ فلاسفہ کے مذہب یعنی عالم و عقول کے قدیم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ یا اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو صانع عالم ماننا (جیسے فلاسفہ جو کہ کہتے ہیں واحد سے نہیں صادر ہوتا مگر واحد) تو یہ سب کفر ہے (اور اس کے معتقد کے کافر

عــــہ: اقول: توضیح لاتوجیه ـــ فان صفاته سبحٰنه وتعالٰی لیست عندنا غیره کماهی لیست عینه ۱۲منه۔	میں کہتا ہوں: یہ توجیہ نہیں بلکہ توضیح ہے کیونکہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کی صفات ہمارے نزدیک اس کا غیر نہیں ہے جیسا کہ اس کا عین بھی نہیں ۱۲منہ۔

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۱۷۱۲ دار الکتب العلمیة بیروت ۳۲۱/۱، کنز العمال بحوالہ ابن عساکر حدیث ۲۹۰۳ ۷۸/۱۰ او حدیث ۲۹۱۴۰ ۲۱۶/۱۰، رسالہ در رد روافض امام ربانی، نولکشور لکھنؤ ص ۱

کالالٰھیین من الفلاسفة والطبائعین [1] اھملخصًا۔	ہونے پر مسلمانوں کا اجماع ہے جیسے فلاسفر کا فرقہ الٰہیہ اور فرقہ طبائعیہ) اھ تلخیص (ت)

اور فرمایا:

نقطع بکفرمن قال بقدم العالَم او بقاء اوشك فی ذٰلك علٰی مذھبٍ بعض الفلاسِفة(ومنھم من ذھب عـــہ	ہم اس شخص کے کفر کا قطعی حکم لگاتے ہیں جو عالم کے قدیم و باقی ہونے کا قائل ہے یا اسے اس میں شک ہے بعض فلاسفہ کے مذہب پر (اور ان

عـــہ: **اقول:** اوتکون البعضیة راجعةً الی الشك فھی اشارة الی ماحکی عن جالینوس انه قال فی مرضه الذی توفی فیه لبعض تلامذته اکتب عنّی انی ماعلمتُ ان العالم قدیم اومُحدَث، وان النفس الناطقة ھی المزاج اوغیرہ ــــ قد طعن فیه اقرانه بذلك حین ارادمن سلطان زمانه تلقیبه بالفیلسوف، ذکرہ فی شرح المواقف [2] ۔ **اقول:** ان کان الطعن للتردّدا الاخیر، فھو بذاك حری وجدید ــــ والا فمن العجب ان معتقد القدم یسمّٰی فلسفیا، دون الشاك مع انّ جھل ذٰلك مرکّب وجھل جالینوس بسیط ــــ

میں کہتا ہوں: یا بعضیت شک کی طرف راجع ہوگی، یہ اشارہ اس حکایت کی طرف ہی جو جالینوس کے بارے میں منقول ہے کہ اس نے اپنے مرض الموت میں اپنے کسی شاگرد کو کہا میری طرف سے یہ لکھ لو کہ میں نہیں جانتا عالم قدیم ہے، یا حادث اور یہ کہ نفسِ ناطقہ ہی مزاج ہے یا اس کا غیر ــــ یہی وجہ ہے کہ جب بادشاہِ وقت نے جالینوس کو فیلسوف کا لقب دینے کاارادہ کیا تو اس کے معاصرین نے اس پر طعن کیا۔ یہ شرح مواقف میں مذکور ہے۔ **میں کہتا ہوں:** اگر یہ طعن آخری تردید کی وجہ سے ہے تو وہ اس کے لائق ومناسب ہے۔ ورنہ تعجب خیز بات ہے کہ عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد رکھنے والا تو فلسفی کہلائے اور شک کرنے والا نہ کہلائے باوجود یہ کہ قدم کے معتقد کا (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ المطبعة الشرکة الصحافیه ۲ /۲۶۸، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ۴ /۵۰۱

[2] شرح المواقف القسم الخامس المرصد الثانی منشورات الشریف الرضی ۷ /۲۲۲

لغیرہ۔وقد کفّرھم اھل الشرع بھٰذا۔لمافیہ من تکذیب اللہ ورسلہ وکتبہ)الٰی ان قال فلا شك فی کفر ھٰؤلاءِ قطعًا اجماعًا وسَمعًا [1] اھ ملتقطًا۔	میں سے بعض اس کے غیر کی طرف گئے ہیں، اہلِ شرع نے اس قول کی وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالٰی، اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کو جھٹلانا لازم آتا ہے۔) یہاں تک کہ فرمایا ان کے کفر میں قطعی، اجماعی اور سمعی طور پر کوئی شک نہیں اھ التقاط (ت)۔

علامہ ابن حجر مکی ہیثمی اعلام میں فرماتے ہیں:

اعتقاد قِدَمِ العالَمِ او بعضَ اجزائِہ کُفر، کما صرحوا بہ [2]۔	عالم یا اس کے بعض اجزاء کے قدیم ہونے کا اعتقاد کفر ہے جیسا کہ مشائخ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)۔

اسی میں ہے:

من المکفرات القول الذی ھو کفر، سواء اصدر عن اعتقاد او عناد او استھزاء فمن	کلمہ کفر کے ساتھ تکلم کافر بنادینے والی چیزوں میں سے ہے، چاہے اس کو اعتقاد کے طور پر صادر کرے یا ضد و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فان کان مثل عــــہ الجھل لاینافی حکمۃ الحکیم فالبسیط اولٰی بہ ـــــ الا ان یقال ان الفسلفی ھو المتناھی فی الخباثۃ وذٰلك فی المرکب ۱۲ منہ۔	جہل مرکب ہے اور جالینوس کا جہل بسیط ہے۔۔جب جہل مرکب حکیم کی حکمت کے منافی نہیں تو بسیط بدرجہ اولٰی اس کے منافی نہ ہوگا مگر یہ کہ یوں کہا جائے کہ فلسفی وہ ہے جو خباثت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہو اور ایسا جہل مرکب ہوتا ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

عــــہ: کذا فی المخطوطۃ، ویخاجل صدری ان العبارۃ "مثل ذا الجھل" او "امثل الجھل" ویصح "مثل الجھل" ایضًا بجعل اللام للعھد لکن السیاق یستدعی مقابلۃ البسیط ۱۲ محمد احمد المصباحی۔)

---

[1] نسیم الریاض فی شفاء القاضی عیاض فصل فی بیان ما ھو من المقالات کفر مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ۴/ ۵۰۱۔۵۰۹، الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القاضی عیاض فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۲۶۸ و ۲۷۱

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاول مکتبۃ الحقیقۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۷۵

ذلك اعتقادِ قدم العالم [1] اھ ملفقًا۔	استہزاء کے طور پر عالم کے قدیم ہونے کا اعتقاد بھی ان ہی میں سے ہے اھ ملفقا (ت)

طوالعُ الانوارِ من مّطالعِ الانظار میں ہے:

القول بالذوات القديمة کُفر [2]۔	ذواتِ قدیمہ کا قائل ہونا کفر ہے۔(ت)

شرح مواقف میں ہے:

اِثبات المتعدّد من الذوات القديمة هو الكفر اجماعًا [3]	متعدد ذوات قدیمہ کو ثابت کرنا بالاجماع کفر ہے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

مَن يؤوّل النصوص الواردة فی حشرِ الاجساد وحدوثِ العالم وعلم الباری بالجزئيات فانّه يكفر [4]	جو شخص حشر اجساد، حدوث عالم اور اللہ تعالٰی کے علم جزئیات کے بارے میں وارد ہونے والی نصوص میں تاویل کرے وہ کافر ہوجاتا ہے۔

بحر الرائق میں جمع الجوامع اور اس کی شرح سے منقول:

من خرج بيدعته من اهل القبلة كمنكری، حدوث العالم، فلا نزع فی كفر هم لانكار هم بعض ما علم مجيئ الرسول صلى الله تعالى عليه وسلم به ضرورة [5] اھ مختصرا۔	جو کوئی بدعقیدگی کی وجہ سے اہل قبلہ سے خارج ہوجائیں ان کے کفر میں کوئی نزاع نہیں کیونکہ وہ بعض ایسی چیزوں کے منکر ہیں جن کو لے کر رسول اللہ کا تشریف لانا بالبداہت معلوم ہے اھ مختصراً (ت)

ردالمحتار میں شرح تحریر علامہ ابن الہمام سے منقول:

لاخِلاف فی كفر المخالف فی ضروريات الاسلام من حدوثِ العالم وحشر الاجساد	ضروریات اسلام کے مخالف کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں جیسے حدوث عالم، حشر اجساد اور (باری تعالٰی کے)

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاول مکتبۃ الحقیقۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۵۰

[2] طوالع الانوار من مطالع الانظار

[3] شرح المواقف المرصد الثالث فی الوجوب الخ المقصد الخامس منشورات الشریف الرضی ۱۹۸/۳

[4] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الایمان ہو التصدیق والاقرار مصطفی البابی مصر ص ۸۶

[5] البحر الرائق کتاب الصّلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵۰/۱

ونفی عـــہ۱ العلم بالجزئیات، وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات [1]۔	علم جزئیات کا منکر ہونا اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور تمام عمر عبادات کی پابندی کرنے والا ہو۔ (ت)

مخالفۃ الضروریات وکان الیہ سبیلان:

اور اسی طرح امام ابوزکریا یحیٰی نووی نے روضہ اور فاضل سید احمد طحطاوی [2] نے حاشیہ درمختار میں نقل کیا ہے۔ غرض تصریحیں اس کی کتب ائمہ میں بکثرت ہیں۔ ولا مطمح فی الاستقصاء (اور احاطہ مقصود نہیں۔ت) ___ حتی کہ اہل بدعت بھی اس میں مخالف نہیں۔ کما یرشدک الیہ قولہ "باجماع المسلمین" (جیسا کہ اس کا قول "اجماع مسلمین" اس کی طرف تیری رہنمائی کرتا ہے۔ (ت)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ محصّل میں فرماتے ہیں:

اتّفق المتکلمون عـــہ۲ علٰی انّ القدیم یستحیل	متکلمین کا اس پر اتفاق ہے کہ قدیم کو فاعل کی

عـــہ۱: اقول: ھکذا وقع فی الکتاب، والصواب اسقاط النفی۔ فانہ ھو الکفر اجماعًا، والضروریُّ ھو الاثبات ___ وکانّہ رحمہ اللہ تعالٰی لما ارادتمثیل مخالفۃ الضروریات وکان الیہ سبیلان: احداھما بتعدید المخالفات، و الاخرٰی بذکر الضروریات فالتبست فی البیان احداھما بالاخرٰی ___ فسلک الاخرٰی فی الاولین، والاولٰی فی الاخر ___ والامر واضح فلیتنبّہ ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں کتاب میں یونہی واقع ہوا جب کہ صحیح یہ ہے کہ لفظ "نفی" کو ساقط کیا جائے کیونکہ علم جزئیات کی نفی ہی بالاجماع کفر ہے، اور ضروری اس علم کا اثبات ہے گویا کہ مصنف علیہ الرحمہ نے جب ضرویات اسلام کی مثال ذکر کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے دو طریقے تھے: پہلا یہ کہ مخالفات کو گنواتے، اور دسرا یہ کہ ضروریات کا ذکر کرتے، تو بیان میں دوونوں کا دوسرا یہ کہ ضروریات کو ذکر کرتے تو بیان میں دونوں ایک دوسرے سے غلط ملط ہوگئے چنانچہ مصنف علیہ الرحم نے پہلی بار دونوں مثالوں میں دوسرے طریقے کو جب کہ تیسری مثال میں پہلے طریقے کو اختیار کیا۔ معاملہ واضح ہے، آگاہ ہونا چاہئے ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: ھولفظ یعم جمیع النظار من اھل القبلۃ، المقتدرین علٰی اثبات عقائدھم

یہ لفظ اہل قبلہ میں سے تمام اہلِ نظر کو شامل ہے جو اپنے عقائد کو جس کے ذریعے انہیں اللہ تعالٰی کا (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ باب الامۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۳۷۷

[2] حاشیہ الطحطاوی باب الامامۃ المکتبتہ العربیۃ کوئٹہ ۱/۲۴۳

ستنادہ الی الفاعل عـــہ[1]۔	طرف منسوب کرنا محال ہے۔(ت)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

التی انوابھا اللہ تعالٰی بایراد الحُجج وادِحاض الشُّبة ـــــسواء کانوامصیئین کمعشر اھل السنة والجماعة حفظھم اللہ تعالٰی اوخاطئین کمن عداھم۔کما صریح بہ فی المواقف وغیرھا فالحاصل "اتفق المسلمون"۱۲منه۔

عـــہ۱:**اقول:**یعنی الفاعل المختار،اذلافاعل موجبًا ـــــعند نا ـــــ وھذا ھو الذی قالوا:انه اجمع علیه المتکلمون ـــــاما ان القدیم لا یکن اسنادہ الی الفاعل مطلقا حتی الموجب لوکان،فمسلک،خاص للامام الرازی لم یوافقه علیه کثیرون ـــــ حتی قالوا:ان القول بقدم العالم انما ساغ للفلا سفة لقولھم بالفاعل الموجب ولو لا ذٰلك وامنوا بالفاعل المختار ـــــ لَاَذعنوا بحدوث العالم عن اخرہ ـــــ و کذا ایجاب المسلمین حدوث کل مخلوق لقولھم بالفاعل المختار ـــــ ولو لا ذٰلك لقالوا بالقدم قلت المقصود نفی الا جماع علی التعمیم ـــــ ھو حاصل ـــــ وان کان فی الکلام کلام۔واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم ۱۲منه۔

قرب حاصل ہوتا ہے ایراد ودلائل وازلہ شبہات کے ساتھ ثابت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔چاہے وہ صحیح ہوں جیسے اہلسنت کا گروہ۔اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے،یا وہ غلط ہوں جیسے اہلسنت وجماعت کے علاوہ دیگر گروہ۔جیسا کہ مواقف وغیرہ میں صراحت کردی گئی ہے۔حاصل اس کا یہ ہے کہ "تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے"۱۲منہ(ت)

اقول: فاعل سے مراد فاعل مختار ہے کیونکہ فاعل موجب یعنی غیر مختار نہیں ہوتا۔اسی موقف کے بارے میں مشائخ نے کہا ہے کہ اس پر متکلمین کا اجماع ہے۔رہی یہ بات کہ قدیم کی نسبت مطلقًا فاعل کی طرف نہیں ہوسکتی چاہے فاعل موجب ہو۔اگر وہ موجود ہو تو یہ خاص امام رازی کا مسلک ہے اس میں اکثریت نے ان کی موافقت نہیں کی،یہاں تک کہ مشائخ نے کہا فلاسفہ کا قدم عالم کا قول اسی صورت میں بزعم خویش درست ہوسکتا ہے کہ وہ فاعل موجب کے قائل ہیں،اگر وہ فاعل مختار کا یقین کرلیں تو تمام عالم کے حدوث کا یقین کرلیں اور اسی طرح مسلمانوں کا ہر مخلوق کو حادث قرار دینا اس لیے ہے کہ وہ فاعل مختار کے قائل ہیں۔اگر وہ اس کے قائل نہ ہوں تو قدم عالم کا قول کرلیں۔قلت:مقصد تو تعمیم پر اجماع کی نفی ہے ـــــ اور وہ حاصل ہے ـــــ اگرچہ کلام میں کلام ہے۔اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے ۱۲منہ(ت)

1

بلکہ حدوثِ تمام اجسام و صفاتِ اجسام پر تمام اہل ملل کا اتفاق ہے۔ یہود و نصارٰی تک اس میں خلاف نہیں رکھتے۔ فی شرح المواقف:

الاجسام محدثة بذواتها الجوهرية، و صفاتها العرضية وهو الحق، وبه قال المليون كلهم من المسلمين و اليهود والنصارٰی والمجوس[1]۔	اجسام اپنی ذواتِ جوہریہ اور صفات عرضیہ کے ساتھ حادث ہیں، اور یہی حق ہے۔ اور یہی کہا تمام ملتوں نے مسلمانوں، یہودیوں نصارٰی اور مجوسیوں میں سے۔ (ت)

اور بیشک زید کا ان مضامین کفریہ کو مقام رَدّ و استدلال میں لانا، اور اُن پر اختیار مذاہب و تحقیق مشارب کی بنا رکھنا، صراحۃً اُن کی رضا و قبول پر دال۔ اور بالفرض نہ ہو تو بلا اکراہ ایراد میں کیا مقال!

وتذکر کل ما قدّمنا من الکلام علی القول الاوّل، تجد ھُنالك ما فیه الغِناءُ وعلیه المعوّل۔	قولِ اوّل پر جو گفتگو ہم نے مقدم کی اس کو یاد کرلے، اس میں تو غناء پائے گا اور اُسی پر بھروسہ ہے۔ (ت)

معدنِ ضلالات قولِ پنجم

یہ قول متعدد ضلالتوں، متکثر جہالتوں کی طُرفہ معجون، بلکہ معجونِ فلاسفہ قرۃُ العیون ہے ــــــ زید مسکین نے تَشَدُّد بقری[عہ] کو علقِ نفیس جان کر آمنا بہ تو کہہ دیا مگر نہ دیکھا کہ اس پر کیا کیا شناعاتِ عظیمہ ہائلہ وارد۔

فاقول: وبحول اللہ تعالٰی اُصول (چنانچہ میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے حملہ آور ہوتا ہوں۔ ت)

اوّلاً: تمام انواع کا قِدم لازم کہ جب طبائع مرسلہ میں مجرد امکانِ ذاتی مِلاک فیضان۔ اور امکانِ ذاتی یعنی دائرہ قدرت میں داخل ہونا، قطعًا ازلی۔ والالزم الانقلاب (ورنہ انقلاب لازم آئے گا۔ ت) ــــ اور جناب مبدی تبارک و تعالٰی میں قطعًا بخل نہیں۔ تو واجب ہوا کہ ہر نوع قدیم ہو۔

عــــہ: مؤلف المنطق الجدید تمسك ھنا بما تفوہ به الباقر وھذا اللفظ یشیر الیه ۱۲ محمد احمد۔

[1] شرح المواقف المرصد الثانی فی عوارض الاجسام منشورات الشریف الرضی قم ایران ۷ /۲۲۰

اور یہ امر اصولِ باطلہ فلسفہ پر قدم ہیولٰی وقدم صورتِ جسمیہ، وقدم صورتِ نوعیہ، وقدم جمیع اشخاص منحصرہ فیہا الانواع، وقدم بعض افراد عـــہ۱ انواعِ باقیہ، وقدم انواع واشخاص اعراض لازمہ علی التفصیل المشار الیہ (اس تفصیل کی بنیاد پر جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ت) کو مستلزم، کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) پورا پورا مذہب نامہذب فلسفہ مزخرفہ کا ثابت ہوگیا۔

فلسفی متبوع عـــہ۲ کا مطلب بمادۃ ومدۃ سے نکلتا تھا، مُتفلسف تابع نے مستلزمہ للفعلیہ صاف لکھ دیا، ہیہات! اس متبوع سے کیا جائے شکایت کہ وہ حضرات تو قدیمًا وحدیثًا سفہائے سفسطہ کے فضلہ خوار رہے ہیں۔ ومن لم یستغنِ بالقرآن فلا اغناہ اللہ (جو قرآن کے ذریعے استغناء حاصل نہ کرے اللہ تعالٰی اس کو غنی نہیں کرتا ت) مگر اس تابع مدعی تسنّن کا تلون و تفنن قابلِ تماشا_____ نسال اللہ الثبات علی الایمان والسنۃ (ہم اللہ تعالٰی سے ایمان وسنت پر ثابت قدمی طالب کرتے ہیں۔ت)

ثانیًا: اور اشدّ واعظم قباحت لازم کہ اس تقدیر پر قدرت الٰہیہ صرف انواعِ موجودہ میں منحصر ہوجاتی ہے۔ اور جو نوع نہ بنی اس کے یہ معنی کہ حق جل واعلا کو اس پر قدرت ہی نہ تھی کہ اگر مقدور ہوتی تو ممکن ہوتی۔ اور طبیعت مطلقہ میں نفس امکان مستلزم فیضان، تو انتفائے لازم انتفائے ملزوم پر دلیل جازم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ شناعت خبیثہ تو ایسی ہے کہ جس طرح اسلامیوں کے نزدیک کفر، یونہی شاید فلسفیوں کو بھی مقبول نہ ہو کہ وہ بھی تقاسیم کلی میں کلی معدوم الافراد کو قسیم ممتنع الافراد کی قسم بتاتے ہیں۔ کما صُرِّح بہ فی اسفارھم (جیسا کہ ان کی معتمد کتابوں میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔ت)

یاللعجب! اگر باقر غافل تھا "متبقر"، تو عاقل تھا۔ ولٰکن صدق ربُّنا تبارك و تعالٰی (لیکن ہمارے رب تعالٰی نے صدق فرمایا ت)

"فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾"[1]	آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(ت)

عـــہ۱: ای بمعنی فرد منتشر ۱۲ منہ۔ عـــہ۲: باقر داماد شیعی ۱۲م۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

ثالثًا: تابع و متبوع کا یہ قول کہ "جانب مبدء میں بخل نہ ہونا مستلزم فیضان ہے" اصولِ سنت سے محض مباین اہل سنت کا ایمان ہے کہ مبدئ تبارک و تعالٰی جواد، کریم، اکرمُ الاکرمین ہے۔ **جَلَّ جَلَالُہ وتقدّس فعَالُہ**۔ مگر بایں ہمہ کوئی شے اس پر واجب نہیں مانتے۔ عالم جب تک نہ بنایا تھا وہ جب جواد تھا۔ اور اگر کبھی نہ بناتا تاہم جواد ہوتا۔ نہ اس نہ بنانے سے کوئی عیب اُسے لگتا نہ کوئی نقصان اس کے کمالِ اکمل میں آتا۔ کسی شے کا ایجاد و اعدام کچھ اس پر ضرور نہیں۔ **قال تعالٰی:** "**فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ**"[1] (تمہارا رب جو چاہے کرے۔ت) وقال تعالٰی: "**یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ**"[2] "**یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ**"[3] (اور اللہ جو چاہے کرے اور وہ حکم فرماتا ہے جو چاہے۔ت) **وقال تعالٰی** "**لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ ھُمْ یُسْـَٔلُوْنَ**"[4] (اس سے نہیں پوچھا جاتا جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ت) **وھٰذا واضح جلیّ عند کل من نور اللہ بصیرتہ** (اور یہ واضح اور خوب روشن ہے ہر اس شخص پر جس کی بصیرت کو اللہ تعالٰی نے منور فرمایا۔ت) ____ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: "**وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ**"[5] (جسے اللہ تعالٰی نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ت) تو یہ استلزام بھی اسی فلسفہ ملعونہ پر مبنی کہ قادر مختار تعالٰی شانہ کو فاعل موجب اور ایجاد عالم کو اس کے کمال کا سبب جانتے ہیں۔ **تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوًّا کبیرا** (اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے جو ظالم کہتے ہیں۔ت) **رابعًا:** متفلسف تابع نے شطرنج میں یغلہ اور طنبور میں ایک نغمہ اور زائد کیا کہ "اگر غیر احق صادر اور احق غیر صادر ہو تو ترجیح مرجوح لازم آئے گی"۔

سُبحٰن اللہ! نہ وہاں کوئی احق، نہ قادر حمید، "**فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ**" پر تمہاری عقولِ سخیفہ حاکم نہ ہمارے نزدیک اس کے ارادہ کے سوا کوئی مرجح، اور ہو بھی تو اس پر کچھ اعتراض نہیں۔ **قال تعالٰی:** "**اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ**"[6] (حکم نہیں مگر اللہ کا۔ت) **وقال تعالٰی،** "**وَ اللّٰہُ یَحْکُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُکْمِہٖ**"[7] (اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کا حکم پیچھے ڈالنے والا کوئی نہیں۔(ت)

---

[1] القرآن الحکیم ۱۱/ ۱۰۷ و ۸۵/ ۱۶

[2] القرآن الحکیم ۱۴/ ۲۷

[3] القرآن الحکیم ۵/ ۱

[4] القرآن الحکیم ۲۱/ ۲۳

[5] القرآن الحکیم ۲۴/ ۴۰

[6] القرآن الحکیم ۱۲/ ۴۰

[7] القرآن الحکیم ۱۳/ ۴۱

وقال تعالیٰ:

"وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾ "[1]	اور تمہارا رب پیدا کرتا ہے جو چاہے اور پسند فرماتا ہی ان کا کچھ اختیار نہیں، پاکی اور برتری ہے اللہ کو ان کے شرک سے۔(ت)

واضح تر کہوں ـــــ حاصل مذہب اہل سنت یہ ہے کہ تمام مقدورات اس جنابِ رفیع کے حضور یکساں ہیں۔ کوئی اپنی ذات سے کچھ استحقاق نہیں رکھتا کہ ایک کو راجح دوسرے کو مرجوع کہیں۔ علامہ سنّوسی شرح جزائریہ میں فرماتے ہیں:

ان الذی اوقع المعتزلة فی الضلالات، کایجاب الثواب وفعل الصلاح ولاصلح علی اللہ اعتمادُ ھم فی عقائد ھم علی التحسین والتقبیح العقلیین، وقیاسھم افعالَ اللہ تعالیٰ واحکامه علی افعال المخلوقین و احکامھم، من غیران یکون فی ذلك جامع یقتضی التسویة فی الاحکام، والذی اجمع علیه اھلُ الحق انّ الافعال کلھا مستویة بالنّسبة الی تعلق قُدرة اللہ تعالیٰ وارادته ^{عــــه} بھا[2]۔	جس چیز نے معتزلہ کو اللہ تعالیٰ پر ثواب اور فعل صلاح واصلح کے واجب قرار دینے جیسی گمراہیوں میں ڈالا وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے عقائد میں حسن وقبح کے عقلی ہونے پر اعتماد کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے افعال واحکام کو مخلوق کے افعال واحکام پر قیاس کیا حالانکہ کوئی ایسا امر جامع موجود نہیں جو احکام میں برابری کا مقتضی ہو، اور جس پر اہل حق کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کی قدرت وارادہ کے ساتھ متعلق ہونے میں تمام افعال برابر ہیں۔(ت)

عــــه: ای فیقدر علی کل شیئ ویفعل مایرید لاترجیح قبل ارادته وانما الترجیح بارادته فھی موجبة	یعنی وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور جو چاہتا ہے اس کے ارادہ سے پہلے کوئی ترجیح نہیں، ترجیح تو فقط اس کے ارادہ کی وجہ سے ہوتی ہے، (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۶۸

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الثانی فی الامور المھمة فی الشریعة مکتبہ نوریہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۰

وہاں صرف ترجیح اُس قدیر مجید عزمجدہ کے ارادہ سے ہے۔ جس چیز کے ایجاد سے اس کا ارادہ متعلق ہوگیا اُسی نے ترجیح پالی۔ شرح طوالع میں ہے:

تخصیص بعض المقدورات بالتحصیل، وبعضها بالتقدیم والتاخیر لا بُدّ له من مخصِّص، لان نسبة جمیع المقدورات الٰی ذاته متساویة ولیس ھو نفس العلم، فانه تابع للمعلوم، ولا القدرة فانّ نسبتها الی الجمیع علی وتیرةٍ واحدة فلا بُدّ من صفةٍ اُخرٰی من شانها التخصیص، وھی الارادة[1] اھ ملخصًا۔	بعض مقدورات کے تحصیل اور بعض کے تقدیم و تاخیر کے ساتھ خاص کرنے کے لیے کسی مخصص کا ہونا ضروری ہے کیونکہ تمام مقدورات کی نسبت اللہ تعالٰی کی ذات کی طرف مساوی ہے، اور وہ مخصص نفس علم نہیں کیونکہ وہ تو معلوم کے تابع ہوتا ہے اور نہ ہی وہ قدرت ہے کیونکہ اس کی نسبت سب کی طرف ایک جیسی ہے لہٰذا کسی اور صفت کا ہونا ضروری ہے جس کی شان تخصیص ہے اور وہ ارادہ ہے اھ تلخیص (ت)

اور بفرض باطل اگر یہاں کوئی مرجح ہو بھی تو اس کا اتباع مولٰی مقتدر جل جلالہ پر ضرور نہیں۔ اسے اختیار ہے چاہے راجح کو کبھی نہ کرے اور مرجوع کو خلعتِ وجود عطا فرمائے۔ زِنہار اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ شرح مواقف میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) الرجحان لاھو محرك الارادة ــــ ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام۔ وقد راینا تصدیق ذلک فی قعبی العطشان و طریقی السالک، فارادة الله سبحٰنه اولٰی بذالك ۱۲ منه۔	چنانچہ ارادہ موجبِ رجحان ہے نہ کہ رجحان محرک ارادہ، اس مقام کو یوں ہی سمجھنا چاہیے اور تحقیق ہم نے اس کی تصدیق پیاسے کے دو پیالوں اور چلنے والے کے دو راستوں مین دیکھی ہے۔ پس اللہ سبحانہ و تعالٰی کا ارادہ اس کے لیے اولٰی ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] شرح طوالع الانوار من مطالع الانظار

اعلم انّ الامة قد اجمعت اجماعًا مرکبا علٰی ان الله تعالٰی لایفعل القبیح ولا یترك الواجب، فالاشاعرة من جهة انه لاقبیح منه ولا واجب علیه، واما المعتزلة فمن جهة انه ما هو قبیح یترکه وما یجب علیه یفعله۔ ونحن قد بینا فیما تقدم انه تعالٰی الحاکم فیحکم بما یرید ویفعل مایشاء، لاوجوب علیه کما لاوجوب عنه ولا استقباح منه[1] اھ ملتقطا۔	تُو جان لے کہ اُمت کا اس پر اجماع مرکب ہوچکا ہے کہ بے شک اللہ تعالٰی فعل قبیح نہیں کرتا اور نہ واجب کو ترک فرماتا ہے۔ اشاعرہ تو اس جہت سے کہتے ہیں کہ جو کچھ اس کی طرف سے ہو وہ قبیح نہیں اور اس پر کچھ واجب نہیں، اور معتزلہ اس جہت سے کہ جو قبیح ہے وہ اس کو ترک کرتا ہے اور جو واجب ہے وہ اس کو کرتا ہے۔ اور بے شک ہم ماقبل میں واضح کرچکے ہیں کہ اللہ تعالٰی حاکم سے جو چاہتا ہے حکم فرماتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کچھ واجب نہیں جیسا کہ اس سے کچھ واجب نہیں اور نہ ہی اس کیطرف سے کچھ قبیح ہے اھ التقاط (ت)

مولٰی ناصح محمد آفندی برکلی طریقہ محمدیہ وسیدی عارف باللہ عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں:

لایلزم علیه تعالٰی شیئ من فعل صلاحٍ او اصلح، او فساد اور افسد بل ھو الفاعل العدل المختار، ویخلق الله مایشاء ویختار[2] اھ مختصرًا۔	اللہ تعالٰی پر فعل صلاح یا اصلح یا فساد یا افسد میں سے کچھ بھی لازم نہیں بلکہ وہ فاعل عادل، مختار ہے اور جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور پسند فرماتا ہے اھ اختصار (ت)

شرح عقائد نسفی میں ہے:

لیت شعری مامعنٰی وجوب الشیئ علی الله تعالٰی، اذ لیس معناہ استحقاق تارکه الذم والعقاب، وھو ظاھر، ولا لزوم صدورہ عنه تعالٰی بحیث لایتمکن من الترك بناءً علٰی استلزامه	کاش میرا علم حاضر ہو، اللہ تعالٰی پر کسی شیئ کے واجب ہونے کا کیا معنی ہے اس لیے کہ یہاں یہ معنی تو ہو نہیں سکتا کہ اس کا تارک ذم وعقاب کا مستحق ہے اور وہ ظاہر ہے اور نہ ہی یہ معنی ہوسکتا ہے کہ اس واجب کا صدور اللہ تعالٰی

[1] شرح المواقف المرصد السادس المقصد السادس منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۱۹۵۔۱۹۶

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۴۹

مُحالًا من سفه اوجهلٍ اوعبث اوبخل او نحرِ ذٰلك لانّه رفض لقاعدة الاختيار،ومَيل الى الفلسفة الظاهرة العوار[1]۔	سے لازم ہے بایں طور کہ اس کے ترک پر قادر نہیں اس بنیاد پر یہ محال کو مستلزم ہے یعنی سفہ، جہل، عبث، بخل یا اس کی مثل کوئی اور قباحت لازم آئے گی۔ یہ معنی اس لیے نہیں ہوسکتا کہ اس سے مختار ہونے کے قاعدے کا ٹوٹ جانا اور اس سے فلسفہ کی طرف میلان لازم آتا ہے جس کا عیب ظاہر ہے۔(ت)

دیکھو اس عبارت میں اُس فلسفی کے الزامِ بخل کا بھی رد ہے۔وللّٰہ الحجۃ السامیۃ (اور اللہ تعالٰی ہی کی حجت بلند ہے(ت)
اور یہ سب مطالب کہ علماء نے افادہ فرمائے فردًا فردًا ان آیات کریمہ کہ فقیر نے تلاوت کیں، ثابت اور اگر کچھ نہ ہوتا سو آیہ کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۰﴾"[2] (بے شک اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ت) کے تو بس تھی کہ مرجوع بھی ایک شے ہی اور ہر شے مقدور۔ اور معنی قدرت نہیں مگر صحت فعل و ترک، یعنی کرے یا نہ کرے دونوں یکساں، اور کسی تقدیر پر کچھ حرج و نقصان نہیں۔ طوائع میں ہے:

القادر هو الذی یصح منه ان یفعل المقدور وان لا یفعل[3] اھ۔	قادر وہ ہے جس سے مقدور کو کرنا اور نہ کرنا دونوں صحیح ہوں اھ (ت)

پھر ترجیح مرجوع کا الزام کیسا!____اور قادر مختصار پر یہ تقولات کس شریعت میں روا!
ثم اقول: بعبارۃٍ اخصر (پھر میں مختصر عبارت کے ساتھ کہتا ہوں۔ت) ہم پوچھتے ہیں قول زید "لزم ترجیح المرجوع" (مرجوع کو ترجیح دینا لازم آیات سے کیا مقصود؟___ آیا استحالہ ذاتیہ؟___ تو بین البطلان کہ وہ ہماری قدرت فانیہ زائلہ، قاصرہ باطلہ کے تحت میں داخل___ نہ کہ قدرتِ باقیہ تامہ، کاملہ دائمہ___ یا یہ کہ خدا کو عیب لگے گا؟___ تو یہ وہی اس غنی حمید کو بندوں پر قیاس کرنا، اور صدہا نصوص قرآنیہ سے منہ پھیرنا ہے۔
ہمارے فعل بھلے برے سب طرح کے ہیں اور وہ جو کچھ کرے سب اچھا___ وہی کام ہم کریں ہم پر اعتراض ہو۔ وہ کرے اس پر اصلًا اعتراض نہیں___ یقین نہ آئے تو کافر کی حمایت میں کسی مسلمان کو قتل کر دیکھو۔

[1] شرح عقائد النسفی دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۶۷
[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰ و ۲/ ۱۰۶ و ۲/ ۱۰۹ و ۲/ ۱۴۸ و ۲/ ۲۵۹
[3] طوالع الانوار من مطالع الانظار

اور اس نے بارہا کفار کو مسلمین پر غلبہ دیا۔

واللہ! یہ وہ جگہ ہے کہ مومن کا دل اپنے مولٰی کی محبت سے چھلکے، العظمۃ للہ (عظمت اللہ کے لیے ہے۔ت) جمیل کی ہر بات جمیل (ہیہات ہیہات، بلا تشبیہ) میلے کپڑی کی بدصورت پر سخت بدنما ہوں کسی حسین کو پہنے دیجئے، دیکھئے کتنی بہار دیتے ہیں۔ وللہِ الْمَثَلُ الاعلٰی (اور اللہ ہی کے لیے ہے سب سے برتر شان۔ت) عیاذًا باللہ (اللہ کی پناہ۔ت) اگر وہ اپنے بندہ مسلمان کو دوزخ میں ڈالے۔ (اور اسی کے وجہ کریم کی پناہ) اس وقت اس مومن سے پوچھئے تیرے رب نے یہ کام کیسا کیا؟ واللہ! یہی کہے گا کہ بہت اچھا، نہایت خوب، کمال بجا، ولکن عافیتك اوسَعُ لی (لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسعت والی ہے۔

بالجملہ زید کا یہ قول انواعِ انواعِ ضلالات وجہالات کا مجمع ____ اور صریح فلسفہ و اعتزال اس کا منبع ____ نسألَ اللہ العافیۃ، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔ (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے کی طاقت اور نیکی کرنے کی قوت نہیں مگر اللہ عزت والے حکمت والے کی توفیق سے۔ت)

قولِ ششم

میں کہ "عقولِ عشرہ کا تمام نقائص و قبائح سے مقدس و منزہ، اور ان کے علم کا تام و محیط باحاطہ تامہ ہونا نقل کیا۔ یہاں تک کہ کوئی ذرہ ذرات عالم سے ان پر مخفی رہنا ممکن نہیں" ____ یہ خاص صفت حضرت عالم الغیب والشہادہ کی ہے جل وعلا۔ قال تعالٰی

"وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ"[1]	نہیں چھپتی تیرے رب سے ذرہ برابر چیز زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اور اس کا غیر خدا کے لیے ثابت کرنا قطعًا کفر لعزّۃُ اللہ (عزت اللہ کے لیے ہے۔ت) اس عدمِ امکان کو مسلمان غور کرے کہ کیسا کفر واشگاف اور کتنے صریح نصوص قرآنیہ کا خلاف ہے۔

قال تعالٰی: "وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ"۔[2] کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۷۴/ ۳۱

اس کے سوا۔ وقال تعالٰی: "اِلَیۡهِ یُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ"۔[1] اسی کی طرف پھیرا جاتا ہی علم قیامت کا

وقال تعالٰی: "وَیَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی هٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۲۵﴾ قُلۡ اِنَّمَا الۡعِلۡمُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲۶﴾"[2]۔ کافر کہتے ہیں یہ قیامت کا وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو۔ تو فرما اس کا علم تو خدا ہی کو ہے، اور میں تو یہی ڈر سنانے والا ہوں صاف صاف۔

وقال تعالٰی: "لَا یُحِیۡطُوۡنَ بِشَیۡءٍ مِّنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ"[3]۔ نہیں گھیرتے اُس کے علم سے کچھ، مگر جتنا وہ چاہے۔

وقال تعالٰی حکایةً عن ملئکته: "سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ ﴿۳۲﴾"[4] پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ بے شک تو ہی ہے دانا، حکمت والا۔

سبحن اللہ! متفلسفہ کہتے ہیں کہ عقولِ عشرہ ملئکہ سے عبارت ہے۔ اگرچہ یہ بات محض غلط، کہ جو امور وہ بے عقول اِن دس عقول کے لیے ثابت کرتے ہیں، صفات ملئکہ سے اصلاً علاقہ نہیں رکھتے۔ ولا اکذب ممن کذبہ القرآن (اس سے بڑھ کر کوئی جھوٹا نہیں جس کو قرآن نے جھوٹا قرار دیا۔ ت) بلکہ یہ صرف اُن سُفہاء کے اوہام تراشیدہ ہیں جن کی اصل نام کو نہیں۔

"اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَ اٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ"[5]	وہ تو نہیں مگر کچھ نام کہ تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری۔ (ت)

تاہم اگر مان لیں اور یوں سمجھیں کہ مشرکین عرب نے شانِ املاک (فرشتے) میں غُلو کے ساتھ تفریط بھی کی کہ انہیں عورتیں ٹھہرایا۔ کفارِ یونان نے وہ افراط خالص بنایا کہ اوصافِ خُلق سے متعالی بتایا۔ تو اب اس آیہ کریمہ سے اُن عقول کی حالتِ ادراک کیجئے۔ کس طرح اِن احمقوں کو جھٹلاتے، اور اپنے مالک کے حضور اپنے عجزو بے علمی کا اقرار لاتے، اور پاکی و قدوسی اُس کے وجہِ کریمہ کے لیے خاص ٹھہراتے ہیں۔ صدق اللہ تعالٰی:

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۷

[2] القرآن الکریم ۶۷/ ۲۵۔۲۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[4] القرآن الکریم ۲/ ۳۲

[5] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۳

" سَیَکۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَیَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ ضِدًّا ۝۸۲ " [1]	عنقریب وہ ان کی بندگی سے منکر ہوں گے اور ان کے مخالف ہوجائیں گے۔(ت)

اِعلام بقواطع الاسلام میں ہے:

من ادّعٰی علم الغیب فی قضیّۃ اوقضایالایکفر ومن ادّعٰی علمه فی سائر القضایا کفر [2]	جس نے ایک قضیہ یا چند قضایا میں علم غیب کا دعوی کیا وہ کافر نہ ہوگا۔اور جس نے تمام قضایا میں اپنے علم کا دعوی کیا وہ کافر ہوجائے گا۔(ت)

اور اسی میں علمائے حنیفہ سے کفر مُتَّفَق علیہ کی فصل میں منقول:

اووصف محدثا بصفاته او اسمائه الخ [3]	یا کسی حادث کو اللہ تعالٰی کی صفات یا اس کے اسماء کے ساتھ متصف کیاالخ(ت)

غرض حکمِ مسئلہ واضح ہے۔صرف محل نظر اس قدر کو یہاں زید نے لفظ عندھم لکھ دیا کہ صراحۃً حکایت پر دال۔**اقول:** مگر قطع نظر اس سے کہ جملہ لایمکن ان لایعلم العقل الاول مثلاً الخ (یہ ناممکن ہے کہ مثلاً عقل اوّل کو علم نہ ہوا الخ۔ت) کہ خود وکفر جلی ہے،داخل حکایت نہیں،بلکہ تنزہ تام پر تفریح ہے کما یشھد بہ سوقُ البیان (جیسا کہ سیاقِ بیان اس پر شاہد ہے۔ت) عجب کرتا ہوں کہ یہ اسے مفید ہوا۔اس نے مجردات کا جزئیات مادیہ کو بروجہ جزئی جاننا اپنامذہب محقق بتایا۔اور اس کی حقانیت پر اس قول کو دلیل ٹھہرایا،تو وہ یہاں محض محل نقل وحکایت میں نہیں،بلکہ مقام تمسّک واستناد میں ہے۔وہ بھی مجیبًا ومنتصرًانہ سائلاً وصائلاً۔تو یہ صاف اَمارتِ رضاو قبول ہے کمالایخفٰی علٰی کل عاقل،فضلاً عن فاضلٍ (جیسا کہ ہر عاقل پر پوشیدہ نہیں چہ جائیکہ فاضل پر پوشیدہ ہو۔ت) علاوہ بریں ہم ثابت کرآئے کہ ایسے اقوال کا بہ تصریحِ حکایت بیان کرنا بھی حلال نہیں جب تک مقرون بہ رَدّ وانکار نہ ہو۔

وبعد اللتیّا والتّی اس قول کی شناعت وبشاعت میں شک نہیں۔تَدَبَّر تَدرِ (غور کر

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۸۲

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاوّل مکتبۃ الحقیقیۃ دار الشفقت ترکی ص ۳۵۹

[3] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاوّل مکتبۃ الحقیقیۃ دار الشفقت ترکی ص ۳۷۴

توسمجھ لے گا۔ت)

قولِ ہفتم

میں اس کفرِ بواح کو خوب چمکایا اور روئے ریا سے پردہ حیات اٹھا کر حق مبین و قول محققین ٹھہرایا صاف لکھا کہ۔ عدمِ زمانی حقیقۃً عدم نہیں جس نے کسی وقت میں خلعتِ وجود پایا یا پائے گا۔ وہ نہ معدوم تھا، نہ معدوم ہو، بلکہ یہ فقط پردہ وحجاب ہیں۔ پہلے نہ تھا، یعنی پوشیدہ تھا۔ اور اب نہ رہا۔ یعنی چھپ گیا۔ ورنہ حقیقۃً وہ واقع و نفس الامر میں وجود سے مُنفک نہیں۔

اِنّا للهِ واِنّآ الیه راجعون (بے شک ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی طرف پھرنا ہے۔ت)

اس قولِ شنیع پر جو شناعاتِ شدیدہ لازم، حدِّعدّ سے خارج۔ ولٰکن مالایُدرک کُلّہ لایترک کلہ (لیکن جو چیز مکمل طور پر پائی نہ جاسکتی ہو وہ مکمل طور پر چھوڑی نہ جائے گی۔ت)

فاقول: وباللّٰه التوفیق: (تو میں کہتا ہوں، اور اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت): **اوّلًا** نصوص صریحۂ قرآنیہ کا خلاف،

اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے۔

"اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْـًٔا ﴿۶۷﴾ "[1]	کیا آدمی یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اُسے بنایا اس سے پہلے، اور وہ کچھ نہ تھا۔

زید متفلسف کہتا ہے۔ تھا کیوں نہیں؟ البتہ پوشیدہ تھا۔ حق جل وعلا فرماتا ہے:

"وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا ِۨالْاُوْلٰی ﴿۵۰﴾ وَثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰی ﴿۵۱﴾ "[2]	اللہ نے ہلاک کردیا اگلی قومِ عاد کو اور ثمود کو، سو ان میں کوئی باقی نہ رکھا۔

زید متفلسف کہتا ہے، باقی کیسے نہیں؟ واقع و نفسُ الامر میں رُوحیں بدن سے متعلق ہیں۔ ہاں نگاہوں سے چھپ گئے۔ رب تعالٰی وتقدس فرماتا ہے:

---

[1] القران الکریم ۱۹ / ۶۷

[2] القران الکریم ۵۳/ ۵۰ ۵۱

"كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾ "[1]	جتنے زمین پر ہیں سب فنا ہونے والے ہیں اور باقی رہے گا تیرے رب کا وجہ کریم عظمت و تکریم والا۔

زید متفلسف کہتا ہے، باقی تو سبھی رہیں گے مگر ـــــــ اور پردہ میں، اور تو ظاہر۔

اسی طرح صدہا آیات و احادیث ہیں جن سے زنہار زید کو جواب ممکن نہیں۔ مگر یہ کہ جہاں جہاں قرآن و حدیث میں خلق و ایجاد و ابداع و تکوین واقع ہوئے ہیں، انہیں بمعنی ظہور، اور اماتت و اہلاک و افنا و اعدام کو بمعنی تغییب اور عدم و فنا و موت و ہلاک کو بمعنی غیبوبت (کہے عـــہ)

اور پُر ظاہر کہ یہ تاویل نہیں، تبدیل ہے، کہ ہر گز لغت و عرف کچھ اس کے مساعد نہیں ـــــــ اشقیائے فلاسفہ قرآن عظیم میں یوں ہی تحریف معنوی کرتے ہیں ــــ جنت کیا ہے؟ لذتِ نفسانی ــــ نار کیا ہے؟ اَلَمِ روحانی "تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ "[2] (وہ آگ جو دلوں پر چڑھ جائے گی۔ت) دیکھا "فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۠﴿۹﴾ "[3]۔ (لمبے لمبے ستونوں مین ان پر بند کر دی جائے گی۔ (ت) سے کام نہیں۔ عِیاذًا باللہ (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)

وہ دن قریب آتا ہے کہ "يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ "[4] (جس دن جہنم کی طرف دھکا دے کر دھکیلے جائیں گے۔ (ت) جہنم میں دھکا دے کر پوچھا جائے گا۔ "اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ﴿۱۵﴾ "[5]۔ کیوں بھلا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں؟ ــــ اُس وقت اِن تاویلوں کا مزہ آئے گا۔ "فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾ "[6]۔ (تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں۔ت)

اور ایک انہیں پر کیا ہے، دنیا بھر کے بدعتی نصوص شرع کے ساتھ یوں ہی کھیلتے ہیں۔ خود اصل بدعتِ و منشاء ضلالت اسی قسم کی تاویلیں ہیں۔ معتزلہ کہتے ہیں: "وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ "۔[7] تول اُس دن حق ہے ــــ یعنی جانچ ہوگی، میزان کچھ نہیں۔

عـــہ: سقط من نسختنا المخطوطۃ ولابد منہ اومن نحوہ ۱۲ محمد احمد۔

---

[1] القران الکریم ۵۵/ ۲۶ ۲۷

[2] القران الکریم ۱۰۴/ ۷

[3] القران الکریم ۱۰۴/ ۹

[4] القران الکریم ۵۲/ ۱۳

[5] القران الکریم ۵۲/ ۱۵

[6] القران الکریم ۷ /۷۱۔ ۱۰/ ۲۰۔ ۱۰/ ۱۰۲

[7] القرآن الکریم ۷ /۸

"وُجُوْهٌ يَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾" [1]	کچھ منہ اُس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھتے۔

یعنی اُس کی رحمت کی اُمید رکھتے رُویت الٰہی نہ ہوئے۔ الٰی غیر ذٰلك من الجهالات الكثيفة والضلالات الخسيفة (اس کے علاوہ بھاری جہالتوں اور ذلیل گمراہیوں سے۔ت)۔

پھر کیا یہ تاویلیں اُن کے کام آئیں اور انہیں بدعتی ہونے سے بچالیا؟ ـــــــ تاہم وزن سے جانچ اور منہ دیکھنے سے امید واری مراد ہونا اتنا بعید نہیں جس قدر بے لگاؤ تحریفیں اس مُتفلسف کو کرنی پڑیں گی۔ كمالايخفٰی ـــــــ والله الهادی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اللہ ہی ہادی ہے۔ت)

شِفا شریف میں باطنیہ وغیرہم غُلاۃ کو ذکر کرکے فرماتے ہیں:

زعموا انّ ظواهر الشرع ليس منها شيئ علٰی مقتضٰی ومفهوم خطابها وانما خاطبوا بها الخلق علٰی جهة المصلحة لهم اذلم يمكنهم التصريح لقصور افهامهم فمضمن مقالاتهم ابطال الشرائع وتكذيب الرسل والارتيابُ فيما اتوا به اهملخصًا [2]۔	انہیں (باطنیہ) نے گمان کیا کہ نصوصِ شرع اپنے ظاہری الفاظ وخطاب کے مقتضٰی پر نہیں، رسولوں نے تو مخلوق کو محض ان کی مصلحت کے اعتبار سے خطاب کیا کیونکہ مخلوق کی کم فہمی کی وجہ سے رسولوں کے لیے تصریح کرنا ممکن نہ تھا۔ ان لوگوں کو (باطنیہ) کے کلام کا تقاضا یہ ہے کہ احکامِ شرع باطل ہو جائیں، رسولوں کی تکذیب ہو جائے اور رسولوں کے لائے ہوئے احکام میں شک وشبہ پیدا ہو جائے اھ تلخیص (ت)

اہل سنت کا اجماع ہے کہ نصوص اپنے ظاہر پر حمل کیے جائیں اور ان میں پھیر پھار حرام ونابہ کار كماصُرِّحَ بِه فی كتب العقائد متنًا وشرحًا (جیسا کہ کتب عقائد چاہے متن ہوں یا شرح میں اس کی تصریح کردی گئی ہے۔ت)

ثانیًا: جب وعائے دہر میں باقی رہنا حقیقۃً وجود ٹھہرا، اور اَعدامِ زمانیہ محض حجاب وخفا، تو لازم آیا کہ حضرت حق جل وعلا کسی موجود کو معدوم نہ کرسکے۔ اور اس کی مخلوق پر اس کا قابو نہ رہے کہ

---

[1] القرآن الکریم ۷۵ /۲۲۔۲۳

[2] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر المکتبۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲ /۲۶۹

غایت درجہ انہیں غائب کرسکتا ہے، صفحہ دہر سے مٹانا کیونکر ممکن؟ کہ اَن ہوئی کبھی نہ ہوگی۔______ وھذا بیّن اجدًا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ت)

والحاصل اَنّ العدم الحقیقی علی ھذا، ھو الارتفاعُ عن صفحۃِ الدھر، کما اعترف بہ، وکل ماوجد ایوجد فانّہ مرتسم فیھا۔ وانما المرتفع مالم یتناولہ اسم الوجود من ازل الازال الی ابد الاٰبود۔ فما دخل فی الکونِ ولواٰنًا قد تناولہُ اسم الوجود____ لایمکن ولواٰنًا قدتنا ولہ اسم الوجود۔ لایمکن ان یصیر التناولُ لاتناولًا فاستحال العدمُ الحقیقی والعیاذ باللہ تعالٰی۔	خلاصہ یہ ہے کہ اس نظریے کی بنیاد پر عدم حقیقی صفحہ دہر سے مرتفع ہونے کا نام ہے، جیسا کہ زید نے اس کا اعتراف کیا ہے، جو شے بھی پائی گئی پائی جائے گی کہ وہ اس میں مرتسم ہے۔ مرتفع تو فقط وہ ہے جو ازل سے ابد تک اسم وجود سے موسوم نہ ہو۔ لہٰذا جو شیئ کون میں ایک آن کے لیے بھی داخل ہوئی اسم وجود اس کو متناول ہوگیا اور تناول کا لاتناول ہونا ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ عدم حقیقی محال ہوا۔ اور اللہ تعالٰی کی پناہ (ت)

ثالثًا: جو مسلمان بہ شفاعتِ سید الشافعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا بہ محض رحمت ارحم الراحمین جلّت عظمتہ، جہنم سے نکل کر جنت میں جائیں، اس مذہب پر لازم کہ وہ واقع ونفس الامر میں جہنم میں ہوں اور اس نکلنے کا صرف یہ حاصل کہ اُن کا دوزخ میں ہونا مخفی ہے۔

یوں ہی ابلیس قبل انکار سجود جنت میں تھا، قال تعالٰی:

"فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا"[1]	اُتر جنت سے کہ تیرے لیے یہ نہ ہوگا کہ تو اس میں غرور کرے۔

تو لازم کہ واقع ونفس الامر میں وہ جنت میں ہے اور یہ نکالنا فقط اُس امر کا چھپا ڈالنا۔

اگر کہیے اُن مسلمانوں کو عذاب وعِقاب کی تکلیف نہ رہے گی______ ہم کہیں گے تمہارے طور پر بے شک رہے گی____ نہایت یہ کہ چھپے چوری____ **واستغفر اللہ العظیم** (میں عظمت والے اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں ت)۔ اس طرح شیطان کا التذاذ۔ غرض یہ کہ کسی قدر کوشش کیجئے خفاء وظہور سے بڑھ کر کوئی بات نہ نکلے گی۔ اور کام واقع ونفس الامر سے ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۳

رابعًا: لازم کہ کافر[عہ] بحالت کفر داخل جنت ہو ____ مثلاً زید کافر تھا اب اسلام لایا تو اس کے کفر پر صرف عدم زمانی طاری ہوا جس کا محصّل اختفا سے زیادہ نہیں ____ وجود حقیقی کی نفی نہیں کرسکتا ____ اور کفر طبیعت ناعتیہ ہے کہ اپنے قیام کو طالبِ موضوع اور تبدل موضوع بہ اجماعِ عُقلا ممنوع:

فان القائم بھذا غیرُ القائم بذاک۔	اس لیے کہ جو اس کے ساتھ قائم ہے وہ اور ہے، اور جو اُس کے ساتھ قائم ہے وہ اور ہے۔(ت)

تو بالضرور وہ کفر کہ واقع و نفس الامر میں موجود ہے۔ زید ہی کی ذات سی قائم۔ اور قیام مبدء صدق مشتق کو مستلزم تو حقیقۃً وہ کافر بھی ہے۔

اور ہر کافر کہ مسلمان ہو جائے بہ حکم شرع داخل جنگ ہوگا۔ تو بالضرورۃ لازم کہ یہ کافر باوصفِ کفر داخل جنت ہو ___ نہایت کار دیہ کہ وہ کفر اس کا، بہ وجہ عدم زمانی پوشیدہ ہے اور اسلام آشکار۔

خامسًا: جب سابق ولاحق اعدام زمانیہ سب احتجاب وخفا تو لازم کہ عالم ایجاد کا ذرہ ذرہ ازلی ابدی ہو۔ زید کل تک نہ تھا، یعنی پوشیدہ تھا ___ پرسوں نہ رہے گا یعنی چھپ جائے گا ___ وجود حقیقی، دائم و سرمدی ___ اس سے بڑھ کر کون سا کفر ہوگا!

تقریرہ ان القدم الذی نخصّہ بالملک، العزیز جل جلالہ وصفاتہ العلیٰ لیس بمعنی ان لایمرّ زمان الا وھو فیہ، اولا یخلو عنہ جزء من اجزاء الزمان، فانہ سبحٰنہ وتعالیٰ متعالٍ عن الزمان، لایمرّ علیہ زمان کمالایحیط بہ مکان، فھو مع کُلّ زمان لکن لیس فی الزمان، وکذلک صفاتہ جلّت اسماء ہ، الا تری انّ الفلاسفۃ قالوا بقدم العقول	اس کی تقریر یہ ہے کہ جو قدم ہم اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی صفاتِ عالیہ کے ساتھ مختص کرتے ہیں اُس کا یہ معنی نہیں کہ کوئی زمانہ نہیں گزرتا مگر وہ اس میں ہوتا ہے یا یہ کہ اجزاء زمانہ میں سی کوئی جز اس سے خالی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اللہ سبحٰنہ و تعالیٰ زمان سے برتر ہے۔ اس پر زمان کا مرور نہیں ہو سکتا جیسا کہ مکان اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ ہر زبان کے ساتھ ہے لیکن ہر زمان میں نہیں ہے۔ یونہی اس کی صفاتِ جلیلہ ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ فلاسفہ نے عقول کو قدیم کہا تو ہم نے

[عہ]: یوں ہی لازم کہ مسلمان باوصفِ اسلام مخلد فی النار ہو کما فی الارتداد، والعیاذ باللہ والبیان البیان (جیسا کہ ارتداد میں ہوتا ہے۔ اور اللہ کی پناہ۔ جو بیان تمہارا وہی بیان ہمارا۔ ت ۱۲ منہ۔

فاکفرنا ھم، مع انھم لایعتقدون قدمھا بالمعنی المذکور لانھا ایضًا لیست عندھم من الزمانیات، فاذن لانعنی بہ الا انّ الشیئ لابدایۃ لوجودہ کما نقصد بالابدیۃ ان لانھایۃ لخلودہ۔ وھذا ظاھر جلی و قد صرّح بہ آئمۃ الکلام کالامامِ الرّازی وغیرہ۔ و اذاکان الامر کما وصفنالک، والاعدام الزماتیّۃ لا تزید عندك علٰی غیبۃٍ وخفاءٍ فاذن ما نظنہ اٰن الحدوث واٰن الفَناء لیسا بھما، ولا بھما بدایۃ الوجود ونھایتہ وانما ھما اٰنابدایۃ الظھور وانتھاءہ۔ امّا الوجود الواقعی فلا اول لہ ولا اٰخر، اذلیس فی الدھر علی القول بہ امکان یسع "یکون وقد کان" فماخلت عنہ الصفحۃ لایرتسم فیھا ابدا، وما ارتسم فیھا مرّۃً لاینمحقُ عنھا اصلا، فلابد انّ کل موجودٍ کان مستقرًا فیھا من الازل، ویبقٰی مستمرًّا الی الابد، فثبت ان لابدایۃ لوجودالعالم ولانھایۃ، وھذا ما اردنا الالزام بہ۔ یقول العبدالضعیف

انہیں کافر قرار دیا باوجود یہ کہ وہ معنی مذکور کے ساتھ عقول کے قدیم ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتے، کیونکہ ان کے نزدیک عقول بھی زمانیات میں سے نہیں ہیں۔ تو اب قدیم ہونے سے ہماری مراد فقط یہ ہے کہ شیئ کے وجود کی ابتداء نہ ہو جیسا کہ ہم ابدیت سے اس معنی کا قصد کرتے ہیں کہ اس کی خلود کی انتہا نہ ہو۔ اور یہ خوب ظاہر ہے۔ تحقیق اس کی تصریح فرمائی ہے آئمہ کلام نے جیسے امام رازی وغیرہ۔ اور جب معاملہ ایسا ہی ہے جیسا ہم نے تیرے لیے بیان کیا اور اعدام زمانیہ تیرے نزدیک حجاب وخفاء سے بڑھ کر نہیں ہیں تو اس صورت میں لازم آئے کہ جس کو ہم آنِ حدوث اور آنِ فناء گمان کرتے ہیں وہ آن حدوث وآنِ فناء نہ ہوں اور نہ ہی اُن سے وجود کی ابتداء وانتہاء ہو بلکہ وہ تو ظہور کی آن ہدایت وآن نہایت ہوں گی۔ رہا وجود واقعی تو اس کا نہ اول ہے نہ آخر، کیونکہ اس قول کی بنیاد پر دہر میں کوئی امکان نہیں جو ہو سکتا ہو اور ہو چکا ہو۔ چنانچہ جس شے سے صفحہ دہر خالی ہے وہ کبھی بھی صفحہ دہر میں مرتسم نہیں ہوگا اور جو اس میں ایک مرتبہ مرتسم ہو گیا ہے وہ کبھی بھی اس سے نہیں مٹے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہر موجود اس میں ازل سے مستقر ہو اور ابد تک مسلسل باقی رہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ وجود عالم کی نہ ابتداء ہے نہ انتہاء۔ اور یہ ہی وہ الزام ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا تھا۔ عبد ضعیف کہتا ہے۔

لطف به المولیٰ اللطیف: انا لو اوسعنا المقال، فی ابطال هذا المحال فعندنا بحمدالله تعالیٰ شوارق بوارق تبهر العماء عـــه * وسحائب قواضب تمطر الدّماء، و لئن تضرعنا الی القریب المجید *لرجونا المزید* وَنلنا البعید* ولکن فیما ذکرنا کفایة *لاهلِ الدّرایة *والحمدالله علٰی حُسن الهدایة*	اللہ مہربان اس پر مہربانی فرمائے کہ اگر ہم اس محال کو باطل کرنے میں کلام کو وسعت دیں تو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہمارے پاس ایسی چمکدار بجلیاں ہیں جو بلند بادل پر غالب آجائیں اور ایسی تیز برسنے والی بدلیاں ہیں جو خون برسا دیں۔ اور اگر ہم اپنی قریب بزرگی والے رب کی بارگاہ میں فریاد کریں تو مزید کی امید ہے اور ہم بعید کو بھی پالیں۔ لیکن جس قدر ہم نے ذکر کیا ہی اس میں سمجھدارون کے لیے کفایت ہے اور اچھی ہدایت پر اللہ تعالیٰ کے لیے تمام حمدیں ہیں۔ (ت)

اے مسکین! البتہ یہ شان ہمارے نزدیک علمِ باری عزمجدہ کی ہے کہ ازلاً وابداً تمام کوائن ماضیہ وآتیہ کو محیط، اور زمانہ سے منزہ

"لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ"[1]۔	اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ (ت)

عالم جب تک نہ بنا تھا ذرہ ذرہ اس کے علم میں تھا۔ اب کہ بنا، اب بھی بدستور ہے۔ جب فانیات پر وعدہ الٰہیہ آئے گا اس وقت بھی ہر چیز اسی کے علم میں ہوگی۔ عالم بدلتا ہے اور اس عالم کا علم نہیں بدلتا۔ شے پر تین حال گزرے۔ عدم، حدوث، فنا۔ وہ اسے ان تینوں حالوں پر تفصیلاً ازل سے جانتا ہے۔ اور ابد تک جانے گا۔ معلوم میں تغیر آیا اور علم میں اصلاً تغیر نہ ہوا۔ البتہ صرف ہماری زبان میں کہ دائرۂ زمان سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ اس علم سے تعبیریں متعدد ہو گئیں۔ یعنی یُوجدُ، موجود، کان وُجِدَ۔
غرض یہی ہے وہ نحو وجود جس میں تبدّل کو راہ نہیں۔ اب چاہے اسے تم اپنی اصلاح میں "وعائے" دہر کہو، یا "حاقِ واقع" یا کچھ اور ـــــ مگر حاشا کہ یہ اشیاء کا وجود حقیقی ذاتی نہیں، نہ اس میں حصول سے شے کو فی نفسہ

عـــه: هو الجاج لانهم قلیلا ما یبتهون ۱۲منه۔

[1] القرآن الکریم ۳/۳۴

موجود کہیں، ورنہ وہی استحالے لازم آئیں۔

زمانیات کا وجود وعدم حقیقۃً یہی ہے جسے زید ظہور و خفا کہتا ہے ____ کافر مسلمان ہوا، قطعًا اسکا کفر نفس الامر میں منعدم ہوگیا کہ وہ زنہار اب اس کی ذات سے قائم نہیں، اور اس کا کون فی نفسیہ نہیں مگر کون فی الموضوع، مسلمان دوزخ سے نکلا، یقینًا وہ حالت معدوم ہوگئی۔ کہ یہ بھی عرض ہے اور بعد زوال باطل و مرفوع ____ وعلٰی ھذا القیاس۔

یاھٰذا اگر صرف وجود علمی، وجودِ واقعی ہو تو ممنعات کے سوا کوئی معدوم نہ رہے کہ علم میں حجر نہیں۔ موجود و معدوم سب سے متعلق ہوتا ہے۔ مع ھٰذا ہر عاقل جانتا ہے کہ علم عالم میں وجود شے سے شے کو موجود نہیں کہہ سکتے ____ طوفان نوح مفقود ہے اور ہمارے علم میں موجود۔ قیامت ہنوز معدوم ہے اور ہمارے ذہن کو معلوم ولن یقاس العلم بالواقع، فاین الحکایۃ من المحکی عنہ (علم کا اندازہ واقع سے نہیں لگایا جاتا تو کہاں حکایت اور کہاں محکی عنہ ت)۔

اے نادان! یہ دقتیں جو تجھے پیش آئیں اس سفاہت کا ثمرہ تھیں کہ اس وعائے مخترع کا نفس الامر نام رکھ کر اس میں بقا و استمرار کو حقیقتۃً وجود اشیاء مانا اور اعدام سابقہ ولاحقہ زمانیہ کو محض احتجاب و خفا جانا۔ ع

فَلَیْتَ النَّمْلَ لَمْ تَطِر

(کاش! چیونٹی نہ اڑتی ت)

اور اُس پر طُرہ یہ ہے کہ وعائے دہر کو ظرفِ حقیقی جُداگانہ ٹھہرایا۔ اور زمانیات کا وجود دہری وجود زمانی سے علیحدہ بتایا، یہاں تک کہ تمام اجزائے زمان سے انعدام پر بھی بقا باقی رکھی۔ اور اس تقریر پر منہج عقل سے بھی جو استحالات قائم، مشتغلان فلسفہ و کلام و معتادان جدال و خصام پر مختفی نہیں۔ مگر ہم ان میں سے اِضاعتِ اوقات نہ کریں گے کہ شان فتوٰی واجب الاعظام نہ یہ چپقلش ہمارا کام۔

ومن حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ[1] (آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتوں کو چھوڑ دے۔(ت)

تنبیہ: قد علمنا انّ الکلام ھٰھنا سینجرُّ	تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ کلام ایک مشکل علمی مسئلہ کی

[1] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء من تکلم بالکلمۃ یضحک الناس امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۵، سنن ابن ماجہ ابواب الفتن باب کف اللسان فی الفتنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ ص ۲۹۵، مسند احمد بن حنبل عن حسین رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۱

الٰی مسئلہ عویصۃٍ فی العلم ـــــ ولکنّھا انما تعتاص علی الذین جعلوا قلوبھم وراء ظنونھم، اواعتادو الجدال *وقیل وقال* وکثرۃ السؤال *ورکض البغال عــــہ۱ *فی مضیق المجال *امّا اھل السنۃ فھم بحمد اللہ اٰمنون فرحون *بفضل اللہ مستبشرون، لا یصعب علیھم شیئ من مسائل الذات *ودقائق الصافات *کیف وانھم اصلوا اصلًا فی اصول الدین *فھوورد ھم وھو صدر ھم فی کل حین *وذٰلک ان ما اثبتہ الشرع، فسمعاو طاعۃ، ومارد ّہ فالیك عنّا، وما لم یخبر فعلمہ الی اللہ ـــــ وھم لایجزون عــــہ۲ التقول علی اللہ سبحٰنہ وتعالٰی من دونِ ثبت او اثارۃ من علم، "سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۳۲﴾ "۔[1]

طرف بڑھے گا۔ لیکن وہ مسئلہ اُن لوگوں پر دشوار اور پیچیدہ ہوگا۔ جنہوں نے اپنے دلوں کو گمانوں کے پیچھے کردیا۔ یا وہ جھگڑے، قیل وقال، کثرتِ سوال اور تنگ میدان میں خچروں کو ایڑ لگانے کے عادی ہیں۔ رہے اہل سنت وجماعت تو وہ بحمد اللہ ایمان لانے والے، خوش ہونے والے اور اللہ تعالٰی کے فضل پر خوشیاں منانے والے ہیں۔ ان پر مسائل ذات اور دقائق صفات میں سے کچھ بھی دشوار نہیں، کیسے دشوار ہوسکتا ہے جب کہ خود انہوں نے دین کے اصول بیان کیے ہیں اور دین میں وہی گھاٹ ہے جس پر ہر وقت ان کا آنا جانا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ جس کو شرع نے ثابت کیا ہم اسی کو سنتے اور مانتے ہیں۔ اور جس کو شرع نے رد کردیا تو وہ ہماری طرف سے تیری طرف لوٹا اور جس کی خبر شرع نے نہ دی تو اس کا علم اللہ تعالٰی کو ہے۔ وہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے بارے میں دلیل وعلم کے بغیر گفتگو کو روا نہیں رکھتے۔ پاکی ہے تجھے، ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔ (ت)

عــــہ۱: خصھا بالذکر لاجا تصلح لکرو لافی ۱۲ منہ (قدس سرہ)۔

بطور خاص اس کا ذکر کیا کیونکہ یہ کروفر کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ۱۲ منہ (ت)

عــــہ۲: کذا فی نسختنا المخطوطۃ (لایجزون) یصلح معناہ ایضًا۔ لکن یخالج صدری انہ لایجیزون وسقطت الیاء من قلم الناسخ، فان الاخطاء وقعت من کثیرا وصوبنا الصعوبات یطولہ بالصورت یطول ذکرھا ۱۲ محمد احمد المصباحی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۲

واخرج الطّبرانی فی الاوسط و ابنُ عَدیٍّ والبیھقی وغیرھم عن ابنِ عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: تفکروا فی الاء اللہ، ولاتفکروا فی اللہ[1]۔	طبرانی نے اوسط میں، ابن عدی نے اور بیہقی وغیرہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی نعمتوں میں غور کرو اور اللہ تعالٰی کی ذات میں غور مت کرو۔(ت)
واخرج ابونعیم فی الحلیۃ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: تفکروا فی خلقِ اللہ ولا تفکروا فی اللہ۔[2]	ابونعیم نے حلیہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کی مخلوق میں غور کرو، اور اللہ تعالٰی کی ذات میں مت غور کرو۔ (ت)
واخرج ابوالشیخ فی العظمۃ عن ابن عباس: تفکروا فی کل شیئ، ولا تفکروا فی ذات اللہ، فان بین السماء السابعۃ الٰی کرسیّہ سبعۃ اٰلافِ نورٍ، وھو فوق ذٰلک[3]۔	ابوالشیخ نے عظمت میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ ہر شے میں غور کرو اور اللہ تعالٰی کی ذات میں مت غور کرو، اس لیے کہ ساتویں آسمان اور اس کی کرسی کے درمیان سات ہزار نور ہیں اور وہ اس سے فوق ہے۔ت)
واخرج ایضًا عن ابی ذرّ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلفظ الحلیۃ وزاد فتھلکوا[4] نسأل اللہ العفو و العافیۃ۔	نیز اس نے ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حلیہ کے لفظوں کی مثل روایت کی اور اس میں یہ لفظ بڑھایا "فتھلکوا" یعنی تم ہلاک ہوجاؤ گے۔ ہم اللہ تعالٰی سے عافیت طلب کرتے ہیں۔(ت)

[1] المعجم الاوسط حدیث ۶۳۱۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۷ /۱۷۲، شعب الایمان حدیث ۱۲۰۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۱۳۶، الکامل لابن عدی ترجمہ وازع بن نافع العقیلی دار الکفر بیروت ۷ /۲۵۵

[2] کشف الخفاء حدیث ۱۰۰۳ ۱ /۲۷۸

[3] کشف الخفاء حدیث ۱۰۰۳ ۱ /۲۷۸ وکنزالعمال حدیث ۵۷۰۴ ۳ / ۱۰۸

[4] کنزالعمال حدیث ۵۷۰۵ موسستہ الرسالہ بیروت ۳ /۱۰۸

قولِ ہشتم

کی شناعت اقوالِ سبعہ سابقہ کے حکم سے خود ہی روشن ہوگئی۔ ع

قیاس کُن زگلستانِ اُو بہارش را

(اس کے گلستان سے اس کی بہار کا اندازہ کرو۔ت)

یہ کفریات تھے جن پر اس قدر ناز ہے ____ یہ گمراہیاں تھیں جن کا اتنا وقار و اِعزاز ہے۔اور ہر مسلمان پر واضح کہ ایسی چیز کی مدح و ستائش کس اعلیٰ درجہ خباثت پر ہوگی۔

واِنْ بَغَیْتَ التفصیل فاقول وعلی اللہ التعویل (اگر تو تفصیل چاہتا ہے تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔ت)

اولاً: وہ اس کتاب کو تدقیق فصیح و تحقیق صریح واکتناہ حقائق کہتا ہے۔اور یہ الفاظ تصحیح مضامین کتاب میں نص صریح ____ اور معلوم کہ وہ مذاہب کفرہ فلاسفہ سے مشحون ____ اور علماء فرماتے ہیں جو مذاہب کفار سے کسی مذہب کی تصحیح کرے خود کافر ____ اگرچہ مذہب اسلام کا معتقد و مقر،اور اعلیٰ الاعلان اس کا مظہر ہو۔

شفا شریف میں ہے:

تکفر من دان بغیر ملة المسلمین من الملل اووقف فیھم اوشك اوصحح مذھبھم وان اظھر مع ذٰلك الاسلام واعتقد بطالِ کل مذھب سواہ فھو کافر باظھارہ ما اظھر من خلاف ذٰلك[1]۔	ہم اُس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جس نے ملتِ مسلمین کے علاوہ کوئی دین اختیار کیا یا ان کے بارے میں توقف کرے یا شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے اگرچہ وہ اسلام کو ظاہر کرے اور اس کا اعتقاد رکھے اور اس کے سواہر مذہب کے باطل ہونے کا معتقد ہو،تو وہ کافر ہے کیونکہ اس نے ایسی چیز کا اظہار کیا۔جو اسلام کے مخالف ہے۔(ت)

اسی طرح امامِ اجل ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضہ میں نقل فرمایا اور مقرر رکھا،بلکہ فرماتے ہیں:جو کافروں کے کسی امر کی تحسین کرے بالاتفاق کافر۔

علامہ سید احمد حموی غمزالعیون میں فرماتے ہیں:

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر المکتبۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/۲۷۱

اتفق مشایخنان انّ من رأی امر الکفار حسنًا فقد کفر، حتّٰی قالوا فی رجلٍ قال "ترك الکلام عند اکل الطعام حسن من المجوس، اوترك المضاجعة عندھم حال الحیض حسن" فھو کافر[1] اھ و مثله فی البحر الرائق وغیرہ۔	ہمارے مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو کافروں کے کسی کام کی تحسین کرے وہ کافر ہے، یہاں تک انہوں نے اس شخص کے بارے میں کہا کہ وہ کافر ہے جس نے یوں کہا کیا مجوسیوں کا کھانے کے وقت کلام کو ترک کرنا حسن ہے یا حالتِ حیض میں ان کا بیوی کے ساتھ ہم بستری کو ترک کرنا حسن ہے اھ بحر الرائق وغیرہ میں اس کی مثل ہے۔ (ت)

اعلام میں ہمارے علما سے کفر متفق علیہ کی فصل میں منقول:

اوصدق کلام اھل الاھواء اوقال عندی کلامھم کلام معنوی او معناہ صحیح او حسن رسوم الکفار اھ[2]۔ و حمل العلامة ابن حجر اھل الاھواء علی الذین نکفرھم فی بدعتھم، قلت وھو کما افاد، ولا یستقیم التخریج علی قول من اطلق الکفار بکل بدعة، فان الکلام فی الکفر المتفق علیه، فلینبه۔	یا اُس نے بدمذہبوں کے کلام کی تصدیق کی یا کہا کہ میرے نزدیک ان کا کلام با معنی ہے یا اس کا معنی صحیح ہے یا کافروں کی رسموں کی تحسین کی اھ ت۔ امام ابن حجر نے بدمذہبوں کو ان لوگوں پر محمول کیا ہے جن کو ان کی بدعات کی وجہ سے ہم کافر قرار دیتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے جیسا امام ابن حجر نے افادہ فرمایا۔ اور اس شخص کے قول پر تخریج درست نہ ہوگی جو ہر اہل بدعت کو مطلقًا کافر کہتا ہے کیونکہ کلام اُس کفر میں ہے جو متفق علیہ ہے۔ خبردار ہونا چاہیے۔ ت)

ثانیًا: ابوبکر بن ابی الدنیا کتاب ذمّ الغیبۃ اور ابو یعلی اپنی مسند اور بیہقی شعب الایمان میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور ابن عدی کامل میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مُدِحَ الفاسِقُ غضبَ الرَّبُّ واھتزّ لذٰلک	جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے رب غضب فرماتا ہے اور اس کے سبب عرش خدا

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر والردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاول مکتبہ الحقیقۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۷۱

العرش۔[1]	ہل جاتا ہے۔

عُلما فرماتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ رب تبارک وتعالٰی نے اس سے بچنے اور اسے دور کرنا کا حکم فرمایا۔ افادہ المناوی[2] خلاصہ یہ کہ وہ شرعًا مستحقِ اہانت ہے اور مدح میں تعظیم۔

وھنالك فلینتقطع قلوب المتھدرین	اور یہاں سے جسارت کرنے والوں کے دلوں کو دھُل جانا چاہیے۔(ت)

کہ جب فاسق کی مدح بہ وجہِ اشتمالِ معاصی اس درجہ سخت ٹھہری تو وہ کتاب جو صریح کفریات کو متضمن ہو اس کی مدح کس قدر غضب الٰہی کی سزاوار اور عرش رحمٰن کو ہلانے والی ہوگی ___ اول تو وہاں گناہ ___ یہاں کفر دوسرے وہاں اتصاف، یہاں تضمن یعنی گناہ فاسقوں کے جزو بدن یا داخل روح نہیں ہوتے، اور یہ کفریات تو اس کتاب کے اجزا اور اس کے مضمون و مفہوم و قراءت وکتابت سب میں داخل ہیں ___ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ثالثًا: ہم پوچھتی ہیں زید اِن کفریات کو کفر جانتا ہے یا نہیں؟ ___ اگر کہے نہ، تو خود اپنے کفر عــه کا مقر ___ اور کہے ہاں ___ تو اس تالیف و تحریر، اور اس کی طبع و تشہیر کو بروجہ اشتمال کفریات واشاعتِ ضلالات، لااقل حرامِ قطعی مانتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کہے نہ، تو وہ ایسے اشد الکبائر کا مستحل ہوا ___ اور استحلال کبیرہ کفر ___ اور کہے ہاں تو اس نے ایسے حرام شدید التحریم کی مدح و تکریم کی۔ اب اس پر وہ مسائل فقہ وارد ہوں گے کہ حرام قطعی کی تعریف و تحسین کفر مبین ___ والعیاذ باللہ رب العلمین (اللہ رب العالمین کی پناہ۔ت)

امام عبدالرشید بخاری تلمیذ امام علامہ ظہیری وامام فقیہ النفس قاضی رحمہم اللہ تعالٰی خلاصۃ الفتاوٰی میں فرماتے ہیں:

من قال احسنت لما ھو قبیح شرعًا او جوّدت کفر۔[3]	قبیح شرعی پر کہا کہ تُو نے اچھا کیا یا تو نے خوب کیا تو کافر ہوگیا۔(ت)

عــه: کما امرُ انفامن الشفاء ۱۲منه جیسا کہ ابھی بحوالہ شفاء گزرا۔ ۱۲منہ ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۴۸۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۲۳۰، الکامل لابن عدی ترجمہ سابق بن عبداللہ الرقی دار الفکر بیروت ۳ /۱۳۰۷

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اذا مدح الفاسق مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱ /۱۲۹

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ الخلاصۃ فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۹

طریقہ محمدیہ میں ہے:

کل تحسین للقبیح القطعی کفر[1]۔	جو قطعی طور پر قبیح ہو اس کی تحسین کفر ہے۔(ت)

اُسی میں امام ظہیر الدین مرغینانی سے مروی:

من قال لمقریئ زماننا احسنت عند قراء تہ یکفر[2]۔	ہمارے زمانے کے نغمہ کے ساتھ قرآن پڑھنے والے کو کسی نے کہا تو نے اچھا کیا ہے تو کافر ہو جائے گا۔(ت)

محیط میں ہے:

اذا شرع فی الفاسد و قال لا صحابہ "بیائید تا یکے خوش بزیم" کفر[3]۔	فساد شروع کیا اور اپنے ساتھیوں کو کہا کہ آؤ بخوشی جئیں، تو کافر ہو گیا۔(ت)

اور اس اصل کی فروع، کلمات علما میں بیش از بیش ہیں۔نسأل اللہ العافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے عافیت مانگتے ہیں۔ت)

رابعًا: اطرا و اغراق کا طوفانِ مُغرق فوران موبق تماشے کے لائق کہ یہ کتاب فرشتہ اثر بلکہ فرشتہ گر ہے۔

سبحان اللہ! کفریات وضلالات و بطالات کا مجموعہ، اور یہ بڑا دعوی کہ آدمی کو فرشتہ عــہ بنادیتی ہے۔علماء فرماتے ہیں ملائکہ سے تشبیہ دینا نہ چاہیے۔اور اس پر اصرار، مورثِ اکفار، والعیاذ باللہ تعالٰی۔شفا و نسیم میں ہے:

عــہ: یارب! مگر وہ قول مرجوع و مہجور اختیار کیا گیا ہو گا کہ ابلیس بھی ایک صنف ملکی سے تھا اس بنا پر "شیطان گر" کی جگہ "فرشتہ گر" کا اطلاق کیا، یا منطق جدید تو ہے ہی۔نئی بولی میں شاید شیطان کو فرشتہ کہتے ہوں گے۔۱۲ سلطان احمد عفاعنہ و سلمہ ربہ۔

[1] الطریقۃ المحمدیۃ السابع عشر الغناء التغنی حرام فی جمیع الادھان مکتبہ حنیفیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰

[2] الطریقۃ المحمدیۃ السابع عشر الغناء التغنی حرام فی جمیع الادھان مکتبہ حنیفیہ کوئٹہ ۲/ ۱۴۰

[3] الفتاوٰی الھندیۃ بحوالہ المحیط کتاب اسیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۷۳

من یمثل بعض الاشیاء ببعض ما عظم اللہ من ملکوتہ(من الملئکۃ والعرش ونحوہ)غیر قاصد الاستخفاف فان تکور ھذا منہ وعرف بہ دل علی تلاعبہ بدینہ، وھذا کفر لا مرید فیہ اھ ملخصا[1]۔	جس نے بعض اشیاء کو ایسی بعض اشیاء کے ساتھ تشبیہ دی جن کو اللہ تعالٰی نے عظمت بخشی (ملائکہ و عرش وغیرہ) اور انحالیکہ تخفیف و تحقیر کے ارادہ سے نہ ہو۔ تو اگر وہ اس کا تکرار کری اور اس کا عادی ہو تو یہ اس کے دین میں لہو و لعب کی دلیل ہے اور یہ کفر ہے، اس میں کوئی شک نہیں اھ ملخصًا (ت)

سبحٰن اللہ! پھر ایسے مجموعہ چنیں وچناں کو فرشتہ اثر کہنا کس درجہ سخت ہوگا۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

رجل قال لاخر من "فرشتہ توام" فی موضع کذا اعینك علی امرک، فقد قیل انّہ لایکفر وکذا اذا قال مطلقا انا ملك بخلاف ما اذا قال "انا نبی" کذا فی التارخانیۃ۔[2]	ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ میں تیرا فرشتہ ہوں، فلاں جگہ تیرے کام میں تیری مدد کوں گا۔ تو کہا گیا ہے کہ وہ کافر نہیں ہوگا۔ یوں ہی اگر مطلقًا کہا کہ میں فرشتہ ہوں، بخلاف اس کے کہ کہے "میں نبی ہوں" یوں ہی تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

محل غور ہے کہ فرشتہ بننا ایسی ہی خطرناک بات تھی جب تو بات مکفرات سے اسے مناسبت اور علماء کو اظہار حکم کی حاجت ہو، وہ بھی ایسے الفاظ سے جو غالبًا مشعر ضعف یا اختلاف ___ تو فرشتہ گر بننا کس قدر اشد و اعظم ہوگا!

نسأل اللہ العافیۃ* وتمام العافیۃ* ودوام العافیۃ* و الشکر علی العافیۃ* وحسن العاقبۃ* وکمال الایمان* واللہ المستعان علیہ التکلان*	ہم اللہ تعالٰی سے عافیت طلب کرتے ہیں، عافیت تامہ، عافیت دائمہ، عافیت پر شکر، اچھی عاقبت اور ایمان کامل مانگتے ہیں، اور اللہ تعالٰی ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے، اور اس پر بھروسہ ہے۔ (ت)

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل وامامن تکلم من سقط المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲ /۳۸۳، نسیم الریاض فی شرح القاضی عیاض فصل وامامن تکلم من سقط مرکز اہلسنت برکات رضا ۴ /۴۱-۵۴۰

[2] الفتاوٰی الھندیہ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۶

اب نہ باقی رہا مگر نامِ کتاب

جس کے حکم سے بعض خُلّص اعزّہ **کان حفظ اللہ لہ نصیرا حسنًا** (اللہ تعالٰی کی حفاظت اس کے لیے اچھی مددگار ہو۔ت) نے اس مسئلہ کے ورود سے پیشتر سوال کیا تھا۔ت)

فاقول: **وبعون اللہ اَجُول** (چنانچہ میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی مدد سے گھومتا ہوں۔ت) اس میں بہ اعتبار اختلاف اضافت و توصیفِ لفظ ناطق احتمالات عدیدہ پیدا۔ مگر کوئی مخذور شرعی سے خالی نہیں۔

بر تقدیر اضافت: ____ عام ازاں کہ نام میں لام ہو یا من ____ ظاہر و متبادر "**ناطق اَلنَّالَہُ الحدید**" سے جناب الٰہی ہے تعالٰی وتقدس ____ کہ اس کا صریح ترجمہ **اَلنَّالَہُ الحدید** کہنے والے کا منطق جدید ____ یا ____ اس کی طرف سے منطق جدید۔ اور پُر ظاہر کہ اس کلام کا فرمانے والا کون ہے؟ ___ ہمارا مولٰی تبارک وتعالٰی اس تقدیر پر متعدد شناعاتِ شدیدہ لازم۔

اوّلًا: مضامین کتاب کو حضرت عزت تبارک مجدہ، کی طرف نسبت کرنا، کہ جناب الٰہی جل ذکرہ پر کھلا افترا حق عزّمن قائل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ لَا یُفۡلِحُوۡنَ ﴿۶۹﴾ "[1]	بے شک جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں مراد کو نہ پہنچیں گے۔

اور فرماتا ہے۔

"فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا"[2]	اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر بہتان اٹھائے

یہاں تک کہ جمہور علماء ایسے شخص کو مطلقًا کافر کہتے ہیں۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی الفتاوی الصغرٰی من قال "یعلم اللہ انی فعلت ھذا" وکان لم یفعل کفر ،ای لانہ کذب علی اللہ[3]۔	فتاوٰی صغرٰی میں ہے جس نے کہا اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ کام نہ کیا ہو تو کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھا ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۶۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۴۔ ۷/ ۳۷۔ ۱۰/ ۱۷ و ۱۸/ ۱۵

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحًا وکنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۹۱

محیط میں ہے:

فمن قیل لہ یا احمر قال خلقنی اللہ من سویق التفاح، وخلقك من الطین او من الحمأۃ وھی لیست کالسویق کفر[1]۔	جس شخص کو کہا گیا اے احمر تو اس نے کہا مجھے اللہ تعالٰی نے سیب کی شراب سے بنایا، جب کہ تجھے کیچڑ یا گارے سے بنایا ہے اور وہ شراب کی مثل نہیں تو کافر ہو جائے گا۔(ت)

فاضل علی قاری نے فرمایا:

ای لافترائہ علی اللہ تعالٰی مع احتمال انہ لایکفر بناء علی انہ کذب فی دعواہ[2]۔	یعنی وہ اللہ تعالٰی پر افتراء باندھنے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا باوجود یہ کہ یہ احتمال موجود ہے کہ وہ کافر نہ ہو اس بنیاد پر کہ وہ اپنے دعوٰی میں جھوٹا ہے۔(ت)

دُرِّ مختار میں ہے:

ھل یکفر بقولہ "اللہ یعلم اویعلم اللہ انہ فعل کذا، اولم یفعل کذا" کاذبا؟ قال الزاھدی الاکثر نعیم، وقال الشمنی الاصحُّ لا[3]۔	کیا کوئی شخص جھوٹ بول کر یہ کہنے سے کافر ہو جاتا ہے کہ اللہ جانتا ہے میں نے یہ کام کیا ہے یا اللہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ زاہدی کا کہنا ہے کہ اکثر نے کہا ہے ہاں (یعنی کافر ہو جائے گا) اور شمنی نے کہا۔ اصح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے۔

ونُقل فی نور العین عن الفتاوٰی تصحیح الاول۔[4]	نور العین میں فتاوٰی سے پہلے قول کی تصحیح منقول ہے۔(ت)

ثانیًا: یہود و نصارٰی سے کامل مشابہت۔ قال تعالٰی:

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ المحیط فصل فی الکفر صریحًا و کنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۲

[2] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ المحیط۔ فصل فی الکفر صریحًا و کنایۃً مصطفی البابی مصر ص ۱۸۲

[3] الدارلمختار کتاب الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۹۲

[4] ردالمحتار کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۵۶

"فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ یَکۡتُبُوۡنَ الۡکِتٰبَ بِاَیۡدِیۡهِمۡ ٭ ثُمَّ یَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِیَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ فَوَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا کَتَبَتۡ اَیۡدِیۡهِمۡ وَوَیۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ "۔[1]	سو خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھے ہیں پھر کہتی ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیں۔ سو خرابی ہے انہیں ان کے ہاتھوں کے لکھے سے۔ اور خرابی ہے انہیں اس چیز سے جو کماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنۡ تَشَبَّہَ بِقَوۡمٍ فَھُوَمِنۡھُم اخرجه احمد وابوداؤد۔[2] ابویعلٰی والطّبرانی فی الکبیر عن ابن عمر باسنادٍ حسنٍ، وعلقه خ واخرجه الطبرانی فی الاوسط بسندٍ حسنٍ عن حذیفة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم۔	جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انہیں میں سے ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ابویعلٰی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اسناد حسن کے ساتھ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے تخریج کی۔ اور خ نے اس کو بطور تعلیق بیان کیا۔ اور طبرانی نے معجم اوسط میں اسناد حسن کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی ہے۔ ت)

ثالثًا: علماء نفس منطق کے لیے فرماتے ہیں۔ جو اُسے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعلیم بتائے کافر ہے کہ اس نے علم اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تحقیر کی۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

الصحابة رضی اللّٰه تعالٰی عنهم لم یکونوا لیشغلوا انفسهم بهذاالفشار الذی اخترعه الحکماء الفلاسفة ــــ بل من اعتقدفی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انه کان یعلم الصحابة هذه الشقاشق و الهذیانات المنطقیبه فهو کافر لتحقیره	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی یہ شان نہیں تھی کہ وہ خود کو ایسے چھلکوں میں مشغول کرتے جن کو فلاسفہ نے گھڑا ہے۔ بلکہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو یہ جھاگ اور منطق کی نامعقول باتیں سکھاتے تھے وہ کافر ہے کیونکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۷۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب فی لبس الشھرۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳، المعجم الاوسط حدیث ۸۳۲۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۱۵۱

علم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]	علیہ وسلم علم کی تحقیر کی(ت)

سبحٰن اللہ! پھر یہ منطق مُزخرف کہ صدہا وساوس ابالسِ ودَسائسِ فلاسفہ پر مشتمل، اسے اللہ جل جلالہ کی طرف سے ٹھہرانا کیونکر جناب الٰہی کی تحقیر واہانت نہ ہوگی۔! **والعیاذُ باللہ تعالٰی۔**

رابعًا: حضرت حق جلّ وعلا کو "ناطق" کہنا جائز نہیں کہ یہ لفظ شرح سے ثابت نہ ہوا، اسمائے الٰہیہ توقیفیہ ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی جل جلالہ، کا جواد ہونا اپنا ایمان مگر اسے سخی نہیں کہہ سکتے کہ شرع میں وارد نہیں۔

والمسئلۃ شھیر وفی الکتب سطیر۔ وقد یمثل بجواز الشافی دون الطبیب العدم الورود۔ **اقول:** ولکن قدورد فی الحدیث اللہ الطبیب، وانت الرفیق[2] ــــ و عن ابی بکر ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ: اَلطَّبِیْبُ اَمْرَضَنِیْ[3] ــــ فلیحرّر، واللہ تعالٰی اعلم۔	مسئلہ مشہور ہے، اور کتابوں میں لکھا ہوا ہے، اور کبھی یوں اس کی مثال دی جاتی ہے کہ اللہ تعالٰی کو شافی کہنا جائز اور طبیب کہنا ناجائز ہے کیونکہ شرع میں اُس کے لیے طبیب وارد نہیں ہوا۔ **میں کہتا ہوں** حدیث میں آیا ہے اللہ طبیب ہے اور تو رفیق ہے، اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ طبیب نے مجھے بیماری میں مبتلا کیا۔ اس کو لکھنا چاہیے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

خامسًا، اس کے اِطلاق پر ایہام نقص بھی ہے کہ نُطق کلام باحروف وآواز کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔

نَطَقَ یَنْطِقُ نُطْقًا، تَکَلَّمَ بِصَوْتٍ وَّحُرُوْفٍ تُعْرَفُ بِھَا الْمَعَانِیْ[4]۔	نطق ینطق نطقا کا معنٰی ہے کہ اُس نے آواز و حروف کے ساتھ تکلّم کیا جن حروف کا معنٰی پہنچانا جاتا ہے۔(ت)

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ النوع الثانی المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ فیصل آباد ۱/ ۳۳۸

[2] مسند امام احمد بن حنبل حدیث ابی امثہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۳

[3] الجامع الاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) تحت الآیۃ ۱۶/ ۶۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۳۹

[4] القاموس المحیط باب القاف فصل النون مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۵۹

فائدہ: یہاں سے ظاہر ہوا کہ عدم وُرود سے قطع نظر کرکے اِطلاقِ "نطق" باری عزوجل پر لُغۃً بھی غلط۔ بخلاف کلام و قول کہ ان میں حرف وصورت شرط نہیں۔

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ثقیفہ میں فرماتے ہیں:

زَوَّرْتُ فِیْ نَفْسِیْ مَقَالَۃً[1]۔	میں نے اپنی دل میں ایک مقالہ تیار کیا(ت)

اخطل کا شعر ہے:ـ

اِنّ الکلام لفی الفؤاد و انّما

جُعِل اللسان علی الفؤاد دلیلا۔[2]

(بے شک کلام دل میں ہوتا ہے، زبان کو توفقط دل پر دلیل بنایا گیا ہے۔(ت)

ولہٰذا نَطقْتُ فی نفسی نہیں کہہ سکتے۔ حقیقۃً نُطق اس بولی کا نام ہی جیسے صَہیل و نہیق آواز مخصوص اسپ و خر کا، اسی لیے سفہائے فلسفہ نے انسان کی تعریف حیوانِ ناطق سے کی۔ جس طرح فرس و حمار کی، حیوانِ صاہل و ناہق سے۔ پھر اُسی حدِّ تام بنانے کے لیے متاخرین نے نُطق کے معنی ادراک کلیات گھڑے مگر صہیل و نہیق میں کوئی تراش نہ کرسکے۔

"ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ"[3] "اِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝"[4]۔ (یہاں تک ان کے علم کی پہنچ چکی ہے، یونہی اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔ت)

وجہ دوم: اگر مصنف کتاب دور از کار، اضافت بہ ادنٰی ملابست مان کر، اس لفظ سے اپنی ذات مراد بتائے۔ تو البتہ نسبت صحیح و محذورات مذکورہ مندفع ــــ مگر:

اولا: بے داعی شرعی، روزمرہ باہمی میں، خلاف متبادر مراد لینے کو علماء آفات لسان سے شمار کرتے ہیں۔ طریقہ وحدیقہ میں ہے:

الخامس من آفات اللسان ارادۃ غیر ظاھر المتبادر من الکلام (الذی یفھمہ کل احد) وھو جائز عند	آفات زبان میں سے پانچویں آفت کلام کے ظاہر و متبادر معنی جس کو ہر کوئی سمجھتا ہے کے غیر کا ارادہ کرنا، اور بوقت ضرورت جائز ہے جیسے جھوٹ بولنا

[1] فتح الباری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی ولا تنفع الشفاعۃ عندہ الخ مصطفی البابی مصر ۱۷/ ۲۳۴

[2]

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۰

[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۰

الحاجة الیه(کالکذب علی الزوجة وبین الاثنین وفی الحرب وما الحق بذٰلک)ویکرہ(کراھة تحریم) بدونھا۔[1] اھملخصًا۔	بیوی کی دلجوائی کے لیے، دو شخصوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے، جنگ اور اس کے ملحقات کے لیے، اور بلا ضرورت ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ تلخیص (ت)

نہ کہ ایسی جگہ جس کا ظاہر وہ کچھ مجمع آفات ہو۔

ثانیًا: مجرّد ایہام، منع میں کافی __ ردُّالمحتار میں ہے:

مجرد ایھام المعنی المحال کافٍ فی المنع عن التلفُّظ بھٰذا الکلام وان احتمل معنیً صحیحا، ولذا علّل المشایخ بقولھم لانّه یوھِم الخ۔ونظیرہ ماقالوا فی انا مؤمن اِن شاءَ اللہ، فانّھم کرِھُوا ذٰلك وان قصد التبرك دون التعلیق، لما فیه من الایھام، کما قرّرہ العلاّمة التّفتَازَانی فی شرح العقائد، وابنُ الھُمام فی المُسایَرۃِ۔[2]	محض معنی محال کا ایہام اُس کلام کے ساتھ تلفظ سے ممانعت کے لیے کافی ہے، اسی لیے مشائخ نے علّت ممانعت بیان کرتے ہوئے کہا اس لیے کہ وہ وہم میں ڈالتا ہے، الخ اور اس کی نظیر وہ ہے جو مشائخ نے کسی ایسے شخص کے بارے میں کہا۔ جو کہے میں مومن ہوں اگر اللہ چاہے، کیونکہ انہوں نے اس قول کو ناپسند جانا اگرچہ وہ تبرک کا ارادہ کرے نہ کہ تعلیق کا، اس لیے کہ اس میں ایہام ہے جیسا کہ علامہ تفتازانی نے شرح العقائد اور علامہ ابن الہمام نے مسایرہ میں میں اس کی تقریر فرمائی ہے۔ (ت)

نہ کہ معنیٔ ممنوع متبادِر ہوں۔

ثالثًا: ہنوز نجات نہیں۔ اب وہ مُلابَست پوچھی جائے گی کہ حق جلاجلالہ کے اس کلام پاک سے، جس میں وہ اپنے ایک نبی جلیل کو اپنی قدرتِ کاملہ سے ایک معجزہ عظیمہ عطا فرمانا۔ ارشاد کرتا ہے۔ تجھے کیا مناسبت ومُلابَست ہے جس کے سبب یہ اضافت رَوا ہوئی۔ اگر کہے کہ میں نے مضامین مغلقہ کو "حدید" اور اُن کی توضیح کو "اِلانت" سے تشبیہ دے کر ایسا کہا تو ____ سخت مغرور، اور مقامِ رفیع ومنصب منیع نبوت پر جری وجسور۔

---

[1] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة النوع الخامس المکتبة النوریة الرضویة فیصل آباد ۲ /۲۱۶

[2] ردّالمحتار کتاب الخطر والاباحة فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۵۳

سُبْحٰن اللہ ! کہاں انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا اِعجاز اور کہاں یہ ناپاک مضامین مجمع ہر گونہ اَنجاس وار جاز،

ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مٹی کو عالم پاک سے کیا نسبت ہے۔ت

ع۔ وآین الثریا واین الثرٰی

کہاں ثریّا اور کہاں کیچڑ۔ت

ع۔ وَمَا التَّنَاسُبُ بَیْنَ الْبَوْلِ وَالْعَسَلِ

پیشاب اور شہد میں کیا مناسبت ہے۔ت

ملائکہ سے تشبیہ کا حکم اُوپر گزرا____ پھر انبیاء علیہم الصلوۃ والثنا تو اُن سے افضل ہیں____ آئمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ایسا شخص توقیر نبوت و تعظیم رسالت سے بر کراں، اور مستحق زجر و نکیر و ضرب و تعزیر و قید گراں ہے۔ اور فرماتے ہیں: یہ احمق ایسی باتوں کو سَہل سمجھتے ہیں مگر وہ بوجہ گناہِ کبیرہ ہونے کے اللہ جل جلالہ کے نزدیک شدید ہیں اگرچہ قائل کو اہانتِ نبی منظور نہ ہو۔ شِفائے عیاض و نسیم الریاض میں ہے:

الوجه الخامس ان لایقصد نقصًا و لایذکر عیبًا ولا سبًّا ولکنّه ینزع بذکر بعض اوصافه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علٰی طریق التشبّه به اوعلٰی سبیل التمثیل وعدم التوقیر لنبیّه صلی الله تعالٰی علیه وسلم (لتشبیه نفسه به واین الثریا واین الثرٰی) یحسبونه هیّنا و هو عندالله عظیم (لانّه من الکبائر) فان هذه وان لم تتضمن سبًّا، ولا اضافت الی الملئکة و الانبیاء نقصًا، ولا قصد قائلها اِزراءً ولا غضًّا،	پانچویں وجہ یہ کہ متکلم نقص کا ارادہ نہ کرے اور نہ ہی عیب اور سبّ وشتم کو ذکر کرے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعض اوصاف بطور تشبہ یا بطور تمثیل وعدم توقیر ذکر کرے تاکہ اپنی ذات کو آپ کے ساتھ تشبیہ دے کر (کہاں ثریا اور کہاں کیچڑ) وہ اسے ہلکا جانتے ہیں حالانکہ اللہ تعالٰی کے ہاں وہ بہت عظیم ہے (کیونکہ وہ کبیر گناہوں میں سے ہے) اس لیے کہ یہ مثالیں اگرچہ سب وشتم کو متضمن نہیں اور نہ ہی انہوں نے ملائکہ و انبیاء کی طرف کسی نقص کی نسبت کی اور اُن کے قائل نے بھی جسارت و تنقیص کا

فماوقر النبوۃ ولا عظّم الرسالۃ، حتی شبّہ من شبّہ فی کرامۃٍ نالھا اوضرب مثل بمن عظم اللہ خطرہ، وشرّف قدرہ، والزم توقیرہ، وبّرہ، فحق ھذا (القائل) اِن دُرِئَ عنہ القتلُ، الادبُ (بضرب اولوم او زجرٍ) و السِّجنُ۔ ولم یزل المتقدمون (من السلف وکبارِ الائمۃ) ینکرون مثل ھذا ممّن جاءَ بہ (فلیحذر من ارتکاب ھذہ القبائح الشدیدۃِ الوِزر، العظیمۃ الاثمِ، فانّھا ربما جرّت الی الکفر نعوذ باللہ من ذٰلک) وقد انکرالرشید علی اَبی نُوَاسٍ فی قولہ * فان عصا موسٰی بکف خصیب (خصیب عبد للرشید ولاّہ مصر، استعار عصا موسٰی لسیاسۃ حاکمھم وقمع ظلمھم ففیہ استعارۃ وتشبیہ بدیع، لکن فیہ سُوءُ ادبٍ لما فیہ من جعل العصا التی ھی معجزۃ لرسول بکف عبدٍ من عَبِیْدِ الخلفاء	ارادہ نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود اُس نے نبوت کی توقیر اور رسالت کی تعظیم کماحقہ، نہ کی، یہاں تک کہ کسی تشبیہ دینے والے نے اپنے ممدوح کو کسی کرامت کے حاصل ہونی کی وجہ سے یا بطور ضرب المثل اُس عظیم الشان شخصیت سے تشبیہ دے دی جس کی شان کو اللہ تعالٰی نے معظم اور اس کی قدرو منزلت کو مشرف کیا، اس کی توقیر اور اس کے ساتھ نیکی کرنے کو لازم قرار دیا، چنانچہ اس قائل کو اگر قتل کی سزا نہ بھی دی جائے مگر وہ مار پیٹ، ملامت اور زجرو توبیخ کے ساتھ تعزیر اور قید کا حقدار ہے، (اسلاف و آئمہ کبار میں سے) متقدمین ایسی مثالوں میں اُن کے قائل پر سخت ناراضگی و ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے (لہٰذا اس قسم کی قبیح مثالوں سے بچنا چاہیے جن کا وبال شدید اور گناہ عظیم ہے کیونکہ بسا اوقات یہ کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ ہم اس سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں) تحقیق رشید نے ابو نواس پر ناراضگی کا اظہار کی جب ابو نواس نے یہ کہا کہ بے شک عصا موسٰی خصیب کے ہاتھ میں ہے۔ (خصیب رشید کا ایک غلام تھا جس کو رشید نے مصر کا حاکم بنادیا تھا۔ ابونواس نے اہل مصر کے حاکم کی سیاست اور ان سے ظلم کو مٹانے کے لیے عصاء موسٰی کا استعارہ کیا، اُس کے کلام میں عمدہ تشبیہ اور استعارہ ہے لیکن اس میں بے ادبی ہے کیونکہ اُس نے عصاء موسٰی کو خلفاء کے غلاموں میں سے ایک غلام کے ہاتھ میں

وجعل ذلك العبد كرسول من اولی العزم)وقال له(ای الرشید لابی نواس)یاابن اللخناء ! هذا مما تشتم به العرب،واللخنا هنا امه من اللخن،وهو النتن فاستعير للفاحشة اوللمراة التی لم تختن،ای یادنیّ الاصل ولئیم الام ! اتستهزئ بعصاموسٰی (وهی معجزة نبی عظیم)وامر باخراجه من عسكره من لیلته [1] اھملتقطًا۔	قرار دیا حالانکہ وہ عصا ایک عظیم الشان رسول کا معجزہ ہے اور اُس نے غلام مذکور کو اولوالعزم رسولوں میں سے ایک رسول کی مثل قرار دیا)اس نے کہا۔(یعنی رشید نے ابونواس کو کہا) اے لخناء کے بیٹے(اس کلمہ کے ساتھ اہلِ عرب گالی دیتے ہیں، یہاں لخناء سے مراد اس کی ماں ہے۔یہ لفظ لخن بمعنی بدبو سے مشتق ہے۔یہ لفظ فاحشہ یا غیر مختونہ عورت کے لیے بطور استعارہ بولا جاتا ہے۔(یعنی ایک گھٹیا نسب یا کمینی ماں والے) کیا تو عصاء موسٰی کا مذاق اڑاتا ہے۔(حالانکہ وہ ایک عظیم نبی کا معجزہ ہے)اور رُشید نے اُسی رات ابونواس کو اپنے لشکر سے نکالنے کا حکم دے دیا اھ التقاط۔(ت)

بالجملہ کون مسلمان گوارا کرے گا کہ وہ آیت جس میں ایک نبی کریم کی مدح بیان فرمائی ہو تشبیہ و تمثیل کے زور لگا کر اپنے اوپر ڈھال لائے۔اور سلطان عظیم القدر جلیل الشان کا تاج لے کر ایک چمار کو پہنائے۔نسأل اللّٰہ العافیۃ(ہم اللہ تعالٰے سے عافیت مانگتے ہیں۔ت)

وجہ سوم: یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس ناطق سے کہ بر تقدیر لام،اور لوگ مثلاً طلبہ منطق و ناظرین کتاب مراد لینا بھی نجات نہ دے گا کہ یہ تشبیہ جیسے اپنے نفس کے لیے ناجائز ہے یونہی ان کے لیے **کمالایخفی**۔

وجہ چہارم: ہاں اگر یوں جان بچایا چاہے کہ میں نے **ناطق النّاله الحدید** سے خود جناب سیدنا داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو مراد لیا ہے۔تو بے شک اس صورت میں یہ اضافت نہایت حسن و بجا ـــــ مگر اب وہ آفتیں رجعت قہقری کریں گی کہ نبی اللہ پر تہمت رکھی اور اس کے علمِ عزیز کی تحقیر کی ـــــ **کمایظهرُ ممّاقرّرنا انفا** جیسا کہ اُس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے جو ہم نے ابھی ابھی کی ہے۔ت)اگر تہمت سے یوں بچے کہ حقیقتِ نسبت مقصود نہیں،بلکہ اس طور پر کہا جیسے بے باک لوگ خوش آوازوں کے گاؤں کو "نغمہ داؤدی" یا "الحانِ داؤد" کہتے ہیں ـــ تو اب وہ بلائے تشبیہ، جگر دوزی و جاں گدازی کو بس ہے۔

غرض کوئی شکل مفر کی نہیں ـــــ **والعیاذ باللہ سبحنہ وتعالٰی**(اللہ تعالٰی کی پناہ ت)

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل الوجه الخامس مرکز اہلسنت برکات رضا ۴/ ۴۰۳ تا ۴۱۱ الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القاضی عیاض فصل الوجه الخامس المطبعة الشرکة الصحافیة بیروت ۲ /۲۲۸ تا ۲۳۱

اب **بر تقدیر توصیف** چلیے، یعنی ناطق کو تنوین دے کر ____ اس صورت میں من تواصلاً چسپاں نہیں، مگر بہ ارتکابِ تمحل کہ تعلیلیہ ٹھہرائیں اور لاجل کے معنی میں لے کر لناطِق کے قریب لے جائیں۔

بہر حال اس ترکیب میں النّاله الحدید کی ضمیر متکلم سے ذاتِ مصنف مراد ہوگی، **کمالایخفٰی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ت) اور ناطق سے وہی طلبہ ونُظار ____ اور حدید سے مطالب عولصیہ، اور انکی الانت سے ایضاح وابانت ____ حاصل یہ کہ "منطق جدید اُس ناطق کے لیے، جس کے واسطے ہم نے مطالبِ مُشکلہ حل کردیئے"۔

اس معنی میں ناواقف کو کوئی محذور نظر نہ آئے مگر ہیہات۔۔۔ عــہ ۔۔۔ یہاں محذور شدید باقی ہے ____ کلام الٰہی **تعالت عظیمتہ** (جس کی عظمت بلند ہے۔ت) کا اپنے کلام کے عوض ایسا استعمال شرعاً حرام و وبال و نکال ____ یہاں تک کہ بہت فقہائے کرام نے حکم کفر دیا۔ **والعیاذ باللہ سبحنہ وتعالٰی** (اور اللہ سبحنہ وتعالٰی کی پناہ۔ت) ____ اور وجہ تحریم ظاہری وواضح۔

ذرا اپنے رب تبارک وتعالٰی کی عظمت پیش نظر رکھ کر خیال کرے کہ النالہ الحدید کس نے فرمایا؟ اور ضمیر نا سے کون سی ذاتِ پاک مراد؟ اور لہ میں کس جلیل القدر کی طرف ضمیر، اور مضمون جملہ کس امر عظیم سے تعبیر؟ ____ اب اُسی کلام کو کون شخص کس طرح اپنے استعمال میں لاتا، اور ضمیر نا سے خدا کے عوض کس ذلیل حقیر کو مراد لیتا۔ اور کنایہ لہ نبی اللہ کے بدلے کس کی طرف پھیرتا۔ اور عزت والی بات کو، جس کی قدر خدا اور رسول ہی خوب جانتے ہیں، کس بے ہودہ بات پر ڈھالتا ہے۔

ع حقّا کہ تاج شاہی کناس را نہ زیبد

(حق یہ ہے کہ بادشاہ کا تاج جھاڑو پھیرنے والے کے سر پر زیب نہیں دیتا)

یاھذا: حق بات اپنے مقابل کم سمجھ میں آتی ہے کہ نفس آمادہ رفع وانتصار ہوتا ہے۔ دوسروں پر خیال کرکے دیکھ۔ مثلاً زید عمرو کو مالِ کثیر دے کر کہے کہ "اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝" [1] (اے محبوب! ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائے۔ت) کیا نہ کہا جائے گا کہ اس نے خدا و کلام خدا اور رسول خدا کی قدر نہ جانی۔

حاش اللہ کہاں خدا، کہاں زید ____ کجا حضور، کجا عمرو ____ کہاں کوثر، کہاں زر ____!

یا عمرو نے زید کو کہیں بھیجا ____ بکر نے پوچھا کس کے حکم سے گیا تھا؟ ____ عمرو بولا: "اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۝" [2]۔ (ہمارے پاس کے حکم سے بے شک ہم بھیجنے والے ہیں۔ت)

عــہ: لایبدو وماھنا فی المخطوطۃ صافیا ۱۲ محمد احمد)

---

[1] القرآن ۱۰۸/۱

[2] القرآن الکریم ۴۴/۵

وعلٰی ھذا قیاسُ غیر ذٰلك من اراجیف جھلة النّاس(اس کے علاوہ جاہل لوگوں کی منگھڑت باتوں کو اسی پر قیاس کرلو۔ت)

ہاں ہاں قطعًا اِس طرح کا استعمال مستلزم کفرواستخفاف۔ پھر جس نے الزام بہ لازم کیا کافر کہا۔اور محققین نے عدمِ التزام پا کر صرف حرام ٹھہرایا۔

فاتقن ھذافانه مفید *وتحقیق المقام یقتضی المزید *وانّ له عند العبد الضعیف ÷ یفضل المولٰی القوی اللطیف *تنقیحًا وبسطًا *توضیحًا وضبطًا * یطلب ھو وامثاله من مجموعنا المبارك ان شاء الله تعالٰی *العطایا النبویه فی الفتاوٰی الرضویه ــــ وبھٰذا القدر،وضع الامر۔وبان الفرق بینه وبین التضمین ،فانّه سائغ عند الاکثرین،وان ذھب ناس الی التحریم *والله تعالٰی سبحٰنه بالحق علیم۔	اس کو پختہ کرے کیونکہ یہ مفید ہے۔اس مقام کی تحقیق مزید کا تقاضا کرتی ہےاوراس کے لیے قوت ولطف والے مولٰی تعالٰی کے فضل سے عبدِ ضعیف کے پاس تنقیح وتفصیل اور توضیح و ضبط ہے۔اُس کو اور اس کی مثال کواِن شاء اللہ تعالٰی ہمارے بابرکت مجموعے "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" سے طلب کیا جاسکتا ہے۔اس قدر سے معاملہ کی وضاحت ہوگئی۔اور اس کے درمیان اور تضمین کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا کیونکہ اکثر کے نزدیک وہ جائز ہے اگرچہ کچھ لوگ اس کے حرام ہونے کی طرف گئے ہیں۔اور اللہ سبحٰنہ و تعالٰی حق کو خوب جانتا ہے۔(ت)

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

جمع اھل موضع وقال:فجمعنھم جمعًا اوقال:وحشرنٰھم فلم نغادِر منھم احدا o کفر[1] اھملتقطًا۔	کسی نے شہر والوں کو جمع کیااور کہا جمعنھم جمعًا (تو ہم ان سب کو اکٹھا کرلائیں گے) یا کہاوحشرنٰھم فلم نغادر منھم احدًااور ہم اُن کو جمع کردیں گے تو ہم ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے) تو وہ کافر ہوگیااھ التقاط(ت)

اسی میں ہے:

اذاقال لغیرہ خانه چناں پاک کردہ کہ چوں	جب دوسرے شخص کو کہا کہ گھر کو تُونے ایسا پاک

[1] الفتاوٰی الھندیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۷

والسماء والطارق ○قیل یکفر ،وقال الامام ابوبکر بن اسحٰق رحمۃ اللہ تعالٰی ان کان القائل جاھلا ، لا یکفر ، وان کان عالما یکفر۔ واذقال:قاعًا صفصفا شدہ است فھٰذہ مخاطرۃ عظیمۃ۔ واذ قال لباقی القدر: والبٰقیت الصّٰلحٰت۔ فھٰذہ مخاطرۃ عظیمۃ،کذا فی الفصول العمادیۃ۔[1]	کردیا ہے کہ جیسے والسماء والطارق (آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی) تو کہا گیا ہی کہ کافر ہوجائے گا۔ اور امام ابوبکر بن اسحاق علیہ الرحمۃ نے کہا کہ اگر قائل جاہل ہے تو کافر نہ ہوگا اور اگر عاصم ہے تو کافر ہوجائے گا۔ اور اگر کہا کہ قاعا صفصفا (کھلا ہموار میدان) ہوگیا ہے تو یہ خود کو عظیم خطرہ میں ڈالنا ہے۔ اور جب ہنڈیا کی کھرچن یا بقیہ کے کے بارے میں کہا والباقیات الصالحات (باقی رہنے والے نیک کام) تو یہ خود کو عظیم خطرہ میں ڈالنا ہے۔ فصول عمادیہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

تتمۃ الفتاوٰی میں ہے:

من استعمل کلام اللہ تعالٰی فی بدل کلامہ کمن قال فی ازدحام الناس فجمعنٰھم جمعا کفر[2]۔	جس نے اپنے کلام کے بدلے میں اللہ تعالٰی کے کلام کو استعمال کیا تو کافر ہوجائے گا۔ جیسے لوگوں کے ہجوم کے بارے میں کہا فجمعنٰھم جمعًا (تو ہم ان سب کو اکٹھا کرلائیں گے۔ ت)

محیط میں ہے:

من جمع اھل موضعٍ وقال:وحشر نٰھم فلم نغادر منھم احدا ○اوقال فجمعنٰھم جمعا○ کفر[3]۔	جس نے کسی بستی کے لوگوں کو جمع کیا اور کہا وحشرنٰھم فلم نغادر منھم احدًا (اور ہم ان کو جمع کریں گے تو ان میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے) یا کہا فجمعنٰھم جمعًا (تو ہم ان سب کو اکٹھا کرلائیں گے) تو کافر ہوجائے گا۔ (ت)

فاضل علی بن سلطان محمد مکی اس کی تعلیل میں فرماتے ہیں:

---
[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ تتمۃ الفتاوٰی فصل فی القراءۃ الصلوۃ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۶۸

[3] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر بحوالہ بحوالہ المحیط فصل فی القراءۃ الصلوۃ مصطفٰی البابی مصر ص ۱۶۸

لانّہ وضع القراٰن فی موضع کلامہ [1]۔	اس لیے اس نے قرآن مجید کو اپنے کلام کی جگہ رکھا۔(ت)

اِعلام میں ہمارے علماء سے کفر اتفاقی میں منقول:

اوملأ قدحافقال:کاسًا دھاقًا o اوفرغ شرابا فقال: فکانت سرابا o اوقال بالاستھزاء عندالوزن او الکیل،واذاکالوھم اووزنوھم یخسرون۔ [2]الخ	یا پیالہ بھرا اور کہا کاسًا دھاقا (چھلکتا جام) یا شراب کو انڈیلا اور کہا فکانت سرابا (تو ہوجائیں گے جیسے چمکتا رہتا) یا ناپ اور وزن کرتے وقت بطور استہزاء کہا واذا کالوھم اوزنوھم یخسرون (اور جب انہیں دین ناپ کریا تو تول کر گھٹا کر دیں) (ت)

بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے اس نام میں کوئی احتمال قابلِ قبول اربابِ عقول ایسا نہیں جو واضع نام کو ارتکابِ گناہ سے بچالے۔اور واقعی ایسی کتاب کو ایسا ہی نام پھبتا تھا۔

"اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ" [3] نسأل مولٰینا العفوالعافیة * والنعمة الوافیة * و الرحمة الکافیة* والھدایة * الشافیة * والعیشة الصافیة * انہ ھو الغفور الرحیم *ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم *وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰینا محمدٍ واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین!	گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے۔ ہم اپنے مولٰی سے مانگتے ہیں در گزر اور عافیت، بھرپور نعمت، کفایت کرنے والی رحمت، شافی ہدایت اور ستھری زندگی، بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔نہ گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے مگر بلندی و عظمت والے معبود کی توفیق سے۔اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی اور آپ کے تمام آل و اصحاب پر اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔(ت)

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر فصل فی القراءۃ الصلوۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۸

[2] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاۃ الفصل الاول مکتبہ الحقیقۃ دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۶۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۶

تنبیہ النّبیہ (عظیم الشان تنبیہ)

اِعلَم .اکرمنی اللہ تعالٰی وایّاک ،ووقانا جمیعا مواقع الھلاک ،انّ ھٰذاالکلام النفیس الموجزکان متعلقا بنفس الاقول *والاٰن اٰن ان نتکلم علی المتکلم الردی ،الحال ،**فاقول**:وعلی اللہ الوُکول بان لك ممّا بیّنا انّ اقوال زید وان لم تخرج بحذا فیرھا عن دائرۃ الاکفار واشدّ البوار ،لادقّھا ولاجلّھا ولاکُثرھا ولا قُلّھا۔فما منھا من قال ولا قیل *اِلّا و للکفر الیہ سبیل *لکنّھا فی تنوّع الموارد *اذلم یکن نسجھا علٰی منوالٍ واحدٍ*۔	تُو جان لے اللہ تعالٰی مجھے اور تجھے عزت عطافرمائے اور ہمیں ہلاکت کی جگہوں سے بچائے کہ بیشک یہ عمدہ مختصر کلام نفس اقوال سے متعلق ہے، اب وقت آگیا ہے کہ ہم ردی حال والے متکلم پر گفتگو کریں۔ چنانچہ **میں کہتا ہوں** اور اللہ تعالٰی ہی پر بھروسہ ہے، ہمارے بیان سے تجھ پر عیاں ہوگیا کہ اگر زید کے چھوٹے، بڑے، کثیر و قلیل تمام اقوال دائرہ تکفیر اور شدید ترین ہلاکت سے خارج نہیں، ان میں کوئی قیل و قال ایسی نہیں جس کا کفر کی طرف راستہ نہ ہو لیکن ان کے مواضع استعمال مختلف انواع کے ہیں کیونکہ اُن کو ایک ہی سانچے پر نہیں بُنا گیا۔
فمنھا ماتنازعَت فیہ اٰراء العلماء ویرد موردہ کفر لایعطیہ منطوق المقال وانما یتطرق الیہ من جھۃ الزوم کالّذی الزمناہ علی القول السابع من خلوم الکافر المتلبس بکفرہ فی الجنّۃ۔فھٰذا مما یتوار دعلیہ النفی والاثبات *من الائمۃ الاثبات___ فمن الزمہ بموجب کلامہ اکفر ،ومن لافلا ___ کما فی الشفاء للامام نسیم الریاض ،من قال (من	ان میں سے **بعض** ایسے اقوال ہیں جن میں علماء کی آراء باہم مختلف ہیں۔ ان پر نفس کلام سے کفر وارد نہیں ہوتا مگر اس سے کفر لازم آتا ہی جیسے ہم نے قول ہفتم پر اُسی الزام دیا کہ اس سے کافر کا کفر کے ساتھ ملبس ہوتی ہوئے ہمیشہ جنت میں رہنا لازم آتا ہے۔ یہ ان اقوال میں سے ہے جن پر متبحر ائمہ اکرام سے کفر کی نفی واثبات دونوں وارد ہیں۔ چنانچہ جس نے اس کو کلام کے موجب سے الزام دیا اور جس نے ایسا نہیں کیا، اُس نے کافر قرار نہیں دیا جیسا کہ امام قاضی عیاض کی تصنیف الشفاء اور اس کی شرح

اھل السنۃ)بالمآل لما یؤدیه الیه قوله کفرہ ـــ فکانهم صرّحوا(عندالمکفّر لهم)بما اٰدّٰی الیه قولهم ــــ ومن لم یر اخذهم بمآل قولهم لم یرا کفارهم (لشمول معنی الایمان لهم بحسب الظاھر)قال لانهم اذاوُقفوا علٰی ھذا قالوا نحن ننتفی من القول الذی الزمتموہ لنا ونعتقدنحن وانتم انه کفر ــــ بل نقول انّ قولنا لایؤول الیه علی ما اصلناہ. فعلٰی ھٰذین الماخذین اختلف الناس(من علماء الملّة واھل السنّة)فی اکفار اھل التاویل ــــ والصواب (عند المحقّقین)ترك اکفارھم لٰکن یغلّظ علیهم بوجیع الادب،وشدید الزجروالھجر،حتی یرجعوا عن بِدَعِهم ـــ وھٰذہ کانت سیرۃ الصدر الاوّل (من الصحابة والتابعین ومن قرب منهم)فیهم، ماازاحوالهم قبرًا،ولا قطعوا لهم میراثا،لکنّهم ھجروھم وادّبوھم بالضرب والنه القتل علٰی قدر احوالهم،لانهم فساق ضُلاّل(اھل بدع،والله المُوَفّقُ اھملتقطا[1]۔

نسیم الریاض میں ہے،اہل سنت میں سے جس نے اس کے کلام کے مآل کو دیکھا اس نے اسے کافر قرار دے دیا انہوں نے (تکفیر کرنے والے کے نزدیک) اُس مآل کی تصریح کی جس کی طرف قائلین کا کلام پہنچاتا ہے۔اور جس نے مآل کلام کی بنیاد پر مؤاخذہ کو روانہ سمجھا اس نے ان کی تکفیرنہ کی (کیونکہ بظاہر معنی ایمان انہیں شامل ہے)اس نے کہا عدم تکفیر کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں مآلِ کلام سے آگاہ کیا جائے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم اس قول سے انکاری ہیں جس کاالزام تم نے ہمیں دیا۔اور ہم اور تم اُس کو کفر جانتے ہیں،بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے قول کی جو بنیاد رکھی ہے اُس اعتبار سے ہمارے قول کا مآل وہ نہیں (جو تم نے بتایا)ان دو ماخذوں کی بنیاد پر لوگوں (یعنی علماء ملت و اہلسنت) میں اہل تاویل کی تکفیر میں اختلاف واقع ہوا۔اور (محققین کے نزدیک) درست یہ ہے ان کی تکفیر نہ کی جائے لیکن مارپیٹ، سخت ڈانٹ ڈپٹ اور بائیکاٹ کے ذریعے ان کو سزا دی جائے یہاں تک کہ وہ اپنی بدعتوں سے رجوع کرلیں۔یہ طریقہ ان کے بارے میں صدر اول (عہد صحابہ وتابعین وتبع تابعین میں تھا۔صدر اوّل کے مسلمانوں نے اہل تاویل کو نہ تو قبروں سے محروم کیااور نہ ہی میراث سے منقطع کیا لیکن ان سے قطع تعلق کیااور انکے حالات کے مطابق مارپیٹ، جلاوطنی اور قتل کے ذریعے انہیں سزائیں دیں کیونکہ وہ فاسق، گمراہ اور اہل بدعت ہیں۔اور اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا ہے اھ۔التقاط (ت)

---

[1] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی ۲ /۲۷۸۔۲۷۸ ونسیم الریاض برکات رضا گجرات ہند ۴ /۵۲۸تا۵۳۱

ومنهامالا امتراء فی کونه کفرا ـــــ لکن نشاق مطاوی المقال مااخرجه عن حدّالافصاح ÷ ووقع به التجاذب فی إعطاء الکفر البواح÷ کلفظة "عندهم" فی القول السادس ـــــ فربما جاء للتبری،وان کان الظاهر ثمّه خلاف ذٰلک،عندالعارف باسالیب الکلام ـــــ وھٰذان القسمان لاا کفار بهما عند المحققین۔
امّا الثانی:فواضح،لان من یشهد بالشهادتین فقد ثبت اسلامه بیقین،والیقین لایزول بالشک ـــ[1] وقد روی ذٰلك عن ائمتنا،کما فی حاشیة السید احمد الطحطاوی عن البحر الرائق عن جامع الفصولین عن الامام الطحاوی عن الاجلة الاصحاب رضی الله تعالٰی عنهم،
واما الاول فلما صرّح الائمة الاثبات ان التکفیرا مرعظیم،وخطرالاثبات ان التکفیرامرعظیم، و خطر جسیم کلحم جمل غثّه علی راس جبل وعر،لا سهل فیرتقی،ولا سمین فینتقی ـــ مسالکه عسیرة و مهالکه کثیرة ـــ فالذی

اور بعض اقوال ایسے ہیں جن کے کفر ہونے میں کوئی شک نہیں،لیکن اثناء کلام میں کوئی ایسا قرینہ پایا گیا جو اس کو کفر صریحی کی حد سے خارج کردیتا ہے۔اور اس کی وجہ سے قائل پر ظاہری کفر کا حکم لگانے میں باہم کشمکش واقع ہوجاتی ہے جیسے قول ششم میں لفظ "عندھم" بسااوقات یہ لفظ براءت کے لیے آتا ہے،اگرچہ اسالیب کلام کے ماہر کے نزدیک وہاں بظاہر اس کے خلاف ہے۔ان دونوں قسموں پر محققین کے نزدیک تکفیر نہیں کی جاتی۔
قسم ثانی تو واضح ہے کیونکہ جو توحید و رسالت کی شہادت دے دے اس کا اسلام یقینی طور پر ثابت ہوجاتا ہے۔اور یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا۔ تحقیق ہمارے آئمہ کرام سے یہی مروی ہے جیسا کہ سید احمد طحطاوی کے حاشیہ میں البحرالرائق سے بحوالہ جامع الفصولین مذکور ہے،جامع الفصولین نے امام طحاوی سے اور انہیں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے۔
رہی **قسم اول** تو وہ اس لیے کہ متبحر ائمہ کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ بے شک تکفیر ایک عظیم اور بہت زیادہ ہلاکت میں ڈالنے والا معاملہ ہے۔جیسے لاغروانٹ کا گوشت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر پڑا ہو،نہ راستہ آسان کہ چڑھا جائے اور نہ ہی وہ گوشت طاقتور کہ اس کے لیے مشقت اٹھائی جائے،اس کے

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الثالثۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/۸۴

یحتاط لدینه لایتجاسر علیه الابدلائل کشموس بل اَجلٰی، حتّٰی انّ المسئلة ان کانت لھا وِجھة الی الاسلام وتسع وتسعون وجھة الی الکفر فعلی المفتی ان یمیل الی الوِجھة الاولٰی، فانّ الاسلام یَعلو ولا یُعلٰی ــــ و ان کان ھذا لاینفع القائل عند الله تعالٰی ان کان ارادوِجھةً اُخرٰی۔	راستے دشوار اور اس کی ہلاکتیں کثیر ہیں۔ جو شخص اپنے دین میں محتاط ہے وہ تکفیر پر جسارت نہیں کرتا۔ جب تک سورج کی مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ روشن دلائل موجود نہ ہوں، یہاں تک کہ اگر کسی مسئلہ میں ایک جہت اسلام کی اور ننانویں جہتیں کفر کی نکلتی ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ پہلی جہت کی طرف میلان کرے کیونکہ اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اگرچہ یہ قائل کے لیے عنداللہ نافع نہیں اگر اس نے دوسری جہت یعنی جہتِ کفر کاارادہ کیا ہے۔
وقد قال المولٰی العلامة زین بن نُجَیم المصری فی البحر، والذی نحرّر انه لایُفتٰی بتکفیر مسلمٍ امکن حمل کلامه علی محمل حسن، اوکان فی کفرہ اختلاف ولو روایة ضعیفة ــــ قال رحمة الله تعالٰی ــــ فعلٰی ھذا اکثر الفاظ التکفیر المذکورۃ لایفتٰی بالتکفیر بھا، ولقد الزمت نفسی ان لا افتی بشیئ منھا اھ[1]	مولانا علامہ زین بن نجیم مصری نے البحر الرائق میں فرمایا اور وہ جسے ہم تحریر کرتے ہیں یہ ہے کہ کسی ایسے مسلمان کی تکفیر کا فتوٰی نہ دیا جائے جس کے کلام کو اچھے معنی پر محمول کرنا ممکن ہو یا جس کے کفر میں اختلاف پائے جائے۔ اگرچہ ضعیف روایت کی وجہ سے ہو۔ علامہ مصری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اسی وجہ سے مذکورہ الفاظ تکفیر میں سے اکثر پر تکفیر کا فتوٰی نہیں دیا جاسکتا اور میں نے خود پر لازم کرلیا ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ کفر کا فتوٰی نہیں دوں گا اھ)
قال الحِبر الخیر الخیر الرملی، اقول: ولو کانت الروایة لغیر مذھبنا، ویدلّ علٰی ذلك اشتراط کون مایوجب الکفر مجمعًا علیه۔[2] اھ تابعه علیه	عالم صالح خیر الدین رملی نے فرمایا، میں کہتا ہوں اگرچہ وہ روایت ہمارے مذہب کے غیر کی ہو، اور موجب کفر کے متفق علیہ ہونے کی شرط لگانا۔ اس پر دلالت کرتا ہے۔ اھ ابوالسعود نے

[1] البحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۵

[2] ردالمحتار کتاب الجھاد باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۹

ابو السعود فی شرح الاشباہ۔ وقد فصّل الکلام فی ھٰذا المرام تاج المحققین، سراج المدققین، سیّدنا الوالدقُدّس سِرُّہٗ الماجد فی بعض فتاواہ التی شدد فیھا النکیر علٰی بعض اعلامہ عصرہ فلم یردّو شیئا، وکانوا لہ مُذعنین۔ **ومنھا** وھوالاکثر ما لاعذر فیہ لِزیدٍ ولا مھلا ولا روید، کالاقوال الاربعۃ الاول وغیرھا، فانہ قد ناضل فیھا ضروریات الدین، وخلع من رقبتہ ربقۃ الیقین واتٰی بما لا تغسلہ البحار ولاتساعد الحیل والاعذار ـــــ و قد علمت انہ اذا کان عن علم وعمدٍ وطوع ـــــ ولاریب فی وجودھا فھنا فلاتنفع العزائم ولا تمنع التمائم، ولاحول ولاقوۃ باللہ العلی العظیم۔ **واعلم** اَنّ العبد الضعیف لطفَ بہ المولی اللطیف لما وصل الی ھذا المقام * وحان اوان الحکم علی المتکلم بذالک الکلام، تعرضّت لہ حشمۃ کلمۃ الاسلام، فاستعظم الجزم بالاکفار	شرح اشباہ میں اس کی متابعت کی ہے۔ تحقیق اس مقصد میں کلام کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے میرے والد ماجد قدس سرہ، نے جو محققین کے تاج اور مدققین کے چراغ ہیں اپنے اُن بعض فتاوٰی میں جن میں آپ نے اپنے ہمعصر مشاہیر پر سخت تنقید کی تو انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ آپ کی اطاعت کرنے والے تھے۔ اور بعض اقوال جو کہ اکثر ہیں ایسے ہیں کہ ان میں زید کے لیے عذر نہیں، نہ ان میں کوئی مہلت ہے نہ ڈھیل جیسے پہلے چار اقوال وغیرہا کیونکہ ان میں اس نے ضرویات دین پر تیر اندازی کی اور یقین کا پھندا اپنی گردن سے اتار پھینکا اور ایسے غلیظ کلمات واقوال لایا کہ انہیں کئی سمندر بھی نہیں دھو سکتے اور نہ ہی حیلے بہانے اس کی مواقفت کرتے ہیں۔ تحقیق تُو جان چکا ہے کہ اگر وہ اقوال جانتے بوجھتے بخوشی کہے گئے جیسا کہ یہاں ان امور کی موجودگی میں کوئی شک نہیں تو نہ ارادے نفع دے سکتے ہیں اور نہ ہی تعویذات دفاع کرسکتے ہیں۔اور نہیں ہے برائی سے بچنے کی طاقت اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق سے۔ تُو جان لے کہ عبدِ ضعیف (اس پر مہربان مولٰی مہربانی فرمائے۔جب اس مقام پر پہنچا اور اس کلام کی وجہ سے متکلم پر حکم لگانی کا وقت آیا تو اُسی کلمہ اسلام کی عظمت و جلالت دامنگیر ہوئی، چنانچہ اس نے تکفیر کو بہت ہی عظیم معاملہ سمجھا اس بات کاخوف

آیّما استعظام * فرقًا من ان تکون هناك دقیقة عمیقة لم یصلها فهمی، او شاذة فاذّة لم یحط بها علمی * فاستخرت المولٰی سبحٰنه وتعالٰی و جعلت اراجع الکتب واقلب الاوراق * حتی اکملت الجد وانهیت الجهد حسب مایطاق * وصرفت فیه یومین کاملین * فلم ارشیئا تقرُّ به العین * بل کلمّا توغلّت فی تتبع الاسفار * تتابع الاقوال تؤید الاکفار * الٰی ان وقفت علی معظم المسائل * وعامة الفروع فی کتاب الاماثل * من اصحابنا الحنفیة * وعمائد الشافعیة * وزعائم المالکیة * والذی تیسر من کلمات الحنبلیة * فاذاهی جمعا کماهی علیحدة * کانها ترمی عن قوس واحدة * فایقنت ان لیس للرّجل محیص * ولا عن الحکم بالاکفار مفیص * اللهم الا حکایة ضعیفةً عن بعض علمائنا فی الجامع الاصغر * انّ عقد الخلد هو المعتبر * اوردها ثم ردّها ثم ردها_ ولکن زدتُّ بها تلعثما * و ودِدت الوقوف هناك تاثُّما علمًا منی بان الخلاف وان کان ضعیفا ههنا کافٍ ___ فامعنت النظر وانعمت	کرتے ہوئے کہ ہوسکتا ہے یہاں گہرا باریک علمی نکتہ ہو جس تک میری دانش نہ پہنچی ہو یا کوئی الگ تھلگ، علمی بات جس کو میرا علم حاوی نہ ہوا ہو، تو میں نے مولٰی سبحنہ، وتعالٰی سے استخارہ کیا اور کتابوں کی طرف مراجعت اور ورق گردانی کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے اپنی پوری کوشش کرلی اور مقدور بھر انتہائی محنت ومشقت کو بروئے کار لایا۔ اور اس میں پورے دو دن صرف کردیئے۔ اس کے باوجود میں نے کوئی ایسی شے نہ پائی جس سے آنکھ ٹھنڈی ہوتی بلکہ جب بھی کتابوں کی تلاش میں منہمک ہوا، پے درپے تکفیر کے مؤید اقوال ہی پائے۔ یہاں تک میں نے حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہاء کرام اور علماء عظام کی کتب میں بہت سے عظیم مسائل اور عام فروع پر واقفیت حاصل کی تو وہ مجموعی طور پر بھی ایسے ہی ہیں جیسے الگ الگ گویا کہ وہ سب ایک ہی کمان سے تیر اندازی کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے یقین کرلیا کہ اُس شخص کے لیے کوئی جائے فرار نہیں اور نہ ہی حکم تکفیر سے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ اے اللہ! مگر ایک ضعیف روایت جو ہمارے بعض علماء سے جامع اصغر میں منقول ہے وہ یہ کہ ارادہ قلبی معتبر ہے، جامع اصغر میں اس کو وارد کیا پھر اُس کا خوب رَد کیا۔ لیکن میں نے اُس میں زیادہ سوچ بچار کی اور گناہ سے بچنے کے لیے توقف کو پسند کیا یہ سمجھتے ہوئے کہ مخالفت اگرچہ کمزور ہے مگر یہاں کافی ہے۔ چنانچہ میں نے گہری نظر ڈالی اور فکر میں

الفکر * حتی فتح المولٰی تبارك و تعالٰی ان الا کفار علیه الاجماع * و انما وقع فی الکفر النزاع * فلا شك ولا ارتیاب ان من تکلم بکلمة الکفر طائعًا عالمًا عامدًا صاحیًا فهو کافر عندنا قطعًا لاینتطح فیه عنزان، و نجری علیه احکام الردة ویحرم علٰی امراته ان یمکنه من نفسها، ویجوز لها ان تنکح من دون طلاقٍ من تشاء والقائل نحبسه ثلاثاندبا عــہ ونمهله لیرزق توبا، فان تاب و الا قتل ورمی بجیفة کجیفة الکلاب، من دون غسل ولا کفن * ولا صلوة ولا دفن * وقطعنا میراثه عن مورثیه المسلمین * و جعلنا کسب ردّته فیئًا لجمیع المؤمنین، الٰی غیر ذلك من الاحکام المشرحة فی الکتب الفقهیة۔	مبالغہ کیا یہاں تک کہ مولٰی تبارک و تعالٰی نے مجھ پر آشکارا فرمادیا کہ تکفیر پر اجماع ہے، نزاع تو فقط کفر میں ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس نے بخوشی جان بوجھ کر بقائمی ہوش وحواس کلمہ کفر بولا وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر کافر ہے۔ اس میں دو بکریاں سینگ نہیں لڑائیں گی۔ ہم اُس پر مرتد ہونے کے احکام جاری کریں گے۔ اُس کی بیوی پر حرام ہوگا کہ وہ خود کو اس کے قابو میں دے اور اس کے لیے جائز ہوگا۔ بغیر طلاق جس کے ساتھ چاہے نکاح کرلے اور کلمہ کفر کہنے والی کو ہم بطور استحباب تین دن محبوس رکھیں گے اور اُس کو مہلت دیں گے تاکہ اُسے توبہ کی توفیق ملے۔ اگر اس نی توبہ کرلی تو ٹھیک ورنہ قتل کرکے اس کے لاش کو کتے کے لاش کی طرح غسل، کفن، نماز جنازہ اور دفن کے بغیر پھینک دیں گے مسلمان مورثوں سے اس کی میراث منقطع کردیں گے۔ اور اس کی حالتِ ارتداد کی کمائی کو تمام مسلمانوں کے لیے غنیمت بنادیں گے۔ اسی طرح اس کے علاوہ دیگر احکام جاری کریں گے جو کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔
اما انه هل یکفر بذلك فیما بینه وبین ربّه تبارك وتعالٰی فقیل، مالم یعقد الضمیر علیه، لانّ التصدیق	رہا یہ مسئلہ کہ کیا وہ اس کلمہ کے ساتھ عنداللہ کافر ہوجائے گا یا نہیں، تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں ہوگا جب ولی ارادہ نہ پایا جائے کیونکہ تصدیق کا

عــہ: الا اذا استمهل فیجب فی ظاهر الروایة ۱۲منه۔

مگر جب وہ مہلت طلب کرے تو پھر ظاہر الروایہ میں واجب ہے ۱۲منہ (ت)۔

محله القلب وهذه هی الحکایة التی اشرنا الیها، وقال عامة العلماء و جمهور الامناء، نعم، وان لم یعقد، لانّه متلاعب بالدّین، وهو کفر بیقین وقد قضی الله تعالٰی انّ مثل ذٰلك لایقدم علیه الامن نزع الله الایمان من قلبه، عوذا به سبحٰنه وتعالٰی،

قال تعالٰی: "وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ(۶۵) لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْؕ "[1]۔

وهذا هوا لصحیح الرجیح المذیل بطراز التصحیح فهنالك عملت فی ذلك رسالةً جلیلةً وعجالةً جمیلةً تشتمل علی غرر الفوائد والدُّرر الفرائد، سمّیتها البارقة اللمعا فی سوء من نطق بکفرٍ طوعا لیکون العلم علمًا علی التاریخ کرسالتنا هذه التی نحن الان مفیضون فیها سمینا ها "مقامع الحدید علی خدّا المنطق الجدید ۱۳۰۴ھ"۔

محل دل ہے یہی وہ حکایت ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے جب کہ عام علماء کرام اور جمہور اامنا نے کہا ہے کہ وہ کافر ہوجائے گا اگرچہ دلی طور پر عزم نہ پایا جائے کیونکہ وہ دین کے ساتھ کھیلنے والا ہے۔ اور یہ یقینا کفر ہے۔ تحقیق اللہ تعالٰی نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ اس جیسے فعل کا ارتکاب صرف وہی کرے گا جس کے دل سے اللہ تعالٰی ایمان سلب کرلیتا ہے، اللہ سبحنہ وتعالٰی کی پناہ۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم نے یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ہو مسلمان ہو کر۔

اور یہی صحیح وراجح ہے جو تصحیح کے نقش ونگار سے مزین ہے، تو یہاں سے ہی میں نے ایک خوبصورت جلیل القدر رسالہ بنا دیا جو چمک دار فوائد اور بڑے بڑے موتیوں پر مشتمل ہے میں نے اس کا نام البارقة اللمعا فی سوء من نطق بکفر طوعا (۱۳۰۴ھ) رکھا تاکہ نام سے رسالہ کی تاریخ تصنیف کا علم ہو جائے ہمارے اس رسالے کی طرح جس میں اب ہم مشغول ہونے والے ہیں اُس کا نام ہم نے مقامع الحدید علی خدالمنطق الجدید رکھا۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۵۔۶۶

فعلیک(عہ) بھا فانی حققت فیھا اَنَّ اکفار الطائع ھو الاجماع من دون نزاعٍ واقمت علٰی ذٰلک دلائل ساطعۃ لاترام * و براھین قاطعۃ لاتضام * فسکن الصدر * و استقر الامر * وبان الصواب * وانکشف الحجاب * و الحمد ﷲ رب العلمین۔	تجھ پر اُس رسالہ (البارقۃ اللمعا) کا مطالعہ لازم ہے کیونکہ میں نے اس میں تحقیق کی ہے کہ برضا ورغبت کفریہ کلمہ بولنے والے کی تکفیر پر اجماع ہے اُس میں کوئی نزاع نہیں، میں نے اس پر ایسے بلند دلائل قائم کیے ہیں جنہیں جھکایا نہیں جاسکتا۔اور ایسے قطعی براہین قائم کیے ہیں جن میں کمی نہیں کی جاسکتی۔دل مطمئن معاملہ ثابت، درستگی ظاہر اور حجاب منکشف ہوگیا۔اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا(ت)

بالجملہ حکمِ اخیر یہ ہے:

کہ زید کے اقوال مذکورہ بعض حرام وگناہ ____ اور بعض بدعت وضلالت ____ اور اکثر خاص کلماتِ کفر **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ۔ت)

اور زید بہ حکم شرع فاسق، فاجر، مرتکب کبائر، بدعتی خاسر، گمراہ غادر ____ اس قدر پر تو اعلٰی درجہ کا یقین اس کے سوا اس پر حکم کفر وارتداد سے بھی کوئی مانع نظر نہیں آتا ____ حنفیّہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ سب کے کلمات ____ بلکہ صحابہ وتابعین سے لے کر اِس زمانہ تک کے افتاء وقضیات، بالاتفاق یہی افادہ کرتے ہیں ___ **کما بیّنّا فی "البارقۃ اللمعا"** (جیسا کہ اس کو ہم نے البارقۃ اللمعا میں بیان کردیا۔ت)

بالفرض اگر بہ ہزار دِقت کوئی بچتی ہوئی صورت نکل بھی سکی تو یہ بالجزم بین ومبین وصریح وظاہر کہ وہ اپنے ان اقوال کے سبب عامہ علمائے دین وجماہیر آئمہ کاملین کے نزدیک کافر، اور اس پر احکامِ ارتداد جاری اور بے توبہ مرے تو جہنمی ناری۔**والعیاذ باللہ القدیر الباری** (اور اللہ کی پناہ جو قدرت والا پیدا کرنے والا ہے۔ت)

العظمۃ ﷲ! (بڑائی اللہ کے لیے ہے،ت) اس قدر کیا کم ہے۔

عــــہ: الضمیر یرجع الی "البارقۃ اللمعا" فانھا التی اشبع فیھا الکلام حول ذا الموضوع ۱۲ محمد احمد)

اعلام میں فرماتے ہیں۔

لوتشبّه بالمعلمین فاخذ خشبة وجلس القوم حوله کالصبیان فضحکوا واستهزاء واکفر۔زاد فی الروضة۔الصواب لا۔ولا یغترّ بذلک فانه یصیر مرتدّا علٰی قولِ جماعة۔وکفٰی بهذا خسارًا وتفریطا اه[1] ملتقطًا	اگر کوئی معلّمین کی مشابہت اختیار کرتے ہوئے تخت پر بیٹھا اور لوگ مثل بچوں کے اس کے ارد گرد بیٹھ گئے اور ہنسی مذاق کرنے لگے تو وہ کافر ہو جائیں گا۔روضہ میں یہ اضافہ کیا کہ درست بات یہ ہے کہ کافر نہ ہوگا۔اور تجھے یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے اس لیے کہ ایک بڑی جماعت کے قول پر وہ مرتد ہو جائے گا،اور اُسے یہ خسارہ و نقصان کافی ہے اھ التقاط (ت)

مع ہذا،شفا شریف سے،اوپر منقول ہوا کہ: بعض اقوال اگرچہ فی نفسہ کفر نہیں مگر بار بار بہ تکرار اُن کا صدقہ دلیل ہوتا ہے کہ قائل کے قلب میں اسلام کی عظمت نہیں۔اُس وقت اس کے کفر میں زنہار شک نہ ہوگا۔[2]

سُبحٰن اللہ! پھر کفریاتِ خالصہ کا بہ ایں زور و شور،صُدور کیونکر کفرِ قائل پر بُرہان کامل نہ ہوگا!_____ لاحول ولاقوة الا باللہ العزیز الحکیم۔

زید پر ہر فرض سے بڑھ کر از سرِ نو مسلمان ہو اور ان کفریات وضلالات سے علی الاعلان توبہ کرے،اور صرف بہ طورِ عادت کلمہ شہادت زبان پر لانا ہر گز کافی نہ ہوگا کہ اس قدر تو وہ قبل از توبہ بھی بجالاتا تھا۔بلکہ اس کے ساتھ تصریح کرے کہ وہ کلمات کفریہ تھے اور میں نے ان سے توبہ کی۔اُس وقت اہل اسلام کے نزدیک اُس کی توبہ صحیح ہوگی_____ اور ایمان لائے کہ اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی خالق نہیں،نہ اس کا غیر قدم کے لائق_____ اور ایمان لائے کہ وہ تمام عالم کا مدبر اور ہر چیز پر قادر ہے۔اور عقول مخترز فلاسفہ باطل_____ الٰی غیر ذلك ممّا یظهر بالمراجعة الٰی ماقدمنا من المسائل (اس کے علاوہ جو کچھ ظاہر ہے اُن مسائل کی طرف رجوع کرنے سے جن کو ماقبل میں ہم نے بیان کیا ہے۔ت) بحر الرائق میں ہے:

اتٰی بالشهادتین علٰی وجهِ العادة	بطورِ عادت شہادتیں کو لایا۔(کلمہ شہادت پڑھا) تو

[1] اعلام بقواطع الاسلام مع سبل النجاة الفصل الاوّل مکتبة الحقیقة دار الشفقة ترکی ص ۳۶۲

[2] الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی فصل وامامن تکلم من سقط الخ المکتبة الشرکة الصحافیة ۲/ ۲۸۳

ینفعه مالم یرجع عمّا قال اذلا یرتفع بهما کفره، کذا فی البزازیة وجامع الفصولین اھ[1]۔	اُس کو نفع نہ دے گا جب تک اپنے قول سے رجوع نہ کیونکہ اتیانِ شہادتیں سے اُس کا کفر مرتفع نہ ہوگا بزازیہ اور جامع الفصولین میں یونہی ہے اھ (ت)

اور ضرور ہے کہ جس طرح کتاب چھاپ کر اِن کفریات وضلالات کی اشاعت کی یوں ہی اِن سے بَرّی اور اپنی توبہ کا اعلان کرے کہ آشکار اگناہ کی توبہ بھی آشکارا ہوتی ہے۔ امام احمد کتاب الزہد، اور طبرانی معجم کبیر میں سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سیدنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیّئة فاحدث عندها توبة. السّر بالسّر وال علانیة بالعلانیة[2] **قلتُ:** واسناده حسن علی اصول الحنیفة۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فوراً توبہ بجالا، پوشیدہ کی پوشیدہ اور ظاہر کی ظاہر۔ **میں کہتا ہوں** اصولِ حنیفہ کے مطابق اس کا اسناد حسن ہے۔ (ت)

اور اِس کتاب تباہ خراب کی نسبت میں وہ نہیں کہتا جو بعض علمائے حنیفہ وشافعیہ کتب منطقیہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ ان کے جو ورق نامِ خدا اور سول اللہ سے خالی ہوں ان سے استنجاء روا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

لوکان الکتاب فی المنطق ونحوه، تجوزا اهانته فی الشریعة، حتّٰی افتٰی بعض الحنفیة وکذا بعض الشافعیة بجواز الاستنجاء به اذا کان خالیا عن ذکر الله تعالیٰ مع الاتفاق علٰی عدم جواز الاستنجاء بالورق الابیض الخالی عن الکتابة اھ[3] مُلَخَّصًا	اگر منطق وغیرہ میں کوئی کتاب ہو تو شریعت میں اس کی توہین کرنا جائز ہے یہاں تک کہ بعض حنفیوں نے یوں ہی بعض شافعیوں نے اس کے ساتھ استنجاء کے جواز کا فتوی دیا ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی ہو باوجود یہ کہ کتاب سے خالی سفید کاغذ کے ساتھ استنجاء کے عدمِ جواز پر اتفاق ہے اھ تلخیص (ت)

[1] البحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۱۲۸

[2] الزہد الامام احمد بن حنبل حدیث ۱۴۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۴۹، المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل حدیث ۲۳۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲۰ /۱۵۹

[3] منح الروض الازہر شرح الفقه الاکبر فصل فی العلم والعلماء مصطفی البابی مصر ص ۱۷۴

ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ اب اس کی اِشاعت سے باز رہے۔اور جس قدر جلدیں باقی ہوں، جَلادے اور حتی الوسع اُس کے اِخمادِ نا رو اِماتتِ اذکار میں سعی کرے کہ منکر باطِل اسی کے قابل، قال اللہ تعالیٰ:

" اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ(۱۹) "[1]	بے شک جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی پھیلے مسلمانوں میں، اُن کے لیے دکھ کی مار ہے دنیا و آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

سُبحٰن اللہ! اشاعتِ فاحشہ پر یہ ہائل وعید ___ پھر اشاعتِ کفر کس قدر شدید ___ والعیاذ باللہ العلی الحمید (بلندی والے سراہے ہوئے معبود کی پناہ۔ت)

خاتمہ رزقنا اللہ حُسنہا (اللہ تعالیٰ ہمیں اچھا خاتمہ عطا فرمائے۔ت) **چند تنبیہات زائیات میں**

تنبیہ اوّل: اے عزیز! آدمی کو اس کی اَنانیت نے ہلاک کیا، گناہ کرتا ہے، اور جب اس سے کہا جائے توبہ کر، تو اپنی کسر شانِ سمجھتا ہے۔ عقل رکھتا تو اصرار میں زیادہ ذلّت و خواری جانتا۔

یاھٰذا۔ ہر گز منصبِ علم کے منافی نہیں کہ حق کی طرف رجوع کیجئے۔ بلکہ یہ عین مقتضائے علم ہے اور سخن پروری ہر جہل سے بدتر جہل ___ وہ بھی کاہے میں؟ کفریات میں۔ والعیاذ باللہ (اللہ کی پناہ۔ت)

یاھٰذا صغیرہ پر اصرار اُسی کبیرہ کر دیتا ہے ___ کفریات پر اِصرار کس قعر نار میں پہنچائے گا۔

یاھٰذا تیرا رب ایک شخص کی مذمت کرتا ہے:

" وَ اِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ(۲۰۶) "[2]	یعنی جب اس سے کہا جائے خدا سے ڈر، تو اُسے غرور کے مارے گناہ کی ضد چڑھتی ہے۔ سو کافی ہے اُسے جہنم اور بے شک کیا بُرا ٹھکانا ہے۔

للہ! اپنی جان پر رحم کر، اور اس شخص کا شریک حال نہ ہو۔

یاھٰذا تیرا مالک ایک قوم پر رَد فرماتا ہے:

" وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ	جب اُن سے کہا جائے آؤ تمہارے لیے بخشش خدا کا رسول، تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں تو نہیں

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۰۶

رَاَیْتَهُمْ یَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۝" [1]	دیکھے کہ باز رہتے ہیں تکبُّر کرتے ہوئے۔

ہاں بھی تجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بلاتا ہوں، خدا کو مان، اور منہ نہ پھیر۔

یاھٰذا تُو سمجھتا ہے، اگر میں تسلیم کرلوں گا تو لوگوں کی نگاہ میں میری قدر گھٹ جائے گی اور میرے علم فلسفی میں بٹا لگے۔ حالانکہ یہ محض وسوسہ شیطان ہے۔ لاحول پڑھ، اور خدا کی طرف جھک، کہ اس سے اللہ تعالٰی کے یہاں تیری عزت ہوگی۔ اور خلق میں بے قدری بھی بھی غلط، بلکہ تجھے منصف وحق پسند جانیں گے اور نہ مانے گا تو متکبر وشریر ولوند۔

یاھٰذا کیا یہ ڈرتا ہے کہ مان جاؤں گا تو اِس مجیب کا علم مجھ سے زیادہ ٹھہرے گا؟_____ حاش للہ! واللہ کہ اگر کوئی بندہ خدا میرے ذریعہ سے ہدایت پائے تو اس میں میری آنکھ کی ٹھنڈک اُس سے ہزار درجہ زائد ہے کہ میرا علم کسی سے زیادہ ٹھہرے۔

ہاں! ہاں!! اگر تو اعلان توبہ کرے تو میں اپنے جہل اور تیرے فضل کا نوشتہ لکھ دوں۔

یاھٰذا اِک ذرا تعصب سے الگ اور تنہائی میں بیٹھ کر سوچ کہ کفریات پر اصرار کی شامت تیرے حق میں بہتر ہے یا بعدِ رجوع وتوبہ بعض جُہّال کی تحقیر وملامت؟

ھیھات، ھیھات، اللہ کا عذاب بہت سخت ہے____ وَاِنَّہٗ لَاٰت (اور وہ بلاشبہہ آنے والا ہے۔ت) میں تیرے بھلے کی کہتا ہوں، عار پر نار کو اختیار نہ کرنا۔

الٰہی! میرے بیان میں اثر بخش! اور اپنے اس بندہ کو ہدایت دے اور ہمارے قلوب دین حق پر قائم رکھ۔

یاواجد، یاماجد، لاتزل عنی لعمۃ نعمتھا علیّ، بجاہ من ارسلتہ رحمۃ للعٰلمین، واقمتہ شفیعا المذنبین المتلوثین الخطّائین الھالکین، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین، امین۔	اے محب! اے کمال بزرگی والے! جو نعمت تُو نے مجھے عطا فرمائی ہے وہ مجھ سے سلب نہ فرما، اس کے صدقے میں جسے تُو نے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور تُو نے اُسے ہلاکت میں پڑنے والے خطاکاروں اور لتھڑے ہوئے گنہگاروں کے لیے شفیع بنایا ہے۔ اللہ تعالٰی آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام اصحاب پر رحمت نازل فرمائے۔ (آمین) (ت)

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۵

تنبیہ دوم: مبادا اگر رگِ تعصب جوش میں آئے۔ اور خدا ایسانہ کرے، تواِس قدر یاد رہے کہ عقائد اسلام وسنت کے مقابل ہم پر فلاں ہندی و بہمانِ سندی کسی کا قول سند نہیں ــــــ نہ احکامِ شرعیہ شخص دون شخص سے خاص ــــــ اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہ(عزت اللہ تعالٰی کے لیے ہے۔ت) ــــــ شرح سب پر حجت ہے ــــــ وہ کون ہے جو شرع پر حجت ہوسکے؟ ــــــ اس قسم کی حرکت جس سے صادر ہو گئی، وہ بقدر اپنے سیئہ کے حکم کا مستحق ہوگا، کسے باشد کائناً مَّنْ کانَ (جو بھی ہو۔ت) ــــــ

اِین وآں، سے ہمیں موافقت اُسی وقت تک ہے جب تک وہ دینِ حق سے جدا نہیں۔ اور اس کے بعد، عیاذاباللہ(اللہ کی پناہ۔ت) ع۔

سایہ اش دور باد از ما دُور

(اس کا سایہ ہم سے دُور ہو۔ت)

جس کا قول ہم اسلام وسنّت کے موافق پائیں گے تسلیم کریں گے۔ نہ اس لیے کہ اُس کا قول ہے۔ بلکہ اس لیے کہ صراطِ مستقیم سے مطابق ہے ــــــ اور جس کی بات خلاف پائیں گے۔ زید ہو یا عمرو، خالد ہو یا بکر، دیوار سے مار کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رِکاب سے لپٹ جائیں گے ــــــ اللہ ان کا دامن ہم سے نہ چھڑائے دنیا میں نہ عقبٰی میں ــــــ آمین! الٰہی امین۔

محمد عربی کہ آبروئے ہر دوسرا ست　　　کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سرِاُو

(محمد عربی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں جہانوں کی آبرو ہیں، جو انکے دراقدس کی خاک نہیں ہے اس کے سرپر خاک ہو۔ت)

تنبیہ سوم: واجبُ المُلاحظۃ نافِعُ الطَّلبہ (جس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ طلبہ کے لیے نفع بخش ہے۔ت)

اِن اعصار واُمصار کے طلبہ علم چشم عبرت کھولیں اور تُوغل فلسفہ کی آفت جان گزا غور سے دیکھیں زید کہ جس کے اقوال سے سوال ہے آخر اس حال کو کاہے کی بدولت پہنچا۔ اور فلسفہ کی دبی آگ نے بی خبری میں بہ تدریج سُلگ کر دفعۃً بھڑکی تو کہاں تک پھونکا؟

اے عزیز! شیطان اول دھوکا دیتا ہے کہ مقصود بالذات تو علم دین ہے ــــــ اور علوم عقلیہ وسیلہ وآلہ ــــــ پھر ان میں اشتغال کس لیے بے جا؟

ھیھات! اگر یہ امر اپنے اطلاق پر مسلم بھی ہو تو اب اپنے حالات پر غور کرو کہ آلہ ومقصود کی شان ہوتی ہے؟ شب وروز آلہ میں غرق ہوگئے۔ مقصود کا نام تک زبان پر نہ آیا۔ اچھا توسُّل ہے۔

اور اچھا قصد ہ

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختہ عشق درشب دیکور

صبح کے وقت تجھے روزِ روشن کی طرح معلوم ہوجائے گا کہ تاریک رات میں تُو نے کس کے ساتھ عشق بازی کی ہے۔ت)

عزیزو! اگر علم آخرت کے لیے سیکھتے ہو تو واللہ کہ فلسفہ آخرت میں مضر ـــــ اور دنیا کے لیے تو یہاں وہ بھی بخیر ـــــ اس سے تو بہتر کہ مڈل پاس کرو کہ دس روپیہ کی نوکری پاسکو۔

عزیزو! للہ انصاف! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث میں علم کو تزکیہ انبیاء اور علماء کو ان کا وارث فرمادیا۔ ذرا دیکھو تو وہ علم یہی ہے جس میں تم سراپا منہمک، یا وہ جسے تم بایں بے پرواہی، واستغنا تارک؟ ـــــ بھلا ایمان کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھو کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وارث بننا اچھا، یا ابن سینا و فارابی کا فضلہ خوار؟ ع

بین تفاوتِ رَہ از کجاست تا بہ کجا

(ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ت)

عزیزو! شیطان اس قوم کے کان میں پھونک دیتا ہے کہ عمر صرف کرنے کے قابل یہی علوم فلسفیہ ہیں اگر ان کے مدارِک عمیق اور مسالک دقیق، جب یہ آگئے تو علومِ دنییہ کیا ہیں۔ ادنٰی توجہ میں پانی ہوجائیں گے۔

حالانکہ واللہ محض غلط ـــــ تمہیں ان علومِ ربانیہ کا مزہ ہی نہیں پڑے ـــــ ورنہ جانتے کہ علم یہی ہیں۔ اور جو غموض ودِقت ولطف ونزاکت ان میں ہے ان کا ہزارواں حصہ وہاں نہیں ـــــ مگر کیا کیجئے کہ۔ ع

اَلنَّاسُ اَعۡدَاءٌ لِمَا جَھِلُوۡا

(لوگ اُس چیز کے دشمن ہوتے ہیں جس سے وہ جاہل ہوتے ہیں۔ (ت)

اچھا نہ سہی ـــــ مگر کیا نفیس تدقیق، عمدہ تحقیق ہے کہ ہزاراں برس گزرے آج تک کوئی بات منقح نہ ہوئی ـــــ لوگ کہتے ہیں تلاحق آراء، سے علم نضج پاتے ہیں ـــــ وہاں اس کے خلاف۔ ع

شد پریشاں، خوابِ شاں از کثرت تعبیرہا

(زیادہ تعبیروں کی وجہ سے ان کا خواب پریشان ہوگیا۔ت)

سَلف خَلف میں جسے دیکھئے کیا چمک چمک کر تقریریں کرتا ہے گویا حق ناصحِ اس کی بغل سے نکل کر کہیں گیا ہی نہیں ـــــ جب دوسرا آیا اُس نے نئی ہانک سنائی، اگلے کی عقل اوندھی بتائی ـــــ یوں ہی یہ سلسلہ بے تمیزی **لاتَقِفُ عِندَحَدٍّ قبل یوم القیمۃ** (قیامت سے پہلے یہ سلسلہ کسی حد پر نہیں

رُکے گا۔ت) چلا جاتا ہے اور چلا جائے گا۔ کچھ محقق ہو سکا نہ ہر گز ہو۔ ع

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت و منزل بہ دیگرے پرداخت [1]

(جو بھی آیا اس نے نئی عمارت بنائی، چلا گیا اور عمارت دوسرے کے حوالے کردی۔ت)

کہیے پھر اس "کاو، کاو" کا کیا محصّل نکلا؟ اور کون سا نتیجہ دامن میں آیا؟ ـــــ دمِ مرگ جب دیکھئے تو ہاتھ خالی۔ جہل تھا جو کچھ کہ سیکھا، جو پڑھا افسانہ تھا ایک فلسفی نزع میں ہاتھ ملتا اور کہتا تھا، عمر کھوئی کچھ تحقیق نہ ہو پایا، سوا اس کے کہ، ہر ممکن محتاج ہے اور امکان امرِ عدمی ـــــ دُنیا سے چلا اور کچھ نہ ملا۔

اور دوسرا امر، یعنی علومِ دینیہ اس کے ذریعہ سے خود آجانا ـــــ ایسا باطل فضیح ہے جس کی واقعیت تمہارے اذہان کے سوا کہیں نہ ملے گی ـــــ حاش للہ! کام پڑے دام کھلتے ہیں ـــــ دس مسائل دینی پوچھے جائیں، اور کوئی فلسفی صاحب اپنے تفلسُف کے روز سے ٹھیک جواب دے دیں تو جانیں ـــــ یوں تو زبان کے آگے بارہ ہَل چلتے ہیں۔ ع

کس نگوید کہ دُوغِ من تُرش است

(اپنی لسّی کو کھٹّا کوئی نہیں کہتا۔ت)

عزیزو! یہ درس کہ اِن بلاد میں رائج، احمقِ اسے منتہائے علم سمجھتے ہیں۔ حاشا کہ وہ ابتدائی علم بھی نہیں۔ اس سے استعداد آنا منظور ہے ـــــ رہا علم! ـــــ ہیہات ہیہات! ہنوز دلی دور ہے۔ ع

بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(بہت سفر چاہیے تاکہ کچا پکا ہو جائے۔ت)

طالب علم بے چارہ شفا، اشارات سب لپیٹ گیا اور یہ بھی نہ جانا کہ "اصولِ دین" کو کیونکر سمجھوں! اور خدا و رسول کی جناب میں کیا اعتقاد رکھوں! ـــــ اگر کچھ معلوم ہے تو سُنی سنائی تقلیدی ـــــ پھر حلال و حرام کا تو دوسرا درجہ ہے۔

افسوس واضع درس نے کتب دینیہ گنتی کی رکھیں کہ طلبہ خوض و غور کے عادی ہو جائیں اور ازاں جا کر

[1] گلستان سعدی، در سبب تالیف، مکتبۃ اویسیہ بہاولپور ص ۱۳

ابھی عقل پختہ نہیں، لہٰذا ایسی چیز میں مشق ہو جس کی اُلٹ پلٹ نقصان نہ دے___ مگر وہ ہو رہی اُلٹی___ کہ انہیں لِمَ ولا نسلم (کیوں؟ اور ہم نہیں مانتے۔ت) کی آفت چر گئی___ اور جز تسلیمی پر کہ مدار ایمان سے قیامت گزر گئی۔

عزیزو! احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن حِبان، حاکم بیہقی، عبد بن حمید بغوی باسانید، صحیحہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان العبد اذا اخطأخطیئۃً نکتت فی قلبہ نکتۃ سوداء فان ھو نزع واستغفر وتاب صقل قلبہ، وان عاد زید فیھا حتّٰی تعلو علی قلبہ، وھو الرّأن الذی ذکر اللہ تعالٰی کلا بل ران علی قلوبھم ماکانوا یکسبون[1]۔	جب بندہ کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ دھبّا پڑ جاتا ہے، پس اگر وہ اس سے جُدا ہوگیا اور توبہ استغفار کی تو اس کی دل پر صیقل ہو جاتی ہے۔ اور اگر دوبارہ کیا تو سیاہی بڑھتی ہے یہاں تک کہ اُس کے دل پر چڑھ جاتی ہے۔ اور یہی ہے وہ زنگ جس کا اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا کہ: یوں نہیں بلکہ زنگ چڑھا دی ہے اُن کے دلوں پر انکے گناہوں نے کہ وہ کرتے تھے۔

دیکھو ایسا نہ ہو کہ یہ فلسفۂ مزخرفہ تمہارے دلوں پر زنگ جمادے کہ پھر علوم حقّہ صادقہ ربّانیہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ کہتے یہ ہو کہ، اس کے آنے سے وہ خود آجائیں گے۔ حاشا! جب یہ دل میں پیر گیا وہ ہرگز سایہ تک نہ ڈالیں گے کہ وہ محض نور ہیں۔ اور نور نہیں چمکتا مگر صاف آئینہ میں۔

عزیزو! اسی زنگ کا ثمرہ ہے کہ منہمکانِ تفلسف علوم دینیہ کو حقیر جانتے، اور علمائے دین سے استہزاء کرتے۔ بلکہ انہیں جاہل اور لقب علم اپنے ہی لیے خاص سمجھتے ہیں۔

اگر آئینہ دل روشن ہوتا تو جانتے کہ وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وارث و نائب ہیں۔ وہ کیسی نفیس دولت کے حامل وصاحبِ ہیں جس کے لیے خدا نے کتابیں اتاریں، انبیاء نے تفہیم میں عمریں درازیں___ وہ اسلام کے رکن ہیں___ وہ جنت کے عماد ہیں___ وہ خدا کے محبوب ہیں___

[1] کنز العمال برمز حم ت ہ حب ن ھب عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۰۱۸۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۱۰، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ ویل للمطففین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶۸ و ۱۶۹، مواد الظمآن کتاب التفسیر سورۃ ویل للمطففین حدیث ۱۷۷۰ المکتبۃ السلفیہ ص ۴۳۹، مواد الظمآن کتاب التوبہ باب ماجاء فی الذنوب حدیث ۲۴۴۸ المکتبۃ السلفیہ ص ۶۰۷

وہ جانِ رشاد ہیں ــــ رہا اُن کے ساتھ استہزا،اُس کا مزہ آج نہ کھلا تو کل قریب ہے ــــ "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ؀" [1]۔(اور اب وہ جانا چاہتے ہیں ظالم کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)
عزیزو! نفس خودی پسند آزادانہ اَقُولُ کا مزہ پا کر پھول گیا ــــ اور قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں جو دل کا سرور اور آنکھوں کا نُور ہے اُسے بھول گیا۔
ہیہات! کہاں وہ فن جس میں کہا جائے "میں کہتا ہوں" یا نقل بھی ہو تو ابن سینا گفت(ابن سینا نے کہا ت۔) اور وہ فن جس میں کہا جائے "خدا فرماتا ہے۔ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں"۔
جتنا میں اور مصطفٰی میں فرق ہے اُتنا ہی اس اقول و قال اور دونوں علموں میں۔ کیا خوب فرمایا عالم قریشی سیدنا امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے۔

کل العلوم سوی القراٰن مشغلة الا الحدیث والاّ الفقه فی الدین
العلمُ ماکان فیه قال حدثنا وماسوٰی فوسواس الشیاطین [2]

(قرآن کے علاوہ تمام علوم ایک مشغلہ ہیں سوائے حدیث کے اور سوائے فقہ کے دین میں۔
علم تو وہ ہے جس میں کوئی شخص کہے کہ ہمیں حدیث بیان کی اور اس کے ماسوا شیطانوں کا وسوسہ ہے۔(ت)

انچہ قال اللہ ونے قال الرسول
فُضلہ باشد، فضلہ می خواں اے فضول
(وہ کہ اللہ نے فرمایا نہ رسول نے، فضلہ ہوگا فضلہ پڑھتا ہے،اے فضول ت)

عزیزو! خدارا غور کرو، قبر میں حشر میں تم سے یہ سوال ہوگا کہ عقائد کیا تھے اور اعمال کیسے؟ یا یہ کہ وہ کلی طبعی خارج میں موجود ہے یا معدوم؟ اور زمانہ غیر قار وحرکۃ بمعنی القطع کائن فی الاعیان ہیں یا آنِ سیّال وحرکت بمعنی التوسط سے موہوم۔
عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطقِ اسلامیاں ــــ ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزائے جائزہ فلسفہ ــــ نہ پڑھو۔ پڑھو، مگر بقدر ضرورت ــــ پھر ان میں انہماک ہرگز نہ کرو ــــ بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو۔ راہ یہ ہے ــــ اور آئندہ کسی پر جبر نہیں۔
"وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ؀" [3]۔(اور اللہ تعالٰی جسے چاہے سیدھی راہ

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] ابجد العلوم المقدمۃ فی بیان اسماء العلوم الخ المکتبۃ القدوسیہ لاہور ۲/ ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۳

"رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۸ "[1] وقع الفراغ من تسوید ھٰذہ الاوراق لسبعٍ عـــہ خلون من الشھر السابع، من العام الرابع، من المائة الرابعة، من الالف الثانی من ھجرۃ سراج الافق، امام الخلق، نبی الرفق، ذی العلم الحق، الحکیم الربانی، صلوات اللہ تعالٰی وسلامه علیه وعلٰی اٰله وصحبه وکل مشتاق الیه، برحمتك یا ارحم الراحمین، والحمد للہ ربّ العٰلمین، واللہ تعالٰی اعلم، وعلمه جلّ مجدہ اتم واحکم۔	دکھائے۔ت) اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر کہ تُو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تُو ہی بڑا دینے والا ہے (ت) ان اوراق کے مسودہ سے فراغت ماہِ ہفتم کی سات تاریخ کو ہوئی جب کہ تمام جہانوں کے سورج، تمام مخلوق کے امام، نرمی والے نبی، علمِ حق رکھنے والے حکیم ربانی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت اقدس کو تیرہ سو چار سال گزر چکے ہیں۔ (یعنی ۷ رجب ۱۳۰۴ھ) اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور سلام ہو آپ پر، آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر اور ہر ایسے شخص پر جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا مشتاق ہے۔ تیری رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم فرمانے والے۔ اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کو پالنے والا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم تام و مستحکم ہے۔ (ت)

عـــہ: یعنی ہفتم شہر رجب ۱۳۰۴ ہجریہ علٰی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ۱۲، سلطان احمد خان عفاعنہ اللہ تعالٰی۔

کتبه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنه بمحمدٍ المصطفٰی النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

[1] القرآن الکریم ۳/۸

للہ در المجیب حیث اتی بتحقیق انیق نمقه العبد المذنب الاوّاه محمد لطف اللہ 	بلاشبہ مضامینِ رسالہ منطق الجدید جو مجیب مصیب نے نقل کیے اس پر خلاف شرع شریف اور مخالف عقائد حقہ اہل اسلام سلفاً و خلفاً ہیں۔اور مجیب مصیب نے قباحتیں اور شناعتیں اس کی بہ وجہ احسن بیان فرمائیں۔ جزاہ اللہ سبحنہ عن المسلمین احسن الجزاء 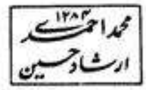

رسالہ
نزول اٰیاتِ فرقان بسکون زمین واٰسمان

زمین اور آسمان کے ساکن ہونے کے بارے میں حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی (قرآن مجید کی) آیتوں کا نازل ہونا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۳۱: از موتی بازار لاہور مسئولہ مولوی حاکم علی صاحب، ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ

یاسیّدی اعلٰیحضرت سلمکم اللہ تعالٰی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امابعد ھٰذا من تفسیر جلالین (ان اللہ یمسك السموات والارض ان تزولا) ای یمنعھما من الزوال۔[1] وایضا (اَوَلم تکونوا اقسمتم) حلفتم (من قبل) فی الدنیا (مالکم	بعد ازیں یہ تفسیر جلالین کی عبارت ہے۔ (بے شک اللہ تعالٰی روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کریں) یعنی ان کو زوال سے روکے ہوئے ہے۔ یہ بھی اس میں ہے (تو کیا تم پہلے قسم نہ کھاچکے تھے) دنیا میں (نہیں ہے تمہیں)

[1] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ مطبع مجتبائی دہلی حصہ دوم ص ۳۶۵

من زائدة(زوال)عنها الی الاخرة۔[1] وایضا(وان) ما(کان مکرهم)وان عظم(لتزول منه الجبال) المعنی لایعبأ به ولا یضر الا انفسهم والمراد بالجبال هنا قیل حقیقتًا وقیل شرائع الاسلام المشبهة بها فی القراء والثبات وفی قراءة بفتح لام لتزول ورفع الفعل فان مخففة والمراد عـــه تعظیم مکرهم وقیل المراد بالمکر کفرهم ویناسبه علی الثانیة تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه وتنشق الارض وتخر الجبال هدا وعلی الاوّل ما قرئ وما کان[2] وسردارِ من دامت برکاتکم و این است از تفسیر حسینی (ان الله) بدرستیکه خدائے تعالٰی (یمسك	من زائدہ ہے۔(ہٹ کے کہیں جانا) دنیا سے آخرت کی طرف۔ اور یہ بھی اسی میں ہے (اور نہیں ہے ان کا مکر) اگرچہ بہت بڑا ہے۔ (کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں) معنٰی یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں اور اُن کا نقصان خود انہی کو ہے۔ اور یہاں پہاڑوں سے مراد ایک قول کے مطابق حقیقتًا خود پہاڑ ہیں، اور ایک قول کے مطابق احکام شرع ہیں جن کو قرار و ثبات میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ اور جس قراءۃ میں لتزول کا لام مفتوح اور فعل مرفوع ہے اس قراءۃ میں "ان" مخففہ ہوگا اور مراد ان کے مکر کی بڑائی۔ اور کہا گیا کہ مکر سے مراد ان کا کفر ہے۔ اور قراءۃ ثانیہ کی صورت میں اس قول کی تائید قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ کرتی ہے۔ (قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھ کر) اور اول کی صورت میں جو پڑھا گیا ہے وما کان یعنی نہیں تھا۔ (ان کا مکر) اور میرے سردار آپ کی برکتیں ہمیشہ رہیں، یہ ہے

عـــه: والمعنی ولان کان مکرهم من الشدة بحیث تزول عنها الجبال وتنقطع عن اماکنها[3] ۱۲ کمالین۔	معنی یہ ہے کہ ان کا مکر اس قدر شدید ہے کہ اس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں۔ ۱۲ کمالین (ت)

---

[1] تفسیر جلالین تحت آیة ۱۴/ ۴۴ مطبع مجتبائی دہلی حصہ اول ص ۲۰۸

[2] تفسیر جلالین تحت آیة ۱۴/ ۴۶ مطبع مجتبائی دہلی حصہ اول ص ۲۰۸

[3] کمالین علی ہامش جلالین تحت آیة ۱۴/ ۴۶ مطبع مجتبائی دہلی نصف اول ص ۲۰۸

السمٰوٰت والارض) نگاہ میدارد آسمانہا وزمین را (ان تزولا) برائے آنکہ زائل نہ شوند از اماکن خود چہ ممکن را در حال بقانا چار است از نگاہ دارندہ آوردہ اند کہ چوں یہود و نصارٰی عزیر وعیسی را بفرزندی حق سبحنہ نسبت کردند آسمان وزمین نزدیک باں رسید کہ شگافتہ گردد حق تعالٰی فرمود کہ من بقدرت نگاہ می دارم ایشاں را تا زوال نیابند یعنی از جائے خود نروند[1] ایضا (اولم تکونوا) در جواب ایشاں گویند فرشتگان آیا نبودید شما کہ از روئے مبالغہ (اقسمتم من قبل) سوگند مے خوردید پیش ازیں در دنیا کہ شما پایندہ وخوابیدہ بودید (مالکم من زوال) نباشد شمارا ہیچ زوالے مراد آنست کہ می گفتند کہ مادر دنیا خواہیم بودو بسرائے دیگر نقل نخواہیم نمود[2] وایضًا (وان کان مکرھم) وبدرستیکہ بود مکر ایشاں در سختی و ہول ساختہ پرداختہ (لتزول) تا از جائے برود (منہ الجبال) زاں مکر کوہہا۔[3]

تفسیر حسینی کی عبارت (انّ اللہ) بے شک اللہ تعالٰی (یمسك السمٰوٰت والارض) محفوظ رکھتا ہے۔آسمانوں اور زمین کو (ان تزولا) اس واسطے کہ اپنی جگہوں سے زائل نہ ہوجائیں کیونکہ ممکن کے لیے حالت بقاء میں کسی محافظ کا ہونا ضروری ہے، منقول ہے کہ جب یہود و نصارٰی نے حضرت عزیر اور حضرت عیسی علیہما السلام کو اللہ تعالٰی کا بیٹا قرار دیا تو آسمان و زمین پھٹنے کے قریب ہوگئے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ میں اپنی قدرت کے ساتھ ان کو محفوظ رکھتا ہوں تاکہ یہ زوال نہ پائیں یعنی اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں۔اُسی میں ہے (اولم تکونوا اقسمتم من قبل) ان کے جواب میں فرشتے بطور مبالغہ کہیں گے کہ کیا تم نے اس سے پہلے دنیا میں قسمیں نہیں کھائی تھیں کہ تم دنیا میں ہمیشہ رہوگے اور سوئے رہو گے مالکم من زوال تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہوگا۔مراد یہ کہ وہ کہتے تھے کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے اور دوسرے جہاں میں منتقل نہیں ہونگے۔اور اسی میں ہے۔(وان کان مکرھم) یقینا ان کا مکر سختی وہولناکی میں اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ (لتزول منہ الجبال) اس کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جاتے (ت)

[1] تفسیر حسینی قادری تحت آیۃ ۴۱/۳۵ مطبع محمدی واقع بمبئی انڈیا ص ۷۰۵
[2] تفسیر حسینی قادری تحت آیۃ ۴۴/۱۴ مطبع محمدی واقع بمبئی انڈیا ص ۴۱۹
[3] تفسیر حسینی قادری تحت آیۃ ۴۶/۱۴ مطبع محمدی واقع بمبئی انڈیا ص ۴۱۹

اے محبوب ومحبِ فقیر ایّدکم اللہ تعالٰی فی کل حال (اللہ تعالٰی ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے۔ت) جب کافروں کے زوال کے معنٰی ان کا اس دنیا سے دارالاخرۃ میں جانا مسلم ہوا تو معاملہ صاف ہوگیا کیونکہ کافر زمین پر پھرتے چلتے ہیں، اس پھرنے چلنے کا نام زوال نہ ہوا کہ یہ ان کا چلنا پھرنا اپنے اماکن میں ہے کہ جہاں تک اللہ تعالٰی نے اُن کو حرکت کرنے کا امکان دیا ہے وہاں تک ان کا حرکت کرنا اُن کا زوال نہ ہوا۔ یہی حال پہاڑوں کا ہوا کہ ان کا اپنے اماکن سے زائل ہو جانا ان کا زوال ہوا۔ جب یہ حال ہے تو زمین کا بھی، اپنے اماکن سے زائل ہو جانا اس کا زوال ہوگا اور اپنے اماکن میں اس کا حرکت کرنا زوال نہیں ہوسکتا۔ شکر ہے اس پروردگار کا کہ کسی صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی مجھے گریز نہ ہوا اور میری مشکل بھی از بارگاہ حل المشکلات حل ہوگئی ببرکت کلام کریم

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ "[1]	اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔ (ت)

اور یہ اس طرح ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آسمان کے سکون فی مکان کی تصریح فرمادی مگر زمین کے بارے میں ایسا نہ فرمایا، یعنی آسمان کی تصریح کی طرح تصریح نہ فرمائی یعنی خاموشی فرمائی قربان جاؤں احسن الخالقین تبارک وتعالٰی کے اور باعثِ خلق عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اور حضرت معلم التحیات رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کہ سائنس کی سرکوبی کے لیے زمین کے زوال اس کے اماکن سے کے معنی آپ کے اس تابعدار مجاہد کبیر پر عیاں فرمائے کہ زمین کے زوال نہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ جن اماکن میں اللہ تعالٰی نے اس کو امساک کیا ہے اس سے یہ باہر نہیں سرک سکتی مگر ان اماکن میں اس کو حرکتِ امر کردہ شدہ عطا فرمائی ہوئی ہے جیسے کہ اس پر کافر چلتے پھرتے ہیں اور یہ اُن کا زوال نہیں ہے، اسی طرح سے اپنے مدار میں اور سورج کی ہمراہی میں امساک کردہ شدہ ہے اور جاذبہ اور رفتار کیا ہے صرف اللہ پاک کے امساک کا ایک ظہور ہے اور کچھ نہیں، اب چاہیں تو جاذبہ اور رفتار دونوں کو معدوم کردیں اور ہر چیز کو اس کے حیز میں ساکن فرمادیں اس سے زائل نہیں ہوسکتی جیسے کہ سورج "وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ "[2] (اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے۔ت) کی رُو سے اپنے مجرے میں امساک کیا گیا ہوا ہے اور

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲و۳

[2] القرآن الکریم ۳۶/۳۸

اپنے مجرے میں چل رہا ہے مگر اس کے اس چلنے کا نام زوال نہیں بلکہ جریان ہے تو زمین کا بھی اپنے مدار میں اور سورج کی ہمراہی میں چلنا اس کا جریان ہے نہ کہ زوال۔

"ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ" [1] فالحمد للہ ربّ العٰلمین والشکر والمنة۔	اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے دے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا اور اس کا شکر اور احسان ہے۔ (ت)

غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر ان شاء اللہ تعالٰی سائنس کو اور سائنسدانوں کو مسلمان کیا ہوا پاؤں "اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾"۔ [2] (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا۔ت) کے بجائے "الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا" [3] الخ (وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا۔ت) درج فرمادیں دیباچہ میں، سب کو سلام مسنون قبول ہو۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی بامرہ قامت السماء والارض والصلوٰۃ والسلام علٰی شفیع یوم العرض واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، امین!	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں۔ اور درود و سلام ہو روزِ قیامت شفاعت کرنے والے پر اور ان کی آل اصحاب، اولاد اور تمام امت پر۔ آمین۔ (ت)

مجاہد کبیر، مخلص فقیر، حق طلب حق پذیر سلمہ اللہ القدیر، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، دسواں دن ہے آپ کی رجسٹری آئی میری ضروری کتاب کہ طبع ہو رہی ہے اس کی اصل کے صفحہ ۱۰۸۸ تک کاتب لکھ چکے اور صفحہ ۱۰۹۰ کے بعد سے مجھے تقریبًا چالیس صفحات کے قدر مضامین بڑھانے کی ضرورت محسوس ہوئی، یہ مباحث جلیلہ دقیقہ پر مشتمل تھی۔ میں نے ان کی تکمیل مقدم جانی کہ طبع جاری رہے۔ ادھر طبیعت کی حالت آپ خود ملاحظہ فرما گئے ہیں وہی کیفیت اب تک ہے اب بھی اسی طرح چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد کو لے جاتے لاتے ہیں، ان اوراق کی تحریر اور ان مباحث جلیلہ غامضہ

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/۲۱

[2] القرآن الکریم ۷۸/۶

[3] القرآن الکریم ۴۳/۱۰

کی تنقیح و تقریر سے بحمدہ تعالٰی رات فارغ ہوا اور آپ کی محبت پر اطمینان تھا کہ اس ضروری دینی کام کی تقدیم کو ناگوار نہ رکھیں گے۔ آپ نے اپنا لقب مجاہد کبیر رکھا ہے مگر میں تو اپنے تجربے سے آپ کو مجاہد اکبر کہہ سکتا ہوں۔ حضرت مولانا الاسد الاسد الاشد مولوی محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا لہجہ جلد سے جلد حق قبول کرلینے والا میں نے آپ کے برابر نہ دیکھا اپنے جمے ہوئے خیال سے فوراً حق کی طرف رجوع لے آنا جس کا میں بارہا آپ سے تجربہ کرچکا نفس سے جہاد ہے۔اور نفس سے جہاد جہاد اکبر ہے تو آپ اس میں مجاہد اکبر ہیں۔ بارک اللہ تعالٰی وتقبل امین، امید ہے کہ بعونہ تعالٰی اس مسئلہ میں بھی آپ ایسا ہی جلد از جلد قبول حق فرمائیں گے۔ کہ باطل پر ایک آن کے لیے بھی اصرار میں نے آپ سے نہ دیکھا وللہ الحمد۔

اسلامی مسئلہ یہ ہے کہ زمین و آسمان دونوں ساکن ہیں کواکب چل رہے ہیں۔ "كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۳۳" [1] ہر ایک ایک فلک میں تیرتا ہے، جیسے پانی میں مچھلی، اللہ تعالٰی عزوجل کا ارشاد آپ کے پیش نظر ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝۴۱" [2]	بے شک اللہ آسمان و زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ سرکیں تو اللہ کے سوا انہیں کوئی روکے، بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے۔ (ت)

میں یہاں اوّلاً اجمالاً چند حرف گزارش کروں کہ ان شاء اللہ تعالٰی آپ کی حق پسندی کو وہی کافی ہو پھر قدرے تفصیل۔

اجمال یہ کہ افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود و صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہم نے اس آیہ کریمہ سے مطلق حرکت کی نفی مانی، یہاں تک کہ اپنی جگہ قائم رہ کر محور پر گھومنے کو بھی زوال بتایا۔ (دیکھئے نمبر ۲)

حضرت امام ابومالک تابعی ثقہ جلیل تلمیذ حضرت عبداللہ بن عباس نے زوال کو مطلق حرکت سے تفسیر کیا۔ (دیکھئے آخر نمبر ۲)

ان حضرات سے زائد عربی زبان و معانیِ قرآن سمجھنے والا کون!

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۱

علامہ نظام الدین حسن نیشاپوری نے تفسیر رغائب الفرقان میں اس آیہ کریمہ کی یہ تفسیر فرمائی: (ان تزولا) کراھۃ زوالھما عن مقرھما و مرکزھما[1] یعنی اللہ تعالٰی آسمان وزمین کو روکے ہوئے ہے۔ کہ کہیں اپنے مقرو مرکز سے ہٹ نہ جائیں۔ مقر ہی کافی تھا کہ جائے قرار و آرام ہے، قرار سکون ہے منافی حرکت قاموس میں آتا ہے۔ قر سکن[2] مگر انہوں نے اس پر اکتفانہ کیا بلکہ اس کا عطف تفسیری مرکزھما زائد کیا مرکز جائے رکز، رکز گاڑنا، جمانا، یعنی آسمان وزمین جہاں جمے ہوئے گڑے ہوئے ہیں وہاں سے نہ سرکیں۔ نیز غرائب القرآن میں زیر قولہ تعالٰی الذی جعل لکم الارض فراشا (اور جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔ ت) فرمایا:

لایتم الافتراش علیھا مالم تکن ساکنۃ ویکفی فی ذلک ما اعطاھا خالقھا ورکز فیھا من المیل الطبیعی الی الوسط الحقیقی بقدرتہ، واختیارہ ان اللہ یمسک السموات والارض ان تزولا۔[3]	زمین کو بچھونا بنانا اس وقت تک تام نہیں ہوتا جب تک وہ ساکن نہ ہو، اور اس میں کافی ہے وہ جو اللہ تعالٰی نے اپنی قدرت واختیار کے ساتھ اس میں وسط حقیقی کی طرف میل طبعی مرتکز فرمایا ہے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے، بے شک اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں۔ (ت)

اسی آیت کے نیچے تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی میں ہے۔

اعلم ان کون الارض فراشا مشروط بکونھا ساکنۃ، فالارض غیر متحرکۃ لا بالاستدارۃ ولا بالاستقامۃ، و سکون الارض لیس الا من اللہ تعالٰی بقدرتہ و اختیارہ ولھذا قال اللہ تعالٰی ان اللہ یمسک السموٰت و الارض ان تزولا۔[4] اھ ملتقطا	جان لے کہ زمین کا بچھونا ہونا اس کے ساکن ہونے کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا زمین نہ تو حرکت مستدیرہ کے ساتھ متحرک ہے اور نہ ہی حرکت مستقیمہ کے ساتھ۔ اور اس کا ساکن ہونا محض اللہ تعالٰی کی قدرت واختیار سے ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا، بے شک اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں۔ الخ التقاط (ت)

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر نیشاپوری) تحت آیۃ ۴۱/۳۵ مصطفی البابی مصر ۲۲/ ۸۴

[2] القاموس المحیط باب الراء فصل القاف مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۱۹

[3] غرائب القرآن (تفسیر نیشاپوری تحت آیۃ ۲/ ۲۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۹۲ و ۱۹۳

[4] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۲۲ المطبعۃ المصریۃ بمیدان الازہر ۲/ ۳ و ۱۰۲

قرآن عظیم کے وہی معنی لینے ہیں جو صحابہ وتابعین و مفسرین معتمدین نے لیے ان سب کے خلاف وہ معنی لینا جن کا پتا نصرانی سائنس میں ملے مسلمان کو کیسے حلال ہوسکتا ہے، قرآن کریم کی تفسیر بالرائے اشد کبیرہ ہے جس پر حکم ہے۔

فلیتبوأمقعدہ من النار۔[1]	وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

یہ تو اُس سے بھی بڑھ کر ہوگا کہ قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے بھی نہیں بلکہ رائے نصارٰی کے موافق، والعیاذ باللہ، یہ حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما وہ صحابی جلیل القدر ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسرار سکھائے ان کا لقب ہی صاحبِ سر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ان سے اسرارِ حضور کی باتیں پوچھتے، اور عبداللہ تو عبداللہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ یہ جو فرمائیں اسے مضبوط تھامو۔ تمسکوا بعھد ابن مسعود۔[2] ابن مسعود کے فرمان کو مضبوطی سے تھامو۔ت) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے:

رضیت لامتی مارضی لھا ابن ام عبدو کرھت لامتی ماکرہ لھا ابن ام عبد۔[3]	میں نے اپنی امت کے لیے پسند فرمایا جو اس کے لیے عبداللہ ابن مسعود پسند کریں اور میں نے اپنی امت کے لیے ناپسند رکھا جو اس کے لیے ابن مسعود ناپسند رکھیں۔

اور خود انکے علمِ قرآن کو اس درجہ ترجیح بخشی کہ ارشاد فرمایا:

استقرأوا القرآن من اربعۃ من عبداللہ ابن مسعود۔ الحدیث۔[4]	قرآن چار شخصوں سے پڑھو۔ سب میں پہلے عبداللہ ابن مسعود کا نام لیا۔

یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں بروایت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹

[2] جامع الترمذی باب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۱، حلیۃ الاولیاء ذکر عبداللہ بن مسعود دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۸

[3] مجمع الزوائد کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود دارالکتاب العربی بیروت ۹/ ۲۹۰

[4] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۱، صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل عبداللہ بن مسعود قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۳

علیہ وسلم ہے۔

اور عجائب نعمائے الٰہیہ سے یہ کہ آیہ کریمہ ان تنزولا کی یہ تفسیر اور یہ کہ محور پر حرکت بھی موجب زوال ہے چہ جائے حرکت علی المدار، ہم نے دو صحابی جلیل القدر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی، دونوں کی نسبت حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کاارشاد ہے کہ یہ جو بات تم سے بیان کریں اس کی تصدیق کرو۔ دونوں حدیثیں جامع ترمذی شریف کی ہیں۔ **اول**:

ماحدثکم ابن مسعود فصدقوہ۔[1]	جو بات تم سے ابن مسعود بیان کرے اس کی تصدیق کرو۔ (ت)

دوم:

ماحدثکم حذیفۃ فصدقوہ۔[2]	جو بات تم سے حذیفہ بیان کرے اس کی تصدیق کرو۔ (ت)

اب یہ تفسیر ان دونوں حضرات کی نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسے مانو اس کی تصدیق کرو والحمدللہ تعالٰی رب العالمین، ہمارے معنی کی تو یہ عظمتِ شان ہے کہ مفسرین سے ثابت، تابعین سے ثابت، اجلہ صحابہ کرام سے ثابت، خود حضور سید الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام سے اُس کی تصدیق کا حکم۔

اور عنقریب ہم بفضل اللہ تعالٰی اور بہت **آیات** اور صدہا **احادیث** اور **اجماعِ اُمت** اور خود اقرار مجادلہ کبیر سے اس معنی کی حقیقت اور زمین کا سکونِ مطلق ثابت کریں گے **وباللہ التوفیق**۔ آپ نے جو معنی لیے کیا کسی صحابی، کسی تابعی، کسی امام، کسی تفسیر، یا جانے دیجئے چھوٹی سے چھوٹی کسی اسلامی عام کتاب میں دکھا سکتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ زمین گردِ آفتاب دورہ کرتی ہے، اللہ تعالٰی اسے صرف اتنا روکے ہوئے ہے کہ اس مدار سے باہر نہ جائے لیکن اس پر اسے حرکت کرنے کا امر فرمایا ہے۔ حاش للہ! ہر گز کسی اسلامی رسالہ، پرچے، رقعہ سے اس کا پتا نہیں دے سکتے سوا سائنس نصارٰی کے۔ آگے آپ انصاف کرلیں گے کہ معنی قرآن وہ لیے جائیں یا یہ، محبا مخلصا! وہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۱، مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفۃ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۴۰۲

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مناقب حذیفہ ابن الیمان امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۲

"[1] میں تاویل گھڑ دی کہ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کون سانص ہے جس میں کوئی تاویل نہیں گھڑ سکتے یہاں تک کہ قادیانی کافرنے" رسالت کی افضیلت اُن پر ختم ہوگئی اُن جیسا کوئی رسول نہیں۔[2] نانوتوی نے گھڑ دی کہ وہ نبی بالذات ہیں اور نبی بالعرض، اور موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے ان کے بعد بھی اگر کوئی نبی ہو تو ختم نبوت کے خلاف نہیں۔[3] کہ یوں ہی کوئی مشرک لا الٰہ الا اللہ میں تاویل کرسکتا ہے کہ اعلیٰ میں حصر ہے یعنی اللہ کے برابر کوئی خدا نہیں اگرچہ اس سے چھوٹے بہت سے ہوں جیسے حدیث شریف میں ہے:

لافتٰی الّا علی لاسیف الا ذو الفقار۔[4]	نہیں ہے کوئی جوان مگر علی (کرم اللہ وجہہ الکریم اور نہیں ہے کوئی تلوار مگر ذوالفقار۔ت)

دوسری حدیث:

لاوجع الاوجع العین ولا ھم الا ھم الدّین۔[5]	درد نہیں مگر آنکھ کا درد اور پریشانی نہیں مگر قرض کی پریشانی۔

ایسی تاویلوں پر خوش نہ ہونا چاہئے بلکہ جو تفسیر ماثور ہے اس کے حضور سر رکھ دیا جائے اور جو مسئلہ تمام مسلمانوں میں مشہور ومقبول ہے مسلمان اسی پر اعتقاد لائے۔

مجبی مخلصی! اللہ عزوجل نے آپ کو پکا مستقل سُنّی کیا ہے آپ جانتے ہیں کہ اب سے پہلے رافضی جو مرتد نہ تھے کاہے سے رافضی ہوئے، کیا اللہ یا قرآن یا رسول یا قیامت وغیرہا ضروریاتِ دین سے کسی کے منکر تھے؟ ہر گز نہیں، انہیں اسی نے رافضی کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی عظمت نہ کی۔ محبا! دل کو صحابہ کی عظمت سے مملو کرلینا فرض ہے انہوں نے قرآن کریم صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پڑھا حضور سے اس کے معانی سیکھے اُن کے ارشاد کے آگے اپنی فہم ناقص کی وہ نسبت سمجھنی بھی ظلم ہے جو ایک علامہ متبحر کے حضور کسی جاہل گنوار بے تمیز کو۔ محبا! صحابہ اور خصوصًا حذیفہ وعبداللہ ابن مسعود جیسے

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ سہارن پور انڈیا ص ۴

[3] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ سہارن پور انڈیا ص ۲۵

[4] الاسرار المرفوعۃ حدیث ۱۰۶۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۲۶۵

[5] الدرر المنتشرۃ فی الاحادیث المشتھرۃ حرف لا حدیث ۴۴۹ المکتب الاسلامی بیروت ص ۱۸۷

صحابہ کی یہ کیا عظمت ہوئی اگر ہم خیال کریں کہ جو معنی قرآن عظیم انہوں نے سمجھے غلط ہیں ہم جو سمجھے وہ صحیح ہیں۔ میں آپ کو اللہ عزوجل کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ آپ کے دل میں ایسا خطرہ بھی گزرے۔ "فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝۶۴ "۔[1] (تو اللہ تعالٰی سب سے بہتر نگہبان اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان ہے۔ت)

میں امید واثق رکھتا ہوں کہ اسی قدر اجمالِ جمیل آپ کے انصافِ جزیل کو بس۔اب قدرے **تفصیل** بھی عرض کروں۔

(۱) زوال کے اصلی معنٰی سرکنا، ہٹنا، جانا، حرکت کرنا، بدلنا ہیں۔ قاموس میں ہے:

الزوال الذھاب والاستحالۃ۔[2]	زوال کا معنٰی ہے جانا اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا۔ت)

اُسی میں ہے۔

کل ماتحول فقد حال واستحال۔[3]	ہر وہ جس نے جگہ بدلی تو بے شک اس نے حال بدلا اور ایک حال سے دوسرے حال کیطرف منتقل ہوا۔(ت)

ایک نسخہ میں ہے۔ کل ماتحرك اوتغیر۔[4] (ہر وہ جس نے حرکت کی یا تبدیل ہوا۔ت) یوں ہی عُباب میں ہے: تحول او تحرک۔[5] (بدلا یا حرکت کی۔ت) تاج العروس میں ہے:

ازال اللہ تعالٰی زوالہ ای اذھب اللہ حرکتہ وزال زوالہ ای ذھبت	(ازال اللہ) اللہ تعالٰی نے اس کے زوال کا ازالہ فرمایا یعنی اس کی حرکت کو ختم فرمادیا۔اور

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۴

[2] القاموس المحیط فصل الزاء باب اللام تحت لفظ الزوال مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۴۰۲

[3] القاموس المحیط فصل الحاء من باب اللام تحت لفظ الحول مصطفٰی البابی مصر ۳/ ۳۷۴

[4] تاج العروس فصل الحاء من باب اللام تحت لفظ الحول داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۲۹۴

[5] تاج العروس بحوالہ العباب فصل الحاء من باب اللام تحت لفظ الحول داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۲۹۴

حرکته۔[1]	اس کا زوال زائل ہوا، یعنی اس کی حرکت ختم ہوگئی۔(ت)

نہایہ ابن اثیر میں ہے:

فی حدیث جندب الجهنی "والله لقد خالطه سهمی ولو کان زائلة لتحرک" الزائلة کل شیئ من الحیوان یزول عن مکانه ولا یستقر، وکان هذا المرمی قد سکن نفسه لایتحرك لئلا یحس به فیجهز علیه۔[2]	جُندب جُہنی کی حدیث میں ہے بخدا میرا تیر اس میں پیوست ہوگیا، اگر اس میں حرکت کی طاقت ہوتی تو وہ حرکت کرتا زائلہ اس حیوان کو کہتے ہیں جو اپنی جگہ سے ہٹ جائے اور قرار نہ پکڑے۔جس کو تیر لگا تھا اس نے اپنے آپ کو حرکت سے روک لیا تاکہ اس کے بارے میں پتا نہ چل سکے اور اس کو ہلاک نہ کردیا جائے۔ت)

(ا) دیکھو زوال بمعنی حرکت ہے اور قرآن عظیم نے آسمان و زمین سے اس کی نفی فرمائی تو حرکتِ زمین و حرکتِ آسمان دونوں باطل ہوئیں۔

(ب) "زوال" جانا اور بدلنا ہے، حرکت محوری میں بدلنا ہے۔اور مدار پر حرکت میں جانا بھی، تو دونوں کی نفی ہوئی۔

(ج) نیز نہایہ و در نثیر امام جلال الدین سیوطی میں ہے:

الزویل الانزعاج بحیث لایستقر علی المکان وهو والزوال بمعنی۔[3]	زویل کا معنی بے قراری ہے اس طور پر کہ کسی ایک جگہ قرار نہ پکڑے۔زویل اور زوال کا معنٰی ایک ہی ہے۔ت)

قاموس میں ہے:

زعجه واقلقه وقلعه من مکانه کازعجه فانزعج۔[4]	اس کو بے قرار و مضطرب کیا اور اس کو اپنی جگہ سے ہٹایا، جیسے اس کو بے قرار کیا، تو وہ بے قرار ہوگیا۔(ت)

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب اللام دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۶۲

[2] النهایه فی غریب الحدیث والاثر باب الزاء مع الواو تحت لفظ زوال مکتبة الاسلامیه بیروت ۲/ ۳۱۹

[3] النهایه فی غریب الحدیث والاثر باب الزاء مع الواو تحت لفظ زوال مکتبه الاسلامیه بیروت ۲/ ۳۲۰

[4] القاموس المحیط فصل الراء والزاء باب الجیم تحت لفظ زعجه مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۱۹۸

لسان میں ہے:

الازعاج نقیض الاقرار۔[1]	ازعاج (بے قرار کرنا) اقرار (ایک جگہ ٹھہرانے کی ضد ہے۔ (ت)

تاج میں ہے:

قلق الشیئ قلقاوھوان لایستقر فی مکان واحد۔[2]	قلق الشیئ قلقًا کا معنی یہ ہے کہ شے ایک جگہ میں قرار نہ پکڑے۔ت)

مفردات امام راغب میں ہے:

قرنی مکانہ یقر قرارًا ثبت ثبوتا جامدا واصلہ من القروھو البرد وھو یقتضی السکون والحر یقتضی الحرکۃ[3]۔	قرنی مکانہ یقر قرارًا کا معنی یہ ہے کہ شیئ اپنی جگہ ثابت ہو کر ٹھہر گئی۔ یہ اصل میں مشتق ہے قر سے جس کا معنی سردی ہے اور وہ سکون کا تقاضا کرتی ہے جب کہ گرمی حرکت کی مقتضی ہے۔ (ت)

قاموس میں ہے:

قر بالمکان ثبت وسکن کاستقر۔[4]	قر بالمکان کا معنٰی ٹھہرنا اور ساکن ہونا جیسا کہ استقر کا معنٰی بھی یہی ہے۔ت

دیکھو زوال انزعاج ہے، اور انزعاج قلق مقابل قرار اور سکون ہو تو زوال مقابل سکون ہے اور مقابل سکون نہیں مگر حرکت، تو ہر حرکت زوال ہے۔ قرآن عظیم آسمان وزمین کے زوال سے انکار فرماتا ہی، لاجرم اُن کی ہر گونہ حرکت کی نفی فرماتا ہے۔

(د) صراح میں ہے:

زائلہ جنبیدہ و رونده وآئندہ۔[5]	زائلہ کا معنی جنبش کرنے والا، جانے والا اور آنے والا ہے۔ (ت)

---

[1] لسان العرب تحت لفظ زعج دار صادر بیروت ۲/ ۲۸۸

[2] تاج العروس فصل القاف تحت لفظ القلق دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۵۸

[3] المفردات فی غرائب القرآن القاف مع الراء نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۴۰۶

[4] القاموس المحیط فصل القاف باب الراء مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۱۹

[5] صراح فصل الزاء باب اللام نولکشور لکھنؤ ص ۳۴۳

زمین اگر محور پر حرکت کرتی جنبیدہ ہوتی اور مدار پر تو آئندہ دروندہ بھی بہرحال زائلہ ہوتی اور قرآن عظیم اُس کے زوال کو باطل فرماتا ہے، لاجرم اس سے ہر نوعِ حرکت زائل۔

(۲) کریمہ "وَاِنۡ كَانَ مَكۡرُهُمۡ لِتَزُوۡلَ مِنۡهُ الۡجِبَالُ ۝" [1] ان کا مکر اتنا نہیں جس سے پہاڑ جگہ سے ٹل جائیں، یا اگرچہ اُن کا مکر ایسا بڑا ہو کہ جس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ یہ قطعًا ہماری ہی مؤید اور ہر گونہ حرکتِ جبال کی نفی ہے۔

(ا) ہر عاقل بلکہ غبی تک جانتا ہے کہ پہاڑ ثابت ساکن و مستقر ایک جگہ جمے ہوئے ہیں جن کو اصلاً جنبش نہیں۔ تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

ثبوت الجبل یعرفہ الغبی والذکی۔ [2]	پہاڑ کے ثبوت و قرار کو کند ذہن اور تیز ذہن والا دونوں جانتے ہیں۔ (ت)

قرآن عظیم میں ان کو رواسی فرمایا، راسی ایک جگہ جما ہوا پہاڑ، اگر ایک انگل بھی سرک جائے گا قطعًا زال الجبل صادق آئے گا نہ یہ کہ تمام دُنیا میں لڑھکتا پھرے۔ اور زال الجبل نہ کہا جائے ثبات وقرار ثابت رہے کہ ابھی دنیا سے آخرت کی طرف گیا ہی نہیں زوال کیسے ہوگیا۔ اپنی منقولہ عبارتِ جلالین دیکھئے پہاڑ کے اسی ثبات واستقرار پر شرائع اسلام کو اُس سے تشبیہ دی ہے جن کا ذرہ بھر ہلانا ممکن نہیں۔

(ب) اسی عبارتِ جلالین کا آخر دیکھئے کہ تفسیر دوم پر یہ آیت آیت "وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۝" کے مناسب ہے یعنی ان کی ملعون بات ایسی سخت ہے جس سے قریب تھا کہ پہاڑ ڈھہ کر گر پڑتے۔ یوں ہی معالم التنزیل میں ہے:

وھو معنی قولہ تعالٰی "وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۝"۔ [3]	اور یہی معنی ہے اللہ تعالٰی کے اس قول کا اور پہاڑ ڈھہ کر گر پڑتے (ت)

یہ مضمون ابو عبید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا نیز جو یبر ضحاک سے راوی ہوئے کقولہ تعالٰی "وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۝"۔ [4] (جیسا کہ اللہ تعالٰی کا قول

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

[2] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی حاشیۃ الشہاب تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ دار صادر بیروت ۵/ ۲۷۷

[3] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت آیۃ ۱۹/ ۹۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۲

[4] جامع البیان عن الضحاک (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۱۴/ ۱۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳/ ۲۹۰

اور وہ پہاڑ گر جائیں گے ڈھہ کر۔ت) اسی طرح قتادہ شاگرد انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، ظاہر ہے کہ ڈھہ کر گرنا اُس جنگل سے بھی اُسے نہ نکال دے گا جس میں تھا نہ کہ دنیا سے۔ ہاں جما ہوا ساکن مستقر نہ رہے گا تو اُسی کو زوال سے تعبیر فرمایا اور اسی کی نفی زمین سے فرمائی تو وہ ضرور جمی ہوئی ساکن مستقر ہے۔

(ج) رب عزوجل نے سیدنا موسٰی علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوۃ والتسلیم سے فرمایا:

"لَنۡ تَرٰىنِیۡ وَلٰكِنِ انۡظُرۡ اِلَی الۡجَبَلِ فَاِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوۡفَ تَرٰىنِیۡ ؕ"[1]	تم ہر گز مجھے نہ دیکھو گے ہاں پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو عنقریب تم مجھے دیکھ لوگے۔

پھر فرمایا:

"فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلۡجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوۡسٰی صَعِقًا ۚ"[2]	جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی اسے ٹکڑے کر دیا اور موسٰی غش کھا کر گرے۔

کیا ٹکڑے ہو کر دُنیا سے نکل گیا یا ایشیا یا اُس ملک سے۔ اس معنی پر تو ہر گز جگہ سے نہ ٹلا، ہاں وہ خاص محل جس میں جما ہوا تھا وہاں نہ جما رہا، تو معلوم ہوا اسی قدر عدمِ استقرار کو کافی ہے۔ اور اوپر گزرا کہ عدم استقرار عین زوال ہے زمین بھی جہاں جمی ہوئی ہے وہاں سے سرکے، تو بے شک زائلہ ہوگی اگرچہ دنیا یا مدار سے باہر نہ جائے۔

(د) اس آیہ کریمہ کے نیچے تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

وان کان مکرھم فی غایۃ المتانۃ و الشدۃ معد الازالۃ الجبال عن مقارھا۔[3]	اگرچہ ان کا مکر مضبوطی اور سختی کی زیادتی کے سبب سے پہاڑوں کو اپنی جگہوں سے ہٹانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ (ت)

نیشا پوری میں ہے: ازالۃ الجبال عن اماکنھا۔[4] (پہاڑوں کو ان کی جگہوں سے ہٹانا۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۳

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۳

[3] ارشاد العقل السلیم (تفسیر ابی السعود) تحت آیت ۱۴/ ۴۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۸

[4] غرائب القرآن ورغائب الفرقان تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ مصطفی البابی مصر ۱۳/ ۱۴۲

خازن میں ہے: تزول عن اماکنھا۔[1] (پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں۔ت) کشاف میں ہے۔ تنقلع عن اماکنھا۔[2] (پہاڑ اپنی جگہوں سے اکھڑ جائیں۔ت) مدارک میں ہے: تنقطع عن اماکنھا۔[3] (پہاڑ اپنی جگہوں سے جُدا ہو جائیں۔ت) اسی کے مثل آپ نے کمالین سے نقل کیا، یہاں بھی مکان و مقر سے قطعًا وہی قرار ہے جو کریمہ " فَإِنِ اسۡتَقَرَّ مَكَانَهٗ "[4]۔ میں تھا زارشاد کا ارشاد مقارھا جاہائے قرار اور کشاف کا لفظ تنقلع خاص قابلِ لحاظ ہے کہ اُکھڑ جانے ہی کو زوال بتایا۔

(۵) سعید بن منصور اپنے سُنن اور ابن ابی حاتم تفسیر میں حضرت ابومالک غزوان غفاری کوفی اُستاذ امام سُدّی کبیر و تلمیذ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

وان کان مکرھم لتزول منه الجبال قال تحرکت۔[5]	اگرچہ ان کا مکر اس حد تک تھا کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ حرکت کریں۔(ت)

اُنہوں نے صاف تصریح کردی کہ زوالِ جبال اُن کا حرکت کرنا جنبش کھانا ہے۔ اسی کی زمین سے نفی ہے۔ وللہ الحمد۔

(۳) اُوپر گزرا کہ زوال مقابل قرار و ثبات ہے اور قرار و ثبات حقیقی سکون مطلق ہے در بارہ قرار عبارت، امام راغب گزری، اور قاموس میں ہے:

المثبت کمکرم من لاحراك به من المرض وبکسر الباء الذی ثقل فلم یبرح الفراش وداء ثبات بالضم معجزعن الحرکۃ۔[6]	مُثبت بروزن مکرم وہ شخص ہے جس میں بیماری کی وجہ سے حرکت نہ ہو، اور اگر مثبت یعنی باء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہوگا وہ شخص جس کی بیماری بڑھ گئی اور وہ صاحبِ فراش ہوگیا۔ اور داء کا معنی ثُبات ہوا، ثاء پر ضمہ کے ساتھ، یعنی حرکت سے عاجز کردینے والا مرض (ت)

[1] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۳

[2] الکشاف تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ مکتب الاعلام الاسلامی قم ایران ۲/ ۵۶۶

[3] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۶۶

[4] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۳

[5] تفسیر القرآن العظیم (ابن ابی حاتم) تحت آیۃ ۱۴/ ۴۶ مکتبہ نزار مصطفی الباز ۷/ 2252

[6] القاموس المحیط فصل التاء والثاء باب التاء مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۵۰

مگر توسُّعاً قرار و ثبات ایک حالت پر بقاء کو کہتے ہیں اگرچہ اس میں سکون مطلق نہ ہو تو اس کا مقابل زوال اُسی حالت سے انفصال ہوگا۔ یونہی مقر و مستقر و مکان ہر جسم کے لیے حقیقۃً وہ سطح یا بعد مجرد یا موہوم ہے جو جمیع جوانب سے اس جسم کو حاوی اور اس سے ملاصق ہے۔ یعنی علمائے اسلام کے نزدیک وہ فضائے متصل جسے یہ جسم بھرے ہوئے ہے ظاہر ہے کہ وہ دبنے سرکنے سے بدل گئی، لہٰذا اس حرکت کو حرکت اینیہ کہتے ہیں یعنی جس سے دمبدم این کہ مکان وجائے کا نام ہے بدلتا ہے یہی جسم کا مکان خاص ہے اور اسی میں قرار و ثبات حقیقی ہے اس کے لیے یہ بھی ضرور کہ وضع بھی نہ بدلے، کرہ کہ اپنی جگہ قائم رہ کر اپنے محور پر گھومے مکان نہیں بدلتا مگر اُسے قار و ثابت و ساکن نہ کہیں گے بلکہ زائل و حائل و متحرک، پھر اسی توسُّع کے طور پر بیت بلکہ دار بلکہ محلے بلکہ شہر بلکہ کثیر ملکوں کے حاوی حصہ زمین مثل ایشیا بلکہ ساری زمین بلکہ تمام دنیا کو مقر و مستقر و مکان کہتے ہیں۔ قال تعالٰی:

"وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ" [1]	اور تمہیں ایک وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے۔ (ت)

اور اس سے جب تک جُدائی نہ ہو اُسے قرار و قیام بلکہ سکون سے تعبیر کرتے ہیں اگرچہ ہزاروں حرکات پر مشتمل ہو ولہٰذا کہیں گے کہ موتی بازار بلکہ لاہور بلکہ پنجاب بلکہ ہندوستان بلکہ ایشیا بلکہ زمین ہمارے مجاہد کبیر کا مسکن ہے وہ ان میں سکونت رکھتے ہیں وہ ان کے ساکن ہیں حالانکہ ہر عاقل جانتا ہے کہ سکون و حرکت متبائن مگر یہ معنٰی مجازی ہیں، لہٰذا جائے اعتراض نہیں۔ لاجرم محلِ نفی میں ان کا مقابل زوال بھی انہیں کی طرح مجازی و توسُّع ہے اور وہ نہ ہوگا جب تک اُن سے انتقال نہ ہو، کفار کی وہ قسم کہ مالنا من زوال اسی معنٰی پر تھی یہ قسم نہ کھاتے تھے کہ ہم ساکن مطلق ہیں چلتے پھرتے نہیں، نہ یہ کہ ہم ایک شہر یا ملک کے پابند ہیں اس سے منتقل نہیں ہوسکتے بلکہ دنیا کی نسبت قسم کھاتے تھے کہ ہمیں یہاں سے آخرت میں جانا نہیں "إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ" [2]۔ (وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں اٹھنا نہیں۔ ت) مولٰی تعالٰی فرماتا ہے:

"وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ۚ" [3]	اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش کی کہ اللہ تعالٰی مردے نہ اٹھائے گا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۶

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۳۷

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۳۸

لاجرم تیسری آیہ کریمہ میں زوال سے مراد دنیا سے آخرت میں جانا ہے، نہ یہ کہ دُنیا میں اُن کا چلنا پھرنا زوال نہیں قطعاً حقیقی زوال ہے جس کی سندیں اوپر سُن چکے اور عظیم شافی بیان آگے آتا ہے، مگر یہاں اُس کا ذکر ہے جس کی وہ قسم کھاتے تھے اور وہ نہ تھا مگر دنیا سے انتقال معنی مجازی کے لیے قرینہ درکار ہوتا ہے۔ یہاں قرینہ اُن کے یہی اقوال بعینہٖ ہیں بلکہ خود اسی آیت صدر میں قرینہ صریحہ مقالیہ موجود کہ روزِ قیامت ہی کے سوال وجواب کا ذکر ہے فرماتا ہے:

"وَ اَنۡذِرِ النَّاسَ یَوۡمَ یَاۡتِیۡہِمُ الۡعَذَابُ فَیَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤی اَجَلٍ قَرِیۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَکَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَ لَمۡ تَکُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَکُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ ﴿ۙ۴۴﴾ "[1]	اور لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جب اُن پر عذاب آئے گا، تو ظالم کہیں گے اے ہمارے رب تھوڑی دیر ہمیں مہلت دے کہ ہم تیرا بلانا مانیں اور رسولوں کی غلامی کریں۔ تو کیا تم پہلے قسم نہ کھا چکے تھے کہ ہمیں دنیا سے ہٹ کر کہیں جانا نہیں۔ (ت)

لیکن کریمہ "اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۬ۚ "[2] ۔ (بے شک اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ کہیں جنبش نہ کریں۔ ت) میں کوئی قرینہ نہیں تو معنی مجازی لینا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا بلکہ قطعاً زوال اپنے معنی حقیقی پر رہے گا۔ یعنی قرار وثبات وسکون حقیقی کا چھوڑنا، اُس کی نفی ہے تو ضرور سکون کا اثبات ہے ایک جگہ معنی مجازی میں استعمال دیکھ کر دوسری جگہ بلاقرینہ مجاز مراد لینا ہرگز حلال نہیں۔

(۴) نہیں نہیں بلاقرینہ نہیں بلکہ خلافِ قرینہ، یہ اور سخت تر ہے کہ کلام اللہ میں پوری تحریفِ معنوی کا پہلو دے گا رب عزوجل نے یمسک فرمایا ہے اور امساک روکنا، تھامنا، بند کرنا ہے۔ ولہٰذا جو زمین کے پانی کو بہنے نہ دے روک رکھے اسے مسک اور مساک کہتے ہیں انہار وابحار کو نہیں کہتے حالانکہ اُن میں بھی پانی کی حرکت وہیں تک ہوگی جہاں تک احسن الخالقین جل وعلا نے اُس کا امکان دیا ہے۔ قاموس میں ہے:

امسکه حبسه المسك محركة الموضع يمسك الماء كالمساك كسحاب۔[3]	امسکہ کا معنٰی ہے اس کو روکا۔ المسک (س پر حرکت کے ساتھ) اُس جگہ کو کہتے ہیں جو پانی کو روکے، جیسے مساک بروزن سحاب (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۱

[3] القاموس المحیط فصل المیم باب الکاف مصطفی البابی مصر ۳/ ۳۲۹

یوں تو دنیا بھر میں کوئی حرکت کبھی بھی زوال نہ ہو کہ جہاں تک احسن الخالقین تعالٰی نے امکان دیا ہے اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔
(۵) اگر ان معنی کو مجازی نہ لیجئے بلکہ کہیے کہ زوال عام ہے مکان و مستقر حقیقی خاص سے سرکنا اور موقع عام اور موطن اعم اور اعم از اعم سے جُدا ہونا سب اس کے فرد ہیں تو ہر ایک پر اس کا اطلاق حقیقت ہے جیسے زید وعمرو وبکر وغیرہم کسی فرد کو انسان کہنا تواب بھی قرآن کریم کا مفاد زمین کا وہی سکون مطلق ہوگا نہ کہ اپنے مدار سے باہر نہ جانا۔
تزولا فعل ہے اور محل نفی میں وارد ہے اور علم اصول میں مصرح ہے کہ فعل قوۃ نکرہ میں ہے اور نکرہ حیز نفی میں عام ہوتا ہے، تو معنی آیت یہ ہوئے کہ آسمان وزمین کو کسی قسم کا زوال نہیں نہ موقع عام سے نہ مستقر حقیقی خاص سے، اور یہی سکون حقیقی ہے **وللہ الحمد**۔
یہی وجہ ہے کہ ہمارے مجاہد کبیر کو اپنی عبارت میں ہر جگہ قید بڑھانی پڑی زمین کا اپنے اماکن سے زائل ہوجانا اس کا زوال ہوگا۔ زائل ہوجانا قطعاً مطلقاً زوال ہے۔ زائل ہوجانا زوال کا ترجمہ ہی تو ہے۔ مکانِ خاص سے ہو خواہ اماکن سے، مگر اوّل کے اخراج کو اس قید کی حاجت ہوتی تو یونہی فرمایا، زمین کا زوال اس کے اماکن سے۔ پھر فرمایا جن اماکن میں اللہ تعالٰی نے اُس کو امساک کیا ہے۔ اس سے باہر سِرک نہیں سکتی۔ پھر فرمایا اپنے مدار میں امساک کردہ شدہ ہے اس سے زائل نہیں ہوسکتی۔ اور نفی کی جگہ فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آسمان کے سکون فی مکانہ کی تصریح فرمادی مگر زمین کے بارے میں ایسا نہیں فرمایا۔ یہاں جمع اماکن کا ظاہر کردیا مگر رب عزوجل نے تو اُن میں سے کوئی قید نہ لگائی۔ مطلق **یمسك** فرمایا ہے اور مطلق **ان تزولا**۔ اللہ آسمان وزمین ہر ایک کو روکے ہوئے کہ سرکنے نہ پائے یہ نہ فرمایا کہ اس کے مدار میں روکے ہوئے ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ ہر ایک کے لیے اماکن عدیدہ ہیں اُن اماکن سے باہر نہ جانے پائے۔ تو اُس کا بڑھانا کلام الٰہی میں اپنی طرف سے پیوند لگانا ہوگا از پیش خویش قرآن عظیم کے مطلق کو مقید، عام کو مخصّص بنانا ہوگا۔ اور یہ ہر گز روا نہیں۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے جو ان کی کتبِ عقائد میں مصرح ہے۔ کہ **النصوص تحمل علٰی ظواھرھا**[1] (نصوص اپنے ظاہر پر محمول ہوتی ہیں۔ ت) بلکہ تمام ضلالتوں کا بڑا پھاٹک یہی ہے کہ بطورِ خود نصوص کو ظاہر سے پھیریں۔ مطلق کو مقید عام کو مخصص کریں۔
"**مَا لَكُم مِّن زَوَالٍ**"[2]۔ (تمہارے لیے زوال نہیں ت) کی تخصیص واضح سے **ان تزولا**

[1] شرح عقائد نسفیہ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۱۱۹
[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۴

کو بھی مخصص کرلینا اس کی نظیر یہی ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾ "[1]۔ (بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ت) کی تخصیص دیکھ کر "اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷۵﴾ "[2] (بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ت) کو بھی مخصص مان لیں کہ جس طرح وہاں ذات و صفات و محالات زیر قدرت نہیں یوں ہی معاملہ صاف ہوگیا کہ ذات و صفات و محالات کا معاذاللہ علم بھی نہیں۔ زیادہ تشفی بحمدہ تعالٰی نمبر ۸ میں آتی ہے جس سے واضح ہو جائے گا کہ اللہ و رسول و صحابہ و مسلمین کے کلام میں یہاں یعنی خاص محل نزاع میں زوال سے مطلقاً ایک جگہ سے سرکنا مراد ہوا ہے اگرچہ اماکن معینہ سے باہر نہ جائے یا زوال کفار کی طرح دنیا خواہ مدار چھوڑ کر الگ بھاگ جانا، **فانتظر** (چنانچہ انتظار کر۔ت)

(۶) لاجرم وہ جنہوں نے خود صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے قرآن کریم پڑھا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کے معانی سیکھے انہوں نے آیہ کریمہ کو ہر گونہ زوال کی نافی اور سکون مطلق حقیقی کی مثبت بتایا۔ سعید بن منصور و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن المنذر نے حضرت شقیق ابن سلمہ سے کہ زمانہ رسالت پائے ہوئے تھے روایت کی اور حدیث ابن جریر بسند صحیح برجال صحیحین بخاری و مسلم ہے:

حدثنا ابن بشار ثنا عبدالرحمن ثنا سفین عن الاعمش عن ابی وائل قال جاء رجل الی عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنه فقال من این جئت ؟ قال من الشام، فقال من لقیت؟ قال لقیت کعبًا۔ فقال ما حدثك کعب؟ قال حدثنی ان السمٰوٰت تدور علٰی منکب ملك قال فصدقته او کذبته؟	ہمیں ابن بشار نے حدیث بیان کی کہ ہم کو عبدالرحمٰن نے حدیث بیان کی کہ ہم کو اعمش نے بحوالہ ابووائل حدیث بیان کی، ابووائل نے کہا کہ ایک صاحب حضرت سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر ہوئے فرمایا: کہاں سے آئے؟ عرض کی: شام سے۔ فرمایا وہاں کس سے ملے؟ عرض کی: کعب سے فرمایا کعب نے تم سے کیا بات کی؟ عرض کی، یہ کہا کہ آسمان ایک فرشتے کے شانے پر گھومتے ہیں، فرمایا: تم نے اس میں کعب کی تصدیق کی یا تکذیب؟

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

قال ما صدقته ولا کذبته، قال لوددت انك افتدیت من رحلتك الیه براحلتك ورحلها وکذب کعب ان اللہ یقول " اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ۬ وَلَىٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ "[1]، زاد غیر ابن جریر وکفٰی بھا زوالًا ان تدورا۔[2]	عرض کی، کچھ نہیں (یعنی جس طرح حکم ہے کہ جب تک اپنی کتاب کریم کا حکم نہ معلوم ہو اہل کتاب کی باتوں کو نہ سچ جانو نہ جھوٹ) حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کاش تم اپنا اُونٹ اور اس کا کجاوہ سب اپنے اس سفر سے چھٹکارے کو دے دیتے کعب نے جھوٹ کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمینوں کو روکے ہوئے ہے کہ سرکنے نہ پائیں اور اگر وہ ہٹیں تو اللہ کے سوا انہیں کون تھامے، ابن جریر کے غیر نے یہ اضافہ کیا کہ گھومنا اُن کے سرک جانے کو بہت ہے۔

نیز محمد طبری نے بسند صحیح براصولِ حنفیّہ برجال بخاری و مسلم حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ کے استاذ الاستاذ امام اجل ابراہیم نخعی سے روایت کی:

حدثنا جریر عن مغیرۃ عن ابراھیم قال ذھب جُندب البجلی الٰی کعب الاحبار فقدم علیه ثمّ رجع، فقال له عبداللہ حدثنا ما حدثک، فقال حدثنی ان السماء فی قطب کقطب الرحا و القطب عمود علٰی منکب ملک، قال عبداللہ لوددت انّك افتدیت رحلتك بمثل راحلتک، ثم قال ماتنتکت الیھودیۃ فی قلب عبد فکادت	ہمیں جریر نے بحوالہ مغیرہ ابراہیم سے حدیث بیان کی کہ ابراہیم نے کہا کہ جُندب بُجلی کعب احبار کے پاس جاکر واپس آئے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: کہو کعب نے تم سے کیا کہا؟ عرض کیا: یہ کہا کہ آسمان چکی کی طرح ایک کیلی میں ہے اور کیلی ایک فرشتے کے کاندھے پر ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا: مجھے تمنا ہوئی کہ تم اپنے ناقہ کے برابر مال دے کر اس سفر سے چھوٹ گئے ہوتے، یہودیت کی خراش جس دل میں لگتی ہے پھر مشکل ہی سے چھوٹتی ہے۔ اللہ

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۲/ ۱۷۰

[2] الدرالمنثور (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

تفارقه ثم قال "اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا "۔ کفٰی بها زوالا ان تدورا۔[1]	تو فرما رہا ہے بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ نہ سرکیں، ان کے سرکنے کو گھومنا ہی کافی ہے۔

عبد بن حمید نے قتادہ شاگردِ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی:

ان کعبًا کان یقول ان السماء تدور علٰی نصب مثل نصب الرحا فقال حذیفة بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنهما کذب کعب "اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا "۔[2]	کعب کہا کرتے کہ آسمان ایک کیلی پر دورہ کرتا ہے جیسے چکی کی کیلی۔ اس پر حذیفہ الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا کعب نے جھوٹ کہا۔ بے شک اللہ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ جنبش نہ کریں۔

دیکھو ان اجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے مطلق حرکت کو زوال مانا اور اس پر انکار فرمایا اور قائل کی تکذیب کی اور اسے بقایائے خیالات یہودیت سے بتایا، کیا وہ اتنا نہ سمجھ سکتے تھے کہ ہم کعب کی ناحق تکذیب کیوں فرمائیں آیت میں تو زوال کی نفی فرمائی ہے اور اُن کا یہ پھرنا چلنا اپنے اماکن میں ہے جہاں تک احسن الخالقین تعالٰی نے ان کو حرکت کا امکان دیا ہے وہاں تک اُن کا حرکت کرنا ان کا زوال نہ ہوگا۔ مگر ان کا ذہن مبارک اس معنی باطل کی طرف نہ گیا نہ جاسکتا تھا بلکہ اس کے ابطال ہی کی طرف گیا اور جانا ضرور تھا کہ اللہ تعالٰی نے مطلقًا زوال کی نفی فرمائی ہے نہ کہ خاص زوال عن المدار کی تو انہوں نے روا نہ رکھا کہ کلامِ الٰہی میں اپنی طرف سے یہ پیوند لگالیں لاجرم اس پر رَد فرمایا اور اس قدر شدید واشد فرمایا وللہ الحمد۔

تنبیہ: کعب احبار تابعین اخیار سے ہیں خلافتِ فاروقی میں یہودی سے مسلمان ہوئے کُتب سابقہ کے عالم تھے۔ اہلِ کتاب کی احادیث اکثر بیان کرتے انہیں میں سے یہ خیال تھا جس کی تغلیط ان اکابر صحابہ نے قرآن عظیم سے فرمادی تو کذب کعب کے یہ معنی ہیں کہ کعب نے غلط کہا نہ کہ معاذاللہ قصدًا جھوٹ کہا۔ کذب بمعنی اخطا محاورہ حجاز ہے اور خراش یہودیت بمشکل چھوٹنے سے یہ مراد کہ اُن کے دل میں علمِ یہود بھرا ہوا تھا وہ تین قسم ہے باطل صریح و حق صحیح

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۲/ ۱۷۱ و ۱۷۰

[2] الدر المنثور (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

اور مشکوک کہ جب تک اپنی شریعت سے اس کا حال نہ معلوم ہو حکم ہے کہ اس کی تصدیق نہ کرو ممکن کہ ان کی تحریفات یا خرافات سے ہو، نہ تکذیب کرو ممکن کہ توریت یا تعلیمات سے ہو اسلام لاکر قسم اول کا حرف حرف قطعاً اُن کے دل سے نکل گیا۔ قسم دوم کا علم اور مسجّل ہوگیا، یہ مسئلہ قسم سوم بقایائے علم یہود سے تھا جس کے بطلان پر آگاہ نہ ہو کر انہوں نے بیان کیا اور صحابہ کرام نے قرآن عظیم سے اس کا بطلان ظاہر فرمادیا یعنی یہ نہ توریت سے ہے نہ تعلیمات سے بلکہ ان خبیثوں کی خرافات سے تابعین صحابہ کرام کے تابع و خادم ہیں، مخدوم اپنے خدام کو ایسے الفاظ سے تعبیر کرسکتے ہیں اور مطلب یہ ہے جو ہم نے واضح کیا وللہ الحمد۔

(۷) اس ساری تحریر میں مجھے آپ سے اس فقرے کا زیادہ تعجب ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آسمان کے سکون فی مکانہ کی تصریح فرمادی مگر زمین کے بارے میں ایسا نہ فرمایا، خاموشی فرمائی، اسے آپ نے اپنی مشکل کا حل تصور کیا۔ کعب احبار نے آسمان ہی کا گھومنا بیان کیا تھا اور یہود اسی قدر کے قائل تھے زمین کو وہ بھی ساکن مانتے تھے بلکہ ۱۵۳۰ء سے پہلے (جس میں کوپر نیکس نے حرکت زمین کی بدعت ضالہ کو کہ دو ہزار برس سے مردہ پڑی تھی جِلایا) نصارٰی بھی سکون ارض ہی کے قائل تھے، اسی قدر یعنی صرف دورہ آسمان کا ان حضرات عالیات کے حضور تذکرہ ہوا اس کی تکذیب فرمادی۔ دورہ زمین کہا کس نے تھا کہ اس کا ردّ فرماتے، اگر کوئی صرف زمین کا دورہ کہتا صحابہ اسی آیۃ کریمہ سے اُس کی تکذیب کرتے اور اگر کوئی آسمان وزمین دونوں کا دورہ بتاتا، صحابہ اسی آیت سے دونوں کا ابطال فرماتے جواب بقدر سوال دیکھ لیا یہ نہ دیکھا کہ جس آیت سے وہ سند لائے اس میں آسمان وزمین دونوں کا ذکر ہے، یا صرف آسمان کا، آیت پڑھیے صراحتاً دونوں ایک حالت پر مذکور ہیں دونوں پر ایک ہی حکم ہے۔ جب حسب ارشادِ صحابہ آیہ کریمہ مطلق حرکت کا انکار فرماتی ہے اور وہ انکار آسمان وزمین دونوں کے لیے ایک نسق ایک لفظ ان تزولا میں ہے جس کی ضمیر دونوں کی طرف ہے تو قطعاً آیت نے زمین کی بھی ہر گونہ حرکت کو باطل فرمایا جس طرح آسمان کی، ایک شخص کہے حضرت سیدنا یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے آفتاب کو اپنے لیے سجدہ کرتے نہ دیکھا تھا اس پر عالم فرمائے وہ جھوٹا ہے۔ آیہ کریمہ میں ہے:

"اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝" [1]	میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا۔

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴

اس کے بعد ایک دوسرا اُٹھے اور چاند کو ساجد دیکھنے سے منکر ہو اور کہے قربان جایئے عالم نے سورج کے سجدہ کی تصریح فرمائی مگر چاند کے بارے میں ایسا نہ فرمایا: خاموشی فرمائی اسے کیا کہا جائے گا، اب تو آپ نے خیال فرمالیا ہوگا کہ قائل حرکت ارض کو اجلہ صحابہ کرام بلکہ خود صاف ظاہر نصِ قرآن عظیم سے گریز کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور یہ معاذاللہ خُسرانِ مبین ہے جس سے اللہ تعالٰی ہمیں اور آپ اور سب اہلسنت کو بچائے۔ آمین۔

(۸) عجب کہ آپ نے آفتاب کا زوال نہ سُنا، اسے تو میں نے آپ سے بالمشافہ کہہ دیا تھا۔

(ا) حدیثوں میں کتنی جگہ **زالت الشمس** (سورج ڈھل گیا۔ت) ہے بلکہ قرآن عظیم میں ہے:

"اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ"۔[1]	نماز قائم کرو سورج ڈھلتے وقت۔(ت)

تفسیر ابن مردویہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لدلوک الشّمس کی تفسیر میں فرمایا: **لزوال الشمس**۔[2] ابن جریر نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اتانی جبرئیل لدلوك الشمس حین زالت فصلی بی الظھر۔[3]	میرے پاس جبرائیل آئے جب سورج ڈھل گیا تو آپ نے میرے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔

نیز ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یصلی الظھر اذا زالت الشمس، ثم تلا اقم الصلوۃ لدلوك الشمس۔[4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظہر کی نماز اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل جاتا۔ پھر ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ آیتِ کریمہ پڑھی کہ سورج ڈھلتے وقت نماز قائم کرو۔(ت)

نیز مثل سعید ابن منصور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے: **دلوکھا زوالھا**[5] (سورج کے دلوک کا معنی

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۸

[2] الدرالمنثور فی التفسیر بالماثور (بحوالہ ابن مردویہ) تحت آیۃ ۱۷/ ۷۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸۰

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۱۷/ ۷۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۱۵۸

[4] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۱۷/ ۷۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۱۵۸

[5] الدرالمنثور بحوالہ سعید بن منصور وابن جریر تحت آیۃ ۱۷/ ۷۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸۱

اس کا زوال ہے۔ت)

بزار وابوالشیخ وابن مردویہ نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔ **دلوك الشمس زوالها**۔[1] (سورج کے دلوک کا معنی اس کا زوال ہے۔ت) عبدالرزاق نے مصنف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

دلوك الشمس اذا زالت عن بطن السماء۔[2]	سورج کا دلوک یہ ہے کہ جب وہ آسمان کے بطن سے ڈھل جائے(ت)

مجمع بحارالانوار میں ہے:

زاغت الشمس مالت وزالت علی اعلٰی درجات ارتفاعها۔[3]	**زاغت الشمس** کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی بلندی کے اعلٰی درجے سے ڈھل گیا(ت)

فقہ میں وقتِ زوال ہر کتاب میں مذکور اور عوام تک کی زبانوں پر مشہور۔ کیا اس وقت آفتاب اپنے مدار سے باہر نکل جاتا ہے اور احسن الخالقین جل وعلا نے جہاں تک کی حرکت کا اسے امکان دیا ہے اس سے آگے پاؤں پھیلاتا ہے؟ حاشا! مدار ہی میں رہتا ہے اور پھر زوال ہوگیا۔ یونہی زمین اگر دورہ کرتی ضرور اسے زوال ہوتا اگرچہ مدار سے نہ نکلتی، اس پر اگر یہ خیال جائے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکنا تو آفتاب کو ہر وقت ہے پھر ہر وقت کو زوال کیوں نہیں کہتے، تو یہ محض جاہلانہ سوال ہوگا۔ وجہ تسمیہ مطرد نہیں ہوتی۔ کتب میں یہ مشہور حکایت ہے کہ مطرد ماننے والے سے پوچھا جرجیر یعنی چینے کو کہ ایک قسم کا اناج ہے جرجیر کیوں کہتے ہیں۔ کہا لانہ یتجرجر علی الارض اس لیے کہ وہ زمین پر جنبش کرتا ہے کہا تمہاری داڑھی کو جرجیر کیوں نہیں کہتے یہ بھی تو جنبش کرتی ہے۔ قارورے کو قارورہ کیوں کہتے ہیں، کہا لان **الماء یقر فیها** اس لیے کہ اس میں پانی ٹھہرتا ہے کہا تمہارے پیٹ کو قارورہ کیوں نہیں کہتے اس میں بھی تو پانی ٹھہرتا ہے۔ یہاں تین ہی موضع ممتاز تھے افق شرقی و غربی و دائرہ نصف النہار، ان سے سرکنے کا نام طلوع و غروب رکھا کہ یہی انسب ووجہِ تمایز تھا اور اس سے تجاوز کو زوال کہا اگرچہ جگہ سے زوال آفتاب کو بلاشبہ ہر وقت ہے کریمہ **والشمس تجری لمستقر لها** میں

[1] الدرالمنثور بحوالہ البزار وابی الشیخ وابن مردویہ تحت آیت ۱۷/ ۷۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸۰

[2] المنصف لعبدالرزاق حدیث ۲۰۴۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۵۳۸

[3] مجمع بحارالانوار باب الزاء مع الیاء مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۲/ ۴۵۶

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت ہے **لا مستقرلھا** یعنی سورج چلتا ہے کسی وقت اسے قرار نہیں۔اوپر گزرا کہ قرار کا مقابل زوال ہے،جب کسی وقت قرار نہیں تو ہر وقت زوال ہے اگرچہ تسمیہ میں ایک زوال معین کا نام زوال رکھا،غرض کلام اس میں ہے کہ احادیث مرفوعہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآثار صحابہ کرام واجماع اہل اسلام نے آفتاب کا اپنے مدار میں رہ کر ایک جگہ سے سرکنے کو زوال کہا اگر زمین متحرک ہوتی تو یقیناً ایک جگہ سے اس کا سرکنا ہی زوال ہوتا اگرچہ مدار سے باہر نہ جاتی لیکن قرآن عظیم نے صاف ارشاد میں اُس کے زوال کا انکار فرمایا ہے تو قطعاً واجب کہ زمین اصلاً متحرک نہ ہو۔

(ب) بلکہ خود یہی زوال کہ قرآن وحدیث وفقہ وزبان جملہ مسلمین سب میں مذکور قائلانِ دورہ زمین اسے زمین ہی کا زوال کہیں گے کہ وہ حرکتِ یومیہ اُسی کی جانب منسوب کرتے ہیں۔یعنی آفتاب یہ حرکت نہیں کرتا بلکہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے جب وہ حصّہ جس پر ہم ہیں گھوم کر آفتاب سے آڑ میں ہوگیا رات ہوئی۔جب گھوم کر آفتاب کے سامنے آیا کہتے ہیں آفتاب نے طلوع کیا۔حالانکہ زمین یعنی اُس حصہ ارض نے جانبِ شمس رُخ کیا جب اتنا گھوما کہ آفتاب ہمارے سروں کے محاذی ہوا یعنی ہمارا دائرہ نصف النہار مرکز شمس کے مقابل آیا دوپہر ہوگیا جب زمین یہاں سے آگے بڑھی دوپہر ڈھل گیا کہتے ہیں آفتاب کو زوال ہوا حالانکہ زمین کو ہوا،یہ اُن کا مذہب ہے اور صراحۃً قرآن عظیم کا مکذب ومکذب ہے۔مسلمین تو مسلمین،بیروت وغیرہ کے سفہائے قائلان حرکت ارض بھی جن کی زبان عربی ہے اس وقت کو وقت زوال اور دھوپ گھڑی کو مزولہ کہتے ہیں یعنی زوال پہچاننے کا آلہ۔اور اگر اُن سے کہے کیا شمس زوال کرتا ہے؟ کہیں گے: نہیں بلکہ زمین،حالانکہ وہ مدار سے باہر نہ گئی۔تو آپ کی تاویل موافقین ومخالفین کسی کو بھی مقبول نہیں۔

(ج) اوروں سے کیا کام،آپ تو بفضلہٖ تعالٰی مسلمان ہیں،ابتدائے وقت ظہر زوال سے جانتے ہیں،کیا ہزار بار نہ کہا ہوگا کہ زوالِ کا وقت ہے،زوال ہونے کو ہے،زوال ہوگیا۔کاہے سے زوال ہوا،دائرہ نصف النہار سے۔کس کا زوال ہوا آپ کے نزدیک زمین کا کہ اُسی کی حرکت محوری سے ہوا۔حالانکہ اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے کہ زمین کو زوال نہیں،اب خود مان کر کہ زمین متحرک ہو تو روزانہ اپنے مدار کے اندر ہی رہ کر اسے زوال ہوتا ہے دنیا سے،زوال کفار پیش کرنے کا کیا موقع رہا،انصاف شرط ہے اور قرآن عظیم کے ارشاد پر ایمان لازم **وباللہ التوفیق**۔

(د) یہاں سے بحمدہٖ تعالٰی حضرت معلّم التحیات رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اُس ارشاد کی خوب

توضیح ہوگئی کہ صرف حرکتِ محوری زوال کو بس ہے۔

(۹) بحمداللہ تین آیتیں یہ گزریں:

آیت ۱: "اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ"[1]۔ **آیت ۲:** "وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ"[2]۔ **آیت ۳:** "لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ"[3]۔ **آیت ۴:** "فَلَمَّاۤ اَفَلَتۡ"[4]۔	
آیت ۵: "وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ الۡغُرُوۡبِ ۚ﴿۳۹﴾"[5]۔	اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔ سورج چمکنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے (ت)
آیت ۶: "وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا ۚ"[6]۔	اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو۔ سورج چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے (ت)
آیت ۷: "حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ﴿ۙ۹۰﴾"[7]۔	یہاں تک کہ سورج نکلنے کی جگہ پہنچا اُسے ایسی قوم پر نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہیں رکھی (ت)
اور ان سب سے زائد **آیت ۸:** "وَتَرَی الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ کَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡیَمِیۡنِ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِیۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ"[8]۔	تو آفتاب کو دیکھے گا جب طلوع کرتا ہے ان کے غار سے دہنی طرف مائل ہوتا ہے اور جب ڈوبتا ہے ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے حالانکہ وہ غار کے کھلے میدان میں ہیں، یہ قدرتِ الٰہی کی نشانیوں سے ہیں۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۱
[2] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۱
[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۸
[4] القرآن الکریم ۶/ ۷۸
[5] القرآن الکریم ۵۰/ ۳۹
[6] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۳۰
[7] القرآن الکریم ۱۸/ ۹۰
[8] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۷

یونہی صدہا احادیث ارشاد سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خصوصًا حدیث صحیح بخاری ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ:

قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ لابی ذرحین غربت الشمس اتدری این تذھب قلت اللہ ورسولہ اعلم قال فانھا تذھب حتی تسجد تحت العرش فتستأذن فیؤذن لھا ویوشك ان تسجد فلایقبل منھا وتستأذن فلا یؤذن لھا یقال لھا ارجعی من حیث جئت فتطلع من مغربھا فذلك قولہ تعالٰی و الشمس تجری لمستقرلھا ذٰلك تقدیر العزیز العلیم۔[1]	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کوفرمایاجب کہ سورج غروب ہوچکا تھا کیا تم جانتے ہو کہ سورج کہاں جاتا ہے؟ حضرت ابوذر کہتے ہیں میں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا: وہ جاتا ہے تاکہ عرش کے نیچے سجدہ کرے۔ چنانچہ وہ اجازت طلب کرتا ہے تو اس کو اجازت دے دی جاتی ہے قریب ہے کہ وہ سجدہ کرے، وہ سجدہ اس کی طرف سے قبول نہ کیا جائے اور وہ اجازت طلب کرے تو اس کو سجدہ کرنے کی اجازت نہ دی جائے اور اسے کہا جائے کہ تو لوٹ جہاں سے آیا ہے۔ پھر وہ مغرب سے طلوع ہوگا۔ یہی معنی ہے اللہ تعالٰی کے ارشاد کا اور سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے، یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ (ت)

یونہی ہزارہا آثارِ صحابہ عظام و تابعین کرام و اجماعِ امت جن سب میں ذکر ہے کہ آفتاب طلوع و غروب کرتا ہے آفتاب کو وسطِ سماء سے زوال ہوتا ہے آفتاب کی طرح روشن دلائل ہیں کہ زمین ساکن محض ہے بدیہی ہے اور خود مخالفین کو تسلیم کہ طلوع و غروب و زوال نہیں مگر حرکت یومیہ سے تو جس کے یہ احوال ہیں حرکت یومیہ اسی کی حرکت ہے تو قرآن عظیم و احادیث متواترہ و اجماعِ امت سے ثابت کہ حرکت یومیہ حرکت شمس ہے نہ کہ حرکتِ زمین، لیکن اگر زمین حرکتِ محور کرتی تو حرکت یومیہ اسی کی حرکت ہوتی جیسا کہ مزعوم مخالفین ہے تو روشن ہوا کہ زعم سائنس باطل و مردود ہے۔ پھر شمس کی حرکت یومیہ جس سے طلوع و غروب و زوال ہے۔ نہ ہوگی مگر یوں کہ وہ گرد زمین دورہ کرتا ہے تو قرآن و حدیث و اجماع سے ثابت ہوا کہ آفتاب حولِ ارض دائرہ ہے، لاجرم زمین مدار شمس کے جوف میں ہے،

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۴

تو ناممکن ہے کہ زمین گردِ شمس دورہ کرے اور آفتاب مدارِ زمین کے جوف میں ہو تو بحمد اللہ تعالیٰ آیاتِ متکاثرہ و احادیث متواترہ واجماع امت طاہرہ سے واضح ہوا کہ زمین کی حرکت محوری ومداری دونوں باطل ہیں **وللہ الحمد**، زیادہ سے زیادہ مخالف یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ غروب تو حقیقۃً شمس کے لیے ہے کہ وہ غیبت ہے اور آفتاب ہی اس حرکت زمین کے باعث نگاہ سے غائب ہوتا ہے اور زوال حقیقۃً زمین کے لیے ہے کہ یہ ہٹتی ہے نہ کہ آفتاب اور طلوع حقیقۃً کسی کے لیے نہیں کہ طلوع صعود اور اوپر چڑھنا ہے۔

حدیث میں ہے: **لکل حد مطلع**[1]۔ (ہر حد کے لیے چڑھنے کی جگہ ہے۔ت)

نہایہ و درنثیر و مجمع البحار و قاموس میں ہے: **ای مصعد یصعد الیہ من عرفۃ علمیہ**[2]۔ یعنی چڑھنے کی جگہ جس کی طرف وہ اپنی علمی معرفت کے ساتھ چڑھتا ہے۔ (ت)

نیز ثلاثیہ اصول تاج العروس میں ہے: **مطلع الجبل مصعدہ**[3] (پہاڑ کا مطلع اس پر چڑھنے کی بلند جگہ ہے۔ت)

حدیث میں ہے: **طلع المنبر**۔[4] (منبر پر چڑھا۔ت)

مجمع البحار میں ہے: **ای علاہ**[5] (یعنی اس کے اوپر چڑھا۔ت)

ظاہر ہے کہ زمین آفتاب پر نہیں چڑھتی، اور مخالف کے نزدیک آفتاب بھی اس وقت زمین پر نہ چڑھا کہ طلوع اس کی حرکت سے نہیں لاجرم طلوع سرے سے باطل محض ہے مگر مکان زمین کو حرکت میں محسوس نہیں ہوتی۔ انہیں وہم گزرتا ہے کہ آفتاب چلتا، ڈھلتا ہے لہٰذا طلوع و زوال الشمس کہتے ہیں۔ یہ کوئی کافر کہہ سکے۔ مسلمان کیونکر وہ روا رکھ سکے کہ جاہلانہ وہم جو لوگوں کو گزرتا ہے قرآن عظیم بھی معاذ اللہ اسی وہم پر چلا ہے اور واقع کے خلاف طلوع و زوال کو آفتاب کی طرف نسبت فرمادیا ہے۔

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب تلاوۃ القرآن الباب الرابع دار الفکر بیروت ۴/ ۵۲۷

[2] القاموس المحیط باب العین فصل الطاء مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱

[3] تاج العروس شرح القاموس باب العین فصل الطاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۴۲

[4] مجمع بحار الانوار باب الطاء مع اللام مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۳/ ۴۵۹

[5] مجمع بحار الانوار باب الطاء مع اللام مکتبہ دار الایمان مدینہ منورہ ۳/ ۴۵۹

والعیاذ باللہ تعالٰی، لاجرم مسلمان پر فرض ہے کہ حرکت شمس و سکونِ زمین پر ایمان لائے واللہ الھادی۔

(۱۰) سورۂ طٰہٰ و سورۂ زخرف دو جگہ ارشاد ہوا ہے:

"الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا"[1]۔	وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا۔ (ت)

دونوں جگہ صرف کوفیوں مثل امام عاصم نے جن کی قراءت ہند میں رائج ہے مھدًا پڑھا، باقی تمام ائمہ قراءت نے مھدًا بزیادتِ الف۔ دونوں کے معنی ہیں بچھونا۔ جیسے فرش و فراش یونہی مھد و مھاد۔

(ا) پس قراءت عام ائمہ نے قراءت کوفی کو تفسیر فرمادی کہ مھد سے مراد فرش ہے مدارک شریف سورہ طہ میں ہے:

(مھدا) کوفی وغیر ھم مھادا وھما لغتان لما یبسط و یفرش۔[2]	(مھدًا) یہ کوفیوں کی قراءۃ ہے ان کے غیر مھادًا پڑھتے ہیں، یہ دونوں لغتیں ہیں، اس کا معنی ہے وہ شے جس کو بچھایا جاتا ہے اور بچھونا بنایا جاتا ہے۔ (ت)

اُسی کی سورہ زخرف میں ہے:

(مھدًا) کوفی وغیرہ مھادًا ای موضوع قرار۔[3]	(مھدًا) کوفی قراءۃ ہے اور ان کے غیر کی قراءۃ مِھادًا ہے یعنی قرار کی جگہ (ت)

معالم شریف میں ہے:

قرأ اھل الکوفۃ مھدًا ھٰھنا وفی الزخرف فیکون مصدرًا ای فرشًا وقرا الاخرون مھادا کقولہ تعالٰی الم نجعل الارض مھادا ای فراشاوھو اسم مایفرش کالبساط۔[4]	اہل کوفہ نے یہاں سورہ زخرف میں مھدا پڑھا ہے اور دوسروں نے مھادا پڑھا ہے جیسے اللہ تعالٰی کا قول "کیا ہم نے زمین کو مھاد نہیں بنایا یعنی فراش، وہ اس چیز کا نام ہے جسے بچھایا جاتا ہے جیسے بچھونا (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/۵۳ و ۴۳/۱۰

[2] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۲۰/ ۵۳ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۵۵

[3] مدارک التنزیل (تفسیر نسفی) تحت آیۃ ۲۰/ ۵۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۱۴

[4] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت آیۃ ۲۰/ ۵۳ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۳/ ۱۸۶

تفسیر ابن عباس میں دونوں جگہ ہے: (مھدا) فراشا[1] (یعنی بچھونا۔ت) نیز یہی مضمون قرآن عظیم کی بہت آیات میں ارشاد ہے، فرماتا ہے:

"اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ﴿۶﴾ "[2]	کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہ کیا۔(ت)

فرماتا ہے:

"وَالۡاَرۡضَ فَرَشۡنٰهَا فَنِعۡمَ الۡمٰهِدُوۡنَ ﴿۴۸﴾ "[3]	اور زمین کو ہم نے فرش کیا تو ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں (ت)

فرماتا ہے:

"وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾ۙ "[4]	اور اللہ تعالٰی نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔(ت)

فرماتا ہے:

"الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا "[5]	جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔(ت)

اور قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے کہ خود قرآن کریم فرمائے۔

(ب) بچے ہی کا مہد ہو تو وہ کیا اس کے بچھونے کو نہیں کہتے، جلالین سورہ زخرف میں ہے: **مھادًا فراشًا کالمھد للصبی۔**[6] (مھادًا) بچھونا جیسے بچوں کے لیے گہوارہ (ت)

لاجرم حضرت شیخ سعدی و شاہ ولی اللہ نے مھدًا کا ترجمہ طٰہٰ میں فرش اور زخرف میں بساط ہی کیا اور شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے دونوں جگہ بچھونا۔

(ج) گہوارہ ہی لو تو اس سے تشبیہ آرام میں ہوگی نہ کہ حرکت میں، ظاہر کہ زمین اگر بفرض باطل جنبش بھی کرتی تو اس سے نہ ساکنوں کو نیند آتی ہے نہ گرمی کے وقت ہوا لاتی تو گہوارہ سے اسے بحیثیت جنبش مشابہت نہیں تو بحیثیت آرام و راحت ہے۔ خود گہوارہ سے اصل مقصد یہی ہے، نہ کہ ہلانا، تو وجہِ شبہ وہی ہے نہ یہ۔ لاجرم اسی کو مفسرین نے اختیار کیا۔

(د) لطف یہ کہ علماء نے اس تشبیہ مہد سے بھی زمین کا سکون ہی ثابت کیا بالکل نقیض اس کا جو آپ

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس تحت آیۃ ۲۰/ ۵۳ و ۴۳/ ۱۰ مکتبہ سرحد مردان ص ۱۹۵ و ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۷۸/ ۶

[3] القرآن الکریم ۵۱/ ۴۸

[4] القرآن الکریم ۷۱/ ۱۹

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۲

[6] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۴۳/ ۱۰ مطبع مجتبائی دہلی نصف دوم ص ۴۰۴

چاہتے ہیں، تفسیر کبیر میں ہے:

کون الارض مهدا انما حصل لاجل کونها واقفة ساکنة ولما کان المهد موضع الراحة للصبی جعل الارض مهدا لکثرة مافیها من الراحات[1]۔	زمین کا گہوارہ ہونا اس کے ٹھہرنے اور ساکن ہونے کی وجہ سے حاصل ہوا، اور جب گہوارہ بچے کے لیے راحت کی جگہ ہے تو زمین کو اس لیے گہوارہ قرار دیا گیا کہ اس میں کئی طرح متعدد راحتیں موجود ہیں۔(ت)

خازن میں ہے:

(جعل لکم الارض مهدا) معناه واقفة ساکنة یمکن الانتفاع بها ولما کان المهد موضع الراحة للصبی فلذلك سمی الارض مهادا لکثرة ما فیها من الراحة للخلق،[2]	(تمہارے لیے زمین کو گہوارہ بنایا) اس کا معنی ہے کہ وہ ٹھہری ہوئی پرسکون ہے جس سے نفع اٹھانا ممکن ہے۔ جب کہ گہوارہ بچے کے لیے راحت کی جگہ ہے تو اسی لیے زمین کا نام گہوارہ رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں مخلوق کے لیے کثیر راحتیں موجود ہیں۔(ت)

خطیب شربینی پھر فتوحاتِ الٰہیہ میں زیرِ کریمہ زخرف ہے:

ای لوشاء لجعلها متحرکة فلا یمکن الا نتفاع بها فالانتفاع بها انما حصل لکونها مسطحة قارة ساکنة[3]	یعنی اگر اللہ تعالٰی چاہتا تو زمین کو متحرک بناتا جس سے نفع حاصل کرنا ممکن نہ ہوتا۔ نفع تو اس سے اس صورت میں حاصل ہوا کہ وہ ہموار، قرار پکڑنے والی اور ساکن ہے۔(ت)

اس ارشادِ علماء پر کہ زمین محترک ہوتی تو اس سے انتفاع ہوتا۔ کاسہ لیسان فلسفہ جدیدہ کو اگر یہ شُبہ لگے کہ اس کی حرکت محسوس نہیں۔ تو اُن سے کہیے یہ تمہاری ہوس خام ہے۔ فوز مبین دیکھئے ہم نے خود فلسفہ جدیدہ کے مسلّماتِ عدیدہ سے ثابت کیا ہے کہ اگر زمین متحرک ہوتی جیسا وہ مانتے ہیں تو یقیناً اس کی

---

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیة ۱۰/۴۳ المطبعة البهیة المصریة مصر ۲/ ۱۹۶

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت آیة ۱۰/۴۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۱۰۶

[3] الفتوحات الالهیه (جمل) تحت آیة ۱۰/۴۳ مصطفی البابی مصر ۴/ ۷۷

حرکت ہر وقت سخت زلزلہ اور شدید آندھیاں لاتی، انسان حیوان کوئی اس پر نہ بس سکتا۔ زبان سے ایک بات ہانک دینا آسان ہے مگر اس پر جو قاہر رَد ہوں اُن کا اٹھانا ہزار ہا بانس پیرا تا ہے۔

(۱۱) دیباچہ میں جو آپ نے دلائل حرکت زمین کتب انگریزی سے نقل فرمائے الحمدللہ ان میں کوئی نام کو تام نہیں سب پا در ہوا ہیں۔ زندگی بالخیر ہے تو آپ ان شاء اللہ تعالٰی ان سب کا رَدِّ بلیغ فقیر کی کتاب فوز مبین کی فصل چہارم میں دیکھیں گے بلکہ وہ آٹھ سطریں جو میں نے اول میں لکھ دی ہیں کہ یورپ والوں کو طرز استدلال اصلاً نہیں آتا انہیں اثباتِ دعوی کی تمیز نہیں، ان کے اوہام جن کو بنامِ دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ منصف ذی فہم مناظرہ داں کے لیے وہی ان کے رد میں بس ہیں کہ دلائل بھی انہیں علتوں کے پابند ہوس ہیں اور بفضلہ تعالٰی آپ جیسے دیندار وسنی مسلمان کو تو اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ارشاد قرآن عظیم و نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم و مسئلہ اسلامی واجماعِ امتِ گرامی کے خلاف کیونکر کوئی دلیل قائم ہوسکتی، اگر بالفرض اس وقت ہماری سمجھ میں اس کا رَد نہ آئے جب بھی یقیناً وہ مردود اور قرآن وحدیث واجماع سچے۔ یہ ہے بحمداللہ شانِ اسلام۔

محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور ازکار کرکے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ کہ سائنس نے اسلام، وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اُسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے دلائلِ سائنس کو مردود و پامال کردیا جائے جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال و اسکات ہو، یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالٰی دشوار نہیں آپ اُسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔

وعین الرضاء عن کل عیب کلیلۃ۔[1]

(رضامندی کی آنکھ ہر عیب کو دیکھنے سے عاجز ہوتی ہے۔ت)

اُس کے معائب مخفی رہتے ہیں مولٰی عزوجل کی عنایت اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسہ کرکے اس کے دعاوی باطلہ مخالفہ اسلام کو بنظرِ تحقیر و مخالفت دیکھئے، اس وقت ان شاء اللہ العزیز القدیر اس کی ملمع کاریاں آپ پر کھلتی جائیں گی اور آپ جس طرح اب دیوبندیہ مخذولین پر مجاہد ہیں یونہی سائنس کے مقابل آپ نصرتِ اسلام کے لیے تیار ہوجائیں گے ع

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۸۸

ولکن عین السخط تبدی المساویا[1]

(لیکن ناراضگی کی آنکھ عیبوں کو عیاں کرتی ہے۔ت)

مولوی قدس سرہ المعنوی فرماتے ہیں:۔

دشمن راہِ خدارا خوار دار　　دُزد را منبر منہ بردار دار[2]

(اللہ تعالٰی کے راستے کے دشمن کو ذلیل رکھ، چور کے لیے منبر مت بچھا بلکہ اس کو سُولی پر رکھ۔ت)

ربِ کریم بجاہ نبی رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہمیں اور آپ اور ہمارے بھائیوں اہلِ سنت خادمانِ ملت کو نصرتِ دینِ حق کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔آمین

الٰہ الحق اٰمین واعف عنّا واغفرلنا وارحمنا انت مولٰینا فانصرنا علی القوم الکفرین o والحمد للہ رب العلمین o وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین o اٰمین واللہ تعالٰی اعلم	اے معبودِ برحق! ہماری دُعا قبول فرما، اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولٰی ہے۔ تُو کافروں پر ہمیں مدد دے۔ اور تمام تعریفیں اللہ رب العلمین کے لیے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا محمد مصطفٰی اور آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور تمام اُمّت پر۔ آمین اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

رسالہ

نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان

ختم ہوا

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ۳۶۶۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۴۸۸

[2] مثنوی معنوی رجوع بحکایت زاہد باغلام امیر دفتر پنجم موسسۃ انتشارات اسلام لاہور ص ۳۵۱

رسالہ
معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین ۱۳۳۸ھ
(سورج کی گردش اور زمین کے ساکن ہونے کے لیے مددگار)
(امریکی منجم پروفیسر البرٹ ایف، پورٹا کی پیشگوئی کارَدّ)

مسئلہ ۳۲: دارالافتاء میں ملک العلماء جناب مولانا ظفر الدین صاحب بہاری (رحمۃ اللہ علیہ) از تلامذہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمۃ نے بانکی پور کے انگریزی اخبار ایکسپریس ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے دوسرے ورق کا صرف پہلا کالم تراش کر بغرض ملاحظہ واستصواب حاضر کیا جس پر امریکہ کے منجم پروفیسر البرٹ کی ہولناک پیش گوئی ہے۔ جناب نواب وزیر احمد خان صاحب وجناب سید اشتیاق علی صاحب رضوی نے ترجمہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۷ دسمبر کو عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچون، یہ چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے قرآن میں ہوں گے آفتاب کے ایک طرف ۲۶ درجے کے تنگ فاصلہ میں جمع ہو کر اسے بقوت کھینچیں گے۔ اور وہ ان کے ٹھیک مقابلہ میں ہوگا اور مقابلہ میں آتا جائے گا۔ ایک بڑا کوکب یورنیس سیاروں کا ایسا اجتماع تاریخ ہیأت میں کبھی نہ جانا گیا۔ یورنیس اور ان چھ میں مقناطیسی لہر آفتاب میں بڑے بھالے کی طرح سوراخ کرے گی۔ ان چھ بڑے سیاروں کے اجتماع سے چوبیس صدیوں سے نہ دیکھا گیا تھا۔ ممالک متحدہ کو دسمبر میں بڑے خوفناک طوفان آب سے صاف کر دیا جائے گا۔ یہ داغ شمس ۱۷ دسمبر کو ظاہر ہوگا جو بغیر آلات کے آنکھ سے دیکھا جائے گا۔ ایسا داغ کہ بغیر آلات کے دیکھا جائے آج تک ظاہر نہ ہوا اور ایک وسیع زخم آفتاب کے ایک جانب میں ہوگا۔ یہ داغ شمس کرۂ ہوا میں تنزلزل ڈالے گا۔ طوفان، بجلیاں اور سخت مینہ اور بڑے زلزلے ہوں گے

زمین ہفتوں میں اعتدال پر آئے گی۔

محسنِ ملت اعلیحضرت علیہ الرحمۃ نے اس کا جواب حسب ذیل ارشاد فرمایا۔

یہ سب اوہامِ باطلہ وہوساتِ عاطلہ ہیں، مسلمانوں کو ان کی طرف اصلاً التفات جائز نہیں۔

(ا) منجم نے ان کی بنا کواکب کے طول وسطی پر رکھی جسے ہیأت جدیدہ میں طول بفرض مرکزیت شمس کہتے ہیں، اس میں وہ چھ کواکب باہم ۲۶ درجے ۳ ۲ دقیقے کے فصل میں ہوں گے مگر یہ فرض خود فرض باطل ومطرود اور قرآن عظیم کے ارشادات سے مردود ہے، نہ شمس مرکز ہے نہ کواکب اُس کے گرد متحرک بلکہ زمین کا مرکز ثقل مرکز عالم ہے اور سب کواکب اور خود شمس اُس کے گرد دائر۔ اللہ تعالٰی عزوجل فرماتا ہے:

"اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۙ ⑤"[1]	سورج اور چاند کی چال حساب سے ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ ㊳"[2]	سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے، یہ سادھا ہوا ہے زبردست علم والے کا۔

اور فرماتا ہے:

"كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ㊵"[3]	چاند سورج ایک ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ"[4]	تمہارے لیے چاند اور سورج مسخر کیے کہ دونوں باقاعدہ چل رہے ہیں۔

اور سورہ رعد میں فرماتا ہے:

"وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ"[5]	اللہ نے مسخر فرمائے چاند سورج، ہر ایک ٹھہرائے وقت تک چل رہا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح سورہ لقمان، سورہ ملک، سورہ زمر میں فرمایا۔ اس پر جو جاہلانہ اختراع پیش کرے۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۵

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۸

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۳۳

[5] القرآن الکریم ۳۵/ ۱۳

اس کے جواب کو آیہ کریمہ تمہیں تعلیم فرمادی ہے۔

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۠" [1]	کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک خبردار۔

تو پیش گوئی کا سرے سے مبنٰی ہی باطل ہے۔

(۲) یہ جسے طول بفرض مرکزیت شمس کہتے ہیں حقیقۃً کواکب کے اوساط معدلہ بتعدیل اول ہیں جیسا کہ واقفِ علم زیجات پر ظاہر ہے اور اوساطِ کواکب کے حقیقی مقامات نہیں ہوتے بلکہ فرضی، اور اعتبار حقیقی کا ہے۔ ۱۷ دسمبر کو کواکب کے حقیقی مقام یہ ہوں گے۔

کوکب	تقویم		
	برج	درجہ	دقیقہ
نیپچون	اسد	۱۱	۱۵
مشتری	-	۱۷	۵۴
زحل	سنبلہ	۱۱	۳۹
مریخ	میزان	۹	۱۰
زہرہ	عقرب	۹	۱۹
عطارد	قوس	۳	۳۰
شمس	-	۲۴	۳۰
یورینس	دلو	۲۸	۲۶

ظاہر ہے کہ اُن چھ ۶ کا باہمی فاصلہ نہ ۲۶ درجے میں محدود بلکہ ۱۱۲ درجے تک محدود، یہ تقویمیہ اس دن تمام ہندوستان میں ریلوے وقت سے ساڑھے پانچ بجے شام اور نیویارک ممالک متحدہ امریکہ میں ۷ بجے صبح اور لندن میں دوپہر کے ۱۲ بجے ہوں۔ یہ فاصلہ اُن تقویمات کا ہے باہمی بُعد اس سے قلیل مختلف ہوگا کہ عرض کی قوسین چھوٹی ہیں اس کے استخراج کی حاجت نہیں کہ کہاں ۲۶ اور کہاں ۱۱۲)

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۴

(۳) یہ کلام اسلامی اصول پر تھا۔ اب کچھ عقلی بھی لیجئے۔ یہ کہنا کہ دو ہزار برس سے ایسا اجتماع نہ دیکھا گیا بلکہ جب سے کواکب کی تاریخ شروع ہوئی ہے نہ جانا گیا محض جزاف ہے، مدعی اس پر دلیل رکھتا ہے تو پیش کرے ورنہ روزِ اوّل کواکب درکنار دو ہزار برس کے تمام زیجات بالاستیعاب اس نے مطالعہ کئے اور ایسا اجتماع نہ پایا، یہ بھی یقینا نہیں، تو دعوی بے دلیل باطل و ذلیل۔ اور یورنیس اور نیپچون تو اب ظاہر ہوئے۔ اگلے زیجات میں ان کا پتہ کہاں مگر یہ کہ اوساط موجودہ سے بطریق تفریق ان کے ہزاروں برس کے اوساط نکالے ہوں یہ بھی ظاہر النفی اور دعوے محض ادعاء۔

(۴) کیا سب کو کواکب نے آپس میں صلح کرکے آزار آفتاب پر ایکا کرلیا ہے؟ یہ تو محض باطل ہے، بلکہ مسئلہ جاذبیت اگر صحیح ہے تو اس کا اثر سب پر ہے اور قریب تر پر قوی تر اور ضعیف تر پر شدید تر۔ اور ۱۷ دسمبر کو اوساط کواکب کا نقشہ یہ ہے۔

کوکب	وسط	
	درجہ	دقیقہ
مشتری	۱۲۹	۲۰
نیپچون	۱۲۹	۵۳
زہرہ	۱۴۲	۴۲
عطارد	۱۵۳	۵۰
مریخ	۱۵۴	۱۷
زحل	۱۵۵	۴۳
یورنیس	۳۳۰	۵۷

اور ظاہر ہے کہ آفتاب ان سے ہزاروں درجے بڑا ہے۔ جب اتنے بڑے پر ۶ کی کھینچ تان اس کا منہ زخمی کرنے میں کامیاب ہوگی تو زحل کہ اس سے نہایت صغیر و حقیر ہے، پانچ کی کشاکش اور اُدھر سے یورنیس کی مارا ماری یقیناً اس کو فنا کردینے کے لیے کافی ہوگی اور اس کے اعتبار سے ان کا فاصلہ اور بھی تنگ، صرف ۲۵ درجے۔

(۵) مریخ زحل سے بھی بہت چھوٹا ہے اور اُس کے لحاظ سے فاصلہ اور بھی کم، فقط ساڑھے ۲/ ۱۔ ۲۴ درجے

تو یہ پانچ ہی مل کر اسے پاش پاش کردیں گے۔

(۶) عطارد تو سب میں چھوٹا اور اس کے حساب سے باقی ۱۳ ہی درجے کے فاصلہ میں ہیں تو ۲۶ کا آدھا ہے تو یہ تین عظیم ہاتھی مع یورنیس اس چھوٹی سی چڑیا کے ریزہ ریزہ کردینے کو بہت ہیں۔ منجم نے اسی مضمون میں کہا کہ دو سیارے ملے ہوئے کافی ہیں ایک چھوٹا داغ شمس میں پیدا کرنے اور ایک چھوٹا طوفان برپا کرنے میں اور تین اُن میں سے بڑا طوفان اور بڑا داغ اور چار فی الحقیقۃ ایک بہت بڑا طوفان اور بہت بڑا داغ جب آفتاب میں تین اور چار کا یہ عمل ہے تو بے بیچارے عطارد و مریخ چار اور پانچ کے آگے کیا حقیقت رکھتے ہیں اور زحل پر اکٹھے چھ جمع ہیں تو جو نسبت ان کو آفتاب سے ہے اسی نسبت سے اُن پر اثر زیادہ ہونا لازم واجب تھا کہ کھینچنے والوں سے چمٹ جائیں لیکن ان میں نافریت بھی رکھی ہے وہ انہیں تمرد پر لائے گی جس کا صاف نتیجہ ان کا ریزہ ریزہ ہو کر جواذب میں گم جانا۔ جیسا کہ ہمیشہ مشہود ہے کہ کمزور چیز نہایت قوی قوت سے کھینچی جائے۔ اگر دوسری طرف اس کا تعلق ضعیف ہے کھینچ آئے گی ورنہ ٹکڑے ہو جائے گی۔ یہ سب اگر نہ ہوگا تو کیوں؟ حالانکہ آفتاب پر اثر ضرب شدید کا مقتضی یہی ہے اور ہوگا تو غنیمت ہے کہ آفتاب کی جان چھوٹی وہ آپس میں کٹ مر کر فنا ہوں گے، نہ آفتاب کے اس طرف ۶ رہیں گے نہ اس کے زخم آئے گا۔ بالجملہ پیشگوئی محض باطل و پادر ہوا ہے۔ غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے، پھر اس کی عطا سے اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہے۔ اللہ تعالٰی اپنے خلق میں جو چاہے کرے۔ اگر اتفاقاً بمشیتِ الٰہی معاذ اللہ ان میں سے بعض یا فرض کیجئے کہ سب باتیں واقع ہو جائیں جب بھی پیشگوئی قطعاً یقینی جھوٹی ہے کہ وہ جن اوضاع کواکب پر مبنی ہیں وہ اوضاع فرضی ہیں اور اگر بفرض غلط واقعی بھی ہوئے تو نتائج جن اصول پر مبنی ہیں وہ اصول محض بے اصل من گڑھت ہیں جن کا مہمل و بے اثر ہونا خود اسی اجتماع نے روشن کردیا، اگر جاذبیت صحیح ہے تو یہ اجتماع نہ چاہیے اور اگر یہ اجتماع قائم ہے تو جاذبیت کا اثر غلط ہے، بہرحال پیشگوئی باطل۔ **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔**

(۷) جاذبیت پر ایک سہل سوال اوج و حضیض شمس سے ہوتا ہے جس کا ہر سال مشاہدہ ہے نقطہ اوج پر کہ اُس کا وقت تقریباً سوم جولائی ہے، آفتاب زمین سے غایت بُعد پر ہوتا ہے اور نقطہ حضیض پر کہ تقریباً سوم جنوری ہے غایت قرب پر یہ تفاوت اکتیس لاکھ میل سے زائد ہے کہ تفتیش جدید میں بعد اوسط نوکروڑ انتیس لاکھ میل بتایا گیا ہے اور ہم نے حساب کیا مابین المرکزین دو درجے پینتالیس ثانیے یعنی ۵۲۱۲ء ۲ ہے۔ تو بُعد ابعد ۹۴۴۵۸۰۲۶ میل ہوا اور بعد اقرب

۹، ۱۳،۱۴۱، ۹۷۴ میل تفاوت ۳۱،۱۶، ۰۵۲ میل اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے مرکز اسفل میں آفتاب ہے جیسا کہ ہیات جدیدہ کا زعم ہے۔ اول تو نافریت ارض کو جاذبیت شمس سے کیا نسبت کہ آفتاب حسب بیان اصول علم الہیأت ہیأت جدیدہ میں بارہ لاکھ پینتالیس ہزار ایک سو تیس زمینوں کے برابر ہے اور ہم نے بربنائے مقررات [عہ] تازہ اصل کُروی پر حساب کیا تو اس سے بھی زائد آیا یعنی آفتاب تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کے برابر ہے بعض کتبِ جدیدہ میں ۱۴ لاکھ ہے وہ جرم کہ اس کے بارہ تیرہ لاکھ کے حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں اس کی کیا مقاومت کرسکتا ہے تو کرو و دورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اُس میں مِل جانا، کیا بارہ تیرہ لاکھ آدمی مل کر ایک کو کھینچیں تو وہ کھنچ نہ سکے گا بلکہ اُن کے گرد گھومے گا۔

ثانیًا جب کہ نصف دورے میں جاذبیت شمس غالب آکر اکتیس لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ لائی تو نصف دوم میں اُسے کس نے ضعیف کردیا کہ زمین پھر اکتیس لاکھ میل سے زیادہ دور بھاگ گئی۔ حالانکہ قرب موجبِ قوت اثر جذب ہے تو حضیض پر لاکر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہونا اور زمین کا وقتًا فوقتًا قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قرب پر اُس کی قوت سست پڑ کر اور اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی دور ہوجائے، شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو راتب زیادہ ملتا ہے قوت تیز ہوجاتی ہے، اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو جسم اگر برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات ہوتی کہ نصف دورے میں یہ غالب رہتا ہے نصف میں وہ، نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے ۱۲ لاکھ امثال سے بڑا ہے اُسے کھینچ کر ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ قریب

عہ: وہ مقررات تازہ یہ ہیں قطر مدار شمس اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل قطر معدل زمین ۷۹۱۳ء۰۸۶ میل قطر اوسط شمس دقائق محیطیہ سے ۳۲ دقیقے ۴ ثانیے، پس اُس قاعدے پر کہ ہم نے ایجاد اور اپنے فتاوٰی جلد اول رسالہ الھنیئ النمیر میں ایراد کیا ۸ء۲۶۹۰۴۵۷ لوامیال قطر مدار۔ ۰ء۴۹۷۱۴۹۹ = ۸ء۷۶۶۱۹۵۶۔ لوامیال محیط، ما۔ ۴ء۳۳۴۴ ۵۵۳۸ لودقائق محیط = ۴ء۳۱۷۴۱۸۴ لودقیقہ محیطیہ ما + ۵۰۶۰۵۳۹ء۱ دقائق قطر شمس = ۵ء۹۳۷۷۹۵۷ لوامیال قطر شمس ما۔ ۳ء۸۹۸۳۴۵۹ لوامیال قطر زمین = ۲ء۰۹۴۴۹۸ لو نسبت قطرین ما×۳ کہ کرہ: کرہ:: قطر: قطر مثلثہ بالتکریر = ۶ء۱۱۸۳۴۹۴ لو نسبت کر تین عدد ۱۳۱۳۲۵۶ وھو المقصود یعنی محیط فلک شمس اٹھاون کروڑ پینتیس لاکھ آٹھ ہزار میل ہے اور ایک دقیقہ محیطیہ ۵ء۲۷۰۲۳ میل اور قطر شمس ۲ء۸۶۶۵۵۴ میل اور وہ قطر زمین کے ۱۰۹ء۵۰۹ مثل ہے اور جرم شمس تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کی برابر اور علم حق اس کے خالق جل وعلا کو ۱۲ منہ مدظلہ العالی۔

کرلے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سُست پڑ جائے اور ادھر ایک اُدھر ۱۲ لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف القسام پائے۔

ثالثًا خاص انہیں نقطوں کا تعین اور ہر سال انہیں پر غلبہ و مغلوبیت کی کیا وجہ ہے۔بخلاف ہمارے اصول کے کہ زمین ساکن اور آفتاب عـــہ اس کے گرد ایک ایسے دائرے پر متحرک جس کا مرکز مرکزِ عالم ہے۔

عـــہ: **تنبیہ ضروری:** آفتاب کو مرکز ساکن اور زمین کو اُس کے گرد دائر ماننا تو صراحۃً آیاتِ قرآنیہ کا صاف انکار ہے ہی ہیأت یونان کا مزعوم کہ آفتاب مرکز زمین کے گرد دائر تو ہے مگر نہ خود بلکہ حرکتِ فلک سے، آفتاب کی حرکت عرضیہ ہے جیسے جالس سفینہ کی، یہ بھی ظاہر قرآنِ کریم کے خلاف ہے بلکہ خود آفتاب متحرک ہے آسمان میں تیرتا ہے جس طرح دریا میں مچھلی، **قال الله تعالٰی**:

" كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ۝۴۰ "[1]	اور چاند سورج ایک ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔(ت)

افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعہ سیدنا عبداللہ بن مسعود صاحب سِرّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کے حضور کعب کا قول مذکور ہوا کہ آسمان گھومتا ہے دونوں حضرات نے بالاتفاق فرمایا۔

کذب کعب " اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۬ "[2] زاد ابن مسعود: وکفٰی بھا زولا ان تدور[3] رواہ عنہ سعید بن منصور و عبد بن حمید وابن جریر و ابن المنذرو عن حذیفۃ عبد بن حمید۔	کعب نے غلط کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے بے شک اللہ تعالٰی آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ سرکیں نہیں۔ ابن مسعود نے اتنا زیادہ کیا کہ گھومنا اس کے زوال کے لیے کافی ہے اس کو عبداللہ بن مسعود سے سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن منذر نے روایت کیا، جب کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عبد بن حمید نے روایت کیا۔(ت)

اس آیت میں اگرچہ تاویل ہوسکے، صحابہ کرام خصوصًا ایسے اجلہ اعلم بمعانی القرآن ہیں اور انکا اتباع واجب ۱۲۔منہ مدظلہ العالی۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۰

[2] جامع البیان (التفسیر الطبری) تحت الآیۃ ۳۵/ ۴۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۲/ ۱۷۰، الدرالمنثور تحت الآیۃ ۳۵/ ۴۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

[3] جامع البیان (التفسیر الطبری) تحت الآیۃ ۳۵/ ۴۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۲/ ۱۷۱، الدرالمنثور تحت الآیۃ ۳۵/ ۴۱، داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

اکتیس لاکھ سولہ ہزار باون میل باہر ہے اگر مرکز متحد ہوتا زمین سے آفتاب کا بُعد ہمیشہ یکساں رہتا مگر بوجہ خروج مرکز جب آفتاب نقطہ ا پر ہوگا مرکز زمین سے اس کا فصل ا ج ہوگا یعنی بقدر ا۔ب نصف قطر مدار شمس + ب ج مابین المرکزین اور جب نقطہ ء پر ہوگا اس کا فصل ج ء ہوگا یعنی بقدر ب ء نصف قطر مدار شمس + ب ج مابین المرکزین دونوں فصلوں میں بقدر دو چند مابین المرکزین فرق ہوگا یہ اصل کروی پر ہے لیکن وہ بعد اوسط اصل بیضی پر لیا گیا ہے اس میں بعد اوسط منتصف مابین المرکزین پر ہے تو بعد اوسط + نصف مابین المرکزین = بعد ابعد۔ نصف مذکور = بعد اقرب لاجرم بقدر مابین المرکزین فرق ہوگا اور یہی نقطے اس قرب و بعد کے لیے خود ہی متعین رہیں گے۔ کتنی صاف بات ہے جس میں نہ جاذبیت کا جھگڑا نہ نافریت کا بکھیڑا۔

"ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ "[1] یہ سادھا ہوا ہے زبردست جاننے والے کا، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا وآلہ وصحبہ وسلم ۱۹صفر ۱۳۳۸ھ ۱۲نومبر ۱۹۱۹۔ عــــہ

(۸) اقول: جاذبیت کے بطلان پر دوسرا شاہد عدل قمر ہے۔ ہیئات جدیدہ میں قرار پاچکا ہے کہ اگرچہ زمین قمر کو قریب سے کھینچتی ہے اور آفتاب دور سے، مگر جرم شمس لاکھوں درجے جرم زمین سے بڑا ہونے کے باعث اس کی جاذبیت قمر پر زمین کی جاذبیت سے ۵/۱۔۲ گنی ہے۔ یعنی زمین اگر چاند کو پانچ میل میں کھینچتی ہے تو آفتاب گیارہ میل اور شک نہیں کہ یہ زیادت ہزاروں برس سے مستمر ہے تو کیا وجہ کہ چاند زمین کو چھوڑ کر اب تک آفتاب سے نہ جاملا یا کم از کم ہر روز یا ہر مہینے اس کا فاصلہ زمین سے زیادہ اور آفتاب سے کم ہوجاتا مگر مشاہدہ ہے کہ ایسا نہیں تو ضرور جاذبیت باطل و مہمل خیال ہے اور یہاں یہ عذر کہ آفتاب زمین کو بھی تو کھینچتا ہے عجب صدائے بے معنی ہے زمین کو کھینچنے سے قمر پر اس کی کشش کیوں کم ہوگی۔ ایک اور ۵/ ۱۱ کی نسبت اسی حالت موجودہ ہی پر تو مانی گئی ہے جس میں شمس زمین کو بھی جذب کررہا ہے پھر اس قراریافتہ مسلم کا کیا علاج ہوا۔

(۹) لطف یہ کہ اجتماع کے وقت قمر آفتاب سے قریب تر ہوجاتا ہے اور مقابلہ کے وقت دُور تر حالانکہ قریب وقت اجتماع آفتاب کی جاذبیت کہ ۱۶/ ۱۱ ہے صرف ۸/ ۳ ہی عمل کرتی ہے کہ قمر شمس وارض

عــــہ: ماہنامہ الرضا بریلی صفر ۱۳۳۸ھ۔

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۸

کے درمیان ہوتا ہے زمین اپنی طرف ۵ حصے کھینچتی ہے اور شمس اپنی طرف ۱۱ حصے تو بقدر فضل جذب شمس ۱۶/ ۶ جانب شمس کھینچا اور قریب وقت مقابلہ جاذبیت کے سب سولہ حصّے قمر کو جانب شمس کھینچتے ہیں کہ ارض شمس و قمر کے درمیان ہوتی ہے تو دونوں مل کر قمر کو ایک ہی طرف کھینچتے ہیں، غرض وہاں تفاضل کا عمل تھا یہاں مجموع کا کہ اس کے سہ چند کے قریب ہے، تو واجب کہ وقت مقابلہ شمس سے بہ نسبت وقت اجتماع قریب تر آجائے حالانکہ اس کا عکس ہے تو ثابت ہوا کہ جاذبیت باطل ہے۔

(۱۰) طرفہ یہ کہ اس بیچارے صغیر الجثہ چاند کو صرف شمس ہی نہیں اُس کے ساتھ زہرہ عطارد بھی جانب شمس کھینچتے ہیں اور ادھر سے ارض اپنی طرف گھسیٹتی ہے خصوصاً اُن تینوں کا ایک درجہ سے بھی کم فاصلہ میں ہزاروں بار قران ہو چکا ہے نہ اُن تینوں کی مجموعی کشش جذب زمین پر غالب آتی ہے نہ اس ستم کشاکش میں قمر کو کوئی زخم پہنچتا ہے۔ نہ وہ ہسپتال جاتا ہے نہ سول سرجن کا معائنہ ہوتا ہے عــــہ آفتاب ۱؎

عــــہ: **لطیفہ**: اعلیٰحضرت مدظلہ کی نوعمری کا واقعہ ہے جسے تقریباً ۴۵ سال سے زائد ہوئے اعلیٰحضرت قبلہ ایک طبیب کے ہاں تشریف لے گئے ان کے استاد ایک نواب صاحب (جو علم عربی بھی رکھتے تھے اور علوم جدیدہ کے گرویدہ) ان کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے کہ ہر چیز دوسری کو جذب کرتی ہے اثقال کہ زمین پر گرتے ہیں نہ اپنے میل طبعی بلکہ کشش زمین سے۔

اعلیٰ حضرت قبلہ: بھاری چیز اوپر سے دیر میں آنا چاہیے اور ہلکی جلد کہ آسان کھینچے گی حالانکہ امر بالعکس ہے۔

نواب صاحب: جنسیت موجب قوت جذب ہے ثقیل میں اجزائے ارضیہ زائد ہیں لہذا زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے۔

اعلیٰ حضرت: جب ہر شے جاذب ہے اور اپنی جنس کو نہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ و عیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں، چاہیے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔

نواب صاحب: اس میں روح مانع اثر جذب ہے۔

اعلیٰحضرت: ایک جنازے پر دس ہزار نمازی ہوتے ہیں اور اس میں روح نہیں کہ نہ کھینچنے دے تو لازم ہے کہ مردہ اڑ کر نمازیوں سے لپٹ جائے۔ نواب صاحب خاموش رہے۔

۱؎: اصول علم الھیأۃ میں قمر کو زمین کا ۴۹/۱ لکھا اور بالتوفیق ۰۲۰۳۴ء حدائق النجوم ۰۲۰۳۶ء میں شمس اس کے نزدیک زمین کے ۱۲۴۵۱۳۰ مثل ہے اسے ۰۲۰۳۴ء پر تقسیم کیے سے آفتاب ۶۱۲۱۵۸۴۳ قمر کی مثل ہوا اور ہمارے حساب سے کہ قطر شمس ۸۶۶۵۵۴ء۲ میل ہے اور قطر قمر ہنس نے ۲۱۶۱ میل بتایا کما فی اصول الھیأۃ تو شمسی ۶۴۴۷۹۶۶۷ قمر کے برابر ہوا بہر حال چھ کروڑ چاند کے بموجب سب سے لاکھوں کی قدر ہے۔

کہ چھ کروڑ چاند سے بھی لاکھوں حصے بڑا ہے اس پر تو چار کے اجتماع سے وہ ظلم ہوتا تھا۔ قمر بیچارے کی کیا ہستی یہ اس کھینچ تان میں پرزے پرزے ہو جاتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس پر حرف آنا درکنار اس کی منضبط چال میں اصلاً فرق نہیں آنا۔ تو منجم کے اوہام اور جاذبیت کے تخیلات سب باطل ہیں۔

(۱۱) اس کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ جاذبیت کے رد نافریت کے رد حرکت زمین کے رد میں اور مضامین نفیسہ کہ آج تک کسی کتاب میں نہ ملیں گے۔ خیال میں آئے اُن کا بیان موجب طول تھا لہذا انہیں ان شاء اللہ العزیز ایک مستقل رسالہ میں تحریر کریں گے۔ یہاں بقیہ کلام منجم کی طرف متوجہ ہوں۔ آفتاب کا کلف جسے داغ کہا بارہا نظر آیا۔ ۱۷دسمبر والا اگر ہو تو انہیں میں کا ایک ہو گا جو بارہا گزر چکے۔

(ا) قدیم زمانے میں شیز نامی ایک عیسائی راہب نے اپنے رئیس سے کہا میں نے سطح آب پر ایک داغ دیکھا اس نے اعتبار نہ کیا اور کہا میں نے اول تا آخر ارسطو کی کتابیں پڑھیں ان میں کہیں داغ شمس کا ذکر نہیں۔

(ب) علامہ قطب الدین شیرازی نے تحفہ شاہیہ میں بعض قدماء سے نقل کیا کہ صفحہ شمس پر مرکز سے کچھ اوپر محور قمر کی مانند ایک سیاہ نقطہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نقطہ کہ مہندس نے محض نظر سے دیکھا کتنا بڑا ہوگا۔ کم از کم اس کا قطر ۲۲۵۲۰ میل ہوگا **کما یعلم مما سیاتی** (جیسا کہ معلوم ہو جائے گا اس دلیل سے جو عنقریب آرہی ہے، ت)

(ج) ابن ماجہ اندلسی نے طلوع کے وقت روئے شمس پر دو سیاہ نقطے دیکھے جن کو زہرہ وعطارد گمان کیا۔

(د) ہرشل دوم نے ایک داغ دیکھا جس کی مساحت تین ارب اٹھتّر کروڑ میل بتائی۔

اقول: یعنی اگر وہ بشکل دائرہ تھا تو اس کا قطر ۶۹۳۷۵ میل۔

(ہ) یورپ کے ایک اور مہندس نے ایک اور داغ دیکھا جس کا قطر ایک لاکھ چالیس ہزار میل حساب کیا۔

اقول: یعنی اگر دائرہ تھا تو اس کی مساحت پندرہ ارب انتالیس کروڑ اڑتیس لاکھ میل۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

(و) ۲۹ جولائی ۱۸۰۷ء میں سمٹ نے اس شکل کا داغ دیکھا۔

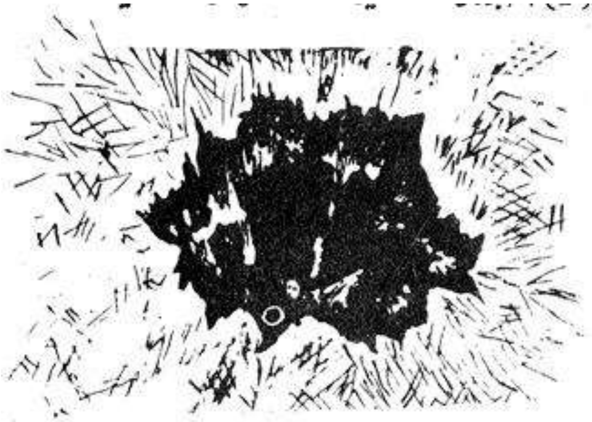

(ز) بیس جنوری ۱۸۶۵ء میں کوسکی نے اس صورت کا داغ دیکھا۔

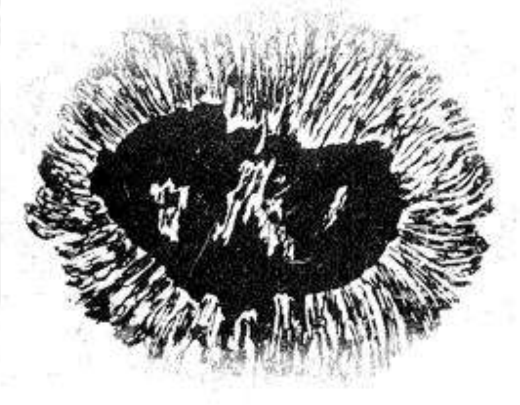

(ح) قرار پاچکا ہے کہ جو کلف قطر شمس کے پچاس ثانیے سے زائد ہوگا بے آلہ نظر آئے گا، ہاں آفتاب پر نگاہ جمنے کے لیے لطیف بخارات ہوں یا رنگین شیشے کی آڑ۔

(۱۲) کہا گیا ہے کہ یہ کلفت قطبین شمس کے پاس اصلاً نہیں ہوتی اور اس کے خط استواء کے پاس کم، وہاں سے ۳۵، ۳۰ درجے شمال جنوب کو بکثرت ان میں بھی شمال کو زائد جنوب کو کم، اگر یہ قران و مقابلہ سیارات کا اثر ہے تو یہ تخصیصیں کس لیے ہیں شمس کے جس حصہ کو ان سے مواجہہ ہو وہاں ہوں۔

(۱۳) ان کا حدوث آفتاب کی جانب شرقی اور زوال جانب غربی سے شروع ہوتا ہے۔ اثر قرانات میں یہ خصوصیت کیوں؟

(۱۴) بعض کلف دیر پا ہوتے ہیں کہ قرص شمس پر دورہ کرتے ہیں جانب شرقی سے باریک خط کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، پھر جتنا اوپر چڑھتے ہیں چوڑے ہوتے جاتے ہیں مرکز شمس تک اپنی انتہا کو پہنچتے ہیں جب آگے بڑھے گھٹنا شروع کردیتے ہیں۔ کنارہ غربی پر پھر بشکل خط رہ کر غائب ہوجاتے ہیں پھر کنارہ شرقی سے اسی طرح چمکتے ہیں۔ ان کے دورے کی ایک مقرر میعاد خیال کی گئی ہے کہ پونے چودہ دن میں صفحہ شمس کو قطع کرتے ہیں اور پہلے ظہور شرقی سے ۲۷ دن ۱۲ گھنٹے ۲۰ دن کے بعد دوبارہ ظاہر ہوتے ہیں لیکن اکثر داغوں میں آناً فاناً بادلوں کے سے تغیرات ہوتے ہیں جن سے متاخرین یورپ نے گمان کیا ہے کہ یہ کرہ آفتاب کے سحاب ہیں بعض اوقات دفعۃً پیدا ہوتے ہیں اور بعض اوقات دیکھتے دیکھتے غائب ہوجاتے ہیں، ہرشل یکم دور بین سے داغوں کا ایک گچھّا دیکھ رہا تھا لحظہ بھر کے لیے نگاہ ہٹائی اب جو دیکھے ایک داغ بھی نہیں، کبھی آفتاب کی جانب غربی سے ایک داغ زائل ہوا ہی تھا کہ معاً جانب شرقی میں نیا پیدا ہوگیا۔ ابھی ایک داغ دیکھ ہی رہے ہیں تھوڑی دیر میں وہ پھٹ کر چند داغ ہوجاتا ہے چند داغ ہیں اور ابھی مل کر ایک ہوگئے راجر لانگ نے ایک گول داغ دیکھا جس کا قطر آٹھ ہزار میل تھا دفعۃً وہ متفرق متفرق ہو کر دو داغ ہوگیا اور ایک ٹکڑا دوسرے سے بہت دور دراز مسافت پر چلا گیا اکثر یہ ہے کہ اگر چند داغ بتدریج پیدا ہوتے ہیں ویسے ہی چند بتدریج فنا ہوجاتے ہیں اور اگر کئی داغ دفعۃً چمکے ویسے ہی کئی دفعہ جاتے رہے ان کا کوئی وقت بھی مقرر نہیں۔ ایک بار وسا میں تیس سال کامل ان کی رصد بندی کی گئی۔ بعض برسوں میں کوئی دن بھی داغ سے خالی نہ تھا۔ بعض میں صرف ایک دن خالی گیا بعض میں ایک سو ترانوے دن صاف ان تمام حالات کو قرانات کے سر ڈھالنا کس قدر بعید ہے۔

(۱۵) داغ پیدا کرنے کے لیے اقتران کی کیا حاجت ہے، سیارے آفتاب کے نزدیک ہمیشہ رہتے اور تمہارے زعم میں اُسے ہمیشہ جذب کرتے ہیں، تو چاہیے کہ آفتاب کا گیس مدام اڑتا رہے اور آتش فشانی سے کوئی وقت خالی نہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اور وقت ان کا اثر جرم شمس پر متفرق ہوتا ہے جس سے آفتاب متاثر نہیں ہوتا بخلافِ قران کے

دو یازائد مل کر موضع واحد پر اثر ڈالتے ہیں۔اس سے یہ آگ بھڑکتی ہے ایسا ہے تو جب وہ ۲۶ درجے ۲۳ دقیقے کے فاصلہ میں منتشر ہیں اب بھی ان کا اثر آفتاب کے متفرق مواضع پر تنہا ہے نہ مجموعی ایک جگہ پر پھر آفتاب کیوں متاثر ہوگا۔یہ فاصلہ کہ تھوڑا سمجھے مرکز شمس سے فلک نیپچون تک ہر سیارے کے مرکز پر گزرتے ہوئے خط کھینچے جائیں تو معلوم ہو کہ سو کروڑ میل سے زائد کا فصل ہے۔ شمس سے نیپچون کا بُعد زمین کے تیس گنے سے زیادہ ہے۔اگر تیس ہی رکھیں تو دو ارب اٹھتر کروڑ ستر لاکھ میل ہوا اور اس کے مدار کا قطر پانچ ارب ستاون کروڑ چالیس لاکھ میل اور اس کا محیط ستر ارب اکیاون کروڑ بارہ لاکھ میل سے زائد اور اس کے ۲۶ درجے ۲۳ دقیقے ایک ارب اٹھائیس کروڑ ۳۳ لاکھ ۴۶ ہزار میل سے زیادہ ایسے شدید بعید فاصلہ میں پھیلا ہوا انتشار کیا مجموعی قوت کا کام دے گا۔یہ بھی اس حالت میں ہے کہ ان کے اختلاف عرض کا لحاظ نہ کیا اور اگر ضرر رسانی شمس کے لیے سب کو سب سے قریب تر فلک عطارد پر لاڈالیں تو بعد عطارد: بعد ارض: : ۳۸۷ء:۱ تو شمس سے بعد عطارد ۳۵۹۵۲۳۰۰ میل ہوا تقریبًا تین کروڑ ساٹھ لاکھ میل اور قطر مدار ۷۱۹۰۴۶۰۰ ساٹ کروڑ ۱۹ لاکھ میل سے زائد اور محیط ۲۲ کروڑ ۵۸ لاکھ ۹۵ ہزار میل اور ۲۶ درجے ۲۳ دقیقے ایک کروڑ ۶۵ لاکھ ۵۵ ہزار ۱۷۳ میل، یہ فاصلہ کیا کم ہے بلکہ بالفرض سب دوریاں اٹھا کر تمام سیاروں کو خود سطح آفتاب پر لا رکھیں جب بھی یہ فاصلہ دو لاکھ میل ہوگا یعنی ۱۹۹۵۱۴ کہ قرص شمس کا دائرہ ۲۷ لاکھ ۲۲ ہزار ۳۶۱ میل ہے۔

(۱۶) اگر آفتاب کا جسم ایسا ہی کمزور مسام ناک ہے کہ اس قدر شدید متفرق زد سرایت کرکے اس کے موضع واحد پر ہو جاتی ہے تو پچاس ساٹھ یا ستّر اسی یا سو درجے کے فاصلہ پر پھیلے ہوئے ستارے کہ اکثر اوقات گرد شمس رہتے ہیں ان کی مجموعی زد ہمیشہ کیوں نہیں عمل کرتی، اگر اتنا فاصلہ مانع ہے تو دو سیاروں کا مقابلہ کیوں عمل کرتا ہے جب کہ ان میں غایت درجے کا فصل ۱۸۰ درجے ہے خصوصًا ایسا فرضی مقابلہ جیسا یہاں یورنیس کو ہے کہ تحقیقی کسی سے نہیں جس پر خط واحد کا مہمل عذر ہو سکے۔

(۱۷) بالفرض یہ سب کچھ سہی پھر آفتاب کے داغوں کو زمین کے زلزلوں، طوفانوں، بجلیوں، بارشوں سے کیا نسبت ہے۔کیا یہ احکام منجموں کے لیے بے سروپا خیالات کے مثل نہیں کہ فلاں گروہ یا جوگ یا پچھتر کے اثر سے دنیا میں یہ حادثات ہوئے جس کو تم بھی خرافات سمجھتے ہو اور واقعی خرافات ہیں، پھر آفتاب کیا امریکہ کی پیدائش یا وہیں کا ساکن ہے کہ

اُس کی مصیبت خاص ممالک متحدہ کا صفایا کردے گی۔ کل زمین سے اس کو تعلق کیوں نہ ہوا، بیان منجم پر اور مواخذات بھی ہیں مگر ۱۷ دسمبر کے لیے ۷ اپر ہی اکتفا کریں [عہ]۔ واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ

معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین

ختم ہوا۔

[عہ]: ماہنامہ الرضا بریلی ربیع الاول ۱۳۳۸ھ۔

رسالہ
فوزِ مبین در ردِّ حرکتِ زمین
(زمین کی حرکت کے رَد میں کُھلی کامیابی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، الحمد للہ الذی یمسك السمٰوٰت والارض ان تزولا o ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ انہ کان حلیما غفورا o وسخر لکم الفلك لتجری فی البحر	اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا۔ ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس کے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو روکے ہوئے ہیں آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کریں، اور اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا، بے شک وہ حلم والا بخشنے والا ہے اور اس نے تمہارے لیے کشتی کو مسخر کیا کہ اس کے حکم سے

بامرہ وسخرلکم الانھٰر ○ وسخر لکم الشمس والقمر دائبین و سخرلکم الّیل والنھار وسخّر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمّی الاھو العزیز الغفار ○ ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا سبحٰنك فقنا عذاب النار قلت و قولك الحق والشمس تجری لمستقرلھا ذٰلك تقدیر العزیز العلیم ○ والقمر قدرنٰہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم فصلّ وسلمّ وبارك علٰی شمس اقمار النبوۃ و الرسالۃ ○ مارج معارج اوج القرب والجلالۃ ○ بحیث لم یبق لاحد مرمٰی ○ ان الٰی ربك المنتھٰی ○ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وابنہ وحزمہ ماطلعت شمس وکان الیوم بین غدٍ وامسٍ ○ امین	دریا میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں اور تمہارے لیے سورج اور چاند مسخر کیے جو برابر چل رہے ہیں، اور تمہارے لیے رات اور دن مسخر کئے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگایا ہر ایک ایک ٹھہرائی ہوئی معیاد کے لیے چلتا ہے، سنتا ہے وہی صاحب عزت بخشنے والا ہے۔ اے رب ہمارے تو نے یہ بے کار نہ بنایا۔ پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے تو نے فرمایا اور تیرا فرمان حق ہے اور سوج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے یہ حکم ہے زبردست علم والے کا۔ اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں مقرر کی ہیں یہاں تک کہ پھر ہوگیا جیسے کھجور کی پرانی ڈال۔ درودو سلام اور برکت نازل فرما نبوت رسالت کے چاندوں کے سورج پر جو قرب بزرگی کی بلندی کی سیڑھیون کا روشن چمکدار شعلہ ہے اس طور پر کہ کسی کے لیے تیر پھینکنے کی جگہ نہ رہے۔ بے شک تمہارے رب ہی طرف انتہا ہے۔ اور آپ کی آل، آپ کے اصحاب اور آپ کے بیٹے پر۔ اور حفاظت فرما جب تک سورج طلوع ہوتا رہے اور گزشتہ کل اور آئندہ کل کے درمیان آج رہے۔ امین۔

الحمدللہ وہ نور کہ طورِ سینا سے آیا اور جبل ساعیر سے چمکا اور فاران مکہ معظّمہ کے پہاڑوں سے فائض الانوار

وعالم آشکارا ہوا۔ شمس و قمر کا چلنا اور زمین کا سکون روشن طور پر لایا آج جس کا خلاف سکھایا جاتا ہے اور مسلمان ناواقف نادان لڑکوں کے ذہن میں جگہ پاتا اور ان کے ایمان و اسلام پر حرف لاتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی فلسفہ قدیمہ بھی اس کا قائل نہ تھا اس نے اجمالاً اس پر ناکافی بحث کی جو اس کے اپنے اصول پر مبنی اور اصول مخالفین سے اجنبی تھی۔ فقیر بارگاہِ عالم پناہ مصطفوی عبدالمصطفٰی احمد رضا محمدی سنی حنفی قادری برکاتی بریلوی غفراللہ لہ وحقق املہ کے دل میں ملک الہام نے ڈالا کہ اس بارے میں باذنہ تعالٰی ایک شافی وکافی رسالہ لکھے اور اس میں ہیأتِ جدیدہ ہی کے اصول پر بنائے کار رکھے کہ اُسی کے اقراروں سے اس کا زعم زائل اور حرکتِ زمین وسکون شمس بداہۃً باطل ہو، **وباللہ التوفیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ت)

یہ رسالہ مسمّٰی بنام تاریخ فوزِ مبین درردِّ حرکت زمین (۱۳۳۸ھ) ایک مقدمہ اور چار فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل۔

مقدمہ: میں مقررات ہیأت جدیدہ کا بیان جن سے اس رسالہ میں کام لیا جائے گا۔ **فصل اول:** میں نافریت پر بحث اور اُس سے ابطالِ حرکت زمین پر بارہ دلیلیں۔ **فصل دوم** میں جاذبیت پر کلام اور اس سے بطلان حرکت زمین پر پچاس دلیلیں۔ **فصل سوم** میں خود حرکت زمین کے ابطال پر اور تینتالیس دلیلیں یہ بحمدہ تعالٰی بطلان حرکت زمین پر ایک سو پانچ دلیلیں ہوئیں جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں جن کی ہم نے اصلاح و تصحیح کی، اور پورے نوے دلائل نہایت روشن وکامل بفضلہٖ تعالٰی خاص ہمارے ایجاد ہیں۔

فصل چہارم میں ان شبہات کا رد جو ہیات جدیدہ اثبات حرکت زمین میں پیش کرتی ہے۔ **خاتمہ** میں کتبِ الٰہیہ سے گردشِ آفتاب وسکونِ زمین کا ثبوت **والحمدللہ مالک الملک والملکوت**۔

مقدّمہ ____ امورِ مسلّمہ ہیأت جدیدہ میں

ہم یہاں وہ امور بیان کریں گے جو ہیاتِ جدیدہ میں قرار یافتہ وتسلیم شدہ ہیں واقع میں صحیح ہوں یا غلط جذب و نفرت و حرکتِ زمین کے رَد میں تو یہ رسالہ ہی ہے اور اغلاط پر تنبیہ بھی کردیں گے۔ **وباللہ التوفیق**۔

(۱) ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے باذبا یا جاذبیت کہتے ہیں۔

اس کا پتہ [1] نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اُس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں گیا، باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا اُسے دیکھ کر اسے سلسلہ خیالات چھوٹا جس سے قواعد کشش کا بھبھوکا پھوٹا۔

اقول۱: سیب گرنے اور جاذبیت کا آسیب جاگنے میں علاقہ بھی ایسا لزوم کا تھا کہ وہ گرا اور یہ

[1] یعنی اصول علم طبعی ص ۷۵۔ ۱۲

اُچھلا کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی سبب ہو سکتا ہی نہ تھا۔اس کی پوری بحث تو فصل دوم میں آتی ہے۔۱۶۶۵ء تک ہزاروں برس کے عقلا سب اس فہم سے محروم گئے تو گئے تعجب یہ کہ اس سیب سے پہلے نیوٹن نے بھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہ دیکھی یا جب تک اس کا کوئی اور سبب خیال میں تھا جسے اس سیب نے گر کر توڑ دیا۔

(۲) اجسام۔ [1] میں اصلاً کسی طرف اُٹھنے گرنے سرکنے کا میل ذاتی نہیں بلکہ۔ [2] اُن میں بالطبع قوت ماسکہ ہے کہ حرکت کی مانع اور تاثیر قاسر کی تا حدِ طاقت مدافع ہے۔یہ قوت ہر جسم میں اس کے وزن کے لائق ہوتی ہی۔ولہذا ایک جسم سے کوئی حصہ جدا کرکے دوسرے میں شامل کردیں وزن کی نسبت پر اول میں گھٹ جائے گی اور دوسرے میں بڑھ جائے گی۔

اقول ۲: اولاً خود جسم میں یہ قوت ہونے پر کیا دلیل ہے اگر کہیے تجربہ کہ ہم جتنے زیادہ وزنی جسم کو حرکت دینا چاہتے ہیں زیادہ مقابلہ کرتا اور قوی طاقت مانگتا ہے۔

اقول ۳: جذب زمین کدھر بھلایا زمین اُسے کھینچ رہی ہے تم اسے جدا حرکت دینی چاہتے ہو اس کی روک کا احساس کرتے ہو یہ تمہارے طور پر ہے اگر یقیناً باطل ہے جس کا بیان فصل دوم میں آتا ہے اور ہمارے نزدیک جسم کا میل طبعی اپنے خلاف جہت میں مزاحمت کرتا ہے مطلقاً حرکت سے ابا۔یہ تو تمہارا تخیل ہے اور فلسفہ قدیمہ اس کے عکس کا قائل ہے کہ ہر ایک جسم میں کوئی نہ کوئی میل مستقیم خواہ مستدیر ضرور ہے وہ اپنے خلاف میل کی مدافعت کرے گا اور موافق کی مطاوعت جیسے پتھر اوپر پھینکنے اور نیچے گرانے میں اس کا رد بھی بعونہ تعالٰی تذییل فصل سوم میں آتا ہے ہمارے نزدیک اجسامِ مشہودہ میں میل ہے سب میں ہونا کچھ ضرور نہیں ماسکہ کسی میں پائی نہ گئی اور ہو تو کچھ محذور نہیں۔

ثانیاً یہ اخیر فقرہ ایسا کہا ہے جس نے تمام ہیئات جدیدہ کا تسمہ لگا نہ رکھا،جس کا بیان آتا ہے ان شاء اللہ **تعالٰی** اور یہ تمہاری اپنی نہیں بلکہ نیوٹن صاحب کی اپنی جاذبیت پر عنایت ہے کہ نمبر ۸ میں آتی ہیں۔

(۳) ہر جسم بالطبع دوسرے کے جذب سے بھاگتا ہے اس قوت کا نام نافرہ،ہاربہ،دافعہ،محرکہ نافریت ہے۔

اقول ۴: جاذبہ تو سیب کے گرنے سے پہچانی،یہ کاہے سے جانی،شاید سیب گرنے میں نیچے دیکھا تو

---

[1] ط ص ۱۲/ ۱۱

[2] ح حدائق النجوم ص ۱۲/

ط سے مراد علم طبعی ہے۔عزیزی

زمین تھی، اُس کا جذب خیال میں آیا اوپر دیکھا تو سیب شاخ سے بھاگتا پایا یوں نافرہ کا ذہن لڑایا حالانکہ نیچے لانے کو ان میں ایک کافی ہے دو کس لیے۔ حدائق النجوم۔ [1] میں کہا برابر سطح پر گولی پھینکیں تو بالطبع خطِ مستقیم پر جاتی ہے یہ نافرہ ہے۔

اقول ۵: پھینکیں میں اس کا جواب ہے آہستہ رکھ دیں کہ جنبش نہ ہو تو بال بھر نہ سِرکے گی۔ ہاں سطح پوری لیول میں نہ ہو تو ڈھال کی طرف ڈھلے گی۔ پھر کہا کنکیا میں پتھر باندھ کر اڑائیں سیدھا زمین پر آئے گا۔ یہ نافرہ ہے۔

اقول ۶: وہی بات آگئی جو ہم نے ان کی دانش پر گمان کی تھی کہ نیچے دیکھا تو جذب سمجھے اوپر نگاہ اٹھی تو اسے بھول گئے فرار پر قرار ہوا۔

(۴) جب [2] کوئی جسم کسی دائرے پر حرکت کرے اس میں مرکز سے نفرت ہوتی ہے۔ پتھر رسی میں باندھ کر اپنے گرد گھماؤ وہ چھوٹنا چاہے گا اور جتنے زور سے گھماؤ گے زیادہ زور کرے گا اگر چھوٹ گیا تو سیدھا چلا جائے گا اور جس قدر قوت سے گھمایا تھا اتنی دور جاکر گرے گا۔ یہ مرکز سے پتھر کی نافریت ہے۔

اقول ۷: نافریت بے دلیل اور پتھر کی تمثیل، نری علیل، پتھر کو انسان یا مرکز سے نفرت نہ رغبت جانب خلاف جو اس کا زور دیکھتے ہو تمہاری دافعہ کا اثر ہے نہ کہ پتھر کی نفرت، تحقیق مقام کے لیے ہم ان قوتوں کی قسمیں استخراج کریں جو باعتبار حرکت کسی جسم پر قاسر کا اثر ڈالتی ہیں۔

فاقول ۸: وہ تقسیم اول میں دو ہیں، محرکہ کہ حرکت پیدا کرے اور حاصرہ کہ حرکت کو بڑھنے نہ دے مثلاً ڈھلکتے ہوئے پتھر کو ہاتھ سے روک لو۔ پھر محرکہ دو قسم ہے۔

جاذبہ: کہ متحرک کو قاسر کی سمت پر لائے، جیسے پتھر کو اپنی طرف پھینکے خواہ اس میں قاسر سے دور کرنا ہو کہ ظاہر ہے یا قریب کرنا، مثلاً اس شکل میں

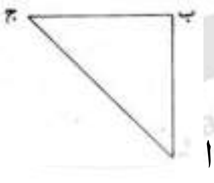

مقام انسان ہے، ج پتھر کا موضع۔ آدمی نے لکڑی مار کر پتھر کو ج سے ب پر پھینکا تو یہ جذب نہیں کہ انسان کی سمت خط اج تھا اس پر لاتا تو جذب ہوتا، وہ خط ب ج پر گیا کہ سمتِ غیر ہے لہٰذا

---

[1] ص ۱۲/ ۳۸، ح ص ۳۸ ط ص ۳۰ن یعنی نظارہ عالم ص ۲۳۔ ۱۲منہ

[2] ص یعنی اصول علم الہیأۃ ع ۱۰۳ وغیرہ

دفع ہی ہوا، اگرچہ پتھر پہلے سے زیادہ انسان سے قریب ہوگیا کہ اب ضلع قائمہ اج وتر سے چھوٹی ہے پھر یہ دونوں باعتبار اتصال وانفصال زمین دو قسم میں رافعہ کہ حرکت میں زمین سے بلند ہی رکھے۔

ملصقہ: مثلاً پتھر کو زمین سے ملاملا اپنی طرف لاؤ یا آگے سرکاؤ اور باعتبار نقص وکمال دو قسم ہیں،

منہیہ: کہ متحرک کو منتہائے مقصد تک پہنچائے۔

قاصرہ: کہ کمی رکھے۔

اور باعتبار وحدت و تعدد خط حرکت دو قسم ہیں۔ **مثبتہ** کہ ایک ہی خط پر رکھے، **ناقلہ** کہ حرکت کا خط بدل دے مثلاً اس شکل میں پتھر اسے ج کی طرف پھینکا جب ب پر پہنچا لکڑی مار کرہ کی طرف پھیر دیا یہ دافعہ ناقلہ ہوئی۔ اس حرکت میں جب د تک پہنچا ر کی طرف کھینچ لیا یہ جاذبہ ناقلہ ہوئی، اور اگر ج کی طرف پھینک کر ب سے اکی طرف کھینچ لیا توب تک دافعہ مثبتہ تھی کہ اسی خط پر لیے جاتی تھی (ب) سے واپسی میں جاذبہ مثبتہ ہوئی کہ اسی خط پر لائی۔

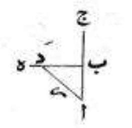

یہ کل ۱۳ قسمیں ہیں ان میں سے پتھر گرد سر گھمانے میں جاذبہ کا تو کچھ کام نہیں کہ اپنی سمت پر لانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ مضر مقصود ہے باقی ساتعــہ میں سے چار قوتیں یہاں کام کرتی ہیں حاصرہ اور تین دافعہ یعنی منہیہ رافعہ ناقلہ پتھر کو پورا دور پھینکو کہ رسی خوب تن جائے یہ منہیہ ہوئی، ہاتھ اٹھائے رکھو کہ زمین پر گرنے نہ پائے، یہ رافعہ ہوئی ہاتھ گرد سر پھراتے جاؤ کہ خط حرکت ہر وقت بدلے، یہ ناقلہ ہوئی یہ قوتیں ہر وقت برقرار رہیں کہ نہ رسی میں جھول آنے پائے، نہ زمین کی طرف لائے نہ ایک سمت کھینچ کر رک جائے، پھر یہ دافعہ کہ یہاں عمل کر رہی ہے اس کا کام خط مستقیم پر حرکت دینا ہے تو دفع اول سے اسی سمت کو جاتا اور ہر نقل سے اس کی سیدھی سمت لیتا لیکن رسی جسے منہیہ تانے اور رافعہ اٹھائے اور ناقلہ بدل رہی ہے۔ کسی وقت اپنی مقدار سے آگے بڑھنے نہیں دیتی ناچار ہر دفع و نقل اسی حد تک محدود رہتے ہیں اور انسان کہ یہاں مثل مرکز ہے ہر جانب اس سے فاصلہ اسی قدر رہتا ہے یہ حاصرہ ہوئی جس کا کام رسی کی بندش سے لیا گیا اس نے شکل دائر پیدا کردی اسے جاذب سمجھنا جیسا کہ نصرانی بیروتی سے نمبر ۱۳ میں آتا ہے، جہالت و نافہمی ہے، یہاں جاذبہ کو اصلاً دخل نہیں، نہ پتھر میں کوئی نافرہ ہے بلکہ حاصرہ و دافعہ کام کر رہی ہے جتنے زور سے گھماؤ گے اتنی ہی قوت کا دفع ہوگا پتھر اتنی ہی طاقت سے چھوٹا گمان کیا جائے گا حالانکہ یہ نہ اس کا تقاضا ہے نہ اس کا زور بلکہ تمہارے دفع کی قوت ہے جسے نافہمی سے پتھر کی نافریت سمجھ رہے ہو۔

عــــہ۱: ایک حاصرہ تھی اور چھ چھ جاذبہ و دافعہ، جاذبہ کی چھ نکل کر سات رہیں ۱۲ منہ غفرلہ

تنبیہ: یہاں اُن لوگوں کا کلام مضطرب ہے عام طور پر اس قوت کو نافرہ عن المرکز کہا۔ ص ٦٦ کی تقریر میں مرکز دائرہ ہی سے تنفر لیا مگر جا بجا جاذب مثلاً شمس سے تنفر رکھا، اور ص ۱۸ میں شمس ہی کو وہ مرکز بتایا۔

اقول۹: اُن کے طور پر حقیقت امر یہی چاہیے اس لیے کہ جسم بوجہ ماسکہ اثر جذب سے انکار کرے گا تو جاذب سے تنفر ہوگا۔ اور انہیں دو کے اجتماع سے اس کے گرد دورہ کرے گا۔ جس کا بیان نمبر آئندہ میں ہے جب تک دورہ نہ کیا تھا مرکز تھا ہی کہاں جس سے تنفر ہوتا، وہ تو اس کے دورے کے بعد مشخص ہوگا مگر ہم ان لوگوں کے اضطراب سخن کے سبب فصل اول میں مرکز و شمس دونوں پر کلام کریں گے۔

(۵) انہیں [1] جاذبہ و نافرہ کے اجتماع سے حرکتِ دوریہ پیدا ہوتی ہے تمام سیّاروں کی گردش شمس کی جاذبہ اور اپنی ہاربہ کے سبب ہے۔ فرض کرو زمین یا کوئی سیارہ نقطہ ا پر ہے اور آفتاب ج پر شمس کی جاذبہ اسے ج کی طرف کھینچتی ہے اور نافرہ کا قاعدہ ہے کہ خط مماس۔ [2] پر لے جانا چاہتی ہے یعنی اس خط پر کہ خط جاذبہ پر عمود ہو جیسے اج پر اب دونوں [3] اثروں کی کشاکش کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین نہ ب کی طرف جا سکتی ہے نہ ج کی جانب بلکہ دونوں کی بیچ میں ہو کر ء پر نکلتی ہے یہاں بھی وہی دونوں اثر ہیں جاذبہ ء سے ج کی طرف کھینچتی ہے اور نافرہ ہ کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔

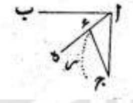

لہٰذا زمین دونوں کے بیچ میں ہو کر ر کی طرف بڑھتی ہے اسی طرح دورہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ مدار جو اس حرکت سے بنا بظاہر مثل دائرہ خط واحد معلوم ہوتا ہے اور حقیقۃً [4] ایک لہردار خط ہے جو بکثرت نہایت چھوٹے چھوٹے مستقیم خطوں سے مرکب ہوا ہے جن میں ہر خط گویا ایک نہایت چھوٹی شکل متوازی الاضلاع کا قطر ہے۔

اقول۱۰: یہ جو یہاں ہے کہ نافرہ سے دورہ پیدا ہوتا ہے یہی ان کے طور پر قرین قیاس ہے اور وہ جو اُن کا زبان زد ہے کہ دورے سے نافرہ پیدا ہوتی ہے بے معنی ہے مگر ہیاتِ جدیدہ الٹی کہنے کی عادی ہے جس کا ذکر تذییل فصل سوم میں ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی۔

تنبیہ: یہ جو یہاں مذکور ہوا کہ جاذبہ و نافرہ مل کر دورہ بناتی ہیں یہی ہیات جدیدہ کا مزعوم ہے۔ تمام مقامات پر انہیں کا چرچا انہیں کی دھوم ہے ط (ص ۹۳) پر بھی یہی مرقوم ہے ص ٥٦ پر اس نے ایک

---

[1] ح: ص ۱۳۷ اص ۷۷ ط ص ٦۳۔ ۱۲۔

[2] ص ۱۰٦ وغیرہ ح: ص ۳۸ ط: ۵۸

[3] ص ۱۰۴ وغیرہ ط ح وغیرہا ۱۲۔

[4] ص ۱۰۴ اعہ ۵: ص ۱۰۲ اط ص ۸۲ ن ص ۲۳۔ ۱۲۔

شاخسانہ بڑھایا کہ فرض کرو وقت پیدائش زمین خلا میں پھینکی گئی تھی کوئی شے حائل نہ ہوتی تو ہمیشہ ادھر ہی کو چلی جاتی راستے میں آفتاب ملا اور اس نے کھینچ تان شروع کی۔

اقول ۱۱: واقعیات کا کام فرضیات سے نہیں چلتا، مدعی کا مطلب شاید اور ممکن سے نہیں نکلتا یہ لوگ طریقہ استدلال سے محض نا بلد ہیں، اگر کوئی شے مشاہدہ یا دلیل سے ثابت ہو اور اس کے لیے ایک سبب متعین مگر اس میں کچھ اشکال ہے جو چند طریقوں سے دفع ہوسکتا ہے۔ اور ان میں کوئی طریقہ معلوم الوقوع نہیں۔ وہاں احتمال کی گنجائش ہے کہ جب فہم متحقق اور اس کا یہ سبب متعین تو اشکال واقع میں یقیناً مندفع تو یہ کہنا کافی کہ شاید یہ طریقہ ہو لیکن ناثابت بات کے ثابت کرنے میں فرض و احتمال کا اصلاً محل نہیں کہ یوں تو ہمارے اس فرض کی تابع ہوئی یوں فرض کریں تو ہوسکے نہ کریں نہ ہوسکے اس سے مدعی کے لیے وہی کافی مانے گا، جو مجنون ہے۔ پھر اگر شے ثابت و متحقق ہے اور یہ سب متعین نہیں تو دفع اشکال پر بنائے احتمال ایک مجنونانہ خیال، اور اگر سرے سے شیئ ہی ثابت نہیں، نہ اس کے لیے یہ سبب متعین، پھر اس میں یہ اشکال تو کسی احتمال سے اس کا علاج کرکے شے اور سبب دونوں ثابت مان لینا۔ دوہرا جنون اور پورا ضلال۔ پھر اگر علاج کے بعد بھی بات نہ بنے جیسا کہ یہاں ہے جب تو جنونوں کی گنتی ہی نہ رہی۔ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے کہ بعض جگہ مخالف دھوکا نہ دے سکے۔

(۶) ہر مدار [1] میں جاذبہ و نافرہ دونوں برابر رہتی ہیں، ورنہ جاذبہ غالب ہو تو مثلاً زمین شمس سے جا ملے، نافرہ غالب ہو تو خطِ مماس پر سیدھی چلی جائے دورہ کا انتظام نہ رہے۔

اقول ۱۲: بتاتے یہ ہیں اور خود ہی اس کے خلاف کہتے ہیں اور حقیقتاً تناقض پر مجبور ہیں جس کا بیان فصل اوّل سے بعونہ تعالیٰ ظاہر ہوگا۔

(۷) نافرہ [2] بمقدار جذب ہے اور سُرعت حرکت بمقدار نافرہ، جذب جتنا قوی ہوگا نافرہ زیادہ ہوگی کہ اس کی مقاومت کرے اور نافرہ جتنی بڑھے گی چال کا تیز ہونا ظاہر ہے کہ وہ نتیجہ نفرت ہے و لہذا سیارہ آفتاب سے جتنا بعید ہے اتنا ہی اپنے مدار میں آہستہ حرکت کرتا ہے۔ سب سے قریب عطارد ہے کہ ایک گھنٹہ میں ایک لاکھ پانچہزار تین سو تیس میل عـــہ ۳ چلتا ہے اور سب سے دور نیپچون ایک گھنٹہ میں گیارہ ہزار نو سو اٹھاون میل۔

اقول ۱۳: یہ قرین قیاس ہے، اور وہ جو نمبر ۱۳ میں آتا ہی کہ جاذبہ و نافرہ بحسب سرعت بدلتی ہیں معکوس گوئی پر مبنی ہونا ضرور نہیں بلکہ مقصود و نسبت بتانا ہے۔

---

[1] ص ۱۰۳۔

[2] ط ص ۶۴۔ ۱۲۔ عہ ۳: ص ۲۶۷ ۱۲ ط ص ۵۸ ن ص ۲۴۔ ۱۲

(۸) اجسام[1] اجزائے دیمقراطیسیہ سے مرکب ہیں، نیوٹن نے تصریح کی کہ وہ نہایت چھوٹے چھوٹے جسم ہیں کہ ابتدائے آفرینش سے بالطبع قابلِ حرکت و ثقیل و سخت و بے جوف ہیں، اُن میں کوئی حس میں تقسیم کے اصلاً لائق نہیں اگرچہ وہم اُن میں حصّے فرض کرسکے۔

اقول ۱۴: اولاً: یہ من وجہ ہمارے مذہب سے قریب ہے ہمارے نزدیک ترکیب اجسام جواہر فردہ یعنی اجزائے لایتجزی سے ہے کہ ہر ایک نقطہ جوہری ہے جن میں عرض، طول عمق، اصلاً نہیں وہم میں بھی انکی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ فلسفہ قدیمہ جسم کو متصل وحدانی مانتا ہے جس میں بالفعل اجزاء نہیں اور بالقوہ تقسیم غیر متناہی کا قائل ہے۔

ثانیًا: نیوٹن کی تصریح کہ وہ سب اجزا بالطبع قابل حرکت ہیں بظاہر نمبر ۲ کے مناقض ہے کہ جسم بالطبع حرکت سے منکر ہے اور اثر قاسر سے قبول حرکت اس کے فقط بالطبع کے خلاف ہے مگر یہ کہا جائے کہ طبیعت ہی میں قبول اثر قاسر کی استعداد رکھی گئی ہے کہ یہ صلاحیت نہ ہوتی تو قاسر سے بھی حرکت ناممکن ہوتی اور طبیعت ہی کو اپنے وزن و ثقل طبعی کے باعث حرکت سے انکار ہے یہ قوت ہے جس کا کام فعل کرنا ہے یعنی محرک کی مزاحمت اور وہ صلاحیت ہے جس کی شان قبول اثر ہے۔ حاصل یہ کہ اپنے وزن کے سبب ممانعت کرتی ہے اور قوت قسر کے باعث قبول کرلیتی ہے تو تعارض نہیں۔

اقول ۱۶: ثالثًا یہ سب سہی مگر یہ قول ایسا صادر ہوا کہ ساری ہیات جدیدہ کا خاتمہ کرادیا جس کا بیان ان شاء اللہ آتا ہے معلوم نہیں نیوٹن نے کس حال میں ایسا لفظ ثقیل لکھ دیا جس نے اسی کے ساختہ پرداختہ قواعد جاذبیت کو خفیف کردیا۔

فائدہ: ہمارے علمائے متکلمین ثقل ووزن میں فرق فرماتے ہیں وہ بلحاظ نوع ہے یہ بلحاظ فد وہ ایک صفت مقتضائے صورت نوعیہ ہے جس کا اثر طلب سفل ہے اُسے حجم ووزن و کثرت اجزائے سے تعلق نہیں لٹھے میں لوہے کی چھٹنکی سے وزن زائد ہے مگر لوہا لکڑی سے زیادہ ثقیل ہے[2] اور حدائق النجوم میں کہا ثقل ہمیشہ جسم کو نیچے کھینچتا ہے پھر نقل[3] کیا کہ ثقل وہ میل طبعی ہے کہ سب اجسام کو کسی مرکز کی طرف ہے۔

اقول ۱۷: یہ مسامحت ہے ثقل میں میل نہیں بلکہ سبب میل ہے جیسا خود آگے کہا کہ وہ دو قسم ہے اول مطلق یعنی نفس ثقل جس کے سبب جملہ اجسام اپنے مرکز مجموعہ کی طرف میل کرتے ہیں، جیسے ہمارے کرہ کے عنصریات جانب مرکز زمین یہ ہمیشہ مقدار مادہ جسم کے برابر ہوتا ہے جس میں اس کی جسامت کا اعتبار نہیں تو لکڑی اور لوہا دونوں کا ثقل مطلق برابر ہے۔

---

[1] ح ۳۲ ۔ ۱۲۔

[2] ح ص ۳۴ ۔ ۱۲

[3] ص ۳۷ ۔ ۱۲۔

اقول۱۸: اولاً: یہ کہنا تھا کہ دونوں ثقل مطلق میں برابر ہیں یعنی میل بمرکز زمین دونوں کی طبیعت میں ہے مطلق میں موازنہ کی گنجائش کہاں۔

ثانیا۱۹: اسی وجہ سے مطلق کو مقدار مادے کے مساوی ماننا جہل ہے کیا مقدار مادہ کی کمی بیشی سے مطلق بدلے گا۔

ثالثا۲۰: یہ جو تفاوت مادے سے کم بیش ہوتا ہے محال ہے کہ لوہے اور لکڑی میں مساوی ہو۔ جسم جتنا کثیف تر اس میں مادہ یعنی وہی اجزائے دیمقراطیسیہ کما سیأتی۔ (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) بیشتر لوہے کی کثافت لکڑی کہاں سے لائے گی۔ یہ لوگ جب اس میدان میں آتے ہیں ایسی ہی ٹھوکریں کھاتے ہیں، پھر کہا دوسرا ثقل مضاف یعنی ایک جسم کو دوسرے کی نسبت سے یہ باختلافِ انواع مختلف ہوتا ہے، ایک ہی حجم کی دو چیزوں میں اُن کے مادوں کی نسبت سے مختلف ہوتا ہے۔

ایک انگل مکعب لوہا بھی لو اور لکڑی بھی، لوہا زیادہ بھاری ہوگا کہ مساوی جسامت کے لوہے میں لکڑی سے مادہ زائد ہے۔

اقول۲۱: فرق کیا ہوا، ثقل مطلق بھی موافق مقدار مادہ تھا جس کے یہی معنی کہ مادے کی کمی بیشتی سے بدلے گا، یہی مضاف میں ہے کمی بیشی کا لحاظ وہاں بھی بے لحاظ تعدد و نسبت دو شے ممکن نہیں، اگر یہ فرض کرلو کہ شے واحد میں مادہ اس سے کم ہوجائے تو ثقل کم ہوگا اور زائد تو زائد تو کیا یہ دو چیزوں اور ان کی نسبت کا اعتبار نہ ہوا۔ بالجملہ ان کے یہاں مدار ثقل کثرت اجزاء پر ہے کم اجزا میں کم زائد میں زائد، اور یہ نہیں مگر وزن تو اُن کے یہاں ثقل و وزن شے واحد ہے، ہم آئندہ غالبًا اسی پر بنائے کلام رکھیں گے۔

(۹) ہر جسم[1] کا مادہ جسے ہیولٰی و جسمیہ بھی کہتے ہیں وہ چیز ہے جس سے جسم اپنے مکان کو بھرتا اور دوسرے جسم کو اپنی جگہ آنے سے روکتا ہے۔

اقول۲۲: یہ وہی اجزائے دیمقراطیسیہ ہوئے اور ان کی کمی بیشی جسم تعلیمی یعنی طول عرض عمق کی کمی بیشی پر نہیں بلکہ جسم کی کثافت پر ایک حجم کے دو جسم ایک دوسرے سے کثیف تر ہوں جیسے آہن و چوب یا طلا و سیم کثیف تر ہیں، اجزاء زیادہ ہوں گے کبھی زیادہ حجم میں کم جیسے لوہا اور روئی۔

(۱۰) جاذبیت[2] بحسب مادّہ سیدھی بدلتی ہے اور بحسب مربع بعد بالقلب،

اقول۲۳: یہاں مادے سے مادہ جاذب مراد ہے اور تبدل سے طاقت جذب کا تفاوت یعنی

---

[1] ح ص ۳۲۔

[2] ص ۱۲

جاذب میں جتنا مادہ زائد اُتنا ہی اس کا جذب قوی۔ یہ سیدھی نسبت ہوئی اور بعد مجذوب کا مجذور، جتنا زائد اتنا ہی اس کا جذب ضعیف گز بھر بعد پر جو جذب ہے دو گز پر اس کا چہارم ہوگا۔ دس گز پر اس کا سوواں حصہ یہ نسبت معکوس ہوئی کہ کم پر زائد، زائد پر کم۔

نتیجہ: (ا) کثیف ترکہ جذب اشد۔

(ب) قریب تر پر اثر اکثر۔

(ج) خطِ عمود پر عمل اقویٰ

تنبیہ جلیل: اقول ۲۴: یہ قاعدہ دلیل روشن ہے کہ طبعی قوت جذب ہر شے کی طرف یکساں متوجہ ہوتی ہے مجذوب کی حالت دیکھ کر اس پر اپنی پوری یا آدھی یا جتنی قوت اس کے مناسب جانے صرف کرنا اس کا کام ہے جو شعور و ارادہ رکھے طبعی قوت ادراک نہیں رکھتی کہ مجذوب کی حالت جانچے اور اس کے لائق اپنے کل یا حصے سے کام لے وہ تو ایک ودیعت رکھی قوت بے ارادہ و بے ادراک ہے نہ اس میں جدا جدا حصے ہیں شے واحد ہے اور اس کا فعل واحد ہے اس کا کام اپنا عمل کرنا ہے مقابل کوئی شے کیسی ہی ہو، بھیگا ہوا کپڑا دھوپ میں پھیلا دو جس کے ایک حصے میں خفیف نم ہو اور دوسرا حصہ خوب تر۔ حرارت کا کام جذب رطوبات ہے، اس وقت کی دھوپ میں جتنی حرارت ہے وہ دونوں حصوں پر ایک سی متوجہ ہوگی۔ ولہٰذا نم کا حصہ جلد خشک ہوجائے گا۔ اور دوسرا دیر میں کہ اتنی حرارت اس خفیف کو جلد جذب کرسکتی تھی اور اگر یہ ہوتا کہ طبعی قوت بھی مقابل کی حالت دیکھ کر اسی کے لائق اپنے حصے سے اس پر کام لیتی تو واجب تھا کہ نم بھی اتنی ہی دیر میں سوکھتی جتنی میں وہ گہری تری کہ ہر ایک پر اسی کے لائق جذب آتا، نم پر کم اور تری پر زائد، حالانکہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ دھوپ اپنی قوتِ جذب کا پورا عمل دونوں پر کرتی ہے، ولہٰذا کم کو جلد جذب کرلیتی ہے یوں ہی مقناطیس لوہے کے ذروں کو ریزوں سے جلد جذب کرے گا اگر ہر ایک کے لائق جذب کرتا تو جس قوت سے ریزوں کو کھینچا تھا عام ازیں کہ کل قوت تھی یا بعض جو نسبت ذروں کو ان ریزوں سے ہے اسی نسبت کے حصہ قوت سے ذروں کو کھینچتا دونوں برابر آتے نہیں نہیں بلکہ قطعاً سب کو اپنی پوری قوت سے کھینچا جس نے ہلکے پر زیادہ عمل کیا، یوں ہی بعد کے بڑھنے سے جذب کا ضعیف ہوتا جانا قطعاً اسی بنا پر ہے کہ وہی قوت واحدہ ہر جگہ عمل کررہی ہے، ظاہر کہ قریب پر اس کا عمل قوی ہوگا اور جتنا بعد بڑھے گا گھٹتا جائے گا اور اگر ہر بعد کے لائق مختلف حصے کام کرتے تو ہر گز بعد بڑھنے سے جذب میں ضعف نہ آتا جب تک ساری طاقت ختم نہ ہوچکتی کہ ہر حصے بعد پر طبیعت اپنی قوت کے حصے بڑھاتی جاتی اور نسبت یکساں رہتی ہاں جب آگے کوئی حصہ نہ رہتا تو اب بعد بڑھنے سے گھٹتی کہ اب عمل کرنے کی یہی قوت واحدہ معینہ رہ گئی بالجملہ بعد بڑھنے سے ضعف آنے کو لازم ہے کہ ہر جگہ ایک ہی قوت معینہ عامل ہو اور وہ کوئی حصہ نہیں ہوسکتی کہ

حصوں کی تقسیم غیر متناہی یہ حصہ معین ہوا وہ کیوں نہ ہوا ترجیح بلا مرجح ہے لہذا واجب کہ طبعی جاذب ہمیشہ اپنی پوری قوت سے عمل کرتا ہے۔ یہ جلیل فائدہ یاد رکھنے کا ہے کہ بعونہ تعالٰی بہت کام دے گا۔

تنبیہ: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مثلاً زمین کا پورا کرہ اپنی ساری قوت سے ہر شے کو کھینچتا ہے بلکہ مجذوب کے مقابل جتنا ٹکڑا ہے جیسے اس کپڑے کو شرق تا غرب پھیلی ہوئی ساری دھوپ نے نہ سکھایا تھا بلکہ اُسی قدر نے جو اس کے محاذی تھی۔

(۱۱) جذب [1] بحسب مادہ مجذوب ہے، دس جز کا جسم جتنی طاقت سے کھینچے گا سو ۱۰۰ جز کا اس کی دو چند سے۔ اگر تم ایک سیر اور دوسرے دس ۱۰ سیر کے جسم کو برابر عرصے میں کھینچنا چاہو تو کیا دس سیر کو دس گنے زور سے نہ کھینچو گے۔

اقول ۲۵: یہ بجائے خود ہی صحیح رکھتا تھا جب اس میں مجذوب پر نظر ہو اور اس کے دو محل ہوتے اول طلب کا تبدل یعنی ہر مجذوب اپنے مادے اور بعد کے لائق طاقت مانگے گا جاذب میں اتنی قوت ہے کھینچ لے گا ورنہ نہیں، یوں یہ دونوں نسبتیں مستقیمہ ہیں کہ مجذوب میں مادہ خواہ بعد جو کچھ بھی زائد ہوا اتنی ہی طاقت چاہے گا۔

دوم مجذوب پر اثر کا تبدل۔ یوں یہ دونوں نسبتیں معکوس ہیں کہ مجذوب میں مادہ خواہ بعد جس قدر زائد اُسی قدر اس پر جذب کا اثر کم اور جتنا مادہ یا بعد کم اتنا ہی زائد۔ مگر اس صحیح بات کو غلط استعمال کیا ہے اس میں جاذب پر نظر رکھی کہ وہ مادہ وزن مجذوب کے لائق اس پر اپنی قوت صرف کرتا ہے یہ بھی صاحب ارادہ طاقت کے اعتبار سے صحیح تھا مگر اُسے قوت طبیعہ پر ڈھالا کہ مجذوب میں جتنا مادہ ہوگا زمین اسے اتنی ہی طاقت سے کھینچے گی۔ اب یہ محض باطل ہوگیا۔ **اولاً:** اس کا بطلان ابھی سن چکے اور انسان سے تمثیل جہالت، انسان ذی شعور ہے زمین صاحب ادراک نہیں کہ مجذوب کو دیکھے اور اس کی حالت جانچے اور اس کے لائق قوت کا اندازہ کرے تاکہ اتنی ہی قوت اس پر خرچ کرے۔

تنبیہ: اگر یہ ہے تو وہ پہلا قاعدہ جس پر ساری ہیأتِ جدیدہ کا اجماع اور سردار فلسفہ جدیدہ نیوٹن کا اختراع ہے صاف غلط ہو جائے گا جب زمین مجذوب کے مادوں کا ادراک کرتی ہے اور ان کے قابل اپنی قوت کے حصے چھانٹتی ہے تو کیوں نہ اس کے بعد کا ادراک کرے گی اور ہر بُعد کے لائق اپنی قوت کا حصہ چھانٹے گی تو ہر بُعد پر جذب یکساں رہے گا۔

---

[1] ط ص ۱۱۔

ثانیاً تنبیه اقول: ملاحظہ نمبر ۲ سے یہاں ایک اور سخت اعتراض ہے نمبر ۱۵ میں آتا ہے کہ تمہارے نزدیک اختلاف وزن اختلاف جذب پر متفرع ہے اور ہم ثابت کردیں گے کہ ہیاتِ جدیدہ کو اس اقرار پر قائم رہنا لازم ورنہ ساری ہیات باطل ہو جائے گی۔اب یہاں اختلافِ جذب اختلاف وزن پر متفرع کیا کہ دس سیر کا جسم دس گنی طاقت سے کھنچے گا۔یہ کھلا دور ہے اگر کہیے اختلاف وزن پر نہیں اختلاف مادے پر متفرع کیا اختلاف وزن سے مثال دی ہے کہ ہماری جذب سے پہلے جذب زمین نے وزن پیدا کردیا ہے۔

اقول: مختلف قوتِ جذب چاہنا اختلافِ وزن سے ہوتا ہے مادے میں جب پیش از جذب کچھ وزن ہی نہیں تو بے وزن چیز قلیل ہو یا کثیر مختلف قوت چاہے گی۔اگر کہے اختلاف مادے سے ماسکہ مختلف ہوگی لہذا مختلف جذب درکار ہوگا۔

اقول: ماسکہ بحسبِ وزن ہی تو ہے۔پھر اختلاف وزن ہی پر بنا آگئی اور دور قائم رہا مگر صاف انصاف یہ کہ نمبر ۲ نیوٹن کے قول نمبر ۸ پر مبنی اور ہیات جدیدہ کا پیچکن ہے جسے وہ کسی طرح تسلیم نہیں کرسکتی بلکہ جابجا اس کارد کرتی ہے جس کا بیان نمبر ۱۵ میں آتا ہے۔ہیات جدیدہ کے طور پر صحیح یہ ہے کہ ماسکہ بربنائے وزن نہیں بلکہ نفس مادے کی طبیعت میں حرکت سے انکار ہے تو جس میں مادہ زیادہ ماسکہ زائد تو انکار افزون تو اس کے جذب کو قوت زیادہ درکار،یہ تقریر یاد رکھیے اور اب یہ اعتراض یکسر اٹھ گیا۔

تنبیہ: ہیئاتِ جدیدہ نے اس تناقض کی بنا پر ایک اور قاعدہ اس سے بھی زیادہ باطل تراشا جسے اپنے مشاہدے سے ثابت بتاتی ہے بھلا مشاہدے سے زیادہ اور کیا درکار ہے۔وہ اس سے اگلا قاعدہ ہے۔

تنبیہ ضروری:اقول: یہ دونوں قاعدے متناقض صحیح مگر ان سے اتنا کھل گیا کہ جذب کی تبدیلی تین ہی وجہ سے ہے مادہ جذب مادہ مجذوب بعد،جن میں قابل قبول صرف دو ہیں،مادہ مجذوب اس نمبر ۱۱ نے طنبور میں نغمہ اور شطرنج میں بغلہ بڑھایا۔ بہر حال مجذوب واحد پر بعد واحد سے جاذب واحد کا جذب ہمیشہ یکساں رہے گا،وہ جو نمبر ۱۳ میں آتا ہے کہ جاذبیت بحسب سرعت بدلتی ہے،نمبر ۷ میں گزرا کہ اصل میں سرعت بحسب جاذبیت بدلتی ہے۔

(۱۲) جذب[1] اگرچہ باختلاف مادہ مجذوب مختلف ہوتا ہے مگر جاذب واحد مثلاً زمین کے جذب کا اثر تمام مجذوبات صغیر و کبیر پر یکساں ہے،سب ہلکے بھاری اجسام کہ زمین سے برابر فاصلے پر ہوں ایک ہی رفتار سے ایک ہی آن میں زمین پر گرتے کہ اُن میں آپ تو کوئی میل ہے نہیں جذب سے گرتے اور اس کا اثر سب پر

[1] ط ص ۱۰ تا ص ۱۵۔ ۱۲۔

برابر ایک حصہ مادے کو زمین نے ایک قوت سے کھینچا اور دس حصے کو وہ چند قوت سے تو حاصل وہی رہا کہ ہر حصہ مادہ کے مقابل ایک قوت لہذا اثر میں اصلاً فرق نہ ہوتا مگر ہوتا ہے بھاری جسم جلد آتا ہے اور ہلکا دیر میں اس کا سبب بیچ میں ہوائے حائل کی مقاومت ہے بھاری جسم سے جلد مغلوب ہو جائے گی کم روکے گی جلد آئے گی، ہلکے سے دیر میں متاثر ہوگی۔ زیادہ روکے گی دیر لگائے گا۔ اس کا امتحان آلہ ایر پمپ سے ہوتا ہی جس کے ذریعہ ہوا برتن سے نکال لیتے ہیں۔ اس وقت روپیہ اور روپے برابر کاغذ یا پر ایک ہی رفتار سے زمین پر پہنچتے ہیں یہ حاصل ہے اس کا جو چار صفحوں سے زائد میں لکھا۔

اقول: اولاً: اس سے بڑھ کر عاقل کون کہ لفظ کہے اور معنٰی نہ سمجھے جس میں وزن زیادہ ہے وہ مقاومت ہوا پر جلد غالب آتا ہے، زیادہ وزن کے کیا معنٰی یہی نا کہ وہ زیادہ جھکتا ہے، یہ اس کی اپنی ذات سے ہے تو اسی کا نام میل طبعی ہے جس کا ابھی تم نے انکار مطلق کیا اور اگر زمین اسے زیادہ جھکاتی ہے تو یہی تفاوت اثر جذب ہے اس پر زیادہ نہ ہوتا تو زیادہ کیوں جھکتا۔

ثانیاً: زیادتِ وزن کا اثر صرف یہی نہیں کہ مقاومت پر جلد غالب آئے بلکہ اس کا اصل اثر زیادہ جھکنا ہے۔ مقاومت پر جلد غلبہ بھی اسی زیادہ جھکنے سے پیدا ہوتا ہے اگر پہاڑ آکر معلق رہے نیچے نہ جھکے ہوا کو ذرہ بھر شق نہ کرے گا۔

تمہاری جہالت کہ تم نے فرع کو اصل سمجھا اور اصل کو یک لخت اڑا دیا۔ مقاومت پر اثر ڈالنا زیادہ جھکنے پر موقوف تھا لیکن زیادہ جھکنا کسی مقاوم کے ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں وہ نفس زیادت وزن کا اثر ہے تو ہوا بالکل نکال لینے پر بھی یقینا رہے گا اور روپیہ ہی جلد پہنچے گا بلکہ ممکن کہ اب پہلے سے بھی زیادہ کہ اس وقت اس کی جھونک کو ہوا کی روک تھی اب وہ روک بھی نہیں۔ اہل انصاف دیکھیں کیسی صریح باطل بات کہی اور مشاہدے کے سر تھوپ دی، یہ حالت ہے ان کے مشاہدات کی، یہ دیگ کا چاول یاد رہے کہ آئندہ کے اور خلافِ عقل دعووں کی بانگی ہے اور اس کا زیادہ مزہ فصل دوم میں کھلے گا ان شاء اللہ تعالٰی، اور ہمارے نزدیک حقیقتِ امر یہ ہے کہ ہر ثقیل میں ذاتی ثقل اور طبعی میل سفل ہے۔ کہ بزیادت وزن زائد ہوتا ہے تو ہلکی خود ہی کم جھکے گی اگرچہ ہوا حائل نہ ہو، اور حائل ہوئی تو اسے شق بھی کم کرے گی تو بھاری چیز کے جلد آنے کا ایک عام سبب ہے اس میں میل فزوں ہونا خواہ کوئی حائل ہو یا نہ ہو، اور درصورت حیلولت زیادت وزن کے باعث حائل کو زیادہ شق کرنا تو بغرض غلط، ہوا برتن سے بالکل نکال بھی لی جائے روپیہ پھر بھی پَر سے یقیناً جلد آئے گا اگرچہ چند انگل کی مسافت میں تمہیں فرق محسوس نہ ہو۔

(۱۳) جب[1] کوئی جسم دائرے میں دائر ہو تو مرکز سے نافرہ اور مرکز کی طرف جاذبہ (از انجا کہ

---

[1] ص ۱۰۳۔ ۱۲۔

دونوں برابر ہوتی ہیں) مربع سرعت بے نصف قطر دائرہ کی نسبت سے بدلتی ہیں۔ اء سرعت ہے یعنی وہ مسافت کہ جسم نے مثلاً ایک سیکنڈ میں قطع کی نافرہ کی دلیل اب ہے یعنی وہ اسے یہاں تک چھینکتی ہے تو سیدھا اسی طرح جاتا مگر جاذبہ ار نے اسے ی مرکز کی طرف کھینچا تو جسم اب سے اء کی طرف پھر گیا، چھوٹی قوس اور اس کے وتر میں فرق کم ہوتا ہے۔

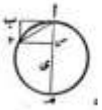

لہٰذا قوس اء کی جگہ وتر اء لو اور جاذبہ کو ح اور سرعت کو س فرض کر: ار: اء: : اء یعنی ح: س: : س: قطر یعنی ح = س ۲/قطر یعنی جاذب س ۲/نصف قطر کی نسبت پر بدلے گی اور دائرے پر حرکت میں جاذبہ و نافرہ برابر ہوتی ہیں اور ایک دائرے میں نصف قطر کی قیمت محفوظ ہے لہٰذا جاذبہ و نافرہ مربع سرعت کی نسبت بدلیں گی مثلاً ڈور میں گیند باندھ کر گھماؤ جب سرعت دو چند ہوگی ڈور پر زور چہار چند ہوگا تو ڈور یعنی جاذبہ کی مضبوطی بھی چہار چند ہونی چاہیے۔

اقول: یہ سب تلبیسیں و تدلیس ہے۔

اوّلاً: ا ر جاذبیت رکھی کہ سہم قوس اء ہے اور اب واقعیت کے مساوی رء جب قوس مذکور ہے اور جیب سہم سوا ربع دور و سہ ربع دور کے کبھی مساوی نہیں ہوسکتے ربع اول و چہارم میں ہمیشہ جیب بڑی ہوگی اور دوم و سوم میں ہمیشہ سہم اور بوجہ صغر قوس قلّت تفاوت کا عذر مردود ہے۔

ثانیاً: اب دافعیت نہیں بلکہ وہ مسافت جس تک اس دفع کے اثر سے جاتا خود بھی اسے دلیل نافرہ کہا یہاں دافع کہا جب اتنا اثر ہے تو جاذبہ کے تجاذب سے اگر گھٹے نہیں تو بڑھنا کوئی معنٰی ہی نہیں رکھتا تو جسم یہاں اسی قدر مسافت پر جاسکتا ہے۔ وہ قوس اء رکھی پھر وتر اء تو واجب کہ اب و اء یعنی جیب وتر مساوی ہوں اور یہ قطعاً ہمیشہ محال ہے ا رء قائم الزاویتین اور دونوں قائمے ہوئے یا قائمہ مساوی حادہ اور عذر صغر پہلے رد ہوچکا۔

ثالثاً: ا ر سہم و اء وتر بھی مساوی ہوگئے اور یہ بھی محال ہے اب مثلث ا ر ء قائم الزاویہ مختلف الاضلاع ہوگیا اور قائمہ ۶۰ درجے کا رہ گیا اور ایک ثانیہ ۱۸۰ درجے ایک ثانیہ یہ ہوا کہ رء عـــہ محیطیہ ایک ثانیہ پر پڑا ہے اور ر ا محیطیہ ایک ثانیہ کم نصف دور پر اور دونوں مساوی ہیں کہ دونوں کے وتر

عـــہ: تو یہ نصف ثانیہ ہوا اور ر اء ۵۹۵۹۸۹۔۳ اور دونوں مساوی ہیں اور نسبت اضعاف مثل نسبت انصاف ہے۔ (اقلیدس ۵ مقالہ شکل ۱۵) تو ایک ثانیہ ۵۹۵۹۱۷۹ کے برابر ہوا، یعنی ا = ۷۹۹۹ ۶۴ : : ۷۹۹۸ ۶۴ یہ ہیں تحقیقات جدیدہ ۱۲ منہ غفرلہ

مساوی ہیں۔ (مامونی) تو دونوں قوسیں مساوی ہیں۔ (مقالہ ۳ شکل ۲۵) بالجملہ اس پر بے شمار استحالے ہیں۔

رابعًا: یہ ضرور ہے کہ مہندسین نہایت صغیر قوسوں میں اُن کے وتر اُن کی جگہ لے لیتے ہیں جیسے اعمال کسوف و خسوف میں، مگر اسے تو حکم عام دینا ہے، ہر جگہ یہ ٹوٹکے کیسے چلے گا، دیکھو نصف دو ۱۸۰ درجے محیط ہے اور اس کا وتر کہ قطر ہے صرف ۱۲۰ درجے وہ بھی قطریہ کہ محیطیہ کے ۱۱۵ عــہ۱ سے بھی کم ہوئے فرض کرو قوس اء ۶۰ درجے ہے تو درجات قطریہ سے ار سہم صرف ۳۰ ہے اور رء جیب تقریبًا ۵۲ عــہ۲ اء قوس تقریبًا ۶۳ عــہ۳ مجنون ہے جو ان سب کو مساوی کہے۔

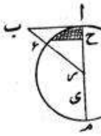

خامسًا: تساوی قوتین پر شکل وہ نہ ہوگی بلکہ یہ اب دلیل واقعہ ہے اکو مرکز مان کر بعد ب پر قوس ب ر کھینچی جس نے محیط کو ء پر قطع کیا اور قطر کو ر پر تو اء مسافت واثر دافعیت ہوئی اور ار اثر جاذبیت اب ار سہم قوس اء نہیں بلکہ اس کا سہم اح ہے بحکم شکل مذکور اقلیدس اح بحسب مربع اء بدلے گا نہ کہ جاذبیت ار۔

سادسًا: دعوٰی میں جاذبہ نافرہ دونوں تھیں اور بغرض باطل اس دلیل سے ثابت ہوا تو جاذبہ کا بحسب مربع مسافت بدلنا جسے بنادانی مربع سرعت کہا سرعت مسافت نہیں بلکہ مسافت مساویہ کو زمانہ اقل میں قطع کرنا نافرہ کے دعوے کو تساوی جاذبہ ونافرہ پر حوالہ کیا اور اسے خود شکل میں بگاڑ دیا کہ جاذبہ سہم رکھی اور دافعہ جیب، بلکہ وتر، بلکہ قوس، اہلِ انصاف دیکھیں یہ حالت ہے انکی اوہام پرستی کی، اپنے باطل خیالات کو کیسا زبردستی برہان ہندسی کا لباس پہنا کر پیش کرتے ہیں۔

(۱۴) ہر دائرے میں جاذبہ ہو یا نافرہ بحسب نصف قطر[1] مربع زمانہ دورہ ہے اس[2] سے معلوم ہو سکتا ہے کہ آفتاب جو زمین کو کھینچتا ہے اور زمین قمر کو ان دونوں کششوں میں کیا نسبت ہے نصف قطر مدار قمر کو ایک فرض کریں تو نصف قطر مدار زمین ۴۰۰ ہوگا اور اس کی مدت دورہ ۳۲۵ء ۷ ۲ دن ہے اور اس کی

عــہ۱: یعنی ۱۱۴ درجے ۳۵ دقیقے ۲۹ ثانیے ۳۶ ثالثے ۴۷ رابعے ۱۲ منہ غفرلہ

عــہ۲: یعنی ۵۱ درجے ۵۷ دقیقے ۴۱ ثانیے ۲۹ ثالثے ۱۴ رابعے ۱۲ منہ غفرلہ

عــہ۳: یعنی ۶۲ درجے ۴۹ دقیقے ۵۴ ثانیے ۴۰ ثالثے ۴۴ رابعے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] ص ۱۰۴۔ ۱۲۔

[2] ص ۱۲، ۲۰۹

۲۵ء۳۶۵ دن : : انجذاب قمر بہ شمس : انجذاب قمر بہ ارض

$$۲۲۲ : ۱ :: {}^{۲}\left(\frac{۱}{۳۶۵،۲۵}\right) : {}^{۲}\left(\frac{۱}{۲۷،۳۲}\right) \#،$$

یعنی شمس اگرچہ دور ہے، قمر کو ۲۔۱/ ۵ زمین سے زیادہ کھینچتا ہے انتہی۔

اقول: منتسبین بدل گئے یوں کہنا تھا کہ انجذاب قمر بہ ارض : انجذاب قمر بہ شمس : : الخ اور اختصار میں ۱/۴۔۲ چاہیے تھا کہ حاصل ۲۳۷ء۲ ہے کہ ربع سے قریب ہے پھر بفرض صحت اس سے ثابت ہوتی تو وہ نسبت جو قمر کو زمین اور زمین کو شمس کی کشش میں ہے جیسا کہ ابتداءً دعوٰی کیا تھا اور نتیجہ میں رکھی وہ نسبت جو قمر کو کشش زمین و شمس میں ہے خیر اسے کہہ سکیں کہ بوجہ قلت [عہ] تفاوت دورہ و بعد زمین کو دورہ و بعد قمر رکھا مگر اس کے بیان میں اس دلیل کا مبنٰی یہی قاعدہ نمبر ۱۴ ہے اور اس کا مبنٰی قاعدہ نمبر ۱۳ جس کے شدید ابطال ابھی سن چکے۔

(۱۵) وزن [1] جذب سے پیدا ہوتا اور اسکے اختلاف سے گھٹتا بڑھتا ہے۔ اگر جسم [2] پر جذب اصلًا نہ ہو یا سب طرف سے مساوی ہونے کے باعث اس کا اثر نہ رہے تو جسم میں کچھ وزن ہوگا ہم اگر مرکز زمین پر چلے جائیں تمام ذراتِ زمین ہم کو برابر کھینچیں گے اور اثر کشش جاتا رہے گا ہم بے وزن ہو جائیں گے۔

اقول: یہ نری بے وزن بدیہی البطلان بات کہ جسم میں خود کچھ وزن نہیں جذب سے پیدا ہوتا ہے ہیات جدیدہ کی کثیر تصریحات سے واضح وآشکار ہے۔ا کثافت [3] عطارد سونے کے قریب زمین سے دوچند ہے مگر اس کے صغر کے سبب اس کی جاذبیت جاذبیت زمین کی ۳ / ۵ ہے اسی نسبت سے اوزان اس کی سطح پر گھٹتے ہیں جو چیز زمین پر من بھر ہے عطارد پر رکھ کر تولیں تو صرف چوبیس ۲۴ سیر ہوگی۔ ب سطح [4] آفتاب پر جسم کا وزن سطح زمین سے ۲۸ گنا ہوتا ہے یعنی یہاں کا من وہاں کا ٹن ہو جائے گا وہاں کا ٹن یہاں من رہے گا اس کا رد فصل ۲ رد ۱۴ سے روشن ہوگا۔ ج جو چیز [5] سطح زمین سے تین ہزار چھ سو رطل کی ہے کہ اس کے بعد مرکز سے بقدر نصف قطر زمین ہے اگر سطح زمین نصف قطر کی دوری پر رکھیں ۹ سو رطل رہ جائے گی اور پورے قطر کہ بعد پر چار ہی سو اور ڈیڑھ قطر کے فاصلے پر سوا دو سو اور دو قطر کے فصل پر ایک سو چوالیس ہی رطل رہے گی کہ مربع بعد جتنے بڑھتے ہیں جاذبیت اتنی ہی کم ہوتی ہے تو ویسا ہی وزن گھٹتا جائے گا یعنی ساڑھے چار قطر کے بعد پر ۳۶ ہی رطل رہے گا اور ساڑھے پانچ پر صرف ۲۵، اور ساڑھے نو پر ۹ ہی رطل، اور ساڑھے چودہ پر چار رطل، اور ساڑھے انتیس

عـــہ: کما قال فی اول ھذہ النمرۃ ۲۰۹ ان القمر یدور حول الشمس علی معدل بعد الارض وفی نفس مدۃ دوران الارض حولھا الخ

---

[1] ط ص ۱۰۔ ۱۲۔

[2] ط ص ۸۳۔ ۱۲۔

[3] ص ۲۷۶۔ ۱۲

[4] ص ۱۳۲

[5] ح ص ۳۸

پر ایک ہی رطل رہے گا تین ہزار پانچ سو ننانوے رطل اڑ جائیں گے وعلٰی ہذا القیاس ء زمین [1] پر خط استوا کے پاس شے کا وزن کم ہوگا اور جتنا قطر کی طرف ہٹو بڑھتا جائے گا کہ خطِ استواء کے پاس جاذبیت کم ہے اور قطب کے پاس زیادہ۔ ولیم ہرشل [2] نے کہا نجیمات پر یعنی مریخ و مشتری کے درمیان آدمی ہو تو ساٹھ فٹ اونچا بے تکلف جست کر سکے۔

اقول: تو یورنیس پر جا کر تو خاصا پکھیر و ہو جائے گا جدھر چاہے اڑتا پھرے گا پھر کہا اور ساٹھ فٹ بلندی سے انُ پر گرے تو اس سے زیادہ ضرر نہ دے جتنا ہاتھ بھر بلندی سے زمین پر گرنا۔

اقول: تو نیپچون پر جا کر تو روئی کا گالا ہو جائے گا کہ ہزاروں گز بلندی سے سخت پتھر پر گرے کچھ ضرر نہ ہوگا۔ یہ ہیں ان کی خیال بندیاں اور انہیں ایسا بیان کریں گے گویا عطارد و آفتاب پر کچھ رکھ کر تول لائے ہیں نجیمات پر بیٹھ کر کود آئے ہیں، ان تمام خرافات کا بھی ماحصل وہی ہے کہ جسم میں فی نفسہ کوئی وزن نہیں ورنہ ہر کرے ہر مقام ہر بعد پر محفوظ رہتا جاذبیت کی کمی بیشی سے صرف اس پر زیادت میں کمی بیشی ہوتی ظاہر ہے کہ جو کچھ بھی وزن مانو اس سے زیادہ بعد پر بقدر مربع بعد گھٹے گا اور بعید ہیئات [3] جدیدہ میں غیر محدود ہے تو کمی بھی غیر محدود ہے، پہاڑ کا وزن عـــہ رائی کے دانے کا ہزاروں حصہ رہے گا پھر اس پر بھی نہ رکے گا تو کوئی وزن کہیں محفوظ نہیں جسے اصلی ٹھہرایئے مگر اس جری بہادر ط نے اسے اور بھی کھلے لفظوں میں کہہ دیا اس کی عبارت یہ ہے جس سبب سے کہ چیزیں زمین پر گر پڑتی ہیں اُسی سبب سے ان میں وزن بھی پیدا ہوتا ہے یعنی کشش ثقل ان کو بھاری کرتی ہے بوجھ اشیاء میں موافق مقدار کشش کے ہوگا۔ یہ ہے فلسفہ جدیدہ اور اس کی تحقیقات ندیدہ کہ پہاڑ میں آپ کچھ وزن نہیں وہ اور رائی کا ایک دانہ ایک حالت میں ہیں۔

اقول: حقیقتِ امر اور اختلافِ جذب سے ان کے دھوکے کا کشف یہ ہے کہ ہر جسم ثقیل یقیناً اپنی حد ذات میں وزن رکھتا ہے۔ پہاڑ اور رائی ضرور مختلف ہیں، شیئ میں جتنا وزن ہو اس کے لائق دباؤ ڈالے گی پھر اگر اس کے ساتھ کوئی جذب بھی شریک کرو تو دباؤ بڑھ جائے گا اور جتنا جذب بڑھے اور بڑھے گا بیس سیر کا پتھر آدمی سر پر رکھے وہ دبائے گا اور اس میں رسیاں باندھ کر دو آدمی نیچے کو زور کریں، دباؤ بڑھے گا۔ چار آدمی چاروں طرف سے کھینچیں اور بڑھے گا لیکن جذب کی کمی بیشی اصل وزن پر کچھ اثر نہ ڈالے گی جذب کم ہو

عـــہ: **اقول:** بعد دیگرے سیّارہ دیگر کے جذب سے اور وزن ہلکا ہوگا زمین کے خلاف جہت کھینچا اور بفرض غلط ہو بھی تو کام نہ دے گا کہ وہ بھی عارضی ہوا کلام وزن اصلی میں ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] ط ص ۸۳۔ ۱۲

[2] ص ۲۹۰

[3] دیکھو ۲۶۔ ۱۲۔

یا زائد یا اصلًا نہ ہو وہ بدستور رہے گی، ہاں اگر اوپر کی جانب کوئی جاذب یا چاری کی طرف ادھر سے سہارا دے یا کمانی کی لچک کی طرح اوپر اچھالے تو اِن صورتوں میں وزن کا احساس کم ہوگا یا اصلًا نہ ہوگا فی نفسہ وزن اصلی اب بھی برقرار رہے گا مگر جذب زیریں کی کمی یا نفی احساس اصلی بھی فرق نہیں کر سکتی کہ نیچے جذب نہ ہو نا نہ اوپر کو کھینچتا ہے نہ سارا نہ اچھال تو اصلی وزن کا دباؤ کم ہونا محال۔ بالجملہ جذب مؤید تھا نہ کہ مولد، لیکن انہوں نے جذب کو وزن کا مولد مانا اور واقعی ان کو اس مکابرے کی ضرورت ہے کہ وزن ذاتی میل طبعی کو ثابت کرے گا اور اس کا ثبوت جاذبیت کا خاتمہ کردے گا کما سیأتی (جیسا کہ آئے گا۔ت) اور اس کے ختم ہوتے ہی ساری ہیات جدیدہ کی عمارت ڈھ جائے گی کہ اس کی بنیاد کا یہی ایک پتھر ہے تو قطعًا اس کا مذہب یہی ہے جیسا کہ اس کی تصریحات کثیرہ سے آشکار، نیوٹن کا قول نمبر ۸ جسے ماننا ہو پہلے ہیات جدیدہ کا سارا دفتر اور خود نیوٹن کے قواعد جاذبیت سب دریا برد کردے ظاہرًا وہ نیوٹن نے ۱۶۶۵ء سے پہلے کہا ہو جب تک سیب نے گر کر جاذبیت نہ سمجھائی تھی اور اسی پر نادانستہ نمبر ۲ مبنی ہوا بہر حال کچھ ہو ہم سب ان کی ان تصریحات متناقصہ سے کام لے سکتے ہیں کہ انہیں کے اقوال ہیں لیکن ان کو اس نمبر ۱۵ سے کوئی مفر نہیں وہ ہیات جدیدہ کی بنی رکھی چاہیں تو اس کے ماننے پر مجبور ہیں کہ کسی جسم میں خود کوئی وزن نہیں بلکہ جذب سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات خوب یاد رکھنے کی ہے کہ آئندہ دھوکا نہ ہو ہم اس پر اس سے زیادہ کیا کہیں جو کہہ چکے کہ یہ بداھۃً باطل ہے ہاں وہ جو کروں پر اختلافِ وزن بتایا ہے اس سے سہل تر انہیں بتادیں۔

فاقول: ہیأت جدیدہ سے کہئے کیوں خط استوا سے قطب تک دوڑے یا عطارد وآفتاب تک پھلانگتی پھرے اس کا زعم سلامت ہے تو خود اس کے گھر میں ایک ہی جگہ رکھے رکھے شے کا وزن گھٹتا بڑھتا رہے گا آج سیر بھر [عہ] کی ہے کل سوا سیر ہوجائے گی، پرسوں تین پاؤ رہ جائے گی پھر ڈیڑھ سیر ہوجائے گی، کوئی عاقل بھی اس کا قائل ہے وجہ یہ کہ سیارات واقمارات ونجیمات (وہ مشابہ سیارہ سوا سو سے زائد اجرام کہ مریخ ومشتری کے درمیان ابھی انیسویں صدی میں ظاہر ہوئے ہیں جن میں جونو ووسطا وسیرس وپلاس زیادہ مشہور ہیں) اگرچہ کثافت وبعد میں مختلف ہوں جاذبیت رکھتے ہیں قطعًا مجموعہ تفاضل کے برابر نہیں ہو سکتا، اب جس وقت ان کا اجتماع زمین کی جانب مقابل ہو کہ شے اُن کے اور زمین کے بیچ میں ہو تو زمین کی جاذبیت تو شے میں وزن پیدا کرے گی اور ان سب کی جاذبیت کہ جانبِ مخالف ہے ہلکا کرے گی۔ غلبہ جذب زمین کے باعث وزن بقدر تفاضل رہے گا اور جب اُن کا اجتماع زمین کے اس طرف ہو کہ شے

عـــہ: یہ مدت وعدت تنظیر ہے نہ کہ تحدید ۱۲منہ غفرلہ۔

سے زمین اور وہ سب ایک طرف واقع ہوں تو وہ اور زمین سب کی مجموعی جاذبیت اس میں وزن پیدا کرکے بہت بھاری کردے گی اور جب کچھ ادھر کچھ ادھر ہوں وزن بین بین ہوگا۔ جوہر اختلاف اوضاع پر بدلے گا اگر کہیے اختلافِ وزن کیونکر معلوم ہوسکے گا۔ جس چیز سے تولا تھا وہ بھی تو اُتنی ہی بھاری یا ہلکی ہوجائے گی۔

اقول: قطب و خطِ استوا پر اختلافِ وزن کیونکر جانا، اب کہوگے سا قول سے، ہم کہیں گے یہاں بھی اُسی سے۔

(۱۶) ہر شبانہ روز عـــہ میں دو بار سمندر میں مدوجزر ہوتا ہے جسے جوار بھاٹا کہتے ہیں۔ پانی گزوں یہاں تک کہ خلیج فونڈی [1] میں نیز شہر برستول کے قریب جہاں نہر سفرن سمندر میں گرتی ہے ستر فٹ تک اونچا اٹھتا پھر بیٹھ جاتا ہے اور جس [2] وقت زمین کے اس طرف اٹھتا ہے ساتھ ہی دوسری طرف بھی یعنی قطر زمین کے دونوں کناروں پر ایک ساتھ مد ہوتا ہے یہ جذب قمر کا اثر ہے، ولہذا [3] جب قمر نصف النہار پر آتا ہے اس کے چند ساعت [4] بعد حادث ہوتا ہے آفتاب کو بھی اس میں دخل ہے ولہذا [5] اجتماع و مقابلہ نیرین کے ڈیڑھ دن بعد سب سے بڑا مد ہوتا ہے مگر اثر شمس بہت کم ہے، حدائق النجوم [6] میں جذب قمر سے ۱۰/۳ کہا اصول ہیأت [7] میں ۵/۲ یا ۵۸/۲۳ جاڑوں میں [8] صبح کا مد شام کے مد سے زیادہ بلند ہوتا ہے اور گرمیوں میں بالعکس [9] چھوٹے سمندروں اور بڑی نہروں اور اُن پانیوں میں جن کو خشکی محیط ہے جیسے دریائے قزبین و دریائے ارال و بحر متوسط و بحر بالطیق و جیحون و سیحون و گنگ و جمن وغیرہ میں نہیں ہوتا۔

اقول: مد کا جذب قمر سے ہونا اگرچہ نہ ہم کو مضر نہ اس کا انکار ضرور، مگر بر سبیل ترک ظنون و طلب تحقیق وہ بوجوہ مخدوش ہے:

وجہ اول: چاند تو زمین کے ایک طرف ہوگا دوسری طرف پانی کس نے کھینچا، یہ تو جذب

عـــہ: ص ۲۶۳ میں ۲۴ گھنٹے ۵۰ منٹ کہے نیز ص ۲۷۳ وح ص ۲۰۷ میں ۲۴ ت، ۴۸ط ص ۱۰۶ ۲۴ ت ص ۱۰۹ ۲۴ ت۔ ۴۵ تعریبات شافیہ جز ثانی ص ۲۴، ۳۸ ت، ۵۱ جغرافیا طبعی ص ۲۴، ۱۹ ت، ۵۴ بہرحال ہر یوم قمری میں دو مد ہیں یونہی جزء ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] ص ۲۷۲۔ ۱۲۔

[2] ص ۲۶۳ ح ص ۲۰۵ و ۲۰۶ ط ۱۰۶ و ۱۰۷۔

[3] ص ۲۶۵ ح ص ۲۰۵۔ ط ۱۰۹

[4] حدائق النجوم ص ۲۰۰ میں اس کی اصل مقدار تین گھنٹے بتائی اگرچہ عوارض خارجیہ سے تفاوت ہوتا ہے۔

[5] ص ۲۶۷۔ شافیہ جلد دوم ص ۳۹

[6] ص ۲۰۵۔ ص ۲۰۶

[7] ۲۶۶

[8] ح ص ۲۰۷

[9] ص ۲۶۳ و ۲۷۲، ۲۷۰ ح ص ۲۰۷۔

نہ ہوا دفع ہوا۔ اصول علم[1] الہیات وغیرہ سب میں اس کا یہ جواب دیا کہ بعید پر جذب کم ہوتا ہے سمتِ مواجہ قمر میں پانی قمر سے قریب اور زمین بعید ہے، لہٰذا اس پانی پر زمین سے زیادہ جذب ہوا اور بہ نسبت زمین کے چاند سے قریب تر ہو گیا۔ یوں ارتفاع ہوا ادھر کا پانی قمر سے بعید اور زمین سے قریب ہے، لہٰذا زمین پر پانی سے زیادہ جذب ہوا اور ادھر کا حصہ زمین چاند سے بہ نسبت آب[2] قریب تر ہو گیا تو وہ پانی مرکز زمین سے دور ہو گیا اور مرکز زمین سے دوری بلندی ہے ادھر یوں ارتفاع ہوا۔

اقول: اولاً: جس طرح قرب وبعد سے اثر جذب میں اختلاف ہوتا ہے یونہی مجذوب کے ثقل وخفت سے بھاری چیز کم کھینچے گی اور ہلکی زیادہ سمت مقابل کا پانی بہ نسبت زمین کیا ایسا بعید ہے کہ زمین سے متصل ہے اور سمندر کی گہرائی[3] زیادہ سے زیادہ پانچ میل بتائی گئی ہے قمر کا بعد اوسط ۲۳۸۸۳۳ میل ہے اور زمین کا قطر معدل ۷۹۱۳ میل تو اس جانب کے اجزائے ارضیہ کا قمر سے بعد ۲۴۶۷۴۶ میل ہوا اس کثیر بعد پر چار پانچ میل کا اضافہ ایسا کیا فرق دے گا لیکن پانی بہ نسبت زمین بہت ہلکا ہے زمین کی کثافت پانی سے چھ گنی کے قریب ہے یعنی ۵٫۶۷[4] تو اگر تفاوت بعد اس کے جذب میں کچھ کمی کرے تفاوت ثقل اس کمی پر غالب آئے گا یا نہ سہی پوری تو کر دے گا۔ اور زمین وآب پر جذب یکساں رہ کر پانی زمین سے ملا ہی رہے گا تو مد نہ ہو گا۔ بخلاف سمت مواجہ قمر کہ ادھر کا پانی قرب ولطافت دونوں وجہ کا جامع ہے تو اسی طرف مد ہونا چاہیے۔

ثانیاً: نمبر ۱۸ میں آتا ہے ہوا وآب وخاک مجموعہ تمہارے نزدیک کرہ زمین ہے اور قمر مجموع کو جذب کر رہا ہے تو سب ایک ساتھ اٹھیں نہ کہ ادھر کا پانی زمین کو چھوڑ جائے اور ادھر کی زمین پانی کو چھوڑ آئے، دیکھو تمہارے زعم میں جذب شمس سے زمین گھومتی ہے تو تینوں جز خاک وآب وباد کو ایک ساتھ یکساں متحرک مانتے ہو نہ کہ سب ایک دوسرے سے جدا ہو کر چلیں۔

---

[1] ص ۲۶۴ ط ص ۱۰۷۔ ح ص ۲۰۵ و ۲۰۶ ص ۱۵۲ اس کے اخیر میں اسے جاہلانہ بیان کیا اور ط میں متحیرانہ اقرار کرکے کہ اس کا بیان پیچیدہ ہے اور بات صاف نہ کہہ سکا، ح کا کلام بھی مضطرب ومشتبہ سا رہا، ص نے صاف بیان کیا لہٰذا ہم نے اسی سے نقل کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

[2] نظارہ عالم میں براہِ جہالت اُسے یوں لکھا کہ دوسری جانب کا پانی بعد کے باعث ساکن رہتا ہے لیکن زمین جو اس پانی کے اندر ہے کھنچتی ہے۔

[3] جغرافیہ طبعی ص ۱۹۔ ۱۲

[4] حدائق میں گزرا ۱۳ گھنٹے بعد۔

ثالثًا: اگر ایسا ہوتا سمت مواجہ کی ہوا پر قمر کا جذب ادھر کے پانی سے بھی زائد ہوتا کہ اقرب بھی اور الطف بھی، اور ادھر کی ہوا کو تمہارے زعم باطل پر ادھر کا پانی چھوڑ آتا جس طرح اس پانی کو ادھر کی زمین چھوڑ گئی تو لازم تھا کہ مد کے وقت دونوں طرف نہ سطح زمین پر پانی ہوتا نہ سطح آب پر ہوا، بلکہ ہر دو کے بیچ میں خلا ہوتا۔ یہ بداہۃً باطل ہے، اطراف کے پانی کا آکر اس جگہ کو بھرنا کیوں یہ حرکت نہ اُن پانیوں کے متقضائے طبع ہے نہ زمین کا اثر نہ استحالہ خلا کی ضرورت، نمبر ۲۵ میں آتا ہے۔ کہ خلا تمہارے نزدیک محال نہیں پھر بلاوجہ اور پانی کیوں چل کر آئیں گے۔

وجہ دوم: کشش قمر سے مدَ ہوتا تو اس وقت ہوتا جب قمر عین نصف النہار پر سیدھے خطوں میں پانی کو کھینچتا ہے لیکن پانی وہاں کا اٹھتا ہے جہاں نصف النہار سے گزرے قمر کو گھنٹے ہو چکتے ہیں[1]۔ اصول ہیأت میں اس کے دو حیلے گھڑے یکم پانی کا سکون اسے فورًا جذب قبول نہیں کرنے دیتا انتھی یعنی جسم میں حرکت سے انکار ہے حتی الامکان محرک کی مقاومت کرے گا اس لیے پانی فورًا نہیں اٹھتا۔

اقول: اولًا: قمر صرف سیدھے خط پر کھینچتا ہے یا ترچھے پر بھی، بر تقدیر اول کس قدر باطل صریح ہے کہ جس وقت جذب ہو رہا تھا پانی نہ ہلا، جب جذب اصلًا نہ رہا گزوں اٹھا یعنی وجود مسبّب وجود سبب سے نہیں ہوتا بلکہ سبب معدوم ہونے کے گھنٹوں بعد، بر تقدیر ثانی قمر جس وقت افق شرقی پر آیا اس وقت سے اس پانی کو کھینچ رہا تھا تو ٹھیک دوپہر کو اٹھنا فورًا اثر قبول کرنا نہ تھا بلکہ چھ گھنٹے بعد عجب کہ دوپہر کامل جذب ہوا اور وہ بھی اس طرح کہ ہر لحہ پر پہلے سے قوی تر ہوتا جائے یہاں تک کہ نصف النہار پر غایت قوت پر آئے اور پانی کو اصلًا خبر نہ ہو جب جذب ضعیف پڑے اور آنًا فانًا زیادہ ضعیف ہوتا جائے تو گھنٹوں کے بعد اب اثر پیدا ہوا اور یہیں سے حدائق النجوم کے جواب کا رد ہو گیا کہ امتداد سبب اشتداد سبب سے زیادہ موثر ہے۔

اقول: ہاں گرمی کے سہ پہر کو دوپہر سے زیادہ گرمی ہوتی ہے جاڑے کی سحر کو شب سے زیادہ سردی ہوتی ہے مگر زیادت کا فرق ہوتا ہے نہ یہ کہ مدت مدید تک بڑھتا ہوا اشتداد امتداد رکھے اور اثر اصلًا نہ ہو جب وقتًا فوقتًا بڑھتے ہوئے ضعف کا امتداد ہو اس وقت آغاز اثر ہو یعنی جون، جولائی کی دوپہر کو اصلًا گرمی نہ ہو تیسرے پہر کو ہو۔ دسمبر، جنوری کی آدھی رات کو سردی نام کو نہ ہو سحر کے وقت ہو، ایسا الٹا اثر ہیئات جدیدہ میں ہوتا ہوگا۔

ثانیًا: محرک کی قوت اگر جسم پر غالب نہ ہو اصلًا حرکت نہ کرے گا، من بھر کے پتّھر میں رسّی باندھ کر

---

[1] ص ۲۶۶

ایک بچہ کھینچے کبھی نہ کھینچے گا اور اگر اس درجہ غالب ہو کہ اسے تاب مقاومت نہ ہو فوراً متحرک ہو گا مزاحمت کا اثر اصلاً ظاہر نہ ہو گا جیسے ایک مرد گیند کو کھینچے اور اسکی مقاومت اس کی قوت کے سامنے قیمت رکھتی ہے تو البتہ فوراً اثر نہ ہو گا اسے قوت بڑھانی پڑے گی زیادت قوت کے وقت اثر ہو گا نہ یہ کہ منتہائے قوت تک زور کرکے تھک جائے اور نہ ہلے اب کہ ضعیف زور رہ جائے اور لحظہ بہ لحظہ گھٹتا جائے تو اس گھٹی ہوئی قوت کو مانے۔ پانی کی مقاومت قمر کی قوت کے آگے اول تو قسم دوم کی ہونی چاہئے جو ساری زمین کو کھینچ لے جاتا ہے اس کے سامنے اتنا پانی ایسا کتنے پانی میں ہے کہ گھنٹوں نام کو نہ ہلے اور نہ سہی قسم سوم ہی مانئے تو انتہائے قوت کے وقت اثر ظاہر ہونا تھا نہ کہ تھک رہنے کے بعد مری ہوئی طاقت سے۔

ثالثاً: جب پانی اتنی مقاومت کرے واجب ہے کہ زمین اس سے بدرجہا زائد مزاحم ہو تو جس وقت پانی اثر لے زمین اس سے بہت دیر بعد متاثر ہو، اور اس طرف کے پانی کا اٹھنا خود نہ تھا بلکہ زمین کے اٹھنے سے تو واجب کہ ادھر کے پانی میں جب مد ہو ادھر کے پانی میں سکون ہو ادھر کے پانی میں مدتوں بعد جب زمین اثر مانے مد ہو اس وقت ادھر کے پانی میں کب کا ختم ہو چکا حالانکہ دونوں طرف ایک ساتھ ہوتا ہے۔

رابعًا: رات دن میں دو ۲ ہی مد ہوتے ہیں اب لازم کہ چار ہوں دو پانی کے اپنے اور دو جب زمین متاثر ہو کر اٹھے۔

خامسًا: جانب قمر میں چار ۴ مد ہوں اور طرف مقابل میں دو کہ باتباع زمین ہیں اور اس کے دو ہی تھے، غرض یہ لوگ اپنے اوہام بنانے کے لیے جو چاہیں منہ کھول دیتے ہیں۔ اس سے غرض نہیں کہ اوندھی پڑے یا سیدھی، اور پڑتی اوندھی ہی ہے۔ حیلہ دوم قعر دریا میں اور کناروں پر پانی کی حرکت بھی اثر جذب میں دیر کی معین ہوتی ہے۔

اقول: سمندر کے قعر میں پانی کی حرکت کیسی، سمندر میں نہروں کا ساڈھال نہیں، ولہذا دھار نہیں، نہ قعر میں ہوا ہے نہ اوپر کی ہوا کا اثر قعر تک پہنچتا ہے کیسی ہی آندھی ہو سو ۱۰۰ فٹ کے بعد پانی بالکل ساکن رہتا ہے [1] کناروں کی حرکت ہوا سے ہے جہاتِ اربعہ سے ایک جہت مثلاً مشرق کو حرکت قمر کی طرف حرکت صاعدہ کے لیے کیا منافی ہے کہ تاخیر اثر میں معین ہو گی دیکھو تمہارے نزدیک زمین مشرق کو جاتی ہے اور اسی آن میں جذب شمس سے مدار پر چڑھتی ہے دونوں حرکتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔

---

[1] تعریبات شافیہ جزء ثانی ص ۳۸۔ ۱۲۔

وجہ سوم: کشش ماہ سے مد ہوتا تو چھوٹے پانیوں میں کیوں نہیں ہوتا۔ چاند جس پانی کے سامنے آئے گا اسے کھینچے گا اس کے جواب میں اصول الہیأت نے تو ہتھیار ڈال دیئے، کہا یہ کسی مقامی سبب سے ہے۔

اقول: یہی کہنا تھا تو وہاں کہنا چاہیے تھا کہ جزر ومد کا کوئی مقامی سبب ہے جس کے سبب یہ قاہر ایراد نہ ہوتے۔ حدائق النجوم نے اس پر دو مہمل حیلے تراشے، یکم مد کے لیے اجزائے آب کا اختلاف چاہیے کہ بعض کو قمر کھینچے بعض کو نہیں تو جسے کھینچا وہ اٹھتا معلوم ہو یہ پانی چھوٹے ہیں قمر جب ان کی سمت الراس پر آتا ہے، سارے پانی کو ایک ساتھ کھینچتا ہے لہٰذا مد نہیں ہوتا۔

اقول: اولاً: جہالت ہے اگر سارا پانی ایک ساتھ اٹھے تو کیا اس کا بڑھنا اور کناروں پر پھیلنا اور پھر گھٹنا اور کناروں سے اتر جانا محسوس نہ ہوگا، عقل عجب چیز ہے۔

ثانیاً: تمھارے نزدیک تو قمر سارے کرہ زمین کو کھینچتا ہے نہ کہ بڑے سمندر میں ایک حصہ آب کو کھینچے باقی کو نہیں۔ کچھ بھی ٹھکانے کی کہتے ہو، حیلہ دوم قمر کی قوت تاثیر صرف اس وقت ہے کہ نصف النہار پر گزرے اور وہ تھوڑی دیر تک ہے یہ پانی کم پھیلے ہوئے ہیں ان کی سمت الراس سے قمر جلد گزر جاتا ہے لہٰذا اثر نہیں ہونے پاتا۔

اقول: بڑے سمندروں میں قمر سمت الراس پر بدرجہ اولٰی نہ ہوگا بلکہ مختلف حصوں پر مختلف وقتوں میں آئے گا اور ہر حصے سے اتنا ہی جلد گزر جائے گا جتنا جلد چھوٹے سمندروں سے گزرا تھا تو چاہیے کہیں بھی مد نہ ہو اور اگر قبل و بعد کے ترچھے خطوط پر جذب یہاں کام دے گا تو وہاں کیا نصف النہار سے گزر کر جذب نہیں ہوتا۔ طلوع سے غروب تک ترچھے خطوط پر برابر پانی کو جذب کرتا ہے تو سب میں مد لازم حتی کہ جھیلوں تالابوں بلکہ کٹورے کے پانی میں جب کہ طلوع قمر سے غروب تک کھلے میدان میں رکھا ہو۔

وجہ چہارم: سوائے وقت اجتماع و مقابلہ پانی پر نیرین کا گزر ہر روز جدا ہوتا ہے کیا آفتاب پانی کا جذب نہیں کرتا حالانکہ وہ حرارت اور یہ رطوبت ہے اور حرارت جاذب رطوبت ہے۔ شمس اگر بہ نسبت قمر بعید تر ہے تو دونوں کے مادے کی نسبت، تو دیکھو بعد شمس بعد قمر کا ۳۳ء ۳۷۳ ہی مثل ہے اور مادہ شمس تو مادہ قمر کا تقریباً ڈھائی کروڑ گناہ یا اس سے بھی زائد ہے [1] تو اسی حساب سے جذب شمس زائد ہونا تھا رات دن میں چار مد ہوتے ہیں دو قمر دو شمس سے، حالانکہ دو ہی ہوت ہیں، تو معلوم ہوا کہ جذب شمس نہیں

---

[1] اصول ہیئات ص ۲۹۴ میں ۲۴۴۹۰۷۴۴ کہا اور ص ۱۵۶ پر ۲۵۱۸۰۸۰۰ کہ ڈھائی کروڑ سے زائد ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

تو جذب قمر بالا والے نہیں اس کے دو جواب دئے گئے، یکم حدائق النجوم میں اس پر صرف وہی تفاوت بعد کا عذر سنا کر کہا پانی کو جذب شمس جذب قمر کا ۱۰/۳ ہے۔

اقول: اولاً: اس کا رد نفس تقریر سوال میں گزرا کہ بعد کی نسبت دیکھی مادوں کی تو دیکھو۔

ثانیاً: ۱۰/۳ ہی سہی جب بھی چار مدوں سے کدھر مفر، قمر سے دو بار ستر فٹ اٹھے شمس سے دوبارہ اکیس فٹ دوم اصول الھیأۃ میں اس پر وہ مہمل سا مہمل راگ گایا کہ تذکرہ کرتے بھی کاغذ کے حال پر رحم آئے کہ اسے کیوں سیاہ کیا جائے۔ کہتا ہے مد تو یوں ہوتا ہے کہ زمین کی دونوں جانب جاذبیت کا اثر پیش ہو جتنا تفاوت ہوگا مد زیادہ ہوگا بالعکس آفتاب کا زمین سے بعد قطر زمین کے گیارہ ہزار پانچسو سینتیس مثل ہے تو دونوں جانب کے پانیوں کا آفتاب سے بعد ۱/۷ ۱۱۵۳ کا فرق رکھے گا تو جذب دونوں طرف تقریباً برابر ہوگا۔ لیکن قمر کا زمین سے بعد قطر زمین کے تیس ہی مثل ہے لہٰذا دونوں طرف کا فرق ۱/۳۰ ہوگا تو جذب میں تفاوت بین ہوگا اور اسی پر مد کا توقف ہے اور بالآخر نتیجہ یہ دیا کہ قمر شمس: : ۲ /ا۔ ۲:۱

اقول: اولاً: موج مد کو تفاوت جذب جانبین ارض پر موقوف ماننا کیسا جہل شدید ہے، جب ایک جانب جذب ہو بداہۃً ارتفاع ہوگا خواہ دوسری جانب جذب اس سے کم یا زائد یا برابر ہو یا اصلًا نہ ہو۔

ثانیاً: اب بھی چار مد بدستور رہے قمر سے دو بار ستر فٹ اٹھے تو شمس سے دو بار اٹھائیس فٹ۔

وجہ پنجم: کہتے ہیں اجتماع یا مقابلہ نیرین کے وقت مد اعظم یوں ہوتا ہے کہ دونوں جذب معًا عمل کرتے ہیں۔

اقول: مقابلہ میں اثر واحد مقتضائے ہر دو جاذبہ نہ ہوگا بلکہ متضاد کہ ہر ایک اپنی طرف کھینچے گا اس کی صورتوں کی تفصیل اور نتائج کی تحصیل اور یہاں جو کچھ ہیأتِ جدیدہ نے کہا اس کی تقبیح و تذلیل موجب تطویل، سے جانے دیجئے مگر تصریح ہے کہ مد اعظم اجتماع و استقبال کے ڈیڑھ دن بعد ہوتا ہے وہاں تو پانی نے ۹ ہی گھنٹے اثر نہ لیا تھا یہاں ۳۶ گھنٹے ندارد، اگر اثر اجتماع دو جذب تھا وقت اجتماع پیدا ہوتا نہ کہ بارہ پہر گزار کر۔

وجہ ششم: یوں ہی تربعین میں بھی مد اقصر ۳۶ گھنٹے[1] بعد ہے۔

وجہ ہفتم: اقول: اگر یہ جذبِ قمر ہوتا تو ہمیشہ دائرۃ الارتفاع قمر کی سطح میں رہتا تو بحرین شمالی و جنوبی میں جن کا میل میل قمر سے زائد ہے جب قمر افق شرقی پر ہوتا مد جانب مشرق چلتا شمالی میں جنوب کو مائل، جنوبی

---

[1] ص ۳۷۳ ص ۱۵۹۔ ۱۲۔

میں شمال کو، پھر جتنا قمر مرتفع ہوتا شمالی کا جنوب جنوبی کا شمال کو مائل ہوجاتا۔ جب نصف النہار پر پہنچتا شمالی کا ٹھیک جنوبی جنوبی کا ٹھیک شمالی ہوجاتا، جب غرب کی طرف چلتا دونوں جانب غرب متوجہ ہوتے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ مد[1] کی حرکت مغرب سے مشرق کو مشاہدہ ہوتی ہے اس کی توجیہ[2] یہ کی جاتی ہے کہ مد سیر قمر کا اتباع کرتا ہے۔

اقول: مجذوب کو موضع جاذب کا اتباع لازم ہے اس کی طرف کھینچے، نہ یہ کہ چال میں اس کی نقل کرے، قمر اپنی سیر خاص سے جس میں رو بمشرق ہے دو گھنٹے میں کم و بیش ایک درجہ چلتا ہے اور اتنی ہی دیر میں زمیں تمہارے نزدیک ۳۰ درجے مشرق ہی کو چلتی ہیں تو ہر گھنٹے پر ساڑھے چودہ درجے مغرب کو پیچھے رہتا ہے تو مد کو لازم کہ جانب جاذب یعنی مشرق سے مغرب کو جائے نہ کہ اس کی چال کی نقل اتارنے کو اسے پیچھ کرکے اپنا منہ بھی مشرق کو لے کر جتنا چلے جاذب سے دور پڑے۔

وجہ **ہشتم: اقول:** موسمِ سرما میں صبح کا مد کیوں زیادہ بلند ہوتا ہے اور گرما میں شام کا، کیا سردی میں چاند صبح کو پانی سے زیادہ قریب ہوتا ہے شام کو دور ہوجاتا ہے، اور گرمی میں بالعکس۔

وجہ **نہم: اقول:** مد کی چال تجدد امثال سے ہے نہ یہ کہ وہی پانی جو یہاں اٹھا تھا کسی طرف منہ کرکے سطحِ آب کی سیر کرتا ہے اثر قمر سے سب اجزائے آب پر باری باری ہے تو سب متاثر ہوں گے نہ کہ ایک اثر لے کر دوڑتا پھرے باقی چپکے پڑے رہیں۔ اس کی نظیر سایہ ہے جب آدمی چلتا ہی دیکھنے والے کو گمان ہوتا ہے۔ کہ سایہ اس کے ساتھ چل رہا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ جب آدمی یہاں تھا، آفتاب یا چراغ سے یہ جگہ محجوب تھی۔ اس پر سایہ تھا جب آگے بڑھا، یہ جگہ حجاب میں نہ رہی یہ سایہ معدوم ہوگیا اب اگلی جگہ حجاب میں ہے اس پر سایہ پیدا ہوا، اسی طرح ہر جز حرکت پر ایک سایہ معدوم اور دوسرا حادث ہوتا ہے۔ سلسلہ پے درپے بلافصل ہونے سے گمان ہوتا ہے کہ وہی سایہ متحرک ہے یہی حال یہاں ہونا لازم تو اوقیانوس شمالی میں جہاں قمر پانی سے جنوب کو ہے ضرور ہے کہ پانی کا جنوبی حصہ پہلے اٹھے پھر جو اس سے شمالی ہے کہ اقرب فالاقرب کا سلسلہ بھی یہی ہے اور ہر قریب تر پر خطِ جذب بھی استقامت سے قریب ہے تو مد کی چال جنوب سے شمال کو ہو اور اسی دلیل سے اوقیانوس جنوبی میں شمال سے جنوب کو، حالانکہ ہوتا عکس ہے۔ شمالی[3] میں موج جنوب کو جاتی ہے جنوبی میں شمال کو۔

وجہ **دہم:** [4] مد کی چال بحر اطلانتک یعنی اوقیانوس غربی میں فی ساعت سات ۷۰۰ سو میل ہے۔

---

[1] ح ص ۷۔ ۲۰۔ ۱۲۔

[2] ح محل مذکور ۱۲۔

[3] ص ۷۔ ۲۲۔ ۱۲۔

[4] ص ۳۔۷۔۲۔ ۱۲۔

جزائر غربیہ وآئرلینڈ کے درمیان ۵۰۰ میل کہیں ۱۶۰ میل کہیں ۶۰ کہیں ۳۰ ہی میل جذب قمر میں یہ اختلاف کیوں، بالجملہ جذب قمر راست نہیں آتا، رہا دوران یعنی وجود وعدم میں دو شے کی معیت ایک کے لیے دوسری کی علیت پر دلیل نہیں نہ کہ بعدیت، ہاں ان مشاہدات سے اتنا خیال جائے گا کہ علت کو ان اوقات سے کچھ خصوصیت ہے اگر کہیے علت کیا ہے۔

اقول: اولاً: ہمارے نزدیک ہر حادث کی علت محض ارادۃ اللہ جل وعلا ہے مسببات کو جو اسباب سے مربوط فرمایا ہے سب کا جان لینا ہمیں کیا ضرور، بلکہ قطعًا نامقدور کون بتاسکتا ہے کہ سوزن مقناطیس کا جدیُّ الفرقد سے کیا ارتباط ہے، ابھی گزرا کہ اصول ہیأت میں بحیرات وانہار میں مدنہ ہونا سبب مجہول کی طرف نسبت کیا اسی طرح اماکن مختلفہ سے اختلاف مدت حدوث مدکو۔

ثانیًا: ہمارے یہاں تو ثابت ہی تھا کہ سمندر کے نیچے آگ ہے۔ قرآن عظیم نے فرمایا: "وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ۝۶"[1] (اور قسم ہے سلگائے ہوئے سمندر کی۔ت)

حدیث میں ہے: انّ تحت البحر نارًا۔[2] (بے شک سمندر کے نیچے آگ ہے۔ت)

ہیأت جدیدہ بھی اسے مانتی ہے ۱۰۵۶ء میں [3] بحرالکاہل سے دھواں نکلنا شروع ہوا اور مادہ آتشی کہ قعر دریا سے نکلا تھا مجتمع و منجمد ہو کر سطح آب پر بشکل جزیرہ ہوگیا اس میں سوراخ تھے جن سے ایسے شعلے نکلتے کہ دس میل تک روشن کرتے۔ طوفان آب کے اسباب سے ایک سبب [4] دریا کے اندر بخار و دخان پیدا ہونا ہے، ایسے ہی بخارات اندر سے آتے اور پانی کو اٹھاتے ہوں یہ مد ہوا جیسے جوش کرنے میں پانی اونچا ہوتا ہے ان کے منتشر ہونے پر پانی بیٹھتا ہو یہ جزر ہوا، جاڑوں میں صبح کا مد زیادہ ہونا بھی اس کا موید ہے سرما میں صبح کو تالابوں سے بکثرت بخارات نکلتے ہیں، کنویں کا پانی گرم ہوتا ہے، سطح ارض پر استیلائے برد کے سبب حرارت باطن کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور رات بڑی اس طویل عمل حرارت سے ادھر بخارات زیادہ اٹھے پانی میں زیادہ بلند ہونے کی استعداد آگئی "وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۙ۝۳۵"[5]۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۶

[2] المستدرک للحاکم کتاب الاھوال ان البحر ھو جھنم، دارالفکر بیروت، ۴/ ۵۹۶

[3] جغ ص ۲۶۔ ۱۲ جغ سے مراد جغمینی یا چغمینی ہے۔ عبدالنعیم عزیزی

[4] ح ص ۲۰۸ وغیرہ ۱۲

[5] القرآن الکریم ۵۲/ ۶

(۱۷) جاذبیت [1] مرکز سے نکل کر اس کے اطراف میں خط مستقیم پر پھیلتی اور مرکز [2] ہی کی طرف کھینچتی ہے۔

اقول: یہاں تک کہہ سکتے تھے کہ جاذبیت کا آغاز مرکز سے ہے، نہ یہ کہ مرکز ہی جاذب ہے مگر نمبر ۱۵ میں گزرا کہ حدائق میں مجذوب کا بعد مرکز زمین سے لیا اور اس کے اختلاف پر وزن گھٹایا یوں ہی اصول الہیات میں مرکز زمین سے بعد لیا اس کا مفاد یہ ہے کہ مرکز ہی جاذب ہے۔ لیکن **اولاً:** یہی لوگ قائل ہیں کہ ہر شیئ میں جذب ہے۔ **ثانیاً:** یہ کہ جذب بحسبِ مادہ جاذب ہے۔ (نمبر ۱۰) (مرکز میں اختلاف مادہ کہاں۔

ثالثاً: اختلاف کثافت سے اختلاف قوت مرکز قدر قرین قیاس تھی حجم کرہ، کا مرکز پر کیا اثر مگر بالعکس ہے۔ کثافت عطارد زمین سے زائد ہے مگر بوجہ صغر جاذبیت ۳/۵ کثافت [3] زمین شمس سے چوگنی ہے مگر جاذبیت ۱/ ۲۸ (نمبر ۱۵)

رابعاً: یہی کہتے ہیں جو زمین [4] کے اندر چلا جائے اس کے اوپر کے اجزائے زمین اسے اوپر کھینچیں گے اور نیچے کے نیچے کو اور خاص مرکز پر سب طرف کوشش اجزاء یکساں ہوگی اور یہی ان کے قواعد سے موافق تر ہے۔

(۱۸) ہوا [5]، پانی، مٹی سب مل کر ایک کرہ زمین ہے، یہ سب ثقیل ہیں، ہوا روئے زمین سے ۴۵ میل بلندی تک ہے اور اتنی بھاری [6] ہے کہ ایک انچ مربع جگہ پر اس کا بوجھ ۱۵ پونڈ ہے ہر میانہ [7] قد آدمی پر ۳۹۲ من کے قریب بوجھ ہے یہاں سے صرف ۳۷ میل بلندی تک ہوا [8] کا وزن ۰۰۰، ۰۰۰، ۰۰۰، ۱۴۴۹۸۴۰۰۰ من ہے یہ ہیات جدیدہ کے تخیلات ہیں ہمارے نزدیک عنصر چار ہیں نار و ہوا خفیف وطالب علم اور آب و خاک ثقیل وطالب سفل، ہیأت جدیدہ نے ثقل [9] ہوا پر یہ دلیل پیش کی کہ بوتل کو تولو پھر بذریعہ آلہ اسے ہوا سے خالی کرکے تولو۔ اب ہلکی ہوگی چھ انچ مکسر بوتل کا وزن ہوا نکال کر تولنے سے دو گرین ہے معتدل کی قید اس لیے کہ زیادہ گرمی سے ہوا رقیق ہو کر وزن گھٹ جائے گا۔ **اقول:** بلکہ تمہاری نافہمی، یہ ہوا کا وزن نہیں زمین سے قریب ہوا میں اجزائے ارضیہ اجزائے بخاریہ واجزائے دخانیہ وغیرہا مخلوط ہیں ان کا وزن ہے یہ تو ان کی دلیل کا ابطال ہوا۔ دعوے کی ابطال کی کیا ضرورت ہر شخص اپنے

---

[1] ح ص ۳۸۔ ۱۲

[2] ط ص ۱۱۴۔ ۱۲

[3] ص ص ۲۶۶۔ ۱۲

[4] ط ص ۸۳۔ ۱۲

[5] ح ص ۱۵۲۔ ۱۲

[6] ط ص ۱۳۴۔ ۱۲ اور ح میں ۱۵/ ۲۔ ۱۴ پونڈ کہا ۱۲ منہ غفرلہ

[7] ط ص ۱۱۔ ۱۲

[8] ص ص ۱۲۰۔ ۱۲

[9] ط ص ۱۳۴۔ ۱۲

وجدان سے جانتا ہے کہ اسے اپنے سر پر ماشہ بھر بھی بوجھ نہیں معلوم ہوتا نہ کہ ۳۹۲ من، انسان تو انسان ہاتھی کی بھی جان نہ تھی کہ اتنا بوجھ سہارے اور سہارنا کیسا محسوس تک نہ ہو، اس کے دو جواب [1] دیتے ہیں اول یہ کہ آدمی کے اندر بھی ہوا ہے باہر کی ہوا انسان کو دباتی اور اندر کی ہوا ابھارتی ہے یوں مساوات رہتی ہے اور بوجھ محسوس نہیں ہوتا۔ باہر کی ہوا نہ ہوتی تو اندر کی جسم کو چاک کرکے نکل جاتی، بیرونی ہوا کے دباؤ میں ضرر کی جگہ نفع دیا۔

اقول: اولاً: کہاں یہ جوفِ بشر کی دو چار ماشے ہوا اور کہاں وہ ۳۹۲ من پختہ کا انبار کچھ بھی عقل کی کہتے ہو، زمین کی نافریت اپنے تیرہ [۱۳] لاکھ گناہ آفتاب کی جاذبیت پر غالب آتی ہے۔ سب سیارے مل کر کہ چاند سے کروڑوں حصے زیادہ قوی ہوئے اسے کھینچتے ہیں اور وہ نہیں سرکتا۔ چاند کا جذب [2] اپنے سے مہا سنکھوں زائد جذب زمین پر غالب آکر پانی بلکہ خود سارے کُرہ زمین کو کھینچ لے جاتا ہے، دو ماشے ہوا چار سو من ہوا کا بوجھ برابر کرتی ہے کوئی بات بھی ٹھکانی کی ہے۔

ثانیاً: وہ اپنی بوتل کہاں بھلائی، جب ہوا سے خالی کر اندر کا اُبھار گیا اور اوپر سے منوں کا بوجھ، بوتل ٹوٹ کیوں نہ گئی، تمہارے تولنے کو کیوں باقی رہی۔

ثالثاً: اندر کی ہوا کیا بیرونی ہوا کی غیر جنس ہے اس میں دبانا اس میں اُبھارنا کیوں ہے۔

رابعاً: جب ہوا ثقیل ہے اندر کی بھی ثقیل ہے بلکہ آمیزش رطوبات سے ثقیل تر، ثقیل اپنے سے ہلکے کو ابھارتا ہے جسم انسانی ہوا سے کہیں بھاری ہے اسے ابھارنا کیا معنی! واجب تھا کہ اندر کی ہوا بھی جذب زمین سے متاثر ہو کر نیچے کو دباتی مگر اقرار کرتے ہو کہ اوپر کو ابھارتی ہے تو معلوم ہوا کہ جذبِ زمین بھی باطل اور ہوا کا ثقل بھی باطل، بلکہ وہ خفیف وطالب علو ہے۔

دوم یہ کہ ہوا کا یہ بوجھ اجزائے جسم پر مساوی تقسیم ہے لہذا محسوس نہیں ہوتا۔

اقول: اولاً: یہ عجیب منطق ہے کہ ایک طرف سے دباؤ تو بوجھ معلوم ہو اور سب طرف سے صدہا ان کے دباؤ میں پیسو تو رتی بھر بھی محسوس نہ ہو، ایک گولر کو صرف اوپر سے ہتھیلی رکھ کر دباؤ تو وہ پچک جائے گا اور مٹھی میں لے کر چاروں طرف سے دباؤ تو سرمہ ہو جائے گا۔

ثانیاً: مساوی تقسیم بھی غلط ہم نے اپنے محاسبات ہندسیہ میں ثابت کیا ہے کہ ہوا جسے کرہ بخار و عالم نسیم کہتے ہیں اس کا دل سر کی جانب صرف ۴۵ میل اور دہنے بائیں آگے پیچھے چھ سو میل کے قریب ہے

---

[1] ط ص ۱۳۲۔ ۱۲

[2] ان سب کا بیان فصل دوم میں آتا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

تو ایک طرف سے اگر ۳۹۲ من بوجھ ہے اور اطراف سے ۵۲۲۷ من ہے پھر مساوات کہاں۔

ثالثًا: سب اجزائے جسم پر تقسیم بھی غلط کھڑے ہونے میں تلووں پر ہوا کا کیا بوجھ ہے اور لیٹنے میں ایک جانب سر سے پاؤں تک کچھ نہیں۔

رابعًا: بالفرض سہی تو ایک انسان کے سر کی سطح بالا کہ نیم سطح بیضی کے قریب ہے کم وبیش اسی انچ ہے اور تمہارے نزدیک ایک انچ کی سطح پر ہوا کا بوجھ ۷/ ۱۰ سیر تو صرف سر پر ۱۵ من بوجھ ہوا یہ تو اور اجزاء پر تقسیم نہیں، کیا انسان کا سر ۱۵ من بوجھ اٹھا سکتا ہے، کیا وہ پس کر سرمہ نہ ہوجائے گا نہ کہ اصلًا محسوس تک ہو۔ اس جواب دوم کو پانی کی مثال سے واضح[1] کیا جاتا ہے کہ دیکھو دریا میں غوطہ لگاؤ تو صدہا من پانی اوپر ہے مگر بوجھ نہ معلوم ہوگا اس کی وہی وجہ ہے کہ سب طرف سے دباؤ مساوی تقسیم ہے۔

اقول: ہزار ہاتھ گہرے کنوئیں میں غوطہ لگا کر تہہ تک پہنچے جب بھی بوجھ محسوس نہ ہوگا حالانکہ سارا پانی سر ہی پر ہے کروٹوں پر صرف بالشت دو بالشت پاؤں پر کچھ نہیں تو وجہ یہ نہیں بلکہ وہ جس کی طرف ابھی ہم نے اشارہ کیا کہ ثقیل اپنے حیز میں اپنے سے ہلکے کو ابھارتا ہے جس[2] کا خود ہیات جدیدہ کو اعتراف ہے ولہذا غوطہ خور کو نیچے جانے میں پانی کے ساتھ زور کرنا پڑتا ہے اور اوپر بسہولت اٹھتا ہے۔ اور جو خود ابھارے اس کا دباؤ پڑنا کیا معنی، بخلاف ہوا کہ جسم انسان سے ہلکی ہے یہ اگر ثقیل ہوتی تو اس صدہا من بوجھ سے ضرور انسان کو پیس ڈالتی اگر کہیے زمین کے قریب ہوا میں ابھی تم نے بھی وزن تسلیم کیا پھر کچھ تو محسوس ہو۔

اقول: وہ اجزاء غبار وبخار ودخان وغیرہا نہایت باریک باریک ہوا میں متفرق ہیں تو انسان کے سر سے گنتی کے جز متصل ہوتے ہیں جن سے زیادہ گرد اڑ کر سر پر پڑنے میں ہوتے ہیں جن کا بار اصلاً محسوس نہیں ہوتا۔ ان دونوں جوابوں کی غلطی ظاہر ہوگئی۔

اقول: یہاں اور مباحث وانظار دقیقہ ہیں جن کی تفصیل موجبِ تطویل، نہ ہم کو ضرورت نہ دلیل ابطال کی حاجت کہ ہم ابطالِ دلیل کرچکے رد دعوے کو اسی قدر بس ہے کہ دعوی بے دلیل باطل وذلیل۔ رہا حقیقت ماننا اس کے لیے شہادت حس کافی ہے کہ کس قدر کثیر حجم کی سروں پر موجود ہے اور باز نہیں ڈالتی بلا دلیل اس شہادت کو غلط نہیں کہہ سکتے جیسے حسِ بصر میں اغلاط ہوتے ہیں مگر غلطی وہیں مانی جاتی ہے جہاں دلیل سے خلاف ثابت ہو بلا دلیل تغلیط حس سے امان اٹھا دینا ہے تو روشن ہوا کہ ہوا کو خفیف ہی کہا جائے گا اور اس کا ثقیل ماننا باطل۔

---

[1] ص ۱۳۲۔ ۱۲

[2] ط ص ۱۲۰۔ ۱۲

(۱۹) ہوائے تجارت یعنی مقامی ہوا کہ خطِ استوا میں ہمیشہ مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اور عرض شمالی میں شمال اور جنوبی میں جنوب سے خطِ استوا کی طرف مائل ہوتی ہے اور بحر احمر میں ہمیشہ سواحل عرب شریف کی موازات کا لحاظ رکھتی ہے اور تجارت کے لیے کمال نافع ہے اُس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ خط استوا[1] پر حرارتِ شمس زیادہ ہونے کی وجہ سے وہاں کی ہوا ہلکی ہو کر اوپر چڑھتی ہے اور قطبین کی ہوا تعدیل کے لیے یہاں آتی ہے خط استوا[2] پر حرکت زائد ہے کہ مدار بڑا ہے جتنی تیز حرکت یہاں ہے ہوا کہ طرفین سے اُتنی تیز حرکت نہ کرے گی تو اس کی گردش زمین کے برابر نہ ہوگی بلکہ زمین اس کے اندر گردش کرے گی اور مشرق کو زیادہ بڑھ جائے گی۔ ہوا مغرب کی طرف پیچھے رہ جائے گی لہٰذا خط استوا پر ہوا شرقی ہوگی یعنی مشرق سے مغرب کو جاتی معلوم ہوگی ہوا کہ قطبین سے خط استوا کی طرف تعدیل کے لیے چلی شمالی سیدھی جنوبی نہیں رہتی بلکہ جنوبی مغربی ہو جاتی ہے اور جنوبی سیدھی شمالی نہیں رہتی بلکہ شمالی مغربی[3] کہ وہ خط استوا کے قریب اتنی تیز رفتار نہیں کر سکتی تو زمین کا وہ حصہ نکل جائے گا اور شمالی ہوا کا رخ بجائے جنوب جنوب و مغرب اور جنوب کا بجائے شمال شمال و مغرب کو ہو جائے گا۔

اقول: تعدیل کیا واجب ہے اور خلا تمہارے نزدیک محال نہیں پھر ہوائیں کیوں الٹ پلٹ ہوتی ہے۔

(۲۰) زمین[4] اگر ابتدائے آفرنیش میں جامد ہوتی اور اپنے محور پر گھومتی تو خطِ استوا پر پانی کے سبب یکساں رہتی مگر پانی سیال تھا اور خطِ استوا پر حرکت سب سے زیادہ تو اسی طرف پانی کا ہجوم ہوتا اور قطبین جہاں حرکت نہیں پانی سے کھل جاتے لیکن ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ زمین ابتدا میں جامد نہ بنائی گئی۔

(۲۱) زمین خطِ استوا پر اونچی اور قطبین کے پاس چپٹی ہے۔ اس سے معلوم ہوا[5] کہ اول میں سیال ہی بنائی گئی تھی تیزی حرکت کے باعث خطِ استوا پر اس کے اجزاء زیادہ چڑھ گئے اور قطبین کے پاس کم ہوگئے۔ حدائق[6] میں ان دونوں مضمونوں کو یوں بیان کیا زمین کی محوری حرکت سے ضرور تھا کہ کرۂ آب شلجمی شکل ہوتا کہ حرکت مستدیرہ میں جسم لطیف مرکز سے متجاوز ہوگا اور جہاں تیزی حرکت ہے وہاں زیادہ جمع ہو کر شلجمی شکل ہو جائے گا اگر زمین ابتدا میں سخت ہوتی مواضع خط استوا غرقِ آب رہتے حالانکہ وہاں اکثر خشکی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ زمین خود ہی شلجمی ہے یعنی ابتدا میں سیال تھی حرکتِ محوری کے سبب یہ شکل ہو کر اس کے بعد منجمد ہوئی اور

---

[1] جغ ص ۹۔ ۱۲

[2] ط ص ۱۴۱۔ ۱۲

[3] جغ ص ۹۔ ۱۲

[4] ص ۱۰۵۔ ۱۲

[5] ط ص ۸۲ و ص ۱۰۵۔ ۱۲

[6] ح ص ۱۵۷۔ ۱۲

اسی کو شروع حدیقہ [1] سوم میں تمام سیّارات پر یوں ڈھالا کہ حرکتِ وضعیہ قطبین پر اصلاً نہیں ہوتی پھر بڑھتی جاتی ہے اور منطقہ پر سب سے زائد تیز ہوتی ہے اور طبیعات میں ثابت ہے کہ حرکت موجب حرارت جاذب رطوبات تو ضرور ہوا کہ قطبین سے اجزا منتقل ہو کر منطقہ پر جمع ہو جائیں اور قطر استوائی محور سے بڑا ہو اھ، یہ تقریر نافریت سے دور اور قبول سے نزدیک ہے اگر سیارات کا سیّال ہونا ثابت ہوتا۔

(۲۲) دونوں نقطہ اعتدال ہر سال مغرب کو ۲ء۵۰ ہٹتے جاتے ہیں اسے مبادرت اعتدالین کہتے ہیں، یہ ہٹنا صحیح ہے جس کی وجہ ہیأت قدیمہ میں فلک البروج کا برخلاف معدّل مشرق کو آنا ہے یہ نقطہ تقاطع مغرب میں رہ جاتا ہی اور اس کی جگہ دوسرا نقطہ قائم ہوتا ہے۔ لہٰذا نقطہ تقاطع معدل النہار سے شخصی ہے اور فلک البروج سے نوعی کہ منطقہ کی حرکت شرقی کے سبب معدل کے اُس پر نطقہ پر منطقہ کے مختلف نقطے آتے رہتے ہیں۔

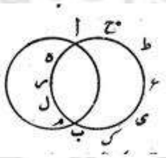

اح ب معدل النہار اء ب فلک البروج معدل کی حرکت کہ شرق سے غرب کو ہے اس میں تو منطقہ بھی اس کا تابع ہے اس سے کوئی تفاوت نہ ہوگا لیکن منطقہ اپنی ذاتی حرکت خفیفہ مغرب سے مشرق کو رکھتا ہے۔ اج تقاطع نقطتین اب پر ہے اب منطقہ کا نقطہ ا حرکت کرکے ہ پر آیا تو ضرور نقطہ ح کہ اس سے مغرب کو تھا اک جگہ آئے گا اب ح پر تقاطع ہوگا جو اسے مغرب کو تھا جب ح چل کر ہ کی جگہ آئے گا ط کہ اس سے مغربی ہے محل تقاطع پر آئے گا یونہی جب ا محل ہ پر آیا ضرور ہے کہ ب بڑھ کر ک کی جگہ آیا اور اب ء کہ اُس سے مغرب کو تھا ب کی جگہ تقاطع پر آیا جب یہ ک کی طرف بڑھا لنے کہ اس سے مغرب کو تھا تقاطع کیا یوں ہر روز تقاطع منطقہ کے عربی نقطوں پر منتقل رہے گا جس کی مقدار روزانہ تقریباً دس ثالثے بتائی گئی ہے کتنی صاف وجہ ہے جس پر عقلاً کچھ غبار نہیں لیکن ہیأۃ جدیدہ کو تو ہر چیز جاذبیت کے سر منڈھنی بنے خواہ نہ بنے اس کی وجہ [2] یہ بتائی ہے کہ زمین خط استوا پر پھولی ہوئی ہے تو شمس و قمر کا بہ نسبت اور اجزائے زمین کے اس چھلے پر بوجہ قرب جذب زائد ہے آفتاب اس کے ہر جز کو منطقہ البروج کی طرف کھینچتا ہے اور اور وہ جزء زمین کی حرکت محوری سے اُسی چھلے کے ساتھ جانا چاہتا ہے لاجرم دونوں سمتوں کے بیچ میں بڑھتا ہے اور سارا چھلا اسی کشمکش میں ہے لہٰذا منطقہ البروج سے تقاطع کے نقطے اب آگے مغرب کو پڑتے ہیں اور یہ فعل مستمر رہتا ہے مگر جب آفتاب نقطتین اعتدال پر ہو جیسے مارچ ستمبر میں کچھ دیر تو اتنی دیر البتہ یہ فعل

---

[1] ح ص ۹۷۔ ۱۲

[2] ص ۱۸۰ نیز ح ص ۱۷۲۔ ۱۲

باطل ہوگا کہ خط استوا یہاں خود ہی دائرۃ البرج سے متحد ہے تو ایک دوسرے کی طرف کھینچے گا کیا؟ اور سب سے زائد اس وقت ہوگا جب آفتاب مدارین میں ہو یعنی راس السرطان ور اس ابجدی پر اور اس میں بوجہ قرب قمر کا فعل شمس سے زائد ہے یعنی ۷/۳ اور چند سطر بعد کہا[1] تقریباً ۵ /۲ مجموع جذب نیرین سے اعتدالین ۴۱ء۵۰ ہر سال ہٹتے ہیں مگر اور سیاروں کی جاذبیت ان کے فعل کی ضد ہے وہ مبادرت کو ۲۱ء۰ گھٹاتی ہے لہٰذا ۲۰ء۵۰ رہتی ہے مبادرت کی تصویر یہ ہے۔

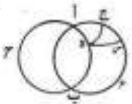

اب ء منطقہ پر محل شمس ہے وہ اح ب معدل کے مثلاً نقطہ ہ کو اپنی طرف جذب کرتا ہے لیکن وہ زمین کی حرکت محوری سے اسی دائرہ اح ب پر جانب اجانا چاہتا ہے دونوں تقاضوں کے تجاذب سے وہ نہ رکی طرف جائے گا نہ اکی، بلکہ دونوں کے بیچ میں ہو کر ح کی طرف بڑھے گا اور اب ا کی جگہ اور نقطہ کہ اس سے مغربی تھا نقطہ تقاطع ہو جائے گا۔

اقول: یعنی ہ کا ح کی طرف بڑھنا یوں تو نہ ہوگا کہ ہ چھلے سے نکل کر خط ہ ح پر بڑھ جائے بلکہ سارا ہی چھلا اس طرح بڑھے گا کہ ہ ادھر ر سے قریب ہو جائے اور ادھر ح سے تو ا اپنی اس جگہ سے باہر نکل جائے گا اور اس کی جگہ اس کے بعد کا نقطہ ح کی طرف قریب کے نقطہ سے مل کر تقاطع پیدا کرے گا ممکن نہیں کہ معدل کا وہی نقطہ ہٹ کر تقاطع کرے کہ ہ جذب کے سبب جست کرکے اونچا ہو گیا ہے تو یہاں اہ کے قابل فاصلہ نہ رہا، لاجرم آگے نکل گیا اور اس کے پیچھے کا نقطہ محل تقاطع ہوا اور اب یہ شکل ہوگی۔

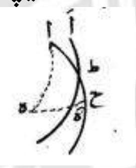

ا پہلے نطقہ تقاطع تھا جب ہ بڑھ کر ہ کی جگہ آیا خط استوا کا حصہ اہ اب حصہ ا ہ ہوا ا موضع تقاطع سے آگے نکل گیا اور تقاطع منطقہ کے نقطہ ا سے پیچھے ہٹ کر مغرب کو پڑا تو اب ط نقطہ تقاطع ہوا کہ ح سے بہ نسبت ر پہلے تقاطع کے قریب ہے تو اُن کے طور پر تقاطع دائرۃ البروج و معدل النہار یعنی خط استوا دونوں سے نوعی ہے اس کا نوعی ہونا تو ظاہر کہ تقاطع منطقے کے اجزائے غربیہ پر منتقل ہے اور اس کا یوں کہ اسے جاذبیت نے بڑھایا اور پہلے نقطے کو قائم نہ رہنے دیا ان کے طور پر غربیت کیوں ہوئی۔

اقول: اسے ہم اپنے طریقے پر توضیح کریں اگرچہ دو نصف بالائے افق و زیر افق کے اعتبار سے مشرق و مغرب کی تعبیر بدلتی ہے۔ ہمارا مشرق امریکہ کا مغرب ہے اور ہمارا مغرب اس کا مشرق، مگر توالی بروج متبدل نہیں اور وہ ہر جگہ مشرق سے مغرب کو ہے، حمل جہاں ہو ثور اس سے مشرق میں ہے۔ کہ اس کے بعد طالع و غارب ہوگا

---

[1] ص ۱۹۰ دونوں میں ۲۵/۱ کا فرق ہے ۱۲ منہ غفرلہ

اور حوت مغرب میں کہ پہلے یونہی ہر جگہ میزان سے عقرب شرقی اور سنبلہ غربی تو جو چیز توالی بروج پر انتقال کرے مثلاً حمل سے ثور میں آئے یا راس الحمل سے حمل کے دوسرے درجے میں وہ مغرب سے مشرق کو جاتی ہے اور جو چیز خلاف توالی متحرک ہو مثلاً حمل سے حوت کے ۳۰ سے ۲۹ میں وہ مشرق سے مغرب کو چلتی ہے اس شکل میں اگر ا مشرق پر راس الحمل ہے تو ضرور اط ح ر الخ حوت، دلو، جدی الخ ہیں خواہ ار قوس بالائے افق ہو کہ یہ اس سے پہلے طلوع کرتے ہیں یا قوس زیر اُفق کہ اب اکہ ادھر کا مشرق ہی ہمارا مغرب ہے اور حوت دلو جدی الخ اس سے پہلے غروب کرتے ہیں اور اگر مشرق پر راس المیزان ہے تو ضرور بوجہ مذکور دونوں صورتوں میں اط ح ر الخ سنبلہ اسد سرطان الخ ہیں اب کہ اکی جگہ ط نقطہ تقاطع ہوا۔ پہلے صورت میں راس الحمل اپنی جگہ سے ہٹ کر حوت سابق کا کوئی حصہ راس الحمل ٹھہرا اور دوسری صورت میں راس المیزن ہٹ کر سنبلہ سابقہ کا کوئی نقطہ راس المیزان ہوا بہر حال نقطہ اعتدال خلاف توالی پر بڑھا تو مغرب کو ہٹا۔ وھوالمقصود۔

تم سمجھے کہ یوں جاذبیت کے ہاتھوں مبادرت بن گئی اب رد سُنیے:

فاقول: اولاً: ایک سہل سوال تو پہلے یہی ہے کہ شمس کا جذب صرف خط عمود پر نہیں بلکہ تمام اجزائے مقابلہ پر ہے اگرچہ موقع عمود پر زائد، اور ظاہر ہے کہ چھلے کے اجزاء اگرچہ ایک سمت میں نہیں کہ قوس کے ٹکڑے ہیں مگر انکی سمتیں قوس انتظام میں منتظم ہیں ان پر جذب کے جو خطوط آئیں گے ان کی سمتوں کا اختلاف اور رنگ کا ہوگا اور مختلف زاویے بناتے آئیں گے ہر جز اپنے زاویے کے بیچ میں نکلے گا جو قوسی انتظام میں منتظم نہیں تو کیا وجہ کہ اجزاء متفرق نہ ہو جائیں اس کا ثبوت تمہارے ذمہ ہے کہ ان کا نکلنا ایسے ہی تناسب پر ہوگا کہ چھلا بدستوار برقرار رہے۔

ثانیاً: جب عمود و منحرف کا بھی فرق اور قرب بھی مختلف، لاجرم جذب مختلف تو نافریت مختلف تو چال مختلف تو اجزاء متفرق اور چھلا منتشر۔

ثالثاً: وسط کے جز پر سب سے زیادہ جذب ہے اور دونوں پہلوؤں پر بتدریج متناقص تو واجب کہ چھلے کا جزء، اوسط سب سے زیادہ اپنے محل سابق سے تجاوز کرے اور دونوں طرف کے اجزاء اخیر تک بترتیب کم تو موضع تقاطع کے دونوں جز اپنے محل سابق سے بہت کم ہٹے ہوں اور باقی کا بعد بڑھتا جائے یہاں تک کہ جز اوسط سب سے زیادہ اپنی پہلی جگہ سے دور ہو جائے مگر یہاں یہ ناممکن بلکہ اس کا عکس واجب کہ جب دونوں دائروں کا نقطہ تقاطع پیچھے ہٹا ہے تو خط استوا کی اب جو وضع ہوگی وہ پہلی وضع سے قطعاً وسط میں متقاطع ہوگی۔

مثلاً ا راس الحمل ب راس المیزان تھا اب راس الحمل ح پر ہوا تو واجب کہ راس المیزان ء پر ہو ح ء کو وصل کرنے والی قوس یقیناً قوس سابق اب سے وسط میں تقاطع کرے گی تو ثابت کہ محل تقاطع کے اجزاء اپنی جگہ سے بہت زیادہ ہٹے اور پھر بعد گھٹتا گیا، یہاں تک کہ وسط پر اصلاً نہ رہا بالکل اس کا عکس جو جاذبیت کا مقتضٰی تھا تو جاذبیت سے مبادرت ماننا جہل محض ہے۔

رابعًا: جذب نیرین کا اثر ہمیشہ متوافق ماننا جزاف ہے بلکہ کبھی متوافق ہوگا جیسے اجتماع میں اور اس وقت مبادرت بہت سریع ہونا چاہیے کہ دسویں حصے ایک طرف کھینچ رہے ہیں اور کبھی متخالف ہوگا کبھی متعارض، جیسے اس شکل میں

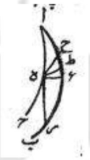

اب منطقہ اح، خط استواء شمس ر قمر نقطہ ۃ خط اہ پر جانا چاہتا ہے اور شمس اسے ء ہ پر کھینچتا ہے تو اس کا مقتضٰی خط ہ ح پر جانا ہوگا اور قمر ر ہ پر کشش کرتا ہے اس کا مقتضٰی خط ہ ط پر جانا ہوگا۔ اب اگر بعد قمر سے کمی جذب اس نسبت ۱/۷ ۳ سے جو ان کے جذبوں میں ہے زائد ہے قمر کا اثر ضعیف ہوگا کم ہے شمس کا اثر سست ہوگا برابر ہے تو دونوں اثر مساوی ہوں گے بہر حال اس پر تین مختلف اثر ہیں بحال تعارض اگر جذب نیرین ساقط ہو سیدھا اہ پر جائے گا مبادرت ہوگی ہی نہیں بحال تخالف اگر سست معتد بہ نہ رہے اگر وہ اثرِ شمس ہے ہ ط پر جائے اور اثر قمر تو ہ ح پر ورنہ ان تینوں کے سوا چوتھا خط نکالے گا بہر طور مبادرت کی چال ہر گز منتظم نہ ہوگی حالانکہ باتفاق ارصاد منتظم ہے۔

خامسًا: جاذبیت دیگر سیارات کا مبادرت کو گھٹانا یونہی ہو سکتا ہے کہ نیرین اعتدالین کو جانبِ غرب بڑھاتے اور یہ جانب شرق چھینکتے یا مطلقاً حرکت سے روکتے ہوں، ثانی تو بداہۃً باطل کو روکنا کار جاذبیت نہیں اور اوّل یعنی تقاطع کا کسی ایسے نقطہ منطقہ پر لے جانا جو پہلے نقطے سے مشرق کو ہو اسی حالت میں متصور

کہ وہ نصف شمالی میں خط استوا سے جنوب کو ہوں یا نصف جنوبی میں شمال کو کہ اس صورت میں سیارہ ء معدل کے نقطہ ہ کو اپنی طرف کھینچے گا اور وہ ا کی طرف جانا چاہے گا اور خط ہ ح پر نکل کر منطقہ سے دور ہوگا اور ا کے بدلے ر پر تقاطع ہوگا جو ہمارے بیان سابق کے مطابق توالی بروج پر ا کے آگے اور اس سے شرقی ہے سیارات میں ایسا نہیں نصف شمالی میں ان کا میل شمالی اور جنوبی میں جنوبی ہوتا ہے اور بر عکس بھی ہو تو نادر تو اکثر اوقات سیارات اس میں نیرین کے

موافق ہی ہوں گے نہ کہ صد نقطہ خط استوا کے آگے بڑھنے میں کچھ رکاوٹ پیدا کرنا مبادرت کو غربی سے شرقی کرنا نہ چاہے گا کہ وہ منطقہ سے قریب ہوتا ہوا جتنا بھی بڑھے بہر حال مبادرت غربیہ ہوگی۔

سادساً: فرض کیجئے کہ یہ نادر نہیں تو ہمیشہ کے لیے ہمیشہ عکس ہی لازم کہ نصف شمالی میں اُن کا میل دائما جنوبی ہو، اور جنوبی میں دائماً شمالی، اور یہ قطعاً باطل۔

سابعاً: قرب قمر سے اس کی جاذبیت اقویٰ ہونے کا رَد ابحاث مد کی وجہ چہارم میں گزرا۔

ثامناً: مدارین پر عمل اقویٰ ہونا عجیب ہے یعنی غایت بعد پر جذب اقویٰ اور جتنا قرب ہوتا جائے اضعف۔

تاسعاً: حلقہ استوائی کا بوجہ ارتفاع اقرب ماننا بھی عجیب ہے ایسا کتنا فرق ارتفاع ہے قطب سے خط استوا تک تقریباً[1] ۱۳ ہی میل کا تو فرق ہے اور مدار سے خطِ استوا تک ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے ہیں کہ ۲ کروڑ ۸۳ لاکھ میل سے زیادہ ہوئے شمس جب مدارین میں ہوگا قریب کے مداروں کو کھینچے گا یا پونے تین کروڑ میل سے زائد بیچ میں چھوڑ کر صرف ۱۳ میل بلندی کو جا پکڑے گا۔

عاشراً: اب واجب ہے کہ جب شمس مدار صیفی میں ہو تمام مدارات کہ اُس سے جانب جنوب ہیں شمالی ہوں خواہ جنوبی مع خطِ استوا سب کو جانبِ شمال کھینچے اور باقی تمام مدارات یعنی قطب شمالی تک انکے موازی دائروں کو جانب جنوب، یوں ہی جس مدار پر منتقل ہو اسے چھوڑ کر اس سے شمالیوں کو جنوب اور جنوبیوں کو شمال کو طرف جذب کرے یہاں تک کہ خط استوا پر آئے اب اسے چھوڑ کر تمام شمالیات کو جنوب اور جمیع جنوبیات کو شمال کی طرف لائے جب اس سے جنوب کو چلے سب شمالیات وخط استوا کو جانب جنوب کشش کرے باقی کو جانب شمال غرض نہ خط استوا بلکہ زمین کا ہر چھلا اس کے موازی ہے جانب شمس کھینچے مدار صیفی سے باہر جتنے چھلے ہیں سب ہمیشہ جنوب کو بڑھیں اور مدار شتوی سے جتنے باہر ہیں سب ہمیشہ شمال کو تو زمین قطبین پر سے روز بروز خالی ہوتی جائے اور مدارین کے اندر چھلے ہیں وہ ہمیشہ بر و دمات میں رہیں کبھی جنوب کو ہٹیں کبھی شمال کو، دیکھو کیا اچھی مبادرت اعتدالین بنی۔

حادی عشر: خط استوا پر فعل باطل ہونے کے کیا معنی، اب منطقہ کی طرف نہ کھینچے اپنی طرف تو کھینچے گا تو لازم کہ تقاطع کا نقطہ تقاطع چھوڑ کر نہ صرف آگے بڑھے بلکہ اونچا ہو جائے۔

ثانی عشر: یہ اپنی طرف کھینچنا خطِ استوا ہی پر نہیں بلکہ ہر مدار پر ہوگا دن کو ادھر کے نقطے کو اونچا

---

[1] ص ۱۱۲۔ ۱۲ وغیرہ

کرے گا رات کو ادھر کے نقطے کو تو لازم کہ مابین المدارین زمین بہت اونچی ہو جاتی اور قطر استوائی پر سال زیادہ ہوتا جاتا اور شکل زمین بمرورِ زماں یہ ہوتی۔ یہ ہے تمہاری جاذبیت اور اس کے ہاتھوں نظم مبادرت۔

(۲۳) میل کلی ہمیشہ کم ہوتا جاتا ہے زمانہ اقلیدس میں ۲۴ درجے تھا اس لیے اس نے مقالہ رابعہ میں دائرے میں ۱۵ ضلع کی شکل بنانے کا طریقہ لکھا اور اب ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے ہے اس کی وجہ[1] بھی وہی بتائی کہ آفتاب خط استواء کے چھلے کو منطقہ کی طرف کھینچتا ہی اصول الہیأۃ میں اس پر یہ طرہ بڑھایا کہ نصف چھلے کو جو آفتاب سے قریب ہے منطقہ سے نزدیک ہوتا ہے اور دوسرے نصف کو دور مگر اس کی دوری اس کی نزدیکی سے کم ہے لہٰذا اقرب ہی بڑھتا ہے اور پھر گھٹے گا بھی ان نصفوں میں فاصل وہ خط ہے کہ دونوں نقطہ اعتدال میں واصل ہے وہ اس دوری کا محور ہے۔[2]

اقول اولاً: جب دو ۲عظیمے مثلاً ار ب، اح ب متقاطع ہوں اور اُن کا تقاطع نہ ہوگا مگر نصف پر ہر نصف منتصف پر، ان میں غایت بعد ہوگا جسے میل کلی وبعدِ اعظم کہتے ہیں جیسے ح ء، ہ ر) اور یہ قوس اس زاویہ ایاب کا قیاس ہوگی اور بداہۃً دونوں زاویے اح ء، ہ ار متساوی ہیں تو وجوباً ح ء، ہ ر دونوں قوسین برابر ہیں تو محال ہے کہ ایک نصف مثلاً اح ب کو اء ب سے قریب کرے اور دوسرے نصف اہ ب کو ار ب سے بعید بلکہ جتنا ایک ادھر کے نصف سے قریب ہوگا وجوباً اُتنا ہی دوسرا نصف دوسرے نصف سے قریب تر ہو جائے گا ورنہ دائرے کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔

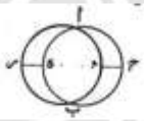

ثانیاً: اس قریب وبعید کرنے میں تفاوت کے کیا معنے!

ثالثاً: چھلے کے دونوں نصف ہر روز آفتاب سے قُرب وبعد بدلتے ہیں دن کو جو نصف قریب ہے شب کو بعید ہوگا وبالعکس تو دن کا عمل رات میں باطل، رات کا عمل دن میں زائل، اور سال بسال میل کی کمی غیر حاصل۔

رابعاً: کیا دلیل ہے کہ عمل کبھی ایک زمانے کے بعد منعکس ہوگا اور میل کہ گھٹتا جاتا ہے، پھر بڑھنے لگے گا یا جو منہ پر آیا دعوٰی کر ڈالا یہاں تک کہ لکھ دیا کہ ابداً آباد تک یونہی کبھی گھٹتا کبھی بڑھتا رہے گا۔

---

[1] ص ۱۸۶ وص ۱۹۰ نیز ح ص ۱۷۶۔

[2] ص ۱۵۸۔ ۱۲۔

خامسًا: کبوٴ مبادرت دونوں متلازم اور ایک علت کے معاذل ہیں جب کبوء منعکس ہوگا اور میل بڑھے گا ضرور خطِ استوا منطقہ سے دور ہوتا جائے گا اور تقاطع غرب سے شرق کو آئے گا کبھی ایسا سنا یا قدیم وجدید میں کسی کا ایسا زعم ہوا یا تحکمات بے سروپا ہی کا نام تحقیق جدید ہے۔

(۲۴) مرکز شمس تحت حقیقی ہے جو اس سے قریب ہے نیچے ہے اور بعید اوپر۔

اقول: یہ مضمون ہیاتِ جدیدہ سے بوجوہ ثابت:

اولًا: صاف تصریح کہ شمس[1] ہی ثقیل حقیقی ہے باقی سب اضافی، ہر ایک بقدر اپنے ثقل کے مرکز شمس سے قُرب چاہتا ہے اور اس سے زیادہ قُرب سے بھاگتا ہے مع اس اقرار[2] کے ثقل کا کام جانب زیریں کھینچنا ہے تو روشن ہوا کہ مرکز شمس ہی تحت حقیقی ہے۔

ثانیًا: ہماری طرف یہ بھی زہرہ وعطارد کو سفلیین اور مریخ ومافوقہ کو علویات کہتے ہیں ہمارے طور پر تو اس کی وجہ صحیح وظاہر ہے کہ مرکز زمین تحت حقیقی ہے زہرہ عطارد اُس سے قریب ہیں اگرچہ اپنے بعد ابعد پر ہوں اور مریخ ومافوقہ بعید اگرچہ بعد اقرب پر ہوں لیکن ان کے طور پر یہ نہیں بنتی کہ ہیات جدیدہ کے زعم میں بارہا مریخ زمین سے قریب اور زہرہ وعطارد دور ہوتے ہیں زیجات سنویہ یعنی المکنون میں دیکھئے گا کہ جابجا کتنے کتنے دن زمین سے بعد مریخ کے لوگارثم میں عدد صحیح ۹ ہے کہ کسر محض ہوئی اور زہرہ وعطارد میں صفر کہ احاد صحاح کا مرتبہ ہوا۔ سب میں زیادہ تفاوت کا مقام وہ ہے کہ دونوں شمس کے ساتھ قران اعلیٰ میں ہوں اور مریخ مقابلے میں

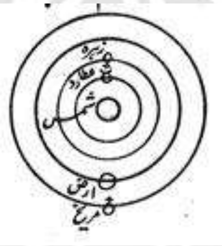

اس صورت پر ظاہر ہے کہ اس وقت مریخ زمین سے قریب ہوگا اور زہرہ وعطارد دور ہیات جدیدہ نے اس وقت زمین سے عطارد کا بعد اعظم ۱۳۵۶۳۱۰۴۹ تیرہ کروڑ میل سے زائد اور زہرہ کا ۱۵۹۵۵۱۴۳۶ سولہ کروڑ میل کے قریب اور مریخ کا بعد اقل ۲۶۳۸۸۹۸۵ کہ پونے تین کروڑ میل بھی نہیں تو اگر مرکز زمین تحت حقیقی ہو تو لازم کہ بارہا مریخ نیچا اور زہرہ وعطارد اوپر ہوں، حالانکہ ایسا نہیں، لاجرم مرکز شمس کو تحت حقیقی لیا کہ زہرہ وعطارد وہمیشہ اس سے قریب ہیں اور مریخ بعید۔

ثالثًا: صاف تصریح[3] ہے کہ زہرہ وعطارد کا مدار مدارِ زمین کے اندر ہونے کے سبب ان کو سفلیین

[1] ح ص ۲۹۔ ۱۲

[2] ح ص ۳۴

[3] ص ۴۷ ح ص ۹۶۔ ۱۲

کہتے ہیں اور مریخ وغیرہ کا مدار مدارِارض سے باہر ہونے کے باعث اُن کو علویات، ظاہر ہے کہ یہ علو و سفل اضافی ہیں یعنی زہرہ وعطارد کا مدار اندر ہونے کے سبب تحت حقیقی سے بہ نسبت مدارارض نزدیک تر ہے اور مریخ وغیرہ کا دور تر کھل گیا کہ اُن کے نزدیک مرکز شمس ہی تحت حقیقی ہے یہ ہیاتِ جدیدہ اور اس کی تحقیقات ندیدہ تمام عقلائے عالم کے خلاف اس نمبر کا پورا مزہ فصل سوم میں کھلے گا ان شاء اللہ تعالٰی۔

(۲۵) خلا ممکن بلکہ واقع ہے بذریعہ آلہ کسی ظرف یا مکان کو ہوا سے بالکل خالی کرلیتے ہیں۔

اقول: یہ ان کا مزعوم جا بجا ہے، آلہ ایئر پمپ کا ذکر نمبر ۱۸ میں گزرا، فلسفہ قدیمہ خلا کو محال مانتا ہے۔ ہمارے نزدیک وہ ممکن ہے مگر زرّاقات عــہ وسرّاقات وغیرہا کی شہادت سے عادۃً محال اور ہوا بہت متخلخل جسم ہے کیا دلیل ہے کہ بذریعہ آلہ بالکل نکل جاتی ہے جزو قلیل متخلخل ہو کر سارے مکان کو بھر دیتا ہے جو بوجہ قلّت قابلِ احساس نہیں ہوتا۔ نیوٹن [1] نے لکھا اگر زمین کو اتنا دباتے کہ مسام بالکل نہ رہتے تو انکی مساحت ایک انچ مکعب سے زیادہ نہ ہوتی جب یہ عظیم کرہ جس کی مساحت [2] دو کھرب انسٹھ ارب تینتالیس کروڑ چھیانوے لاکھ ساٹھ ہزا

عــہ: زرّاقہ پچکاری، سرّاقہ نیچورا۔ اس کا تنگ منہ اور نیچے باریک سوراخ پانی بھر کر اوپر انگوٹھی سے دبالو پانی نیچے نہ گرے گا کہ ہوا کے جانے کی کوئی جگہ نہ ہوگی پانی گرے تو خلا لازم آئے، انگوٹھا اٹھالو تو اب گرے گا کہ نیچے سے جتنا پانی نکلے گا اوپر سے اُتنی ہوا داخل ہوگی، ڈاٹ پچکاری کے نتھنے تک دبا کر پانی پر رکھ کر کھینچو پانی چڑھ آئے گا کہ ڈاٹ کے نکلنے سے جگہ خالی ہوگی اس خلا کو بھرے اور جب پانی بھر جائے اور ڈاٹ سے منہ بند ہو جھکانے سے پانی نہ گرے گا جیسے نیچوری سے نہ گرتا تھا کہ خلا نہ لازم آئے، مدت ہوئی میں ایک مشہور طبیب کے یہاں مدعو تھا گرمی کا موسم تھا حقّہ بھر کر آیا نَے خشک تھی دھواں نہ دیا میں نے اسے کہا تازہ کرواب دھواں دینے لگا میں نے حکیم صاحب سے وجہ پوچھی کچھ نہ بتائی میں نے کہا جب نَے خشک تھی مسام کھلے ہوئے تھے، پینے کے جذب سے جتنی ہوا نَے کے اندر سے منہ میں آتی اس کے قریب باہر کی ہوا مسام کے ذریعے سے نَے کے اندر آجاتی جگہ بھر جاتی اور دھوئیں تک جذب کا اثر نہ پہنچا تازہ کرنے سے مسام بند ہوگئے اندر کی ہوا پینے سے کھینچی اور باہر کی آنہ سکی لاجرم خلا بھرنے کو دھواں نے میں آیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] ط ص ۲۱۔ ۱۲۔

[2] ص ۲۶۶ میں اس سے بھی زائد بتائی دو کھرب ساٹھ ارب اکسٹھ کروڑ تیس لاکھ میل مگر ہم نے مقررات جدیدہ پر حساب کیا تو اُسی قدر آئی ہم نے اپنے رسالہ الھنئی النمیر فــ میں ذکر کیا ہے کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

ف: رسالہ الھنئی النمیر فی الماء المستدیر فتاوی رضویہ جلد ۲ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور میں ہے۔

میل ہے دب کر ایک انچ رہ جاتا تو ہوا کہ اس سے کثافت میں ہزاروں درجے کم ہے کیا ایک تل بھر پھیل کر کروڑوں مکانوں کو نہ بھر سکے گی۔

تنبیہ لطیف: اقول: اہل انصاف دیکھیں سردار ہیأت جدیدہ نیوٹن نے کیسی صریح خارج از عقل بات کہی کرہ زمین اگر دب کر ایک انچ مکعب رہ جائے تو۔

اولًا یہ سارا کُرہ کہ کھربوں میل میں پھیلا ہوا ہے صرف ایک لاکھ دس ہزار پانچ سو بانوے (۱۱۰۵۹۲)، ذروں کا مجموعہ ہو، ہر ذرہ بال کی نوک کے برابر اس لیے کہ گز اڑتالیس انگل ہے، ہر انگل ۶ جو، ہر جو دم اسپ ترکی کے ۶ بال، تو گز ۱۷۲۸ بال کی نوک ہے اسے ۳۶ پر تقسیم کیے سے انچ میں ۴۸ بال ہوئے تو زمین کہ صرف ایک انچ مکعب کے لائق ہے ۱۱۰۵۹۲ ذروں کا ہی مجموعہ ہوئی یہ کیسا کھلا باطل ہے، اتنے ذرے تو اب ایک انچ مکعب مٹی میں ہوں گے باقی کھربوں میل کا پھیلاؤ کدھر گیا، یوں نہ ظاہر ہو تو ایک خط میں دیکھ لیجئے جب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لو قطر + ۱۴۹۹ء۴۹۷۱ء۰ = لو محیط، اور اصول الہندسہ مقالہ ۷ شکل ۱۰ میں ہے کہ سطح قطر و محیط دائرہ عظیمہ سطح کرہ، اور اسی کی شکل ۱۴ میں ہے کہ سطح کرہ/۶ x قطر = مساحت جرم کرہ لہٰذا لوگارثم مذکور سے ۶ کا لوگارثم ۷۷۸۱۵۱۳ء۰ کم کرکے سہ چند لوگارثم قطر میں شامل کیا ۳ لو قطر + ۱۸۹۹۸۶ء۱ = لو مساحت کرہ ہوا، تفتیش تازہ ترین زمین کا قطر معدل ۷۹۱۳ء۰۸۶ میل ہے۔ لو ۸۹۸۳۴۵۹ء۳ x۳ = ۶۹۵۰۳۷۷ء۱۱ + ۱۸۹۹۸۶ء۱ = ۴۱۴۰۳۶۳ء۱۱ عدد ۲۵۹۴۳۹۶۶۰۰۰۰ وھو المطلوب ۱۲ منہ غفرلہ)

نوٹ: ہمارا یہ طریقہ مختصر ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے رسالہ مذکورہ میں بیان کیا کہ وہ لو قطر + ۸۹۵۰۸۹۹ء۱ = لو مساحت دائرہ پھر ۳/۲ مساحت دائرہ عظیمہ x قطر = مساحتِ کرہ اس لیے کہ اصول الہندسہ مقالہ ۴ شکل ۱۲۔ میں ثابت ہوا ہے کہ ربع مسطح قطر و محیط = مساحت دائرہ ہے اور مقالہ بہ شکل ۱۰ میں ہے کہ مسطح قطر و محیط دائرہ عظیمہ = مساحت سطح کرہ تو سطح کرہ چار مثل سطح عظیمہ ہوئی اور اس کا مسدس x قطر = مطلوب: : ۸۹۵۰۸۹۹ء۱ میں ۲ کا لو ۳۰۱۰۳۰۰ء جمع اور ۳ کا لو ۴۷۷۱۲۱۳ء۰ تفریق کرہ خواہ ۴ کا لو ۶۰۲۰۶۰۰ء۰ جمع اور ۶ کا لو ۷۷۸۱۵۱۳ء۰ = تفریق کرو، بہر حال حاصل ۱۸۹۹۸۶ء۱ ہے، ۲ لو قطر پہلے تھا اور ایک اب بڑھا لہٰذا ۳ لو قطر ہوا ۱۲ منہ غفرلہ۔

کرہ زمین ایک انچ ہوتا اس کا قطر تقریبًا سوا انچ ہوتا یعنی عـــہ ۲۴۰۷۰۰۹ء ۱جس میں بال کی نوک کے برابر ذرے صرف ۵۵۳۶۴۵ء۵۹ ہوسکتے پورے ساٹھ سمجھئے، بس یہ کائنات قطر زمین کی ہوتی اور اب ایک انچ طول کی خاک میں گن لیجئے اتنے ذرے فی الحال موجود ہیں تو باقی ۸ ہزار میل کا خط کہاں سے بنا۔

ثانیًا جب قطر میں ۶۰ ہی ذرے ہوئے اور وہ ہے ۱۲۰ درجے اور زمین کا درجہ قطریہ ۶۶ میل کے قریب ہے یعنی ۶۵ء۹۴۳۳ میل کے نصف قطر معدل ۳۹۵۶ء۵۴۳ میل ہے تو سب اُس سمٹنے کے بعد پھیل کر حالت موجودہ پر آتی ہر ذرہ دوسرے سے ۱۳۲ میل کے فاصلے پر ہوتا تو زمین محسوس ہی نہ ہوسکتی۔

ثالثًا اگر بفرض غلط یہ منزلوں کے فاصلے پر ایک ایک ذرہ دوسرے سے جدا نظر بھی آتا تو کوئی مجنون ہی اسے جسم واحد گمان کرتا۔

رابعًا زمین پر انسان حیوان کا بسنا چلنا درکنار، کوئی مکان تعمیر ہونا محال ہوتا کہ ہر ذرے کے بیچ میں ۱۳۲ میل کا خلا ہے۔

خامسًا اگر لوگ ہوا میں معلق بستے بھی تو امریکہ کے ہندوستان سے دکھائی دیتے اور ہندوستان کے امریکہ سے، اور شمس و قمر کو کواکب کا طلوع غروب سب باطل ہوتا کہ منزلوں کے خلا میں متفرق ذرے کیا حاجب ہوتے۔ یہ سب حالتیں زمین کی حالت موجودہ میں لازم ہیں کہ یہ وہی حالت تو ہے جو سمٹ کر پھیلنے کے بعد ہوتی۔ سمٹنے سے اجزاء کم و بیش نہیں ہوجاتے تو اب بھی قطرِ زمین وہی ۶۰ ذرے بھر ہے اور سارے کُرے

عـــہ: اس لیے کہ بحکم تعکیس لو مساحت کرہ۔ ۱٫۳/۷۱۸۹۹۸۶ = لو قطر یہاں مساحت ایک ہے نہ صفر۔ عدد مذکور = ۲۸۱۰۰۱۴ء ۰ - ۳ = ۰ء۰۹۶۳۶۷۱۳ عدد ش ۲۴۰۷۰۰۹ء ۱ یعنی ایک انچ مع کسر مذکور کہ قریب ربع ہے۔

فائدہ: اقول: یونہی کرہ جس مقدار میں ایک فرض کیا جائے گا اُس کا قطر تقریبًا سوا یا ہوگا اور قطر جس مقدار میں ایک فرض کیا جائے کہ وہ اس سے ۱۳۱/ ۲۵۰ یعنی ۱۳/ ۲۵ ہوگا اور بالتدقیق ۵۲۳۵۹۸۹ء ۰ کہ جب قطر ایک ہے اس کا لوگارثم اور سہ چند لوگارثم سب صفر ہوا تو لو مساحت کرہ صرف ۱۸۹۹۸۶ء۱۷ رہا جس کا عدد وہی مذکور ہے اور اس ۱۳۴ سے مقدار قطر کی کرہ پر زیادت متوہم نہو کہ قطر میں اس مقدار قطر کی کرہ پر زیادت متوہم نہو کہ قطر میں اس مقدار کی پہلی قوت ہوگی اور کرے میں تیسری یہیں دیکھئے کہ قطر میں ۶۰ ذرے ہوئے یعنی ایک انچ میں ۴۸ اور کرے کی ایک انچ میں ۱۱۰۵۹۲ کہ ۴۸ کی مکعب ہے اس کی تصدیق یوں ہوسکتی ہے کہ سوا انچ قطر میں ذرے ۵۹ء۵۵۳۶۴۵ لوگارثم ۷۷ء۴۹۰۸۳ ۱x۳=۹۹ء۷۴۹ ۵۱۳۲۴، +۱۸۹۹۸۶ء۱۷ = ۵۲۰۴۳۷۲۳۵ = لو مساحت انچ مکعب اس کا عدد وہی ۱۱۰۵۹۲ عدد ذرات کرہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

میں کل جمع ۱۰۵۹۲ اا ذرّے اگر کہے اجزائے دیمقراطیسیہ بال کی نوک سے چھوٹے ہیں تو وہ قطر میں ۶۰ نہیں بہت ہیں۔

اقول: ایسے کتنے بہت ہیں ایسے کتنے چھوٹے ہیں ذہنی تقسیم میں کلام نہیں جس پر کہیں روک نہیں، ایک خشخاش کے دانہ پر دائرہ عظیمہ لے کر اس کے ۳۶۰ درجے، ہر درجے کے ۶۰ دقیقے، ہر دقیقے کے ۶۰ ثانیے یوں ہی عاشرے اور عاشرے کے عاشرے تک جتنے چاہیے حساب کر لیجئے کیا یہ جس میں متمایز ہو سکتے ہیں۔ یہ فلک شمس جسے تم مدار زمین کہتے ہو جس کا محیط دائرہ ۵۸ کروڑ میل سے زائد ہے۔ ہم فصل اول میں ثابت کریں گے کہ اس کا عاشرہ ایک بال کی نوک کے سوا لاکھ حصوں سے ایک حصہ ہے۔ تقسیم حسی میں کلام ہے جس کا انتفا اجزاء دیمقراطیسیہ میں لیا گیا ہے اور شک نہیں کہ بال کی نوک کا پچاسواں حصہ بھی حسًا جدا نہیں ہو سکتا تو جز دیمقراطیسی زیادہ سے زیادہ ایک ذرے میں پچاس رکھ لیجئے۔ نہ سہی ہر بال کی نوک میں ۱۳۲ فرض کیجئے اب تو کوئی گلہ نہ رہا اور کاسے میں آش بدستور، جب ہر ذرہ دوسرے سے ۱۳۲ میل کے فاصلے پر تھا اب ہر جز دوسرے سے میل میل بھر کے فاصلے پر ہوا، اب کیا اس کا قطر بال کی ۶۰ نوک سے بڑھ جاتا ہے، ایک نوک کے حصے کتنے ہی ٹھہرالو اب کیا زمین محسوس ہو سکتی۔ اب کیا جسم واحد سمجھی جاتی، اب کیا اس پر کھڑا ہونا یا مکان ممکن ہو جاتا اب کیا ادھر کی آبادی ادھر نظر نہ آتی۔ اب کیا چاند سورج یا کوئی تارا غروب کر سکتا، ہر دو جز میں ایک میل کا فاصلہ کیا کم ہے، ملاحظہ ہو یہ ہیں ان کی تحقیقاتِ جدیدہ اور یہ ہیں ان کے اتباع کی خوش اعتقادیاں کہ متبوع کیسی ہی بے عقلی کا ہذیان لکھ جائے یہ اٰمنّا کہنے کو موجود۔

اخیر میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ صحت کی تمامتر کوشش کے باوجود۔

(۲۶) آسمان کچھ نہیں فضائے خالی نامحدود و غیر متناہی ہے ایک پتھر[1] کہ پھینکا جائے اگر جذب زمین و مزاحمت ہوا وغیرہ نہ روکیں تو ہمیشہ یکساں رفتار سے چلا جائے کبھی نہ ٹھہرے زمین[2] کو کشش آفتاب حائل نہ ہوتی تو ہمیشہ مساوی حرکت سے سیدھی ایک طرف چلی جاتی۔ یہ ان کی خام خیالیاں ہیں۔ آسمان پر ایمان ہر آسمانی کتاب ماننے والے پر لازم، اور بعد موجود قطعًا محدود لامتناہی ابعاد دلائل قاطعہ سے مردود۔

(۲۷) اگلے[3] تو غلطی میں پڑ کر وجودِ فلک کے قائل ہوئے اور ہم پچھلے (یعنی) ہیأت جدیدہ والے اگرچہ آسمان نہیں مانتے پھر بھی حسابی غلطیوں اور ہندسی خطاؤں کے رفع کے لیے ان تمام حرکات و دوائر کو اگلوں کی طرح ایک کرہ کے مقعر میں مانتے ہیں جو منتہائے نظر راصد پر ہے اور اس کا مرکز مرکزِ زمین۔

---

[1] ح ص ۲۴ وغیرہ ط ص ۱۷۔ ۱۲

[2] ط ص ۵۶۔ ۱۲

[3] ح ص ۴۶ اور اسی کا اشارہ ص ۲۳ میں ہے ۱۲۔

اقول: اولاً: یہ اقرار غنیمت ہے کہ بے آسمانی کرہ مانے حساب میں غلطی اور ہندسی اعمال میں خطا پڑتی ہے مگر یہ منطق نرالی ہے کہ وہی غلط ہے جس کے ماننے سے غلطیاں رفع ہوتی ہیں۔

ثانیاً: تمام عُقلا تو ان دوائر کو آسمانی کرہ کی محدب پر مانتے ہیں مگر یہ انہیں کیونکر راست آتا کہ فضائے نامحدود کا محدب کہاں، لہٰذا مقعر لیا، اب اس کو بھی تجدید درکار، وہ انتہائے نظر راصد سے لی۔ تحدید تواب بھی نہ ہوئی۔

راصدوں کی نظریں مختلف ہیں، سب سے تیز نظر کا لیا جائے تو آگے آلات ہیں اور ان کی قوتیں مختلف ہیں سب سے قوی قوت کا لیا جائے تو اس کی بھی حد نہیں روز نئے آلے ایجاد ہوتے ہیں نگاہ مجرد ہو یا مع آلہ اس کی اپنی انتہا اس سقفِ نیلی پر ہے جسے ہیات قدیمہ نہایت عالم نسیم کرہ بخار کہتی ہے اور جدیدہ ایک محض موہوم حد نظر اور حقیقت میں وہ اس آسمانِ دنیا یعنی فلک قمر کا مقعر ہے اس کے بعد روشن اجرام نہ ہوتے تو کچھ نظر نہ آتا اور روشن اجرام زاویہ بابصار بننے کے لائق بعد پر کتنے ہی دور لے جائیں نگاہ ان تک پہنچے گی تو واقعہ میں کوئی حد نہیں ہاں یہ کہے کہ کل جب تک یہ آلات نہ نکلے تھے جہاں تک نگاہ پہنچتی تھی اس بعد پر یہ مقعر و دائر بنتے تھے آلات بن کر ان سے زائد پر ہوئے اور جو آلہ قوی تر ایجاد ہوتا گیا یہ کرہ عالم اونچا ہوتا گیا اور آئندہ یوں ہی ہوتا رہے گا حد بندی کچھ نہیں کیونکہ حساب و ہندسہ کی غلطیاں رفع کرنے کو ایک غلط بات ماننا درکار ہے جیسی بھی ہو۔

ثالثاً: سماوی کرہ واقعی خواہ فرضی بالطبع ایسا ہونا لازم کہ تحت حقیقی سے اس تک بعد ہر جانب سے برابر ہو اس کے کوئی معنی نہیں کہ یہ مقعر ایک طرف زیادہ اونچا ہے دوسری طرف کم، تو اسے مرکز شمس پر لینا تھا کہ وہی تمہارے نزدیک تحت حقیقی ہے۔ ۲۴ مگر مجبوری سب کچھ کراتی ہے وہ حسابی وہ ہندسی غلطیاں یونہی رفع ہوتی ہیں کہ باتباعِ قدما مرکز عالم مرکز زمین پر لیا جائے۔

رابعاً: مرکز زمین ہو یا مرکز شمس یا کوئی ایک مرکز معین ہیات جدیدہ سب دوائر کو جن سے ہیات کا نظام بنتا ہے ایک مرکز پر مان سکتی ہی نہیں جس کا بیان عنقریب آتا ہے اور بے ایک مرکز پر مانے ہیات کا نظام سب درہم و برہم، غرض بیچارے ہیں مشکل میں، دوائر اور ان کے مسائل سب قدماء سے سیکھے اور انہیں کی طرح اُن سے بحث چاہتے ہیں مگر جدید مذہب والا بننے کو اصولِ معکوس لیے اب نہ وہ بنتے ہیں نہ یہ چھوٹتے ہیں، سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہیں۔ آسمان گما کر سورج تھما کر جاذبیت کے مثل ہاتھوں سیارے گھما کر چار طرف ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور بنتی کچھ نہیں۔ بعونہ تعالٰی یہ سب بیان عیاں ہو جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

(۲۸) زمین کے خطِ استوا کو جب مقعر سماوی تک لے جائیں تو ایک دائرہ عظیمہ پیدا ہوگا کہ

کُرہ فلک کے دو حصے مساوی کردے۔ یہ خط اعتدال یا آسمانی خط استوا یعنی معدل النہار ہے دائرہ عظیمہ وہ دائرہ ہے کہ کرہ کے دو برابر حصے کردے۔

اقول: اتنی قدماء سے سیکھ کر ٹھیک کہی مگر ہیات جدیدہ ہرگز اسے ٹھیک نہ رکھے گی جس کا بیان بعونہ تعالیٰ عنقریب آتا ہے۔ حدائق نے اس میں ایک مہمل اضافہ کیا کہ منطقہ حرکت یومیہ زمین کو قاطع عالم فرض کرنے سے عالم علوی میں معدل النہار اور زمین پر خطِ استوا پیدا ہوتا ہے۔

اقول: خطِ استوا ہی تو وہ منطقہ ہے اسے قاطع عالم ماننے سے خود اس کا پیدا ہونا عجیب ہے۔

(۲۹) تمام مباحث ہیات کی امہات دوائر دو دائرے ہیں معدل النہار کہ گزرا، دوسرا دائرۃ البروج اس کی تعیین ہیات جدیدہ کے اضطراب دیکھے، سیکھا اسے بھی قدما سے اور بے اس کے ہیات کے کام احکام چل نہیں سکتے ناچار ابحاث واحکام میں قدماء کی تقلید کی مگر بیخبر کہ ہیات جدیدہ کے غلط اصول ان کا تھل بیڑا نہ رکھیں گے نہ تمہیں دائرۃ البروج کی صحیح تعریف کرنے دیں گے اصول علم الہیات میں کہا زمین اپنے دورہ سالانہ گرد شمس سے جو دائرہ عظیمہ بناتی ہے وہ دائرۃ البروج ہے اس کی سطح معدل پر ۲۳ درجے ۲۷ دقیقے کچھ ثانیے مائل ہے یہ بارہ برج مساوی پر تقسیم ہے جن میں چھ خط استوا سے شمال کو ہیں چھ جنوب کو، ہر برج ۳۰ درجے حدائق میں کہا یہ دائرہ مدار زمین کو قاطع عالم فرض کرنے سے فضائے علوی میں حادث ہوتا ہے۔

اقول اولاً: یہ سب غلط ہے بلکہ مدارِ شمس (جسے یہ مدارِ زمین کہتے ہیں) مرکز عالم سے جدا مرکز پر واقع ہے تو اس کے قطر کا ایک نقطہ مرکز عالم سے غایت بعد پر ہے جسے اوج کہتے ہیں دوسرا غایت قرب پر جسے حضیض، جن کی تصویر ۳۳ میں آتی ہے مرکز عالم پر اوج کی دوری سے دائرہ کھنچیں کہ منطقہ و ممثل ہے۔ اس دائرے کو قاطع لین محدب فلک الافلاک پر اس کے موازی جو دائرہ بنا وہ دائرۃ البروج ہے جس کا مرکز مرکزِ عالم ہے ہمارے بیان کا حق اور ان کے مزعوم کا باطل ہونا ابھی خود ان کے اقراروں سے کھلا جاتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ثانیاً: اس سے قطع نظر ہو تو طریق علمی سے مشابہ وہی ہے جو حدائق میں کہا نہ کہ نفس مدار کو دائرۃ البروج ماننا جس سے اوپر ڈیڑھ سو کے قریب مدار موجود ہیں اور سب کی مباینت اس سے لی جاتی ہے جو اسے مقعر سماوی سے اتنا نیچا لینے پر نہیں بن سکتی۔

ثالثاً: مدار زمین تو بیضی مانتے ہو دائرۃ البروج دائرہ کیسے ہوا اور مجاز کا دامن تھامنا کام نہ دے کہ میل و عرض ہما کے مؤامرات علم مثلث کروی پر مبنی اور وہ دوائر تامہ ہی میں جاری۔

(۳۰) معدل النہار دوائرۃ البروج کا تقاطع تناصف پر ہے یعنی نقطتین اعتدال سے دونوں کی تنصیف کروی ہے، ہیات جدیدہ میں بھی جتنے کرے بنتے ہیں سماوی خواہ ارضی جن کو گلوب کہتے ہیں سب

میں دیکھ لو دونوں دائرے متناصف ملیں گے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس سے ہر بچہ آگاہ ہے جس نے قدیمہ خواہ جدیدہ کسی ہیات کے دروازے میں پہلا قدم رکھا ہو۔ نیز ابھی نمبر ۲۹ میں اصول علم الہیات سے گزرا کہ ایک نقطہ اعتدال سے دوسرے تک دائرۃ البروج کے ۱۸۰ درجے ہیں یہ اس کی تنصیف ہوئی اور اسی سے نمبر ۲۳ میں گزرا کہ خطِ استوا کے نصفین کی تحدید انہیں دو نقطہ اعتدال سے ہے، نیز اسی کے نمبر ۵۹ میں ہے کہ یہ دونوں عظیمے ایک دوسرے کو دو نقطہ متقابل پر قطع کرتے ہیں ظاہر ہے کہ دائرے پر متقابل نقطے وہی ہوتے ہیں جن میں نصف دور کا فصل ہو اور سب سے صاف تر ۱۵۷ میں کہا کہ دونوں نقطہ اعتدال میں مطالع یعنی معدل کی قوس ۱۸۰ درجے ہے پھر کہا یعنی دائرۃ البروج خط استوا کو دو نقطہ متقابلہ پر قطع کرتا ہے جن میں فصل ۱۸۰ درجے ہے پھر کہا یہ برہان ہے اس پر کہ دائرہ بروج دائرہ عظیمہ ہی ہے کہ سوا عظیمہ کے کوئی دائرہ خطِ استوا یعنی معدل کو اس طرح قطع نہیں کرسکتا غرض یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر ہیات جدیدہ و جملہ عقلائے عالم سب کا اتفاق ہے۔

اقول: اب اسے تین نتیجے بدیہی طور پر لازم:

(ا) یہ دونوں دائرے متساوی ہیں۔

(ب) دونوں مرکز واحد پر ہیں۔

(ج) دونوں ایک کرے کے دائرہ عظیمہ ہیں۔

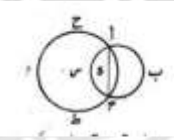

ظاہر ہے کہ چھوٹے بڑے دائروں کا تناصف ممکن نہیں ورنہ جزو کل مساوی ہوجائیں دائرہ اح ء نے چھوٹے دائرہ اب ح کی نقطتین اح پر تنصیف کی اح وصل کیا ضرور ہے کہ اب ح کے مرکز سے ہ پر گزرا اور اس کا قطر ہوا، اب انہیں نقطوں پر دائرہ اح ء کی بھی تنصیف مانو تو اگر یہی اح اس کا بھی قطر ہو تو دونوں دائرے مساوی ہوگئے اور اگر اس کا قطر ح ط ہوا تو قوس اء ح بھی اس کی نصف ہوئی اور ح ء ط بھی بہرحال جزو کل برابر ہوگئے۔ یونہی دو مساوی دائروں کا مرکز مختلف ہو تو ان کا تناصف محال۔

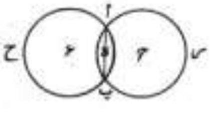

دائرہ ا ر ب کا مرکز ح ہے اور اح ب کا ء، اور نقطتین اب پر تناصف، اب وصل کیا ضرورۃ ہر ایک کا قطر ہوا کہ اس کے نصفین میں فاصل ہے تو قطعًا دونوں کے مرکز پر گزرا کہ ہ ہے تو ہر دائرے کے دو مرکز ہوگئے اور یہ محال ہے ورنہ جزو کل مساوی ہوں اور جب یہ دونوں عظیمے مساوی دائرے مرکز واحد پر ہیں تو یقینًا کرہ واحدہ کے عظام سے

ہیں، بالجملہ یہ تینوں نتیجے متفق علیہ ہیں اور خود جملہ کرات ارضی و سماوی کہ اب تک ہیات جدیدہ میں بنتے ہیں ان کی صحت پر شاہد عادل۔

فوائد: ۱ سطح مستوی میں کبھی دو دائرے تناصف نہیں کرسکتے کہ اس کے لیے اتحاد مرکز لازم اور وہ اس کے متقاطع دائروں میں محال (اقلیدس عــــہ مقالہ ۳ شکل ۵) ب، دائرۃ البروج کی تعریف کہ حدائق میں کی باطل ہے کہ معدل سے مرکز بدل گیا۔ج اصول الہیات کی تعریف اس سے باطل تر ہے کہ مرکز بھی مختلف اور دائرے بھی چھوٹے بڑے، اور حق وہ ہے جو ہم نے کہا۔ء جب ان کے مرکز مختلف تو دونوں عظیمے کیسے ہوسکتے ہیں کہ عظیمہ کا مرکز نفس مرکز کرہ ہونا لازم (دیکھو مثلث کروی باب اول نمبر ۳) ہ حدائق نے سنی سنائی یا اسی ہوشیاری سے سب دوائر کو ایک مقعر مساوی پر لیا جس کا مرکز زمین ہے مگر بھلا کر تمہارے نزدیک تو وہ مدار زمین ہے یا مقعر فلک پر اس کا موازی، بہر حال اس کا مرکز مرکز مدار زمین مرکز زمین ہونا کیسی صریح جنون کی بات ہے دائرۃ البروج کو اپنے مرکز پر رکھ کر مقعر سماوی پر لیا ہے تو نہ وہ عظیمہ ہوسکتا ہے نہ معدل النہار اس کا تناصف ممکن اور اگر اسے مرکز زمین کی طرف منتقل کرلیا تو دائرہ ہی وہ نہ رہا، نہ اس کی جگہ وہ رہی، نہ اب اس جدید دائرے اور معدل کا غایت بعد کہ میل کلی کہلاتا ہے دائرۃ البروج کا میل ہوسکتا ہے غرض تمام نظام ہیات تہ و بالا ہے تقلیدی باتیں کہتے چلے گئے اور خبر نہیں کہ ان کے اصول کی شامت لگ گئی۔

(۳۱) معدل النہار[1] دوائرۃ البروج دونوں دائرہ شخصیہ ہیں یعنی ہر ایک شخص واحد معین ہے کہ اختلاف لحاظ سے نہ اس کا محل بدلے نہ حال بخلاف دوائر نوعیہ کہ مختلف لحاظوں سے مختلف پڑتے ہیں جیسے دائرہ نصف النہار کہ ہر طول میں جدا ہے اور دائرہ افق کہ ہر عرض و ہر طول میں نیا ہے۔

عــــہ: اقلیدس نے ایک شکل یہ رکھی چھٹی یہ کہ دو متماس دائروں کا ایک مرکز نہیں ہوسکتا اور ایک شق باقی رہی کہ دو متباین غیر متوازی دائروں کا مرکز ایک ہو ممکن نہیں، مناسب یہ تھا کہ ایک شکل ان تینوں کو حاوی رکھی جاتی کہ دو غیر متوازی دائروں کا مرکز ایک ہونا ممکن خواہ متقاطع ہوں یا متماس کہ جب مرکز ایک ہے تو اس سے ہر دائرے تک ہر طرف بعد مساوی ہے اور مساویوں سے مساوی ساقط کرکے مساوی رہیں گے تو دونوں دائروں کا ہر طرف فصل مساوی ہوا تو متوازی ہوگئے اور فرض کئے تھے نامتوازی ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] ح ص ۴۶۔ ۱۲۔

اقول: بلاشبہ حق یہی ہے اور خود ہیأتِ جدیدہ کے سماوی وارضی کرے اس پر شاہد کہ دونوں دائروں کو غیر متبدل بناتے ہیں بخلاف اُفق و نصف النہار کہ ان کی تبدیل حسب موقع کا طریقہ رکھتی ہیں مگر ہیأت جدیدہ کا یہ اقرار اور قولاً و فعلاً اظہار بھی نرا تقلیدی ہے جس نے اس کے اصول کا خاتمہ کردیا علی اھلھا تجنی براقش[1] (براقش اپنے ہی اہل مصیبت لاتی ہے۔ دائرۃ البروج کا حال تو ابھی گزرا تھا مرکز مدار پر اور لیتے ہیں مرکز زمین پر تو وہ شخص کیسا، وہ نوع ہی بدل گئی اور معدل کا حال ابھی آتا ہے۔

(۳۲) قطبین[2] جنوبی و شمالی ساکن نہیں بلکہ قطبین دائرۃ البروج کے گرد گھومتے ہیں مبادرت اعتدالین کے باعث ۲۵۸۱۷ برس میں ان کا دورہ پورا ہوتا ہے مبادرت[3] ہر سال ۲ء۵۰ ہے اور ہر دائرے میں ۱۲۹۶۰۰۷ ثانیے ان کو ۲ء۵۰ پر تقسیم کیے سے ۲۵۸۱۷[4] حاصل ہوئے۔

اقول: ہیات جدیدہ کہ ہمیشہ معکوس گوئی کی عادی ہے جس کا کچھ بیان بعونہ تعالیٰ آتا ہے اس پر مجبور ہے کہ قطبین عالم کو متحرک مانے کہ زمین اس دائرے پر حرکت کرتی ہے جس کا قطر ۱۹ کروڑ میل کے قریب ہے اور اس کا مدار ایک دائرہ ثابتہ ہے تو قطبین مدار تو ساکن ہیں اور قطبین جنوب و شمال کہ قطبین عالم و قطبین اعتدال ہیں اور زمین کے محور تحرک کے دونوں کناروں پر ہیں ضرور اس کی حرکت سے کروڑوں میل اوپر اٹھیں گے اور کروڑوں میل نیچے گریں گے مگر **اولاً:** اب معدل النہار دائرہ شخصیہ کب رہا بلکہ ہر آن نیا ہے کہ ہر آن اس کے مرکز کا مقام جدا ہے۔

ثانیاً: وہ فرض کیے ہوئے مقعر سماوی کو بھی دم بھر چین نہ لینے دے گا کہ اس مقعر کا مرکز بھی مرکز زمین مانا ہے۔۲۷ اور وہ کروڑوں میل اٹھنے گرنے میں ہے تو یونہی ہر آن مقعر سماوی بدلے گا اور اگر وہ بحال رہے تو دائرہ اس پر کب رہا کروڑوں میل اس کے اندر جائے گا اور دوسری طرف خلا چھوڑے گا پھر دوسری طرف کروڑوں میل اندر جائے گا۔ اور ادھر خلاء چھوڑے گا اسی کو کہا تھا کہ یہ سب دوائر ایک مقعر سماوی پر لیتے ہیں۔

ثالثاً: بفرض باطل دائرۃ البروج کو بھی اسی مقعر و مرکز پر لے لیا اور یہ ہر آن متبدل ہیں تو دائرہ البروج بھی ہر آن بدلے گا تو شخصیہ کب رہا۔ یا وہ تنہا خواہ مع مقعر سماوی برقرار رکھا جائے گا کہ اس کا مرکز ثابت ہے تو اس کی تبدیل کی وجہ نہیں تو میل اور صدہا مسائل کا کیا ٹھکانا رہے گا، غرض بات وہی ہے کہ

---

[1] المنجد دار اشاعت کراچی، ص ۱۱۶۰

[2] ص ۳۳۷ و ۱۸۴ و ۱۹۰۔ ۱۲

[3] ص ۱۸۳۔ ۱۲

[4] یعنی ۳۳۳ء۲۵۸۱۱۶ باسقاط خفیف ۱۲ منہ غفرلہ

تقلیداً معدل النہار دوائرۃ البروج کا نام سن لیا اور ادھر ان احکام کی تقلید کی جو اصول قدما پر مبنی تھے ادھر اپنے اصول کا گندہ بروزہ ملایا وہ ایک مہمل معجون باطل ہو کر رہ گیا۔ یہ ہے ہیأت جدیدہ اور اس کی تحقیقات ندیدہ۔[1]

(۳۳) زمین وغیرہ ہر سیارے کا اپنے محور پر گھومنا اس سبب سے ہے کہ طبیعت میں ثابت ہوا ہے کہ ہر چیز بالطبع آفتاب سے نور وحرارت لینا چاہتا ہے اگر سیارے حرکت وضعیہ نہ کریں جمیع اجزا کو نور وحرارت نہ پہنچے۔

اقول: یہ وجہ موجہ نہیں **اولاً:** اجزا میں جاذبہ وماسکہ ونافرہ کے علاوہ ایک قوت شائقہ ماننی پڑے گی اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

ثانیاً: زمین سے ذرے اور ریگ کے دانے خفیف پھونک سے جدا ہو جاتے ہیں ان کا یہ شوق طبعی کیا اتنی بھی قوت نہ رکھے گا کہ زمین سے بے جدا کیے ان کو گھمائے پھر ایک ایک ذرہ اور ریتے کا دانہ آفتاب میں اپنے نفس پر حرکت متدیرہ کیوں نہیں کرتا اس کا جو حصہ مقابل آفتاب ہے سو برس گزر جائیں جب تک ہٹایا نہ جائے وہی مقابل رہتا ہے دوسرا حصہ کہ آفتاب سے حجاب میں ہے کیوں نہیں طلب حرارت ونور کے لیے آگے آتا۔

ثالثاً: زمین میں مسام اتنے ہیں کہ پوری دبائیں تو ایک انچ کی رہ جائے۔ (۲۵) تو ظاہر ہے کہ اس کا کوئی جزو دوسرے سے متصل نہیں سب ایک دوسرے سے بہت فصل پر ہیں تو ہر جزا اپنے نفس پر کیوں نہ گھوما کہ اس کے سب اطراف کو روشنی و گرمی پہنچتی صرف کرے کے محور پر گھومنے سے ہر جز پورے انتفاع سے محروم رہا۔

رابعاً: کرہ کی حرکت وضعیہ سے سطح بالا ہی کے سب اجزاء فی الجملہ مستفید ہوں گے اندر کے جملہ اجزاء اب بھی محروم مطلق رہے تو جمیع اجزاء کا استفادہ کب ہوا اندر کے اجزاء طلب نور وحرارت کے لیے اوپر کیوں نہیں آتے۔ اگر کہیے اوپر کے اجزاء جگہ روکے ہوئے ہیں۔

اقول: اولاً: غلط انچ بھر کی زمین جب پونے تین کھرب میل میں پھیلی ہوئی ہے اس میں کس قدر وسیع مسام ہوں گے۔ (نمبر ۲۵) ان سوراخوں سے باہر کیوں نہیں آتے۔

ثانیاً: اوپر کے اجزاء میں جو آفتاب سے حجاب ہیں ان کی جگہ اگلے اجزاء رکے ہوئے ہیں جو مقابل شمس ہیں، پھر حرکت وضعیہ کیونکر ہوتی ہے۔

---

[1] ح ص ۱۱۴

ثالثًا: آفتاب بھی تو اپنے محور پر گھومتا ہے وہ کس نور و حرارت کی طلب کو ہے۔ بالجملہ یہ وجہ بے ہودہ ہے بلکہ اصول ہیأت جدیدہ پر اس کی وجہ ہم بیان کریں۔

اقول: اس کا سبب بھی جاذبہ [عہ۱] و نافرہ ہے جذب قُرب و بعد سے مختلف ہوتا ہے و لہٰذا خط عمود پر سب سے زیادہ ہے کلیت سیارہ مثلًا ارض کے لیے جاذب سے تنفر کا جواب مدار پر جانے سے ہو گیا مگر اب بھی اس کے اجزاء پر جذب مختلف ہے خاص وہ اجزا کہ مقابل شمس ہیں ان پر جذب اقوٰی ہے اور ان میں بھی جو بالخصوص زیر عمود ہے پھر جتنا قریب ہے۔ (نمبر ۱۰) یہ اجزاء اس سے بچنے کے لیے مقابلہ سے ہٹتے اور بالضرورت اپنے اگلے اجزاء کو اپنے لیے جگہ خالی کرنے کو دفع کرتے ہیں وہ اپنے اگلوں کو وہ اپنے اگلوں کو یوں محور پر دورہ پیدا ہوتا ہے اب جو اجزاء پہلے اجزا سے مقابلہ کے پیچھے تھے مقابل آئے اب یہ مقابلہ سے بچنے کو اپنے اگلوں کو ہٹاتے ہیں اور وہی سلسلہ چلتا ہے یوں دورہ پر دورہ مستمر رہتا ہے۔ اگر کہئے زمین بوجہ کثرت بعد و قلّت حجم آفتاب کے آگے گویا ایک نقطہ ہے و لہٰذا آفتاب کا اختلاف منظر ۹ ثانیے بھی نہیں تو اس کے اجزا پر مقابلہ وہ حجاب کا اختلاف نہ ہوگا بلکہ گویا سب مقابل ہیں۔

اقول: اولًا نظر [عہ۲] ظاہر میں تو یہی کافی کہ ایسا ہے تو تقریبًا نصف کرُہ زمین میں ہمیشہ رات کیوں رہتی ہے سب ہی روشن رہا کرے کہ سب مقابل شمس ہے۔

ثانیًا آخر کچھ نہیں تو اختلاف منظر کیوں، جب نصف قطر کی یہ مقدار ہے کل سطح کی اکثر و اکبر ہے۔ اسی قدر اختلاف جذب کو بس ہے۔

ثالثًا بالفرض سب ہی مقابل سہی عمود و منحرف کا فرق کدھر جائے گا۔ یوں بھی اختلاف حاصل، بالجملہ یہ تقریر ان مقدمات پر مبنی ہے جو ضرور ہیات جدیدہ کے اصول مقررہ ہیں تو یہی اسے واجب التسلیم ہے اگرچہ حقیقۃً اعتراض سے خالی نہ یہ نہ وہ بلکہ ہم بتوفیقہ تعالٰی فصل سوم میں روشن کریں گے کہ دونوں وجہیں باطل محض ہیں اور کیوں نہ ہو کہ اصول باطلہ ہیات جدیدہ پر مبنی ہیں پھر بھی یہ اس سے اسلم اور اصول جدیدہ پر تو نہایت محکم ہے۔

تنبیہ: اقول: وجہ یہ ہو خواہ وہ بہر طور زمین کی حرکت مستدیرہ حقیقۃً حرکت وضعیہ یعنی

عہ۱: یہ وجہ شمس کو بھی شامل ہے کہ وہ بھی اور سیاروں کے جذب سے بچنے کو اپنے محور پر گھومتا ہے۔ حج ص ۱۲۱، ۱۲ منہ غفرلہ

عہ۲: اس سے ایک تدقیق دقیق کی طرف اشارہ ہے جسے ہم نے اپنے رسالہ صبح میں روشن کیا، ۱۲ منہ غفرلہ)

(رسالہ صبح سے مراد ہے درء القبح عن درك وقت الصبح (زبان اردو فن توقیت) از اعلیحضرت عبد النعیم عزیزی)

مجموعِ کُرہ کی حرکت واحدہ محوریہ نہیں بلکہ کثیر متوالی حرکات اینیہ اجزاء کا مجموعہ وجہ اوّل پر پچھلے اجزا اگلے اجزا کو خود مقابل آنے کے لیے ہٹاتے ہیں پھر ان سے پچھلے ان کو ان سے پچھلے ان کو اسی طرح آخر تک اور وجہ دوم پر اگلے اجزاء مقابلہ سے ہٹنے کے لیے اپنے اگلوں کو ہٹاتے ہیں وہ اپنے اگلوں کو، یونہی آخر تک بہر حال یہ حرکت خاص اجزاء سے پیدا ہو کر سب میں یکے بعد دیگرے بتدریج پھیلتی ہے نہ کہ مجموع کرہ حرکت واحدہ سے متحرک ہو۔ وجہ اول پر تمام اجزاء کے لیے نوبت بہ نوبت طبعی بھی ہے اور قسری بھی، جو اجزاء حجاب میں ہیں ان کے لیے طبعی اور جو مقابل ہیں ان کے لیے قسری کہ پچھلے اجزاء ان کے حاصل شدہ مقتضائے طبع سے ہٹاتے ہیں، جب یہ بالقسر مقابلہ سے ہٹ جائیں گے بالطبع حرکت چاہیں گے اور تازہ مقابلہ والوں کو قسر کریں گے اور وجہ دوم پر سب کے لیے قسری کو جاذبہ سے پیدا ہوئی اگرچہ نافرہ طبعی ہو۔ **فافہم۔**

(۳۴) ارب ہ بیضی مدار زمین ہے ار، رب، ب ہ، ہ ا چاروں نطاق عہ ہیں اب قطر اطول ہے اس کے دونوں کناروں پر مرکز ج سے پورا بعد ہے ہ ر قطر اقصر۔

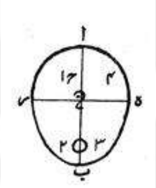

اس کے دونوں نقطوں پر ج سے بعد اقرب ح، ء دونوں فوکز یعنی محترق ہیں جن کے اسفل پر شمس مستقر ہے ا نقطہ ء اوج شمس سے غایت بعد پر ہے اور ب حضیض غایت قرب پر زمین ا پر مرکز و شمس دونوں سے نہایت دوری پر ہوتی ہے یہاں سے چلتے ہی ا ر نطاق اول میں دونوں سے قریب ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ ر پر مرکز سے غایت قرب میں ہوتی ہے رب نطاق دوم میں مرکز سے دور ہونا شروع کرتی ہے لیکن شمس سے اب بھی قرب ہی بڑھاتی ہے یہاں تک کہ ب حضیض مرکز سے دوبارہ غایت بعد پر ہو جاتی ہے اور شمس سے نہایت قرب پر آتی ہے اس نصف حضیضی ارب میں شمس سے قرب ہی بڑھتا اور چال بھی برابر متزاید رہتی ہے تیزی کی انتہا نقطہ ب پر ہوتی ہے پھر انہیں قدموں پر سست ہوتی جاتی ہے ب ہ نطاق سوم میں زمین مرکز سے قریب اور شمس سے دور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ہ پر دوبارہ مرکز سے کمال قُرب پر آجاتی ہے ہ نطاق چہارم میں مرکز و شمس دونوں سے دور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ا پر دونوں سے کمال بُعد پاتی ہے

عہ: قرب وبعد مرکز کے سبب یہاں نطاق لیے ہمارے نزدیک خط ہ ر منتصف مابین المرکزین پر لیتے ہیں کہ یہاں بعد اوسط ہے یا مرکز عالم پر کہ یہاں سیر اوسط ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

اس نصف اوجی ب ہ امیں شمس سے بعد ہی بڑھتا اور چال برابر متناقص رہتی ہے سستی کی انتہا نقطہ ا پر ہوتی ہے پھر وہی دورہ شروع ہوتا ہے یہ سب مسائل عام کتب میں ہیں اور خود مشہور اور قرب و بعد شمس و مرکز کی حالت ملاحظہ شکل ہی سے مشہود، اور ہمارے نزدیک بھی قطروں کے خلاف اور مرکز سے قُرب و بعد کے سوا اصل کروی میں ناممکن یہ سب باتیں یوں ہی ہیں جب کہ مدار شمس لو اور نقطہ ء پر مرکز زمین اور اگر مدار بیضی مان لیں تو یہ رسالہ بیان متفق علیہ ہے صرف شمس کی جگہ زمین اور زمین کی جگہ شمس کہا جائے۔

(۳۵) چال میں تیزی و سستی کا اختلاف دوسرے[1] مرکز کے لحاظ سے ہے واقع [2] میں اس کی چال نہ کبھی تیز ہوتی ہے نہ سست ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور مساوی وقتوں میں مساوی قوسین قطع کرتی ہے۔ قواعد کپلر[3] سے دوسرا قاعدہ یہی ہے۔

اقول: یہ بھی مجمع علیہ ہے لہٰذا طویل الذیل برہان ہندسی کی حاجت نہیں۔

مبتدی کے لیے ہمارے طور پر اس کا تصور اس تصویر سے ظاہر، اح رط، ط ر، رح، ح ا، خارج المرکز یعنی مدار شمس کے چار مربع مساوی ہیں جن کو وہ برابر مدت میں قطع کرتا ہے لیکن ان کے مقابل دائرۃ البروج کی مختلف قوسین ہیں جب شمس، اسے ط، پر آیا مرکز عالم، ہ، سے اس پر خط، ہ ب، گزرا تو اس مدت میں اس پر قوس، اب، قطع کی جو ربع سے بہت یعنی بقدر، ب ک، چھوٹی ہے جب ط سے رتک آیا اس ربع کے مقابل دائرۃ البروج کی قوس، ب ل، ہوئی جو ربع سے بہت بڑی ہے یونہی دو ربع باقی ہیں تو باآنکہ شمس واقع میں ہمیشہ ایک ہی چال پر ہے دائرۃ البروج کے اعتبار سے اس کی چال تیز و سست ہوتی ہے، ط رح، کی ششماہی میں، ب ل ح، قطع کرتا ہے کہ نصف سے بہت زائد ہے اور، ح اط، کی ششماہی میں، ح اب، چلتا ہے کہ نصف سے بہت کم ہے لہٰذا تیز و سست نظر آتا ہے حالانکہ واقع میں اس کی چال ہمیشہ یکساں ہے یہی حال ہیأت جدیدہ کے نزدیک زمین کا ہے۔ **الحمدللہ** مقدمہ ختم ہوا۔ وصلی اللہ تعالٰی علی سیّدنا محمد وآلہ ابدا۔

---

[1] ح ص ۹۷۔ تا ص ۹۸۔ ۱۲

[2] ص ۱۶۸۔ ۱۲

[3] ص ۱۷۰۔ ۱۲

فصل اوّل

نافرّیت کا رَدّ اور اس سے بُطلانِ حرکت زمین پر بارہ دلیلیں۔

رَدِّ اوّل: اقول: ابتداء اتنا ہی بس کہ نافریت بے دلیل ہے اور دعویٰ بے دلیل باطل و علیل اور پتھر کی مثال کا حال نمبر ۴۔ میں گزرا وہی اس کے حال کی کافی مثال ہے۔

رَدِّ دوم: اقول: مرکز دائرہ سے محیط کے نقطہ پر خط قاطع اب کھینچو اور، ہ ب، کے دونوں طرف اس کے مساوی چھ خط جن میں، ح ہ، ء ہ، مماس ہوں اور، رہ ح ہ ط، ہ ی ہ، ان دونوں قائموں کی برابر تقسیم کرنے والے، اور سب کو، ا، سے ملادو۔ ظاہر ہے کہ ان میں ہر خط اپنے نظیر کے مساوی ہوگا اور، اح سے ار، ار سے اح، اح سے اب، بڑا ہوگا۔ یوں ہی، ای سے اط، اط سے اب،

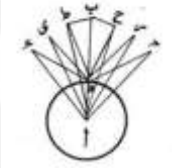

اس لیے کہ مثلثات، اہ ح، اہ راہ ح، میں مشترک۔ اور، ہ ح، ہ رہ، ہ ح، برابر ہیں۔ اور ہ پر کا زاویہ بڑھتا گیا ہے کہ ہر پہلا دوسرے کا جز ہے لاجرم، اح، ار، اح، قاعدے بڑھتے جائیں گے (اقلیدس مقالہ شکل ۲۴) رہا، اب، ح ب، ملادیا تو مثلث متساوی الساقین ح ہ ب کے دونوں زاویہ ح ب مساوی ہوئے اور ظاہر ہے کہ مثلث اح ب میں زاویہ ح جس کا وتر اب ہے زاویہ ہ ح ب سے بڑا ہے۔ تو اح کہ چھوٹے زاویہ کا وتر ہے اب سے چھوٹا ہے۔ (شکل ۱۹) غرض ان میں سب سے زیادہ مرکز سے دوری ب کو ہے باقی جتنا مماس کی طرف آؤ مرکز سے قرب ہے کہ اب زمین نقطہ ہ پر تھی اور نافریت کے سبب اس نے مرکز سے دور ہونا چاہا واجب ہے کہ خط ہ ب پر ہٹے کہ اسی طرح مرکز سے بعد محض ہے اور سب بعد اضافی ہیں کہ ایک وجہ سے بعد ہیں تو دوسری وجہ سے قرب ہیں بعد محض چھوڑ کر ان میں سے کسی کو کیوں لیا یہ ترجیح مرجوح ہوئی پھر اس میں جس خط پر جائے دوسری طرف اس کا مساوی موجود ہے ادھر کیوں نہ گئی ترجیح بلا مرجح ہے اور دونوں باطل ہیں زمین

کوئی جاندار ذی عقل نہیں جسے ہر گونہ ارادے کا اختیار ہے اور جب ہ ب پر جائے گی دورہ محال ہوگا۔ اگر نافریت غالب آئے گی ب سے قریب ہو جائے گی اور جاذبیت تو اسے اور برابر رہیں تو ہ پر رہے گی کسی طرف نہ ہو جائے گی بہر حال دورہ نہ کرے گی۔

رَدِّ سوم: اقول، نہیں نہیں بلکہ واجب ہے کہ ہ ہی پر رہے کہ تمہارے نزدیک نافریت و جاذبیت برابر ہیں (نمبر ۶) اور دائرہ پر حرکت میں اختلاف سرعت سے جذب و نفرت باہم کم و بیش ہوں تو ابتدائے آفرینش میں جب کہ زمین پہلے نقطہ ہ پر ہے کہاں دائرہ اور کہاں حرکت اور کہاں اختلاف سرعت، لاجرم اس وقت دونوں کانٹے کی تول برابر ہیں تو واجب کہ زمین جہاں اول پیدائش میں بنی تھی اب تک وہی ٹھہری ہوئی ہے اور وہیں ٹھہری رہے گی تو تمہاری نافریت و جاذبیت ہی نے زمین کا سکون مبرہن کر دیا۔ **ﷲ الحمد**

رَدِّ چہارم: اقول: معلوم ہو لیا نافریت نہ ہے نہ اس کا مقتضی ہر گز خطِ مماس پر لے جانا اور بے اس کے زمین کی حرکت دوریہ گرد شمس منظّم نہیں ہو سکتی تو ضرور کوئی واقعہ ناقلہ درکار ہے کہ اسے ہر وقت خطِ مماس پر واقع کرے اور شمس اپنی طرف کھینچے دونوں کا اوسط دائرے پر گردش نکلے ایک دفعہ کا دفعہ کافی نہیں زمین میں کیل گاڑ کر اس میں ڈورا اور ڈورے میں گیند باندھو اور ایک بار اسے مارو ڈورا تن جائے گا۔ گیند ایک ہی ضرب سے کیل کے گرد دورہ نہ کرے گی تو ہر وقت دفع و نقل کی حاجت ہے یہ شمس کا اثر ہو نہیں سکتا کہ وہ تو اس کے خلاف جذب چاہ رہا ہے تو ضرور کوئی اور سیّارہ چاہیے جو زمین کو مماس پر جذب کرے اور ہر وقت زمین کے ساتھ پھرے نہ نقل کا کام دے وہ سیارہ کہاں ہے اور بفرض ہو تو اسے کس نے گردش دی اس کے لیے اور سیارہ درکار ہوگا اور اسی طرح غیر متناہی سلسلہ چلا جائے گا اور تسلسل محال، لاجرم زمین کی گردش محض باطل خیال۔

رَدِّ پنجم: اقول: دو مساویوں میں ایک کا اختیار کرنا عقل و ارادہ کا کام ہے، نہ طبیعت غیر شاعرہ کا، ظاہر ہے کہ نقطہ ہ سے ح اور ء دونوں طرف قائمہ اور یکساں حالت ہے اور ظاہر ہے کہ زمین صاحبِ شعور و ارادہ نہیں، اب اگر بفرض باطل زمین میں نافریت ہے اور بفرض باطل نافریت مماس پر چھینکتی یعنی جاذبیت پر قائمہ بناتی ہے، مگر نافریت کا اس طرف کے مماس سے کوئی رشتہ ہے جس سے زمین کواکب سرطان، جوزا، ثور میں جاتی تو ایک طرف کو لینا دوسری کو چھوڑنا کس بنا پر ہوا۔ یہ ترجیح بلا مرجح ہے اور وہ باطل اور بالفرض ایک بار جزافاً ایک سمت لی ہمیشہ اس کا التزام کس لیے، کیوں نہیں ہوتا کہ ایک بار نقطہ اوج پر آکر پھر انہیں قدموں پیچھے پلٹ جائے کہ جاذبیت و نافریت کے اقتضاء یوں بھی بحال ہیں، بالجملہ یہ

حرکت کسی طرح نافریت عـــہ کے ماتھے نہیں جاسکتی۔

رَدِّ ششم: یہ سب محض ہے دلیل ٹھان لیجئے تو نافریت قائمہ ہی پر تولے جائے گی۔(نمبر ۵) حادہ پر لانا تو اور مرکز سے قریب کرنا ہے تو نفرت نہ ہوئی بلکہ رغبت لیکن ہیات جدیدہ مدار زمین دائرہ نہیں مانتی بلکہ بیضی اور اس میں طرفین قطر کے سوا باقی سب زاویے حادے بنیں گے جس کا خود ان کو اعتراف [1] ہے، تو نافریت باطل اور رغبت حاصل۔

فائدہ: اس دلیل کو چاہے ابطال نافریت وابطال حرکت زمین پر کرلو چاہے ابطال بیضیت مدار پر، اول تو یوں ہیں جو ابھی مذکور ہوا کہ نافریت ہوتی تو مدار بیضی نہ ہوتا۔ لیکن وہ بیضی ہے اور نافریت باطل تو حرکت زمین باطل اور آخر یوں ہوا کہ مدار اگر بیضی ہوتا تو نافریت نہ ہوتی تو دورہ نہ ہوتا اور دورہ نہ ہوتا تو مدار نہ ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ مدار اگر بیضی ہوتا تو مدار نہ ہوتا، شے خود اپنے نفس کی مبطل، لہذا بیضیت باطل اب ہیأت جدیدہ کو اختیار ہے جس کا بطلان چاہے قبول کرے مگر یاد رہے کہ بیضیت وہ چیز ہے کہ شروع [2] سترھویں صدی عیسوی میں کپلر نے آٹھ سال رصد بندی کی جانکاہ محنت کی اور مدار کو دائرہ مان کر ۱۹ طریقے فنا کیے کوئی نہ بنا اس کے بعد مدار بیضی لیا اور سب حساب بن گیا اور اسی پر قواعد کپلر کی بنا ہوئی جس بیضیت اور قواعد کپلر پر تمام یورپ کا ایمان ہے اسے باطل مان لینا سہل نہ ہوگا۔ لہذا راہ یہی ہے کہ حرکت زمین سے ہاتھ اٹھائیں کہ ان تمام خرخشوں سے نجات پائیں۔

رَدِّ ہفتم: اقول: ظاہر ہے کہ نفرت جذب سے ہے اور جذب جمیع جہات شمس سے یکساں اور جتنا جذب اتنی ہی نفرت (۷) تو واجب کہ ہر طرف نافریت یکساں ہو اور جتنی نافریت اتنا ہی بعد، تو لازم کہ سب طرف شمس سے بعد یکساں ہو آفتاب عین مرکز مدار ہو لیکن وہ مرکز سے ۳۱ لاکھ میل فاصلہ پر فوکز اسفل میں ہے تو نافریت باطل کہ وہ ایسی چیز چاہتی ہے جو امرِ واقع وثابت کے خلاف ہے۔

عـــہ: اگر کہیے ارادہ الٰہیہ نے ایک سمت معین کردی اگرچہ اس کہنے کی تم سے امید نہیں کہ طبیعات والے اسے بالکل بھولے بیٹھے ہیں، ہر بات میں طبیعت و مادہ کے بندے ہیں، یوں کہے تو جاذبیت و نافریت کا سارا گورکھ دھندہ اٹھار کھئے ارادہ الٰہیہ خود سب کچھ کرسکتا ہے اور جب رجوع الی اللہ کی ٹھہری تو ہیات جدیدہ کا تھل بیڑہ نہ لگا رہے گا اس کا ارادہ وہ جانے یا تم کتب الٰہیہ آسمانوں کا وجود بتائیں گی اور آفتاب کی حرکت جیسا کہ بعونہ تعالی خاتمہ میں آتا ہے اس پر ایمان لانا ہوگا ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] ط ص ۵۹۔ ۱۲

[2] ص ۱۷۰۔ ۱۲

فائدہ: اسی دلیل سے بیضیت رَد ہو سکتی ہے کہ جب ہر طرف بعد برابر تو ضرور مدار دائرہ تامہ ہو گا نہ بیضی لیکن وہ بیضیت سے انکار کر سکتے ہیں نہ کوئی عاقل شمس کو عین مرکز پر مان سکتا ہے کہ مشاہدہ ہر سال سے باطل ہے لاجرم نافریت وحرکت زمین کو رخصت کرنا لازم ہے۔

رَدِّ ہشتم: اقول: نافریت جاذبیت سے دست و گریبان ہو کر کوئی مدار بنا ہی نہیں سکتی، نمبر ۳۴ میں سن چکے کہ زمین کو نصف حضیضی میں قُرب زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اور نصف اوجی میں بعد اور نطاق اوّل و سوم میں مرکز سے قرب بڑھتا جاتا ہے اور دوم و چہارم میں بعد۔ یہ مسائل مسلمہ ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں لیکن نافریت وجاذبیت کا تجاذب ہر گز یہ کھیل نہ بنا رکھے گا۔

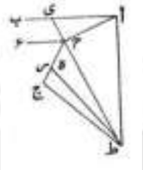

اط، کوئی سا قطر فرض کر لیجئے اور آ، اس کا کوئی سا کنارہ اور ط مرکز خواہ شمس کی جاذبیت نے زمین کو آ سے ط اور نافریت نے ب کی طرف قائمہ پر پھینکنا چاہا اور تعاول قوتین نے کہ جاذبیت اور نافریت کو مساوی مانا ہے (نمبر ۶) اسے کسی طرف نہ جانے دیا بلکہ زاویہ آ کی تصنیف کرتا ہوا خط اح پر ح تک لایا۔ اب آ سے زمین کا بعد ط ح ہوا زاویہ اط ایک عاشرہ یا اس سے بھی خفیف تر کوئی حصہ مانیے تاکہ وہ لہر دار متفرق مستقیم خطوط جن کو چھوٹے چھوٹے مستطیلوں کے قطر کہا جو ہر جزء حرکت پر جذب و نفرت سے بچ کر بیچ میں پڑتے اور ایک لہر دار منحنی کثیر الزوایا شکل بناتے ہیں غایت صغر کے سبب ان کے زاویے اصلاً کسی آلے سے بھی قابل احساس نہ رہیں اور ایک منتظم گولائی لیے ہوئے شبیہ بہ دائرہ یا بیضی پیدا ہو مثلث اط ح میں آ نصف قائمہ ہوگا۔ اور ط وہ خفیف کالعدم زاویہ اور ح مفرجہ کہ ۱۳۵ درجے سے صرف بقدر ط چھوٹا ہے لاجرم ط ح کہ حادہ کا وتر ہے۔ اط سے چھوٹا ہو گا یعنی ط سے زمین کا بعد کم ہوا۔ اب ح پر وہی کشمکش ہے جاذبیت اسے ط کی طرف کھینچتی ہے اور نافریت ۳ کی طرف قائمہ پر پھینکتی اور تعاول قوتیں دونوں سے بچا کر ط ح ء قائمہ کے منصف ح ہ پر ہ تک لانا اور پھر ر اور ح ط ہ اتنا ہی خفیف بنتا اور ط ہ وتر حادہ ط ح و تر منفرجہ سے چھوٹا ہوتا ہے یعنی ط سے اور قریب ہوئی، یونہی ہ پر وہی معاملہ پیش آئے گا اور ط ح، ط ح سے چھوٹا ہو گا ہمیشہ یہی حالت رہے گی، تو زمین کو ط سے ہر وقت قُرب ہی بڑھے گا تو اس کا کوئی مدار بنانا اصلاً ممکن نہیں دائرہ ہو تو وہ ہر طرف بعد برابر چاہے گا اور یہاں ہر وقت مختلف ہے اور بیضی اہلیلجی، شلجمی کوئی شکل ہو تو ایک قطر اطول ایک اقصر رہے جس میں دو نطاق مرکز سے قریب کریں گے تو دو بعید ایک نصف شمس سے قریب کرے گا تو دوسرا بعید، حالانکہ یہاں ہر وقت قرب ہی بڑھ رہا ہے تو زمین اگر گرد شمس

گھومی تو شکل یہ بنائے گی۔@ جس میں ہر وقت شمس سے قریب ہوتی جائے گی یہاں تک کہ اس سے مل جائے نہ کہ کسی مدار واحد پر دائرہ ہو۔

رَدِّ نہم: اقول: بالفرض جاذبہ و نافرہ کو مساوی ماننے سے استعفا بھی دو اور ط ا حؔ کو نصف قائمہ سے بڑا مانو تو ہم دعوٰی کرتے ہیں کہ وہیں تک بڑھ سکتا ہے کہ زاویہ ط سے مل کر ایک قائمہ کم رہے یعنی لازم کہ ا حؔ طؔ منفرجہ آئے کہ اگر قائمہ ہو تو ی ا ح بھی ط کے برابر ہوگا۔ کہ دونوں ط ا حؔ کے تمام تا قائمہ ہیں تو نافریت کا حصہ ایک عاشرہ کم پورا قائمہ رہا اور جاذبیت کا حصہ ایک ہی عاشرہ جو اس کے سامنے عدم محض ہے اور اگر حادہ ہو تو اور بھی صغیر و حقیر رہے گا۔

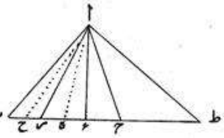

فرض کرا ءؔ قائمہ کا خط ہے یعنی جس نے اسے نکل کر ط بؔ پر قائمہ بنایا تو حادے کا خط اس سے نیچا مثل ا حؔ نہیں گر سکتا ورنہ مثلث ا ء حؔ قائمہ و منفرجہ جمع ہو جائیں نہ ا ءؔ پر آسکتا ہے ورنہ قائمہ و حادہ برابر ہو جائیں۔ لاجرم اس سے اوپر پڑے گا۔ خواہ ار کی طرف رط، اط قطع کرے کہ یہ حادہ اٰ کے مساوی ہو یا آہ کی طرح اط سے چھوٹا کہ یہ حادہ اسے بڑا ہو یا ا حؔ کی طرح اس سے بڑا کہ یہ حادہ اسے چھوٹا ہو بہرحال جب خط ا ءؔ سے اوپر پڑا تو زاویہ زاویہ ب ا ءؔ ایک عاشرہ پورا ہی ہو تو قائمہ میں ۵۴۴۱۹۵۵۸۴۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ عاشرے ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ نافریت کہ بؔ کی طرف لے جاتی تھی اسے پانچ مہاسنکھ چوالیس سنکھ انیس پدم پچپن نیل تراسی کھرب ننانوے ارب ننانوے کروڑ ننانوے لاکھ ننانوے ہزار نو سو ننانوے حصے کھینچ لے گئی اور بیچاری جاذبیت کہ ط کی طرف لاتی تھی صرف ایک حصہ کھینچ سکی یہ نہ معقول ہے نہ اس کی کوئی وجہ نہ کوئی اتنا فرق مانتا ہے نہ مان سکتا ہے۔ جانتے ہو کہ ایک عاشرے کی قوس کتنی ہے مدار شمس یا تمہارے طور مدار زمین میں جس کا قطر اوسطاً اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل ہے ایک بال کی نوک کا لاکھواں حصہ بھی نہیں محیط ۳۶۰ درجے ہے درجہ ۶۰ دقیقہ اور ہم نے حساب کیا اس مدار کا ایک دقیقہ ستائیس ہزار تینتیس میل ۵ء ہے اور ہر میل ۱۷۶۰ گز ۴۸ انگل، ہر انگل چھ جو ہر جو دم اسپ ترکی کے چھ بال، تو ایک درجے میں صرف ۴۹۳۱۶۱۸۰۴۸۰۰ بال ہوئے کہ پچاس کھرب بھی نہیں، اور ایک درجے میں عاشرے ۶۰۴۶۶۱۷۶۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ ہوتے ہیں کہ چھ سنکھ سے بھی زائد ہیں اس پر تقسیم کیے گئے تھے

۸ حاصل ہوا یعنی اس مدار عظیم کا عاشرہ ایک بال کی نوک سوا لاکھ حصوں سے ایک حصہ ہے کیا جاذبیت اتنا ہی کھینچ سکی باقی سارا ماثر نافریت لے گئی، لاجرم واجب کہ ج ہ ح سب منفرجے آئیں اور بعد ہمیشہ گھٹتا جائے گا بلکہ انصافاً آ، ا، نصف قائمے سے فرق کرے گا بھی تو قلیل اور ح وغیرہ ۱۳۵ درجے سے کچھ ہی کم ہوں گے اور قرب بین فرق سے دائماً بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ زمین آفتاب سے لپٹ جائے اب مدار بنانے کی خبریں کہیے۔

ردِ دہم: اقول: اینہم بر علم تو یہاں بعد لی کی بیشی ایک ہی چیز تو نہیں بلکہ مرکز سے نطاق اوّل کم ہوتا گیا۔ دوم میں زیادہ سوم میں پھر کم چہارم میں پھر زیادہ، اور شمس سے نصف حضیضی میں کم ہوتا گیا نصف اوجی میں زیادہ (نمبر ۳۴) کیا وجہ ہے کہ نافریت یہ مختلف ثمرے لاتی ہے وہ قوت شاعرہ نہیں کہ تم سے مشورے لے کہ جس نطاق میں جیسا تم کہو ویسا مختلف کام کرے اور اپنے اثر بدلتی رہے۔ اگر کہیے کہ نطاق اول وسوم میں نافریت ضعیف ہوتی جاتی ہے اس کا اثر کہ بعید کرنا تھا گھٹتا جاتا ہے۔ نطاق دوم و چہارم میں قوی ہوتی جاتی ہے اس کا عمل بڑھتا جاتا ہے۔

اقول: یہ محض ہوس ہے۔ **اولاً:** اس کے اس اختلاف قوت وضعف کا کیا سبب ہے۔

ثانیاً: کیوں انہیں نطاقوں پر اس کا تعین منتظم مرتب ہے۔

ثالثاً: نطاق دوم میں مرکز سے بعد بڑھتا ہے شمس سے قرب کیا وہی نافریت مرکز کے حق میں قوی ہوتی اور شمس کے حق میں ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چال برابر بڑھ رہی ہے جو تمہارے طور پر دلیل قوت نافریت ہے۔

رابعاً: نطاق سوم میں مرکز سے قُرب بڑھتا ہے اور شمس سے بعد کیا وہی نافریت اب یہاں اُلٹی ہو کر مرکز کے حق میں کمزور پڑتی اور شمس کے لیے تیز ہوتی جاتی ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ چال برابر سُست پڑتی جاتی ہے جو دلیل ضعف نافریت ہے مگر یہ کہیے کہ نافریت ایک ذی شعور اور سخت احمق ہے اسے مرکز وشمس دونوں سے نفرت ہے لیکن وہ اپنی حماقت سے دشمن کے گھر میں سوتی رہتی ہے اور جب سر پر آلگتی ہے اس وقت جاگتی ہے مگر پھر بھی غالباً ایک اسی آنکھ سے جس طرف کی زد سر پر آگئی دوسری آنکھ سے اس وقت بھی سوتی رہتی ہے یوں آپ کا نظام پائے گا دیکھو شکل مذکور ۳۴ نقطہ آ، ا، یعنی اوج پر نافریت دونوں آنکھوں سے سوتی غافل پڑی خراٹے لے رہی ہے اور اس کی دشمن جاذبیت اپنا کام کر رہی ہے زمین کو چپکے چپکے مرکز وشمس دونوں سے قریب لا رہی ہے سیدھا یوں نہیں کھینچتی کہ نافریت جاگ اُٹھے گی لہٰذا بچتی کتراتی میر بحری بجاتی لا رہی ہے یہاں تک کہ نقطہ ر یعنی ایک کنارہ قطر اقصر

پر لے آئی جہاں مرکز سے غایت قرب ہے اب نافریت کی وہ آنکھ جو مرکز کی طرف ہے کھلی کہ اسی طرف سے زد آئی تھی زمین کو مرکز سے لے کر بھاگی اور دور کرنا شروع کیا مگر شمس کی طرف والی آنکھ سے اب سورہی ہے اسے خبر نہیں کہ شمس سے دور کرتی تو مرکز سے تو قریب لارہی ہوں، یہاں تک کہ نقطہ ہ پر دوبارہ مرکز سے غایت قُرب میں آئی البتہ اب اس کی دونوں آنکھیں کھلیں اور زمین کو دونوں سے دور لے کر بھاگی یہاں تک کہ نقطہ اپر پہنچی کھینچ تان کی محنت بہت اٹھائی تھی سال پورا دوڑتے دوڑتے ہوگیا یہاں آکر چاروں شانے چت دونوں آنکھوں سے ایک ساتھ سوگئی اور پھر وہی دورہ شروع ہوا۔ یہ فسانہ عجائب یا بوستانِ خیال تم تسلیم کرو کہ کوئی عاقل تو بے دلیل اسے مان نہیں سکتا۔

رَدِّ یازدہم: اقول: یہاں سے ایک اور رد کا دروازہ کھلا ہر غیر مجنون جانتا ہے کہ نافریت کا اثر بعید کرنا ہے جیسے جاذبیت کا اثر قریب کرنا اور تم خود کہتے ہو کہ جتنی جاذبیت قوی ہوگی اتنی نافریت زور پکڑے گی کہ اس کی مقاومت کرسکے (۷) اتنی قرین قیاس ہے آگے کہتے ہیں کہ جتنی نافریت قوی ہوگی چال تیز ہوگی۔ (۷) یہ بھی قرین قیاس تھی اگر وہ چال تیز ہوتی جو بعید کرے لیکن نافریت کی بدقسمتی سے چال وہ تیز ہوتی ہے جو زمین کو شمس سے قریب کرے یعنی نصف حضیضی میں اور مرکز سے لو تو نطاق اول رد کو حاضر کہ جتنی چال تیز ہوتی ہے اتنا مرکز سے قرب بڑھتا ہے۔ یہ الٹی نافریت کیسی۔

رَدِّ دوازدہم: اقول: جانے دو کیسی بھی چال سہی نری اوندھی مگر جاذبیت اگر کوئی شے ہو تو نصف حضیضی میں اس کی قوت ہر وقت بڑھنا آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ ہر روز آفتاب قریب سے قریب ہوتا جاتا ہے تو اگر نافریت ہوئی واجب کہ وہ بھی واقعی بڑھتی جس طرح جاذبیت فی الواقع بڑھی نہ کہ محض برائے گفتن، اور اس کے واقعی بڑھنے کو لازم تھا کہ چال حقیقت میں تیز ہوجاتی، لیکن تمام عقلاء کا اتفاق اور تمہیں خود مسلم ہے کہ شمس کہو یا زمین اس مدار پر دورہ کرنے والے کی چال ہمیشہ متشابہ ہے کبھی نہ سست ہوتی ہے نہ تیز، ہمیشہ مساوی وقتوں میں مساوی قوسیں قطع کرتی ہے اگرچہ دوسرے دائرے کے اعتبار سے دیکھنے والوں کو تیز و سست نظر آئے (دیکھو نمبر ۳۵) تو ثابت ہوا کہ نافریت باطل ہے کہ انتفائے لازم کو انتفائے ملزوم لازم ہے یعنی ترقی جاذبیت تو مشاہدہ ہے اگر نافریت واقع میں ہوتی تو اس وقت ضرور بڑھتی اور اس کے بڑھنے سے چال واقعی تیز ہوتی لیکن اصلًا نہ ہوئی تو نافریت تو ضرور غلط ہے تو گردش زمین باطل ہے کہ بے نافریت اس کا پہیہ ڈھلکے گا یا یوں کہئے کہ اس کی گردش دو پہیے ہیں نافریت و جاذبیت ایک کے گر جانے نے زمین کی گاڑی زمین میں گاڑی کہ ہل نہیں سکتی۔ وللّٰہ الحمد۔

فصل دوم

جاذبیت عـــہ کا رَدّ اور اس سے بُطلانِ حرکت زمین پر پچاس ۵۰ دلیلیں

رَدِّ اوّل: اقول: اہل ہیأتِ جدیدہ کی ساری مہارت ریاضی و ہندسہ وہیأت میں منہمک ہے عقلیات میں ان کی بضاعت قاصر یا قریب صفر ہے وہ نہ طریق استدلال جانتے ہیں نہ داب بحث، کسی بڑے مانے ہوئے کی بے دلیل باتوں کو اصولِ موضوعہ ٹھہرا کہ ان پر بے سروپا تفریعات کرتے چلے جاتے ہیں اور پھر وثوق وہ کہ گویا آنکھوں سے دیکھی ہیں بلکہ مشاہدہ میں غلطی پڑسکتی ہے ان میں نہیں ان کے خلاف دلائل قاہرہ ہوں تو سننا نہیں چاہتے، سنیں تو سمجھنا نہیں چاہتے سمجھیں تو ماننا نہیں چاہتے۔ دل میں مان بھی جائیں تو اس لکیر سے پھرنا نہیں چاہتے۔ جاذبیت ان کے لیے ایسے ہی مسائل سے ہے اور وہ اس درجہ اہم ہے کہ ان کا تمام نظام شمسی سارا علم ہیأت اسی پر مبنی ہے۔ وہ باطل ہو تو سب کچھ باطل، وہ لڑکوں کے کھیل کے برابر برابر کھڑی ہوئی اینٹیں ہیں کہ اگر گراؤ سب گرجائیں۔ ایسی چیز کا روشن قاطع دلیل پر مبنی ہونا تھا نہ کہ محض خیال نیوٹن پر، ایک سیب ٹوٹ کر گرتا ہے اس سے یہ اٹکل دوڑاتا ہے کہ زمین میں کشش ہے جس نے کھینچ کر گرالیا مگر اس پر دلیل کیا ہے جواب ندارد۔

اولاً: عقلائے عالم اثقال میں میل سفل مانتے ہیں کیا وہ میل اس کے گرانے کو کافی نہ تھا یا میل نجانا یوں نہ سمجھ سکتا تھا کہ ثقیل کے استقرار کو وہ محل چاہیے جو اس کا بوجھ سہارے سیب وہی ٹوٹے گا۔ جس کا علاقہ شاخ سے ضعیف ہو جائے وہ کمزور تعلق اب اس کا بوجھ نہ سہار سکے ورنہ سبھی نہ ایک ساتھ ٹوٹ جائیں، ادھر تو ضعیف علاقہ کے سبب شاخ سے چھوٹا ادھر اس سے نرم تر ملاء ہوا کا ملاء اسے کیا سہارتی لہٰذا

عـــہ **تنبیہ:** مطلقاً جاذبیت سے انکار نہیں کہ کوئی شَے کو جذب نہیں کرتی مقناطیس و کہربا کا جذب مشہور ہے بلکہ جاذبیت شمس وارض کا رد مقصود ہے اوّل کالذاتہ کہ اسی کی بنا پر حرکت زمین ہے اور دوم کا اس لیے کہ اسی کو دیکھ کر اس میں بلادلیل جذب مانا ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

اس سے کثیف تر ملاء درکار ہوا کہ زمین ہو یا پانی کیا اتنی سمجھ نہ تھی یا بطلان میل پر کوئی قطعی دلیل قائم کرلی اور جب کچھ نہیں تو جاذبیت کا خیال محض ایک احتمال ہوا محتمل مشکوک بے ثبوت بات پر علوم کی بنا رکھنا کارِ خردمنداں نیست (عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔ت)

ثانیًا لطف یہ کہ یہی ہیأت جدیدہ والے جا بجا[ع۱] ثقیل میں میل سفل مانتے خفیف میں میل علو لکھ جاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ میل جاذبیت کا سارا میل کاٹ دے گا جب ثقیل اپنے میل سے گرتا سیب کا ٹوٹنا جاذبیت پر کہاں دلالت کرتا ہے یہ یقین و احتمال و طریق استدلال و منصب مدعی و سوال سے ان کی ناواقفی ہے معلول کے لیے علت درکار ہے جب ایک کافی ووافی علت موجود اور تمہیں بھی مسلم ہے تو اسے چھوڑ کر دوسری بے ثبوت کی طرف اسے منسوب کرنا کون سی عقل ہے۔ بالفرض اگر علت کافیہ معلوم نہ ہوتی بلا دلیل کسی شیئ کو علت بتادینا مردود ہوتا ہے وہاں یہ کہنا تھا کہ علت ہمیں معلوم نہ ہوتی بلا دلیل کسی شیئ کو علت بتادینا مردود ہوتا ہے وہاں یہ کہنا تھا کہ علت ہمیں معلوم نہیں، نہ یہ کہ کافی علت موجود و مسلم ہوتے ہوئے اس سے فرار اور دوسری بے دلیل قرار جاذبیت کے رد کو ایک یہی بس ہے یہاں سے ظاہر ہوا جاذبیت پر ایمان بالغیب انہیں مجبورانہ میل طبعی کے انکار پر لانا ہے اگرچہ وہ نادانی سے کہیں مقر ہوں اگرچہ وہ بے دلیل منکر ہو (ع۲۔۱۱) اور میل طبعی کا ثبوت بلکہ احتمال ہی جاذبیت کو باطل کرتا ہے کہ جب میل ہے جاذبیت کی کیا حاجت اور اس کے وجود پر کیا دلیل، یہ تقریر بعض دلائل آئندہ میں ملحوظ خاطر رہے۔

رَدِّ دوم: اقول: فرض کردم کہ سیب گرنے سے زمین پر جاذبیت کا آسیب آیا مگر اس سے شمس میں جاذبیت کیسے سمجھی گئی جس کے سبب گردش کا طومار باندھ دیا گیا اس پر بھی کوئی سیب گرتے دیکھا۔ یا یہ ضرور ہے کہ جو کچھ زمین کے لیے ثابت ہو آفتاب میں بھی ہو۔ زمین بے نور ہے آفتاب سے منور ہوتی ہے۔ آفتاب بھی بے نور ہوگا کسی اور سے روشن ہوگا۔ یونہی یہ قیاس اس ثالث کو نہ چھوڑے گا اس کے لیے

ع۱: ح ص ۳۴ ثقل ہمیشہ اجسام کو جانب اسفل کھینچتا ہے۔ ص ۱۳۷ اجسام کو جانب پائیں مائل کرتا ہے۔ ص ۳۹ اجسام بقدر ثقیل مطلق سے قرب کے طالب پانی ہمیشہ بالطبع بلندی سے پستی کی طرف میل کرتا ہی۔ ص ۲۱۲ بخار جتنا ہلکا ہوگا۔ زیادہ بلند ہوگا۔ ص ۲۱۷ بخار ہوا سے زیادہ لطیف وخفیف لہذا میل علو کرتا ہے۔

ع۲: ص ۲۱۷ حرارت آفتاب کے سبب اجزائے آب ہلکے ہو کر قصد بالا کرتے ہیں یونہی زمین کے جلے ہوئے اجزاء حرارت وقت کے باعث۔ ص ۲۱۵ ابر بحسب ثقل یا لطافت نیچے یا اوپر حرکت کرتا ہے۔ ط ص ۱۱۵ منجمد اجسام کے تمام اجزاء مل کر زمین کی طرف میل کرتے ہیں اور سیال اجسام کا ہر جز جدا میل زمین کرتا ہے ص ۱۴۱۔ ص ۲۱۷ ہوا گرمی سے ہلکی ہو کر بالا سعود کرتی ہے یونہی جغ ص ۹ میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

رابع درکار ہوگا۔اور اسی طرح غیر متناہی چلا جائے گا یا واپس آئے گا۔مثلاً شمس ثالث سے روشن اور ثالث شمس سے وہ تسلسل تھا یہ دور ہے اور دونوں محال یہ منطق الطیر اسی بے بضاعتی کا نتیجہ ہے جو ان لوگوں کو علوم عقلیہ میں ہے، ورنہ ہر عاقل جانتا ہے کہ شاہد پر غالب کا قیاس محض وہم اور وسواسی ہے۔

رَدِّ سوم: اقول: تم جاذبیت کے لیے نافریت لازم مانتے ہو کہ وہ ہو اور [1] یہ نہ ہو تو کھینچ کر وصل ہو جائے اور ہم نافریت باطل کر چکے تو جاذبیت خود ہی باطل ہو گئی کہ بطلان لازم بطلان ملزوم ہے۔

رَدِّ چہارم: اقول: جاذبیت کے بطلان پر پہلا شاہد عدل آفتاب ہے اس کے مدار میں جسے وہ مدار زمین سمجھتے ہیں ایک نقطہ مرکز زمین سے غایت بعد پر ہے جسے ہم اوج کہتے ہیں اور دوسرا نہایت قرب پر جسے حضیض ان کا مشاہدہ ہر سال ہوتا ہے تقریبًا سوم جولائی کو آفتاب زمین سے اپنے کمال بُعد پر ہوتا ہے اور سوم جنوری کو نہایت قرب پر یہ تفاوت اکتیس لاکھ میل سے زائد ہے تفتیش جدیدہ میں شمس کا بعد اوسط نو کروڑا نتیس لاکھ میل بتایا گیا اور ہم نے حساب کیا مابین المرکزین دو درجے ۴۵ ثانیے یعنی ۵۲۱۲ء ۲ ہے تو بعد ابعد ۹۴۴۵۸۰۲۶ میل ہوا اور بعد اقرب ۹۱۳۴۱۹۷۴ میل تفاوت ۳۱۱۶۰۵۲ میل اگر زمین آفتاب کے گرد اپنے مدار بیضی پر گھومتی ہے جس کے فوکز اسفل میں شمس ہے جیسا کہ ہیأت جدیدہ کا زعم ہے تو اول ان کی سمجھ کے لائق یہی سوال ہے کہ زمین اتنے قوی عظیم شدیدہ ممتدید ہزار ہا سال کے متواتر جذب سے کھینچ کیوں نہ گئی۔ہیأت [2] جدیدہ میں آفتاب ۱۲ لاکھ ۳۵ ہزار ۱۳۰ زمینوں کے برابر اور بعض [3] نے دس ۱۰ لاکھ بعض [4] نے چودہ لاکھ دس ۱۰ ہزار لکھا اور ہم نے مقررات عـــہ جدیدہ پر بربنائے اصل کروی حساب کیا تو تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو ۲ سو چھپن زمینوں کے برابر آیا۔

عـــہ: وہ مقررات تازہ یہ ہیں قطر مدار شمس ۱۸ کروڑ ۵۸ لاکھ میل قطر معدل زمین ۰۸۶ء ۷۹۱۳ میل قطر اوسط شمس دقائق محیطیہ سے ۳۲ دقیقے ۴ ثانیے پس اس قاعدے پر کہ ہم نے ایجاد اور اپنے فتاوٰی میں جلد اول رسالہ الھنئی المنیر فی الماء المستدیر میں ایراد کیا۔۶۹۰۴۵۷ء لوامیال قطر مدار + ۹۹ ۱۴ ۷ ۴۹ء۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] ۱۸۱۔ ۱۲۔

[2] ص۔۔۔۔۔۔۔۔۔ قلمی نسخہ میں پھٹا ہے (پھر) ۱۳۰ ہی کہا، ۱۲۵۹۷۔ ص ۲۶۶ غائب، ۳۶۱ء ۱۳۴۵۱۲۶ یہ اس کی عادت ہے۔ کہ ہر جگہ مختلف کہے ۱۲ منہ۔

[3] سوالنامہ ہیأت ص ۱۸۔ ۱۲۔

[4] نظارہ عالم ص ۷۔ ۱۲

بہر حال وہ جرم کہ اس کے ۱۲ لاکھ حصوں میں سے ایک کے بھی برابر نہیں اس کی کیا مقاومت کر سکتا ہے تو گرد دورہ کرنا نہ تھا بلکہ پہلے ہی دن کھینچ کر اس میں مل جانا کیا ۱۲ لاکھ اشخاص مل کر ایک کو کھینچیں اور وہ دوری چاہے تو بارہ لاکھ سے کھینچ نہ سکے گا بلکہ ان کے گرد گھومے گا اور کامل علمی رَد یہ ہے کہ کسی قوت کا قوی پڑ کر ضعیف ہو جانا محتاج علت ہے اگرچہ اسی قدر کہ زوال علت قوت جب کہ نصف دورے می جاذبیت شمس غالب آکر ۳۱ لاکھ میل سے زائد زمین کو قریب کھینچ لائی تو نصف دوم میں اسے کس نے ضعیف کر دیا کہ زمین پھر ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ دور بھاگ گئی حالانکہ قرب موجب قوت اثر جذب ہے (۱۰) تو حضیض پر لاکر جاذبیت شمس کا اثر اور قوی تر ہونا اور زمین کا وقتاً فوقتاً قریب تر ہوتا جانا لازم تھا نہ کہ نہایت قرب پر آکر اس کی قوت سست پڑے اور زمین اس کے نیچے سے چھوٹ کر پھر اتنی ہی دور ہو جائے شاید جولائی سے جنوری تک آفتاب کو راتب زیادہ ملتا ہے قوت تیز ہوتی ہے اور جنوری سے جولائی تک بھوکا رہتا ہے کمزور پڑ جاتا ہے۔ دو جسم اگر برابر کے ہوتے تو یہ کہنا ایک ظاہری لگتی ہوئی بات ہوتی کہ نصف دورے میں یہ غالب رہتا ہے نصف میں وہ نہ کہ وہ جرم کہ زمین کے ۱۲ لاکھ امثال سے بڑا ہے اسے کھینچ کر ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ قریب کرے اور عین شباب اثر جذب کے وقت سست پڑ جائے اور ادھر ایک ادھر ۱۲ لاکھ سے زائد پر غلبہ و مغلوبیت کا دورہ پورا نصف نصف انقسام پائے اس پر یہ [1] مہمل عذر پیش ہوتا ہے کہ نقطہ حضیض پر نافریت بہت بڑھ جاتی ہے وہ زمین کو آفتاب کے نیچے سے چھڑا کر پھر دور لے جاتی ہے۔

اقول: یہ ہارے کا حیلہ محض بے سروپا ہے۔ **اولاً:** جاذبیت و نافریت کا گھٹنا بڑھنا متلازم ہے نافریت اتنی ہی بڑھے گی جتنی جاذبیت اور بہر حال مساوی رہیں گی۔ ۱۶۔ ۱۲۔ ۱۴ یہاں اگر نافریت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۸۷۷۶۶۱۹۵۶ لو امیال محیط ا =۳۳۴۴۵۳۸C ۴ء لو دقائق محیط = ۴۳۱۷۴۱۸ ۴ء لو دقیقہ محیطیہ ما + ۵۶۰۵۳۹ء الو دقائق قطر شمس = ۹۳۷۷۹۵۷ ۵ء لو امیال قطر شمس = ۸۹۸۳۴۵۹ ۳ء لو امیال قطر زمین = ۰۹۴۹۸ ۲ء لو نسبت قطرین ما ×۳ کہ کرہ: کرہ قطر: قطر مثلثۃ بالتکریر = ۱۱۸۳۴۹۴ ۶ء لو نسبت کہ تین عدد ۱۳۱۳۲۵۶ وھو المقصود یعنی محیط فلک شمس ۵۸ کروڑ ۷۳ لاکھ ۸ ہزار میل ہے۔ اور ایک دقیقہ محیطیہ ۵ء ۲۷۰۲۳ میل اور قطر شمس ۳ء ۸۶۶۵۵۴ میل اور وہ قطر زمین کے ۵۰۹ء ۱۰۹ مثل ہے اور جرم شمس تیرہ لاکھ تیرہ ہزار دو سو چھپن زمینوں کے برابر اور علم حق اس کے خالق عزوجل کو ۱۲ منہ۔

[1] ط ص ۶۰، ۱۲۔

بدرجہ غایت ہے کہ چال سب سے زیادہ تیز ہے تو جاذبیت بھی بحد کمال ہے کہ قرب شمس سب جگہ سے زائد ہے نافریت جاذبیت سے چھینے توجب کہ اس پر غالب آئے. برابر سے چھین لینا کیا معنی!

ثانیًا: اگر مساوی قوت دوسری پر غالب آسکتی ہے تو یہاں خاص نافریت کیوں غالب آئی جاذبیت بھی تو مساوی تھی وہ کیوں نہ غالب ہوئی یہ ترجیح بلامرجح ہے۔

ثالثًا: اگر نافریت ہی میں کوئی ایسا طرہ ہے کہ بحال مساوات وہی غالب آئے تو اسے مساوات تو روز اول سے تھی اور نقطوں پر کیوں نہ غالب آئی اسی نقطے کی تعین کیوں ہوئی۔

رابعًا: ہمیشہ اسی کا التزام کیوں ہوا۔

خامسًا: مساوات تو تم بگھار رہے ہو ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ نقطہ اوج سے نقطہ حضیض تک. برابر جاذبیت غالب آرہی ہے۔ قوت کا غلبہ اس کے اثر سے ظاہر ہوتا ہے جاذبیت قرب کرنا چاہتی ہے اور نافریت دور پھینکنا مگر وہاں سے یہاں تک. برابر شمس سے قرب ہی بڑھتا جاتا ہے نافریت اگرچہ بیچارے. برابری کے درجے پر متواتر چال تیز کررہی ہے لیکن اس کی ایک نہیں چلتی اور جاذبیت ہی کا اثر علی الاتصال غالب آرہا ہے پھر کیا معنٰی کہ عین شباب غلبہ پر دفعۃً مغلوب ہوجائے۔

سادسًا: نافریت اگر بڑھی ہے تو خاص نقطہ حضیض پر، یا تو اس نے زمین کو آفتاب سے بال بھر بھی نہ چھینا کہ غایت قرب پر ہے چھینے گی۔ آگے بڑھ کر اس نقطے سے چل کر شمس سے بعد بڑھتا جائے گا، مگر اس نقطے سے سرکتے ہی نافریت بھی تیزی پر رہے گی ہر آن ضعیف ہوتی جائے گی کہ قدم قدم پر چال سست ہوگی۔ عجیب کہ اپنی کمال قوت پر تو نہ چھین سکی جب ضعیف پڑی چھین لی گئی۔

سابعًا: طرفہ یہ کہ جتنی ضعیف ہوتی جاتی ہے اتنی ہی زیادہ چھین رہی ہے کہ جس قدر چال سست ہوتی ہے اتنا ہی بعد بڑھتا ہے یہاں تک کہ اپر کمال سستی کے ساتھ نہایت بعد ہے کیا عقل سلیم ان معکوس باتوں کو قبول کرسکتی ہے ہرگز نہیں عاجزی سب کچھ کراتی ہے۔ اصول علم الہیاۃ [1] نے اس پر عذر گھڑا کہ مرکز شمس کے گرد جو دائرہ ہے اوج میں زمین کا راستہ اس دائرے کے اندر ہو کر ہے لہٰذا شمس کی طرف آتی ہے اور حضیض میں اس دائرے سے باہر ہے لہٰذا نکل جاتی ہے۔

اقول: اوّلًا: کون سا دائرہ یہاں ایک دائرہ معدل المسیر لیا جاتا ہے کہ مرکز شمس کے گرد نہیں مرکز بیضی کے گرد ہے اور دونوں نقطہ اوج و حضیض پر یکساں گزرا ہوا ہے اس شکل سے

---

[1] ص ۱۸۱ ۱۲۔

اہ رب، مدار بیضی ہے مرکز ط شمس اس کے نیچے نقطہ ح پر اوج ب حضیض مرکز ط پر بعد اط یا ط ب سے کہ مساوی ہیں دائرہ اب ح ء معدل المسیر ہے اور اگر یہ مراد کہ مرکز شمس پر اوج کی دوری سے دائرہ کھینچیں ظاہر ہے کہ زمین اوج میں اس دائرے پر آئے گی اور حضیض میں اس سے باہر ہوگی یعنی اس پر نہ ہوگی اس کے اندر ہوگی تو اس کے تعین کی کیا علت، کیوں نہ مرکز شمس پر حضیض کی دوری سے دائرہ کھینچے کہ زمین حضیض میں اس پر ہو اور اوج میں نہ اس پر نہ اندر حقیقۃً باہر معتبر و ملحوظ دائرہ معدل المسیر ہی کیوں نہیں لیا جاتا کہ دونوں میں اس پر گزرے۔

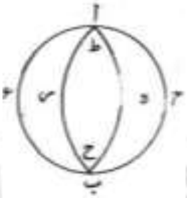

ثانیًا: اس دائرے پر آنے کو شمس کی طرف لائے اور اس سے جدائی کو شمس سے لے جانے میں کیا دخل ہے لانا جذب ہے اور بحسب قرب ہے تو دور سے لانا اور قریب بھگانا الٹی منطق ہے شاید نقطہ اوج میں لاسا لگا ہے کہ طائر زمین کو پھانس لاتا ہے نقطہ حضیض پر کھٹکھٹا بندھا ہے کہ بھگا دیتا ہے۔

ثالثًا: اس دائرے ہی میں کچھ وصف ہے تو زمین صرف حلول نقطہ اوجی ہی کے وقت وہ ایک آن کے لیے اس پر ہوگی یہ آدھے سال آنا اور آدھے سال بھاگنا کیوں، غرض یہ کہ بنائے نہیں بنتی ظاہر ہوا کہ حیلے بہانے محض اسکولی لڑکوں کو بہلانے کے لیے مغالطے ہیں جاذبیت و نافریت کے ہاتھوں ہرگز مدار بن نہیں سکتا۔ بخلاف ہمارے اصول کے کہ زمین ساکن اور آفتاب اس کے گرد ایک ایسے دائرے پر متحرک جس کا مرکز مرکز عالم سے اکتیس لاکھ سولہ ہزار باون میل باہر ہے اگر مرکز متحد ہوتا زمین سے آفتاب کا بعد ہمیشہ یکساں رہتا مگر بوجہ خروج مرکز جب آفتاب نقطہ اپر ہوگا مرکز زمین سے اس کا فصل اح ہوگا یعنی بقدر اب نصف قطر مدار شمس ب ح مابین المرکزین اور جب نطقہ ء پر ہوگا اس کا فصل ح ء ہوگا یعنی بقدر ب ء نصف قطر مدار شمس مابین المرکزین دونوں فصلوں میں دوچند مابین المرکزین فرق ہوگا۔ یہ اصل کروی پر ب ح ہے لیکن وہ بعد اوسط پر لیا گیا ہے۔ ہ مرکز مدار شمس ب فوکز اعلیٰ ح فوکز اسفل جس پر زمین ہے اس میں شمس اس مابین المرکزین ب ح مابین الفوکزین جانتے ہیں اور مابین المرکزین ہ ح اس کا نصف کہ بعد اوسط اح متصف مابین الفوکزین پر ہے۔

تو بعد اوسط نصف مابین الفوکزین = بعد ابعد، نصف مذکور بعد اقرب لاجرم شمس بقدر مابین الفوکزین وضعف مابین المرکزین جدید فرق ہوگا اور یہی نقطے اس قرب و بعد کے لیے خود ہی متعین رہیں گے۔ کتنی صاف بات ہے جس میں نہ جاذبیت کا جھگڑا نہ نافریت کا بکھیڑا۔

ردّ پنجم: جاذبیت کے بطلان پر دوسرا شاہد عادل قمر ہے، اصول علم الہیأۃ ص ۲۰۹ میں خود ہیأۃ جدیدہ پر ایک سوال قائم کیا جس کی توضیح یہ کہ اگرچہ زمین قمر کو قرب سے کھینچتی ہے اور آفتاب دور سے مگر جرم شمس لاکھوں درجے زمین سے بڑا ہونے کے باعث اس کی جاذبیت قمر پر زمین کی جاذبیت سے ۱۱/ ۵ ہے یعنی زمین اگر چاند کو پانچ میل کھینچتی ہے تو آفتاب گیارہ میل اور شک نہیں کہ یہ زیادت ہزاروں برس سے مستمر ہے تو کیا وجہ ہے کہ چاند زمین کو چھوڑ کر اب تک آفتاب سے نہ جاملا، تو معلوم ہوا کہ جاذبیت باطل و مہمل خیال ہے اور اس کا یہ جواب دیا کہ آفتاب زمین کو بھی تو کھینچتا ہے کبھی قمر سے کم کبھی زیادہ جیسا ان کا بعد آفتاب سے ہو تو شمس جتنا قمر کو کھینچتا ہے زمین اپنا چاند بچانے کو اس سے پوری جاذبیت کا مقابلہ کرنے کی محتاج نہیں بلکہ صرف اتنی کا جس قدر جاذبیت مذکورہ زمین کو جاذبیت شمس سے زائد ہے اور یہ اس جاذبیت سے کم ہے جتنی زمین کو قمر پر ہے لہٰذا قمر آفتاب سے نہیں ملتا۔

اقول: توضیح جواب یہ ہے کہ قمر کا شمس سے جاملنا اس جذب پر ہے جو قمر کو زمین سے جدا کرے۔ جذبِ شمسی زمین و قمر دونوں پر ہے، تو جہاں تک وہ مساوی ہیں اس جذب کا اثر زمین سے جدائی قمر نہ ہوگی کہ وہ بھی ساتھ ساتھ بنی ہے۔ ہاں قمر پر جتنا جذب زمین پر جذب سے زائد ہوگا وہ موجب جدائی قمر ہوتا لیکن زمین اس قدر سے زیادہ اسے جذب کررہی ہے تو جدائی نہ ہوگی فرض کرو شمس قمر کو ۹۹ گز کھنیچتا ہے اور زمین سے اسے ۴۵ گز کہ جذبِ شمس سے ۵/ ۱۱ ہے اور آفتاب زمین کو ۹۰ گز کھینچے تو ۹۰ گز تک تو زمین و قمر مساوی ہیں قمر پر ۹ ہی گز جذب شمس زائد ہے لیکن زمین کا جذب اس پر ۴۵ گز ہے تو جذب شمس سے پچگنا ہے لہٰذا شمس سے ملنے نہیں پاتا۔

اقول: خوب جواب دیا کہ قمر کو بڑے سفر سے بچالیا، چھوٹا ہی سفر کرنا پڑا۔ اب کہ جذبِ زمین اس پر زیادہ ہے زمین پر کیوں نہیں آگرتا۔ سوال کا منشا تو جذبوں کا تفاوت تھا وہ اب کیا مٹا قمر شمس پر نہ گرا زمین پر سہی۔

ردِّ ششم: اقول: لُطف یہ کہ اجتماع [1] کے وقت قمر آفتاب سے قریب ہو جاتا ہے اور

---

[1] اصول علم الہیأۃ نمبر ۲۱۰۔ ۱۲

مقابلہ کے وقت دور تر حالانکہ قریب وقت اجتماع آفتاب کی جاذبیت کہ مجموع ہر دو جذب کی ۱۶/۱۱ ہے صرف ۸/۳ ہی عمل کرتی ہے کہ قمر شمس وارض کے درمیان ہوتا ہے زمین اپنی طرف پانچ حصے کھینچتی ہے اور شمس اپنی طرف گیارہ حصے تو بقدر فصل جذب شمس ۱۶/۶ جانب شمس کھینچا، نہیں نہیں، بلکہ بہت ہی خفیف، جیسا کہ ابھی رد پنجم میں واضح ہوا اور قریب وقت مقابلہ جاذبیت کے سب ۱۶ حصے قمر کو جانب شمس کھینچتے ہیں کہ ارض شمس و قمر کے درمیان ہوتی ہے دونوں مل کر قمر کو ایک ہی طرف کھینچتے ہیں۔ غرض وہاں تفاضیل کا عمل تھا یہاں مجموع کا کہ اس کے سہ چند کے قریب بلکہ بدرجہائے کثیرہ زائد ہے تو واجب کہ وقت مقابلہ قمر شمس سے بہ نسبت اجتماع قریب تو آجائے حالانکہ اس کا عکس ہے تو ثابت ہوا کہ جاذبیت باطل ہے۔ اصول الہیأت نمبر ۲۱۰ میں اس قرب و بعد کی یوں تقریر کی کہ اجتماع کے وقت زمین قمر کو شمس سے چھین لے جاتی ہے اور وہ دور ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ مقابل شمس آتا ہے اس وقت شمس و زمین دونوں اسے ایک طرف کھینچتے ہیں تو آفتاب سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اجتماع میں آتا رہتا ہے۔

اقول: کیا زمین وقت مقابلہ سے وقت اجتماع تک نیرین کے بیچ ہی میں رہتی ہے کہ وہ سلسلہ آفتاب سے قریب کرنے کا مسلسل رہتا ہے یا زمین تو مقابلے کے بعد ایک کنارے کو گئی اور جب سے اجتماع ہونے تک جہت خلاف شمس کھینچتی رہی اور اس کا جذب جذب شمس سے بدرجہا زائد ہے جیسا کہ ابھی رد پنجم میں گزرا پھر بھی چاند ہی کہ شمس ہی کی طرف کھنچتا ہے شاید مقابلہ کے خفیف ساعت میں زمین نے اس کے کان میں پھونک دیا تھا کہ چاہے میں کہیں ہوں چاہے میں کسی طرف کھینچوں اور کتنے ہی غالب زور سے کھینچوں مگر تو اسی وقت کے اثر پر رہنا آفتاب ہی سے قریب ہوتا جانا میری ایک نہ ماننا کیونکہ وہ بڑا بوڑھا ہے اس کا لحاظ واجب ہے اور چاند ایسا سعادت مند کہ اسی پر کاربند جب کھینچتے وہ آفتاب کی گود کے پاس پہنچا یعنی اجتماع میں آتا ہے اس وقت زمین اپنی نصیحت پر پریشان ہوتی ہے اور بڑھ کر وہ ہاتھ لگاتی ہے کہ شمس کی گود سے اسے چھین کر آدھے دورے میں نہایت دوری پر لے جاتی ہے یہاں آکر پھر بھول جاتی اور وہی انجھر چاند کے کان میں پھونکتی ہے ایسی پاگل زمین ہیأتِ جدیدہ میں ہوتی ہوگی، غرض دنیا بھر کے عاقلوں کے نزدیک علت کے ساتھ معلول ہوتا ہے اور وہ علت فنا ہو کر علت خلاف پیدا ہو تو فوراً اخلاف ہو جاتا ہے لیکن ہیات جدیدہ کے نزدیک علت کو فنا ہوئے مدتیں گزریں اور خلاف کی علتیں برابر روزانہ ترقی پر ہیں مگر معلول اسی مردہ علت کا جاگ رہا ہے اور ان زندہ علتوں کا معلول فنا ہے یعنی ادھر تو علت معدوم اور معلول قائم اور ادھر علت موجود دو مترقی اور معلوم معدوم۔

رَدِّ ہفتم: اقول: پھر وہ پانچ و گیارہ کی نسبت تو مزعوم ہیأت جدیدہ تھی جس میں خود قاعدہ نیوٹن سے کہ جاذبیت بحسب مربع بعد بالقلب بدلتی ہے عدل تھا۔ اس کا ردّ نمبر ۱۴ میں گزرا، یہ قاعدہ نیوٹن اگر

صحیح ہے تو قمر پر جاذبیت شمس بہ نسبت جاذبیت ارض ۱/۵۰۰۰ ہو گی یہ بھی بہت نادر، اکثر اوقات اس سے بھی کم زمین سے قمر کا بعد ابعد[1] ۲۵۱۹۴۷ میل ہے شمس سے زمین کا بعد[2] اقرب ۹۱۳۴۱۹۷۴ میل فرض کیجئے شمس اپنے بعد اقرب پر ہے اور قمر اجتماع میں اپنے بعد ابعد پر کہ شمس وارض سے فاصلہ قمر میں سب سے کم تفاوت کی صورت ہے باقی سب صورتوں میں اس سے زیادہ فرق ہوگا جو جاذبیت شمس کو اور چھوٹا کرے گا اس نادر صورت پر شمس سے قمر کا بعد ۹۱۰۹۰۰۲۷ میل میں ہوگا۔ اب اگر شمس و ارض میں قوت جذب برابر ہوتی تو نسبت یہ ہوتی جذب الارض للقمر جذب الشّمس للقمر: : (۹۱۰۹۰۰۲۷)۲ (۲۵۱۹۴۷)۲ اول کو ایک فرض کریں تو چہارم ÷ سوم = دوم یعنی $\frac{۶۳۴۷۷۲۹۰۸۰۹}{۸۲۹۷۳۹۳۰۱۸۸۶۰۷۲۹} = ۶۰۰۰۰۰۷۶۵۰۲۶۹ =$ جذب الشّمس للقمر یعنی قمر کو جذب ارض اگر دس کروڑ ہے تو جذب شمس صرف ۷۶۵ یعنی تقریبًا ایک لاکھ تینتس ہزار تین سو تینتس حصوں سے ایک حصہ لیکن شمس میں قوتِ جذوب باعتبار قوت زمین ۲ء۲۷[3] ہے یا ۲۸[4] تو حاصل کو اس میں ضرب دیئے سے ۲ء۰۰۰۲ حاصل رہا یعنی شمس اگر قمر کو اپنی طرف ایک میل کھینچتا ہے تو زمین اپنی طرف پانچہزار میل اور تقریر رد پنجم شامل کیے سے تو جذب زمین کے مقابل جذب شمس گویا صفر محض رہ جائے گا اور زمین کا جذب المعارض ومزاحم کام فرمائے گا اور شک نہیں کہ یہ جذب ہزاروں برس سے جاری ہے اور وجہ کیا ہے کہ قمر اب تک زمین پر نہ گر پڑا اگر جاذبیت صحیح ہوتی ضرور کب کا گر چکا ہوتا تو جاذبیت محض مہمل خیال ہے۔

رَدِّ ہشتم: اقول: قمر کو جذب شمس وارض میں کچھ بھی نسبت ہو یہ تو اجتماع نیرین میں دیکھی جائے گی کہ شمس ایک طرف کھینچے گا اور ارض دوسری طرف، مقابلہ میں تو شمس وارض دونوں ایک طرف ہوتے ہیں اصول الہیأت مضمون مذکور رد ششم میں یہ خوب کہی کہ اس کے سبب قمر شمس سے قریب ہوتا ہے۔ بہت خوب زمین بھی شمس ہی کے لیے کھینچی ہو گی عقلمند بیچ میں زمین ہے تو اس وقت ارض دوسری طرف، مقابلہ میں تو شمس وارض دونوں ایک طرف ہوتے ہیں اصول الہیأت مضمون مذکور رد ششم میں یہ خوب کہی دونوں اپنی مجموعی طاقت سے قمر کو زمین ہی کی طرف کھینچتے ہیں اب کیوں نہیں گرتا اگر کھیے اور سیارے ادھر کو کھینچتے ہیں۔

---

[1] اصول علم الہیاۃ ص ۱۱۳ و ص ۲۶۴۔ ۱۲۔

[2] اس کا بیان ابھی جاذبیت کے رد چہارم میں گزرا۔

[3] اصول علم الہیاۃ ص ۲۶۷۔ ۱۲

[4] اصول علم الہیاۃ ص ۸۳، ۱۲

اقول: ہزاروں بار ہوتا ہے کہ سب سیارے مع زمین ایک طرف ہوتے ہیں اور تنہا قمر دوسری جانب اور ثوابت کا اثر جذب نہ مانا گیا ہے نہ ماننے کے قابل ہے کہ وہ سب طرف محیط ہیں تو داب یکساں ہو کر اثر صفر رہا۔ اب قمر کیوں نہیں گرتا۔ یہ تمام عظیم ہاتھی جمع ہو کر اپنی پوری طاقت سے اس چھوٹی سی چڑیا کو کھینچتے کھینچتے ہلکان ہوئے جاتے ہیں اور چڑیا ہے کہ بال بھر نہیں سرکتی اس کی تیوری پر میل تک نہیں آتا یہ کیسی جاذبیت ہے لاجرم جاذبیت محض غلط ہے۔

ردّ نہم: اقول: نافریت کی گندم پہلے کاٹ چکے ہیں اور بفرضِ باطل ہو بھی تو یہ قرار داد ہے کہ وہ بقدر جاذبیت بڑھتی ہے اور چال بقدر نافریت (نمبر ۷) تو واجب تھا کہ جب سیارے گرد قمر متفرق ہوتے اس کی چال کم ہوتی کہ ان کی جاذبیت باہم معارض ہو کر قمر پر اثر کم پڑ رہا ہے اور جب سیارے قمر سے ایک طرف ہوتے اس کی چال ہمیشہ سے بہت زائد ہو جاتی کہ اسے مجموع جاذبیتوں کا مقابلہ کرنا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا بلکہ "وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ"[1] (اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کیں۔ ت) کے زبردست محکم انتظام نے اسے جس روش پر ڈال دیا ہے ہمیشہ اسی پر رہتا ہے وہ سیاروں کے اجتماع کی پرواہ کرتا ہے نہ تفرق کی، تو قطعًا ثابت ہوا کہ جاذبیت محض وہمی گھڑت ہے۔

رَدِّ دہم: اقول: ان سب سے بڑھ کر بطلان جاذبیت پر شہادت بحر اوقیانوس کا مدوجزر ہے، ہر روز دو بار پانی گزوں حتی کہ ۷۰ فٹ تک اونچا اٹھتا اور پھر بیٹھ جاتا ہے اسے جاذبیت قمر کے سر ڈھالنا جاذبیت ارض کو سلام کرنا ہے اگر قمر کو اس کے بعد[2] اقرب ۲۲۵۷۱۹ میل پر رکھئے اور زمین کی جاذبیت اس کے مرکز سے لیجئے کہ پانی کو اس سے ۵ء۳۹۵۶ میل بعد ہو تو حسب قاعدہ نیوٹن اگر زمین و قمر میں قوت جذب برابر ہوتی پانی پر دونوں کے جذب کی نسبت یہ ہوئی جذب قمر: جذب ارض: :(۵ء۳۹۵۶)۲ = (۳۵۵۷۱۹)۲ ثانی کو ایک فرض کریں تو سوم = چہارم = جذب قمر ہوتا یعنی ۲۵ء۱۵۶۵۳۸۹۲ ۵۰۹۴۹۰۶۶۹۶۱ = ۰ء۰۰۰۳۰۷۲۴۵۹ لیکن قمر میں قوتِ جذب قوتِ زمین کی ۱۵[3] ہے لہذا اسے ۰۵ء میں ضرب دیا حاصل ۰ء۰۰۰۰۴۶ یعنی پانی پر جذب قمر اگر ۲۳ ہے تو جذب زمین پانچ لاکھ یا قمر اگر ایک قوت سے جذب کرتا ہے تو زمین ۲۱۷۳۹ قوتوں سے پھر کیونکر ممکن پانی بال برابر بھی اٹھنے پائے،

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۳۹

[2] اصول ہر دو صفحہ مذکورہ

[3] اصول ص ۲۶۷۔ ۱۲۔

ہم نے نمبر ۷ا کے اعمال ح و ص کے لحاظ سے پانی کا بعد مرکز زمین سے لیا ورنہ زمین سے تو اسے اصلاً بُعد نہیں اور ہم ثابت کر آئے کہ جذب اگر ہے تو ہر گز خاص بمرکز نہیں تمام کُرہ جاذب ہے __________ ہاں انتہائے جذب جانب مرکز ہے تو جب تک جسم واصل مرکز نہ ہو زیر جذب رہے گا و لہٰذا زمین پر رکھا ہو پتھر بھی بھاری ہے اور وزن نہیں ہوتا مگر جذب سے تو ثابت ہوا کہ زمین میں جذب ہے تو ضرور ثقیل متصل کو بھی جذب کرتی ہے بلکہ سب سے اقوی کہ جاذبیت قرب سے بڑھتی ہے۔(۱۰) اور یہ نہایت قرب سے اب تو جذب قمر کو جذب زمین سے کوئی نسبت ہی نہیں ہو سکتی ہے اور اگر اس سے بھی در گزر کرکے تسلیم کرلیں کہ جذب کے لیے فصل ضرور ہے تو ایک فصل معتد بہ مثلاً ایک انگل رکھئے بفرض غلط قبول کرلیں کہ قمر نے ایک انگل پانی زمین سے جدا کرلیا اب محال ہے کہ بال کا ہزاروں حصہ اور بڑھے نہ کہ ۷۰ فٹ تک قمر کا بعد[1] اوسط ۲۳۸۸۲۳ میل ہے، ہر میل ۱۷۶۰ گز، ہر گز اڑتالیس انگل، تو بعد [2] قمر ۱۸۴۰ء۲۰۱۷۶۶۱ بیس ارب انگل مع زیادات ہوا۔ ایک انگل کا مربع ایک کہ جذب قمر ہو اور اس بعد کا مربع ۲۸۱۸۵۶۰۰ ۴۲۰ ۴۰۷۰۹۵۶۶۵۳ کو جذب ارض ہوتا اگر قوت جذب دونوں کروں میں مساوی ہوتی لیکن قمر میں ۱۵ء ہے تو اس عدد کو ۱۵ء پر تقسیم کیا جذبِ ارض۔ __________ ۲۷۱۳۹۷۱۱۰۲۲۸۰۱۸۷۹۰۴۰۰۰ ہوا یعنی پانی پر جذب قمر کی ایک قوت ہے تو جذب زمین کی دو سو اکہتر مہاسنکھ سے بھی سنکھوں زائد ہے تو مدمحال قطعی ہوتا ہے لیکن واقع ہے تو یقیناً زمین میں جاذبیت نہیں اگر کہے ہیأتِ جدیدہ والے تو یہ کہتے ہیں کہ چاند سارے کرہ زمین کو گزوں اونچا اٹھالیتا ہے تو پانی کا ستر فٹ اٹھالینا کیا دشوار ہے۔

اقول: چاند کا زمین کو اونچا اٹھالینا نرا ہذیان ہے زمین کا وزن، ______ ۱۶۹۹۳۲۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ سولہ ہزار نو سو ترانوے مہاسنکھ من اور بیس سنکھ من ہے وہ قمر[3] سے انچاس حصے بڑی ہے بلکہ اس کا جرم[4] جرم قمر کا وزن میں ۵ء۸۱ مثل ہے، کیا چھٹنکی ڈیڑھ چھٹانک پانچ سیر پختہ وزن پر غالب آکر اسے کھینچ لے گی یا قمر کو جر ثقیل کی کوئی کل دی گئی ہے اس کے پاس ایک کل ہوگی تو زمین کے پاس انچاس کہ قبل اس کے کہ وہ اسے بال بھر اٹھاسکے یہ اسے کھینچ کر گرالے گی، اور اگر بالفرض قمر زمین کو اٹھا بھی لے تو زمین چاہے سو گز نہیں سو میل

---

[1] اصول ہر دو صفحہ مذکورہ ہوا۔

[2] ص ۱۲۰۰۔۱۲

[3] ص ۱۹۷۔۱۲

[4] ص ۲۱۰۔۱۲۔

کھینچ جائے پانی کا ذرہ بھر اٹھنا ممکن نہیں زمین کے اس طرف چاند کے خلاف کوئی دوسرا حامل اقوی نہ تھا جس سے چاند اسے نہ چھین سکتا اور پانی کو زمین مہا سنکھوں زیادہ زور سے کھینچ رہی ہیں چاند اسے کیونکر کھینچ سکے گا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ مثلاً سیر بھر وزن کے ایک گولے میں لوہے کا پتر نہایت مضبوط کیلوں سے جڑا ہوا ہے تم اس گولے کو ہاتھ سے کھینچ سکتے ہو لیکن اس پتر کو گولے سے جدا نہیں کر سکتے جب تک وہ کیلیں نہ نکالو یہاں پانی پر وہ کیلیں صدہا مہا سنکھوں طاقت سے جذب ہے جب تک یہ معدوم نہ ہو پانی ہزاروں چاندوں کے ہلائے ہل نہیں سکتا لیکن ہلتا کیا گزوں اٹھتا ہے تو ضرور جذب زمین معدوم ہے۔ **وھو المقصود** اگر کہیے ضرور اس سے زمین کی جاذبیت تو باطل ہوگئی لیکن قمر کی تو مسلم رہی۔

اقول: اوّلاً: مقصود ابطال حرکت زمین ہے وہ جاذبیت شمس پر مبنی اور اوپر گزرا کہ زمین ہی میں جاذبیت گمان کرکے شمس کو اس پر بلا دلیل قیاس کیا ہے جب یہی باطل ہوگئی قیاس کا دریا ہی جل گیا شمس میں کہاں سے آئے گی یا یوں کہیے کہ ہیأت جدیدہ کا وہ کلیہ کہ ہر جسم میں بقدر مادہ جاذبیت ہے جس کی بناء پر شمس میں اس کے لائق جاذبیت اور اس کے سبب زمین کی حرکت مانی تھی باطل ہوگیا اور جب معلوم ہوگیا کہ بعض اجسام میں جذب ہے بعض میں نہیں تو جذب شمس پر دلیل نہ رہی ممکن کہ شمس انہیں اجسام سے ہو جن میں جذب نہیں۔

ثانیاً: مد کا جذب قمر سے ہونا بھی بوجوہ کثیرہ مخدوش ہے جن کا بیان نمبر ۱۶ میں گزرا۔

رَدِّ یازدہم: اقول: جو دوسری طرف کی مد کی توجیہ کی کہ زمین اٹھتی ہے اور ادھر کے پانی کو چھوڑ آتی ہے۔ جاذبیت ارض کی نفی پر دلیل روشن ہے سمت مواجہ کے پانی پر تو ارض و قمر کا تجاذب تھا یہ غلط مان لیا کہ قمر غالب آیا، سمت دیگر کے پانی کو تو دونوں جانب زمین ہی کھینچ رہی ہے اسے زمین نے کیونکر چھوڑا قمر کا جذب اس پر کم تو زمین کا جذب تو بقوت اتم ہے اور یہاں اس کا معارض نہیں پھر چھوڑ دینے کے کیا معنی!

رَدِّ دوازدہم: اقول: یہ جو ہیاتِ جدیدہ نے اقرار کیا کہ جذب قمر میں پانی زمین کا ملازم نہیں رہتا قمر کی جانب مواجہ میں بوجہ لطافت و قرب آب پانی زمین سے زیادہ اٹھتا ہے اور دوسری طرف بوجہ بعد آب زمین پانی سے زیادہ اٹھتی ہے۔ یہ بڑے کام کی بات ہے اس نے زمین پر جاذبیت شمس کا قطعی خاتمہ کردیا اگر وہ صحیح ہوتی تو جب جذب قمر سے یہ حالت ہے جو انتہا درجہ صرف ۷۰ ہی فٹ اٹھا سکتا ہے تو جذب شمس کہ زمین کو ۳۱ لاکھ میل سے زیادہ کھینچ لاتا ہے۔ واجب تھا کہ پانی پر اسی ۷۰ فٹ اور ۳۱ لاکھ ۱۶ ہزار باون میل کی نسبت سے اشد و اقوی ہوتا سامنے کے پانی زمین کو چھوڑ کر

لاکھوں میل چلے جاتے زمین نری سوکھی رہ جاتی یا قوت جذب کے سبب قوت نافریت پانی کو زمین سے بہت زیادہ جلد تر گھماتی یا توساری زمین پانی میں ڈوب جاتی اگر پانی پھیلتا یا ہر سال سارے جنگل اور شہر غرقاب ہو کر سمندر ہو جاتے اور تمام سمندر چٹیل زمین ہو جایا کرتے اگر پانی اتنی ہی مساحت پر رہتا۔

ردسیزدہم: اقول: ہوا تو پانی سے بھی لطیف تر ہے اور بہ نسبت آب آفتاب سے قریب بھی زیادہ تو اس پر جذب شمس اور بھی اقوی ہوتا اور روئے زمین پر ہوا کا نام و نشان نہ رہا ہوتا یا نافریت آڑے آتی تو ہوا کو زمین سے بہت زیادہ گھماتی اب اگر ہوا بھی مثل زمین مشرق کو جاتی تو تمہارے طور پر لازم تھا کہ پتھر جو سیدھا اوپر پھینکا جاتا ہے بہت دور شرق میں جا کر گرتا ہوا کی تیزی زمین سے دو چند ہی ہوتی اور پتھر مثلاً ۲ سیکنڈ میں ۱۶ فٹ اوپر چڑھتا اور ایک سیکنڈ میں نیچے اترتا تو اس تین سیکنڈ میں زمین ۲ء۱۵۱۹ گز چلتی لیکن ہوا کہ ان سیکنڈوں میں پتھر جس کا تابع رہا ۴ء۳۰۳۸ گز جاتی تو پتھر ۱۵۱۹ گز دور جا کر اترتا ہے حالانکہ جہاں سے پھینکا تھا وہیں اترتا ہے اور اگر ہوا غرب کو جاتی تو پتھر ۴۵۵۸ گز دور غرب میں گرتا کہ تین سیکنڈ میں زمین کا وہ موضع جہاں سے پتھر پھینکا تھا ۲ء۱۵۱۹ گز مشرق کو چلا اور پتھر باتباع ہوا وہاں سے ۴ء۳۰۳۸ گز غرب کو گیا مجموع ۴۵۵۸ گز ڈھائی میل سے زیادہ کا فاصلہ ہو گیا لیکن وہاں کا وہیں گرتا ہے تو یقیناً جذب شمس و حرکت زمین دونوں باطل۔

ردِ چاردہم: اقول: کتنی واضح و فیصلہ کن بات ہے کاغذ کا تختہ دو برابر حصے کرکے ایک ویسا ہی پھیلا ہوا ایک پلے میں رکھو اور دوسرا گولی بنا کر کہ پہلے سے مساحت میں دسواں حصہ رہ جائے اگر جاذبیت ہے واجب کہ اس کا وزن گولی سے دس گنا ہو جائے کہ جذب بحسب مادہ جاذب بدلے گا۔ (۱۰) اور مادہ مجذوب و بعد یہاں واحد ہیں اور اول کے مقابل زمین کے دس ۱۰ حصے ہیں تو اس پر دس جذب ہیں اور گولی پر ایک اور وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے۔ (۱۵) تو واجب کہ اس کا وزن گولی دہ گنا ہو حالانکہ بداہۃً باطل ہے تو جذب قطعاً باطل بلکہ ان کا جھکنا اپنے میل طبعی سے ہے اور نوع واحد میں میل بحسب مادہ ہے اور یہاں مادہ مساوی لہٰذا میل برابر لہٰذا وزن یکساں۔

فائدہ: اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ وہ جو مختلف کروں پر شیئ کا وزن مختلف ہو جانا بتایا تھا (۱۵) سب محض تراشیدہ خیال باطل تھے ورنہ جیسے وہاں جذب شمس وارض میں ا و ۸ کی نسبت تھی یہاں بھی دونوں حصے زمین میں اور ۱۰ کی نسبت ہے اور ا ء ۲۸ اور ا و ۱۰ اکی ہو سکتی ہے۔

رَدِّ پانزدہم: اقول: واجب کہ وہ تختہ اور گولی دونوں ایک مسافت سے ایک وقت میں

زمین پر اتریں کہ اگر تختہ پر ہوا کی مزاحمت دہ چند ہے تو اس پر زمین کا جذب بھی تو دہ چند ہے بہر حال مانع و مقتضی کی نسبت دونوں جگہ برابر ہے تو اترنے میں مساوات لازم حالانکہ قطعاً تختہ دیر میں اترے گا تو ثابت ہوا کہ مقتضی جذب نہیں بلکہ ان کا طبعی میل کہ دونوں میں برابر ہے تو مقتضی مساوی ایک پر مانع دہ چند لاجرم دیر کرے گا۔

رَدِّ شانزدہم: اقول: ملا جتنا کثیف تر جاذبیت بیشتر (نمبر ۱۰) تو وزن اکثر (۱۵) تو پانی میں بہ نسبت ہوا وزن بڑھنا چاہیے حالانکہ عکس ہے استاذ ابوریحان بیرونی نے سو مثقال سونا ہوا میں تول کر سونے کا پلہ پانی میں رکھا اور باٹ کا ہوا میں، ۳/۴۔۹۴ مثقال رہ گیا۔ بیسیوں حصے سے زیادہ گھٹ گیا۔ ہم نے سونے کے کڑے کہ ہوا میں ایک چھٹانک چار روپے ایک چونی ڈیڑھ ماشے بھر سونا تھے پانی میں تولے سونے کا پلہ سطح آب سے ملتے ہی ہلکا پڑا وزن کا پلہ ہوا میں جھکا جب سونے کا پلہ پانی کے اندر پہنچا وزن صرف ایک چھٹانک تین روپے بھر رہ گیا دسویں حصے سے زیادہ گھٹ گیا۔ یہ کمی اختلافِ آب و ہوا و موسم سے بدلے گی۔ ابوریحان نے جیحون کا پانی لیا اور خوارزم میں فصل خریف میں تولا اور ہم نے کنویں کا پانی اپنے شہر میں موسم سرما میں میل طبعی پر، اس کی وجہ ظاہر ہے میل بقدر روزن جھکاتا ہے اور جس ملا میں حجم ہے وہ بقدر کثافت مزاحمت کرتا ہے وزن دونوں پلوں کا برابر ہے ہوا میں دونوں کا مزاحم بھی برابر تھا برابر رہے جب ایک پانی سے ملا جھکنے کا مقتضی کہ میل ہے اب بھی بدستور برابر ہے مگر جھکنے کا مزاحم اس پلے پر بہت قوی ہے کہ پانی ہوا سے بدرجہا کثیف تر ہے لاجرم یہ کم جھکا اور ہوا کا پلہ زیادہ، فافہم وتامل لیکن بربنائے جاذبیت یہ اصلاً نہ بن سکے گا کہ جس کی کثافتِ آب نے مزاحمت بڑھائی ہے اسی کثافت نے اسی نسبت پر وزن بھی بڑھایا ہے تو مانع و مقتضی برابر ہو کر حالت بدستور رہنی لازم تھی اور ایسا نہیں تو ضرور جاذبیت باطل ہے، اصول[1] طبعی میں کہا سبب اس کا یہ ہے کہ پانی اوپر کی طرف زور کرتا ہے لہٰذا سونے کو سہارا دے کر وزن کم کرتا ہے۔

اقول: اولاً: اگر اس سے صرف نیچے جانے کی مزاحمت مراد تو ضرور صحیح ہے اور اس کا جواب بھی سُن چکے اور اگر یہ مقصود کہ پانی سونے کو اوپر پھینکتا ہے جیسا کہ اوپر کی طرف زور کرنے سے ظاہر تو عجیب جہل شدید ہے پانی اپنے سے ہلکی چیز کو اوپر پھینکتا ہے کہ خود اس سے زیادہ اسفل کو چاہتا ہے اپنے سے بھاری کو سہارا دے تو لوہا بلکہ کوئی چیز پانی میں نہ ڈوبے۔

---

[1] ص ۱۱۵۔ ۱۲۔

ثانیاً: ایسا ہو تو یہ جذب زمین پر تازہ رَد ہوگا جب پانی اپنے سے ہلکی بھاری ہر چیز کو پھینکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اس کی طبیعت میں وضع ہے اور دفع ضد جذب ہے تو اس کی طبیعت میں جذب نہیں اور وہ زمین ہی کا جزء ہے تو زمین میں نہیں تو شمس میں کس دلیل سے آئے گا، اور حرکت زمین کا انتظام کدھر جائے گا۔

رَدِّ ہفد ہم: اقول: ایک بڑی مشک اور ایک مشکیزہ ہوا سے خوب بھر کر منہ باندھ کر پانی میں بٹھانا چاہو تو مشک زیادہ طاقت مانگے گی اور دیر میں بیٹھے گی اور بٹھا کر چھوڑ دو تو مشکیزہ سے جلد اوپر آئے گی اور ایک بڑا پتھر اور ایک چھوٹا اوپر حد واحد تک پھینکو تو بڑا زیادہ طاقت چاہے گا اور دیر میں جائے گا اور چھوٹے سے جلد اتر آئے گا، پانی کا دباؤ اگر مشکوں کو اٹھاتا اور زمین کا جذب پتھروں کو گراتا تو قسر اقوی پر ضعف ہوتا ہے اور اضعف پر اقوی چھوٹا پتھر اور مشکیزہ جلد آتا ہے اور بڑا پتھر اور مشک دیر میں۔ ہاں ہاں یہ کہئے کہ بڑے کا دافع بڑا ہے زیادہ دفع کرے گا تو وہ مدفوع بھی تو بڑا ہے کم دفع ہوگا تو غایت یہ کہ نسبت برابر رہے دونوں برابر اٹھیں مشک پر زیادہ کیوں، یونہی جذب میں اگر کہے مشک اور بڑے پتھر نے یوں جلدی کی کہ بیچ میں جو ملا حائل ہے بڑی چیز، اس کے چیرنے پر زیادہ قادر ہے تو اولاً بڑے حائل بھی بڑا ہے تو نسبت برابر رہی۔ یہ وجہ کہ بڑی چیز اثر قسر کم قبول کرتی ہے تو پانی کے دباؤ سے مشک کیوں جلد اٹھی اور زمین کے جذب سے بڑا پتھر کیوں جلد آیا، اگر کہیے جذب بحسب مادہ ہے بڑے پتھر میں مادہ زائد تھا اس پر جذب زمین زیادہ تھا لہٰذا دیر میں اُوپر گیا اور جلد نیچے آیا۔

اقول: اولاً: یہ مردود ہے دیکھو ۱۱

ثانیاً: خود اس قول کو تفاوت اثر سے انکار ہے (۱۲)

ثالثاً: یہ وہی بات ہے کہ جاذبیت کا تھل بیڑا لگا رکھے گی تمہارے یہاں وہی اجزائے دیمقراطیسیہ ثقیل بالطبع ہیں (نمبر ۸۔۹) تو جذب کیوں ہو وہ اپنی طبیعت سے طالب سفل ہوں گے۔

رابعاً: بڑی مشک کی ہوا میں بھی مادہ زیادہ ہے اور ہیأتِ جدیدہ میں ہوا بھی ثقیل مانی گئی ہے۔ (۱۸) تو بلاشبہہ بڑی مشک پر جذب زمین زائدہ ہے پھر یہ دیر میں نیچی کیوں بیٹھی اور جلد اوپر کیوں آئی، اگر کہیے پانی اس سے زیادہ ثقیل ہے لہٰذا زمین اسے زیادہ جذب کرتی ہے اس لیے یہ اوپر مندفع ہوتی ہے۔

اقول: اولاً: یہ وہی قول مردود ہے کہ جذب بحسب مجذوب ہے۔

ثانیاً: دفع بحسب نسبت ثقل ہوگا پانی اس مشک سے اثقل ہے اور مشک یہ مشکیزہ سے تو مشک پر جذب زمینی مشکیزہ سے زائد ہوا اور دفع مشکیزہ سے

کم تو واجب کہ مشک جلد بیٹھے اور مشکیزہ جلد اٹھے حالانکہ امر بالعکس ہے یا بدستور بلحاظ نسبت تساوی رہے، غرض کوئی کل ٹھیک نہیں بیٹھتی اور اگر جذب کو چھوڑ کر میل طبعی مانو تو سب موجہ ہیں ہوا کا میل فوق اور حجر کا تحت ہے مشک پر باد کا بیٹھنا اور پتھر کا اوپر جانا خلافِ طبع تھا، اس لیے اکبر نے زیادہ مقاومت کی اور دیر ہوئی اور مشک کا اٹھنا اور پتھر کا گرنا مقتضائے طبع تھا لہٰذا اکبر نے جلدی کی۔

رَدِّ ہیزدہم: اقول: شے واحد پر بعد واحد سے جاذب واحد کا جذب مختلف ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

تنبیہ: بعد (۱۱) تھرما میٹر کا پارہ ہوائے معتدل میں ایک جگہ پر قائم ہے اس پر جذب زمین کی ایک مقدار معین محدود ہے جو ان کے مادوں اور اس کے بعد معین کا تقاضا ہے اب اگر ہوا گرم ہوئی پارہ اوپر چڑھے گا کیا جذب زمین کم پڑے گا۔ کیوں کم ہوا۔ اس وقت بھی تو زمین و زیبق انہیں مادوں پر تھی وہی بعد تھا۔ گرمی نے زمین یا پارے میں سے کچھ کتر نہ لیا یہاں آکر پارہ ٹھہرے گا جب تک اسی گرمی پر ہے، اب ہوا سرد پڑی پارہ نیچے اُترے گا اور خطِ اعتدال پر بھی نہ ٹھہرے گا۔ کیا جذبِ زمین بڑھے گا۔ کیوں، اب بھی تو ارض و سیماب کے وہی مادے وہی بعد تھا سردی نے زمین یا پارے میں کوئی پیوند جوڑ نہ دیا، یہ اختلاف ہوا کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا کہ پارہ ہوا سے ہمیشہ اثقل ہے۔ گرمی ہوا نے اگر اس میں کچھ خفت پیدا کی تو اس سے پہلے ہوا میں اس سے زیادہ پیدا ہو چکی بلکہ لطافت و کثافت ہوا کا عکس ہے۔ لاجرم جذب غلط ہے بلکہ برودت موجب ثقل ہے، اور ثقل طالبِ سفل اور حرارت موجبِ خفت ہے، اور خفت طالبِ علو۔

رَدِّ نوزدہم: اقول: بخارات پیدا ہوتے ہی اوپر جاتے ہیں ان کا مرکب اجزائے مائیہ وہوائیہ سے ہے اور ان کے نزدیک ہوا بھی ثقیل ہے۔ (نمبر ۱۸) اور پانی اثقل کہ ہوا سے سات[1] سو ستر یا آٹھ سو[2] گنا یا آٹھ[3] سو انیس مثل بھاری ہے اور ظاہر ہے کہ جو ثقیل و اثقل سے ایسا[4] مرکب ہو وہ اس ثقیل سے اثقل ہوگا تو بخار ہوا سے بھاری ہے تو یہاں وہ عذر نہیں چلتا جو پانی کے تیل کو پھینکنے میں ہوتا کہ بھاری چیز ہلکی کو پھینکتی ہے کہ ہلکی بھاری کو، پھر ان کے جانے کی کیا وجہ ہے، زمین اگر انہیں جذب کرتی تو کوئی چیز انہیں زمین سے چھین کر اوپر لے جاتی، کیا کوئی سیارہ تو شب کا وہ وقت لیجئے کہ کوئی سیارہ

---

[1] تعریبات شافیہ جز ثانی ص ۱۲، ۴۰

[2] ط ص ۱۳۴۔ ۱۲

[3] ح ص ۲۱۰۔ ۱۲

[4] یعنی جس میں مزاج واستحکام ترکیب نہیں ورنہ نسبت اجزاء کا تحفظ ضرور نہ رہے گا جیسے سونا کہ زیبق وکبریت سے مرکب ہے ۱۲ منہ غفرلہ

نصف النہار بلکہ افق پر اصلاً نہ ہو جیسے وہ زمانہ کہ سیّارات و قمر نور سے سنبلہ تک ہوں اور طالع راس الحمل یا ثوابت تو مہا سنکھوں میل دور سے اجزائے زمین کو خاص اس کی گود سے اچک لیتے، تو چاہیے کہ تمام دنیا کے ریگستانوں میں ریت کا ٹیلہ نہ رہا ہوتا سب کو ثوابت اڑالے گئے ہوتے زمین کہ ان کو جذب کررہی ہے محال ہے کہ وہی دفع کرتی کہ دو ضدین مقتضائے طبع نہیں ہوسکتیں، تو ثابت ہوا کہ جذبِ زمین غلط ہے بلکہ ہوا خفیف ہے اور انمیں جو اجزائے ہوائیہ میں گرمی کے سبب اور لطیف ہوگئے اور اجزائے مائیہ کہ ان میں محبوس ہیں ان میں بوجہ حرارت خفت آگئی جوش دینے میں پانی کے اجزا اوپر اٹھتے ہیں لہٰذا اجزائے ہوائیہ انہیں اڑالے گئے کہ حقیقت طالب علو ہے تو بالضرورۃ ثقیل طالب سفل ہے کہ الضد بالضد یہی میل طبعی ہے تو جاذبیت مہمل، یہ اسی دلیل میں دوسری وجہ سے رد جاذبیت ہوا، اگر کہیے اس حقیقت نے ہمیں کیوں نہ فائدہ دیا۔ حرارت نے اجزائے آب وہوا کو ہلکا کیا لہٰذا ان پر جذب کم ہوا اور برابر کی ہوا نے جس جذب زائد سے ان کو اوپر پھینکا جیسے پانی نے تیل کو۔

اقول: اولاً کیا بخار اسی وقت اٹھتا ہے جب مثلاً پانی جہاں گرم ہوا تھا وہاں سے ہٹا کر ٹھنڈی جگہ لے جاؤ جہاں کہ ہوا کو اثر گرمی نہ پہنچا حاشا بلکہ وہ پیدا ہوتے ہی معاً اٹھتا وہ حرارت کہ اس ہوا کو گرم کرے گی اس کے برابر والی کو گرم نہ کرے گی خصوصاً تیزیِ شمس کے پانی سے بخار اٹھنا کہ آفتاب نے قطعی برابر والی کو بھی اتنا ہی گرم کیا جتنا اسے پھر اس میں اجزائے مائیہ ہونے سے وزن زائد،

ثانیاً: بالکل الٹی کہی تمہارے نزدیک تو جتنا جذب کم اتنا وزن کم (نمبر ۱۵) تو خفت قلّتِ جذب سے ہوتی ہے نہ کہ قلّتِ جذب خفت سے۔

ثالثاً: وہی جو اوپر گزرا کہ مادہ بدستور بعد بدستور، پھر حرارت سے جذب میں کیوں فتور، کیا سبب ہوا کو گرمی نے ہلکا کردیا۔ اگر کہیے کہ حرارت بالطبع طالبِ علو ہے، ولہٰذا نار و ہوا اوپر جاتی ہیں اور برودت بالطبع طالب سفل ہے ولہٰذا آب و خاک نیچے جھکتے ہیں تو ضرور حرارت سے خفت پیدا ہوگی مگر یہ میل طبعی کا قرار اور جاذبیت پر تلوار ہوگا۔

رَدِّ بستم: جو نمبر ۱۸ کے رابعہ میں گزرا کہ جذبِ زمین ہے تو اندر کی ہوا کا اوپر کا ابھارنا کیا معنی اور وہ اس قوت سے کہ صدہا من کے بوجھ کو سہارا دے نہیں نہیں فنا کردے کہ محسوس ہی نہ ہو۔

رَدِّ بست ویکم: اقول: ہر عاقل جانتا ہے کہ رائی کا دانہ پہاڑ کے کروڑویں حصے کے بھی ہم وزن نہیں ہوسکتا نہ کہ سارے پہاڑ سے کانٹے کی تول برابر، مگر مسئلہ جاذبیت صحیح ہے تو یہ ہو کر رہے گا، بلکہ رائی کا دانہ پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی ہوگا، ظاہر ہے کہ پلے کا جھکنا اثر جذب ہے جس پر

جذب زائد ہوگا اس کا پلہ جھکے گا اور برابر ہوں پلے برابر رہیں گے۔(نمبر ۱۵) اب دو کُرے ایسے لیجئے جن میں قوت جذب برابر ہے، ان میں بعد مساوی پر جذب مساوی ہوگا یا سہی مختلف قوت کے لیجئے جیسے قمر زمین، رائی اور پہاڑ کو قمر سے اتنا قریب فرض کرلیجئے کہ زیادتِ قرب سے قوتِ جذب قمر اس کے ضعف جاذبیت کی تلافی کردے، جسے اصول علم الھیأت نمبر ۳۲۲ میں قطر زمین کا ۹ء ۳ کہا اگرچہ ہمارے حساب [عہ] سے تقریبًا ۱ء ۳ ہے۔

عہ: اصول علم الھیأۃ میں مادہ زمین کا ۷۵/۱ لیا اور زمین سے بعد قمر قطر زمین کا ۳۰ مثل اور ہیأت جدیدہ میں مقرر ہے کہ جاذبیت بحسب مادہ بالاستقامت بدلتی ہے اور بحسب مربع بعد بالقلب تو جسم پر جذب قمر وارض مساوی ہونے کے لیے زمین سے ایسے بعد پر ہونا چاہیے کہ اس کا مربع قمر سے بعد جسم کے مربع کے ۷۵ مثل ہو۔

اقول: تو یہاں سے دو مساواتیں ملیں۔ قمر سے بعد کوئی فرض کیجئے اور زمین سے لا: ۰ لا۲ = ۷۵ ی۲، لا + ی = ۳۰: ۰ لا۲ / ۷۵ = (۳۰ ـ لا۲) = ۹۰۰ ـ ۶۰ لا + لا۲: ۰ لا = ۶۷۵۰۰ ـ ۴۵۰۰ لا + ۷۵ لا۲: ۰ ۰ = ۶۷۵۰۰ ـ ۴۵۰۰ لا + ۷۴ لا۲ بلکہ ۷۴ لا۲ ـ ۴۵۰۰ لا = ۶۷۵۰۰: ۰ لا۲ ـ ۵۰۰/۷۴ ـ ۶۷۵۰۰/۷۴: ۰ تکمیل مجذور لا۲ ـ ۴۵۰۰ لا / ۷۴ + ۵۰۶۲۵۰۰/۵۴۷۶ = ـ ۶۷۵۰۰/ ۷۴ + ۵۰۶۲۵۰۰/۵۴۷۶ = ـ ۴۹۹۵۰۰۰/۵۴۷۶ + ۴۹۹۵۰۰۰/۵۴۷۶ = ۶۷۶۵۰۰/۵۴۷۶: ۰ لا ـ ۲۲۵۰/۷۴ = ۷۴/ ۸۱ء ۲۵۹ یہ جذر یہاں منفی ہے: ۰ لا = ۲۲۵۰/۷۰ = ۷۴/ ۸۱ء ۲۵۹ = ۷۴/۱۹ء ۱۹۹۰ = ۸۹۴ء ۲۶: ۰ ی = ۱۰۶ء ۳ وبوجہ دیگر مساوات درجہ اول سے اگرچہ جملہ قوت دوم پر مشتمل ہے، مساوات اولٰی کا جذر لیا: ۰ لا ۷۵ ی = ۶۶۰۳ء ۸ ی: ۰ لا = ۶۶۰۳ء ۸ (۳۰ ـ لا) = ۸۰۹ء ۲۵۹ ـ ۶۶۰۳ء ۸ لا: ۰ ۶۶۰۳ء ۹ لا = ۸۰۹ء ۲۵۹: ۰ لا = ۸۰۹ء ۲۵۹ ــــــــ ۶۶۰۳ء ۹ = ۸۹۵ء ۲۶ ی = ۱۰۵ء ۳ پھر اس کتاب کی عام عادت ہے کہ کچھ کہے گی دوسری جگہ کچھ، مادوں میں ۷۵/۱ کی نسبت لی اور اوپر گزرا کہ جاذبیت قمر کو جاذبیت ۱۵ء بتایا ہے، اس تقدیر پر مساوات یہ ہوگی: ۳ لا۲، = ۲۰ ی، لا + ی = ۳۰: ۰ ۳ لا = ۲۰ (۹۰۰ ـ ۶۰ لا + لا ۲) = ۱۸۰۰۰ ـ ۱۲۰۰ لا + ۲۰ لا ۲: ۰ ۱۷ لا ۲ ـ ۱۲۰۰ لا = ـ ۱۸۰۰۰ بلکہ لا ـ ۱۲۰۰ لا / ۱۷ = ۱۸۰۰۰ / ۱۷: ۰ لا ۲ ـ ۱۲۰۰ لا / ۱۷ + ۳۶۰۰۰۰ / ۱۸۹ ـ ۳۰۶۰۰۰۰ / ۱۸۹ ـ ۳۰۶۰۰۰۰ / ۱۸۹ = ۵۴۰۰۰ / ۱۸۹: ۰ لا ـ ۶۰۰ / ۱۷ = ۹ / ۱۷ ۷۵ء ۳۲ یہ جذر منفی ہے: ۰ لا = ۶۲۱ء ۳۶۷ / ۱۷ = ۶۲۵ء ۲۱: ۰ ی = ۷۵ء ۸ یا ۳ لا = ۲۰۵ (۳۰ ـ لا): ۰ ۳۲۰۵ء ۷ لا = ۲۱۳۶ء ۷۴ء ۴: ۰ (۳۰ ـ لا) = ۱۶۴۰۸۰ء ۴ ۱۳ (باقی برصفحہ آئندہ)

حیز وہی ہے کہ یہاں اس کی تحقیق سے غرض نہیں، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ جب رائی اور پہاڑ دونوں قمر وارض سے ایسے فاصلے پر ہوں کہ قمر کی طرف قطر ارض کا ۹ء ۳ ہو اور زمین کی طرف ۲۶ء۱ کہ ارض و قمر میں بعد قطر زمین کا تیس گناہ ہے۔ اس وقت ان دونوں پر قمر وارض دونوں کی جاذبیت مساوی ہوگی تو دونوں اسی خط پر رہیں گے، نہ کوئی قمر کی طرف جاسکے گا نہ زمین کی طرف جھکے گا تو واجب ہے کہ اگر یہ کسی ترازو کے پلڑوں میں ہوں تو دونوں پلڑے کانٹے کی تول برابر رہیں۔ اور اگر رائی کا پلڑا ایک خفیف مقدار پر اس خط مساوات سے زمین کی طرف مائل ہو اور پہاڑ کا اسی خط پر تو پہاڑ وہیں قائم رہے گا اور رائی کا پلڑا اور جھکے گا کہ جذب زمین بقدر قرب بڑھے گا، پہاڑ کا پلڑا ایک خفیف مقدار جانبِ قمر مائل ہو اور رائی کا اسی خط پر تو رائی یہیں قائم رہے گی اور پہاڑ کا پلڑا اونچا ہوگا کہ اس پر جذب قمر بڑھے گا اور اگر رائی کا پلڑا خط سے اس طرف اور پہاڑ کا اس طرف ہوا جب تو رائی کا پلڑا جھکنے اور پہاڑ کا پلڑا اونچا ہونے کی کوئی حد ہی نہ ہوگی۔ زیادت کی ان اصورتوں میں اگر کوئی عذر ہو تو رائی اور پہاڑ کے ہم وزن ہونے میں تو کلام کی گنجاش ہی نہیں کیا عقلِ سلیم اسے قبول کر سکتی ہے؟ اگر کہیے جذب مساوی رہی پہاڑ خود وزنی ہے لہٰذا اسی کا پلڑا جھکے گا۔

اقول: اولاً: دیکھو پھر بولے تمہارے یہاں وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے۔ (۱۵) جب دونوں طرف جذب مساوی ہو کر اثر جذب کچھ نہ رہا، ☆ پہاڑ میں وزن کہاں سے آیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۔۲۱۳۶۷ ۴ء لا: ۰ ۲۰۴۱۸۶ ۶ء لا = ۱۶۴۰۸۰ ۱۳۴ء: ۰ لا = ۱۶۴۰۸۰ء ۲۰۴۱۸۶/۱۳۴ ۶ء = ۶۳۵ ۲۱ء: ۰ ی = ۵۷۵ ۳ء۸ کس قدر فرق ہے کہاں تین مثل قطر کہاں آٹھ مثل، ڈھائی لاکھ میل سے کم بعد میں چالیس ہزار میل کا تفاوت، جاذبیت، قمر اگر ۱۵ء تھی واجب کہ مادہ قمر بھی اتنا ہوتا نہ کہ ۱/۵۷ اور مادہ ۱/۵۷ تھا تو واجب کہ جاذبیت بھی اسی قدر ہوتی نہ کہ ۱۵ء کہ جاذبیت بحسب مادہ ہے، اگر کہیے ۱/۵۷، فقط مثال کے لیے فرض کرلیا ہے۔ اقول: ہر گز نہیں ص ۲۶۶ پر جو جدول دی ہے اس میں مادہ قمر مادہ زمین کا ۰۱۲۸ء بتایا ہے کہ تقریبًا یہی ۱/۵۷ ہوتا ہے۔ ۱/۵۷ = ۰۱۳ء۰ رفع سے ۱۲۸ ء۰ بھی ۰۱۳ء۰ ہے اور بفرض غلط اگر فرض غلط تھا تو واقعیت معلوم ہوتے ہوئے غلط فرض کیا معنی کیا واقع سے مثال نہ ہو سکتی مگر ہے یہ کہ واقعی نہ یہ نہ وہ، ان لوگوں کی خیال بندیاں ہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

☆ **اقول:** وغیرہ پر جو نمبر یعنی ہندسہ ہے وہ یہاں سے ختم ہے قلمی نسخہ میں اس طرح نہیں ہے، عبدالنعیم عزیزی۔

ثانیاً: اگر پہاڑ خود وزنی ہے تو کیا، اس کا اور رائی کے دانے کا اتنا ہی فرق ہے کہ اس کا پلڑا جھکے نہیں، نہیں وہ یقیناً اپنے وزن ہی سے زمین پر پہنچے گا، اور جس طرح وہاں جھکنے میں جذب کا محتاج نہ تھا زمین تک آنے بھی جذب کا محتاج نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے اپنے ذاتی وزن کی نسبت ہے، اسے زمین پر لائے گی تو ثابت ہوا کہ جذب باطل ہے ورنہ رائی کا دانہ پہاڑ سے بھاری ہوا، یہ جاذبیت کی خوبی ہے اور میل لیجئے تو چاہے رائی اور پہاڑ کو آسمانِ ہفتم پر رکھ دیجئے ہمیشہ ان میں وہی نسبت رہے گی جو زمین پر ہے کہ ان کا میل ذاتی نہ بدلے گا۔

رَدِّ بست و دوم: اقول: دونوں ہیأتوں کے اتفاق سے اعتدالین کی مغرب کو حرکت منتظمہ ہے اور ہم نمبر ۲۲ میں دلائل قاطعہ سے روشن کر چکے کہ وہ جاذبیت سے بن سکنا درکنار جاذبیت ہو تو ہرگز منتظمہ نہ رہے گی۔

رَدِّ بست و سوم: اقول: میل کلی ہر سال منتظم روش پر رُو بکمی ہے اسے بھی جاذبیت مختل کردے گی۔ (۲۳)

رَدِّ بست و چہارم: اقول: جاذبیت ہو تو زمین کے چھلوں کا نظام مختل ہو جائے اور ہر سال قطبین پر زمین زیادہ خالی ہوتی جائے۔

رَدِّ بست و پنجم: اقول: تقاطع اعتدالین کا نقطہ تقاطع چھوڑ کر اونچا ہو جائے۔

ردِّ بست و ششم: اقول: ہر سال قطر استوائی بڑھے۔

ردبست و ہفتم: اقول: زمین کی یہ شکل ہو جائے 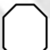 یہ سب مطالب نمبر ۲۲ میں واضح ہوئے۔

دلائل نیوٹن ساز جاذبیت گداز:

ردِّ بست و ہشتم: جب ترک اجسام اجزائے ثقیلہ بالطبع سے ہے اور اس کی تصریح خود نیوٹن ساز نے کی (۸) تو قطعاً جسم ثقیل بلا جذب جاذب خود اپنی ذات میں ثقیل ہے اور ثقیل نہیں مگر وہ کہ جانب ثقل جھکنا چاہے دو چیزوں میں جو زیادہ جھکے اسے دوسری سے ثقیل تر کہیں گے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ اجسام بذات خود بے جذب جاذب ثقل ہے۔ اس سے زیادہ میل طبعی کا ثبوت اور جاذبیت کا بطلان کیا درکار ہے جس کا خود مخترع جاذبیت نیوٹن کو اقرار ہے۔

ردِّ بست و نہم: اقول: ظاہر ہے کہ جذبِ زمین اگر ہو تو وہ نہیں مگر ایک تحریک قسری اور

ہر جسم میں قوتِ ماسکہ ہے جسے حرکت سے ابا ہے اور اس کا منشا جسم کا ثقل وزن ہے۔ (نمبر ۳) تو زمین جسے جذب کرے گی اس کا وزن جذب کی مقاومت کرے گا تو ضرور وزن ذات جسم میں ہے اور وزن ہی وہ شے ہے جس سے پلڑا جھکتا ہے تو میل ثقل طبیعت کا مقتضٰی ہے تو جذب لغو و بے معنی ہے، و بعبارۃ اخری بداہۃً معلوم کہ اجسام اپنے جذب کو مختلف قوت چاہتے ہیں، پہاڑ اس قوت سے نہیں کھینچ سکتا جس سے رائی کا دانہ، یہ اختلاف ان کی ثقل کا ہے جسم جتنا بھاری ہے اس کے جذب کو اتنی ہی قوت درکار ہے۔ (۱۱) کہ ثقل خود جسم میں ہے قوتِ جذب سے پیدا نہیں بلکہ قوتِ جذب کا اختلاف اس پر متفرع ہے، یہی میل طبعی ہے۔

دلائل بر بنائے اتحاد واثر جذب

نمبر ۱۲ میں گزرا کہ چھوٹے بڑے، ہلکے بھاری تمام اقسام اجسام پر اثر جذب یکساں ہے، اگر موافقت ہوا نہ ہوتی تو سب جسم ایک ہی رفتار سے اُترتے اور ہیت جدیدہ کو اس پر اتنا وثوق ہے کہ اسے مشاہدہ سے ثابت بتاتی ہے۔ مشاہدہ سے زیادہ اور کیا چاہیے۔ یہ دلائل اسی نمبر کی بناء پر ہیں۔

رَدِّ سیم: اقول: اجسام کا نیچے آنا جذب سے ہوا اور اس کا اثر سب پر یکساں ہو، اور وزن اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ (۱۵) تو لازم ہے کہ تمام اجسام کا وزن برابر ہو، رائی اور پہاڑ ہم وزن ہوں کانٹے، ترازو، باٹ سب آلاتِ وزن چھوٹے ہو جائیں، بازاروں کا نظام درہم برہم ہو جائے اگر کہیے وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے اور جذب بحسب مادہ مجذوب ہے۔ (۱۱) تو جس میں مادہ زیادہ اس پر جذب زیادہ اور جس پر جذب زیادہ اس کا وزن زیادہ۔

اقول: اولاً: ۱۱۔ مردود محض ہے کما تقدم۔

ثانیاً: واھی وزنوں سے کام نہیں چلتا۔ وزن زیادہ ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ نیچے زیادہ جھکے جو زیادہ نہ جھکے جسم میں کتنا ہی بڑا ہو وزن میں زیادہ نہیں ہو سکتا، جیسے لوہے کا پنسیر اور پان سیر رُوئی کے گالے، اور زیادہ جھکنا تیزی رفتار کو مستلزم۔ ظاہر ہے کہ مثلاً دس گز مسافت سے نیچے اترنے والی دو چیزوں میں جو زیادہ جھکے گی اس مسافت کو زیادہ طے کرے گی کہ یہ مسافت جھکنے ہی سے قطع ہوتی ہے۔ جس کا جھکنا زیادہ اس کا قطع زیادہ، تو اسی کی رفتار زیادہ اور ہیئت جدیدہ کہہ چکی کہ جذب پر چھوٹے بڑے ہلکے بھاری میں مساوی رفتار پیدا کرتا ہے کہ خارج سے روک نہ ہو تو باقتضائے جذب سب برابر اتریں تو جذب سب کو یکساں جھکاتا ہے، اور یہی حامل وزن تھا روشن ہوا کہ جذب سب میں یکساں وزن

پیدا کرتا ہےاور وزن نہیں مگر جذب سے، تو قطعًا تمام اجسام رائی اور پہاڑ ہم وزن ہوئے اس سے بڑھ کر اور کیا سفسطہ ہے، لاجرم جذب باطل بلکہ اجسام میں خود وزن ہے اور وہ اپنے میل سے آتے ہیں، جو بڑے ہیں چھوٹے سے زائد، لہٰذا اس کی رفتار زائد۔

رَدّسی ویکم: اقول: ہر عاقل جانتا ہے کہ نیچے اترنے والے جسم کا ہوا کو زیادہ چیرنا زیادہ جھکنے کی بناء پر ہوگا، اگر اصلًا نہ جھکے اصلًا نہ چیرے گا کہ جھکے کم شق کرے گا زیادہ تو زیادہ لیکن ثابت ہوچکا کہ جذب سب اجسام کو برابر جھکاتا ہے تو سب ہوا کو برابر شق کریں گے پھر ہوا سے اختلاف کرنا دھوکا ہے تو واجب کہ رائی اور پہاڑ ایک ہی چال سے اتریں، اور یہ جنون ہے، ہلکا بھاری کہنا محض مغالطہ ہے، بھاری وہ زیادہ جھکے، جب کوئی آپ نہیں جھکتا سب کو جذب جھکاتا ہے اور وہ سب کو برابر جھکاتا ہے، تو نہ کوئی ہلکا ہے کہ ہوا پر کم دباؤ ڈالے نہ بھاری کہ زیادہ۔

رَدّسی ودوم: ہر عاقل جانتا ہے کہ مزاحمت طلب خلاف سے ہوتی ہے جو چیز نیچے جھکنا چاہے اور تم اسے اوپر اٹھاؤ کہ مزاحمت کرے گی اور جو جتنا زیادہ جھکے گی زیادہ مزاحم ہوگی۔ اور دو چیزیں کہ برابر جھکیں مزاحمت میں بھی برابر ہوں گی کہ مخالف مساوی ہے اور ابھی ثابت ہوچکا کہ نیچے جھکنے میں تمام اجسام برابر ہیں تو کسی میں دوسرے سے زائد مزاحمت نہیں تو جس طاقت سے تم ایک پنسیرا اٹھالیتے ہو اسی خفیف راز سے پہاڑ کیوں نہ اٹھالو۔ اور اگر پہاڑ نہیں اٹھتا تو کنکری کیسے اٹھالیتے ہو؟ اس پر بھی تو جذب زمین کا ویسا ہی اثر ہے جیسا پہاڑ پر، یہاں تو ہوا کی روک کا بھی کوئی جھگڑا نہیں اور وزن کی گند اوپر کٹ چکی کہ اس میں وزن کے سوا کچھ باقی نہیں۔

رَدّسی وسوم: اقول: گلاس میں تیل، ہوا اور پانی ڈالو۔ تیل کیوں اوپر آتا ہے اور جذب کا اثر تو دونوں پر ایک سا ہے اگر دھار کے صدمہ سے ایسا ہوتا ہے تو پانی پر تیل ڈالنے سے پانی کیوں نہیں اوپر آجاتا۔

رَدّسی وچہارم: اقول: کنکری ڈوبتی ہے، لکڑی تیرتی ہے، یہ کس لیے؟ اثر تو یکساں ہے۔

رَدّسی وپنجم: اقول: اب بخار جاذبیت سے بخار نکالے گا اور دھواں اس کے دھوئیں بکھیرے گا یہ اوپر کیوں اٹھتے ہیں، ہوا انہیں دباتی ہے یہ ہوا کو کیوں نہیں دباتے، اثر تو سب پر برابر ہے، واجب کہ بخار ودخان زمین سے لپٹے رہیں بال بھر نہ اٹھیں۔

رَدّسی وششم: اقول: پہاڑ گرے تو دور تک زمین کو توڑتا اس کے اندر گھس جائے گا۔

یہ پہاڑ کی نہ اپنی طاقت ہے کہ اس میں میل نہیں نہ اپنا وزن کہ وزن تو جذب سے ہوا، جذب کا اثر جیسا اس پر ویسا ہی تم پر، تم اوپر سے گر کر زمین میں کیوں نہیں دھنس جاتے۔ اگر کہے اس کا سبب صدمہ ہے کہ پہاڑ سے زیادہ پہنچتا ہے۔

اقول: صدمہ کو دو چیزیں درکار، شدتِ ثقل و قوتِ رفتار، اثر جذب کی مساوات دونوں کو اس میں برابر کر چکی **کما عرفت** (جیسا کہ تُو جان چکا ہے۔ت) پھر تفاوت کیا معنی! بالجملہ ہزاروں استحالے ہیں۔

یہ ہیں تحقیقاتِ جدیدہ اور ان کے مشاہدات چشم دیدہ، **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

دلائل بر بناءِ جذب کُلی

ہم نمبر ۔۱۰۱ میں روشن کر آئے کہ جاذبِ طبعی پر مجذوب کو اپنی پوری قوت سے جذب کرتا ہے اور یہ کہ قوت غیر شاعرہ کا جذب بحسب زیادت کافی کہ مجذوب زائد ہونا محض جہالت سفسطہ ہے اور ہیأت جدیدہ کے نزدیک ہر جسم میں اس کے مادے کے لائق ماسکہ ہے جس کو حرکت سے ابا ہے وہ اسی قدر محرک کی مزاحمت کرتا ہے۔ دلائل آئندہ کی انہیں روشن مقدمات پر بنا ہے اور وہیں ان کی آسانی کو تسلیم کرلیا ہے کہ ہر شیئ کو کُل کُرہ جاذب نہیں بلکہ مرکز تک اُس کا جتنا حصّہ سطح مجذوب کے مقابل ہو کہ ساری زمین اپنی پوری قوت سے ہر شے کو جذب کرے تو اُن پر اور بھی مشکل ہو، ولہذا التساوی قوت جذب کے لیے مجذوبات کی سطح مواجہ زمین کی مساوات لی۔

ردّسی وہفتم: اقول: بداہۃً معلوم اور ہیأتِ جدیدہ کو بھی اقرار کہ ہوا اور پانی اُن میں اُترنے والی چیزوں کی ان کے لائق مزاحمت کرتے ہیں، پَر اور کاغذ کی زائد اور لوہے اور پتھر کی کم۔ یہ دلیل قاطع ہے کہ ان کا اترنا اپنا فعل ہے یعنی میل طبعی سے نہ فعل زمین کے اس کے جذب سے، اس لیے کسی فعل میں مزاحمت جس پر فعل ہو رہا ہے اس کی مخالفت نہیں، بلکہ جو فعل کر رہا ہے اس کے مقابلہ ہے۔ اب چار صورتیں ہیں۔

مزاحم اگر فاعل سے قوی ہو اور فعل خلاف چاہے فعل واقع کرے گا اور صرف روک چاہے یا فاعل سے قوت میں مساوی ہو تو فعل ہونے نہ دے گا اور خفیف ہو مگر معتدبہ تو دیر لگائے گا یعنی فعل تو حسب خواہش فاعل ہو مگر بدیر، اور معتدبہ کو اصلاً اثر مزاحمت ظاہر نہ ہوگا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ زمین سے گز بھر اونچی ہوا آدھا گز بلکہ انگل بھر ہی اونچا پانی اجسام کی مزاحمت کرتے ہیں۔ کہاں ان کی ہستی اور کہاں ان کے مقابل

چار ہزار میل تک زمین جس کا ایک ٹکڑا کہ ان کے برابر کا ہو ان سے کثافت وطاقت میں درجوں زائد ہے نہ کہ وہ پورا حصہ، یقیناً یہ اس کے سامنے محض کالعدم ہیں۔ ہر گز اس کے فعل میں نام کو مزاحم نہیں ہو سکتے۔ تو روشن ہوا کہ اجسام کا اترنا زمین کا فعل نہیں بلکہ خود اُن کا جن کی نسبت سے ہوا اور پانی چاروں قسم کے ہو سکتے ہیں۔

ردّ سی و ہشتم: اقول: مقناطیس کی ذرا سی بٹیا اور کہرباء کا چھوٹا سا دانہ لوہے اور تنکے کو کھینچ لیتے ہیں اگر جذب زمین ہوتی تو ان سے مقابل چار ہزار میل پر جو حصہ زمین ہے یہ خود ان جاذبوں کو اور ان سے ہزاروں حصے زائد کو یہ نہایت آسانی سے کھینچ لے جائے۔ اس کے سامنے ان کی کیا حقیقت تھی کہ یہ اس سے چھین کر اپنے سے ملا لیتے۔ لاجرم قطعاً یہ زمین سے اتصال لوہے اور تنکے کا اپنا فعل تھا جس پر مقناطیس وکہرباء کی قوت غالب آگئی۔

ردّ سی و نہم: اقول: پکا سیب ٹپک پڑتا ہے، اور کچا اگرچہ حجم میں اس سے زائد ہو نہیں گرتا اور شک نہیں کہ لوہے کا ستون جس کی سطح مواجہ اس سیب کے برابر ہو اگرچہ دس ہزار من کا ہو، زمین اُسے کھینچ لے گی، یہاں جس طاقت سے دس ہزار من لوہے کا ستون باآسانی کھنچ آئے گا۔ کچے سیب کا شاخ سے تعلق نہ چھوٹ سکے گا تو واجب کہ کچے پکے پھل سب یکساں ٹوٹ پڑیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا تو یقیناً جذبِ زمین باطل، بلکہ سب اپنے میل سے آتا ہے۔ پکے کا میل اس کے ضعیف تعلق پر غالب آیا ٹوٹ پڑا کچے کا اس کے قوی تعلق پر غالب نہ آسکا آویزاں رہا۔

ردّ چہلم: اقول: آدمی کے پاؤں کی اتنی سطح ہے اس مسافت کا ستون آہنی دس ہزار گز ار تقاع کا آدمی کیا۔ ہاتھی کی قوت سے بھی نہ ہل سکے گا اور بوجہ مساوات سطح مواجہ آدمی پر بھی جذب زمین اتنا ہی قوی ہے تو واجب کہ انسان کو قدم اٹھانا محال ہو دوڑنا تو بڑی بات ہے۔ یونہی ہر جانور کا چلنا، پرند کا اڑنا سب ناممکن ہوا لیکن واقع ہیں تو جذب باطل۔

رَدّ چہل ویکم: پانی اور تیل ہم وزن لے کر گلاس میں تیل ڈالو اوپر سے پانی کی دھار، پانی نیچے آجائے گا خود ہی ہیئات جدیدہ[1] کو مسلم کہ اس کی وجہ پانی کا وزن ہونا ہے۔ یہ کلمہ حق ہے کہ بے سمجھے کہہ دیا اور جاذبیت کا خاتمہ کرلیا۔ بر بنائے جاذبیت ہر گز یہ پانی تیل سے وزنی نہیں۔ وزن جذب سے ہوتا ہے تو وزن جس پر جذب زیادہ ہو وہ اس پانی پر کم ہے کہ ایک کو وہ نسبت روغن زمین سے دور جسے تم نے نمبر ۱۶ میں کہا تھا کہ ادھر کا پانی اگرچہ زمین سے متصل ہے نسبت زمین قمر سے دور ہے دوسری دھار کی مساحت اس گلاس میں

---

[1] ط ص ۱۱۴۔ ۱۲

پھیلے ہوئے تیل سے کم تو اس کا جاذب چھوٹا کثرت مادہ سے وزنی بتاتے اس کا علاج ہموزن لینے نے کر دیا۔ بلکہ وہ پورا پانی پڑنے سے بھی نہ پائے گا تو تیل کو اچھال دے گا تو ہر طرح پانی ہی کم وزنی ہے۔ اور تیل پہلے پہنچا تو اس پر واجب تاکہ پانی اوپر ہی رہتا۔ مگر جاذبیت ابطال کو نیچے ہی جاتا ہے۔ اب کوئی سبیل نہ رہی کہ سوا اس کے کہ اپنے مزعوم نمبر ۸ یعنی اتحاد ثقل ووزن کو استعفٰے دو اور کہو کہ اگرچہ پانی ہم وزن بلکہ کم وزن ہو ثقل طبعی میں تیل سے زائد ہے۔ لہٰذا اس سے اسفل کا طالب ہے اور اسے اعلٰی کی طرف دافع، اب ٹھکانے سے آگئے اور ثابت ہوا کہ جاذب باطل و مہمل اور میل طبعی مسجّل۔

ردّ چہل ودوم: اقول: جذب زمین ہو تو واجب کہ جسم میں جتنا مادہ کم ہو اسی قدر روزن زائد ہو اور جتنا زائد اسی قدر کم مثلاً گز بھر مربع کاغذ کے تختے سے گز بھر مکعب لوہے کی سل بہت ہلکی ہو اور وہ سل جس کی سطح مواجہ ایک گز مربع اور ارتفاع سو گز ہے اور زیادہ خفیف ہو اور جتنا ارتفاع زائد اور لوہا کثیر ہوتا جائے اتنا ہی وزن ہلکا ہوتا جائے یہاں تک کہ کاغذ کا تختہ اگر تولہ بھر کا تھا تو وہ عظیم لوہے کی سل رتی بھر بھی نہ ہو نہ رتی کا ہزاروں لاکھوں حصہ ہو، وجہ سنئے جسم میں جتنا مادہ زیادہ ماسکہ زیادہ اور جتنی ماسکہ زیادہ جاذب کی مزاحمت زیادہ اور جتنی مزاحمت زیادہ اتنا ہی جذب کم اتنا ہی وزن کم کہ وزن تو جذب ہی سے پیدا ہوتا ہے جو کم کھینچے گا کم جھکے گا اور کم جھکنا ہی وزن میں کمی ہونا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جتنا مادہ زیادہ اتنا ہی وزن کم۔ بالجملہ ہر عاقل جانتا ہے کہ قوی پر اثر ضعیف ہوتا ہے اور ضعیف پر قوی جب دو چیزوں کے جاذب مساوی ہوں ان کی قوتیں مادی ہوں گی اور مساوی قوتوں کا اثر اختلاف مادہ مجذوب سے بالقلب بدلے گا یعنی مجذوب میں جتنا مادہ زائد اتنا اس پر جذب کم ہوگا لاجرم اتنا ہی وزن کم ہوگا اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ درکار ہے، بقیہ کلام ردّ چوالیس میں آتا ہے۔

ردّ چہل وسوم: اقول: جذب جس طرح اوپر سے نیچے لانے کا سبب ہوتا ہے، نیچے سے اوپر اٹھانے کا مزاحم ہوتا ہے کہ جاذب کے خلاف پر حرکت دینا ہے۔ پہلوان اور لڑکے کی مثال ردّ اڑتالیس میں آتی ہے اور ثابت ہو چکا کہ جتنا مادہ کم اتنا ہی جذب قوی تو واجب کہ ہزار گز ارتفاع والی لوہے کی سِل ایک چٹکی سے اٹھ آئے، جیسے کاغذ کا تختہ، اور کاغذ کا تختہ سو پہلوانوں کے ہلائے نہ ہلے۔ جیسے وہ لوہے کی سِل غرض جاذبیت سلامت ہے تو زمین و آسمان تہ و بالا ہو کر رہیں گے، تمام نظامِ عالم منقلب ہو جائے گا۔

رَدّ چہل وچہارم: اقول: واجب کہ وہ کاغذ کا تختہ اُس ہزار گز ارتفاع والی لوہے کی سِل سے بہت جلد اترے کہ جتنا مادہ کم اتنا ہی جذب زائد اتنا ہی جھکنا زائد، اور جتنا جھکنا زائد اُتنا ہی اترنا جلد

حالانکہ قطعًا اس کا عکس ہے تو واضح ہوا کہ اترنا جذب سے نہیں بلکہ ان کی اپنی طاقت سے جس میں مادہ زائد میل زائد تو جھکنا زائد تو اترنا جلد، رہا مزاحمت ہوا کا عذر (۱۲)

اقول اولاً: ابھی ہم ثابت کرچکے کہ ہوا میں اصلًا تابِ مزاحمت نہیں۔

ثانیًا: بالفرض ہو تو وہ باعتبار سطحِ مقابل ہوگی جس کا ہیأت[1] جدیدہ کو اعتراف ہے اور سطحِ مقابل مساوی دونوں پر مزاحمتِ ہوا یکساں اور کاغذ پر جذب اُس سل سے ہزاروں حصے زائد تو اس کا جلد اترنا واجب، اگر کہیے جذب سے وزن بحسبِ مادہ پیدا ہوتا ہے جس میں جتنا مادہ زائد اُسی قدر اس میں وزن زیادہ پیدا ہوگا اُسی قدر زیادہ جھکے گا کہ وزن موجبِ تسفل ہوگا۔ یہاں سے نمبر ۴۲ تا ۴۴ کا جواب ہوگیا۔

اقول: یہ محض ہوس خام ہے، **اولاً:** کہ وزن جذب سے پیدا ہوگا اس کی خفیف نہیں، مگر جھکنا، کہ بلاواسطہ جذب کا اثر ہے، نہ یہ کہ جذب مادہ میں کوئی صفت جدید پیدا کرے جس کا نام وزن ہو اور حسب مادہ پیدا ہو اور اب وہ صفت جھکنے کا اقتضا کرے، وہاں صرف چار چیزیں ہیں مادہ اور اس کے ماسکہ اور اس کے موافق مزاحمت اور چوتھی چیز مطاوعت یعنی اثر جذب سے متاثر ہو کر جھکنا۔ پہلی تین چیزیں جذب سے نہیں صرف یہ چہارم اثر جذب ہے اور بلاشبہ خود جذب ہی کا اثر ہے، نہ کہ جذب نے تو نہ جھکایا۔ بلکہ اس سے کوئی اور پانچویں چیز پیدا ہوئی وہ جھکنے کی مقتدی ہوئی ایسا ہوتا اور وہ پانچویں جسے اب وزن کہتے ہو اثر جذب سے بحسبِ مادہ پیدا ہوتی تو یہاں دو سلسلے قائم ہوتے۔

اوّل: جتنا مادّہ زائد ماسکہ زائد تو مقاومت زائد تو اثر جذب کم ان میں کوئی جملہ ایسا نہیں جس میں کسی عاقل کو تامل ہوسکے، اور اب یہ ٹھہرا جتنا مادہ زائد وزن زائد تو جھکنا زائد۔

دوم: جتنا مادہ کم ماسکہ کم تو مقاومت کم تو اثر جذب زائد اور اب یہ ہوا کہ جتنا مادہ کم وزن کم تو جھکنا کم۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جتنا مادہ زائد اثرِ جذب کم اور جھکنا زیادہ اور جتنا مادہ کم اثر جذب زائد اور جھکنا کم۔ تو جھکنا اثرِ جذب کا مخالف ہوا کہ اس کے گھٹنے سے بڑھتا اور بڑھنے سے گھٹتا ہے۔ کوئی عاقل اسے قبول کرسکتا ہے، اثر جذب جھکنے کے سوا اور کس جانور کا نام تھا اس کا اثر شیئ کو اپنی طرف لانا اور قریب کرنا ہے تو زیادت قرب اس کی زیادت ہے۔ اور کمی کمی اور جب مجذوب اوپر ہو تو قُرب نہ ہوگا مگر جھکنے سے

---

[1] ط ص ۱۲۔ ہوا اجسام کو اترتے وقت موافق انداز سے ان کی مقدار کا مقابلہ کرتی ہے نہ کہ موافق ان کے وزن کے مزاحمت ایک قد کی گیند چمڑے کی یا لوہے کی ہو برابر ہوگی۔ اھ ۱۲۔

توزیادہ جھکنا ہی اس کی زیادت ہے۔ اور کم جھکنا بھی اس کی کمی نہ کہ عکس کہ بداہۃً باطل ہے۔

ثانیًا: بفرض غلط ایسی بدیہی بات باطل مان لی جائے تو اب بھی ان تینوں نمبروں سے رہائی نہیں، اب نمبر ۴۲ کی یہ تقریر ہوگی کہ کاغذ کا تختہ اور وہ دس ہزار گز ارتفاع والی لوہے کی سل، (تول کانٹے کی) ہموزن ہوں۔

اقول: وجہ یہ کہ جذب اختلاف مادہ مجذوب سے بالقلب بدلے گا یعنی جتنا مادہ زائد جذب کم، کما تقدم، اور وزن جذب سے پیدا ہوتا ہے۔ (۵) اور مادہ جسم سے بالاستقامت بدلے گا یعنی جتنا مادہ زائد وزن زائد، جذب وزن کا سبب ہے۔ سبب جتنا ضعیف ہوگا مسبّب کم اور مادہ وزن کا محل ہے۔ محل جتنا وسیع ہوگا حال زیادہ۔ تو بحال اتحاد جاذب پر دو جسم میں وزن برابر رہے گا اگرچہ مادے کتنے ہی مختلف ہوں۔ لوہے کی سِل میں بتقاضائے کثرت مادّہ جتنا وزن بڑھنا چاہیے بتقاضائے ضعف جذب اتنا ہی گھٹنا لازم اور کاغذ کے تختے میں بوجہ قلّت مادہ جتنا وزن گھٹنا چاہیے بوجہ قوتِ جذب اتنا ہی بڑھنا لازم ہے کہ یہ ضعف و قوت اور وہ کثرت و قلّت دونوں بحسب مادہ ہیں۔ اسے دو رنگتوں سے سمجھو کہ ایک دوسرے سے دس گناہ گہری ہے گہری میں ایک گز کپڑا ڈبویا اس پر دس گنا رنگ آیا ہلکی میں دس گز کپڑا ڈالا اس پر گہرا رنگ آیا لیکن ہر گز پر ایک حصہ ہے۔ تو مجموع پر دس حصے ہوا کہ اول کے برابر ہے۔ یونہی فرض کرو ایک حصہ جذب سے ایک حصہ مادہ میں ایک اس پر وزن پیدا ہوتا ہے تو دس حصے جذب سے ایک حصہ مادہ میں دس سیر ہوگا اور ایک حصہ جذب سے اور دس حصے مادہ میں بھی دس سیر کہ حصہ جذب سے ہر حصہ مادہ میں ایک سیر ہے تو ایک حصہ مادہ میں دس جذب اور دس حصے مادہ میں ایک جذب سے حاصل دونوں میں دس سیر وزن ہوگا اور نمبر ۴۳ میں یہ کہا جائے گا کہ جس آسانی سے کاغذ کے تختے کو زمین سے اٹھا لیتے ہو اس ہزاروں گز ارتفاع والی آہنی سِل کو بھی اسی آسانی سے اٹھا سکو جس طرح وہ سِل ہزار آدمیوں سے ہل بھی نہیں سکتی کاغذ کا تختہ بھی جنبش نہ کھا سکے گا۔ کہ دونوں کا وزن برابر ہے اور نمبر ۴۴ میں یہ کہ کاغذ اور وہ آہنی سل دونوں برابر اتریں اور لوازم سب باطل ہیں۔ لہٰذا جاذبیت باطل، غرض یہاں دو نظریے ہوئے ایک حقیقت بر بنائے جاذبیت کہ جسم میں جتنا مادہ زائد اتنا ہی وزن کم۔ دوسرے اس باطل کے فرض پر یہ کہ جب جاذب مساوی ہوں تو سب چھوٹے بڑے اجسام ہموزن ہوں گے اور دونوں صریح باطل ہیں تو جاذبیت باطل،

رد چہل و پنجم: اقول: مساوی سطح کی تین لکڑیاں بلندی سے تالاب میں گرتی ہیں، ایک روئے آب پر رہ جاتی ہے۔ دوسری جیسے عود غرقی تہ نشین ہوتی ہے۔ تیسری پانی کے نصف عمق تک ڈوب کر پھر اوپر آتی اور تیرتی رہتی ہے۔ یہ اختلاف کیوں؟ اس کا جواب کچھ نہ ہوگا، مگر یہ کہ ان کے مادوں کا اختلاف

جس میں مادّہ سب سے زائد تھا تہ نشین ہوئی، جس میں سب سے کم تھا روئے آب پر رہی، اور متوسط متوسط، مگر بربنائے جاذبیت اس جواب کی طرف راہ نہیں، حق خفیف پر تو عکس لازم تھا کہ جس میں مادہ زائد اس پر جذب کم اور اسی کا وزن کم تو اس کو روئے آب پر رہنا چاہیے تھا اور جس میں مادہ سب سے کم اس کا تہ نشین ہونا اور اس فرض باطل پر کہا جائے گا کہ مختلف مادوں پر مساوی جذب مساوی پیدا کرے گا پھر اختلاف کیوں؟

ردّ چہل وششم: اقول: تیسری لکڑی کا نصف عمق سے آگے نہ بڑھنا کیوں؟ زمین جس قوت سے اُسے کھینچ کر لائی تھی اب بھی اسی قوت سے کھینچ رہی ہے کہ ہنوز منتہٰی تک وصول نہ ہوا ملاآب کی مقاومت ردّ سیم میں باطل ہو چکی اور ہو بھی تو وہ سطح آب سے ملتے ہی تھی۔ جب جاذب واحد مقاوم واحد بلکہ اب جذب اقوی ہے کہ زمین سے قرب بڑھ گیا اور مقاومت کم ہے کہ ملاء آب آدھا رہ گیا تو آگے شق نہ کرنا کیا معنٰی، اگر کہیے اس کا پانی کے اندر جانا جذب زمین سے نہ تھا بلکہ اس صدمہ کا اثر جو اسکے گرنے سے پانی کو پہنچا پہلی لکڑی نے پانی کو اتنا صدمہ نہ دیا کہ اسے شق کرتی۔ دوسرے نے پورا صدمہ دیا اور تہ تک پہنچی۔ تیسری متوسط تھی متوسط رہی۔

اقول اولاً: جذب مان کر جانب اسفل حرکت کو جذب سے نہ ماننا سخت عجب ہے صدمہ اس حرکت ہی نے تو دیا کہ زمین اسے بقوت کھینچ کر لائی تھی اسی قوت نے نصف پانی شق کیا آگے کیوں تھک رہی۔ اگر زمین میں یہیں تک لانے کی قوت تھی تو دوسری لکڑی کو کیسے تہ تک لے گئی۔

ثانیاً: صدمہ کے لیے دو چیزیں درکار، شدت ثقل متصادم اور اس کی قوتِ رفتار، پتے کو کتنی ہی قوت سے زمین پر مارو یا کیسے ہی بھاری گولے کو زمین پر آہستہ سے رکھ دو صدمہ نہ دے گا لیکن اگر گولے کو قوت سے زمین پر پٹکو صدمہ پہنچائے گا اور اس میں قوتِ رفتار کو شدتِ ثقل سے زیادہ دخل ہے بندوق کی گولی جو کام دے گی اس سے دس گنا سیسا ہاتھ سے پھینک کر مارو وہ کام نہیں دے سکتا۔

صورتِ مذکورہ میں جاذبیت کی بدنصیبی سے قوتِ رفتار و شدتِ ثقل دونوں میل طبعی کے ہاتھ بکے ہوئے ہیں۔ جب اجسام اپنی ذات میں ثقل رکھتے اور اپنی قوت سے نیچے آتے ہیں اور وہ مختلف ہیں تو جس میں ثقل زائد اس میں میل زائد، اُسی کی رفتار تیز، اسی کا صدمہ قوی، اور کم میں کم، اوسط میں اوسط، اور بربنائے جاذبیت حق حقیقت لیجئے تو پہلی میں مادہ سب سے کم تو اس پر جذب سب سے زائد، تو اسی کی رفتار قوی، اور وہی زیادہ بھاری، تو اس سے صدمہ سب سے پہلے اقوی پہنچا تھا اور دوسری میں مادہ سب سے زائد تو جذب سب سے کم تو رفتار سب سے ضعیف اور وزن سب سے ہلکا تو اُسی سے صدمہ نہ پہنچنا تھا اور اس فرض باطل پر سب پر اثر برابر پھر اختلافِ صدمہ یعنی چہ۔

ردّ چہل و ہفتم: اقول: تو اس تیسری لکڑی کا ڈوب کر اچھلنا کیوں؟ اس میں خود اوپر آنے کی میل نہیں (۲) ورنہ لکڑیاں اڑتی پھرتیں نہ یہ زمین کا دفع ہے کہ وہ تو جذب کر رہی ہے نہ کسی کوکب کا جذب کہ وہ ہوتا تو جب اس سے قریب اور زمین سے دور تھی اور اس وقت گرنے نہ دیتا نہ کہ اسی وقت خاموش بیٹھا رہا جب زمین کھینچ کر اسے نصف آب تک لے گئی اور جاذبیت ارض بوجہ قرب زیادہ ہوگئی اس وقت جاگا اور اپنی مغلوب جاذبیت سے اوپر لے گیا اور ایسا ہی تھا تو پہلی لکڑی اوپر کیوں نہیں اٹھالیتا۔ پانی کے چیرنے سے ہوا کا چیرنا آسان ہے، غرض کہ کوئی صورت نہیں سوا اس کے کہ پانی نے اسے اچھالا اور اپنے محل سے واقع کرکے اوپر لاڈالا۔ پانی نہ ہوتا تو زمین تینوں کو کھینچ کر اپنے سے ملالیتی۔ اب سوال یہ ہے کہ پانی بھی تو زمین ہی کا جز ہے (۱۸) تو وہ بھی جاذب ہوتا نہ کہ دافع، اگر کہئے یہ دافع صدمہ کا جواب ہے، جسم کا قاعدہ ہے کہ دوسرا جسم جب اس سے مقاومت کرتا ہے یہ اس کو اتنی ہی طاقت سے دفع کرتا ہے جتنے زور کا صدمہ تھا۔ یہ دفع زمین میں بھی ہے۔ گیند جتنے زور سے اُس پر مارو اتنے ہی زور سے اوپر اٹھے گی۔

اقول اولاً: صدمہ کا خاتمہ اُوپر ہوچکا کہ حق حقیقت پر بالعکس ہونا تھا اور فرض باطل پہ مساوی، اور یہ کہ اس کا ماننا میل طبعی پر ایمان لانا اور جاذبیت کو رخصت کرنا ہے اور جب صدمہ نہیں جواب کاہے کا۔

ثانیاً: دوسری لکڑی نے تو اتنا صدمہ دیا کہ تہ تک شق کر گئی اتنی ہی قوت سے اسے کیوں نہ دفع کیا۔

ثالثاً: پانی جوابًا دفع چاہتا اور زمین جذب کر رہی ہے، یہ پانی اس کی کیا مزاحمت کر سکتا نہ کہ اس پر غالب آجائے اُس سے چھین کر اوپر لے جائے۔

رابعاً: پانی کو صدمہ تو اس وقت پہنچا جب لکڑی اس کی سطح سے ملی اُس وقت جواب کیوں نہ دیا؟ اگر کہیے پانی لطیف ہے اس وقت تک گرنے والی لکڑی کی طاقت باقی تھی پانی شق کرتا مگر جب اس کی طاقت پوری ہوئی اس وقت پانی نے جواب دیا۔

اقول: لکڑی کی طاقت جذبِ زمین سے ہوتی تو نصف پانی تک جاکر تھک نہ رہتی ضرور جذب نہیں بلکہ لکڑی اپنی طاقت سے آئی جو اس کی ہستی ہے پھر نصف پانی چیر سکی پھر پانی نے پلٹا دیا۔ بالجملہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں سوا اس کے کہ یہ لکڑی پہلی لکڑی سے بھاری ہے۔ اس نے اپنی متوسط قوت سے نصف آب تک مداخلت کی مگر پانی سے ہلکی ہے اور ہر بھاری چیز اسفل سے اپنا اتصال چاہتی ہے۔ اس سے ہلکی چیز اگر پہلے پہنچی ہوتی ہے اور یہ قدرت پائے تو اُسے اوپر پھینک کر خود وہاں مستقر ہوتی ہے جیسے گلاس کے تیل اور پانی کی مثال میں گزرا۔ لہٰذا دوسری لکڑی کو نہ پھینکا کہ وہ پانی سے بھاری تھی اسفل اسی کا محل ہے تو ثابت ہوا کہ ثقیل طالب سفل ہے، اور اثقل طالبِ اسفل، اُسی کا نام

میل طبعی ہے، تو جاذبیت باطل و مہمل، یہ دونوں باتوں سے رد جاذبیت ہوا، ایک تو یہی، دوسری یہ کہ ان میں خود وزن ہے جو جانبِ اسفل جھکاتا ہے، جس پر اس اختلاف کی بناء ہے پھر جاذبیت کے لیے اختصاراً قصر مسافت کیجئے تو وہی جملہ کافی ہے کہ بداہۃً معلوم کہ پہلے کا اوپر ٹھہرنا اور تیسری کا نصف آب تک جاکر پلٹنا دونوں باتیں قطعاً خلاف اصل مقتضی ہیں اور یہ نہیں مگر مزاحمت آب سے پانی نہ ہوتا تو یقیناً تینوں لکڑیاں تہ تک پہنچیں اور بلاشبہ اس سے ہزار حصے زائد پانی فصلِ زمین کا مزاحم نہ ہوسکتا تھا تو قطعاً یہ اقتضائے زمین نہیں بلکہ خود ان لکڑیوں کی مختلف قوت، تو جاذبیت باطل و مہمل اور میل طبعی مسجل،

والحمد للہ العلی العظیم الاجل فضل اللہ تعالٰی سیدنا مولٰینا محمداً واٰلہ وصحبہ وسلم وبجل اٰمین۔

دلائل قدیمہ

بفضلہٖ تعالٰی ردّ نافریت میں وہ بارہ اور رد جاذبیت میں سینتالیس فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہیں۔ نافریت پر تو کسی کتاب میں بحث اصلاً نظر سے نہ گزری۔

جاذبیت پر بعض کلام دیکھا گیا وہ صرف ایک دلیل جس کی ہم توجیہ بھی کریں اور طرز بیان سے ایک کو تین کردیں۔

ردّ چہل و ہشتم: زمین میں جذب نہ ہو تو چاہیے کہ زمین کا کوئی جز اس سے جدا نہ کرسکیں کہ قوت زمین کا مقابلہ کون کرے (مفتاح الرصد)

اقول: اسی جذب کلی پر مبنی ہے کہ برتقدیر جذب وہی قرینہ عقل تھا اور ہماری تقریرات سابقہ سے واضح کہ جتنا پارہ زمین لیا جائے اس میں اتنی قوت جذب ہے جس کا انسان مقابلہ نہیں کرسکتا کہ وہ اپنے مقابل کو اگرچہ ہزاروں من کا ہو بے تکلف کھینچ لے گا اور وہ پوری طاقت پر مقابل پر مصروف ہے تو نہ صرف جزو زمین بلکہ کسی پتے کا زمین سے اٹھانا ناممکن ہے قلّت مادہ کے سبب وزن نہ رہے تو جذب کی قوت تو ہے تو دیکھو جس کا مقابلہ کرنا ہوگا ٹین کی ہلکی طشتری کو دو برس کا بچہ سہل سے اٹھاسکتا ہے لیکن اگر کوئی پہلوان دونوں ہاتھ سے اسے مضبوط تھامے اپنے سینے سے ملائے ہے اب بچہ کیا کمزور مرد بھی ہرگز اسے نہیں ہلاسکتا۔

ردّ چہل و نہم: زمین میں جذب ہو تو اس کے اجزاء میں بھی ہو کہ طبیعت متحد ہے تو چاہیے کہ بڑے ڈھیلے کے نیچے چھوٹا ملادیں اس سے چھٹ جائے بلکہ بڑا خود ہی چھوٹے کو کھینچ لے (مفتاح الرصد)

اقول: اس کا ظاہر جواب یہ ہے کہ ایسا ہی ہوتا اگر زمین اسے نہ کھینچتی۔ جذب زمین کے مقابل بڑے ڈھیلے کا جذب کیا ظاہر ہو مگر مقناطیس و کہرباء اس جواب کو قائم نہ رکھے گا۔ جذب زمین کے مقابل اس کا جذب کیسے ظاہر ہوتا ہے، یوں ہی بڑے ڈھیلے کا ظاہر ہوتا اگر اس میں جذب ہوتا لیکن وہ

ہر گز جذب نہیں کرتا تو زمین بھی جذب نہیں کرتی کہ طبیعت متحد ہے۔ **فافهم**۔

رد پنجاہم: زمین نافریت کرکے بچ جاتی ہے۔ یہ حقیر چیزیں تو نہ بچ سکتیں۔ اگر کہیے آفتاب ضرور ان کو جذب کرتا ہے مگر زمین بھی تو کھینچتی ہے اور یہ اس سے متصل اور آفتاب سے کروڑوں میل دور، لہٰذا جذب زمین غالب آتا اور آفتاب انہیں نہیں اٹھا سکتا۔ ہم کہیں گے زمین کا اپنے اجزاء کو جذب ثابت ہے دیکھو ابھی دو دلیل سابق (مفتاح الرصد)۔

تذییل: کلام قدماء میں ایک اور دلیل مذکور کہ جذب[عہ] ہوتا تو چھوٹا پتھر جلد آتا (شرح تذکرہ بطوسی للعلامہ الحضری) یعنی ظاہر ہے کہ جاذب کا جذب اضعف پر اقوی ہوگا تو چھوٹا پتھر جلد کھینچے حالانکہ عکس ہے اس سے ظاہر کہ وہ اپنی میل طبعی سے گرتے ہیں جو بڑے میں زائد ہیں۔

اقول: اضعف پر اقوی ہونا مساوی قوتوں میں ہے اور یہاں چھوٹے کا جاذب بھی چھوٹا ہے تو اتنے ضمیمہ کی حاجت ہے کہ دونوں کی سطح مواجہہ زمین مساوی ہو۔ اب حق حقیقت پر یہ بعینہٖ رد چوالیس ۴۴ ہوگا۔ اور اس فرض باطل پر اتنا بھی کافی نہ ہوگا کہ چھوٹا اب بھی جلد نہ آئے گا بلکہ برابر، کمامر، اب یہ صورت لینی ہوگی کہ بڑا ارتفاع ہیں ہزار گنا اور سطح مواجہہ میں مثلاً آدھا ہے۔ اب یہ اعتراض پورا ہوگا کہ چھوٹے کا جاذب ہے۔ فرض کرو بڑے میں دس حصے مادہ ہے اور چھوٹے میں ایک حصہ، اگر سطح مواجہہ برابر ہوتی دونوں دس دس سیر وزن ہوتا جس کی تقریر گزری، لیکن چھوٹے کی سطح مواجہہ دوچند ہے تو بڑے میں دس سیر وزن ہوگا اور چھوٹے میں بیس سیر، لہٰذا اسی کا جلد آنا لازم، حالانکہ قطعاً اس کا نصف ہے تو جاذبیت باطل و جزاف ہے اور میل طبعی کا میدان ہموار صاف ہے، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

عــہ: یہ نوٹ الرضا نمبر سے لکھا جائے جس میں ایک نواب صاحب سے مکالمہ ہے الرضا کا یہ مقالہ مل نہ سکا۔ عبدالنعیم عزیزی۔

فصل سوم:

حرکتِ زمین کے ابطال پر اور ۴۳ دلائل

بارہ[۱۲] ردِّ نافریت اور پچاس[۵۰] جاذبیت پر، سب حرکتِ زمین کے رد تھے کہ اُس کی گاڑی بے ان دو پہیوں کے نہیں چل سکتی تو یہاں تک ۶۲ دلیلیں مذکور ہوئیں۔

دلیل ۶۳: اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل النہار و منطقۃ البروج دونوں مساوی دائرے ہیں۔ نتیجہ (نمبر ۳۰) جتنے سماوی وارضی کرے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاید ہیں لیکن منطقہ کو مدار زمین مان کر یہ ہرگز ممکن نہیں۔ معدل تو بالا اجماع مقعر سماوی پر ہے۔ (نمبر ۲۸) اگر منطقہ نفس مدار پر رکھو جیسا اصول الہیئت کا زعم ہے۔ (نمبر ۲۹) جب تو ظاہر کہاں یہ صرف انیس کروڑ میل کا ذرا سا قطر اور کہاں مقعر سماوی کا قطر اربوں میل سے زائد جو آج تک اندازہ ہی نہیں ہو سکا اور اگر حسب بیان حدائق مدار کو مقعر سماوی پر لے جاؤ یعنی اس کا موازی وہاں بنا کر اس کا نام منطقہ رکھو جب بھی تساوی محال کہ اس مقعر کا مرکز مرکز زمین ہے (نمبر ۲۷) اور یہی مرکز معدل (نمبر ۲۸) تو معدل عظیم ہے لیکن مرکز مدار کا مرکز زمین سے اتحاد محال تو منطقہ ضرورۃ دائرہ صغیرہ ہے کہ عظیم ہوتا تو اس کا مرکز مرکز مقعر ہوتا۔ (فائدہ ۳۰) اور صغیرہ عظیمہ کی مساوات محال تو منطقہ کو مدار زمین ماننا قطعاً باطل خیال۔

دلیل ۶۴: تمام علقائے عالم اور ہیئتِ جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ کا مرکز ایک ہے۔ (نتیجہ نمبر ۳۰) جتنے سماوی وارضی کُرے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن مدار پر دور زمین مان کر یہ بداہۃً محال کہ مرکزِ محیط کا انطباق کیسا جہل شدید ہے۔

دلیل ۶۵ اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ کا تقاطع تناصف پر ہے۔ (نمبر ۳۰) جتنے سماوی وارضی کُرہ ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں

لیکن زمین دائرہ ہو تو تناصف محال کہ مرکز ایک نہ رہے گا۔ لاجرم دائرہ زمین باطل۔

دلیل ٦٦: اقول: ان [عہ] سب سے خاص تر عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ دونوں کرے سماوی حقیقی یا مقدر کے دائرہ عظیمہ میں (نمبر ۲۸، ۲۹، ۳۰) جتنے سماوی وارضی کرے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں، سب ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن دورہ زمین پر یہ بوجوہ ناممکن کہ نہ تساوی نہ اتحاد مرکز نہ تناصف، تو وہ دورہ زمین قطعًا باطل۔

دلیل ٦٧: اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ معدل و منطقہ دائرہ شخصیہ ہے (نمبر ۳۱) جتنے سماوی وارضی کرے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن زمین دائر ہو تو ان میں کوئی شخص نہ رہے گا (دیکھو ۳۲، ۳۱) تو زمین کا دورہ باطل۔

دلیل ٦٨: اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ بارہ برج متساوی ہیں ہر برج تیس درجے (۲۹) جتنے سماوی کرے ہیئت قدیمہ وجدیدہ میں بنتے ہیں سب اس پر شاہد ہیں لیکن منطقہ کو مدار زمین مان کر ٦ برج ۴۰۔۴۰ درجے کے ہوجائیں گے اور ٦ صرف ۲۰، ۲۰ کے رہیں گے اس کا بیان دو مقدموں میں واضح ہے۔

مقدمہ ۱: اقول: دو [۲] متساوی دائروں میں جب ایک دوسرے کے مرکز پر گزرا ہو واجب کہ وہ دوسرا بھی اس کے مرکز پر گزرے۔

عہ: اقول: تساوی واتحاد مرکز میں عموم و خصوص من وجہ ہے مدارین متساوی ہیں اور اتحاد مرکز نہیں اور سطح معدل و خط استوا متحدہ المرکز ہیں اور تساوی نہیں ہر کرہ کے عظمتیں متساوی بھی نہیں اور متحدہ المرکز بھی اور یہ دونوں تناصف سے عام مطلقًا ہیں۔ جب تناصف ہوگا تساوی واتحاد مرکز ضرور ہوں گے کہ چھوٹے بڑی یا مختلف المرکز دائرے متناصف نہیں ہوسکتے اور تساوی یا اتحاد مرکز ہو تو تناصف درکنار، تقاطع بھی ضرور نہیں، جیسے مدارین یا معدل و خطِ استوام، ہاں تساوی واتحاد مرکز کا اجتماع دائرہ کرہ میں تناصف کا متساوی ہے جب مساوی دائرے مرکز واحد پر ہوں گے ضرور متناصف ہوں گے وبالعکس یہ تینوں ایک کرہ کے دوائر عظام ہونے سے عام مطلقًا ہیں۔ ایک کُرہ کے دو عظیمے قطعًا متساوی بھی ہوں گے اور متحد المرکز بھی اور متناصف بھی اور ثخن کرہ میں مرکز واحد پر دو متساوی دائرے متناصف ہوں گے اور عظیم نہیں۔ ان دلائل میں عام سے خاص کی طرف ترقی ہے کہ ہیئت جدیدہ نے بھی معدل و منطقہ کی تساوی مانی ہے اور اس سے دورہ زمین باطل بلکہ اس سے بھی من وجہ خاص تر اتحاد مرکز مانا ہے بلکہ ان سے بھی خاص تر تناصف بلکہ سب سے خاص تر عظام ہونا ۱۲ منہ غفرلہ۔

اب ح کے اب ء کے مرکز ہ پر گزرا ہے ضرور اس کا مرکز رہے جس پر اء ب گزرا ہے ورنہ اگر ط ہو تو اس کا نصف قطر ط ہ یا ح ہو تو ح نصف قطر اء ب یعنی ر ح کے مساوی ہو۔ بہر حال جُز و کل برابر ہوں۔

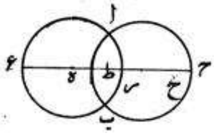

مقدمہ ۲: اقول: جب متساوی دائرے ایک دوسرے کے مرکز پر گزرے ہوں ان کا تقاطع تثلیث ہوگا، یعنی ہر ایک کی قوس کہ دوسرے کے اندر پڑے گی ثلث دائرہ ہوگی اور جتنی باہر رہے گی۔

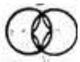

دو ثلث مرکزین ہ، ر نقطتین تقاطع اب تک خطوط ملایئے کہ سب نصف قطر اور ۴ مساوی قوتوں اہ، ہ ب، ار، رب کہ اگر ۲۴۰ لاجرم ہر قوس ۶۰ درجے رہے کہ نصف قطر وتر نہیں مگر سدس درجہ کا تو اہ ب، ار ب ہر ایک ۱۲۰ درجے ہے اور اح ب اء ب ہر ایک ۲۴۰ درجے ہے۔ یہاں پہلا دائرہ معد ہے دوسرا منطقہ راس الحمل ب راس المیزان ء سرطان ہ جدی تو حمل سے سنبلہ تک ۶ برج کہ قوس اء ب میں ہے ۴۰۔ ۴۰ درجے کے ہوئے اور میزان سے حوت تک ۶ برج کہ قوس اہ ب میں ہیں۔ ۲۰۔ ۲۰ درجے کے اس کا قائل نہ ہوگا مگر مجنون، تو دورہ زمین ثمرہ جنون، کوپر نیکس کی تقلید سے مان بیٹھے اور آگا پیچھا کچھ نہ دیکھا کہ وہ تمام ہیئت کا دفتر الٹ دے گا۔

دلیل ۶۹: اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ مبادات اعتدالین ایک بہت خفیف حرکت ہے کہ ایک سال کامل میں پورا ایک دقیقہ بھی نہیں ۲ء ۵۰ ہے (۲۲) پچیس ہزار آٹھ سو سترہ برس میں دورہ پورا ہوتا ہے۔ (۳۲) لیکن اگر زمین منطقہ پر دائر ہے تو واجب کہ ہر سال دورہ پورا ہو جایا کرے تقاطع کا نقطہ ہر سہ ماہی میں تین برج طے کر لیا کرے وہ حرکت کہ اکہتر عــہ برس میں بھی ایک درجہ نہیں چل سکتی ہر روز ایک درجہ اڑے۔

اب ج، منطقہ البروج ہے۔ مرکز ن پر جب زمین نقطہ آ پر تھی معدل دائرہ س ہ ہوا جتنے منطقہ کو ہ راس الحمل ر راس المیزان پر قطع کیا۔ (برصفحہ آئندہ)

عــہ: کہ حاصل نسبت ۱۳ء۷۱ ہے ۱۲ منہ غفرلہ

جب زمین نطقہ ب پر آئی معدل دائرہ عہ ہوااور رح راس الحمل، ط راس المیزان جب زمین ح پر آئی معدل دائرہ ف ہوااور ی راس الحمل ک راس المیزان جب ء پر آئی معدل صہ ہوا اور ل راس الحمل م راس المیزان، ان چاروں دائروں نے منطقہ کو بارہ مساوی حصوں پر تقسیم کیا۔ مثلاً منطقہ کی قوس اب ربع دور ہے اور بحکم مقدمہ ثانیہ تقاطع رائرہ عہ سے قوس اہ ۶۰ درجے تو ب ہ ۳۰ درجے، یوں ہی تقاطع دائرہ عہ سے ب ط ۶۰ درجے تو اط ۳۰ درجے لاجرم بیچ میں ہ ط بھی ۳۰ درجے، اسی طرح ہر رابع، میں پس بالضرورۃ چاروں بارکے راس الحمل ہ ح ی ل میں ۹۰، ۹۰ درجے کا فاصلہ تو ہر سال راس الحمل تمام منطقہ پر دورہ کر آیا اور ہر سہ ماہی میں تین بُرج چلا ہر روز ایک درجہ۔ بڑھ کر اس سے جہالت اور کیا ہو گی تو دورہ زمین قطعًا باطل۔

دلیل ۷۰: اقول: تمام عقلائے عالم اور ہیئت جدیدہ کا اجماع ہے کہ اس مدار پر دورہ کرنے والا (شمس ہو یا زمین) سال بھر میں تمام بروج میں ہو آتا ہے لیکن اگر یہ مدار زمین کا ہے تو ایک برج کیا ایک درجہ کیا ایک دقیق چال چلنا محال۔ جب زمین آ پر تھی راس الحمل ہ تھا تو آ کہ ۶۰ ہی درجے آگے ہے تو ضرور ب راس الدلو ہے، یونہی زمین جہاں ہو گی راس الحمل اس سے ۶۰ درجے آگے رہے گا اور زمین ہمیشہ راس الدلو ہی پر رہے گی تو بروج میں انتقال نہ ہونا در کنار۔

اوپر تو جاذبیت و نافریت اسباب وزن نے سکونِ زمین ثابت کیا تھا، یہاں خود دورہ زمین نے سکونِ زمین مبرہن کر دیا۔ ثابت ہوا کہ ابتدائے آفرنیش میں جہاں تھی وہیں اب بھی ہے اور جب تک باقی ہے وہیں رہے گی۔ اس سے زیادہ قاہر دلیل اور کیا ہو گی کہ دورہ ماننا ہی ساکن منوا چھوڑے۔ اہلِ ہیئت جدیدہ تقلید کوپرنیکس کے نشے میں ان عظیم خرابیوں سے غافل رہے تو رہے عجب کہ آج تک ان کے رَد کرنے والوں کو بھی یہ آفتاب سے زیادہ روشن دلائل خیال میں نہ آئے دور کی باتیں بلکہ دور از کار باتیں بھی لکھا کیے فریقین کا اس طرف خیال ہی نہ گیا کہ منطقہ کو مدار زمین مانتے ہی تمام ہیئت کا پٹا اُلٹ جائے گا۔

دلیل ۷۱: اقول: جب ہ راس الحمل اور زمین ط راس الدلو پر ہے تو ضرور ط راس الحوت ہے۔

جب زمین ط پر آئی اور راس الحمل ہمیشہ ۶۰ درجے اس سے آگے ہوگا تو راس الحوت راس الحمل کے بیچ ایک اور بُرج ہوا۔

دلیل ۷۲: جب ہ پر آئی کہ راس الحمل تھا تو راس الحمل سے راس الحمل ۶۰ درجے آگے ہوا۔

دلیل ۷۳: جب ب پر آئی کہ راس الثور تھا حمل کہ اُس سے ۳۰ درجے پیچھے تھا۔ ۶۰ درجے آگے ہوگیا وعلٰی ھذا القیاس۔

دلیل ۷۴: ہر برج راس الحمل سے کبھی آگے ہوگا کبھی پیچھے کہ راس الحمل سال میں ۱۲ برج پر دورہ کرے گا تو بروج شمالی و جنوبی کی کوئی تعین نہ رہی سب شمالی اور سب جنوبی اور ہر برج ایک وقت نہ شمالی نہ جنوبی جب کہ راس الحمل اسی پر ہو۔

دلیل ۷۵: چاروں فصلوں کو تعیین باطل ہو گئی۔

دلیل ۷۶: جب زمین ط پر آئی کہ راس الحوت اور راس الحمل اس سے ۶۰ درجے آگے ہے اور شک نہیں کہ اس سے ۳۰ درجے آگے راس الحمل ہے تو دور اس الحمل ہوئے تو دور اس المیزن ہوئے تو دو دائروں تقاطع چار جگہ ہوا اور یہ محال ہے۔ دائرے دو جگہ سے زیادہ تقاطع نہیں کر سکتے۔ (اقلیدس مقالہ ۳ شکل ۱۰) بالجملہ صدہا استحالہ ہیں، دیکھو دورہ زمین ماننے نے کیا کیا آفت جوتی تمام ہیئت دریابردوگاؤخورد کردی۔

دلیل ۷۷: اقول: تمام عقلائے عالم وہیئت جدیدہ کا اجتماع ہے کہ معدل سے منطقہ کا میل کلی بتانے والا دائرہ جسے دائرہ جے دائرہ میلیہ کہتے ہیں ایک متعین دائرہ ہے جس کی قوس کہ ان کے منصف محل تقاطع پر گزرتی ہے خود ایک مقدار معین رکھی ہے نہ یہ کہ چھوٹی بری قوسیں متحمل ہوں جن سے میل کی تجدید نہ ہو سکے لیکن اگر منطقہ مدار زمین ہے تو ایسا ہی ہوگا اور تحدید میل ناممکن ہوگی اس تحدید کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں دائرے برابر ہوں کہ تیسرا ان کا مساوی ان کے اقطاب پر گزارا جائے اور وہ میل بتائے اگر متقاطع دائرے چھوٹے بڑے ہوں تو میلیہ کی تعیین کہاں سے آئے گی۔ چھوٹے کے برابر تو بڑے کے برابر کیوں نہ لو۔ وبالعکس اور دونوں سے مختلف لو تو کیا وجہ، اور پھر کتنا مختلف لو اور پھر صغر کی طرف یا کبر کی جانب کوئی تعین نہیں اور شک نہیں کہ ان سب محتمل دائرون کی قوسیں مختلف ہو گئیں اور ان میں جو ایک لو اس کی قوس کی قیمت چھوٹے کے لحاظ سے اور بڑے کے لحاظ سے اور ہوگی۔ غرض تحدید میل کی طرف کوئی راہ نہ رہے۔ اور ہم دلیل ۵۷ میں ثابت کر چکے کہ منطقہ کو مدارِ زمین مان کر معدل و منطقہ کی مساوات محال تو تحدید میل محال مگر وہ قطعًا یقینی اجماعی ہے۔ لاجرم دورہ زمین باطل۔

دلیل ۷۸: اقول: بفرض غلط مساوات بھی لے لو مثلًا خود اپنی ہیئت جدیدہ کے اقرارات و تصریحات

وعملیات سب پر خاک ڈال کر یہیں کا یہیں مدار زمین کے برابر ایک دائرہ موازی خطِ استوالے کر اس کا نام معدل رکھ لو، اور اب میل کا حساب راست آئے گا۔ تمام عقلائے عالم ہیئتِ جدیدہ کا اجماع ہے کہ میل کلی ہزاروں برس سے ۲۳، ۲۴ درجے کے اندر ہے، (۲۹، ۲۳) لیکن زمین دورہ کرتی ہے تو اب میل کلی پورا ۶۰ درجے آئے گا اور متساوی دائرے کہ ہر ایک دوسرے کے مرکز پر گزرا ہو (مقدمہ ۱) اُن کا بعد ہمیشہ ان کے نصف قطر کے برابر ہوگا۔

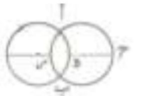

اح ب مرکزہ پر اور ح اب مرکز ر پر تو ح ہ یا رء بعد ہے کہ ہر ایک نصف قطر ہے، یہ سطح مستوی میں تھا جس میں نصف قطر یعنی ۶۰ درجہ قطریہ کی قیمت درجات محیطیہ سے ۵۷ ردجے، ۱۷ دقیقے، ثانیے، ۴۸ ثالثے، اور ۱۵ رابعے ہیں،
لیکن کُرے پر بُعد دائرے سے لیا جاتا ہے تو ان کا مساوی دائرہ میلیہ کا نقطتین ح ہ یا رءَ پر گزرے گا یہ نصف قطر اس کا وتر ہوگا تو دائرۃ البروج کا میل ۲۳، ۲۴ کی جگہ کامل ۶۰ درجے آئے گا اور یہ سب کے نزدیک باطل، تو دورہ زمین قطعاً وہم باطل۔
دلیل ۷۹: اقول، جتنے مسائل کرہ ساوی پر بذریعہ علم مثلث کروی حل کیے جاتے ہیں جن کے مثلث میں ایک قوس دائرۃ البروج کی ہو، خصوصاً جب کہ دوسری قوس معدل کی ہو، جیسے کوکب [عہ] کے میل و مطالع قمر سے اس کے

[عہ]: خاص اس مسئلہ میں ہمارا ایک رسالہ ہے البرھان القویم علی الارض والتقویم، جس میں اٹھارہ صورتیں قائم کرکے اُنہیں ۶ کی طرف راجع کیا، پھر ہر ایک میں جتنی شقیں متحمل ہیں جن کا مجموعہ ۳۵ ہے سب کو سب کی اور اُن پر تو امرات بیان کیے کہ ہر صورت میں کیونکر میل الطالع سے تقویم و عرض نکالیں دونوں کے جدا جدا نکالنے کے بھی طریقے بتائے پھر تقویم سے عرض اور عرض سے تقویم معلوم کرنے کے پھر جملہ طاق پر براہین ہندسیہ شکل شمس وظلی سے قائم کیں۔ یہ سب بیان تو اس رسالہ پر محمول۔
اصول علم الہیئت ۷۹ میں بھی چند سطر کے اس تو امر کے ذکر میں لکھیں جن میں عجب خطائے فاحش کی شکل یہ بنائی۔

ی ق خط استوا یعنی (معدل النہار ف) اس کا قطب، ی سؔ دائرۃ البروج، را س کا قطب، ص موضع کوکب، ف ص یعنی (میلیہ) اور ر ص یعنی (عرضیہ) بنائے ف ص پر ب ص عمود گرایا۔ ف ص تمام میل ہے اور رف یعنی مابین القطبین۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

عرض و تقویم کا استخراج منطقہ کو مدارِ زمین ماننے سے سب باطل ہوگئے کہ اس کا مبنٰی کُرہ سماوی پر منطقہ کا عظیمہ ہوگا ہے۔ بالخصوص اس کا منبٰی یہ ہے کہ منطقہ و معدل دونوں مساوی دائرہ ہیں اور دونوں کا مرکز ایک ہو اور دونوں کا تقاطع تناصف پر ہو منجملہ دونوں ایک کُرہ کے عظیمہ ہو، اور ہم ثابت کرچکے کہ منطقہ مدارِ زمین ہو کر یہ سب محال، لاجرم دورہ زمین باطل خیال۔

دلیل ۸۰: اقول: یہاں چند مقدمات نافعہ ہیں، دو شیئ میں اضافی، متقابل، متضاد نسبتیں کہ شے واحد میں دوسری کے لحاظ سے با اعتبار واحد جمع نہ ہوسکیں، دو قسمیں ہیں۔

اوّل: اعتباری محض جس کے لیے کوئی منشا واقع میں متعین نہیں، لحاظ و اعتبار سے تعین ہوتا ہے تو ہر شیئ اُسی دوسری کے اعتبار سے اُن دونوں ضدوں سے متصف ہوسکتی ہے، جیسے اشیاء کی گنتی میں اِدھر سے گِنوں تو یہ اوّل وہ دوم ہے، اُدھر سے گِنوں تو عکس ہے کہ اُن کے اول و ثانی ہونے کے لیے واقع میں کوئی منشاء متعین نہیں تمہارے لحاظ کا تابع ہے جدھر سے گنتی شروع کرو وہی اول ہے۔

دوم: واقعی جس کے لیے نفس الامر میں منشاء متعین یہاں دو شے میں ایک کے لیے ایک ضد متعین ہوگی دوسری کے لیے دوسری، ہم کسی دوسرے لحاظ سے اُن میں تبدیل نہیں کرسکتے کہ اُن کا منشاء ہمارے لحاظ کا تابع نہیں، جیسے تقدم و تاخر زمانی مثلًا ۱ھ یقینًا ۲ھ سے پہلے ہے۔ اسی طرح نہیں کہہ سکتے کہ ۲ھ پہلے ہوا بعد ایک آیا۔

(۲) ان واقعات میں شیئ واحد کو دو کے لحاظ سے دونوں ضدیں عارض ہوسکتی ہیں، یہ تغیر نسبت نہ ہوا بلکہ تغیر منتسبین مگر ایک ہی شے کے لحاظ سے ممکن نہیں کہ تغیر نسبت ہے مثلًا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یہ ی ی میل کلی کہ آ راس الحمل، زاویہ ص ف ق تمام مطالع، زاویہ ص ر س تمام تقویم، ر ص تمام عرض ہے یہاں تک مستدیر تھی آگے مثلث ف ص ب قائم الزاویہ سے ف ب پھر اس سے میل کلی رف ملا کر ر ب معلوم کیا اور اس سے زاویہ ر کو تمام تقویم ہے۔ یوں تقویم معلوم ہوئی، اب عرض معلوم کرنے کو مثلث ر ص ب قائم الزاویہ لیا جس کی ر ب زاویہ ر معلوم ہوئے ہیں ان سے ر ص تمام عرض جان کر عرض معلوم کیا یہ بداہۃً باطل ہے جب ف ص ب قائمہ ہے ر ص ب کیونکر قائم ہوسکتا ہے، جزو کل برابر، خیر ہمیں اس سے غرض نہیں واقفِ فن جانتا ہے کہ اسی شکل میں کتنی جگہ سے منطقہ کا مدار زمین ہونا باطل ہوا۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

۲ھ/۳ھ سے پہلے ہے ۱ھ سے بعد، لیکن اُن میں ایک کی نظر سے دونوں نہیں ہو سکتے، زید بن عمرو بن بکر میں عمرو بیٹا بھی ہے اور باپ بھی مگر دو شخص کے لیے عمرو کا ایک باپ ہو اور اسی کا بیٹا بھی، یہ محال ہے۔

(۳) ان واقعی نسبتوں میں بعض وہ ہیں کہ شَے کو بالعرض بھی عارض ہوتی ہے اگرچہ بالعرض میں بنظر ذات ایک ہی شیئ کے اعتبار سے دونوں ضدوں کی قابلیت ہوتی ہے مگر یہ اس میں بھی محال ہے کہ وقتِ واحد میں دو اعتبار مختلف سے دونوں ضدیں مان سکیں ورنہ نسبت اعتبار یہ مثلاً زید ۱ء میں پیدا ہوا عمرو سے کہ ۲ء میں ہوا عمر میں بڑا ہے۔اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی دوسرے اعتبار سے عمرو زید سے عمر میں بڑا ہی اگرچہ ان کی ذات کی نظر سے یہ محال نہ تھا کہ عمرو ۱ء میں پیدا ہوتا اور زید ۲ء میں۔ عمر میں بڑا چھوٹا ہونا منعکس ہو جاتا۔

(۴) فوق و تحت اُن ہی نسبت واقعیہ سے ہیں۔ چھت اوپر ہے اور صحن نیچے، تو جب زمین پر کھڑے ہو تمہارا سر اوپر ہے اور پاؤں نیچے، کوئی عاقل ہر گز نہ کہے کہ یہ زیر و بالا واقعی نہیں نرا اعتباری ہے۔ کسی دوسرے لحاظ سے چھت نیچے ہے اور حن اوپر، تمہارا سر نیچے اور ٹانگیں اوپر، یعنی واقع میں نہ چھت اور سر اوپر ہیں اور نہ پاؤں اور صحن نیچے، بلکہ عندیہ کی طرح ہمارے اعتبار کے تابع ہیں، ہم چاہیں تو سر اور چھت کو اونچا سمجھ لیں چاہے پاؤں اور صحن کو کیا مجنوں کے سوا کوئی ایسا کہہ دے گا۔

(۵) جب یہ نسبت واقعیہ ہے تو اس کے لیے نفس الامر میں ضرور کوئی منشاء متعین ہے جو کسی کے لحاظ و اعتبار کا تابع نہیں، وہ فوق کے لیے تمہارا سر یا چھت خواہ تحت کے لیے تمہارے پاؤں یا صحن نہیں اگر تمہیں الٹا کھڑا کیا جائے تو سر نیچا ہو جائے گا اور پاؤں اوپر۔یوں ہی اگر شہر لوطیاں کی طرح معاذ اللہ مکان اُلٹ جائے تو صحن اوپر ہوگا۔ چھت نیچے، تو معلوم ہوا کہ ان کو یہ نسبتیں بالذات عارض نہیں بلکہ بالعرض و منشاء کچھ اور ہے جسے ان کا عرض بالذات ہے اور اس کے واسطے سے چھٹ اور سر کو۔

(۶) نسب متقابلہ واقعیہ میں کبھی دونوں جانب تحدید یعنی حد بندی ہوتی ہے۔ مثلاً زید کا ولد اول و ولد اخیر نہ اول سے پہلے اس کا کوئی ولد ہو سکتا ہے ورنہ یہ اول نہ ہوگا نہ آخر کے بعد ورنہ آخر نہ ہوگا۔ اور کبھی صرف ایک تحدید ہوتی ہے، دوسری جانب اس کے مقابلے پر غیر محدود مرسل رہتی ہے، جیسے کسی شے سے اتصال وانفصال، اتصال محدود ہے اس میں کمی و بیشی کی راہ محدود مگر انفصال کے لیے کوئی حد نہیں، جتنا بھی فاصلہ ہوگا انفصال ہی رہے گا، ہاں نسبت اعتباریہ

میں کسی طرف تحدید ضرور نہیں کہ وہ تابع اعتبار ہیں۔ فوق و تحت نسبت واقعیہ سے ہیں تو ضرور ان میں تو ایک جانب تحدید ضرور ہے ورنہ اعتبار محض رہ جائیں گے ہر تحت سے تحت اور ہر فوق سے فوق متصور، تو کسی کا کوئی منشاء متعین نہیں، جسے چاہو تحت فرض کرلو، تو ما بقے سب فوق ٹھہریں گے پھر فوق کو تحت فرض کرو تو یہ سب فوق ہو جائے گا اور وہ فوق تحت لاجرم ان کی تحدید میں تین صورتوں سے ایک لازم یا تو دو متقابل چیزیں یا بالذات فوق و تحت ہوں کہ نہ فوق بالذات سے اوپر ممکن ہے نہ تحت بالذات سے نیچے، باقی اشیا کہ اُن کے اندر ہیں، جو فوق سے قریب ہو فوق بالعرض ہے جو تحت سے قریب ہو۔ تحت بالعرض ہے، اور ان میں ہر شے دو چیز اقرب وابعد کے لحاظ سے فوق و تحت دونوں، یہ صورت دونوں طرف تحدید کی ہو گی یا فوق بالذات متعین ہو کہ اس سے تفوق محال اور اس کے مقابل غیر محدود جتنے چلے جاؤ سب تحت ہے اور ہر اسفل سے اسفل تک ممکن یا تحت بالذات متعین ہو کہ اس سے تفسل ممتنع اور اس سے محاذی یا متنائی جتنے بڑھو سب فوق ہے اور ہر بالا سے بالاتر متصور تینوں صورتیں اپنی ذات میں تحت و فوق کے نسبت واقعہ ہونے کو بس ہیں۔

(۷) اب تمام عقلائے عالم کے اتفاق سے تحت محدود ہے، فوق کی تحدید کہ ہر ایک شے پر جا کر فوقیت منتہی ہو جائے اور اس سے فوق ناممکن ہو، بالضرورت واقعیت ہو نہیں سکتی کہ وہ تو حاصل ہو چکی اور خارج سے اس پر کوئی دلیل نہیں۔ تو اس کا ماننا جزاف ہے۔ فلسفہ قدیمہ کا رد بعونہ تعالٰی تذنیل جلیل میں آتا ہے۔ یہاں اس کی حاجت نہیں، اور ہیئت جدیدہ کا اتفاق ہے کہ فوق محدود نہیں۔ مسئلہ تناہی ابعد ہم پر وارد نہیں کہ ہمارے نزدیک فضائے خالی بعد موہوم ہے کہ انقطاع وہم سے منقطع ہو جائے گا جب پھر تو ہم کرو گے اور آگے بڑھے گا اور کسی حد پر منتہی نہ ہو گا کہ اس کے اوپر متوہم نہ ہو سکے تو شق ثالث متعین ہوئی یعنی تحت بالذات متعین ہے اس کے سوا کوئی تحت اس سے جو قریب ہے وہ تحت اضافی ہے، جو بعید ہے وہ فوق تا غیر نہایت ہے۔

۰۰۰۰۰ کہ تحت کے سب اطراف یکساں ہیں، ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں کہ ایک طرف بعد زائد دوسری طرف کم بلکہ جو سب طرف لامتناہی ہے سب طرف برابر ہے کہ دو نامتنہی کہ ایک مبدء سے شروع ہوں اور امتداد میں کم و بیش نہیں ہو سکتے۔ ورنہ جو کم رہا متناہی ہو گیا تو لازم کہ تحت حقیقی تمام امتدادوں کی وسعت میں ایک شیئ موجود متعین ہو جس کے ہر طرف فوق ہو اور تحت کا اشارہ ہر جانب سے اُسی پر منتہی ہو، امتداد جو آگے بڑھے فوق کی طرف چلے۔

(۸) یہیں سے ظاہر ہے کہ تحت بالذات کا ایک نقطہ غیر متجزیہ ہونا لازم ورنہ جسم یا سطح یا خط میں نقاط کثیرہ فرض ہو سکتے ہیں جن کی طرف اشارہ حِسّیہ جُدا جدا ہو گا اور ایک دوسرے سے بعید تر ہو گا تو خود ان میں فوق و تحت

ہوں گے اور تحت حقیقی ایک نقطہ ہی رہے گا۔

(۹) یہ نقطہ متعینہ جس کے جمیع جہات سے وسط جملہ امتدادات ہونے نے اُسے مرکز کُرہ بنایا، ضرور ہے کہ کسی کُرہ موجود کا مرکز ہو جو بالذات تحت ہونے کے لیے متعین ہو نہ یہ کہ کسی اعتبار و اصطلاح پر ہو ورنہ نسبت واقعیہ نہ رہے گی، فضائے خالی میں کوئی نقطہ اصلاً تمیز ہی نہیں رکھتا۔ ہمارے اعتبار سی متمیز ہوگا نہ کہ تحت ہونے کے لیے بالذات متعین۔

(۱۰) ضرور ہے کہ اِس مرکز کو حرکت اینیہ سے ممکن کہ وہ مرکز فوق کے قریب آجائے اور تحت سے بعید ہو جائے تو باوصف اپنی اپنی جگہ ثابت رہنے کے لیے فوق تحت ہو جائے اور تحت فوق اور اسے کوئی عاقل قبول نہ کرے گا۔ مثلاً ایک مکان کسی دوسرے مقام پر ہے جس کا صحن اُس تحت ذاتی سے قریب ہے اور سقف دور۔ اب وہ مرکز متحرک ہو کر اوپر آجائے تو چھت اس سے قریب ہو جائے گی اور صحن دور، اب کہنا پڑے گا کہ بیٹھے بٹھائے سیدھے مکان کی چھت نیچے ہو گئی اور صحن اوپر، یوں ہی وہاں جو آدمی کھڑا ہوا بیچارہ بدستور کھڑا ہے مگر سر نیچے ہو گیا اور ٹانگیں اوپر، جب یہ مقدمات ممہد ہو لیے، اب ہم دیکھتے ہیں کہ جب تم زمین پر سیدھے کھڑے ہو تمہارے سر کی جانب جہت فوق تا دور چلی گئی ہے تو بحکم مقدمہ ششم ضرور ہے کہ پاؤں کی جانب جہت تحت کسی حد کی جانب منتہی ہو جائے اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ اس کُرہ زمین میں ہے یا اس کے بعد لیکن بداہۃً معلوم اور ہر عاقل کو معقول کہ جس طرح تم اس طرف زمین کے اوپر ہو اور تمہارا سر اونچا پاؤں نیچے یونہی امریکہ میں یا تمام سطح زمین میں کسی جگہ کوئی کھڑا ہو اس کی بھی یہی حالت ہو گی۔ امریکہ والوں کو یہ نہ کہا جائے گا وہ زمین پر نہیں، بلکہ زمین اوپر ہے یا ان کا سر اوپر نہیں بلکہ ٹانگیں اوپر ہیں تو روشن ہوا کہ وہ حد زمین ہی کے اندر ہے اور اس کا مرکز تحت حقیقی ہے تو بحکم مقدمہ عاشرہ کُرہ زمین ساکن ہو اور اس کی حرکت اینیہ باطل۔

دلیل ۸۱: اقول: وہ کُرہ موجود جس کا مرکز تحت حقیقی ہے، فلک ہے یا شمس، یا ارض، یا اور کوئی سیارہ یا ثابتہ یا قمر۔

اول: تو ہیئت جدید مان نہیں سکتی کہ وہ وجود افلاک ہی کے قائل نہیں۔

دوم: ضرور اُس کا مدعا ہے کہ شمس کو ساکن فی الوسط مانتی ہے، ضرور کہ اہلِ ہیئت جدیدہ جب دوپہر کو زمین پر سیدھے کھڑے ہوں تو سَر نیچے ہو اور ٹانگیں اوپر، اس لیے کہ سر تحت حقیقی سے قریب ہے اور پاؤں دور، جب زمین کی حرکت مستدیر قریب غروب اس حالت پر لائے کہ سر اور پاؤں کا فعل مرکز شمس سے برابر رہ جائے تو اب نہ سر اوپر نہ پاؤں، ہاں آدھی رات کو آدمیت پر آئیں کہ سر اوپر ہو جائے کہ تحت سے

بعید ہے اور پاؤں نیچے کہ قریب ہیں، جب بعد طلوع پھر وہی حالت تساوی ہو سر اور پاؤں دوبارہ برابر ہوجائیں، جب دوپہر ہو پھر سر نیچے اور ٹانگیں اوپر ہوجائیں۔ ہمیشہ بے جنبش کیے یونہی قلابازیاں کھائیں، یہی حال ہر روز صحن وسقف کا ہو کہ کبھی صحن اوپر اور چھت نیچے کبھی بالعکس، یہی حال زمین میں قائم درختوں کا کہ آدھی رات کو جڑ نیچے ہے اور شاخیں اوپر۔ دوپہر ہوتے ہی پیڑ بدستور رہے مگر شاکیں نیچے ہوگئیں اور جڑ اوپر، دوپہر کے وقت جو بخار یا دھواں اُٹھے کہو کہ نیچے گرا، جو پتھر گرے کہو کہ اوپر اڑا۔ یوں ہی بے شمار استحالے ہیں۔ دیگر سیارہ واقمار وثوابت کا بھی یہی حال ہے کہ اُن میں جس کسی کا بھی مرکز لوگے ایسے ہی استحالے ہوں گے۔ لاجرم مرکز زمین ہی وہ مرکز ساکن ہے اور زمین کی حرکت اینیہ باطل۔

دلیل ۸۲: اقول: ہر عاقل جانتا ہے کہ جہات ستّہ میں چپ وراست پس وپیش پہلو بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ مشرق کو منہ کرو تو مشرق آگے، مغرب پیچھے جنوب داہنے، شمال بائیں ہیں اور مغرب کی طرف متوجہ ہو تو سب بدل جائیں گے کہ اُن میں تمھارے اعضاء منہ اور پیٹھ اور بازوؤں کا اعتبار ہے، یہ جس طرف ہوں گے وہ سمت پیش و پس وراس وچپ ہوگی مگر زیر و بالا میں تمھارے سرو پا کا اعتبار نہیں کہ جدھر سیدھے وہ اوپر ہے، اور جدھر پاؤں وہ نیچے، بلکہ وہ جہتیں خود متعین ہیں۔ سیدھے کھڑے ہونے میں جو جانبِ فوق اور دوسری طرف تحت ہے، اُلٹے ہو جاؤ جب بھی فوق و تحت وہی رہیں گے۔ اب یہ نہ ہوگا کہ سر کی طرف اوپر اور پاؤں کی طرف نیچے، بلکہ یہ ہوگا کہ اب تمھارا سر نیچے پاؤں اوپر ہیں۔ اگر مرکز شمس جیسا کہ ہیأت جدیدہ کا گمان ہے وہ مرکز ساکن وتحت حقیقی ہو زیر و بالا کی بھی وہی حالت ہوجائے گی جو ان چاروں جہات کی تھی۔ جب آفتاب طلوع سے ایک خفیف دوپہر کے بعد یا غروب سے ایک خفیف دوپہر پہلے افق حسّی کی محاذات میں آئے تو اگر اس کی طرف پاؤں کرکے لیٹو تو سر اوپر ہے اور پاؤں نیچے کہ مرکز شمس سے قریب تر ہیں اور اسی وقت سر جانب شمس کرکے لیٹ جاؤ تمھارا سر نیچے ہوگیا اور ٹانگیں اوپر کہ اب سر مرکز شمس سے قریب ہے۔ اسی طرح جو سیارہ یا ثابتہ یا قمر لو یہی حالت ہوگی سوائے زمین کے کہ اس کا مرکز تحت حقیقی ماننے سے سب شکلیں ٹھیک رہتی ہیں۔ لاجرم وہ مرکز ساکن ہے اور حرکت زمین باطل۔

دلیل ۸۳: اقول: ہر عاقل جانتا ہے کہ حرکت موجبِ سخونت وحرارت ہے، عاقل درکنار ہر جاہل بلکہ ہر مجنون کی طبیعت غیر شاعرہ اس مسئلہ سے واقف ہے، لہٰذا جاڑے میں بدن بشدت کانپنے لگتا ہے، کہ حرکت سے حرکت پیدا کرے بھیگے ہوئے کپڑوں کو ہلاتے ہیں کہ خشک ہوجائیں، یہ خود بدیہی ہونے کے علاوہ ہیئت جدیدہ[1] کو بھی تسلیم، بعض اوقات آسمان سے کچھ سخت اجسام نہایت سوزون و مشتعل گرتے ہیں،

[1] ح صفحہ نمبر ۲۴۱

جن کا حدوث بعض کے نزدیک یوں ہے کہ قمر پتھر کے آتشی پہاڑوں سے آتے ہیں کہ شدت اشتعال کے سبب جاذبیت قمر کے قابو سے نکل کر جاذبیت ارض کے دائرے میں آکر گر جاتے ہیں، اس پر اعتراض ہوا کہ زمین پر گرنے کے بعد تھوڑی ہی دیر میں سرد ہو جاتے ہیں، یہ لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنے میں کیوں نہ ٹھنڈے ہوگئے؟ اس کا جواب یہی دیا جاتا ہے کہ اگر وہ نرے سرد ہی چلتے یا راہ میں سرد ہو جاتی جب بھی اس تیز حرکت کے سبب آگ ہو جاتے کہ حرکت موجب حرارت اور اس کا افراط باعث اشتعال ہے۔ اب حرکت زمین کی شدت اور اس کے اشتعال وحدت کا اندازہ کیجئے۔ یہ مدار جس کا قطر اٹھارہ کروڑ اٹھاون لاکھ میل ہے اور اس کا دورہ ہر سال تقریبًا تین سو پینسٹھ ۳۶۵ دن پانچ گھنٹے اڑتالیس منٹ میں تمام ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ حرکت حرکتِ زمین ہوتی یعنی ہر گھنٹے میں اڑسٹھ ہزار میل کہ کوئی تیز سے تیز ریل اس کے ہزارویں حصے کو نہیں پہنچتی پھر یہ سخت قاہر حرکت نہ ایک دن نہ ایک سال نہ سو برس بلکہ ہزار ہا سال سے لگاتار بے فتور دائمہ مستمر ہے تو اس عظیم حدت و حرارت کا کون اندازہ کرسکتا ہے جو زمین کو پہنچتی، واجب تھا کہ اس کا پانی کب کا خشک ہوگیا ہوتا اس کی ہوا آگ ہو گئی ہوتی، زمین دہکتا انگارہ بن جاتی جس پر کوئی جاندار سانس نہ لے سکتا پاؤں رکھنا تو بڑی بات ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ زمین ٹھنڈی ہے، اس کا مزاج بھی سرد ہے، اس کا پانی اس سے زیادہ خنک ہے، اس کی ہوا خوشگوار ہے، تو واجب کہ یہ حرکت اس کی نہ ہو بلکہ اس آگ کے پہاڑ کی جسے آفتاب کہتے ہیں جسے اس حرکت کی بدولت آگ ہونا ہی تھا۔ یہی واضح دلیل حرکتِ یومیہ جس سے طلوع اور غروب کواکب ہے زمین کی طرف نسبت کرنے سے مانع ہے کہ اُس میں زمین ہر گھنٹے میں ہزار میل سے زیادہ گھومے گی۔ یہ سخت دورہ کیا کم ہے، اگر کہے یہی استحالہ قمر میں ہے کہ اگرچہ اس کا مدار چھوٹا ہے مگر مدت بارھویں حصے سے کم ہے کہ گھنٹے میں تقریبًا سوا دو ہزار میل چلتا ہے۔ اس شدید صریح حرکت نے اسے کیوں نہ گرم کیا۔

اقول: یہ بھی ہیئت جدیدہ پر وارد ہے جس میں آسمان نہ مانے گئے، فضائے خالی میں جنبش ہے تو ضرور چاند کا آگ اور چاند کا سخت دھوپ سا گرم ہو جانا تھا لیکن ہمارے نزدیک "کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ یَّسۡبَحُوۡنَ ﴿۴۰﴾"[1] ہر ایک ایک گھیرے میں پیرتا ہے۔ ممکن کہ فلک قمر یا اس کا وہ حصہ جتنے میں قمر شناوری کرتا ہے خالق عظیم عزجلالہ، نے ایسا سرد بنایا ہو کہ اس حرارت حرکت کی تعدیل کرتا اور قمر کو گرم ہونے نہ دیتا ہو جس طرح آفتاب کے لیے حدیث میں ہے کہ اُسے روزانہ برف سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ ورنہ جس چیز پر گرتا جلا دیتا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عن صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۰

دلیل ۸۴: اقول: زمین ی حرکت یومیہ یعنی اپنے محور پر گھومنے کا سبب ہر جز کا طالب نور و حرارت ہونا ہے یا جذب شمس سے نافریت (نمبر ۳۳) بہر حال تقاضائے طبع ہے اور اس کے لیے متعدد راستے تھے اگر زمین مشرق سے مغرب کو جاتی جب بھی دونوں مطلب بعینہٖ ایسے ہی حاصل تھے جیسے مغرب سے مشرق کو جانے میں، پھر ایک کی تخصیص کیوں ہوئی، یہ ترجیح بلا مرجح ہے جو قوتِ غیر شاعرہ سے نا ممکن، لہٰذا زمین کی حرکت باطل۔

دلیل ۸۵: اقول: یہ دونوں وجہ پر واجب تھا کہ خطِ استوا دائرۃ البروج کی سطح میں ہو۔

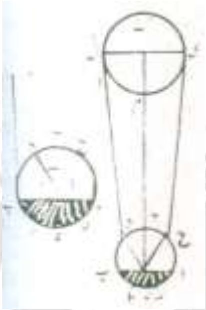

ی ک ل م شمس ہے، اور اح ب ء زمین۔ ی ا، ل ب دونوں کو مماس ہیں تو زمین کا قطعہ اح ب نصف عــه سے بڑا شمس کے مقابل اور اس سے مستنیر ہے اور قطعہ اء ب نصف سے چھوٹا تاریک اور اس سے مستنیرہ ہے اور ح ء سطح دائرۃ البروج اور ہ ر خطِ استواح ط قطبین میں ہے اور مرکز شمس یعنی سہ پر گزرتا ہے اور مرکز شمس ملازم دائرۃ البروج ہے۔ ح ہ، ر ء میل کلی ہیں اور ظاہر ہے کہ قطعہ ی م ل میں ارفع نقاط م ہے اور قطعہ اح ب کو م ح کو اقصر خطوط واصلہ ہے تو زمین شمس سے قریب تر نقطہ ح ہے پھر ہر طرف ء و ب تک بعد بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ان کے بعد مقابلہ استثناء اصلاً تر تو سب سے زیادہ جذب ح پر ہے اور جاذبیت و نافریت مساوی ہیں۔ (نمبر ٦) تو واجب کہ سب سے زیادہ نافریت بھی یہیں ہو اور کرۂ متحرکہ میں سب سے زیادہ نافریت منطقہ یہ ہے کہ وہی دائرہ سب سے بڑا ہے پھر قطبین تک اُس کے موازی چھوٹے ہوتے گئے ہیں یہاں تک کہ قطبین پر حرکت ہی نہ رہی۔ تو واجب تھا کہ ح ط حرکت محوری زمین کا منطقہ یعنی خطِ استوا ہوتا لیکن ایسا نہیں بلکہ

عــه: ہیأت جدیدہ کو تسلیم کہ اس نے اپنی تحریرات ریاضی میں براہین ہندسیہ سے ثابت یہاں چھوٹا کرہ جب بڑے کے محاذی ہو تو بڑے کا چھوٹا قطعہ چھوٹے کے بڑے قطعے سے مقابل ہوگا۔ خطوط مماسہ بڑے کرے سے اس کے قطر کے ادھر وتری ل سے نکلیں گے اور چھوٹے کرے کے قطر سے ادھر وتر اب کے کناروں پر مس کرینگے وللذا شمس سے زمین کے استنارے میں نصف شمس سے کم منیر اور نصف ارض سے زیادہ مستنیر ہوتا ہے اور قمر سے زمین کے استنارے میں بالعکس ۱۲ منہ غفرلہ۔

منطقہ ہ رہے تو جہاں جاذبیت کم ہے وہاں نافریت زائد ہے اور جہاں زائد ہے وہاں کم، اور یہ باطل ہے، لاجرم حرکتِ زمین باطل ہے، یوں ہی طلب نور و حرارت کے لیے اب کے نیچے جو اجزاء ہیں وہ آگے بڑھتے اور اپنے اگلے اجزاء کو بڑھاتے اور حرکتِ منطقہ ح پر پیدا ہوتی نہ ح آط کے نیچے جو اجزاء نور و حرارت پا رہے ہیں وہ آگے بڑھتی اور حرکت منطقہ ہ پر ہوتی۔

دلیل ۸۶: اقول: حرکت وضعیہ میں قطب سے قطب تک تمام اجزاء محور ساکن ہوتے ہیں اور ہم نمبر ۳۳ میں ثابت کر آئے ہیں کہ زمین کی یہ حرکت اگر ہے تو ہرگز تمام کُرے کی حرکت واحد نہیں، جس کے لیے قطبین و محور ہوں جب کہ ہر جز کی جدا حرکت اینیہ ہے کہ ہر جز میں نافریت اور طلبِ نور و حرارت ہے تو اجزاء محور کا سکون بے معنی نہ کہ وہ بھی خط ح آط پر جہاں جاذبیت ہے نہ قوت اور اس کے بعد تک مقابلہ باقی ہے تو بُطلان حرکت زمین میں کوئی شبہ نہیں۔

دلیل ۸۷: اقول: ہماری تقریر ۳۳ سے واضح کہ اجزاءِ زمین میں تدافع ہے۔

اولاً: اجزاء کی حرکت اینیہ میں اور ہر اینیہ میں قوت دفع ہے کہ وہ مکان بدلتی ہے جو اس کی راہ میں پڑے اُسے ہٹاتی ہے۔

ثانیاً: یہاں اسی قدر نہیں بلکہ اجزاء کی چال مضطرب ہے تو تدافع نہیں تلاطم ہے۔ حرکت محوری اگر جاذبیت و نافریت سے ہو جس طرح ہم نے نمبر ۳۳ میں تقریر کی جب تو ظاہر کہ قرب مختلف تو جذب مختلف تو نافریت مختلف تو چال مختلف تو اضطراب حاصل ورنہ اس کی کوئی بھی وجہ ہو۔ بہر حال اصول ہیئت جدیدہ پر یہ احکام یقیناً ثابت کہ:

(۱) بعض اجزاء ارض کا مقابل شمس اور بعض کا حجاب میں ہونا قطعی۔

(۲) مقابلہ زمین قُرب و بُعد اور خطوط واصلہ کا عمود منحرف ہونے کا اختلاف یقینی۔

(۳) ان اختلافات سے جاذبیت میں اختلاف ضروری۔

(۴) اس کے اختلاف سے نافریت میں کمی بیشی لازمی۔

(۵) اُس کی کمی بیشی سے چال میں تفاوت حتمی۔

(۶) اس تفاوت سے اجزاء میں تلاطم و اضطراب ان میں سے کسی مقدمہ کا انکار ممکن نہیں تو حکم متیقن تو واجب کہ معاذ اللہ زمین میں ہر وقت حالت زلزلہ رہے، ہر شخص اپنے پاؤں کے نیچے اجزاء زمین کو سرکتا تلاطم کرتا پائے اور آدمی کا زمین کے ساتھ حرکت عرضیہ کرنا اس احساس کا مانع نہیں، جیسے ریل میں بیٹھنے سے حال محسوس ہوتی ہے خصوصًا پرانی گاڑی میں لیکن بحمد اللہ تعالٰی ایسا نہیں تو حرکت محوری

یقیناً باطل، مقامِ شکر ہے کہ خود ہیئت جدیدہ کا اقرار اس کا آزار۔

کسی نے کہا تھا کہ زمین چلتی تو ہم کو چلتی معلوم ہوتی۔ اس کا جواب[1] یہی دیا کہ زمین کی حرکت اگر مختلف ہوتی یا اس کے اجزاء جدا جدا حرکت کرتے ضرور محسوس ہوتی۔ مجموع کرہ کو ایک حرکت ہموار لاحق ہے، لہٰذا حِس میں نہیں آتی، جیسے کشتی کی حرکت کشتی نشیں کو محسوس نہیں ہوتی یعنی جب تک جھکے گا نہیں۔

الحمدللہ ہم نے دونوں باتیں ثابت کردیں کہ زمین کو اگر حرکت ہوتی تو ضرور اجزاء کو جدا جدا ہوتی اور ضرور ناہموار و مضطرب ہی ہوتی جب ایک بات پر محسوس ہونا لازم تھا کہ اب کہ دونوں جمع ہیں بدرجہ اولٰی احساس واجب لیکن اصلاً نہیں، تو زمین یقیناً ساکن محض ہے۔

دلیل ۸۸: اقول: پانی زمین سے بھی کہیں لطیف تر ہے تُو اس کے اجزاء میں تلاطم واضطراب اشد ہوتا اور سمندر میں ہر طرف طوفان رہتا۔

دلیل ۸۹: اقول: پھر ہوا کی لطافت کا کیا کہنا، واجب تھا کہ آٹھ پہر عرب سے شرق تک تحت سے فوق تک ہوا کی ٹکڑیاں باہم ٹکراتیں، ایک دوسرے سے تپانچے کھاتیں اور ہر وقت سخت آندھی لاتیں، لیکن ایسا نہیں تو بلاشبہ زمین کی حرکت محور باطل اور اُس کا ثبوت وسکون ثابت و محکم، **وللہ الحمد وصلی اللہ علٰی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وسلم امین!**

دلائل قدیمہ

یہاں ہم نے زیادہ توجہ گردشِ دورۂ زمین کے ابطال پر رکھی، فصل اول میں رَدّ اول عام کے سوا باقی گیارہ اور فصل سوم میں سات اخیر کے سوا باقی بیس سب اسی کے ابطال میں ہیں، اگلوں نے ساری ہمت گرد محو حرکت زمین کے ابطال پر صرف کی ہم اُن میں سے وہ انتخاب کریں جن سے اگرچہ جواب دیا گیا بلکہ بہت کو خود مستدلین نے رَد کردیا لیکن ہم ان کی تشہید وتائید کریں گے اور خود ہیئت جدیدہ کے اقراروں سے اُن کا تام وکامل ہونا ثابت کردیں گے پھر زیادات میں وہ جن کی اور طرح توجیہہ کرکے تصحیح کریں گے پھر تذییل میں اگلوں سے وہ دلائل جن پر اگرچہ انہوں نے اعتماد کیا مگر ہمارے نزدیک باطل و ناتمام ہیں، **وباللہ التوفیق۔**

---

[1] ص ۱۶۷

دلیل ۹۰: بھاری پتھر [عہ۱] اوپر پھینکیں سیدھا وہیں گرتا ہے، اگر زمین مشرق کو متحرک ہوئی تو مغرب میں گرتا کہ جتنی دیر وہ اوپر گیا اور آیا اس میں زمین کی وہ جگہ جہاں سے پتھر پھینکا تھا۔ حرکت زمین کے سبب کنارہ مشرق کو ہٹا گئی۔ **اقول:** زمین کی محوری چال ہر سیکنڈ ۴/۵ ۵۰۶ گز ہے اگر پتھر کے جانے آنے میں ۵ سیکنڈ صرف ہوں تو وہ جگہ ۲۵۳۲ گز سرک گئی پتھر تقریبًا ڈیڑھ میل مغرب کو گرنا چاہیے حالانکہ وہیں آتا ہے۔

دلیل ۹۱: دو پتھر [عہ۲] ایک قوت سے مشرق و مغرب کو پھینکیں تو چاہیے کہ مغربی پتھر بہت تیز جاتا معلوم اور مشرق سست، نہیں نہیں بلکہ مشرقی بھی الٹا مغرب ہی میں گرے۔ اقول: یا پھینکنے والے کے ماتھے پر گرے۔ مثلًا وہ پتھر اتنی قوت سے پھینکے تھے کہ دونوں طرف تین سیکنڈ میں ۱۹ گز پر جا کر گرتے۔ سنگ غربی موضع رمی سے جب تک ۱۹ گز مغرب کو ہٹا ہے اتنی دیر موضع رمی ۱۵۱۹ گز مشرق کو ہٹ گیا تو یہ پتھر موضع رمی سے ۱۵۳۸ گز کے فاصلے پر گرے گا اور سنگ مشرق وہاں سے انگل بھی نہ سرکنے پائے گا کہ موضع رمی زمین کی حرکت سے اُسے جالے گا۔ اب اگر پھینکنے والے نے اپنے محاذات سے بچا کر پھینکا تھا تو یہ پتھر تین سیکنڈ میں ۱۹ گز مشرق کو چل کر گرجائے گا اور اتنی دور میں موضع رمی ۱۵۱۹ گز تک پہنچے گا یہ موضع رمی سے ۱۵۰۰ گز مغرب میں گرے گا اور اگر محاذات پر پھینکا تھا تو معا زمین کی حرکت سے پھینکنے والا پتھر سے ٹکرائے گا۔ اور پتھر اس کے لگ کر وہیں کا وہیں گرجائے گا لیکن ان میں سے کچھ نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ حرکت زمین باطل ہے۔

ثم اقول: بلکہ اولٰی یہ کہ یہ دلیل بایں تفصیل قائم کریں جس سے دو دلیل ہونے کی جگہ تین دلیلیں قائم ہو جائیں کہ جہاں شقوق واقع ایک ہی ہوسکے وہ ایک ہی دلیل ہوگی اگرچہ شقیں سو ہوں اور جہاں ہر شق واقع ہوسکے ایک پر استحالہ ہو وہ ہر شق جدا دلیل ہے، درخت کی ایک شاخ سے دو پرند مساوی پرواز کے مساوی مدت تک مثلًا ایک گھنٹہ اُڑے، ایک مغرب دوسرا مشرق کو، اگر اُن کی پرواز رفتار زمین کے مساوی ہے۔

[عہ۱]: یہ اور اس کے بعد کی دلیل تذکرہ طوسی و شرح حکمت العین و ہدیہ سعدیہ تک اکثر کتب میں ہے۔

[عہ۲]: شرح حضری سے ہدیہ سعیدیہ اسی دلیل سے یوں بھی ثابت کرتے ہیں کہ تیر و طائر و ابر مشرق کو چلتے معلوم ہوں (شرح حکمت العین) اسی سے یوں کہ مشرق کو جاتا مغرب کو چلتا نظر آئے۔ (حضری)

اقول: بلکہ مشرق کو جانا مغرب کو جانا ہو کہ اب تک پرند کی جگہ جو پتھر مشرق کو سرکے یہ جگہ سیکڑوں جگہ نکل جائے گی تو یہ اس جگہ سے تجاوز کرنے درکنار ہمیشہ اس سے پیچھے ہی رہے گا۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

گھنٹے میں ایک ہزار چھتیس میل تو غربی اس شاخ سے دو ہزار بہتر میل پر پہنچا کہ جتنا وہ مغرب کو چلا اسی قدر یہ شاخ زمین کے ساتھ مشرق کو گئی اور مشرق بال بھر بھی شاخ سے جدا نہ ہوا کہ جتنا اُڑتا ہے زمین بھی اتنی ہی رفتار سے شاخ کو اس کے ساتھ ساتھ لارہی ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مساوی پرواز والے مساوی فصل پاتے ہیں۔

دلیل ۹۲: اگر ان کی پرواز رفتارِ زمین سے زائد ہے مثلاً گھنٹے میں ۱۰۳۷ میل تو غربی ۲۰۷۳ میل مغرب میں پہنچے گا اور اس کی مساوی پرواز والا مشرقی ۱۰۳۷ میل اڑ کر صرف ایک ہی میل مشرق کو طے کرسکے گا یہ بھی بداہۃً باطل وخلاف مشاہدہ ہے۔

دلیل ۹۳: اگر ان کی پرواز رفتارِ زمین سے کم ہے مثلاً گھنٹے میں ۱۰۳۵ میل تو غربی ۲۰۷۱ میل پر ہوجائے گا۔ اور اس کا ہم پرواز مشرقی جس نے گھنٹہ بھر محنت کرکے ۱۰۳۵ میل مشرق کو طے کیے۔ نتیجہ یہ پائے گا کہ الٹا اس شاخ سے اک میل مغرب میں گرے گا۔ اڑا تو مشرق کو اور پہنچا مغرب میں، یہ سب سے بڑھ کر باطل اور خلافِ مشاہدہ ہے۔

دلیل ۹۴: جتنی مسافت قطع کریں اس سے صدہا گنا فاصلہ ہوجائے۔ (خضری) یعنی ہر عاقل جانتا ہے کہ مثلاً طائر جس مقام سے جتنا اڑے وہاں سے اسے اتنا ہی فاصلہ ہوگا لیکن یہاں اڑے صرف ایک میل اور فاصلہ ہزار میل سے زائد ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ صورت مذکورہ میں اگر طائروں کی پرواز گھنٹے میں ایک میل ہے تو شرقی ۱۰۳۵ میل مغرب میں پڑے گا اور غربی ۱۰۳۷ میل۔

دلیل ۹۵: موضع انفصال اُس شاخ سے مثلاً شاخ مذکور سے دونوں کے فاصلے کا مجموعہ اتنی دیر میں حرکتِ زمین کا دوچند یا زائد یا زائد کچھ خفیف کم ہو، (خضری)۔

اقول: اول: اُس حالت میں ہے کہ دونوں پرندوں کی پرواز باہم متساوی ہو۔ اور دوم جب کہ غربی کی پرواز شرقی سے زائد ہو، اور سوم جب کہ عکس ہو۔ اور خفیف اس لیے کہ تیر یا طائر یا گولا عادۃً کوئی زمین کا دسواں حصہ بھی نہیں چلتا اور دونوں طائروں کی پرواز ایک میل ہے تو شرقی ۱۰۳۵ میل مغرب میں پڑے گا اور غربی ۱۰۳۷ میل پر گریں گے۔ جب کہ ابھی گزرا مجموعہ ۲۰۷۲ کہ گھنٹے میں رفتار زمین کا دوچند ہے اور غربی ایک ساعت میں دو میل اڑے اور شرقی ایک میل تو وہ ۱۰۳۸ میل پر ہوگا اور یہ ۱۰۳۵ پر مجموعہ ۲۰۷۳ میل کہ ضعف سیر زمین کے دوچند سے بھی ایک میل زائد ہے اور شرقی دو میل غربی ایک میل تو وہ ۱۰۳۴ میل پر ہوگا اور یہ ۱۰۳۷ پر مجموعہ ۲۰۷۱ میل کہ ضعف سیر زمین سے ایک ہی میل کم ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان پروازوں پر مجموع فاصلہ ہر گز دو تین میل سے زائد نہیں ہوتا، تو ضرور حرکت زمین باطل۔

دلیل ۹۶: جو[1] پرند ہم سے جنوب یا شمال کی طرف ہوا میں ہو تیر سے شکار نہ ہوسکے (مفتاح) اقول جنوب وشمال کی تخصیص بیکار ہے بلکہ مشرق پر اعتراض اظہر ہے اور استحالے میں یہ زائد کرنا چاہئے یا وہ پرند کہ ہم سے دس گز کے فاصلے پر تھا صدہا گز کے فاصلے پر گرے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ تیر وکمان اٹھانا، تیر جوڑنا، کمان کھینچنا، تیر چھوڑنا اگر دو ہی سیکنڈ میں ہو جائے اور آدمی پرند کو اپنے سے دس گز کے فاصلے پر دیکھ کر یہ افعال کرے تو خود حرکت زمین کے سبب اتنی دیر میں وہاں سے ایک ہزار تیرہ گز کے فصل پر ہو جائے گا اب اگر اسی محاذات پر تیر چھوڑا جیسا کہ یہی ہوتا ہے تو تیر سیدھا شمال کو گیا اور جانور شمالی غربی ہے یا سیدھا جنوب کو اور جانور جنوبی غربی یا مشرق کو اور جانور مغرب میں ہو گیا۔ ان تینوں صورتوں میں تیر جانور کی سمت ہی پر نہ گیا اور مشرق میں سب سے بڑھ کر حماقت اور مغرب میں اگرچہ سمت وہی رہی جانور ۱۰۲۳ گز کے فاصلے پر ہو گیا یونہی اور اگر ان تینوں جہات میں تیر چھوڑتے وقت محاذات بدل لی تو اگر جانور مشرق میں تھا اب ہزار گز سے زیادہ مغرب ہو گیا، اور اگر جنوب یا شمال میں تھا تو ایک ہزار تیرہ گز سے کچھ کم فاصلے پر ہو گا کہ ۸۴ء ۱۰۲۵۸۶۳ کا جذر ہے[2] بہر حال اب تیر اس تک کہاں پہنچتا ہے، اور اگر فرض کر لیجئے کہ دس گز کے فصل پر آنے سے پہلے یہ سب کام ہوئے تھے یعنی پہلے سے کسی اور وجہ سے تیر کمان میں جوڑا ہوا اور کمان کھینچی ہوئی تھی کہ اس جانور کیلئے ہزار گز فاصلے سے ایسا کرنا نہیں خیر کسی طرح یہ سب کام تیار تھا کہ تیر عین اسی وقت چھوٹا کہ جانور دس گز کے فاصلے پر محاذات میں تھا تو تیر تو ضرور اس کے لگ جائے گا کہ جانور کی طرح تیر بھی چھوٹ کر حرکت زمین کا تابع نہ رہا مگر تیر اس تک اگر دو ہی سیکنڈ میں پہنچے تو ہم اتنی دیر میں ایک ہزار تیرہ گز مشرق کو چلے جائیں گے اور وہی فاصلے جو صورت دوم میں تیر کو جانور سے تھے ہم کو اس سے ہو جائیں گے۔ تو اب ہمیں ہزار گز سے زائد پلٹنا چاہئے کہ گرے ہوئے جانور کو پائیں۔ یہ تمام صورتیں لاکھوں بار کے مشاہدہ سے باطل ہیں، لہٰذا حرکت زمین باطل۔

دلیل ۹۷: جو جسم ہوا میں ساکن ہو ہمیں بہت تیزی سے مغرب کی طرف اڑتا نظر آتا ہے۔ (مفتاح)

اقول: طبعیا تجدیدہ[3] میں قرار پاچکا ہے کہ ہوا اوپر اٹھنے کی مقاومت کرتی ہے۔ پرند اپنی بازو

---

[1] یہ اور اس کے بعد کی دلیل مفتاح الرصد میں ہے ۱۲ منہ غفرلہ

[2] اُس وقت فاصلہ ۱۰ گز تھا اور زمین ۸ء ۱۰۱۲ گز ہٹی، یہ دونوں ضلع قائمہ ہوئیں اور اب کہ فاصلہ اُس کا وتر ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ

[3] ط ص ۲۳۔ ۱۲

مار کر اس مقاومت کو دفع کرتے ہیں، یہ زور اگر اس کے وزن اجسام سے زائد ہے اوپر بلند ہوں گے کم ہے نیچے اتریں گے۔ برابر ہے ساکن رہیں گے اور اس کی مثال چنڈول سے دی گئی ہے کہ بارہا پر کھول کر ہوا میں ساکن محض رہتا ہے۔ اس صورت میں سیدھا جلد گھونسلے میں پہنچتا ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ چھ سیکنڈ ٹھہرا اور ہے نیچا اور ہوا بالکل ساکن تو اتنی دیر میں ہم تین ہزار گز سے زیادہ مشرق کو چلے جائیں گے اور وہی تمہارا کہنا کہ ہم اپنی حرکت سے آگاہ نہیں، لہذا اُسے جانیں گے کہ تین ہزار گز مغرب کو اڑ گیا جیسے تیز چلتی ریل میں بیٹھنے والا درختوں کو اپنے خلافِ جہت چلتا دیکھتا ہے لیکن یہ باطل ہے ہم یقیناً ساکن کو ساکن ہی دیکھتے ہیں تو حرکتِ زمین باطل ہے۔

دلیل ۹۸ عـــہ: پرند کہ اپنے آشیانے سے گز بھر فاصلے پر جانب غرب کسی ستون پر بیٹھا ہے قیامت تک اُڑ کر آشیانے کے پاس نہ آسکے کہ وہ ہر سیکنڈ میں ۵۰۶ گز مشرق کو جارہا ہے، پرند زمین کی نا آ••••••☆•••••• چھوڑ کر اڑان کہاں سے لائے گا۔

یہ سات دلائل کتب میں ابطال حرکت وضعیہ زمین پر ہیں، اسی قبیل ابطال حرکت اینیہ پر بھی ہو سکتی ہیں مثلاً اگر زمین گرد شمس گھومتی ہو۔

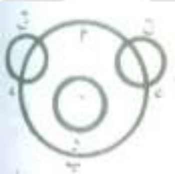

فرض کیجئے کہ ا اوج ہے اور ب حضیض اور ہ شمس اور ج ء زمین، مثلاً ج کی طرف ہندوستان ہے اور ء کی طرف امریکہ، اب اگر زمین اوج کی طرف جارہی ہے تو ہندوستان والے یا حضیض کی طرف آرہی ہے تو امریکہ والے کیسی ہی قوی توپ کو سیدھا جانب آسمان کرکے گولا چھوڑیں توپ کے منہ سے بال برابر نہ بڑھ سکے کو گولا جس سمت جاتا اسی کی طرف اس کے پیچھے زمین آرہی ہے اور کیسی آرہی ہے ہر سیکنڈ میں ۱۹ میل اُڑتی ہوئی تو گولا کیونکر اس سے آگے نکل سکتا ہے۔

عـــہ: یہ دلیل اُسی عنوان پر ہم نے اضافہ کی تھی پھر بعض رسائل کی تصانیف میں نظر آئی پھر اسی حکمت العین میں اسی طور پر دیکھا کہ مشرقی شہر کی طرف اُڑنے والا پرندا سے نہ پہنچے نیز یونہی اس شرح میں اُس سے پہلے لکھا، جس کو ہم نے اپنی تقریر سے رد کردیا اس کے بعد شرح حکمت العین میں دلیل یوں نظر آئی کہ ابر یا پرند کہ ساکن ہو، ساکن نظر نہ آئے ۱۲ منہ غفرلہ۔

☆: اصل میں اسی طرح تحریر ہے۔ عبدالنعیم عزیزی

دلیل ۹۹ عـــہ **:اقول:** زمین اگر اوج کو جارہی ہے تو امریکہ والے یا حضیض کو آرہی ہے تو ہندوستان والے اپنے سر کی طرف ایک پتھر ۱۶ فٹ تک پھینکیں تو وہ قیامت تک زمین پر نہ اُترے کہ زمین کے خلاف جہت پھینکا ہے، جذب زمین ۱۶ فٹ سے ایک سیکنڈ میں اُسے زمین تک لاتا لیکن زمین اتنی دیر میں ۱۹ میل ہٹ جائے گی اور اب ایک سیکنڈ میں ۱۶ فٹ سے بھی کم کھینچ سکے گی کہ زیادت بعد موجب قلّت جذب ہے اور اس کی اپنی چال وہی ۱۹ میل ہت جائے گی اور اب ایک سیکنڈ میں ۱۶ فٹ سے بھی کم کھینچ سکے گی کہ زیادت بعد موجب قلّت جذب ہے اور اس کی اپنی چال وہی ۱۹ میل رہے گی تو پھر کبھی زمین پر نہیں آسکتا۔

ان گیارہ" دلائل سے کہ سات اگلوں کی رہیں اور اسی سوال پر چار ہم نے بڑھائے، ہیئت جدیدہ

عـــہ: یہ دلیل ہماری دلیل ۹۹ کا عکس ہے اس کے ساتھ اس کا ذہن میں آنا لازم تھا۔ اگلے میں بعض اس کے قائل تھے کہ زمین ہمیشہ اوپر چڑھتی ہے، بعض اس کے ہمیشہ نیچے اترتی ہے اور دونوں میں دو ۲ قول ہیں۔ ایک یہ کہ تنہا زمین، دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ آسمان بھی چڑھتا یا اترتا ہے، ان مہمل اقوال کی بحث پر ہم نے نظر نہ کی تھی کہ ہمارے مقصود سے خارج تھے پھر شرح مجسطی میں دیکھا کہ بطلمیوس نے قول دوم پر دورد کیے ایک تو ضعیف کہ ایسا ہوتا تو آسمان سے جاملتی بلکہ اسے چیر کر نکل جاتی۔ دوسرے میں استحالہ یہی قائم کیا جو ہماری دلیل ۱۰۰ میں ہے کہ ڈھیلا زمین پر نہ اُتر سکتا تھا مگر اسے یوں بیان کیا کہ بڑے جسم کا میل زیادہ تو حرکت زیادہ، اور اس پر رد ہوا کہ نیچے اُترنا صرف بربنائے ثقل نہیں بلکہ جنس کی طرف میل زائد ہے تو ممکن کہ ڈھیلا پیچھے نہ رہے۔ اس پر علامہ قطب شیرازی نے جواب دیا کہ نہ سہی اتنا تو ہوتا کہ پھینکے ہوئے ڈھیلے کی مسافت چڑھنے میں کم ہوتی اور اترنے میں زیادہ کہ جتنی دور چڑھا اتنا اترے اور اتنی دیر میں زمین جتنی نیچے اتر گئی اور اترے۔ شرح قطبی میں اس پر رد کیا کہ ممکن کہ اتنی دیر میں زمین کا اترنا بہت قلیل ہو کہ فرق محسوس نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ہر دو بات کو ہمارے مبحث سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہ دلیل باتباع مجسطی کتاب جونپوری میں بھی مذکور ہوئی جس سے ابطال پر ہماری دلیل ۹۹ تھی۔ بطلمیوس نے تو اسے ابطال ہبوط پر چھوڑا کہ جب اترنا ہم باطل کر چکے تو چڑھنا بھی باطل کہ ایک طرف سے چڑھنا دوسری طرف سے اترنا ہے اور جونپوری نے اس پر ایک اور دلیل دور از کار دی کہ زمین اوپر چڑھتی تو ڈھیلے بھی۔ اس لیے کہ طبیعت ایک ہے، ہدیہ سعیدیہ نے ایک اور اضافہ کیا کہ بڑا ڈھیلا چھوٹے سے سہل تر اوپر پھینکا جاسکتا ہے کہ خود اس میں اوپر کا میل زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ میل طبعی پر مبنی ہیں جسے مخالف نہیں مانتا۔ ہمارے دلائل مستحکم وصاف و ناقابل خلاف ہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

کی طرف سے دو جواب ہوئے۔

جواب اوّل: ہوا و دریا زمین کے ساتھ ساتھ اور جو کچھ ان میں ہوں ان کی طبیعت سے سب ایسے ہی متحرک ہیں۔ لہٰذا [۱] پتھر کو اوپر پھینکا جائے تو موضع رمی کی محاذات نہیں چھوڑتا۔ [۲] دو پرند کہ مشرق و مغرب کو اڑیں شاخ سے صرف اپنی حرکتِ ذاتیہ سے جدا ہوں گے زمین کی حرکت اُن میں فرق نہ ڈالے گی کہ ہوا ان کو زمین کے ساتھ ساتھ لارہی ہے تو نہ مشرقی ساکن رہے گا [۳] نہ مغربی زیادہ اڑے گا۔ [۴] نہ مشرقی مغرب کو گرے گا۔ [۵] نہ پرواز سے زائد فاصلہ ہوگا، نہ [۶] فاصلوں کا مجموعہ اُن کی ذاتی حرکتوں سے زیادہ ہوگا۔

اقول: اور مغربی کا اپنی چال سے مغرب کو اور زمین و ہوا کے اتباع سے مشرق کو جانا کچھ بعید نہیں کہ اول حرکت قسریہ ہے اور دوسری عرضیہ جیسے کشتی مشرق کو جاتی ہو اور اس میں کسی ڈھال پر کہ مغرب کی طرف ہو پانی ڈالو اپنی چال سے غرب کو جائے گا اور شک نہیں کہ اسی حالت میں کشتی اسے مشرق کی طرف لیے جاتی ہوگی۔ مثلاً فرض کرو کنارے پر کسی درخت کے محاذ پر پانی بہایا کہ گز بھر مغرب کو بہا اور اتنی دیر میں کشتی چار گز مشرق کو بڑھی تو پانی محاذاتِ شجر سے تین گز دور ہوگا اور کشتی ساکن رہتی یہ پیڑ سے گز بھر مغرب کو ہو جاتا یہ ساکن رہتا اور کشتی چلتی تو چار گز مشرق کو ہوتا مگر یہ گز بھر مغرب کو ہٹا اور کشتی چار گز مشرق کو، لہٰذا یہ تین ہی گز مشرق کو ہوا۔ [۷] یونہی پرند کو ہوا زمین کے ساتھ چلا رہی ہے تو اس پہلی محاذات اور اسی دس گز کے فاصلے پر رہے گا اگر خود کسی کی طرف حرکت نہ کرے [۸] جو ہوا میں ساکن ہے یوں ساکن ہے کہ اپنی ذاتی حرکت نہیں رکھتا ہوا کے ساتھ حرکت عرضیہ سے زمین کے برابر جارہا ہے جیسے جالس سفینہ ساکن ہے اور کشتی کے ساتھ متحرک، [۹] پرندے آشیانہ اسی ہاتھ بھر کے فاصلہ پر ہوگا کہ اُسے درخت اور اسے ہوا [۱۰] زمین کے ساتھ لیے جاتے ہیں۔ زمین گولے کو نہ پکڑے گی کہ جس ہوا میں گولا ہے وہ اسے بھی زمین کے آگے آگے اسی ایک سیکنڈ میں ۱۹ میل کی چال سے لیے جاتی ہے تو اس میں زمین کے مساوی ہوا اور قوتِ دفع سے جتنا دور جانا تھا گیا۔ [۱۱] پتھر سے زمین اپنی چال سے دور نہ ہوگی کہ اسی چال سے اسی طرف اسے ہوا لیے جاتی ہے تو ۱۶ ہی فٹ کے فاصلے پر رہے گا اور جذب زمین سے ایک سیکنڈ میں زمین سے ملے گا۔ اس کا دفع ۵ [1] وجہ سے لیا گیا جن میں سے ہمارے نزدیک دو صحیح ہیں۔

مبناء بیان تین باتیں خیال کی گئیں۔

(۱) آب و ہوا کا باتباع زمین حرکت عرضیہ کرنا۔

(۲) ہوا و آب میں جو کچھ ہو اُس کا ان کی طبیعت سے متحرک بالعرض ہونا۔

(۳) ان حرکات کا زمین کی حرکت ذاتیہ کے مساوی رہنا جس کے سبب اشیاء میں فاصلہ و

---

[1] الھدیۃ السعیدیۃ الفن الثالث فی العنصریات ابطال المذھب الثالث فی حرکت الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۹۴ و ۹۸

مقابلہ بحال رہے۔

ظاہر ہے کہ جواز جتنی باتوں پر مبنی ہو اُن میں سے ہر ایک کا بطلان اس کے بطلان کو بس ہے نہ کہ جب سب باطل ہوں، لہذا ان تینوں مبنٰی کے لحاظ سے اس پر رد کیے گئے۔

دفع اول: کہ دفع اول ہے، آب و ہوا زمین کو حاوی ہیں اور خود بارہا مستقل حرکت مختلف جہات کو کرتے ہیں تو ملازم ارض نہیں اور جو حاوی ملازم محوی نہ ہو اس کی حرکت سے اس کی حرکت بالعرض لازم نہیں۔

اقول: اولاً: نہ یہاں حاوی و محوی سے تفرقہ نہ دوسری مستقل حرکت سے خلل، مدار کار اس تعلق پر ہے جس کے سبب ایک کی حرکت دوسری کی طرف منسوب ہو۔ کپڑے انسان کو حاوی نہیں اور ہوا سے دامن ہلتے ہیں یہ اُن کی مستقل حرکت ہے بعینہٖ بلا شبہہ وہ انسان کی حرکت سے متحرک بالعرض ہے۔ اور ہم عـــہ۱ مستدل ہیں ہمیں عدم لزوم کافی نہیں لزومِ عدم چاہیے۔ مخالف عـــہ۲ کو جواز بس ہے مگر یہ کہیں کہ حقیقتاً مخالف مدعی

عـــہ۱: قال فی الھدیۃ السعیدیۃ بعد ذکر مزعوم الفرنج من حرکت الارض بالاستدارۃ ھٰذا الرأی ایضاً باطل بوجوہ[1]۔ ۱۲ منہ

ہدیۃ السعیدیہ میں فرنج کے اس زعم کو ذکر کرنے کے بعد کہ زمین کی حرکت مستدیرہ ہے، کہا یہ رائے بھی کئی وجوہ سے باطل ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

عـــہ۲: خود ہدیہ سعیدیہ میں مخالف کی طرف سے تقریر جواب میں ہے:

یجوز ان یکون مایتصل بالارض من الھواء یشایعھا[2]۔

ممکن ہے کہ زمین سے متصل جو ہوا ہے وہ اسے ساتھ ساتھ لے جاتی ہو۔ (ت)

شرح تذکرہ طوسی للعلامۃ الخضری میں ہے کہ:

لاینفع المستدل لان تجویز مشایعۃ الھواء الارض کافیۃ لتزییف الدلیلین[3]۔

یہ مستدل کو نفع نہیں دیتا کیونکہ زمین کے لیے ہوا کی مشایعت کو جائز قرار دینا دونوں دلیلوں کی کھوٹ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے۔ (ت)

حکمۃ العین میں ہے:

الملازمۃ ممنوعۃ لجواز عن الھواء

ملازمہ ممنوع ہے کیونکہ ممکن ہے کہ (باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] الھدیۃ السعیدیۃ ابطال المذھب الثانی فی حرکت الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۸۴

[2] الھدیۃ السعیدیۃ ابطال المذھب الثانی فی حرکت الارض قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۸۴

[3] شرح تذکرۃ النصیریۃ للخضری

حرکت ارض ہے اور ہم مانع اور یہ کہ صورت دلائل میں پیش کیا منع کی سند میں۔

اقول: اس میں نظر ہے یہ ملازمتیں عہ کہ زمین متحرک ہوتی تو یہ یہ امور واقع ہوتے ان میں ضرور ہم مدعی ہیں یہ کیا کہنے کی بات ہوسکتی ہے کہ زمین متحرک ہوتی تو ممکن تھا کہ پتھر مغرب کو گرتا، ہاں ممکن تھا، پھر کیا ہوا اور اگر اس سے قطع نظر بھی ہو تو حاوی وغیر ملازم کی قیدیں اب بھی بے وجہ ہے۔ اگر محوی مطلقاً اور حاوی ملازم کو حرکت رفیق سے متحرک بالعرض لازم ہوتا تو ان قیود کی حاجت ہوتی مگر ہرگز نہیں بھی لازم نہیں۔ دو چکر ایک دوسرے کے اندر ہوں اگر ان میں ایسا تعلق نہیں کہ ایک کی حرکت دوسرے کو دفع کرے تو جسے گھمایئے صرف وہی گھومے گا اگرچہ ان میں کوئی دوسری حرکت مستقلہ نہ رکھتا ہو دولاب یا چرخی کی حرکت سے ان کے اندر کا لوہا یا لکڑی جس پر وہ گھومتے ہیں نہیں گھومتے۔ شاید غیر ملازم کی قید اس لحاظ سے ہو کہ جب ملازم ہو آپ ہی اس کی حرکت سے محترک ہوگا۔

اقول: ملازمت جسم للجسم ملازمت وضع للوضع کو مستلزم نہیں اور غالباً حاوی کی قید فلکیات میں مزعوم فلاسفہ یونان کے تحفظ کو ہو کہ کب تدویر کا تابع ہے۔ تدویر حامل کی حامل ممثل کا ممثل فلک الافلاک کا ہر ایک دوسرے کی حرکت سے متحرک بالعرض ہے اور خود اپنی حرکت ذاتیہ جدا رکھتا ہے۔

اقول: ہمارے نزدیک تو افلاک متحرک ہی نہیں جیسا کہ بعونہ تعالٰی کاتمہ میں مذکور ہوگا نہ برخلاف خود اصول فلسفہ مثل بساطت، فلک تداویر و حوامل جاننے کی حاجت اور ہو تو عندالتحقیق یہ حرکت ہرگز عرضیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یشایعاکالارض للفلك[1]۔	ہوا اس کی مشایعت کررہی ہو جیسے زمین فلک کے لیے (ت)

شرح مجسطی للعلامۃ عبد العلی میں ہے:

لم لایجوز ان یتحرك الهواء بمثل حرکة الارض[2] ۱۲ منه غفرله۔	کیوں جائز نہیں کہ ہوا زمین کی حرکت کی مثل حرکت کرے ۱۲ منہ غفرلہ (ت)

عہ: اس کی غایت توجیہ دفع پنجم میں آتی ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] حکمت العین

[2] شرح مجسطی للعلامۃ عبد العلی

نہیں۔حرکتِ عرضیہ میں متحرک بالغرض خود ساکن ہوتا ہے دوسرے کی حرکت اس کی طرف منسوب ہوتی ہے جیسے جالس سفینہ بلکہ بند گاڑی میں بھرا غلہ، اور یہاں یہ افلاک واجزاء خود اسی حرکت یومیہ سے متحرک ہیں اگرچہ انکے تحرک کا باعث فلک الافلاک کا تحرک ہو۔ فلک البروج اگر منتقل نہ ہوں تو کواکب ودرجات بروج کا طلوع و غروب کیونکر ہوتا تو یقیناً انتقال ان عـــہ۱ کے ساتھ بھی قائم ہے اگرچہ اس کے حصول میں دوسرا واسطہ ہوتا تو یہ حرکت ذاتیہ بذریعہ واسطہ ہوئی، جیسے ہاتھ کی جنبش سے کنجی کی گردش، نہ کہ عرضیہ جس میں عـــہ۲ انتقال اس کے

عـــہ۱: خود ہدیہ سعیدیہ میں ہے:

وفی الحرکۃ الوضعیۃ کا لکرۃ المحویۃ الملتصقۃ بکرۃ حاویۃ متحرکۃ علی الاستدارۃ اذا کان بین الکرتین علاقۃ التصاق توجب حرکۃ احدٰھما بحرکۃ الاخرٰی ومن ھٰذا القبیل اتصاف الافلاک المحویۃ بالحرکۃ الیومیۃ التی ھی حرکۃ الفلک الاطلس بالذات[1]۔اھ ۱۲۔

حرکت عرضیہ کی پہلی قسم کی مثال حرکت وضعیہ میں یوں سمجھیں کہ ایک کرہ محوی ہو اور ایک کرہ حاوی ہو، اور حاوی کُرہ حرکتِ مستدیرہ کررہا ہو، ان کے درمیان ایسا کنکشن ہو کہ ایک حرکت کرے تو دوسرا لازماً حرکت کرے۔ (دوسرے کُرہ کی حرکت عرضیہ ہوگی) جن افلاک کا احاطہ کیا گیا ان کا حرکت یومیہ کے ساتھ متصف ہونا اسی قبیلے سے ہے، حرکتِ یومیہ وہ فلک اطلس کی حرکت بالذات ہے اھ ۱۲ (ت)

عـــہ۲: خود ہدیہ سعیدہ میں ہے:

مایوصف بالحرکۃ اما ان یکون الانتقال قائما بغیرہ و ینسب الیہ لاجل علاقۃ لہ مع ذلک الغیر فحرکۃ عرضیۃ[2] اھ۔ **اقول:** من ھٰھنا ظھر ان فی قول الھدیۃ السعیدیۃ فی بیان انحاء الحرکۃ العرضیۃ لکن

جو چیز حرکت کے ساتھ موصوف ہے (اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ) انتقال کسی دوسری چیز کے ساتھ قائم ہے لیکن انتقال کی نسبت پہلی چیز کی طرف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کا تعلق اس غیر کے ساتھ ہے تو یہ حرکت عرضیہ ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الھدیۃ السعیدیۃ فصل الحرکۃ اما ذاتیۃ او عرضیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۱

[2] الھدیۃ السعیدیۃ فصل الحرکۃ اما ذاتیۃ او عرضیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۸

ساتھ قائم ہی نہیں دوسرے کے علاقہ سے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

وثانیاً اقول: وباللّٰه التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ہماری رائے میں حق یہ ہے کہ حرکتِ وضعیہ میں عرضیہ کی کوئی تصویر پایہ ثبوت تک نہ پہنچی۔ جب تک ما بالعرض ما بالذات کے ثخن میں ایسا نہ ہو کہ اس کی حرکتِ وضعیہ سے اس کا این موہوم بدلے، این موہوم سے یہاں ہماری مراد وہ فضا ہے کہ ما بالذات کو محیط ہے۔ ظاہر ہے کہ حامل کو جو فضا حاوی ہے تصویر کے ثخن حامل میں ہے، اس فضا کے ایک حصے میں ہے جب حامل حرکت وضعیہ کرے گا ضرار تدویر اُس حصہ فضا سے دوسرے حصے میں آئے گی تو اگرچہ خود ساکن محض ہو ضرور اس کی حرکت وضعیہ سے اس کی وضع بدلے گی کہ این موہوم بدلا اگرچہ این محقق برقرار ہے۔ بخلاف حامل یا خارج المرکز کہ اگر دونوں متمم کو ای ک جسم مانیں تو یہ اس کے ثخن میں ضرار ہے مگر ان کی گردش سے اس کا این موہوم نہ بدلے گا تو ان کی حرکت سے یہ متحرک بالغرض نہ ہوگا۔

جونپوری کے شمس بازغہ میں زعم[1] کہ اگر یہ اس کے ساتھ نہ پھرے تو اُسے حرکت سے روک دے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لایتحرك ھو بنفسه و مثله بما مر من الافلاك ان كان النفی منصبا علی القید كان حركة المفتاح بحركة الید وكل حركة قسریة بل ارادیة داخلة فی الحركة العرضیة وھو كما ترٰی وان انصب علٰی نفس المقید لاقید نفسه صح ولم یصح جعل حركة الا فلاك منه بل ھی ان كانت فقسریة وھم انما یھربون عنھا الی ادعاء العرضیة لا نه لا قاسر عندھم فی الافلاك ۱۲ منه۔

میں کہتا ہوں: اس جگہ سے ظاہر ہوگیا کہ حرکت عرضیہ کی قسمیں بیان کرتے ہوئے ہدیہ سعیدیہ (ص ۵۱) میں جو کہا ہے: لكن لا یتحرك ھو بنفسه (کسی مقولے میں حرکت عرضیہ کا موصوف اس لائق ہے کہ اس مقولے میں حرکت سے متصف ہو لیکن وہ خود متحرک نہیں ہوتا) اور اس سے پہلے اس کی مثال افلاک سے دی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ نفی کسی پر وارد ہے؟ (۱) اگر قید پر وارد ہے (تو معنی یہ ہو کہ وہ موصوف حرکت تو کرتا ہے، لیکن بنفسہ حرکت نہیں کرتا) تو ہاتھ کی حرکت سے چابی کی حرکت اور ہر قسری حرکت بلکہ حرکت ارادیہ بھی حرکت عرضیہ میں داخل ہوگی اور یہ باطل ہے جس طرح آپ دیکھ رہے ہیں اور اگر (۲) نفی مقید پر واد ہے نہ کہ فی نفسہ کی قید پر تو یہ صحیح ہے، لیکن افلاک کی حرکت کو اس قبیلے سے قرار دینا صحیح نہیں ہوگا بلکہ اگر یہ حرکت موجود ہوئی تو قسری ہوگی اور فلاسفہ اسی حرکت کو اس قبیلے سے قرار دینا صحیح نہیں ہوگا بلکہ اگر یہ حرکت موجود ہوئی تو قسری ہوگی اور فلاسفر اسی حرکت قسریہ سے بھاگتے ہیں اور حرکت کے عرضی ہونے کا دعوی کرتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک افلاک میں کوئی قاسر نہیں ہے۔ (ترجمہ) محمد عبدالحکیم شرف قادری)

---

[1] ص ۱۵۸۔ ۱۲

دو ۲ وجہ سے محض بے معنی ہے۔
(۱) نہ یہ اس کی راہ میں واقع ہے نہ اس میں جڑا ہوا ہے کہ بے اپنے اُسے نہ چلنے دے۔
(۲) اور اگر بالفرض راہ روکے ہوئے ہے تو گھومنے سے کھول دے گا۔
حرکتِ وضعیہ سے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی اگر یہ ان میں چسپاں بھی ہو تو ان کے گھومنے سے ضرور گھومے گا۔ مگر یہ انتقال بالذات اسے بھی عارض ہو گا اگرچہ دوسرے کے علاقے سے ہو۔ عرضی نہ ہو گا بلکہ ذاتی عرضی صورت کے سوا وضعیہ میں عرضیہ کی کوئی تصویر ثابت نہیں **ومن ادعٰی فعلیه البیان** (جو دعوی کرے بیان کرنا اسی کے ذمہ ہے۔ت) افلاک میں فلاسفہ کا محض ادعٰی ہے اس لیے کہ ان میں قاصر سے بھاگتے ہیں۔ مشایعت میں ساتھ ساتھ چلنا ہے نہ یہ کہ ایک ساکن محض رہے دوسرے کی حرکت اس کی طرف منسوب ہے۔
چکروں کا بیان ابھی گزرا تو عرضیہ میں فریقین کی بحث خارج از محل ہے۔ ابن سینا پھر جونپوری [1] مذکور نے زعم کیا کہ فلک کی مشایعت میں کُرہ نار کی حرکت عرضیہ اس لیے ہے کہ ہر جزء نار نے اپنی محاذی کے جزء فلک کو گویا اپنا مکان طبعی سمجھ رکھا ہے اور بے شعوری کے باعث یہ خبر نہیں کہ اگر اسے چھوڑے تو اسے دوسرا جز بھی ایسا ہی اقرب و محاذی مل جائے گا، ناچار بالطبع اس کا ملازم ہو گیا ہے۔ لہذا جب وہ بڑھتا ہے یہ بھی بڑھتا ہے کہ اس کا ساتھ نہ چھوٹے اور اس پر اعتراض ہوا کہ فلک ثوابت فلک اطلس کے سبب کیوں متحرک بالعرض ہے؟ اس کے اجزاء نے تو اس سے اجزاء کو نہیں پکڑا کہ خود جدا حرکت رکھتا ہے۔ اس کا جواب دیا کہ اس کے اقطاب نے اپنے محاذی اجزاء کی ملازمت کرلی ہے اور وہ اسکے اقطاب پر نہیں، لہذا ان اجزاء کی حرکت سے اس کے قطب گھومتے ہیں، لاجرم سارا کُرہ گھوم جاتا ہے۔
اقول: یہ شیخ چلی کی سی کہانیاں اگر مسلم بھی مان لیں تو عاقل بننے والوں نے اتنا نہ سوچا کہ جب نار و فلک البروج کی یہ حرکت اپنے اُس مکان کی حفاظت کو ہے تو اس کی اپنی ذاتی حرکت ہوئی یا عرضیہ۔
وثالثًا: مخالف کو یہاں عرضیہ ماننے کی حاجت ہی نہیں اس کے نزدیک آب و ہوا و خاک سب کُرہ واحدہ ہیں اور حرکتِ واحدہ سے متحرک۔
دفع دوم: کہ اول کا رَد دوم ہے، پانی اور وہ ہوا کہ جو زمین پر ہے کیوں اس کی متابعت کرنے لگی کہ وہ زمین سے متصل نہیں اور دریائے متحرک بالعرض سے اس کا اتصال اُسے متحرک بالعرض نہ کردے گا۔ ورنہ تمام عالم زمین کی حرکت سے متحرک بالعرض ہو جائے کہ اتصال در اتصال سب کو ہے۔ اب لازم کہ جہاز سے جو پتھر پھینکیں اوپر کو تو وہ جہاز میں لوٹ کر نہ آئے بلکہ مغرب کو گرے کہ دریا زمین کی حرکت سے

[1] ص ۱۵۸۔ ۱۲

متحرک بالعرض ہے، جہاز اس کے ساتھ مغرب کو جائے گا لیکن پتھر اب جہاز پر نہیں ہوا میں ہے اور ہوا متحرک بالعرض نہیں، توجب تک پتھر نیچے آئے جہاز کہیں کا کہیں نکل جائے گا۔

اقول: اولاً: فلک الافلاک سے متصل تو صرف فلک ثوابت ہے۔ تمہارے نزدیک اس کی حرکتِ عرضیہ سات زینے اتر کر فلک قمر تک کیسے گئی۔

ثانیاً: وہی کہ مجموع کرہ واحدہ ہے توسب خود متحرک۔

دفع سوم: کہ دوم کا رَد اول ہے، جو جسم کہ دوسرے کو اُٹھاسکے اُس کا اس پر قرار ہوسکے اس کی حرکت سے اس کی حرکت بالعرض ممکن ہے۔ اور جب عـــہ۱ یہ اس پر ٹھہر ہی نہ سکے وہ اسے سنبھال ہی نہ سکے تو اس کی طبیعت اسے کب ہوئی کہ اس کی حرکت سے متحرک ہو، یہ قطعاً بدیہی بات ہے اور اس کا انکار مکابرہ۔

دفع چہارم: کہ دوم کا رَد دوم ہے، جسے علامہ قطب الدین شیرازی نے تحفہ شاہیہ میں ذکر فرمایا کہ ہوا اگر حرکت مستدیرہ ارض سے بالعرض متحرک ہو جب بھی چھوٹے پتھر پر بڑے سے اثر زائد ہوگا کہ جسم جتنا بھاری ہوگا دوسرے کی تحریک کا اثر کم قبول کرے گا تو ان ساتوں (یعنی ۱۱) دلائل میں ہم ایک بار ہلکے ایک بار بھاری اجسام دکھائیں گے ان میں تو فرق ہونا چاہئے مثلاً پر اور ایک پتھر اوپر پھینکیں تو چاہئے۔

عـــہ۱: بے شک معقول بات ہے اسے ہدیہ سعیدیہ سے پہلے مفتاح الرصد نے لیا مگر شطرنج میں بغلہ اور طنبور میں نغمہ زائد کیا جس نے اسے فاسد کردیا کہتا ہے:

تحریک ہوا مراجسام را بر سبیل عرضیت اصلاً ممکن نیست زیرا کہ حرکت متصور نمی شود مگر وقتے کہ جسم متحرک العرض در جسم متحرک بالذات طبعاً یا قسراً مستقر شود و مشتغل بحرکت طبعی نباشد وہر گاہ بحرکت طبعی مشتغل باشد چگونہ حرکت عرضی صورت بندد اھ۔	ہوا کا اجسام کو بطورِ عرضیت حرکت دینا بالکل ممکن نہیں کیونکہ حرکت اُس وقت تک متصور نہیں ہوتی جب تک جسم متحرک بالعرض جسم متحرک بالذات میں طبعاً یا قسراً مستقر نہ ہوجائے اور حرکت طبعی کے ساتھ بھی مشتغل نہ ہو اور جب حرکت طبعی کے ساتھ مشتغل ہوگا تو حرکت عرضی کی صورت کیونکر اختیار کرے گا۔ اھ (ت)

اقول: اولاً: اس چگونہ کا حال اُس پانی سے واضح ہوگیا جسے چلتی کشتی کے اندر کسی ڈھال پر ڈالا۔

ثانیاً: ہوا جن اجسام کو اٹھاسکتی ہے جیسے بخار و دخانِ بخار، حرکت ہوا سے ان کی حرکت مستنکر نہیں تو سلب کُلی بے جا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: پھر میرک بخاری نے شرح حکمۃ العین میں ان کا اتباع کیا ۱۲

کہ پَر تو وہیں آکر گرے کہ ہوا کی حرکتِ عرضیہ کا پورا اثر لے گا اور پتھر وہاں نہ آئے مغرب کو گرے کہ ہوا پورا ساتھ نہ دے گا حالانکہ اس کا عکس ہے، پتھر وہیں آتا ہے اور پَر بدل بھی جاتا ہے۔

مخالف کی طرف سے علامہ عبدالعلی نے شرح مجسطی میں اس کے تین جوابات نقل کیے۔

(۱) مشایعت فرض کرکے مشایعت سے انکار عجیب ہے: مشایعت [عـــہ] ہوا کی فرض کی ہے نہ کہ پتھر کی، اعتراض عجیب ہے۔

(۲) شرح مجسطی میں کہا یوں جواب ہو سکتا ہے۔

عـــہ: فی شرح حکمۃ العین لا مشایعۃ ھٰھنا والا لما وقع الحجران [1] الخ. وفی شرح المجسطی قال صاحب التحفۃ لو تحرك الھواء بمثل تلك الحرکۃ الزم ان لایقع الحجران [2] الخ۔ **اقول**: وھذا الکلام یحتمل ان یکون ابطالا لمشایعۃ الھواء للارض انہ لو یشایعھا لزم الخلف وح یرد علیہ ا لا یراد الاول لاشك ویحتمل ان یکون انکارًا لمشایعۃ الحجر للھواء بعد تسلیم مشایعۃ الھواء ای لئن شایعھا الھواء لایشایعہ الحجر وح لاورود لہ وعلی الاول حملہ العلامۃ الخضری حیث قال ما قال صاحب التحفۃ فی ابطال مشایعۃ الھواء للارض انہ لو کان مشایعتھا لھا لما دقع الحجران [3] الخ۔ وحملہ علی الثانی وھو الصواب فان اختلاف الاثر فی الحجرین انما یقدح فی مشایعتھا للھواء۔	شرح حکمۃ العین میں ہے کہ یہاں کوئی مشایعت نہیں ورنہ دونوں پتھر نہ گرتے الخ۔ شرح مجسطی میں ہے صاحبِ تحفہ نے کہا کہ اگر ہوا اس کی حرکت کی مثل حرکت کرتی تو لازم آتا کہ دونوں پتھر نہ گریں الخ۔ **میں کہتا ہوں** یہ کلام زمین کے لیے ہوا کی مشایعت کے ابطال کا احتمال رکھتا ہے کہ اگر ہوا اس کی مشایع ہوتی تو خلف لازم آتا۔ اس صورت میں اس پر بلاشک اعتراض اوّل وارد ہوگا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام مشایعت ہوا کو تسلیم کرنے کے بعد ہوا کے لیے پتھر کی مشایعت کے انکار کے لیے ہو یعنی اگر ہوا زمین کے مشایع ہے تو پتھر ہوا کے مشائع نہ ہوگا۔ اس صورت میں کوئی اعتراض وارد نہ ہوگا۔ علامہ خضری نے اس کو احتمالِ اول پر محمول کیا کیونکہ اس نے فرمایا: صاحبِ تحفہ نے زمین کے لیے مشایعتِ ہوا کے ابطال سے متعلق جو کہا ہے کہ اگر ہوا زمین کے مشائع ہوتی تو دونوں پتھر نہ گرتے۔ الخ اور اس نے اسے احتمال ثانی پر محمول کیا ہے اور یہی درست ہے کیونکہ دونوں پتھروں میں اختلاف اثر ہوا کے لیے ان دونوں کی مشایعت میں قدح کی وجہ سے ہے۔ (ت) یہ جواب فاضل خضری نے شرح تذکرہ میں دیا ہے اور جونپوری نے اسے برقرار رکھا ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] شرح الحکمۃ العین

[2] شرح المجسطی

[3] شرح التذکرۃ النصیریۃ للخضری

مقصود تحفہ انکار مشایعت حجر ہے بلکہ وہ متحرک ہوگا تو قسر ہوا سے کہ ہوا تو یوں مشایع زمین ہوئی کہ اسکا مقعر ملازم ارض ہے، حجر کو ہوا سے ایسا علاقہ نہیں۔

اقول: اولاً: تضعیف جواب بے وجہ ہے۔

ثانیاً: یہ زیادت زائد و ناموجہ ہے۔

ملازمت مقعر کیا مفید مشایعت ہے، ورنہ افلاک تک مشایع ہوں اور اگر یہ مقصود کہ ہوامیں یہ علاقہ منشاء شبہہ ہے بھی، حجر میں تو اتنا بھی نہیں۔

اقول: وہاں تو ایک سطح سے مس ہے اور یہاں جملہ اطراف سے احاطہ، دو بڑے چھوٹے پتھروں پر اثر کا فرق تو تجربہ سے کھلے اور وہ یہاں متعذر کہ بڑا پتھر اوپر پھینکا جائے گا اور چھوٹا اپنی حرکت میں ہوا کے سبب پریشان ہو جائے گا۔علامہ نے کہا مثلاً سیر بھر کا پتھر ہوا سے مشوش نہ ہوگا اور تین سیر کا اوپر پھینک سکتا ہے۔

اقول: وہ جواب ہی فراہمل ہے **اولاً** اوپر سے تو گراسکتے ہیں **ثانیاً:** خود فرق کیا کہ چھوٹا ہوا سے مشوش ہوگا نہ بڑا یہی تو منشاء دفع تھا کہ ان پر اثر یکساں نہ ہوگا۔**ثالثاً:** قبول اثر تحریک میں صغیر و کبیر کا تفاوت حکم عقل ہے محتاج تجربہ نہیں۔

(۳) بڑے چھوٹے پر اثر کا فرق حرکت قسریہ میں ہے، عرضیہ میں سب برابر رہتے ہیں کشتی میں ہاتھی اور بلی برابر راستہ قطع کریں گے۔علامہ نے کہا مصرح ہو چکا ہے کہ ایک کی حرکت سے دوسرے کی حرکت عرضیہ صرف اس وقت ہے کہ یہ اس کا مثل جز ہو، یا وہ اس کا مکان طبعی حجر کو ہوا سے دونوں تعلق نہیں تو ہوا کی حرکت اگرچہ عرضیہ ہو پتھر کو قسراً ہی حرکت دے گی اور یہ ممتنع نہیں، جیسے جالس سفینہ کا کسی شے کو قسر متحرک بالعرض دوسرے کو اور حرکت قسریہ دے سکتا ہے اور اسی حرکت عرضیہ سے بھی قسر کر سکتا ہے جب کہ اینیہ ہو، جیسے جالس سفینہ کی محاذات میں کسی درخت کی شاخ آئیں اس کے صدمے سے ہٹ جائیں گی ہر حرکت اینیہ میں دفع ہے لیکن حرکتِ وضعیہ میں دفع نہیں، جس کی تحقیق ہم زیادات فضلیہ میں کریں گے، تو قیاس مع الفارق ہے، ہدیہ سعیدیہ میں اس سوم پر یوم رَدّ کیا کہ عرضیہ میں بھی تساوی مسلّم نہیں۔ بہتے دریا میں لٹھا اور چھوٹی لکڑی ڈال دو لکڑی زیادہ بہے گی۔

اقول: یہاں نری عرضیہ نہیں، قسریہ بھی ہے کہ پیچھے سے آنے والی موجیں آگے کو دفع کرتی ہیں جیسے لکڑی لٹھے سے زیادہ قبول کرتی ہے۔

دفع پنجم: دوم کا رَد سوم اشیاء کی ہوا میں چسپاں ہونا بدیہی ورنہ کوئی پرندہ اُڑ نہ سکتا ابر آگے

بڑھ نہ سکتا اور جب چسپاں نہیں تو کیا محال ہے کہ ہوا انہیں چھوڑ جائے اوپر پھینکا ہوا پتھر مغرب کو گرے وغیرہ استحالات (تحریر مجسطی) یہ جواب ضعیف ہے۔ محال نہ ہونے سے وقوع لازم نہیں فلک الافلاک کی حرکت بھی تو بے حرکت دیگر افلاک محال نہیں مگر کبھی بے ان کے واقع نہیں ہوتی۔ (شرح مجسطی)

اقول: افلاک کی حرکت عرضیہ ہونے کا رَدّ اوپر گزرا۔ طوسی اتنا سفیہ نہ تھا کہ سوال پر سوال جواز کے مقابل جواز پیش کرتا۔ مقصود یہ ہے کہ امورِ عادیہ کا خلاف بلاوجہ وجیہ محض شاید ولیکن سے نہیں مانا جاتا۔ عادت یہ ہے کہ جو شے دوسری سے ضعیف علاقہ رکھتی ہو حرکت میں ہمیشہ اس کی ملازم نہیں رہتی بلکہ غالب چھوٹ جانا ہی ہے۔ تنکوں کو دیکھتے ہیں کہ ہوا انہیں اڑاتی ہے کچھ دور چل کر گر جاتے ہیں، پھر پتھروں کا کیا ذکر، لیکن کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔ جب سے عالم آباد ہے کبھی نہ سنا گیا کہ پتھر پھینکا اوپر ہوا اور گرا ہو ہزاروں گز مغرب میں، اسی طرح باقی استحالے اب کبھی ہوا تو تاریخیں اس سے بھری ہوتی۔ یہ ہر خلاف عادت دوام محض امکان کی بنا پر نہیں ہو سکتا اگر وجوب نہیں تو ضرور بحکم عادت اس کا خلاف بھی تھا بلکہ وہی اکثر ہوتا اور اگر وجوب ہے تو وہ یوں ہی مقصود کہ پتھر ہوا میں چسپاں ہو اور اس کا بطلان بدیہی۔ یہ اس تقریر کی غایت توجیہ ہے۔ اور اگر چسپاں ہونے سے ہوا میں استقرار مراد لیا جائے تو بے شک صحیح ہے مگر اس وقت وہی دفع سوم ہے۔

دفع ششم: سوم کا رَد کہ ہوا نہایت نرم ولطیف ہے، ادنٰی اثر سے اس کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں۔ تو اگر وہ حرکت عرضیہ کرے بھی تو ضرور نہیں کہ زمین کے ساتھ ہی رہے تو جو اس وقت ہوا میں کسی موضع زمین کے محاذی ہے کچھ دیر کے بعد کیونکر اس موضع کا محاذی ہی رہے گا۔

اقول: سوم کی طرح یہ دفع بھی صحیح ہے۔ فقط۔ **اولاً:** حرکت سے عرضیہ کی قید ترک کرنی چاہیے کہ اعتراض نہ ہو کہ ان سے نزدیک ہوا کی یہ حرکت ذاتیہ ہے۔

ثانیاً: ضرور نہیں کہ جگہ یہ کہنا چاہیے کہ ساتھ نہ رہے گی کہ وہ مستدل ومانع کی بحث پیش نہ آئے اور خود آخر میں کہا کیونکہ محاذی رہے گا۔ نہ یہ کہ محاذی رہنا ضرور نہ ہوگا۔ اگر کہیے ساتھ نہ رہے گی۔ کیا ثبوت۔

اقول: عقلِ سلیم ومشاہد دونوں شاہد اور خود [عہ] ہیئت جدیدہ کو تسلیم ہے کہ کثیف منجمد کے اجزاء حرکت

[عہ]: ص ۱۱۵۔ اگر تم کسی جسم سیال کو ہلاؤ تو اس کی ہمواری میں خلل انداز ہوگے قاعدہ کلیہ ہے اور تین میں جزئیات کی تصریحیں آتی ہیں، ۱۲ غفرلہ

میں برقرار رہتے ہیں جب تک اتنی قوی ہو کہ تفریق اتصال کردے اور لطیف سیال کے اجزاء ادنٰی حرکت معتد بہا سے متفرق ہوجاتے ہیں ہرگز اس نظام پر نہیں رہتے تو اتنی سخت قوی حرکت سے ہوا وآب کا منتشر ہوجانا لازم تھا نہ یہ کہ ہر جزء جس جزء ارض کا محاذی تھا اس کے ساتھ رہے گویا وہ نہایت سخت جسم ہے جسے دوسرے سخت میں مضبوط میخوں سے جڑ دیا ہے، اِن بیانوں عـــہ سے ظاہر ہوا کہ وہ حرکت عرضیہ اشیاء باتباع آب وہوا کا عذر جس پر ہیئت جدیدہ کے اس گھروندے کی بناء ہے دووجہ صحیح سے پادر ہوا ہے۔

واقول: اگر کچھ نہ ہوتا تو خود ہیئت جدیدہ نے اپنے دونوں منٰی باطل ہونے کی صاف شہادتیں دیں۔

عـــہ: یہ فصل سوم تمام وکمال لکھ لینے کے بعد جب کہ فصل چہارم شروع کرنے کا ارادہ تھا ولدا عز مولوی حسنین رضا خان سلمہ، کے پاس سے شرح حکمۃ العین ملی اس میں دو دفع اور نظر آئے کہ دونوں رَدِّ اول ہیں۔ صاحبِ کتاب نے انہیں نقل کرکے رَد کیا وہ یہ ہیں۔

دفع ہفتم: ہوا اس حرکت سے متحرک ہو تو ہمیں اس کی یہ حرکت محسوس ہو، رد یہ جب ہو کہ ہم اسی حرکت سے متحرک نہ ہوں کشتی جتنی تیزی سے چلے، قطعًا وہ ہوا کہ اس میں بھری ہے اتنی تیزی سے اس کے ساتھ جاری ہے مگر کشتی نشین کو محسوس نہیں ہوتی یعنی جب کہ ہوا ساکن ہو اپنی حرکت ذاتیہ سے متحرک نہ ہو۔

دفع ہشتم: ابرو ہوا مغرب کو حرکت کرتے محسوس نہ ہوں، خصوصًا جب کہ چال نرم ہو بلکہ مغرب کو ان کی حرکت محال ہو کہ اتنا قوی شدید جھونکا انہیں مغرب کو پھینک رہا ہے۔

رَد ہوا کی کسی حرکت عرضیہ سے متحرک ہونا اس کے خلاف جہت میں ہے جسم کی نرم حرکت ذاتیہ اس شخص کا مانع نہیں ہوتا ورنہ سوار کشتی جہت کشتی کے خلاف نہ چل سکے کہ اندر کی ہوا سے حرکت میں بہت تیز ہے نہ وہ اس نرم حرکت کے احساس کو منع کرتا ہے اور نہ پتھر کہ کشتی کی ہوا میں خلافِ جہت پھینکیں چلتا نہ معلوم ہونہ پنکھے کی ہوا محسوس جب کہ جہت خلاف کو جھلیں۔

اقول: یہ دونوں دفع وہی زیادات فضلیہ میں کہ عنقریب آتی ہیں جن کو ہم نے ہدیہ سعید یہ کی طبع راد خیال کیا تھا، دفع ہفتم بعینہٖ دلیل ۱۰۵ ہے اور ہشتم کے دونوں حصے دلیل ۱۰۱ و ۱۰۲، باقی دونوں بھی انہیں پر متفرع ہیں تو وہ پانچ ہیں یا انہیں دنوں سے ماخوذ ہیں، یا توارد ہوا اور ہم وہاں تحقیق کریں گے اگرچہ یہ دلیلیں جس طرح قائم کی گئیں ضرور ساقط ہیں مگر ان کی اور توجیہ وجیہ ہے جس سے شرح حکمۃ العین کے رَد مردود، **فانتظر** ۱۲منہ غفرلہ۔

اس کے مزعوم کی بناء دو باتوں پر ہے، آب و ہوا کی حرکت مستدیرہ کا حرکتِ زمین کے مساوی ہونا اور جو اشیاء ان میں ہوں...............

ان کا اس حرکت میں ملازم آب و ہوا رہنا دونوں کا بطلان اس نے خود ظاہر کر دیا۔

اولاً: تصریح کی جاتی کہ خطِ استوا کی ہوا زمین کے برابر حرکت نہیں کر سکتی، مغرب کی طرف زمین سے پیچھے رہ جاتی ہے۔ (۱۹)

ثانیاً: یہ کہ ہوائیں جو قطبین سے تعدیل کے لیے آتی ہیں خطِ استوا کے برابر نہیں چل سکتیں، ناچار اُن کا رُخ بدل جاتا ہے۔ (۱۱)

ثالثاً: یہ کہ جامد زمین محور پر گھومتی تو اُوپر کا پانی قطبین کو چھوڑ دیتا اور خطِ استواء پر اس کا انبار ہو جاتا۔ (۲۰)

رابعاً: یہ کہ زمین ابتدا میں سیال تھی لہٰذا حرکت سے کُرہ کی شکل پر نہ رہی۔، قطبین پر چپٹی اور خطِ استواء پر اُونچی ہو گئی۔ (۲۱)

خامساً: فصل چہارم میں ہیئت جدیدہ کے شبہات حرکتِ ارض کے بیان میں آتا ہے کہ لیکن جو جنوباً شمالاً متحرک ہو اسی سطح پر حرکت کرتا رہے گا اور زمین اس کے نیچے دورہ کرے گی۔ وہ زمین کے ساتھ دائر نہ ہوگا تو ثابت ہوا کہ نہ ہوا و آب زمین کے ملازم رہتے ہیں نہ ان میں جو اجسام ہیں انکے تو دونوں مبنٰی باطل اور حرکت عرضیہ کا عذر زائل۔

جواب دوم:

ہیئت جدیدہ نے جب حرکت عرضیہ میں اپنی امانہ پائی ناچار ایک .... اور ادعائے [عــه] باطل پر آئی کہ جو جسم کسی متحرک جسم میں ہو اس کی حرکت اسی قدر ان میں بھی بھر جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی حرکت تھمنے پر بھی بلکہ اس سے جدا ہو کر بھی اس میں باقی رہتی ہے۔

اقول: یعنی پتھر ہوا میں بالعرض متحرک نہیں بلکہ یہ گھنٹے میں ہزار میل سے زیادہ مشرق کو بھاگنے اور ایک منٹ میں گیارہ سو میل سے زائد اوپر چڑھنے کا سودا خود پتھر کے سر میں پیدا ہو گیا ہے۔ انصاف والو!

عــه: یہ ادعا مفتاح الرصد میں نقل کیا اور نمبرا حدائق میں بھی اس کی طرف میل ہوا اور نظارہ عالم ۲۱۔ ۲۲ میں اس پر بہت زور دیا جو مثالیں ہم کسی کتاب کی طرف نسبت نہ کریں وہ اسی سے ہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

کیااس سے عجیب تر بات زائد سنی ہوگی۔ مخالف آدابِ مناظرہ سے ناواقف اس پر دلیل دینے سے عاجز ہے ناچار چھ مثالوں سے اس کا ثبوت دینا چاہتا ہے ہم ہر مثال کے ساتھ بالائی کلمہ تبرعًا ذکر کریں جس کی حاجت نہیں، پھر بتوفیقہ تعالیٰ جامع و قامع رد بیان کریں، وہ مثالیں یہ ہیں۔

(ا) شیشہ پانی سے بھر کر جہاز کے مستول میں باندھیں، دوسرا اس کے نیچے رکھیں، حرکتِ جہاز سے پانی کے جو قطرے اوپر کے شیشے سے چھلکیں گے نیچے کے شیشے باہر نہ گریں گے۔ (حدائق [1]) یعنی اس کا یہی سبب ہے کہ جہاز کی حرکت ان قطروں میں بھی پیدا ہوگئی ہے یہ خود بھی اسی قدر سفینہ کے ساتھ متحرک ہیں لہٰذا محاذات نہیں چھوڑتے اس کے لفظ مثال دوم میں یہ ہیں۔

در حرکت سفینہ مشارک بودہ پائے ستون می افتد [2]۔	کشتی کی حرکت میں مشارک ہو کر ستون کے پاس گرتا ہے۔ (ت)

اس سے ظاہر وہی ہے جو اور جدیدہ والوں نے تصریح کی کہ خود اس جسم میں وہ حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور اگر عرضیہ سے یعنی جہاز کی حرکت سے مستول تک ہوا اور ہوا کی حرکت سے یہ قطرے بالعرض متحرک ہیں تو قطع نظر اس سے کہ مستول تک ہوا کی حرکت عرضیہ کیونکر پہنچی ہوگی تو اتنی ہوا کہ جو جہاز میں بھرتی ہے اس کے جواب کو وہی بس ہے کہ پانی کی یہی بوندا اگر ہوا میں حرکت عرضیہ سے بالعرض متحرک ہوتی تو سومن کے پتھر کا اس پر قیاس کیونکر صحیح جسے ہوا کسی طرح سنبھالنا درکنار سہارا تک نہیں دے سکتی۔ مفتاح الرصد میں اس پر تین رد ہیں۔

یکم مضمر کہ بفرض و تسلیم اگر ایسا ہو بھی، **اقول:** یعنی کون سا مشاہدہ اس پر شاہد ہے کہ قطرے اس سے باہر نہیں گرتے تو منزل پر کھڑے ہو اور زمین پر شیشہ رکھ کر اپنے ہاتھ میں کٹورے کو جنبش دو کہ قطرے چھلکیں ہرگز اس کی ذمہ داری نہیں دے سکتے کہ شیشے ہی میں گریں گے بلکہ اکثر باہر ہی جائیں گے۔ یہ ان لوگوں کی عادت ہے کہ اپنے تخیلات کو مشاہدات و تجربات کے رنگ میں دکھاتے ہیں۔

دوم: جو ہوا جہاز کو حرکت دیتی ہے ان قطروں کو بھی دے گا۔ **اقول:** یعنی دُخانی جہازوں پر بھی ہوا کی مدد ہے اگر اس سمت کی نہ ہو پردے باندھ کر کی جاتی ہے۔

سوم: اُوپر کا شیشہ جہاز میں بندھا ہوا ہے، اس کی حرکت سے اسی طرف جھٹکا کھاتا ہے اس کا جھٹکا ان چھلکتے قطروں کو اسی سمت متوجہ کرتا ہے اور اپنی پہلی محاذات پر نہیں گرنے دیتا ہاتھ پانی میں بھر کر ایک طرف کو جھٹکو تو قطرے جھٹکے کیطرف جائیں گے نہ کہ جس جگہ ہاتھ سے جدا ہوئے اس کی محاذات میں

---

[1] ص ۱۶۷۔ ۱۲

[2] حدائق

سیدھے اُتریں۔

اقول: رَدِّ چہارم مثال دوم میں آتا ہے۔

(۲) مسطول سے پتھر گراؤ تو سیدھا اس کے پاس گرے گا حالانکہ جب تک وہ اوپر سے نیچے آئے کشتی کتنی سرک گئی۔ لیکن یہ حرکت کشتی کا شریک ہو کر محاذات نہ چھوڑے گا۔ (حدائق[1])

اقول: سارا مدار خیال بندیوں پر ہے ضرور یہ مسطول پر چڑھے اور وہاں سے پھر پھینکنے اور ان خط عمود پر اُترنا آزما چکے وہ پتھر کتنے بھاری تھے، ہوا کی کیا حالت تھی وہ کس رُخ کی تھی، جہاز کتنی چال سے جارہا تھا، سمت کیا تھی، مسطولوں کی بلندی کتنی تھی، اور جہاز کی حرکت سے کتنی بلندی تک ہوا متحرک ہوتی ہے، تم کتنا بڑا پتھر لے کر یہاں تک چڑھے تھے دونوں ہاتھوں میں سیدھا محاذات پر رکھ کر آہستہ چھوڑ دیا تھا یا پھینکا تھا، اس وقت ہاتھ نے کدھر کو حرکت کی تھی پتھر جہاں گراوہیں جم گیا تھا یا اچھلا تھا، اس حد کا کیا ثبوت ہے ان سوالوں کے جواب سے حقیقت کھل جائے گی یا معلوم ہو جائے گا کہ قطرے شیشہ ہی میں گرنے کی طرح خواب دیکھا تھا بعونہ تعالیٰ دلائل قطعیہ ابھی آتے ہیں جن کے بعد آنکھ کھل جائے گی تو کچھ نہ تھا۔ نمبر ۱۲) پھر فصل دوم رد ۲۰ تا ۳۶ میں دیکھ چکے کہ یہ لوگ کیسی صریح باطل بات کو مشاہدہ کے سر تھوپ دیتے ہیں اور اس سے بڑھ کر اس کی نظیر افضل چہارم میں آتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ فصل چہارم میں انہیں لوگوں کا زعم آتا ہے کہ بڑے یورپین مہندسوں کے تجربے ہیں کہ پتھر بلندی سے پھینکو تو سیدھا وہاں نہیں گرتا بلکہ مشرق سے ہٹ کر۔ اب یہاں یہ ادعا کہ مسطول سے پتھر پھینکو تو وہیں گرتا ہے۔ پتھر تو پتھر ہے قطرہ جو مسطول کی شیشی سے چھلکے سیدھا نیچے کی شیشی میں آتا ہے یہاں زمین کی حرکت کو بھول گئے غرض زبان کے آگے بارہ ہل چلتے ہیں جو چاہا کہہ ڈالا اور مشاہدے کے سر مارا۔

(۳) گھوڑا یا گاڑی چلتے چلتے دفعۃً تھم جائے تو سوار کا سر آگے جھک جاتا ہے، کشتی جب کنارے لگتی ہے بیٹھنے والے نہ سنبھلیں تو منہ کے بل گر پڑیں۔ اس کا سبب یہی ہے کہ ان سواریوں کی حرکت سواروں میں بھی اتنی ہی ہو گئی تھی وہ تھیں اور انمیں حرکت باقی تھی جس کا اثر یہ ہوا۔

اقول: اولاً: کشتی ساحل سے نہ ٹکرائے یا گھوڑا یا گاڑی آہستہ چلتے ہوں اور دفعۃً ٹھہر جائیں یا تیز چلے ہوں اور بتدریج ٹھہریں تو کچھ بھی نہیں ہوتا، کیوں نہیں ہوتا؟ کیا اب حرکت نہ بھری تھی۔ اس کی وجہ محض جھٹکا لگنا ہے نہ یہ۔

---

[1] ص ۱۶۷۔ ۱۲

ثانیاً: بارہ کا مشاہدہ ہے کہ دفعۃً ریل کے اسٹیشن سے چل دینے میں آدمی نہ سنبھلے تو گر پڑے اس وقت کونسی حرکت بھری تھی سبب وہی جھٹکا ہے۔

(۴) جس طرف میں پانی بھرا ہو تھوڑا ہلا کر یکایک روک لو پانی ہلتا رہے گا کہ وہ حرکت ہنوز اس میں بھری ہے۔

اقول: اولاً: آٹا بھرا ہو تو وہ کیوں نہیں ہلتا رہتا۔ حرکت جب ظرف میں بھر جاتی ہے آٹے میں کیوں نہ بھری۔

ثانیاً: پانی لطیف ہے اس ہلانے کے صدمہ نے بالذات اسے حرکت دی اور اس کے اجزاء کی تماسک کم ہونے کے باعث دیر تک رہی نہ یہ کہ ظرف کی حرکت اس میں بھر گئی کچھ بھی عقل کی کہتے ہو۔

(۵) انگریز نٹ زمین میں دو لکڑیاں گاڑ کر ان میں اتنی اونچی رسی باندھتا ہے کہ گھوڑا نیچے سے نکل جائے۔ پھر گھوڑے پر کھڑے ہو کر گیند اچھالتا گھوڑا دوڑاتا ہے اسی کے قریب آکر گھوڑا نیچے سے اور سوار گیند اچھالتا اوپر سے اچھل کر پھر گھوڑے پر آجاتا ہے۔ اس کا یہی سبب ہے کہ گھوڑے کی حرکت سوار اور سوار کی گیند میں برابر موجود تھی صرف اسے اچھلنے کی حرکت اور کرنی ہوئی۔

اقول: اولاً: نٹ یا بھان متی کے کرتبوں سے جو محسوس ہو اس سے استدلال تمہارا یہی ہے اس کے سب اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔

ثانیاً: گھوڑے کی پیٹھ ختم گردن سے پٹھوں تک ڈیڑھ گز فرض کیجئے اگر رسی پشت اسپ سے بارہ گرہ اونچی ہے اور نَٹ گھوڑے کی گردن کے پاس کھڑا ہے، تو جتنی دیر میں گھوڑے کی پیٹھ رسی کے نیچے سے گزرے گی اتنی دیر میں نٹ سی کے اوپر گھوڑے کے اوپر آجائے گا اور اگر بارہ گرہ سے کم اونچی ہے تو اور آسانی ہے اور اگر زائد ہی ہو بہر حال نٹ کے قد سے ضرور کم ہوگی ورنہ اچھلنا نہ پڑتا تو غایت یہ کہ اتنی خفیف مسافت میں اسی نسبت سے نٹ کی اچھال گھوڑے کی چال سے زائد ہو، یہ کیا محال ہے، خصوصا سدھائے ہوئے گھوڑے کو تھپکی دے کر اس کا اچھلنا اتنی دیر گھوڑی کے جھجکنے کو کافی ہے۔

اور اگر یہ نہ مانو اور وہی صورت بتاؤ جس میں اس کے جانے آنے کی مسافت گز راسپ کی مسافت سے بہت زائد ہو جائے اور جو توجیہ ہم نے کی اس کی گنجائش نہ رہے تو اور بھی بہتر کہ تمہارا استناد خود ابتر۔ تم نٹ میں گھوڑے کی چال تو پھر ہی رہے تو پھر اس سے کتنے ہی گز زائد کہاں سے آگئی۔ مثلاً رسی دو گز اونچے پر اور یہ اس کے متصل آکر اچھلا پھر پشت اسپ کے اسی حصے پر آگیا جہاں تھا تو گھوڑے نے اتنی دیر میں صرف رسی کا عرض طے کیا جسے انگل بھر رکھ لیجئے۔ اور نَٹ اتنی ہی دیر میں ایک سو ترانوے انگل طے کر آیا۔

۹۶ جاتے ۹۶ آتے اور ایک انگل رسی، تو نٹ کا ہے کو ہے وہ انجن ہے جس میں ۱۹۳ گھوڑوں کا زور ہے جب ۱۹۲ از زور اور کہیں سے آ گئے تو وہ بچا ہوا ایک اور کہیں سے نہیں آسکتا۔ اس گھوڑے ہی کا بھرنا کیا ضرور ہے۔

رہی گیند تو وہ نٹ کے اپنے ہاتھ کا کھیل ہے، اڑتے جانور پر بندوق چلانے والا پہلے اندازہ کرلیتا ہے کہ اتنی دیر میں کہاں تک اڑ کر جائے گا۔

(٦) باقی حال نارنگی میں آتا ہے۔ چلتی ریل میں نارنگی اچھالیں، ہاتھ میں آتی ہے حالانکہ اس کے چڑھنے اترنے کی دیر میں ہم کچھ آگے بڑھ گئے۔ معلوم ہوا کہ نارنگی میں ریل کی چال بھری ہے وہ اسے محاذات سے الگ نہیں ہونے دیتی۔

اقول: یہ خیال تو صریح محال ہے کہ جسم واحد وقت واحد میں بذاتِ خود دو جہت مختلف کو دو حرکت اینیہ کرے۔ لاجرم نارنگی میں اگر دو حرکتیں جمع ہوتیں ترچھے خط پر چڑھتی اور ترچھے[عہ] ہی پر اُترتی

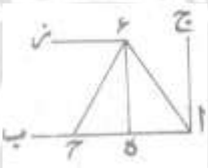

مثلاً ریل اسے ب کی طرف جارہی ہے اپر تم ہو تم نے نارنگی اچھالی یہ حرکت اسے ج کی طرف لے جاتی لیکن ریل کی حرکت جو اس میں بھری ہے اس سے وہ ب کی طرف جانا چاہتی ہے اور دونوں زور باہم متضاد نہیں کہ ایک آگے کھینچے دوسرا پیچھے تو اگر دونوں زور مساوی ہوں حرکت اصلاً نہ ہو ورنہ صرف غالب کی طرف جائے یہاں ایسا نہیں بلکہ دو جہتیں مختلف ہیں نہ متضاد، لہٰذا نارنگی دونوں کا اثر قبول کرتی اور اب وہ نہ ج کی طرف جاتی نہ ب کی طرف کہ یہ تو ایک ہی کا اثر ہوا۔ لاجرم دونوں کے بیچ میں ء کی طرف گزرتی جیسے تم زمین میں کہتے ہو کہ شمس نے اپنی طرف کھینچا اور نافریت نے قائمہ کے دوسرے ضلع پر، لہٰذا وہ نہ ادھر آئی نہ اُدھر گئی، بلکہ بیچ میں ہو کر نکل گئی **(۵)** پھر جب ء پر پہنچی اور می کی تاثیر ضرور ہوتی۔ میل طبعی یا تمہارے طور پر جذب زمین اسے خط ء پر لانا چاہتا لیکن ریل کی حرکت جو اس میں بھری ہے اس سے خط ء ز پر جانا چاہتی تو اب بھی دونوں کے بیچ میں خط ء ح پر اترتی اور اتنی دیر میں تم اسے ح تک پہنچے نارنگی ہاتھ میں آ گئی یوں ان دو حرکتوں کا اجتماع ہو سکتا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہرگز نارنگی اپنے صعود و

[عہ]: واقع میں یہ خط نہ مستقیم ہوتا نہ قوس بلکہ چھوٹے چھوٹے مستقیموں کا مجموعہ شبیہ قوس جیسا کہ حرکتِ زمین میں گزرا مگر اتنے چھوٹے خطوں میں تفاوت کے سبب انہیں قوسین کی جگہ ساقین لیا جیسا قوس صغیر و وتر میں تفاوت نہیں لیتے ۱۲ منہ غفرلہ۔

نزول میں مثلث اء ح نہیں بناتی سیدھی چڑھتی اُترتی ہے یا کچھ انحراف ہو تو نہ اس پابندی سے کہ آگے ہی کی طرف مائل چڑھے اور وہاں سے اور آگے کی جانب مائل اترے، اگر کہیے ہوتا یہی ہے مگر انحراف خفیف ہی لہذا محسوس نہیں ہوتا۔ اقول: ہر گز خفیف نہیں بہت کثیر ہے۔ فرض کیجئے نارنگی اتنی قوت سے اچھالی کہ گز بھر اوپر جائے اور اس کے آنے جانے میں ایک ہی سکینڈ صرف ہوا اور ریل فی ساعت ۳۰ میل جارہی ہے تو ایک سیکنڈ میں ۱۵ فٹ کے قریب یعنی ۶ء ۱۴ فٹ بڑھ جائے گی، اب مثلث اء ح میں قاعدہ اح ۱۵ فٹ اور عمود ء ہ ۳ فٹ، تو دونوں زاویے[1] اء ح ۲۱ درجے ۴۸ دقیقے ہوئے تو زاویہ ح اء ۶۸ درجے ۱۲ دقیقے ہوا یعنی نارنگی کا زمین فصل چہارم سے بھی کم ہوا اور انسان کے چہرے سے فاصلہ تین حصے سے بھی زائد ہے۔

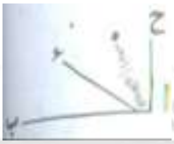

خط اح ہے اور نارنگی خط اء پر گئی، کیا اتنے عظیم جھکاؤ کو کوئی سلیم الحواس سیدھا ح کی طرف جانا سمجھ سکتا ہے تم کہ عرضیہ سے بھاگے اور خود نارنگی میں ریل کی حرکت بھری، اس میں دو ذاتیہ اینیہ حرکتوں کے اجتماع پر بند کریں اس اشکال کا حل تمہارے ذمے ہے سر سے بلند حرکت پر اگر یہ عذر نکل سکتا کہ ریل کی حرکت میں نارنگی اور آدمی دونوں برابر شریک ہیں لہذا وہ ہر وقت سر کے محاذی ہی رہی اور خط منحرف کو مستقیم گمان کیا مگر یہ صورت کہ نیچے ہاتھ رکھ کر گز بھر اچھالی، وہاں یہ عذر کیونکر چلے گا۔

بعض[2] نے اس مثال میں جہاز لیا کہ نارنگی دور پھنک سکے، اور کہا اپنی پوری طاقت سے اچھالی اور ہاتھ میں آتی ہے۔

اقول: اولاً، یہ تو اور بھی آسان ہے خط عمود پر پھینکنا صرف اس صورت میں ہو سکتا ہی کہ ہاتھ سیدھا رکھ کر اوپر اس طرح جنبش دو کہ ہاتھ کسی جانب اصلاً میل نہ کرے یہ بہت خفیف حرکت ہوگی پوری قوت سے اوپر پھینکنا ہمیشہ خود ہی خط منحرف پر ہوگا۔ جہاز جدھر جارہا ہی اس کے خلاف طرف منہ کرکے پوری قوت ہاتھ کے کامل جھٹکے سے پھینک کر دیکھو نارنگی کدھر جاتی ہے۔

ثانیاً: اگر بالفرض ہاتھ خطِ مستقیم پر دور پھینک سکے تو پہنچتا نہیں ہے کہ ہوا اسے مستقیم نہیں رکھتی۔ آتشبازی کا بتاسا یا ناڑی نہ خط مستقیم پر رہیں نہ اسی خط پر عود کریں یہ تو بہت قوی قوت سے خط عمود ہی پر پھینکے

---

[1] مثلث مستقیم الاضلاع میں: ء ہ: اہ:: ظل ا: ع = ۲۴ ظل زاویہ اھو امقدار زاویہ ۲۱ ۴۸۔ ۱۲منہ غفرلہ۔

[2] ط ص ۲۱۸

گئے تھے ان کو کس نے ترچھا کیا۔اس میں کس کی حرکت بھر دی تھی۔یونہی زمین پر بندق سیدھی رکھ کر فائر کرو کیا گولی اتر کر نالی میں آجائے گی۔یہ بدیہی باتیں ہیں پھر ان کے انحراف کی کوئی سمت نہیں۔یونہی جہاز سے بقوتِ تمام پھینکی نارنگی اگر آگے ہی کی طرف بقدر مناسب منحرف ہوئی ہاتھ میں آجائے گی ورنہ بتاسے اور ناڑی گولی کی طرح وہ بھی کہیں کی کہیں جائے گی اور کھل جائے گا کہ مسطول کے پتھر کی طرح یہ بھی تمہارا خواب تھا جہاز کے شیشوں کی طرح یہاں مباحث اور بھی ہیں مگر ہم جامع اعتراضات کریں جو سب مثالوں کے رد کو بس ہوں۔

فاقول اولا: جتنی مثالیں ہم نے دیں سب میں حرکت اینیہ میں قوتِ دفع ہے۔دیکھو دلیل (۸۷) تو ہر دفع مدفوع میں حرکت واحد کا میل ہوا ہے جس سے پھینکا ہوا پتھر متحرک ہوا ہے یہ حرکت جس طرح اب مزاحم کو دفع کرتی ہے اس کا متعلق بھی اس کے اثر سے محفوظ نہیں ہوتا۔گھوڑے کی سواری میں رگ رگ ہل جاتی ہے گاڑی میں ہال لگتی ہے جہاز میں غیر عادی کا سر گھومتا ہے غشیان ہوتا ہے۔بالفرض اگر وہ استعداد بوجہ شدت حرکت اس حد کو پہنچی کہ حرکت تھمنے یا جدا ہونے کے بعد کچھ رنگ لائے چیستاں عجب نہیں۔بعد ات اس لیے کہ ظہور از بعد عدم معدیت پتھر اس وقت متحرک ہوتا ہے جب ہاتھ کی وہ حرکت تھم جاتی ہے اور پتھر اس سے جدا ہو جاتا ہے ہوا وآب کی حرکتِ وضعیہ دوبارہ دفع کا اس پر قیاس نہیں ہو سکتا۔حرکتِ وضعیہ عین ذاتیہ ہو خواہ عرضیہ اس کی تحقیق زیادات فضلیہ پر کلام میں آتی ہے قوتِ دافع نہیں اس میں کسی طرف کو بڑھنا نہیں کہ راہ میں جو پڑے اسے دفع کرے وہ اپنی رات میں خود ہی ہے دوسرا اگر اس کے ثخن میں اس طرح ہے کہ سب طرف سے اسے جرم کرہ سے اتصال ہے جیسے کرہ آب وہوا میں ہوتا ہے تو اگر کرہ اسے اٹھا سکتا ہے وہ اس میں اٹھا ہوا چلا جائے گا۔خود اس میں نام کو جنبش نہ ہوگی ورنہ گر پڑے گا تو عظیم پتھر کہ ہوا کے اندر ہے جسے ہوا ایک آن کو بھی سہارا تک نہیں دے سکتی ہے محال عقل ہے کہ ساکن وقت میں جس وقت پتا بھی نہیں ہلتا ہوا اس سو من کی سل کو اپنی گود میں لے کر گھنٹے میں ہزار میل سے زیادہ اڑ جائے جب حرکت مستدیر پر اسے جو متحرک ثخن میں اسے۔بروجہ مذکور ہوا اصلاً جنبش نہیں دیتی تو وہ اثر کیا ہے جو پتھر کے سر میں بھر جائے گا اور بداہۃً محال ہے کہ پتھر خود بخود ہزاروں میل اڑنے لگے۔لاجرم مثالیں ہوئیں اور زمین کی حرکت باطل،اور اگر کہو کہ نہیں بلکہ حرکتِ مستدیرہ بھی دھکا دیتی ہے اور جو اس کے ثخن میں ہوا اسے بھی،یا نمبر ۳۳ میں ہماری تحقیق سے اخذ کردہ یہ حرکت وضعیہ نہیں بلکہ حرکات متوالیہ کا مجموعہ تو چشم ما روشن دل ماشاد و حرکت زمین وہوا کا بوجوہ یہیں پر خاتمہ ہو گیا۔

یکم: ذرا سی آندھی جس کی چال گھنٹے میں تیس چالیس ہی میل ہو بڑے سے بڑے پیڑوں کو جڑ سے اکھاڑ دیتی ہے۔قلعوں کو ہلا دیتی ہے۔یہ آٹھ پہر کی اتنی عظیم شدید آندھی گھنٹے میں ۱۰۳۶ میل

اڑنے والی کیا کچھ قہر نہ ڈھاتی، انسان وحیوان کی کیا جان ہے پہاڑوں کو سلامت نہ رکھتی۔

دوم تا نہم: یونہی وہ آٹھ پہاڑ کہ تین دلیل (۸۷، ۸۷ تا ۸۹) تھے اور پانچ زیاداتِ فضیلیہ میں آئے ہیں باطل ہو سکتے ہیں اور باطل ہوں گے۔

دہم: اب کہ پتھر وغیرہ کی حرکت بھی تم نے عرضیہ نہ رکھی قسریہ ٹھہری اس دفعہ چہارم سے مفر نہ رہی کہ حرکت قسریہ میں ضرور ضعیف وقوی پر اثر کا تفاوت لازم، اگر صرف رکنے قابل تو من بھر کے پتھر کو کون ساتھ لائے گا۔ اور اگر من بھر کے پتھر کو منٹ میں ۲۰ میل پھینکا تو ماشہ بھر پتھر کو کے ہزار میل پھر مساوات کیسے رہ سکتی ہے۔ بہر حال ثابت ہوا زمین کی حرکت باطل ہے۔

ثانیًا: یہ کلمہ تمہاری باگ ڈھیلی ڈالنے سے تھاب باگ کری کریں، جب کسی جسم میں حرکت بھر جاتی ہے اس کے بعد اس قوت کے پھر ختم ہونے تک وہ محرک کا محتاج نہیں رہتا نہ حل نکلنے پر دفعۃً اپنی میل طبعی یا جذبِ زمین سے گر جاتا ہے بلکہ یہاں تک کہ قوتِ رفتہ رفتہ ضعیف ہوتی اور بالاخر میل یا جذب اس پر غالب آتا ہے پھینکے ہوئے پتھر سے دونوں باتیں واضح ہیں اگر خود اجسام میں ان محرکات کی بھر جاتی تو ۱ چلتی کشتی میں جو پتھر اس میں کوک بھری ہوئی ہے چاہیے کہ کشتی ٹھہرنے پر بھی یہ سب کچھ دیر تک چلتے رہیں، برتن صندوق وغیرہ میں رکھے ہیں چند سیکنڈ تو آگے سرکیں ۲ کشتی معاذ اللہ دفعۃً ٹوٹ جائے تو آدمی کچھ دور تو کشتی کی چالیں چلیں، ۳ ریل میں بیچ کا تختہ ٹوٹ جائے تو فورًا نیچے نہ جائیں بلکہ کچھ دور چل کر میل یا جذب کا اثر لیں۔ ۴ گھوڑا اگر جائے جب بھی وہ نٹ کچھ دیر ہوا پر گھوڑے کی دوڑ اڑے کہ جب تک حرکت بھری ہے جذب سے متاثر نہ ہوگا۔ ۵ جہاز رکنے پر وہ قطرے کہ شیشے میں گر رہے تھے اب جہت حرکت کی طرف آگے کریں بلکہ انکے اترنے میں جہاز رک جائے ۶ تو یہاں تک سیدھے آتے آتے فورًا آگے بڑھ جائیں کہ نیچے کا شیشہ ٹھہر گیا اور ان میں ابھی کوک باقی ہے۔ ۷ یونہی جہاز رکتے ہی مستول سے پتھر پھینکیں تو اب اس کی نیچے نہ گرے بلکہ آگے بڑھ کر ۸ اور اس کے گرتے جہاز روک لیں تو آدھے رستے سے فورًا سمت بدل دے ۹ نیز چلتی گاڑی میں جس کی پشت گھوڑوں کی طرف ہے۔ دفعۃً رُکنے پر ان کے سر آگے کو نہ جھکیں بلکہ سرین پیچھے کو سرکیں کہ ان میں ادھر کی کنجی دی ہوئی ہے۔ ۱۰ ریل رُکتے ہی نارنگی اچھالیں تو اب ہاتھ میں نہ آئے آگے بڑھ کر گرے۔ دس یہ ہیں صدہا اور کتنے استحالے تم پر پڑے۔

ثالثًا: پتھر کہ زمین پر رکھا اس کے ساتھ گھوم رہا ہے اس کی یہ حرکت وضعیہ نہیں کہ وہ کرہ نہ اپنے محور پر گھومتا ہے اور خود اس میں حرکت بھری ہے جس کا مقتضٰی آگے بڑھتا اور دائرہ زمین کو قطع کرتا ہے اگرچہ کچھ دیر کو ہوا و زمین رک جائیں پتھر جب بھی چلے گا تم کہہ چکے کہ محرک کے رُکنے پر بھی اس کی حرکت باقی رہتی ہے

تو اس کے حق میں ضرور اینیہ ہے یہ بات اور ہے کہ زمین وہوا بھی اس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں جس سے آئین نہیں بدلتا یہ یوں نہیں کہ وہ آئین بدلنا نہیں چاہتا بلکہ یوں ہے کہ آئین اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا غرض شک نہیں کہ دائرہ زمین پر اس کی حرکت ایسی ہی ہے جیسے مجموعہ کُرہ زمین و دیگر سیارات کے اپنے مدار پر کہ قطعًا اینیہ ہے اور حرکت اینیہ اپنے مقابل کی ضرور مدافعت کرتی ہے تو لازم کہ پتھر کا ٹکڑا جو زمین پر رکھا ہے جسے تم مشرق کی طرف ایک انگلی سے سرکا سکو اسے مغرب کی طرف چاروں ہاتھ پاؤں کے زور سے جنبش نہ دے سکو کہ اس میں مشرق کی طرف فی ساعت ہزار میل دوڑنے کا زور بھرا ہوا ہے یہ زور کیا تمہاری سہل مان لے گا کہ تمہیں الٹا نہ پھینکے گا۔

رابعًا: بے چارے پتھر کے سر ایک ہی حرکت نہیں یک نشد دوشد ہے زمین کی اپنی طور پر حرکت اسے مشرق کی طرف فی ساعت ہزار میل سے زیادہ دوڑاتی ہے اور اپنے مدار پر حرکت اسے مدار کی طرف ہر منٹ میں گیارہ سو میل سے زیادہ دوڑاتی ہے ایک جسم ایک وقت میں دو طرف کو صرف تین صورتوں میں حرکت کرسکتا ہے۔

(۱) ایک وضعیہ ہو دوسری اینیہ، جیسے بنگو کا گھومتے ہوئے بڑھنا۔

(۲) دونوں اینیہ ہوں مگر عرضیہ، جیسے اس آدمی کے کپڑے جو کشتی کے اندر مغرب کو چل رہا ہے اور کشتی مشرق کو۔

(۳) ایک ذاتیہ ہو دوسری عرضیہ، جیسے شخص مذکور کی کشتی میں حرکت، مگر یہ کہ دونوں اینیہ ہوں اور دونوں ذاتیہ، یہ قطعًا محال ہے ورنہ ایک جسم وقت واحد میں دو مکانوں میں ہو۔ ہاں دو محرک اسے دو مختلف غیر متقابل اطراف کو حرکت دیں تو وہ ان دونوں میں سے کسی طرف نہ جائے گا بلکہ دونوں جہتوں کے بیچ میں گزرے گا جیسا کہ ابھی مثال ششم کے رَد میں گزرا۔ تو یہ پتھر کہ زمین پر رکھا ہے اور تم عرضیہ سے بھاگ کر خود اس میں حرکت بھر چکے تو دونوں اس کی ذاتیہ ہوئیں اور ہم بیان کرچکے کہ اس کے حق میں وہ شرقی حرکت بھی وضعیہ نہیں اینیہ ہے تو وقت واحد میں سنگِ واحد دو مختلف جہت کو دو حرکت اینیہ ذاتیہ ہرگز نہ کرے گا بلکہ ان کے بیچ میں گزرے گا۔

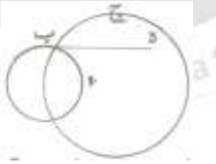

اب زمین ج مقام ب پر پتھر ہے زمین کی حرکت صاعدہ نے اس میں ج کی طرف جانے کی کوک بھری اور حرکت متدیرہ نے ء کی طرف آنے کی کنجی دی تو پتھر نہ ج کو جائے گا نہ ء کو آئے گا بلکہ ہ کی طرف اڑے گا تو لازم کہ نہ ایک پتھر بلکہ تمام اسباب صندوق پٹارے برتن پلنگ وغیرہ وغیرہ بلکہ انسان حیوان سب کے سب ہر وقت

ہوا میں اڑتے رہیں تم نے دیکھا کہ عرضیہ سے بھاگ کر خود اجسام میں کوک بھرتا اس سے بھی زیادہ کسی درجہ فاحش تھا [عہ۱] ۔لاجرم وہ گیارہ دلیلیں بھی لاجواب ہیں۔(زیاداتِ فضلیہ) خاتمہ کتب حکمت یونانیہ یعنی ہدیہ سعیدیہ میں حرکت ارض پر کلام مبسوط ہوا جس میں سے بہت اوپر اس کے ابطال پر آٹھ دلیلیں اپنی طبع زاد کرلیں جن میں سے ایک دفع دوم میں گزری۔اور دو تذییل میں آتی ہیں پانچ کی یہاں تلخیص کریں یہ دلیلیں مزعوم مخالف تحرک باقی ہمنوا بغرض ہو و ہوا بغرض فرض کُرہ کی حرکت وضعیہ پر کلام شدید ہے خصوصًا بطور طبیعات یونان جس میں ہدیہ سعیدیہ ہے بین بین ابطال بتوفیقہ تعالٰی اپنی تحقیق سے ان کا رُخ بدل کر تصحیح وتائید میں۔لیں گے۔

دلیل ۱۰۱: ہوا کی حرکت شرقیہ [عہ۲] کہ اس قدر تیز ہے اس کے معمولی چلنے سے بدرجہا سخت ہوگی تو چاہیے پروائی کبھی چلتی معلوم ہی نہ ہو ہمیشہ بچھاؤ ہی رہے۔

دلیل ۱۰۲: پَر وغیرہ ہلکے اجسام پچھاؤ میں مغرب کو کیونکر جاتے ہیں حالانکہ وہ قہر آندھی مشرق کو چلتی ہوئی انہیں پیچھے جھینکتی ہے۔

دلیل ۱۰۳: تھمی ہوا میں دو پرند مساوی قوت سے مشرق و مغرب کو اڑیں اُن کی اُڑان کیونکر برابر رہتی ہے، حالانکہ ہوا پہلے کی معاون اور دوسرے کی معاوق ہے،یونہی دو کشتیاں۔

دلیل ۱۰۴: تیز پچھاؤ میں مغرب کو اڑنے والا پرند تیز جاتا ہے اور مشرق والا سُست کہ بچھاؤ اول کا معاون دوم کا معاوق ہے ہوا مشرق کو دورہ تو اس کا عکس لازم تھا کہ اول معاون پچھیاؤ ضعیف ہے اور معاوق حرکت شرقیہ قوی اور ثانی میں عکس،یونہی [عہ۳] یونہی دو کشتیاں۔

عہ۱: ان پانچ کا طبغراد کرنا مشکوک ہوگیا کہ ان کے ماخذ شرح حکمۃ العین میں نظر آئے جن کا بیان دفع ۷۔۸ میں گزرا،ہاں تو ارد بعید نہیں بلکہ اظہر ہیں ورنہ شارح مذکور نے ان پر جو رد کیے ہدیہ سعیدیہ میں ان کے دفع کی طرف توجہ ہوتی یا انہیں دیکھ کر یہ دلائل ذکر ہی نہ کیے جاتے ۱۲منہ غفرلہ۔

عہ۲: ہر جگہ ہم نے لفظ عرضیہ بوجہ معلوم کم کردیا ہے، ۱۲منہ غفرلہ۔

عہ۳: یہاں زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اوپر دریا و ہوا اس مزعوم حرکت کا کچھ اثر نہیں ہوتا بلکہ ظاہر موج و دوش کا اگر دریا ہے اور دونوں ساکن ہیں مشرقی غربی دونوں کشتیاں کہ مساوی قوت سے چلیں مساوی چلیں گی اور پانی جاری ہے تیز ہوگی اور دوسری سست اور دریا و ہوا دونوں کی حرکت ایک طرف کو ہے تو موافق بہت تیز مخالف بہت سست اور دو طرف کو تو ہوا و دریا جس کی حرکت زائد ہے اس کی موافق بقدر اس زیادت کے تیز اور دوسری سست ۱۲منہ غفرلہ۔

دلیل ۱۰۵: آدمی جب تیز ہوا میں اس کے سامنے آتا ہو، ہوا کو اپنی مدافعت کرتا پائے گا مگر یہاں مشرق و مغرب دونوں طرف چلنے میں کوئی احساس نہیں ہوتا۔

اقول: ان پانچ دلیلوں کا حاصل یہ ہے کہ چلتی ہوا اپنے سامنے کی شَے کو دفع کرتی ہے اور یہ مدافعت یہاں نہیں، لہٰذا ہوا کی حرکت مستدیرہ باطل، اور وہ حرکت زمین کو لازم تھی اور انتفائے لازم انتفائے ملزوم ہے تو حرکتِ زمین باطل، مگر ہے یہ کہ معاونت اس وقت حرکت اینیہ میں ہے جیسے پانی کی موجیں، ہوا کے جھونکے جس میں ہر لاحق مکان سابق میں آنا چاہتا ہے تو اسے دفع کرتا ہے اب اس ہوا یا پانی میں اگر مثلاً انسان چلے تو وہ ایسے مکان میں آیا جس پر لطمے اور صدمے متوالی چلے آتے ہیں لہٰذا اگر اس کا منہ ادھر کو ہے معاوقت پائے گا اور پشت تو معاونت، مگر حرکتِ وضعیہ حرکتِ واحدہ کل کرے کو عارض ہے نہ کہ اجزائے متفرقہ کی کثیر حرکات اینیہ متوالیہ کا مجموعہ کہ طبیعیات یونان میں جسم متصل وحدانی ہے اس میں بالفعل اجزاء ہی نہیں اور اگر اجزاء سے ترکب تو جب بھی حرکت وضعیہ میں تموج و تلاطم آب و ہوا کسی طرح تدافع نہیں اس میں کوئی جز دوسرے کو دفع نہیں کرتا کہ دفع کرے کہ اپنی راہ میں کسی کو اپنی طرف آگے یا ساکن یا اپنی جہت میں اپنے سے کم چلتا پائے۔ یہی تین صورتیں دفع کی ہیں اور وہ سب یہاں مفقود بلکہ سب اجزاء ایک ہی طرف کو یکساں چال سے اپنی اپنی جگہ قائم چلے جاتے ہیں تو جو جز جس جگہ بڑھنا چاہے اس سے پہلا جز اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے اس کے لیے جگہ خالی کرچکا ہوگا اور جب یہاں تلاطم تدافع نہیں تو احساس کس کا ہوگا، اگر کہیے یہ تو کرے کی اپنی حالت ہوئی جب مثلاً انسان اس میں داخل ہوا تو تفرق اتصال بداہۃً ہوا اب ضرور ہے کہ آنے والا اسے دفع کرے۔

اقول: دفع تو جب کرے کہ یہ حصہ خود چلتا ہو، حصہ کوئی بھی نہیں چلتا کل کرہ متحرک ہے جس کے بعض اجزاء کی جگہ اب انسان ہے جسم اتصالِ اجزاء کے ماتحت ایک جزء دوسرے کو دفع نہ کرتا تھا اب اُسے بھی کوئی دفع نہ کرے گا۔

اگر کہے کلام اس میں ہے کہ وہ داخل مثل انسان اس حرکت کے خلافِ جہت اس جسم میں چلے تو اس کا مزاحم ہوگا اور مزاحم کی مدافعت ضرور۔

اقول: جب متابع ہے مزاحم کہاں اس حرکت کے ساتھ خود چل رہا ہے اس کی مخالفت نہیں کرتا ہاں اپنی ذاتی حرکت سے پانی یا ہوا کو چیرتا ہے اس میں جتنی معاونت ہوتی ہے ہوا کی ورنہ نہیں، بالجملہ یہاں اجزاء میں تدافع نہیں تو اس میں انسان جہاں داخل ہو یا چلے ایسے مکان میں ہوگا جس پر کسی طرف سے دفع نہیں اور اس پر حرکتِ منتظمہ نہیں خود اس کا شریک و تابع ہے تو کسی طرف نہ معاونت

پائے گانہ مقاومت، یونہی اجسام اور مزعوم پر ان دلائل کی گنجائش۔

اقول: یہ کلام بروجہ تحقیق تھا کہ حرکتِ وضعیہ ان دلائل سے رَد نہیں ہوگی مگر ہم ثابت کر آئے کہ زمین کی یہ حرکت اگر ہے تو یہ ہرگز وضعیہ نہیں بلکہ قطعی حرکت کی جدا حرکت اینیہ ہے اور حرکت اینیہ میں بے شک دفع ہی یوں یہ پانچوں دلائل بھی صحیح ہو جائیں گے۔ ان کی بناء دوسرے جسم کو دفع کرنے پر ہے اور ہمارے دلائل ۸۷ تا ۸۹ کی اجزاء کے تدافع وتلاطم اور خلاف میں ہے کہ اس سے ادق واحق ہے والحمد للہ علٰی ما علم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا والہ وصحبہ وسلم۔ بحمد اللہ تعالٰی ایک سو پانچ [۱۰۵] دلیلیں ہیں۔ نوے خاص ہماری ایجاد اور پندرہ اگلوں [عـــہ۱] سے، لیکن فصل اوّل کی پہلی اور دوم کی پچاس [۵۰] اور سوم کی دلیل نمبر ۸۳، یہ ۵۲ دلیلیں زمین کی حرکت گرد شمس اور حرکت گرد محور دونوں کو باطل کرتی ہیں، اور فصل سوم کی ۸۴ تا ۱۰۵ باستثناء ۱۰۰، ۹۹ جملہ تینتیس [۳۳] خاص حرکت محوری کا رَد ہیں۔ اول کی آخیر گیارہ اور سوم کی ۶۳ تا ۸۲ بیس یہ، اور ۹۹، ۱۰۰ جملہ تینتس [۳۳] خاص حرکت گردش شمس کا رَد ہیں تو محور پر گردش زمین بہتر ۷۲ دلائل مردود اور آفتاب کے گرد زمین کا دورہ پچاسی [۸۵] دلیلوں سے باطل، وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علٰی نبی الحمد واٰلہ وصحبہ الاکارم الحمد اٰمین!

(تذییل) رَدّ دیگر دلائل فلسفہ قدیمہ میں

الحمد للہ! ہم نے ابطالِ حرکت زمین پر ایک سو پانچ [۱۰۵] دلائل قاہرہ قائم کیے کتب گزشتگان مثل مجسطی بطلیموس وتحریر طوسی وشرح علامہ برجندی وتذکرہ طوسی وشرح فاضل خضری وشمس بازغہ ملا محمود جونپوری وہدیہ فاضل خیر آبادی وغیرہا [عـــہ۲] میں بعض اور دلائل ہیں جن پر اگرچہ انہوں نے اعتماد کیا ہمارے نزدیک باطل ہیں۔

عـــہ۱: اگلوں کے کلام میں ہم نے چوبیس [۲۴] دلیلیں پائیں، ایک رَدِّ جاذبیت میں صحیح ہے اور ہم نے اسے تین کردیا اور تئیس [۲۳] زمین کی حرکتِ محوری کے رَد میں ان میں گیارہ محض باطل ہیں، ایکدفعہ دوم میں گزری اور دس تذییل میں آتی ہیں، ان میں دفع دوم والی اور دو آخر تذییل کی، یہ تین ایجادات فاضل خیر آبادی سے ہیں۔ رہیں بارہ ان میں پانچ کہ یہ بھی زیاداتِ فضلیہ میں جس شے کے ابطال کو تھیں اسے باطل نہ کرسکیں باقی سات [۷] کہ ان سے اگلوں کی تھیں اور انہوں نے خود رَد کردیں۔ یوں تئیس کی تئیس رَد ہوگئیں مگر ہم نے زیادات فضلیہ کی پانچ کو رُخ بدل کر صحیح کردیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: مثل حکمۃ العین کاتبی قزوینی تلمیذ طوسی شرح حکمۃ العین میرک بخاری ۱۲ منہ غفرلہ۔

انہیں بھی مع مختصر کلام ذکر کردیں۔ **وباللّٰہ التوفیق وبہ استعین** (اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اسی سے میں مدد چاہتا ہوں)۔

وہ دس ۱۰ عـــہ تعلیلیں ہیں کچھ اسی رنگ کی جو گزریں اور ہم نے ان کی تصحیح و توجیہ کی، انہیں مقدم رکھیں کہ جنس مقارن جنس ہو اور کچھ خالص اصول فلسفہ قدیمہ پر مبنی جن کے شافی وکافی ابطال میں بعونہ تعالیٰ ایک مستقل کتاب الکلمۃ الملھمہ جدا تصنیف کی یہاں پر حوالہ کافی۔ **واللّٰہ الموفق**۔

تعلیل اوّل: دو کشتیاں برابر قوت سے چلیں، ایک مشرق ایک مغرب کو، اگر زمین متحرک اور دریا اس کا تابع ہو تو لازم کہ شرقی بہت تیز نظر آئے کہ دو حرکتوں سے جاری ہے ایک اپنی تحریک ملاح سے دوسری دریا کی حرکت ارض سے ہے، اور غربی بہت آہستہ کہ صرف اپنی حرکت سے جاری ہے اور اس پر معًا وقت حرکت شرقیہ دریا کا طرہ بلکہ چاہیے اس کی حرکت محسوس بھی نہ ہو، ہوا کو بھی اسی حرکتِ زمین سے متحرک ماننا نفع نہ دے گا اور شناعت بڑھے گا کہ اب شرقیہ تین طاقتوں سے جارہی ہے اور غربیہ پر دو طاقتیں مزاحم ہیں۔ (ہدیہ سعیدیہ)

اقول: یہ دلیل ۹۱ کا عکس ہے وہاں ہوا کو تابع زمین نہ مان کر لازم کیا تھا کہ متحرک غربی سے شرقی سے بہت سست ہے بلکہ خود بھی غربی ہوجائے یہاں دریا و ہوا کو تابع مان کر یہ لازم کرنا چاہا ہے کہ متحرک شرقی سے غربی بہت سست ہے بلکہ اس کی حرکت محسوس بھی نہ ہو، یہاں بھی اس پر اقتصار کرنا نہ تھا اسی طرح کہنا تھا کہ بلکہ مغرب کو جانے والی مشرق کو جاتی معلوم ہو۔

اقول: عکس چاہا مگر نہ بنا، اصلاً وارد نہیں، زمین کو اگر حرکت اور دریا و ہوا کو اس کی تبعیت ہے تو اس میں جہال و استجار اور یہ کشتیاں اور ان کے اور باہر کے تمام انسان حیوان سب یکساں شریک ہیں تو اس سے ان میں تفاوت نہیں پڑ سکتا نہ کہ اس کے امتیاز کا ان کے پاس کوئی ذریعہ، کشتیاں اپنی چال سے

عـــہ: پھر شرح حکمۃ العین میں ایک اور دلیل علیل (کمزور) دیکھی جس پر اس نے دوبارہ نفی حرکت اینیہ زمین اقتصار لیا۔

قال او تحریك من الوسط حرکته اینیة یعرض مایعرض لو لم تکن فیه[1] ھ **اقول:** نعم: لولا القسر فان قلت لا یدوم **اقول:** اولا ممنوع و **ثانیًا** فلم تنتف ھو بل دوامھا ۱۲ منه غفرله"

میں کہتا ہوں کہ آپ کی بات اس وقت قابل تسلیم ہے اگر قسر نہ ہو (**سوال**) قسر ہمیشہ تو نہیں رہے گا۔ (**جواب**) (۱) یہ ممنوع ہے۔ (ہوسکتا ہی قسر دائمی ہو) (۲) حرکت اینیہ سرے سے منتفی نہ ہوئی بلکہ اس کا دام منتفی ہو۔ (ترجمہ عبدالحکیم اشرف القادری)

[1] شرح حکمۃ العین

جتنا چلیں وہی محسوس ہوگا، برابر رفتار سے بڑھی ہیں تو برابر فاصلے سے ایک مشرق اور دوسری مغرب کو معلوم ہوگی مثلاً دریا کنارے ایک درخت کے محاذات سے چلیں اور وہیں کنارے جو کچھ لوگ کھڑے ہیں اگر صرف کشتیاں اس مشرق حرکت فی ثانیہ ۵۰۶ گز میں شریک ہوتیں اور وہ درخت و ناظرین اس سے جدا رہے اور ہر کشتی اس سیکنڈ میں مثلاً ایک ایک گز چلتی تو ضرور ایک ہی سیکنڈ کے بعد دونوں کشتیوں میں دو گز کا فاصلہ ہوجاتا اور درخت دونوں سے مغرب کی طرف رہ جاتا، غربی سے ۵۰۵ گز کے فصل پر اور مشرقی سے ۵۰۷ گز پر اور کنارے کے آدمی غربی کشتی کو بھی اسی تیز چال سے مشرق کو بہتی دیکھتے کہ ایک سیکنڈ میں ۵۰۵ گز اڑ گئی نہ یہ کہ اس کی حرکت محسوس نہ ہوئی لیکن درخت و ناظرین سب اسی ایک ناؤ میں سوار ہیں جو اسی تیزی سے ان سب کو مشرق لیے جارہی ہے تو مشرقی کشتی اسی سیکنڈ میں وہاں سے ۵۰۷ گز ہٹی اور غربی ۵۰۵ گز اور درخت و ناظرین ۵۰۶ گز سب کے سب مشرق کو، تو درخت و ناظرین سے مشرقی کشتی کا فاصلہ صرف ایک گز مشرق کو ہوا اور غربی کا فقط ایک گز مغرب کو، لہٰذا ناظرین کشتیوں کو دیکھنے سے دور کشتی کے سوار درخت پر نظر سے یہی سمجھیں گے کہ اس سیکنڈ میں دونوں کشتیاں ایک ایک گز برابر چلیں اور یہ کہ شرقی مشرق کو ہٹی اور غربی مغرب کو۔ اس کی نظیر وہ کشتی ہے کہ مثلاً مشرق کو فی ثانیہ دس ۱۰ گز کی چال جارہی ہے اور کشتی کا طول بیس گز ہے اس کے وسط کے محاذی کنارے پر ایک درخت اور کچھ ناظرین ہیں اس کے محاذات سے دو شخص کشتی کے اندر ایک چال سے فی ثانیہ پانچ گز چلے ایک مشرق ایک مغرب کو، دونوں برابر دو ہی سیکنڈ میں کشتی کے کناروں پر پہنچیں گے اور اگر اپنی چال پر نظر کریں گے اس میں کچھ تفاوت نہ پائیں گے اور یقیناً ایک کشتی کے کنارے شرقی پر پہنچا دوسرا غربی پر، تو ضرور وہ مشرق کو ہٹا یہ مغرب کو، لیکن باہر والے ناظرین دیکھیں گے کہ وہ جو مشرق کو چلا ان سے تیس گز کے فاصلے پر ہوگیا کہ وہ سیکنڈ میں تیس گز کشتی بڑھی اور دس گز یہ، اور وہ جو مغرب کو چلا ان سے غربی ہونے کے عوض وہ بھی ان سے مشرق ہی کو ہٹا مگر صرف دس ۱۰ گز کہ یہ دس گز مغرب کو بڑھا اور کشتی اسے بیس گز مشرق کو لے گئی تو دراصل مشرق کو دس گز جانا ہوا تو ناظرین دونوں کو مشق میں ہٹتا پائیں گے مشرق کو تیز مغرب کو سست یونہی اندر چلنے والے اس درخت پر نظر کریں تو یہی دیکھیں گے کہ وہ دونوں سے مغرب کو رہ گیا مشرق سے تیس گز غربی سے دس گز، اور اگر ان کی چال کشتی کے برابر ہے تو ایک ہی سیکنڈ میں شرقی بیس گز مشرق کو ہٹ جائے گا اور غربی وہیں کا وہیں نظر آئے گا۔ درخت و ناظرین کی محاذات نہ چھوڑے گا کہ جتنا یہ مغرب کو بڑھتا ہے کشتی اتنا ہی اسے مشرق کو لے جاتی ہے دونوں چالیں ساقط ہو کر محاذات قائم رہی۔ تو وہ جو تم چاہتے ہو یہاں کشتی نشینوں اور ناظرین سب کو محسوس ہوا اس لیے کہ ناظرین اور وہ درخت جس سے سوارانِ کشتی نے اندازہ کیا کہ کشتی کی چال میں شریک نہ تھے بخلاف صورتِ سابقہ کہ اس میں

برابر ہیں تو کوئی ذریعۂ امتیاز نہیں کشتی کی ذاتی ہی چالیں سب کو محسوس ہوں گی وہیں تو اس کے امتیاز کے لیے وہ ناظرین ہوں جو کُرہ زمین و ہوا سے باہر ہوں کہ اس کی چال میں شریک نہ ہوں یا اہل زمین کے اپنے اور اس کے لیے اسی قسم کی کوئی ساکن شے ہو، وہ کہاں، کواکبہ کا بعد اتنا ہے کہ کشتیوں کی یہ چالیں وہاں ایک نقطہ ہیں۔ سحاب ضرور قریب ہے دو چار ہی میل اونچا ہے مگر وہ خود اسی ناؤمیں سوار ہے بذریعہ ہوا شریک رفتار ہے لہٰذا امتیاز معدوم اور اعتراض ساقط۔

تعلیل دوم: دو طائر تھمی ہوا میں ایک پرواز سے مشرق و مغرب کو اڑے اگر ہوا بھی زمین کے ساتھ متحرک ہے تو مشرقی بہت تیز ہو جائے اور غربی ہوا میں ٹھہرا معلوم ہو یا بہت سست اور اگر نہیں تو معلوم کہ وہ مشرق کو اڑے غرب میں پڑے۔ (ہدیہ)

اقول: یہ کوئی نئی بات نہیں تعلیل سابق اور دلیل ۹۱ کو جمع کر دیا ہے ہوا تابع نہ ماننے پر وہ دلیل ۹۱ ہے جو انکارِ تبعیت پر یقیناً صحیح ہے اور ماننے پر ہی تعلیل اول ہے جو تبعیت مانو تو باطل نہ مانو تو باطل۔ مانو تو اس روشن بیان سے جو ابھی سنا اور نہ مانو تو کشتیوں پرندوں کی اپنی ذاتی حرکتیں رہ گئیں، سرے سے بنائے دلیل ہی اڑ گئے۔ بالجملہ یہ تعلیل علیل کو ایک شق کے ابطال سے کلیل۔

تعلیل سوم: حرکتِ یومیہ سب سے تیز حرکت ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ جسم جتنا لطیف تر اس کی حرکت سریع تر۔ ہوا اجسام ارضیہ سے بہت تیز جاتی ہے تو اس حرکت کا فلک ہی کے لیے ثابت کرنا زیادہ مناسب کہ ہوا و نار سے بھی لطیف تر ہے [عہ۱] (تحریر مجسطی مقالہ اُولٰی فصل ہفتم) یہ صراحۃً نری خطابی بات ہے۔ (شرح مجسطی)

اقول: اس کی نظیر ادھر سے بھی پیش ہوتی ہے کہ اتنے بڑے اجسام کے گھومنے سے چھوٹے جسم کا گھومنا آسان ہے۔ (سعیدیہ)

اولاً: مخالف [عہ۲] آسمان کا قائل ہی نہیں اور لطیف معلوم یعنی ہوا کہ شریک حرکت مانتا ہے۔

ثانیاً: فلک کے الطف ہونے پر کیا دلیل۔ اگر علو کے عناصر میں دیکھ رہے ہیں کہ ہوا الطف اعلٰی ہے اور یہ ان سے بھی اعلٰی تو ان سے بھی الطف۔

اقول: یہ فلک میں میل مستقیم ماننا ہوگا۔ جو فلسفۂ قدیمہ کی بنا ڈھادے گا اس کی تصریح ہے کہ

عہ۱: اقول: اس کی اتنی تقریر بھی ہم نے کی، اصل میں اتنی ہی ہے جو حاشیہ آئندہ میں شرح سے آتی ہے۔ ۱۲منہ غفرلہ

عہ۲: ان اعتراضوں سے کہ اکثر دلائل آئندہ پر بھی آئیں گے یہ دکھایا گیا ہے کہ یہ تعلیل جس طرح تحقیقاً صحیح نہیں یوں ہی الزامی بھی نہیں ہو سکتیں۔ ۱۲منہ غفرلہ۔

فلک جب ثقیل نہ ہو خفیف بھی نہیں اگر کہیے اس کی لطافت یہ کہ نظر نہیں آتا۔

اقول: اولاً: اس میں نار و ہوا بھی شریک۔ **ثانیاً:** عدم لون نظر نہ آنے کو کافی اگرچہ کتنا ہی کثیف ہو۔

ثالثاً: نظر نہ آنا تمہاری جہالت ہے یہ سقف نیلگوں کہ نظر آرہی ہے یقیناً فلک قمر ہے جس کا اسلامی بیان خاتمہ میں آئے گا ان شاء اللہ تعالٰی پھر اصل تعلیل پر۔ **ثالثاً و رابعاً:** در رَد اور زیر تعلیل ششم آسان ہیں۔

تعلیل چہارم: جرم [عہ] لطیف متشابہ الاجزا یعنی فلک سے حرکت مستدیرہ کی نفی اور جسم کثیف مختلف الاجزاء یعنی ارض کے لیے اثبات خلاف طبعیات ہے۔ (تحریر مجسطی)

اقول: اولاً: ان کے نزدیک فلک کہاں تو نفی بنفی موضوع ہے۔

ثانیاً: اجزائے زمین طبعیت میں مختلف نہیں کہ مثل فلک بسیط ہے اور امور زائد میں اختلاف جیسے جہال ار بال، یہ فلکیات میں بھی معلوم و مشہود کامل و مہتمات و مدار میں کواکب اور ان کی حرکات و جہات اور جب یہ ان آٹھ افلاک میں منافی بساطت نہ ہوا فلک اعظم میں ہو تو کون مانع عدمِ علم علم عدم نہیں۔

ثالثاً: کون سا طبعیات کا مسئلہ ہے کہ کثافت مانع حرکت مستدیرہ ہے، غایت یہ کہ الطف انسب ہے۔ تو محض خطابت ہوئی۔

رابعاً: ہوا سے نفی ہوئی تو حرکت طبعیہ ارض کی قسریہ پر کیا اعتراض۔

خامساً و سادساً: زیر تعلیل ششم۔

تعلیل پنجم: فلک میں مبدء میل مستدیر ہے اور زمین میں مبدء میل مستقیم تو دونوں کی طبعیت متضاد کہ اگر زمین حرکت مستدیرہ قسری تو اس میں شریک فلک ہو جائے اور اشتراک ضدین جائز نہیں۔ (تحریر مجسطی) علامہ برجندی نے شرح میں اس پر دو اعتراض کیے۔

اول: تمہارے نزدیک فلک پر خرق محال تو کیونکہ معلوم ہوا کہ اس کے اجزاء میں میل مستقیم نہیں۔

دوم: کیا محال ہے کہ اجزاء میں میل مستقیم ہے اور کل میں میل مستدیر۔

عہ۱: شرح برجندی میں پہلے ہی فقرے کو ایک دلیل ٹھہرایا لطیف متشابہ الاجزاء سے نفی خلاف طبعیات ہے اور دوسرے فقرے کو دلیل سابق کا جزء ٹھہرایا کہ جرم کثیف کے لیے اثبات بیجا ہے کہ ہوا کہ فلک سے کم لطیف ہے وہ تو اجسام ارضیہ سے اشرع ہے تو حرکتِ مستدیرہ فلک ہی کو انسب انتی اور اظہر وہ ہے جو ہم نے کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

اقول: اولاً: جب تجزیہ فلک محال کی نسبت یہ پوچھنا کہ کہاں سے جانا کہ اس میں میل مستقیم نہیں کیا معنٰی۔

ثانیاً: استحالۂ خرق بر بنائے استحالہ میل مستقیم ہی کہتے ہیں اور اس کا استحالہ فلک واجزاء دونوں پر ایک ہی دلیل دیتے ہیں اگرچہ وہ مبطل اور ان کے دلائل باطل کلام اس تقدیر پر ہے۔

ثالثاً: جزو کل کی جب طبیعت معتد ہے جیسے زمین وکلوخ، تو مقتضائے طبع کا انجام لازم۔علامہ عـــہ سے ایسے اعتراضوں کا تعجب ہے صحیح اعتراض ہم بنائیں۔

فاقول: اولاً: مخالف فلک ہی کا قائل نہیں، اس میں مبدء میل مستدیر درکنار۔

ثانیاً: نہ وہ زمین میں مبدء میل مستقیم مانے، ڈھیلے کا گرنا جذب سے ہے۔

ثالثاً: تمہارے نزدیک فلک کی حرکتِ مستدیرہ طبعی نہیں زمین میں طبعی ہو تو متضاد طبائع کا مقتضٰی میں اشتراک کب ہو، اور محال یہی ہے۔

رابعاً: یہی کہ بفرض غلط باطل ہوئی تو حرکت طبعیہ قسریہ کو اشتراک سے کیا علاقہ۔

خامساً وسادساً وسابعاً: عنقریب۔

تعلیل ششم: حرکت میں نئی نئی وضعیں بدلنے کو ہوتی ہے، زمین کو اس کی حاجت نہیں کہ گردشِ فلک سے خود اس کی وضعیں بدل رہی ہیں، فاضل خضری نے اسے نظر کرکے کہا فیہ ما فیہ۔

اقول: اولاً: مخالف منکر فلک۔

ثانیاً: گردش فلک ناثابت۔

ثالثاً: اس میں مبد میل مستدیر ثابت۔

رابعاً: بلکہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ اصول فلسفہ قدیمہ پر فلک کی حرکت مستدیرہ محال۔

یہ سب باتیں و تعلیل ہماری کتاب "الکلمة الملهمه" میں ہیں وباللّٰہ التوفیق یہ تینوں وجہیں تعلیل پنجم پر بھی رَد ہیں اور اخیر کی دو تعلیل سوم وچہارم پر بھی۔

خامساً: حاجت نہ ہونا اس وقت ہوتا کہ فلک وارض میں اقطاب وجہت و قدر حرکت سب متحد ہوتے ان میں کسی کا اختلاف تبدل وضع میں تبدیل کردے گا زمین کو کیا ضروری کہ سب باتوں میں فلک کے

عـــہ: یہ دونوں اعتراض ہم نے حدائق میں دیکھے تھے اور گمان تھا کہ یہ اس کی اپنی جہالت کثیرہ سے ہیں مگر شرح مجسطی سے کھلا وہ آخذ ہے ۱۲منہ غفرلہ۔

موافق ہی حرکت کرے اور جب کسی بات میں مخالفت کی تو ضروری حرکت فلک سے تبدیل اور طرح کی ہوگی اور حرکتِ ارض سے اور طور کی، پھر استغناء کیوں!

سادسًا: فرض کیا کہ زمین موافقت پر مجبور تو ہم دیکھتے ہیں فلک الافلاک حرکت یومیہ کررہا ہے اور فلک البروج در قول ممثل متفق اقطاب وجہت ومقدر پر ایک سی حرکت ہے، اگر سب سے اختلاف ضرور تو یہ آٹھوں متفق کیے اور اگر بعض سے کافی تو زمین اگر فلک الافلاک کے موافق متحرک ہو توان آٹھ کی مخالفت ہے، ان آٹھ کے موافق تو اس ایک سے پھر استغناء کیسا!

سابعًا: فرض کیا کہ سب افلاک ایک سے متحرک ہوں اور زمین بھی ان کے موافق پھر بھی زمین کو حرکت سے کون مانع تھا۔ وہ ذی شعور ہیں جان کر بھی اوروں کی حرکت کو کسی نے اپنے لیے کافی نہ جانا، زمین کو کیا خبر کہ اور بھی کوئی اسی حرکت سے متحرک ہے میں کیوں کروں۔

ثامنًا: فلک ہی سے وضعیں بدلنا کیا ضرور، کُرہ نار اگر متحرک ہے اور ہوا وآب تو ساکن ہیں ان سے وضعیں بدلیں گی۔

تاسعًا: مخالف کے نزدیک زمین کی حرکت وضع بدلنے کو نہیں بلکہ جذب سے نفرت یا ہر چیز کے کسبِ نور وحرارت کے لیے جس کی تقریر تجزیہ ۳۳ میں گزری۔

عاشرہ: بلکہ ہم نے الکلمۃ الملھمہ کے مقامِ نہم میں روشن کیا ہے کہ حرکت کے لیے کوئی غرض ہی ضرور نہیں نفس کی حرکت بھی مطلوب طبع ہوسکتی ہے۔

تعلیل ہفتم: جس پر تذکرہ سے آج تک اعتماد ہوا بلکہ طوسی [عـــہ۱] پھر جونپوری نے شمس بازغہ میں ۹۰، ۹۱ دو صحیح دلیلوں کو رَد کرکے اسی پر مدار رکھا کہ طبیعت زمین میں مبدءِ میل مستقیم ہے جو ڈھیلا گرنے سے ظاہر اور جس میں مبدءِ میل مستقیم ہونا محال ہے کہ بالطبع [عـــہ۲] حرکت مستدیرہ بری اور ہدیہ میں اسے یوں تعبیر کیا گیا اس میں مبدءِ میل مستدیر نہیں ہوسکتا۔

اقول: یہ دلیل بھی [عـــہ۳] نہ الزامی ہوسکتی ہے نہ تحقیقی۔

عـــہ۱: یوں ہی طوسی کے تلمیذ قزوینی نے حکمۃ العین میں دلیل ۹۸ ورد کرکے ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: کاتبی مذکور نے مطلق کہا کہ اس کو حرکت مستدیرہ محال ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۳: یعنی تعلیل سوم سے ہشتم تک چاروں تعلیلوں کا بھی یہی حال تھا جیسا کہ ان کے رَدّوں سے ظاہر ہوا۔ ۱۲ منہ غفرلہ

اولاً: مخالف میل کا قائل نہیں۔

ثانیاً: وہ حرکت مستدیرہ طبعی نہیں مانتا بلکہ جذب سمس و نافریت سے، مقتضاء نافریت پر جاتی تو طبعی ہوتی اور بوقتِ جذب اس کا حدوث منافیِ طبیعت نہ ہوتا کہ حرکتِ طبعیہ حدوث منافرہی کے وقت ہوتی ہے مگر وہ بیچ میں ہو کر نکلی، یہ ہر گز مقتضائے طبع نہیں۔

ثالثاً: طبعیہ کا رد ہوا قسریہ سے کیا مانع ۹۰ مبدء میل ایک طبعی دوسری قسری کا اجتماع جائز بلکہ واقع ہے اور پھینکا ہوا پتھر دونوں کا جامع ہے۔

تعلیل ہشتم: حرکتِ زمین طبعی وارادی نہ ہونا ظاہر، قسری یوں نہیں ہو سکتی کہ ان کے نزدیک دائمہ ہے اور قسر کو دوام نہیں ورنہ وجوہ میں تعلیل لازم آئے۔ فاضل خضری نے اسے بھی نقل کرکے فیہ مافیہ کہا اور علامہ برجندی نے شرح مجسطی میں یوں تفصیل کی: طبعیہ نہیں ہو سکتی کہ میل مستقیم رکھتی ہے نہ ارادیہ کہ ارادہ کا نفس ہے اور عناصر سے نفس متعلق نہیں ہوتا مگر بعد ترکیب نہ قسریہ کہ ان کے نزدیک ازلی ہے اور قسری کا ازلی ہونا محال، طبعیات میں ان سب پر براہین ہیں اور عرضیہ نہ ہونا ظاہر، تو زمین کو کسی طرح حرکتِ مستدیرہ نہیں۔ پھر کہا یہ برہان تام ہے۔

اقول: اولاً: نفی طبیعیہ کی اس وجہ پر کلام گزرا، ہاں ایک اور وجہ ہے جس پر کلام ہماری کتاب الکلمۃ الملھمۃ میں ہے۔

ثانیاً: زمین کا ذات ارادہ نہ ہونا فریقین کو مسلم ورنہ قبل ترکیب تعلق نفس کا امتناع ممنوع۔

ثالثاً: ہیئت جدیدہ قائل حدوث زمین ہے جیسا کہ یہی حق ہے تو قضیہ دائمہ نہیں فعلیہ ہے۔

رابعاً: باطل ہوئی تو ازلیت نہ کہ حرکت۔

خامساً: ہمارے نزدیک یہ مقدمہ کہ قسر ازلی نہیں، یوں حق ہے کہ ازل میں کوئی شَے قابلِ مقسوریت ہو رہی نہیں ہو سکتی کہ عالم بجمیع اجزائیہ حادث ہے فلسفہ اس پر کیا دلیل رکھتا اس کے رد میں ہماری کتاب الکلمۃ الملہمۃ کا مقام دوازدہم ہے۔

تعلیل نہم: ان کے نزدیک یہ حرکت غیر متناہیہ ہے تو قوتِ جسمانی سے اس کا صدور محال۔ خضری نے اسے قرب کہا۔

اقول: اولاً: حرکت کا ابطال نہ ہوا بلکہ لامتناہی ہے۔

ثانیاً وہ ضرور اسے حادث ابدی غیر منقطع اور قاسر کو قوتِ جسمانی یعنی جذب شمس ہی مانتے ہیں تو دلیل اگرچہ تحقیقی ہوتی کہ حرکت منقطعہ بارادہ الٰہیہ کا استحالہ ثابت نہ کرتی مگر الزامی تھی۔

اگر یہ مقدمہ صحیح ہوتا کہ قوتِ جسمانیہ کا انقطاع عقلاً واجب لیکن ہیئت جدیدہ کہ اس کا تسلیم ہونا درکنار فلسفہ یونان پر بھی ثابت نہیں اس کے روشن بیان میں ہماری کتاب **الکلمۃ الملھمۃ** کا مقام ۲۲ ہے۔

نوٹ: تکملہ کے بعد کا صفحہ ہی نہیں ہے، اصل میں یہیں پر ختم ہے۔

رسالہ

الکلمۃ الملھَمَۃ فی الحکمۃ المحکمۃ لوِھاء الفلسفۃ المشئمۃ ۱۳۳۸ھ

(مضبوط حکمت میں الہام شدہ کلمہ منحوس فلسفہ کی کمزوری کے لیے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ وکفٰی وسلم علٰی عبادہ الذین اصطفٰی آللہ خیر امّا یشرکون بل اللہ خیر واعلٰی واجل واکرم اعوذ باللہ من نزغات الفلسفۃ فما ھو الا فل وسفہ قال الفقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا المحمدی السنّی الحنفی القادری البرکاتی غفر اللہ تعالٰی لہ ما مضٰی من سیّئاتہ وما یأتی۔	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور بس، اور سلام ہو اس کے برگزیدہ بندوں پر، کیا اللہ بہتر ہے یا ان کے ساختہ شریک، بلکہ اللہ ہی بہتر سب سے بلند اور جلالت و کرم والا ہے میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں فلسفہ کے وسوسوں سے وہ تو محض بے عقلی اور حماقت ہے۔ کہتا ہے فقیر عبدالمصطفٰی احمد رضا سنی حنفی قادری برکاتی۔ اللہ تعالٰی اس کے گزشتہ اور آئندہ گناہوں کی مغفرت فرما۔

بعونہٖ تعالٰی فقیر نے رَدِّ فلسفہ جدیدہ میں ایک مبسوط کتاب مسمّٰی بنام تاریخی

فوزِ مبین دررَدِّ حرکتِ زمین لکھی جس میں ایک سو پانچ ۱۰۵ دلائل سے حرکتِ زمین باطل کی، اور جاذبیت و نافریت و غیر ہما مزعومات فلسفہ جدیدہ پروہ روشن رَد کیے جن کے مطالعہ سے ہر ذی انصاف پر بحمدہ تعالٰی آفتاب سے زیادہ روشن ہو جائے کہ فلسفہ جدیدہ کو اصلاً عقل سے مَس نہیں، اس کی فصل سوم میں ایک تذئیل لکھی جس میں وہ دس دلائل ذکر کیے، کہ فلسفہ قدیمہ نے رَدِّ حرکت زمین پر دیئے۔ ہم نے ان کا ابطال کیا۔ کہ یہ دلائل باطل وزائل ہیں، ان میں سے تعلیل پنجم یہ تھی فلک میں میل مستدیر ہے تو زمین میں نہ ہوگا کہ طبیعت متضاد ہے۔ ہفتم یہ کہ زمین میں مبدء میل مستقیم ہے تو مبدء میل مستدیر محال، ہشتم یہ تھی کہ زمین کا دورہ طبعًا وارادۃً نہ ہو ناظاہر اور قسر کو دوام نہیں، نہم یہ کہ حرکت زمین ماننے والوں کے نزدیک یہ حرکت نامتناہی ہے تو قوتِ جسمانی سے اس کا صدور محال۔ دہم یہ کہ طبعیات میں ثابت ہے کہ حرکت وضعیہ نہ ہوگی مگر ارادیہ، اور زمین ذات ارادہ نہیں۔ ان کے رد نے اصول فلسفہ قدیمہ کے ازہاق وابطال کا دروازہ کھولا۔ ہم نے تیس مقام ان کے رَد میں لکھے جن سے بعونہ تعالٰی تمام فلسفہ قدیمہ کی نسبت روشن ہو گیا کہ فلسفہ جدیدہ کی طرح بازیچہ اطفال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ یہ تذییل ان مقامات جلیل کے سبب بہت طویل ہو گئی اور اس کی فصل چہارم دور جاپڑی۔ ولد اعز ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن معروف بہ مولوی مصطفٰی رضا خان سلمہ الملک المنان وابقاہ والی معالی کمالات الدین والدنیا ارقاہ کی رائے ہوئی کہ ان مقامات کو رَدِّ فلسفہ قدیمہ میں مستقل کتاب کیا جائے کہ اگرچہ دم الاخوین یکجا نہ ہو۔ ایک کتاب رِدّ فلسفہ جدیدہ میں رہے۔ دوسری رِدّ فلسفہ قدیمہ میں، اور مقاصد فوز مبین میں اجنبی سے فصل طویل نہ ہو۔ یہ رائے فقیر کو پسند آئی، وہ کتاب کامل النصاف بعون الملک الوہاب یہ ہے مسمّٰی بنام تاریخی۔ الکلمۃ الملھمۃ فی الحکمۃ لوھاءِ فلسفۃ المشئمۃ مسلمان طلباء پر دونوں کتابوں کا بغور بالاستیعاب مطالعہ اہم ضروریات سے ہے کہ دونوں فلسفہ مزخرفہ کی شناعتوں جہالتوں، سفاہتوں، ضلالتوں، پر مطلع رہیں۔ اور بعونہ تعالٰی عقائد حقہ اسلامیہ سے ان کے قدم متزلزل نہ ہوں۔ فقیر کا درس بحمدہ تعالٰی تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا، اس کے بعد چند سال تک طلباء کو پڑھایا۔ فلسفہ جدیدہ سے تو کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ علوم ریاضیہ و ہندسہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع تفریق ضرب تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی وبس۔ جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی۔ ارشاد فرمایا تم اپنے علوم دینیہ کیطرف متوجہ رہو

ان علوم کو خود حل کرلوگے۔ اللہ عزوجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے۔ حسب ارشاد سامی بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب و جبرو مقابلہ ولوگارثم و علم مربعات، وعلم مثلث کروی و علم ہیئت قدیمہ وہیأت جدیدہ و زیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ و تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد و ضوابط خود ایجاد کیے۔ تحدثا بنعمۃ اللہ یہ بحمداللہ تعالیٰ اس ارشاد اقدس کی تصدیق تھی کہ ان کو خود حل کرلوگے۔ فلسفہ قدیمہ کی دو چار کتابیں مطابق درس نظامی اعلیحضرت قدس سرہ الشریف سے پڑھیں اور چند روز طلبہ کو پڑھائیں، مگر بحمد اللہ تعالیٰ روزِ اول سے طبیعت اس کی ضلالتوں سے دور اور اس کی ظلمتوں سے نفور تھی۔ سرکار ابد قرار بارگاہِ عالم پناہ رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ سے دو خدمتیں اس خانہ زاد ہیچکارہ کے سپرد ہوئیں، اِفتاء اور رَدِّ وہابیہ، انہوں نے مشغلہ تدریس بھی چھڑایا اور آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمداللہ تعالیٰ فلسفہ کیطرف رخ نہ کیا نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔ اب اخیر عمر میں سرکار نے اپنے کرم بے پایاں کا صدقہ بندہ عاجز سے یہ خدمت لی کہ دونوں فلسفوں کا رد کرے اور ان کی قباحتوں، شناعتوں، حماقتوں، ضلالتوں پر اپنے دینی بھائیوں طلبہ علم کو اطلاع دے ناظرین والا تمکین اہل انصاف لادین سے امید کہ حسبِ عادت متفلسفہ **لِمَ ولانسلم** وانکار واضحات و تشکیک بے ثبات وفارغ مجادلات کو کام میں نہ لائیں، ان کے اَجِلّہ اکابر ماہرین ابن سینا سے جونپوری مصنف شمس بازغہ تک کون ایسا گزرا ہے جس پر رَدّ و طرد نہ ہوتے رہے، فلسفہ مزخرفہ کا شیوہ ہی یہ ہے کہ،

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت　　رفت و منزل بدیگرے پرداخت [1]

(جو بھی آیا اس نے نئی عمارت بنائی، چلا گیا اور عمارت دوسرے کے حوالے کردی۔ ت)

یہ چند اوراق تو اس کے قلم کے ہیں جس نے ابتدا ہی سے فلسفہ کو سخت مکروہ جانا اور صرف دو چار کتابیں درس میں پڑھ کر دو ایک بار پڑھا کر جو چھوڑا تو ۴۵ سال سے زائد ہوئے کہ اس کا نام نہ لیا لغو و فضول ابحاث کی حاجت نہیں، بنگاہ ایمانی اصل مقاصد کو دیکھئے۔ اگر حق پایئے تو ابن سینا اور اس کے احزاب کی بات زبردستی بنانے کی ضرورت نہیں۔

وباللّٰہ العصمۃ واللّٰہ یقول الحق وھو یھدی السبیل و حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل۔	اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سبب ہی گناہوں سے بچاؤ ہوسکتا ہے، اور اللہ حق فرماتا ہے، اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے، اور ہمارے لیے اللہ ہی کافی ہے، اور کیا ہی اچھا کارساز ہے (ت)

[1] گلستان سعدی درسبب تالیف مکتبہ اویسیہ بہاولپور ص ۱۳

اس کی تقریب یوں ہوئی ۱۸ صفر ۱۳۳۸ھ کو ولداعزہ مولنا مولوی محمد ظفرالدین بہاری اعلی مدرس عالیہ شمسرام جعلہ اللّٰہ کا سمہ ظفرالدین نے ایک سوال بھیجا کہ امریکہ کے کسی مہندس نے دعوی کیا ہے کہ ۱۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو اجتماع سیارات کے سبب آفتاب میں اتنا بڑا داغ پڑے گا کہ اس کے باعث زلزلے آئیں گے۔ طوفان شدید آئے گا، ممالک بر باد کردیئے جائیں گے۔ یہ ہوگا وہ ہوگا، غرض قیامت کا نمونہ بتایا تھا یہ صحیح ہے یا غلط؟ اس کا جواب چند ورق پر دے دیا گیا کہ یہ محض اباطیل بے اصل ہیں نہ وہ اجتماع سیارات اس تاریخ کو ہوگا جس کا وہ مدعی ہے، نہ جاذبیت کوئی حقیقت رکھتی ہے اس کے ضمن میں بعض دلائل رَدِّ حرکت زمین کے لکھے جب انہیں طویل ہوتا دیکھا جدا کرلیے اور رَد فلسفہ جدیدہ میں بعونہ تعالٰی کافل وکافل کتاب فوز مبین لکھی اس کی تذلیل نے رد فلسفہ قدیمہ کی تقریب کی جسے اس سے جدا کرکے بحمدہ تعالٰی یہ کتاب **الکلمۃ الملھمۃ** تیار ہوئی۔

والحمد للہ رب العلمین اب ہم ان مقاماتِ عالیہ کو ذکر کریں **وباللہ التوفیق و بہ الوصول الٰی ذری التحقیق** (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اسی کے ذریعے تحقیق کی چوٹیوں تک رسائی ہوسکتی ہے۔ (ت)

مقام اوّل

اللہ عزوجل فاعل مختار ہے اس کا فعل نہ کسی مرجح کا دستِ نگر نہ کسی استعداد کا پابند یہ مقدمہ نظر ایمانی میں تو آپ ہی ضروری وبدیہی۔

"یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۲۷" [1] "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۱۰۷" [2]	اور اللہ جو چاہے کرے، جب جو چاہے کرے، اختیار اسی کو ہے۔ (ت)

یوں ہی عقل انسانی میں بھی آدمی اپنے ارادے کو دیکھ رہا ہے کہ دو متساویوں میں بے کسی مرجح کے آپ ہی تخصیص کرلیتا ہے۔ دو جام یکساں ایک صورت ایک نظافت کے دونوں میں ایک سا پانی بھرا ہو۔ اس سے ایک قرب پر رکھے ہوں۔ یہ پینا چاہے ان میں سے جسے جی چاہے اٹھالے گا۔ ایک مطلوب تک دو راستے بالکل برابر ویکساں ہوں جسے چاہے چلے گا۔ ایک سے دو کپڑے ہوں جسے چاہے پہنے گا۔ پھر اس فعال لمایرید کے ارادہ کا کیا کہنا۔

اقول: (میں کہتا ہوں، ت) یہاں سے ظاہر ہوا کہ محال ترجیح بلامرجح ہے، دو متساویوں

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۷

میں سے ایک خود ہی راجح ہو جائے یہ یہاں نہیں کہ نفس ارادہ مرجح ہے اور ترجیح بلا مرجح میں مصدر اگر صرافت مصدریت پر ہو یا مبنی للفاعل تو ہر گز محال نہیں، بداہۃً واقع ہے، ہاں مبنی للمفعول ہو تو محال کہ وہی ترجح بلا مرجح ہے۔ فلسفی اس کے فاعل مختار ہونے سے کفر وانکار رکھتا ہے مگر الحمد للہ کہ افلاک و کواکب اور ان کی حرکات نے اپنے خالق عزوجل کا مختار مطلق ہونا روشن کر دیا اور خود فلسفی کے ہاتھوں فلسفی کے منہ میں پتھر دے دیا، فلسفہ کا ادّعاء ہے کہ۔

(۱) افلاک بسیط میں ہر فلک کی طبیعت ۱واحد، ۲مادہ واحد ہے، اگرچہ باہم افلاک کے طبائع و مواد مختلف ہیں۔

(۲) طبیعت واحدہ مادہ واحدہ میں ایک ہی فعل نسق واحدہ پر کر سکتی ہے۔ اختلاف ممکن نہیں ولہذا ہر بسیط کی شکل طبعی کرہ ہے کہ وہی نسق واحد پر ہے۔ بخلاف مثلث مربع وغیرہ کہ ان میں کہیں سطح ہے کہیں خط کہیں نقطہ۔ یونہی اور اختلاف بھی سبب ہے کہ پانی کی جو بوند گرے آگ کا جو پھول اڑے اس کی شکل کروی ہوتی ہے۔

(۳) فاعل عـــہ دو متساویوں میں اپنی طرف سے ترجیح نہیں کر سکتا کہ اس کی نسبت سب طرف

عـــہ: متفلسف جونپوری نے اپنی ظلمت نازغہ مسمے ظلماً شمس بازغہ کی فصل حیز میں کہا۔

وجود الجسم بدون فاعل وان کان غیر ممکن لکن نسبۃ الفاعل الی جمیع الاحیاز علی السواء فلا یمکن تعیین الحیز منہ مالم یمکن لطبیعۃ الجسم خصوصیۃ معہ[1]۔	جسم کا وجود بغیر فاعل کے اگرچہ ناممکن ہے لیکن فاعل کی نسبت چونکہ تمام حیزوں کی طرف برابر ہے لہذا کسی خاص حیز کے ساتھ فاعل کی طرف سے جسم کی تعیین ممکن نہیں جب تک طبیعتِ جسم کو اس حیز کے ساتھ کوئی خصوصیت حاصل نہ ہو۔ (ت)

دیکھو کیسا صاف کہا کہ خالق کو قدرت نہیں کہ جسم کو کسی خاص حیز میں پیدا کر سکے جب تک طبیعت ہی کو اس حیز سے کوئی خصوصیت نہ ہو۔

" کَذٰلِكَ یَطۡبَعُ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ قَلۡبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ "[2] ۱۲ منہ غفرلہ	یونہی مہر کر دیتا ہے اللہ تعالٰی متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ (ت)

---

[1] الشمس البازغہ، فصل وبالحری ان یبین ان کل مالا یمکن خلو الجسم عنہ الخ مطبع علوی لکھنؤ ص ۱۳۹

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

برابر ہے، اگر ترجیح دے بلا مرجح ہو اور یہ محال ہے۔

فلسفہ ذو سفہ اپنے یہ تینوں ادعاء یاد رکھے اور اب افلاک میں خود اپنے بتائے ہوئے اختلافات کی چارہ جوئی کرے ہم اوّلاً ہر فلک کی شکل و حرکت و جہت اور پرزے اور ان کی حرکتیں اور جہتیں سنائیں، پھر سوالات گنائیں۔

امر عام: تو یہ ہے کہ ہر فلک کرہ مجوفہ ہے جس میں محدب و مقعر دو سطحیں ایک فلک دوسرے کے جوف میں ہے اور سب سے نیچے **فلک قمر** کے پیٹ میں چاروں عناصر **فلک اطلس** سب سے اوپر اور اس کی حرکت سب سے سریع تر ہے مرکز عالم پر مشرق سے مغرب کو چلتا اور ایک رات دن بلکہ ۲۴ گھنٹے سے بھی ۳ منٹ ۵۶ سیکنڈ کم میں دورہ پورا کرتا ہے۔ قطبین شمالی اور جنوبی اس کے قطب ہیں اور معدل النہار جس کی سطح میں خطِ استواء واقع ہے اسی کا منطقہ یہ فلک تمام افلاک زیرین کو بھی اپنے ساتھ ساتھ گھماتا ہے۔ طلوع و غروب جملہ کواکب اسی وجہ سے ہے۔ اس میں کوئی ستارہ یا پرزہ نہیں۔

اقول: نہیں کہنا جزاف ہے یہ کہیں کہ معلوم نہیں، کیا استحالہ ہے کہ اس میں کچھ کواکب ہوں کہ بوجہ شدت بعد نظر نہ آتے ہوں بلکہ کیا دلیل ہے کہ انہی کواکب مشہودہ سے بعض فلک اعظم میں نہیں بلکہ کہکشاں اور نثرہ اور کف الخضیف کے پیچھے اور ان کے سوا جہاں جہاں سحابی شکلیں ہیں ان میں صریح احتمال ہے کہ یہ ستارے تمام ثوابت سے اوپر ہوں کہ بوجہ بعد منظر و قرب باہم ان کے اجرام متمیز نہ ہوتے ہوں ایک چمکیلی سطح ابر سفید کی شکل میں نظر آتی ہو۔

فلک ثوابت: اس کا مرکز اس سے متحد ہے مگر قطب قطبین عالم سے ۲۳ درجے ۲۷ دقیقہ جدا ہیں اس کی حرکت مغرب سے مشرق کو ہے، یہ بائیس ہزار برس میں بھی ایک دورہ پورا نہیں کرتا اور اگلوں کے خیال میں تو ۳۶ ہزار برس میں اس کا دورہ تھا تمام ثوابت رنگارنگ مختلف اقدار کے اسی میں ہیں، ساتویں آسمان کے ممثلات مرکز واقطاب وجہت حرکت وقدر سرعت سب میں اسی کے موافق ہیں اس لیے ان کو ممثلات کہتے ہیں کہ ان باتوں میں فلک البروج کے مماثل ہیں اس فلک میں کواکب کے سوا اور کوئی پرزہ نہیں۔

اقول: ضرور ہیں اور ہزاروں ہیں ثوابت کی چال باہم مختلف مرصود ہوئی ہے زیج اجد میں بیاسی ثوابت کی چال منضبط کی ہے کوئی ۶۳ برس میں ایک درجہ طے کرتا ہے جیسے عرقوب الرامی، کوئی ۶۴ میں جیسے نسر واقع کوئی ۶۵ میں جیسے رکبۃ الرامی، کوئی ۶۶ میں جیسے سہیل یمانی نسر طائر جدی الفرقہ، کوئی ۶۷ میں جیسے نیرّ الفبلکہ، یوں ہی فی درجہ ۸۲ برس تک اختلاف ہے جب ایک درجہ میں ۱۹ برس کا تفاوت ہے تو پورے دورے میں تقریبًا سات ہزار برس کا

فرق ہوگا۔ تو ضرور سب کی جدا تدویریں ہیں جن کی چالیں مختلف۔

فلک زحل: اس میں پانچ پرزے مختلف الشکل ہیں اء ممثل مرکز ر پر ہے کہ مرکز عالم ہے۔ اس کے ثخن میں ح ب سطح حامل مرکزہ پر ہے کہ مرکز عالم سے جدا ہے ان دونوں کے محدب و مقعر متوازی ہیں اکا متوازی ء ہے اور ب کا متوازی ح، لاجرم اس حامل کے سبب مثل میں دو کلیاں بچیں جن میں ہر ایک کا دل مختلف ہے، اوپر کی کلی اب نقطہ آ ء ح ی پر پتلی اور پھر ل تک چوڑی ہوتی گئی ہے اسے متمم حاوی کہتے ہیں اور نیچے کی کلی ج ء نقطہ حضیض ک پر پتلی اور پھر م تک چوڑی ہوتی گئی ہے ثخن حامل ح ب میں ح تدویر ہے یعنی ایک مستقل کرہ کہ ان سطحوں کی طرح زمین کو شامل نہیں، اور ایک کنارے کا جوف ہے اس جوف میں ط کوکب مثل زحل مرکز ہے متمم حاوی و محوی کی چال جہت و قدر و مرکز و قطب میں وہی ممثل کی چال ہے ہر روز ۸ ثالثے کہ اس کے محدب و مقعر انہیں میں ہیں اور حامل کی ہر روز دو دقیقے ۵ ۳ ثالثے تدویر کی ۵۷ قہ دقیقے ۷ ثانئے ۴۴ ثالثے۔

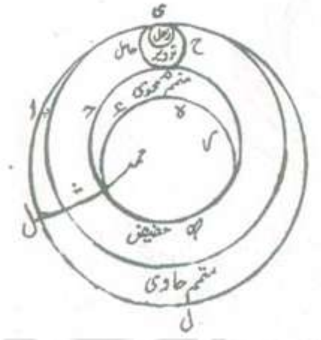

فلک مشتری: سب باتوں میں مثل فلک زحل ہے مگر حامل ہر روز چار دقیقے ۵۹ ثانئے ۱۶ ثالثے تدویر ۵۴ دقیقے ۹ ثانئے ۳ ثالثے۔

فلک مریخ: حامل ۳۱ دقیقے ۲۶ ثانئے، ۴۰ ثالثے تدویر، ۲۷ دقیقے ۴۱ ثانیے ۴۰ ثالثے باقی سب باتوں میں بدستور۔

فلک شمس: اس میں چار پرزے ہیں، شکل وہی ہے جو گزری، صرف یہاں تدویر کی جگہ شمس سمجھو حامل کو یہاں خارج المرکز کہتے ہیں، اس کی چال روزانہ ۲۹ دقیقے ۸ ثانیے ۱۲ ثالثے۔ باقی بدستور۔

فلک زہرہ: سابق کی طرح پانچ پرزے، حامل کی چال مثل خارج شمس تدویر ۳۶ دقیقے ۵۹ ثانئے ۲۹ ثالثے باقی اسی طرح۔

فلک عطارد: سات پرزے ہے۔

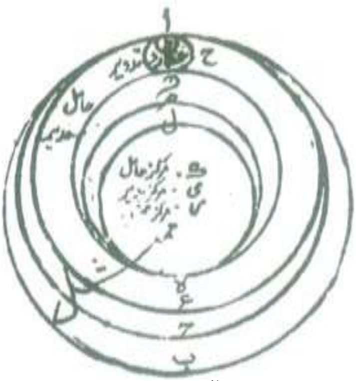

ال ممثل مرکز ر پر مرکز عالم ہے ام مدیر مرکزی پر اس کا متمم حاوی، ب ح محوی، ل م، اھ حامل مرکز ک پر اس کا متمم حاوی ح ء محوی م ھ اھ حامل کے اندر ح تدویر اس کے اندر ط عطارد ممثل بدستور حامل ایک درجہ ۵۸ دقیقے ۱۶ ثانئے ۳۲ ثالثے مدیر مثل خارج شمس تدویر ۳ درجے ۶ دقیقے ۲۴ ثانیے ۷ ثالثے۔

فلک قمر: چھ پرزے ہیں اط ممثل مرکز ر پر، ب ح جوزہرہ ح مائل نیز مرکز پر، متمم حاوی ء ج محوی ط ی۔ ہ ء حامل مرکز ک پر، ح تدویر ط قمر ممثل بدستور۔

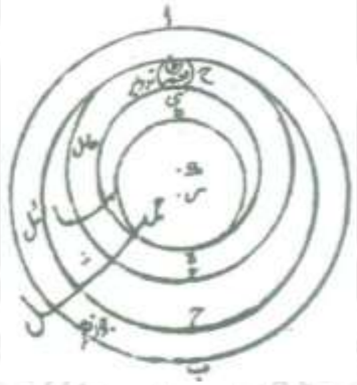

جوزہر ۳ دقیقے ۱۰ ثانئے، ۷ ۳ ثالثے مائل ۱۱ درجے ۹ دقیقے ۷ ثانئے ۳ ۴۳ ثالثے حامل ۲۴ درجے ۲۲ دقیقے ۵۳ ثانئے ۲۲ ثالثے تدویر ۱۳ درجے ۳ دقیقے ۵۳ ثانئے ۵۶ ثالثے، یہ تمام حرکات

مثل منطقۃ البروج مغرب سے مشرق کو ہیں مگر مدیر عطارد جوزہر ومائل قمر کہ تینوں مثل اطلس مشرق سے مغرب کو اور تمام تدویروں کا نصف بالا مثل منطقہ ہے مگر قمر میں مثل اطلس، متاخرین نے خمسہ متحیرہ و قمر کے افلاک میں چودہ پرزے اور مانے ہیں جن کی تفصیل شروح تذکرہ میں ہے۔

سوالات

(۱) اقول: مادہ واحدہ میں طبیعت واحدہ کا فعل واحد تو اس کا مقتضی تھا کہ افلاک مثل زمین کرہ مصمتہ بے جوف بنتے کہ ایک ہی سطح رکھتے، دیکھو پانی کے قطرے اور آگ کے پھول ایسے ہی نکلتے ہیں نہ کہ اندر سے خالی جوف کا اقتضاء طبع بسیط نے کس بناء پر کیا جس سے محدب ومقعر دو سطحیں متبائن بالنوع پیدا ہوئیں، بڑی سطوح مستدیرہ فلاسفہ کے نزدیک مختلف بالنوع ہیں جیسے مستوی و مستدیر کہ ایک کا دوسرے پر انطباق ناممکن اگر کہیے بنتا تو یہی مگر جوف میں اور اجسام کا ہونا مانع آیا۔

اقول: یہ مانع خارج سے ہے تو قسر ہوا، ایک تو افلاک پر قسر لازم آیا دوسرے اس کا دوام، اگر کہیے وہ مادہ جس میں طبیعت نے فعل کیا یہیں ملا۔

اقول: مادہ متحیز بالذات نہیں لباس صورت کے بعد متحیز ہوگا۔ اور صورت بے شکل موجود نہیں ہوسکتی۔ کمانص علیہ ابن سینا فی الارشارات (جیسا کہ ابن سینا نے اشارات (جیسا کہ ابن سینا نے اشارات میں اس پر نص کی ہے۔ت) اور یہاں فعل ایجاد شکل کے لیے ہے تو اس وقت تحیز ہیولٰی کہاں، اگر کہیے مادہ میں اسی کھکل شکل کی قابلیت تھی۔

اقول: اولا: مادہ باعتبار اشکال لوح مادہ ہے ہر نقش کی قابلیت رکھتا ہے وہ قابلیت ہر گونہ اتصال وانفصال ہی کے لیے مانا گیا ہے اور شک نہیں کہ ان کے ورود سے ہر طرح کی مختلف شکلیں پیدا ہوں گی فلک پر کہ استحالہ خرق والتیام کے مدعی ہیں وہ جہت مادہ سے نہیں بلکہ تجدید جہت سے۔

ثانیاً: مادے میں کسی شکل خاص کا اقتضا باقی سے آیا ہو تو فلاسفہ کا مدعا کہ ہر جسم کی ایک شکل طبعی ہے جیسا کہ مقامِ پنجم میں آتا ہے مردود ہوجائے گا وہاں انہوں نے خود تصریح کی ہے کہ خصوصیت شکل جانبِ مادہ مستند نہیں ہوسکتی۔

(۲) فلک[1] تو بسیط ہے ہر جہت سے اسے یکساں نسبت ہے پھر کس نے تخصیص کی کہ اطلس مشرق سے مغرب کو گھومے یا مثلات مغرب سے مشرق کو۔ اس کا جواب سفہاء[2] نے تین مہمل تحکمات سے دیا۔

(ا) ہر فلک کا مادہ اسی طرف حرکت کو قبول کرتا ہے۔

(ب) سافلات سے ان کے تعلقات اسی سے حاصل ہوتے ہیں۔

(ج) ہر فلک اپنے مبداء مفارق کا عاشق اور اپنے معشوق سے تشبیہ چاہتا ہے وہ یونہی ملتا ہے۔

اقول: اولا: یہ بداہۃً نرے تحکم ہیں، جہت میں کیا خصوصیت ہے کہ مادہ اسی کو قبول کرے، دوسرے سے ابانہ سافلات سے تعلق یا مفارقات سے تشبیہ کسی جہت خاص پر موقوف، ومن ادعی فعلیہ البیان (جس نے دعوی کیا دلیل اس کے ذمہ ہے۔ ت)

ثانیًا: کتنا صریح جھوٹ ہے کہ ہر فلک کا مادہ اسی کا قابل، سفہاء نے افلاک کلیہ کو دیکھا انہیں مختلف بالمادہ مان چکے ہیں سمجھے کہ نجات پائی، ہر فلک کے افلاک جزئیہ کو دیکھیں۔ فلک شمس میں دو حرکتیں ہیں ممثل و خارج کی، فلک علویات و زہرہ میں تین تین ممثل و حامل و تدویر کی فلک عطارد میں چار، تین یہ اور ایک مدیر کی فلک قمر میں پانچ، تین وہ اور جوزہر و مائل کی، بلکہ ہر ایک میں ایک ایک حرکت زائد ہے کہ کوکب خود بھی حرکت وضعیہ رکھتا ہے اور ان سب کی قدر مختلف ہے جیسا کہ گزرا۔ اور فلک زیریں میں اختلاف جہت بھی عطارد میں مدیر مغرب کو جاتا ہے باقی مشرق کو، اور قمر میں ممثل و حامل مشرق کو جاتے ہیں باقی مغرب کو، اور شک نہیں کہ مادہ واحد ہے، وہ اگر ایک ہی کو قبول کرتا ہے دوسری کدھر سے آئی۔ یونہی تعلق و تشبہ کے لیے مختلف راہیں لینا کیونکر، حالانکہ سب پرزوں سے ایک ہی نفس متعلق اور قابل بھی واحد، پھر اختلاف یعنی چہ۔

ثالثًا: کیا فارق ہے کہ اطلس کا تعلق و تشبہ حرکت شرقیہ ہی سے ہو سکا غربیہ سے ناممکن تھا۔ اور باقی آٹھ کا غربیہ ہی سے بن پڑا شرقیہ سے محال تھا۔

رابعًا: افلاک عقول کے کسی امر مشترک میں تشبہ چاہتے ہیں، یا ہر فلک اپنے معشوق کے امر خاص میں۔ برتقدیر اول اسے وجہ تخصیص ٹھہرانا کیسا جہل ہے۔ برتقدیر ثانی واجب تھا کہ ہر فلک کی

---

[1] مواقف و موقف رابع اول فصل دوم قسم اول مقصد دوم ۱۲ منہ غفرلہ۔

[2] مثل صدرا وغیرہ ۱۲ منہ۔

حرکت نئی طرز کی ہوتی، خصوصًا اس حالت میں کہ فلاسفہ کے نزدیک ہر عقل دوسری سے متباین بالنوع ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ صرف فلک اطلس کی حرکت جدا ہے باقی آٹھوں افلاک کلیہ اقطاب و محاور و مناطق و جہت و قدر حرکت سب میں متوافق ہیں۔ یہ تشبہ کیسا تبین حرکت میں مفارقات سے تشبہ یہ بگھارتے ہیں کہ مفارقات کے لیے سب کمالات ممکنہ بالفعل ہیں افلاک سب اوضاع ممکنہ کو دفعۃً حاصل نہیں کرسکتے کہ ان کا اجتماع محال، ناچار گھوم گھوم کر وضعیں بدلتے ہیں کہ سب احوال ممکنہ حاصل تو ہوجائیں اگرچہ علٰی وجہ التعاقب۔

اقول: اوّلًا: یہ تخصیص جہت وغیرہ کا مبطل ہے کہ تبدل اوضاع ہر گونہ حرکت سے حاصل۔

ثانیًا: وہاں کمالات بالفعل تھے تبدل وضع کیا کمال ہے محض لغو حرکت ہے تو حاصل یہ ہوا کہ معشوق میں کمالات جمع ہیں عاشق لغویات اکٹھے کرتے یہ تشبیہ ہوا یا تمسخر۔

ثالثًا: فرض کردم کہ تبدیل وضع سے فلک کو کمالات حاصل ہوتے ہیں تو وہ ہر وضع حاصل کو معًا ترک کرتا ہے تو ایک جہت سے اگر تحصیل کمالات ہے معًا دوسری جہت سے ابطال کمالات، تو حرکت سے ہر آن میں اگر ایک وجہ سے تشبہ ہے معًا دوسری وجہ سے تباین، دونوں متعارض ہو کر ساقط ہوئے اور حرکت نہ ہوئی مگر لغو حرکت۔

رابعًا: ہر دورے میں جن اوضاع کو چھوڑا انہیں کھائی ہوئی کھوئیوں ہی کو پھر دہراتا ہے۔ اگر اس قدر اوضاع تبدل سے تشبہ حاصل ہوتا ہے تو ایک دورہ ختم کرکے تھم جانا واجب تھا کہ حرکت مقصود بالعرض ہوتی ہے جس غرض کے لیے تھی وہ مل گئی اب دہرانا حماقت بلکہ معشوق سے تباین محض کہ حصول بالفعل کا تشبہ حاصل ہوچکا۔ اب تجدد و تغیر نرا تباین رہ گیا اور اگر ان سے تشبہ نہیں ہوتا تو ہر بار وہی تو ہیں اب کیوں حاصل ہوجائے گا۔ نامحصل تشبہ کیا دوسری دفعہ میں محصل ہوجائے گا اول تو یہ خود باطل، اور بالفرض ہو بھی تو دوبارہ سے غرض حاصل ہوگئی۔ اب تھمنا واجب تھا،

خامسًا: قطع نظر اس سے کہ نامحصل کبھی خود محصل کیونکر ہوجائے گا۔ سوال یہ ہے کہ اس سرگردانی سے غرض تشبہ کبھی حاصل ہوسکتی ہے یا کبھی نہیں اگر کبھی نہیں تو یہاں کوئی کمال ثانی نہیں جس کے لحاظ سے یہ حرکت کمال اول ہو کہ جو ممتنع الحصول ہے اس کا کمال نہیں ہوسکتا اور حرکت نہیں مگر کمال اول تو حرکت باطل ہوئی۔ اور اگر ہاں ایک وقت وہ آئے گا کہ یہ مقصد حاصل

ہو جائے گا تو اسی وقت حرکت کا انقطاع واجب اور کوئی حرکت منقطعہ حرکت فلک نہیں کہ کوئی حرکت فلک منقطعہ نہیں، بالجملہ یا تو یہ حرکت ہی نہیں یا حرکت ہے تو حرکتِ فلک نہیں۔ بہر حال حرکتِ فلک باطل۔

سادسًا: مفارقات تجدد و تغیّر سے بری ہیں تو ان سے تشبہ سکون و قرار میں تھا نہ کہ ہمیشہ کی سرگردانی و تغیر و بے قراری میں۔

سابعًا: مانا کہ یوں بھی کوئی تشبہ ملتا تو سکون سے یہ تشبہ حاصل کیا مرجح ہوا کہ اس تشبہ کو چھوڑ کر اسے لیا۔

ثامنًا: بلکہ تشبہ بالسکون ابتدًا خود فلک کو ملتا کہ تغیر سے جدا رہا اور حرکت میں اسے اصالۃً تشبّہ نہیں کہ اس کی اپنی ذاتی وضع نہ بدلی بلکہ اجزائے موہومہ کی جن کا وجود خارج میں محال کہ خرق جائز نہیں مانتے تو یہ تشبہ اصالۃً ان موہوماتِ ناممکنہ کو ہوا نہ کہ فلک کو، اور وہ فلک کو بھی ہوتا اور ان موہومات کو بھی، تو وہی راجح تھا۔ یہ ترجیح مرجوح ہوئی۔ اس کی تحقیق مقام پنجم میں آتی ہے ان شاء اللہ۔

تاسعًا: اسے لیا بھی تھا تو ایک ہی تشبہ کا دائمًا التزام اور دوسرے سے ہمیشہ انحراف کیا معنی، کبھی یہ ہوتا کبھی وہ کہ جملہ وجوہ تشبّہ حاصل ہوتے۔

عاشرًا: یہی تشبہ لیا سہی قطبین کا التزام غرض مقصود کے سخت منافی ہوا کہ ایک ہی قسم کا تبدل اوضاع حاصل ہوا واجب تھا کہ ہر دورہ نئے قطبین پر ہوتا کہ حتی الوسع استیعاب وضع ہوتا۔ **تلك عشرۃ کاملۃ** (یہ پوری دس ہیں۔ ت)

(۳) [عہ۱] وضعیہ کے لیے تعیین قطبین ضرور، اور فلک پر ہر دو نقطے قطبین بن سکتے ہیں۔

اقول: جو عظیمہ لیجئے اس کے دو متقاطر نقطے قطبین ہو سکتے اور ایک عظیمہ میں غیر متناہی نقاط ممکن، اور سطح فلک پر غیر متناہی عظیمے ممکن، تو یہ غیر متناہی در غیر متناہی سے ایک کی تخصیص کیونکر ہوئی۔ اس [عہ۲] کا جواب دیا گیا کہ یہ تخصیص فلک کے نفس منطبعہ سے ہے۔

عـــہ۱: مواقف محل مذکور ۱۲ منہ

عـــہ۲: یہ جواب سوال ۲ سے بھی ہے، جونپوری نے منطبعہ کی قید نہ لگائی، بلکہ اس بحث میں کہ ہر جسم میں میل ضرور ہے، تخصیص قطبین و منطقہ کا چاک رفو کرنے کو کہا، ممکن کہ نفس شاعرہ فلک نے یہ (باقی اگلے صفحہ پر)

اقول: نفس کے فعل کو استعداد مادہ درکار یا وہ بطور خود اپنے ارادے سے جسے چاہے تخصیص کردے۔ علی الثانی مسئلہ فیصل اور ہمارا مطلب حاصل جب فلک کا نفس اور وہ بھی منطبعہ محض اپنے ارادے سے تخصیص کرتا ہے تواللہ عزوجل سب سے اعزو اعلٰی ہے، **فمالکم لاتؤمنون** (تمہیں کیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے ہو۔ت) برتقدیر اول یہ استعداد یہیں تھی یا تمام سطح فلک میں اوّل اختلاف مادہ ہے اور دوم وہی آش درکاسہ کہ ترجیح بلامرجح لازم طوسی عـــہ نے اور بڑھ کر کہی کہ دلیل بتاچکی کہ فلک قابل حرکت مستدیرہ ہے تو ضرور اس میں مبدء میل مستدیر ہے تو ضرور وہ متحرک بالاستدارہ ہے تو قطبین وجہت و قدر و حرکت کی تخصیص ضرور کسی وجہ سے ہوئی، وہمیں نہ معلوم۔ ان شاء اللہ تعالٰی

(رَد) اوّلاً اقول: قابلیت استدارہ کی قلعی عنقریب مقام ۱۶ میں کھل جائے گی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ترجیح کسی وجہ سے کی ہو، جس کا جاننا ہمیں کیا ضرور۔

اقول: جواب تو ابھی سنو گے مگر تف ہے ان کے ادعائے علم و حکمت پر کہ فلک پر یہ اعتقاد رکھیں اور خالق افلاک عزجلالہ کے حق میں اس اعتقاد کو حرام جانیں وہاں نہیں کہتے کہ وہ جو چاہے کرے اس کی حکمتیں وہی جانے، اگر کوئی مرجح ہی ضرور ہے تو اس کے علم میں ہوگا ہمیں اس کا جاننا کیا ضرور۔ یوں کہو تو عامہ ظلمات فلسفہ خبیثہ سے نجات ہی نہ پاؤ، نہیں نہیں وہاں تو یہ کہو گے جو مقام پنجم میں آتا ہے کہ فاعل اپنی طرف سے تخصیص نہیں کرسکتا۔ اسی مستشرق جونپوری نے لایمکن منہ[1] کہا ہے۔

ان لھم ولادعائھم العقل فضلا من ادعائھم الاسلام،	ان کا دعوی عقل ہی صحیح نہیں چہ جائیکہ دعوی اسلام (ت)
عـــہ: نقلہ السیالکوتی فی حاشیۃ شرح المواقف ۱۲منہ۔	اس کو سیالکوٹی نے شرح مواقف کے حاشیہ میں نقل کیا ہے ۱۲منہ (ت)

---

[1] الشمس البازغۃ فصل وبالحری ان یبین ان کل مالا یمکن خلو الجسم منہ الخ مطبع علوی لکھنؤ ص ۱۳۹

ثانیاً: مبدء میل ہونا مستلزم حرکت نہیں مانع سے تخلف ہوسکتا ہے۔(سید شریف)

اقول: نیز عدم شرط سے دیکھو زمین اور ہاتھ پر اٹھائے ہوئے پتھر میں مبدء میل ہے اور حرکت نہیں۔ سیالکوٹی نے کہا حرکت مستدیرہ سے مانع صرف میل مستقیم ہے وہ افلاک میں نہیں۔

اقول: دونوں مقدمے غلط ہیں۔

(۱) ہم ثابت کریں گے کہ فلک پر قصر جائز۔

(۲) ثابت کریں گے کہ اس میں میل مستقیم ہے۔

(۳) مناط حرکت کمال ثانی ہے اور ہم ثابت کرچکے کہ وہ یہاں مقصود۔

ثالثاً اقول: تخصیص قطبین و قدر وجہت مادہ کرے گا یا صورۃ جسمیہ یا نوعیہ یا فاعل اجنبی ان پانچ میں حصر قطعی ہے اور پانچوں باطل، اول وسوم بوجہ بساطۃ، دوم و چہارم بوجہ استوائے نسبت، پنجم بلکہ چہارم بھی بوجہ لزوم قسر، جب اس شق کا بطلان نامعلوم تخصیص یقیناً معدوم، پھر اس کہنے کے کیا معنی کہ ضرور کسی وجہ سے ہوئی۔

رابعاً اقول: مناظرہ میں معارضہ کا دروازہ ہی بند کردیا ہر معارضہ پر مستدل یہی کہہ دے گا کہ میں مدعا دلیل سے ثابت کرچکا یہ استحالہ جو تم بتاتے ہو کسی وجہ سے ضرور مندفع ہے گو ہمیں نہ معلوم ہو، یہ ہے منطق میں ان کا عمر گنوانا۔

(۳) اقول: فلک اطلس کے لیے یہ قدر حرکت کہ ۲۳ گھنٹے ۵۶ دقیقے ۴ ثانیئے ۵ ثالثے ۲۶ رابعے میں دورہ پورا کرے کسی نے معین کی، اگر کہیے فلک کی حرکت ارادیہ ہے اس نے اتنا ہی ارادہ کیا۔

اقول: یہ ترجیح بلا مرجح ہے کہ اس کا مقصود تبدل اوضاع تھا وہ ہر قدر حرکت سے حاصل تھا۔ نہیں نہیں ترجیح مرجوح ہے، کہ حرکت وصول الی المطلوب کے لیے مقصود بالعرض ہے اگر بلا حرکت وصول ہوسکتا حرکت نہ ہوتی اور مقصود جس قدر جلد حاصل ہو بہتر، تو واجب تھا کہ اس سے سریع تر حرکت چاہتا اس قدر کا ارادہ قصد مقصود میں تعویق ہے اگر کہیے یوں تو ہر اسرع سے اسرع متصور ہے۔ تو جو مقدار اختیار کرتا اس پر یہی سوال ہوتا کہ اس سے اسرع کیوں نہ کی۔

اقول: ضرور ہوتا اور تمہیں اس سے مفر نہ تھا اس سوال کا انقطاع بے اس کے ناممکن نفس ارادہ کو مخصص و مرجح مانیں اور اس میں تمام فلسفہ کی عمارت زائل اور ہمارا مقصود حاصل،

اگر کہیے زمانہ ایک مقدار معین ہے اور وہ اسی قدر حرکت اطلس سے حاصل کم و بیش ہو تو زمانہ بدل جائے۔

اقول: کیوں الٹے چلتے ہو زمانہ تو اسی کی مقدار حرکت ہے۔اس کی تعیین تو اسی کی حرکت سے ہوئی نہ کہ اس کی حرکت کی تجدید اس سے کرو اس کی حرکت کم و بیش ہوتی تو زمانہ آپ ہی کم بیش ہوتا اور کچھ حرج نہ تھا۔

(۵)اقول: یہی سوال ہر فلک کی حرکت پر ہے وہاں زمانے کا بدلنا بھی نہیں۔

(۶)اقول: تقاطع معدل و منطقہ پر کون حامل ہے، کیا انطباق ناممکن تھا۔

(۷)اقول: ہوا تو اسی مقدار پر کیوں ہوا، اگر یہ مقدار محفوظ ہے جیسا کہ اگلوں کا خیال تھا جتنا تبدل ہر صدی پر ہوتا ہے جیسا اب سمجھا جاتا ہے۔اس سے کم زیادہ کیوں نہ ہوا۔اس خاص کو اس نے معین کیا، وجہ تعیین کیا ہے، مادی یا طبیعت کو ان خصوصیات سے کیا خصوصیت ہے اور بفرض غلط اطلس یا ثامن کے مادے یا طبیعت کو ایک صورت سے اختصاص ہو بھی تو دوسرے کے مادے یا طبیعت کو اس سے کیوں اختصاص ہوا، حالانکہ دونوں کے مادے بھی مختلف اور طبیعت بھی۔

(۸)اقول: یہ دونوں نقطے معدل سے شخصی ہیں انہیں نقاط کی کس نے تخصیص کی اور نقطوں پر کیوں نہ ہوا۔

(۹)اقول: فلک ثوابت کا مادہ واحد طبیعت واحد پھر اتنے حصے سادہ رہے اتنے حصے ستارے ہوگئے اس کی کیا وجہ۔

(۱۰)اقول: جو حصے ستارے ہوئے کیا سادہ نہیں رہ سکتے تھے جو سادے پھر ستارے نہیں ہو سکتے تھے پھر تعین کس نے کی کہ یہی سادہ رہیں وہی ستارے ہوں۔

(۱۱)اقول: پھر ستارے جن جن مواضع پر ہیں ان کی تعین کہاں سے آئی مثلاً شعری یمانی کی جگہ شامی، شامی کی جگہ یمانی، نسر طائر کی جگہ واقع، واقع کی جگہ طائر کیوں نہ ہوا۔یونہی ہر کوکب تمام باقی کے ساتھ تو یہ سوال کہ درون سوال ہے۔

(۱۲و۱۳)اقول: پھر ان کی قدریں مختلف کیوں ہوئیں اور ہر کوکب کے ساتھ اس کی قدر کس نے خاص کی۔

(۱۴)اقول: کواکب کو حرکت کل کے علاوہ حرکات خاصہ کیوں ہوئیں، باقی حصوں کو کیونکر نہ ہوئیں۔

(۱۵)اقول: ستارے ذی لون ہوئے کہ نظر آئیں باقی حصے بے لون رہے کہ نظر نہیں آسکتے یہ اختلاف کس نے دیا۔

(۱۶)اقول: ستارے خود لون میں مختلف ہیں۔ یہ تفاوت کدھر سے آیا۔

(۱۷تا ۲۴)اقول: ۷ سے ۱۴ تک آٹھوں سوال ساتوں سیاروں پر بھی وارد ہیں۔

(۲۵)اقول: ایک ہی فلک کے پرزوں کو مختلف حرکت کس نے دی۔

(۲۶)اقول: فلک عطارد و قمر میں ان کی جہت کس نے مختلف کی۔

(۲۷)اقول: ہر ستارہ اپنی تدویر کے جس حصہ میں ہے اسی میں کیوں ہوا دوسرے میں کیوں نہ ہوا۔

(۲۸)اقول: ہر حاصل اور اس کے دونوں متمموں کے مخصوص دل میں جن سے کمی بیشی غیر متناہی وجوہ پر ممکن ہے، حامل جتنا چوڑا ہوتا متمم پتلے ہوتے وبالعکس اس خاص دل کی تعیین کس نے کی، تو کہیے عامل کی تردید جتنی بڑی ہے اتنا ہی اس کا دل ہونا ضروری ہے۔

اقول: اولاً: اتنا ہی ہونا کیا ضرور اس سے بڑا ہونا کیا محذور، جیسے فلک ثوابت کا دل ایک ہے اور اس میں چھوٹے بڑے ستارے سب ہیں۔

ثانیاً: یہ سوال خود آتا ہے کہ تدویروں کا اتنا بڑا ہونا ہی کس نے لازم کیا اس سے چھوٹی یا کیوں نہ ہوئیں۔

(۲۹) ہر متمم میں ایک طرف رقّت ایک طرف غلظت ہے۔ طبیعت واحدہ نے مادہ واحدہ میں یہ مختلف افعال کیسے کئے (مواقف) اور جب ثخن میں اختلاف جائز شکل میں کیوں منع تو کیا ضرور ہے کہ بسیط کی شکل کروی ہو۔ (شرح مواقف) اس سے جواب دیا گیا کہ فعل واحد سے یہ مراد کہ دو فعل مختلف بالنوع نہ ہوں جیسے کوئی شکل مضلع مثل مثلث یا مربع ہو تو اس میں سطح اور خط اور نقطہ اور زاویہ نکلے گا اور یہ سب انواع مختلفہ ہیں، یہ مراد نہیں کہ اصلاً اختلاف نہ ہو متمموں کے ثخن کا اختلاف فعل کو دو نوع کردے گا۔ علامہ سیّد شریف قدس سرہ، نے اس جواب کو مقرر رکھا۔

اقول: اولاً: اگر صرف اختلاف نوعی ممنوع تو بسیط کی شکل بیضوی یا عدسی یا شلجمی ہونے میں کیا حرج، ان میں بھی کوئی خط یا نقطہ یا زاویہ نہ ہوگا ایک ہی سطح ہوگی اختلاف قطر نہیں مگر اختلاف ثخن سے جسے مان چکے کہ فعل کو دو نوع نہ کرے گا تو بسیط کی شکل کروی بھی ہونا باطل ہوا اور یہ تمام ہیئات و فلکیات کو باطل کردے گا تو ثابت ہوا کہ مجرد ثخن یا قطر یا قدر میں اختلاف بھی طبیعت

واحدہ سے مادہ واحدہ میں محال ہے۔

ثانیًا: کلام ترجیح بلا مرجح میں ہے اس کے لیے اختلاف نوع کیا ضرور ایک نوع کی دو مساوی فردوں میں ایک کے اختیار کو کوئی مرجح درکار، وہ نہ بسیط کا مادہ ہوسکتا ہے نہ طبیعت نہ فاعل کہ اس کی نسبت سب طرف برابر ہے تو متمم حاوی کی رقت جانب اوج اور غلظت جانبِ حضیض اور محوی کی بالعکس نیز حسب سوال ۲۸ ہر ایک کا یہ معین دل کس طرح ہوا۔

ثالثًا: ہر متمم میں دو مستدیر سطحیں چھوٹی بڑی پیدا ہوں گی وہ بتصریح فلاسفہ مختلف بالنوع ہیں۔

رابعًا: یہ فلاسفہ اپنی ہیأت میں ہر متمم کی انتہاء ایک نقطہ پر بتاتے ہیں کہ حاوی میں اوج اور محوی میں حضیض ہے تو ہر ایک میں ایک نقطہ اور ایک سطح پیدا ہوئی یہ متباین انواع ہیں۔

خامسًا: شکل مثلث میں طبیعت کو چار مستوی مثلث سطحیں بنانی پڑیں گی اور مربع میں ۶ مربع، مثلث خواہ مربع سطحیں آپس میں متحد بالنوع ہیں خطوط و نقاط و زوایا طبیعت کو بنانے نہ ہوں گے وہ نہایت ابعاد و تلاقی نہایات سے خود ہی پیدا ہوجائیں گے پھر بسیط کی شکل طبعی مضلع ہونی کیا دشوار۔

سادسًا: اب ایک اور ترجیح بلا مرجح گلے پڑی۔ جب طبیعت بسیط کی شکل بیضی عدسی شلجمی کروی مثلث مربع مخمس حتی کہ متمموں کی طرح ہیات مسطحہ میں گویا ہلالی سب انداز کی بنا سکتی ہے تو باوصف اتحاد مادہ و شمول قابلیت ایک کا اختیار اسے روا نہیں تو بسیط کا بننا ہی محال ہوا الحق فاعل مختار کو چھوڑنے والے زمین و آسمان میں کہیں مفر نہیں پاسکتے۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

سابعًا: سب درکنار کرہ مجوف و بے خوف تو طبیعت کے بنائے ہوئے دونوں موجود ہیں۔ آٹھ مصمت ۳۵ مجوف اگر اسے دونوں کا اختیار تو فاعل مختار پر ایمان سے کیوں انکار، اور اگر وہ ایک ہی طرح کا چاہتی تھی ممانعت خارج سے ہوئی تو قسر کا دوام لازم فلکیات پر قسم لازم۔

(۳۰) ہر تدویر اتنی ہی بڑی کیوں ہوئی کم و بیش کیوں نہ ہوسکی۔ (مواقف) اگر کہیے حامل اتنا ہی دل رکھتا تھا۔

اقول: اولًا: اس کا اتنا ہی دل کس نے لازم کیا۔

ثانیًا: کیا ضرور کہ تدویر حامل کے مقعر و محدب کو بھر دے کیوں نہ بیچ میں خواہ ایک کنارے پر

اس قدر سے چھوٹی رہے جیسے فلک البروج میں چھوٹے ستارے۔

(۳۱) تدویریں حاملوں میں جس جس جگہ ہیں اس کی تخصیص کس نے کی ہر جگہ ہو سکتی تھیں۔

(۳۲) سرے سے طبیعت واحدہ نے مادہ واحدہ میں یہ کلیان پرزے حاملوں میں یہ غار جن میں تدویریں ہیں تدویروں میں یہ غار جن میں کواکب ہیں کیونکر بنائے یہ مختلف افعال کدھر سے آئے (مواقف وغیرہ) اس کے چار جواب ہوئے۔

(ا) سب سے بالا سب سے نرالا فلسفہ کے گھر کا پورا اجالا کہ کہاں جھگڑے کے لیے پھرتے ہو یہ حامل خارج تدویریں ستارے سیارے چاند سورج سب نرے فرضی اوہام ہیں حقیقت میں ان کا کچھ وجود نہیں۔ آسمان نرے ہموار سپاٹ ہیں، نہ کوئی پرزہ نہ ستارہ، انصاف کیجئے اس سے بڑھ کر اور کیا جواب ہو سکتا۔ جونپوری بیچارہ اسے نقل کرکے اس کے سوا اور کیا کہے لا ازید علی الحکایۃ (میں حکایت پر کچھ اضافہ نہیں کرتا۔ ت) یعنی رویش ببیں حالش مپرس (یعنی اسکا چہرہ دیکھ اور اس کا حال مت پوچھ ت۔) اس عناد کو دیکھئے کہ عقل اور آنکھوں سب کو رخصت کر دینا منظور مگر فاعل مختار عزجلالہ، پر ایمان لانا کسی طرح قبول نہیں، اصل جواب یہی تھا، باقی تینوں جوابوں نے فاعل مختار مان لیا مگر جحود وانکار برقرار ان کی سنئے۔

(ب) یہ اختلافات جیسے قابل کی طرف سے ہو سکتے ہیں، یونہی فاعل کی طرف سے یہاں جانب قابل سے تو ناممکن کہ مادہ بسیط ہے فاعل کی طرف سے ہونے میں کیا حرج ہے۔ (طوسی)

افسوس مجبوری سب کچھ کراتی ہے فاعل حسب استعداد کرے گا یا اپنا استبداد اول مفقود اور ثانی ہمارا عین مقصود، اب تمام فلسفہ مزخرفہ باطل و مردود، لاجرم جونپوری سے نہ رہا گیا صاف کہہ دیا کہ طوسی نے ایک گھر بنا دیا اور سارا شہر ڈھا دیا فلسفے کی کثیر چولیں او کس عہ گئیں۔

(ج) یہ اختلاف یہ ہے کہ جرم فلک کے بعض حصوں پر جدا جدا صور نوعیہ فائض ہوئیں اور بعض نے ستارے بعض نے تدویروں کے غار اور تدویروں میں غار خود ہی ہوا چاہیں اور حامل و خارج غیر مرکز پر تھے تو متمموں کی کلیاں آپ ہی ضرورۃً پیدا ہوئیں ایضا طوسی) ناظرین دیکھتے ہیں کال تو اب بھی نہ کٹا۔

عہ: بمعنی انقص ۱۲ الجیلانی

اوّلا: جب مادے میں مختلف استعداد نہیں مختلف صورتوں کا فیضان کس طرح ہوا۔

ثانیًا: اقول: پھر مادہ متشابہ میں سے ہر ٹکڑا ایک صورت نوعیہ کے لیے کس نے خاص کیا ہر صورت اور ٹکڑے پر کیوں نہ فائض ہوئی اس کا پھر وہی جواب ہوا کہ یہ فاعل کی طرف سے ہے۔ (سید شریف) اور اس پر وہی رد ہے جو جواب ب پر گزرا۔ علامہ سید قدس سرہ سنی مسلمان ہیں اور ان کے قلب و قلم نے اسے بخوشی قبول فرمالیا۔ طوسی بھی اسلام کا دم بھرتا ہے اس کے قلم سے نکل گیا اور اس وقت فلسفہ کی بربادی کی طرف دھیان نہ گیا۔ فلسفیوں اور جونپوری کے دل سے پوچھو کہ آرے چل گئے۔

قدبنی قصراوھدم مصرًا وبطل الدلیل وانثم اصول کثیرۃ۔	تحقیق اس نے محل بنایا اور شہر کو گرایا۔ دلیل باطل ہوگئی اور بہت سے اصول کمزور ہوگئے۔ (ت)

(د) جونپوری نے ان سب جوابوں کو رد کردیا اور اقرار کردیا کہ یہ سوالات بہت ٹیڑھی کھیر ہیں اور یہ کہ فکریں ان کے حل میں حیران ہیں اور یہ کہ ان سے جس جس طرح فلسفیوں نے جان چھڑانی چاہی زیادہ زیادہ دم پر بن آئی اور کچھ بنائے نہ بنی۔ اچھا جونپوری صاحب! تم تو فلسفہ کے سپوت ہو تو پورے نضج کے بعد اپجے ہو تمہیں کچھ بولو، تو کہتا ہے میرا علم قاصر ہے اور ایک میں کیا طاقت بشری یہاں فائز ہے پھر بھی اتنا کہتا ہوں کہ فلکیات کثیر کرے مختلف مادوں کے ہیں خالق کی عنایت اس کی مقتضی ہوئی کہ ان میں بعض بعض کے جوف میں ہوں اور بعض بعض کے ثخن میں، اور جو ثخن میں ہوں ان میں کچھ مرکز محیط کو شامل ہوں کچھ نہ ہوں۔ ناچار آپ ہی ان میں غار اور کلیاں ہوئیں اگر عنایت ازلی اس کی خواستگار نہ ہوتی تو سب زمین کی طرح بے خوف ہوتے جس طرح ان کے جوف دار ہونے سے قوتِ فعل میں تکثر نہ ہوا یونہی ان غاروں اور کلیوں سے نہ ہوگا۔ فقط اتنا چاہیے کہ سب کی سطح کروی ہو بساطت فلک سے قوم یعنی فلاسفہ کی یہ مراد نہیں کہ ان میں ستارے اور پرزے نہیں بلکہ یا تو یہ مراد ہے کہ جیسے موالید میں عناصر کسر وانکسار پا کر مزاج حاصل کرتے ہیں فلک ایسا نہیں یا یہ کہ سارا فلک تو بسیط نہیں بلکہ ستارے حامل خارج تدویر متمم ان میں ہر پرزے بسیط ہے، انتھی۔

اقول: عجز کی شامت دیکھی کیا کیا انکھی بلواتی ہے۔

اوّلا: تمام کتابوں میں دھوم ہے کہ افلاک بسیط ہیں، افلاک بسیط ہیں اب ان کی بساطت کو استعفاء دیا جاتا ہے، کہ قوم کی یہ مراد ہے کہ وہ تو بسیط نہیں پرزے بسیط ہیں

ثانیًا: مزاج نہ سہی اجزاء تو ہیں، وہ ایک طبیعت کے ہیں یا مختلف علی الاول یہ اختلاف کیسے، علی الثانی بساطت کہاں۔

ثالثًا: جوف دار ہونے کا منافی کثرت فعل نہ ہونا ایسا بیان کیا گویا وہ مسلم ہے حالانکہ اس پر بھی وہی رد ہے۔ ہم نے آغاز کلام اسی سے کیا۔ ہاں اتنا فائدہ ہوا کہ وہ جو ہم نے کہا تھا کہ طبیعت کا اپنا اقتضاء جوف نہ ہونا ہے وہ جونپوری نے صاف مان لیا اور ہمارے اعتراض کو اور مستحکم کردیا۔

رابعًا: ہاں عنایت الٰہی نے کیا جو کچھ کیا یہ مختلف اجزاء کی نسبت مختلف عنایات پھر عنایات کی تعیین مقادیر کی تعیین مواضع کی تعیین وغیرہ وغیرہ سب بپابندی استعداد ہیں یا بطور استبداد اول کہاں بسیط مادے میں اختلاف استعداد کیسا، اور ثانی وہی فاعل مختار پر ایمان ہوا۔ طوسی نے سارے فلسفے کا شہر ڈھادیا تم نے کون سی اینٹ سلامت رکھی۔ بات وہی ہوئی کہ یہ تخصیصیں فاعل کی طرف سے ہیں تین بیسی اور ساٹھ ناک کہاں کہ یوں ہائے مجبوری وائے مجبوری اللہ اللہ۔ اللہ عزوجل کو فاعل مختار ماننا وہ سخت ناگوار ہے کہ ہچکیاں لو دم توڑو ان کہیاں بولو مگر اس پر ایمان محال دل سے مان بھی چکے، زبان چباچبا کر کہہ بھی چکے مگر اقرار ناممکن کہ فلسفہ کا سارا شہر ڈھے جائے گا۔

"جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ" [1]	اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے۔ (ت)

خامسًا جونپوری وہی تو ہے جس نے فصل حیز میں کہا کہ فاعل تخصیص نہیں کرسکتا جب تک طبیعت کو خصوصیت نہ ہو۔ اب وہی فاعل یہ بے شمار تخصیصیں بے خصوصیت طبیعت کیسے کررہا ہے۔

نے فروعت محکم آمد نے اصول　　　　شرم بادت از خدا و از رسول

(نہ تیری فروع مستحکم ہیں اور نہ ہی اصول، تجھے اللہ ورسول سے شرم آنی چاہیے۔ ت)

جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، بالجملہ روشن ہوا کہ بغیر فاعل مختار کے زمین وآسمان کا کوئی نظام بن سکتا ہی نہیں اور اس کی سطوت وہ قاہر ہے جس نے منکروں سے بھی قبولوا چھوڑا۔

والحمد للہ رب العلمین ۝ وخسر ھنالك المبطلون ۝ وقیل بعدا للقوم الظالمین ۝ اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ بھتم وتھتم ثم لا تؤمنون و	اور سب خوبیاں اللہ کو جو سارے جہانوں کا رب ہے اور باطل والوں کا وہاں خسارہ ہے اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ تم لاجواب ہوگئے اور فضول باتوں میں مشغول

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۴

تعترفون ثم لا تنصرفون ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمة انّك انت الوھاب، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولانا محمد و الہ وصحبه بغیر حساب۔آمین	ہوگئے تو پھر ایمان نہیں لاتے ہو۔اور اعتراف کرتے ہو پھر باز نہیں آتے ہو۔اے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تونے ہمیں ہدایت دی،اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے۔

اور درود نازل فرما ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی پر،آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر بغیر حساب کے،اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما۔(ت)

مقام دوم

اللہ واحد قہار ایک اکیلا خالق جملہ عالم ہے،خالقیت میں عقول وغیرہا کوئی نہ اس کا شریک نہ تخلیق میں واسطہ "ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُاللہِ"[1] (کیا اللہ کے سوااور بھی کوئی خالق ہے،ت) بحمد اللہ تعالٰی فاعل کا مختار ہونا آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا مگر فلاسفہ اور ان کے فضلہ خوار اس خلاق علیم کو صرف ایک شے عقل اوّل کا موجد جانتے ہیں باقی تمام جہان کی خالقیت عقول کے سر منڈھتے ہیں وہ تو عقل اول بنا کر معاذ اللہ معطل ہوگیا۔عقل اول نے عقل ثانی و فلک تاسع بنائے عقل ثانی نے عقل ثالث و فلک ثامن،یوں ہر عقل ایک عقل اور ایک فلک بناتی آئی یہاں تک کہ عقل تاسع نے عقل عاشر و فلک قمر بنائے پھر عقل عاشر نے ساری دنیا گھڑ ڈالی اور ہمیشہ گھڑتی رہے گی اسی لیے اسے عقل فعال کہتے ہیں تو کہیں وہ بے دین یہ نہ سمجھیں کہ اس کا مختار ہونا ثابت ہوا، حاشا یا عالم میں کوئی نہ فاعل موجب نہ فاعل مختار،فاعل مطلق و فاعل مختار ایک اللہ واحد قہار،یہ مسئلہ بھی نگاہ ایمان میں بدیہیات سے ہے۔اور عقل سلیم خود حاکم کہ ممکن آپ اپنے وجود میں محتاج ہے دوسرے پر کیا افاضہ وجود کرے،دو حرفِ مختصر اس پر بھی لکھ دیں کہ راہِ ایمان سے یہ کانٹا بھی باذنہ عزوجل صاف ہوجائے۔یہاں ابلیس نے فلاسفہ کی راہ یہ سمجھا کر ماری کہ جو واحد محض ہو جہاں تعدد جہات بھی نہ ہو اس سے ایک ہی شیئ صادر ہوسکتی دوسری کسی شیئ کا اس سے صدور محال اور واجب تعالٰی ایسا ہی واحد ہے لہٰذا وہ صرف عقل اول بنا سکا باقی ہیچ۔وہ خبثاء اپنے اس مطلب پر

---

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۳

دلیل عــــہ لائے جس کے رد میں ہمارے اکثر متکلمین مصروف ہوئے، اور لمہ، ولا نسلمہ (کیوں اور ہم نہیں مانتے ت) کا سلسلہ بڑھا حالانکہ اس دعوی و دلیل کو ہاتھ لگانے کی اصلاً حاجت نہ تھی وہ ہمیں نہ کچھ مضر تھا نہ ان مشرکین کو اصلاً کچھ نافع جیسے قہار واحد کے بارے میں ان کا دعوی اور اس پر ان کی دلیل ہے۔ مولٰی عزوجل اپنی خالقیت میں اس سے منزہ و متعالٰی ہے تو اس دعوی سے نہ خالقیت دیگر اشیاء اس سے مسلوب ہوسکتی ہیں نہ کسی دوسرے کے لیے ہرگز ثابت، قریب تر راہ وہ ہے کہ انہیں کی جوتی انہیں کا سر ہو، خبثاء سے پوچھا گیا کہ عقل اول بھی تو ایک ہی چیز ہے اس سے دو بلکہ چار بلکہ ابن سینا کے ظاہر کلام پر پانچ کیسے صادر ہوئے۔ عقل ثانی اور فلک تاسع کا مادہ اور اس کی صورت اور اس کا نفس مجردہ اور نفس منطبعہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ وہ اگرچہ اپنی ذات میں واحد ہے مگر جہات و اعتبارات رکھتی ہے اب مضطرب ہوئے بعض نے دو جہتیں رکھیں امکان ذاتی اور وجوب بالغیر ان دو جہتوں سے فلک و عقل اس سے صادر ہوئے۔ بعض چرچے کہ فکل میں نرا جسم ہی تو نہیں نفس بھی ہے تو دو جہتیں کیا کافی ہوں گی انہوں نے تیسری اور بڑھائی وجود فی نفسہ بعض اور چونکے اب بھی بس نہیں جسم فلک میں دو جوہر دھرے ہوئے ہیں۔ ہیولٰی و صورت انہوں نے چوتھی اضافہ کی اس کا اپنے موجد کو جاننا، بعض نے شاید یہ خیال کیا کہ ابھی نفس منطبعہ رہ گیا انھوں نے پانچویں زیادہ کی کہ عقل کا اپنے آپ کو جاننا اس پر ہماری طرف سے کھلا اعتراض ہے کہ سفیہو ایسے جہات کیا مبدا اول میں نہیں اس کا وجوب ہے وجود ہے اپنی ذات کریم کو جاننا ہے اپنے ہر غیر کو جاننا ہے بے شمار سلب ہیں کہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ مرکب نہ متجزی نہ جسم نہ جسمانی نہ مکانی نہ زمانی نہ، نہ، نہ، الٰی آخرہ، خبثاء کا صریح ظلم کہ عقل میں جہات لے کر اسے تو موجد متعدد اشیاء مانیں اور یہاں محال جانیں، یہ حاصل ہے اس سہل و صاف راستے کا جو ہماری طرف سے چلا گیا مناسب ہے کہ ہم بتوفیقہ تعالٰی اس کی توضیح و تفصیل و تتمیم و تکمیل اور سفہائے فلاسفہ کی تسفیہ و تجہیل پھر حقیقت واقعہ کی تبیین و تسجیل کرکے بعونہ عزوجل آخر میں وہ ظاہر کریں جو شاید آج تک ظاہر نہ کیا گیا یعنی یہ کہ فلاسفہ کا دعوی الواحد لایصدر عنہ الا الواحد خود ہی فرض محال و تناقض و جنون ہے۔

عــــہ: ہم بتوفیقہ تعالٰی اس دلیل پر بھی ایک نہایت مختصر و کافی کلام کردیں گے نہ اس لیے کہ اس پر کلام کی حاجت بلکہ اس لیے کہ اس سے بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ مسئلہ صفات الٰہیہ میں روشن ہوگا جس میں رائیں مضطرب و متحیر ہیں۔ وباللہ التوفیق ۱۲ منہ غفرلہ۔

وباللہ التوفیق۔

اوّلاً اقول: عقل اول میں ایک جہت اوزچ رہی وہ اس کا تشخص اس جہت سے ایجاد کیوں نہ کیا۔ کیا مفارقت میں بخل ہے۔

ثانیاً اقول: فلاسفہ نے اسی دلیل میں کہا ہے کہ جب ایک سے دو صادر ہوں تو دونوں [عہ]

عہ: علت میں ایک خصوصیت ضرور جس کے سبب وہ معلول ہیں موثر ہو وہی مصدریت سے مراد ہے، نہ معنی اضافی، وہ خصوصیت عین ذاتِ علت ہے اگر نفس ذات موثر ہے ورنہ کوئی حالت اور ہر معلول کے لیے علت میں خصوصیت جداگانہ لازم اب اگر واحد کا معلول واحد ہو تو مصدریت سے اس میں تعدد لازم نہیں، جب نفس ذات علت ہے تو مصدریت عین ذات ہے لیکن جب دو ہوں تو اگر نفس ذات کسی کی علت نہیں تو دونوں مصدریتیں ورنہ جس کے لیے نہیں اس کی مصدریت ذات پر زائد ہوئی اور ضرور ہے کہ وہ مصدریت ذات ہی سے صادر ہو کہ واحد کو علت مانا ہے نہ کہ جزء علت اب اس کے صدور میں کلام ہوگا۔ اور غیر متناہی مصدریتیں لازم، اور وہ دو حاصروں میں محصور، واحد اور اس کا یہ معلول یہ وہ غایت توجیہ ہے جو دلیل فلسفی کی کی گئی۔

اقول: اوّلاً: سب ایرادوں سے قطع نظر ہو تو موضوع قضیہ یعنی واحد محض اب بھی محال ہو گیا اور محال سے واحد کا صدور جائز ماننا صریح جہل ہے، مانا کہ مصدریت عین ذات ہو مگر فرق اعتباری قطعاً حاصل، ذات من حیث الخصوصیۃ یقیناً ذات من حیث ھی ھی نہیں تو دو جہتیں اب یہی حاصل اور واحد محض کہ نفس ذات کے سوا کچھ نہ ہو نہ رہا **فافہم۔**

ثانیاً فائدہ جلیلہ: اقول: وباللہ التوفیق۔ (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ (ت) ذات میں جو کچھ زائد بر ذات ہو، کیا ضرور کہ صادر از ذات ہو یعنی ذات اس کی علت فاعلی و مفیض وجود ہو کہ صدور سے یہی مراد ہے کیوں نہیں جائز کہ لازم ذات ہو اور لوازم ذات مجعول ذات نہیں ہو سکتے کہ لازم ذات مرتبہ تقرر ذات میں ہے تقرر خود بھی ایک لازم ذات ہے اور مرتبہ تقرر مرتبہ وجود پر مقدم ہے تو لازم ذات اگر مجعول ذات ہو اپنے نفس پر دو یا تین مرتبے مقدم ہو لاجرم ان کا صادر عن الذات ہونا محال بلکہ ان کا وجود خود وجود ذات میں منطوی ہے اگر ذات مجعول ہے یہ بھی بعینہٖ اسی جعل سے مجعول ہیں نہ یہ کہ ذات جاعل ہو یا جاعل ذات، ان کا جعل جداگانہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

یا ایک مصدریت ضرور ذات سے زاید ہے تو ضرور ذات سے صادر ہے، یوں ہی ہم کہتے ہیں کہ فلک تاسع کے قطبین معین کرنا، جہت حرکت خاص کرنا، قدر حرکت مقرر کرنا یہ سب یہی ذات عقل پر زائد ہیں تو ضرور اس سے صادر ہیں تو عقل اول سے آٹھ صادر ہوئے اور جہتیں کل چھ، تو واحد محض سے تین کا صدور لازم۔

ثالثاً اقول: جب صادر آٹھ یا پانچ یا دو ہی سہی تو حسب تصریح دلیل فلاسفہ ان کی مصدریتیں ذات پر زائد اور اس سے صادر ہوں گی۔ اور جب یہ صادر ہوئیں تو ان کی بھی مصدریتیں زائد و صادر ہوئیں یونہی تا غیر نہایت تو وہ تمام اعتراضات کہ یہ واحد سے صدور متعدد پر کرتے تھے۔ عقل اول سے صدور عقل و فلک پر نازل ہوئے، تسلسل بھی ہوا، اور غیر متناہی کا دور حاصروں میں محصور ہونا بھی ہوا ایک عقل اول اور دوسرا فلک یا عقل ثانی اور واحد سے نہ متعدد بلکہ غیر متناہی کا صدور بھی ہوا شرک بھی کیا اور کال بھی نہ کٹا۔

رابعاً اقول: جب عقل اوّل میں چھ جہتیں ہیں اور ممکن کہ وہ بعض کا ایجاد ایک ایک جہت سے کرے۔ (واللہ یہ لفظ ہمارے قلب پر ثقیل ہوتا ہے مگر کیا کیجئے کہ مشرکوں کے مزعوم ہی پر انہیں نیچا دکھانا ہے) اور بعض کا دو دو جہت کے وصل سے مثلاً بحیثیت مجموع امکان و وجوب یا مجموع امکان و وجود وغیرہ وغیرہ بعض کا جہات کی ترکیب ثلاثی، رباعی، خماسی، سداسی، سے اب چھ جہتیں[1] حاوی ہوئیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کرے اور اگر ذات مجعول نہیں یہ بھی اصلاً مجعول نہیں، نہ ذات کے نہ کسی کے، جیسے صفاتِ باری عزوجل کہ لازم ذات و مقتضائے ذات ہیں نہ کہ معاذ اللہ ایجاباً یا اختیاراً مجعول و صادر عن الذات اس تحقیق سے روشن ہوا کہ ہر ممکن اپنے وجود میں واجب کا محتاج ہے خواہ افاضہ وجود میں جب کہ اس کا وجود وجوب واجب سے جدا ہو خواہ اضافت وجود میں جب کہ جدا نہ ہو۔ اسی بنا پر ہمارے علماء نے علتِ احتیاج حدوث کو لیا، یعنی احتیاج الی الجعل ورنہ مطلقاً افتقار کو امکان کافی اور یہی ہے وہ کہ کرام عشیرہ اعنی ائمہ اشاعرہ نے تصریح فرمائی کہ صفاتِ علیہ مقتضائے ذات ہیں نہ کہ صادر عن الذات یہ فائدہ جلیلہ واجب الحفظ ہے وباللہ التوفیق ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] ا۔ب۔ج۔ء۔ہ۔و۔

پندرہ ثنائی عہ[۱]، بیس ثلاثی عہ[۲]، پندرہ رباعی عہ[۳]، پانچ خماسی عہ[۴]، ایک سداسی عہ[۵]، جملہ ساٹھ ہر وجہ پر ایک شیئ صادر ہو، اس پر ساٹھ وجہیں اور بڑھیں گی، یعنی ہر ایک کی مصدریت ان ۶۰ میں وجوہ اجتماع لیجئے پھر ان وجوہ اجتماع کی ان پہلی وجوہ اجتماع سے وجوہ اجتماع لیجئے۔ اور اس مبلغ کی قدر مصدریتیں بڑھائیے پھر ان میں یہی اعمال کیجئے اور ان کی مصدریتیں لیجئے یہ سلسلہ قطعًا غیر متناہی ہوں گے تو ایک عقل اول سے تمام دنیا کی غیر متناہی چیزیں صادر ہو سکیں گی۔ تو ثابت ہوا کہ عقلیں محض لغو ہیں۔

خامسًا: بھلا عقل اول تو اپنی پانچ وجہوں سے پانچ چیزیں بنا گئ عقل ثانی کے سر گنتی کی دو دیکھ لیں، عقل ثالث و فلک ثامن، یہ نہ دیکھا کہ فلک ثامن میں کتنے ستارے ہیں یہ کروڑوں وجہیں وہ کس گھر سے لائے گی۔ (مواقف)

اقول: مجاز فین عہ[۶] یورپ کہتے ہیں کہ ہرشل کی بڑی دوربین سے دو کروڑ ستارے گن لیے ہیں اور شک نہیں کہ وہ اس سے بھی زائد ہیں پھر ہر ایک لیے تعیین قدر تعیین محل تعیین لون ثوابت دو ہی کروڑ ہیں تو آٹھ کروڑ صادر تو یہی ہو گئے پھر ان کی حرکات مختلف ہیں تو ان کے لیے تدویریں ہیں ان تدویروں کی تعیین قطر تعیین موضع یہ کتنے کروڑ ایک عقل ثانی کے سر ہوئے۔ علامہ تفتازانی نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے کہ فلک ثوابت کا مبدء عقول کثیرہ ہوں۔

اقول: (۱) ان کے مزعوم کارُداور ان کے ظلم کا بیان ہے کہ اپنی مخترع عقول سے جو کچھ جائز مانتے ہیں حق عزوعلا کو معاذ اللہ اس سے عاجز جانتے ہیں۔

عہ۱: اب۔اج۔اء۔اہ۔او۔ب ج۔ب ء۔ب ہ۔ب و۔ج ء۔ج ہ۔ج و۔ء ہ۔ء و۔ہ و،

عہ۲: اب ج، اب ء، اب ہ، اب و، اج ء، اج ہ، اج و، اء ہ، اء و، اہ و، ب ج ء، ب ج ہ، ب ج و، ب ء ہ، ب ء و، ب ہ و، ج ء ہ، ج ء و، ج ہ و، ء ہ و،

عہ۳: اب ج ء، اب ج وہ، اب ج و، اب ء ہ، اب ء و، اب ہ و، اج ء و، اء ہ و، ب ج ء ہ، اج ء و، اج ہ و، ب ج ء و، ب ج ہ و، ب ء ہ و، ج ء ہ و،

عہ۴: اب ج ء ہ، اب ج ء و، اب ج ہ و، اب ء ہ و، اج ء ہ و،

عہ۵: اب ج ء ہ و ۱۲ منہ غفرلہ۔

عہ۶: ص ۱۳۳۸/ ۱۲ منہ غفرلہ۔

(۲) مصدریتیوں میں ہماری تقریر سن چکے، اب عقول غیر متناہیہ موجودہ بالفعل لازم آئے گی، پھر کیا جائز ہے کہ اس کا مبدء عقل واحد باعتبار جہات نامحصور ہو آخر میں خود رد فرمایا کہ واقع (عہ) کا کام جائز سے نہیں چلتا۔

اقول: یعنی وہ جہات بتائے اور اگر وہ طریقہ لیجئے کہ ابھی ہم نے رابعًا میں کہا تو عقل ثانی کو سرے سے پان رخصت دینا ہوگا۔

سادسًا اقول: اس اشد ظلم کو دیکھئے کہ عقل اول میں اس کا امکان ایک جہت ایجاد رکھا حالانکہ امکان جہت افتقار فی الوجود ہے نہ کہ جہت افاضہ وجود، بہر حال وہ نہیں مگر ایک مفہوم سلبی، تو سلوب غیر متناہیہ کہ اغیار غیر متناہیہ کے اعتبار سے باری عزوجل کے لیے ہیں کیوں نہ جہات ایجاد ہوسکے حالانکہ مناسبت ظاہر ہے کہ موجِد و موجَد میں تغایر قطعًا لازم، تو جب تک موجد پر سلب موجد نہ صادق ہو ایجاد ممکن نہیں۔

سابعًا اقول: خود بھی صفات الٰہیہ کے قائل ہیں اگرچہ عین ذات کہیں فرق اعتباری سے تو مفر نہیں تو قطعًا لابشرط شیئ وبشرط شیئ کے دونوں مرتبے یہاں بھی تھے۔ عقل میں اگر اعتبارات سے بشرط شیئ کا مرتبہ ہے تو نفس ذات سے لابشرط شیئ کا کیا نہیں، اگر اسے لابشرط شیئ کے مرتبے میں لو وہ بھی واحد محض رہ جائے گی اور اس سے صدور کثرت محال ہوگا، اس شدید بے ایمانی کو دیکھئے کہ دونوں طرف دونوں مرتبے ہوتے ہوئے عقل میں بشرط شے کا مرتبہ لیا کہ اسے قادر بنائیں اور واجب میں لابشرط شیئ کا کہ معاذاللہ اسے عاجز ٹھہرائیں۔

ثامنًا اقول: خود کہتے ہو کہ صدور بے مصدریت ممکن نہیں یعنی فاعل میں وہ خصوصیت جس سے معلول میں موثر ہو اور اس خصوصیت کو وحدت محضہ فاعل کا منافی نہیں جانتے کہ ممکن کہ عین ذات ہو ولہذا واحد محض سے صدور واحد جانتے ہو اب کیوں نہیں جائز کہ واجب تعالٰی میں وہ خصوصیت اس کا ارادہ ازلیہ جسے تم عین ذات کہتے ہو فرق اعتباری اس مصدریت و خصوصیت کو کیا نہ تھا۔ یقینًا وہ حیثیت بھی ذات من حیث ھی ھی کے علاوہ تھی یہ وہی تو ہے اور تمام عالم کے ایجاد کو اس کا یہی ارادہ ازلیہ اجمالیہ کافی تکثر مرادات سے ارادہ متکثر نہ ہوجائے گا۔ جیسا کہ اس کا علم اجمالی واحد بسیط مانتے ہو اور پھر جمیع معلومات کو محیط مکثر معلومات سے

عــــہ: یہ جواب بنگاہ اولین خیال میں آیا تھا کہ تمام بحث ختم کرکے آخر میں خود علامہ نے اس کی طرف ایماء کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

اس میں تکثر نہ ہوا "فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ "[1] (پھر کہاں اوندھے جاتے ہو۔ت)

تاسعًا اقول: خود ہزاروں چیزیں عنایت الٰہیہ کی طرف نسبت کرتے ہو، افلاک میں جوف افلاک میں پرزے تداویر کواکب وغیرہ وغیرہ یہ تکثر اضافات عنایت الٰہیہ کا مکثر اور وحدت محضہ پر موثر باصدور کثیر عن الواحد کا موجب ہوا یا نہیں، اگر نہیں تو ارادہ میں کیوں ہوگا، اور اگر ہاں تو تم خود مان چکے "فَاَنّٰی تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ "[2] (پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔ت)

عاشرًا اقول: حقیقت امر یہ ہے کہ مرتبہ وحدت محضہ مرتبہ ذات ہے اور مرتبہ ذات میں ایجاد ایجاب ہے اور باری عزوجل ایجاب سے منزہ، وہ فاعل بالایجاب نہیں بلکہ خالق بالاختیار ہے، اور خلق بالاختیار ارادہ وعلم وقدرت پر موقوف وہ تو نہیں مگر مرتبہ صفات میں اور مرتبہ صفات اس وحدتِ محضہ کا مرتبہ نہیں "فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ "[3] (تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔ت)

حادی عشر اقول: : یہ تو ہمارے طور پر تھا لیکن تمہارے قضیہ نامرضیۃ الواحد لایصدر عنہ الاالواحد خود ہی تمہارے طور پر باطل و متناقض ہے کلام موثر من حیث ھو موثر یعنی موجود مفیض وجود میں ہے اور ایجاد وجود خارجی سے مشروط، جو خود موجود نہیں محال ہے کہ دوسرے پر افاضہ وجود کرے اس کا فاعل وموجد بنے، نیز وہ خصوصیت درکار جس کا نام مصدریت رکھا ہے تو ذات وتقرر ووجود وتعیین اور وہ خصوصیت سب قطعًا اس میں ملحوظ ہیں کہ بے ان کے موجد ہونا محال تو موثر من حیث ھو موثر کا واحد محض ہونا محال، اور تم نے اسے ایسا ہی فرض کیا وصف عنوانی کے حکم ضمنی میں نقیضین کو جمع کرلیا یعنی وہ واحد محض کہ ہرگز واحد نہیں اس سے ایک ہی شیئ صادر ہوگی۔ ایسا جامع نقیضین خود ہی محال ہے نہ کہ اس سے کسی شے کے صدور وعدم صدور کی بحث نہ کہ اس سے صدور واحد کی تجویز تو استثناء کا حکم صریح بھی باطل۔

ثانی عشر اقول: ویسا واحد اگر ہوگا عـــہ بھی تو نہ ہوگا مگر ظرف خلط وتعریہ میں کہ خارج میں

عـــہ اس تحقیق کی طرف اشارہ ہے جس کی طرف ابھی ایماء ہوا کہ موضوع میں نفس ذات من حیث ھی ھی ملحوظ نہیں بلکہ من حیث التاثیر جو امور شرائط تاثیر ہیں سب ملحوظ ہیں اگرچہ لحاظ اجمالی میں تفصیل ملتفت الیہ نہ ہو جیسے وجود نہار کا لحاظ یقینًا طلوع شمس کا لحاظ ہے۔ اور بارہا اس وقت ذہن میں اس کی طرف التفات نہیں ہوتا۔ ذہن اگرچہ ہرگونہ غلط وتعریہ کا ظرف ہے مگر دونوں کو جمع نہیں کرسکتا۔ جب موثر من حیث ھو موثر کا لحاظ ہوا یہ خلط ہے پھر تعریہ کہاں تو ایسا موضوع ذہن میں بھی نہیں ہوسکتا۔ اگر نفس ذات کا لحاظ کروگے تو وہ یہ موضوع ہوگا قضیہ بدل جائے گا۔ (۱۲منہ)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۵ و ۱۰/ ۳۴ و ۳۵/ ۳ و ۴۰/ ۶۲

[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۲ و ۳۹/ ۶

[3] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۹

موثر من حیث موثر کا شرائط ایجاد سے انفکاک بداہۃً محال، تو تمہارے دعوی کا حاصل یہ ہوا کہ اس موجود ذہنی سے ایک ہی صادر ہوگا یہ **اوّلاً**: مبحث سے بے گانہ **ثانیاً**: خود جنون کہ موجود ذہنی ایک شیئ کا بھی موجود نہیں ہو سکتا۔ تو الا الواحد کہنا حماقت خصوصًا حضرت عزت عزت عزتہ کہ ذہن میں آنے سے متعالی ہے ذہن میں نہ ہوگی مگر کوئی وجہ بعید وہ کیا صالح ایجاد ہے تو حاصل ہوا کہ جس سے ایجاد منفی ہو وہ الہ نہیں اور جو الہ ہے اس سے نفی ایجاد کثیر کی کوئی نہیں پھر عقول کو فاعل و خالق ماننا کیسا صریح جنون ہے کہ وہ اسی ضرورت باطلہ کے لیے اوڑھا گیا تھا جس کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا۔ طرفہ یہ کہ انہیں مان کر بھی ان کی خالقیت نہیں بنتی جس کے روشن بیان سن چکے تو مجنون ہو کر بھی نجات نہ ملی، "**وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِیْنَ**"[1] (اور ظالموں کی یہی جزا ہے ت) **الحمد للہ**! فلسفہ مزخرفہ کی الٰہیاتِ باطلہ سے انہیں دو مسئلوں کا رد تمام ارکان فلسفہ کو متزلزل کر گیا۔ اب ان کے ہاتھ میں نہ رہا مگر چند اوہام، خیالاتِ خام یا حساب و ہندسہ و ریاضی کے متفق علیہ احکام یا ہیأت کے وہ مسائل و نظام جن کو شرع مطہر سے مخالفت نہیں۔ لہٰذا ان میں خلاف کی حاجت نہیں۔

وذلك فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لایشکرون، رب اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علی وعلٰی والدی وان اعمل صالحا ترضاہ واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیك وانا من المسلمین والحمد لله ربّ العلمین	یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اے میرے رب! میرے دل میں ڈال کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کی اور میں وہ کام کروں جو تجھے پسند آئے اور میرے لیے میری اولاد میں صلاح رکھ میں تیری طرف رجوع لایا، اور میں مسلمان ہوں، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

مقام سوم

فلک محدد جہات نہیں۔ اقول: اس پر روشن دلیل مقام ۶ میں آتی ہے یہاں نفس تحدید پر کلام کریں۔ دلیل ۸۰ میں گزرا کہ فوق و تحت میں صرف ایک کی تحدید ضروری ہے۔

[1] القرآن الکریم ۵/ ۲۹

تحت یقیناً مرکز زمین سے محدود، اب فوق کے لیے تلاش تحدید جزاف ومردود۔ فلسفہ قدیمہ نے یہاں یہ حیلہ تراشی ہے کہ جہت فوق موہوم نہیں عـــہ۱ بلکہ موجود ہے اور عالم میں جو موجود ہے ضرور محدود ہے وجود فوق پر دود لیلیں عـــہ۲ دیتی ہے۔

اوّل: تحت کی طرح فوق بھی مطلوب بعض اجسام ہے اور معدوم مطلوب نہیں ہوتا۔

اقول: ہر ثقیل بقدر ثقل تحت حقیقی سے طالبِ قرب ہے اور ہر خفیف بقدر خفت اس سے طلبِ بعد اور اس سے بعد ہی علو ہے، یوں ہر خفیف طالب فوق ہے نہ یہ کہ فوق کوئی خاص شیئ متعین ہے خفیف کو جس کی طلب ہے اور یہ انہیں فلسفیوں کے اس مذہب عـــہ۳ پر اظہر کہ ہوا کا حیز طبعی مقعر کرہ نار ہے تو ہوا اپنی خفّت بھر تحت حقیقی سے طالب بعد ہی رہی نہ کہ کسی ایسے فوق کی۔

عـــہ۱: اعترضه فی شرح حکمة العین بأن الجهة نهایة امتداد الاشارة والامتداد موهوم فلا یکون طرفه الاموهوما[1] **اقول:** لم یفرق بین ماتنتهی الاشارة الیه وما تنتهی به الطرف هوالثانی والجهة من الاول الاتری انا اذا اشرنا الی زید فانما انتهت اشارة الی زید ولیس طرفها بل طرفها نقطة موهومة اخر ذلك الخط الموهوم ۱۲منه

اس پر شرح حکمۃ العین میں اعتراض کیا ہے کہ جہت تو امتدادِ اشارہ کی نہایت کو کہتے ہیں اور امتداد موہوم ہے، لہٰذا اس کی طرف بھی موہوم ہی ہوگی۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) اس نے فرق نہیں کیا درمیان اس کے جس تک اشارہ کی انتہا ہوتی ہے اور درمیان اس کے جس پر اشارہ کی انتہا ہوتی ہے۔ طرف ثانی جب کہ جہت اول کا نام ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب ہم زید کی طرف اشارہ کریں تو زید تک اشارہ کی انتہا ہوجاتی ہے حالانکہ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ طرف تو وہ موہوم نقطہ ہے جو اس موہوم خط کا آخر ہے۔ (ت)

عـــہ۲: یہ دونوں وجہیں اثیر ابہری کی کتاب میں تھیں پھر اس کے تلمیذ کاتبی کی حکمۃ العین میں بھی ملیں، یہاں شراح ومحشین نے جو نقض وابرام کیے ہم ان کی نقل وتزییف سے تطویل نہیں چاہتے ۱۲منہ۔

عـــہ۳: جونپوری نے شمس بازغہ میں اسی کو اختیار کیا ورنہ اجسام حیز میں مشترک ہوجائیں ۱۲منہ۔

[1] شرح حکمۃ العین

جس سے فوق نہیں اور جب ہوا میں یہ ہے یہی نار میں ہوگا وہ اس سے اخف ہے لہٰذا اس سے زیادہ بعد عن التحت کی طالب ہے وبس، اور اس پر انہیں فلاسفہ کے اصول سے یہ اصل شاہد کہ وجود میں تعطیل نہیں طبیعت کا دوامًا اپنے کمال سے محروم رہنا محال، ظاہر ہے کہ اگر فوق حقیقی محدب فلک الافلاک ہو اور نار اس کی طلب اور افلاک پر خرق محال تو نار دائمًا اپنے کمال سے محروم رہے۔ بلکہ جملہ عناصر سوا اس ذرہ زمین کے جو مرکز پر منطبق ہے کہ دو طالب محدب ہیں دو طالب مرکز اور اپنے مطلوب تک اس ذرے کے سوا کوئی نہ پہنچا۔

دوم: فوق کی طرف اشارہ حسیہ ہوتا ہے:

اقول: اگر یہ مراد کہ اس اشارے سے کسی شیئ خاص کو بتایا جاتا ہے جس پر اس اشارے کا روک دینا مقصود مشیر ہوتا ہے **تو اولا** اول نزاع ہے۔

ثانیًا: ہرگز یہ امر اشارہ کرنے والوں کی خیال میں بھی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خاص سطح کو بتا رہے ہیں۔

ثالثًا: بلکہ فوقیت کا زور کہیں رک جانا ان کے خیال کے خلاف ہے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تحت سے جتنا بھی بعد ہو سب فوق ہے نہ کہ ایک بعد معین پر جا کر فوقیت تمام ہو گئی۔ اور اسلامی اصول پر تو اس کا بطلان اظہر من الشّمس ہے قدرتِ ربانی محدود نہیں وہ قادر ہے کہ فلک الافلاک کے اوپر کوئی جسم پیدا کرے بلکہ عندالتحقیق واقع ہے فلک اطلس سے اوپر کرسی اس کے اوپر حاملانِ عرش ان سے اوپر عرش مجید، جیسا کہ امام المکاشفین شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات میں تصریح فرمائی اور یہ زعم کہ کرسی فلک البروج کا نام ہے اور عرش فلک اطلس کا بشہادت احادیث مردود ہے۔

رابعًا: بعینہٖ ان کی تقریر اتصال وانفصال میں جاری ہر ذی شعور منافر [عہ] سے انفصال کا طالب ہے اور بے شک اس کی طرف اشارہ حسیہ ہوسکتا ہے کہ اس طرف اتصال اور

[عہ]: **اقول:** غیر شاعر اشیاء میں بنظر ظاہر پارہ اس کی مثال ہوسکتا تھا کہ آگ سے انفصال کا طالب ہے مگر ہم نے رسالہ میں تحقیق کیا ہے کہ یہ پارے کا فعل نہیں بلکہ آگ کا، اس کا کام تصعید رطوبات ہے جیسے پانی گرم کرنے میں اجزائے مائیہ کو بخار میں اڑاتی ہے اور پارے کے اجزائے رطبہ ویابسہ کی گرہ ایسی محکم ہے کہ آگ سے نہیں کھلتی ناچار رطوبات ویسی ہی گرہ بستہ اڑتی ہیں۔ ۱۲ منہ

اس طرف انفصال ہے اگرچہ اشارہ ایک طرف ہوگا۔ اور انفصال سب طرف ہے جیسے فوق کا اشارہ ایک طرف ہوتا ہے اور وہ ہر جانب ہے اب چاہیے کہ کوئی جسم کری اتصال وانفصال کا محدود بھی ہو اور ہر جسم سے اتصال وانفصال کے حدود جدا ہوں گے، تو ہر ذرے کے اعتبار سے ایک کرہ محدود چاہیے جس کا مرکز وہ ذرہ ہو جس سے تحدید اتصال ہے اور محیط سے تحدید انفصال اور بنے گی جب بھی نہیں کہ جب ان کروں کے مرکز مختلف ہیں محدب ایک نہیں ہوسکتا اور بعض محیط بعض سے ابعد ہوں گے، تو انفصال آگے بڑھا اور تحدید نہ ہوئی۔ کلام یہاں طویل ہے اور عاقل کو اسی قدر کافی۔

مقام چہارم

قسر کے لیے مقسور میں کوئی میل طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں، فلاسفہ کا زعم ہے کہ قسری نہ ہوگا مگر طبعی (عہ۱) کے

عـــہ: عبر من دعواھم ھذہ فی الھدیۃ السعیدیۃ بان الذی لیس فیہ مبدء میل طباعی لا یمکن ان یتحرک بقسر[1] **اقول**: وھو خطاء فان مقصود ھم بھذا احالۃ القسر علی الفلك مع ان فیہ میلًا طباعیًا فالصواب☆ فی التعبیر مبدء میل طبعی وھذہ ھی دعواھم ان لا قسر حیث لا طبع وان کان ثمہ طباع ۱۲منہ غفرلہ

ان کے اس دعوی کو ہدیہ سعیدیہ میں یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ جس میں میل طباعی کا مبدا نہ ہو اس کا حرکت قسری کرنا ممکن نہیں، **اقول**: (میں کہتا ہوں) یہ غلط ہے کیونکہ ان کا مقصد اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ فلک پر قسر محال ہے باوجود یہ کہ اس میں میل طباعی موجود ہے لہٰذا درست یہ ہے کہ مبداء میل طبعی کے ساتھ تعبیر کیا جائے اور یہی ان کا دعوی ہے کہ جہاں طبع نہیں وہاں قسر نہیں اگرچہ وہاں طباع موجود ہو۔ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

☆ اس لیے کہ طبعی بسوئے طبیعت منسوب ہے اور طباعی بسوئے طباع اور اصطلاحات طبیعت میل غیر ارادی کے مبداء کو کہتے ہیں اور طباع عام ہے کہ میل ارادی اور غیر ارادی دونوں کے مبدء کو شامل، نظر براہ ہدیہ سعیدیہ کی عبارت سے یہ ثابت ہوگا کہ جس میں میل ارادی دونوں کا مبدء نہ ہو اس کا تحرک بالقسر ممکن نہیں اس سے فلک کے تحرک بالقسر کی نفی نہ ہوگی کہ اس میں میل ارادی کا مبدء موجود ہے یعنی اس کا نفس لہٰذا صحیح یہی ہے کہ مبدء میل طباعی کی جگہ مبدء میل طبعی کہا جائے ۱۲الجیلانی۔

---

[1] الھدیۃ السعیدیۃ فصل فی ان الجسم الذی لا میل فیہ بالقوہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۴

خلاف، ولہذا فلک پر قسر نہیں مانتے کہ اس میں کوئی میل طبعی نہیں جانتے۔

اقول: یہ باطل ہے **اولاً:** حکیم بننے والوں نے معنی لغوی پر لحاظ کیا کہ قسر جبر واکراہ سے خبر دیتا ہے اصطلاح بھول گئے جس کا مبدء خارج سے ہو سب قسری ہے اور جو کچھ نہ مقتضائے طبع ہو نہ مراد متحرک، یقیناً اس کا مبدء نہ ہوگا، مگر خارج سے تو قسر کو صرف اقتضاء درکار نہ کہ اقتضاء عدم ورنہ یہ صورت خارج رہ کر تین میں حصر [عہ] باطل کرے گی۔ اگر کہیے صرف عدم اقتضاء متصور نہیں کہ ہر جسم میں کوئی میل ضرور۔

اقول: عنقریب آتا ہے کہ یہ کلیہ اسی مقدمہ باطلہ پر مبنی تو اس کی اس پر بنا صریح مصادرہ و دور ہے۔

ثانیاً: فرض کردم کہ اقتضائے عدم ہی ضرور اس کے لیے اتنا بس کہ فعل قاسر کا نہ ہونا چاہیے، یہ کیا ضرور ہے کہ اس کے خلاف کسی دوسرے فعل کا تقاضا ہو اور میل تقاضائے فعل ہے۔

ثالثاً: مانا کہ تقاضائے فعل خلاف ہی ضرور مگر یہ کہاں سے کہ اس کی مقتضی نفس طبیعت ہو۔ کیا ارادہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے نزدیک افلاک میں میل طبعی نہیں ان کی حرکت ارادیہ ہے اب جس جہت کو وہ حرکت چاہتا ہے اگر اس کے خلاف یہ حرکت وضعیہ ہی دی جائے (کہ فلک پر حرکت مستقیمہ جائز ہونے نہ ہونے کا جھگڑا پیش نہ آئے) کیا یہ قسر نہ ہوگا، قطعاً ہوگا، حالانکہ میل طبعی نہیں ہم عنقریب ثابت کریں گے کہ فلک پر قسر جائز فلاسفہ اپنے زعم مذکور پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں، ہمارے اس بیان سے دونوں رَد ہو گئیں۔ ایک یہ کہ جسم پر قاسر قوی کا اثر زائد ضعیف کا کم ہونا بدیہی ہے، تو یہ نہیں مگر اس لیے کہ مقسور قاسر کی مزاحمت کرتا ہے، ضعیف پر غالب آتا ہے قوی سے مغلوب ہو جاتا ہے اور یہ مزاحمت نفس جسمیت سے نہیں تو ضرور جسم کے اندر کوئی اور چیز ہے کہ قاسر کی مزاحمت کرتی اور مکان یا وضع کی محافظت چاہتی ہے یہی میل طبعی ہے، یہ دلیل ان کی شیخ ابن سینا نے دی۔

اقول: اولاً: مزاحمت اقتضائے خلاف فعل ہے نہ کہ اقتضائے فعل خلاف اور محافظت طلبِ سکون نہ کہ طلبِ حرکت جو شان میل ہے۔

عہ: یعنی حرکت کے تین اقسام طبعی، ارادی قسری میں کہ بر تقدیر اقتضائے عدم صورت عدم اقتضاء کسی میں داخل نہیں۔ ۱۲ الجیلانی۔

ثانیًا: مزاحمت و محافظت ارادے سے بھی ہو سکتی ہے، طبعًا ہی کیا ضرور قاسر کا قوی ہونا اس کے ارادہ مزاحمت کا کیا مانع ہے اگرچہ جانے کہ منتج نہ ہوگی، جیسا کہ بارہا مشہود ہے۔

ثالثًا: مانا کہ طبیعت ہی سے لازم پھر کیا محال ہے کہ بعض اجسام میں بالطبع سکون کا اقتضاء اور حرکت سے مطلقًا ابا ہو، اب جو اسے حرکت دے گا ضرور خلاف مقتضائے طبع ہوگی اور میل نہیں بلکہ اس کی مزاحمت میل طبعی سے وسیع تر ہوگی میل طبعی تو صرف جہت خلاف ہی کی مزاحمت کرے گا اور یہ ہر جہت کی اب اس کا انکار پھر اسی طرف جائے گا کہ ہر جسم میں تقاضائے حرکت لازم اور یہ وہی دور و مصادرہ ہے۔

رابعًا: مطلقًا حرکت سے اباء بھی ضرور، صرف اس حرکت سے انکار چاہیے جو قاسر دینا چاہے اور یہ افلاک میں یقینًا موجود، ہم مقام ۱۴ میں ثابت کریں گے کہ ہر فلک کا حیز طبعی وہ وضع خاص ہے جس پر وہ ہے کہ اس تک اشارہ حسیہ اس حد تک محدود ہوتا ہے، جب یہ اس کا حیز طبعی ہے تو وہ ضرور یہاں طالبِ سکون ہے اور جو اسے یہاں سے ہٹائے اس کی مقاومت کرے گا۔ قسر کو اسی قدر درکار۔

خامسًا: ان لوگوں کی تمام سعی ملمع کاری و مغالطہ شعاری ہے۔ اثر قسر کا اختلاف دو سبب سے ہے، قوت قاسر کا تفاوت کہ فاعل قوی کا فعل اقوی ہوگا اور قوت مکسور کا فرق کہ مقابل قوی پر اثر کم ہوگا۔ وہ اختلاف کہ جانب فاعل میں ہے جانب مقابل کی کسی حالت پر موقوف نہیں ان کی قوتوں کا فی نفسہ متفاوت ہونا موجب تفاوت اثر ہے کیا اگر مقسور مزاحمت نہ کرے تو فاعل قوی و ضعیف اثر میں برابر ہو جائیں گے یہ بھی اسی بداہت کے خلاف ہے اور خود فلسفہ کو اس کا اعتراف عـــہ ہے پتھر کہ بقوت اوپر سے نیچے پھینکا جائے بلاشبہ اس حالت سے جلد متحرک ہوگا۔

عـــہ: جونپوری نے فصل تقسیمات حرکت میں کہا:

قد تکون حرکۃ الی غایۃ طبیعۃ لکن لاعلی الطبیعۃ وحدھا کحرکۃ الحجر المرمی الی اسفل علی خط مستقیم بحیث لایصدر مثلھا عن طبیعۃ الحجر وحدھا[1]۔

کبھی حرکت غایتِ طبیعت کی طرف ہوتی ہے مگر وہ تنہا طبیعت پر مبنی نہیں ہوتی جیسے خط مستقیم پر نیچے کی طرف پھینکا ہوا پتھر، اس لیے کہ اس کی مثل تنہا پتھر کی طبیعت سے صادر نہیں ہوتی۔ (ت)

---

[1] الشمس البازغۃ فصل حرکۃ الشیئ ذاتیۃ لہ مطبع علوی لکھنؤ ص ۱۲۳

کہ خود آئے کہ اب اس میں میل خارجی و داخلی دونوں جمع ہیں اور شک نہیں کہ رمی جتنی قوت سے ہوگی اس سرعت میں زیادت ہوگی اور طبیعت حجر میں نیچے جانے کی مزاحمت نہیں بلکہ اقتضا ہے، اور یہ بھی نہیں کہ کسی حد معین پر اقتضا اور زائد سے اباء ہو۔ بلکہ بمقتضائے طبع اسرع اوقات میں حصول مطلوب ہے تو ظاہر ہوا کہ فاعل کی مختلف قوتوں کا اثر مختلف ہونا مزاحمت پر موقوف نہیں البتہ وہ اختلاف کو جانب قابل سے ہے اس کی مزاحمت سے ہے قوی زیادہ مزاحم ہوگا اور ضعیف کم اب **اوّلاً:** ان کے شیخ کی چالاکی دیکھئے قوت و ضعف جانب فاعل لیے کہ قاسر قوی و ضعیف اور اس پر حکم جانب قابل کا لگادیا کہ یہ نہیں مگر مزاحمت مقسور سے یہ صریح باطل ہے جانب فاعل کا اختلاف ہرگز مزاحمت مقسور سے نہیں ان کی قوتوں کے ذاتی اختلاف سے ہے۔

ثانیاً: اس تقدیر پر کیا محال ہے کہ مزاحمت نفس جسم سے ہو، یہ کہنا کہ ایسا ہو تو کوئی جسم اثر قسر قبول نہ کرے۔

اقول: جہل محض ہے مغلوب ہو کر قبول لینا کیا منافی مزاحمت ہے مبدء میل طبعی بھی تو قبول کرلیتا ہے حالانکہ مزاحم ہے اگر کہیے قبول وعدم مختلف ہوتے ہیں اور میل مختلف ہیں اور جسمیت سب میں یکساں۔

اقول: یہ اس اختلاف میں کلام جو جانب قابل سے ہے اور تمہارا شیخ اس اختلاف میں چانہ زن [عہ] ہے جو جانب فاعل سے ہے اور اگر کہیے ہم نے اسے چھوڑا اب ہم جانب قابل ہی میں کلام کریں گے۔ ظاہر ہے کہ مقسور اقوی پر اثر کم ہوگا اضعف پر زائد، اور یہ نہیں مگر ان کی مزاحمت اور جانب جسمیت سے نہیں کہ سب میں یکساں لاجرم ان کی طبیعت سے ہے۔ اسی کا نام میل طبعی ہے۔

اقول: اوّلاً: وہی ایراد کہ مزاحمت حفظ وضع واین کے لیے ہے اور وہ سکون سے ہے نہ میل و طلب حرکت سے۔

ثانیاً: کیا محال ہے کہ بعض طباع کا مقتضی سکون ہو۔

ثالثاً: ہاں طبیعت سے ہے اور میل نہیں ہم ثابت کرچکے کہ افلاک کو اپنے حیز میں بالطبع حرکت اینیہ سے اباء ہے اور یہ میل نہیں۔

رابعاً: اب مقسور قوی وضعیف کے معنی پوچھے جائیں گے۔ اقوی یہ نہیں کہ جثہ بڑا ہے،

عہ: یعنی بکواس کرنے والا ۱۲ الجیلانی۔

روئی اور لوہے کو نہ دیکھا۔ اب قوی یا تو وہ ہے جس میں مزاحمت زیادہ ہو، تو حاصل یہ ہوا کہ جس کی مزاحمت زائد اس کی مزاحمت زائد یہ نیم جنون ہے، یا وہ جس میں میل زیادہ ہو یا جس میں معاوق داخلی اکثر ہو یہ مصادرہ علی المطلوب ہوگا۔

خامسًا: بہر حال اقوی واضعف کا ذکر لغو ہوگا۔ اور حاصل اتنا رہے گا کہ اجسام قاسر کی مزاحمت کرتے ہیں اور یہ ان کے میل طبعی سے ہے یہ قضیہ اگر کلیہ ہے تو باطل کیا دلیل ہے کہ ہر جسم قاسر کی مزاحمت کرتا ہے بعض میں مشاہدہ استقرائے ناقص ہے اور اگر مہملہ ہے تو ضرور صحیح مگر مہملہ عہ ہے دلیل دعوی سے خاص ہو گئی اس سے ثابت بھی ہوا تو اتنا کہ بعض مقسوروں میں میل طبعی ہے نہ کہ بے میل طبعی قسر ممکن ہی نہیں یہ ہیں وہ وجوہ جن کے سبب تمہارے شیخ نے اختلاف قوت مقسور چھوڑ کر اختلاف قوت قاسر لیا مگر بات بے اختلاف مقسور بنتی نہ پائی۔ لہٰذا جو اس کا حکم تھا وہ اس کے سر دھر دیا یہ ہے تمہارا تفلسف۔

شبہ دوم: جس جسم میں معاوق داخلی نہ ہو لاجرم وہ بقسر قاسر ایک مسافت ایک زمانہ معین میں طے کرے گا اور جس میں معاوق ہے اسی قاسر کے قسر سے اس سے زیادہ دیر میں فرض کرو۔ دو چند میں اب اسی قاسر کی تحریک ایک ایسے جسم کو لو جس میں معاون اس سے نصف ہے ضرور ہے کہ اس سے نصف دیر میں طے کرے گا کہ محرک و مسافت متحد ہیں تو فرق نہ ہوگا مگر نسبت معاوقت پر تو حرکت مع معاوق حرکت بلا معاوق کے برابر ہو گئی اسے بہت طویل بیان کرتے ہیں جسے ہم نے ملخص کیا

(رد) تمام اعتراضوں سے قطع نظر ہو تو معاوق ہی تو درکار اس کا میل طبعی میں کب انحصار۔

مقام پنجم

خلا محال نہیں، فلاسفہ مقام سابق کی اسی دلیل دوم کو اثبات معاوق داخلی یعنی میل طبعی میں پیش کرتے ہیں جس طرح سن چکے اور اسی کو اثبات معاوق خارجی یعنی ملا واستحالہ خلا میں لاتے ہیں کہ اگر خلا ہو تو اس میں حرکت ایک حد تک ایک زمانہ معین میں ہوگی اور ایک جسم ایک ملا میں اتنی ہی مسافت چلے ضرور ہے کہ خلا والے سے دیر میں چلے گا کہ ملا اس کا معاوق ہے فرض کرو دو چند میں اب وہ ملا لیجئے جس کی معاوقت پہلے ملا سے نصف ہو تو نصف ہو تو ضرور ہے کہ اس سے

عہ: یعنی مہمل کہ غیر مفید ہے ۱۲ الجیلانی۔

نصف دیر میں چلے گا تو حرکت مع معاوق بلا معاوق کے برابر ہو گئی حالانکہ دونوں جگہ صرف معاوق درکار، پہلی صورت میں معاوق خارجی مثل ملا کافی تو قسر کے لیے ضرورت میل طبعی ثابت نہیں اور دوسری میں معاوق داخلی مثل میل کافی تو استحالہ خلاف ثابت نہیں، غرض وہاں معاوق خارجی کو بھولتے ہیں اور یہاں داخلی کو یہ ہے ان کا تفلسف فلاسفہ کے لیے استحالہ خلا میں دو واہی شبہے اور ہیں کہ مواقف میں مع رد مذکور میں اور زر نقات و سر نقات ؏ اگر ثابت ہوگا تو استحالہ عادیہ نہ عقلیہ ان کی بڑی دستاویز یہی شبہ مردودہ تھا اس پر بھی زیادہ کلام کی حاجت نہیں کہ خود ان کے بڑے خونگرم حامی متشدق جونپوری نے شمس بازغہ میں اگرچہ ابوالبرکات بغدادی کے اعتراض کو نہایت سقوط میں بتایا مگر اسی سے اخذ کرکے دونوں مقاموں میں فلاسفہ کا جہل واضح ہو روشن کر دیا ہے اور دونوں جگہ دلیل کا ناتمام ہونا صاف مان لیا ہے پھر بھی دونوں دعوؤں پر فصلیں عقد کرتا اور انہیں مردود باتوں پر لاتا ہے۔ یونہی اور مواضع مردودہ میں بااینہمہ خطبہ میں ادعا کرتا ہے کہ اس کی کتاب حکمتِ حقہ حقیقیہ یقینیہ کے بیان میں ہے جس کا اتباع واجب، معاذ اللہ اسی خرافاتِ مطرودہ اور ان سے بدتر کفریات مردودہ کو جن میں سے بعض کا بیان آتا ہے قرآن عظیم ٹھہرا دیا۔ "زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ"[1] ان کے برے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے ہیں۔ (ت)

مقام ششم

حیز شکل مقدار اور جتنی چیزیں جسم کے لیے فی نفسہ ضروری ہیں کہ جسم کا ان سے خلو نامتصور ان میں بھی کسی شیئ کا جسم کے لیے طبعی ہونا کچھ ضرور نہیں، فلسفی ضرور جانتا، اور اس پر دلیل یہ دیتا ہے کہ جب جسم کو بعد وجود اس کی طبیعت پر چھوڑا جائے جتنے امور خارجیہ سے خالی ہو سکتا ہے خالی فرض کیا جائے ضرور اس تقدیر پر بھی کسی حیز میں نہ ہونا محال اور معًا سب چیزوں میں ہونا محال لاجرم [۱] کسی حیز خاص میں ہوگا۔ اب مطلق جسم تو مطلق حیز [۲] کا طالب تھا اس خصوص کے لیے کوئی مقتضی درکار وہ کوئی امر خارج نہیں ہو سکتا کہ اس سے خلو مفروض نہ فاعل کہ بے اس کے اگرچہ

؏: یہ دونوں مسودہ میں ایسے ہی لکھے ہیں پڑھنے میں نہیں آئے۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

وجود متصور نہیں۔ مگر اس کی نسبت سب چیزوں کی طرف یکساں ہے تو اس سے بھی تعیین نہیں ہوسکتی نہ صورت جسمیہ کہ سب میں مشترک ہے نہ ہیولے کہ قابل محض ہے نہ کہ مقتضی، نیز وہ خود متحیز ہی نہیں یہ بتبعیت صورت تحیز پاتا ہے، لاجرم یہ خصوصیت کسی اور شیئ داخل جسم کا اقتضاء ہے اسی کا نام طبیعت ہے تو یہ حیز طبعی ہوا کہ اگر قسرًا اس سے جدا ہو بعد زوال قسر بالطبع اس میں پھر آجائے یونہی شکل و مقدار وغیرہا اشیائے لازمہ۔

اقول: اوّلًا: ہویت باقی رہی مطلق جسم نے مطلق حیز چاہا هذیة هذیة چاہے گی۔ اگر کہیے هذیة فرد منتشر چاہے گی کہ خاص کا کسی میں ہونا ضرور خاص، یہ خاص کس لیے۔

اقول: مطلق هذیة فرد منتشر چاہے گی اور هذیة خاصہ فرد متعین، اگر کہیے اس هذیة کو اس خاص سے کیا مناسبت کہ خاص اسی کو چاہا۔

اقول: اوّلًا: علم مناسبت کیا ضرور مقتضیات طبیعت میں بہت جگہ ادراک مناسبت سے عقول دانیہ قاصر، بعض کا ذکر عنقریب آتا ہے۔

ثانیًا: ترجیح کے لیے قربِ خاص یہی خاص اقرب تھا لہٰذا اس میں حصول ہوا اپنے طور پر زمین کے اجزاء کو دیکھئے، ڈھیلا کہ اوپر سے گرے کسی حصہ مشتقر پر نہ ہونا محال اور معًا سب حصوں میں ہونا محال، لاجرم ایک حصہ خاص میں ہوگا اس خصوص خاص کا اقتضاء ہرگز طبیعت سے نہیں اگر یہی ڈھیلا دوسری جگہ سے اترے دوسرے حصہ خاص میں ہوگا۔ تیسری جگہ تیسرے میں، وھکذا تصریح نہیں مگر قرب۔

ثالثًا: دلیل ہر جسم کے اجزاء مقداریہ سے منقوص جو جز لو اور ہر خارج سے قطع نظر کرو محال ہے کہ کسی حصہ حیز میں نہ ہو یا معًا سب میں ہو، لاجرم ایک حصہ خاصہ میں ہوگا تو وہی اس کا حیز طبعی ہوا، جیسے کل کا کل اب بسیط کے اجزاء مختلف الطبائع ہوگئے نیز لازم کہ زمین کا ڈھیلا جس جگہ سے کاٹ کر ہزاروں کوس لے جاؤ جب چھوڑو خاص اس جگہ پہنچے کہ حیز طبعی کی یہی شان ہے اگر کہیے اجزائے مقداریہ موہوم ہیں اور موہوم معدوم اور معدوم کے لیے حیز نہیں۔

اقول: اب فلک کی حرکت مستدیرہ باطل ہوگئی وضعیہ نہ ہوگی مگر تبدیل اوضاع سے اور اوضاع اصالتًا نہ ہوتے۔ مگر اجزائے مقداریہ کہ خارج سے نسبت انہیں کی لی جاتی ہے اور وہ معدوم اور معدوم کے لیے وضع نہیں۔ اگر کہیے ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور عقل حکم کرتی ہے کہ یہ حیز ایک وضع خاص رکھتا ہے جو اس حیز کے لیے نہیں۔

اقول: یہاں بھی مناشی انتزاع موجود ہیں اور عقل حکم کرتی ہے کہ یہ حیز کے ایک حصہ خاص میں ہے جس میں وہ حیز نہیں۔
رابعًا: روشن ہوچکا کہ خالق عزوجل فاعل مختار ہے پھر کوئی مخصص کیا درکار ہے یہ کہنا کہ فاعل سے تخصیص ممکن نہیں اگر مراد فاعل حقیقی عزجلالہ ہے صریح کفر ہے اور اگر حسب تحلت عــــہ فلسفی عقل فعال مراد تو غیر خدا کو موجدِ اجسام ماننا کیا کفر نہیں۔
خامسًا: جب جسم کو بلحاظ وجود فی الاعیان لیا ہے کہ اس میں وہ حیز معین کا محتاج تو تخلیہ انہیں امور سے ہوسکتا ہے جن پر وجود کو توقف نہیں ان سے خالی ہو کر وجود ہی نہ رہے گا تو وہ نحو ایجاد ـــــــــــــــــــــ جس سے وجود ہوا صالح عزل نہیں نحو ایجاد یہ ہے کہ اس حیز میں اس شکل اس مقدار پر بنایا تو اس خارج سے تخصیص اس خلو کے منافی نہیں ولہذا دلیل کو باوصف اسقاط ہر خارج نفی تخصیص فاعل کی حاجت ہوئی رہا سیالکوٹی کا کہنا کہ فاعل بحیثیت ایجاد معتبر نہ بحیثیت تخصیص حیز، اس وجہ سے اس سے تخلیہ ہے۔

عــــہ۱: بمعنی مذہب ۱۲ الجیلانی۔

عــــہ۲: حیز میں تحقیق مقام یہ کہ کل کے لیے اپنی تین وضعیں ہیں۔
(۱) وہ جس سے اس کی طرف اشارہ حسیہ ہے۔
اقول: یعنی یہ اشارہ خاصہ محدودہ کہ نہ اس سے کم پر رکے نہ آگے بڑھے ہم مقام ۱۴ میں تحقیق کریں گے کہ یہی اس کا حیز طبعی ہے تو یہ وضع مقولہ وضع سے نہیں مقولہ این سے ہے حرکت وضعیہ سے نہ بدلے گی بلکہ اینیہ سے۔
(۲) وہ کہ اس کے اجزاء واشیائے خارجیہ کی نسبت سے ہے۔
(۳) وہ کہ اجزاء کی باہم نسبت سے یہ دونوں انحائے مقولہ وضع ہیں۔
اقول: ظاہر ہے کہ دونوں **اوّلًا**: بالذات اجزاء کے لیے ہیں اور ان کے واسطے سے کل کو

مثلًا ایک کمرہ دوسرے کے اندر اس طرح ہے کہ اس کے نقطہ ا کو اس کے ج سے غایت قرب اور ح کے مقاطرء سے غایت بعد ہے اور اکے مقاطر ب کو ء سے غایت قرب اور ح سے غایت بعد ہے اور اگر یہ کرہ الٹ کر رکھا جائے تو ا کو ء سے غایت قرب اور ج سے غایت بعد ہو اور ب کو بالعکس یا وہ اس ہیات پر بنا ہے کہ اس نقطہ ا نقطہ ب وغیرہا ہر نقطے سے اتنے اتنے (باقی بر صفحہ آئندہ)

اقول: ایجاد جسم معین بے تعیین حیز خاص متصور نہیں تو ایجاد کو اس پر توقف ہے اور کسی جہت کا اعتبار ان سب کا اعتبار ہے جو اس کے موقوف علیہ ہوں ولہذا تمہیں فاعل من حیث الایجاد کے اعتبار سے چارہ نہ ہوا کہ وجود اس پر موقوف ہے۔

سادسًا وسابعًا: آئندہ دو مقام ہیں۔

مقام ہفتم

فلک الافلاک میں میل مستقیم ہے۔

اقول: اوّلًا: یہ اسی حیز طبعی کی دلیل سے ثابت ہو کر فلسفہ کی عمارتیں ڈھا گیا حیز طبعی نہیں مگر وہ کہ طبیعت جسم اس میں کون و سکون کی مقتضی ہو یعنی جسم اس میں ہے تو سکون چاہے اور باہر ہو تو عود۔ یہی مبد میل مستقیم ہے جس کا مقتضی بشرط خروج طلب عود اس کے لیے نہ وقوع عود ضرور نہ امکان عـــہ خروج کہ یہ امور اقتضا سے خارج ہیں مقدم کا امکان شرط شرطیہ نہیں، کلام اس میں ہے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فصل مخصوص پر ہے، اگر اجزا کے مواضع بدل دیئے جائیں یہ فصل بدل جائیں ان میں وضع بمعنی دوم ہی حرکت وضعیہ سے بدلتی ہے اور بمعنی سوم نہ وضعیہ سے بدلے نہ اینیہ سے جب تک اجزاء متفرق ہو کر الٹ پلٹ نہ ہوں ظاہر ہے کہ اگر اجزاء یا ان کی نسبتیں باہم امور خارجہ سے نہ ہوں تو نفس کل میں کوئی تغیر بیان ہی نہیں۔ لہذا یہ دونوں وصفیں کل کی اپنی ذاتی نہیں بواسطہ اجزا میں ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ: یہی فلسفہ اس مدعا پر کہ فلک کی محرک قوت جسمانیہ نہیں وہ دلیل لایا کہ اس قوت کا حصہ کل جسم یا بعض جس کی تحریک پر قادر ہو کل قوت بھی اس پر قادر ہوئی (تا آخر بیان مذکور تعطیل نہم) اس پر کھلے دو اعتراض تھے۔

(۱) اقول: جب قوت جسم میں ساریہ ہے تو اس کا تجزیہ نہ ہوگا مگر بہ تجزیہ جسم اور وہ تمہارے فلک پر محال تو نہ کوئی حصہ فوت ہے نہ کوئی جزو جسم جس پر دلیل چل سکے۔

(۲) قوت اسی کو حرکت دے گی جس میں حلول کیے ہے تو نہ کل قوت بعض جسم کی محرک ہوگی نہ بعض کل کی دلیل ماشی ہو یہ دوسرا خود متشدق جونپوری نے وارد کیا اور وہی جواب دیا نہ کلام محض فرض و تقدیر پر ہے کہ اگر ایسا ہو تو ان قوتوں کا اقتضاء یہ ہے یونہی یہاں ہے کہ بغرض خروج طلب عود لازم اور یہی مبدء میل مستقیم ہے۔

اس کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے یا نہیں کہ بر تقدیر خروج اسے پھر یہاں لانا چاہیے اگر نہیں تو حیز طبعی نہ ہوا اور اگر ہاں تو اسی کا نام مبدء میل مستقیم ہے تو ثابت ہوا کہ اگر ہر جسم کے لیے حیز طبعی ضرور ہے تو ہر جسم میں مبدء میل مستقیم ضرور ہے اور فلک بھی ایک جسم ہے تو ضرور وہ بھی مبد میل مستقیم رکھتا ہے۔

ثانیًا: ہم ثابت کریں گے کہ اس میں مبد میل مستدیر نہیں تو ضرور مبدء میل مستقیم کہ دونوں سے خلو محال جانتے ہیں (تبیین)

اقول: یہاں سے روشن ہوا کہ فلک محدد جہات نہیں کہ جس میں مبدء میل مستقیم ہے قابل حرکت اینیہ ہے اور حرکت اینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو تو اس سے پہلے تحدد جہات لازم، لہٰذا اس کا محدد ہونا محال۔

مقام ہشتم

فلک میں مبدء میل مستدیر نہیں۔

اقول: اوّلًا: یہ اسی مقام سابق [عہ] سے ثابت کہ فلاسفہ کے نزدیک دو مبدء میل کا اجتماع محال۔

ثانیًا: ہم ثابت کریں گے کہ فلک پر حرکت مستدیرہ محال تو ضرور اس میں مبدء میل مستدیر نہیں کہ ہوتا تو حرکت محال نہ ہوتی کہ فلک پر عائق نہیں مانتے۔

مقامِ نہم

جسم میں کوئی نہ کوئی مبدء میل ہونا کچھ ضرور نہیں، فلسفی ضروری جانتا اور اس پر دو دلیلیں دیتا ہے۔

(ا) جسم اگر حیز بدل سکے تو میل مستقیم ہوا، نہ بدل سکے تو دوسرے اجسام سے جو اس کے اجزاء کی وضع ہے خاص وہی لازم نہیں، دوسری بھی جائز تو مع ثبات حیز وضع بدلنا جائز ہوا۔ یہ میل مستدیر ہوا۔ بہر حال اگر طباعی ہے یعنی خود جسم کی طبیعت یا ارادے سے، تو اس میں مبدء میل

عہ: مقام ششم کے ثانیہ میں اس مقام کا ثانیہ ملحوظ اور اس مقام کے اوّلًا میں مقام ششم کا اوّلًا فلا دور ۱۲ منہ۔

ثابت ہوا۔ اور اگر خارج سے ہو تو ضرور جسم میں کوئی مبدء میل طبعی ہے کہ طبع نہیں تو قسر نہیں۔

(۲) حیز نہ بدلے تو وہی تقریر سابق اور بدل سکے تو ہر جسم کے لیے ایک حیز طبعی ہے جب اس سے جدا ہو ضرور ہے کہ بالطبع اسے طلب کرے یہی مبدء میل مستقیم ہے۔

اقول: اوّلاً: وہ مقدمہ کی طبع نہیں تو قسر نہیں کہ دونوں دلیلوں کا مبنی ہے مقام چہارم میں باطل ہوچکا۔

ثانیاً: ہر جسم کے لیے حیز طبعی ہونا مقام پنجم میں باطل ہوا۔

ثالثاً: کیا محال ہے کہ مقتضی طبع بعض اجسام سکون محض ہو اور انتقال سے مطلقاً اباء تو تبدیل وضع جائز نہ ہوگی نہ اس لیے کہ یہ وضع خاص مقتضائے طبع ہے بلکہ اس لیے کہ طبع کو انتقال سے اباء ہے جیسے وہ ثقیل کہ مرکز یا خفیف کہ محیط کو واصل ہو ضرور اسے اجسام مخصوصہ سے ایک بین فصل ہوگا جسے وہ بدلنا نہ چاہے گا نہ اس لیے کہ خصوص فصل مطلوب ہے بلکہ اس لیے کہ اس کی تبدیل حرکت سے ہوگی اور وہ حرکت سے آبی۔

رابعاً: اگر بالفرض ہر جسم کے لیے حیز طبعی ہو تو دلیل سے اگر ثابت ہوا تو اس قدر کہ حیز کی تعیین طبیعت کرے کہ ترجیح بلا مرجح نہ ہو وہ حیز و طبیعت میں مناسبت سے حاصل کہ اسی قدر ترجیح کو بس ہے بحال زوال طلب و عود کی کیا ضرورت کہ یہ نہ لازم مناسبت ہے نہ شرطِ ترجیح ممکن کہ جسم میں حرکت کی صلاحیت ہی نہ ہو جہاں اٹھا کر رکھ دیں وہیں رہ ہوئے۔

خامساً: اس عیّاری کو دیکھئے کہ دلیل دوم کو اس جسم سے خاص کرتے ہیں جو حیز بدل سکے حالانکہ وہ صحیح ہے تو یقیناً عام ہے کہ ہر جسم کے لیے ایک حیز طبعی ہے بدل سکے یا نہیں تو بغرض خروج ضرور بالطبع جس کا طالب ہوگا۔ یہی مبدء میل مستقیم ہے۔

مقامِ دہم

حرکت وضعیہ کا طبعیہ ہونا محال نہیں، فلسفی محال جانتا اور جہاں قاسر نہ ہو ارادیہ واجب مانتا ہے، دلیل یہ کہ اس میں جو متروک ہے اسی آن میں مطلوب ہے جو نقطہ جہاں سے چلا وہیں آرہا ہے، یہ بات طبعیہ میں ناممکن کہ بالطبع کسی وضع کی طالب بھی ہو اور اس سے ہارب بھی بخلاف ارادہ کہ اعتبارات [عہ] مختلفہ کا تصور کرکے ایک جہت سے طلب دوسری سے ہرب میں

[عہ]: بعض نے یوں تقریر کی کہ ہرب ایک وقت میں ہے۔ (یعنی جب وہاں سے چلا) اور طلب (باقی برصفحہ آئندہ)

حرج نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دوسرے وقت میں (یعنی تمام دورہ کے بعد اس پر آتے وقت نیز غرض حرکت چیز دیگر ہے۔ (یعنی مثلاً مفارق سے تشبہ) اور یہ طلب و ہرب دونوں بعرض تو اجتماع میں حرج نہیں، شرح حکمۃ العین میں اس پر رد کیا کہ بلا شبہ طلب وہرب وقت واحد میں ہے کہ جہاں سے چلا اسی وقت تو اس کی طرف متوجہ ہے اور حرکتِ واحدہ میں شیئ واحد کی طلب و ترک معًا ارادۃً بداہۃً محال ہے اگر دونوں بالعرض ہوں اور خود یوں تقریر کی کہ اس وقت ہرب مثلاً اس نقطے سے ہے اور توجہ اس کے برابر والے نقطہ کی طرف یہ توجہ اس پہلے کی طرف بھی توجہ بالعرض یوں ہوگئی کہ وہ اسی جہت توجہ میں واقع ہے ورنہ اس ارادے میں وہ مطلوب نہیں۔ہاں تمامی دورے کے بعد پھر مطلوب ہوگا، مگر وہ ارادہ جدید ہوگا۔ ہر ہر نقطہ کا تازہ ارادہ ہے۔ طبیعت غیر شاعرہ سے ایسا نہیں ہوسکتا۔ (شرح مذکور[1] مع حاشیہ علامہ سید شریف)

اقول: اولاً: بات وہی تو ہوئی جو اس بعض نے کہی تھی کہ ہرب ایک وقت میں ہے طلب دوسرے وقت، شرح کی تقریر صرف اس کی شرح ہے۔

ثانیاً: جب اختلاف وقت حاصل تو شیئ واحد کے مطلوب و مہروب بالعرض ہونے میں حرج نہ ہونا اور بالعرض کی قید اس نے اس لیے لگائی کہ وہی مطلوب بالذات ہوتا اس تک پہنچ کر انقطاع حرکت لازم تھا۔ **فافھم۔**

ثالثاً: متن میں ہماری تقریر دیکھئے کہ طبیعت غیر شاعرہ سے بھی ایسا ناممکن۔

رابعاً: حرکت وضعیہ اگر حرکتِ واحدہ ہے تو کل جسم کے لیے اس میں نہ کسی وضع کی طلب ہے نہ ترک کہ اس سے کل کی وضعیں بدلتی ہی نہیں ہر جز کی بدلے گی اور حیز کے اعتبار سے ہر ہر نقطہ سے دوسرے تک حرکت تازہ ہے تو مختلف وقتوں میں مختلف حرکتیں ہیں۔ کیا محال ہے کہ ایک وقت و حرکت میں ایک نقطہ بالطبع مطلوب اور دوسرے وقت و حرکت میں مہروب ہو۔ جیسے قطرہ کہ اترتا ہے ہر آن ایک جز مسافت پر آنا چاہتا اور اس پر آکر اسے چھوڑنا چاہتا ہے اس کا جواب شارح نے یہی دیا تھا کہ یہ دو حرکتوں میں ہوا نہ حرکت واحدہ میں، وہی جواب یہاں ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] شرح عین الحکمۃ

رَدِّ اوّل: کیسے نقطے اور کیسی وضعیں، کس کی طلب اور کس سے ہرب، تمہارے نزدیک جسم متصل وحدانی ہے نہ اس میں اجزاء بالفعل ہیں نہ حرکت موجودہ میں دونوں کی تجزی وہم میں ہے تو کیا محال ہے کہ بعض اجسام کی طبیعت مقتضی حرکت مستدیرہ ہو یوں کہ نفس حرکت مطلوب ہو۔ عـــہ۱ (امام حجۃ الاسلام فی تہافت الفلاسفہ)

اقول: امام کی شان بالا ہے، فقیر کو، تامل ہے، یہاں شک نہیں کہ اجزاء اگرچہ بالفعل نہیں ان کے مناشی انتزاع موجود ہیں اور ان میں ہر ایک کی طرف اشارہ حسیہ جدا ہے اور یہی امتیاز ان کے لیے امتیاز اوضاع کا ضامن ہے اور یہ امتیاز قطعاً واقعی ہے اعتبار کا تابع نہیں اس منشا کو دوسرے جسم کے جز موجود یا اس کے منشا سے جو محاذات یا قرب وبعد ہے یقیناً دوسرے جز یا اس کے منشا سے اس کا غیر ہے اسی قدر طلب وترک اوضاع کو بس ہے تو ایراد میں صرف جملہ اخیرہ پر اقتصار چاہیے یعنی کیا ضرور ہے کہ حرکت وضعیہ طلب اوضاع ہی کے لیے ہو کیوں نہیں جائز کہ نفس حرکت مطلوب ہو۔ علامہ خواجہ زادہ عـــہ۲ نے اس منع کا ایضاح کیا کہ حقیقت حرکت

عـــہ۱: قزوینی نے حکمۃ العین میں اس اعتراض میں امام کی تقلید کی اور میرک بخاری نے شرح میں اس کی تائید کی۔ طوسی نے شرح اشارات میں اس اعتراض کا مہمل جواب دیا تھا اسے رد کیا جواب یہ تھا کہ شیئ کا مقتضٰی اس کے دوام سے دائم رہتا ہے۔ تو جسم قادر الذات حرکت غیر قارہ کا کیونکر مقتضی ہوسکتا ہے بلکہ کسی اور غرض کا مقتضی ہوگا۔ شارح نے رد کیا کہ بحسب تجدد وتوالی امور مقتضی ہوسکتا ہے۔

وانا اقول: (اور میں کہتا ہوں ت) موجودہ حرکت بمعنی التوسط ہے، وہ غیر قار نہیں اور بلاشبہ دائم رہ سکتی ہے، متجدد ومنصرم حرکت بمعنی القطع ہے وہ نہ مقتضٰے نہ موجود بلکہ انتزاع وہم ہے۔ پھر شارح حکمۃ العین نے خود حواشی علامہ قطب شیرازی سے یہ جواب نقل لیا۔ اور مقرر رکھا کہ جب حالت مطلوب حاصل ہوتی ہے۔ طبیعت حرکت تھمادیتی ہے۔ یہ جواب جیسا ہے خود ظاہر لاجرم علامہ سید شریف نے حواشی میں فرمایا کہ یہ جب ہو کہ حرکت کے سوا کوئی اور فرض مطلوب ہو اور جب خود حرکت مطلوب یعنی محترک رہنا ہی مقتضائے طبع ہو توانقطاعِ حرکت کیا معنی ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: علامہ نے دلیل فلاسفہ پر ایک اور رَد کیا کہ وضع متروک معدوم ہوجائے گی اور تمہارے نزدیک (باقی برصفحہ آئندہ)

یہی ہوتا کہ دوسری شے کی طرف لے جائے۔(یعنی اس کا کمال ثانی کی غرض سے کمال اول ہونا جسے طوسی نے شرح اشارات میں اس رد کا جواب قرار دیا) فلسفی زعم ہے ہمیں مسلم نہیں، ہاں اکثر حرکتیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔اس سے کیا لازم کہ حرکت ایسی ہی ہو، ابن رشد فلسفی مالکی نے جواب دیا کہ حرکت محض امر ذہنی سے تو بالذات اسی کی مطلوب ہو سکتی ہے۔جو صاحب ارادہ ہو کہ خود حرکت کی طلب نہ ہوگی مگر شوق حرکت سے اور شوق بے تصور ناممکن۔

اقول: اوّلًا: حرکت کا ذہنی محض ہونا قبل حدوث مراد یا بعد علی الاوّل کوئی غرض کبھی نہیں ہوتی مگر ذہنی کہ موجود ہو تو تحصیل حاصل ہو مثلًا طلب خیز نہیں بلکہ طلب حصول فی الخیر کہ غرض وہ جو فعل پر مرتب ہو اور ذات حیز حرکت پر مترتب نہیں کہ وقت حرکت حصول فی الخیر موجود فی الخارج نہیں تو اس کا وجود نہ ہوگا مگر ذہنی تو حرکت وغیر حرکت میں فرق باطل و علی الثانی حرکت ہر گز ذہنی نہیں موجود فی الخارج ہے جس سے ایک ذہنی محض منتزع ہوتی ہے۔

ثانیًا: طلب بے شوق نہ ہونا عام ہے یا حرکت ہی سے خاص ثانی ممنوع بلکہ بداہۃً تحکم اور اول حرکت طبعیہ کامطلقًا احالہ۔

ثالثًا: ذہنی کے لیے تعقل چاہیے تو خارجی کے لیے احساس ضرور نہیں اور طبیعت دونوں سے عاری اور یہ کہ ادراک یہیں درکار نہ وہاں تحکم محض ہے یہ ہے ان کی فلسفیت۔

رابعًا: پتھر مٹی کے ستون پر رکھا تھا، ستون مہندم ہو کر نیچے سے نکل گیا۔ پتھر جانب زمین چلا راہ میں ہوا وغیرہ جو مزاحم ملا اسے دفع کرتا زمین تک پہنچا تو۔

(۱) وقت حرکت جانا کہ میں اپنے حیز میں نہیں۔

(۲) یہ کہ حیز وہ ہے۔

(۳) اس سمت پر ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اعادہ معدوم محال، دوبارہ اس کی مثل وضع آئے گی۔نہ وہ تو جو متروک ہے مطلوب نہیں۔

اقول: اوّل: وضع آئندہ و گزشتہ میں فارق نہ ہوگا مگر زمانہ اور اقتضائے طبع تبدل زمانہ سے تبدیل نہیں ہوتا۔

ثانیًا: امر طبعی میں جس طرح یہ محال کہ جو متروک ہے وہی مطلوب ہو، یونہی یہ بھی محال کہ جو مطلوب ہے وہی متروک ہو تجدد و امثال سے اول کا جواب ہوگیا ثانی بدستور رہا کہ یہ مثل آئندہ کہ اب مطلوب ہے یہی مل کر متروک ہوگا۔۱۲منہ غفرلہ۔

(۴) حرکت مجھے اس تک پہنچائے گی۔

(۵) وہ اقرب طرق پر چاہیے کہ جلد وصول ہو۔

(۶) یہ جو راہ میں ملا اجنبی ہے۔

(۷) اسے دفع نہ کروں تو یہ مجھے وصول الی المطلوب سے روکے گا۔

(۸) جس پر جب تھا اور جس پر اب آیا دونوں جنس واحد سے تھے ان میں تمیز کی کہ یہ میرے مقصد سے دور اور وہ نزدیک ہے، بغیر ان آٹھ مقصودوں کے یہ افعال کیسے واقع ہوئے ہیں جن میں ایک خود حرکت بھی ہے اور جب ان سب کے نتائج قوت غیر شاعرہ سے ایسے ہی واقع ہو رہے ہیں گویا اسے ان سب کا شعور ہے تو نری حرکت کا صدور بے قصور و بے شعور کیا محال و محذور۔

(ردِّ دوم) اقول: کیا محال ہے کہ تمام اوضاع کہ اس دورے سے حاصل ہوں سب منافر طبع ہوں تو وہ سب مہروب ہوں گے ان میں مطلوب کوئی نہیں۔ تو حرکت کمال اول بھی رہی کہ کمال ثانی ترک منافر ہے اور منقطع بھی نہ ہوگی کہ ہر جگہ منافر کا تجدد ہے اور مطلوب و مہروب بھی ایک ہی نہ ہوئے کہ مطلوب منافر سے بچنا ہے اور وہ متروک نہیں متروک یہ اوضاع ہیں اور وہ مطلوب نہیں، ہر جز کا ایک وضع چھوڑ کر دوسری پر آنا اس کی تحصیل کو نہیں بلکہ اس کی تبدیل کو۔

(ردِّ سوم) اقول: کیا محال ہے کہ مقتضائے طبع اقرب اوضاع جدیدہ کی تحصیل ہو نہ باعتبار خصوص وضع بلکہ اعتبار وصف مذکور اقتضائے طبع پر کوئی ایسی تحدید نہیں جس سے یہ اس میں نہ آسکے نہ ہرگز اس کی لم معلوم ہونی ضرور۔ مقناطیس کا جذب، کہربا کی کشش، مقناطیسی سوئی کا ہر وقت مواجہہ ستارہ قطب رہنا، ادھر سے پھیری جائے تو تھرتھرا کر پھر اسی طرف ہو جانا، آفتاب پر جب کوئی بڑا کلف پیدا ہو اس سوئی کا زیادہ مضطرب و بے قرار ہونا،[1] سورج مکھی کے پھول کا ہر وقت روبہ شمس رہنا، طلوع سے غروب تک آفتاب جیسا جیسا بدلے اس کا اسی طرف رخ پھرنا غروب کے بعد نیچے گر جانا وغیرہا۔ صدہا افعال طبعیہ غیر معقول المعنٰی ہیں، کیا دشوار کہ یہ بھی انہیں میں سے ہو تو وضع حاصل کا ترک وضع اقرب جدید کی تحصیل کو ہے اور بعد تمامی دورہ اس پر آنا اس وقت اس کی طلب نہیں بلکہ تمام متوسط طلبوں کے بعد یہ اقرب اوضاع جدیدہ

---

[1] ص ۷ ۱۴۔۱۲

ہو جائے گی تو کوئی وضع معًا مطلوب ومہروب ہونا درکنار بعینہٖ نہ مطلوب نہ مہروب طلب وصف اقرب جدید کی ہے اور اس سے ہرب نہیں، ہرب ہر وضع حاصل سے ہے اور اس کی طلب نہیں۔

مقامِ یازدہم

حرکتِ وضعیہ فلک بھی طبیعہ ہوسکتی ہے، فلسفی نے اول تو مطلقًا متدیرہ طبعیہ ہونا محال مانا جس کے رَد سن چکے یہ شبہ خاص دربارہ فلک ہے کہ حرکتِ طبعیہ واجب الانقطاع ہے اور حرکت فلک ممتنع الانقطاع تو حرکت فلک طبعیہ نہیں ہوسکتی۔ کبرٰی عـــہ اس لیے کہ اس کی حرکت کی مقدار زیادہ ہے وہ منقطع ہو تو زمانہ منقطع ہو۔ اور زمانہ کا انقطاع محال اور صغرٰی اس لیے کہ وہ کسی غرض کے لیے ہونی ضرور، اور کبھی نہ کبھی غرض کا حاصل ہو جانا واجب، ورنہ جب متحرک کا اس تک وصول ممکن ہی نہ ہو کمال ثانی کب ہوئی، معہذا علم اعلیٰ میں ثابت ہو چکا ہے کہ طبیعت ہمیشہ اپنے کمال سے محروم نہ رہے گی۔ لاجرم بعد حصول غرض انقطاع لازم،

اقول: بحمدہ تعالٰی ایک حرف صحیح نہیں۔

(۱) زمانہ سرے سے موجود ہی نہیں۔

(۲) موجود سہی تو مقدار حرکت نہیں ہوسکتا۔

(۳) ہو تو حرکت فلک کی مقدار ہونا ممنوع، یہ سب بیان عنقریب آتے ہیں۔

(۴) حرکت فلک کی اس سے تقدیر ہو بھی تو اس کے انقطاع سے انقطاعِ زمانہ لازم نہیں کیا محال ہے کہ کواکب میں حرکات پیدا ہو کر اسکی حفاظت کریں۔

(۵) نہ سہی انقطاعِ زمانہ ہی کس نے محال کیا، اس کا روشن بیان آتا ہے۔

(۶) تو حرکت فلک ہرگز ممتنع الانقطاع نہیں۔

(۷) ابھی سن چکے کہ حرکت کا غرض کے لیے ہونا کچھ ضرور نہیں۔

(۸) یہ بھی کہ غرض ایسی ممکن جو ہر آن حاصل و مستمر ہو تو کمال ثانی بھی موجود اور انقطاع

عـــہ: ای ما اقمنا موضعھا لاستلزامہ لھا منہ غفرلہ۔ | یعنی جس کو ہم نے کبری کی جگہ رکھا کیونکہ وہ کبری کو مستلزم ہے غفرلہ۔ (ت)

بھی مفقود۔

(۹) دعوی یہ تھا کہ غرض کا حصول بالفعل واجب، اور دلیل یہ کہ حصول محال ہو تو کمال ثانی نہ رہے، کہاں بالفعل حاصل نہ ہونا کہاں محال و ممتنع ہونا، بہت حرکات ہیں کہ ان کی غرض ان پر کبھی مترتب نہیں ہوتی بے کار جاتی ہیں، کیا وہ حرکت ہونے سے خارج ہو گئیں۔

(۱۰) استحالہ حرمان طبیعت ممنوع۔

(۱۱) بعد حصول غرض لزوم انقطاع ممنوع ممکن کہ ہمیشہ غرض دیگر پیدا ہوتی رہے۔

(۱۲) تو حرکت طبعیہ کا وجوب انقطاع ممنوع۔

مقام دوازدہم

طبیعت کا دائمًا اپنے کمال سے محروم رہنا محال نہیں، فلسفی محال کہتا ہے اور اس پر اس مقدمہ کی بنا کرتا ہے کہ دوام قسر محال۔

اقول: یہ مقدمہ ہمارے نزدیک یوں ہے کہ ازل میں کوئی شے قابل مقسور ہوئی نہیں تو قسر نہ ہوگا مگر حادث، لیکن جس طرح فلسفی کہتا ہے ہرگز صحیح نہیں کمال تک ایصال فعل ذی الجلال ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں، کلام یہاں مزعوم فلسفی پر ہے، لہٰذا اسی کے زعم پر بعض دلیلیں پیش کریں۔

فاقول: (پس میں کہتا ہوں ت) **دلیل اوّل:** ہم نے مقام اول میں ثابت کیا کہ بسیط کی شکل طبعی کرہ مصمتہ غیر مجوفہ ہے اور افلاک سب مجوف ہیں اور ان کے نزدیک اسی شکل پر ازلی ابدی دائمًا اپنے کمال طبعی سے محروم ہیں۔

دلیل دوم: فلاسفہ مختلف ہیں کہ نار وہوا دونوں طالب محیط اور ارض وماء دونوں طالبِ مرکز ہیں، یا نار طالب محیط [عہ] اور ہوا کا حیز زیر حیز نار وبالائے حیز آب ہے اور ارض طالب مرکز اور

عـــہ: فی حکمۃ العین وشرحہا (البسیط العنصری (ان تحرك عن الوسط فهو الخفیف المطلق ان طلب نفس المحیط وهو النار (والا فالخفیف المضاف)

حکمۃ العین اور اس کی شرح میں ہے کہ بسیط عنصری دو[۲] حال سے خالی نہ ہوگا کہ وہ وسط سے حرکت کرے گا یا وسط کی طرف حرکت کرے گا۔ اگر وسط سے کرے گا تو پھر دو حال سے خالی

(باقی برصفحہ آئندہ)

آب کا حیز بالائے حیز ارض وزیر حیز ہوا ہے، بہر حال اس پر اتفاق ہوا کہ نار طالبِ محیط ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھوالھواء(وان تحرك الی الوسط فھوالثقیل المطلق ان طلب نفس المرکز)وھو الارض(والا فالثقیل المضاف) زوھو الماء [1]اھ و فی المواقف وشرحھا فی قسم العناصر (المتاخرون)من الحکماء علی انھا اربعۃ اقسام خفیف یطلب المحیط فی جمیع الاحیاز وھو النار و خفیف یقتضی ان یکون تحت النار وفوق الاخرین و ھو الھواء وثقیل مطلق یطلب المرکز وہی الارض و ثقیل مضاف یقتضی ان یکون فوق الارض وتحت الاخرین وھو الماء اھ[2] وقولہ المتاخرون راجع الی من جعلھا اربعۃ فان منھم من قال بواحد وباثنین وبثلثۃ ۱۲منہ

نہ ہوگا کہ وہ طالب نفس محیط ہے یا نہیں، بصورت اول خفیف مطلق ہے اور وہی نار ہے اور بصورتِ ثانی خفیف مضاف ہے اور وہی ہوا ہے، اور اگر وسط کی طرف حرکت کرے گا تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا کہ وہ مطالب نفس مرکز ہوگا یا نہیں، بصورت اول ثقیل مطلق اور وہی ارض ہے، اور بصورت ثانی ثقیل مضاف اور وہی ماء ہے اھ۔ مواقف اور اس کی شرح میں قسم عناصر میں ہے متاخرین حکماء کا نظریہ یہ ہے کہ عناصر چار ہیں (۱) وہ خفیف جو تمام حیزوں میں طالب محیط ہے اور وہی نار (آگ) ہے (۲) وہ خفیف جو تقاضا کرتا ہے کہ وہ نار کے نیچے اور باقی دونوں کے اوپر ہو اور وہی ہوا ہے۔ (۳) ثقیل مطلق جو طالب مرکز ہے اور وہی ارض ہے (۴) ثقیل مضاف جو ارض کے اوپر اور باقی دونوں کے نیچے ہونے کا مقتضی ہے اور وہی ماء (پانی ہے) اور اس کا قول متاخرون اس کی طرف راجع ہے جس نے عناصر کو چار قسمیں ٹھہرایا ہے کیونکہ ان میں بعض نے ایک کا، بعض نے دو کا اور بعض نے تین کا قول کیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

---

[1] شرح حکمۃ العین

[2] شرح المواقف القسم الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۷/ ۱۳

وہ ازلاً ابداً کبھی نہ محیط کو پہنچی، نہ پہنچے تو دولاً حیلولت افلاک سے مقسور ہے۔

دلیل سوم: اگرچہ ان کے یہاں مشہور وہی قول دوم ہے مگر ہم دلائل سے اول کو ترجیح دیں۔

اوّلاً: اگر پانی کا حیز طبعی زیر ہوا و بالائے ارض رہنا تھا تو واجب کہ جو کنواں جو سطح زمین کے برابر ہو تو اس پر کھڑے ہو کر کسی برتن سے پانی الٹیں کنارہ چاہ پر رک جائے اندر نہ گرے اور اگر کنویں کی من سطح ارض سے اونچی ہے تو جتنی بلند ہے وہاں تک پانی لے جائے سطح زمین کی محاذات پر فوراً رک جائے کہ یہیں تک اس کا حیز طبعی ہے اور حیز طبعی میں شے کو روک کے لیے کسی سہارے کی حاجت نہیں ہوتی بلکہ اس سے تجاوز کے لیے قاسر کی ضرورت ہوتی ہے۔

ثانیاً: سطح زمین میں جو ڈھال اس کی اصلی حالت سے نیچا پیدا ہو گیا جیسے عام نالی وغیرہا، واجب ہے کہ پانی اس کی طرف متوجہ نہ ہو کہ وہ طالب سفل مطلق نہیں اور جس سطح کا طالب ہے یہ ڈھال اس سے نیچے ہیں، حالانکہ یقیناً پانی جتنا ڈھال پائے گا اس کا طالب ہو گا تو ضرور وہ سفل مطلق چاہتا ہے زمین کہ اس سے اثقل ہے مرکز تک پہلے پہنچ گئی ہے لہٰذا اس سے محجوب ہے۔

ثالثاً: سمندر کا پانی تمہارے نزدیک اپنے حیز طبعی میں ہے کہ اس کنارے پر مثلاً ایک انگل کے فاصلے سے ایک گڑھا کھودیں پھر اس فاصلے کو پانی کی طرف ہاتھ مار کر توڑ دیں۔ ہاتھ کے صدمے سے پانی قدر جانب خلاف کو ہٹ کر پھر پلٹے گا اب واجب تھا کہ پلٹ کر اپنی پہلی جگہ پر رک جاتا، غار میں نہ آتا کہ وہیں تک اس کا حیز طبعی ہے اور آگے حرکت پر کوئی قاسر نہیں نہ پانی صاحب ارادہ ہے کہ وہ بھی حکم قاسر میں ہے۔ بلا قاسر حیز غریب میں جانا کیا معنی اگر کہیے اِس غار میں ہوا مقسور تھی کہ بوجہ استحالہ خلا نہ نکل سکتی تھی اب کہ اس نے دیکھا کہ دوسرا جسم یعنی پانی موجود ہے کہ میرے نکلنے پر اسے بھر دے گا وہ نکلی اور پانی بضرورت خلا داخل ہوا۔

اقول: قطع نظر اس سے کہ یہ حیز ہوا و آب دونوں کے لیے غریب ہے ہوا کو کیا ترجیح ہے کہ وہ خود اس سے آزاد ہو کر پانی کو مقید کر دے اگر ایسا ہے تو واجب کہ سمندر کا پانی تمام روئے زمین پر پھیل جائے کہ برابر کی ہوا حیز غریب میں ہے اور وہ اپنے پاس پانی دیکھ رہی ہے جو اس کے نکل جانے پر ضرورت خلاء کو پورا کر دے گا تو کیوں نہیں اپنے حیز طبعی کی طرف اڑتی کہ پانی پھیل کر محیطِ زمین ہو جائے۔

رابعًا: تالابوں، نالوں میں جو پانی بھرا ہے تمہارے طور پر حیز غریب میں ہے تو واجب کہ اپنے حیز طبعی کی طرف حرکت کرے اور استحالہ خلاکے دفع کو ہوا موجود ہے جیسے وہاں پانی موجود تھا بلکہ یہی صورت راجح ہے کہ اب ہوا و پانی دونوں حیز غریب میں ہیں، اور پانی اونچا کہ اپنے حیز طبعی میں آجائے اور ہوا اس خلا کو بھر دے تو یہ ایک ہی حیز غریب میں ہوگا۔

خامسًا: بسیط کا ہر جز طالب حیز ہے ولہٰذا پانی کہ زمین پر ڈالیں اس کی دھار اپنے دل پر نہیں رہتی بلکہ تمام اجزاء اتر کر پھیل جاتے ہیں مگر ڈھال کی طرف خطِ مستقیم پر جاتے ہیں۔ اگر مستدیر شکل میں پھیلیں جلد اپنے مقصد کو پہنچیں کہ مرکز سے محیط تک کسی کو اتنا فصل نہ ہوگا جو اجزائے بعید کو خطِ مستقیم میں اور طبیعت ہمیشہ قربِ طرق سے اپنے مقتضی میں جانا چاہتی ہے تو واجب تھا کہ زمین پر شکل دائرہ میں پھیلتا۔ ان تمام وجوہ سے ثابت کہ پانی طالب سُفل مطلق ہے تو قول اول ارجح ہے تو اس دورہ زمین یعنی حیز لایتجزی کے سوا جو مرکز عالم پر منطبق ہے چاروں عناصر ازلًا ابدًا اپنے حیز طبعی سے محروم ہیں۔

دلیل چہارم: تم کرہ نار کو مشایعتِ فلک میں دائم حرکت مستدیرہ مانتے ہو، ظاہر ہے کہ یہ نہ ارادیہ نہ طبعیہ، اور ہم نے فوز مبین میں زیر دلیل صدم بیان قاطع سے روشن کیا کہ فلاسفہ کا اسے عرضیہ کہنا باطل ابن سینا نے جو اس کی وجہ تراشی مضحکہ محضہ ہے لاجرم قسریہ ہے، اور قسریہ کو دوام۔

دلیل پنجم: اس سے بڑھ کر فلک ثوابت و جملہ مثلات کا بہ تبعیت فلک الافلاک حرکت یومیہ کرنا اور یہاں جو ابن سینا نے فرضیت کی وجہ گھڑی بالکل شیخ چلی کی کہانی ہے کما بیّنّا فی کتابنا الفوز المبین (جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب فوز مبین میں اس کو بیان کیا ہے۔ت) لاجرم یہ سب قسریہ ہیں اور سب دائم یہاں فوز مبین میں ہمارا کلام یہ ہے۔

اقول: وباللّٰہ التوفیق ہماری رائے میں حق یہ ہے کہ حرکت وضعیہ میں عرضیت کی کوئی تصویر پایہ ثبوت تک نہ پہنچی۔ جب تک ما بالعرض ما بالذات کے ثخن میں ایسا نہ ہو کہ اس کی حرکت وضعیہ سے اس کا این موہوم بدلے این موہوم سے یہاں ہماری مراد وہ فضا ہے کہ ما بالذات کو محیط ہے ظاہر ہے کہ حامل کو جو فضا حاوی ہے تدویر کہ ثخن حامل میں ہے۔ اس فضا کے ایک حصے میں ہے جب حامل حرکت وضعیہ کرے گا ضرور تدویر اس حصہ فضا سے دوسرے حصہ میں آئے گی تو اگرچہ خود ساکن محض ہو ضرور ضرور اس کی حرکت وضعیہ سے اس کی وضع بدلے گی این موہوم بدلا۔

اگرچہ این محقق برقرار ہے بخلاف مائل یا خارج المرکز کہ اگر دونوں متمم کو ایک جسم مانیں تو یہ اس کے ثخن میں ضرور ہے مگر ان کی گردش سے اس کا این موہوم نہ بدلے گا توان کی حرکت سے یہ متحرک بالعرض نہ ہوگا۔ جونپوری کا شمس بازغہ میں زعم کہ اگراس کے ساتھ نہ پھرے تواسے حرکت سے روک دے گا۔

اقول: دو[۲] وجہ سے محض بے معنی ہے۔

(۱) نہ یہ اس کی راہ میں واقع ہے نہ اس میں جڑا ہوا ہے کہ بے اپنے اسے چلنے نہ دے، اور اگر بالفرض راہ روکے ہوئے ہے تو۔۔۔۔ کھول دے گا، حرکتِ وضعیہ سے کوئی گنجائش پیدا نہیں ہوسکتی۔

(۲) اگر یہ ان میں چسپاں بھی ہو تو ان کے گھومنے سے ضرور گھومے گا۔ مگر یہ انتقال بالذات اسے بھی عارض ہوگا اگرچہ دوسرے کے علاقہ سے تو عرضی نہ ہوگا بلکہ ذاتی غرض اس صورت کے سوا وضعیہ میں عرضیہ کی کوئی تصویر ثابت نہیں۔ ومن ادعی فعلیہ البیان (اور دلیل مدعی کے ذمے ہے۔ت) افلاک میں فلاسفہ کا محض ادعا ہے اس لیے کہ ان میں قاسر سے بھاگتے ہیں۔ مشایعت ساتھ ساتھ چلتا ہے نہ یہ کہ ایک ساکن محض رہے دوسرے کی حرکت اس کی طرف منسوب ہو۔ چکروں کا بیان ابھی گزرا تو عرضیہ میں فریقین کی بحث خارج از محل ہے ابن سینا پھر جونپوری مذکور نے زعم کیا کہ فلک کی مشایعت میں کرہ نار کی حرکت عرضیہ اس لیے ہے کہ ہر جزو نار نے اپنے محاذی کے جزو فلک کو اپنا مکان طبعی سمجھ رکھا ہے اور بے شعوری کے باعث یہ خبر نہیں کہ اگر اسے چھوڑے تو اسے دوسرا جز بھی ایسا ہی اقرب و محاذی مل جائے گا ناچار بالطبع اس کا ملازم، لہٰذا جب وہ بڑھتا ہے یہ بھی بڑھتا ہے کہ اس کا ساتھ نہ چھوٹے اور اس پر اعتراض ہوا کہ پھر فلک ثوابت فلک اطلس کے سبب کیوں متحرک بالعرض ہے اس کے اجزاء نے تو اس کے اجزاء کو نہیں پکڑا کہ خود جدا حرکت رکھتا ہے اس کا جواب دیا کہ اس کے اقطاب نے اپنے محاذی اجزاء کی ملازمت کرلی ہے اور اس کے اقطاب پر نہیں لہٰذا ان اجزاء کی حرکت سے اس کے قطب گھومتے ہیں۔ لاجرم سارا کوہ گھوم جاتا ہے۔

اقول: یہ شیخ چلی کی سی کہانیاں اگر مسلم بھی ہوں تو عاقل بننے والوں نے اتنا نہ سوچا کہ جب نار و فلک البروج کی یہ حرکت اپنے اس مکان کی حفاظت کو ہے تو ان کی اپنی ذاتی حرکت ہوئی یا عرضیہ۔

مقام سیزدہم

حرکت قلب قسریہ ہوسکتی ہے، فلسفی اس کے استحالہ پر چند شبہات پیش کرتا ہے۔

شبہ ۱: قسر کو دوام نہیں اور حرکت فلک دائم۔

اقول: دونوں مقدمے مردود ہیں، ثانی کا رَد ابھی سن چکے اور اول کا رَد تعلیل ہفتم میں۔

شبہ ۲: میل قسری نہ ہوگا میل طبعی کے خلاف اور فلک میں میل طبعی نہیں کہ میل مستدیر طبعی نہیں ہوسکتا کہ متروک بعینہٖ مطلوب ہے اور میل مستقیم کسی جہت کو اور جہات کی تحدید خود فلک سے ہے۔

اقول: ایک ایک حرف مردود ہے، مقام سوم و چہارم و نہم میں رد گزرے۔

شبہ ۳: فلک کی حرکت مستدیرہ فاعل کے قسر سے ہوتی تو سب اجسام میں ہوتی کہ فاعل کی نسبت سب سے یکساں ہے لاجرم اگر ہو تو کسی دوسرے فلک کے قسر سے اور اس کا قسریوں ہی ہوگا کہ وہ اپنی حرکت سے اسے حرکت دے جیسے ہاتھ کنجی کو، اب اس فلک کے قاسر میں کلام ہوگا اس کی حرکت ارادیہ پر انتہا لازم، تو ثابت ہوا کہ افلاک میں وہ ہے جس کی حرکت ارادیہ ہے، یہ اس دلیل کی توجیہ و توضیح و تلخیص و تقریب ہے جو امام حجۃ الاسلام نے فلاسفہ سے نقل فرمائی۔ امام نے اس پر دو رد فرمائے۔

اوّلاً: مولٰی عزوجل فاعل مختار ہے۔

اقول: رَد میں اسی قدر بس ہے آگے جو ترقی فرمائی کہ اس کا فعل ہر جسم کے ساتھ مختلف ہونا اگر ان کی صفتوں کے اختلاف پر مبنی ہو تو ان صفتوں میں کلام ہوگا کہ یہ صفت اس جسم اور وہ اس جسم کے ساتھ کیوں خاص ہوئی، اس کی حاجت نہیں نہ کہ بحث کو طول ہو اور ابطال قدم نوعی کی حاجت پڑے جیسا کہ مباحث صور نوعیہ میں معروف ہے۔

ثانیًا: کیا ضرور ہے کہ وہ جسم قاسر کوئی دوسرا فلک ہی ہو ممکن کہ اور کوئی جسم ہو کہ نہ کرہ ہو نہ محیط تو کسی فلک کی حرکت ارادیہ نہ ثابت ہوگی۔

اقول: نفی کرویت کی حاجت نہیں، نفی احاطہ پر اقتصار اولٰی کہ اسی قدر فلک نہ ہونے کو کافی، انہیں اس زعم کی گنجائش نہ دی جائے کہ وہاں کوئی ایسا جسم نہیں فلک سے ورانہ خلا و ملا اور افلاک متلاصق اور عنصریات ان کے زعم میں افلاک سے قابل ہیں نہ کہ افلاک میں فاعل یہ عذر۔

اگرچہ بارد ہے، مگر اس کی راہ ہی کیوں ہو سرے سے کہیں کہ ممکن کہ ایک یا لاکھوں کوکب اگرچہ انہیں ثوابت میں سے کہ نظر آتے ہیں یا ان کے غیر کہ بوجہ بعد شہود نہیں فلک اعظم میں ہوں اور وہ اپنی حرکت ارادیہ سے فلک کو دھکا دیتے ہوں کہ اجزاء پر استحالہ اینیہ ثابت نہیں۔

ثالثًا اقول: استوائے نسبت فاعل کی اب یہاں تک توسیع ہوئی کہ اختلاف طبائع و مواد و استعداد یہی اڑ گیا کہ قسر جانب فاعل سے ہوتا تو سب پر ہوتا۔

رابعًا اقول: فلک قاسر فلک کیا ضرور ہے کہ اپنی حرکت ہی سے قسر کرے ممکن کہ بعض ارادے سے مسخر کرلے جیسے ہمارا نفس اپنے جوارح کو۔ ہم میں بھی یہ حرکت بہ نظر جسم حقیقیہ قسریہ ہی ہے کہ طبیعت جسم سے نہیں مگر ارادیہ کہلاتی ہے کہ وہ نفس اسی جسم سے متعلق ہے تو گویا تحریک خارج سے نہیں مگر فلک قاسر کا نفس دیگر افلاک سے متعلق نہیں اس کی تحریک ضرور قسری ہوگی اور حرکت ارادیہ پر انتہا لازم نہ ہوگی۔

خامسًا اقول: بالفرض ثبوت ہوا بھی تو اس قدر کا کہ کسی ایک فلک کی حرکت ارادیہ ہے وہ موجبہ کلیہ کدھر گیا کہ سب کی ارادیہ ہے اور وہ سالبہ کلیہ کیا ہوا کہ فلکیات میں کہیں قسر نہیں۔

شبہ ۴: افلاک اگر قسر سے متحرک ہوتے تو سب کی حرکت موافق قطبوں پر ایک ہی طرف ایک ہی مقدار پر ہوتی کہ سب قاسر ہی کی موافقت کرتے حالانکہ اختلاف مشہود ہے [عہ۱] علامہ خواجہ زادہ تہافت الفلاسفہ میں اسے نقل کرکے رَد کیا کہ یہ جب لازم [عہ۲] ہو کہ قاسر فلک ہی میں منحصر ہو اور یہ ممنوع ہے۔

اقول: خدا کی شان کہ ایسے مہملات بکنے والے عقل و حکمت کے مدعی ہیں۔

اوّلًا: وحدتِ قاسر کیا ضرور، ممکن کہ ہر ایک پر جدا قاسر ہو۔

ثانیًا: قسر بذریعہ حرکت وضعیہ ہی کیا ضرور کہ اقطاب وغیرہا میں موافقت لازم ہو۔

عہ۱: پھر حکمۃ العین اور اس کی شرح میں بھی یہ مہمل دلیل نظر آئی اور وہی اس کا ایک جواب دیا جو ہمارا اولًا میں پیش پا افتادہ تھا۔ ۱۲ منہ۔

عہ۲: اقول: جب بھی نہیں جیسا کہ ہمارے رَد سے واضح ہوگا غالبًا علامہ نے اسے تنزلًا فرمایا ۱۲ منہ غفرلہ۔

ثالثًا: قاسر واحد کا سب پر اثر یکساں ہونا کیا ضرور اثر جس طرح قوت قاسر سے بالا ستقامۃ بدلتا ہے۔ یوں ہی قوتِ مقسور سے بالقلب ہلکا بھاری پتھر ایک ہاتھ سے ایک قوت سے پھینکو ہلکا دور جائے گا بھاری کم۔

رابعًا: اس سے باطل ہوا تو دو فلک پر قسر ایک مثلًا محدود پر قسر کا کیا انکار ہوا۔

خامسًا: اختلاف مشہود ہے تو حرکات خاصہ کا حرکت یومیہ سب کو عام ہے اور اس کے اقطاب و جہت و قدر کچھ مختلف نہیں تو کیا محال ہے کہ سب میں قاسر واحد کے قسر واحد سے ہو غرض تفلسف ہے عجیب چیز۔

مقامِ چاردہم

فلک کی حرکت ارادیہ ہونا ثابت نہیں۔ فلسفی یہاں دو شبہے پیش کرتا ہے۔

شبہ ۱: فلک کی حرکت مستدیرہ ہے اور وہ طبعیہ نہیں ہو سکتی، نہ فلک میں قسریہ، ان شبہات سے کہ مقام ۹ تا ۱۱ میں گزرے لاجرم ارادیہ ہے۔

اقول: اولا: یہ تلاش تو جب ہو کہ پہلے اس کی حرکت بھی ثابت ہو لے، اور ہم عنقریب واضح کریں گے کہ اس کی حرکت کا کچھ ثبوت نہیں۔

ثانیًا: بلکہ سکون ثابت ہے۔

ثالثًا: بلکہ فلک میں حرکت کی قابلیت تک ثابت نہیں۔

رابعًا: بلکہ اصول فلسفہ پر اس کا متحرک ہونا محال پھر ارادیہ وغیر ارادیہ یعنی چہ۔

خامسًا ہم ثابت کر چکے کہ مطلقًا حرکت مستدیرہ اور خود فلک کی وضعیہ طبعیہ ہو سکتی ہے۔

سادسًا: قسریہ ہو سکتی ہے۔

شبہ ۲: ہمیں ایک ہی شے مطلوب یہی ہے مہروب بھی، یہ بغیر ارادہ ناممکن۔

اوّلًا: یہ وہی بات ہے کہ نفی طبعیہ میں کہی اور اس کے کافی ووافی رد وہیں گزرے۔

ثانیًا: مانا کہ ارادہ ضرور، پھر یہی کیا لازم کہ متحرک کا ہو ممکن کہ محرک کا ہو کیا چرخ و مغزل فسان [عہ] وغیرہ کی حرکات وضعیہ نہ دیکھیں ان میں بھی وہی طلب و ترک ہے کیا ان کے ارادے سے ہے۔

[عہ]: بمعنی سان جس پر چاقو وغیرہ تیز کیا جاتا ہے۔ ۱۲ الجیلانی

کچھ بھی عقل کی کہتے ہو۔

ثالثًا: پتھر کے نیچے گزرے مسافت میں جو نقطہ فرض کرو اسے طلب کرتا پھر اس سے گزرتا ہے اگر کہیے یہ نقاط مطلوب نہیں بلکہ حیز، یہ راہ میں پڑے ناچار ان پر گزر ہوا ہم کہیں گے کہ ممکن کہ یوں ہی متدیرہ میں اوضاع مطلوب نہ ہوں بلکہ نفس حرکت (علامہ خواجہ زادہ) اس کی کافی بحث (عہ) بھی وہیں گزری۔ یہ ہے وہ جو ہمیں ان مقامات کی وضع پر محرک ہوا۔ اثنائے بحث میں ہم نے متعدد وعدے کیے ہیں۔ دو ضروری مقام اور لکھ کر بعونہ تعالٰی ان کا انجاز کریں۔

مقام پانزدہم

بلکہ افلاک کی حرکت قسریہ ہونا ثابت، اس پر دو۲ دلیلیں ہیں: ایک افلاک ثمانیہ میں اور ایک محدد وغیرہ سب ہیں۔ (حجت اولٰی)

اقول: آٹھوں مثلوں کو اپنی حرکت خفیہ کے سوا حرکت یومیہ بھی ہے کہ جہت ومقدار واقطاب سب میں ان کی حرکت خاصہ بطیہ کے خلاف ہے، ان کا نفس وقت واحد میں دو جہتوں کو دو مختلف حرکتیں نہ دے گا۔ آخر یہ دوسری کہاں سے ہے۔ سفہاء خود کہتے ہیں کہ فلک اعظم کا نفس ایسا قوی ہے کہ ایسے اور باقی سب افلاک کو حرکت یومیہ سے گھماتا ہے تو ضرور باقی افلاک پر قسر ہوا کہ مبدء خارج سے ہے نہ ان کی طبیعت نہ ان کا ارادہ، سفہاء قسر سے نجات اس میں جانتے ہیں کہ باقی کی حرکت عرضیہ ٹھہراتے ہیں۔

اقول: اولًا: جب ان کو حرکت ہی نہ ہوئی اطلس کی حرکت ان کی طرف بالعرض نسبت کردی جاتی ہے تو اعلٰی کا نفس ان کی تحریک پر خاک قادر ہوا۔

ثانیًا: ہم ۱۰۰ کے بعد جواب اول کے دفع اول میں روشن طور پر بیان کر آئے کہ افلاک کی حرکت کو عرضیہ کہنا جہل محض ہے یہ ضرور ذاتیہ ہے اور تم مان چکے کہ فلک اعلٰی کی قوت نفس سے ہے تو یقینًا ان پر قسر کے قائل ہوئے ولکن لاتفقھون (لیکن تم نہیں سمجھتے۔ ت)

عـــہ: شرح حکمۃ العین میں جو یہ جواب دیا کہ پتھر کی یہ طلب وترک حرکت واحدہ میں نہیں، وہیں ہم نے اس کے اقرار سے ثابت کردیا کہ متدیرہ میں بھی حرکت واحدہ میں نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

(**حجّت ثانیہ**) ایک نہایت لطیف و نفیس بات کہ فلک الافلاک اور فلک کی حرکت قسریہ ہونا قبول وادی فلک کا قابل استدارہ ہونا یوں بیان کرتے ہیں کہ وہ بسیط ہے ہر وضع سے اس کے اجزاء کو نسبت یکساں ہے تو انتقال جائز۔

اقول: نہیں نہیں بلکہ واجب کہ سکون میں ایک وضع کا لزوم ہو اور وہ ترجیح بلا مرجح ہو۔اور وہ محال،اور جو فعل دفع محال کی ضرورت سے ہو قسری ہے کہ اس کا مبدء خارج سے ہے۔جیسے پنچورے سے پانی کا نہ گرنا یا پچکاری میں اوپر چڑھنا وغیرہ ذلک الافعال کہ بے اقتضائے طبع بضرورت امتناع خلا ہیں سب قسری ہیں،لاجرم تمام افلاک کی حرکت قسری ہے۔

مقام شانزدہم

فلکعہ پر خرق والتیام جائز ہے۔فلسفی اسے محال کہتا ہے اور اس کے فضلہ خوار نیچری وغیرہم اسی بناء پر معراج پاک سے منکر ہیں۔طرفہ یہ کہ ایمان وکلمہ گوئی و تصدیق قرآن عظیم و ایمان ______ قیامت کے مدعی ہیں۔قرآن و قیامت پر ایمان استحالہ خرق والتیام کے ساتھ کیونکر جمع ہو جس میں بکثرت نصوص قاطعہ ہیں کہ روز قیامت آسمان پارہ پارہ ہو جائیں گے،

"وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾"[1]	لیکن ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔(ت)

فلسفی کے پاس کوئی دلیل نہیں سوا اس مشہور شبہ باطلہ کے کہ خرق والتیام نہ ہوگا مگر حرکت سے اور حرکت اینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو تو محدد یا اس کے اجزاء اگر حرکت اینیہ قبول کریں تو محدد کے لیے جہت درکار ہوئی نہ کہ جہت کی حد بندی محدد سے ہوئی،رَدّ بوجوہ کثیرہ ہے۔

اوّلاً اقول: ہم روشن بیانوں سے باطل کرچکے کہ فلک محدد جہات ہے تو وہ در با

عہ:اس بحث میں جن کے لیے یہ مقامات وضع ہوئے اگرچہ اس مسئلہ کی حاجت نہیں مگر ضروری دینی ایمانی مسئلہ ہے اور انہیں مقامات نے اسے بعونہ تعالٰی صاف کردیا لہٰذا ان کے بعد اسے ایک مستقل مقام مقرر کرنا مناسب ہوا کہ نہایت اہمیت رکھتا ہے ۱۲منہ غفرلہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

ہی جل گیا جس پر یہ اور بیسیوں تفریعات باطلہ تھیں۔

ثانیًا اقول: ہم روشن بیانوں سے ثابت کر چکے کہ فلک میں مبدء میل مستقیم ہے تو ضرور اجزاء میں بھی ہے کہ طبیعت متحد ہے پھر عدم قبول اینیہ کیا معنی۔

ثالثًا: خرق کے لیے اینیہ کیا ضرور، مستدیرہ سے بھی ہو سکتا ہے، مثلاً سارے محدود کا دل بیچ میں سے چیر کر تلے اوپر دو کرے ہو جائیں ایک متحرک رہے ایک ساکن، یا ایک شرق کو چلے ایک غرب کو، تو یہ حرکت کسی جہت سے جہت کو نہ ہوئی کہ تحدید جہات کے خلاف ہو۔ متشدق جونپوری نے کہا۔ یوں تو محدود ہی اوپر والا ٹکڑا رہے گا نیچے کو لغو ہوگا۔

اقول: یہ بوجوہ مردود ہے۔

(۱) آج تک جسے محدود کہہ رہے تھے اس کے ٹکڑے ہو گئے اب اس ٹکڑے کی خبر سناؤ کیا اسی طرح بیچ میں سے نہیں چِر سکتا تو اب اس کا نصف زیریں لغو ہو جائے گا، نصف بالا محدود رہے گا۔ اب اس میں کلام ہوگا اور کہیں نہ رکے گا کہ تقسیم جسم غیر متناہی مانتے ہو۔ لاجرم تمہارے ہاتھ میں خالی خیالی ہوا کے سوا کچھ نہ ہوگا جسے محدود مقرر کرو محدود صاحب جہات کی تردید کرتے تھے یہاں خود انہیں کی تحدید پڑ گئے، قرار ہوگا تو صرف اس پر کہ صرف سطح محدب محدد ہے اب سارا دل لغو محض رہا۔ بقائے محدب کے بعد محدد کے تمام اجزاء نیچے اوپر ادھر ادھر ہوا کریں کٹ کٹ کر گرا کریں تحدید پر حرف نہیں آتا۔ کیا اسی کا نام استحالہ خرق تھا۔

(۲) کیوں دو ٹکڑے نیچے اوپر لیجئے بلکہ مثلاً معتدل[عـــہ] النہار پر دو ٹکڑے ہو جائیں، یونہی دونوں

عـــہ: بعض نے کہا تھا کہ ممکن کہ فلک کا ایک جزو دائرے پر حرکت کرے تو حرکت جہت کو نہ ہوئی اور خرق ہو گیا۔ علامہ سید شریف نے حاشیہ شرح حکمۃ العین میں جواب دیا کہ ضرور اس کے جز کے لیے حرکت اینیہ ہوئی تو وہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو اور محدد کے ساتھ بحال تو ہم جو اس جز کی حرکت ہے وہ محض وہم میں ہے نہ خارج میں۔

اقول: اوّلًا: اس جواب کو ہماری تقریر سے مس نہیں کہ پورے حلقے کی حرکت ہرگز اینیہ نہیں قطعًا وضعیہ ہے۔

ثانیًا: وہ اعتراض کہ آتا ہے کہ جز کی حرکت اینیہ ضرور جہت سے جہت کو ہوگی، مگر (باقی برصفحہ آئندہ)

طرف اس کے موازی ہر مدار پر کہ سارا فلک چھلے چھلے ہو جائے اور جس طرح یہ چھلے اب موہوم ہیں، اور توہم میں حرکت مستدیرہ کررہے ہیں کہ صرف وضع بدلتی ہے این نہیں بدلتا یونہی اس وقت یہ چھلے اور ان کے دورے واقع ہوجائیں توان میں کسی کی حرکت جہت سے جہت کو نہ ہوگی۔ جس طرح اب نہیں اور بیچارہ فلک پاش پاش پرزے پرزے ہوگیا۔اب ان ٹکڑوں میں نہ کوئی محیط ہے نہ کوئی محاط لغو کسے کروگے ہاں یہاں حرزبانی کا شبہ وارد ہوگا کہ خرق والتیام بے اقتران وافتراق اجزاء نہ ہوگا اور وہ مستدعی حرکت اینیہ۔

اقول: وباللہ التوفیق ایک ہموار سطح کا دوسری ہموار سطح سے تماس کلی کہ اصلاً باہم فصل نہ رہے۔ ممکن ہے یا نہیں مثلاً دو مساوی جسم ہرایک نصف کرے کی صحیح شکل پر ہو۔اگر انہیں ملا کر پورے کرلے گی شکل پر رکھیں تو بالکل مل جائیں گے یا ایک سطح دوسری سے وصل ہو ہی نہیں سکتی۔ فصل ضرور ہے۔برتقدیر ثانی یہ فصل ایک نقطے کی قدر ہے یا خط کی علی الاول نقطہ جو ھری ثابت خواہ وہ نقطہ قائمہ بذاتہ ہو یا کسی شیئ ثالث سے جوان دو میں فصل ہے علی الثانی اس فصل میں کوئی جسم نہیں توخلا لازم اور ہے تواس کی سطحوں سے ان پہلی دو سطحوں کا تماس کلی

مثلاً مشرق سے مغرب کو یا بالعکس اور ان جہات کی تحدید محدود سے نہیں تحدید تحت وفوق کی ہے۔اور جزکی حرکت قطعاً ان کی طرف نہیں۔

ثالثاً: جزکی حرکت محض اختراع وہم ماننا فلک کی حرکتِ مستدیرہ کا خاتمہ کردے گا کہ وہ نہیں مگر استخراج اوضاع کو۔اور اصالۃً وضع نہ بدلتی مگر اجزاکی، اور وہ موہوم ہیں۔ موہوم کے لیے خارج میں کوئی وضع بھی نہیں کہ وہ خود ہی خارج میں نہیں پھر یہ حرکت کس لیے۔

رابعًا: سکونِ قلب پر جو استحالہ مانتے ہیں کہ ایک وضع کا لزوم ہوگا اور وہ ترجیح بلامرجح ہے اجزائے فلک کی نسبت سب اوضاع سے برابر ہے یہ بھی باطل ہوگیا، نہ اجزا ہیں، نہ اوضاع، نہ لزوم، نہ تبدل رہا وجود منشا کا عذر۔

اقول: مشترک ہے غرض۔

ولن یصلح العطار ما افسدہ الدھر (۱۲منہ غفرلہ)

(عطار ہرگز اس کی اصلاح نہیں کرسکتا جس کو زمانہ نے بگاڑ دیا۔ت)

ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو وہاں وہی کلام ہوگا اور منقطع نہ ہوگا مگر تسلیم خلا ملا یا اس اقرار پر کہ ہاں دو جدا جدا سطحیں ایسی وصل ہو سکتی ہیں کہ بیچ میں اصلاً نقطے بھر بھی فصل نہ ہو۔ جب دو جسم منفصل میں ایسا اتصال ممکن تو جسم متصل میں کیوں ایسا انفصال ناممکن، ضرور جائز کہ دو حصے ہو جائیں اور انکے بیچ میں اصلاً فصل نہ ہو اور جب فصل نہ ہوا مسافت نہ ہوئی حرکت کہاں سے آئے گی، یہ جو ذہن پر مستولی ہو رہا ہے کہ پھٹے گا تو ہٹے گا، یہ استیلائے وہم ہے کہ ہم نے افتراق یوں ہی ہوتے دیکھا اور یہی ہمارے خیال میں ہے اور عقل قطعاً جائز رکھتی ہے کہ دو ٹکڑے اس حالت پر پیدا ہوں جو حالت دو املس سطحوں کے وصل سے ہوتی ہے کہ ہیں دو اور فصل نام کو نہیں،

انتہاءً یہ صورت واقع ہے ابتداءً کون مانع ہے۔

رابعًا اقول: جہت کو منتہائے اشارہ حسیہ کہتے ہو اور مقعر اطلس یقیناً منتہی نہیں اشارہ قطعاً محدب تک جائے گا تو ثخن بلاشبہ تحدید میں لغو ہے، اب اجزائے ثخن میں حرکت اینیہ سے کون مانع تو ظاہر ہوا کہ میبذی نے جو تقرر کی کہ خرق حرکت [عہ۱] مستقیمہ سے ہو تو فلک اس کا قابل نہیں اور مستدیرہ سے ہو کہ بعض جزو ایک طرف حرکت مستدیرہ کریں اور بعض دوسری طرف، یا ساکن رہیں، یہ طبعاً نہیں ہو سکتی کہ طبیعت اجزاء متحد نہ قسراً کہ فلک پر قاسر نہیں، نہ ارادۃً کہ فلک بسیط ہے، آلات مختلف نہیں رکھتا جن کے ذریعے سے فلکی بالارادہ مختلف افعال کرے۔

اقول: محض ندامن بعید و دور از کار ہے، قطع نظر اس سے کہ اس کا ایک مقدمہ باطل جس کا بطلان بارہا ظاہر ہو چکا ہے۔ ہمارے کلام سے اصلاً مس نہیں منع مستقیمہ پر بنائے تحدید ہے اور تحدید میں ثخن لغو۔

خامسًا: فلک محدود ہے تو فوق و تحت کا [عہ۲] نہ ہر جہت کا، ممکن کہ جزء فلک گرد مرکز عالم

عہ۱: (۱) منع مستقیمہ ممنوع (۲) اتحاد طبع ممنوع (۳) منع قاسر ممنوع (۴) بساطت فلک ممنوع (۵) آلات مختلفہ نہ ہونا ممنوع جس طرح ہمارے جوارح ہمارے نفس کے آلات ہیں یونہی فلک کے پرزے خارج حامل جوزہر مائل مدیر تدویر متمم حاوی محدی کواکب نفس فلکی کے ہونا کیا محال۔ (۶) اقول: ایک جزو متحرک اور دوسرا ساکن تو اختلاف افعال نہ ہوا سکون فعل نہیں۔ ۱۲۔

عہ۲: علامہ سید شریف نے بھی حاشیہ شرح حکمۃ العین میں اسے نقل کیا اور اتنا بڑھایا کہ یہ دعوی (باقی برصفحہ آئندہ)

حرکتِ مستدیرہ کرے تو خرق ہوا، اور تحدید جہتین میں کچھ فرق نہ آیا کہ یہ حرکت تحت و فوق میں نہیں (شرح تجرید قوشجی)
اس کا جواب میر ہاشم وغیرہ نے حواشی میبذی میں دیا کہ دوانی نے تحقیق کیا ہے کہ جہات ستّہ سے باقی چھ جہتیں بھی انہیں فوق و تحت کی طرف راجع ہیں۔

اقول: ہاں جو حرکات خطوط مستقیمہ یا منحنیہ، غیر مستدیرہ یا مستدیرہ غیر محیط بمرکز عالم یا محیط خارجۃ المرکز پر ہوں ضرور تحت و فوق کی طرف راجع ہیں لیکن جو خطوط مستدیرہ موافقۃ المرکز پر ہوں محال ہے کہ ان کی طرف راجع ہوں ورنہ مرکز سے دائرہ تک بعد مساوی نہ رہے گا۔ **کمالا یخفٰی** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں) ت) بلکہ سیالکوٹی نے یوں تقریر کی کہ اینیہ نہ ہوگی مگر ایک جہت حقیقیۃ سے دوسری کو کہ یا دونوں مکان طبعی ہوں گے یا دونوں قسری، یا ایک طبعی ایک قسری، بہر حال حرکت حقیقیہ سے حقیقیہ کو ہے۔ (حاشیہ شرح مواقف)

اقول: (ا) یہ اسی بداہت کے خلاف ہے گرد مرکز عالم کسی دائرہ موافق المرکز پر حرکت کیونکر تحت سے فوق یا فوق سے تحت کو ہو سکتی ہے حالانکہ ہر وقت مرکز سے بعد یکساں ہے۔

(۲) اگر اینیہ جہات حقیقیہ ہی میں منحصر تو زمین اگر اپنی کرویت حقیقیہ پر رہتی کوئی سیّاح تمام روئے زمین کے ذرے ذرے پر سیاحت کر آنے والا کبھی خواہ کیسے ہی منحنی خطوط پر مختلف جہات میں چلتا متحرک نہ ٹھہرتا کہ آن کو بھی جہات حقیقیہ سے اس کا فاصلہ نہ بدلا۔

(۳) جزء نار اگر کرہ نار پر حرکت اینیہ مستدیرہ کرے طبعی سے طبعی کی طرف منتقل ہے اور حقیقیہ سے حقیقیہ کی طرف نہیں۔

(۳) جزء نار اگر محدب ہوا میں یونہی متحرک ہو قسری سے قسری کی طرف منتقل ہے اور حقیقیہ میں تبدیل نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہیں کر سکتا کہ ہر حرکت مستقیمہ (یعنی اینیہ) جہت حقیقیہ سے جہت حقیقیہ ہی کی طرف ہو پھر فرمایا فتامل، اس کے بعد وہ تقریر فرمائی کہ اینیہ نہ ہوگی مگر جہت سے جہت کو۔

اقول: جب تک وہ ثابت نہ ہولے کہ اینیہ نہ ہوگی مگر تحت و فوق میں اس تقریر کا محل نہ تھا اور اس کے اثبات کی طرف کوئی راہ نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

سادسًا اقول: محدد کے لیلے جہت درکار نہیں بلکہ اس کے اجزا [عہ] کی حرکت کے لیے تو کیا محال ہے کہ

عــــہ: انت تعلم ان الکلام فی الاجزاء المقداریۃ و یکفی للخرق افتراقہا وہی مؤخرۃ عن الکل فاندفع مافی المیبذی من ان التحدید مقدم علی الاجزاء والاجزاء علی الکل فلزم تقدم التحدید علی الفلک [1] انتہی، اما زعم صدرا ان امکان الحرکۃ الاینیۃ فی جسم یتوقف علٰی وجود الجھۃ وتحددھا بجسم اخر اذلولا ھی لامتنعت الاینیۃ فیجب تقدم الجھات وتحددھا بالتحدید علی الاجزاء الاعلٰی حرکاتہا فقط [2] انتہٰی **فاقول: اولا منقوض** بالحرکۃ الوضعیۃ فان امکانہا فی جسم یتوقف علٰی وجود الاوضاع و تعینہا بجسم اخر اذلولا ھی و تعبھا لامتنعت الوضعیۃ فیجب تقدم الاوضاع علی جنس الاجزاء لا علٰی حرکاتہا فقط وھو اشنع المحالات اذلاوضع للاجزاء اذھو

تو جانتا ہے کہ گفتگو اجزائے مقداریہ میں ہے اور خرق کے لیے ان کا افتراق کافی ہے اور وہ کل سے موخر ہیں چنانچہ اس سے میبذی کے اس قول کا اندفاع ہوگیا کہ تحدید مقدم ہے اجزاء پر اور اجزاء مقدم ہیں کل پر، تو اس طرح تحدید کا فلک پر مقدم ہونا لازم آیا انتہی، رہا صدرا کا زعم کہ کسی جسم میں حرکت اینیہ کا امکان وجودِ جہت اور اس کے کسی دوسرے جسم کے ساتھ تحدد پر موقوف ہے کیونکہ اگر جہت موجود نہ ہوگی تو اینیہ ممتنع ہوگی لہٰذا جہات اور تحدید کے ساتھ ان کے تحدد کا نفس اجزاء پر مقدم ہونا واجب ہوگا نہ کہ فقط ان کی حرکات پر، انتہی، میں کہتا ہوں **اولا** تو یہ منقوض ہے حرکتِ وضعیہ سے کہ اس کا کسی جسم میں امکان اوضاع کے وجود اور کسی دوسرے جسم کے ساتھ ان کے تعین پر موقوف ہے اس لیے کہ اگر وہ نہ ہوں اور ان کا تعین نہ ہو تو وضعیہ ممتنع ہوگی لہٰذا اوضاع کی تقدیم جنس اجزاء پر واجب ہوگی نہ کہ فقط ان کی حرکات پر، یہ بدترین محال ہے کیونکہ اجزاء کی کوئی وضع نہیں۔ اس لیے

---

[1] المیبذی الفن الثانی فی الفلکیات فصل ان الفلک بسیط المطبع المحمدی لکھنو ص ۱۶۶

[2] صدرا (شرح ہدایت الحکمۃ)

ان کے اجزاء کی حرکت کو وہی جہات درکار ہوں جن کی حد بندی خود اس کی شکل نے کی۔ توضیح اس کی یہ کہ خرق کے لیے خود فلک کا حرکت اینیہ کرنا مطلوب نہیں بلکہ اس کے بعض اجزاء کا اور تحدید صرف اس کے تشکل پر موقوف اور تشکل مساوق تعیین اور تعین مساوق وجود تو وجود تک تحدید پر فقط ایک مرتبہ تقدم ہے وہ بھی ذاتی نہ زمانی اور اجزا کی حرکت اینیہ ممکن کہ ارادی ہو فلک کا نفس منطبع انہیں یہ حرکت دے جیسے تمہارے نزدیک کل کو حرکت مستدیرہ دے رہا ہے اور اس ارادہ کا لازم وجود ہونا ضرور نہیں ممکن کہ لایزال میں ہو جس طرح کل متعاقب حادث دورے نئے نئے تخیلات نفس منطبعہ سے پیدا ہو رہے ہیں۔ ممکن کہ وہ تخیل و شوق جو اجزائے مذکورہ کو حرکت اینیہ دینے پر باعث ہوا کسی دورہ خاصہ کل سے منوط و مشروط ہو جیسے ہر دورہ دورہ آئندہ کے لیے معد ہوتا ہے تو یہ تحریک نہ ہوگی۔ مگر حادث، اور اسے جہات وہی درکار ہوں گی جن کی حد بندی خود شکل فلک تمہارے زعم سے ازل میں کر چکی۔

سابعًا اقول: بلکہ ممکن کہ یہ حرکت ارادیہ بھی وجود فلک کے ساتھ ہی ہوا اور اب بھی تحدید کو اس پر تقدم ہی رہے گا کہ یہ حرکت ارادے پر موقوف اور ارادہ شوق پر اور شوق تصور پر اور تصور وجود پر تو وجود کو حرکت پر چار مرتبے تقدم ہوا اور تحدید پر ایک ہی مرتبہ تھا تو تحدید حرکت پر تین مرتبہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

المتبدل فی الوضعیة دون وضع الکل و **ثانیًا** وھو الحل ان اراد الامکان الذاتی بمعنی ان الجسم فی حد ذاته لا یاباھا فلا یجب له وجود الجهات بل تصورھا وان اراد الوقوعی لایجب کونه مع الذات حتی یلزم تقدم الجهات علی نفس الاجزاء ۱۲ منه غفرله۔

کہ وہی متبدل ہوتی ہے حرکت وضعیہ میں نہ کہ وضع کل اور میں **ثانیًا** کہتا ہوں اور وہی حل ہے کہ امکان سے اگر اس کی مراد امکان ذاتی ہے بایں معنی کہ جسم باعتبار اپنی ذات کے اس سے انکاری نہیں ہے تو اس کے لیے وجودِ جہت واجب نہیں بلکہ تصور جہت واجب ہے اور اگر اس کی مراد امکان سے امکان واقعی ہے تو اس کا ذات کے ساتھ ہونا واجب نہیں یہاں تک کہ جہات کا نفس اجزاء پر مقدم ہونا لازم آئے۔ (۱۲ منہ) (ت)

مقدم رہی۔

ثامنًا اقول: ہم ثابت کریں گے کہ بساطت فلک باطل ہے اور جب اجزاء مختلف الطبائع ہوئے تو خود کہتے ہو کہ وہ طبعًا اپنے اپنی حیز کے طالب اور اجتماع پر مقسور ہوں گے اور قسر کو دوام نہیں رفتہ رفتہ ضعیف ہو کر قوی اجزاء غالب آکر ترکیب کی گرہ کھل جائے گی اور اجزاء اپنے اپنے حیز کو جائیں گے تو یہ حرکت نہ ہوگی مگر لایزال میں اور تحدید ازل میں ہوچکی۔ اگر کہے حرکت کبھی ہو جب طبعی ہے اس کا اقتضا تو طبیعت میں مدد وجود سے ہوگا جس پر وجود کو ایک ہی مرتبہ تقدم ذاتی ہوگا اور اسی قدر تحدید پر تھا تو اقتضائے حرکت اینیہ وتحدید مرتبہ واحدہ میں ہوگئے حالانکہ تحدید اس پر مقدم ہے کہ اسے اس پر توقف ہے۔

اقول: اگر نفس اقتضائے حرکت وجود جہت پر موقوف بھی ہو تو حرکت مقتضائے طبع نہیں مگر بالعرض جب حیز میں نہ ہو تو اقتضائے حرکت فقدان حیز پر موقوف اور فقدان حیز قسر پر اور قسر اقتضائے طبعی حیز پر کہ جہاں طبع نہیں قسر نہیں اور اقتضائے طبعی وجود پر تو اقتضائے حرکت وجود سے چار مرتبہ موخر ہے اور تحدید ایک ہی مرتبہ تو تحدید اقتضائے حرکت پر تین مرتبہ مقدم رہی۔ اگر کہیے نفس حیز میں فوق وتحت ملحوظ خفیف کا وہ ثقیل کا یہ۔

اقول: ہر جسم کا حیز ایک ہویت رکھتا ہے جس کے سبب اس کی طرف اشارہ حسیہ اوروں سے جدا ہے وہ ہویت مقتضائے طبع ہے فوق وتحت ملحوظ نہیں اور اگر نہیں مانتے تو فلک الافلاک کا حیز طبعی بتاؤ۔ اگر کہیے وہ وضع جس سے وہ باقی اجسام سے ممتاز ہے اور وہ اس کا سب سے اوپر ہونا ہے۔ (ہدیہ سعیدیہ)

اقول: اب اقتضائے فوقیت مقتضے سے پہلے تحدید جہات چاہے گا محدد محدد نہ رہا۔ اگر کہئے وہ ترتیب جس سے وہ باقی اجسام سے ممتاز ہے۔ (جونپوری فصل شکل)

اقول: یہ بھی اول کے قریب یا دوسرے لفظوں میں وہی ہے ترتیب ممتاز یہی ہے کہ سب سے اوپر ہے، معہذا یہ دونوں لوسی کے طور پر باطل ہیں کہ ہر ایک میں لحاظ امور کارجہ کا ہے تو حیز طبعی نہ ہوا۔ اگر کہیے اس کی وضع (جونپوری فصل حیز) یہ لفظ مجمل ہے وضع سے اگر وہ نسبت مراد جو اس کے اجزا کو دیگر اجسام سے ہے تو نسبب لحاظ خارج حیز طبعی نہیں، ولہٰذا طوسی نے اس معنی سے انکار کیا۔ معہذا یہ وضع تو ہر وقت بدل رہی ہے اگر طبعی ہوتی نہ بدلتی کہ فلک پر قاسر نہیں مانتے۔

اقول: یہی رَد اُن کے طور پر صحیح ہے نہ وہ کہ طوسی نے کہا، ہم عنقریب بیان کریں گے

کہ مقتضی بالفتح میں لحاظ خارج ہوگا، ہاں یہ اعتراض کریں کہ اجزا کا لحاظ خود خارج کا لحاظ ہے جیسا کہ ابھی آتا ہے تو ضرور صحیح اور اگر وہ نسبت جو باہم اس کے اجزاء میں ہے اسے طوسی نے اختیار کیا اور نہ جانا کہ یہ کب لحاظ خارج سے خارج ہے فلک جسم متصل وحدانی ہے نہ اس میں اجزاء نہ اُن کے اوضاع تو طبیعت اگر اپنی حالت پر چھوڑی جائے ان میں سے کچھ نہ ہوگا جس کا اقتضا کرے۔

اقول: معہذا جب اجزا محد الطبع ہر ایک کے لیے ایک وضع کی تخصیص کا اقتضا کیا معنی وضع کے تیسرے معنی اور ہیں ایسا ہونا کہ اشارہ حسیہ ہوسکے سیالکوٹی اور ان کے اتباع سے حمد اللہ نے کہا یہ تو صورت جسیمہ کا مقتضی ہے طبائع مختلفہ سے تعلق نہیں، تعلق نہیں رکھتا تو مراد نہیں ہوسکتا۔

اقول: جسمیہ کا مقتضی مطلق اشارہ حسیہ کا صالح ہونا ہے نہ خاص اشارہ محدود کا جو بے کم وبیش یہاں تک منتہی ہے یہ وہی حیز طبعی کی تحدید ہے کہ طبیعت سے ہوئی لاجرم فلک اطلس کا حیز طبعی یہی وضع بمعنی اخیر ہے اور اس میں فوق وتحت ملحوظ نہیں یونہی تمام اجسام کے لیے عندالتحقیق ہر ایک کے لیے جو وضع خاص محدود ہے وہی اس کا حیز طبعی ہے نہ جس طرح ابن سینا نے کہا کہ یہ خاص اطلس میں ہے باقی میں حیز طبعی ان کا مکان مکان تو تمہارے نزدیک سطح حاوی ہے تو لحاظ خارج سے چارہ نہیں پھر طبعی کب ہوا۔ (حمد اللہ)

اقول: یہ وارد نہیں طبعی کے لیے جانب مقتضی بالکسر ہیں لحاظ خارج نہیں نہ کہ جانب مقتضی بالفتح میں ورنہ حیز خود ایک امر خارج ہے کیونکر مقتضی ہوگا۔ رہا یہ کہ اس پر صحیح رد کیا ہے۔

اقول: ظاہر ہے کہ جسم اگر اپنی طبیعت پر چھوڑا جائے ہرگز اس کا قتضایہ نہ ہوگا کہ کوئی دوسرا جسم اسے حاوی ہو تو مکان کو طبعی کہنا جہل ہے بلکہ وہی وضع مذکور ہر ایک کے لیے اس کا حیز طبعی ہے۔ اگر کہیے اشارہ نہ ہوگا مگر جہت کو تو وضع بایں معنی خود محتاج جہات ہے۔

اقول: ہاں مگر محتاج تحدید جہات نہیں کہ تحت یہیں تک ہے فوق آگے نہیں اور محذور تقدم تحدید میں ہے نہ تقدم نفس جہت میں، ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔

تاسعًا اقول: یہاں سے ایک اور رد واضح ہوا حرکت کی جہت چاہیے کہ مبدء ومنتہی کی طرف اشارہ جدا ہو تحدید کی حاجت نہیں اور نفس جہد کی حاجت خود محدد کو ہے کہ بے اس کے اس کا حیز طبعی

نا متصور سرے سے شبہ کا مبنی ہی اڑ گیا۔

عاشراً اقول: سب جانے دو فلک بسیط ہی سہی اور حرکت کے لیے تحدید کی حاجت اور یہ حرکت اجزانہ طبعیہ نہ ارادیہ پھر قاسر سے کون مانع ہے ہم روشن کر چکے کہ فلک پر قاصر جائز، اب اس کی تحدید کی ہوئی جہات میں قاسر کا اس کے اجزاء کو حرکت دینا کیا محال ہے۔

تنبیہ: ہم نے حرکت اجزاء ارادیہ طبیعہ قسریہ ہر طرح کی لی ان میں جائز کہ نیچے ہی کے اجزا حیز غریب میں ہوں یا انہیں سے ارادہ متعلق ہو کہ خود مرجح ہے یا کوئی وجہ ترجیح ہو یا قاسر انہیں پر قسر کرے خواہ ارادۃً یا یوں کہ مثلاً بوجہ قرب انہیں پر اثر قسر پہنچے ان سب صورتوں میں اوپر کے اجزاء کہ حافظ محدب ہیں برقرار رہیں گے اور ممکن کہ وہ بھی تخلخل و تکاثف سے حرکت اینیہ کریں یا ان کا کوئی حصہ کٹ کر نیچے آئے اور معا دوسرا جسم پیدا ہو کر اس کی جگہ بھر دے یا جوش دیگ کی طرح اوپر کے اجزا نیچے نیچے کے اوپر جایا کریں۔ ان میں سب کو حرکت اینیہ ہوگی اور جملہ صور میں تحدید جہت میں خلل نہ آئے گا۔

الحمدللہ تلك عشرة کاملة (الحمدللہ یہ پوری دس ہوئیں ۱۰ ت) فلک اعلٰی پر تھا۔ اب ایک باقی افلاک پر بھی سن لیجئے۔

حادی عشر: تحدید کا قصہ فلک اطلس میں تھا باقی آٹھ پر خرق سے کیا مانع اور معراج مبارک میں انہیں سات آٹھ کا خرق درکار نہ کہ تاسع کا جسے تم عرش اعظم سمجھتے ہو۔ اس پر فلسفی نے کہا کہ ہر فلک میں مبدء میل متدیر ہے تو مبدء میل مستقیم نہیں کہ اجتماع محال اور فلک پر قسر محال میل مستقیم محال تو حرکت مستقیمہ محال تو خرق محال۔ یہ انہیں مقدمات باطلہ اور انکی امثال ہوساتِ عاطلہ پر مبنی ہے۔

اوّلاً اقول: حرکتِ متدیرہ کہ مرصاد ہے حرکت کواکب ہے عنقریب آتا ہے کہ کسی فلک کے لیے حرکت در کنار اس کی صلاحیت ثابت نہیں تو مبدء میل متدیر کہاں سے آئے گا۔

ثانیاً اقول: بلکہ ہم ثابت کریں گے کہ اصولِ فلسفہ پر فلک کی حرکت متدیرہ بلکہ مطلقاً حرکت محال۔

ثالثاً اقول: ہم ثابت کر چکے کہ فلک میں مبدء میل مستقیم ہے۔

رابعاً: اجتماع میلین کیا محال مثلاً بنگو اور پہیے کی حرکت میں دونوں ہیں۔ (مواقف)

اس عــہ پر عبدالحکیم نے کہا کہ حرکتِ مستدیرہ اصطلاح میں ہے وہ ہے کہ حیز سے باہر نہ کرے یہ دحرجہ میں کہاں (حاشیہ شرح مواقف)

اقول: (ا) یہ عجیب جواب ہے جب مستدیرہ کے معنی یہ لے لئے تو اس مستقیمہ سے امتناع اجتماع بدیہی ہو گیا۔ فلسفی کہ خود مسئلے کو نظری مان رہا اور جسم مرکب میں اجتماع میلین کے امتناع میں خود فلسفہ مضطرب ہو رہا ہے اس کا کیا محل رہا۔

(۲) کلام اجتماع دو مبدء میل میں ہے نہ بالفعل اجتماع میلین میں حرکت مستدیرہ محض وضعیہ ہونا کیا اس کے منافی کہ اس میں مبدء میل مستقیم بھی ہو حیز میں حرکت مستدیرہ کرے اور بغرض خروج مستدعی عود ہو یہی مبدء میل مستقیم ہے تو سند غیر مساوی پر کلام کو جواب سمجھنا قانون مناظرہ سے خروج ہے۔

فلسفی مقدمہ ممنوعہ کا ثبوت دیتا ہے کہ میل مستقیم خطِ مستقیم پر لے جانا چاہتا ہے اور مستدیر اس سے پھیرتا ہے تو دونوں متنافی ہیں، اور محال ہے کہ بسیط میں دو متنافیوں کا اقتضاء ہو اس پر صریح رد ہے کہ دو شرط سے دو متنافی کا اقتضاء کیا محال ہے مثلاً حیز میں ہو تو وضعیہ چاہے اور باہر ہو تو اینیہ جونپوری نے کہا دو متنافی اگر باختلاف احوال ایک غایت طبیعہ تک موصول ہوں تو دونوں بالعرض مقتضائے طبع ہو سکتے ہیں جیسے حیز سے باہر حرکت اور اندر سکون کہ دونوں سے مطلوب حیز طبعی ہے میل مستقیم و مستدیر ایسے نہیں اس کی غایت حیز ہے اور اس کی نہیں کہ یہ اس تک موصل نہیں معہذا اگر اس کی غایت یہی استدارہ نہ رہے۔ اور جب یہ متنافیون کی دو غایتیں ہوں تو اگر وہ غایتیں یہی متنافی ہوں تو طبیعت واحدہ مقتضی متنافیین نہیں ہو سکتی اور نہ ہوں تو طبیعت دونوں کو معاً چاہے گی تو ان تک موصل یعنی دونوں میل متنافی جمع ہو جائیں گے۔

اقول: (ا) جب دونوں اقتضا منوط بشروط اور شرطین متنافی تو ان کا اجتماع کیونکر

عــہ: بعض نے حواشی میبذی میں اور اونچی آن لی کہ اس کا مبنی الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد [1]۔

(واحد سے نہیں صادر ہوتا مگر واحد۔ت) ہے طبیعت واحدہ دو چیزوں کا اقتضا کیونکر کرے اقول: حیز، شکل، مقدار طبعی کیفیات جیسے زمین میں برودت، یبوست، بس ان میں سے ایک اختیار کرلو کہ وہ طبعی ہے باقی سب غیر طبعی، فلسفی ایسے بھی ہوتے ہیں، ۱۲منہ غفرلہ۔

---

[1] شرح المقاصد المبحث الرابع دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۱۶۱

ہو سکتا ہے۔ اقتضا میں داکل شرط مقتضی کے طبع ہونے کا مانع نہیں کہ شرط نہ مقتضی ہے، نہ جزء مقتضی جیسے خود میل مستقیم کہ بالا تفاق بخروج عن الخیر ہے۔ اور بالاتفاق طبعی ہے، اور اگر تم یہ اصطلاح گھڑو کہ طبعی وہی ہے کہ جو نفس طبیعت من حیث ھی ھی کا مقتضی ہو تو یہ مسئلہ جس لیے تم نے اچھالا ہے کہ فلک پر میل مستقیم اور عناصر پر مستدیر منع کرو جیساکہ جونپوری نے اس کے متصل فصل میں کیا وہ وہیں باطل ہو جائے گا۔ فلک وعناصر میں ثابت ہوا تو اتنا کہ میل کا اقتضا ہے یہ کہ خالص نفس طباع سے ہے جس میں کسی امر زائد کی اصلاً مداخلت نہیں۔ اس پر کیا دلیل غایت عدم ثبوت ہے نہ کہ ثبوت عدم۔

(۲) ہم وہ غایتیں لیتے ہیں کہ خود متنافی نہیں اور ان میں ایک منوط بشرط ہونا بدیہی اور تمہیں بھی تسلیم، اور دوسری بلاشرط اور دونوں میل اس حد تک موصل، کیا محال ہے کہ طبیعت تبدل وضع چاہے اور حیز کو تو چاہا ہی ہے اب اگر حیز سے باہر ہو حیز تک حرکت مستقیمہ کرے گ ادونوں غایتیں اسی حرکت سے حاصل ہوں گی حیز تک وصول یہی اور اوضاع کا تبدل یہی جب حیز میں پہنچا میل مستقیم ختم ہو جائے گا کہ اس کی غایت حاصل ہو گئی اب میل مستدیر شروع ہو گا کہ یہاں دوسری غایت یعنی تبدل اوضاع اسی سے ممکن تو حیز سے باہر مستقیمہ کرے گا اور حیز کے اندر مستدیرہ اور دونوں کا مبدء طبیعت واحدہ۔

خامسًا: اوپر کتنے وجوہ سے روشن ہو چکا کہ خرق حرکت مستقیمہ پر موقوف نہیں غرض دلیل ذلیل کا ایک حرف بھی صحیح نہیں۔

سادسًا: ارصاد نے اگر بتایا تو اتنا کہ فلک میں میل مستدیر ہے نہ یہ کہ ہمیشہ رہے گا نہ اس کے دوام پر دلیل تمام، تو کیا محال ہے کہ میل مستدیر منقطع ہو کر میل مستقیم حادث ہو، اب تو اجتماع متنافیین نہ ہوگا۔ (شرح مقاصد) ناتمامی دلیل دوام کا بیان عنقریب آتا ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

سابعًا اقول: سب سے لطیف تر یہ کہ دلیل جمیع مقدمات صحیح مان لیں جب بھی اُسے مدعا سے اصلاً مس نہیں نہ آئندہ بلکہ اس وقت خواہ کسی وقت خرق افلاک کی نافی نہیں، متفلسفہ کی نری عیاری ہے، وجہ سنیے۔ دلیل اگر بتائے گی تو صرف اتنا کہ دو میل طبعی جمع نہیں ہو سکتے اور براہِ چالاکی دعوی عام کیا کہ طباعی نہیں ہو سکتے جس میں طبعی وارادی دونوں آجائیں کہ فلک کی بگڑی بنائیں، مگر یہ ظلم شدید یا جہل بعید ہے ایک طبعی ایک ارادی ہو تو اصلاً تنافی نہ ان کا اجتماع دشوار، خود جونپوری نے میل مستقیم طبعی کے ساتھ میل مستدیر ارادی جائز رکھا ہے جیسے حیوان کہ قصداً گھومے، فلک میں

بعینہٖ یہی صورت ہے کہ اس کا گھومنا قصداً مانتے ہو طبیعت میں میل مستقیم ہونے سے کون مانع، یہ ہیں ان کے مزخرفات جن کو جونپوری دلائل حقہ قطعیہ واجب الاذعان کہتا ہے۔

"زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾"[1]	اس کے بُرے عمل اُسے بھلے دکھائے گئے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔(ت)

ان سات اور ان گیارہ جملہ اٹھارہ وجوہ نے بحمدہ تعالٰی روشن کردیا کہ خود فلک الافلاک اور جملہ افلاک کا خرق والتیام یقیناً جائز، اتنا عقلاً ہے اور سمعاً تو بالیقین خرق سماوات قطعاً واقع جس پر ایمان فرض۔

"وللہ الحجۃ السامیۃ وخسر ھنالك المبطلون، وقیل بعدًا للقوم الظّٰلمین، والحمد للہ ربّ الْعٰلمین"۔	اور اللہ ہی کے لیے بلند حجت ہے وہاں باطل والے خسارے میں ہوں گے اور فرمایا گیا دور ہوں ظالم لوگ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

اس ضروری مسئلہ دینی پر کلام بحمد اللہ تعالٰی ہماری کتاب کے خواص سے ہے اور ایک یہی کیا بفضلہٖ تعالٰی اس ساری کتاب میں معدودمباحث کے سوا عام ابحاث وہی ہیں کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائز ہوئی ہیں۔ اور ایک یہی کتاب نہیں، بعونہٖ عزوجل فقیر کی عامہ تصنیفات افکار تازہ سے مملوعـــہ ہوتی ہیں حتی کہ فقہ میں جہاں مقلدین کو ابدائے احکام میں مجال دم زدن نہیں۔

تحدثًا بنعمۃ اللہ واللہ ذوالفضل العظیم رب انعمت فزدیا واحد یاماجد لاتزل	اللہ تعالٰی کی نعمت کا ذکر کرتے ہوئے اور اللہ بڑے فضل والا ہے اے میرے پروردگار تُو نے انعام فرمایا ہے تو اس میں اضافہ فرما۔

عـــہ: صدقت یا سیدی لاریب فیہ از کان فضل اللہ علیك عظیما فاسئلك من زکوتہ حظًّا یسیرًا ؎

بملازمہ سلطان کہ رساند ایں دعارا

کہ بشکر بادشاہی بنواز دایں گدارا (الجیلانی)

---

[1] القرآن الکریم ۷ ۴/ ۱۴

عنی نعمۃ انعتمھا علی وصل وسلم علٰی نعمتك الکبرٰی ورحمتك المعداۃ وفضلك العظیم وعلٰی الہ وصحبہ وامتہ وحزبہ اجمعین اٰمین والحمدللہ رب العلمین"	اے واحد اے بزرگی والی! جو نعمت تو نے مجھے عطا فرمائی ہی وہ مجھ سے زائل نہ فرما۔ اور درود و سلام نازل فرما اپنی سب سے بڑی نعمت، اپنی بڑھی ہوئی رحمت اور اپنے فضل عظیم پر اور آپ کی آل آپ کے اصحاب اور آپ کی تمام امت پر۔ آمین! اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا (ت)

مقام ہفدہم

بسیط نہیں، فلسفی یہاں چار شبہے رکھتا ہے جن کا حاصل دو ہی ہے۔

شبہ ۱: اگر اجزائے مختلف الطبائع سے مرکب ہو تو ہر جزا اپنے حیز کا طالب ہوگا تو اجزا پر حرکت مستقیمہ جائز ہوگی جو فلک میں محال ہے، یہ ہے وہ جسے بہت طویل کہا تھا۔ ہم نے ایک سطر میں تلخیص کی اور اس کے کافی و وافی رد مقام ۶ و ۱۲ میں سن چکے۔

شبہ ۲: اجزاء بعض یا کل اپنے حیز سے جدا ہوں گے کہ دو طبیعتوں کا ایک حیز نہیں ہو سکتا تو جو غیر حیز میں ہے قسیرًا ہے اور قسر کو دوام نہیں۔ مقاومت طبع سے سست ہوتا جائے گا۔ اور بالاخر طبیعت غالب آئے گی اور گرہ کھل جائے گی تو فلک بکھر جائے گا اور حرکت باطل ہو جائے گی تو زمانہ منقطع ہو جائے گا کہ اُسی کی مقدار تھا حالانکہ زمانہ سرمدی ہے۔

اولًا: بارہا سن چکے کہ قسر کا وجوب انقطاع ممنوع

ثانیًا: عنقریب آتا ہے کہ زمانہ مقدار حرکت فلکیہ بلکہ اصلًا کسی حرکت کی مقدار نہیں۔

ثالثًا: یہ بھی کہ زمانہ سرے سے موجود ہی نہیں انقطاع و دوام کیسا۔

رابعًا: یہ بھی کہ زمانہ سرے سے موجود ہی نہیں انقطاع جائز۔

شبہ ۳: جن اجزاء سے فلک مرکب ہو اُن کی انتہا بسائط پر ضرور، ہر بسیط اگر اپنی شکل طبعی پر ہو تو کرہ ہوگا کہ بسیط کی یہی شکل طبعی ہے اور متعدد کرے مل کر ایک سطح کروی نہیں بن سکتی (کہ ہر دو کا تماس نہ ہوگا مگر ایک نقطے پر باقی بیچ میں فرجہ رہے گا) ورنہ جو شکل غیر طبعی پر ہوں ان کا طبعی کی طرف عود جائز ہوگا تو حرکت مستقیمہ جائز ہوئی۔ (جونپوری)

اقول: یہ وہی شبہ اولیٰ ہے اور انہیں ردود سے مردود، فرق اتنا کردیا ہے کہ وہاں حیز پر کلام تھا یہاں شکل پر۔

شبہ ۴: وہ بسائط جن سے فلک کا ترکب ہو طبیعت واحدہ پر ہوں گے یا مختلف بر تقدیر اول ایک طبیعت کے متعدد فرد یونہی ہوتے ہیں کہ ہیولیٰ میں انفصال ہو کر ایک حصہ اس فرد کے لیے ہو ایک اس کے لیے اور مادہ قابلِ انفصال نہیں ہوتا جب تک کوئی صورت نہ پہنے وہ صورت اگر یہی تھی جواب ہے تو قابل خرق ہوئی اور دوسری تھی تو کون وفساد ہوا اور فلک پر دونوں محال، بر تقدیر ثانی ہر بسیط اگر اپنے حیز طبعی میں ہو تو محیط کی جہتیں مختلف ہوجائیں گی کہ ان میں ایک سے قریب ایک حیز کا حیز طبعی ہو دوسری سے دوسرے کا تو وہ جہات اس جسم سے پہلے تحدید پاچکیں فلک محدود نہ ہوا (جونپوری)

اقول اولاً: فلک پر خرق جائز مگر "**اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ**" [1] (ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا تھا۔ت)

ثانیاً: کون وفساد کا امتناعِ حرکت مستقیمہ پر مبنی اور وہ باطل۔

ثالثاً: فلک کا محدد ہونا مردود۔

رابعاً: شق ثانی میں یہ شق چھوڑ دی کہ بعض غیر طبعی میں ہوں اور اس کے لیے پھر اُسی شُبہ اولی کی طرف رجوع ضرور ہوگی جس طرح وہاں یہ شق متروک تھی کہ سب اپنے اپنے حیز طبعی میں ہوں جس کے لیے اسی شبہ چہارم کی طرف رجوع ہوئی تو دونوں مل کر شبہ واحدہ ہیں کلام یہاں طویل ہے مگر **خیر الکلام ماقل ودلّ** (بہترین کلام وہ ہے جو مختصر اور جامع ہوت)

اقول: یہ تو ان کے شبہات تھے، اب ہم اصولِ فلسفہ پر حجت قطعیہ پیش کریں کہ بساطت فلک محال، فلک اگر بسیط ہو تو اس کا سکون محال ہو کہ اجزاء متحد الطبع ہیں۔ ہر چیز کو سب اوضاع سے نسبت یکساں تو ایک پر قرار ترجیح بلا مرجح، نیز حرکت محال ہو کہ حرکت اینیہ ہوگی۔ یا وضعیہ فلک پر اینیہ محال اور وضعیہ کے لیے تعیین قطبین درکار، اور سب اجزاء صالح قطبیت، تو سب کو چھوڑ کر دو کی تخصیص ترجیح بلا مرجح، اور جب بر بنائے بساطت سکون وحرکت دونوں محال اور جسم کا اُن سے خلو محال تو بساطت محال۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۹۳

مقام ہیجدہم

فلک کا قابلِ حرکت مستدیرہ ہونا ثابت نہیں، فلسفی اس کا یہ ثبوت دیتا ہے کہ فلک میں جتنے اجزاء فرض کرو متحد الطبع ہوں گے کہ وہ بسیط ہے تو کسی جزکے لیے کوئی وضع معین لازم نہیں تمام اوضاع سے اُسے یکساں نسبت، تو ہر جز پر ایک وضع سے دوسری کی طرف انتقال جائز اور یہ یہاں حرکت مستقیمہ سے نہ ہوگا کہ فلک پر اینیہ جائز نہیں، لاجرم مستدیرہ سے ہوگا، تو ثابت ہوا کہ فلک قابل حرکت مستدیرہ ہے، اور ثابت ہوا کہ اس میں مبدء میل مستدیر ہے کہ جواز تبدیل [عہ] خود اس کی ذات سے ناشی ہے۔ لہٰذا خارج سے ہو تو قسر ہو اور قسر بے میل طبعی ناممکن اور فلک میں میل طبعی نہیں تو قسر محال تو قابل استدارہ نہ رہے گا حرکت بے میل ناممکن، لاجرم اس میں مبدء میل مستدیر ہے۔

(ردّ) یہ سب زخرفہ ہے۔

ثانیاً اقول: امتناع اینیہ بربنائے تحدید ہے اور تحدید ثابت نہیں۔

ثالثاً اقول: ہم ثابت کرچکے کہ اس میں مبدء میل مستقیم ہے۔

رابعاً اقول: ہم باطل کرچکے کہ قسر بے میل طبعی نہیں۔

خامساً: عنقریب آتا ہے کہ یہی دلیل فلک کی حرکت مستدیرہ محال کررہی ہے نہ کہ قابلیت

عـــہ: **اقول:** یہ جملہ دلیل میں اپنی طرف سے زائد کیا ہے اور اس میں علامہ خواجہ زادہ کے اس ایراد کا جواب ہے کہ تبدیل وضع کے لیے فلک ہی کی حرکت کیا ضرور دوسرا جسم جس کے اعتبار سے اوضاع لی جائیں اس کی حرکت بھی تبدیل اوضاع کردے گی۔ علامہ کا دوسرا ایراد یہ ہے کہ ممکن کے بعض اجزاء کو ایک جداگانہ صورتِ نوعیہ ملے جو اس وضع خاص کا اقتضاء کرے۔

اقول: یہ دو باتوں پر مبنی، ایک یہ کہ یا تو فلک بسیط نہ ہو یا افاضہ صورت استعداد مادہ پر موقوف نہ ہو کہ فاعل مختار ہے، دوسرے یہ کہ فلک پر قسر جائز ہو کہ جب بعض کی صورت نوعیہ کل کو حرکت سے مانع ہوئی تو باقی اجزاء مقسور ہوئے اور ان میں سے ہر بات خود ہی ان کی دلیل کی ہادم ہے تو اس اضافہ لفاضہ کی حاجت نہیں اور اگر ان کے اصول پر کلام مبنی ہو تو نہ خاک پر قسر جائز نہ بسیط کے مادہ پر اختلاف صور ممکن نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

ثابت کرے (مواقف)

سادسًا: امکان انتقال کو امکان مبدء میل درکار نہ کہ اُس کا وجود بالفعل (سید شریف وخواجہ زادہ) اس پر سیالکوٹی نے اعتراض کیا کہ مبدء میل بالفعل نہ ہو تو نظر بذات جسم حرکت محال ہو کہ جس میں میل نہیں قاسر سے قبول حرکت نہ کرے گا حالانکہ اُس کا امکان ثابت ہو چکا۔

اقول: اس مبنی کے بطلان سے قطع نظر امتناع للذات اور امتناع لعدم الشرط میں فرق نہ کیا، نفس ذات کو حرکت سے ابا نہیں کہ امتناع ذاتی ہو، بالفعل امتناع اس لیے ہے کہ علت حرکت یعنی میل موجود نہیں مگر ذات کو اس کے حدوث سے منافات بھی نہیں تو حرکت سے اباکب ہوا۔ بالجملہ سلب امکان للذات میں لام تعلیل پر دو احتمال ہیں۔

اول: للذات متعلق سلب ہو یہ امتناع ذاتی ہے اور یہ یہاں نہیں۔

دوم: متعلق امکان ہو یعنی نفس ذات اس کے لیے کافی ہو اور کسی شے کی حاجت نہ ہو یہ ضرور یہاں مسلوب ہے اور منافی قابلیت نہیں وبعبارۃ اُخری امکان للذات ہی کے دو معنی ہیں لام تخصیص کا ہو یا تعلیل کا، اول امکان ذاتی ہے وہ ضرور ہے اور محتاج وجود مبدء نہیں، دوم امکان وقوع بوجہ نفس ذات ہے یہ بے میل نہیں اور امکان ذاتی کا منافی نہیں۔

سابعًا: بنظر طبیعت سب اوضاع سے اجزاء کی تساوی نسبت بنظر خصوص جز تساوی کو مستلزم نہیں ممکن کہ خاص اس جز کو خاص اس وضع سے مناسبت ہو تو اس کے لیے یہی وضع واجب ہو۔ (سیالکوٹی)

اقول: یہ محلِ نظر ہے ہذیت بے وجود خارجی معدوم ہے اور معدوم میں اقتضا نہیں، **فتأمل** (پس غور کیجئے) بہر حال چھ وجوہ سابقہ رد کے لیے وافی وافر ہیں۔

مقام نوزدہم

فلک کی حرکت ثابت نہیں۔ ریاضیوں نے کواکب کی نو حرکاتِ مختلفہ دیکھیں ایک سب سے تیز حرکت یومیہ جس میں سب شریک ہیں۔ اور ایک سب سے ست حرکت ثوابت اور ساتوں سیاروں کی۔

اقول: اور اتنا طبعیات سے لیا کہ افلاک پر خرق خال لاجرم افلاک کو متحرک بالذات مانا۔ اور کواکب کو بالفرض اور اسی انتظام کے لیے وہ حوامل ومتممات وتداویر وجوزہر ومائل وتدویر وغیرہا کے

محتاج ہوئے مگر فلک الافلاک زبردستی مان لیا بلکہ فلک ثامن بھی علامہ قطب الدین شیرازی نے کیا خوب کہا کہ نو حرکتوں کو نو فلک کیا ضرور ہو سکتا ہے کہ ثوابت ممثل فلک زحل میں ہوں اس کی حرکت خاصہ سے متحرک اور ساتوں افلاک کے ساتھ ایک نفس متعلق کہ انہیں حرکت یومیہ دے، یعنی تو آسمان سات ہی رہیں گے جیسا کہ ان کے خالق کا ارشاد ہے۔

اقول: بلکہ یوں کہتا تھا کہ نفس فلک زحل باقی کے قسر پر قادر ہو جس طرح نفس انسانی قسر حجار پر تو فلک زحل کی حرکت ارادی ہوتی باقی کی قسری، یہ اس لیے کہ ایک نفس دو جسموں سے متعلق نہیں ہوتا۔ جیسے دو نفس ایک جسم سے طبعی اپنی طبیعات پر چلے اور اتنا ریاضیوں سے لیا کہ نو فلک ہیں اور ان کی حرکت کے ثبوت میں تین شبہے پیش کیے۔

شبہ ۱: مقام سابق میں فلسفی کی دلیل گزری کہ افلاک میں مبدء میل مستدیر ہے تو ضرور میل مستدیر ہے تو ضرور متحرک بالا ستدارہ ہے کہ وجود موثر کے وقت وجود اثر واجب ہے۔ اس کے مفصل رد ۱۱ بھی اور مقام اول سوال سوم میں گزرے۔

شبہ ۲: جب ہر جز کو سب اوضاع سے نسبت مساوی تو یا جز کسی وضع پر نہ ہوگا یا ایک ہی پر ہوگا یا سب پر معًا ہوگا یا بدل بدل کر اول وثالث بداہۃً محال ہیں اور ثانی ترجیح بلا مرجح، لاجرم رابع لازم اور یہی حرکت مستدیرہ ہے مواقف وشرح میں اس پر دو وجہ سے رَد فرمایا۔

اولاً: اس کا مبنی بساطت فلک ہے اور وہ محدد [عہ] کے سوا اور افلاک کے لیے ثابت نہیں۔

اقول: حاشا اس کے لیے بھی نہیں جس کی تفصیل سن چکے۔

ثانیاً: بساطت اگر سب میں مسلم ہو تو وہ مقتضی حرکت نہیں بلکہ مانع حرکت ہے کہ قطبین کی تعیین کی تعیین جہت کی تعیین قدر حرکت کی تعین ضروری ہوگی۔ اور وہ ہر ایک بیشمار طور پر ممکن، تو ایک کی تخصیص ترجیح بلا مرجح ہے۔ اسی پر طوسی کا وہ جواب تھا جس کی سرکوبی سوال سوم میں گزری۔

ثالثاً: اقول: دلیل چاروں کرۂ عناصر سے منقوض وہ بھی بسیط ہیں تو واجب کہ سب ہمیشہ حرکت مستدیرہ کریں۔

رابعاً: اقول: کیوں نہیں جائز کہ مقتضائے طبیعت فلک سکون ہو تو خصوص وضع نہ تخصیص وضع ہے نہ ترجیح بلا مرجح، اس کا بیان مقام ۸ میں گزرا۔

عہ: علامہ خواجہ زادہ نے تہفت الفلاسفہ میں بھی یوں ہی استثناء کیا ۱۲ منہ غفرلہ المولٰی سبحانہ وتعالٰی۔

خامسًا: اقول: بلکہ سکون میں بلاوجہ التزام وضع کی کوئی وجہ ہی نہیں، وضع وہ لیتے ہو جو فلک کے لیے ہے تو اس کا التزام ضروری ہے کہ وہی اس کا حیز طبعی ہے جیسا کہ مقام ۱۴ میں ہم نے مبرہن کیا، یا وہ اوضاع جو اجزا کو ہیں تو خارج میں کہاں [عہ۱] اجزاء، اور کہاں اوضاع یہ تو محض ذہنی انزاع اگر اس سے یہی ترجیح بلا مرجح واقع میں لازم آتی اور اس کا دفع ضروری ہے تو باہر ہی سے ان کے اوضاع کیوں لو آپس میں بھی تو وضعیں ہوں گی [عہ۲]، ایک جز دوسرے سے گرہ بھر دور ہے تیسرے سے گز بھر، چوتھے سے لاکھ میل۔ یہ سب ترجیح بلا مرجح ہیں، تو نہ صرف دورہ بلکہ واجب ہے کہ فلک کے تمام اجزاء میں تلاطم ہوتا ہمیشہ یہ اجزاء ان کی جگہ جاتے وہ ان کی جگہ آتے، سارے جسم کی بناوٹ ہر وقت تہ و بالا ہوتی رہتی۔ اچھا خرق محال مانا تھا کہ ذرہ ذرہ پاش پاش کر دیا اور اب بھی نجات نہیں، جتنے تجزئے ممکن تھے سب ہوئے تھے تو جز لایتجزی لازم، اور اگر ہنوز ہر جز کا تجزیہ ممکن تھا جیسا تمہارا مذہب ہے تو اس جز کے اجزاء کی باہم اوضاع کب بدلیں پھر ترجیح بلا مرجح رہی واجب کہ ہر جز کے ریزے ریزے بھی جگہیں بدلتے اور اب ان ریزوں پر بھی کلام ہوگا اور کبھی منتہی نہ ہوگا تو ترجیح بلا مرجح سے کبھی نجات نہیں ہاں ایک ہی جائے پناہ ہے کہ فاعل عزوجل کو مختار مانو اور اس کے مانتے ہی تمہاری دلیل راسًا مہندم، ہم شق دوم اختیار کریں گے اور ترجیح بلا مرجح نہیں بلکہ مرجح ارادہ فاعل جل وعلا ہے جس وضع پر اس نے بنادی اسی پر بنا، پھر حرکت کس لیے اگر کہیے ترجیح بلا مرجح حفظ اوضاع بیرونی میں ہے نہ اندرونی میں کہ فلک میں صورت نوعیہ حافظ اتصال ہے اور مانع استدارہ نہیں۔

اقول: خاص فلک میں حافظ اتصال ہے تو اس کا حاصل وہی امتناعِ خرق کہ باطل ہو چکا اور مطلقًا تو صریح باطل آب و ہوا میں کیا صورت نوعیہ نہیں۔ پھر کس قدر جلد ان کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں اگر کہیے امتناع خرق وہ باطل ہوا کہ جہت امتناع حرکت مستقیمہ سے ہو کیوں نہیں ممکن کہ باوصف امکان مستقیمہ خود صورت نوعیہ آبی تفرق ہو تو اس کی جہت سے خرق محال ہوگا۔

اقول: سب ایرادوں سے قطع نظر یونہی کیوں نہیں ممکن کہ خود صورت نوعیہ آبی استدارہ ہو تو اوضاع بیرونی کا دوام اسی جہت سے ہوگا۔ اگر کہئے ہم امتناعِ خرق سے در گزرے اب کیوں نہیں ممکن کہ فلک میں صلابت ہو کہ تفرق

عہ۱: اقول: یہاں وہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا جو ہم نے مقام ۹ میں کہا کہ مناشی کا وجود بیرونی و اندرونی سب بستیوں کے لیے ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

عہ۲: تنبیہ: اقول: یہاں کلام بقائے شکل میں ہے نہ نفس تشکل میں کہ شکل بننے میں یہ جز یہاں اور وہاں کیوں ہوا تو متشدق کا یہ شقشقہ کہ اجزاء تو بعد تشکل ہوں گے یہاں ناشی نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

اجزاد شوار ہو ترجیح حفظ اوضاع اندرونی کو اسی قدر بس ہے امتناع تفرق کی حاجت نہیں۔

اقول: علی التسلیم جب امتناع خرق جاکر صلابت ممکن تو حرکتِ مستقیمہ ممکن ہوئی کہ محال ہوئی تو خرق محال ہوتا اور جب حرکت مستقیمہ ممکن تو یوں، نہیں، ممکن کہ فلک میں ثقل شدید ہو کہ اسے مطلقًا ہلنے نہ دے حفظ اوضاع انرونی کہ مرجع صلابت ہوئی حفظ اوضاع بیرونی کا مرجح ثقل ہو تو شبہ کی شق ثانی مختار رہی اور ترجیح بلا مرجح لازم نہ آئی بہر حال استدارہ ناثابت رہا۔

سادسًا: اقول: تم پر مصیبت یہ ہے کہ حرکت متدیرہ کرکے بھی سب اوضاع پر علی سبیل البدلیۃ بھی نہ آسکے گا۔ظاہر ہے کہ ان قطبوں کے سوا اور اقطاب پر متحرک ہو تو اور اوضاع بدلیں گی اور اقطاب غیر متناہی اقسام تبدیل باقی رہ گئیں۔اگر کہیے مقصود اس قدر ہے کہ ایک وضع کا التزام نہ رہے کہ ترجیح بلا مرجح لازم اور جب ایک محور پر ہمیشہ متحرک ہے ہر وقت وضعیں بدل رہی رہی ہیں گو استیعاب اوضاع نہ ہو۔

اقول اولًا: یہ جواب کیا ہوا التزام وضع سے فرار تو اس لیے تھا کہ ترجیح بلا مرجح نہ ہو وہ اب بھی حاصل کہ ایک وضع کا التزام نہ سہی غیر متناہی وجوہ تبدیل سے ایک ہی وجہ کا التزام تو ہے۔

ثانیًا: اگر صرف اتنے میں کام چل جاتا ہے کہ وضع واحد کا التزام نہ رہے تو حرکت متدیرہ کیا ضرور ہر وقت ایک خفیف ہلتا رہنا کافی، اگرچہ ایک ہی بال برابر کہ وضع ہر وقت یونہی بدلے گی۔

سابعًا اقول: سب جانے دو وضع واحد پر رہنا اس وقت ترجیح بلا مرجح ہے کہ انتقال سے کوئی مانع نہ ہو اور عدم مانع ممنوع۔

ثامنًا تا عاشرًا: بلکہ تین مانع موجود ہیں کہ قدر وجہت و محور کسی کی تعیین نہیں ہوسکتی۔رب انعمت علی فزد (اے میرے پرورگار تونے مجھ پر انعام فرمایا ہے اس میں اضافہ فرما۔ت)

شبہ ۳: جب خود فلک میں مبدء میل متدیر ہے تو اس میں اس سے منع نہ ہوگا نہیں ہوسکتا کہ طالب بھی ہو اور مانع بھی نہ خارج سے ممانعت ہوگی کہ حرکت متدیرہ سے مانع نہیں مگر میل مستقیم اور فلک میں نہیں،

لاجرم میل موجود ہوگا اور وہ موجب حرکت، یہ شبہ اولٰی کے چاک کارفو ہے وہاں نفس وجود مبدء کو موجب وجود میل ٹھہرادیا تھا۔اور اس سے ذہول کہ مانع بھی کوئی چیز ہے یہاں اس کا شعور ہو کر عدم مانع کا شاخسانہ بڑھایا اور اب بھی بوجوہ مردود،

اوّلًا: مبدء میل متدیر کا وجود ثابت نہیں۔(سید شریف)

ثانیًا: اقول: بلکہ عدم ثابت، کما تقدم

ثالثًا عہ: طلب و منع کا امتناع اجتماع بحسب طبیعت غیر شاعرہ مسلم اور فلک شاعر ہے۔

اقول: یعنی ممکن کہ نفس طالب استدارہ ہو اور طبیعت مانع جیسے انسان کے اوپر جست کرنے میں۔

رابعًا: مستدیرہ سے مانع کا میل مستقیم میں حصہ ممنوع۔

اقول: تین مانع ہم بتا چکے۔

خامسًا کیا ثبوت ہے کہ وہاں کوئی میل مستقیم والا نہیں جو فلک کو روکے۔

سادسًا: مانا کہ مبدء میل بھی ہے اور مانع بھی نہیں پھر یہی وجود میل کیا ضرور، ممکن کہ میل کس شرط پر موقوف ہو جو یہاں مفقود۔

سابعًا اقول: بلکہ یہاں میل محال کہ وہ علت حرکت ہے اور حرکت وہ کہ کمال ثانی رکھے اور یہاں کمال ثانی مفقود۔

دیکھو سوال دوم میں ہماری تقریریں۔

مقام بستم

بلکہ اصول فلسفہ پر فلک کی حرکت مستدیرہ بلکہ مطلقًا جنبش یکسر باطل و محال کسی چیز کو باطل کہنا دو طور پر ہوتا ہے۔ایک بطلانِ ثبوت، یہ اوّل تھا اور اس میں فلاسفہ مدعی تھے۔

دوم: ثبوتِ بطلان یہ اب ہے اور اس میں ہم مدعی ہیں، ثبوت ہمارے ذمہ ہے **فنقول وباللّٰہ التوفیق** (تو ہم اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتے ہیں۔ت)

حجت ۱تا۳: تعیین جہت تعین قدر تعیین محور میں لزوم ترجیحات بلامرجح کہ بارہا مبین ہوا۔

اقول: اور اول و دوم مطلقًا حرکت پر وارد اگرچہ وضعیہ نہ ہو۔

حجت ۴: اقول: بعض اوضاع کا استخراج ترجیح بلامرجح اور کل کا محال اور فلسفی کے نزدیک طلب محال محال تو حرکت محال۔

حجت ۵: اقول: فلک الافلاک میں عرضیہ کی کوئی وجہ نہیں۔اور باقی افلاک میں عرضیہ ہم باطل کرچکے اور طبعیہ وقسریہ سب میں تم باطل جانتے ہو، اور ارادیہ ہم نے باطل کردی، تو جمیع وجوہ حرکت منتفی تو حرکت باطل۔

عہ: یہ اور اس کے بعد کی تین تہافت الفلاسفہ للعلامۃ خواجہ زادہ میں ہیں ۱۲منہ غفرلہ

حجت ۶: اقول: بارہا گزرا کہ حرکت فلکی اس کی بساطت کی نافی، اور اس کی نفی اساس فلسفہ کی ہادم، اور اساس فلسفہ کی ہادم اور اساس فلسفہ تمہارے نزدیک مستحکم، لاجرم حرکت فلک باطل۔

حجت ۷: اقول: تصریح کرتے ہو کہ حرکت بے عائق داخلی یا خارجی ناممکن کہ اس کے لیے زمانہ کی تحدید اسی سے ہوتی ہے ایک مسافت جتنے زمانہ میں قطع ہوتی ہے مانو کہ اس کے نصف میں بھی قطع ہو سکتی ہے جب کہ سرعت اس سے دوچند ہو اور ربع میں جب کہ چوگنی ہو نہ زمانے کی تقسیم متناہی نہ سرعت کسی حد پر منتہی کوئی روکنے والا ہوگا تو اس کی مقدار مزاحمت سے قدر سراعت متقدر ہوگی اور بے اس کی تقدیر کے وقوع حرکت نامتصور، لیکن فلک [عہ] میں نہ میل طبعی مانتے ہو نہ مان خارجی، تو دونوں عائق معدوم تو وقوع حرکت محال۔

مقام بست ویکم

دو حرکت مستقیمہ کے بیچ میں سکون لازم نہیں۔ ارسطو اور اس کا گروہ برخلاف افلاطون جب کہتا ہے اور دو شبہے پیش کرتا ہے۔

شبہ ۱: ایک حرکت کے ختم پر متحرک کو منتہائے مسافت سے اتصال ہوگا۔ اور دوسری حرکت کے شروع پر اس سے فراق وزوال ہوگا اور اتصال وفراق ایک آن میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ضرور ان فراق بعد آن اتصال ہے اور دونوں آئیں متصل نہیں ہو سکتیں ورنہ جزء لایتجزی لازم آئے تو ضرور ان کے بیچ میں ایک زمانہ ہوگا جس میں نہ پہلی حرکت ہے کہ ختم ہو چکی نہ دوسری کہ ابھی شروع نہ ہوئی، لاجرم سکون ہے یہ برہان قدمائے فلاسفہ کی ہے اس پر رد بوجوہ ہے خود ان کے شیخ ابن سینا نے اسے حجت سوفسطائی کہا یہاں اسی قدر کافی کہ **اولاً:** حرکت واحدہ کی حدود مسافت سے منقوض ظاہر ہے کہ متحرک ہر حد مفروض پر پہنچتا ہے پھر اس سے گزرتا ہے تو ہر حد پر اتصال وزوال کے لیے دو آنیں درکار ہوں اور ان کے بیچ میں زمانہ تو حرکت واحدہ واحدہ نہ رہے بیچ میں ہزاروں سکون فاصل ہوں۔

اقول: یہ اعتراض باول نگاہ ہمارے ذہن میں آیا تھا۔ پھر شرح مقاصد میں دیکھا کہ اسے

عہ: اور وہ جو ہدیہ سعیدیہ میں کہا کہ حرکت ارادیہ میں جائز ہے کہ متحرک کا ارادہ ایک حد سرعت کی تعیین کرلے اس کا رد مقام اول سوال ۴ میں گزرا ۱۲ منہ غفرلہ

ذکر کیااور جواب دیا کہ انقسام مسافت محض موہوم ہے۔

اقول: مقام ۱۰، میں ہم اجزائے مقدار یہ پر کلام کر چکے وہی یہاں کافی ہے بداہۃً متحرک مسافت کو شیئاً فشیئاً قطع کرتا اور اس کے حصول پر پہنچتا گزرتا ہے۔ یہ حالت اس کے لیے خارج میں ہے نہ کہ ذہن ذاہن پر موقوف۔

ثانیًا: حل یہ کہ جدائی اگرچہ تاریخی نہیں کہ منتہی منقسم نہیں مگراس کا حدوث آنی ہونا کب لازم، تم فلاسفہ ہی کہتے ہو کہ حدوث کی تیسری قسم وہ ہے کہ نہ دفعہ ہو نہ تدریجی بلکہ زمانی غیر تدریجی ہو جیسے حرکت توسطیہ کہ ہر گز ایک آن میں حادث نہیں ہو سکتی نہ ہر گز تدریجی کہ غیر منقسم ہے کہ کیا محال ہے کہ جدائی بھی اسی قسم سے ہو۔

اقول: بلکہ مباینت کا ایسا ہی ہونا لازم کہ وہ نہ ہوگی مگر حرکت سے اور حرکت زمانی، تو تتالی آنین لازم نہ آئی وہی زمانہ جس کی طرف یہ آن وصول ہے اس کا زمان حدوث ہے اور یہی زمانہ حرکت ثانیہ ہے۔ بالجملہ یہی آن وصول دونوں حرکتوں اور دونوں جدائیوں کے دونوں زمانوں میں حدِ فاصل ہے اس سے پہلے پہلی جدائی تھی اور حرکت اولی اور اس کے بعد دوسری جدائی ہے اور حرکت ثانیہ اور خود اس آن میں نہ کوئی جدائی نہ کوئی حرکت اور آن میں وجود حرکت نہ ہونا سکون نہیں ورنہ ہمیشہ سکون ہی رہے کہ کوئی حرکت کبھی ایک آن میں نہیں ہو سکتی۔

شبہ ۲: حرکت میل سے پیدا ہوتی ہے اور یہی میل اس کی منتہی تک علت وصول ہے تو آن وصول میں اس کا وجود ضرور کہ معلول بے علت ناممکن اب دوسری حرکت کو دوسرا میل درکار، وہ اس آن میں ہوگا کہ پہلے میل نے جہاں تک پہنچایا دوسرا وہاں سے جدا کرے گا تو دونوں متنافی ہیں اور متنافیوں کا اجتماع ناممکن، اور میل کا حدوث آنی ہے، تو اس دوسرے کی آن حدوث اس آن وصول کے بعد ہے اور بیچ میں زمانہ فاصل جس میں سکون حاصل، یہ شبہ ابن سینا کا ہے اس پر بھی رد کثیر ہیں بعض ذکر کریں۔

اولًا: میل معد وصول ہے نہ کہ فاعل، تو آن وصول میں اس کا وجود کیا ضرور بلکہ عدم ضرور، تو دوسرا میل اسی آن میں پیدا ہو کر بلا فصل زمانہ دوسری حرکت دے گا نہ میلین کا اجتماع ہوگا نہ حرکت کا انقطاع۔

اقول: بحمدہ تعالٰی یہ رد بھی بہ نگاہِ اولین ہمارے ذہن میں آیا پھر شرح مقاصد میں دیکھا کہ اسے ضمناً ذکر کرکے تضعیف کی اور وجہِ ضعف نہ بتائی وہاں عبارت یوں تھی کہ اگر مان لیں کہ

جز لایتجزی باطل ہے اور میل معد نہیں علت موجبہ ہے تو رد یوں ہے اسے فرمایا منع اول کا ضعف ظاہر ہے۔شاید یہ صرف مسئلہ جزی طرف اشارہ ہو معد سے اعتراض میں کیا ضعف ہے۔

اقول: بلکہ اس معنی پر جو ہم نے کلام ابن سینا سے مستنبط کیے غالباً اس نے اسی چاک کے رفو کو یہ جملہ بڑھایا کہ یہ میل ہی حدود و حرکات تک پہنچاتا ایک سے ہٹاتا اور دوسرے پر لاتا ہے اھ یعنی جب تمام حدود متوسطہ مسافت پر وصول کی علت وہی تھا اور ہر گز معد نہ تھا کہ ختم حرکت تک اس کا وجود واجب تو حد اخیر تک پہنچانے کی علت بھی وہی ہوگا اور جیسے ان حدود میں معد نہ تھا موجود تھا یہاں بھی کہ حد وحد میں تفرقہ تحکم ہے یہ ہے وہ جو ہم نے اس کے کلام سے استنباط کیا۔

اقول: مگر رفو نہ ہونا تھا نہ ہوا۔ مسافت کو اگر بلحاظ وحدانی ملحوظ کرتے ہو جس طرح وہ خارج میں ہے تو یہاں حدود کہاں مسافت واحد ہے اور حرکت واحد اور میل واحد کہ علت حرکت ہے اور حد اخیر تک وصول کا معد اور اگر مسافت میں حدود فرض کرکے منقسم لیتے ہو تو اس کی تقسیم سے حرکت یہی منقسم ہوگی۔ اب یہ ایک حرکت نہیں بلکہ ہر حد تک جدا حرکت، اور ظاہر ہے کہ جو حرکت ایک حد تھی اس پر ختم ہو کر دوسری شروع ہوگی تو واجب کہ اس کی علت میل بھی یونہی منقسم ہو اس حد پر تو ہر میل ہر حد کے وصول کا معد ہی ہوا نہ کہ علت موجبہ، یونہی حدِ اخیر کا کہ حد وحد میں تفرقہ تحکم ہے۔معہذا بالفرض غلط اگر اس ایک اعتراض کا علاج ہو بھی جائے اعتراضات آئندہ قطعاً اس کی تقریر پر بھیوارد، لاجرم اس کی سعی بھی ویسی ہی مردود و سوفسطائی۔

ثانیاً اقول: یہی فلاسفہ تصریح کرتے ہیں اور خود عقل سلیم حاکم کہ جسم کے لیے اس کے حیز میں میل طبعی نہیں کہ میل طالب حرکت ہے اور حیز میں طبیعت طالب سکون محال ہے کہ وہاں سے حرکت طلب کرے اب جو جسم حرکتِ طبعی سے حیز میں پہنچے آن وصول میں یہ میل نہ ہوگا۔ کہ آن وصول آن حصول ہے اور حصول نافی میل تو تمہارا زعم کہ آنِ وصول میں میل موصل باقی ہونا لازم صراحۃً باطل ہے اب کیا محال ہے کہ اسی آن میں میل دیگر قسری یا ارادی پیدا ہو کر حرکت دیگرے دے تو نہ اجتماع نہ انقطاع۔

ثالثاً: میل پر بھی وہی وارد جو مباینت پر تھا، کیا ضرور کہ اس کا حدوث آنی ہو، ممکن کہ زمانی غیر تدریجی ہو۔

رابعًا اقول: اجتماع متنافیین اس وقت ہے کہ دونوں کا مقتضٰی ایک ہو یا دونوں مقتضے پورے عامل ہوں کہ ہر ایک کا پورا اثر واقع ہو۔ اور اگر مقتضے دو ہوں اور ایک عامل دوسرا معطل یا دونوں عامل، مگر اثر ساقط یا صرف غالب کا بقدر غلبہ ظاہر تو ہرگز محال نہیں بلکہ واقع ہے جیسے وہ مرکب جس میں جز ناری نیچے اور ارضی اوپر ہو۔ شک نہیں کہ نار اوپر لے جانا چاہے گی اور تراب نیچے لانا تو دو متنافی اثروں کا وقت واحد میں اقتضا ہے مگر مقتضٰی جدا پھر اگر نار و تراب دونوں نوری کی قوت برابر ہے ساقط ہو کر اثر اصلًا مرتب نہ ہوگا مرکب ساکن رہے گا ورنہ جو غالب ہے اپنی طرف لے جائے گا۔ اور دوسرے کی ممانعت سے اس میں ضعف آجائے گا۔ یہاں اتنا بھی نہیں بلکہ شق اول ہے یعنی ایک عامل اور دوسرا محض معطل، مثلًا میل طبعی ایک منتہی تک لایا اور ہم نے مان لیا کہ وہ آنِ وصول میں موجود ہے مگر اس سے جدا کرنا طبیعت نہ چاہے گی بلکہ میل قسری یا ارادی کہ اسی آن میں حادث ہوا اور ان کا اجتماع متنافیین نہ ہوا کہ مقتضٰی جدا ہیں اور پہلا یعنی میل طبعی یہاں معطل محض کہ طبیعت جسم کا اسے حیز کا ہٹانا محال اور دوسرا عامل ہے تو کسی طرح اجتماع متنافیین نہ جانب موثر سے ہوا نہ جانب اثر میں۔ یہ ہے ابن سینا کی وہ سعی جس پر جونپوری کو وہ ناز تھا کہ اس میں بصیرت طلبوں کی ہدایت ہے اور رشد خواہوں کو گمراہوں سے نجات عـــہ۔ "وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۝" [1]۔ (اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں۔ت) واللہ حق ہے کہ من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور، مگر نہ جانا کہ اس کا مصداق خود یہی مغرور۔

مقام بست و دوم

امور غیر متناہیہ کا عدم سے وجود میں آجانا مطلقًا محال ہے مجتمع ہوں خواہ متعاقب مرتب

عـــہ: گرفتار فلسفہ مزخرفہ سے اس آیت پر ایمان تعجب کہ اہل نور کے نور جعل واجب سے ہوں تو اس کے مجعولات غیر متناہی ہوں گے حالانکہ وہ واحد من جمیع الجہات ہے والواحد لا یصدر عنہ الا الواحد بل ولا واحد (واحد سے نہیں صادر ہوتا مگر واحد بلکہ نا واحد۔ت) تو یوں کہا ہوتا کہ من لم یجعل العقل الفعال (جسے عقل فعال نہ دے۔ت) ہاں بالعرض کا باب واسع ہے کہ واسطہ در واسطہ ہو کر واسطوں سے جعل اس تک منتہی ۱۲ منہ غفرلہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

ہوں یا غیر مرتب فلسفی زمانہ وحرکت فلک کی ازلیت اور خود افلاک وعناصر وہیولات کے قدم شخصی اور موالید وصور نوعیہ کے قدم نوعی اور نفوس مجردہ کے بالفعل لاتناہی کے تحفظ کو زبردستی اس میں اجتماع بالفعل وترتیب بالفعل کی دو قیدیں بڑھتا ہے اور یہ [عـــہ۱] اس کی ہوس خام ہے۔برہان تطبیق وبرہان تضایف وغیرہما قطعًا مجتمع ومتعاقب میں دونوں یکساں جاری۔

اولًا: ایامِ زمانہ ودورات فلک وانواع موالید اگر یونہی ازلی ہوں کہ ایک فنا ہو کر دوسرا پیدا ہو جب بھی قطعًا عقل حکم کرتی ہے کہ ایک سلسلہ کہ آج تک ہے یقینًا اس سلسلہ سدے کہ کل تک تھا بڑا ہے اب کل کو آج اور پرسوں کو کل اور اترسوں کو پرسوں سے مطابق کرتے جاؤ۔اگر دونوں سلسلے برابر چلے جائیں کبھی ختم نہ ہوں تو جزو کل برابر ہوگئے،اور اگر چھوٹا ختم ہو جائے تو متناہی ہوا۔اور بڑا اس پر زائد نہ تھا مگر ایک سے تو وہ بھی متناہی۔اس کے لیے ان کا بالفعل موجود ہونا کیا ضرور، تطبیق اگر خارج یا ذہن میں بالفعل تفصیلی درکار ہو تو وہ غیر متناہی موجود بالفعل میں بھی ممکن نہیں۔اور [عـــہ۲] اگر ذہنی اجمالی کافی اور یقینًا کافی تو سب کافی الحال موجود ہونا کیا ضرور۔

اقول: بلکہ سلسلے متناہی نہ ہوں تو نہ صرف جز کل کا مساوی بلکہ اپنے کل کے ہزاروں لاکھوں مثل سے بڑا ہو تمام عدد صفر کے برابر رہ جائیں بلکہ صفر سے بھی کروڑوں حصے چھوٹے ہوں، غرض لاکھوں استحالے لازم آئیں،یہ سب ایک جملہ جبریہ سے واضح،یہ سلسلہ غیر متناہی سے ایک یا لاکھ جس قدر کم کرو اس کا نام **ص** رکھو اور باقی کا نام **لا**،اب تطبیق دو اگر دونوں برابر چلے جائیں تو **لا + ص = لا** ـــ مشترک ساقط کیا "**ص**" ظاہر ہے کہ "**ص**" ہر عدد ہو سکتا ہے تو ہر عدد **صفر** کے برابر ہوا اور آپس میں بھی سب برابر ہوئے اور شک نہیں کہ دس کھرب لاکھ سے کروڑ حصے بڑا ہے تو ایک بھی لاکھ کا کروڑ مثل ہے نیز دس کھرب صفر کے برابر ہے تو لاکھ صفر کا بھی کروڑواں

عـــہ۱: ملّا جلال دوانی نے شرح عقائد عضدی اور ملا حسن لکھنوی نے حاشیہ مزخرفات جونپوری میں اس مبحث کو واضح کر دیا ہے اسی سے متشدق جونپوری کی تمام خرافات کارد روشن ہے، ہمیں تطویل کی حاجت نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: **اقول:** تطبیق اجمالی نہ ہوگی مگر ذہن میں کہ خارج میں ہر ایک کا وجود ممتاز ومنحاز ہے تو اجمال نہ ہوگا۔مگر انہیں اجمالًا لحاظ سے اور تطبیق تفصیلی ذہن وخارج دونوں میں ہو سکتی ہے لہٰذا انہیں تین حصر ہے ۱۲ منہ)

حصہ ہے اسی طرح غیر متناہی استحالے ہیں۔

ثم اقول: لطف یہ کہ ان کے متشدقین اسی زمانہ ممتد غیر قار کو متصل وحدانی موجود فی الخارج مانتے ہیں اور جب استحالۂ لاتناہی وارد کیا جائے تعاقب وعدم وجود بالفعل کی طرف بھاگتے ہیں حالانکہ اس میں بھی مضر نہیں، اگر کہیے یہی تقریر بعینہٖ جانب ابد ودار د ایک سلسلہ آج سے ابد تک لیں اور دوسرا کل آئندہ سے تو قطعًا پہلا دوسرے سے بڑا ہوگا۔ اور ذہن تطبیق اجمالی کرسکے گا تو دونوں برابر ہو جائیں گے یا ابد متناہی۔

اقول: ہاں ضرور دلیل وہاں بھی جاری، پھر کیا حاصل ہوا، وہی تو جو ہمارا مدعا ہے یعنی غیر متناہی اشیاء کا وجود میں آجانا محال اگرچہ برسبیل تعاقب ہو جانب ازل لاتناہی سے غیر متناہی کا وجود میں آچکنا لازم اور وہ محال اور یہ جانب ابد بھی محال کہ کسی وقت یہ صادق آئے کہ غیر متناہی وجود میں آلیے بلکہ ابادلاباد تک جتنے موجود ہوتے جائیں گے خواہ باقی رہیں یا فنا ہوتے جائیں سب متناہی ہوں گے تو محال لازم نہ آیا اور سلسلہ آگے بڑھنے میں محذور نہیں کہ زیارت نہ ہوگی مگر متناہی پر، بالجملہ جانب ازل لاتناہی کمی ہے اور وہ محال اور جانب ابد لاتناہی لاتقفی اور وہ جائز۔

ثانیًا: دو[۲] متقابل چیزیں کہ ذاتِ واحدہ میں جہت واحدہ سے جمع نہ ہو سکیں اور ان میں کسی کا تصور بغیر دوسرے کے ناممکن ہو وہ متضایف کہلاتی ہیں جیسے ابوت وبنوت یا علیت ومعلولیت یا تقدم وتاخر، ان کا ذہن وخارج میں ہمیشہ برابر رہنا واجب مثلًا ممکن نہیں کہ ایک شے مقدم اور اس سے کوئی موخر نہیں یا موخر ہو اور اس سے کوئی مقدم نہیں تو ان کا سلسلہ کہیں تک لیا جاتا قطعًا ہر تاخر کے مقابل تقدم اور ہر تقدم کے مقابل تاخر ہوگا۔ اب آج سے ازل تک ایام زمانہ یا دوراتِ فلک یا انواع عنصریات کائنہ و فاسدہ لیں تو یقینًا آج کا دن یا دورہ یا نوع اس سلسلہ میں سب سے موخر ہے اور کسی پر مقدم نہیں اور کل اور پرسوں اترسوں وغیرہ کاہر ایک اپنے موخر سے مقدم اور مقدم سے موخر ہے اب اگر یہ سلسلہ غیر متناہی ہے تو اوپر کے تقدم تاخر برابر رہے اور یہ سب میں بعد کا تاخر خالی رہ گیا گنتی میں تقدموں سے تاخر زیادہ رہے اور یہ محال ہے تو واجب کہ ابتداء میں ایک تقدم ایسا نکلے جو خالی تقدم ہو اور اس سے پہلے کچھ نہ ہو تاکہ تقدم وتاخر گنتی میں برابر رہیں تو ثابت ہوا کہ ایام ودورات وانواع کی ازیست محال، ظاہر ہے کہ یہ تقریر بھی اصلًا ان کے بالفعل مجتمع ہونے پر موقوف نہیں باپ بیٹے مرتے جیتے رہیں ممکن نہیں کہ نبوت وابوت کی گنتی برابر نہ ہو قطعًا ہر نبوت کے مقابل ابوت اور ہر ابوت کے مقابل نبوت ہے اور عدد مساوی۔

رہی ترتیب سلسلہ تضایف میں، تو وہ خود ہی حاصل ہے اور تطبیق کے لیے بھی اس کا بالفعل ہونا کیا ضرور۔ ہر غیر مرتب لحاظ میں مرتب ہو سکتا ہے کہ غیر متناہی نامرتب کو ایک بار ایک سے دو تین چار غیر متناہی لیں دوبارہ ایک جز الگ رکھ کر باقی کو یونہی ایک دو تین چار لاکھ پھر ایک کی ایک اور دو کی دو سے آخر تک تطبیق اجمالی لحاظ کریں حکم مذکور ظاہر ہوگا یا تناہی یا جزو و کل کی تساوی دونوں غیر متناہی چلے گئے تو جزو و کل برابر ورنہ دونوں متناہی مباحث یہاں کثیر ہیں اور عاقل کے لیے اسی قدر میں کفایت۔

مقام بست وسوم

قدم نوعی محال ہے فلسفی بہت اشیاء کو ایسا مانتا ہے کہ ان کے اشخاص و افراد سب حادث ہیں مگر طبیعت کلیہ قدیم ہے زمانہ کے دن اور فلک کے دورے اور موالید کے انواع ایسے ہی قدیم ہیں مثلاً فلک کے سب دورے حادث ہیں کوئی خاص دورہ ازل میں نہ تھا مگر ہیں ازل سے یعنی کوئی دورہ ایسا نہیں جس سے پہلے غیر متناہی دورے نہ ہوئے ہوں۔ یہ صراحۃً کچا جنون ہے اور اس کے بطلان پر براہین قطعیہ قائم۔

حجت ۱: برہانِ تضایف۔

حجت ۲: برہان تطبیق، ان کا بیان ابھی سن چکے۔

حجت ۳: بدیہی ہے کہ قدیم ہر حادث پر مقدم ہے اس کے لیے ایک ایسا وقت ضروری ہے کہ وہ ہو اور کوئی حادث نہ ہو کہ اگر ہر وقت اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی حادث رہا تو اسے سب حوادث پر تقدم نہ ہوا حالانکہ بداہۃً سب پر ہے لیکن قدم نوعی کی حالت میں یہی بدیہی باطل لازم آتا ہے قدیم کے لیے کوئی وقت ایسا نہ نکلے گا جس میں وہ ہو اور کوئی حادث نہ ہو، اس پر جلال دوانی نے شرح ۳ عقائد عضدی میں کہا کہ یہ بداہت وہم ہے قدیم کے ہر حادث پر مقدم ہونے سے اتنا لازم کہ کوئی حادث ایسا نہ ہو جس پر وجود قدیم کو سبقت نہ ہو۔ یہ یہاں ضرور حاصل ہے کہ اس حادث سے پہلے ایک حادث تھا اس وقت یہ حادث نہ تھا اور قدیم موجود تھا تو قدیم اس پر مقدم ہوا اگرچہ اس پہلے حادث کا مقارن ہوا اور وہ پہلا بھی حادث ہے اس سے پہلے اور حادث تھا اس وقت یہ نہ تھا اور قدیم جب یہی تھا تو قدیم اس پر بھی مقدم ہوا، اسی طرح ہر حادث کا حال ہے تو قدیم ہر حادث پر مقدم بھی ہے۔ اور ہر وقت ایک نہ ایک حادث اس کا مقارن ہے۔ قدیم کے لیے ایک وقت ایسا ہونا جس میں

کوئی حادث نہ ہو یہ حوادث متناہیہ میں ہے، نہ غیر متناہیہ میں ان میں وہ ہوگا کہ قدیم ہر حادث سے پہلے ہوگا اور کوئی نہ کوئی حادث ضرور دوامًا اس کے ساتھ ہوگا۔

اقول: اس بداہت کو بداہت وہم کہنا وہم کا دھوکا ہے قدیم قطعًا ازل میں ہے اور یقینًا کوئی حادث ازل میں نہیں ورنہ حادث نہ ہو تو بلاشبہ قدیم کے لیے وہ وقت ہے جس میں کوئی حادث نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ یہ حوادث غیر متناہیہ میں نہیں۔

اقول: یہی تو ہم کہتے ہیں کہ یہ ان میں نہیں اور اس کا ہونا یقینی ہے لہٰذا حوادث غیر متناہیہ باطل نہ یہ کہ اسی یقینی ہی کو الٹ اس سے باطل کیجئے۔ یوں تو جس مقدمہ قطعیہ یقینیہ سے کسی پر رد کیجئے وہ یہی جواب دے دے کہ یہ مقدمہ اس صورت کے ماورا میں ہے یہیں نہ دیکھئے بعض سفہانے برہان تطبیق پر کہا کہ کل میں بعض سے کچھ زیادہ ضروری ہونا امور متناہیہ میں ہے نہ غیر متناہیہ میں۔ اب یہ کس سے کہا جائے کہ جب کل میں بعض سے کچھ زیادت نہیں تو کاہے کا کل اور کس لیے بعض تقصیر معاف آپ کا جواب ایسا نہیں تو اس سے دوسرے نمبر پر ضرور ہے۔

حجت ۴: کتنی واضح بات ہے کہ طبیعت کا وجود نہیں ہو سکتا مگر ضمن فرد میں جب ازل میں کوئی فرد نہیں طبیعت کہاں سے آئے گی۔ دوانی نے اسے بھی کلام سخیف کہا اور جواب کچھ نہ دیا۔ صرف اتنا کہا کہ ان کی مراد یہ ہے کہ اس نوع کا کوئی نہ کوئی فرد ہمیشہ رہے کبھی منقطع نہ ہو، اور ظاہر ہے کہ ہر فرد کا حادث ہونا اصلًا اس کے منافی نہیں۔

اقول: یہ جواب نہیں بلکہ دعوی کا اعادہ ہے جب جمیع افراد معینہ حادث ہیں تو فرد منتشر ازلی کیسے ہوگا کہ خارج میں اس کا وجود نہ ہوگا مگر ضمن فرد معین میں۔ ہاں ایک نظیر دی اور اسے بے نظیر سمجھا اور وہ ضرور مبحث سے بے گانہ ہونے میں بے نظیر ہے وہ یہ کہ گلاب کے پھولوں میں کیا کہو گے، ہر پھول ایک دو دن سے زیادہ نہیں رہتا حالانکہ گلاب مہینے دو مہینے باقی رہتا ہے۔ اور بداہۃً معلوم کہ ایسے حکم میں متناہی وغیر متناہی میں کچھ فرق نہیں یعنی تو یہاں بھی اگر طبیعت ازل میں ہوئی، حالانکہ کوئی فرد ازلی نہ تھا تو کیا حرج ہوا جیسے طبیعت گل دو مہینے رہی۔ حالانکہ کوئی پھول دو مہینے نہ رہا۔

اقول: حاصل حجت یہ سمجھے کہ جو حکم جمیع افراد سے مسلوب ہو طبیعت کے لیے ثابت نہیں ہو سکتا یہ بلاشبہ باطل ہے اور اس کے رد کو دور جانا نہ تھا کلیت ہی ایسی چیز ہے کہ جمیع افراد سے مسلوب اور طبیعت کے لیے ثابت، یہ حاصل حجت نہیں بلکہ یہ کہ جو ظرف وجود خارجی وجود جمیع افراد

سے خالی ہو۔ طبیعت اس میں نہیں ہو سکتی کہ اس کا وجود نہ ہو نا مگر ضمن فرد میں اور یہ ظرف ہر فرد سے خالی، لہٰذا قطعًا طبیعت سے بھی خالی اس سے گلاب کی مثال کو کیا مس ہوا۔ کوئی پھول اگرچہ دو مہینے یا دو گھڑی بھی نہ رہا مگر یہ ظرفِ وجود (یعنی دو مہینے) کس ساعت پھول سے خالی ہوا ہر وقت کوئی نہ کوئی پھول اس میں موجود رہا تو ضرور طبیعت موجود رہی لیکن ظرف ازل جمیع افراد حوادث سے قطعًا خالی ہے محال ہے کہ کوئی فرد حادث ازلی ہو ورنہ حادث نہ رہے تو ضرور طبیعت سے بھی خالی ہے بے تشخص خارج میں موجود ہو، اور یہ محال ہے گلاب کے یہ دو مہینے دیکھنے نہ تھے جو خود ظرف وجود افراد تھے ان مہینوں سے پہلے دیکھو جس وقت کوئی پھول موجود نہ تھا کیا اس وقت طبیعت گل موجود تھی ہر گز نہیں، عجب کہ فاضل دوانی سے شخص کو ایسا صریح مغالطہ ہو۔

حجت ۵: کہ گویا رابعہ کی تفصیل و تکمیل اور رگ مثال گل کی راسًا قاطع ہے۔ **اقول:** طبیعت خارج میں موجود نہ ہوگی مگر ضمن فرد معین یا منتشر میں اور فرد منتشر خود خارج میں نہیں ہو سکتا۔ مگر ضمن فرد معین میں کہ وجود خارجی مساوق ہذیت ہے اور ہذیت منافی انتشار، وہاں وہ کسی ایک یا چند افراد معینہ مجتمعہ یا متعاقبہ فی الوجود سے منتزع ہوگا، اور بہر حال طبیعت اس کے ساتھ موجود رہے گی۔ لیکن جہاں نہ فرد ہو نہ افراد نہ مجتمع نہ متعاقب وہاں نہ فرد منتشر ہو سکتا ہے نہ طبیعت کہ نہ اس کا منزع منہ نہ اس کا مورد۔ ازل میں افراد حادثہ کا یہی حال ہے فرد یا افراد معینہ کے ازلی ہونے سے تم خود منکر ہو اور ان کا حادث ہونا آپ ہی اس انکار کا ضامن، اور ازل میں تعاقب نہیں کہ تعاقب سبوقیت کو چاہتا ہے اور ازل سے مسبوقیہ سے پاک لاجرم ازل میں افراد متعاقبہ بھی نہ تھے تو فرد منتشر و طبیعت دونوں کے جمیع انحائے وجود منتفی تھے تو ہر گز طبیعت ازلی نہیں ہو سکتی بخلاف گل کہ اگرچہ ہر معین پھول سے دو مہینے استمرار وجود مسلوب ہے مگر فرد منتشر سے مسلوب نہیں کہ وہ ان مہینوں میں اول تا آخر افراد متاقبہ سے منتزع ہے۔

حجت ۶: اقول: ازل میں طبیعت کے وجود خارجی کی علتِ تامہ موجود تھی یا نہیں اگر نہیں تو ازل میں وجود طبیعت بداہۃً محال اور اگر ہاں تو طبیعت ضرور ازل میں موجود فی الخارج تھی کہ تخلف محال اور وجود خارجی بے تعین ناممکن اور طبیعت معروضہ للتعین ہی فرد معین ہے تو ضرور ازل میں فرد معین موجود تھا حالانکہ سب افراد حادث ہیں، ہذا خلف اور اب غیر متناہی دو حاصروں میں محصور ہوگئے ایک فرد ازلی اور دوسرا مثلًا آج کا فرد تو ضرور شق اول معین اور باوصف حدوث افراد طبیعت کا ازلی ہونا قطعًا محال تو دلائل قاطعہ سے روشن ہوا کہ نہ زمانہ قدیم نہ حرکت نہ فلک نہ موالید نہ افلاک نہ عناصر، والحمدللہ رب العلمین (اور سب

تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

تنبیہ: ملتِ اسلامیہ میں ذات و صفات الٰہی عزجلالہ کے سوا کوئی شے قدیم نہیں، انواع بھی غیر ذات و صفات ہیں تو کسی شے کا قدم نوعی ماننا بھی مخالف اسلام ہے بلکہ ہم روشن کرچکے کہ قدم نوعی بے قدم شخصی ناممکن، اور غیر کے لیے قدم شخصی ماننا قطعاً ضروریات دین کا انکار ہے۔ فاضل دوانی نے کہ ان دو حجتوں پر وہ بحثیں کردیں، اور ان سے پہلے فلاسفہ کی دلیل قدم عالم پر دو جگہ رد میں کہا کہ اس سے قدم جنسی لازم آیا نہ شخصی، یہ سب عادت نظار پر ہے دلیل مخالف میں یہ کہنا کہ اس سے اتنا لازم آیا نہ وہ کہ تیرا مدعا ہے اس سے مقصود اس قدر کہ دلیل اس کے مدعا کی مثبت نہیں۔ نہ یہ کہ جو لازم بتایا مسلم ہے کہ بلکہ وہ برسبیل تنزل وارخائے عنان بھی ہوتا ہے اور دلیل موافق پر نقض سے تو معاذ اللہ مدعا میں کلام مفہوم بھی نہیں ہوتا یہاں تک کہ بعض دلائل توحید و وجود واجب پر ابحاث کرتے ہیں اس سے مقصود صرف اس دلیل خاص کی تضعیف ہوتی ہے آخر یہ وہی فاضل ہیں جنھوں نی اس کے بعد براہین تطبیق و تضانیف کا بلا شرط اجتماع و ترتیب مطلقاً جاری ہونا بہ سعی بلیغ ثابت کیا، کیا وہ ابطال قدم نوعی کو کافی نہیں قطعاً^{عــہ} کافی ہیں۔

عــہ: اما قوله بعد ذکر القدم الجنسی وقد قال بذلك بعض المحدثین المتاخرین وقد رایت فی بعض تصانیف ابن تیمیه القول به فی العرش اھ[1]۔ **فاقول:** مایدریك وان المحدثین ههنا من التفعیل دون الافعال بل هو المتعین فان القائل به لاشك مبتدع ضال ویؤیده نقله عن ابن تیمیة احد الضلال ویشیده ان المذکور

رہا اس کا قول قدم جنسی کے ذکر کے بعد کہ بعض متاخرین محدثین اس کے قائل ہیں اور میں نے ابن تیمیہ کی بعض تصانیف میں عرش کے بارے میں یہ قول دیکھا ہے اھ **تو میں کہتا ہوں** کہ تجھے کیا خبر ہے کہ محدثین یہاں پر تفعیل سے ہے نہ کہ افعال سے بلکہ افعال سے ہونا ہی متعین ہے کیونکہ اس کا قائل بلاشبہ بدعتی گمراہ ہے ابن تیمیہ جو کہ ایک گمراہ ہے سے اس کا نقل کرنا اس کی تائید کرتا ہے۔ اور اس کو تقویت (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] علامہ دوانی

مقام بست وچہارم

قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر ہونا محال نہیں فلسفی محال مانتا ہے اس کی دلیل کی کہ ابن سینا نے دی اور آج تک متداول رہی۔ تلخیص یہ ہے کہ حرکت غیر متناہیہ اگر قوتِ جسمانیہ سے ہو تو اس قوت کے حصے ہو سکیں گے کہ جسم میں ساری ہے کہ تجزی جسم سے متجزی ہوگی۔ اب ہم پوچھتے ہیں اس قوت کا حصہ مثلاً نصف بھی تحریک کل یا بعض جسم پر قادر ہے یا نہیں، اگر نہیں تو یہ سارے جسم میں ساری ہونے کے خلاف ہے، اور اگر ہاں تو قوت کا حصہ کل جسم یا بعض جسے حرکت دے سکے ضرور کل قوت بھی اسے حرکت دے سکتی ہے ورنہ جز کل سے بڑھ جائے اب حصے کی تحریک مدت

عنه القول بقدم العرش و هو شخص فالمعنی قد قال بالقدم النوعی بعض الضالین ولا عزو فقد قال ابن تیمیه بالقدم الشخصی فی العرش هذا ولا یبعد من جهالات ابن تیمیة ان یقول فی العرش بالقدم النوعی فقد نقلوا عنه التجسیم والجسم لا بدله من مستقر ولم یتجاسر علی اثبات قدیم بالشخص فعاد الی النوعی اولم یرض معبوده ان یبقی دائمًا علٰی عرش خلق وقد وهن من طول الامد فاستجندله عرشًا کل حین هذا کله ان ثبت عنه واللّٰه تعالٰی اعلم ۱۲منه غفرله۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دیتا ہے ابن تمیہ کی طرف سے قدم عرش کا قول کرنا جو کہ شخص ہے، چنانچہ معنی ی ہوا کہ بعض گمراہ قدم نوعی کے قائل ہیں اور بے شک ابن تیمیہ عرش کے قدم شخصی کا قائل ہے اور ابن تیمیہ کی جہالتوں سے بعید نہیں کہ وہ عرش کے بارے میں قدم نوعی کا قول کرے، کیونکہ اس سے منقول ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے لیے جسم مانتا ہے اور جسم کے لیے مستقر کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس نے قدیم شخصی کے اثبات کی جسارت نہ کی، لہٰذا قدم نوعی کی طرف عود کیا، یا اس کا معبود اس بات پر راضی نہ ہوا کہ وہ ہمیشہ پرانے عرش پر رہے گا جو کہ طویل عرصہ گزرنے پر کمزور ہو چکا ہے تو اس نے ہر گھڑی نیا عرش چاہا ہے یہ تمام اس صورت میں ہے جب کہ ابن تیمہ سے یہ قول ثابت ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

وعدت میں کل کے برابر ہوئی کہ جتنے زمانے میں جتنے دورے کل قوت دے سکے حصہ یہی جب تو جز و کل برابر ہو گئے ورنہ ایک مبدء سے دونوں تحریکیں شروع کریں۔ ضرور ہے کہ حصے کی تحریک تھک رہے گی تو متناہی ہوئی اور کل کی تحریک اسی نسبت محدود سے اس پر زائد ہوگی حصہ نصف ہے تو دوچند ثلث ہے تو سہ چند اور جو متناہی پر بقدر متناہی زائد ہو امتناہی ہے تو قوتِ جسمانیہ کا اثر نہ ہوا مگر متناہی ہے طویل بیان کرتے ہیں جسے ہم نے تلخیص کیا۔

اقول: یہ محض تمویہہ وملمع کاری ہے۔

اولاً: ہم اختیار کرتے ہیں کہ حصہ مدت میں برابر اور عدت میں اپنی قدر ہوگا۔ مثلاً کل قوت ایک دن میں دورہ دے تو نصف قوت دو دن میں دے گی، ثلث تین دن میں سبع ایک ہفتہ میں اس کے دورے اور اس کے دوروں کے آدھے تہائی ۱/۷ ہوں گے مگر منقطع کوئی نہ ہوگا تو زمانہ برابر رہا اور دوروں کی گنتی سے فرق پڑا تو نہ جزء و کل برابر ہوئے نہ جزء کی تحریک منقطع نہ کل کی، اس پر بقدر متناہی زائد ابد کے دن ہفتے مہینے سال سب غیر متناہی ہیں اور دونوں سے ہفتے ۱/۷ مہینے ۱/۳۰، سال ۱/۳۵۵ نہ تساوی ہے نہ انقطاع۔

ثانیاً: کیا ضرور کہ جس کام پر کل قوت قادر ہو نصف اس کے نصف پر ہو۔ ممکن کہ اس اثر پر قوی ہونا مشروط بہ ہیئت اجتماعیہ ہو تو حصے سے ممکن نہیں، نظیر سے توضیح عـــہ چاہو تو بداہۃً معلوم کہ جہاز کے وزن مخصوص پر تحریک کے لیے ہوا کی ایک قوت درکار کہ اس سے کم ہو تو اصلاً حرکت نہ دے سکے اور یہ واقع ہے یقیناً معلوم کہ ہوا کی وہ قوت جو صرف ایک پتے کو کو ہلا سکے تحریک جہاز پر اصلاً قادر نہیں اور اس کی ایک قوت وہ ہے کہ جہازوں کو روزانہ سو میل لے جاتی ہے ضرور ہے کہ پہلی قوت غیر محرکہ کو اس قوت سے کوئی نسبت ہوگی، فرض کیجئے۔ ۱/۱۰۰۰ یا ۱/۱۰۰۰۰۰ تو تمہارے

عـــہ: بظاہر اس سے اقرب یہ مثال ہو سکتی ہے کہ کرہ حرکتِ وضعیہ کرسکتا ہے اور اس کے ثخن میں اسکا کوئی حصہ مثلاً نصف کسی شکل مضلع مثلاً مثلث یا مربع پر خواہ جڑا ہو یا جدا ہو ہرگز نصف دورہ یا حرکتِ وضعیہ کا کوئی حصہ نہیں کرسکتا کہ مضلع جب ادنٰی جنبش کرے قطعاً حرکت اینیہ ہوگی نہ وضعیہ جس میں این برقرار رہے اور صرف وضع بدلے۔ **فافھم ان کنت تفھم** (تو سمجھ لے اگر تو سمجھتا ہے۔ ت) ۱۲ منہ غفرلہ۔

طور پر لازم کہ اسی نسبت سے پہلی قوت اُسے روزانہ ۱۰۰ میل کے ایک حصہ تک لے جایا کرے یعنی ایک میل کا دوسواں حصہ ۷۶ا گز یا ہزارواں حصہ ۷۶ء ا گز کہ پونے دو گز عـــہ سے زائد ہوا حالانکہ وہ یقیناً اسے اصلاً نہیں ہلا سکتی۔

ثالثاً: اگر کہیں کہ جذب مرکز سے ہے کہ میل ہو یا جذب ضرور جانب مرکز ہے تو مانحن فیہ میں سرے سے تقسیم حصص کا جھگڑا ہی نہ رہے گا۔

تکملہ: یہ دونوں اعتراض ہم نے بفضلہٖ تعالٰی بہ نگاہِ اولین کیے تھے پھر جونپوری کی کتاب دیکھی تو اس میں دونوں مع نام جواب پائے۔

اول پر اقرار کر دیا کہ اس صورت میں ہماری یہ دلیل جاری نہیں پھر اس پر یہ عذر بارد گھڑا کہ جب ہم ثابت کر چکے کہ قوتِ جسمانیہ ایک سلسلہ غیر متناہیہ پر قادر نہیں تو زیادہ پر کیسے قادر ہو جائے گی۔ اس کا مطلب حمد اللہ کی سمجھ میں نہ آیا اُلٹ پھیر کر انہیں لفظوں کو دہرا دیا اور کہا ھذا ما عندی فی حل ھذہ العبارۃ (یہ وہ ہے جو اس عبارت کے حل میں میرے پاس ہے۔ ت)

اقول: اس کا مطلب عقل میں نہ آنا بعید نہیں کہ اس کا مطلب خود عقل سے بعید ہے وہ یہ کہتا ہے کہ تم نے جزو کل میں فرق یہ نکالا کہ مثلاً قوت کا سوواں حصہ ایک دن میں ایک دورہ دے تو پوری قوت ایک دن میں سو دورے دے گی، اور دن غیر متناہی ہیں تو اس کی اکائیاں نامتناہی ہوں گی اور اس کی صدیاں بھی، گویا وہ ایک سلسلہ غیر متناہیہ پر قادر ہوا۔ اور یہ سو سلاسل نامتناہی پر تو جز و کل کا فرق یہی رہا اور تناہی نہ ہوئی لیکن ہم بیان کر چکے کہ کل قوت ایک سلسلہ پر قادر نہیں، ورنہ جزء و کل برابر ہوں تو سو سلسلوں پر کہاں سے قدر ہو جائے گی۔ یہ اس کے مذعوم کی تقریر ہے۔

اقول: یہ محض مغالطہ یا نری سفاہت ہے بشرط شے و بشرط الامین فرق نہ کیا، جز ایک سلسلہ پر قادر ہو تو کل ضرور ایک پر قادر نہ ہوگا ورنہ کل و جز برابر ہو جائیں مگر یہ ایک پر اس کی قدرت کا سلب کس معنی پر ہے یا بایں معنی کہ صرف ایک ہی پر قادر نہیں بلکہ سو پر ہے نہ بایں معنی کہ ایک اس کی قدرت ہی نہیں جو سو پر قادر ہے قطعاً ایک اور اس کے

عـــہ: یعنی ا۔۲۵/ ۱۹ گز ۱۲ الجیلانی۔

۹۹ مثل اور پر قادر ہے تو یہ کہنا کہ جو ایک پر قادر نہیں سو پر کیسے قدر ہوگا، کیسا صریح مغالطہ ہے، یوں کہیے کہ ہم دلیل سے ثابت کرچکے کہ کل کی قدرت ایک پر محدود نہیں تو ضرور زائد پر ہے، اگر کہیے کہ کل اس تنہا ایک سلسلہ پر بھی قادر ہے یا نہیں، اگر نہیں تو جز کل سے بڑھ گیا۔ اور اگر ہاں تو اس سلسلے کے اعتبار سے دلیل جاری ہوگی اب اس میں تو ایک متعدد کا فرق نہیں، دلیل کو ایک شے ایسی چاہیے جس پر کل وجز دونوں قادر ہو ولہذا اس صورت میں بھی جاری تھی کہ جز صرف بعض کی تحریک پر قادر ہو ظاہر ہے کہ کل بھی اسے حرکت دے سکے گا تو دلیل جاری ہوگئی اگرچہ کل اس بعض جیسے ہزار بعض اور پر قادر ہے۔

اقول: ہاں کل اس تنہا ایک پر بھی قادر ہے مگر نہ اپنی پوری قوت بلکہ بعض سے وہ جس کی پوری قوت سو پر قادر ہے اگر ایک پر اختصار چاہیے گا پوری قوت اس پر صرف نہ کرے گا بلکہ سوواں حصہ تو بعض قوت کل کا کل قوت بعض سے مساوی ہونا لازم آیا اور یہ غیر محذور بلکہ ضرور۔

دوم: کی تقریریوں کی کی جائز ہے کہ کل کے لیے ایک قوت ہو کہ تقسیم سے نہ رہے جیسے مرکب کی قوت کہ بعد مزاج حاصل ہوتی ہے ان بسائط پر نہیں جن سے اس کی ترکیب ہوئی اور کشتی کہ دو کی تحریک سے حرکت کرے ایک سے متحرک نہ ہوگی پھر جواب دیا کہ قوت جو مزاج سے حاصل ہوئی اگرچہ قبل امتزاج بسائط میں نہ تھی مگر اب ضرور ہر بسیط بھی اس کا حامل ہے کہ تمام جسم میں ساریہ مانی گئی ہے اور ہم جز کو کل سے جدا کرکے کلام نہیں کرتے بلکہ اسی حالت میں کہ وہ مزاج حاصل کیے ہوئے ہے تو ضرور کل سے اسے جو نسبت ہے اسی نسبت پر اس قوت کا حصہ اس میں ہے اور ایک شخص اگر اس کشتی کو نہیں ہلا سکتا تو اس سے چھوٹی کو تو ہلا سکے گا۔

اقول: بحمداللہ تعالٰی ہماری تقریر مزاج پر نہیں جس میں ایک قوت جدیدہ خود ان بسائط ہی کو بعد کسر وانکسار حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ کل کو ایک شے پر قوت ہو تو ضرور نہیں کہ مقوی علیہ کے حصہ حصص قوت کے مقابل ہوں کہ کل مقوی علیہ پر کل کو قوت ہے تو اس کے نصف پر نصف اور ثلث پر ثالث کو وھکذا (اور اسی طرح، ت) بلکہ ممکن کہ مقوی علیہ پر قوت ہیئت اجتماعیہ سے مشروط ہو تو جب کوئی حصہ لوگے خواہ کل سے قطع کرکے یا اس میں ملا ہوا جز اس پر اصلاً قادر نہ ہوگا جز بشرط شیئ قادر ہے کہ عین جز اگرچہ خارج میں کل سے جدا نہ کیا لیا تو اس سے تنہا اور شرط قوت کہ اجتماع تھا نہ رہا یہاں بھی وہی تفرقہ نہ کیا،

جز بشرط شے قادر ہے کہ عین کل ہے اور کلام بشرط لا میں، اگر کہئے کہ جز قادر ہو جب تو محال مذکور لازم آئے گا۔

اقول: ہاں تو اس سے جز کا قادر ہونا محال ہوا کہ اس کے فرض سے محال لازم آیا نہ کہ قوت کل کی لاتناہی **فاندفع ما قال الملاحسن فی حاشیتہ** (تو جو ملّا حسن نے اس کے حاشیہ میں کہا وہ مندفع ہوگیا۔ت) رہا وہ اخیر جملہ کو ایک اس سے چھوٹی کو ہلا سکے گا۔

اقول: وہ بھی ہماری اس تقریر سے رد ہوگیا مقوی علیہ کے حصوں کا قوت کے حصوں پر انقسام ضرور ہے یا نہیں، اگر نہیں تو تمہاری دلیل باطل، اور اگر ہاں تو جو ہوا جہاز کو روزانہ سو میل لے جائے لازم کہ اس کا تجزیہ کرتے جاؤ۔ تو سو میل کا اُن پر اقسام ہوتا رہے اور وہ حصہ کہ پتے کو بھی نہ ہلا سکے اس جہاز کو انگل بھر یا بال بھر غرض کچھ نہ کچھ روزانہ ضرور ہلائے یہ صریح باطل ہے یہ بیان اس کے ایضاح کو تھا کہ ممکن بعض قدرتیں ہیئت اجتماعیہ سے مروط ہوں اور ہیئتِ اجتماعیہ مجموع میں حیث ہو مجموع کو عارض ہے نہ کہ ہر جز میں ساری تو اجزا میں اس کا حصہ ہونا ضرور نہیں بلکہ نہ ہونا ضرور ہے کہ شرط مفقود ہے تو جسم کا ہر جز جسم ہونا اور بداہۃً جنس قوت کل سے کسی شیئ پر قادر ہونا اگرچہ اپنی نسبت پر اس جسم سے اصغر کی تحریک پر ہو یہ کچھ تمہیں مفید نہیں، ہاں ہر جز بھی کسی نہ کسی حصہ جسم کی تحریک پر قادر سہی مگر ممکن کہ عدت ومدت میں لاتناہی پر قدرت ہیئت اجتماعیہ سے مشروط ہو تو وہ ہرگز نہ کسی جز میں ہوگی نہ اس کی نسبت پر انقسام پائے گی کہ استحالہ لازم آئے کہ غیر متناہی کی تنصیف تثلیث وغیرہ ناممکن، "**فاندفع ما تفوہ بہ الجونفوری واندفع ما ارادیہ اصلاحہ الملاّحسن فی حاشیتہ**" (تو مندفع ہوگیا وہ جو اس کے حاشیہ (تو مندفع ہوگیا وہ جو اس کے حاشیہ میں ملا حسن نے کہا۔ت) اس کے بعد جونپوری نے ابن سینا کی تقریر پر رد کیا اور اپنی طرف سے حسب عادت کو شقشقہ لسان ولقلقہ بیان ہی اس کی بضاعت ہے اس دلیل کی ایک اور تقریر طویل ولاطائل گھڑی۔

اقول: بحمدہٖ تعالٰی وہ بھی ہماری اسی تقریر سے رد ہوگئی اس کا مبنی بھی اسی پر ہے کہ قوت بانقسام محل منقسم ہوا، اور ہم روشن کرچکے کہ قوت مشروطہ بہیئت اجتماعیہ اجزا پر منقسم نہ ہوگی کل ہرگز اجزا کی گنتی کا نام نہیں جیسے عشرہ کہ دس وحدتوں سی زیادہ اس میں کچھ نہیں تو اس کی قوت نہ ہوگی مگر قوائے اجزاء کا حاصل جمع بلکہ یہاں ایک امر زائد ہے جس نے کثرت کو وحدت کردیا، یعنی یات اجتماعیہ اس سے جو قوت حاصل ہوگی یقیناً مجموع قوائے اجزاء کے علاوہ ہے اور اس کا خود جونپوری کو بھی اعتراف ہے مگر پھر ہیئت اجتماعیہ کو نہیں سمجھتا، اور انقسام محل سے تقسیم کرتا ہے۔

یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ موثر صرف جمیع اجزا بشرط اجتماع ہوں اور اگر جموع من حیث ھو مجموع موثر ہو یعنی ہیئت اجتماعیہ موثر میں داخل توامر اظہر ہے، اب اجزاء تین وجہ پر ہیں،

(۱) مرسل نفس اجزا۔ **(۲)** معری متفرقہ۔ **(۳)** محلّی مجتمعہ کہ لابشرط و بشرط لا و بشرط شے کے مراتب ہیں۔

پانچ مرسل دس مرسل کا نصف ہے لیکن دس مع ہیئت اجتماعیہ کا نصف نہ پانچ مرسل ہے نہ بلا ہیئت اجتماعیہ نہ مع ہیئت اجتماعیہ کو یہ ہیئت اجتماعیہ اسی کی مثل ہے جو دس "محلّی میں ہے نہ کہ اس کی نصف تو دس محلّی کی جو قوت ہوگی اس کے انصاف و اثلاث میں نہ ہوگی کہ اس کے لیے انصاف و اثلاث ہی نہیں۔ یہ جو انصاف و اثلاث ہیں دس مرسل کے ہیں اور اس کے لیے وہ قوت نہیں۔ اسی قدر اس کے رد کو بس ہے زیادہ اطالت کی حاجت نہیں، **وللہ الحمد**۔

مقام بست و پنجم

آن سیّال کوئی چیز نہیں، ارسطو و ابن سینا اور ان کے چیلوں نے کہا حرکت کے دو اطلاق ہیں۔

اول: حرکت بمعنی التوسط کہ مبدء سے جدائی کے بعد اور منتہی تک وصول سے پہلے جسم کے لیے مبدء و منتہی میں متوسط ہونے کی ایک حالت دائمہ باقیہ ہے کہ خود اپنی ذات میں نا قابل قسمت اور اول تا آخر بحالہا محفوظ و مستمر ہے اور آنات مفروضہ زمان حرکت میں حدود مفروضہ مسافت سے ہر آن اسے ایک نسبت تازہ ہے کہ نہ پہلے تھی نہ بعد کو ہو اس اعتبار سے سیال و نامستقر ہے اسے حرکت توسطیہ کہتے ہیں۔

دوم: حرکت بمعنی القطع جس طرح مینہ کی اترتی بوند سے پانی کا ایک خط اور بنیٹی گھمانے سے آگ کا ایک دائرہ متوہم ہوتا ہے یونہی حرکت توسطیہ کے ان اختلاف نسب کے علی الاتصال توارد کے باعث مبدء سے منتہی تک ایک حرکت متصلہ وحدانیہ متخیل ہوتی ہے وجہ یہ کہ اس بوند یا شعلے یا متحرک کے ایک مکان میں ہونے کی ایک صورت خیال میں مرتسم ہوئی اور وہ بھی زائل نہ ہونے پائی تھی کہ معًا دوسرے تیسرے مکانوں میں ہونے کی صورتیں آئیں یونہی آخر تک لاجرم ذہم میں ایک شیئ ممتد متصل پیدا ہوئی جو صور مذکورہ میں خط و دائرہ و حرکت ممتدہ وحدانیہ ہے اسے حرکت قطعیہ

کہتے ہیں۔ان صنادید فلسفہ نے جب خود اسے موہوم کہا تو ہمیں یہاں بحث کی حاجت نہیں اگرچہ جائے سخن وسیع ہے مگر جزاف بے معنی یہ ہے کہ اسی پر قیاس کرکے کہا کہ جس طرح خارج میں حرکت توسطیہ اپنی ذات میں بسیطہ مستمرہ اور نسبتوں سے غیر مستقرہ ہے اور اس کے سیلان سے قطعیہ موہوم ہوتی ہے یونہی خارج میں ایک آن سیال ہے کہ اپنی ذات میں بسیط و ناقابل قسمت وغیر متبدل ہے اور اپنے سیلان سے اذہان میں ایک امتداد موہوم متصل کی راسم ہے جس کا نام زمانہ ہے آن سیال حرکت توسطیہ پر منطبق ہے اور زمانہ حرکت قطعیہ پر یہ بوجوہ ناقابل قبول۔

اولاً: کیا ضرور ہے کہ امتداد موہوم زمانی کسی امر خارج مستمر غیر مستقر ہی سے منتزع ہو کیوں نہیں ممکن کہ ابتداً ذہن میں حاصل ہو۔(علامہ خواجہ زادہ)

اقول: حرکت توسطیہ بمعونت حس مدرک ہے کہ متحرک کو بین الغایتین مبدء سے منصرف منتہی کی طرف متوجہ اس سے ہٹتا اس کی طرف بڑھتا دیکھ رہے ہیں اور یہی معنی توسط ہے اور اس کے استمراد سے ایک اتصال متوہم ہونا معقول وہ حرکت قطعیہ ہے امتداد زمانی کا علم ہر بچے جانور کو ہے یہاں خارج میں کسی مستمر نامستقر کا نہ مشاہدہ نہ اس پر دلیل تو محض قیاس غائب علی الشاہد مردود وذلیل اگر کہیے وجود ذہنی نہیں ہوتا مگر ظلی۔

اقول: یہ دلیل نہیں بلکہ دوسرے لفظوں میں مدعا کا اعادہ اور صریح [عہ] مصادرہ ہے۔

ثانیاً اقول: سیلان خارجی سے ایک اتصال متخیل ہونا پہلے اس سیلان کے ارتسام کی فرع ہے جس نے نہ قطرہ اُترتا دیکھا نہ شعلہ گھومتا محال ہے کہ ان کے نزول و دوران سے اس کے ذہن میں خط و دائرہ مرتسم ہوں یہاں امتداد زمانی کی وہ شہرت کہ صبیان وحیوان بھی اس سے آگاہ اور آن سیال تم چند کے سوا کسی کے خیال میں یہی نہیں تو اس کے سیلان سے اذہان میں اس ارتسام کے کیا معنی۔

ثالثاً اقول: اگر رسمِ زمانہ کو خارج میں کوئی سیلان ہی درکار، اور فرض کرلیں کہ سیلان رسم زمانہ کرسکتا ہے تو کیوں نہ ہو کہ حرکتِ توسطیہ کا سیلان یہ راسم ہو آن وسیلان آن کی کیا حاجت بلکہ اس تقدیر پر یونہی ہونا چاہیے کہ خود کہتے ہو سیلان توسطیہ سے حرکت قطعیہ متصلہ موہوم ہوتی ہے تو قطعیہ کا اتصال اسی سیلان کا مرسوم اور قطعیہ کے اتصال ہی کا نام

[عہ]: اور اس کا ابطالِ صریح مقامِ آئندہ میں آتا ہے ۱۲منہ۔

زمانہ ہے۔

رابعًا اقول: سب جانے دو فرض کردم کہ کوئی آن ہے اور اسے سیلان ہے لیکن محال ہے کہ وہ راسم زمانہ ہو، ذرا سیلان کے معنی بتائیے آن تو فی نفسہ دائم و مستمر ہے اس کا سیلان نہ ہوگا مگر یہ آنات متعاقبہ میں حدودِ مختلفہ سے اس کی نسب متجددہ اس کے سوا اگر کچھ معنی سیلان راسم بتا سکتے ہو بتاؤ اور جب سیلان یہ ہے تو یہ خود زمانے پر موقوف تو اسے راسم زمانہ نہ کہے گا مگر سخت بے وقوف، اس مقام کی صعوبت بلکہ مطلقًا عدم استقامت نے اگلوں کو بیان معنی سیلان آن سیال سے صم بکم رکھا مگر آخر زمانے میں ہدیہ سعیدیہ نے اس کی مشکل کشائی پوری کردی کہ حاضر ہمیشہ آن ہے زمانہ حاضر ہو تو قار ہو جائے۔ زمانہ یوں تو متخیل ہوتا ہے کہ آن حاضر کا تخیل کیا پھر ایک زمانہ لطیف کے بعد دوسری آن کا، پھر زمانہ قلیل کے بعد تیسری آن کا یوں ایک آن مستمر سیال ہوتی ہے کہ گویا راسم زمانہ ہے جیسے قطرہ سیال و شعلہ جوالہ۔

اقول: بوجوہِ کثیرہ آن سیال نے وہ سیلان کیا کہ بالکل بہہ گئی۔

(۱) وہ موجود، خارجی تھی یہ متخیل۔ **(۲)** وہ واحد یہ متعدد **(۳)** وہ برقرار[عہ۱] یہ متجدد۔

(۴) اس پر زمانہ موقوف کہ اُسی سے متخیل ہوتا ہے یہ خود زمانے پر موقوف کہ اسی کے اطراف وحدود۔

(۵) وہ راسم زمانہ، یہ اس سے مرسوم[عہ۲] کہ جب تک زمانہ نہ گزرے دوسری آن متخیل نہ ہو۔

(۶) وہ علی[عہ۳] الاتصال سیال یہ متفرق بالانفصال۔

عہ۱: عدم التغیر فوق الوحدۃ ۱۲ منہ غفرلہ۔

عدم تغیر وحدت سے فوق ہے۔ (ت)

عہ۲: کونہا مرسومۃ بالزمان فوق توقفہا علیہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

اس کا زمان سے مرسوم ہونا اس پر موقوف ہونے سے فوق ہے۔ (ت)

عہ۳: ھٰھنا ثلاث اتصالات **الاول** مایطلبہ السیلان لوقوعہ فیہ وھوالمراد فی السابع۔ **والثانی** مایتخیل بھٰذا السیلان

یہاں تین اتصال ہیں: **اول** وہ کہ سیلان اس کو طلب کرتا ہے اس میں گرنے کے لیے وہی مراد وجہ ہفتم ہیں۔ **ثانی** وہ جو اس سیلان سے محتیل ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

(۷)اس کا سیلانا امتداد متصل میں واقع ان کے طفرے اس اتصال کے قاطع۔
(۸)اس سے جدید امتداد متخیل ان کے بعد حتاج تخیل کہ اس کا سیلان رسم امتداد کا ذمہ دار ان کے خلا بھرنے کو خود امتداد در کار۔
(۹)اس کا سیلان امتداد کا راسم ان کا تفرق اس کا بھی حاسم عـــہ یعنی وہ امتداد متصل وحدانی دکھائے یہاں مستقل تخیل کے بعد بھی جو بنے ٹکڑے ٹکڑے آئے۔
(۱۰)زمانہ تخیل حدود پر موقوف نہیں۔
(۱۱)نہ اس کا محتاج کہ بعد تفرق اتصال پائے اس کے اتصال موہوم میں یہ حدود فرض کر سکتے ہیں نہ کہ یہ حدود ہولیں اس کے بعد انہیں امتدادوں سے وصل کیا جائے۔
(۱۲)قطرۂ سیالہ و شعلہ جوالہ کی مثالیں بھی اس بیان پر خوب منطبق ان میں یونہی حدود فرض ہو کہ خطوط وصل ہوتے ہوں گے۔ دیکھئے نہ کوئی شے بسیط موجود بتاسکے نہ ہر گز اس کا سیلان بنا سکے۔

ولن یصلح العطار ماافسدہ الدھر

(جس کو دہر فاسد کر دے اس کی اصلاح عطار ہر گز نہیں کر سکتا۔(ت)

خامسًا اقول: جب سیلان خارجی سے امتداد ذہنی بنتا ہے وہاں دو چیزیں خارج میں ہوتی ہیں، ایک وہ سیال جیسے قطرہ نازلہ، دوسرے اس کی مقدار مثلاً جو بھر، اور دو ذہن میں ایک وہ امر ممتد کہ اس کے سیلان متصل سے موہوم ہوا مثلاً خط آبی دوسرے اس ممتد کی مقدار مثلاً دس گز خارج کی دوسری چیزیں ذہن کی دونوں چیزوں کی مجانس اور گویا ان کے اجزا سے ایک جز ان کے حصوں سے ایک حصہ ہوتی ہیں بایں معنی کہ مثلاً یہ پانی کا خط اگر خارج میں ہوتا تو وہ قطرہ اس کا ایک حصہ ہوتا اور اس کی جو بھر مقدار اس کی دس گز مقدار کا حصہ کہ سیلان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وھو المراد فی الثامن و بعدہ۔ **والثالث** مایعرض نفس السائل بالعرض بحسب السیلان وھو المراد فی السادس فافھم ۱۲منہ۔

وہی مراد ہے وجہ ہشتم اور اس کے مابعد میں۔ **ثالث** وہ جو نفس سائل کو عارض ہو باعتبار سیلان کے، وجہ ششم میں وہی مراد ہے، تو سمجھ لے۔(ت)

عـــہ: الجسم فوق عدم التخیل فشتان ماثبوت العدم وعدم الثبوت ۱۲منہ غفرلہ۔

جسم عدم تخیل سے فوق ہے تو ثبوتِ عدم اور عدم ثبوت میں بہت فرق ہے۔(ت)

ذہن میں اسی کی صورت کے امثال پے درپے اتصال پا کر امتداد بناتے ہیں تو ممتد ذہنی گویا اسی سیال خارجی کے امثال سے مرکب اور اس کی مقدار انہیں مقادیر امثال کا مجموعہ کہ اسی مقدار خارجی کے اضعاف ہیں۔اب یہاں ممتد ذہنی تو حرکت قطعیہ ہے اور اس کی مقدار زمانہ خارج میں سیال، تم نے آن کو لیا۔

(۱) اس کی مقدار محال کہ وہ راسًا نا قابلِ انقسام، تو چار میں سے ایک تو یہ غائب ہوئی۔

(۲) وہ جو ایک خارج میں ہے مقدار کے مقابل نہیں بلکہ سیال کے تو چاہیے کہ آن حرکت قطعیہ کی جنس سے ہو اور حرکتِ قطعیہ کے حصوں سے ایک حصہ، یہ بھی باطل پھر اس کے سیلان سے ان کا ارتسام کیسا، اگر کہیے ہم وہ امر ممتد اور اس کی مقدار حرکت قطعیہ وزمانہ نہیں لیتے بلکہ زمانہ اور اس کا امتداد، اب ممتد جنس سیال سے ہوگیا اور گویا اس کے حصوں سے ایک حصہ۔

اقول: اب بھی بوجوہ غلط۔

(۱) اب زمانہ متقدر ہوگیا حالانکہ مقدار ہے امتداد زمانے کو عارض ہوگیا حالانکہ وہ خود امتداد ہے۔

(۲) زمانہ اگر خارج میں موجود ہو آن نہ ہرگز اس کا حصہ ہوگی نہ حصہ کا مثل، بلکہ اس کی طرف۔

(۳) آن کی مقدار اب یہی معدوم جو امتداد زمانہ کے مقابل ہوتی اگر کہیے ہم وہ خارج کی دو چیزیں حرکت توسطیہ وآن لیتے ہیں اور ذہن کی دو حرکت قطعیہ وزمانہ آن کو سیال اس لیے کہہ دیا ہے کہ سیال یعنی حرکت توسطیہ پر منطبق ہے اب تو چاروں کا تجانس وتعادل ہوگیا۔

اقول: اب بھی غلط:

(۱) جس طرح آن کے لیے مقدار نہیں آن کسی کے لیے مقدار نہیں۔

(۲) وہی کہ آن حصہ ئ زمانہ نہیں غرض خارج سے ذہن میں ارتسام زمانہ کسی پہلو ٹھیک نہیں آتا۔

سادسًا اقول: آن سیال کا حرکت توسطیہ پر انطباق بھی محال، آن کسی وجہ سے کسی جہت میں اصلًا قابلِ انقسام نہیں اور حرکت توسطیہ صرف جہت مسافت سے منقسم نہیں کہ ایک نقطہ

متحرک ہو، یا سو گز کا جسم مبدء سے جدائی کے بعد منتہی تک پہنچنے سے پہلے توسط دونوں کو یکساں ہے یہ نہیں کہ نقطے کا توسط جسم کے توسط سے چھوٹا ہے کہ توسط میں تشکیک نہیں لیکن جہت متحرک سے وہ غیر متناہی تقسیم کے قابل ہے کہ تمام جسم متحرک میں ساری ہے اس میں جہاں جو جز فرض کیجئے مبدء و منتہی میں متوسط ہے ہر آن میں اس کی جو حالت تھی نہ کبھی پہلے تھی نہ بعد کو، اسی کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ حرکت توسطیہ عرض میں منقسم ہے طول میں نہیں۔ طول سے مراد جانب مسافت اور عرض سے جانب متحرک خواہ تقسیم اس کے طول یا عرض کسی بعد میں ہو۔ اور جب وہ ایسی منقسم ہے آن اس پر کیونکر منطبق ہو سکتی ہے اگر کہیے اس حالت میں وہ حرکتِ واحدہ نہیں بلکہ کثیرہ متحرکوں کی کثیر حرکات، جیسا جونپوری وغیرہ نے کہا اس لیے کہ ہر جز اور اس کی حرکت جدا ہے اور ہم نے حرکتِ واحدہ کو بسیط کہا ہے۔

اقول: اس سے یہ مراد کہ جس طرح جسم میں اجزاء بالقوہ ہیں یونہی یہ حرکت حرکات بالقوہ تو بھی قابلیت انقسام ہے اور اگر یہ مقصود کہ بحسب اجزا حرکاتِ کثیرہ بالفعل ہیں ان میں ہر ایک بسیط ہے نہ مجموعہ تو **اولاً** یا تو جواہر فردہ لازم کہ یہ حرکاتِ بسیطہ نہ ہوں گی مگر اجزائے بسیط کی اور جب بالفعل ہیں تو ضرور متحرکات بھی بالفعل یا غیر متناہی کا محصور ہونا کہ اجزا باوصف لامتناہی حدود شکل میں محصور ہیں۔

ثانیاً: آن سیال ظاہر ہے کہ جوہر نہیں ورنہ جوہر فرد ہو اور ضرور مقولہ کیف سے ہے کہ نہ بالذات قابل قسمت نہ طالب نسبت، اور اس کا موضوع نہیں مگر حرکت [عہ] توسطیہ جس طرح زمانہ کا

عـــہ: صاحبِ قبسات نے اُسے جرم فلک الافلاک سے قائم بتایا اور یہ ہمارے قول کے منافی نہیں یہ حرکتِ توسطیہ سے قائم اور وہ فلک سے تو یہ فلک سے۔ قبسات کی عبارت یہ ہے۔

كما في الحركة امران مختلفان بالمفهوم متباينان بالذات كذلك بازائهما في الزمان شيئان مختلفان احدهما الان السيال وهو مكيال الحركة التوسطية و ماتنطبق هي عليه غير مفارقة اياه مادامت موجودة والاخر	جیسے حرکت میں دو امر ہیں جو مفہوم میں مختلف اور ذات کے لحاظ سے متبائن ہیں، اسی طرح ان کے مقابل زمانہ میں دو مختلف چیزیں ہیں ایک آن سیال اور یہ حرکت توسطیہ کا پیمانہ ہے اور حرکت توسطیہ اس پر منطبق ہوتی ہے اور جب تک موجود رہتی ہے اس سے جدا نہیں ہوتی دوسری (باقی اگلے صفحہ پر)

موضوع حرکتِ قطعیہ اور اس کا قیام ضرور انضمامی کہ موجود فی الخارج ہے اب وہ اجزائے فلک کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الزمان المتصل الممتد وهو مقدار الحركة القطعية و ما توجد هی فيه وتنطبق عليه وكما ان الحركة التوسطية السيالة وراء حدودالحركة بمعنى القطع كذلك الان السيال غير الان الذی هو طرف الزمان والفصل المشترك بين قسميه الماضی والمستقبل غير قائم بجرم الفلك الاقصى الذی هو موضوع الحركة القطعية المستديرة التی هی محل الزمان و الحركة التوسطية الدورية التی هی ملزومة الان السيال وبالان السيال تكال الحركات التوسطيه الدورية و الاستقامية جميعا كما بالزمان يقدر جميع الحركات القطعية المستديرة وغير المستديرة و الان السيال والحركة التوسطية الراسمان للزمان و الحركة بمعنى القطع فی ازاء النقطة الفاعلة للخط كما اذافرض مرور راس مخروط على سطح والانات الموهومة التی هی اطراف الازمنة والاكوان فی حدود المسافة

چیز زمانہ متصل ممتد ہے اور وہ حرکت قطعیہ اور جس میں حرکت قطعیہ پائی جائے کی مقدار ہے نیز حرکت قطعیہ اس پر منطبق ہے اور جیسے حرکتِ توسطیہ سیالہ حرکت قطعیہ کی حدود کے علاوہ ہے اسی طرح آن سیال اس آن کے مغایر ہے جو طرف زمان ہے اور زمانے کی دو ق سموں ماضی اور مستقبل کے درمیان حد مشترک ہے، نیز آن سیال فلک الافلاک کے جسم کے ساتھ قائم نہیں ہے جو حرکت قطعیہ متدیرہ کا موضوع اور حرکتِ قطعیہ متدیرہ زمانے کا محل ہے۔ حرکتِ توسطیہ دور یہ جسے آنِ سیال لازم ہے اور آن سیال ہی سے تمام توسطی دوری اور مستقیم حرکتوں کی پیمائش کی جاتی ہے جیسے زمانے سے تمام حرکاتِ متدیرہ اور غیر متدیرہ کی مقدار معلوم کی جاتی ہے۔ آن سیال اور حرکت توسطیہ زمانے کو اور حرکتِ قطعیہ کو نقش کرتی ہیں اور یہ مقابل ہے اس نقطے کے جو خط کھینچنے کا سبب ہوتا ہے جیسے کہ جب ایک مخروطی جسم کا سرا فرض کیا جائے کہ وہ ایک سطح پر گزر رہا ہے اور آنات فرض کی جائیں جو زمانوں کی اطراف ہیں اور حرکتِ قطعیہ کی وہمی حدود کے مقابل

(باقی بر صفحہ آئندہ)

ان سب حرکاتِ کثیرہ سے قائم ہے۔ تو عرض واحدہ بالشخص کا موضوعات جداگانہ سے قیام لازم اور ان میں ایک سے تو ترجیح بلا مرجح۔

رَدّ تشدّق: آن سیال کے بارے میں اگلے زبانی ادعا اور حرکت پر فاسد قیاس کے سوا کوئی دلیل یا شبہہ نہ لائے نہ اس کا سیلان بتانے پائے مگر متشدق جونپوری سے کب رہا جائے اس حدس کے سر ڈھالا اور سیلان کا راستہ نکالا اور ایک طویل شقشقہ گھڑ ڈالا جس کا حاصل بے حاصل یہ کہ متحرک جس وقت حرکت کر رہا ہے اس کی ذات کے مقابل نہ مسافت ہے نہ حرکتِ قطعیہ، نہ زمانہ کہ ان سب میں کچھ گزر گیا کچھ آئندہ ہے بلکہ اس کے مقابل مسافت سے ایک نقطہ ہے اور حرکت قطعیہ سے توسط اور زمانہ سے ایک آن۔ یہ سب حدود و غایات ہیں، اور خود متحرک بحیثیت تحرک اپنے نفس کے لیے ایک حد ہے گویا وہ مبدء سے یہاں تک ایک امر ممتد ہے تو ہر حد مسافت پر اپنی حیثیت انتقال کے لحاظ سے خود اپنی حد ہے اب متحرک اپنی ذات سے باقی اور ان نسبتوں سے متجدد، یونہی حرکتِ توسطیہ، تو اس سے ذہن میں آپ ہی آتا ہے کہ وہ آن جو زمانے سے اس کا خط ہے وہ بھی بذاتِ خود باقی ہو اگرچہ بحیثت آنیت باقی نہ ہو کہ آن کا وجود نہیں مگر زمانے کے دو جزوں میں حدِ فاصل ہو کر پھر وہاں سے منتقل ہو کر دوسرے جزوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

التی ھی بأزاء الحدود الموھومة للحرکة بمعنی القطع فی ازاء النقاط التی ھی اطراف الخطوط بالفعل و النقاط المفروضة فی الخط المتصل بالتوھم الا ان الان لیس الاالان الوھمی فی الزمان ولایکون الا فاصلا والنقط منھا موھومة واصلة ومنھا موجودة فاصلة کما فی الحدود الحرکات القطعیة واطرافھا اھ ۱۲منہ غفرلہ۔

مسافت کی حدود میں متحرک کے وجودات فرض کیے جائیں ان نقاط کے مقابل جو خطوط کے اطراف میں بالفعل ہیں یا خط متصل میں وہم کی مدد سے فرض کیے گئے ہیں۔ لیکن آن تو وہی ہے جس کا زمانے میں وہمی طور پر ثبوت ہے اور یہ فاصل ہی ہوگی جب کہ بعض نقطے وہمی اور واصل ہیں اور بعض موجود ہیں۔ اور فاصل، جیسے کہ حرکات قطعیہ کی حدود اور ان کی اطراف میں ہے اھ ۱۲منہ غفرلہ (ت)

میں فاصل کیسے ہو جائے گی یہی آن بذاتِ خود نہ اس حیثیت سے کہ عرض زمانہ ہے آن سیال ہے کہ زمانے کی موہوم آنوں کی طرح زمانے میں نہیں بلکہ زمانے سے باہر زمانے کی حد ہے اور اپنے سیلان سے اسے حادث کرتی ہے جیسے اترتا قطرہ خط آبی کو۔

اقول اولاً: متشدق کے نزدیک زمانہ خود موجود فی الخارج ہے نہ کہ خطِ آبی کی طرح مرسوم موہوم اگر کہیے صرف رسم میں تشبیہ مقصود ہے نہ کہ وہم میں ولہٰذا متشدق نے شروع بحث میں سطح مستوی پر راس مخروط کی حرکت سے خط بننے پر کہا کہ یہ خط اگرچہ محض تخیل میں بنے گا نہ حقیقۃً کہ مسافت میں نقطہ اُسی وقت پیدا ہوگا جب سرِ مخروط اس کے ایک نقطہ سے ملا آگے بڑھتی ہی یہ نقطہ باطل ہو کر دوسرا پیدا ہوگا تو جب نقطے باطل ہو جائیں گے خط کہاں پیدا ہوگا۔ تو ظاہر ہوا کہ اسے رسم باقی مانتا ہے نہ محو ہوتی ہوئی۔

اقول: یہ تو ایسی چیز ہے جیسے کاغذ پر سیاہی سے خط کھینچا کہ قلم کی حرکت سے بنا اور باقی رہا۔ یہ مثال کیا دور تھی جو اس کا صحیح تصور آسان کرتی۔ غلط تصور دلانے اور اس کی غلطی بنانے کی کیا حاجت تھی۔ خیر یوں سہی مگر رسم جب کہ سیلان سے ہے بلاشبہ بتدریج ہوگا کہ سیلان حرکت ہے اور حرکت تدریجی اور تدریجی کو مسبوقیت لازم اور ازل مسبوقیت سے مبرا تو زمانہ ازلی کب ہوا۔ خود متشدق کو یہاں بھی کہتے بنی۔ احدث بسیلانہ زماناً آن سیال نے زمانہ حادث کیا اور اسے حدوث ذاتی پر حمل ناممکن کو حدوث ذاتی کسی کے دیئے سے نہیں ہوتا لاجرم وہ ازلیت زمانہ باطل ہوئی جس پر متشدق نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی تکذیب اور فلاسفہ کی تصدیق میں کئی ورق سیاہ کیے ہیں اور آیاتِ قرآنیہ کو کہا کہ معاذاللہ جاہلوں کے مدارک کی طرف تنزل کرکے آسمان وزمین کو حادث لکھ دیا ہے۔ ورنہ واقع میں عالم قدیم ہے۔ یہاں شبہات اہل مکابرہ کے رَد میں ناظرین مقام ۲۳ سے مدد لیں۔

ثانیاً: آن سیال کا سیلان مستدیر ہے کہ فلک کی حرکت توسطیہ مستدیرہ یا حسب تصریح صاحبِ قبسات خود جرمِ فلک سے قائم ہے اور ظاہر ہے کہ سیلان جس شکل کا ہوگا اتصال اُسی صورت کا مرسوم ہوگا نہ یہ کہ گھماؤ پرکار اور بنے خطِ مستقیم، اور وہ بھی یوں کہ ایک چھلے برابر حلقے پر جتنی بار پرکار پھراتے جاؤ لاکھوں منزل تک سیدھا خط کھنچتا جائے فلک کے محیط کو امتداد غیر متناہی سے وہ نسبت بھی نہیں جو ایک چھلے کے حلقے کو کروڑوں منزل کے امداد سے لیکن زمانے کا امتداد مستدیر نہیں کہ ہر دورے پر وہی پہلا زمانہ پلٹ پلٹ کر آتا رہے۔ ع

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

تو ضرور اس کا امتداد مستقیم ہے اور زنہار آن سیال سے مرسوم نہیں ہوسکتا یہ رد اُس وقت یہی ہے کہ زمانے کو موہوم مانو کہ تو ہم بھی اسی صورت کا ہوگا جس نہج پر سیلان راسم ہے قطرے کے اترنے سے آبی دائرہ یا بنیٹی گھمانے سے آتشی سیدھا خط کبھی متوہم نہ ہوگا اور وجود خارجی پر تو اختلاف ممکن ہی نہیں۔

ثالثًا: فاعل کسی ذی مقدار پر افاضہ وجود ایک مقدار ہی پر کرے گا نا ممکن کہ فاعل اس کی نفس ذات کو بے مقدار بنائے تو فاعل ذات ہی فاعل مقدار ہے اگرچہ خصوصی مقدار کا اقتضا شے دیگر سے ہو اس اقتضا کے مطابق مقدار پر فاعل اسے بنائے سفہاء جو طبیعت کو فاعل شکل و قدر کہتے ہیں حاصل یہی ہے کہ طبیعت اس کی مقتضی ہے اس خصوص کے سبب فاعل سے یہ سے یہی افاضہ ہوئی ہے نہ یہ کہ فاعل نے نفس ذات بے شکل و قدر پر افاضہ وجود کیا۔ اور انہیں طبیعت بنا کر اس میں چپکا دیا۔ اب تمہارے نزدیک فاعل حرکت فلکیہ اس کا نفس ہے تو وہی اس کا مقدار زمانہ کا فاعل ہو نہ یہ کہ وہ تو اسے بے مقدار زمانے کا فاعل ہو نہ یہ کہ وہ تو اسے بے مقدار بنائے اور آن سیال زمانہ بنا کر اس میں لگادے۔

رابعًا: جب یہ آن زمانے سے باہر ہے زمانے کی حد کیونکر ہوسکتی ہے حد یہ کہ طرف ہو اور طرف شے شے سے جدا نہیں ہوتی۔

خامسًا: متشدق نے حاصل سیلان یہ رکھا کہ ذات آن باقی اور وصفِ آنیت متجدد و مقتضی ظاہر ہے کہ یہ تجدد و تقضی ظرف زمان سے باہر نا ممکن کہ جو زمانے سے متعالی ہے اس سے بری ہے نہ دوسرے زمانے میں ہوسکتی ہے کہ زمانے دو نہیں شیئ واحد کو دو مستقل مقداریں لاحق نہیں ہوسکتیں اب اس زمانے میں دو ہی طرح ممکن ایک یہ کہ آن سیال شیئاً فشیئاً سیلان کرے اور ہر حصے پر تازہ وصفِ آنیت اسے عارض ہو اتنا بنایا، اس کی حد ہوئی آگے بنایا وہ حدیث زائل ہو کر نئی آئی جس طرح متشدق نے ذات محرک میں کہا ہے یوں یہ سیلان واقعی ہوگا، دوسرے یہ کہ زمانہ ازلی ابدی متصل وحدانی حدود سے بری دائمًا موجود خارجی ہے جیسا متشدق کا زعم کفری ہے اس میں جہاں چاہو تجزیہ فرض کرلو وہیں وہ آن سیال دونوں جزوں میں حدِ فاضل ہوگی، یہ فصل محض اعتباری تابع اعتبار ہوگا اور لاحظ کو اختیار ہوگا کہ اوپر سے نیچے اترتا ہوا اجزاء فرض کرتا آئے خواہ نیچے سے اوپر چڑھتا دونوں صورتوں میں وصفِ آنیت کو سیلان ہوگا کہ محض اعتباری الٹے سیدھے میں متردد، نیز لاحظ کو اختیار ہوگا کہ معًا ہزار جگہ تجزیہ فرض کرلے اب نہ سیلان

ہوگا نہ آن خارجی کو وصف آنیت کا عروض کہ سب جگہ ایک ہی آن حد فاصل نہیں ہوسکتی **کما اعترف بہ** (جیسا کہ اس کا اعتراف کیا گیا ت) اگر یہ صورت لیتے ہو تو یا سیلان ہی نہیں یا نرا اعتباری کہ موجود خارجی کا راسم نہیں ہوسکتا۔ اور پہلی صورت لو تو زمانہ حادث اور اس کا بعض معدوم بعض موجود، اور متشدق کا مذہب مذکور مردود۔

سادسًا: یہ تو سیلان پر کلام تھا اب اس کا نفس وجوب جس مہمل حدس سے لیا اس کا حال سنیے، آغاز کلام اس سے کیا کہ ذات متحرک کے مقابل جس طرح مسافت سے ایک نقطہ ہے یونہی زمانے سے ایک نامنقسم چاہیئے اور انجام میں وہ نامنقسم نکالا کہ زمانے سے اصلاً نہیں بلکہ اس سے باہر ہے، زمانے سے ایک نامنقسم تو وہی آن موہوم ہوتی جس طرح مسافت سے نامنقسم و نقطہ موہومہ یہ حدس ہوا یا حدث۔

سابعًا: غلط کہا کہ متحرک کے لیے حرکت قطعیہ سے وہ نامنقسم حرکت وسطیہ ہے حرکتِ وسطیہ ہرگز حرکت قطعیہ سے نہیں بلکہ مستقل مباین اس کی اصل ہے حرکت قطعیہ سے وہ نامنقسم ایک ایک حد مسافت کی موافات ہے۔

ثامنًا: صریح جھوٹ کہا کہ یہ سب حدود و نہایات ہیں، حرکتِ وسطیہ ہرگز حدو نہایت نہیں بلکہ حدود نہایات سے نسبت رکھنے والی۔

تاسعًا: خود مذہب متشدق پر سلسلہ صاف یہ تھا کہ متحرک کے لیے بحال تحرک تینوں چیزوں سے ایک ایک نامنقسم متجدد منقضی موہوم ہے مسافت سے وہ نقطے حرکت سے ان حدود کی موافاتین زمانے سے ان تک وصولی کی موہوم آنین اس میں اس حدس کی راہ کہاں تھی لہٰذا زبردستی حرکت توسطیہ کو حدود میں بھرتی کیا اور خود متحرک کے سر ایک تجدد رکھا کیا حدس یونہی اخلاط وتکلفات باردہ سے ہوتا ہے۔

عاشرًا: بفرض غلط یہ بھی سہی، اب اس سلسلے میں مسافت و حرکتِ قطعیہ بھی ہیں اور متحرک و حرکت توسطیہ بھی، ان دو سے اگر آن سیال کا قیاس نکلتا ہے۔ ان دو سے آن موہوم کا۔ پھر کیا وجہ کہ حدس ادھر کا ہوا، چاہیے یہ تھا کہ تعارض نظائر کے سبب کسی طرف کا نہ ہوتا اور یوں بھی ہوسکتا ہے تو ادھر کا لینا اور ادھر کا نہ لینا صرف جزاف ہے، تلك عشرة كاملة، یہ ہے ان کا تشدّق و تحذق۔

مقام بست وششم

زمانے کا وجود خارجی اصلاً ثابت نہیں۔ یونہی حرکت قطعیہ کا کسبِ کلام میں انکار وجود زمانہ پر دلائل ہیں جن پر خدشات ہوئے اور کلام طویل ہے ہمیں ان میں سے یہ دو مختصر جملے پسند ہیں۔

اوّل: یہ کہ زمانہ مقدار حرکت قطعیہ ہے اور ہم ثابت کرچکے کہ حرکت قطعیہ موجود فی الخارج نہیں تو اس کی مقدار کیسے موجود فی الخارج ہوسکتی ہے۔ شرح مقاصد میں اس سے جواب دیا کہ حرکت قطعیہ امر غیر قار ہے اس کے دو جز ایک ساتھ نہیں ہوسکتے بلکہ ایک جز ختم ہوتا اور دوسرا آتا ہے اُس کے وجود خارجی کے یہی معنی ہیں تو یہی حال اس کی مقدار زمانے کا ہے ہاں امر ممتد موجود فی الخارج نہیں بلکہ موہوم ہے۔

اقول: یہ اعتراف بالحق ہے زمانہ وحرکت قطعیہ انہیں ممتد متصل ہی کا نام ہے نہ اس غیر منقسم کا اور یہ کہنا کہ اس کے وجود خارجی کے یہی معنی ہیں۔

اقول: بلکہ اس کے عدم فی الخارج کے یہی معنی ہیں کہ وجود امتداد مع فنائے اجزا محال ہے بلکہ سارے امتداد سے ایک جز فنا ہو تو مجموع فنا ہو کہ عدم جز عدم کل ہے نہ کہ جب ہر جز فنا ہو اس کے بعد شرح مقاصد میں بحث طویل ہے جس کا حاصل وہی کہ حرکت توسطیہ وآن سیال موجود ہیں اور قطعیہ وزمانہ موہوم۔

اقول: رَد کو تائید اور اقرار کو انکار کیونکر قرار دیا جائے۔

دوم: یہ کہ زمانہ موجود اگر قابلِ انقسام ہو تو قار ہوگیا اور ناقابل تو جز لازم آیا کہ زمانہ حرکت اور حرکت مسافت پر منطبق ہے۔ شرح مقاصد میں اس پر رد فرمایا کہ ہم شق اول اختیار کرتے ہیں اور اجتماع اجزانہ ہوا کہ اجتماع معیت اور اجزاء زمانہ بعض بعض پر سابق دو جزء ساتھ نہیں ہوسکتے کہ قار ہو۔

اقول اوّلاً: قار کے لیے وجود میں اجتماع درکار یعنی دونوں جز پر معاً حکم وجود صادق ہو یا محل واحد میں اجتماع علی الثانی مسافت وغیرہا تمام اجسام غیر قار ہوئے کہ ان کے کوئی دو جز ایک محل میں نہیں ہوسکتے ورنہ تداخل لازم آئے۔ وعلی الاول ضرور زمانہ قار ہوا کہ جب موجود منقسم ہے تو سب اجزاء پر معاً حکم وجود صادق ہے۔

ثانیاً: زمانہ اگر موجود ہو تو اس کے اجزاء موہوم اختراعی نہیں بلکہ قطعاً مناشی موجود ہیں ان کا وجود اگر بروجہ تصرم ہوا کہ ایک فنا ہو کر دوسرا آیا تو موجود نہیں مگر غیر منقسم اور اگر بلا تصرم ہوا یعنی پہلا باقی تھا کہ دوسرا آیا تو یہی اجتماع فی الوجود قرار ہے۔ پھر فرمایا ہم شق دوم اختیار کرتے ہیں۔

اور جز لازم نہیں کہ ممکن کہ نا منقسم وہی منقسم ہو۔

اقول: ہم تشقیق انقسام وہمی ہی میں لیتے ہیں، اگر موجود غیر منقسم فی الوہم ہے تو جز لازم ورنہ اجزاء مقداریہ مجتمع فی الوجود ہو گئے، اور اسی قدر قار ہونے کو درکار نہ کہ بالفعل اجزاء ہونا جیسے ہر جسم متصل وحدانی خصوصًا فلک جس کا تجزیہ ان کے نزدیک محال تو اس کا انقسام نہ ہو گا مگر وہم میں طرفہ یہ کہ ارسطو وابن سینا اور ان کے چیلے ہمیشہ اسے تسلیم کرتے آئے کہ زمانہ وحرکتِ قطعیہ موجود فی الاعیان نہیں آن سیال وحرکتِ توسطیہ سے متوہم ہیں ولہٰذا شرح مقاصد میں ان کے وجود خارجی کو اسی طرف راجع فرمایا کہ ان کے راسم خارج میں ہیں جن سے یہ موہوم ہوتے ہیں۔ **کما تقدم**۔

مگر متشدق جونپوری اس پر بہت کچھ رویا اور کہا یہ فلاسفہ وارسطو وابن سینا پر افتراء ہے وہ یقینًا ساری حرکت قطعیہ اور تمام زمانہ ممتد ازل تا ابد کو متصل واحدانی بالفعل موجود خارجی مانتے ہیں انکار اس کا کیا ہے کہ وہ کسی آن میں موجود نہیں کہ غیر قار ہیں اور غیر قار کا وجود کسی آن میں نہیں ہو سکتا۔ اور اس پر کلام ابن سینا میں اشارہ بتایا کہ اس نے حرکت قطعیہ کو کہا **لایجوز ان یحصل بالفعل قائمًا فی الاعیان** (نہیں جائز کہ حاصل ہو بالفعل اس حال میں کہ قائم ہو اعیان میں۔ ت)

دیکھو اس کے وجود فی الاعیان کا منکر نہیں بلکہ وجود قائم یعنی قار کا سب سے پہلے یہ اختراع خضری نے کیا پھر باقر پھر اس کے شاگرد صدر شیرازی پھر اس متشدق نے تقلید کی۔

اقول اولًا: ارسطو سے زمانہ خضری تک کی تصریحات اور قطرہ سیالہ وشعلہ جوالہ سے توہم خط ودائرہ کے تمثیلات جن سے عامہ کتب فلسفہ مملو اور ان سے عامہ کتب کلام میں منقول سب کو یہ قرار دینا کہ وہ اپنا مذہب نہ سمجھے کیونکر قابل قبول۔

ثانیًا: ابن سینا کا یہاں لفظ قائم دیکھ لیا کہ متحمل وجوہ ہے، اور وہیں حرکتِ توسطیہ میں اس کی تصریح ہے **والاخر یجوز ان یحصل فی الاعیان**۔ (اور دوسرا ائز ہے کہ اعیان میں حاصل ہو۔ ت) یہاں لفظ قائم کہاں مطلق حصول فی الاعیان کو توسطیہ سے خاص کر رہا ہے اور سب سے صاف تر اس کے برابر حرکت قطعیہ میں اس کا قول **ذلك لایحصل البتہ المتحرك وھو بین المبدء والمنتھی بل انما یظن انه قد حصل نحوا من الحصول اذا کان المتحرك عند المنتھی ویکون ھذا المتصل المعقول قد بطل من حیث الوجود فکیف له حصول حقیقی فی الوجود** دیکھو اس کا ایک ایک لفظ حرکت قطعیہ کے مطلقًا وجود عینی کا منکر ہے اسے معقول کہا اور کہا جب تک متحرک حرکت کر رہا ہے اس کا حاصل نہ ہونا ظاہر،

ہاں یہ گمان ہوتا ہے کہ جب متحرک منتہی کے پاس پہنچے اس وقت یہ حرکت متصلہ حاصل ہوگئی اب اس میں سے کچھ باقی نہ رہا، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس قت حرکت بالکل باطل ہوئی اب اس میں سے کچھ باقی نہ رہا، پھر صاف کہا کہ اسے وجود حقیقی کیسے مل سکتا ہے، حقیقی کی قید اس لیے کہ وجود انتزاعی ضروری ہے۔

ثالثًا: ابن سینا اگر تناقض کرے ہمیں بحث نہیں متشدق خود اپنے تناقض کی خبر لے فصل زمان میں خود کہا:

تکون الحرکۃ حینئذ قد زالت لا انھا تحصلت [1]۔	اس وقت حرکت زائل ہوجاتی ہے نہ کہ حاصل ہوتی ہے۔ (ت)

رابعًا: اور بڑھ کر پورا تناقض لیجئے اسی فصل میں ایک شقشقہ طویلہ کے بعد کہا:

فلاح ان الحرکۃ القطعیۃ حقیقۃ اعتباریۃ [2]۔	توظاہر ہوگیا کہ حرکت قطعیہ حقیقت اعتباریہ ہے۔(ت)

کیا حقائق اعتباریہ حقائق متاصلہ فی الاعیان ہوتی ہیں یہ صریح شدید تناقض ہے مگر حافظہ نباشد۔

خامسًا: تمام فلاسفہ اور خود اس متشدق کو مسلم کہ زمانہ وحرکت قطعیہ متجدد و متصرم ہیں تقضی و تصرم ان کی ذات میں ہے پھر خارج میں متصل وحدانی کیسے ہوسکتے ہیں، اتصال و تصرم کا اجتماع محال، یہ تیسرا تناقض ہے۔

سادسًا: خود اسی متشدق نے اواخر فصل تناہی ابعاد پھر فصل آن میں حادث بحدوث تدریجی کی دو قسمیں کیں۔ ایک وہ کہ بروجہ تجدد و تصرم پیدا ہو جیسے زمانہ وحرکت قطعیہ واصوات ئ ان کے لیے کبھی کسی آن میں وجود نہ ہوگا۔ دوسرا وہ کہ تدریجًا پیدا ہو مگر نہ بروجہ تجدد تصرم بلکہ جز سابق لاحق کے ساتھ جمع ہو، یہ پورا حادث ہونے کے بعد باقی رہ سکتا ہے اھ، صاف ظاہر ہوا کہ قسم اول کی اشیاء کو جن میں زمانہ وحرکت قطعیہ ہیں بقا نہیں ولہذا کسی آن میں ان پر حکم وجود نہیں ہوسکتا بخلاف قسم دوم کہ بعد تمامی حدوث اس پر ہر آن میں حکم وجود ہوگا۔ اب پورا موجود ہے یہ چوتھا تناقض ہے۔

1

2 الشمس البازغۃ فصل اذا ابتدأت معا حرکات مختلفۃ فی السرعۃ برقی پریس دہلی ص ۱۱۴

سابعًا: جزء سابق لاحق سے جمع نہ ہونے کے ہرگز یہ معنی نہیں کہ دونوں ایک محل میں ہوں، ایسا تو قطعًا قسم دوم میں بھی نہیں، دو[۲] خط کہ ایک دوسرے پر منطبق ہوں ایک پورا ثابت رہے اور دوسرے کا ایک کنارہ اس کنارے سے ملا رکھو۔ دوسرے کنارے کو حرکت دو، یہاں تک کہ مثلًا ۶۰ درجے کا زاویہ ہیدا ہو اسے قسم دوم کی مثال بتایا ہے کہ حدوث تدریجًا ہو۔ اور بعد تمامی حدوث اجزاء مجتمع ہیں کیا وہ انفراج جو پہلے درجے میں ہے ساٹھویں میں ہے سب درجے اپنی اپنی جگہ جدا نہیں کوئی مجنون ہی ایسا کہے گا بلکہ قطعًا یہی معنی کہ بعد تمامی سب مقارن فی الوجود ہیں بخلاف قسم اول متصرم کہ اس میں جو جزء آیا فنا ہو گیا اس کے بعد دوسرا آیا تو جب سابق تھا لاحق نہ تھا اب کہ لاحق آیا سابق معدوم ہو گیا تو مجتمع فی الوجود نہیں ہو سکتے یہ ہے زمانہ وحرکت قطعیہ، یہ پانچواں تناقض ہے۔

ثامنًا: سب کو اور خود متشدق کو مسلّم کہ زمانہ وحرکت قطعیہ غیر قار ہیں جب خارج میں متصل وحدانی ہیں قطعًا قار ہوئے۔ یہ چھٹا تناقض ہے ـــــ متشدق نے باب الحرکت میں کہا حرکت قطعیہ موجود فی الاعیان ہے نہ بروجہ قرار ذات کہ اجزا مجتمع ہوں کسی آن میں موجود ہو بلکہ بروجہ فنا وانقطاع تو حرکت قطعیہ وزمانہ دونوں اپنی ذات متصل وحدانی ہیں مگر جو آن فرض کرو ان کے وجود کی ظرف نہیں بلکہ وہ زمانہ ماضی ومستقبل میں حد فاصل ہے، ماضی یہ نہیں کہ فنا ہو گیا بلکہ اس آن کے اعتبار سے ماضی ہے بلکہ اس سے پہلے تھا، اور مستقبل یہ نہیں کہ ابھی وجود میں نہ آیا بلکہ اس آن کے اعتبار سے مستقبل ہے کہ اس کے بعد ہے، یہی حال حرکت قطعیہ کا ہے، خلاصہ یہ کہ وہ کسی آن میں نہیں آن ان کا ظرف نہیں، ان کے غیر قار فی الخارج نے سے یہی مراد ہے ہاں اذہان میں قار ہیں۔

اقول اوّلًا: تقضی وتصرم یعنی فنا وانقطاع مان کر فنا وانقطاع سے انکار وہی تناقض ہے مگر اسے اسی پر ڈھالنا کہ ماضی اس آن کے اندر نہیں اس کے اعتبار سے منقضی ومنصرم ہے، یونہی مستقبل اس آن کے اندر نہیں اس کے لحاظ سے متجدد ہے، غیر قار ہونے کا یہ حاصل ہے دنیا بھر میں کسی امتداد کو قار نہ رکھے گا مسافت قطعًا قار ہے مگر جس آن میں اس کی ایک حد معین میں ہو گا کہ جتنا حصہ مسافت کا طے ہو لیا اس حد میں ہرگز نہیں اس سے پہلے منقضی ہو چکا اور جو حصہ بعد کو طے ہو گا وہ بھی اس حد میں ہرگز نہیں اس کے بعد آئے گا تو مسافت بھی غیر قار اور منصرم ومتجدد ہوئی، اور بلالحاظ حرکت بھی مسافت میں جو نقطہ دو حصوں میں حد فاصل فرض کرو ہرگز

کوئی حصہ اس حد میں موجود نہیں اپنی اپنی جگہ موجود ہیں یونہی زمانے میں جو آن حد مشترک لو تو دونوں حصے اس میں نہیں اپنے اپنے موقع پر موجود بتاتے ہیں خود متشدق نے اسی جگہ کہا کہ اسے یوں سمجھو جیسے مکان کے اعتبار سے جسم کا حال کہ وہ خود متصل واحد مکان واحد میں موجود ہے اور جب وہم میں اس کے دو حصے لے لو تو یہ مکان میں جمع نہ ہوں گے ہر حصہ دوسرے کے مکان میں بھی معدوم ہوگا اور بیچ میں جو حد مشترک لی ہے اس میں بھی معدوم ہوگا مگر ہر ایک اپنی اپنی جگہ موجود ہے، اگر کہیے قرار کے لیے ہر شیئ میں اس کے حدود معتبر نہیں کہ کسی شے کے حصے اس کے کسی حد میں نہیں ہو سکتے تو سب غیر قار ہو جائیں بلکہ معتبر صرف حدِ زمانہ ہے کہ آن ہے تمام قارات ایک آن میں موجود ہیں اور زمانہ کسی آن میں موجود نہیں لہٰذا غیر قار ہوا۔

اقول: غیر قار وہ کہ بوجہ تجدد و تصرم کسی آن میں نہ ہو، زمانے کا آن میں نہ ہونا اس وجہ سے نہیں، اسے تو بتمامہ موجود بالفعل بلکہ علی الدوام مانتے ہو بلکہ اس کی وجہ وہی ہے کہ آن اس کی حد ہے اور کسی شیئ کے حصے اس کی کسی حد میں نہیں ہو سکتے اگر اس قدر عدم قرار کو کافی ہے تو ہر قار غیر قار ہے ورنہ زمانہ کیوں غیر قار ہے۔ **ثانیا:** حرکت قطعیہ جبکہ اول تا آخر اپنے زمانے میں موجود ہے بلاشبہ بعد حدوث ہر آن میں موجود ہے، آن اس کی حد نہیں کہ اس میں نہ ہوسکے تو یہ غیر قار کیوں ہوئی۔ مجرد تدریج فی الحدوث اگر غیر قار کردے تو زاویہ بھی غیر قار ہو۔

ثالثا: بایں معنی زمانہ ذہن میں بھی قار نہیں کہ امتداد متصور فی الذہن میں جو آن اس کے دو مفروض حصوں میں حدِ فاصل لو ہر گز کوئی حصہ اس حد میں نہیں ایک اس سے سابق ہے دوسرا لاحق اگر کہیے جب سارا اتصال ذہن میں معًا متصور تو تابقائے تصور ہر آن میں پورا اتصال موجود فی الذہن ہے۔

اقول: جب سارا اتصال خارج میں معًا متحقق تو تابقائے تحقق ہر آن میں پورا اتصال موجود فی الخارج ہے، بالجملہ آن کو اگر ظرف وجود ہر حصہ لو تو وہ جیسا خارج میں نہیں ذہن میں بھی نہیں اور اگر ظرف حکم بالوجود علی الکل لو تو وہ جیسا ذہن میں ہے قطعًا خارج میں بھی مان رہے ہو۔ جس آن میں تم نے زمانہ پر بتمامہ متصل وحدانی ہونے کا حکم کیا اس آن میں کل زمانے پر حکم وجود فی الخارج کیا یا نہیں، مغالطہ یہ دیتے ہو کہ خارج میں نفی قرار کے وقت آن کو ظرف وجود لیتے ہو اور ذہن میں اثبات قرار کے وقت آن کو ظرف حکم بالوجود، حالانکہ اوّل پر

ذہن میں بھی قار نہیں، اور دوم پر خارج میں بھی قار ہے، بالجملہ زمانے کے موجود خارجی ماننے میں متشدق کی تمام سعی مردود وبے کار ہے، متشدق نے اواخر فصل زمان میں کہا عدم قرار بمعنی امتناع اجتماع اجزا ہے۔

اقول: یہ بھی ہماری اسی تقریر سے ردّ ہو گیا اجتماع فی الوجود الخارجی ممتنع ہے تو یہ ہمارا عین مقصود اور تمہارا زعم مردود، اگر اجتماع فی الحد الحاصل ممتنع ہے تو یہ ہر قار میں حاصل متشدق نے یہیں اس سے پہلے کہا کہ عدم قرار کا صرف یہ حاصل کہ اگر اس میں اجزا فرض کیے جائیں تو ان میں ایک کا وجود پہلے ہو دوسرے کا بعد میں۔

اقول: وجود خارجی بوجود منشا مراد یا وجود فی الانتزاع اول میں تقدم تاخر کہاں، کہ کل بوجود واحد متصل موجود بالفعل مانتے ہو اور ثانی سے اگر عدم قرار ہوا تو وجود ذہنی میں نہ خارجی میں۔ عکس اس کا جو تم مانتے ہو۔ دیکھئے معنی عدم قرار میں کیا کیا بے قراریاں متشدق کو لاحق ہیں اور بنتی ایک نہیں۔

ابطال دلائل وجود حرکت بمعنی القطع

متشدق نے باب حرکت میں ادعا کیا کہ خارج میں حرکت قطعیہ کا وجود بدیہی ہے۔

اقول: حاشا بلکہ خارج میں اس کا عدم بدیہی ہے، مبدء سے منتہی تک کوئی شے ممتد متصل وحدانی ہرگز خارج میں نہیں بلکہ ایک شیئ مقتضی متجدد ہے جس کا ہر حصہ پہلے کی فنا پر آتا اور خود فنا ہو کر دوسرے کے لیے جگہ چھوڑتا ہے اس سے ذہن میں ایک اتصال موہوم ہوتا ہے اپنے شیخ کی اور خود اپنی نہ سنی کہ جب تک حرکت ہو رہی ہے وہ اتصال موجود نہیں اور جب ہو چکی سب فنا ہو گیا۔ متشدق کے حاشیہ میں حمد اللہ نے وجود خارجی حرکت قطعیہ پر یہ دلیل نقل کی کہ حرکت توسطیہ بسیط غیر منقسم ہے جو اجزائے مسافت پر منطبق نہیں ورنہ منقسم وغیر منقسم کا انطباق لازم آئے وہ صرف ان حدود پر منطبق ہے جو مسافت میں فرض کی جائیں اور ہر دو حد کے بیچ میں جو مقدار مسافت رہی اس پر منطبق نہیں تو اگر خارج میں صرف حرکت توسطیہ میں موجود ہو تو چاہیے کہ متحرک کا اجزائے مسافت پر اصلاً گزر نہ ہو بلکہ ہر حد مفروض سے سے دوسری تک طفرہ کرے اور بیچ میں تمام مقادیر کو چھوڑتا جائے۔

اقول اولاً: تو حرکت توسطیہ ضرور طفرے کرتی ہے، طفرہ جیسے حرکت قطعیہ میں محال ہے

یونہی توسطیہ میں۔**ثانیًا**: جہل شدید یہ کہ یہاں کچھ حدود معینہ مفروضہ لیں کہ انہیں پر مرور ہو اور بیچ کی سب مقداریں متروک حالانکہ حدود کی کچھ تعیین نہیں۔ ہر دو حد کے وسط میں جو مقدار ہے اس میں بھی حدود فرض ہوں گی اور ان پر بھی قطعًا مرور ہوا اور ان چھوٹی حدوں کے بیچ میں جو چھوٹی مقداریں ہیں ان میں بھی حدود فرض ہوسکتی ہیں ان پر بھی قطعًا گزار ہوا، یونہی غیر متناہی تقسیم میں تو ہر جزء مسافت حد فرض ہوسکتا ہے اور ہر حد پر مرور خود مانتے ہو تو ہر جز مسافت پر یقینا مرور ہوا۔ فلسفہ کے مستدلین ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ابطال دلائل وجود زمانہ:

وہ چند شبہات ہیں:

شُبہ ۱: ہم یقینًا جانتے ہیں کہ طرفین مسافت کے درمیان ایک امکان یعنی اتساع ہے جس میں حرکت ایک حدِ معین سرعت پر واقع ہوسکتی ہے یعنی اس سے بطی ہو تو اس مسافت کو اُس مقدار اتساع سے زائد میں قطع کرے گی اور اسرع ہو تو کم میں یا بطی ہو تو اس مقدار اتساع میں اس مسافت سے کم طے کرے گی اور سریع تو زیادہ اسی اتساع کا نام زمانہ ہے اور یہ ہر گز کسی توہم پر موقوف نہیں، اگر وہم دواہم معدوم ہوں جب بھی طرفین مسافت میں یہ اتساع ضرور ہے تو یہ حکم ایجابی بنظر واقع صادق ہے تو ضرور یہ اتساع یعنی زمانہ موجود خارجی ہے اسے بہت طویل بیان کرتے ہیں جس کی ہم نے تلخیص کی۔ یہی دلیل ابن سینا سے آج تک ان متفلسفوں کی بہت بڑی دستاویز ہے اور وہ بوجوہ محض مردود۔

اوّلًا: صدق ایجاب کو اگر درکار ہے تو موضوع کا وجود واقعی اور وہ وجود خارجی سے عام ہے۔

اقول: فوقیت سماء ثابت ہے یہ حکم ایجابی قطعًا صادق وواقعی ہے اور اس سے فوقیت کا وجود خارجی لازم نہیں۔

ثانیًا: یہ جو سرعت وبطوء اور مسافت کم یا زیادہ طے کرنا لے رہے ہو یہ سب حرکت قطعیہ میں ہے۔ حرکت توسطیہ کہ محض توسط بین المبدء والمنتہی ہے نہ سریع ہو نہ بطی نہ مسافت کی کمی بیشی سی متغیر اور حرکت قطعیہ باتفاق فریقین امر موہوم تو اس کی مقدار یعنی یہی اتساع جو

اس کی کمی بیشی کااندازہ کررہاہے، ضرور موہوم ہے۔(مواقف موضحًا)

شبہ ۲: بداہۃً معلوم کہ زمانہ قابل زیادت و نقصان ہے حرکت کہ ایک مسافت میں ایک زمانے میں ہوئی ضرور اس کا نصف اس سے کم میں ہوا، اور امر عدمی قابل زیادت و نقصان نہیں۔ لاجرم زمانہ امر وجودی ہے، یہ اول سے بھی زیادہ فاسد و کاسد ہے، شک نہیں کہ طوفانِ نوح علیہ الصلوۃ والسلام سے بعثتِ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک جو زمانہ ہے وہ اس سے اکثر ہے جو بعثت سیدنا موسٰی علیہ السلام سے بعثتِ اقدس تک (مواقف) یونہی آج سے ختم ماہ حاضر تک جو زمانہ ہے وہ اس سے کم ہے جو آج سے دو ماہ آئندہ تک حالانکہ ماضی مستقبل سب معدوم ہیں۔

اقول: یہ سندیں مناسب نہیں کہ متشدق اور اس کے متبوع تمام ماضی و مستقبل کو موجود مانتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ شک نہیں کہ معدل النہار باقی سب مدارات یومیہ سے بڑا ہے اور ہر مدار کہ اس سے قریب ہے مدار بعید سے بڑا ہے اور ہر فلک بالا کا منطقہ فلک زیریں کے منطقے سے اور قطر قطر اور محور محور سے بڑا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی شیئ موجود خارجی نہیں بلکہ قطرہ سیالہ و شعلہ جوالہ کے خط آبی ودائرہ آتشی لیجئے وہ بھی قطعًا چھوٹے بڑے بھی ہوسکتے ہیں اور نصف و ثلث بھی۔ حل یہ کہ تمہاری دلیل شکل ثانی ہے یعنی زمانہ قابل تفاوت ہے اور اگر معدوم قابلِ تفاوت نہیں یا شکل اول ہے اگر عکس کبرٰی کو کبرٰی کرو اور کبرٰی کو اس کی دلیل کہ سالبہ کلیہ کنفسہا منعکس ہے، بہرحال صغرٰی میں قابلیت خارجی میں مراد تو ہرگز مسلم نہیں بلکہ اول نزاع ہے، اور مطلق مراد اگرچہ ذہن میں ہو تو کبرٰی میں اگر قابلیت خارجی مقصود حدِّ اوسط متکرر نہیں اور یہاں یہی مطلق مقصود، تو معدوم سے اگر معدوم فی الخارج مراد تو صراحۃً باطل اور سندیں وہی قطر و محور منطقہ اور معدوم مطلق تو اتنا ثابت ہوا کہ زمانہ معدوم مطلق نہیں، نہ یہ کہ موجود خارجی ہے۔

شبہ ۳: باپ کا بیٹے پر وجود میں تقدم قطعًا واقعی ہے اور بداہۃً زمانی ہے اور زمانہ موہوم ہو تو اس کے اعتبار کا تقدم بھی موہوم ہو حالانکہ واقعی ہے اسے بھی بہت طویل بیان کرتے ہیں جسے ہم نے ملخص کیا یہ بھی مردود ہے، تقدم امر عقلی ہے، نہ خارجی، و لہٰذا اعدام کو عارض ہوتا ہے عدم، حادث اس کے وجود سے پہلے ہے اور جب وہ عقلی ہے تو مابہ التقدم خارجی ہونا کیا ضرور (مواقف)

اقول: شک نہیں کہ تقدم وتاخر نسبتین ہیں اور اعیان سے نہیں، اسی قدر بس ہے

اور اس سند کی کہ عدم حادث مقدم ہے حاجت نہیں جس پر ایراد ہو کہ اس کا تقدم بالتبع ہے، اور کلام اس میں ہے جسے بالذات عارض ہو اور اس کے سبب سے وجود پدر یا عدم حادث کو۔

اقول: حل بر قیاس سابق ہے دلیل، یہ قیاس مرکب ہے کہ زمانہ مابہ التقدم الواقعی ہے اور مابہ التقدم الواقعی موہوم نہیں اور جو موہوم نہیں موجود ہے۔ مقدمہ ثانیہ میں اگر موہوم سے مراد معدوم فی الخارج ہے تو مسلم نہیں بلکہ اول نزاع ہے واقعی کے لیے خاص، خارجی کیا ضرور، اور اگر مخترع محض مراد، اور مقدمہ ثالثہ میں معدوم فی الخارج، تو حداوسط متکرر نہیں، اور اگر یہاں بھی مخترع مراد تو اب موجود سے اگر موجود فی الخارج مقصود تو مقدمہ مردود، عدم اختراع سے خارجیت کب لازم، اور اگر مطلق موجود مراد تو صحیح ہے، اور اب اتنا ثبوت ہوا کہ زمانے کے لیے ایک نحو وجود ہے نہ کہ خاص خارجی۔

شبہ ۴: نافین زمانہ زبان سے انکار کرتے اور دل میں خوب مانے ہوئے ہیں، اُسے دنوں مہینوں، برسوں کی طرف تقسیم کرتے ہیں، وقائع معاملات کی تاریخیں اس سے منضبط کتے ہیں اپنی عمریں دراز، اعدا کی کوتاہ چاہتے ہیں۔ (متشدق)

اقول اولا: گرفتار ان زمانہ زبان سے موجود خارجی کہتے اور دل میں خود اس سے منکر ہیں کہ اسے غیر قار متقضی متصرم مان رہے ہیں۔

ثانیًا: نفی واقعیت نہیں کی جاتی اور جو کچھ مذکور ہوا مستلزم خارجیت نہیں فلسفہ منطقۃ البروج کو بروج درجات ودقائق وثوانی کی طرف تقسیم کرتے ہیں، ان سے تقویمات وانظار واتصالات منضبط کرتے ہیں اپنے لیے اضافات مثل ابوت اعداء کے لیے سلوب عمی کی تمنا کرتے ہیں، حالانکہ ان میں سے کوئی کچھ موجود خارجی نہیں؟

ثالثًا: اس کی تقسیم اور ایک حصہ دراز ایک کوتاہ ہونا تمہارے نزدیک بھی نہیں مگر ذہنی پھر اُس سے وجود خارجی کیونکر لازم بلکہ واقعیت یہی لازم مجرد قسمت نہیں خطِ آبی ودائرہ ناری بھی صالح تقسیم ہیں۔

شبہ ۵: وجودِ ذہنی تین قسم ہے: **ایک** اختراعی محض جیسے انیاب اغوال:

دوم: وہ کہ شے کو اس کے وجود ذہنی کے لحاظ سے کوئی حالتِ واقعی عارض ہو۔ ظاہر ہے کہ اسی شے کے تصور پر موقوف ہوگی کہ اس کے وجود ذہنی کے لحاظ سے ہے مگر اس کے

بعد کسی تعمل ذہن کی محتاج نہ ہوگی کہ اختراعی نہیں واقعی ہے مثلاً جب کسی نے اپنے ذہن میں "زید قائم" حکم کیا خود اس سے لازم آیا کہ اس کے ذہن میں ایک موضوع دوسرا محمول ہے اگرچہ وہ وضع وحمل کا تصور نہ کرے لیکن جب تک ذہن میں یہ حکم نہ تھا وضع وحمل بھی نہ تھے۔

سوم: کسی شے کی حالت خارجی سے منتزع جیسے فوقیت وعمی یہ قسم اضافیات وسلوب میں منحصر ہے۔اور ظاہر ہے کہ نہ زمانہ اختراع محض ہے نہ کسی موجود ذہنی کو عارض کہ اسے تصور نہ کریں تو زمانہ ہی نہ ہو نہ وہ اضافت یا سلب ہے، لاجرم موجود خارجی ہے (متشدق فصل الظنون فی الزمان) یہ محض زخرفہ ہے۔

اولاً: منتزع عن الخارج کا سلب واضافت میں حصر مردود، حرکت فلک سے جو دوائر صغار وکبار منطقہ سے قطبین تک منتزع ہوتے ہیں قطعاً اس کی حالت خارجیہ سے منتزع ہیں اور سلب واضافت نہیں۔

ثانیاً اقول: موجود ذہنی واقعی کا دو میں حصر ممنوع کیوں نہیں جائز کہ کوئی شیئ ذہن میں اصالۃً پیدا ہو کہ نہ خارج سے منتزع ہو نہ کسی موجود ذہنی کی حالت، جیسے خود انتزاع کہ کسی موجود ذہنی کا وصف نہیں بلکہ موجود ذہنی اس سے پیدا ہوتا ہے اور منتزع بھی نہیں ورنہ انتزاع کے لیے انتزاع درکار ہو اور جانب مبدء تسلسل لازم آئے کہ منتزع کا وجود انتزاع پر موقوف اور یہ اعتباریات میں بھی محال فافھم[عہ] (تو سمجھ لے ت۔)

عــــہ: یشیر الٰی ان لقائل ان یقول انّ الا نتزاع من اعمال الذھن وھو و اعمالہ کا لتصور والحکم من الموجودات الخارجیۃ وانما الموجود الذھنی ماوجودہ بعمل الذھن فافھم وفیہ ان الکلام فی السند الخاص لایجدی المستدل ولایغنیہ من جوع ۱۲منہ غفرلہ۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ انتزاع تو ذہن کے اعمال میں سے ہے۔اور وہ اور اس کے اعمال جیسے تصور وحکم موجوداتِ خارجیہ سے ہیں۔ موجود ذہنی تو وہ ہوتا ہے جس کا وجود ذہن کی عمل سے ہو، تو سمجھ لے اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ کسی سند خاص میں کلام مستدل کو نفع نہیں دیتا اور نہ بھوک میں اس کے کام آتا ہے۔ (ت)

ثالثاً اقول: خود کہتے ہو کہ زمانہ مقدار حرکت قطعیہ ہے، اور ہم ثابت کرچکے اور تمہارے سب اگلوں کو اعتراف تھا کہ حرکتِ قطعیہ موجود فی الخارج نہیں تو زمانہ ایک موجود ذہنی کو عارض ہوا اور جب یہ برہان سے ثابت تو اس پر یہ استبعاد کہ زمانہ تصور پر موقوف ہوگیا تصور نہ ہو تو زمانہ ہی نہ محض جہالت ہے ہاں ایسا ہی ہوگا پھر کیا محال ہے بلکہ ایسا ہی ہونا واجب کہ مقدار حرکت ہونے کو یہی لازم، اس کا جواب جُہلا کی طرف سے ادعائے بداہۃً ہوتا ہے کہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ اگر ذہن و ذاہن نہ ہوں تو زمانہ ضرور ہوگا۔

اقول: بُرہاناً ہم جانتے ہیں کہ اگر ذہن و ذاہن نہ ہوں زمانہ ہرگز نہ ہوگا اور جواب ترکی بہ ترکی وہ ہے کہ مقام ۲۹ میں آتا ہے کہ ہم بداہۃً جانتے ہیں کہ اگر فلک وہ حرکت نہ ہوں زمانہ ضرور ہوگا۔ اس پر سفہاء کہتے ہیں بداہت وہم ہے جب زمانہ اسی کی مقدار تو بے اس کے کیونکر ہوسکتا ہے ہم کہتے ہیں وہ تمہاری بداہت وہم ہے جب زمانہ ایک امر ذہنی کی مقدار تو بے ذہن و ذاہن کیونکر ہوسکتا ہے، فرق اتنا ہے کہ تم جس پر تکذیب بداہت کرتے ہو یعنی زمانے کا مقدار حرکت فلکیہ ہونا وہ ہرگز ثابت نہیں، جیسا کہ مقام ۲۹ میں آتا ہے تو تمہاری تکذیب کاذب ہے اور ہم جو تمہاری بداہۃً وہمیہ کا رَد کرتے ہیں اس پر برہان ناطق ہے تو ہمارا رَد صادق ہے۔

رابعاً: حالت خارجی سے منتزع کا وجود ذہنی بھی تصور شیئ پر موقوف، تو اس میں اور قسم دوم میں فرق کرنا یہاں سلب واضافت میں حصہ لینا اور وہاں یہ کہنا کہ وہ کسی تصور پر موقوف اور زمانہ ایسا نہیں اور شق اختراعی بڑھانا محض تطویل وتہویل ہے اصل اتنی ہے جو تمہارے دلوں میں ملادی گئی ہے کہ زمانے کا وجود اذہان پر موقوف نہیں، اگر یہ ثابت ہو تو پھر کسی تطویل وتہویل کی کیا حاجت، خود ہی مدعا ثابت اور اگر یہ ثابت نہیں اور بے شک نہیں تو اسے پیش کرنا صراحۃً مصادرہ علی المطلوب ہے اور تمہاری دلیل مردود و مسلوب، اس مصادرے کے چھپانے ہی کے لیے یہ تشقیق وشقشقہ تھا تشدق اسی کا نام ہے۔

شبہ ۶: زمانہ اگر انتزاعی ہو تو ضرور ہے کہ اس کا منشا انتزاع کم متصل غیر قار موجود فی الخارج ہو ورنہ تسلسل لازم آئے، اُسی منشاء موجود خارجی کا نام زمانہ ہے (ملاحسن علی المتشدق)

اقول اولاً: کیا ضرور ہو کہ منشاء کم ہو بلکہ متکمم ذہنی جس کے اتصال سے یہ کم منتزع ہے۔

ثانیاً: کیا محال ہے کہ وہ متکمم ذہنی کسی موجود خارجی غیر متکمم سے منتزع ہو۔

ثالثاً کیا ضرور ہے کہ وہ منتزع عنہ غیر قار الذات ہو ممکن کہ بحسب نسب متجدد وہ، نہ تسلسل لازم آیا، نہ کسی کم غیر قار کا خارج میں وجود، اور یہاں ایسا ہی ہے زمانہ حرکت قطعیہ سے منتزع ہے اور وہ حرکت توسطیہ بسیطہ کے تجدد نسب سے۔

تنبیہ جلیل: اقول: احادیث میں ہے کہ ایام و شہور محشور ہوں گے، جمعہ و رمضان شفیع و شہید ہوں گے۔ ہر مہینہ اپنے ہر قسم و قائع کی گواہی دے گا سوائے رجب کے کہ حسنات بیان کرے گا اور سیئات کے ذکر پر کہے گا میں بہرا تھا مجھے خبر نہیں اس لیے اسے شہر اصم کہتے ہیں ہر مہینے اپنے آنے سے پہلے خدمت اقدس حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حاضر ہوتا اور جو کچھ اس میں ہونا والا ہے سب عرض کرتا اس سے زمانے کے وجود خارجی پر استدلال نہیں ہو سکتا، یہ ارواح ہیں کہ ان معانی سے متعلق ہیں یا عالم مثال کے تمثیلات جن میں اعراض متجسد ہوتے ہیں، خود اس فقیر نے اس ایک سال جس سے پہلے کشش باراں ہو چکی تھی فصل بارش کے دوسرے مہینے کو جسے ہندی میں ساون کہتے ہیں ایک نہایت سیاہ فام تروتازہ فربہ حبشی کی شکل میں دیکھا کہ میرے کمرے کے دروازے پر آکر کھڑا ہوا، ساون میں خوب کالی گھٹائیں آئیں اور زور شور سے برسیں۔

رَدّ شبہ کے لیے دو باتیں بس ہیں۔

اوّل: شہور و ایام زمانے کے اجزائے ممتازہ منفرزہ ہیں اور زمانے کے اجزا کا ایسا وجود خارجی مخالفین بھی نہیں مانتے۔

دوم: سارا دن اور پورا مہینہ مجتمع حاضر ہو گا حالانکہ مخالفین بھی خارج میں اس کا اجتماع اجزا محال جانتے ہیں بہر حال امورِ آخرت کو امورِ دنیا پر قیاس نہیں کر سکتے وہاں اعمال کہ اعراض ہیں میزان میں رکھ کر تولے جائیں گے جب وہ قیام بالذات اعراض کے قیام بالذات کا موجب نہ ہوا وجود خارجی وجود خارجی کا مستوجب نہ ہو گا۔

فاستقم وتثبت تبتنا اللہ وایاك بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا وفی	(سیدھا ہو جا اور ثابت قدم رہ اللہ تعالٰی ہمیں اور تجھے ثابت رکھے حق بات پر دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، اے اللہ

الاخرۃ امین۔	ہماری دعا کو قبول فرما۔ت)

مقام بست وہفتم

زمانے کے لیے خارج میں کوئی منشا انتزاع بھی نہیں۔

اقول: اس کا منشا انتزاع حرکت قطعیہ ہے یا توسطیہ یا آنًا فانًا حدود مفروضہ مسافت سے اس کی نسبت متجددہ یا آن سیال یا اس کا سیلان یا مسافت یا اس کا اتصال یا نسب متجددہ یا اس کے اتصال سے حرکت کا اتصال عرضی یا متحرک یا اس کا اتصال یا تجدد نسب، ان کے سوا تیرھویں کوئی چیز ایسی متعلق نہیں جس سے انتزاع زمانہ کا توہم ہوسکے، اور ان بارہ میں کوئی صالح انتزاع زمانہ نہیں اس کے لیے چار شرطوں کی جامعیت لازم۔

(۱) امتداد کہ بسیط غیر منقسم سے انتزاع امتداد معقول نہیں۔

(۲) عدم قرار کہ قار من حیث ھو قار سے انتزاع غیر قار نا متصور۔

(۳) وجود خارجی کہ اسی میں کلام ہے۔

(۴) اس کا وجود زمانے پر موقوف نہ ہو نا کہ دور نہ ہو۔

ان بارہ [۱۲] میں سے کوئی ان چاروں شرائط کی جامع نہیں۔

شرط اول سے حرکتِ توسطیہ و آن سیال خارج کہ بسیط غیر منقسم ہیں۔

شرط دوم سے یہ دونوں اور مسافت و متحرک اور ان کے اتصال یہ چھ خارج کہ قار ہیں۔

شرط سوم سے باقی چھ نیز آن سیال، سات خارجی کہ ہم ثابت کر آئے کہ حرکت قطعیہ موجود فی الخارج نہیں تو اس کا اتصال عرضی بدرجہ اولی، اور یہ کہ آن سیال اور اس کا سیلان محض اختراع بے اصل ہے، اور نسبتوں کا اعیان سے نہ ہونا بدیہی، شرط چہارم سے سیلان آن اور تینوں تجدد نسب بلکہ حرکت قطعیہ اور اس کا اتصال عرضی بھی، یہ چھ خارج ہم مقام ۲۵ میں ثابت کر آئے کہ سیلان آن بلحاظ زمان ہی ہے اور تجدد کا زمانے پر توقف بدیہی کہ وہ نہیں مگر یہ کہ آن سابق میں نسبت یہ تھی اور لاحق میں یہ، اور عنقریب ہم مقام ۲۸ میں ثابت کریں گے کہ حرکت قطعیہ زمانے پر موقوف اور اس کا اتصال عرضی اس کی ذات پر موقوف ہو نا ظاہر تو زمانے کا ان سے انتزاع دور ہے۔ تو روشن ہوا کہ خارج میں کوئی منشاء نہیں جس سے انتزاع زمانہ ہوسکے اگر کہیے جب خارجی میں نہ زمانہ نہ اس کا منشاء انتزاع تو انیاب اغوال کی طرح محض

اختراع، اور یہ عقلاً باطل اور نقلاً ابتداع۔

اقول: ہاں متشدق اور اس کے متبوعوں کے طور پر ایسا ہی ہے کہ وہ اسے موجود خارجی مانتے ہیں حالانکہ خارج میں نہ وہ نہ منشاء اور ایسی شیئ کو بحکم وہم موجود فی الخارج سمجھنا ہی انیاب اغوال کا اختراع ہے لیکن موجود ذہنی کو موجود ذہنی جاننا اختراع نہیں واقعیت ہے جیسے معقولات ثانیہ کو اسے انیاب اغوال سے کہنا جنون، ہم اوپر ثابت کرچکے کہ زمانہ ممکن کہ کسی حالت ذہنیہ سے منتزع ہو، ممکن کہ بالا انتزاع اصالۃً ذہن میں موجود ہو اور دونوں صورتوں پر انیاب اغوال سے نہیں ہوسکتا۔

تنبیہ نافع: اقول: حق یہ ہے کہ یہ ایک سخت کمند غیبی ہے کہ وہم کی گردن میں ڈالی گئی اور عقول ناقصہ کے سر اس میں پھنس گئے۔ "لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹ "[1]۔ (اور ہم نے ان پر وہی شبہ رکھا جس میں اب پڑے ہیں۔ت) کے زبردست ہاتھوں نے اس دار الامتحان میں اس کا حلقہ اتنا سخت محکم کردیا کہ۔ ع

تو چنداں کہ اندیشی گردو بلند　　　سر خود بروں ناوردزیں کمند

(تو جتنا اندیشہ کرے گا وہ اور بلند ہوگی، اس کمند سے اپنے سر کو نہیں بچایا جاسکتا)

ان کی ناقص عقلوں میں آہی نہیں سکتا کہ بھلا زمانہ کیونکر محض موہوم ہو ان کی بداہت وہم حکم کرتی ہے کہ اگر ذہن و ذاہن کچھ نہ ہوتے جب بھی زمانہ ضرور ہوتا، حالانکہ وہی بداہت حکم کرتی ہے کہ اگر فلک و حرکت کچھ نہ ہوتے جب بھی زمانہ ضرور ہوتا اسے بداہت وہم کہتے ہو اسے کیوں نہیں کہتے اتنی بات وسواس نے ان کے دلوں میں ڈالی اور یہ وہ پہلا بنیاد کا پتھر تھا جس پر صدہا کفریات کی عمارت چنتے چلے گئے جب زمانہ خود موجود متاصل ہے ضرور ازلی ابدی ہوگا ورنہ زمانے سے پہلے یا بعد زمانہ لازم آئے اور جب وہ سرمدی ہے ضرور حرکت فلکیہ کہ ان کے زعم میں یہ اس کی مقدار ہے ازلی ابدی ہے تو فلک الافلاک قدیم ہے پھر استحالہ خلا سے نیچے کے افلاک و عناصر قدیم ہیں غرض عالم قدیم ہے اور جو ان سے بھی زیادہ بدعقل تھے ان پر یہ گتھی اور بھی کری لگی ان کے عقل میں بھی نہیں آسکتا کہ کوئی موجود زمانہ سے خارج ہو، ایسی ہی وہم پروری ان پر مکان و جہت سے پڑی بھلا جو کسی جگہ نہ ہو کسی طرف نہ ہو کسی وقت میں نہ ہو موجود کیسے ہوسکتا ہے ناچار

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹

انہوں نے اپنے معبود کو زمانی مکانی جہت میں مستقر مان کر خاصہ ایک جسم بنادیا، **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت ہے مگر بلندی وعظمت والے خدا کی توفیق سے (ت)

مقام بست وہشتم

زمانہ موجود ہو خواہ موہوم کسی حرکت کی مقدار نہیں ہوسکتا۔

اقول: ظاہر کہ زمانہ حرکتِ توسطیہ کی مقدار ہونا ناممکن کہ وہ متجزی ہی نہیں، یہ امتداد وہ متجدد نہیں یہ غیر قار تو ضرور اگر ہوگا تو حرکت قطعیہ کی مقدار ہوگا تو [1] وجود زمانہ وجود حرکت قطعیہ پر موقوف کہ معروض کو عارض پر تقدم بالذات، اور [2] حرکت قطعیہ کانہ صرف تشخص بلکہ نفس ماہیۃ انتقال پر موقوف کہ یہ اس کی ایک نوع ہے تو اسے اس پر تقدم بالذات، [3] اور انتقال بداہۃً تقدم منتقل عنہ پر موقوف، اگر منتقل عنہ پہلے نہ تھا انتقال کس سے ہوا، اور پر ظاہر کہ یہاں سابق ولاحق جمع نہ ہوسکتے ورنہ انتقال انتقال نہ ہوا اور تمہاری تصریحوں سے وہ تقدم جس میں قبل وبعد جمع نہ ہوسکیں نہیں ہوتا، مگر زمانی اور [4] بلاشبہہ تقدم زمانی وجود زمانہ پر موقوف تو وجود زمانہ وجود زمانہ پر کئی درجے مقدم اس سے زائد کیا محال درکار۔

الحمدللہ ہماری اس تقریر سے دفع دور کا وہ حیلہ جو افق المبین وقبسات باقر وغیر ہما میں کیا گیا دفع ودور ہوگیا، دوریوں قائم کیا جاتا کہ زمانہ کی مقدار حرکت ہے، حرکت پر موقوف اور حرکت کا وجود ممکن نہیں مگر سرعت وبطوء کی ایک حد معین پر اور سرعت وبطوبے تقدر زمانہ ناممکن، تو حرکت زمانہ پر موقوف، اور اس کا جواب یہ دیا تھا کہ زمانہ ماہیت حرکت پر موقوف ہے اور ماہیت میں سرعت وبطوء کچھ داخل نہیں، یہ حرکت شخصیہ کو درکار تو تشخص حرکت زمانی پر موقوف ہوا اور دور نہیں جیسے مقدار جسم جسم پر موقوف اور جسم اپنے تشخص میں مقدار کا محتاج، ظاہر ہے کہ ہماری تقریر سے اسے کچھ مس نہیں، ہم نے خود ماہیتِ حرکت کا زمانہ پر توقف ثابت کیا ہے، مباحث یہاں اور بھی ہیں جن کے ایراد سے اطالت کی حاجت نہیں۔

مقام بست ونہم

زمانہ کا مقدار حرکت فلکیہ ہونا تو کسی طرح ثابت نہیں بلکہ نہ ہونا ثابت ہے، شَے کو معدوم

ماننے سے اس کی مقدار کا عدم بالبداہت لازم آتا ہے، (کوئی عاقل گمان نہیں کرسکتا کہ جسم تو معدوم ہے مگر اس کا طول و عرض باقی ہے) زمانہ اگر مقدار حرکت فلکیہ ہوتا تو اس کے عدم سے اس کا عدم بدیہی ہوتا اور یہ تصور کرنا کہ فلک نہیں اور زمانہ ہے ایسا تصور ہوتا کہ حرکت نہیں اور ہے حالانکہ ہرگز ایسا[عہ] نہیں بلکہ اس کے خلاف پر یہ یقین ہوتا ہے کہ اگرچہ نہ فلک ہوتا نہ اس کی حرکت، جب بھی ایک امتداد جس سے تقدم و تاخر و ماضی و مستقبل ہوں ضرور ہوتا، اور اگر تصور کریں کہ فلک نہ تھا پھر ہوا یا ساکن تھا پر متحرک ہوا یا آئندہ فلک یا اس کی حرکت نہ رہے جب بھی وہ امتداد تھا اور رہے گا (کہ تھا اور نہ تھا اور پھر آئندہ سب اسی سے متعلق ہیں) فلسفی کا زعم یہ کہ یہ بداہت بداہت وہم سے جیسے وہم کا یہ زعم کہ فلک الافلاک کے باہر غیر متناہی فضا ہے محض تحکم ہے یہ امتداد (جس پر تھا اور ہے اور ہوگا کی بنا ہے جسے ہر بچہ اور ہر ابلہ جانتا ہے) اس پر یقین دونوں حالتوں میں یکساں ہے خواہ حرکتِ فلک کہ موجود مانیں یا معدوم، اگر یہ حکم عقل کا ہے تو دونوں حالتوں میں اور وہم کا ہے تو دونوں میں یہ تفرقہ کہ حرکتِ فلک ماننے کی حالت میں تو یہ حکم حکمِ عقل ہے اور نہ ماننے کی حالت میں حکمِ وہم ہے محتاج برہان ہے حرکتِ فلک نہ ہونے کی حالت میں اگر اذہان اسے قبول کرسکتے ہیں کہ وہ امر واضح جس پر تھا اور ہے اور ہوگا کہ بنا ہے) نہ ہوگا تو حرکتِ فلک ہونے کی حالت میں اسے کیوں نہ قبول کرسکیں گے (لیکن وہ دونوں حالتوں کو اس کے قبول و انکار میں یکساں پاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ امر واضح کوئی جداگانہ شیئ ہے جس کے ماننے کو فلک و حرکت فلک سے کوئی تعلق نہیں (شرح مقاصد بتلخیص و ترتیب و ایضاح بزیادۃ الاہلۃ منا)

اقول: کلام بہت چمپلا ہے مگر یہاں مفید نہیں وصف شیئ اگر اسی وصف سے کہ فلاں شی کا وصف ہے مشہور و معلوم ہو تو بے شک رفع شے سے اس کا رفع بدیہی ہوگا اور اگر وہ فی نفسہ معلوم و متیقن اور اس کا وصف شے ہونا معلوم و مسلّم نہ ہوا اگرچہ وہ واقع میں وصف

عہ: علامہ نے یہاں یہ زائد کیا کہ لہٰذا آج تک کسی عاقل نے یہ زعم نہ کیا کہ حرکت فلک کا ازلی بدی ہونا بدیہی ہے۔

اقول: عدمِ حرکت سے عدم زمانہ کی بداہت اسے مستلزم نہیں کہ حرکت فلک کی سرمدیت بدیہی ہو یہ جب ہوتا کہ زمانہ کی سرمدیت بدیہی ہوتی ۱۲منہ غفرلہ۔

شے ہو تو ہر گز رفع شیئ سے اس کا رفع خیال بھی نہ کریں گے اور وہ یقین جو ان کو اس وصف پر بالاستقلال حاصل ہے وجود شیئ وعدم شیئ کی تقدیروں سے نہ بدلے گا، ان کے نزدیک استقلال سے واقع میں اس کا استقلال لازم نہیں، تو اس بیان سے مقدار حرکت فلک ہونے کی نفی نہیں ہوتی وہاں جہاں وہ زمانے کے وجودِ خارجی پر کہتے ہیں کہ ہم قطعًا جانتے ہیں کہ ذہن نہ ہوتا جب بھی زمانہ ہوتا، وہاں یہ تقریر مفید ہے جس طرح ہم نے مقام ۲۶ میں ذکر کی اور ہمیں اس پر استدلال کی حاجت نہیں مدعی مخالف ہے اس کی دلیل کا ابطال ہی بس ہے بلکہ ہم اسی کی دلیل سے ثابت کردیں گے کہ زمانہ حرکت فلک کی مقدار نہیں فلسفی اپنے زعم پر دلیل یہ گھڑتا ہے کہ زمانہ مقدار حرکت ہے اور ازلی وابدی تو حرکت مستقیمہ کی مقدار نہیں ہوسکتا ایک ہی حرکت ہو تو بعد نامتناہی لازم یا پلٹ پلٹ کر ہو تو ہر پلٹے پر سکون ضرور کہ دو حرکت مستقیمہ متصل نہیں اور س کے سکون سے زمانہ کہ اس کی مقدار ہے منقطع ہوجائے گا لاجرم مقدار حرکت مستدیرہ ہے اور واجب کہ یہ حرکت ہر حرکت سے سریع ہو ورنہ زمانہ اسرع کی تقدیر سے عاجز رہے گا حالانکہ جملہ حرکت اس سے اندازہ ہوتی ہیں اور واجب کہ سب حرکتوں سے ظاہر تر ہو کہ اس کی مقدار زمانہ ہر صبی وجاہل پر ظاہر ہے اور وہ نہیں مگر حرکتِ یومیہ جس سے رات دن، مہینے، برس اندازہ کیے جاتے ہیں اور واجب کہ جو جسم اس سے متحرک ہے بسیط ہو کہ مختلف الطبیعۃ اجزاء سے مرکب ہو تو ہر جزا اپنے حیز طبعی سے جدا ہو کر قسرًا اسی حیز کل میں ہوا، اور قسر کو دوام ہیں تو انجام کار اجزاء متفرق ہوجائیں اور جسم ٹوٹ کر حرکت نہ رہے زمانہ قطع ہوجائے اور جب وہ بسیط ہے تو واجب کہ کرہ ہو کہ بسیط کی یہی شکل طبعی ہے تو ثابت ہوا کہ وہ جسم جس کی مقدار حرکتِ زمانہ ہے وہی کرہ بسیطہ متحرک بحرکت مستدیرہ ہے جس کی حرکت حرکت یومیہ ہے اور وہ نہیں مگر فلک الافلک اور یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ فلک اور اس کی حرکت ازلی ابدی ہیں۔

اقول: حاشا بلکہ فلاسفہ کا کذب وسفہ۔ **اولًا:** ہم ثابت کرچکے کہ زمانہ مقدار حرکت ہی نہیں۔

ثانیًا: باذنہ تعالٰی روشن کریں گے کہ وہ قطعًا حادث ہے۔

ثالثًا: مقام ۲۱ میں واضح ہوچکا کہ حرکاتف مستقیمہ کا اتصال جائز۔

رابعًا: نہ سہی پھر انقطاعِ زمانہ ہی کیا محال۔

خامسًا: وجوب انقطاع قسر کا رَد مقام ۱۲ میں گزرا۔

سادسًا: ان سب سے قطع نظر ہو تو اس کا حرکت مستدیرہ وضعیہ ہونا ہی کیا ضرور۔ کیوں نہیں جائز کہ کسی دائرے یا مدار بیضی عدسی شلجمی اہلیلجی پر حرکت اینیہ ہو اب نہ لاتناہی بعد لازم نہ تخلل سکون۔

سابعًا: غایت یہ کہ اس حرکت سے اسرع نہ ہو نہ کہ وہی اسرع ہو۔

ثامنًا: اگر اس کی بساطت ضرور تو ہم ثابت کرچکے کہ افلاک بسیط نہیں تو ضرور زمانہ مقدار حرکت فلک نہیں۔

تاسعًا: بسیط کی شکل طبعی کُرہ ہونے سے شکل طبعی پر ہونا کب واجب، جیسے تین عنصر کرویت پر نہیں۔

عاشرًا: زمانہ کا اظہر اشیاء سے ہونا کیا اسے مستلزم کہ وہ حرکت بھی ایسی ہی اظہر ہو، اس کا مقدار حرکت ہونا خود شدید الخفا ہے لاکھوں عقلا اسے نہیں مانتے اور اگر یہ بھی ایسا ہی ظاہر ہو تا جب بھی خاص اس حرکت کا ظہور کیا ضرور، عام اذہان میں اتنا ہونا کہ یہ کسی حرکت کی مقدار ہے اس حرکت کے معلوم ہونے کو کب مستلزم۔

حادی عشر: یہ بھی ماننا تو اب ضرور ہے کہ وہ حرکت حرکت فلک نہ ہو کہ حرکت فلک سخت اشد الخفا ہے ہیئت جدیدہ والے تو سرے سے فلک ہی نہیں مانتے اور ہیئت اسلامیہ فلک کا متحرک ہونا قبول نہیں فرماتی، اور عامہ اذہان یہی اس سے خالی تو ضرور یہ حرکت حرکت یومیہ حرکت شمس ہے جس سے ہر جاہل ہر بچہ تک آگاہ اور بلاشبہ اظہر الحرکات ہے۔ ہیئت جدیدہ اگرچہ ہنگام ادعا اسے براہ جہالت منسوب بزمین کرے مگر اعمال و محاسبات میں وہ بھی حرکتِ شمس ہی کہتی اور لکھتی اور اس کے مدار منطقۃ البروج کا نام آف دی سن (of the sun) رکھتی ہے یعنی شمس کا راستہ، نہ آف دی ارتھ (of the Earth) زمین کا۔

ثانی عشر: بساطت کا شگوفہ بھی یہی گل کھلاتا ہے ہم مقام اول میں ثابت کرچکے کہ بسیط کی شکل طبعی کرہ مصمتہ بے جوف ہے اور شمس ہی ایسا ہے نہ کہ فلک تو ضرور حرکت یومیہ شمس ہی کی حرکت ہے نہ فلک کی متشدق زیادہ چالاک ہے، اس نے تمام احتمالات کا احاطہ کرکے ماورائے مطلوب کا ابطال چاہا اور کہا حرکات مستقیمہ و کمیہ و کیفیہ نیز تمام طبعیہ وقسریہ سب حادث ہوتی ہیں اور حادث کو زمانہ درکار، تو زمانہ کہ اُن پر مقدم ہے

ان کی مقدار نہیں ہو سکتا۔ نیز مستقیمہ طبعیہ سے پہلے تحدید جہات درکار، اور وہ نہ ہوگی مگر ایسے جسم سے جس کی حرکت متدیرہ واجب اور قسریہ بے امکان طبعیہ نہیں تو یوں بھی زمانہ حرکت مستقیمہ کی مقدار نہیں ہو سکتا۔ نیز حرکت کو اتصال مسافت کے ذریعہ سے جو اتصال عرضی ملتاہی وہ علتِ زمانہ ہے اور حرکاتِ کیفیہ بلکہ کمیہ بحیثیت کمیہ کے لیے بھی اتصال مسافی نہیں صرف اتصال زمانی ہے تو اس وجہ سے بھی یہ خارج ہوئیں اور نہ رہی مگر حرکت متدیرہ ارادیہ ازلیہ ابدیہ وہی زمانہ بنائے گی، اور وہ نہیں مگر حرکت فلک۔

اقول اولاً: حرکت مطلقاً ہو سکتی ہی نہیں مگر حادث کو وہ انتقال ہے، اور انتقال موجب مسبوقیت اور ازلی مسبوقیت سے پاک اور قدم نوعی کی گند[عہ] ہم پہلے ہی کاٹ چکے ہیں تو حرکت سے علی الاطلاق ہاتھ دھولو، اور زمانہ کی مقدار حرکت ہونے کو استغفادو۔

ثانیاً: طبعیہ کا عدم دوام یا اس پر مبنی کہ [1]متدیرہ طبعیہ نہیں ہو سکتی اور مستقیمہ کا دوام لاتناہی بعد کو مستلزم ورنہ تخلل [2]سکون لازم یا اس پر کہ طبعیہ نہ ہوگی مگر جب حالت منافرہ پائی جائے اور وہ نہ ہوگی مگر قاسر سے اور [3]قسر کو دوام نہیں یا اس پر طبعیہ طلب مقتضائے طبعیہ کے لیے ہے اسے پا کر [4]سکون واجب اور [5]طبعیہ کا دائماً اپنے کمال سے محروم رہنا محال اور ہم ثابت کر چکے کہ پانچویں مقدمے باطل و ممنوع ہیں۔ چہارم کا ابطال مقام دہم میں گزرا۔

ثالثاً: یونہی قسریہ کا عدم دوام یا اس لیے ہے کہ متدیرہ قسریہ نہیں ہو سکتی نہ مستقیمہ دائمہ نہ قسر کو دوام اور تینوں باطل ہیں۔

رابعاً: کمیہ کا دوام کیوں محال نمو دائم کے لیے بھی بعد غیر متناہی درکار نہیں، ممکن کہ ایک بار گز بھر نمو ہو پھر آدھ گز پھر پاؤ گز، یونہی الی غیر النہایہ کو تقسیم ذراع نامتناہی ہے اور کبھی دو گز تک بھی مقدار نہ پہنچے گی نہ کہ غیر متناہی اور قوتِ جسمانیہ کا غیر متناہی پر قادر نہ ہونا مقام ۲۴ میں باطل ہو چکا اور ذبول میں تو کوئی دقت ہی نہیں کہ تجزیہ جسم نامتناہی ہے۔

خامساً: یونہی دوام حرکت کیفیہ کا استحالہ ممنوع۔

سادساً: انقطاعِ زمانہ ہی کیا محال، پھر دائماً کی کیا حاجت۔

سابعاً: ہم مقام ۲۶ میں ثابت کر چکے کہ مطلقاً حرکت محتاج زمانہ ہے تو زمانہ اس کی

عہ: بالفتح بمعنی گندگی ۱۲ الجیلانی

مقدار نہیں ہو سکتا۔

ثامنًا: تحدید جہات کا قضیہ بھی طے ہو چکا۔ **تاسعًا:** غلط ہے کہ محدد کا استدارہ واجب بلکہ ہم ثابت کر چکے کہ باطل۔ **عاشرًا:** یہ بھی غلط کہ جہاں طبع نہیں قسر نہیں۔

حادی عشر: ہر ایک کی مسافت اس کے لائق ہے حرکت کمیہ کہ ذبول یا تکاثف سے ہو اس کی مسافت جسم تعلیمی ہے کہ ہر آن مقدار گھٹے گی اور وہ ضرور اتصال رکھتا ہے اس کے ذریعہ سے کمیہ کو بحثیت کمیہ ہونے کے اتصال عارض ہوگا اگرچہ نمو و تخلل میں بحیثیت اینیہ ہوتا۔

ثانی عشر: تم تو آن سیال کو راسم زمانہ کہتے ہو اتصال مسافی کیسا؟

ثالث عشر: کیوں نہیں جائز کہ مستدیرہ دائمہ ارادیہ کسی دائرہ وغیرہ خط منحنی واحد پر کسی کی حرکت ہو۔

رابع عشر: سب جانے دو وہ مستدیرہ دائمہ ارادیہ حرکت فلک ہی ہونا کیا ضرور، کیوں نہ حرکت شمس ہو۔

خامس عشر تا سابع عشر: آگے وہی شعریات گائے کہ یہ اظہر المقادیر ہے تو وہ اظہر الحرکات واسرع الحرکات ہونا چاہیے اور اس پر وہی سابق کے ۷ و ۱۰ و ۱۱ وارد۔

ثامن عشر: شطرنج میں بغلہ اور بڑھایا کہ جس جسم کی یہ حرکت ہے چاہیے کہ وہ سب اجسام کو محیط ہو یہ کیوں، یہ اس لیے کہ شیخ چلی یونہی کہہ گئے ہیں یہ ہیں اس کی وہ خرافات مضحکہ جن کو کہتا ہے حکمت حقہ حقیقیہ یقینیہ واجب الاتباع ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر بلندی وعظمت والے خدا کی توفیق سے۔ت)

مقام سیم:

زمانہ حادث ہے:

حجت ۱: زمانے کو مقدارِ حرکت کہتے ہو اور ابھی واضح ہو چکا کہ حرکت کا قدم محال۔

حجت ۲: روشن ہو چکا کہ وہ موہوم ہے خارج میں اس کا وجود درکنار سب سے ضعیف تر انحائے وجود خارجی یعنی وجود منشا تک اس کے لیے نہیں پھر سب سے اعلیٰ یعنی وجود ازلی کیسے ہو سکتا ہے۔

حجت ۳: برہان تطبیق کہ ایام زمانہ ماضی میں بے تکلف جاری خصوصًا اس متشدق اور اس کے متبوعوں کے طور پر کہ تمام ازمنہ ماضیہ ومستقبلہ کو موجود بالفعل مانتا ہے تو یہاں وہ فلسفی عذر بارد بھی نا وارد۔

حجت ۵ تا ۷: ظاہر ہے کہ یوم یا جزء زمانہ ماضی لو سابق سے مسبوق ہے تو باقی دلائل ابطال قدم نوعی بھی قائم۔

کشف معضلہ وباللہ التوفیق (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ت) اہل انصاف کے نزدیک بحث ختم ہوگئی مخالف کو گنجائش دم زدن نہ رہی جب تک ان حجج ساطعہ سے عہدہ برآ نہ ہولے وانی لہ ذٰلک (اور اس کے لیے یہ کہاں ت) فلسفی اگر قدم زمانہ پر ہزار دلائل قائم کرے بقانونِ مناظرہ سب کے معارضہ کو ایک حجت بس نہ کہ سات، مگر بے انصافوں کے دل سے اپنے شبہ باطلہ کا خلجان زائل نہیں ہوتا جب تک بالخصوص اسے نہ توڑا جائے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ بتوفیقہ تعالٰی اس مزلہ مضلہ کی بیخ کنی کردیں جس پر آج تک کے متفلسفہ کو ناز ہے وہ یہ کہ زمانہ اگر حادث ہو تو اس کا وجود مسبوق بالعدم ہو اور شک نہیں کہ یہاں قبل وبعد کا اجتماع محال، تو یہ قبلیت نہ ہوئی مگر زمانی تو زمانے سے پہلے زمانہ لازم مواقف ومقاصد وتجرید طوسی وطوالع الانوار علامہ بیضاوی وشروح علامہ سید شریف وعلامہ تفتازانی وفاضل قوشجی وشمس اصفہانی وشرح دیگر طوالع منسوب بہ تفتازانی وتہافت الفلاسفہ للامام حجۃ الاسلام وللعلامۃ خواجہ زادہ میں اس کے متعدد[عہ] جواب دیئے گئے جن میں فقیر کو کلام ہے کما بیّنّا علی ھوامشھا

عـــہ: ھی خمسۃ اجوبۃ وثم سادس لغیرھم۔

یہ پانچ جواب ہیں اور اس جگہ ایک چھٹا جواب بھی ہے جو مذکورہ بالا علماء کے علاوہ کسی نے دیا ہے۔

(۱) قال الامام حجۃ الاسلام قدس سرہ الزمان حادث ولیس قبلہ ویعنی بقولنا ان اللہ تعالٰی

(۱) امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ نے فرمایا: زمانہ حادث ہے اور اس سے پہلے زمانہ نہیں ہے اور ہم جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی

(باقی برصفحہ آئندہ)

(جیسا کہ ہم نے ان کے حواشی میں بیان کیا۔ت) فیض قدیر عزجلالہ، سے جو کچھ قلبِ فقیر پر فائض ہو حاضر کرے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

مقدم علی العالم والزمان انه کان ولا عالم ثم کان ☆ومعه عالم فلم یتضمن اللفظ الا وجود ذات وعدم ذات ثم وجود ذاتین ولیس من ضرورة ذلك تقدیر شیئ ثالث وان

عالم اور زمانے سے مقدم ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالٰی موجود تھا اور عالم موجود نہ تھا پھر اللہ تعالٰی موجود تھا اور اس کے ساتھ عالم بھی موجود تھا، تو ان الفاظ کا مطلب صرف اتنا ہے پہلے ایک ذات موجود تھی اور دوسری ذات موجود نہ تھی، پھر دو ذاتیں موجود تھیں، اس سے یہ لازم (باقی برصفحہ آئندہ)

☆ **اقول:** رحمه الله الامام و ایانا به حق العبارة ان یقال ثم کان وھو مع العالم فھو تعالٰی مع کل شیئ وتعالٰی ان یکون معه شیئ معیة متعالیة عن المعیة المتعارفة المشترکة فی المعنی المتساویة فی الاثنین "وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ"[1] ولم یرد انتم معه بل الاولٰی فی التعبیر ثم کان العالم والله معه کیلا یوھم کونه ثانیاالله عزوجل ۱۲منه غفرله۔

☆ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اللہ تعالٰی امام غزالی پر رحم فرمائے اور ان کے وسیلے سے ہم پر رحم فرمائے عبارت اس طرح ہونی چاہیے تھی ثم کان وھو مع العالم پھر اللہ تعالٰی عالم کے ساتھ موجود تھا پس اللہ تعالٰی ہر شے کے ساتھ ہے اور وہ بلند ہے اس سے کہ کوئی شے اس کے ساتھ ہو، اس کی معیت معروف معیت سے بلند ہے جس مین دو چیزیں کسی معنی میں شریک ہوتی ہیں اور ان میں مساوات ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے وھو معکم اینما کنتم وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو، اور یہ نہیں فرمایا کہ انتم معه تم اس کے ساتھ ہو۔ اس لیے بہتر تعبیر یہ ہے۔ پھر عالم موجود تھا اور اللہ تعالٰی اس کے ساتھ تھا، تاکہ عالم کا اللہ تعالٰی کے لیے ثانی ہونا لازم نہ آئے ۱۲منہ غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۴

ربہ ثم برسولہ استعین صلی اللہ تعالٰی وسلم علیہ وعلٰی ذویہ اجمعین امین (اس سے پھر

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کان الوھم لایسکت عندہ اھ[1]۔ ویقال علٰی قیاسہ ھنا انہ کان العدم و لاحادث ثم کان الحادث ولاعدم ھنا ثم الاثبات شیئ ونفی اخرو لاثالث لھما **اقول:** لا یعقل ثم الابتقدیر ثالث۔

نہیں آتا کہ کسی تیسری چیز کو بھی فرض کیا جائے اگرچہ وہم اس بات پر اکتفا نہیں کرتا اھ۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اس جگہ یہ کہا جائے گا کہ پہلے عدم تھا حادث نہیں تھا، پھر حادث موجود تھا جبکہ عدم نہیں، اس جگہ ایک چیز کا اثبات اور دوسری کی نفی ہے، تیسری کوئی چیز نہیں ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) اس جگہ تیسری چیز کی تقدیر کے بغیر بات معقول نہیں ہے۔

(۲) لا نسلم التقدم بالزمان سالانہ فرع وجود الزمان (مواقف شرحھا)[2]۔ **اقول:** تقدم ابینا ادم علیہ الصلوۃ و السلام علینا زمان یعلمہ البلہ والصبیان فلا یسوع انکارہ موجودا کان الزمان موھوما وتقدم عدم الزمان علی الزمان بالزمان ولو الحاظ العقل محال قطعًا۔

(۲) ہم سرے سے نہیں مانتے کہ یہ تقدم زمانی ہے کیونکہ تقدم زمانی فرع ہے وجود زمان کی (مواقف اور شرح مواقف) اقول: حضرت آدم علیہ السلام کا ہم سے مقدم ہونا زمانے کے اعتبار سے ہے اسے بے وقوف اور بچے بھی جانتے ہیں اس لیے اس کا انکار درست نہیں ہے، چاہے زمانہ موجود ہو یا موہوم اور عدم زمان کا زمانے پر تقدم زمانی کے ساتھ مقدم ہونا اگرچہ لحاظِ عقل میں ہو قطعًا محال ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] تہافت الفلاسفہ فی العقائد

[2] شرح المواقف

اس کے رسول سے مدد مانگتا ہوں، اللہ تعالٰی آپ پر اور آپ کے تمام متعلقین پر درود سلام نازل فرمائے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(۳)التحقیق ان الزمان وھمی ولیس امرًا موجودًا من جملۃ العلم یتصف بالقدم اوالحدوث[1] (مقاصد و شرحھا)وتبعہ المتعاصران القوشجی وخواجہ زادہ ولفظہ لیس امرا موجودا لیلزم من انتفاء حدوثہ قدمہ[2] اھ۔

اقول:اولًا قداجمعا علٰی حدوثہ ففیہ انکار لا صل والدعوٰی وثانیًا لا شك فی واقعیۃ الزمان وقد نطق بہ نصوص القرآن "وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّھَارَ ؕ"[3] وما التقدیر الا للامتداد "یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَیُوۡلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ"[4] ای یربی تارۃ مقدار ھذا علٰی ذلك واخری

(۳) تحقیق یہ ہے کہ زمانہ ایک موہوم امر ہے، امر موجود نہیں ہے بلکہ یہ از قبیل معلومات ہے قدم اور حدوث کے ساتھ متصف ہوتا ہے (مقاصد و شرح مقاصد) صاحبِ مقاصد کی پیروی ان کے دو معاصروں علامہ قوشجی اور خواجہ زادہ نے کی ہے، ان کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے، زمانہ امر موجود نہیں ہے تاکہ اس کے حادث نہ ہونے سے اس کا قدیم ہونا لازم آئے۔

اقول: (۱) ہمارا اس بات پر اجماع ہے کہ زمانہ حادث ہے اس جواب میں تو اصل دعوی ہی کا انکار کردیا گیا ہے۔ (۲) زمانے کے امر واقعی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے نصوصِ قرآن اس کی گواہی دے رہی ہیں واللہ یقدر الیل والنھار اللہ دن اور رات کا اندازہ مقرر فرماتا ہے اور اندازہ امتداد ہی کا مقرر کیا جاتا ہے۔ "یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّھَارِ وَیُوۡلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیۡلِ ؕ" رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح المقاصد المقصد الرابع المبحث الخامس فی احکام الاجسام دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۳۳۴

[2] تہافت الفلاسفہ للخواجہ زادہ

[3] القرآن الکریم ۷۳/ ۲۰

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۶

اے اللہ ! ہماری دعا کو قبول فرما۔ت)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بالعکس و ذلك ان القدر الاوسط للکل منهما اثنا عشرة ساعة.فتارة ید خل اللیل فی ساعات النهار فتصیر اربع عشر ساعة مثلًا ویبقی النهار عشرًا وتارة بالعکس ان عدة الشهور عندالله اثنا عشر شهرا فی کتاب الله یوم خلق السموات والارض ا [1] ـهذا النص اٰیة علی واقعیة الزمان وعلی حدوثه معا بیدی الدهر اقلب اللیل و النهار [2] الی غیر ذلك واذلیس وجوده فی الاعیان کما دلّ علیه

یعنی کبھی اس کی مقدار اس پر زیادہ کرتا ہے اور کبھی اس کے بر عکس فرماتا ہے اور یہ اس طرح کہ دن اور رات کی درمیانی مقدار بارہ گھنٹے ہے، پس کبھی رات کو دن کی ساعتوں میں داخل فرمادیتا ہے تو رات مثلًا چودہ ۱۴ گھنٹوں کی ہو جاتی ہے اور دن دس گھنٹوں کا رہ جاتا ہے، اور کبھی اس کے بر عکس ہوتا ہے انّ عدۃ الشھور عنداللہ اثنا عشر شھرًا فی کتاب اللہ یوم خلق السموات والارض بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے پاس ۱۲ مہینے ہے اللہ کی کتاب میں جب آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا، یہ آیت بہت واضح طور پر زمانے کے امر واقعی اور حادث ہونے پر دلالت کرتی ہے بیدی الدھر اُقلب اللیل والنھار میرے ہی ہاتھ میں زمانہ ہے میں دن اور رات

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۶

[2] صحیح البخاری باب ومایھلکنا الاالدھر ۲/ ۷۱۵ وباب قول اللہ تعالٰی یریدون ان یبدلوا کلام اللہ ۲/ ۱۱۱۶، صحیح مسلم کتاب الالفاظ باب النھی عن نسب الدھر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۳۷، سُنن ابی داؤد باب فی الرجل یسب الدھر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۵۹، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۳۸

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

جواب اوّل اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں ت) ممکن کو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

البرھان فلا محید عن وجودہ فی الاذھان، فاذا لم تجز مسبوقیتہ بالعدم وجب کونہ فی الذھن من الازل فیلزم قدمہ و قدم الذھن قال فی المقاصد وشرحھا فان ثبت وجود الزمان بمعنی مقدار الحرکۃ لم یمتنع سبق العدم علیہ باعتبار ھذا الامر الوھمی کما فی سائر الحوادث [1]۔ **اقول:** نعم ولکن امتنع علی ھذا الوھمی سبق العدم کما علمت، ولیس وھمیا بمعنی المخترع بل یدفع بہ کونہ موھوما اذلوکان موھومًا لم یکن قبل التوھم ولولم یکن قبل التوھم لکان قبل التوھم ولو کان قبل التوھم لم یکن موھومًا الطرفان ظاھران والوسط لجریان المعضلۃ فی الوجود الذھنی کجریا نھا فی العینی فینتج ان لوکان موھوما

کا ردوبدل کرتا ہوں، اس کے علاوہ دوسری آیات بھی ہیں اور جب زمانہ خارج میں موجود نہیں ہے جیسے کہ دلیل سے ثابت ہوتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ وہ اذہان میں موجود ہے اور جب عدم اس سے مقدم بتقدم زمانی نہیں ہوسکتا تو ماننا پڑے گا کہ وہ ازل سے ذہن میں تھا۔ اس طرح نہ صرف زمانے کا قدیم ہونا لازم آئے گا بلکہ ذہن کا قدیم ہونا بھی لازم آئے گا مقاصد اور اس کی شرح میں ہے زمانہ جو مقدار حرکت ہے اگر اس کا وجود ثابت ہوجائے تو تمام حوادث کی طرح اس امر وہمی کے اعتبار سے عدم کا اس سے پہلے ہونا محال نہیں ہوگا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ٹھیک ہے لیکن عدم کا اس وہمی پر مقدم ہونا محال ہے جیسے کہ تم جان چکے ہو، زمانے کے وہمی ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اختراعی ہے، بلکہ دلیل سے اس کے وہمی اختراعی ہونے کا رد کیا جاسکتا ہے اور وہ یوں کہ اگر زمانہ وہمی امر ہو تو توہم سے پہلے نہیں ہوگا اور اگر توہم سے پہلے موجود نہیں ہوگا، تو وہ توہم سے پہلے موجود ہوگا۔

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح المقاصد المقصد الرابع المبحث الخامس فی احکام الاجسام دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۳۳۴

اگر بشرطِ وجود لو تو اس کا عدم محال ہوگا اور بشرطِ عدم تو وجود یونہی بشرطِ استمرار انقطاع اور بشرطِ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لم یکن موھو ما فیثبت انه غیر موھوم بل موجود فی الاعیان، **فان قلت** المتکلمون ینکرون الوجود الذھنی۔ **اقول: (جواب)** مرجعه عند التحقیق الی انکار حصول الاعیان بانفسھا فی الازھان والا فھو مردود بالبرھان کما بینه فی شرح المقاصد و مصادم البداھة الوجدان کما یعرفه کل فاھم و قاصد، امّا ھذا الذی ذکرنا فحق بلا مریة ویلزم القائل بحصولھا بانفسھا عرضیة الجوھر لقیامه بالذھن واعتذار ابن سینا ان الجوھر ما من شانه القیام بنفسه اذا وجد فی الاعیان بھت بحت فالتجھر لایتبدل بتبدل الظرف والا تبدلت الذات، و بالجملة ذات لا قیام لھا الا بغیرھا

اور اگر توہم سے پہلے موجود ہوا تو موہوم نہیں ہوگا، دونوں طرفین ظاہر ہیں اور متوسط کا وجود ذہنی میں جاری ہونا اسی طرح مشکل ہے جس طرح وجود خارجی میں مشکل ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر وہ موم ہوا تو موہوم نہیں ہوگا بلکہ خارج میں موہود ہوگا۔ **سوال:** متکلمین تو وجود ذہنی کا انکار کرتے ہیں؟ **جواب:** تحقیق یہ ہے کہ وہ موجودات خارجیہ کے بذواتہا ذہنوں میں حاصل ہونے کا انکار کرتے ہیں ورنہ ان کا انکار دلیل سے باطل ہے جس طرح علامہ نے شرح مقاصد میں بیان کیا اور یہ بداہۃً وجدان کے مخالف ہے جیسے کہ ہر سمجھنے اور قصد کرنے والا جانتا ہے لیکن وہ مطلب جو ہم نے بیان کیا ہے وہ حق ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ اشیاء خود ذہن میں حاصل ہو جاتی ہیں اس پر جوہر کا عرض ہونا لازم آتا ہے کیونکہ جوہر ذہن کے ساتھ قائم ہو جائے گا۔ ابن سینا کا یہ عذر پیش کرنا کہ جوہر وہ موجود ہے کہ جب وہ خارج میں پایا جائے تو قائم بنفسہ ہوگا یہ محض سینہ زوری ہے، جوہر ہونا ایسی چیز نہیں جو ظرف کے بدلنے سے بدل جائے ورنہ ذات بدیل ہو جائے گی، خلاصہ یہ کہ وہ ذات جو صرف غیر کے ساتھ قائم ہے قطعی طور پر (باقی برصفحہ آئندہ)

انقطاع استمرار، کلام اس میں نہیں بلکہ نفس ذات ممکن میں، وہ ان میں کسی کی نہ مقتضی نہ منافی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تبائن بالقطع ذاتا تقوم بنفسها فثبت ان الحصول بالشبح لا بعین۔

(۴)لیس تقدم عدم الزمان علی وجودہ بالزمان بل بتقدم اجزاء الزمان بعضا علی بعض [1]۔(مقاصد و شرحها وخواجه زادہ وتجرید)اعنی التقدم بالذات لا بامر زائد علیها السید)وھو قسم سادس للتقدم [2] (تجرید وشرحه فی مباحث السبق)ولا نسلم ان التقدم والتاخر داخلان فی مفهوم اجزاء الزمان و انما جاء ھذا فی الامس والغد لاخذ الزمان مع التقدم المخصوص و التاخر .اما نفس اجزائه فلا بل غایته لزوم التقدم والتاخر فیها لکونها عبارة عن اتصال غیر قار

اس ذات کے مبائن ہے جو قائم بنفسہا ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ شے کی ذات ذہن میں حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا شبح (عکس) حاصل ہوتا ہے۔زمانے کے عدم کا اس کے وجود پر مقدم ہونا بالزمان نہیں ہے بلکہ اس طرح ہے جیسے زمانے کے بعض اجزاء بعض پر مقدم ہیں(مقاصد، اس کی شرح خواجہ زادہ اور تجرید) یعنی تقدم بالذات ہے ایسے امر کی وجہ سے نہیں جو ذات سے زائد ہے اور یہ تقدم کی چھٹی قسم ہے(تجرید اور اس کی شرح تقدم کی مباحث میں)اور ہم تسلیم نہیں کرتے کہ تقدم اور تاخر اجزاء زمان کے مفہوم میں داخل ہے، یہ بات امسِ (گذشتہ کل)اور غد(آئندہ کل) میں اس لیے آئی ہے کہ زمانے کو تقدم مخصوص اور تاخر کے ساتھ لیا گیا ہے، جہاں تک زمانے کے نفس اجزاء کا تعلق ہے تو ان میں تقدم و تاخر ماخوذ نہیں ہے زیادہ سے زیادہ لزوم تقدم و تاخر ہے کیونکہ اجزاء زمانہ اتصالِ غیر قار سے عبارت (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح المواقف المقصد الثانی فی الحقیقة منشورات الشریف قم ایران ۵ /۱۰۵، شرح المقاصد المقصد الثانی المنحج الثالث المبحث الثانی دار المعارف النعمانیه لاہور ۱ /۱۳۴

[2] تجرید طوسی

تو یہ سب اس کے لیے ممکن بالذات ہیں اب عدمِ زمانہ قطعًا ممکن ہے ورنہ زمانہ واجب بالذات ہو،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولو سلم فالحادث من حیث الحدوث ایضا کذلك اذ لا معنی له سوی مایکون وجوده مسبوقا بالعدم ولو سلمه فالمقصود منع انحصار السبق فی الاقسام الخمسة مستندًا الی السبق فیما بین زمانه اجزاء الزمان فانه لیس زمانیا بمعنی ان یوجد المتقدم فی زمان لایوجد فیه المتاخرولا یضرنا تسمیته زمانیًا بمعنی اخر[1] وشرح مقاصد و سلك خواجه زادها مسلكًا اخر فقال اجزاء الزمان ذکر سندا للمنع فلا یضردرجه فی السبق الزمانی لان اندفاع السند لایستلزمه اندفاع المنع[2]۔**اقول اوّلا**:کل ذلك لا ینفع ما لم یدفع ان القبلیة المحیلة للمعیة لاتکون الا زمانیة ودفعه عند العقول المحبوسة فی سجن الزمان غیر یسیر فان امتناع الاجتماع انما یتاتی بامتداد

ہیں اور اگر تسلیم کرلیا جائے تو احادث بھی اسی طرح ہے کیونکہ حادث کا یہی معنی ہے کہ جس کا وجود عدم کے بعد ہو، اور اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے تو ہم نہیں مانتے کہ تقدم پانچ قسموں میں منحصر ہے اور اس منع کی سند یہ ہے کہ زمانے کے اجزا میں تقدم اور تاخر پایا جاتا ہے حالانکہ یہ تقدم اس معنی کے اعتبار سے زمانی نہیں ہیں کہ مقدم ایسے زمانے میں پایا جائے جس میں مؤخر نہ پایا جائے اس تقدم کو اگر کسی دوسرے معنی کے اعتبار سے زمانی کہا جائے تو وہ ہمیں نقصان نہیں دیتا۔(شرح مقاصد) خواجہ زادہ نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا ہے انہوں نے کہا کہ اجزاء زمان کا ذکر منع کی سند کے طور پر کیا گیا ہے لہٰذا اسے اگر تقدم زمانی میں داخل مان لیا جائے تو یہ نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ سند کے رَد ہونے سے منع کا رد ہونا لازم نہیں آتا۔**اقول**: (میں کہتا ہوں کہ) (۱) یہ سب گفتگو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گی جب تک اس بات کو رد نہ کیا جائے کہ وہ قبلیت جو معیت کو محال قرار دیتی ہے وہ صرف زمانی ہی ہوگی اور زمانے کے قید خانے میں مقید عقلوں کے لیے اس کا رد کرنا آسان نہیں ہے،

(باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد المقصد الرابع المبحث الخامس فی احکام الاجسام دار المعارف النعمانیه لاہور ۱/۳۳۴

[2] تہافت الفلاسفه للخواجه زاده

اور قطعًا اس کا ظرف زمانہ میں ہونا محال ورنہ بداہۃً اجتماع وجود وعدم ہو تو یقینًا یہ عدم زمانہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

متجدد منصرم غیر قار، اذلولا الامتداد لم تکن فیه اثنینیة فکان کل ما یقع فیه مجتمعا وکذا لوکان قارا لاجتمعت اجزاء ہ فی الوجود فکذا مایقع فیها امّا المتصرّم فلا جزاٰن منه یجتمعان وجودا ولا مایقع فیهاو لاجزء مع واقع فیهما ولاجزء مع واقع فی اخر ولا یعلم هذاا لمتصرم الا بالزمان اذبه تقدر المتجددات حتی الحرکة القطعیة المشارکة له فی التصوم سواء بسواء فان جزء ها الاول لایکون اولا الا لحصوله اولا ای وقوعه فی الجزء السابق من الزمان فالما ضی والا ستقبال انما یعرضان اولًا اجزاء الزمان و

کیونکہ اجتماع اسی وقت محال ہوگا جب ایک ایسا امتداد پایا جائے گا جو نو بہ نو پیدا ہوتا جائے، ختم ہوتا ہو اور مجمع الاجزاء نہ ہو اس لیے کہ اگر امتداد ہو تو اس میں اثنینیت نہیں ہوگی تو جو کچھ اس میں واقع ہوگا وہ مجتمع ہوگا اسی طرح اگر قار (مجتمع الاجزاء) ہو تو اس کے اجزاء وجود میں اکٹھے ہو جائیں گے تو جو چیزیں اس میں پائی جائیں گی وہ بھی اکٹھی ہو جائیں گی لیکن جو چیز ساتھ ساتھ ختم ہوتی جائے تو نہ اس کے اجزاء وجود میں جمع ہوں گے اور نہ ہی اس میں پائی جانے والی چیزیں جمع ہوں گی اسی طرح اس قار کی کوئی جزء دوسری جز میں پائی جانے والی چیز کے ساتھ جمع نہیں ہوگی۔ اور یہ ساتھ ساتھ ختم ہونے والی چیز زمانے ہی کے ذریعے پہنچائی جائے گی، کیونکہ زمانے ہی کے ذریعے متجدد اشیاء کا اندازہ لگایا جاتا یہاں تک حرکتِ قطعیہ جو تصرم میں زمانے کے ساتھ شریک ہے کیونکہ اس کی پہلی جزء اس لیے پہلی جزء بنے گی کہ وہ پہلے موجود ہوئی ہے یعنی وہ زمانے کی جز سابق میں پائی گئی ہے پس ماضی یا مستقبل ہونا پہلے اجزاء زمان کو لاحق ہوتا اور (باقی برصفحہ آئندہ)

یونہی ممکن کہ غیر زمانہ میں ہو اور بحکم مقدمہ سابقہ اس کا استمرار بھی مقتضائے ذات نہیں تو قطعًا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بواسطته سائر الاشیاء ولا نعنی بالتقدم الزمانی الا ھٰذا الشامل للوجوہ الثلثة فیشمل تقدم جزء من الزمان علٰی جزء اخر وجزء عن الواقع فی جزاء متاخر، و الواقع فی متقدم علی واقع فی متاخر، ومن ھذا الثالث الحادث و عدمه فاندفع المنع الاول وظھر ان جعله کتقدم اجزاء الزمان فیما بینھا لایخرجه عن التقدم الزمانی، **وثانیًا** ظھر ان ھذا التقدم والتأخر لیس الا بالزمان سواء دخل فی مفھوم اجزاءہ اولا، **وثالثًا** ظھر ان البعدیة الماخوذة فی الحادث لیست الا زمانیة فلا ینفع قوله فالحادث کذلك **ورابعًا** ظھر ان لاحاجة الی الحصر فی الخمس[1]۔

اس کے واسطے سے باقی اشیاء کو اور ہم تقدم زمانی کا یہی معنی مراد لیتے ہیں جو تینوں قسموں کو شامل ہے۔ (الف) زمانے کی ایک جز کا دوسری جزء پر مقدم ہونا (ب) زمانے کی ایک جز کا مقدم ہونا اس چیز سے جو دوسری جز میں واقع ہے۔ (ج) جزء متقدم میں واقع ہونے والی چیز کا دوسری جزء میں وقع ہونے والی چیز سے مقدم ہونا، حادث، اور اس کا عدم اسی تیسری قسم سے تعلق رکھا ہے لہٰذا پہلا منع دور ہوگیا اور ظاہر ہوگیا کہ اس تقدم کو زمانے کے اجزاء کے باہمی تقدم کی طرح قرار دینا اسے تقدمِ زمانی سے نکال نہیں دیتا۔ **(۲)** ظاہر ہوگیا کہ یہ تقدم اور تاخر زمانی ہی ہے چاہے زمانہ اس کے اجزاء کے مفہوم میں داخل ہو یا نہ **(۳)** یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ حادث میں جو بعدیت ماخوذ ہے وہ زمانی ہی ہے لہٰذا ان (شارح مقاصد) کا یہ قول فائدہ نہیں دے گا کہ حادث بھی اسی طرح ہے۔ **(۴)** ظاہر ہوگیا کہ پانچ میں حصہ کرنے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد المقصد الرابع المبحث الخامس فی احکام الاجسام دار المعارف النعمانیه لاہور ۱/۳۳۴

انقطاع ممکن بالذات، اور وہ نہ ہوگا مگر وجود سے تو روشن ہوا کہ وہ عدم زمانہ کہ زمانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلیس ھذا الا من الخمس، **وخامسًا** ظھر ان الاندراج فی الزمانی بھذاالمعنی مضرقطعا، **وسادسًا** ظھر الفرق بین اجزاء الزمان وبین الحادث وعدمه فانزھق التسویة بین الفریقین، **وسابعًا** لو کان تقدم عدم الحادث علیه لذاته التقدمه ایضًا عدمه الطاری لان العدمین لا یختلفان ذاتًا، وبالجملة لا محید الا فماذکرنا من البرھانین فانھما القاطعان لعرق الضلال والحمدلله ذی الجلال۔

کی حاجت نہیں ہے کیونکہ یہ تقدم ان ہی پانچ قسموں میں ہے۔ **(۵)** زمانی کے اس معنی میں داخل ہونا قطعًا مضر ہے۔ **(۶)** اجزاء زمان اور حادث کے وجود و عدم کے درمیان فرق ظاہر ہوگیا، لہٰذا دونوں کو برابر قرار دینا غلط ہوگیا۔ **(۷)** اگر حادث کے عدم کا اس پر مقدم ہونا لذاتہ ہو تو اس کا عدم طاری بھی مقدم ہوگا کیونکہ دونوں عدم ذات کے اعتبار سے مختلف نہیں۔ (اقول: حادث جسے لذاتہ پہلے قرار دیا جارہا ہے اسے مراد وہ عدم سابق ہے اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ عدم طاری بھی مقدم ہوگا؟ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر عدم سابق لذاتہ مقدم ہو تو عدم طاری اور عدم لاحق بھی لذاتہ مؤخر ہوگا۔ ۱۲ شرف قادری) خلاصہ یہ کہ ہم نے جو دو برہان ذکر کیے ہیں ان سے خلاصی نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں گمراہی کی رگ کو کاٹنے والے ہیں والحمدللہ ذی الجلال۔

(۵) لواعتبرفی ماھیة القدیم والحادث الزمان فالزمان المعتبر ان کان قدیمًا لایشترط لقدمه زمان اخر

(۵) اگر قدیم اور حادث کی ماہیت میں زمانہ معتبر ہو تو وہ زمانہ جو معتبر ہے دو حال سے خالی نہیں ہوگا۔ **(۱)** اگر قدیم ہو تو اس کے قدم کے لیے دوسرا زمانہ شرط نہیں ہوگا ورنہ (باقی برصفحہ آئندہ)

نہیں منقطع ہو کر وجود زمانہ ہو سکتا ہے یہی حدوثِ زمانہ ہے اور قبل زمانہ زمانہ لازم نہیں کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

والا لزم للزمان زمان فقد عقل قدیم من غیر اعتبار الزمان فیعقل مثله فی حق الله سبحنه وتعالٰی وصفاته وان کان حادثا لم یشترط ایضالحدوثه زمان اخر فقد تصور حدوث من غیر اعتبار الزمان فلیتصور مثله فی حق العالم(خواجه زاده [1]۔اھ ملخصًا)و حاصله ان الزمان سواء کان حادثا اوفرض قدیمًا لایحتاج فی حدوثه ولا قدمه الٰی زمان اخر فظهر ان ماهیة القدم و الحدوث معقول بدون الزمان فلیکن کذلك فی الله تعالٰی والعالم والفرق بان ماهیة القدم والحدوث مستغنیة عن الزمان فی الزمان و

زمانے کے لیے زمانی کا ہونا لازم آئے گا،اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانے کے اعتبار کے بغیر قدیم کا تصور کیا جاسکتا ہے یہی بات اللہ تعالٰی اور اس کی صفات کے بارے میں بھی مان لینی چاہیے اور اگر وہ زمانہ حادث ہے تو بھی اس کے حدوث کے لیے دوسرا زمانہ شرط نہیں ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کا اعتبار کیے بغیر حدوث کا تصور کیا جاسکتا ہے تو یہی بات اللہ تعالٰی اور کائنات کے بارے میں مان لینی چاہیے (خواجہ زادہ ملخصًا) اس کا حاصل یہ ہے کہ زمانہ چاہے حادث ہو یا قدیم فرض کیا جائے وہ اپنے حدوث اور قدم میں دوسرے زمانے کا محتاج نہیں ہے اس سے ظاہر ہوگیا کہ حدوث و قدم کی ماہیت کا تصور زمانے کے بغیر کیا جاسکتا ہے اسی طرح اللہ تعالٰی اور اعلم کے بارے میں بھی مان لینا چاہیے یہ فرق کرنا کہ قدم اور حدوث کی ماہیت زمان میں زمانے سے مستغنی ہے اور غیر زمانہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] تہافت الفلاسفہ للخواجہ زادہ

عدم منقطع زمانہ میں نہ تھا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

محتاجة الیه فی غیره یجعل لکل منهما ماهیتین وهو کما تری۔

اقول: الزمان ماخوذ فی القدیم سلبًا ای مالیس قبله زمان وفی الحادث ایجابًا ای ماکان قبله زمان وهذا الزمان الماخوذ سواء اعتبر قدیمًا اوحادثًا او مطلقًا لا یلزم للزمان زمان ولا تعدد ماهیة شیئ من القدیم والحادث فالزمان قدیم عندهم لانه لیس قبله زمان لاقدیم ولا حادث والزمان الحادث حادث لان قبله زمانا قدیمًا ولان زمانا حادثًا ایضا لان قبل کل من الزمان الحادث زمان حادث عندهم کما تقدم۔

(۶) الشیرازی المعروف بصدرا تبعًا لاستاذه الباقر اٰمن بحدوث العالم والزمان فحاول ردالمعطلة بان تناهی مقدار

میں اس کی طرف محتاج ہے، اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حدوث و قدوم کی دو دو ماہیتیں ہوں اور یہ ظاہر البطلان ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) قدم میں زمانہ سلبًا ماخوذ ہے یعنی وہ چیز جس سے پہلے زمانہ نہیں ہے اور حادث میں ایجابًا معتبر ہے یعنی وہ چیز جس سے پہلے زمانہ ہے اور یہ زمانہ جو ماخوذ ہے اسے قدیم مانا جائے یا حادث یا مطلقًا اعتبار کیا جائے زمانے کے لیے زمانہ لازم نہیں آتا اور نہ ہی حدوث و قدم میں سے کسی کی ماہیت کا تعدد لازم آتا ہے زمانہ فلاسفہ کے نزدیک قدیم ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی زمانہ نہیں ہے نہ قدیم اور نہ حادث، اور زمانہ جو حادث ہے وہ حادث ہے کیونکہ اس سے پہلے قدیم زمانہ ہے، بلکہ اس سے پہلے زمانہ حادث بھی ہے کیونکہ ان کے نزدیک ہر زمانہ حادث سے پہلے زمانہ حادث ہے جیسے کہ اسے پہلے گزرا گیا ہے۔

(۶) صدر شیرازی اپنے استاد میر باقر داماد کی پیروی میں عالم اور زمانے کے حدوث پر ایمان رکھتا ہے اس لیے پیچیدہ اعتراض کا جواب یوں دیتا ہے کہ مقدار کا متناہی ہونا (باقی برصفحہ آئندہ)

I.T. Majlis of DawateIslami

جواب دوم، اقول: وباللّٰہ التوفیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لایستدعی مسبوقیۃ بالعدم الا تری ان تناھی محدد الجھات لایستلزم تاخرہ عن امر متقدر موجود او موھوم ملاءً اوخلاءً تأخرا مکانیا کذلک تناھی الزمان لا یستلزم تاخرہ عن امتداد زمانی موھوم اوموجود تاخرًا زمانیًا وان کان الوھم یعجز من ادراک تناھیہ کما یعجز عن ادراک ان لیس وراء الفلک خلاءً ولا ملاءً [1]۔

اقول: لم یکن الزام الزمان قبل الزمان علی تقدیر حدوثہ بناء علی ان تناھی مقدار یوجب ان یکون وراءہ مقدار من جنسہ کالمکان وراء المکان خلو تناھی الزمان لکان وراء الزمان زمان فان ھذا لایصح ان یتفوہ بہ

اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ عدم سے موخر ہو کیا تم نہیں دیکھتے محدد جہات (فلک الافلاک) کے متناہی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی امر مقدر موجود یا موہوم ملا یا خلا سے موخر ہو تاخّر مکانی کے ساتھ اسی طرح زمانے کا متناہی ہونا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا کہ وہ امتداد زمانی موہوم یا موجود سے موخر ہو تاخر زمانی کے ساتھ اگرچہ وہم اس کے متناہی ہونے کا ادراک کرنے سے عاجز ہے جیسے کہ یہ جاننے سے عاجز ہے کہ فلک الافلاک کے پار نہ خلا ہے اور نہ ملا ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) زمانے کے حادث ہونے کی صورت میں زمانے سے پہلے زمانہ ہونے کا لازم آنا اس بنا پر نہیں تھا کہ مقدار کے متناہی ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ اس کے ختم ہونے کے بعد اس کی ہم جنس مقدار ہو جیسے مکان کے بعد مکان ہونا، بس اگر زمانہ متناہی ہو تو زمانے کی انتہا کے بعد زمانے کا ہونا (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح ہدایۃ الحکمۃ فصل فی الزمان مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۱۱ و ۲۱۲

وجود شے اگر کسی ظرف میں ہو تو اس کا عدم کہ وجود کا رافع یا اس سے مرفوع وبالجملہ اس کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الامجنون کیف وانه یکون التناهی علیٰ هذا موجبًا للاتناهی لان وراء کل المقدار مقدار مثله بل علیٰ ان حدوث شیئ لیس معنا ہ الا الوجود بعد العدم بعدیة محیلة للمعیة و لیست عندهم غیر الزمانیة فمن قبل هذا الزم قبل الزمان زمان وای مساس بهذا لتناهی المکان فلیس مقتضاہ ان بعد البعد بعد او شغلابعد فراغ حتی یلزم تقدیر شیئ ورائه فقیاس الزمان علی المکان من البطلان ثم استدل ببراهین ابطال التسلسل۔

اقول: وهو طریق حق کما قدمناہ غیر انها معارضة ونحن فی حل عقدة معضلة نفسها کما تقدم والله سبحانه وتعالٰی اعلم ۱۲ منه غفرله۔

لازم ہے کیونکہ یہ ایسی بات ہے جو صرف پاگل ہی کہہ سکتا ہے، کیونکہ اس بنا پر تو متناہی ہونا غیر متناہی ہونے کو واجب کرے گا، اس لیے کہ ہر مقدار کے بعد اس جیسی مقدار رہے، بلکہ الزام کی بنا اس پر تھی کہ کسی شے کے حادث ہونے کا صرف یہ مطلب ہے کہ عدم کے بعد وجود ایسی بعدیت کے ساتھ پایا جائے کہ جو معیت کو محال قرار دے اور ایسی بعدیت فلاسفہ کے نزدیک صرف زمانی ہے، تو جو شخص اس بات کو تسلیم کرلے گا اس پر زمانے سے پہلے زمانے کا موجود ہونا لازم آئے گا اور اسے مکان کے متناہی ہونے کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس کا مقتضا یہ نہیں ہے کہ بعد کے بعد بُعد یا فراغ کے بعد شغل ہو یہاں تک کہ اس کے بعد کسی چیز کی تقدیر لازم آئے، پس زمانے کا امکان پر قیاس کرنا باطل ہے پھر صدر شیرازی نے ابطال تسلسل کے براہین سے استدلال کیا ہے۔

اقول: یہ صحیح راستہ ہے جیسے کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں ہاں اتنا ہے کہ یہ معارضہ ہے اور ہم اس لاینحل عقدے کو حل کرنے کے درپے ہیں جس طرح کہ اس سے پہلے گزرا۔ **واللہ سبحنه وتعالٰی اعلم منه غفرله** (ترجمہ محمد عبدالحکیم شرف قادری)

I.T. Majlis of DawateIslami

ممتنع الاجتماع ہے، اُسی ظرف میں ہونا لازم کہ ایک ظرف میں وجود دوسرے ظرف میں عدم کا منافی نہیں بلکہ موجب ہے جب کہ وجود اُسی ظرف سے خاص ہو اور اگر وجود شے لافی الظرف ہو تو عدم کہ اس کا منافی ہے وہ بھی لافی الظرف ہوگا کہ وجود لافی ظرف عدم فی ظرف کا منافی نہیں بلکہ موجب ہے۔ اب مفارقات غیر باری عزوجل مثلاً تمہارے نزدیک عقل اول جن کا وجود زمانے سے متعالی ہے ورنہ مفارق نہ ہوں مادی ہوں کہ زمانہ کہ مادہ میں حال ہے ضرور مادی ہے اُسے حرکت میں حلول سریانی ہے اور حرکت کو جرم میں تو اُسے جرم فلک میں اور مادی میں واقع نہ ہوگا۔ مگر مادی اور وہ اپنی نفس ذات میں مفارق ہیں تو بالذات وقوع فی الزمان سے آبی ہیں، لاجرم ان کا وجود کسی ظرف دیگر میں ہے یا لافی ظرف، بہر حال ان کا حدوث ممکن بالذات ہے کہ ذات ممکن نہ قدم کی مقتضی نہ عدم کی، تو قطعاً حدوث کی منافی نہیں، جیسے کہ اس کی مقتضی بھی نہیں یہی حدوث کا امکان ذاتی ہے اور حدوث بے سبقت عدم ممکن نہیں تو ضرور ان کے وجود پر ان کے عدم کی سبقت ممکن اور بحکم مقدمہ سابقہ یہ عدم نہ ہوگا مگر ان کی طرح لافی ظرف یا ظرف دیگر میں بہر حال زمانے میں نہ ہوگا، تو روشن ہوا کہ جس کا وجود زمانے میں نہیں بر تقدیر حدوث اس کا عدم سابق بھی زمانے میں نہ ہوگا بلکہ ظرف دیگر میں یا لافی ظرف، اور زمانہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس کا وجود زمانے میں نہیں ورنہ ظرفیۃ الشیئ لنفسہ لازم آئے تو قطعاً بر تقدیر حدوث اس کا عدم سابق زمانہ میں نہ ہوگا اور زمانے سے پہلے زمانہ لازم نہ آئے گا، **وباللہ التوفیق**، یہ بات وہی ہے جو اوپر گزری کہ زمانے کی محکم کمند تمہارے اوہام کی گردن میں پڑی ہے جس میں تمہاری عقول ناقصہ کے سر پھنس گئے۔ تمہیں وجود کی سابقیت و مسبوقیت بے تصور زمانہ بن ہی نہیں پڑتی، حالانکہ برہان سے ثابت کہ بے زمانہ بھی ممکن، الحمدللہ قبلیت مذکورہ بلازمانہ بھی ہونے پر یہ دو روشن دلیلیں "فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ"[1] (یہ دو برہان ہیں تمہارے رب کی طرف سے) کے فضل سے اس فقیر پر فائز ہوئیں، **والحمدللہ رب العلمین** (اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت) ان کے بعد زیادہ بحث کی حاجت نہیں مگر کلمات علماء میں اس معضلہ سے پانچ جواب مذکور ہوئے ہم بھی بعونہ تعالیٰ پانچ کی تکمیل کریں کہ ان سے مل کر **تلك عشرۃ کاملۃ** ہوں۔

جواب سوم، اقول: ظاہر ہے کہ جب زمانہ حادث ہوگا اس کے لیے ظرف اول ہوگی نہیں مگر آن اور زمانہ کہ امتداد ہے، اس کے بعد ہوگا تو اس آن سابق میں زمانہ نہیں، لاجرم

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۲

اس کا عدم ہے تو عدم زمانہ اس کے وجود پر سابق ہے اور زمانہ میں نہیں بلکہ آن میں ہے، اگر کہیے اس آن سے پہلے عدم زمانہ تھا یا نہیں، بہر حال زمانہ سے پہلے زمانہ لازم۔ اگر نہ تھا جب تو ظاہر کہ وجود زمانہ تھا اور اگر پہلے عدم تھا تو یہ وہی قبلیت زمانیہ ہے۔

اقول: اقتصار نہ کرو بات پوری کہو قبل وبعد صفت ہیں موصوف ظاہر کرو اگر یہ موصوف زمانہ لیا یعنی اس آن سے پہلے جو زمانہ تھا اس میں کیا تھا تو سوال نِرا جنون ہے آن حدوث زمانہ سے پہلے زمانہ کیسا اور اگر کوئی اور امکان واتساع لیا تو ہم کہیں گے اس میں بھی عدمِ زمانہ تھا اور زمانہ سے پہلے زمانہ نہ ہوا۔

جواب چہارم: اقول: حق یہ کہ عدم موجود نہیں تو نہ اس کے لیے کوئی ظرف ہے نہ وہ تقدم سے موصوف ہوسکے کہ یہاں تقدم وتاخر من حیث التحقیق میں کلام ہے عمرو سے پہلے زید تھا اس کے یہ معنی کہ وجودِ عمرو سے وجودِ زید سابق تھا، یونہی وجود سے پہلے عدم ہونے کا یہی مفہوم کہ عدم کا وجود اس سے مقدم تھا حالانکہ عدم ہر گز موجود نہیں ورنہ اعدام معلل ہوں کہ ان کا وجود نہ ہوگا مگر ممکن ورنہ حوادث محال یا واجب ہو جائیں اور ہر ممکن محتاج علت، حالانکہ عدم معلل نہیں نیز اگر اعدام موجود ہوں تو امور غیر متناہیہ مرتبہ موجودہ بالفعل لازم آئیں مثلاً عقول دس ہیں، دس سے زیادہ گیارہ بارہ الیٰ غیر النہایۃ سب معدوم ہیں تو تمام اعدام مرتبہ نامتناہیہ موجود بالفعل ہیں اور یہ محال ہے تو یہ کہنا کہ حادث کا وجود مسبوق بالعدم ہے یا اعدام ازلی ہیں محض ظاہری بات ہے حادث وہ جس کا وجود ازل میں نہ تھا نہ وہ جس کا عدم ازل میں تھا کہ عدم تھا اور ہے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور ازل کوئی زمانہ نہیں فلاسفہ بھی مانتے ہیں کہ مفارقات ازلی ہیں اور زمانی نہیں اگر کہیے جب ازل میں نہ حادث کا وجود تھا نہ عدم تو ارتفاع نقیضین ہوگیا۔

اقول: حادث کے وجود وعدم نقیضین نہیں باری عزوجل نہ حادث کا وجود ہے نہ عدم اگر کہیے جب ازل میں حادث کا عدم نہ تھا ضرور وجود تھا کہ سلب عدم کو وجود لازم تو حادث حادث نہ رہا۔

اقول: ازل میں حادث کا وجود نہ تھا اس کو یوں تعبیر کرتے ہیں کہ عدم تھا ورنہ عدم ثبوت ثبوت عدم نہیں، نہ اس کی نفی سے اس کی نفی ہو کہ وجود لازم آئے سلب بسیط سلب معدوم نہیں نہ اس کے سلب کو تحصیل لازم، زید معدوم کے لیے جس طرح قائم ثابت نہیں

لاقائم بھی ثابت نہیں کہ یہ بھی ثبوت موضوع کا طالب توزید لیس بلاقائم ثابت اور اس سے زید قائم ثابت نہیں۔

جواب پنجم: اقول: بربی استخیر وحسبنا اللّٰه ونعم الوکیل فان اصبت فمن اللّٰه وله الحمد لوان اخطأت فمن الشیطان وانا اعتقد بکل ماهو حق عند الرحمن۔	**اقول:** میں اپنے پروردگار سے خیر طلب کرتا ہوں، اور ہمیں اللہ تعالٰی کافی ہے، اور کیا ہی اچھا وہ کارساز ہے، چنانچہ اگر میں نے درست بات کہی تو وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اور اسی کے لیے حمد ہے اور اگر میں نے غلطی کی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے اور میں اعتقاد رکھتا ہوں ہر اس چیز کا جو رحمان کے نزدیک حق ہے۔ (ت)

(۱) ہر عاقل جانتا ہے کہ وجود باری عزوجل کو اس کی صفات قدیمہ (یا فلاسفہ کے نزدیک عقل اول) پر تقدم ذاتی ہے یونہی سب حوادث پر بھی مگر بداہت عقل شاہد کہ وجود حوادث پر اس کے وجود کو ایک اور ــــــــ بھی ہے جو صفات (یا بطور فلاسفہ عقل اول) پر نہیں یقیناً کہا جائے گا کہ ازل میں وجود الٰہی تھا اور وجود حوادث نہ تھا بلکہ بعد کو ہوا اور ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ ازل میں اللہ تعالٰی تھا اور صفاتِ الٰہیہ نہ تھیں، نہ فلسفی کہہ سکتا ہے کہ ازل میں واجب تھا اور معلول اول نہ تھا، بالجملہ صفات یا معلول اوّل کو ازل سے تخلف نہیں اور وجود حوادث کو قطعاً ہے تو حوادث پر وجود حق کو تقدم ذاتی کے سوا دوسرا تقدم اور ہے اور وہ ہرگز زمانی نہیں کہ باری عزوجل زمانے سے پاک ہے فلاسفہ بھی اس تنزیہ میں ہمارے ساتھ ہیں۔

(۲) صفاتِ الٰہیہ قطعاً قدیم ہیں اور قدیم بالذات نہیں مگر ذاتِ عُلیہ اور صفات بھی زمانے سے متعالی تو اُن کا قدم (عہ) زمانی بھی نہیں ہوسکتا۔

عـــہ: وقع فی المقاصد وشرحها مانصه لاقدیم بالذات سوی اللّٰه تعالٰی واما بالزمان فصفات اللّٰه فقط [1] **اقول:** وهو سهو عظیم فی العبارة	**عـــہ:** مقاصد اور اس کی شرح میں ہے کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی قدیم بالذات نہیں ہے، البتہ قدیم بالزمان صرف اللہ تعالٰی کی صفات ہیں۔ **اقول:** اس عبارت میں عظیم سہو ہے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح المقاصد المقصد الثانی المنحج الثالث المبحث الاول دار المعارف النعمانیه لاهور ۱/ ۱۲۹

(۳) باری و صفات باری عزجلالہ کے لیے یقینا بقا ہے کہ وجود اس کا موجب ہے اور وہ نہیں عـــہ۱ مگر استمرار وجود اور استمرار مقتضی اتساع، اور محال ہے کہ زمانہ ہو عـــہ۲، لاجرم اگر میری فکر خطا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فلیتنبه و غایة توجیهه عندی ان المتکلمین یقدرون لتصویر القدم وتقریبه الی الفهم ازمنة ماضیة لاتتناهی فکل ماکان مع جمیع تلك المفروضات ای لم یصح ان یفرض زمان و هو لیس معه فهو القدیم لکن علی هذا الا وجه لتخصیصه بالصفات فانه القدم الاخر للذات ۱۲ منه۔

اس پر آگاہ ہونا ضروری ہے، میرے نزدیک اس کی انتہائی توجیہ یہ ہے کہ متکلمین قدم کی تصویر کھینچنے اور اسے فہم کے قریب کرنے کے لیے ماضی کے غیر متناہی زمانوں کو فرض کرتے ہیں تو ہر وہ چیز جو ان تمام مفروضات کے ساتھ ہو یعنی کوئی ایسا زمانہ فرض نہ کیا جاسکے جس کے ساتھ وہ چیز نہ ہو تو وہ قدیم ہے لیکن اس صورت میں تو اُسے صفات کے ساتھ مختص قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ تو ذات کے لیے ایک اور قدم ثابت ہوگیا ۱۲ منہ۔

عـــہ۱: قال فی المقاصد وشرحها المعقول منه ای من البقاء استمرار الوجود منه[1] غفرله۔

مقاصد اور اس کی شرح میں ہے المعقول منہ استمرار الوجود منہ بقاء سے جو معنی سمجھ میں آتا ہے وہ ہے وجود کا جاری رہنا زمانے سے ۱۲ منہ۔

عـــہ۲: وقع فیها بعد ماقدمت ولا معنی لذلك سوی الوجود من حیث انتسابه الی

مقاصد اور شرح مقاصد میں ابھی نقل کردہ عبارت کے بعد ہے، اور اس کا یہی معنی ہے کہ پہلے زمانے کے بعد وجود دوسرے زمانے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد المقصد الثالث الفصل الاول المبحث الخامس دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۱۸۰

نہیں کرتی تو ضرور علم الٰہی میں ایک اتساع قدسی زمان و زمانیات سے متعالی ہے جس کا پر تَو حوادث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الزمان الثانی بعد الزمان الاول [1] اھ۔

اقول: **اولًا** تعالٰی عن ان ینسب وجودہ الی زمانہ و **ثانیًا** لو کان بقاء ہ بھٰذا المعنی لزم قِدَم الزمان و العذر عن ھذا ما قدمت وقد احسن صاحب المواقف اذقال بعد اثبات امتناع ثبوت الزمان لہ تعالٰی یعلم مما ذکرنا ان بقاء ہ تعالٰی لیس عبارۃ عن وجودہ فی زمانین [2] اھ قال السید بل ھو عبارۃ امتناع عدمہ و مقارنتہ مع الازمنۃ [3]۔

اقول: **اولًا** تعالٰی ان یقترن بزمان، و **ثانیًا** لوکان بقاؤ ہ بھٰذا المعنی لم یکن باقیًا قبل الزمان

کی نسبت سے پایا جائے، کی نسبت سے پایا جائے اھ۔

اقول: (میں کہتا ہوں) **(۱)** اللہ تعالٰی اس بات سے بلند ہے کہ اس کا وجود زمانے کی طرف منسوب کیا جائے **(۲)** اگر اللہ تعالٰی کا باقی رہنا اس معنی سے ہو تو زمانے کا قدیم ہونا لازم آئے گا۔ اس کی توجیہ وہ ہے جو میں اس سے پہلے بیان کر چکا ہوں، صاحبِ مواقف نے اچھا انداز اپنایا ہے انہوں نے پہلے یہ بیان کیا کہ اللہ تعالٰی کے لیے زمانے کا ثابت ہونا محال ہے اس کے بعد فرمایا، ہماری گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی کے باقی رہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دو زمانوں میں موجود ہے اھ میر سید شریف نے اس کی شرح میں فرمایا: بل ھو عبارۃ امتناع عدمہ ومقارنتہ مع الازمنۃ اھ اللہ تعالٰی کی بقا کا مطلب ہے کہ اس کا عدم محال ہے اور وہ تمام زمانوں کے ساتھ مقارن ہے۔ (یہ اس عبارت کا ایک مطلب ہے دوسرا مطلب بعد میں آرہا ہے۔ ۱۲ شرف قادری)

اقول: **(۱)** اللہ تعالٰی (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] شرح المقاصد المقصد الثالث الفصل الاول المبحث الخامس دار المعارف النعمانیہ لاہور ۱/ ۱۸۰

[2] شرح المواقف الموقف الخامس المرصد الثانی المقصد الرابع منشورات الرضی الشریف قم ایران ۸/ ۲۸

[3] حاشیۃ سید الشریف علی شرح المواقف الموقف الخامس المرصد الثانی المقصد الرابع منشورات الرضی الشریف قم ایران ۸/ ۲۸

میں زمانہ ہے عجب نہیں کہ آیہ کریمہ "وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝" [1]۔ (اور بے شک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لعدم الاقتران ولعله معطوف علی العدم ای بقاءه تعالٰی عبارة عن امتناع عدمه مع امتناع مقارنته مع الازمنة وهذا وان کان بعیدا احسن من ذلك القریب لصحته وقربه من الادب، امّا الذی انسلخ عن الادب رأسا وبعد عن الدّین بمرة وهو المتشدق الجونفوری فزعم ان الفطرة المنفطمة عن لبان الطبیعة تشتهی سلب البقاء عنه سبحنه وتعده عین التقدیس [2] اھ فلا واللّٰه ماهذا الاتقدیس ابلیس، نسائل اللّٰه العافیة ع

یبقی وجه ربك ذوالجلال

فلا تسمع تشدّق ذی خلال ۱۲ منه

زمانے کے ساتھ مقارن ہونے سے بلند ہے،

(۲) اگر اللہ تعالٰی کی بقا کا یہ معنی ہو تو وہ زمانے سے پہلے باقی نہیں ہوگا کیونکہ زمانے کے ساتھ اقتران نہیں ہوگا، (اس عبارت کی توجیہ یہ ہے کہ) غالبًا مقارنتہ کا عطف عدمہ پر ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی کی بقاء کا مطلب یہ ہے کہ اس کا عدم محال ہے اور زمانوں کے ساتھ اس کا مقارن ہونا بھی محال ہے یہ مطلب اگرچہ ظاہر عبارت سے بعید ہے لیکن اس قریب مطلب سے بہتر ہے کیونکہ یہ صحیح بھی ہے اور ادب کے قریب بھی ہے لیکن وہ متشدق (بے باک، صاحبِ شمس بازغہ محمود) جونپوری جو ادب سے یک دم جدا اور دین سے بالکل دور ہے اس کا گمان ہے کہ وہ فطرت جو طبیعت کا دودھ پینا چھوڑ چکی ہے چاہتی ہے کہ اللہ تعالٰی سے بقا کی نفی کی جائے اور اسے عین تقدیس شمار کرتی ہے اھ اللہ تعالٰی کی قسم یہ ابلیس کی تقدیس ہے ہم اللہ تعالٰی سے عافیت کی درخواست کرتے ہیں۔ تیرے رب ذوالجلال کی ذات باقی رہے گی لہٰذا تو اس مختلف خصلتوں والے بیباک گفتگو نہ سن۔ ۱۲ منہ۔

(ترجمہ محمد عبدالحکیم شرف قادری)

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۷

[2] الشمس البازغة

تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس۔ت) اس کی طرف اشارہ ہو، واللہ تعالٰی اعلم، اس اتساع متعالی میں صفات کو ذات یا معاذاللہ بطور فلاسفہ عقل اول کو واجب تعالٰی سے معیت اور تقوّم واستمرار موجود ہے اس کے لحاظ سے ذات[عــــہ] وصفات یا بطور فلاسفہ عقول کو حوادث پر یہ دوسرا تقدم ہے، اور اس کا وجود صرف علمی ہے کہ ہرگز وجود خارجی

عــــہ: **اقول**: واذلیس وجودہ عینیا بل علمیا فما ثم شیئ یمر علیہ او یحیط بہ بل ھو بکل شیئ محیط اما الزمان فحادث وان لم یکن موجودا فی الاعیان فلم یتعلق بہ فی الازل فما کان یتعلق بہ فی مالا یزال لانہ تعالٰی ان یتجدد لہ شیئ و معلوم انہ تعالٰی یعلم ویبصر ویسمع ذاتہ العلیۃ علی وجہ الکمال وقد احاط بکل شیئ علمًا ولیس الا ان الکل منکشف لدیہ وھو المحیط بعلمہ و بصرہ وسمعہ وبکل شیئ وبالجملۃ فالعقول عاجزۃ عن ادراک کنہ الذات والصفات امنّابہ کما ھو باسمائہ و صفاتہ ۱۲ منہ غفرلہ۔

عــــہ: **اقول**: (میں کہتا ہوں) چونکہ زمانے کا وجود خارجی نہیں بلکہ علمی ہے، تو کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو اللہ تعالٰی پر گزرے یا اس کا احاطہ کرے، بلکہ وہ ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے، لیکن زمانہ تو وہ حادث ہے، اگرچہ خارج میں موجود نہیں ہے، لہٰذا ازل میں زمانے کا تعلق ذاتِ باری تعالٰی کے ساتھ نہیں ہوگا، آئندہ بھی متعلق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ تعالٰی اس بات سے بلند ہے کہ اس کے لیے کوئی چیز نوبہ نو ثابت ہو، اور یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالٰی اپنی ذات عالیہ کو کامل طور پر جانتا، دیکھتا اور سنتا ہے اور اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ سب چیزیں اس کے نزدیک منکشف ہیں اور وہ اپنے علم، بصر، سمع اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والا ہے مختصر یہ کہ عقلیں اس کی ذات وصفات کی حقیقت کے جاننے سے عاجز ہیں، ہمارا اللہ تعالٰی پر ایمان ہے جیسے وہ فی الواقع ہے اور اس کے اسماء اور صفات پر بھی ہم ایمان رکھتے ہیں ۱۲منہ غفرلہ۔ (ترجمہ عبدالحکیم شرف قادری)۔

نہیں، بلا تشبیہ جس طرح ہمارے اذہان میں زمانے کا وجود وہمی کہ ہر گز وجود (عہ) عینی نہیں۔

عــــہ: **فائدۃ جلیلۃ:** بھٰذا واللہ الحمد تحل عقدۃ حارث فیھا الافھام وھو جریان برھان التطبیق فی علم اللہ عزوجل لانہ یعلم کل متناہ وغیر متناہ علی التفصیل، اجاب الدوانی فی شرح العقائد بان علمہ تعالٰی واحد بسیط فلا تعدد فی المعلومات بحسب علمہ بل ھی ھناك متحدۃ غیر متکثرۃ [1]۔امّا فی وجودھا الخارجی فالعالم حادث فلیس الموجود الامتناھیا وان لم یقف عند حد الی الابد، ھذا حاصل ما اطال بہ وردّہ عبدالحکیم بنقل الکلام الی علمہ تعالٰی التفصیلی۔

اقول: لا الجواب بشیئ ولا الرد علیہ فان

عــــہ: **فائدہ جلیلہ:** اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ اس کے ذریعے وہ عقدہ حل ہوجائے گا جس کے بارے میں عقلیں حیران ہیں اور وہ ہے برہان تطبیق کا اللہ تعالٰی کے علم میں جاری ہونا کیونکہ اللہ تعالٰی ہر متناہی اور غیر متناہی کو تفصیلًا جانتا ہے۔علامہ دوانی نے شرح عقائد میں جواب دیا کہ اللہ تعالٰی کا علم واحد اور بسیط ہے۔لہٰذا معلومات میں اللہ تعالٰی کے علم کے اعتبار سے تعدد نہیں ہے بلکہ وہ معلومات متکثر نہیں بلکہ متحد ہیں، جہاں تک معلومات کے وجود خارجی کا تعلق ہے تو عالم حادث ہے،اس لیے جتنی اشیاء موجود ہیں وہ متناہی ہیں اگرچہ ہمیشہ کے لیے کسی حد پر جا کر ان کا خاتمہ نہیں ہوتا، یہ ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ ہے۔علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے اسے رد کیا ہے کہ ہم گفتگو کو علم تفصیلی کی طرف منتقل کرتے ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں) نہ تو یہ جواب درست ہے اور نہ ہی اس پر رَد صحیح ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] شرح العقائد العضدیۃ للدوانی مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۰ و ۲۱

الاعیان الثابتة لم تشم رائحة من الوجود (اعیان ثابتہ نے وجود کی بُو نہ سونگھی، ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تقسیم علمه الی اجمالی وتفصیل من بدعات الفلاسفة بل علمه تعالٰی واحد بسیط متعلق بجمیع الموجودات والمعدومات والممکنات والمحالات علی اتم تفصیل لا امکان للزیادة علیه فالعلم واحد والمعلومات غیر متناهیة فی غیر متناه کما بینته فی کتابی "الدولة المکیة" وتعلیقاتها "الفیوض الملکیة"۔

قال السیالکوتی بل الجواب فی تعلیقات الفارابی انه تعالٰی یعلم الاشیاء الغیر المتناهیة متناهیة وذلك لان الجواهر والاعراض متناهیة والنسب یمکن ان نعتبرها نحن غیر متناهیة امّا عنده تعالٰی فمتناهیة اذیصح ان توجد تلك الجواهر والاعراض فی

کیونکہ اللہ تعالٰی کے علم کی تقسیم اجمالی اور تفصیلی کی طرف فلاسفہ کی بدعتوں میں سے ہے، جب کہ اللہ تعالٰی کا علم واحد ہے بسیط ہے اور اس کا تعلق تمام موجودات، معدومات، ممکنات اور محالات سے اتنی مکمل تفصیل کے ساتھ ہے، کہ اس پر زیادتی ممکن ہی نہیں ہے، پس علم ایک ہے اور معلومات غیر متناہی در غیر متناہی جیسے کہ میں نے اپنی کتاب الدولۃ المکیۃ اور اس کے حواشی الفیوض الملکیۃ میں بیان کیا ہے۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کہتے ہیں کہ جواب وہ ہے جو فارابی کی تعلیقات میں ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالٰی غیر متناہی اشیاء کو متناہی جانتا ہے (یعنی اشیاء اگرچہ غیر متناہی ہیں لیکن اللہ تعالٰی کے علم میں متناہی ہیں ۱۲ شرف قادری) اور یہ اس لیے کہ جواہر اور اعراض متناہی ہیں ان کے درمیان نسبتیں غیر متناہی ہیں ہم یہ اعتبار کرسکتے ہیں کہ وہ غیر متناہی ہیں، لیکن اللہ تعالٰی کے نزدیک متناہی ہیں کیونکہ یہ جواہر اور اعراض کا خارج میں پایا جانا ممکن ہے، جب یہ خارج (باقی اگلے صفحہ پر)

زمانے کا عدم اسی اتساع قدسی میں اس کے وجود حادث پر مقدم ہے اور زمانے سے پہلے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الاعیان فبوجودھا توجد النسب بالفعل لانھا لوازمھا و وجود کل شیئ ھو معلومیتہ ﷲ عزوجل، ھذا تلخیص ما أطال بہ۔

اقول: **اولًا** علمہ تعالٰی لاینحصر فی الجواھر والا عراض الموجودۃ بل یحیط بھا و بالممکنۃ وھی غیر متناھیۃ قطعًا کنعم الجنۃ واٰلام النار والعیاذ باللہ منھا۔

وثانیًا: من یعلم الغیر المتناھی متناھیا فقد علم الشیئ علٰی خلاف ماھو علیہ واللہ تعالٰی متعال عنہ وان ارید ان العلم الالٰھی محیط بھا فکانت محصورۃ فیہ کالمتناھی لم یفد فی منع

میں موجود ہوں گے تو نسبتیں بھی بالفعل پائی جائیں گی، کیونکہ یہ نسبتیں جواہر واعراض کو لازم ہیں اور ہر شے کا وجود یہی اس کا اللہ تعالٰی کے لیے معلوم ہونا ہے۔ (یعنی ہر شیئ کا وجود عبدالباری تعالٰی بحیثیت معلول ہونے کے یہی اللہ تعالٰی کا ان اشیاء سے متعلق علم تفصیلی ہے ۱۲ اشرف) یہ ان کی طویل گفتگو کا خلاصہ ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں کہ) اس میں کئی وجہ سے کلام ہے۔ **(۱)** اللہ تعالٰی کا علم جواہر اور اعراض موجودہ میں منحصر نہیں ہے، بلکہ انہیں بھی محیط ہے، جواہر واعراض ممکنہ کو بھی شامل ہے اور وہ قطعًا غیر متناہی ہیں، جیسے جنت کی نعمتیں اور دوزخ کی تکلیفیں، اللہ تعالٰی ان تکلیفوں سے محفوظ رکھے۔

(۲) جو غیر متناہی کو متناہی جانتا ہے وہ شیئ کو ایسے وصف سے متصف جانتا ہے جس کے ساتھ وہ متصف نہیں (یعنی خلاف واقع صفت کے ساتھ موصوف جانتا ہے) اور اللہ تعالٰی اس سے بلند ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ علم الٰہی ان امورِ غیر متناہیہ پر محیط ہے تو وہ امور علم الٰہی میں متناہی کی طرح محصور ہوں گے، اس صورت میں

(باقی برصفحہ آئندہ)

زمانہ لازم نہیں اگر کہیے ہم اسی اتساع قدسی کا نام زمانہ رکھتے ہیں اب تو قدیم ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

جریان البرھان۔

وثالثا: لاوجه لقوله یمکن ان نعتبرها غیر متناهیة بل نعلم قطعا انها غیر متناهیة فیجری البرهان فیها بحسب علمنا ولا یحتاج الی علمنا بها تفصیلا و الا لم یجر البرهان فی شیئ قط اذلا یحیط العلم الحادث بغیر المتناهی تفصیلا ابدا۔

ورابعًا: قوله اذیصح لامساس له بما جعله تعلیلا له

برہان تطبیق کے جاری ہونے کو منع کرنا مفید نہ رہا (فقیر کہتا ہے کہ غالبًا علامہ سیالکوٹی کا مطلب یہ ہے کہ وہ امور جو مخلوق کے لیے غیر متناہی ہیں اور مخلوق کی گنتی میں نہیں آسکتے وہ علم الٰہی میں متناہی ہیں تو اعتراض مذکور (**فقد علم الشیئ علٰی خلاف ماھو علیه**)، لازم آئے گا اعنی أن تلك الامور غیر متناهیة بالنسبة الی علم الخلق ومتناهیة بالنسبة الٰی علم الخالق ۱۲ اشرف قادری)۔

(۳) علامہ نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ ہم جواہر واعراض کے درمیان پائی جانے والی نسبتوں کو غیر متناہی اعتبار کریں اس کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ ہمیں قطعًا معلوم ہے کہ وہ نسبتیں غیر متناہی ہیں لہٰذا ان میں ہمارے علم کے مطابق برہان تطبیق جاری ہو جائے گا، برہان کا جاری ہونا اس امر کا محتاج نہیں کہ ہم انہیں تفصیلًا ہی جانیں ورنہ برہان بالکل کسی شیئ میں بھی جاری نہیں ہوگا کیونکہ علم حادث کبھی بھی غیر متناہی کا تفصیلی احاطہ نہیں کرسکتا۔

(۴) علامہ نے کہا ہے: اذیصح الخ اس قول کو جس کی تعلیل قرار دیا ہے اس کے (باقی برصفحہ آئندہ)

اقول: اوّلا: صریح غلط تم توزمانے کو عرض قائم بالفلک مانتے ہو کہ وہ مقدار حرکت ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولایفید شبهة عامة فضلا عن علة۔

وخامسًا: من العجب قوله اذا وجدت وجدت نسب بالفعل وکیف توجد نسبة فی الاعیان۔

وسادسًا: کیف یجتمع غیر المتناهی فی الوجود وحصول الترتیب غیر بعید

وسابعًا: کیف یتوقف علمه تعالٰی بها علٰی وجودها فی الخارج لکن الفلسفی بجهله یجعل العلم التفصیل حادثا تعالٰی سبحنه وتعالٰی عما یقولون علوا کبیرا۔

وبالجملة فلاغنی فی شیئ من هذا بل الجواب ما اقول: بتوفیق الوهاب انما یقتضی البرهان بامتناع خروج غیر المتناهی من القوة الی الفعل وهو حاصل هٰهُنا قطعًا فلا معنی لتخلف البرهان وذلك ان تعلق العلم بشیئ

ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، یہ علت تو کیا عام شبہہ کا بھی فائدہ نہیں دیتا۔

(۵) وہ فرماتے ہیں کہ جب جواہر اور اعراض خارج میں پائی جائیں گے تو نسبتیں بھی بالفعل پائی جائیں، یہ قول باعثِ تعجب ہے نسبتیں خارج میں کیسے پائی جائیں گی؟

(۶) غیر متناہی چیزیں وجود میں کیسے جمع ہو سکتی ہیں؟ ان میں ترتیب کا حاصل ہونا کچھ بعید نہیں ہے۔

(۷) اللہ تعالٰی کا ان امور کو جاننا ان کے وجود فی الخارج پر کیسے موقوف ہوسکتا ہے؟ لیکن فلسفی اپنی جہالت کی بنا پر علم تفصیلی کو حادث قرار دیتا ہے اللہ تعالٰی ان باتوں سے بہت بلند ہے جو یہ فلاسفہ کہتے ہیں۔

مختصر یہ کہ یہ جواب کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا، جواب وہ ہے جو میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے دیتا ہوں، اور وہ یہ کہ برہان تطبیق کا تقاضا ہے کہ غیر متناہی کا قوت سے فعل کی طرف نکلنا محال ہو اور یہ بات اس جگہ قطعًا حاصل ہے لہٰذا یہ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ برہان نہیں پایا گیا، اور یہ اس لیے کہ کسی چیز کے ساتھ علم کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

تو حرکت سے قائم اور حرکت فلک سے قائم اور قائم سے قائم قائم اور یہ اتساع اس سے منزہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لایخرجه من القوة الی الفعل

فاوّلا الاترٰی انه تعالٰی علم للحوادث فی الازل انها معدومة فی نفس الامر وستوجد فی اوقاتها فان کان العلم موجب وجودها بالفعل کان العلم بانها معدومة فی نفس الامر علی خلاف الواقع۔

وثانیا: انما اراد الله تعالٰی وجود الحوادث فی اوقاتها ولا وجود لها الا بارادته تعالٰی فیستحیل ان تکون موجودة فی الازل۔

وثالثا الاترٰی انه تعالٰی یعلم کل محال ویعلم کل محال ویعلم ان لوکان کیف کان فتعلق علمه تعالٰی به لم یخرجه عن الاحالة فضلا عن العدم وما سبیل غیر المتناهی الاسبیل سائر المحالات فهو تعالٰی یعلمه ویعلم انه محال ان یوجد

تعلق ہونا اسے قوت سے فعل کی طرف نہیں نکالتا، اس کے چند دلائل ہیں:

(۱) کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالٰی کو ازل میں حوادث کے بارے میں علم تھا کہ وہ نفس الامر میں معدوم ہیں اور عنقریب اپنے اوقات میں پائیں جائیں اگر علم کی وجہ سے ان کا وجود بالفعل ضروری ہوتا تو ان کے بارے میں یہ جاننا کہ وہ نفس الامر میں معدوم ہیں خلاف واقع ہوگا۔

(۲) اللہ تعالٰی نے ارادہ فرمایا کہ حوادث اپنے اوقات میں پائے جائیں اور ان کا وجود تو صرف اللہ تعالٰی کے ارادے سے ہوگا، اس لیے ان کا ازل میں موجود ہونا محال ہے۔

(۳) کیا تُو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالٰی ہر محال کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اگر وہ موجود ہوتا تو کیسے ہوتا۔ پس اللہ تعالٰی کا علم اس سے متعلق ہے اس کے باوجود اس تعلق نے اسے محال ہونے سے نہیں نکالا، چہ جائیکہ عدم سے نکال دیتا، غیر متناہی کا معاملہ وہی ہے جو باقی محالات کا ہے پس اللہ تعالٰی غیر متناہی کو جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس کا واقع میں پایا جانا محال ہے۔ تمام (باقی بر صفحہ آئندہ)

ثانیًا: قدم فرع وجود ہے اور یہ موجود ہی نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فانکشف الاعضال والحمدللّٰه ذی الجلال مع انه احق الحق عندنا انا اٰمنا بربنا وصفاته واسمائه ولا نشتغل بکنهها ولا نقول کیف حیث لا کیف ولا علم لنا بذلك ولا سبیل الی تلك المسالك واللّٰه یهدی من یشاء الی صراط مستقیم ۱۲ منه غفرله۔

تعریفیں صاحبِ عظمت و جلال اللہ تعالٰی کے لیے اشکال حل ہو گیا۔ باوجود یہ کہ ہمارے نزدیک صحیح ترین بات یہ ہے کہ ہم اپنے رب اور اس کی صفات اور اس کے اسماء پر ایمان لائے ہیں اور ہم ان کی حقیقت معلوم کرنے کے درپے نہیں ہوتے اور ہم نہیں کہتے کہ کیسے؟ کیونکر اس جگہ کیسے والی بات نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں علم ہے اور ان راستوں تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اللہ تعالٰی جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔ ۱۲ منہ غفرلہ (امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا حاشیہ ختم ہوا) (ترجمہ شرف قادری)

اقول: قد اتضح بما افاده الامام احمد رضا البریلوی قدس سره القوی أن خروج الغیر المتناهی من القوة الی الفعل محال، وتبیّن أیضا أن تعلق العلم بشیئ لا یوجب وجوده فی الواقع. لکن بقی هٰهنا سؤال معضل: وهو انا قائلون باحاطة علم الباری تعالٰی امور الغیر المتناهیة وهی مرتبة فی علم الباری تعالٰی فکیف لا یجری فیها برهان التطبیق ولا نسلم ان البرهان لا یقتضی الا امتناع خروج غیر المتناهی من القوة الی الفعل، انما یقتضی البرهان استحالة الامور الغیر المتناهیة المرتبة سواء کانت موجودة ام لا وایضا لما کان علم الباری محیطا بالامور الغیر المتناهیة فلا بد ان تکون متناهیة عنده تعالٰی جل مجده فلا مخلص الا فی ماقال العلامة عبدالحکیم السیالکوتی بانها غیر متناهیة بحسب علمنا ولا نستطیع ان نعدها بأیّ عدد (باقی برصفحہ آئندہ)

ثالثًا: مقصود تو یہ تھا کہ تمہاری ظلمتوں سے خلاص ہو کر زمانہ قدیم ہے اور وہ مقدار حرکت فلک ہے تو حرکت قدیم ہے تو فلک قدیم ہے تو افلاک و عناصر قدیم ہیں، یہ بحمدہ تعالیٰ باطل اور ظلمتیں زائل اور نجات حاصل، **والحمد للہ رب العالمین** (سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا ت)

تنبیہ: معضلہ کی ایسی ہی تقریر امتناع انقطاع زمانہ پر کی جاتی ہے کہ منقطع ہو تو عدم کو وجود سے ایسی ہی بعدیت ہوگی جس میں سابق ولاحق دونوں جمع نہ ہو سکیں، اور وہ نہیں مگر زمانی، تو زمانے کے بعد زمانہ لازم، اور ہمارے پانچوں جواب بعون الوہاب اس کے رَد کو بھی کافی ووافی، **کمالا یخفٰی فاعرف وللہ الحمد** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، تو جان لے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے حمد ہے۔) اور یہ تقاریر زمانے کے موہوم ہونے ہی پر موقوف نہیں، اگر بالفرض زمانہ موجود خارجی اور مقدار حرکت اور خاص حرکت فلکیہ ہی کی مقدار یا کوئی جوہر مستقل ہو غرض عالم میں سے کچھ بھی ہو اس کے حدوث وامکانِ انقطاع پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ **وللہ الحمد** یہ تقریر خوب ذہن نشین کرلی جائے کہ بعونہ تعالیٰ بکثرت ظلمات فلسفہ سے نجات ہے، میں امید کرتا ہوں کہ رَد فلسفہ قدیمہ میں اگر میں اور کچھ نہ لکھتا تو یہی ایک مقام بہت تھا جس کا صاف ہونا فیض ازل نے اس عبد اذل کے ہاتھ پر رکھا تھا۔ **وللہ الحمد۔**

یہ ہیں وہ **۳۰ مقام** کہ اُس تذییل میں تھے، بعونہ تعالیٰ دو کا بافاضہ اور اضافہ ہو کہ فلسفہ کی کوئی مہم مردود بات رَد سے نہ رہ جائے۔ **وباللہ التوفیق۔**

مقام سی ویکم [۳۱]

جزء لایتجزی باطل نہیں، یہ وہ مسئلہ علم کلام ہے جسے نہایت پست حالت میں سمجھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وایّ اٰلۃ حاسبۃ أما بحسب علم اللہ فھی متناھیۃ. وانما کتبت ھٰذا الاعضال الذی ھو جذر اصم رجاء من اللہ تعالٰی ان یوفق أیّ عالم کبیر أن یحل ھٰذہ المعضلۃ باحسن وجہ واللہ الموفق)

محمد عبد الحکیم شرف القادری

۷ من ذالقعدۃ ۱۴۲۴ھ / الموافق باوّل ینایر عام ۲۰۰۴م۔

بلکہ اُس کے بطلان پر یقین کلی کیا جاتا ہے فلاسفہ اس کے ابطال پر چمک چمک کر دلائل حتی کہ بکثرت براہین ہندسیہ قائم کرتے ہیں عقلی تمسک میں بیان ہندسی سے زیادہ اور کیا ہے جس میں شک وتردد کو اصلاً جگہ ہی نہیں رہتی اور متکلمین ان دلائل سے جواب نہیں دیتے اپنے سکوت سے ان کا لاجواب ہونا بتاتے ہیں، تو گویا فریقین اس کے بطلان پر اتفاق کیے ہیں، مگر بحمدہ تعالٰی ہم واضح کردیں گے کہ اس کے رد میں فلاسفہ کی تمام حجتیں اور ہندسی براہین پادر ہوا ہیں، **وباللہ التوفیق** یہ مقام چار موقفوں پر مشتمل ہے۔

موقف اوّل: اس مسئلہ میں ابطال رائے فلسفی اور دربارہ جزء ہمارا مسلک۔

اقول: وبربنا التوفیق یہاں ہمارا مسلک فریقین سے جدا ہے۔

(۱) ہمارے نزدیک جزولایتجزی باطل نہیں **خلافاً للحکماء** لیکن دو جزوں کا اتصال محال ہے **خلافاً لظاھر ماعن جمھور المتکلمین**۔ ظاہر ہے کہ اتصال غیر تداخل ہے تو وہ یونہی ممکن ہر ایک میں شیئ دون شیئ یعنی جدا اطراف ہوں دونوں ایک ایک طرف سے باہم ملیں اور دوسری طرف سے جدا رہیں ورنہ تداخل ہوجائے گا اور جزء میں شے دون شے محال تو وہ اپنی نفس ذات سے آبی اتصال فلسفی کی تمام براہین ہندسیہ اور اکثر دیگر دلائل اس اتصال ہی کو باطل کرتی ہیں وہ خود ہمارے نزدیک نفس ملاحظہ معنی اتصال وجزو سے باطل ہے ان تطویلات کی کیا حاجت۔ امید کہ اتصال اجزاء ماننے سے ہمارے متکلمین کی مراد اتصال حسی ہو جیسا انہوں نے نفی دائرہ وغیرہ میں فرمایا ہے کہ یہ اتصال مرئی حس کی غلطی ہے ان سے مماست جزپر جو تفریعات منقول ہیں اسی پر محمول ہیں ورنہ اتصال حقیقی کا بطلان محتاج بیان نہیں۔

(۲) ہمیں یہاں پر اصل مقصود ابطال ہیولٰی ہے کہ اس کی ظلمتیں قدم عالم اگرچہ نوعی کے کفریات لاتی ہیں اس کی کلیت کا ابطال یہاں ہے اور ابطال بالکلیہ بعونہ تعالٰی مقام آئندہ میں تو ہم یہاں مقام منع میں ہیں۔ ہمیں ہیولٰی صورت کے سوا دوسری وجہ سے ترکب جسم کا دعوی کرنے کی حاجت نہیں بلکہ اس بارے میں جو کچھ کہیں گے محض ابدائے احتمال ہوگا کہ تغلیس مدعی کے لیے اسی قدر کافی۔

(۳) ربِّ عزوجل فاعل مختار ہے اس کے ارادے کے سوا عالم میں کوئی شے موثر نہیں رویت شے نہ اجتماع شرائط عادیہ سے واجب نہ ان کے انتفاء سے محال، وہ چاہے تو سب شرطیں جمع ہوں اور دن کو سامنے کا پہاڑ نظر نہ آئے اور چاہے تو بلاشرط رویت ہوجائے جیسے

بحمدہ تعالیٰ روزِ قیامت اس کا دیدار کہ کیفیت وجہت ولون ووقوع ضوومحاذات وقُرب وبعد ومسافت وغیرہا جملہ شرائطِ عادیہ سے پاک ومنزہ ہے۔اب عادت یوں جاری ہے کہ نہایت باریک چیز کہ تنہا اصلاً قابل ابصار نہ ہو جب بکثرت مجتمع ہوتی ہے اگر اتصال نہ ہو وہ مجموعہ مرئی ہوتا ہے۔ کوٹھڑی کے روزن سے دھوپ آئے تو اس میں ایک عمود مستطیل وسعت روزن کی قدر عمیق محسوس ہوتا ہے۔یہ نہایت باریک باریک اجزاء متفرقہ کا مجموعہ ہے جن کو ہباء منثورہ کہتے ہیں پراگندہ ونا متصل،ان میں کوئی جز رویت کے قابل نہیں اگر تنہا ہو ہرگز نظر نہ آئے میں ان ذروں کو نہیں کہتا جو اس عمود میں جدا اڑتے نظر آتے ہیں بلکہ ان اجزاء کو جن سے وہ عمود بنا ہے اور جو ایک سحابی شکل کے سوا کسی جز کو نہیں دکھاتا ان کی لطافت اس درجہ ہے کہ اس عمود میں ہاتھ رکھ کر مٹھی بند کرو ہاتھ میں کچھ نہ آئے گا مگر کثرتِ اجتماع بے اقتران سے ایک جسم عمیق، طویل، عریض بشکل عمود محسوس ہوتا ہے بلکہ دخان وبخار کی بھی یہی حالت ہے وہ اجزاء ہوائیہ کے ساتھ اجزاء ارضیہ یا مائیہ ایسے ہی متفرق وباریک وممتزع ہیں کہ تنہا ایک نظر نہ آئے اور اجتماع سے یہ جسم دخانی وبخاری نظر آتا ہے بعینہٖ یہی حالت متفرقانہ اجتماع جواہر فردہ سے احساس جسم کی ہوسکتی ہے جسم انہیں متفرق اجزاء لایتجزی کے مجموعہ کا نام ہو جن میں کوئی دو جز متصل نہیں اور ان کا تفرق نظر میں وحدت جسم کا مانع نہیں جیسے اینٹوں کی دیوار کہ ہر اینٹ دوسری سے جدا معلوم ہوتی ہے اور پھر دیوار ایک ہے تختوں کا کواڑ یا تخت کہ ہر تختہ جدا ہے اور مجموعہ ایک، اکثر اجسام میں مسام محسوس ہوتے ہیں اور وحدتِ جسم میں مخل نہیں ہوتے، مسام کا فرجہ تمہارے نزدیک انقسام غیر متناہی رکھتا ہے تو ضرور اس حد صغر کو پہنچے گا کہ مسام واقع میں ہوں اور حس میں نہ آئیں۔اگر کہیے جب کوئی دو جز متصل نہیں تو جو فرجہ ان کے بیچ میں ہے اس میں ہوا وغیرہ کوئی جسم ہے یا نہیں، اگر نہیں تو خلا ہے اور اگر ہے تو اس جسم کے اجزاء میں کلام ہوگا اور بالآخر خلا ماننا پڑے گا۔

اقول: ہاں ضرور خلا ہے، اور ہم ثابت کرچکے کہ وہ محال نہیں۔

(۴) صغر مسام میں ایک تقریر قاطع ابھی ہم کرچکے، اس کے علاوہ عادت یوں جاری ہے کہ جب فصل بہت کم رہ جائے کہ امتیاز میں نہ آئے تو شیئ متصل وحدانی معلوم ہوتی ہے وہ واقع میں اس کا اتصال نہیں بلکہ حس مشترک میں صور کمال متقاربہ کا اجتماع اس کا باعث ہوتا ہے کہ ان کے خلاؤں میں بھی ویسی ہی صورت مدرک ہوتی ہے اور سطح واحد متصل سمجھی جاتی ہے، کپڑے میں زری کے پھول بہت قریب قریب ہوں، نزدیک سے دیکھئے تو ہر پھول دوسرے سے جدا اور

بیچ میں خلا، مگر دور سے سارا کپڑا مغرق معلوم ہوتا ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ بوجہ بعد جس نسبت سے پھولوں کے خلا چھوٹے ہوتے گئے اُسی نسبت سے پھول بھی چھوٹے ہوتے جاتے، قریب سے بڑے پھول اور ان میں بڑا خلا محسوس ہوتا ہے بعید سے چھوٹے پھول اور ان میں چھوٹا خلا محسوس ہوتا مگر یہ نہیں ہوتا بلکہ خلا معدوم ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ بھی نہ ہی زری کی صورت محسوس ہو کر ساری سطح زری سے مغرق بے فرجہ معلوم ہوتی ہے، ممکن کہ بعض اجسام دونوں حالتوں کے ہوں جن میں مسام نظر آئیں وہ اس کپڑے کو قریب سے دیکھنے کی حالت اور جن میں بالکل نظر نہ آئیں دور سے دیکھنے کی کہ خلا کے صغر نے سطح کو اجزا سے مغرق کر دیا کہ جسم متصل وحدانی بلا مسام نظر آیا۔

(۵) ہندسہ کی بِنا خطوطِ موہومہ پر ہے۔ یہاں جب کوئی دو جز متصل نہیں ضرور ہر دو[۲] جز میں ایک خط موہوم فاصل ہوگا جس کے دو[۲] نقطہ طرف پر یہ دو[۲] جز ہیں خطوط موہومہ ایک حد تک کتنے ہی چھوٹے ہوں ان کی تقسیم وہماً ہوگی یا مجاراۃً للفلاسفہ، یہ بھی سہی کہ ان کی تقسیم غیر متناہی ہے اس تقدیر پر یہ جسم اگرچہ فی نفسہ متصل نہیں اجزائے متفرقہ ہیں تو اجزائے واقعیہ کی طرف اس کی تحلیل قطعاً متناہی ہوگی مگر وہ اتصال موہوم جس کا نام جسم تعلیمی ہے انقسام وہمی میں اس کی تقسیم غیر متناہی لاتقفی ہوگی اگر کہیے جسم تعلیمی جسم طبعی ہی کی تو مقدار ہے جب اسکی تقسیم نامتناہی تو اس کی بھی کہ یہ اسی سے منتزع ہے۔

اقول: پھر بھولتے ہو اس کی ذات سے منتزع نہیں بلکہ ہوتا تو اس کے اتصال سے اس جسم طبعی کو متصل ہی کس نے مانا ہے کہ جسم تعلیمی اس سے منتزع یا اس کی مقدار ہو وہ تو اجزائے متفرقہ ہیں جن میں خطوط فاصلہ کے توہم سے ایک مقدار موہوم ہوگی تو اس کی تقسیموں سے وہی موہوم منقسم ہوگا نہ کہ جسم طبعی۔

(۶) ہماری تقریر ۴ و ۵ کے ملاحظہ سے واضح کہ اتصال تین قسم ہے۔ حقیقی، حسی، وہمی، جب اقسام کا ترکب اس طور پر ہو۔ اوّل ان میں اصلاً کسی جسم کو نہ ہوگا اور ثالث جو ہر جسم کو ہے اور ثانی سے اگر یہ مراد لو کہ اگرچہ حس میں مسام ہوں مگر جسم واحد سمجھا جائے تو یہ بھی ہر جسم کو ہے اور اسی پر تمام احکامِ شرعیہ وعقلیہ کی بنا ہے اور اگر یہ مراد لو کہ حس اس میں اصلاً تفرق کا ادراک نہ کرے تو یہ ان میں صرف بعض اجسام میں ہوگا جو املس ہوں جس طرح آئینے اور لوہے کا تختہ پالش کیا ہوا۔

(۷) ہمارا دعوی نہیں کہ سب اجسام یا فلاں خاص کا ترکب اس طرح ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ممکن کہ بعض کا ترکب اس طرح ہو، اس سے تین فائدے ہوئے۔

(ا) فلاسفہ کا ادعا کہ جسم کا ترکب اجزائے لاتتجزّی سے نہیں ہوسکتا باطل ہوا۔

(ب) ان کا کلیہ کہ ہر جسم ہیولیٰ وصورت سے مرکب ہے باطل ہوا۔

(ج) وہ دلائل کہ ابطال ترکب پر لائے تھے بے کار وضائع گئے۔ **کما ستعرف ان شاء اللہ تعالٰی** (جیسا کہ عنقریب تو جان لے گا اگر اللہ تعالٰی نے چاہا۔ت)

موقف دوم: اثبات جز ہم اوپر بیان کرچکے کہ ہمیں اس کی حاجت نہیں صرف امکان کافی ہے تو یہ موقف محض تبرعی ہے ولہٰذا ہم نے عنوان مقام میں یہ کہا کہ جز باطل نہیں یعنی اس کے بطلان پر کوئی دلیل قائم نہیں، نہ یہ کہ جز ثابت ہے کہ ابطال فلسفہ میں ہمیں اس کی حاجت نہیں، متکلمین نے یہاں بہت کچھ کلام کیا ہے۔ اور وہ ہمارے نزدیک تام نہیں اگرچہ ان میں بعض کو شرح مقاصد میں قوی بتایا لہٰذا ہم اس سب سے اعراض کرکے اسلامی قلوب مستقیمہ کے لیے بتوفیقہ تعالٰی خود قرآنِ عظیم سے جز کا ثبوت دیں۔

فاقول: قال المولٰی سبحانہ وتعالٰی، "وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ"[1]۔ (اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کردیا۔ت) تمزیق پارہ پارہ کرنا۔ ہم نے انکی کوئی تمزیق باقی نہ رکھی سب بالفعل کردیں۔

ظاہر ہے کہ یہاں تمزیق موجود مراد نہیں ہوسکتی۔ کہ تحصیل حاصل ناممکن۔ لاجرم تمزیق ممکن مراد یعنی جہاں تک تجزیہ کا امکان تھا سب بالفعل کردیا تو ضرور یہ تجزیہ ان اجزاء پر منتہی ہوا جن کے آگے تجزیہ ممکن نہیں ورنہ کل مزق نہ ہوتا کہ ابھی بعض تمزیقین باقی تھیں اور وہ اجزاء جن کا تجزیہ ناممکن ہو نہیں مگر اجزائے لاتجزی، تو اس[عـــہ] تقدیر پر حاصل یہ ہوا کہ ان کے اجسام کے تمام اتصالات حسیہ ہر حصے اور ہر ہر حصے کے حصے باطل فرما کر ان کے اجزائے لاتجزی دور دور بکھیر دیئے کہ اب کسی جز کو دوسرے سے اتصال حسی بھی نہ رہا۔ اگر کہیے مراد تقسیم فکّی ہے نہ وہمی یعنی خارج میں جتنے پارے ہوسکتے تھے سب کردیئے اگرچہ ہر پارہ وہم میں غیر متناہی تقسیم سے منقسم ہوسکتا ہے تو اجزائے لاتجزی لازم نہ آئے کہ وہ وہمًا بھی قابل اقسام نہیں۔

اقول: اوّلًا: تخصیص بلادلیل باطل وذلیل:

عـــہ: یعنی جب کہ ترکب اجزا سے فرض کریں ورنہ اجزائے لاتتجزّی کی طرف تحلیل تو ضرور مفاد ارشاد ہے **کماسیأتی** ۱۲منہ غفرلہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۹

ثانیاً: وہم سے اگر مجرد اختراع مراد ہو تو وہ کہیں بھی بند نہیں اور اگر وہ کہ واقعیت رکھے تو ناممکن ہے جب تک واقع میں شے دون شیئ یعنی دو حصے متمائز نہ ہوں۔ فکّی و وہمی کا فرق انسانی علم قاصر و قدرت ناقصہ کے اعتبار سے ہے شے جب غایت صغر کو پہنچ جائے گی انسان کسی آلے سے بھی اس کا تجزیہ نہیں کرسکتا بلکہ وہ اسے محسوس ہی نہ ہوگی تجزیہ تو دوسرا درجہ ہے لیکن مولیٰ عزوجل کا علم محیط اور قدرت غیر متناہی جب تک حصوں میں شے دون شیئ کا تمایز باقی ہے قطعًا مولیٰ تعالیٰ عزوجل ان کے جدا فرمانے پر قادر ہے تو وہ جو تمزیق فرمائے اس میں کل ممزق وہیں منتہی ہوگا جہاں واقعی میں شیئ دون شَے باقی نہ رہے اور وہ نہیں مگر جزولایتجزی۔

موقف سوم: ابطلال دلائل ابطال: ابطالِ جز کے لیے فلاسفہ کے شبہاتِ کثیر ہیں اور بحمدہ تعالیٰ سب پادر ہوا۔ شُبہ ۱: کہ اُن کا نقلِ مجلس ہے اجزاء اگر باہم ملاقی نہ ہوں گے حجم حاصل نہ ہوگا تو جسم نہ بنے گا، اور ملاقی ہوں گے تو اگر ایک جز دوسرے سے بالکل ملاقی یعنی متداخل ہو جب بھی حجم نہ ہوا، سب جزء واحد کے حکم میں ہوئے اور اگر ایسا نہ ہو تو ضرور ایک حصہ ملا ہوگا اور دوسرا جدا، تو جز منقسم ہوگیا جواب باختیار شق اول ہے۔

اقول: اور حصول حجم کی صورت ہم بتاچکے۔

شُبہ ۲: جس میں چاک اول کا رفو چاہا ہے۔ اجزاء ملاقی ہوں جب تو وہی تداخل یا انقسام ہے ورنہ ان میں خلا ہوگا۔ یہ خلا کوئی وضع ممتاز رکھتا ہے یعنی اس کی طرف اشارہ حسیہ اجزاء کی طرف اشارے کا غیر ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی اجزاء میں تلاقی ہوگئی بر تقدیر اول یہ خلا عدم صرف نہیں کہ ذی وضع ممتاز ہے اب ہم اسے پوچھتے ہیں یہ اجزاء سے ملاقی ہے یا نہیں، اگر نہیں تو عدم صرف ہوا اس سے حجم کیا پیدا ہوگا۔ حجم تو یوں ہوتا کہ ایک جز یہاں ہے ایک وہاں، بیچ میں خلا ہے اور اگر ہاں تو بالکل ملاقی یعنی اجزاء کے ساتھ متداخل ہے جب بھی حجم نہ ہوا اور بالبعض ملاقی ہے، تو جزء منقسم ہوگیا۔ (سندیلی علی الجونفوری)

اقول: اولاً: خط اب اپنے دونوں نقطہ طرف **ا و ب** سے ملا ہے یا جدا، بر تقدیر ثانی یہ نقطے اس کی طرف کب ہوئے کہ طرف شیئ شے سے منفصل نہیں ہوتی، بر تقدیر اول بالکل ملاقی یعنی نقطوں سے متداخل ہے تو خط کب ہوا کہ اس کو امتداد چاہیے اور اگر بالبعض ملاقی ہے تو نقطہ منقسم ہوگیا۔

ثانیًا: وَھُوَالْحلُّ: جہالت کے سر پر سینگ نہیں ہوتے شق اخیر مختار ہے، یہ خلا ذو وضع ہے اور اجزا سے ملاقی ہے اور ملاقات بالبعض ہے اور منقسم خلا ہوا نہ کہ جز، ہر دو جز کے بیچ میں خلا ایک خط موہوم ہے جس کے دونوں نقطہ طرف دونوں جز واقع فی الطرف پر منطبق ہیں اور بیچ میں امتداد خطی، تو یہ خلاوخط منقسم ہیں نہ کہ اجزاء و نقطہ۔

شبہ ۳: دوسرا رفویوں چاہاکہ ہم اس خلا کو اجزاء سے بھریں گے تو ہم تو تلاقی اجزاء ہو جائے گی اور اگر کبھی نہ بھرسکے تو خلا کی تقسیم غیر متناہی ہوئی تو جسم کی تقسیم غیر متناہی لازم آئی۔ اور یہی مطلوب ہے۔ اور اگر بھر جائے اور ایک جز سے کم کی جگہ رہے تو جز منقسم (سندیلی)

اقول: اوّلًا: دو۲ جزوں کا ملنا محال تو بھرنے کا قصد قصہ محال جیسے کوئی کہے کہ خط اب میں ہم برابر نقطے رکھیں گے، اب تین حال سے خالی نہیں، یا متناہی نقطوں سے بھرے گا یا غیر متناہی سے کہ دو حاصروں میں محصور ہوں گے یا نہ بھرے گا یعنی ایک نقطہ سے کم کی جگہ خالی رہے گی کہ موجب تقسیم نقطہ ہے اور بہر صورت تتالی نقاط لازم، اس سے یہی کہا جائے گا کہ احمق دو نقطے برابر ہو سکتے ہی نہیں نہ کہ متوالی نقطوں سے خط بھرنے کی ہوس۔

ثانیًا: خدا کی تقسیم لامتناہی ہونے سے امتداد موہوم کی تقسیم نامتناہی ہوئی نہ کہ جسم کی۔

ثالثًا: اگر نظر میں یہ تقسیم جسم ہونے سے واقع میں اس کی تقسیم ہو جائے تو کیا ایسی ہی غیر متناہی تقسیم مطلوب تھی کہ جسم کا تالف اجزائے لاتتجزی سے اور ان کے خلاؤں کے ذریعہ سے جسم کی تقسیم نامتناہی لامتناہی قسمت تو جز سے بھاگنے کو لیتے تھے جب اجزاء موجود پھر لاتناہی پر خوشی کاہے کی۔

شبہ ۴: اجزائے جسم میں جو چیز دو کے بیچ میں ہے وہ ان کو تلاقی سے مانع ہے ورنہ تداخل ہوگا حجم نہ بنے گا، اور یہ ممانعت یوں ہی ہوگی کہ ایک طرف سے ایک جز سے ملا ہو دوسری طرف سے دوسرے جز سے تو ضرور یہ طرفین ممتاز فی الوضع ہوں گی کہ ہر ایک کی طرف اشارہ جدا ہوگا جب تو ایک طرف سے اس سے دوسری سے اس سے ملنا ہوگا اور جب اس کے لیے طرفین ممتاز فی الوضع ہیں تو ضرور اس میں شے دون شے فرض کر سکتے ہیں تو انقسام ہو گیا اگرچہ وہمًا۔

اقول: یہ وہی شبہ اولٰی بعبارت اُخرٰی ہے اور جواب واضح نہ کوئی جز دوسرے سے ملا نہ دو جزوں کا مانع لقا، بلکہ تھا مانع بیچ کا خلا جیسے نقطتین طرف کو امتداد خط۔

شبہ ۵: ایک جز دو۲ جزوں کے ملتقی پر ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہوگا جز و لایتجزی نہ ہوگا کہ ملتقی پر ہونے کے یہی معنی کہ اس کا ایک حصہ ایک جز پر ہے دوسرا دوسرے پر، لیکن ملتقی پر

ہوسکنا ثابت ہے تو لایتجزّٰی ہونا باطل۔

اقول: وہ تو باطل نہیں بلکہ ایک جز کا دو کے ملتقٰی پر ہونا ہی باطل ہے کہ اتصال جزئین محال، اس کا امکان تین وجہ سے ثابت کرتے ہیں۔

(۱) جب مسافت اجزائے لاتتجزّی سے مرکب ہے اور ایک عـــہ جز اس پر حرکت کرے یعنی اس کے ایک جز سے منتقل ہو کر دوسرے جز پر آئے تو ظاہر ہے کہ دونوں جز اس حرکت کے مبدء و منتہی ہوئے اور حرکت نہ مبدء میں ہوتی ہے نہ منتہی میں بلکہ بینھما تو ضرور حرکت اس جز کے لیے اسی وقت ہوئی جب ان دونوں کے بیچ میں تھا یہی ملتقی پر ہوتا ہے۔

اقول: سب اعتراضوں سے قطع نظر مسافت کے دو جز متصل ہونا محال بلکہ ہر دو جز میں ایک امتداد موہوم فاصل ہے۔ جز متحرک وقت حرکت اس امتداد میں ہوگا۔

(۲) ایک خط اجزائے زوج مثلاً چھ جز اب ج ء ہ ر سے مرکب فرض کریں خط کے اوپر ا کے محاذی ایک جز ح ہے اور خط کے نیچے ر کے محاذی ایک جز ط اس شکل پر ح اح ب خ غ ہ ط داب فرض کرو کہ ح ط کی طرف اور ط ح کی طرف مساوی چال سے چلے تو ضرور بیچ میں ایک دوسرے کی محاذات میں آئیں گے یہ محاذات نہ نقطہ ح پر ہوگی جب تک ح نقطہ ح پر آئے گا۔ ط نقطہ ع پر ہوگا ابھی محاذات تک نہ آیا نہ نطقہ ع پر ہوگی کہ جب ح نقطہ ء پر آئے گا ط نقطہ ح پر پہنچے گا محاذات سے گزر گیا ہوگا ضرور ج وع کے بیچ میں ہوگی تو اس وقت ح ط دونوں ج وع کے ملتقی پر ہوں گے۔

اقول: یہ بھی اتصال اجزاء پر مبنی اور وہ محال بلکہ ج وء میں امتداد موہوم ہے اس کے منتصف پر یہ محاذات ہوگی۔

(۳) ایک خط اجزائے طاق مثلاً پانچ جز اب ح ء ہ سے مرکب میں خط کے اوپر دو جز ح و ط ہوں ایک اپر دوسراہ پر اور ایک دوسرے کی طرف ایک چال سے چلیں تو ضرور جزاء وسطانی ح پر آکر ملیں گے تو ح ان دونوں کے ملتقی پر ہوا۔

اقول: یہ فرض محال ہے وہ مساوی چال سے چلیں یا مختلف سے یا ایک چلے دوسرا ساکن

عـــہ: **اقول:** جز کا ان اجزاء سے ملنا ہی محال ہے مگر حرکت بلا اتصال بہ تبدل محاذات بھی ہو سکتی ہے لہٰذا ہم نے فرض پر کلام نہ کیا ۱۲ منہ غفرلہ۔

رہے۔ بہر حال محال ہے کہ کہیں مل سکیں کہ اتصال جزئین ممکن نہیں جیسے دو جسم کہ ایک دوسرے کی طرف مساوی یا مختلف سیر سے چلیں یا ایک ہی چلے، بہر حال بعد تلاقی وقوف وواجب کہ تداخل محال، یہاں قبل تلاقی وقوف لازم کہ اتصال محال بقائے میل موجبِ حرکت نہیں جب کہ کوئی مانع ہو اور لزوم محال سے بڑھ کر اور کیا مانع وہاں امتناع تداخل نے تلاقی پر حرکت روک دی اگرچہ میل باقی ہو یہاں استحالہ اتصال قبل تلاقی روک دے گا، اگر کہیے کہاں روکے گا، جہاں رکیں ضرور ان میں ایک امتداد موہوم فاضل ہوگا جس کی تقسیم نامتناہی ہوسکتی ہے۔ تو ممکن ہے کہ ابھی اور بڑھیں، اور ہمیشہ یہی سوال رہے گا۔

اقول: یہ وہ سوال ہے جو تم پر وارد کیا گیا کہ جب مسافت کی تقسیم نامتناہی ہے تو محال ہے کہ کوئی متحرک اسے قطع کرسکے اور اس کا جواب تم یہی دیتے ہو کہ یہ انقسام بالفعل نہیں موجود بالفعل امتداد متناہی ہے کہ قطع کرسکے اور اس کا جواب تم یہی دیتے ہو کہ یہ انقسام بالفعل نہیں موجود بالفعل امتداد متناہی ہے کہ قطع ہوجائے گا وہی جواب یہاں ہے یوں نہ سمجھو تو یوں سہی، آیا کبھی وہ وقت آئے گا کہ اب ان کی حرکت موجبِ تلاقی ہو یا بوجہ لامتناہی تقسیم کبھی نہ آئے گا، بر تقدیر ثانی غیر متناہی چلے جائیں گے اور کبھی نہ ملیں گے کہ کوئی جزان کے ملتقی پر ہو، اور بر تقدیر اول جہاں وہ حرکت رہے گی کہ اب ملادے وہیں رک جانا واجب ہوگا۔

شبہ ۶: بارہا حرکتِ سریعہ وبطیئہ متلازم ہوتی ہیں۔ (اسے بوجوہ ثابت کیا ہے ان سے تطویل کی حاجت نہیں ایک مثال آسیا بس ہے) ظاہر ہے کہ چکی کا دائرہ قطبیہ (جو اس کی کیلی کے پاس ہے) چھوٹا ہے اور دائرہ طوقیہ (جو اس کے بیرونی کنارے پر رہے۔) بڑا ہے دونوں دائروں پر ایک ایک جز لیجئے یقیناً دونوں ایک ساتھ دورہ پورا کریں گے۔ جز قطبی نے جتنی دیر میں یہ چھوٹا دائرہ طے کیا اتنی ہی دیر میں جز طوقی نے وہ بڑا دائرہ تو اس کی بطیہ اس کی سریعہ متلازم ہیں۔ فرض کیجئے کہ دائرہ طوقیہ دائرہ قطبیہ کا دس گناہ ہے تو جتنی دیر میں جز قطبی ایک جز مسافت طے کرے گا ضرور ہے کہ جز طوقی دس جز چلے گا، تو طوقی جتنی دیر میں ایک جز قطعی کرے گا قطبی ایک جز کا دسواں حصہ چلے گا تو جز منقسم ہوگیا۔ یا یوں کہیے کہ جز طوقی جتنی دیر میں ایک جز چلا اتنی دیر میں قطبی بھی ایک جز چلا تو جز منقسم ہوگیا یا یوں کہیے کہ جز طوقی جتنی دیر میں ایک جز چلا اتنی دیر میں قطبی بھی ایک جز چلا تو سریعہ وبطیہ برابر ہوگئیں اور ایک جز سے زائد چلا تو بطیئہ سریعہ سے بڑھ گئی اور دونوں باطل ہیں۔ لاجرم ایک جز سے کم چلے گا اور یہی انقسام ہے۔ اس شبہ نے متکلمین کو بہت پریشان کیا۔ نظام تو طغرے کا قائل ہوا یعنی مثلاً ایک اور دس کی نسبت ہے جو قطبی جتنی دیر میں ایک جز متصل پر منتقل ہوا طوقی اتنی ہی دیر میں بیچ سے نوجز چھوڑ کر دوسویں جز پر ہوجائے گا تو طوقی نے ایک سے لے کر نوجز تک قطع ہی نہ کئے کہ اتنی دیر میں قطبی کے لیے جز کا کوئی حصہ ہو بلکہ

دونوں ایک ہی ایک جز چلے مگر یہ جز متصل اور وہ نو جز کے بعد والا جز تو سریع وبطی برابر بھی نہ ہوئیں، اور متلازم بھی رہیں اور انقسام جز بھی نہ ہوا مگر یہ ایسی بات ہے جسے کوئی ادنی عقل والا بھی قبول نہیں کر سکتا کہ متحرک بیچ میں اجزائے مسافت کو ایسا چھوڑ جائے کہ نہ انہیں قطع کرے نہ ان کے محاذی ہو اور دفعۃً ادھر سے ادھر ہو رہے کم از کم نو جزوں کی محاذات پر تو گزرا اور ہر جز کی محاذات ایک حصہ حرکت سے ہوئی اتنی دیر میں جزء قطبی ساکن رہا تو حرکتین کا تلازم نہ ہوا اور محترک ہوا تو ضرور ایک جز سے کم قطع کیا۔ ہمارے متکلمین تلازم حرکتین کے منکر ہوئے اور مان لیا کہ جب تک طوقی مثلاً نو جز چلے قطبی ساکن رہے گا جب وہ نویں سے دسویں پر آئے گا یہ اپنے پہلے سے دوسرے پر ہو جائے گا تو نہ ساتھ چھوٹا نہ سریعہ وبطیئہ برابر ہوئیں نہ جز کا انقسام ہوا اس پر رد کیا گیا کہ ایسا ہو تو چکی کے اجزاء سب متفرق ہوگئے کہ طوقی چلیں گے اور قطبی ساکن رہیں گے یوں ہی بیچ والے اپنے اپنے لائق ٹھہریں گے کہ معیت باقی رہے تو چکی اگرچہ کیسے ہی مضبوط لوہے کی ہو اس کے تمام اجزائے لاتتجزی گھماتے ہی سب متفرق ہو جائیں گے اور ٹھہراتے ہی سب بدستور ایسے جم جائیں گے کہ ہزار حیلوں سے جدا نہ ہو سکیں، پھر ہر دائرے کے اجزاء کو اتنی عقل درکار کہ مجھے اتنا ٹھہرنا چاہیے کہ ساتھ نہ چھوٹے اس کا جواب التزام سے دیا کہ ہاں یہ سب کچھ فاعل مختار عزجلالہ، کے ارادے سے ہوتا ہے، فاعل مختار پر ہمارا ایمان فرض ہے مگر بداہت عقل شاہد کہ وہ ایسا کرتا نہیں جس طرح ممکن ہے کہ وہ پلنگ جس پر سے ہم ابھی اٹھ کر آئے ہیں اس کے پائے علماء فضلا ہوگئے ہوں۔ ومسلم الثبوت کا درس دے رہے ہوں قطعاً قادر مطلق عزمجدہ کی قدرت اسے شامل، مگر ہم یقیناً کہ ایسا ہوتا نہیں معہذا چکی نہ سہی خود اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر ایڑھیاں جما کر گھومے تو قطعاً اس کے ہاتھوں کی انگلیوں نے جتنی دیر میں بڑا دائرہ طے کیا پاؤں کی انگلیوں نے اتنی ہی دیر میں چھوٹا دائرہ تو ان کی ایک جز مسافت کے مقابل ان کے لیے جز کا حصہ آئے گا یا آدمی کے اجزاء بھی چکی کی طرح متفرق ہو جائیں گے آدمی ریزہ ریزہ پاش پاش ہوگیا اور اسے خبر نہ ہوئی، اس کا التزام کیونکر معقول، انفار متفلسفہ کو اس طغرہ وتفریق اجزاء پر بہت قہقہے لگانے کا موقع ملا، ابن سینا سے متشدق جونپوری تک سب نے اس کا مضحکہ بنایا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق: (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں ت) بات کچھ بھی نہیں، مسافت اگر جواہر فردہ سے مرکب ہوگی ہرگز دو جوہر متصل نہ ہوں گے ان میں

امتداد موہوم فاصل ہوگا، اب جز طوقی کی مسافت میں اگر اجزائے مسافت جز قطبی کے برابر ہیں جب تو ظاہر ہے کہ ایک اور دس کی نسبت میں ان کا فاصلہ ان کے فاصلے سے دس گناہ ہوگا، طوقی جتنی دیر میں ایک جز قطع کرے گا اتنی ہی میں قطبی بھی مگر مساوات نہ ہوئی،

کہ اس نے بڑی قوس قطع کی اور اس نے چھوٹی، اس شکل پر طوقی اپر تھا اور قطبی ء پر، جب وہ ایک جز طے کرے گا یعنی ب پر آئے گا۔ یہ بھی ایک جز چلے گا ر پر ہوگا اس نے قوس اب قطع کی اور اس نے قوس ء ر، اور اگر مسافت طوقی میں اجزائے مسافت قطبی سے زائد ہیں مثلاً اب میں دس جز ہیں اور ء ر میں یہی دو اس شکل پر تو جب طوقی ایک جز چلے گا یعنی اسے ح پر ہوگا قطبی ایک جز نہ چلے گا بلکہ جب وہ نو جز چل کر اسی ب پر آئے گا یہ ایک جز چل کر ء سے ر پر ہوگا اور جز کا انقسام نہ ہوا بلکہ امتداد فاصل کا یعنی جب طوقی اسے ح پر آئے گا۔ قطبی اس فاصلے کا جو ء سے ر تک ہے نواں حصہ قطع کرے گا۔ جب وہ ء پر ہوگا یہ اس فاصلے کا ۲/۹ طے کرے گا وھکذا تو نہ طغرا ہوا نہ تفریق اجزا نہ انقسامِ جز نہ تساوی حرکتیں نہ ان کا تلازم، اصلاً کوئی محذور لازم نہیں۔ **وللہ الحمد** وہ سارے مصائب اتصال اجزا ماننے پر تھے اور وہ خود محال۔

امیج بنانی ہے جلد ۲۷ ص ۵۴۵

شبہ ۷: تلازم سریعہ وبطیئہ جن وجوہ سے ثابت کیا جن کو جھوڑ دیا کہ وہ خود ہمیں مسلم ہے حاجت اثبات نہیں ان میں سے ایک وجہ کو خود مستقل شبہ کرتے ہیں۔ یوں کہ ایک خط عـــہ فرض کیجئے تین جز سے

عـــہ: سیالکوٹی نے شرح مواقف میں اس سے یہ جواب دیا کہ اصحابِ جز ایک جزو منفرد کا وجود ہی نہیں مانتے اس کی حرکت درکنار، اور یہ جواب شرح مقاصد سے ماخوذ ہے، اور اس نے تیسری وجہ اور مستفاد کہ ان وجود پر حرکت کے قائل نہیں جن سے محال لازم آتا ہے۔

اقول: یہ جواب اگر صحیح ہو تو شبہ پنجم کی وجوہ ثلاثہ سے بھی ہوسکے مگر اس کی صحت میں نظر ہے، جز من حیث ہو جز ضرور منفرد نہ ہوگا مگر جب جزو لایتجزی ممکن جوہر فرد کیوں نا ممکن، اور جب وہ ممکن تو اس کی حرکت کیوں محال، اور جب حرکت ممکن تو اس کی حرکت میں کیا استحالہ، بداہت عقل (باقی برصفحہ آئندہ)

مرکب اب ح دوسرا دو جز سے ء ہ یہ دوسرا اس سے پہلے پر ہے یوں کہ اکے مقابل ء، اور ب کے محاذی ہ اور اس دوسرے پر ایک جز راس کے ء پر ہے۔ اس شکل پر اب فرض کرو خط ء ہ خط اب ح پر بقدر ایک جز کے حرکت کرلے تو ضرور رکہ اس پر رکھا ہے بالعرض وہ بھی متحرک ہوگا اگر خود حرکت نہ کرتا اس حرکت سے یہ شکل ہوجاتی ر اسے منتقل ہو کر ب پر آیا ہ ب سے چل کر اِب ہ ح ح پر اور ر حرکت عرضیہ کے سبب ء ہ اسے ہٹ کر ب پر لیکن فرض کرو کہ اس نے اپنی ذاتی حرکت بھی ایک جز کی تو شکل اب ج یوں ہوئی رکہ ر ایک جز حرکت عرضیہ سے ہٹا، ورنہ ایک جز حرکت ذاتیہ سے اور اسے اب ء ج ہ، ح کے مقابل ہوگیا، تو جتنی دیر میں ر نے اپنی مجموعی حرکتین سے دو جز قطع کیے ب وج اتنی دیر میں ء نے ایک ہی جز طے کیا اب تو جتنی دیر میں ر اپنی مجموع حرکتین سے ایک جز قطع کرکے ب کے محاذی آیا ہوگا ظاہر ہے کہ اتنی دیر میں ء نے ب سے کم قطع کیا ہوگا تو جز منقسم ہوگیا۔

اقول: یہ سب ملمع ہے **اولاً** ر کا خط ء ہ سے اتصال کہ اس کی حرکت سے حرکت عرضیہ کرے محال کہ اتصال جزئین ممکن نہیں۔

ثانیاً: اب، ح سب اجزائے متفرقہ ہیں اور ان میں امتداد فاصل تو جتنی دیر میں ر مجموع حرکتین سے ب کے محاذی ہوگا اتنی دیر میں ء اس نصف امتداد کو طے کرے گا جو اوب میں ہے نہ کہ نصف جز کو۔

شبہ ۸: وجوہ تلازم سریعہ وبطیئ سے ایک اور وجہ کو حکمۃ العین میں مستقل شبہ قرار دیا اس کا ذکر بھی کردیں کہ کوئی متروک نہ سمجھے۔

اقول: اس کا ایضاح یہ کہ ایک لکڑی زمین میں نصب کرو، طلوعِ آفتاب کے وقت اس کا سایہ روئے زمین پر جانب مغرب پھیلا ہوگا جس کی مقدار دائرہ زمین کے ایک حصہ کی قدر ہوگی آفتاب جتنا بلند ہوتا جائے گا سایہ سمٹتا آئے گا یہاں تک کہ جب آفتاب آسمان کا ربع دائرہ قطع

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاہد ہے کہ متحرک کے لیے اس نحو حرکت میں کوئی استحالہ نہیں تو وہ ناشی نہ ہوا مگر فرض جوہر فرد فاہم با ایں ہمہ جب ان سب کے تسلیم پر ہمارے پاس جواب شافی موجود ہے تو ان کے انکار کی کیا حاجت وہ بھی بشکل مدعی کہ بارِ ثبوت ہم پر ہو، ۱۲ منہ غفرلہ۔

کرکے نصف النہار پر پہنچے گا سایہ اپنی انتہائے کمی کو پہنچے گا اگر آفتاب اس جگہ کے سمت الراس سے جنوب یا شمال کو ہٹا ہوا ہو اور عین سمت الراس پر ہو تو سایہ منعدم ہو جائے گا۔ بہر حال جتنی دیر میں آفتاب نے اپنے فلک کا ربع دائرہ قطع کیا کہ کروڑوں میل ہے اتنی دیر میں سایہ نے دائرہ زمین کا یہ حصہ قطع کیا جس پر وقتِ طلوع پھیلا ہوا تھا یا اس سے بھی کچھ کم اگر دوپہر کو بالکل منعدم نہ ہوگیا یہ سریعہ وبطیئہ کا تلازم تھا اور یہیں سے ظاہر کہ آفتاب جتنی مقدار قطع کرے گا سایہ اس سے بھی بہت کم کہ اسے یہ چھوٹی مسافت آفتاب کی اس بڑی مسافت کے ساتھ ساتھ قطع کرنا ہے تو اسی نسبت سے اس کے بڑے حصوں کے مقابل اس کے چھوٹے حصے پڑیں گے اور شک نہیں کہ آفتاب کا ارتفاع انتقاص ظل کی علت ہے اب اگر مسافت اجزائے لاتتجزی سے مرکب ہو اور فرض کریں کہ آفتاب نے ایک جز قطع کیا تو سایہ اتنی دیر میں اگر ساکن رہے یعنی نہ گھٹے تو معلول کا علت سے تخلف ہو اور یہ محال ہے اور اگر حرکت کرے یعنی گھٹے تو اس کی حرکت بھی اگر ایک جز یا زائد ہو تو بطیہ سریعہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو گئی لاجرم ایک جز سے کم ہوگی اور یہ انقسام ہے۔

اقول: قطع نظر اس سے کہ سایہ کوئی شے باقی مستمر متحرک متزائد یا متناقص نہیں آفتاب دو لمحہ ایک مدار پر نہیں رہتا اور ہر مدار کی تبدیل پر پہلا سایہ معدوم ہو کر دوسرا جدید حادث ہوگا کہ اس وقت جو حصہ زمین مواجہ شمس تھا اب مستور ہے اور جو مستور تھا اب مواجہ ہے اور ہر نیا طلوع سے دوپہر تک کم حادث ہوگا اور دوپہر سے غروب تک پہلے سے زائد نہ کہ ایک ہی سایہ گھٹتا بڑھتا رہا تو یہاں نہ کوئی حرکت ہے نہ متحرک نئے نئے سائے مختلف المقدار ہر لمحہ جدید پیدا ہونے کو مجازاً حرکت کہہ لو جواب وہی ہے کہ مسافت میں اجزاء متصل نہیں بلکہ متفرق اور ان میں امتدادات وہمیہ فاصل تو ایک جز سے دوسرے پر آفتاب نہ آئے گا مگر ایک امتداد طے کرکے سایہ اس کے حصوں میں سے کوئی حصہ کم ہوگا جیسا جز طوقی و قطبی کے حرکات میں گزرا بالجملہ اجزا نہیں مگر حدود مسافت کی طرح جن کی لحظہ بلحظہ تبدیل سے حرکت توسطیہ و متحرک کو بین الغایتین جدید نسبتیں حاصل ہوتی ہیں اور حرکت قطعیہ میں انہیں کی موافات ہوتی ہے اب اگر کوئی کہے کہ یہ حدود بلاشبہ نقاط غیر منقسمہ ہیں آفتاب جتنی دیر میں ایک حد طے کرے سایہ ضرور اس سے کم طے کرے گا ورنہ سریعہ وبطیئہ برابر ہو جائیں گی، تو نقطہ منقسم ہوگیا اس کا جواب یہی دوگے کہ دو ۲ نقطے متصل نہیں وہی جواب یہاں ہے۔

شبہ ۹: جز متناہی ہے اور ہر متناہی متشکل اب اگر مضلع ہو تو جانب زاویہ غیر جانب ضلع

انقسام ہوگیا، اور اگر کرہ ہو تو جب کرے ملیں (یعنی دو کرے متصل ہوں اور تیسرا ان دونوں کے اوپر) ضرور فرجہ کہ بیچ میں رہا ہر کرے سے چھوٹا ہوتا ہے تو جز منقسم ہوگیا (متن و شرح حکمۃ العین)

اقول: اوّلاً: جز کا متناہی یعنی صاحب نہایت ہونا مسلم نہیں متناہی و غیر متناہی امداد کے اقسام ہیں ولہذا تصریح کرتی ہیں کہ خط کے لیے جہت بمعنی نہایت صرف دو ہیں عرض میں وہ امتداد ہی نہیں رکھتا کہ نہایت ہو۔

ثانیاً: اگر تناہی عدم امتداد کو بھی شامل مانیں تو شکل بے امتداد ممکن نہیں کہ وہ ایک یا زائد حدود کے احاطہ سے بنتی ہے احاطہ کو دو چیزیں درکار، محیط و محاط، اور اثنینیت بے امتداد معقول نہیں۔ ہر متشکل متناہی ہے ہر متناہی متشکل نہیں، جیسے نقطہ، وہ اور جز خود اپنے نفس کے لیے حد ہیں نہ کہ ان کو کوئی حدِ محیط۔

ثالثاً: ہم فرض کرتے ہیں کہ کُرے ہوں گے اور فرجے رہنا اتصال پر موقوف، اور وہ محال اگر کہیے اتصال محال سہی مگر عقل حکم کرتی ہے کہ اگر متصل ہوتے ضرور ان کے فرجے ان سے چھوٹے ہوتے، امتناعِ اتصال اس حکم عقل کا نافی نہیں تو ضرور فی نفسہ ان میں اس کی صلاحیت ہے کہ ان سے چھوٹی مقدار پیدا ہو اگرچہ خارج سے وہ صورت محال ہے۔

اقول: اولاً: یہ جب تھا کہ نظر بنفس ذات ان کا اتصال ممکن اور خارج سے محال یا بغیر ہوت امگر ہم بتا آئے کہ جز کی نفس ذات آبی اتصال۔

ثانیاً: حل یہ کہ یہاں یہ حکم عقل ہرگز نہیں بلکہ یہ ہے کہ اگر متصل ہوتے متداخل ہوتے کہ ایک طرف سے ملنے دوسرے طرف سے جدا ہونے کی ان میں اصلاً صلاحیت نہیں جیسے دو خط جب اپنے طول میں ایک دوسرے کی طرف متحرک ہوں ملتے ہی انکے دونوں نقطے متداخل ہو جائیں گے نہ کہ متجاوز رہیں اور جب متداخل ہوتے فرجے کدھر سے آتے اگر کہیے نقطے عرض ہیں ان کا تداخل ممکن، یہ تو جوہر ہیں ان کا تداخل کیونکر ممکن۔

اقول: جبھی تو ان کا اتصال محال ہوا کہ وہ بے تداخل ناممکن تھا اور تداخل محال اگر کہیے ہم تو نفس حکم عقل بر تقدیر اتصال میں کلام کرتے ہیں۔

اقول: ہاں اس فرض مخترع پر ضرور انقسام ہو جاتا اور حرج نہیں کہ محال محال کو مستلزم ہوا جیسے فلسفی اگر حمار ہوتا ضرور ناہق ہوتا اور اس تقریر پر تمہیں اس سارے تجشم تشکل و مضلع وکُرہ و فرجہ کی حاجت نہ تھی کہ ان کا نفس اتصال بلاتداخل ہی موجبِ انقسام۔

رابعًا: مستدل نے عبث تطویل کی نفس کُرویت ہی مستلزم انقسام کہ اس میں فرض مرکز و محیط سے چارہ نہیں اور سر اُس میں وہی ہے کہ شکل بے امتداد نا ممکن، اور اسی میں اس کا جواب ہے کہ جب جز میں امتداد نہیں شکل کہا۔

شبہ ۱۰: کرے پر منطقہ اپنے تمام موازی دائروں سے بڑا ہے اب اگر کسی موازی میں اس کے ہر جز کے مقابل ایک جز ہے تو جز و کل مساوی ہوگئے کہ دونوں میں اجزا برابر ہیں لاجرم لازم کہ اس کے ایک جز کے مقابل اس میں ایک جز سے کم ہو اور یہی انقسام ہے۔

اقول: اجزا کسی میں متصل نہیں ان میں امتداد فاصل ہیں تو **اولًا** ممکن کہ دونوں میں جزا مساوی ہوں، اور کروں کی تساوی نہ ہو کہ بڑے میں اجزا زیادہ فصل پر ہوں گے چھوٹے میں کم پر۔

ثانیًا: بلکہ ممکن کہ چھوٹے میں اجزا زائد ہوں اور بڑا زیادت امتداد سے بڑا ہو۔

ثالثًا: اگر کم ہی ہوں تو جز منقسم نہ ہوگا بلکہ امتداد کما مرّ مرارًا (جیسا کہ متعدد بار گزر چکا ہے۔ت)

شبہ ۱۱: جب کسی شاخص کا ظلِ اس کا دوچند ہو جائے جیسا وقتِ عصر حنفی میں تو نصف ظل نصف ہوگا۔ اب اگر وہ شاخص خط جوہری اجزائے طاق مثلًا پانچ سے مرکب ہے تو اس کی تصنیف جز کی تصنیف کردے گی۔

اقول: اولًا: بدستور امتداد کی تنصیف ہوگی اور اگر اس کے منتصف پر کوئی جز نہیں جب تو ظاہر، اور اگر ہے تو وہی جز نصفین میں حدِ فاصل ہوگا نہ کہ منقسم۔

ثانیًا: یہ اس پر مبنی کہ خط جوہری کا سایہ پڑے اور یہ مسلم نہیں کہ وہ حاجب نہیں ہوسکتا کما سیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا)۔

شبہ ۱۲: جسم اگر اجزا سے مرکب ہوتا جز اس کا ذاتی ہوتا تو اس کے لیے بین الثبوت ہوتا کہ اس کے تعقل سے پہلے متعقل ہوتا تو نہ محتاج اثبات ہوتا نہ کہ اکثر عقلًا اس کے منکر۔

اقول: ایک یہ شُبہ عقل فلاسفہ کے قابل ہے میں اس کی حکایت کو اس کے رد سے مغنی رکھوں گا اور صرف اتنا کہوں گا کہ جسم اگر ہیولٰی و صورت سے مرکب ہوتا ہیولٰی اس کا ذاتی ہوتا تو اس کے لیے بین الثبوت ہوتا۔ الخ اب کہوگے ہیولٰی تو جزء خارجی ہے نہ کہ عقلی۔

اقول: پھر جز میں اسے کیوں بھولے۔

شبہ ۱۳: تین خط اجزائے لاتتجزی سے مرکب آپس میں متماس، فرض کریں ان میں ایک فلک الافلاک کے قطر پر منطقہ ہو اور اس کے ایک جانب خط اب دوسری طرف خط ح ء اس شکل پر

امیج بنانی ہے جلد ۲۷ ص ۵۵۰

اور اسے ء تک ایک خط ملائیں ضرور یہ خط اء ایک قطر فلک الافلاک پر ہوگا کہ اس کے مرکز پر گزرا ہوا دونوں طرف محدب سے ء املاصق ہے، تو ثابت ہوا کہ اگر خط کا اجزا سے ترکب ممکن ہو تو فلک الافلاک کا قطر تین جز کی قدر ہو اس سے بڑھ کر اور کیا استحالہ درکار (حواشہ فخریہ)

اقول: توجیہ و تقریب یہ ہے کہ ہ ر قطر ہے اور اب ح ء اس کے مقارن و موازی چاروں طرف اس کے مساوی فصل پر ہیں تو ا ہ۔ہ ج۔ب ر۔ر ء چاروں قوسین برابر ہیں تو ان کے یہ چاروں زاویہ اہ ر ج ہ ر۔ب ر ہ۔ء ر ہ کہ مساوی قوسوں پر پڑے مساوی ہیں۔

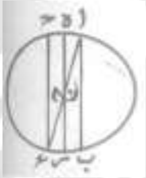

تو مثلث (اہ ن ٦ ء ر ن) سے یہ دونوں زاویہ اور قوسین (اہ ٦ ء ر) اور دونوں زاویہ (ن) بوجہ تقاطع برابر ہیں تو بحکم شکل (۲٦ ہ ن = ن ر۔) لاجرم ن جس پر خط اء گزرا مرکز ہے اور وہ ان ء دونوں کنارے محدب پر بھی گزرا ہے، تو قطر فلک الافلاک ہے اور ضرور وہ ان تین خطوں سے ایک ہی ایک جزلے گا اب سے اہ رسے (ن ج ء) سے ء کہ اگر طرفین میں کسی سے دو جز پر گزرے تو زاویہ پیدا ہو کر دو خط ہو جائے گا یوں (ن ا ح) اور وسطانی سے دو جز لے تو دو زاویے پیدا ہو کر تین خط یوں (ا۔ن ح۔ یا ح ن ء) تو ثابت ہوا کہ قطر فلک الافلاک صرف تین جزء لایتجزی کے برابر ہوگا۔ یہ تقریر شبہ ہے علامہ بحر العلوم قدس سرہ، نے حواشی صدرا میں اس کا یہ رد فرمایا کہ اصل جز پر اس وصل خط کا امکان ممنوع۔

اقول: ہر دو نقطوں میں وصل خط اگرچہ وہماً کا امکان بدیہی ہے صالح انکار نہیں رہا یہ کہ پھر جواب صحیح کیا ہے۔

اقول: واضح ہے خطوط جوہری کا اتصال محال ضرور ان میں امتداد فاضل ہوگا۔ ا سے مرکز تک نصف قطر فلک الافلاک ہوگا اور مرکز سے ء تک دوسرا نصف۔

شبہ ۱۴: ہر متحیز کی داہنی جانب بائیں کی غیر ہوگی یونہی تمام جہات مقابلہ اور یہ حکم بدیہی ہے تو قطعًا ہر متحیز جمیع جہات میں منقسم ہوگا، تو نہ ہوگا مگر جسم تو جوہر فرد و خط جوہری و سطح جوہری خود ہی محال

ہیں نہ کہ اُن کا جسم سے ترکب (مواقف وشرح) ماد متحیز سے متحیز بالذات ہے کہ اسی کو جہات درکار، بخلاف نقطہ وخط وسطح عرضیات کہ ان کا تحیز بہ تعبیت جسم ہے توان کے لیے جہات متصور نہیں۔ (سید) ملا عبدالحکیم نے حاشیہ میں جواب دیا کہ یہ بدہات بداہتِ وہم ہے، مالوف و معہود اشیائے منقسمہ ہیں ان میں جہات ایسی ہی ہوتی ہیں وہم سمجھتا ہے کہ سب میں یونہی ضرور ہیں۔) حالانکہ غیر منقسم کا منقسم پر قیاس باطل ہے وہ بذاتِ خود ہر شے کا محاذی ہوگا جیسے نطقہ مرکز کہ خود ہی تمام نقاطِ محیط کا محاذی ہے نہ یہ کہ جداجدہ حصوں سے ہر نقطے کی محاذات کرے اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ محاذات ایک امر اعتباری ہے کہ دو چیزوں کی ایک وضع خاص سے منتزع ہوتی ہے اس کے لیے ایک طرف سے تعدد بس ہے دونوں طرف تعدد کی کیا حاجت، جیسے ایک باپ کے دس ۱۰ بیٹے ہوں، اس کے لیے ہر ایک کے اعتبار سے ایک ابوت ہونا اس کی ذات میں تعدد کا باعث نہیں، ہاں اگر محاذات کوئی عرض قائم بالمحل ہوتی تو ضرور ہر محاذات کے لیے محل جداگانہ درکار ہوتا اور انقسام لازم آتا انتہی یہ جواب باول نظر ہمارے خیال میں آیا تھا۔

والاٰن اقول: وباللّٰہ التوفیق (اب میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ ت)

جہت ووضع کی سبیل واحد ہے جس طرح وضع کبھی اجزائے شے کی باہمی نسبت سے لی جاتی ہے اور کبھی بلحاظ خارج، دوم ہر ذی وضع کے لیے لازم متحیز بالذات ہو خواہ بالتبع، شک نہیں کہ راس مخروط کا نقطہ ایک وضع ممتاز رکھتا ہے کہ وضع مخروط سے جدا ہے بلاشبہ وہ قاعدے اور اس کے دائرے اور اس کے ہر نقطے سے ایک جہت مخصوص رکھتا ہے اور اس تکثر جہات سے متکثر نہیں ہوتا، یونہی جزء اور بمعنی اول نہ ہوگی مگر متجزی میں اسے غیر متجزی میں تلاش کرنا خلافِ عقل ہے، یونہی جہت کے دو معنی ہیں، ایک شے کے باہم حصص میں کہ اس کا ایک حصہ اوپر دوسرا نیچے ہو، ایک حصہ آگے دوسرا پیچھے ہو، ایک حصہ داہنا دوسرا بایاں، یہ غیر متجزی میں قطعًا محال اور اسے بدیہی ماننا قطعًا باطل خیال، بلکہ اس میں اس کا نہ ہونا بدیہی ہے۔ دوم شے کے لیے خارج کے لحاظ سے یہ منقسم وغیر منقسم متحیز بالذات وبالتبع سب میں ہوگی۔ یہی ہر متحیز کے لیے بدیہی ہے اور اس سے انقسام لازم نہیں کہ محض نسبت ہے اور تعددِ نسب سے منتسب میں حصے نہیں ہوجاتے دو جہت واقعہ غیر متبدلہ یعنی فوق وتحت میں توظاہر یہ ایک سے فوق یعنی بہ نسبت اس کے مرکز سے بعید یا تمہارے طور پر محدب سے قریب ہے اور دوسرے سے تحت یعنی بہ نسبت اس کے مرکز سے قریب ہے توان میں منقسم کی بھی نفسِ ذات ہی کا اعتبار ہے نہ حصص کا تو غیر منقسم کے حصے کہاں سے ہوجائیں گے

باقی چار حقیقۃً انسان وحیوانات میں ہیں کہ جو انسان کے منہ کی جانب ہے اس سے آگے ہے اور پیٹھ کی طرف پیچھے داہنے ہاتھ کی طرف اس سے جانب راست اور بائیں کی طرف جانب چپ، حجر سے حقیقتًا نہ کچھ آگے نہ پیچھے نہ داہنے نہ بائیں، ہاں غیر ذی روح کو ایک طرف متوجہ فرض کرو تو اس فرض سے یہ چاروں جہتیں فرضًا پیدا ہو جائیں گی۔ انسان وحیوان میں ان کی تبدیل وضع کے بغیر نہ بدلیں گی، انسان جب تک مشرق کو منہ کیے ہے جو چیز اس سے شرق ہے اس سے آگے اور غربی پیچھے اور جنوبی داہنے شمالی بائیں ہے، ہاں جب غرب کو منہ کرلے گا سب بدل جائیں گی، لیکن حجر میں بے اس کی تبدیل وضع کے محض تبدیل فرض سے مبدل ہوں گی، پتھر کو جو مشرق کی طرف متوجہ فرض کرے اس کے نزدیک وہ پہلی بار چار جہتیں ہیں اور اسی حال میں جو اسے مغرب کی طرف متوجہ قرار دے اس کے نزدیک پچھلی یہاں توجہ کی تعین جہتِ حرکت سے ہوجاتی ہے جو جس طرف متحرک ہے اسی طرف متوجہ سمجھا جاتا ہے کہ عادتًا انسان یا حیوان جدھر چلے اس طرف منہ کرتا ہے تو پتھر یا جز مثلًا اگر شرق کی جانب متحرک ہو جو اس سے شرق ہے آگے ہے یعنی اس سے جہت حرکت کی طرف ہے اور غربی پیچھے یعنی جہت متروک مبدء کی طرف اور جنوبی راست یعنی اس سے جانب جنوب کو اور شمالی چپ یعنی جانب شمال کو اسے انقسام سے کیا علاقہ، اور شک نہیں کہ اس کے لیے تحیز بالذات کی حاجت نہیں۔

(۱) کون کہہ سکتا ہے کہ فلک کا محدب اوپر اور مقعر نیچے نہیں۔ **(۲)** کیا معدل النہار منطقۃ البروج سے اوپر نہیں۔

(۳) کیا نقطہ اعتدال سے مرکز نیچا نہیں۔ **(۴)** کیا راس الحمل سے راس الثور آگے اور راس الحوت پیچھے نہیں۔

(۵) کیا توالی بروج میں انقلاب صیفی سے اس کا نظیرہ داہنی جانب اور شتوی سے اس کا نظیرہ بائیں جانب نہیں، الٰی غیر ذلک۔

(۶۔۷) فلاسفہ کی تصریح ہے اور خود علامہ سید شریف قدس سرہ، نے بعض حواشی میں فرمایا کہ خط کی دو جہتیں ہیں اور سطح کے لیے چار۔

اقول: یعنی خط کے لیے فوق وتحت کہ امتداد طولی سے ماخوذ ہیں اور سطح کے لیے یمین ویسار بھی کہ امتداد عرضی سے لیتے ہیں نہ قدام وخلف کہ امتداد عمق سے ہیں تو ثابت ہوا کہ **اولًا:** تحیز بالذات کی تخصیص باطل۔

ثانیًا: منشا شبہ دو معنی جہت کا اشتباہ تھا اس کے کشِ سے زاہق وزائل ایک یہی

شبہ اتصال جز میں جدا تھا جس کا انکشاف بحمدہ تعالٰی بروجہ احسن ہوگیا باقی تمام شبہات سابقہ ولاحقہ کے جواب میں یہی ایک حرف کافی کہ اتصال جزئین محال والحمدللہ شدید المحال۔

تنبیہ، اقول: اس شبہ کی ایک تقریر یوں ہوسکتی ہے کہ اب ح تین جز ہیں شک نہیں کہ ب کے ایک طرف ا ہے اور اس کے دوسری طرف ح کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ دونوں اس کی ایک ہی طرف ہیں تو ضرور ب میں دو طرفین ممتاز ہیں جن کی طرف اشارہ حسیہ جدا ہے تو شے دون شے کا مصداق ہوگیا اور یہی انقسام ہے اور جواب ہماری تقریر سابق سے واضح ہے۔

اولًا: ب کی ایک طرف ا اور اس کی دوسری طرف ح نہیں بلکہ ب سے ایک طرف ا اور اس سے دوسری طرف ح ہے تو انقسام نہیں اور دونوں عبارتوں کا فرق ہمارے بیان سابق سے روشن ہے۔

ثانیًا: تین مخروط ہیں ان کے رؤس نقاط ا، ب، ح، ☆ا☆ب☆ح، یہ تقریر بعینہٖ ان تین نقطوں میں جاری کون کہہ سکتا ہے کہ او ح دونوں ب کے ایک طرف ہیں، اگر کہیے کہ یہ انقاط معدوم و موہوم ہیں تو ان کے لیے جہات نہیں۔

اقول: اولًا: خود فلاسفہ قائل اور دلائل قاطعہ قائم کی کہ اطراف یعنی سطح و خط و نقطہ کہ نہایات جسم و سطح و خط ہیں موجود فی الخارج ہیں۔

(۱) اقلیدس نے اس کا موجود ہونا اصول موضوعہ میں رکھا، طوسی نے تحریر میں اس کی تقریر کی، علامہ قطب الدین شیرازی نے حواشی حکمۃ العین میں فرمایا، انہیں موجود نہ ماننا مذہب فلاسفہ کے خلاف ہے، انہوں نے حکماء کا لفظ کہا ہے اور مشائین و اشراقین کسی کی تخصص نہ کی، نیز فرمایا کہ اطراف یعنی خط و سطح ان کے نزدیک انواع کم متصل موجود فی الخارج سے ہیں تو معدوم کیسے ہوسکتے ہیں۔ یعنی تو یونہی نقطہ کہ وہ خط موجود کی طرف ہے بعض متاخرین نے کہ ان کا وجود انتزاعی مانا، باقر نے صراط مستقیم میں اسے رد کیا اور ان بعض کے زعم کو کہ ابن سینا نے اس کی تصریح کی۔ حمد اللہ علی المتشدق نے فی الآن میں خلافِ واقع بتایا۔

(۲) شرح حکمۃ العین میں کہا کہ اطراف اگر موجود نہ ہوں تو وہ مقدار متناہی نہ ہوگی ضرور ہے کہ مقدار متناہی کسی شے پر ختم ہوگی وہی اس کی طرف ہے تو مقادیر متناہیہ کے اطراف بلاریب موجود ہیں۔

(۳) صاحبِ حکمۃ العین نے اپنی بعض تصانیف میں اس پر یہ دلیل قائم کی کہ دو۲ جسموں

کا تماس اپنی پوری ذات سے نہیں ہو سکتا ورنہ تداخل لازم آئے، نہ کسی امر معدوم سے یہ بداہۃً ظاہر ہے نہ کسی ایسے امر سے کہ جانب تماس میں منقسم ہو کہ یہ منقسم اگر بالکلیہ مماس ہوں تداخل ہے اور بالبعض تو ہم اس بعض میں کلام کریں گے کہ وہ منقسم ہے یا غیر منقسم، اور بالاخر غیر منقسم پر انتہا ضرور ہے اور یہ غیر منقسم اجزاء جسم نہیں کہ جز لایتجزی باطل ہے تو ثابت ہوا کہ ایک شے ذو وضع کے جانب عمق میں منقسم نہیں موجود فی الخارج ہے اسی سے اجسام کا تماس ہے اور وہ نہیں مگر سطح، یونہی سطحوں کے تماس سے نقطے کا وجود فی الخارج لازم۔ سید شریف نے فرمایا، وجود اطراف پر یہ دلیل سب سے ظاہر تر ہے۔

ثانیًا: بالفرض ان کا وجود انتزاعی ہو تو وہ منتزعات کہ خارج میں ان کے احکام جدا ہوں ان پر آثار مترتب ہوں ضرور وجود خارجی سے خط رکھتے ہیں۔ اطراف ایسے ہی ہیں اور اسی قدر تمایز جہات و سماوات کو کافی۔

ثالثًا: ہم ان خطوط و نقاط میں کہ ضرور انتزاعی ہیں جہات ثابت کر چکے مقر کدھر۔

شبہ ۱۵: سطح جوہری کے اجزائے تتجزی سے مرکب ہو جب شمس کے مقابل ہو ضرورۃً اس کا ایک رخ روشن دوسرا تاریک ہوگا۔ (مواقف ومقاصد) صدرا نے بڑھایا کہ دوسرا غیر مرئی ہوگا۔ کہ ایک ہی شے حالتِ واحدہ میں مرئی و غیر مرئی نہیں ہو سکتی تو جانبِ عمق میں انقسام ہو گیا۔

اقول: وہی مالوف و معہود کے دائرے میں وہم کا گھرا ہونا غائب کا شاہد پر قیاس کر رہا ہے وہم سطح عرضی میں یونہی سمجھتا ہے کہ اس کا رخ ہمارے سامنے ہے اور پشت جسم سے متصل۔ علامہ بحر العلوم نے حواشی صدرا میں فرمایا اس کا تو یہی ایک رخ ہے کہ ہمارے مواجہ اور شمس سے مستنیر ہے سطح میں دو رخ کہاں یعنی مرئی و غیر مرئی کی مغایرت تلاش کرنی حماقت ہے اس میں غیر مرئی کچھ نہیں وہ بتمامہ مرئی اور بتمامہ مستنیر ہے۔ پھر فرمایا خلاصہ دلیل یعنی شبہ مذکورہ یہ ہے کہ جو چیز متحیز بالذات ہوگی ضرور بصر میں اور دوسری اشیاء میں حاجب ہوگی۔ یوں ہی نورِ شمس سے ساتر ہوگی تو ضرور اس کے لیے دو رخ ہوں گے اور اس کا انکار مکابرہ ہے۔

اقول: اوّلًا: اب شُبہ کی حالت اور بھی ردی ہو گئی۔ حاجب و ساتر ہونے کے لیے ضرور دوُرخ ہونا ہی کافی نہیں بلکہ لازم کہ شعاع بصر و شمس دوسرے رُخ تک نہ پہنچے، ورنہ ہر گز حاجب نہ ہوگی جیسے آئینہ کتنے ہی دل کا ہو نہ نگاہ کو روکے نہ دھوپ کو، جب ممتد منقسم دوسری جہت تک شعاع پہنچنے سے ساتر نہیں ہو سکتا تو وہ جس میں اصلًا امتداد ہی نہیں کیونکر حاجب ہو

حاجب ہو جائے گا اس کا اثبات مکابرہ ہے۔

ثانیاً: مستدل جانتا تھا کہ تنہا ایک جز لایتجزی بصر و شمس کو حاجب نہیں ہو سکتا کہ وہ مقدار ہی نہیں رکھتا۔ لہٰذا اجزاء سے مرکب سطح لی کہ حجم و مقدار پیدا ہو کر صلاحیت حجب ہو جائے اور نہ جانا کہ اجزاء کا اتصال محال و متفرق ہوں گے اور ہر دو کے بیچ میں خلاء، تو بصر یا شمع کی شعاعیں جہاں پہنچیں گی ان کے مقابل نہ ہوگا۔ مگر جزء واحد کہ محض بے مقدار ناقابل ستر ہے یا خلا کہ بدرجہ اولی اور وہ طریقہ اتصال حسی کہ ہم نے اوپر ذکر کیا محض ارادۃ اللہ عزوجل پر مبنی ہے اسے انقسام سے علاقہ نہیں۔

شُبہات بہ براہین ہندسیہ

علامہ تفتازانی نے مقاصد و شرح میں اُن پر رَد اجمالی کیا کہ وہ سب انتفائے جز پر مبنی ہیں۔ اور مُلا عبدالحکیم نے حواشی شرح مواقف میں کہا اشکال ہندسیہ ثبوت مقدار پر موقوف ہیں وہ اتصال جسم پر وہ نفی جز پر، تو ان سے نفی جز پر استدلال دور ہے، اصحابِ جز کے نزدیک نہ زاویہ ہے نہ وتر نہ قطر نہ دائرہ سب تخیلاتِ باطلہ ہیں کہ توہم اتصال سے پیدا ہیں، شرح مقاصد میں یوں تفصیل فرمائی کہ براہین ہندسیہ سے ابطال جز میں مثلث متساوی الاضلاح و تنصیف زاویہ و تنصیفِ خط و وجودِ دائرہ و وجودِ کرہ سے مدد لی ہے اور ان میں سے کچھ بے نفی جز ثابت نہیں۔ اقلیدس نے تنصیفِ خط اس پر مثلث متساوی الاضلاع بنا کر کی اور تنصیف زاویہ اس کی ساقین برابر کرکے وتر نکال کر اس پر دوسری طرف مثلث مذکور بنا کر، اور مثلث مذکور خط پر دو دائرے کھینچ کر، اور کرہ یوں ثابت کرتے ہیں کہ قطر دائرہ کی بجائے محور مانیں اور اس کے دونوں نقطہ طرف کو بجائے قطبین، اب نصف دائرہ کو اس محور پر گھمائیں یہاں تک کہ اپنی وضع اول پر آجائے اس سے سطح کروی کہ محدب کرہ اور اسے محیط ہے پیدا ہو گی تو سب کا مبنی ثبوت دائرہ ہوا اور وجود دائرہ یوں ثابت کرتے ہیں کہ سطح مستوی پر ایک خطِ مستقیم عہ تخیل کریں۔

عہ: علامہ نے فرمایا ایک خطِ مستقیم متناہی **اقول:** صرف اتنا ہی خط کافی نہیں بلکہ وہ شرط ضرور ہے جو ہم نے ذکر کی ۱۲ منہ غفرلہ

اقول: یعنی سطح متناہی ہو اور یہ خط اس میں ایسی جگہ کہ کسی طرف سطح کا امتداد اس خط کی مقدار سے کم نہ ہو) اس خط کا ایک کنارہ ثابت رکھیں اور دوسرے کو دورہ دیں یہاں تک کہ اپنے محل اول پر آجائے اس دورہ سے سطح دائرہ حاصل ہوگی جیسے عمل پرکار سے، لیکن بر تقدیر جزیہ حرکت خط جس سے دائرہ بنایا خود محال ہے کہ مستلزم محال ہے تو بے نفی جز ان میں سے کسی کا اثبات محض خیال ہے۔ ملّا حسن نے حواشی صدرا میں اس حرکت کا استحالہ یوں بتایا کہ خط کا ایک کنارہ ثابت رکھ کر دوسرے کو جو حرکت دی ہے یہ کنارہ جتنی دیر میں اس سطح مستوی کا ایک جز قطع کرے وہ جز خط کہ کنارہ ثابتہ کے متصل ہے اگر وہ بھی ایک ہی جز قطع کرے یونہی آخر تک جب تو دائرہ صغیرہ و کبیرہ مساوی ہوجائیں گے اور اگر جز سے کم تو جز منقسم ہوگیا اور اگر یہ ساکن رہے تو خط کے اجزاء بکھر گئے تو دائرہ پورا ہونا لازم نہ ہوگا حالانکہ لازم مانا تھا تینوں شقیں محال ہیں لہٰذا وہ حرکت محال ہے۔

اقول: کلام یہاں طویل ہے اور انصاف یہ کہ تخیل دائرہ ان تجشمات کا محتاج نہیں اور وجود دائرہ کا ان سے ثبوت نہیں ہوسکتا کہ یہ سب تخیلاتِ نامقدورہ ہیں خارج میں پرکار ہے جو بحالت اتصال جسم دائرہ حقیقیہ بنانے کی ضمانت نہیں کرسکتی، نہ وہ سطح جسے مستوی سمجھیں واقع مستوی ہونی ضرور جس سے حقیقت تک عظیم فرق ہے نہ پرکار کی رفتار میں اول سے آخر تک فرق نہ پڑنے کی ذمہ داری ہوسکتی ہے نہ وہ نشان کہ اس سے بنے تمام مسافت میں یقینی یکساں ہونے کی تو وجود ثابت نہیں مگر دائرہ حسیہ کا صدرا نے باآنکہ اقرار کیا کہ ابطال جز پر اشکالِ ہندسیہ سے استدلال ضعیف ترین طریق ہے کہ ان کا وجود اور اتصال جسم ماننا ایک ہی چیز ہے مگر مربع مثلث قائم الزاویہ کا استثنا کیا اس بنا پر کہ ابن سینا نے اصحاب جز کا مذہب بتایا کہ مربع کے منکر نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مربع میں قطر ڈالنے سے دو مثلث قائم الزاویہ پیدا ہوں گے تو جو دلیل اس پر مبنی ہو اصحاب جز سے اس کا دفع ناممکن ہے انتہی، اصحاب جز کی طرف یہ نسبت کذب محض ہے ان کی کتب میں کہیں تسلیم مربع حقیقی کا پتہ نہیں۔

اقول: بلکہ وہ صراحۃً وجود زاویہ کا انکار کرتے ہیں پھر مربع کہاں سے آئے گا صراحۃً سرے سے مقدار ہی نہیں مانتے تو کوئی شکل کہاں سے آئے گی۔ ابن سینا نے کہا ہمارے پاس وجود دائرہ کے دو ثبوت اور ہیں کہ نفی جز پر مبنی نہیں۔

اوّل: اجسام میں بسیط بھی ہیں۔ (یعنی مرکبات کی انتہا بسائط کی طرف لازم) اور بسیط کی شکل طبعی کُرہ ہے، اور جب کرے کے دو حصے مساوی حسا یا وہمًا کیے جائیں گے۔ دو دائرہ حادث ہوں گے۔ بحر العلوم نے فرمایا یہ اگرچہ نفی جز پر مبنی نہیں۔

اولاً: اس پر مبنی ہے کہ اجسام میں طبعیت ہے۔ **ثانیاً:** اس پر کہ شکل مقتضائے طبع ہے۔

ثالثاً: اس پر کہ طبیعت واحدہ مادہ واحدہ میں فعل واحد ہی کرے گی اور یہ سب ممنوع بلکہ باطل ہیں۔

اقول: رابعاً: بلکہ ہم ثابت کر چکے کہ ان کے نزدیک طبیعت واحدہ نے مادہ واحدہ میں افعال مختلفہ متباینہ بالنوع کئے کہ افلاک مجوف بنائے جن میں محدب و معقر۔

خامساً: اثبات وجود واقعی کے درپے ہو کر تنصیف کرہ میں وہماً بھی ملانا عجیب ہے تنصیف وہمی سے دائرہ موہومہ بنے گا یا موجودہ۔

سادساً: اگر وہمی سے گزر کر خاص حسی لو تو اب وہ کرہ بتاؤ جس کی تنصیف حسی کروگے۔ زمین پر کسی کرے کا حقیقیہ ہونا ثابت نہیں کر سکتے اور واقع میں افلاک میں بھی ثبوت نہیں کما تقدم (جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے) اور فرض کرلیں تو ان کی تنصیف حسی تمہارے نزدیک محال۔

سابعاً: فرض کرلیں کہ کوئی کُرہ حقیقیہ قابل تنصیف حسی تمہیں مل سکے اب اپنی تنصیف کا ضامن بتاؤ کہ صحیح دو نصف کرسکوگے ہاتھ اتنا بھی نہ بہک سکے کہ ایک جز لایتجزی کی قدر دونوں نصفوں میں فرق ہو۔ اور جب یہ کچھ نہیں تو وہی زرا توہم رہ گیا جس کا کوئی منکر نہیں۔ دائرہ واقعیہ نہ ثابت ہونا تھا نہ ہوا۔

ثامناً: نفی جزپر مبنی نہ ہونا بھی عجیب منطق ہے، اس کی بنا ثبوتِ مادہ پر ہے اور ثبوت مادہ کی بنا نفی جزیر، یہ ہے ابن سینا کی ریاست۔

اگر کہیے طبیعت واحدہ اجزا میں بھی فعل واحدہ ہی کرے گی۔ اقول: انہیں ملا ہی نہ سکے گی کہ اتصال اجزا محال ہے پھر کرہ کہاں سے بنائے گی۔

دوم: اصحابِ جزو دائرہ حسیہ سے تو منکر نہیں حسیہ حقیقیہ ہو سکتا ہے یوں کہ دائرہ حسیہ میں کچھ اجزا واقع میں اونچی کچھ نیچے ہوں گے۔ ہم ایک خطِ مستقیم مرکز دائرہ پر رکھ کر سب سے اونچے جزپر رکھیں گے نیچے اجزاء میں اس خط کی مقدار سے جتنی کمی ہے اسے اجزاء لاتتجزی بھر کر پوری کریں گے۔ اگر سب طرف کمی پوری ہو کر بعد برابر ہو جائیں دائرہ حقیقیہ ہوگیا اور اگر کہیں اتنی کمی رہے کہ اب ایک جزء رکھیں تو خط کی مقدار سے اونچا ہو جائے گا تو معلوم ہوا کہ یہاں کمی ایک جز سے کم کی ہے تو جز منقسم ہوگیا، اور اگر غیر متناہی اجزاء رکھتے جائیں اور خلا کبھی نہ بھرے

تو اس کی تقسیم نامتناہی ہوئی اور یہ ان کے مذہب کے خلاف ہے کہ ہر بعد کو وہ بھی متناہی مانتے ہیں۔

اقول: اولاً: کلام وجود دائرہ میں تھا نہ نرے توہم و تخیل میں کہ محتاج تجسم نہ تھا اور اس تدبیر سے ثابت ہوا تو وہی توہم نہ واقع میں۔ دائرہ بنالینا کہ یہ تدبیر نہ ہوگی مگر وہم میں واقع میں ایک جز کی قدر نشیب و فراز کو نہ امتیاز کرسکتے ہو نہ اس کے بھرنے کو ایک جز کہیں سے لاسکتے ہو، توجو مقصود تھا ثابت نہ ہوا، اور جو ثابت ہوا مقصود نہ تھا، یہ ابن سینا کی ریاست ہے۔

ثانیاً: ابن سینا کی جاں فشانی پر افسوس آتا ہے کہ محض خرط القتاد ونفخ فی الزماد ہے دو جز متصل ہو ہی نہیں سکتے، ان سے خلا بھرنا کیسا، ایسی ہی تقریر شبہ ثالثہ میں تھی اور وہیں اس کا رد گزرا۔

ثم اقول: یہ سب بردو مات بے وجہ ہے، ہمارے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ نہ براہین ہندسیہ نفی جز پر مبنی نہ ان سے نفی جز ہو سکے، ان کی بنا خطوطِ موہومہ پر ہے اگرچہ واقع میں اجزاء سے ترکب ہو، عمارتوں میں ان سے مدد لی جاتی ہے، دیواروں و ستون کو کون کہہ سکتا ہے کہ متصل وحدانی ہیں، مگر وہی اتصال موہوم کام دیتا ہے اور نفی جز ان سے یوں نہیں ہو سکتی کہ وہ وجود جز باطل نہیں کرتیں بلکہ اتصال اور وہ خود محال، **وباللہ التوفیق**، اب ان شبہات کو اگر ہم ذکر نہ بھی کریں عاقل خود ان کا جواب سمجھ لے گا مگر گنا دینا مناسب کہ ناواقف کو یہ وہم نہ ہو کہ فلاں شبہ جواب سے رہ گیا معہذا بعونہ تعالٰی بیان جوابات عدیدہ و افاداتِ جدیدہ لائے گا **وباللہ التوفیق**۔

شبہ ۱۶: بحکم شکل عروسی قطر مربع یعنی وتر مثلث قائم الزاویہ متساوی الساقین کا مجذور مجذور ضلع کا دو چند ہے، اور اصول ہندسیہ میں ثابت ہوچکا ہے کہ نسبت مجذورین مجذور نسبت جذرین ہوتی ہے تو ضرور قطر و ضلع مذکور میں وہ نسبت ہے کہ اس کی مثناۃ بالتکریر ہے یعنی اس کا مجذور دو ہے اور دو کسی عدد کا مجذور نہیں تو ضرور قطر و ضلع مذکور میں نسبت صمیہ ہے جس کے لیے کوئی عاد مشترک نہ نکل سکے اور اعداد میں یہ نسبت محال کہ سب کا عاد کم از کم ایک موجود ہے اور اگر ان خطوط کا ترکب اجزاء سے ہوتا تو ضرور ان میں نسبت عددیہ ہوتی یعنی ضلع کو وہ نسبت قطر سے ہے جو ایک کو اتنے سے اس نسبت کا نہ ہوسکنا دلیل روشن ہے کہ ان کا ترکب اجزاء سے نہیں بلکہ یہ مقادیر متصلہ ہیں جن میں نسبت صمیہ پائی جاتی ہے۔ (صدرا)

اقول: ہاں اجزائے متفرقہ سے ترکب ہے اور خطوط موہومہ سے اتصال، ان کی نسبت عددیہ ہے اور یہ صمیہ ان موہومات کی، برہان نے یہی تو ثابت کیا کہ ان مقادیر متصلہ میں نسبت صمیہ ہے،

مقادیر متصلہ یہی خطوط موہومہ ہیں نہ کہ وہ اجزائے متفرقہ۔

شبہ ۱۷: ایک مثلث قائم الزاویہ کو جس کا ہر ضلع ۱۰ جز سے مرکب تو بحکم عروسی وتر ۲۰۰ کا جزر ہوگا اور وہ بلاکسر ممکن نہیں تو جز منقسم ہوگیا۔ (مواقف مقاصد) بلکہ تحقیق یہ کہ جذر اصم باطل ہے تو لازم کہ اس وتر کے لیے واقع میں کوئی مقدار ہی نہ ہو۔ یہ صریح البطلان ہے کہ امتداد بے مقدار یعنی چہ (صدرا)۔

شبہ ۱۸: وہ جز کا ایک خط ہو ان میں ایک جز پر تیسرا جز بزاویہ قائمہ بنا تار کھیں تو اس قائمہ کا وتر دو جز سے زیادہ اور تین سے کم ہوگا کہ ۸ کا جذر ہے جز منقسم ہوگیا۔ (مقاصد)

شبہ ۱۹: ایک ضلع قائمہ جب ۳ جز ہو، دوسرا دو جز، تو وتر بحکم عروسی ۳ سے بڑا اور بحکم حماری ۴ سے چھوٹا ہوگا۔ (صدرا)

اقول: یہ سب شبہات ایک ہیں اور ان کا منشاء وہی شبہ ۱۶ اور وہی ان کا جواب کہ تمہاری عروسی تمہاری حماری سب انہیں خطوط موہومہ میں ہیں اجزائے متفرقہ میں کہ جز کا انقسام ہو، عجب کہ علامہ تفتازانی نے ۱۷ و ۱۸ کو جدا دو شبہے کیا اور صدرا نے ۱۷ و ۱۹ کو یوں تو کروڑوں بلکہ غیر متناہی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں مجموع مجذورین ضلعین مجذور صحیح نہ ہو پھر غیر متناہی شبہے کیوں نہ گنائیے۔

شبہ ۲۰: چار چار جز کے چار مستقیم خط لیں اور انہیں برابر رکھیں تا حدِّ امکان خوب ملادیں کہ شکل مربع پیدا ہو (: : : : :) ظاہر ہے کہ اس کے قطر میں بھی چار ہی جز آئیں گے اگر واقع میں اتنے ہی ہیں تو قطر و ضلع برابر ہوگئے اور یہ عروسی سے محال، اور اگر ایک ایک جز کے فصل سے ہیں تو قطر سات جز کا ہوا اور یہی مقدار دو ضلعوں کی ہے کہ ایک جز دونوں میں مشترک ہے تو مثلث کے دو ضلعے مل کر تیسرے کے برابر ہوئے، یہ حماری سے محال (یعنی اگر کہیں ایک جز سے زائد کا فصل ہے تو محال اعظم کہ ایک ضلع دو کے مجموعہ سے بڑھ گیا) اگر کہیں ایک سے کم کا فصل ہے تو جز منقسم ہوگیا۔ (ابن سینا، مواقف، مقاصد، صدرا)

اقول: ایک بات ہے لفظ گھما گھما کر جتنی بار چاہو کہو، تو یہ مواقف نے ایک کو دو کیا اور مقاصد و صدرا نے تین اور جواب وہی کہ ملانا محال بلکہ اضلاع و قطر سب کے تمام اجزا متفرق رہیں گے اور عروسی و حماری امتدادات موہومہ کا حال بتائیں گی۔ اجزائے قطر ضلع یا مجموعہ ضلعین سے کم ہو یا برابر یا زائد، اس میں ایک شق ابنِ سینا سے رہ گئی کہ ممکن کہ اجزائے قطر میں کہیں خلا ہو

اور کہیں بالکل نہ ہو جس سے اس کی مقدار ۴ سے زائد اور ۷ سے کم رہے، مواقف و صدرا سے یہی شق رہ گئی، شرح مقاصد میں اس کی طرف توجہ کی کہ یوں ممتنع ہے کہ خطوط مستقیم ہیں اور تاحدِ امکان ملادیئے ہیں۔

اقول: تاحدّ ِامکان ملادینا نفی خلا کرتا ہے تو پہلی ہی شق پر اقتصار واجب تھا باقی سب بے کار، اور جب اس کے بعد یہی خلا کا احتمال اور اس کی وہ تین شقیں ممکن رہیں تو اس چوتھی سے کون مانع ہے کیا واجب ہے کہ ملانے کا اثر سب اجزاء پر یکساں ہو بلکہ یہی کیا ضرور ہے کہ تمہارے ملانے کے بعد خطوط مستقیمہ ہی رہیں، غایت یہ کہ مستقیمہ رہ کر بھی تفاوت خلا سے مربع نہ بنے پھر اس کا بننا ہی کیا ضرور، بلکہ نہ بنا ضرور کہ عروسی حماری نہ بگڑیں۔

ثم اقول: ابن سینا کی یہ جاں کاہی پتہ دے رہی ہے کہ اصحاب جز کی طرف اس کی وہ نسبت اقرار مربع غلط تھی ورنہ نہ اس محنت کی حاجت ہوتی نہ ان شقوں کی نہ حماری کا خلف دکھانے کی نہ آسانی کو کوئی خاص شمار اجزاء فرض کرنے کی بلکہ اتنا کہہ دینا کافی ہوتا کہ مربع تمہیں مسلم اور بر تقدیر اجزا ہر ضلع میں جتنے الزاویہ جس کا ہر ضلع میں جتنے جز ہوں گے اتنے ہی قطر میں آئیں گے اور یہ عروسی سے باطل۔

شبہہ ۲۱: مثلث قائم الزاویہ جس کا ہر ضلع ۵، ۵ جز ہے، بحکم عروسی اس کا وتر ۵۰ کا جذر ہوگا اب ہم اس وتر کا ایک سرا اس کے پاس کے ضلع کا ایک جز چھوڑ کر رکھیں تو ضرور ہے کہ دوسرا سرا ایک جز سے کم اپنے پاس کے ضلع سے سرکے تو جز منقسم ہوگیا ایک جز سے کم سرکنا یوں ضرور ہے کہ اگر یہ بھی ایک جز سرکے تو پہلا ضلع ۴ جز کا ہوا اور دوسرا ۶۱ کا تو یہ وتر ۵۲ کا جزر ہوگیا حالانکہ ۵۰ کا تھا(صدرا)

اقول: تیمّم تقریب یہ ہے کہ مثلاً مثلث اب ح میں جب وتر اح کو نقطہ سے نیچے سرکا کر مثلاً نقطہ ء پر رکھو تو محال ہے کہ اس کا دوسرا کنارہ نقطہ ح پر منطبق رہے ورنہ ء ح = اح ہو۔

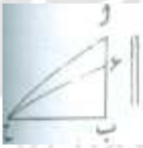

حالانکہ قطعاً چھوٹا ہے کہ وہ اب، ب ح کے مربعوں کا جزر ہے۔

اور یہ ء ب ٦ ب ح کے ب ح مشترک ہے اور ء ب، اب سے چھوٹا ہے تو اس کا مربع چھوٹا ہے تو ان دو مربعوں کا مجموع ان دو مربعوں کے مجموعہ سے چھوٹا ہے تو ان کا جذر ء ح ان کے جذر اح سے چھوٹا ہے تو واجب ہے کہ وتر کا دوسرا کنارہ بھی نقطہ ح سے آگے پڑے اور اس کا وقوع خط ب ح کی استقامت پر ممکن بلکہ واقع ہے مثلاً اب دیوار ہموار ہو

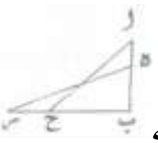

جب اس کا سرا ا اور ب ء صحن مستوی اس دیوار پر اح ایک چھڑی یوں رکھی ہے کہ زاویہ قائمہ ب کا وتر بنی ہے کہ اپر ہے نیچے سرکا کرہ پر رکھوگے ضرور دوسرا سرا کہ ح پر تھاء کی طرف سرک کر رپر آئے گا۔ تو اسی ضلع ب ح کی استقامت پر آئے اور اب مثلث اب ح کے عوض ہ ب ر ہوگا، اس صورت میں اہ اگر ایک جز ہے ضرور ح ر ایک جز سے کم ہوگا اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس مثلث کا متساوی الساقین ہونا جس طرح شبہ میں لیا ضرور نہیں۔ وہ صرف ایک تصویر ہے جس سے اختلاف مقدار وتر دکھائی جاسکے۔ رہا جب اقول: واضح ہے **اولًا** مثلث بے اتصال اجزا نہ بنے گا اور وہ محال۔

ثانیًا: تینوں ضلعوں میں اجزائے متفرقہ ہیں اور ان میں امتدادات وتر کا ایک سرا ا گر ایک ضلع کے جز سے دوسرے پر آئے گا ضرور ایک امتداد طے کرے گا اور دوسرا سرا اس سے کم امتداد نہ کہ جز سے کم۔

ثالثًا: اگر اتصال اجزاء لو تو یہ سارا دفتر گاؤخورد ہوجائے گا سرکانے سے وتر ہی وہ نہ رہے گا جسے کہو کہ شیئ واحد کی مقدار بڑھ گئی پہلے اتنے کا جذر تھا اب وہی وتر اتنے کا جذر ہوگیا۔ فرض کرو، 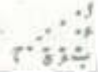 اب ح ایک مثلث ہے جس کا ضلع اب ۳ جز، ب ح ۴ جز وتر اح ۵ جز جس سے ب ء ہ عروسی نہ بگڑے اس وتر کا نقطہ اضلع اب میں مشترک ہے اور ح ضلع ب ح میں اب اگر دونوں ضلعوں کی مقدار برقرار رکھ کر وتر کو سرکانا چاہو تو وہ صرف تین جز کا رہ جائے گا اور اگر وتر کی مقدار بحال رکھو تو دونوں ضلعوں میں سے ایک ایک جز کم ہوجائے گا اور اب وہ ع ب ٦ ب ہ ہوں گی اور اس ۵ جز کے وتر اح کو اگر یوں رکھو کہ اس کا جزء اضلع ء ب سے اوپر ہو تو یہی صورت اب ح پھر عود کرے گی اور اگر یوں رکھو کہ ء اسی کے اجزا کی سمت میں رہے اس طرح 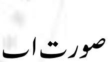 ح تو اب نقطہ ء بھی اس میں شامل ہو کر وتر ٦ جز کا ہوجائے گا وہ وتر نہ رہا اس پر اگر عروسی وارد کرو تو یہ شبہ ١٦ تا ١٩ کی طرف رجوع کرے گا اور انہیں کے رد سے رد ہوجائے گا کلام اس شبہ میں ہے اور اگر سمت بچا کر یوں رکھوں تو نہ مثلث رہا نہ وتر شکل ذوار بعہ اضلاع ہوگئی، بہرحال تمہارا مقصود کہ سرکانے سے وتر واحد کی مقدار بدل گئی حاصل نہیں ہوسکتا۔

شبہ ۲۲: وہی دیوار و صحن پر چھڑی کے دونوں سرے جن سے مثلث قائم الزاویہ بنے

اب اُسے نیچے کی طرف سے جہاں صحن سے ملی ہے بتدریج ضلع ب ح کی جانب مقابل کھینچیں یوں کہ دیوار سے ملی ملی اترے یہاں تک کہ بائیں دیوار میں زمین پر آجائے ظاہر ہے کہ ا دیوار سے اترتا جائے گا اور ح صحن پر جانب مقابل ب ح میں بڑھتا جائے گا اب اگر یہ اُترنا اور بڑھنا برابر مقدار میں ہو تو وتر اح زمین پر اب اس طرح رکھا ہے کہ پورے ضلع ب ح پر ہے اور اس سے جتنا سرکا اتنا زائد ہے اور وہ سرکنا اترنے کے برابر اور اترنا بقدر ضلع اب یعنی قامت دیوار تھا تو وتر دونوں ضلعوں کے مجموعہ کے برابر ہوگیا۔ اور یہ حماری سے محال ہے۔ (یعنی اور اگر سرکنا اترنے سے زائد لو تو استحالہ ازید ہے کہ وتر دونوں ضلعوں کے مجموعے سے بڑھ گیا) لاجرم سرکنا اترنے سے کم ہوگا، اب اگر دیوار پر سے ایک جز اترے تو واجب کے صحن پر ایک جز سے کم سرکے، انقام ہوگیا۔ (مواقف موضحا)

اقول: یہ اُسی شبہ سابقہ کی گویا دوسری تقریر ہے اور اس پر **اولاً وثانیاً**: وہی ہیں۔

ثالثاً: اس پورے وتر کا دیوار پر سے اترنا محال کہ اس کا جز ا دیوار کا جز تھا کہ دونوں میں مشترک تھا۔

رابعاً یہیں سے ظاہر کہ اس چھڑی یا کڑی کو وتر کہنا صحیح نہیں وتر میں دو جز اور ہیں ایک دیوار کا ایک صحن کا۔

خامساً: یہیں سے روشن کہ اس پورے وتر کا صحن پر سرکانا بھی باطل کہ ح اس میں اور صحن میں مشترک ہے اور اگر ا و ح دونوں جز چھوڑ کر صرف چھڑی کو سرکایئے تو شبہ کا ایک ایک فقرہ مختل ہوگا۔

اولاً: یہ وتر نہیں۔

ثانیاً: اترنے کی مسافت سارا ضلع اب نہ ہوئی کہ اس کا جز ا متروک ہے۔

ثالثاً: نہ صرف ا، بلکہ ب بھی کہ چھڑی دیوار سے ملی ملی جو زمین پر پہنچے گی اس کا پہلا سرا نقطہ ب پر نہیں آسکتا بلکہ ب کے برابر جو جز ضلع ب ح میں ہے اس پر آئے گا کہ دیوار سے ملی ہوئی اتری ہے نہ کہ حلول وتداخل کیے۔

رابعاً: اب اس کا انطباق بھی پورے ضلع ب ح پر نہ ہوگا کہ جزء ب متروک ہے۔

خامسًا: اس صورت پر حاصل یہ ہوا کہ ضلع اب۔ ۲جز + ضلع ب ج۔ یک جز = وتر – ۲جز ÷ ضلع اب + ضلع ب ح یک جز = وتر تو حماری وارد نہ ہوگی، ہاں اگر عروسی وارد ہو تو اسی شبہ ۱۶ تا ۱۹ کی طرف رجوع اور اسی کے دفع سے مدفوع ہوگی، کلام اس تقریر شبہ میں ہے۔

شبہ ۲۳: اقلیدس نے مقالہ دوم میں ثابت کیا ہے کہ ہر خط کے ایسے [عہ۱] دو حصے کرسکتے ہیں کہ قسم اصغر میں خط کی سطح یعنی حاصلِ ضرب قسم اکبر کے مربع کے برابر ہو، اب جو خط مثلاً تین جز سے ہے اسے اگر صحیح تقسیم کریں تو دو اور ایک اقسام ہوئے کل یعنی تین جز کا قسم اصغر ایک میں حاصل ضرب ۳ ہوا۔ اور قسم اکبر ۲ کا مربع ۴، تو ضرور ہے کہ کسر پر تقسیم کریں۔ (یعنی قسم اکبر دو جز سے کم لیں اور اصغر ایک جز سے کچھ زیادہ کہ وہ تقسیم بن پڑے تو جز منقسم ہوگیا) (صدرا)۔

اقول: اوّلا: ہرگز کسر سے بھی صحیح نہ آئے گا کہ اس کی تصحیح کو انقسام جز مانیں، دلیل یہ کہ خط کو لا فرض کیجئے اور قسم اکبر کو ء، تو قسم اصغر لا–ء ہوگی اور مساوات یہ بنے گی۔ $لا(لا-ء) = ء^2$ یعنی $لا^2 - لاء = ء^2$ بجبر و مقابلہ $لا^2 = لاء + ء^2$ تکمیل مجذور کریں: $ء^2 + لاء + \frac{لا^2}{4} = لا^2 + \frac{لا^2}{4} = \frac{5لا^2}{4}$ اب $\frac{5لا^2}{4}$

مربع کامل ہے کہ مربع کامل کا مساوی ہے اور اقلیدس کے مقالہ ۹ شکل اول سے ثابت ہے کہ مربع کو مربع میں ضرب دینے یا مربع پر تقسیم کرنے [عہ۲] سے بھی مربع کامل حاصل ہوتا ہے تو لا ۲ / ۴ مربع کامل ہے جس کا جذر ۱۱/۲ نیز اسی شکل نے ثبوت دیا ہے کہ مربع کامل کو جس میں ضرب دیئے یا جس پر تقسیم کیے [عہ۳] سے مربع کامل حاصل ہو وہ مضروب فیہ یا مقسوم علیہ

عہ۱: **اقول:** یہی نسبت ذات طرفین ووسط ہے یعنی خط : قسم اکبر : قسم اکبر : قسم اصغر، لاجرم بحکم اربعہ متناسبہ خط × قسم اصغر = مربع قسم اکبر کو اقلیدس نے کہ مقالہ دوم شکل ۱۱ میں خط کی یہ تقسیم بیان کی پھر مقالہ ۶ شکل ۲۷ میں خط کو نسبت ذات طرفین ووسط پر تقسیم کرنا محض عبث ہے یہ وہیں مقالہ دوم میں ثابت ہوچکا تھا ۱۲منہ غفرلہ۔

عہ۲: مسئلہ ضرب استبانت اولٰی میں ہے اور مسئلہ تقسیم کہ ہم نے زائد کیا، استبانت چہارم سے ظاہر اگر دو مربعوں کا حاصل قسمت مربع نہ ہو اور حاصل قسمت و مقسوم علیہ کا مسطح = مقسوم ہوتا ہے تو مربع و غیر مربع کا مسطح مربع ہوا، حالانکہ استبانت چہارم ہے کہ غیر مربع ہے ۱۲منہ غفرلہ۔

عہ۳: مسئلہ ضرب استبانت دوم میں ہے اور مسئلہ تقسیم کہ ہم نے زائد کیا اس سے ظاہر، مربع ÷ عدد جب کہ مربع ہے تو ضرور عدد مربع = مربع ہے تو عدد مربع ہے ۱۲منہ۔

بھی مربع عـــہ کامل ہوتا ہے یہاں لا ۲ / ۴ کو ۵ میں ضرب دینے سے مربع کامل حاصل ہوا تو واجب کہ ۵ بھی مربع کامل ہوا اور یہ بدیہی البطلان ہے، وبوجہ دیگرء قسم اصغر کو فرض کیجئے تو اکبر لا — ء ہے اور مساوات یہ

لا ء = (لا - ء)^۲ = لا^۲ - ۲ لا ء + ء^۲ ∴ بجبر و مقابلہ لا^۲ - لا ء + ء^۲ = ۰ بلکہ لا^۲ - ء لا = - ء^۲ ∴ بتکمیل مجذور لا^۲ - ء لا + ء^۲/۴ = ء^۲/۴ - ء^۲ = - ۳ء^۲/۴

یہاں دو استحالے ہوئے ایک تو بدستور تین کا مجذور کامل ہونا، دوسرے منفی کا مجذور ہونا، حالانکہ کوئی منفی مجذور نہیں ہوسکتا کہ اس کا جذر مثبت ہو یا منفی بہرحال اس کے نفس میں حاصلِ ضرب مثبت آئے گا کہ اثبات کا اثبات اور نفی کی نفی دونوں اثبات ہیں، ہاں نفی کا اثبات یا اثبات کی نفی نفی ہے مگر مجذور میں اس کا امکان نہیں کہ مضروبین میں تبدل نفی واثبات سے شے کی ضرب اس کے نفس میں نہ ہوئی تو اگر یہ شکلیں خط مرکب من الاجزاء کو بھی شامل ہوں خود غلط و باطل ہیں۔

لطیفہ اقول: ہمارے یہ دونوں بیان نفس ہر دو شکل پر بھی وارد ہوسکتے ہیں کہ لا و ء جس طرح اعداد مفروض ہوسکتے ہیں، یونہی امتداد ولہ جواب ترکناہ للاختیار۔

لطیفہ اقول: یہاں ایک منطقی سوال ہے شک نہیں کہ ہر مجذور منفی ہوسکتا ہے مثلاً ۳۶ — (۲۴) = ۲۰ تو صادق ہوا کہ بعض مجذور منفی ہیں تو اس کا عکس بھی صادق ہوگا۔ کہ بعض منفی مجذور ہیں حالانکہ اس کی نقیض صادق ہے کہ کوئی منفی مجذور نہیں وجوابہ ظاہر من دون استتار۔

ثانیاً: حل وہی ہے کہ ہندسہ ہمیشہ امتداداتِ موہومہ سے بحث کرتا ہے، اجزائے متفرقہ سے جو خط مرکب ہو اسے ایک اتصال موہوم عارض ہوگا اس کی یہ تقسیم ہوسکے گی نہ کہ اجزا کی۔

شبہ ۲۴: اقلیدس کی پہلی شکل ہے کہ ہر خط پر مثلث متساوی الاضلاع بناسکتے ہیں تو اگر خط دو جز کا ہوا اس پر مثلث نہ بنے گا، مگر یونہی کہ تیسرا جز ان دونوں کے ملتقی پر رکھا جائے

عـــہ: یا یوں کہیے کہ جب دو عددوں کا حاصل ضرب مربع ہو تو وہ دونوں مسطح متشابہ ہیں۔ (شکل ۲ مقالہ ۹) دو مسطح متشابہ وہ جن کے اجزائے ضربی متناسب ہوں۔ (صدر ا مقالہ ۷) اور ہر دو مسطح متشابہ دو مربعوں کی نسبت پر ہوتے ہیں۔ (شکل ۸ مقالہ ۸) تو جن کا حاصل ضرب مربع ہو وہ دو مربعوں کی نسبت پر ہیں پھر ہر دو عدد کہ دو مربعوں کی نسبت پر ہوتے ہیں۔ (شکل ۸ مقالہ ۸) تو جن کا حاصل ضرب مربع ہو وہ دو مربعوں کی نسبت پر ہیں پھر ہر دو عدد کہ دو مربعوں کی نسبت پر ہوں اور ان میں ایک مربع ہو تو دوسرا بھی مربع ہے۔ (شکل ۲۲ مقالہ ۸) تو جن کا حاصلِ ضرب مربع ہو اور اُن میں ایک مربع ہے تو دوسرا بھی مربع ہے تو لا ۲ / ۴ کہ مربع ہے اور ۵ میں ضرب دینے سے مربع بنا، لاجرم ۵ بھی مربع ہے حالانکہ ہرگز نہیں ۱۲ منہ غفرلہ۔

تو انقسام ہو گیا (شرح مقاصد)

اقول: یہ وہی شبہ ۵ ہے اور اس کا رد وہیں گزرا، اجزاء کبھی نہ ملیں گے بلکہ ان میں امتداد فاصل ہوگا اسی کا انقسام حاصل ہوگا۔

شبہ ۲۵: ہر خط کی تنصیف کر سکتے ہیں، اب اگر اجزائے طاق سے ہو جزء منقسم ہو جائے گا (مواقف و صدرا)

اقول: یہ وہی شبہ ۱۱ ہے اور وہیں اس کا جواب۔

شبہ ۲۶: ہر زاویہ کی تنصیف ہو سکتی ہے (مواقف و مقاصد) تو وہ جز کہ دونوں خطوں کے ملتقی پر ہے منتصف ہو گیا۔ (شرح مقاصد)

اقول: تنصیف زاویہ کی ہوگی یا راس کی، ثانی خود محال کہ راس زاویہ فلاسفہ کے نزدیک بھی نہیں مگر ایک نقطہ اور اول پر جب تنصیف زاویہ سے تنصیف نقطہ راس نہ ہوئی تنصیف جزء راس کیوں ہوگی کہ وہ نہیں مگر اُسی نقطے کی جگہ۔

شبہ ۲۷: ایک مثلث متساوی الساقین لیں جس کے قاعدے کے اجزاء ہر ساق سے کم ہوں، ظاہر ہے کہ راس زاویہ پر ساقوں میں اصلاً انفراج نہیں اور پھر ہر امتداد پر بڑھتا گیا ہے تو قاعدے کی طرف سے اوپر چلنے میں ہر جگہ گھٹتا جائے گا یہاں تک کہ ایک جزء کی قدر رہ جائے گا، اور اس سے اوپر ایک جزء سے کم ہوگا۔ یہی انقسام ہے (حضری فی شرح کتاب الابہری) شاہ عبدالعزیز صاحب نے حواشی صدرا میں اس کی یہ تصویر کی کہ دونوں ساقین ۵، ۵ جز کی ہوں اور قاعدہ ۴ جز کا اور انفراج کا گھٹنا یوں کہ دونوں ساقوں سے ایک ایک جز حذف کریں تو وہ ۴، ۴ کی رہیں گی اور وتر ۳ کا یونہی ایک ایک جز ساقوں میں سے کم کرتے جائیں تو وتر ایک جز سے کم رہے گا۔

اقول: وتر کا تین جز کی قدر سے کم ہونا محال کہ ساقوں میں کتنے ہی اجزا کم لیں ضرور دو جز متقابل ہوں گے کہ دونوں وتر میں داخل ہوں گے اور ان کے بیچ میں کم سے کم ایک جز کی قدر انفراج اور اگر ساقوں کے دونوں جز منتہی چھوڑ کر وتر میں ۴ جز لیے اگرچہ یہ خلاف فرض ہے کہ اب وتر ساقوں سے اکبر ہوا مگر اب تصویر مذکور پر کوئی محال نہ لازم آئے گا جب ساقوں میں ۵، ۵ جز ہیں وتر میں ۴ جز ہیں ایک ایک کے حذف پر جب ساقوں میں دو دو جزء رہیں گے وتر میں جزء وسطانی ایک ہوگا آگے ساقوں میں سے حذف نہیں کر سکتے کہ یہ ۲، ۲ جزء یوں ہیں کہ ایک ملتقی کا دونوں میں مشترک ہے اور ایک ایک امتداد کا جب اسے حذف کرو گے صرف جز ملتقی رہ جائے گا، نہ ساقین رہیں گی نہ وتر نہ مثلث، تو انقسام کب ہوا، صدرا نے اس

شبہ حضری کو ضعیف ترین دلائل سے کہا۔ عماد نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ دلیل اس پر مبنی کہ ملتقی کے بعد زاویہ بقدر ایک جز کے رہے تو ملتقی پر جز سے کم ہوگا، لیکن یہ ممنوع ہے کیوں نہیں جائز کہ ملتقی کے بعد انفراج بقدر دو جز کے ہو تو ملتقی پر پورا جز ہوگا۔

اقول: اولاً: صدرا نے اس بنا پر تضعیف نہ کی اس نے خود وجہِ ضعف بتادی ہے کہ جتنے دلائل مثلث قائم الزاویہ مسلم، متکلمین کے سوا اور کسی شکل ہندسی پر مبنی ہیں اضعف دلائل ہیں کہ متکلمین انہیں نہیں مانتے تو ان کا وجود اتصال جسم پر مبنی اور اتصال جسم نفی جزء پر، تو ان سے نفی جز پر استدلال مصادرہ ہے یعنی یہ دلیل ایسی ہی ظاہر ہے کہ مثلث متساوی الساقین جس کا قاعدہ چھوٹا ہو نہ ہوگا مگر حاد الزوایا اور متکلمین صرف مثلث قائم الزاویہ کے قائل ہیں یہ وجہ ضعف ہے نہ وہ اگرچہ اس استثنا کا بطلان بھی اُس پر سن چکے کہ متکلمین ہر گز کسی شکل کے قائل نہیں۔

ثانیاً: یہ بھی ایک ہی کہی کہ دلیل اس پر مبنی کہ ملتقی کے بعد انفراج بقدر ایک جز کے رہے تو ملتقی پر جز سے کم ہوگا۔ سبحان اللہ ملتقی پر کہاں انفراج اور کہاں زاویہ۔

ثالثاً: ایک جز سے کم ہوگا۔ سبحان اللہ ملتقی پر کہاں انفراج اور کہاں زاویہ۔

ثالثاً: ایک جز سے مراد تنہا جز واحد تو خود باطل ہے جسے مجنون ہی جسے مجنون ہی مانے گا ساقوں کے دونوں جز کدھر جائیں گے اور اگر ایک جزء انفراج مراد تو اس پر بنائے دلیل خرط القتاد اور دو جز کی اصلاً حاجت نہیں جب ساقوں کا یہ ایک ایک جز حذف کرو گے نہ مثلث رہے گا نہ ساقین نہ وتر نہ زاویہ نہ انفراج کما تقدم۔

رابعاً: ہم شبہ کی وہ تقریر کریں جس پر کچھ وارد نہیں۔ ۱۰، ۱۰ جز کے دونوں ضلعے اور ۶ جز کا وتر، ساقوں کا انفراج وہ فاصلہ ہے جو ان کے دونوں جز و متقابل کے اندر رہے اس کی مقدار وتر کے اجزائے وسطانی ہی ہیں یعنی ساقین کے دونوں جز چھوڑ کر یہ مجموعہ امتداد وتر ہے نہ کہ فصل بین الساقین، تو صورتِ مذکورہ میں انفراج ۴ جز ہوا اب ساقین سے ایک ایک جز کم کیا، ضرور ہے کہ انفراج گھٹا، اب اگر ایک جز سے کم گھٹے جز منقسم ہوجائے گا۔ تو ضرور یہاں انفراج ۳ جز رہا پھر ایک ایک جز ساقوں سے گھٹا یا دو جز رہا پھر گھٹا یا ایک جز رہا۔ اب ساقوں میں ۷، ۷ جز ہیں اور انفراج صرف ایک جز، اب جتنی بار ساقوں سے ایک ایک جز کم کروگے ضرور انفراج ایک جز سے کم، پھر اس کم سے کم پھر اس سے بھی کم رہے گا اور یہی انقسام ہے۔

ثم اقول: حضری نے تطویل کی اور قاعدہ چھوٹا لینے کی بھی حاجت نہیں بہت

صاف و مختصر یہ تقریر ہے کہ مثلث متساوی الاضلاع ہے جس کا ہر ضلع ۳ جزب ۰: ۱۰اج ء ہ کا فاصلہ ایک جز ہے تو ضرور ب ح کا اس سے کم رہا۔

جواب اقول: واضح ہے اجزاء ہرگز متصل نہ ہوں گے امتداد فاصل ہے وہی ہر جگہ گھٹے گا خواہ اجزاء پہلے امتداد سے کم ہوں یا برابر یا زائد۔

شبہ ۲۸: محیط دائرہ اگر اجزائے لاتتجزی سے مرکب ہو تو ظاہر ہے کہ ان کے لیے دو طرف ہوں گی ایک بیرونی خارج دائرہ کی جانب ہے، یہ محدب ہے، دوسری اندرونی کہ داخل دائرہ کی طرف ہے، یہ مقعر ہے، یہ دونوں طرفیں اگر برابر ہوں تو مرکز زمین پر جو دائرہ بال بھر قطر کا لو وہ اور فلک الافلاک کا منطقہ برابر ہو گیا کہ معدل النہار کے محدب و مقعر معدل کے مساوی ہوئے اب اس کے نیچے ایک اور دائرہ بلا فصل لیجئے ضرور اس کا محدب مقعر معدل کے مساوی ہے کہ دونوں منطبق ہیں اور بغرض مذکور اس کا مقعر اس کے محدب کے مساوی ہے تو اس کا مقعر محدب معدل کا مساوی ہے، یونہی متصل دائرے فرض کرتے آئے یہاں تک کہ اس دائرہ صغیرہ سے مل جائیں جو مرکز زمین پر لیا تھا ان سب کے مقعر و محدب برابر ہوں گے اور ہر ایک کا محدب بحکم انطباق اس سے اوپر والے کے معقر سے اور بحکم تساوی اس کے محدب سے تو فلک سے اس دائرہ زمین تک یہ تمام دوائر برابر ہوئے، لاجرم دائرے کا مقعر اس کے محدب سے چھوٹا ہوگا یہ چھوٹا ہونا دو ہی طرح ہو سکتا ہے: ایک یہ کہ اجزاء کی زیریں جانب بالائی سے چھوٹی ہو تو جز منقسم ہو گیا دوسرے یہ کہ زیریں جانب اجزاء خوب ملے ہوئے ہوں اور بالائی جانب جدا جدا یوں بھی انقسام ہو گیا کہ غیر ملاقی غیر ملاقی ہے۔ معہذا بالائی جانب میں جو فرجے ہیں اگر ایک جز سے کم ہیں جز منقسم ہو گیا اور ایک جز کی قدر ہیں، تو دائرے کا محدب مقعر سے دونا ہو گیا اور یہ بشہادتِ حس باطل ہے۔ (ملخص مواقف و مقاصد)

اقول: رحم اللّٰہ العلماء ورحمنا بھم (اللہ تعالٰی علماء پر رحم فرمائے اور ان کے صدقے ہم پر بھی رحم فرمائے۔ت) یہ سب تلمیع محض ہے۔

اوّل محدب و مقعر کرے میں ہوتے ہیں محیط دائرہ میں محدب و مقعر آج ہی سنے محیط بہرحال ایک خط غیر منقسم ہے جس میں عرض محال خواہ خطِ عرضی ہو جیسے فلاسفہ مانتے ہیں، یا جوہری محیط کے لیے اگر دو طرفین ضروری ہوں تو دائرہ قطعًا محال ہو گیا کہ اسے محیط سے چارہ نہیں اور وہ جوہری ہو یا عرضی مستحیل العرض۔

ثانیًا: اگر بالخصوص محیط، جوہری میں یہ بداہت عقل کی مصادمت ہے تو دلیل یہیں تمام ہو گئی کہ اجزاء میں دو[۲] طرفین ثابت ہوئیں، قطعًا فرض شے دون شے کے صالح ہوئے۔ آگے

تمام شقوق تطویل فضول ہیں۔ **ثالثًا**: جب محیط واحد میں مقعر کا محدب سے چھوٹا ہونا واجب، تو دوسرا دائرہ جو اس کے پیٹ میں اس سے بالکل متصل لیا جائے گا اس کا محدب اس کے مقعر سے مساوی ہونا کیونکر ممکن، خط واحد میں نیچے کی طرف جب اوپر والی سے چھوٹی ہے تو اس کا محدب کہ اس کے مقعر کے نیچے ہے قطعًا اس سے چھوٹا ہے، یہاں انطباق بطور تساوی نہیں بلکہ بطورِ احاطہ ہے کہ اس کا مقعر اس کے محدب کو محیط ہے اور محیط ضروری محاط سے بڑا ہے۔ **رابعًا**: ایک دائرہ جوہری سے دوسرا ملاصق ہونا محال کہ موجب اتصال اجزا ہے۔ **خامسًا**: اجزاء میں نہ زیریں و بالائی جانبین ہیں، نہ ہر گز ان میں کوئی جز دوسرے سے متصل ہے بلکہ متفرق ہیں، اور امتداد فاصل اور شبہ زائل۔ **شبہ ۲۹**:

اب ایک خط ہے اور اس پر اح متناہی اور بہ ح غیر متناہی دو عمود خط غیر متناہی سے نقطہ ء وہ وح الخ کو مرکز فرض کرکے ب کی دوری پر اح کی طرف قوسین کھینچیں ہر مرکز نقطہ ب سے جتنا بعید ہوگا قوس کا ملتقی خط اح میں نقطہ اسے قریب ہوگا اور خط ب ح غیر متناہی لیا ہے تو ضرور خط اح کی تقسیم غیر متناہی ہوگی کہ قوس کبھی خط مستقیم پر منطبق نہیں ہوسکتی اور جب تقسیم نامتناہی ہے تو جز باطل ہے (حدائق) **اقول**: بلکہ توجیہ و تقریب شبہ یہ ہے ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہر خط محدود و غیر متناہی تقسیم کے قابل ہے۔

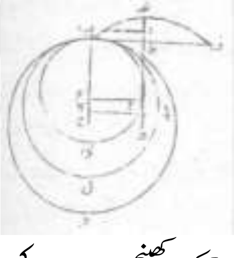

اح خط محدود ہے اس پر مربع اء بنایا اور خط ب ء کو ح تک کھینچ دیا ء پ ب کی دوری سے دائرہ ب ی رسم کیا ضرور ہے کہ نقطہ ح پر گزرے گا کہ ح ء اس کا نصف قطر ہے، اب خط ب ح میں ء سے نیچے نقطہ ہ کو مرکز لے کر ب کی دوری پر دائرہ ب ل کھینچیں ضرور ہے کہ خط اح کو کہیں قطع کرے اگرچہ صہ یا ن تک بڑھا کر کر اس کا نصف قطر سہ ہ

خط ح ء سے بڑا ہے تو ضرور اس مسافت سے گزر جائے گا لیکن ب ی، ب ل دونوں دائروں کے مرکز خط واحد ب ح پر ہیں اور دونوں ب کی دوری پر کھینچے گئے تو ب پر متماس ہیں اور متماس دائروں کا دوبارہ تماس یا کہیں تقاطع محال ہے ورنہ قطر مختلف ہو جائے لاجرم جس کا قطر بڑا ہے جیسے یہاں دائرہ ب ل و نقطہ تماس سے چل کر تمام دورے میں چھوٹے قطر والے جیسے دائرہ ب ی کے باہر باہر گزرے گا تو محال ہے کہ ب ل خط اح کو ح پر قطع کرے یا ح کے اندر سے گزر کر ح سے نیچے مثلاً ن پر، نیز یہ محال ہے کہ ا یا اس سے اوپر مثلاً ع عـــہ پر قطع کرے کہ اب ان سب قوسوں کا ظل اول یعنی خط مماس ہے کہ اس قطر پر عمود ہے جو ان کی ایک طرف پر گزرا ہے اور یوں وتر یا وتر کا جز بہر حال قطع ہو جائے گا یہ ثبوت ہے نہ وہ کہ مستدل نے کہا اپر گزرنے سے قوس و خط کا انطباق کب لازم۔ لاجرم او ح کے درمیان کسی نقطے مثلاً ر پر قطع کرے گا بعینہ اسی بیان سے جتنا مرکز نیچے لیتے جاؤ گے قوس کا ملتقی او ح کے درمیان اکی طرف گرے گا۔ کسی خط کے لیے اگر چہ لامتناہی کمی محال ہے مگر تقضی ضرور ہے خط ب ح جتنا چاہیں بڑھا سکتے ہیں اور اس پر نقطے فرض کرکے ب کی دوری پر جتنے دائرے کھینچیں سب کی قوسیں او ح کے درمیان گریں گی تو خط محدود اح کی تقسیم نامحدود ہوئی، اگر اجزائے سے مرکب ہونا واجب تھا کہ اس کی تقسیم محدود ہوتی کہ کوئی قوس جز سے کم پر نہیں گر سکتی ورنہ منقسم ہو تو ہر قوس کے مقابل ایک جز درکار اگر اجزا لامتناہی ہوں تقسیم نامتناہی لاتقضی ممکن نہ ہو کہ وقوف واجب ہو ناچار نظام معتزلی کی طرح اجزائے غیر متناہیہ بالفعل ماننے پڑیں حالانکہ دو حاصروں میں محصور ہیں، یہ تقریر شبہ ہے، رہا جواب۔

اقول: واضح ہے یہ تقسیم نامتناہی امتداد موہوم کی ہوئی اور وہ اجزائے متفرقہ سے ترکب کی نافی نہیں ہاں متصلہ ہوئے تو ضرور نفی کرتی کہ قوسین انہیں پر گزرتیں اور وہ محدود لیکن اتصال ممتنع تو شبہ مندفع۔

تنبیہ اقول: اگر نفی جز سے دستبردار ہو کر اس شبہ سے صرف امتداد موہوم کی لاتناہی قسمت کا ثبوت چاہو تو وہ بھی بخیر۔

اولاً: سطح مستوی جس مین خط ب ح کو بڑھاؤ، ایسی کتنی دور تک مل سکتی ہے زمین

عـــہ: اپر قطع کرے جیسے قواب تو خود اس کا وتر ہے اور اسے اوپر جیسے قوس ف ب تو اس وتر کا جز ہے ۱۲منہ غفرلہ۔

کرہ ہے۔

ثانیًا: وہ پرکار کہاں سے آئے گی کہ جو بھر خط پر ہزار قوسین متمیز بناسکے۔ نامحدود در کنار تو فعلی تقسیم تو یقینًا نامقدور۔ رہی وہمی اس کے لیے اتنا بھی ضرور کہ وہم وہاں متمایز حصے تخیل کرسکے۔ کیا جو بھر خط میں کروڑ یا بال بھر میں ہزار حصے ممتاز وہم کے وہم میں بھی آسکتے ہیں۔ سب کی تفصیل بالائے طاق وہم اتنا ہی بتائے کہ بال کی نوک کا ہزارواں حصہ اتنا ہوگا تو محض اجمالی تصور عقلی رہا نہ کہ تقسیم وہمی کہ اس کی مقدار وہم میں بھی نہیں آسکتی۔

ثالثًا: خط ب ح زیادہ سے زیادہ محدب کرہ نار تک بڑھ سکے گا تمہارے نزدیک خرقِ افلاک محال یا خرق وہمی سہی تو محدب فلک الافلاک سے آگے، تو کسی بعد کے لیے اصلًا راہ نہیں تو خط کی لاتناہی لاتقفی بھی باطل بلکہ وقوف واجب، اگر کہیے تو ہم تو آگے بھی کرسکتے ہیں۔

اقول: تو وہ نرا اختراع ہوگا تقسیم اختراع ہوئی نہ کہ وہمی، یوں تو جس طرح خط کی تنصیف نامتناہی کہتے ہو تضعیف بھی نامتناہی کہو جس کا کوئی عاقل قائل نہیں اگر کہیے یہ سب کچھ مسلم مگر عقل قطعًا حکم کرتی ہے کہ اگر قوسین غیر متناہی ہوئیں ضرور اوح کے درمیان ہی پڑیں گی۔ تو ضرور اس خط میں نامتناہی حصوں کی گنجائش ہے۔

اقول: تو اب ہر خط اگرچہ بال بھر کا ہو حصص غیر متناہیہ بالفعل کے قابل ہوگیا، اگر اس میں کسی محدود ہی کی گنجائش ہے تو ضرور تقسیم وہیں رُک جائے گی حالانکہ نہیں رکتی تو ضرور اس میں بالفعل حصص غیر متناہیہ کی وسعت ہے اور پھر وہ وسعت دو حاصروں میں محصور اور حاصر بھی کیسے جن میں صرف بال کی نوک کا تفاوت اگر فلسفہ ایسی ہی بدیہی البطلان باتیں مانتا ہے تو جنوں وتفلسف میں کتنا فرق ہے۔

ثم قول: بحمدہ تعالٰی یہ رَدفی نفسہ ہر جگہ ان کے ادعائے تقسیم نامتناہی بالقوہ کے رَد کو بس ہے کہ یہاں قوت مستلزم فعلیت وسعت ہے ظاہر ہے کہ تقسیم سے خط یا سطح یا جسم یا زاویہ کی مقدار بڑھتی نہ جائے گی کہ نئی وسعت پیدا ہوتی جائے، وسعت تو اس کی اتنی ہی ہے جو موجود بالفعل ہے اگر اس میں بالفعل غیر متناہی حصوں کی گنجائش نہیں بلکہ صرف محدود ومعدود کی ہے تو قطعًا تقسیم نامتناہی لاتقفی بھی ممکن نہیں جب اس حد تک پہنچے گی وقوف بالفعل واجب ہوگا کہ آگے وسعت نہیں تو لامتناہی لاتقفی کے لیے ان تمام امتدادوں میں بالفعل غیر متناہی کی وسعت لازم، اور وہ قطعًا باطل۔ لاجرم لاتناہی لاتقفی کے لیے ان تمام امتدادوں میں بالفعل غیر متناہی کی وسعت لازم، اور وہ قطعًا باطل۔ لاجرم لاتناہی بالقوہ بھی باطل وللہ الحمد۔

حق یہ کہ فلاسفہ کے پاس اس ادعائے باطل پر کوئی دلیل نہیں صرف جز سے بھاگنے کے لیے اس کے مدعی ہوئے ہیں اور براہِ جہالت اسے ہندسہ کے سر منڈھتے ہیں، حالانکہ ہندسہ ان کے افترا سے بری ہے اس نے کہیں یہ دعوی نہیں کیا کہ ہر خط یا زاویہ کی تنصیف نامتناہی ہے بلکہ طریقہ بتایا ہے کہ زاویہ کی تنصیف چاہو تو یوں کرو خط کی چاہو تو یہ کرو۔ یہ تو وہیں تک محدود ہے جہاں تک بالفعل ہم کر سکتے ہیں اس کے لیے اس نے طریقہ بتایا ہے آگے سب فلاسفہ کی وہم پرستی و بادبدستی ہے۔

ھٰکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق والحمد للہ رب العالمین وافضل الصلوۃ والسلام علی الجوھر الفرد المبین واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین امین۔	تحقیق یونہی چاہیے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور بہترین درود و سلام ہو حق کو ظاہر کرنے والے جوہر فرد (در یکتا) پر اور آپ کے آل، اصحاب، اولاد اور تمام امت پر آمین (ت)

یہ ہے وہ جس پر زمین سر پر اٹھا رکھی تھی کہ جز کا مسئلہ ایسا باطل، اس کے بطلان پر اتنے براہان قاطع، بحمدہ تعالٰی کھل گیا کہ وہ خاک بھی براہین قاطعہ نہیں بلکہ خود شبہاتِ مقطوعہ ہیں۔

یہ ۲۹ ہی شبہے کتابوں میں ہماری نظر سے گزرے اور ان میں بھی بہت متداخل ہیں۔

ایک ایک کو کئی کئی کرکے دکھایا ہے جس کا اشارہ ہر جگہ گزرا اور ان پر بحمد اللہ تعالٰی رد وہ ہوئے کہ اگر ہزار شبہات اور ہوں تو ہر طالب علم جو ہمارے طریقے کو سمجھ گیا ہے ان کو ھباء منثورا کر سکتا ہے۔ وللہ الحمد۔

مؤقف چہارم: دربارہ جسم ہماری رائے، **اقول: وباللہ التوفیق** (ہم اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتے ہیں ت) ہم نے روشن کر دیا کہ جز لایتجزی ممکن بلکہ واقع اور اسے جسم کی ترکیب بھی ممکن، اگر بعض اجسام اس طرح مرکب ہوئے ہیں کچھ محذور نہیں مگر یہ کلیہ نہیں کہ اس طرح کے اجسام میں تماس ناممکن کہ موجب اتصال دو جز ہے اور جسم حسی جس طرح ہم نے ثابت کیا یونہی تماس حسی ماننا مشکل ہے۔

اولاً: حسِ بصر میں متقارب فصلوں کو اتصال سمجھنا معہود ہے۔ یونہی اگرچہ بصر متقارب جسموں کو متماس گمان کرے مگر تماس میں قوتِ لامسہ کا ادراک اس غلطی پر کیونکر

محمول ہو۔

ثانیًا: انگشتری ایک انگلی میں ٹھیک، دوسری میں تنگ، تیسری میں ڈھیلی ہوتی ہے، یہ فرق تماس حقیقی ہی بتاتا ہے کہ اگر انگشتری کے اجزاء کا انگلی کے اجزاء سے جدا رہنا واجب نہ ہو تو جدائی کی کمی بیشی یہ فرق نہیں لاسکتی ہے۔

ثالثًا: ہم نے اجزائے تتجزی کی طرف بعض اجسام کی تحلیل قرآن کریم سے استفادہ کی تھی بعض اجسام کا متصل بلا انفصال ہونا بھی کتاب عزیز سے استفادہ کریں۔

قال عزوجل: "اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَہُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰہَا وَ زَیَّنّٰہَا وَ مَا لَہَا مِنۡ فُرُوۡجٍ ﴿۶﴾ "[1]۔	عزت وجلال والے اللہ نے فرمایا کیا اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے ہم نے اسے کیسے بنایا اور آراستہ فرمایا اور اس میں اصلًا رخنے نہیں۔

آسمان اگر جزائے لاتتجزی سے مرکب ہوتا بلاشبہ اس میں بے شمار رخنے ہوتے کہ کوئی جز دوسرے سے نہ مل سکتا تو ثابت ہوا کہ آسمان جسم متصل ہے اور عنقریب بعونہ تعالٰی مقام آئندہ میں آتا ہے کہ ہیولٰی وصورت سے جسم کا ترکب باطل بلکہ جسم بسیط خود ہی متصل اور خود ہی قابل انفصال ہے یہاں تک کہ اشراقیین ہمارے ساتھ ہیں جن کا مسلک طوسی نے تجرید میں اختیار کیا، مگر ہم ثابت کرچکے کہ تقسیم غیر متناہی اگرچہ بالقوہ ہو باطل ومحال ہے تو اجسام کی تحلیل اگر تاحدّ امکان کی جائے گی ضرور اجزائے لاتتجزی پر منتہی ہوگی، جس طرح ہم نے موقف دوم میں آیۃ کریمہ سے استنباط کیا، اور اب معنی آیت یہ ہوں گے کہ ہم نے ان کے جسم کے اجزائے متصلہ کو اتنا ریزہ ریزہ کردیا کہ آگے تجزیہ ممکن نہیں تو صحیح بعض اجسام میں امکانًا مذہب جمہور متکلمین ہے اور بعض میں وقوعًا مذہب محمد بن عبدالکریم شہرستانی یہ اس مسئلے میں ہماری رائے ہے اور علم حق عزجلالہ، کو یہاں سے ظاہر ہوا کہ مذہب خمسہ مشہورہ میں سب سے باطل مذہب نظام ہے۔ پھر عـــہ۱ نہایت پوچ وباطل مسلک مشائین، پھر عـــہ۲ مشرب اشراقین،

عـــہ۱: اس کے تین جزء ہیں نفی جزء اور ہیولی سے ترکب اور انقسام نامتناہی اور تینوں باطل ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: اس کے بھی تین جزء ہیں اول وسوم وہی اور دونوں باطل، دوم اتصال ہر جسم اس کی کلیت پر جزم صحیح نہیں۔ ممکن کہ بعض اجسام اجزائے لاتتجزی سے ہوں ۱۲ منہ غفرلہ۔

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۶

پھر مذہب عـــہ۱ جمہور متکلمین کی کلیت، پھر مذہب عـــہ۲ شہرستانی میں کلیت پر جزم، اور صحیح یہ ہے جو بتوفیقہ تعالیٰ ہم نے اختیار کیا۔ ہم اگرچہ اس رائے میں متفرد ہیں مگر الحمدللہ آیاتِ کریمہ ودلائل قویمہ ہمارے ساتھ ہیں اس مسلک پر کہ جسم متصل ہو اور تقسیم متناہی متشدق جونپوری کا اعتراض کہ اجزائے تحلیلیہ بداہۃً ایسے ہونا لازم کہ اگر موجود بالفعل مانے جائیں تو ان سے حجم حاصل ہو تو واجب کہ ایسے ہوں کہ ملیں اور متداخل نہ ہوں تو اجزائے لاتتجزیّ نہیں ہوسکتے۔

اقول: اوّلاً: یہ بداہت وہیں تک مسلم ہے کہ تجزیہ اجزائے منقسمہ تک ہو یہی تم نے دیکھا اور یہی تمہارے ذہنوں میں جما ہوا ہے۔ درباره جواہر تمہاری جتنی بداہتیں گزریں سب قیاس غائب علی الشاہد اور صریح حکم عقل کے خلاف اپنے مالوفات کے دھوکا پر بداہت وہم تھیں یہ بھی انہیں میں سے ہے اس وقت تو جسم کو حجم یوں ہے کہ خود ہی متصل وحدانی ہے اور اسے دو چار ہزار دس ہزار جتنے ٹکڑے ایسے کرو جن کا اتصال ممکن ان کے ملنے سے ضرور حجم بن سکے گا۔

لیکن جب تقسیم ان اجزاء پر منتہی ہو جن کا اتصال محال، تو ان سے دوبارہ تحصیل حجم باطل خیال۔ ہاں اتنا حکم رہے گا کہ اگر یہ بے تداخل مل سکتے تو ضرور ان سے وہی مقدار جسم حاصل ہوتی بس حکم بداہت اس قدر ہے نہ یہ کہ ان کا ملنا بھی ممکن جس طرح عقل ہاں ہاں وہی بداہت قطعاً حکم کرتی ہے کہ اگر فلک کے ہزار ٹکڑے کیے جائیں اور وہ ٹکڑے انہیں اوضاع پر پھر ملادئے جائیں دوبارہ یہی کرہ بن جائے گا۔ اس حکم بداہت سے تمہارے نزدیک یہ لازم نہیں آتا کہ فلک کے ٹکڑے ہوسکیں کہ خرق ہے پھر وہ ٹکڑے مل سکیں کہ التیام ہے۔

ثانیاً: علیٰ اھلھا تجنی براقش (براقش اپنے ہی گھر والوں پر جنات کرتی ہے ت) اجزاء تحلیلیہ بالفعل مانی جائیں تو صالح ترکیب ہوں اس سے جمیع اجزاء مراد، جہاں تک انقسام کی جسم میں صلاحیت ہے یا بعض۔ برتقدیر ثانی ہم پر کیا اعتراض اتنے اقسام لو جن کا انقسام ممکن، ضرور ان سے ترکیب ہوسکے گی۔ برتقدیر اول تم اپنے جملہ اقسام موجود بالفعل مان کر صلاحیت ترکیب دکھاؤ، ضرور ہے کہ

عـــہ۱: کہ ہر جسم اجزائے لاتجزی سے ہے حالانکہ یقیناً فلک وغیرہ بہت اجسام ان سے نہیں ہاں اثبات جز صحیح ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

عـــہ۲: کہ سب اجسام متصل ہیں نیز نفی جز باطل ہے ۱۲ منہ غفرلہ۔

جملہ اقسام ممکنہ موجود بالفعل فرض کیے تو وہ نہ ہوں گے مگر اجزائے لاتتجزی کہ اگر ان میں کسی کا انقسام ہوسکے تو جمیع اقسام موجود بالفعل نہ ہوئے تو وہی آش تمہارے کاسہ میں ہے، بہر حال اجزائے لاتجزی پر انتہاء واجب، فرق اتنا ہے کہ ہمارے نزدیک متناہی ہیں تمہارے نزدیک غیر متناہی، اور اجزاء متناہی ہوں خواہ غیر متناہی کسی طرح اس قابل نہیں کہ ملیں اور متداخل نہ ہوں، اور ان سے جحم و ترکیب حاصل ہو، تو اعتراض نہ تھا مگر جہالت خالصہ، اب متشدق صاحب کو چاہیے کہ اجزائے دیمقراطیسیہ پر ایمان لائیں کہ انہیں تک تحلیل ہو کر پھر ترکیب بن پڑے گی، یہ ہے ان کا تفلسف، یہ ہے ان کا تشدّق و تصلف۔ ہاں یہاں ایک شبہ رہے گا کہ جب بعض کفار کے جسم پر موت اجزائے لاتجزی فرمادیئے گئے جیسا کہ آیتِ کریمہ سے گزرا اور اجزائے لاتتجزی مل نہیں سکتے تو ان کا اعادہ کس طرح ہوگا۔

اقول: قدرتِ الٰہیہ کہیں عاجز نہیں ممکن کہ مولیٰ سبحنہ و تعالیٰ نے اجزاء میں قوتِ نمو رکھی ہو۔ روزِ قیامت اُن پر مینہ برسایا جائے گا، جیسا کہ حدیث صحیح کا ارشاد ہے اس بارش سے ان میں بالش ہو اور بالیدگی ان کو اجسام قابل اتصال کردے بعد امتزاج ان سے وہی جسم متصل وحدانی حاصل ہو جیسے قطرات کے ملنے سے جسم آب اور بعد اتصال اس مقدار کی طرف رد فرما دیا جائے جس پر دنیا میں تھا اوکما شاء ربنا وعلی مایشاء قدیر (یا جیسا ہمارے رب نے چاہا اور وہ اپنے چاہے پر قادر ہے۔ت) ظاہر ہے کہ یہاں اس اعتراض کی گنجائش نہیں جو علامہ بحر العلوم نے شبہ ۲۱ کی تقریر میں اس احتمال پر کیا کہ ممکن کہ سرکانے سے وتر میں تخلخل ہو کر خود بڑھ جائے، یہ احتمال خود ہی مہمل تھا اس پر رد کیا کہ تمہارے نزدیک تو مقدار انضمام اجزاء سے بڑھتی ہے یہاں وتر میں کون سا جز بڑھا، اور اگر جز خود ہی بڑا ہوجائے تو جز کب رہا خط ہوگیا۔

اقول: یہ ردَ وہاں بھی جیسا تھا ظاہر ہے اولاً متکلمین نے یہ کہا کہ انضمام اجزاء سے مقدار بڑھتی ہے، یہ کب کہا کہ یوں ہی بڑھ سکتی ہے۔

ثانیاً: بعد تخلخل جزء نہ رہا تو اس کا جزء رہنا کس نے واجب کیا تھا، غالباً اسی لیے اخیر میں فرمادیا فافھم (پس غور کرو۔ت) مگر ہمارے کلام پر توبفضلہٖ تعالیٰ اسے راستا و رود نہیں کمالایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ت) یہ ہے وہ جس کی طرف ہماری نظر مودی ہوئی۔

والعلم بالحق عند ربّنا وھو	اور حق کا علم ہمارے رب کے پاس ہے اور

بکل شیئ علیم وعلٰی سیدنا محمد و اله وصحبه الصلوٰۃ والتسلیم امین۔ والحمد ﷲ رب العلمین۔	وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اور ہمارے آقا، آپ کی آل اور اصحاب پر درود وسلام ہو، آمین، اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مناظرہ ورَدِّبدمذہباں

مسئلہ ۳۳: از فقیر محمد مہدی حسن قادری مبارکی ۱۹ رمضان ۱۳۳۶ھ

اس طرف دیوبندیوں کے امام در باطن بلکہ بعض مقام پر کھلے بند مولوی محمد علی کانپوری سابق ناظم ہیں جو ظاہرًا صوفی کہلاتے ہیں ایک شخص صاحبِ دل پیر طریقت کا مرید تھا دیوبندیوں یعنی ناظم صاحب کی ذریات نے ان کے پیر کو فاتحہ قیام کی وجہ سے بدعتی بناکر دوبارہ بیعت مولوی محمد علی سے کرادیا مگر جب آپ حضرات کے نام لیواؤں نے اس مرید کو سمجھایا کہ دوبارہ مرید ہونا پیر طریقت سے پھر جانا گناہ ہے اس پر اس نے اول پیر کے پاس جاکر توبہ کی تو دیوبندیوں اور ناظم صاحب کی ذریات نے یہ فساد مچایا کہ اب وہ مرید مسلمان نہ رہا، کیونکہ محمد علی کے ایسے شخص سے مرید ہوکر پھر پیر اول کے پاس چلا گیا، تو درحقیقت کیا ہے؟ مکرر یہ کہ مولوی محمد علی سابق ناظم ندوہ کس عقیدہ کے بزرگ ہیں؟ حضور جواب جلد مرحمت فرمائیں والسلام۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط ـ نحمدہ و نصلی علٰی رسول الکریم ط

پیر طریقیت جامع شرائط صحت بیعت سے بلاوجہ شرعی انحراف ارتداد طریقیت ہے اور شرعًا معصیت کہ بلاوجہ ایذاء و اختقار مسلم ہے، اور وہ دونوں حرام۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ"[1]	توجس نے عہد توڑا اس نے اپنے بُرے عہد کو توڑا۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"وَالَّذِيۡنَ يُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَيۡرِ مَا اكۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ۝۵۸ "[2]	اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اذی مسلما فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ، رواہ الطبرانی [3] فی الاوسط عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی، اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالی کو تکلیف پہنچائی اس کو طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن روایت کیا۔ (ت)

خصوصًا اس بنا پر پھرنا کہ پیر قیام و فاتحہ کرتے ہیں یہ نری معصیت ہی نہیں بلکہ یہ پھرنا بربنائے قبول شیطنت وہابیہ خبثا ہے، تو اس پھرنے والے کے دین کی بھی خیر نہ تھی، اس پر فرض تھا کہ اس نے پھرنے سے پھرے اور وہ جدید بیعت جو بربنائے اثر وہابیت سے فسخ کرے۔ وہ کہ تائب ہوا اور ارتداد طریقت و معصیت و ضلالت سے باز آیا بہت اچھا فعل، مستحسن بوجہ اول اور فرض بوجہ دوم بجالایا اس پر جو لوگ یہ دند مچاتے ہیں کہ وہ مسلمان نہ رہا جھوٹے کذاب ہیں اور بلاوجہ مسلمان کی تکفیر کرتے ہیں وہ خود اپنے اسلام کی خیر منائیں اگر وہابی یا ان کے رفیق نہیں ورنہ وہابیہ اور ان کے رفقاء وامثالہم خود ہی اسلام سے خارج ہیں ہاں جو بہمہ وجوہ مسلمان ہو اسے تکفیر مسلم سے خوف لازم ہے، اور ایسی جگہ فقہ اس پر تجدید اسلام و تجدید نکاح کی حاکم۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: فقد باء بھا

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۸

[3] المعجم الاوسط، حدیث ۳۶۳۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۳۷۳

احدھما [1] ۔(بے شک ان دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ لوٹا۔ت)اور اس بارے میں اقوالِ فقہاء کرام کی تفصیل و تحقیق ہماری کتاب الکوکبۃ الشھابیہ اور النھی الاکید، و فتاوٰی رضویہ میں ہے۔
رہا سوال دوم یعنی سابق ناظم ندوہ کے عقیدہ سے استفسار ایام نظامت میں ان صاحب کے اقوال ضلال اور حمایت کفار و تعظیم مرتدین و بدخواہی اسلام و مسلمین واضح و آشکار اور حرمین شریفین کے مبارک فتوی مسمّی بہ فتاوی الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ) سے طشت از بام ہو چکے تھے، اب **بحکم الذنب یجز الذنب** [2] ۔**والمرامع من احب** [3] (گناہ گناہ کو کھینچتا ہے اور ہر شخص اپنے محبوب کے ساتھ ہوگا۔ت) دیوبندیوں سے ان کا اتحاد مسموع ہوا بلکہ دیوبندیوں کے ساتھ علماء اہلسنت کے مقابلہ پر آنا اور حسب عادت "ضعف الطالب والمطلوب" مولٰی و مشیر سب کا فرار فرمانا یہ اگر ہے تو چیز دیگر ہے اور اس کا امتحان بفضلہ تعالٰی علمائے کرام حرمین شریفین کے دوسرے فتاوٰی مبارکہ مسمّی بہ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین نے بہت آسان کردیا یہ فتوٰی پیش کیجئے جو صاحب بکشادہ پیشانی ارشاد علمائے حرمین شریفین کو کہ عین اصل اصول ایمان کے بارے میں ہے اور جس کا خلاف کفر ہے قبول کریں فبہا ورنہ خود ہی کھل جائے گا کہ منہم میں اور پھر وہی فتوائے مبارکہ حرمین طیبین بتادے گا کہ:

من شك فی کفرہ فقد کفر [4] ۔	جس نے اس کے کفر میں شک کیا خود کافر ہوگیا۔(ت)

یعنی گنگوہی و تھانوی و امثالہما واذنا بہما کے اُن کفروں پر مطلع ہو کر جو ان کے کفر میں شک کرے خود کافر ہے، **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال اخیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۷

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال اخیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۷

[3] صحیح البخاری کتاب الادب باب علامۃ الحب فی اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۱۱، صحیح مسلم کتاب البروالصلۃ والادب باب المرمن احب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۳۲

[4] حسام الحرمین علی منح الکفر والمین مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ص ۹۴

یہ ہے وہ امر حق کہ بعد سوال حفظ دین عوام اہل اسلام کے لیے جس کا اظہار ہم پر فرض تھا جس کا عہد ہم سے قرآن عظیم و حدیثِ نبی کریم علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والتسلیم نے لیا ورنہ ناظم صاحب ہمارے قدیم عنایت فرما ہیں اور دین و مذہب سے جدا کرکے ہم انہیں ایک معقول آدمی جانتے ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
النیرالشھابی علٰی تدلیس الوھابی ۱۳۰۹ھ
(روشن آگ کا شعلہ وہابی کی تدلیس پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۴: از غازی پور، مرسلہ جہانگیر خان ۱۵صفر ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید دو چار کتابیں اردو کی دیکھ کر چاروں اماموں کے مسئلے اخذ کرتا ہے اور اپنے اوپر آئمہ اربعہ سے ایک کی تقلید واجب نہیں جانتا، اس کو عمرو نے کہا کہ تو لامذہب ہے جو ایسا کرتا ہے کیونکہ تجھ کو بالکل احادیث متواتر و مشہور واحاد و عزیز و غریب و صحیح و حسن وضعیف و مرسل و متروک و منقطع و موضوع وغیرہ کی شناخت نہیں ہے کہ کس کو کہتے ہیں حالانکہ بڑے بڑے علماء اس وقت اپنے اوپر تقلید واحد کی واجب سمجھتے ہیں اور ان کو بغیر تقلید کے چارہ نہیں تو تو ایک بے علم آدمی ہے جو عالموں کی خاک پا کے برابر نہیں ہے، نہ معلوم اپنے تئین تو کیا سمجھتا ہے جو ایسا کرتا ہے اس کے جواب میں اس نے اس کو رافضی و خارجی و شیعہ وغیرہ بنایا بلکہ بہت سے کلمات سخت سست بھی کہے حالانکہ لامذہب کہنے سے اس کی یہ غرض نہ تھی کہ تو خارج از اسلام ہے بلکہ یہ غرض تھی کہ ان چاروں مذہبوں میں سے تمہارا کوئی مذہب نہیں ہے۔

اور اُس کی غرض شیعہ ورافضی بنانے سے یہ تھی کہ تو ایک امام کی تقلید کرتا ہے جیسے رافضی تین خلیفوں کو نہیں مانتے اور دوسرے یہ کہ ایک امام کی تقلید کرنے سے بخوبی عمل کل دین محمدی پر نہیں ہوسکتا اور چاروں اماموں کے مسئلے اخذ کرنے میں کل دین محمدی پر بخوبی عمل ہوسکتا ہے، آیا ان دونوں سے کس نے حق کہا اور کس نے غیر حق؟ اور حکم شرع کا ان دونوں کے واسطے کیا ہے جو ایک دوسرے کو سخت کلامی سے پیش آئے؟ امید کہ ساتھ مہر، عالی کے مزین فرما کر ارشاد فرمائیں۔ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت) فقط۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ ذی الجلالۃ والصلوۃ والسلام علٰی صاحب الرسالۃ الذی لا تجتمع امتہ علی الضلالۃ وعلٰی اٰلہ و صحبہ و مجتھدی ملتہ اولی الایدی والابصار و النبالۃ۔	تمام تعریفیں جلالت والے اللہ تعالٰی کے لیے ہیں اور درود و سلام ہو صاحب رسالت پر جس کی امت گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی اور آپ کی آل، آپ کے صحابہ اور آپ کی امت کے مجتہدین کرام پر جو قوت و بصیرت اور شرافت والے ہیں۔ت)

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ حق و درستگی کی ہدایت عطا فرما۔ت)

مسئلہ تقلید کی تحقیق و تفصیل دفتر طویل درکار، فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ، نے اپنے رسالہ [1] النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید (۱۳۰۵ھ) اور فتاوائے مندرجہ البارقۃ الشارقۃ علٰی مارقۃ المشارقۃ جلد یاز دہم فتاوائے فقیر مسمّٰی بہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ میں قدرے کلمات وافیہ ذکر کیے۔

یہاں بقدرِ ضرورت صرف اس مقدار پر کہ بطلان کید زید ظاہر کرے اکتفاء ہوتا ہے۔ اس کا قول دو امر پر مشتمل ہے۔

اوّل: بکمال زبان درازی مقلدان حضرات آئمہ کرام علیہم الرضوان من الملک العلام کو معاذ اللہ رافضی خارجی بنانا۔

[1] رسالہ النھی الاکید عن الصلاۃ وراء عدی التقلید فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامع نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور کی جلد ششم کے صفحہ ۴۶۷ پر مرقوم ہے۔

دوم: وہ تلبیس عجیب وتدلیس غریب کہ ترک تقلید میں تمام دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرنا ہے۔

امر اوّل: کی نسبت ان کے امام الطائفہ کے علمًا و نسبًا دادا اور بیعۃً پر دادا یعنی شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی گواہی کافی وہ رسالہ انصاف میں انصاف کرتے ہیں:

بعد المائتین ظھر فیھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان لایعتمد علٰی مذھب مجتھد لعینہ وکان ھذا ھو الواجب فی ذلك زمان [1]۔	یعنی دو صدی کے بعد خاص ایک مجتہد کا مذہب اختیار کرنا اہل اسلام میں شائع ہوا۔ کم کوئی شخص تھا جو ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتا ہو، اور اس وقت یہی واجب ہوا۔

اسی میں لکھتے ہیں:

وبالجملۃ فالتمذھب للمجتھدین سر الھمہ اللہ تعالٰی العلماء وجمعھم علیہ من حیث یشعرون او لا یشعرون [2]۔	یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک مذہب کا اختیار کرلینا ایک راز ہے کہ حق سبحانہ، و تعالٰی نے علماء کے قلوب میں القاء فرمایا اور انہیں اس پر جمع کردیا چاہے اس راز کو سمجھ کر اس پر متفق ہوئے ہوں یا بے جانے۔

زید بے قید دیکھے کہ اس نے بشہادت شاہ ولی اللہ صاحب گیارہ سو""برس سے زائد کے آئمہ و علماء و مشائخ واولیاء عامہ اہلسنت و جماعت کو معاذاللہ رافضی وخارجی بنایا اور اللہ عزوجل کے سِرّ جلیل والہام جمیل کو جس پر اس نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق علمائے امت کو مجتمع و متفق فرمایا۔ ضلالت و گمراہی ٹھہرایا۔ علامہ سید احمد مصری طحطاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حاشیہ در مختار میں ناقل:

ھٰذا الطائفۃ الناجیۃ، قد اجتمعت الیوم فی مذاھب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون و الشافعیون و الحنبلیون رحمھم اللہ تعالٰی ومن	یعنی اہل سنت کا گروہ ناجی اب چار مذہب میں مجتمع ہے حنفی، مالکی، شافعی حنبلی، اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت فرمائے، اب جو ان چار سے

[1] الانصاف باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۱۹

[2] الانصاف باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ الحقیقیۃ استنبول ترکی ص ۲۰

کان خارجًا عن ھذہ الاربعۃ فی ھذاالزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[1]۔	باہر ہے بدعتی جہنمی ہے۔

واقعی ان حضرات نے اس ارشاد علماء کا خوب ہی جواب ترکی بترکی دیا یعنی علمائے اہلسنت ہمیں بدعتی ناری بتاتے ہیں ہم گیارہ سو برس تک کے ان کے اکابر وائمہ کو رافضی وخارجی بنائیں گے۔ ع

کہ تو ہم درمیان ما تلخی

(کہ تو بھی ہمارے درمیان تلخ ہے۔ت)

مولٰی تعالٰی ہدایت بخشے آمین۔

مگر پھر بھی زید بے چارے نے بہت تنزل کیا کہ صرف رفض وخروج پر قانع رہا اس کے پیشوا تو کافر ومشرک تک کہتے ہیں۔

"وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ع"[2]	اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت)

یہ ناپاک ترکہ اسی بے باک اخبث امام اول دین مستحدث یعنی ابن عبدالوہاب نجدی علیہ ما علیہ کا ہے کہ اپنے موافقان ناخرد مند نفرے چند بے قید وبند آزادی پسند کے سوا تمام عالم کے مسلمانوں کو کافر ومشرک کہتا، اور خود اپنے باپ، دادا، اساتذہ مشائخ کو بھی صراحۃً کافر کہہ کر پوری سعادت مندی ظاہر کرتا، اور نہ صرف انہیں پر قانع ہوتا بلکہ آج سے آٹھ سو برس تک کے تمام علماء واولیاء سائر امت مرحومہ کو (خاک بدہانِ ناپاک) صاف صاف کافر بتاتا اور جو شخص اس کے جال میں پھنس کر اس کے دست شیطان پرست پر بیعت کرتا اس سے آج تک اس کے اور اس کے ماں باپ اور اکابر علمائے سلف نام بنام سب کے کفر پر اقرار لیتا، اور اگرچہ بظاہر ادعائے حنبلیت رکھتا مگر مذاہب آئمہ کو مطلقًا باطل جانتا اور سب پر طعن کرتا اور اپنے اتباع ہر کندہ ناتراشیدہ کو مجتہد بننے کا حکم دیتا۔ یہ دو چار حرف اردو کے پڑھ کر استر بے لگام واشتر بے مہار ہوجانا بھی اسی خرنا مشخص کی تعلیم ہے، خاتمۃ المحققین مولٰینا امین الملۃ والدین سیدی محمد بن عابدین شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار علی الدرالمختار کی جلد ثالث کتاب الجہاد باب البغاۃ میں زیر بیان خوارج فرماتے ہیں:

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

کما وقع فی زماننا فی اتباع عبدالوھاب الذین خرجوا من نجد و تغلبوا علی الحرمین وکانو ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون و استباحوا بذلك قتل اھل السنۃ وقتل علمائھم حتی کسر اللہ تعالٰی شوکتھم وخرب بلادھم وظفر بھم عساکر المسلمین عام ثالث وثلثین و مائتین والف [1]۔ والحمد للہ ربّ العلمین، "وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ " [2]	یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروانِ عبدالوہاب سے واقع ہوا جنھوں نے نجد سے خروج کرکے حرمین محترمین پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں اس وجہ سے انہوں نے اہلسنت کا قتل اور ان کے علماء کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کیے اور لشکرِ مسلمین کو ان پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں (ت) اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے، اور کہا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ۔ (ت)

امام العلماء سید سند شیخ الاسلام بالبلد الحرام سیدی احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی نے اپنی کتاب مستطاب درر سنیہ میں اس طائفہ بے باک اور اس کے امام سفاک کے اعمال کا حال عقائد کا ضلال خاتمہ کا وبال قدرے مفصل تحریر فرمایا، اور بیس حدیثوں میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ وہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا اس طائفہ تالفہ کے ظہور پر شرور کی طرف ایماو اشعار فرمانا بتایا ان بعض حدیثوں اور ان سے زائد کی تفصیل فقیر کے رسالہ النہی الاکید میں مذکور، یہاں اس کتاب مستطاب ہادی صواب سے چند حرف اس مقام کے متعلق نقل کرنا منظور۔

قال رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰؤلاء القوم لایعتقدون	شیخ سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ گروہِ وہابیہ اپنے

---

[1] ردالمحتار کتاب الجہاد، باب البغاۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۱ /۴۴

موحدا الامن تبعهم كان محمد بن عبدالوهاب ابتدع هذه البدعة، وكان اخوه الشيخ سليمٰن من اهل العلم فكان ينكرعليه انكارا شديدا فی كل يفعله اويامر به فقال له يوما كم اركان الاسلام؟ قال خمسة، قال انت جعلتها ستة، السادس من لم يتبعك فليس بمسلم، هذا عندك ركن سادس للاسلام، وقال رجل اٰخر يوما كم يعتق الله كل ليلة فی رمضان؟ قال مائة الف، وفی اٰخر ليلة يعتق مثل ما اعتق فی الشهر كله؟ فقال له لم يبلغ من اتبعك عشر عشر ماذكرت فمن هٰؤلاء المسلمون الذين يعتقهم الله وقد حصرت المسلمين فيك وفيمن اتبعك فبهت الذی كفر، فقال له رجل اٰخر هٰذا الدين الذی جئت به متصل ام منفصل فقال حتی مشايخی و مشايخهم الٰی ستمائة سنة كلهم مشركون فقال الرجل اذن دينك منفصل لا متصل فعمن اخذته قال وحی الهام كالخضر ومن مقابحه انه قتل رجلا اعمٰی كان مؤذنا صالحاذا صوت حسن نهاه عن الصلوة علی النبی صلی الله

پیروں کے سوا کسی کو موحد نہیں جانتے، محمد بن عبد الوہاب، نے یہ نیا مذہب نکالا، اس کے بھائی شیخ سلیمٰن رحمۃ اللہ علیہ کہ اہل علم سے تھے اس پر ہر فعل و قول میں سخت انکار فرماتے ایک دن اس سے کہا اسلام کے رکن کَے ہیں؟ بولا: پانچ فرمایا، تو نے چھ کردیئے، چھٹا یہ کہ جو تیری پیروی نہ کرے وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے نزدیک اسلام کا رُکن ششم ہے، اور ایک صاحب نے اس سے پوچھا: اللہ تعالٰی رمضان شریف میں کتنے بندے ہر رات آزاد فرماتا ہے ہے۔؟ بولا: ایک لاکھ اور پچھلی شب اتنے کہ سارے مہینے میں آزاد فرمائے تھے۔ ان صاحب نے کہا: تیرے پیرو تو اس کے سوویں حصہ کو بھی نہ پہنچے وہ کون مسلمان ہیں جنہیں اللہ تعالٰی رمضان میں آزاد فرماتا ہے، تیرے نزدیک تو بس تو اور تیرے پیرو ہی مسلمان ہیں، اس کے جواب میں حیران ہو کر رہ گیا کافر، اور ایک شخص نے اس سے کہا یہ دین کہ تو لایا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متصل ہے یا منفصل؟ بولا خود میرے اساتذہ اور ان کے اساتذہ چھ سو برس تک سب مشرک تھے کہا: تو تیرا دین منفصل ہوا متصل تو نہ ہوا، پھر تو نے کس سے سیکھا؟ بولا: مجھے خضر کی طرح الہامی وحی ہوئی، اور اس کی خباثتوں سے ایک یہ ہے کہ ایک نابینا متقی خوش آواز موذن کو منع کیا کہ منارہ پر اذان کے بعد صلوۃ نہ پڑھا کر، انہوں نے نہ مانا اور

تعالٰی علیہ وسلم فامر بقتلہ فقتل ثم قال ان الربابۃ فی بیت الخاطئۃ یعنی الزانیۃ اقل اثما ممن ینادی بالصلٰوۃ علی النبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فی المنائر، وکان یمنع اتباعہ من مطالعۃ کتب الفقہ و احرق کثیرا منہا واذن لکل من اتبعہ ان یفسر القرآن بحسب فہمہ حتی ہمج الہمج من اتباعہ فکان کل واحد منہم یفعل ذلك ولوکان لایحفظ القرآن ولا شیئًا منہ فیقول الذی لایقرؤ منہم لا خریقرؤاقرأ علی حتی افسرلك فاذا قرأ علیہ یفسرہ لہ برایہ وامرہم ان یعملوا ویحکموا بما یفہمونہ فجعل ذلك مقدما علی کتب العلم ونصوص العلماء وکان یقول فی کثیر من اقوال الائمۃ الاربعۃ لیست بشئی وتارۃ یتستر ویقول ان الائمۃ علی حق و یقدح فی اتباعہم من العلماء الذین القوا فی مذہب الاربعۃ وحرروہا ویقول انہم ضلوا واضلوا، وتارۃ یقول ان الشریعۃ واحدۃ فما لہؤلاء جعلوہا مذاہب اربعۃ ھذا کتاب اللہ وسنۃ رسولہ	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوۃ پڑھی اس نے ان کے قتل کا حکم دے کر شہید کرادیا کہ رنڈی کی چھوکری اس کے گھر ستار بجانے والی اتنی گنہگار نہیں جتنا منارہ پر باآواز بلند نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر درود بھیجنے والا، اور اپنے پیروؤں کو کتبِ فقہ دیکھنے سے منع کرتا، فقہ کی بہت سی کتابیں جلادیں اور انہیں اجازت دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق قرآن کے معنی گھڑ لیا کرے یہاں تک کہ کمینہ سا کمینہ کودن سا کودن اس کے پیروؤں کا تو ان میں ہر شخص ایسا ہی کرتا اگرچہ قرآن عظیم کی ایک آیت بھی نہ یاد ہوتی، جو محض ناخواندہ تھا وہ پڑھے ہوئے سے کہتا کہ تو مجھے پڑھ کر سنا میں اس کی تفسیر بیان کروں، وہ پڑھتا اور یہ معنی گھڑتا۔ پھر انہیں تفسیر ہی کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم کیا کہ قرآن کے جو معنی تمہاری اپنی اٹکل میں آئیں انہیں پر عمل کرو اور انہیں پر مقدمات میں حکم دو اور انہیں کتابوں کے حکم اور اماموں کے ارشاد سے مقدم سمجھو، آئمہ اربعہ کے بہت سے اقوال کو محض ہیچ وپوچ بتاتا اور کبھی تقیہ کرجاتا اور کہتا کہ امام تو حق پر تھے مگر یہ علماء جو ان کے مقلد تھے اور چاروں مذہب میں کتابیں تصنیف کرگئے اور ان مذاہب کی تحقیق و تلخیص کو گزرے یہ سب گمراہ تھے اور اوروں کو گمراہ کرگئے۔ اور کبھی کہتا شریعت تو ایک ہے ان فقہاء کو کیا ہوا کہ اس کے چار مذہب کردیئے یہ قرآن وحدیث موجود ہیں ہم تو

صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاتعمل الا بهما کان ابتداء
ظهورا مره فی الشرق ۱۱۴۳ھ ،وهی فتنة من اعظم
الفتن کانوا اذا اراد احد ان یتبعهم علی دینهم طوعًا او
کرهًا یامرونه بالاتیان بالشهادتین اولا ثم یقولون
له اشهد علی نفسك ان کنت کافرا واشهد علی والدیك
انهما ماتا کافرین واشهد علی فلان وفلان ویسمون
له جماعة من اکابر العلماء الماضین فان شهدوا
بذلك قبلوهم والا امروا بقتلهم وکانوا یصرحون
بتکفیر الامة من منذست مائة سنة،و اول من
صرح بذلك محمد بن عبدالوهاب فتبعوه فی
ذلک،وکان یطعن فی مذاهب الائمة واقوال العلماء
ویدعی الانتساب الی مذهب الامام احمد رضی اللہ
تعالٰی عنه کذبا وتسترا وزورا والامام احمد بریٔ
منه واعجب من ذلك انه کان یکتب الی عماله الذین
هم من اجهل الجاهلین اجتهدوا بحسب فهمکم ولا
تلتفتوا الهذه الکتب فان فیها الحق والباطل وکان
اصحابه لایتخذون مذهبًا من المذاهب بل یجتهدون
کما امرهم ویتسترون ظاهرا بمذهب الامام احمد
ویلبسون بذلك علی العامة.فانتدب

انہیں پر عمل کریں گے، مشرق میں اس کے مذہب جدید
نے ۱۱۴۳ھ سے ظہور کیا اور یہ فتنہ عظیم فتنوں سے ہوا، جب
کوئی شخص خوشی سے خواہ جبرًا وہابیوں کے مذہب میں آنا
چاہتا اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے پھر کہتے خود اپنے اوپر گواہی
دے کہ اب تک تو کافر تھا اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ
وہ کافر مرے اور اکابر آئمہ سلف سے ایک جماعت کے نام لے
کر کہتے ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے پھر اگر اس نے
گواہیاں دے لیں جب تو مقبول ورنہ مقتول۔ اگر ذرا انکار کیا
مروا ڈالتے اور صاف کہتے کہ چھ سو ۶۰۰ برس سے ساری امت
کافر ہے، اول اس کی تصریح اسی عبدالوہاب نے کی پھر سارے
وہابی یہی کہنے لگے، وہ آئمہ کے مذہب اور علماء کے اقوال پر
طعن کرتا اور براہ تقیہ جھوٹ فریب سے حنبلی ہونے کا ادعا
رکھتا حالانکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سے
بری و بیزار ہیں اور اس سے عجیب تر یہ کہ اس کے نائب جو ہر
جاہل سے بدتر جاہل ہوتے انہیں لکھ بھیجتا کہ اپنی سمجھ کے
موافق اجتہاد کرو اور ان کتابوں کی طرف منہ پھیر کر نہ دیکھو
کہ ان میں حق و باطل سب کچھ ہے، اس کے ساتھ لامذہب
تھے اس کے کہنے کے مطابق آپ مجتہد بنتے اور بظاہر جاہلوں کے
دھوکا دینے کو مذہب امام احمد کی ڈھال رکھتے یہ چال ڈھال
دیکھ کر مشرق و مغرب کے علمائے جمیع

للرد علیه علماء المشرق والمغرب من جمیع المذاهب، ومن منکراته منع الناس من قراءة مولد النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومن الصلوة علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المنائر بعد الاذان، ومنع الدعاء بعد الصلوة وکان یصرح بتکفیر المتوسل بالانبیاء والاولیاء وینکر علم الفقه ویقول ان ذلك بدعة ملتقطًا[1]۔	مذاہب اس کے رد پر کمربستہ ہوئے۔اس کی بری باتوں سے یہ بھی ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے میلاد شریف پڑھنے اور اذان کے بعد مناروں پر حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صلوۃ بھیجنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز بتایا اور انبیاء واولیاء سے توسل کرنے والون کو صراحۃ کافر کہتا اور علم فقہ سے انکار رکھتا اور اسے بدعت کہا کرتا انتہی ملتقطا۔

مسلمان دیکھیں کہ بعینہٖ یہی عقیدے ان ہندی وہابیوں کے ہیں پھر ان کے ہندی امام نے اسی نجدی امام کی کتاب التوحید صغیر سے سیکھ کر کفر مسلمین پر وہ چمکتی دلیل لکھی کہ صاف صاف خود اپنے اور اپنے ہم مشربوں سب کے کفر پر مہر کردی یعنی حدیث صحیح مسلم، لایذھب اللیل و النھار حتی تعبدالات والعزّٰی (الٰی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم) یبعث الله ریحًا طیبة فتوفی من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من ایمان فیبقی من لاخیر فیه فیرجعون الٰی دین اٰبائھم [2]۔

مشکوٰۃ کے باب لاتقدم الساعۃ الاعلی شرار الناس سے نقل کرکے بے دھڑک زمانہ موجودہ پر جمادی جس میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ زمانہ فنانہ ہوگا جب تک لات وعزی کی پھر پرستش نہ ہو، اور وہ یوں ہوگی کہ اللہ تعالٰی ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ساری دنیا سے مسلمانوں کو اٹھالے گی۔ جس کے دل میں رائی کے دانے برابر ایمان ہوگا انتقال کرے گا، جب زمین میں نرے کافرہ جائیں گے پھر بتوں کی پرستش جاری ہوجائے گی۔

اس حدیث کو (اسمٰعیل دہلوی نے) نقل کرکے صاف لکھ دیا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے

[1] الدرر السنیه، المکتبة الحقیقیة استنبول ترکی ص ۳۹تا ۵۳

[2] مشکوۃ المصابیح کتاب الفتن باب لاتقوم الساعة الاعلی الشرار الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۸۱

موافق ہوا [1]۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف ہم نے لوٹنا ہے ت)

بدحواس کو اتنا نہ سوجھا کہ اگر وہ یہی زمانہ ہے جس کی اس حدیث میں خبر ہے تو واجب کہ روئے زمین پر مسلمان کا نام و نشان نہ رہا، بھلے مانس اب تو اور تیرے ساتھی نجد و ہند کے سارے وہابی گرفتار خرابی کہاں بچ کر جاتے ہیں، کیا تمہارا طائفہ کہیں دنیا کے پردے سے کہیں الگ بستا ہے، تم سب بدتر سے بدتر کافروں میں ہوئے جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں اور دین کفار کی طرف پھر کر بتوں کی پوجا میں ڈوبے ہوئے ہیں، سچ آیا حدیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ۔

حبك الشیئ یعمی و یصم [2]۔	کسی شَے سے تیری محبت تجھے اندھا اور بہرکر دیتی ہے۔ت)

شرک کی محبت نے اس کفر دوست کو ایسا اندھا بہرا کر دیا کہ خود اپنے کفر کا اقرار کر بیٹھا مطلب تو یہ ہے کہ کسی طرح تمام مسلمان معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اگرچہ برائے شگون کو اپنا ہی چہرہ ہموار سہی۔

"كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾" [3]	اللہ تعالٰی یونہی مہر کر دیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر (ت)

وہابی صاحبو! اپنے پیشواؤں کی تصریحیں دیکھتے جاؤ صدہا سال کے علماء واولیاء ومقبولانِ خدا کو رافضی خارجی کہتے شرماؤ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم بزورِ زبان و بہتان دوسروں پر تبرّا بھیجتے ہو مگر ہندو نجد کے سارے وہابی اپنے ہندی و نجدی اماموں کی تصریح اور وہ دونوں امام معنوی عوام خود اپنے اقراراتِ صریح سے کافر بے ایمان مشرک بت پرست شراب کفر سے مخمور و بدمست ہیں، اقرارِ مرد آزادِ مرد چاہ کن راچاہ درپیش (مرد کا اقرار مرد کا آزار ہے، کنواں کھودنے والا خود کنویں میں گرتا ہے۔ت)
آسمان کا تھوکا حلق میں آیا، تف برماہ بر رُوئے خویش (چاند پر تھوکنے والا اپنے چہرے پر تھوکتا ہے۔ت)

---

[1] تقویۃ الایمان، الفصل الرابع، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۰

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الھوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۴۳، مسند احمد حنبل مرویات ابی الدردا ۵ /۱۹۴ وکنزالعمال حدیث ۴۴۱۰۴ ۱۶ /۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۴۰ /۳۵

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ " [1]	مار ایسی ہی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔(ت)

اور یہیں سے ظاہر کہ لقب رافضی وخارجی کے مستحق بھی یہی حضرات ہیں کہ چاروں آئمہ کرام اور ان کے سب مقلدین سے تبری کرتے اور تصریحًا و تلویحًا سب پر تبرا بھیجتے ہیں. بخلاف اہلسنت کہ سب کو امام اہلسنت جانتے اور سب کی جناب میں عقیدت رکھتے سب کے مقلدوں کو رُشد وہدایت پر مانتے ہیں۔ طرفہ یہ کہ زید بیچارہ رافضیوں پر تین خلفاء کے نہ ماننے کاالزام رکھتا ہے حالانکہ اس کاامام مذہب خود حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ماننا بھی حرام وشرک بتاتا ہے، اپنی کتاب تقویۃ الایمان جہاں خراب میں صاف لکھتا ہے کہ۔ "اللہ کے سوا کسی کو نہ مان" [2]۔

اسی میں کہتا ہے: "سب سے اللہ صاحب نے قول وقرار لیا کہ کسی کو میے سوانہ مانیو" [3]۔

نے فروعت محکم آمد نے اصول

شرم بادت از خدا واز رسول

(نہ تیرے فروع متکلم ہیں اور نہ ہی اصول، تجھے اللہ ورسول سے شرم آنی چاہیے۔ت)

جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

امر دوم: کہ چاروں آئمہ کے مسائل لینے میں کل دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بخوبی عمل ہو سکتا ہے اور ایک کی تقلید میں ناممکن، یہ وہ پوچ دھوکا ضعیف کید ہے کہ نرے ناخواندہ بیچاروں کو سُنا کر بہکالیں مگر جب کسی ادنی طالب علم یا صحبت یافتہ ذی فہم کے سامنے کہیں تو خود ہی " كَانَ ضَعِيْفًا ۝ " [4] (شیطان کا داؤ کمزور ہے ت) ماننا پڑے اس مغلظہ فاحشہ کا حاصل جیسا کہ ان کے خواص وعوام کے زبان زد ہے یہ کہ چاروں مذہب حق ہیں اور سب دین متین کی شاخیں

---

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاول، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[3] تقویۃ الایمان الفصل الاول، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[4] القرآن الکریم ۴/ ۷۶

تو ایک ہی تقلید سے گویا چہارم دین پر عمل ہوا، بخلاف اس کے کہ کبھی کبھی ہر مذہب پر چلے کہ یوں سارے دین پر عمل ہو جائے گا۔

اقول اوّلاً: یہ اُس مدہوش کا جنونی خیال ہے جسے دربار شاہی تک چار سیدھے راستے معلوم ہوئے رعایا کو دیکھا کہ ان کا ہر گروہ ایک راہ پر ہولیا اور اسی پر چلا جاتا ہے مگر ان حضرات نے اسے بیجا حرکت سمجھا کہ جب چاروں راستے یکساں ہیں تو وجہ کیا کہ ایک ہی کو اختیار کرلیجئے، پکارتا رہا کہ صاحبو ہر شخص چاروں راہ پر چلے مگر کسی نے نہ سنی، ناچار آپ ہی تانا تننا شروع کیا، کوس بھر شرقی راستہ چلا پھر اسے چھوڑا، جنوبی کو دوڑا، پھر اس سے بھی منہ موڑا، غربی کو پکڑا پھر اس سے بھاگ کر شمالی پر ہولیا اُدھر سے پلٹ کر پھر شرقی پر آرہا تیلی کے سے بیل کو گھر ہی کوس پچاس عقلاء سے پوچھ دیکھو ایسے کو مجنوں کہیں گے یا صحیح الحواس، یہ مثال میری ایجاد نہیں بلکہ علمائے کرام واولیائے عظام کا ارشاد ہے اور ان سے امام علام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے میزان الشریعۃ الکبرٰی[1] میں نقل فرمائی اور اس کے مشابہ دوسری مثال انگلیوں کے پوروں کی اپنے شیخ حضرت سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے روایت کی، یہ امام ہمام وہ ہیں جن کی اسی کتاب مستطاب سے اسی مسئلہ تقلید میں غیر مقلدانِ زمانہ کے معلم جدید میاں نذیر حسین دہلوی براہِ اغواء سند لائے اور اسی کتاب میں ان کی ہزار در ہزار قاہر تصریحوں سے کہ جہالاتِ طائفہ کا پورا علاج تھیں آنکھ بند کر گئے مگر کیا جائے شکایت کہ۔

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ"[2]۔	تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ت)

اس سے نئے طائفہ کی پرانی خصلت جسے اس کی سیر دیکھنی منظور ہو بعض احباب فقیر کا رسالہ **سیف المصطفی علی ادیان الافترا** (۱۲۹۹ھ) مطالعہ کرے۔

ثانیاً: کل دین متین پر ایسے عمل کا صحابہ وتابعین وسائر آئمہ مجتہدان دین کو بھی حکم تھا یا خدا اور سول نے خاص آپ ہی کے واسطے رکھا، بر تقدیر اوّل ثبوت دو کہ وہ حضرات ہر گز اپنے مذہب پر قائم نہ رہتے بلکہ نماز و روزہ و تمام اعمال واحکام میں آج اپنے اجتہاد پر چلتے تو کل دوسرے

1

[2] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

کے پرسوں تیسرے کے۔ بر تقدیر ثانی یہ اچھی دولتِ دین ہے جس سے تمام سردارانِ اُمت و پیشوایانِ ملت باز رہ کر محروم گئے کیا ان کے وقت میں یہ اختلاف مذاہب نہ تھا یا انہیں نہ معلوم تھا کہ ہم ناحق کل دین متین پر عمل چھوڑے بیٹھے ہیں۔

ثالثًا: اُف رے مغالطہ کہ کل دین پر یک لخت عمل چھوڑنے کا نام سارے دین پر عمل کرنا رکھا۔ ع

بر عکس نہند نام زنگی کافور

(الٹا حبشی کا نام کافور رکھتے ہیں۔ت)

بھلا مسائل اختلافیہ میں سب اقوال پر ایک وقت میں عمل تو محال عقلی ہاں یوں ہوں کہ مثلاً آج امام کے پیچھے فاتحہ پڑھی مگر یہ کل دین متین کے خلاف ہوا، کیا امام ابوحنیفہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے نزدیک مقتدی کو قراءت بعض اوقات میں ناجائز تھی حاشا بلکہ ہمیشہ، کیا امام شافعی کی رائے میں ماموم پر فاتحہ احیانًا واجب تھی حاشا بلکہ دوامًا تو جو نہ دائمًا تارک نہ دائمًا عامل وہ دونوں قول کا مخالف و نافی پر ظاہر کہ ایجاب وسلب فعلی سلب وایجاب دوامی دونوں کا دافع و منافی، اب تو کھلا کہ تم رفض و خروج دونوں کے جامع کہ چاروں میں سے کسی کے معتقد نہ کسی کے تابع۔

رابعًا: جو امر ایک مذہب میں واجب دوسرے میں حرام، مثلاً قراءت مقتدی تو عامل بالمذہبین فی وقتین کو کیا حکم دیتے ہو، آیا اسے [1] ہمیشہ اپنے حق میں حرام سمجھے یا ہمیشہ [2] واجب یا وقت [3] عمل واجب وقت ترک حرام یا بالعکس [4] یا جس [5] وقت جو چاہے سمجھے یا کبھی [6] کچھ نہ سمجھے یعنی واجب غیر واجب حرام غیر حرام کچھ تصور نہ کرے یا مذہب [7] آئمہ یعنی واجب و حرام دونوں کے خلاف محض مباح جانے۔ شقین اوّلین پر یہ ٹھہرتا ہے کہ حرام جان کر ارتکاب کیا یا واجب مان کر اجتناب، اور شق رابع پر دونوں یہ صریح اجازت قصد فسق و تعمد معصیت ہے اور شق ثالث مثل رابع کھلم کھلا، "یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا" [1]۔ (ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں۔ت) میں داخل ہونا کہ ایک ہی چیز کو آج واجب جان لیا کل حرام مان لیا پرسوں پھر واجب ٹھہرالیا، دین نہ ہوا کھیل ہوا، یا کفار سوفسطائیہ عندیہ کا میل کہ جس چیز کو ہم جو اعتقاد کرلیں وہ نفس الامر میں ویسی ہی ہو جائے۔ شق خامس پر یہ دونوں استحالے قائم کہ جب اجازت مطلقہ ہے تو عامًا شہر آیونًا درکنار

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

یحلونہ انًا و یحرّمونہ انًا (ایک گھڑی اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسری گھڑی اسے حرام مانتے ہیں ت) لازم اور نیز وقت عمل اعتقاد حرمت، وقت ترک اعتقاد وجوب کی اجازت، رہی شق سادس وہ خود معقول نہیں بلکہ صریح قول بالمتنا قضین کہ آدمی جب عمل بالمذہبین جائز جانے گا قطعًا فعل وترک رومانے گا اس کا حکم اور اس سے منع بے ہودہ ہے، معہذا یہ شق بھی استحالہ اولٰی کے حصہ سے سلامت نہیں اچھا حکم دیتے ہو کہ آدمی نماز میں ایک فعل کرے مگر خبردار یہ نہ سمجھے کہ خدا نے میرے لیے جائز کیا ہے لاجرم شق ہفتم رہے گی اور گل وہی کھلے گا کہ کل دین متین کا خلاف یعنی محصل جواز فعل وترک نکلا اور وہ وجوب وحرمت دونوں کے منافی۔

بالجملہ حضرات براہِ فریب ناحق چاروں مذہب کو حق جاننے کا ادعا کرتے اور اس دھوکے سے عوام بے چاروں کو بے قیدی کی طرف بلاتے ہیں۔ ہاں یوں کہیں کہ آئمہ اہلسنت کے سب مذہبوں میں کچھ کچھ باتیں خلافِ دین محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں لہٰذا ان میں تنہا ایک پر عمل ناجائز وحرام بلکہ شرک ہے لاجرم ہر ایک کے دینی مسئلے چن لیے جائیں اور بے دینی کے چھوڑ دیئے جائیں۔

صاحبو، یہ تمہارا خاص دلی عقیدہ ہے جسے تمہارے عمائد طائفہ لکھ بھی چکے پھر ڈر کس کا ہے، یہ بلاد مدینہ طیبہ وبلد حرام نہیں حجاز ومصر وروم وشام نہیں زیر سلطنت سنت واسلام نہیں کھل کر کہو کہ چاروں اماموں کے مذہب معاذاللہ بے دینی ہیں کہ آخر دین وخلاف دین کا مجموعہ ہرگز دین نہ ہوگا بلکہ یقینًا بے دینی، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

خامسًا: فقیر ایک لطیفہ تازہ عرض کرتا ہے جس سے غیر مقلدین عصر کی تمام جہالت کا دفعۃً تنقیہ ہو، آج کل وہ محدث حادث جو سب غیر مقلدوں کے مقلد وامام معتمد ہیں یعنی میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اپنے فتوی مصدقہ مہر دستخطی میں (کہ ان کے زعم میں رد تقلید تھا اور من حیث لایشعرون اثبات تقلید) مع اخوان وذریات اہل خواتیم فرما چکے ہیں کہ جسے آئمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہوسکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت نہیں ٹھہر سکتا جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے۔ بہت اچھا چشم ماروشن دل ماشاد (ہماری آنکھ روشن اور دل خوش ت) اب یہ بھی حضرت سے پوچھ دیکھئے کہ آئمہ اربعہ کے سوا کون کون مجتہد ہیں اسی فتوے میں تصریح کی کہ امام الحرمین وحجۃ الاسلام غزالی وکیاہراسی وابن سمعانی وغیرہم آئمہ محض

انتساب میں شافعی تھے اور حقیقۃً مجتہد مطلق[1]۔ اور اسی میں لکھا بے شک جو منصف مزاج ہے وہ ہر گز امام شعرانی کے منصب کا مل اجتہاد میں کلام نہیں کرسکتا[2] بہت بہتر، کاش اس کے ساتھ یہ بھی لکھ دیتے کہ کلام کرے یا ان اقراروں سے پھرے تو اسے مکہ معظّمہ میں ترکی پاشا کا حوالہ دیکھیے خود حضرت کے اقراروں سے ثابت ہولیا کہ ان پانچوں اماموں کا قول بھی ہر گز گمراہی نہیں ہوسکتا اور جوان کے فرمان پر چلے اصلاً مورد اعتراض نہیں جو اسے بدعتی کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار ورہبان پرست ہے اب ان حضرات سے کہتے ذرا آنکھ کھول کر دیکھو غیر مقلدی بے چاری کا سویرا ہوگیا ملاحظہ تو ہو کہ یہی امام مجتہد شعرانی انہیں چاروں امام مجتہد سے اپنی میزان مبارک میں کس زور و شور سے وجوب تقلید شخصی نقل فرماتے اور اسے مقبول و مسلم رکھتے ہیں۔

قال علیہ رحمۃ ذی الجلال بہ صرح امام الحرمین و ابن السمعانی و الغزالی والکیا الھر اسی وغیرھم و قالوا لتلامذتھم یجب علیکم التقید بمذھب امامکم ولا عذر لکم عند اللہ تعالٰی فی العدول عنہ[3]۔	امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اسی کی تصریح کی امام الحرمین و ابن السمعانی و غزالی و کیا ہر اسی وغیرہم آئمہ نے، اور اپنے شاگردوں سے فرمایا تم پر واجب ہے خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا اگر ان کے مذہب سے عدول کیا تو خدا کے حضور تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔

اب ایمان سے کہنا وجوب تقلید شخصی کی حقانیت کس شدومد سے ثابت ہوئی اور سارے غیر مقلدین کہ اسے بدعت وضلالت کہتے ہیں کیسے علانیہ خبیث بدعتی احبار ورہبان پرست ٹھہرے،

الحمد للہ رب العلمین "وَ قِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝۴۴"[4]۔	اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور کہا گیا ظالم لوگ دور ہوں۔ (ت)

واقعی سنتِ الٰہیہ ہے کہ گمراہوں پر خود انہیں کہ قول سے حجت قائم فرماتا ہے۔ ع

1

2

[3] میزان الشریعۃ الکبرٰی، فصل فی بیان استحالہ خروج شئی الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۵۴، ۵۳

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۴

ومنھا علٰی بطلانھا الشواھد

(خود اُسی سے اس کے بطلان پر دلائل موجود ہیں، ت)

پھر نہ صرف ترک تقلید بلکہ بعونہ تعالٰی سارے نجدیت پوری وہابیت ان شاء العزیز انہیں آئمہ کرام کے ارشاد سے باطل ہوجائے گی۔ حضرات ذرا ان اقراروں پر جمے رہیں اور اپنے ایک ایک عقیدہ زائغہ کا رد لیتے جائیں وباللہ التوفیق اصل تحریر ان مجتہد صاحب اور ان کے مقلدوں کی مہری بعض احبابِ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کے پاس موجود۔

والحمد للہ العزیز الودود والصلوۃ والسلام علی النبی المحمود وآلہ وصحبہ الٰی یوم الخلود، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم

کتبــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنہ بمحمدن المصطفی النبی الامی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

السّھم الشھابی علٰی خداع الوھابی ۱۳۲۵ھ

(شعلے برساتا ہوا تیر بڑے دھوکا باز وہابی پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۵: از شہر جیت پور کاٹھیاوار مرسلہ جماعت میمناں ۸ شوال ۱۳۲۵ھ

حضرات کرام علمائے اہلسنت وارث علوم حضرت رسالت علیہ الصلوۃ والسلام اس باب میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص مولوی رحیم بخش نامی لاہور کے رہنے والے نے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کے لیے اردو کی کتابوں کا ایک سلسلہ بنایا ہے جس کا نام اسلام کی پہلی کتاب، اسلام کی دوسری کتاب، اسلام کی تیسری کتاب وغیرہ رکھا ہے، ان کتابوں کا مصنف اسلام کی دوسری کتاب کے صفحہ ۳ سطر ۸ میں لکھتا ہے: ان کتابوں میں بعض مقام میں جو لفظ اہل حدیث اور فقہاء کا استعمال کیا گیا ہے اس سے نہ اہل حدیث پر طعن مقصود ہے اور نہ فقہاء کو مخالف حدیث کا لقب مد نظر ہے بلکہ اہل حدیث سے وہ لوگ مراد ہیں جو صرف صحیح حدیث پڑھ کر یا سن کر عمل کرتے ہیں کسی خاص مذہب کے پابند نہیں، اور فقہاء سے وہ لوگ مراد ہیں جو خاص کتبِ فقہ اور خاص مذہب امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے پابند ہیں اور اپنے مذہب کی روایت کو زیادہ مانتے ہیں اس اختلاف کو اس سلسلے میں اس لیے بیان کیا ہے کہ اس زمانہ میں اکثر اہل حدیث اور فقہاء کے اختلاف کا زیادہ چرچا ہے۔

اور دونوں فریق کے لوگ بکثرت موجود ہیں ______________ اور اس سلسلے میں عام مسلمانوں کی تعلیم اور اتحاد مقصود ہے، اور یہ اختلاف اسی اختلاف کے مشابہ ہے جو قدیم سے صحابہ اور آئمہ دین میں چلا آیا ہے اور کتبِ فقہ وغیرہ میں اکثر حنفی شافعی وغیرہ کے نام سے مذکور ہے، اصولِ دین میں سب متفق ہیں، صرف بعض فروع میں مختلف ہیں فروعی اختلاف میں بھی سند رکھتے ہیں، غایت یہ ہے کہ کسی کی دلیل قوی ہے اور کسی کی ضعیف اور جو ضعیف پر ہے وہ بھی اپنے نزدیک اس کو قوی سمجھتا ہے غرض ہمیں اس میں نہ تعصب ہے اور نہ کسی کی مخالفت منظور ہے، محض اشاعتِ دین اور اتباعِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقصود ہے۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۳ سطر ۶ میں لکھتا ہے: "حیض کی مدت میں علماء کا یہ اقوال ہیں۔ایک دن رات، دو دن رات، تین دن رات، سات دن رات، دس دن، پندرہ دن، اصل یہ ہے کہ یہ امر ہر عورت کی عادت اور طبیعت پر منحصر ہے"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۵ میں مرقوم ہے: "پانی کی طبیعت پاک ہے تھوڑا ہو یا بہت، بند ہو یا جاری، بو مزہ بدلنے سے ناپاک ہو جاتا ہے"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ سطر ۸ میں کہتا ہے: "ظہر کا وقت آفتاب کے ڈھلنے کے وقت سے اصلی سایہ کے سوا ایک مثل تک ہے، بعض فقہاکے نزدیک دوسرے مثل تک بھی رہتا ہے لیکن مکروہ"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۷ سطر ۵ میں تحریر ہے: "جن نمازوں میں قصر کا حکم ہے یہ ہیں، ظہر، عصر، عشاء ان میں سنتیں بھی معاف ہیں"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۳ سطر ۸ میں لکھا ہے: "جو شخص خطبے میں آکر شریک ہو دو رکعت سنت پڑھ کر بیٹھے، جو شخص دوسری رکعت کے قیام سے پیچھے ملے اس کا جمعہ نہیں ہوتا وہ ظہر پڑھے"۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۱ سطر ۱۳ میں کہتا ہے: "اگر ایک دن میں جمعہ اور عید اتفاق سے اکٹھے ہوں تو جمعہ میں رخصت آئی ہے اگر پڑھے تو بہتر ہے"۔

پھر مولوی رحیم بخش کی بنائی ہوئی اسلام کی تیسری کتاب کے صفحہ ۸۶ میں مذکور ہے:

"طلاق تین قسم کی ہے، احسن، جائز، بدعت"۔

پھر طلاق بدعت کی نسبت اسی صفحے کی سطر ۶ میں کہتا ہے: " طلاقِ بدعت یہ ہے کہ ایک طہر میں تین طاقیں پوری کردے یا ایک ہی دفعہ تین طلاق دے دے"۔

پھر صفحہ ۸۷ میں کہتا ہے: "طلاقِ بدعت بعض کے نزدیک تو واقع ہی نہیں ہوتی اور بعض کے نزدیک ہوتی ہے لیکن مکروہ، تین طلاق ایک دفعہ میں یہ اختلاف ہے اگر تین طلاق ایک دفعہ دے دے تو کسی کے نزدیک طلاق ہے اور کسی کے نزدیک نہیں، جیسے طلاقِ بدعت میں بیان ہوا ہے۔"

یہ مُشتے نمونہ از خروار ہے جو رحیم بخش مذکور کی طرف دو کتابوں میں سے مع نشانِ صفحہ و سطر آپ کے حضور میں پیش کیا گیا ہے، اب ارشاد ہو کہ مولوی رحیم بخش مذکور سنی حنفی پاک دین ہے یا پکا کٹا وہابی غیر مقلد بدمذہب اور اس کی کتابوں میں سے جو مسائل نکال کر لکھے گئے ہیں اور شناخت کے لیے ان پر قومے (" ") لگادئے ہیں، یہ مسائل حنفیوں کے ہیں یا لامذہب وہابیوں کے، پھر اگر مولوی رحیم بخش وہابی غیر مقلد ہے اور اس کی کتابوں میں مسائل مخالفِ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بصراحت موجود ہیں تو سنی حنفیوں کے نادان بچوں کو ایسی برباد کرنے والی اور مقلدوں کو لامذہب بنانے والی کتابوں کا پڑھانا جائز ہے یا حرام یا ناجائز؟ پھر جو شخص قصداً سنی بچوں کو ایسی کتابیں پڑھائے اور دوسرے نادانوں میں ان کی اشاعت کرے اور ان کے پڑھنے کی ترغیب دلائے وہ شخص خود بھی پکا وہابی اور لامذہب ہے یا نہیں؟ اور جو شخص اس مصنف کو سنی حنفی بتائے اور مسائل مندرجہ کی نسبت کہے کہ ایسے مسائل تو حنفیوں کی معتبر کتابوں ہدایہ وغیرہا میں لکھے ہیں اور ایسا اختلاف تو حنفیوں میں چلا آتا ہے اور کہے کہ ان کتابوں کا بچوں کو ایسی صورت میں پڑھانا کہ ان کے باپ دادا اور شہر کے رہنے والے حنفی ہوں کچھ حرج نہیں بلاکراہت جائز ہے وہ خود بھی پکا وہابی، پکا لامذہب، دین کا چور، سنیوں کا ٹھگ ہے یا نہیں؟ ان سب باتوں کا مفصل جواب عطا فرما کر ہم مسلمانانِ اہلسنت کو دین کے فتنے سے بچایئے اور خداوند کریم سے اجر عظیم حاصل فرمایئے۔

سائلان ہم سنی حنفی مسلمانان جیت پور ملک کاٹھیاوار

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ الذی انجانا من کید الکائدین والصلوۃ والسلام علی من رد فساد المفسدین وعلی الہ وصحبہ والمجتھدین ومقلدیھم الی یوم الدین۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے ہمیں مکاروں کے مکر سے نجات عطا فرمائی، اور درود و سلام ہو اس پر جس نے فسادیوں کے فساد کو رد فرمایا، اور آپ کی آل پر، آپ کے صحابہ پر، آئمہ مجتہدین پر اور ان کے مقلدوں پر قیامت کے روز تک (ت)

شخص مذکور صریح غیر مقلد وہابی ہے اور حنفیوں کا صریح مخالف و بدخواہ، اور اس کی یہ ناپاک کتاب یقیناً گمراہی و فساد پھیلانے والی اور عظیم دھوکا دے کر حنفی بچوں کے دلوں میں بچپن سے لامذہبی و گمراہی کا بیج بونے والی ہے، بچے، جوان کسی کو اس کتاب کا پڑھانا ہر گز جائز نہیں۔ جو حنفی بچوں اور عامیوں میں اس ضلالت مآب کتاب کی اشاعت کرتا اور اس کے پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے حنفیّہ کا دشمن، حنفیّہ کا بدخواہ، خود غیر مقلد، لامذہب، گمراہی پسند گمراہ ہے، جو سفیہ اس کے مصنف کو سنی حنفی کہے اور کہے کہ ایسا اختلاف خود حنفیّہ میں چلا آتا ہے اور ایسے مسائل خود ہدایہ وغیرہ کتب حنفیّہ میں موجود ہیں اور ان کا پڑھانا بلا کراہت جائز ہے وہ خود بھی منہم اور انہیں بدمذہبوں کی دُم ہے۔

اولاً: مصنف عیار کا اتنا لکھنا ہی اس کی بدمذہبی و غیر مقلدی کے اظہار کو بس تھا کہ وہ لامذہبوں کو جن کا نام اس نے انہیں لامذہبوں سے سیکھ کر اہل حدیث و محدثین رکھا ہے اور حنفیّہ کرام کو ایک پلے میں رکھتا ہے اور ان کا اختلاف مثلاً اختلاف صحابہ کرام و آئمہ اعلام رضی اللہ تعالٰی عنہم صرف فروعی بتاتا اور دونوں فریق میں اتحاد مناتا ہے حالانکہ غیر مقلدین کا ہم سے اختلاف صرف فروعی نہیں بلکہ بکثرت اصولِ دین میں ہمارا ان کا اختلاف ہے، ہماری تمام کتب اصول مالا مال ہیں کہ ہمارے اور جملہ آئمہ اہلسنت کے نزدیک اصولِ شرع چار ہیں، کتاب و سنت اجماع و قیاس لامذہبوں نے اجماع و قیاس کو بالکل اڑا دیا۔ ان کا پیشوا صدیق حسن بھوپالی لکھتا ہے۔

قیاس باطل اور اجماع بے اثر آمد۔	قیاس باطل اور اجماع بے اثر ہے (ت)

ان کی تمام کتابیں اس سے پُر ہیں کہ وہ سوا قرآن و حدیث کے کسی کا اتباع نہیں کرتے اور اجماع و قیاس کے سخت منکر ہیں اور ہمارے آئمہ نے اجماع و قیاس کے ماننے کی ضروریاتِ دین سے گنا ہے اور ان کے منکر کو ضروریاتِ دین کا منکر کہا ہے اور ضروریاتِ دین کا منکر کافر ہے، پھر ہمارا ان کا اختلاف فروعی کیسے ہو سکتا ہے، مواقف و شرح و مواقف موقف اول، مرصد خامس، مقصد سادس میں ہے:

کون الاجماع حجة قطعية معلوم بالضرورة من الدين[1]۔	یعنی اجماع کا حجت قطعی ہونا ضروریاتِ دین سے ہے:

کشف البزدوی شریف میں ہے:

قد ثبت بالتواتران الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم عملوا بالقياس و شاع وذاع ذلك فيما بينهم من غير ردوانكار[2]۔	یعنی تواتر سے ثابت ہوا کہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم قیاس پر عمل فرماتے تھے اور یہ ان میں مشہور و معروف تھا جس پر کسی کو اعتراض وانکار نہ تھا۔

اسی میں امام غزالی سے ہے:

قد ثبت بالقواطع من جميع الصحابة الاجتهاد و القول بالرائ والسكوت عن القائلين به و ثبت ذلك بالتواتر فی وقائع مشهورة ولم ينكر ها احد من الامة فاورث ذلك علماء ضروريات فكيف يترك المعلوم ضرورة[3]۔	یعنی قطعی دلیلوں سے ثابت ہے کہ جمیع صحابہ کرام اجتہاد و قیاس کو مانتے تھے اور اس کے ماننے والوں پر انکار نہ کرتے تھے اور یہ مشہور واقعوں میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوا،اور امت میں سے کسی نے اس کا انکار نہ کیا تو اس سے علم ضروری پیدا ہوا تو جو بات ضروریاتِ دین سے ہے کیونکر چھوڑی جائے گی۔

درمختار کتاب السیر باب المرتد میں ہے:

الکفر تکذیبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی ضروریاتِ دین نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] شرح الموقف الموقف الاول المرصد الخامس المقصد السادس منشورات الشريف الرضی قم ایران ۱/ ۲۵۵

[2] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب القياس دار الكتاب العربی بيروت ۳/ ۲۸۰

[3] کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب القياس دار الكتاب العربی بيروت ۳/ ۲۸۱

فی شئی مما جاء بہ من الدین ضرورۃ[1]۔	میں سے کسی شے کا انکار کفر ہے۔

بالخصوص امام الائمہ مالک الازمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے قیاس سے ان گمراہوں کو جس قدر مخالفت ہے عالم آشکار ہے،ان کی کتابیں ظفر المبین وغیرہ امام و قیاساتِ امام پر طعن سے مملو ہیں۔اور فتاوٰی عالمگیری جلد ثانی میں ہے:

رجل قال قیاس ابی حنیفہ حق نیست یکفر کذا فی التاتارخانۃ[2]۔	یعنی جو شخص کہے کہ امام ابوحنیفہ کا قیاس حق نہیں وہ کافر ہوجائے گا۔ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے۔

ثانیًا: یہ چالاک مصنف خود اقرار کرتا ہے کہ اسے کسی فریق سے مخالفت نہیں، یہ بات لامذہب بے دینی ہی کی ہوسکتی ہے جسے دین ومذہب سے کچھ غرض نہیں ورنہ دو متخالف فریقوں میں مخالفت نہ ہوئی کیونکر معقول۔

ثالثًا: لامذہبوں کا اہلسنت کے ساتھ اختلاف مثلا اختلاف صحابہ کرام بتانا صراحۃً انہیں اہلسنت بنانا ہے حالانکہ ہمارے علماء صاف فرماتے ہیں کہ وہ گمراہ بدعتی جہنمی ہیں۔طحطاوی علی الدرالمختار جلد ۳ میں ہے:

ھذہ الطائفۃ الناجیۃ قد اجتمعت الیوم فی مذاہب اربعۃ وھم الحنفیون والمالکیون والشافعیون و الحنبلیون رحمھم اللہ ومن کان خارجا عن ھذہ الاربعۃ فی ھذا الزمان فھو من اھل البدعۃ والنار[3]۔	یہ نجات والا اگر وہ یعنی اہلسنت و جماعت آج چار مذہب حنفی،مالکی،شافعی،حنبلی میں جمع ہوگیا ہے۔اب جوان چار سے باہر ہے وہ بدمذہب جہنمی ہے۔

اور جو بدعتیوں جہنمیوں کو اہلسنت جانے اور ان کا خلاف مثل اختلافِ صحابہ مانے خود بدعتی

---

[1] الدرالمختار کتاب السیر باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۵

[2] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۷۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الذبائح المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/۱۵۳

ناری جہنمی ہے۔

رابعًا: اس بیان سے غیر مقلدوں لامذہبوں کی وقعت و توقیر مسلمان بچوں کے دلوں میں جمے گی کہ ان کا اختلاف مثل اختلافِ صحابہ کرام ہے، اور حدیث میں ہے رسول اللہ نے فرمایا:

من وقر صاحب بدعتہ فقد اعان علی ہدم الاسلام [1]۔	جو کسی بدمذہب کی توقیر کرے اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔

تو اس کتاب کا نام "اسلام کی کتاب" رکھنا نہ تھا بلکہ اسلام ڈھانے کی کتاب۔

خامسًا: اس مصنف عیار نے نادان مسلمانوں اور ان کے بے سمجھ بچوں کو کیسا سخت فریب شدید دھوکا دیا ہے، یہاں تو لکھ دیا کہ وہ کسی مذہب سے تعصب نہیں رکھتا ملک میں فقہاء و اہل حدیث دونوں بکثرت موجود ہیں، اور اس سلسلے میں عام مسلمانوں کی تعلیم مقصود ہے اس لیے دونوں فریق کا اختلاف اس میں بیان کردیا ہے جس سے ظاہر ہوا کہ وہ ہر جگہ مذہب فریقین بیان کرے گا کہ ہر فریق والا اپنا مذہب جان لے مگر اس نے صراحۃً اس کے خلاف کیا، کہیں کہیں اختلاف بتایا اور وہاں بھی جا بجا دوسروں کے مذہب کو اصل مسئلہ ٹھہرایا۔ اور حنفیّہ کے مذہب کو کمزور کرکے کہا کہ بعض یوں کہتے ہیں، اور بہت جگہ صرف لامذہبوں کے مسئلے لکھے جو مذہب حنفی کے صریح خلاف ہیں، دراصل اختلاف کا پتا بھی نہ دیا جس سے مسلمانوں کے بچے اس مذہب مخالف پر جم جائیں اور اپنے مذہب کی خبر بھی نہ پائیں اگر وہ ابتداء میں اختلافات بتانے کا وعدہ نہ کرتا تو دھوکا اتنا سخت نہ ہوتا، جب مسلمان جانتے کہ اس کتاب میں حنفیّہ و غیر حنفیّہ سب کے مسائل گھال میل بے تمیز ہیں، تو مسلمان اس کتاب سے بچتے، اب کے ان کو یہ دھوکا دیا کہ جہاں اختلاف ہے دونوں مذہب بتادیئے جائیں گے تو ان کو اطمینان ہوگیا کہ اپنا مذہب لیں گے دوسروں کا چھوڑ دیں گے اب کیا یہ گیا کہ کہیں کہیں اختلاف بتا کر بکثرت مواقع پر مذہب لکھا دوسروں کا اور اختلاف اصلًا نہ بتایا تو ناواقفوں کو صاف بتایا کہ یہ مسئلے متفق علیہ ہیں ان پر بے تکلف عمل کرو یہ کتنی بڑی دغا بازی اور مسلمان بچوں کی بدخواہی ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی شخص سبیل لگائے اور اشتہار دے دے کہ جو آبخورے ناپاک یا تمہارے مذہب کے خلاف ہیں ان پر چٹ لگادی ہے اور بعض پر تو چٹ لگائے

[1] شعب الایمان حدیث ۹۴۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۶۱

باقی بہت ناپاک آبخورے بے چٹ کے ملادے تو وہ صراحۃً بے ایمانی ودغا بازی کررہا ہے اگر وہ اتنا ہی کہتا کہ ان میں کچھ آبخورے نجس بھی ہیں تو کوئی مسلمان انہیں ہاتھ نہ لگاتا، چٹ کے دھوکے نے مسلمانوں کو فریب دیا، غیر مقلدوں کے طور پر سوئر کی چربی حلال اور شراب وخون پاک ہے، یہ کتاب ایسی ہوئی کہ کسی غیر مقلد نے کوئی عام دعوت کی اور اعلان کردیا کہ جس سالن میں گھی ہے وہ حنفیہّ کے لیے پکایا ہے اور جس میں سوئر کی چربی ہے وہ ان غیر مقلدوں اہل حدیث کے لیے پکایا ہے اور اس کی نشانی یہ ہے کہ حنفیہّ کا کھانا چینی کے برتنوں میں ہے اور غیر مقلدوں کا پیتل کے بٹوے میں۔اور پھر کرے یہ کہ بہت سالن سوئر کی چربی والا چینی کے برتنوں میں رکھ دے، ہر صاحبِ انصاف یہی کہے گا کہ یہ شخص سخت مفسد ہے اور بڑے فساد کا بیج بوتا ہے۔اس وقت اس کی دوسری کتاب ہمارے پیش نظر ہے اس سے اسی قسم کے چند اقوال التقاط کیے جاتے ہیں۔

(۱) کچھ سر کا مسح فرض ہے، حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حنفیہّ کرام کے نزدیک ربع سر کا مسح فرض ہے اگر ربع سے کم کا کرے گا ہر گز نہ وضو ہو گا نہ نماز۔ہدایہ میں ہے:

المفروض فی مسح الراس مقدار الناصیة وھو ربع الراس[1]۔	سر کا مسح ناصیہ کی مقدار وض ہے اور وہ سر کا چوتھا حصہ ہے۔(ت)

(۲و۳) ص ۳۰: بول وبراز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے خون نکلنے اور قے کرنے سے وضو بہتر ہے حنفیہّ کے نزدیک خون بہہ کر نکلے یا منہ بھر قے ہو تو وضو ٹوٹ جاتا ہے۔وضو کرنا فقط بہتر ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ہدایہ میں ہے:

نواقض الوضوء الدم والقیئ ملئ الفم[2]۔	(خون کا بہنا اور منہ بھر کر قے وضو توڑنے والی چیزیں ہیں۔ت)

(۴) حاشیہ ص۹: بعض کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے گو ٹوٹنے پر کوئی دلیل کافی نہیں تاہم اختلاف سے نکلنا بہتر ہے، نکسیر کا بھی یہی مسئلہ ہے۔یہاں صراحۃً نکسیر کے بارے میں حنفی مذہب کے مسئلہ کو بے دلیل کہا اور اس سے وضو بہتر بتایا

[1] الھدایة کتاب الطہارات المکتبة العربیة کراچی ۳/۱

[2] الھدایة کتاب الطہارات فصل فی نواقض الوضو ۸/۱

حالانکہ حنفیّہ کے نزدیک اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ہدایہ:

لو نزل من الراس الی مالان من الانف نقض الوضوء بالاتفاق [1]۔	اگر خون سر سے نازل ہوا اور ناک کے نرم حصہ تک پہنچ گیا تو بالاتفاق وضو ٹوٹ گیا۔(ت)

(۵) ص ۱۰: غسل کے فرائض میں صرف اتنا لکھا ہے کہ سارے بدن پر پانی ڈالنا فرض ہے حالانکہ مذہب حنفی میں غسل کے تین فرض ہیں: کلی اور ناک میں پانی پہنچانا اور سارے بدن پر پانی ڈالنا، ہدایہ:

فرض الغسل المضمضة والا ستنشاق وغسل سائر البدن [2]۔	غسل کے فرائض کلی کرنا، ناک میں پانی پہنچانا، اور سارے بدن پر پانی بہانا (ت)

(۶) ص ۱۳: وہ کہ سائل نے دربارۂ حیض نقل کیا اصل یہ ہے کہ یہ امر ہر عورت کی عادت وطبیعت پر منحصر ہے، یہ صراحۃً مذہبِ حنفی کا رد ہے حنفیّہ کے نزدیک حیض نہ تین رات دن سے کم ہوسکتا ہے نہ دس رات دن سے زائد، ہدایہ:

اقل الحیض ثلثة ایام ولیا لیھا و مانقص من ذلك فھواستحاضة واکثرہ عشرایام والزائد استحاضة [3]۔	حیض کم از کم تین دن رات ہے جو اس سے کم ہو وہ استحاضہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ حیض ۱۰ دن ہے جو اس سے زائد ہو وہ استحاضہ ہے۔ت)

(۷) ص ۱۵: وہ کہ سائل نے نقل کیا کہ پانی کی طبیعت پاک ہے، حنفیّہ کے نزدیک تھوڑا پانی ایک قطرہ نجاست سے بھی ناپاک ہوجائے گا یہاں جو اس غیر مقلد نے فقط مزے اور بو کے بدلنے پر مدار رکھا اجماع تمام امت کے خلاف ہے کہ نجاست کے سبب رنگ بدلنے سے بھی بالاجماع پانی ناپاک ہوجائے گا اگرچہ مزہ و بو نہ بدلے، درمختار باب المیاہ:

ینجس الماء القلیل بموت بط وبتغیر احد اوصافه من لون	قلیل پانی بطخ کے اس میں مرنے کی وجہ سے نجس ہوجاتا ہے اور کثیر پانی نجاست کی وجہ سے

[1] الهدایة کتاب اطہارات فصل فی نواقض الوضوء المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۰

[2] الهدایة کتاب اطہارات فصل فی الغسل الوضوء المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۲

[3] الهدایة کتاب اطہارات باب الحیض والا اسحاضه المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۴۶

اوطعم اوریح و ینجس الکثیرو لو جاریا اجماعا اما القلیل فینجس وان لم یتغیر[1]،	نجس ہو جاتا ہے، اور کثیر پانی نجاست کی وجہ سے رنگ، بو یا مزہ بدلنے سے بالاجماع نجس ہو جاتا ہے اگرچہ جاری ہو، اور قلیل پانی نجاست کے وقوع سے نجس ہو جاتا ہے اگرچہ اس کا کوئی وصف نہ بدلے (ت)

(۸) ص ۲۵: عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے اور وتروں کا اخیر رات تک ہے یہ نہ فقط حنفیّہ بلکہ آئمہ اربعہ کے خلاف ہے، چاروں اماموں کے نزدیک عشاء کا وقت طلوعِ فجر تک رہتا ہے۔ در مختار میں ہے:

وقت العشاء والوتر الی الصبح[2]۔	عشاء اور وتر کا وقت صبح صادق تک ہے۔ (ت)

میزان الشریعۃ الکبرٰی میں ہے:

وقت العشاء فانه یدخل اذا غاب الشفق عند مالك والشافعی واحمد ویبقی الی الفجر[3]۔	امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم کے نزدیک عشاء کا وقت شفق کے غائب ہونے پر داخل ہوتا ہے اور صبح صادق تک باقی رہتا ہے۔ (ت)

(۹) ص ۲۶: پردہ زیر ناف گھٹنوں کے اوپر تک فرض ہے، حنفیّہ کے مذہب میں گھٹنے بھی ستر میں داخل ہیں تو نماز میں گھٹنے کھلے رکھنے کی اجازت حنفی مذہب کے خلاف بھی ہے اور نماز میں بے ادبی کی تعلیم بھی، در مختار میں ہے:

الرابع ستر عورته وھی للرجل ماتحت سرته الی ما تحت رکبته[4]۔	چوتھی شرط ستر عورت ہے اور مرد کے لیے ناف کے نیچے سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے۔ (ت)

(۱۰) ص ۲۷: آزاد عورت کو منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے سوا سب بدن کا چھپانا فرض ہے۔

[1] الدر المختار کتاب الطہارۃ باب المیاہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵

[2] الدر المختار کتاب الطہارۃ کتاب الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۹

[3] میزان الشریعۃ الکبری کتاب الطہارۃ کتاب الصلوۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۷۳

[4] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب شروط الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۵

باندی کو اکثر منہ اور ہاتھ پاؤں کے سوا پیٹ اور پیٹھ اور باقی جسم کا چھپانا فرض ہے، یہ شخص باندی کا عجب حکم لکھ رہا ہے کہ نہ فقط حنفیّہ بلکہ تمام امت کے خلاف، اس نے آزاد عورت اور باندی کا حکم حرف بحرف ایک رکھا کہ منہ اور ہاتھ اور پاؤں کے سوا باقی بدن کا چھپانا دونوں پر فرض کیا فقط فرق یہ رکھا کہ آزاد عورت کے لیے سارا منہ مستثنٰی کیا اور باندی کے لیے اکثر منہ۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ باندی کا ستر آزاد کے ستر سے زائد ہے کہ اُسے نماز میں سارے منہ کھولنے کی اجازت ہے اور باندی کو کچھ منہ کا حصہ چھپانا بھی فرض ہے یہ تمام جہان میں کسی مسلمان کا قول نہیں۔ ایسی ہی خود ساختہ مسائل کی اشاعت کا نام اشاعتِ دین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رکھتا ہے۔ درمختار میں ہے:

ماھو عورۃ منہ عورۃ من الامۃ مع ظھرھا وبطنھا و جنبھا وللحرۃ جمیع بدنھا خلا الوجہ والکفین و القدمین [1]۔	جو مرد کے لیے ستر ہے وہی لونڈی کے لیے بھی ستر ہے سوائے پشت، پیٹ اور پہلوؤں کے جب کہ آزاد عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرے، ہتھیلیوں اور قدموں کے۔ (ت)

(۱۱) ص ۲۷: مقتدی کو امام کے اقتداء کی نیت کرنا چاہیے (حاشیہ) امام مالک کے نزدیک بالکل نہیں ہوتی۔ یہاں سے صاف ظاہر ہوا کہ مذہب حنفی میں مقتدی کو نیت اقتداء کی ضرورت نہیں صرف اولٰی ہے اگر نہ کرے گا جب بھی نماز ہو جائے گی حالانکہ یہ محض غلط ہے، ہدایہ میں ہے:

ان کان مقتدیا بغیرہ ینوی الصلوۃ ومتابعتہ لانہ یلزمہ فساد الصلوۃ من جھتہ فلابد من التزامہ [2]۔	اگر نمازی غیر کا مقتدی ہے تو نماز کی نیت بھی کرے اور متابعت امام کی نیت بھی کرے کیونکہ اس کی نماز کا فساد امام کی جہت سے لازم آتا ہے لہٰذا اس کا التزام ضروری ہے۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

لاقتداء لایجوز بدون النیۃ کذا فی فتاوٰی قاضی خان [3]۔	(بغیر نیت کے اقتداء جائز نہیں۔ فتاوٰی قاضی خان میں یونہی ہے۔ ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب شروط الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۶۵ و ۶۶

[2] الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب شروط الصلوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۸۰

[3] الفتاوٰی الھندیہ کتاب الصلوۃ الباب الثالث الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۶۶

(۱۲) ص ۲۹: تصویر دار کپڑے میں نماز نہیں ہوتی۔ یہ غلط ہے نماز ہو جاتی ہے البتہ مکروہ ہوتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

ولبس ثوبا فیہ تصاویر یکرہ الصلوۃ جائزۃ لاستجماع شرائطها[1]۔	اگر ایسے کپڑے پہنے جن میں تصویریں ہیں تو مکروہ ہے تاہم نماز ہو جائے گی کیونکہ شرائطِ نماز تمام موجود ہیں۔ (ت)

(۱۳) ص ۲۹: ٹخنوں سے نیچے تہبند لٹکا ہو تو نماز نہیں ہوتی، یہ شریعتِ مطہرہ پر محض افترا ہے اس صورت میں نماز نہ ہونا کسی کا مذہب نہیں بلکہ تہبند لٹکا اگر بہ نیتِ تکبر نہ ہو تو ناجائز بھی نہیں جائز وروا ہے صرف خلافِ اولٰی ہے۔ عالمگیری میں ہے:

اسبال الرجل ازارہ اسفل من الکعبین ان لم یکن لخیلاء ففیہ کراھۃ تنزیۃ کذا فی الغرائب[2]۔	مرد اگر بلانیت تکبر اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے تک لٹکائے تو مکروہِ تنزیہی ہے غرائب میں یونہی ہے۔ (ت)

(۱۴) ص ۳۰: مسجد کے سوا نماز بلا عذر نہیں ہوتی۔ یہ بھی غلط ہے نماز بلاشبہ ہو جاتی ہے مگر مسجد کی جماعت گھر کی جماعت سے افضل ہے، اور بلا عذر ترک مسجد فی نفسہ ممنوع ہے مگر مانع صحتِ نماز نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

الاصح انها کاقامتها فی المسجد الا فی الافضلیۃ[3]۔	اصح یہ ہے کہ گھر میں نماز قائم کرنا مسجد میں نماز قائم کرنے کی طرح ہے مگر افضلیت میں فرق ہے۔ (ت)

(۱۵) ص ۳۳: فقہاء کے نزدیک الحمد پڑھنا صرف امام ہی کے لیے واجب ہے، یہ اس نے فقہاء پر محض افترا کیا۔ صرف اور ہی دو کلمے حصر کے جمع کردیئے حالانکہ ہمارے آئمہ کے نزدیک امام اور منفرد سب پر سورہ فاتحہ واجب ہے صرف مقتدی کے لیے ممنوع ہے۔ درمختار میں ہے:

لها واجبات هی قراءۃ فاتحۃ الکتاب	نماز کے لیے کچھ واجبات ہیں، وہ سورہ فاتحہ کا

[1] الہدایۃ کتاب الصلوۃ فصل فی مکروہات الصلوۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۲۲

[2] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۳۳

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۲

وضم سورة فی الاولیین من الفرض وفی جمیع رکعات النفل والوتر [1]۔	پڑھنا اور فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور نفل و وتر کی تمام رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت ملانا۔(ت)

اسی میں ہے:

والمؤتم لایقرؤ مطلقًا ولا الفاتحة [2]۔	مقتدی مطلقًا قراءت نہ کرے اور نہ ہی فاتحہ پڑھے (ت)

(۱۶) ص ۳۳: مغرب و عشاء فجر میں قراءت آواز سے پڑھنی اور ظہر و عصر میں آہستہ پڑھنی سنت ہے۔ یہ بھی غلط ہے حنفی مذہب میں یہ صرف سنت نہیں بلکہ امام پر واجب ہیں۔ درمختار واجبات نماز میں ہے:

والجهر للامام والاسرار للکل فیمایجهر فیه ویسر [3]۔	اونچی قراءت امام کے لیے اور پست قراءت سب کے لیے جہری اور سری قراءت والی نمازوں میں (ت)

(۱۷) ص ۳۳: پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانی سنت ہے، حنفی مذہب میں یہ بھی واجب ہے [4]۔ درمختار کی عبارت گزری۔

(۱۸) ص ۳۳: رکوع میں پیٹھ کو سر کے برابر کرنا فرض ہے۔ یہ محض افترا ہے مذہب حنفی میں فقط سنت ہے نہ فرض نہ واجب۔ درمختار میں ہے:

ویسن ان یبسط ظهره غیر رافع ولا منکس راسه [5]۔	سنت ہے کہ پیٹھ کو سر کے برابر کرے نہ کہ بلند کرے نہ پست کرے۔

(۱۹و۲۰) ص ۳۴: سجدہ سے سر اٹھا کر دوزانو بیٹھنا اور ٹھہرنا فرض ہے، رکوع سے اٹھ کر تسبیح کے برابر کھڑے رہنا فرض ہے، یہ بھی محض افتراء ہے دوزانو بیٹھنا صرف سنت ہے بلکہ

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۷۱
[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۸۱
[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۷۲
[4] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۷۱
[5] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی ۱/ ۷۵

مذہب حنفی میں اصل بیٹھنا بھی فرض نہیں واجب ہے بلکہ اصل مذہب مشہور حنفی میں اس جلسہ کو صرف سنت کہا یہی حال رکوع سے کھڑے ہونے کا ہے، ردالمحتار میں ہے:

یجب التعدیل فی القومۃ من الرکوع والجلسۃ بین السجدتین و تضمن کلامہ وجوب نفس القومۃ و الجلسۃ ایضا[1]۔	رکوع کے بعد کھڑے ہونے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے میں تعدیل واجب ہے، ماتن کا کلام خود قومہ اور جلسہ کے وجوب کو بھی متضمن ہے۔(ت)

نیز اسی میں ہے:

اما القومۃ والجلسۃ وتعدیلھما فالمشہور فی المذھب السنیۃ وروی وجوبھا[2]۔	لیکن قومہ اور جلسہ اور ان میں تعدیل تو مذہب میں ان کا سنت ہونا مشہور ہے اور وجوب بھی مروی ہے۔ت)

(۲۱) ص ۳۵: نماز کے سب فعلوں کو بالترتیب ادا کرنا سنت ہے، مذہب حنفی میں بہت ترتیبیں فرض اور بہت واجب ہیں، فقط سنت کہنا جہل وافتراء ہے، درمختار میں ہے:

بقی من الفروض ترتیب القیام علی الرکوع والرکوع علی السجود و القعود الاخیر علی ماقبلہ[3]،	باقی ہے فرائض نماز میں سے، قیام کی ترتیب رکوع پر اور رکوع کی ترتیب سجدہ پر اور آخری قعدہ کی ترتیب اس کے ماقبل پر۔(ت)

اسی کے واجبات نماز میں ہے:

ورعایۃ الترتیب بین القراءۃ والرکوع وفیما یتکرر امافیما لایتکرر ففرض کمامر[4]۔	ترتیب کو ملحوظ رکھنا قراءت و رکوع کے درمیان اور افعالِ متکررہ میں واجب ہے، رہے افعالِ غیر متکررہ تو ان میں رعایت ترتیب فرض ہے، جیسا کہ گزرا(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۱۲

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

[4] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ داراحیاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۱

(۲۲) ص ۳٦: اخیر کا التحیات اکثر کے نزدیک فرض اور بعض کے نزدیک سنت ہے مذہب حنفی میں یہ دونوں باتیں باطل ہیں، نہ فرض ہے نہ سنت، بلکہ واجب، درمختار باب واجبات الصلوۃ میں ہے:

والتشھدان[1]۔	اور دونوں قعدوں میں تشہد پڑھنا واجب ہے (ت)

(۲۳ و ۲۴ و ۲۵) ص ۳٦: دائیں بائیں طرف سلام پھیرنا فرض ہے، اس میں تین باتیں فرض کیں، سلام پھیرنا اور اس کا دائیں طرف ہونا اور بائیں طرف ہونا، اور یہ تینوں باطل ہیں ان میں کچھ فرض نہیں، لفظ سلام فقط واجب ہے اور داہنے بائیں منہ پھیرنا سنت، درمختار واجباتِ نماز میں ہے:

ولفظ السلام[2]۔	اور لفظِ سلام واجب ہے۔ (ت)

مراقی الفلاح میں ہے:

یسن الالتفات یمینا ثم یسارا بالتسلمتین[3]۔	سلام کے وقت نمازی کا دائیں بائیں منہ پھیرنا سنت ہے۔ (ت)

(۲٦ و ۲۷) ص ۳۹: اگر قرآن شریف پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ امام بنے جو زیادہ عالم ہو، اگر علم میں سب برابر ہوں تو وہ لائق ہے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ یہ دونوں باتیں بھی مذہب حنفی کے خلاف ہیں مذہب حنفی میں امامت کے لیے سب سے مقدم وہ ہے جو علم زیادہ رکھتا ہو، پھر جو زیادہ قاری ہو، پھر جو زیادہ شبہات سے بچنے والا ہو، پھر جو عمر میں بڑا یعنی اسلام میں مقدّم ہو، درمختار میں ہے:

الاحق بالامامۃ الاعلم باحکام الصلوۃ ثمّ الاحسن تلاوۃ وتجویدا ثم الاکثر اتقاء للشبھات ثم الاسن	امام کا زیادہ حق دار وہ ہے جو نماز کے احکام کو سب سے زیادہ جانتا ہو، پھر جو زیادہ اچھی قراءت کرتا ہو، پھر وہ جو شبہات سے زیادہ بچتا ہو، پھر وہ جو عمر میں سب سے بڑھ کر ہو

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۲

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صفۃ الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۲

[3] مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوۃ فصل فی بیان سننہا دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۷۴

ای الاقدم اسلام [1]۔	یعنی اسلام میں مقدم ہوت)۔

(۲۸) صفحہ ۴۱: جو اکیلا نماز پڑھ لے اگر پھر اس وقت کی جماعت مل جائے تو جماعت میں شریک ہو جائے۔ یہ مطلق حکم بھی مذہب حنفی کے خلاف ہے مذہب حنفی میں جس نے فجر یا عصر یا مغرب پڑھ لی دوبارہ ان کی جماعت میں شریک نہیں ہو سکتا۔ درمختار میں ہے:

من صلی الفجر و والعصر و المغرب مرۃ فیخرج مطلقًا وان اقیمت [2]۔	جو شخص ایک مرتبہ فجر، عصر اور مغرب کی نماز پڑھ چکا ہو وہ مطلقًا مسجد سے نکل سکتا ہے اگرچہ اقامت ہو جائے (ت)

(۲۹) ص ۴۲: جو شخص صف کے پیچھے اکیلا کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ بھی محض افترا ہے بلاضرورت ایسا کرنے میں صرف کراہت ہے نماز یقینًا ہو جائے گی۔ درمختار میں ہے:

قدمنا کراھۃ القیام خلف صف منفرد ابل یجذب احد من الصف لکن قالوا فی زماننا ترکہ اولی ولذا قال فی البحر یکرہ واحدہ اذالم یجد فرجۃ [3]۔	ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اکیلے مقتدی کا صف کے پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے بلکہ وہ صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچ لے۔ لیکن ہمارے زمانے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ اس کا ترک اولٰی ہے اسی لیے بحر میں فرمایا، اکیلے کھڑے ہونا مکروہ ہے مگر جب صف میں جگہ نہ پائے تو مکروہ نہیں ہے۔ (ت)

(۳۰) ص ۵۳: نماز استخارہ سنت ہے اس کی ترکیب یہ ہے کہ دو رکعت نماز پھر نماز پڑھ کر سو رہے۔ یہ سنت ہے سو رہنے کا ذکر کہیں حدیث میں نہیں۔

(۳۱) ص ۵۷: وہ جو سائل نے نقل کیا کہ جن نمازوں میں قصر کا حکم ہے ان میں سنت بھی معاف ہیں، یہ محض جہالت ہے حالت قرار میں کسی نماز کی سنت معاف نہیں اور حالتِ فرار میں سب کی معاف ہیں، مطلقًا معافی کا حکم دینا غلط اور اس معافی کو قصر کے ساتھ خاص

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مطبع مجتبائی دہلی ۸۲/۱

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۹/۱

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ادراك الفریضہ مطبع مجتبائی دہلی ۹۲/۱

کرنادوسری غلطی، در مختار میں ہے:

یأتی المسافر بالسنن ان کان فی حال امن وقرار والا بان کان فی حال خوف وفرار لایأتی بھاھو المختار[1]۔	حالت امن وقرار میں مسافر سنتیں ادا کرے ورنہ یعنی حالتِ خوف وفرار میں نہ ادا کرے، یہی مختار ہے۔(ت)

(۳۲ و ۳۳) ۵۸: جب کسی دشمن یا درندہ وغیرہ کا خوف ہو تو چار رکعت نماز فرض سے دو رکعت پڑھنا جائز ہے۔ یہ محض غلط ہے مسافر پر چار رکعت فرض کی پڑھنی ویسی ہی واجب ہے اگرچہ کچھ خوف نہ ہو، اور غیر مسافر کو چار رکعت فرض کی، دو پڑھنی اصلاً جائز نہیں اگرچہ کتنا ہی خوف ہو۔ در مختار میں ہے:

من خرج من عمارۃ موضع اقامتہ قاصدا مسیرۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا صلی الفرض الرباعی رکعتین وجوبا[2]۔	جو شخص تین دن رات کی مسافت کے ارادے سے اپنی جائے اقامت کی آبادی سے نکلا اس پر واجب ہے کہ چار رکعتی فرضوں میں دو دو رکعتیں پڑھے ت)۔

اسی میں ہے:

صلوۃ الخوف جائزۃ بشرط حضور عدواوسبع فیجعل الامام طائفۃ بازاء العدوو یصلی باخری رکعۃ فی الثنائی ورکعتین فی غیرہ[3]۔	نمازِ خوف اس شرط پر جائز ہے کہ دشمن یا درندہ سامنے موجود ہو، چنانچہ امام لوگوں کے دو گروہ بنائے گا ان میں سے ایک گروہ کو دشمن کے سامنے کھڑا کرے گا جب کہ دوسرے کو دو رکعتی نماز میں سے ایک رکعت اور چار رکعتی نماز میں سے دو رکعتین پڑھائے گا۔(ت)

(۳۴) ص ۵۹: کوئی نماز دیدہ ودانستہ قضا ہوجائے تو اس کا ادا کرنا واجب ہے۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ المسافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۸

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ المسافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۰۷

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الخوف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۸ و ۱۱۹

(۳۵) ص ۶۳: جو سائل نے نقل کیا جو خطبہ میں آکر شامل ہو دو رکعت سنت پڑھ کر بیٹھے، مذہب حنفی میں خطبہ ہوتے وقت ان رکعتوں کا پڑھنا حرام ہے، در مختار میں ہے:

اذا خرج الامام فلا صلوۃ ولا کلام الیٰ تمامھا[1]۔	جب امام خطبہ کے لیے نکلے تو اسکے اتمام تک کوئی نماز اور کوئی کلام جائز نہیں۔(ت)

(۳۶) ص ۶۳: وہ جو سائل نے نقل کیا جو شخص کے دوسری رکعت کے قیام سے پیچھے ملے اس کا جمعہ نہیں ہوتا وہ ظہر پڑھے۔ یہ محض غلط وافتراء ہے مذہب حنفی میں تو اگر التحیات یا سجدہ سہو بھی امام کے ساتھ پالیا تو جمعہ ہی پڑھے گا اور امام محمد کے نزدیک بھی دوسری رکعت کا رکوع پانے والا جمعہ پڑھتا ہے حالانکہ وہ بھی دوسری رکعت کے قیام کے بعد ملا، ہدایہ میں ہے:

من ادرك الامام یوم الجمعۃ صلی معہ ما ادرکہ وبنی علیھا الجمعۃ وان کان ادرکہ فی التشھد او فی سجود السھو بنی علیھا الجمعۃ عندھما وقال محمد ان ادرك معہ اکثر الرکعۃ الثانیۃ بنی علیھا الجمعۃ[2]۔	جس نے جمعہ کے دن امام کو پالیا تو امام کے ساتھ جتنی نماز پائی وہ اس کے ساتھ پڑھے، اور اس پر جمعہ کی بنا کرے، اگر اس نے امام کو تشہد یا سجدہ سہو میں پایا تو شیخین کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد کے نزدیک اگر امام کے ساتھ دوسری رکعت اکثر پالی تو اس پر جمعہ کی بنا کرے۔(ت)

(۳۷) ص ۶۴۰: تین آدمی بھی جمع ہو جائیں تو جمعہ پڑھ لیں۔ یہ بھی ہمارے امام کے مذہب کے خلاف ہے کم سے کم چار آدمی درکار ہیں۔ در مختار میں ہے:

والسادس الجماعۃ واقلھا ثلثۃ رجال سوی الامام[3]۔	چھٹی شرط جماعت ہے اور وہ یہ کہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہوں۔(ت)

(۳۸) ص ۶۴: عید کی نماز ہر مسلمان پر واجب ہے مرد ہو یا عورت یہ بھی غلط ہے۔

[1] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۳

[2] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۵۰

[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ الجمعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۱

مذہب حنفی میں عورتوں پر نہ جمعہ ہے نہ عید، ہدایہ میں ہے:

تجب صلوۃ العید علٰی کل من تجب علیه صلوۃ الجمعة[1]۔	نماز عید ہر اس شخص پر واجب ہے جس پر نمازِ جمعہ واجب ہے۔(ت)

اسی میں ہے:

لاتجب الجمعة علی مسافر ولا امرأة[2]۔	مسافر اور عورت پر جمعہ واجب نہیں،(ت)

(۳۹) ص ۶۵: دونوں عیدیں جب بارش وغیرہ کا عذر ہو مسجد میں جائز ہیں۔اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ بارش وغیرہ کا عذر نہ ہو تو مسجد میں ناجائز ہیں یہ محض غلط ہے۔در مختار میں ہے:

الخروج الیھا ای الجبانة الصلوۃ العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع[3]۔	نماز عید کے لیے عید گاہ کی طرف نکلنا سنت ہے اگرچہ جامع مسجد میں لوگ سما سکتے ہوں۔(ت)

(۴۰) ص ۶۶: بکری بھینگی ناجائز ہے، یہ بھینگی کا حکم بھی غلط لکھ رہا ہے مذہب حنفی میں بھینگی بکری کی قربانی جائز ہے۔ردالمحتار میں ہے:

وتجوز الحولاء مافی عینها حول[4]۔	جس کی آنکھ بھینگی ہو اس کی قربانی جائز ہے۔(ت)

(۴۱) ص ۶۳: وہ جو سوال میں منقول ہوا کہ ایک دن میں جمعہ و عید اکٹھے ہوں تو جمعہ میں رخصت آئی ہے لیکن پڑھنا بہتر ہے۔یہ بھی غلط ہے مذہب حنفی میں عید واجب اور جمعہ فرض ہے کوئی متروک نہیں ہوسکتا، ہدایہ میں ہے:

وفی الجامع الصغیر عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالاول سنة والثانی فریضة ولایترك واحد منهما[5]۔	جامع صغیر میں ہے کہ اگر ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو جائیں تو پہلی سنت (واجب ثبت بالسنہ) اور دوسری فرض ہے ان میں سے کوئی بھی ترک نہیں کی جائے گی۔(ت)

---

[1] الهدایة کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۵۱

[2] الهدایة کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۴۹

[3] الدر المختار کتاب الصلوۃ باب العیدین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۱۴

[4] ردالمحتار کتاب الاضحیة باب العیدین دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۰۷

[5] الهدایة کتاب الصلوۃ باب العیدین المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۵۱

(۴۲) ص ۶۶: عید کے پیچھے تین دن تک قربانی درست ہے، مذہب حنفی میں صرف بارھویں تک قربانی جائز ہے۔ درمختار میں ہے:

تجب التضحیۃ فجر یوم النحر الٰی اٰخر ایامہ وھی ثلثۃ افضلھا اولھا[1]۔	قربانی کرنا واجب ہے یومِ نحر کی فجر سے ایامِ قربانی کے آخری دن تک، اور وہ تین دن ہیں جن میں سے پہلا افضل ہے۔(ت)

(۴۳) ص ۶۷: خاوند اگر اپنی عورت کو غسل دے جائز ہے، مذہب حنفی میں محض ناجائز ہے۔ درمختار میں ہے:

ویمنع زوجھا من غسلھا ومسھا لامن النظر الیھا علی الاصح[2]۔	اصح یہ ہے کہ خاوند کا بیوی کو غسل دینا اور اُسے چھونا ممنوع ہے مگر اسے دیکھنا ممنوع نہیں ہے۔(ت)

(۴۴) ص ۸۰: شہید پر نماز پڑھنی ضروری نہیں، مذہب حنفی میں ضروری ہے۔ درمختار میں باب الشہید میں ہے:

یصلی علیہ بلا غسل[3]۔	شہید پر بلا غسل نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔(ت)

(۴۵) ص ۸۰: جو جنازہ میں نہ مل سکے قبر پر پڑھ لے۔ مذہب حنفی میں جو نماز جنازہ میں نہ مل سکے اب وہ کہیں نہیں پڑھ سکتا، کہ نماز جنازہ کی تکرار جائز نہیں مگر اس حالت میں کہ پہلی نماز اس نے پڑھ لی ہو۔ جسے ولایت نہ تھی۔ درمختار میں ہے:

ان صلی غیر الولی ولم یتابعہ الولی اعاد الولی ولو علٰی قبرہ ان شاء ولیس لمن صلی علیھا ان یعید مع الولی لان تکرارھا غیر مشروع[4]۔	اگر غیر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی اور ولی نے اس کی متابعت نہ کی تو ولی اگر چاہے تو نماز جنازہ کا اعادہ کرسکتا ہے، اگرچہ قبر پر پڑھ لے اور جو پہلے جنازہ میں شریک ہوچکا ہے وہ دوبارہ ولی کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا کیونکہ نماز جنازہ میں تکرار مشروع نہیں ہے۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الاضحیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۳۱

[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۰

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الشہید مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۷

[4] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

(۴۶) ص ۸۸: جو مر جائے اور اس پر فرض روزے رہ جائیں اس کے ولی کو چاہیے کہ اس کی طرف سے روزے رکھے۔ مذہب حنفی میں کوئی دوسرے کی طرف سے روزے نہیں رکھ سکتا۔ ہدایہ میں ہے:

لایصوم عنه الولی ولا یصلی لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لایصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد [1]۔	اور میت کی طرف سے اس کا ولی نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے کیونکہ رسول اللہؐ کا فرمان ہے کوئی کسی کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور نہ ہی کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے (ت)

(۴۷) ص ۹۳: ہر مسلمان امیر وغریب پر صدقۂ فطر واجب ہے مذہب حنفی میں صرف غنی پر واجب ہے فقیر پر ہر گز نہیں، ہدایہ میں ہے:

صدقة الفطر واجبة علی الحر المسلم اذا کان مالکا لمقدار النصاف فاضلا عن مسکنه وثیابه واثاثه وفرسه وسلاحه وعبیده لقوله علیه الصلوة والسلام لاصدقة الاعن ظهر غنی [2]۔	صدقہ فطر آزاد مسلمان پر واجب ہے جو مقدار نصاف کا مالک ہو درانحالیکہ وہ نصاف اس کے رہائشی مکان، لباس، سامان خانہ داری، سواری کے گھوڑے، ہتھیاروں اور خدمت کے غلاموں سے زائد ہو، رسول اللہ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ نہیں ہے صدقہ مگر مالداری کو باقی رکھتے ہوئے۔ (ت)

(۴۸) ص ۹۳: صدقہ فطر عورت کا خاوند کو لازم ہے، یہ بھی مذہب حنفی کے خلاف ہے، ہدایہ میں ہے:

لایؤدی عن زوجته [3]۔	(صدقہ فطر) خاوند اپنی بیوی کی طرف سے ادانہ کرے۔ (ت)

[1] الهدایة کتاب الصوم فصل ومن کان مریضًافی رمضان المکتبة العربیة کراچی ۱/۲۰۳

[2] الهدایة کتاب الزکوة باب صدقة الفطر المکتة العربیة کراچی ۱/۱۸۸

[3] الهدایة کتاب الزکوة باب صدقة الفطر المکتة العربیة کراچی ۱/۱۸۹

(۴۹) ص ۹۲: صدقہ فطر نماز سے پیچھے ناجائز ہے، یہ بھی محض غلط ہے، ہدایہ میں ہے:

ان اخروها عن یوم الفطر لم تسقط وکان علیهم اخراجها[1]۔	اگر لوگوں نے صدقہ فطر روز عید سے مؤخر کردیا تو ساقط نہ ہوا، اس کی ادائیگی ان پر لازم ہے۔(ت)

(۵۰) ص ۹۴: اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے سال بھر میں جب کیا جائے جائز ہے رمضان شریف کے پچھلے عشرہ میں افضل ہے، مذہب حنفی میں پچھلے عشرہ کا اعتکاف سنتِ مؤکدہ ہے، عالمگیری میں ہے:

الاعتکاف سنة مؤکدة فی العشر الاخیر من رمضان[2]۔	رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔(ت)

یہ چھوٹے چھوٹے گنتی کے اوراق میں اس کے پچاس دھوکے ہیں اور بہت چھوڑ دیئے، اور صرف اس کی ایک کتاب ہی پیش نظر ہے۔ باقی ۱۳ میں خدا جانے اپنے دین و دیانت کو کیا کچھ تین تیرہ کیا ہو۔ اس کے حمایتی دیکھیں کہ ہدایہ وغیرہ حنفیہ کی معتبر کتابوں میں مسائل خلافیہ لکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ غیر مذہبوں بلکہ لامذہبوں کے مسائل لکھ جائیں اور انہیں کو احکامِ خدا و رسول ٹھہرائیں اور مذہب حنفی کا نام بھی زبان پر نہ لائیں۔ یہ صریح دغا بازوں، فریبیوں، بددیانتوں، مفسدوں، دشمنانِ حنفیہ کا کام ہے۔ تو یہ مصنف اور اس کے حمایتی جتنے ہیں سب مذہب حنفی کے دشمن اور حنفیہ کے بدخواہ ہیں۔ مسلمانوں پر ان سے احتراز فرض ہے۔

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾"[3] نسئل الله العفو والعافية ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علٰی	بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا، اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں اور بڑا ہے، ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنادیں اگر تمہیں عقل ہو۔(ت) ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی

[1] الهدایة کتاب الزکوٰة باب صدقة الفطر المکتبة العربیة کراچی ۱/ ۱۹۱

[2] الفتاوی الهندیة کتاب الصوم الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۱۱

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

خیر خلقه محمد واٰله واصحابه اجمعین و بارك وسلم واللّٰه سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	نیکی کرنے کی قوت، اور اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکت بھیجے اس پر جو تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ کی آل پر اور تمام صحابہ پر، اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کــــــــــــــــــــــــــــــــتبه

عفی عنه بمحمدن المصطفی الامی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱ھ
عبدالمصطفٰی احمد رضا خاں

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
دفع زیغ زاغ
(کوّے کی کجی کو دُور کرنا)

ملقّب بلقب تاریخی

رامی زاغیان ۱۳۲۰ھ
(کوّا والوں پر تیر اندازی کرنے والا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ الذی احلّ لنا الطیبات وحرّم علینا الخبیثات وجعل الفواسق	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے ہمارے لیے پاکیزہ اشیاء حلال اور گندی اشیاء حرام فرمائی ہیں اور خبیث اشیاء کی طرف خبیث ہی

لایمیل لاکلھا الاکل فاسق فان الجنس للجنس شواق والشبہ الی الشبہ باشواق والصلوۃ والسلام علی من بین الحلال والحرام واحل قتل الفواسق فی الحل والحرم للحلال ولحرام فلا یستطیبھا من بعد ماجاء ہ من العلم الا من زاغ والی الخبث و الفسق مثلھا راغ،وعلٰی الہ وصحبہ وعلماء حزبہ و علینا معھم وبھم ولھم اجمعین الی یوم الدین اٰمین یا ارحم الراحمین۔	مائل ہوتا ہے،ہر کوئی اپنے ہم جنس اور اپنی مثل کا طلبگار ہوتا ہےاور درود وسلام ہواس پر جس نے حلال وحرام کو بیان فرمایا اور خبیث جانوروں کا قتل حل و حرم میں محرم و غیر محرم کے لیے حلال کیااس کے بعد انہیں حلال نہ جانے گامگر وہ جس نے کجروی اختیار کی اور اپنے جیسے خبیث و فاسق کی طرف راغب ہوا،اور آپ کے آل واصحاب وعلمائے امت پر اور ان کے صدقے ان کے ساتھ ہم سب پر تا قیامت،اے بہتر رحم فرمانے والے۔آمین۔

فقیر غلام محی الدین عرف محمد سلطان الدین حنفی قادری برکاتی سلہٹی عاملہ اللہ بلطفہ الحفی الوفی (اللہ تعالٰی اس کے ساتھ اپنی بھر پور مخفی مہربانی کے ساتھ معاملہ فرمائے۔(ت) خدمتِ برادران دین میں عرض رسا،اس زمانہ فتن و محن میں کہ علم ضائع اور جہل ذائع ہے بعض شوخ طبیعتیں پیرانہ سالی میں بھی نچلی نہیں بیٹھتیں،آئے دن ایک نہ ایک بات ایسی نکالتی رہتی ہیں جن سے مسلمانوں میں اختلاف پڑے فتنہ پھیلے اپنا کام بنے نام چلے،جناب کرامی القاب وسیع المناقب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے پہلے مسئلہ امکانِ کذب نکالا کہ معاذ اللہ اللہ عزوجل کا سچا ہونا ضرور نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے،پھر ابلیس لعین کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتایا۔ان کے یہ دونوں مسئلے براہین قاطعہ کے صفحہ ۳ وصفحہ ۴۷ پر ہیں پھر بحکم آنکہ۔ع

قدم عشق پیشتر بہتر

(عشق کا قدم آگے بہتر ہے)

ایک مُہری فتوے میں تصریح کردی کہ اللہ تعالٰی کو بالفعل جھوٹا ماننا فسق بھی نہیں اگلے امام بھی خدا کو ایسا مانتے ہیں جو خدا کو بالفعل جھوٹا کہے اسے گمراہ فاسق کچھ نہ کہنا چاہیے ہاں ایک غلطی ہے جس میں وہ تنہا نہیں بلکہ بہت اماموں کا پیرو ہے۔حضرت کا یہ ایمان ان کے مہری فتوے میں ہے جو برسوں سے بمبئی میں وغیرہ میں مع رد بارہا چھپ گیا اور علماء نے صریح حکم کفر دیا اور جناب کرامی القاب سے جواب نہ ہوا،یونہی دو مسئلہ اولین کے رَد میں علماء کے متعدد رسائل سالہا سال سے چھپ چکے اور لاجواب

رہے۔ادھر سے کان ٹھنڈے ہوئے تھے کہ حضرت کی اختراعی طبیعت نے کوّا پسند کیا اس کی حلت کا غوغا بلند کیا پھر بھی غنیمت ہے کہ کفر وایمان سے اتر کر حلال وحرام میں آئے مسلمانوں کے قلوب میں اس پر بھی عام شورش و نفرت پیدا ہوئی، اگر حق سبحانہ وتعالٰی توفیق عطا فرماتا تو بصیر اسی سے اندازہ کرلیتا کہ کوّے کو اسلامی طبیعتیں کیسا سمجھتی ہیں، عام قلوب میں اس کی حلت سُن کر ایسی شورش پیدا ہوئی آخر ہیچ چیزے نیست، قمری یا کبوتر کو حلال بتانے پر بھی کبھی اختلاف پیدا ہوا، علماء وعامہ نے اسے نیا مسئلہ سمجھ کر تعجب کی نگاہ سے دیکھا؟ ہندوستان پر انہیں چند سال میں قحط کے کتنے حملے ہوئے؟ یہ سیاہ پوش صاحب ہر گلی کوچے میں کثرت سے ملتے ہیں عام مسلمین جن کی طبائع میں من جانب اللہ اس فاسق پرند کی خباثت وحرمت مذکور ہے، ان کا خیال تو ادھر کیوں جاتا مگر اس وقت تک جناب کو بھی اس مسئلہ کا الہام نہ ہوا، ورنہ اور نہیں تو آپ کے معتقدین قحط زدوں کو تو مفت کا حلال طیب گوشت ہاتھ آتا اور چار طرف کاؤں کاؤں کا شور بھی کچھ کم پاتا، اب حالِ وسعت وفراخی میں آپ کو سوجھی کہ کوّا حلال، نہ صرف حلال بلکہ حلال طیب ہے، متعدد بلاد میں اہلِ علم نے اس کے رد لکھے، یہاں تک کہ بعض معتقدین جناب گنگوہی صاحب نے بھی ان کے خلاف تحریریں کیں، آنحضرت عظیم البرکۃ مجدد دین وملت حضرت عالم اہلسنت مدظلہ العالی کے حضور میرٹھ سہارنپور گلاوٹی کانپور وغیرہا دس بلاد نزدیک و دور سے اس کے بارے میں سوالات آئے اکثر جگہ مختصر جوابات عطا ہوئے کہ یہ کوّا فاسق ہے خبیث ہے، حرام بحکم قرآن وحدیث ہے، اور بایں لحاظ کہ متعدد بلاد میں اہل علم کا اس طرف متوجہ ہونا حلت کے رد لکھنا صحیح خبروں سے معلوم تھا اور یہاں کثرت کار بیرون از شمار تصنیف کتبِ دین وردّ طوائف مبتدعین کے علاوہ بنگال سے مدراس اور برہما سے کشمیر تک کے فتاوٰی کا روزانہ کام ایک ایک وقت میں دو دو سو استفتاء کا اجتماع وازدحام، لہذا بایں لحاظ کہ لوگ اس مجملہ تازہ کا رد کر رہے ہیں خود زیادہ توجہ فرمانے کی حاجت نہ جانی، اسی اثناء میں متعدد تحریرات مطبوعہ طرفین نظر سے گزریں، ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ یہ مسئلہ بھی اعلیحضرت دام ظلہم کے التفات خاص کی حد تک پہنچ گیا ہے۔بعض تحریراتِ معتقدین جناب گنگوہی صاحب میں یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ انکے علماء سے طے کرلیا جاتا یہ امر پسندیدہ خاطر عاطر آیا اور ایک مفاوضہ عالیہ چالیس سوالاتِ شرعیہ پر مشتمل جناب گنگوہی صاحب کے نام امضا فرمایا، یہ سوالات حقیقۃً حرمتِ غراب کے دلائل بازغ اور اوہامِ طائفہ جدیدہ غرابیہ کے ردِّ بالغ تھے جو ذی علم بدستیاری انصاف وفہم انہیں مطالعہ کرے اس پر حقیقتِ حال اور حلتِ زاغ کے جملہ اوہام کا زیغ وضلال روشن ہوجائے، جناب مولوی گنگوہی صاحب بھی

سمجھ لیے کہ واقعی سوالات لاجواب اور خیالات زاغیہ سب نعیق غراب بلکہ نقش. برآب ہیں مفاوضہ عالیہ بصیغہ رجسٹری رسید طلب مرسل ہوا تھا ضابطے کی رسید تو دیتے ہی. براہ عنایت اس کے ساتھ ایک کارڈ بھی بھیجا کہ آپ کا طویل مسئلہ پہنچا میں نے نہ سنا نہ سننے کا قصد ہے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، (بے شک ہم اللہ تعالیٰ کے مال ہیں اور ہم کو اس کی طرف پھرنا ہے۔ت) ہزار افسوس نام علم و حالت علماء پر بے سمجھے بوجھے ایک نیا مسئلہ نکالنا مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا اور جب علماء مطالبہ دلیل وافادہ حق فرمائیں یوں چپ سادھ لینا ارشادِ قرآن "وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ"[1]۔ (اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کردینا۔ت) کو بھلا دینا ایسے ہی شیوخ الطائفہ کو زیبا ہے جنہیں خود ان کا معتقد فرقہ اپنا پیر مغاں لکھتا ہے۔ افسوس معتقدین کی بھی نہ چلی کہ ہمارے علماء سے طے کرلو۔ طے کس سے کیجئے وہاں تو آواز ندارد۔ سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ فلاں فلاں پرچے جو حلتِ زاغ میں چھپے آپ کی رائے و رضا سے ہیں یا نہیں ان کے مضامین آپ کے نزدیک مقبول ہیں یا مردود۔ جناب گنگوہی صاحب نے خیال فرمایا کہ مقبول کہتا ہوں تو سب بار مجھی پر آتا ہے مردود بتاؤں تو اپنا ہی ساختہ پرداختہ باطل ہوا جاتا ہے لہٰذا صاف کانوں پر ہاتھ دھر گئے کہ میں نے اس وقت تک اس مسئلہ میں کوئی تحریر موافق نہ مخالف اصلًا نہ سُنی، نہ سننے کا قصد ہے۔ مجھے تو آج تک یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس بارے میں کسی طرف سے کوئی تحریر چھپی ہے چلیے فراغت شد۔

نہ ہم سمجھے نہ تم آئے کہیں سے
پسینہ پونچھئے اپنی جبیں سے

حضرت جناب گنگوہی صاحب اور اُن سے قربت رکھنے والے خوب جانتے ہوں گے کہ یہ کیسا صریح سچ ارشاد ہوا ہے مگر وہاں اس کی کیا پرواہے جو اپنے معبود کو جھوٹا بالفعل کہنا سہل جانیں، بندوں پر جھوٹ بولنا آپ ہی واجب بالدوام مانیں۔ عالم اہل سنت دام ظلہ العالی نے فورًا اس کارڈ کا رد رجسٹر رسید طلب کے ساتھ روانہ فرمایا فراست المومن سے گمان تھا کہ گنگوہی صاحب پہلا مفاوضہ انجانی میں لے چکے ہیں اور قوت سوالات دیکھ کر تحقیقِ مسئلہ شرعیہ سے بچتے ہیں عجب نہیں کہ اس بار رجسٹری واپس فرمائیں لہٰذا واضح قلم سے لفافے پر یہ الفاظ تحریر

[1] القرآن الکریم ۳ /۱۸۷

فرمادیئے تھے: دینی مسئلہ ہے صرف تحقیق حق مقصود ہے کوئی مخاصمہ نہیں اگر رجسٹری واپس کردی تو حق پرستی کے خلاف ہوگا اور عجز پر دلیل صاف، مگر بندگانِ خدا صادق کی فراست ایمانی بحمد اللہ تعالٰی صادق ہی ہوتی ہے وہی گل کھلا کر جناب مولوی گنگوہی صاحب نے انکاری ہو کر مفاوضہ واپس کر دیا۔ اہالی ڈاک نے لکھ دیا کہ حضرت کو انکار ہے لہٰذا واپس انّا للّٰہ وانّآ الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ کے مال ہیں اور اسی کی طرف ہم کو پھرنا ہے۔ت)

فقیر محض بنظر تحقیق حق ورفعِ اختلاف مسلمین وہ مفاوضات اور کارڈ بعینہٖ شائع کرتا اور اب چھاپ کر جناب مولوی گنگوہی صاحب سے سوالات شرعیہ کا جواب مانگتا ہے، جناب گنگوہی صاحب نام مناظرہ سے خائف ہو لیے تھے۔ کہ سبحٰن السبوح میں حضرت عالم اہلسنت مد ظلہ العالی کا حملہ شیرانہ دیکھ چکے تھے یہ فقیر محض بطور استفادہ مسئلہ شرعیہ آپ سے جواب سوالات پوچھتا ہے جب آپ کے نزدیک کوّا حلال ہے اور لوگ اس حلال خدا کو حرام سمجھے ہوئے ہیں اور خاص آپ سے اس دینی مسئلہ کی تحقیق چاہتے ہیں تو جواب نہ دینا کیا معنی رکھتا ہے۔ پہلے بھی مفاوضہ عالیہ نے آپ کو سنادیا تھا اور اب فقیر بھی گزارش کیے دیتا ہے کہ خاص آپ کا جواب درکار ہے اسی سے رفع نزاع ممکن ہے زید وعمرو سے غرض نہیں این وآں پر التفات نہ ہوگا آپ سے مسائل شرعیہ کا سوال ہے آپ پر جواب واجب ہے آخر ماہ رمضان المبارک تک چالیس دن کی مہلت نذر ہے اگر عید ہو گئی اور جناب نے ہر سوال کا مفصل جواب اپنا مہری نہ بھیجا تو واضح ہوگا کہ آپ کو حلال وحرام کی پروا نہیں آپ مسائل شرعیہ پوچھنے والوں کے جواب سے عاجز ہیں آپ بے سمجھے مسائل منہ سے نکالتے اور مسلمانوں میں اختلاف ڈالتے اور جواب کے وقت خموشی پالتے ہیں، اور اگر آپ نے جواب تفصیلی بھیجے اور اسی قدر یا استفادہ مکرر سے فقیر کو اطمینان ہوگیا تو میں وہ نہیں کہ جو چاہوں مان لوں اور عجز کے وقت سکوت کی امان لوں میں وعدہ دیتا ہوں کہ حلالِ خدا کو کبھی حرام نہ کہوں گا آپ کی طرف سے ایک تحقیق حاصل ہونے کا ممنون ہوگا آئندہ اختیار بدست مختار، حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد والہ بالتبجیل۔

نقل مفاوضہ اول حضرت اہلسنت مد ظلہ بنام جناب مولوی گنگوہی صاحب

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

بنظر خاص مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، السلام علی من اتبع الھدٰی (سلام اس پر

جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ت) حلتِ غراب کے دو۲ پرچے خیر المطابع میرٹھ کے چھپے کہ کسی صاحب ابوالمنصور مظفر میرٹھی کے نام سے شائع ہوئے ایک کا عنوان تردید ضمیمہ اخبار عالم مطبوعہ ۷ اکتوبر ۱۹۰۲ء دوسرے کی پیشانی تردید ضمیمہ شحنہ ہند میرٹھ مطبوعہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۰۲ء بعض احباب نے بھیجے اس کا یہ فقرہ واقعی لائق پسند ہے کہ شرعی مسئلہ کا صرف علماء میں طے ہونا۔ لہٰذا بغرض رفع شکوک عوام و تمیز حلال وحرام خاص آپ سے بعض امور مسئول اور ایک ہفتے میں جواب ماً مول، چار روز آمدورفت ڈاک کے ہوئے اگر تین دن کامل میں بھی آپ نے جواب لکھا تو چار دہم شعبان روز چار شنبہ تک آجانا چاہیے کہ آج شنبہ ہفتم شعبان ہے، اور اگر اس مہلت میں نہ ہوسکے تو اس کا مضائقہ نہیں۔ ع

نکو گوئی اگر دیر گوئی چہ غم

(بات اچھی کہے اگر دیر سے کہے تو کیا غم ہے ت)

مگر اس تقدیر پر بواپسی ڈاک وعدہ جواب و تعیینِ مدت سے اطلاع ضرور ہے ورنہ سکوت متصور ہوگا۔ جواب میں اختیار ہے کہ اپنے جن جن معاونین سے چاہیے استعانت کیجئے بلکہ بہتر ہوگا کہ سب کو جمع کرکے شورے مشورے سے جواب دیجئے کہ دس کی سوجھ بوجھ ایک سے کچھ اچھی ہی ہوگی۔ مگر بہرحال مجیب خود آپ ہی ہوں۔ زید و عمرو کے نام سے جواب جواب کو جواب ہوگا نہ جواب کہ مقصود تو ان امور میں آپ کی رائے معلوم ہونا ہے زید و عمرو کی خوش نوائیاں تو اخباروں اشتہاروں میں ہو ہی چکیں، تحریر پر مہر بھی ضرور ہو کہ جحود جاحد کا احتمال دور ہو، مسئلہ مسئلہ دینیہ ہے اور مسئلہ دینیہ میں بے غور کامل و فحص بالغ آنکھیں بند کرکے منہ کھول دینا سخت بددیانتی، تو ضرور ہے کہ آپ اس مسئلہ کے تمام اطراف وجوانب پر نظر ڈال چکے اور جمیع مالہ وماعلیہ پر تال چکے ہوں گے تحقیق تنقیح تطبیق ترجیح سب ہی کچھ کرلی ہوگی تو ان سوالوں کے جواب میں آپ کو وقت یا معذوری چشم کا عذر نہ ہوگا خصوصًا اس حالت میں کہ عالمگیری جیسی بیس ۲۰ کتابیں آپ کے سینے شریف میں بند ہیں جیسا کہ مشتہر صاحب نے ادعا کیا ہر سوال کا صاف صاف جواب ہو، اگر کسی امر میں خفا رہا یا جواب سوال سے پورا متعلق نہ ہوا یا کسی جواب پر کوئی سوال تازہ پیدا ہوا تو دوبارہ سوال کرلیا جائے گا کہ مقصود وضوح حق ہے نہ خالی ہار جیت کی زق زق۔ **واللہ الھادی الی صراط الحق** (اور اللہ تعالٰی ہی راہِ حق کی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

سوال اوّل: پہلے یہی معلوم ہو کہ دونوں پرچہ مذکورہ اور وہ کاغذات جن کے طبع کا پرچہ اخیرہ میں وعدہ دیا آپ کی رائے واطلاع و رضا سے ہیں یا بالائی لوگوں نے بطورِ خود شائع کیے ان کے سب

مضامین آپ کو قبول ہیں یا کل مردود یا بعض، علی الثالث مردود کی تعیین، بحال سکوت وہ پرچے آپ ہی کے قرار پائیں گے، خبر شرط ست خبر شرط ست خبر شرط ست من انذر فقد اعذر (خبر شرط ہے، خبر شرط ہے، خبر شرط ہے، جس نے ڈرایا اس نے عذر پیش کردیا۔ت) اور اگر صرف اتنا جواب دیا کہ ان کا نفس حکم منظور تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان کے دلائل وابحاث آپ کے نزدیک مردود ومطرود ہیں، ورنہ قبول میں تخصیص حکم نہ ہوتی۔ اور نسبت دلائل وابحاث اجمالی بات کہ مثلاً بعض یا اکثر صحیح ہیں کافی نہ ہوگی۔ وہ لفظ یاد رہے کہ علی الثالث مردود کی تعیین۔

سوال دوم: شامی وطحطاوی وحلبی وغیرہا میں کہ عقعق وابقع وعذاف واعصم وزاغ کی طرف غراب کی تقسیم ہے صحیح وحاصر ہے یا غلط وقاصر، علی الثانی اس میں کیا کیا اغلاط کتنا قصور ہے اور ان پر کیا دلیل۔

سوال سوم: غراب جب مطلق بولا جائے ان متعارف متنازع فیہ کوّوں کو شامل ہے یا نہیں کیا غراب کا ترجمہ کوّا نہیں۔

سوال چہارم: اقسام خمسہ میں ہر ایک کی جامع مانع تعریف کیا ہے خصوصاً ابقع وعقعق کی رسم صحیح کہ طرداً وعکساً ہر طرح سالم ہو مع بیان ماخذ۔

سوال پنجم: اگر تعریفات میں کچھ اختلاف واقع ہوئے ہیں تو ان میں کوئی ترجیح یا تطبیق ہے یا اختیار ہے کہ جزافاً جو چاہیے سمجھ لیجئے علی الاول آپ نے کیا کیا اختلاف پائے اور ان میں کس ذریعے سے ترجیح یا تطبیق دے کر کیا قولِ منقح نکالا۔

سوال ششم: متنازع فیہ کوّا اقسام خمسہ سے کس قسم میں ہے، جو قسم معین کی جائے اس کی تعیین اور مابقے سے امتیاز مبین کی دلیل کافی بملاحظہ جملہ جوانب مبین کی جائے۔

سوال ہفتم: یہ کوے جس طرح اب دائر وسائر ہیں کہ ہر جگہ ہر شہر وقریہ میں بکثرت وافرہ ہمیشہ ملتے ہیں اور ان کا غیر شہروں میں نادر، کیا اس پر کوئی دلیل ہے کہ ان کی یہ شہرت وکثرت اور امصار میں ان کے غیر کی ندرت اب حادث ہوگی فقہائے کرام اصحاب متون وشروح وفتاوٰی کے زمانے میں نہ تھی وہ حضرات ان کووں سے واقف تھے یا نادر الوجود ہونے کے باعث ان کا حکم بیان فرمانے کی طرف متوجہ نہ ہوئے جو ان کے زمانے میں کثیر الوجود تھے ان کے حکم بیان کیے آپ کو اختیار دیا جاتا ہے کہ جو شق چاہیے اختیار کرلیجئے مگر ان کے سوا کوئی راہ چلئے تو ان دونوں کے بطلان اور اس کی صحت پر اقامت برہان ضرور ہوگی۔

سوال ہشتم: متون وشروح وفتاوٰی میں اختلاف ہو تو ترجیح کسے ہے، اصل مذہب صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ وہ ہے جو متون لکھیں یا وہ کہ بعض فتاوے یا شروح حاکی ہوں۔ علماء نے ہدایہ کو بھی متون میں شمار فرمایا ہے یا نہیں، یاد کرکے کہیے۔

سوال نہم: غداف جب اقسام غراب میں مذکور ہو اس سے نسر یعنی گدھ مراد ہے یا کیا۔

سوال دہم: کیا کوئی کوا شکاری بھی ہے کہ زندہ پرندوں کو پنجے سے شکار کرکے کھاتا ہے، اگر ہے تو اس کا کیا نام ہے اور وہ ان اقسام خمسہ سے کس قسم میں ہے یا ان سے خارج کوئی نئی چیز ہے علی الاول وہ قسم مطلقاً شکاری ہے، یا بعض افراد علی الثانی شکاری وغیرہ شکاری ایک نوع کیوں ہوئے۔

سوال یازدہم: جیفہ وشکار جدا جدا چیزیں ہیں یا ہر شکار کرکے کھانے والا جیفہ خوار ہے۔

سوال دوازدہم: پہاڑی کوّا کہ اس کوے سے بڑا اور یکرنگ سیاہ ہوتا اور گرمیوں میں آتا ہے کیا ان کوؤں کی طرف آپ کے نزدیک وہ بھی حلال ہے یا حرام علی الاول کس کتاب میں حلال لکھا ہے۔ علی الثانی اس کی حرمت کی وجہ کیا ہے۔

سوال سیزدہم: بعض کتب طبیہ میں جو عقعق کو مہوکا لکھا اور وہ ایک اور جانور کوے کے مشابہ ہے، نجاست وغیرہ کھاتا ہے اور شہر میں کم آتا ہے اور ہدایہ وتبیین وفتح اللہ المعین میں جس قدر باتیں عقعق کی نسبت تحریر فرمائی ہیں سب اس میں موجود ہیں آپ کے پاس اس کی تکذیب پر کیا دلیل ہے۔

سوال چہاردہم: حدیث:

خمس من الفواسق یقتلن فی الحل والحرم۔[1]	پانچ جانور خبیث ہیں انہیں حل وحرم میں قتل کیا جائے گا۔(ت)

سے تحریم فواسق پر استدلال مذہب حنفی کے مطابق ومقبول ہے یا باطل ومخذول۔

سوال پانزدہم: قولِ صحابہ اصولِ حنفی میں حجتِ شرعی ہے یا نہیں، خصوصًا جب کہ اس کا

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب یندب للمحرم وغیرہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۸۱، سنن ابن ماجہ کتاب المناسك باب مایقتل المحرم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۰، کنز العمال حدیث ۱۱۹۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۳۷

خلاف دیگر صحابہ سے مسموع نہ ہو رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

سوال شانزدہم: آپ حمار یعنی خر کو حلال جانتے ہیں یا حرام، اگر حرام ہے تو علت حرمت کیا ہے، حالانکہ وہ صرف دانہ گھاس وغیرہ پاک ہی چیزیں کھاتا ہے یالااقل خلط تو کرتا ہے۔

سوال ہفدہم: کیا جلالہ کہ کثرتِ اکل نجاسات سے بُو لے آئی ہو حرام و ممنوع ہے یا نہیں جب کہ کبھی گھاس بھی کھالیتی ہو، اگر نہیں تو یوں، حالانکہ نجاست اس کے رگ وپے میں ایسی ساری ہوگئی کہ باہر سے بو دینے لگی تنہا اکل نجاسات بھی اور اس سے زیادہ کیا وصف موثر فی التحریم پیدا کرے گا۔ اور اگر ہے تو کیوں حالانکہ خلط تو پایا گیا۔

سوال ہیجدہم: ترک استفصال عندالسؤال دلیل عموم ہے یا نہیں، ذرا فتح القدیر دیکھی ہوتی۔

سوال نوزدہم: جس شے میں علتِ حلت وحرمت جمع ہوں حلال ہوگی یا حرام یا مشتبہ،

علی الثالث اس پر اقدام کیسا، اور وہ طیبات میں معدود ہوگی یا نہیں۔

سوال بستم: نہ جاننے والا ایک حکم شرعی عالم سے استفسار کرے شرعًا اس مسئلہ میں تفصیل ہو کہ بعض صور جائز بعض ناجائز، تو ایک حکم مطلق بیان کردینا اضلال ہے یا نہیں۔

سوال بست ویکم: حل اگر معلول قرار پائے تو علت حلت عدم جمیع علل حرمت ہے یا صرف کسی وصف وجودی کا ثبوت، کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ امر وجودی کے محض تحقق کو مناط حل قرار دے دیا ہو جب تک اس کا وجود ارتفاع جمیع وجود خطر کو مستلزم نہ ہو۔

سوال بست ودوم: کوے کہ بالاتفاق حرام ہیں، فقہائے کرام نے ان کی تحریم کی تعلیل صرف اکل محض نجاست سے کی ہے یا اور بھی کوئی علت ارشاد ہوئی ہے۔

سوال بست وسوم: کیا اکل میں خلط نجس وطاہر ارتفاع جملہ وجود تحریم کو مستلزم ہے کہ جہاں خلط پایا جائے وہاں کوئی وجہ تحریم نہیں ہوسکتی کہ باوصف وجود ملزوم انتفائے لازم قطعًا معلوم۔

سوال بست وچہارم: غذا پر نظر کرنا اور یہ اصل کلی باندھنا کہ جو جانور صرف نجاست کھائے حرام اور جو نرا طاہر یا دونوں کھائے حلال ہے خاص اس صورت میں جب دیگر وجوہ حرمت سے کچھ نہ ہو یا یونہی عموم واطلاق پر ہے کہ صرف غذا دیکھیں گے باقی سبعیت یا فسق یا خبث وغیرہا کسی بات پر نظر نہ ہوگی۔ شق ثانی ماننے والا عاقل مصیب ہے یا یا جاہل دیوانگی نصیب۔

سوال بست وپنجم: قاعدہ مذکورہ امام کے کسی کلام سے استنباط کیا گیا ہے یا خود امام نے اس کلیے پر نص فرمایا ہے علی الثانی ثبوت علی الاول وہ کلام امام کیسی چیز سے متعلق تھا اور قاعدہ

مستنبط اسی کے نظائر سے متعلق ہوسکے گا یا اپنے ماخذ سے بھی عام ہوجائے گا۔ علی الثانی صحت استنباط کیونکر۔

سوال بست و ششم: وصف ابقع یعنی دو ۲ رنگا ہونا خود موثر فی التحریم ہے یا سلبًا وایجابًا مدار حرمت یا علامت ملزومہ یا لازمہ تحریم یا ان سب سے خارج ہے، جو کہیے سمجھ کر کہیے۔

سوال بست و ہفتم: پانی کو مطہر کہنا ٹھیک ہے یا نہیں کیا اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ پانی تو مائے مضاف بھی ہے اس سے وضو کب جائز ہے اگر نہیں ہوسکتا تو کیوں، حالانکہ مضاف بھی مائے مطلق نہ سہی مطلق ماء میں تو ضرور داخل ہے اور اس کلام میں پانی مطلق ہی تھا۔ یعنی لابشرط شیئ نہ مقید باطلاق یعنی بشرط لا۔

سوال بست و ہشتم: اگر شارح یا محشیٰ کسی کلام کو ایسے محل سے متعلق کردے جو اصول مسلمہ شرعیہ کے خلاف ہو تو اس کی یہ توجیہ خطائے بشری ٹھہرے گی یا اس کے سبب اصلِ شرعی ہی رد کردی جائے گی۔

سوال بست و نہم: کیا حنفیّہ کلام شارع میں مفہوم صفت معتبر رکھتے ہیں۔

سوال سیم: مذہبِ حنفی میں کوے کی کوئی نوع فی نفسہ بھی حرام ہے جسے حرمت لازم ہو یا حقیقیۃً سب انواع حلال ہیں حرام کی حرمت صرف بعارض وزوال پذیر ہے علی الثانی ہمارے ائمہ سے ثبوت علی الاول علتِ حرمت کا بیان۔

سوال سی ویکم: غیر حوا کی میں نوعیتِ صوت حیوانات کا خاصا شاملہ ہے یا نہیں حتی کہ منطقیوں نے جب ادراک ذاتیات کا راستہ نہ پایا اسے فصول قریبہ سے کنایہ بنایا اور حیوان ناطق حیوان صاہل حیوان ناہق کو انسان وفرس وحمار کی حد ٹھہرایا، ان شہروں میں گھوڑا ہنہناتا کتا بھونکتا ہے کیا کہیں اس کا عکس بھی ہے کہ کتا ہنہناتا گھوڑا بھونکتا ہے۔

سوال سی و دوم: کیا وجہ تسمیہ میں تعدد محال ہے یا ایک وجہ دوسرے کے معارض سمجھی جائے، کیا اس میں اطرّادِ شرط ہے ریش کو جرجیر اور پیٹ کو قارورہ کہیں گے۔

سوال سی و سوم: کوئی کوّا آپ نے دیکھا یا کسی معتمد سے دیکھنا سنا ہے کہ سوائے نجاست کے کبھی دانے وغیرہ کسی پاک چیز کو اصلًا نہ چھوئے، یہاں دو ۲ قسم کے کوے دیکھے جاتے ہیں، یہ اور کگار، کیا کگار دانہ کھاتے نہیں دیکھا جاتا۔

سوال سی و چہارم: عق عق عق عق اور غاق غاق یا ہندی کہئے کُچ کُچ کُچ کُچ اور

کاؤں کاؤں، کیا یہ دونوں حکایتیں متباین آوازوں کی نہیں، کیا کوئی سمجھ وال بچہ بھی کاؤں کاؤں کرنے والے کو کہے گا کہ عق عق عق عق کہہ رہا ہے۔

سوال سی و پنجم: کیا لون حیوانات اختلاف بلاد سے مختلف نہیں ہوتا اگرچہ بنظر حالت معہودہ اسی سے شناخت حیوان کرائیں مثلاً تو تے کی رسم میں سبز رنگ، حالانکہ سپید بھی ہوتا ہے، تو کیا صرف موضع لون میں اختلاف نوعِ حیوان کو بدل دے گا حالانکہ نوعیتِ لون بھی نہ بدلی، خصوصًا جہاں خود کلمات راسمین تعیینِ موضع میں ایک وجہ پر نہ آئے ہوں، بہت نے مطلق کہا بعض نے ایک طرح تخصیص محل کی بعض نے دوسری طرح، تو کیا صرف ان بعض مخصصین میں بعض کا قول دیکھ کر خصوص موضع میں ایک فرق قریب پر تبدّلِ ذات حیوان کا زعم جنون ہے یا نہیں۔

سوال سی و ششم: کراہت وممانعت کہ بوجہ اکل نجاست ہو لذاتہ ہوتی ہے یا اسی وصف کے سبب، یہاں تک کہ اگر وصف زائل ہو کراہت زائل ہو، ہمارے ائمہ نے دجاجہ مخلاۃ وبقرہ جلالہ میں بعد حبس اور امام ابویوسف کی روایت میں عقعق کی نسبت کیا فرمایا ہے۔

سوال سی و ہفتم: جامع الرموز کتب ضیعہ نامعتمدہ سے ہے یا نہیں، وہ اگر کسی بات میں ہدایہ وکافی و تبیین وایضاح ولباب وجوہرہ وغیرہا متون وشروح معتمدہ ومعتبرہ کے معارض مانی جائے تو انکے مقابل کچھ بھی التفات کے قابل ٹھہر سکتی ہے بلکہ ان سب عمائد کی تصریحات جلیلہ سے اگر کوئی معتبر کتاب بھی مخالفت کرے جس کا مصنف نہ مجتہد فی الفتوی مانا گیا نہ ان میں اکابر کا ہم پایہ، تو ترجیح کس طرف ہے، راجح کو چھوڑ کر مرجوح پر فتوی دینے کو علما نے جہل وخرقِ اجماع بتایا یا نہیں۔

سوال سی و ہشتم: جانوروں میں فسق کے کیا معنے ہیں، بازو شکرہ وگربہ وکلب معلم بھی فاسق ہیں یا نہیں، علی الاول ثبوت علی الثانی ان میں اور زاغ میں کیا فرق ہے جس کے سبب شرع مطہر نے کوے کو فاسق بتایا نہ ان کو۔

سوال سی و نہم: ظہر کا ترجمہ کمر کہاں کی زبان ہے، کیا اگر کوے کی کمر پر سپیدی نہ ہو تو نہ وہ فاسق ہے نہ خبیث بلکہ مطلقاً حلال طیب ہے یہ کس کا مذہب ہے، کمر کی سپیدی کو حلت حرمت میں کیا اور کتنا اور کیوں دخل ہے۔

سوال چہلم: ایذا کہ حیوانات میں فسق ہے اس سے مطلقاً ایذا مراد ہے انسان کو ہو یا حیوان کو ابتداً ہو یا مقاومۃً طبعًا عادۃً ہو یا نادرًا و کیفما کان شکاری جانور ہونا بھی اس ایذا

میں شرعاً داخل ہے یا نہیں، علی الاول ثبوت درکار کہ علماء نے ایذائے مناط فی الفسق میں اسے مطلقاً داخل کیا یا باز وغیرہ شکاری پرندوں کو خود اسی بنا پر کہ وہ شکاری ہیں فاسق بتایا ہو، شرع کی کس دلیل کس امام معتمد کی تصریح سے ثابت ہے کہ طیور و بہائم میں مناطِ فسق و مناطِ سبعیت واحد ہے، کیا فسق و سبعیت میں یہاں کچھ فرق نہیں، نیز غیر طیور و بہائم میں مناط کس قسم کی ایذا ہے اور وہ یہاں صلوح مناطیت سے کیوں معزول ہوئی۔

تنبیہ: بہت سوالوں میں کئی کئی سوال، بہت میں متعدد شقوق ہیں نمبروار، ہر سوال کی پوری باتوں کا جواب درکار۔

واٰخر دعونا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین وصلی اللّٰہ علٰی سیدنا و مولانا محمد واٰلہ اجمعین۔	اور ہماری دعا کا اختتام اس پر ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے، اور اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی پر اور آپ کی تمام آل پر (ت)

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۷ شعبان معظم ۱۳۲۰ ہجریہ علٰی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ۔

نقل کارڈ مولوی گنگوہی صاحب بجواب مفاوضہ عالیہ

از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ بعد سلام مسنون آنکہ آپ کی تحریر طویل در بارہ مسئلہ زاغ بندہ کے پاس پہنچی بندہ نے اس وقت تک کوی [عہ] اس مسئلہ میں نہ کوی (عہ) اس مسئلہ میں نہ کوی موافق تحریر سنی ہے نہ مخالف۔

عہ: املائے شریف میں کوی کا لفظ یونہی مکرر ہے اور ہونا ہی چاہیے تھا کہ محبوب تازہ یعنی کوے کے ہمشکل ہے اس کی لذت نے اسے قند کر دیا۔ حبك الشیئ یعمی ویصم [1]۔ کسی چیز کی محبت آدمی کو اندھا بہرا کر دیتی ہے ۱۲۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الھوٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳، مسند احمد ابن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۹۴، مسند احمد ابن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۴۵۰

اور نہ آئندہ ارادہ سننے کا ہے اور نہ مسئلہ حلۃ غراب موجودہ دیار [عہ۱] میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے جس کے رفع کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہو ایامِ طلب علمی سے یہ مسئلہ بندہ کو معلوم ہے اسی وقت بغرضِ اطمینان اپنے اساتذہ کرام سے بھی پوچھ لیا تھا ورنہ کتبِ متداولہ درسیہ سے اس کی حلت خود ظاہر ہے اور متدبر کو ذرا غور سے واضح ہو جاتا ہے۔ بحث مباحثہ مناظرہ مجادلہ کا نہ مجھے شوق ہوا نہ اس قدر فرصت ملی البتہ نفس مسئلہ حلت وحرمت مجھ سے بارہا سینکڑوں ہزاروں مرتبہ مجھ سے [عہ۲] کسی نے پوچھا اور میں نے بتلادیا اب نہ معلوم پچاس ۵۰ سال کے بعد یہ غل شور کیوں ہوا میں نے آپ کا مسئلہ بھی نہ سنا ہے اور نہ سننے کا قصد ہے مگر چونکہ آپ [عہ۳] نے ٹکٹ نہیں بھیجا اس لیے اسکو واپس نہیں کیا صرف یہ کارڈ آپ کے رفعِ انتظار کے لیے بھیجا ہے ورنہ اس کی بھی حاجۃ نہ تھی مجھے [عہ۴] اس وقت سے پہلے یہ بھی خبر نہ ہوئی تھی کہ اس مسئلہ میں کوئی تحریر کسی طرف سے چھپی ہے البتہ مجھے سینکڑوں آدمیوں نے پوچھا ہے میں نے اسی قدر جس قدر ہدایہ [عہ۵] وغیرہ میں درج ہے لکھ دیا ہے۔ والسلام۔

عہ۱: غراب کی تانیث عجب محاورہ ہے شاید یہی خیال باعثِ الفت ہوا ہو کالا سر تو کبھی دیکھا ہی تھا اگرچہ ؎

ترا برف بارید بر پر زاغ نشاید چو بلبل تماشائے باغ

(کوّے کے پروں پر اگر برف برس جائے تب بھی وہ بلبل کی طرح تماشائے باغ کے لائق نہیں ہوتا)

عہ۲: یہ مجھسے مکرر ہے (کوے مجھ سے کوی مجھ سے) دوبارہ فرمایا ہے گویا وہ کمال محبت میں عرب کا محاورہ ادا کرکے ارشاد ہوا ہے کہ۔

الغراب منّی وانا من الغراب ۱۲

کوّا مجھ سے اور میں کوّے سے ہوں۔ (ت)

عہ۳: سوالات جواب آنے کو بھیجے تھے نہ کہ واپس دینے کو، اگر فقط ٹکٹ کی ناچاری جواب دینے کی سدِّ راہ ہے تو آپ جواب بیرنگ دیں بلکہ رجسٹری کراکر جو دوانی اُٹھے اتنے کا ویلو بھیجیں دو آنے وہ اور تین اور نذرانے کے میں حاضر کروں۔ ۱۲

عہ۴: وہ دیکھئے جھلک دے گئی۔ اس وقت سے پہلے کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ اب مفاوضہ عالیہ سننے سے خبر ہوئی حالانکہ آپ فرماتے ہیں میں نے سُنا ہی نہیں ۱۲۔

عہ۵: ہدایہ میں صریح روشن بیان واضح تبیان سے آپ کا رد لکھا ہے مگر زیغ زاغ میں ہدایہ سوجھے بھی ۱۲۔

مفاوضہ دوم حضرت عالم اہلسنت مدّ ظلہ در ردّ کارڈ گنگوہی صاحب رُدَّ حِلُّہٗ۔ عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

بنظر خاص مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، سلٰم علی المسلمین اجمعین (سلام ہو مسلمانوں پر۔ت) آپ کا کارڈ مشعر رسید مسائل مرسلہ فقیر آیا، عجلت ارسال رسید باعثِ مسرت ہوئی مگر ساتھ ہی جواب دینے سے انکار پر حسرت، میری آپ کی مخالفت اصول عقائد میں ہے جس میں فقیر بحمد ربہ القدیر جل جلالہ یقیناً حق وہدٰی پر ہے۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ"۔[1] لا امکان فیه المکذب ولا احتمال فیه للریب فضلا عن ادعاء فعلیته الکفر المطلق۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی اور ہم ہدایت نہ پاتے اگر اللہ تعالٰی نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی، تحقیق ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق کے ساتھ آئے، یہ حق ہے اس میں جھوٹ کا کوئی امکان نہیں اور نہ ہی شک کا کوئی احتمال ہے چہ جائیکہ اس میں جھوٹ کی فعلیت ووقوع کا دعوی کیا جائے جو کفر خالص ہے (ت)

مگر یہ مسئلہ دائرہ محض فرعی فقہی ہے فقہ میں فقیر بھی بحمدہ تعالٰی حنفی ہے اور آپ بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تو ان مسائل کو اُن جلائل پر قیاس کرکے پہلو تہی کرنے کی حاجت نہیں۔

آپ کا جواب: کہ نہ مسئلہ حلت غراب موجودہ دیار میں مجھے کسی قسم کا شبہ یا خلجان ہے جس کے دفع کے لیے مزید تحقیق کی ضرورت ہو، سوئے اتفاق سے سخت بے محل واقع ہوا۔ فقیر نے کب کہا تھا کہ آپ کوّے کے مسئلے میں حالتِ شک میں ہیں بلکہ صاف لفظ تھے کہ بغرض رفع شکوک عوام

عہ: یعنی رد کیا گیا کوّے کو اُن کا حلال کہنا ۱۲

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

وتمیز حلال وحرام خاص آپ سے بعض امور مسئول اور آپ کی نسبت یہ الفاظ تھے، ضرور ہے کہ آپ اس مسئلے کے تمام اطراف جوانب پر نظر ڈال چکے اور جمیع مالہ ماعلیہ پر تال چکے ہوں گے تحقیق تنقیح تطبیق ترجیح سبھی کچھ کرلی ہوگی۔ جن سے صاف روشن تھا کہ آپ کو حلت میں شاک و متردد نہ جانا، نہ آپ کے خلجان کے لیے یہ مراسلہ بھیجا۔ آپ کو شک نہیں عوام کو تو شکوک ہیں، مسلمانوں میں اختلاف پڑا ہے، آتش خصام شعلہ زا ہے، ایک طائفہ آپ کا مقلد آپ کے فتوے سے حلت کا معتقد ہے، تو کیا رفع نزاع بین المسلمین سے آپ کو غرض نہیں۔ نگاہِ انصاف صاف ہو تو یہ جواب بے محل ہی نہیں بالکل برعکس آیا، آپ اس مسئلے میں حالتِ شک میں ہوتے تو یہ جواب کچھ قرین قیاس ہوتا کہ میں اس میں کیا کہوں میں تو خود تردد و شک میں پڑا ہوں اور جب کہ آپ کو حکم شرعی تحقیق ہے شبہہ و خلجان اصلاً باقی نہیں تو جو آپ کے خیال میں خلاف حق پر ہیں حلالِ خدا کو حرام جانتے ہیں آپ پر لازم ہے کہ حق ان پر واضح کیجئے نہ کہ بعد سوال بھی جواب نہ دیجئے، دیکھئے تو خود آپ کے معتقدین اُسی مذکور اشتہار پرچہ دوم میں کیا کہتے ہیں: حق میں بطلان کے ملانے کی کوشش جن کی طرف سے ہوئی ان کو جواب دینے اور عین وقت پر دودھ پانی علیحدہ کردینا فرض منصبی۔ آپ اس مراسلہ فقیر کو مسئلہ دائرہ میں سوالِ سائل سمجھے یا مناظرہ مقابل یا لاولا یعنی کچھ نہ کھلا۔ برتقدیر اول اس جواب کا حسن آپ خود جان سکتے ہیں جسے یہ سمجھے کہ دلیل شرعی سے مسئلہ شرعیہ کی تحقیق پوچھتا ہے اس کا یہ کیا جواب ہوا کہ ہمیں تحقیق ہے۔ جی وہ آپ کی اس تحقیق ہی کو تو پوچھتا ہے کہ کیا ہے ان شبہات کا اس میں کیونکر انتفا ہے نہ یہ کہ آپ کو تحقیق ہے یا نہیں۔ ماوھل کے مقاصد میں فرق نہ کرنا عامی سے بھی بعید ہے نہ کہ مدعیان علم۔ برتقدیر ثالث جو کلام آپ نے نہ سنا نہ سمجھا اس پر جزافاً یہ جواب کیسا بے سنے سمجھے کیونکر معلوم ہو کہ اس نے کیا کہا اور آپ کو جواب میں کیا کہنا چاہیے۔ رہی تقدیر ثانی یعنی گمان مناظرہ اس پر بھی یہ نہایت عجاب، کیا حلتِ غراب موجود پر کوئی نص قطعی آپ کے پاس تھی یا جانے دیجئے خاص اُن کووں کا نام لے کر ائمہ مذہب نے حکم حل دیا تھا جس کے سبب آپ کو ایسا تیقن کلی تھا کہ مناظرہ کا کلام بھی سننے کا دماغ نہ ہوا، کبرے یقینی ہونا درکنار یہاں سرے سے اپنے صغری ہی پر آپ کسی کتاب معتمد کا نص نہیں دکھا سکتے، مثلاً عقعق کو کتابوں میں اختلافی حلال ضرور لکھا مگر یہ کس کتاب میں ہے کہ کوّے جن میں گفتگو ہے عقعق ہیں، یہ تو آپ یا آپ کے اساتذہ نے اپنی اٹکلوں ہی سے ٹھہرالیا ہوگا، پھر اٹکلوں پر ایسا تیقن کہ مطلق شبہہ نہیں اصلاً خلجان نہیں مزید تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں مناظر کی بات سنیں گے بھی نہیں یعنی چہ کیا **کلمۃ الحق**

ضَالَّۃ المؤمن۔[1] (حکمت کی بات مومن کی گمشدہ میراث ہے۔ت) نہیں، کیاآپ یا آپ کے اساتذہ کی اٹکل میں غلطی ممکن نہیں، زآپ کے معتقدین تو اسی اشتہار غراب پرچہ اولیٰ میں آپ کی خطائیں نگاہِ عوام میں ہلکی ٹھہرانے کے لیے حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والثناتک بڑھ گئے کہ حضرت مولانا گنگوہی بشر ہیں اور بشریت سے اولیاء کیا معنی انبیاء علیہم السلام بھی خالی نہیں حالانکہ ایسی جگہ اکابر کو ضرب المثل بنانا سوئے ادب ہے اور قائل مستحق تعزیز شدید، شفا شریف میں ہے:

الوجه الخامس ان لا یقصد نقصا ولایذکر عیبا ولا سبالکن ینزع بذکر بعض اوصافه علیه الصلوۃ و السلام اویستشهد ببعض احواله علیه الصلوۃ و السلام الجائزة علیه فی الدنیا علی طریق ضرب المثل والحجة لنفسه اولغیره اوعلی التشبه به او عند هضمیة نالته اوغضاضة لحقته کقول القائل ان قیل فی السوء فقد قیل فی النبی او کُذِّبْتُ فقد کُذِّبَ الانبیاء ،اوانا اسلم من السنة الناس ولم تسلم منهم انبیاء الله، وانما کثرنا بشاهدها مع استثقالنا حکایتها لتساهل کثیر من الناس فی ولوج هذا الباب الضنك وقلة علمهم بعظیم مافیه من الوزر یحسبونه هینا	بے ادبی کی پانچویں صورت یہ ہے کہ قائل نہ تو توہین کا ارادہ کرے نہ ہی کوئی برائی یا دشنام زبان پر لائے مگر ذکر بعض اوصاف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف جھکے یا بعض احوال کو کہ حضور پر دنیا میں روا تھے دستاویز بنائے ضرب المثل کے طور پر یا اپنے یا دوسرے کے لیے حجت لانے یا حضور سے تشبیہ دینے کو یا اپنے یا دوسرے پر سے کسی نقص یا قصور کا الزام اٹھاتے وقت جیسے قائل کا کہنا کہ مجھے برا کہا گیا تو نبی کو بھی تو لوگ برا کہتے تھے یا مجھے جھٹلایا تو لوگوں نے انبیاء کی بھی تو تکذیب کی ہے یا میں لوگوں کی زبان سے کیا بچوں کہ انبیاء تک ان سے سلامت نہ رہے۔ (امام فرماتے ہیں ہم نے یہ الفاظ باآنکہ ان کی نقل ہم پر گراں تھی اس لیے بکثرت ذکر کیے کہ بہت لوگ اس تنگ دروازے میں گھس پڑنے کو سہل سمجھے ہوئے ہیں اور اس میں جو سخت وبال ہے اس سے کم واقف ہیں اسے آسان

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقه علی العبادة امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۳، سنن ابن ماجه ابواب الزہد باب الحکمة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۱۷

وھو عند اللہ عظیم. فان ھذہ کلھا وان لم تتضمن سبا ولا اضافت الی الملئکۃ والانبیاء نقصا ولا قصد قائلھا غضا فما وقر النبوۃ ولا عظم الرسالۃ حتی شبہ من شبہ فی کرامۃ نالھا او معرۃ قصد الانتفاء منھا او ضرب مثلا بمن عظم اللہ خطرہ فحق ھذا ان درئ عنہ القتل الادب والسجن وقوۃ تعزیرہ بحسب شنعہ مقالہ[1] اھ مختصرًا۔	جانتے ہیں اور وہ اللہ کے نزدیک سخت بات ہے) تو یہ اقوال اگرچہ دشنام پر مشتمل ہیں نہ ان میں انبیاء وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کی طرف کسی نقص کی نسبت ہے نہ قائل نے تنقیص شان کا ارادہ کیا پھر بھی اس نے نہ نبوت کا ادب کیا نہ رسالت کی تعظیم کہ جن کے شرف کو اللہ تعالٰی نے عظمت دی ان کے ساتھ ایں وآں کو تشبیہ دی کسی فضیلت میں کہ اسے ملی یا کسی نقص کا الزام اٹھانے کو یا ان کے ذکر پاک کو ضرب المثل بنایا تو ایسے سے اگر قتل دفع بھی کریں تو وہ تعزیر وقید اور اپنے قول کی برائی کے لائق سخت سزا کا مستحق ہے۔ (ت ۱۲)

خیر یہ باتیں تو وہ جانتے ہیں جنھیں حق سبحنہ وتعالٰی نے اپنے محبوبانِ کرام علیہم الصلوۃ والسلام حسنِ ادب بخشا ہے، کلام اس میں ہے کہ انبیاء تک کا آپ کی خاطر یوں ذکر لایا جائے تو سخت عجب ہے کہ آپ کا خیال اس سے بڑھ کر اپنے آپ یا اپنے اساتذہ کو بالکل بشریت سے خالی بتائے، میرے پاس آپ کی مہری تحریر ہے جس میں آپ نے بزعم خود یہ مان کر کہ کتبِ فقہ میں اُلو کو حلال لکھا ہے پھر ان کے حکم کو محض غلط کہا اور فقہاء کو بے تحقیق کیے حکمِ شرعی لکھ دینے کی طرف نسبت کردیا، اسی کو یاد کرکے آپ نے مناظرہ کا کلام بگوشِ ہوش سنا ہو تاکہ جیسے اگلے فقہائے کرام نے آپ کے زعم میں اُلو کی حلت بے تحقیق لکھ دی، شاید یوں ہی کوّے کے باب میں آپ کو اور آپ کے اساتذہ کو دھوکا لگا اور بے تحقیق حرام کو حلال سمجھ لیا ہو، یا آپ اور آپ کے اساتذہ بشریت سے بالکل خالی سہی یہ خطا بھی فقہاء ہی کے ماتھے جائے شاید انہیں نے اُلو کی طرح کوے کو بھی حلال لکھ دیا ہو۔ مناظرہ کے کلام سے کشفِ خطا ہو، اس کی بدولت حق کی معرفت عطا ہو۔ غرض اصلاً نہ سننا اور یہ جواب دے دینا کہ ہمیں تحقیق ہے کسی وجہ پر کوئی معنی نہیں رکھتا، مجھے معلوم نہیں کہ یہ لاتسمعوا لھذا (اس کو نہ سُنوت) کا صیغہ آپ کی طبیعت کا تقاضا یا معتقدین کا

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع الباب الاول فصل الوجہ الخامس الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۲۲۸ تا ۲۳۰

مشورہ تھا، آپ نے سُنا ہو جب ہر قل کے پاس فرمانِ اقدس پہنچا اور اس نے پڑھنا چاہا اور اس کا بھائی یا بھتیجا مانع آیا تو اس نے کیا جواب دیا ہے، یہ کہا انك لضعیف الرأی اترید ان ارمی الکتاب قبل ان اعلم مافیه تو ضرور ناقص العقل ہے کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں بے مضمون معلوم کیے خط ڈال دوں[1]۔ ہر قل اگرچہ نبوت اقدس سے آگاہ تھا مگر اسے اظہار نہ کرتا تھا ایک عام تہذیب کی بات بتا کر اس احمق کا رَد کیا مدعی تہذیب و عقل اسلامی کو ایک نصرانی کی فہم و انسانیت سے کم نہ رہنا چاہیے ہاں ینّاقِ ازرق احمر احمق کی رائے پسند ہو تو جدا بات ہے، رہا آپ کا فرمانا کہ بحث مباحثہ مناظرہ مجادلہ کا نہ مجھے شوق ہوا نہ اس قدر فرصت ملی، اور اسی بنا پر یہ جبروتی حکم کہ میں نے آپ کا مسئلہ بھی نہ سنا ہے اور نہ سننے کا قصد ہے، براہین قاطعہ تو خاص ردو مجادلہ کا رسالہ ہے اس کی تقریظ میں آپ لکھتے ہیں، احقر الناس رشید احمد گنگوہی نے اس کتاب کو اول سے آخر تک بغور دیکھا۔[2] مناظرہ و مباحثہ کا شوق نہ ہونا اگر تحریرات مناظرہ نہ دیکھنے کو مستلزم تو اتنے حجم کا طومار حرف بحرف بغور آپ نے کیونکر دیکھا اور مستلزم نہیں تو فقیر کا ایک ورق کا رسالہ سننے سے کیوں اجتناب ہوا۔ اگر کہیے کہ وہ رسالہ پسند تھا یہ ناپسند لہذا اسے بغور دیکھا اسے بیغوری سے بھی نہ سُنا تو صراحۃً واژ گونہ ہے پسند و ناپسند دیکھنے سننے پر متفرع ہے بے دیکھے سنے رجمًا بالغیب استحسان واستہجان کس خواب کی تعبیر سمجھا جائے۔ علاوہ بریں مناظرہ میں خود آپ کے چند اوراقی رسائل مثل رَدّ الطغیان ورسالہ تراویح وھدایۃ الشیعہ چھپے ہیں مگر یہ کہیے کہ بحمد اللہ تعالٰی فرق بین ہے، جس پر یہ شوق و بے شوقی بنتی ہے یعنی نہ ہر جائے مرکب الٰی آخرہ۔ آپ کا فرمانا کہ میں نے آپ کا مسئلہ نہ سنا۔ ع

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا

مگر کارڈ دیکھنے والے اس پر چرچے اور کہتے ہیں، یہ فرمانا کہ بندہ نے اس وقت تک کوئی اس مسئلہ میں نہ کوئی موافق تحریر سنی ہے نہ خلاف نہ آئندہ ارادہ سننے کا ہے مجھے اس وقت سے پہلے یہ بھی خبر نہ ہوئی تھی کہ اس مسئلہ میں کوئی تحریر کس طرف سے چھپی ہے، اُسی امر کی پیشبندی ہے جو مراسلہ کے سوال اول میں معروض ہوا تھا کہ دونوں پرچہ مذکورہ آپ کی رائے سے ہیں یا بالائی لوگوں نے بطور خود شائع کیے۔ علی الثانی اُن کے سب مضامین آپ کو قبول ہیں یا کل مردود یا بعض بحال سکوت وہ پرچے آپ ہی کے قرار پائیں گے۔ ظاہر یہی ہے کہ آپ نے ضرور یہ شقوق سنیں اور ان سے مفر اصلاً نظر نہ آئی سو اس صورت کے کہ سرے سے کانوں پر ہاتھ دھر لیے کہ میرے کان تک ان کی

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل السادس دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۳۳۹

[2] البراہین القاطعۃ تقریظ مولوی رشید احمد، مطبع لے بلاساڈھور، ص ۲۷۰

خبر بھی نہ پہنچی، مضمون سننا تو بڑی بات ہے میں کیسے کہہ دوں کہ مقبول ہیں یا مردود، اور واقعی قبول کرنے میں سارا بار اپنے سر آتا تھا اور نہ قبول کرنے میں معتقدین کا دل دکھتا بلکہ غالبًا اپنا ہی ساختہ پرداختہ باطل ہوتا تھا ناچار سوا اس انکار کے علاج کیا تھا ورنہ کیونکر قرین قیاس ہو کہ آپ کا مسئلہ آپ کا معاملہ آپ کا فرقہ آپ کا سلسلہ شہروں شہروں وہ شور و غلغلہ اور آپ کانوں کان خبر نہیں، طرفہ یہ کہ آپ خود اسی کارڈ میں فرمارہے ہیں، نفس مسئلہ مجھ سے ہزاروں مرتبہ مجھ سے کسی نے پوچھا اور میں نے بتلادیا اب نامعلوم پچاس ۵۰ سال کے بعد یہ غل شور کیوں ہوا۔ غل شور کی خبر ہے مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ غل کیا اور کس پیرایہ میں ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین معرض بیان میں سکوت سے عرفًا اقرار دے چکے کہ ان کے مضامین آپ ہی کی تعلیم ہیں ضمیمہ شحنہ ہند کے اس بیان پر کہ یہ لچر اعتراضات مجوزین اکل زاغ ہذا کے ہیں جو غالبًا ان کے کسی تعلیم دہندہ نے ہدایت فرمائی ہے جن کے ارشاد کے موافق بحکم۔ ع

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید[1]

(شراب کے ساتھ مصلّی رنگین کرلے اگر پیر مغاں کہے ت)

اس موذی خبیث زاغ کا کھانا اس فریق نے اختیار کیا ہے آپ کو معلوم ہو کہ یہ پیر مغاں باتفاق فریقین آپ ہیں خود آپ کے معتقدین پرچہ اولٰی میں فرماتے ہیں: شک نہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی بشر ہیں لیکن یہ کون سعادت مندی ہے کہ بلاسوچے سمجھے ایسے پیر مغاں فقیہ مسلم پر اعتراض کر بیٹھے، واہ رے زمانہ غافل ومدہوش مغبچوں میں یہ شور وخروش اور پیر مغان در خوابِ خرگوش، خیر یہ تو آپ جانیں یا آپ کے مرید، کلام اس میں ہے کہ ضمیمہ شحنہ کا یہ کلام تردید والوں نے دیکھا اور آپ کا تبریہ نہ کیا اب ظاہر تو یہ ہے کہ جو ظاہر تھا وہ ظاہر ہولیا۔ ع

نہاں کے ماند آں رازے الخ

(وہ راز پوشیدہ کیسے رہ سکتا ہے۔ ت)

کتبِ متداولہ درسیہ سے ّکوا حلال ہونے کا اِدعا اُسی وقت تک سزا ہے کہ جواب سوالات سے دامن کھینچا ہے، نمبر وار ہر سوال کا صاف صاف جواب بے پیچ و تاب دیتے ہی تو بعونہ تعالٰی کھلا جاتا ہے کہ **یا غراب البین یا لیت بینی و بینك بعد المشرقین** (اے فراق کے کوے کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق مغرب جتنا فاصلہ ہوتا۔ ت) آپ فرماتے ہیں: صرف یہ کارڈ آپ کے رفع انتظار کے لیے بھیجا ہے ورنہ اس کی بھی حاجت نہ تھی۔ میں کہتا ہوں حاجت تو کوّا کھانے کی بھی نہ تھی اب کہ

---

[1] دیوان حافظ، سب رنگ کتاب گھر دہلی ص ۲۹

واقع ہو لیا مسائل شرعیہ کا جواب دینے کی ضرورت ہے تقریر بالا یاد کیجئے خیر یہ تو آپ کے عذر کا ضروری جواب تھا جس سے مقصود مسئلہ شرعیہ میں وضوح حق کا فتحباب تھا اگرچہ آپ بنظرِ مخالفت اسے اپنے کارڈ کا رد سمجھیں بلکہ گلوے کارڈ پر کا رد جانیں، مجھے اس سے بحث نہیں مجھے اپنی نیت معلوم ہے میں آپ سے پھر گزارش کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں فتنہ پھیلانے سے رفعِ اختلاف بھلا ہے آپ کا معتقد گروہ دوسرا قرآن سے کہے تو نہیں سنتا، آپ کی بے دلیل کی سنتا ہے اور وہ خود بھی اشارے اشارے میں کہہ چکا کہ ہمارے مولوی سے طے ہو جانا اولی ہے، اور اب تو آپ کو پچاس برس سے یہ مسئلہ چھان رکھنے کا ادعا ہے، اپنے اساتذہ سے بھی تحقیق کر لینا لکھا ہے، دوسرے آپ سے صرف وضوح حق کے لیے سوالات شرعیہ کر رہا ہے، اور حق سبحنہ وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حق صاف بیان فرمانے کا عہد لیا ہے۔ **قال تعالیٰ**:

"وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ" [1]	اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا۔ (ت)

پھر سوالات نہ سُننے اور جوابات نہ دینے کی وجہ کیا ہے آپ مناظرہ کا خوف نہ کیجئے میں اطمینان دلاتا ہوں کہ یہ سوالات مخاصمانہ نہیں صرف ظہورِ حق کے لیے ہیں، آپ کا کارڈ پانچویں دن بعد ظہر آیا آج رجسٹری کا وقت نہیں یہ خط ان شاء اللہ کل رجسٹری شدہ حاضر ہوگا سہ شنبہ ۱۶ شعبان تک جواب جملہ سوالات تین روز آئندہ میں آنے کا مژدہ یا تعیین مدت کا وعدہ ملے ورنہ فقیر اتمامِ حجت کر چکا ہے۔ سوالاتِ شرعیہ کا جواب نہ دینے اور مسلمانوں میں اختلاف ڈال کر الگ ہو بیٹھنے کا مطالبہ حشر میں ہوا تو جب ہوگا یہاں بھی عقلاً اس پہلو تہی کو جواب سے عجز پر محمول کریں گے آئندہ اختیار بدست مختار، جواب میں جملہ شرائط مراسلہ سابقہ ملحوظ رہیں اور سوال اول کا جواب دینے کو وہ دونوں پرچے اور جو تحریرات چھپی ہوں امرِ دین ورفع نزاعِ مسلمین کے لیے ایک گھڑی بھر کی کلفت اٹھا کر براہین قاطعہ کی طرح اول سے آخر تک بغور سن لیجئے اور جلد جواب دیجئے۔

واللہ یقول الحق ویهدی السبیل وحسبنا اللہ ونعم	اور اللہ تعالیٰ حق ارشاد فرماتا ہے اور راستہ دکھاتا ہے اور ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

الوکیل وصلی اللہ تعالٰی علی السید الجلیل والہ و صحبہ اولی التبجیل امین والحمدللہ رب العلمین۔	وہ کیا اچھا کارساز ہے، اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بزرگی والے سردار پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر جولائقِ تعظیم ہیں۔ اے اللہ۔ ہماری دعا قبول فرما اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے جو کل جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

یازدہم شعبان معظم ۱۳۲۰ھ

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
اطائبِ الصّیّب علٰی ارض الطیّب ۱۳۱۹ھ
(طیب (عرب صاحب) کی زمین پر بہت پاکیزہ بارش)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ الذی نصر المقلدین للائمۃ المجتھدین بالاحسان فی الدین علی الطغام المارِدین واظھر عجز المفسدین و جھل الابلدین الغیرالفارقین بین الدائن والمدین، والصلوۃ والسلام علٰی سید الانام وسند الکرام والہ العظام وصحبہ الفخام و ائمۃ الاسلام واولیاء الاعلام المتصرفین باذنہ فی الارواح والاجسام وعلینا بھم یا ذاالجلال والاکرام، اٰمین	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے احسان کے ساتھ دین میں اجتہاد فرمانے والے ائمہ کرام کے مقلدوں کی مدد فرمائی، اور مفسدوں کے عجز اور دائن و مدین کے درمیان فرق نہ کرنے والوں کندذہنوں کے جہل کو ظاہر فرمایا، اور درود وسلام ہو کائنات کے سردار پر جو کہ کریموں کی سند ہیں اور ان کے عظیم آل واصحاب پر، اور ائمہ اسلام اور اولیاء کرام پر جو اس کی اجازت سے ارواح واجسام میں تصرف کرنے والے ہیں، اور ان کے صدقے میں ہم پر بھی اے جلالت وبزرگی والے آمین (ت)

بعد حمد وصلوۃ حضرت عظیم البرکۃ، صاحبِ حجت قاہرہ وصولتِ باہرہ وتصانیف زاہرہ مجدّد المائۃ الحاضرہ، تاج الفقہاء، غیظ السفہاء محمود الکملائ محسود الفضلاء ماحی الفتن، حامی السُنن، زین الزمن، حبرِ شریعت، بحر طریقت، ناصر ملت، حضرت عالم اہلسنت دام ظلہ و مدّ فضلہ و کثرت احباء ہ وکسرت اعداہ بالنبی الکریم علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والتسلیم نے آخر رسالہ فیض مقالہ ازالۃ العار بحجر الکرائم عن کلاب النار میں تمیز سنی وہابی کے لیے چند کلماتِ مجلّہ ارشاد فرمائے کہ جوان کو مانے وہابیت سے پاک ہو سنی بن جائے، ازانجملہ فرمایا:

(۴) تقلیدِ ائمہ فرض قطعی ہے بے حصول منصف اجتہاد اس سے رُوگردانی گمراہ بددین کاکام ہے غیر مقلدین مذکورین اور ان کے اتباع واذناب کہ ہندوستان میں نامقلدی کا بیڑا اٹھائے ہیں محض سفیہان نامشخص ہیں ان کاتارک تقلید ہونا اور دوسرے جاہلوں اپنے سے بھی اجہلوں کو ترکِ تقلید کااغواء کرنا صریح گمراہی وگمراہ گری ہے۔

(۵) مذاہب اربعہ اہلسنت سب رشد وہدایت ہیں جو ان میں سے جس کی پیروی کرے اور عمر بھر اسی کا پیرو رہے کبھی کسی مسئلے میں اس کے خلاف نہ چلے وہ ضرور صراطِ مستقیم پر ہے اس پر شرعاً کوئی الزام نہیں، ان میں سے ہر مذہب انسان کے لیے نجات کوکافی ہے۔ تقلیدِ شخصی کو شرک یاحرام ماننے والے گمراہ ضالین متبع غیر سبیل المومنین ہیں۔

(۶) متعلقاتِ انبیاء واولیاء علیہم الصلوۃ والثناء مثل استعانت ونداء وعلم وتصرف بعطائے خداوغیرہ مسائل متعلقہ اموات واحیاء میں نجدی اور دہلوی اور ان کے اذناب نے جو احکامِ شرک گھڑے اور عامہ مسلمین پر بلاوجہ ایسے ناپاک حکم جڑے یہ ان ان گمراہوں کی خباثت مذہب اور اس کے سبب انہیں استحقاق عذاب وغضب ہے۔

ایک بزرگوار تقریباً تیس سال سے خاکی رامپور ہیں۔ زبانِ عوام میں مولوی طیب عرب کے نام سے مشہور ہیں، یہیں کچھ پڑھا پڑھایا۔ انقلابِ زمانہ نے پرنسپل بنایا، بیس برس ہوئے، ۱۳۰۰ھ سے پہلے حضرت عالم اہلسنت دام ظلہ رامپور تشریف لے جاتے، اس زمانے میں عرب صاحب کچھ ایسی ہی شُد بد جانتے اور کج مج عربی بول لیتے۔ خدمتِ اقدس میں اکثر حاضر آتے، یہی ہندوستانی انگرکھا وغیرہ پہنے ہوئے ہوتے مگر عرب کہلانے کے باعث حضرتِ والا اعزاز فرماتے، ہاں اس وضع کے سبب قلب میں اندیشہ تھا کہ دیکھئے ہندوستان کا پانی عرب صاحب پر کیا اثر ڈالے۔ ابھی تو افضل البلاد کی وضع بدلی ہے آگے کیا کچھ پرپُرزے نکالے۔ جب ۱۳۰۲ھ میں جناب منشی محمد فضل حسن

صاحب مرحوم مغفور نے انتقال فرمایا حضرت کا رامپور تشریف لے جانا نہ ہوا کہ ان سے قرابتِ قریبہ داعی زیارت تھی اور جس بندہ خدا کو فضلِ الٰہی تمام امصار واقطارِ ہند کے علاوہ بنگالہ و کشمیر و برہما وغیرہ ملکوں کا مرجع فتوٰی بنائے اسے بے ضرورت سفر کی کب فرصت تھی جب سے عرب صاحب کا کچھ حال نہ ملا مگر ادھر حضرتِ والا کی فراستِ صادقہ کا رنگ کھلا، پرنسپلی نے زور لگایا۔ عرب صاحب کو مجتہد بنایا، وہ رسالہ مبارکہ کہیں ان بزرگوار نے بھی مطالعہ کیا، تقلید ائمہ کو فرض قطعی دیکھ کر نئی مجتہدی کا ننھا سا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ حضرت والا کی خدمت میں عریضہ لکھا، یہاں سے جواب مع دلائل صواب کا افاضہ اور مجتہدی ی قلعی کھولنے کو بعض سوالات کا اضافہ ہوا عرب صاحب نے جواب تو عاجزانہ قبول کیا مگر سوالوں کا جواب اصلًا نہ دیا بلکہ دوسرے مسئلہ تصرف اولیائے کرام میں سوال کا راستہ لیا۔ ادھر سے اس کے جواب کا بھی افادہ اور دربارہ تقلید سلسلہ سوالات زیادہ ہوا۔ اب عرب صاحب سوگئے۔ ان سوالوں کو پانچ، ان کو تین مہینے ہوگئے۔ آخر ادھر سے تقاضائے جواب ہوا۔ عرب صاحب کو پیچ وتاب ہوا۔ تہذیب کے رنگ بدل گئے، بھرے بیٹھے تھے اُبل گئے۔ کذب وجہل سے کام لیا مگر روزِ موعود گزرا جواب نہ دیا۔ یہاں فضل الٰہ ہے۔ ایسوں ویسوں کی کیا پرواہے، اکناف واقطار سے ہزاروں مفیدانہ پوچھتے، فیض پاتے ہیں، جو معاندانہ الجھیں منہ کی کھاتے ہیں۔ روز افزوں فضلِ باری ہے، یہی کارخانہ جاری ہے، ایسوں کا مخاطبہ کیا شے تھا کہ قابلِ اشاعت سمجھا جاتا۔ خصوصاً وہ خوش فہم جنہیں بدیہیات کا بھی ادراک نہیں، تنبیہ کے بعد بھی احتیاج تامل سے انفکاک نہیں۔ حضرات ناظرین! ازالۃ العار کی عبارت آپ کے پیش نظر ہے ملاحظہ ہو کہ نمبر (۴) میں مطلق تقلید بے تخصیص وتقیید جلوہ گر ہے، تقلید خاص کے بیان میں مستقل جُداگانہ پانچواں نمبر ہے، یہ مجتہد صاحب ایسے سلیس اردو کلام جدا جدا نمبر تک کے انتظام کو نہ سمجھے اور خطِ اول میں پوچھنے بیٹھے کہ آپ تقلید کی کون سی قسم کو فرض قطعی فرماتے ہیں۔ (دیکھو اس رسالہ کا ص ۷) آخر حلیمانہ جواب عطا ہو کہ ہم مطلق تقلید کو فرض قطعی بتاتے ہیں (دیکھو ص ۱۵) اس پر بھی دوسرے خط میں بولے کہ مجھے آپ کے جواب میں غور وتامل کرنے سے یہ کھلا کہ آپ نے وہاں مطلق کا حکم لکھا۔ (دیکھو ص ۲۳) اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(چہ خوش چرا نباشد آخر نہ اجتہاد ست)

(بہت خوب، کیوں نہ ہو، آخر اجتہاد نہیں ہے۔ ت)

مگر معتمدین سے خبر مسموع ہوئی کہ مجتہد صاحب کو خود اپنی تشہیر مطبوع ہوئی، اس بارے میں اور ان کی

کوئی تحریر چھپنی شروع ہوئی، وہ دو چار ہی دن جاتے ہیں کہ وہ نامطبوع مطبوع ہوئی اس پر یہاں بھی احباب نے مناسب جانا کہ خطوط بعینہا شائع ہوں کہ ناظرین اصل واقعے پر مطلع ہوں، اگر مجتہد صاحب نے کچھ غیرت اجتہاد سے کام لیا، تحریر میں تمام سوالات سے جواب دیا فبہا، یہ رسالہ بعونہ تعالٰی رسالہ جواب کا مقدمہ ممہد ہوگا۔ اور اگر جوابوں سے راہ کترائی، میر بحری بچائی، خارجی باتوں میں اڑان گھائی بتائی تو یہی رسالہ ان کی تحریر کا پیشی رَد ہوگا کہ حضرت پہلے سوالات کا جواب دیجئے اس کے بعد کچھ کہنے کا نام لیجئے۔ لہٰذا توکلاً علی اللہ یہ رسالہ جمع کیا اور عمومِ فائدہ کو خطوط کا سلیس ترجمہ کردیا: الصلوۃ والسلام علی نبی الھدٰی واٰلہ وصحبہ دائماً ابداً۔

خط اول عرب صاحب بنامِ نامی حضرت عالم اہلسنت مدظلہ السامی

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الی حضرۃ الفاضل العلامۃ الشیخ احمد رضا مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ. بعد السؤال عن عزیز خاطر کم نعرفکم باناقد اطلعنافی بعض تصانیفک انک تقول ان التقلید فرض قطعی فتعجبت وحق لی ان اتعجب لانی قد قضیت نحوا من ثلثین سنۃ فی خدمۃ طلبۃ العلم فلم اھتد الی استحباب التقلید فضلا عن وجوبہ فکیف بفرضیتہ لا مطلقابل فرضیتہ قطعیۃ فلھٰذا ارغب الیک ان تعلمنی ادلۃ ذلک وعین لی ان ای قسم من اقسام التقلید فرضا قطعیا ثم اخبرنی ان علم المکلف بفرضیۃ التقلید کیف یحصل لہ أبتقلید او	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، بارگاہِ فاضل علامہ حضرت احمد رضا مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پرسش مزاج گرامی کے بعد ہم جناب کو معرفت کراتے ہیں کہ ہم نے آپ کی بعض تصنیفوں میں آپ کا یہ قول دیکھا کہ تقلید فرض قطعی ہے اس سے مجھے تعجب ہوا اور مجھے سزاوار تھا کہ تعجب کروں اس لیے کہ میں نے تیس برس کے قریب طالب علموں کی خدمت میں گزاری، مجھے تقلید کو مستحب جاننے کی ہدایت نہ ہوئی چہ جائے وجوب، پھر کہاں فرضیت، وہ بھی مطلق نہیں بلکہ فرضیت قطعیہ، اس وجہ سے میں آپ کی طرف آرزو لاتا ہوں کہ مجھے اس کے دلائل تعلیم فرمائیے اور معین کیجئے کہ تقلید کی کون سی قسم فرض قطعی ہے پھر مجھے بتائیے کہ مجتہدوں میں سے کسی کو کیونکر اختیار کرے؟ آیا تقلید سے یا اجتہاد سے؟ بات یہ ہے

باجتهاد ثم اخبرنی کیف یختار المجتهدین أبتقلید ام باجتهاد هذا،والله یهدینا وایاکم الی سبیل الرشاد۔ محمد طیب محمد طیب ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۱۹ از رامپور	اور اللہ ہمیں اور آپ کو راہِ ہدایت دکھائے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۱۹ھ از رامپور۔

مفاوضہ اوّل از حضرت عالم اہلسنت مدظلہ الاکمل بجواب خطِ اول

بسم الله الرحمن الرحیم ،نحمده ونصلی علی رسوله الکریم ،الی الفاضل الکامل الشیخ محمد طیب المکی سدده الله بقلب ملکی، اما بعد فانی احمد الله الیک ،سلام علیک،وصل الکتاب وحصل الخطاب، غب ماطال امد وزال ابد،وظن الوداد ان قد نفد او کان قد ومایسر ان التخاطب فی امردینی والسوال عن فرض یقینی واحببت الجواب رجاء للثواب و اظهار للصواب، وقضاء لحق اخوة الاحباب،ولو انک یا اخی رجعت فی هذا الی الکلام المبین لاغناک عن مراجعة مثلی من المقلدین کما به تغنیت فیما تمنیت عن الائمة المجتهدین رضوان الله تعالٰی علیهم اجمعین الم ترالٰی ربّک کیف یقول	بسم اللہ الرحمن الرحیم ،نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، بنام فاضل کامل شیخ محمد طیب مکی سددہ اللہ بقلب ملکی۔ بعد حمد وصلوۃ میں آپ [عہ] سے حمدِ الٰہی بیان کرتا ہوں، سلام علیک۔ خط آیا، مخاطبہ لایا، بعد اس کے کہ ایک زمانہ گزرا اور مدتِ دراز نے انقضا پایا اور دوستی نے گمان کرلیا تھا کہ جاچکی یا اب گئی، اور خوشی کی بات یہ ہے کہ گفتگو ایک امر دینی میں ہے اور سوال ایک فرض یقینی سے، تو میں نے جواب دینا چاہا بامیدِ ثواب واظہارِ صواب وادائے حق محبت احباب۔ برادرم، اگر آپ اس معاملے میں قرآن عظیم کی طرف رجوع کرتے تو مجھ جیسے مقلد مقلد کی جانب رجوع کی حاجت نہ ہوتی جیسا کہ آپ اپنے خیال میں قرآن فہمی کے باعث حضرات ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، سے بے نیاز ہوگئے ہیں، آپ نے دیکھا کہ آپ کا رب کیا فرمارہا ہے۔

عہ: یہ مزاج پرسی کے جواب میں شکرِ الٰہی کا اظہار ہے ۱۲ مترجم۔

وقوله الحق "وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ لِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾"[1]، فقد فرض التفقه فی الدین واعفی عنه عامة المومنین و لم یترک احدا منهم سدی فانما ارشد للتقلید من اهتدی الم تعلم ان الله علی خلقه فرائض لا تترک و محارم لا تنتهب وحدودا من تعداها فقد ظلم و هلک ولکلها او جلها شرائط وتفاصیل لایهتدی الیها الا قلیل، "وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾"[2] "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾"۔[3]	اور اس کا قول سچا ہے وماکان المؤمنون لینفروا کافۃ الآیۃ یعنی مسلمان سب کے سب تو باہر جانے سے رہے تو کیوں نہ ہوا کہ ہر گروہ سے ایک ٹکڑا نکلتا کہ دین میں فقہ سیکھے اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ خلافِ حکم کرنے سے بچیں، تو اللہ تعالٰی نے فقہ سیکھنا فرض فرمایا اور عام مومنین کو اس سے معاف فرمایا اور مہمل اور آزاد کسی کو نہیں رکھا ہے تو ضرور اہلِ ہدایت کو تقلید ہی کا ارشاد ہوا۔ عـــہ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل کے لیے اپنی مخلوق پر کچھ فرض ہیں کہ چھوڑنے کے نہیں کچھ حرام ہیں کہ حرمت توڑنے کے نہیں، کچھ حدیں ہیں کہ جو ان سے آگے بڑھے ظالم ہو اور ہلاکت میں پڑے، اور ان سب یا اکثر کے لیے شرطیں اور تفصیلیں ہیں جنہیں گنتی ہی کے لوگ جانتے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں مگر عالموں کو، تو اہلِ ذکر سے مسئلہ پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ بلکہ آپ اپنی

عـــہ: یعنی جب احکامِ الٰہیہ ہر عام و عامی پر ہیں آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرمادیا کہ سب سے نہیں ہو سکتا، ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ مخالفتِ حکم سے بچیں تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی بات پر چلنے کا حکم ہوا اور اسی کا نام تقلید ہے جس کی فرضیت قرآن عظیم کی نص قطعی سے ثابت ہوئی ۱۲ مترجم۔

[1] القران الکریم ۹/ ۱۲۲

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

بل لو رجعت الٰی نفسک لا لغیت غدک ھذا کمثل امسک وانا اجیرھا باللہ ان تبھت اوتکابر اوتتعامی عن البدر وھو زاھر سلھا ھل للہ سبحنہ وتعالٰی علی العباد مالا یدرک علمہ اول مایدرک الابنص او اجتہاد فان ابت فمنکرا اتت وان سلمت سلمت واسلمت فسلھا اتربن الناس کلھم عالمین بما لھم وعلیھم من امورالدین لا حاطتھم جیعا بمعا نی النصوص و اقتدارھم طراعلی استنباط المسکوت عن المنصوص فان عمت فقد عمیت وان احجمت فقد ھدیت فسلھاعن الذین لایعلمون ولا یبصرون ولا علی الاجتہاد یقتدرون اولٰئک متروکون سدی فان انعمت فقد ضلت الھدی وان ابصرت فانکرت	عقل ہی کی طرف رجوع لاتے تو اپنی اس آئندہ عـــہ۱ کل کو گزشتہ کل کی طرح پاتے۔اور میں آپ کی عقل کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں اس سے کہ انھوئی جوڑے یا ڈھٹائی کرے یا چمکتے چاند ماہِ تمام سے اندھی بنے اپنی عقل ہی سے پوچھیے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بندوں پر کچھ ایسے احکام ہیں یا نہیں کہ ابتداءً ان کا علم بغیر تصریح شارع یا اجتہاد مجتہد کے حاصل نہیں ہوتا۔اگر وہ انکار کرے تو واجب الانکار شناعت لائی اور اگر مانے تو سلامت رہی اور طاعت لائی۔اب اس سے پوچھیے کیا تیرے خیال میں تمام آدمی حلال و حرام و جائز واجب دین کے جتنے احکام ان پر ہیں سب کے عالم میں نصوص شریعت کے معانی کا سب کو احاطہ ہے۔ منصوص سے مسکوت کا حکم پیدا کرنے پر سب کو قدرت ہے پس اگر وہ تعمیم کرے تو یقیناً اندھی ہے اور اس سے باز رہے تو ضرور مہتدی ہے۔اب اس سے ان کا حکم پوچھیے جنھیں نہ علم ہے نہ بصیرت نہ اجتہاد کی قدرت، کیا وہ شتر عـــہ۲ بے مہار بنا کر چھوڑ دیئے گئے ہیں؟اگر ہاں کہے تو قطعاً گمراہ ہوئے اور اگر آنکھ کھولے اور بے مہاری سے

عـــہ۱: آئندہ کل کا حال مخفی ہے اور گزشتہ کا ظاہر یعنی دل ہی میں سوچتے تو تقلید کی فرضیت کہ آپ پر مخفی ہے ظاہر ہو جاتی ۱۲ مترجم

عـــہ۲: یعنی ان پر شریعت کے کچھ احکام نہیں ۱۲ مترجم

فسلها مالهم من السبيل الى ان يعلموا احكام الجليل ان يروا بانفسهم وهم لايبصرون و يستنبطوا وهم لايقدرون اويرجعوا الى العلماء المرشدين فيعتمدون عليهم فى امور الدين ويعلموا بقولهم منقادين فان بالا ول اجابت فقد بهتت وخابت "لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"۔[1] وان ابت وابت الى الأخر اصابت و وقد وجدت ضالة ضلت ربعها، ثم من العجب سؤلک عمایسآل عنه مثلک، ان علم المكلف بفرضية التقليد كيف يحصل له أباجتهاد اوبتقليد فلقد قصرت ولا قصر وزعمت الحصر حيث لا حصر اماعلمت ان الضرورى فى علمه عنهما جميعا لغنى اليس ان كل مسلم يعلم ضرورة من الدين علما لا يخالطه ظن و لاتخمين ان لله عليه فرائض وحرمات وحدود اوتكليفات ويعلم منهم من لايعلم علما وجدانيا ان لايعلم وانه لايقدر ان يعلم الا ان يعلم	انکار کرے تو اب اس سے پوچھیے انکار کرے تو اب اس سے پوچھیے کہ ان کے لیے احکامِ الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے آیا یہ کہ خود دیکھیں حالانکہ وہ نگاہ نہیں رکھتے، اجتہاد کریں حالانکہ قدرت نہیں رکھتے یا یہ کہ ہدایت وارشاد والے علماء کی طرف رجوع لائیں، امورِ دین میں ان پر اعتماد کریں جو وہ فرمائیں مطیع ہو کر اس پر کاربند رہیں، اگر جواب میں پہلی بات کہی تو یقیناً بہتان اٹھاتی ہے اور نامراد رہی، اور اگر اس سے انکار کرکے دوسری طرف پلٹی تو راہِ صواب پر آئی اور جس گم شدہ کا مکان نہ جانتی تھی اس کی ملاقات پائی، پھر عجب بات ہے آپ کا ایسے امر سے سوال جسے آپ جیسا دریافت نہ کرتا کہ مکلّف کو تقلید فرض ہونے کا علم اجتہاد سے ہے یا تقلید سے، آپ نے قصر کیااور قصر نہ تھااور حصر سمجھے جہاں حصر نہ تھا۔ کیا آپ کو خبر نہیں کہ بدیہی بات اپنے جاننے میں ان دونوں سے یکسر بے نیاز ہے۔ کیا ہر مسلمان بالبداہت ایسے یقین سے جس میں کسی گمان و تخمین کی آمیزش نہیں اپنے دین کا یہ حکم نہیں جانتا کہ اللہ عزوجل کے لیے اس پر کچھ فرض ہیں کچھ حرام کچھ حدیں ہیں کچھ احکام اور ان میں جو جاہل ہے وہ اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ جاہل ہے اور یہ کہ جب تک اسے بتایا نہ جائے خود جان لینے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

ويعلم ان لا براءة ذمة الا بالعمل ولا عمل الا بالعلم ولا علم الا لمن تعلم فينقدح فی ذهنه بداهة ان عليه سؤال من اذا سئل هدى وعلم هذا سيدنا رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم قائلا وقوله اصدق مقال الاسالوا اذلم يعلموا فانما شفاء العی السوال۔[1] و قد تواتر ذلک من لدن الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وهلم جرا تواتر کتابة الصلوة وسائر المکتوبات علانية وجهرا بل هوامر مجبول عليه اجبال البشر من اٰمن منهم ومن کفرفترى عوام کل فرقة تاتی علماء ها والبّاء ها وتسال دواء داجهلها من تحسبهم اطباء ها علما من لديهم بانه القاضی ما عليهم فاسألهم ابتقليدکان ام باجتهاد فسيأتيک بالاخبار من لم تزوده بالازواد اوانت بنفسک انبئنی	سے عاجز ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ بے عمل کیے چھٹکارا نہیں اور بے علم عمل کا یارا نہیں اور بے سیکھے علم نہ آئے گا تو بداہۃً اس کے ذہن میں خود آجائے گا کہ اس پر ایسے سے پوچھنا لازم ہے جو مسئلہ بتا کر ہدایت فرمائے اور یہ ہیں ہمارے مولا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہوئے اور ان کا ارشاد ہر قول سے زیادہ سچ ہے الا سالوا الحدیث یعنی کیوں نہ پوچھا جب خود نہ جانتے تھے کہ عجز کا علاج تو سوال ہی ہے اور بے شک وہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک برابر فرضیت نماز و دیگر فرائض کی طرح علانیہ وظاہر متواتر ہے بلکہ وہ ہر انسان کی جبلی بات ہے خواہ وہ مومن ہے خواہ کافر ہے لہٰذا ہر گروہ کے عوام کو دیکھو گے کہ اپنے یہاں کے اہل علم و دانش کے پاس آتے اور جنہیں اپنا طبیب سمجھتے ان سے مرض جہل کی دوا پوچھتے ہیں اس لیے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جان رہے ہیں کہ ہم اسی طور پر اپنے فرض سے ادا ہوں گے اب ان سے پوچھیے یہ تقلید سے تھا یا اجتہاد سے، عنقریب تمہیں وہ خبریں لا کر دے گا جسے تم نے توشہ نہ بندھوادیا تھا یا آپ خود ہی

[1] سنن ابی داود کتاب الطهارة باب المجدور یتیمم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴۹، سنن دار قطنی کتاب الطهارة باب جواز التیمم لصاحب الجراح حدیث ۷۱۸ دار المعرفة بیروت ۱/ ۴۳۵، مشکوٰة المصابیح باب التیمم الفصل الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵

عن قولک لی ارغب الیک ان تعلمنی وانا عائذ باللہ ان یکون سؤلک سؤل متعنت عنید بل سؤل طالب للحق مستفید فباجتہاد اتیتنی ام بتقلید فان الامر دین والعبث فیہ من صنیع المفسدین فلیس عن اعتقاد حکم محید ولا اعتقاد الا عن منشأ سدید وقد انحصرفی الاجتہاد و التقلید ثم اذلم تہتد وانت تخدم الطلبۃ مذثلثین عاما لدلیل یدلک علی استحباب التقلید فضلاً عن وجوبہ فضلا عن افتراضہ قطعاً وابراما فسواء علیک ان یکون عندک حکم فی القضیۃ من تحریم اوکراھۃ او اباحۃ شرعیۃ اوانت شاک فیما ھناک اوشاک و شاک فی انک شاک ایًّا ماکان فلا محیدلک من تجویزجواز ترک التقلید وتلقی الاحکام من الکتاب المجید لکل عامی جھول بلید لایعرف الغث من السمین ولا الشمال من الیمین ولا الظلمات ولا النور ولا الظل ولا الحرور اذلولاہ لما اعتراک شک شائک فی وجوب التقلید علی اولئک فضلا عن الاستحباب	اپنے اس حال بولیے جو آپ نے مجھے لکھا کہ میں آپ کی طرف آرزو لاتا ہوں کہ مجھے تعلیم فرمائیے اور میں اللہ عزوجل کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ آپ کا سوال کسی باطل کوش سرکش کا سوال ہو بلکہ حق طلب فائدہ خواہ کا سوال ہے تو اب آپ میرے پاس اجتہاد سے آئے یا تقلید سے کہ یہ معاملہ دین کا ہے اور دین میں لہو مفسدوں کا کام ہے تو کسی نہ کسی حکم کے اعتقاد سے چارہ نہیں اور اعتقاد حاصل نہ ہوگا مگر منشاء درست سے اور اجتہاد و تقلید میں منحصر ہو چکا پھر جب کہ آپ نے اس تیس برس کی خدمت طلبہ میں دلیل استحباب تقلید کی طرف ہدایت نہ پائی چہ جائے فرضیت قطعیہ یقینیہ، تو اب آپ پر یکساں ہے خواہ آپ کو تقلید کا کوئی حکم معلوم ہو کہ وہ شرعاً حرام یا مکروہ یا مباح ہے یا آپ کو شک ہو یا حکم میں شک ہو اور اس میں بھی شک ہو کہ آپ کو شک ہے بہرحال اس سے مفر نہیں کہ آپ تقلید چھوڑنا اور قرآن مجید سے احکام نکالنا ہر ایسے عامی جاہل احمق کے لیے جائز جانیں جسے نہ لاغر وفربہ میں تمیز ہو، نہ دہنے بائیں میں، نہ اندھیری پہچانے نہ روشنی نہ سایہ نہ دھوپ کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان لوگوں پر تقلید خود واجب ہونے میں کوئی خلش ڈالتا ہوا شک آپ کو پیش آتا نہ کہ استحباب نہ کہ تقلید سے بچنے کا ایجاب نہ کہ وجوب تقلید کی کسی خاص ضد پر جھوٹا یقین

فضلا عن الزام الاجتناب فضلا عن التیقن الکذاب بخصوص نوع من اضداد الایجاب ولا وربک لن یستقیم لک ذٰلک الا باحد مسلکین من اشنع المسالک موقعین السالک فی اسؤ المھالک زعم ان الناس عن اٰخرھم من اھل الاجتھاد فی جل مایحتاجون الیه فلھم یدان باستنباط الا حکام وابتداع سبیل اخر الی تعرفھا غیر التقلید والاجتھاد فیعلمون من دون علم ولا استعلام وانا اعیذک برب المشرقین ان تقول بشیئ من ھذین الشطین وان وجدت احدا من رعاع الجاھلین یتفوہ بمثل الباطل المبین فالله الله خذبیدہ والی استعلاج الدماغ ارشدہ واھدہ فقدا خذہ جنون والجنون فنون والدین نصح والنصح یثیب والطبیب اللبیب الحاذق الاریب الاجمل منک قریب دع عنک العوام نبئنی عن نفسک فی تلک الاعوام کیف عبدت الله وعاملتا لعبید اباجتھادام بتقلید و علٰی کل فالانسان علٰی نفسه بصیرة ولو القٰی معاذیرہ ھل انت من شروط الاجتھاد ملی قادر علیه ام عاجز خلی، علی الاخر ما انت اویش انت حتی لایجب علیک التقلید ایسوغ الاجتھاد

اور تمہارے رب کی قسم یہ تمہیں راست نہ آئے گا مگر دوراہوں میں ایک سے جو سخت بری راہوں سے ہیں اور اپنے چلنے والے کو نہایت بدمہلکے میں ڈالنے والی ہیں یا تو گمان اس کا کہ تمام لوگ ہر مسئلے میں جس کی انہیں حاجت ہو اہل اجتہاد سے ہیں انہیں احکام نکالنے پر دسترس ہے یا یہ کہ تقلید و اجتہاد کے سوا ان تمام احکام پہچاننے کا اور کوئی طریقہ گھڑیئے کہ یہ جہال بے علم بے سیکھے احکام جان لیں اور میں آپ کو پروردگار مشرقین کی پناہ میں دیتا ہوں کہ آپ ان دونوں ظالموں میں سے کسی کے قائل ہوں اور اگر کسی کمینے جاہل کو پائیں کہ ایسا صریح باطل بکتا ہے تو للہ خدا کو مان کر اس کا ہاتھ پکڑیئے اور علاج دماغ کی طرف اسے ہدایت کیجئے کہ اسے جنون نے آلیا اور جنون طرح طرح کا ہوتا ہے اور دین خیر خواہی ہے اور خیر خواہی پر ثواب ملتا ہے اور طبیب حاذق عاقل زیرک اجمل اکمل آپ کے پاس موجود ہیں عوامی سے در گزریے خود اپنے حال سے خبر دیجئے آپ نے ان برسوں میں الله کو کیونکر پوجا اور بندوں سے کس طرح معاملہ کیا آیا اجتہاد سے یا تقلید سے، اور بہر تقدیر آدمی کو اپنے حال پر خوب نگاہ ہے اگرچہ حیلے کتنے ہی بنائے، آپ شروطِ اجتہاد سے پُر ہیں، اجتہاد پر قادر ہیں یا عاجز و خالی ہیں، برتقدیر اخیر آپ کیا اور آپ کی حقیقت کتنی کہ آپ پر تقلید واجب نہ ہو کیا ایسے کے لیے اجتہاد جائز ہوگا جو

لعاربليد عائر بائر ذي عي شديد هل هو الاعي بعيد ام لتعرف الاحكام سبيل جديد وها انت حاصره في اجتهاد و تقليد، وعلى الاول هل يسوغ لك الاجتهاد في جميع غصون الشرع ام في بعض دون بعض من فنون الاصل والفرع، على الاخير ما انت فيه مجتهد فعين وما لا فسبيلك فيه فبين، وعلى الاول بل هو المتعين وعليه المعول اذلو لم يحل لك الاجتهاد في جميع المواد لوجب التقليد في بعض الفنون وبالخلو من اهتدائه لم تخل سنون، فيا قريب مالك ورقيب ابن ادريس هات هنيهاتك وافتح الكيس فات بعشر صور مفتريت من مسائل فقه اجتهاديات تكون انت ابا عذرها لا تستند باحد في بناء جدرها لا في بطن ولا في ظهر لا في وردو لا في صدرو لا في جرح ولا تعديل ولا تفريع ولا تاصيل فيظهر الحق ويزول الغرور ولا يغرنك بالله تعالى الغرور وكاني بك مسترشد مما وعيت ان القيت السمع وانت شهيد ان كلامي كان في نفس التقليد من حيث هؤلا اثر فيه للتقييد فلا معنى

عاری بے عقل متزلزل ہالک سخت عاجز ہو تو یہ دور کی گمراہی ہے یا احکام پہچاننے کے لیے کوئی نئی راہ اور ہے اور یہ ہیں آپ کہ خود اجتہاد و تقلید میں اس کا حصر کرچکے ہیں۔ بر تقدیر اول کیا آپ کو علومِ شرعیہ کے تمام اصول و فروع کی شاخوں میں اجتہاد پہنچتا ہے۔ یا کسی میں پہنچتا ہے کسی میں نہیں۔ بر تقدیر اخیر جس میں آپ مجتہد ہیں، اس کی تعیین کیجئے اور جس میں مجتہد نہیں اس میں اپنی راہ بتائیے۔ اور بر تقدیر اول بلکہ وہی خواہ مخواہ مانی ہے اس لیے کہ اگر تمام مواد میں آپ کے لیے اجتہاد حلال نہ ہوتا تو بعض فنون میں ضرور تقلید واجب ہوتی اور یہ برس کے برس اس کی طرف ہدایت پانے سے خالی نہ جاتے تو اب امام مالک کے قریب امام شافعی کے رقیب اپنی پونجیاں دکھائیے اور تھیلی کھولئے فقہی مسائل اجتہادی کی دس گھڑی ہوئی صورتیں لائیے جن کا حکم خاص آپ نے استنباط کیا ہو جس کی بنا کے ظاہر و باطن و اول و آخر وجرح و تعدیل و تفریع و تاصیل کسی بات میں آپ دوسرے کی سند نہ پکڑیں ابھی ابھی حق ظاہر ہوا جاتا اور دھوکا زوال پاتا ہے اور دیکھو تمہیں اللہ کے معاملے میں فریب نہ دے وہ فریبی، اور مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ میرا بیان آپ نے حضور قلب سے کان لگا کر سنا تو راہ پالیے ہوں گے میرا کلام نفس تقلید کی محض ذات میں تھا اس میں کوئی اثر کسی قید کا نہ تھا تو خاص کسی

للسوال عن خصوص نوع وتعيينه و مابان محملا وماكان مجملاً فما الا قتراح لتبيينه اما ان المكلف هل يتخيرام يخير فبحث اخر والكلام فيه فاش مشتهر ولهما ثالث فى الالتزام والكل خارج عن هذا المرام فاياك ثم اياك ان تخلط الكلام وتخرج المقال عن النظام وعليك بالانصاف خير الاوصاف، فان رايت ماالتمسته انت ولم ياتك بدءً انه هو الطريق القويم فذاك المامول من طبعك السليم و ودك القديم ولا فانى اعوذ بربى وربك ان تكابر تحقيقا اوتدابر صديقا وان ابيت فما ان بٰات ما اتيت ولعلك تجد من يجازى بمثل ولا يمل مكابرة ولا يخشى مدابرة والله الهادى وله الحمد فى الاولى و الاخرة وصلى الله تعالٰى على سيدنا ومولانا الامان الامين فاتح الخلق وخاتم النبيين محمد شارع الاجتهاد للماهرين وامر التقليد للقاصرين وعلى اٰله الطاهرين وصحبه

نوع کی تعیین سے سوال کے کوئی معنی نہیں اور جس کلام کا مطلب صاف تھا کوئی اجمال نہ تھا اس کی شرح چاہنا کیا۔ رہا یہ کہ مکلّف بہتر کو چھانٹے یا مختار ہے، یہ دوسری بحث ہے اور اس میں کلام مشہور و معروف ہے اور ان دو کے لیے مسئلہ التزام میں تیسرا اور ہے اور سب اس مطلب سے باہر ہیں تو دیکھو خبر دار کلام کو خلط نہ کرنا اور بات کو اس کے سلسلے سے باہر نہ لے جانا اور آپ پر انصاف لازم ہے کہ وہ بہترین اوصاف ہے۔ پس اگر آپ دیکھیں کہ یہ جواب جو آپ کی خواہش پر آیا اور اس نے خود پہل نہ کی یہی سیدھا راستہ ہے جب تو آپ کی طبع سلیم و دوستی قدیم سے اس کی امید ہے ورنہ میں اپنے اور آپ کے رب کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ آپ تحقیق کے ساتھ مکابرہ کریں یا دوست سے قطع دوستی، اور اگر نہ مانئے تو میں ایسا نہ کروں گا اور کیا عجب کہ آپ کو کوئی ایسا مل جائے جو آپ ہی جیسا برتاؤ کرے، نہ مکابرے سے تھکے نہ قطعِ محبت سے ڈرے، اور اللہ ہادی ہے اور دونوں جہان میں اسی کے لیے حمد ہے، اور اللہ کی درودیں ہمارے سردار و مولٰی و پناہ وامین، آغازِ خلقت وانجامِ رسالت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جنہوں نے ماہروں کے واسطے اجتہاد مشروع کیا اور کوتاہ دستوں کو ان کی تقلید کا حکم دیا، اور ان کی پاکیزہ آل اور غلبہ والے

الطاھرین ومجتھدی ملتہ والمقلدین لھم باحسان الی یوم الدین وبارک وسلم ابدالأبدین اٰمین اٰمین والحمدللہ رب العلمین۔	اصحاب اور مجتہدین ملت اور خوبی کے ساتھ قیامت تک ان کے مقلدین پر اور اللہ کی برکتیں اور اس کا سلام ہمیشگی والوں کی ہمیشگی تک آمین آمین ! اور ساری خوبیاں اللہ کو جو سارے جہان کا مالک ہے۔ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعشر بقین من جمادی الاخرۃ ۱۳۱۹ھ

خط دوم عرب صاحب بقبول ہدایت اُولٰی واستفادہ مسئلہ اُخرٰی

بخدمۃ[عہ۱] حضرۃ العالم الفاضل جناب مولوی[عہ۲] احمد رضا خاں صاحب قادری[عہ۳] سلمہ

امابعد حمد اللہ العظیم والصلوۃ والسلام علٰی نبیہ الکریم فاقول بعد السلام علیک ورحمۃ اللہ و برکاتہ ان کتابک المنبی عماعندک فی التقلید و فرضیتہ القطعیۃ قدوصل وبہ السرور قد حصل لازلت موفقا ومھدیا ولکن قد بقیت مسئلۃ اخرٰی ھی قرینۃ لمسئلۃ التقلیدوھی مسئلۃ القول بان لاولیاء اللہ رضی اللہ عنھم	اللہ کی حمد اور اس کے نبی کریم پر درود و سلام کے بعد میں السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد کہتا ہوں کہ آپ کا نامہ تقلید اور اس کی فرضیتِ قطعیہ میں آپ کے اعتقاد سے خبر دینے والا آیا اور خاص اسی کے سبب بے شک سرور حاصل ہوا آپ ہمیشہ توفیق پائیں اور ہدایت کے ساتھ رہیں، لیکن ایک مسئلہ اور باقی رہ گیا ہے وہ اسی مسئلہ تقلید کے متصل مذکور ہے اور وہ مسئلہ اس کہنے کا ہے کہ اولیاء اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم

عہ۱: ھکذا بخطہ ۱۲۔ عہ۲ ھکذا بخطہ ۱۲ عہ۳: ھکذا بخطہ ۱۲

I.T. Majlis of Dawateislami

تصرف عـــہ فی العالم بمعنی ان الکاملین من البشر قد فوض الیھم انتظام جزء من العالم ومنھم من فوض الیہ العالم کلہ فمنھم من ھو مثل الوزیر و منھم من ھو مثل العمال ومنھم من ھو مثل الاعوان ولا اقول ان التصرف لیس لہ الاھٰذا المعنٰی بل انا لا استبشع الا ھذا المعنی فان کان علی التصرف بھذا المعنی دلیل من الشرع فافدنی بہ وان کان للتصرف معنی غیر بشع فعلمنیہ۔والسلام محمد طیب۔ویا سیدی انی لما تأملت جوابک عن مسئلۃ وجوب التقلید وجدتک تقول ان کلامک فی التقلید المطلق لا فی المقید افترید ان التقلید الخاص لشخص معین غیر واجب فان کان ھذامراد ک فعرفنا بہ والا فبین لنا مطلبک ولیس مراد نا من مخاطبتک الا لاطلاع علی ما عندک ونسئلک المساحۃ فی التکلیف۔	کے لیے عالم میں تصرف حاصل ہے اس معنی پر کہ کامل آدمیوں کو ایک حصہ عالم کا انتظام سپرد ہوا ہے اور بعض کو تمام جہان سپرد ہے تو ان میں کوئی وزیر کی مانند ہے اور ان میں کوئی کارکنوں کی طرح اور ان میں کوئی سپاہی کی مثل ہے اور میں نہیں کہتا کہ تصرف کے لیے بس یہی معنی ہیں بلکہ میں ناخوش نہیں سمجھتا مگر اسی معنی تصرف پر شرع سے کوئی دلیل ہو تو مجھے افادہ فرمایئے اور اگر تصرف کے کوئی اور معنی ہوں کہ ناخوش نہ ہوں تو مجھے تعلیم کیجئے۔والسلام محمد طیب۔ اور اے میرے آقا! جب میں نے مسئلہ وجوبِ تقلید میں آپ کے جواب کو غور کیا تو آپ کا یہ بیان پایا کہ آپ کا کلام مطلق تقلید میں ہے نہ مقید میں، تو کیا آپ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص معین کی خاص تقلید واجب نہیں۔پس اگر آپ کی یہ مراد ہے تو ہمیں اس کی معرفت دیجئے ورنہ ہم سے اپنا مطلب بیان کیجئے اور آپ کے مخاطبے سے ہماری اسی قدر مراد ہے کہ جو کچھ آپ کے نزدیک حکم ہے وہ ہمیں معلوم ہوجائے اور ہم اس تکلیف دہی میں آپ سے معافی مانگتے ہیں فقط۔

مترجم غفراللہ لہ گزارش کرتا ہے کہ عرب صاحب کا یہ دوسرا خط ایک مدت کے بعد ماہِ رجب میں آیا، حضرت عالم اہلسنت دام ظلہم اندر تشریف فرماتھے۔دروازے پر ایک سید صاحب تشریف رکھتے تھے، عرب صاحب کا فرستادہ کوئی لڑکا انہیں خط دے کر روانہ ہوا۔جب خط ملاحظہ عالیہ

عـــہ: ھکذا بخطہ ۱۲۔

حضرت مکتوب الیہ میں حاضر ہوا اگرچہ مدت سے دورہ درد کمر شروع ہوگیا اور بخار بھی تھا مگر فوراً جواب دینا چاہا، خط لانے والے کے لیے ارشاد ہوا ذرا ٹھہریں۔ معلوم ہوا کہ وہ تو اسی وقت چلتا ہوا اور وہ سید صاحب اسے پہچانتے بھی نہیں کہ کون تھا کہاں گیا۔ حکیم مولوی خلیل اللہ خاں صاحب بریلوی رامپور سے وطن واپس تشریف لانے والے تھے ان کا انتظار کرکے دوسرے مفاوضہ عالیہ ان کے ہاتھ مرسل ہوا۔

مفاوضہ دوم حضرت عالم اہلسنت مدظلہ بجواب خطِ دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

سمع سامع حسن بلاء اللہ فینافلوجھہ الکریم الحمد حمدا یکفینا، ومن کل داء باذنہ یشفینا، ومن کل عاھۃ بمنہ یقینا، ویزیدنا بفضلہ ھدی ویقینا والصلوۃ والسلام علٰی والینا، وسیّدنا وھادینا وشافعنا وشافینا الارأف بنا من امھاتنا وابینا خلیفۃ اللہ الاعظم فی العالمینا، الموِلّی علینا وعلٰی ماخلفنا وما بین ایدینا وعلٰی الہ وصحبہ الفائزین فوزاً مبینا، واولیائہ المتصرفین فی العالم باذنہ تمکینا، وعلینا بھم ولھم اجمعینا، ویرحم اللہ من قال امینا، امّا بعد فجاء الکتاب وسربہ قلوب الاحباب لمافیہ افصاح	جوکان رکھتا ہو ہم پر اللہ تعالٰی کی خوبی نعمت سنے اسے کی وجہ کریم کے لیے وہ حمد ہے جو ہمیں بس ہو اور باذنِ الٰہی ہمیں ہر مرض سے شفا بخشے اور باحسان ربانی ہمیں ہر آفت سے بچائے اور بفضلِ خداوندی ہمیں ہدایت ویقین زیادہ فرمائے، اور صلوۃ وسلام ہمارے والی ہمارے مولٰی ہمارے ہادی ہمارے شافع ہمارے شافی پر جو ہم پر ہمارے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہیں تمام جہان میں سب سے بڑے نائب خدا ہیں ہم پر اور تمام آئندہ مخلوق اور گزشتہ خلقت سب پر والی و حاکم ہیں اور انکے آل واصحاب پر کہ روشن کامیابی سے کامیاب ہیں اور ان کے اولیاء پر کہ ان کے حکم سے قابو پا کر عالم میں تصرف کرتے ہیں اوران سب کے صدقے میں ان کی برکت سے ہم پر، اور اللہ کی مہر آمین کہنے پر، بعد حمد وصلوۃ واضح ہو خط آیا اور دلِ دوستاں نے سرور پایا کہ اس سے قبولِ حق صاف پیدا تھا اور

بقبول الصواب واقتراح فی مسئلة اخری لکشف الحجاب وھکذادیدن اولی الالباب یردون ناھلین مناھل العباب لیرتووا ویرووا من یروہ فی تباب، فاردت وحق لی من فوری الجواب وان کان للحمی بحمای اقتراب و جع فی الخاصرة قدطال وطاب کفارة للذنوب ان شاء الوہاب والی الان منه بقیة للذھاب فانبئت ان الاٰتی بالکتاب اٰب وغاب و لم ادرمن ھو والٰی این ثاب حتی جاء اخی وانسی وسرور نفسی الحکیم المولوی خلیل اللہ خان حفظه اللہ الی یوم الحساب فاجبت ان ارسل علٰی یدیه الجواب لان مثل الکتاب لااحب ان یکون الاباصطحاب وبرنا نستعین فی کل باب،نعم قد قلت واقول ان مقولی الذی کان عنه السؤال انما کان فی التقلید من دون تقیید لکن یا اخی ھل یشعر الحکم علٰی مرسل بنفیه عن شیئ فی حوزہ دخل فمع قطع النظر عن ان سوالک ھذا المجدد علٰی ان لایرٰی له منشؤ مسدد ان اشعر اشعر بنفی الفرضیة اٰیة فرضیة للقطع مرضیة فماذا الوثوب الی الوجوب وھاانت	ایک اور مسئلے سے پردہ کشائی کی درخواست تھی اور خردمندوں کا یہی دستور ہے کہ پیاسے ہوں تو دریائے عظیم کے گھاٹ پر آتے ہیں کہ آپ سیراب ہوں اور جسے ہلاک ہوتا دیکھیں اسے سیراب کریں، میں نے چاہا اور خود یہی مجھے سزاوار تھا کہ فوراً جواب دوں اگرچہ تپ کر میرے بدن سے قریب تھا اور کمر میں درد کہ مدتوں رہا اور اچھا ہوا اللہ چاہے تو گناہوں کا کفارہ تھا اور ابھی اس کا بقیہ جانے کو باقی ہے اتنے میں مجھے خبر ملی کہ آرندہ پلٹ گیا اور غائب ہوا اور مجھے نہ معلوم ہوا کہ وہ کون تھا اور کہاں واپس گیا یہاں تک کہ میرے۔برادر مونس و سرورِ قلب حکیم مولوی خلیل اللہ خاں کہ اللہ تعالٰی قیامت تک ان کا نگہبان ہو،آئے تو میں نے ان کی معرفت جواب بھیجنا چاہا کہ ایسے خطوط میں مجھے یہی پسند ہے کہ کسی کے ساتھ ہی مرسل ہوں اور ہم معاملے میں اپنے رب کی مدد چاہتے ہیں، ہاں بے شک میں نے کہا اور اب کہتا ہوں کہ میرا وہ کلام جس سے سوال ہوا بے کسی تخصیص کے محض تقلید میں تھا مگر برادرم! کیا کسی مطلق پر حکم ایسی کسی شے سے نفی بتاتا ہے جو اس کے احاطہ میں داخل ہے تو قطع نظر اس سے کہ آپ کے اس سوال تازہ کا شاید کوئی صحیح منشا نظر ہی نہ آئے وہ کلام اگر بالفرض مشعر ہوگا تو خاص سے نفی فرضیت کا، کیسی فرضیت جو یقین کے لیے پسندیدہ ہے تو یہ وجوب کی طرف کود جانا کیسا اور ہاں یہ ہیں آپ سلیم طبیعت والے

ذاذوقريحة سليمة قدابان ابن اخت خالتك الكريمة ان البون بين الواجب والفرض كمثله بين السمآ والارض بل قد اظهر ان الفرض علمی وعملی وان الكلام هٰهنا فی العلمی فمالی اراه يعف وينكر ويخيّرويذهل عمايخبر وان اولته بالافتراض القطعی فلم يقل به احد فی الخصوص النوعی نعم اذا اتضح لک الحق فی مبحث قدسبق فاعلن بافتراض التقليد المطلق فمثلک بالاعتراف للحق احق ثم ان اردت ان تصدر بالحق عماوردت فاجبنی اولاً عما سألتك وطريت الجواب ان كيف عملك وعلمك بمحلك ومجالک فی هذاالباب الی غير ذلک مما فصلته فی اول كتاب ثم اذا انت من اخوانه العلم وقد قلت اخدمه مذثلثين سنة فلايظن بک ان تلا تعمل اوتعمل وانت عن حكم سبيله فی غفلة وسنة وقد علمت ان ابناء الزمان فی ذاالمنهج ليسوا علٰی شان بل هم بين مكفّرومحّرم ومجوّز وملزم و مخيّر ومتخيرّ ومطلق و

خود آپ کی خالہ کریمہ کا بھانجا ظاہر چکا کہ واجب وفرض میں زمین وآسمان کا فرق ہے بلکہ یہ روشن کرچکا کہ فرض دو قسم ہے، علمی و عملی، اور یہاں گفتگو علمی میں ہے، تو اب کیا وجہ ہے کہ میں اسے پاتا ہوں کہ پہچان کر شناسا ہوتا ہے اور خود خبر دے کر بھولا جاتا ہے اور اگر آپ اسے فرضیتِ قطعیہ سے تاویل کریں تو خاص نوع میں اس کا کوئی قائل نہیں، ہاں جب کہ گزشتہ بحث میں آپ پر حق واضح ہوگیا ہے تو تقلید مطلق کی فرضیت کا اعلان دیجئے کہ آپ جیسے کو حق کا اقرار زیادہ سزاوار ہے پھر اگر آپ چاہیں کہ جہاں آئے وہاں سے حق کے ساتھ پلٹئے تو اولاً ان امور کا جواب دیجئے جو میں نے سوال کیے اور آپ نے جواب نہ دیئے اور آپ کا عمل کیونکر رہا اور آپ اس میں اپنا مرتبہ واقتدار کہاں تک جانتے ہیں اور اسکے سوا اور سوالات جو نامہ اول میں میں نے بہ تفصیل لکھے پھر جب کہ آپ برادرانِ علم سے ہیں اور خود اپنے منہ سے تیس سال سے اس کے خادم رہے ہیں تو یہ تو آپ پر گمان نہ ہوگا کہ آپ عمل ہی نہیں کرتے یا عمل کرتے ہیں تو اس طرح کہ اس کی راہ کے حکم سے غفلت وخواب میں ہیں، اور آپ کو خوب معلوم ہے کہ ابنائے زمان اس مسلک میں ایک حال پر نہیں بلکہ کوئی کفر کہتا ہے کوئی حرام، کوئی جائز، کوئی واجب، کوئی تخییر کی راہ چلتا ہے کوئی تخیر کی۔ کوئی مطلق

حاصر فی الاربعۃ الاکابر وقائل بالتلفیق ومائل فیہ الی التفسیق ومبیح فی اعمال لا فی عمل و مرخص و ناہٍ بعد العمل فہٰذہ عدۃ مواضع ولھم فی کلھا مشارع ومنازع ومن طلب الحق و جانب المراء فلیس الکلام معھم علی حد سواء فعین لی ثانیا فی جمیعھا ما انت سالکہ لتخاطب علی منسک انت ناسکہ ثم ائت اخاک سائلا مستفیدا لا صائلا عنیداً اولن فی یدہ وانقد بقودہ فمنھما سألک عن شیئ فاجب و ایمنا سار بک فاقصد واقترب فبعون الھہ لیسلکن بک صراط سوی ویستدرجک حتی یوقفک علی منزل الھدٰی ولربما لایعرف بدءً بعض مقاصدہ ثم یحمد اُخراحسن مواردہ فمن طلب الحق فہٰذا السبیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اما سؤلک عن تصرف الاولیاء فی العالم واعترافاک انک لا تستشبع من معانیہ الا ما تعلم فان کان مرادک بتفویض امر مایوجب معاذ اللہ

کہتا ہے، کوئی چار اکابر میں محصور کرتا ہے، کوئی تلفیق مانتا ہے، کوئی اسے فسق بتانے کی طرف جھکتا ہے، کوئی کہتا ہے مختلف اعمال میں جائز ہے نہ ایک میں، کوئی عمل کے بعد رخصت دیتا کوئی منع کرتا ہے۔ تو یہ متعدد مواضع میں اور لوگوں کے لیے ان سب میں مختلف راہیں مختلف ماخذ ہیں اور جو حق کا طالب اور جدال سے مجتنب ہو تو ظاہر ہے کہ ان سب کے ساتھ گفتگو ایک روش پر نہیں تو ثانیاً ان تمام مواضع میں اپنا مسلک معین کیجئے کہ آپ سے اسی روش پر کلام ہو۔ اس کے بعد اپنے بھائی کے اِس طلبِ فائدہ کے لیے آیئے نہ حملہ آور ہٹ دھرم بن کر اور اس کے ہاتھ میں نرم ہو جایئے جو کچھ پوچھے بتایئے، جہاں لے چلے قصد کیجئے اور قریب ہو جایئے تو قسم ہے کہ وہ اپنے رب کی مدد سے آپ کو سیدھی راہ لے جائے گا اور آپ کو آہستہ آہستہ چلائے گا یہاں تک کہ منزلِ ہدایت پر کھڑا کردے گا اور بے شک بارہا ابتداء میں اس کے بعض مقصد پہچان میں نہ آئیں گے پھر انجام کار اس کی خوبی مورد کی حمد ہوگی تو جو طالبِ حق ہو تو راہ یہ ہے اور اللہ ہمیں کافی ہے اور اچھا کام بنانے والا، رہا عالم میں تصرف اولیاء سے آپ کا سوال اور آپ کا اقرار کہ اس کے معانی سے آپ وہی ناخوش سمجھتے ہیں جو آپ کے علم میں ہے اگر سپرد کردینے سے آپ کی وہ مراد ہو جو معاذ اللہ

تعطیل ذی الامر کملک فی الدنیا ولی ازمة امر الٰی بعض الامراء فتنفذ احکامه فیه غنیة عن احکام الملک فی خصوص ماجری بل من دون عمله بما حدث واعتری وکذلک بالعون والوزیر من هو للملک معین ونصیر یتحمل عنه بعض ماعلیه من الاوزار والاثقال ویفیده عونا فیما یهمه من الاعمال و الاشغال فهذا لا شک بشع شنیع لامحص بشع بل کفر فظیع وحاش لله ان یتوهمه احد من المسلمین بل کافرا ایضا اذا کان من الموحدین فاستبشاعک اذن انما یرجع الی معنی باطل اخترعه توہم عاطل ماله فی المسلمین عین ولا اثر ومن ساء بهم ظنا فقد کذب وفجر وان کان معناک واجیرک بالله ان یکون مرماک ان البشع ان یکون المولٰی سبحنه وتعالٰی شرف جمعا من عباده المکرمین بان اذن لهم فی التصرف فی العلمین من دون ان یجری فی مبلکه الاّ مایشاء اویکون لغیره ذرة من ملک فی ارض وسماء اویتوهم هناک

مالکِ امر کو معطل کردینے کی موجب ہو جیسے دنیا کا کوئی بادشاہ کسی کام کی باگیں ایک امیر کو سپرد کرے تو اس میں اس امیر کے احکام نافذ رہیں گے اور خاص خاص وقائع میں احکامِ شاہی کے محتاج نہ ہوں گے بلکہ جو واقعہ نیا پیدا ہوا اور جو پیش آیا بادشاہ کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی اور ایسے ہی سپاہی و وزیر سے وہ مراد ہو جو بادشاہ کی اعانت و یاروی کرے اس پر سے بعض بوجھ اور بار اٹھالے بعض کاروشغل میں جن کی بادشاہ کو فکر تھی اسے مدد دے کر فائدہ پہنچائے تو بے شک ناخوش و قبیح ہے، نہ صرف ناخوش بلکہ سخت ہولناک کفر ہے اور خدا کی پناہ کہ اس کا وہم گزرے مسلمان بلکہ کسی کافر کو بھی جب کہ خدا کو ایک جانتا ہو، اس تقدیر پر آپ کا ناخوش جاننا ایک ایسے معنی باطل کی طرف راجع ہے جسے بے اصل وہم نے گھڑلیا، مسلمانوں میں نہ اس کا وجود نہ نشان، اور جو مسلمانوں پر بدگمانی کرے وہ جھوٹا اور بدکار ہے اور اگر آپ کی مراد یہ ہو (اور میں آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں کہ یہ آپ کی مراد ہو) کہ ناخوش یہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنے گرامی بندوں سے ایک گروہ کو شرف بخشے انہیں عالم میں تصرف کا اذن دے بغیر اس کے کہ اس کے ملک میں بے اس کے چاہے کچھ ہوسکے یا اس کے غیر کے لیے زمین یا آسمان میں کوئی ذرہ بھر ملک ہو یا یہاں کسی قدر معطل ہونے یا بوجھ اٹھانے،

شیئ من تعطیل اوتحمل وزراء وتخفیف ثقیل کما اذن سبحنہ لجبریل ومیکائیل وعزرائیل وغیر ھم من مقربی حضرۃ الجلیل علیھم الصلوۃ والسلام بالتبجیل فی تدبیرالقطر والمطر والزرع والنبات والریاح والجنود والحیواۃ والممات وتصویر الاجنۃ فی بطون الامھات وتیسر الرزق وقضاء الحاجات الٰی غیر ذٰلک من حوادث الکائنات وھم فیما بینھم علٰی منازل شتی کما انزلھم ربھم حتما وبتّا سلاطین و وزراء واعوان وامراء فھذا مایقولہ المسلم والامراء ھذا کلام اللہ قولا فصلا وحکما عدلاقائلا "فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝" [1] توفتہ رسلنا "قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ"۔ [2] "وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَ یُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً ؕ"۔ [3] "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ"۔ [4] "اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ"۔ [5]

بار بار ہلکا کرنے کا وہم گزرے جیسے اس پاک بے نیاز نے جبریل ومیکائیل وعزرائیل وغیرہم مقربانِ بارگاہ عزت علیہم الصلوۃ والتحیۃ کو بوندوں اور بارش اور روئیدگی اور ہواؤں اور لشکروں اور زندگی اور موت کی تدبیر اور ماؤں کے پیٹ میں بچوں کی تصویر اور خلق کے لیے روزی آسان اور حاجتیں روا کرنے اور ان کے سوا اور حوادثِ کائنات کا اذن دیا ہے اور وہ قطعاً یقیناً اپنے آپس میں مختلف مرتبوں پر ہیں جسے اس کے رب نے جو مرتبہ بخشا ہے بادشاہ ووزیر و سپاہی و امیر، تو یہ بات بے شک مسلمانوں کے کہنے کی ہے اور یہ ہے اللہ کا کلام فیصلہ کرنے والا، ارشاد اور عدالت والا حاکم فرمارہا ہے، قسم ان کی جو کاموں کی تدبیر کرتے ہیں، اسے ہمارے رسولوں نے وفات دی، تو فرما تمہیں ملک الموت وفات دیتا ہے جو تم پر مقرر فرمایا گیا ہے۔ اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان، آدمی کے لیے بدلی والے ہیں اس کے آگے اور پیچھے کہ اس کی حفاظت کرتے ہیں خدا کے حکم سے جب وحی بھیجتا ہے تیرا رب فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ثابت قدمی بخشو ایمان والوں کو۔

[1] القرآن الکریم ۷۹/ ۵
[2] القرآن الکریم ۳۲/ ۱۱
[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۱
[4] القرآن لکریم ۱۳/ ۱۱
[5] القرآن الکریم ۸/ ۱۲

" اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍۙ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍؕ﴿۲۱﴾ "[1]۔ " اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا﴿۱۹﴾ "[2] " اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةًؕ "[3] " یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ "[4] " اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِۙ﴿۱۸﴾ وَ الطَّیْرَ مَحْشُوْرَةًؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ﴿۱۹﴾ "[5] " فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَۙ﴿۳۶﴾ "[6] " وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍۙ﴿۳۷﴾ "[7] " وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ "[8] " هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴿۳۹﴾ "[9] " وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ "[10] " وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُؕ "[11]	بے شک وہ ایک عزت والے زبردست رسول کی بات ہے کہ مالک عرش کے حضور جس کی عزت ہے وہاں اس کا حکم چلتا ہے امانت والا ہے۔ میں تو یہی تیرے رب کا رسول ہوں اور میں تجھے ستھرا بیٹا عطا کردوں، بے شک میں زمین پر نائب بنانے والا ہوں۔ اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا۔ بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑوں کو قابو کردیا پاکی بولتے ہیں پچھلے دن اور سورج چمکتے اور پرندوں کو مسخر کردیا گروہ کے گروہ جمع کیے ہوئے، سب اس کی طرف رجوع لاتے ہیں، تو ہم نے سلیمان کے قابو میں ہوا کو کردیا کہ سلیمان کے حکم سے نرم نرم چلتی ہے جہاں وہ چاہے اور دیو مسخر کردیئے، اور ہر راج اور غوطہ خور اور بندھنوں میں جکڑے ہوئے، یہ ہماری دین ہے تو چاہے دے چاہے روک رکھ بیحساب میں مادر زاد اندھے اور سپید داغ والے کو اچھا کرتا ہوں اور میں مردے جِلادیتا ہوں، خدا کے حکم سے، لیکن اللہ اپنے رسولوں کو قابو دیتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۱،۲۰،۱۹

[2] القرآن الکریم ۱۹/۱۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۰

[4] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۶

[5] القرآن الکریم ۳۸/ ۱۸۔۱۹

[6] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۶

[7] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[8] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۸

[9] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۹

[10] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[11] القرآن الکریم ۵۹/ ۶

"اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ" [1] "حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ" [2] "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ" [3] "وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ" [4] منهم فنبئنی بعلم ماذا تستبشع فیه انما عهدی بك عقولا غیر سفیه واللّٰه الهادی وولی الایادی وللعبد الضعیف فی هذا الباب کتاب جامع نافع مستطاب یهدی المستهدی الی الصواب ویردی المستهوی الی التباب جارٍ طبعه باذن الوهاب سمیته الامن والعلٰی لناعتی المصطفی بدافع البلاء (۱۳۱۱ھ) ولقبته باکمال الطامه علٰی شرك سوی بالامور العامه (۱۳۱۱ھ) تجدفیه ستین اٰیة وثلٰث مائة احادیث تمیز الطیب من الخبیث وفیما تلوت کفایة لاولی الدرایة و	جس پر چاہے۔انہیں غنی کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔ہمیں خدا بس ہے اب دیتا ہے ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول۔اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں کاموں کے اختیار والے ہیں۔اور اگر اسے لاتے رسول کے حضور اور اپنے ذی اختیاروں کے سامنے تو ضرور اس کی حقیقت جان لیتے وہ جو ان میں بات کی تہہ کو پہنچ جانے والے ہیں۔تو اب علمی راہ سے کہیے اس میں آپ کو کیا برا لگتا ہے،اور میں نے آپ کو جب دیکھا تھا عاقل غیر سفید ہی پایا تھا اور اللہ ہادی اور نعمتوں کا مالک ہے۔اور بندہ ضعیف کی اس باب میں ایک کتاب جامع نافع مستطاب ہے کہ ہدایت چاہنے والے کو راہِ حق دکھاتی اور تباہی میں گرنے والے کو ہلاک کرتی ہے،بحکم الٰہی زیر طبع ہے میں نے الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء (۱۳۱۱ھ) اس کا نام اور اکمال الطامہ علٰی شرک سوی بالامور العامہ (۱۳۱۱ھ) لقب رکھا ہے اس میں ساٹھ آیتیں اور تین سو حدیثیں پائیے گا کہ طیب کو خبیث سے جدا کرتی ہیں اور جو آیتیں اس وقت میں تلاوت کیں عاقلوں کو وہی

---

[1] القران الکریم ۷۴/۹

[2] القران الکریم ۵۹/۹

[3] القران الکریم ۴/ ۵۹

[4] القران الکریم ۴/ ۸۳

باللہ الهداية والحفظ والوقاية والحمدللہ فی البداية والنهاية وصلی اللہ تعالٰی علی الوالی الاعظم والمولی الاکرم والمولی الاقدم والہ وصحبه قادة الامم واولیائه المتصرفین باذنه فی العالم وعلینا بهم وبارك وسلم اٰمین۔ کتـــــــــــــــــــــــبه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم للیلتین خلتامن شعبان ۱۳۱۹ھ	کافی ہیں اور اللہ ہی کی طرف سے ہدایت اور حفظ و نگہبانی ہے۔اور سب تعریفیں اللہ کو آغاز و انجام میں۔اور اللہ کی درودیں والی اعظم و مولائے اکرم وحاکمِ اقدم اور ان کے آل و اصحاب پیشوایان اُمت اور ان کے اولیاء پر کہ ان کے حکم سے عالم میں تصرف فرماتے ہیں اور ان کے صدقے میں ہم پر اور اللہ کی برکت اور سلام،امین(ت) کتـــــــــــــــــــــــبه عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من شعبان ۱۳۱۹ھ

مترجم: کہتا ہے غفرلہ اس صحیفہ شریفہ کے بعد تین مہینے کامل انتظار ہوا،عرب صاحب کی طرف سے جواب نہ آیا،آخر تین مہینے تین دن کے بعد عالیجناب نواب مولوی محمد سلطان احمد صاحب قادری دام مجد ہم کے ہاتھ کہ پنجم ذی القعدہ کو رامپور تشریف لیے جاتے تھے تیسرا صحیفہ شریفہ بہ تقاضائے جواب سوالات مرسل ہوا۔

مفاوضہ سوم از حضرت عالم اہلسنت مدظلہ بتقاضائے جواب سوالات دو[۲] مفاوضہ سابقہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم،نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم،وبعد فهٰذا رابع شهرمذارسلت الکتاب و لم تحرالجواب وقدکان کصاحب السابق الماضی علیه خمسة شهور مشتملا علٰی اسئلة دینیة لامعة النور فلم تجب عن هذا ولا عن ذاك مع	بسم اللہ الرحمن الرحیم،نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم،بعد حمد وصلوۃ یہ چوتھا مہینہ ہے کہ میں نے خط بھیجا اور آپ نے جواب نہ دیا اور یہ خط بھی پہلے کی طرح جسے پانچ مہینے گزرے ہیں روشن و تاباں سوالاتِ دینیہ پر مشتمل تھا آپ نے نہ اس کا جواب دیا نہ اس کا،حالانکہ یہ سلسلہ خود آپ ہی نے شروع کیا تھا۔

مع انك انت البادی فیما هناك وانا امهلك عدة ایام اُخر لتجیب مفصلا عن كل مستطر فان مضی یوم الخمیس تاسع هذاالشهر النفیس ولم یأت منك الجواب تبین انك غلقت الباب و طویت الصحف وجف القلم بما سیجف ولله الحمد فی الاولٰی والاخرة والصلوات الزاهرة والتحیات الفاخرة علٰی سیدنا وصحبه وعترته الطاهرة امین۔ کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لخمس خلون من ذی القعدة یوم السبت ۱۳۱۹ھ	میں آپ کو چند دن کی اور مہلت دیتا ہوں کہ جتنے سوالات لکھے ہیں سب کا مفصل جواب دیجئے، اگر روز پنجشنبہ کہ اس نفیس مہینے کی (دسویں عہ) ہوگی گزر گیا اور آپ کی طرف سے سوالات کا جواب نہ آیا تو ظاہر ہوگا کہ آپ نے دروازہ بند کرلیا اور دفتر لپیٹ دیئے اور قلم خشک ہوجائے گا جس بات پر عنقریب خشک ہونے والا ہے اور اللہ ہی کے لیے اوّل وآخر میں حمد ہے اور چمکتی درودیں اور گرامی تحیتیں ہمارے مولٰی اور انکے اصحاب وآلِ طاہرین پر، آمین! (ت) کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم پنجم ذی العقدہ بروز شنبہ ۱۳۱۹ھ

مترجم: غفرلہ کہتا ہے مسلمان ملاحظہ فرمائیں کہ اس صحیفہ منیفہ میں سوا تقاضائے جواب کے کیا تھا، عرب صاحب کی نسبت کون سا سخت کلمہ تھا مگر ہوا یہ کہ عرب صاحب جوابوں کے عجز سے بھرے بیٹھے تھے وہ سوال ان پر پہاڑ سے زیادہ گراں تھے ڈر تھا کہ مبادا جواب طلب ہوا تو کیا کہوں گا جب پہلے کو پانچ اور دوسرے کو تین مہینے گزر گئے دل میں کچھ مطمئن ہوئے ہوں گے کہ شاید قسمت کا لکھا ٹل گیا مگر افسوس کہ ناگاہ ادھر سے تقاضوں کا پہاڑ ٹوٹ ہی پڑا۔ اب رنگ بدل گیا اور وہ عجز جس سے بھرے بیٹھے تھے جہل بن کر اُبل گیا۔ اس صحیفہ شریفہ کا پہنچنا اور طیب صاحب کا نام کی طیب وپاکیزگی سے اپنی ذاتی اصالت کی طرف پلٹ جانا، اگلے مراسلات میں طرفین کے محاورات

عہ: پنجشنبہ کی دسویں خود اسی صحیفہ شریفہ کی تاریخ سے ظاہر تھی کہ پنجم روز شنبہ ارشاد فرمائی، لفظ تاسع سبق قلم تھا اور خود پنجشنبہ صراحۃً مذکور ہونا رفع التباس کو بس تھا۔ مہلت پنجشنبہ تک عطا ہوئی وہ تاسع ہو یا عاشر ۱۲ مترجم۔

دیکھئے اور اب اس تحریر ثالث کو ملاحظہ کیجئے۔

خط سوم عرب صاحب بہ تبدیل رنگ واظہار خشم بے درنگ

وصلتی خطك المورخ عــہ۱ ۵ذوالقعدۃ ۱۱ عــہ۲ ۱۱ ذو القعدۃ فکیف اجیبك یوم التاسع ولکن امتثالا لا مرك سیأتیك الجواب الذی تعلم بہ اننی ماسکت عن الجواب الاصیانۃ لاغلاطك ان تظہر ولجھلك ان یشھر ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت وای غریم فی التقاضی غریمھا۔ محمد طیب"	مجھے تمہارا خط پانچویں ذوالقعدہ کا لکھا گیارہویں ذوالقعدہ کو پہنچا تو میں نویں تاریخ کو کیسے تمہیں جواب دوں، مگر آپ کا حکم ماننے کو عنقریب آپ کے پاس وہ جواب آتا ہے جس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ میں جواب سے صرف اس لیے خاموش رہا تھا کہ تمہاری غلطیوں کو ظاہر ہونے اور تمہاری جہالت کو تشہیر سے بچاؤں اب جانا چاہتی ہے لیلیٰ کہ کیسے قرض کا اس نے لین دین کیا اور اس کا قرض خواہ تقاضا کرنے میں کیسا قرض خواہ ہے۔ محمد طیب"

مترجم: غفرلہ کہتا ہے کہ تقاضائے جواب پر عجز کی جھنجھلاہٹ نے عرب صاحب کو ایسے غیظ میں ڈالا کہ ذرا سے کارڈ میں بدحواسیاں صادر ہوگئیں، مثلاً پہلی بدحواسی کہ ابتداء میں القاب وآداب درکنار اللہ عزوجل کا نام بھی چھوٹا، پہلے دونوں خط مسلمانی طریقے پر بسم اللہ شریف یا حمد وصلوۃ سے آغاز تھے اس کی ابتداء یہیں ہے کہ وصلنی خطک (تمہارا خط پہنچا) دوسری بدحواسی براہِ طنز وسخریہ ایک پرانا شعر عــہ۳ لکھ دینے کا شوق چرایا تو ایسے بہکے کہ اپنے ہی کو لیلیٰ بنایا۔

عــہ۱: ھکذا بخطہ دام فی خبطہ ۱۲ عــہ۲: ھکذا بخطہ لازال فی خبطہ ۱۲

عــہ۳: یہ شعر ایک عجیب قصیدے کا ہے جس کی تفصیل مضامین جناب مولوی عبدالحق صاحب خیرآبادی بیان کرتے تھے اگرچہ قصیدہ یہاں سے متعلق نہیں مگر الشیئ بالشیئ یذکر اک لخ پر بات یاد آجاتی ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

حق برزبان جاری شود، یہ نہ دیکھا کہ کون مدیون ہے کون قرضدار ہے سوالات کا قرضہ کس پر سوار ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) دوستان علم وادب کے لیے اسی کے بعض اشعار کہ اس وقت یاد آئے تحریر ہوتے ہیں، زبان عرب کا مستند شاعر اپنی ایک کنیز کی شان میں کہتا ہے۔

عجبت للیلٰی زنجبار اشتریها
وکاتبتها کیما یتم نعیمها
فما صنعت الا الاباق مدینة
وما ابقیت الا دینی ندیمها
ستعلم لیلٰی ای دین تداینت
وای غریم فی التقاضی غریمها
تمکت بحکم الرق ثم تهنّدت
اباقا وسیما الزنج فی القلب سیمها
توڈّوا لو درس الخیانة لیتنا
مدرّسة للغدر فیما نقیمها
ترفضت الخنّاء ثم تنشّرت
تعدّی الدواء الداء عی حکیمها
فلیلٰی وان کان اسمها طیبا غدت
خبیثة نفیس یرتضیها لئیمها
ورُبّ مسمّی کاذب یعبق اسمه
برائحة ما فی المسمّی نسیمها
کمهلکةٍ تدعی بعکس مفازةً
وکافورة زنجیة بان شیمها
الیلی الیلٰی ای دفارِ هجوتِ من
اتته المعالی صفوها وصمیمها

مجھے زنجبار کی لیلٰی سے تعجب آتا ہے میں نے اسے خریدا اور مکاتب کیا تھا کہ اس کی آسائش پوری ہو (یعنی اتنا مال اپنے کسب سے کمائے تو تو آزاد ہے) اس نے کچھ نہ کیا سوا اس کے کہ میرا دین لے کر بھاگ گئی اور وہ نہ بھاگی مگر اس حال پر کہ میرا دین اس کے ساتھ ہے اب جانا چاہتی ہے لیلٰی کہ کیسے قرض کا اس نے لین دین کیا اور اس کا قرض خواہ تقاضا کرنے میں کیسا قرضخواہ ہے۔ کنیزی کے باعث مکیہ بنی پھر بھاگ کر ہندیہ ہوگئی اور زندگی صورت کی علامتیں دل میں موجود ہیں خیانت کے درس والے تمنا کرتے ہیں کاش ہم اسے اپنے یہاں بے وفائی کی تعلیم دینے پر مدرس مقرر کریں وہ سڑا ہندی پہلے تو رافضن بنی پھر نیچریہ ہوگئی، دوا کی حد سے مرض بڑھ گیا۔ اس کا حکیم اس کے علاج سے عاجز آیا تو لیلٰی اگرچہ نام کی پاکیزہ ہے نفس کی خبیثہ ہے کہ اسے نفس کا کمینہ پسند کرے گا اور بہت جھوٹے نام کے مسمے ہوتے ہیں کہ نام ایسی خوشبو سے مہکتا ہے کہ مسمے میں جس کی ہوا بھی نہیں جیسے جائے ہلاک کو برعکس مفازہ یعنی جائے نجات کہتے ہیں اور زن زنگیہ کو جس کی سیاہیاں ظاہر ہیں۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

کس سے تقاضا ہے کس پر چڑھائی ہے غریم نے کس کی جان پر بنائی ہے۔

چھائی جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

خیر، ع

مہرباں آپ کی خفت مرے سر آنکھوں پر

تیسری بدحواسی اسی خط تقاضا پہنچتے ہی یاران سرپل میں کچریاں پکیں وہابیت کی فوج مقہوریت موج (جو حضرت نواب خلد آشیاں مرحوم مغفور کے عہد سنیّت مہد میں کرے جوتے کے نیچے دبی تھی سر اٹھانے بلکہ مذہب بتانے کی جان نہ تھی اب کچھ کچھ کھل کھیلی اور گریز کرکے پر پرزے نکال چلی ہے) ہل چلی مچی پرانے پرانوں کا سہارا لگانے سنت کے خلاف پر ندوہ منانے سے کمیٹی میں یہ رائے پاس ہوئی کہ عرب صاحب نے بہت مدتوں سے دشمنی تقلید میں سر کھپایا، برسوں دود چراغ کھایا، کچھ خرافات مزخرفات کا ملغوبا جمع کر پایا ہے۔ سوالات کے جواب کو توا ڑان گھائی بتائیے اور وہ پچھلی محنتوں کا سارا نتیجہ بنام جواب آگے لائیے۔ جب بعون اللہ تعالٰی دندان شکن رد ہوگا۔ اس وقت تو وہ عوام کے آگے ناک رہ جائے گی کہ دیکھو۔ ع

ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں

خط تقاضا چھٹی ذی القعدہ روز ایک شنبہ کو پہنچا تھا، آٹھویں تک کمیٹی میں یہ رائے جم پائی اور وہ جواب بہ صد پیچ وتاب تحریر ہوا کہ جواب پیچھے سے دیں گے، صحفیہ تقاضا میں پنجشنبہ تک کی مہلت مقرر فرمادی تھی، اس کا یہ جواب سوچا کہ خط ہمیں ۱۱ ذی القعدہ روز جمعہ کو پہنچا ہم پنجشنبہ تک جواب کیونکر دیتے یہاں تک تو عیاری وچالاکی سے کام لیا گیا۔ اب عجز کی بدحواسی اپنی جھلک دکھاتی ہے کمیٹی وہابیت نے ایسے کذب صریح کی رائے دی تھی تو لفافے میں بھیجنا تھا کہ کذب پر لفافہ رہتا عام شخصوں پر ثبوت نہ ہوسکتا مگر بدقسمتی سے کارڈ میں لکھا جس پر روانگی ووصول کی مہرہائے ڈاک نے واضح کردیا کہ بعنایت الٰہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

دعی عنك تهجاء الرجال واقبلی
لك الحظ لا للا خيليّة

کافورہ نام رکھتے ہیں اے لیلٰی اے لیلٰی اری گندی تو نے اس کی ہجو کہی جسے صاف وخاص بلندیاں حاصل ہوئیں، مردوں کی بدگوئی سے درگزر اور آکہ میں لیلٰے اخیلیّہ کا نہیں تیرا حصہ ہے ۱۲ مترجم۔

حضرت کا یہ فریب نامہ سہ شنبہ ۸ ذی القعدہ کو ڈاک خانہ رامپور سے روانہ ہو کر چہار شنبہ نویں ذی القعدہ کو خدمت اقدس بندگان حضرت مکتوب الیہ میں باریاب ہولیا یعنی لکھے جانے سے دو چار دن پہلے ہی پہنچ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ عرب صاحب کی ان خوبیوں پر بھی حضرت عالم اہلسنت مدظلہ العالی نے اسی علم سے کام لیا جو ارباب علم کو اہل جہل کے ساتھ شایان ہے بغور ملاحظہ فریب نامہ مذکورہ ڈاکخانہ سے رسید لے کر یہ صحیفہ چہارم امضاء ہوا۔

مفاوضہ چہارم حضرت عالمِ اہلسنت دام ظلہ بجواب خطِ سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وبعد فجاء الکتاب ولم یات الجواب ولست متفرغا للجھل والسباب ووصولہ قبل وجودہ بیومین عجب عجاب وبعد قد بقی علیك من الیوم الی الغد الوقت الموعود فان مضی ولم یأت الجواب علم ان بابك مسدود وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علی صاحب المقام المحمود والہ وصحبہ العز السعود والحمد للہ الغفور الودود۔ کتـــــــــــــــــــبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لتسع خلون من ذی القعدۃ ۱۳۱۹ھ یوم الاربعاء	بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم بعد حمد وصلوۃ واضح ہو خط آیا اور جواب نہ آیا اور جہالت کی باتوں اور گالی گلوچ کی مجھے فرصت نہیں اور اس خط کا عالمِ ایجاد میں آنے سے دو دن پہلے یہاں پہنچ جانا سخت تعجب کا اچنبھا ہے اور ہنوز آج سے کل تک آپ کے لیے روز موعود کا وقت باقی ہے اگر وہ گزر گیا اور جواب نہ آیا تو معلوم ہوگا کہ آپ کا دروازہ بند ہے، اور اللہ تعالٰی کے درود و سلام و برکات صاحب مقام محمود اور ان کے آل واصحاب نور و سعادت والوں پر اور سب خوبیاں اللہ کو جو گناہ بخشے اور اپنے بندوں سے محبت فرمائے۔ کتـــــــــــــــــــبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لتسع خلون من ذی القعدۃ ۱۳۱۹ھ روز چہار شنبہ

مترجم: غفرلہ کہتا ہے کہ روزِ موعود گزرا اور جمعہ گزرا اور جواب نہ آیا تو اس صحیفہ پنجم نے امضا پایا۔

مفاوضہ پنجم حضرت عالم اہلسنت دام ظلہ باعلام تمامی حجّت

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وبعد فقد مضی امس یومك الموعود بل زاد علیہ الیوم الموجود یوم الجمعۃ المبارك المسعود ولم یأت منك شیئ من المردود فانجلی الحجاب وانتھی الخطاب والحمد للہ الکریم الوہاب ولن یقبل منك ھذا الا الانقیاد لما ارشدناك الیہ من الحق والرشاد والحمد للہ العلی الجواد والصلوۃ و السلام علی سید الاسیاد محمد والہ وصحبہ الامجاد، امین۔ کتـــــــــــــــــــبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاحدی عشرۃ مضین من ذی القعدۃ ۱۳۱۹ھ	بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، بعد حمد وصلوۃ بلاشبہہ کل آپ کا روز موعود گزر گیا بلکہ آج کا دن روزِ مبارک وہمایوں جمعہ اور زائد ہوا اور آپ کی طرف سے کچھ جواب نہ آیا تو پردہ کھل گیا اور مخاطبہ تمام ہوا اور سب خوبیاں اللہ کریم بہت عطا فرمانے والے کو، اور آپ سے کچھ پذیر نہ ہوگا مگر اس حق وصواب کے لیے مطیع ہونا جس کی طرف ہم نے آپ کو ہدایت کی اور سب تعریفیں اللہ بالا وبے غرض بخشندہ کو اور درود وسلام سب سرداروں کے سردار محمد اور ان کے آل واصحاب معززین پر آمین۔ کتـــــــــــــــــــبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ بمحمدن النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یازدہم من ذی القعدۃ ۱۳۱۹ھ

مترجم: غفرلہ کہتا ہے الحمد للہ حضرت عالم اہلسنت کے ساتھ عرب صاحب کا مکالمہ ختم ہوا اور عرب صاحب کا جوابوں سے عجز روشن وآشکار ہوگیا۔

ذلك بان اللہ ھو الحق وان اللہ لایھدی کید الخائنین والحمد للہ رب العلمین وقیل بعدا للقوم الظّٰلمین۔

زیادتِ افادت

عرب صاحب کی خوبی تہذیب اور اس کے جواب میں حضرت عالمِ اہلسنت کا حلم عجیب ناظرین نے ملاحظہ فرمایا اب مستفیدانِ بارگاہِ سنّت کا ادب اجمل اور کریمہ۔ "وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ "[1]۔ یہ کریمانہ عمل بنظرِ اعتبار مشاہدہ کیجئے۔ مکرمنا مولوی محمد واعظ الدین صاحب اسلام آبادی قادری برکاتی سلمہ الہادی نے اگرچہ عرب صاحب کے خطِ سوم میں کلماتِ جہل واشتلم ملاحظہ فرما کر آیہ کریمہ "وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ"[2] پر عمل چاہا مگر اثر تادیب و کمال تہذیب کہ عرب صاحب کو معذور ہی رکھا اور ان کی نسبت کلام خوبی واکرام ہی لکھا سارا قصور نفس امارہ پر طویلے کی بلا بندر کے سر۔

نامی نامہ مولانا واعظ الدین صاحب بجواب ہماں خط سوم عرب صاحب

بسم اللہ الرحمن الرحیم	بسم اللہ الرحمن الرحیم ط
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم،	نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط
الی جناب الفاضل الوسیع المناقب السنیع المناصب المولوی طیبّ صاحب دامت عنایتهم	بجناب فاضلِ فراخ مناقب نیکی مناصب مولوی طیب صاحب دام عنایتہم۔
امّا بعد فاتت الیوم کریمتکم المسطورۃ ونمیقتکم الغیر المسطورۃ ضحی تاسع ذی القعدۃ یوم الاربعاء فوجدناها علی خلاف ماهو المامول من العلماء وایضًا علی خلاف ماعهد منکم فی اختیها السالفتین فعلمنا انها لیست من قبل قلبکم بل رشحۃ من النفس الامارۃ بالشین اذلیس فیها	بعد حمد و صلوۃ واضح ہو آج نہم ذی القعدہ روز چار شنبہ وقت چاشت آپ کی گرامی کتابت اور بے پردہ عـــہ تحریر آئی ہم نے اس رنگ کے خلاف پائی جس کی علماء سے توقع تھی نیز اس طرز کے مخالف آئی جو اس کی دو اگلی بہنوں میں آپ کی طرف سے معروف رہے تو ہم نے جانا کہ وہ آپ کے قلب کی طرف سے نہیں بلکہ نفس امارہ کے چھینٹوں سے جو بکثرت عیب کی طرف داعی ہے اس لیے

عـــہ: بے پردہ دو وجہ سے، ایک تو کارڈ پر تھی دوسرے برہنہ گوئی ۱۲ مترجم

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۳

جواب سوال الا كذب وفحش وجهل بضلال فسيدنا العلامة عالم اهل السنة مدظله ودام فضله لما كشف عن خدرها ووقف على هذرها وهجرها لم يجد عليكم لاجلها بل "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩﴾ " [1] علما منه بان لا معصوم الا من عصم الله فكيف يؤخذ بجهل النفس صديق قديم ماكان يرضاه ولكنا نحن خدام العتبة العلية فی عجب عاجب من هذه القضية كتاب يكتب ١١ ذی القعدة الحرام ويصل لحضرة المكتوب اليه تاسع الشهر من ذلك العام وانا لموقنون انكم من مثل هذا الكذب الجلی معزولون وانما هو من تعاجيب نفس امارة ولم تدر السفيهة ان منها على	کہ اس تحریر میں جھوٹ اور زبان درازی اور بہکی ہوئی جہالت کے سوا کسی سوال کا جواب نہ تھا تو ہمارے سردار علامہ عالمِ اہلسنت مدظلہ و دام فضلہ نے جب کہ اس کا پردہ کھولا اور اس کی بے ہودہ سرائی و پریشان گوئی پر وقوف پایا اس کے سبب آپ پر کچھ غضب نہ فرمایا بلکہ اس کی بات سے ہنستے ہوئے مسکرائے اور دعا کی کہ اے میرے رب! میرے دل میں ڈال کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو کہ تو نے مجھ پر اور میرے باپ دادا پر فرمائیں اور میں وہ بھلا کام کروں جو تجھے پسند آئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرمالے۔ وجہ یہ کہ حضرتِ والا کو معلوم ہے کہ معصوم تو وہی ہے جسے اللہ عزوجل نے عصمت عطا فرمائی تو نفسِ امارہ کی جہالت کے باعث ایک پرانے دوست پر جو ایسی باتوں کو ناپسند رکھتا تھا کیا مواخذہ ہو مگر خادمانِ آستانہ والا اس معاملے میں سخت عجب میں ہیں خط لکھا جائے تو جائے ذی القعدۃ الحرام کی گیارہویں کو اور حضرت مکتوب الیہ کے پاس پہنچے اسی سال اسی ذی القعدہ کی نویں کو، ہم کو یقین ہے کہ آپ ایسے سفید جھوٹ سے برکنار ہیں یہ تو اسی نفس امارہ کی انوکھیاں ہیں اور وہ احمق یعنی نفس امارہ عـــه کی شرارت یہ نہ سمجھی کہ اسکے جھوٹ

عـــه: نفس زبان عربی میں مونث ہے یہاں مطابقت ترجمہ کے لیے شرارت نفس یا شریرہ مکتوب ہوئی۔ ۱۲ مترجم

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۹

كذبها لدليل وامارة فان تاريخ ارسال القرطاس فی طابع بوسطه رامفور ۱۸ فروری یوم الثلثاء و تاریخ وصوله فی طابع بوسطة بریلی ۱۹ فروری یوم الاربعاء وهی تزعم انها کتبت ۲۱ فروری یوم الجمعة الغراء فیالها من ولادة قبل الحمل مالها نظیر فی خارج ولا عقل، و لایخفی علی جنابکم الرفیع ان مثل هذا الاحتیال الشنیع لا تقضی الابوقاحة المحتالة ولا تفضی الا الی فضیحة الفعالة وماهی الا النفس الامارة اماقلبکم فلم یرض عاره ولا عوراه فتبین انها لو ارسلت الجواب لجاء قبل یوم الخمیس کهذا الکتاب ولٰکنها عجزت فمکرت وکذبت وهجرت وزعمت انما بهذا سترت فواحش جهلها ولا والله ظهرت فیا مولانا الفاضل الکامل ان اسألك بما رزقت من العلم و الفضائل ان تکبح عنا نها عن الجهل والفحش و الرذائل وقل لها یا هذه تمضی الشهور وتنقضی الدهور و لاتردین الجواب ولوان السؤال کان طلاقًا علیك لخرجت من العدة وحللت للخُطّاب	پر خود اس کی طرف سے دلیل وعلامت موجود ہے کہ مہر ڈاک خانہ رامپور میں روانگی کارڈ کی تاریخ ۱۸ فروری سہ شنبہ ہے اور مہر ڈاکخانہ بریلی میں پہنچنے کی تاریخ ۱۹ فروری روز چار شنبہ اور وہ شریرہ یہ بکتی ہے کہ اس نے یہ کارڈ ۲۱ فروری روز روشن جمعہ کو لکھا تو یہ پیش از حمل ولادت تو نہایت ہی عجیب ہے جس کی نظیر نہ خارج میں ہے نہ ذہن میں، اور آپ کی جناب میں پوشیدہ نہیں کہ ایسے برے حیلے کا حکم نہیں ہوتا مگر اس سخت بدافعال کی رسوائی اور وہ حیلہ گر بدکار کون ہے یہی نفسِ امارہ کی شرارت آپ کا قلب تو اس کذب و مکر کے عار و عیب پر راضی نہیں تو ظاہر ہوا کہ وہ شریرہ اگر جواب بھیجتی تو اس کارڈ کی طرف جمعرات سے پہے آجاتا مگر وہ تو عاجز آئی لہذا فریب کیا اور جھوٹ بولی اور بے ہودہ بکا اور سمجھی کہ اس تدبیر سے اس کے جہل کی بے حیائیاں چھپ گئیں حالانکہ خدا کی قسم ظاہر ہوگئیں، تو اے مولانا فاضل کامل ! آپ کو جو علم و فضائل ملے انہیں ذریعہ بنا کر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ جہل اور فحش اور کمینہ باتوں سے اس شریرہ کی باگ روکیے اور فرمائیے کہ اے فلانی ! مہینے گزریں، زمانے پلٹیں اور تو جواب نہ دے اگر بالفرض وہ سوال تجھ پر طلاق بھی ہو تو تو ضرور اتنی مدت میں عدت سے نکل کر پیام دینے والوں کے لیے

ثم اذا طولبت فحشتِ وهذرت و خدعتِ ومكرتِ والى الأن عليك باقية من الزمان الى انقضاء الخميس الموعود فان مضٰى ولم يصل جوابك ففحشك و جهلك عليك مردود ولا والله يا امارة جهلت على عالم واحتملت اثما احتملت لن يقبل منك الا الجواب عن كل ماسئلت و لا تظنی ان يلتفت العلماء الفحول الى ماتشحنين به جرابك من الجهل و الفضول نعم ان طعنيت وبغيتِ والجهل بغيتِ فلعلك تجدين من يجهل عليك فوق ماتجهلين فتعضّى على يديك "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾"[1]۔ ع دعی عنك تهجاء الرجال واقبلی الخ والسلام علٰى من اتبع الهدى وصلى الله تعالٰى عليه وسلم وبارك على المولى المصطفٰى واله وصحبه دائمًا ابدًا۔ كتبه الفقير واعظ الدين القادری الاسلام آبادی غفرله المولى الهادی لتسع خلون من ذی القعدة ۱۳۱۹ھ	حلال ہو گئی ہوتی پھر جب تجھ سے جوابوں کا مطالبہ ہو تو تُو فحش و بے ہودہ بکے اور مکر و فریب کرے اور ابھی روز موعود پنجشنبہ گزرنے تک تجھ پر کچھ زمانہ باقی ہے پس اگر وہ گزر گیا اور تیرا جواب نہ پہنچا تو تیرا فحش و جہل تیرے ہی منہ پر مارا جائے گا اور قسم بخدا اے وہ امارہ جو ایک عالم سے جہل کے ساتھ پیش آئی اور حاملہ ہوئی جس گناہ کی حاملہ ہوئی زنہار تجھ سے پذیرانہ ہوگا مگر ان تمام سوالات کا جواب دینا جو تجھ سے کیے گئے ہیں اور یہ گمان نہ کرنا کہ علماء فحول اس جہل و فضول کی طرف التفات کریں جس سے تو اپنی بوری بھر رہی ہے ہاں اگر تو سرکشی اور زیادتی کرے اور جہل ہی چاہے تو کیا عجب کہ تجھے کوئی ایسا مل جائے جو تیرے جہل سے بڑھ کر تجھ سے جہل کرے پھر تو اپنے ہاتھ چباتی رہ جائے اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس پلٹے پر پلٹا کھاتے ہیں۔ مردوں کی ہجو گوئی سے در گزر اور الخ اور سلام ان پر جو ہدایت کے پیرو ہوئے اور اللہ تعالٰی کے درود و سلام و برکات مولٰی مصطفٰی اور ان کے آل واصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ۔ راقم واعظ الدین قادری اسلام آبادی غفرلہ المولی الہادی نہم ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

خاتمہ

وہ سوالات کہ عرب صاحب سے کیے گئے اور انہوں نے جواب نہ دیئے اور انہیں بار بار مطلع کردیا ہے کہ بے ان کے جواب کے آپ کی خارجی باتیں مسموع نہ ہوں گی۔

س ۱: کچھ احکامِ شرع ایسے ہیں یا نہیں کہ ابتداءً ان کا علم بے نص صریح یا اجتہاد مجتہد کے نہ ملے گا۔

س ۲: کیا تمام آدمی جمیع احکام کے عالم، معانی نصوص کو محیط، اجتہاد پر قادر ہیں؟

س ۳: کیا جاہلان عاری شتران بیمہار ہیں ان پر شریعت کے احکام نہیں؟

س ۴: ان کے لیے احکامِ الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے اس سبیل کا اختیار ان پر فرض، واجب، جائز کیسا ہے؟

س ۵: آپ نے اپنی عمر تک اللہ تعالٰی کو کیونکر پوجا اور بندوں سے کس طرح معاملہ کیا، اجتہاد سے یا تقلید سے، آپ شروط اجتہاد سے پُر ہیں یا خالی؟

س ۶: آپ کو علوم شرعیہ کے تمام اصول وفروع میں اجتہاد پہنچتا ہے یا بعض میں؟ برتقدیر اخیر جس میں آپ مجتہد ہیں، اس کی تعیین کیجئے اور جس میں نہیں اس میں اپنی راہ بتایئے۔ برتقدیر اول فقہی مسائل اجتہادی کی دس گھڑی ہوئی صورتیں لایئے جن کا حکم خاص آپ نے استنباط کیا ہو جس کی بنا کے ظاہر و باطن وجرح وتعدیل وتفریع وتاصیل میں آپ دوسرے کی سند نہ پکڑیں۔

س ۷: تقلید شخصی آپ کے نزدیک کفر ہے یا حرام یا مباح یا واجب؟

س ۸: ائمہ واقوال میں ہر مکلّف نامجتہد کو تخییر ہے یا حکم تخیر اور اس کی کیا سبیل؟

س ۹: یہ تخییر یا تخیُّر مطلق ہے یا چار اکابر میں محصور؟

س ۱۰: تلفیق فسق ہے یا جائز؟

س ۱۱: مختلف اعمال میں یا ایک میں بھی؟

س ۱۲: قبل عمل یا بعد میں؟

عرب صاحب کو اب ہم مطالبان حق اپنی طرف سے از سر نو دو ہفتے کی مہلت دیتے ہیں ختم سال تک ان مسائل کا مفصل جواب دے دیں جس بات میں اجمال رہے گا یا آپ کے بیان پر ایضاح حق

کے لیے اور سوال پیدا ہوگا پھر عرض کرکے صاف کرلیا جائے گا یہاں تک کہ بعونہ تعالیٰ حق واضح ہو واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ وصحبہ امین۔ سید عبدالکریم قادری غفرلہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

تنبیہ: جواب مفصل ہوں مواقع ضرورت وعدمِ ضرورت وغیرہا قیود وتخصیصات جو مکنون خاطر ہوں مصرح ہوں ورنہ مطلق اطلاق پر محمول رہے گا اور بعد ورود واعتراض ادعائے تخصیص وتقیید وتاویل مسموع نہ ہوگا۔

تنبیہ: ہر سوال کا جواب مدلل ہو اور اپنے لیے جو منصب قرار دیجئے دلائل اس منصب کے نصاب پر مکمل ورنہ بے محل سرود مطبوع نہ ہوگا، والحمد للہ اولا واخرا والصلوۃ علی رسولہ والہ باطنًا وظاھرًا امین۔

عرب صاحب کی تہذیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

اس کے بعض نمونے تو عرب صاحب کے خط سوم میں جو آپ کو اسی رسالہ کے صفحہ ۳۲۴ پر ملے گا، ملاحظہ ہوں مگر عرب صاحب کی جو رودادِ تہذیب وانسانیت اب رامپور میں چھپ رہی ہے اس کی نسبت بعض علمائے کرام ساکنانِ رامپور کی مرسلہ تحریر نے عجب خبریں دی ہیں ذرا استماع فرمائیے۔

بملاحظہ مخدومی مکرمی جناب مولوی سید عبدالکریم صاحب زید مجدہم، تسلیم، مولوی طیب صاحب عرب ایک رسالہ بنام ملاطفۃ الاحباب چھپوا رہے ہیں، اس کے بیانات کی بے حد غلطیاں تو اہل علم جانیں گے مگر طرزِ کلام میں نہایت تہذیب وانسانیت کو کام فرمایا ہے میں نے حضرت عالم اہلسنت کے خطوط انہیں کے رسالے میں دیکھے جس میں صرف عالمانہ کلام ہے مگر ان صاحب کی غصہ ناک تحریر نے کوئی دقیقہ بدزبانی کا اٹھا نہ رکھا، اس کے بعض اوراق چھپ گئے ہیں انہی سے کچھ انتخاب ملاحظہ ہو۔

ص ۴: یہ شخص خود اپنا کہا نہیں سمجھتا۔

ص ۶: یہ شخص مسلمانوں کا بھی مخالف ہے اور عاقلوں کے بھی خلاف۔

ص ۱۲: یہ شخص ان لوگوں میں ہے جو اپنا گھر اپنے ہاتھوں بھی خراب کرتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے بھی یہ یہودی کا بیان ہے۔

ص ۱۴: بیڑیاں پاؤں میں ہیں اور مکر کرتا ہے۔
ص ۳۰: ناصرِ بدعت دشمنِ موحدین مکفّرِ محدثین۔
ص ۳۰: علمی مذاکرے کے لائق نہیں۔
ص ۳۲: آپ کاٹے اور چِلائے۔
ص ۳۳: مردہ بے حیات یہاں تک کہ ص ۱۵ سطر ۱۱ میں صریح فحش تک تجاوز کیا ہے۔

ایسی ناپاک تحریر کا اگر آپ یا اور کوئی صاحب رد لکھیں تو بہتر یہ ہے کہ حلم سے کام لیں جو شانِ علم ہے۔ والسلام ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ انتہٰی۔

ہمیں اپنے معزز دوست کی یہ رائے بجان و دل منظور ہے، تحریر دیکھی جائے گی، اگر سوا ایسی ہی خرافات کے کچھ نہ ہوا تو اہلِ علم بلکہ ہر عاقل کے نزدیک وہ آپ ہی اپنا جواب ہے ورنہ اس کی زبان درازیوں سے اعراض ہوگا اور اس کی جہالتوں پر بعون اللہ تعالٰی اعتراض عرب صاحب اپنی تہذیبوں کا جواب اگر عرب کی مثل سے چاہیں تو اول العی الاحتلاط یعنی جو عاجز آتا ہے غصے میں بھر جاتا ہے۔ **ومن اطاع غضبه اضاع ادبه:** جو غصے پر چے گا ادب ہاتھ سے کھوئے گا۔ **البغل التغل وهولذلك اهل يعنى لؤم اصله فخبث فعله:** اگر اشعار سے چاہیں تو کثیر عزہ کے یہ دو شعر بس ہیں۔

يكلفها الخنزير شتمی ومابها	هوانی ولكن للمليك استذلت
هنيئًا مريئًا غير داء مخاصر	لغرة من اعراضنا ما استحلت:

یعنی ؎

بدم گفتی وخرسند عفاک اللہ نکو گفتی !	جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

(تونے برا کہا اور میں خوش ہوں اللہ تعالٰی تجھے معاف فرمائے تونے خوب کہا۔ کڑوا جواب شیریں سخن سرخ ہونٹوں سے اچھا محسوس ہوتا ہے۔ (ت)

یہ تو عرب صاحب کی طرز پر امثال واشعار سے جواب تھے اور ہمارا تیسرا پورا سچا جواب یہ ہے جو ہمارے رب عزوجل نے ہمیں تعلیم فرمایا کہ۔

"سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ ۫ لَا نَبۡتَغِی الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۵۵﴾ "[1]	پس تم پر سلام ہم جاہلوں کے غرضی نہیں (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۵۵

"وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۝" [1]	اور جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔
"وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝" [2] والسلام	اور جب وہ بے ہودہ پر گزرتے ہیں اپنی عزت سنبھالے گزر جاتے ہیں۔(ت)

عرب صاحب کی عربی دانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ عرب صاحب کی تحریراتِ ثلاثہ کا مجموعہ صرف انتیس سطریں ہیں انہیں میں ملاحظہ ہو کہ عربیت وفصاحت کی کیا بہتی نہریں ہیں۔ مثلاً بطور نمونہ معروض:

(۱) ان ص۵ ای قسم من اقسام التقلید فرضًا قطعیا۔ ان کی خبر منصوب

(۲) جمادی ص۵ الثانی مونث کی صفت مذکر۔

(۳) حضرت نے جمادے کا کوئی تیسرا بھی دیکھا ہوگا کہ عرب ثانی بے ثالث نہیں بولتے۔

(۴) مہینے کا علم جمادے الاخرہ ہے اعلام میں تصرف کیسا! (اگر زبر زیر اور آنکھ پر پھلی نہ ہو۔ فافھم)

(۵) بخدمت ص۱۷ حضرۃ العالم بہ تائے کشیدہ یہ متعلق املا ہے۔ خط کی خطاء ہے، بحث فصاحت سے جدا ہے مگر علم کا پتا ہے۔

(۶) جناب ص۱۷ مولوی الف ہضم ہوا تو ہوا لام تو ٹیڑھی کھیر تھا۔

(۷) قادری ص۱۷ موصوف معرفہ صفت نکرہ۔

(۸) القول ص۱۷ بان لاولیاء اللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم تصرف ان کا اسم مرفوع، مگر ہاں ادعائے محدّثی ہے۔

(۹) ۵ ذوالقعدۃ ص۳۲

(۱۰) ۱۱ ذوالقعدۃ مضاف الیہ مرفوع مگر یہ کہیے کہ قلم ہی مرفوع۔

ان کے سوا اور بھی بعض مواقع محل کلام، اور خود عشرۃ کاملۃ ہی کیا کم ہیں، جو آدمی ۲۹ سطریں لکھے اور ۱۰ غلطیاں کرے وہ ضرور فصیح ادیب ہوا، خصوصًا جہاں عربی الاصل ہونے کا ادعاء۔

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۶۳

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۲

بات یہ ہے کہ عرب صاحب کو عرب شریف میں رہنے کا اتفاق بہت کم ہوا، عمر کا زیادہ حصہ ہندوستان میں گزرا بہتر ہو کہ آئندہ عربی کو کم تکلیف دیں، اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو ہی خرچ کریں، تاویلات کا دروازہ کشادہ ہے۔

لاتعدم خرقاء حیلۃ (چتر کے لیے حیلوں کی کمی نہیں۔ت) مگر سعتِ کلام میں مجروح و مطروح و شاذ نا ممدوح کا دامن پکڑنا تسلیم اعتراض ہے گو پردے کے اندر۔

لطیفه

عرب صاحب کا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر افتراء

آپ نے اپنی ادب دانی کھولنے کو چند اوراق کی اہاجی [عہ] لکھی ہے جس میں اطفال مکتب سے کچھ لے دے کر، کچھ ادھر ادھر سے سیکھ سکھا کر دادِ ادب دی ہے اس میں انّ مکسورہ سے شاذ نادر نصب خبر میں حدیث **ان قعر جهنم سبعین خریفا**[1]۔ (جہنم کی گہرائی ستر خریف ہے۔ت) تحریر کی اور بے دھڑک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کردی کہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی الہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا ان قعر جہنم سبعین خریفا، مجتہد صاحب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر یہ کھلا افتراء متداول کتاب تک رسائی محال اور اجتہاد کا ادعاء جنابِ من یہ قول ابوہریرہ فارسی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ اور اس کی نسبت باقی کلام کی ان سطور میں وسعت نہیں۔ آپ کو ہوس ہوئی تو پھر معروض ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی و باللہ التوفیق۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ

یہ مجتہد صاحب تو نیچری کانفرس کے رکن رکین نکلے

جب سے پہلے خط کا جواب گیارامپور سے عرب صاحب کی بدمذہبی کی نسبت متعدد خبریں آیا کیں جن کے سبب اگر حکم بالجزم میں احتیاط رہی مگر کیف وقد قبل طرز کتابت میں تبدیل ہوئی نامہ دوم سے

عہ: بالهاء لا بالحاء ۱۲

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲

القاب وسلام تحریر نہ فرمائے گئے کہ مبتدع کو سلام اور اس کا اعزاز و اعظام شرعاً حرام، فقیر کا یہ رسالہ ۱۵ ذوالحجہ کو تمام و کمال چھپ چکا کہ خبر وثوق نام کے ساتھ آئی کہ عرب صاحب نے نیچریوں کی ممبری پائی، اب ان کی رُوداد تلاش کی گئی، یہاں نہ ملی، نیچریوں سے ویلو منگائی انہوں نے نہ دی بمشکل بعض صاحبوں کے یہاں سے ضمیمہ کانفرنس رامپور ۱۹۰۰ء ملا، دیکھا تو صفحہ ۲۷ پر ط کی ردیف میں سب سے اونچے جلوہ گر ہیں۔ حرص کے نمبر ۲۹۸ دے کر لکھا ہے مولوی محمد طیب صاحب عرف[عہ] مدرس اعلیٰ مدرسہ عالیہ رامپور پانچ روپے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ! اب غیر مقلدی کی شکایت کیا ہے وہاں چوکھا رنگ نیچریت کا چڑھا ہے۔ افسوس عرب کا نام بدنام کیا، ممبری کی اُنچ اُنچی تھی تو اسلامی نام کے بہت جلسے تھی مگر یہ فخر کہاں سے کہ جہاں مولوی طیب صاحب پانچ روپے پر ہیں وہیں طابق النعل بالنعل لالہ بھگوتی پرشاد (۱۲۹) بابو پربھودیال (۱۳۴) لالہ بنارسی داس (۱۲۴) بھی برابر وہمسر ہیں بلکہ لالہ برج کشور (۲۴) منشی بلا قید اس (۲۷) منشی پیارے لال (نمبر ۲۸) وغیرہ وغیرہ آپ سے کمتر ہیں کہ عرب صاحب پانچ روپے کے ممبر، وہ دو دو روپے کے وزیٹر ہیں اگرچہ بابو برہما نند (۱۳۰) بابو بھولا ناتھ (۱۲۶) لالہ برج بھوکن سرنداس (۱۲۸) طیب صاحب کے اوپر ہیں کہ یہ پانچ ہی کے ہوئے وہ دس دس اور پچیس پچیس کے اعلی ممبر ہیں طیب صاحب معاف فرمائیں انہیں ختم سال تک مہلت تھی کہ تلاش روئیداد ہی میں ختم ہوئی۔ ۱۵ محرم ۱۳۲۰ھ تک مہلت سہی اگرچہ جب نیچریت ٹھہری تو اس بحث کی کیا حاجت رہی۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین. آمین۔

نوٹ

جلد ۲۷ کتاب الشتی کے حصہ دوم، مناظرہ ورَدِّ بدمذہبان کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی،

جلد ۲۸ کتاب الشتی کے حصہ سوم سے شروع ہوگی ان شاء اللہ۔

عہ: مطبع مفید عام میں تصحیح کا بھی اہتمام ہے، یہ لفظ یونہی (عرف) چھپا ہے شاید (عرب)، صاحب برج ستارہ ممبری کی (ب) کثرتِ استعمال سے (ف) ہو گئی ۱۲

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۸

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
اٹھائیسویں ۲۸ جلد 9
ضروری بات 10
فہرست مضامین مفصّل 11
فہرست ضمنی مسائل 41
اذان ونماز ومساجد 51
رسالہ 53
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر 53
(منبر کے سامنے ندا ء کے بیان میں عنبر کے شمامے 53
الشمامۃ الاولٰی من عنبر الحدیث 65
(عنبر حدیث کا شامۂ اولٰی) 65
الشمامۃ الثانیہ من صندل الفقہ 113
(شامۂ ثانیہ از صندل فقہ) 113
الشمامۃ الثالثۃ من مسک القران العظیم 156
(قران کریم کے مشک سے تیسرا شامہ 156
الشمامۃ الرابعۃ من عود احراق الخلاف 174
(اختلاف کو خاکستر کر دینے والے عود و عنبر کا چوتھا شامہ 174
اضافات افاضات 335
فضائل ومناقب 361
رسالہ 367
طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ 367
(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی 367

رسالہ 403

فتاوٰی کرامات غوثیہ 403

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند 431

رسالہ 433

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ 433

(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان) 433

رسالہ 469

غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ 469

(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں) 469

رسالہ 491

الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی 491

(سب (متقیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی 491

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوِی الرِّضْوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۸

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۶۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب________فتاوی رضویہ جلد ۲۸
تصنیف________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ
ترجمہ عربی عبارات________حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
پیش لفظ________حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
ترتیبِ فہرست________حافظ عبد الستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
تخریج و تصحیح________مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین
باہتمام و سرپرستی________مولانا مفتی محمد عبد القیوم ہزاروی ناظم اعلیٰ تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان
کتابت________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)
پیسٹنگ________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور
صفحات________۶۸۴
اشاعت________محرم الحرام ۱۴۲۵ھ/مارچ ۲۰۰۴ء
مطبع________
ناشر________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
قیمت________

ملنے کے پتے

* رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲
* مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور
* ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور
* شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
فہرست مفصل ۱۱
فہرست مسائل ضمیمہ ۴۱
اذان، نماز، مساجد ۵۱
فضائل و مناقب ۳۶۱

فہرست رسائل

شمائم العنبر ۵۳
طرد الافاعی ۳۶۷
فتاوٰی کرامات غوثیہ ۴۰۳
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ ۴۳۳
غایۃ التحقیق ۴۶۹
الزلال النقی ۴۹۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ (۱۳۲۶ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں اٹھائیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی ستائیس جلدوں کی مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ـــــ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ـــــ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ـــــ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ـــــ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ـــــ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ـــــ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ـــــ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ـــــ جُون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ـــــ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ـــــ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ـــــ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ـــــ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ـــــ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ـــــ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰____اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولٰی ۱۴۲۰____ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰____فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱____جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر____۱۴۲۲____مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____۱۴۲۳____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____۱۴۲۳____اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و لاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ____۱۴۲۳____فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و لاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ____۱۴۲۳____فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب____۱۴۲۴____ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام____۱۴۲۵ مارچ____۲۰۰۴	۷۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری____۱۴۲۵____اگست ۲۰۰۴	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت

مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں [۲۰] جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہذا اکیسویں [۲۱] جلد سے مسائل حظروا باحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں [۲۵] چھبیسویں [۲۶] جلد بھی منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عُبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پروکر مرتبط ومنضبط کر دیا ہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔

(ہ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

اٹھائیسویں ۲۸ جلد

یہ جلد ۲۲ سوالات کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے سوائے رسالہ الزلال الانقی، شمائم العنبر اور تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ کے کہ ان میں سے اول الذکر کا ترجمہ جانشین مفتی اعظم، فقیہ اسلام حضرت علامہ مولانا مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب بریلوی ازھری دامت برکاتہم العالیہ اور ثانی الذکر کا ترجمہ بحر العلوم حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ اور آخر الذکر کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ نے کیا ہے جبکہ فتاوی کرامات غوثیہ پر حواشی حضرت علامہ مولانا جلال الدین قادری کے تحریر کردہ ہیں۔

پیش نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الشتی حصہ سوم کے ابواب، اذان، نماز، مساجد اور فضائل ومناقب پر مشتمل ہے تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل ورسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی تیار کردی گئی ہے تاکہ قارئین کو تلاش مسائل میں سہولت رہے۔

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل چھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر (۱۳۳۳ھ)

مسجد کے اندر اذان خطبہ کے عدم جواز پر انتہائی محققانہ بحث

(۲) فتاوی کرامات غوثیہ

غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب

(۳) الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (۱۳۰۰ھ)

افضلیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بیان

(۴) طرد الافاعی من حمی ھاد رفع الرفاعی (۱۳۳۲ھ)

سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی عظمت کا بیان

(۵)تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ (۱۳۱۲ھ)

اس امر کا بیان کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر اور سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن ہمیشہ نجاست شرک سے پاک رہا۔

(۶)غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (۱۳۳۱ھ)

حضرت صدیق اکبر وحضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا بیان

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگریہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی وتجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پرگامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دوجلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔ فقط

ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ — حافظ محمد عبدالستار سعیدی

جنوری ۲۰۰۵ء — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ

لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

فہرست مضامین مفصّل

اذان، نماز، مساجد		مقدمہ مصنف۔	۵۳
فاسق اگر معلن ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے ورنہ مکروہ تنزیہی، اور اس کا اعادہ بہتر ہے۔	۵۱	حمد وصلوۃ۔	۵۳
یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی۔	۵۲	کسی چیز کی خوبی اور خرابی کا معیار اللہ تعالٰی کا اسے خوب اور نا خوب فرمانا ہے آدمی کی پسند اور ناپسند کو اس میں دخل نہیں۔	۵۵
ولد الزنا اگر حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو تو اسکی امامت مکروہ تنزیہی ہے ورنہ اس کی امامت اولی ہے۔	۵۲	ناپسندیدہ امور کی اشاعت کے اسباب۔	۵۵
ولد الزنا کی خلافت وبیعت کا حکم۔	۵۲	اشاعت منکر کے لیے حکومت کی جد وجہد اور اس کے رسوخ اثر کا استعمال۔	۵۵
رسالہ **شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر** (خطبہ جمعہ کے لئے اذان مسجد سے باہر سنت ہے اور اس کے صحیح موقع ومحل کا مدلل بیان۔	۵۳	متمردین کا اس کو رواج دینے کے لیے آمادہ ہونا۔	۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

علمائے ربانیین کا لوگوں کے اتباع اور قبول حق سے مایوس ہونا۔	۵۵	اندرون مسجد اذان دربار الٰہی کی بیحرمتی ہے۔	۶۱
کسی امر کے نوپید ہونے کی علامت یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا پتا نہ چلے بلکہ اس کے خلاف عمل درآمد ہوتا رہا ہو۔	۵۶	جوف مسجد میں اذان مشروعیت اذان کی مصلحت کے خلاف ہے۔	۶۱
اس کا موجد اور عہد ایجاد پردہ خفا میں ہوتا ہے۔	۵۶	اندرون مسجد اذان پر قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہیں۔	۶۱
وقت کے ساتھ برائی اچھائی اور اچھائی برائی بن جاتی ہے۔	۵۶	اذان اندرون مسجد آج کل بہت سے مقامات پر شائع وذائع ہے مگر اس سے نہ اجماع ہوا نہ توارث۔	۶۱
کسی وقت سنت پر عمل کرانا فطرت بدلنے یا پہاڑ منتقل کرنے یا اپنے پاس سے حکم گھڑنے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔	۵۷	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج۔ (حاشیہ)۔	۶۲
تخریج حدیث (حاشیہ)۔	۵۷	اس بات کا اشارہ کہ آئندہ صفحات میں بعنوان نفحات قرآن وحدیث وفقہ سے ہم اس اذان کا بیرون مسجد ہونا ثابت کرینگے۔	۶۴
عادت کے خلاف حق بات بھی لوگ تسلیم نہیں کرتے۔	۵۷	عنبر حدیث۔	۶۵
قبول حق کے لیے سبقت کرنیوالوں کو بشارت۔	۵۸	شمامہ اولی ونفحہ نمبر اول۔	۶۵
انصاف اور قبول حق کی دعوت۔	۵۸	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں۔	۶۵
مسئلہ دائرہ کا اجمالی بیان۔	۵۹	متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں۔	۶۶
اذان جمعہ خطیب کے سامنے موضع صلوٰۃ سے باہر حدود مسجد میں ہونی چاہیے۔	۵۹	سفیان بن عیینہ اور ابومعاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق۔	۶۷
یہ حدیث ابوداؤد سے ثابت ہے۔	۵۹	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)۔	۶۷
ان چھ مفسرین کا نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا۔	۶۰	امام ابواللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق۔	۷۰
ان فقہاء کے نام جنھوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا۔	۶۰	عاصم بن عبداللہ بن قائد ابن حبان ابویعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات امام ابن ہمام اور امام بخاری وغیرہ کی تصحیح۔	۷۳
تائیدات مزید۔	۶۱		

درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کو ادنی درجہ کی صحیح کہا جاتا ہے۔	۷۴	اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے۔	۷۹
بعض ائمہ نے ابن اسحٰق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا۔	۷۵	راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں۔	۸۰
ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں۔	۷۶	روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی۔	۸۰
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید وتوثیق فرمائی (حاشیہ)۔	۷۶	مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱
محمد ابن عبداللہ، یعقوب ابن ابی شیبہ، ابن حبان، مصعب زبیری کا ابن اسحٰق کی طرف سے دفاع۔	۷۶	امام زین العابدین اور امام زید کا واقعہ۔	۸۲
نفحہ ۲۔	۷۷	ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی۔	۸۳
ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷	صحابہ کے مراسیل مطلقاً مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم وامام مالک وابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ھ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔	۸۳
تشیع، غلو فی التشیع اور رفض کی تعریف۔	۷۷	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مسلک۔	۷۸	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا۔	۸۴
عثمان غنی اور مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما کے درمیان افضلیت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول۔	۷۸	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے۔	۸۵
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے۔	۷۹	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا ہے۔	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار۔	۷۹	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا۔	۸۵
نفحہ ۳۔	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکور روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے۔	۸۶

فتح مکہ کی دوروایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶	نفحہ ۷۔	۹۶
قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس کی تصحیح ہے۔	۸۸	ماولین کی اس تاویل کارد جو خطیب کی پشت پر دروازہ ہونا بیان کرتے ہیں۔	۹۶
کتاب الخراج کی اہمیت۔	۸۸	جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے سال دوسال پہلے بند ہوچکا تھا۔	۹۶
نفحہ ۴۔	۸۹	مجاز در مجاز۔	۹۷
ابوداود میں اس حدیث کا ہونا اس کی صحت کی دلیل ہے۔	۸۹	نفحہ ۸۔	۹۷
ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹	علی باب المسجد سے علی مقابل الباب یصیق المنبر مراد لینا رکیک تبدیلی ہے۔	۹۷
مزید آٹھ اماموں کی توثیق۔	۹۰	اس پر تین ایرادات۔	۹۸
نفحہ ۵۔	۹۳	نفحہ ۹۔	۹۹
حدیث مبحوثہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کو رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے۔	۹۳	اس حدیث میں مجاز بالحذف کی ایک اور رکیک تاویل کارد۔	۹۹
اس قسم کے اختلاف کے اعتبار پر واقع ہونے والے عظیم اعتراض کا ذکر اس سے ان محدثین پر اعتراض ہوگا جو مختلف روایتیں ایک ہی سیاق میں ذکر کرتے ہیں۔	۹۳	ایک اور رکیک تاویل پر قاہر رد (حاشیہ)۔	۹۹
اس سے پیغمبر خدا کی ایک حدیث پر اعتراض خود قرآن عظیم میں ایک ہی واقعہ کمی بیشی کے ساتھ کئی جگہ مروی ہے اس کا کیا جواب ہوگا۔	۹۴	علی باب المسجد کو اعلان اور بین یدیہ کو اذان کہنا بھی نحیف ہے۔	۱۰۲
نفحہ ۶۔	۹۵	اس پر تین ایرادات۔	۱۰۳
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب۔	۹۵		

نفحہ ۱۰۔	۱۰۴	در شفاف، نہر الماد، تقریب، کشاف سے استناد۔	۱۰۹
زمانہ رسالت میں منبر کے محاذی کسی دروازہ کے نہ ہونے کا قول اور اس کارد۔	۱۰۴	تجرید، کشاف، تفسیر نیشاپوری، تفسیر خطیب فتوحات الٰہیہ اور کشف الغمہ کے حوالے۔	۱۱۰
مزید دروازوں کی تفصیل اور ان کا ذکر اور اس امر کی کہ دروازوں کے نام بعد میں رکھے گئے (حاشیہ)۔	۱۰۴	دوسرا شامہ فقہیہ۔	۱۱۳
باب شمالی کے منبر کے سامنے ہونے کی بخاری میں تصریح۔	۱۰۵	نفحہ ۱۔	۱۱۳
نفحہ ۱۱۔	۱۰۵	نصوص فقہاء اذان بیرون مسجد کی تصریح۔	۱۱۳
یہاں دو سنتیں ہیں، اذان کا مسجد کے باہر ہونا، یہ تمام اذانوں کو عام ہے اور اذان خطبہ کا خطیب کے سامنے ہونا یہ اذان خطبہ کے ساتھ خاص ہے روایت زید میں دونوں سنتوں کا بیان ہے۔	۱۰۵	دیوار اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)۔	۱۱۴
اذان جمعہ کے لیے دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں حدود مسجد میں خطیب کے سامنے ہونے کی خصوصیت ہے۔	۱۰۶	اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں۔	۱۱۶
مخالف کے اعتراضوں کا جواب۔	۱۰۶	خطبہ جمعہ اور دونوں میں طہارت مسنون ہے علت جامع مسجد میں خدا کا ذکر ہونا ہے۔	۱۱۶
دروازہ کی خصوصیت نہ ہونے کی حدیث انور سے تصدیق۔	۱۰۷	مدخل کی عبارت۔	۱۱۷
اذان خطبہ کے باب جمعہ میں مذکور نہ ہونے کی وجہ۔	۱۰۷	نفحہ ۲۔	۱۱۷
نفحہ ۱۲۔	۱۰۷	یہ نصوص اپنے عموم و اطلاق پر ہیں، نکرہ تحت النفی عموم ہے اور اطلاق عدم تقلید ہے۔	۱۱۷
اس حدیث کی عدم شہرت سے اس کے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے۔	۱۰۷	مئذنہ کا ذکر اذان حنفیّہ کے استثناکے لیے ہے۔	۱۱۷
کتب تفاسیر میں اس حدیث کے چرچا کا ثبوت۔	۱۰۸	اذان مئذنہ یا صحن مسجد میں ہو اس کے عموم کے لیے ہر ہر فرد کا حکم میں داخل ہونا ضروری نہیں بلکہ دونوں فردوں میں کوئی ایک بھی حکم میں داخل ہو گیا تو عموم ثابت ہے۔	۱۱۸
خازن، تفسیر کبیر اور کشاف کا حوالہ۔	۱۰۸	اذان بیرون مسجد کا حکم پنجوقتہ نماز کے لئے ہونے کا جواب۔	۱۱۹

ائمہ کی عبارت فہمی کی قابل تعریف مثال اور اعلی حضرت کی دقیقہ رسی۔	۱۱۹	سنت بدلنے والوں کے لے شدید وعید حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے۔	۱۳۱
نفحہ ۳۔	۱۲۰	نفحہ ۷۔	۱۳۲
فقہاء کی عبارت میں آنے والے لفظ " قالوا" کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل۔	۱۲۰	اذان خطبہ کو اسکات حاضرین کے لیے مانا جائے تب بھی اس کی اندرونی ہال کے بجائے بیرونی سایبان میں زیادہ ضرورت ہے تو لازم کہ باہری سائبان میں ہو۔	۱۳۳
نفحہ ۴۔	۱۲۲	نفحہ ۸۔	۱۳۴
عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت۔	۱۲۲	اس جواب پر اقامت سے معارضہ کا جواب۔	۱۳۴
ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شریعت معطل ہوجائے گی۔	۱۲۲	اقامت کو بھی اذان کہا جاتا اس قیاس سے اذان کو بھی اندر ہونا چاہیے۔	۱۳۴
مسجد میں اذان جمعہ مکروہ ہونے کا ذکر۔	۱۲۳	اس قیاس کا تفصیلی جواب	۱۳۴
باب جمعہ میں نہ ہونے کا مزید تذکرہ۔	۱۲۴	ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامة احد الاذانین" کا تذکرہ۔	۱۳۵
نفحہ ۵۔	۱۲۴	اذان واقامہ میں مغایرت کے وجوہ۔	۱۳۵
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے۔	۱۲۴	نفحہ ۹۔	۱۳۶
مسئلہ دائرہ اذان کا بھی یہی حکم ہے ورنہ دو ثلث یا تین ربع مسائل مذہب اکارت ہوجائینگے۔	۱۲۵	مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶
نفحہ ۶۔	۱۲۵	"انما یعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے۔	۱۳۷
مخالفین کا ایک اور حیلہ کہ اذان کے حکم سے خارج ہے۔	۱۲۵	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اس کی تائید۔	۱۳۷
ایک جاہل کا قول کہ عہد رسالت میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور دوسرے کا قول کہ عہد رسالت تک تو یہی اذان اذان خطبہ مگر عہد عثمان سے اعلان حاضرین ہے۔	۱۲۶	مسجد کا تیسرا اطلاق جس میں صحن اور منارہ بھی داخل ہیں۔	۱۳۸
مخالفین کی ان باتوں کا چارہ وجوہ سے تفصیلی رد	۱۲۸		

اذان کی مسجد کی طرف اضافت اسی اطلاق کے لحاظ سے ہے۔	۱۳۹	دوسری عبارتیں لفظ "لا ینبغی" سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ "لا یؤذن" پر داخل نہیں۔	۱۵۰
مسجد کے اندر کنوئیں کی منڈیر، چبوترہ، منارہ، حوض کی گگر پر اذان اس وقت جائز ہے کہ ان کی بنا مسجدیت سے پہلے ہو۔	۱۴۰	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے، متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے۔	۱۵۰
تمام مسجدیت کے بعد مسجد میں اس کی دیوار یا چھت پر کوئی اور تعمیر منع ہے۔	۱۴۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں۔	۱۵۰
مسئلہ کی اور وضاحت اور قطع صف کا مسئلہ۔	۱۴۱	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے۔	۱۵۰
منحۃ الخالق اور مدخل کی عبارتیں۔	۱۴۳	وجوب کی دو تین مثالیں۔	۱۵۱
امام کافی کے قول کا محمل۔	۱۴۵	عبارات خانیہ اور خلاصہ سے وجوب اور غیر وجوب دونوں ظاہر ہیں اور ترجیح نفی کو ہوتی ہے۔	۱۵۲
ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کی توضیح۔	۱۴۵	ابن امیر الحاج، غنیہ، بحر الرائق اور منحۃ الخالق سے مسئلہ پر استدلال۔	۱۵۲
لفظ "قام علی المسجد" کی تشریح۔	۱۴۶	علامہ طحطاوی سے تائید،	۱۵۳
خانیہ اور خلاصہ کی عبارت کا محمل۔	۱۴۷	ایک اور ظاہر موافق مصنف۔	۱۵۴
جامع الرموز اور جلابی عبارتوں میں تطبیق۔	۱۴۸	کراہت مطلقًا شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
قہستانی کی روایت کی حیثیت۔	۱۴۸	بیان جواز کے لیے افضل کا ترک حضور سے ثابت ہے جبکہ اذان کا مسجد میں ہونا ثابت نہیں	۱۵۴
قول مرجوح پر فتوٰی جہل اور خرق اجماع ہے۔	۱۴۹	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
نفحہ ۱۰۔	۱۴۹	قرآن شریف سے تیسرا شمامہ	۱۵۶
خانیہ اور خلاصہ کے لفظ "ینبغی" سے مخالفین کا سہارا۔	۱۴۹	نفحہ ۱۔	۱۵۶
اور مصنف کے جوابات۔	۱۵۰	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اسکے فعل پر وعیدیں۔	۱۵۶

یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت اور جلال کے لئے ہے	۱۵۷	محقق علی الاطلاق کی دو نظیریں اور حلیہ میں اس کی تعریف	۱۶۴
مسجد دربار الٰہی ہے تو اس کی ہیبت وجلال کے لیے اجازت یا فتوں کے علاوہ رفع صوت ممنوع ہوگا	۱۵۷	حدیث شریف سے اسکی تصدیق	۱۶۶
حدیث ابن ماجہ سے اس کی تائید	۱۵۹	اس حدیث اور حدیث ابن عمر کی تخریج اور مکمل تفصیل۔	۱۶۷
ابن عدی، ابن عبدالرزاق، عبداللہ بن مبارک، امام مالک کی حدیثوں سے مسئلہ کی تائید	۱۵۹	نفحہ ۳۔	۱۶۷
امام مالک اور امام ابن مبارک کی مزید تصدیق	۱۶۰	دوسری دلیل کا پہلا مقدمہ، انسانوں کے گھر میں انس پیدا کرنے، سلام کرنے اور اجازت کے ساتھ داخلہ کا حکم قرآن کی آیت میں	۱۶۷
یہ حدیث ائمہ نے قبول کیا البتہ فقہاء کی دینی باتوں کا استثناء ہے	۱۶۱	دوسرا مقدمہ، زمین میں اللہ تعالٰی کا گھر مسجدیں ہیں	۱۶۸
مسجد میں بلند آواز سے جب ذکر الٰہی منع ہے تو اذان بھی منع ہونا چاہیئے کہ یہ خالص ذکر نہیں	۱۶۱	دو حدیثوں سے مقدمہ دوم کی تائید	۱۶۸
امام عینی کی شرح بنایہ سے اس کی تائید	۱۶۱	نتیجہ اور حاصل کہ مسجد میں داخلہ کے لئے اذن اجازت بدرجہ اولی ضروری	۱۶۸
بحر الرائق سے مزید تائید	۱۶۱	مقدمہ قیاس ثانی بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جس کام کی اجازت ہے اس کے خلاف کام کیا جائے	۱۶۹
نفحہ ۲۔	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے مسجد میں گم شدہ چیزیں تلاش کی جائیں	۱۶۹
بادشاہوں کے دربار سے مسئلہ کی توضیح	۱۶۳	تین حدیثوں سے اس کا ثبوت	۱۶۹
موجود کچہریوں سے اس کی مثال	۱۶۳	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مسجد میں مصحف تلاش کرے، تلاوت کرنے کے لیے ہی کیوں نہ ہوں	۱۷۰
منکرین کو عملی تجربہ کی ہدایت	۱۶۴	بے اجازت داخلہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کھوئی ہوئی امانت مسجد میں تلاش کرے پانے کا مقدمہ یا دینے کا ذریعہ	۱۷۰
اس قسم کے معاملہ مس حکم منصوص نہ ہو تو معاملہ مشاہدہ پر موقوف ہوتا ہے۔	۱۶۴	خلاصہ کلام یہ کہ امانت کی تلاش واجب اور کار آخرت مگر مسجد اس کار خیر کے لیے نہیں بنائی گئی	۱۷۱
بزرگوں کے کلام سے اس کی نظیریں	۱۶۴		

احادیث سے اس بات کا ثبوت کہ مسجد ذکر اللہ کے لیے بنائی گئی	۱۷۱	تمام عالم اسلام میں سب کا اس پر تعامل ہے یہ اجماع ہے	۱۷۶
اذان خالص ذکر اللہ نہیں تو مسجد کے اندر اس کی اجازت نہیں اور اس میں اذان دینا بے اجازت داخلہ میں داخل اور ممنوع ہے	۱۷۲	پہلے اعتراض کا جواب مؤذن کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے لیکن لفظ بین یدیہ کی وجہ سے موذنوں کے متصل ہونا ضروری نہیں	۱۷۶
چوتھا شمامہ دفع اعتراض کے لیے	۱۷۴	لفظ بین یدیہ کا مفاد بے حائل مؤذن کا رخ خطیب کی طرف ہونا ہے اور بس	۱۷۶
اس مسئلہ پر مخالفین کے اعتراضات ڈوبنے والوں کے تنکے کے سہارے کی طرح ہے جن میں پانچ اعتراضات ہیں مصنف کی سب سے بحث	۱۷۴	لفظ بین یدیہ اندرون مسجد اور بیرون مسجد دونوں صورت کو شامل ہے، البتہ فقہاء نے اندرون مسجد کو منع کیا ہے۔	۱۷۶
پہلا اجتماعی اعتراض، فقہاء نے اذان خطبہ کے لئے عموما بین یدیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے ظاہری معنی قریب خطیب اور ملاصق منبر ہیں	۱۷۵	لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶
دوسرا اعتراض، فقہاء نے اس کے لیے لفظ عند بھی استعمال کیا ہے اس کے معنی بھی قریب والصاق کے ہیں	۱۷۵	مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ معنی حقیقی ہونگے	۱۷۷
تیسرا اعتراض، بعض فقہاء نے علی المنبر کا لفظ بھی استعمال کیا جو قریب سے بھی زائد پر دلالت کرتا ہے۔	۱۷۵	پس لفظ بین یدیہ قرب وبعد سے قطع نظر سامنے کے معنی میں ہے	۱۷۷
چوتھا اعتراض، اذان لصیق المنبر کا عمل متوارث ہے مخالفین کی تعبیریں مختلف ہیں۔	۱۷۵	اور قرب کا لحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷
نفحہ ا۔	۱۷۶	چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہو گی	۱۷۷
		لفظ بین یدیہ اصلا ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸

۲۰مقامات میں قرب پر اس کی کوئی دلالت نہیں ایک مقام پر قرب حقیقی ترکیبی کے لیے ہے اور ۱۷مقامات پر قرب کے لیے جس میں اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ تک پر اس کا اطلاق ہوا ہے	۱۷۸	قرب کے افراد مختلفہ کی آیات سے مثال	۱۹۱
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان۔	۱۷۹	مزید مثالیں	۱۹۱
آیات مذکورہ کی دو قسمیں	۱۷۹	خطیب شربینی کی ایک عبارت سے دفع تعارض	۱۹۵
قسم اول	۱۷۹	تنبیہ	۱۹۶
بیس آیات کا بیان	۱۷۹	حاصل کلام، قرب کی آٹھ نو مذکورہ مثالوں سے ظاہر ہے کہ محض لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے	۱۹۸
قسم ثانی۔	۱۸۳	صور مسئولہ میں مؤذن کے قرب کی حد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے خارج مسجد متعین ہے کہ حدود مسجد میں ہو تو اس حد سے دور اور مسجد کے اندر دونوں افراط و تفریط ہے	۱۹۹
اٹھارہ آیات کا بیان	۱۸۳	نفحہ ۲۔	۱۹۹
اکیس ائمہ لغت و تفسیر کی شہادت	۱۸۸	بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱
تفصیل بالا سے ظاہر کہ لفظ بین یدی الخطیب کی دلالت اندرون مسجد پر نہیں منبر کے متصل تو دور کی بات ہے	۱۹۰	مفردات راغب کی عبارت سے قرب ملاصق پر استدلال کرنیوالے کا رد وزیر درباری اور عوام کی مثال کہ سب اپنے کو دربار سے آنیوالے بتاتے ہیں	۱۹۹
لفظ بین یدیہ قرب کی دلالت کے لئے متعین نہیں	۱۹۰	راغب سے استدلال کرنیوالوں پر دوسری طرح قدح	۲۰۱
فقہاء کی غرض صرف خطیب کا سامنا بتانا ہے	۱۹۱	مفردات راغب اور امام قدوری کی عبارتوں میں دفع تعارض کی ایک صورت	۲۰۲
اذان مسجد میں ہو یا باہر یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جو باب الاذان میں مذکور ہے	۱۹۱	امام راغب نے قرآن مجید اور تورات شریف کے درمیان دو ہزار سال کی مدت کو بھی قریب ہی بتایا	۲۰۳
بین یدیہ کے معنی قرب تسلیم کرنے پر بھی قرب معنی اضافی ہے تو ہر چیز کا قرب اسی کے حساب سے ہوگا	۱۹۱		

مفردات راغب کی عبارت کے مزعومہ معنی پر ایک اور طرح سے رد	۲۰۳	مزید آیات اور احادیث سے معنی عند کی تفصیل	۲۱۳
مخالف کے اس اعتراض سے کہ بین یدیہ بعض مقام پر معنی قرب سے خالی بھی ہوتا ہے مخالف پر رد	۲۰۴	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
مستدل اور معترض کے مؤقف کا فرق	۲۰۵	کنز وہدایہ، مجتبی، فتح القدیر، بحر الرائق اور درمختار سے عند کے معنی (بحیثیت راہ) جہاں سے دیکھا جاسکے	۲۱۴
اسلوب بیان کی ایک خامی پر مخالف کو تنبیہ	۲۰۵	عند کے معنی بین یدیہ سے زیادہ قریب کے نہیں	۲۱۵
نفحہ ۳۔	۲۰۶	وہم کی بیماری ہرچہ پیدامی شو داز دور پندارم توئی	۲۱۵
عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶	نفحہ ۴۔	۲۱۵
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	عند کے معنی پر مفردات راغب او مبسوط سے مخالفین کا استدلال	۲۱۵
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروری نہیں۔	۲۰۷	عند اور قریب دونوں کے معنی متعدد ہیں	۲۱۵
عند کا معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	محافظت کی حد	۲۱۵
عند اور لدی کا فرق	۲۰۸	نفحہ ۵۔	۲۱۸
عند بعد کے لیے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
رضی کے قول سے استدلال	۲۰۸	اذان عند المنبر سے مراد اذان وقت المنبر کیوں نہیں ہوسکتی	۲۱۹
ان الذی یغضون اصواتھم عند رسول اللہ کی تفسیر اور قرب و بعد کا نیرنگ	۲۰۸	نفحہ ۶۔	۲۱۹
لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ کی تفسیر اور عند کے قرب کی وسعت	۲۰۹	اذان علی المنبر کی بحث	۲۱۹
مختلف قرآنی آیات سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	بعض مخالفین نے اذان علی المنبر کے معنی اذان عند المنبر بتایا اور خود عند کا حال معلوم ہوچکا	۲۱۹

بعضوں نے علی کو باء الصاق کے معنی میں بتایا	۲۱۹	جمعہ کے لیے سعی کا موجب اذان اول ہے یا اذان خطبہ، اس میں امام اعظم اور امام طحطاوی رحمہما اللہ کا اختلاف ہے	۲۲۳
اولا یہاں علی کا معنی باء میں ہونا محل نظر ہے	۲۱۹	اس اختلاف کے بیان کی اصل عبارت یہ ہے "والامام علی المنبر" (شرح نقایہ اور مرقات ملا علی قاری)	۲۲۳
ثانیا خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں جیسا کہ مررت بزید سے ظاہر ہے	۲۱۹	بعض متاخرین نے اس کو اپنے طور مختصر کیا اور "اذان علی المنبر" بنادیا پس اس موقع لفظ اذان علی المنبر سے استدلال وہم ہے	۲۲۴
اس مطلب پر تمرون علیہا سے استدلال	۲۲۰	اس امر کی تائید مزید	۲۲۴
بعض مخالفین نے علی المنبر کے معنی مجازی مبالغہ فی القرب بتایا	۲۲۰	اصل یہ ہے کہ لفظ عنداور علی سب تعبیروں کا اختلاف ہے، معبر وہی علی باب المسجد ہے اور اسی کو سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا	۲۲۴
جواب علی کے حقیقی معنی حسب تحریر کشف الاسرار وابن الہمام و رضی الزوم والتزام ہے	۲۲۰	نفحہ ۷۔	۲۲۵
علی کے اس معنی کا قرآن عظیم سے ثبوت	۲۲۱	مسئلہ کی وضاحت ایک اور طرح سے کہ ان تمام عبارتوں میں علی المنارہ یا منبر وغیرہ الفاظ بطور تعارف وعلامت مذکور ہیں اور جملہ "لایوذن" حکم ہے اعتبار حکم کا ہے علامت کا نہیں	۲۲۵
تو مخالفین کا معنی حقیقی درست ہوتے ہوئے معنی مجازی مراد لینا غلط ہوا	۲۲۱	علامت کے لیے تو جائز ہونا بھی ضروری نہیں ایک مثال سے مسئلہ کی وضاحت	۲۲۶
دوسرا جواب علی کے دوسرے معنی مجازی مصاحبت کے ہیں سیوطی، حدیث مبارک، قاموس اور فتوحات الٰہیہ سے اس کی تائید	۲۲۱	شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصلی کا ہے	۲۲۷
اذان خطبہ مصاحب جلوس علی المنبر ہے پس مخالف کا استدلال یا تو حقیقت مجاز کا تصادم یا مجازین کا احتمال ہے	۲۲۲	لفظ علیک السلام اور السلام علیک مسئلہ کی وضاحت	۲۲۷
علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳	مخالفین کا استدلال معنی اشارۃ النص ہے اور جملہ لایؤذن اپنے معنی پر عبارت النص ہے تو استدلال میں اعتبار اسی کا ہے	۲۲۷

کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لا یؤذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	فتاوی خانیہ کی ایک عبارت	۲۳۳
اجماع اور تعامل	۲۲۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
نفحہ ۸۔	۲۲۹	اجماع اکثری کے دلیل ہونے کے لیے شافعی مذہب کی ایک شرط	۲۳۴
اذان جمعہ کی تاریخ ازروئے مذہب امام مالک مدخل، جواہر ذکیہ اور زرقانی کی عبارتیں	۲۲۹	اس باب مین مجدد الف ثانی کاایک دردناک مکتوب	۲۳۴
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مذہبی روایات سے اندرون مسجد اذان متوارث ہونا توبڑی بات ہے سنیت بھی ثابت نہیں	۲۳۱	حاشیہ شامی کتاب الاجارہ کاایک حوالہ علامہ شامی کا قول ہے کہ یہ قدیم برائی ہے کہ لوگ حق بات کو بھی ناحق سمجھنے لگتے ہیں	۲۳۷
حنفیہ اس کو مکروہ، مالکیہ اس کو بدعت کہتے ہیں۔ اور دوسرے ائمہ سے خلاف ثابت نہیں تو کہیں اس اذان کی کراہت ہی اجماعی نہ ہوئی	۲۳۱	نفحہ ۱۰۔	۲۳۸
نفحہ ۹۔	۲۳۳	تورات کی بحث	۲۳۸
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	تورات تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اس مسئلہ میں عام قرنوں کا تعامل کیسے ثابت ہوگا جب موجودہ زمانہ کا تعامل بھی ثابت نہیں۔	۲۳۸
سکندری اور سقطی کی روایت ہے کہ اہل مغرب کا تعاون بیرون مسجد ہے۔	۲۳۳	فتح القدیر سے تورات کا بیان	۲۳۸
ہندوستان کے اکثر شہروں کی شاہی مساجد میں اس کام کے لیے چبوترے بنے ہوئے ہیں وہ مسجدوں کا حصہ نہیں۔	۲۳۳	مسئلہ تورات میں مصنف کی عظیم تحقیق	۲۳۹
ایک غلط فہمی کا ازالہ، ایسے چبوتروں کو جو درحقیقت مسجد سے مستثنیٰ ہیں مسجد سمجھ کر لوگوں نے عام مسجدوں میں بھی اذان دینی جائز سمجھ لی۔	۲۳۳	احوال کی چار قسم ہے (ا) جس کا حادث ہونا معلوم ہو (ب) جس کے حدوث کا علم نہ ہو (ج) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (د) حدوث کا علم ہو مگر کب اور کیسے کی تفصیل معلوم نہ ہو۔	۲۳۹
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	ہر قسم کی مثال اور اس کا حکم، قسم رابع کا شرعی حکم معلوم کرنے کا قاعدہ کلیہ	۲۳۹

سنت ثابتہ کی مخالفت کی ایک استثنائی صورت	۲۴۱	نفحہ ۱۳۔	۲۴۹
مسئلہ اذان کی نوعیت کا تعین کہ اذان اندرون مسجد بدعت مردود ہے	۲۴۳	توارث بعض غیر معتبر ہے۔	۲۴۹
اس اذان کے زمانہ عثمان غنی کی ایجاد اور اسی وقت متوارث ہونے پر تھانوی کا سخیف استدلال اور اعلی حضرت کا رد بلیغ	۲۴۴	اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
امام عینی کی عبارت کی تھانوی نے تحریف معنوی کی	۲۴۴	حضرت اکمل الدین بابرتی کا ارشاد	۲۵۰
تھانوی کا ایک اور مغالطہ اور لصیق المنبر اذان کی ایجاد کا سہرا ہشام ابن عبدالملک کے سر۔	۲۴۵	نفحہ ۱۳۔	۲۵۱
اعلی حضرت کا اظہار حقیقت کہ ہشام نے اذان اول کو مقام زوراء منارہ کی طرف منتقل کیا اور دوسری اذان اپنے حال پر باقی رکھی جیسی عہد رسالت میں تھی	۲۴۵	حرم کے مؤذن کے فعل سے استدلال بھی غلط ہے	۲۵۱
امام زرقانی کے بیان سے اصل حقیقت پر استشہاد تھانوی کے قول سے لازم آتا ہے کہ ائمہ ہدی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ کر ہشام کی پیروی کی	۲۴۶	ملا علی قاری کی تصریح کہ آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور کے زمانہ میں ہوتی تھی۔	۲۵۱
نفحہ ۱۱۔	۲۴۷	توسیع حرم کی وجہ سے وہ جگہ احاطہ میں ہو گئی ہے	۲۵۱
مدعیان توارث کی عقلی و نقلی دلیل کا رد	۲۴۸	چاہ زمزم، مسجد نبوی میں اذان کے چبوترے سے تمثیل	۲۵۱
ہندیہ کی ایک عبارت سے مخالفین کا غلط سہارا	۲۴۸	مذکورہ بالا کا خلاصہ	۲۵۲
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	خطبہ جمعہ کے استماع کی خموشی کے حکم سے استشہاد	۲۵۲
عدم ثبوت کو دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	تبلیغ تکبیر چیخنے کی ممانعت سے استشہاد ایسے مکبّر کی نماز کے فاسد ہونے کا فتوی دینے والے علماء کے اسماء	۲۵۲
دلیل مذکور پر چھ سات اعتراضات	۲۴۹	علماء دیوبند کے دعوی اتباع علمائے حرم کی حقیقت	۲۵۳

نفحہ ۱۴۔	۲۵۳	اثر جویبر کا بیان۔	۲۶۱
توارث باطل کے سلسلہ میں گزشتہ ابحاث کا اجمالی اعادہ	۲۵۳	اس اثر سے مخالفین کے استدلال کی تقریر	۲۶۱
امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے سکوت کا شرعی عذر	۲۵۳	مسجد کے اطلاقات ثلثہ سے اس اثر کا پہلا جواب	۲۶۲
بادشاہوں کے افعال پر علمائے حق کی خاموشی بوجہ دفع فتنہ کی مثال۔	۲۵۶	ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	محمد بن اسحاق اور جویبر کا تقابل	۲۶۳
علماء پر معاملہ مشتبہ ہوجاتا ہے	۲۵۷	کتب علل سے جویبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا احیاء سنت و اماتت بدعت قابل مدح ہے اور ان سے مقدمہ علماء سکوت میں معذور ہیں	۲۵۷	مخالف کی الٹی سمجھ کہ ابن اسحاق کی معنعن حدیث نامقبول، اور جویبر اپنے ضعف اور اس کا اثر منقطع ہونے کے باوجود مقبول	۲۶۴
دونوں فریق کے طرز عمل سے ایک دوسرے پر الزام نہیں	۲۵۷	جویبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں اثر جویبر اپنے مدلول پر اشارۃ النص ہے مخالفین کا استدلال اثر جویبر کے مفہوم سے ہے جو نامقبول ہے۔	۲۶۵
حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمات احیائے سنت کا ذکر جمیل اور دیگر علماء کا عذر	۲۵۸	نفحہ ۱۶۔	۲۶۶
انفرادی دلائل کی خبر گیری	۲۶۰	حضرت طلق بن علی اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایات اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایۃ البیان کی تقریر کا مفاد	۲۶۶
نفحہ ۱۵۔	۲۶۱	اثر عبداللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے ابن ماجہ کی ایک اور ضعیف روایت اور اس سے مخالفین کا غلط استدلال	۲۶۸

ایک دوسری روایت میں روایت بالا کی توضیح و تفسیر	۲۶۹	اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴
حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے اندرون مسجد پر استدلال کی بیوقوفی	۲۶۹	اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵
اسی ضمن میں حدیث نوار کی وضاحت	۲۷۰	واقعہ کی مختلف روایتیں	۲۷۵
نفحہ ۱۷۔	۲۷۱	مخالفین کے اس استدلال پر اعلی حضرت کی تنقیدیں	۲۷۶
حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث کہ "مسجد کی طرف جاؤ" اس سے مخالفین کا غلط استدلال ان مدعیوں کو "مسجد میں جاؤ" اور "مسجد کی طرف جاؤ" کا فرق نہیں نظر آتا	۲۷۱	(۱) پتھر ایک ادھر سے ادھر ہونے والی چیز ہے چھ ہزار سال سے برابر ایک جگہ پڑا رہنا بالکل خلاف قیاس ہے ظاہر معترض کو مفید ہے مستدل کو نہیں	۲۷۷
حضرت عبداللہ بن زید حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں رات میں یا قریب صبح پہنچے	۲۷۱	(۲) تاریخ قطبی میں اس پتھر کے تب سے اسی جگہ پڑا رہنے کی تصریح نہیں ہے تو روایت میں اس کا اضافہ غلط ہے	۲۷۷
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت حجرہ شریفہ میں رہے ہوں یا مسجد میں بہر صورت حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں تھے ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "مسجد کی طرف جاؤ" کا مطلب "مسجد میں جاؤ" ہرگز نہیں ہو سکتا	۲۷۲	(۳) قطبی کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس پتھر کا ٹھکانا کہیں اور تھا ضرورۃً یہاں لایا اور لازماً کام کے بعد اپنے ٹھکانے پر واپس کیا گیا	۲۷۷
مسجد کے مختلف اطلاقات میں بھی اس کا جواب ہے	۲۷۲	(۴) حرم شریف کے منبر اور سیڑھیوں سے اس کی تائید	۲۷۷
نفحہ ۱۸۔	۲۷۴	(۵) پتھر کے دیوار کعبہ کے پاس ہونے سے اعلان اسی پر ہونا ضروری نہیں	۲۷۸
اذان اندرون مسجد کو قرآن سے ثابت کرنے کی جدوجہد	۲۷۴	(۶) اس امر کی تصریح کہ اعلان حج کے وقت پتھر دوسری جگہ تھا	۲۷۸

(۷) پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان کرنے کی روایت اسرائیلی ہے	۲۷۸	ذکر بالجہر کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے	۲۸۷
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے	۲۷۹	مسجد میں ذکر بالجہر کی ممانعت درر مسلک متقسط وغیرہ سے ثبوت	۲۸۷
سدرۃ المنتہی کے متعلق اسرائیلی روایت حضرت مولا علی سے اس امر کی تفصیلی روایت کہ اعلان ثبیر کی پہاڑی سے ہوا	۲۸۰	مخالفین ذکر نے ممانعت کی جو وعیدیں ذکر کیں مذکورہ بالا علماء پر صادق نہیں	۲۸۷
یہ روایت اس کے لیے راجح ہے کہ مولا علی اسرائیلیوں سے روایت نہیں کرتے تھے اور واقعہ غیر قیاسی ہے اس لیے لازما اس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا	۲۸۱	ذکر بالجہر کی مخالفت میں عبد اللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸
(۸) ابن عباس کی روایت کہ اعلان جبل ابو قیس سے ہوا	۲۸۱	نفحہ ۲۰۔	۲۸۹
(۹) ایک روایت میں کوہ صفاہ کا بھی ذکر ہے	۲۸۲	امام مالک بھی اذان کو مسجد میں منع فرماتے ہیں تو کیا ان پر بھی وہ وعیدیں صادق ہیں۔	۲۸۹
حضرت ابن عباس کی روایت میں تین یا دو اضطراب ہیں	۲۸۳	اذان خطبہ میں اصحاب مالک کے اختلاف کا بیان۔	۲۹۰
بر تقدیر اعلان فی المسجد الحرام یہ حکم گزشتہ شریعت کا ہے جو ہم پر حجت نہیں	۲۸۳	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ کا ذکر۔	۲۹۱
(۱۰) مقام ابراہیم کا کتاب کی تصنیف کے وقت مطاف میں ہونا خلاف مشاہدہ ہے	۲۸۵	ملا علی قاری کی تاویلات بعیدہ پر تنقید۔	۲۹۲
(۱۱) مطاف کی غلط تعریف	۲۸۵	نفحہ ۲۱۔	۳۰۳
نفحہ ۱۹۔	۲۸۶	اذان خطبہ سے متعلق قہستانی کا بیان اور اس کے حل سے مخالفین کی درماندگی	۳۰۳
اندرون مسجد اذان پر مخالفین کا قرآن سے ایک اور غلط استدلال	۲۸۶	چند توضیحی مقدمات	۳۰۴
مسجد میں ذکر الٰہی کو روکنا ازروئے قرآن و حدیث منع ہے اور اذان ذکر الٰہی ہے	۲۸۶	مقدمہ اولی	۳۰۴
جواب: (۱) اذان محض ذکر الٰہی نہیں ہے	۲۸۶	فقہاء بین یدی المنبر کہتے ہیں لیکن اس موقع پر مراد ان کی خطیب ہوتی ہے	۳۰۴
(۲) اذان روکنے کا مطلب ذکر الٰہی کو روکنا نہیں بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنے کو روکنا ہے	۲۸۷		

بحر الرائق سے اس بات کی تصدیق اور عقل سے اسکی تائید	۳۰۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کاامکان	۳۱۷
مقدمہ ثانیہ	۳۰۶	توضیحات بالاکی روشنی میں مقام مؤذن کی توضیح	۳۱۷
مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کااطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندرکا کوئی بھی مقام اور وسَط بتحریک سین سے مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶	قہستانی کے لفظ قریبًامنہ کی وضاحت۔	۳۱۸
آیات قرآنیہ، محاورہ اور صحاح سے اس کی تائید	۳۰۶	مؤذن کے بین یدی الخطیب ہونے کامطلب	۳۱۸
مقدمہ ثالثہ	۳۰۷	عبارت قہستانی کی تقریر مخالف کی تغلیط	۳۱۸
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کامقام حدوث	۳۰۷	مقام موذن کی صیح تعیین	۳۱۹
اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸	قہستانی عبارت کااشارہ	۳۲۰
ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹	شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کانصف ہوگا جب مثلث کی دونوں ساقیں مساوی ہوں	۳۱۰	ایک اعتراض	۳۲۳
دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱	اعتراض کاجواب	۳۲۳
زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کابیان۔	۳۱۲	متعدد قرائن سے موذن کے روبقبلہ ہونے کی وضاحت	۳۲۳
زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کابیان	۳۱۳	ایک دوسرااعتراض اور اس کاجواب	۳۲۳
توضیح اور ثبوت	۳۱۴	مخالفین کے بیان کے مطابق مقام موذن کاہندسی تصویر اور اس کارد	۳۲۴
مقدمہ خامسہ	۳۱۴	قہستانی کی عبارت سے پانچ استدلالیوں کی غلط بیانیوں کی تفصیل	۳۲۶
مثلث دوشاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کا بیان	۳۱۴	ایک نام نہاد طالبعلم کی تحریف کی تفصیل	۳۲۷
توضیح اور ثبوت	۳۱۵	قہستانی کے بیان کی ہندسی تشریحات کرنیوالوں کی غلط بیانیوں کی تشریح۔	۳۲۸

غلط بیانیوں پر چار تنقیدیں	۳۲۹	**فضائل ومناقب**	۳۶۱
مقدمہ عمود کی حقیقی نسبت کا بیان	۳۳۰	رسالہ طرد الافاعی حمی ھاد رفع الرفاعی (سیدنا امام احمد رفاعی اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عظمت کا بیان)	۳۶۷
زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کا بیان	۳۳۰	مقبولان بارگاہ احدیت میں ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے	۳۶۸
ہندسی شکل	۳۳۱	حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹
دومزید تنقیدیں	۳۳۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لئے نکالنا	۳۷۰
اختتام کتاب	۳۳۳	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج۔	۳۷۰
اضافات اضافات	۳۳۵	سرکار غوث پاک نے حضرت احمد رفاعی کے ہاتھ پر بیعت کی، غلط ہے۔	۳۷۱
نفحہ ۲۲۔	۳۳۵	سرکار غوثیت کی عطا سے سید احمد رفاعی قطبیت پر فائز ہوئے	۳۷۱
ایک عذر لنگ	۳۳۶	ہر غوث اپنے دور میں سب اقطاب کا افسر ہے۔	۳۷۳
عرف کی بحث، مخالفین کا دعوی کہ ہم نے بین یدیہ کے جو معنی بتائے یہ عرف عوام ہے اس لیے اس کو کسی اصطلاحی اور فنی تحریر سے رد نہیں کیا جاسکتا	۳۳۶	سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سے غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی تا ظہور امام مہدی غوث الکل ہیں	۳۷۳
اعلی حضرت کی تنقیدیں	۳۳۶	حضور غوث پاک کی کرامات بے شمار ہیں	۳۷۵
معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳	سیدنا غوث پاک کی کرامت مردے جلانا بھی ہے	۳۷۶
قرب کی اقسام	۳۴۳	بہجۃ الاسرار مستند ومعتبر کتاب ہے	۳۸۰
قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں	۳۴۴	حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمانا کہ میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے	۳۸۱
مزید دو ۲ تنقیدیں	۳۵۲	تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکادیں	۳۸۴
میزان فہم کا بیان اور ختم کتاب	۳۵۳		

حضور غوث پاک نے فرمایا کہ میں جن وملک وانسان سب کا پیر ہوں	۳۸۶	مسئلہ اولی	۴۰۳
اللہ تعالٰی نے اولیاء میں حضور غوث پاک کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے	۳۸۷	نظم	۴۰۳
حضرت احمد رفاعی نے فرمایا کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تمام اولیاء کے سردار ہیں	۳۸۸	شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا، براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا ثابت ہے	۴۰۵
حضور غوث پاک شریعت وطریقت وحقیقت کے امام ہیں	۳۹۰	دلائل وحوالہ جات	۴۰۵
اللہ تعالٰی نے حضور غوث پاک کے مخالف سے لڑائی کا اعلان فرمادیا	۳۹۱	نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم اولیاء اللہ کی گردنوں پر	۴۰۷
تذییل	۳۹۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام، جنت میں بلال، مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابو طلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
امام ابن حجر مکی اور ملا علی قاری کی گیارہ عبارات	۳۹۲	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا	۴۱۰
حضور غوث پاک اور تمام مخلوقات میں زمین وآسمان کا فرق ہے	۳۹۳	شیخ گنجوی کی غاشیہ برداری	۴۱۰
آپ کی مشہور کرامت کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں	۳۹۴	سدرۃ المنتہی پر جلوہ گری۔	۴۱۰
فرمان غوث پاک ہے بیشک میری آنکھ کی پتلی لوح محفوظ میں ہے	۳۹۶	نور عرش میں چھپا ہوا شخص	۴۱۱
حضرت سید احمد رفاعی نے قدمی الخ ارشاد پر سر جھکالیا	۳۹۷	مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدا ہے	۴۱۱
اولیاء متقدمین نے غوثیت مآب کی ولادت کی خبر تقریباً سو برس پہلے دی تھی	۳۹۸	اور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ ہے	۴۱۱
ابن السقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹	بعض مطالب کا احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں بلکہ کلمات علماء ومشائخ کا ذکر کافی ہے۔	۴۱۱
رسالہ **فتاوٰی کرامات غوثیہ** (غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شب معراج بارگاہ رسالت میں حاضری سے متعلق تین سوالوں کے جواب)	۴۰۳		

دو روایتوں میں ظاہر تنافی کا جواب	۴۱۲	امور خارق للعادۃ اسباب ظاہر پر موقوف نہیں	۴۱۷
مسئلہ دوم	۴۱۳	روح فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادے سے اس کا تعلق بدیہی ہے۔	۴۱۷
ایک رسالہ کے مندرجات کے بارے میں پانچ سوالات اور ان کا جواب	۴۱۳	جسم جسم شہادت میں منحصر نہیں جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے	۴۱۷
کیا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شب معراج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھا دیا	۴۱۳	شک نہیں کہ روح مفارق کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود وضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیات قطعاً منسوب ہیں	۴۱۷
کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میرے بعد اگر نبی ہوتا تو وہ پیران پیر ہوتے	۴۱۴	ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷
کیا ارواح کی زنبیل غوث اعظم نے عزرائیل علیہ السلام سے چھینی تھی۔	۴۱۴	حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں مدت رضاعت پوری کرنا	۴۱۸
کیا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے روح غوث اعظم کو دودھ پلایا	۴۱۴	جواب سوال نمبر ۳۔	۴۱۸
عوام کے عقیدہ میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ غوث پاک کا مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی زیادہ ہے اس کی کیا حیثیت ہے	۴۱۴	زنبیل ارواح چھین لینا خرافات مخترعہ جہال سے ہے	۴۱۸
جواب سوال نمبر ۲۔	۴۱۴	رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	جواب سوال نمبر ۵۔	۴۱۹
میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا	۴۱۵	وقت رکوب براق یا صعود عرش غوث پاک کا پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا نہ شرعا محال ہے نہ عقلا	۴۲۰
اگر ابراہیم جیتے تو صدیق وپیغمبر ہوتے	۴۱۵	سدرۃ المنتہی باعتبار اجسام کے منتہائے عروج ہے نہ کہ باعتبار ارواح کے	۴۲۰
ابو محمد جوینی کا مقام	۴۱۶	اکابر اولیاء کا عروج روحانی	۴۲۰
جواب سوال نمبر ۴۔	۴۱۶		

بندگان خدا کا حضور روحانی	۴۲۱	اناشیخ الکل	۳۶۴
شان بلال وام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۴۲۱	سرکار غوث اعظم کے دو ہمعصر ولیوں کا خراج تحسین	۳۶۴
تذکرہ وعظمت حارثہ بن نعمان ونعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما	۴۲۳	سیدنا خضر علیہ السلام کا اظہار تعظیم	۳۶۴
نور عرش میں غائب مرد	۴۲۴	اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵
غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مریدین سمیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے شب اسری بیت المعمور میں نماز پڑھی	۴۲۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
مرثیہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ "بابی انت وامی یارسول	۴۲۶"	کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵
حضرات مشائخ کرام کے علوم سند ظاہری حدثنا فلاں عن فلاں میں منحصر نہیں	۴۲۶		
بہجۃ الاسرار اور اس کے مصنف کے خلاف ایک بحرینی کے رسالے کا ذکر	۴۲۶	الصراط المستقیم کیا ہے	۳۶۶
خلاصہ کلام (بالجملہ)	۴۲۷	انعمت علیہم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۶۶
مسئلہ ثالثہ	۴۲۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔	۳۶۶
خلاصہ جواب تھانوی ودیوبند	۴۳۱	اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶
خاتون جنت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا انسانی شکل میں حور ہیں اور حیض ونفاس سے پاک ہیں	۳۶۱	مولائے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶
عقیدہ کیا چیز ہے	۳۶۲	استن حنانہ کو جنت کا درخت بنایا جائیگا	۳۶۶
حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کون کون سے اولیاء سے افضل ہیں	۳۶۲	رسالہ **تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمہ عھد الجاھلیہ** (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کبھی بھی شرک کا ارتکاب نہ کرنے کا عمدہ مدلل بیان)	۴۳۳
مناقب غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۳۶۲		

حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴	آیت کریمہ "ذلك ان لم یكن ربك مهلك القرى بظلم و اهلها غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲
جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہوا ہو	۴۳۶	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
لقب" کرم اللہ تعالٰی وجہہ "کا سبب صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا موقف	۴۵۱
کفر تکذیب بے ادراک وتمییز نامتصور	۴۳۷	حسن وقبح کے بارے میں تین اقوال ہیں	۴۵۲
ثبوت کافی کے محتاج دو امر	۴۳۸	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
امر اول	۴۳۸	انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳
امر دوم	۴۳۸	ناسمجھ بچے کو تبعیت والدین" یا دار کافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
اہل فترت تین قسم پر ہیں، موحد، مشرک، اور غافل	۴۳۸	مسئلہ مذکورہ میں عبارات علماء۔	۴۵۴
قُس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸	تکمیل۔	۴۵۶
علامہ زرقانی اور دیگر ائمہ (اہل فترت کے بارے میں) عبارات	۴۳۹	مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۴۵۶
آیت کریمہ "وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر	۴۴۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرا دیا۔	۴۵۶
غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲		

بوقت ولادت صدیق اکبر آپ کی والدہ ماجدہ کو ہاتف غیبی کی بشارت۔	۴۵۶	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق انیق	۴۶۲
سولہ برس کی عمر سے لے کر آخر دم تک صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی پاک صلی اللہ تعالٰی عنہ وسلم کی معیت وخوشنودی میں رہے اور قیامت تک رہیں گے بلکہ حضور پرنور کے ساتھ خلد بریں میں داخل ہوں گے۔	۴۵۷	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی افضلیت	۴۶۲
اس سوال کا جواب کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کی عمر میں اسلام لانے کا کیا معنی ہے۔	۴۵۸	عبارات علماء سے تائید	۴۶۳
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سے مسلمان ہیں اور ابد الآباد تک رہیں گے۔	۴۵۹	امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما کا مقام ومرتبہ	۴۶۵
مذکورہ بالا دونوں بزرگوں کا عالم ذریت سے روز ولادت اسلام میثاقی، سن ولادت سے سن تمییز تک اسلام فطری اور سن تمییز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی تھا	۴۵۹	فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	فضل جزئی مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴
جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰	حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قدیم الاسلام ہونے کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۴۶۵
زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام مناط نجات ونافی کفر تھی	۴۶۰	آیت کریمہ "ما کنت تدری ما الکتٰب و لا الایمان و لٰکن جعلنٰہ نورا" کی تفسیر	۴۶۶
صدیق ومرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے ان کے اسلام سابق کے مخالف نہیں	۴۶۱	صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہو سکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں	۴۶۶
مصنف علیہ الرحمہ کی تقریر سے روافض کا نفی خلافت صدیقی پر ایک سفیہانہ استدلال اور یونہی تفضیلیہ کا قدم اسلام کو خاصہ حضرت مرتضوی قرار دینے کا باطل خیال مدفوع ومقہور ہوگیا	۴۶۲		

رسالہ غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی و الصدیق (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کابیان)	۴۶۹	اشارہ نمبر۸ تا نمبر۹۔	۴۷۶
دو مسئلوں پر مشتمل استفتاء۔	۴۶۹	اشارہ نمبر۱۰۔	۴۷۷
مسئلہ اول	۴۶۹	مسئلہ دوم	۴۷۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا۔	۴۶۹	خلفاء ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل تھے یا کم	۴۷۸
جانشینی اور نیابت دو قسم پر ہے۔	۴۶۹	افضلیت خلفاء اربعہ	۴۷۸
قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے۔	۴۶۹	خلفاء میں باہم ترتیب فضیلت	۴۷۸
بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰	فضیلت شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر چند ارشاد ائمہ اہلبیت	۴۸۰
قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی۔	۴۷۱	چند حدیث مرتضوی	۴۸۰
جانشین کلی مطلق کے بارے میں علی الاعلان بتصحیح نام کسی کے لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نص صریح نہیں فرمائی۔	۴۷۱	حدیث اول، دوم، سوم	۴۸۰
مسئلہ مذکورہ کی تائید احادیث مبارکہ سے خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد۔	۴۷۱	حدیث چہارم	۴۸۱
خلفاء ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲	حدیث پنجم و ششم	۴۸۲
نیابت کلی مطلق کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشادات جلیلہ واضحہ	۴۷۳	حدیث ہفتم، ہشتم، نہم	۴۸۳
خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳	حدیث دہم	۴۸۴
اشارہ نمبر۱۔	۴۷۴	کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پر واقع ہوئی	۴۸۵
اشارہ نمبر۲۔	۴۷۴	میر عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمہ کے فضائل وکمالات	۴۸۵
اشارہ نمبر۳۔	۴۷۴	مسئلہ تفضیل کے بارے میں کتاب "کاشف الاستار" کے چند اقتباسات	۴۸۶
اشارہ نمبر۴ تا نمبر۷۔	۴۷۵		

کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔	۴۸۷	سات ان صحابہ کرام کے نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹
رسالہ الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی (افضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۴۹۱	شان نزول امامن اعطی واتقی	۵۱۰
خطبہ کتاب	۴۹۱	صدیق اکبر نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کتنے میں خریدا	۵۱۱
عربی اشعار درمدح علامہ مفتی نقی علی خاں علیہ الرحمہ	۴۹۲	حضرت عمار بن یاسر کے اشعار صدیق اکبر و بلال کے بارے میں (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۱۱
عربی اشعار درمدح مولانا شاہ رضا علی نقشبندی علیہ الرحمہ	۴۹۶	الاتقی سے کون مراد ہیں (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲
سبب تصنیف کتاب	۴۹۶	اتقی سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مراد لینے پر دلیل عقلی	۵۱۲
تاریخ تصنیف	۴۹۹	حضرت مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "مجھے کسی کے مال نے اتنا فائدہ نہ دیا جتنا ابوبکر کے مال نے"	۵۱۸
تفسیر آیت کریمہ یاایھاالناس اناخلقنکم الخ	۵۰۰	حضور ابوبکر کے مال سے قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے	۵۱۹
فضیلت مدار تقوی پر ہے	۵۰۱	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم	۵۰۲	فضیلت صدیق اکبر میں ایک ایمان افروز حدیث (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۰
شان نزول اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جائے (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۲۲
نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ کی ممانعت (حدیث سے)	۵۰۳	حدیث میں تو بانٹتا ہوں اللہ دیتا ہے	۵۲۳
شان نزول وسیجنبھا الاتقی الخ۔	۵۰۵	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہ)	۵۰۶	غلام کو آزاد کرنا ایسا ہے جیسے اسے زندہ کرنا	۵۲۵
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنھم)	۵۰۹		

شکر نعمت پر بمعنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے	۵۲۶	چوتھا مقدمہ: اتقی کی تفسیر تقی کرنے والا صرف ابو عبیدہ خارجی ہے	۵۵۶
فضیلت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ	۵۲۶	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
فرقہ تفضیلیہ کا رد بلیغ	۵۲۷	پانچواں مقدمہ: اشقی کی تفسیر شقی سے مخالف کے استدلال کا جواب	۵۵۹
فضیلت سیدنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انہیں افضل کہنے والوں کا رد	۵۲۷	عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مراد لینا آیت اتقی میں اجماعی ہے	۵۳۰	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
تفضیلیہ کے تین شبہات کا رد	۵۳۰	تفسیر نارا تلظی اور انھا تلظی	۵۶۶
پہلا مقدمہ کہ الفاظ کو اپنے ظاہر سے پھیرنا منع مگر بہ حاجت شدیدہ	۵۳۱	شان نزول ان الشرک لظلم عظیم	۵۶۹
دوسرا مقدمہ کہ تفاسیر میں جو کچھ ہے سب واجب القبول نہیں	۵۳۲	قاضی بیضاوی اور قاضی ابوبکر شافعی پر ایراد	۵۷۶
تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲	ابو عبیدہ کا اتقی کی تفسیر تقی سے کرنے پر رد۔	۵۷۸
تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳	ابوطالب کا نعتیہ قصیدہ اور عذاب میں تخفیف کا بیان	۵۷۹
تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹	امام رازی کے قول کی تضعیف	۵۸۵
موضوع اور ضعیف اقوال کے نقصانات	۵۴۲	تقوی کے درجات میں پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے	۵۸۶
حدیث دین کا نظام ہے۔ مگر فقیر کے سواسب کو گمراہی کا اندیشہ ہے۔	۵۴۶	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۶
فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر نہیں حاصل ہوتا	۵۴۶	علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹
ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶	تفسیر عزیزی کے ایک قول پر کلام	۵۹۳
مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۹	ابوطالب کے عذاب میں تخفیف سے متعلق صحیحین کی حدیث	۵۹۵
تیسرا مقدمہ وجوہ تاویل کے بیان میں	۵۴۹	کفر وایمان کا کم زیادہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۵۹۹
وجوہ تاویل کی مثالیں	۵۵۲		

شبہات کا جواب چند وجوہ سے	۶۰۱	اتقی اور اکرم (بمعنی افضل) میں فرق	۶۲۰
تفسیر عزیزی میں منقول ایک شبہہ کا جواب	۶۰۲	تقوی کی تعریف آیات واحادیث کی روشنی میں	۶۲۰
اسم تفضیل کی تفصیل وتشریح	۶۰۲	وجہ ثالث (۳)	۶۲۴
علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶	بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵
رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷	وجہ رابعہ (۴)	۶۲۷
حضرت عیسی علیہ السلام کی حیات سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	حدیث کہ تم میں افضل وہ ہے جو تم میں اتقی ہے	۶۲۸
حدیث "خاتمہ کا اعتبار ہے" سے معارضہ کا جواب	۶۰۸	خطبہ فتح مکہ	۶۳۰
شاہ عبدالعزیز کے ایک ارشاد پر کلام	۶۰۹	آدمی کی دو قسمیں ہیں بر و تقی اور فاجر وشقی	۶۳۱
راجح مذہب پر سیدنا عیسی علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	حدیث من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ	۶۳۲
معتمد ومختار یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	وجہ خامس (۵)	۶۳۲
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	ایک اعتراض کا جواب	۶۳۳
تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱	وجہ سادس (۶)	۶۳۳
مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہو تو وہ متشابہات میں شمار ہوگی	۶۱۲	حدیث الکرم التقوی والشرف التواضع	۶۳۴
صدیق اکبر کا پہلے اسلام لانا اشعار حسان کی روشنی میں	۶۱۳	حدیث الحیاء زینۃ والتقوی کرم	۶۳۴
شان صدیق اکبر اشعار حسان کی روشنی میں رضی اللہ تعالٰی عنہما	۶۱۳	حدیث مروءتہ عقلہ	۶۳۴
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۱۶	حدیث حسبہ خلقہ والشرف التواضع	۶۳۵
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کا رد بوجوہ چند	۶۱۷	حدیث الکرم التقوی وکرم المرء دینہ۔	۶۳۵
وجہ اول (۱)	۶۱۷	موضوع ومحمول اور معرفہ ونکرہ سے متعلق ایک ضابطے کا افادہ	۶۳۵
اہل جاہلیت کا نسب پر فخر کرنا	۶۱۸	لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہوگا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷
وجہ ثانی (۲)	۶۲۰		

وجہ سابع (۷)	۶۳۷	حدیث ان اولی الناس بی یوم القیمۃ اکثرھم علی الصلوۃ	۶۴۶
حدیث احب الاعمال الی اللہ الصلوۃ الخ	۶۳۸	علمائے حدیث کی فضیلت پر استدلال	۶۴۷
احادیث فضائل اعمال میں ترتیب کا معنی اور زعم عجیب کا رد	۶۳۸	حدیث اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعہ الخ	۶۴۷
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حیثیت رکھتا ہے	۶۳۹	تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	متون بسا اوقات اطلاق کی راہ چلتے ہیں اور ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں	۶۴۹
تقدم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہا کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
حدیث خیرکم لاھلیہ الخ	۶۴۱	چند غلط فتووں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
حدیث خیر نساء رکبن الابل الخ	۶۴۲	خبر کو مقدم کرنے کے نکات وحکم	۶۵۲
حدیث خیر الاصحاب عند اللہ خیرھم لصاحبہ الخ	۶۴۲	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
حدیث خیر الذکر الخفی	۶۴۳	تنبیہ، سفہاء کے ایک اور اعتراض کا جواب بوجوہ ثلثہ	۶۶۰
حدیث افضل الصدقۃ سر الی فقیر	۶۴۳	حدیث لیس لاحد فضل علی احد الا بالدین الخ (کسی کی کسی پر فضیلت نہیں مگر دین سے)	۶۶۱
آیت وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم	۶۴۳	حدیث فانك لست بخیر من اسود واحمر الخ (سیاہ فام اور سرخ سے تم کو فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے)	۶۶۳
حدیث ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا	۶۴۴	حدیث خطبۃ الوداع	۶۶۳
حدیث افضل العمال الایمان باللہ ثم الجھاد الخ	۶۴۴	کل اکرم اتقی کے معنی کی تحلیل تین قضیوں سے اشعار: قد قدر اللہ فلا تنکر الخ (از اعلٰی حضرت قدس سرہ)	۶۶۵
حدیث ان اشد الناس تصدیقا للناس الخ	۶۴۵	خاتمہ، افضلیت صدیق اکبر کی قطعیت پر بحث	۶۶۶
حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیامۃ اکثرھم کلاما فیما لایعنیہ۔	۶۴۵		

علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے	٦٦٧	مالک بن انس اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٦
وزن اعمال، رؤیت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	٦٦٧	امام اعظم ابو حنیفہ اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٧
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	٦٦٧	امام شافعی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٧
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بدمذہب ہونا) ثابت ہے	٦٦٩	امام ابوالحسن اشعری اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٨
افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اجماع صحابہ	٦٦٩	امام حجۃ الاسلام غزالی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٨
ذکر مطلع القمرین کا	٦٧٠	حافظ ابن حجر عسقلانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٨
تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	٦٧٠	امام احمد بن محمد قسطلانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	٦٧٨
مسئلہ افضیلت میں کلمات علماء کے درمیان تطبیق و توفیق	٦٧١	امام عبدالباقی زرقانی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	٦٧٨
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ و تہدید	٦٧٢	حضرت ملا علی قاری اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	٦٧٨
بعض کو خاطی جاننا بہتر اس سے کہ ائمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے	٦٧٣	شاہ عبدالعزیز اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	٦٧٨
فرمان علی: جو مجھ کو ابوبکر و عمر پر فضیلت دے گا اس کو مفتری کی حد لگاؤں گا	٦٧٤	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	٦٧٩
حدیث ادرؤا الحدود (حدود کو رفع کرو)	٦٧٥	سورہ والضحی واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ۔	٦٨٠
حدیث فان الامام الخ (امام کا درگزر میں خطا کرنا عقوبت میں خطا سے بہتر ہے)	٦٧٥	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق اکبر بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	٦٨٢
میمون بن مہران تابعی اور افضیلت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	٦٧٦	تمام اجلہ صحابہ مقام فنا و بقا میں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	٦٨٣

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام		جو عاقل بچہ اسلام لائے حکم اسلام میں وہ مستقل بالذات ہے	۴۳۴
تشیع، غلوالشیعہ اور رفض کی تعریف	۷۷	بچہ قبل بلوغ دین اپنے والدین کا تابع ہے جبکہ خود مسلمان نہ ہو اہو	۴۳۶
ترتیب خلافت وفضیلت کی تشریح میں علامہ تفتازانی، ابن حجر مکی اور امام مالک کا مسلک	۷۸	کفر تکذیب ہے	۴۳۷
عثمان غنی اور مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان افضیلت میں ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا قول	۷۸	قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں	۴۴۴
کفر وایمان کا کم زیادہ نہ ہونا اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے	۲۹۹	باجماع ائمہ اشاعرہ حسن وقبح مطلقاً شرعی ہیں	۴۵۱
اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں	۳۶۵	حسن وقبح کے بارے میں بعض ائمہ ماتریدیہ کا موقف	۴۵۱
اقدام نبوت میں غیر نبی کا حصہ نہیں	۴۱۵	کفر اخبث معاصی ہے	۴۵۳
ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت ہے	۴۱۷	ناسمجھ بچے کو تبعیت والدین "یا دار کافر" کہنے کا کیا معنی ہے	۴۵۳
رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل ہیں	۴۱۸		

زمان فترت میں صرف توحید مدار اسلام و مناط نجات و نافی کفر تھی	۴۶۰	**سیرت وفضائل سید المرسلین**	
فضل جزئی اور فضل کلی میں فرق	۴۶۴	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام بکثرت ہیں، مصنف علیہ الرحمہ نے تقریباً چودہ سو پائے ہیں	۳۶۵
فضل جزئی مفضول کا بھی افضل پر مل سکتا ہے	۴۶۴	سورہ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صریح مدح ہے	۳۶۶
فرقہ تفضیلیہ کارد بلیغ	۴۶۷	انبیاء کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں	۳۶۶
راجح مذہب پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں زندہ ہیں	۶۱۰	ایک تفسیر کے مطابق ہر آیت نعت مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم	۳۶۶
معتمد و مختار یہ ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں	۶۱۰	شب معراج حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا جبرئیل علیہ السلام کا اسے تنبیہ فرمانا براق کا شرمندگی سے پسینہ پسینہ ہونا اور تھرا کر زمین سے پیوست ہونا ثابت ہے	۴۰۵
علم یقین کا منکر کافر اور علم طمانیت کا منکر گمراہ و بدمذہب ہے	۶۶۷	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم السلام جنت میں بلال مقعد صدق میں اویس قرنی اور بہشت میں زوجہ ابوطلحہ وغیرہ کو دیکھا	۴۰۸
وزن اعمال، رویئت وجہ کریم، مسئلہ اسراء سماوات وغیرہ قطعی بعلم طمانیت ہیں	۶۶۷	رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے والدین کریمین کفر سے منزہ ہیں	۴۴۵
معتزلہ اور اگلے روافض کی عدم تکفیر	۶۶۸	والدین کے احسان اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کا فرق	۵۲۴
تفضیلیہ کی عدم تکفیر، لیکن ابتداع (بدمذہب ہونا) ثابت ہے	۶۶۹	**فوائد تفسیریہ**	
افضلیت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اجماع صحابہ	۶۶۹	"انما یعمر مساجد اللہ" سے کیا مراد ہے	۱۳۷
تمام اجلہ صحابہ مقام فناو بقامیں تمام اکابر اولیاء سے بلند و بالا ہیں	۶۸۳	قرآن شریف اور حدیث نبوی سے اسکی تائید	۱۳۷

مجھ کو قرآن میں یہ لفظ (بین یدیہ) ۳۸ مقامات پر ملا	۱۷۸	تفسیر مرفوع بہت تھوڑی ہے اور علم تفسیر کی اہمیت	۵۳۲
ان مقامات کی قرآنی آیات کا تفصیلی بیان	۱۷۹	تفسیر کے چار اصول اور موضوعات کی بحث	۵۳۳
مختلف آیات قرآنی سے معنی عند کی وضاحت	۲۱۰	تفسیر ابن عباس کی بحث	۵۳۹
الصراط المستقیم کیا ہے	۳۲۲	ضروری تنبیہ بابت تفاسیر قرآن	۵۴۶
انعمت علیھم کے چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں	۳۲۲	مقتضائے لغت کے مطابق تفسیر کرنے کا بیان	۵۴۸
آیت کریمہ "وماکنامعذبین حتی نبعث رسولا" کی تفسیر۔	۴۴۱	تفسیر نارا تلظی اور انہا تلظی	۵۶۶
آیت کریمہ "ذلك ان لم یکن ربك مهلك القری بظلم واهلها غفلون" میں کون سے عذاب کی نفی ہے اور غفلت سے کیا مراد ہے	۴۴۲	شان نزول ان الشرك لظلم عظیم	۵۶۹
آیت کریمہ "ماکنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلناه نورا" کی تفسیر	۴۴۶	مجمل آیت کا اگر بیان نہ ہو تو وہ متشابہات میں شمار ہوگی	۶۱۲
یہ کتاب مصنف کی پندرھویں تصنیف ہے	۵۰۰	آیت ان اکرمکم سے متعلق ایک اور اعتراض کا شافی جواب (منطقی بحث)	۶۵۳
تفسیر آیت کریمہ یاایھا الناس انا خلقنکم الخ	۵۰۰	لطیفہ: مفاتیح امام رازی سے سورہ والضحی اور واللیل کے یکجا ہونے پر نکات عجیبہ۔	۶۷۹
شان نزول ان اکرمکم عنداللہ اتقکم۔	۵۰۲	سورہ والضحی اور واللیل کے سلسلے میں افادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ	۶۸۰
شان نزول اذاقیل لکم تفسحوا فی المجالس الخ	۵۰۲	لطیفہ: آیات کریمہ سے تفضیل صدیق بر مولا علی پر ایک نکتہ عجیبہ	۶۸۲
شان نزول وسیجنبها الاتقی الخ	۵۰۵	**فوائد حدیثیہ**	
شان نزول اما من اعطی واتقی الخ	۵۱۰	متعدد حدیثوں سے احیاء سنت کا ثبوت اور اس کی فضیلت پر مختلف کتب حدیث سے ایسی حدیثوں کی تخریج (حاشیہ)	۶۲
الاتقی سے کون مراد ہے (تفاسیر کی روشنی میں)	۵۱۲	حدیث ابوداود کی متعدد سندیں	۶۵

متن حدیث اور اس امر کی وضاحت کہ مدار حدیث محمد بن اسحٰق ہیں	۶۶	ابن اسحٰق کی مروی حدیث کو ابوداود نے صحیح کہا۔	۸۴
درجات حسن میں روایت ابن اسحٰق اعلی درجہ پر فائز ہیں اور اسی کو ادنی درجہ کی صحیح کہا جاتا ہے۔	۷۴	لیث ابن سلیم جو ثقہ مدلس ہیں امام منذری نے ان کی سند کو حسن کہا	۸۴
بعض ائمہ نے ابن اسحاق کی حدیث کو صحیح اور بعض نے حسن کہا	۷۵	ابوزبیر کی معنعن بروایت لیث ہو تو مقبول ہے	۸۵
ابن اسحٰق کی کچھ مرویات ائمہ حدیث نے جن کی تائید و توثیق فرمائی (حاشیہ)	۷۶	صحیح مسلم کی چند حدیثیں بروایت ابوزبیر عن لیث نہیں مگر امام مسلم نے انہیں بھی مقبول رکھا	۸۵
محمد ابن عبداللہ یعقوب ابن شیبہ ابن حبان مصعب زبیری کا ابن اسحٰق کی طرف سے دفاع	۷۶	زید بن ثابت سے شادی شدہ زانیوں کے رجم کی روایت ہے اسی روایت میں ہے کہ عمر نے فرمایا کہ میں آیت کے نزول کے وقت بارگاہ رسالت میں تھا	۸۵
روایت میں بدعتی کے قبول اور رد کا معیار	۷۹	اس حدیث کی کسی تخریج میں یہ روایت عن عمر عن رسول اللہ نہیں سوائے مذکورہ روایت کے اور اس میں حضرت قتادہ کو مدلس کہا گیا اس کے باوجود روایت مقبول ہے	۸۶
اس روایت میں تدلیس نہیں بلکہ حدثنی زہری ہے	۷۹	فتح مکہ کی دو روایتیں متعارض منقطع ہونے کے باوجود مقبول ہوئیں۔	۸۶
راوی کسی شیخ سے کثیر الروایات ہو تو لفظ عن سے روایت میں بھی تدلیس نہیں	۸۰	قاضی ابویوسف علیہ الرحمہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن دونوں ہی قسم کی روایتوں سے استدلال کیا اور علماء کے نزدیک مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اسکی تصحیح ہے	۸۸
روایت بطور نزول ابن اسحٰق کی عادت تھی	۸۰	ابوداود کی عظمت اور اس کی صحت پر چھ اماموں کے نصوص۔	۸۹
مراسیل کے اعتبار اور عدم اعتبار کی تاریخ۔	۸۱	حدیث مبحوشہ میں امام زہری کے اکثر شاگردوں میں صرف ابن اسحٰق نے ہی علی باب المسجد اور بین یدیہ کا اضافہ کیا، مخالفین بین یدیہ کی زیادتی کو تسلیم کرتے ہیں اور علی باب المسجد کی زیادتی کر رد کرتے ہیں یہ بڑی زیادتی ہے	۹۳
صحابہ کے مراسیل مطلقًا مقبول دوسروں کے مراسیل بہ اتفاق امام اعظم وامام مالک وابن حنبل مقبول ہیں البتہ ظاہریہ اور جمہور محدثین جو سن ۲۰۰ کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے	۸۳	اس حدیث کی عدم شہرت سے اسکے متروک العمل ہونے کا استدلال غلط ہے	۱۰۷

ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین" کا تذکرہ	۱۳۵	لفظ "ینبغی" کے معنی مستحب قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے متقدمین کے یہاں یہ لفظ عام ہے	۱۵۰
اثر جویبر کا بیان۔	۲۶۱	استحباب میں سنت بھی داخل ہے اور سنت کا معاملہ آسان نہیں	۱۵۰
ابوداود کی صحیح حدیث سے اس کے تعارض کا بیان	۲۶۲	بسا اوقات "ینبغی" وجوب کے لیے ہی آتا ہے	۱۵۰
حضرت طلق بن علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایات اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر کا جواب یہ ہے کہ ان الفاظ میں لفظ فی کی ظرفیت مجازی ہے یہی صاحب فتح اور صاحب غایۃ البیان کی تقریر کا مفاد ہے	۲۶۶	کراہت مطلقًا شوافع کے نزدیک تنزیہی اور احناف کے نزدیک تحریمی ہے	۱۵۴
اثر عبداللہ بن عمر میں صلوۃ مسعودی کے غلط حوالہ سے لفظ فیہ کا اضافہ ہے	۲۶۸	جو امر کراہت تحریمی اور تنزیہی میں دائر ہو اس کا چھوڑنا ہی دانشمندی ہے	۱۵۵
ذکر بالجہر کی مخالفت میں عبداللہ بن مسعود کے ایک اثر کی بحث	۲۸۸	ردالمحتار سے تعامل صحیح کی تعریف	۲۳۴
فوائد فقہیہ		اذان فجر قبل فجر پر تعامل حرمین ہمارے ائمہ کے نزدیک غیر معتبر و نامقبول ہے	۲۴۹
"بین یدیہ" اور "علی باب المسجد" میں تعارض کے شبہہ کا جواب	۹۵	قرب مطلق کی تفسیر میں گیارہ فقہی عبارتیں۔	۳۴۴
دیواریں اور کونا بیرون مسجد ہے (حاشیہ)	۱۱۴	علم فقہ کثرت مراجعت، عبارات فقہاء کی تلاش کے بغیر حاصل نہیں ہوتا	۶۵۰
اذان اور اقامت کے مقامات مختلف ہیں	۱۱۶	**افتاء**	
فقہا کی عبارت میں آنیوالے لفظ قالوا کے مختلف معانی کی عمدہ تفصیل	۱۲۰	قول مرجوح پر فتوی جہل اور خرق اجماع ہے	۱۴۹
اذان و اقامت میں مغایرت کے وجوہ	۱۳۵	چند غلط فتووں کی نشان دہی جو ناقص مفتیوں نے صادر کئے	۶۵۰
مسجد کے اطلاقات کا بیان	۱۳۶	**فوائد اصولیہ**	
		عام سے خاص پر استدلال کا حدیث سے ثبوت	۱۲۲

ہر ہر جزئی کے لیے علیحدہ علیحدہ خاص نص ضروری ہے ورنہ شریعت معطل ہو جائے گی	۱۲۲	غیر قطعی الدلالہ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا انکار نہیں کیا جاسکتا	۴۴۲
امام قاضی خاں اور ان کے ہم رتبہ ائمہ کی مرسل روایت بھی مسائل مذہب میں شمار ہوتی ہے	۱۲۴	جس چیز سے ذہن اصلا خالی ہو اس کی تصدیق و تکذیب دونوں ممتنع عقلی ہے	۴۶۰
مختلف علمائے اصول کے بیان سے اس امر کا ثبوت کہ عند قرب حقیقی اور حکمی دونوں کے لیے آتا ہے	۲۰۶	تعارض نصوص کا معنی اور اس کی قسمیں	۶۷۰
عند کا معنی قرب داخل ہے مگر اس کے لیے اتصال ضروریہ نہیں	۲۰۷	**اسماء الرجال**	
شریعت میں اعتبار حکم منطقی ضمنی کا نہیں حکم حقیقی اصل کا ہے	۲۲۷	سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ سے ابن اسحٰق کی توثیق	۶۷
کلمہ اذان علی المنبر جملہ محتملہ ہے اور لایوذن فی المسجد صراحۃ النص ہے اس حثیت سے بھی اعتبار اسی کا ہے	۲۲۸	ابن اسحٰق کے خلاف چند الزامات کی تردید (حاشیہ)	۶۷
اجماع اور تعامل	۲۲۸	امام ابو اللیث امام شعبہ علی ابن مدینی امام زہری سے ابن اسحٰق کی تصدیق	۷۰
تعامل عام کی بحث	۲۳۳	عاصم بن عبد اللہ بن قائد ابن حبان ابو یعلی یحیٰی بن معین ابن البرقی اور امام بخاری کی توثیقات	۷۰
خلاف سنت تعامل جواز کی سند نہیں	۲۳۳	امام ابن ہمام، امام بخاری وغیرہ کی تصحیح	۷۱
توارث کی بحث	۲۳۸	ان ائمہ کا ذکر جن کے نزدیک ابن اسحٰق میں تدلیس کے علاوہ کوئی عیب نہیں	۷۶
توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے	۲۳۸	ابن اسحٰق پر تشیع کے الزام کی حقیقت۔	۷۷
عدم ثبوت کی دلیل عقلی قرار دینا بے عقلی ہے	۲۴۹	محمد بن اسحٰق اور جویبر کا تقابل	۲۶۳
توارث غیر معتبر ہے	۲۴۹	ابو عبیدہ قاسم بن سلام کی توثیق	۵۵۶
کثرت اسماء شرف مسمّٰی سے ناشی ہے	۳۶۵	**جرح و تعدیل**	
صدق مشتق قیام مبدا کو مستلزم ہے	۴۳۷	کتب علل سے جویبر پر پندرہ اماموں کی جرح	۲۶۳
تکذیب بے ادراک و تمیز نا متصور	۴۳۷	جویبر کے اثر پر صاحب فتح کی تین جرحیں	۲۶۴

بلاغت		عند کے معنی کی تحقیق	۲۰۶
لفظ بین یدیہ ترکیبی کے معنی حقیقی کا بیان	۱۷۶	عند اور لدی کا فرق	۲۰۸
مسئلہ مبحوثہ میں لفظ بین یدیہ کے مجازی معنی مراد ہیں جو بلحاظ استعمال معنی حقیقی ہوں گے	۱۷۷	عند بعد کے لئے اور لدی قرب کے لیے ہے	۲۰۸
پس لفظ بین یدیہ قرب و بعد سے قطع نظر "سامنے" کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند کے استعمال کے مواقع	۲۱۳
اور قرب کا لحاظ ہو تو حاضر اور مشاہد کے معنی میں ہے	۱۷۷	عند ظرف ہے جو زمان اور مکان دونوں کے لیے آتا ہے	۲۱۸
لفظ بین یدیہ اصلاً ظرف مکان تھا اب زمانہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہونے لگا	۱۷۸	علی وقت اور زمانیہ کے لیے بھی آتا ہے تو یہ عند زمانیہ کا ہم معنی ہے	۲۲۳
عند معنی قرب میں بین یدیہ سے زیادہ وسیع ہے	۲۰۷	مقدمہ لغویہ وسط اور وسط کا اطلاق وسط بالسکون سے دائرہ کے اندر کا کوئی بھی مقام اور وسط بتحریک سین مراد ٹھیک وسط ہوتا ہے	۳۰۶
علماء نے استخدام اور توریہ کو بدیع کی عمدہ قسم شمار کیا ہے	۵۸۹	معنی قرب کا بیان اور مثالیں	۳۴۳
صفت کا اطلاق کسی پر آئندہ کے لحاظ سے مجاز ہے	۶۱۰	قرب کی اقسام	۳۴۳
تذئیل اس بارے میں کہ کلام میں خبر کو مقدم یا مؤخر کرنا کیا حثییت رکھتا ہے	۶۳۹	صیغہ افعل التفضیل کا معنی	۵۶۳
خبر کو مقدم کرنا کلام فصیح میں نادر نہیں	۶۳۹	اتقی کے معانی پر مزید بحث	۵۸۳
تقدیم خبر پر بعض احادیث سے استدلال	۶۳۹	**نحو**	
تکمیل، مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کی بحث	۶۴۹	اسم تفضیل کی تفصیل و تشریح	۶۰۲
خبر کو مقدم کرنے کے نکات و حکم	۶۵۲	علامہ جامی علیہ الرحمہ کے قول سے استدلال	۶۰۶
لغت		رضی استرابادی کے قول سے استدلال	۶۰۷
لفظ شیعی اور رمی بالتشیع میں فرق ہے	۷۹	تحقیق رضوی بابت افعل التفضیل	۶۱۱

موضوع ومحمول اور معرفہ ونکرہ سے متعلق ایک ضابطے کا افادہ	۶۳۵	اصولیہ ہندسیہ توضیح دعوی	۳۰۸
لام جب عہد کے لیے نہ ہو استغراق کے لیے ہوگا (ضابطہ نحویہ)	۶۳۷	ثبوت دعوی کی تقریر	۳۰۹
منطق		زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس کے قاعدے پر نازل ہونے والا عمود قاعدہ کا نصف ہوگا جب مثلث کی دونوں ساقین مساوی ہوں	۳۱۰
چونکہ قرب امر اضافی کلی مشکک ہے اس لیے اس کی تعیین موقع اور محل کے لحاظ سے بتقاضائے عقل ہوگی	۱۷۸	دعوی کی توضیح اور ثبوت	۳۱۱
انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص ہے	۴۵۳	زاویہ مختلف الساقین کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۲
حکم بے تصور محکوم علیہ محال قطعی ہے	۴۶۰	زاویہ منفرجہ کے عمود کی مقدار کا بیان	۳۱۳
تفضیلیہ کی ایک منطقی دلیل کا رد بوجوہ چند	۶۱۷	مثلث کی دو شاخوں کے مختلف ملتقی پر پیدا ہونے والے زاویوں کا بیان	۳۱۴
بطرز دیگر اثبات مدعی پر منطقی دلیل	۶۲۵	دونوں قسم کے ملتقی پر تینوں زاویہ کے پیدا ہونے کا امکان	۳۱۷
ترغیب وترہیب		شکل ہندسی سے مقام موذن کی تصویر	۳۲۰
سنت بدلنے والوں کے لیے شدید وعیدیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تبدیل سنت کی نسبت سخت قبیح امر ہے	۱۳۱	مقدار عمود کی حقیقی نسبت کا بیان	۳۳۰
نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا منع اور اس فعل پر وعیدیں	۱۵۶	زاویہ قائمہ اور منفرجہ کے عمود کے فاصلے کا بیان	۳۳۰
مسئلہ ظنی میں آزادی اختیار کرنے والوں کو تنبیہ وتہدید	۶۷۲	**تاریخ وتذکرہ**	
ہندسہ		یہ روایت محض بے اصل ہے کہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یزید کو واسطے مغفرت کے کوئی نماز بتائی تھی	۵۲
زاویہ قائمہ، منفرجہ اور حادہ کا مقام حدوث	۳۰۶	ان چھ مفسرین کے نام جنھوں نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس حدیث پر اعتبار کیا	۶۰
بیان مذکور کی تعبیرات مختلفہ	۳۰۷	ان فقہاء کے نام جنہوں نے اپنی کتابوں میں منصوص طور پر یہ مسئلہ ذکر کیا	۶۰

امام زین العابدین اور امام زید کا واقعہ	۸۲	حضور سرکار غوثیت کا سب سے پہلا حج	۳۷۰
ایسے جلیل القدر ۳۸ ائمہ حدیث کا ذکر جن کی عادت ارسال حدیث کی تھی	۸۳	ابن سقا کا انجام اور اس کا سبب	۳۹۹
جو دروازہ خطیب کی پشت پر تھا وہ سائب ابن یزید کی ولادت سے پہلے سال دو سال بند ہو چکا تھا	۹۶	روح غزالی کا جناب کلیم اللہ سے کلام کرنا،	۴۱۰
ایک نام نہاد طالب العلم کی تحریف	۲۲۷	تذکرہ وعظمت حارثہ بن نعمان ونعیم بن عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما	۴۲۳
اذان جمعہ کی تاریخ از روئے مذہب امام مالک۔	۲۲۹	تحفہ قادریہ شریف اعلی درجہ کی مستند کتاب ہے	۴۲۹
اس باب میں مجدد الف ثانی کا ایک دردناک مکتوب	۲۳۴	حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتنی عمر میں ایمان لائے	۴۳۴
اذان بین یدی الخطیب میں عہد رسالت کے بعد کسی قسم کا تغیر تاریخ سے ثابت نہیں	۲۴۸	حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پرورش سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنار اقدس میں ہوئی	۴۳۶
مسجد نبوی کی آرائش پر ولید کے غیر معمولی مصارف کا بیان	۲۵۶	بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا	۴۳۶
اللہ تعالٰی نے ابراہیم علیہ السلام کو اعلان حج کا حکم دیا آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر اعلان کیا	۲۷۴	لقب "کرم اللہ تعالٰی وجہہ" کا سبب	۴۳۶
اعلان حج کے وقت وہ پتھر مطاف میں دیوار کعبہ کے پاس تھا یعنی مسجد حرام میں تھا تو اعلان اندرون مسجد ثابت ہوا	۲۷۵	قُس بن ساعدہ اور زید بن نفیل کا تذکرہ (حاشیہ)	۴۳۸
مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لال کافر کو مارنے والا قصہ بے اصل ہے	۳۶۶	زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ تھیں	۴۵۰
حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سرداران اولیاء میں سے ہیں	۳۶۹	صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی بت پرستی نہیں کی بلکہ بچپن میں پتھر مار کر بت کو منہ کے بل گرا دیا	۴۵۶
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست مبارک روضہ انور سے بوسہ کے لیے نکالنا	۳۷۰	بعض جزئی مقید نائبین کے اسماء گرامی۔	۴۷۰
		کتاب مستطاب "سبع سنابل" بارگاہ رسالتمآب میں قبول عظیم پر واقع ہوئی	۴۸۵

میر عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات	۴۸۵	ولد الزنا کی خلافت و بیع کا حکم	۵۲
حضرت بلال کی آزمائش اور صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہما)	۵۰۶	جانشینی و نیابت دو قسم پر ہے	۴۶۹
حضرت عامر اور دیگر چھ صحابہ کو صدیق اکبر کا آزاد کرنا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم اول جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لیے دوسرے کو اپنا نائب کرے	۴۶۹
سات ان صحابہ کرام کا نام جن کو صدیق اکبر نے آزاد فرمایا (رضی اللہ تعالٰی عنہم)	۵۰۹	قسم دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی	۴۷۱
حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا آغوش رسالت میں پرورش پانا	۵۱۴	خلفائے ثلثہ کی خلافت کے بارے میں ارشاد علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہم	۴۷۲
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا چالیس ہزار دینار خرچ کرنا	۵۱۹	خلافت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۴۷۳
عبدالرحمٰن بن ملجم خارجی تھا	۵۶۲	**خواب**	
خلافت وبیعت		اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو	۳۶۶

اذان ونمازومساجد

مسئلہ ۱: از جھونامارکیٹ کراچی بندر مرسلہ حضرت سید پیر ابراہیم صاحب مدظلہ الاقدس ۱۵ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ
کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر غیر منکوحہ عورت سے لڑکا تولد ہوااور قضائے الہی سے فوت ہوااس کی قبر پر خانقاہیں بنانااور واسطے مرادوں کے دعامانگنااور صاحب القبر کو اولیاقبول کرناشر عادرست ہے یانہیں؟ اگر ایسا شخص صفت بالامیں متصف ہے اور مسجد میں امام ہے توہزاروں مقتدیوں کو تحقیق واقعات بالاکے نماز قبل از تحقیقات کااعادہ کرناافضل ہے یانہیں؟

الجواب:
جو شخص فاسق وفاجر ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے پھر اگر فاسق معلن ہے تو کراہت تحریمی ہے اور اعادہ واجب ہے ورنہ تنزیہی اور اعادہ بہتر **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲: از موضع چانڈپور ڈاکخانہ بمنوئی تحصیل سکندرہ راؤ ضلع علیگڑھ مسئولہ مرزااحسان بیگ صاحب زمیندار ۷ جمادی الاولی ۱۳۳۹ھ
بعد سلام مسنون معروض خدمت ہوں کہ نماز غفیراکی بابت میں ذکرالشادتیں دیکھاہے کہ حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی نے یزید کو واسطے مغفرت کے بتائی تھی مجھے اس نماز کہ تلاش ہے میں پڑھناچاہتاہوں براہ مہربانی اس مسئلہ پر التفات مبذول فرماکر ترتیب نماز سے

اطلاع دیجئے۔

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ وبرکاتہ۔ یہ روایت محض بے اصل ہے حضرت نے کوئی نماز اس پلید کی مغفرت کے لیے اس کو تعلیم نہ فرمائی۔

مسئلہ ۳: ازاسپتال دھام نگر ضلع بالسیر اوڑیسہ

کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے میں کہ یہاں ایک شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو خلیفہ بنایاہے وہ مرید بظاہر پابند شریعت ہے ذکر واذکار کا پابند ہے آپ کے عقیدہ ہے اورآپ کامداح علم انگریزی میں اچھی دخل ہے مسائل شریعت سے بھی اقفیت ہے سب باتیں صحیح ہین لیکن وہ ولد الزنا ہے اب حضور والا سے عرض ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز درست ہے یانہ ؟اور بیعت جو ہوگاوہ عندالطریقت صحیح ہے یانہ ؟اور جو ولد الزنا کو خلیفہ بنادے وہ شاہ صاحب کیسے ہیں ؟اب خلیفہ سے جر مرید ہو ایاشاہ صاحب دونون مرید صحیح ہیں یانہ **بینوا توجروا**۔

الجواب:

ولد الزنا کے پیچھے نماز مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولی ہے جبکہ وہ حاضرین سے علم میں زائد نہ ہو ورنہ اسی کی امامت اولی ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الاختیار ولو عدمت ای علۃ الکراھۃ بان کان الاعرابی افضل من الحضری والعبد من الحر وولد الزنامن ولد الرشدۃ والاعمی من البصیر فالحکم باالضد اھ ونحوہ فی شرح الملتقی للبھنسی وشرح درر البحار[1]۔	اختیار میں ہے کہ جب کراہت کی علت معدوم ہو جائے یعنی دیہاتی شہری سے،غلام آزاد سے،ولد الزناثابت النسب سے اور اندھابینا سے افضل ہوجائے اور درر البحار بھی ایسا ہے۔ (ت)

یونہی اگروہ لائق خلافت ہے اسے خلافت دینی اور عقیدت کے ساتھ اسکے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں نہ اس پر نہ اس کے شیخ پر اس میں کچھ الزام قال تعالٰی "لَاتَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[2] کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔(ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الامامۃ دار التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۶

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

رسالہ
رسالہ شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر
(منبر کے سامنے نداء کے بیان میں عنبر کے شمامے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ط

اذان من اللہ الحق المبین ان الحمد للہ رب العلمین و افضل الصلوات و اعلی التسلیمات علی من اذن باسمہ الکریم فی اطباق السموات والارضین و سیؤذن بحمدہ العظیم ووصفہ الفخیم علی رؤس الاولین و الاٰخرین یوم الدین وعلی الہ وصحبہ و ابنہ الکریم الغوث الاعظم وسائر حزبہ اجمین۔ امین!	حمد اس وجہ کریم کو جس کا یہ اعلان ہے کہ سب تعریفیں میری ذات کے لیے ہیں اور افضل ترین درود و سلام اس ذات گرامی پر جس کے نام نامی کا اعلان اللہ تعالٰی نے آسمانوں کی بُلندیوں اور زمینوں کی پستیوں مین فرمایا اور روز قیامت کی بھڑ میں اولین وآخرین سے منتخب فرما کر آپ کو اپنی مخصوص حمد وثنا کی اجازت اور اذن دے گا۔اور آپ کی آل و اصحاب اور آپ کے فرزند غوث اعظم پر،اور حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ساری امت پر آمین !

وبعد:فھذہ سطور ان عدت یسیرۃ و بیزۃ،و فیھا علوم ان شاء اللہ عزیزۃ عزیزۃ فی بیان ما ھو السنة فی اذان الخطبة یوم الجمعة سمیتھا "شمائم العنبر فی ادب ابلنداء المنبر" و الغرض بیان ماظھر من حقائق زبر الحدیث الجلی و الفقہ الحنفی معروضة علی ساداتنا علماء اھل السنة فی بلاد الاسلام للاستعانة بھم فی احیاء سنة نبینا الکریم علیہ و علی الہ افضل الصلوۃ و التسلیم۔ والعبد الذلیل عائذ بجلال وجہ ربہ الجلیل،و جمال محیا حبیبہ الجمیل،علیہ وعلی الہ الصلوت بالتبجیل من کل عین لاتنظر بالانصاف وتقوم بالخلاف علی قدم الاعتساف فضلا عمن یخلد فی ارض اتباع الرواج؛،وتقدمہ علی سنة صاحب التاج والمعراج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ،وعلی الہ وصحبہ وشرف وکرم۔	حمد وصلوۃ کے بعد یہ چند سطریں ہیں بظاہر تھوڑی اور مختصر، مگر ان میں اذان خطبہ سے متعلق علوم وفنون کا سمندر سمٹا ہوا ہے ہم نے جس کا نام "ندائے منبر کے آداب میں عنبر کے شمامے" رکھا جس سے ہمارا مقصد حدیث رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور فقہ حنفی سے روشن ہونے والے تابناک حقائق کو جملہ علمائے اہل سنت عموما اور خصوصا علمائے حرمین شریفین کی خدمات عالیہ میں پیش کرنا ہے(اللہ تعالٰی انہیں توفیق خیر عطا فرمائے،اور قیامت تک ان سے مذہب حق کی حفاظت وحمایت کاکام لے)تاکہ ہم رسول انام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایک مردہ سنت کی احیاء میں ان سے مدد حاصل کریں۔ یہ بندہ عاجز اپنے جلیل وبزرگ پروردگار کے وجہ کریم کے جلال اور اس کے حبیب لبیب کے چہرہ جمیل کی پناہ ڈھونڈتا ہے ایسی آنکھوں سے جو انصاف کو نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کا ارادہ رکھیں نہ دیکھ سکیں اور ظلم واختلاف کاارادہ رکھیں نہ کہ وہ جو رسم ورواج کی پابندی میں ثابت قدم ہوں اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کریم پر اس کو ترجیح دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ط

یقول العبد المستعین بربہ العظیم وھو نعم المعین ثم بحبیبہ الکریم وھو	بندہ اپنے رب عظیم سے مدد مانگتے ہوئے(کہ وہی اچھامدد گار ہے)پھر اپنے حبیب رؤف وامین

نعم الامین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی الہ و صحبہ اجمین حامدا و مسلما و مشھدا و مصلیا۔ قد علمتم یاسادتی و اخوتی رحمنا اللہ تعالٰی و ایاکم وبالسلامۃ حیاناوحیاکم ان خیر الحدیث کتاب اللہ و خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا وان المعروف معروف وان صار منکرا والمنکر منکر و ان صار معروفا فلم بمایحدث حدث و یشیع و ینکر علیہ بدء فیضیع امالامر الامارۃ او نفوس امارۃ۔ والعالم یقول الھوی متبع و القول لایسمع و قد قضیت ماعلی فان سکت فلا علی فیدع، فلا یدعو، فالمنکر یربو ویفشو، وتنشؤ الصغار فتقتفی الکبار فیظن متوارثا وماکان الاحادثا، وٰایۃ ذلك کونہ علی خلاف السنۃ المرویۃ ومناواۃ الخصلۃ المرضیۃ ومع ذلك اذافتشتہ فی الصدر الاول، و القرون الاول لم ترلہ اثرا۔ وان سألت	صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین کی حمایت چاہتے ہوئے حمد وصلاۃ سلام وتشہد پڑھتے ہوئے عرض پرداز ہے۔ اے ہمارے سردارو اور بھائیو ! اللہ تعالٰی ہم پر اور آپ پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سلامتی کے ساتھ زندہ رکھے آپ خوب جانتے ہیں کہ تمام باتوں سے بہتر خدا کی کتاب ہے اور تمام سیرتوں سے برتر سیرت رسول ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور سب چیزوں سے برے وہ نو ایجاد ہیں (جن کی دلیل قرآن و حدیث نہ ہو) پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے گی چاہے لوگ اسے ناپسند کریں اور ناپسندیدہ چیز ناپسندیدہ ہی رہے گی چاہے سب لوگ اس میں مبتلا ہوں۔ بہت ساری ناپسندیدہ باتوں کی سرگزشت یہ ہے کہ پیدا ہو کر پھیل جاتی ہیں اہل حق اس پر نکیر بھی کرتے ہیں لیکن یہ ردو قدح ضائع ہو جاتی ہے جس کے چند اسباب ہوتے ہیں (۱) ان نو ایجاد امور کی اشاعت کے لیے حکومت اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتی ہے۔ (۲) سرکش نفوس اسے رواج دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ (۳) علماء جو انہیں روک سکتے تھے ان کا خیال ہوتا ہے لوگ اتباع نفس میں ایسا گرفتار ہیں کہ ہماری بات سننے کو تیار نہیں اور ہم اس سلسلہ میں ہدایت کا حق ادا کر چکے ہیں اب خاموش میں رہیں تو ہم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ عالم یہ سوچ کر رشد وہدایت

متی حدث، ومن احدث لم تجد به خبر افیجعل الناس لعدم العلم بمبدئه علمابعدمه و علماعلی قدمه، وماالیه سبیل، مع خلاف الدلیل، و انماتحکیم الحال عند الاحتمال و الافالحادث لاقرب اوقاته ولغفلة الناس عن هذاالبنایة تفوه الالسنة انه السنة، وتصیر النفوس الیه مطمئنة و عند ذلك یکون المعروف منکر او المنکر معروفا[1]۔ کمافی حدیث عــہ۱ عن المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ویکذب الصادق ویصدق الکاذب[2] کماقد صح عــہ۲

چھوڑ دیتے ہیں اور گمراہی پھیلتی رہتی ہے اور بڑھتی رہتی ہے چھوٹے لوگ اسے بڑھاوادیتے ہیں بڑے لوگ ان کے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور لوگ انہیں متوارث سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک نوپید بات ہوتی اس کے نوزائیدہ ہونے کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ سنت مرویہ کے خلاف اور خصائص حمیدہ کی ضد ہوتی ہے اور اسلام کے ابتدائی عہد میں اس کا کہیں پتاہی نہیں ہوتا اسکی ایجاد کے وقت اور موجد کا پتاپوچھا جائے تو کچھ پتاہی نہیں چلتالوگ اس لاعلمی کو اس بات کا ثبوت مان لیتے ہیں کہ یہ شروع سے ہی ایسے ہی ہورہی ہے حالانکہ نہ تو تاریخ اس کی تائید میں ہوتی نہ دلیل سوائے اس امر کے پتانہیں کب سے ایساہی ہورہاہے لوگوں کی طبیعتیں اس درجہ خود فراموش واقع ہوئی ہیں کہ بہت سے قریب العہد نوپید امور کی تاریخ بھی ان لوگوں کو معلوم نہیں رہتی اور لوگ اسی کو سنت سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں اس وقت برائی اچھائی بن جاتی ہے اور اچھائی برائی حدیث شریف میں ہے سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا سمجھا جانے لگتا ہے

عــہ۱: رواہ ابن عساکر عن محمد بن الحنفیة و المسعودی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم ۱۲ منه۔

عــہ۲: رواہ ابن ابی الدنیا و الطبرانی فی الکبیر و ابو نصر السجزی فی الابانة و

ابن عساکر نے محمد بن حنفیہ اور مسعودی سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا (ت)

ابن ابی الدنیا اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں، امام ابو نصر سجزی نے کتاب الابانۃ میں، امام (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۵ / ۲۶۲

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸،۲۹۳

عن سید الاطائب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن القی علیھم السنۃ فکانما یحول جبلۃ او یحاول جبلا او یبتدع حکما من عندہ قبلا۔ و ان القلب اذا امتلاء بشیئ لم یکد یقبل غیرہ لداب مستمر، فان	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یہ صحیح حدیث بھی مروی ہے "تو جو انہیں کسی سنت پر ابھارے گو یا ان کو فطرت بدل رہا ہے یا پہاڑ منتقل کرنے کا قصد کر رہا ہے یا اپنے پاس سے کوئی حکم گھڑ رہا ہے۔" اور دل مین جب کوئی بات سما جاتی ہے تو آدمی اپنی عادت جاریہ کے خلاف کچھ قبول ہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ابن عساکر فی تاریخ دمشق عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند لاباس بہ، والطبر نی فیہ والحاکم فی الکنی ابن عساکر عن عوف بن مالک الاشجعی والطبرانی فیہ والبیھقی فی البعث وابن النجار عن ابن مسعود والطبرانی فیہ عن ام المومنین ام سلمہ ونعیم ابن حماد فی الفتن عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم و لفظۃ حدیث ام المومنین لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب[1] الحدیث وھو قطعۃ احادیث عندھم جمیعا ۱۲ منہ۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لاباس بہ سند کے ساتھ اس کو روایت کیا طبرانی نے کبیر میں حاکم نے کنی میں اور ابن عساکر نے عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے کبیر میں اور امام بیہقی نے بعث میں اور ابن نجار نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا طبرانی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، اور نعیم بن حماد نے "فتن" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے (اور سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی) ام المؤمنین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: لیاتین علی الناس زمان یکذب فیہ الصادق و یصدق فیہ الکاذب الحدیث۔ اور یہ سب کے نزدیک حدیث کا ایک ٹکڑا ہے ۱۲ منہ

[1] المعجم الاوسط حدیث ۸۶۳۸ مکتبۃ المعارف الریاض ۹/ ۲۹۳

قراء لم یجاوز التراق اوسمع لم یجاوز الاذن وما بھذا امر وانماقال له ربه وقول الحق ووعده الصدق "فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ "[1] فالسبیل الاستماع ثم الانتفاء ثم الاتباع،لاان یقنع ولایسمع،او یکو ن من الذین سمعو اوھم لا یسمعو ن فھم بالقرآن لاینتفعو ن۔ وانماالنفع لمن کان له قلب مرید أو القی السمع وھو شھید۔ فعلیك یااخی القاء السمع وانقاء القلب عن الجزم او لابایجاب اوسلب رجاء ان تجد حقافتذ عن فان الحکمة ضالة المؤمن فتدخل او ذاك فی بشارة مولاك واللہ یتولی ھدای وھداك۔ ولنجمل اولاماوجدہ الفقیر فی ھذہ المسألة من الحدیث الکریم	نہیں کرتا۔اگر کوئی بات اس کے خلاف پڑھتا ہے تو حلق کے نیچے نہیں اترتی اور سنتا ہے تو کان سے آگے نہیں بڑھتی جبکہ لوگوں کو اس ہٹ دھرمی کا حکم نہیں دیا گیا ہے وہ تو یوں فرماتا ہے "ہمارے ان بندوں کو بشارت دو جو اچھی بات سن کر اس کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں ہدایت دی اور وہی اہل عقل وبصیرت ہیں۔" توراستہ تو سن کر انتفاع اور اتباع کا تھانہ کہ قناعت کرکے بیٹھ رہنے اور نہ سننے کا۔یا سن کر ان سنی کردینے کا ایسے لوگ قرآن سے کچھ مستفید نہیں ہوتے۔ نفع تو ان لوگوں کو پہنچتا ہے جو ارادہ قلبی اور سماع حضور کے ساتھ سنتے ہیں۔ پس اے برادران محترم!غایت توجہ اور عنایت قلب کے ساتھ قبل از مطالعہ یک طرفہ فیصلہ کئے بغیر اس ارادہ سے کہ حق ہوگا تو قبول کروں گا۔ہمارے معروضات سنیں کہ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے،اور اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے، ہماری اور آپ دونوں کی ہدایت فرمائے۔ پہلے تو ہم احادیث کریمہ،فقہ مستقیمہ،بلکہ قرآن عظیم میں ایک فقیہ مسئلہ دائرہ میں جو کچھ

[1] القرآن الکریم ۳۹/۱۷و۱۸

والفقه القويمِ بل ومن القرآن العظيم ،ثم نفصله تفصيلاباذن الفتاح العليم۔لان التفصيل بعد الاجمال اوقع فى النفس واقمع للتكمين والحدث ولا اريد كل التفصيل لمابد فان المسئلة تحتمل مجلد اولكن ماقل وكفى خير مما كثر والهى[1] قاله عــه النبى المصطفى صلى الله تعالٰى عليه وعلى اله افضل الصلوة والثنا۔	پاسکتا ہے اسے اجمالابیان کرتے ہیں پھر ان شاء اللہ تعالٰی مسئلہ کی ضروری تفصیل بیان کرینگے کہ اجمال کے بعد تفصیل نفس میں زیادہ جاگزیں اور ظن و تخمین کو زائل کرنے والی ہوتی ہے پوری تفصیل کے لیے تو صحیفے درکار ہیں مگر جب واجبی بیان سے کام چل جائے تو مکمل تفصیل کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں۔حدیث شریف میں ہے"جو کلام مختصر اور کفایت کرنے والاہو طویل اور الجھادینے والے بیان سے اچھاہے۔
فاقول:وبه استعين:ارشدناالحديث الصحيح الذى رواه ابو دواد فى سننه وامام الائمةابن خزيمه فى صحيحه،امام ابو قاسم الطبر انى فى معجمه الكبير ان السنة فى هذاالاذان ان يكون بين يديه الامام اذاجلس على المنبر فى حدود المسجد لافى جوفه هكذاكان يفعل على عهدرسول الله تعالٰى عليه وسلم وعهدصاحبيه ابى بكر وعمر	پس میں اس کی مدد کے ساتھ **کہتاہوں** سنن ابی دواد، صحیح امام ابن خزیمہ، معجم کبیر امام ابولقاسم الطبرانی کی حدیث سے پتاچلتاہے کہ اذان خطبہ میں سنت یہ ہے امام مبنرپر بیٹھے تو اس کے سامنے حدود مسجد کے اندر(نہ کہ خاص مسجد میں) اذان دی جائے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے عہد ہائے مبارک و مسعود میں اور دیگر خلفاء راشدین وغیرہ صحابہ کرام وزمانہ تابعین و ائمہ مجتہدین میں ایساہی ہوتارہا،

عــه:رواه ابو يعلى او الضياء المقدسى فى المختارة عن ابى سعيد الخدرى رضى الله تعالٰى عنه ۱۲منه

ابویعلی اور ضیاء مقدسی نے مختارہ میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کوروایت کیا۱۲منہ (ت)

[1] کنز العمال حدیث ۱۶۱۲۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳۷۵/۶

رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ولم یأتنا عن احد من الخلفاء الراشدین و غیرھم من الصحابۃ و التابعین و الائمۃ المجتھدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین تصریح قط بخلاف ذلك وماکان لھم ان یقولوا والعیاذ باللہ ترك ماھنالك۔	کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں اور معاذاللہ رب العالمین وہ اس کے خلاف کہہ بھی کیسے سکتے تھے۔
وقداعتمد ھذاالحدیث کبار المفسرین فی تفسیر الکریمۃ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ"[2] کالزمخشری فی الکشاف، والامام الرازی فی مفاتیح الغیب والخازن فی لباب التاویل، والنیسابوری فی رغائب الفرقان، والخطیب والجمل وغیرھم و اوردہ الامام الشعرانی فی کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، کما سیاتیك نصوصھم ان شاء اللہ تعالٰی۔	اس حدیث پر بے شمار ائمہ مفسرین نے آیت مبارکہ "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ" کی تفسیر میں اعتماد کیا چنانچہ کشاف میں زمخشری مفاتیح الغیب میں امام رازی، لباب التاویل میں امام خازن، رغائب الفرقان میں امام نیشاپوری خطیب و جمل وغیرہ نے اسے ذکر کیا امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ عن جمیع الامۃ میں اس پر اعتماد کیا عبارتیں سب کی آگے آرہی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔
ثم تظافرت کلمات علمائنا فی الکتب المعتمدۃ علی النھی عن الاذان فی المسجد و انہ مکروہ، نص علیہ الامام فقیہ النفس فی الخانیۃ، والامام البخاری فی الخلاصۃ، والامام الاسبیجابی فی شرح الطحاوی، والامام الاتقانی فی غایۃ البیان	ہمارے ائمہ فقہ نے کثرت کے ساتھ فقہ کی کتب معتمدہ میں مسجد کے اندر اذان کی ممانعت فرمائی کہ مکروہ ہے [1]فقیہ النفس امام قاضیخاں نے خانیہ میں [2]امام بخاری نے خلاصہ میں امام [3]اسبیجابی نے شرح طحاوی میں [4]امام اتقانی نے غایۃ البیان میں [5]امام عینی نے بنایہ میں

[1] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہو ۱/۱۵۵، المعجم الکبیر حدیث ۶۶۴۴ المکتبۃ الفیصیلۃ بیروت ۷/۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۶۲/۹

والامام العینی فی البنایة، والامام المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر، والامام الزندوستی فی النظم، والامام السمعانی فی خزانة المفتین و مختار الزاھدی فی المجتبی، والمحقق زین بن نجیم فی البحر الرائق، والمحقق ابراھیم الحلبی فی الغنیة والبرجندی فی شرح النقایة والقھستانی فی جامع الرموز، والسید الطحطاوی فی الحواشی علی مراقی الفلاح واصحاب الفتاوی العالمگیریة، والفتاوی التاتارخانیة و مجمع البرکات، ولم یستثنوا منه فصلا۔ ویلموا بتخصیص اصلا، والھجوم علی تخصیص النصوص من دون خصوص فھم مخصوص بل و ھم مرصوص۔ ثم ولنا القراٰن العظیم والاحادیث و الشاھد المطبق علیه فی القدیم والحدیث ان التاذین فی جوف المسجد اساءة ادب بالحضرة الالھیة۔ ثم ھو خلاف ماشرع له الاذان۔ ثم لیس علیه من حدیث ولا فقه دلیل ولا برھان ولا یعارض العلامة الحکم ولا الاشارة العبارة ولا المحتمل الصریح ولا المجاز علی الحقیقة۔ ثم ھو علی حاله ھذا وان شاع فی زماننا فی بعض الاصقاع لم ینعقد قط علیه الاجماع و لا علیه تعامل فی جمیع البقاع۔ ولا ھو متوارث من الصدر الاول،

[6]امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں [7]امام زندوستی نے نظم میں [8]امام سمعانی نے خزانۃ المفتین میں [9]مختار زاہدی نے مجتبی میں، [10]محقق زین ابن نجیم نے بحر الرائق میں، [11]محقق ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، [12]برجندی نے شرح نقایہ میں، [13]قہستانی نے جامع الرموز میں، [14]سید طحطاوی نے حواشی مراقی الفلاح میں، نیز اصحاب [15]فتاوی عالمگیریہ، [16]فتاوی تاتارخانیہ اور مجمع البرکات نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان حضرات نے نہ تو کسی جزء کا استثناء کیا نہ تخصیص کی طرف اشارہ فرمایا تو غیر مخصوص کی تخصیص کا ارادہ ایک ناقص رائے اور وہمی قیاس آرائی ہے۔ اس مسئلہ میں مزید چند امور قابل غور ہیں (۱) جوف مسجد میں اذان دینا دربار الٰہی کی بے ادبی ہے اس پر قرآن و حدیث اور عہد قدیم سے آج تک کا عرف شاہد ہے۔ (۲) جوف مسجد میں اذان، مشروعیت اذان کے مقصد کے خلاف ہے۔ (۳) جوف مسجد میں اذان کے جواز پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل نہیں اگر کہیں علامت یا اشارۃ النص یا احتمال و مجاز کے طور پر اس کا تذکرہ ہو بھی تو یہ اسی باب میں علی الترتیب حکم، عبارۃ النص اور صریح و حقیقت کے معارض نہیں ہوسکتے (۴) اندرون مسجد اذان گو آجکل بعض مقامات میں شائع و ذائع ہو مگر پورے عالم اسلام میں نہ تو اس پر اجماع ہوا ہے نہ عہد رسالت سے اس کا توارث ثابت ہے پس ایسے امر کا جواز

فمثل ھذالایحتمل ولایقبل والمنکر لایصیر معروفاوان فشا۔ولاالحادث قدیماوان لم نعلم متی نشاء۔ ویاسادتناعلماء السنة انتم المدخرون لاحیاء السنة وقد ندبکم الی ذلك نبیکم صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی غیر عـــہ۱ ماحدیث ووعدتم عـــہ۲ علیه اجر مائة	نہ تو محتمل ہے نہ قابل قبول اور جو فعل شرعاناپسندیدہ ہو گو لاکھ معروف و مشہور ہو گو ہم اس کے ایجاد کازمانہ متعین نہ کر سکیں مقبول ومعروف شرعی نہیں ہو سکتا۔ اے سرداران امت علمائے اہلسنت اللہ تعالٰی نے آپ لوگوں کو احیائے سنت کے لیے تیار کر رکھا ہے اور آپ کے رسول گرامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں آپ کو اس کی دعوت دی ہے اس پر سو شہیدوں

عـــہ۱:الترمذی عن بلال وابن ماجه عن عمرو بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنهماعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم:من احیاسنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجر من عمل بهامن غیر ان ینقص من اجورهم شیئا[1]۔۱۲منه عـــہ۲:والبیهقی فی الزهد عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهماقال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه و سلم "من تمسك بسنتی عند فسادامتی فله اجر مائة شهید[2]"	ترمذی نے حضرت بلال وابن ماجہ نے حضرت عمرو بن عوف رضوان اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی جس نے میری کسی مردہ سنت کو زندہ کیا اسے تمام عمل کرنے والوں کے اجر کے برابر ملے گا ان کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ امام بیہقی نے کتاب الزہد میں ابن عباس سے انہوں نے رسول اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کی" جس نے میری امت کے فساد کے وقت میری سنتوں پر مضبوطی سے عمل کیا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا"

[1] جامع الترمذی ابواب العلم باب الاخذ بالسنة الخ امین کمپنی دہلی ۹۲/۲، سنن ابن ماجہ باب من احیاء سنة قد امیتت ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹

[2] کتاب الزہد الکبیر للبیہقی حدیث ۲۰۹ دارالقلم الکویت ص۱۵۱

شهيد۔ وان عـــه تكونوا به مع نبيكم فی دار المزيد۔ وانما تحی اذا اميتت وانما تموت اذا ترك الناس العمل بها وسكت عنها علماؤ هم لماقد مرا و شبه لهم فلمن احيا لاحقا اجره ولمن سكت سابقا عذره على ذلك مضى امر احياء السنن وتجديد الدين من سالف الزمن الى هذا الحين فالاستناد فی مثله بعمل الناس و عادتهم او سكوت من سلف قريب من سادتهم او زعم انه يلحقهم بذلك شين	کے اجر اور دار اخرت میں اپنی ہم نشینی کا وعدہ فرمایا ہے۔ سنت کا احیا جبھی ہوگا کہ لوگوں نے اسے مردہ کرڈالا اور موت اسی صورت میں ہوگی کہ لوگ اس پر عملدرامد ترک دیں اور اس وقت کے علماء مذکورہ بالاوجوہ کی بنیاد پر ان کی اس حرکت پر خموش رہے ہوں پس جو ایسی سنت زندہ کرے اسے اس کا اجر ملے گا اور جس نے خاموشی اختیار کی وہ معذور سمجھا جائے گا اسی نہج پر احیائے سنت کا معاملہ عہد قدیم سے آج تک چلتا رہا ہے اس لیے لوگوں کے عمل یا عادت یا کسی عمل پر ماضی قریب کے علماء کی خموشی سے استدلال اور یہ خیال کہ اگر مسئلہ دائرہ خلاف شرع ہوتا

عـــه: السجزی فی الابانة عن انس رضی الله تعالٰى عنه: من احيا سنتی فقد احبنی ومن احبنی كان معی فی الجنة[1]

رواه الترمذی بلفظ من احب اللهم ارزقنا، امين! ۱۲ منه

امام سجزی نے کتاب الابانۃ میں حضرت انس اور انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی۔ "جس نے میری سنت زندہ کی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا"
اور امام ترمذی نے لفظ احب کے ساتھ روایت فرمایا ہے یااللہ! ہم سب کو آپ کی محبت عطا فرما! ۱۲ منہ

[1] کنز العمال بحوالہ السجزی عن انس حدیث ۹۳۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۸۴

مع جلالتھم۔ کل ذلك جھل واضح و و ھم فاضح وسد لباب احیا السنة مع انه مفتوح بید المصطفی سید الانس و الجن صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و موعود علیه عظیم المنة۔ واماتفصیل کل مع اجملت ھنافغی شمائم زاکیات. فی کل شمائمة نفحات طیبات وعلی حبیبناواله اطیب الصلوۃوانمی التحیات۔	تواس پران علماء کی خموشی ان کے لیے باعث عار ہوتی۔ یہ سب خیال کھلی جہالت اور واضح وہم پرستی ہے اوراحیائے سنت کاسد باب ہے حالانکہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے احیائے سنت کادروازہ کھلارکھاہے اوراس پر عظیم انعام واکرام کاوعدہ فرمایاہے۔ اب ہم مہکتے شاموں اور لپکتے نفحات میں اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں اللہ تعالٰی ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل واصحاب پر مقدس درود اور مبارک تسلیمات نازل فرمائے۔آمین

الشمامة الاولٰی من عنبر الحدیث

(عنبر حدیث کا شمامہ اولٰی)

نفحہ۱: أنبانا شیخنا العلامة الامام شیخ العلماء بالبلد الکرام السید احمد بن زین بن دحلان المکی قدس سرہ الملکی بمکة مکرمة ۱۲۹۶ھ عن الشیخ عثمان بن حسن الد میاطی الازھری عن الشیخ محمد الامیر المالکی والشیخ عبد اللہ الشر قاوی الشافعی الازھریین ح، وانبانا المولی المفتی العلامة عبد الر حمن السراج مفتی البلد الحرام فی ذی الحجة ۱۲۹۵ھ عن مفتیھا المولی جمال بن عبد اللہ بن عمر ح وانبانا عالیا بدر جة السید حسین بن صالح جمل اللیل المکی	**نفحہ۱:** ہمارے شیخ، شیخ علمائے حرم سید احمد ابن زین ابن دحلان مکی قدس سرہ نے مکہ مکرمہ میں ۱۲۹۶ھ میں ہم سے بیان کیا، ان سے شیخ عثمان بن حسن دمیاطی ازہری نے، ان سے شیخ محمد امیر مالکی نے اور شیخ عبداللہ شر قاوی شافعی ازہری نے ح، ہم سے علامہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن بن سراج مکی نے ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں مولانا مفتی مکہ جمال ابن عبداللہ ابن عمر کے واسطہ سے بیان کیا ح ہمیں حسین ابن صالح جمل اللیل مکی نے باب صفا کے پاس اپنے گھر ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ میں بیان کیا اور احمد ابن زید جمل اللیل نے بھی۔ دونوں حضرات

ببیتہ عند باب الصفا فی ذی الحجۃ ۱۲۹۵ کلاھما عن الشیخ عابد السندی المدنی عن الشیخ صالح الغلانی والسید عبدالرحمٰن بن سلیمان الاھدل و یوسف بن محمد المزجاجی والسیدبن احمدو قاسم ابنی سلیمٰن وعمہ محمد حسین الانصاری ح، و انبانا شیخنا السید الامام العارف باللہ الشاہ آل الرسول الاحمدی فی جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ عن الشاہ عبدالعزیز الدھلوی عن ابیہ الشاہ ولی اللہ الدھلوی عن الشیخ ابی طاھر بن ابراھیم الکردی المدنی ح، وغیرھم من مشایخنا رحمھم اللہ تعالٰی جمیعا باسانیدھم المعروفۃ الٰی ابی داؤد فی سننہ قال حدثنا النفیلی، نامحمد بن سلمۃ عن محمد بن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہما قال کان یؤذن بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذاجلس علی المنبر یوم الجمعۃ علی باب المسجد وابی بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما[1] ھذا حدیث حسن صحیح، محمد بن اسحٰق ثقۃ صدوق امام قال شعبۃ وابو زرعۃ والذھبی وابن حجر صدوق و قال الامام ابن المبارک	نے شیخ عابد سندھی اور انھوں نے شیخ صالح غلانی اور سید عبدالرحمٰن اہدل اور یوسف ابن محمد مزجاجی اور سید احمد و قاسم ابنائے سلیمان اور اپنے چچا محمد حسین انصاری سے ح، ہمارے شیخ سید امام عارف باللہ شاہ آل رسول احمدی نے جمادی الاولٰی ۱۲۹۴ھ میں ہم کو خبر دی، انھیں شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اور انھیں ان کے والد شاہ ولی اللہ دہلوی نے اور انھیں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم کردی مدنی نے ح ان سب لوگوں نے اپنے مشائخ کرام سے جن کی معروف و مشہور سندیں امام ابو داود تک متصل ہیں انھوں نے اپنی سنن میں نفیلی، محمد بن مسلمہ، محمد اسحٰق زہری عن سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا:— "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر تشریف لے جاتے تو آپ کے سامنے مسجد کے دروازہ پر حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان دیتے۔ ایسا ہی ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں ہوتا رہا۔" یہ حدیث حسن و صحیح ہے اسکے راوی محمد بن اسحٰق قابل بھروسہ، نہایت سچے امام ہیں۔ ان کے بارے میں امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا یہ بہت سچے ہیں۔ امام عبداللہ

[1] سنن ابو داؤد کتاب الصلٰوۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب پریس لاہور ۱/۱۵۵

اناوجدناہ صدوقا.اناوجدناہ صدوقا.اناوجدناہ صدوقا[1]۔تلمیذ لہ ائمۃ اجلاء کابن المبارك وشعبۃ وسفٰین الثوری وابن عیینۃ والامام ابی یوسف واکثرعنہ فی کتاب الخراج لہ۔ و قال ابو زرعۃ الدمشقی اجمع الکبراء من اھل العلم علی الاخذ عنہ قال و قد اختبرہ اھل الحدیث فرؤہ صدقاو خیرا۔[2] و قال ابن عدی لم یتخلف فی الروایۃ عنہ الثقات و الائمۃ ولابأس بہ[3] و قال علی بن المدینی مارأیت احدایتھم ابن اسحق[4] وقال سفیان عـــہ بن عیینہ جالست	ابن مبارک فرماتے ہیں: "ہم نے انھیں صدوق پایا،ہم نے انھیں صدوق پایا،ہم نے انھیں صدوق پایا۔" امام عبداللہ بن مبارک،امام شعبہ اورسفیان ثوری اورابن عیینہ اورامام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کیں اوران کی شاگردی اختیار کی۔ امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا: "اجلہ علماء کااجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے،اوراپ کواہل علم نے آزمایاتواہل صدق وخیر پایا۔" ابن عدی نے کہا: "آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں،اوراپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔" امام علی ابن المدینی نے کہا" کسی امام یا محدث کوابن اسحٰق پر جرح کرتے نہیں دیکھا" امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں میں

عـــہ:وبہ ظھر کذب من زعم الان ان قد جرحہ سفٰین

سفیان ابن عیینہ کے اس قول سے اس شخص کاجھوٹ ظاہر ہو گیاجو یہ کہتاہے کہ حضرت سفیان (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۷،کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحق دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۲۳۶

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر۷۱۹۷ دارالمعرفہ بیروت ۳/ ۴۷۴

[4] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

ابن اسحق منذ بضع سنین وسبعین سنة	ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت کرتا رہا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بن عیینه،حاشاه بل قدتلمذ و ذب عنه وقال رایت الزهری قال لمحمدبن اسحق این کنت ؟ فقال هل یصل الیك أحد ؟ فد عاحاجبه وقال لاتحجبه اذاجاء[1] وقال ایضاقال ابن شهاب وسئل عن مغازیه فقال هذاأعلم الناس بها[2] وقال ابن المدینی قلت لسفیان کان ابن اسحق جالس فاطمة بنت منذر فقال اخبر نی ابن اسحق انهاحدثته وانه دخل علیها[3] وقال ابن عیینة ایضا

ابن عیینہ نے ابن اسحٰق پر جرح کی ہے خدا کی پناہ انہوں نے توابن اسحٰق کی شاگردی اختیار کی ہے ان کی طرف سے مدافعت کی ہے اور فرماتے ہیں کہ امام زہری کو دیکھاکہ ابن اسحٰق سے پوچھاآپ کہاں تھے؟انہوں نے جواب دیاکوئی آپ کے یہاں باریابی بھی تو پائے (یعنی دربان روکے ہوئے تھا) توامام زہری نے اپنے دربان کو بلاکر فرمایاآئندہ ابن اسحٰق کواندرانے سے کبھی مت رو کنا۔ حضرت ابن عیینہ کی ہی روایت ہے کہ کسی نے امام زہری سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غزوات کے بارے میں پوچھاانہوں نے ابن اسحٰق کی طرف اشارہ کرکے فرمایایہ اس کوسب لوگوں سے زیادہ جانتے ہیں حضرت علی بن مدینی روایت کرتے ہیں کہ میں نے سفیان سے پوچھاکہ ابن اسحاق فاطمہ منذرکے پاس بیٹھے تھے؟ توحضرت سفیان نے کہاکہ مجھ سے خود محمد بن اسحاق نے کہ

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴و۵۰۵

ومایتهمه احد من اهل المدینة ولایقول فیه شیئا[1] وقال ابو معاویة کان اسحاق	اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا نہ ان پر کچھ تنقید کی۔ امام ابو معاویہ نے فرمایا: "ابن اسحاق سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمعت شعبة یقول محمد بن اسحق امیر المو منین فی الحدیث[2] فهذا ماجر حه به سفیان نعم ذکر ان الناس اتهموه بالقدر[3] ولو کان هذا جرحا فما اکثر المجروحین فی الصحیحین، الاتری انه کان یسمع هذا ثم لایترك مجالسة ابن اسحاق ولا الاخذ منه هل لیس منه مایدل علی تصدیقه الناس فی هذا فکم من تهمة لااصل لها، وسیأتیك کلام ابن منیر ۱۲ منه۔

کہ مجھ سے فاطمہ نے حدیث بیان کی اور انکے پاس گیا (تو پاس بیٹھنے کی حقیقت صرف یہ تھی کہ ان سے حدیث سنی) ابن عیینہ نے تو ابن اسحٰق کی تعدیل میں امام شعبہ کا وہ شاندار قول نقل کیا کہ یہ امیر المومنین فی الحدیث ہیں (کیا جرح ایسی ہی ہوتی ہے؟) ہاں آپ نے ابن اسحاق کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان پر قدری ہونے کا الزام لگایا ہے لیکن کیا یہ جرح ہے، اگر جرح ہو تو بخاری و مسلم ایسے مجروح روایوں سے بھری پڑی ہیں ان کے بہت سے راویوں پر قدر کا الزام ہے اگر یہ جرح ہوتی تو ابن عیینہ کا ابن اسحاق سے حدیث روایت کرنا تو بڑی بات ہے ان کا ساتھ بھی چھوڑ دیتے لیکن انہوں نے نہ تو ان کا ساتھ چھوڑا نہ ان کی شاگردی ترک کی نہ ہی عوام کے الزام کی تصدیق کی یہ تہمتیں بے اصل ہیں مزید ابن منیر کا کلام آرہا ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۵

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۵۰۶/۳، میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۴۶۹/۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ نمبر ۷۱۹۷ دار المعرفه بیروت ۴۶۹/۳

من احفظ الناس [1] وقال الامام ابن معین اللیث بن سعد اثبت فی یزید بن ابی حبیب من محمد بن اسحق [2]۔ قلت ویزید ھذا کماقال ابن یونس روی عنه الاکابر من اھل مصر قلت کعمرو بن الحارث وحیوة بن شریح وسعید بن ابی ایوب واللیث بن سعد نفسه کلھم ثقات،اثبات،اجلا،و یحیی بن ایوب الغافقی صدوق خمستھم من رجال الشیخین و عبداللّٰه بن لھیعة صدوق حسن الحدیث علی مااستقر الامر علیه و عبد اللّٰه بن عیاش کلاھما من رجال مسلم و من غیر ھم سلیمن التیمی البصری و زید بن ابی انیسة ثقتان من رجال الصحیحین و عبد الحمید بن جعفر المدنی الصدوق من رجال مسلم واخرون کثیرون ففی ھذا تفضیل لابن اسحق علیھما جمیعا۔ وقال الامام شعبة لو کان لی سلطان لامرت ابن اسحق علی المحدثین [3] وقال ایضا محمد بن اسحاق امیر المومنین فی	لوگوں سے زیادہ یادرکھنے والے تھے" اور امام ابن معین نے فرمایا "یزید بن ابی حبیب سے روایت کرنے والوں میں لیث بن سعد ابن اسحٰق سے زیادہ ثبت ہے" ابن یونس فرماتے ہیں کہ ان یزید بن حبیب سے اکابر علمائے مصر نے روایت کی جیسے عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح سعید بن ابی ایوب اور خود لیث بن سعد، یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور پانچویں یحیٰی ابن ایوب غافقی صدوق ہیں اور یہ پانچوں رجال شیخین میں سے ہیں عبداللہ ابن لہیعہ صدوق اور حسن الحدیث ہے ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبداللہ بن عیاش یہ دونوں مسلم کے روایوں میں سے ہیں انکے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں اور عبد الحمید بن جعفر مدنی صدوق رجال مسلم سے ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے افراد ہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ ابن اسحاق ان سب سے افضل ہیں۔ امام شعبہ نے فرمایا" میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحٰق کو محدثین پر حاکم بناتا یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں" ایک روایت میں ہے کہ

[1] تھذیب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

[3] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعروفہ بیروت ۳/ ۴۷۳

الحدیث [1] وفی روایة عنه قیل له لماقال لحفظه وفی اخری عنه لوسو د احد فی الحد ث لسو د محمد بن اسحق [2] وقال علی بن المدینی مدار حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم علی ستة فذکر هم ثم قال فصارعلم الستة عند اثنی عشر فذکر ابن سحق فیهم [3] وقال الامام الزهری لایزال بالمدینة علم جم ما کان فیها ابن اسحاق [4] وقد کان یتلقف المغازی من ابن اسحق [5] مع انه شیخه وشیخ الدنیافی الحدیث و قال شیخ الاخرعاصم بن عمر بن قتادہ لایز ال فی الناس علم مابقی محمد ابن اسحق [6] وقال عبد اللہ بن فائد کنانجلس الی ابن اسحق فاذا	کسی نے ان سے پوچھاآپ ایسا کیوں کہتے ہیں ؟تو حضرت شعبہ نے فرمایاان کے حفظ کی وجہ سے دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتاہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔ علی بن المدینی سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھران سب کے نام گنوائے اور فرمایااس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائرہ ہوئیں اورابن اسحاق ان بارہ ۱۲ میں ہیں۔ امام زہری فرماتے ہیں مدینہ مجمع العلوم رہے گاجب تک یہاں محمد بن اسحاق قیام پذیر رہیں گے آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحٰق پرہی بھروسا کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں ان کے استاد تھے بلکہ دنیابھر کے شیخ تھے ابن اسحٰق کے دوسرے استاذ عاصم ابن عمر بن قتادہ نے فرمایاجب تک ابن اسحاق زندہ ہیں دنیامیں تمام علوم باقی رہیں گے عبد اللہ ابن فائد نے کہا: ہم لوگ ابن اسحاق کی مجلس میں

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[2] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۶

[3] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد اسحاق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۴

[4] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

[5] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسة الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[6] تہذیب الکمال ترجمہ محمد بن اسحق دار الفکر بیروت ۱۶/ ۷۴

اخذ فی فن من العلم ذهب المجلس بذلك الفن [1]۔ وقال ابن حبان لم یکن احد بالمدینة یقارب ابن اسحق فی علمه ولایوازیه فی جمعه وهو من احسن الناس سیاقاللاخبار [2]	ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی۔ ابن حبان نے کہامدینہ میں کوئی علمی مجلس حدیث کی ہو یادیگرعلوم و فنون کی ابن اسحٰق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔
وقال ابو یعلی الخلیلی محمد بن اسحق عالم کبیر واسع الرواة والعلم ثقة [3]	ابو یعلی خلیلی نے فرمایامحمد بن اسحٰق بہت بڑے عالم حدیث تھے روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔
وکذلك قال یحیی بن معین و یحیی بن یحیی وعلی بن عبد الله (هو ابن المدینی شیخ البخاری) واحمد العجلی ومحمد بن سعد وغیر هم ان محمد بن اسحاق ثقه [4]	یحیٰی ابن معین یحیٰی ابن یحیٰی وعلی ابن عبد اللہ المدینی استاد امام بخاری، احمد عجلی، محمد بن سعد وغیرہ نے کہامحمد بن اسحٰق ثقہ ہیں۔
وقال ابن البرقی لم ارا هل الحدیث یختلفون فی ثقه و حسن حدیثه [5] وقال الحاکم عن البوشنجی شیخ البخاری هو عندناثقة [6]۔	حضرت ابن البرقی نے فرمایاعلم حدیث والوں میں محمد ابن اسحٰق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اوران کی حدیث حسن ہے اور حاکم نے بوشنجی شیخ بخاری سے روایت کی کہ ابن اسحٰق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔

---

[1] میزان اعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۶

[2] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ مؤسسه الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷، کتاب الثقات لابن حبان ترجمه محمد بن اسحق دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۲۳۶

[3] تهذیب التهذیب ترجمه محمد بن اسحق مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[4] میزان الاعتدال ترجمه محمد بن اسحق ۷۱۹۷ دار المعرفة بیروت ۳/ ۴۷۵، تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار المعرفة بیروت ۱۶/ ۸۰و۸۱

[5] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

[6] تهذیب الکمال ترجمه محمد بن اسحق ۵۶۴۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۵۰۷

وقال المحقق فی فتح القدیر امابن اسحق فثقة لاشبهه عند نافی ذلك ولاعند محققی المحدثین [1] وقال ایضاتوثیق محمد بن اسحق و هوالحق الابلج و مانقل عن کلام مالك فیه لایثبت ولوصح لم یقبله اهل العلم [2] الخ وقد اطال الامام البخاری فی توثیقه فی جزء القراءۃ ولم یورده فی الضعفاء له وانکر صحة مایذکر فیه من کلام مالك ومانقل عن علی مایشعر بانکار صحته ماعن هشام۔ وقد بیناوجهه فی تحریراتناالحدیثیة واوردہ ولدی المولوی مصطفی رضاخاں حفظه الله تعالٰی فی کتابه"وقایة اهل السنة عن مکر دیو بند والفتنة "صنفه فی الرد علی وهابیه دیو بند اذخالفوافی هذه المسالة وهم الذین حکم ساداتناعلماء الحرمین الشریفین جمیعابکفرهم وارتدادهم وان من شك فی کفرهم وعذابهم فقد کفر [3] لسبهم الله	محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایاابن اسحٰق ثقہ ہیں ثقہ ہیں اس میں نہ ہمیں شبہہ ہے نہ محققین محدثین کو شبہہ ہے محمد ابن اسحٰق کی توثیق حق صریح ہے اورامام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور برتقدیر صحت روایت ان کے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیااورامام بخاری نے توجزء القراءۃ میں ان کی توثیق میں طویل کلام فرمایااوران کاتذکرہ اپنی کتاب "ضعفاء"میں بھی نہیں کیااوران کی جرح میں امام مالک کاجو کلام نقل کیاگیاہے اس کی صحت سے انکار کیاہے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) سے ان کے بارے میں ہشام سے جو مروی ہے اس کا بھی انکار کیاہے۔ ان سب باتوں پر ہم نے اپنی تحریروں میں جو علم حدیث سے متعلق ہیں روشنی ڈالی ہے اوران سب کو میرے عزیز فرزند مولوی مصطفٰی رضاخاں (سلمہ اللہ تعالٰی) نے اپنی کتاب "وقایہ اہل السنہ عن مکر دیوبند والفتنہ"میں جو وھابیہ دیوبندیہ کے رد میں ہے بیان کیاہے کہ انہوں نے بھی اس مسئلہ میں مخالفت کی تھی اوراہل دیوبند پر توہمارے علمائے حرمین طیبین نے کفرکافتوی دیاہے اوران کے کفر میں شک کرنیوالوں کی بھی تکفیر فرمائی ہے کیونکہ انہوں نے

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الوتر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۷۰

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

رب العلمین و محمداسیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی جمیع النبیین۔ ثم اجاب عنہ البخاری فاجادواصاب وقدقال فیما قال ولم ینج کثیر من الناس من کلام بعض الناس فیھم نحو مایذکرعن ابراھیم من کلامہ فی الشعبی و کلام الشعبی فی عکرمۃ ولم یلتفت اہل العلم فی ھذاالنحوالاببیان وحجۃ ولم تسقط عدالتھم الاببرھان وحجۃ اھ[1] وحسن الامام احمدو یحیی بن معین و محمد بن عبداللہ بن نمیرو محمد بن یحیی کلھم شیوخ البخاری وابو داؤد والمنذری والذھبی حدیثہ و عدہ الامام الذھبی ثم السیوطی فی اعلی مراتب الحسن، قال فی التدریب الحسن ایضاًاعلی مراتب کالصحیح، قال الذھبی فاعلی مراتبہ بھزبن حکیم عن ابیہ عن جدہ و عمروبن شعیب عن ابیہ عن جدہ وابن اسحاق عن التیمی وامثال ذلک	پروردگار عالم اور سید المرسلین محمد مصطفٰی کو گالی دی ہے اللہ تعالٰی آپ پر اور تمام نبیوں پر درود وسلام نازل فرمائے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ نے بے سند تنقیدوں کا کیاخوب رد فرمایاہے آپ فرماتے ہیں ایسی تنقیدوں سے کم لوگ ہی کامیاب ہوئے جیسے امام شعبی کے بارے میں امام ابرہیم کاکلام حضرت عکرمہ کے بارے میں امام شعبی کاکلام اہل علم میں سے کسی نے اس قسم کی تنقیدوں کی طرف کوئی توجہ نہ کی جب تک طرح صریح اورمدلل نہ ہواور ایسی تنقیدوں سے کسی کی عدالت پر اثر نہیں پڑتا۔ امام احمد، امام یحیٰی بن معین اور محمد بن عبداللہ بن نمیر و محمد ابن یحیٰی یہ سب امام بخاری کے استاذ ہیں اور ابو داود، منذری اور ذہبی ان سب لوگوں نے محمد بن اسحاق کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور امام ذہبی اور سیوطی نے ان کو حسن کے اعلی مدارج میں گردانا ہے تدریب میں ہے" صحیح کی طرح حسن کے بھی چند درجے ہیں" امام ذہبی فرماتے ہیں کہ اعلی درجہ کی حسن بہزابن حکیم عن ابیہ عن جدہ اور عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ اور ابن اسحٰق عن تمیمی اور ان کے امثال ہیں اور اسی کو

[1] تہذیب الکمال بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق ۵۶۴۴ دار الفکر بیروت ۱۲/ ۶۷ و ۷۷، تہذیب التہذیب بحوالہ البخاری ترجمہ محمد بن اسحق مؤسسہ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

مماقیل انہ صحیح و ھو ادنی مراتب الصحیح[1] اھ صححہ ابن المدینی والترمذی وابن خزیمۃ و الامام الطحاوی وقد حسن الدار قطنی بعض ماتفرد بہ ابن اسحق وصححہ الحاکم عــــہ وقد تبعھما علیہ	ادنی درجہ کی صحیح بھی قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن مدینی، ترمذی ابن خزیمہ اور امام طحاوی نے اس کو صحیح کہا اور بعض وہ حدیثیں جن کے تنہا محمد بن اسحٰق راوی ہیں انہیں دار قطنی نے حسن کہا، اور حاکم نے صحیح فرمایا اور ان دونوں

عــــہ: اورد فی السنن حدیث احمد بن خالد عن ابن اسحق عن مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القراءۃ خلف الامام وقال، قال علی بن عمر ھذا اسناد حسن[2] واقرہ البیہقی، وروی فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی: ان رجلا قال: یارسول اللہ! اما السلام علیك فقد عرفناہ، فکیف نصلی علیك اذا نحن صلینا فی صلوتنا، وقال: قال الدارقطنی: حسن متصل[3]، واقرہ البیہقی وقال ابن الترکمانی لااعلم احدا روی ھذا الحدیث بھذا اللفظ الا محمد بن اسحاق[4] واوردہ ایضا فی باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشھد ثم حکی الحاکم تصحیحہ، ثم عن الدارقطنی تحسینہ واقرھما۔ ۱۲ منہ

سنن میں حدیث احمد بن خالد، ابن اسحاق، مکحول، محمود بن ربیع، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ باب قرأۃ خلف الامام میں نقل کرکے فرمایا علی بن عمر نے اس سند کو حسن قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے اس کو ثابت رکھا ہے اور باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث کو نقل کیا: ایک شخص نے سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! سلام کو تو ہم نے خوب سمجھ لیا ہے کہ نماز میں کیسے پڑھنا چاہئے اب یہ فرمائیے کہ جب ہم آپ پر درود پڑھیں اپنی نمازوں میں تو کیسے پڑھیں۔ اور فرمایا کہ دار قطنی اس کو حسن متصل قرار دیتے ہیں اور بیہقی اس کو برقرار رکھتے ہیں، ابن ترکمانی کہتے ہیں یہ حدیث ان الفاظ میں ہمارے علم میں ابن اسحاق کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی، پھر بھی حدیث باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التشہد میں نقل کرکے کہا حاکم نے اس کی تصحیح کی اور دار قطنی نے تحسین، اور خود اس کو برقرار رکھا۔ ۱۲ منہ

---

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۸

[2] الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹

[3] السنن الکبرٰی کتاب الصلوۃ ۲/ ۱۶۴ و ۲/ ۳۷۸ دار صادر بیروت

[4] الجوھر النقی بذیل السنن الکبرٰی باب وجوب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۲/ ۳۷۹، ۳۷۸

البیھقی، ووصفہ المنذری والذھبی باحد الائمۃ الاعلام وانہ صالح الحدیث مالہ ذنب الا ماحشافی السیرۃ من مناکیر[1]	حضرات کی امام بیہقی نے اتباع کی امام منذری اور امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کو ائمہ اعلام میں شمار کیا اور صالح الحدیث قرار دیا اور فرمایا کہ ان کا اس کے سوا کوئی گناہ نہیں کہ انہوں نے سیرت میں منکر حدیثیں درج کیں۔
واوردہ الحافظ العسقلانی فی طبقات المدلسین فیمن لم یضعف بشیئ لاعیب علیہ الا التدلیس۔	حافظ ابن حجر نے انہیں مدلسین کے طبقات میں ذکر کیا جن میں تدلیس کے علاوہ کوئی ضعف ہے نہ علت۔
وقال امام النووی لیس فیہ الا التدلیس وقال محمد بن عبداللہ بن نمیر رمی بالقدر وکان ابعد الناس منہ[2]	امام نووی بھی فرماتے ہیں کہ ان میں تدلیس کے علاوہ کوئی کمی نہیں محمد بن عبداللہ نمیری نے فرمایا ان پہ قدریہ ہونے کا الزام ہے لیکن وہ اس سے کوسوں دور ہیں۔
وقال یعقوب بن شیبہ سالت ابن المدینی عن ابن اسحق قال حدیثہ عندی صحیح قلت فکلام مالک فیہ قال مالک لم یجالسہ ولم یعرفہ[3]	یعقوب ابن شیبہ فرماتے ہیں میں نے ان کے بارے میں علی ابن المدینی سے سوال کیا تو فرمایا کہ میرے نزدیک ان کی حدیثیں صحیح ہیں میں نے امام مالک کی تنقیدوں کا ذکر کیا تو فرمایا وہ نہ ان کے ساتھ رہے نہ انہیں پہچانا۔
وذکرہ ابن حبان فی ثقاتہ وان مالکا رجع عن الکلام فی ابن اسحق واصطلح معہ وبعث الیہ ھدیۃ[4]	ابن حبان نے انہیں ثقات میں شمار کیا اور فرمایا امام مالک نے ابن اسحٰق کی جرح سے رجوع فرمایا اور ان سے صلح کرلی اور انہیں تحفہ بھیجا۔

[1] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق ۷۱۹۷ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۶۹، تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۵۰۵

[3] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن اسحاق دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۴۷۵

[4] فتح القدیر کتاب الصلوۃ مکتبہ نوریہ سکھر ۱/ ۲۰۰ وتحفۃ الاحوذی کتاب الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۳۹

وقال مصعب الزبیری و دھیم وابن حبان لم یکن یقدح فیه من اجل الحدیث [1] وقدتکفل بالجواب عنه الائمة احمدوابن المدینی والبخاری وابن حبان والمزی والذھبی والعسقلانی والمحقق حیث اطلق کماھو مفصل مع زیادات کثیرۃ فی کتاب ولدی المحفوظ بکرم الله تعالٰی "وقایة اھل السنة" ولله الحمد والمنة۔	مصعب زبیری، دہیم اور ابن حبان نے کہاان پر حدیث کی وجہ سے جرح نہیں کی گئی اور ائمہ میں احمد، ابن مدینی، بخاری، ابن حبان مزی، ذہبی اور محقق علی الاطلاق نے ان کی طرف سے دفاع کیا۔یہ اور مزید اضافے میرے فرزند سلمہ کی کتاب "وقایہ اہل سنۃ" میں ہیں والحمد للہ والمنۃ۔
نفحہ۲: من الجھل الوخیم رمیه بالرفض اغترارا بقول التقریب رمی بالتشیع [2] ومابین التشیع و الرفض کمابین السماء والارض فربما اطلقوا التشیع علی تفضیل علی علی عثمان رضی الله تعالٰی عنھماوھو مذھب جماعة من ائمة اھل السنة لاسیماائمة الکوفة قال صاحب التقریب نفسه فی ھدی الساری التشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابة فمن قدمه علی ابی بکروعمر فھو غال فی تشیعه ویطلق علیه رافضی والا فشیعی فان انضاف الی ذلك السب او	**نفحہ ۲:** تقریب کے قول "ان پر تشیع کی تہمت لگائی گئی ہے" سے دھوکا کھا کران پر رفض کا عیب لگانا بدبودار جہالت ہے رفض و تشیع میں زمین واسمان کافرق ہے بسااوقات لفظ تشیع کا اطلاق حضرت مولا علی کو عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم پر فضیلت دینے پر ہوتا ہے جبکہ یہ ائمہ بالخصوص اعلام کوفہ کا مذہب ہے صاحب تقریب نے خود بھی "ہدی الساری" میں فرمایا تشیع حضرت علی کی صحابہ سے زائد محبت کانام ہے تو اگر کوئی آپ کوابوبکر وعمر پر فضیلت دیتاہے تو وہ غالی شیعہ ہے اوراس کے ساتھ گالی اور بغض کااظہار کرے تو غالی رافضی ہے۔

[1] تھذیب التھذیب بحوالہ ابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق مؤسسه الرساله بیروت ۵۰۷/۳، کتاب الثقات لابن حبان ترجمہ محمد بن اسحاق ۴۰۶۶ دارالکتب العلمیه بیروت ۲۳۶/۴

[2] تقریب التھذیب ترجمہ محمد بن اسحاق ۵۷۴۳ دارالکتب العلمیه بیروت ۵۴/۲

التصریح بالبغض فغال فی الرفض[1] اھ وتمام تحقیقه فی تحریراتنا الحدیثیة۔
وفی المقاصد للعلامة التفتازانی الافضلیة عندنا بترتیب الخلافة مع تردد فیما بین عثمان و علی رضی الله تعالٰی عنهما[2]
وفی شرحها له قال اهل السنة الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و قد مال بعض منهم الی تفضیل علیّ علی عثمان رضی الله تعالٰی عنهما والبعض الی التوقف فیما بینهما[3] اھ
وفی الصواعق لامام ابن حجر جزم الکوفیون و منهم سفیان الثوری بتفضیل علیٍّ علی عثمان و قیل بالوقف عن التفاضل بینهما وهو روایة عن مالك[4]،
اھ۔ وفی تهذیب التهذیب فی ترجمة الامام الاعمش کان فیه تشیع[5]۔ اھ وفی شرح الفقه الاکبر لعلی قاری روی عن

اور اس کی پوری تحقیق ہماری تحریرات حدیثیہ میں ہے۔
مقاصد علامہ تفتازانی میں ہے ہمارے نزدیک خلفائے اربعہ میں فضیلت خلافت ترتیب پر ہے حضرت عثمان و علی رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تردد کے ساتھ۔
شرح مقاصد للتفتازانی میں ہے اہل سنت نے کہا کہ سب سے افضل ابو بکر پھر عمر پھر عثمان پھر علی اور بعض حضرت علی کو عثمان سے افضل مانتے ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اور بعض ان دونوں کے درمیان توقف کے قائل ہیں۔
امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی صواعق محرقہ میں ہے ائمہ کوفہ (انہیں میں سفیان ثوری ہیں) نے حضرت علی کو حضرت عثمان پر بالیقین افضل گردانا اور امام مالک وغیرہ سے توقف مروی ہے۔
تہذیب التہذیب میں حضرت امام اعمش کے حالات میں تحریر ہے کہ ان میں تشیع تھا۔
فقہ اکبر ملا علی قاری میں امام صاحب کے بارے

---

[1] ھدی الساری مقدمه فتح الباری فصل فی تمییز اسباب الطعن فی المذکورین مصطفی البابی مصر ۲/ ۲۳۱

[2] المقاصد علی ہامش شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بتریب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۹۸

[3] شرح المقاصد البحث السادس الافضلیة بتریب الخلافة دار المعارف النعمانیه لاہور ۲/ ۲۹۸

[4] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۵۷

[5] تهذیب التهذیب ترجمه سلیمان بن مهران المعروف بالاعمش موسسة الرساله بیروت ۲/ ۱۱۰

ابی حنیفة تفضیل علی علیٰ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنهما ا الصحیح ما علیه جمهور اهل السنة و هو ظاهر من قبول ابی حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه علی ما رتبه هنا وفق مراتب الخلافة [1]۔اھ ثم لایذهب عنك الفرق بین شیعی ورمی بالتشیع و کم فی الصحیحین ممن رمی به وقد عد فی هدی الساری عشرین منهم فی مسانید صحیح البخاری فضلاعن تعلیقاته، بل فیه مثل عباد بن یعقوب رافضی جلد ثم الشبهة لاقیه لها راسافکم فی الصحیحین ممن رمی بانواع البدع وقدتقرر عندهم ان المبتدع تقبل روایة اذالم یکن داعیة۔	میں لکھا ہے حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضرت عثمان غنی پر حضرت علی کی فضیلت مروی ہے (رضی اللہ تعالٰی عنہ) لیکن صحیح وہی ہے جس پر جمہور اہلسنت ہیں اور فقہ اکبر میں اس کو ترتیب خلافت کے موافق رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی آپ کا قول بھی ہے۔ پھر لفظ شیعی اور رمی بالتشیع کا فرق بھی ملحوظ رہنا چاہیے۔ بخاری کے کتنے ہی ایسے راوی ہیں جن پر تشیع کا الزام ہے۔ "ہدی الساری" میں ایسی بیس سندوں کی تفصیل ہے جو خاص مسانید بخاری میں ہیں تعلیقات کا تو ذکر ہی الگ رہا بلکہ رواۃ بخاری میں عباد بن یعقوب جیسا رافضی ہے جس پر کوڑے کی حد جاری گئی تھی اور جرح میں شبہہ کی تو کوئی اہمیت نہیں خود بخاری و مسلم میں بہت سے رواۃ ہیں جن پر انواع واقسام کی بدعت کا شبہہ کیا گیا اور اصول محدثین کی رو سے خود بدعتی بھی اپنے مذہب نامہذب کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اس کی روایت مقبول ہے۔
نفحه۳: اصل الحدیث رویناہ فی المسند حدثنا یعقوب حدثناابی عن ابی اسحق قال حدثنی محمد بن مسلم بن عبیداللہ الزهری عن السائب	**نفحہ ۳:** اصل حدیث جسے ہم نے روایت کیا مسند احمد ابن حنبل میں اس سند کے ساتھ ہے یعقوب، ابی، ابن اسحٰق حدثنی محمد بن مسلم عبیداللہ الزہری سائب بن یزید یہاں یہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ الخ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۱۸۷

بن یزیدابن اخت نمر[1] فقد صرح بالسماع فلا علیك من عنعنة هنا هذا وجه۔	حدیث لفظ حدثنی سے مروی ہے تواب اس روایت پر نہ تدلیس کااعتراض ہوسکتاہے نہ ارسال کاایک جواب تو یہ ہوا۔
وثانیًا ابن اسحق کثیرالروایة عن الزهری و العنعنه عن مثل الشیخ تحمل علی السماع قال الذهبی فی مثله متی قال "نا" فلاکلام و متی قال "عن" تطرق الیه احتمال التدلیس الافی شیوخ له اکثرعنهم فان روایته عن هذاالصنف محمولة علی الاتصال[2]۔اھ	دوسرا یہ ہے کہ امام محمد بن اسحق امام زہری سے کثیرالروایت ہیں اور ایسے راوی کاعنعنہ بھی سماع پر محمول ہوتاہے امام ذہبی فرماتے ہیں راوی جب روایت میں لفظ عن سے کسی بات کااضافہ کرے توتدلیس کااحتمال ہوتاہے مگرجب رواى ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے وہ کثیرالروایت ہوتو یہ روایت متصل ہوگی۔
لاسیماابن اسحق فقد عرف منه النزول فی اشیاخ اکثرعنهم قال ابن المدینی حدیث ابن اسحق لیتبین فیه الصدق وهو من اروی الناس عن سالم بن ابی النضروروی عن رجل عنه وهو من اروی الناس عن عمرو بن شعیب وروی عن رجل عن ایوب	اورابن اسحق کے بارے میں معروف مشہورہے کہ وہ ایسے اساتذہ کی حدیثوں کوبطورنزول بھی روایت کرتے جن سے وہ اکثر روایت کرتے ہیں علی بن المدینی فرماتے ہیں محمد بن اسحاق کی حدیثوں میں صدق ظاہر ہے وہ سالم بن ابی نضرسے بنسبت ان کے دوسرے شاگردوں کے کثیرالروایت ہیں پھر بھی ان کی روایت عن رجل عن سالم (یعنی اپنے سے کم درجہ کے آدمی کے واسطہ سے بھی سالم سے ان کی روایت ہے) اسی طرح وہ عمرو بن شعیب کے شاگردوں میں بھی اروی الناس عنہ ہیں اورانکی

[1] مسنداحمد بن حنبل حدیث السائب بن یزید المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۴۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۱۷ سلیمان بن مہران دارالمعرفة بیروت ۲/۲۲۴

عنہ [1] اھ **قلت** وکذا ھو من اروی الناس عن ابن شہاب وقدرو ینافی کتاب الخراج للامام ابی یوسف حدثنی محمد بن اسحٰق عن عبدالسلام عن الزھری [2]	روایت عن رجل عن ایوب عن عمرو بن شعیب بھی ہے۔ **میں کہتا ہوں** ابن اسحاق امام زہری کے بھی اروی الناس شاگرد ہیں مگر قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں مجھ سے محمد بن اسحٰق نے بیان کیا کہ ان سے عبدالسلام نے روایت کی اور ان سے امام زہری نے (تو ابن اسحاق کی یہ روایتیں لفظ عن سے ہونے کے باوجود تدلیس نہیں ہے روایت متصل ہے)
و **ثالثًا** ھذا کلہ علی طریقۃ ھٰؤلاء المحدثین اما علی اصولنا معشر الحنفیۃ والمالکیۃ والحنبلیۃ الجمھور فسؤال العنعنۃ ساقط عن راسہ فان مبناہ علی شبھۃ الارسال و حقیقتہ مقبولۃ عندنا و عند الجمھور فکیف بشبھتہ۔	**تیسرا جواب**: محمد ابن اسحاق کی تدلیس اور عنعنہ کے بارے میں اب تک جو بحث تھی وہ ان محدثین کے مسلک کی بنیاد تھی جو حدیث کی جرح میں عنعنہ اور تدلیس کا لحاظ کرتے ہیں لیکن ہم حنفیوں، مالکیوں، حنبلیوں جمہور علماء کے اصول پر عنعنہ کا لحاظ ہی اصلاً ساقط ہے کیونکہ عنعنہ کے لحاظ کی وجہ تو یہ شبہہ ہے کہ تدلیس حدیث کے مرسل ہونے کا ڈر رہے اور ہمارے اور جمہور کے نزدیک تو خود ارسال بھی سند کا عیب نہیں اور حدیث مرسل بھی مقبول ہے تو پھر شبہ ارسال سے حدیث پر کیا اثر پڑے گا۔
قال الامام الجلیل السیوطی فی التدریب فی عنعنۃ	امام جلال الدین سیوطی نے تدریب میں فرمایا جمہور علمائے کرام جو مراسیل قبول کرتے ہیں

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ بن اسحاق موسسۃ الرسالہ بیروت ۵۰۶/۳

[2] کتاب الخراج احادیث ترغیب وتحضیض دار المعرفۃ بیروت ص ۹

المدلس، قال جمهور من یقبل المراسیل تقبل مطلقًا[1]۔اھ و فیه عن الامام ابن جریر الطبری اجمع التابعون باسرهم علی قبول المرسل ولم یات عنهم انکاره و لاعن احد من الائمه بعدهم الی راس المائتین[2] و فی صحیح مسلم و جامع الترمذی عن محمد بن سیرین التابعی قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالکم[3]۔اھ **قلت** و هذا زید بن اسلم الامام مولی امیرالمومنین الفاروق الذی کان الامام الاجل زین العابدین یجلس الیه و یتخطی مجالس قومه فقال له نافع ابن جبیر بن مطعم تخطی مجالس قومك الی عبد عمر بن الخطاب؟ فقال رضی الله تعالٰی عنه انما یجلس الرجل الی من ینفعه فی دینه رواه البخاری فی تاریخ[4]، زید	وہ عنعنہ کو بھی قبول کرتے ہیں اسی میں امام جریر طبری سے منقول ہے کہ جملہ تابعین نے بالکلیہ مراسیل قبول کرنے پر اجماع کیا ہے نہ تو تابعین نے مراسیل کاانکار کیا نہ ان کے بعد ۲۰۰ ہجری تک کسی اور نے۔ صحیح مسلم اور جامع میں محمد بن سیرین تابعی سے ہے کہ لوگ احادیث کی سند کے بارے میں کسی سے سوال ہی نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقع ہوا تو سوال کیا جانے لگا کہ اپنے راویوں کو ہم سے بیان کرو۔ **میں کہتا ہوں** کہ امام زید بن اسلم جو امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے آزاد کردہ غلام تھے ان کے پاس امام جلیل زین العابدین بیٹھا کرتے تھے اور اپنی قوم کی مجلس چھوڑ دیتے تھے نافع بن جبیر بن مطعم نے آپ سے کہا آپ اپنے لوگوں کی مجلس چھوڑ کر عمر بن خطاب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے غلام کی محفل میں بیٹھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا آدمی وہیں بیٹھتا ہے کہ جہاں اس کے دین کا فائدہ ہوتا ہے (تاریخ بخاری) انہیں زید نے ایک

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۰

[2] تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی النوع التاسع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۳

[3] صحیح مسلم باب بیان ان الاسناد من الدین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱

[4] تاریخ البخاری باب الالف ترجمہ زین بن اسلم ۱۲۸۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۳/۳۸۷

هذاحد ث بحديث فقال له رجل يا ابا اسامة عمن هذا فقال يا ابن اخي ما كنا نجالس السفهاء [1]. قال له العطاف بن خالد۔	حدیث بیان کی ایک آدمی نے ان سے کہا ابا اسامہ یہ کس سے اپ بیان کر رہے ہیں آپ نے فرمایا اے بھتیجے! ہم سفہاء کے ساتھ نہیں بیٹھتے یہ اسے عطاف بن خالد نے کہا۔
قلت و قد اكثر الارسال ائمة التابعين سعيد بن المسيب والقاسم وسالم والحسن وابو العالية و ابراهيم النخعي و عطاء بن ابي رباح و مجاهد و سعيد بن جبير و طاؤس والشعبي والاعمش و الزهري و قتادة و مكحول و ابو سحق السبيعي و ابراهيم التيمي و يحيى بن الكثير و اسماعيل بن ابي خالد وعمرو بن دينار و معٰوية بن قرة و زيد بن اسلم وسليمان التيمي ثم الائمة مالك ومحمد والسفيانان افتراهم فعلوه لترد احاديثهم وفي مسلم الثبوت و شرحه فواتح الرحموت مرسل الصحابي يقبل مطلقًا اتفاقًا و ان من غيره فالاكثر و منهم الائمة الثلثة ابو حنيفة و مالك و احمد رضي الله تعالٰى عنهم يقبل مطلقًا والظاهرية و جمهور المحد ثين الحادثين بعد المائتين لا [2] اھ ـ و في فصول البدائع للعلامة	**میں کہتا ہوں** علمائے تابعین مثلاً سعید بن مسیب، قاسم، سالم، حسن، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح، مجاہد، سعید بن جبیر، طاؤس، امام شعبی، اعمش، زہری، قتادہ، مکحول، ابواسحٰق سبیعی، ابراہیم تیمی، یحیٰی بن کثیر، اسمٰعیل بن ابی خالد، عمرو بن دینار، معاویہ بن قرہ، زید بن اسلم، سلیمن تیمی، امام مالک و محمد اور سفیانین، کیا یہ سب حضرات اس لیے ارسال کرتے تھے کہ ان کی حدیثیں رد کر دی جائیں مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں صحابہ کرام کے مراسیل باتفاق ائمہ مطلقًا مقبول ہیں اور دوسروں کے مراسیل باتفاق ائمہ جن میں امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل شامل ہیں یہ سب لوگ اسے مطلقًا مقبول رکھتے ہیں ہاں ظاہریہ اور جمہور محدثین جو ۲۰۰ سنہ ہجری کے بعد ہوئے قبول نہیں کرتے۔ فصول البدائع مولی خسرو میں ہے

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ زید بن اسلم مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/۶۵۸

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی الاصل الثانی منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۷۴

مولی خسرو طعن المحدثین بمالایصلح جرحالا یقبل کالطعن بالتدلیس فی العنعنة فانهاو هم شبهة الارسال و حقیقة لیست بجرح [1].اھ	اور محدثین کاایسا طعن جو جرح بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا جیسے عنعنہ میں تدلیس کا طعن کہ اس میں شبہہ ارسال ہے حالانکہ خود ارسال اسباب طعن سے نہیں ہے۔
قلت:وروی ابو داود عن عبدالله بن حنظلة بن ابی عامران رسول الله امر بالوضوء عند کل صلوة فلماشق ذلك علیه امر بالسواك لکل صلوة [2] فیه ایضاًابن اسحق وقد عنعن ومع ذلك قال الشامی فی سیرت اسنادہ جید وفیه اختلاف لایضر [3].اھ۔	**چوتھاجواب:** ابو داود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت حنظلہ ابن ابی عامر سے روایت کی کہ رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر وقت وضو کا حکم دیاگیا تھا لیکن یہ جب آپ پر مشقت ڈالنے لگا تو ہر نماز کے وقت آپ کو مسواک کرنے کا حکم ہوااس حدیث میں بھی ابن اسحٰق نے لفظ عن سے روایت کی اس کے باوجود امام شافعی اپنی سیرت میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اس میں اختلاف ہے جس سے کوئی ضرر نہیں۔
وروی احمد عن واثلة بن الاسقع رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی [4]نقل الزرقانی علی المواهب عن المنذری وغیرہ فیه لیث بن ابی سلیم ثقة مدلس	**پانچواں جواب:** امام احمد نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث روایت کی مجھے مسواک کے لیے اتنی بار حکم دیاگیاکہ مجھے ڈرہواکہ کہیں یہ فرض نہ کردی جائے۔امام زرقانی نے یہ حدیث مواہب کی شرح میں منذری وغیرہ سے روایت کی،اس روایت میں لیث بن ابی سلیم جو ثقہ مدلس ہیں،

[1] فصول البدائع

[2] سنن ابی داود کتاب الطھارة باب السواك آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷

[3]

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث واثلة بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۹۰

وقد رواه بالعنعنة[1] اھ ومع ذلك قال عن المنذری اسناده حسن[2] اھ وقال الحافظ العسقلانی فی نظم اللالی معنعن ابی الزبیر غیر محمول علی الاتصال الااذا کان من روایة اللیث عنه الخ[3] وهذا امر مقرر عند هؤلاء المحدثین ونجد فی صحیح مسلم احادیث عن ابی الزبیر عن جابر رضی الله تعالٰی عنه لیست من روایة اللیث عنه قال الذهبی فی المیزان فی صحیح مسلم عدة احادیث ممالم یوضح فیها ابو الزبیر السماع عن جابر وهی من غیر طریق اللیث عنه ففی القلب منها[4] اھ **قلت:** ولکن لم یکن منها فی قلب مسلم شیئ فادرجها فی صحیحه الذی جعله حجة بینه وبین ربه عز وجل۔ وروی ابن جریر عن زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنه سمعت	اور حدیث کو لفظ عن سے روایت کرتے ہیں منذری کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ **چھٹا جواب:** حافظ ابن حجر عسقلانی نے نظم اللالی میں کہا "ابو زبیر کی معنعن مقبول نہیں اور اتصال پر محمول نہیں ہاں لیث سے ہو تو مقبول ہے" محدثین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے لیکن امام مسلم کی صحیح میں چند حدیثیں ابوزبیر بواسطہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی ہیں جن میں ابوزبیر حضرت لیث سے روایت نہیں کرتے چنانچہ امام ذہبی میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں کہ "صحیح مسلم میں چند حدیثیں ایسی ہیں جن میں ابوزبیر جابر رضی اللہ تعالٰی سے بواسطہ لیث کی تصریح نہیں کی ہے جس سے دل میں کچھ شبہہ ہوتا ہے۔" **میں کہتا ہوں** کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے دل میں تو ان حدیثوں کے بارے میں کوئی شبہہ نہیں تھا جبھی تو انہوں نے یہ روایتیں اپنی صحیح میں درج کیں جس کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت قرار دیا۔ **ساتواں جواب:** ابن جریر نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی میں نے

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۲۴۸/۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد التاسع دار المعرفۃ بیروت ۲۴۸/۷

[3] نظم اللآلی

[4] میزان الاعتدال ترجمہ محمد بن مسلم ابو الزبیر المکی ۸۱۶۹ دار المعرفۃ بیروت ۳۹/۴

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول الشیخ والشیخۃ اذازنیافارجموھماالبتۃ فقال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لمانزلت اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1] الحدیث۔ قال ابن جریر ھذاحدیث لایعرف لہ مخرج عن عمرعن رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھذااللفظ الامن ھذاالوجہ وھو عندناصحیح سندہ لاعلۃ فیہ توھنہ ولاسبب یضعفہ لعدالۃ نقلتہ وقدیعل بان قتادۃمدلس ولم یصرح بالسماع والتحدیث[2] اھ وھذاامام الحنفیۃ امام الفقہاء المحدثین الحافظ الناقدالبصیر بعلل الحدیث الامام ابوجعفراحمد الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ روی فی کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکۃ حدیثین احدھما	اپ کو فرماتے ہوئے سناکہ بڑھیابوڑھے زناکریں توانہیں ضرور سنگسار کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب یہ آیت نازل ہوئی تومیں بارگاہ رسالت میں حاضرہوا۔ (الحدیث) ابن جریر نے کہاکہ اس حدیث کی کوئی تخریج عمرعن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی بایں الفاظ سوائے اس روایت کے نہیں پھر بھی یہ حدیث ہمارے نزدیک صحیح اور مستند ہے اس میں کوئی ایساعیب نہیں جواس حدیث کو کمزور کرے تواس کے ضعیف ہونے کاکوئی راستہ نہیں کہ یہ عادل راویوں سے مروی البتہ اس میں ایک علت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس کے ایک راوی حضرت قتادہ مدلس ہیں اورانہوں نے نہ توسماع کی بات کی نہ لفظاحدثناکہا۔ **آٹھواں جواب:** امام الحنیفہ،امام الفقہاء والمحدثین، حافظ، ناقدو بصیر،امام ابوجعفراحمد طحاوی نے شرح معانی الآثار"کتاب الحجۃ فی فتح رسول اللہ مکۃ عنوۃ"میں دو حدیثیں روایت کیں ایک حضرت عکرمہ سے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب اہل مکہ سے رخصت ہوئے اور دوسری

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن جریر حدیث ۱۳۴۸۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴۱۸/۵و۴۱۹

عن عکرمة قال لماوادع رسول الله تعالٰی علیه وسلم اهل مكة، والاخر حدیث الزهری وغیره قال كان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد صالح قریشا، الحدیثین بطولهما، قال بعده فان قلتم ان حدیثی الزهری وعکرمة الذین ذکرنا منقطعان قیل لکم وقد روی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما حدیث یدل علی ماروینا ه حدثنا فهد بن سلیمن بن یحیی ثنا یوسف بن بهلول ثنا عبدالله بن ادریس حدثنی محمد بن اسحق قال قال الزهری حدثنی عبیدالله بن عبدالله بن عتبة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما الحدیث فی نحو ورقة کبیرة قال فی اٰخره فهذا حدیث متصل الاسناد صحیح [1] ومعلوم ان "قال فلان" کعن فلان لعدم بیان السماع فیهما۔ قال الامام النووی فی التقریب تدلیس الاسناد بان یروی عمن عاصره مالم یسمعه منه موهما سماعه قائلا: قال فلان او عن فلان ونحوه [2]، الا فی ماعنعنة ابن اسحق ان حکم هذا	حدیث امام زہری وغیرہ سے جس میں ہے کہ "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اہل مکہ سے مصالحت فرمائی" یہ دونوں حدیثیں مکمل نقل فرماکرارشاد فرمایاکہ "اگرکوئی اعتراض کرے کہ زہری وعکرمہ کی مذکور منقطع ہیں،" فہد بن سلیمن، یوسف بن بہلول، عبداللہ بن ادریس، محمد بن اسحٰق قال قال الزہری عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یہ حدیث بیان کی یہ حدیث حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بڑی طویل ایک بڑے ورق کی مقدار میں روایت کرکے فرمایایہ حدیث متصل الاسناد صحیح ہے حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ اصطلاح میں قال کاحکم لفظ عن کا ہے کیونکہ دونوں میں سماع کی تصریح نہیں۔ اورامام نووی نے تقریب میں فرمایاکہ "تدلیس اسنادیہ نہیں کہ راوی اس سے روایت کرے جس کامعاصر ہو جب تک اس سے خود نہ سنے اور لفظ ایسے بولے جس سے وہم ہو کہ راوی نے خود اس سے سناہے جیسے قال فلاں یاعن فلان مگران روایتوں میں جن کو

[1] شرح معانی الاثار کتاب الحجه فی فتح رسول الله صلی الله علیه وسلم مكة عنوة ایچ ایم کمپنی کراچی ۲/ ۲۰۳تا۲۰۸

[2] التقریب للنووی مع تدریب الراوی النوع الثانی عشر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۶

قیل الامام الحجه انه متصل الاسنادوانه صحیح فقدرفع مکحول وابواسحق السبیعی کلتاالشبهتین الکلام فی ابن اسحق وعدالته والاتیان من قبل عنعنة بلفظ الکریم الصریح، ولله الحمد۔	محمد بن اسحاق نے لفظ عن سے روایت کیا ہو بیشک ان کی ایسی روایت کا بھی حکم یہی ہے کہ وہ متصل الاسناد اور صحیح ہیں، وہ امام حجۃ ہیں مکحول اور ابواسحٰق سبیعی نے ان سے دونوں شبہوں کو دفع کیا ہے۔"
وھذاامامناثانی ائمه مذھبناالامام ابو یوسف رضی الله تعالٰی عنهم قداکثر فی کتاب الخراج الاحتجاج باحادیث محمد بن اسحق معنعنة و غیر معنعنة و قدقالوا کمافی ردالمحتارو غیره ان المجتهداذا استدل بحدیث کان تصحیحاله فقد صحح الامام ابو یوسف احادیث ابن اسحق و عنعنة کیف؟ وقد ادرجهافیمااوجب العمل به اذقال فی مبدء کتابه ان امیرالمو منین ایده الله تعالٰی سالنی ان اضع له کتابا جامعایعمل به فی جبایة الخراج والعشورو الصدقات و الجوالی وغیره ذالك ممایجب العمل به و قد فسرت ذلك و	ہمارے امام مذہب ثانی الائمہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کثرت کے ساتھ کتاب الخراج میں ان حدیثوں سے استدلال فرمایا جو حضرت محمد بن اسحاق سے بصیغہ عن وبغیر عن مروی تھیں اور علمائے حدیث نے تصریح کی ہے (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ صحیفوں میں ہے) کہ مجتہد کا کسی حدیث سے استدلال کرنا اس حدیث کی تصحیح شمار ہوتا ہے تو قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ابن اسحٰق کی معنعن اور غیر معنعن حدیثوں کو اپنی کتاب میں داخل فرما کر ان کی تصحیح کی اور استدلال بھی ایسی کتاب میں کیا جس کے واجب العمل ہونے کی تصریح خود اس کتاب کے مقدمہ میں فرمائی آپ لکھتے ہیں بے شک امیر المومنین نے (خدا ان کی مدد فرمائے) مجھ سے ایک ایسی جامع کتاب کی فرمائش کی جس پر وہ اپنی زندگی بھر جبایا خراج عشر صدقات اور جوالی وغیرہ میں عملدرآمد کریں اور وہ احکام واجب العمل ہوں تو میں نے

شرحتہ[1]۔اھ **نفحہ ۴**: کفانا المولی سبحانہ وتعالٰی النظر فی توثیق ابن اسحٰق و حجیۃ حدیثہ بان الذی الین لہ الحدیث کما الین لداؤد علیہ الصلوۃ والسلام الحدید رواہ فی کتابہ الذی قالوا فیہ من کان فی بیتہ فکانما فی بیتہ نبی یتکلم وسکت علیہ۔[2]	ان کی تعبیر اور توضیح کردی **نفحہ ۴**: روایت ابن اسحٰق کی تائید وتوثیق اور ان کی طرف سے دفاع کی مشقت سے اللہ تعالٰی نے ہماری یوں کفایت کی کہ ان کی محولہ بالاحدیث کو اس امام نے اپنی مسند میں روایت کیا جن کے ہاتھ میں علم حدیث اس طرح نرم وملائم ہوگیا تھا جیسے حضرت داود علیہ السلام کے دست کریم میں لوہا نرم کردیا گیا تھا جن کے مجموعہ حدیث کے بارے میں علمائے حدیث کی یہ شہادت ہے کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو اس گھر میں گویا نبی ہے جو کلام کررہا ہے، ایسے امام میں یہ حدیث اپنی کتاب میں درج فرماکر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی۔
O وقد قال کما فی مقدمۃ الامام ابن الصلاح ذکرت فیہ الصحیح ومایشبہ ویقاربہ[3]	O مقدمہ ابن صلاح میں حضرت ابوداود رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا یہ قول اس کتاب کے بارے میں منقول ہوا: "میں نے اپنی کتاب میں صحاح کو جمع کیا یا جو اس کے مشابہ اور قریب ہو۔"
O وفی فتح المغیث عن الامام ابن کثیر روی عنہ ماسکت عنہ فھو حسن[4]۔اھ	O فتح المغیث میں امام ابن کثیر سے انہیں کا یہ قول منقول ہوا "اس کتاب میں میں جس حدیث پر سکوت کروں تو وہ حسن ہے۔"
O وفی رسالۃ الی اھل مکۃ	O ابوداود نے اہل مکہ کو ایک خط لکھا "اس

[1] کتاب الخراج خطاب من المؤلف الی امیر المومنین ہارون الرشید دار المعرفۃ بیروت ص ۳

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۸۷ ومعالم السنن للخطابی ۱/ ۵

[3] مقدمہ ابن صلاح النوع الثانی معرفۃ الحسن من الحدیث فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۸

[4] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری ۱/ ۹۰، تدریب الراوی بحوالہ ابن کثیر النوع الثانی الحسن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۵

ماکان فیہ حدیث منکر نبینہ بما انہ منکر [1]	کتاب میں اگر کوئی منکر حدیث ذکر کروں گا تو اس کا سبب بھی بیان کروں گا کہ کیونکر منکر ہے"
O وقال ابو عمر بن عبدالبر کل ماسکت علیہ فھو صحیح عندہ [2]	O ابو عمر بن عبدالبر نے کہا" جس حدیث کو ذکر کرکے ابوداؤد نے سکوت کیا، تو وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔
O وقال المنذری: کل حدیث عز وتہ الی ابی داود و سکت عنہ فھو کما ذکر ابو داود ولاینزل عن درجہ الحسن وقد یکون علی شرط الصحیحین [3]	O امام منذری نے فرمایا" جس حدیث کی نسبت ابو داود کی طرف کروں اور ابو داود نے اس پر سکوت کیا ہو تو وہ ابو داود کے قول کے مطابق ہے یعنی درجہ حسن سے تو کم نہ ہوگی بسا اوقات صحیحین کے اصول پر ہوتی ہے"
O وقال ابن الصلاح ثم الامام النووی فی التقریب ماوجد نافی کتابہ مطلقا فھو حسن عند ابی داود [4]	O ابن صلاح اور نووی دونوں اماموں نے فرمایا" امام داود کی کتاب میں جو حدیث مطلق مروی ہو وہ ان کے نزدیک حسن ہے۔"
O وقال العلامۃ ابن الترکمانی فی الجوھر النقی اخرجہ ابو داود وسکت عنہ فاقل احوالہ ان یکون حسنا عندہ علی ماعرف [5]	O امام ترکمانی جوہر النقی میں فرماتے ہیں"ابو داود نے جس حدیث کی تخریج فرما کر سکوت کیا اور اس پر کوئی جرح نہیں کی تو اس حدیث کا کم سے کم درجہ حسن کا ہوگا جیسا کہ یہ بات مشہور و معروف ہے۔"
O وقال الزیلعی فی نصب الرایۃ	O نصب الرایہ میں امام زیلعی فرماتے ہیں:

[1] مقدمہ سنن ابی داود مع سنن ابی داود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴، فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۸۸ و ۹۸

[2] فتح المغیث القسم الثانی الحسن دار الامام الطبری بیروت ۱/ ۹۱

[3] الترغیب الترہیب مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱

[4] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۴

[5] الجوہر النقی علی ھامش السنن الکبری کتاب الدعوی والبینات حیدر آباد دکن ۱۰/ ۲۷۱

ان اباداودروی حدیث القلتین وسکت عنه فهو صحیح عندہ علی عادته فی ذلك[1]	"ابوداود نے حدیث قلتین روایت کیااور اس پر سکوت فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے"
O وقال الحافظ العراقی ثم الشمس السخاوی فی المقاصدالحسنة یکفیناسکوت ابی داود علیه فهو حسن[2]	O حضرت عراقی اور شمس الدین سخاوی نے "مقاصد حسنہ" میں فرمایا "اس حدیث پر ابوداود کا سکوت ہی ہمارے لیے کافی ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔"
O وقال المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر سکت ابو داؤد فهو حجة[3]	O محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں لکھتے ہیں "ابو داؤد نے اس حدیث پر سکوت کیاتو یہ حدیث حجت ہے"
O وقال العلامة محمد بن امیر الحاج رواہ ابو داود وسکت علیه فیکون حجة علی ماهو مقتضی شرطه[4]	O علامہ محمد ابن امیر الحاج فرماتے ہیں "ابو داود نے اس پر سکوت کیاتو یہ ان کی شرط کے موافق حجت ہے"
O وقال العلامة ابراهیم الحلبی فی الغنیة سکت علیه ابوداود المنذری بعدہ فی مختصرہ وهو تصحیح منهما[5]۔اھ	O علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں فرمایا ابو داو داوران کے بعد امام منذری نے اپنی مختصر میں اس پر سکوت فرمایاتو یہ ان دونوں کی طرف سے اس حدیث کی تصحیح ہے۔
O وقال الخطابی فی معالم السنن کتاب ابی داؤد جامع لهذین النوعین	O علامہ خطابی نے معالم السنن میں تحریر کیا "ابو داود کی کتاب صحیح اور حسن دونوں قسم کی

---

[1] نصب الرایه کتاب الطهارة باب الماء الذی یجوز به الوضوء الخ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور ۱/ ۱۶۳

[2] المقاصد الحسنه تحت حدیث ۳۸۱ دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۱۶

[3] فتح القدیر کتاب الطهارة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۵

[4] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[5] غنیه المستملی شرح منیة المصلی فصل فی النوافل سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۸۶

من الحدیث والحسن اماالسقیم فعلی طبقات شرھاالموضوع ثم المقلوب ثم المجھول، وکتاب ابی داود خلی منھابری من جملۃ وجوھھا[1]	احادیث پر مشتمل ہے اور حدیث سقیم کی تو کئی قسمیں ہیں سب سے بے حیثیت موضوع پھر مقلوب پھر مجہول اور ابو داود کی کتاب سقیم کی تمام قسموں سے خالی اور بری ہے۔"
وقال الامام بخاری فی جزء القرۃ قال علی بن عبداللہ نظرت فی کتاب ابن اسحق فماوجدت علیہ الافی حدیثین ویمکن ان یکون صحیحین[2] اھ.	امام بخاری نے اپنی اکتاب "جزء القرۃ" میں لکھا علی ابن عبداللہ نے کہا کہ میں نے ابن سحٰق کی کتابیں دیکھیں تو سوائے دو حدیثوں کے اور کسی میں کوئی عیب نہیں پایا اور ممکن ہے کہ وہ دونوں بھی صحیح ہوں،"
و بیّنھماالقسوی عن علی لیس حدیثناھذا بحمد اللہ تعالٰی منھمااحد ھماعن ابن عمرعن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا نعس احدکم یوم الجمعۃ[3] والاخرعن زید بن خالداذامس احدکم فرجہ فلیتوضا[4]	ان دونوں حدیثوں کو قسوی نے حضرت علی بن عبداللہ سے روایت کیا۔ بحمداللہ ہماری ذکر کردہ حدیث ان میں نہیں ہے دونوں میں سے ایک حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے روایت کی کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے روز اونگھے اور دوسری حدیث زید بن خالد سے کہ تم میں سے کوئی جب اپنی شرمگاہ کو چھوئے تو وضو کرے۔
و علی ھذاھوابن المدینی شیخ البخاری الذی کان یقول فیہ البخاری مااستصغرت	یہ علی ابن المدینی اس پائے کے محدث ہیں کہ ان کے شاگرد امام بخاری کہتے ہیں کہ سوائے علی بن المدینی کے اور کسی کے

[1] معالم السنن مع مختصر سنن ابی داود للمنذری مقدمہ الکتاب المکتبہ الاثریۃ سانگلہ ۱/ ۱۱

[2] جزء القراءۃ خلف الامام للبخاری باب لادلیل علی ان القران رکن فی الصلوۃ ۱/ ۶۰

[3] جامع الترمذی ابواب الجمعۃ باب فی من ینعس یوم الجمعۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۹

[4] موارد الظمان کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی مس الفرج حدیث ۲۱۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۷۸

نفسی الاعندہ[1] فثبت بحمد اللہ تعالٰی ان ابن اسحق ثقۃ وان الحدیث حسن صحیح۔

نفحہ ۵: اکثر اصحاب لزھری لم یذکروافی الحدیث "علی باب المسجد" ولا "بین یدیہ" وھما زیادۃ ثقۃ فوجب قبولھما، ومن الظلم قبولہ فی ھذا الافی ذالك فلیس مستند کونہ "بین یدیہ" من الحدیث الا زیادۃ ابن اسحق ومن اشد الجھل زعم ان ذکرہ مالم یذکروا مخالفۃ لھم والا لاضطربت الاحادیث عن اخرھا الا افرادا عدیدۃ فما من حدیث اتی بطریقین او اکثر الاو فی بعضھا مالیس فی الاخر، الانادرا، ولا عبرۃ بالنادر، ھذا وجہ۔

وثانیًا: کثیرا ماتری الائمہ المحدثین یجمعون الطرق فیقول احدھم حدثنا فلان، و فلان عن فلان یزید بعضھم علی بعض ثم

سامنے میں نے اپنے کو چھو ٹانہیں محسوس کیاتو مذکورہ بالاتفصیلات سے بحمد اللہ ثابت ہوگیاکہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہیں اوراذان خطبہ کے بارے میں ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہے۔

نفحہ ۵: امام زہری کے اکثر شاگردوں نے حدیث میں "علی باب المسجد" اور "بین یدیہ" کاذکر نہیں کیاہے ان دونوں ٹکڑوں کاذکر صرف ابن اسحٰق نے کیاہے جوایک ثقہ روای کااضافہ ہے اوراس کاقبول کرناواجب ہے تو یہ کتنابڑاظلم ہے کہ "بین یدیہ" کوتسلیم کیاجائے اور "علی باب المسجد" کوترک کردیاجائے اوراس سے بڑاظلم یہ ہے کہ ابن اسحٰق کے اس اضافہ کواس وجہ سے ترک کیاجائے کہ صرف ابن اسحاق اس کے راوی ہیں اوروں نے اس کاذکر نہیں کیاہے اوراسی بناپراس اضافہ کوان کی ثقہ راویوں کی مخالفت قرار دیاجائے اورحدیث کو مضطرب قرار دیاجائے اگریہ ظلم روارکھاجائے تو چند معدود اور مختصر روایتیں ہی اضطراب سے محفوظ رہیں گی کیونکہ کون حدیث ہے جو دو یادوسے زائد طریقوں سے مروی نہیں اورہر طریقہ روایت کے متن میں کچھ ایساحصہ بھی ضرورہے جو دوسرے میں نہیں شاید ہی ایساہوگاکہ دونوں روایتوں کے الفاظ بالکلیہ یکساں اور برابر ہوں اور نادر کاکیا اعتبار۔

ثانیًا: اکثر دیکھاگیاہے کہ ائمہ محدثین چندسندوں کوایک ساتھ جمع کرتے ہیں مثلاوہ کہتے ہیں فلاں فلاں

[1] میزان الاعتدال ترجمہ علی بن عبداللہ ۵۸۷۴ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۴۰

یسوق الحدیث سیاقاواحداافتراھم یجمعون بین الضب والنون[1]۔	اور فلاں نے فلاں سے روایت کی جس میں بعض نے بعض سے زائد بیان کیااور پھر پوری حدیث ایک ہی سیاق میں بیان کرتے ہیں تو کیاوہ لوگ مچھلی اور گوہ دونوں کوایک ساتھ ہی ملادیتے ہیں۔
و **ثالثًا**:مفسروالقران العظیم من الصحابة و التابعین وھلم جراکلمافسروا واقعة ذکرت فی القران المجید زادوااشیاء لیست فی القران العظیم فاذن کلھم یخالفون القران الکریم حاشم ھم۔	**ثالثًا**قرآن عظیم کے مفسروں میں، صحابہ ہوں یاتابعین(بعد کے لوگوں کا بھی یہی حال ہے)کہ کسی ایسے واقعہ کی تفسیر کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں مذکورہے تواس واقعہ میں کچھ ایسااضافہ بھی کرتے ہیں جو قرآن عظیم میں نہیں ہے،تو کیاسب کے سب نے قران عظیم کی مخالفت کی پناہ بخدا!
رابعًا:فی الصحیحین عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم الاحد ثکم حدیثاعن الدجال ماحدث به نبی قومه انه اعور الحدیث فاذن یکون صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و العیاذباللہ تعالٰی قد خالف جمیع الانبیاء علیھم الصلاة والسلام فی بیان واقعة وھذالایتفوہ به مسلم۔	**رابعًا**: صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں"میں تم سے دجال کے بارے میں وہ بات نہ بیان کروں جو کسی نبی نے اپنی قوم سے بیان نہ کیا"تو پیغمبر خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اورانبیاء سے زائد بتاکران سب انبیا کی مخالفت کی کون مسلم یہ کہے گا؟
و **خامسًا**: السورالقرانیة تذکر قصة موسی و غیرھا یزید	**خامسًا**: قران شریف میں حضرت موسی وغیرہ انبیاء کرام علیہم السلام کے قصے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ ولقدارسلنانوحاالی قومہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰،صحیح مسلم کتاب الفتن باب ذکرالدجال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۰

بعضها علی بعض وحاشا القران ان یتخالف

نفحہ ۶: ما اجهل من زعم ان الحدیث متناقض بنفسه فان قوله بین یدی رسول الله تعالٰی علیه وسلم یعارض قوله علی باب المسجد فلو کان علی الباب کیف یکون بین یدیه وهذا فهم لا یتصور الا من وهم اذا جلست علی المنبر فتجاه وجهك باب فالقائم علیه هل یکون بین یدیك ام خلفك والصفوف الجلوس بینکما لا تحجبه عن نظرك الا تری ان الله تعالٰی سمی السماء بین ایدینا اذ قال و قوله الحق "أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ"[1] وکم من جبال بینهما و بیننا و سیاتیك زیادة وافیة فی تحقیق معنی "بین یدیه" ان شاء الله تعالٰی۔

جگہ بیان کئے گئے ہیں کہیں کم کہیں کچھ زیادہ تو کیا قرآن شریف نے اپنے بیان کی خود مخالفت کی؟

نفحہ ۶: وہ شخص بھی کیا خوب جاہل ہے جو یہ کہتا ہے کہ سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث خود ہی متناقض ہے اس لیے کہ حدیث کے الفاظ خطیب کے سامنے اور مسجد کے دروازہ پر میں تناقض ہے۔ تو اگر باب مسجد پر ہوگی تو خطیب کے سامنے کیسے ہوگی؟ یہ شبہہ سراسر وہم کی پیداوار ہے کیونکہ جب تم منبر پر بیٹھو اور تمہارے منہ کے سامنے مسجد کا دروازہ ہو تو دروازے پر کھڑا ہونیوالا کیوں تمہارے سامنے نہ ہوگا؟ کیا اس کو تمہارے پیچھے کھڑا ہونیوالا کہا جائیگا؟ شاید یہ سوچتے ہوں گے کہ اس صورت میں امام اور مؤذن کے بیچ میں صفیں حائل ہیں پھر سامنے کیسے ہوا! صفیں بیچ میں ضرور ہیں لیکن وہ مؤذن اور امام میں حائل نہیں ہیں اللہ تعالٰی نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا "کیا تم دیکھتے نہیں کہ آسمان و زمین تمہارے آگے پیچھے ہیں" حالانکہ کتنے پہاڑ اس کے اور ہمارے درمیان میں حائل ہیں۔ "بین یدیه" کی زیادہ تفصیل آگے آرہی ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

نفحہ ۷: اذا بطل زعمۃ التناقض انتقض ما بنی علیہ من وجوب تاویل الحدیث فان الشجرۃ تنبئی عن الثمرۃ ولکن ان تعجب فعجب قولہ وان المراد بالباب الباب الذی کان فی جدار القبلۃ قبل تحویلھا الی الکعبۃ المشرفۃ فیاللانصاف باب کان وبان وصار جدارا والباب الحقیقی موجود الان فاذا ذکر باب المسجد ھل یذھب ذھن احد الی ان القائل لم یرد الباب بل الجدار فمثل ھذا یکون تحویلا وتعطیلا وتبدیلا لا تاویلا ولاسیما والحاکی لھذا اعنی سیدالسائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یشاھد ذلك الباب الکائن البائن قط۔

فانہ کان ابن سبع عند وفاۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فولادتہ سنۃ ثلاث

نفحہ ۷: اور جب "بین یدیہ" اور "علی الباب" کا تناقض ختم ہو گیا تو اس پر حدیث کی جو تاویل مبنی تھی وہ بھی ختم ہو گئی کہ درخت بیج کے بغیر نہیں اگ سکتا لیکن اس تاویل میں حیرتناک بات یہ ہے کہ مؤول کے نزدیک سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں دروازہ سے مراد وہ دروازہ ہے جو دیوار قبلہ میں منبر کی پشت پر تھا تو خطیب کے سامنے منبر کے بالکل متصل کھڑے ہونے والے مؤذن کو مسجد کے دروازہ پر کہہ دیا اگرچہ مؤذن اور دروازہ کے بیچ میں خود خطیب اور منبر حائل تھا مگر کھڑے ہونے والے مؤذن کے سامنے ہی دروازہ تھا۔

یاللعجب! مؤول جس دروازہ کی بات کر رہا ہے وہ اب نہیں ہے اسے بند کرکے اب دیوار کر دیا گیا ہے وہ تو مراد ہو سکتا ہے اور حقیقی دروازہ جو فی الوقت موجود ہے اور خطیب کے سامنے ہے وہ مراد نہیں ہو سکتا کیا ایسی صورت میں کوئی باب المسجد کہے تو کسی کا ذہن اس باب کی طرف منتقل ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد موجود اور مشاہد دروازہ موجود نہیں بلکہ یہ دیوار مراد ہے اس کو تاویل نہیں کہتے یہ تو تحویل ہے تعطیل ہے اور تبدیل ہے خصوصاً اس صورت میں کہ سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بند شدہ دروازہ کو دیکھا بھی نہیں اس لیے کہ وہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

اواربع من الھجر ۃ الشریفۃ وتحویل القبلۃ فی السنۃ الثانیۃ فھو یحکی ماشاھد ہ فکیف یرید بابالم یشاھدہ ثم انك تحتاج فیہ الی مجاز فی مجاز فان ذلك الباب کان فی الجدار القبلی والمنبر دونہ بینھما ممر شاۃ والمؤ ذن دون المنبر فکیف یکون حقیقۃ علی الباب افتری انہ کان یؤ ذن متقدماالی جدار القبلۃ مستد براللنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم او متوجھاالی ظھرہ الشریف متد براللقبلۃ بل لو فر ض ھذالم یکن ایضاحقیقۃ علی الباب المفقو دای محلہ الموجو دلانہ الان مسدو د۔	وصال کے وقت سات سال کے تھے اس حساب سے ان کی ولادت ۳ ھجری میں ہوئی جب کہ تحویل قبلہ کاواقعہ ۲ ھ کا ہے توجب وہ اپنے مشاہدہ کی بات کر رہے ہیں تو یہ کیسے سوچا جاسکتاہے کہ وہ اس ان دیکھے دروازہ کی گواہی دیں گے پھر اس تاویل میں مجاز در مجاز ماننا پڑے گا کیونکہ یہ دروازہ قبلہ کی دیوار میں تھااور اسی کے پاس منبر تھااس دروازہ اور منبر کے درمیان بکری کے گزرنے بھر جگہ تھی اور منبر کے پاس مؤذن کھڑاہوتا تھاایسی صورت میں مؤذن حقیقی معنی میں دروازہ پر کس طرح کھڑا ہوسکتاہے کیونکہ حقیقی معنی میں دروازہ پر ماننے کی صورت تو یہ ہوگی مؤذن منبر سے آگے بڑھ کر قبلہ کی دیوار کے اندر والے دروازہ پر کھڑا ہو کر حضور کی پشت اقدس کے پیچھے قبلہ کی طرف پشت اوراپ کے پشت کی طرف رخ کرے بلکہ سچ پوچھو تو یہ اذان بھی دروازہ پر نہ ہوگی کہ دروازہ تو بند ہو کر اس جگہ دیوار بنادی گئی تھی۔
نفحہ ۸: ارادۃ الباب الشمالی الموجوداذ ذاك وتاویل علی بالمحاذات ای کان یقوم المؤذن متصلابالمنبر بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکونہ اذذاك علی محاذات الباب الشمالی قیل لہ علی باب المسجد کلام	**نفحہ ۸:** اور دروازہ سے مسجد کا باب شمالی مراد لیناجو منبر کے سامنے واقع تھااور "**علی باب المسجد**" کے علی کو محاذات پر محمول کرنااور مطلب یہ بتانا کہ مؤذن تو منبر سے متصل ہی کھڑاہوتا تھالیکن لفظ "علی باب المسجد" سے اس کی تعبیر اس لیے کی گئی کہ دروازہ منبر کے سامنے تھامؤذن اور دروازہ میں آمنا سامنا

مفسول مزدول۔

فاولًا: تجوز بعید من دون قرینۃ والتکلم بمثلہ تغلیط للسامع وتلبیس للسنۃ فلا یظن بالصحابی۔

ثانیًا: فیہ تضییع قولہ علی باب المسجد لان الباب لماکان محاذیاللامام فالقائم بین یدی الامام قائم علی محاذاۃ الباب قطعاً اینماکان فذکرہ بعد ذکرہ لیس فیہ تخصیص ولاتوضیح ولاافادۃ شیئ مقصوداذلم یکن القصد شرعاالاالی مواجھۃ الامام لاالی محاذاۃ الباب فبقی لغواعبثالاطائل تحتہ۔

وثالثًا: ان من اخنع الاباطیل مایقضی وجودہ علیہ بالرحیل و ذلك ان التاویل انمایحتاج الیہ اذالم یستقم المعنی الظاہروانمااحلت الظاہرۃ لمنافاتہ بزعمك قولہ بین یدیہ الالمحاذاۃ بلاحائل کمااعترفہ بہ ابن اخت خالتك فالذی قام لصیق الامام اذاکان علی محاذاۃ

تھا یہ بے وزن اور حقیر کلام ہے۔

اولًا بلاقرینہ معنی بعید مراد لینااور ایساکلام بولناسامع کو غلط فہمی میں ڈالنااور تلبیس سنت ہے صحابی رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسی حرکت نہیں کر سکتے۔

ثانیًا: اس تاویل کی روسے "علی باب المسجد" کالفظ بے سود ہے کیونکہ دروازہ جب امام کے سامنے ہے تو جوامام کے سامنے کھڑاہے وہ دروازہ کے سامنے بھی کھڑاہے تولفظ "بین یدیہ" کے ذکر کے بعد لفظ "علی باب المسجد" نہ تواس پہلے معنی کی توضیح ہوئی نہ تخصیص اور نہ ہی اس لفظ سے کسی معنی کاافادہ مقصود کیونکہ بقول مؤول مقصد توامام کے سامنے کھڑاہونا ہے دروازہ پر کھڑاہونانہیں ایسی صورت میں لفظ علی باب المسجد لغواور بیکار ہواجس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں۔

ثالثًا: اولا یہ تاویل خوداپنے وجود کے ابطال کی دلیل ہے کیونکہ تاویل کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ کلام کے معنی ظاہر درست نہ ہوں اور مخالف نے علی باب المسجد کو محاذات پر اس لیے محمول کیاکہ اس کے نزدیک بین یدیہ اور علی باب المسجد میں تضاد تھااور بین یدیہ کے معنی محاذات بلاحائل ہیں جیساکہ تمہاری خالہ کے ابن اخت نے اس کااعتراف کیااور اب تمہاری تاویل سے جب امام کے پاس کھڑاہونے والادروازہ

الباب کمااعترف الان، کیف لایکون الذی علی الباب محاذیاللامام ولاحائل ثمہ یحجبہ من النظر فصدق بین یدیہ فتاویلك باطل باستقامۃ المعنی الظاھر، واستقامتہ نقتضی لبطلان التاویل فکان وجودحاکم بعدمہ وھذاھواشنع الاباطیل۔ **نفحہ۹:** اشنع منہ زعم ان^{عـــہ} العاطف	کے سامنے اور محاذی ہے تو دروازہ پر کھڑاہونیوالاامام کے محاذی و مقابل کیوں نہ ہوگاجب کہ دونوں کے درمیان حائل نہیں توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی توجب آپ کی یہ تاویل علی الباب کے معنی ظاہر کی تائید کرتی ہے تو اس تاویل کی کیاضرورت ہے اسی لیے ہم نے کہاتھاکہ آپ کی تاویل اپنی تخریب کاسامان اپنے ساتھ ہی لائی ہے اور یہ بدترین بات ہے۔ **نفحہ ۹:** اس سے بری تاویل یہ ہے کہ

عـــہ: ومثلہ بل ابعد منہ قول اعجاز الحق ان فی روایۃ محمد بن اسحق تقدیرایعنی اذجلس النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنبراذن بین یدیہ(بعد ماکان) علی باب المسجد فالنداء لابالفاظ مخصوصۃ علی باب المسجد کان فی زمن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والشیخین، ثم جعل عثمٰن ھذاالنداء اذاناای بالفاظ مخصوصۃ علی مقام عال ھوالزوراء علی ماصرح بہ فی المرقاۃ[1] فھذاھوالتحقیق الحقیق بالقبول

عـــہ اوراس سے بھی زیادہ بعیداعجازالحق کاقول ہے کہ محمد بن اسحٰق کی روایت میں پوراایک جملہ مقدر ہے یعنی عبارت یوں ہے "حضوراکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب منبر پر تشریف فرماہوتے تو دروازہ پر ہونے کے بعداذان آپ کے سامنے ہوتی" یعنی وہ نداجو دروازہ پر ہوتی اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتی تھی ایساحضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور شیخین کے زمانہ میں ہوتارہاپھر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے زمانہ میں اس کواذان ہی کے الفاظ میں مقام زوراء پر کہلاناشروع کیاجو مسجد سے دورایک بلند جگہ تھی ایساہی ملاعلی قاری علیہ الرحمہ نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں تحریر فرمایا یہ تحقیق لائق قبول ہے، (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

محذوف قبل قوله"على باب المسجد"

یہ کہا جائے کہ الفاظ حدیث میں لفظ "علی الباب"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

وبه ارتفع التعارض فی الروایات.وزین القول بالفاظه الفصیحة فهذا اشدة[شفاهته لارزانته]لم یقنع بحذف حرف واحدولتو همه ان"یؤذن"فی الحدیث علی۔۔۔۔ ولعمر الله لو جوز امثال هذه الحذفات فی الکلام لهان تحویل کل نص الی ماتهو ی الانفس للئام فیقول من یبیح الزنا للاعزب الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى"[1] تقدیرایعنی بعد ماتزو جتم لان المتاهل عند ہ ما یغنیه من الز ناالمحر م علیه بخلاف الاعزب فانه محتاج الیه و یقول من یبیح قتل الشبان الحق ان فی قوله تعالٰی "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ

اور اس سے تمام روایتوں کا تعارض بھی اٹھ جاتا ہے مسمّٰی اعجاز الحق نے اپنی اسی بات کو فصیح الفاظ سے آراستہ کیا ہے لیکن اس کی یہ تاویل بھی سخت گندی ہے کہ اس نے ایک لفظ کے مقدر ماننے پر قناعت نہ کی پورا مرکب غیر مفید کر ڈالااور یہ سوچ کر کہ حدیث شریف میں یؤذن کا مطلب چونکہ اذان معروف ہے اس لیے باب مسجد والا اعلان ہوگااور اس کو ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی طرف منسوب کر دیا واللہ العظیم اگر اس طرح کی خرافات کلام میں جائز ہوں تو ہر شخص کو اپنی ہوائے نفس کے مطابق قران عظیم کی آیتیں پھیر نا آسان ہوگا مثلاً جو لوگ کہتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کو زنا جائز ہے وہ یہ کہنے لگیں گے کہ آیت شریفہ "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى" (زنا کے قریب مت جاؤ) میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد تزوجتم یعنی جس کی شادی ہو چکی ہو وہ زنا کے قریب بھی نہ جائے کیونکہ شادی کر لینے والے کو زنا کی حاجت نہیں.بخلاف غیر شادی شدہ کے اس کے پاس بیوی نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۲

والمعنی کان الاذان تارۃ بین	سے پہلے واو یا او محذوف ہے اور مطلب یہ ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حَرَّمَ اللّٰهُ" [1] تقدیرا یعنی بعد ماتحرم لان القتل لدفع الایذاء والھرم اضعف من ان یوذی احدا بخلاف الشباب فانہ ان لم یوذ حالافیستطیع ان یو ذی وقتل المو ذی قبل الایذاء ثم ھو بنفسہ لم لایستدل علی مزعومہ بایۃ الجمعۃ قائلا: الحق ان فی کلامہ تعالٰی اذا نو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ تقدیرا یعنی

" اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ" [2] داخل المسجدلصیق المنبریوم الجمعۃ ولا حول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم ومانسب التصریح بہ الی القاری فلم یصرح

تو کس طرح اپنی شہوت پوری کرے گا اسی طرح جو لوگ جوانوں کا قتل جائز رکھتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کے فرمان "وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ" میں یہ ٹکڑا مقدر ہے بعد ما تحرم اور مطلب بجائے اس کے کہ اللہ تعالٰی نے قتل نفس حرام کیا ہے یہ ہے کہ بوڑھے ہونے کے بعد انسانوں کا قتل حرام ہے کیونکہ کسی کو قتل اس لیے کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو اس کی ایذا سے نجات ملے اور بوڑھا ایذا پہنچانے کے لائق نہیں تو اس کا قتل حرام ہونا چاہیے بخلاف جوانوں کے کہ یہ فی الوقت ایذا نہ دیں ایذا دے تو سکتے ہیں اور موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے اس طرح آیت میں صرف بڈھوں کے قتل کی ممانعت ہے جوانوں کے قتل کی نہیں بلکہ خود یہ موول اسی مسئلہ میں قران کی آیت کو بھی اپنے مقصد کے موافق بنا سکتا ہے مثلاً قران شریف کی آیت مقدسہ اذا نو دی للصلوۃ من یوم الجمعۃ (جمعہ کے دن جب اذان پکاری جائے) میں یہ مقدر مان لے (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القران الکریم ۱۷/ ۳۳

[2] القرآن الکریم ۶۲/ ۹

یدیه صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم وتارة علی باب المسجداو کان یکون فی المحلین غیران الذی علی الباب کان اعلامابغیر لفظ الاذان و ھذا بحکایته یعنی عن نکایته فمامثله الا کمن یقول فی قوله تعالٰی "فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا "[1] ان الواو بمعنی او محذوف قبل من "من قبل" والمعنی اما	کہ اذان کبھی حضور کے سامنے منبر کے پاس ہوتی اور کبھی دروازہ پر یا مطلب یہ ہے کہ موذن بانگ دونوں جگہ دیتا منبر کے پاس والی تو اذان ہوئی اور دروازے کے پاس والا اعلان تھا جو اذان کے الفاظ میں نہیں ہوتا تھا یہ بات خود ہی اپنا بطلان کر رہی ہے کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کوئی کفارہ ظہار کی آیت صیام شهرین متتابعین من قبل ان یتماسا (صحبت سے قبل مسلسل دو مہینے روزہ رکھنا ہے) میں یہ کہے کہ آیت میں لفظ من قبل کے پہلے حرف واو جو بمعنی او ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

به ولم یکن وانماابدی من عندنفسه عدة احتمالات شتی لماسبق الی وهمه فاحتمال هو بعده للتوفیق کمایاتی بعونه تعالٰی بیانه الشافی فی نفحة عشرین من الشمامة الرابعه ۱۲منه۔

اذا نودی للصلوة داخل المسجد لصیق المنبر من یوم الجمعة (جب مسجد کے اندر منبر سے متصل جمعہ کے دن اذان دی جائے) لاحول ولاقوة الاباللّٰہ العلی العظیم۔۔۔۔رہ گئی اس قدر نامعقول کی نسبت ملا علی قاری کی طرف تو یہ قطعاً غلط ہے انھوں نے اس امر کی طرف نہ کنایہ کیا نہ تصریح بلکہ انہوں نے ایک وہم کی بناپر حدیث کے الفاظ میں اختلاف تصور کرتے ہوئے اپنی طرف سے چند احتمالات کا ذکر کیا کہ ان مخالف الفاظ میں توفیق ہو جائے لیکن اختلاف ان کا واہمہ تھا تو یہ ساری توفیقیں اسی کی پیداوار مانی جائیں گی اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی شمامہ چہارم نفحہ بستم میں آرہی ہے ۱۲منہ۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۴

متتابعین او قبل ان یتماسا۔ ثم **اولا** لیس مبناہ الاعلی زعم المقابلۃ بین "بین یدیہ" و "علی الباب" وماھو الاوھم فی تباب فلو وجد العاطف لم یدل علی التوزیع بل علی جمع جمیع وھو مرادنا۔ ثم **ثانیًا** یلزم علی الثانی وجود التثویب فی الجمعۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو خلاف ماصرحوا بہ بل السائب نفسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مؤذن غیرواحدو کان التاذین یوم الجمعۃ حین یجلس الامام یعنی علی المنبر رواہ البخاری [1] ثم **ثالثًا**: ھذاالاذان ھوالمحکوم علیہ فی الحدیث بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبکونہ علی الباب فکیف تفصیل بینھما بان ماعلی	مقدر ہے اور ایت کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل دو مہینے روزہ رکھے یا عورت سے صحبت سے پہلے روزہ رکھے۔ پھر **اوّلًا**: اس کی تاویل کی بنا اس واہمہ پر ہے کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب میں تقابل ہے دونوں ایک مصداق پر صادق نہیں آسکتے اور چونکہ یہ وہم باطل ہے اس لیے او بھی یہاں تقسیم کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اس بات کے اظہار کے لیے ہوگا کہ لفظ بین یدیہ اور علی الباب دونوں ایک ہی ہیں یعنی جمع کے لیے ہوگا۔ **ثانیا** "علی الباب" اور "بین یدیہ" دو الگ الگ نداؤں سے متعلق ماننے پر یہ لازم آئیگا کہ عہد رسالت میں نماز جمعہ کے لیے تثویب ہوتی تھی اور یہ تصریحات علماء کے بالکل خلاف ہے بلکہ خود سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ یہی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عہد مسعود میں ایک ہی مؤذن ہوتا تھا جو امام کے منبر پر بیٹھتے ہی اذان دیتا یہ روایت بخاری شریف کی ہے۔ **ثالثًا**: حدیث شریف میں تو ایک ہی اذان کے بین یدیہ اور علی الباب ہونے کی تنصیص ہے اس تفصیل کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے کہ دروازہ پر اذان سے مختلف

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب المؤذن الواحد یوم الجمعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۴

الباب اعلام غیرالاذان الاان تقدر مع العاطف معطوفاوھوالاعلام اوتحمل الاذان علی عموم المجاز فترتکب مجاز اعلی مجاز وترك الحقیقة من دون ضرورة ملجئة وثیقة اشنع مسلك واخنع طریقة و بالجملة امثال الھوسات لایرتکبھاالامن یکید النصوص بالتعطیل ویرید التغیر باسم التاویل۔

نفحه ۱۰: وبعض من تعیرنابه الجھل ارادان یبدی فی الحدیث علة تھدمه عن اصله فزعم ان لم یکن فی زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم للمسجدالکریم باب تجاہ المنبرانماکان له ثلثة ابواب، باب جبریلعــه فی الشرق و باب السلام و باب الرحمة فی الغرب و ھذاھجوم علی ردالحدیث بالجھل الخبیث کان للمسجدالکریم ثلثة ابواب باب جبریل

کلمات میں اعلان ہوتا تھا ہاں حرف عطف کے ساتھ معطوف کو بھی مقدر مانا جائے یعنی و بعد ماکان الاعلام علی باب المسجد (مسجد کے دروازہ پر اعلان ہونے کے بعد سامنے اذان ہوتی یالفظ یؤذن کو ہی عموم مجاز پر محمول کیا جاتا جس سے ڈبل مجاز بلکہ بلا کسی قرینہ ملجئہ کے ترک حقیقت ماننا لازم آئے تو یہ سب مخالفین کی ہوس ہے جس سے وہ حدیث کی تفسیر کے نام پر تغییر و تبدیل حدیث کرنا چاہتے ہیں)

نفحہ ۱۰: اور مخالفین میں سے بعض جن کو ہم نے جہالت پر عار دلایا تھا اس نے حدیث پاک میں ایک ایسی علت پیدا کرنی چاہی جو سرے سے اس حدیث سے استدلال کو ہی ختم کردے وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد پاک میں کوئی دروازہ منبر کے سامنے تھا ہی نہیں پوری مسجد نبوی شریف میں صرف تین دروازے تھے پوربی رخ پر باب جبریل اور پچھم طرف باب السلام اور باب الرحمہ (شمال و جنوب میں کوئی دروازہ تھا ہی نہیں) یہ خبیث جہالت سے حدیث کو رد کرنا ہے مسجد شریف میں یہ تین دروازے ضرور تھے

عــه: ھذاالاسامی حادثة ولایقیت الابواب فی محل الابواب بل احدثت علی محاذاتھابعدالزیادات ۱۲منه۔

ابواب کے نام بعد میں رکھے گئے ہیں اور موجودہ دروازے بھی ٹھیک انہیں مقامات پر نہیں جہاں تھے بلکہ مسجد کی توسیع کے بعد انہیں دروازوں کی محاذات میں رکھے گئے منہ ۱۲ غفرلہ

فی الشرق ثم زادامیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه باب النساء وباب الرحمة فی الغرب ثم زادامیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنه باب السلام و باب ابی بکر فی الشمال ثم زادامیرالمومنین بابا اٰخر کمافصله عالم المدینة السیدالسمهو دی رحمة الله تعالٰی علیه فی خلاصة الوفاء[1] و حسبك حدیث البخاری فی ابواب الاستسقاء عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه ان رجلادخل یوم الجمعة من باب کان وجاه منبررسول اللہ تعالٰی علیه وسلم قائم یخطب[2] الحدیث۔

نفحہ ۱۱: لایذهبن عنك ان ههناسنتین، سنة خاصة باذان الخطبة و هو کونه بین یدیه الخطیب حین جلوسه علی المنبر، وسنة عامة لکل اذان و هو کونه فی حد ودالمسجداو فنائه، لافی حد ودالمسجداو فنائه لافی جوفه کماستسمع نصوص

مگراور دروازے بھی تھے جن کی تفصیل یوں ہے پوربی جانب باب جبریل پھرامیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسی سمت باب النساء قائم فرمایا پچھم طرف باب الرحمۃ پھراسی طرف امیر المومنین نے باب السلام قائم فرمایا شمالی جانب باب ابی بکر پھراسی طرف امیر المومنین نے ایک دروازے کااوراضافہ فرمایاعالم مدینہ حضرت سید سمہو دی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ نے خلاصۃالوفاء میں اس کی تصریح فرمائی پھر باب شمال کے لیے کسی دوسرے حوالہ کی ضرورت نہیں بخاری شریف باب الاستقاء کی یہ حدیث کافی ہے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی اس دروازہ سے جو منبرکے سامنے تھاایک جمعہ کوایاآپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشادفرمارہے تھے (الحدیث)

نفحہ ۱۱: یہ امر قابل لحاظ ہے کہ یہاں دوسنتیں ہیں جن میں ایک کاتعلق خاص اذان خطبہ سے ہے یہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کااس کے سامنے ہوناہے اورایک عام سنت ہے جوہراذان کو عام ہے اوراذان کاحدود مسجد کے اندر اس کے صحن میں ہوناہے نہ کہ خاص مسجد کے اندراسکی تصریح

[1] وفاء الوفاء الفصل الثالث عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۹۴تا۴۹۶

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب الاستسقاء فی المسجدالجامع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

الفقهاء عليه و قد سردنالك اسماء هم و قدارشد حديث السائب رضى الله تعالٰى عنه اليهما معا۔ فالاولى قوله بين يدى رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اذاجلس على المنبر، والاخرى قوله على باب المسجد فان باب المسجد فى حدوده لافى جو فه و خصوصية الباب ملغاة قطعاوانمالايكون عليه لكونه وجاه المنبر لولاذالك لم يكن على الباب بل على حافة المسجداو فى فنائه بين يدى الامام فانكشف به سوالان كثيراماتوردهماجهلة الهنودالاول ان العلماء لم يذكروامن سنن هذاالاذان كونه على الباب قل لهم لم يذكرونه مع انه غير مقصودفى هذا الباب و مامثله الا كمثل من يرى حديث ان بلال رضى الله تعالٰى عنه كان يؤ ذن على سطح بيت ستنا نوارام زيد بن ثابت رضى الله تعالٰى عنهما فيحسب ان السنة فيه كونه من سطح بين الجيران حتى لو كان على منارة او على جدار المسجد كان مخالفاللسنة وهذااجهل منه بان القصد كان على محل عال لالى خصوص

ان فقہاء کے نصوص میں ہے جن کا نام ہم بیان کر چکے ہیں اور سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی اس حدیث میں ان دونوں ہی سنتوں کا بیان کیا ہے کہ اذان خطبہ خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد اس کے سامنے ہوئی اور یہ کہ اذان مسجد کے دروازہ پر ہوئی اور دروازہ مسجد مسجد کی حد پر ہوتا ہے مسجد کے اندر نہیں لیکن اذان کی سنت میں دروازہ کی کوئی خصوصیت نہیں اہمیت صرف منبر کے سامنے ہونے کو ہے اگر کسی مسجد میں منبر کے سامنے دروازہ نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ دروازہ ڈھونڈ کر وہیں اذان دی جائے بلکہ خطیب کے سامنے حدود مسجد اور صحن مسجد میں ہوگی اس سے دو سوالوں کا جواب ہو گیا جو اکثر کیا جاتا ہے اول یہ کہ علماء نے اس اذان کی سنتوں میں اس کا دروازہ پر ہونا ذکر نہ کیا جواب یہ ہے کہ اس لیے اس کا ذکر نہ کیا کہ دروازہ اس باب میں غیر مقصود ہے اس حدیث میں اس کا ذکر ایسے ہی ہے جیسے دوسری حدیث میں سطح بیت نوارام زید کا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نوارام زید پر اذان دیتے تھے تو اگر کوئی یہ گمان کرے کہ اذان میں یہ سنت ہے کہ پڑوسیوں کے گھر کی چھت پر ہو اور کوئی شخص منارہ یا مسجد کے دروازہ کے اوپر کھڑا ہو کر دے تو سنت کے مخالف ہے تو غلط ہے کیونکہ اس گھر کی چھت کے ذکر سے مقصد تو یہ ہے کہ بلند جگہ پر اذان ہو نہ یہ کہ پڑوسی کے گھر کی چھت پر

سقف جار، کذاھھنا، والثانی ان الفقھاء لایذکرونہ فی باب الجمعۃ سنیۃ اذان الخطبۃ خارج المسجد فی حدودہ انمایذکرون استنان کونہ بین یدی الامام قل لھم ولم یذکرونہ ثمہ فانہ لایختص بہ بل ھو حکم مطلق الاذان الشرعی فمحل ذکرہ ھوباب الاذان لاباب الجمعۃ وقد ذکروہ فیہ نعم کونہ بین یدیہ کان من خصوصیات اذان الخطبۃ فذکروہ فی باب الجمعۃ اشتمل الحدیث علی حکمین خاص وعام وکان من حقھماان یذکرالخاص فی باب الخاص و العام فی باب العام و کذالك فعلواولکن العوام لا یفقھون ھذاعلی تسلیم زعمھم والافعلماؤ نالم یخلواباب الجمعۃ ایضاعن افادۃ ھذاالحکم کما ستری بعون العلی الاعلی۔

نفحہ۱۲: اذاعجز وامن کل جھۃ قالواھذاحدیث لم یعرج علیہ الناس فکان مھجوراعند ھم و ھذا کما تری قول من لم یترعرع عن العامیۃ شیئا الحدیث وکل شیئ انمایطلب فی معدنہ ولایضرہ عدم

دوسرا سوال یہ کہ فقہاء اس اذان کے لیے خارج مسجد ہونے کی شرط باب جمعہ میں ذکر نہیں کرتے بلکہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ امام کے سامنے ہو جواب یہ ہے کہ خاص باب جمعہ ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ سنت صرف اذان جمعہ کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام اذانوں کی سنت ہے اس لیے علماء نے اس کو مطلق اذان کے باب میں ذکر کیاہاں خطیب کے سامنے ہونااذان جمعہ کے ساتھ خاص تھاتواس کو باب جمعہ میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیاخلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان کے دو خاص و عام حکم کوشامل تھی اصولااس کو دو علیحدہ علیحدہ ابواب میں ذکر کرنا چاہیے تھافقہائے امت نے ایساہی کیایہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ سائل کے قول کوتسلیم کیاجائے ورنہ ہمارے علماء کرام نے ابواب جمعہ کو بھی اس بیان سے خالی نہیں رکھاان شاء اللہ آئندہ ہم اس کی شہادتیں پیش کریں گے۔

نفحہ ۱۲: اور جب ہر طرف سے عاجزآ گئے تو کہاکہ لوگوں نے اس حدیث کاچرچا ہی نہیں کیاتو یہ متروک العمل رہی مگر یہ بات ایسے شخص کی ہوسکتی ہے جو عوام کے درجہ سے بالشت بھر بھی بلند نہ ہوسکا کیونکہ ہر چیز کو وہیں تلاش کرنا چاہیے جہاں اس کاٹھکانہ ہواور دوسری جگہ

و جدانه فی غیره مع هذاماهی الاشهادة نفی ولا سیمامن قوم عمی ولوابصروالنظروان العلماء لم یز الوایوردونه و یعتمد ونه ففی تفسیر الخازن (اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة) اراد بهذاالاذان عند قعو دالامام علی المنبر لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه ولابی داؤ دقال کان یؤذن بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا جلس علی المنبریوم الجمعة علی باب المسجد[1]، اه مختصرا۔

وفی تفسیر الکبیر: قوله تعالٰی "اذا نو دی" یعنی النداء اذاجلس الامام علی المنبریوم الجمعة وهو قول مقاتل وانه کماقال لانه لم یکن فی عهد رسول الله تعالٰی علیه وسلم نداء سواه کان اذاجلس علیه الصلوة والسلام علی المنبراذن بلال علی باب المسجدو کذا

نہ ملنے کی کوئی شکایت نہیں اور یہ بات اسی قبیل سے ہے کہ کسی چیز کے نہ ہونے پر اندھوں کی گواہی پیش کی جائے ورنہ علماء تو اس حدیث کا مسلسل ذکر کرتے رہے اور اس پر اعتماد کرتے رہے تفسیر خازن میں ہے: (جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے) اس سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اسکے علاوہ اور اذان نہیں تھی۔ ابو داؤد کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جمعہ کے دن جب منبر پر بیٹھتے تو ان کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان دی جاتی تھی اھ مختصرًا

تفسیر کبیر میں ہے: اللہ تعالٰی کا قول "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" یعنی ندا جو جمعہ کے دن امام کے منبر پر بیٹھتے وقت دی جاتی ہے یہی مقاتل کا قول ہے اور ایسا ہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی کے زمانہ میں اس اذان کے علاوہ کوئی اذان نہیں دی جاتی تھی جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے تو بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ مسجد کے دروازہ پر اذان

[1] لباب التاویل فی معالم التنزیل (تفسیر الخازن) تحت آیة ۶۲ / ۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۲۹۰

علی عهد ابی بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما[1]. اھ وفی الکشاف: النداء الاذان وقالو المراد به الاذان عند قعود الامام علی المنبر، وقد کان لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا انزل اقام للصلوة ثم کان ابو بکر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما علی ذلك حتی اذا کان عثمان و کثر الناس وتباعدت المنازل زاد مؤذناً اٰخر فامر بالتاذین الاول علی دارہ التی تسمی "زوراء" فاذا جلس علی المنبر اذن المؤذن الثانی فاذا نزل اقام للصلوۃ[2]. اھ	دیتے ایساہی ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما کے زمانے میں بھی تھا۔ تفسیر کشاف میں ہے (سورہ جمعہ کی آیت میں) نداء سے مراد اذان ہے کہتے ہیں کہ اس اذان کی طرف اشارہ ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی تھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک ہی مؤذن آپ کے منبر پر بیٹھتے ہی مسجد کے دروازہ پر اذان دیتا خطبہ کے بعد آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا اور دور دور تک مکانات ہوگئے تو آپ نے ایک موذن کا اور اضافہ فرمایا اور اسے پہلی اذان کا حکم دیا جو آپ کے گھر سے موسوم بہ زوراء پر دی جاتی (یہ مکان مسجد سے دور بازار میں تھا) اور آپ جب منبر پر بیٹھتے تو دوسرے موذن اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔
وفی الدر الشفاف لعبد الله بن الهادی: کان له صلی الله تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد	در شفاف لعبد اللہ بن الہادی میں ہے: آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک ہی مؤذن تھے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹/۶۲ میدان الجامع الازہر مصر ۸/۳۰

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت الآیہ ۶۲/ ۹ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۵۳۲

فکان اذاجلس علی المنبر اذّن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصّلوۃ[1] اھ وکذا فی النھر المادّ من البحر لابی حیان: کذالك کان فی زمان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان اذ اصعد علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل بعد الخطبة اقیمت الصلوۃ وکذا کان فی زمن ابی بکر و عمر الی زمن عثمان کثر الناس وتباعدت المنازل فزاد موذنا آخر علی دارہ التی تسمی الزوراء فاذا جلس علی المنبر اذن الثانی فاذا نزل من المنبر اقیمت الصلوۃ ولم یعب احد ذلك[2] وفی تقریب الکشاف (لابی الفتح محمد بن مسعود) کان لرسول الله صلی الله تعالٰی وسلم کذا الشیخین بعدہ مؤذن واحد یوذن عند الجلوس علی المنبر علی باب المسجد[3] اھ	جواب کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دروازہ مسجد پر اذان دیتے پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے۔ نہر الماد من البحر لابی حیان میں بھی اسی طرح ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی، اور جب خطبہ کے بعد آپ اترتے تو نماز قائم ہوتی ایسے ہی صاحبین کے عہد تا ابتداء عہد عثمان غنی رضوان اللہ علیہم اجمعین ہوتا رہا پھر عثمان کے زمانہ میں مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی لوگ زیادہ ہوگئے اور مکانات دور تک پھیل گئے تو آپ نے ایک مؤذن کا اضافہ فرمایا اور انہیں حکم فرمایا کہ پہلی اذان آپ کے مکان زوراء پر دیں پھر جب آپ منبر پر بیٹھتے تو مؤذن دوسری اذان دیتا پھر آپ منبر سے اتر کر نماز قائم فرماتے اس اضافہ پر کسی نے آپ پر اعتراض نہیں کیا۔ تقریب کشاف لابی الفتح محمد بن مسعود میں حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم اور آپ کے بعد شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد میں ایک ہی مؤذن تھا جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا۔

[1] الدر الشفاف

[2] النھر المادّ من البحر علی ھامش البحر المحیط تحت الآیة ۶۲/ ۹ دار الفکر بیروت ۸/ ۲۶۵

[3] تقریب الکشاف محمد بن مسعود

وفی تجرید الکشاف لابی الحسن علی بن القاسم: کان له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ[1] اھ	اور تجرید کشاف لابی الحسن علی بن القاسم میں ہے: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا اور آپ جب منبر سے اترتے تو نماز قائم فرماتے۔
وفی تفسیر النیسابوری: النداء الاذان فی اول وقت الظھر وقد کان لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مؤذن واحد فکان اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد[2] الخ مثل مافی الکشاف۔	تفسیر نیشاپوری میں ہے نداء اول وقت ظہر میں اذان ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ مسجد کے دروازے پر اذان دیتا تھا الخ (موافق تفسیر کشاف)
وفی تفسیر الخطیب ثم الفتوحات الالٰھیة: قوله تعالٰی "اذا نودی للصلوۃ" المراد بھذا النداء الاذان عند قعود الخطیب علی المنبر لانه لم یکن فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نداء سواہ فکان له مؤذن واحد اذا جلس علی المنبر اذن علی باب المسجد فاذا نزل اقام الصلوۃ ثم کان ابو بکر و عمر و علی بالکوفة رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ذلك حتی کان عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه وکثر الناس و	تفسیر خطیب و فتوحات الٰہیہ میں ہے اللہ تعالٰی کا فرمان "جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے" اس ندا سے وہ اذان مراد ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے پر دی جاتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کے عہد میں اس اذان کے علاوہ تھی ہی نہیں ایک ہی مؤذن تھا جب آپ منبر پر بیٹھتے تو وہ دروازہ پر اذان دیتا جب آپ منبر سے اترتے تو نماز قائم ہوتی پھر ابو بکر و عمرو علی (رضی اللہ تعالٰی عنھم) کوفہ میں اسی پر عامل رہے مدینہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں آبادی

[1] تجرید الکشاف

[2] غرائب القران (تفسیر نیشاپوری) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۲۸/ ۵۲

تباعدت المنازل زاد اذانا آخر[1] الخ وفی کشف الغمۃ للامام الشعرانی کان الاذان الاول علی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اذا جلس الخطیب علی المنبر الی قولہ وکان الاذان علی باب المسجد[2] اھ	بڑھی اور مکانات دور دور تک پھیل گئے تو انہوں نے ایک اذان اور زائد کی۔ کشف الغمہ للامام شعرانی میں ہے اذان اول حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں جب خطیب منبر پر بیٹھتا اور اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی۔

[1] الفتوحات الالہیہ (الشہیر بالجمل) تحت الآیۃ ۶۲/ ۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۴۳

[2] کشف الغمہ باب صلوۃ الجمعہ فی الاذان والخطبۃ وغیرہا دار الفکر بیروت ۱/ ۱۸۵

الشمامۃ الثانیہ من صندل الفقہ

(شمامۂ ثانیہ از صندل فقہ)

نفحہ۱: الحمدللہ تظافرت النصوص علی کراھۃ الاذان فی المسجد والنھی عنہ بصیغۃ النفی الاکد من صیغۃ النھی ففی [1] الخانیۃ و [2] الخلاصۃ و [3] خزانۃ المفتین و [4] شرح النقایۃ للعلامۃ عبدالعلی و [5] الفتاوی الھندیۃ و [6] التاتارخانیۃ و [7] مجمع البرکات ینبغی ان یو ذن علی المئذنۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد [1]۔ اھ و [8] فی البحر الرائق شرح کنزالدقائق وفی الخلاصۃ:	**نفحہ۱:** اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار حمد ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہونے پر کثیر التعداد فقہی نصوص ہیں وہ بھی صیغہ نفی کے ساتھ جو ممانعت میں نہی سے زیادہ مؤکد ہوتا ہے۔ [1] خانیہ [2] خلاصہ، [3] خزانۃ المفتین، [4] شرح نقایہ للعلامہ عبدالعلی [5] فتاوی ہندیہ، [6] تاتارخانیہ، [7] مجمع البرکات میں ہے مئذنہ پر اذان دینا چاہیے یا مسجد کے باہر؟ مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [8] بحرالرائق شرح کنزالدقائق اور خلاصۃ الفتاوی میں ہے:

[1] الفتاوی الھندیہ کتاب الصلوۃ الباب الثانی الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۵، فتاوی قاضی خان مسائل الاذان ۱/ ۳۷ و خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان ۱/ ۴۹، خزانۃ المفتین فصل فی الاذان ۱/ ۱۹ وشرح النقایۃ للبرجندی باب الاذان ۱/ ۸۴

ولا یؤذن فی المسجد[1]، اھ وفی [٩]شرح مختصر الامام الطحاوی للامام الاسبیجابی ثم [١٠]المجتبی شرح مختصر الامام القدوری لایؤذن الا فی فناء المسجد او علی المئذنۃ[2] و[١١]فی البنایۃ شرح الھدایۃ للامام العینی: لایؤذن الا فی فناء المسجد او ناحیتہ عـــہ[3]۔	مسجد میں اذان نہ دی جائے۔ [٩]شرح مختصر الامام طحاوی للامام اسبیجابی اور [١٠]المجتبی شرح مختصر للامام قدوری میں ہے اذان نہ دی جائے مگر صحن متعلقہ مسجد میں منارہ پر۔ [١١]بنایہ شرح ہدایہ لامام عینی میں ہے: اذان نہ دی جائے مگر صحن مسجد میں یا مسجد کے کنارے۔

عـــہ: الناحیۃ الرکن، والجانب کلھا بمعنی فی القاموس الناحیۃ الجانب[4] اھ وفی المصباح الجانب[5] الناحیۃ وفی تاج العروس رکن الجبل والقصر جانبہ وارکان کل شیئ جوانبہ التی یستند الیھا ویقوم بھا[6] اھ واللفظ مبنی من التنحی والاعتزال

ناحیہ رکن اور جانب سب کے معنی ایک ہیں قاموس میں ہے ناحیہ جانب اور کنارے کو کہتے ہیں مصباح میں ہے الجانب الناحیۃ جانب اور کنارہ ہی ناحیہ ہے۔ تاج العروس میں ہے پہاڑ اور محل کا رکن اس کا کونہ ہوتا ہے اور ہر شیئ کا رکن اس کا کنارہ ہی ہوتا ہے۔ جس کی طرف اس کی نسبت ہوتی ہے یا اس کے ساتھ (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] البحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۵، خلاصۃ الفتاوی الفصل الاول فی الاذان مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۴۹

[2]

[3]

[4] القاموس المحیط باب الواو والیاء فصل النون مصطفی البابی مصر ۴/ ۳۹۷

[5] المصباح المنیر تحت اللفظ "جنب" منشورات دار الھجرۃ قم ایران ۱/ ۱۱۰

[6] تاج العروس باب النون فصل الراء دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۱۹

فی ۲الغنیة شرح المنیة الاذان انما یکون فی المئذنة اوخارج المسجد والاقامة فی داخله[1] وفی ۳نظم الامام الزند ویستی ثم ۴شرح النقایة للشمس القهستانی ثم ۵حاشیة مراقی الفلاح للعلامة السید احمد الطحطاوی ویکرہ ان یؤذن فی المسجد[2] وفی ۶غایة البیان شرح الهدایة للعلامة الاتقانی وفی ۷فتح القدیر شرح الهدایة	۲غنیہ شرح منیہ میں اذان مئذنہ پر یا خارج مسجد ہو اور اقامت مسجد کے اندر۔ ۳نظم امام زندویستی ۴شرح نقایہ لشمّس قہستانی ۵حاشیہ مراقی الفلاح میں للعلامۃ سید احمد طحطاوی میں ہے مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔ ۶غایۃ البیان شرح ہدایہ للعلامہ اتقانی ۷فتح القدیر شرح ہدایہ لمحقق علی الاطلاق میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کالمجانب من المجانبة والانفصال وتری رکنی الکعبه الکریمة الاسود والیمانی خارجة منها۔ وذکر فی خلاصة الوفاء ان عمر بن عبد العزیز رضی الله تعالٰی عنه جعل للمسجد اربع منارات فی زوایات الاربع ثم قال کل ذلك من الهلال الی الارض خارج عن المسجد[3] منه غفر له۔

قائم ہوتا ہے یہ لفظ علیحدگی اور جدائی کے معنی دیتا ہے جیسے جانب دوری اور انفصال کے معنی دیتا ہے اور کعبہ شریف کے دونوں رکن اسود اور یمانی کو دیکھا جاسکتا ہے کہ وہ دونوں کعبہ سے خارج ہیں اور خلاصۃ الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے اور فرمایا کہ یہ چاروں مینار زمین سے لے کر چاند تک خارج مسجد ہیں (منہ غفرلہ)۔

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی سنن الصلوۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۳۷۷

[2] حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب الاذان نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۰۷

[3] وفاء الوفاء الفصل السابع عشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۲۶و۵۲۷

للمحقق علی الاطلاق :قولہ (ای الامام برھان الدین صاحب الھدایہ) والمکان فی مسالتنا مختلف یفید کون المعھود اختلاف مکانھما وھو کذلك شرعا فالاقامۃ فی المسجد ولابد واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن ففی فناء المسجد وقالوا لایؤذن فی المسجد[1]. اھ وقالا فی الکتابین فی مسئلۃ سنیۃ الطہارۃ لخطبۃ الجمعۃ قیاسا علی الاذان مانصہ: الاولی ما عینہ فی الکافی جامعا وھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد ای فی حدودہ لکراھۃ الاذان فی داخلہ[2]. اھ فھذہ تسعۃ عشر نصاوختم العشرین بکلام الامام ابن الحاج المکی مالکی فانہ رحمہ اللہ تعالٰی عقد فی المدخل فصلا للنھی عنہ وفی نفی فعلہ من السلف الصالح مطلقًا فدخل فیھم ائمۃ المذاھب الاربعۃ جمیعاومن قبلھم من الصحابۃ والتابعین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وھذا مانصہ۔	مصنف امام برھان الدین صاحب ہدایہ کا قول کہ (مکان ہمارے مسئلہ میں مختلف ہے) اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ اذان واقامت کے مقامات کا اختلاف ہی معہود و معروف نیز حکم شرعی ہے کہ اقامت مسجد میں ہو ناضروری ہے اوراذان مئذنہ پراور مئذنہ نہ ہو تو مسجد کے صحن میں ائمہ نے فرمایا کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی۔ اور دونوں شارحین نے اپنی دونوں کتابوں میں جمعہ کے لیے طہارت مسنون ہونے کے مسئلہ میں اذان پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا "کافی میں دونوں مسئلہ میں علت جامعہ یہ بتائی کہ خطبہ اوراذان دونوں ہی مسجد کے اندر خداکاذکر ہے جن کے لیے طہارت سنت ہے، مسجد کے اندر کا مطلب حدود مسجد ہے کیونکہ اذان داخل مسجد مکروہ ہے۔" یہ انیس نصوص ہیں اور بیسویں نص امام ابن الحاج مکی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مدخل میں ایک فصل تحریر فرمائی جس میں مسجد کے اندر اذان کی کراہت بیان فرمائی اور بتایا کہ مطلقًا سلف صالحین نے اس فعل کی نفی کی ہے تو اس عموم میں ائمہ اربعہ داخل ہوگئے اوران سے پہلے کے صحابہ و تابعین بھی۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجمعۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۹

فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد وقد تقدم ان للاذان ثلثة موا ضع ،المنارہ، وعلی سطح المسجد ،وعلی بابه ، واذا کان ذلك کذلك فیمنع من الاذان فی جو ف المسجدلو جوہ احدھا انه لم یکن من فعل من مضی [1] الی اخر ہ۔ **نفحه ۲:** بمرأی منك ھذہ النصوص بعمو مھاواطلا قھا فان الفعل کما عر ف فی الا صول فی قوۃ النکر ۃ و قدوقع فی حیز النفی فقولھم لا یؤ ذن فی المسجد عام و البا قی مطلق ولا اثر فیھا للتخصیص والتقیید فو جب امر ارھا کما ھی والتی فیھاذکر المئذنة فاقول: اولا لا تو ذن بخر وج اذان الخطبة فان النا س بعد الصدر الاول احد ثوا اعلاء المنابر دکا بحذائھا لاذان الخطبة کما ھو مشھور ھھنا فی الجوا مع السلطانیة ستعلم جواز ذلك بشرطه فیصدق وعلی ھذا الاذان	مدخل کی عبارت یہ ہے "مسجد میں اذان کی ممانعت کے بیان میں یہ گزر چکا کہ اذان کے لیے تین جگہیں ہیں مسجد کی چھت، مسجد کا دروازہ اور منارہ، اور جب ایسا ہے تو مسجد کے اندر اذان کی ممانعت کئی وجہ سے ثابت ہے اول یہ کہ گزشتہ بزر گان دین مسجد کے اند راذان نہیں دیتے تھے "الخ یہ کل بیس نصوص ہوئے۔ **نفحہ ۲:** یہ نصوص اپنے عموم واطلاق کے ساتھ سب کے سامنے ہیں اوراصول فقہ سے یہ ظاہر ہے کہ فعل نکرہ کے حکم میں ہے اور نفی کے تحت ہو تو عام ہے پس فقہاء کا قول لایوذن فی المسجد عام ہے اور باقی اقوال مطلق ہیں جن میں تخصیص و تقیید کا کوئی اثر نہیں توان کواپنے عموم پر ہی جاری رکھنا ہوگا۔ اور جن کی عبارتوں میں مئذنہ کاذکر ہے تو وہ خطبہ کی اذان کواس حکم سے نکالنے کے لئے نہیں اولا اس لیے کہ صدر اول کے بعد ہی لوگوں نے بلند منبر اوران کے سامنے اذان جمعہ کے لیے چبوترے بنائے جیسا کہ شاہی مسجدوں میں اب بھی دیکھا جاسکتا ہے (اوران کی بنا مخصوص شرائط کے ساتھ جائز بھی ہے) تواذان جمعہ کے لیے یہی مئذنہ ہوئے اور

Majlis of DawateIslami

[1] المدخل فصل فی النھی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

ایضا انه علی المئذنة وان لم تکن فی الفناء۔
وثانیًا الحکم علی مطلق او عام بمفهوم مردد انما یقتضی ان لا یخلو شیئ من افرادہ عن کلا الوجھین اما کون کل فرد یجری فیه الوجھان فلا، وھذا ظاھر جدا۔ عبارۃ نسختی الفتح والعنایۃ۔ واما الاذان فعلی المئذنۃ فان لم یکن بیاء تحتیۃ ای الاذان علیھا ففی فناء المسجد[1] وعدم کونه علیھا یشمل الترك والکف فیدخل فیه کل اذان، وکذا علی نسخة تکن بتاء فوقانیۃ والضمیر للمنارۃ فان المراد الکون الشرعی والوجود حسیا غیر الوجود لشیئ شرعا وعلی التنزل فزیادتھا لفظۃ قالوا قطعت ھذا الحکم عن سنن السابق و ذلك لان لا یوذن بمعنی لا یفعل الاذان وھو بعمومه

ان پر اذان، اذان علی المئذنہ نہ ہوئی تو اس حکم میں کہ مئذنہ پر اذان نہ ہو تو صحن مسجد میں ہو اذان جمعہ بھی داخل رہی۔
ثانیًا: (یہ جملہ اذان مئذنہ پر ہونی چاہیے نہ ہو تو صحن مسجد میں دی جائے) مطلق یا عام (اذان) کے لیے ایک حکم مردد ہے اور ایسے تردیدی حکم کا یہ تقاضا نہیں ہوتا کہ مطلق یا عام کا ہر ہر فرد حکم کے دونوں پہلوؤں سے متصف ہو بلکہ مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ اس کو کوئی فرد بھی حکم کے دونوں پہلوؤں سے یکسر خالی نہ ہو کوئی فرد حکم کے ایک پہلو سے متصف ہو اور کوئی دوسرے پہلو سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (اس تشریح کی رو سے مذکورہ بالا جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ اذان خواہ پنج وقتہ ہو یا اذان خطبہ سب کو مئذنہ پر ہونا چاہیے (لائق اذان) مئذنہ ہی نہ ہو یا اس پر اذان نہ ہو سکی تو صحن مسجد میں ہو پس مذکورہ بالا حکم اذان جمعہ کو بھی شامل ہوا)
(اعتراض) فتح القدیر اور غایۃ البیان کی مذکورہ بالا عبارت کا ظاہر تو یہی ہے کہ یہ حکم صرف نماز پنجوقتہ کے ساتھ ہی خاص ہو کہ مئذنہ کی ضرورت اسی کے لیے ہے۔

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۱۵

کان یشمل کل اذان لکن ھذا التنزل الاخیر لما کان الکلام فی مابین العبار تین فی اذان المنائر خاصة فلولم یاتیابقالوا لاشمل الظرف الحکم الی العھد ومقصودھمارحمھما اللہ تعالٰی مع الاستبدال بہ علی المسألة الخاصة افادة الحکم العام فزادا قالوا فصار حکمامنقولاولا عھد فی المنقول عنہ فلم یسر الیہ عھد سیاقہ وبقی علی محوضة اطلاقہ و لعمری لا یو قف علی اشارا تھم الابتو فیق من برکا تھم واللہ الموفق لارب سواہ۔	اذان جمعہ تو عدم محاذات کی وجہ سے متعارف مئذنوں پر منع ہے) **(جواب)** ان دونوں کتابوں کی اصل عبارت یہ ہے: اما الاذن فعلی المئذنة وان لم یکن (ایک نسخہ) وان لم تکن (دوسرا نسخہ) ففی فناء المسجد، پہلے نسخہ کی تقدیر پر ترجمہ یہ ہوا "اگر مئذنہ پر اذان نہ ہوئی "اذان نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں: اول اذان کا مئذنہ پر ہونا تو ممکن تھا مگر مؤذن نے سستی وغیرہ کی وجہ سے اذان مئذنہ پر نہ دی یا عدم اذان علی المئذنہ بوجہ ترک مؤذن ہے اور دوسری صورت یہ کہ مؤذن مئذنہ پر اذان دینا چاہتا تھا لیکن وہ مئذنہ پر اذان اس لیے نہ دے سکا کہ شریعت نے اسے روک دیا کہ یہ مئذنہ خطیب کی محاذاۃ میں نہیں اس لیے اس پر اذان منع ہے یہ عدم اذان موذن کو اذان سے کف و منع کی وجہ سے ہے ان میں پہلی صورت اذان پنجوقتہ میں ہے اور دوسری جمعہ کی اذانوں میں اور عدم اذان کی ان دونوں صورتوں کے لیے حکم یہی ہے اذان صحن مسجد میں ہو تو جمعہ کی اذان کو بھی یہ حکم شامل ہوا اور دوسرے نسخہ کی رو سے ترجمہ یہ ہوگا کہ اگر مئذنہ نہ ہو تو اذان صحن مسجد میں ہوگی مئذنہ نہ ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں عدم حسی اور عدم شرعی، مسجد میں سرے سے کوئی مئذنہ ہی نہ ہو یہ عدم حسی ہے اور مئذنہ تو ہو مگر خطیب کی محاذات کی وجہ سے خطبہ کی اذان کے لیے شرعامعدوم ہیں تو حکم مذکور اذان جمعہ کے لیے بھی ہوا کہ صحن مسجد میں ہو تو بہر تقدیر اس حکم سے خطبہ کی اذان خارج نہ ہوئی، وللہ الحمد، اور کسی کو ضد ہی ہو کہ اس حکم میں جمعہ کے خطبہ کی اذان شامل نہیں تو بر سبیل تنزل گزارش ہے کہ ان دونوں بزرگوں نے اس کا بھی خیال رکھا ہے چنانچہ اپنی اسی عبارت میں مذکورہ بالا ٹکڑے کے بعد اسلوب بدل کر لفظ **قالوا** کے اضافہ کے ساتھ ایک عام اور تام حکم دیا۔ فرماتے ہیں: **قالوا لایوذن فی المسجد** فقہاء کا قول ہے کہ مسجد میں اذان نہیں دی جائے گی اور یہ میں اس لیے کہتا ہوں کہ **لایوذن فی المسجد** کا حکم اپنے عموم کے ساتھ تمام اذانوں کو شامل ہے لیکن بطور تنزل جب ہم نے سابقہ

نفحہ ۳: بتوفیقہ تعالٰی ظہرت فائدۃ لفظۃ "قالوا" فی ھاتین العبارتین ولیست فی غیرھما ولیس کلما قالوا "قالوا" ارادوا تبرأ۔ اوافادۃ خلاف کما یشھد بہ التتبع ولا ھو عـــہ مصطلح کل احد بل قال السید العلامۃ فی حاشیۃ الدر المختار۔۔۔[1]۔

وفی رد المحتار فی مسئلۃ مس المحدث کتب الاحادیث والفقہ قال فی الخلاصۃ یکرہ عندھما والاصح انہ لایکرہ عندہ ومشی فی الفتح علی الکراھۃ فقال قالوا یکرہ مس کتب التفسیر والفقہ والسنن لانھا لا تخلو عن

جملہ کو پنج وقتہ اذان کے لیے مخصوص مان لیا۔ تو یہ حضرات اگر عبارت کا اسلوب بدلے اور لفظ قالوا کا اضافہ کئے بغیر لایؤذن فی المسجد کہہ دیتے تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ حکم بھی اسی معہود اذان (پنجوقتہ) کے لیے ہے جس کا ذکر جملہ سابقہ میں ہے لیکن جب عبارت کا سیاق بدل گیا اور قالوا کے اضافہ نے اسے ایک علیحدہ جملہ کر دیا تو وہ وہم بالکلیہ ختم ہو گیا اور یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ یہ ایک علیحدہ حکم جملہ اذانوں کے لیے مطلق اور عام ہے جس میں خطبہ کی اذان بھی شامل ہے۔ بزرگوں کے کلام میں ان دقائق کی طرف رہنمائی صرف توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے اللہ تعالٰی اس کے علاوہ آداب کی بھی توفیق بخشے۔ آمین!

نفحہ ۳: اللہ تعالٰی کی توفیق سے ان دونوں اماموں کی عبارت میں لفظ قالوا نہیں ہے اور ایسا بھی نہیں ہے کہ جب لفظ قالوا کہیں تو ماسبق سے تبری اور افادہ خلاف کا ہی فائدہ مراد لیں نہ یہ سب کی تسلیم شدہ اصطلاح ہے جیسا کہ کلام علماء کے تتبع و تلاش سے ظاہر ہوا۔

ردالمحتار میں بے وضو آدمی کے حدیث وفقہ کی کتابوں کے چھونے کے بارے میں فرمایا "خلاصہ میں ہے کہ صاحبین کے نزدیک چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک چھونا مکروہ نہیں ہے اور فتح القدیر میں اس کی کراہت کا حکم فرمایا اور کہا کہ لوگوں نے کہا کہ مکروہ ہے بے وضو کا تفسیر فقہ اور سنت کی

عـــہ: ومن نسب فی مسئلتنا ھذہ زیادۃ لفظۃ "قالوا" الی الامام فقیہ النفس قاضی خاں فقد کذب وافتری کما تری منہ حفظہ ربہ۔

اور جس نے اس مسئلہ میں لفظ قالوا کی زیادتی کی نسبت امام قاضیخاں کی طرف کی غلط کیا جیسا کہ ان کی عبارت سے پتہ چلا۔ منہ حفظہ ربہ۔

[1] یہاں اعلیحضرت نے غالباً طحطاوی کی بھی کوئی عبارت نقل کی تھی جو پڑھی نہ گئی عبدالمنان۔

ایات القران و هذا التعلیل یمنع من شروح النحو[1] اهفجعله مشیا علیه۔ وفی نهر الفائق فی مسئلة ما اذا زوج البالغة غیر کفؤ فبلغها فسکتت لا یکون رضا عندهما وقیل فی قول الامام یکون رضا ان المزوج ابا اوجدا جزم فی الدرایة بالاول بلفظ قالوا[2].اھ فجعله جزمابه کذا ههنا جزم الامامین بوجهین: الاول مقصودهما ههنا تعلیل القول المعتمد وهو قول الامام ان لا فصل بین اذان المغرب واقامته بجلسة، راجع الهدایة وانظر الی قولهما یفید کذا وهو کذلك شرعا فهما بصدد اثباته وتحقیقه لا التبری عنه وتزئیقه۔ والاخر ما نقلنا منهما من قولهما الآخر حیث اولا فیه کلام الکافی۔ وجزما بکراهته داخل المسجد فوضح الحق	کتابوں کو چھونا تو اس عبارت میں لفظ قالوا کہہ کر سابقہ حکم کی تائید ہی کی" نہرالفائق میں ایک مسئلہ بیان کیا" بالغہ کی شادی غیر کفو میں کردی گئی اسے خبر ہوئی تو چپ رہی۔ یہ خموشی صاحبین کے نزدیک رضامندی نہیں۔ اور امام صاحب کے قول پر رضامندی ہے بشرطیکہ شادی باپ دادانے کی ہو درایہ میں اول کو لفظ قالوا سے بیان کیا ہے۔" اسی طرح ان دونوں اماموں نے یہاں دونوں ہی طرح اثبات مدعا کیا ہے کہ پہلے قول میں وہ امام کے قول معتمد کی علت بیان کرنا چاہتے ہیں (مغرب میں اذان اور اقامت کے بیچ میں جلسہ سے فصل جائز نہیں) اور قالوا لایوذن فی المسجد سے اسکی تائید کرنا چاہتے تھے تاکہ اس کی مخالفت اور تبری کے درپے رہیں (تصدیق کے لیے ہدایہ کا یہ مقام اور اس کی وضاحت میں ان دونوں اماموں کا قول یفید کذاو ھم کذلک شرعا دیکھا جائے) اور دوسرے قول میں کافی کے قول ھو ذکر اللہ تعالٰی فی المسجد کی تاویل میں فرمایا ای فی حدودہ اور بغیر قالوا کے یہ جزم فرمایا کہ اذان مسجد میں مکروہ ہے تو یہاں

[1] ردالمحتار کتاب الطہارۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۱۸

[2] النہر الفائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۰۳

وللہ الحمد۔ **نفحہ ۴:** لیس یخاف علی کل من لہ حظ من علم او عقل علی ان الاستدلال علی الخاص بالعام صحیح نجیح تام وقد فعلہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ تلا اٰیۃ" فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ "[1] الایۃ۔والصحابۃ بعدہ والائمۃ ولو کلفنا اثبات کل خاص بما یخصہ لبطلت الشرائع و ترک الانسان سدی،فان الشریعۃ لاتاتی الا باحکام عامۃ تشتمل الناس کافۃ فلولم یکن الاحتجاج بالعام یطلب کل واحد حکما اتی لہ بالخصوص فما اجھل الوھابیۃ العنود ومن تابعھم من جھلۃ الھنود اذیقولو نایتونا للنھی فیہ ذکراذان الخطبۃ خاصۃ ویدانیہ قول من یقول منھم ان الفقھاء انماذکر وا ھذا الحکم فی باب الاذان ومن لم یذکر وہ فی باب الجمعۃ وقدمر کشف ھذہ الجھالۃ فی النفحۃ ۱۱من	بے قالواکے تبری اوراظہار خلاف کے لیے یہ جملہ ہوا تو حق واضح ہوا۔اور حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی ثابت ہے۔ **نفحہ ۴:** یہ بات کسی علم وعقل والے سے پوشیدہ نہیں ہے کہ عام سے خاص پر استدلال صحیح اور درست ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت مبارکہ " فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ " (جس نے ذرہ بھر بھلائی کی اس کابدلہ پائے گا) میں برتا اوراپ کے بعد صحابہ و ائمہ اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے اپنادستورالعمل بنایا اگر ہر خاص کے ثبوت کے لیے خاص اسی کے بارے میں آیت اور حدیث کو ضروری قرار دیا جائے تو شریعت معطل ہوجائے گی اورانسان بے مقصد بھٹکتا پھرے گا حالانکہ شریعت میں احکام تو عام ہی ہوتے ہیں کہ سب لوگ اس پر عمل کریں اگر نصوص عامہ سے استدلال صحیح نہ ہو تو ہر شخص مطالبہ کرے گا خاص میرے نام حکم لاو تو یہ جاہل وہابیہ اور مسئلہ اذان میں انکی اتباع کرنے والے سنی جہلا کس درجہ نا سمجھ ہیں جو ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم کوممانعت اذان کی کوئی حدیث دکھاؤجس سے خاص طور سے اذان خطبہ کاذکر ہو۔اسی کے قریب ان لوگوں کی یہ بات بھی ہے کہ مسجد کے اندراذان نہ دینے کاحکم اذان کے باب

[1] القرآن الکریم ۹۹ / ۷

النفحات الحدیثیة أتزعم الجهلة ان اذان الخطبة لیس له من الحکم اما ماذکر فی باب الجمعة من کونه بین یدی الخطیب مثلا کلابل یعتبر به سائرالا حکام المذکورة لمطلق الاذان فی باب الاذان فلولم یکفه البیان ثمه من این تاتی تلك الا حکام لهذا الاذان و هذا شیئ لایخفی حتی علی الصبیان ولکن الوهابیة واتباعهم قوم لایفقهون۔ هذا ما کان طریق العلم رحمہ الله الامامین الاتقان والمحقق علی الا طلاق واجذل قربهما یوم الطلاق حیث داو یا جهل هولاء بوجه لم یبق لهم عذرًا ولا حیلة و ذلك ان الامام صاحب الهدایة فی مسئلة ندب الطهارة لخطبة الجمعة قاسرها علی الاذان و ذکر مایوهم ان الجامع کونها شرط الصلوۃ و هو ظاهرا لبطلان فالامامان الشارحان عدلا منه الی ما عین الامام النسفی	میں ہے جمعہ کے باب میں نہیں اس لیے یہ حکم اذان جمعہ کے لیے نہیں ہوگا۔اس کا تفصیلی جواب تو نفحات حدیثیہ کے گیارہویں نفحہ میں گزرا اس نفحہ فقہیہ میں بھی مزید گزارش ہے کہ شاید یہ نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ اذان جمعہ کے ساتھ وہی احکام خاص ہیں جو باب جمعہ میں مذکور ہیں مثلاً اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا ایسا ہرگز نہیں ہے وہ سارے ہی عمومی احکام جو اذان سے متعلق ہیں گو صرف باب اذان میں ہی ان کا ذکر کیوں نہ ہو سب کے سب اذان جمعہ پر بھی عائد ضرور ہوں گے تو اگر صرف باب اذان کا بیان ہی اذان جمعہ کے لیے کافی نہ ہو تو جمعہ کی اذان میں ان پر عملدرامد کی کیا سبیل ہوگی؟ یہ بات تو بچوں پر بھی واضح ہے مگر نادان وہابیہ نادانی سے باز نہیں آتے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب ہدایہ نے خطبہ جمعہ باوضو مسنون فرمایا اور خطبہ کے مسئلہ کو اذان کے مسئلہ پر قیاس کیا کہ جیسے اذان کے لیے طہارت مسنون ایسے خطبہ کے لیے بھی اس سے یہ وہم ہوا کہ ان دونوں کے درمیان علت جامعہ ان دونوں کا نماز کے لیے شرط ہونا ہے یہ بات غلط تھی اس لیے ان دونوں شارحوں نے مذکورہ بالا علت کو چھوڑ کر اس کی علت جامعہ کی طرف رجوع کیا جس کو امام نسفی نے

جامعا فی الکافی و ھو کونھاذکر اللّٰہ فی المسجد ای ذکرا موقتا کالاذان و کان یرد علیہ ان الاذان لیس ذکرا فی المسجدلکراھتہ فیہ فاولاہ بان المراد فی حدود المسجد فلوان اذان الخطبۃ کان یکون فی المسجدلما احتج الی التاویل اصلا فقیاس خطبۃ الجمعۃ علی اذان الخطبۃ بجامع کون کل منھماذکرا موقتا فی المسجد کان اذن صحیحا قطعا وای شیئ کان احق بقیاس الخطبۃ من اذانھا لکنھما اولا فارشدا بارشاد بین من الشمس ان اذان الخطبۃ ایضامکروہ فی المسجدوای نص انص ترید من ھذاوللّٰہ الحمد۔	اپنی کتاب کافی میں متعین طور سے ذکر کیا تھا کہ خطبہ جمعہ اوراس کی اذان کے درمیان علت مشترکہ ان کا ایسا ذکر ہونا ہے جو مسجد کے اندر ہوتا ہے اس توجیہ پر یہ اعتراض وارد ہورہا تھا کہ اذان تو مسجد کے اندر ہونے والا ذکر نہیں یہ تو مسجد کے اندر مکروہ ہے توان حضرات نے جواب دیا کہ تعلیل میں اذان کو ذکر مسجد کہنے کا مطلب قلب مسجد نہیں حدود مسجد ہے اوراذان خطبہ اندرون مسجد نہ ہوتی ہو حدود مسجد میں تو ہوتی ہے اس اعتبار سے اس کو ذکر مسجد کہنا صحیح ہے تواذان خطبہ کے مسجد کے اندر مکروہ ہونے کی اس سے بڑی اور کون سی نص چاہیے۔
نفحہ ۵: لیست المسئلۃ من النوازل ولا عزوھا الی احد من المشائخ بل ارسلوھا ارسالاوالذاکرون لھا اولئک الائمۃ الاجلاء وامثالھم کالامام قاضی خان ونظرائہ اذا ارسلوادل علی انہ المذھب لماعرف من عادتھم عزوتخریجات المشائخ الی المشائخ قال فی الغنیۃ ذوی الاحکام فی مسئلۃ النعاس صرح بہ قاضی خان من غیراسنادہ لاحد فاقتضی کونہ المذھب[1] اھ فالتشکیک فیہ بانہ غیرمعزور	**نفحہ ۵:** یہ مسئلہ کتب نوازل کا نہیں ہے نہ اسے مشائخ میں سے کسی کی طرف منسوب کیا گیا ہے راوی وہی ائمہ اعلام ہیں جیسے امام قاضی خاں اوران کے ہم مرتبہ حضرات ائمہ اور قاعدہ یہ ہے کہ یہ لوگ جب کسی مسئلہ کو مرسل روایت کرتے ہیں تو یہ مسائل مذہب میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان مشائخ کی عادت کریمہ یہ ہے کہ جب مشائخ میں سے کسی کی تخریج روایت کرتے ہیں تو مسئلہ کے ساتھ ان کا نام ضرور لیتے ہیں چنانچہ غنیۃ ذوالاحکام میں ہے اونگھنے کے مسئلہ کی تصریح امام قاضی خاں نے فرمائی اور یہ مسئلہ جب کسی کی طرف منسوب نہیں ہے

[1] غنیۃ ذوی الاحکام علی ہامش الدرر الحکام کتاب الطہارۃ بیان نواقض الوضو میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵

الی سیدنا الامام الاعظم ولیس حاصله الا شیئان رفع الامان عن عامة مسائل الشرح والفتاوی الغیر المعزیة الی احد وابطال سائر ما فیه من المعزیات الی مشائخ المذاهب لان الاول اذا لم یقبل لعدم العلم لکونه عن الامام فالا خر احری بالرد للعلم بعدم کونه عن الامام وانت تعلم ان فیه ابطال ثلثی مسائل المذهب او ثلثة اربا عها وانما کان علینا اتباع ما رجحوه وصححوه کما لو افتونا فی حیاتهم فکیف بما اتوا به جازمین به من دون اشعار بخلاف فیه واللّٰه الموفق۔

نفحه ۶: اذلم یات لهم تخصیص حاولوا ان یخرجوا اذان الخطبة من جنس کی یخرج بنفسه مما یشمل شیئ من احکام الاذان من دون حاجة الی تخصیص و ذلك ان الاذان اعلام الغائبین والاقامة

تو اس بات کی علامت ہے کہ یہ مذہب ہے تو مسئلہ دائرہ میں یہ شک پیدا کرنا کہ یہ خاص طور سے امام اعظم رحمہ اللہ کی طرف منسوب نہیں اس لیے قابل قبول نہیں اس کا مقصد دو باتیں ہیں عام مسائل شرعیہ و فتاوی جن کی نسبت کسی کی طرف نہ ہو ان سے امام کی نسبت مرتفع ہو جائے اور بقیہ مسائل جو کسی شیخ یا امام کی نسبت مسائل امام کی طرف منسوب ہوں ان کا رد وابطال ہو کہ جب غیر منسوب مسائل امام کی طرف منسوب نہ ہونے کی وجہ سے غیر مقبول ہوئے تو یہ مسائل جو بالتصریح غیر کی طرف منسوب ہیں ان کے رد وابطال میں کون سا تردد کہ ان کے بارے میں تو یہ بالیقین معلوم ہے کہ یہ مسائل امام سے مروی نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذہب کے دو ثلث یا تین ربع مسائل اکارت ہو جائیں گے جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ مشائخ نے جن مسائل کی تصحیح یا ترجیح فرمائی ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی میں ان کے فتاوے مقبول اور معمول بہا تھے تو ان مسائل سے کیوں روگردانی جائز ہوگی، جن کو ان بزرگوں نے یقین کے ساتھ کسی اختلاف کا اشارہ کئے بغیر روایت کیا اللہ تعالٰی توفیق عطا فرمائے۔

نفحہ ۶: جب نصوص کی تخصیص ان کے بس سے باہر ہوئی تو سوچا کہ اذان خطبہ کو ہی اذان کی جنس سے خارج کردیں تاکہ یہ خود اذان کی جنس سے خارج ہو جائے اور ہم تخصیص کی زحمت سے نجات پا جائیں تو وہ کہنے لگے کہ اذان تو غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے اور اقامت مسجد میں موجود مصلیوں کو اطلاع ہے جیسا کہ ائمہ

اعلام الحاضرین کمانص علیه الائمة منهم الامام العینی فی عمدة القاری شرح صحیح البخاری و فی الهدایة الاذان استحضار الغائبین [1]۔فجعلوا اذان الخطبة اعلاما لحاضرین لانداء للغائبین کی لا یکون اذانا وان کان بکلمات الاذان کالاذان فی اذن المولود والمهموم و خلف المسافر ولدفع الغیلان و عند الاقبار لتذکیر الجواب و طرد الشیطان وامثال ذلك حیث لا یقصد به نداء الخاص الی مشی او اعلاما لهم بدخول الوقت اصلا بل التبرك واستدفاء البلا بتلك الکلمات الکریمة۔ ثم اضطربوا فاجهلهم یقول لم یکن عـــہ اذانا من لدن رسول الله صلی الله تعالٰی وسلم واذاقیل له افکان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یصلی الجمعة من دون اذان قال لیس فیه،انما	نے اس کی تصریح کی ہے۔علامہ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا ہے اور صاحب ہدایہ نے فرمایا"اذان غیر موجود مصلیوں کا بلاوا ہے"پس یہ لوگ اذان خطبہ کو حاضر مصلیوں کی اطلاع مانتے ہیں غائبین کا بلاوا تسلیم نہیں کرتے اور اذان خطبہ اذان کے الفاظ کے ہوتے ہوئے بھی اذان نہیں جیسے وہ اذان جو نومولود کے کان میں کہی جاتی ہے غمزدہ انسان کے لیے یا مسافر کے پیچھے اور غول بیابانی کا اثر دور کرنے کے لے دی جاتی ہے اور دفن میت کے وقت منکر و نکیر کا جواب یاد دلانے کے لیے پکاری جاتی ہے جن کا مقصد حاضری مسجد یا دخول وقت کا اعلان نہیں ہوتا بلکہ مبارک کلمات سے تبرک یا بلا کا اندفاع ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کی باتوں میں اختلاف پیدا ہوگیا ایک جاہل کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان ہوتی ہی نہیں تھی اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نماز جمعہ بے اذان کے ہی پڑھتے تھے تو کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

عـــہ: یہاں ایک بہت طویل حاشیہ ہے جو حل نہ ہوسکا۔عبدالمنان۔

[1] الهدایة کتاب الصلوٰۃ باب الاذان المکتبه العربیه کراچی ۱/ ۷۴

كان يصلى الصلوة كلها بمكة بدون اذان ولا يدرى هذا المسكين ان هذا انكار للاجماع و تصريح القران فقد اجمعوا انه لم يكن من عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم للجمعة الا هذا الاذان والله تعالٰى يقول "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ"[1] انما الامر بالسعى للغائبين دون الحاضرين لاستحالة تحصيل الحاصل والله تعالٰى يقول "وَ ذَرُوا الْبَیْعَ"[2] وانما البيع والشراء كان فى الاسواق لا فى المسجد فدل النص ان اذان الخطبة على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى كان نداء للغائبين الى الصلوة هذا هو الاذان المصطلح شرعى و صلوة مكة كانت قبل نزول الاذان فقياس الجمعة عليها جهل لا يقاس ولا يمان و غيره يقول نعم كان الاذان على عهد رسول الله وصاحبيه صلى الله عليه و عليهما وسلم فلما احدث ذوالنورين رضى الله تعالٰى عنه الاذان الاول كان هو الاذان و بقى هذا اعلاما للحاضرين و عليه فرع مفرع منهم انه لما كان فى الزمن

تو مکہ میں ساری نمازیں بغیر اذان کے ہی پڑھتے تھے اس مسکین کو یہ معلوم نہیں کہ یہ اجماع امت و تصریح قرآن کا انکار ہے، کیونکہ سب کا اس پر اجماع "کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں خطبہ کے علاوہ کوئی اذان نہ تھی" اور اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "اے ایمان والو! جمعہ کے دن اذان دی جائے تو اللہ تعالٰی کے ذکر کے لیے دوڑ پڑو" یہ مسجد کی طرف سعی کا حکم غائبین کے لیے ہی تو ہے یہ بھی فرمایا کہ بیع وشراء چھوڑ دو بیع وشراء تو بازار میں ہوتی ہے مسجد میں نہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ مسجد میں موجود نہ رہنے والوں کو نماز کے لیے بلانے کے لیے ہی ہوتی تھی اور یہی اذان شرعی واصطلاحی ہے اور مکہ کی نماز نزول اذان سے قبل ہوئی تو کوئی مومن اس پر نماز جمعہ کو قیاس نہیں کرسکتا اور دوسرے مخالف کا کہنا یہ ہے کہ بیشک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے زمانہ میں یہی اذان خطبہ تھی لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں جب انھوں نے اذان اول ایجاد کی تو یہ اذان حاضرین کا اعلان ہوگئی، تو جب پہلے زمانہ میں یہ اعلان تھی تو باب مسجد پر ہونا ہی مناسب تھا اور عہد عثمان غنی میں جب یہ حاضرین کو خطبہ کے لیے

[1] القران الکریم ۶۲/ ۹

[2] القران الکریم ۶۲/ ۹

الاول للاعلام ناسب باب المسجد وفی زمن عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ صار للانصات فناسب داخل المسجد لدی المنبر۔ **اقول:** وھذا ایضًا من ابین الاباطیل وخلاف اجماع ائمتنا الکرام فاولاقد اجمعوا للجمعۃ اذانین و ثانیا یعاد اذان الجنب لا اقامتہ علی المذھب وعللوہ بان تکرار الاذان مشروع دون الاقامۃ کما فی الھدایہ[1] واستشھدوا علیہ باذان الجمعۃ قال فی الکافی والتبیین والعنایۃ والدرالمختار وغیرھا فان تکرار الاذان مشروع فی الجملۃ کما فی الجمعۃ[2] الی ھنا متفقون ثم قال فی الکافی فاما تکرار الاقامۃ فغیر مشروع اصلا[3] و فی التبیین دون الاقامۃ[4] وفی العنایۃ بخلاف الاقامۃ[5]	خاموش کرنے کے واسطے ہے تو اس کا مسجد کے اندر منبر کے قریب ہونا مناسب ہوا **میں کہتا ہوں** کہ یہ بات بھی بالکل غلط اور ظاہر البطلان ہے کہ یہ بھی ہمارے علما کرام کے اجماع کے خلاف ہے۔(۱) سارے ائمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جمعہ کے لئے دو اذانیں ہیں۔(۲) جنبی کی اذان دہرائی جائیگی اقامت نہیں دہرائی جائے گی۔ دلیل یہ دی گئی کہ اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں۔ ہدایہ میں اس کی تصریح ہے، اور تکرار اذان کے جواز کے ثبوت میں اذان جمعہ کو ہی پیش کیا گیا ہے۔ چنانچہ کافی، تبیین، عنایہ اور درمختار میں ہے": اذان کی تکرار فی الجملہ مشروع ہے۔" یہاں تک کہ پانچوں کتابوں کی عبارت میں اتفاق ہے، آگے کافی میں فرماتے ہیں؛"اقامت کی تکرار تو بالکل جائز نہیں"۔ تبیین میں صرف یہ ہے؛"اقامت کا یہ حکم نہیں۔" عنایہ میں ہے: "بخلاف اقامت

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۷۴

[2] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰، تبیین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[3] البحرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان تحت قول المصنف و کرہ اذان الجنب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۶۳

[4] تبین الحقائق کتاب الصلوۃ باب الاذان دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴۹

[5] العنایۃ علی ھامش فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۰۰

ونظم الدر لمشر و عیة تکرارہ فی الجمعة دون تکرارھا[1].اھ۔فلولم یکن الثانی اذانامثل الاول فاین التکرار۔وثالثاصریح نص البحرفی البحر لان تکرارہ مشروع کمافی اذان الجمعة لانہ لاعلام الغائبین فتکریرہ مفیدلاحتمال عدم سماع البعض بخلاف تکرارالاقامة اذھو غیر مشروع[2].اھورابعالم تغیرالاذان عماکان علیہ بحدوث الاول لان الاعلام حصل بالاول فلا یحصل بالثانی فانسلخ ضرورۃ عن الاذانیة وکونہ اعلاماللغائبین ام لان امیرالمومنین عثمن ھوالذی قطعہ عماکان الاول باطل اجماعافماالتثویب الاعلام بعدالاعلام وکرہ المتقدمون واستحسنہ المتاخرون فکان ھذا اجماعامنھم علی ان الاعلام ممایقبل	کے۔"اور درمختار کی عبارت یوں ہے: "اذان کی تکرار جمعہ میں مشروع ہے نہ کہ اقامت کی تکرار۔" پس اذان ثانی اگراذان اول کی طرح ہی اذان نہ ہو تواس کی تکرار کس طرح ہوگی۔(۳)علامہ بحر نے اپنی کتاب بحرالرائق میں صریح عبارت ارشاد فرمائی: "اس لئے کہ اذان کی تکرار شرعا جائز ہے، جیسے جمعہ کی اذان کہ بار بار ہوتی ہے اس لئے کہ وہ غائبین کے اعلان کے لئے ہوتی ہے۔تواس کے بار بار کرنے میں فائدہ ہے کہ کسی نے پہلے نہ سنا ہو تواب سن لے گا،البتہ اقامت کی تکرار جائز نہیں۔"(۴)اذان خطبہ کے اذان ہو کراذان نہ ہونے کی وجہ یا تو یہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد کردہ اذان سے اعلام غائبین کی ضرورت پوری ہو گئی تواب اذان خطبہ کی ضرورت نہیں رہی، تو یہ اذان نہ رہی۔ یا یہ وجہ ہوگی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰے عنہ نے پہلی اذان ایجاد فرما کر یہ کہا کہ اب اذان خطبہ اذان نہ رہی بلکہ اس سے اطلاع حاضرین کا کام لیا جائے گا۔ پہلی بات تو باطل ہے کہ تثویب بھی تواعلام بعد الاعلام یہ ہے جسے متقدمین نے مکروہ کہااور متاخرین نے مستحسن گردانا۔ تو متاخرین اور متقدمین دونوں نے مل کر یہ طے کر دیا اعلام

[1] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب الاذان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۶۴

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳

التکرار اذلو استحال لاستحال ان یکون مکروھا او حسنا وایضا کفی للرد علیه کلام البحر، والثانی اشد واشنع واشر واخنع ان یکون امیرالمومنین بدل و حرف سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم حاشاہ من ذلك نعم للخلفاء الراشدین ان یضیفوا سنة کما اضاف الاذان الاول یوم الجمعة وتبعه علیه المسلمون فی عامة البلاد واما ان یغیر واسنته فکلا، واجارھم الله تعالٰی عن ذلك الا تری الی ماقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ستة لعنتهم ولعنهم الله وکل نبی مجاب و ذکر منهم التارك بسنتی رواہ الترمذی [1] عن ام المومنین عائشه رضی الله تعالٰی عنها والحاکم عنها وعن امیرالمومنین علی رواہ الطبرانی فی الکبیر عن عمرو بن سعواء رضی الله تعالٰی عنهم بلفظ سبعة لعنتهم	تکرار کا امکان رکھتا ہے۔ اگر محال ہوتا تو نہ مستحسن ہوسکتا نہ مکروہ۔ پھر اس کے رد کے لئے صاحب بحرالرائق کا کلام ہی کافی ہے۔ دوسری بات باطل ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت ہی بری اور گندی بھی ہے کہ امیرالمومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت بدل ڈالی۔ پناہ بخدا خلفائے راشدین اس سے بری ہیں وہ آپ کی سنتوں میں اضافہ کرسکتے ہیں اس میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ آپ نے جمعہ کے دن اذان کی سنت میں ایک اذان کا اضافہ کیا۔ جمیع اہل اسلام نے تمام شہروں میں اس کی اتباع کی۔ آپ کی سنت بدلنے سے اللہ تعالٰی انہیں محفوظ رکھا۔ تم نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا فرمان نہیں سنا، آپ فرماتے ہیں: "چھ آدمیوں پر میں نے لعنت کی، اور اللہ تعالٰی نے لعنت فرمائی اور ہر نبی مجاب الدعوات نے۔ ان چھ آدمیوں میں سے ایک سنت بدلنے والا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے، حاکم نے ام المومنین اور امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے کبیر میں عمرو بن سعواء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ سبعة لعنتهم

[1] سنن الترمذی کتاب القدر حدیث ۲۱۶۱ دارالفکر بیروت ۴/ ۶۱، المستدرك للحاکم کتاب الایمان ستة لعنتهم الخ دارالفکر بیروت ۱/ ۳۶، المستدرك للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ واللیل اذا یغشی دارالفکر بیروت ۲/ ۵۲۵

وکل نبی مجاب[1] والعجب ممن یقول ان عدم اعتبار تغییر عثمن ضلالة بتعلیمه ولا یدری المسکین ان نسبة تغییر السنة الی عثمن هو الضلال البعید، هذا وجه و کفی به وجها وجیها الثانی حیث یسوغ الاعلام مکررا فمن ذا الذی اخبرکم ان عثمن قطعه عنه أأقرانی قطعته ام امر الموذن ان لا یتوبه او امره ان یخففه او یخفیه ام تقولون علی عثمان ما لا تعلمون ولا تعلمون انکم مسؤلون قال تعالٰی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾"[2] الثالث حصول الاعلام کان لازم الاذان ان کان علی وجه المعهود علی عهد الرسالة فلا ینقطع عنه الا باحداث فیه یقعده عن الاعلام السالف وکیف یظن هذا بعثمن	وکل نبی مجاب روایت فرمایا، پس ان لوگوں کی کیسی بوالعجبی ہے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کا انکار کرنیوالوں کے فعل کو ضلالت شنیعہ بتاتے ہیں۔ اور خود ان مسکینوں کو یہ معلوم نہیں کہ آپ کی طرف تغییر سنت کی نسبت کرنا بہت بڑی گمراہی ہے اور اس کے مردود ہونے کی سب سے بڑی وجہ خود وہی ہے۔ دوسری بات کا یہ جواب بھی ہے کہ آپ لوگوں کو کیسے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان خطبہ کی اذانیت کو ختم کردیا۔ کیا انھوں نے خود اس کا اقرار کیا یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ وہ اذان کی طرف رجوع نہ کرے یا انھوں نے مؤذن کو حکم دیا تھا کہ اس اذان میں تخفیف کرے یا اس کو پست آواز سے کہے، یا آپ لوگ امیر المومنین پر بے جانے بوجھے افتراء کررہے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے باز پرس نہ ہوگی۔ اللہ تعالٰی تو فرماتا ہے: اس پر کان بھی نہ دھرو جس کا علم نہیں، بے شک کان، آنکھ، دل سب سے پوچھا جائے گا۔" اس پر یوں بھی غور کرنا چاہئے کہ عہد رسالت کی اذان خطبہ اگر حسب سابق اعلان کا فائدہ دے رہی تھی تو اس کو اذانیت سے نکالنے کے لئے اس میں کچھ ایسا تصرف ناروا ضروری تھا کہ اس سے اعلام

[1] المعجم الکبیر حدیث ۸۹ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۷/ ۴۳

[2] القران الکریم ۱۷/ ۳۶

فان فیہ تقلیل الفائدۃ الشرعیۃ وذلك انہ رضی اللہ تعالٰی عنہ احدث الاذان الاول لما کثرا لناس فماذا کان یغیرہ ھذا الثانی ان بقی علی ماکان علیہ فی عھد الرسالۃ والخلافتین کی یسمعہ من لم یسمع الاول کما تقدم عن البحر فالذی یزعم ان عثمن احدث فیہ ماقطعہ من کونہ اعلاما یقول بملاء فیہ ان عثمن غیرالسنۃ و نقص الفائدہ و نقض المصلحۃ فکان معاذ اللہ محض محادۃ للسنۃ و مضادۃ وان عدینا عنہ. فادنی احوالہ ان لافائدہ فیہ فیکون عبثا فی الدین والعبث کما فی الھدایہ[1] حرام و یکون لغوا "وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾"[2]

نفحہ۷: تحرر ماتقرران بحث بقائہ بعدلخصوص الانصات غیر محرر بل وقع مصادما للنص ولحرمۃ الصحابۃ والاجماع ائمتنا و نصوص فقھائنا فکیف یعرج علیہ. بل کیف یحل ان یلتفت الیہ

کا فائدہ ختم ہوجائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں کسی ایسی حرکت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تو دانستہ فائدہ شرعیہ کو ختم کرنا ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تو دور دراز تک پھیلے ہوئے لوگوں کی اطلاع کے لئے اذان اول کا اضافہ فرمایا تھا، تواذان ثانی کو عہد رسالت اور عہد صاحبین کی طرح اعلام غائبین کے لئے باقی رکھنے میں کہ جن لوگوں نے پہلا اعلان نہ سنا ہو یہ دوسرا اعلان سن کر تو مسجد میں ضرور آجائیں گے کیا حرج تھا کہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ دوسری اذان کی اذانیت کو ختم کردیتے، تو اس کی اذانیت کے ختم کرنے کی نسبت حضرت ذوالنورین کی طرف کرنا ان پر الزام لگانا ہے کہ انھوں نے سنت بدلی، فائدہ شرعیہ گھٹایا۔ اور دینی مصلحت توڑی۔ ورنہ اتنا تو ہے کہ ایک بے فائدہ کام کیا۔ اور ہدایہ میں ہے کہ العبث حرام ہے، ایک لغو فعل ہوا، اور قرآن عظیم ان کے اوصاف بیان کرتا ہے، وہ لغو سے پرہیز کرتے ہیں۔

نفحہ۷: ہماری گزشتہ بحثوں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اذان ثانی کو اب صرف مقتدیوں کو خطبہ کے لیے خموش کرانے کی غرض سے باقی رکھنا صحیح نہیں بلکہ یہ نص، حرمت صحابہ اور ہمارے ائمہ کے اجماع اور نصوص فقہاء کے خلاف و مصادم ہے تو اب یہ بات نہ ماننے کے قابل ہے نہ لائق التفات،

[1] الھدایۃ کتاب الصلوۃ فصل و یکرہ للمصلی المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۳

ولکن الر زیة من ترك نصوص مذهبه و تشبث بذلك البحث وتحمل كل مامر ثم زاد فی الشطر نج بغلة و هو ذلك تفریع الباطل انه اذن ناسب داخل المسجدلدی المنبر ولم ذاك مع ان اهل المسجد الصيفی احوج الی هذا الا علام من اهل الشتوی فانهم یرون الامام باعینهم فینصتون والقیاس علی الاقامة جهل فان بالاقامة تترتب الصفوف من الاول فالاول قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیه فما كان من نقص فلیكن فی الصف المؤخر رواه احمد[1] فی المسندو النسائی وابن حبان و خزیمة والضیاء كلهم فی صحاحهم بسند صحیح عن انس رضی الله تعالٰی عنه ولعمری ان هذه ایضا كادت ان تكون سنة مهجورة والله المستعان فناسب كون الاقامة فی الصف الاول بخلاف الاعلام بجلوس الامام فان اهل الخارج احوج الیه كماتری۔

لیکن تباہی تو یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے اپنے مذہب کی نصوص چھوڑ کر مذکورہ بالا غیر مفید بحثوں کا سہارا لیا اور بے مقصد زحمتیں برداشت کیں پھر بے تکی حرکت یہ کی کہ اس پر ایک تفریع باطل لگادی کہ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اذان خطبہ مسجد کے اندر منبر کے بالکل متصل ہو حالانکہ اس اذان کی غرض اسکان سامعین مان بھی لی جائے تو اس اذان کے زیادہ ضرورتمند حصہ صیفی وبیرونی صحن کے لوگ ہیں اندرونی دالان کے لوگ تو امام کو منبر پر بیٹھا دیکھ کر خود ہی خموش ہو جائیں گے ضرورت تو باہری صحن میں اذان دینے کی ہے تاکہ جو لوگ امام کو نہیں دیکھتے مطلع ہو جائیں اس اذان کو اقامت پر قیاس کرنا جہالت ہے کیونکہ اس کا مطلب تو جماعت کے لیے صف لگانے کا ہے اور صف کے لیے پہلی صف سے درجہ بدرجہ صفیں مکمل کرنے کا حکم ہے چنانچہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا پہلے پہلی مکمل کرو پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد پھر اس کے بعد اور جو کمی ہو تو آخری صف میں ہو" اس حدیث کو امام احمد نے اپنی مسند، امام نسائی، ضیا مقدسی ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی اپنی صحاح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرمایا اب لوگوں نے سرکار کی اس سنت کو بھی ترک کر دیا ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اقامت تو پہلی ہی صف میں ہونی چاہیے اور اذان خطبہ کے باہر والے زیادہ محتاج ہیں۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۲، سنن النسائی کتاب الامامۃ الصف المؤخر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۳۱، موارد الظمآن باب ما جاء فی الصف للصلوۃ حدیث ۳۹۰ المکتبۃ السلفیہ ص ۱۱۴

۸:عدۃ طلبۃ حاولوانقص کلیۃ الائمۃ"لا یؤذن فی المسجد"بالاقامۃ فانہا ایضا یقال علیہا" الاذان" کمافی حدیث بین کل اذانین صلوۃ لمن شاء [1] مع انہا فی المسجد وفاقا،وجھلوا ان اطلاق الاذان علیہا تغلیب او عموم مجاز۔قال الامام العینی فی عمدۃ القاری المراد من الاذانین الاذان والاقامۃ بطریق التغلیب کالعمرین والقمرین [2] وفی المواھب اللدنیۃ عن امام الائمۃ ابن خزیمۃ قولہ "اذانین" یرید الاذان والاقامۃ تغلیبا [3] قال الزرقانی لانہ شرعا غیرالاقامۃ [4] وفی العینی ثم المواھب اولا شترا کہما فی الاعلام [5] قال الزرقانی	نفحہ ۸: کچھ طلبہ ائمہ دین کے اس کلیہ کو کہ کوئی اذان مسجد میں نہ دی جائے یہ کہہ کر توڑنا چاہتے ہیں کہ اقامت کو بھی تو اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ احادیث میں ہے "ہر دواذانوں کے بیچ میں اس کے لیے نماز ہے جو پڑھنا چاہے" حالانکہ اقامت کامسجد کے اندر ہونا ہی ضروری ہے تو فقہاء کا یہ حکم کلی نہیں رہا،اوراقامت کی طرح اذان بھی مسجد میں دی جاسکتی ہے،ان بے چاروں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اقامت پر اذان کا اطلاق تغلیبا ہے یابطور عموم مجاز امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں "اذانین سے مراد اذان واقامت ہے جیسا کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو عمرین کہا جاتا ہے" اصطلاح بدیع میں اس کو تغلیب کہا جاتا ہے مواہب لدنیہ میں امام الائمہ ابن خزیمہ سے اذانین سے مراداذان واقامت دونوں ہیں اور یہ تغلیب ہے۔زرقانی میں ہے "شریعت کے اذان اقامت سے الگ ہے" عینی اور مواہب میں تغلیب کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا "اقامت کواذان اس لیے کہہ دیا کہ اعلان ہونے میں

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۷

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الاذان باب مابین کل اذانین صلوۃ لمن شاء دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۰۷

[3] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[5] المواہب اللدنیۃ الباب الثانی صلوۃ الجمعہ الاذان لصلوۃ الجمعہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۱،عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب الاذان دارالکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۳۰۳

فلا تغلیب لان الاذن لغة الاعلام و فی الاقامة اعلام بدخول وقت الصلوة کالاذان فهو حقیقة اللغویة فی کل منهما[1] وما یقال فی تعلیل روایة مرجوحة مخالف للمذهب ان الاقامة احد الاذانین فهو کقولهم "القلم احد اللسانین"[2] ولذا فسره الامام النسفی بان کل واحد منهما ذکر معظم کما یفسر هذا بان کلامنهما یعرب عما فی الضمیر، الم تر ماقد منا من نصوص الهدایة والکافی والزیلعی، والاکمل، والدر، والبحر، ان تکرار الاذان مشروع ولا یشرع تکرار الاقامة الم تعلم مانصوا علیه فی الکتب المذکورة جمیعاو غیرها ان اذان الجنب یعاد، ولا تعاد اقامته[3] الم تسمع الی ما فی البحر عن الظهیریة لو جعل	دونوں شریک ہیں"۔زرقانی نے فرمایا"ان دونوں میں تغلیب نہیں اس لیے لغت کے اعتبار سے اعلان کے معنی میں ہے۔اور اقامت میں دخول وقت کا اعلان ہوتا ہے توان دونوں میں عام وخاص کا فرق ہے اور دونوں کے لیے اذان کا اطلاق لغوی ہی ہے۔"ایک مرجوح اور مخالف روایت "الاقامۃ احد الاذانین"اقامت دواذانوں میں سے ایک ہے اس کو جو اس تعلیل کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے اہل زبان کا مقولہ ہے القلم احدی اللسانین قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے اسی لیے امام نسفی نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اذان واقامت دونوں ہی ذکر معظم ہیں جیسا کہ القلم احدی اللسانین کی تفسیر کی جاتی ہے کہ دونوں ہی مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں ان دونوں میں مغایرت پر دلالت کرنے والی ہدایہ،کافی، زیلعی،اکمل،در اور بحر کی عبارتیں ہیں کہ "اذان کی تکرار مشروع ہے اقامت کی نہیں"انہیں سب کتابوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ" جنبی کی اذان دہرائی جائے اور اقامت نہیں دہرائی جائے گی"بحرالرائق میں ظہیریہ سے ہے کہ "اگر اذان کو اقامت کی طرح ادا کیا

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ الباب الثانی کتاب الجمعۃ یوم الجمعۃ دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۰

[2] فیض القدیر تحت الحدیث ۵۲۱۶ ضع القلم علی اذنك دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۳۶

[3] تبیین الحقائق باب الاذان ۱/ ۲۴۹ وبحر الرائق باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۶۳، الھدایۃ باب الاذان ۱/ ۷۴ والعنایۃ علی ہامش فتح القدیر باب الاذان ۱/ ۲۲۰

الاذان اقامة یعید الاذان ولو جعل الاقامة اذانا لا یعیدلان تکرار الاذان مشروع دون الاقامة[1] وفیه عن المحیط لو جعل الاذن اقامة لا یستقبل ولو جعل الاقامة اذانا یستقبل[2] الخ۔الی غیر ذلك من مسائل باینوا فیھا بین الاذان والاقامة۔وبالجملة الالزام باجراء احکام الاذان طرا فی الاقامة شیئ لا یتفوہ به من شم رائحة العلم،ولکن الجھل اذا ترکب فھوالداء العضال۔	تواذان دہرائی جائے اور اگر اقامت کواذان کی طرح کہاتو نہ دہرائی جائے کیونکہ تکراراذان مشروع ہے تکرار اقامت کیا تو استقبال قبلہ ضروری نہیں اور اگر اقامت کواذان قرار دیا تو استقبال قبلہ کرے "اس کے علاوہ بھی کتنے مسائل ہیں جن میں اذان واقامت کافرق ہے ان سب اشادات کا حاصل یہ ہوا کہ اذان کے جملہ احکام کے اقامت پر طریان کا دعوی کوئی سمجھدار ادمی نہیں کر سکتاہاں جہل مرکب بڑی مشکل بیماری ہے۔
نفحہ ۹:اقول:وباللہ التوفیق اعلم وفقنا اللہ تعالٰی وایاك ان للمسجد اطلاقین احدھماموضع الصلوۃ من الارض الموقوفة لھاوھوالاصل وبھذا المعنی لا یدخل فیه البناء فان البناء من الاوصاف کالاطراف فالباب والجدار خارج عن المسجد۔وکذا الدکة والمنار والحیاض والابار وان کانت فی حدودہ بل فی جوفه اذابنیت قبل تمام المسجدیة امابعدہ فلایجوز تغییر شیئ من الاوقاف عن ھیئته الابشرط الواقف	**نفحہ ۹:**اللہ تعالٰی ہم کواوراپ کو سب کو علم کی توفیق بخشے مسجد کی دواطلاقات ہیں(۱)زمین کاوہ حصہ جو نماز کے لیے وقف کیا گیاہو مسجد کے حقیقی معنی یہی ہیں اس اطلاق میں مسجد کی بنیادیں مسجد میں داخل نہیں کہ بنیادیں اوصاف کے حکم میں ہیں جیسے کہ اطراف و حدود پس مسجد کا دروازہ اور دیواریں مسجد سے خارج ہیں اسی طرح اذان کے چبوترے،مینار یں،حوض اور کنویں حدود مسجد یا جوف مسجد ہی میں کیوں نہ ہوں اگر تمام مسجدیت سے قبل بنائے گئے تو مسجد سے خارج ہیں ہاں مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اگر ان چیزوں کو مسجد میں بنایاتو یہ وقف کو بدلناہوا جو جائز نہیں۔واقف نے وقف کی ضرورت

[1] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

[2] بحر الرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۷

لحاجة الوقف و مصلحته فكيف بالمسجد فی براته و حريته و تمنعه من حق عبدوخيرته، فی وقف الدر من احكام المسجدلو بنی فوقه بيتا لامام لا يضر لانه من المصالح امالو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاتارخانية فاذاكان هذا فی الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو علی جدار المسجد [1] اھ	کے لیے اس کی شرط لگائی ہو تو اور بات ہے اور مسجد میں یہ ناممکن ہے کہ مسجد حقوق عبد سے بالکلیہ آزاد ہوتی ہے۔ درمختار کے کتاب الوقف باب احکام المسجد میں ہے: "اگر مسجد کے اوپر امام مسجد کے لیے کمرہ بنایا تو حرج نہیں کہ یہ مصالح مسجد میں ہے لیکن مسجد مکمل ہو گئی تو مسجد کی چھت پر منع کیا جائیگا اگرچہ یہ کہے کہ میری نیت پہلے ہی کمرہ بنانے کی تھی، اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔" تاتارخانیہ میں ہے" جب خود واقف کا یہ حال ہے تو دوسرے کا کیا۔ ایسی تعمیر گو مسجد کی دیوار پر ہو اس کو بھی ڈھادینا چاہیے"
والاخر الارض مع البناء وهوالاصل مع الوصف فالبنيان كالجداران والبنيان داخل بهذا المعنی فيه و علی الاول قوله تعالی "إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ" [2] اخرجه الائمة احمدوالدارمی و الترمذی و حسنه وابن ماجه وابن خزيمة وابن حبان والحاكم، وصححه عن ابی سعيد الخدری رضی الله تعالٰی عنه قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم اذارأيتم الرجل يعتادالمسجد	**(ب)** اس اطلاق میں زمین مع بنیادوں کے مسجد ہے، تو دروازے اور دیواریں سب مسجد میں داخل ہیں اللہ تعالٰی کے فرمان انما یعمر مساجدالله من اٰمن بالله (مسجدیں اللہ تعالٰی پر ایمان لانے والے تعمیر کرتے ہیں) میں یہی مراد ہے۔ امام احمد، دارمی اور ترمذی نے اس کو تخریج کیا، اور ترمذی نے حسن کہا۔ ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی روایت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد کی حاضری اس کی عادت بن چکی ہے تو

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] القرآن ۹/ ۱۸

فاشهدوا له بالایمان[1] قال الله تعالٰی اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ[2] فعمارتها بالصلوة فیها ولو لم یکن ثم بناء کالمسجد الحرام فی زمن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فما کان الا ارضا حول الكعبة مخلاة للطواف۔ وعلی الاخر قوله عزوجل " لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ "[3]، فما الهدم الا للبناء۔ بل لاطلاق الثالث یشمل الفناء ولهذا جاز للمعتکف دخوله ولا یعد به الامعتکفا فی المسجد فی البدائع ثم رد المحتار لو صعد ای المعتکف المنارة لم یفسد بلا خلاف	اس کے ایمان کی گواہی دو۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے مسجد تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ تعالٰی اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ "مسجد کی آبادی تو نماز پڑھنے سے ہے اگرچہ وہاں کوئی مسجد کی عمارت نہ ہو۔ جیسا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد حرام کا حال تھا کہ وہ کعبہ کے گرد کی زمین تھی جو طواف کے لئے خالی چھوڑی ہوئی تھی۔ اور اس دوسرے معنٰی پر ہی اللہ تعالٰی کا یہ فرمان ہے: لهدمت صوامع وبیع (توالبتہ یہود و نصاری) کے صوامع اور عبادت خانے ڈھادیئے جاتے اور بنی ہوئی عمارت ہی ڈھائی جاتی ہے۔ (ج) اور مسجد کا ایک تیسرا اطلاق بھی ہے اس اطلاق پر صحن کا حصہ بھی شامل ہوتا اسی لیے تو معتکف کو اس میں جانا جائز ہے اور اس کے بعد بھی وہ معتکف ہی رہتا ہے بدائع اور شامی میں ہے: معتکف ایسے منارہ پر چڑھ سکتا ہے جس کا دروازہ مسجد سے خارج

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ما جاء فی حرمة الصلوۃ امین کمپنی دہلی ۸۶/۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳، ۲۱۲، موارد الظمآن باب الجلوس فی المسجد للخیر حدیث ۳۱۰ المکتبة السلفیة ص۹۹، صحیح ابن خزیمه باب الشهادة بالایمان لعمار المسجد حدیث ۱۵۰۲ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

وانکان بابها خارج المسجدلانهامنه لانه یمنع فیهامن کل ما یمنع فیه من البول و نحو ہ فا شبه زاویة من زوا یا المسجد [1]۔وعن هذا تسمع الناس یقولو ن قد اذن فی المسجد اذا سمعوا الاذان من منارته مثلاوان کانت واقعة خارج المسجدو هذا محاورۃ سائغة شائعة عر باو عجما۔ولا یقول احد قوموا فقد اذن خارج المسجد،وعلی هذا نظائر قول ابن مسعو د رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان من سنن الهدی الصلوۃ فی المسجد الذی یؤ ذن فیه روا ہ مسلم [2]۔ وقول الفقهاء کر ہ خر وج من لم یصل من مسجد اذن فیه [3]۔اذا علمت هذا فا علم ان الاذان انما یکر ہ فی اصل المسجدلا فی وصفه ولا تبعه وان شئت قلت یکرہ فی المسجد بالمعنی الاول دون الثانیین ألا تری الی ماقد تلو نا علیك من نصوص الا ئمة کیف نهوا عن الاذان فی المسجد دون المئذنة و فنا ء ہ والحدود بمر ای منك حدیث الاذان علی باب	ہو کیونکہ وہ مسجد میں شمار ہوتا ہے اور وہاں پیشاب و پاخانہ منع ہے، تو وہ بھی مسجد کے ایک کونہ کی طرح ہوا" اسی لیے لوگ کسی مسجد کے منارہ سے ہونے والی اذان کو سن کر کہتے ہیں کہ فلاں مسجد میں اذان ہو گئی حالانکہ منارہ تو مسجد سے خارج بنا ہے اور چونکہ یہ محاروہ عرب و عجم میں شائع و ذائع ہے کہ اذان منارہ کو سن کر کوئی نہیں کہتا کہ چلو مسجد کے باہر اذان ہو گئی۔ اور یہی معنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس ارشاد کے بھی ہیں جو آپ نے فرمایا تھا" جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز پڑھنا سنت ہدی ہے" (مسلم)۔ اور فقہاء کرام کے اس قول کا بھی یہی مطلب ہے کہ "مسجد میں اذان ہو چکی ہو تو جماعت میں شریک ہوئے بغیر مسجد سے باہر جانا مکروہ ہے" اس تفصیل کے بعد یہ جاننا چاہیے کہ اذان اصل مسجد میں مکروہ ہے وصف مسجد میں نہیں۔ اور تبع مسجد میں بھی نہیں اس کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے اذان مسجد بالمعنی الاول میں مکروہ ہے معنی ثانی اور ثالث میں نہیں۔ ائمہ کی نصوص سے بھی یہی ظاہر ہے کہ خاص مسجد کے اندر مکروہ ہے منارہ صحن اور حدود میں نہیں۔ حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی مفاد ہے "کان

[1] ردالمحتار کتاب الصوم باب الاعتکاف داراحیاء التراث العرابی بیروت ۲/ ۱۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلوۃ الجماعۃ و بیان التشدید فی التخلف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[3] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ادراک الفریضۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۹

المسجد، واخرج ابو الشیخ فی کتاب الاذان عن عبد الله ابن زید الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال رأیت فیما یری النائم کان رجلا علیه ثوبان اخضران علی سور المسجد یقول الله اکبر الله اکبر اربعا[1] الحدیث وفی اخری عنه رأیت رجلا علیه ثوبان اخضران وانا بین النوم والیقظان فقام علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادی[2] الحدیث۔ وتقدم قول المدخل ان محل الاذان المنار او سطح المسجد او بابه[3] وبما قررنا ولله الحمد تبنیت فوائد، الاولی یجوز الاذان الدکة والمنارة وشفیر البئر وحریم الحوض وان کانت هذه الاشیاء داخل المسجد اذا کان البانی بناها قبل تمام المسجدیة لان ذلك یبقی مستثنی ولا تشمله المسجدیة فیجوز له ان یبنی وللناس ان یستعملوها کما اذا اعد فیه موضعا للوضوء وکذا اذا کنت بئر اوحوض مثلا فی فناء المسجد

الاذان علی باب المسجد" (اذان مسجد کے دروازہ پر ہوتی تھی)۔ ابو الشیخ نے کتاب الاذان میں حضرت عبد الله بن زید رضی الله تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کھڑا ہو الله اکبر الله اکبر کہہ رہا تھا" دوسری حدیث میں انہیں سے ہے کہ "میں نے خواب میں ایک شخص کو ہرا جوڑا پہنے ہوئے مسجد کی چھت پر کانوں میں انگلیاں دیئے ہوئے کھڑا دیکھا جو کہہ رہا تھا" (الحدیث) مدخل کی عبارت ہم پہلے نقل کرائے ہیں کہ "اذان منارہ پر یا سطح مسجد پر یا اس کے دروازہ پر ہونا چاہیے۔" ان عبارتوں سے چند فوائد حاصل ہوئے (۱) اذان چبوترے پر، منارہ پر، کنویں کی منڈیر پر، حوض کی گگری پر، اگرچہ یہ چیزیں مسجد کے اندر رہی ہوں جائز ہے جب کہ بانی نے اس کی بنا مسجد سے پہلے کی ہو وجہ اس کی یہ ہے وہ ابتداء سے ہی مسجد سے مستثنی ہیں تو بانی ان مطلوبہ چیزوں کو بنا سکتا ہے اور لوگ اس کو اسی غرض سے استعمال کر سکتے ہیں، ایسے ہی کوئی جگہ جو خاص مسجد میں تمام مسجدیت سے قبل ہی وضو کے لیے خاص کردی گئی ہو۔ یہ یوں بھی ممکن ہے کہ مسجد کے

[1] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۳۱/۸

[2] کنز العمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۳۳۱/۸

[3] المدخل فصل فی النہی عن الاذان فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۵۱

فزید المسجد واحاط بہا کبئر زمزم فی المسجد الحرام فان کونہا اذذاک قبل المسجدیۃ ابین و اظہر امابعد تمام المسجدیۃ فلا یجوز فی ارض اصل المسجد احداث دکۃ ولامنارۃ ولابئر ولا حوض کما قدمنا عن الدر[1] من منع بناء فوق جدار المسجد او سطحہ فکیف ارضہ ھذا مانص علیہ علماؤنا انہ لا یحفر فی المسجد بئر ماء ولو کانت البئر قدیمۃ تترک کبئر زمزم[2] اھ خانیۃ و ھندیۃ وغیر ھماو تمام تحقیق المسالۃ فی جد الممتار تعلیقا تنا علی رد المحتار و قال فی الاشباہ والنظائر من احکام المسجد تکرہ المضمضۃ والوضوء فیہ الا ان یکون ثمہ موضع اعدلذلک لایصلی فیہ او فی اناء[3] اھ ونحوہ فی الدر۔قال الشامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قولہ "الا فیما اعدلذلک"انظر ھل یشترط	صحن میں کوئی حوض تھا کنواں تھا مسجد میں توسیع ہوئی یا مسجد کا احاطہ کیا گیا جیسے زمزم شریف کا کنواں کہ اب تو خاص مسجد حرام شریف میں ہے جب کہ اس کا اس جگہ مسجد حرام سے قبل ہونا بالکل ظاہر ہے،ہاں مسجد تمام ہونے کے بعد اصل مسجد میں نہ چبوترہ بنانا جائز ہے نہ منارہ نہ کنواں نہ حوض جیسا کہ ہم درمختار سے نقل کرائے کہ "تمام مسجدیت کے بعد دیوار یا چھت پر کوئی اور عمارت منع ہے"ہمارے علماء نے اس بات پر تنصیص کی ہے کہ "مسجد میں کنواں نہیں کھودا جا سکتا،پرانا ہو تو باقی رہ سکتا ہے جیسا زمزم کا کنواں خانیہ،ہندیہ وغیرہ اسکی پوری تحقیق ہماری کتاب جدالممتار حاشیہ درمختار وشامی میں ہے اشباہ و نظائر کے باب احکام المسجد میں ہے" مسجد میں کلی وغیرہ منع ہے ہاں کوئی جگہ پہلے ہی سے ان امور کے لیے مقرر ہو تو اور بات ہے"ایسا ہی درمختار میں ہے۔امام شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مصنف کے قول الامااعدلذلک پر فرمایا:"یہ امر غور طلب ہے کہ واقف کی طرف سے ان امور کے لیے جگہ

[1] الدرالمختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۷۹

[2] فتاوٰی قاضیخاں فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصۃ الفتاوی کتاب الصلوۃ الفصل السادس والعشرون فی المسجد مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۷

[3] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام المسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۰

اعداد ذلك من الواقف ام لا[1] وکتبت فی جد الممتار اقول: نعم وشیئ اخر فوق ذلك وھوان یکون الاعداد قبل تمام المسجدیة فان بعدہ لیس له ولا لغیرہ تعریضه للمستقذرات ولا فعل شیئ یخل بحرمته اخذته مما یاتی فی الوقف من الواقف لو بنی فوق سطح المسجد بیتا لسکنی الامام[2] اھ ثم فی احداثھا فی المسجد بعد ما صار مسجدا موانع اخری فانھا تشغل موضع الصلوۃ وتقطع الصفوف وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم من وصل صفا وصله الله و من قطع صفا قطعه الله۔ رواہ احمد وابو داؤد[3] والنسائی وابن خزیمه والحاکم بسند صحیح عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنھما قال العلامة القاری فی المرقاۃ	مقرر کرنا شرط ہے یا نہیں" میں نے جد الممتار میں اس پر لکھا یہ شرط تو ضروری ہے ہی یہ بھی ضروری ہے کہ واقف مسجد مکمل ہونے سے پہلے ان امور کے لیے یہ جگہیں متعین کرے مسجد مکمل ہونے کے بعد نہ واقف کو اس تعین کا اختیار ہے نہ کسی اور کو کہ اس صورت میں مسجد کو گندگی کے لیے پیش کرتا ہے۔ میں نے اس کا استنباط کتاب الوقف کی اس عبارت سے کیا کہ "واقف بھی مسجد کے اوپر امام کے رہنے کے لیے کوئی گھر نہیں بنا سکتا" مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں ان امور کے لیے جگہ نکالنے میں دوسری قباحتیں بھی ہیں مثلا اس کی وجہ سے نماز کی جگہ جائے گی اور اس کی وجہ سے صف منقطع ہو سکتی ہے جبکہ حدیث شریف میں ہے "جس نے صفیں ملائیں الله تعالٰی اسے اپنی رحمت سے ملائے گا اور جس نے صفیں قطع کیں الله تعالٰی اسے رحمت سے دور کریگا" (احمد، ابو داؤد، ابن خزیمہ، اور حاکم نے عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنہ سے بہ سند صحیح روایت کی) ملا علی قاری رحمۃ الله تعالٰی علیہ نے

[1] رد المحتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۴۴

[2] جد الممتار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ المجمع الاسلامی اعظم گڑھ ہند ۱/ ۳۱۶

[3] سنن ابی دواد کتاب الصلوۃ باب تسویة الصفوف آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۹۷، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۹۸، المستدرك للحاکم کتاب الصلوۃ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۳

(من قطعه)ای بالغیبة او بعدم السداوبوضع شیئ مانع[1] وقد نهی العلماء عن غرس الشجر فی المسجد وعللوه بانه یشغل مکان الصلوة کما فی الخانیة و خزانة المفتین والهندیة و غیر هاواما اباحته لتقلیل النز اذا کانت الارض نزة لا یستقر اساطینها فللضرورة والضرورات تبیح المحظورات قال فی البحرفیغرس لیجذب عروق الاشجار ذلك النز فحینئذ یجوز،والا فلا[2] ومثله فی الظهیریة والبزازیة وغیر هما قال فی منحة الخالق:وفی قوله"الافلا" دلیل علی انه لا یجوز احداث الغرس فی المسجد ولا ابقاؤه فیه لغیر ذلك العذر ولو کان المسجد واسعا کمسجد المقدس الشریف ولو قصد به الاستغلال اوتجویز ابقاء ذلك بعد احداثه ولم یقل بذلك احد بلا ضرورة داعیة ولان فیه ابطال	مرقاۃ میں "قطعہ "کامطلب یہ تحریرفرمایا کہ صف سے غائب ہو کر یا صف میں لایعنی کام کرکے یا کوئی چیز بیچ صف میں رکھ کرجوصف کے ملنے سے مانع ہو علمائے کرام نے، مسجد میں درخت لگانے سے منع کیاکہ وہ نماز کی جگہ گھیرے گا ایسا ہی خانیہ خزانۃ المفتین وغیرہما میں لکھا ہے اور مسجد میں نمی ہوتواسے کم کرنے کے لیے درخت لگانا جائز ہے کہ یہ بہ ضرورت ہے اور ضرورتیں تو ممنوعات کو جائز کردیتی ہیں بحرالرائق میں ہے:"مسجد کے نم فرش پر درخت لگا سکتے ہیں کہ اس کی جڑیں تری چوس لیں ورنہ درخت لگانا جائز نہیں"ایسا ہی ظہیریہ وبزازیہ وغیرہ میں ہے۔منحۃ الخالق میں بحر کے قول"والافلا"پرفرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں مذکورہ بالا ضرورت سے درخت لگانا جائز ہے اور ضرورت نہ ہو تو نہ درخت لگانا جائز ہے نہ اس کا باقی رکھنا۔اوراگر مسجد وسیع ہو جیسے بیت المقدس اوراس کے کسی حصہ میں سامان رکھنا ہو تو یہ بھی منع ہے کہ اس سے مسجد کو گودام اوردکان بنانے کی راہ کھلے گی اوراس کے باقی رکھنے میں جبکہ بلاضرورت ہو مسجد میں دکان ومکان باقی رکھنے کی راہ استوار ہوگی حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں ہے اور مسجد میں ایسی چیزیں تیار کرنے سے مسجد کی تعمیر کی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الصلوۃ باب تسویۃ الصفوف حدیث ۱۱۰۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۷۹/۳

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرغ من بیان الکراھۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۵/۳

مابنی المسجدلا جله من صلوة و اعتکاف ونحوهما وقد رایت فی هذه المسالة رسالة بخط العلامة ابن امیر الحاج الحلبی الفها فی الرد علی من اجاز ذلك فی المسجد الاقصی، ورأیت فی اخرها بخط بعض العلماء انه وافقه علی ذلك العلامة الکمال ابن الشریف الشافعی[1] اھ

وقلت فی جد الممتار بعد نقل ما هنا وغیره من نظر هذه الکلمات الشریفة بعین الانصاف لم یلبث فی الحکم بتحریم کل احداث فی المسجد یکون فیه شغل محل منه لغیر مابنی له سواء کان بیتا او حانوتا او دکة او منارة او غاسلا او خزانة او بئرا او حوضا او شجرا، أو، أو، أوالخ وعنیت به المسجد بالمعنی الاول۔

وقال الامام ابن الحاج المکی فی المدخل و من هذا الباب ایضاما احدثوه فی المسجد من الصنادیق الموبدة وذلك غصب لموضع مصلی المسلمین[2] قال و من هذا الباب الدکة التی یصعد علیها الموذنون للاذان یوم الجمعة بل هی اشد من الصنادیق اذیمکن نقل

اصلی غرض فوت ہوگی اس مسئلہ میں ایک رسالہ ابن امیر الحاج کے ہاتھ کا لکھا ہوا میں نے دیکھا جسے آپ نے اس شخص کے رد میں تحریر فرمایا تھا جس نے بیت المقدس میں اس کو روا رکھا تھا اور اسی کے آخر میں بعض علماء کی تحریر تھی جس میں اس مسئلہ میں علامہ کمال ابن ابی شریف شافعی نے ابن امیر الحاج کی تائید کی تھی۔

میں نے جد الممتار میں ان سب باتوں کو لکھ کر تحریر کیا جو ان کو انصاف کی نظر سے دیکھے گا بلا توقف اس قسم کی تمام ایجادات کو (جن سے تعمیر مسجد کی اصلی غرض میں خلل واقع ہو) حرام قرار دے گا چاہے گھر ہو یا دکان، چبوترہ ہو یا منارہ خزانہ ہو یا گودام کنواں ہو یا حوض، درخت ہو یا کچھ اور الخ ایسے تمام مقامات پر ہماری مراد مسجد سے قسم اول (اصل مسجد) ہے۔

امام ابن الحاج مکی نے مدخل میں فرمایا کہ اسی قسم سے وہ صندوق ہیں جن کو مسجد میں رکھنے کا رواج لوگوں نے قائم کر لیا ہے یہ نماز کی جگہ کو گھیرتا ہے اور اسی قسم کے وہ چبوترے ہیں جو مسجدوں میں اذان خطبہ کے لیے بعد میں بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا حکم صندوق سے زیادہ سخت ہے کہ وہ بضرورت کھسک بھی سکتے ہیں جبکہ چبوتروں میں

[1] منحة الخالق حاشیة بحر الرائق مع البحر فصل لما فرغ من بیان الکراهة فی الصلوة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

[2] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

الصنا دیق ولا یمکن نقلها[1] قال ومن هذا الباب ایضا اعنی فی امساك موا ضع فی المسجد وتقطیع الصفوف بها اتخاذ هذا المنبر العالی فانه اخذ من المسجد جزاء جیداو هو وقف علی صلاۃ المسلمین[2] اھملتقطا فرحم اللہ من نص ورحم اللہ من قبل۔ **الثانیۃ**۲ المراد فی قول الکافی انه ذکرفی المسجد المعنی الثانی الشامل للاصل والوصف فال فلخطبۃ فی الاصل والاذان فی الوصف فشملهما الکون فی المسجد وان تفرق المحل و فی قول الغایۃ والفتح الکراھۃ الاذان فی داخل المعنی الاول فبدقۃ النظر لیس ما ذکر تاویل لکلامه بل تبیین لمرامه اذلیس فیه صرف عن ظاھرہ واللہ تعالٰی الموفق۔ **الثالثۃ**۳ المراد فی قول	یہ ناممکن ہے اوراسی قسم یعنی مسجد کی جگہ روکنے والے اور صفیں قطع کرنے والے وہ رفیع منبر ہیں جن سے نماز کی قابل ذکر جگہ گھرجاتی ہے جو مسلمانوں کی نماز کے لیے وقف تھی ملخصا(اللہ تعالٰی نصیحت کرنے والے اور قبول کرنیوالے دونوں کو قبول فرمائے۔ **(۲)**امام کافی کے قول میں اذان کو جو ذکرا فی المسجد (مسجد کے اندر کاذکر) کہا ہے تواس سے مراد مسجد کی قسم ثانی ہے جس میں اصل مسجد اور وصف مسجد دونوں ہی شامل ہیں خطبہ اصل مسجد میں ہوتا ہے اوراذان وصف مسجد میں۔تو مسجد میں ہونا خطبہ اوراذان دونوں ہی کی صفت ہے اگرچہ جگہ میں اختلاف ہواور غایۃ البیان اور فتح القدیر کے قول قالوا لا یوذن فی المسجد(مسجد میں اذان ممنوع ہے)اس سے مراد مسجد بمعنی اول ہے تو دقت نظر سے یہ پتا چلے گاکہ یہ بھی ہدایہ کے قول کی تاویل اوراس کے مقصد کی تعیین ہے اس میں ان کے کلام کو ظاہر سے پھیرنا نہیں اللہ تعالٰی ہی آدمی کو حق کی توفیق دینے والا ہے **(۳)**اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

[1] المدخل فصل ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۱

[2] المدخل فصل فی ذکر البدع التی احدثت فی المساجد دارالکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۶

ابن مسعو د رضی اللہ تعالٰی عنه وقول الفقھاء المارین العنیان الاخیران وکذا فی حدیث ابی داؤد وابی بکر بن ابی شیبة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال حد ثنا اصحابنا جاء رجل من الانصار فقال یا رسول اللہ رأیت رجلا کان علیه ثو بین اخضر ین فقام علی المسجد فاذن [1] الا ترا ہ یقول قام علی المسجد، ولو اراد المعنی الاول لقال قام فی المسجد وقد اوضحته روایة ابی بکر بن ابی شیبة الاخری وابی الشیخ فی الاذان عن ابن ابی لیلی قال حدثنا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان عبد اللہ بن زید الانصاری جاء الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال یارسول اللہ رأیت فی المنام کان رجلا قائم وعلیه بردان اخضران علی جذمة حائط فاذن [2] الخ	قول "جس مسجد میں اذان ہوتی ہو وہاں سے اذان کے بعد بے جماعت چلا جانا منع ہے" اور فقہاء کے اقوال جو ذکر کئے جاچکے مسجد سے مراد معنی ثانی یا ثالث ہیں ابی داؤد اور ابو بکر بن ابی شیبہ نے عبد الرحمان ابن ابی لیلٰی سے صحابہ کا قول نقل کیا کہ "عہد رسالت میں ایک انصاری نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں عرض کی میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے جسم پر دوہرے رنگ کے کپڑے تھے اس نے مسجد میں کھڑے ہو کر اذان دی" اس روایت میں لفظ قام علی المسجد ہے اگر مسجد کے اندر کہنا ہوتا تو قام فی المسجد کہتے اس حدیث شریف کی اور زیادہ تشریح و توضیح حضرت ابو بکر بن ابی شیبہ اور ابوالشیخ ابن ابی لیلٰی کی دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ "زید ابن عبد اللہ انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم! میں نے خواب میں ایک آدمی کو ہرے رنگ کا جوڑا پہنے ہوئے ایک منہدم دیوار کے ٹیلے پر کھڑے دیکھا جو اذان دے رہا تھا"

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷۴، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۲۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۸۶

[2] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الاذان والاقامت حدیث ۲۱۱۸ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۸۵، کنز العمال بحوالہ ش وابی الشیخ فی الاذان حدیث ۲۳۱۴۶ موسسة الرسالہ بیروت ۸/ ۳۳۳

اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک بار لوگوں کو اہتمام سے نماز کے لیے جمع کیا حضرت عبد اللہ بن زید انصاری نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو خواب میں اذان ہوتے دیکھی صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ رات میں نے خواب میں اس طرح اذان ہوتے دیکھی کہ ایک آدمی ہرا جوڑا پہنے سقف پر اذان دے رہا ہے اس روایت میں سور اور سطح کا لفظ گزر چکا ہے۔ (۴) خانیہ اور خلاصہ کی عبارت "اس میں کوئی حرج نہیں کہ مسجد میں ایک ایسا گھر بنالیا جائے جس میں چٹائی وغیرہ اسباب رکھے جائیں کہ عام اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس عبارت میں مسجد سے مراد اس کے تیسرے معنی ہیں اور اس پر دلیل اسی عبارت کا یہ ٹکڑا ہے کہ "اہل اسلام کی عادت اسی پر جاری ہے" اس لیے کہ تعارف تو یہی ہے کہ مسجد بمعنی سوم میں ایسا کمرہ بنتا ہے۔ یا مسجد بمعنی اول میں تو اس جگہ کی مسجدیت مکمل ہونے سے پہلے مسجد مکمل ہو جانے کے بعد اسی کا ایک ٹکڑا چٹائی اور فرش وغیرہ رکھنے کے لیے	ولسعید ابن منصور فی سننه عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اهتم للصلوة کیما یجمع الناس لها فانصرف عبد الله بن زید فرای الاذان[1] الحدیث وتقدمت روایة سور المسجد وسطح المسجد۔ **الرابعة**[۴]، المعنی الثالث هوالمراد فی فرع الخانیة والخلاصة ولاباس بان یتخذ فی المسجد بیتا یوضع فیه الحصیر و متاع المسجد به جرت العادة من غیر نکیر[2]۔اھ ومن الدلیل علیه حدیث التعارف فانه المتعارف او بناؤه قبل تمام المسجدیة اما ان یتم المسجد ثم یاخذ احد قطعة منه فیجعلها بیت البواری فلم تجر به العادة ولا یحل السکوت

[1] کنز العمال عن عبد الرحمن ابن ابی لیلی حدیث ۲۳۱۵۲ موسسة الرسالة بیروت ۸/ ۳۳۶

[2] فتاوی قاضیخان فصل فی المسجد نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۱، خلاصة الفتاوی کتاب الصلوة الفصل السادس والعشرون مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۲۲۸

عليه۔

الخامسة[۵]: قال فی جامع الرموز لھا یوذن فی المسجد فانه مکروہ کما فی النظم لکن فی الجلابی یوذن فی المسجد او ما فی حکمه لا فی البعید منه[1] اھ فمراد النظم المعنی الاول ومراد الجلابی المعنی الثانی فالمعنی یوذن فی حدود المسجد کما فسر به الامامان کلام الکافی او ما فی حکمه ای فی فنائه فان فناء المسجد له حکم المسجد کما فی الھندیة عن الامام السرخسی قال الفناء تبع المسجد فیکون حکمه حکم المسجد[2] ومثله فی کتب کثیرة ذکرناھا فی جد الممتار فلا استدراك بکلام الجلابی علی کلام النظم کما فعل القھستانی الا تری ان العلامة الطحطاوی رحمه الله تعالٰی کیف اقتصر فی الحکم علی حکایة ما فی القھستانی

بنایا جائے نہ عادت اس پر جاری نہ خاموشی اس پر جائز۔

(۵) جامع الرموز میں ہے کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے ایسا ہی نظم میں ہے لیکن جلابی میں ہے کہ مسجد میں یا اس جگہ میں جو مسجد سے دور اذان نہ دینی چاہیے تو نظم میں مسجد بمعنی اول میں اذان دینے کو مکروہ کہا ہے اور جلابی میں مسجد بمعنی ثانی مراد ہے یعنی مسجد میں دی جانے کا مطلب حدود مسجد میں ہے جیسا کہ امام اتقانی اور ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے قول ذکر فی المسجد کی تفسیر فی حدود المسجد سے کی تو جلابی کی عبارت میں لفظ او ما فی حکم المسجد سے اسی کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ فناء مسجد مسجد کے حکم میں ہے ہندیہ میں بھی ایسا ہی امام سرخسی سے روایت ہے کہ "صحن مسجد کے حکم میں ہے" اور اسی کے مثل بہت ساری کتابوں میں ہے جس کی تفصیل ہم نے جد الممتار میں لکھی ہے تو حقیقت میں امام جلابی کا کلام "نظم" کی تردید نہیں جیسا کہ قہستانی نے سمجھا حضرت امام طحطاوی نے نظم کا یہ جزیہ قہستانی سے ہی نقل کیا لیکن قہستانی کے ادراک کو غیر معتبر جان کر

---

[1] جامع الرموز کتاب الصلوۃ فصل الاذان مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۱۲۳

[2] فتاوی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المسجد الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۴۱۲

عن النظم ولم یعرج علی استدراکہ اصلا علما منہ بان الاستدراك مستدرك لایبتغی نقلا ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق ولولم یکن ھذا لکان ذکر جامع الرموز بمقابلہ تلك المعتمدات العظیمۃ بل ما تفرد بہ الجلابی بازاء ما اتفق علیہ اولئك الاکابر الاجلۃ مما ینبغی ان یستحی منہ فانہ لو فرض لکان خلافا لا اختلافا وقد تقرران الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق للاجماع فکیف ولا خلاف علی التحقیق لما علمت من جلیل التوثیق وباللہ تعالٰی التوفیق۔	چھوڑ دیا اور اگر نہ مانا جائے تو یا تو جامع الرموز والے قہستانی صاحب ائمہ اعلام کے مقابلہ میں اکیلے ہوں گے اور یہ تسلیم کر لیا جائے تو جلابی اور قہستابی کا یہ قول مرجوح رہ جائے گا کہ ان کی حثیت ائمہ سے اختلاف کرنے کی نہیں اور یہ طے ہو چکا ہے کہ قول مرجوح کے موافق فتوی حکم جہل اور خرق اجماع ہے اور سچ پوچھو تو خلاف بھی نہیں کہ ان کے قول فی المسجد کا معنی فی حدود المسجد واضح ہو گیا ہے۔
نفحہ ۱۰: اذلم یقدروا علی شیئ تعلق بعض الوھابیۃ بما فی	**نفحہ ۱۰:** جب مخالفین کسی بات پر قادر نہ ہوئے تو ان میں سے بعض نے خانیہ [عـــہ] اور

عـــہ: خانیہ کی عبارت یوں ہے: ینبغی ان یوذن علی المنارۃ او خارج المسجد ولا یوذن فی المسجد[1] مخالفین کے مغالطہ کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق دونوں سے ہے یعنی مسجد کے باہر اور منارہ پر اذان دینا مناسب ہے اور مسجد میں اذان دینا مناسب نہیں تو مسجد کی اذان زیادہ سے زیادہ خلاف اولی ہوئی تو گر اندرون مسجد ہی اذان کا رواج ہو گیا تو کوئی حرج کی بات نہیں پھر اتنا واویلا کیوں؟ اعلیحضرت کے پہلے جواب کا مطلب یہ ہے کہ لفظ ینبغی کا تعلق صرف پہلے جملہ سے ہے اور دوسرا جملہ (لایوذن فی المسجد) اس سے خالی ہے جس کا مطلب اندرون مسجد اذان کی ممانعت ہے جیسا کہ دیگر کتب فقہ میں لا یوذن یا یکرہ الاذان فی المسجد سے ظاہر ہے اس کی تائید صاحب بحر کی عبارت سے ہوتی ہے جنھوں نے یہ عبارت خلاصہ کے حوالہ سے نقل کی اور ینبغی کا لفظ چھوڑ دیا۔ عبد المنان اعظمی۔

---

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الصلوۃ مسائل الاذان نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۷

نص الخانية والخلاصة من لفظ "ينبغي" يريد به ان الامر سهل لا يعتنى به انت ترى عامة النصوص عرية عنها ثم لم يدخل على "لا يوذن في المسجد" الا ترى ان البحر نقله عن الخلاصة هكذا ولم يلتفت الى "ينبغي" في الجملة الاولى۔	خلاصہ میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کا سہارا لیا اور سمجھا کہ معاملہ آسان ہے اس پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں حالانکہ اولا دوسری کتابوں کی عبارتیں لفظ ینبغی سے خالی ہیں اور جہاں یہ لفظ ہے جملہ لایوذن فی المسجد پر داخل نہیں خود صاحب بحر نے خلاصہ سے یہی عبارت نقل کی اور جملہ اولی میں آئے ہوئے لفظ ینبغی کی طرف توجہ نہ فرمائی۔
ثم استعماله في الندب اصطلاح المتاخرين وهو في كلام المشائخ اعظم كما في ردالمحتار وغيرها قال هو في القران كثير: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء۔۔۔ قال في المصباح ينبغي ان يكون كذا معناه يجب او يندب بحسب ما فيه من الطلب[1] ثم ندبه يقابل الوجوب ويعم الاستنان، وامر السنة ليس بهين بل ربما جاء "ينبغي للوجوب	**ثانیًا** لفظ ینبغی کو مستحب کے معنی میں قرار دینا ائمہ متاخرین کی اصطلاح ہے کلام مشائخ میں یہ لفظ عام ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں اس کی تصریح ہے انہوں نے فرمایا کہ ایسا قرآن عظیم میں بہت وارد ہے مثلاً آیت قرآنی: ما كان ينبغي لنا ان نتخذ من دونك اولياء (ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے علاوہ کسی کو اپنا ولی بنائیں) مصباح المنیر میں ہے۔ ینبغی کے معنی وجوب اور استحباب دونوں ہی حسب طلب ہو سکتے ہیں۔ **ثالثًا:** اس لفظ میں استحباب کے معنی سنت کو بھی شامل ہیں اور سنت کا معاملہ ایسا آسان نہیں بلکہ لفظ ینبغی بسااوقات صرف معنی وجوب پر ہی دلالت کرتا ہے۔

[1] ردالمحتار كتاب الجهاد لفظ "ينبغي" يستعمل في المندوب الخ دار احياء التراث العربي بيروت ۳/ ۲۲۴

"کقول الھدایۃ والکنز وغیرھما"من حلف علی معصیۃ ینبغی ان یحنث [1] "فان الحنث واجب قطعاو قول الھدایۃ و کثیرین"ینبغی للمسلمین ان لا یغدرواولا یغلو ولا یمثلوا [2] "اھ مع ان ترك الغدر والغلول فریضۃ فانھما حرام و کذا المثلۃ قال فی الفتح قولہ و ینبغی للمسلمین ای یحرم علیھم ان یغدروا اویغلواویمثلوا اھ [3] وقول القدوری والھدایۃ وغیرھما ینبغی للناس ان یلتمسوا الھلال فی الیوم التاسع والعشرین من شعبان [4] قال المحقق فی الفتح ای یجب علیھم وھو واجب علی الکفایۃ [5] اھ قال فی الجوھرۃ النیرہ ای یجب [6] الخ وقال فی القنیۃ فاستحسان القاضی الصدر الشھید	ہدایہ وکنزوغیرہ میں ہے: "جس نے گناہ کرنے کی قسم کھائی تو اسے توڑ دینا چاہیے"۔ یہاں قسم توڑناواجب ہے۔ صاحب ہدایہ اور بہت سارے ائمہ کا قول ہے: "مسلمانوں کو چاہیے کہ بے وفائی نہ کریں، مال غنیمت سے نہ چرائیں اور مثلہ نہ کریں"۔ یہاں ترک غدر وغلول ومثلہ فرض ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "مسلمانوں کو چاہیے یعنی ان پر حرام ہے کہ غدر مال غنیمت کی چوری اور مثلہ کریں"۔ اسی طرح امام قدوری اور صاحب ہدایہ وغیرہ کا قول ہے: "لوگوں کو چاہیے کہ شعبان کی انتیس تاریخ کو چاند تلاش کریں" محقق ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "یعنی ینبغی کے معنی ہیں کہ ان پر چاند کی تلاش واجب ہے اور تلاش واجب علی الکفایہ ہے"۔ اور جوہرہ نیرہ میں ایسا ہی ہے یعنی قدوری میں ینبغی بمعنی یجب ہے۔ قنیہ میں ہے قاضی صدر الشہید کے استحسان

[1] الھدایہ کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۶۲، کنز الدقائق کتاب الایمان باب مایکون یمینا الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۵

[2] الھدایۃ کتاب السیر باب کیفیۃ القتال المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۵۴۱و۵۴۲

[3] فتح القدیر کتاب السیر باب کیفیۃ القتال مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۲۰۱

[4] المختصر للقدروی کتاب الصوم ص۵۶ والھدایۃ کتاب الصوم المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۹۳

[5] فتح القدیر کتاب الصوم فصل رویۃ الھلال المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ بسکھر ۲/ ۲۴۲

[6] الجوھرۃ النیرۃ کتاب الصوم مکتبہ امدادیہ ملتان ۱/ ۱۶۷

ینبغی للاخ من الرضاع ان لا یخلوا باختہ من الرضاع لان الغالب ھناك الوقوع فی الجماع [1] افاد العلامۃ البیری ان "ینبغی" معناہ الوجوب ھنا [2] (الشامی) وکم لہ من نظیر۔ ثم ان کان ھو ظاھرا فعارضہ فی نفس الکلام ظاھر اخر وھو النھی بصیغۃ الاخبار فانہ غالبا فی کلامھم لا یجاب الفعل والترك الا ان یصرف صارف قال الامام ابن امیرالحاج فی الحلیۃ صفۃ الصلوۃ مسئلۃ القراءۃ فی الاخریین ظاھر قول المصنف 'لا یزید علیھما شیئا' یشیر الی عدم اباحۃ الزیادۃ علیھما [3] اھ وفی عید الغنیۃ الایری الی قولہ لا یترك واحد منھما فانہ اخبر بعدم الترك والاخبار فی عبارات الائمۃ والمشائخ یفید الوجوب [4]	میں ہے کہ رضاعی بھائی کو رضاعی بہن کے ساتھ تنہائی میں نہیں رہنا چاہیے کہ ایسی حالت میں حرامکاری میں مبتلا ہونا غالب ہے اھ۔علامہ بیری فرماتے ہیں کہ یہاں بھی لفظ ینبغی کا مطلب وجوب ہے (شامی) المختصر اس بات کی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ کلام مشائخ میں "ینبغی" بول کر واجب مراد لیا جاتا ہے۔ **رابعًا** پھر خانیہ اور خلاصہ کے کلام کا ظاہر مطلب عدم وجوب ہو تو اسی کلام کا ایک اور ظاہر بھی ہے جو اس کے معارض ہے کہ نہی بصیغہ اخبار کلام مشائخ میں عموماً وجوب فعل یا وجوب ترک کے لیے ہوتی ہے امام ابن الامیر الحاج نے "باب صفۃ الصلوۃ" مسئلہ قراءت میں فرمایا مسئلہ قراءت رکعتین اخیرین مصنف کے قول لا یزید علیھما شیئا کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ اس سے زائد قراءت مباح نہیں اور غنیہ کے باب العید میں ہے "مصنف کے قول "لا یترك واحد منھما" کو دیکھنا کہ یہ عدم ترک کی خبر ہے، اور ائمہ و مشائخ کی عبارت میں اخبار وجوب کا فائدہ دیتا ہے۔"

---

[1] القنیۃ المنیہ لتتمیم الغنیۃ کتاب الکراہیۃ والاستحسان باب فی الخلوۃ باجنبیۃ مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۱۶۶

[2] رد المحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۳۶

[3] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[4] غنیۃ المستملی فصل فی صلوۃ العید سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۶۵

وفی امامة البحر الرائق: قوله فان فعلن تقف الامام وسطهن افاد بالتعبیر بقوله تقف انه واجب فلو تقدمت اثمت کماصرح به فی فتح القدیر [1] وفی حاشیة العلامة الخیرالرملی علی البحر ثم منحة الخالق قبیل الاذان علی قول الاسبیجابی (اذا جیئی بجنازة بعد الغروب بدؤا بالمغرب ثم بها ثم بسنة المغرب [2] اھ) الظاھر ان ذلك علی سبیل الوجوب لتعلیلهم بان المغرب فرض عین والجنازة فرض کفایة ولان الغالب فی کلامهم فی مثله ارادة الوجوب تامل [3] اھ وقال العلامة السید احمد الطحطاوی فی صوم حواشی الدر: وفیها (ای فی النهایة) ولا یفعل (ای الدهن) لتطویل اللحیة اذا کانت بقدر المسنون وھو یقتضی ان الدهن لهذا القصد یکرہ تحریما لانه یفضی الی المکروہ تحریما ولا کان مکروھا تنزیهیا	بحرالرائق کے باب الامامت میں ہے "مصنف کے قول "اگر عورتیں جماعت کریں تو امام ان کے بیچ میں کھڑی ہو" مطلب یہ ہے کہ ایسا کرنا واجب ہے جس پر لفظ تقف دلالت کرتا ہے توامام آگے بڑھ کر کھڑی ہو تو گنہگار ہوگی اس کی تصریح فتح القدیر میں ہے" حاشیہ خیر رملی منحۃ الخالق میں باب الاذان سے تھوڑے پہلے اسبیجابی کے قول "جنازہ غروب آفتاب کے بعد لایا گیا تو پہلے مغرب کے فرض پڑھیں پھر جنازہ پڑھیں پھر سنتیں ادا کریں" پر تشریح ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بر سبیل وجوب ہے کیونکہ علت یہ بیان کرتے ہیں کہ مغرب فرض عین ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اور یوں بھی کہ عام طور پر فقہاء کے کلام میں ایسی عبارت سے وجوب ہی مراد ہوتا ہے علامہ سید طحطاوی درمختار کے حواشی میں فرماتے ہیں: "نہایہ میں ہے کہ داڑھی جب بقدر سنت لمبی ہو تو زیادہ بڑھانے کے لیے تیل نہیں لگانا چاہیے نہایہ کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ اس نیت سے تیل لگانا مکروہ تحریمی ہے کہ ایک مکروہ تحریمی کا ذریعہ بنے گا اور اگر یہ فعل مکروہ تنزیہی ہوتا تو اس کو لفظ لایفعل

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۳۵۱

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۲

[3] منحۃ الخالق علی ہامش بحرالرائق کتاب الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۳

لما عبر بقوله ولا يفعل[1] فظاهر نا هذا غير معارض من نصوص الاسبيجابی والمجتبی والبناية والاتقانی وفتح القدير۔ ثم ثمه ظاهر اخر غير معارض هناك وهواطلاق الكراهة فی النظم وشرح النقاية و حاشية مراقی الفلاح وغاية البيان وفتح المحقق حيث اطلق فانها كما عرف فی محله اذا اطلقت كانت ظاهرة فی التحريم الابصار وقال سيدی العارف بالله العلامة عبد الغنی فی الحديقة الندية من آفات اليد مانصه۔ و الكراهة عند الشافعية اذا اطلقت تنصرف الی التنزيهية لا التحريمية بخلاف مذهبنا[2] ۔اھ ثم فيه اساءة ادب بالحضرة الالهية كما ياتی فی الشمامة الثالثة بعون الله تعالٰی فيجب التحرز عنه۔ ثم المعروف من عادته صلی الله تعالٰی عليه وسلم ترك الفضيلة احيانا بيانا للجواز ولم يوثر قط اذانا فی زمنه صلی الله تعالٰی	سے منع نہ کرتے "اور ہمارا یہ ظاہر اسبیجابی، مجتبی، بنایہ، اتقانی اور فتح القدیر کی عبارتوں کے معارض بھی نہیں (کہ یہ بے اعتبار ٹھہرے) **خامسًا:** یہاں ایک اور ظاہر غیر معارض بھی ہے کہ نظم، حاشیہ مراقی الفلاح، غایۃ البیان اور فتح القدیر میں ہے کہ لفظ کراہت مطلقًا بولا جائے تو کراہت تحریمی مراد ہوگی ہاں کوئی قرینہ صارفہ ہو تو اور بات ہے امام عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب حدیقہ ندیہ باب آفات الیدین میں رقمطراز ہیں "لفظ کراہت مطلق بولا جائے تو شوافع کے نزدیک کراہت تنزیہیہ پر محمول ہوگا اور ہمارے مذہب (احناف) میں تحریمی پر۔" **سادسًا:** مسجد میں اذان دینے میں بارگاہ الٰہی کی بے ادبی ہے جیسا کہ ہم ان شاء اللہ تیسرے شمامہ میں بیان کریں گے تو اس سے پرہیز ضروری ہوا۔ **سابعًا:** حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ بھی کہ کبھی کبھی بیان جواز کے لیے افضل کو بھی ترک کردیتے تھے جبکہ زمانہ رسالت میں کبھی بھی اذان کا مسجد کے اندر ہونا ثابت نہیں تو یہ

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصوم باب مایفسد الصوم الخ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۶۰

[2] الحدیقۃ الندیۃ الصنف الخامس من الاصناف التسعۃ فی بیان آفات الید نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۴۰

علیه وسلم داخل المسجد فبمجموع هذا ینقدح فی الذهن انه یکره تحریما أو ان لم یقنع فلا اقل من ان الامر دائر بین کراهتین مکروه قطعا او یحتمل کراهة التحریم فما سبیله الا الترك عند العقل السلیم ثم ان شئت فدع الاحتمال واقنع بالاجمال وقل ان الاذان فی المسجد مکروه منهی عنه فان هذا القدر لامفر منه وفی هذا کفایة لاولی الدرایة والله سبحنه ولی الهدایة۔	سب باتیں مل جل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ تحریمی ہے اور جس کو اس سے تسلی نہ ہو تو کم از کم اتنا تو ہے کہ یہ مسئلہ کراہت تحریمیہ و کراہت تنزیہیہ میں دائر ہے تو ایک امر مشکوک کو چھوڑ دینا دانشمندی ہے اور کم از کم اتنا تو ہے جس کے مانے بغیر چارہ نہیں کہ مسجد میں اذان مطلقاً مکروہ ہے اور اہل عقل کے لیے ممانعت کا اتنا حکم ہی کافی ہے۔

الشمامۃ الثالثۃ من مسک القران العظیم

(قران کریم کے مشک سے تیسرا شمامہ)

نفحہ۱: اخرناھا الی ھنا لیکون "خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ؕ" [1] ۔قال اللہ عزوجل: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ"	**نفحہ ۱:** ہم نے اس شمامہ کو یہاں تک اسے لیے مؤخر کیا کہ اس کو اختتام مشک قران سے ہو تاکہ اس میں رغبت کرنے والوں کی رغبت میں اوراضافہ ہو۔اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے اے ایمان والو نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز ایسے بلند نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے آواز بلند کرتے ہو کہیں تمھارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمھیں پتہ بھی نہ چلے جولوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں اللہ تعالٰی نے ان کے دلوں کو تقوی کے لیے آزمالیا ہے

[1] القرآن الکریم ۸۳/ ۲۶و۲۷

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝" [1] ارشدنا القران الکریم الی ادب حضرة الرسالة وانه لایجوز رفع الصوت فیھا واوعد علیه الوعید الشدید ان فیه لخشیة حبط الاعمال والعیاذ باللہ تعالٰی وندب الی غض الصوت عندہ ووعد علیه الوعد الجمیل مغفرة من اللہ واجر عظیم۔	ان لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔ اللہ تعالٰی نے دربار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب کی طرف رہنمائی کی کہ اس بارگاہ میں بلند آوازی جائز نہیں اور ایسی شدید وعید فرمائی کہ اس میں (معاذ اللہ) عمل ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے اور وہاں پست آوازی پر اللہ تعالٰی کی مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ ہے۔
ولا شك ان لیس ذلك الا لھیبة المقام واجلال صاحبه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فالحضرة الالھیة احق واعظم الم تسمع ربك عزوجل یقول "وَ خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝" [2] وما المصلی الا حضرة العلی الاعلی عزوعلا وتبارك وتعالٰی فلعمری لو یتذکر الناس حین حضورھم المساجد قیامھم بین یدی ربھم عزوجل یوم القیامة واستحضر واعظمة المقام وتفطنوا این ھم وبین یدی من ھم لخشعت الاصوات للرحمن فلا یکاد یخرج صوت الا من اذن له الرحمن وقال صوابا کالقاری و	اور شبہہ نہیں کہ یہ اہتمام صاحب مقام کی ہیبت واجلال کے لیے ہے (صلی اللہ تعالٰی وسلم) تو دربار الٰہی جل جلالہ کا ادب واحترام تو اس سے بدرجہا اعلٰی واہم ہے اللہ تعالٰی کا یہ فرمان کس نے نہ سنا: "قیامت کے دن دربار الٰہی میں ساری آوایں سہمی ہوں گی اور سرگوشی کے علاوہ کچھ بھی سن نہ سکو گے۔" مسجد اللہ تبارک وتعالٰی کا دربار عالی ہے، واللہ العظیم اگر آدمی مسجد کی حاضری کے وقت قیامت میں رب العالمین کے حضور اپنا کھڑا ہونا یاد کرے اور مقام کی عظمت یاد کرکے سوچے کہ کہاں اور کس واسطے کھڑا ہے تو اجازت یافتہ انسانوں کے علاوہ (یعنی قاری اور خطیب) کسی کی آواز نہ نکلے پس اصل حکم یہی ہوا کہ مسجد میں اجازت یافتہ لوگوں کے سوا کسی کی سرگوشی کے علاوہ کچھ نہ سنا جاسکے

[1] القران الکریم ۴۹/ ۲و۳

[2] القران الکریم ۲۰/ ۱۰۸

الخطیب فکان الاصل فی المساجد فیما لم یرد بہ الاذان ان لاتسمع الاھسا ولذا اتت الاحادیث عـــہ تنھی عن رفع الصوت فیھا:	اسی لیے احادیث کریمہ میں مسجد میں آواز بلند کرنے کی ممانعت آئی۔

عـــہ: وللبیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عالی عنہ کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یکرہ العطسۃ الشدیدۃ فی المسجد [1]، وفی البحرالرائق وغیرہ: قالوا ولا یجوز ان تعمل فیہ الصنائع لانہ مخلص للہ تعالٰی فلا یکون محلا لغیرالعبادۃ غیرانھم قالوا فی الخیاط اذا جلس فیہ مصلحتہ من دفع الصبیان وصیانۃ المسجد لاباس بہ للضرورۃ ولا یدق الثوب عند طیہ دقا عنیفا [2] انتھی وماذا عسی ان یرتفع صوت الثوب بضرب الید علیہ عندطیہ یستوی وقد نھوا عنہ۔ وکذلك من یعرف الادب ولا دین لمن لا ادب لہ نسال اللہ حسن التوفیق منہ عفی عنہ۔

بیہقی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد میں زور سے چھینکنے کو ناپسند جانتے بحرالرائق وغیرہ میں ہے کہ مشائخ نے کہا مسجد خالص اللہ تعالٰی کی عبادت کی جگہ ہے لہٰذا وہ غیر عبادت کا محل نہ ہوگی سوائے اس کے جوانھوں نے درزی کے بارے میں کہا کہ جب وہ مسجد میں مصلحت کے لیے وہاں بیٹھے یعنی مسجد کی حفاظت اور بچوں کو مسجد سے دور رکھنے کے لیے تو اس ضرورت کے تحت اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر سلائی کرنے میں حرج نہیں اور وہ کپڑوں کو تہہ کرتے وقت انھیں سختی سے نہ جھاڑے انتہی اور بسا اوقات کپڑوں کو لپیٹتے وقت ان پر ہاتھ مار کر سیدھا کرتے ہوئے اواز پیدا ہوجاتی ہے جس سے انہیں منع کیا گیا ایسے ہی وہ شخص جو ادب کو پہچانتا ہے اور جو باادب نہیں اس کا کوئی دین نہیں ہم اللہ سے اچھی توفیق کے طلبگار ہیں (ت)

[1] شعب الایمان فصل فی خفض الصوت بالعطاس حدیث ۹۳۵۶ دارالکتب العلمیہ بیروت ۷/ ۳۲

[2] بحرالرائق کتاب الصلوۃ فصل لما فرض من بیان الکراہیۃ فی الصلوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۵

(۱) ابن ماجة عن واثلة رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وشراءکم و بیعکم و خصوماتکم ورفع اصواتکم[1]	ابن ماجہ نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں، خرید وفروخت، لڑائی جھگڑا اور بلند آوازی سے محفوظ رکھو"
(۲) وابن عدی والطبرانی فی الکبیر والبیھقی وابن عساکر عن مکحول عن واثلة وابی الدرداء وابی امامة رضی اللہ تعالٰی عنھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم وسل سیوفکم واقامة حدودکم ورفع اصواتکم وخصوماتکم[2]	ابن عدی اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور بیہقی وابن عساکر نے مکحول سے انہوں نے واثلہ سے اور ابوالدردا اور ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے بچوں، پاگلوں اور بے نیام تلواروں، حدیں قائم کرنے اور جھگڑنے سے محفوظ رکھو۔"
(۳) عبدالرزاق فی مصنفه قال حدثنا محمد بن مسلم عن عبد ربه بن عبداللہ عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جنبوا مساجدکم مجانینکم و صبیانکم ورفع اصوتکم وسل سیوفکم وبیعکم و شرائکم واقامة حدودکم و خصومتکم[3]	(۳) عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں محمد ابن مسلم، عبد ربہ ابن عبداللہ مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم روایت کی "اپنی مسجدوں کو اپنے پاگلوں، بچوں اور آواز بلند کرنے، تلواریں بے نیام کرنے بیع و شراء اور حدود قائم کرنے اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو۔"

[1] سنن ابن ماجه ابواب المساجد والجماعات باب یکرہ فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۵

[2] کنز العمال بحواله عد وطب وق وکر عن مکحول عن واثله وابی الدرداوابی امامه حدیث ۲۰۸۳۴ /۷ ۶۷۰، تاریخ دمشق الکبیر ترجمه العلاء بن کثیر ۵۵۸۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵۰/ ۱۵۴، المعجم الکبیر حدیث ۷۶۰۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۵۶/۸

[3] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۶ المکتبة الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲ - ۴۴۱

(۴)والامام ابن المبارك عن عبيد الله بن ابى حفص يرفعه الى النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قال:من اجاب داعى الله واحسن عمارة مساجد الله كانت تحفته بذلك من الله الجنة قيل يارسول الله ما احسن عمارة مساجد الله قال لايرفع فيها صوت ولا يتكلم فيها بالرفث[1]	(۴)امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ بن ابی حفص سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک سند پہنچائی کہ آپ نے فرمایا کہ "جس نے اللہ تعالٰی کی طرف بلانے والے کی پکار کا جواب دیا اور مسجد کو اچھی طرح آباد کیا تو بدلہ میں اس کا جنت کا تحفہ ملے گا لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسجد کو اچھی طرح آباد کرنا کس طرح ہوتا ہے فرمایا اس میں آواز بلند نہ کرو اور یاوہ گوئی میں مبتلا نہ ہو۔"
(۵)امام مالك والبيهقى عن سالم بن عبد الله ان عمر بن الخطاب رضى الله تعالٰى عنه بنى الى جانب المسجد رحبة فسماها البطيحاء فكان يقول من اراد ان يلغط و ينشد شعرا او يرفع صوتا فليخرج الى هذا الرحبة[2]	(۵)امام مالک اور امام بیہقی رحمہما اللہ سالم ابن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں "حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسجد کے پہلو میں ایک کشادہ جگہ نکال دی تھی جسے بطیحاء کہا جاتا تو آپ فرماتے جسے بیفائدہ بات کرنی ہو یا شعر پڑھنا ہو یا آواز بلند کرنی ہو تو اس احاطہ میں آجائے۔"
(٦)والامام ابن المبارك وابراهيم بن سعد فى نسخته عن سعيد بن ابراهيم عن ابيه قال سمع عمر بن الخطاب رضى الله تعالٰى عنه صوت رجل فى المسجد فقال اتدرى اين انت	(٦)امام ابن مبارک وابراہیم بن سعد نے اپنے نسخہ میں سعید بن ابراہیم عن ابیہ روایت کی "حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک آدمی کی آواز مسجد میں سنی تو فرمایا تجھے معلوم نہیں کہ تو کہاں ہے تجھے معلوم نہیں کہ تو

Majlis of DawateIslami

[1] كنز العمال بحواله ابن مبارك عن عبيد الله حديث ۲۰۸۴۱ مؤسسة الرساله بيروت ۷/ ۶۷۱

[2] مؤطا الامام مالك كتاب قصر الصلوة فى السفر باب جامع الصلوة مير محمد كتب خانه كراچی ص ۱۶۲

اتدری این انت کرہ الصوت[1]
وقد تقبلہا ائمۃ الامۃ بالقبول حتی ان فقھائھا نصوا علی کراھۃ رفع الصوت فی المسجد بالذکر الا للمتفقھۃ کما فی الدر المختار[2] وغیرہ من معتمدات الاسفار فاذا کان ھذا فی الذکر فما ظنك بما لیس بذکر خالص کالاذان لاشتمالہ علی الحیعلین قال الامام العینی فی البنایۃ شرح الھدایۃ فان قلت الاذان ذکر فکیف یقول انہ شبہ الذکر وشبہ الشیئ غیرہ قلت ھولیس بذکر خالص علی ما لایخفی انما اطلق اسم الذکر علیہ باعتبار ان اکثر الفاظہ ذکر[3] اھ
وفی البحر الرائق عن المحیط تحت قول الکنز "یستقبل بھما القبلۃ ویلتفت یمینا وشمالا بالصلاۃ والفلاح لانہ فی حالۃ الذکر والثناء علی اللہ تعالٰی والشھادۃ لہ بالوحدانیۃ ولنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالرسالۃ فالاحسن ان یکون مستقبلا فاما الصلوۃ والفلاح دعاء الی

کہاں ہے آپ نے آواز کو ناپسند کیا۔"
اس حدیث کو ائمہ نے قبول کیا۔ اور فقہاء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا بھی مکروہ ہے ہاں اہل فقہ کی دینی بات چیت کا استثناء ہے ایسا ہی درمختار وغیرہ کتب فقہ میں مرقوم ہے تو جب ذکرالٰہی کا یہ حال ہے تو اذان جو خالص ذکر بھی نہیں کیونکہ اس میں حیعلین تو نماز کا بلاوا ہے امام عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں فرمایا "اگر یہ شبہ ہو کہ اذان تو ذکر ہے اس کو ذکر کے مشابہ قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں مغایرت ہوتی ہے تو جواب یہ ہے کہ اذان ذکر خالص نہیں ہاں اس کے بیشتر الفاظ ضرور ذکر ہیں اسی کا لحاظ کرکے اس کو ذکر کہا جاتا ہے۔"
کنز کے قول "کلمہ شہادت کے وقت قبلہ کا استقبال اور صلاۃ و فلاح کے وقت دائیں بائیں مڑیں" کی تشریح میں بحرالرائق نے محیط سے نقل کیا "اذان میں کلمہ شہادتین حالت ذکر ہے کہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی ہے اور اس وقت استقبال قبلہ ہی مناسب ہے اور صلاۃ وفلاح میں نماز کی طرف بلانا ہے۔

[1] الزھد لابن المبارك باب فضل المشی الی الصلوۃ والجلوس فی المسجد دارالکتب العلمیہ بیروت ص ۱۳۷
[2] الدرالمختار کتاب الصلوۃ باب ما یفسد الصلوۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۹۳
[3] البنایہ شرح الھدایۃ کتاب الصلوۃ باب الاذان المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۱/ ۵۵۷

الصلوۃ واحسن الداعی بان یکون مقبلا علی المدعوین "اھ۔[1] وفی صلوۃ المسعودی رحمہ اللہ تعالٰی: ان فی الاذان مناجاۃ ومناداۃ المناجاۃ ذکر اللہ تعالٰی والمناداۃ نداء الناس ومادام فی ذکر اللہ یستقبل القبلۃ واذا بلغ المناداۃ یحول وجھہ ثم قال الشیخ ابوالقاسم الصفار رحمہ اللہ تعالٰی الدعاء الی الصلوۃ مناداۃ وباقیہ ذکر اللہ تعالٰی لکن ظاہر الروایۃ ان الاذان کلہ من اولہ الی اخرہ دعاء الی الصلوۃ ثم قال ظاہر الروایۃ ان الموذن اذا قال حی علی الصلوۃ، یقول المستمع لا حول ولاقوۃ الا باللہ فاذا قال حی علی الفلاح ویقول المستمع"ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن"قال شیخ الاسلام برھان الدین رحمہ اللہ تعالٰی ما کان العبد فی ذکر الرحمن یفر الشیطان فاذا جاء نداء الخلق یعود فاذا قیل"لا حول ولاقوۃ الا باللہ	تو اس وقت یہی اچھا ہے کہ بلانے والا بلائے ہوؤں کی طرف متوجہ ہو"۔ صلوۃ مسعودی میں ہے کہ بیشک اذان مناجات بھی ہے اور بلاوہ بھی مناجات اللہ تعالٰی کا ذکر ہے جبکہ بلاوہ میں لوگوں کو پکارنا ہے، مومن جب تک اللہ تعالٰی کے ذکر میں ہوتا ہے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور جب بلاوہ پر پہنچتا ہے تو اپنا چہرہ گھماتا ہے پھر شیخ ابوالقاسم صفار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا نماز کی طرف دعوت دینا منادات ہے اور باقی اللہ تعالٰی کا ذکر ہے لیکن ظاہر الروایہ یہ ہے کہ اذان اول سے آخر تک نماز کی طرف دعوت ہے پھر فرمایا ظاہر الروایہ یہ ہے کہ موذن جب "حی علی الصلوۃ" کہے تو سننے والا "لاحول ولاقوۃ الا باللہ" کہے اور جب موذن "حی علی الفلاح" کہے تو سننے والا کہے "ما شاء اللہ کان وما لم یشا لم یکن" شیخ الاسلام برھان الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ بندہ جب ذکر رحمان میں مشغول ہوتا ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے پھر جب مخلوق کو ندا کرتا ہے تو شیطان لوٹ آتا ہے پھر جب کہا جاتا ہے "لاحول ولاقوۃ الا باللہ

[1] بحرالرائق کتاب الصلوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/ ۲۵۸

ما شاء الله کان "يفر"[1] انتهی ملتقطا مترجما۔ واذا کان ذلك کذلك ولم يرد في الشرع الاذن بالاذان في المسجد کان داخلا تحت النهی وهو المقصود۔ **نفحه۲:** نسمع ربنا تبارك و تعالیٰ يعا تب قو ما اذ يقول عز من قائل " اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً "[2]۔ وقال عزوجل " فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ "[3] ولقد علم من غشی ابواب السلطان انه اذا کان قوم خارج الحضرة وامر الملك بدعائهم لم يكن للحجاب ان ينادوهم في الحضرة بل يخرجون فينادون ولو قاموا علی راس السلطان وجعلوا يصيحون بالنداء لا ساؤا الادب واستجلبوا الغضب واستحقوا التاديب ومن لم ير الملوك فينظر قضاة بلادنا كفارهم ومسلموهم اذا امر وابنداء الخصوم اوالشهود لم تقدر الاعوان ان	ماشاء اللہ کان" تو شیطان پھر بھاگ جاتا ہے انتہی التقاط مترجماً۔ پس جب صورت حال یہ ہے اور شریعت مقدسہ میں مسجد کے اندر اذان دینے کا ثبوت نہیں تو اذان مسجد ممنوع ہوگی ہمارا یہی کہنا ہے۔ **نفحہ ۲:** اللہ تبارک وتعالیٰ ایک قوم کی حالت بیان کرتا ہے، "ایک گروہ آدمیوں سے خدا سے ڈرنے کی طرح ڈرتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوف کھاتا ہے۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "حالانکہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ سے ہی سب سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور جو آدمی بادشاہوں کے دربار میں حاضری دیتا ہے خوب جانتا ہے کہ جب کوئی شخص دربار کے باہر رہتا ہے اور بادشاہ اس کو بلانے کا حکم دیتا ہے تو دربان دربار کے اندر سے ہی اسے پکارنے نہیں لگتے بلکہ باہر نکل کر آواز دیتے ہیں اگر یہ دربان بادشاہ کے سر پر ہی کھڑے ہو کر چلانے لگیں تو بے ادبی کے مرتکب ہوں گے بادشاہ کے غضب کے مستحق اور سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اور جو بادشاہوں کے دربار میں نہ جا سکا ہو تو وہ ہمارے علاقہ کے ججوں کی کچہری میں حاضر ہو جج مسلمان ہوں یا غیر مسلم وہ دیکھے گا کہ جج جب گواہوں یا مدعی و

[1] صلوٰۃ المسعودی باب بست ویکم در بیان بانگ نماز در مطبع محمدی بمبئی ۲/ ۹۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۷۷

[3] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

ينا دوهم فی دارالقضاء بل يخرجون خروجا فيدعون وهذا مشهود كل يوم ومن انكر كونه اساءة ادب فليجرب على نفسه وليقم بين يدی حاكمهم المسمى عندهم جج۔ ويرفع صوته يا فلان يا فلان لناس خارج المكان فسيرى ما يبدل البيان با لعيان وماذلك الا لادب المقام وخشية الحكام "فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾"[1] كيف ان امثال الامور البنية على الاجلال۔ المبنئة من الادب انما تحال على الشاهد فيما لم يرد به النص، و الشاهد ههنا ماذكرنا فوجب المصير اليه وكان نداء الغائبين قائما فی حضرة المصلى اساءة ادب بالحضرة الاعلى وقلة خشية من الله تعالى۔

اماما قلنا من الاحالة على الشاهد فشيئ يشهد به العقل السليم والقلب الحاضر ومن تتبع وجد شواهده كثيرة فی كلام الاجلة الاكابر من ذلك قول الامام المحقق على الاطلاق فی فتح القدير: الثابت هو وضع

مدعا علیہ کو حاضر کرنے کا حکم دیتے ہیں تو چپراسی انہیں کچہری کے کمرہ کے اندر سے نہیں بلاتے بلکہ دروازہ کے باہر آکر پکارتے ہیں یہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے اور جو اس کے بے ادبی ہونے میں شبہ کرے وہ خود ہی اس کا تجربہ کرے کہ جج کے سامنے کھڑے ہو کر فلاں حاضر ہو فلاں حاضر ہو پکارنے لگے تو ہمارا بیان اس کے لیے مشاہدہ میں تبدیل ہو جائے گا تو اس کا سبب کچہری کا ادب اور حکام کا خوف ہی ہے پس اے ایمان والو! اللہ تعالٰی سے تو اس سے زیادہ ڈرنا چاہیے اور اس قسم کے امور تعظیم و اظہار ادب میں جہاں کوئی شرعی حکم منصوص نہ ہو معاملہ مشاہدہ پر ہی موقوف ہوتا ہے اور مشاہدہ کا حال ہم بیان کرچکے تو اسی کی طرف پلٹنا چاہیے اور غائب مصلیوں کو مصلی کے اندر کھڑے ہو کر پکارنے کو بارگاہ الوہیت میں بے ادبی ہی تصور کرنا چاہیے۔"

ہم نے جو مسئلہ کو مشاہدہ پر محمول کرنے کی بات کہی وہ عقل سلیم کے نزدیک مسلم ہے اور تتبع اور تلاش سے بزرگوں کے کلام میں اس کی بہت ساری نظریں مل سکتی ہیں چنانچہ امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں "حدیث شریف سے اتنا ثابت ہے"

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۳

الیمنی علی الیسری و کونه تحت السرة اوالصدر کماقال الشافعی لم یثبت فیه حدیث یوجب العمل فیحال علی المعهود من وضعها حال قصد التعظیم فی القیام والمعهود فی الشاهد منه تحت السرة[1] ومن ذلك قوله ایضاواستحسنه تلمیذه المحقق ابن امیر الحاج الحلبی جدامانصه لا اری تحریر النغم فی الدعاء کمایفعله القراء فی هذا الزمان یصدر ممن فهم معنی الدعاء والسوال وماذلك الانوع لعب فانه لو قدر فی الشاهد سائل حاجة من ملك ادی سواله بتحریر النغم فیه من الرفع والخفض و التغریب والرجوع کا لتغنی نسب البتة الی قصد السخریة واللعب اذمقام طلب الحاجة التضرع لا التغنی[2] اھ۔	(کہ قیام کی حالت میں) دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے یہ امر کہ وہ ناف کے نیچے ہو یا سینہ کے نیچے، جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کامذہب ہے اس باب میں ایسی کوئی حدیث نہیں جس پر عمل واجب ہو تو اس معاملہ کو مشاہدہ پر محمول کرنا چاہیے کہ حالت تعظیم میں جہاں ہاتھ باندھنا معلوم و مشہور ہو وہی اختیار کیا جائے اور یہ زیر ناف ہے۔ انہی نظیروں میں سے حضرت محقق کا یہ قول بھی ہے جس کی ان کی شاگرد ابن امیر الحاج نے تحسین بھی کی ہے دعا میں گلے بازی (گانا) کو میں جائز تصور نہیں کرتا جیسا کہ آج کل کے قاری کرتے ہیں اور یہ فعل ایسے لوگوں سے بھی صادر ہوتا ہے جو سوال اور دعا کے معنی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ایک قسم کا کھیل اور مذاق ہے اگر مشاہدے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کوئی سائل جو بادشاہ سے اپنی حاجت کی درخواست کر رہا ہو اپنے سوال کو گویوں کی طرح گا کر آواز کی بلندی اور پستی گنکری اور آواز کی آرائش کے ساتھ مانگے تو ایسے سائل کو کھیل اور مذاق کی تہمت دی جائے گی کہ مقام الحاح وزاری کا ہے نہ کہ گانے کا۔

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ صفۃ الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۴۹

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۲۲

قال فی الحلیة وقد اجاد رحمه الله تعالٰی فیما اوضح و افاد[1]۔اھ	حلیہ میں اس کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا گیا: حضرت محقق نے بہت عمدہ توضیح وافادہ فرمایا۔
ومن ذلك اشیاء فیه وفی الحلیة والغنیة وغیرھاقلت ارشد الیه حدیث"استحیی الله استحیاء ك من رجلین من صالح عشیر تك رواہ ابن عدی[2] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔"	اس قسم کی بہت سی نظیریں فتح القدیر حلیہ اور غنیہ وغیرہ میں ہیں بلکہ میرا کہنا تو یہ ہے کہ خود حدیث شریف میں اس طرف رہنمائی ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں "تم اللہ تعالٰی سے ایسے ہی شرم کرو جیسے اپنے خاندان کے دو نیک مردوں سے شرم کرتے ہو"اس حدیث کوابن عدی نے ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حضور سے روایت کی۔
وحدیث قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "الله احق ان یستحی منه من الناس۔"رواہ احمد[3] وابو داؤد و الترمذی والنسائی وابن ماجة والحاکم عن معاویة بن حیدة رضی الله تعالٰی عنه۔	اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کافرمان ہے "اللہ تعالٰی کو اس کازیادہ حق ہے کہ آدمی اس سے انسانوں کی بہ نسبت زیادہ شرم کرے۔"اس حدیث کواحمد وابو داؤد اورترمذی نے روایت کیااور نسائی اورابن ماجہ اورحاکم نے معاویہ ابن حیدہ سے روایت کیا۔

[1] حلیة المحلی شرح منیة المصلی

[2] الکامل لابن عدی ترجمه جعفر بن الزبیر الشامی دار الفکر بیروت ۲/ ۵۶۰

[3] جامع الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی حفظ العورۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۱،سنن ابن ماجة کتاب النکاح باب التستر عند الجماع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۹،سنن ابی داؤد کتاب الحمام باب فی التعری آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۱

وحدیث "اذا صلی احد کم فلیلبس ثوبیه فان الله احق من یزین له" رواہ الطبرانی[1] فی الاوسط والبیھقی عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و قد اوضحه ابن عمر اذ کسانافعا ثوبین و هو غلام فدخل المسجد فوجدہ یصلی متوشحابه فی ثوب فقال ألیس لك ثوبان تلبسهما؟ ارایت لو انی ارسلتك الی وراء الدار لکنت لابسهما؟ قال نعم قال فالله احق ان تتزین له ام الناس فقال بل الله رواہ عبدالرزاق[2] عن نافع۔

اور یہ حدیث: "نماز پڑھو تو پورے لباس میں کہ اللہ کے لیے زینت وارائش کا سب سے زیادہ حق ہے" اس حدیث کو امام طبرانی نے اوسط میں اور امام بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا اور اس کی وضاحت حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوئی کہ انہوں نے اپنے غلام نافع کو دونوں کپڑے پہنائے (یعنی مکمل جوڑا دیا) پھر انہیں مسجد کے اندر ایک ہی چادر میں لپٹا ہوا دیکھا تو فرمایا کیا تمھارے پاس پہننے کے لیے پورا جوڑا نہیں ہے اگر میں تم کو گھر سے باہر کسی کام لے لیے بھیجتا تو مکمل جوڑا پہن کر جاتے یا ایک چادر لپیٹ کر؟ حضرت نافع نے جواب دیا ضرور پورا لباس پہنتا اس پر ابن عمر نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالٰی سے زیادہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے لیے زینت کی جائے حضرت نافع کو اقرار کرنا پڑا کہ اللہ تعالٰی۔ اسے عبدالرزاق نے نافع سے روایت کیا۔

نفحہ ۳: قال المولٰی تبارك وتعالٰی

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَاؕ

نفحہ ۳: اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے ایمان والو! دوسرے کے گھر میں بے انس پیدا کئے اور گھر والوں کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۶۴ مکتبۃ المعارف الریاض ۱۰/ ۱۷۰، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب ما یستحب للرجل ان یصلی فیه من الثیاب دائرۃ المعارف العثمانیه دکن ۲/ ۲۳۶

[2] المصنف لعبد الرزاق کتاب الصلوٰۃ باب ما یکفی الرجل من الثیاب حدیث ۱۳۹۰ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۵۸

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ "[1] نهى الله سبحنه عن دخول الانسان فى بيت غيره بغير اذنه (تسانسوا ؏ تستاذنوا) والمساجد بيوت ربنا عزوجل اخرج الطبرانى فى الكبير عن ابن مسعود رضى الله تعالٰى عنه قال قال رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم ان بيوت الله فى الارض المساجد	یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ نصیحت حاصل کرو اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ تو جب تک اجازت نہ ملے گھر میں داخل نہ ہو۔ اللہ تبارک وتعالٰی نے دوسرے انسانوں کے گھر میں بے اذن وانس داخلہ ممنوع فرمایا اور مسجدیں اللہ رب العزت جل وعلا کے گھر ہیں۔ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضور نے فرمایا "روئے زمین پر مسجدیں اللہ تعالٰی کا گھر ہیں اور اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لیا کہ اس میں زیارت کو آنیوالوں

؏: فى الاية امران الاستيذان والسلام، فالاستيذان فى المساجد كما نبين، اما السلام فاقيم مقامه السلام على حبيبه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فانه حاضر دائما فى حضرته فامر كل من يدخل مسجدا او يخرج منه ان يقول بسم الله والحمدلله والسلام على رسول الله[2] الى اخر الدعاء الوارد فى الاحاديث صحيحة شهيرة كثيرة ۱۲ منه۔

آیت کریمہ میں دو۲ امر ہیں: (۱) استیذان (۲) سلام استیذان مساجد میں ہوتا ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ رہا سلام تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر سلام بھیجنا اسکے قائم مقام ہے اس لیے کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری دائمی ہے چنانچہ مسجد میں داخل ہونے والے یا مسجد سے نکلنے والے ہر شخص کو حکم ہے کہ وہ یوں کہے "بسم اللہ والحمدللہ والسلام علی رسول اللہ" آخر تک پوری دعا پڑھے جو متعدد مشہور احادیث صحیحہ میں وارد ہے ۱۲ (ت)

---

[1] القران الکریم ۲۴/ ۲۸،۲۷

[2] الکتاب المصنف لابن ابی شیبہ حدیث ۲۵۸۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۲۵۶

وان حقا علی اللہ تعالٰی ان یکرم من زارہ فیہ[1] (رواہ ابو بکر بن شیبۃ عن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من قولہ) وروی الطبرانی فی الکبیر والضیاء فی المختارۃ عن ابی قرصافۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابنوا المساجد واخرجوا القمامۃ منہا فمن بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ[2] وعدم الاذن فی الدخول لشیئ کما یکون برفع المقید کذلک برفع القید فمن اذن لہ بالدخول لشیئ ودخل بغیرہ فقد دخل بغیر الاذن والیہ یشیر قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سمع رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فلیقل لاردہا اللہ علیک فان المساجد لم تبن لہذا (رواہ احمد ومسلم[3] وابو داؤد وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ	کی تکریم فرمائے گا۔" ابو بکر ابن شیبہ نے اسکو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول بتا کر نقل کیا۔ اور امام طبرانی نے کبیر میں اور ضیاء نے مختارہ میں ابو قرصافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول نقل کیا: "مسجدیں بناؤ اور ان سے کوڑے صاف کرو تو جو خدا کے لیے گھر بنائے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے جنت میں گھر بنادیا۔" اور بے اجازت داخل ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اجازت کسی اور کام کی ہے اور داخل ہونے والا کسی اور کام کی غرض سے داخل ہوا اسی نکتہ کی طرف حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ فرمایا: "جس نے کسی آدمی کو سنا کہ مسجد میں اپنی کھوئی ہوئی چیز تلاش کر رہا ہے تو دعا کرے کہ خدا کرے تو اسے نہ پائے کہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں" امام احمد، امام مسلم، امام ابو داؤد،

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۲۰۷۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۶۵۱

[2] المعجم الکبیر حدیث ۲۵۲۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۹

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، مسند امام احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب کراہیۃ انشاد الضالۃ فیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۷، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النہی عن انشاد الضوال فی المسجد ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ)

ھم جمیعا عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا وجدتہ لا وجدتہ لا وجدتہ انما بنیت ھذہ المساجد لما بنیت لہ[1]

ولعبد الرزاق عن ابی بکر بن محمد انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجلا ینشد ضالۃ فی المسجد فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایھا الناشد غیرك الواجد لیس لھذا بنیت المساجد[2]۔

والاحادیث فی الباب کثیرۃ و ھو بعمومہ یشمل من ینشد مصحفا لیتلوہ بل ومن ینشد امانۃ ضلت عنہ مع ان انشادھا واجب علیہ" اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ

ابن ماجہ نے اس حدیث کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطے سے روایت کیا۔

مذکورہ بالا سبھی محدثین نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے واسطہ سے اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس الفاظ میں روایت کیا: "تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے تو اسے نہ پائے مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں، وہ تو جس کے لیے بنائی گئی ہیں بنائی گئی ہیں۔

عبد الرزاق نے ابی بکر ابن محمد سے روایت کی: "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں کھوئی ہوئی چیز تلاش کرتے سنا تو فرمایا اے تلاش کرنیوالے! پانے والا تیرے علاوہ ہو مسجدیں اس کام کے لیے نہیں ہیں۔"

اس موضوع پر حدیثیں بہت ہیں اور یہ اس صورت کو بھی شامل ہے کہ تلاوت کے لیے مصحف شریف کو ڈھونڈے یا کسی کی امانت جو اس کے پاس تھی کھو جانے پر مسجد میں تلاش کرے حالانکہ ایسی چیز کا تلاش کرنا واجب ہے ارشاد الٰہی ہے: "اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث بریدۃ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۶۰، صحیح مسلم کتاب المساجد باب النھی عن نشد الضالۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۰، سنن ابن ماجہ ابواب المساجد والجماعات باب النھی عن انشاد الضالہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۶

[2] المصنف لعبد الرزاق حدیث ۱۷۲۲ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۴۰

اِلٰۤی اَھۡلِھَا ۙ "[1]۔ فالانشاد مقدمة الوجدان والوجدان مقدمة الاداء والاداء واجب، مقدمة الواجب واجب، وکذلك عمم الفقهاء فقالوا کره انشاد ضالة، ولم یستثنوا منه فصلا وذلك ان اتیان الواجب ان کان من اعمال الاخرة فما لکل عمل الاخرة بنیت المساجد انما بنیت لمابنیت له احمد و مسلم عن انس رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من القذر والبول والخلاء وانما هی لقرائة القران و ذکر الله والصلوة[2]" وللبخاری وابن ماجة عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انما بنی لذکر الله والصلوة[3] ولاحمد فی الزهد عن ابی ضمرة عن ابی بکر الصدیق رضی الله تعالٰی عنه انما بنیت للذکر[4]۔	کہ امانت والوں کی امانت واپس کردو" تلاش پانے کا مقدمہ ہے اور پانا دینے کا ذریعہ، اور جو واجب کا ذریعہ ہو وہ خود واجب ہے فقہاء نے اس عموم میں ہر گمشدہ چیز کی تلاش کو داخل کیا اور کسی خاص گمشدہ کا استثناء نہیں کیا اس کا رمزیہ ہے کہ واجب کی ادائیگی ہر چند کہ عمل آخرت ہے پر سبھی عمل آخرت کے لیے مسجد نہیں بنائی گئی۔ حضرات امام احمد و مسلم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ مسجدیں گندگی پیشاب و پاخانہ کے لیے نہیں یہ تو صرف تلاوت قران ذکر الٰہی اور نماز کے لیے ہیں۔" بخاری و ابن ماجہ حضرت ابوہریرہ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم سے روایت کرتے ہیں: "یہ (مساجد) تو نماز اور ذکر الٰہی کے لیے ہی بنائی گئی ہیں۔" امام احمد نے کتاب الزہد میں حضرت ابو ضمرہ عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ صرف ذکر کا ہی ذکر کیا۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

[2] مسند الامام احمد بن حنبل عن انس بن مالك المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۹۱، صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[3] کنز العمال بحواله خ عن ابی هریرہ حدیث ۲۰۷۹۵ مؤسسة الرسالة بیروت ۷/ ۲۶۲

[4] کتاب الزهد (امام احمد بن حنبل) زهد ابی بکر حدیث ۵۸۹ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۵۸

وفی مسند الفردوس عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل کلام فی المسجد لغو الا القران و ذکر اللہ تعالٰی و مسالۃ عن الخیر او اعطاؤہ[1]۔ وقد علمت ان لیس الاذان خالص ذکر ولو کان المسجد یبنی لہ لاتی الشرع بایقاعہ فیہ ولنقل ولو مرۃ و کیف یعقل ان شیئا بنی لہ المسجد لا یفعل فیہ قط علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم فیقال فیہ ایضا ان المساجد لم تبن لھذا کیف والاذان للدعاء الی الحضرۃ والحضرۃ لا تبنی لنداء الناس الیھا وفیھا، واللہ الموفق فھذا ما ظھر للعبد الضعیف من الکلام المجید والحدیث الحمید والفقہ السدید وحلہ کما تری واضح بلا امتراء وان کان اخرہ من قبیل المتابعات والشواھد ولکن کلہ لمن تحلی بالانصاف ھیھات لما یقنع المکابر ویقمع الاعتساف	مسند الفردوس میں بروایت ابوہریرہ مروی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مسجد کے اندر تلاوت کلام اللہ، ذکر الٰہی اور بھلائی سے سوال اور اس کو دینے کے علاوہ ہر بات لغو ہے۔" یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ اذان خالص ذکر الٰہی نہیں اگر مسجد اس کے لیے بنی ہوتی تو شرع شریف مسجد کے اندر اذان کا حکم فرماتی اور اس پر عمل درآمد ایک بار ہی سہی مروی ضرور ہوتا بھلا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے کہ جس کام کے لیے مسجد کی تعمیر ہوئی وہی مسجد میں کبھی نہ ہوا، نہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں نہ خلفائے راشدین کے عہد میں تو یہی کہا جائیگا کہ مسجد اس کے لیے بنائی ہی نہیں گئی اور ایسا ہوتا بھی کیسے یہ تو دربار الٰہی کی حاضری کا اعلان ہے اور دربار اعلان کے لیے نہیں ہوتا اعلان تو دربار کے باہر ہوتا ہے اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے اس ضعیف بندے پر کلام مجید حدیث مقدس اور فقہ مبارک سے یہی ظاہر ہوا باتیں سب کی سب ظاہر ہیں اگرچہ اخیر میں ہم نے شواہد اور متابعات سے کام لیا لیکن یہ سب بھی اہل انصاف کے نزدیک قطع مکابرہ اور دفع زیادتی کے لیے کافی ہے

[1] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۷۶۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۵۸

و نسال اللہ العفو والعافیۃ والرحمۃ الکافیۃ والنعمۃ الوافیۃ والعیشۃ الصافیۃ، والحمدللہ رب العلمین و صلی اللہ تعالٰی و بارك وسلم علی سیدنا محمد والہ و ابنہ وحزبہ اجمعین۔	میں اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت رحمت کاملہ اور نعمت متکاثرہ اور عیش صافیہ کا طالب ہوں اللہ تعالٰی کے لیے ہی حمد ہے اور ہمارے سردار محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل و اصحاب اوران کے گروہ سب پر درود وسلام ہو۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

الشمامة الرابعة من عود احراق الخلاف

(اختلاف کو خاکستر کردینے والے عود وعنبر کا چوتھا شمامہ)

الحمد ﷲ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی لیعلم سادتنا واخوتنا اھل الحق والھدی حفظنا اللہ تعالٰی وایاھم عن الردی ان الوھابیة العنود ومن تبعھم من طلبة الھنود بذلوا جھدھم لیخرجوا حدیثا صحیحا او نصا فی الفقه صریحا یفید ان السنة فی ھذا الاذان کونه فی جوف المسجد متصلا بالمنبر کما تعودہ ھھنا فلم یقدروا وما کان اللہ لیرفع باطل راسا فجعلوا یتشبثون بکل حشیش فخمسة اتفقوا علی الاحتجاج

حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہی خاص ہے اور وہی ہمارے لیے کافی ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ورحمت ہو حق وہدایت والے بزرگوں اور بھائیوں کو معلوم ہو اللہ تعالٰی ان کی حفاظت فرمائے کہ معاند وہابیہ اور انکی پیروی کرتے ہوئے ابھرتے طلبہ سب کو اس امر نے تھکادیا کہ ایک صحیح حدیث یا فقہ کی کوئی نص صریح پیش کریں جو اذان کے مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونے کا افادہ کرے جیساکہ آج کل رواج پڑگیا ہے مگر وہ اس پر قادر نہ ہوسکے اور اللہ تعالٰی باطل کو سربلندی عطا نہیں کرتا۔ پس وہ تنکوں کا سہارا لینے لگے ان میں پانچ باتوں میں تو سب متفق ہیں بقیہ کچھ لوگوں نے انفرادی

بھا: (۱) نصوصھم ان ھذا الاذان بین یدی الخطیب۔ (۲) وتعبیر بعضھم فی مسئلۃ ان ایجاب السعی بالاذان الاول او الثانی ھذا الاذان بالذی عند المنبر۔ (۳) وبعضھم بالذی علی المنبر۔ (۴) وزعموا ان کونہ داخل المسجد ملاصق المنبر ھو التوارث فمن احترس لنفسہ یجمل و یقول من القدیم والذی تجرأ یقول من لدن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و خلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔ (۵) وزعموا ان علیہ التعامل فی جمیع البلدان واجمع علیہ جمیع اھل الاسلام وتفرد بعضھم من بعض بشبھات اخری ذات عجر و بجر والعبد الضعیف بتوفیق الملک اللطیف عزجلالہ یرید ان یمر علیھا طرداطرداویبین عوارھافردافردافلنبتدی بالاول ثم نتبعھا الباقی الاذل وماتوفیقی الا باللہ علیہ	بحثیں بھی کی ہیں یہ بندہ ضعیف پہلے تو پانچوں متفقہ دلائل کا ذکر فرداً فرداً اس کارد کردے گا پھر انفرادی لچر اور پوچ دلائل کی بھی خبر گیری کریگا پہلی پانچ باتیں یہ ہیں۔ (۱) اذان جمعہ کے لیے تمام فقہاء نے بین یدیہ (خطیب کے سامنے) کا لفظ استعمال کیا ہے جس ظاہر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا چاہیے۔ (۲) اس مسئلہ کو بیان کرتے ہو کہ جس اذان کو سن کر جمعہ کے لیے مسجد کی طرف جانا واجب ہو جاتا ہے وہ اذان اول ہے یا ثانی۔ بعض فقہائے یوں تعبیر کی یہ وہی اذان ہے جو عند المنبر (منبر کے پاس) ہوتی ہے۔ (۳) اور بعض فقہاء نے علی المنبر (منبر کے اوپر) فرمایا جو پاس سے بھی زائد قریب پر دلالت کرتا ہے۔ (۴) معاندین کا یہ گمان فاسد ہے کہ اس اذان کا مسجد کے اندر منبر سے متصل ہونا متوارث ہے (یعنی خلفاً عن سلف ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے) توارث کے بیان میں جس نے احتیاط سے کام لیا تو اتنا کہہ کر رہ گیا کہ قدیم سے ایسا ہوتا آیا ہے اور جو جرات بے جا کرتا وہ کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اور خلفائے راشدین کے عہد مبارک سے ایسا ہی ہوتا ہے۔

توکلت والیہ انیب۔

نفحہ ا: قد بینا بالحدیث و الفقہ ان السنۃ فی ھذا الاذان کونہ بین یدی الخطیب اذا جلس علی المنبر و لکن لیس فی الفظۃ بین یدیہ ما یقرّأ عینھم ولا ما یمیل الیہ انما مفادھا ان یکون بحذاء المنبر قبالۃ وجہ الخطیب من دون حائل یحجبہ عنہ وھذا یشمل داخل المسجد و خارجہ الی حیث تبقی المحاذاۃ والمشاھدۃ لیس فی مفاد اللفظ اکثر من ھذا غیر ان الفقہ دلنا علی ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا منہ بحیث لا یعد ابلنداء ثمہ نداء الی ھذا المسجد بل فی حدودہ و فنائہ و ارشدنا الحدیث فتعین ھذا محلا لہ ولنکشف الستر عن وجہ التحقیق فی مفاد ھذا اللفظ۔

فاقول: و باللہ التوفیق ۔اللفظ مرکب و معناہ الحقیقی بحسب اجزائہ الترکیبیۃ وقوع الشیئ فی

(۵) ان سب کا کہنا ہے کہ تمام ممالک میں اسی پر عملدرآمد ہے اور تمام اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے۔

اب میں ان پانچ متفقہ باتوں کا تفصیلی رد اور بعد میں متفرقات سے بھی تعرض کروں گا اللہ تعالٰی سے ہی میری توفیق ہے اسی پر میرا بھروسا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

نفحہ ا: ہم احادیث و فقہ سے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ جب امام منبر پر بیٹھے تو اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے لیکن "سامنے" کے لفظ میں مخالفین کی آنکھ ٹھنڈی کرنے والی کوئی بات نہیں بلکہ اس کا مفاد صرف اتنا ہے کہ منبر کے سامنے خطیب کے چہرے کے مقابل ہو بیچ میں کوئی حائل نہ ہو جو روئے خطیب کا آڑ بنے یہ بات مسجد کے اندر اور باہر دونوں ہی صورتوں کو شامل ہے اس حد تک کہ مشاہدہ اور مقابلہ باقی رہے اصل لفظ بین یدیہ (سامنے) کا مفاد اس کے سوا نہیں البتہ فقہ نے ہم کو بتایا کہ اذان مسجد کے اندر نہ ہونی چاہیے بلکہ مسجد سے اتنی دور ہونی چاہیے کہ مسجد میں نہ شمار کی جائے بلکہ مسجد کے حدود اور اس کی فناء میں ہو احادیث مبارکہ نے بھی اسی کی طرف رہنمائی کی ہے جس سے اس مقام کی تعیین ہوتی ہے۔

اب میں اس لفظ کی تحقیق کرتا ہوں لفظ "بین یدیہ" دو حرفوں سے مرکب ان اجزائے ترکیبیہ کے اعتبار سے اس لفظ

الفضاء المحصور بین ھذین العضوین من المضاف سواء کان امامه او خلفه اولا ولا والفضاء محققا او متخیلا فانك اذا ارسلت یدیك فلیس بینھما الا جنباك و فخذاك و او ان بسطتھما قبالة وجھك او وراء ظھرك فكل ما وقع فی الفضاء المحصور بھما فھو بین یدیك وھو امامك فی الاول وخلفك فی الثانی ولیس امامك ولا خلفلك فی صورة الارسال۔	کے معنی حقیقی یہ ہوئے کہ "آدمی کے دونوں ہاتھ کے درمیان جو فضا ہے" چاہے وہ آدمی کے آگے کی فضا ہو چاہے پیچھے کی کیونکہ دونوں ہاتھوں کو کھلا چھوڑ دیا جائے توان کے بیچ میں آدمی کے دونوں پہلو اور دونوں رانیں ہوتی ہیں اور نہیں دونوں کو جب منہ کے آگے یا پشت کے پیچھے دراز کیا جائے تو پہلی صورت میں آگے کی جانب دونوں ہاتھ کے بیچ کی فضا اور دوسری صورت میں پیچھے کی جانب کی اتنی فضاء "بین دی یہ" ہے اور دونوں ہاتھ لٹکانے کی صورت میں آگے پیچھے کا سوال ہی نہیں۔
وانت تعلم ان ھذا المعنی لا مساغ له ھنا بل الامر ان المرکب ربما لایلاحظ الی معانی اجزائه التفصیلیة ویصیر باجماله دالا علی معنی اخر لغة او عرفا فھو وان کان مجازا له بالنظر الی مفصله یکون حقیقتا لغویة او عرفیةفیه باعتبار اجماله و ذلك فی لفظنا ھذا معنی الامام والقدام اما مطلقا من دون تخصیص بالقرب او مع لحاظه وحینئذ یفسر بالحاضر المشاھد لان شرط الرؤیة العادیة القرب و المقابلة فكل مرئی حین ھو مرئی محاذ	لفظ "بین یدیہ" کے معنی ترکیبی حقیقی تو یہی ہیں لیکن یہ یہاں مراد نہیں ہو سکتے اور معنی حقیقی تفصیلی چھوڑ کر دوسرے معنی اجمالی مراد ہوتے ہیں یہ اطلاق کبھی لغوی ہوتا ہے اور کبھی عرفی اپنے معنی تفصیلی کے لحاظ سے یہ دوسرے معانی اگرچہ مجازی قرار دئے جائیں لیکن استعمال کے لحاظ سے حقیقی ہوتے ہیں لفظ بین یدیہ کا بھی یہی حال ہے کہ وہ سامنے اور مقابل کے معنی میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر میں طے ہو گیا ہے قرب کے معنی سے قطع نظر کرکے یا اس کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر لحاظ کرتے ہوئے اور اس وقت میں اس لفظ کی تفسیر حاضر اور مشاہد سے کی جاتی ہے کیونکہ رؤیت عادیہ کے لیے قرب و مقابلہ شرط ہے جو مرئی ہے دیکھنے کے وقت قریب

قریب۔

وھذا منتھی مفاد اللفظ فی نفسہ و اختلاف حدود القرب تنشؤ من خصوصیات المقام لانہ امر اضافی مشکلك متفاوت غایۃ التفاوت فیلاحظ لکل مقام مایستدعی وھی دلالۃ عقلیۃ من الخارج لا من اللفظ ثم توسع فیہ علی الوجھین و استعیر ظرف المکان للزمان فارید بہ الماضی اما مطلقا او قریب لان جھۃ المضی جھۃ الظھور کالامام او المستقبل کذلك لان کل آت قریب و انت متوجہ الی القابل فکانہ لك مقابل وعلی ھذین الوجھین ورد فی القران العظیم و المحاورات وبھما فسرتہ ائمۃ اللغۃ و التفسیر الاثبات ووجدت اللفظۃ فی القران الکریم فی ثمان و ثلثین موضعا فی عشرین منھا لادلالۃ علی القرب وفی واحد جاء علی حقیقۃ اجزائہ الترکیبیۃ و فی سبعۃ عشر فید القرب علی تفاوت عظیم فیہ من الاتصال الحقیقی الی فصل مسیرۃ خمسمائۃ سنۃ جعلنا مالادلالۃ فیہ علی القرب فریقا والبواقی فریقا:

بھی ہے اور مقابل بھی ہے۔

لفظ "بین یدیہ" کا اصلی مفاد یہی ہے البتہ قرب چونکہ ایک امر اضافی حد درجہ متفاوت المعنی کلی مشکک ہے اس لیے اس کے مختلف درجات میں سے کسی ایک کی تعیین مقام کی خصوصیت کے لحاظ سے ہوگی اور قرب وبعد کے مختلف مراتب پر دلالت لفظ کے تقاضا سے نہیں عقل کے تقاضا سے ہے پھر اصل میں تو یہ لفظ ظرف مکان کے لیے تھا لیکن بعد میں ظرف زمان کے لیے مستعمل ہونے لگا یا تو مطلقاً زمانہ ماضی یا ماضی قریب کے لیے کیونکہ ماضی حضور کے قریب ہے اور اسی طرح مستقبل میں بھی کہ آنے والا زمانہ بھی مقابل اور متوجہ ہے قران عظیم اور محاورات عرب میں لفظ "بین یدیہ" ان دونوں معنی میں وارد ہوا مفسرین نے اسی معنی سے اسکی تفسیر کی میں تتبع اور تلاش سے قران پاک میں ۳۸ جگہ یہ لفظ پایا جن میں بیس مقامات پر قرب پر کوئی دلالت نہیں اور ایک مقام پر معنی ترکیبی حقیقی کے لیے ہے اور سترہ مقامات پر قرب کے لیے۔ مگر اس قرب میں بھی تفاوت عظیم ہے کہ اتصال حقیقی سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری تک پر قرب کا اطلاق ہوا ہے ہم نے ان سب آیتوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا ہے:

فمن الاول (۱) قول ربنا عزوجل فی سورۃ البقرۃ[1] (۲) فی طٰہٰ[2] (۳) فی الانبیاء[3] (۴) فی الحج"

"یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ ۚ"[4] (۵) فی مریم "لَہٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا وَ مَا خَلۡفَنَا وَ مَا بَیۡنَ ذٰلِکَ ۚ"[5]۔ فعلم اللہ تعالٰی وملکہ لا یمکن اختصاصہ بقریب او بعید سواء اخذا الظرف مکانیا او زمانیا او لوحظ معنی عام کما ھو الانسب بالمقام الافخم (۶) فی سورۃ البقرۃ "فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ"[6]

(۷) فی آل عمران: "نَزَّلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ"[7]۔

(۸) فی سورۃ الانعام: "وَ ہٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ"[8]۔

قسم اول: (۱) سورۃ بقرہ (۲) سورہ طہ (۳) سورہ انبیاء (۴) سورہ حج، ان سب سورتوں میں آیات کے الفاظ یکساں ہیں "یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ مَا خَلۡفَہُمۡ ۚ" ان کے پس و پیش کا اسے علم ہے۔ (۵) سورہ مریم شریف کی آیت "لَہٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا وَ مَا خَلۡفَنَا وَ مَا بَیۡنَ ذٰلِکَ ۚ"۔ اللہ تعالٰی ہی کے لیے ہے ہمارے پس و پیش اور اس کے درمیان کی حکومت۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالٰی کی حکومت اور اس کا علم قریب یا بعید کے ساتھ خاص نہیں۔ (۶) سورہ بقرۃ میں "فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ" پاک نے قران عظیم کو آپ کے قلب پر اتارا جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔

(۷) آل عمران میں نزل علیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ آپ پر کتاب اتاری حق کے ساتھ جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔

(۸) سورہ انعام میں: "ہم نے اس مبارک کتاب کو اتارا جو گزرے ہوئے کی تصدیق کرتی ہے۔"

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۸

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۶

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۴

[6] القرآن الکریم ۲/ ۹۷

[7] القرآن الکریم ۳/ ۳

[8] القرآن الکریم ۶/ ۹۲

(۹) فی یونس: "وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ"[1]۔	(۹) سورہ ونس میں "یہ قران غیر خدا کی طرف سے افتراء نہیں ہے یہ تو گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۰) فی یوسف: "مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ"[2]۔	(۱۰) سورہ یوسف میں "یہ بناوٹ کی بات نہیں لیکن اپنے سے پہلے کاموں کی تصدیق اور ہر شیئ کی تفصیل ہے"
(۱۱) فی سبا "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ"[3]۔	(۱۱) سورہ سبا میں کافروں نے کہا ہم نہ تو اس قران پر ایمان لاتے ہیں نہ اس پر جو گذشتہ ہے"۔
(۱۲) فی الملئکة "وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ"[4]۔	(۱۲) سورہ ملٰئکہ میں "جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی حق ہے اور گزرے ہوئے کی تصدیق ہے"
(۱۳) فی حم السجدة "وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ"[5]۔	(۱۳) سورہ حم السجدہ میں "یہ عزت والی کتاب کی باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ پیچھے سے۔"
(۱۴) فی الحقاف "قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ"[6]۔	(۱۴) سورہ احقاف میں سورہ احقاف میں "اے ہماری قوم ! ہم نے ایک کتاب سنی جو موسی کے بعد اتاری گئی اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہے۔" (ان سب آیات میں ہے کہ قران عظیم گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے)

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۷
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱
[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۳۱
[4] القرآن الکریم ۳۵/ ۳۱
[5] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۲
[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۰

فالقرآن الکریم مصدقا لکل کتاب الٰھی نزل قبلہ قریبا او بعیدا ولا یخالفہ عـــہ۱ شیئ من کتب اللہ تعالٰی والکفرۃ عـــہ۲ بشیئ لایومنون۔	اور بلا شبہ قرآن عظیم تمام ہی گزری ہوئی آسمانی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے قریب کی ہو یا بعید کی اور گزشتہ کتابوں میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتی۔اور کافر کسی پر بھی ایمان نہیں لاتے۔
(۱۵)ومن ذلك فی ال عمران عن عبدہ عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام "وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[1]	(۱۵)آل عمران کی یہ آیت بھی قسم اول میں ہی ہے جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی حکایت کرتی ہے کہ "میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی۔"
(۱۶)فی المائدۃ "وَ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ۪"[2]	(۱۶)سورہ مائدہ کی آیت "ہم ان نبیوں کے نشان قدم پر عیسٰی بن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو اس سے پہلے تھی"
(۱۷)فی الصف "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ"[3]	(۱۷)اور سورہ صف کی آیت "میں اپنے سے پہلے کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا،اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے،"
فمافسروہ الا بالقبیلۃ حملا لہ علی نظائرہ فی االقرآن العزیز	ان آیات میں لفظ "بین یدیہ" کہ حضور پر حمل کیا جاسکتا تھا لیکن مفسیرین نے اس کی

عـــہ۱:ناظر الی الایۃ الثالثۃ عشر ۱۲منہ علیہ الرحمۃ۔	عـــہ۱: تیرھویں آیت کی طرف اشارہ ہے
عـــہ۲:ناظر الی الایۃ الحادیۃ عشر ۱۲منہ۔	عـــہ۲: گیارھویں آیت کی طرف اشارہ ہے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

وھو الذی یسبق الی الفھم و ان امکن حملہ ھھنا علی الحضور۔	تفسیر من قبلہ سے کی ہے کہ ذہن کا تبادر اسی طرف ہوتا ہے۔
(۱۸) فی سورۃ البقرۃ "فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا"[1] علی التفسیر لما قبلھا وما بعدھا من الامم اذا ذکرت حالھم فی زبر الاولین واشتھرت قصتھم فی الاخرین (بیضاوی[2])	(۱۸) اور سورہ بقرہ میں "تو ہم نے (اس بستی کا) واقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کردیا" اس کی تفسیر بھی "اگلی اور پچھلی امتیں" کی گئی جس کا ذکر گزشتہ امتوں میں مذکور اور بعد والی قوموں میں مشہور ہوا (بیضاوی)
(۱۹) وفی حم السجدۃ "اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ"[3] عن الحسن انذروھم من وقائع اللہ فیمن قبلھم من الامم وعذاب الاخرۃ اھ (نسفی[4]) او من قبلھم ومن بعدھم اذقد بلغتھم خبر المتقدمین واخبرھم ھود وصالح عن المتاخرین داعین الی الایمان بھم اجمعین (بیضاوی[5])	(۱۹) اور حم سجدہ میں "اور جب رسول ان کے آگے پیچھے پھرتے تھے" حضرت حسن بصری سے اس کی تفسیر مروی ہے کہ رسول انہیں پہلی امتوں کے حادثات اور آخرت میں آنے والے عذاب سے ڈراتے (نسفی) یا گزشتہ اور آئندہ قومیں کہ انہیں پہلوں کی خبر پہنچی اور ہود اور صالح علیہ السلام نے نہیں دعوت دیتے ہوئے متاخرین کا حال بتایا (بیضاوی)۔
(۲۰) فی الاحقاف "اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ"[6] قبل ھود (ومن خلفہ) من بعدہ الی اقوامھم (ان لاتعبدو	(۲۰) سورہ احقاف میں حضرت ہود نے اپنی قوم کو مقام احقاف میں ڈرایا اور اس کے پہلے سنانے والے گزر چکے تھے اور بعد میں آئے یعنی حضرت ہود سے پہلے اور ان کے بعد اپنی

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶۶

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[5] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الایۃ ۴۱/ ۱۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۱۰

[6] القرآن الکریم ۴۶/ ۲۱

الا اللہ)(جلال[1])"۔ ومن الثانی(۲۱)فی الاعراف"وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ط"[2]۔ (۲۲)وفی الفرقان"وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ج"[3] (۲۳)فی النمل" اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ مَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ط"[4] (فانها تدل علی قرب المطر)۔ (۲۴)فی الاعراف" لَاٰتِیَنَّهُمْ مِّنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ اَیْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَآىٕلِهِمْ ط"[5] فلابد للموسوس من القرب والعیاذ باللہ تعالٰی۔	قوموں کی طرف کہ سوائے خدا کے کس اور کو نہ پوجو(جلالین) قسم ثانی(۲۱)سورہ اعراف میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔" (۲۲)سورہ فرقان میں "اللہ تعالٰی نے ہواؤں کو بارش سے پہلے بشارت دینے والی بنا کر بھیجا۔" (۲۳)سورہ نمل میں "یا وہ جو تمھیں راہ دکھاتا ہے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی، اور وہ کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے خو شخبری سناتی"(ان آیات میں بین یدیہ قریب ہونے پر دلالت کرتا ہے)۔ (۲۴)اعراف میں "ہم ان پر آئیں گے ان کے آگے ان کے پیچھے اور دائیں بائیں"اس آیت میں شیطانوں کو وسوسہ کا بیان ہے جس کے لیے ان کا ان لوگوں کے قریب ہونا ضروری ہے جن کو وسوسہ دیں بے اس سے خدا کی پناہ)

[1] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۴۶/۲۱ اصح المطابع دہلی ص ۴۱۸

[2] القرآن الکریم ۷/ ۵۷

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۴۸

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۳

[5] القرآن الکریم ۷/ ۱۷

(۲۵) فی الرعد "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ "[1] فان شان الحافظ القرب۔	**(۲۵)** سورہ رعد میں "اس کے نگران اس کے آگے پیچھے ہیں۔" اس آیت میں نگرانی کا ذکر ہے جو قریب سے ہوتی ہے۔
(۲۶) فی سبا " اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِؕ "[2] یرید سماء الدنیا المرئیۃ لنا الا قرب الینا۔	**(۲۶)** سورہ سبا میں "تو کیا انھوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان وزمین۔" اس آیت سے سماء سے مراد آسمان دنیا ہے جو نسبۃً ہم سے قریب ہے اور ہم پر سایہ فگن ہے۔
(۲۷) فیھا" وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖؕ (الی قولہ عزوجل) يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍؕ "[3]۔فان المقصود من العمل بین یدی الملك ان یکون بمرای منہ علی وفق مایشاء۔	**(۲۷)** اس میں ہے "اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگر دار دیگیں۔" اس آیت میں بادشاہ کے حسب مرضی کام کرنیوالوں کے اس کے سامنے ہونے سے مراد اس کی نگاہ میں ہونا ہے۔
(۲۸) فیھا" مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ۝ "[4] دل علی قرب القیامۃ۔	**(۲۸)** اسی میں " تمھارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمھیں ڈر سنانے والے ایک سخت عذاب کے آگے۔" اس میں لفظ بین یدی قیامت کے قرب پر دلالت کرتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۹

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۲و۱۳

[4] القرآن الکریم ۳۴/ ۴۶

(۲۹) فی یٰس "وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا"[1]۔ هذا علی الاتصال الحقیقی لیورث العمٰی و العیاذ باللہ تعالٰی۔ (۳۰) وفیها، (وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ) من عذاب الدنیا کغیرکم (وَمَا خَلْفَكُمْ[2]) من عذاب الاخرۃ (جلال[3]) (۳۱) فی حم سجدہ (وَقَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ) من امر الدنیا و اتباع الشهوات (وَمَا خَلْفَهُمْ[4]) من امر الاخرۃ) (جلال[5]) (۳۲) فی الحجرات: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"[6] فان المفاد النهی عن قطع امر قبل حکم اللہ ورسولہ وتصویر	(۲۹) سورہ یس میں "ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار۔" یہاں لفظ بین ایدی اتصال حقیقی کے لیے ہے تاکہ نابینائی پیدا ہو" (پناہ بخدا) (۳۰) اسی میں ہے "جب ان سے کہا گیا کہ سامنے اور پیچھے کے عذاب سے بچو۔" یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب سے بچو۔ یعنی دوسروں کی طرح کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت سے بچو (جلالین) (۳۱) حم سجدہ میں "اور ہم نے ان پر کچھ ساتھی تعینات کئے انہوں نے انہیں مزین کردیا جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے "مابین ایدیھم سے مراد امور دنیا اور شہوتوں کی اتباع اور خلفھم سے مراد امور آخرت (جلالین) (۲۳) سورہ حجرات میں "اے ایمان والو! اللہ و رسول پر سبقت نہ کرو اس آیت میں نفی کا مفاد حکم خدا رسول سے پہلے کسی امر کے فیصلہ کی ممانعت ہے اور اسکی شناعت

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۵

[3] جلالین تحت الآیۃ ۳۶/ ۴۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۷۰

[4] القرآن الکریم ۴۱/ ۲۵

[5] جلالین تحت الآیۃ ۴۱/ ۲۵ اصح المطابع دہلی ص ۳۹۸

[6] القرآن الکریم ۴۹/ ۱

I.T. Majlis of DawateIslami

شناعۃ ھذا المحسوس وھو تقدم العبد علی مولاہ فی المسیر وانما یستھجن من قرب ما۔	کو محسوس کے ساتھ ممثل کرکے دکھایا گیا اگر چلنے میں غلام آقا سے آگے چلنے تو برا ہے اور یہ برائی قرب کے ساتھ ہی مخصوص ہے۔
(۳۳) فی الحدید "یَوۡمَ تَرَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ یَسۡعٰی نُوۡرُہُمۡ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ"[1] کلمۃ "یسعی" تدل علی ارادۃ ماینور لھم فالمدلول القرب اما النور فمتصل حقیقۃ۔	**(۳۳)** سورہ حدید میں "اس دن تم دیکھو گے کہ مومن کہ مومن مردوں اور عورتوں کا نور ان کے آگے اور دائیں چلے گا۔ "یہاں کلمہ **"یسعی"** اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آگے اور دائیں سے مراد وہ جگہ ہے جو ان کے لیے روشن کی گئی ہے تو یہاں بین یدیہ سے مراد قرب ہے" اور نور تو مومنوں سے متصل ہی ہوگا۔
(۳۴) فی المجادلۃ "یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا نَاجَیۡتُمُ الرَّسُوۡلَ فَقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقَۃً ؕ"[2]۔ **(۳۵)** فیھا "ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیۡ نَجۡوٰىکُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ"[3] فان المقصود تعظیم الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یظھر الا بالقرب۔	**(۳۴)** سورۂ مجادلہ میں ہے: "اے ایمان والو! رسول کریم سے بات کرنا چاہو تو اس سے پہلے صدقہ پیش کرو۔" **(۳۵)** اسی میں ہے: "بات چیت سے قبل صدقہ پیش کرنے سے ڈر رہے ہو" ان دونوں آیتوں میں مراد تعظیم رسول ہے تو یہ قرب سے ہی ظاہر ہوگی۔
(۳۶) فی الممتحنۃ (وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ[4]) ای بولد ملقوط ینسبہ الی الزوج	**(۳۶)** سورۃ ممتحنہ میں ہے: "ایسا بہتان نہ ظاہر کرو جسے تم نے اپنے ہاتھ اور پیروں کے بیچ گاڑا ہو۔" وہ لڑکا جو دوسرے کا ہو

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۳

[4] القرآن الکریم ۶۰/ ۱۲

ووصف بصفت الولد الحقیقی فان الامر اذا وضعته سقط بین یدیها ورجلیها اھ(جلال[1])فھذا علی الحقیقة الترکیبیة۔ (۳۷)فی التحریم، "نُوۡرُهُمۡ يَسۡعٰى بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ"[2] (۳۸)فی الجن("عٰلِمُ الۡغَيۡبِ فَلَا يُظۡهِرُ عَلٰى غَيۡبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰى مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّهٗ يَسۡلُكُ"[3])یجعل و یسیر (من بین یدیه)ای الرسول(ومن خلفھم رصدا) ملئکة یحفظونه حتی یبلغه فی جملة الوحی(جلال[4])ھذہ و اضحات۔ ومنها، "فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا"[5]علی الا ظھر الاشھر ای الامم التی فی زمانھا و	عورت اس کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرے اور اس کو شوہر کا حقیقی لڑکا بتائے تو عورت جب بچہ جنے گی تو وہ حقیقتاً اس کے پاؤں اور ہاتھوں کے بیچ میں ہوگا تو یہاں بین یدیہ کے معنی حقیقی ترکیبی مراد ہیں۔" (۳۷) سورۃ تحریم میں "ان کا نور انکے آگے آگے اور دائیں چل رہا ہوگا۔" (۳۸) سورہ جن میں "اللہ تعالیٰ علم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے پسندیدہ رسولوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں کرتا ان رسولوں کے آگے پیچھے نگران چلتے ہیں۔" یعنی فرشتے جو وحی کی تبلیغ تک ان کی حفاظت کرتے ہیں یہ سب آیات واضح ہیں۔ اسی سے ہے: "ہم نے (اس بستی) کا یہ وقعہ اس کے آگے اور پیچھے والوں کے لیے عبرت کر دیا" مشہور اور ظاہر یہی ہے کہ مابین یدیہ اور خلفه سے مراد وہ امتیں

[1] تفسیر جلالین تحت الآیة ۶۰ /۱۲ اصح المطابع دہلی ص ۴۵۸

[2] القرآن الکریم ۶۶ /۸

[3] القرآن الکریم ۷۲ /۲۶و۲۷

[4] تفسیر جلالین تحت الایہ ۷۲ /۲۶و۲۷ اصح المطابع دہلی ص ۴۷۷

[5] القرآن الکریم ۲ /۶۶

بعدها (جلالین[1]) اولما بحضرتها من القری وما تباعد عنها او لاهل تلك القریة وما حوالیها (بیضاوی[2]) وكذا "اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ"[3] علی معنی اتوهم من كل جانب وعملوا فیهم كل حیلة اھ (مدارك[4])"۔ واما تفسیر ائمة اللغة والتفسیر ففی الصحاح، والقاموس ثم مختار الصحاح وتاج العروس وغیرها "بین یدی الساعة" ای قدامها[5] وفی الصراح "بین یدی پیش روئے"[6] او، وفی التاج "یقال بین یدیك بكل شیئ امامك"[7] اھ، وفی معالم التنزیل من الهجرات "معنی بین الیدین الامام والقدام"[8]۔ و	ہیں جو اس زمانہ میں تھیں اور ان کے بعد میں (جلالین) یا جو دیہات قریب تھے اور وہ جو دور تے یا ان دیہاتوں والے (بیضاوی) ایسا ہی آیت مبارکہ "جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے فرشتے آئے ان کے آگے اور پیچھے اس" آیت کے معنی یہ ہیں فرشتے ان کے پاس ہر طرف سے آئے اور ان کے ساتھ ہر طرح کے حیلے برتے (مدارک)۔ ائمہ تفسیر ولغت کا بیان یہ ہے: [۱]صحاح، [۲]قاموس، [۳]مختار الصحاح، [۴]تاج العروس وغیرہ میں بین یدی الساعة کے معنی قیامت سے پہلے اور [۵]صراح میں آگے جانے والے اور [۶]تاج العروس میں ہے کہ بین یدیك ہر اس چیز کو کہا جائے گا جو تمھارے آگے ہو۔ [۷]معالم التنزیل تفسیر سورہ حجرات میں بین الیدین کے معنی آگے ہے۔اور

[1] تفسیر جلالین تحت الایة ۲/ ۶۶ اصح المطابع دہلی ص ۱۱

[2] انوار التنزیل (تفسیر بیضاوی) تحت الایة ۲/ ۶۶ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۴

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۲/ ۶۶ دا لکتب العربی بیروت ۴/ ۹۰

[5] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیا (یدی) احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹

[6] صراح باب الواو والیاء فصل الیاء مطبع مجیدی کانپور ص ۵۹۸

[7] تاج العروس فصل الیاء من باب الواو والیاء "یدی" احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۴۱۹

[8] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۴۹/ ۱ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۱۸۸

الخازن من آل عمران ما بین یدیه فهو امامه [1] وفی ابی السعود و الفتوحات الالٰهیته من یونس علیه الصلوۃ والسلام "بین یدیه ای امامه [2] وفی الجلال من الرعد بین یدیه قدامه [3] وفیه من مریم ما بین ایدینا ای امامنا [4] وفیه وفی غیره من البقرۃ وغیرها مصدقا لما بین یدیه قبله من الکتب [5] ثم فی الانموذج الجلیل تحت الکریم السادسة والعشرین" ما بین یدی الانسان هو کل شیئ یقع نظره علیه من غیر ان یهول وجهه الیه [6] وفی الکرخی ثم الفتوحات الالٰهیة ایضا تحتها من المعلوم ان ما بین یدی الانسان هو کل ما یقع نظره علیه من غیر ان یحول وجهه الیه [7] وفی تکملة مجمع البهار فعلته بین یدیك ای بحضرتك [8]"۔

۸ خازن میں بین یدیہ کے معنی جو اس کے آگے ہو۔ ۹ تفسیر ابو سعود اور فتوحات الٰہیہ میں سورۃ یونس علیہ السلام میں بین یدیہ کے معنی "اس کے آگے" اور ۱۰ جلالین میں سورہ رعد کے لفظ بین یدیہ کے معنی "اسکے آگے"۔ اسی ۱۱ میں سورہ مریم کے لفظ مابین ایدینا کے معنی کے ہمارے آگے۔ اسی ۱۲ میں اور ۱۳ دیگر تفاسیر میں سورہ بقرہ اور دیگر سورتوں کے لفظ مصدقا لما بین یدیہ کے معنی اس سے پہلے کی کتابیں ہے، ۱۴ انموذج جلیل میں ۲۷ ویں آیت کے تحت ہے: مابین یدی الانسان ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر چہرے پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۵ کرخی اور ۱۶ فتوحات الٰہیہ میں اسی آیت کے تحت ہے: انسان کے مابین یدیہ وہ چیز ہے جس پر اسکی نظر چہرہ پھیرے بغیر پڑے۔ ۱۷ تکملہ مجمع البحار میں ہے: فعلته بین یدیك کا ترجمہ "میں نے اس کو تیرے حضور میں کیا"۔

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت الآیۃ ۳/۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۲۴

[2] الفتوحات الالهیة (تفسیر الجمل) تحت الآیہ ۱۰/ ۷ ۳ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۷۳

[3] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۳/ ۱۱ اصح المطابع دہلی ص ۲۰۱

[4] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۱۹/ ۶۴ اصح المطابع دہلی ص ۲۵۸

[5] تفسیر جلالین تحت الایۃ ۲/ ۹۷ اصح المطابع دہلی ص ۱۵

[6] الانموذج الجلیل

[7] الفتوحات الالهیه (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۳۴/ ۹ المصطفی البابی حلبی مصر ۳/ ۴۶۱

[8] تکملہ مجمع بحار الانوار حرف الیاء "ید" مکتبہ دار سعودی عرب ۵/ ۲۳۱

وفی عنایۃ القاضی من ایۃ الکرسی اطلاق ما بین ایدیھم علی امور الدنیا لانھا حاضرۃ والحاضر یعبر عنہ بذلك۔ وامور الاخرۃ مستترۃ کما یستتر عنك ما خلفك[1] وفی الجمل منھا ما بین ایدیھم ای ما ھو حاضر مشاھد لھم[2] وفی الخطیب الشربینی ثم الجمل (بین یدی اللہ ورسولہ) معناہ بحضرتھما لان ما یحضرہ الانسان فھو بین یدیہ ناظر الیہ[3] الخ" یاتی تمامہ۔

فاستبان لك بالقرآن العظیم والحدیث ونصوص ائمۃ القدیم والحدیث ان لا دلالۃ اصلا لقول الفقہاء یوذن بین یدی الخطیب علی کون الاذان داخل المسجد فضلا عن کونہ لصیق المنبر۔

فاولًا: لایتعین فی افادۃ القرب کما یظھر من عشرین

اور [18]عنایۃ القاضی میں آیۃ الکرسی کے مابین یدیہ کے معنی لکھے ہیں کہ مابین یدیہ کا اطلاق امور دنیا پر ہے کہ وہ تمھارے سامنے ہیں۔ اور حاضر کی تعبیر مابین یدیہ سے کی جاتی ہے۔ اور امور آخرت تم سے پوشیدہ ہیں جیسے وہ چیز تمھارے پیچھے ہو۔ اور جمل [19] میں اسی آیت کی تفسیر میں مابین ایدیھم کے معنی "جو حاضر و مشاہد ہو" لکھے ہیں [20]خطیب شربینی اور [21]جمل میں بین یدی اللہ و رسولہ کے معنی "ان دونوں کے حضور کئے ہیں کہ جو آدمی کے پاس ہو وہ بین یدیہ ہے، اور آدمی اس کو دیکھنے والا ہے۔ (پوری بات آگے آرہی ہے)

تو قرآن عظیم احادیث کریمہ اور قدیم وجدید ائمہ کی نصوص سے ظاہر ہوگیا کہ قول فقہاء یوذن بین یدی الخطیب کی دلالت مسجد کے اندر ہونے پر بھی نہیں چہ جائیکہ منبر کے پاس ہو۔

اولاً: لفظ بین یدیہ افادہ قرب میں متعین نہیں جیسا کہ پہلے ذکر کی ہوئی بیں

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۸۰

[2] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۲/ ۲۵۵ المصطفی البابی حلبی مصر ۱/ ۲۰۷

[3] الفتوحات الالھیہ (تفسیر للجمل) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ المصطفی البابی حلبی مصر ۴/ ۱۷۴، السراج المنیر (الشربینی) تحت الایۃ ۴۹/ ۱ نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۰

آیۃ تلونا اولا و مما ذکرنا من کتب اللغۃ والتفسیر سابقا فانما غرضھم افادہ ان السنۃ فی ھذا الاذان مضاذاۃ الخطیب کما قال فی النافع شرح القدوری اذن المؤذنون بین یدی المنبر)ای فی حذائہ[1] اھ فھذا ھو المقصود بالا فادۃ ھھنا اما ان الاذان لا یکون فی جوف المسجد ولا بعیدا عنہ بل فی حدودہ و فنائہ فمسألۃ اخری معلومۃ فی محلھا و بھا تتعین محل ھذا المحاذاۃ کماقدمنا۔

وثانیًا:سلمنا القرب فھو امر اضافی و قرب کل شیئ بحسبہ الاتری۔

(۱)الی الایۃ الحادیۃ والعشرین دلت علی قرب المطر لکن لیس ان تھب الریاح فینزل بل کماقال عزوجل "حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتۡ سَحَابًا ثِقَالًا سُقۡنٰہُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنۡزَلۡنَا بِہِ الۡمَآءَ"[2]۔

(۲)فی السادسۃ والعشرین

آیتوں سے ظاہر ہوااور پہلے ذکر کئے ہوئے ائمہ لغت و تفسیر کی تصریحات سے ظاہر ہوافقہاء کی غرض تو یہ بیان کرنا ہے کہ اس اذان میں مسنون خطیب کا سامنا ہے جیساکہ نافع شرح قدوری کی عبارت سے ظاہر ہے کہ جب موذنین خطیب کے سامنے اذان دے لیں فقہاء کواس عبارت سے صرف سامنا بتانا ہے یہ بات کہ اذان جو جوف مسجد میں نہ ہو نہ مسجد سے دور ہو بلکہ مسجد کے حدود واطراف میں ہو یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے جس کو باب الاذان میں بیان کیا گیا ہے اور اس دوسرے مسئلہ سے سامنے کی دوری متعین ہوتی ہے۔

ثانیا:اوراگر بین یدیہ کے معنی قریب تسلیم بھی کر لیے جائیں توقرب اسی کے حساب سے ہوگا

(۱) دیکھو اکیسویں ۲۱ آیت میں بین یدیہ کے معنی بارش قریب ہونے کے ہیں لیکن ایسانہیں کہ ہوا چلی اور بارش آئی بلکہ اس طرح جیساقرآن عظیم میں ہے:"ہوانے بادل کواٹھا لیاتو ہم نے اسے خشک علاقہ کی طرف روانہ کیاتواس سے بارش ہوئی۔

(۲) ۲۲ویں آیت میں آسمان کو

www.dawateislami.net Majlis of Dawateislami

[1] نافع شرح القدوری

[2] القرآن الکریم ۷ /۵۷

جعل السماء بین ایدینا و بیننا و بینها مسیرة خمسمائة سنة و هذا ترجمان القرآن علامة الکتاب من افصح العرب واعلمها بالسان عبد الله بن عباس رضی الله تعالٰی عنهما یقول فی تفسیر آیة الکرسی یعلم ما بین ایدیهم یرید من السماء الی الارض وما خلفهم یرید فی السموات (رواه الطبرانی[1] فی کتاب السنة)

(۳) وفی السابعة والعشرین ذکر عمل الجن بین یدی سیدنا سلیمن وهولاء الجن هم الشیاطین کما قال تعالٰی "وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾"[2] وما کان لهم ان یدخلو الحضرة السلیمانیة لیعملوا اثمه محاریب و ماثیل و جفا نا کالجواب وقدور رٰسیٰت تکفی واحدة منها الف رجل۔

وروی ابن ابی حتم فی تفسیرہ عن سیدنا سعید بن جبیر قال کان یوضع لسلیمان علیه الصلوة و السلام ثلثمائة الف کرسی فیجلس مومنو الانس مما یلیه و مومنو الجن من ورائهم[3] اھ

ہمارے قریب (بین یدیہ) بتایا اور وہ ہم سے پانچ سو برس کی راہ کی دوری پر ہے حضرت ترجمان القرآن علامۃ الکتاب افصح العرب اور اعلم القوم باللسان سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آیۃ الکرسی کے یعلم ما بین ایدیھم کے معنی زمین سے آسمان تک بتائے اور ما خلفھم کے معنی آسمان متعین فرمائے طبرانی نے سے کتاب السنہ میں روایت کیا

(۳) ۲۷ویں آیت میں کہا گیا کہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے (بین یدیہ) چیزیں بناتے تھے حالانکہ وہ شیاطین تھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں داخل ہو کر وہ عظیم الشان عمارتیں مجسمے اور میدانوں کی طرح وسیع و عرض لگن بڑی بڑی دیگیں کہ ایک ہزار آدمیوں کے کھانے کو کافی ہوں بناہی نہیں سکتے تھے۔

ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں تین لاکھ کرسیاں بچھائی جاتیں جن پر مومن انسان بیٹھتے ان کے پیچھے مومن جن ہوتے تو شیطان توان

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] الدر المنثور بحوالہ الطبرانی فی السنۃ تحت الایۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۳۷

[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الایۃ ۲۷/ ۱۷ حدیث ۱۶۱۹۰ مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمہ ۹/ ۲۸۵۵

فماکانت الشیاطین الاوراء کل ذلك (۴)وفی الثامنة والعشیرن ارشد الی ان بعثة نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بقرب القیامة کما قال صلی اللہ تعالٰی وعلیه وسلم بعثت انا والساعة کھا تین(رواہ احمد والشیخان [1] عن سھل بن سعد وھم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما)وقد امھل اللہ الامة المرحومة الی وقتنا ھذا الفاو ثلثمائة وخمسا اربعین سنة وسنزید والحمد للہ الحمید ولم یناف ذلك الایة ولا قوله صلی اللہ تعالٰی وسلم بعثت طین یدی الساعة بالسیف حتی یعبد اللہ تعالٰی وحدہ لاشریك له(رواہ احمد [2] وابویعلی والطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنه وعلقه البخاری)۔ (۵)الانجیل بین یدی القرآن و بینھما فی النزول اکثر من ستمائة	سب کے بعد میں ہی ہوں گے۔ (۴)اٹھائیویں آیت میں ارشاد فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت قیامت کے قریب ہے خود حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم نے بھی ارشاد فرمایا میں اور قیامت ان دوانگلیوں کی طرح ساتھ ساتھ مبعوث کئے گئے(احمد وشیخان نے سہل بن سعد سے اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنھما سے اس کو روایت کیا)اور اللہ تواللہ تعالٰی نے آج ۱۳۴۳ھ تک امت مرحومہ کو مہلت دی اور اس کے بعد بھی یہ امت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت نہ توآیت باقی رہے گی اس کے باوجود یہ مہلت قیامت کے قریب تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ لوگ ایک خدا کو پوجیں(احمد وابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس حدیث کو سند حسن کے ساتھ روایت کیا)۔ (۵)انجیل "بین یدی القرآن" ہے اور ان دونوں کے بیچ میں چھ سوسال

[1] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بعثت انا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۶۳،صحیح مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۴۰۶،مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالك ۳/ ۱۲۴، ۱۳۰، ۱۹۳، ۱۳۱، ۷/ ۲۳ و ۲۷۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰و۹۲

سنة، والتوراة بین یدی الانجیل و بین عیسی و موسی علی ما فی الجمل الف و تسعمائة و خمس و سبعون سنة و کذا هی بین یدی والفرقان و بین نزولیهما نحو من ثلثة الاف سنة۔	سے زائد کا فاصلہ ہے ۱۳اور توریت انجیل کے مابین یدیہ ہے ان دونوں کے درمیان حسب روایت جمل انیس سو پچھتّر ۱۹۷۵ سال کا فاصلہ ہے۔ اور یونہی توراۃ قران کے بھی بین یدیہ ہے تو توریت وقرآن شریف کا فاصلہ لگ بھگ تین ہزار سال کا ہوا"۔
(٦)لا یرتاب احد ان المواجه المغرب حین تدلت الشمس للغروب ان یقول ان الشمس بین یدی وبالفارسیة "آفتاب پیش روئے من است" او بالهندیة "سورج میرے منہ کے سامنے ہے" مع ان بینهما مسیرة ثلثة الاف سنة و کذا یقول للثریا اذا واجهها و بینهما مسیرة ثمانیة الاف سنة۔	(٦) یہ بات یقینی ہے کہ غروب آفتاب کے وقت پچھم کی طرف رخ کرکے کھڑا ہونے والا عربی میں کہتا ہے: "الشمس بین یدی"، اور فارسی میں کہتا ہے: "آفتاب پیش روئے است"، اور "ہندی میں کہتا ہے۔" "سورج میرے منہ کے سامنے ہے۔" حالانکہ ان دونوں کے درمیان تین ہزار سال کی مسافت ہے اور یہی بات ثریا کی طرف رخ کرکے بھی کہتا ہے جبکہ اس کے اور ثریا کے درمیان آٹھ ہزار سال کی راہ ہے۔
(٧)فی الکریمة التاسعة والعشرین ارید الاتصال الحقیقی لان العمی لا یحصل الا بذاك فظهر ان القلب المدلول بلفظ بین یدیه له عرض عریض منبسط من الاتصال الحقیقی الی مسیرة ثمانیة الاف سنة۔ انما اصله الحاضر المشهود و الاختلاف لاختلاف المحل والمقصود فمثلا	(٧) انتیسویں آیت میں لفظ "بین یدیہ" سے مراد اتصال حقیقی ہے اس لیے کہ اندھاپن بے اس کے متحقق نہیں ہوسکتا تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ بین یدیہ کے مدلول کی جولان گاہ اتصال حقیقی سے شروع ہو کر آٹھ ہزار سال کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے تو اس کی اصل حاضر و مشہود کے لیے ہے اور محل و مقصود کے لحاظ سے اس حضور میں اختلاف ہوسکتا ہے مثلاً

(۱) الثریا تری من مسیرۃ کذا (۲) الشمس من کذا (۳) السمائۃ من میسرۃ خسمائۃ سنۃ فکان ھی القرب فیھا (۴) وفی العملۃ من حیث یرون فلا یفتروا ولا یزیغوا (۵) المصلی مامور بقصر بظرہ علی موضع سجودہ فھذا ھو موضع شھودہ فلن یکن المرور بین یدیہ الا اذا مر بحیث لو صلی صلوۃ الخاشعین یقع علیہ نظرہ وھو المراد بموضع سجودہ کما افادہ المحققون (۶) فی قولك جلست بین یدیہ یحتاج الی قرب اکثر مما یفید مجرد الابصار فانہ یکون للمکالمۃ والسمع اقصر مدی من البصر والیہ اشاروا فی الکشاف و المدارك والشر بینی وغیرھا بقولھم" حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان ان یجلس بین الجھتین المسامتتین لیمینہ و شمالی قریب منہ فسمیت الجھتان یدین لکونھما علی سمت الیدین مع القرب منھما توسعا کما یسمی الشیئ باسم غیرہ اذا

(۱) ثیریا اتنی دور سے (۲) اور سورج اتنی دور سے (۳) اور سیارے پانچ سو برس کی راہ سے تو ان اشیاء میں یہ قریب کہا جائے گا (۴) اور مزدوروں میں اتنی دور سے کہ نگرانی ہوسکے، مزدور سست نہ پڑیں اور کھسک نہ سکیں (۵) اور مصلی کو حکم ہے کہ وہ اپنی نگاہ موضع سجود پر رکھے تو اس کے موضع سجود میں اتنی ہی دوری اصل ہے اور مصلی کے سامنے سے گزرنا تبھی کہا جائے گا جب گزرنے والا خشوع کے ساتھ نماز پڑھنے والے کی نگاہ کی زد میں آئے اور یہ موضع سجود ہی ہے جس کی محققین نے تصریح کی ہے (۶) مقولہ "جلست بین یدیہ" میں مراد حدود بصر سے بھی کم اور محدود دائرہ ہوگا کہ یہ بیٹھنا بات چیت کے لیے ہے جس کا تعلق سماع سے ہے اور سماع کا دائرہ بصرہ کے دائرہ سے بھی محدود و مختصر ہے چنانچہ کشاف، مدارک اور شربنی وغیرہ کے مصنفین نے اسی امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا قول "جلست بین یدی فلان" کی حقیقت یہ ہے کہ دائیں بائیں کی دو مقابل جہتوں کے بیچ میں فلاں کے قریب بیٹھا جائے ان دونوں جہتوں کو دو ہاتھ سے تعبیر کیا کہ یہ جہتیں ابہیں دونوں ہاتھوں پر ان سے قریب ہیں اور یہ مجازا ہے جیسا کہ دو پاس والی چیزوں میں ایک کا نام دوسری کو

جاورہ[1]ھ وھذا ھو تمام عبارۃ الخطیب الموعود قلت: **تنبیہ:** وفی قولھم اولا حقیقۃ وقولھم واخرا توسعا اشارۃ الی ما قدمت من انہ مجاز باعتبار معانی الاجزاء التفصیلیۃ حقیقۃ باعتبار الاجمال۔ (۷) یرید رجل قراءۃ القرآن العظیم وھو محدث فیقول لعبدہ قم بالمصحف بین یدی فیدل علی القرب محیث یمکنہ القراءۃ منہ ویختلف باختلاف نظرہ حدیدا اوکلیلا واختلاف خط المصحف دقیقا وجلیلا۔ وھذا ما قالوا فی مصحف موضوع بین یدی المصلی، أو رحل وھو لایحمل ولایقلب انما یقرأ منہ بالنظر فیہ لاتفسد فی الصلٰوۃ عندھما، وعندہ تفسد کما فی الھندیۃ[2] وغیرھا۔	دے دیا جاتا ہے اھ" (خطیب شربینی کی یہی عبارت ہے جس کا ہم نے وعدہ کیا تھا۔) **تنبیہ:** اس عبارت مین اس معنی کو شروع میں حقیقی کہا اور بعد میں مجازی قرار دیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے تفصیلی کے معنی کے لحاظ سے تو یہ مجاز ہے اور اجمال کے لحاظ سے معنی حقیقی۔ ایک شخص قران کریم پڑھنا چاہتا ہے مگر خود نے وضو ہے تو وہ اپنے خادم سے کہتا ہے میرے سامنے قران عظیم لے کر بیٹھ جاؤ تو یہاں قریب سے ایسا قرب مراد ہوگا کہ پڑھنا ممکن ہو اور یہ قرب تیز نگاہی اور ضعف بصارت کے اعتبار سے مختلف ہوگا اور تحریر کے جلی اور خفی ہونے کے لحاظ سے بھی متعدد ہوگا۔ اور یہی بات مشائخ نے اس مصحف شریف کے بارے میں کہی جو نمازی کے سامنے رکھا ہوا ہے یا رحل میں ہے، نمازی نہ تو اسے اٹھاتا ہے اور نہ ہی ورق الٹتا ہے بلکہ فقط اس دیکھتا ہے اور قرأت کرتا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس کی نماز فاسد نہ ہوگی جبکہ امام اعظم کے نزدیک فاسد ہو جائیگی جیسا کہ ہندیہ وغیرہ میں ہے۔

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] تفسیر الکشاف تحت الآیۃ ۱/۴۹ دار لالکتاب العربی بیروت ۴ /۵۰-۳۴۹، مدرال التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۱/۴۹ دار لالکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، السراج المنیر(تفسیر الشربینی)تحت الآیۃ ۱/۴۹ نولکشور لکھنؤ ۴ /۶۰

[2] الفتاوی الھندیۃ کتاب الصلٰوۃ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱ /۱۰۱

(۸) تضع شیئا بین یدی أحد لاکله فهذا علی ما تصل یدہ الیه کحدیث البخاری عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالٰی عنهما۔ جئت بقلیل رطب فوضعته بین یدی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاکل[1]۔ (۹) مقابلان علی صحفة یا کلان منها فیأخذ احدهما شیئا منها ویضع بین یدی صاحبه فهذا علی جانب الصحفة الذی یلی صاحبه کحدیث البخاری عن انس رضی الله تعالٰی عنه فجعلت اتتبع الدباء واضعه بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم[2]۔ (۱۰) "جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا"[3] علی الاتصال الحقیقی کما علمت۔	تم کسی کے آگے کچھ کھانے کے لیے رکھ دو تو یہ اسی حد تک ہوگا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ جائے جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ "میں تھوڑی سی تر کھجوریں لایا اور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھ دیں جنھیں آپ نے تناول فرمایا۔" (۹) دو شخص آمنے بیٹھ کر ایک پیالے میں کھا رہے ہوں اور ان میں سے ایک شخص پیالے سے کوئی شے لے کر اپنے ساتھی کے قریب جیسا کہ حدیث بخاری جو سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں کدو تلاش کرنے لگا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے رکھنے لگا۔ (۱۰) ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا بنادی یہ اتصال حقیقی پر محمول ہے جیسا کہ تو نے جانا۔

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الرطب والتمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۸

[2] صحیح البخاری کتاب الاطعمه باب الثرید قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۵

[3] القرآن الکریم ۳۶/ ۹

وبا لجملة كل هذه الا ختلا فا ت انما تنشؤ من اختلاف المقامات ولا دلا لة على شيئ منها للفظ بين يديه واذا كا ن الا مر على ما وصفنا بطل الاستدلال به على الا تصال او القر ب الاخص حتى يستفا د منه كو ن الاذان دا خل المسجد فضلا عن كو نه لصيق المنبر وهم المستد لو ن فليأ تو ا ببر هان ان كا نو ا صادقين واني لهم ذلك وا ذ قد عجز وا و لله الحمد فيسا لو نا ان نتبرع ونفيد هم ان القر المد لو ل هو ان يكون ظا هر ا مشا هدا لا يحتاج معه في رؤيته الى تحو يل الو جه كما قد منا التنصيص به عن الا ئمة هذا هو القد ر المشتر ك والزيا دة تستفا د من خصوص المقا م كما علمت وهي ههنا كو ن الاذان في حدود المسجد وفنا ئه فتم الا مر وحصل النصر فظهر امر الله وهم كا رهو ن

خلا صہ کلام یہ ہے کہ قریب کے یہ مختلف معانی موارد اور مقامات کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ان معانی پر دلالت کرنے میں خود لفظ "بین یدیہ" کو کوئی دخل نہیں اور جب صورت حال یہ ہے تو لفظ بین یدیہ سے کسی خاص قرب پر استدلال باطل ہے جس سے اذان کا منبر کے متصل یا مسجد کے اندر ہونا سمجھا جائے نہ کہ یہ حکم دیا جائے کہ اذان منبر سے لگ کر دی جائے اور چونکہ اس قرب کے مدعی وہ لوگ ہیں اور لفظ بین یدیہ سے اس مدعی پر وہی لوگ استدلال کرتے ہیں تو انہیں ہی علیحدہ سے کوئی دلیل لانی چاہیے کہ یہاں اس لفظ سے مراد یہی قرب ہے اور یہ بھلا ان کے بس کی بات کہاں! اور وہ خود یہاں بین دیدیہ کے معنی متعین کرنے سے عاجز ہوں تو ہم سے دریافت کریں ہم تبرعًا انہیں بتاتے ہیں کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جو اس لفظ کا مدلول ہے یعنی موجود و مساہد جسے دیکھنے کے لیے چہرہ دائیں یا بائیں موڑنے کی ضرورت نہ پڑے قرب کے تمام افراد میں یہی معنی مشترک ہے اور اس معنی پر اضافہ تو موقعہ استعمال کی خصوصیت سے مستفاد ہوتا ہے جو مسئلہ دائرہ میں مسجد کی باہری حدیں اور بیرونی صحن ہے بات مکمل ہو گئی اور مسلک حق مؤید بالدلیل ہو گیا اللہ تعالٰی کا

والحمد لله رب العلمین۔

ثالثا: نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الحکم العدل وما کان عهده فهو الفصل الم تسمع من الحدیث الصحیح ان هذا الاذان کان یکون بین یدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی باب المسجد فعلم ان هذا القدر من القرب هو المراد ههنا فمن زاد او نقص فقد تعدی وظلم ای من زاد فی القرب فادخل الاذان فی المسجد بالمعنی الاول فقد تعدی فی سنة المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومن نقص منه فجعل هذا الاذان خارج المسجد بالمعانی الثلثة فقد ظلم ومن جعله داخل المسجد بالمعینین الاخرین وخارج المسجد بالمعنی الاول فهو الذی بالحق حکم وحکم اللہ ورسوله اجل واحکم جل وعز وتعالٰی وتکرم وصلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔

نفحه ۲: ظهر مما زهر ولله الحمد سفاهة من تشبث ههنا یقول الراغب فی مفرداته یقول: یقال

فیصلہ ظاہر ہوگیا مگر یہ لوگ اس کو ناپسند کرتے ہیں ہم تو اس ظہور حق پر اللہ تعالٰی کی حمد ہی کرتے ہیں۔

ثالثًا: یہاں بین یدیہ کی حد متعین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حکم العدل ہیں اور جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتا تھا وہی حق و باطل کے درمیان امتیاز ہے جیسے حدیث صحیح سے سنا جاچکا کہ حضور کے سامنے مسجد کے دروازہ پر اذان ہوتی تھی تو یہاں قرب کی بحکم رسول یہی حد مقرر ہوئی اور جو اس پر اضافہ کرے یا اس میں کمی کرے وہ ظلم و تعدی کرنے والا ہے پس جس نے اس قرب مروی میں اضافہ کرکے داخل مسجد کردیا تو اس نے سنت رسول پر زیادتی کی، اور جس نے اس قرب میں کمی کی کہ ہرسہ معنی مسجد سے اس کو خارج کردیا اس نے بھی ظلم کیا اور جس نے دو آخری معنی کے اعتبار سے خارج مسجد کیا اور معنی اول کے اعتبار سے داخل مسجد کیا، اس نے حق کے موافق حکم کیا، اور حکم واللہ ورسول جل وعلا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

نفحہ ۲: الحمد للہ گزشتہ صفحات میں تحقیقات کے جو گلشن لہلہائے ان سے ان صاحب کی ناسمجھی ظاہر ہوگئی جنھوں نے اذان خطیب کے داخل مسجد ہونے پر مفردات امام راغب

ھذا الشیئ بین یدیك ای قریبا منك [1] اھ وبکلام الکشاف والمدارك: حقیقۃ قولھم جلست بین یدی فلان [2] الخ	اصفہانی کے اس قول سے استدلال کیا کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے ہے یعنی تم سے قریب ہے اور کشاف اور مدارک کے مذکورہ بالا قول سے "میں فلاں کے سامنے بیٹھا الخ"۔
فاولا، لاننکر ان اللفظ ربما یلاحظ فیہ القرب ولکن قد علمت ان للقرب عرضا بعیدا۔	**اولاً:** ہم تو اس کا اعتراف ہی کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ بسا اوقات قرب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن خود قرب میں بھی تو بڑی وسعت ہے۔
وثانیًا: لم یدر ان الزیادۃ فی جلست بین یدیہ مستفاد من خصوص الجلوس کما بینا ولہ ایضا عرض عریض فالوزیر الاعظم والسوقی حضرا فامر السلطان بالجلوس، کلاھما یقول جلست بین یدی الملك ولکن شتان ماقرب الوزیر وقرب من فی صف النعال اولعلہ لم یجلس الا علی عتبۃ الباب فینقلب السند علی من استند اذ صدق علی من فی الباب کونہ بین یدی من فی صدر	**ثانیًا:** انھیں یہ امر محسوس ہی نہ ہوا کہ یہاں لفظ بین یدیہ کے معنی مشترک حاضر و مشاہد پر قرب کی زیادتی جلوس کی خصوصیت سے مستفاد ہے پھر اس جلوس خاص کے بھی متعدد مراتب ہیں ایک بازاری آدمی اور وزیر اعظم دونوں بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوتے ہیں اور دونوں ہی اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں بادشاہ کے پاس بیٹھا تھا، لیکن دونوں پاس میں کتنا فرق ہوتا ہے کہ وزیر بادشاہ کے ساتھ صدر میں ہوتا ہے اور عام آدمی جوتا نکالنے کی جگہ بلکہ چوکھٹ کے باہر تو اس لفظ سے قرب پر استدلال الٹ گیا کہ دربار کے دروازہ کی چوکھٹ کے پاس بیٹھنے والا بھی صدر میں بیٹھنے

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایۃ ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶۵/۴، تفسیر الکشاف تحت الایۃ ۴۹ /۱ دار الکتاب العربی بیروت ۳۴۹/۴

المجلس والمحراب۔ **ثالثًا:** حفظت شیئا و غابت عنك اشیاء ایھا لراغب الی قول الراغب ھل تظنه مخالفا للنصوص التی قد منا عن ائمه اللغة وجھا بذة التفسیر ام لا ؟فعلی الاول ما الذی راغبك عنھم الی من شذوھم الجم الغفیر وعلی الثانی الم یکفك ما للحاضر المشاھد من القرب فان الرؤیة العادیة مشروط لھا لقرب ام زعمت ان القرب حد معین لا تشکیك فیه فاذن لا یحاورك ال مثلك سفیه وھذا ربنا تبارك و تعالٰی قائلا وقوله الحق" اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ "[1] بل قال عزوجل" اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِیۡ غَفۡلَةٍ مُّعۡرِضُوۡنَ ۝ "[2] والحساب بعد قیام الساعة بنصف الیوم ،والیوم کان مقدارہ خمسین الف سنة۔	والے کی طرح بین یدیہ اور پاس ہے۔ **ثالثًا:** راغب کے قول میں یہ رغبت ظاہر کرنے والوں کو کچھ یاد رہا اور کچھ بھول گئے کیونکہ مخالف نے امام راغب کے قول کے جو معنٰی بتائے وہ ان آئمہ لغت و تفسیر کے خلاف ہے یا موافق، اگر خلاف ہے تو آپ نے جمہور ائمہ لغت کی تصریحات کو چھوڑ کر امام راغب کے شاذ قول کی طرف کیوں رغبت ظاہر فرمائی، اور اگر خلاف نہیں تو حاضر و مشاہد میں جتنا قرب ہے اس پر قناعت کیوں نہیں، حالانکہ رویئت عادیہ کے لئے قریب ہونے کی شرط لابدی ہے، یا تم قرب کے ایک متعین حد مانتے ہو اور اسے کلی مشکک نہیں مانتے۔ پھر تو آپ کا جواب آپ کے جیسا نا سمجھ ہی دے سکے گا۔ اللہ تبارک و تعالٰی اپنے قول حق میں فرماتا ہے: "قیامت قریب ہوئی اور چاند شق ہو چکا"۔ بلکہ اسی قدوس و پروردگار نے فرمایا: "لوگوں کے حساب کی گھڑی آ پہنچی اور وہ ابھی غفلت میں اعراض کر رہے ہیں۔" حالانکہ حساب قیام قیامت کے بعد آدھا دن گزار کر ہوگا، اس وقت ایک دن کی مقدار آج کے پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی۔

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

ورابعًا: ذكر الامام القدوري في الكتاب الحرز على ضربين منهما حرزبا لحافظ[1] فقال في الجوهرة النيرة "هذا اذكان الحافظ قريبا منه بحيث لا يراه فليس بحافظ[2] اهـ" فانظر جعل مايرى قريبا ومالا يرى بعيدا فهذا هو معنى القرب في كلام الراغب موفق لما نص عليه الائمة الاطائب۔

خامسًا: يقول لك الراغب انت عن بقية كلامي يا غفول فان كلامه هكذا "يقال هذا الشيئ قريب منك وعلى هذا قوله: له ما بين ايدينا و مصدقا لما بين يدي من التوراة الخ وقوله قال الذين كفروا لن نؤمن بهذا القرآن ولا بالذي بين يديه اي متقدما له

رابعًا: امام قدوری نے اپنی کتاب میں فرمایا اشیاء کی حفاظت کے دو طریقے ہیں **(ا)** نگران کے ذریعہ حفاظت جوہرہ نیرہ میں اس کی تشریح فرمائی کہ محافظ چیز سے اتنا قریب ہو کہ اسے دیکھتا رہے اور اگر اتنا دور ہو یا کہ چیز نگاہ سے اوجھل ہو گئی تو یہ حفاظت نہیں ہے امام قدوری اور صاحب جوہرہ نے قرب و بعد کا مدار دیکھنے نہ دیکھنے پر رکھا تو کلام راغب میں بھی قرب سے مراد یہی حاضر و مشاہد ہونا چاہیے جیسا کہ دیگر ائمہ لغت و تفسیر کی تحقیق ہے۔

خامسًا: اس مستدل سے خود امام راغب کو شکایت ہو گی کہ اس نے میری پوری بات یاد نہیں رکھی کیونکہ ان کی پوری بات تو یہ ہے: "محاورہ ہے کہ یہ چیز تمھارے سامنے یعنی تم سے قریب ہے اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل اقوال میں لفظ بین یدیہ سے یہی قرب مراد ہے (مثلًا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی زبانی سے کہلایا) جو ہمارے سامنے ہے سب خدا کے لیے ہے (اور قرآن کے لیے خود فرمایا) اپنے سے آگے عالے کتاب توراۃ

[1] المختصر للقدوری کتاب السرقۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۰

[2] الجوہرۃ النیرۃ کتاب السرقۃ مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/ ۲۶۱

من الانجیل ونحوہ[1] اھ(باختصار)" فانظر علی ما حمل القرب وقد جعل مفرعا الیہ "لہ ما بین ایدینا" اتراہ یقول ان مراد لاملئکۃ تخصیص ملك الله تعالٰی بما یلیھم۔ **وسادسًا:** فرع علیہ "مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ"[2] وبینھما الفا سنۃ فاذا لم یمنع ھذا الفصل الکثیر الزمانی من القرب لم یمنع منہ الفصل القلیل المکانی بین المنبر وحرف المسجد وربما لا یبلغ مائۃ ذراع بل ولا فی کثیر من المساجد عشرین۔ **وسابعًا:** ثم قال الراغب انزل علیہ الذکر من بیننا ای من جملتنا وقولہ لن نؤمن بھذا القرآن ولا بالذی بین یدیہ ای	کی تائید کرتا ہے اور کافروں کا قول نقل کیا کہ ہم نہ تو قرآن پر ایمان لائیں گے نہ اس سے پہلے کی کتابوں مثلاً انجیل وغیرہ پر" اس پوری عبارت میں امام راغب نے بین یدیہ کے معنی قریب بتاکر اس کا مصداق لہ مابین ایدینا کو قرار دیا، توکیا فرشتوں نے ہمارے سامنے کہہ کر صرف اپنی متصل اشیاء مراد لی، کیا صرف وہی اللہ تعالٰی کی ملک ہیں؟ **سادسًا:** اسی معنی قریب کی فرع مصدقا لما بین یدی من التوراۃ کو کہا جن میں دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو جب یہ عظیم زمانی فاصلہ لفظ بین یدیہ کے معنی قرب کے منافی نہیں تو قرب مکانی میں مسجد کے حدود اور اس سے متصل زمین کا فاصلہ بین یدیہ کے معنی قرب کے کیا منافی ہوگا جو عام طور سے سو ہاتھ بھی نہیں ہوتا بلکہ کئی مساجد میں بیس ہاتھ بھی نہیں ہوتا۔ **سابعًا:** اگر امام راغب کے قول "قولہ وقال الذی کفروا" کو ماسبق والے قولہ پر ہی معطوف قرار دیجئے تو اب لگ بھگ تین ہزار سال کا فاصلہ بھی قریب ہی ہوگا اور اس کو جملہ مستانفہ

[1] المفردات فی غرائب القرآن الباء مع الیاء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۵۰

متقدماله من الانجيل ونحوه[1] انتهى فهذا تفسير اخر لبين يديه "تقييد بالقرب فقد افاد كلا الوجهين واقتصرت على الاول بالشين والمين۔"	قرار دیا جائے تو اب یہ لفظ بین یدیہ کے دوسرے معنی کا بیان ہوتا کہ بین یدیہ کے معنی (جیسے قریب ہوتے ہیں ویسے اس کے ایک معنی) جملہ کتب ماضیہ بھی ہیں جو بعید تر ہیں اسی طرح امام راغب کے ہی بیان سے بین یدیہ کے، معنی قریب و بعید دونوں ہی ثابت ہوئے پھر آپ کو معنی قرب پر اصرار کیوں ہے؟"
وثامنًا: سلمنالك ان مراد الراغب ماتريد ولكن هذا صاحب رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم السائب بن يزيد العربي صاحب اللسان يقول كان يؤذن بين يديه رسول الله صلى الله تعالٰى وسلم على باب المسجد[2] هو اعلم باللسان ام انت وراغبك وبالجملة احاديث فی جبهة حجا جكم كية لاتمحى فلله الحمد۔	**ثامنًا:** چلئے ہم نے امام راغب کے قول کی وہی مراد تسلیم کرلی جو آپ کو مرغوب ہے مگر اس کو کیا کہیئے گا کہ صحابی رسول حضرت سائب بن یزید عربی رضی اللہ عنہ جو خود بھی صاحب زبان ہیں اور آپ اور آپ کے امام راغب دونوں سے زیادہ عربی زبان کی باریکیاں سمجھتے ہیں وہ حضور صلی اللہ تعالٰی وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ علیہ وسلم کی اذان جمعہ کو بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی کہتے ہیں اور علی باب المسجد بھی کہتے ہیں یہ حدیث گرامی تو آپ کی کٹھ حجتی کے منہ پر ایسی مہر ہے جس کا ٹوٹنا ناممکن ہے ہم اس پر اللہ تعالٰی کی حمد بجالاتے ہیں۔
تاسعًا: اعترف هذا المستدل بان بين يديه فی بعض المواضع بحسب المقام تكون خاليًا تكون خاليا عن	**تاسعًا:** مستدل نے یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ بین یدیہ بعض مواقع میں قرب سے خالی بھی ہوتا ہے اور صرف سامنے اور

[1] المفردات فی غرائب القرآن الیاء مع الباء تحت اللفظ "بین" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۸

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب وقت الجمعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۵

معنی القرب دالا علی مجرد المحاذاۃ قال کما صار واقعا فی بعض الایات القرینیۃ ایضا لکن ھھنا ای فی مسئلۃ الاذان لم یصرح بھذا فی کتاب (اھ مترجما) فقد اقران بین یدیہ یستعمل علی کلا الوجھین وانہ ورد فی القرآن العظیم ایضا بالوجھین ثم یقول لم یصرح بہ ھھنا فی کتاب یامسکین انت المستدل واذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال فما ینفعک عدم التصریح انہ انما کان علیک ان تبدی تصریحا بنفیہ ولکن الجھل بمسالک الاحتجاج یاتی بالعجائب۔	مقابل کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ بعض آیات قرانی میں بھی واقع ہوا ہے مگر مسئلہ اذان میں جو لفظ بین یدیہ آیا ہے اس کے معنی صرف وہ محاذاۃ ہے جو قرب سے خالی ہو اس کی تصریح کسی نے نہیں کی ہے اھ۔ مقام حیرت ہے کہ "بین یدیہ" کو قریب و بعید دونوں کے لیے مان کر اور یہ تسلیم کرکے کہ قران عظیم میں ایسا وارد ہے اور مستدل ہو کر سادگی سے یہ کہنا کہ مسئلہ متنازعہ میں بین یدیہ کے معنی بعید ہونے کی تصریح کہیں سے ثابت نہیں (الٹی بھیرویں الاپنا ہے) اس عدم ثبوت سے مستدل کو کیا فائدہ پہنچے گا۔ آپ کا استدلال تو اس احتمال کے تسلیم کرتے ہی ختم ہوگیا کہ "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" اب تو اگر آپ یہ ثابت کرسکتے ہیں کہ مسئلہ اذان میں اس لفظ کے معنی بعید نہیں مراد ہیں تو بات بنتی اور یہ آپ کے بس سے باہر ہے جبھی تو معنی محتمل مراد نہ ہونے کی تصریح کے عدم سے استدلال کرنے لگے سبحان اللہ! یہ بھی پتہ نہیں کہ مستدل کا موقف کیا ہے اور معترض کو کس بات سے فائدہ پہنچتا ہے۔
ثم قولہ لما لا یریدہ ولا یرضاہ کما صار واقعا فی بعض اٰیات القرآن ایضا یلمح الی شیئ اصعب فان مثل ھذا الکلام فی مثل ھذا المقام یقال	اسلوب بیان کی خامی یہ جملہ جیسا کہ قران کی بعض آیات میں واقع ہوا یہ بتانے کے لیے بولتے ہیں کہ یہ جو واقع ہوا سہواً وخطاءً

لما وقع سهوا او خطأً على خلاف الجادة نسال الله العفو والعافية۔	واقع ہوا کیا قرانی آیات کے لیے یہ اسلوب بیان صحیح ہے اللہ تعالٰی سے ہم عفو کے طالب ہیں
عاشرًا: اذ قد ثبت فی القران العظیم فلم انت راغب عنه الی قول الراغب وتزعم ان المفاد هو الذی قاله لا ما وقع فی القرآن الکریم فان زعمت ان ما انت فیه لیس محله کان علیك ابداء ما هو محله وانه فی القرآن لا ههنا واثبات کل ذلك بالبینة والا فلم تقر بانه فی القرآن المجید ثم انت عنه تحید ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العزیز الحمید۔	**عاشرًا:** جب تم نے یہ تسلیم کر لیا کہ "بین یدیہ" کے معنی قرآن میں بعید مقابل کے لیے ہے تو اس سے منہ موڑ کر اس کے راغب کے بیان کے مطابق قریب لینے کی کیا وجہ ہے اگر کوئی وجہ فرق تھی تو آپ کو دونوں ہی پہلو کے لیے دلیل دینی چاہیے تھی کہ قرآن میں بعید ہونے کی یہ وجہ ہے اور اذان میں قریب مراد ہونے کی دلیل یہ ہے اور جب آپ کے پاس تفریق کی کوئی دلیل نہیں تو قرآن عظیم سے رخ موڑ کر راغب کا دامن پکڑنا کار ذلیل ہے۔
نفحه ۳: نص ائمتنا فی الاصول ان "عند للحضور" قال الامام الاجل فخر الاسلام البزدوی فی اصوله والامام صدر الشریعة فی التنقیح والتوضیح، واقره العلامة سعد التفتازانی فی التلویح (عند للحضرة[1]) وفی تحریر المحقق علی الاطلاق وشرحه التقریر لتلمیذه المحقق الحلبی (عند للحضرة) الحسیة	**نفحہ ۳:** ہمارے اماموں نے اصول کی کتابوں میں تحریر فرمایا کہ عند حضور کے لیے ہے چنانچہ امام فخر الاسلام بزدوی نے اپنے اصول میں اور امام صدر الشریعہ نے تنقیح و توضیح میں اور علامہ تفتازانی نے تلویح میں فرمایا کہ "عند حضور کے لیے ہے محقق علی الاطلاق اور ان کے شاگرد رشید محقق حلبی کی شرح تقریر میں ہے کہ عند حضور حسی کے لیے ہے جیسے آیۂ کریمہ فلما راٰہ مستقرا عندہ،

[1] اصول البزدوی باب حروف البحر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۱۳

نحو فلما راٰہ مستقرا عندہ، والمعنویۃ نحو قال الذی عندہ علم من الکتاب [1] اھ وقال الامام الاجل ابو البرکات النسفی فی المنار وشرحہ کشف الاسرار والعلامۃ شمس الدین الفناری فی الفصول البدائع فی الاصول الشرائع والعلامۃ مولی خسرو فی مراٰۃ الاصول وشرحۃ مرقاۃ الوصول (عند للحضرۃ الحقیقۃ او الحکمیۃ اھ [2]) وفی مسلم الثبوت للمدقق البھاری وشرحہ فواتح الرحموت للملک العلماء بحر العلوم عبد العلی (عند للحضرۃ الحسیۃ) نحو عندی کوز (والمعنویۃ) نحو عندی دین لفلان [3] اھ۔ ومعلوم ان کلا حاضر بالمرأی وکل ما بالمرأی قریب فلا القرب ینکر ولا فی الاتصال یحصر فما د عند اوسع من مفاد "بین یدیہ" فضلا عن ان یزید ضیقا علیہ وقد فرقوا بین لدی	اور حضور معنوی کے لیے جیسے وقال الذی عندہ علم من الکتاب اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا اور اسی طرح امام اجل ابو البرکات نسفی نے منار میں اور اس کی شرح کشف الاسرار میں اور علامہ شمس الدین الفناری نے فصول البدائع فی اصول الشرائع میں مولاخسرو نے مرات الاصول اور اس کی شرح مرقات الوصول میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی یا حکمی کے لیے آتا ہے مدقق بہاری نے مسلم الثبوت میں ملک العلماء بحر العلوم نے فواتح الرحموت میں فرمایا کہ عند حضور حقیقی کے لیے ہے جیسے عندی کوز (میرے پاس پیالہ ہے)۔ اور معنوی کے لیے جیسے عندی دین لفلان (مجھ پر فلاں کا قرضہ ہے)۔ اور یہ بالکل واضح ہے کہ حاضر پیش نگاہ ہے اور جو پیش نگاہ ہے قریب ہی کہا جائے گا تو نہ تو عند کے معنی سے قرب کے انکار کی گنجائش اور نہ عند کے لیے ساتھ چپکا ہونا ضروری ہے اور سچ پوچھو تو عند اپنے مفاد میں بین یدیہ سے بھی زیادہ وسیع ہے نہ یہ کہ

[1] التقریر و التحبیر مسئلہ عند للحضرۃ دار الفکر بیروت ۲ /۱۰۱

[2] مرقاۃ الاصول شرح مرآۃ الاصول، فصول البدائع فی اصول الشرائع

[3] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسائل الظروف مسئلہ عند للحضرۃ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱ /۲۵

وعند بان عند یستعمل فی القریب والبعید ولدی مختص بالقریب۔ قال الرضی فی شرح الکافیة عند اعم تصرفا من لدی لان عند یستعمل فی الحاضر القریب وفیما هو فی حرزك ان کان بعیداً بخلاف لدی فانه لا یستعمل فی البعید[1] اھ، والقرب کما علمت ذو وسع بعید و لنوضح ههنا ایضا بآیات الکلام الحمید۔

(۱) قال اللّٰه عزوجل: "اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ"[2] (الایة)۔ "ومرت فی النفحة الاولی القرانیه امر کل من فی مشهده صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم بغض الصوت ولا یختص بالذی یلیه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فسواء فیه من لدیه ومن علی الباب کلهم عند رسول اللّٰه بلا ارتیاب

عند کو بین یدیہ سے تنگ مانا جائے چنانچہ عند اور لدی میں یہی فرق بیان کیا جاتا ہے کہ عند قریب و بعید دونوں کے لیے اور لدی خاص طور سے قریب پر دلالت کرتا ہے رضی نحوی نے شرح کافیہ میں تحریر کیا: "عند اپنے تصرفات میں لدی سے اعم ہے کہ وہ پاس اور دور دونوں میں مستعمل ہے اور لدی کا استعمال بعید میں ہوتا ہی نہیں ہے۔" اور ہم پہلے بیان کرآئے ہیں کہ خود قریب کی جولانگاہ بھی بہت وسیع ہے مزید آیات قرآنیہ سے ہم اسے واضح کرتے ہیں:

(۱) اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور اپنی آواز پست کرتے ہیں۔"

نفحہ اولٰی قرآنیہ میں واضح کرآئے ہیں کہ یہ حکم ہر اس شخص کے لیے ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیش نگاہ ہو حضور کے بالکل پاس بیٹھنے والوں کے لیے کچھ خاص نہیں بلکہ جو پاس ہے اور جو باب مسجد کے پاس ہے سب کے لیے یہی حکم ہے محراب رسول اور دروازہ مسجد پر بیٹھنے والے دونوں ہی عند رسول اللہ کہے جائیں گے سبھی

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] الرضی فی شرح الکافیه "الظروف" لدی ولدن وقحط عوض دار الکتب العلمیه بیروت ۲ /۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یحل لاحد ان یصیح و یصرخ فی حضرتہ او یرفع صوتا فوق ضرورتہ ولو کان مفاد "عند" مایزعمون لشمل ھذا الوعد الجمیل بمغفرۃ واجر عظیم من قام بحضرتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی فصل عدۃ اذرع فجعل یصیح مع اخر صیاحا شدیدا منکرا فاذا کان منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفصل شبر مثلا او تکلم ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غضّ صوتہ وھذا لا یقول بہ مسلم لہ عقل۔

(۲) قال جل وعلا: "ھُمُ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ لَا تُنۡفِقُوۡا عَلٰی مَنۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنۡفَضُّوۡا ؕ[1]۔"

وھذا وسع من ذاك یشمل کل من فی خدمتہ وان لم یکن الان فی حضرتہ۔

کے لیے چیخنا اور چلانا منع ہے بلکہ یہ کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ آواز نکالنا منع ہے اور اس مقام پر اگر عند کے وہی معنی ہوں جو یہ لوگ اذان عند منبر میں مراد لیتے ہیں آواز پست رکھنے پر مغفرت اور اجر عظیم کے وعدہ کا مستحق وہ بے ادب بھی ہو جائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے چند ہاتھ کی دوری پر کھڑا چیخ رہا ہو یا صرف اس کے لیے خاص ہو گی جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بالشت کی دوری پر کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز میں بات کرے یا خود حضور ہی سے کلام کرے اور چار ہاتھ دور کھڑا ہو کر کسی سے پست آواز سے بات کرے تو وہ دائرہ رحمت و مغفرت سے باہر ہے کہ (وہ عند رسول اللہ نہیں) بھلا کون عقلمند مسلمان ایسا کہہ سکے گا۔

(۲) ارشاد الٰہی ہے: "یہ منافقین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خرچ نہ کرو تاکہ یہ ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔"

یہاں عند کا مفہوم پہلے والی آیت سے بھی وسیع ہے کیونکہ یہاں تو عند سے مراد وہ سبھی لوگ ہیں جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت کرتے ہیں اگرچہ فی الحال حضور سے بہت دور ہوں۔

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۷

(۳)قال تبارك وتعالٰی: "یَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ٘ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَیَّتَ طَآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ غَیْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُؕ وَ اللّٰهُ یَكْتُبُ مَا یُبَیِّتُوْنَۚ"[1]۔

هذا فی المنافقین وما کانو یلو نه صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی المجلس انما کان ذلك لابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما ثم لا یختص بمن کان اقرب منهم بالنسبة الی الاخر یشمل هو جمیعا۔

(۴)قال المولی سبحانه وتعالٰی "اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍۙ(۵۴) فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۠(۵۵)"[2]۔

عمت کل متق ولکن این احاد الصلحاء من العلماء و العلماء من الاولیاء والاولیاء من الصحابة والصحابة من الانبیاء

(۳) اللہ تبارک وتعالٰی کا ارشاد گرامی ہے (کہ منافق آپ کے سامنے کہتے ہیں): "ہم آپ کے فرمانبردار ہیں، اور جب آپ کے پاس سے دور ہوجاتے ہیں تو ان کی ایک جماعت اس کے خلاف بولنے لگتی جو آپ کے سامنے کہہ چکے۔"

یہ منافقین کے حال کا بیان ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ منافقین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار میں آپ کے بالکل پاس نہیں بیٹھتے تھے قریب کی جگہ تو ابوبکر وعمر، عثمان وعلی ودیگر مخلصین صحابہ کے لیے تھی منافقین تو ادھر اُدھر آنکھ بچا کر بیٹھتے تھے اگر کچھ کسی مجبوری سے آپ کے سامنے بیٹھ بھی گئے ہوں تو عندکہہ کر سبھی منافقین مراد ہیں قریب بیٹھنے والے ہوں یا دور۔

"بے شک متقین باغوں اور نہروں میں سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور ہوں گے۔"

یہ آیت تو سارے ہی متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے لیکن اس میں کہاں بہ نسبت اولیاء کے کسی صالح مسلمان کا درجہ اور بہ نسبت اولیاء کے کسی عالم کا درجہ، اور بہ نسبت انبیاء کے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۴،۵۵

I.T. Majlis of Dawateislami www.dawateislami.net

والانبیاء من سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرق لایقدر ولا یقدر بشران یتصور اعظم بالوف الآف مرات مابین الفلك الاعلی وما تحت الثری وقد شملت کلهم عند۔	کسی ولی کا درجہ اور کہاں سید الانبیاء اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا درجہ ان مراتب میں تو فلک الافلاک اور تحت الثری سے بھی زیادہ فاصلہ ہے مگر سب کو عنداللہ سے بیان کیا گیا ہے۔
(۵) مثلہ قولہ عزوجل "اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ "[1]	(۵) اسی طرح اللہ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے "بے شک متقین کے لیے رب کے پاس جنت نعیم فرمایا ہے۔"
(۶) فی اٰیۃ اخری وقال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی "اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ"۔[2]	(۶) دوسری آیت میں اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا: "اس نے دعا مانگی یااللہ! میرے لیے اپنے پاس جنت میں ایک مکان بنادے۔"
ومعلوم ان اللہ تعالٰی قداتجاب لها وقد فرج لها ففی الدنیا ونبیتها کما فی حدیث سلمان[3] وحدیث ابی ہریرہ بسند صحیح رضی اللہ تعالٰی عنهما وما کانت لتطلب اقرب المنازل وان تفضل علی الانبیاء والرسل علیهم وعلیها الصلوۃ والسلام، بل قربا یلیق بها وان لم یساوی ما لخدیجۃ وفاطمۃ وعائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنهن	(مذکورہ بالا آیت کے تحت) حضرت سلمان وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالٰی نے ان پاک بی بی کی دعا قبول کرلی تو کیا وہ انبیاء واولیاء سے بھی زیادہ قرب الٰہی کی طالب تھیں وہ تو اس کی خواستگار تھیں کہ قرب کا وہ مقام جو ان کے لائق ہو، چاہے حضرت خدیجہ وفاطمہ وعائشہ رضوان اللہ تعالٰی عنہن کے درجہ کے ہم پلہ بھی نہ ہو چہ جائیکہ

[1] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۴

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۱۱

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۸/ ۱۹۲، الدر المنثور تحت الآیۃ ۲۲/ ۱۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۱۳

فضلا عن الانبیاء الکرام علیھم الصلوۃ السلام۔ (۷) وقال عزوجل فی الشھداء "بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ"[1] این رجل من احاد الشھداء من سیدھم حمزۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بل من نبی اللہ یحیی وغیرہ ممن استشھد من الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام۔ (۸) قال جل ذکرہ فی الملئکۃ "فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ"[2] تفاوتھم فیما بینھم معلوم غیر مفھوم "وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ"[3] (۹) قال عز من قائل "وَقَدۡ مَکَرُوۡا مَکۡرَہُمۡ وَعِنۡدَ اللّٰہِ مَکۡرُہُمۡ"[4] وماکان لمکر الکفار ان یکون	انبیاء عظام علیہم الرحمہ والرضوان کے درجہ کے برابر ہو۔ (۷) اللہ تعالٰی نے شہدائے کرام کے بارے میں ارشاد فرمایا "شہداء اللہ تعالٰی پاس زندہ ہیں۔" تو بھلا کہاں سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام بلند اور کہاں اللہ تعالٰی کے نبی یحیٰی علیہ السلام کا مقام بلند اور کہاں عام شہداء کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم کی منزل بلکہ انبیاء کرام علیہم السلام میں شہادت پانے والوں کی منزلیں۔ (۸) اللہ تعالٰی فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے "جو فرشتے تمہارے رب کے پاس ہیں ان فرشتوں میں باہم درفت کا کتنا تفاوت ہے ہم اس کی حقیقت تو نہیں جان سکتے مگر تفاوت ہونا یقینا معلوم ہے قرآن عظیم کا ارشاد ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک متعین مقام ہے۔" (۹) اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے "کافروں نے خدا سے مکر کیا ان کا مکر تو خدا ہی کے پاس ہے۔" کافروں کے مکر کے لیے اللہ تعالٰی سے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۸

[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۶۴

[4] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۶

له قر ب من العزیز الجبا ر لا مکا نا لا ستحا لته ولا مکلانة لا ستھا نته وا نما ھو للحضور ای حا ضر بین یدیه لا یخفی علیه فیر جع الی معنی العلم۔

(۱۰) قال سبحانه ما اعظم شانه

"ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ "[1] یعنی البدن قا ل فی المعا لم ای عند البیت العتیق یر ید ارض الحرا م کلھا قال فلا یقر بوا المسجد الحرا م کله[2]. اھ جعل جمیع الجزاء الحرم اذ کلھا منحر عند البیت ومعلوم ان کثیرا منھا علی فصل فراسخ من البیت الکریم۔

(۱۱) تر ی التا بعین یقو لو ن فی احا دیثھم کنا عند عا ئشة رضی اللہ تعالٰی عنھا فلا ادر ی علی ای قر ب یحمله المطلو ن۔

(۱۲) یقو ل الحا جب جئت من عند الملك وما کا ن الا علی

کوئی قرب نہیں نہ قرب مکانی کہ یہ ذات باری کے لئے محال ہے نہ قرب مرتبی کہ مکر تو نہایت ذلیل چیز ہے لا محالہ اس آیت میں قرب سے مراد حضور یعنی یہ اللہ تعالٰی کے سامنے ہے اس سے پوشیدہ نہیں تو حضور علمی ہوا۔

(۱۰) اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا قربانی کے جانور ذبح کرنے کی جگہ بیت اللہ کے پاس ہے معالم التنزیل میں فرمایا الی البیت العتیق کا مطلب عند البیت العتق ہے یعنی حرم کی پوری زمین (چنانچہ دوسری جگہ) ارشاد ہوا پورے حرم کے قریب نہ جاؤ آیت مذکورہ بالا میں پورے حرم کو منحر عند البیت العتیق قرار دیا جب کہ حدود حرم مختلف جہات میں بیت اللہ شریف سے کوسوں دوری پر ہے۔

(۱۱) احادیث کریمہ میں بہت سے تابعین فرماتے ہیں ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس تھے پتہ نہیں یہ باطل کوش یہاں قربت کو کتنے قرب پر محمول کریں گے۔

(۱۲) دربان کہتا ہے میں ابھی بادشاہ کے پاس سے آرہا ہوں حالانکہ وہ دروازہ سے

www.dawateislami.net I.T. Majlis of DawateIslami

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۲۲/ ۳۳ دار الکتب العلمیه بیروت ۳/ ۲۴۲

الباب۔ (۱۳)یقول مکی بیتی عند باب السلام وربما کان بینھا اکثر من مائتی ذراع۔ (۱۴)یقول التلمیذ جلست عند شیخی ثلث سنین کوامل وان لم یکن قیامه الا فی مسجده وجلوسه الا فی اخریات مجلسه۔ (۱۵)اتوخذ لفظة عند من کلام بعض الفقهاء ولایوخذ ما ابانوا من معنی عند قال فی الکتاب الهدایة والکنز والتنویر وغیرها واللفظ للکنز من سرق من المسجد متاعا وربه عنده قطع[1] فقال علیه فی شروحها المجتبی وفتح القدیر وبحرالرائق والدر المختار وغیرها والنظم للدر: "عنده ای بحیث یراه[2]"۔	آگے بڑھ نہیں سکتا۔ (۱۳)مکہ کا رہنے والا اپنا پتہ بتاتا ہے کہ میرا گھر باب السلام کے پاس ہے حالانکہ بسا اوقات دونو فاصلہ دو سو ہاتھ سے بھی زیادہ ہوتا۔ (۱۴)شاگرد استاذ کے پاس مکمل تین سال رہا حالانکہ قیام اس کا مسجد میں ہوتا ہے اور شیخ کی مجلس میں اسے آخری صف میں بیٹھنے کی جگہ ملتی ہے۔ (۱۵) یہ کہاں کا انصاف ہے فقہاء کے کلام میں آئے ہوئے لفظ عند سے تو اذان ثانی کے متصل منبر ہونے پر استدلال کیا جائے اور فقہائے کرام نے خود لفظ عند کے جو معنی بتائے ہیں اس سے روگردانی کی جائے ہدایہ، کنز، تنویر وغیرہا میں فرمایا یہ عبارت کنز کی ہے جس نے مسجد سے ایسا سامان چرایا جس کا مالک سامان کے پاس تھا اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا ان کی شرح مجتبی، فتح القدیر، بحرالرائق اور درمختار میں فرمایا الفاظ درمختار کے ہیں "سامان کے مالک کے پاس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی دور ہو جہاں سے اپنا سامان دیکھ رہا ہو۔

[1] کنز الدقائق کتاب السرقة فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷۹

[2] الدر المختار کتاب السرقة فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

فظهر ان معنى عند لا يشيد على ما بينا من مفاد بين يديه ولا دلالة لشيئ منهما ان لا اذان داخل المسجد فضلا عن كونه لصيق المنبر ولكن اذا رسخ فى القلب وهم فكلما يسمع يتوهمه بمعناه كما قيل لسغبان واحد مع واحد كم يصير قال خبزان۔	مذکورہ بالا شواہد سے یہ ثابت ہوگیا کہ عند کے معنی بھی اس سے زیادہ نہیں جو ہم نے بین یدیہ کے معنی میں بیان کیا اور ان دونوں لفظوں کی کوئی دلالت اذان کے داخل مسجد ہونے پر نہیں چہ جائیکہ منبر سے متصل مراد لی جائے مگر جب کوئی وہم آدمی کے دماغ میں جم جاتا ہے تو وہ جو چیز بھی دیکھتا ہے اس کو وہی وہمی چیز سمجھتا ہے اور کوئی بات سنتا ہے تو ہی چیز اس کے خیال میں جیسا کہ بھوکے سے پوچھا جائے کہ ایک ایک کتنا ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے دو۲ روٹی۔
نفحه۴: استبان مما بان و لله الحمد جهالة من تمسك هنا بقول الراغب "عند" لفظ موضوع للقرب فتارة يستعمل فى المكان وتارة فى الاعتقاد نحو ان يقال عندى كذا وتارة فى الزلفى والمنزلة [1] وقول المبسوط "عند عبارة عن القرب [2]" وبان ترجمته بالفارسية نزد و بالهندية	**نفحہ ۴**: الحمد للہ رب العالمین گزشتہ اظہار سے ان لوگوں کی جہالت واضح ہوگئی جو اس موقعہ پر بھی امام راغب کے قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "لفظ عند قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے تو کبھی مکان کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے لیے جیسے کوئی کہے میرے پاس ایسا ہے اور کہیں رتبہ اور مرتبہ کے لیے ہوتا ہے یا مبسوط میں امام سرخسی کے قول سے استدلال کرتے ہیں عند قرب بیان کرنے کے لیے ہے۔" عند کا ترجمہ فارسی میں "نزد" اور ہندی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون تحت اللفظ "عند" نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۵

[2] المبسوط للسرخسی کتاب الکفالۃ باب الکفالۃ بالنفس دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹/ ۲۲۴

پاس وقد افدناك من موارد القرب ما يغنی عن اعادته و جميع الايات التی تلونا انما ترجموا عنع فيها باللسانين بلفظة"نزد پاس"مع ما فيها من العرض العريض كما بينا۔ وكذلك فی "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ"[1] "اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ"[2] وغير ذلك مما لا يخفى على الصبيان، وقد سئلناهم مرارا عن مسئلة فقهية فلم يجب احد منهم الى الان و كيف يجيبوا ومالهم به يدان واذا بزغ الحق كلا اللسان۔ صورتها زيد صنع منبرا تبلغ قيمته دينارا اعشرة دراهم او اكثر وهو خفيف بحيث يذهب به رجل واحد لاينوء به ولا يؤدة شيئ من	میں "پاس" ہے کیونکہ ہم نے قرب کے تمام موارد کا ذکر کر دیا ہے جس کے لیے آیات کے اعادہ کی ضرورت اور یہ بھی بتادیا ہے کہ ان تمام آیتوں میں لفظ "عند" کا ترجمہ دونوں زبانوں میں لفظ نزد و پاس سے کیا گیا ہے جبکہ ان موارد میں قرب کے معنی میں بڑی وسعت ہے۔ جیسا کہ آیت اقتربت الساعۃ (قیامت قریب ہوئی) اور آیت اقترب للناس حسابھم (لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب ہوا) وغیرہ سے ظاہر ہے (کہ لفظ قرب اپنے دامن میں صدیوں کا فاصلہ سمیٹے ہوئے ہے) اور یہ بات بچوں تک پر واضح ہے ہم نے ان سے بارہا ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب آج تک کوئی نہ دے سکا اور وہ کیسے جواب دیتے وہی جواب تو خود ان پر لوٹتا بات یہ ہے کہ جب حق ظاہر ہوتا ہے زبانیں گونگی ہوجاتی ہیں۔ صورت مسئلہ یہ ہے کہ زید نے ایک دینار مساوی دس درم یا زائد کا ایک ہلکا پھلکا منبر بنایا جسے ایک آدمی بلا تکلف و بے زحمت ومشقت جہاں چاہے اٹھالے جائے اذان منبر

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱

حمله واذهابه فاذا اناء فی المسجد حین المنبر کان المتولی یستعیره من مابب لکه ثم اذافرغ یرده الیه و ذات یوم قضیت الصلوة وانتشروا فی الارض والمنبر بعد فی مکانه و مالکه قام بحذائه علی باب آخر مستترقا و حانت التفاتة من زید فاخذ المنبر و اشرد فحل یقطع هذا الواهابی السارق شرعا ام لا فان قالوا الا فقد خالفوا نصوص الائمة اذ قالوا من سرق من المسجد متاعا وربه عنده بحیث یراه قطع[1] وان قالوا نعم فقد کان شرط القطع ان یکون ربه عنده لیکون محرزا بالحافظ اذا المسجد لیس بمحرز فقد اعترفوا ان القائم علی باب المسجد او فی حدوده او فنائه حذاء	کے وقت زید اسے مسجد میں لے کر پہنچا متولی مسجد نے اسے مالک سے عاریۃ مانگ لیا کہ نماز سے فارغ ہو کر واپس کر دیں گے بعد نماز لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور منبر وہیں پڑا رہ گیا اور مالک سامنے مسجد کے دروازہ پر یا حدود مسجد کے اندر کھڑا رہ کر اسے دیکھتا اور نگرانی کرتا رہا اس اثنا میں ایک وہابی چوری کی نیت سے مسجد کے اندر دوسرے دروازے سے داخل ہوا اور مالک کے ایک ذرا رخ پھیرنے کا انتظار کرتا رہا جیسے ہی مہلت پائی منبر لے کر نکل بھاگا سوال یہ ہے کہ وہ وہابی چوری کی علت میں ماخوذ ہوگا یا نہیں اور اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا یا نہیں؟ تو داخل مسجد اذان کے حامی اگر یہ جواب دیں کہ نہیں تو ائمہ فقہ کی نص صریح کے خلاف ہوگا کہ ان کا ارشاد "جس نے مسجد کے اندر کے سامان کو چرایا جبکہ مالک اس سامان کے پاس ایسی جگہ ہو جہاں سے سامان نظر آرہا ہو تو اس کا ہاتھ کاٹا جائیگا" اگر یہ جواب دیں کہ ہاتھ کاٹا جائیگا تو کاٹنے کی شرط یہ تھی کہ مالک سامان کے اتنے پاس ہو کہ اسکا محافظ قرار دیا جائے کیونکہ مسجد حود محفوظ جگہ نہیں تو ان لوگوں نے یہ اعتراف کرلیا کہ مسجد کے دروازے

[1] بحرالرائق کتاب السرقہ فصل فی الحرز ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۵۹، الدرالمختار کتاب السرقہ فصل فی الحرز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۳۴

المنبر قائم عند المنبر فبثت ان الاذان عند المنبر و ذلك ما اردناه ولله الحمد حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه كما يحبه ويرضاه۔	کے پاس اس کے فناء میں منبر کے سامنے کھڑا ہونے والا منبر کے پاس ہی ہے یہ تو ہمارا دعوی تھا جس کا اعتراف مخالف نے کیا اللہ تعالٰی کے لیے بے شمار پاک اور مبارک تعریفیں جس سے وہ راضی ہوا اور جسے پسند کرے۔
نفحہ ۵: لئن ننزلنا الی مثل مدارکهم فلا شك ان عند ظرف زمان و مكان قال تعالٰی: "خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"[1] ای ثیابکم وقت کل صلوة والوقت یضاف الی الامکنة والاجسام ایضا اذا کان له اختصاص بها قال تعالٰی: "یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ"[2] انما حنین اسم مکان وکذا یوم بدر یوم احد یوم الدار لیلة عقبة لیلة المعراج لیلة الغار فی الصحیحین: "من لها یوم السبع[3]" سبع بسکون الباء مکان المحشر	**نفحہ ۵:** اگر ہم ان لوگوں کے معیار فہم پر اتر کر بھی بات کریں تو اتنا تو سب پر ظاہر ہے کہ عند ظرف زمان اور مکان دونوں ہی کے لیے ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: "ہر مسجد کے پاس اپنی زینت اختیار کرو" یعنی ہر نماز کے وقت کپڑے پہنو اور خود وقت بھی مکان اور اجسام دونوں ہی کی طرف مضاف ہوتا ہے جب کہ وقت کے ساتھ ان کو کوئی خصوصیت ہو ارشاد الٰہی ہے: "اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے" حنین ایک جگہ کا نام ہے یہی حال یوم بدر، یوم احد، یوم دار، لیلۃ العقبہ، لیلۃ المعراج اور لیلۃ الغار کا ہے صحیحین کی حدیث ہے: "ومن لها یوم السبع" سبع کا لفظ با کے سکون کے سات بھی مروی ہے

[1] القرآن الکریم ۷/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب منه قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۴

او بضمتها الحیون المفترس و علیه الاکثر و لا شك ان لهذا الوقت اختصاصا بالمنبر وقته وحینه۔

نفحه۶: احتجوا بقول بعضهم علی المنبر فمن هؤلاء من یفسره بعند و قد علمت ان لیس فی عند ما یقرأ اعینهم واجهلهم یقول "علی" ههنا بمعنی الباء یرید ان الباء اللالصاق فکان الاذان ملاصق المنبر مع ان الالصاق الذی فی الباء لیس قطعا بمعنی الاتصال الحقیقی تقول مررت بزید اذا امررت بحیث تراہ و ان کان بینکما اکثر مما بین المنبر و الباب قال تعالٰی: "وَكَاَیِّنۡ مِّنۡ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡهَا وَهُمۡ عَنۡهَا مُعۡرِضُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾"[1] ههنا لفظة علی نفسها و انت لا یبلغ الاسباب اسباب

تو لفظ سبع سے مراد مکان محشر ہو گا اور باء کے ضمہ کے ساتھ تو شیر مراد ہو گا اکثر علماء کے نزدیک یہی راجح ہے پس ان مقامات میں یوم کی نسبت مقام کی طرف ہے تو ایسا کیوں صحیح نہ ہو گا کہ اذان عند المنبر کے معنی اذان وقت منبر ہو کیونکہ اس اذان کو منبر سے ایک نسبت خاص ہے۔

نفحہ ۶: اذانیوں نے بعض فقہاء کے قول اذان علی المنبر سے استدلال کیا تو ان میں سے بعض نے علی کی تفسیر عند سے کی اور ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ خود لفظ عند میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے ان کے دل کو چین ملے اور ان میں سب سے بڑے جاہل نے کہا کہ علی معنی میں باء کے ہے مطلب یہ کہ باء الصاق کے لئے آتا ہے تو لفظ اذان علی المنبر کا مطلب ہو گا وہ اذان جو منبر کے متصل ہو اس بات سے قطع نظر کہ یہاں علی کا باء کے معنی میں ہوا خود محل نظر ہے لطف یہ ہے کہ خود الصاق کے معنی اتصال حقیقی نہیں عربی کے اس قول مررت بزید (میں زید کے ساتھ چلا) کا یہ مطلب نہیں کہ میں زید سے چپک کر چلا بلکہ تم زید کے پیچھے پیچھے منبر اور دوازہ مسجد کی دوری سے زائد فاصلہ پر بھی چلو اس طرح کہ تمہاری نظر زید پر رہے تو تم کہہ سکتے ہو کہ میں زید کے ساتھ چلا اللہ تبارک و تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۱۲/۱۰۵

السموات حتی تلتصق بآیاتها انما المعنی تمر بحیث تراها وامثلهم طریقة یقول ان بعض الفقهاء اتی بعلی تاکیدا للقرب یرید ان المراد المبالغة فی القرب حتی کانه علیه فوقه وکل هذا من هوساتهم۔

فاولًا: قد اجمع العقلاء ان اللفظ متی احتمل الحقیقة لامجاز عنها الی المجاز ومعلوم ان علی بمعنی عند او بمعنی الباء او للمبالغة کل ذلك مجاز وهی حقیقة فی اللزوم ففی اصول الامام شمس الائمة ثم کشف الامام البخاری: "اماعلی فللزام باعتبار اصل الوضع[1] اھ"

ارشاد فرماتا ہے: "آسمان وزمین میں کتنی آیتیں ہیں جن گزرتے ہیں اور وہ ان آیتوں سے اعراض کرتے ہیں۔" اس آیت میں خود لفظ علی ہی ہے تو کیا تم علی کو الصاق کے معنی میں لے کر آسمانی آیتوں سے متصل ہونے کے لیے آسمانوں تک بلند ہونے کی طاقت رکھتے ہو پس اس آیت میں لامحالہ تمرون علیہا کے یہی معنی مراد لینے ہونگے کہ تم ان آیتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہو اس حال میں کہ تم میں اور ان آیتوں میں آسمان کی وزمین کی دوری تھی اور ان میں سب سے زیادہ سلیم الطبع نے یہ تشریح کی کہ بعض فقہا کی عبارت میں علی المنبر کا لفظ قرب کی تاکید کے لیے ہے مطلب یہ کہ مراد مبالغہ فی القرب ہے یعنی منبر کے اتنا قریب کہ گویا منبر پر ہی ہو لیکن یہ بھی ان کی ہوس ہی ہے۔

اولًا: تمام اہل زبان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ لفظ کے معنی حقیقی جب تک بن سکیں معنی مجازی مراد لینے کی کوئی سبیل نہیں اور یہ واضح ہے کہ علی کو عند باء یا مبالغہ کے لیے لینا اس کے معنی مجازی ہوں گے کہ اس کے معنی حقیقی تو لازم کرنے کے ہیں جیسا کہ آول امام شمس الائمہ اور کشف امام بخاری میں: "علی اصل وضع کے اعتبار سے الزام کے لیے ہے۔"

[1] کشف الاسرار عن اصول البزدوی بحث حروف البحر کلمة علی دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۱۷۳

وفی تحریر الامام ابن الهمام و تقریر الامام ابن امیر الحاج: "وهو ای اللزوم هو بمعنی الحقیقی [1] اھ وفی الرضی الکافیة منه سر علی اسم الله تعالٰی ای ملتزما [2]" قال ربنا عزوجل "فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ٘" [3] ای ملازمة للحیاء۔ ولا شك ان هذا الاذان انما کان لازم ملازم للمنبر فانی توفکون۔ **ثانیًا:** الیست "علی" للمصاحبة. قال الامام الجلیل الجلال السیوطی فی الاتقان علی حرف جر لها معان (الی ان قال) ثانیها للمصاحبة کمع نحو "واٰتی المال علی حبه ای مع حبه. وان ربك لذو مغفرة الناس علی ظلمهم [4]"	تحریم امام ابن ہمام اور تقریب امام ابن امیر الحاج میں ہے: "لزوم ہی علی کے معنی حقیقی ہیں"۔ اور رضی شرح کافیہ میں ہے اسی محاورہ سے ہے اللہ کے نام پر سیر کر یعنی اس کولازم پکڑو۔" قرآن عظیم میں یہ لفظ اسی معنی میں وارد ہوا ارشاد الٰہی ہے: "ان دو عورتوں میں سے ایک شرم کرتی ہوئی آئی" یعنی وہ شرم کولازم کئے ہوئے تھی۔ اور اذان خطیب اس امام کو لازم ہے جس نے منبر کا الزام کیا ہے تو یہ لوگ علی کو اس کے حقیقی معنی (لزوم) سے پھیر کو کدھر پلٹ رہے ہیں۔ **ثانیًا:** علی مصاحبت کے لیے ہے امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں "علی" حرف جر ہے اس کے چند معانی ہیں دوسرا معنی مصاحبت ہے جیسے لفظ مع قران عظیم میں ہے کہ مال کو محبت کے باوجود قرابت داروں کو دیا (دوسری مثال) تمہارا رب ظلم کے باوجود لوگوں کی مغفرت کرنیوالا ہے (یہاں علی ظلم کا مطلب مع ظلم ہے)"

[1] التقریر والتجیر مسئلة علی الاستعلاء حسا دار الفکر بیروت ۲/ ۷۶

[2] الرضی فی شرح الکافیة حروف الجر حرف "علی" دار الکتن العلمیه بیروت ۲/ ۳۴۲

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۵

[4] الاتقان فی علوم القرآن النوع الاربعون دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۴۹۸

وفی الحدیث"زکاۃ الفطر علی کل حر و عبد [1]"قال فی النھایۃ"قیل علی بمعنی مع لان العبد لا تجب علیه الفطرۃ و انما تجب علی سیدہ [2].اھ"وفی القاموس: "والمصاحبۃ کمع""واتی المال علی حبه [3]"وفی الفتوحات الالھیۃ تحت قوله تعالٰی "تمشی علی استحیاء "علی بمعنی مع ای مع استحیاء [4]"ولا شك ان ھذا الاذان مصاحب المنبر لا یتقدمه ولا یتأخر عنه فان کانت حقیقۃ فی المصاحبۃ فذاك والا بطل مجازکم باحتمال مجاز اٰخر اذا انتم المستدلون۔ **ثالثًا:** قال ربنا عزوجل:"وَ	اور حدیث شریف میں ہے زکوۃ فطر ہر آزاد اور غلام پر ہے"نہایہ میں فرمایا علی یہاں بھی مع کے معنی میں ہے کہ صدقہ فطر غلام پر واجب نہیں ہو تو مالک پر ہے(تو مطلب یہ ہو کہ غلام کا صدقہ بھی اپنے ساتھ دے) قاموس سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے:"مع کی طرح علی بھی مصاحبۃ کے لیے آتا ہے جیسے اتی المال علی حبہ"اور فتوحات الٰہیہ میں آیت مبارکہ تمشی علی استحیاء کی توضیح میں فرمایا: علی مع کے معنی میں ہے یعنی شرماتے ہوئے اور اذان خطبہ بلاشبہ جلوس علی المنبر کے مصاحب ہے نہ اس سے قبل نہ بعد پس مصاحبۃ اگر علی کے معنی حقیقی ہوں آپ کے مراد لیے ہوئے معانی مجازی ہوئے اور مجاز حقیقت کے مصادم نہیں ہو سکتا اور یہ معنی مجازی اور آپ کے معانی بھی مجازی تو ایک اور معنی مجازی کا احتمال پیدا ہوا اور احتمال استدلال کے لیے کتنا مضر ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ **ثالثًا:** اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور

[1] مجمع الزوائد باب صدقۃ الفطر دار الکتب العلمیہ بیروت ۳ /۸۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب اسلامی بیروت ۲ /۲۷۷

[2] النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر باب العین مع اللام المکتبہ اسلامیہ ۳ /۲۹۶

[3] القاموس المحیط فصل العین باب الواؤ والیاء مصطفی البابی مصر ۴ /۳۶۸

[4] الفتوحات الالیہۃ الشہیر بالجمل تحت الایۃ ۲۸ /۲۵ مصطفی البابی مصر ۳ /۳۴۴

اتَّبَعُوۡا مَا تَتۡلُوا الشَّیٰطِیۡنُ عَلٰی مُلۡکِ سُلَیۡمٰنَ "[1] قال فی الاتقان والفتوحات الالٰھیة(ای فی زمن ملکه[2])، و فی مدارک الامام النسفی:"ای علی عهد ملکه وفی زمانه "[3]اھ۔ ولا شك ان هذاالاذان علی عهدالمنبر وفی زمانه، فرجعت الی معنی عندالزمانیة۔ **رابعًا:** اصل الکلام انهم اختلفوا فی الاذان المعتبر لایجاب السعی وترك العمل هل هو الاذان الاول کما هو الاصح وبه قال الحسن بن زیاد عن سیدنا الامام الاعظم رضی الله تعالٰی عنه ام اذان الخطبة لانه لم یکن عند نزول الکریمة وغیرہ وبه قال الامام الطحاوی رحمه الله تعالٰی ونقل الشمنی فی شرح النقایة کلامه ھکذا قال الطحاوی: انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان الذی یکون والامام علی المنبر لانه الذی کان علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بکر وعمر رضی الله تعالٰی عنهما[4] اھ	انہوں نے ملک سلیمان پر شیطانوں کے پڑھے ہوئے کی اتباع کی اتقان اور فتوحات الٰہیہ میں ہے یعنی ان کی حکومت کے زمانہ میں مدارک امام نسفی میں ہے یعنی ان کی حکومت اور ان کے زمانہ میں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے وقت اور زمانہ میں ہے تو یہ عند زمانیہ کے ہم معنی ہوگیا۔ **رابعًا:** اصل یہ ہے کہ فقہاء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ جمعہ کے لیے سعی کے وجوب میں کس اذان کا اعتبار ہے، اذان اول کا (حنفیّہ کے نزدیک یہی صحیح ہے اور حسن بن زیاد نے امام اعظم سے اس کی روایت کی) یا اذان خطبہ کا کیونکہ آیت سعی کے نزول کے وقت اذان اول تھی ہی نہیں (یہی امام طحاوی کا قول ہے جس کو شرح نقایہ میں شمنی نے نقل کیا) امام طحاوی نے فرمایا کہ جمعہ کے وقت وجوب سعی اور ترک بیع کا حکم اس اذان کے وقت ہے جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جاتی ہے کیونکہ پہلی اذان عہد رسالت اور ابو بکر و عمر رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] الفتوحات الالٰھیة الشهیر بالجمل تحت الایة ۲/ ۱۰۲ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۸

[3] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الایة ۲/ ۱۰۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۶۵

[4] مرقاۃ المفاتیح بحواله الطحاوی باب الخطبه والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۸

وفی مر قا ۃ علی القا ری:"قا ل الطحا وی انما یجب السعی وترك البیع اذا اذن الاذان و الامام علی المنبر لانه الذی كان علی عهده علیه الصلو ۃ والسلام و زمن الشیخین رضی الله تعالٰی عنهما [1]۔

وهكذا اكما تر ی لا مشا رلو همهم فیه وكا ن بعض المتا خر ین اختصر وا مقا له ولیر ا جع اصل لفظه رحمه الله تعالٰی عنه فا نی ارجو ا ان لا یكون فیه ما او قعهم فی الو هم و كیف ما كا ن فا نما استدل با نه الذی كا ن علی عهد رسو ل الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وابی بكر و عمر رضی الله تعالٰی عنهما وهكذا ذكر فی دلیله من عبر ہ با لا ذا ن علی المنبر عند المنبر كالكا فی و الكفایة والمبسوط وغیرها و معلو م قطعا انه لم یكن علی عهد رسو ل الله تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر ولذا احتاج هؤلاء ایضا الی تاویل علی بعند او الباء او

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی مرقات میں بھی روایت ان الفاظ میں ہے: "امام طحاوی فرماتے ہیں کہ جمعہ کے لیے سعی اور ترک بیع کا وجوب امام منبر پر بیٹھنے کے وقت دی جا نے والی اذان سے ہے کیونکہ عہد رسالت اور زمانہ شیخین میں صرف یہی اذان تھی۔"

ہر ایک پر روشن ہے کہ اس عبارت میں مخالفین کے شبہ میں پڑنے کی کوئی گنجائش نہیں (امام طحاوی نے امام کے منبر پر ہونے کی بات کہی ہے نہ کہ اذان کے) اور اسی عبارت کو بعض متاخرین نے اپنے طور پر مختصر کیا ہے اصل عبارت کو دیکھا جائے تو اس شبہ کی کوئی بنیاد ہی نہیں بھلا ایسے ہو سکتا ہے۔ امام طحاوی نے اپنے استدلال میں فرمایا وہ اذان جس پر سعی واجب ہوتی ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے عہد مبارک میں یہی بھی بعد کے جن لوگوں نے اس اذان کی تعبیر علی المنبر یا عند المبنر سے کی جیسے صاحب کافی وکفایہ اور مبسوط وغیرہ ان لوگوں نے بھی یہی کہا کہ یہی اذان حضور کے عہد مبارک میں ہوتی تھی، اور سب کو معلوم ہی کہ اذان خُطبہ عہد رسالت میں منبر کے اوپر نہیں ہوتی تھی اسی لیے تو ان علماء نے بھی علی کو عند

[1] مرقات المفاتیح کتاب الصلٰوۃ باب الخطبۃ والصلٰوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۳ /۴۹۸

المبأ لغة فأذن یجب حمله ما کان علیه فی زمنه الکریم وکما لم یثبت کونه فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم فوق المنبر، کذلك لم یثبت کونه ملاصق المنبر، او عند المنبر بالمعنی الذی یزعمون وانما ثبت کونه علی باب المسجد فیجب ان لا یحمل الا علی ما یوافقه عند کان او علی ولکن الانصاف قد عزفی الاخلاف۔ **نفحہ۷:** لئن تنزلنا لهم عن جمیع هذه التحقیقات التی ذکرنا بتوفیق ربنا علی الاعلی فی "عند وعلی"۔ **فاولًا:** ما قولهم "المعتبر الاذان علی المنارة او الاذان علی المنبر او عند المنبر" الا حکایة حال للتعریف ویعرف کل احد حتی الصبیان انه لیس بحکم وقولهم "لا یؤذن فی المسجد، ویکره الاذان فی المسجد" حکم والعبرة بالحکم لا بالحکایة۔ **وثانیًا:** الاذان الذی کذا	کے معنی میں لیا۔ اور روایت سے یہ ثابت ہے کہ جس کو عند کہتے ہیں وہ علی باب المسجد ہے تو عبارت میں لفظ عند ہو یا علی سب کو اسی ثابت شدہ محمل پر حمل کرنا چاہیے نہ کہ اس واقعہ کے انکار کے لیے معبرین کی تعبیر کو سند بنانا چاہیے مگر افسوس کہ انصاف دنیا سے ناپید ہو رہا ہو۔ **نفحہ۷:** اگر ہم عن اور علی کے بارے میں ذکر کی ہوئی تمام تحقیقات سے قطع نظر کرلیں تب بھی بات وہی ثابت ہوتی ہے جو ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے ذکر کی ہے۔ **اولًا:** ان تمام عبارتوں میں جہاں اذان علی المنارہ یا اذان علی المنبر یا عند المنبر کا لفظ آیا ہے بطور تعارف وحکایت حال کے ہے (یعنی وہ اذان جو فلاں جگہ ہوتی ہے اس میں کوئی حکم نہیں کہ اذان یہاں ہونی چاہیے)، بخلاف ان اقوال کے جب میں مسجد میں اذان ممانعت آئی ہے جیسے لا یؤذن فی المسجد (مسجد میں اذان نہ دی جائے) یا یکرہ الاذان فی المسجد (مسجد میں اذان مکروہ ہے) کہ یہ صاف صاف حکم ہے اور اعتبار حکم کا ہے تعارف وحکایت کا نہیں۔ **ثانیًا:** یہ طریقہ بیان (کہ جو اذان فلاں

Majlis of Dawateislami

بیان علامۃ لہ فلا یدل علی جوازہ فضلا عن استنانہ قال الامام الاجل ابوزکریا النووی فی شرح صحیح مسلم ثم العلامۃ المحدث طاہر فی مجمع بحار الانوار:"ان العلامۃ تکون بحرام ومباح [1] اھ. ارأیت ان اجتمع فی صعید السلطان والامراء الناس فمن لا یعرف السلطان سال علما من فیھم الملك الذی یفترض علینا طاعتہ فی المعروف قال الذی علی راسہ تاج الذھب ھل یکون ذلك حکما منہ بجواز لبس الذھب للرجال کلاّ علماؤنا قد ارشد والی الحکم ان لا یؤون فی المسجد ومع ذلك لا شك ان لو فعل فیہ کما یفعل ھٰؤلاء لکان موجبا للسعی وترك البیع علی قول لامام الطحاوی فلو فرض ان الناس احدثوہ ھکذا فعرفوہ بہ بیانا لحکم السعی کان ما ذا۔	جگہ ہوتی ہے) علامت ہے اور علامات کا مسنون ہونا تو بڑی بات ہے جائز ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا امام اجل ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم اور علامہ محدث طاہر فتنی نے مجمع البحار میں فرمایا" کسی چیز کی علامت مباح اور حرام دونوں ہی کو قرار دیا جاسکتا ہے"، اس کی مثال یہ ہے کہ کسی میدان میں بادشاہ امراء اور عوام سبھی جمع ہیں ایک آدمی بادشاہ کو نہیں پہچانتا اس نے ایک پرہیزگار عالم دین سے پوچھا ان لوگوں میں بادشاہ کون ہے جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے وہ عالم کہے گا کہ جس کے سر پر سونے کا تاج ہے دیکھئے یہاں سونے کے تاج کی علامت سے بادشاہ کو پہنچوایا گیا تو کیا یہ تعارف اس بات کا حکم ہوگیا کہ مردوں کو سونے کا تاج پہننا جائز ہے؟ تو جب ہمارے علماء نے یہ حکم بتادیا کہ مسجد کے اندر اذان نہ دی جائے اور یہ کہ مسجد کی اذان مکروہ ہے تو اگر اس کے خلاف مسجد کے اندر اذان دی جانے لگے جیسا کہ آجکل یہ لوگ کر رہے ہیں تو یہ اذان بھی امام طحاوی کے مسلک پر موجب سعی وترک بیع ہوگی ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ یہ اذان متصل منبر لوگوں نے ازخود ایجاد کرلی ہے پھر بھی اس ممنوع اذان کو وجوب سعی کی علامت قرار دیں تو اس سے یہ اذان جائز تو ہو نہیں جائے گی۔

[1] شرح صحیح مسلم للنووی کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۴۲/۱

ثالثًا:الحکم الضمنی فی الوصف العنوانی حکم منطقی،والحکم المنطقی ان کان قصدیا لم یلزم ان یکون شرعیا فکیف اذا کان ضمینیا الم تسمع الی ما قالہ العلماء فی حدیث علیہ السلام تحیۃ الموتٰی[1]۔

ثالثًا: قضیہ ضمنیہ میں دو حکم ہوتا ہے ایک موضوع کے وصف کا صدق پ ذات موضوع پر اور دوسرا وصف محمول کا صدق ذات موضوع پر پہلے والا حکم ضمنی منطقی ہوتا ہے اور دوسرا حکم صریحی، شرع کے نزدیک یہی معتبر ہے حکم منطقی قصدی ہو تو تب بھی شرعا معتبر نہیں۔اور مسئلہ دائرہ میں تو اس اذان پر جو فی زمانہ متصل منبر ہوتی ہے فقہاء نے اذان کا حکم ضمناً لگایا ہے تو یہ شرع کے نزدیک کب معتبر ہوگا؟اس کی مثال یہ ہے کہ لفظ علیک السلام میں مخاطب پر سلام کا حکم منطقی قصدی ہے مگر شریعت نے اسے نا معتبر اور ناجائز بتایا۔حدیث شریف میں ہے: "علیک السلام مردوں کا سلام ہے"۔

رابعًا:بعد التیاو التی ان کان فمن باب"الاشارۃ"وقولھم لا یوذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد "عبارۃ"وقد نصوا قاطبۃ ان العبارۃ مرجحۃ علی الاشارۃ وان الحکم والفتیا بالمرجوح جھل وخرق الاجماع کما فی تصحیح القدوری والدر المختار[2]۔

رابعًا: تمام بحث ومباحثہ کے بعد اذان علی المنبر اسے اگر کوئی حکم ثابت ہو تو بطور اشارۃ النص ثبوت ہوگا اور فقہاء کے قول "لا یؤذن فی المسجد و یکرہ الاذان فی المسجد" عبارۃ النص ہے اور تمام علمائے اصول کا اجماع ہے کہ عبارۃ النص راجح اور اشارۃ النص مرجوح ہے اور درمختار میں ہے کہ قول مرجوح پر فتوی دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] المصنف العبد الرزاق باب کیف السلام والرد حدیث ۱۹۴۳۴ المجمع الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۴

[2] الدر مختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۵

وخامسًا: فی معا نه انو اع الا حتما ل والنصا ن صریحان والمحتمل لا یعارض الصریح و اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔ **وسادسًا:** مع قطع النظر عن کل ما مر غایته تعارض حاظر و مبیح فیترجح الحظر بل الامر اذا تردد بین السنة والکراهة کان سبیله الترک کما نص علیه فی رد المحتار [1] والبحر وغیرهما لان درء المفاسد اهم من جلب المصالح [2] وفی معراج الدرایة للامام القوام الکاکی ثم منحة الخالق غض البصر مکروه والجماعة سنة فترك السنة اولی من ارتکاب المکروه [3] اھ. فعلی کل حال ما النصر الا لنا ولا الدائرة الا علیهم ولله الحمد فهذا عشرة أجوبة عن "عند" و عشرة عن "علی" ولله الحمد العلی	**وخامسًا:** اذان علی المنبر کے معنی میں مختلف قسم کے احتمال ہیں اور ممانعت اذان فی المسجد کی عبارت نص صریح ہے اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ محتمل صریح کا مقابل نہیں ہوسکتا اور کلام محتمل سے استدلال باطل ہے۔ **سادسًا:** جو پہلے گزرا اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے اس کی غایت حظر واباحت کی دلیل میں تعارض ہے تو ترجیح حظر کو ہوگی بلکہ امر جب سنت و کراہت میں دائر ہو تو اس کا راستہ ترک سنت ہے جیسا کہ ردالمحتار اور بحر وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے کیونکہ مفاسد سے بچنا منافع کے حصول سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے، معراج الدرایہ اور منحۃ الخالق میں ہے غضِ بصر مکروہ اور جماعت سنت ہے چنانچہ ترک سنت اولی ہے ارتکاب مکروہ سے بہر حال نصرت ہمارے لیے اور وبال ان پر ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں یہ "عند" سے متعلق دس جواب ہیں اور علی سے متعلق بھی دس جواب ہیں اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی بلند و

[1] ردالمحتار باب ما یفسد الصلوۃ ۴۳۱/۱ و البحر الرائق باب العیدین ۱۶۵/۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الخامسۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱۲۵/۱

[3] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵۳۲/۱

الاعلی۔

وانت خبیر ان کل ما ذکرنا فی ھذہ النفحۃ الاخیرۃ فانما ھو علی غایتہ التنزل وارخاء العنان وجری علی سنن المناظرۃ والا حققنا کلام الفقہاء الکرام بما لا یبقی معہ للمنصف کلام ولا للمجادل مجال جدال وما المکابر فداءہ عضال نسال اللہ العفو والعافیۃ۔

نفحہ۸: اعلم ان السنۃ عند السادۃ المالکیہ فی اذان الخطبۃ ایضا ان یکون علی المنارۃ وصرحوا ان کونہ بین یدی الخطیب بدیۃ ومکروھۃ وقال الامام محمد العبدری الفاسی المالکی فی المدخل: "ان السنۃ فی اذان الجمعۃ اذا صعد الامام علی المنبر ان یکون المؤذن علی المنار کذلك کان علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر وصدرا من خلافۃ عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ. ثم زاد عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذانا اخر بالزوراء وابقی الاذان الذی کان علی عھد رسول اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی المنار والخطیب علی المنبر اذ ذاك. ثم لما تولی ھشام بن عبد الملك اخذ الاذان

اعلی کے لیے ہیں۔

اس نفحہ میں جتنی باتیں ہم نے ذکر کیں اپنے منصب سے اُتر کر اور لگام ڈھیلی کرکے، اور بطور مناظرہ۔ ورنہ ہم نے تو فقہائے کرام کے کلام کی گنجائش ہی نہیں بلکہ مجادل بھی جدل سے باز آئے رہ گیا مکابرانہ کلام تو ئی ایک گمرہی ہے جس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

نفحہ ۸: ائمہ مالکیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک اذان خطبہ میں بھی سنت یہی ہے کہ منارہ پر ہو خطیب کے سامنے یہ اذان بدعت مکروہہ ہے امام محمد عبدری فاسی مالکی مدخل میں فرماتے ہیں امام کے منبر پر چڑھنے کے وقت کی اذان میں سنت یہ ہے کہ موذن اس وقت منارہ پر ہو ایسا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور زمانہ ابوبکر وعمر وعثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ابتدائے خلافت تک رہا، اس کے بعد حضرت ذوالنورین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک اور اذان زیادہ فرمائی جو مقام زوراء پر دی جاتی اور عہد رسالت والی اذان کو جہاں کا تہاں باقی رکھا (یعنی جب خطیب مبنر پر چڑھتا اس وقت اذان منارہ پر دی جاتی) ہشام ابن عبدالملک بادشاہ ہوا تو اس نے اذان اول کو مقام زوارء سے منارہ کی طرف

الذی فعله عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه بالزوراء و جعله علی النار ثم نقل الاذان الذی کان علی المنار حین صعود الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و ابی بکر و عمر وصدرا من خلافة عثمان رضی اللہ تعالٰی عنهم بین یدیه قال علماؤنا رحمهم اللہ تعالٰی علیهم و سنة النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اولی ان تتبع[1] اھ"(باختصار)۔ وحواشی الجواهر الزکیة شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان وفعله بین یدی الامام مکروہ کما نص علیه البرزنی وقد نهی عنه مالك فعله علی المنار والامام جالس هو المشروع[2] اھ سکندری۔ وفی المواهب اللدنية للامام احمد القسطلانی وشرحها للعلامة محمد	منتقل کیا اور اذان عہد رسالت وصاحبین اور ابتدائے عہد عثمان غنی میں (یعنی امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت) منارہ پر ہوتی تھی اس کو امام کے سامنے دلانے لگا ہمارے علماء کرام فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت کی پیروی اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ حواشی جواہر زکیہ شرح مقدمہ عشماویہ للعلامہ یوسف السفطی سکندری مالکی میں ہے دوسری اذان زمانہ قدیم سے منارہ پر ہوتی تھی اہل مغرب کاآج بھی اسی پر عملدرآمد ہے اس اذان کے امام کے سامنے دینے کو امام برزنی نے مکروہ لکھا ہے امام مالک نے اس سے منع فرمایا امام کے مبنر پر بیٹھنے کے وقت منارہ پر اذان مشروع ہے۔ مواہب الدنیہ میں امام احمد قسطلانی نے اور اس کی شرح میں علامہ زرقانی مالکی رحمہما اللہ تعالٰی

[1] المدخل فصل فی ذکر بعض البدع التی احدثت فی المسجد دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۱۲

[2] حواشی الجوہر الزکیۃ شرح المقدمۃ العشماویۃ للعلامۃ یوسف السفطی المالکی

الزرقانی المالکی رحمهما الله تعالٰی قال الشیخ خلیل ابن اسحق فی التوضیح اسم شرحه علی ابن الحاجب: "اختلف النقل هل کان یؤذن بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم او علی امنار الذی نقله اصحبنا انه کان علی المنار نقله ابن القاسم عن مالك فی المجموعة ونقل ابن عبد البر فی کافیه عن مالك رضی الله تعالٰی عنه ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم[1] الخ۔" وسیاتی تمامه بعونه تعالٰی۔

فهذه نصوص الامام مالك واصحابه علی ان کون الاذان بین یدی الخطیب بدعة من راسه فضلا عن کونه فی المسجد وانما السنة فیه ایضاکاذان سائر الصلوات کونه علی المنار فظهر ان ادعائهم اجماع المسلمین علی الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فریة منهم وای اجماعة یقوم مع خلاف امام دار الهرة وجماهیر اصحابه رضی الله تعالٰی عنه وعنهم وکذاکذب من

نے فرمایا: "شیخ خلیل ابن اسحٰق نے توضیح میں فرمایا جو ابن حاجب کی شرح ہے کہ علمائے نقل نے اختلاف کیا کہ "اذان ثانی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ کے سامنے ہوتی یا منارہ پر ہمارے اصحاب سے منارہ پر ہونا ہی منقول ہے جیسا کہ ابن قاسم نے اس کو امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مجموعہ میں نقل کی ابن عبد البر نے امام مالک سے یہی نقل کیا کہ امام کے سامنے اذان دینا قدیم معمول نہیں ہے" (پوری تفصیل ان شاء اللہ آگے آرہی ہے)

امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب کے یہ نصوص اذان بین یدی الخطیب کے بالکلیہ بدعت ہونے کی تصریح ہیں چہ جائکہ اس کا مسجد میں ہونا جائز ہو، سنت تو یہ ہے کہ باقی تمام اذانوں کی طرح یہ بھی منارہ پر ہو تو مخالفین کا یہ فتراء ہے کہ اذان ثانی کا منبر کے متصل مسجد میں ہونا اجماع مسلمین سے ثابت ہے بھلا امام دار الہجرۃ امام مالک اور ان کے خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنھم کو چھوڑ کر کون سا اجماع منعقد ہو سکتا ہے تنہا ائمہ مالکیہ کا ختلاف ہی قدح اجماع کے لیے کافی ہے جبکہ اس

[1] المواہب اللدنیہ المقصد التاسع الباب الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۲-۱۶۱، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷ /۸۱ - ۳۸۰

ادعی اجماع المذاهب الاربعة ولعل مالکا لیس عنده من الاربعة هذا اذا لم یصرح ائمتنا الحنفیة بکراهة الاذان داخل المسجد فکیف وقد صرحوا ولانعلم خلافا فیه عن غیرهم فلا یبعدان الاجماع علی خلاف ماهم علیه وبالله التوفیق۔

نفحه۹:وبه ظهر بطلان زعمهم تعامل جمیع المسلمین فی جمیع بلاد الاسلام بایقاع هذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر ألم تسمع السکندری ثم السفطی "ان الاذان الثانی کان علی المنار فی الزمن القدیم علیه اهل المغرب الی الان[1] ونری فی معظم بلادنا الجوامع السلطانیة مبنیة فیها دکك لهذا الاذان بعیدة عن المنبر وعلیها یفعل الی الان وقدمنا انه اذان خارج المسجد لکن العوام لا یعلمون ظاهرا من الحال وعن الحقیقة هم غافلون واذلم یهتدوا لها ظنوه اذانا فی المسجد فعن هذا نشأوا فشا فیهم هذا ثم قاسوا علیه اذان سائر الصلوات اذلافارق

مسئلہ میں ائمہ احناف رحمہم اللہ کی تصریح بھی موجود ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے اور احناف وغیرہ کسی سے بھی اس کے خلاف ہونے کا علم نہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب کے مکروہ ہونے پر ہی اجماع ہو۔

نفحہ ۹: مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان لوگوں کا یہ گمان بھی باطل ہے کہ تمام اسلامی شہروں میں سارے مسلمانوں کا تعامل اسی پر ہے کہ یہ اذان مسجد کے اندر منبر کے متصل ہوتی ہے (تو تعامل کی دلیل سے اذان ثانی متصل منبر جائز ہوئی) کیونکہ سکندری پھر سفطی کا بیان سن چکے کہ مالکیہ اور اہل مغرب کا تعامل بیرون مسجد کا ہے خود ہندوستان کے اکثر شہروں میں شاہی جامع مسجدوں میں منبروں سے دور چبوترے بنے ہوتے ہیں جن پر آج تک اذان ہوتی ہے پہلے ہم یہ بتا آئے ہیں کہ یہ اذان بھی دراصل بیرون مسجد ہے لیکن عوام لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے غافل اور ظاہر سے دھوکے میں پڑے ہیں اور اس کو اذان اندرون مسجد سمجھتے ہیں اور یہی ان میں شائع وذائع ہے اور پھر اسی لاعلمی پر اپنے ایک فاسد قیاس کی بنیاد رکھتے ہیں کہ مسجد مسجد سب برابر ہیں ان میں باہم نہ کوئی فرق ہے نہ کوئی فرق کا

[1] حواشی الجواهر الزکیه شرح المقدمة العشماویة للعلامة یوسف السفطی المالکی

ولا قائل بالفرق فتری هم فی کل صلوة یقوم احدهم اینما شاء من بیت الله فیرفع عقیرته بالاذان واذا قیل له اتق الله قابل بالعناد والطغیان فصار عمل السنه عندهم منسیا وتصریحات الفقه شیئا فریا احدثوا تعاملا فیما بینهم علی خلاف الشریعة ثم جعلوه لابطال حکم الشرع ذریعة والی الله المشتکی وهو المستعان۔"

ولم یعلموا ان مثل هذا التعامل لا حجة فیه والا لکان الکذب والغیبة والتمیمة اجدر بالجواز فانها اکثر تعاملا وافشی فی الناس شرقا وغربا بعد قرون الخیر قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم یفشوا الکذب[1]۔ قال فی فتاوی الغیاثیة اوخر کتاب الاجارة عن السید الامام الشهید رحمه الله تعالٰی انما یدل علی

قائل۔ پس جب یہ اذان مسجد کے اندر ہوتی تو پنجوقتہ نمازوں میں بھی اذان مسجد کے اندر ہونے میں کیا حرج ہے اور نماز کے وقت دربار الٰہی کے جس حصہ میں بھی جی چاہتا ہے کھڑے ہو کر چیخنے لگتے ہیں اور جب انہیں کوئی تنبیہ کرتا ہے کہ اللہ سے ڈرو اور مسجد میں آواز بلند نہ کرو تو عناد و فساد کرنے لگتے ہیں اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ سنت کا عمل مردہ ہو گیا ہے اور تصریحات ائمہ جھوٹ قرار دی جاچکی ہیں اور خلاف سنت عمل کو تعامل قرار دے لیا ہے اور حکم شرع کے ابطال کے لیے اسی کو دلیل بنالیا ہے تو اللہ تعالٰی سے اس کے لیے فریاد ہے اور اسی سے مدد کی طلب ہے۔

اور یہ نکتہ وہ لوگ سمجھ ہی نہیں پاتے کہ ایسا تعامل قطعاً سند نہیں ورنہ جھوٹ غیبت، چغلی خوری اس سے زیادہ جواز کے مستحق ہونگے کہ ان کا تعامل قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد مشرق و مغرب میں پھیل گیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: "پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔"

صاحب فتاوی غیاثیہ نے اواخر کتاب اجارہ میں سید امام شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کیا: "وہی تعامل جواز کی دلیل بنا ہے جو

[1] جامع الترمذی ابواب الفتن باب فی لزوم الجماعۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۹

Majlis of Dawateislami

الجواز ما یکون علی الاستمرار من الصدر الاول فاذا لم یکن کذلك لا یکون فعلهم حجة الا اذا کان ذلك من الناس کافة فی البلدان کلها الا تری انهم لو تعاملوا علی بیع الخمر او علی الربا لا یفتی بالحل[1] اھ۔ وفی جمعة رد المحتار "التعارف انما یصلح دلیلا علی الحل اذکان عاما من عهد الصحابة والمجتهدین کما صرحوا به[2]" وفی جنائزہ نقلا عن بعض المحققین من الشوافع بالتقریر مانصه: "هذا الاجماع اکثری وان سلم فمحل حجیتا عند صلاح الازمنة بحیث ینفذ فیها الامر بالمعروف والنهی عن المنکر وقد تعطل ذلك منذ ازمنة[3]۔" وفی المکتوب الرابع والخمسین	صدر اول سے آج تک برابر جاری ہو اور ایسانہ ہو تو کسی عہد کے لوگوں کا فعل حجت نہیں یا ان تمام شہروں قصبوں قریوں کے سبھی انسانوں کا تعامل ہوتا اور بات ہے اور یہ بالکل واضح امر ہے کہ ان اگر سب جگہ کے سب لگ شراب پینے لگیں سودی کاو بار میں مبتلا ہوں تو بھی اس کے حلال ہونے کا فتوی نہیں دیا جائے گا۔" ردالمحتار کے باب الجمعہ میں ہے تعامل اس وقت جواز کی دلیل بنتا ہے جبکہ عام ہو اور عہد صحابہ ومجتہدین سے اس پر عملدرآمد ہوا ایسا ہی ائمہ نے تصریح کی ہے۔" اسی کتاب کے باب الجنائز میں بعض محققین شوافع سے منقول ہے یہ اجماع اکثری ہے اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس کے دلیل جواز ہونے کا تب اعتبار ہوگا کہ یہ امت کے صلاح کے وقت کا ہو جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نافذ ہو اور یہ تو زمانہ دراز سے معطل ہے۔ مجدد الف ثانی شیخ احمد العمری سرہندی

[1] فتاوی غیاثیہ کتاب الاجارات نوع فی النسا مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۶۰

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعہ دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۵۱

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب صلوۃ الجنائز دار حیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۲

من الجلد الثانی من المکتوبات الشیخ احمد العمری السر ھندی الشھیر بمجدد الف ثانی ما ترجمته:
"غمرت الدنیا فی بحر البدعات و اطمأنت بظلمات المحدثات من یشتطیع دعوی رفع البدعة التکلم باحیاء السنة اکثر علماء الزمن حماۃ البدع و محاۃ السنن یحسبون شیوع البدع تعاملا فیفتون بجوازھا بل استحسانھا ویدلون الناس علی اتیانھا یظنون ان الضلال اذا شاع والباطل اذا تعورف صار تعاملا ولا یدرون ان مثل ھذا التعامل بشیئ لیس دلیلا علی حسنه انما العبرۃ بتعامل جاء من الصدر الاول او حصل اجماع جمیع الناس علیه ثم احتج بعبارۃ الغیاثیة المذکورۃ ثم قال ولا شك ان العلم بتعامل الناس کافة و عمل جمیع القری والبلدان خارج عن وسع البشر [1] اھ"۔
واکثر المخالفین لنافی المسئلة الدائرۃ انما یفتخرون بانھم من غلمان ھذا الشیخ وقد قری علیھم قوله ھذا مرارا افلایسمعون

کے مکتوبات کی جلد ثانی مکتوب نمبر ۵۴ میں ہے: دنیا بدعات کے سمندر میں غوطہ لگا چکی ہے اور محدثات کی تاریکیوں میں مطمئن ہے رفع بدعت اور تکلم باحیاء سنت کا دعوی کون کر سکتا ہے اس زمانہ کے اکثر علماء تو بدعات کے حامی اور سنت کے مٹانے والے ہیں اور بدعات کے شیوع اور کثرت کو تعامل قرار دیتے ہین اور اس کے جواز بلکہ استحسان کا فتوی صادر کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بدعت پھیل جائے اور گمراہی عام ہو جائے تو تعامل بن جاتا ہے یہ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ کسی چیز کا ایسا تعامل اس کے حسن ہونے کی دلیل نہیں جز ایں نیست کہ وہ تعامل معتبر ہے جو صدر اول سے معمول بہا ہو یا اس پر تمام لوگوں کا اجماع ثابت ہو (پھر غیاثیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے استدلال کرکے فرمایا) تمام لوگوں کا تعامل اور تمام شہروں اور دیہاتوں کا عمل معلوم ہونا آدمی کی وسعت و طاقت سے باہر ہے اھ"
مسئلہ اذان میں ہمارے مخالفین میں سے بہتوں کو اس پر فخر ہے کہ وہ شیخ مجدد کے غلاموں میں سے ہیں ہم نے بارہا شیخ مجدد کی یہ عبارت پڑھ کر انہیں سنائی بھی (کہ اب سے

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب پنجاہ وچہارم نولکشور لکھنو ۲/ ۱۰۳

ولا ینتھون عن ادعاء التعامل ولا یرعوون انما اتخذوا شیخھم ھواھم، فھم بفتوی الھوی یعلمون نسأل الله العفو والعافیة۔	وہ اپنے تعامل مقبول کے دعوے سے باز آئیں) مگر وہ تعامل کے دعوی سے باز نہیں آئے دراصل (حضرت مجدد) کے بجائے انہوں اپنے نفس کی خواہش کو اپنا شیخ بنالیا ہے اور اسی کے فتوے پر عمل کرتے ہیں ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت طلب کرتے ہیں۔
قال العلامة الشامی فی ردالمحتار من الاجارات وفی رسالته "تحریر العبارة" وفی کتابه "العقود الدریة" کلھا عن العلامة قنالی زادہ(عہ) "ان المسئلة النباء والغرس علی ارض الوقف کثیرة الوقوع فی البلدان واذا طلب المتولی او القاضی رفع اجارتھا الی اجر المثل یتظلم المستاجرون ویزعمون انه ظلم وھم ظالمون وبعض الصدور والاکابر یعاونونھم ویزعمون ان ھذا تحریك فتنة علی الناس وان الصواب ابقاء الامور علی ماھی علیه وان	علامہ شامی نے ردالمحتار، کتاب الاجارہ رسالہ تحری العبارۃ، عقود دریہ سب میں علامہ قنالی زادہ سے نقل کیا کہ وقف کی زمین پر مکان بنانے اور درخت لگانے کا معاملہ وقف کے اجیروں میں کثیر الوقوع ہے جب متولی اور قاضی سے ایسے اجاروں کے ختم کرنے کی درخواست کی جاتی ہے اور اجرت مثل پر ان زمینوں کے کرایہ پر اٹھانے کی بات کہی جاتی ہے تو ان زمینوں کے قدیم کرایہ دار اس کی فریاد کرتے ہیں اور اس کو ظلم قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ خود ہی ظالم ہیں اور بعض صدر واکابر ان کی مدد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا ہے اس لیے جیسا اب تک ہوتا آیا تھا ویسا ہی عملدر آمد ہوتے رہنا چاہیے کہ

عــــہ: ھکذا فی ردالمحتار طبع فی قسطنطنیة وفی تحریر العبارة قنلی زادہ بغیر الالف وفی العقود الدرة منلی زادہ بالمیم ۱۲منه

عــــہ: یہ لفظ ردالمحتار مطبوعہ قسطنطنیہ میں ہے اور تحریر العبارۃ" میں قنلی زادہ بغیر الف کے ہے اور عقودالدریہ میں منلی زادہ میم کے ساتھ ہے ۱۲منہ (ت)

شر الامور محد ثا تها ولا يعلمو ن ان الشر فی اغضا العين عن الشرع وا ن احياء النسة عند فسا د الا مة من افضل الجهاد واجزل القر ب[1] اهـ. وفی تحر ير العبارة فعلم بهذا ان هذه علة قد يمة ولا حو ل ولا قو ة الا بالله العلی العظيم[2] اهـ وفی ردالمحتار: "اذا تكلم احد بين النا س بذلك يعد و ن كلا مه منكر ا من القو ل و زورا وهذه بلية قد يمة[3] اه" وفيه وفی العقو د الد رية: "وهذا علم فی ورق۔[4]" وهذه لعمرك حال الناس فی تهالكهم علی هذا المحدث و	ہر بات سے بری نئی بات پیدا کرنا ہےاور وہ یہ نہیں جانتے کہ برائی کے وقت شرع سے چشم پوشی خود بری ہے اور امت میں فساد واقع ہونے کے وقت سنت کازندہ کرنا جہاد سے بھی افضل ہےاور بزرگ ترین عبادت ہے۔ تحریر العبارۃ میں علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "اس سے معلوم ہوا کہ یہ پرانی بیماری ہے(کہ شر پھیل جائے تولوگ چشم پوشی اختیار کرتے ہیں)لاحول ولا قوۃالا باللہ العلی العظیم۔" ردالمحتار میں ہے: "لوگ آدمی کی حق بات کو بھی ناحق سمجھتے ہیں یہ قدیم برائی ہے۔اوراسی(ردالمحتار میں ہے) میں اور عقود الدریہ میں ہے: "یہ ایک ورق میں ہم نے علم عظیم ظاہر کیا۔" واللہ! اس اذان ممنوع ومحدث سے لوگوں کے ہلاکت میں پڑنے کاحال بھی ایسا ہی ہے،اور

[1] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰،تحریر العبادۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[2] تحریر العبارۃ فیمن ھو اولی بالاجارۃ رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲ /۱۵۷

[3] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰

[4] ردالمحتار کتاب الاجارۃ باب مایجوز من الاجارۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۰،العقود الدریہ کتاب الاجارۃ مسئلہ استبقاء البناوالغراس ارگ بازار قندھار افغانستان ۲ /۱۲۵

هذه هی اعذار هم فی ایقاعه والقاء السنة والله المستعان ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ **نفحه ۱۰**: اذقدظهران لا تعامل الی الآن فما ظنك بالتوارث الذی به یلهجون واذا اخذوا بالحدیث والفقه فهم یتلجلجون۔ ویاسبحان الله انما التوارث التعامل فی جمیع القرون فاذا لم یتحقق الی الان کیف یثبت من سالف الزمان اذ قد ارشد الحدیث الصحیح ان الذی فی عهد الرسالة والخلافة الراشدة کان علی خلاف ما یزعمون فانی یصح التوارث والی من یسندون وعمن یرثون قال المحقق حیث اطلق فی فتح القدیر مسالة الجهر فی الاولیین والاخفاء فی الاخریین قوله هذا هو المتوارث یعنی انا اخذنا عمن یلینا الصلوة هکذا فعلا وهم عن یلیهم کذلك وهکذا الی الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وهم بالضرورة اخذوه عن صاحب الوحی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلا یحتاج الی ان ینقل فیه نص معین[1]۔	سنت چھوڑ کر اس امر مکروہ میں پڑے رہنے کیلئے لوگوں نے ایسے ہی اعذار بارده تراش رکھے ہیں۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم **نفحہ ۱۰**: جب یہ ظاہر ہو گیا کہ اذان متصل منبر کے تعامل کی کوئی اصل نہیں پھر توارث کے ثبوت کی کون سی صورت ہے کہ اس سے بھی یہ لوگ پناہ پکڑتے ہیں اور جب حدیث و فقہ ت ان امور پر مواخذہ کیا جاتا ہے تو کج مج بیانی دکھاتے ہیں۔ سبحان اللہ! توارث تو تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے اور جب آجکل کا تعامل ثابت نہ ہو سکا تو گزشتہ زمانوں کا کیسے ثابت ہوگا اور حدیث صحیح سے پتہ چلا کہ عہد رسالت و زمانہ خلافت راشدہ میں عملدرآمد ان کے مزعومہ کے خلاف تھا تو کہاں سے توارث ثابت ہوگا کس سے اس کی نسبت ثابت کرینگے اور کس کا ورثہ اس کو قرار دیں گے محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا: "رکعتین اولین میں قراءت جہری اور اخریین میں سری ہی متوارث ہے یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا اور انہوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم تک، اورانہوں نے اس کو صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سیکھا اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں،

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب صفة الصلوۃ فی القراۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۸۳

فھذا معنی التوارث المحتج بہ شرعا مطلقا المستغنی عن ابداء اسند خاص وانی لھم بذلك وكیف یصح فیما قد علمنا وعن صاحب الوحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و عن خلفائہ الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم خلافہ۔	یہی توارث کے وہ معنی ہیں جس سے شرعا دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں تو مسئلہ دائرہ میں یہ لوگ کیسے توارث ثابت کریں گے جبکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ صاحب وحی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے اس کے خلاف روایت ہے۔"
اقول: وتحقیق المقام ان الاحوال اربع: (۱) العلم بعدم الحدوث (۲) وعدم العلم بالحدوث (۳) والعلم بالحدوث تفصیلًا ای مع العلم بانہ حدث فی الوقت الفلان (۴) والعلم بہ اجمالا ان علمنا انہ حادث ولانعلم متی احدث ومن احدث فالشیئ اذا کان ناشیا متعاملا بہ فی عامۃ المسلمین وعلمنا انہ ھو الذی کان علی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو القسم الاول وھو المتوارث الاعلی واذلم یعلم کیف کان الامر علی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا علم حارث بعدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیحمل علی ان کلا قرن اخذہ عن سابقہ و یجعل متوارثا تحکیمًا للحال	**اقول:** (میں کہتا ہوں) تحقیق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے (۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو (۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔ (۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب کس نے ایجاد کیا (۴) حدوث کا علم اجمالی ہو، یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نوایجاد ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔ جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع وذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا یہ قسم اول ہے اور اسی کو متوارث اعلی بھی کہتے ہیں اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا نہ یہی پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا،

حملا علی الظاھر والاصل اذ الاصل فی الامور الشرعیة ھو الاخذ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والعمل بالسنة ھو الظاھر من حال عامة المسلمین وھذا ھو القسم الثانی"وھذا ما یقال فیه انه لا یحتاج الی سند خاص اما اذا علم حدوثه فلا یمکن جعله متوارثا عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم سواء علمنا وقت حدوثه اولا، لان عدم العلم بوقت الحدوث لیس عدم العلم بالحدوث فضلا عن العلم بعدم الحدوث فرب حادث نعلم قطعًا انه حادث ولانعلم متی حدث کاھرام مصر بل والسماء والارض فی الحدوث المطلق ومعالیق الحجرة الشریفة التی تعلق حولها من قنادیل الذھب والفضة ونحوھما فی الحدوث المقید قال السید السمھودی فی خلاصة الوفاء: ولم اقف علی بتداء حدوثها[1] الخ وحینئذ ینظر ھل یخالف

تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے متوارث حکمی کہا جاتا ہے کہ امور شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک کی ایجاد ہے۔ ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو یا نہ۔ کیونکہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لیے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔ کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا جیسے اہرام مصر بلکہ حدوث مطلق میں آسمان وزمین بھی اور حدوث مقید میں جیسے وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصہ وفاء الوفا میں فرمایا: "ہمیں ان کے ابتداء حدوث کا وقت نہیں معلوم تو ایسے نوپیدا امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب

[1] وفاء الوفاء الفصل الخامس والعشرون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۴

هذا سنة ثابتة فی خصوص الامر اولا۔علی الثانی یحال الامر علی حال الشیئ فی نفسه فان کان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علی تفاوته من الاستحباب الی الوجوب حسب ما تقتضیه القواعد الشرعیة،وقد یطلق علیه "المتوارث" اذتقادم عهده کذکر العمین الکریمین فی الخطبة،وهذا ادنی اقسامه ولا اطلاق له علی ما دونه الا مر الا لغة، کتوارث التقیة فی الرافضة والکذب فی الوهابیة وان کان قبیحا داخلا تحت قواعد القبح فقبیح علی تفاوته من الکراهة الی التحریم اولا ولا فلا ولا بل مباح عـــه والخروج عن العادة شهرة ومکروه کما نصوا علیه[1]۔وورد

قواعد شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں، مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی "متوارث" کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ خطبہ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں تو یہ توارث کا سب سے ادنٰی درجہ ہے اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاح شرع نہیں کہا جائیگا ہاں توارث لغوی ہوسکتا ہے جیسے تقیہ شیعوں میں متوارث ہے اور جھوٹ وہابیہ میں ابًا عن جدٍ رائج ہے اور اگر ایسی نوپید چیز ہو جو بعد عہد رسالت ہو اور اسکے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر تحریم تک پھیلا ہوا ہے۔اور اگر یہی حادث نہ سنت ثابتہ کے خلاف ہو نہ قواعد قبح کے دائرے میں آتی ہو، تو یہ صرف مباح ہے، نہ قبیح ہے، نہ مستحب، ہاں جب شہر وعلاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چنانچہ

عـــه: بیاض فی الاصل۔

[1] الحدیقة الندیة من آفات السحر فهو حرام مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۵۸۲

"خالقوا الناس باخلاقھم"[1] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "بشروا ولا تنفروا"[2]۔ وعلی الاول یردو لا یقبل وان فشا ما فشا وقد اجار اللہ الامۃ عن الاجتماع علی مثلہ الا ان یکون شیئ تغیر فیہ الحکم بتغییر الزمان کمنع النساء عن المساجد وھذا فی الحقیقۃ لیس مخالفا للسنۃ الثابتۃ بل موافق لھا وان خالف الواقع فی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لان الواقع لشیئ کان وبان والحادث لشیئ لو کان فی زمنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکان فھذا ھو التحقیق و معلوم ان مسئلتنا ھذہ من القسم الرابع فی التقسیم الاول۔ والقسم الاول فی	علماء ؏ نے فرمایا کہ لوگوں ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو اور حدیث شریف میں ہے "لوگوں کو بشارت دو نفرت نہ دلاؤ" سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعت مردودہ ہوگی اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا جماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالٰی نے اس امت کو گمراہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہد رسالت کے بعد کی اور بظاہر مخالف سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عملدرآمد جاری وساری ہوگیا جیسے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہدِ پُر نور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا ہے ایسا نوزائیدہ امر حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر ایسا ہی نظر آتا ہے کہ اب جو بات پیدا ہوگئی ہے اگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں

؏: حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔ اقامۃ القیامۃ ص ۲۰ رواہ مسندا وقال رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط الشیخین[3] ۱۲ نظام الدین۔

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب العزۃ الباب الثانی الفائدۃ الثانیہ دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲ و ۳۵۴

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب ماکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم یتخولھم بالموعظۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

[3] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ حاکم کتاب السماع والوجد دار الفکر بیروت ۶/ ۵۷۲

التقسیم الثانی ای نعلم انه حادث ان لم نعلم متی حدث۔ و نعلم ان الواقع علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان علی خلاف ذلك ولیس شیئا یتغیر فیه الحکم بتغیر الزمان و مع هذا تظافرت النصوص عن ائمة الفقه بنهی عام هو داخل فیه، بل ارشد الائمة الی النهی عن خصوصه و دلت الادلة علی قبحه و شناعته کما تقدم کل ذلك فثبت انه یستحیل جعله متوارثا بل هو من المحدثات المردودة قطعا، والحمد لله، وبه استبان ان الجهل بمبدأه لا یجعله قدیما للعلم بحدوثه بل الجهل بالمبداء یؤخره جدا، لان الحادث انما یضاف الی اقرب الاوقات، وزعم انه	ایسا ہوتا تو آپ بھی عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرما دیتے (کما قالت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا) ام المومنین حضرت عائشہ نے ایسا ہی فرمایا۔ یہ تحقیق مقام ہے، اور یہ معلوم ہے کہ ہمارا مسئلہ پہلی تقسیم کی چوتھی قسم سے ہے، اور تقسیم ثانی کی پہلی قسم ہے یعنی اس کے بارے میں ہمیں حادث ہونا تو معلوم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ اس کے حدوث کا وقت کب ہے، اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کے خلاف عملدرآمد رہا ہے، اور ئی ان امور سے بھی نہیں جس کا حکم زمانے کے بدلنے سے بدلتا ہو، اور اس کے ساتھ ہی ائمہ فقہا کی بے شمار نصوص نہی عام کی صورت میں موجود ہیں بلکہ خاص اذان جمعہ کی ممانعت کی طرف بھی رہنمائی ہے، اور متعدد دلیلیں اس کے قبح و شناعت پر بھی دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ساری تفصیل گزر چکی، تو ثابت ہوا کہ اس کو متوارث قرار دینا محال ہے اور یہ قطعاً یقیناً بدعات مردودہ میں سے ہے اس سے یہ امر بھی روشن ہوگیا یہ کسی امر کے احداث کا وقت معلوم نہ ہونا اس کو قدیم نہیں بناتا جبکہ اس کے حادث ہونے کا علم ہو، بلکہ جس کے حدوث کی بتداء نہ معلوم ہو، اس کے بارے میں یہ امر سمجھا جائے گا کہ یہ امر بالکل نو پید ہے کیونکہ حادث قریب ترین وقت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اور یہ گمان کرنا

حدث من زمن سیدنا عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فریۃ بلا مریۃ واحتجاج التانوی الوھابی لہ بانہ لما قال فی الھدایۃ اذا صعد الامام المنبر جلس و اذن المؤذنون بین یدی الامام بذلك جری التوارث[1] اھ قال علیہ امام العینی فی البنایۃ ای فی زمن عثمان[2] اھ ولا یمکن ان یراد بقولہ بین یدی المنبر مجرد المحاذات لثبوتھا من زمن الرسالۃ فلا بد ان یرادبہ کونہ لدی المنبر متصلا بہ لیصح جعلہ متوارثا من زمن عثمان لا قبلہ اھ ـ وما زعم الوھابی المفتری و ھذہ فریۃ فوق فریۃ. ولقد صدق رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت"[3]ـ فان عبارۃ البنایۃ ھکذا "م بذلك ش ای بالا اذان بین یدی المنبر بعد الاذان الاول علی

کہ اکا حدوث تو زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے بلا شبہہ ایک افتراء ہے۔ اور وہابی تھانوی کا ہدایہ کی اس عبارت سے استدلال کہ "امام منبر پر چڑھے اور بیٹھے تو موذن اس کے سامنے اذان دے کہ یہی متوارث ہے"۔ اور امام عینی اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ "یہ حضرت عثمان رضی اللہ رتعالٰی عنہ کے زمانہ سے ہے" غلط ہے۔ صاحب ہدایہ کے قول یہی متوارث ہے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سامنے اذان ہو نا کیونکہ امام عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی روشنی میں کہنا پڑے گا کہ یہ منبر کے سامنے والی اذان زمانہ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ایجاد ہے۔ اور اسی وقت سے متوارث ہے، حالانکہ اس اذان کا تو عہد رسالت سے ہونا منقول، متوارث ہے۔ اصل میں ان وہابی صاحب کا یہ زعم باطل، ہدایہ او عینی کی عبارت میں ناجائز دست درازی کا نتیجہ ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "بے شرم ہوگئے ہو تو جو چاہو کرو" پوری عبارت یوں ہے: "یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ سے یہی جاری وساری ہوگیا کہ منارہ

[1] الھدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

[2] البنایۃ فی شرح الھدایہ کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ جلد ۱ جزء الثانی ص ۱۱۴

[3] امعجم الکبیر حدیث ۶۵۸و۶۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷و۲۳۸

المنارة مر به جرى التوارث من زمن عثمان بن عفان الى يومنا هذا" اھ[1] فالاشارة الى التاذين بعد التاذين۔ لا الى التاذين بين يديه۔ ولكن الوهابية قوم يفترون۔ ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم۔	پر پہلی اذان ہو اور اس کے بعد منبر کے سامنے والی اذان ہوا کرتی ہے" حضرت مام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی عبارت میں ذالک کا مشاء الیہ پہلی اذان کے بعد دوسری اذان ہونے کو قرار دیا ہے نہ کہ دوسری اذان کے منبر کے سامنے ہونے کو۔ اور اسی کو حضرت عثمان کے عہد سے آج تک جاری رہنے کو بتایا۔ اور تھانوی صاحب نے اس کو منبر کے سامنے سے جوڑ دیا۔ اور کیوں نہ ہوتا یہ وہابی قوم بڑی افترا پرداز ہوتی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
وكذا زعمه بعد التنزل حدوثه من زمن هشام بن عبد الملك وهذا انما قاله بعض المالكية فى التاذين بين يدى الامام لقولهم انه محدث وانما كان هذا الاذان على عهد رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وخلفائه الراشدين رضى الله تعالٰى عنهم على المنار ايضا كما تقدم وقد رده محققوهم وبينوا ان هشام لم يتغير هذا الاذان شيئا انما غيرا لاذان الاول الذى احدثه عثمان رضى الله تعالٰى عنه كان يفعل بالزوراء	(یونہی تھانوی صاحب کا یہ کہنا کہ "ہم اپنے منصب سے اتر کر یہ تسلیم کرتے ہیں کہ لصیق المنبر اذان ہشام ابن عبدالملک نے ایجاد کیا" زعم فاسد اور وہم کاسد ہے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ حجرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض متبعین اذان بین یدی الخطیب کو حادث و مرکوہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں یہ اذان بھی منارہ پر ہوتی تھی، ہشام ابن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اس اذان کو جسے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مقام زوراء پر دلانا جاری کیا تھا منارہ پر دلانا شروع کیا اور اس دوسری اذان کو منارہ کے

[1] البنایہ فی شرح الهدایة کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ المجلد الاول، الجزء الثانی ص ۱۰۱۴

فنقله هشام الى المسجد على المنارة۔	بجائے خطیب کے سامنے کردیا۔ مگر محققین مالکیہ نے اپنے ہی ہم مذہب علماء کے اس خیال کو رد کردیا کہ ہشام نے دوسری اذان میں کوئی ترمیم نہیں کی، وہ عہد رسالت اور عہد شیخین بلکہ عہد عثمان ومابعد کے موافق برابر خطیب کے سامنے ہوتی رہی، ہشام نے تو صرف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اضافہ کردہ اذان کو مقام زوراء سے منتقل کرکے منارہ مسجد نبوی پر کرانا شروع کیا۔)
قال العلامة الزرقانی المالکی رحمة الله تعالٰی علیه فی شرح المواهب (عبارة ابن الحاجب من المالکیة یحرم الاشتغال عن السعی عند اذان الخطبة وهو معهود) فی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔(فلماکان عثمان وکثروا امر بالاذان قبله علی الزوراء اھ ثم نقله هشام الی المسجد وجعل الاٰخر بین یدیه بعمنی انه ابقاه بالمکان الذی یفعل فیه فلم یغیره بخلاف ماکان یفعل بالزوراء فحوله الی المسجد علی المنار[1] اھ باختصار۔	چنانچہ امام زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب لدنیہ میں ابن حاجب مالکی کی مندرجہ ذیل عبارت کی شرح مٰتن فرمایا: "خطبہ کی اذان شروع ہونے پر نماز جمعہ کے لئے سعی حرام ہے" (یعنی اذان خطبہ شروع ہونے سے قبل ہی مسجد میں پہنچ جانا چاہیے) زمانہ رسالت میں یہی معہود ومعروف تھا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کازمانہ آیااور نمازیوں کی تعدادزیادہ ہوگئ توحضرت ذوالنورین نے خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے قبل بھی مقام زوراء پر ایک اذان پکارنے کا حکم دیا (پھرہشام نے اس اذان کو مسجد کی طرف منتقل کیااور دوسری اذان کو سامنے لایا) مطلب یہ ہے کہ دوسری اذان وہیں دلائی جہاں عہد رسالت میں ہوتی تھی،اس میں کچھ تغیر نہیں کیا، البتہ حضرت عثمان غنی نے جواذان مقام زوراء پر دلوانی شروع

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصدالتاسع الباب الثانی دارالمعرفة بیروت ۷/ ۳۷۹

	کی تھی اس کو مسجد کی طرف منتقل کیا یعنی اسے منارہ پر دلوانے لگا، اھ بالاختصار۔
ولئن فرضنا ان هشامًا هوالذی غیر السنة فمن هشام وما هشام حتی یعتبر بتغییرہ و یوخذ بفعله و تترك سنة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وخلفاءہ الراشدین لاجله لایرضی به احد من اه الدین۔ و نسبة الوهابی ایاہ الی ائمة الهدٰی مالك وابی حنیفة و غیرهما رضی الله تعالٰی عنهم انهم اتبعوا هشامًا فیه وترکوا السنة الجلیلة افتراء منه علیهم وسبة غلیظة فی حقهم حاشاهم عن ذٰلك، ولکن اذقدّ الخبیث اذقد سب محمدا وسب رب محمد جل وعلا وصلی الله تعالٰی علیه وسلم وطبعه واشاعه فمن بقی نعوذ بالله من حال کل مرتد وشقی ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ ہشام نے منبر کے سامنے والی اذان میں بھی تصرف کیا اور اسے منبر کے متصل دلانے لگا اور سنت رسول کو بدل دیا، تو یہ ہشام کون ہے اور کیا ہے کہ اسکے بدلنے کا لحاظ کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے، اور اس کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت چھوڑ دی جائے۔ بھلا دینداروں میں سے کون اس پر راضی ہوگا! اور اس وہابی نے جو یہ کہا کہ ائمہ ہدٰی مثل امام مالک وابو حنیفہ وغیرہ رضی اللہ عنہم نے ہشام کی اتباع کی اور اسی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑ دی۔ یہ ان ائمہ ہدٰی پر اس کی افتراء پردازی ہے، اور ان کی طرف ایک غلیظ برائی کی نسبت ہے، ان کا دامن اسی آلودگی سے پاک ہے، لیکن اس خبیث نے جب گلہ گویوں کو دو ٹکڑے کر دیا اور اللہ ورسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو گالی دی اور اسے چھاپ کر شائع کیا، تو اب کون رہ گیا، ہم مرتد کے حال سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔
نفحه۱۱: واذقد طولبوا مرارًا انکم تدعون التوارث عن المصطفٰی صلی الله تعالٰی	**نفحہ ۱۱:** ان سے بارہا مطالبہ کیا گیا کہ تم لوگ اس اب میں زمانہ رسالت سے آج تک کے توارث کے مدعی ہو تو کیا کسی اور

علیه وسلم فهل نص علیه احد، او عندکم علیه من دلیل، ام انتم شاهد تم زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم، ام کل ماترونه فی زمنکم فهو مستمر من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جاءهم عـــــہ اضطرار الغریق الی التشبث بکل حشیش فتمسکوا بمنقول ومعقول، اما المنقول فقول الهدایة والهندیة: اذن المؤذنون بین یدی المنبر وبذٰلك جری التوارث[1]۔" وهذا کماتری نزغة من جهلهم بمعنی بین یدیه کما عرفت مفصلاً۔ فقول الهدایة حق وهدایة، وفهمهم منه ان الاذان داخل المسجد متوارث من زمنه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جهل وغوایة۔ واما المعقول فهو انه لم یکذر فی شیئ من التواریخ ان هذا الاذان سری الیه التغیر بعد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلم انه کما یفعل الاٰن کان هٰکذا یفعل

نے بھی اس توارث پر نص کیا ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل ہے یا تم لوگوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود رہ کر اس کا مشاہدہ کیا ہے یا آج تم لوگ کر رہے ہو یا دیکھ رہے ہو، حضور کے زمانہ سے آج تک مسلسل جاری ہے تو ان کو ڈوبنے والے کی بیقراری گھیر لیتی ہے جو ہر تنکے پر سہارے کے لیے ہاتھ مارتا ہے۔ اور یہ لوگ ایک عقلی اور ایک نقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔ دلیل منقول میں ان لوگوں کا سہارا ہدایہ اور ہندیہ کا یہ قول ہے کہ "موذن نے منبر کے سامنے اذان دی، اور اسی پر توارث ہوا۔" ان کی یہ دلیل اس جہالت کی پیداوار ہے کہ انہوں نے سامنے کے معنٰی متصل منبر قرار دے لیا جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے، تو ہدایہ کی بات تو حق وہدایت ہے لیکن اس سے ان کا یہ سمجھنا کہ اذان کا منبر کے بالکل قریب ہونا متوارث ہے، ان کی جہالت ہے۔ اور عقلی دلیل ہے کہ تاریخ سے یہ ثابت نہیں کہ اذان بین یدی الخطیب میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی تغیر ہوا۔ اور آج کل متصل منبر ہو رہی ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت سے ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔

عـــــہ: فی الاصل هکذا ولعله الجاء۔

[1] الهدایة کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة المکتبة العربیة کراچی ۱/۱۵۱، الفتاوی الهندیة کتاب الصلٰوة الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۴۴

علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم، وهذا قول من لیس له من العلم الا الاسم۔ فلا التواریخ التزمت ذکر جمیع الحوادث الجزئیة المتعلقة بالمسائل الشرعیة، ولا کل کتب التواریخ وجد المدعی، ولا کل ماوجد طالعه برمته، ولا عدم الوجدان عدم الوجود، ولا عدم الذکر ذکر العدم۔ ولو تنزلنا عن کل هذا فاذقد ثبت بالحدیث الصحیح ان الذی کان علٰی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم خلاف ماشاع فی هٰؤلاء فالتغیر ثابت لامرد له افترددون الحدیث الصحیح، ام تکذبون العیان الصریح، بان التواریخ لم تتعر لبیان التغیر، ولکن الجهل اذا تملك لم یخش الفضوح والتغییر، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔

نفحه ۱۲: لاحجة فی توارث البعض اذا خالف الحدیث والفقه، الا ترٰی ان اجل توارث واعظمه واهیبه وافخمه توارث اهل الحرمین المحترمین زادهما الله تعالٰی عزا وتعظیما واهلهما فضلا وتکریما

اس دلیل سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے قائل کو علم سے کچھ مس ہی نہیں کیونکہ نہ تو تاریخ میں اس بات کا التزام ہے کہ مسائل جزئیہ شرعیہ سے متعلق ہر ہر جزئی کا اس میں بیان ہوگا۔ نہ مدعی نے اسلام کی ساری تاریخی کتابوں کو پایا، نہ سب کا حرفاً حرفاً مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کسی چیز کا نہ پانا اس کے نہ ہونے کی دلیل نہیں۔ یونہی کسی امر کا ذکر نہ ہونا اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ ہوا ہی نہیں۔ اور اگر سب کچھ من وعن تسلیم کرلیا جائے، تو یہاں تو صحیح حدیث سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں جو ہورہا تھا آج اس کے خلاف کیا جارہا ہے، تو تاریخ میں ذکر ہو نہ ہو۔ صحیح حدیث سے تو ثابت ہورہا ہے کہ سنت رسول میں تغیر ہوا، تو کیا آپ لوگ اہل تاریخ کی خموشی کا سہارا لے کر صحیح حدیث کو جھٹلائیں گے، اور عین صریح کا انکار کریں گے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جہل جس پر سوار ہوجاتا ہے اسے رسوائی یا عار دلانے کی قطعاً پرواہ نہیں ہوتی۔

نفحہ ۱۲: اور کچھ لوگوں کا توارث جب حدیث وفقہ کے خلاف ہو تو لائق استدلال نہیں ہوتا۔ سب جانتے ہیں کہ توارث میں سب سے عظیم وبزرگ اور پرہیبت حرمین محترمین زادہم اللہ شرفاً وتعظیماً کا توارث ہے، وہ بھی قرون اولٰی کا مگر ہمارے امام اعظم

لاسیما فی القرون الأولی ومع ذٰلك لم یسلمه اما منا الاعظم وجمیع ائمة الفتوٰی فی مسألة الاذان الفجر من اللیل لمجی الحدیث بخلافه قال فی الهدایة: "لایوذن لصلٰوۃ قبل دخول وقتها ویعادفی الوقت لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهیل وقال ابو یوسف وهو قول الشافعی رحمهما الله تعالٰی یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین والحجة علی الکل قول صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال رضی الله تعالٰی عنه لاتؤذن حتی یستبین لك الفجر هٰکذا ومدیده عرضًا[1] اھ" قال الامام الاکمل البابرتی فی العنایة: "قوله والحجة علی الکل ای علی ابی یوسف والشافعی واهل الحرمین یعنی ان الحدیث حجة علی الأخذوالماخوذمنه[2] اھ" فاذاکان هذا فی نوارث اهل الحرمین التابعین وتبع التابعین وهم ماهم فماظنك	اور تمام اہل فتاوٰی اذان فجر کے مسئلہ میں اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ حدیث اس توارث کے خلاف مروی ہے، ہدایہ میں ہے: "نماز فجر کے لئے دخول وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے، اور اگر پہلے دے دی گئی ہو تو وقت ہونے پر دہرائی جائے کہ اذان وقت کے اعلان کے لئے ہے، اور وقت سے پہلے دینا لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنا ہے۔ امام ابویوسف اور امام شافعی رحمہااللہ کہتے ہیں کہ فجر کی اذان توارث حرمین شریفین کی وجہ سے فجر سے پہلے بھی دی جاسکتی ہے۔ اور دونوں کے خلاف دلیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے جو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تک اذان نہ دو جب تک صبح یوں روشن نہ ہو جائے۔ اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو عرض میں پھیلا دیا۔ "حضرت امام اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں: "صاحب ہدایہ کا حجۃ علی الکل فرمانا امام شافعی، قاضی ابویوسف اور اہل حرمین سب کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث آخذ اور ماخوذ منھم سب پر حجت ہے۔ "تو جب اہل حرمین وہ بھی تابعین اور تبع تابعین جیسے عظیم بزرگوں کا یہ حال ہے، پھران مدعیوں کے

[1] الھدایة کتاب الصلٰوۃ باب الاذان المکتبة العربیة کراچی ۱/۷۴ تا ۷۶

[2] العنایة علی ھامش فتح القدیر باب الاذان مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۲۱

بتوارث تدعیه الاٰن فی بعض البلدان وما فیکم ولا فیمن ولی کم او ولی من ولی کم من یکون فعله اوسکوته حجة فی الشرع فضلًا عن ان یکون حجة علی الشرع واللّٰه یهدی من یشاء الٰی صراط مستقیم۔

نفحه ۱۳: ظهر بهذا وللّٰه الحمد وهن تمسکه بفعل مؤذن الحرمین اشریفین فمع ان هذا الاذان فی مکة زادها اللّٰه شرفا علی حاشیة المطاف وما کان مسجد الحرام علی عهد سید الانام علیه افضل الصلٰوة و السلام الاقدر المطاف کما فی المسلك المتقسط علی القاری وغیره فاذن محل الاذان الاٰن هو محله القدیم وان احاط به المسجد بالزیادة کما ارساط بئر زمزم۔ وفی المدینة المنورة صلی اللّٰه تعالٰی علی من نورها وبارك وسلم علٰی دکة بازاء المنبر فامر قدمت وقدتم الامر لما قدمنا ان الدکاك ومئذنة خارجة عن المسجد بالمعنی الاول غیر ان الشان فی احداثها کما

مذعومہ توارث کا کیا حال ہوگا جس میں آپ جیسوں سے پیوستہ لوگ ہیں۔ ان کا فعل یا سکوت شریعت میں حجت کب ہے کہ اس کو شرع کے خلاف حجت قرار دیا جائے۔ بس اللہ تعالٰی ہی جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے۔

نفحہ ۱۳: اس توضیح سے ان لوگوں کے استدلال کی کمزوری ظاہر ہوگئی جو حرمین شریفین کے مؤذنوں کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ یہ اذان مکہ شریف مں مطاف کے حاشیہ پر ہوتی ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد کریم میں مسجد حرام موجودہ مطاف کے حدود میں ہی تھی، جیسا کہ ملا علی قاری کی مسلک متقسط وغیرہ میں ہے، تو اس تقدیر پر آج بھی حرم میں اذان وہیں ہو رہی ہے جہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد میں ہوتی تھی۔ اب مسجد کی توسیع کی وجہ سے اگرچہ وہ جگہ مسجد کے احاطہ میں آگئی ہے، جیسا کہ چاہ زمزم بھی فی الحال مسجد کے احاطہ میں ہی ہے، اور مدینہ منورہ علی صاحبہا الصلٰوۃ والسلام میں چبوترے پر جو منبر کے ما قابل ہے۔ تو اگر یہ چبوترے قدیمی ہوں تو بات مکمل ہو گئی کیونکہ ہم بتا چکے ہیں کہ چبوترہ اور مئذنہ مسجد بالمعنی الاول سے خارج ہے لیکن بات تو ان کے حادث ہونے کی ہے۔ تو ان سے

تقدم فیکیف یحتج بہ، واللہ الھادی۔
اذعلمت ان امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ وجمیع ائمۃ الفتوی بعدہ لم یقبلوا توارث التابعین وتبعھم من اھل الحرمین الشریفین لمخالفۃ الحدیث فما ظنک بفعل مؤذن الزمان وھل یسوغ لحنفی ان یستبیح الجھر بکلام لسمتمع الخطبۃ ولو کان صلٰوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوترضیا للصحابۃ اودعاء للسلطان اعزاللہ نصرہ وخذل اعداءہ اولسیدنا الشریف حفظہ اللہ تعالٰی۔ الیس قد اجمع ائمتنا علٰی تحریم الکلام اذ ذاك ولو دینیا و فوق ذٰلك بکثیر امر التمطیط فی التکبیر قد اقام علیہ النکیر المحقق فی فتح القدیر ولم یستبعد فساد صلٰوۃ من یفعلہ ای وکذاصلٰوۃ من یصلی بتکبیرہ و تبعہ علیہ فی الحلیۃ والنھر والدرر وغیرھا وجزم بفساد الصلاۃ بہ السید العلامۃ اسعد مفتی المدینۃ المنورۃ تلیمذ

اذان کے اندرون مسجد ہونے پر استدلال کیسے صحیح ہوگا۔ اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا ہے۔
جب آپ جان چکے کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے بعد تمام اہل فتوٰی نے تابعین اور تبع تابعین کا توارث قبول نہیں کیا کہ یہ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ توآج کل کے مؤذنوں کی کیا حقیقت ہے، کیا کسی حنفی کو یہ اجزت ہے کہ خطبۂ جمعہ سننے والے کو بلند آواز سے بولنے کی اجازت دے، اگرچہ یہ کلام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود شریف کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو یا صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم ہی کیوں نہ ہو یا سلطان اسلام یا شریف مکہ کے لئے دعاء خیر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا ہمارے ائمہ نے اس وقت دینی اور دنیاوی سبھی قسم کے کلاموں کی حرمت پر اجماع نہیں کیا؟ اور اس سے زیادہ اہم معاملہ تکبیر کے ابلاغ ہی کے لئے مکبّر کا بہت بلند آواز سے گٹکری بھر کر تکبیر بولنے کا ہے۔ محقق علی الاطلاق امام ابن ہمام نے اس کی سخت تردید کی اور فرمایا "ایسا کرنے والے کی نماز فاسد ہونے کا ڈر ہے۔" یونہی اس کی نماز جو ایسے مکبّر کی آواز پر بنا کرے اور صاحبان حلیہ ودرر ونہر اور اس کے علاوہ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی اور اس کی نماز فاسد ہونے کا فتوٰی سید عالمہ مفتی اسعد مفتی مدینہ منورہ نے دیا جو

العلامة شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر معاصر المدقق العلامة محمد الحصکفی صاحب الدر المختار رحمھم العزیز الغفار قد حکی فی اوائل فتاواہ من ھذا مایفضی الی العجب فراجعھا ان شئت۔

وبالجملة دلائل الشرع محصورة ولا حجة فی فعل کل احد لاسیما من لیس بعالم ولا تحت العلماء ولکن العجب کل العجب من ھٰؤلاء الوھابیة الملاحدة الزنادقة السابة للّٰہ ولرسولہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم، کیف یحتجون بفعل المؤذنین ویرمون حضرات سادتنا علماء الحرمین الشریفین نفعنا اللّٰہ تعالٰی ببرکاتھم، فی کتبھم وخطبھم بشنائع فظیعة قد برأھم اللّٰہ تعالٰی عنھا۔ والوھابیة قوم یکذبون ثم لایقتدون بعلماء الحرمین فی عقائدھم الحقة فضلًا عن اعمالھم الحسنة کمجلس المیلاد الشریف والقیام فیہ لتعظیم من عظم اللّٰہ تعالٰی

شیخی زادہ صاحب مجمع الانھر کے شاگرد ہیں۔ اور صاحب درمختار کے ہمعصر ہیں۔ اللہ تعالٰی ان سب پر اپنی رحمت کی بارش برسائے، انہوں نے اپنے فتاوٰی کے شروع میں اس سلسلہ کی ایک عجیب بات نقل کی جسے دیکھا جاسکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شریعت کی دلیلیں حدود ومشہور ہیں، اوران کے باہر کسی کے عمل سے استدلال نہیں ہوسکتا بالخصوص جبکہ وہ عالم بھی نہ ہو، نہ علماء کا زیر فرمان ہو۔ لیکن ان وہابیہ زنادقہ پر سخت تعجب ہے کہ کس طرح مؤذن کے فعل سے استدلال کرتے ہیں اور حرمین شریفین کے حضرات سادات علمائے کرام کو بدنام کرتے ہیں۔ یہ ذلیل قوم علمائے حرمین شریفین پر غلط اتہام رکھتی ہے اور ان کے حق فتوؤں کی اقتداء نہیں کرتی، تو ان کے اعمال حسنہ مثل میلاد وقیام کی کیا پیروی کریں گی! ان پر قول فیصل یہ ہے کہ انہیں سادات حرمین کا فتوٰی حسام الحرمین دکھا کر کہا جائے یہ علمائے حرمین کا فتوٰی نہیں ہے؟ تو اگر وہ اس کو رد کرتے ہیں تو مؤذنین حرمین کے فعل سے ہم پر الزام کرنے کا کیا حق ہے؟ اور اقرار کرکے ان وہابیہ کی تکفیر کرتے ہیں تو ان سے کہا جائے کہ مسئلہ اذان میں آپ ان کافروں کی کیوں اتباع کرتے ہیں آپ کو تو انکار کرنے کا حق ہے۔ (ہم اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طالب ہیں، اور اس کے علاوہ نہ کوئی قوت والا ہے،

شانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ **نفحہ ۱۴:** قدمنا من الخطبة ثم فی الاجمال فی بحث الوارث الباطل المظنون (وانہ کیف یسری الی الظنون) مایکفی ویشفی وبینا الحق ورفعنا اللوم عن اساتذتکم واشیاخکم بل وعنکم ایضًا یامخالفین ان رجعتم الی الحق بعد ماظھر ولم تنکروا الصبح حین زھر فراجعہ فانہ مھم ومن لم یرجع فھو جبل واقع بھم ،ومن الدلیل علی ماذکرت ان العالم الدلیل علی امذکرت ان العالم ینکرفلا یسمع ماقدمت الاٰن عن ردالمحتار من تعطل نفاذ الامر بالمعروف والنھی عن المنکر منذ ازمنة[1]،وعلٰی ماذکرت ان العالم یسکت حینئذ قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا رأیت الناس قدمرجت عھودھم وخفت اماناتھم وکانواھٰکذا وشبك بین انامله فالزم بیتك واملك علیك لسانك وخذ ماتعرف ودع ماتنکروعلیك بخاصة امر نفسك ودع	نہ طاقت والا وہی علی وہی عظیم ہے جل جلالہٗ وعم نوالہٗ) **نفحہ ۱۴:** توارث باطل و مظنون کے بارے میں خطبہ میں اور توارث کی اجمالی بحث میں ہم نے جو کچھ ذکر کیا وہ کافی اور شافی ہے۔ہم نے حق واضح کیا اور مدعیان توارث کے استاذوں ان کے شیوخ اور خود ان سے بھی "سکوت عن الحق" کاالزام زائل کیا۔کاش کہ یہ لوگ حق ظاہر ہونے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے اور صبح چمکنے کے بعد اس کاانکار نہ کرتے،حالانکہ وہ ان کے لئے اہم اور ایسا پتھر ہے جو بے توجہی سے انہیں کے اوپر آپڑے گا۔ ہمارے اس دعوی پر کہ "عالم انکار کرتا ہے مگر عوام اس کی پرواہ نہیں کرتے" دلیل صاحب ردالمحتار کامذکورہ بالا قول ہے کہ "امر بالمعروف اور نہی عن المنکرمدتوں سے معطل ہوچکا ہے۔" اوراس امر کی دلیل کہ "بسااوقات عالم منکر دیکھ کر اخاموش رہتاہے" حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول ہے: "جب تم لوگوں کو اس حال میں دیکھو کہ ان کے عہد ایک دوسرے سے گتھ گئے ہیں اور امانتوں کو ہلکا سمجھنے لگے ہیں،اور وہ جال کی طرح بن گئے ہیں (حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرماکر جال کی صورت بنائی) تو تم اپنے گھر کو لازم پکڑو،اور اپنی زبان کو قابو میں

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۶۰۲

عنك امر العامة۔"رواہ الحاکم[1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما وصححہ واقرہ الترمذی۔ وابن ماجۃ عن ابی ثعلبۃ الخشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ائتمروا بالمعروف وتناھوا عن المنکر حتی اذا رأیت شحا مطاعًا وھوی متبعًا ودنیا مؤثرۃ واعجاب کل ذی رأی برایہ ورأیت امرا لایدان لك بہ فعلیك خویصۃ نفسك ودع امر العوام[2]۔(الحدیث) ونظیر ماذکرت من شیوع امر من قبل السلطنۃ ما فی الھدایۃ فی تکبیرات العیدین:"ظھر عمل العامۃ الیوم بقول ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما لامر بنیہ الخلفاء فاما المذھب فالقول الاول[3]اھ"	رکھو، خود اپنے نفس کی نگہداشت لازم جانو، اور عوام کا معاملہ ان پر چھوڑدو۔"اسے حاکم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اسے ترمذی نے برقرار رکھا۔ ابن ماجہ نے ثعلبہ خشنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو تاآنکہ بخل کی حکومت دیکھو، خواہشات نفس کی پیروی کی جانے لگے، اور لوگ دنیا کو اختیار کرچکے ہوں۔ ہر رائے پسند کرے ایسے میں کوئی ضروری معاملہ درپیش ہو تو تم اپنے نفس کو لازم پکڑو اور عوام کو ان کے حال پر چھوڑو۔" اور اس بات کا ثبوت کہ سلطنتوں کی طرف سے بھی بہت باتیں پھیلائی جاتی ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ قول ہے کہ: "تکبیرات عیدین میں آج کل عام طور سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب پر عمل ہورہاہے کیونکہ خلفائے بنو العباس نے اسی پر عملدرآمد کا حکم دیا، لیکن مذہب تو احناف کا قول اول ہی، (یعنی چھ زائد تکبیریں)۔"

[1] المستدرك للحاکم کتاب الادب دارالفکر بیروت ۴ /۲۸۲و۲۸۳

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الفتن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۹۹

[3] الھدایۃ کتاب الصلٰوۃ باب العیدین المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/ ۱۵۱

وما ذکرت من سکوت العلماء علیه سکوتهم وهم صحابة متوافرون وائمة اجلا تابعون علی زخرفة الولید المسجد الشریف النبوی حتی انفق علی جدار القبلة وما بین السقفین خمسة واربعون الف دینار مع ابن بعضهم قد انکر علی امیر المؤمنین عثمٰن رضی الله تعالٰی عنه حین بناه بالحجارة مکان اللبن و قصصه وسقفه بالساج مکان الجرید۔قال الامام العینی فی العمدة:"اول من زخرف المساجد الولید بن عبدالملك بن مروان وذٰلك فی اواخر عصر الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم وسکت کثیر من اهل العلم عن انکار ذٰلك خوفا من الفتنة اھ[1]۔"

ولا بن عدی فی الکامل والبیهقی فی الشعب عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم:"اذا رأیتم امرًالا تستطیعون تغییره فاصبروا حتی یکون الله هو الذی یغیره[2]۔"

اور جو میں نے یہ کہا کہ ظہور منکرات کے وقت علماء خاموش رہے ہیں،اس کا ثبوت علمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وتابعین کثیرہ متوافرہ ائمہ اجلہ کی وہ خاموشی ہے جو ولید کے مسجد نبوی شریف کے آرائش کرنے پر تھی،اس لئے دیوار قبلہ اور دونوں چھتوں کے مابین کی آرائش پر ۴۵ ہزار اشرفیاں خرچ کی تھیں حالانکہ انہیں میں سے بعض امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس بات پر نکیر کرچکے تھے کہ انہوں نے دیواروں کو اینٹوں کے بجائے منقش پتھروں سے بنوایا اور چھت کو کھجور کے پتوں کے بجائے ساج کی لکڑی سے۔ امام عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:"ولید بن عبدالملک بن مروان نے سب سے پہلے مسجد شریف کو مزین کیا،صحابہ کرام کے آخری عہد کی بات ہے،بہت سارے اہل علم اس وقت اس لئے خاموش رہے کہ فتنہ برپا ہوگا۔"

ابن عدی نے کامل میں اور بیہقی نے شعب میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا:"جب تم کوئی ایسا کام دیکھو جس کے بدلنے کی تم طاقت نہیں رکھتے تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اسے بدل دے۔"

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الصلٰوۃ باب بنیان المسجد تحت الحدیث ۴۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۰۴

[2] شعب الایمان حدیث ۹۸۰۲ / ۷ / ۱۴۹ و الکامل لابن عدی ترجمہ عفیر بن معدان الحمصی ۵/ ۲۰۱۷

والدلیل علی ماذکرت من اشتباہ الامر فی ذٰلك علی المتاخرین حتی العلماء بالتعامل ما اسلفت عن الشیخ المجدد وقد کان فی ماقررنا ابانة اعذارلمن عبر ومن غبرفان لم یرض به المخالفون فهم الذین یقضون علی اساتذتهم ومشائخهم اما بالجهل اوبالسکوت عن الحق وقد کانت لهم مندوحة الم یعلموا ان الخلیفة الراشد امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی الله تعالٰی عنه کم من سنن احیاها وظلمات بدع اجلاها فکان له الاجر الجزیل والذکر الجمیل والفخر الجلیل ولم یکن عتب قط علی من قبله من الصحابة الکرام واکابرائمة التابعین الاعلام رضی الله تعالٰی عنهم انهم جهلوا الحق اوسکتوا عنه ولاقیل لامیر المومنین انك تقحمت ما اجتنبوہ او انکرت ما اقروہ افانت اعلم منهم بالسنة او اتقی منهم للفتنة وعلٰی هذا درج امر کل مجدد فانه لایبعث الا لتجدید ماخلق وتشئید ما وهی وربما کان من قبله اعلم منه واتقی۔ وکذٰلك غیر المجددین	اور اس امر کی دلیل کہ اس معاملہ میں متاخرین پر معاملہ تعامل سے مشتبہ ہوگیا، حد یہ کہ علماء بھی شبہ میں پڑ گئے۔ شیخ مجدد کا وہ قول ہے جسے ہم نقل کرچکے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے گزرنے والوں اور باقی رہنے والوں سبھی کا عذر ظاہر ہوگیا۔ اگر کوئی ہمارے اس بیان پر راضی نہ ہو تو خود اپنے ہی شیوخ اور اساتذہ پر جہل یا سکوت عن الحق کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ اس سے بچ سکتا تھا۔ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کتنی سنتوں کا احیاء فرمایا اور کتنی بدعتوں کی تاریکیاں کافور فرمائیں۔ یہ امر ان کے لئے تو اجر عظیم اور بقائے ذکر حسن کا ذریعہ ہے، اور بجاطور پر باعث فخر ومباہات ہے لیکن ان سے قبل گزرنے والے صحابہ کرام اور اکابر ائمہ تابعین اعلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے کسی عتاب یا عیب جوئی کا سبب نہیں کہ وہ لوگ حق سے غافل رہے یا اس سے خاموشی اختیار کی۔ نہ اس سے امیر المومنین پر خوردہ گیری کی گئی کہ آپ نے ان چیزوں کی مزاحمت کیوں کی جس سے متقدمین ائمہ نے پرہیز کیا، یا آپ نے ان امور کا انکار کیا، جسے ان بزرگوں نے باقی رکھا، تو کیا آپ ان سے زیادہ سنت کا علم رکھتے ہیں اور ان سے زیادہ ذکی و علیم ہیں؟ اور اسی میں تمام مجددین کا

من کل عالم تصدّٰی لاحیاء السنة او اخماد بدعة فاہ یحمد ویوجر ولا یذم من مضٰی قبلہ ولا یعیر بخلاف من غبر بل من المثل الدائر السائر کم ترک الاول للاٰخر وھذا سیدنا الغوث الاعظم القطب الاکرم سید الاولیاء وسند الائمة والعلماء صلی اللہ تعالٰی علٰی ابیہ الاکرم وعیہ وعلٰی اصولہ وفروعہ ومشائخہ ومریدیہ وکل من انتمٰی الیہ، روٰی عنہ الائمة الکبار باسانید صحیحة مفصلة فی البھجة الشریفة وغیرھا من الکتب المنیفة: "انہ قیل لہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ماسبب تسمیتک محی الدین؟ قال رجعت من بعض سیاحاتی مرة فی یوم جمعة فی سنة احدی عشرة وخمسمائة الی بغداد حافیا، فمررت بشخص مریض متغیر اللون نحیف البدن،

معاملہ شامل ہے کہ وہ بھیجے ہی اس لئے جاتے ہیں کہ جو کمزوری آگئی ہے اسے مضبوط کریں اور جو کہنہ معلوم ہورہا ہے اس کو نیا کریں۔ اور بسااوقات ان مجددین سے پہلے ان سے بڑے بڑے اور ان سے زیادہ پرہیزگار علماء گزر چکے ہوتے ہیں۔ اور علمائے غیر مجددین بھی احیائے سنت واماتت بدعت ہی کے درپے ہوتے ہیں اور کسی بات پر ان کی تعریف ہوتی ہے جس انہیں اجر ملے گا۔ اور جو یہ کارنامہ کئے بغیر گزر گئے نہ تو ان کی برائی ہوتی ہے نہ کرنے والوں کو عار دلایا جاتا ہے، اور یہ تو ایک مشہور مثل ہے کہ پہلے کے بزرگ بعد میں آنے والوں کے لئے بہت سے کام چھوڑ گئے۔ حضرت غوث اعظم، قطب معظم، سید الاولیاء، سند الائمہ اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، خود ان پر اور ان کے اصول وفروع، مشائخ و مریدین اور ان سے نسبت رکھنے والوں پر اپنی رحمت نازل فرمائے سے ائمہ کبار نے سند صحیح کے ساتھ بہجۃ الاسرار وغیرہ معتبرات میں روایت کی کہ: "آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا حضور! آپ کا لقب محی الدین کیسے ہوا؟ آپ نے جواب دیا میں ۵۱۱ھ میں اپنی کسی سیاحت سے جمعہ کے دن بغداد لوٹ رہا تھا اس وقت میرے پاؤں میں جوتے بھی نہ تھے راستہ یں ایک کمزور اور نحیف، رنگ بریدہ مریض آدمی پڑا ہوا ملا،

فقال لی السلام علیك یا عبدالقادر، فرددت علیه السلام، فقال ادن منی فدنوت منه، فقال لی اجلسنی فاجلسته فنما جسدہ وحسنت صورۃ وصفا لونه فخفت منه، فقال اتعرفنی، فقلت لا، قال انا الدین وکنت دثرت کما رأیتنی وقد احیانی الله تعالٰی بك وانت محی الدین، فترکته وانصرفت الی الجامع فلقینی رجل ووضع لی نعلًا وقال یا سیدی محی الدین، فلما قضیت الصلٰوۃ اھرع الناس الی یقبلون یدی ویقولون یا محی الدین، وما دعیت به من قبل [1] اھ کلامه الشریف۔" **قلت** هذا وان بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنة رضی الله تعالٰی عنه فلو ان الاسلام لم یبلغ فی عهدہ رضی الله تعالٰی عنه الی ان یعد میتا فما الذی احیاہ وعلامه سمی محی الدین وان کان بلغ الٰی تلك الغایة فما ظنك بائمة اجلاء	اس نے مجھے عبدالقادر کہہ کر سلام کیا میں نے اس کا جواب دیا تو اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا کہ آپ مجھے بٹھا دیجئے۔ میرے بٹھاتے ہی اس کا جسم تروتازہ ہوگیا سورت نکھر آئی اور ارنگ چمک اٹھا مجھے اس سے خوف معلوم ہوا، تو اس نے کہا مجھے پہچانتے ہو، میں نے لاعلمی ظاہر کی، تو اس نے بتایا میں ہی دین اسلام ہوں اللہ تعالٰی نے آپ کی وجہ سے مجھے زندگی دی، اور آپ محی الدین ہیں۔ میں وہاں سے جامع مسجد کی طرف چلا، ایک آدمی نے آگے بڑھ کر جوتے پیش کئے اور مجھے محی الدین کہہ کر پکارا، میں نماز پڑھ چکا تو لوگ چہار جانب سے مجھ پر ٹوٹ پڑے میرا ہاتھ چومتے اور مجھے محی الدین کہتے۔ اس سے قبل مجھے کسی نے محی الدین نہیں کہا تھا۔" **میں کہتا ہوں** یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کمال کو پہنچ گئے تھے اور آپ کی عمر شریف چالیس سال ہوچکی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت اسلام کی ایسی حالت ہوگئی تھی کہ اس کو مردہ کہا جائے گا یا نہیں، اگر کہا جائے کہ نہیں، تو آپ زندہ کس کو کیا، اور آپ کا نام محی الدین کیوں ہوا۔ اور اگر ہاں کہا جائے تو وہ ائمہ عظام اور

[1] بهجة الاسرار ذکر فصول من کلامه مرصعا بشیئ من عجائب احواله دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۰۹

علماء واولیاء کانواقبله اهم کانوا عنه غافلین اوترکوانصره حتی بلغ الی ذٰلك الضعف المبین۔ام تزعمون ان لارض کانت خلت عن ولی الله وعالم امین کل ذٰلك من اجلی الاباطیل لایذهب الیه عاقل ذودین۔ وانما الامرماوصفنا ان لمن احیالاحقااجره ولمن سکت سابقاعذره،والاشیاء مقسومة بید التقدیر القدیم "اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾" [1]۔ وبالجملة انماهم الشریعة یردون وباب احیاء السنة یسدون اذ کلماقام عبدالله یحی سنة اویمیت بدعة یقال له الم یك قبلك علماء بالدین، اکانوا جاهلین،ام غافلین،ام انت اعلم منهم اجمعین، وما هو الاتصدیق قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم: "لیاتین علی الناس زمان یکذب فیه الصادق ویصدق فیه الکاذب [2]۔"وحدیث یکون المعروف	اولیاء فخام جو آپ سے پہلے تھے کیا اسلام کی اس کمزوری سے غافل تھے یا انہوں نے حق کی حمایت چھوڑدی تھی کہ دین ضعف کی اس حد تک پہنچ گیا تھا یا پھر یہ گمان کیا جائے کہ دنیا علماء واولیاء سے خالی ہو گئی تھی حالانکہ یہ تینوں باتیں خلاف واقعہ اور باطل ہیں۔ توحقیقت وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ جس نے بعد میں احیائے دین کیا اس کیلئے اجر ہے،اورجو لوگ پہلے خاموش گزرے ان کے لئے عذر ہے۔اشیاء کی تقدیر ازل سے ہی دست قدرت میں ہے۔اور اللہ تعالٰی اپنے فضل بے نہایت سے جس کو چاہتاہے فضیلت عطافرماتاہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مخالفین اذان بیروت مسجد شریعت کورد کرتے ہیں،اوراحیاء سنت کا راستہ مسدود کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی بندہ احیاء سنت واماتت بدعت کیلئے اٹھے اسے یہ کہہ کر روکا جاسکتاہے،کیاآپ سے پہلے علمائے دین نہ تھے؟ یا آپ ان سب سے بڑے عالم ہیں؟تو یہ صورت حال اس حدیث کریم کا مصداق ہے جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:"ایک زمانہ وہ بھی آئے گا کہ سچا جھٹلایا جائے گااور جھوٹے کو شاباش ملے گی، معروف ومشروع باتیں ناپسند

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

[2] المعجم الاوسط حدیث ۸۳۶۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/۲۹۳

منکرًا والمنکر معروفا[1]۔ کما قدمنا فھذا مایریدون والذین یکیدون وما یکیدون الا انفسھم ولکن لایشعرون۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ۔ واذقد فرغنا بحمداللہ تعالٰی عن ابطال ما توافقوا علیہ فلنأت علی ما انفرد بہ بعضھم عن بعض وباللہ التوفیق۔ **نفحہ۱۵:** ذکر بعضھم اثرا جعلہ من روایۃ جویبر فی تفسیرہ عن الضحاك عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امر مؤذنین ان یؤذنا للناس الجمعۃ خارجا من المسجد حتی یسمع الناس وامران یؤذن بین یدیہ کما کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ عنہ ثم قال عمر نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین[2]۔ فدل بمفھومہ ان الاذان بین یدیہ لم یکن خارج المسجد ودل بقول کما کان انہ فی عھد النبی	ہوں گی اور منکرات کو قبول کیا جائے گا۔" یہ ان لوگوں کی مراد اور حیلہ جوئیوں کا جواب ہے اور دین سے مکر کرتے ہیں اور مکر سے آدمی اپنے نفس کو ہی دھوکا دیتا ہے۔ ہم تو اللہ تعالٰی سے عفو وعافیت کے طلبگار ہیں۔ یہاں تک ہم ان کی مشترکہ جدوجہد کی تنقید سے فارغ ہوچکے ہیں اوراب انفرادی کاوشوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، توفیق خیر تو اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ **نفحہ ۱۵:** بعضوں نے ایک اثر نقل کیا جسے جویبر نے اپنی تفسیر میں ضحاک عن بردبن سنان عن مکحول عن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کیا کہ: "حضرت عمرفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤذنوں کو حکم دیا کہ جمعہ کے روز لوگوں کیلئے خارج مسجد اذان دیں تاکہ لوگ سن لیں، اور یہ حکم دیا کہ آپ کے سامنے اذان دی جائے جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صدیقی میں ہوتا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ نئی اذان شروع کی۔" اس حدیث کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اذان میں بین یدیہ خارج مسجد نہیں تھی۔ اوراس اذان کے لئے یہ کہنا کہ یہ اذان عہد رسالت

[1] فیض القدیر تحت الحدیث ۶۹۸۹ کان یجلس علی الارض دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/۲۶۲

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایضًا داخل المسجد۔	اور زمانہ صدیقی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایسے ہی ہوتی تھی، اس لئے صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ یہ اذان ان زمانوں میں اندرون مسجد ہوتی تھی۔
اقول اولًا: قد اعطیناك فی النفحۃ التاسعۃ الفقھیۃ من معانی المسجد ما یغنیك ویعینك علی کل ما یاتیك من امثال ھذا التشکیك فامر مؤذنین ان یؤذنا خارج المسجد بالمعنی الثانی او الثالث ایضًا کام فعلہ امیر المومنین ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہم اذ زاد اذانًا علی الزوراء عند کثرۃ المسلمین ویشیر الیہ فی نفس الاثر قولہ "حتّٰی یسمع الناس" وقولہ "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین"[1] فلا یدل ان دل الاعلی کون الاذان بین یدیہ داخل المسجد باحد ھٰذین المعنین وھو عین مرادنا "فلینظر ھل یذھبن کیدہ مایغیظ۔"	**اقول**: (میں کہتا ہوں) اولًا ہم نویں فقہی نفحہ میں بیان کر آئے ہیں کہ مسجد کے تین اطلاقات ہیں، اسی اعتبار سے خارج مسجد کے بھی تین معنی ہوں گے۔ اثر مذکور میں آئے ہوئے لفظ حتی یسمع الناس اور ابتدعناہ عند کثرۃ المسلمین اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں خارج مسجد سے مراد معنی ثالث ہیں، اور معنی ثانی ہو تو بھی ہم کو کچھ ضرر نہیں کہ ہم بھی تو اسی کے قائل ہیں کہ حدود مسجد کے اندر ہو، مگر موضع صلوٰۃ سے باہر ہو۔ مسجد کے اطلاق کی مذکورہ بالا توضیح ایسے تمام شبہوں کے لئے نسخہ شفا ہے۔
وثانیًا: انظروا الٰی ظلم ھٰؤلاء یردون حدیث صحیح ابی داؤد لاجل محمد بن اسحٰق الذی اجمع عامۃ ائمۃ الحدیث والفقہ علی توثیقہ، و	**وثانیًا** یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ یہ حضرات حضرت ابوداود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث صحیح کو تورد کرتے ہیں بلکہ حدیث کے راوی محمد ابن اسحاق پر جرح کرتے ہیں جن کی توثیق پر عام ائمہ حدیث وفقہ متفق ہیں۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/۴۵

یحستجون باثر جویبر وما جویبر من ابن اسحٰق الا کالعتمة من الاصبح۔رجل لم یذکر فی تھذیب الکمال ولاتذھیب التھذیب ولا تھذیب التھذیب ولا میزان الاعتدال ولا اللالی المصنوعة ولا العلل المتناھیة ولا خلاصة التھذیب مع الزیادات توثیقا له عن احدمن ائمة التعدیل انما ذکروا عنھم جرحه۔قال النسائی وعلی بن جنید والدار قطنی "متروك"[1] قال ابن معین "لیس بشیئ ضعیف۔"[2] قال ابن المدینی "ضعیف جدا"[3]۔"وذکرہ یعقوب ابن سفٰین "فی باب من یرغب عن الروایة عنھم"[4]۔" وقال ابوداؤد "ھو علٰی ضعفه"[5]۔"وقال ابن عدی "الضعف علی حدیثه وروایاته بین"[6]۔"وقال الحاکم ابو احمد "ذاھب الحدیث"[7] "قال الحاکم ابوعبد الله "انا ابرأ الی الله من عھدته"[8] "وقال ابن حبان "یروی عن الضحاك اشیاء مقلوبة"[9]۔"وقال فی اللآلی ھالك تالف متروك جدا"[10]۔ونقل فی ذیلھا عن لسان المیزان	اور جویبر کے اثر سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ جویبر اور ابن اسحٰق میں رات اور صبح صادق کا فرق ہے،نہ تو تہذیب الکمال میں جویبر کی توثیق کسی امام ائمہ تعدیل سے مروی،نہ تذھیب التنذیب میں،نہ تہذیب التنذیب میں،نہ میزان الاعتدال میں،نہ لآلی المصنوعہ،نہ علل المتناہیہ نہ خلاصۃ التنذیب مع زیادات میں،ہے تو صرف جرح ہے۔چنانچہ نسائی و علی بن جنید اور دار قطنی فرماتے ہیں: متروک ہے۔ابن معین فرماتے ہیں: کچھ نہیں ضعیف ہے۔ابن المدینی فرماتے ہیں: بے حد ضعیف ہیں۔یعقوب بن سفیان نے ان لوگوں میں شمار کیا جن سے روایت نہ کی جائے۔امام ابوداؤد نے فرمایا: وہ ضعف پر ہیں۔ابن عدی فرماتے ہیں: ان کی حدیثوں اور روایتوں پر ضعف غالب ہے۔حاکم ابواحمد نے فرمایا: ان کی حدیثیں ضائع ہیں۔حاکم ابوعبداللہ نے فرمایا: میں ان کی حدیثوں سے اللہ تعالٰی کی طرف براءت ظاہر کرتا ہوں۔ابن حبان فرماتے ہیں: ضحاک سے الٹی پلٹی حدیثیں بیان کرتا ہے۔لآلی میں فرمایا: ہلاک کرنے والے،برباد کرنیوالے،سخت متروک ہیں۔ اسی کے حاشیہ میں لسان المیزان سے

[1] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[2] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[3] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[4] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[5] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۰
[6] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[7] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[8] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[9] تھذیب التھذیب ترجمه جویبر بن سعید موسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱
[10] اللآلی المصنوعة

"متروك الحديث عن المحدثين [1]۔" وقال فی التقريب "ضعيف جدا[2]" وقال احمد بن سيار "حاله حسن فی التفسير وهو لين فی الرواية[3]" وعده يحيٰى ابن سعيد "هٰؤلاء لايحمل حديثهم ويكتب التفسير عنهم [4]۔" وقال فی الاتقان بعد ذكران الضحاك عن ابن عباس مقطع" وان كان من رواية جويبر عن الضحاك فاشد ضعفالان جويبرا شديد الضعف متروك اه[5]۔" ولكن اذالم تستحی فاصنع ماشئت[6]۔ **وثالثًا** من ظلمهم الدندنة علٰی حديث ابن اسحٰق بالعنعنة وما فی عنعنة المدلس الاحتمال الانقطاع ثم عادوايتمسكون بهٰذا الاثر وفيه مكحول عن معاذ	منقول ہے: محدثین کے نزدیک متروک الحدیث ہے۔ تقریب یں ہے: بے حد ضعیف ہیں۔احمد بن سیار نے فرمایا: تفسیر میں ان کا حال ٹھیک ہے اور روایت میں کمزور ہیں۔ یحیٰی ابن سعید نے فرمایا: حدیث میں ان پر بھروسانہیں کیا جاتا، روایت نہیں کی جاتی، تفسیر لکھی جاتی ہے۔اتقان میں ان کے ذکر کے بعد فرمایا: ضحاک کی روایت ابن اسحاق سے منقطع ہے، اور ضحاک سے جویبر روایت کریں تو اور شدید ہے، اور یہ متروک ہیں۔ تو یہ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جویبر جیسے متروک الحدیث کی روایت سے سند پکڑی جائے، اور محمد بن اسحٰق جیسے ثقہ کی روایت چھوڑدی جائے۔ **ثالثًا** ان حضرات کا ایک ظلم یہ بھی ہے کہ محمد ابن اسحٰق کی حدیث پر معنعن ہونے کا الزام لگاتے ہیں جبکہ مدلس کی معنعن حدیث میں روایت کے منقطع ہونے کا احتمال ہے اور روایت جویبر میں شدید ضعف کے ساتھ ساتھ مکحول عن

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] ذیل اللآلی المصنوعة کتاب العلم المکتبة الاثریة سانگلہ ہل، شیخوپورہ ص ۳۴

[2] تقریب التهذیب ترجمه ۹۸۹ جویبر بن سعید دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۱۶۸

[3] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[4] تهذیب التهذیب ترجمه جویبر بن سعید مؤسسة الرسالة بیروت ۱/۳۲۱

[5] الاتقان النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/۴۷۷

[6] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸و۶۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۴/۲۳۸، ۲۳۷

منقطع قطعا۔ **ورابعًا** من خیانتھم ان اثرواھٰذا الاثر عن فتح الباری وترکواقولہ"ھذا منقطع بین مکحول ومعاذ[1]۔" **خامسًا** ترکواقولہ"ولایثبت لان معاذًاکان خرج من المدینۃ الی الشام فی اول ماغزواالشام واستمرالی ان مات بالشام فی طاعون عمواس[2]۔" **وسادسًا** ترکواقولہ"وقد تواردت الروایات ان عثمٰن ھو الذی زادہ فھو المعتمد[3]اھ" فقد افادان الاثر منقطع ومعلول ومنکر لمخالفتہ لاحادیث صحیح البخاری وغیرہ الکثیرۃ المشھورۃ فترکواکل ذٰلك خائنین۔	معاذروایت ہے جو یقینًا منقطع ہے۔ **رابعًا** ان حجرات نے جویبر کے اثر کو فتح الباری سے نقل کیا اوراس پر خود صاحب فتح الباری کی یہ جرح چھوڑ دی کہ یہ اثر مکحول اور معاذرضی اللہ تعالٰی عنہم کے درمیان منقطع ہے۔ **خامسًا** صاحب فتح الباری کی یہ تنقید بھی ترک کردی "یہ روایت ثابت نہیں"کہ اس روایت میں ہے کہ عہد عمر کا یہ قصہ حضرت معاذ نے مکحول سے بیان کیا جب کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری سال شام گئے، پھر وہیں رہ گئے،مدینہ شریف واپس نہیں آئے یہاں تک کہ طاعون عمواس میں ان کا وہیں انتقال ہوگیا۔ **سادسًا** ان لوگوں نے صاحب فتح کی یہ تنقید بھی چھوڑدی کہ متعدد روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ اذان اول کا اضافہ کرنیوالے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ ابن حجر کی تنقیدوں سے ثابت ہوا کہ یہ اثر منقطع ہے، معلول ہے، بخاری شریف کی احادیث صحیحہ مشہورہ کی مخالفت ہونے کی وجہ سے منکر ہے،اوران حضرات نے سب کو چھوڑا تو خائن ہوئے۔

[1] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[2] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

[3] فتح الباری کتاب الجمعۃ باب الاذان یوم الجمعۃ مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

وسابعًا ان کان فیه شیئ فلیس الا مفهوم وردہ عند ائمتنا معلوم ،الاسیما مفهوم اللقب الذی ھو اضعف المفاھیم لم یقل بہ الاشرذمۃ قلیلۃ من الحنابلۃ ودقاق الشافعی وانداد المالکی۔	**سابعًا** اس عبارت سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بجو رعارۃ النص نہیں بلکہ بطور مفوہم مخالف اور مفہوم مخالف بھی لقبی جو ائمہ احناف کے نزدیک اضعف المفاہیم ہے۔یوں تو ہمارے ائمہ کے نزدیک مفہوم مخالف کا ہی اعتبار نہیں مفہوم مخالف لقبی کا کیا ذکر جو مالکیہ کے ایک مختصر گروہ کے نزدیک معتبر ہے۔ اور دقاق شافعی اور انداد مالکی کا قول ہے۔
وثامنًا جاء الملك ثلثة سفراء ووصل احدھم الی باب تجاہ الملك واثنان متاخران،سأل عنهم الملك فقال الھاجب احدھم بین یدی الملك واثنان کارج الحضرۃ فھل یفھم منہ ان الذی بین یدیہ قد دخل جوف الدار ولیس علی الباب ولکن الھل یاتی بالعجب العجاب۔	**ثامنًا** بادشاہ کے پاس تین نفر آئے،ایک تو بادشاہ کے سامنے آیا لیکن باہری دروازے تک،دو اور پیچھے رہے۔بادشاہ نے ان کے بارے میں دریافت کیا۔حاجب نے جواب دیاایک تو بادشاہ کے سامنے ہے اوردو دربار سے باہر ہیں۔تو حاجب نے جسے بادشاہ کے سامنے کہا کیا وہ دربار کے اندر تھا،وہ تو دروازہ پر ہی تھا لیکن جہالت عجب عجب گُل کھلاتی ہے۔
نفحہ۱۶: ظھرلك الجواب وللہ الحمد عن اثر النسائی عن طلق بن علی فخرجنا حتی قدمنا بلدنا فکسرنا بیعتنا ثم نضحنامکانھا واتخذناھا مسجدًا فنادینا فیہ بالاذان[1]۔	**نفحہ۱۶:** مذکورہ بالا بیان سے حضرت طلق ابن علی کے اس اثر کا جواب بھی ہوگیاجو امام نسائی نے نقل کیا:"ہم مدینہ سے چل کر اپنے ملک میں پہنچے اپنے گرجا کو ہم نے ڈھادیا اور حضور کی خدمت سے لایا ہوا پانی وہاں چھڑک دیا اور گرجا کی جگہ مسجد بنائی اوراس میں اذان دی۔"

[1] سنن النسائی کتاب المساجد اتخاذ البیع مساجد نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۱۴

واثر الترمذی عن مجاھد قال دخلت مع عبداللہ بن عمر مسجدًا وقد اذن فیہ ونحن نرید ان نصلی فیہ فثوب المؤذن فخرج عبداللہ [1] (الحدیث)	اور ترمذی کے اس اثر کا بھی جواب ہوگیا جو حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ "ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ایک مسجد میں گئے جس میں اذان ہوچکی تھی اور ہم اسی مسجد میں نماز پڑھنا چاہتے تھے تو مؤذن نے تثویب کہی تو حضرت عبداللہ مسجد سے نکل گئے۔"
اثر اٰخر عن ابی الشعشاء قال خرج رجل من المسجد بعدما اذن فیہ بالعصر وقال ابو ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ما ھٰذا فقد عصٰی ابا القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [2]۔	ایک اور اثر جو ابو شعثاء سے مروی ہے کہ اذان عصر کے عد ایک شخص مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "اس نے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔"
فانھما علی وزان اثر اقوی لم یھتدوا لہ وھو اثر مسلم عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ: ان من سنن الھدٰی الصلٰوۃ فی المسجد الذی یؤذن فیہ [3]۔"	یہ دونوں حدیثیں اسی روایت کے ہم پلہ ہیں جو امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت مذکورہ بالا دونوں روایتوں سے قوی بھی ہے۔: "جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سنن ہدٰی ہے۔"
کما قدمنا فی النفحۃ التاسعۃ	یہ اثر ہم نفحہ تاسعہ فقہیہ میں ذکر کرآئے

[1] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تثویب الفجر امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[2] جامع الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی کراہیۃ الخروج من المسجد بعد الاذان امین کمپنی دہلی ۱/۲۸

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب صلٰوۃ الجماعۃ وبیان التشدید الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۳۲

الفقهية وقد كفانا المؤنة الامامان الجليلان فی فتح القدير وغاية البيان اذقال فی المسجد ای فی حدوده لكراهة الاذان فی داخله[1]۔	مگر ہمیں اس کے جواب کی ضرورت نہیں کہ ہماری طرف سے اس کا جواب دو جلیل القدر امام فتح القدیر اور غایۃ البیان میں دے چکے ہیں کہ ان حضرات نے مسجد کی شرح میں فرمایا: "مطلب یہ کہ جس مسجد کی حدود میں اذان ہوتی ہو وہاں نماز ادا کرنی سنت ہے کہ مسجد کے اندر اذان مکروہ ہے۔"
والعجب ان المحتج بأثر ابن عمر هذا قد احتج بعبارة اختلقها علی صلٰوة المسعودی لا اثر لها فيها ولم يرفی صلٰوة المسعودی انه ذكر هذا الاثر هٰكذا ان عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوة[2] (الحديث) وعزاه الصلٰوة الامام السرخسی وصلٰوة الامام ابی بكر خواهرزاده رحمهما الله تعالٰی، ومثله فی الضعف بل اضعف والتمسك بحديث مرفوع لم يهتدوا له ايضا وانما دللنا هم عليه فتعلق به بعضهم وهو حديث ابن ماجة	عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اثر سے استدلال کرنے والے نے اس عبارت میں اپنی طرف سے فیہ کا اضافہ کردیا اور حوالہ میں صلٰوۃ مسعودی کا نام لکھا، حالانکہ صلٰوۃ مسعودی میں یہ روایت صلٰوۃ امام سرخسی اور صلٰوۃ امام ابو بکر خواہر زادہ سے ان الفاظ میں مروی ہے: ان عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما دخل مسجدًا ليصلی فخرج المؤذن فنادٰی بالصلٰوۃ (الحدیث) یعنی اصل عبارت میں فیہ کا لفظ نہیں ہے سند اور استدلال کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ ضعیف ایک اور حدیث ہے جس سے وہ غافل تھے ہم نے ہی ان کی رہنمائی کی تھی، تو بعض نے اس سے بھی سند پکڑی، ابن ماجہ نے وہ حدیث عثمان بن عفان رضی اللہ

[1] فتح القدير كتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة مكتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۲۹

[2] صلٰوة المسعود باب بیست ویکم در بیان بانگ نماز مطبع محمدی بمبئی ۲/۹۵

عن امیرالمؤمنین عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "من ادرکہ الاذان فی المسجد ثم خرج لم یخرج لحاجۃ وھو لایرید الرجعۃ فھو منافق[1]۔"	تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ان الفاظ میں روایت کی: "جس نے کسی مسجد میں اذان پائی اس کے بعد مسجد سے بلاضرورت باہر ہوا اور واپس ہونے کا ارادہ بھی نہیں تو وہ منافق ہے۔"
فان المسجد ظرف الادراک دون الاذان الا تری الی المناوی فی التیسیراذیقول فی شرحہ(من ادرکہ الاذان)وھو(فی المسجد[2])	استدلال ضعیف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں فی المسجد ادراک کا ظرف ہے(یعنی اذان سننے والا مسجد میں تھا خود اذان مسجد میں نہیں ہوئی تھی، امام مناوی نے اپنی شرح بنام تیسیر میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا: جس نے اذان اس حالت میں سنی کہ وہ مسجد میں تھا)
بل کفی الحدیث شرحًاللحدیث فللامام احمد بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اذا کنتم فی المسجدفنودی بالصلٰوۃ فلا یخرج احدکم حتی یصلی[3]۔"	بلکہ خود ایک دوسری حدیث میں اسکی شرح یہی فرمائی گئی، امام احمد سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں: "جب تم مسجد میں ہو اور اذان دی جائے تو نماز پڑھے بغیر مسجد سے باہر نہ نکلو۔"
لکن السفیہ کل السفیہ والبلید کل البلید من تمسک بحدیث	اور انتہائی بیوقوفی یہ ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس حدیث سے استدلال

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب اذا اذن وانت فی المسجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من ادرک الاذان الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۹۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۵۳۷

ابی داؤد رأیت رجلا کان علیه ثوبین اخضرین فقام علی المسجد فاذن[1] (ورواية ابی الشیخ فی هذا الحدیث) علی سطح المسجد فجعل اصبعیه فی اذنیه ونادٰی[2]، ورأی ذٰلك عبدالله بن زید فی المنام۔ وحدیث ابن سعد فی طبقاته عن نوار اُمّ زید بن ثابت رضی الله تعالٰی عنهما قالت کان بیتی اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن فوقه من اول ما اذن الی ان بنی رسول الله صلی الله علیه وسلم مسجده فکان یوذن بعد علی ظهر المسجد وقد رفع له شیئ فوق ظهره[3]۔ فان فی هٰذه تصریحات بکون الاذان خارج المسجد بالمعنی الاول والجهول لایمیز بین المنافع والمضار وقد اسلفنا عدة روایات لهذا محتجین بها والسفه یبحث عن حتفه بظلفه۔	کیا جائے: "میں نے ایک آدمی کو دیکھا جس پر دوہرے کپڑے تھے تو اس نے مسجد کے اوپر کھڑے ہو کر اذان دی۔ (اور ابوالشیخ نے اسی حدیث کی روایت میں لفظ علٰی سطح المسجد، (مسجد کی چھت پر) کہا اور اپنی دونوں انگلیاں اپنے کان میں ڈالیں اور اذان دی (دراصل حضرت عبداللہ بن زید نے یہ معاملہ خواب میں دیکھا تھا)"۔ اور طبقات ابن سعد میں حضرت زید ابن ثابت کی ماں نوار رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ: "مسجد کے پڑوس میں میرا گھر سب سے اونچا تھا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ ابتداء سے اسی پر اذان دیتے تھے لیکن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسجد بنالی اور اس کی چھت پر کچھ اونچا کر دیا، تو اسی پر اذان دینے لگے۔" ہم بیان کر آئے ہیں کہ سب صورتیں مسجد بمعنی اول سے خارج ہیں، تو ان سے داخل مسجد اذان کے مدعیوں کو کیا حاصل؟ لیکن جاہل نفع اور نقصان میں فرق نہیں کرتا، اور بیوقوف اپنے کُھر سے ہی اپنی موت کرید تا ہے۔

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابی الشیخ حدیث ۲۳۱۴۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۸/۳۳۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن النساء بنی عدی بن النجار ترجمہ النوار بنت مالك دار صادر بیروت ۸/۴۲۰

نفحه۱۷: تعلق سفیهان منهم بروایة ابن ماجة عن عبدالله بن زید رضی الله تعالٰی عنه فیها، قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان صاحبکم قد رأی رؤیا فاخرج مع بلال الی المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه اندی صوتا منك قال فخرجت مع بلال الی المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها[1] وهذا کما تری اشبه بالهذیان۔

فاولا: این الخروج الی المسجد عن الدخول فی المسجد،

ثانیا: لم یکن لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم مجلس غیر مسجده الکریم ولا بین المسجد والحجرات الشریفة شیئ انما کانت علی حافة المسجد الشرقیة واتیان عبدالله بن زید الیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان من اٰخر اللیل قریبا من الصباح کما جمع به

نفحہ ۱۷: دو بیوقوفوں نے ابن ماجہ کی اس حدیث سے استدلال کیا جو حضرت عبداللہ بن زید سے مروی ہے: "حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے ساتھی (عبداللہ بن زید) نے خواب دیکھا ہے تو اے عبداللہ! بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف جاؤتم تلقین کرو اور بلال پکار کر اعلان کریں کہ وہ تم سے بلند آواز ہیں۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں بلال کے ساتھ مسجد کی طرف گیا، میں بلال پر کلمات اذان تلقین کرتا اور حضرت بلال اسے پکار کر دُہراتے۔" یہ استدلال ہذیان جیسا ہے۔

اولاً: مسجد کی طرف جانے اور مسجد میں داخل ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے (اور حدیث شریف میں مسجد کی طرف جانے کی بات ہے مسجد میں داخل ہونے کی نہیں۔)

ثانیاً: حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مسجد مبارک اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے، تو دروازہ سے باہر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشست گاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حضرت عبداللہ بن زید کا آنا قریب صبح رات کے آخری حصہ میں تھا، اس کی تصریح امام ابوداؤد نے

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

بین روایۃ ابی داؤد "فلما اصبحت اتیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔" وروایۃ ابن ماجۃ "فطرق الانصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لیلا[2]۔" ولم یکن ھذا ایان خروجہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن مسجدہ الکریم ولا دخول احد علیہ فی الحجرۃ الکریمۃ فلم یکن صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذذاك الا فی المسجد الشریف اوالحجرۃ المنیفۃ۔ وعلٰی کل کان عبداللہ حین اتاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی المسجد ھذا ھو الظاھرولو لم یکن ظاھرًا لکفانا الاحتمال لقطع الاستدلال ومعلوم ان من کان فی المسجداذاقیل لہ اخرج الی المسجد یستحیل ان یراد بہ اخرج حتی تدخل المسجد، وانما یرادبہ اخرج الٰی منتھٰی حد المسجدوحینئذٍ تکون

اپنی روایت میں کی ہے۔اور ابن ماجہ نے اپنی روایت میں جس کا حاصل یہ ہے کہ ان کی حاضری آخری شب میں فجر سے کچھ پہلے تھی، الفاظ دونوں روایتوں کے مندرجہ ذیل ہیں: "صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آیا" (ابی داود)۔ "رات میں انصاری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں آئے" (ابن ماجہ)

اور یہ وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باہر جانے کا نہ تھا، نہ کسی کے حجرہ شریفہ میں داخل ہونے کا تھا، تو اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا تو مسجد مبارک میں تھے یا حجرہ شریفہ میں، تو اس صورت حال کے پیش نظر حضرت عبداللہ اس وقت مسجد میں ہی تھے۔ روایات سے یہی ظاہر ہے ورنہ اس کا احتمال تو ہے ہی جو استدلال کو باطل کردیتا ہے اور مسجد میں موجود رہنے والے سے یہ کہا جائے کہ مسجد کی طرف جاؤ اس کا یہ مطلب ہر گز نہ ہوگا کہ مسجد سے نکل کر پھر مسجد میں آؤ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ مسجد کی انتہائی حد تک جاؤ۔ گویا سرکار ان الفاظ سے یہ رہنمائی کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی حدود میں اذان دی جائے مسجد میں نہیں، نہ مسجد سے دور۔ جیسا کہ آسمان

Majlis of Dawatelslami

[1] سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب کیف الاذان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۷۲

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الاذان باب بدأ الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

الحکمة فی التعبیر بأی الارشاد الی ان یؤذن فی حدود المسجدلافیه لابعیدًامنه،کما اراه النازل من السماء علیه الصلٰوة والسلام فکان الحدیث دلیلًا لنا علیهم والجهلة یعکسون ومما یشهد له ان النازل من السماء اراه الاذان خارج المسجد اذقام علی حصة الجدار فوق السطح وماکان امر عـــه النازل الا للتعلیم فلذا امران یخرج من المسجد الی حدوده وللّٰه الحمد۔	سے اترنے والے فرشتے نے انہیں دکھایا تھا۔پس یہ حدیث تو مخالفین کے خلاف ہماری دلیل ہے،اوروہ اس کو الٹ رہے ہیں۔اوراس بات کی دلیل کہ فرشتے نے انہیں مسجد سے باہر اذان دے کر دکھایا تھا۔یہ ہے کہ وہ مسجد کی چھت پر دیوار کے اوپر کھڑاہوا تھااوروہ تعلیم کے لئے ہی آیاتھااس لئے آپ نے حکم دیاکہ اندرون مسجد سے نکل کر مسجد کے کنارے کی طرف جاؤ،فالحمدللّٰه۔
وثالثًا: لو تنزلنا عن الکل فقد ذکرنا الجواب العام التام الشافی الکافی ان المراد بالمسجداحدالمعنیین الاخیرین،وللّٰه الحمد۔	**ثالثًا:** اوران سب سے قطع نظرکیا جائے توہم ایک تام اورعام جواب دے چکے ہیں کہ ایسی تمام روایتوں میں مسجد سے اس کے دوسرےاور تیسرے معنٰی مراد ہیں۔

عـــه:واذاضم الی ذٰلك قول الشرنبلالی فی مراقی الفلاح (یکرہ اذان قاعد)لمخالفة صفة الملك النازل [1] لکان حدیث الملك علٰی کثرة روایاته التی قدمنا کثیرًا منها دلیلابراسه علی کراهة الاذان داخل المسجد فافهم منه حفظه ربه۱۲۔

اورجب اس کے ساتھ مراقی الفلاح میں مذکور قول شرنبلالی کوملایا جائے،یعنی بیٹھ کر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اذان کے لئے اترنے والے فرشتے کی صفت کی مخالفت ہے،توفرشتے والی حدیث باوجودان روایات کثیرہ کے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں مسجد کے اندر کی کراہیت پر دلیل ہوگی۔پس اس کو سمجھ۔(ت)

[1] مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی کتاب الصلٰوة باب الاذان دارالکتب العلمیة بیروت ص ۲۰۰

نفحہ۱۸:حاول بعض الوھابیۃ الفجرۃ ان یثبت مطلوبہ الباطل بأیات القراٰن العظیم وحاشا القراٰن ان یکون لباطل ظھیرًا قال قال عزوجل:

"وَاَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ"[1]

واخرج سعید بن منصورواٰخرون عن مجاھد قال لما امر ابراھیم ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام فنادٰی بصوت اسمع من بین المشرق والمغرب، یایھاالناس اجیبوا ربکم[2]۔

واخرج ابن المنذروابن ابی حاتم عن مجاھدقال تطاول بہ المقام حتی کان کاطول جبل فی الارض فاذن فیھم بالحج فاسمع من تحت البحور السبع[3]۔

واخرج ابن جریرعن مجاھد

نفحہ۱۸: بعض وہابی صاحبان نے اپنا مقصد قرآن پاک سے ثابت کرنے کا قصد کیا ہے حالانکہ قرآن عظیم باطل کا مددگار نہیں ہوسکتا۔وہ کہتے ہیں کہ قرآن عظیم نے فرمایا: "(اے ابراہیم!)لوگوں میں حج کا اعلان کرو۔"

اور سعید بن منصوراور دوسرے محدثین نے حضرت مجاہد سے روایت کی: "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کے اعلان کرنے کا حکم ہواتوآپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا(جسے مشرق ومغرب کے سبھی لوگوں نے سنا) کہ اے لوگو!اپنے رب کاجواب دو۔"

ابن المنذروابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام مقام ابراہیم پر اعلان کے لئے کھڑے ہوئے تو وہ انہیں لے کر بلند ہونے لگا یہاں تک کہ زمین کے تمام پہاڑوں سے بلند ہوگیا،آپ نے اسی بلندی پر سے لوگوں میں حج کا اعلان کیاجو سات سمندروں کی تہہ سے بھی سناگیا۔

ابن جریر نے حضرت مجاہد سے روایت کی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۲۷

[2] الدرالمنثور بحوالہ سعید بن منصور تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳،تفسیر القرآن لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷حدیث ۱۳۸۸۰مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

[3] تفسیرالقرآن لابن ابی ھاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷حدیث ۱۳۸۸۰مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/ ۲۴۸۷

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قام ابراھیم خلیل اللہ علی الحجر فنادٰی "یا ایھا الناس کتب علیکم الحج فاسمع من فی اصلاب الرجال وارحام النساء[1]۔"	اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر پکارا "اے لوگو! اللہ تعالٰی نے تم پر حج فرض کیا۔" تو باپوں کی پشتوں سے اور ماؤں کے شکموں سے لوگوں نے ان کی آواز سنی۔
قال قال ونحن ندری ان ھٰذا الحجر کان حین نادٰی علیہ خلیل اللہ داخل المطاف قریب جدار الکعبۃ لان علیا القاری قال فی شرح اللباب قال فی البحر "و الذی رجحہ العلماء ان المقام کان فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملصقًا بالبیت، قال ابن جماعۃ ھو الصحیح وروی الازرقی ان موضع المقام ھو الذی بہ الیوم فی الجاھلیۃ وعھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وابی بکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اھ۔ والاظھر انہ کان ملصقا بالبیت ثم اخر عن مقامہ الحکمۃ ھنالک تقتضی ذٰلک اھ[2]۔"	مستدلین کا دعوی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ ملا علی قاری نے شرح لباب میں فرمایا: بحر میں کہا گیا کہ علماء نے اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ مقام ابراہیم عہد رسالت میں کعبہ شریف سے بالکل متصل تھا۔ ابن جامعہ نے اسی کو صحیح کہا اور ازرقی نے روایت کی کہ مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر و عمر رضوان اللہ علیہما میں تھا۔ اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکا یا گیا۔
وذالک لان ابراھیم صلوات اللہ علیہ بنی الکعبۃ قائما علیہ فاستمر	حکمت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی پر کھڑے ہو کر کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی تو وہ

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۷/ ۱۶۹

[2] المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری مکتبۃ اسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۲

مذذاك متصل الكعبة كما فی تاریخ القطبی وسائر كتب السیر"وكان ابراهیم علیه الصلوات والسلام یبنی واسمٰعیل علیه الصلوٰة والسلام ینقل له الحجارة علی عاتقه فلما ارفع البنیان قرب له المقام فكان یقوم علیه ویبنی [1] اهـ"

فثبت انه كان حین اذن علیه للحج متصل جدار الكعبة واستمر كذٰلك الی زمانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم ثم انتقل عنه بوجه قال ولئن سلمنا ان محله منذ القدیم حیث هو الاٰن فالمدعٰی ثابت ایضالانه الاٰن ایضًا داخل المطاف لان المطاف هو الموضع المفروش بالرخام ومقام ابراهیم داخل فیه.فثبت ان التاذین فی المسجد جائز مطلقا ولا كراهة فیه اصلا ولیس بدعة بل هو سنة ابراهیم علیه الصلواة والتسلیم (انتهٰی)(كلامه الردی السقیم مترجمًا)

اقول: انعم به من برهان تزری بالهذیان ویغبط به المجانین والبله والصبیان۔

اسی حال پر دیوار کعبہ کے پاس ہی پڑا رہا۔ایسا ہی تاریخ قطبی اور بقیہ کتب تاریخ میں تحریر ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام دیواریں چنتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر دیتے تھے،جب دیواریں بلند ہو گئیں تو مقام ابراہیم اسی کے قریب لایا گیااور آپ اسی پر کھڑے ہو کر دیواریں چنتے تھے۔"

اس سے ثابت ہوا کہ اعلان حج کے وقت بھی وہ پتھر وہیں پڑا رہا،حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک وہیں پڑا رہا،بعد میں کسی مصلحت پر کچھ اور کھسکا دیا گیا اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ عہد قدیم سے ہی وہ موجودہ مقام پر ہی ہے تب بھی ہمارا دعوی ثابت ہے کہ موجودہ جگہ بھی مطاف میں ہی ہے،اس لئے کہ مطاف وہ جگہ ہے جہاں سنگ مرمر بچھا ہوا ہے،اور مقام ابراہیم اسی میں ہے۔تو ثابت ہوا کہ اذان داخل مسجد مطلقًا ناجائز ہے،اس میں نہ تو کوئی کراہت ہے اور نہ یہ بدعت ہے،یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

اقول: جواب اس کا یہ ہے کہ یہ استدلال ہذیان سے بھی آگے ہے اور پاگلوں،بیوقوفوں اور بچوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔

[1] سبل الهدٰی والرشادالرابعه ۱/۱۵۵ والکامل فی التاریخ ۱/۱۰۶ وتاریخ مکة المشرفة ۴/ ۴۳ و۴۴

فاولاً کیف لزم من کون المقام ملصقًا بجدار البیت علی عهد رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وفی الجاهلیة کونه کذٰلك علی عهد ابراهیم علیه الصلٰوة والتسلیم وتحکیم الحال لایجری فی شیئ منقول غیر مرکوز وان فرض فظاهر والظاهر حجة فی الدفع لاللاستحقاق وانت مستدل لادافع۔	**اولاً** رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عہد جاہلیت میں مقام ابراہیم کے دیوار کعبہ کے متصل ہونے سے یہ لازم نہیں کہ عہد خلیل علیہ السلام میں بھی وہیں رہا ہو اور موجودہ حالت پر قیاس کرکے ایک ادھر اُدھر منتقل ہونے والی چیز پر ماضی کا حکم لگانا جائز نہیں اور ایسے قیاس سے کوئی یقینی بات ثابت نہیں ہوتی۔اسی لئے تو اس کی تعبیر ظاہر اور اظہر سے کی ہے، اور ظاہر دلیل پکڑنے والے کے لئے مفید نہیں۔اس سے معترض کو فائدہ پہنچتا ہے اور آپ مستدل ہیں۔
وثانیًا مانقل عن تاریخ القطبی فای رائحة فیه لما ادعاه من انه استمر مذاذاك متصل الکعبة فالاستناد به جهل۔	**ثانیًا** تاریخ قطبی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ وہ پتھر عہد ابراہیم علیہ السلام سے اسی مقام پر قائم ہے، پھر اس روایت کو سند میں ذکر کرنا جہالت ہے۔
وثالثًا بل فیه فلما ارتفع البنیان قرب له المقام فدل علی ان محله کان بعیدًا انما قرب الاٰن للحاجة والعادة ان الشیئ اذا نقل لحاجة یرد الی محله الاول بعد قضائها کما هو مشاهد فی السلالیم وفی منبر یوضع لدی باب الکعبة یوم دخول العام۔	**وثالثًا** قطبی کی روایت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مقام ابراہیم کا ٹھکانا کہیں اور تھا، تعمیر کی ضرورت سے دیوار کعبہ کے پاس لایا گیا۔اور عادت یہ ہے کہ جو چیز ضرورۃً کہیں رکھی جاتی ہے ضرورت پوری ہونے کے بعد وہاں سے علیحدہ کرلی جاتی ہے، خود حرم شریف میں یہ دستور دیکھا گیا کہ دخول عام کے دن سیڑھیاں اور منبر لگادئے جاتے ہیں، پھر علیحدہ کرلئے جاتے ہیں اور ان کے اصل مقام پر انہیں لوٹادیا جاتا ہے۔
ورابعًا ان فرض کونه	**رابعًا** اور اگر یہ مان بھی لیا جائے

لصیق الجدار الجمیل علی عھد خلیل علیه الصلوٰۃ والسلام بالتبجیل کان ایضاًزعم انه کان کذٰلك حین اذن علیه للحج رجماً بالغیب بلادلیل غایه انه لم ینقل انه نقل حینئذوعدم النقل لیس نقل العدم والاستصحاب غیرداف للمستدل عند الاصحاب۔	کہ حضرت خلیل علیہ السلام کے زمانہ میں وہ پتھر دیوار کے قریب تھا، تب بھی یہ گمان کرنا کہ اعلان بھی اسی مقام سے کیا گیاہے، زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتاہے کہ اس پتھر کے وہاں سے منتقل ہونے کی کوئی روایت نہیں۔اوراگر یہ کہا جائے کہ ظاہر یہی ہے کہ منتقل نہیں ہوا۔تو ہم بتاچکے ہیں کہ یہ استصحاب ہے جس سے مستدل کو فائدہ نہیں پہنچتا۔
وخامسًا بل قدوردما یدل علی انه کان فی غیرھٰذا المحل حین اذن علیه وکفٰی به قاطعا لشقشقته اخرج الازرقی عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه قال "سألت عبداللہ بن سلام عن الاثر الذی فی المقام .فقال لما امر ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام ان یوذن فی الناس بالحج قام علی المقام .فلما فرغ امر بالمقام فوضعه قبله.فکان یصلی الیه مستقبل الباب[1]۔"(الحدیث)	**خامسًا** اس امر کی روایت ہے کہ مقام ابراہیم اعلان حج کے وقت موجودہ مقام پر موجود نہیں تھا جس سے تمام اوہام کا خاتمہ ہوجاتاہے۔ازرقی نے ہی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "میں نے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مقام ابراہیم میں پڑے ہوئے نشان کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے فرمایاکہ جب حضرت ابراہیم علیہ السالم کو اعلان حج کا حکم دیا گیا تو آپ نے اسی پتھر پر کھڑے ہو کر اعلان فرمایا۔اعلان سے فارغ ہوئے تو حکم دیا کہ اس پتھر کو لیجا کر کعبہ کے دروازہ کے سامنے رکھا جائے اور آپ اسی پتھر کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے تھے۔"
وسادسًا ان شئت قطعت	**سادسًا** اس شبہ کو جڑ بنیاد سے

[1] الدر المنثور بحوالہ الازرقی تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۶۔۱۶۵

راس الشبهة من راسها وذٰلك لان رواية قيامه عليه الصلٰوة والسلام حين الاذان على المقام رواية اسرائيلية كما رأيت وسيدنا ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما كان ياخذ عنهم كما هنا، وروٰى ابن ابى حاتم عن الربيع بن انس قال سمعنا عن ابن عباس انه حدث عن جال من علماء اهل الكتاب ان موسٰى دعا ربه[1] (الحديث) فى قصة ملاقاته الخضر عليهما الصلٰوة والسلام واقرها واخرج ابن ابى شيبة عن ابن عباس رضى الله تعالٰى عنهما قال سئلت كعبًا ما سدرة المنتهٰى، قال سدرة ينتهى اليها علم الملئكة وسئلته عن جنة الماوٰى فقال جنة فيها طير خضر ترتقى فيها ارواح الشهداء[2]۔ واخرج ابن جرير عن شمر	اس طرح ختم کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اعلان حج کے وقت مقام ابراہیم پر کھڑے ہونے کی روایت اسرائیلی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما بنی اسرائیل کی روایت قبول فرماتے تھے جیساکہ اس مبحوثہ روایت میں انہوں نے کیا۔ ابن ابی حاتم ربیع بن انس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اہل کتاب سے روایت کیا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی۔ یہ حضرت موسٰی وخضر علیہم السلام کی ملاقات کے قصہ میں ہے۔ مندرجہ ذیل روایت کو ابن ابی شیبہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی ثابت رکھا کہ "میں نے حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ انتہائی حد پر ایک بیری کا درخت ہے جہاں تک فرشتوں کا علم پہنچتا ہے۔ اور میں نے ان سے جنۃ الماوٰی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ایسا باغ جس میں شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے جسم میں رہ کر سیر کرتی ہیں۔" ان جریر نے شمر سے روایت کی کہ حضرت

Majlis of Dawatelslami

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم سورۃ الکہف ۷۱ تا ۷۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۷۹

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ تحت الآیۃ ۱۴/۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۷۲

قال جاء ابن عباس الی کعب فقال حدثنی عن قول اللہ "سدرۃ المنتھٰی "[1] (الحدیث) وقد صح عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ انہ اذن علی ثبیر ، روی عبدالرزاق وغیرہ عن معمر قال قال ابن جریج قال ابن المسیب قال علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ لما فرغ ابراھیم من بنائہ، بعث اللہ جبریل فحج بہ حتی اذا رأی عرفۃ قال قد عرفت وکان اتاھا قبل ذٰلک مرۃ ، فلذٰلک سمیت عرفۃ حتی اذا کان یوم النحر عرض لہ الشیطان فقال احصب فحصبہ بسبع حصبات۔ثم الیوم الثانی فالثالث، فلذٰلک کان رمی الجمار قال اعل علی ثبیر فعلاہ فنادٰی یا عباداللہ اجیبو اللہ یا عباداللہ اطیعوا اللہ فسمع	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت کعب کے پاس آئے اور سدرۃ المنتہٰی کے بارے میں پوچھا۔(القصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اسرائیلی روایت قبول کرتے تھے اور روایت مبحوثہ بھی اسرائیلی ہے) ادھر حضرت امیر المومنین مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کوہ ثبیر پر چڑھ کر اعلان حج فرمایا تھا۔عبدالرزاق وغیرہ نے معمر سے انہوں نے ابن جریج سے انہوں نے حضرت علی (رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین) سے روایت کی کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی بنا سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جبریل امین کو بھیجا اور انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حج کرایا، آپ نے عرفات کو دیکھ کر فرمایا میں اس میدان کو پہچان گیا ایک بار اس سے قبل بھی حضرت خلیل یہاں آئے تھے اور اسی وجہ سے اس کا نام "عرفہ "پڑا۔یوم نحر کے دن شیطان نے آپ سے تعرض کیا تو حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے اسے سات کنکریاں مارنے کی ہدایت کی، اور آپ نے ابلیس کو سنگسار کیا، پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔اسی لئے حج میں رمی جمار مشروع ہوئی۔حضرت جبریل امین نے فرمایا: کوہ ثبیر پر چڑھو۔حضرت خلیل علیہ السلام نے

[1] جامع البیان تحت الآیۃ ۵۳/۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۷/۶۳

دعوته من بین الابحر السبع[1]۔(الحدیث)
وهذا کما تری سند صحیح علٰی اصولنا فهذا انص عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم حکما لان الامر لادخل فیه للرأی وما کان امیر المؤمنین علی لیاخذ عن اهل الکتاب فلم یکن الا سماعًا عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم۔فثبت ان الاذان کان علٰی جبلٍ بمزدلفة وسقط انه کان داخل المسجد علی المقام ولك ان تقول لاخلف فان ثبیرًا من الحرم وقد افاد ابن عباس نفسه "ان مقام ابراهیم الحرم کله[2]" اخرجه عنه عبد بن حمید وابن ابی حاتم بل اخرج هذا عنه قال "مقام ابراهیم الحج کله[3]۔"

وسابعًا اضطربت الروایة عن

ثبیر کی پہاڑی پر چڑھ کر اعلان فرمایا: اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو، اے بندگان خدا! اللہ تعالٰی کی اطاعت کرو۔ تو ان کا یہ اعلان ساتوں سمندر سے سنا گیا۔"
یہ سند ہمارے اصول پر صحیح ہے، اور یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہی فرمان ہے، اور معاملہ چونکہ قیاسی نہیں بالکلیہ سماعی ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم چونکہ اہل کتاب کی روایت قبول نہیں کرتے تھے۔ اس لئے لامحالہ یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہی سن کر بیان فرمائی تو اس روایت سے یہ ثابت ہوا کہ اعلان حج منٰی شریف کے پہاڑ سے ہوا اور یہ بات ساقط الاعتبار ہو گئی کہ اعلان حج مسجد کے اندر مقام ابراہیم سے ہوا۔ اور ان دونوں روایتوں میں کوئی ایسا تعارض بھی نہیں کہ جبل ثبیر بھی حدود حرم کے اندر ہی ہے۔ چنانچہ عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔ بلکہ حضرت ابن عباس سے تو یہ بھی مروی ہے کہ مقام ابراہیم پورا حج ہے۔
سابعًا اعلان حج کے مقام میں حضرت

---

[1] الدر المنثور بحوالہ عبدالرزاق تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۱
[2] الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وبن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۵، ۱/ ۲۶۴ وتفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷، ۱۱/ ۳/۳
[3] تفسیر القرآن العظیم تحت الآیۃ ۳/ ۹۷ حدیث ۳۸۴۷ و ۳۸۴۸ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۳/۷۱۱

ابن عباس ففی بعضھا "اذن علی المقام" وفی بعضھا علی ابی قبیس رواہ عنہ ابن ابی حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما امر اللہ ابراھیم ان ینادی فی الناس بالحج صعد اباقبیس فوضع اصبعیہ فی اذنیہ ثم نادٰی، ان اللہ تعالٰی کتب علیکم الحج فاجیبو ربکم[1] الحدیث، وفی اخری لہ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال صعد ابراھیم اباقبیس، فقال اللہ اکبر اللہ اکبر، اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان ابراھیم رسول اللہ ایھا الناس ان اللہ امرنی ان انادی فی الناس بالحج ایھا الناس اجیبوا ربکم[2]۔ وفی بعضھا علی الصفا رواہ عبد بن حمید عن مجاھد قال "امر ابراھیم ان یوذن بالحج فقام علی الصفا فنادی بصوت سمعہ مابین المشرق والمغرب یا ایھا الناس اجیبوا الٰی ربکم[3]۔"	ابن عباس سے روایتیں مضطرب ہیں۔ بعض میں تو وہی مقام ابراہیم ہے، اور بعض میں یہ ہے کہ جبل ابوقبیس پر اعلان حج ہوا۔ چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام جبل ابو قبیس پر چڑھے اور کہا اللہ اکبر، اللہ اکبر، اشھد ان لاالٰہ الا اللہ، واشھد ان ابراھیم رسول اللہ۔ اے لوگو! مجھے اللہ تعالٰی نے حکم دیا کہ میں لوگوں میں حج کا اعلان کروں تو تم لوگ اللہ تعالٰی کی پکار کا جواب دو۔" اور بعض روایتوں میں جبل ابو قیس کے بجائے کوہ صفا کا ذکر ہے۔ ابن حمید کی یہ روایت امام مجاہد سے اس طرح مروی ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ مقام صفا پر لوگوں کو حج کا اعلان کریں، آپ نے ایسی آواز سے پکارا کہ مشرق ومغرب کے لوگوں نے سنا۔ اعلان کے الفاظ یہ تھے: اے لوگو! اپنے رب کی پکار کا جواب دو۔

[1] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۷۸ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۷
[2] تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ حدیث ۱۳۸۸۴ مکتبہ نزار مصطفٰی البازمکۃ المکرمۃ ۸/۲۴۸۷، ۲۴۸۸،
الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/۳۴
[3] الدرالمنثور بحوالہ عبد بن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳

وروی ھو وابن المنذر عن عطاء قال "صعد ابراھیم علی الصفا فقال یاایھا الناس اجیبوا ربکم[1]۔"	ابوحاتم اور ابن منذر نے عطا سے روایت کی: حضرت ابراہیم علیہ السلام کوہ سفا پر چڑھے اور پکارا: اے لوگو! اپنے رب کا جواب دو۔
ومعلوم ان الروایۃ عن مجاھد روایۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم فالاضطراب بالتثلیث والافلاشك فی التثنیۃ فکان من ھذا الوجہ ایضاً حدیث امیرالمومنین احق بالاخذ ولذا مشٰی علیہ القطبی فی تاریخہٖ ولم یلتفت لما سواہ فاندحضت الشبھۃ عن رأس والحمدللہ رب الناس۔	یہ معلوم ہے کہ حضرت مجاہد کی روایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہی ہے تو اس روایت میں تین اضطراب ہوئے، ورنہ دو ہونے میں تو شبہ ہی نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے بھی امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی روایت راجح اور اولٰی بالاخذ ہے اس لئے قطبی نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین کی روایت پر ہی اعتماد کیا اور دوسری روایتوں کی طرف توجہ نہیں کی۔
ثامناً بعد اللتیا والتی ان کان فشریعۃ من قبلنا فلا تکون حجۃ الا اذا قصھا اللہ تعالٰی اور رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دون انکار کما نص علیہ فی اصول الامام البزدوی والمنار وسائر المتون الاصولیۃ و الشروح قال الامام النسفی فی کشف الاسرار انا شرطنا فی ھذا ان یقص اللہ تعالٰی او رسولہ من غیر انکار اذلا عبرۃ بما ثبت بقول اھل الکتاب،	**ثامناً** ساری بحث ومباحثہ کے بعد اعلان حج اگر مسجد حرام میں ہونا ثابت بھی ہو تو یہ گزشتہ شریعت کا ایک فعل ہوگا، اور گزشتہ شرائع کے احکام ہمارے لئے دلیل نہیں جب تک قرآن وحدیث میں اس کا بیان بلاانکار ہو۔ چنانچہ اصول امام بزدوی، منار اور فن اصول کے بقیہ تمام متون وشروح میں اس کی تنصیص ہے۔ امام نسفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کشف الاسرار میں فرمایا: "ہم نے اس میں یہ شرط لگائی کہ اللہ و رسول بے انکار اس کا بیان فرمائیں، اہل کتاب کے قول کا کوئی اعتبار

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبدبن حمید تحت الآیۃ ۲۲/ ۲۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۳۳

ولا بما ثبت بکتابھم لانھم حرفواالکتب ولابما ثبت بقول من اسلم منھم لانہ تلقن ذٰلك من کتابھم او سمع من جماعتھم [1] اھ ومثلہ فی کشف الاسرار للامام البخاری۔	نہیں اور جو ان کی کتاب سے ثابت ہو اس کا بھی، کہ ان لوگوں نے آسمانی کتابوں میں تحریف کردی ہے۔" اور اسی طرح اہل کتاب اسلام لانے والوں کی بات کا بھی بھروسا نہیں کہ ان لوگوں نے انہی محروف کتابوں میں دیکھا ہوگا یا انہی کی جماعت سے سنا ہوگا۔ اور اسی طرح کشف الاسرار للامام بخاری میں ہے۔
وفی فواتح الرحموت لبحر العلوم فان قلت فلم لم یعتمد باخبار عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ لایحتمل کذبہ قلت ھب لکن التحریف وقع قبل وجودہ فھو لم یتعلم الاالمحرف [2] اھ بالالتقاط۔	بحر العلوم حضرت علامہ عبدالعلی رحمہ اللہ علیہ نے فواتح الرحموت مین فرمایا، خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بات پر اعتماد ہونا چاہئے کہ وہ بلا شبہ سچے تھے، اور ان کی بات میں تو جھوٹ کا احتمال نہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ انہوں نے تو اسی محرف کو کلام الٰہی سمجھ کر سیکھا ہوگا کیونکہ تحریف وان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی ہو چکی تھی۔
وھذا شیئ لم یقصہ ربنا ولا نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذلم یرد فی حدیث مرفوع فالاحتجاج بہ راسا مدفوع۔ ھذا علی التسلیم والا قد علمت ان الذی	اور اعلان حج کی یہ روایت ایسی ہی ہے نہ تو قرآن عظیم میں اس کا بیان ہے نہ کسی حدیث مرفوع میں ہی اس کا تذکرہ ہے، تو سرے سے اس حدیث سے استدلال ہی غلط ہے، یہ بھی اس صورت میں کہ مخالفین کا دعوی

[1] کشف الاسرار شرح المصنف علی المنار فصل فی شرائع من قبلنا دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۱۷۳، کشف الاسرار عن اصول البزدوی باب فی شرائع من قبلنا دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۱۳

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المصطفے المختار الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/۱۸۴

یدعیه هذا الوهابی من انه اذن علیه فی جوف المسجد لم یقصه مسلم ولا کتابی ولا کافر سواه فاحتجاجه به لیس الا احتجاجا بهواه۔	جوں کا توں تسلیم کرلیا جائے ورنہ تفصیل گزر چکی کہ مسجد حرام کے اندر اعلان حج کا تذکرہ نہ کسی مسلمان سے مروی نہ کتابی سے نہ کافر سے، اندرون مسجد کی بات تو صرف ان وہابی صاحب کی ہے، تو وہ اپنے دعوی میں اپنی خواہش نفس سے ہی استدلال کرتے ہیں۔
وتاسعًا ان تعجب فعجب قوله ان المقام الاٰن ایضًا داخل المطاف وهذا شیئ یردہ العیان ویشهد بکذبه کل من رزق حج البیت الحرام۔	**تاسعًا** قابل تعجب بات تو یہ ہے کہ "مقام ابراہیم اب بھی مطاف کے اندر ہے" یہ تو مشاہدہ کے خلاف ہے جس کی شہادت ہر حاجی دے سکتا ہے۔
وعاشرًا اعجب من الاحتجاج علیه بانه مفروش بالرخام وکان فی باله ان کل مافرش فیه الرخام صار المطاف الذی کان قدر المسجد الحرام علٰی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فلیدخل ماحول زمزم ایضًا فیه ولو کان فرش بعض الملوك سائر المسجد الشریف ورواقاته بالرخام لحکم هذا الجاهل بان المسجد کان الی الرواقات علٰی عهد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واذا بلغ الجهل الٰی هذا النصاب سقط الخطاب وانما المطاف هی دائرة الرخام حول البیت الحرام وعلٰی حرفها باب السلام ولا شك ان قبة المقام خارجة عنها و	**عاشرًا** اس سے زیادہ حیرت ناک یہ انکشاف ہے کہ جہاں تک سنگ مرمر بچھا ہے سب مطاف ہے جہاں تک عہد رسالت مین مسجد تھی، توزمزم شریف کا ارد گرد ہی عہد رسالت کی مسجد میں شامل ہوگیا کہ وہاں بھی سنگ مرمر بچھا ہے۔ اور اگر کسی بادشاہ نے پوری مسجد حرام میں سنگ مرمر بچھا دیا تو وہ بھی عہد رسلات کی مسجد حرام ہو گئی حالانکہ مطاف تو سنگ مرمر کا گول دائرہ ہے جو کعبہ مکرمہ کے گردا گرد ہے، اور جس کے کنارہ پر باب السلام ہے اور بلاشبہ مقام ابراہیم کا قبہ اس سے باہر ہے، اور اہل مکہ ایسے کم عقل تو نہ تھے کہ نفس مطاف میں قبہ بناتے اور لوگوں پر مطاف کو تنگ کرتے۔

ماکان اهل مکة سفهاء کهٰذا لیبنواقبة فی نفس المطاف ویضیقوا المحل علی اهل الطواف نعوذباللّٰه من الجهل والاعتساف۔

نفحه۱۹: ثم تمسك بقوله تعالٰی: "وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ یُّذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[1]۔ وقوله تعالٰی: "وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا"[2]۔ وقوله تعالٰی: "فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ"[3]۔

وفی حدیث الصحیحین عـــه ان هذه المساجد لا تصلح لشیئ من هذا البول والقذر انما هی لذکر اللّٰه والصلٰوة وقراءة القرآن[4]۔

اقول: اولا قضینا الوتر عن کشف هذه الشبهة فی النفحة الاولٰی القراٰنیة، وبینا ان الاذان لیس ذکرًا خالصًا[5]۔

نفحہ۱۹: مسجد کے اندر اذان جائز ہونے پر اس آیت سے بھی مخالفین نے استدلال کیا ہے "اس سے بڑا ظالم کون ہے جو مسجد میں اللہ کا نام لینے سے منع کرے" اور آیت مبارکہ "اور مسجد جس میں اللہ تعالٰی کا ذکر بہت ہوتا ہے" اور آیت گرامی "ان گھروں کو اللہ تعالٰی نے بلند کرنے کا اور ان میں اپنا نام لینے کا حکم دیا"

اور بقول صاحب مشکوٰۃ صحیحین کی ایک حدیث، ورنہ مخرجین نے اسے صرف مسلم کی حدیث قرار دیا ہے "یہ مسجدیں پیشاب اور گندگی کے لئے نہیں، یہ تو ذکر الٰہی، نماز اور تلاوت قرآن کے لئے ہیں۔"

اقول: (میں کہتا ہوں) اولا ہم نفحہ قرآنیہ میں اس شبہ کو بالکلیہ حل کرچکے ہیں کہ اذان محض ذکر الٰہی ہی نہیں ہے۔

عـــه: تبع فیه صاحب المشکٰوة وانما عزاه المخرجون لمسلم وحده ۱۲منه۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۶

[4] صحیح مسلم کتاب الطهارة باب وجوب غسل البول الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۸

[5] مشکٰوة المصابیح بحوالہ صحیحین کتاب الطهارة باب تطهیر النجاسات الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۲

وثانیًا منع الاذان فی المسجد منع رفع الصوت فیه ومنع رفع الصوت بالذکر لیس منع الذکر فقد ثبت عنه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بعض المواطن اذقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: "ایها الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبنا ولکن تدعون سمیعًا بصیرا[1]۔" وماکان لینهاهم عن ذکر اللہ تعالٰی وقد قدمنا عن الدرر والاشباه وغیرهما کراهة رفع الصوت بالذکر فی المسجد[2] وفی المسلك المتقسط لعلی القاری: "قد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر[3] اھ" وصرح فی الکافی الامام الحاکم شهید الذی جمع فیه کلام الامام محمد وفی المحیط والفتح والبحر وشرح اللباب ورد المحتار وغیرها بکراهة رفع

ثانیًا مسجد میں اذان منع کرنے کا مطلب آواز بلند کرنے کو منع کرنا ہے اور ذکر الٰہی کے ساتھ آواز بلند کرنے کی ممانعت ذکر کی ممانعت نہیں ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ بعض مواقع پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر بالجہر سے منع فرمایا، ارشاد نبوی ہے: "اے لوگو! اپنے نفسوں پر آسانی کرو تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں بلا رہے ہو، تم تو سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔" بھلا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی کو ذکر الٰہی سے روکتے تھے، ہم ماسبق میں درر وغیرہ کے حوالے سے واضح کرچکے ہیں "کہ مسجد میں بلند آواز سے ذکر مکروہ ہے۔

"ملا علی قاری کی مسلک متقسط میں ابن ضیاء کی تصریح ہے کہ "مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے چاہے ذکر الٰہی ہی کیوں نہ ہو۔"

کافی حاکم شہید مجموعہ کلام امام محمد اور محیط، فتح القدیر، بحر الرائق، شرح لباب وشامی وغیرہا میں ہے: "طواف میں بلند آواز سے قرآن شریف منع ہے۔" تو پناہ بخدا یہ کہا

I.T. Majlis of Dawatelslami

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء اذا علا عقبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ / ۹۴۴، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب خفض الصوت بالذکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۴۶

[2] الاشباه والنظائر الفن الثالث القول فی احکام امسجد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۳۳

[3] المسلك المتقسط مع ارشاد الساری فصل استلام الرکن الیمانی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۱۱۰

الصوت بالقراٰن فی الطواف[1] فھل تراھم (والعیاذ باللہ) داخلین فی ھٰذا الوعید الشدید حاشاھم عن ذٰلك بل انت فی ضلال بعید۔

وثالثًا انما یعود ھٰذا التشنیع الشنیع الی الائمة الاجلاء الذین نھو عن الاذان فی المسجد ونصوا علی کراھة فیه وقد اجارھم اللہ تعالٰی عن ھٰذا ومن شنع علیھم فعلیه دائرة السوء وھو الملوم والمدحور۔

رابعًا ھٰؤلاء الوھابیة ھم الذین یتمسکون فی بحث البدعة باثر سنن الدارمی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنه فی انکارہ علی الذین اجتمعوا فی المسجد حلقا جلوسًا ینتظرون الصلٰوة فی کل حلقة رجل یقول کبروا مائة، ھللوا مائة، سبحوا مائة فیفعلون، فقال والذی نفسی بیدہٖ انکم لعلٰی ملة ھی اھدٰی من ملة محمدٍ؟ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

جائے گا کہ یہ سارے ائمہ وعلماء معاذاللہ قرآن وحدیث کی مذکورہ بالا وعید میں داخل ہیں۔ وہ حضرات تو اس وعید سے بلاشبہہ پاک ہیں، یہ خود آپ کی اپنی گمراہی ہے۔

ثالثًا یہ وعید شدید ان ائمہ کرام پر بھی وارد ہوگی جنہوں نے مسجد کے اندر اذان کی کراہت پر تنصیص فرمائی، وہ تو بلاشبہہ اس سے اللہ تعالٰی کے دامن میں محفوظ ہیں، ہاں جوان پر طعن و تشنیع کرے وہی ہلاکت کے گڑھے میں مقہور ومردود ہے۔

رابعًا یہ وہابیہ حضرات بدعت کی بحث میں دارمی کے ایک اثر سے استدلال کرتے ہیں جو آپ سے مروی ہے کہ آپ نے ان لوگوں پر انکار کای جو ایک مسجد میں گروہ در گروہ حلقہ بنا کر بیٹھے نماز کا انتظار کر رہے تھے، ہر حلقہ میں ایک آدمی کہتا سو بار اللہ اکبر کہو سو بار لاالٰہ الا اللہ پڑھو اور سو بار تسبیح کرو۔ بقیہ لوگ اس کی بات پر عمل کرتے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کیا تم لوگ اس ملت میں ہو جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی زیادہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الحج باب الاحرام داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۶۸، فتح القدیر کتاب الحج باب الاحرام مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۳۹۰، بحرالرائق کتاب الحج باب الاحرام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۲۹

اومفتحوا باب الضلالۃ؟ قالوواللہ یا اباعبدالرحمٰن ما اردنا الا الخیر قال وکم من مرید الخیرات یصیبہ[1]۔ (الحدیث)	ہدایت پر ہے یا تم لوگ گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو؟ان لوگوں نے عرض کی یا ابا عبدالرحمٰن! اپنے اس فعل سے ہم لوگ بھلائی کے طلبگار تھے آپ نے فرمایا کتنے بھلائی کے طالب اس تک پہنچتے ہیں۔
وقد اجبنا عنہ فی المجلد الحادی عشر من فتاوٰنا باجوبۃ شافیۃ،لکن این ذھب ھذا منھم ھھنا ام یدخلون عبداللہ بن مسعود ایضًافی وعید من اظلم نعم لاغروفقد سبوا اللہ وسبوا رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾"[2]۔	ہم نے اپنے فتاوٰی کی گیارہویں جلد میں اس کے متعدد بھرپور جواب دئے ہیں لیکن خود ان حضرات سے ان کی یہ محبوب دلیل کہاں رہ گئی، یا پھر یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بھی وعید "من اظلم" میں شامل کرتے ہیں اوران سے کچھ بعید بھی نہیں یہ لوگ تواللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے چکے ہیں تو قیامت میں انہیں پتہ چلے گا کہ کہاں پلٹائے گئے ہیں۔
نفحہ۲۰: قدمنا فی النفحۃ الثامنۃ العودیۃ ان امام دارالھجرۃ عالم المدینۃ سیدنا مالکارضی اللہ تعالٰی عنہ وجماھیراصحابہ ذھوا الٰی ان جعل ھٰذاالاذان بین یدی الامام بدعۃ مکروھۃ،وانما السنۃ فیہ ایضًا المنارۃ وھذا مابلغھم ولکن نطق حدیث ابی داؤدالصحیح ان فعلہ بین یدی	**نفحہ۲۰:** ہم شامہ عودیہ کے آٹھویں نفحہ میں ذکر کرآئے ہیں کہ امام دارالہجرۃ عالم مدینہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ اوران کے اکثر اصحاب نے اس اذان کو بدعت مکروہہ قرار دیا ہے،اوراپنے علم کے اعتبار سے اس اذان کا مقام مسنون منارہ کو قرار دیتے ہیں، مگر ابوداؤد کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس اذان کا خطیب کے سامنے ہونا مسنون ہے

[1] سنن الدارمی مقدمۃ الکتاب باب فی کراہیۃ اخذ الرائ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۶۰و۶۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الامام هو السنة من لدن سید الانام علیه وعلٰی اٰله افضل الصلٰوة والسلام۔فبعض محققی اصحابه رحمهم الله تعالٰی ومنهم الحافظ ابو عمر بن عبد البر خالف فی ذٰلك ووجه الکلام الی بعض الاصحاب مع ذکرہٖ فی الکافی الفقهی عن صاحب المذهب رضی الله تعالٰی عنه وکانه وجد عنه روایة اخری اوسها و الانسان للنسیان،فقال فی الاستذکار مانقله الشیخ خلیل فی التوضیح وعنه فی المواهب وهذا نصها مع شرحها للعلامة الزرقانی المالکی[1]۔

فی الاستذکار اسم الشرح الصغیر علی الموطاء لابن عبد البر ان هذا اشتبه علٰی بعض اصحابنا فانکران یکون الاذان یوم الجمعة بین یدی الامام کان فی زمنه علیه الصلٰوة والسلام وابی بکر وعمر وان ذٰلك حدث من زمن هشام۔وهذا قول من قل عمله بالاحادیث وکانه یعنی الداؤدی ثم

اور یہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ سے ثابت ہے، اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب تحقیق نے جن میں حافظ ابو عمر بن عبدالبر بھی ہیں،اس کی مخالفت کی اوراذان خطبہ کے منارہ پر مسنون ہونے کو بعض اصحاب مالک کا قول بتایا۔حالانکہ کافی فقہی میں اسے امام مالک صاحب مذہب رحمہ اللہ علیہ کا قول بتایا،تو ایسا بھی ممکن ہے کہ ابن عبدالبر کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی دوسری روایت ملی ہو۔اور یہ بھی ہوسکتاہے کہ انکو سہو لاحق ہوا ہو،اور بھول چوک تو انسان کے لئے ہی ہے۔ابن عبدالبر نے اپنی کتاب استذکار میں جو فرمایا شیخ خلیل نے اسے اپنی توضیح میں نقل کیا۔ان سے مواہب میں نقل ہوا۔ہم استذکار کی عبارت امام زرقانی مالکی کی شرح کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

استذکار(یہ موطاء کی ایک مختصر شرح ہے جسے ابن عبدالبر نے تحریر کیاہے)میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب پر یہ بات مشتبہ ہو گئی،توان لوگوں نے عہد رسالت اور عہد شیخین میں اذان جمعہ کے خطیب کے سامنے ہونے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ یہ تو ہشام ابن عبدالملک کے زمانہ کی ایجاد ہے۔یہ علم حدیث سے کم واقفیت رکھنے والوں کا قول ہے اور اس سے صاحب استذکار

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد التاسع الباب الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷/ ۳۸۱

استشھد فی الاستذکار بحدیث السائب بن یزید المروی فی البخاری ثم قال"وقد رفع الاشکال فی ذٰلك روایة ابن اسحٰق عن الزھری عن السائب بن یزید۔قال کان یوذن بین یدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا جلس علی المنبر یوم الجمعة وابی بکر وعمر[1] اھ" فانظر ان السادات المالکیة صاروا فرقتین جمھورھم علی ان الاذان بین یدی الامام بدعة وانما سنته علی المنارة۔ونازعھم بعضھم بالحدیث فاستشھد بحدیث ابن اسحٰق ولابد اذلاذکر لبین یدیہ الافی حدیثه فحدیث ابن اسحٰق ھو السند بھؤلاء وبه ردوا علٰی جمھورھم لاانھم ردواعلیه ایضا کما ردوا علی قول جمھورھم ولکن اشتبه الرد بالمردود علی العلامة علی فقال"اما الذی نقله بعض المالکیة عن ابن القاسم	کی مراد شاید داؤدی ہیں پھر اسی استذکار میں اپنے قول پر سائب ابن یزید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے استدلال کیاجو بخاری میں مروی ہے۔پھر فرمایاکہ اس حدیث کا اشکال ابن اسحٰق عن زہری عن سائب ابن یزید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے زائل کردیا۔اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منبر پر بیٹھتے توآپ کے سامنے اذان ہوتی،اور ایسا ہی ابوبکر وعمر رضوان اللہ علیہما کے زمانہ میں بھی ہوتارہااھ۔ تودیکھئے کہ اعلام مالکیہ دوفرقہ ہوگئے۔ان کے جمہور کا قول ہے کہ خطیب کے سامنے اذان بدعت ہے،سنت تو منارہ کی اذان ہے۔اور جمہورکے اس قول کی مخالفت انہیں میں کے کچھ لوگوں نے کی کہ مسنون اذان توخطیب کے سامنے کی ہے،اور اس کی شہادت میں ابن اسحٰق کی حدیث محولہ بالا پیش کی،اوریہ ضروری بھی تھاکہ ابن اسحٰق کی حدیث کے علاوہ کسی روایت میں"بین یدیہ"کالفظ نہیں ہے تو حدیث ابن اسحٰق جمہور مالکیہ کی رائے کی مخالفت کرنے والوں کی سند ہے جسے وہ اپنے جمہورپر رد کرتے ہیں،ایسا نہیں ہے کہ ان منازعین نے اس حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کیاہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کواشتباہ ہوااور انہوں نے رد کو بھی مردود سمجھ لیا(یعنی یہ سمجھاکہ منازعین اپنے جمہورکے قول کی طرح

[1] الاستذکار باب الجمعة باب ماجاء فی الانصات یوم الجمعة دارالکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۷

عن مالك انه فی زمنه علیه الصلوٰۃ والتسلیم لم یکن بین یدیه بل علی المنارۃ۔ونقل ابن عبدالبر عن مالك ان الاذان بین یدی الامام لیس من الامر القدیم وماذکرہ محمد بن اسحٰق عند الطبرانی وغیرہ فی ھذاالحدیث ان بلالًاکان یوذن علٰی باب المسجدفقد نازعه کثیرون ومنھم جماعة من المالکیة بان الاذان انما کان بین یدیه علیه الصلوٰۃ والسلام کما اقتضته روایة البخاری ھٰذہٖ[1] اھ ولیس فی روایة البخاری مایقتضی من ذٰلك شیئًا[2]۔

اقول: قدصدق ان روایة البخاری لایقتضی شیئًامن کونه بین یدیه اوعلی لنارۃ ولکن الاستشھادکان بروایة ابن اسحٰق وانما

حدیث ابن اسحٰق کو بھی رد کرتے ہیں)اسی لئے وہ فرماتے ہیں: بعض مالکیہ نے ابن قاسم سے انہوں نے امام مالک سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان خطبہ خطیب کے سامنے نہیں بلکہ منارہ پر ہوتی تھی۔ایسا ہی ابن عبداللہ نے امام مالک سے روایت کیا کہ امام کے سامنے اذان ہونا امر قدیم نہیں۔اور محمد بن اسحٰق کی حدیث طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ دروازہ مسجد پر اذان دیتے تھے،اس کی مخالفت مالکی حضرات میں سے بہت سے لوگوں نے کی ہے وہ کہتے یں کہ اذان جو خطیب کے سامنے ہوتی تھی(دروازہ مسجد پر نہیں) اوریہی روایت بخاری کا مقتضی ہے۔(ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بلاتفصیل کے بعد دوسرے گروہ کے اس قول (اذان توخطیب کے سامنے ہوتی جیساکہ روایت بخاری کامقتضا ہے"کارد کرتے ہوئے فرمایا بخاری کی روایت میں نہ بین یدہ کاذکر ہے نہ باب مسجد کا۔

اقول: ملا علی قاری کا یہ فرماناکہ "روایت بخاری میں کسی بات کی تصریح نہیں" بجاہے لیکن منازعین کااستدلال دراصل روایت ابن اسحٰق سے ہے(جس میں لفظ بین یدہ

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبة والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

ذکر اسم البخاری ایذاناً بان اصل الحدیث عندہ و اوصحتہ روایۃ ابن اسحٰق کما ھو صریح لفظ الاستذکار وکیف یرد علی حدیث ابن اسحٰق بان الاذان انما کان بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مع ان حدیث ابن اسحاق ھو المصرح بھٰذا.افیرد علی الشیئ بنفس الشیئ ولکن الامر انہ کتب ھذا المحل معتمدا علی ما فی الصدور ولو راجع کلام المنازعین لعلم انھم لایقولون ان حدیث البخاری یقضی بالرد علی جمھورھم والرأی انھم لاینازعون حدیث ابن اسحٰق بل بلہ یستشھدون وبہ علی جمھورھم یردون ولابعد ان کونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مصرح بہ فی حدیث ابن اسحٰق نفسہٖ بل لانعلم التصریح بہ الافیہ فکیف یرد علیہ بمفادنفسہٖ ولکن نسیٔ ولم یتفق لہ مراجعۃ الحدیث ولامراجعۃ کلام المنازعین	مذکور ہے) بخاری کا نام تو یہ بتانے کے لئے لیا گیا ہے کہ روایت ابن اسحٰق کی اصل بخاری میں ہے، بخاری نے یہ حدیث مختصر روایت کی اور ابن اسحٰق کی سند سے یہی حدیث ابوداؤد نے مفصل تخریج کی ہے، اور یہی استذکار کی عبارت سے ہویدا ہے۔(ایسی صورت میں) بھلاحدیث ابن اسحٰق پر اس بات سے کیسے رد ہوسکتی ہے کہ "اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی" خود حدیث ابن اسحٰق بھی تو اسی امر کو ثابت کر رہی ہے کہ یہ اذان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہوتی تھی، تو ایک بات کو خود اسی سے رد کرنے کے کیا معنٰی! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس مقام کو اپنی یادداشت پر بھروسا کرکے لکھا، اگر منازعت کرنے والوں کے کلام کو پھر دیکھ لیا ہوتا تو انہیں یہ معلوم ہوجاتا کہ منازعین یہ نہیں کہتے کہ حدیث بخاری میں جمہور ائمہ مالکیہ کا رد ہے حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ حدیث ابن اسحاق کا بھی رد نہیں کرتے، وہ تو اس حدیث کو اپنے جمہور کی رائے کے خلاف سند میں پیش کرتے ہیں، اور اس میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ اذان کے خطیب کے سامنے ہونے کی تصریح صرف حدیث ابن اسحٰق میں ہے، تو جو بات خود حدیث ابن اسحٰق ہے، اسی سے اس حدیث کو رد کیسے کیا جاسکتا ہے۔ لیکن حضرت علی قاری بھول گئے اور خود حدیث کلام منازعین کو بھی

واللہ یفعل مایرید ولما سبق الی خاطرہ ان القائلین بکونہ بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ینازعون حدیث ابن اسحاق ولا تمکن المنازعۃ الا اذا ارید بباب المسجد فی حدیثہ باب لیس وجاہ المنبر خطر ببالہ ان المراد باب الشرقی او الغربی وایدھذا الخطور انہ لم یکن فی زمنہ رحمہ اللہ تعالٰی بل منذ نحو مائۃ وخمسین سنۃ من قبلہ باب شمالی فی المسجد الکریم کان الناس بنوا ھنالك دورھم کما ذکرہ السید العلامۃ السمھودی رحمہ اللہ تعالٰی فحق لہ ان یدخل حدیث ابن اسحٰق فیما ینازعہ القائلون بکونہ بین یدیہ فکر علیھم بالرد بانہ لامستدلھم فی انکار علی الباب ولا یقتضی حدیث البخاری شیئا من ذٰلك نقوی الی ھنا امر جمھور المالکیۃ وتم الرد علی المنازعین لانعدام مایثبت کونہ بین یدیہ، لکن کان ھذاھو مذھبہ	نہیں دیکھا، اور جو اللہ تعالٰی چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جب ان کے دل میں یہ بات جم گئی کہ اذان بین یدیہ کے قائل مالکی حضرات حدیث ابن اسحٰق کا رد کرتے ہیں۔ اور اصحاب بین یدیہ کے قول اور روایت ابن اسحاق میں جبھی منازعت ہوگی کہ ان کی حدیث میں آتے ہوئے لفظ باب مسجد سے مراد مسجد نبوی کا ایسا دروازہ ہو جو منبر کے سامنے نہ ہو تو ان کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ حدیث ابن اسحٰق بیں مذکور باب مسجد سے مراد یا تو مسجد کا مشرقی دروازہ ہے یا مغربی، اور اس کی مزید تائید اس امر سے ہوئی کہ انکے زمانہ میں بلکہ ان کے عہد سے ڈیڑھ سو سال قبل سے ہی مسجد شریف کا شمالی دروازہ جو منبر کے بالمقابل تھا ختم ہوگیا تھا اور لوگوں نے وہاں اپنے گھر بنالئے تھے جیسا کہ علامہ سمہودی نے تحریر فرمایا ہے، تو انہیں یہی معلوم ہوا کہ بین یدہ اور باب المسجد دو مختلف سمتوں میں ہیں اسی لئے انہوں نے اصحاب بین یدیہ کو روایت ابن اسحاق کا مخالف سمجھا۔ پھر پلٹ کر اصحاب "بین یدیہ" کا لفظ ہے ہی نہیں پھر "بین یدیہ" روایت بخاری کا مقتضٰی کیونکر ہوا، اس لئے آپ حضرات کا علی الباب والی روایت کو رد کرنا صحیح نہیں ہے، لیکن خود احناف اذان "بین یدیہ" کے قائل ہیں، اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی حنفی ہی ہیں، اس لئے

ومذہب ائمتہ الکرام فحاول التوفیق بما یرحم الیٰ ما ھو مذھبه بالتحقیق، فقال "لکن یمکن الجمع بین القولین بان الذی استقربی اٰخر الامر ھو الذی کان بین یدیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم[1] الخ، ای لم یکن الاذان بین یدیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی اول الامر بل علی الباب الشرقی اوالغربی(وھذا ما فی حدیث ابن اسحٰق وکلام مالك)ثم استقراالامر خیرًاعلیٰ کونه بین یدیه(وھو مراد المنازعین فیه)" **اقول:** انت تعلیم انه مبنی علی ماشبه له وتوجیه کلام مالك بما ذکر توجیه بما لایرضی به فقد اسلفنا عنه انه رضی اللہ تعالیٰ عنه نھی عن الاذان بین ید الامام۔ ثم حاول التطبیق بوجه اٰخر بعیدسحیق فقال و بان اذان بلال علی باب المسجدکان اعلامافیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن[2] اھ۔	ان دونوں قولوں میں یوں تطبیق دی کہ ممکن ہے ابتداء میں مسجد شریف کے باب شرقی یا غربی پر اذان ہوتی رہی ہو، جیسا کہ روایت ابن اسحٰق یا کلام مالک میں ہے لیکن بعد میں معاملہ سامنے پر ہی مستقل ہوگیا اور یہی مراد کلام منازعین کی بھی ہے۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری کی یہ بات تو ایک اشتباہ پر مبنی ہے، پھر یہ توجیہ امام مالک رضی اللہ عنہ کے مذہب کے بھی موافق نہیں کہ وہ تو مطلقًا اذان بین یدیہ کے منکر ہیں (پھر ایسی غیر مفید اور بے بنیاد تاویل سے کیا حاصل) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور بعید تاویل بھی کی ہے وہ کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ عہد رسالت میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اذان باب مسجد پر دیتے تھے وہ اذان نہ ہو صرف اعلان رہا ہو، اور یہی حضرت عمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اعلان کی اصل ہو اھ۔

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

یشیر الی الاثر المذکور عن تفسیر جویبر وقد کان قدمه وردہ وذکرہ ثمه توفیقا ینبغی نقله لیتضح بہٖ مرامه بھٰذا التطبیق قال بعد ماذکر ان عثمان رضی اللہ تعالٰی عنه ھو الذی احدث الاذان الاول مانصه، "ولا یعارض ان عثمٰن ھو المحدث لذٰلك ماروی ان عمر ھوالاٰمر بالاذان الاول خارج المسجد یسمع الناس ثم الاذان بین یدہ ثم قال نحن ابتدعنا ذٰلك لکثرۃ المسلین لانه منقطع ولا یثبت وانکر عطاء ان عثمٰن احدث اذا نًا، وانما کان یامر بالاعلام ویمکن الجمع بان ماکان فی زمن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنه) مجرد الاعلام واستمرفی زمن عثمٰن (رضی اللہ تعالٰی عنه) ثم رأی ان یجعله اذانًا علٰی مکان عال

یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام لے کر حضرت علی قاری جویبر کے مذکورہ بالاثر کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جس کو خود ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کرکے اس کا رد کیا ہے اور وہیں ایک اور توجیہ بھی ذکر کی ہے۔ہم ذیل میں اسے نقل کرتے ہیں، اس سے اس تاویل کا مطلب بھی کھلے گا۔اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا منشاء بھی ظاہر ہوگا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد قرار دے کر فرماتے ہیں: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اذان اول کا موجد ہونے کے معارض وہ اثر (اثر جویبر) نہیں ہوسکتا (جس میں یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اذان اول خارج مسجد دلائی کہ لوگ سن سکیں۔ پھر اذان بین یدیہ دلائی اور فرمایا کہ ہم نے آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے یہ اذان ایجاد کی) کیونکہ یہ اثر منقطع ہے اس کا ثبوت نہیں۔اور حضرت عطاء رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اذان اول کا موجد نہیں مانتے۔ان کے بقول حضرت عثمان تو صرف اعلان کرتے تھے۔ان دونوں باتوں میں جمع اس طرح ممکن ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو اعلان شروع کرایا تھا حضرت عثمان کے دور تک جاری رہا، پھر انہوں نے اپنی رائے سے اس اعلان کے بجائے

ففعل واخذ الناس بفعله فی جمیع البلاد اذ ذاك لكونه خلیفة مطاعا[1] اھ۔	بلند مکان پر اذان دلانی شروع کردی اور ان کے امام مطاع ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اسی پر عملدرآمد جاری کردیا۔
اقول: ولا یذھب عنك ان ھذا قمع لاجمع اذقد اٰل الامر الی انه جعله اذانًا فقد احدث اذانًا وعطاء ینکرہ فاین الجمع بل السبیل ما سلك فی فتح الباری وغیرہ ان المثبت مقدم علی النافی وقد ثبت احداث عثمٰن الاذان وانه ھو الذی احدثه لا امیر المومنین عمر باحادیث صحاح لامرد لھا فلا حجة فی انکار عطاء ولا فی روایة تفسیر جویبر۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) شیخ علی قاری کی یہ جدوجہد جمع کے بجائے قمع ہے، کیونکہ آخر میں انہوں نے یہ اقرار کیا کہ حضرت ذوالنورین نے ابتدائی اعلان کو اذان کردیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ اذان اول کے موجد ہوئے۔اور حضرت عطاء ابن رباح سرے سے ان کے موجد اذان ونے کا ہی انکار کرتے ہیں۔تو ملا علی قاری علیہ الرحمہ کی بات جمع بین القولین کیسے ہوئی! اس لئے جمع کا صحیح طریقہ وہی ہے کہ صاحب فتح الباری کی طرح کہا جائے (۱) مثبت روایت (یعنی ذو النورین کا موجد اذان اول ہونا) نافی (یعنی قول عطاء) پر مقدم ہے (۲) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا اذان اول کا موجد ہونا ایسی روایتوں سے ثابت ے جس کی تردید نہیں ہوسکتی، اس لئے نہ تو حضرت عطاء کے انکار کا کچھ فائدہ ہوگا نہ تفسیر جو یبر کی روایت اثر انداز ہوگی۔
ولھذا الشیخ لما جمع بان عمر ضی اللہ تعالٰی عنه احدث اعلامًا واستمر	المختصر ہماری اس تفصیل سے علامہ قاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے معنٰی واضح ہوگئے کہ وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی

www.dawateislami.net Majlis of Dawateislami

[1] مرقاة المفاتیح باب الخطبة والصلوة تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبة الحبیبیه کوئٹه ۳/ ۴۹۷

الٰی زمن عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ وجعلہ بعد اذا نا فالٰی ھذا یشیر بقولہ "فیکون اصل اعلام عمر وعثمٰن "ولما کان یرد علیہ ان علی تطبیقکم ھذا یکون تقدیم الاعلام علی الاذان ثابتا من زمن الرسالۃ فکیف یقول الفاروق نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین۔ حاول ان یرفو ھذا الخرق فقال "ولعلہ ترک ایام الصدیق او اواخر زمنہ علیہ الصلٰوۃ والسلام ایضاً فلھذا اسماہ عمر بدعۃ وتسمیۃ تجدید السنۃ بدعۃ علی منوال ما قال فی التراویح نعمت البدعۃ ھی[1] اھ"	علیہ وسلم کی جس اذان کے بارے میں بین یدی الخطیب یا علٰی باب المسجد یا علی المنار ہونے کی بات کہی جارہی ہے وہ در اصل اذان نہ تھی نماز جمعہ کا اعلان تھا۔اور یہی حضرات فاروق وعثمان کے اعلان بعدہ الاذان کی اصل ہے، لیکن حضرت علی قاری کی اس تطبیق پر بھی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس توجیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے اعلان رواج عہد رسالت سے ہی تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ اعلان کراکے یہ کیسے کہا کہ ہم نے اس کی ایجاد کی! ملا علی قاری علیہ الرحمہ نے اس شبہ کا جواب اس طرح دیا کہ "یہ اعلان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آخری عہد اور حضرت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پورے زمانے میں موقوف ہوگیا رہا ہوگا۔ حضرت عمر نے اس کی تجدید کی اور اس کا نام ایجاد رکھا ہوگا، جیسا کہ تراویح کی جماعت کو بھی آپ نے البدعۃ کہا تھا حالانکہ خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں دو تین یوم تراویح کی جماعت قائم فرمائی تھی"
اقول: ولا یخفٰی علیک ان الشیخ انما یبدی ھذہ الاشیاء	**اقول:** (میں کہتا ہوں) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام توجیہات کو

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الخطبۃ والصلوۃ تحت الحدیث ۱۴۰۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۴۹۷

بیمکن ولعل وما بیدہ سند علی شیئ من ھذا اولا لہ فیہ سلف ولا بہ حصول مارام من التوفیق فان مأل ترجباتہ واحتمالاتہ انہ کان علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلام بالجمعۃ علی باب المسجد ثم اذان بین یدیہ اذا جلس علی المنبرثم ترک الاعلام فی اواخر عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ثم ثم جددہ عمر لکثرۃ المسلین وابقاہ عثمٰن ثم حولہ الی الاذان الذی فی حدیث ابن اسحٰق انہ کان علی الباب وفی کلام مالک انہ لم یکن بین یدیہ ھو ھذا الاعلام اما الاذان فما کان الابین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانت تعلم انہ۔

اولاً: لایلائم قول مالک

"ہوسکتا ہے" اور "ممکن ہے" کے لفظ سے شروع کیا ہے، کسی بھی توجیہ کے لئے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، نہ سلف صالحین میں سے کوئی ان کی کسی رائے میں ان کا ہم نوا ہے نہ انکی اس جدوجہد سے مختلف اقوال وروایات میں باہمی تطبیق کا مقصد ہی کچھ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے تمام امکانات و احتمالات کا حاصل یہ ہے کہ عہد رسالت میں اعلان جمعہ مسجد نبوی کے دروازہ پر ہوتا تھا پھر امام جب منبر پر بیٹھے تو اس کے سامنے اذان خطبہ ہوتی پھر عہد نبوت کے آخری دور یا عہد صدیقی میں یہ اعلان متروک ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں مصلیوں کی کثرت کی وجہ سے پھر اس اعلان کی تجدید کی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے عہد مبارک میں بھی اس اعلان کو جاری رکھا پھر ان کی رائے ہوئی کہ اعلان کے بجائے اذان ہی دی جائے۔ تو وہ اسمجد کے دروازہ پر بتاتے ہیں، اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ جس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ خطیب کے آگے نہیں ہوتی تھی وہ دراصل یہی اعلان تھا اور اذان خطبہ تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ہی ہوتی تھی (مگر اس پر مندرجہ ذیل اشکالات ہیں:)

اولاً: امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ

فانه رضی الله تعالٰی عنه ینهی عن الاذان بین یدی امام لاعن اعلان اٰخر قبله ولا کان فی عهده رضی الله تعالٰی عنه اعلام بین یدی الامام غیر الاذان حتی ینکره ویقول انه محدث لیس من الامر القدیم فاین التوفیق۔

وثانیًا لایلائم حدیث ابن اسحٰق لانه ذکر ان الذی کان علی باب المسجد کان هو بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حین یجلس علی المنبر فکیف یفرق بین الشیئ ونفسه ویقال ان ما علی الباب کان اعلامًا وما بین یدیه کان اذانًا فان کان الاذان فی حدیثه بمعناه فالذی کان علی الباب کان اذانًا وان کان بمعنی الاعلام فالذی بین یدیه کان اعلامًا فکیف التفریق واین التطبیق۔

وثالثًا: اجمعت الامة ان الذی کان عند جلوسه صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی المنبر کان هذا الاذان المعروف وتظافرت الروایات واجمع من یعتد باجماعهم انه لم یکن فی عهده صلی الله تعالٰی علیه وسلم للجمعة شیئ غیر هذا ولا علی عهد الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وانه لم یکن علی عهده صلی الله تعالٰی

امام کے سامنے خطبہ دینے سے منع کرتے تھے، اس سے قبل کے کسی اعلان کو نہیں۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان کے علاوہ کوئی اعلان تھا ہی نہیں کہ امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اسے روکنے کی ضرورت پڑتی۔

ثانیًا: یہ تاویل حدیث ابن اسحاق کے بھی خلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو چیز ہوتی تھی وہ دروازہ مسجد پر ہوتی تھی، اور وہی آپ کے سامنے بی تھی اور آپ کی تاویل کا مقصد یہ ہے کہ بین یدیہ اور باب مسجد دو علیحدہ جگہیں ہیں۔ دروازہ پر اعلان ہوتا تھا اور بین یدیہ اذان ہوتی تھی۔ تو حدیث ابن اسحٰق میں جو چیز مذکور ہے اگر اذان ہے تو وہ در مسجد پر ہوتی تھی اور اگر اعلان تھا تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جو ہوتا تھا وہ بھی اعلان ہی تھا، پس دونوں باتوں میں کہاں موافقت ہوئی؟

وثالثًا: اس امر پر امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھنے کے وقت یہی معروف مشہور اذان ہوتی تھی، اسی پر کثیر روایتوں کا اتفاق، اور جن اعلام کا اجماع قابل اعتماد ہے ان کا اجماع اسی بات پر ہے کہ عہد رسالت و

علیه وسلم تثویب فی شیئ من الصلوات الا الفجر علٰی جعل قوله الصلٰوۃ خیر من النوم تثویبًا۔فلو کان ھذا اعلامًا حملًا لحدیث ابن اسحٰق علیه المصرح فیه بکونه اذا جلس علی المنبر بقیت الجمعة علٰی عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بدون الاذان المعروف وھو خلاف الاجماع۔	عہد صدیقی میں اس اذان کے علاوہ کچھ نہ ہوتا تھا،ان زمانوں میں تثویب کارواج بھی نہ تھا،ہاں نماز فجر کے لئے البتہ الصلٰوۃ خیر من النوم پکارا جاتا تھا اگر اسے تثویب قرار دیا جائے۔پس اگر روایت ابن اسحاق کی مصرح اذان کو اعلان قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ عہد رسالت میں جمعہ کے لئے اذان ہوتی ہی نہیں تھی،اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
ورابعًا: اذا ترك ھذا فی اواخر عھدہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اوفی زمن الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنه بقیت الجمعة من دون ایذان لااعلام ولا اذان وھذا خلاف الاجماع۔	**رابعًا:** اور بقول حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ جب عہد رسالت کے اخیر یا عہد صدیقی میں یہ اعلان بھی موقوف ہوگیا تو ان دونوں مبارک زمانوں میں جمعہ کے لئے نہ کوئی اعلان ہوتا تھا نہ اذان اور یہ بھی خلاف اجماع ہے۔
وخامسًا: اذن لا یستقیم قول عمر "نحن ابتدعناہ لکثرۃ المسلمین"[1] لا احداثا ولا تجدیدا لان الذی یفعل عند جلوس الامام لم یزل مستمرًا من زمنه علیه الصلٰوۃ والسلام۔"	**خامسًا:** اس صورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول "ہم نے مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے اس کو ایجاد کیا" کا معنی درست نہ رہے گا نہ بطور احداث نہ بطور تجدید، کیونکہ جو ہوتا ہے وہ تو زمانہ رسالت سے ہی چالو تھا۔
وسادسًا: اذن کان اذان	**سادسًا:** اس تقدیر پر اذان خطبہ

[1] فتح الباری کتاب الجمعة باب الاذان یوم الجمعة مصطفی البابی مصر ۳/ ۴۵

الخطبة هو المحدث فكان احق بقول عمر نحن ابتدعناه۔ **وسابعًا:** كيف يكون هذا اصلالاعلام عمر وعثمان فانه كان قبل جلوس الامام وهذا عندجلوسه على المنبر۔ وبالجملة فيه مفاسد اظهر من ان تظهروا كثر من ان تحصر وانما الامر ما وصفنا انه رحمه الله تعالٰى كتب البحث مندون مراجعته عــــه للحديث ولاالكلام	ہی تو نوایجاد ہوئی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اس کو اپنی ایجاد کہنا ہی صحیح ہوا۔ **سابعًا:** یہ اعلان حضرات فاروق وعثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کے اعلان کی اصل کیسے ہوا؟ ان حضرات کا اعلان تو آپ ہی کے بیان کے مطابق اذان خطبہ سے پہلے ہوتا تھا، اور جس کو آپ ان کے اعلان کی اصل بتارہے ہیں یہ تو عین امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتا ہے۔ المختصر اس تاویل کے مفاسد بیان سے باہر اور شمار سے زائد ہیں، حقیقت وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے کہ حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری نے یہ پوری بحث احادیث اور کلام منازعین، اور کلام امام مالک

عــــه: ولذا انسبه للطبرانی مع وجوده فی افضل السنن ابی داؤدوقال الزرقانی فی المقصد الثالث من شرح المواهب علی المؤلف المؤاخذه فی ترك الترمذی "ان الحديث اذا كان فی احد الستة لايعزى لغيرها كما قال مغلطائی [1]۔" انتهٰى منه حفظه ربه۔	اسی لئے اس کو طبرانی کی طرف منسوب کیا باوجود یہ کہ یہ اس سے افضل سنن ابو داود میں موجود ہے۔ امام زرقانی نے شرح مواہب کے مقصد ثالث میں ترک ترمذی کے بارے میں مؤلف پر مواخذہ کرتے ہوئے فرمایا: جب کوئی حدیث صحاح ستہ میں موجود ہو تو اسے ان کے غیر کی طرف منسوب نہ کیا جائے، جیسا کہ مغلطائی نے کہا ہے انتہی منہ حفظہ ربہ۔ (ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية

المنازعين، ولا لكلام مالك واصحابه الاكثرين والا لم تعرض تلك الاوهام ولم يستقم له تاويل حديث ابن اسحٰق ولا ماينكر عليه مالك بالاعلام۔ فظهر ان تعلق بعض جهلة الزمان بهٰذا البحث الذى ليس له روح ليعيش انما هوتشبث الغريق بالحشيش وتقدم بعض مايليق به فى النفحة التاسعة الحديثية۔

اور ان کے متبعین کی طرف مراجعت کے بغیر لکھ دیا، ورنہ یہ اوہام عارض نہ ہوتے اور نہ حدیث ابن اسحٰق کی تاویل درست ہوتی۔ عہد حاضر کے بعض جاہلوں کا اس بے جان بحث سے زندگی کی مدد چاہنا، ڈوبنے والے کے تنکے کا سہارا ڈھونڈنے کے مترادف ہے، اس بحث سے متعلق بعض باتوں کو ہم نفحہ تاسعہ حدیثیہ میں ذکر کر چکے ہیں۔

ثم ليس فيه على ماقررنا مايقرعينهم اذليس فيه ان الاذان كان على عهده صلى الله تعالٰى عليه وسلم فى جوف المسجد وفيه الكلام والله المستعان ولله الحمد۔

لطف یہ ہے کہ اس بحث سے سہارا ڈھونڈنے والوں کا مقصد بھی پورا نہیں ہوتا کہ ان کا دعوی تو مسجد کے اندر اذان ہونے کا ہے، اور اس پوری بحث میں اندرون مسجد اذان ہونے کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

نفحه۲۱: قال القهستانى فى شرح النقاية عند قولها (اذن ثانيا بين يديه) اى بين الجهتين المسامتين ليمين المنبر والامام ويساره قريبامنه ووسطهما بالسكون فيشمل ماذا اذن فى زاوية قائمة او حادة اومنفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين ولا بأس بشموله بحسب المفهوم ماذاكان

نفحہ۲۱: قہستانی نے شرح نقایہ میں مصنف کے قول "دوسری اذان خطیب کے سامنے ہوگی" کی شرح میں کہا: یعنی ان دونوں سمتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں متوازی جارہی ہیں ان کے قریب اور ان دونوں کے درمیان (یہاں لفظ وسط کی سین ساکن ہے، تو زاویہ قائمہ کے اندر کھڑا ہو یا حادہ و منفرجہ، سبھی صورتوں کو شامل ہے، یہ سب زاویے ان دونوں جہتوں سے پیدا ہوتے ہیں جو ان دونوں خطوط متوازیہ سے بنتے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار

ظهر المؤذن الی وجه ما یضاف الیه الیدان، فان قرینة الاذان تدل ان وجهه یکون الیه لکن یشکل بما اذا کان ظهره الی ظهر المضاف الیه الا اذا قیل باخراجه بقرینة قوله استقبلوه مستمعین[1] اھ۔	سے یہ عبارت اس صورت کو شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کے چہرہ کی طرف ہو، لیکن اذان کا قرینہ اس بات پر دلالت کرتاہے کہ مؤذن کا چہرہ ہی امام کے چہرہ کی طرف ہو۔اوراس صورت کو بھی شامل ہے کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ حکم یہ ہے کہ سب امام کی طرف رخ کریں اوراس کی بات سنیں۔اھ)
اقول: هذا کلام تحیر هؤلاء فی حله وتناقضوا فی حمله واستشهد به بعضهم بجهله ولیس فیه الا مشتت لشمله ومسفه لعقله ثم هو غیر محرر فی اصله فنذکر بتوفیقه تعالٰی اولا ما یشرحه ثم نکمل الفائدة ما یزیفه ویجرحه ثم نتوجه الی اجهل هؤلاء فنطرحه ولنقدم لذٰلك مقدمات نوضحه۔	**اقول:** (میں کہتاہوں) قہستانی کی اس عبارت نے مخالفین کو حیرت میں ڈال دیاہے اوراس عبارت کا حل کرنا انہیں مشکل پڑرہاہے اوراس کا مطلب بیان کرنے میں وہ لوگ باہم متناقض ہیں۔اور بعض نے تو اس سے اپنی جہالت کی دلیل فراہم کی۔اورفی الحقیقت یہ عبارت مخالفین کے پریشاں خاطری کے اظہار کا ذریعہ اوران کی بے وقوفی کے ظہور کا سبب بنی۔اور لطف یہ کہ قہستانی کا یہ بیان بھی خود کوئی قابل اعتماد بات نہیں تو بتوفیق اللہ تعالٰی پہلے ہم اس کلام کی تشریح کرتے ہیں، پھر اس کی کمزوری کا بیان کریں گے، پھر مخالفین کی جہالت واضح کریں گے۔اس کے لئے چند توضیحی مقدمات کی تفہیم ضروری ہے۔
الاولٰی: المنبر فی قولهم	**مقدمہ اولٰی:** فقہاء کے قول

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/۲۶۹۔۲۶۸

بین یدی المنبر مجاز عن الخطیب النقل والعقل المصیب اما لنقل فقول العلامۃ المحقق البحر فی البحر "الضمیر فی قولہ بین یدیہ عائد الی الخطیب الجالس، وفی القدوری بین یدی المنبر وھو مجاز اطلاقًا لاسم المحل علی الحال کما فی سراج الوھاج فاطلق اسم المنبر علی الخطیب [1] اھ	بین یدی المنبر میں لفظ منبر بول کر مجازًا خطیب مراد لیاگیا ہے۔ یہ نقلی دلیل سے بھی ثابت ہے اور عقلی دلیل سے بھی۔ دلیل نقلی صاحب بحرالرائق کا یہ قول ہے جو انہوں نے بحر میں فرمایا: "قول بین یدہ میں ضمیر خطیب کی طرف لوٹ رہی ہے جو منبر پر بیٹھا ہو۔" قدوری میں ہے: "لفظ بین یدی المنبر میں منبر سے مجازًا خطیب مراد ہے کہ اکثر محل بول کر حال مراد ہوتا ہے۔" ایسا ہی سراج الوہاج میں بھی ہے کہ "منبر کا لفظ بول کر خطیب مراد ہے۔"
"واما العقل فلان المنبر لو کان عریضا یسع رجالا فقام الامام علی احد طرفیہ والمؤذن بحذاء طرفہ الاخر فقد اخطأ السنۃ لانہ لیس بین یدی المنبر مع انہ بین یدی المنبر لاشك فعلم ان السنۃ ھو کونہ بین یدی الخطیب دون المنبر اذ العود غیر مقصود وقد مرت السنون لم یکن منبر فما کان یواجہ الا الامام امام الانام علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلٰوۃ والسلام ھذا ظاھر جدا۔	عقلی دلیل یہ ہے کہ منبر اگراتنا چوڑا ہو کہ اس کے عرض میں کئی آدمی کھڑے ہو سکتے ہوں، تو اگر امام منبر کی ایک طرف بیٹھا اور مؤذن دوسری طرف سامنے کھڑا ہوا تو اس نے سنت ترک کردی کیونکہ اس صورت میں وہ امام کے مقابل نہیں منبر کے سامنے البتہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سنت یہی ہے کہ مؤذن خطیب کے سامنے ہو منبر کے سامنے نہیں، اس لئے کہ توجہ کا مقصود لکڑی نہیں ہے۔ مسجد نبوی شریف میں کئی سال تک منبر تھا ہی نہیں تو محالہ مؤذن حضور امام الائمہ سید الانام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہی رخ کرتا تھا، یہ امر بالکل ظاہر ہے۔

[1] البحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجمعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۵۱

الثانیة[۲]:فی المغرب الوسط بالتحریك اسم لعین مابین طرفی الشیئ کمرکز الدائرۃ۔وبالسکون اسم بھم لداخل الدائرۃ مثلًا ولذٰلك کان ظرفًافالاول یجعل مبتدأ وفاعلا ومفعولا بہ وداخلا علیہ حرف الجرولایصح شیئ من ھذا فی الثانی۔تقول وسطہ خیر من طرفہ وتسع وسطہ،وضربت وسطہ، و جلست فی وسط الدار ،وجلست وسطھا بالسکون لا غیر ،ویوصف بالاول مستویافیہ المذکر والمؤنث و الاثنان والجمع وقال اللہ تعالٰی "جلعنا لکم امۃ وسطًا" وللہ علی ان اھدی شاتین وسطا الی بیت اللہ ،او اعتق عبدین وسطا[1] اھ۔وفی الصحاح کل موضع صلح فیہ بین فھو وسط بالتسکین	**مقدمہ ثانیہ:** مُغرب میں ہے:الوسط سین کی حرکت کے ساتھ نام ہے کسی چیز کے دونوں کناروں کے ٹھیک بیچ کا، جیسے دائرہ کے لئے مرکز۔اورالوسط سین کے سکون کے ساتھ اسم مبہم ہے، تومثلاً دائرہ کے اندر کسی مقام کو بھی وسط کہاجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وسط بالسکون تو کلام میں صرف ظرف واقع ہوتا ہے۔اوروسط بالتحریک مبتداء، فاعل، مفعول بہ واقع ہوتا ہے، اوراس پرحرف جر بھی داخل ہوتاہے۔اوروسط بالسکون ان میں سے کسی کی صلاحیت نہیں رکھتا۔چنانچہ کہا جاتاہے "وسط خیر من طرفہٖ"اس کا بیچ کنارہ سے اچھا ہے۔اس صورت میں وسط مبتداء واقع ہواہے۔"وتسع وسطہ"یہ وسط کے فاعل ہونے کے مثال ہے کہ اس کابیچ وسیع ہوا۔ "ضربت وسطہ"اس کے بیچ میں مارا۔یہ مفعول بہ واقع ہونے کی مثال ہے۔اور"جلست فی وسط الدار"توگھر کے وسط میں بیٹھا،یہ فی داخل ہونے کی مثال ہے۔لیکن وسط بالسکون کے استعمال کی صورت صرف یہ ہے کہ یہ ترکیب میں ظرف واقع ہوتاہے، جیسے جلست وسطہ میں گھر میں بیٹھا۔یہاں متوسط مفعول فیہ ظرف واقع ہے،

[1] البحرالرائق بحوالہ المغرب کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۵۱و۳۵۲

"کجلست وسط القوم وان لم یصلح فیه فهو بالتحریك "کجلست وسط الدار ،وربما سکن ولیس بالوجه اھ[1]۔	ایک علامت یہ بھی ہے کہ وسط بالتحریک مذکر،مؤنث، واحد، تثنیہ ،جمع سب کی صفت بن سکتا ہے قرآن عظیم میں ہے "جعلنا کم امة وسط " ہم نے تم کو امت وسط بنایا، یہاں لفظ وسط مونث کی صفت ہے "للّٰہ علی ان اھدی شاتین وسطا" میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط بکریاں نذر کرتا ہوں۔ یہاں وسط تثنیہ مؤنث کی صفت ہے"واعتق عبدین وسطًا"میں اللہ تعالٰی کے لئے دو متوسط قسم کے غلام آزاد کروں گا۔یہاں وسط تثنیہ مذکر کی صفت ہے اھ۔ صحاح جوہری میں ہے: جہاں لفظ بین کا محل استعمال ہو وہاں وسط بالسکون پڑھا جائے جیسے "جلست وسط القوم " میں قوم کے درمیان بیٹھا۔اور لفظ بین کا محل استعمال نہ ہوتو وسط بالتحریک ہوگا جیسے "جلست وسط الدار " میں گھر کے ٹھیک بیچ میں بیٹھا۔ کہیں بالسکون بھی کہہ دیتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اھ بحر۔
الثالثة[۳]:کل زاویة جعل منتصف وترها مرکزًا ورسمت علیه ببعدا حدطرفیه قوس الٰی جهة الزاویة حتی وصلت الی الطرف الاٰخرفان الزاویة ان کانت قائمة تمر القوس براسها او منفرجة فوراء رأسها اوحادة فدونه وبالعکس ان مرت القوس برأسها فهی قائمة اووقعت وراء ہ فمنفرجة اودونه فحادة۔	**مقدمہ ثالثہ**: جس کسی بھی زاویہ کے وتر کے منتصف کو مرکز مان کر وتر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک زاویہ کی جہت میں کوئی قوس بنائی جائے تو اگر زاویہ مذکورہ قائمہ ہوگا تو قوس اس کے راس سے،اور اگر زاویہ منفرجہ ہوگا تو قوس زاویہ کے وراء سے اور زایہ حادہ ہوگا تو قوس اس زاویہ کے نیچے سے گزرے گی۔اسی کو اُلٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر قوس زاویہ کے راس سے گزرے تو زاویہ قائمہ ہوگا اور قوس زاویہ کے وراء سے گزرے تو زاویہ منفرجہ ہوگا اور قوس زاویہ کے نیچے سے گزرے تو زاویہ حادہ ہوگا۔

[1] الصحاح تحت اللفظ "وسط" دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۹۷۵

وبعبارۃ اخری کل خط نصف ورسمت علٰی منتصفه ببعد احد طرفیه قوس وصلت لطرفه الاٰخر فاذا جعلت هذاالخط قاعدۃ مثلث واقع الی جهة القوس فان وقع راسه علی نفس القوس فزاویة قائمة اوورا ءها فحادۃ اودونها فمنفرجة وبالعکس ان کانت زاویة الراس قائمة تقع علی نفس القوس اوحادۃ فورائها منفرجة فدونها۔	اسی مدعا کا اظہار بلفظ دیگر یوں بھی ہوسکتا ہے، کسی بھی خط کی تنصیف کے بعد اس منتصف پر خط کے ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک قوس بنائی جائے اور یہ خط کسی ایسے مثلث کے قاعدے پر منطبق ہوجائے جو جانب قوس واقع ہے۔تو اگر مثلث کا راس خود اسی قوس پر وقع ہو تو وہ زاویہ قائمہ ہوگا۔ اوراس قوس سے باہر کی طرف واقع ہو تو زاویہ حادہ ہے۔اور قوس کے اندر واقع ہو تو زایہ منفرجہ ہوگا۔اوراسے الٹ کریوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اگر زاویہ راس قائمہ ہو تو نفس قوس پر واقع ہوگا اور حادہ ہو تو قوس کے باہر۔اور منفرجہ ہو تو قوس کے اندر واقع ہوگا۔

توضیح دعوی

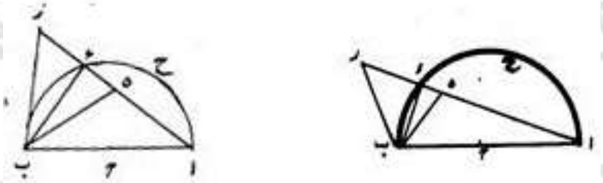

ولیکن اب خطًا رسمًا علٰی نصفه ح ببعد اقوس اح ب ثم جعلنا ہ قاعدۃ مثلثات ا ء ب.ا ر ب.اہ ب فزاویة الواقعة علی القوس قائمة والواقعة ورائها	ہم نے مان لیا کہ اب ایک خط ہے جس کو مقام ج پر نصف کردیا گیا ہے اوراسی ح کو مرکز مانکر اسے شروع کرکے ح سے ہوتی ہوئی ب تک ایک قوس بنائی۔اح ب، پھر اسی خط اب کو تین مثلثوں اء ب،ار ب،اہ ب کا قاعدہ

حادۃ وہ الواقعۃ دونھا منفرجۃ۔وان کانت الزویۃ قائمۃ تقع علی نفس القوس مثل ء،اوحادۃ تقع خارجھا مثل ر،اومنفرجۃ فداخلھا مثل ہ۔	قرار دیا تو زاویہ ء جو قوس پر واقع ہے قائمہ ہے،اوزاویہ ر جو قوس سے باہر ہے حادہ ہے،اورزاویہ ہ جو قوس کے اندر ہے منفرجہ ہے۔اور بالعکس یوں بھی کہہ سکتے ہیں اگرزاویہ قائمہ ہے تو قوس پر واقع ہے جیسے زاویہ ء،اور حادہ ہے تو قوس سے باہر ہے۔جیسے زاویہ ر اور اندر ہے تو زاویہ منفرجہ ہے جیسے زاویہ ہ۔

ثبوت دعویٰ کی تقریر

وذٰلك لان القوس نصف دائرۃ وقد وقعت فیھا زاویۃ ء فھی قائمۃ بحکم ل من ثالثۃ الاصول فتکون رحادۃ والاجتمع فی مثلث ب ء ر قائمتان وھو محال بحکم لب من اولی الاصول۔وکذا ب ہ ء حادۃ لعین ذٰلك فب ہ ا منفرجۃ بحکم بح من اولیٰ ھا۔ ثم لتکن ء قائمۃ فلا موقع لھا الا علی نفس	یہ اس لئے کہ قوس نصف دائرہ ہے اور اسی پر زاویہ واقع ہے اس لئے مقالہ ثالثہ کی تیسویں شکل کے حکم سے یہ ضرور قائمہ ہے،اورچونکہ زاویہ قائمہ کے پہلو والا زاویہ بھی قائمہ ہوتا ہے۔اس لئے زاویہ ر کا حادہ ہونا ضروری ہے ورنہ مثلث ب ع ر میں بیک وقت دوزاویہ قائمہ ہونا لازم آئے گا جو مقالہ اولی کی شل بتیس کی رو سے محال ہے،اسی طرح اسی دلیل سے مثلث ب ہ ع کا زاویہ ہ بھی حادہ ہے (چونکہ حادہ کے پہلو والا زاویہ منفرجہ ہوتا ہے)اس لئے مثلث ب اہ کا زاویہ ہ ضرور منفرجہ ہے جیسا کہ مقالہ اولیٰ کی تیرھویں شکل سے ظاہر ہے۔ یایوں کہئے زاویہ ء قائمہ ہے تو لامحالہ نفس قوس پر واقع ہے اس لئے کہ یہ ر کی

القوس اذلووقعت دونها مثل ہ او ورائها مثل ر وقد تبین ان ء ایضا قائمة لاجتمع فی مثلث قائمتان، ولتکن ہ منفرجه فلا تقع الا داخل القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة او ورائها کانت حادة لما امر۔	طرح خارج قوس واقع ہو۔ یا ہ کی طرح تحت قوس ہو، تو جس طرح زاویۂ قائمہ ہے اسی طرح ہ اور ر بھی قائمہ ہو جائیں گے۔ اور ایک مثلث میں دو دو زاویہ قائمہ ہوں گے۔ یا یوں کہئے کہ اگر زاویہ ہ منفرجہ ہے تو لامحالہ داخل قوس ہوگا کیونکہ اگر وہ نفس قوس پر ہو تو اس کا قائمہ ہونا لازم آئے گا، یا خارج قوس ہو تو حادہ ہونا لازم آئے گا دلیل مذکورہ بالا کی رو سے۔
ولتکن ر حادة فلا وقوع لها الا خارج القوس اذلو وقعت علیها کانت قائمة۔ او داخلها کانت منفرجة لما سبق، و ذلك مااردناه وبه تبنیت العبارة الاولی اصلًا وعکسًا۔	یا یوں کہئے کہ زاویہ ر اگر حادہ ہے تو لامحالہ وہ خارج قوس ہوگا کیونکہ نفس قوس پر ہونے کی صورت میں لا محالہ وہ قائمہ ہوجائے گا، یا داخل قوس ہو تو منفرجہ ہونا لازم آئے گا۔ دلیل اوپر مذکور ہوئی۔ اور یہی ہمارا دعوی تھا۔ ہماری اس دلیل سے پہلی عبارت اصلًا وعکسًا ثابت ہوئی۔
الرابعة[۳]: کل زاویة غیر حادة نزل من راسها عمود علی قاعدتها فانه یکون نصف القاعدة ان کانت الزاویة قائمة متساویة الساقین والاقل من نصفها سواء کانت منفرجة مطلقًا اوقائمة مختلفة الساقین۔	**مقدمہ رابعہ:** جس کسی زاویہ غیر حادہ کے راس سے اس زاویہ کے قاعدے پر عمود کا نزول ہو تو وہ عمود ہمیشہ قاعدے کا نصف ہوگا بشرطیکہ زاویہ قائمہ متساویۃ الساقین ہو ورنہ عمود ہمیشہ قاعدے کے نصف سے بھی چھوٹا ہوگا (۲) خواہ زاویہ مطلقًا منفرجہ ہو۔ (۳) یا قائمہ مختلفہ الساقین ہو۔

I.T. Majlis of DawateIslami

نمبرا کی توضیح اور ثبوت

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱ امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

فلتکن ا ح ب قائمة متساوية السقين فج أنصف ا ب بوجوه کثیرة منها ان زاویتی ج ا ب، ج ب ا متساویتان بخسمة الاولیٰ لتساوی السقین وحیث ان ج قائمة فکلتاهما نصف قائمة بلب منهاو ح ء ب قائمة بحکم العمودية فرح ب نصف قائمة بلب فح ء، ء ب متساویان بسادسة الاولیٰ، وکذا بعین البیان ح ء، ء ا فیکون ا ء، ء ب متساویین، فکل منهما نصف ا ب مساویا لح ء۔	مان لیجئے کہ مثلث ا ح ب کا زاویہ ح قائمہ متساویۃ الساقین ہے تو عمود ح ا جو اس زاویہ کے راس سے اس کے قاعدے پر ڈالا گیا ہے وہ خط ا ب یعنی قاعدے کا نصف ہے۔ اس کی بہت سی دلیلیں ہیں ایک دلیل مندرجہ ذیل ہے: ح ا ب اور ح ب ا میں ا ء ب دونوں زاویے مقالہ اولٰے کی پانچویں شکل (شکل مامونی) کی رو سے برابر ہیں کیونکہ اس مثلث کی دو ساقین ا ح اور ح ب برابر ہیں، اور جب ح زاویہ قائمہ ہے تو اس کے بقیہ دونوں زاویے یعنی ا اور ب نصف قائمہ ہوں گے مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے (اور زاویہ ج سے جو خط قاعدے تک آیا ہے اس سے دو مثلث بن گئے ہیں ا ء ح اور ح ء ب) اور اس خط کے عمودی ہونے کی وجہ سے زاویہٗ قائمہ ہے تو زاویہ ح نصف قائمہ ہوگا مقالہ اولیٰ کی بتیسویں ۳۲ شکل کی رو سے، اور زاویہ ب پہلے ہی بیان سے نصف قائمہ ثابت ہو چکا ہے۔

	پس اس مثلث کی دو ساقین ح ء اور ء ب بھی مساوی ہوں گی مقالہ کی چھٹی شکل کی رو سے اور اسی بیان سے دوسرے مثلث کی دونوں ساقیں ح ء اور اء بھی مساوی ہوں گی تو قاعدے کے دونوں ٹکڑے ا ء اور ء ب مساوی ہوگئے۔ اور قاعدے اب کا نسف نصف ہوں گے اور خط ح ء کے بھی مساوی ہوں گے کہ مساوی کا مساوی مساوی ہوتا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ مثلث قائمۃ الزاویہ متساوی الساقین کے راس سے قاعدے پر اترنے والا خط قاعدے کا نصف ہوتا ہے۔

نمبر ۲ کی توضیح اور ثبوت

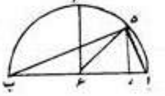

ثم لتکن ا ہ ب قائمۃ مختلفۃ الساقین فنقول ہ ر اصغر من نصف ا ب اعنی نصف القطر لان را لیس مرکزًا والا لکان فی مثلثی ارہ،ہ ر ب ضلعا ار،رب متساویین و رہ مشترك وزاویتا ر قائمتان	ہم نے فرض کیا کہ مثلث اہ ب میں زاویہ ہ قائمہ مختلف الساقین ہے۔ تو ہمارا دعوٰی یہ ہے خط ہ ر نصف اب یعنی نصف قطر سے چھوٹا ہے اس لئے کہ ر یہاں مرکز نہیں، ورنہ پیش نظر دونوں مثلث یعنی ارہ اور ہ رب میں دونوں خط ار اور ر ب برابر ہوجائینگے، اور ہ ر دنوں مثلثوں میں مشترک۔ اور دونوں مثلثوں میں ر زاویہ قائمہ (یعنی

فبرابعة الاولٰی یتساوی ا ہ ہ ب ہف فلکن المرکز ء وقلتنا ہ ء نصف القطر فلو کان ہ ر مساویاله تساوت بلاماموني زاویتار ء فاجتمع فی مثلث قائمتان۔	دو قائمے) پس مقالہ اولٰی کی شکل رابع سے لازم آئے گا کہ اہ او رہ ب دونوں ساقیں مساوی ہوجائیں گے اور یہ خلاف مفرض ہوگا(کہ ہم نے زاویہ قائمہ مختلف الساقین مانا تھا اور یہاں دونوں کا مساوی ہونا لازم آیا) جب ر کو مرکز ماننے پر خلاف مفروض لازم آیا، تو مان لیجئے کہ مرکز دراصل ء ہے اور ہ کو ملا کر نصف قطر کرلیجئے۔اس صورت میں ہر رہ ء کے برابر ہو تو (مقالہ اولٰی کی پانچویں شکل کے لحاظ سے زاویہ ر اورزایہ ء دونوں برابر ہوں گے تو ایک مثلث کے دو زاویے قائمہ ہو گئے (اور یہ محال ہے تو لامحالہ ہ ر، ہ ء دونوں ساقیں برابر نہیں۔)
وان کان ہ ر اکبر من ہ ء کانت ء الموترة بالاکبر اکبر من ر القائمة الموترة بالاسغر بحکم بح من الاولٰی فاجتمع فی مثلث قائمة ومنفرجة فلاجرم ان ہ ر اصغر من اء۔	ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہ ر کو ہ ء سے بڑا مانا جائے و مقالہ اولٰی کی اٹھارھویں شکل سے لازم آئے گا کہ زایہ ء جس کے وترہ ر کو ہم نے ہ ء سے بڑا مانا ہے، چھوٹے وتر والے زایویہ قائمہ یعنی ر سے بڑا ہوجائے۔اور زاویہ قائمہ سے جو زاویہ بڑا ہوگا وہ منفرجہ ہی ہوگا۔تو لازم آئے گا کہ ایک مثلث میں زاویہ قائمہ اور زاویہ منفرجہ دونوں جمع ہوگئے اور یہ بھی محال ہے اوہ ر کے نصف قطر سے بڑے اور برابر ہونے کی صورتیں محال ہو گئیں، تو لامحالہ ہ ر، ہ ء نصف قطرہ سے چھوٹا ہے اور ہم اسی کے مدعی تھے۔

نمبر ۳ کی توضیح اور ثبوت

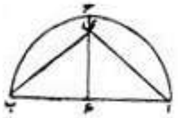

والامر فی المنفرجة اظهر سواء کانت متساویة الساقین مثل ا ی ب، او مختلفتهما مثل ا ح ب لانها تقع داخل القوس فالعمود النازل منها علی القطران مربالمرکز مثل ی ء کان جزءً من نصف القطرح ء وان لم یمربه مثل ح ط۔	زاویہ منفرجہ میں اس خط نازل کا نصف قطرہ سے چھوٹا ہونا زیادہ واضح ہے زاویہ منفرجہ متساوی الساقین جیسے مثلث ا ی ب یا مختلف الساقین جیسے مثلث ا ح ب کیونکہ یہ زاویہ بہر تقدیر قوس کے اندر ہوگا، تو اس زاویہ سے جو عمود بھی قطر پر نازل ہوگا یا تو مثلث ا ی ب کی طرح مرکز سے ہو کر گزرے گا جیسے خط ء ی تو وہ یقیناً نصف قطر یعنی خط ء ح کا جزء ہوگا (اور اگر زاویہ مختلف الساقین میں ہوگا جیسے ح ط کہ یہ مرکز سے ہو کر نہیں گزرتا)

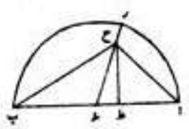

اخرجناح الی ء ك كان ح ء الاصغر من ء ك نصف القطر لکونه وتر القائمة اکبر من ح ط وتر الحادة بحکم رط من الاولی وذلك ما اردناه۔ الخامسة: کل خط اقیم علی نصف عمود غیر محمد ودواخرج	تو ہم ح کو ء ک کی طرف لے چلیں گے (اور ء ک نصف قطر ہے) تو ء ح، ء ک سے چھوٹا ہوگا کیونکہ ء ک زاویہ قائمہ کا وتر ہے جس کو ح ط سے بڑا ہونا چاہیے جو از اویہ حادہ کا وتر ہے مقالہ اولیٰ کی شکل ۱۸ کی رو سے۔ اور یہی ہمارا مدعا ہے۔ مقدمہ خامسہ: ہر وہ خط جس کے نصف پر کوئی عمود قائم کیا جائے، اور پھر اس خط کے

من طرفيه خطان يحدثان معه زاويتين مجموعهما اصغر من قائمتين فان تساوت الزاويتان فملتقى لا خطين على نفس العمود والافخارجةً وعلى كل تحتمل زاوية ملتقاهما ان تكون قائمة اوحادة اومنفرجة۔	دونوں کناروں سے ایسے دو خطوط کھینچیں جو پہلے خط پر ایسے دو زاویے پیدا کریں جس کا مجموعہ دو قائمہ سے کم ہو۔اوراس صورت میں یہ دونوں زاویے برابر ہوں تو خطین کا ملتقٰی عمود پر ہوگا۔اور برابر نہ ہوں تو دونوں خطوں کا ملتقٰی عمود سے باہر ہوگا۔اور ہر صورت میں اس کا احتمال ہے کہ ان دونوں خطوں کے ملتقٰی کا زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ ہو۔

(توضیح وثبوت)

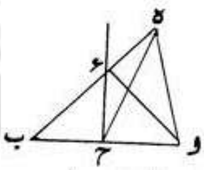

فليكن ا ب خطًا نصف علٰی ح و اقيم عليه عمود ح ء غير محدود فاخرج من جنبيه خطا اء۔ب ء محدثين زايتى ا ب مساويتين فانهما يلتقيان على نقطة ء من العمود والا فيلتقيا خارجه مثلًا على ه وصلناه ح ففى مثلثى اح ه ب حه نصف اا ح ب ح متساويان بالفرض وكذا ا ه ب ه لخامسة الاولٰى لتساوى زاويتى اب	مان لیجئے کہ اب ایسا خط ہے جس کا نصف نقطہ ح ہے اوراس پر ایک غیر محدود عمود ح ء قائم کیا گیا، پھر اس خط کے دونوں کناروں سے دو خط اء اور ب ء ایسے کھینچے گئے جو خط اول کے اوپر دو برابر زاویے اب پیدا کرتے ہیں، تو وہ دونوں خطوط عمود کے نقطہ ء پر ملیں گے۔اور دونوں زاویے برابر نہ ہوں تو لامحالہ یہ دونوں خطوط عمود سے خارج ملیں گے۔مثلاً مانا گیا وہ نقطہ ہ پر ملے ہوئے ہیں ہم نے ہ ح کو ملادیا تو یاہں دو مثلث اح ہ اور ب ح ہ پیدا ہوئے جس میں خط مفروض کے دونوں نصف ا ح اور ب ح بالفرض برابر ہیں،اور چونکہ زاویہ اور

بالفرض وہ ح مشترك فبثامنة الاولٰی تتساوی زاویتا ا ح ہ، ۃ ح ب بفحکم بح منھا کانتا قائمتین وقد کانت ا ح ء قائمۃ فتساوی الکل والجزء ہف۔	زاویہ ب. برابر فرض کیا گیا ہے اس لئے مقالہ اولٰی کی شکل خامس سے جس طرح اح اور ب ح. برابر ہیں اسی طرح اہ اور ب ہ بھی برابر ہونگے، اور ہ ح دونوں مثلث میں مشترک ہے۔ تولامحالہ مقالہ اولٰی کی شکل ثام کی وجہ سے زاویہ اح ہ اور زاویہ ہ ح ب. برابر ہونگے اور مقالہ اولے کی شکل ۱۸ سے ثابت ہے کہ دونوں مل کر دو قائمہ ہوں گے یعنی ہر زاویہ قائمہ ہوگا حالانکہ اح ء قائمہ ہے اور اح ہ بھی قائمہ ہوگیا (جو خود اس کا خبر ہے) اور اس صورت میں جزو کل مساوی ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے۔
ولیخرج عن جنبیه ا ہ ب ہ عن زایتین مختلفین فملتقٰی ھما خارج العمود علٰی ہ والافیلتقیا علٰی ء من العمودففی مثلثی ا ح ء، ء ح ب نصف ا ح، ح ب متساویان و ء ح متشرك و زایتاح قائمتان فبالرابع تتساوی زاویتا ا ب و قد فرضنا مختفین ہف فالحکم ثابت وذٰلك ما اردناہ۔	**دوسری صورت** کی توضیح یہ ہے کہ ہم خط مفروض کے دونوں کناروں سے ایسے دو خط اہ اور ب ہ کھینچتے ہیں خط کے اوپر مختلف زاویے بناتے ہیں، تو ہمارا دعوی یہ ہے ملتقی عمود سے خارج نقطہ ہ پر ہوگا ورنہ یہ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں خط بھی عمود کے نقطہ ء پر ملے ہیں اور یہاں مثلث اح ء اور مثلث ء ح ب میں خط کے دونوں نصف اح اور ح ب. برابر ہیں۔ اور ء ح دونوں مثلثوں میں مشترک اور زاویہ ح دونوں مثلث میں قائمہ، اس لئے بشکل رابع زاویہ اب. برابر ہوئے حالانکہ ہم نے ان دونوں کو مختلف فرض کیا تھا، اور یہ خلاف مفروض دعوی کہ نا ماننے سے لازم آیا، تو دعوی ثابت ہوا۔

اما احتمال الزوایا الثلث فی الملتقٰی علٰی کل تقدیر فظاھر لان الزایتین الحاد ثتین منھما فحادۃ سواء کانت الزاویتان علی الخط الاول متساویتین او مختلفتین کل ذٰلك بلب من الاولٰی۔	**تیسری صورت** کہ دونوں قسم کے ملتقٰی پر تینوں ہی قسم کے زاویے کا احتمال ہے۔اس کی توضیح یہ ہے کہ دونوں کناروں سے کھینچے خطوط اور خط اول سے پیدا ہونے والے دونوں زاویوں کا مجموعہ اگر قائمہ کے برابر ہے تو ملتقٰی زاویہ قائمہ ہوگا اور مجموعہ زاویتین اگر قائمہ سے چھوٹا ہے و ملتقٰی کا زاویہ منفرجہ ہوگا،اوراگر مجموعہ قائمہ سے بڑا ہے تو ملتقٰی کازاویہ حادہ ہوگا خواہ خط اول پر پیدا ہونے والے زاویے باہم برابر ہوں یا نہ ہوں۔یہ ساری باتیں مقالہ اولٰی کی شکل ۳۲ سے ثابت ہیں۔
اذا عرفت ھذا واعلمناك فی النفحۃ الاولی العودیۃ ان معنی بین یدیه الترکیبی الفضاء المحقق المحصور بالجارحتین عند بسطھما اوالموھوم عند ارسالھما اعنی الخط النافذ علی الاستقامۃ من وسط احد کتفیك الی وسط الکتف الاخر ولایمکن ارادته ھنا وفی عامۃ استعمالات ھذا اللفظ بل ارید فیھا بالیدین الجھتان الواقعتان علی سمتھما ای تخرج من طرفی کتفیه خطین	مذکورہ بالا توضیحات کی معرفت اور لفظ بین یدہ کے معنی کو دوبارہ ذہن میں تازہ کرلینے کے بعد (لفظ بین یدیہ کی وضاحت ہم اسی شمامہ کے نفحہ اولی میں کرآئے ہیں کہ بین یدیہ مرکب اضافی ہے۔تو ایک معنی مضاف اور مضاف الیہ کے تفصیلی ترجمہ کے لحاظ سے ہوں گے "دونوں ہاتھ سامنے پھیلائیں تو وہ فضا جو دونوں ہاتھ کے درمیان محصور ہے۔اور ایسے ہی پیچھے پھیلائیں تو پیچھے کی فضا کو جو دونوں ہاتھوں کے درمیان محصور ہے "اور "جب ہاتھ لٹکائیں تو دونوں مونڈھوں کے بیچ کی دوری جس کو ایک خط کے ذریعے

عمودين علٰی ذالك الخط الواصل بين كتفيه فهٰذان الخطان هما الجهتان المسامتان ليمين من اضيف اليه اليدان وشماله كما قدمنا ثمه عن الكشاف و المدارك وغيرهما فكل ماوقع بين هٰذين الخطين بشرط القرب اللائق بالشيئ المتفاوت تفاوتاشد يدا بحسب المقام فهو بين يديه۔	" سمجھا جاسکتا ہے جو ایک مونڈھے کے وسط سے دوسرے مونڈھے کے وسط تک سیدھا فرض کیا جائے لیکن اس لفظ کے عام استعمال کا معاملہ ہو یا خاص بین یدی الخطیب کا موقع ہو عام طور سے اس لفظ کے معنی ترکیبی تفصیلی مراد نہیں ہوتے بلکہ دوسرے معنی اجمالی عرفی یالغوی مراد ہوتے ہیں جس میں دونوں لفظ کے علیحدہ علیحدہ معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ مرکب لفظ کو اکائی مان کر پورے مرکب کے ایک ہی اجمالی معنی کو یوں سمجھئے دونوں مونڈھوں کے درمیان جو سیدھا خط ہم نے فرض کیا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم کے عرض میں ہی ہوگا، اس کے دونوں کناروں پر دو عمودی خطوط کو سامنے فرض کیا جائے جو اسی فاصلے پر بالکل متوازی سامنے چلے جائیں ان دونوں خطوں کے درمیان جو بھی ہے اسی کو بین یدیہ کہا جائے گا۔) اس مضمون پر مدارک اور کشاف کی شہادت بھی پیش کرچکے ہیں قہستانی کی مندرجہ بالا عبارت کے حسب ذیل جملہ کا مطلب مکمل ہوگیا۔ " دوسری اذان بین یدیہ ہوگی یعنی ان دونوں متوازی جہتوں کے درمیان جو منبر یا امام کے دائیں بائیں اور اس سے قریب ہو۔"
كما افدناك تحقيقه بمالامزيد علی الی هنا اتم معنی كلام القهستانی الٰی قوله قريبامنه۔	یہاں قہستانی کے لفظ قریبًامنہ کے یہ معنٰی نہیں کہ مؤذن امام یا منبر کے متصل ہو بلکہ

	ایسا قریب مراد ہے جو محل استعمال کے مناسب ہے اور یہاں جب مسجد کے اندر مطلقاً اذان منع ہے تو لامحالہ یہاں قریب کا مطلب مسجد سے باہر مسجد کی حدود کے اندر ہوگا۔ گزشتہ اوراق میں لفظ قریب پر بھی ہم بھرپور روشنی ڈال چکے ہیں۔
ثم اذا نصفت الخط الواصل بین الکتفین ونسمیه الخط الکتفی واقمت وعلیه عموداً ثالثا وایاه نسمی العمودکان هو ومایقع علیه وسط الجهتین المذکورتین بینهما بلاتحریك وماکان بینهما منحازاعن العمود فهو وسطهما بالسکون ووسطهما بالسکون فیشمل ماذان اذن فی زاویة قائمة اوحادة منفرجة حادثة من خطین خارجین من هاتین الجهتین[1]۔	اب ہم اس خط کو جو ہم نے دونوں مونڈھوں کے درمیان فرض کیا تھا اور جس کا نام ہم نے خط کتفی رکھا تھا اس کے ٹھیک بیچ میں ایک تیسرا عمود فرض کیں، تو یہ عمود دونوں متوازی خطوں کے بھی ٹھیک بیچ میں ہوگا جس کو اہل لغت وسط بالتحریک کہتے ہیں۔ اور ان دونوں متوازی خطوں کے درمیان جو کشادگی ہوگی اس کو وسط بالسکون کہا جاتا ہے۔ علامہ قہستانی کی بقیہ عبارت مندرجہ ذیل ہے: "اذان ثانی دونوں جہتوں کے وسط بالسکون میں ہوگی تو یہ ان سب صورتوں کو شامل ہوگی جب مؤذن زاویہ قائمہ اور حادہ یا منفرجہ میں کھڑا ہو۔ یہ سب زاویے ان دونوں خطوں کے نکتہ ایصال پر پیدا ہونگے جو ان دونوں جہتوں سے نکل رہے ہیں۔
فالاٰن یرید الشیخ یفید ان لیس شرط کون الشیئ بین یدیك وقوعه علی العمود بل یکفی کونه بین خطی الجهة اینما کان فلاذا قال ووسطهما بالسکون وهو عطف علٰی قریبًا	اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن کے خطیب کے سامنے کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ مؤذن کا عمود یعنی خط وسط پر کھڑا ہونا ضروری ہے بلکہ خط کتفی کے دونوں کناروں سے نکلنے والے خطوط متوازیہ کے درمیان کشادگی میں عمود وسط سے ادھر ادھر ہٹ کر کھڑا ہونا بھی

[1] جامع الرموز للقهستانی کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعة مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۸

منه لانه قریب منه او علیٰ بین الجهتین تفسیرًا له ثم فرع علیه جواز قیام المؤذن فی زاویة قائمة او حادة اومنفرجة وبیانه انه لایمکن جعل الخط الکتفی وتر زاویة قائمة اومنفرجة یقوم فیها ای بین ساقیها المؤذن لان مابین کتفی الانسان نحو زراع فان جعل وتر زویة غیر حادة کان مابینها وبین الکتفی شبرًا او اقل بحکم القاعدة الرابعة وقدم الانسان اکثر من شبر ولذا تعبر اهل الهیئة والمساحة ثلثی ذراع بالقدم حیث یقولون ان بارتفاع الناظر عن وجه الارض کذا قدما ینحط الافق کذا دقیقة کماذکرنا ضابطته وتفاریعها

کافی ہے، جیسا کہ شیخ قہستانی کے قول وسطھما بالسکون سے ظاہر ہے۔اب جی چاہے وسطھما کا عطف قریبًا منہ پر مانو کہ لفظ وسطھما اور قریبًا منہ پاس پاس ہی ہیں یا بین الجھتین پر عطف تفسیری مانو، ہر طرح معنی درست ہے۔اسی عمود وسط کے آزاد بازو اور خطین متوازیین کے درمیان کھڑے ہونے کو قہستانی ریاضی کی زبان میں سمجھانا چاہتے ہیں کہ مؤذن چاہے زاویہ قائمہ پر کھڑا ہو چاہے زاویہ حادہ پر اور چاہے منفرجہ پر، ہر طرح کھڑے ہونے کو بین یدی الخطیب کہا جائے گا۔سوال یہ ہے کہ یہ زاویے جن کی ساقوں کے درمیان مؤذن کھڑے ہو کر اذان دے سکتا ہے مسجد کے اندر اس طرح کہ مفروضہ خط کتفی کو ان مثلثوں کا وترمانا جائے اور اس کے دونوں کناروں سے نکل کر جو دو۲ خط عمود وسط پر ملتے ہیں انہیں کہ نکتۂ اتصال پر تلے اوپر جو زاویہ منفرجہ اور قائمہ پیدا ہوتے ہیں وہی مؤذن کے کھڑے ہونے کا مقام ہو تو یہ ناممکن ہے، کیونکہ خط کتفی کل ایک ہاتھ لمبا ہوگا۔اور اس کا نصف ایک بالشت ہوگا، تو زاویہ اور وتر کے درمیان ایک بالشت یا اس سے بھی کم کی گنجائش ہوگی۔جیسا کہ ہم مقدمہ رابعہ میں ثابت کر آئے ہیں، اور آدمی کے قدم کی لمبائی ایک بالشت سے زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ اہل مساحت

النفیسۃ المحتاجۃ الیھا فی علم الاوقات فی تحریرا تنا التوفیق فلذا لم یخرج الخطین المحدثین زاویۃ مقام المؤذن بالتفائھما ونسیبھا خطی المقام عن یمین الامام وشمالہ بل عن موضع مامن امتداد خطی الھاتین وذٰلك قولہ خارجین من ھاتین الجھتین[1]۔	اور اہل ہیئت کا قول ہے کہ ایک قدم ذراع کا دو ثلث ہوتا ہے، جہاں وہ کہتے ہیں کہ زمین سے ناظر کی بلندی اتنے قدم پر ہو، یا وہ کہتے ہیں کہ خط افق سے اتنا قدم اور اتنا دقیقہ بلند ہو۔ان مسائل کے ضابطے اور تفریعیں بھی ہم اپنی فن توقیت کی تصانیف میں بخوبی بیان کرچکے ہیں۔توجب مؤذن کا قدم ایک بالشت سے زائد ہوتا ہے اور وتر زاویہ میں بالشت بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ ہے، تو وہاں مؤذن کیسے کھڑا ہوگا، اس جگہ پر تو خطیب ہی بیٹھا ہوگا اور وہاں امام کے دائیں بائیں بھی۔ان دونوں خطوط متوازیہ سے نکلنے والے خطوط سے کوئی ایسا زاویہ نہیں کل سکتا جس پر مؤذن کھڑا ہوا (جسکا نام ہم خط مقام رکھ لیتے ہیں) تو لامحالہ خط کتفی سے آگے بڑھ کر طرفین کے خطوط متوازیہ میں کہیں اس مثلث کا قاعدہ تسلیم کرنا پڑے گا جس کے زاویوں کے اندر مؤذن کھڑا ہو۔اسی کا اشارہ قہستانی کے اس قول سے بھی ہوتا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: "زاویہ قائمہ حادہ یا منفرجہ جو ان دونوں خطوط سے پیدا ہوتے ہیں جو امام کی جانب یمین اور شمال سے نکلے ہیں۔"
وھما کما تری غیر محدودتین وانما یاتی التحدید من قبل قضیۃ المحل وھی ھنا کما یبنا بدلائل قاھرۃ ونصوص باھرۃ	دونوں طرف کے یہ دونوں خطوط تو غیر محدود ہیں۔ان کی تحدید تو محل ومقام کے تقاضے کے موافق ہوگی، جسے ہم دلائل قاہرہ ونصوص باہرہ سے ثابت کرآئے ہیں کہ وہ مسجد سے خارج مسجد کے

[1] جامع الرموز للقھستانی کتاب الصلوٰۃ فصل صلوٰۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۷

كونه خارج المسجد فی حدوده وفنائه فتعين هو وتر الزاوية المقام بحكم فقهاء الكرام وسنة الشارع سيد الانام عليه وأله افضل الصلوٰة والسلام فكان الشكل هذا:	حدود اور بیرونی صحن میں ہوگی۔ تو معلوم ہوا کہ مقام مؤذن کے زاویہ کا وتر فقہاء کے قول اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کے موافق مسجد کی آخری حد ہی ہوگی، اس کا شکل اس طرح ہوگی:

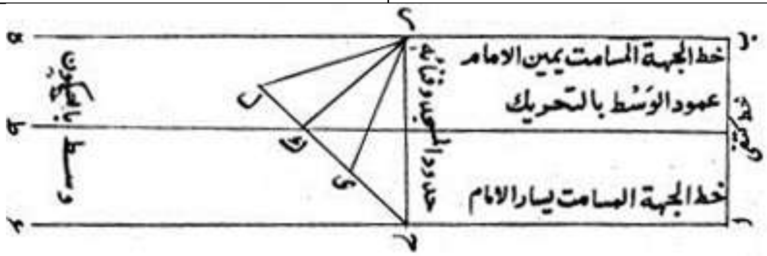

اب الخط الكتفی اء، ب ه خطا الجهتين المسامتين ح ط العمود حر حد المسجد وفناؤه۔ اخرج م ح ر خطا المقام ح ك رك فالتقيا علی العمود واحدثا قائمة ك اوخطا ح ی ر ی فاهدثا ی المنفرجة او خطا ح ل ر ل فاحدثا حادة ل ففی ايها اذن المؤذن كان بين يديه والقيام فی ك غير متعين عليه۔	مذکورہ بالا صورت میں خط اب خط کتفی ہے اور اء، ب ہ دو خطوط جہت ہیں اور باہم متوازی ہیں اور ج ط خط کتفی کے نصف پر عمود وسط بالتحریک ہے۔ ح ر مسجد کی حدود اور اس کا صحن ہے۔ مقام ح ر سے دو خط مقام مؤذن کے ح ک اور ر ک اور دونوں عمود پر ملے اور اس سے زاویہ قائمہ ک پیدا ہوا اور دونوں خط ح ی ر ی مقام ی پر ملے تو زاویہ منفرجہ پیدا ہوا۔ اور دو خط ح ل ر ل مقام ل پر ملے تو زاویہ حادہ پیدا ہوا۔ (علامہ قہستانی یہی کہنا چاہتے ہیں) کہ مقام ک پر مؤذن کا کھڑا ہونا ضروری نہیں۔ ان تینوں زاویوں میں سے جہاں بھی کھڑا ہو کر اذان دے گا بین یدی الخطیب ہوگا۔

فان قلت ھذا کمایشمل الزوایا یشمل مااذاکان ظھر المؤذن الی وجہ الامام۔

قلنا نعم ھوداخل فی مفھوم بین یدیہ ولکن لیس کل مایشملہ مفھوم اللفظ یکون مرادًافان الاطلاق غیرالعموم وقددلت القرائن ھٰھنا ان المرادالمواجھۃ بین الامام والموذن لان الامام علی المنبر مستدبر القبلۃ والمؤذن بین یدیہ وقدامران یستقبل القبلۃ فی الاذان فتعین ان یکون وجھہ الی وجہ الامام کما ان مفھوم بین یدیہ یشمل المتصل والمنفصل والخارج عن المسجد والداخل لکن دلت الدلائل ان داخل المسجدغیر مقصود ولاالبعید بحیث الا یعداذانہ اذانالھذا المسجدفتعین کونہ فی حدود المسجدوفنائہ مرادًا والاعتراض علیہ بشمول مفھوم اللفظ جھل بعید کشمولہ لمستدیر القبلۃ۔

فان قلت قرینۃ امر

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ جس طرح زوایا ثلٰث کو شامل ہے اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن کی پشیت امام کی طرف ہو۔

جواب یہ ہے کہ بیشک بین یدیہ کے مفہوم میں یہ صورت بھی داخل ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ لفظ کا مفہوم جس جس چیز کو شامل ہو سب لفظ سے مراد بھی ہوں، کیونکہ اطلاق عموم کے مغایر ہے،اور یہاں قرائن اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ لفظ بین یدیہ کا مراد و مطلب امام اور مؤذن میں سامنا ہے، اس لئے کہ امام منبر پر قبلہ کی طرف پیٹھ کئے ہوتا ہے، اور مؤذن کو اسکے سامنے ہو کر اذان میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔تو متعین ہوگیا کہ مؤذن کا چہرہ امام کے چہرہ کی طرف ہوگا۔اس کو اس طرح سمجھا جائے کہ لفظ بین یدیہ کے مفہوم میں امام سے متصل اس سے منفصل اور خارج مسجد سبھی داخل ہے، لیکن دلائل سے یہ ثابت ہوگیا کہ داخل مسجد مراد نہیں،نہ مسجد سے اتنادور مراد ہے کہ اس اذان کو اس مسجد کی اذان کہا ہی نہ جاسکے تو متعین ہوگیا کہ بین یدیہ سے مراد حدود مسجداور صحن مسجد ہے۔تو جیسے اس پر مفہوم یہ اعتراض کرنا غلط ہوگا کہ داخل مسجد مفہوم بین یدیہ میں داخل ہے،اسی طرح یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ لفظ اس صورت کو بھی شامل ہے جب مؤذن قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے اذان کرے۔

یہاں یہ اعتراض بھی کیا جاسکتا ہے کہ موذن کے

المؤذن باستقبال القبلة لاتنفی ماذاکان ظهر المؤذن لظهر الامام بان قام المؤذن بین الامام والقبلة متوجهًا لکعبة وربمایترکون متسعا کبیرًا بین المنبر والقبلة کما هو مشاهد فی مکة المکرمة وذٰلك لان الجهتین المسامتین تمتدان خلف الیدین ایضا کما تمتدان امامهما۔

روبقبلہ اذان دینے کا قرینہ اس صورت کو نفی تو نہیں کرتا کہ مؤذن کی پشت امام کی پشت کی طرف ہو،اور موذن امام اور قبلہ کے بیچ میں کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہو۔کیونکہ بہت سی مسجدوں میں لوگ منبر اور دیوار قبلہ کے بیچ میں کافی وسیع جگہ چھوڑدیتے ہیں۔خود مکہ میں مسجد حرام کے اندر بھی ایسی اہی ہے ہ دو طرف متوازی جہتیں امام کے آگے اور پیچھے دونوں طرف ہی ہوسکتی تھی۔

قلنا نعم هذا مشکل الاان یقل باخراجه بقرینه قول الماتن واستقبلوه فان المؤذن داخل فی عموم هذا الجمع وفیه نظر لان عبارة المتن واستقبلوه مستمعین وهذا بیان حال الخطبة والاذان قبلهاو لذا مرضه بقوله الا اذا قیل[1] الخ۔هذا شرح کلامه حسب مرامه۔**اقول:**وفیه **اولًا** لا تفریع شمول الزوایا الثلٰث علیتسکین الوسط بل لوکان بتحریکه لشملها ایضًا کما علمت فی الخامسة۔

یہ اعتراض ضرور مشکل ہے مگر اس کا یہ جواب دیا جاسکتا ہے کہ متن میں سب کو امام کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے،اور اس سب میں موذن بھی داخل ہے،اس لئے کہ اس کو بھی امام کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے،مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ امام کی طرف رخ کرنے کا حکم خطبہ کی حالت میں ہے نہ کہ اذان کی حالت میں۔قہستانی نے اسی لئے اس سوالکا جواب لفظ قیل سے دیا ہے جو جواب کے ضعف پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں تک قہستانی کی پوری عبارت کی توجیہ انہیں کے حسب منشا ہوئی مگر اس پر **پہلا شبہ** یہ ہے کہ زوایا ثلٰث کی وسط بالسکون کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں یہ تو عمود پر ملتقی ہونے کی صورت میں بھی متحقق ہوں گے۔یہ بات مقدمہ خامسہ میں ظاہر ہوچکی ہے

[1] جامع الرموز کتاب الصلٰوۃ فصل صلٰوۃ الجمعۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۲۶۹

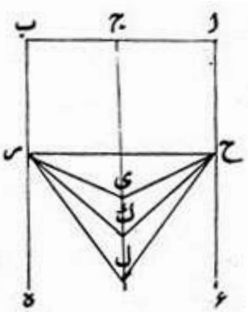

الا ترى عند تساوی زاویتی ح ر تقع الكل على العمود لما تقدم فی الخامسة مع ان ی منفرجة وك قاءمة ول ل حادة الاان يقال ليس المراد مجرد شمول الاقسام بل الافراد والزوايا الثلث كما تحدث على العمود كذا خارجة فانما يشملها بالسكون۔	مندرجہ ذیل صورت میں جب ح ر کے زاویے برابر ہوں گے تینوں زاویے عمود پر ہی واقع ہونگے۔اس کی توضیح بھی مقدمہ خامسہ میں ہوچکی ہے۔زاویہ ی منفرجہ ہے اور ک قائمہ ہے اور ل حادہ ہے مگر اس کا یہ جواب ہوسکتا ہے کہ یہاں اقسام کا شمول بتانا نہیں ہے۔افراد کا شمول بتانا ہے (یہ بتانا نہیں کہ تینوں زوایے کس صورت میں متحقق ہوسکتے ہیں اور کس میں نہیں، بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ تینوں زاویے بیک وقت عمود اور اس کے اغل بغل میں وسط بالسکون میں متحقق ہوں گے۔
وثانیاً: الذی استشكله لیس بوارد اصلاً فانك ان اردت المعنى التركيب فالكل خارج وان اردت الاجمالی فهو للامام والقدام كما	**دوسرا شبہ** یہ ہے کہ قہستانی نے جس دوسرے اعتراض کو مشکل کہہ کر پیش کیا ہے وہ سرے سے وارد ہی نہیں ہوتا کیونکہ "بین یدیہ" کے معنی تفصیلی واجمالی کے بیان میں ہم یہ بتاچکے ہیں کہ یہاں معنی تفصیلی مراد ہی نہیں ہیں۔تو

نصوا علیه وقدمناه ولا یقل سمت وجهك الا لجهة وجهك وان امكن مد الخط خلفًا وقدامًا ووجه یدیك الی جهة وجهك فلا یسامتهام الا الخط الممتد الی هٰذه الجهة فالصواب اسقاط هذا الاشکال، و الاصواب ان یقول ووسطهما بالسكون فشمل ما اذا كانت جهة المؤذن علی سمت جهة الخطیب اومنحرفة عنهما الی احدی کیفیه ما لم یخرج عن الخطین کما ان مستقبل القبلة مستقبل لها مالم یخرج عن الربع الذی الكعبة فی وسطه کما حققناه بتوفیق الله تعالٰی فی رسالتنا "هدایة المتعال فی حد الاستقبال "هذا مایتعلق بکلامه شرحًا وجرحًا۔

معنی تفصیلی کے ایک رخ سے اعتراض کے کیا معنی! اور معنی اجمالی مراد ہیں جس کا مطلب امام کے سامنے ہے۔ محاورہ میں سمت وجہت کہنے سے جدھر آپ کا چہرہ ہو وہی رخ مراد ہوتا ہے۔ اسی طرح آدمی کے ہاتھ کا رخ بھی اس کے چہرہ کی طرف ہی ہے۔ تو خطوط اگرچہ امام کے آگے پیچھے سبھی طرف نکل سکتے ہیں لیکن ان ہاتھوں کے مقابل جو خط ہوگا وہ خطیب کے سامنے ہی ہوگا تو بہتر یہ ہے کہ سرے سے یہ اعتراض ہی ساقط کردیا جائے، اور وسطھما کے بجائے او سطھام کہا جائے تاکہ عمود پر اور اس کے آزو بازو کے مقابل کھڑے ہونے کی سبھی صورتوں کو شامل ہو جب تک ان دو خطوں سے باہر نہ ہو جن کا استقبال کعبہ میں حکم ہے کہ دائرے کے جس ربع کے وسط میں کعبہ واقع ہے اس پورے ربع کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ استقبال قبلہ کا وافی اور کافی بیان بحمد اللہ ہماری کتاب "هدایة امتعال فی حد الاستقبال "میں ہے۔ یہاں تک قہستانی کی عبارت کی تشریح اور ان پر پڑنے والے شبہات کا بیان ختم ہوا۔

اما هٰؤلاء فتعرض لهٰذه العبارة منهم وهابیان ضالان واُخران جاهلان وخامسًا من الطلبة۔

اب ہم آذانیان ہند کی تگ ودو کی طرف رخ کرتے ہیں۔ علامہ قہستانی کی اس عبارت پر خامہ فرسائی کرنے والے پانچ صاحبان سامنے آئے ہیں جن میں دو وہابی، دو جاہل،

اما احد الضالین واضلهما فجعله دلیلاعلی انه لاحاجة ای المحاذاة عینابین الخطیب المؤذن وجعله ردًا علی کلام اهل الحق من هذه الجهة وھٰذا جهل منه شدیدفان المحاذاة سنة لاشك،وان اراد بها مسامتة جهتی الموذن والامام فلا محاذاة مقصرة علیه ولا کلام اهل الحق یومی الیه لکن الجهلة لا یفهمون۔والباقون استدلوابها علی ان هذا الاذان داخل المسجد لصیق المنبر فان الضال الاٰخر فاقتصر علی الاستدلال بقوله قریبًامنه۔قد علمت رده مرارًاوفسرقوله الهتین لمسامتین الخ،بما بین جهتی الامام اما بیمینه اویساره۔اترٰی مثل ھٰؤلاء الجهلاء اهلا لمخاطبة۔وامان الذی یعد من الطلبة فزادفی الطنبور نغمة وفی الشطرنج	ایک نام نہاد طالب علم ہیں۔ایک وہابی صاحب نے قہستانی کی اس عبارت سے یہ استدلال کی اہے کہ اس عبارت سے ثابت ہے کہ مؤذن اور خطیب کا سامنا ضروری نہیں ہے،اور علمائے اہلسنت کے اس دعوی کا قہستانی کی یہ عبارت رد ہے اور یہ اسکا جہل شدید ہے۔"مؤذن اور خطیب کا سامنا بلا شبہ سنت ہے۔"ہاں اگر سامنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ دونوں کا چہرہ ٹھیک ایک دوسرے کے مقابل ہونا ضروری ہے،تو یہ نہ سنت سے ثابت نہ اہل حق اس کے مدعی۔ہم "سامنے"کا مطلب کافی وضاحت سے سمجھا آئے لیکن جاہل کیا سمجھیں۔اور باقیوں نے اس عبات سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اذان ثانی مسجد کے اندر منبر سے متصل ہوگی۔دوسرے وہابی صاحب نے اس مدعا پر لفظ قریبًا منه سے استدلال کیا ہے(کہ عبارت قہستانی میں اس اذان کے "منبر کے قریب ہونے "کی تصریح کی ہے) لیکن اس سے کیا حاصل۔"قریب"کے لفظ پر تو ہم بار بار روشنی ڈال چکے ہیں کہ یہ اپنے معنی میں کس قدر وسعت رکھتا ہے۔اوراسی شخص نے قہستانی کے لفظ جہتین مسامتین کی تفسیر کی کہ امام کی یمین ویسار کی دوجہتوں کے درمیان۔بھلا ایسے جاہل مخاطبہ کے لائق بھی ہیں۔اور نام نہاد طالب علم صاحب نے تواور گل کھلایا

بغلة فزعم ان القهستانی ذکر قوله ای قریبًامنه بعد قوله عند المنبر وهذا افتراء منه علیه فلیس هنا فی کلام القهستانی لفظة "عندالمنبر" اصلًاولا لفظة "ای"ولو کان لم یکن فیه مایقر عینه فلا القرب ینکرولا فی جوف المسجد یحصر کما تبین مرارًاواما الجاھلان فقتحما خوض بحرا غرقهما فقال احدھما ان وتر المثلث عرض المنبر وقدعلمت رده ان المراد بالمنبر الامر اومابین کتفیه یستحیل ان یراد وترا وقال الاٰخر فی تفسیر کلام القهستانی یخرج خطان عن یمین الامام ویساره حتی یلتقیا علٰی زاویة قائمة اوحادة اومنفجرة فیقوم المؤذن فی ھٰذه الزاویة ویؤذن قال وکان عرض منبررسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم	کہ شطرنج کی بساط پر خچر دوڑادیا۔آپ فرماتے ہیں کہ قہستانی نے لفظ قریبًا منہ کو لفظ عند المنبر کے بعد رکھا، حالانکہ یہاں قہستانی کے پورے کلام میں عند المنبر کا لفظ کہیں نہیں۔تو یہ طالب علم قہستانی پر افتراء کر رہے ہیں، وہ افتراء بھی بے مزہ، کیونکہ قہستانی کی اصل عبارت میں یہ لفظ ہوتا تب بھی ان کی تسلی کا کوئی سامان نہ تھا کہ ہم کو قریب منبر ہونے سے کب انکار ہے، ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ قریب بہت وسیع المعنٰی لفظ ہے،اس لئے قریب ہونے کیلئے اذان کا مسجد میں ہونا ضروری نہیں، جیسا کہ بار بار واضح ہوچکا اوران دو جاہل صاحبان نے (ریاضی کے) سمندر میں غوطہ لگایا جو خود انہیں کو لے ڈوبا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مثلث کا وتر منبر کی چوڑائی ہے، جبکہ ہم یہ طے کرآئے ہیں علماء کی تحریروں میں منبر کے لفظ سے بھی امام اوراس کے دونوں مونڈھوں کا بیچ مراد ہے۔اور یہ بھی ظاہر کرآئے ہیں کہ اس جگہ کا مذکورہ مثلث کا وتر ہونا محل ہے۔اور دوسرے جاہل صاحب کا خیال ہے کہ قہستانی کے بقول دونوں خط امام کے دائیں بائیں سے نکل کر زاویہ قائمہ یا حادہ یا منفرجہ پر ملیں گے،اور موذن اسی زاویہ پر کھڑے ہو کر اذان دے گا،اس نے کہا چونکہ حضور کے عہد مبارک میں آپ کے منبر کی چوڑائی دو ہاتھ کی تھی،اورآدمی کا قدم

ذراعین وقدم الانسان شبرو ربع شبرٍ فان اخذ المثلث متساوی الاضلاع تحدث زاویۃ حادۃ وکون الفصل ذراعین الا قلیلاً وفی القائمۃ اقل منه وفی المنفرجۃ اقل من الاقل والحادۃ وان امکن اخرجھا خارج باب المسجد لکن یسقط ھذا الاحتمال قید ان یوذن المؤذن قائما فی زاویۃ لان الباب ان بعدار بعین ذراعًا والوتر کما تقدم ذراعان فالزاویۃ الحادثۃ خارج الباب تکون ضیقۃ جدا لاتسع عودا دقیقا فضلا عن الانسان مع انا مقصود القھستانی ان تمکن الزوایا الثلاث ثمه ولا امکان ھناك لغیر الحادۃ اھ۔

ھذیانه المتعلق بالمبحث الھندسی وقد علمت انه جھل منه وسوء فھم۔

فاولاً: لم یخرج القھستانی خطی المقام عن کتفی الامام بل عن خطی الجھتین کما مرّ۔

سوا بالشت کا ہوتا ہے اور وہاں مثلث متساوی الاضلاع بنایا جائے توزاویہ حادہ پیدا ہوگا اور فاصلہ دو ہاتھ سے ذرا کم ہوگا، اور قائمہ میں اسے کم، اور منفرجہ میں کم سے بھی کم۔ اور زاویہ حادہ مسجد سے باہر بھی فرض کیا جاسکتا ہے لیکن اس احتمال کو قہستانی کی یہ عبارت ساقط کردیتی ہے کہ موذن زاویہ کے اندر کھڑے ہو کر اذان دے کیونکر دروازہ مسجد اگر منبر سے چالیس ہاتھ کی دوری پر ہو۔ اور مثلث کا وتر وہی دو ہاتھ کا ہو تو اس وتر پر چالیس ہاتھ کی دوری پر جو زاویہ حادہ پیدا ہوگا وہ بیحد تنگ ہوگا، وہاں ایک باریک لکڑی کی بھی گنجائش نہ ہوگی چہ جائیکہ انسان کی، حالانکہ قہستانی کا مقصد تو یہ ہے کہ وہاں تینوں زاویے پیدا ہوں اور اس صورت مذکورہ بالا میں باب مسجد پر سوائے حادہ کے اور کسی زاویہ کا امکان ہی نہیں۔

میری گزارش یہ ہے کہ یہ ریاضی کی بحث تو کیا ہوگی یہ تو ہذیان ہے جو جہل اور سوءِ فہمی کی پیداوار ہے۔

اولاً: قہستانی نے مقام مؤذن کے خطوط کو امام کے دونوں مونڈھوں سے نکلنے کی بات نہیں کی بلکہ وہ تو جہتین کے دونوں خطوط سے نکلتی ہیں مونڈھوں سے نہیں۔ جیسا کہ ہم واضح کرآئے۔

وثانیًا:لو اخرج من کتفیه استحال قیام المؤذن فی قائمة او منفرجة کما علمت۔ **وثالثًا**:جری علٰی لسانه بعض الحق من حیث لا یدری ان الملحظ ھٰھنا یمین الامام ،ثم عاد الی الباطل الصرف فجعل عرض المنبر مطمح النظر وقد علمت بطلانه۔ **ورابعًا**:تخصیصه الحادة بالمثلث المتساوی الاضلاع من ضیق العطن ولم یقدر علٰی تعیین قدر العمود فقال ذراعین الاقلیلًاوالعلم ان نسبة الی ذرعین کنسبت ناحه نرماالط بد الی المرفوع ولو علم لقال فی القائمة ذرعاع اواقل ثم لایجب ان یکون الفصل فی المنفرجة اقل منه فی القائمة بل ربما یکون اکثر بکثیر مثلًا:	**ثانیًا**:اور اگر امام کے دونوں مونڈھوں سے خط نکالا جائے تو ان یدا ہونے والے زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں موذن کا قیام نا ممکن ہے، جیسا کہ واضح کیا جاچکا ہے۔ **ثالثًا**:اس جاہل کے منہ سے غفلت میں ایک سچی بات نکل گئی کہ لحاظ یاہیں امام کے دائیں بائیں پلٹا تواس نے منبر کی چوڑائی کو مطمح نظر بنایا حالانکہ اوسکا بطلان بھی ظاہر ہوچکا ہے۔ **رابعًا**: زاویہ حادہ کی مثلث متساوی الاضلاع کے ساتھ تخصیص بھی از خود نطاق میں تنگی پیدا کرنا ہے (کہ زاویہ حادہ کچھ متساوی الاضلاع کے ساتھ ہی خاص نہیں) یہ جاہل عمود کی مقدار بھی متعین نہ کرسکا۔اس کو اندازہ سے بیان کیا کہ دو ذراع سے ذرا کم، حالانکہ عمود کی نسبت ذراعین کی طرف، مرفوع کی طرف ناحہ نرماالط بد کی نسبت کی طرح ہے۔اگر وہ جانتا تو کہتا کہ عمود ایک ذراع یا اس سے کم ہوگا۔پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ زاویہ منفرجہ میں زاویہ اور وتر کا فصل قائمہ سے کم ہو، حالانکہ بسااوقات منفرجہ کافاصلہ قائمہ سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔اس کی مثال یہ ہے:

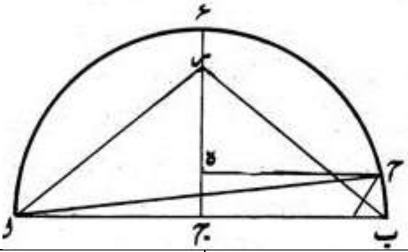

ادرنا علی ا ب القوس واقمنا علی نصفه ح عمود ح ء واخذنا ثمن ح ء فی الطرفین ح ہ ء ر ووصلنا ار ب ر فکانت ار ب منفرجة عمودها ح ر ورسمنا من ہ، ہ ح موازی ح ب وصلنا ا ح ب ح فکانت ا ح ب قائمة نزلنا منها عمود ح ط فکان مساویا لح ہ بحکم لد من اولی الاصول وھو سبع ح ر بالفرض فکانت فصل المنفرجة سبعة امثال فصل القائمة ویمکن ان یکون الف ضعف والف الف ضعف کما لایخفٰی۔

خط اب پر ہم نے ایک قوس بنائی، اوراب کے نصف پر ہم نے ایک عمود ج ء قائم کیا، اور ہم نے عمود کی دونوں کناروں سے عمود کا ثمن ج ہ اور ء ر ممتاز کیا، اور ل ر ب ر کو ہم نے خطوط سے ملادیا، تو ایک مثلث منفرج الزاویہ پیدا ہوا (کہ زاویہ کا راس قوس سے نیچے ہے) جس کا عمود ح ر ہے، پھر ح ب کے مقابل ہم نے ایک خط ہ ح کھینچا اور ہم نے اح ب ح کو بذریعہ خطوط ملادیا۔ یہ ایک مثلث بن گیا جس کا زاویہ ح قائمہ ہے، کیونکہ اس زاویہ کے راس پر قوس واقع ہے) اب ہم اس زاویہ قائمہ سے ایک عمود ح ط نازل کرتے ہیں تو یہ عمود مقالہ اولٰی کی ۳۴ ویں شکل کی رو سے ح ہ کے برابر اس مقدار کو ہم ح ر کا ۱/۷ فرض کر آئے ہیں، تو یہاں منفرجہ کا فاصلہ زاویہ قائمہ اور اس کے وتر کے فاصلہ سے سات گنا بڑھ گیا ہے اور ہزار گنا بلکہ لاکھ گنا بھی تفاوت ہو سکتا ہے تو یہ کہنا کہ منفرجہ کا وتر سے فاصلہ بنسبت قائمہ کے کم ہوگا مطلقًا صحیح نہیں ہوا۔ پس جب تینون زاویوں کا حال یکساں ہے پھر حادہ کی تخصیص کیسی؟

خامسًا: من جهله الاشد حسبانه ان الزاوية القائمة او المنفرجة عند ملتقی خطيها تسع انسانا بخلاف الحادة الذی ذكر ولم يدران التقاء الخطين علٰی نقطة لاتتجزٰی ولا سعة هناك لحبة خردل ولا لعشر عشير معشارها مالم يبلغ الجوهر الفرد۔

وسادسًا: ر سم له قائمة ساقاها قدر شعيرة اونصفها مثل هذا **امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱**

وقل له قم فی زاوية اب ج هذه بحيث تسعك ولايبقٰی شيئ منك خارجها فان قال لااستطيع فقد كذب نفسه لانه كانت تسعه حادة المثلث المتساوی الاضلاع عند المنبر، وهذه اكبر منها بقدر نصفها لانها قائمة والقوائم كلها متساوية فكيف لاتسعك اكبرت او تخلخلت ام تكاثفت القائمة وضاقت حتی صارت اصغر من اصغر منها وحينئذ يصير جهله

خامسًا: اس جاہل کا یہ گمان انتہائی جاہلانہ ہے کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو انسان کی گنجائش ہو سکتی ہے، مگر زاویہ حادۃ علی باب المسجد میں گنجائش نہیں ہوگی، اور یہ نہ سمجھ سکے کہ دو۲ خطوں کا نقطہ اتصال تو جزء لایتجزی ہوتا ہے جہاں رائی کے ہزارویں حصہ کی بھی گنجائش نہیں تاآنکہ وہ جوہر فرد نہ ہو جائے۔

سادسًا: اس جاہل نے کہا کہ زاویہ قائمہ اور منفرجہ میں تو آدمی کا کھڑا ہونا ممکن ہے زاویہ حادہ میں نہیں۔ تو انہیں سمجھانے کے لئے ایک مثلث بنایا جائے جس کی دونوں ساقیں جو یا نصف جو کے برابر ہوں اس طرح

امیج بنانی ہے جلد ۲۸ ص ۳۱۱

اوران سے کہا جائے کہ یہ ایک زاویہ قائمہ ہے آپ اس میں یوں کھڑے ہو کر دکھایئے کہ آپ کے جسم کا کوئی حصہ اس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر نہ ہو تو اگر وہ یہ کہیں کہ تو میرے بس سے باہر ہے تو انہوں نے اپنی کہی ہوئی بات جھٹلائی کہ زاویہ قائمہ میں انسان سماسکتا ہے کہ وہ کہہ آئے ہیں کہ منبر کے پاس مثلث متساوی الاضلاع کے زاویہ حادہ میں آدمی سماسکتا ہے اور یہ زاویہ قائمہ اس حادہ سے دوگنا بڑا ہے کہ یہ زاویہ قائمہ ہے اور سارے ہی زاویے قائمے برابر ہوتے ہیں، تو وہاں تو حادہ میں وہ وسعت اور یہاں قائمہ تنگ پڑ گیا، پس یا تو آپ ہی بھاری بھر کم ہو گئے یا آپ میں تخلخل ہو گیا، یا قائمہ ہی تنگ و

بمرأی عینیه فیعترف به اضطرار التجربة علٰی نفسه ومشاهدته جهارًا ولاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ **وسابعًا:** وزعمه ان لا امکان هناك لغیر الحادة شهادة منه بجهله الشدید مبنی علی زعمه الطرید۔ ان الوتر عرض المنبر وقد علمت ماز هر الحق به فظهر و الحمدلله العلی الاکبر ولیکن هذا اٰخر الکلام وقد اتینا بحمدالله تعالٰی علی جمیع ما ابد وامن الاوهام ولم نترك الاما یستنکف الهذیان ان شه به، وقد تکلف بالرد علی قضها وقضیضها رسائل اولادی و اصحابی فی هٰذه المسألة مثل "اذان من الله" و"وقایة اهل السنة" و"سلامة الله لاهل السنة" و"نفی العار" و "سیف القهار" و"تعبیر خواب" و"حق نما فیصله" و "اللطمات والاسواط" الٰی غیر ذٰلك مماتافت عشرًا ولم تبق لاحد عزرًا والحمدلله فی الاولٰی والاخرٰی فالمرجو من سادتنا واخوتنا العلماء الکرام ادام الله بهم نفع الاسلام ان ینظروا بعین الانصاف ویسمحوا برفع الخلاف ویظهروا الحق	متکاثف ہوگیا یہاں تک کہ اپنے سے چھوٹے سے بھی چھوٹا ہوگیا تب انہیں اپنی جہالت مشاہدہ میں آئیگی، اور خود بذاتہ علٰی رؤس الاشہاد تجربہ کرکے اعتراف کریں گے۔ **سابعًا:** اور ان کا یہ زعم کہ دروازہ پر زاویہ قائمہ اور منفرجہ متحقق نہیں ہوگا، اور بڑی جہالت ہے جس کا مبنٰی منبر کو وتر مثلث قرار دینا ہے، ورنہ ہم خوب ظاہر کرچکے ہیں کہ یہ تینوں زاویے خارج الباب کیسے پیدا ہو سکتے ہیں، اور یہ ہماری آخری بات ہے جو ان کے تمام اوہام کے ازالہ پر حاوی ہے۔ ان اوہام کی بات الگ ہے جس سے ہذیان بھی شرمائے۔ ویسے ان کی ہر چھوٹی بڑی کتھا کا رد میری اولاد اور میرے احباب کے رسائل میں ہے جیسے اذان من اللہ، وقایہ اہلسنت، سلامۃ اللہ لاہل السنۃ، نفی العار، سیف القہار، تعبیر خواب، حق نما فیصلہ واللطمات والاسواط وغیرہ جن کی تعداد دس تک پہنچتی ہے، اللہ تعالٰی کے لئے ابتداء اور اسی کیلئے انتہاء میں حمد ہے۔ ہمارے سرداروں اور ان علمائے کرام سے (جن سے اللہ تعالٰی نے ہمیشہ نفع پہنچایا) امید ہے کہ ہماری اس تحریر کا انصاف سے مطالعہ کریں اور رفع خلاف میں کوشش کریں اور حق تعالٰی کیلئے حق کا اظہار کریں۔ بزرگ وبرتر رب العالمین کے لئے حمد ہے، اور افضل درود اور مکمل سلام اس کے حبیب سید المرسلین خاتم النبیین اور ان کے آل واصحاب عظام پر ہو

لاجل الحق تعالٰی الحق وجل الحق۔ والحمدالله رب العالمین وافضل الصلوات واکمل السلام علی سید المرسلین خاتم النبیین واٰله الکریم وصحبه العظام وابنه الکرام وحزبه اجمعین عددکل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین استراح القلم واستنار الحق ان شاء الکریم الاکرم لعشر خلون من شوال المکرم ۱۳۳۳ھ من الهجرۃ القدسیۃ علی صاحبها الکریم واٰله الکرام اکرم الصلٰوۃ والتحیۃ اٰمین۔

والحمدلله رب العالمین سبحان ربك رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العٰلمین۔

قال بفمه ورقمه بقلمه احد کلاب باب عبدالقادر احمد رضا المحمدی السنی الحنفی البریلوی غفرالله له وحقق له امله واصلح عمله بجاہ المصطفٰی واهله صلی الله تعالٰی و بارك وسلم علیه وعلیهم ابدًا قدر حسنه وجماله وجوده ونواله وافضاله اٰمین، والحمدلله رب العٰلمین۔

ان کے صاحبزادے اوران کی تمام جماعت پر ہو۔ ہر ذرہ کے بدلے ہزار ہزار بار ہر آن وہر گھڑی ابدالآباد تک۔ ۱۰ شوال ۱۳۳۳ھ (صاحب ہجرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر بزرگ تحیۃ اورسلام ہو) کو قلم نے آرام پایا اور حق روشن ہوا اللہ تعالٰی کیلئے حمد اور پاک پروردگار کے لیے پاکی ہے اس سے جو اسکے بارے میں وہ کہتے رہتے ہیں اورسلام ہے پیغمبروں پر، اوراسی کے لئے حمد ہے جو رب العالمین ہے۔ اپنی زبان سے کہا، اپنے قلم سے لکھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے کے کتے احمد رضا محمدی سنی حنفی بریلوی نے۔ اللہ تعالٰی اس کو بخشے اس کی امیدیں پوری کرے اوراس کے اہل کو صلاح وفلاح دے حضور نبی اکرم کے عمل مقبول کے طفیل ان پر اوران کے آل واصحاب پر برکت وسلام اتارے، اپنے حسن وجمال اورجودونوال اورانعامات وکرامات کے حساب سے۔ آمین!

I.T. Majlis of DawateIslami

اضافات افاضات

اعلم ان العبد الفقیر کان ختم الکتاب بحول الوھاب بما فیه غنیة لاولی الاباب، ثم کتابة فی الاخریات کشفت عن وجھھا النقاب وقد انطوٰی کتابنا، وللّٰه الحمد علی مایقضی علیھا بالتباب غیر ان زیادۃ خیر خیر للاحباب والتصریح احسن من التلویح لعامة الطلاب فاحببت اضافة افاضات تجلی الصواب وما توفیقی الا باللّٰه علیه توکلت والیه مأٰب۔	جاننا چاہئے کہ میں بندہ محتاج اپنی کتاب ختم کرچکا تھا جس میں سمجھداروں کے لئے بے نیازی تھی کہ ایک تحریر نے اخیر میں اپنے چہرہ سے نقاب الٹی، اور الحمدللہ ہماری کتاب میں وہ سب باتیں جمع ہیں جو اس تحریر کو سوخت کرسکتی ہیں لیکن احباب کے لئے بھلائی کی زیادتی بھلی ہے، اور عام طالب علموں کے لئے تصریح تلویح (اشارہ وکنایہ) سے بہتر ہے۔ میں نے ایسے افاضات کے اضافہ کو پسند کیا جو حق کو ظاہر کریں۔ میری توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، میرا بھروسا اسی پر ہے، اور میرا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔
نفحه۲۲: متقاص فی اللدادو العنادو شیمة الحساد بقی صامتاالٰی ان تمت الردود علٰی	**نفحہ۲۲:** خصومت وعناد اور خصلت وحساد میں انتہاء کو پہنچا ہوا، رد کے تمام ہونے پر خاموش رہا۔ اور پورے رد پر غور وخوض کرکے

کل مردود فنظر جمیع ذٰلك وحاول ان یستخرج له مضرجا من کل تلك المھالك فوسوس الیه وسواسه ان یفزع الٰی عرف عوام یخترعه مخالفا للغة و الشرع واصطلاح الاصول جمیعا لیردبه جمیع ما سردنا من نصوص القرآن المجید والحدیث الحمید واقاویل ائمة التفسیروشروح الحدیث وکبراء اللغة وعظماء الاصول فی تحقیق معانی "بین یدیه" و "عند"۔فزعم ان کل ذٰلك بمعزل عما ھو فیه فان کلامنا فی العرف العام وفیه بین یدیه وعند کلاھما للقرب ولیس فیه القرب الالذٰلك الوجه لمخصوص الذی یوجب التصاق الاذان بالمنبر۔فتوھم بھٰذا النافذ قد خرج وشرد عن کل ماورد فان مافی القراٰن و الحدیث والتفسیروالشروح کل ذٰلك معنی شرعی و ما فی کتب الاصول عرف خاص علمی والکلام فی العرب العام ولم یدران ھٰذہٖ حیلة ھدمت کل مابنی وضربت علٰی راس نفسھا فقضت علیھا بالفناء۔

فاوّلا استندت بقول الراغب فانما کتابه فی لغة العرب

اس کے مہلکات سے بچنے کی راہ ڈھونڈتا رہا، تو اس کے شیطان نے یہ وسولہ ڈالا کہ لغت، شرع، اصطلاح اصول سب کے خلاف عرف عام کی پناہ لے۔اوراسی ایک حربہ سے قرآن و حدیث واقاویل ائمۂ تفسیروشروح حدیث اورائمہ لغت و اصول نے جو کچھ بھی لفظ بین یدیہ اورند کی تحقیق میں کہا ہے سب سے چھٹکارا حاصل کرے کہ ہمارا کلام تو عرف عام ہے، اور عرف عام میں بین یدیہ اور عند دونوں کے معنی "قریب" کے ہیں۔اور قریب بھی وہ جو ہم کہہ رہے ہیں، جس سے اذان منبر کے نزدیک اور متصل ہو۔اور سوچا کہ اس سوراخ میں داخل ہو کر ان الفاظ کے سلسلہ میں تمام ارشادات سے نجات مل جائے گی جو قرآن وحدیث اور تفسیر میں وارد ہوئے ہیں کہ وہ سب عنداور بین یدیہ کے معنی شرعی کو بتاتے ہیں اور لغات معنی لغوی کا اظہار کرتے ہیں۔کتب اصول معنی اصطلاحی بیان کرتی ہیں، اور یہاں تو بحث عرف عام میں ہے اور یہ سمجھ نہ سکا کہ اس کی اس ایک حیلہ سازی نے اس کو ساری عمارت ہی ڈھادی اور کاتا کوتا کپاس کردیا۔

اوّلاً: آپ نے امام راغب اصفہانی کے قول سے استدلال کیا۔ ان کی کتاب

اوالمحاورات الکریمة القراٰنیة وقدعزلتھما معا وقوله یقال ویستعمل[1] لایخرجه عن لغة العرب الی العرف الجدیدوان اخرج عندك فقد قال فی التاج" یقال بین یدیك لکل شیئ امامك[2]۔" وفی الرضی" وان عندیستعمل فی القریب والبعید[3]۔" **وثانیًا**:مافزعك الی الکشاف والمدارك اولیسامن التفاسیروانا ذکراماذکراشرحاللمحاورة القراٰنیة و ھی عندك بمعزل عن الاستنادوقولھما"حقیقة قولھم[4]"والضمیرفیه للعرب والعرب لاتتکلم الا بلغتھاواللغة	تولغت عرب اور محاورات قرآن میں ہے،اورآپ نے ان دونوں کو چھوڑ کر عرف عوام کی پناہ لی (پھر آپ نے اپنے نئے عرف کے لئے ان کی کتاب سے کیسے استدلال کیا) امام راغب کا یہ قول کہ لفظ اس معنٰی میں استعمال ہوتاہے۔اس لفظ کو لغت عرب سے نکال کر عرف جدید تھوڑا ہی بنادے گا۔ اور اگرآپ کو یہی اصرار ہے کہ استعمال کا مطلب جدید ہے،توتاج العروس اور رضی نحوی کے بارے میں کیا کہیں گے،وہ بھی توکہتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی "ہر وہ شے جو تمہارے سامنے ہو" (تاج)اورعند قریب اور بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتاہے(رضی)۔ **ثانیًا**:آپ نے انکشاف اورمدارک کی پناہ کیسے ڈھونڈی،کیا یہ تفاسیر میں سے نہیں،ان دونوں نے جو کچھ کہا ہے محاورۂ قرآن کی شرح ہے،اورآپ قران عظیم کے محاورہ کے نام سے کانوں پرہاتھ دھرتے ہیں۔زمخشری یا امام نسفی نے اپنی تفسیروں میں جو فرمایا "حقیقة قولھم" (ان کے قول کی حقیقت) تو "ان" سے مراد عرب ہی ہیں،اور عرب کی

[1] المفردات فی غرائب القرآن العین مع النون لفظ"عند"نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ص ۵۵۳

[2] تاج العروس فصل الباء من باب الواؤوالیاء تحت اللفظ"ید"داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۰/۴۱۹

[3] الرضی فی شرح الکافیة الظروف منھالدی ولدن دارالکتب العلمیة بیروت ۲/۱۲۳

[4] مدارك التنزیل(تفسیرالنسفی)تحت الاٰیة ۴/۷۹ دارالکتاب العربی بیروت ۱/۲۶۵،تفسیرالکشاف تحت الاٰیة ۴/۷۹ دارالکتاب العربی بیروت ۱/۴۱۹و۵۴۰

لاتثبت الا بکلامھافھما متلازمان وفی الاصل ولا امکان لادعاء النقل الابحجۃ وبرھان فصل کیف وان النقل خلاف الاصل۔ **وثالثًا:** کذٰلك القراٰن العظیم انما نزل بلسنان عربی مبین قال تعالٰی "اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا"[1] وقال تعالٰی "اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ"[2]۔فمافیہ الا کانوا یتحرونہ فیما بینھم غیر ماثبت فیہ النقل الشرعی فثبوت معنی فی القرآن ادل دلیل واجلہ علی محاورۃ العرب،اللھم الاان یثبت النقل الشرعی ودون ثبوتہ خرط القتادواوادعاؤہ جزافًا امر عظیم فی الفساد.قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح والبحرفی البحروالشامی فی ردالمحتار:"الخطاب	بول چال تو لغت عرب ہے(توپھر آپ لغت سے کیسے استدلال کرتے ہیں آپ تو عرف عام کے دعویدار ہیں) قصہ اصل یہ ہے کہ آپ کے عوام کا عرف بین یدیہ اور عند میں آگرچہ ہوگا تو معنی منقول،اور چونکہ نقل خالف اصل ہوتا ہے تو اس کے لئے بھی آپ کو دلیل لانا پڑے گی،وہ کہاں سے لائیں گے؟ **ثالثًا:** یونہی قرآن عظیم عربی مبین میں نازل ہوا،اس پاک کلام میں ہے "ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا"اور "یہ بیشک حق اور تمہارے ہی کلام کی طرح ہے۔"توقرآن کریم میں عرب کے ہی محاورے ہوں گے۔عربیوں کے محاوروں کے خلاف اگرکچھ ہوتو اس کے لئے نقل شرعی کا ثبوت درکار ہے۔تو قرآن میں کوئی لفظ کسی معنی میں بولا جانا یہ ہاس بات کی سب سے.بڑی دلیل ہوگی کہ اس لفظ کے محاورۂ عرب میں یہ معنی ہیں،اور معنی شرعی کے لئے نقل کا ثبوت ضروری ہے۔اور مسئلہ بین یدہ میں اس کا ثبوت محال،اور خالی دعوی لایعنی بڑ ہے۔حضرت محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اور صاحب بحر نے بحرالرائق میں،اور علامہ شامی نے رد المحتار میں فرمایا:"قرآن کا

[1] القرآن الکریم ۴۳/۳

[2] القرآن الکریم ۵۱/۲۳

انما باللغة العربية ما لم يثبت نقل كلفظ الصلٰوة ونحوه فيصير منقولاً شرعيًا[1] اهـ "وقال بحر العلوم فی فواتح الرحموت دعوی النقل دعوی علی اللّٰه تعالٰی فلابد لاثباتها من قاطع و ليس هٰهنا امارة ظنية فضلا عن القاطع فلا يليق بحال مسلم ان يجترأ علی اللّٰه بما لم يعلم[2]۔	خطاب لغت عرب میں ہی ہے جب تک کہ نقل سے ثابت نہ ہو جیسے لفظ صلوٰۃ وغیرہ۔ ثبوت نقل کے بعد البتہ یہ منقول شرعی ہو جائے گا۔" حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ فواتح الرحموت میں فرماتے ہیں: "نقل کا دعوی اللہ تعالٰی پر ایک دعوی ہے تو اس کا ثبوت دلیل قطعی سے ضروری ہے اور فیما نحن فیہ علامت ظنی بھی نہیں چہ جائیکہ قطعی ہو تو مسلمان کیلئے یہ درست نہیں کہ بے جانے اللہ تعالٰی پر یہ جرات کرے۔" (توآپ جو یہ فرماتے ہیں کہ بین یدیہ کے معنی متصل منبر ہونا ہے۔نہ محاورہ قرآنی ہے نہ حدیث کی بول چال ہے،نہ لغت واصول میں ہے۔یہ تو عرف عوام ہے۔بے ثبوت آپ کا یہ عرف عام پیدا کہاں سے ہوگا؟)
ورابعًا: کل کلام انما يحمل علی عرف التكلم كما نصوا عليه فی غير ما مقام وسيدنا ساءب بن يزيد رضی اللّٰه تعالٰی عنهما من اهل اللسان ولا يتكلم الاعلٰی عرفهم ولم يكن له اصطلاح خاص علی خلاف العرف العام وقد اطلق "بين يديه" علی اذان كان	**رابعًا:** ہر کلام میں متکلم کے محاور اور عرف عام کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ حضرت ساءب ابن یزید رضی اللہ تعالٰی عنہ اہل عرب اور صاحب لسان عرب ہیں۔آپ کا کلام بھی عربی بول چال اور عربی محاورہ میں ہی ہوگا۔عرف کے خلاف ان کی کوئی خاص اصطلاح نہ ہوگی۔انہوں نے "بین یدیہ" کالفظ مسجد کے دروازہ پر اذان کیلئے استعمال کیا،اور اسی معنی پر ہم نے

[1] ردالمحتار کتاب النکاح فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۷۷

[2] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت مسئلہ فی ان الحقیقۃ الشرعیہ لاتحتاج الی قرینہ ۱/۲۲۳

على باب المسجد وكذلك بينا فى "عند" عدة محاورات عامة لاينكرها الا مكابر فادعاء ان العرف العام خاص اللفظ بما يزعمونه جهل بالعرف اوفرية عليه۔	لفظ عند کے بھی کئی محاورے نقل کئے جس کا انکار ہٹ دھرمی ہے۔ اس کے بعد یہ دعوٰی کرنا کہ عرف عام نے ان لفظوں کو بالکل پاس کے معنی میں خاص کیا ہے، یا تو جہالت ہے یا افتراء پردازی۔
وخامسًا: ياللعجب زعم ذاك امدعى فى ردكلمات ائمة الاصول المتواترة المتظافرة علٰى ان عند للحضرة بقوله ان كل ذٰلك لغو لايجدى شيئًا انما النظر الى الحقيقة العرفية وكل سمع باسم اصول الفقه يعلم ان مايذكر فيه اصول للفقه وليس مصطلح الفقه مخالفًا لما ذكر من معانى الالفاظ فى الاصول وانما البحث ھٰهنا عن لفظ "عند" الواقع فى كلام الفقهاء فان فرض ان هناك عرفا جديدا للعامة مخالفا لعرف الفقه والاصول لم يكن فيه ما يقرعينك فان كلام الفقهاء انما يحمل علٰى عرف الفقهاء انما دون العوام ولكن التعصب اذا تملك اهلك۔	**خامسًا:** علم اصول فقہ کا لفظ جو شخص سنے گا وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ فن علم فقہ کے قواعد وضوابط اور مصطلحات کیلئے وضع ہے، اور یہ بھی یقین کرے گا کہ فقہاء اور علم اصول فقہ کی اصطلاحات میں کوئی اختلاف نہیں، جس لفظ کا جو معنٰی ائمہ اصول فقہ نے متعین کیا فقہاء کے نزدیک بھی وہ مسلم ہے۔ مسئلہ اذان ثانی میں فقہاء نے عند المنبر کا لفظ کتابوں میں استعمال کیا۔ ائمہ اصول فقہ نے "عند" کے معنی "حضور" قرار دیے۔ تو ظاہر ہے کہ فقہاء کے عرف میں بھی اس لفظ کے یہی معنٰی ہوں گے۔ بالفرض اس لفظ کے لئے کوئی دوسرا عرف بھی ہو اور اس نے کوئی اور معنٰی قرار دیے ہوں۔ تب بھی یہاں ضرورت تو فقہاء کے عرف کی ہے یہاں یہ لفظ انہیں کے کلام میں استعمال ہوا ہے، کسی دوسرے عرف سے کیا سروکار۔ دوسرا عرف تو یہاں کے لئے بالکل بیکار ہے لیکن یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ مدعی کسی ڈھٹائی سے ائمہ اصول فقہ کی تصریحات سن کر کہتا ہے کہ یہ سب فضول ہے

یہاں تو عرف عوام کی ضرورت ہے۔ بھلا کلام فقہاء میں عرف عوام کی کیا ضرورت! سچ یہ ہے کہ تعصب آدمی کو اندھا اور بہرا کر دیتا ہے۔

سادسًا: ماذا یقول المعاند فی قول العلامۃ خیر الدین الرملی رحمہ اللہ تعالٰی فی فتاواہ "فی رجل حلف بالطلاق الثلاث انہ لایشتٰی عند زوجتہ فی البلد فشتٰی فی جامعھا لایقع علیھا الطلاق لان الشرط کون التشتیۃ فی البلد عندھا ولم یوجد وعند للحضرۃ الا ان ینوی ذٰلك واللہ تعالٰی تعالٰی اعلم [1] اھ" بالالتقاط فھٰذہ مسئلۃ الحلف انما مبنی الحلف علی العرف وقد افصح فیہ ان عند للحضرۃ فظھر ان ما ذکر ائمۃ الاصول ھو العرف، وبالجملۃ فالحق ان لا خلف ھٰھنا بین اللغۃ ولسان الشرع والاصول و الفقہ والعرف کل ذٰلك متوارد علی ماذکرنا من معانی بین یدی وعند ولیس ھنا نقل ولا اشتراك و لا تجوز بل معنی مطلق منتخب علٰی مصادیقہ یتعین

سادسًا: آخر یہ معاند اس کا کیا جواب دیں گے کہ علامہ خیر الدین رملی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ میری بیوی کو تین طلاقیں اگر میں جاڑے میں اس شہر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہوں۔ اور اس نے اس شہر کی جامع مسجد یں جاڑا گزارا، تو اس عورت پر طلاق نہ پڑے گی کیونکہ شرط جاڑے میں شہر میں بیوی کے ساتھ رہنے کی تھی، اور وہ نہیں پائی گئی۔ اور عند کا لفظ حضور کے لئے ہے بان ھذا البلد سے اس کی نیت جامع مسجد کی بھی ہو تو طلاق پڑ جائے گی۔ مسائل حلف کی نا عرف پر ہے۔ اور امام رملی نے صاف بیان کر دیا کہ عند حضور کے لئے ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عند کے بارے میں ائمہ اصول نے جو فرمایا وہ بھی معنی عرفی ہی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہاں لغوی معنی کا کوئی نائب نہیں۔ اور زبان شرع اور اصول وفقہ اور عرف سب لغوی معنی کے ہی موافق ہیں، جیسا کہ ہم نے بین یدیہ اور عند کے معنی

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۳۸و۳۹

بعضها فی الکلام بقرائن الکلام کما فصلناہ وللّٰہ الحمد۔

وسابعًا: لئن تنزلنا عن هذا کله فالذی لجاء الیه الحلیة امران الاول بین یدیه وعند للقرب وقد استندله بالراغب وغیرہ وقدمنا انه غیر مستنکر و لا یفیدہ ولا یضرنا والاٰخر ان القرب فی العرف العام خاص بما یلصق المؤذن بالخطیب کما یزعمون وهذا هو الذی فیه مرامه ولم یستندفیه بشیئ سوٰی شقسقة اللسان وقد تقدم من المحاورات مایکذبه فلم یرجع سعیه الٰی طائل۔

وثامنًا: تنزلنا عن هذا ایضافرضنا ان ثمه عرفا کما تدعی لکن ان کان ففی نفر مثلك من العوام فمالك لاتفرق بین عرف العوام والعرف العام لانه الکلام ههنا فی عرف الفقهاء الکرام فهل عندك دلیل انهم یحصرون القرب فیما تزعم کلا بل کلامهم

میں بیان کیا ہے، وللّٰہ الحمد۔

سابعًا: اگر ان سب باتوں سے قطع نظر بھی کرلی جائے تو مذکورہ حیلہ کی ڈھال دو باتیں ہیں یہ کہ عند اور بین یدہ کے معنی "قریب" کے ہیں۔ اس کے ثبوت میں راغب وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ ہم اس کے جواب میں کہہ چکے ہیں کہ اس سے ہم کو انکار نہیں۔ لیکن وہ آپ کو مفید نہیں اور اسے ہمار نقصان نہیں۔ دوسری بات یہ کہ قرب عرف عام میں خطیب کے بالکل متصل ہونے کے لئے خاص ہے، اور یہی مدعیوں کا خاص مقصد ہے، لیکن اس مقصد پر دراز لسانیوں کے علاوہ کوئی دلیل نہیں دی۔ اور ہم نے ایسے بہت سے محاورات ذکر کر چکے ہیں جس سے اس دعوی کی تکذیب ہوتی ہے تو یہ ساری دراز لسانیاں بے فائدہ۔

ثامنًا: اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے مان لیا جائے کہ یہاں حسب ادعائے مدعی کوئی عرف ہے تو عوام کے کسی گروہ کا ہوگا تو ایک بات تو یہ ہے کہ مدعی یہاں عرف عوام اور عرف عام میں فرق نہیں کرتا۔ دوسری بات یہ کہ یہاں ضرورت تو فقہاء کرام کے عرف کی ہے (نہ کہ عرف عوام یا عرف عام کی) تو کیا آپ کے پاس کوئی دلیل ہے جس سے ثابت ہو کہ فقہاء قرب کو اسی خاص معنٰی

ناطق ببطلان ماتحکم ولنسردعلیك شیئامنه فستهدی الی الحق ان ارادالله والافیستهدی غیرك ممن هدی الله۔	میں بولتے ہیں۔آپ کے اس دعوی کے بطلان پر بہت سے دلیلیں ہیں ان یں سے چند کو ہم بیان کرتے ہیں ممکن ہے آپ کو حق کی ہدایت ہو اور اگر مرضی الٰہی یہ نہ ہو تو کسی دوسرے کو ہی ہدایت ہوگی۔
فاقول: وبالله التوفیق لاشك ان القرب امر اضافی فاذا ذکر الحاشیتان والتفاصل بینهما فلا یمتری غیر مجنون ان القرب لاینتهی الی حدلا یتجاوزہ مالم ینقطع العالم کله فکل بعید من شیئ مهما بعد اقرب الیه بالنسبة الٰی ماهو بعد منه کالکرسی اقرب الی الارض من العرش مع انه ابعد الاجسام من الفرش بعد العرش بحیث لایقدر بعدہ الاخالقه عزوجل ثم من علمه لکن ربما کون للشیئ بالنظر الٰی اُخر حالة یطلق علیه بالنسبة الیه لفظ القریب مطلقا بدون لحاظ اضافته الی شیئ ثالث وله وجوہ کثیرة مختلفة باختلاف المقام۔منها"قرب التناول"ان	**فاقول:** وبالله التوفیق (پس میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتاہوں) بلاشبہ قرب ایک اضافی چیز ہے،تو جب دونوں حدوں کاذکر کردیا جائے تو پاگل ہی یہ خیال کرے گا کہ قرب اسی پر ختم ہے،اوراس سے متجاوز نہ ہوگاورنہ جب تک کل عالم ختم نہ ہوجائے۔ہر اگلی منزل قریب ہوسکتی ہے کیونکہ کوئی چیز جو کسی چیز سے دور ہو۔جب ہم اس کو اس سے دور والی چیز کی نسبت سے دیکھیں گے،تو یہ قریب ہوجائے گی،جیسے کرسی زمین سے بہ نسبت عرش کے قریب ہے اور وہ بہ نسبت اجسام عرش کے بعد زمین سے سب سے زیادہ دور ہے،اتنا دور کہ اس کی دوری کااندازہ اس کا پیدا کرنے والا ہی کرسکتاہے یا وہ جسے اللہ تعالٰی بتائے۔لیکن بسا اوقات ایک چیز کو بہ نسبت دوسری چیز کے ایسی حالت ہوتی ہے جس پر لفظ قریب کا اطلاق ہوتاہے،اوراس میں کسی تیسری چیز کی طرف اضافت کا لحاظ نہیں ہوتا۔اس قرب کی اختلاف مقام کے لحاظ سے مختلف کثیر قسمیں ہیں۔ان سے ایک قرب تناول ہے۔اس کا مطلب

يكون الشيئ منك بحيث تصل يدك اليه كقوله تعالٰى "فَرَاغَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍۙ(۲۶) فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ٘(۲۷)"[1]۔" ومنها"قرب السمع ان يبلغه صوتك۔ومنها قرب السير"ان لايلحقك كبير حرج فى الوصول الى۔فلو خص الفقهاء القرب لقرب التناول صلح كلامك وحصل مرامك لكنهم براء عنه قطعًا اكبر كلماتهم تراهم يطلقون القرب و يعنون به احدالوجوه الثلثة الاخيرة حتى تافت عباراتهم فى تفسير القرب المطلق عشرًافيما يحضر فى الاٰن ولعل مالم اتذكرنحوها او اكثر۔ وبيان ذالك فى مسائل۔

المسألة الاولٰى: اطبقوا ان الماء ان كان قريبًالم يجز التيمم للمسافروان كان بعيدًا اجاز واختلفوا ان اى ماء يسمّٰى قريبابالاتفاق علٰى ان المراد قرب

یہ ہوتا ہے کہ وہ شے ایسی جگہ ہے جہاں تمہارا ہاتھ پہنچ سکے۔ جیسے اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہل کی طرف گئے اور ایک گرم بُھنا ہوا بچھڑا لائے اور اسے فرشتوں کے قریب کیا اور ان سے کہا کیوں نہیں کھاتے ہو۔ "اور ان سے ہے "قربِ سمع" جہاں تک آپ کی آواز پہنچ سکے اور ان سے ہے "قربِ سیر" یہ کہ وہاں تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ حرج نہ لاحق ہو۔ تو اگر فقہاء نے اپنے کلام میں قرب کو قربِ تناول تک ہی خاص کیا ہوتا تو آپ کا کلام درست ہوا اور آپ کا مقصد حاصل ہوتا، لیکن "حضرت اس سے قطعی طور پر بری ہیں انکے بیشتر کلمات میں قرب کا لفظ بقیہ تین معنوں میں سے سی ایک کے لئے استعمال ہوا ہے۔فی الوقت قرب مطلق کی تفسیر میں فقہاء کی دس عبارتیں مجھے یاد ہیں (اور جو مستحضر نہیں وہ بھی اس سے زائد ہوں گی) جن کا بیان مندرجہ ذیل مسائل میں ہے:

مسئلہ ۱: سب فقہاء کا اتفاق ہے کہ پانی قریب ہوت و مسافر کر تیمّم جائز نہیں، اور دور ہو تو جائز ہے اور قرب وبعد مسافت میں اس کے باوجود اختلاف ہوا کہ قرب سے مراد سب کے نزدیک وہی مسافت ہے جو

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۶۔۲۷

السیر والاجماع علٰی ان لیس المراد قرب التناول قال فی العنایة المنصوص علیه کون الماء معدوما وھٰھنا معدوم حقیقة لکن نعلم بیقین ان عدمه مع القدرة علیه بلاحرج لیس بمجوز للتیمم والالجاز لمن سکن بشاطئ البحر وقد عدم الماء من بیته فعلنا الحد الفاصل بین البعد والقرب لحوق الحرج [1] اھ۔ وفی البنایة لیس له ان یتیمم اذا کان الماء قریبًا منه [2] اھ وفیھا (م) "المیل ھو المختار فی المقدار" (ش) ای مقدار بعد الماء وجه کونه مختارًا ان المسافة القریبة جدا مانع من جواز التیمم والبعد یجوز له فقدر البعد بالمیل لالحاق الحرج الی وصول الماء، و عند محمد رحمة اللہ تعالٰی علیه شرطه ان یکون بینه وبین المصر میلان وعن ابی یوسف رحمة اللہ تعالٰی علیه لوذھب الیه وتوضأتذھب	آسان ہو، مگر اس پر اجماع ہے قرب تناول مراد نہیں۔ صاحب عنایہ فرماتے ہیں: "یہ بات شرع میں منصوص ہے کہ تیمم کے لئے پانی کا معدوم ہونا عذر ہے۔ اور صورت مسئولہ میں پانی حقیقۃً معدوم بھی ہے لیکن یہ بھی یقینا معلوم ہے کہ پانی نہ ہو مگر بآسانی دستیاب ہو جائے۔ تو یہ جواز تیمّم کے لئے عذر نہیں، ورنہ دریا کے کنارے گھر بنانے والے کے گھر میں پانی نہ ہو تو وہاں بھی وہ تیمّم کرنے لگے گا۔ اس لئے قرب وبُعد میں حد فاصل حرج کو قرار دیا گیا۔" بنایہ میں ہے کہ پانی قریب ہو تو آدمی کو تیمّم کی اجازت نہیں۔ "اسی میں ہے "مقدار میں ایک میل کی مسافت معتبر ہے" یعنی پانی کی دوری کی مقدار میں اور اس مقدار کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ پانی کا بہت قریب ہونا جواز تیمّم کو مانع ہے اور بعد سے تیمّم جائز ہوتا ہے۔ تو اس کی مقدار ایک میل مقرر کی گئی کہ اس سے زائد حد مقرر کرنے میں مکلّف کو پانی تک پہنچنے میں حرج لاحق ہوتا ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسافر اور شہر کے درمیان دو میل کا فاصلہ شرط ہے۔ اور قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں دوری کی حد یہ ہے کہ پانی کی تلاش کیلئے

[1] العنایة علی ہامش فتح القدیر کتاب الطھارۃ باب التیمم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۰۸

[2] البنایة فی شرح الھدایة کتاب الطھارۃ باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

القافلة وتغيب عن بصره ويجوز التيمم وهذا احسن جدًا ،وقيل اذا كان نائيًاعن بصره واختلفوا فى النائى قيل قطع ميل ،وعن محمد قطع ميلين وقيل فرسخ وقيل جواز قصر الصلٰوة ،وقيل عدم سماع الاذان ، وقيل عدم سماع اصوات الناس ،وقيل لو نودى من اقصٰى المصرلايسمع ،وفى البدائع ان ذهب اليه لاينقطع عنه جلبة البعير ويحس اصواتهم واصواب وراء فهو قريب ،وقيل ان كان بحيث يسمع اصوات اهل الماء فهو قريب ـقال قاضى خاں واكثر المشائخ عليه وكذا ذكره الكرخى واقرب الاقوال اعتبار الميل ، فان قلت النص مطلق عن اشتراط المسافة فلايجوز تقييده بالراى قلت المسافة القريبة غير مانعة بالاجماع والبعيدة غير مانعة

آنے جانے میں قافلہ نگاہوں سے اوجھل ہوجائے تو تیمّم جائز ہوگااور یہ بہت عمدہ ہے۔اورایک قول یہ ہے کہ کہ پانی نگاہوں سے دور ہو۔دوری کی تعیین میں پھر اختلاف ہوا،تو کسی نے ایک میل کہا،امام محمد نے دو میل فرمایا۔ایک قول ایک فرسنگ کا ہے۔اور کہاگیاکہ اتنی دور جس کے بعد نماقصر کی جاتی ہے۔ کسی نے کہاکہ جہاں تک اذان کی آواز نہ پہنچے۔ کسی نے کہاکہ اتنی کہ وہاں سے آبادی کا شور نہ سنائی دے اور کہا گیاکہ اتنی دور کہ شہر کے کنارے کھڑے ہو کر پکارا جائے تو مخاطب سن نہ سکے۔بدائع میں لکھا ہے: "اتنی دور کہ وہاں جانے پر قافلہ کا شوروغوغاسنتارہے اور پیچھے والوں کی آواز بھی آتی رہی تو قریب ہے۔"ایک قول یہ بھی ہے کہ پانی کے پاس رہنے والوں کی آواز آتی رہے تو قریب ہے۔ قاضیخان نے فرمایا کہ اکثر مشائخ اسی کو مانتے ہیں۔ایسا ہی امام کرخی نے فرمایا۔ اور ہمارے نزدیک اقرب الاقوال ایک میل کااعتبار ہے۔اس پر اگر کوئی اعتراض کرے کہ آیت قرآنی تو مسافت کے اشتراط کے بارے میں مطلق ہے،اس کو رائے سے مقید کرنا کیسے جائز ہوگا،تو میں کہوں گاکہ قریب کامانع ہونا اور بعید کانہ مانع ہونا ایک اجماعی مسئلہ

بالاجماع فجعلنا الفاصل بینهما المیل[1] اھ۔ **المسألة الثانیة:** فی التنویر لوکانت البئر اوالحوض او النهر فی ملك رجل فله ان یمنع مرید الشفة من الدخول فی ملکه اذاکان یجد ماء بقربه[2] (قال العلامة الشامی) قال العلامة المقدسی ولم ار تقدیر القرب وینبغی تقدیره بالمیل کما فی التیمم[3] اھ، و رأیتنی کتبت علیه اقول فیه تامل فان العطشان ربما یتضرر بذهابه میلًا ولافی طلب الماء کذٰلك المحدث فینبغی احالة الامر علی حالته ولعلهم لذا ارسلوه ولم یقدروه۔ **المسألة الثالثة:** فی شهادات الدر المختار یجب اداؤها بالطب بشروط سبعة مبسوطة فی البحر وغیره منها عدالة	ہے اس لئے حد فاصل ایک میل کو قرار دیا گیا اھ۔ **مسئلہ ۲:** تنویر الابصار میں ہے: "کنواں یا حوض یا نہر کسی آدمی کی ملک ہوں، اس سے قریب ہی کیوں اور پانی ہو تو کھانے، پینے، دھونے اور جانوروں کو پلانے والوں کو وہ اپنے کنویں وغیرہ سے روک سکتا ہے۔" علامہ شامی علامہ مقدسی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "قرب کی مقدار کہیں نظر سے نہیں گزری تو تیمّم کی طرح یہاں بھی ایک میل کو ہی حد فاصل مقرر ہونا چاہئے۔" میں نے شامی کی اس تحریر پر حاشیہ لکھا یہاں ایک میل کی مسافت میں تامل ہے کہ پیاسوں میں بسا اوقات اتنی دور جانے کی تاب نہیں رہتی، اور محدث کا یہ حال نہیں، شاید اسی وجہ سے علماء نے کوئی مقدار متعین نہیں کی۔ اور مقدار کا معاملہ مبہم چھوڑ دیا، تو ہر ضرورت منداپنی ضرورت کے حساب سے قرب وبعد کی مقدار مقرر کرے۔ **مسئلہ ۳:** درمختار کے باب الشہادات میں ہے: "مدعی کے طلب پر گواہ کو سات شرطوں کے ساتھ گواہی دینا واجب ہے جن کا ذکر بحر الرائق وغیرہ میں تفصیل سے ہے جس میں

[1] البنایة فی شرح الهدایة کتاب الطهارة باب التیمم المکتبة الامدادیة مکۃ المکرمۃ ۱/ ۲۹۹

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب احیاء الموات فصل الشرب مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۷

[3] ردالمحتار کتاب احیاء الموات فصل الشرب دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۸۳

القاضی وقرب مکانه[1] اھ.قال البحر ثم الشامی فان کان بعیدا بحیث لا یمکنه ام یغدوا الی القاضی لاداء الشهادة و یرجع الی اهله فی یومه ذلك قالوا لا یاثم لانه یلحقه الضرر بذلك و قال الله تعالٰی ولا یضار کاتب ولا شهید[2] اھ	ایک قاضی کی عدالت اور ادائے شہادت کی جگہ کا قریب ہونا ہے۔شامی اور بحر الرائق دونوں میں ہی تصریح ہے کہ "اگر قاضی دور ہو کہ دن بھر میں گواہی دے کر گواہ اپنے گھر واپس نہ پہنچ سکے تو گواہی دینا واجب نہیں کہ اتنی دور تک آنے جانے سے گواہ کو ضرر پہنچے گا،اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کاتب اور گواہ کو ضرر نہیں دیا جائے گا۔" دیکھئے ان تینوں مثالوں میں قرب سے مراد قرب میسر ہے۔(قرب تناول مراد نہیں ہے۔)
المسألة الرابعة:فی الذخیرة ثم العالمگیریة اذا کان المدعی علیه خارج المصرانه علی وجهین الاول ان یکون قریبًامن المصرفیعدیه بمجرد الدعوی وان کان بعیدالایعد یه والفاصل بین القریب والبعیدانه اذاکان بحیث لو ابتکر من اهله امکنه ان یحضر مجلس الحکم ویجیب خصمه ویبیت فی منزله فهٰذا قریب وان کان یحتاج الی ان یبیت	**مسئلہ ۴**:ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے جب مدعا علیہ شہر سے باہر ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں،اگر وہ شہر کے قریب ہے تو قاضی مجرد دعوی کی بنا پر اس کو عدالت میں پیش ہونے کا حکم بھیجے گا اور اگر وہ دور ہے تو ایسا نہیں کرے گا،قریب و بعید میں فرق یہ ہے کہ اگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں وہ صبح اپنے گھر والوں سے نکلے تو مجلس قضا میں حاضر ہو کر اپنے خصم کو جواب دے کر واپس اپنے گھر والوں کو آکر رات گزارنا ممکن ہو تو قریب شمار ہوگا اور اگر رات کہیں راستے میں گزارنا پڑے تو بعید شمار ہوگا۔ذخیرہ میں یونہی

[1] الدرالمختار کتاب الشهادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

[2] ردالمحتار کتاب الشهادة دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۷۰

فی الطریق فھٰذا بعید [1] ۔کذا فی الذخیرۃ ملتقطًا۔ **المسألۃ الخامسۃ:** قال امامنا الثانی ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ فی کتاب الخراج:ثم حمل الاموال(ای الضحاك بن عبدالرحمن الاشعری)علی قدرقربھا وبعدھا فجعل علی کل مائۃ جریب زرع مما قرب دینارًا،وعلی کل الف اصل مما بعد دینارًا(ومثلہ ذکر الفرق بین القریب والبعید من الزیتون)وکان غایۃ البعد عندہ مسیرۃ الیوم والیومین واکثر من ذلك وما دون الیوم فھو فی القرب وحملت الشام علی مثل ذلك وحملت الموصل علی مثل ذٰلك [2] (فھٰذہ کلھا قرب السیر) **المسألۃ السادسۃ:** فی مختار الفتاوٰی ثم الھندیۃ ان کان فی کرم أوضیعۃ یکتفی باذان	ہے(التقاط) **مسئلہ ۵:** ہمارے امام ثانی امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الخراج میں فرمایا: پھر اس (ضحاک بن عبدالرحمٰن اشعری) نے اموال کو ان کے قرب وبعد کی مقدار پر محمول کیا، چنانچہ قریبی کھیتی کے ہر سو جریب پر ایک دینار، قریبی باغ کے انگوروں کی ہر ہزار بیلوں پر ایک دینار، اور دوری کی صورت میں ہر دو ہزار بیلوں پر ایک دینار مقرر فرمایا (اور اسی طرح زیتون میں بھی قریب وبعید کے فرق کو ذکر کیا) اور بُعد کی حد ایک یا دو یا زیادہ دنوں کی مسافت ہے، جو اس سے کم تر ہو وہ قریب ہے۔ شام اور موصل بھی اسی پر محمول ہیں۔ **مسئلہ ۶:** مختار الفتاوٰی پھر ہندیہ میں ہے: اگر کوئی شخص اپنی جائداد یا باغ میں ہے، تو اس کے لئے اپنی بستی یا شہر کی اذان کافی

[1] الفتاوٰی الھندیۃ کتاب الادب القاضی الباب الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۳۵و۳۳۶

[2] کتاب الخراج فصل فی ارض الشام والجزیرۃ دار المعرفۃ بیروت ص ۴۱

القریة اوالبلدة ان کان قریبا والافلا، وحدالقریب ان یبلغ الاذان الیه منها[1]۔	ہے بشرطیکہ قریب ہو ورنہ کافی نہ ہوگی اور قریب ہونے کی حد یہ ہے کہ وہاں سے اذان کی آواز اس تک پہنچ سکتی ہو۔
المسألة السابعة: قال المحقق فی الفتح یحرم فی الخطبة الکلام و ان کان امرًا بمعروف اوتسبیحًا او الاکل والشرب والکتابة (الٰی ان قال) ھذا کله اذاکان قریبًابحث یسمع فان کان بعیدًا بحیث لایسمع اختلف المتأخرون فیه فمحمد بن مسلمة اختار السکوت ونصیر بن یحیٰی اختار القراءة[2] الخ۔	**مسئلہ ۷:** محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں ارشاد فرمایا: خطبہ کی حالت میں کلام منع ہے گو امر بالمعروف ہی کیوں نہ ہو، یونہی تسبیح یا کھانا پینا اور کتابت سبھی منع ہے (الٰی ان قال) یہ احکام اس وقت ہیں کہ مقتدی امام کے اتنا قریب ہو کہ امام کی آواز سن رہا ہو، اور اگر دور ہو کہ امام کی آواز نہیں سن رہا تو متاخرین نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، حضرت محمد ابن مسلمہ سکوت پسند کرتے ہیں اور نصیر الدین یحیٰی قراءت پسند کرتے ہیں۔
المسألة الثامنة: فی الھندیة من تکبیرات العیدین عن المحیط عن محمد یری تکبیر ابن مسعود فکبر الامام غیر ذٰلك اتبع الامام الا اذا کبر الامام تکبیرًا لم یکبره احد من الفقھاء[3] اھ (ثم نقل عن البدائع) لکن ھذا اذاکان بقرب الامام	**مسئلہ ۸:** عالمگیری کے باب تکبیرات عیدین میں ہے کہ "امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بارے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کو پسند کرتے تھے (یعنی چھ زائد تکبیریں) امام اگر اس کے علاوہ اتی تکبیریں کہے جو کسی فقیہ کا مذہب نہ ہو تو مقتدی امام کی پیروی نہ کرے۔" پھر بدائع سے نقل کیا" یہ اس وقت ہے جب

[1] الفتاوٰی الھندیة کتاب الصلٰوة الباب الثانی فی الاذان نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۴

[2] فتح القدیر کتاب الصلٰوة باب صلٰوة الجمعة مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۳۸،۳۷

[3] الفتاوٰی الھندیة کتاب الصلٰوة الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

یسمع الکبیرات منه فاما اذاکان یبعد منه یسمع من المکبرین یاتی بجمیع مایسمع وان خرج من اقاویل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم لجواز ان الغلط من المکبرین فلو ترك شیئامنها ربما کان المتروك ما اتی به الامام [1]۔ **المسألة التاسعة:** فی جمعة البحرالرائق ذکر فی المضمر ات انقال الشیخ الاجل الامام حسام الدین تجب علٰی اهل المواضع القریبة الی البلدالتی هی توابع العمران الذین یسمعون الاذان علی المنارة باعلی الصوت[2]۔ **المسألة العاشرة:** فی تنویر الابصار لانقتل من امنه حرًا اوحرة لو فاسقا بشرط سماعهم ذٰلك من المسلین فلاامان لوکان بالبعد منهم [3]۔	مقتدی امام کے قریب ہو کہ خود اس کے آواز سن رہا ہو، اور اتنی دور ہو کہ خود اس کی نہ سنتا ہو، بلکہ مکبّروں سے سن کر ادا کرتا ہو تو جتنی سنے سب ہی ادا کرے اگرچہ وہ اقوال صحابہ سے بھی باہر ہو، کیونکہ غلطی کا امکان مکبّروں کی طرف سے بھی ہے، وکچھ تکبیریں چھوڑنے میں خطرہ یہ ہے کہ کہیں امام کی کہی ہوئی تکبیریں ہی نہ چھوٹ گئی ہوں۔" **مسئلہ ۹:** بحر الرائق کے باب الجمعہ میں ہے: "مضمرات میں ذکر کیا کہ شیخ امام اجل حسام الدین نے فرمایا کہ جمعہ شہر سے قریب والے مواضع کے باشندوں پر واجب ہے جو اتنے قریب ہوں کہ منارہ پر بلند آواز سے اذان کہی جائے تو سنیں۔" **مسئلہ ۱۰:** تنویر الابصار میں ہے: "جس کافر کو کسی مسلمان آزاد مرد یا عورت نے امن دے دیا گو امن دینے والے فاسق ہی کیوں نہ ہوں اس کا قتل منع ہے اس شرط کے ساتھ کہ امن دینے والوں کی آواز انہوں نے خود سنی ہو، تو دور والوں کو امن نہیں ملے گا۔"

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الصلٰوۃ الباب السابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۱۵۱

[2] بحر الرائق کتاب الصلٰوۃ باب الاذان ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۱۴۱

[3] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الجهاد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۴۱

المسألة الحادية عشرة:وفی شرح الدرروفی الدر المختار اذا احیٰی مسلم اوذمی ارضًاغیر منتفع بھا و لیست بمملوکة لمسلم ولا ذمی وھی بعیدة من القریة اذا صاح من باقصی العامر (وھو جھوری الصوت، بزازیة)لایسمع بھا صوته ملکھا[1] الخ۔ و فی الکفایة من الذخیرة الفاصل بین القریب والبعید مروی عن ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی یقوم رجل جھوری الصورت من اقصی العمرانات علی مکان عال وینادی باعلٰی صوته فای لموضع الذی لایسمع فیه یکون بعیدًا[2]۔

المسالة الثانیة عشرة:وفی الدرالمختار لوجد قتیلا فی الشارع الاعظم والسجن والجامع لاقسامة و الدیة علی بیت المال ان کان نائیًا ای بعیداعن المحلات والایکن نائیا بل قریبا منھا فعلی اقرب المحلات الیه[3] (قال الشامی قوله قریبامنھا)الظاھر ان

مسئلہ ۱۱: شرح درراور درمختار میں ہے: "کسی مسلمان یا ذمی نے کوئی بنجر زمین آباد کی اوروہ کسی کی ملک نہ ہو،نہ مسلمان کی نہ ذمی کی۔اوریہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ کنارہ آبادی سے پکارا جائے اور پکارنے والا بلند آواز ہو،بزازیہ توآواز سننے میں نہ آئے،توآباد کرنے والااس زمین کا مالک ہوگا۔"اور کفایہ میں ذخیرہ سے مروی ہے: "قریب وبعید کے درمیان حد فاصل حضرت قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا ایک بلند آواز آدمی آبادی کے انتہائی سرے سے کسی بلند جگہ کھڑے ہوکر پوری طاقت سے پکارے اورآواز وہاں نہ پہنچے تووہ بعید ہے۔"

مسئلہ ۱۲: درمختار میں ہے: "اگر کوئی مقتول شارع عام میں، قید خانہ مُں اور مسجد جامع میں پایاگیا تواس کا تاوان کسی پر نہیں ہے ابلتہ اگس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ یہ جب ہے کہ وہ جگہیں محلوں سے بعید ہوں۔اور اگرقریب ہوں توجو محلّہ وہاں سے سب سے قریب ہواس پر تاوان ہے۔"امام شافعی نے فرمایاکہ "ظاہر

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] الدر المختار کتاب احیاء الموت مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۵۵

[2] الکفایة مع فتح القدیر کتاب احیاء الموت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۹/۲

[3] الدر المختار کتاب الدیات باب القسامة مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۲

المعتبر فیه سماع الصوت[1]۔ **المسألة الثالثة عشرة**: فی الهدایة وان وجد فی بریة لیس بقربها عمارة فهو هدر وتفسیر القرب ماذکرنا من استماع الصوت[2]۔ فهٰذه کلها قرب السمع۔ **المسألة الرابعة عشرة**: ماقدمناعــــه	یہی ہے کہ یہاں قرب سے مراد آواز سننے کا قرب ہے۔" **مسئلہ ۱۳**: ہدایہ میں ہے: اور اگر ویزرانہ میں مقتول پایا گیا جس کے قریب آبادی نہ ہو تو اس کا خون ضائع ہے۔ اور "قریب" کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے بیان کی کہ وہاں سے آواز سنی جارہی ہو۔" یہ سب مثالیں قرب سماع کی ہیں۔ **مسئلہ ۱۴**: نفحہ ثانیہ عودیہ میں ہم ذکر

عــــه: وفی الهندیة من الفتاوی الکبرٰی وهی المسئلة الخامسة عشرة جری بینه وبین امرأته تشاجر من قبل اخته فقال لها ان سبت اختی بین یدی فانت طالق ثلثا ثم دخل الزوج علیها وهی تشاجر مع اخته وتسبها فسمع الزوج ان سبتها وهی تراه طلقت لانها سبتها بین یدیه[3] کذا فی الفتاوی الکبرٰی۔

ہندیہ میں بحوالہ فتاوٰی کبرٰی وارد ہے، اور یہ پندرھواں مسئلہ ہے، خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان خاوند کی بہن کے بارے میں جھگڑا واقع ہوا تو خاوند نے کہا اگر تو نے میرے سامنے میری بہن کو گالی دی تو تجھے تین طلاقیں ہیں۔ پھر خاوند اپنی بیوی کے ہاں آیا اور انحالیکہ وہ اس کی بہن کے ساتھ جھگڑا کر رہی تھی اواسے گالیاں دے رہی تھی جنہیں خاوند نے سنا۔ اگر گالی دیتے وقت بیوی خاوند کی طرف دیکھ رہی تھی تو طلاق واقع ہو گئی کیونکہ اس نے خاوند کے سامنے اس کی بہن کو گالی دی۔ فتاوٰی کبرٰی میں یونہی ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الدیات باب القسامة داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۰۷

[2] الهدایة کتاب الدیات باب القسامة مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۶۳۸

[3] الفتاوی الهندیة کتاب الطلاق الباب الرابع الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۴۴۳

فی النفحة الثانیة العودیة عن الجوهرة النیرة هذا اذا کان الحافظ قریبًا منه ای بحیث یراه اما اذا بعد بحیث لایراه فلیس بحافظ[1]۔فهذا قرب البصر هذه مصادیق القرب المطلق فی عرف الفقهاء الکرام فان کان الرسم لدیکم ان خطیبکم یاکل المؤذن او مؤذنکم یبتلع المنبر فنعم لابدمن قرب التناول والافما المعین له والحامل علیه نسأل الله اراءة الحق والهدایة الیه اٰمین۔

وتاسعًا قداعترف الرجل ان فی العرف لعندفی کل محل حد علیٰحدة للقرب بقرینة القیام فکان علیه ان یثبت بالدلیل ان قضیة مقام الاذان فی القرب عن الامام الحد الفلانی،لکنه ادعی وقنع بالادعاء اللسانی ولو کفت الدعوی للثبوت لقام بالبرهان کل مبهوت،فمالك تقر ولاتقر وتمیل الی الحق ثم تفر۔

وعاشرًا: وقال الله

کرآئے ہیں کہ جوہرہ نیرہ میں ہے: "یہ حکم تب ہے کہ نگراں اس سے اتنی قریب ہو کہ اسے دیکھ رہاہو اور اتنی دور ہو کہ نہ دیکھے تو وہ حافظ اور نگراں ہی نہیں۔" یہ قرب بصر کی مثال ہے اور فقہاء کرام کے عرف میں یہ سارے مصادیق قرب مطلق کے ہیں، تو اگر آپ کے وہاں یہ رسم ہو کہ خطیب موذن کو کھاتا ہو یا مؤذن منبر کو نگلتا ہو تو ضرور یہاں قرب سے قرب تناول امر وہوگا، ورنہ یہاں قرب تناول کو متعین کرنے اور اس پر برانگیختہ کرنے والی کیا چیز ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے حق وہدایت کے طالب ہیں۔

تاسعًا: یہ شخص اعتراف کرچکاہے کہ عند ہر مقام پر قرینہ کے لحاظ سے علٰحدہ علٰحدہ قرب کے لئے ہے۔ تو اس کو دلیل سے یہ ثابت کرنا چاہئیے تھا کہ مسئلہ مقام اذان میں امام سے قرب کی یہ حد ہے لیکن اس نے ایک دعوی کیا اور ثبوت کے لئے اسی دعوی کاکافی سمجھا۔ اگر ثبوت کے لئے صرف دعوی کافی ہوتا تو ہر مبہوت دلیل والا ہوتا لیکن ان کا عجیب شیوہ ہے کہ اقرار کرکے انکار کرتے ہیں اور حق کی طرف مائل ہو کر اسی سے گریز بھی کرتے ہیں۔

عاشرًا: اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

[1] الجوهرة النیرة کتاب السرقة مکتبہ امدادیہ ملتان ۲/۲۶۱

عزوجل "وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ"[1] ولكل شيئ قسطاس وقسطاس الكلام له كفتان، الشرع والعقل، فمن رزق حظًا منهما لايحمله الا على مايوفقهما، اما الجاهل فلابيده ميزان ولا هو يعرف الاوزان فاذا امره م يفترض عليه طاعته ان قم فصل ركعتين فلاتتأخر لمحة، فلعله يقول امر نى بالصلٰوة بغير وضوء اذل وذهبت اسكب الماء ثم توضأت ثم الى محل الصلٰوة رجعت لفات الفور وقدنبأنى ان لا تأخر لحظة۔

"درست میزان سے تولو۔" اور میزان ومعیار تو ہر چیز کے لئے ہے۔ چنانچہ زبان کے ترازو کے دو پلڑے ہیں: شرع اور عقل تو جسے ان دونوں سے حصہ ملا ہے وہ ہر بات کو اسی کے موافق محمول کرے گا۔ اور جاہل کے ہاتھ میں نہ میزان ہے نہ وہ اوزان کو جانتاہے۔ تو جب اس سے کوئی اس کا زبردست حاکم کہے کہ اٹھو اور ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر نماز پڑھو تو وہ یہ سوچ سکتاہے کہ مجھے تو فی الفور نماز پڑھنے کا بغیر وضو کے حکم ہے اگر میں وضو کرنے کے لئے پانی بہاؤں پھر محل نماز کی طرف لوٹوں تو تاخیر ہوجائیگی حالانکہ مجھے ایک لمحہ بھی تاخیر کی اجازت نہیں۔

ولوحلف زيد والله لايسكن هذه الدار فتاهب من فوره للخروج وجعل ينقل المتاع ولم يقصر ومكث فى هذا يومًا مثلًا، يظن الجاهل انه قد حنث لانه لم ينقل يومًا لكن العالم يعلم ان قدر الوضوء مستثنٰى فى الاول شرعا وقدر ماتيسر له فيه النقل مستثنى فى الثانى عقلافلاينتفى بهما الفور، فى الخانية ثم الهندية رجل حلف لايسكن هٰذه الدار

یونہی اگر زید نے قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا۔ اور فورًا ہی نکلنے کی تیاری کرنے لگا۔ سامان منتقل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور اسی میں ایک دن لگ گیا، تو جاہل گمان کرے گا کہ زید تو حانث ہوگیا کہ قسم کے بعد بھی ایک دن اسی گھر میں رہا۔ لیکن عالم خوب جانے گا کہ پہلی صورت میں وضو کرنے کی مقدار شرعًا مستثنٰی ہے، اور دوسری صورت میں آسانی سے سامان جتنی دیر میں منتقل ہوسکے عقلًا مستثنٰی ہے تو اس دیر سے فورًا میں خلل نہیں پڑے گا۔ خانیہ اور ہندیہ میں ہے: "جس شخص نے

[1] القرآن الکریم ۱۷/۳۵

فخرج بنفسه واشتغل بطلب داراخری لینقل الیها الاهل والمتاع فلم یجد دارًا اخری ایامًا ویمکنه ان یضع المتع خارج الدار لایکون حانثا، وکذالو خرج واشتغل بطلب دابة لینقل علیها المتاع فلم یجد اوکانت الیمین فی جوف اللیل ولم یمکنه الخروج حتی الصبح اوکانت الامتعة کثیرة فخرج وهو ینقل الامتعة بنفسه ویمکنه ان یستکری الدواب فلم یستکر لایحنث فی جمیع ذٰلك، هذا اذا نقل الامتعة بنفسه کما ینقل الناس فان نقل لاکماینقل الناس یکون حانثا[1] اهـ۔ وکذٰلك اذ جلس عالم یفید ویلقی الدرس او المسائل والناس جلوس صفوفاحتی الباب فجاء احد من الطلبة اوسائل المسائل فعاقته هیبة المجلس عن الاقتراب بهم وجعل یستمع من بعد	قسم کھائی کہ اس گھر میں نہیں رہے گا، تو وہ خود گھر سے باہر ہوگیا، اور منتقل ہونے کے لئے دوسرا گھر تلاش کرنے لگاجو چند دن نہ مل سکا۔ اہل وعیال اور اسباب اسی گھر میں رہے۔ اور ایسا ممکن تھا کہ اس مکان سے وہ اسباب باہر نکال لے مگر نہیں نکالا، تب بھی حانث نہیں ہوگا، یونہی سواری کی تلاش میں چند روز کی تاخیر ہوئی جس پر سامان لاد کرلے جائے، یا قسم رات میں کھائی، اور رات کی وجہ سے صبح تک نکلنا ممکن نہ ہوسکا۔ یوں ہی سامان زیادہ تھا جسے وہ خود ہی اٹھا کر منتقل کرنے لگا اس میں تاخیر ہوئی وہ سواری کرسکتا تھا مگر سواری نہیں کی۔ ان سب صورتوں میں وہ شخص حانث نہ ہوگا۔ یہ حکم اس صورت میں ہے کہ اس نے از خود سامان اٹھانے میں کوئی کوتاہی نہ کی ہو، معمولاً جیسا اٹھاتے ہیں ویسا ہی اٹھایا، ورنہ حانث ہوگا۔" ایسے ہی کوئی عالم افادہ وتعلیم یا درس مسائل کے لئے خطاب کررہا تھا اور سامعین دروازہ تک صف درصف بیٹھے ہوئے تھے، کوئی طالب علم یا سائل مسئلہ پوچھنے آیا اس کو مجلس کی ہیبت نے عالم کے قریب ہونے نہیں دیا، تو خود عالم نے اسے قریب ہونے کا حکم دیا،

[1] الفتاوی الهندیة کتاب الایمان الفصل الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۷۵

فامرہ العالم ان یقترب اوامر السلطان بعض حواشیہ بالقرب، فالجاھل یقول القرب مطلق و المراد بہ فی العرف اقصی مایکون فیرکب اکتاف الناس ویتخطی رقابھم حتی یصل الی العالم و یجلس فی حجرہ ویطأفراش الملك ویطلع سریرہ الی ان یلزق جنبہ بجنبہ فیستحق التعذیر فی الدنیا والتعذیب فی الاٰخرۃ، والعیاذباللہ تعالٰی، والعاقل یعرف ان لیس المراد الا القرب السائغ شرعًاوعرفًا فالسائل لینتھی عندالباب دون مجلس العالم و الحاشیۃ یتقدم الٰی منتھٰی منصبہ والبواب الی الباب، والوزیرالٰی قرب السریرثم یقف ویعلم ان الجاھل المستند بالعرف ھوالذی اخطأ العرف فان لمفھوم بالقرب المطلق ھو القدر القدرالسائغ دون تحدی الحد۔	یا بادشاہ نے اپنے بعض حاشیہ نشینوں کو اپنے نزدیک آنے کا حکم دیا، تو جاہل تو یہی کہے گا کہ مطلقاً قریب ہونے کا حکم ہے اور عرف میں اس سے انتہائی قرب مراد ہوتا ہے۔ تو وہ لوگوں کے کندھوں پر سوار ہوتے اور گردنیں پھلانگتے ہوئے عالم کی گود میں جا بیٹھے گا، اور بادشاہ کے دربار میں فرش کو روندتا تخت پر چڑھ جائے گا اور بادشاہ کے پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھ جائے گا اور بادشاہ کی تعذیر اور آخرت کی تعذیب کا مستحق ہوگا۔ معاذاللہ اور عقلمند خوب سمجھے گا کہ یہاں وہی قرب مراد ہے جس کی شرعًا اور عرفًا گنجائش ہے، تو سائل دروازہ کے پاس مجلس عالم سے پرے اور بادشاہ کا حاشیہ نشین اپنے منصب تک، دربان دروازے تک اور وزیر تخت کے قریب کھڑا ہو جائے گا، اور پتا چل جائے گا کہ عرف کے ساتھ دلیل پکڑنے والے جاہل نے عرف کے سمجھنے میں غلطی کی، اس لئے کہ مطلقًا قرب کا مطلب وہ مقدار ہے جہاں تک بڑھنے کی گنجائش ہو، نہ کہ تمام حدود کو پھلانگنے کا نام ہے۔
وبالجملۃ الطباق الشرع والعقل والعرف جمیعًاان الشیئ یذکر مرسلا ولایراد الاعلٰی ماعرف منشروطہ وقیودہ وادابہ ومن یقطع النظر عن کال ذٰلك مقتصرًا علی القدر الملفوظ فاسم المجنون اخف القابہ قال الامام الزیلعی فی ذبائح التبیین	خلاصہ کلام یہ کہ لفظ مطلقًا بولا جاتا ہے اور عقل و شرع اور عرف سب اس پر متفق ہیں کہ مراد تمام شروط و قیود و آداب کو ملحوظ رکھنے والا مقام ہوتا ہے۔ اور جو ان سب کو بالائے طاق رکھ کر صرف لفظ کو دیکھے گا تو ایسے آدمی کا سب سے ہلکا لقب پاگل ہوتا ہے۔ امام زیلعی تبیین الحقائق کی کتاب الذبائح میں فرماتے ہیں

الشیئ اذاعرف شروطه وذکر مطلقًاینصرف الیها کقول الله تعالٰی اقم الصلٰوۃای بشروطها[1] اھ۔ واذاعرفت هذا فلئن فرضنا فرض باطل ان الفقهاء اذا اطلقوا القرب ارادوبه اقصٰی مایکون من القرب لم یکن فیه الا مایسخن عین السفیه فانه لایراد الا اقصٰی قرب سائغ شرعا۔وقد عرف من الشریعة المطهرۃ کراهة الاذان فی المسجد فمنتهی قرب المؤذن علٰی حدود المسجد ثم فی الحد ایضا استماع و اقرب مواضعه من المنبر ماکان علٰی محاذاته لانا اذا خرجنا من المنبر خطوطًا الٰی اسفل المسجد کان الخط الذاهب علی استقامة سمته وتر الحادۃ وسائرهن اوتار القائمة فان قام المؤذن فی احد الطرفین کان بعیدا عن المنبر وان قام بحذائه کان قریبًامنه بحیث لااقرب فوقه فکان هذا معنی قولهم عندالمنبروهو	"کہ کسی شے کے شرائط معروف ہوں اور اسے مطلق بولا جائے تو انہیں شرائط کے ساتھ ملحوظ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ نماز قائم کرو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز "کو شرائط کے ساتھ قائم کرو۔" جب صورت حال یہ ہے تو مان لو کہ فقہاء نے قریب المنبر کہہ کر انتہائی قرب مراد لیا لیکن اس پر نادانوں کی آنکھ ٹھنڈی نہ ہونا چاہئیے، کیونکہ اس انتہائی قرب سے مراد بھی وہی قرب ہوگا جس کی شریعت میں گنجائش ہو، اور شرع مقدس کا یہ حکم شائع اور ذائع ہے کہ مسجد میں اذان مکروہ ہے، ایسی صورت میں قرب کی انتہا حدود مسجد تک ہوگی، اور اس حد میں بھی سماعت کی گنجائش ہے کہ منبر سے سب سے قریب وہ مقام ہوگا جو اس کے ٹھیک مقابل ہو اس لئے کہ جب ہم منبر سے مسجد کی نچلی طرف خطوط کھینچیں تو جو خط سیدھا اس کی طرف جائے وہ حادہ کا وتر ہوگا۔ اور بقیہ خطوط قائمہ کے وتر ہوں گے۔ تو مؤذن اگر ادھر اُدھر کے خطوط پر کھڑا ہوگا تو منبر سے دور ہوگا کہ اس سے زیادہ قرب ممکن نہیں، تو فقہاء کے قول قریبًا منہ کے یہ معنی ہوئے کہ قریب ہونے کی جو انتہائی

[1] تبیین الحقائق کتاب الذبائح دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۴۶۵

اقصٰی مایسوغ لہ من القرب فوضح الحق۔ وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد والہٖ وصحبہ اجمعین افضل صلٰوۃ المسلمین و اکمل سلام المسلمین والحمدللہ رب العالمین۔	گنجائش نکل سکتی ہے، وہاں کھڑا ہو، تو حق ظاہر ہو گیا۔ اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے اور ہمارے سردار سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے آل وجمیع اصحاب پر پڑھنے والوں کا بہترین درودوسلام ہو۔ آخری دعا یہ ہے کہ حمد اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

رسالہ

شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر

ختم ہوا

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فضائل ومناقب

مسئلہ ۴: بعض اردو کتابوں میں ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا حیض ونفاس سے مبرا منزہ تھیں، یہ سچ ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ حدیث میں آیا ہے:

ان ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لمیحض ولم تطمث [1]	بیشک میری صاحبزادی بتول زہرا انسانی شکل میں حوروں کی طرح حیض ونفاس سے پاک ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵: از بنگلور جامع مسجد سید شاہ مرسلہ قاضی عبدالغفار صاحب　　مورخہ ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے "قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ [2]" (میرا یہ

[1] کنزالعمال برمز خط عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۱۰۹

[2] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار ذکر تعظیم الاولیاء لہ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۸

قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت) فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کی تفصیل قرآن واحادیث سے منصوص نہیں ایسے ماوراء متقدمین ومتاخرین سے ان کو فضیلت ہے۔اور حضرت شیخ احمد سرہندی کے آخر مکتوبات میں ہے کہ مجدد نائب مناب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے ہیں اصل منبع فیوض حضرت غوث الثقلین ہیں[1]۔

پس اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت غوث الاعظم ان سب اولیاء سے افضل اور ان کے بعد خواجہ خواجگان بہاء الدین نقشبند قدس سرہٗ وحضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ سب کے سب حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نائب ہیں تو یہ عقیدہ بخیال صوفیہ جائز ہے یا جائز نہیں؟

الجواب:

عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد ومدار سنیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد گمراہی وضلالت، اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے، ہاں وہ مسلک جو ہمارے نزدیک محقق ہے اور بشہادت اولیاء وشہادت سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام وبمرویات اکابر ائمہ کرام ثابت ہے یہ ہی ہے کہ باستثناء انکے جن کی افضلیت منصوص ہے جیسے جملہ صحابہ کرم وبعض اکابر تابعین عظام کہ "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ"[2] (اور جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے۔ت) ہیں، اور اپنے ان القاب سے ممتاز ہیں ولہذا اولیاء وصوفیہ ومشائخ ان الفاظ سے ان کی طرف ذہن نہیں جاتا اگرچہ وہ خود سرداران اولیاء ہیں، وہ کہ ان الفاظ سے مفہوم ہوئے ہیں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانہ میں ہوں جیسے سائر اولیائے عشرہ کہ احیائے موتٰی فرماتے تھے، خواہ حضور سے متقدم ہوں جیسے حضرت معروف کرخی وبایزید بسطامی وسید الطائفہ جنید وابوبکر شبلی وابوسعید خراز، اگرچہ وہ خود حضور کے مشائخ ہیں، اور جو حضور کے بعد ہیں جیسے حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند وحضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی وحضرت سیدنا بہاؤالملۃ والدین نقشبند اوان اکابر کے خلفاء ومشائخ وغیرہم قدس اللہ اسرارھم وافاض علینا برکتھم وانوارھم (اللہ تعالٰی انکے اسرار کو مقدس بنائے اور ان کی برکات وانوار ہمیں عطافرمائے۔ت) حضور سرکار غوثیت مدار بلا استثنا ان سب سے اعلٰی واکمل وافضل ہیں، اور حضور کے بعد جتنے اکابر ہوئے اور تا زمانہ سیدنا امام مہدی ہوں گے کسی سلسلہ کے ہوں یا سلسلہ سے جدا افراد ہوں غوث، قطب، امامین، اوتاد اربعہ، مبدلائے سبعہ، ابدال سبعین، نقبا، نجبا، ہر دورہ کے عظماء، کبرا سب حضور

[1] مکتوبات امام ربانی دفتر سوم مکتوب ۱۲۳ منشی نولکشور لکھنؤ ۳/۲۴

[2] القرآن الکریم ۹/۱۰۰

سے مستفیض اور حضور کے فیض سے کامل و مکمل ہیں۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا مینگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک ہی چراغ ہے اس کی روشنی کے سے جہاں کہیں تو دیکھے انجمن بنائے ہوئے ہیں۔ت)

یہ چشتی نقشبندی، سہروردی ہر اک تیری طرف آئل ہے یا غوث[1]

ملائک کے بشر کے جن کے حلقے تیری ضوماہ ہر منزل ہے یا غوث

بخارا و عراق و چشت واجمیر تیری لو شمع ہر محفل ہے یا غوث[2]

شجر سرو سہی کس کے اُگائے تیرے معرفت پھول سہی کسی کا کھلایا تیرا

تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

نہیں کس چاند کی منزل میں تیرا جلوۂ نور نہیں کس آئینہ کے گھر میں اجالا تیرا

مزرع چشت و بخارا و عراق واجمیر کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

کس گلستاں کو نہیں فصل بہاری سے نیاز کون سے سلسلہ میں فیض نہ آیا تیرا

راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدام باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا[3]

یہ ضرور ہے کہ ہر شخص اپنی سرکار کی بڑائی چاہتا ہے مگر من وتو زید وعمرو کے چاہے کچھ نہیں ہوتا، چاہنا اس کا ہے جس کے ہاتھ میزان فضل ہے، غلبۂ شوق اور چیز ہے اور ثبوت دلائل اور۔ ہم جو کہتے ہیں خود نہیں کہتے بلکہ اکابر کا ارشاد ہے اجلۂ اعاظم کا جس پر اعتماد ہے، ایک تو خود حضور والا کا وہ فرمان واجب الاذعان کہ قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ[4] (میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ت)

---

[1] حدائق بخشش وصل سوم مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۱۰

[2] حدائق بخشش وصل اول فضائل سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۲/۸

[3] حدائق بخشش وصل سوم در حسن معافرت سرکار غوثیت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱/۷

[4] بھجۃ الاسرار و معدن الانوار ذکر اخبار المشائخ عنہ بذلك مصطفی البابی مصر ص ۴

کہ حضور والا سے متواتر ہوا اور اکابر اولیاء نے بحکم الٰہی اسے قبول کیا اور قدمِ اقدس اپنی گردنوں پر لیا، نیز ارشاد اقدس:

الانس لهم مشائخ والجن لهم مشائخ والملئكة لهم مشائخ وانا شيخ الكل لاتقيسوني باحد ولا تقيسوا علٰی احدًا۔ رواه الامام الاوحد ابوالحسن علی بن يوسف بن جرير اللخمی الشطنوفی نورالملة والدين ابوالحسن قدس سرہٗ فی بهجة الاسرار قال اخبرنا ابو علی الحسن بن نجم الدين الحورانی قال اخبرنا الشيخ العارف ابو محمد علی بن ادريس اليعقوبی قال سمعت الشيخ عبدالقادر[1] رضی الله تعالٰی عنه فذكره۔	آدمیوں کیلئے شیخ ہیں اور جن کیلئے شیخ ہیں اور فرشتوں کیلئے شیخ ہیں اور میں ان سب کا شیخ ہوں، مجھے کسی پر نہ قیاس کرنہ کسی کو مجھ پر قیاس کرو (اس کو روایت کیا امام یکتا ابوالحسن علی بن یوسف بن حریر لخمی شطنوفی نورالملۃ والدین قدس سرہٗ نے بہجۃ الاسرار میں، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو علی حسن بن نجم الدین حورانی نے، انہوں نے کہا ہمیں خبر دی شیخ عارف ابو محمد علی بن ادریس یعقوبی نے، انہوں نے کہا میں نے شیخ عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا (آگے وہی حدیث ذکر کی)۔ ت)

حضور کے زمانہ اقدس کے دو ولی جلیل حضرت سید ابوالسعود بن احمد بن ابی بکر حریمی وحضرت سیدی ابو عمر و عثمٰن الصریفینی قدس اللہ سرھما فرماتے ہیں:

والله مااظهر الله تعالٰی ولايضهر الی الوجود مثل الشيخ محی الدين عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه۔ رواه ايضًا فی بهجة الاسرار[2]۔	خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے کوئی ولی ظاہر کیا نہ ظاہر کرے مثل شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے۔ (اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں روایت کیا ہے۔ ت)

سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام فرماتے ہیں:

مااوصل الله تعالٰی وليا الٰی مقام الا وكان الشيخ عبد القادر اعلاه	اللہ سبحانہ وتعالٰی نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبد القادر اس سے اعلٰی رہے،

---

[1] بهجة الاسرار ومعدن انوار ذكر كلمات اخبر بها عن نفسه محدثا بنعمة ربه مصطفى البابی مصر ص ۲۳،۲۲

[2] بهجة الاسرار ومعدن انوار ذكر فصول من كلامه مرصعا بشئی من عجائب احواله الخ مصطفى البابی مصر ص ۲۵

ولاوھب اللہ المقرب حالا الاوکان الشیخ عبدالقادر اجلہ وما اتخذ اللہ ولیا کان اویکون الاوھومتأدب معہ الی یوم القیمۃ۔رواہ ایضافی بھجۃ الاسرار [1] عن الشیخ القدرۃ جمال الدین بن ابی محمد بن عبد البصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سیدنا الخضر علیہ الصلٰوۃ والسلام مشافۃ بلاوسطۃ۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور جس مقرب کو کوئی حال عطا کیا شیخ عبدالقادر اس سے بالا رہے،اللہ کے جتنے اولیا ہوئے اور جتنے ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا ادب کرتے ہیں۔(اس کو بھی بہجۃ الاسرار میں شیخ مقتدا جمال الدین بن ابو محمد بن عبدالبصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے اس کو سیدنا خضر علیہ الصلٰوۃ والسلام سے بالمشافہ بلاواسطہ روایت فرمایا۔واللہ تعالٰی اعلم۔)

مسئلہ ۶ تا ۱۰: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین مبین ان مسائل میں کہ:

(۱) جناب باری عزّاسمہٗ کے کتنے نام ہیں اور شہنشاہ جہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کتنے؟

(۲) سورہ فاتحہ وسورہ اخلاص میں صرف خداہی کی تعریف ہے یا رسول کی بھی؟

(۳) جو بزرگ عالم حیات میں اپنے معتقدوں کو تعلیم فرماتے ہیں اگر بعد وصال کے خواب میں تعلیم کرے تو اس پر یعنی خواب کی باتوں پر شرع کی رو سے چلنا کیسا ہے؟

(۴) سنا ہے کہ حضرت مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لال کافر کو مارا اور وہ بھاگا اور ہنوز زندہ ہے،آیا اس کی کوئی خبر حدیث سے ہے؟اور کب تک زندہ رہے گا؟پھر ایمان لائے گا یا نہیں؟

(۵) حنانہ لکڑی جو آپ کے فرق میں نالاں تھی قیامت کے دن اس کا کیا حال ہوگا؟

الجواب:

(۱) اللہ عزوجل کے ناموں کا شمار نہیں کہ اس کی شانیں غیر محدود ہیں،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسمائے پاک بھی بکثرت ہیں کہ اسما مسمّی سے ناشی ہے،آٹھ سو ۸۰۰ سے زائد

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن انوار ذکر الشیخ ابومحمد القاسم بن عبدالبصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳

مواہب وشرح مواہب میں [1] ہیں، اور فقیر نے تقریبًا چودہ سو ۱۴۰۰ پائے، اور حصر ناممکن۔

(۲) سورۂ فاتحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سرتح مدح ہے الصراط المستقیم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اوران کے اصحاب ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما، انعمت علیھم چاروں فرقوں کے سردار انبیاء ہیں انبیاء کے سردار مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ شیخ محقق نے اخبارالاخیار میں بعض اولیاء کی ایک تفسیر بتائی جس میں انہوں نے ہر آیت کو نعت کردیا ہے اس میں سورہ اخلاص بھی داخل ہے۔

(۳) اچھے خواب پر عمل خوب ہے اور اچھا وہ کہ موافق شرع ہو۔

(۴) یہ بے اصل ہے۔

(۵) وہ (استن حنانہ) جنت کا ایک درخت کیا جائے گا، کمافی حدیث [2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۳/۱۱۲تا۱۵۱

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی دارالمعرفہ بیروت ۳/۱۱۲تا۱۵۱

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی ۱۳۳۶ھ

(سانپوں (موذیوں) کو دور کرنا اس ہادی کی بارگاہ سے جس نے امام رفاعی کو رفعت بخشی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۱: از بڑودہ ملک گجرات محلّہ راجپورہ متصل مانڈوی مرسلہ میاں محمد عثمان ولد عبدالقادر ۲۶ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ جناب قطب الاقطاب غوث الثقلین میراں محی الدین ابومحمد سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنے وقت میں غوث یا قطب الاقطاب نہیں تھے بلکہ سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ قطب الاقطاب اور غوث الثقلین تھے اور جناب سید عبدالقادر جیلانی نے جناب سید احمد کبیر رفاعی سے مدینہ منورہ میں چند اولیاء کے ہمراہ بیعت کی ہے یہ بیعت اس وقت ہوئی کہ جب سید احمد کبیر رفاعی کے لئے مزار انور سے دست مبارک نکلا تھا، اور اکثر عرب میں سید عبدالقادر جیلانی کو مرقومہً بالا صفتوں سے کوئی نہیں مانتا، ہاں سید احمد کبیر رفاعی کو مانتے ہیں۔ عمرو کہتا ہے کہ سیدنا احمد کبیر رفاعی کی ولایت اور قطبیت میں ہمیں بالکل کلام نہیں، مگر ان کی تفضیل سیدنا جناب سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ پر نہیں ہوسکتی، اور مدینہ منورہ کی بیعت کا کسی جگہ ثبوت نہیں ملتا، اور اکثر عرب سید عبدالقادر جیلانی

قدس سرہ کی بہت قدر و منزلت کرتے ہیں اور قطب الاقطاب و غوث الثقلین کی صفتیں حضرت پیران پیر صاحب ہی پر برتی جاتی ہیں۔

اس مضمون پر رودہ میں خفیہ خفیہ بحثیں ہوا کرتی ہیں، زید کے پیر مرحوم بڑودہ کے رفاعی خاندان کے سجادہ نشین تھے چند روز ہوئے انتقال ہوگیا ہے، یہ انہیں کی تحریک و تحریص کا نتیجہ ہے۔ہم مستفسر نیچے دستخط کرنے والے نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ سید احمد کبیر اور سید عبدالقادر میں قطب الاقطاب اور غوث اعظم کون ہے، اور علمائے ماسلف وحال کس کو مانتے ہیں۔ دوسرے مدینہ منورہ کی بیعت کا اور غوث پاک کی نسبت عقائد اہل عرب کا وافی وکافی ثبوت کتب معتبرہ سے تحریر فرما کر مرہون منت فرمائیں، آپ کے فتوے کے آنے کے بعد ان شاء اللہ اندرونی تقسیم کا بہت سہولت سے فیصلہ ہو جائے گا اور یہ ابتدائی مواد بڑھ کر مرض مہلک تک نہ پہنچے گا۔

محمد عثمان ولد عبدالقادر بقلم خود، منشی سید قطب الدین، عظیم الدین بقلم خود، چھوٹے خاں، امام خان بقلم خود، ننھے بھائی، رسول بھائی دستخط خود۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم ط

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1]	تم فرمادو کہ فضیلت اللہ کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

اس آیہ کریمہ سے مسلمان کو دو۲ ہدایتیں ہوئیں۔

ایک یہ کہ مقبولات بارگاہ احدیت میں اپنی طرف سے ایک کو افضل دوسرے کو مفضول نہ بتائے کہ فضل تو اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

دوسرے یہ کہ جب دلیل مقبول سے ایک کی افضلیت ثابت ہو تو نفس کی خواہش اپنے ذاتی علاقہ نسب یا نسبت شاگردی یا مریدی وغیرہ کو اصلاً دخل نہ دے کہ فضل ہمارے ہاتھ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳/۷۳

کہ اپنے آباواساتذہ ومشائخ کواوروں سے افضل ہی کریں جسے خدانے افضل کیاوہی افضل ہے اگرچہ ہماراذاتی علاقہ اس سے کچھ نہ ہو اور جسے مفضول کیاوہی مفضول ہے اگرچہ ہمارے سب علاقے اس سے ہوں۔ یہ اسلامی شان ہے مسلمان کو اسی پر عمل چاہئے، اکابرخود رضائے الٰہی میں فنا تھے جسے اللہ عزوجل نے ان سے افضل کیا، کیاوہ اس پر خوش ہوں گے کہ ہمارے متوسل ہمیں اس افضل بتائے۔ حاش للہ! وہ سب سے پہلے اس پر ناراض اور سخت غضبناک ہوں گے تواس سے کیا فائدہ کہ اللہ عزوجل کی عطاکا بھی خلاف کیا جائے اوراپنے اکابر کو بھی ناراض کیاجائے۔ حضرت عظیم البرکۃ سیدا سید احمد کبیر رفاعی قدسنا اللہ بسرہ الکریم بیشک اکابر اولیاء واعاظم محبوبان خدا سے ہیں، امام اجل اوحد سیدی ابوالحسن علی بن یوسف نورالملۃ والدین لخمی شطنوفی قدس سرہ العزیز کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں فرماتے ہیں:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ھٰذاالشیخ من اعیان مشائخ العراق واجلاء العارفین او عظماء المحققین وصدار المقربین صاحب المقامات العلیۃ والجلالۃ العظیمۃ والکرامات الجلیلۃ والاحوال السنیۃ والافعال الخارقۃ و الانفاس الصادقۃ صاحب الفتح الموفق والکشف المشرق و القلب الانوار والسرا الظھر والقدر الاکبر [1]۔	یعنی حجر سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سردار ان مشائخ واکابر عارفین واعاظم محققین وافسران مقربین سے ہیں جن کے مقامات بلند اور عظمت رفیع اور کرامتیں جلیل اوراحوال روشن اورافعال خارق عادات اورانفاس سچے عجیب فتح اور چمکا دینے والے کشف اورنہایت نورانی دل اورظاہر ترسر اور بزرگ ترمرتبہ والے۔

یوں ہی دو ورق میں اس جناب رفعت قباب کے مراتب عالیہ ومناقب سامیہ وکرامات بدیعہ وفضائل رفیعہ ذکر فرماتے ہیں۔ حضرت ممدوح قدس سرہ الشریف کاروضہ انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہونااور یہ اشعار عرض کرنا ہے:

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا　　تقبل الارض عنی وھی نائبتی

وھٰذہ دولۃ الاشباح قد حضرت　　فامدد یمینك کی تحظی بھا شفتی [2]

---

[1] بھجۃ الاسرار ومعدن الانوار الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۵

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/۲۶۱

(زمانۂ دوری میں میں اپنی روح کو حاضر کرتا تھا وہ میری طرف سے زمین بوسی کرتی، اب جسم کی نوبت ہے کہ حاضر بارگاہ ہے حضور دست مبارک بڑھائیں کہ میری لب سعادت پائیں۔)

اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک روضۂ انور سے باہر کرنا اور حضرت احمد رفاعی کا اس کے بوسہ سے مشرف ہونا مشہور وماثور ہے، تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک للامام الجلیل السیوطی میں ہے:

لما وقف سید احمد الرفاعی تجاہ الحجرۃ الشریفۃ قال: فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلھا تقبل الارض عنی وھی نائبتی وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت فامد یمینک کی تحظی بھا شفتی فخرجت الیہ الید الشریفۃ فقبلھا[1]۔	جب میرے سردار احمد رفاعی حجرہ شریفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تو یوں کہا: جب میں دور ہوتا تو اپنی روح کو بھیجتا تھا جو میری نائب ہوکر میری طرف سے زمین بوسی کرتی تھی، یہ زیارت کا وقت ہے میں خود حاضر ہوا ہوں اپنا دست اقدس بڑھائیں تاکہ میری ہونٹ دست بوسی کی سعادت پائیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک آپ کی طرف نکلا جس کو آپ نے چوما۔(ت)

اور بعینہٖ یہی کرامت جلیلہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے بھی مذکور ومزبور ہے۔ کتاب تفریح الخاطر مناقب الشیخ عبدالقادر میں ہے:

ذکروا ان الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جاء مرۃ الی المدینۃ المنورہ وقرأبقرب الحجرۃ الشریفہ ھٰذین البیتین(فذکرھما کما مر وقال)فظھرت یدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصافحھا ووضعھا علی رأسہ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	یعنی راویوں نے ذکر کیا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک بار حاضر سرکار مدینۂ نور بار ہوکر روضۂ انور کے قریب وہ دونوں شعر پڑھے اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست انور ظاہر ہوا حضرت غوث نے مصافحہ کیا اور بوسہ لیا اور اپنے سر مبارک پر رکھا۔

اور تعدد سے کوئی مانع نہیں حضور سرکار غوثیت نے پہلا حج ۵۰۹ھ (پانسو نو ہجری) میں فرمایا ہے جب عمر شریف اڑتیس ۳۸ سال تھی، حضور سیدی عدی بن مسافر رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سفر میں ہم رکاب تھے حضرت

[1] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحلک فی امکان رؤیۃ النبی والملک دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۲۶۱

[2] تفریح الخاطر مترجم معہ اصل عربی متن المنقبۃ الثانیۃ والعشرون سنی دار الاشاعت فیصل آباد ص ۵۶و۵۷

سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس وقت ام عبیدہ میں خورد سال تھے حضرت کو گیارہواں عـــہ سال تھا، ممکن کہ اس بار حضور سرکار غوثیت نے یہ اشعار بارگہ عرش جاہ میں عرض کئے اور ظہور دست اقدس وبوسہ مصافحہ سے مشرف ہوئے ہوں۔
جب حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ جوان ہوئے اور حج کو حاضر ہوئے باتباع سرکار غوثیت انہوں نے بھی وہ اشعار عرض کئے اور سرکار کرم کے اس کرم سے مشرف ہوئے ہوں، بہر حال اس پر وہ فقرۂ تراشیدہ کہ اس وقت حضور قطب العالمین غوث العارفین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت رفیع رفاعی کے ہاتھ پر معاذ اللہ بیعت فرمائی کذب وافتراء خالص و دروغ بیفروغ ہے اور اللہ واحد قہار جھوٹ کو دشمن رکھتا ہے نہ کہ ایسا جھوٹ جس سے زمین آسمان ہل جائیں "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾"[1] لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو، "فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾"[2] پھر جب وہ گواہان عادل نہ لاسکے تو جو ایسا دعوی کریں اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں، "وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿۶۱﴾"[3] خاب وخاسرا ہوا جس نے افتراء باندھا۔ حضرت رفیع ورفاعی کی قطبیت سے کسے انکار ہے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد حضرتسیدی علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ قطب ہوئے، اور سرکار غوثیت کی عطا سے حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے مرتبۂ قطبیت پر فائز ہوئے۔ حضرت علی بن ہیتی کا وصال وصال اقدس سرکار غوثیت سے تین سال بعد ۵۶۴ھ میں ہے، پھر حضرت سید رفاعی قطب ہوئے

عـــہ: ابن خلکا کی روایت میں چند مہینے ہی کے تھے زیادہ سے زیادہ، یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

حیث قال احمد بن ابی الحسن المعروف بابن الرفاعی توفی یوم الخمیس الثانی والعشرین من جمادی الاولی سنة ثمان وسبعین وخمسمائة بام عبیدة وھو فی عشر السبعین رحمۃ اللہ تعالٰی[4]۔	اس نے کہا کہ احمد ابن ابوالحسن جو کہ ابن رفاعی کے نام سے مشہور ہیں، کا وصال ۲۲ جمادی الاولی ۵۷۸ھ بروز جمعرات ام عبیدہ کے مقام پر ہوا، چنانچہ آپ ستر کی دہائی میں ہوئے رحمہ اللہ تعالٰی۔ (ت)

مگر بروایت بہجۃ الاسرار عنقریب آتی ہے اس پر ۵۰۹ھ میں سات آٹھ برس کے ہونگے انتہادرجہ دس ۱۰ سال کے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/۱۱۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/۱۳

[3] القرآن الکریم ۲۰/۶۱

[4] دفیات الاعیان ترجمہ ۷۰ ابن الرفاعی دار الثقافت بیروت ۱/۱۷۲

اور ۵۷۸ھ میں وصال ہوا۔ بہجہ مبارکہ میں ہے:

الشیخ علی بن الھیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ احد من تذکر عنہ القطبیۃ. سکن بلدۃ من اعمال نھر الملک الی ان مات بھا سنۃ اربع وستین وخمسمائۃ [1]۔	جنکی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جو نہر الملک کے ایک قریہ میں سکونت پذیر ہوئے یہاں تک کہ اسی قریہ میں ۵۶۴ھ میں وصال فرمایا۔ (ت)

اسی میں ہے:

الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی احد من تذکر عنہ القطبیۃ. سکن بام عبیدۃ قریۃ بارض البطائح الی ان مات بھا فی سنۃ ثمان وسبعین وخمسمائۃ و قدنا ھذا الثمانین [2]۔	جن کی قطبیت کا ذکر کیا جاتا ہے ان میں سے ایک شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی ہیں جو سرزمین طبائح کے قریبہ ام عبیدہ میں ساکن تھے اور وہاں ہی ۵۷۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ نے اسی برس کے قریب عمر پائی۔ (ت)

اسی میں ہے حضرت شیخ جاگیر مرید جلیل تاج العارفین ابوالوفاء نے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی رفعت شان وبے مثلی بیان کرکے فرمایا:

منہ انتقلت القطبیۃ الی سیدی علی الھیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ [3]۔	ان سے قطبیت میرے سردار شیخ علی بن ہیتی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف منتقل ہوئی۔ (ت)

اسی میں ہے:

اخبرنا الشیخ الشریف ابوجعفر محمد بن ابی القاسم العلوی الحسنی قال اخبرنا الشیخ العارف ابو الخیر محمد بن محفوظ قال کنت انا (وفلان و فلان عدعشرۃ انفس من طالبی الاٰخرۃ وثلثۃ من اھل الدنیا) حاضرین	ہمیں شیخ شریف ابوجعفر محمد بن ابوالقاسم علوی حسنی نے بحوالہ شیخ ابوالخیر خبر دی کہ ایک روز عارف باللہ محمد بن محفوظ اور دس حضرات اور طالبان آخرت اور تین شخص طالبان وزارت وغیرہا مناصب دنیا حاضر بارگاہ عالم پناہ سرکار غوثیت تھے حضور نے

[1] بھجۃ الاسرار ذکر الشیخ علی بن الھیتی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۲۸۹ تا ۲۹۴

[2] بھجۃ الاسرار ذکر الشیخ احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ۲۳۵ تا ۲۳۷

[3] بھجۃ الاسرار ذکر الشیخ جاکیر رضی اللہ عنہ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۹

عند شیخنا الشیخ محی الدین عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال لیطلب کل منکم حاجۃ اعطیھا لہ(فذکر حوائجھم منھا)قال الشیخ خلیل بن الصرصری اریدان الاموت حتی انال مقام القطبیۃ قال فقال الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ "کل نمداھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربك وماکان عطاء ربك کان محظورا۔"قال فواللہ لقدنالوا کلھم ماطلبوا[1]۔	ارشاد فرمایا ہر ایک اپنی حاجت عرض کرے میں اسے عطا فرماؤں، سب نے اپنی اپنی دینی ودنیوی مرادیں عرض کیں، ان میں شیخ خلیل صرصری کی عرض یہ تھی کہ میں اپنی زندگی میں مرتبۂ قطبیت پاؤں۔ حضور نے فرمایا "ہم ان کی اور انکی سب کی مدد کرتے ہیں رب کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا پر روک نہیں۔" عارف موصوف فرماتے ہیں خدا کی قسم جس نے جو مانگا تھا پایا۔

اسی میں حضرت سید ابو عمرو عثمٰن بن یوسف وحضرت علی بن سلیمٰن خباز وحضرت ابو الغیث ابن جمیل یمنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ ان سب نے فرمایا:

قطب الشیخ خلیل الصرصری رحمہ اللہ تعالٰی قبل موتہ بسبعۃ ایام[2]۔	حضرت خلیل صرصری اپنی موت سے سات دن پہلے قطب کئے گئے۔

یہ قطبیت بمعنی غوثیت ہے اور اقطاب اصحاب خدمت کو بھی کہتے ہیں جو ہر شہر وہر لشکر میں ہیں شک نہیں کہ ہر غوث اپنے دورہ میں ان سب اقطاب کا افسر وسرور ہے کہ وہ تمام اولیائے دورہ کا سردار ہوتا ہے تو اس معنٰی پر ہر قط یعنی غوث قطب الاقطاب ہے بلکہ غوث کے نیچے جو عہدہ داران تمام اصحاب خدمت کا افسر ہو بایں معنی قطب الاقطاب ہے، مگر قطب الاقطاب بمعنی اول یعنی غوث الاغواث کہ دوروں کے غوثوں کا غوث ہو، غوثوں کو غوثیت اس کی عطا سے ملیت ہو اور غوث اپنے اپنے دورے میں اس کی نیابت سے غوثیت کرتے ہوں وہ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعد حضور پر نور محی الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ والدین ابو محمد ولی الاولیاء، امام الافراد، غوث الاغواث، غوث الثقلین، غوث الکل، غوث اعظم سید شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں اور تا ظہور سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ مرتبہ عظمٰی اسی سرکار غوثیت بار کے لئے رہے گا۔ حضرت رفاعی اور ان کے امثال قبل وبعد کے قطبوں کو حضور پر تفضیل دینی ہوس باطل ونقصان دینی ہے، والعیاذباللہ تعالٰی۔ اس کے بیان کو ہم چند احادیث مرفوعۃ الاسانید امام اجل اوحد

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر فصلو منکالمہ مرصعابشئی من عجائب اھوالہ مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ۳۰ و۳۱

[2] بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کالمہ مرصعابشئی من عجائب اھوالہ مختصرًا مصطفٰی البابی مصر ۳۲

سیدی نورالملۃ والدین ابوالحسن علی شطنوفی قدس سرہٗ الشریف کی کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار معدن الانوار سے ذکر کرتے ہیں اوراس سے پہلے اتنا واضح کردیں کہ یہ امام جلیل صرف دو واسطہ سے حضور سرکار غوثیت کے مستفیضین بارگاہ میں ہیں ان کو محدث جلیل القدر ابوبکر محمد ابن امام حافظ تقی الدین انماطی سے تلمذ ہے ان کو امام اجل شہیر علامہ موفق الدین ابن قدامہ مقدسہ سے ان کو حضور قطب الاقطاب غوث الاغواث غوث الثقلین غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، نیز ان کو امام قاضی القجاۃ محدم ابن امام ابراہم بن عبدالواحد مقدسی سے ان کو امام ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن منصور نقیب السادات سے ان کو حضور سید السادات سے، نیز ان کو شیخ جنید ابو محمد حسن بن علی لخمی سے ان کو ابوالعباس احمد بن علی دمشقی سے ان کو سرکار غوثیت سے، نیز ان کو امام صفی الدین خلیل بن ابی بکر مراعی وامام عبدالواحد بن علی بن احمد قرشی سے ان دونوں کو امام اجل بونصر موسٰی سے ان کو اپنے والد ماجد حضور سیدنا غوث اعظم سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، اوان کے سوااور بہت طرق سے ان امام جلیل کی سند حضور تک ثنائی یعنی صرف دو واسطہ سے ہے، ۷۱۳ھ میں ان کا وصال شریف ہے، اکابر اجلاء نے انہیں امام مانا یہاں تک کہ امام فن رجال شمس ذہبی نے باآنکہ **اولاً** ان کی نگاہ دربارۂ رجال کس درجہ بلند ودشوار پسند واقع ہوئی ہے۔

ثانیاً انہیں حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اورانکے علوم الٰہیہ سے ہنگم عقیدت بلکہ تقریباً بلاکلیہ مجانبت ہے۔

ثالثاً اشاعرہ کے ساتھ انکا برتاؤ معلوم ہے خود انکے تلمیذ اجل امام تاج الدین سبکی ابن امام اجل برکۃ الانام تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی قدس رہما نے تصریح فرمائی کہ شیخنا الذھبی اذا مر باشعری لایبقی ولا یذرا[1] ہمارے استاذ ذہبی جب کسی اشعری پر گزرتے ہیں تو لگی نہیں رکھتے کچھ باقی نہیں چھوڑتے۔ اورامام اجل صاحب بہجہ اشعری ہی ہیں۔

رابعاً معاصرت دلیل منافرت ہے اور ذہبی ان اماما جلیل کے زمانے میں تھے انکی مجلس مبارک میں حاضر ہوئے ہیں باینہمہ انکے مداح ہوئے اوراپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کو الامام الاوحد کے لفظ سے یاد فرمایا یعنی امام یکتا، امام الشان ذہبی کے یہ دولفظ تمام مدائح ومدارج توثیق وتعدیل واعتماد وتعویل کو جامع ہیں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا

1

الامام الاوحد المقری نور الدین شیخ القراء بالدیار المسریۃ ابو الحسن اصله من الشام ومولده بالقاهرة سنة اربع واربعین وستمائة وتصدر للاقراء والتدیس بالجامع الازهر وقدر حضرت مجلس اقرائه واستانست بسمته وسکوته[1]۔	صاحب تعلیم فرقان حمید تمام بلاد مصریں شیخ القراء ابوالحسن کنیت انکی اصل شام سے اور ولادت قاہرہ میں ۶۴۴ھ چھ سو چوالیس میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں درس و تعلیم کی صدارت فرمائی مین انکی مجلس درس میں حاضر ہوا اور انکی روش وخاموشی سے انس پایا۔

امام جلیل عبداللہ بن سعد یافعی قدس سرہ الشریف مرأۃ الجنان میں فرماتے ہیں:

اما کرامته رضی الله تعالٰی عنه فخارجة عن الحصر وقد ذکرت شیئا منها فی کتاب نشر المحاسن وقد اخبرنی من ادرکت من اعلام الائمة الاکابر ان کرامته تواترت وقریب منالتواتر ومعلوم بلا اتفاق انه لم یظهر ظهور کراماته لغیرہ من شیوخ الاٰفاق، وها انا اتصر فی هٰذا الکتاب علی واحدة منها وهی ماروی الشیخ الامام الفقیه العالم المقری ابو الحسن علی بن یوسف بن جریر بن معضاد الشافعی اللخمی فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه بسنده من خمس طرق وعن جماعة من الشیوخ الجلة اعلام الهدی العارفین المقنتین للاقتداء	یعنی حضور پرنور سید نا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرامات شمار سے زیادہ ہیں انہیں سے کچھ ہم نے اپنی تکاب نشر المحاسن میں ذکر کیں اور جتنے مشاہیر اکابر اماموں کے وقت میں نے پائے سب نے مجھے یہی خبر دی کہ سرکار غوثیت کی کرامات متواتر یا قریب تواتر ہیں اور بالاتفاق ثابت ہے کہ تمام جہان کے اولیاء میں کسی سے ایسی کرامتیں ظاہر نہ ہوئیں جیسی حضور پرنور سے ظہور میں آئیں اس کتاب میں ان میں سے صرف ایک ذکر کرتا ہوں وہ جسے روایت کیا شیخ امام فقیہ العالم مقری ابوالحسن علی بن یوسف بن جریری بن معضاد شافعی لخمی نے مناقب حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف) میں اپنی پانچ سندوں سے اور عظیم اولیاء ہدایت کے نشانوں عارفین باللہ کی ایک جماعت (یعنی سیدی ۱عمران کیمانی و ۲سیدی عمر زار و ۳سیدی ابوالسعود)

---

[1] طبقات المقرئین

قالوا جاءت امرأة بولدها الحدیث۔	مدلل و سیدی ابوالعباس احمد صرصری وامام اجل سیدنا تاج الملۃ والدین ابو بکر عبدالرزاق وسیدی امام ابو عبداللہ محمد بن ابی المعالی بن قائد اوانی رضی اللہ تعالٰی عنہم)

وقد خرجت عن حقی فیہ للہ عزوجل ولک) سے کہ ایک بی بی اپنا بیٹا خدمت اقدس سرکار غوثیت میں چھوڑ گئیں کہ اس کا دل حضور سے گرویدہ ہے میں اللہ کے لئے اور حضور کے لئے اس پر اپنے حقوق سے در گزری، حضور نے اسے قبول فرما کر مجاہدے پر لگادیا ایک روز اس کی ماں آئیں دیکھا لڑکا بھوک اور شب بیداری سے بہت زار نزار زرد رنگ ہوگیا ہے اور اسے جَو کی روٹی کھاتے دیکھا، جب بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئیں دیکھا حضور کے سامنے ایک برتن میں مرغی کی ہڈیاں رکھی ہیں جسے حضور نے تناول فرمایا ہے، عرض کی اے میرے مولی! حضور تو مرغ کھائیں اور میرا بچہ جَو کی روٹی۔ یہ سن کر حضور پرنور نے اپنا دست اقدس ان ہڈیوں پر رکھا اور فرمایا:

قومی باذن اللہ تعالٰی الذی یحیی العظام	جی اٹھ اللہ کے حکم سے جو بوسیدہ ہڈیوں کو جِلائے گا۔

یہ فرمانا تھا کہ مرغی فوراً زندہ صحیح سالم کھڑی ہو کر آواز کرنے لگی، حضور اقدس نے فرمایا: جب تیرا بیٹا ایسا ہو جائے وہ جو چاہے کھائے[1]۔

اور انہیں سب ائمہ عارفین نے فرمایا کہ ایک بار حضور کی مجلس وعظ پر ایک چیل چِلّاتی ہوئی گزری اس کی آواز سے حاضرین کے دل مشوّش ہوئے حضور نے ہوا کو حکم دیا: اس چیل کا سر لے۔ فوراً چیل ایک طرف گری اور اس کا سر دوسری طرف۔ پھر حضور نے کرسی وعظ سے اتر کر اس چیل کو اٹھا کر اس پر دست اقدس پھیرا اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا فوراً وہ چیل زندہ ہو کر سب کے سامنے اڑتی چلی گئی[2]۔ ع

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی آں کنی　　　　مردہ راجانے دہی وزندہ رابے جاں کنی

(اے قادر! تو قدرت رکھتا ہے جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے، مردہ کو تو جان دیتا ہے اور زندہ کو بے جان کرتا ہے۔ت)

امام محدث شیخ القراء شمس الملۃ والدین ابوالخیر محمد محمد محمد ابن الجزری رحمہ اللہ تعالٰی کتاب نہایۃ الدرایات

---

[1] مرأة الجنان سنۃ احدی وستین وخمس مائۃ ذکر نسبہ ومولدہ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/۲۶۸

[2] بھجۃ الاسرار فصول من کلامہ مرصعا بشئی من عجائب احوالہ مختصراً مصطفی البابی مصر ص ۶۵

فی اسماء رجال القراءات میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر فضل بن معضاد نور الدین ابو الحسن اللخمی الشطنوفی الشافعی الستاذ المحقق البارع شیخ الدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع واربعین وستمائۃ وتصدر للاقراء بالجامع الازھر و تکاثر علیہ الناس الاجل الفوائد والتحقیق وبلغنی انہ عمل علی الشاطبیۃ شرحًا فلو کان ظھر لکان اجود شروحھا ولہ تعالیق مفیدۃ، قال الذھبی وکان ذا غرام بالشیخ عبدالقادر الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ جمع اخبارہ ومناقبہ فی ثلاث مجلدات، قلت وھذا الکتاب موجود بالقاھرۃ بوقف الخانقاہ الصلاحیۃ و اخبرنی بہ و اجازہ شیخنا الحافظ محی الدین عبد القادر الحنفی وغیرہ توفی یوم السبت اوان الظھر و دفن یوم الاحد العشرین من ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشرۃ وسبعمائۃ رحمہ اللہ تعالٰی [1]۔	یعنی علی بن یوسف بن جریر بن فل بن معضاد نورالدین ابو الحسن لخمی شطنوفی شافعی استاد محقق بارع یعنی ایسے جلیل فضائل والے کہ انہیں دیکھ کر آدمی حیرت میں رہ جائے۔ تمام بلاد مصریہ کے شیخ ۶۴۴ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامع ازہر میں مسند درس پر جلوس فرمایا اور ان کے فوائد و تحقیق کے باعث لوگوں کا پر ہجوم ہوا اور مجھے خبر پہنچی ہے کہ شاطبیہ مبارکہ پر انکی شرح ہے اگر یہ شرح ملتی تو اس کی سب شرحوں سے بہترین شروح میں ہوتی۔ ان کے حواشی فائدہ بخش ہیں۔ ذہبی نے کہا ان کو سرکار غوثیت سے عشق تھا۔ حضور کے حالات و کمالات تین مجلد میں جمع کئے ہیں۔ میں شمس جزری کہتا ہوں کہ یہ کتاب قاھرہ میں خانقاہ حضرت صلاح الدین انار اللہ برہانہٗ کے وقف میں موجود ہے۔ ہمارے استاذ حافظ الحدیث محی الدین عبدالقادری حنفی وغیرہ استاذوں نے ہمیں اس کتاب کی روایات کی خبر و مضامین کی اجازت دی۔ حضرت مصنف کتاب ممدوح کا روز شنبہ وقت ظہر وصال ہوا اور روز یکشنبہ ذی الحجہ ۷۱۳ھ کو دفن ہوئے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

امام عمر بن عبدالوہاب عرضی حلبی نے اپنے نسخہ میں کتاب مبارکہ بہجۃ الاسرار شریف میں لکھا:

قد تتبعتھا فلم اجد فیھا نقلا الا ولہ	یعنی بیشک میں نے اس کتاب بہجۃ الاسرار شریف کو

[1] نہایۃ الرایات فی اسماء رجال القراءات

فیه متابعون وغالب ما اوردہ فیها نقله الیافعی فی اسنی المفاخر وفی نشر المحاسن وروض الریاحین عـــه وشمس الدین الزکی الحلبی ایضاً فی کاب الاشراف وعظم شئی نقل عنه انه احیی الموتی کاحیائه الدجاجة ولعمری ان هذه القصه نقلها تاج الدین السبکی ونقل ایضاً عن ابن الرفاعی وغیرہ وانّٰی لغبی جاهل حاسد ضیع عمرہ فی فهم ما فی السطور وقنع بذٰلك عن تزکیة النفس واقبالها علی الله سبحٰنه وتعالٰی وان یفهم مایعطی الله سبحٰنه وتعالٰی اولیاءہ من التصریف فی الدنیا والاٰخرۃ ولهذا قال الجنید التصدیق بطریقتنا ولایة[1]۔	اول تاآخر جانچا تو اس میں کوئی روایت ایسی نہ پائی جسے اور متعدد اصحاب نے روایت نہ کیا ہو اور اس کی اکثر روایتیں امام یافعی نے اسنی المفاخر ونشر المحاسن وروض الریاحین میں نقل کیں۔ یوں ہی شمس الدین زکی حلبی نے کتاب الاشراف میں اور سب سے بڑی چیز جو بہجہ شریفہ میں نقل کی حضور کا مردے جلانا ہے۔ جیسے وہ مرغ زندہ فرمادیا، اور مجھے اپنی جان کی قسم یہ روایت امام تاج الدین سبکی نے بھی نقل کی، اور یہ کرامت ابن الرفاعی وغیرہ اولیاء سے بھی منقول ہوئی، اور کہاں یہ منصب کسی غبی جاہل حاسد کو جس نے اپنی عمر تحریر سطور کے سمجھنے میں کھوئی اور تزکیہ نفس وتوجہ الی اللہ چھوڑ کر اسی پر بس کی کہ اسے سمجھ سکے جو کچھ تصرفوں کی قدرت اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں کو دنیا وآخرت میں عطا فرماتا ہے، اسی لئے سیدنا جنید رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہمارے طریقے کا سچ ماننا بھی ولایت ہے۔

اقول: بحمد اللہ یہ تصدیق ہے امام مصنف قدس سرہٗ کے اس ارشاد کی خطبہ بہجہ کریمہ میں فرمایا کہ:

لخصته کتاباً مفردامرفوع الاسانید معتمد افیها علی الصحة دون	یعنی میں نے اس کتاب یکتا کرکے مہذب ومنقح فرمایا اور اس کی سندیں منتہٰی تک پہنچائیں جن میں خاص اس صحت پر اعتماد کیا کہ شذوذ

عـــه: یرید تکملته ۱۲ منه غفرله۔

[1] حاشیة امام عمر بن عبدالوهاب علی ابهجة الاسرار

الشذوذ[1]۔	سے منزہ ہو، یعنی خالص صحیح ومشہور روایات لیں جن میں نہ ضعیف ہے، نہ غریب وشاذ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں فرماتے ہیں:

علی بن یوسف بن جریر اللخمی الشطنوفی الامام الاوحد نور الدین ابوالحسن شیخ القراء بالدیار المصریۃ ولد بالقاھرۃ سنۃ اربع اربعین وستمائۃ و تصدر للاقراء بالجامع الازھر وتکاثر علیہ الطلبۃ مات فی ذی الحجۃ سنۃ ثلاث عشر وسبعمائۃ[2]۔	علی بن یوسف بن جریر لخمی شطنوفی امام یکتا نور الدین ابوالحسن دیار مصر میں شیخ القراء قاہرہ یں ۶۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور جامع ازہر میں مسند تدریس پر جلوس فرمایا طلبہ کا ہجوم ہوا، ذی الحجہ ۷۱۳ھ میں انتقال فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ زبدۃ الآثار میں فرماتے ہیں:

بھجۃ الاسرار من تصنیف الشیخ الامام الاجل الفقیہ العالم المقری الاوحد البارع نور الدین ابی الحسن علی بن یوسف الشافعی اللخمی وبینہ وبین الشیخ واسطتان[3]۔	بہجۃ الاسرار تصنیف شیخ امام اجل فقیہ عالم مقری یکتا بارع نور الدین ابوالحسن علی بن یوسف شافعی لخمی ان میں اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں دو واسطے ہیں۔

نیز اپنے رسالہ صلاۃ الاسرار میں فرماتے ہیں:

کتاب عزیز بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار معتبر ومقرر ومشہور و مذکور ست ومصنف آں کتاب از مشاہیر مشائخ وعلماء ست، میان وے وحضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ دو واسطہ است و مقدم است بر امام عبداللہ یافعی	کتاب عزیز "بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار" قابل اعتبار، پختہ اور مشہور ومعروف ہے۔ اس کتاب کے مصنف علیہ الرحمہ مشہور علماء ومشائخ میں سے ہیں۔ آپ کے اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے درمیان دو واسطے ہیں، آپ امام عبداللہ

[1] بھجۃ الاسرار خطبۃ الکتاب مصطفی البابی مصر ص ۲

[2] حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاھرۃ

[3] زبدۃ الآثار مقدمۃ الکتاب بکسنگ کمپنی واقع جزیرہ ص ۵

رحمۃ اللہ علیہ کہ ایشان نیز از منتسبان سلسلہ ومحبان جناب غوث الاعظم اند[1]۔	یافعی علیہ الرحمہ پر مقدم ہیں۔امام یافعی علیہ الرحمہ بھی سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سلسلہ عالیہ سے نسبت رکھنے والوں اورآپ سے محبت رکھنے والوں میں سے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

ایں فقیر درمکہ معظّمہ وددرخدمت شیخ اجل اکرم اعدل شیخ عبدالوہاب متقی کہ مرید امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہما بودند فرمودند بہجۃ الاسرارکتاب معتبرست،مانزیک ایں زمان مقابلہ کردہ ایم وعادت شریف چناں بودکہ اگرکتابے مفید ونافع باشد مقابلہ می کردند و تصحیح می نمودند دریں وقت کہ فقیر رسید بمقابلۂ بہجۃ الاسرار مشغول بودند[2]۔	یہ فقیر مکہ مکرمہ میں انتہائی جلالت،کرم اورعدل کے ماک شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت اقدس میں حاضر تھاجو امام ہمام حضرت شیخ علی متقی قدس اللہ سرہ کے مرید ہیں،آپ نے ارشاد فرمایا کہ "بہجۃ الاسرار"ہمارے نزدیک معتبر کتاب ہے جس کا ہم نے حال ہی میں مقابلہ کیا ہے۔آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ اگر کوئی کتاب فائدہ منداور نفع بخش ہوتی تو اس کا مقابلہ کرتے اور تصحیح فرماتے تھے،جس وقت یہ فقیر وہاں پہنچاتو آپ بہجۃ الاسرارکے مقابلہ میں مصروف تھے۔(ت)

الحمدللہ ان عبارات ائمہ واکابر سے واضح ہواکہ ۱امام ابوالحسن علی نورالدین مصنف کتاب مستطاب بہجۃ الاسرارامام اجل امام یکتا محقق بارع فقیہ شیخ القراء منجملہ مشاہیر مشاءخ علماء ہیں،اوریہ ۲کتاب مستطاب معتبر ومتعمد کہ اکابر ائمہ نے اس سے استناد کیا اورکتب حدیث کی طرح اس کی اجازتیں دیں۔ ۳کتب مناقب سرکار غوثیت میں باعتبارعلواسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں موطائے امام مالک کا۔اور ۴کتب مناقب اولیاء میں باعتبار صحت اسانید اس کا وہ مرتبہ ہے جو کتب حدیث میں صحیح بخاری کا،بلکہ صحاح میں بعض شاذ بھی ہوتی ہیں اوراس میں کوئی حدیث شاذ بھی نہیں،امام بخاری نے صرف صحت کا التزام کیا اور ان امام جلیل نے صحت وعدم شذوذ دونوں کا،اوربشادت علامہ عمر حلبی وہ التزام تام ہواکہ اس کی ہر حدیث

[1] رسالہ صلوٰۃ الاسرار

[2] رسالہ صلوٰۃ الاسرار

کے لئے متعدد متابع موجود ہیں والحمدللہ رب العالمین ایسے امام اجل اوحد نے ایسی کتاب جلیل معتمد میں جو احادیث صحیحہ اس باب میں روایت فرمائیں ہیں یہاں عدد مبارک قادریت سے تبرک کے لئے ان سے گیارہ حدیثیں ذکر کرکے باذنہٖ تعالٰی برکات دارین لیں وباللہ التوفیق۔

حدیث اول: قال رضی اللہ تعالٰی عنہ اخبرنا ابو محمد سالم بن علی الدمیاطی قال اخبرنا الاشیاخ الصلحاء قداۃ العراق الشیخ ابو طاھر بن احمد الصرصری والشیخ ابوالحسن الخفاف البغدادی والشیخ ابو حفص عمر البریدی والشیخ ابوالقاسم عمر الدردانی والیشخ ابوالولید زید بن سعید والشیخ ابو عمر وعثمٰن بن سلیمٰن قالوا اخبرنا (الشیخان) ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی ابنا اخت الشیخ القدوۃ احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ، قالا کنا عند شیخنا الشیخ احمد بن الرفاعی بزاویتہ بام عبیدۃ فمد عنقہ وقال علی رقبتی، فسئلناہ عن ذٰلک فقال قد قال الشیخ عبدالقادر الاٰن ببغداد قدمی ھذہٖ علی رقبۃ کل ولی اللہ [1]۔	مصنف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا کہ ہم سے ابو محمد سالم بن علی ومیاطی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو چھ مشائخ کرام پیشوایان عراق حضرت ابو طاہر صرصری وابوالحسن خفاف وابو حفص بریدی وابوالقاسم عمر و ابوالید زید وابو عمرو عثمان بن سلیمان نے خبر دی ان سب نے فرمایا کہ ہم کو حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دونوں بھانجوں حضرت ابو الفرج عبدالرحیم وابوالحسن علی نے خبر دی کہ ہم اپنے شیخ حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس ان کی خانقاہ مبارک میں میں ام عبیدہ میں ہے حاضر تھے حضرت رفاعی نے اپنی گردن مبارک بڑھائی اور فرمایا: علی رقبتی میری گردن پر۔ہم نے اس کا سبب پوچھا، فرمایا: اسی وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں تمام اولیاء اللہ کی گردن پر۔
حدیث دوم: (قال قدس سرہ) اخبرنا الشریف الجلیل ابوعبداللہ محمد بن الخضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد الحسینی الموصلی قال: اخبرنا ابوالفرج عبدالمحسن ویسمّٰی حسن ابن محمد بن احمد بن	مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے شریف جلیل ابو عبداللہ محمد بن حضر بن عبداللہ بن یحیٰی بن محمد حسینی موصلی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ ابوالفرج عبدالمحسن حسن بن محد بن احمد بن دویرہ مقری حنبلی نے خبر دی کہ شیخ ابو بکر عتیق بن ابوالفضل محمد بن عثمٰن بن

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنار أسہ من المشایخ عند ما قال ذلک الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

الدویرۃ المقری الحنبلی البصری قال:قال الشیخ ابوبکر عتیق بن ابی الفضل محمد بن عثمٰن بن ابی الفضل البندلجی الاصل البغدادی المولد والدار و الازجی المعروف بمعتوق زرت الشیخ سید احمد بن ابی الحسن الرفاعی رضی اللہ عنہ بام عبیدۃ فسمعت اکابر اصحابہ وقدماء مریدیہ یقولون:کان الشیخ یومًا جالسًا فی ھذا الموضع,فحنارأسہ وقال:علی رقبتی,فسألوہ عن ذٰلك فقال:قد قال الشیخ عبد القادر الاٰن ببغداد:قدمی ھذہ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ ، فارخنا ذٰلك الوقت فکان کما قال فی ذٰلك الوقت بعینہ[1]۔

ابوالفضل بندلجی الاصل بغدادی المولدازجی المعروف بہ معتوق نے کہا کہ میں نے شیخ احمد بن ابوالحسن رفاعی رضی اللہ عنہ کی ام عبیدہ میں زیارت کی تو میں نے آپ کے اکابر اصحاب اور قدیم مریدوں کو کہتے ہوئے سنا کہ آج شیخ اس جگہ (برآمدے کی طرف انہوں نے اشارہ کیا) تشریف فرماتھے کہ اپنا سر جھکا دیااور فرمایاکہ میری گردن پر۔جب آپ سے لوگوں نے اس کے بارے میں پوچھاوفرمایاکہ ابھی ابھی بغداد میں شیخ سید عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہے: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ہم نے اس تاریخ کو محفوظ رکھا تو جیسا آپ نے کہا بعینہٖ وہ اسی وقت رونما ہوا تھا۔(ت)

حدیث سوم:اخبرنا الشیخ الصالح ابوحفص عمر بن ابی المعالی نصر بن محمد ابن احمد القرشی الھاشمی الطفسونجی المولد والدار الشافعی قال:اخبرنا الشیخ الاصل الصالح ابوعبداللہ محمد بن ابی الشیخ الصالح ابی حفص عمر بن الشیخ القدوۃ ابی محمد عبدالرحمن الطفسونجی قال:اخبرنا ابوعمر قال:حنا ابی یومًا عنقہ بین اصحابہ بطفسونج وقال: علی رأسی,فسألناہ فقال:قدقال الشیخ عبد القادر الاٰن

ہمیں شیخ صالح ابوحفص عمر بن ابوالمعالی نصر بن محمد بن احمد قرشی ہاشمی طفسونجی شافعی نے خبردی کہ ہم سے شیخ اصل صالح ابوعبداللہ محمد بن ابوالشیخ صالح ابوحفص عمر بن شیخ قدوۃ ابو محمد عبدالرحمٰن طفسونجی نے حدیث بیان کی کہ ہم سے ابوعمر نے حدیث بیان کی کہ ایک دن طفسونج میں میرے والد نے اپنے مریدوں کے درمیان گردن جھکائی اور کہا کہ میرے سر پر۔ہمارے پوچھنے پر فرمایا کہ ابھی شیخ سید عبد القادر علیہ الرحمۃ نے بغداد میں فرمایا ہے کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنار أسہ من المشائخ عند ما قال ذٰلك الشیخ الخ مصطفٰی البابی مصر ۱۳

ببغداد: قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ ، فأرخناہ عندنا، ثم جاء الخبر من بغداد انہ قال ذٰلك فی الیوم الذی أرخناہ[1]۔

پر ہے۔ ہم نے اپنے پاس تاریخ نوٹ کرلی پھر بغداد سے خبر موصول ہوئی کہ شیخ عبدالقادر علیہ الرحمۃ نے بالکل اسی دن یہ اعلان فرمایا تھا جو تاریخ ہم نے نوٹ کر رکھی تھی۔ (ت)

حدیث چہارم: اخبرنا الفقیہ ابوعلی اسحٰق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح الھمد انی الصوفی الشافعی المحدث قال: اخبرنا الشیخ الجلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف ابن الشیخ ابی النجیب عبد القاھر بن عبداللہ بن محمد بن عبد اللہ السھروردی ثم البغدادی الفقیہ الشافعی الصوفی قال: حضر ابی ابو النجیب ببغداد بمجلس الشیخ عبد القادر رضی اللہ عنھما، فقال الشیخ عبد القادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فطأطأ ابی رأسہ حتی کادت تبلغ الارض، وقال علی رأسی علی رأسی علی رأسی یقولھا ثلاثاً[2]۔

ہم سے فقیہ ابوعلی اسحاق بن علی بن عبداللہ بن عبدالدائم بن صالح ہمدانی صوفی شافعی محدث نے حدیث بیان کی کہ ہم سے شیخ جلیل الاصل ابو محمد عبداللطیف بن شیخ ابونجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ سہروردی ثم بغدادی فقیہ شافعی صوفی نے حدیث بیان کی کہ میرے والد ماجد ابوالنجیب بغداد میں شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجلس میں حاضر تھے شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجلس میں فرمایا: میرا یہ قدم ہر ولی اللہ کی گردن پر ہے۔ تو میرے والد نے اس حد تک سر جھکایا کہ وہ زمین کے قریب جا پہنچا اور تین بار کہا: میرے سر پر، میرے سر پر، میرے سر پر عــــہ (ت)

عــــہ: نوٹ: اعلٰی حضرت علیہ الرحمۃ نے تصریح فرمائی کہ یہاں ہم بہجۃ الاسرار سے گیارہ" حدیثیں ذکر کرینگے مگر حدیث دوم، سوم اور چہارم تین حدیثیں اصل (فتاوٰی رضویہ قدیم جلد ۱۲) میں موجود نہیں ہیں بلکہ انکی جگہ بیاض چھوڑا ہوا ہے۔ حدیث دوم کی سند کا ابتدائی حصہ اصل میں مذکور ہونے کی وجہ سے اس کی نشان دہی ہو گئی مگر حدیث سوم و چہارم کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کون سی تھیں، تاہم احادیث مذکورہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے حدیث دوم کے متصل بعد والی دو حدیثیں ہم نے بہجۃ الاسرار سے نقل کردی ہیں جن کا مضمون کافی حد تک احادیث مذکورہ سے یگانگت رکھتا ہے۔ اس طرح گیارہ احادیث پوری ہو گئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بحقیقۃ الحال۔ (مترجم)

---

[1] بھجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳

[2] بھجۃ الاسرار ذکر من حنا رأسہ من المشائخ عندما قال ذالك الشیخ الخ مصطفی البابی مصر ص ۱۳ و ۱۴

حدیث پنجم: اخبرنا الفقیه الجلیل ابوغالب رزق الله ابن ابی عبدالله محمد بن یوسف الرقی قال اخبرنا الشیخ الصالح ابواسحٰق ابراهیم الرقی قال اخبرنا منصور قال اخبرنا القدوة الشیخ ابوعبدالله محمد بن ماجد الرقی ح واخبرنا عالیا ابوالفتوح نصرالله بن یوسف بن خلیل البغدادی المحدث قال اخبرنا الشیخ ابوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزة الازجی قال اخبرنا الشیخان ابوالمظفر منصوربن المبارك والامام ابو محمد عبدالله بن ابی الحسن الاصبهانی قالوا سمعنا السید الشریف الشیخ القدوة اباسعید القیلوی رضی الله تعالٰی عنه یقول لما قال الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علٰی رقبة کل ولی الله تجلی الحق عزوجل علٰی قلبه وجاءته خلعة من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علٰی ید طائفة من الملٰئکة المقربین والبسها بمحضر من جمیع الاولیاء من تقدم منهم وما تاخر الاحیاء باجسادهم والاموات بارواحهم وکانت الملٰئکة ورجال الغیب حافین بمجلسه واقفین فی الهوأصفوفا حتی استد الافق بهم ولم یبق ولی فی الارض الاحنا عنقه[1]۔	مصنف قدس سرہٗ نے کہا کہ ہم سے فقیہ جلیل القدر رزق اللہ بن ابوعبداللہ محمد بن یوسف رقی نے حدیث بیان کی کہ ہم کو شیخ صالح ابواسحٰق ابراہیم رقی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن ماجد رقی نے خبر دی۔ نیز ہمیں سند عالی سے ابوالفتح نصراللہ بن یوسف بن خلیل بغدادی محدث نے خبر دی کہ ہم کو شیخ اوالعباس احمد بن اسمٰعیل بن حمزہ ازجّی نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالمظفر منصور بن مبارک وامام ابو محمد عبداللہ بن ابی الحسن اصبہانی نے خبر دی ان سب حضرات نے فرمایا کہ ہم نے سید شریف شیخ امام ابوسعید قیلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا کہ جب حضرت شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اس وقت اللہ عزوجل نے ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گروہ ملائکہ مقربین کے ہاتھ انکے لیے خلعت بھیجی اور تمام اولیائے اولین وآخرین کا مجمع ہوا، جو زندہ تھے وہ بدن کے ساتھ حاضر ہوئے اور جو انتقال فرماگئے تھے ان کی ارواح طیبہ آئیں، ان سب کے سامنے وہ خلعت حضرت غوثیت کو پہنایا گیا، ملائکہ اور رجال الغیب کا اس وقت ہجوم تھا ہوا میں پَرے باندھے کھڑے تھے، تمام افق ان سے بھر گیا تھا اور روئے زمین پر کوئی ولی ایسا نہ تھا جس نے گردن نہ جھکادی ہو۔ (ت) والحمدللہ رب العالمین۔

[1] بهجة الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن هیئة الحال حین قال ذٰلك مصطفٰی البابی مصر ص ۸و۹

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا ‏ اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلٰی تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا ‏ اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا[1]
تاج فرق عرفا کس کے قدم کو کہئے ‏ سر جسے باج دیں وہ پاؤں ہے کس کا تیرا
گردنیں جھک گئیں سر بچھ گئے دل ٹوٹ گئے ‏ کشف ساق آج کہاں یہ تو قدم تھا تیرا[2]

حدیث ششم: (قال اعلی اللہ تعالٰی مقاماتہ) اخبرنا ابو محمد الحسن بن احمد بن محمد وخلف بن احمد بن محمد الحریمی قال اخبرنا جدی محمد بن دنف قال اخبرنا الشیخ ابوالقاسم بن ابی بکر بن احمد قال سمعت الشیخ خلیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وکان کثیرا الرؤیا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت لہ یارسول اللہ لقد قال الشیخ عبدالقادر قدمی ھٰذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ، فقال صدق الشیخ عبدالقادر وکفی لاوھو القطب وانا ارعاہ[3]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے مرتبے بلند فرمائے) کہ ہم کو ابو محمد حسن بن احمد بن محمد اور خلف بن احمد بن محمد حریمی نے خبر دی کہ ہم کو میرے جد محمد بن دنف نے خبر دی کہ ہم کو شیخ ابوالقاسم بن ابی بکر احمد نے خبر دی کہ میں نے شیخ خلیفہ اکبر ملکی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا اور وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دیدار مبارک سے بکثرت مشرف ہوا کرتے تھے فرمایا خدا کی قسم بیشک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا عرض کی یارسول اللہ! شیخ عبدالقادر نے فرمایا کہ میرا پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "عبدالقادر نے سچ کہا اور کیوں نہ ہو کہ وہی قطب ہیں اور میں ان کا نگہبان۔"

کلب باب عالی عرض کرتا ہے الحمدللہ! اللہ نے ہمارے آقا کو اس کہنے کا حکم دیا، کہتے وقت ان کے قلب مبارک پر تجلی فرمائی، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خلعت بھیجا، تمام اولیاء اولین وآخرین جمع کئے گئے، سب کے مواجہ میں پہنایا گیا۔ ملائکہ کا جمگھٹ ہوا، رجال الغیب نے سلامی دی۔ تمام جہان کے اولیاء نے گردنیں جھکا دیں۔ اب جو چاہے راضی ہو، جو چاہے ناراض۔ جو راضی ہو اس کے لئے رضا، جو ناراض ہو اس کیلئے ناراضی۔ جس کا جی جلے اس سے کہو "مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ

[1] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۸۴و۸۵
[2] حدائق بخشش وصل دوم در منقبت آقائے اکرم غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مکتبہ رضویہ کراچی ص ۸۴و۸۵
[3] بہجۃ الاسرار ذکر اخبار المشائخ بالکشف عن ھیئۃ الحال حین قال ذٰلک مصطفی البابی مصر ص ۱۰

الصُّدُوْرِ﴿۱۱۹﴾ "[1] مر جاؤ اپنی جلن میں بے شک اللہ دلوں کی جانتا ہے۔وللہ الحجۃ البالغہ۔

حدیث ہفتم: (قال بیض اللہ تعالٰی وجھہ) اخبرنا الحسن بن نجیم الحورانی قال اخبرنا الشیخ العارف علی بن ادریس الیعقوبی قال سمعت الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنه یقول الانس لھم مشائخ والملئکة لھم مشائخ وانا شیخ الکل، قال وسمعته فی مرض موته یقول لاولادہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض لاتقیسونی باحد ولا تقیسوا علیّ احدا[2]۔	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو روشن کرے) کہ ہم سے حسن بن نجیم حورانی نے حدیث بیان کی، کہا ہم کو ولی جلیل حضرت علی بن ادریس یعقوبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خبر دی، کہا میں نے حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سنا کہ فرماتے تھے: آدمیوں کے لئے پیر ہیں، قوم جن کے لئے پیر ہیں، فرشتوں کے لئے پیر ہیں، اور میں سب کا پیر ہوں، اور میں نے حضور کو اس مرض مبارک میں جس میں وصال اقدس ہوا سنا کہ اپنے شاہزادگان کرام سے فرماتے تھے: مجھ میں اور تم میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں۔ مجھ سے کسی کو نسبت نہ دو اور مجھے کسی پر قیاس نہ کرو۔ اے ہمارے آقا! آپ نے سچ کہا، خدا کی قسم! آپ صادق مصدوق ہیں۔ (ت)
حدیث ہشتم: (قال طیب اللہ تعالٰی ثراہ) اخبرنا ابو المعالی صالح بن احمد المالکی قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن البغدادی المعروف بالخفاف والشیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطرز قال ابوالحسن اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی سنة ثمانین وخمسائة وقال ابو محمد	مصنف (اللہ تعالٰی اس کی قبر کو خوشبودار بنائے) نے کہا کہ ہم کو ابوالمعالی صالح بن احمد مالکی نے خبر دی کہ ہم کو دو مشائخ کرام نے خبر دی، ایک شیخ ابوالحسن بغدادی معروف بہ خفاف، دوسرے شیخ ابو محمد عبداللطیف بغدادی معروف بہ مطرز۔ اول نے کہا ہمارے پیرو مرشد حضرت شیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر حریمی قدس سرہٗ نے ہمارے سامنے ۵۸۰ھ میں فرمایا، اور دوم نے کہا ہم کو ہمارے

[1] القرآن الکریم ۳/۱۱۹

[2] بهجة الاسرار ذکر کلمات اخبربها عن نفسه الخ مصطفی البابی مصر ص ۲۲و۲۳

اخبرنا شیخنا عبدالغنی بن نقطة قال اخبرنا شیخنا ابوعمروعثمٰن الصریفینی قالا واللہ ما اظھر اللہ تعالٰی ولا یظھر الی الوجود مثلا لشیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	مرشد حضرت عبدالغنی بن نقطہ نے خبر دی کہ ان کے سامنے ان کے مرشد حضرت شیخ ابوعمرو عثمان صریفینی قدس سرہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اولیاء میں حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مثل نہ پیدا کیا نہ کبھی پیدا کرے۔

ع بقسم کہتے ہیں شاہان صریفین وحریم

کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا[2]

حدیث نہم: (قال رفع اللہ تعالٰی کتابہ فی علیین) اخبرنا الشیخ ابو المحاسن یوسف بن احمد البصری عقال سمعت الشیخ العالم اباطالب عبد الرحمٰن بن محمد الھاشمی الواسطی قال سمعت الشیخ القدوۃ جمال الدین ابا محمد بن عبد البصری بھا یقول وقد سئل عن الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام أحی ھو ام میت قال اجتمعت بابی العباس الخضر علیہ الصلوٰۃ والسلام وقلت اخبرنی عن حال الشیخ عبدالقادر قال ھو فرد الاحباب وقطب الاولیاء فی ھذا الوقت وما واللہ تعالٰی ولیا الی مقام الاوکان الشیخ عبدالقادر اعلاہ ولا سقی اللہ حبیبا کأسامن حبہ الا وکان للشیخ عبدالقادر	مصنف (اللہ تعالٰی اس کے نامۂ اعمال کو علیین میں بلند کرے) نے کہا کہ ہم کو شیخ ابوالمحاسن یوسف بن احمد بصری نے خبر دی کہ میں نے شیخ ابوطالب عبدالرحمٰن بن محمد ہاشمی واسطی سے سنا کہتے تھے میں نے شیخ امام جمال الملۃ والدین حضرت ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بصرہ میں سنا، ان سے سوال ہوا تھا کہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں یا انتقال ہوا؟ فرمایا: میں حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا اور عرض کی: مجھے حضرت شیخ عبدالقادر کے حال سے خبر دیجئے۔ حضرت خضر نے فرمایا: وہ آج تمام محبوبوں میں یکتا اور تمام اولیاء کے قطب ہیں اللہ تعالٰی نے کسی ولی کو کسی مقام تک نہ پہنچایا جس سے اعلٰی مقام شیخ عبد القادر کو نہ دیا ہو نہ کسی حبیب کو اپنا جام محبت پلایا جس سے خوشگوار تر شیخ عبدالقادر

[1] بھجة الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعًا بشیئ من عجائب احوالہ مختصرًا مصطفی البابی مصر ص ۲۵

[2] حدائق بخشش فصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ٦

اهناه، ولا وهب الله لمقرب حالا الا وكان الشيخ عبد القادر اجله، وقد اودعه الله تعالٰى سرا من اسرارہ سبق به جمهور الاولياء وما اتخذ الله وليا كان اول يكون الا وهو متأدب معه الٰى يوم القيٰمة [1]۔	نے نہ پایا ہو، نہ کسی مقرب کو کوئی حال بخشا کہ شیخ عبدالقادر اس سے بزرگ تر نہ ہوں۔ اللہ نے ان میں اپنا وہ راز ودیعت رکھا ہے جس سے وہ جمہور اولیاء پر سبقت لے گئے، اللہ نے جتنوں کو ولایت دی اور جتنوں کو قیامت تک دے سب شیخ عبدالقادر کے حضور ادب کیے ہوئے ہیں۔

؎ جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے
سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا [2]

حدیث دہم: قال رفع الله تعالٰى درجاته فى الفردوس اخبرنا الشريف ابو عبد الله محمد بن الخضر الحسينى الموصلى، قال سمعت ابى يقول كنت يوما جالسا بين يدى سيدى الشيخ محى الدين عبد القادر رضى الله تعالٰى عنه فخطر فى قلبى زيارة الشيخ احمد رفاعى رضى الله عنه فقال لى الشيخ احمد؟ قلت نعم فاطرق يسيرًا، ثم قال لى ياخضرها الشيخ احمد فاذا انا بجانبه فرأيت شيخًا مهابا فقمت اليه وسلمت عليه، فقال لى ياخضرو من يرى مثل الشيخ عبد القادر سيد الاولياء يتمنى رؤية مثلى وهل انا الا من رعيته ثم غاب وبعد وفاة الشيخ انحدرت	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی جنت فردوس میں اس کے درجے بلند فرمائے) کہ ہم کو سید حسینی ابو عبداللہ محمد بن خضر موصلی نے خبر دی کہ میں نے اپنے والد ماجد کو فرماتے سنا کہ ایک روز میں حضرت سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور حاضر تھا میرے دل میں خطرہ آیا کہ شیخ احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زیارت کروں، حضور نے فرمایا: کیا شیخ احمد کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی: ہاں۔ حضور تھوڑی دیر سر مبارک جھکایا پھر مجھ سے فرمایا: اے خضر! لو یہ ہیں شیخ احمد۔ اب جو میں دیکھوں تو اپنے آپ کو حضرت احمد رفاعی کے پہلو میں پایا اور میں نے اُن کو دیکھا کہ رعب دار شخص ہیں میں کھڑا ہوا اور انہیں سلام کیا۔ اس پر حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا: اے خضر! وہ جو شیخ عبدالقادر

[1] بهجة الاسرار ذكر الشيخ ابو محمد القاسم بن عبد البصرى مصطفى البابى مصر ص ۱۷۳

[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۶

من بغداد الی ام عبیدة لازورہ، فلما قدمت علیه اذا هو الشیخ الذی رأیته فی جانب الشیخ عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه فی ذٰلك الوقت لم تجد درؤیته عندی زیادة معرفة به فقال لی یاخضر الم تکفك الاولٰی[1]۔	کو دیکھے جو تمام اولیاء کے سردار ہیں وہ میرے دیکھنے کی تمنا میں تو انہیں کی رعیت میں سے ہوں۔یہ فرما کر میری نظر سے غائب ہوگئے پھر حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے وصال اقدس کے بعد بغداد شریف سے حضرت سیدی احمد رفاعی کی زیارت کو ام عبیدہ گیا انہیں دیکھا تو وہی شیخ تھے جن کو میں نے اس دن حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پہلو میں دیکھا تھا۔ اس وقت کے دیکھنے نے کوئی اور زیادہ ان کی شناخت مجھے نہ دی۔ حضرت رفاعی نے فرمایا: اے خضر! کیا پہلی تمہیں کافی نہ تھی!
حدیث یازدہم: (قال جمعنا الله تعالٰی وایاہ یوم الحشر تحت لواء الحضرة الغوثیة) اخبرنا ابوالقاسم محمد بن عبادة الانصاری الحلبی قال سمعت الشیخ العارف اباسحٰق ابراهیم بن محمود البعلبکی المقری قال سمعت شیخنا الامام اباعبدالله محمد البطائحی، قال انحدرت فی حیاة سید الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله تعالٰی عنه الی ام عبیدة، واقمت برواق الشیخ احمد رضی الله تعالٰی عنه ایامًا فقال لی الشیخ احمد یومًا اذکر لی شیئًا من مناقب الشیخ عبدالقادر وصفاته فذکرت له شیئًا منها، فجاء رجل فی اثناء حدیثی فقال لی مه لاتذکر عندنا مناقب غیر مناقب هذا، اواشار الی الشیخ احمد فنظر	مصنف نے کہا (اللہ تعالٰی ہمیں اوراسے یوم محشر کو غوث اعظم کے جھنڈے کے نیچے جمع فرمائے) کہ ہم کو ابوالقاسم محمد بن عبادہ انصاری حلبی نے خبر دی کہ میں نے شیخ عارف باللہ ابواسحٰق ابراہیم بن محمود بعلبکی مقری کو فرماتے سنا، کہا میں نے اپنے مرشد امام ابوعبداللہ بطائحی کو سنا کہ فرماتے تھے: میں حضور سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں ام عبیدہ گیا اور حضرت سیدی احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خانقاہ میں چند روز مقیم رہا ایک روز حضرت رفاعی نے مجھ سے فرمایا ہمیں حضرت شیخ عبدالقادر کے کچھ مناقب واوصاف سناؤ، میں نے کچھ مناقب شریف ان کے سامنے بیان کئے میرے اثنائے بیان میں ایک شخص آیا اور اس نے مجھ سے کہا کیا ہے اور حضرت سید رفاعی کی طرف اشارہ کرکے کہا ہمارے سامنے ان کے سوا کسی کے

[1] بهجة الاسرار ذکر احمد بن ابی الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۷،۲۳۸

الیه الشیخ احمد مغضباً، فرفع الرجل من بین یدیه میتًا ثم قال ومن یستطع وصف مانقب الشیخ عبد القادر ومن یبلغ مبلغ الشیخ عبدالقادر ذٰلك رجل بحر الشرعة عن یمینهٖ، وبحر الحقیقة عن یسارہ، من ایهما شاء اغترف الشیخ عبدالقادر لاثانی له فی عصرنا هٰذا، قال وسمعته یوما یوصی اولاد اختهٖ و اکابر اصحابه، وقدجاء رجل یودعه مسافرًا الی بغداد قال له اذا دخلت الی بغداد فلا تقدم علٰی زیارة الشیخ عبدالقادر شیئًا ان کان حیا ولا علی زیارة قبرہ ان کان میتا، فقد اخذله العهد ایما رجل من اصحاب الاحوال دخل بغداد ولم یزرہ سلب حاله ولو قبیل الموت، ثم قال والشیخ محی الدین عبدالقادر حسرة علی من لم یرہ رضی الله عنه[1]۔	مناقب ذکر نہ کرو، یہ سنتے ہی حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس شخص کو ایک غضب کی نگاہ سے دیکھا کہ فورًا اس کا دم نکل گیا لوگ اس کی لاش اٹھا کرلے گئے، پھر حضرت سید رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر کے مناقب کون بیان کرسکتا ہے، شیخ عبدالقادر کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے، شریعت کا دریا ان کے دَہنے ہاتھ پر ہے اور حقیقت کا دریا ان کے بائیں ہاتھ پر جس میں سے چاہیں پانی پی لیں، ہمارے اس وقت میں شیخ عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں۔ امام ابوعبداللہ فرماتے ہیں ایک دن میں نے حضرت رفاعی کو سنا کہ اپنے بھانجوں اور اکابر مریدین کو وصیت فرماتے تھے ایک شخص بغداد مقدس کے ارادے سے ان سے رخصت ہونے آیا تھا فرمایا جب بغداد پہنچو تو حضرت شیخ عبدالقادر اگر دنیا میں تشریف فرما ہوں تو ان کی زیارت اور پردہ فرماجائیں تو ان کے مزار مبارک کی زیارت سے پہلے کوئی کام نہ کرنا کہ اللہ عزوجل نے ان سے عہد فرمار کھا ہے کہ جو کوئی صاحب حال بغداد آئے اور ان کی زیارت کو نہ حاضر ہو اس کا حال سلب ہوجائے اگرچہ اس کے مرتے وقت پھر حضرت رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شیخ عبدالقادر حسرت ہیں اس پر جسے انکا دیدار نہ ملا۔

[1] بهجة الاسرار ذکر الشیخ احمد بن الحسن الرفاعی مصطفی البابی مصر ص ۲۳۸

یہ کمینہ بندہ بارگاہ عرض کرتا ہے:ـ

اے حسرت آنانکہ ندیدند جمالت   محروم مدار ایں سگ خود راز نوالت [1]

(جنہوں نے آپ کا جمال نہ دیکھا ان پر حسرت ہے، اپنے اس کتے کو اپنی عطا سے محروم نہ رکھیں۔ت)

بحرمة جدك الكريم عليه ثم عليك الصلوٰة والتسليم (اپنے کریم نانا کے صدقے میں۔ان پر پھر آپ پر درود وسلام ہو۔ت) مسلمان ان احادیث صحیحہ جلیلہ کو دیکھے اوراس شخص کے مثل اپنا حال ہونے سے ڈرے جس کا خاتمہ حضرت غوثیت کی شان میں گستاخی اور حضرت سید رفاعی کے غضب پر ہوا، **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔اے شخص! ظاہر شریعت میں حضرت سرکار غوثیت کی محبت بایں معنٰی رکنِ ایمان نہیں کہ جو ان سے محبت نہ رکھے شرع اسے فی الحال کافر کہے یہ تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰة والثناء کے لئے ہے مگر واللہ کہ ان کے مخالف سے اللہ عزوجل نے لڑائی کا اعلان فرمایا ہے خصوص کا انکار نصوص کے انکار کی طرف لے جاتا ہے، عبد القادر کا انکار قادر مطلق عزجلالہٗ کے انکار کی طرف کیوں نہ لے جائے گا۔

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی   دیکھ اڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا

شاخ پر بیٹھ کے جڑ کاٹنے کی فکر میں ہے   کہیں نیچا نہ دکھائے تجھے شجرا تیرا [2]

والعیاذ باللہ القادر رب الشیخ عبد القادر وصلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم علی جد الشیخ عبد القادر ثم علی الشیخ عبد القادر اٰمین۔	شیخ عبد القادر کے قدرت والے معبود کی پناہ، شیخ عبد القادر کے نانا جان پھر خود شیخ عبد القادر پر اللہ تعالٰی درود، برکت اور سلام نازل فرمائے، آمین۔

تذییل: اخیر میں ہم دو جلیل القدر اجلۃ المشاہیر علماء کبار مکہ معظّمہ کے کلمات ذکر کریں جن کی وفات کو تین تین سو برس سے زائد ہوئے، **اوّل** امام اجل ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی، **دوم** علامہ علی قاری مکی حنفی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ وغیرہا کتب جلیلہ۔دو غرض سے:

ایک یہ کہ اگر دو مطرودوں، مخذولوں، گمناموں، مجہولوں واسطی وقرمانی کی طرح کسی کے دل میں

1

2 حدائق بخشش وصل چہارم در منافحت اعداء واستعانت از آقا رضی اللہ عنہ مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۹

کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف سے آگ ہو تو ان سے لاگ کی تو کوئی وجہ نہیں یہ بالاتفاق اجلہ اکابر علماء ہیں۔
دوسرے یہ کہ دونوں صاحب اکابر مکہ معظّمہ سے ہیں، تو اس افتراء کا جواب ہوگا جو مخالف نے اہل عرب پر کیا حالانکہ غالبًا تاریخ الحرمین وغیرہ میں ہے، اور حاضری حرمین طیبین سے مشرف ہونے والا جانتا ہے کہ اہل حرمین طیبین بعد حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اٹھتے بیٹھتے حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ذکر کرتے ہیں اور حضور کے برابر کسی کا نام نہیں لیتے۔ان حضرات کی بھی گیارہ ہی عبارات نقل کریں۔:

(۱) علامہ علی قاری حنفی مکی متوفی ۱۰۱۴ھ کتاب نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سیدی الشریف عبدالقادر میں فرماتے ہیں:

لقد بلغنی عن بعض الاکابر ان الامام الحسن ابن سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما لما ترك الخلافۃ لما فیھا من الفتنۃ والاٰفۃ عوضہ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی القطبیۃ الکبرٰی فیہ وفی نسلہ وکان رضی اللہ تعالٰی عنہ القطب الاکبر سیدنا السید الشیخ عبدالقادر ھو القطب الاوسط والمھدی خاتمۃ الاقطاب[1]۔	بیشک مجھے اکابر سے پہنچا کہ سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جب بخیال فتنہ وبلایہ خلافت ترک فرمائی اللہ عزوجل نے اس کے بدلے ان میں اور انکی اولاد امجاد میں غوثیت عظمٰی کا مرتبہ رکھا۔پہلے قطب اکبر خود حضور سید امام حسن ہوئے اور اوسط میں صرف حضور سیدنا سید عبدالقادر اور آخر میں حضرت امام مہدی ہوں گے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

(۲) اسی میں ہے:

من مشائخہ حماد الدباس رضی اللہ تعالٰی عنہ روی ان یوما کان سید نا عبدالقادر عندہ فی رباطہ ولما غاب من حضرتہ قال ان ھذا الاعجمی الشریف قدمًا یکون علی رقاب اولیاء اللہ یصیر مامورا من عند مولاہ	حضرت حماد دباس حضور سیدنا غوث اعظم کے مشائخ سے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ایک روز انہوں نے سرکار غوثیت کی غیبت میں فرمایا، ان جوان سید کا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا انہیں اللہ عزوجل حکم دے گا کہ فرمائیں میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ

[1] نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۶

بأن یقول قدمی ھٰذا علی رقبۃ کل ولی اللہ ویتواضع لہ جمیع اولیاء اللہ فی زمانہ ویعظمونہ لظھور شانہ[1]۔	کی گردن پر، اور ان کے زمانے میں جمیع اولیاء اللہ انکے لئے سر جھکائیں گے، اور ان کے ظہور مرتبہ کے سبب ان کی تعظیم بجا لائیں گے۔

مامور من اللہ ہونا ملحوظ رہے اور جمیع اولیاء زمانہ میں بے شک حضرت سیدی رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی داخل۔

(۳) اسی میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ "[2] فرمانا اور اولیاء حاضرین و غائبین کا گردنیں جھکانا اور قدم مبارک اپنی گردنوں پر لینا اور ایک شخص کا انکار کرنا اور اس کی ولایت سلب ہوجانا بیان کرکے فرماتے ہیں:

وھذا تنبیہ بینۃ علی انہ قطب الاقطاب والغوث الاعظم[3]۔	یہ روشن دلیل قاطع ہے اس پر کہ حضور تمام قطبوں کے قطب اور غوث اعظم ہیں۔

(۴) اسی میں ہے:

ومن کلامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تحدثا بنعم اللہ تعالٰی علیہ بینی وبینکم وبین الخلق کلھم بعد مابین السماء والارض فلاتقیسونی باحد ولاتقیسوا علی احدًا یعنی فلایقاس الملوك بغیر ھم وھٰذا کلہ من فتوح الغیب المبرء من کل عیب۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اللہ عزوجل کی اپنے اوپر نعمتیں ظاہر فرمانے کا جو کلام ارشاد فرمائے ان میں سے یہ ہے کہ فرمایا مجھ میں اور تمام مخلوقات زمانہ میں وہ فرق ہے جو آسمان وزمین میں، مجھے کسی سے نسبت نہ دو اور مجھ پر کسی کو قیاس نہ کرو۔ اس پر علامہ علی قاری فرماتے ہیں اس لئے کہ سلاطین کا رعیت پر قیاس نہیں ہوتا اور یہ سب غیب کے فتوحات سے ہے جو ہر عیب سے پاک وصاف ہے۔

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۸

[2] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹و۱۰

[3] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص ۹و۱۰

(۵) اسی میں ہے:

وعن عبداللّٰه بن علی بن عصرون التمیمی الشافعی قال دخلت وانا شاب الٰی بغداد فی طلب العلم وکان ابن السقا یومئذ رفیقی فی الاشتغال بالنظامیة وکنا نتعبد ونزور الصالحین وکان رجل ببغداد یقال له الغوث، وکان یقال عنه انه یظهر اذا شاء ویخفی اذا شاء فقصدت انا وابن السقا والشیخ عبدالقادر الجیلانی وھو شاب یومئذ الٰی زیارته فقال ابن السقا ونحن فی الطریق الیوم اسأله عن مسئلة لایدری لها جوابا، فقلت وانا اسئله[1] (نزھة الخاطر والفاتر فی ترجمة سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخه) ص۳۰) عن مسئلة فانظر ماذا یقول فیها وقال سیدی الشیخ عبد القادر قدس سرہ الباھر معاذ اللّٰه ان اسأله شیئا، وانا بین یه اذًا انظر برکات رویته فلما دخلنا علیه لم نرہ فی مکانه فمکثنا ساعة فاذا ھو جالس فنظر الی ابن السقا مغضبا وقال له ویلك یا ابن السقا تسألنی عن مسئلة لم أردلها جوابا، ھی کذا وجوابها کذا، انی لاری نار الکفر تلھب فیک۔ ثم نظر الی وقال	امام عبداللہ بن علی بن عصرون تمیمی شافعی سے روایت ہے میں جوانی میں طلب علم کے لئے بغداد گیا اس زمانے میں ابن السقا مدرسہ نظامیہ میں میرے ساتھ پڑھا کرتا تھا، ہم عبادت اور صالحین کی زیارت کرتے تھے، بغداد میں ایک صاحب کو غوث کہتے، اور ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب چاہیں ظاہر ہوں جب چاہیں نظروں سے چھپ جائیں، ایک دن میں اور ابن السقا اور اپنی نوعمری کی حالت میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ان غوث کی زیارت کو گئے، راستے میں ابن السقا نے کہا آج ان سے وہ مسئلہ پوچھوں گا جس کا جواب انہیں نہ آئے گا۔ میں نے کہا میں بھی ایک مسئلہ پوچھوں گا دیکھوں کیا جواب دیتے ہیں، حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہ الاعلی نے فرمایا معاذاللہ کہ میں ان کے سامنے ان سے کچھ پوچھوں میں تو انکے دیدار کی برکتوں کا نظارہ کروں گا۔ جب ہم ان غوث کے یہاں حاضر ہوئے ان کو اپنی جگہ نہ دیکھا تھوڑی دیر میں دیکھا تشریف فرما ہیں ابن السقا کی طرف نگاہ غضب کی اور فرمایا: تیری خرابی اے ابن السقا! تو مجھ سے وہ مسئلہ پوچھے گا جس کا مجھے جواب نہ آئے تیرا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ ہے، بے شک میں کفر کی آگ تجھ میں بھڑکتی دیکھ رہا ہوں۔ پھر میری طرف نظر کی اور فرمایا

[1] نزھة الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر (قلمی) ص۳۰

یاعبدالله تسألنی عن مسألة لتنظر ماأقول فیها هی كذا وجوابها كذا لتخرن علیك الدنیا الٰی شحمتی اذنیك باساءة ادبک۔ثم نظر الٰی سید عبدالقادر و ادناہ منه واكرمه وقال له یا عبدالقادر لقد ارضیت الله ورسوله بادبك كانّی اراك ببغدادوقد صعدت علی الكرسی متكلما علی الملا وقلت قدمی هٰذہٖ علٰی رقبة كل ولی الله ،وكانّی اری الاولیاء فی وقتك وقد حنوا رقبهم اجلالا لک،ثم غاب عنا لوقته فلم نرہ بعد ذٰلک، قال واما سیدی الشیخ عبدالقادر فانه ظهرت امارة قربه من الله عزوجل واجتمع علیه الخاص والعام، وقال قدمی هٰذہٖ علٰی رقبة كل ولی الله واقرت الاولیاء بفضله فی وقته واما ابن السقافرأی بنتا للملك حسینة ففتن بها وسأل ان یزوجها به فابٰی الاان یتنصّر فاجابه الٰی ذٰلک۔والعیاذبالله تعالٰی۔واما انا فجئت الٰی دمشق واحضرنی السلطان نورالدین الشهید وولانی علی الاوقات فولیتها واقبلت علی الدنیا اقبالا كثیرا فقدصدق	اے عبداللہ! تم مجھ سے مسئلہ پوچھوگے کہ میں کیا جواب دیتا ہوں تمہارا مسئلہ یہ ہے اور اس کا جواب یہ، ضرور تم پر دنیا اتنا گوبر کرے گی کہ کان کی لَوتک اس میں غرق ہوگے، بدلہ تمہاری بے ادبی کا۔ پھر حضرت شیخ عبدالقادر کی طرف نظر کی اور حضور کو اپنے نزدیک کیا اور حضور کا اعزاز کیا اور فرمایا: اے عبدالقادر! بے شک آپ نے اپنے حسن ادب سے اللہ و رسول کو راضی کیا گویا میں اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ آپ مجمع بغداد میں کرسی وعظ پر تشریف لے گئے اور فرمارہے ہیں کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، اور تمام اولیائے وقت نے آپکی تعظیم کیلئے گردنیں جھکائی ہیں۔ وہ غوث یہ فرما کر ہماری نگاہوں سے غائب ہوگئے پھر ہم نے انہیں نہ دیکھا۔ حضرت شیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر تو نشان قرب ظاہر ہوئے کہ وہ اللہ عزوجل کے قرب میں ہیں خاص وعام ان پر جمع ہوئے اور انہوں نے فرمایا: میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر۔ اور اولیاء وقت نے اس کا ان کے لئے اقرار کیا، اور ابن السقا ایک نصرانی بادشاہ کی خوبصورت بیٹی پر عاشق ہوا اس سے نکاح کی درخواست کی اس نے نہ مانا مگر یہ نصرانی ہوجائے، اس نے یہ نصرانی ہونا قبول کرلیا، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ رہا میں، میرا دمشق جانا ہوا وہاں سلطان نورالدین شہید نے مجھے افسر اوقاف کیا اور دنیا بکثرت میری طرف آئی۔ غوث کا ارشاد ہم سب کے بارے میں

کلام الغوث فیناکلنا۔	جو کچھ تھا صادق آیا۔

اولیاءِ وقت میں حضرت رفاعی بھی ہیں۔ یہ مبارک روایت بہجۃ الاسرار شریف[1] میں دو سندوں سے ہے، اور ایک یہی کیا۔ علامہ علی قاری نے اس کتاب میں چالیس ۴۰ روایات اور بہت کلمات کہ ذکر کئے سب بہجۃ الاسرار شریف سے ماخوذ ہیں، یونہی اکابر ہمیشہ اس کتاب مبارک کی احادیث سے استناد کرتے آئے مگر محروم محروم۔

(٦) اسی میں ہے:

قال رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وعزّۃ ربّی ان السعداء و الاشقیاء یعرضون علی وان بؤبؤ عینی فی اللوح المحفوظ انا حجۃ اللّٰہ علیکم جمیعکم انا نائب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم ووارثہ فی الارض و یقول الانس لھم مشائخ والجن لھم مشائخ و الملئکۃ لھم مشائخ وانا شیخ الکل، رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ، ونفعنابہ[2]۔	حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا "مجھے عزت پروردگار کی قسم! بے شک سعید و شقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں، بیشک میری آنکھ پُتلی لوح، محفوظ میں ہے، میں تم سب پر اللہ کی حجت ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور تمام زمین میں ان کا وارث ہوں۔ اور فرمایا کرتے: آدمیوں کے پیر ہیں، قوم جن کے پیر ہیں، فرشتوں کے پیر ہیں اور میں ان سب کا پیر ہوں۔" علی قاری اسے نقل کر کے عرض کرتے ہیں: اللہ عزوجل کی رضوان حضور پر ہو اور حضور کے برکات سے ہم کو نفع دے۔

(۷) اسی میں ہے:

روی عن السید الکبیر القطب الشھیر سید احمد الرفاعی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ انہ قال الشیخ عبد القادر بحر الشریعۃ عن یمینہ وبحر الحقیقۃ عن یسارہ من ایھما شاء اغترف السید	سید کبیر قطب شہیر سید احمد الرفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: شیخ عبدالقادر وہ ہیں کہ شریعت کا سمندر ان کے دہنے ہاتھ ہے اور حقیقت کا سمندر ان کے بائیں ہاتھ، جس میں سے چاہیں پانی پی لیں۔ اس ہمارے

[1] بھجۃ الاسرار ذکر اخبار المشایخ منہ بذلك مصطفی البابی مصر ص ٦

[2] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ٣٢

عبدالقادر لاثانی لہ فی عصرنا ھذا رضی اللہ تعالٰی عنہ[1]۔	وقت میں سید عبدالقادر کا کوئی ثانی نہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸) امام ابن حجر مکی شافعی متوفی ۹۷۴ھ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

انھم قد یؤمرون تعریفا لجاھل اوشکرا وتحدثا بنعمۃ اللہ تعالٰی کما وقع الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ بینما ھو بمجلس وعظہ واذا ھو یقول قدمی ھٰذہٖ علٰی رقبۃ کل ولی اللہ تعالٰی فاجابہ فی تلک الساعۃ اولیاء الدنیا قال جماعۃ بل واولیاء الجن جمیعھم وطأطئوا رءوسھم وخضعوالہ واعترفوا بما قالہ الارجل باصبھان فابٰی فسلب حالہ[2]۔	کبھی اولیاء کو کلمات بلند کہنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ جو ان کے مقامات عالیہ سے ناواقف ہے اسے اطلاع ہو یا شکر الٰہی اور اس کی نعمت کا اظہار کرنے کے لئے جیسا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے ہوا کہ انہوں نے اپنی مجلس وعظ میں دفعۃً فرمایا کہ میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر، فورًا تمام دنیا کے اولیاء نے قبول کیا (اور ایک جماعت کی روایت ہے کہ جملہ اولیاء جن نے بھی) اور سب نے اپنے سر جھکادئے اور سرکار غوثیت کے حضور جھک گئے اور ان کے اس ارشاد کا اقرار کیا مگر اصفہان میں ایک شخص منکر ہوا فورًا اس کا حال سلب ہوگیا۔

(۹) پھر فرمایا:

وممن طأطأرأسہ ابوالنجیب[۱] السھروردی وقال علٰی رأسی واحمد[۲] الرفاعی قال علی رقبتی وحیدمنھم وسئل فقال الشیخ عبدالقادر یقول کذا وکذا، وابو مدین[۳] فی المغرب وانا منھم اللھم انی اشھدک واشھدملئکتک	حضور کے ارشاد پر جنہوں نے اپنے سر جھکائے ان میں سے (سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے پیران پیر) حضرت سید عبدالقاہر ابوالنجیب سہروردی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے اپنا سر مبارک جھکادیا اور کہا (گردن کیسی) میرے سر پر میرے سر پر۔ اور ان میں سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں انہوں نے کہا میری گردن پر، اور کہا

[1] نزھۃ الخاطر الفاتر فی ترجمۃ سید الشریف عبدالقادر (قلمی نسخہ) ص ۳۴

[2] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

انی سمعت واطعت، وکذا الشیخ عبدالرحیم القناوی مدّعنقه وقال صدق الصادق المصدوق[1]۔	یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے جن کی گردن پر حضور کا پاؤں ہے، اس کہنے اور گردن جھکانے کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس وقت حضرت شیخ عبدالقادر نے بغداد مقدس میں ارشاد فرمایا ہے کہ "میرا پاؤں ہر ولی کی گردن پر" لہٰذا میں نے بھی سر جھکایا اور عرض کی کہ یہ چھوٹا سا احمد بھی انہیں میں ہے، اور انہیں میں حضرت سید ابومدین شعیب مغربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں انہوں نے سر مبارک جھکایا اور کہا میں بھی انہیں میں ہوں الٰہی میں تجھے اور تیرے فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے قدمی کا ارشاد سنا اور حکم مانا۔ اسی طرح حضرت سیدی شیخ عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی گردن مبارک بچھائی اور کہا سچ فرمایا سچے مانے ہوئے سچے نے، رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۱۰) پھر فرمایا:

ذکر کثیرون من العارفین الذین ذکرنا هم وغیر هم انه لم یقل الا بامر اعلاما بقطبیته فلم یسع احدًا التخلف بل جاء باسانید متعددة عن کثیرین انهم اخبر واقبل مولده بنحو مائة سنة انه سیولد بارض العجم مولودله مظهر عظیم یقول ذٰلك فتندرج الاولیاء فی وقته تحت قدمه[2]۔	اولیاء کرام کہ ہم نے ذکر کئے یعنی حضرت نجیب الدین سہروردی و حضرت سید احمد رفاعی وحضرت شعیب مغربی وحضرت عبدالرحیم قناوی رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہوں نے اور ان کے سوا اور بہت عارفین کرام نے تصریح فرمائی کہ حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی طرف سے ایسا نہ فرمایا بلکہ اللہ عزوجل نے ان کی قطبیت کبریٰ ظاہر فرمانے کے لئے انہیں اس فرمانے کا حکم دیا ولہٰذا کسی ولی کو گنجائش نہ ہوئی کہ گردن نہ بچھاتا اور قدم مبارک اپنی گردن پر نہ لیتا بلکہ متعدد سندوں سے بہت اولیاء کرام متقدمین سے مروی ہوا کہ انہوں نے سرکار غوثیت کی ولادت مبارکہ سے تقریبًا سو برس پہلے خبر دی تھی کہ عنقریب عجم میں ایک صاحب عظیم مظہر والے پیدا ہونگے اور یہ فرمائیں گے کہ "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اس فرمانے پر اس وقت کے تمام اولیاء ان کے قدم کے نیچے سر رکھیں گے اور اس

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذا علی رقبه الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

	قدم کے سایہ میں داخل ہوں گے۔اللھم لك الحمد صل علی محمدوابنہ وذریتہ۔

(۱۱) پھر فرمایا:

وحکی امام الشافعیۃ فی زمنہ ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون قال دخلت بغدادفی طلب العلم فوافقت ابن السقاورافقتہ فی طلب العلم بالنظامیۃ،وکنانزور الصالحین وکان ببغداد رجل یقال لہ الغوث[1]۔ (الٰی اٰخر الحدیث المذکور)	"امام ابوسعید عبداللہ بن ابی عصرون نے کہ اپنے زمانہ میں شافعیہ کے امام تھے ذکر فرمایا کہ میں بغداد مقدس میں طلب علم کے لئے گیا ابن السقااور میں مدرسہ نظامیہ میں شریک درس تھے اوراس وقت بغداد میں ایک شخص کو غوث کہتے تھے(وہی پوری حدیث کہ نمبر ۵ میں گزری،ان غوث کا ہمارے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بشارت دینا کہ آپ برسرمنبر مجمع میں فرمائیں گے "میرا یہ پاؤں ہر ولی اللہ کی گردن پر" اور تمام اولیائے عصرآپ کے قدم پاک کی تعظیم کے لئے اپنی گردنیں خم کریں گے،اور پھر ایسا ہی واقع ہونا،حضورکا یہ ارشاد فرمانا اور تمام اولیائے عالم کااقرار کرنا کہ بے شک حضور کا قدم ہم سب کی گردن پر ہے)

آخر میں ابن حجر نے فرمایا:

وھٰذہ الحکایۃ التی کادت ان تتواتر فی المعنی لکثرۃ ناقلھا وعدالتھم[2]۔	یعنی یہ حکایت قریب تواتر ہے کہ اس کے ناقلین بکثرت ثقہ عادل ہیں۔

فتاوٰی حدیثیہ نے ابن السقا کی بدانجامی میں یہ اورزائد کیا کہ جب وہ بدبخت کہ بہت بڑا عالم جیّداورعلوم شرعیہ میں اپنے اکثراہل زمانہ پر فائق اور حافظ قرآن اور علم مناظرہ میں کمال سربرآوردہ تھاجس سے جس علم میں مناظرہ کرتااسے بند کردیتا،ایسا شخص جب شان غوث میں گستاخی کی شامت سے **معاذاللہ** نصرانی ہوگیا بادشاہ نصارٰی نے اسے بیٹی تودے دی مگرجب بیمارپڑااسے بازار میں پھنکوادیا بھیک مانگتااور کوئی نہ دیتا،ایک شخص کہ اسے پہچانتا تھا گزرااس سے پوچھا توحافظ تھااب بھی قرآن کریم میں سے کچھ یاد ہے۔کہاسب محو ہوگیاصرف ایک آیت یادرہ گئی ہے۔

"رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝۲"[3]	کتنی تمنائیں کریں گے وہ جنہوں نے کفراختیار کیاکہ کسی طرح مسلمان ہوتے۔

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۴

[2] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ہذہ علی رقبۃ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۱۵/۲

امام ابن ابی عصرون فرماتے ہیں پھر ایک دن میں اسے دیکھنے گیا اسے پایا کہ گویا اس کا سارا بدن آگ سے جلا ہوا ہے، وہ نزع میں تھا، میں نے اسے قبلہ کی طرف کیا ہو وہ پُورب کو پھر گیا، میں نے پھر قبلہ کو کیا وہ پھر پھر گیا۔ اسی طرح میں جتنی بار اسے قبلہ رخ کرتا وہ پُورب کو پھر جاتا یہاں تک کہ پورب ہی کی طرف منہ کئے اس کا دم نکل گیا، وہ ان غوث کا ارشاد یاد کیا کرتا اور جانتا تھا کہ اسی گستاخی نے اس بلا میں ڈالا[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی انتھٰی۔"

اگر کہے پھر اسلام کیوں نہیں لاتا تھا، کلمہ پڑھ لینا کیا مشکل تھا اقول اس کا جواب قرآن عظیم دے گا:

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾" [2]	تم کیا چاہو جب تک اللہ نہ چاہے جو مالک سارے جہان کا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"كَلَّا بَلْ ٜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾" [3]	کوئی نہیں بلکہ ان کی بداعمالیوں نے ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دی ہے۔

اور فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾" [4]۔	یہ اس لئے کہ وہ ایمان لائے پھر کفر کیا تو ان کے دلوں پر مُہر لگا دی گئی کہ اب انہیں کچھ سمجھ نہ رہی والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام ابن حجر فرماتے ہیں:

وفی ھذہ ابلغ زجر واکد ردع عن الانکار علی اولیاء اللہ تعالٰی خوفا من ان یقع المنکر فیما وقع فیہ ابن السقامن تلک الفتنۃ المھلکۃ الابدیۃ التی لا اقبح منھا، نعوذ باللہ	اس واقعہ میں اولیاء کرام پر انکار سے کمال جھڑکنا اور سخت منع ہے اس خوف سے کہ منکر اس مہلک فتنے میں پڑ جائے گا جو ہمیشہ ہمیشہ کا ہلاک ہے اور جس سے بدتر کوئی خباثت نہیں جس میں ابن السقا پڑ گیا، اللہ عزوجل کی پناہ۔ ہم اللہ عزوجل سے

[1] الفتاوی الحدیثیۃ مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی ھذہ علی رقبۃ الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] القران آلکریم ۲۹/۸۱

[3] القران الکریم ۱۴/۸۳

[4] القرآن الکریم ۳/۶۳

من ذٰلک،ونسأله بوجهه الكريم وحبيبه الرؤف الرحيم ان يؤمننا من ذٰلك ومن كل فتنة ومحنة و بمنه وكرمه وفيها ايضا اتم حث على اعتقادهم و الادب معهم وحسن الظن بهم ما امكن[1]۔	اس کے وجہ کریم اور اس کے حبیب رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے مانگتے ہیں کہ ہم کو اپنے احسان و کرم کے ساتھ اس سے اور ہر فتنہ ومحنت سے امان بخشے۔ نیز اس واقعہ میں کمال ترغیب ہے اس کی کہ اولیاء کرام کے ساتھ عقیدت وادب رکھیں اور جہاں تک ہو ان پر نیک گمان کریں۔

فقیر کوئے قادری امید کرتا ہے کہ اتنے بیان میں اہل انصاف وسعادت کے لئے کفایت ہو۔ اللہ عزوجل مسلمان بھائیوں کو اتباع حق وادب اولیاء کی توفیق دے اور ابن السقا بجہنم اس شخص کے حال سے پناہ دے جس نے بزعم خود حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارگاہ میں حق نیاز مندی ادا کیا اور نتیجہ معاذاللہ وہ ہوا کہ سید کبیر کے غضب اور حضور غوثیت کی سرکار میں اساءتِ ادب پر خاتمہ ہوا، **والعیاذ باللہ تعالیٰ**۔

اے برادر! مقتضائے محبت اتباع وتصدیق ہے نہ کہ نزاع وتکذیب۔ سچا محب حضرت احمد کبیر کے ارشادات کو بالائے سر لے گا اور جس بارگاہ ارفع کو انہوں نے سب سے ارفع بتایا اور ان کا قدم اقدس اپنے سر مبارک پر لیا انہیں کو ارفع واعظم مانے گا۔ عبد الرزاق محدث شیعی تھا مگر حضرات عالیہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضرت امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہٗ سے افضل کہتا، اس سے پوچھا جاتا تو جواب دیتا **کفی بی ازرا ان احب علیا ثم اخالفه**[2] یعنی امیر المومنین نے خود حضرات شیخین کو اپنے نفس کریم سے افضل بتایا ہے مجھے یہ گناہ بہت ہے کہ علی سے محبت رکھوں پھر ان کا خلاف کروں۔ واقعی تکذیب مخالفت اگرچہ بزعم عقیدت ومحبت ہو اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے، **والعیاذ باللہ تعالیٰ**، اللہ عزوجل اپنے محبوبوں کا حسن ادب روزی کرے اور انہیں کی محبت پر خاتمہ فرمائے اور انہیں کے گروہ پاک میں اٹھائے، آمین! آمین۔

اٰمين بجاههم عندك يا ارحم الراحمين	اے بہترین رحم فرمانے والے ان محبوبوں کا تیرے

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب فی قول الشیخ عبدالقادر قدمی هذه علی رقبة الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۴۱۵

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۰۴۴ عبدالرزاق بن ہمام دار المعرفة بیروت ۶۱۲/۲

وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا واٰلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین الی یوم الدین عدد کل ذرۃ ذرۃ الف الف مرۃ فی کل اٰن وحین الی ابدالاٰبدین، اٰمین، و الحمد للہ رب العالمین۔	نزدیک جو مرتبہ ہے اس کے صدقے ہماری دعا قبول فرما۔ اللہ ہمیشہ ہمیشہ قیامت کے روز تک ہر گھڑی ہر لمحے ہمارے آقا و مولٰی، انکی آل، صحابہ، بیٹے اور ان کے گروہ سب پر کروڑوں درود بھیجے، آمین۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو رب ہے تمام جہانوں کا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

طرد الافاعی عن حمی ھادٍ رفع الرفاعی

ختم ہوا۔

رسالہ
فتاوٰی کراماتِ غوثیہ

مسئلہ اولٰی:

ازاوجین ریاست گوالیار مرسلہ جناب محمد یعقوب علی خاں صاحب ۱۷ربیع الآخر ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۲: کیافرماتے ہیں علمائے حق الیقین اور مفتیان پابند شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبارت نظم "شام ازل اور صبح ابد" سے بیٹھ جانا براق کاوقت سواری آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ثابت ہے۔

"مقولۂ جبرئیل علیہ السلام"

نظم

مسند نشین عرش معلٰی یہی تو ہے | مفتاح قفل گنج فاوحٰی یہی تو ہے
مہتاب منزل شب اسرٰی یہی تو ہے | خورشید مشرق فتدلّٰی یہی تو ہے
ہمراز قرب ہمدم او قاتِ خاصہ ہے | مژدہ ہزار عالمِ رب کاخلاصہ ہے
سن کر یہ بات بیٹھ گیاوہ زمیں پر | تھامی رکاب طائر سدرہ نے دوڑ کر
رونق افزائے دیں ہوئے سلطان بحر وبر | کی عرض پھر براق نے یاسید البشر
محشر کو جب قدم سے گہرپوش کیجئے | اپنے غلام کو نہ فراموش کیجئے

خیر الورٰی نے دی اسے تسکین کہا کہ ہاں
خوش خوش وہ سوئے مسجد اقصٰی ہوا رواں

صاحب "تحفہ قادریہ" لکھتے ہیں کہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑا اور اونچا ہوگیا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔ ارباب معرفت کے نزدیک اس معاملہ میں عمدہ تر حکمت یہ ہے کہ جس طرح آج کی رات محبوب اپنا دولت وصال سے فرح (خوشحال) ہوتا ہے اسی طرح محبوب کا محبوب بھی نعمت قرب خاص اور دولت اختصاص اور ولایت مطلق اور غوثیت برحق اور قطبیت اصطفاء اور محبوبیت مجد وعلا سے آج مالا مال ہی کردیا جائے۔

چنانچہ صاحب "منازل اثنا عشریہ" "تحفہ قادریہ سے لکھتا ہے کہ اس وقت سیدی و مولائی مرشدی وملجائی، قطب الاکرم، غوث الاعظم، غیاث الدارین وغوث الثقلین، قرۃ العین مصطفوی نور دیدۂ مرتضوی، حسنی حسینی سروحدیقہ مدنی، نور الحقیقت والیقین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح پاک نے حاضر ہو کر گردن نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور اس طرح عرض کیا: (بیت)

بر سر و دیدہ ام بنہ اے مہ نازنین قد بود بسر نوشت من فیض قدم ازیں قدم

(اے نازنین میرے سر اور آنکھوں پر قدم رکھئے تاکہ اس کی برکت سے میری تقدیر پر فیضان قدم ہو۔ت)

خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث الاعظم پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندان ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزل بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا: تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے کل تیرا قدم کُل اولیاء کی گردن پر ہوگا۔

بیت قصیدہ غوثیہ:

وکل ولی لہ قدم وانی علٰی قدم النبی بدر الکمال[1]

(ہر ولی میرے قدم بقدم ہے اور میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہوں جو آسمان کمال کے بدر کامل ہیں۔ت)

[1] فتوح الغیب علی ہامش بہجۃ الاسرار القصیدۃ الغوثیۃ مصطفی البابی مصر ص۲۳۱

پس ان دونوں عبارت کتب سے کون سی عبارت متحقق ہے؟ کس پر عمل کیا جائے؟ یا دونوں ازروئے تحقیق کے درست ہیں؟ بیان فرمائیے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب:

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے وقت براق کا شوخی کرنا، جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسے تنبیہ فرمانا کہ:

"اے براق! کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ برتاؤ! واللہ! تجھ پر کوئی ایسا سوار نہ ہوا جو اللہ عزوجل کے حضور ان سے زیادہ رتبہ رکھتا ہو۔"

اس پر براق کا شرمانا، پسینہ پسینہ ہو کر شوخی سے باز رہنا، پھر حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کا سوار ہونا، یہ مضمون تو ابوداود و ترمذی و نسائی و ابن حبان و طبرانی و بیہقی وغیرہم اکابر محدثین کی متعدد احادیث صحاح وحسان وصوالح سے ثابت۔

کما بسط اکثرھا المولی الجلال السیوطی قدس سرہ فی خصائصہ الکبرٰی[1] وغیرہ من العلماء الکرام فی تصانیفھم الحسنٰی۔	جیسا کہ اس میں سے اکثر کی تفصیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "الخصائص الکبرٰی" میں اور دیگر علماء کرام نے اپنی شاندار تصانیف میں فرمائی ہے۔ (ت)

اور اس کا حیا کے سبب براہ تذلل وانقیاد پست ہو کر لپٹ جانا بھی حدیث میں وارد ہے۔

ففی روایۃ عند ابن اسحٰق رفعا الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال فارتعشت حتی لصقت بالارض فاستویت علیہا[2]۔	اور ایک روایت میں ابن اسحٰق سے مرفوعًا مروی ہے کہ حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ فرماتے ہیں: جب جبریل نے اس سے کہا تو براق تھرّا گیا اور کانپ کر زمین سے چسپاں ہو گیا، پس میں اس پر سوار ہو گیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

[1] الخصائص الکبری باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء حدیث ام سلمہ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۱۷۹، المواہب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۱، السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر الاسراء والمعراج دار ابن کثیر بیروت الجزأین الاول والثانی ص ۳۹۸

[2] المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳ / ۳۹

اور یہ روایت کہ سوال میں تحفہ قادریہ سے ماثور، اس کی اصل بھی حضرات مشائخ کرام قدست اسرارہم میں مذکور۔۔۔۔۔
فاضل عبدالقادر قادری عـــہ بن شیخ محی الدین اربلی، تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان لیلۃ المعراج جاء جبرئیل علیہ السلام ببراق الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاھر، ونعل رجلہ کالھلال الباھر،	یعنی شب معراج جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانیوالی بجلی سے زیادہ شتاب رو تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکا چوند ڈالنے والا ہلال

عـــہ: حضرت علامہ عبدالقادر قادری بن محی الدین الصدیقی الاربلی جامع علوم شریعت وحقیقت تھے۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں عمدہ مقام پایا۔ آپ کے اساتذہ میں الشیخ عبدالرحمٰن الطالبانی جیسے اجلّہ فضلاء شامل ہیں۔ اور فہ میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں وصال پایا۔ آپ کی تصانیف میں سے مشہور کتابیں یہ ہیں:

۱۔آداب المریدین ونجاۃ المسترشدین ۲۔تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر
۳۔النفس الرحمانیۃ فی معرفۃ الحقیقۃ الانسانیہ ۴۔الدر المکنون فی معرفۃ السر المصون
۵۔حدیقۃ الازھار فی الحکمۃ والاسرار ۶۔شرح الصلاۃ المختصرۃ للشیخ اکبر
۷۔الدرر المعتبرۃ فی شرح الابیات الثمانیہ عشرہ ۸۔شرح اللمعات للفخر الدین العراقی
۹۔القواعد الجمعیۃ فی الطریق الرفاعیۃ ۱۰۔مجموعۃ الاشعار فی الرقائق والاثار
۱۱۔مرآۃ الشھود فی وحدۃ الوجود ۱۲۔مسک الختام فی معرفۃ الامام، مختصر فی کراستہ
۱۳۔الالھامات الرحمانیہ فی مراتب الحقیقۃ الانسانیۃ ۱۴۔حجۃ الذاکرین ورد المنکرین۔
۱۵۔الطریقۃ الرحمانیہ فی الرجوع والوصول الی الحضرۃ العلیۃ۔

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

ا۔معجم المولفین، عمر رضا کحالہ، الجزء الخامس ص ۳۵۴
ب۔ھدیۃ العارفین، اسماعیل باشا البغدادی جلد اول ص ۶۰۵

ومسمارہ کالانجم الظواھر،ولم یأخذ ہ السکون والتمکین لیرکب علیہ النبی الامین،فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم،لم لم تسکن یابراق حتی ارکب علٰی ظھرک،فقال روحی فداءً لتراب نعلك یارسول اللہ اتمنی ان تعاھدنی ان لاترکب یوم القٰیمۃ علٰی غیر حین دخولك الجنۃ،فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون لك ماتمنیت،فقال البراق التمس ان تضرب یدك المبارکۃ علٰی رقبتی لیکون علامۃ لی یوم القٰیمۃ،فضرب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یدہ علٰی رقبۃ البراق،ففرح البراق فرحا حتی لم یسع جسدہ روحہ ونمٰی اربعین ذراعامن فرحہ وتوقف فی رکوبہ لحظۃ لحکمۃ خفیۃ ازلیۃ،فظھرت روح الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال یا سیدی ضع قدمك علٰی رقبتی وارکب،فوضع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدمہ علٰی رقبتہ ورکب،فقال قدمی علٰی رقبتك وقدمك علٰی رقبۃ کل اولیاء اللہ تعالٰی[1] انتھٰی۔	اوراس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار وسکون نہ ہوا، سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا: بولا: میری جان حضور کی خاک نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روز قیامت مجھی پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں۔ حضور معلّٰی صلوات اللہ تعالٰی و سلامہ علیہ نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی: میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دست مبارک لگادیں کہ وہ روز قیامت میرے لیے علامت ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ دست اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت وشادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا۔ حضورپُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روح مطہر نے حاضر ہو کر عرض کی: اے میرے آقا! حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: "میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔"

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبۃ الاولی سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۴، ۲۵

نوٹ: زیر نظر نسخہ حضرت مولانا ابوالمنصور محمد صادق قادری فاضل جامعہ رضویہ فیصل آباد کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

اس کے بعد فاضل عبدالقادر اربلی فرماتے ہیں:

فایاك یا اخی ان تکون من المنکرین المتعجبین من حضور روحه لیلة المعراج لانه وقع من غیرہ فی تلك اللیلة کما ھو ثابت بالاحادیث الصحیحة کرؤیته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ارواح الانبیاء فی السمٰوٰت وبلالا فی الجنة واویسا القرنی فی مقعد الصدق و	یعنی اے برادر! بچ اور ڈر اس سے کہ کہیں تُو انکار کر بیٹھے اور شعب معراج حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری پر تعجب کرے کہ یہ امر تو صحیح حدیثوں میں اوروں کے لئے وارد ہوا ہے، مثلاً حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آسمانوں میں ارواح انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام عــہ۱ کو ملاحظہ فرمایا، اور جنت میں بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ عــہ۲ کو دیکھا اور مقعد صدق میں اویس قرنی اور

عــہ۱: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیله صلی الله تعالٰی علیه وسلم المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/۱۴۵

عــہ۲: حدیث شریف میں ہے: قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لبلال صلٰوۃ الغداۃ یا بلال حدثنی بارجی عمل عملته عندك فی الاسلام منفعة فانی سمعت اللیلة خشف نعلیك بین یدی فی الجنة[1]، الحدیث

ایک اور حدیث میں یوں ہے: عن ابن عباس قال لیلة اسری برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخل الجنة فسمع فی جانبها خشفا فقال یا جبریل من ھذا فقال ھذا بلال المؤذن فقال قد افلح بلال رأیت له کذا کذا[2]۔

حضرت ابوامامہ کی روایت میں مرفوعًا ہے: فقیل ھذا بلال یمشی امامک[3]۔

مذکورہ روایات اور احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ شب معراج حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جنت میں ملاحظہ فرمایا۔

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالك وبلال ۲/۲۹۲

[2] منتخب کنز العمال علی ھامش مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۶۹

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حیة ابوجناب الکلبی دار الفکر بیروت ۷/۲۶۷۰

امرأة ابی طلحة فی الجنة، وسماعه صلی الله تعالٰی علیه وسلم خشخشة الغمیصاء	بہشت میں زوجۂ ابوطلحہ عـــہ۱ کو اور جنت میں غمیصاء بنت ملحان کی پہچل عـــہ۲ سنی، جیسا کہ ہم اس سے قبل ذکر کرچکے ہیں۔

عـــہ۱: حدیث میں ہے: عن جابر بن عبدالله ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال رأیت الجنة فرأیت امرأة ابی طلحة الحدیث[1]۔
جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جنت دکھائی گئی تو میں نے جنت میں ابوطلحہ کی زوجہ کو دیکھا۔

عـــہ۲: حدیث شریف میں ہے: عن انس عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال دخلت الجنة فسمعت خشفة فقلت من هذا قالوا هٰذه الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالك[2]۔
ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا: عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت الجنة فسمعت خشخشة بین یدی فاذا هی الغمیصاء بنت ملحان ام انس بن مالک[3]۔
مسند احمد کی دوسری روایت یوں ہے: عن انس قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دخلت فسمعت بین یدی خشفة فاذا انا بالغمیصاء بنت ملحان[4]۔
ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک کی والدہ حضرت غمیصاء بنت ملحان رضی اللہ تعالٰی عنہا کی جنت میں پہچل سنی۔
نوٹ: یادرہے کہ غمیصاء بنت ملحان یہی زوجۂ ابوطلحہ ہیں۔ **فاعلم ذٰلك**
(حاشیہ منجانب امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ)

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالك وبلال ۲/ ۲۹۲
[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم، ام انس بن مالك وبلال ۲/ ۲۹۲
[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۹۹
[4] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۰۶

بنت ملحان فی الجنة کما ذکرنا قبل هذا،وذکرفی حرز العاشقین وغیره من الکتب ان نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لقی لیلة المعراج سیدنا موسٰی علیه السلام فقال موسٰی مرحبابالنبی الصالح والاخ الصالح انت قلت علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، ارید ان یحضراحد من علماء امتك لیتکلم معی فاحضر النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم روح الغزالی رحمه الله تعالٰی الی موسٰی علیه السلام (وساق القصة ثم قال)،وفی کتاب رفیق الطلاب لاجل العارفین الشیخ محمد الجشتی نقلا عن شیخ الشیوخ قال قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم انی رأیت رجالا من امتی فی لیلة المعراج ارانیهم الله تعالٰی (الخ ثم قال)وقال الشیخ نظام الدین الکنجوی کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم راکبا علی البراق و	اور حرز العاشقین وغیرہ کتابوں میں کہ حضرت سیدنا موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حکم حاضری دیا۔ روح امام نے حاضر ہو کر موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کلام کیا۔ [عـــہ۱] اور عارف اجل شیخ محمد چشتی نے کتاب رفیق الطلاب میں حضرت شیخ الشیوخ قدست اسرارہم سے نقل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے شب معراج کچھ لوگ اپنی امت کے ملاحظہ فرمائے [عـــہ۲] اور شیخ نظام الدین گنجوی رحمۃ اللہ تعالٰی فرماتے تھے: جب حضور پُرنور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ رونق افروز پشت براق پر تھے اور براق کا زین پوش میرے کندھے پر تھا۔ اور عمدۃ المحدثین امام نجم الدین غیطی کتاب المعراج میں فرماتے ہیں: جب حضور معلّٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی تک تشریف لے گئے اس پر ایک ابر چھایا [عـــہ۳] جس میں ہر قسم کا رنگ تھا، جبریل امین

عـــہ۱: (ا) نبراس شرح شرح عقائد، علامہ عبدالعزیز پرہاروی، ص ۳۸۸

(ب) مقابیس المجالس اردو ترجمہ از واحد بخش سیال ص ۲۵۵

(ج) معراج النبی از علامہ سید احمد سعید کاظمی ص ۲۸ اور مابعد

(د) عرفان شریعت (مجموعہ فتاوٰی امام احمد رضا) مرتبہ مولانا محمد عرفان علی حصہ سوم ص ۸۴ تا ۹۱

عـــہ۲: رفیق الطلاب مجتبائی دہلی ص ۲۸

عـــہ۳: عمدۃ الفضلاء المحققین امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: واما الرفرف فیحتمل ان المراد به السحابة التی غشیته وفیها من کل لون التی رواها ابن ابی حاتم عن انس وعند ما غشته تاخر عنه جبریل۔ (کتاب المعراج (مؤلفہ رجب ۹۹۹ھ) مطبوعہ مصر، ص ۸۹)

غاشیته علی کتفی انتهی وقال عمدة المحدثین الامام نجم الدین الغیطی فی کتاب المعراج ثم رفع الی سدرة المنتھٰی فغشیه سحابة فیھا من کل لون فتأخر جبریل علیه السلام ثم عرج لمستو سمع فیه صریف الاقلام ورأی رجلا مغیبا فی نور العرش فقال من ھذا أملک؟ قیل:لا۔قال:أنبی؟ قیل:لا، ھذا رجل کان فی الدنیالسانه رطب من ذکر الله تعالٰی وقلبه معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیه قط[1] الخ مافی التفریح ملخصا۔	علیه الصلٰوۃ والسلام پیچھے رہ گئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مستوی پر جلوہ عـــہ۱ فرماہوئے وہاں قلموں کے لکھنے کی آواز گوشِ اقدس میں آئی اور ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ نور عرش میں چھپاہوا ہے، حضور نے دریافت فرمایا: کیا یہ فرشتہ ہے؟جواب ہوا: نہیں۔پوچھاکیا یہ نبی ہے؟کہا: نہیں بلکہ یہ ایک مرد ہے کہ دنیا میں اس کی زبان یادِخدا میں تر رہتی اور دل مسجدوں میں لگا رہتا۔ کبھی کسی کے ماں باپ کو بُرا کہہ کر اپنے والدین کو بُرانہ کہلوایا عـــہ۲ انتہی۔

یعنی جب معراج میں اتنے لوگوں کی ارواح کا حاضر ہونا احادیث واقوال علماء واولیاء سے ثابت ہے تو روح اقدس حضور پر نور سید الاولیاء غوث الاصفیاء رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حاضری، کیا جائے تعجب وانکار ہے بلکہ ایسی حالت میں حاضر نہ ہونا ہی محل استعجاب ہے۔اک ذرا انصاف واندازہ قدر قادریت درکار ہے۔

اقول وبالله التوفیق (میں کہتاہوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ت) فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سیدالاکوان" میں بعونہ تعالٰی ایک فائدہ جلیلہ لکھاکہ مطالب چند قسم ہیں، ہر قسم کا مرتبہ جدااور ہر مرتبہ کا پایہ ثبوت علیحدہ۔اس قسم مطالب احادیث میں ظہور نہ ہونا مضر نہیں، بلکہ کلمات علماء ومشائخ میں ان کا ذکر کافی۔

عـــہ۱: امام نجم الدین غیطی فرماتے ہیں: ثم عرج به حتی ظهر لمستوی سمع فیه صریف الاقلام۔ (کتاب المعراج، مطبوعہ مصر، ص۸۹، ۸۷)

عـــہ۲: تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: کتاب المعراج ص۹

---

[1] تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر المنقبة الاولی سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ فیصل آباد ص۲۸تا۲۵

امام خاتمۃ المحدثین جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ الشریف نے "**مناھل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء** "میں اس روایت کی نسبت کہ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضور پُر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے وصال اقدس کے بعد کلام طویل میں حضور کو ہر جملہ پر بکلمہ "**بابی انت وامی یارسول اللہ**" (یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ت) ندا کرکے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ بیان کئے، تحریر فرمایا:

لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب اقتباس الانوار وابن الحاج فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذلك سندا لمثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام[1]۔	یعنی میں نے یہ روایت کسی کتابِ حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اورامام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے ایک حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیااور ایسی روایت کواسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں انتہی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے نسیم الریاض[2] شرح شفاء قاضی عیاض میں نقل کیااور مقرر رکھا۔

بالجملہ روح مقدس کاشب معراج کوحاضر ہونااور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاحضرت غوثیت کی گردن مبارک پر قدم اکرم رکھ کر براق یا عرش پر جلوہ فرمانا،اور سرکارابد قرار سے فرزند ارجمند کو اس خدمت کے صلہ میں یہ انعام عظیم عطا ہونا ــــــ ان میں کوئی امر نہ عقلاً اور شرعاً مہجور اور کلماتِ مشائخ میں مسطور وماثور،کتبِ حدیث میں ذکر معدوم،نہ کہ عدم مذکور،نہ روایات مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور،اور قدرت قادر وسیع وموفور،اور قدر قادری کی بلندی مشہور پھر ردوانکار کیامقتضائے ادب وشعور۔

اب یہ رہاکہ اس حدیث میں کہ براق برق رفتار زمین سے لپٹ گیا۔اوراس روایت میں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ پر قدم رکھ کرزیب پشتِ براق ہوئے،بظاہر تنافی ہے۔

اقول: اصلاً منافات نہیں،بلکہ جب اسی روایت میں مذکور کہ براق فرط فرحت سے

---

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

چالیس ہاتھ اونچا ہوگیا اور پُر ظاہر کہ جو مَرْکَب[عہ۱] اس قدر بلند ہو وہ کیسا ہی زمین سے ملصق[عہ۲] ہوجائے تاہم قامتِ انسان سے بہت بلند رہے گا اور اس پر سواری کے لئے ضرور حاجتِ نردبان[عہ۳] ہوگی۔ اب ایک چھوٹے سے جانور فیل[عہ۴] ہی کو دیکھئے کہ جب ذرا بلند وبالا ہوتا ہے اسے بٹھا کر بھی بے زینہ سواری قدرے دقت رکھتی ہے۔ تو اگر براق بوجہ حیاء وتذلل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سواری کے لئے زمین سے لپٹ گیا ہو اور پھر بھی بوجہ طول ارتفاع حاجت زینہ ہو جس کے لئے روح سرکار غوثیت مدار رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حاضر ہو کر اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیر قدم اکرم اپنا شانہ مبارک رکھا ہو، کیا جائے استعجاب[عہ۵] ہے۔

وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب الاکرم واٰلہ وصحبہ اھل الکرم وابنہ الکریم الغوث الاعظم وعلینا بجاھھم وبارك وسلم۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی اپنے حبیب اکرم، آپ کے کرم والے آل واصحاب، آپ کے کریم بیٹے غوث اعظم اور ان کے صدقے میں ہم پر رحمت، برکت اور سلام نازل فرمائے۔ (ت)

مسئلہ دوم:

از کٹھور ضلع سورت اسٹیشن سائن پرب مرسلہ مولوی عبدالحق صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

مسئلہ ۱۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان اقوال کے باب میں:

اول: ایک رسالہ میں لکھا ہے کہ شب معراج میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ نے عرش معلّٰی پر اپنے اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر سوار کرکے پہنچایا، یا کاندھا دے کر اوپر جانے کی معاونت کی، یعنی یہ کام اوپر جانے کا براق اور حضرت جبریل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے انجام کو نہ پہنچا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔

عہ۱: مَرْکَب بمعنی سواری عہ۲: ملصق ہونا: چمٹ جانا، مل جانا عہ۳: سیڑھی عہ۴: ہاتھی عہ۵: تعجب۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے۔
تیسرے یہ کہ زنبیل ارواح کی عزرائیل علیہ السلام سے حضرت پیران پیر نے ناراض اور غصہ میں ہو کر چھین لی تھی۔
چوتھے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالٰی حضرت ابوبکر صدیق سے زیادہ مرتبہ رکھتے ہیں۔
ان اقوال کا کیا حال ہے؟ مفصل بیان فرما کر اجر عظیم اور ثواب کریم پائیں اور رفع نزاع بین الفریقین فرمائیں۔

المستفتی

عبدالحق عفاعنہ کٹھور، ضلع سورت، گجرات (بھارت)

مؤرخہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ

الجواب:

اللھم لك الحمد فقیر غفر اللہ تعالٰی لہٗ کلمات چند مجمل وسود مند[عہ۱] گزارش کرے اگرچہ فریقین میں سے کسی کو پسند نہ آئیں مگر بعونہ تعالٰی حق وانصاف ان سے متجاوز نہیں والحق احق ان یتبع واللہ الھادی الی صراط مستقیم (اور حق ہی اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور اللہ تعالٰی سیدھی راہ دکھانے والا ہے۔)
جواب سوال ۲: یہ قول کہ "اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو حضور غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی ہوتے اگرچہ اپنے مفہوم شرطی پر صحیح وجائز الاطلاق ہے کہ بے شک مرتبہ علیہ رفیعہ حضور پُر نور رضی اللہ تعالٰی عنہ تلومرتبہ نبوت[عہ۲] "

عہ۱: مفید

عہ۲: مرتبہ غوثیت، مرتبہ نبوت کے پیچھے اور اس سے نیچے ہے۔

ہے۔خود حضور معلّٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: "جو قدم میرے جدِّ اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھایا میں نے وہیں قدم رکھا سوا اقدام نبوت کے، کہ ان میں غیر نبی کا حصہ نہیں۔

از نبی بر داشتن گام از تو بنہادن قدم غیر اقدام النبوۃ سدّ ممشاھا الختام [1]

(نبی کا کام قدم اٹھانا اور آپ کا کام قدم رکھنا ہے علاوہ اقدام نبوت کے، کہ وہاں ختم نبوت نے راستہ بند کر دیا ہے)

اور جواز اطلاق یوں کہ خود حدیث میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے وارد:

لوکان بعدی نبی لکان عمر بن الخطاب رواہ احمد [2] و الترمذی والحاکم عن عقبۃ بن عامر والطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے بعد نبی ہوتا تو عمر ہوتا (اس کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے عقبہ بن عامر سے جبکہ طبرانی نے معجم کبیر میں عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری حدیث میں حضرت ابراہیم صاحبزادہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے وارد:

لو عاش ابراھیم لکان صدیقا نبیا۔رواہ ابن عساکر [3] عن جابر بن عبداللہ وعن ابن عباس وعن ابن ابی اوفٰی والباوردی	اگر ابراہیم جیتے تو صدیق و پیغمبر ہوتے۔(اس کو ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ اور ابن عباس اور ابن ابی اوفٰی سے، جبکہ الباوردی نے حضرت

1

2 جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ لوکان بعدی نبی لکان عمر دارالفکر بیروت ۳/ ۸۵، المعجم الکبیر حدیث ۴۷۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۸۰، مسند امام احمد بن حنبل حدیث عقبہ بن عامر المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۵۴

3 تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر بنیہ وبناتہ علیہ الصلوۃ والسلام وازواجہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۷۵ تا ۷۹، کنز العمال بحوالہ الباوردی عن انس وابن عساکر عن جابر بن عبداللہ ،ابن عباس وابن ابی اوفٰی حدیث ۳۲۲۰۴ ۱۱/ ۴۶۹

عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنهم۔	انس بن مالک سے روایت کیا، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہو۔)

علماء نے امام ابو محمد جوینی قدس سرہٗ کی نسبت کہا ہے کہ: "اگر اب کوئی نبی ہو سکتا تو وہ ہوتے۔" امام ابن حجر مکی اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

قال فی "شرح المهذب" نقلا عن الشيخ الامام المجمع علی جلالته وصلاحه وامامته ابی محمد الجوینی الذی قیل فی ترجمته لو جاز ان یبعث الله فی هذه الامة نبیا لکان ابا محمد الجوینی [1]۔	شرح مہذب میں کہا نقل کرتے ہوئے اس شیخ وامام سے جن کی جلالت وصلاحیت وامامت پر اجماع ہے یعنی ابو محمد جوینی علیہ الرحمہ جن کے تعارف میں کہا گیا ہے کہ اگر اب اللہ تعالٰی کی طرف سے اس امت میں کسی نبی کو بھیجنا جائز ہوتا تو وہ ابو محمد جوینی ہوتے (ت)

مگر ہر حدیث حق ہے، ہر حق حدیث نہیں۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کے لئے ثبوت چاہیے، بے ثبوت نسبت جائز نہیں، اور قول مذکور ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال ۴: حضرت ام المومنین محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وسلم کا روح اقدس سیدنا الغوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو دودھ پلانا، بعض مداحین حضور اسے واقعہ خواب بیان کرتے ہیں کما رأیت فی بعض کتبهم التصریح بذلک (جیسا کہ میں نے ان کی بعض کتابوں میں اس پر تصریح دیکھی۔ت)

اس تقدیر پر تو اصلاً استبعاد عـــہ۱ نہیں اور اب اس پر جو کچھ ایراد کیا گیا سب بے جا وبے محل ہے اور اگر بیداری ہی میں مانا جاتا ہو، تاہم بلاشبہہ عقلاً اور شرعاً جائز اور اس میں درایۃً کوئی استحالہ عـــہ۲ درکنار استبعاد بھی نہیں۔ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۰﴾" [2]۔ (بیشک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ت)

عـــہ۱: دور از قیاس عـــہ۲: محال ہونا

[1] الفتاوی الحدیثیه مطلب قیل لو جاز ان یبعث الله فی هٰذه الامة نبیاً الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ص ۳۲۵، ۳۲۴

[2] القرآن الکریم ۲/۲۰

نہ ظاہر میں ام المومنین کے پاس شیر نہ ہونا کچھ اس کے منافی کہ امور خارقہ للعادہ عـــہ۱ اسباب ظاہر پر موقوف نہیں، نہ روح عام متکلمین کے نزدیک مجردات سے ہے اور فی نفسہا مادیہ نہ سہی تاہم مادہ سے اس کا تعلق بدیہی۔ نہ جسم، جسم شہادت میں منحصر۔ جسم مثالی بھی کوئی چیز ہے کہ ہزاروں احادیث برزخ وغیرہ اس پر گواہ عـــہ۲، کیفما کان عـــہ۳ شک نہیں کہ روح مفارق عـــہ۴ کی طرف نصوص متواترہ میں نزول وصعود ووضع وتمکن وغیرہ اعراض جسم وجسمانیت قطعاً منسوب اور وہ نسبتیں اہل حق کے نزدیک ظاہر پر محمول عـــہ۵ یا لیت شعری جب ارواح شہداء کا میوہ ہائے جنت کھانا ثابت۔

الترمذی عن کعب بن مالك قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان ارواح الشهداء فی طیر خضر تعلق من ثمر الجنة[1]۔	(امام ترمذی کعب ابن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں میوہ ہائے جنت سے لطف اندوز ہوتی ہیں۔

جبکہ دوسری روایت میں ارواح عام مومنین کے لئے یہی ارشاد:

الامام احمد عن الامام الشافعی عن الامام مالك عن الزهری عن عبدالرحمن بن کعب بن مالك عن ابیه رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نسمة المؤمن طائر یعلق فی شجر الجنة حتی یرجعه الله تعالٰی فی جسده یوم یبعثه[2]۔	امام احمد امام شافعی سے وہ امام مالک سے وہ زہری سے وہ عبد الرحمٰن بن کعب بن مالک سے وہ اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ) مومن کی روح پرندہ کی صورت میں جنت کے درختوں میں رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اللہ تعالٰی اسے اپنے جسم کی طرف لوٹادے گا۔

عـــہ۱: عادت کے خلاف، کرامت وغیرہ عـــہ۲: وہ احادیث جو احوال برزخ پر مشتمل ہیں ان میں جسم مثالی بکثرت ذکر آیا ہے لہٰذا وہ احادیث جسم مثالی کے وجود پر گواہ ہیں۔ عـــہ۳: کوئی بھی صورت ہو

عـــہ۴: جسم سے جدا روح عـــہ۵: اہل سنت کے نزدیک اپنے ظاہری معنی پر ہے ان میں کوئی تاویل نہیں کی گئی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب فضائل الجهاد باب ماجاء فی ثواب شهید امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث کرب بن مالك انصاری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۵۵

تو دودھ پلانے میں کیا استحالہ ہے۔ حال روح بعد فراق وپیش از تعلق میں فارق عــہ۱ کیا ہے؟ آخر حضرت ابراھیم علی ابیہ الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے لئے صحیح حدیث میں ہے: "جنت میں دودایہ ان کی مدتِ رضاعت پوری کرتی ہیں۔"

رواہ احمد ومسلم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابراھیم ابنی وانہ مات فی الثدی وانہ لو ظئرین یکملان رضاعہ فی الجنۃ[1]۔	اس کو امام احمد ومسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ابراہیم میرا بیٹا جو شیر خوارگی کی عمر میں وصال فرماگیا ہے بیشک جنت میں اس کیلئے دودایہ ہیں جو اس کی مدت رضاعت پوری کریں گی۔(ت)

بایں ہمہ یہ باتیں نافی استحالہ یں نہ مثبت وقوع عــہ۲ قول بالوقوع تاوقتیکہ نقل ثابت نہ ہو جزاف عــہ۳ وبے اصل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جواب سوال ۳: زنبیل ارواح عــہ۴ چھین لینا خرافات مخترعہ جہّال سے ہے۔ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام رسل ملائکہ سے ہیں اور رسل ملائکہ، اولیاء بشر سے بالاجماع افضل۔ تو مسلمانوں کو ایسے اباطیل واہیہ

عــہ۱: روح کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد کی حالت اور جسم سے متعلق ہونے سے پہلے کی حالت میں کوئی فرق نہیں۔

عــہ۲: ان دلائل سے استحالہ کی نفی ہوتی ہے لیکن اس کا واقع ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

عــہ۳: من گھڑت، جھوٹ، بے ہودہ

عــہ۴: روحوں کا تھیلا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب رحمتہ صلی اللہ علیہ وسلم الصبیان والعیال الخ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۵۴، مسند احمد بن حنبل عن انس بن مالک المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۱۲

سے احترام لازم عـــہ۔ واللہ الھادی الٰی سبیل الرشاد۔

جواب سوال ۵: یونہی جس کا عقیدہ ہو کہ حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت جناب افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل ہیں یا ان کے ہمسر ہیں،

عـــہ: **تنبیہ:** مبنائے انکار یہ طرز ادا ہے ورنہ ممکن کہ سیدنا عزرائیل علیہ الصلوۃ والسلام نے کچھ روحیں بامر الٰہی قبض فرمائی ہوں اور حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دعا سے باذن الٰہی پھر اپنے اجسام کی طرف پلٹ آئی ہوں کہ احیاء مردہ حضور پر نور ودیگر محبوبان خدا سے ایسا ثابت ہے کہ جس کے انکار کی گنجائش نہیں۔

یوں ہی ممکن کہ حضرت ملک الموت نے بنظرِ صحائف محو واثبات قبض بعض ارواح شروع کیا اور علم الٰہی میں قضائے ابرام نہ پایا تھا ببرکت دُعائے محبوب قبض سے باز رکھے گئے ہوں۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب لواقح الانوار میں حالات حضرت سیدی شیخ محمد شربینی قدس سرہٗ میں لکھتے ہیں:

لما ضعف ولدہ احمد واشرف علی الموت وحضر عزرائیل لقبض روحہ قال لہ الشیخ، ارجع الی ربك فراجعہ فان الامر نسخ فرجع عزرائیل وشفی احمد من تلك الضعفۃ وعاش بعدھا ثلاثین عاما[1]۔

یعنی جب ان کے صاحبزارے احمد ناتواں ہو کر قریب مرگ ہوئے اور حضرت عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی روح قبض کرنے آئے حضرت شیخ نے ان سے گزارش کی کہ اپنے رب کی طرف واپس جایئے اس سے پوچھ لیجئے کہ حکم موت منسوخ ہو چکا ہے۔ عزرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام پلٹ گئے، صاحبزادے نے شفا پائی اور اس کے بعد تیس برس زندہ رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی (لواقح الانوار) خاتمۃ الکتاب ترجمہ ۲۰ شیخ محمد الشربینی دار الفکر بیروت ۲/۱۸۵

گمراہ بدمذہب ہے۔ سبحان اللہ، اہل سنت کا اجماع ہے کہ حضور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت امام اولیاء مرجع العرفاء امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے بھی اکرم وافضل واتم واکمل ہیں جو اس کا خلاف کرے اسے بدعتی، شیعی، رافضی مانتے ہیں، نہ کہ حضور غوثیت مآب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل [عہ] دینی کہ معاذاللہ انکار آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ وخرق اجماع امت مرحومہ ہے **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

یہ مسکین اپنے زعم میں سمجھا جائے کہ میں نے حق محبت حضور پرنور سلطان غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ادا کیا کہ حضور کو ملک مقرب پر غالب یا افضل بتایا، حالانکہ ان بیہودہ کلمات سے پہلے بیزار ہونے والے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، **وباللہ التوفیق**۔

جواب سوال ۱: رہا شب معراج میں روح پر فتوح حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حاضر ہو کر پائے اقدس حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نیچے گردن رکھنا، اور وقتِ رکوب براق یا صعود عرش زینہ بننا، شرعًا وعقلًا اس میں کوئی بھی استحالہ نہیں۔

سدرۃ المنتہٰی اگر منتہائے عروج ہے تو باعتبار اجسام نہ بنظر ارواح۔ عروج روحانی ہزاروں اکابر اولیاء کو عرش بلکہ مافوق العرش تک ثابت وواقع، جس کا انکار نہ کرے گا مگر علوم اولیاء کا منکر۔ بلکہ باوضو سونے والے کے لئے حدیث میں وارد کہ:

"اس کی روح عرش تک بلند کی جاتی ہے۔"

نہ اس قصہ میں معاذاللہ بوئے تفضیل یا ہمسری حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے نکلتی ہے، نہ اس کی عبارت یا اشارت سے کوئی ذہن سلیم اس طرف جاسکتا ہے۔ کیا عجب سواری براق سے بھی یہی معنی تراشے جائیں کہ اوپر جانے کا کام حضرت جبرائیل علیہ السلام اور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے انجام کو نہ پہنچا براق نے یہ مہم سرانجام کو پہنچائی۔ درپردہ اس میں براق کو فضیلت دینا لازم آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ نفس نفیس تو نہ پہنچ سکے اور براق پہنچ گیا اس کے ذریعے سے حضور کی رسائی ہوئی۔

عـــہ: فضیلت دینا

یا ھذا خدمت کے افعال جو بنظر تعظیم واجلال سلاطین بجالاتے ہیں کیا ان کے یہ معنٰی ہوتے ہیں کہ بادشاہ ان امور میں عاجز اور ہمارا محتاج ہے ؟۔۔۔۔۔۔۔علاوہ بریں کسی بلندی پر جانے کے لئے زینہ بننے سے یہ کیونکر مفہوم کہ زینہ بننے والا خود بے زینہ وصول پر قادر۔۔۔۔۔۔نردبان عـــہ۱ ہی کو دیکھیں کہ زینہ صعود ہے اور خود اصلاً صعود پر قادر نہیں۔

فرض کیجئے کہ ہنگام بت شکنی حضرت امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی عرض قبول فرمائی جاتی اور حضور پر نور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیماتہ علیہ وعلٰی آلہ ان کے دوش مبارک پر قدم رکھ کر بت گراتے تو کیا اس کا یہ مفاد ہوتا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو معاذاللہ اس کام میں عاجز اور حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ قادر تھے۔ غرض ایسے معنے محال، نہ ہرگز عبارت قصہ سے مستفاد، نہ ان کے قائلین بے چاروں کو مراد، واللہ الھادی الی سبیل الرشاد (اور اللہ تعالٰی ہی درست راستے کی طرف ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ت)

یہ بیان ابطال استحالہ واثبات صحت بمعنی امکان کے متعلق تھا۔ رہا اس روایت کے متعلق بقیہ کلام، وہ فقیر غفراللہ تعالٰی کے مجلد دوم عـــہ۲ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب مسائل شتی میں مذکور کہ یہ سوال پہلے بھی اوجین سے آیا اور اس کا جواب قدرے مفصل دیا گیا۔

خلاصہ مقصد اس کا مع زیادات جدیدہ یہ کہ اس کی اصل کلمات بعض مشائخ میں مسطور، اس میں عقلی وشرعی کوئی استحالہ نہیں، بلکہ احادیث واقوال اولیاء وعلماء میں متعدد بندگان خدا کے لئے ایسا حضور روحانی وارد۔

(۱، ۲) مسلم اپنی صحیح اور ابوداود طیالسی مسند میں جابر بن عبداللہ انصاری اور عبد بن حمید بسند حسن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ودخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ قالوا ھذا بلال ثم دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ فقلت ماھذہ	میں جب جنت میں داخل ہوا تو ایک پہچل سنی، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ملائکہ نے عرض کی: یہ بلال ہیں۔ پھر تشریف لے گیا، پہچل سنی، میں نے پوچھا

عـــہ۱: سیڑھی

عـــہ۲: یاد رہے کہ فتاوٰی رضویہ قدیم میں یہ مسائل شامل اشاعت نہیں ہوسکے تھے اب ان کو اشاعت جدید میں کتاب الشتّی کے پیش نظر جلد میں شامل کردیا گیا ہے۔

قالوا ھذہ الغمیصاء بنت ملحان[1]۔	یہ کیا ہے؟ عرض کیا: غمیصاء بنت ملحان، یعنی ام سلیم مادرِ انس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

ان کا انتقال خلافت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوا کما ذکرہ الحافظ فی التقریب[2] (جیسا کہ حافظ نے تقریب میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۳) امام احمد وابویعلٰی بسند صحیح حضرت عبداللہ بن عباس اور

(۴) طبرانی کبیر اور ابن عدی کامل بسند حسن ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روای، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت فی جانبھا وجسا فقلت یا جبرئیل ماھذا قال ھذا بلال المؤذن[3]۔	میں شب معراج جنت میں تشریف لے گیا اس کے گوشہ میں ایک آواز نرم سنی، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی: یہ بلال مؤذن ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۵) امام احمد ومسلم ونسائی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور والاصلوات اللہ تعالٰی وسلامہٗ علیہ فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت خشفۃ بین یدی، فقلت ماھذہ الخشفۃ، فقیل الغمیصاء بنت ملحان[4]۔	(میں بہشت میں رونق افروز ہوا، اپنے آگے ایک کھٹکا سنا، پوچھا: اے جبریل! یہ کیا ہے؟ عرض کی گئی: غمیصاء بنت ملحان۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ عبد بن حمید عن انس والطیالسی عن جابر حدیث ۳۳۱۶۱ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶۵۳/۱۱، مسند ابی داود الطیالسی عن جابر حدیث ۱۷۱۹ دار المعرفۃ بیروت الجزء السابع ص ۲۳۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۹۲/۲

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۸۷۸۰ ام سلیم بنت ملحان دار الکتب العلمیہ بیروت ۶۸۸/۲

[3] کنز العمال حدیث ۳۳۱۶۲ و ۳۳۱۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶۵۳/۱۱، الکامل لابن عدی ترجمہ یحیٰی بن ابی حبۃ ابن جناب الکلبی دار الفکر بیروت ۲۶۷۰/۷

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من ام سلیم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۹۲/۲، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۹۹/۳

(۶) امام احمد ونسائی وحاکم باسناد صحیحہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنة فسمعت فیھا قراءة. فقلت من ھذا؟ قالوا حارثۃ بن نعمان کذلکم البر کذلکم البر [1]۔	میں بہشت میں جلوہ فرما ہوا، وہاں قرآن کریم پڑھنے کی آواز آئی، پوچھا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی: حارثہ بن نعمان۔ نیکی ایسی ہوتی ہے نیکی ایسی ہوتی ہے۔

یہ حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خلافتِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں راہی جنان ہوئے **قالہ ابن سعد فی الطبقات وذکرہ الحافظ فی الاصابۃ** [2] (ابن سعد نے طبقات میں اور حافظ نے اصابہ میں اس کو ذکر کیا۔ت)

(۷) ابن سعد طبقات میں ابوبکر عدوی سے مرسلًا راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

دخلت الجنۃ فسمعت نحمۃ من نعیم [3]۔	میں جنت میں تشریف فرما ہوا تو نعیم کی کھکارسنی۔

یہ نعیم بن عبداللہ عدوی معروف بہ نحام (کہ اسی حدیث کی وجہ سے ان کا یہ عرف قرار پایا) خلافت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے۔

کما ذکرہ موسٰی بن عقبۃ فی المغازی عن الزھری و کذا قالہ ابن اسحٰق ومصعب الزبیری واٰخرون کما فی الاصابۃ [4]۔	جیسا کہ موسٰی بن عقبہ نے مغازی میں زہری کے حوالے سے اس کو ذکر کیا یوں ہی کہا ابن اسحٰق اور مصعب زبیری اور دیگر علماء نے جیسا کہ اصابہ میں ہے۔(ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۳۶/۶، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ مناقب حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۲۰۸/۳، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۲۹۸/۱

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۵۳۲ حارثہ بن نعمان دار صادر بیروت ۲۹۹/۱، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ حارثہ بن نعمان دار الفکر بیروت ۴۸۸/۳

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد الطبقۃ الثانیۃ من المہاجرین والانصار ترجمہ نعیم بن عبداللہ المعروف النحام دار صادر بیروت ۱۳۸/۴

[4] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ نعیم بن عبداللہ ۸۷۷۶ دار صادر بیروت ۵۶۸/۳

سبحان اللہ! جب احادیث صحیحہ سے احیائے عالم شہادت کا حضور ثابت تو عالم ارواح سے بعض ارواح قدسیہ کا حضور کیا دور۔

(۸) امام ابو بکر بن ابی الدنیا، ابوالمخارق سے مرسلاً راوی، حضور پر نور صلوات اللہ سلامہ علیہ فرماتے ہیں:

مررت لیلۃ اسرٰی بی برجل مغیب نور العرش، قلت: من ھذا، املک؟ قیل: لا۔ قلت: نبی؟ قیل: لا۔ قلت: من ھذا؟ قال: ھذا رجل کان فی الدنیا لسانہ رطب من ذکر اللہ تعالٰی وقلبہ معلق بالمساجد ولم یستسب لوالدیہ قط[1]۔	یعنی شب اسرٰی میرا گزر ایک مرد پر ہوا کہ عرش کے نور میں غائب تھا، میں نے فرمایا: یہ کون ہے، کوئی فرشتہ ہے؟ عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا: نبی ہے عرض کی گئی: نہ۔ میں نے فرمایا کون ہے؟ عرض کرنے والے نے عرض کی: یہ ایک مرد ہے دنیا میں اس کی زبان یادِ الٰہی سے تر تھی اور دل مسجدوں سے لگا ہوا، اور (اس نے کسی کے ماں باپ کو برا کہہ کر) کبھی اپنے ماں باپ کو برا نہ کہلوایا۔

ثم اقول وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) کیوں راہ دور سے مقصد قرب نشان دیجئے، زفیض قادریت جوش پر ہے، بحر حدیث سے خاص گوہر مراد حاصل کیجئے۔ حدیث مرفوع مروی کتب مشہورہ ائمہ محدثین سے ثابت کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے تمام مریدین واصحاب وغلامان بارگاہ آسمان قباب کے شب اسرٰی اپنے مہربان باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور اقدس کے ہمراہ بیت المعمور میں گئے حضور پر نور کے پیچھے نماز پڑھی، حضور کے ساتھ باہر تشریف لائے۔ **والحمد للہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

اب ناظر غیر وسیع النظر متعجبانہ پوچھے گا کہ یہ کیونکر؟۔۔۔۔۔۔۔۔ہاں ہم سے سنے۔ **واللہ الموفق**۔ ابن جریر وابن ابی حاتم و ابویعلٰی وابن مردویہ وبیہقی وابن عساکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا تحت الآیۃ ۲/۱۵۲ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۱/۱۴۹، الترغیب والترہیب بحوالہ ابن ابی الدنیا کتاب الذکر والدعاء، الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ الخ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۹۵

تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی، حضور اقدس سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثم صعدت الی السماء السابعة فاذاانا بابراھیم الخلیل مسندالظھرہ الی البیت المعمور (فذکر الحدیث الی ان قال) واذابامتی شطرین شطرعلیھم ثیاب بیض کانھاالقراطیس وشطرعلیھم ثیاب رمد فدخلت البیت المعمور ودخل معی الذین علیھم الثیاب البیض وحجب الاخرون الذین علیھم ثیاب رمد وھم علی خیر فصلیت اناومن معی من المومنین فی البیت المعمورثم خرجت اناومن معی[1] (الحدیث)	پھر میں ساتویں آسمان پر تشریف لے گیا، ناگاہ وہاں ابراہیم خلیل اللہ ملے کہ بیت المعمور سے پیٹھ لگائے تشریف فرما ہیں اور ناگاہ اپنی امت دو قسم پائی، ایک قسم کے سپید کپڑے ہیں کاغذ کی طرح، اور دوسری قسم کا خاکستری لباس۔ میں بیت المعمور کے اندر تشریف لے گیااور میرے ساتھ سپیدپوش بھی گئے، میلے کپڑوں والے روکے گئے مگر ہیں وہ بھی خیر وخوبی پر۔ پھر میں نے اور میرے ساتھ کے مسلمانوں نے بیت المعمور میں نماز پڑھی۔ پھر میں اور میرے ساتھ والے باہر آئے۔

ظاہر ہے کہ جب ساری امت مرحومہ بفضلہٖ عزوجل شریف باریاب سے مشرف ہوئی یہاں تک کہ میلے لباس والے بھی۔ تو حضور غوث الورٰی اور حضور کے متنسبان باصفاتو بلاشبہہ ان اجلی پوشاک والوں میں ہیں، جنہوں نے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ بیت المعمور میں جاکر نماز پڑھی، والحمدللہ رب العالمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ ت)

اب کہاں گئے وہ جاہلانہ استبعاد کہ آج کل کے کم علم مفتیوں کے سدراہ ہوئے، اور جب یہاں تک بحمد اللہ ثابت تو معاملۂ قدم میں کیاوجہ انکار ہے کہ قولِ مشائخ کو خواہی نخواہی رد کیاجائے۔ ہاں سند محدثانہ نہیں۔۔۔۔۔ پھرنہ ہو۔۔۔۔۔ اس جگہ اسی قدر بس ہے۔ سند معنعن عـــہ کی حاجت نہیں،

عـــہ: ایسی روایت جس میں ایک راوی دوسرے راوی سے "عن فلان" کے لفظ سے روایت کرے۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹۴/۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرج بہ الی السماء دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳۹۳-۹۴/۲، الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن حاتم وغیرہ الخ تحت الآیۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۷۲/۵

کما بیناہ فی رسالتنا "ھدی الحیران فی نفی الفئی عن سید الاکوان" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "ھدی الحیران فی نفی الفیئی عن سید الاکوان" میں اسے بیان کیا ہے۔)

امام جلال الدین سیوطی نے "مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء" میں مرثیہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ "بابی انت وامی یارسول اللہ"[1]

لم اجدہ فی شیئ من کتب الحدیث الاثر (الٰی قولہ) باالاحکام[2]۔	میں نے یہ روایت کسی کتاب حدیث میں نہ پائی مگر صاحب اقتباس الانوار اور امام ابن الحاج نے اپنی مدخل میں اسے حدیث طویل کے ضمن میں ذکر کیا اور ایسی روایت کو اسی قدر سند کفایت کرتی ہے کہ انہیں کچھ باب احکام سے تعلق نہیں۔

اور یہ تو کسی سے کہا جائے کہ حضرات مشائخ کرام قدست اسرارھم کے علوم اسی طریقہ سند ظاہری حدثنا فلان عن فلان میں منحصر نہیں، وہاں ہزار ہا ابواب وسیعہ واسباب رفیعہ ہیں کہ اس طریقہ ظاہرہ کی وسعت ان میں سے کسی کے ہزارویں حصہ تک نہیں، تو اپنے طریقہ سے نہ پانے کو ان کی تکذیب کی حجت جاننا کیسی ناانصافی ہے۔

انسان کی سعادت کبرٰی ان مدارج عالیہ ومعارک غالیہ تک وصول رہے۔۔۔۔۔۔ اور اس کی بھی توفیق نہ ملے تو کیا درجہ تسلیم، نہ کہ معاذاللہ انکار وتکذیب کو سخت مہلکہ ہائلہ ہے، والعیاذ باللہ رب العٰلمین (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)۔۔۔۔۔۔ جیسے آج کل ایک بحرینی بے بہرہ نے رسالہ "لباب المعانی" سیاہ کرکے مصر میں چھپوایا اور صرف اس پر کہ حضرت امام عارف باللہ، ثقہ، حجت، فقیہ، محدث، امام القراء، سیدی ابوالحسن علی نورالملۃ والدین شطنوفی قدس سرہ الصافی الصوفی نے کتاب بہجۃ الاسرار شریف میں باسناد صحیحہ حضرت امام اجل سیدی احمد رفاعی قدس سرہ الرفیع پر حضور پرنور سید الاولیاء حضرت غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل روایت فرمائی، نہ صرف اس امام جلیل وکتاب جمیل بلکہ خاک بدہن گستاخ جناب اقدس میں

[1] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

[2] نسیم الریاض بحوالہ مناھل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء الفصل السابع مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۲۴۸

کوئی دقیقہ بے ادبی اٹھانہ رکھا۔ نعوذ باللہ من الخذلان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ القادر المستعان (ہم ذلت و رسوائی سے اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں جو قدرت والا ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ت)

یہ لباب عجاب اول تاآخر جہالات فاضحہ وخرافات واضحہ کالب لباب ہے۔ کثرت مسائل کے نام فرصت عنقانہ ہوتا تو فقیر اس کا رد لکھ دیتا۔ مگر الحمدللہ نار باطل خود منطفی [عہ۱] ہے اور ہمارے بلاد میں اس کا شر یکسر منتفی [عہ۲] فلاحاجۃ الٰی اشاعۃ خرافاتہ ولو علٰی وجہ الرد (اس کی خرافات کو شائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اگرچہ بطور رد ہو۔ت)

بالجملہ روایت نہ عقلاً دور نہ شرعاً مہجور، اور کلمات مشائخ میں مسطور وماثور اور کتب احادیث میں ذکر معدوم نہ کہ عدم مذکور۔۔۔۔۔۔ نہ روایاتِ مشائخ اس طریقہ سند ظاہری میں محصور، اور قدرت قادر وسیع وموفور، اور قدر قادری کی بلندی مشہور، پھر ردوانکار کیا مقتضائے ادب وشعور۔ والحمدللہ العزیز الغفور، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو عزت والا بہت بخشنے والا ہے اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم خوب تام اور خوب مضبوط ہے۔ت)

مسئلہ ثالثہ

مسئلہ ۸: مسؤلہ مولوی نور محمد صاحب کانپوری، ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع دیوان، ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ۔

ماقولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفتی الشریعۃ الغراء فی ھٰذہ:	آپ کا کیا ارشاد ہے اے فراخ وروشن ملت کے عالمو اور اے چمکدار شریعت کے مفتیو! اس مسئلہ میں)ت)

مولود غلام امام شہید، صفحہ ۵۹ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ: "شب معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک

عہ۱: بُجھی ہوئی۔ عہ۲: ختم، نیست ونابود۔

نے حاضر ہو کر گردنِ نیاز صاحب لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردن غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا: میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں، اگر آج اس نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ: "تو محی الدین ہے اور جس طرح میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردن پر ہوگا۔"

اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحب منزل اثنا عشریہ بھی تحفۃ القادریہ سے لکھتے ہیں اسی کتاب کے صفحہ ۵۸ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ:

"خواجہ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہو کر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی، جبریل علیہ السلام نے کہا: کیا بیحرمتی ہے، تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے؟ خلاصہ ہژدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اٹھارہ ہزار جہانوں کے خلاصہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ت) براق نے کہا کہ اے امین وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس ہے۔ فرمایا: بیان کرو۔ عرض کیا: آج دولت زیارت سے مشرف ہوں کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپکی سواری کے واسطے آئیں گے، امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔"

صاحب تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ: "وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحب معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔"

پس استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ احادیث و شفائے قاضی عیاض وغیرہ کتب معتبرہ فن میں موجود ہے یا نہ۔ بیان کاف وشاف بالاسانید من المعتبرات المعتقدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیرا۔ بینوا توجروا (معتبر و معتمد سندوں کے ساتھ کافی و شافی بیان پوری شرح و تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمائیں۔ اللہ تعالٰی آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

کتب احادیث و سِیَر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر، بلکہ صریح اباطیل و موضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری نہ کہیں اس کا

تذکرہ دیکھا۔

تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا اور جو میری نظر سے گزرا ان میں یہ روایات اصلاً نہیں۔ [عـــہ۱]

بایں ہمہ اس زمانہ کے مفتیانِ جہول، مخطیان غفول [عـــہ۲] نے جو اس کا بطلان یوں ثابت کرنا چاہا کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس وانور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تفضیل نکلتی ہے [عـــہ۳] یہ محض تعصب وجہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کیا، جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کٹھور ضلع سورت سے ایک سوال آیا تھا۔ [عـــہ۴]

فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی الدین اربلی نے کتاب "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر" رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے [عـــہ۵] اور اسے جامع شریعت وحقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمہ اللہ

عـــہ۱: تحفہ قادریہ، حضرت شاہ ابوالمعالی قادری (۱۱۱۶ھ) کی فارسی تالیف ہے جس میں حضور غوث الورٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حالات اور کرامات کا تذکرہ ہے۔ آپ اپنے وقت کے سربرآوردہ مشائخ میں شمار ہوتے ہیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے آپ کے ارشاد پر اشعۃ اللمعات اور شرح فتوح الغیب مکمل فرمائی۔ آپکا مزار لاہور میں واقع ہے۔

تحفہ قادریہ کے قلمی نسخے اکثر کتب خانوں میں موجود ہیں، اصل فارسی نسخہ تاحال طبع نہ ہوا، البتہ اس کا اردو ترجمہ (۱) سیرت الغوث مولفہ محمد باقر نقشبندی (۱۳۲۳ھ) مطبع منشی نولکشور پریس لاہور اور (۲) تحفہ قادریہ (اردو ترجمہ) مولفہ مولانا عبدالکریم (۱۳۲۴ھ) ملک فضل الدین تاجر کتب لاہور کے ناموں سے شائع ہوچکے ہیں۔

عـــہ۲: جاہل، غافل اور خطاکار مفتی۔

عـــہ۳: دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی، مدرسہ دیوبند کے اساطین مولوی خلیل احمد اور مولوی رشید احمد انبیٹھوی کے فتاوٰی کی تردید ہو رہی ہے، یہ فتاوٰی موجودہ رسالہ مبارکہ میں شامل کردیے گئے ہیں۔

عـــہ۴: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ رسالہ ہذا۔

عـــہ۵: تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ، المنقبۃ الاولٰی، سنی دارالاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، ص ۲۵، ۲۴

کی کتاب حرز العاشقین سے نقل کیا ہے۔اور ایسے امور میں اتنی ہی سند بس ہے۔اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوے میں ہے جس کا سوال ۷ اربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا، عـــہ وباللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، اور اللہ تعالٰی خوف جانتا ہے۔ت)

رسالہ

فتاوٰی کرامات غوثیہ

ختم ہوا۔

عـــہ: ملاحظہ ہو مسئلہ ثانیہ، رسالہ ہذا

خلاصۂ جواب تھانوی دیوبند

آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف بلادلیل شرعی کسی قول یا فعل کو منسوب کرنا جمہور کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک کفر ہے۔ پس روح مقدس حضرت غوث اعظم پر آپکا سوار ہو کر عرش پر پہنچنے کی نسبت فعل اور آپ کا فرمانا کہ "میرے بعد نبی ہوتا تو پیران پیر ہوتے" قول کی نسبت بلادلیل۔ پس سخت معصیت وحرام ہے۔

اور چونکہ منقولین اور ان امور کے اصرار کرتے اور اس کو مستحسن سمجھتے ہیں۔ پس اصرار علی المعصیۃ قریب کفر اور اس کا استحسان صریح کفر ہے۔ ایسے لوگوں کے ایمان میں کلام اور اشتباہ معلوم ہوتا ہے، بلکہ درپردہ اس قصہ میں حضرت غوث اعظم کو فضیلت دینا لازم آتا ہے حضرت سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر کہ آپ تو وہاں نہ پہنچ سکے اور حضرت غوث اعظم پہنچ گئے اور ان کے ذریعے سے آپ کی رسائی ہوئی، **نعوذ باللہ منہ**۔

قطع نظر اس سے سدرۃ المنتہٰی کو اس لئے سدرۃ المنتہٰی کہتے ہیں کہ وہ منتہٰی عروج مخلوقات کا ہے۔ پس جس کا عروج اس سے اوپر بالدلیل ہو، مستثنٰی ہے۔ دوسرے کے عروج کا دعوٰی رجم بالغیب جس کی مذمت قرآن مجید میں منصوص ہے۔ اسی طرح یہ اعتقاد کہ زنبیل چھین لی، مخالف نص قرآنی منجر الی کفر ہے۔ ایسے ہی حضرت عائشہ کا دودھ پلانا، اس کی بھی کچھ اصل نہیں۔ اول تو حضرت عائشہ کے دودھ ہی نہ تھا، دوسرے روح منہ اور لب اور پیٹ سے پاک ہے۔ یہ چیزیں خواص اجسام سے ہیں۔ پھر دودھ پینے کے کیا معنی۔ اور حضرت ابوبکر سے کسی بھی صحابی کو افضل سمجھنا خلاف اجماع امت ہے نہ کہ ایک ولی کو کہ سخت معصیت و بدعت و مخالف سنن مشہورہ کے ہے۔ اور یہ قول کہ قدمی علٰی رقاب اولیاء "خود حضرت غوث صاحب سے ثقات نے نقل فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف دروغ ہے۔

کتبہ محمد اشرف علی

مُہر

I.T. Majlis of DawateIslami

۲۔فی الواقع یہ اوہام خیالات باطلہ اور جہالات فاسدہ ہیں جو جُہال معتقدین اپنے معتقدعلیہ کی نسبت شائع کیا کرتے تھیں۔ **نعوذباللہ من تلك الکفریات والھفوات۔**

حررہ خلیل احمد (انبھیٹھی) مدرسہ دیوبند

۳۔جواب صحیح ہے۔رشید احمد گنگوہی

رشید احمد

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ ۱۳۱۲ھ
(زمانۂ جاہلیت کے عیب سے مقام حیدری کی پاکی کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۹: از بنارس کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب　　۹ جمادی الاخری ۱۳۱۲ھ

بخدمت لازم البرکت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع واصول، جناب مولٰینا مولوی احمد رضا خان صاحب **مداللہ فیضانہ** (اللہ تعالٰی آپ کا فیضان ہمیشہ جاری رکھے۔ت) از جناب خادم الطلبہ عبدالغفور سلام علیک قبول باد، اس مسئلہ میں یہاں درمیان علماء کا اختلاف ہے لہٰذا مسئلہ ارسال خدمت لازم البرکت ہے امید کہ جواب سے مطلع فرمائیں۔

زید کہتا ہے کہ جناب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ چونکہ قبل از بلوغ ایمان لائے اور نہ پہلے بت پرستی شرک وکفر وغیرہ کے آپ مبتلا ہوئے نیز بلحاظ حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔(ت)

یہ کہنا کہ آپ پہلے کافر تھے بعدازاں مسلمان ہوئے صحیح نہیں، اور جملہ مذکورہ بہ نسبت آپ کے سوئے ادب میں داخل ہے۔
عمرو کہتاہے چونکہ اطفال تابع والدین کے ہوتے ہیں اور والدین آپکے حالت کفر پر تھے، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ پہلے علی مرتضی کافر تھے بعدازاں مسلمان ہوئے فقط۔ اس صورت میں زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟ **بینوا توجروا**۔ (بیان فرمائیے اجر دیے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمدللہ الذی کرم وجہ علی ن المرتضٰی: فلم یزل محظوظاً منہ بعین الرضٰی: والصلوٰۃ والسلام علی السید العلی الرضی الارضٰی: شفیع المذنبین یوم فصل القضا: وعلٰی اٰلہ وصحبہ بعدد کل من یاتی ومضٰی:	اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا ہے۔ساری تعریف اللہ کے لئے جس نے علی مرتضی کے چہرے کو عزت وکرامت بخشی تو وہ ہمیشہ اس کی رضاوخوشنودی سے بہرہ ور رہے۔ اور درود وسلام ہو بلند، پسندیدہ، پسندیدہ تر سردار، فیصلہ قضاکے دن گنہگاروں کے شفیع پر اوران کی آل اوران کے اصحاب پر تمام اگلے پچھلوں کی تعداد کے برابر۔(ت)

قول زید حق وصحیح قول عمرو باطل وقبیح ہے۔

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتاہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ت) یہ توظاہر ومعلوم وثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی وقت بعثت سراپابرکت حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فورًا مشرف بتصدیق وایمان ہوئے، اس وقت عمر مبارک حضرت مرتضوی آٹھ دس سال تھی اور بالیقین جو عاقل بچہ اسلام لائے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

حکم اسلام میں مستقل بالذات ہے پھر کسی کی تبعیت سے اس پر حکم دیگر حلال نہیں۔

فی المواھب : کان سن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اذذاک عشر سنین فیما حکاہ الطبری[1] اھ قال الزرقانی:وھو قول ابن اسحٰق واقتصر المصنف علیہ لقول الحافظ انہ ارجح الاقوال[2]۔ وروی ابن سفٰین باسناد صحیح عن عروۃ قال اسلم علی وھو ابن ثمان سنین وصدر بہ فی العیون الخ[3]۔ وفی ردالمحتار:قولہ وسنّہٗ سبع وقیل ثمان وھو الصحیح،واخرجہ البخاری فی تاریخہ عن عروۃ۔ وقیل عشر اخرجہ الحاکم فی المستدرک۔ وقیل خمسۃ عشر وھو مردود وتمام ذٰلک مبسوط فی الفتح[4] اھ وفی نکاحہ عن احکام الصغار	مواہب اللدنیہ میں ہے : اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عمر دس سال تھی، جیسا کہ طبری نے ذکر کیا ہے اھ۔ زرقانی نے فرمایا: یہی ابن اسحٰق کا بھی قول ہے، مصنف نے صرف اسی قول کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ سب سے راجح قول یہی ہے۔ (ت) اور ابن سفٰین نے بسند صحیح حضرت عروہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی آٹھ برس کی عمر میں اسلام لائے۔ عیون الاثر (لابن سید الناس) میں اسی قول کو پہلے ذکر کیا۔ (ت) ردالمحتار میں ہے: قولہ ان کی عمر سات سال تھی اور کہا گیا کہ آٹھ سال تھی۔ یہی صحیح ہے،اسی کو امام بخاری نے اپنی تاریخ میں حضرت عروہ سے روایت کیا۔ اور کہا گیا کہ دس سال تھی،اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔۔۔ اور کہا گیا کہ پندرہ سال تھی، یہ قول مردود ونامقبول ہے۔ پوری تفصیل فتح القدیر میں ہے۔ اھ (ت) ردالمحتار کتاب النکاح میں احکام الصغار

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول اول من اٰمن المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۱۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ اول من اٰمن دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۴۲

[4] ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۰۷

للاستروشنی انه قبل البلوغ تبع لابویه فی الدین مالم یصف الاسلام اھ قال:فافادان التبعیة لا تنقطع الابالبلوغ اوبالاسلام بنفسه وبه صرح فی البحر عـــه والمنح من باب الجنائز اھ۔[1]	للاستروشنی سے نقل ہے: بچہ قبل بلوغ دین میں اپنے والدین کا تابع ہے جب کہ خود مسلمان نہ ہوا ہو،شامی نے کہا: افادہ فرمایا کہ یہ تبعیت بالغ ہونے یا خود اسلام لانے ہی سے ختم ہوتی ہے،اسی کی تصریح بحرالرائق اور منح الغفار باب الجنائز میں بھی ہے اھ (ت)

توبعد بعثت تواس خیال شنیع کی زنہار گنجائش نہیں بلکہ اس سے پیشتر بھی کہ جب قریش مبتلائے قحط ہوئے تھے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب پر تخفیف عیال کے لئے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو اپنی بارگاہ ایمان پناہ میں لے آئے تھے کماذکرہ ابن اسحٰق فی سیرتہ[2] (جیسا کہ اس کو ابن اسحٰق نے اپنی سیرت میں ذکر کیا۔ت)

حضرت مولٰی نے حضور مولی الکل سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا،آنکھ کھلتے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی باتیں سنیں،عادتیں سیکھیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ بارک وسلم۔توجب سے اس جناب عرفان مآب کو ہوش آیا قطعًایقینًارب عزوجل کو ایک ہی جانا،ایک ہی مانا۔ہرگز ہرگز بتوں کی نجاست سے اس کا دامن پاک کبھی آلودہ نہ ہوا۔اسی لئے لقب کریم "کرم اللہ تعالٰی وجہہ "ملا۔ذٰلك فضل اللہ یؤتیه من یشاء

عـــه:ولفظه:ولاتزول التبعیة الی البلوغ,نعم تزول التبعیة اذا اعتقد دینًا غیردین ابویه اذا عقل الادیان فحینئذصار مستقلًا[3]۔	ولفظہ:تبعیت بلوغ تک ختم نہیں ہوتی،ہاں اس وقت تبعیت ختم ہوجاتی ہے جب ادیان کی سمجھ رکھ کر اپنے ماں باپ کے دین کے علاوہ کسی دین کا معتقد ہوجائے اب وہ(تابع نہ رہا)خود مستقل ہو گیا۔(ت)

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

[2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اول ذکر اسلم الجزئین الاولین,دار ابن کثیر بیروت ص ۲۶۴

[3] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

ذوالفضل المبین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے وہ نمایاں فضل والا ہے۔ت)

اب رہ گئے صرف چند برس جو روز پیدائش سے بالکل ناسمجھی کے ہوتے ہیں جن میں بچہ نہ کچھ ادراک رکھتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے۔ظاہر ہے کہ اس عمر میں حقیقۃً تو کوئی بچہ کافر نہیں کہا جاسکتا کہ صدق مشتق قیام مبدء کو مستلزم۔کفر تکذیب ہے، اور تکذیب بے ادراک و تمیز نامتصور [عہ] بلکہ اس وقت تک ہر بچے کا دین فطری اسلام ہے **کما نطقت بہ صحاح الاحادیث** (جیسا کہ صحیح احادیث اس پر ناطق ہیں۔ت)

ہاں جس کے والدین کافر ہوں اس پر ان کی تبعیت کا حکم کیا جاتا ہے جبکہ تبعیت متصور بھی ہو ورنہ نہیں، جیسے وہ بچہ جسے دارالاسلام میں اسیر کر لائیں اور اس کے کافر ماں باپ دارالحرب میں رہیں، کہ بوجہ اختلافِ دار تبعیت ابوین منقطع ہوگئی، اب بہ تبعیت دار اسے مسلم کہا جائیگا۔

فی جنائز الدر "صبی سبی مع احد ابویہ لایصلی علیہ لانہ تبع لہٗ ولو سبی بدونہ فمسلم تبعًاللدار او للسابی [1] اھملخصاً۔"	در مختار کتاب الجنائز میں ہے: کوئی بچہ اپنے حربی والدین میں سے کسی ایک کے ساتھ (دارالحرب سے) گرفتار کرکے (دار الاسلام میں) لایا گیا (اور مرگیا) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی کیونکہ وہ (کافر حربی کے) تابع ہے۔ہاں اگر تنہا گرفتار ہو تو دارالاسلام یا گرفتار کرنے والے کے تابع ہونے کے باعث مسلم ہے اھ ملخصًا۔(ت)

عــہ: نتیجہ یہ نکلا کہ کفر بے ادراک و تمیز غیر متصور ہے۔لہٰذا ناسمجھ بچہ کفر سے خالی ہوگا۔جب کفر اس کے ساتھ قائم نہیں تو اس پر کافر کا اطلاق بھی درست نہیں کیونکہ کافر، کفر سے مشتق ہے اور کسی پر مشتق صادق ہونے کے لئے مصدر سے اس کا متصف ہونا لازم ہے جیسے لفظ عالم کسی پر صادق آنے کے لئے علم سے اس کا متصف ہونا لازم ہے۔لہٰذا بچہ جب مبدأ (کفر) سے خالی ٹھہرا تو اس پر مشتق (کافر) کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۱۲ محمد احمد مصباحی۔

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۳

وفی نکاحہ:الولد یتبع خیر الابوین دیناً ان اتحدت الدار[1] الخ۔	درمختار کتاب النکاح میں ہے: باعتبار دین ماں باپ میں سے جو بہتر ہو بچہ اسی کا تابع ہوتا ہے اگر دار ایک ہوالخ(ت)

جب یہ امر منقح ہولیا اب یہاں اس نرے ناسمجھ کی عمر پر بھی یہ ناگوار و ناسزا خیال دو امر کے ثبوت کا فی کا محتاج:

امر اول حضرت فاطمہ عــہ۱ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ابوطالب دونوں کا اس وقت تک کافر ہونا کہ ان میں ایک بھی موحد ہوتو بچہ اس کی تبعیت سے موحد کہا جائے گا کافر کی تبعیت ہرگز نہ کرے گا لما نصوا علیہ قاطبۃ من ان الولد یتبع خیر الابوین دینا[2] (کیونکہ تمام علماء نے نص فرمایا کہ ماں باپ میں سے باعتبار دین جو بہتر ہو بچہ اسی کے تابع ہوتا ہے۔ت)

امر دوم اس وقت حکم تبعیت صادق وثابت ہونا

ان دو امر سے اگر ایک بھی پایہ ثبوت سے ساقط رہے گا تو یہ بیہودہ خیال، خیال کرنے والے کے منہ پر مارا جائے گا، مگر مولٰی علی کے رب جل وعلا کو حمد وثنا ہے کہ بفضلہ تعالٰی ان دو میں سے ایک بھی ثابت نہیں۔

اولا اہل فترت جنہیں انبیاء اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت نہ پہنچی تین قسمیں ہیں:

اول موحد جنہیں ہدایت ازلی نے اس عالمگیر اندھیرے میں بھی راہ توحید دکھائی جیسے قس بن ساعدہ عــہ۲ وزید بن عمرو بن نفیل وعامر بن الظرب عدوانی وقیس بن عاصم تمیمی وصفوان

عــہ۱: حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی والدہ ماجدہ جو صحابیہ ہوئیں ۱۲ محمد احمد

عــہ۲: یہ دونوں مقبول بندے زمانہ جاہلیت میں نہ صرف موحد تھے بلکہ پیش از بعثت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعثت شریفہ پر بھی ایمان رکھتے۔ قس نے بازار عکاظ کے خطبے میں اپنی قوم سے فرمایا: عنقریب ادھر سے ایک حق ظاہر ہونے والا ہے۔ اور مکہ کی طرف اشارہ کیا، لوگوں نے (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

بن ابی امیہ کنانی وزہیر بن ابی سلمٰی[1] شاعر وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم۔
دوم مشرک کہ اپنی جہالتوں ضلالتوں سے غیر خدا کو پوجنے لگے، جیسے کہ اکثر عرب۔
سوم غافل کہ براہ سادگی یا انہماک فی الدنیا انہیں اس مسئلہ سے کوئی بحث ہی نہ ہوئی بہائم کے مثل زندگی کی۔اعتقادیات میں نظر سے غرض ہی نہ رکھی یا نظر وفکر کی مہلت نہ پائی۔بہت زنان (عورتوں) وچوپایوں واہل بوادی (صحراجنگل والوں) کی نسبت یہی مظنون (گمان) ہے۔

قال العلامۃ الزرقانی:ومن جاھلیۃ عم الجھل فیھا شرقًاوغربًا	علامہ زرقانی نے کہا:ایسا عہد جاہلیت جس میں مشرق و مغرب ہر طرف جہالت عام ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

کہا وہ حق کیا ہے ؟لوی بن غالب کی اولاد سے ایک مرد کہ تمہیں کلمہ اخلاص اور ہمیشہ کے چین اور دائمی نعمت کی طرف دعوت فرمائے گا تم اس کی بات ماننا، اگر میں جانتا کہ اس کی بعثت تک زندہ رہوں گا توسب سے پہلے میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ[2]عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما (اس کو ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے زید بن عمرو نے کہا میں اپنی قوم کا مخالف اور دین ابراہیم واسمٰعیل کا تابع ہوا، وہ دونوں بتوں کو نہ پوجتے اور اس قبلہ کی طرف نماز پڑھتے تھے، میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی کے انتظار میں ہوں مگر میرے خیال میں اس کا زمانہ نہ پاؤں گا میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس کی تصدیق کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہے،اے عامر!اگر تمہاری عمر وفا کرے تو انہیں میرا اسلام پہنچانا۔عامر فرماتے ہیں:جب میں نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زید کا یہ قصہ بیان کیا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے حق میں دعائے رحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا: میں نے اسے دیکھا کہ جنت میں دامن کشاں سیر کررہا ہے۔رواہ ابن سعد والفاکھی عنہ[3] رضی اللہ تعالٰی عنہ ۱۲منہ غفرلہ (اس کو ابن سعد اور فاکہی نے عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم فی دلائل النبوۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن سعد و الفاکھی المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۳

وفقد فيها من يعرف الشرائع ويبلغ الدعوة علٰى وجهها الانفرا يسيرا من احبار اهل الكتاب مفرقين فى اقطار الارض كالشام وغيرها واذاكان النساء اليوم مع فشو الاسلام شرقًا وغربًا لايدرين غالب احكام الشريعة لعدم مخالطتهن الفقهاء، فما ظنك بزمان الجاهلية والفترة الذى رجاله لايعرفون ذٰلك فضلا عن نسائه، ولذالما بعث صلى الله تعالٰى عليه وسلم تعجب اهل مكة وقالوا أبعث الله بشرا رسولا، وقالوالوشاء ربنالانزل ملٰئكة، ربما كانوا يظنون ان ابراهيم عليه السلام بعث بما هم عليه فانهم لم يجدوا من يبلغهم شريعته علٰى وجهها لدثورها وفقد من يعرفها، اذكان بينهم وبينه ازيد من ثلثة اٰلاف سنة، قاله فى مسالك الحنفاء والدرج المنيفة اھ باختصار[1]۔	احکام شریعت جاننے والے اور صحیح طور سے دعوت کی تبلیغ کرنے والے ناپید ہیں، صرف چند علماء اہل کتاب ہیں جو اطراف زمین شام وغیرہ میں منتشر ہیں۔۔۔۔اور آج جبکہ اسلام شرق وغرب میں پھیل چکا ہے عورتوں کا یہ حال ہے کہ اکثر احکام شرع سے بے خبر رہتی ہیں کیونکہ علماء سے ان کا ربط اوروابستگی نہیں۔ پھر عہد جاہلیت اورزمانہ فترت کی عورتوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جبکہ عورتیں درکنار مرد بھی ان سب سے ناآشنا ہوتے تھے، اسی لئے تو جب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اہل مکہ کو تعجب ہوا، بولے: کیا اللہ نے کسی انسان کو رسول بناکر مبعوث کیا ہے؟ اور بولے: اگر ہمارا رب چاہتا توفرشتے اتارتا۔ وہ تو یہاں تک سمجھا کرتے تھے کہ جو کچھ وہ کررہے ہیں ان ہی باتوں کو لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے، اس غلط خیال کی یہی وجہ تھی کہ شریعت ابراہیمی کو صحیح طور سے کوئی پہنچانے والا ہی انکو نہ ملا، کیونکہ اس کے نشانات مٹ گئے تھے اوراس کے جاننے والے بھی ناپید ہوچکے تھے، اس لئے کہ ان اہل مکہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان تین ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا۔ یہ مسالک الحنفاء اور الدرج المنیفہ میں فرمایا گیا ہے اھ باختصار (ت)

[1] شرح الزرقانی علی مواھب اللدنیۃ المصد الاول باب وفاۃ امہ ومایتعلق بابویہ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۸۴

جماہیر ائمہ اشاعرہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک جب تک بعثت اقدس حضور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہو کر دعوتِ الٰہیہ انہیں نہ پہنچی یہ سب فرقے ناجی وغیر معذب تھے۔

لقوله تعالٰی "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۞" [1]۔ (الجواب بتعميم الرسول العقل او تخصيص العذاب بعذاب الدنيا خلاف الظاهر فلا يصار اليه الا بموجب ولاموجب اقول بلٰى احاديث صحيحة صريحة كثيرة بثيرة ناطقة بعذاب بعض اهل الفترة كعمرو بن لحى وصاحب المحجن وغيرهما وبه علم ان ردها يجعلها معارضة للقطعى كماصدر عن العلامة الابى والامام السيوطى و كثيرمن الاشعرية لاسبيل اليه فان قطعية الدلالة غير مسلم فلا يهجم بمثل ذٰلك على ردالصحاح والكلام	اللہ تعالٰی کے اس قول کے مطابق: ہم عذاب فرمانے والے نہ تھے یہاں تک کہ بھیج لیں رسول۔ (اشاعرہ کے جواب میں یہ کہنا کہ رسول سے مراد عام ہے خواہ انسان ہو یا عقل یا یہ کہ عذاب سے مراد صرف عذاب دنیا ہے (یعنی جب تک ہم کوئی رسول نہ بھیج لیں دنیا میں عذاب نہیں دیتے اور عذاب آخرت دعوت رسول پہنچے بغیر بھی ہوسکتا ہے) یہ (تاویل) خلاف ظاہر ہے جس کی طرف رجوع کا کوئی موجب نہیں۔ **اقول:** کیوں نہیں بہت ساری صحیح صریح حدیثیں بعض اہل فترت کے عذاب (دنیاوی) پر ناطق ہیں جیسے عمرو بن لحہ اور ٹیڑھے ڈنڈے والا آدمی جو اپنے ڈنڈے سے لوگوں کی چیزیں اچک کر چُرالیتا تھا) اوران دونوں کے علاوہ۔۔۔۔اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صحیح حدیثوں کا رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ کہتے ہوئے کہ یہ احادیث نص قطعی کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ ابی، امام سیوطی اور بہت سے اشعریہ نے یہی کہہ کر رد کردیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس معنٰی پر آیت کی دلالت

[1] القرآن الکریم ۱۷/۱۵

ھٰھنا طویل لیس ھذا موضعہ ولا نحن بصددہ۔	قطعی ہونا مسلم نہیں تو پھر غیر قطعی الدلالۃ نص سے احادیث صحیحہ کے رد کا ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ کلام یہاں پر طویل ہے جس کا یہ محل نہیں اور نہ ہی یہاں پر ہمارا مقصود ہے ۱۲ مترجم۔

خصوصًا جُہال عرب جنہیں قرآن عظیم جابجا امی وجاہل وبے خبر وغافل بتارہا ہے، صاف ارشاد ہوتا ہے:

"تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۙ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝" [1]	اتارا ہوا زبردست مہر والے کا کہ تو ڈرائے ان لوگوں کو کہ نہ ڈرائے گئے انکے باپ دادا تو وہ غفلت میں ہیں۔

اور خود ہی ارشاد ہوتا ہے:

"ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ۝" [2]۔ **قلت** ای وھذا وان کان ظاھرًا فی عذاب الدنیا وعذاب الاٰخرۃ منتف بالفحوٰی فان الملك الکریم الذی لم یرض للغافل بعذاب منقطع لایرضٰی بعذاب دائم من باب اولٰی اقول لٰکن الغفلۃ انما ھی علٰی امر الرسالۃ والنبوۃ والسمعیات کبعث وغیرہ، وقد قلنا بموجبھا فی ذٰلک۔ اما التوحید فلا غفلۃ عنہ مع وضوح الدلائل وکفایۃ العقل	یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں ظلم سے جب کہ ان کے رہنے والے غفلت میں ہوں۔ **قلت** یہ آیت اگرچہ غفلت والے سے عذاب دنیا کی نفی میں ظاہر ہے اور عذاب آخرت کی نفی مفہوم سے ہوجاتی ہے کیونکہ جس بادشاہ کریم نے غافل کے لئے دنیا کا فانی عذاب پسند نہ کیا وہ آخرت کا دائمی عذاب بدرجہ اولٰی پسند نہ فرمائیگا۔ اقول لیکن یہ وہ غفلت ہے جو رسالت، نبوت اور سمع عقائد بعث وغیرہ کے باب میں ہو، اور اس باب میں موجب غفلت پائے جانے کے ہم قائل ہیں لیکن توحید سے غفلت کا کوئی موجب نہیں جبکہ اس کے دلائل واضح ہیں اور عقل اس کی

[1] القرآن الکریم ۳۶/۵و۶

[2] القرآن الکریم ۶/۱۳۱

وقد قال اللہ تعالٰی: "قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾" [1] وقال تعالٰی:۔ "وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾" [2] الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات۔ کل ذٰلك مع قوله عزمن قائل۔ "اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰي طَاۗىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾" [3] ۔فافهم۔	رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ باری تعالٰی کا ارشاد ہے: تم فرماؤ کس کی ہے زمین اور جو اس میں ہیں اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے اللہ کی۔ تم فرماؤ پھر تم کیوں دھیان نہیں دیتے؟ تم فرماؤ کون ہے ساتوں آسمانوں کا مالک اور بڑے عرش کا مالک؟ بولیں گے: یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ تم فرماؤ کون ہے جس کے ہاتھ ہر چیز کا اقتدار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے اور اس کے خلاف پناہ نہیں دی جاسکتی اگر تم جانتے ہو؟ بولیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ فرماؤ پھر تم کس جادو کے فریب میں پڑے ہو۔ اور ارشاد باری ہے اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند، تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں؟ اور ان کے علاوہ آیات۔ ساتھ ہی یہ ارشاد بھی ہے: کبھی تم کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے کے دو گروہوں پر نازل کی گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے، غور کیجئے۔ (ت)

ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ائمہ بخارا وغیرہم بھی اسی کے قائل ہوئے۔ امام محقق

[1] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۴ تا ۸۹

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۶

کمال الدین ابن الہمام قدس سرہ نے اسی کو مختار رکھا۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال ائمة البخاری عندنا لایجب ایمان ولایحرم کفر قبل البعثت کقول الاشاعرة[1]۔	ائمہ بخاری نے اشاعرہ کی طرح فرمایا: ہمارے نزدیک قبل بعثت وجوب ایمان اور حرمت کفر دونوں نہیں۔(ت)

فواتح الرحموت میں ہے:

عندالاشعریة والشیخ ابن الهمام لایؤاخذون ولو اتوا بالشرك والعیاذ باللہ تعالٰی[2]۔	اشعریہ اور شیخ ابن الہمام کے نزدیک ان سے مواخذہ نہیں اگرچہ مرتکب شرک ہوں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔(ت)

حاشیہ طحطاویہ علی الدر المختار میں ہے:

اهل الفترة ناجون ولو غیروا وبدلوا علی ماعلیه الاشاعرة وبعض المحققین من الماتریدیه ونقل الکمال فی التحریر عن ابن عبدالدولة انه المختار لقوله تعالٰی: "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵" وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام[3] الخ۔	اہل فترت ناجی ہیں اگرچہ تغیر وتبدیل کے مرتکب ہوں۔ اس پر اشاعرہ اور بعض محققین ماتریدیہ ہیں۔ کمال ابن ہمام تحریر میں ابن عبدالدولہ سے ناقل ہیں کہ یہی مختار ہے کیونکہ ارشاد باری تعالٰی ہے: ہم عذاب فرمانے والے نہیں جب تک کہ کوئی رسول نہ بھیج لیں۔۔۔۔۔۔۔اور فقہ اکبر میں جو ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین نے حالت کفر میں انتقال کیا تو یہ مصنف فقہ اکبر امام اعظم پر دسیسہ کاری ہے(ت)

اس قول پر توظاہر کہ اہل فترت کوتازمان فترت کافرنہ کہاجائے گاکہ وہ ناجی ہیں، اورکافر ناجی نہیں توشکل ثانی نے صاف نتیجہ دیاکہ وہ کافرنہیں۔

وعلٰی هذا استدل به السید العلامة	اسی بنیاد پراس سے سید علامہ طحطاوی نے

[1] منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر معنی قرب الباری الخ دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۳۰۷

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالۃ الثانیۃ الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲۹/۱

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۸۰/۲

علٰی نزھۃ الابوین الشریفین عن الکفر۔رضی اللہ تعالٰی عنھما وعن کل من احب اجلالھما اجلالا لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	والدین کریمین کے کفر سے منزہ ہونے پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ان دونوں سے راضی ہوا اور ہر اس شخص سے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اکرام کی خاطر ان کا اکرام پسند کرے۔(ت)

ولہٰذا ائمہ اشاعرہ میں کوئی انہیں مسلم کہتا ہے کوئی معنی مسلم میں۔

قال الزرقانی "ثم اختلف عبارۃ الاصحاب فیمن لم تبلغہ الدعوۃ فاحسنھا من قال انہ ناج، وایاھا اختار السبکی، ومنھم من قال علی الفترۃ عــہ منھم من قال مسلم قال الغزالی والتحقیق ان یقال فی معنٰی مسلم[1]۔"	زرقانی نے فرمایا: پھر اصحاب(ائمہ رحمہم اللہ کی عبارتیں اس کے بارے میں مختلف ہوگئیں جسے دعوت نہ پہنچی سب سے عمدہ عبارت اس کی ہے جس نے کہا وہ ناجی ہے۔اسی کو امام سبکی نے اختیار کیا، کسی نے کہا وہ فترۃ پر ہے۔کسی نے کہا مسلم ہے۔امام غزالی نے فرمایا کہ تحقیق یہ ہے کہ اسے معنٰی مسلم میں کہا جائے۔(ت)

اس طور تو خود ابوطالب پر حکم کفر اس وقت سے ہوا جب بعد بعثت اقدس تسلیم واسلام سے انکار کیا، اور یہ وقت وہ تھا کہ حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی خود اسلام لا کر حکم تبعیت سے قطعًا منزہ ہوچکے تھے وللہ الحمد۔

بعض علماء قائل تفصیل ہوئے کہ اہل فترت کے مشرک معاقب اور موحد وغافل مطلقًا ناجی۔یہ قول اشاعرہ سے امامین جلیلین نووی ورازی رحمہما اللہ تعالٰی کا ہے۔

وتعقبہ الامام الجلال السیوطی فی رسائلہ فی الابوین الکریمین	اس قول کا امام جلال الدین سیوطی نے اسلام والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے متعلق اپنے

عــہ: ھکذا فی نسختی بالتاء ویترأای لی انہ "الفطرۃ" بالطاء ۱۲منہ۔	اعلٰی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں) میرے نسخہ میں اسی طرح تا سے ہے میرا خیال ہے کہ یہ طا کے ساتھ "فطرۃ" ہے ۱۲منہ(ت)

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفاۃ امہ الخ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۷۲

رضی اللہ تعالٰی عنہما بما یرجع الی القول بالامتحان۔ والعلامۃ ابوعبداللہ محمد بن خلف ن الابی فی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم کما نقل کلامہ فی المواھب۔اقول لکنہ عاد آخر الٰی تسلیمہ حیث قال اولا لما دلّت القواطع علی انہ لاتعذیب حتی تقوم الحجۃ علینا انھم غیر معذبین[1] اھ ثم استشعر ورود الاحادیث وقسمھم آخر الکلام الی موحد ومبدل و غافل، ثم قال فیحمل من صح تعذیبہ علی اھل القسم الثانی لکفرھم بما تعدوابہ من الخبائث، و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی قدسمّٰی جمیع ھٰذا القسم کفارا ومشرکین فانا نجدالقرآن کلما حکٰی حال احد سجل علیھم بالکفر والشرک، کقولہ تعالٰی " مَاجَعَلَ اللّٰہُ مِنْۢ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ" ثم قال اللہ تعالٰی " وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا	رسائل میں تعاقب کیا ہے جس کا مآل یہ ہے کہ پہلے اہل فترت کا امتحان (پھر فیصلہ)۔علامہ ابوعبداللہ محمد بن خلف ابی مالکی نے بھی اکمال الاکمال شرح صحیح مسلم میں قول مذکور کا تعاقب کیا ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ان کا کلام منقول ہے،اقول مگر آخر میں چل کر انہوں نے اس قول کو تسلیم کرلیا ہے اس طرح کہ پہلے فرمایا کہ جب قطعی نصوص نے بتایا کہ حجت قائم ہوئے بغیر عذاب نہ دیا جائے گا تو ہم نے جانا کہ ان پر عذاب نہ ہوگا اھ۔پھر انہیں خیال پیدا ہوا کہ تعذیب کے بارے میں تو حدیثیں بھی وارد ہیں تو آخر کلام میں اہل فترت کو انہوں نے تین قسموں موحد(۱)، مبدّل(۲)،اور غافل(۳) میں تقسیم کیا۔پھر فرمایا کہ جن کی تعذیب کی صحت ثابت ہے انہیں قسم ثانی والوں پر محمول کیا جائیگا اس لئے کہ وہ اپنے برے افکار واعمال کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کے باعث کافر ہوئے اور اللہ تعالٰی نے اس قسم کے سارے لوگوں کو کفار ومشرکین کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن ان میں سے جب کسی کا حال بیان فرماتا ہے تو صاف صاف انکے کافر ومشرک ہونے کا حکم ثبت فرمادیتا ہے جیسے یہ ارشاد باری ہے:

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول قضیہ نجاۃ والدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۷۹

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ "[1] ۔الخ، فهذا كماترى رجوع الى ما قاله هٰذاان الامامان من تعذيب من اشرك منهم۔ **اقول:** وفى استدلاله بالاٰية خفاء ظاهر اذليست نصًّافى ان المراد بهم من اخترع ذٰلك من اهل الفترة،بل الكفار لما تدينوا بتلك الاباطيل سجل عليهم بانهم يفترون على الله الكذب۔۔۔۔وبالجملة فمفاد الاٰية ان الكافرين يفترون لا ان المفترين كلهم كافرون،حتى يكون تسجيلاعلٰى كفر اهل الفترة۔	اللہ نے مقرر نہ کیا بحیرہ (کان چِرا) اور نہ سائبہ۔ پھر یہ ارشاد ہے: لیکن جو لوگوں نے کفر کیا وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ان میں اکثر بے عقل ہیں الخ۔ تو یہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اسی کی طرف رجوع ہے، جو امام نووی وامام رازی نے فرمایا کہ اہل فترت کے مشرکوں پر عذاب ہوگا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) ہاں علامہ ابی نے آیت مذکورہ سے جو استدلال کیا ہے اس میں کھلا ہوا خفا ہے کیونکہ آیت اس بارے میں نص نہیں ان سے اہل فترت ہی کے (بحیرہ وغیرہ کا اختراع کرنیوالے مراد ہیں، بلکہ کفار نے جب ان باطل چیزوں کو اپنے دین واعتقاد میں داخل کرلیا تو ان کے بارے میں یہ حکم ثبت فرمایا کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ آیت کا مفاد یہ ہے کہ کافرین افترا کرتے ہیں، نہ یہ کہ سارے افترا کرنے والے کافر ہیں کہ اہل فترت کے فکر کی تصریح ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں یہی قول ائمہ بخارا کی طرف نسبت کیا:

على خلاف ماقدمنا عن القارى والطحطاوى وبحر العلوم رحمهم الله تعالٰى،حيث قال"نعم البخاريّون من الماتريدية وافقوا الاشاعرة،وحملوا قول الامام، لاعذرلاحدفى الجهل بخالقه،على مابعد	اس کے برخلاف جو پہلے ہم نے مولانا علی قاری، طحطاوی اور بحر العلوم رحمہم اللہ تعالٰی سے نقل کیا، علامہ شامی نے اس طرح فرمایا کہ ہاں ماتریدیہ میں سے ائمہ بخارا اشاعرہ کے موافق ہوئے انہوں نے امام اعظم کے قول "اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کسی کے لئے کوئی عذر نہیں۔" کو

[1] المواهب اللدنية المقصد الاول قضية نجاة والديه صلى الله تعالٰى عليه وسلم المكتب الاسلامى بيروت ۱/۱۸۱

البعثة،واختاره المحقق ابن الهمام فی التحریر۔ لکن ھذا فی غیر من مات معتقدا للکفر۔فقد صرح النوری والفخر الرازی بان من مات قبل البعثة مشرکا فھو فی النار،وعلیه حمل بعض المالکیة ماصح من الاحادیث فی تعذیب اھل الفترة[1] الخ۔"	مابعد بعثت پر محمول کیا،اسی کو محقق ابن الہمام نے تحریر میں اختیار کیا لیکن یہ قول جو لوگ کفر کا عقیدہ رکھتے ہوئے مرگئے ان کے علاوہ کے بارے میں ہے۔امام نووی اور فخر الدین رازی نے تصریح فرمائی ہے کہ جو قبل بعثت حالت شرک میں مرگئے جہنم میں ہوں گے۔اسی پر بعض مالکیہ نے تعذیب اہل فترت سے متعلق احادیث صحیحہ کو محمول کیا ہے۔(ت)

جمہور ائمہ ماتریدیہ قدست اسرارھم کے نزدیک اہل فترت کے مشرک ۱، معاقب، موحد ۲، ناجی، غافلوں ۳ میں جس نے مہلت فکروتامل نہ پائی، ناجی، پائی ۴، معاقب۔

وھو المؤید بما نقل عن امام المذھب رضی اللہ عنه من قوله لاعذر لاحد[2] الخ وحمل البخاریین لا یجری فی قوله الاٰخر فیما نقل عنه وانه لو لم یبعث اللہ رسولا لو جب علی الخلق معرفته بعقولھم لکن اوله المحقق بحمل الوجوب علی العرفی۔ای لکان ینبغی لھم ذلک۔ **اقول:**ویرد علٰی ظواھر ھذه الاقوال جمیعا احادیث الامتحان وھی صحیحة	یہی قول تائید یافتہ ہے اس سے جو امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہے کہ کسی کے لئے اپنے خالق سے جاہل رہنے میں کوئی عذر نہیں الخ اور اہل بخارا کا بعدِ بعثت والوں پر اس قول کو محمول کرنا امام سے منقول اس دوسرے قول میں نہ چل سکے گا کہ اگر اللہ تعالٰی کوئی رسول مبعوث نہ فرماتا تو بھی مخلوق پر اپنی عقلوں کے ذریعہ خالق کی معرفت واجب ہوتی۔ لیکن محقق ابن الہمام نے اسے وجوب عرفی پر محمول کرکے تاویل کی ہے یعنی ان کے لئے یہی مناسب ہوتا۔**اقول:** ان تمام اقوال کے ظاہر پر احادیث امتحان سے اعتراض وارد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸۶

[2] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۸۶

كثيرة ولا ترد ولا ترام۔

وقد عد السيوطی جملة منها قال "والمصح منها ثلثة۔

الاول حديث الاسود بن سريع وابی هريرة معًا مرفوعًا، اخرجه احمد وابن راهويه والبيهقی و صححه وفيه واما الذی مات فی الفترة فيقول رب ما اتانی لك رسول، فيأخذ مواثيقهم ليطيعنه، فيرسل اليهم ان ادخلوا النار، فمن دخلها كانت عليه بردًا وسلامًا، ومن لم يدخلها سحب اليها[1]۔

والثانی حديث ابی هريرة موقوفًا، وله حكم الرفع لان مثله لايقال من قبل الرأی۔ اخرجه عبدالرزاق وابن جرير وابن ابی حاتم وابن المنذر فی تفاسيرهم، اسناده صحيح علی شرط الشيخين[2]۔

والثالث حديث ثوبان مرفوعًا، اخرجه البزار و الحاكم فی المستدرك وقال صحيح علی شرط الشيخين، واقره الذهبی[3]۔ الخ

ہوگا۔اور یہ حدیثیں صحیح بھی ہیں کہ کثیر بھی۔اس قابل نہیں کہ رد کی جائیں یا انہیں رد کرنے کا ارادہ کیا جائے۔

امام سیوطی نے ان میں کچھ حدیثیں شمار کرائی ہیں، فرمایا کہ ان میں صحیح یافتہ تین ہیں۔

اول: اسود بن سریع اور ابوہریرہ دونوں حضرات کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج امام احمد اور ابن راہویہ اور بیہقی نے کی ہے۔اور بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔اس حدیث میں ہے: لیکن وہ جو فترت میں مرگیا تو عرض کرے گا خداوندا! میرے پاس تیرا کوئی رسول نہ آیا۔تو ان سے عہد وپیمان لے گا کہ اب ضرور اس کا حکم مانیں گے۔تو انہیں پیغام بھیجے گا کہ دوزخ میں داخل ہوجاؤ، جو داخل ہوگا اس پر ٹھنڈک اور سلامتی ہوجائے گی۔جو نہ داخل ہوگا اسے گھسیٹ کرلایا جائے گا۔

دوم: حضرت ابوہریرہ کی حدیث موقوف، یہ بھی مرفوع کے حکم میں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کہی جاسکتی۔اس کی تخریج عبدالرزاق نے کی ہے اور ابن جریر وابن ابی حاتم وابن المنذر نے اپنی تفاسیر میں کی ہے، اسکی اسناد صحیح برشرط شیخین ہے۔

سوم: حضرت ثوبان کی حدیث مرفوع، جس کی تخریج بزار نے کی ہے، اور حاکم نے مستدرک میں تخریج کرکے فرمایا کہ صحیح برشرط شیخین ہے، اور ذہبی نے اسے مقرر رکھا۔

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بحواله السيوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بيروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بحواله السيوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بيروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بحواله السيوطی المقصد الاول، باب وفاة امه الخ دار المعرفة بيروت ۱/ ۱۷۳۔۱۷۲

وذٰلك لان الامتحان یوجب الوقف والقول بشیئ یخالفه بید انّ تمام وروده انما ھو علی الاشاعرة الذین اطلقوا القول بالنجاۃ اما المفصلون من اصحابنا فلھم ان یقولوا ینجو ھذا یعاقب ذاک۔ ولٰکن یکون ذٰلك بعد الامتحان۔ ولی ھٰھنا کلام اٰخر فی تحقیق المرام لااذکرہ لخوف الاطالة وغرابة المقام فلنرجع الی ما کنافیه۔	وجہ اعتراض یہ ہے کہ جب فیصلہ بعد امتحان ہوگا توہم پر توقف لازم ہے، اور کوئی صریح حکم لگا دینا اس کے خلاف ہے، لیکن یہ سارا اعتراض ان اشاعرہ پر ہے جو مطلقاً نجات کے قائل ہیں لیکن ہمارے اصحاب میں سے اہل تفصیل یہ جواب دے سکتے ہیں کہ یہ ناجی ہوگا وہ معاقب۔ لیکن فیصلہ بعد امتحان ہوگا۔ اور یہاں تحقیق مقصود میں میرا ایک دوسرا کلام ہے جسے خوف طوالت اور اجنبیت مقام کے باعث ترک کررہا ہوں، اب ہم اصلی بحث کی طرف رجوع کریں۔ (ت)

ان دونوں قولوں پر بس حکم کفر کے لئے صراحۃً اختیار شرک، یا بر قول آخر وصف مہلت تامل، ترک توحید کا ثبوت لازم۔ ہم پوچھتے ہیں مخالف کے پاس کیا حجت ہے کہ زمانہ فترت میں حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہا موحدہ یا غافلہ نہ تھیں حالانکہ بہت عورتوں کی نسبت یہی مظنون کما قدمنا عن الزرقانی عن السیوطی (جیسا کہ ہم بحوالہ زرقانی امام سیوطی سے ماقبل میں ذکر کرچکے ہیں۔ ت) مخالف جو دلیل رکھتا ہے پیش کرے اور جب نہ پیش کرسکے تو رجماً بالغیب حکم تبعیت پر کیونکر منہ کھول دیا۔ کیا اطلاق کفر اور وہ بھی معاذاللہ ایسی جگہ محض اپنے تراشیدہ اوہام پر ہوسکتا ہے؟ کیا محتمل نہیں کہ وہ اس وقت بھی ان لوگوں میں ہوں جو بالاتفاق ناجی ہیں، تو ولد انہیں کا تابع ہوگا اور بالتبع بھی حکم کفر ہرگز صحیح نہ ہوسکے گا۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی ردالمحتار میں مسلم وکافرہ سے مولود بالزنا کی نسبت فرماتے ہیں:

یظھر لی الحکم بالاسلام للحدیث الصحیح کل مولود یولد علی الفطرۃ حتی یکون ابواہ ھما اللذان یھودانه اوینصرانه. فانھم قالوا انه صلی اللہ تعالٰی علیه	مجھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم کرنا ہی سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ حدیث صحیح ہے کہ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ دونوں ہی اس کو یہودی یا نصرانی بناتے ہیں۔ علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ

وسلم جعل اتفاقهما ناقلا له عن الفطرة فاذا لم يتفقا بقى على اصل الفطرة، وايضًا حيث نظروا للجزئية فى تلك المسائل احتياطا فلينظر اليها هنا احتياطا ايضا، فان الاحتياط بالدين اولى ولان الكفر اقبح القبيح فلا ينبغى الحكم به على شخص بدون امر صريح[1] اه ملخصًا۔	تعالٰی علیہ وسلم نے ماں اور باپ دونوں کے اتفاق کو دین فطرت سے منتقل کرنے والا ٹھہرایا۔ تو اگر دونوں متفق نہ ہوں تو بچہ اصل فطرت پر رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء نے جب ان مسائل میں احتیاطًا جزئیت کا لحاظ کیا تو یہاں بھی احتیاطًا لحاظِ جزئیت ہونا چاہئے کیونکہ دین کے معاملہ میں احتیاط ہی اولٰی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ کفر سب سے بدتر قبیح ہے تو کسی شخص پر کسی امر صریح کے بغیر حکم کفر لگانا مناسب نہیں۔ اھ ملخصًا (ت)

سبحان اللہ! اس جرأت کی کوئی حد ہے کہ مدعا علیہ اسد اللہ الغالب اور دلیل و گواہ مفقود و غائب، انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ ت)

ثانیًا: باجماع ائمہ اشاعرہ قدست اسرارھم، حسن و قبح مطلقًا شرعی ہیں۔ تو قبل شرع اصلًا کسی شیئ کی نسبت ایجاب یا تحریم کچھ نہیں۔ بعض ائمہ ماتریدیہ تمت انوارھم بھی باآنکہ قائل عقلیت ہیں مگر تعرف عقل قبل سمع کو مستلزم حکم و شغل ذمہ مکلّف عــہ نہیں جانتے۔ یہی مذہب امام ابن الہمام نے اختیار فرمایا اور انہیں کی تبعیت فاضل محب اللہ بہاری نے کی۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے:

(عندنا) وعند المعتزلة عقلى لكن عند نا من متاخرى الماتريديه لا يستلزم هذا الحسن والقبح حكمًا	اشیاء کا حسن و قبح ہمارے نزدیک اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے لیکن ہم متاخرین ماتریدیہ کے نزدیک یہ حسن و قبح بندے کے بارے میں اللہ

عــہ: یعنی بعض ائمہ ماتریدیہ مانتے ہیں کہ کچھ اشیاء کے حسن و قبح کا ادراک عقل سے ہوتا ہے مگر وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت آنے سے پہلے ہی محض عقل کے ادراک پر مکلّف بندہ ذمہ دار ہو جائے اور اس پر کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا لازم ہو جائے ۱۲ محمد احمد

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب نکاح الکافر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۹۴

من اللّٰه سبحٰنه فی العبد فمالم یحکم اللّٰه تعالٰی بارسال الرسل وانزال الخطاب لیس هناك حکم اصلًا ومن هٰهنا اشترطنا بلوغ الدعوة فی تعلق التکلیف فالکافر الذی لم تبلغه الدعوة غیر مکلف بالایمان ایضًا ولا یؤاخذ بکفره [1] اھ ملخصًا۔	سبحٰنہ کی طرف سے کسی حکم کو مستلزم نہیں، تو جب تک اللہ نے رسولوں کو بھیج کر اور خطاب نازل فرما کر کوئی حکم نہ فرمایا یہاں بالکل کوئی حکم نہیں۔ یہیں سے ہم نے کہا کہ مکلّف ہونے کا تعلق اس شرط کے ساتھ ہے کہ دعوت پہنچی ہو تو وہ کافر جسے دعوت نہ پہنچی وہ ایمان کا بھی مکلّف نہیں اور اس کے کفر پر بھی اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اھ ملخصًا (ت)

نیز فواتح میں ہے:

حاصل البحث ان هٰهنا ثلثة اقوال: **الاول** مذهب الاشعریه ان الحسن والقبح فی الافعال شرعی وکذٰلك الحکم۔ **الثانی** انهما عقلیان وهما مناطان لتعلق الحکم۔ فاذا ادرك فی بعض الافعال کالایمان والکفر و الشرك والکفر ان یتعلق الحکم منه تعالٰی بذمة العبد وهو مذهب هٰؤلاء الکرام والمعتزلة. الا انه عندنا لا تجب العقوبة بحسب القبح العقلی کما لا تجب بعد ورود الشرع لاحتمال العفو بخلاف هٰؤلاء [2]۔ **الثالث** عقلیان ولیسا موجبین للحکم	حاصل بحث یہ ہے کہ یہاں تین اقوال ہیں: **اول** مذہب اشعریہ کہ افعال کا حسن وقبح شرعی ہے۔ اسی طرح حکم افعال بھی شرعی ہے۔ **دوم** حسن وقبح عقلی ہیں اور ان پر تعلق حکم کا مدار ہے۔ تو جب بعض افعال میں حکم کا ادراک ہوجائے جیسے ایمان کفر، شرک اور کفران میں تو اللہ تعالٰی کی طرف سے بندے کے ذمہ حکم متعلق ہوجائے گا، یہی ان علمائے کرام اور معتزلہ کا مذہب ہے، مگر یہ ہے کہ ہمارے نزدیک قبح عقلی کے اعتبار سے عقوبت واجب نہیں ہوجاتی جیسا کہ ورود شرع کے بعد واجب نہیں کیونکہ عفو کا احتمال ہے بخلاف معتزلہ کے کہ وہ واجب مانتے ہیں۔ **سوم** حسن وقبح عقلی ہیں۔ اور اتنے ہی سے

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲۵/۱

[2] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثانیه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲۹/۱

ولا کاشفین عن تعلقه وهو مختار الشیخ ابن الهمام وتبعه المصنف ورأیت فی بعض الکتب وجدت مشائخنا الذین لاقیتهم قائلین مثل قول الاشعریة [1]اھ بتلخیص۔	وہ تعلق حکم کے موجب یا مظہر نہیں۔یہی شیخ ابن الہمام کا مختار ہے اور مصنف نے اسی کا اتباع کیا ہے۔میں نے بعض کتابوں میں پڑھا کہ میں نے اپنے ان مشائخ کو جن سے میں نے ملاقات کی ہے اشعریہ کے قول کا قائل پایا اھ بتلخیص۔(ت)

ان دونوں قولوں پر قبل شرح حکم اصلا نہیں، تو عصیان نہیں، کہ عصیان مخالفت حکم کا نام ہے۔

ولذا قال الامام ابن الهمام کیف تحقق طاعة او معصیة قبل ورود امر ونهی۔	اسی لئے ابن الہمام نے فرمایا کہ امر ونہی وارد ہونے سے پہلے کسی طاعت یا معصیت کا تحقق کیسے!(ت)

اور جب عصیان نہیں کفر بالاولٰی نہیں کہ وہ اخبث معاصی ہے اور انتفائے عام مستلزم انتفائے خاص۔یوں بھی خود ابوطالب پر تا زمان فترت حکم کفر نہ تھا، جب کفر کیا تبعیت کا اصلاً محل نہ تھا۔

جماہیر ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اگرچہ عقل کو معرف حکم مانتے ہیں، مگر نہ مطلقاً کہ یہ تو سفاہت سفہائے معتزلہ و روافض و کرامیہ و براہمہ خذلهم الله تعالٰی (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے۔ت) ہے۔بلکہ امثال توحید وشکر وترک کفران وکفر وغیرہا امور عقلیہ غیر محتاج سمع میں۔اس مذہب پر پھر وہی سوال ہوگا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد کا زمان فترت میں ارتکاب شرک واجتناب توحید ثابت کرو۔اگر نہ ثابت کرسکو تو کیا مولی المسلمین ولی رب العلمین حبیب سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایسے شنیع لفظ کا اطلاق بے دلیل کردیا جائے گا؟

ثالثاً اس سب سے تنزل کیجئے اور تا ظہور بعثت ان دونوں زن و شو کا کفر مان ہی لیجئے تو اب ایک ذرا نظر انصاف درکار کہ امر دوم کا پتا نہ لگا رہا نہ رہے۔

نا سمجھ بچے کو بہ تبعیت والدین یا دار کافر کہنے کے ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں کہ وہ حقیقۃً کافر ہے کہ

---

[1] فواتح الرحموت بذیل المستصفی المقالة الثالثه الباب الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/۲۹

یہ تو بداہۃً باطل۔ وصف کفر یقیناً اس سے قائم نہیں، بلکہ اسلام فطری سے متصف ہے کماقدمنا (جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ت) یہ اطلاق صرف ازروئے حکم ہے یعنی شرعاً اس پر وہ احکام ہیں جو اس کے باپ یا اہل دار پر ہیں وہ بھی نہ مطلقاً بلکہ صرف دنیوی، مثلاً وہ اپنے کافر مورث کا ترکہ پائے گا نہ مسلم کا، کافر وارث کو اس کا ترکہ ملے گا نہ مسلم کو، کافرہ سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے نہ مسلمہ سے، وہ مرجائے تو اس کے جنازے کی نماز نہ پڑھیں گے، مسلمانوں کی طرح غسل وکفن نہ دیں گے، مقابر مسلمین میں دفن نہ کریں گے الی غیر ذٰلك من الاحکام الدنیویۃ (اس کے علاوہ دیگر دنیوی احکام۔ت) فتح القدیر میں ہے:

تبعیۃ الابوین اواحدھما ای فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[1]۔	والدین یا ان میں سے کسی ایک کے تابع ہونا یعنی دنیوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں (ت)

بحرالرائق میں ہے:

اعلم ان المراد بالتبعیۃ التبعیۃ فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[2]۔	تو جان لے کہ تابع ہونے سے مراد دنیاوی احکام میں تابع ہونا ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

شرنبلالیہ میں ہے:

التبعیۃ انما ھی فی احکام الدنیا لافی العقبٰی[3]۔	تابع ہونا تو محض دنیاوی احکام میں ہے نہ کہ اخروی احکام میں۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تبع لہ ای فی احکام الدنیا لاالعقبی لمامر انھم خدم اھل	بچہ والدین میں سے کسی کے تابع ہے یعنی دنیاوی احکام میں نہ کہ اخروی احکام میں، کیونکہ گزر چکا ہے کہ انکے بچے جنتیوں کے خادم

[1] فتح القدیر باب الجنائز فصل فی الصلوٰۃ علی المیت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۹۴

[2] بحرالرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوٰتہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[3] غنیۃ ذوی الاحکام حاشیۃ علی الدرر باب الجنائز میر محمد کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۶

الجنۃ[1]۔	ہوں گے۔(ت)

اور جب یہ تبعیت صرف احکام دنیوی میں ہے تو اس کا ثبوت احکام دنیا کے وجود پر موقوف۔ اگر دنیا میں کوئی حکم ہی نہ ہو تو تبعیت کس چیز میں ہوگی؟ اور پر ظاہر کہ قبل بعثت ان امور میں کوئی حکم شرعی اصلًا اجماعًا متحقق نہ تھا۔ تو اس وقت تک کسی ناسمجھ بچے کا بہ تبعیت والدین کافر قرار پانا ہرگز وجہ صحت نہیں رکھتا کہ نہ حکم نازل، نہ تبعیت حاصل۔ ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی توفیق کا مالک ہے۔ت)

اس تحقیق انیق سے بتوفیق اللہ تعالٰی روشن ہوگیا کہ بحمدہ سبحٰنہ تبعًا حکمًا اسمًا وہمًا کسی طرح کسی نوع یہ لفظ شنیع حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی پر صادق نہ ہوا۔ روز الست سے ابدالآباد تک ان کا دامن ایمان مامن اس لوث (آلودگی) سے اصلًا جزئًا قطعًا مطلقًا پاک وصاف منزہ رہا۔ والحمدللہ رب العٰلمین (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

ھذا کلہ ما فاض علی قلب الفقیر: من فیض اللطیف الخبیر: واسأل اللہ تعالٰی ان یجعلہ ذریعۃ مقبولۃ لحفظ ایمان ھٰذا الضعیف الحقیر لیوم لقاء الملک الجواد القدیر۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی الکبیر: وصلی اللہ تعالٰی وبارک وسلم علی الامان المؤمن المولی النصیر الشفیع الرفیع المبشر البشیر: وعلٰی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ وعلیٍّ المرتضٰی الامام الامیر: وعلینا بھم ولھم وفیھم۔ اٰمین یاربنا السمیع البصیر۔	یہ سب وہ ہے جو قلب فقیر پر لطیف خبیر کے فیض سے فائض ہوا اور میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ اس کو بادشاہ جواد قدیر کی ملاقات کے دن تک اس ضعیف حقیر کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ مقبولہ بنادے، اور کوئی طاقت وقوت نہیں مگر اللہ علی کبیر ہی سے، اور اللہ رحمت وبرکت وسلامتی نازل فرمائے امن دینے والے امان، نصرت فرمانے والے مولٰی، بلند شفیع، خوشخبری دینے والے مبشر پر اور ان کی آل، اصحاب، اہل جماعت اور علی مرتضٰی امام امیر پر، اور ہم پر ان حضرات کے وسیلہ اور ان کے سبب سے اور ان کے زمرہ میں، قبول فرما اے ہمارے سننے دیکھنے والے رب!

[1] الدرالمختار باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۲۳

تکمیل: بحمد اللہ تعالٰی یہی فضل اجل واجمل، بلکہ اس سے بھی اعلٰی واکمل، نصیب حضرت امیر المومنین، امام المشاہدین، افضل الاولیاء المحمدیین، سیدنا ومولانا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے۔ حکم تبعیت تو انہیں وجوہ بالا سے باطل۔ چند برس کی عمر شریف ہوئی کہ پرتوشانِ خلیل اللہ بت خانہ میں بت شکنی فرمائی۔ ان کے والد ماجد سیدنا ابو قحافہ رضی اللہ تعالٰی عنہ (کہ وہ بھی صحابی ہوئے) اس زمانۂ جاہلیت میں انہیں بت خانے لے گئے اور بتوں کو دکھا کر کہا: **ھٰذہٖ الھتك الشم العلی فاسجدلھا** یہ تمہارے بلند وبالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر گئے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور براہ اظہار عجز صنم وجہل صنم پرست ارشاد فرمایا: انی جائع فاطعمنی میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا۔ فرمایا: انی عارفاکسنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا: میں تجھ پر پتھر ڈالتا ہوں۔ **فان کنت الٰھًا فامنع نفسك** اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرابت بنارہا۔ آخر بقوت صدیقی پتھر پھینکا کہ وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گرا۔ والد ماجد واپس آتے تھے یہ ماجرا دیکھا، کہا: اے میرے بچے! یہ کیا کیا؟ فرمایا: وہی جو آپ دیکھ رہے ہیں؟ وہ انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت ام الخیر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس (کہ وہ صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا انہوں نے فرمایا: اس بچے سے کچھ نہ کہو، جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا، میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے۔

یا امۃ اللہ علی التحقیق: ابشری بالولد العتیق: اسمہٗ فی السماء الصدیق: لمحمد صاحب ورفیق: رواہ القاضی ابوالحسین احمد بن محمد ن الزبیدی بسندہ فی "معالی الفرش الی عوالی العرش"[1] وقد ذکرنا الحدیث بطولہ فی کتابنا المبارک	اے اللہ کی سچی لونڈی! تجھے خوشخبری ہو اس آزاد بچے کی، اس کا نام آسمانوں میں صدیق ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ (اسے قاضی ابوالحسین احمد بن محمد زبیدی نے "معالی الفرش الی عوالی العرش" میں اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ہم نے پوری حدیث طویل اپنی کتاب "مطلع القمرین فی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری بحوالہ معالی الفرش الی عوالی العرش باب اسلام ابی بکر دار الکتاب العربی بیروت ۱۸۸/۶، ۱۸۷

ان شاء اللہ تعالٰی مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین۔	ابانۃ سبقۃ العمرین" میں بیان کیا ہے جو بابرکت (کتاب) ہے اگر اللہ نے چاہا۔ت)

سولہ برس کی عمر میں حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدم پکڑے کہ عمر بھر نہ چھوڑے، اب بھی پہلوئے اقدس میں آرام کرتے ہیں، روز قیامت دست بدست حضور اٹھیں گے، سایہ کی طرح ساتھ ساتھ داخل خلد بریں ہوں گے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے فورًا بے تامل ایمان لائے، ولہذا سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لم یزل ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ بعین الرضامنہ[1]۔	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہمیشہ سرکار اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوشنودی میں رہے۔(ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

اختلف الناس فی مرادہ بھذا الکلام فقیل لم یزل مؤمنا قبل البعثۃ وبعدھا وھو الصحیح المرتضٰی[2]	اس کلام سے امام اشعری کی مراد میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بیان مراد میں ایک قول یہ ہے کہ وہ ہمیشہ مومن رہے، قبل بعثت بھی، بعد بعثت بھی۔یہی قول صحیح وپسندیدہ ہے(ت)

امام اجل سید ابوالحسن علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی قدس سرہ الملکی فرماتے ہیں:

الصواب ان یقال ان الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ لم یثبت عنہ حالۃ کفر باللہ کما ثبتت عن غیرہ ممن اٰمن۔وھو الذی سمعناہ من اشیاخنا ومن یقتدٰی بہ وھو الصواب ان شاء اللہ تعالٰی[3]۔	صحیح یہ کہنا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے متعلق کوئی حالت کفر ثابت نہ ہوئی جیسا کہ دوسرے ایمان والوں سے متعلق ثابت ہوئی۔یہی ہم نے اپنے شیوخ اور پیشواؤں سے سنا ہے اور یہی حق ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔(ت)

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب اسلام ابی بکر رضی اللہ عنہ دارالکتاب العربی بیروت ۱۸۷/۶

الحمدللہ یہ اجمالی جواب، موضح، نہم جمادی الاخری روز شنبہ کو تمام اور بلحاظ تاریخ "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" نام ہوا۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین، وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا ومولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم، وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عزشانہٗ احکم۔	اور ہماری دعا کا اختتام یہ ہے کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے بہترین مخلوق، اس کے افق کے سراج ہمارے آقا و مولٰی محمد پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ اس کا علم اتم اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ

ختم ہوا۔

مسئلہ ۲۰: از بنارس محلّہ پتر کنڈہ مرسلہ مولوی محمد عبدالحمید صاحب (رحمہ للہ تعالٰی) ۶ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ابقاھم اللہ تعالٰی الی یوم الدین (اللہ تعالٰی انہیں روز جزاء تک قائم رکھے۔ ت) اس میں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ ہمیشہ کے مسلمان تھے یا کہ علی مافی تاریخ الخلفاء للسیوطی وردالمحتار لابن عابدین و جامع المناقب وغیرہ (جیسا کہ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء، علامہ ابن عابدین کی ردالمحتار اور جامع المناقب وغیرہ میں ہے۔ ت) تیرہ یا دس یا نو یا آٹھ برس کے سن میں ایمان لائے ہیں، اگر ہمیشہ مسلمان تھے تو پھر ایمان لانا چہ معنٰی دارد۔ بینوا بالتفصیل توجروا بالاجر الجزیل (تفصیل سے بیان کرو اجر عظیم دیے جائے گا۔ ت)

الجواب:

حضرت امیر المومنین، مولی المسلمین، امام الواصلین، سید نا علی المرتضٰی مشکل کشا،

کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی اور حضرت امیر المومنین امام المشاہدین افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا ومولانا صدیق اکبر عتیق اطہر علیہ الرضوان الاجل الاظہر دونوں حضرات عالمِ ذریت سے روزِ ولادت، روزِ ولادت سے سنِّ تمیز، سنِّ تمیز سے ہنگامِ ظہور پر نور آفتاب بعثت، ظہورِ بعثت سے وقتِ وفات، وقتِ وفات سے ابد الآباد تک بحمد اللہ تعالٰی موحد موقن ومسلم ومومن وطیب وزکی وطاہر ونقی تھے، اور ہیں، اور رہیں گے، کبھی کسی وقت کسی حال میں ایک لحظہ ایک آن کو لوثِ کفر وشرک وانکار ان کے پاک، مبارک، ستھرے دامنوں تک اصلًا نہ پہنچا نہ پہنچے، **والحمد للہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

عالم ذریت سے روزِ ولادت تک اسلام میثاقی تھا کہ "**اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰی ۚ**"[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، انہوں نے کہا کیوں نہیں۔)

روز ولادت سے سنِّ تمیز تک اسلام فطری کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ**[2] ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ (ت)

سنِّ تمیز سے روز بعثت تک اسلام توحیدی کہ ان حضرات والا صفات نے زمانہ فترت میں بھی کبھی بت کو سجدہ نہ کیا، کبھی غیر خدا کو خدا نہ قرار دیا ہمیشہ ایک ہی جانا، ایک ہی مانا، ایک ہی کہا، ایک ہی سے کام رہا۔

"**ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۴﴾**"[3]۔	یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ عظیم فضل والا ہے۔ (ت)

پھر ظہور بعثت سے ابد الآباد تک حال تو ظاہر وقطعی ومتواتر ہے **والحمد للہ رب العٰلمین** (سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) فقیر غفرلہ اللہ المولی القدیر نے یہ نفیس مطلب بقدر حاجت اپنے رسالہ **موجزہ تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عہد الجاھلیۃ** میں واضح کیا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/۱۷۲

[2] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماقیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ ۲/۲۹۲ وجامع الترمذی ابواب القدر ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۳

[3] القرآن الکریم ۶۲/۴

ثم اقول: وباللہ التوفیق (میں پھر کہتا ہوں اور توفیق اللہ کی طرف سے ہے) ظاہر ہے کہ تا اوان (وقت) فترت اس زمان جاہلیت ومکان اُمیت وہیجان غفلت میں سمعیات پر اطلاع کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے، اسی طرح نبوت وکتاب کہ وہ لوگ ان امور سے واقف ہی نہ تھے، ولہذا براہِ عجب کہتے ہیں: "اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا" [1] کیا خدا نے آدمی کو رسول بنایا۔ اور کہتے:

"مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ" [2]	یہ رسول کیسا ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔

اور پُر ظاہر کہ حکم، بے تصور محکوم علیہ محال قطعی۔ تو جس چیز سے ذہن اصلاً خالی اس کی تصدیق وتکذیب دونوں ممتنع عقلی۔

وقد قال تعالٰی: "مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ" [3]۔	بے شک اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں۔ (ت)

لہذا اس زمانے میں صرف توحید مدار اسلام ومناطِ نجات ونافی کفر تھی۔ موحدان جاہلیت کا مسئلہ اجماعیہ کسے نہیں معلوم؟ بایں ہمہ وہ اسلام ضروری تھا کہ اس وقت اسی قدر ممکن تھا اصل دین ومرضی رب العلمین جسے "اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ" [4] (بے شک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے۔ ت) فرمایا گیا تمام ایمانیات پر ایمان لانا ہے،

"كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ" [5]	سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو۔ (ت)

یہ بغیر بعثت وبلوغ دعوت ناممکن ___ اور اس کا بھی فرد اکمل وہ ہے جس کی نسبت ابراہیم خلیل واسمٰعیل ذبیح صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم نے دعا کی:

"وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ" [6]	اور ہماری اولاد میں سے ایک امت تیری فرمانبردار۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۹۴

[2] القرآن الکریم ۲۵/۷

[3] القرآن الکریم ۳۶/۶

[4] القرآن الکریم ۳/۱۹

[5] القرآن الکریم ۲/۲۸۵

[6] القرآن الکریم ۲/۱۲۸

جس کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

"هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ"[1]۔	اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔(ت)

یعنی اس نبی کریم افضل المسلمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کی امت مرحومہ میں داخل ہونا۔ یہ اسلام کا اطلاق اخص واکمل واجل واجمل ہے۔ان دونوں معنوں پر ان حضرات عالیات رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ آٹھ یا دس برس کی عمر میں اسلام لائے، یہ ارشاد اقدس سنتے ہی فورًا بلاتامل مسلمان ہوئے۔معہذا اس میں ایک سرّ یہ ہے کہ بعد بعثت وبلوغ دعوت صرف اس اسلام ضروری پر قناعت کافی ووجہ نجات نہیں۔اگر کوئی شخص فترت میں صدہا سال موحد رہتا اور بعد دعوت تصدیق نہ کرتا وہ اسلام سابق یقینا زائل ہو کر کافر مخلد فی النار ہوجاتا۔تو جس نے فورًا تصدیق کی اس پر حکم اسلام اس وقت سے تام وقائم ومحکم ومستقر ہوا۔

علاوہ بریں رب العزت عزوجل اپنے خلیل جلیل سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی نسبت فرماتا ہے:

"اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾"[2]	جب اس سے فرمایا اس کے رب نے کہ اسلام لا، بولا میں اسلام لایا رب العالمین کیلئے۔

جب خلیل کبریا علیہ الصلوۃ والثناء کو اسلام لانے کا حکم ہونا اور انکا عرض کرنا کہ اسلام لایا، معاذاللہ ان کے ایمان قدیم واسلام مستمر کا منافی نہ ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء کی طرف بعد نبوت وپیش از نبوت کبھی کسی وقت ایک آن کے لئے بھی غیر اسلام کو اصلًا راہ نہیں، توصدیق ومرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی نسبت یہ الفاظ کہ فلاں دن مسلمان ہوئے اس روز اسلام لائے، انکے اسلام سابق کے معاذاللہ کیا مخالفت ہوسکتے ہیں۔

ھذا کلہ واضح مبین۔والحمدللہ رب العالمین۔	یہ سب واضح نمایاں ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۱

بحمد اللہ تعالیٰ نے فقیر کی اس تقریر سے جس طرح روافض کا نفیِ خلافت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے براہ عناد ومکابرہ آیہ کریمہ "لَا یَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۲۴﴾ "[1] (میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ت) سے سفیہانہ استدلال، جس کا نہ صغرٰی صحیح نہ کبرٰی ٹھیک، ہباءً منثورا ہوگیا، یونہی تفضیلیہ کا وہ باطل خیال کہ "قدم اسلام خاصہ حضرت مرتضوی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہے لٰہذا خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل" مدفوع ومقہور ہوگیا۔

فاقول وباللّٰہ التوفیق (پس میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت) صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لحاظ سے تو یہ تخصیص ہی غلط کہ وہ بھی اس فضل جلیل میں شریک حضرت اسد اللہ الغالب، بلکہ انصاف کیجئے تو شریک غالب ہیں اگرچہ دونوں حضرات قدیم الاسلام ہیں کہ ایک آن ایک لحہ کو ہر گز ہر گز متصف بکفر نہ ہوئے، مگر اسلام میثاقی واسلام فطری کے بعد اسلام توحیدی واسلام اخص دونوں میں صدیق اکبر کا پایہ ارفع واعلیٰ ہے۔ توحیدی میں یوں کہ صدیق اکبر کی ایک عمر کثیر اس زمانہ ظلمت وجہالت میں گزری۔ ابتداء میں مدتوں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہِ اسلام پناہ سے دوری رہی۔ اس پر بچپنے کی کچی سمجھ میں انکے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ اس وقت تک مبتلائے شرک تھے اپنے دین باطل کی تعلیم دینا، بت خانے میں لے جاکر سجدہ بت کی تفہیم کرنا، غرض رہنما مفقود، رہزنی موجود۔ بایں ہمہ انکا توحید خالص پر قائم رہنا، اللہ اکبر کیسا اجل واعظم ہے۔ حضرت امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنٰی نے آنکھ کھولی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کا جمال جہاں آراء دیکھا، حضور ہی کی گود میں پرورش پائی، حضور ہی کی باتیں سنیں، حضور ہی کی عادتیں سیکھیں، شرک وبت پرستی کی صورت ہی اللہ تعالیٰ نے کبھی نہ دکھائی، آٹھ یا دس سال کے ہوئے کہ آفتاب جہاں تابِ رسالت اپنی عالمگیر تابشوں کے ساتھ چمک اٹھا، **والحمد للّٰہ رب العٰلمین** (اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) اسلام اخص میں یوں کہ صدیق اکبر نے فوراً اپنا اسلام سب پر ظاہر وآشکار کردیا، ہدایتیں فرمائیں، کفار کے ہاتھوں سے اذیتیں پائیں، جن کی تفصیل ہماری کتاب **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** وغیرہ کتب حدیث میں ہے۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴

اورامیر المومنین مولیٰ علی کی نسبت آیا کہ کچھ دنوں اپنے باپ ابو طالب کے خوف سے کہ لازمہ صغر سنّ ہے اپنے اسلام کا اخفا فرمایا، امام حافظ الحدیث خیثمہ بن سلیمان قرشی وامام دارقطنی ومحب الدین طبری وغیرہم حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی حضرت سیدنا علی مرتضٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

ان ابا بکرٍ سبقنی الی اربع لم اوتھن، سبقنی الی افشاء السلام، وقدم الھجرۃ، مصاحبتہ فی الغار واقام الصلوۃ وانا یومئذٍ بالشعب، یظہر اسلامہ واخفیہ[1]۔ الحدیث	بیشک ابوبکر چار باتوں کی طرف سبقت لے گئے کہ مجھے نہ ملیں: انہوں نے مجھ سے پہلے اسلام آشکار اکیا، اور مجھ سے پہلے ہجرت کی، نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یار غار ہوئے، اور نماز قائم کی اس حالت میں کہ میں ان دنوں گھروں میں تھا۔ وہ اپنا اسلام ظاہر کرتے اور میں چھپاتا تھا۔

امام قسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

اول من اسلم علی ابن ابی طالب وھو صبی لم یبلغ الحلم، وکان مستخفیا باسلامہ، واول رجل عربی بالغ اسلم واظہر اسلامہ ابو بکر بن ابی قحافۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]۔	سب سے پہلے ایمان لانے والے مذکر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جبکہ آپ بچے تھے اور سنِّ بلوغ کو نہ پہنچے تھے وہ اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھتے تھے، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے عربی مرد جنہوں نے اسلام ظاہر کیا وہ ابوبکر بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔(ت)

امام ابو عمر ابن عبدالبر روایت فرماتے ہیں:

سئل محمد بن کعب القرظی عن اول من اسلم ولی او ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہما: قال	محمد بن کعب قرظی سے سوال کیا گیا کہ ابو بکر وعلی میں سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟

[1] المواھب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۸و۲۱۹

[2] المواھب اللدنیہ بحوالہ خیثمہ بن سلیمٰن ذکر اول من اٰمن، اسلام علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۹

سبحان الله علیّ اولهما اسلامًا وانما شبّه علی الناس لان علیًا اخفٰی اسلامه من ابی طالب واسلم ابو بکر فاظهر اسلامه[1]۔	تو انہوں نے کہا سبحان اللہ ان دونوں میں سے حضرت علی پہلے اسلام لائے مگر انہوں نے اسلام کو اپنے والد سے پوشیدہ رکھاجس وجہ سے ان کا اسلام لوگوں پر مشتبہ رہا جبکہ ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنا اسلام ظاہر فرمایا۔(ت)

ولہٰذا احادیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وآثار صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت کہ صدیق کا اسلام سب کے اسلام سے افضل، اوران کا ایمان تمام امت کے ایمان سے ازید واکمل ہے کما بیناہ فی کتابنا المذکور المبارك ان شاء الله تعالٰی (جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کردیا ہے کتاب مذکور میں جو ان شاء اللہ بابرکت ہوگی۔ت)

رہے امیر المومنین فاروق وامیر المومنین غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما مذہب جمہور اہلسنت میں امیر المومنین حیدر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو وہ دونوں افضل اورامیر المومنین صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ سب سے افضل مگر اس وجہ سے افضل نہیں کہ یہ قدیم الاسلام ہیں وہ جدید الاسلام، کہ یہ فضل جُزئی ہے جو مفضول کو بھی افضل پر مل سکتا ہے۔ فضل کلی اور شیئ ہے جس کی تحقیق انیق ہم نے کتاب مذکور میں ذکر کی۔ قدم اسلام اگر موجب افضیلت ہوتو لازم آئے کہ من وتو زید وعمرو کہ بعونہ تعالٰی باپ دادا پر دادا پشت ہاپشت سے مسلمان چلے آتے ہیں۔ عمرو عثمان، ابوذر وسلمان وحمزہ وعباس وغیرہم صحابہ کرام واہلبیت عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے معاذاللہ افضل ٹھہریں، تواس بناپر دعوی افضیلت محض جہالت اور فضل جُزئی وکلی کے تفرقہ سے غفلت ہے۔

والله الهادی وولی الایادی والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمهٗ جل مجده اتم واحکم۔	اللہ تعالٰی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کا مالک ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے اوراس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱: ازبنارس محلّہ کندی گڈھ ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب ۱۴رجب ۱۳۱۲ھ

ماقولکم ایها العلماء ابقاکم الله تعالٰی	اے علماء کرام اللہ تعالٰی یوم جزاتک آپ کو باقی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۸۷۵ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۹۹

الٰی یوم الجزء فی المسئلۃ التی نرسل الیکم۔	رکھے آپ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں جو ہم آپ کی طرف بھیج رہے ہیں۔(ت)

زید کہتا ہے چونکہ علی مرتضٰی نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا اور اس سے پہلے کبھی دامن پاک آپ کا نجاست شرک وکفر سے آلودہ نہیں ہوا اور حدیث شریف:

کل مولود یولد علی الفطرۃ[1]۔	ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے(ت)

دلالت کرتی ہے کہ کل بچے کا دین اسلام ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضٰی ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ عمرو کہتا ہے کہ جب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا تو یہ کہنا کہ آپ ہمیشہ سے مسلمان تھے محض غلط ہے۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیے جاؤگے۔ت)

الجواب:

قول زید حق ومقبول وزعم عمرو باطل ومخذول ہے۔

کما حققنا بتوفیق اللہ تعالٰی فی "تنزیۃ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ۔"	جیسا کہ ہم نے "تنزیہ المکانۃ الحیدریۃ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ" میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے اس کی تحقیق کردی ہے۔(ت)

ہاں عبارت زید میں یہ لفظ قابل گرفت ہے کہ "ہم کہہ سکتے ہیں" اس سے بوئے ضعف آتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں، ہم بالیقین کہتے ہیں:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۫ وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ"[2]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۸۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی ذراری المشرکین آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۲۹۲، جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء کل مولود یولد علی الملۃ امین کمپنی دہلی ۲/۳۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۳۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

بیشک حضرت مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنٰی ہمیشہ سے مسلمان صحیح الایمان تھے اور بیشک انہوں نے آٹھ دس برس کی عمر میں اسلام قبول کیا، ان دونوں باتوں میں اصلاً تنافی نہیں۔ یہ اسلام متاخر وہ ہے جس کا ذکر اللھم صل علی علم الایمان اصل الایمان عین الایمان وٰلہ وسلم۔ اے اللہ درود وسلام نازل فرما علامت ایمان، اصل ایمان، عین ایمان پر اور آپ کی آل پر۔ (ت) آیہ کریمہ:

"مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِیْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا"[1] الآیۃ۔	اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل، ہاں ہم نے اسے نور کیا۔ (ت)

یعنی اسلام خاصِّ زمان بعثت کہ کتاب ورسول پر ایمان وعقائد سمعیہ کے اذعان پر مشتمل ہو۔ یہ بے شک بعد بعثت حاصل ہوا۔ اس کا حدوث قدم اسلام توحیدی کا منافی نہیں،

کما لا یخفٰی علٰی من کا ن لہ قلب اوالقی السمع وھو شھید۔	جیسا کہ یہ پوشیدہ نہیں اس شخص پر جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔ (ت)

تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ منجملہ وجوہ تاویل مذکور:

الرابع الایمان عبارۃ عن الاقرار بجمیع ماکلف اللہ تعالٰی بہ وانہ قبل النبوۃ ماکان عارفا بجمیع تکالیف اللہ تعالٰی، بل انہ کان عارفا م باللہ تعالٰی وذٰلک لاینافی ماذکرناہ۔ الخامس صفات اللہ تعالٰی علی قسمین منھا مایمکن معرفتہ بمحض دلائل العقل، ومنھا مالایمکن معرفتہ الا بالدلائل السمعیۃ، فھذا القسم الثانی لم تکم معرفتہ حاصلۃ قبل النبوۃ۔[2]	وجہ چہارم، ایمان ان تمام چیزوں کے مان لینے کا نام ہے جن کا اللہ تعالٰی نے بندوں کو مکلّف بنایا، اور حضور قبل نبوت اللہ تعالٰی کے عائد کردہ تمام احکام وتکالیف سے واقف نہ تھے بلکہ وہ خداوند تعالٰی کے عارف تھے اور یہ اس کے منافی نہیں جو ہم نے ذکر کیا (کہ قبل وحی بھی انبیاء کا کفر سے منزہ ہونا اجماعی ہے) وجہ پنجم، صفات الٰہی کی دو قسمیں ہیں: (۱) وہ جن کی معرفت عقلی دلیلوں سے ہوسکتی ہے (۲) وہ جن کی معرفت سمعی دلیلوں کے بغیر ممکن نہیں۔ تو اسی قسم دوم کی معرفت قبل نبوت نہ تھی۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴۲/۵۲

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۴۲/۵۲ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۲۷/۱۹۱

تفسیر ارشاد العقل السلیم میں ہے:

ای الایمان بتفاصیل مافی تضاعیف الکتاب من الامور التی لاتھتدی الیھا العقول،لاالایمان بما یستقبل بہ العقل والنظر ،فان درایتہ علیہ الصلوٰۃ و السلام لہ ممالاریب فیہ قطعا۔[1]	اس آیت میں ایمان سے مراد ان امور کی تفصیلات پر ایمان ہے جو کتاب کے وسیع صفحات میں مندرج ہیں جن تک از خود عقلوں کی رسائی نہیں،ان امور سے متعلق ایمان کی نفی مراد نہیں جن کو عقل وفکر خود جان لیتی ہے اور کتاب وغیرہ کی محتاج نہیں ہوتی، قبل نبوت بھی اس سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آشنا ہونے میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں۔(ت)

اسی کے قریب قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفا شریف میں نقل کرکے فرمایا: **وھو احسن وجوھہ**[2]۔ (وجوہ تاویل میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ

تنزیہ المکانۃ الحیدریہ عن وصمۃ عھد الجاھلیہ

ختم ہوا

---

[1] ارشادالعقل السلیم تحت الآیۃ ۴۲/ ۵۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۸

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما عصمتھم من ھذا الفن قبل النبوۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/۱۰۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق ۱۳۳۱ھ
(تحقیق کی انتہاء حضرت علی مرتضٰی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہما کی امامت کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللہ رب محمد صلی علیہ وسلّما

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۲: اول: رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وعترتہٖ وسلم نے وقتِ رحلت یا کسی اور وقت اپنے بعد اپنا جانشین کس کو مقرر کیا؟

الجواب:

جانشینی ونیابت دو۲ قسم ہے:

اول ۱: جزئی مقید کہ امام کسی خاص کام یا خاص مقام پر عارضی طور پر کسی خاص وقت کے لئے دوسرے کو اپنا نائب کرے، جیسے بادشاہ کالڑائی میں کسی کو سردار بنا کر بھیجنا یا کسی کو ضلع کی حکومت دینا یا تحصیل خراج پر مامور کرنا، یا کہیں جاتے ہوئے انتظام شہر سپرد کر جانا، اس قسم کا استخلاف صریح حضور پر نور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ وعترتہٖ وازواجہ وصحابتہ اجمعین وبارک

وسلم سے بازہا واقع ہوا، جیسے بعض غزوات میں امیر المومنین صدیق اکبر بعض میں حضرات اسامہ بن زید۔ غزوہ ذات السلاسل میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تحصیل زکوۃ پر امیر المومنین فاروق اعظم وحضرت خالد بن ولید وغیر ہما رضی اللہ تعالٰی عنہم کو مقرر فرمایا۔ یہ بھی یقینا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نیابت تھی کہ اخذ صدقات اصل کام حضور والا صلوات اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ کا ہے۔ قال تعالٰی:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ"[1]	اے محبوب ان کے مال میں سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کردو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔ (ت)

تعلیم قرآن ودین کے لئے قرائے کرام شہدئے عظام کو مقرر فرمایا۔ حضرت عتاب بن اسید کو مکہ معظّمہ، حضرت معاذ بن جبل کو ولایت جَنَد، حضرت ابو موسٰی اشعری کو زبید وعدن، حضرت ابوسفیان والد امیر معاویہ یا حجرت عمرو بن حزم کو شہر نجران، حضرت زیاد بن لبید کو حضر موت، حضرت خالد سعید اموی کو صنعا، حضرت عمرو بن العاص کو عمان کا ناظم صوبہ کیا۔ باذان بن سباسان کیانی مغل کو صوبہ داری یمن پر مقرر رکھا۔ امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو ملک یمن کا عہدۂ قضا بخشا۔ ۸ھ میں حضرت عتّاب، ۹ھ میں حضرت ابو بکر صدیق اکبر کو امیر الحاج بنایا۔ بعض وقائع میں امیر المومنین فاروق اعظم، بعض میں حضرت معقل بن یسار، بعض میں حضرت عقبہ کو حکم قضا دیا۔ غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین علی مرتضٰی کو اہلبیت کرام، اور غزوہ بدر میں حضرت ابولبابہ، اور تیرہ غزوات واسفار کو نہضت فرماتے حضرت عمرو ابن ام مکتوم کو مدینہ طیبہ کا امیر ووالی فرمایا۔ از انجملہ غزوہ ابواء کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پہلا غزوہ تھا وغزوہ بواط وغزوہ ذی العشیرہ وغزوہ طلب کرز بن جابر وغزوۂ سویق وغزوۂ غطفان وغزوۂ احد وغزوۂ حمراء الاسد وغزوہ نجران وغزوہ ذات الرقاع وسفر حجۃ الوداع کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پچھلا سفر تھا رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

لخصنا کل ذٰلك من صحیح البخاری	یہ سب ہم نے تلخیص کی صحیح بخاری اور اس کی

[1] القرآن الکریم ۹/۱۰۳

وشروحه ولمواهب اللدنية بالمنح المحمدية و شرحها للزرقانی والاصابة فی تمییز الصحابة للامام الحافظ العسقلانی رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین۔	شرحوں، مواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ اوراسکی شرح زرقانی اورحافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف الاصابہ فی تمیزالصحابہ سے۔اللہ تعالٰی ان سب پر رحمت نازل فرمائے۔(ت)

دوم کلی مطلق کہ حیات مستخلف سے جمع نہیں ہوسکتی یعنی امام کا اپنے بعد کسی کیلئے امامت کبرٰی کی وصیت فرمانا اس کا نص صریح علی الاعلان بتصریح نام حضور اعلٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کے واسطے نہ فرمایا، ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم ضرور پیش کرتے اور قریش وانصار میں دربارہ خلافت مباحثے مشاورے نہ ہوتے، امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے باسانید صحیحہ قویہ ثابت کہ جب ان سے عرض کی گئی استخلف علینا ہم پر کسی کو خلیفہ کردیجئے۔ فرمایا: لاولکن اترککم کما ترککم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں کسی کو خلیفہ نہ کروں گا بلکہ یونہی چھوڑوں گا جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے اخرجه الامام احمد[1] بسند حسن والبزار بسندی قوی والدارقطنی وغیرهم (اس کو امام احمد نے بسند حسن اور بزار نے بسند قوی اور دارقطنی وغیرہم نے روایت کیا۔ ت) بزار کی روایت میں بسند صحیح ہے حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے فرمایا:

مااستخلف رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاستخلف علیکم[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نہ کیا کہ میں کروں۔

دارقطنی کی روایت میں ہے، ارشاد فرمایا:

دخلنا علی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقلنا یارسول الله	ہم نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ

[1] مسند امام احمد بن حنبل عن علی رضی الله تعالٰی عنه المکتب اسلامی بیروت ۱/ ۱۳۰، الصواعق المحرقة الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمية بیروت ص ۷۰، کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی قتله حدیث ۲۵۷۲ موسسة الرسالة بیروت ۳/ ۲۰۳، کنز العمال بحواله ك وابن السنی حدیث ۳۶۵۶۲ موسسة الرسالة بیروت ۱۳/ ۱۸۹

[2] الصواعق المحرقة بحواله البزار الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمية بیروت ص ۷۰

استخلف علینا قال لا ،ان یعلم اللہ فیکم خیرا یول علیکم خیر کم قال علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فعلم اللہ فینا خیرا فولی علینا ابابکر (رضی اللہ تعالٰی علیھم اجمعین[1])	ہم پر کسی کو خلیفہ فرمادیجئے۔ارشاد ہوا: نہ،اگر اللہ تعالٰی تم میں بھلائی جانے گا تو جو تم سب میں بہتر ہے اسے تم پر والی فرما دے گا۔ حضرت مولی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: رب العزۃ جل وعلانے ہم میں بھلائی جانی پس ابوبکر کو ہمارا والی فرمایا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

امام اسحٰق بن راہویہ ودارقطنی وابن عساکر وغیر ہم بطرقِ عدیدہ واسانید کثیرہ راوی،دو شخصوں نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ان کے زمانہ خلافت میں در بارۂ خلافت استفسار کیا اعھد عھدہ الیک النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ام رائ رایتہ۔کیا یہ کوئی عہد وقرارداد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ہے یا آپ کی رائے ہے بلکہ ہماری رائے ہے اما ان یکون عندی عھد من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عھدہ الی فی ذٰلک فلا ،واللہ لئن کنت اول من صدق بہ فلا کون اول من کذب علیہ رہا یہ کہ اسباب میں میرے لئے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کوئی عہدہ قرارداد فرمادیا ہو سوخدا کی قسم ایسا نہیں اگر سب سے پہلے میں نے حضور کی تصدیق کی تو میں سب سے پہلے حضور پر افتراء کرنے والا نہ ہوں گا ولو کان عندی منہ عھد فی ذٰلک ماترکت اخابنی تیم بن مرۃ وعمر بن الخطاب یثوبان علٰی منبرہ ولقاتلتھما بیدی ولولم اجد الابردتی ھذہ اور اگر اسباب میں حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے میرے پاس کوئی عہد ہوتا تو میں ابوبکر وعمر کو منبر اطہر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جست نہ کرنے دیتا اور بیشک اپنے ہاتھ سے ان سے قتال کرتا اگرچہ اپنی اس چادر کے سوا کوئی ساتھی نہ پاتا ولٰکن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقتل قتلا ولم یمت فجأۃ مکث فی مرضہ ایاما ولیالی یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس

[1] الصواعق المحرقہ بحوالہ الدارقطنی الباب الاول الفصل الخامس دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۰

وھو یری مکانی ثم یاتیہ المؤذن فیؤذنہ بالصلاۃ فیامر ابابکر فیصلی بالناس وھو یری مکانی بات یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم معاذاللہ کچھ قتل نہ ہوئے نہ یکایک انتقال فرمایا بلکہ کئی دن رات حضور کو مرض میں گزرے، مؤذن آتا نماز کی اطلاع دیتا، حضور ابوبکر کو امامت کا حکم فرماتے حالانکہ میں حضور کے پیش نظر موجود تھا پھر مؤذن آتا اطلاع دیتا حضور ابوبکر ہی کو امامت دیتے حالانکہ میں کہیں غائب نہ تھا ولقد ارادت امرأۃ من نسائہ ان تصرفہ عن ابی بکر فابی وغضب وقال "انتن صواحب یوسف مروا ابابکر فلیصل بالناس اور خدا کی قسم ازواج مطہرات میں سے ایک بی بی نے اس معاملہ کو ابوبکر سے پھیرنا چاہا تھا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ مانا اور غضب کیا اور فرمایا تم وہی یوسف (علیہ السلام) والیاں ہو ابوبکر کو حکم دو کہ امامت کرے فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نظرنا فی امورنا فاخترنا لدنیانا من رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا فکانت الصلٰوۃ عظیم الاسلام وقوام الدین، فبایعنا ابابکر رضی اللہ تعالٰی عنہ فکان لذٰلک اھلا لم یختلف علیہ منا اثنان پس جبکہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انتقال فرمایا ہم نے اپنے کاموں میں نظر کی تو اپنی دنیا یعنی خلافت کے لئے اسے پسند کرلیا جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلمنے ہمارے دین یعنی نماز کے لئے پسند فرمایا تھا کہ نماز تو اسلام کی بزرگی اور دین کی درستی تھی لہٰذا ہم نے ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیعت کی اور وہ اس کے لائق تھے ہم میں کسی نے اس بارہ میں خلاف نہ کیا۔ یہ سب کچھ ارشاد کرکے حضرت مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی نے فرمایا: فادیت الی ابی بکر حقہ وعرفت لہ طاعتہ وغزوت معہ فی جنودہ وکنت اٰخذ اذا اعطانی واغزو اذا غزانی واضرب بین یدیہ الحدود بسوطی [1]۔ پس میں نے ابوبکر کو ان کا حق دیا اور ان کی اطاعت لازم جانی اور ان کے ساتھ ہوکر ان کے لشکروں میں جہاد کیا جب وہ مجھے بیت المال سے کچھ دیتے میں لے لیتا اور جب مجھے لڑائی پر بھیجتے میں جاتا اور انکے سامنے اپنے تازیانہ سے حد لگاتا ______ پھر بعینہٖ یہی مضمون امیر المومنین فاروق اعظم وامیر المومنین عثمان غنی کی نسبت ارشاد فرمایا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ہاں البتہ اشارات جلیلہ واضحہ بارہا فرمائے، مثلاً:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۵/ ۳۳۷ تا ۳۳۹، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی وابن عساکر واسحٰق بن راہویہ الباب الاول الفصل الخامس دارالکتب العلمیۃ ص ۷۰ تا ۷۲

(۱) ایک بار ارشاد ہوا میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اس پر ایک ڈول ہے میں اس سے پانی بھرتا رہا جب تک اللہ نے چاہا پھر ابوبکر نے ڈول لیا دو ایک بار کھینچا پھر وہ ڈول ایک پل ہوگیا جسے چرسہ کہتے ہیں اسے عمر نے لیا تو میں نے کسی سردار زبردست کو اس کام میں انکے مثل نہ دیکھا یہاں تک کہ تمام لوگوں کو سیراب کردیا کہ پانی پی پی کر اپنی فرودگاہ کو واپس ہوئے۔ رواہ الشیخان[1] ۔عن ابی ھریرۃ وعن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھم (اس کو شیخین نے ابوہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

(۲) امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں میں نے بارہا بکثرت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا میں اور ابوبکر وعمر، کیا میں نے اور ابوبکر وعمر نے، چلا میں اور ابوبکر۔ رواہ الشیخان[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما (اس کو شیخین نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

(۳) ایک بار حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا آج کی رات ایک مرد صالح (یعنی خود حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق ہیں اور عمر ابوبکر سے اور عثمان عمر سے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں جب ہم خدمت اقدس حضور والا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اٹھے آپ میں تذکرہ کیا کہ مرد صالح تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور بعض کا بعض سے تعلق وہ اس امر کا والی ہونا جس کے ساتھ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، رواہ عنہ ابوداود والحاکم[3] (اس کو جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابوداود اور حاکم نے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، ۵۱۹، ۵۱۷، صحیح البخاری کتاب التعبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۰۳۹و ۱۰۴۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۵، الصواعق المحرقۃ بحوالہ الشیخین الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۹ و ۴۰

[2] صحیح البخاری فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیل مناقب عمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱۹، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ باب مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۵۹

[3] سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی الخلفاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۱، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۱، ۷۲ و ۱۰۲

(۴) انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی المصطلق نے خدمت حضور سید المرسلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بھیجا گیا حضور سے دریافت کروں حضور کے بعد ہم اپنے اموال زکوٰۃ کس کے پاس بھیجیں، فرمایا ابو بکر کے پاس۔ عرض کی اگر انہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو کسے دیں؟ فرمایا عمر کو۔ عرض کی جب ان کا بھی واقعہ ہو۔ فرمایا عثمان کو۔ **رواہ عنہ فی المستدرك وقال ھٰذا حدیث صحیح الاسناد**[1] (اس کو انس رضی اللہ عنہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ ت)

(۵) ایک بی بی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور کچھ سوال کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ پھر حاضر ہو۔ انہوں نے عرض کی آؤں اور حضور کو نہ پاؤں۔ فرمایا مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس آنا۔۔۔۔۔**رواہ الشیخان**[2] **عن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ** (اس کو شیخین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

(۶) یونہی ایک مرد سے ارشاد فرمایا مروی کہ میں نہ ہوں تو ابو بکر کے پاس آنا۔ عرض کی جب انہیں نہ پاؤں۔ فرمایا تو عمر کے پاس۔ عرض کی جب وہ بھی نہ ملیں۔ فرمایا تو عثمان کے پاس۔ **اخرجہ ابو نعیم**[3] **فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حیثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ** (ابو نعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حیثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ ت)

(۷) ایک شخص سے کچھ اونٹ قرضوں خریدے یہ واپس جاتا تھا کہ مولی علی کرم اللہ وجہہ ملے حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ فرمایا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں پھر حاضر ہو اور عرض کی اگر حضو کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو میری قیمت کون ادا کرے گا۔ فرمایا ابو بکر۔ پھر دریافت کرایا اور جو ابو بکر کو کچھ حادثہ پیش آئے تو کون دے گا۔ فرمایا عمر۔ پھر دریافت کرایا انہیں بھی کچھ حادثہ درپیش ہو۔ فرمایا **ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت**

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۷

[2] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۶، صحیح البخاری کتاب الاحکام باب الاستخلاف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۷۲، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳

[3] ازالۃ الخفاء عن سھل بن ابی حثمۃ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۱۲۴

ہائے نادان جب عمر مرجائے تو اگر مرسکے تو مرجانا۔ رواہ الطبرانی[1] فی الکبیر عن عصمۃ بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ و حسنہ الامام جلال الدین سیوطی (طبرانی نے کبیر میں اس کو عصمہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کو حسن قرار دیا۔ ت)

(۸) انہیں اشارات جلیلہ سے ہے حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایام مرض وفات اقدس میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اپنی جگہ امامت مسلمین پر قائم کرنا اور دوسرے کی امامت پر راضی نہ ہونا غضب فرمانا جس سے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے استناد فرمایا کہ رضیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لدیننا افلا نرضاہ لدنیانا[2] رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں چن لیا ہمارے دین کی پیشوائی کو، کیا انہیں ہم پسند نہ کریں اپنی دنیا کی امامت کو۔ ت)

(۹) اور نہایت روشن صریح کے قریب نص وتصریح وہ ارشاد اقدس ہے کہ امام احمد وترمذی نے بافادہ تحسین اور ابن ماجہ وابن حبان وحاکم نے بافادۂ تصحیح اور ابوالمحاسن رویانی نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما اور ترمذی وحاکم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ اور طبرانی نے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابن عدی نے کامل میں اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم نے فرمایا: انی لاادری مابقائی فیکم فاقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر[3]۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/۱۸۱

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن سعد الباب الاول الفصل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۹۳، ۱۷، ۴۳

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفہ بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۳۹۹ و ۴۰۲، جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر وعمار بن یاسر امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷ و ۲۲۱، سنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، کنز العمال حدیث ۳۳۱۱۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۶۴۰، موارد الظمآن حدیث ۲۱۹۳ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۳۹

وفی لفظ اقتداوا بالذین من بعدی من اصحابی ابی بکر وعمر [1] میں نہیں جانتا میرا رہنا تم میں کب تک ہو لہذا تمہیں حکم فرماتا ہوں کہ میرے ان دوصحابیوں کی پیروی کرو جو میرے بعد ہوں گے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

(۱۰) ایک بار آخر حیات اقدس میں نص صریح بھی فرمادینا چاہا تھا پھر خدا اور مسلمانوں پر چھوڑ کر حاجت نہ سمجھی، امام احمد وامام بخاری وامام مسلم ام المومنین صدیقہ محبوبہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وعلیہا وسلم سے راوی کہ وہ ارشاد فرماتی ہیں:

قال لی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مرضہ الذی مات فیہ ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قال انا اولی ویابی اللہ والمومنون الا ابابکر [2]۔

حضرت اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس مرض میں انتقال فرمانے کو ہیں اس میں مجھ سے فرمایا اپنے باپ اور بھائی کو بلالے کہ میں ایک نوشتہ تحریر فرمادوں کہ مجھے خوف ہے کوئی تمنا کرنیوالا تمنا کرے اور کوئی کہنے والا کہہ اٹھے کہ میں زیادہ مستحق ہوں اور اللہ نہ مانے گا اور مسلمان نہ مانیں گے مگر ابوبکر کو۔ امام احمد کے ایک لفظ یہ ہیں کہ فرمایا ادعی لی عبدالرحمن بن ابی بکر اکتب لابی بکر کتابا لا یختلف علیہ احد ثم قال دعیہ معاذ اللہ ان یختلف المومنون فی ابی بکر [3]

عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلالو کہ میں ابوبکر کے لئے نوشتہ لکھ دوں کہ ان پر کوئی اختلاف

---

1 الکامل لابن عدی ترجمہ حماد بن دلیل دار الفکر بیروت ۲ /۶۶۲، المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳ / ۷۵، کنز العمال حدیث ۳۲۶۵۶ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱ /۵۶۰ و ۵۵۷، المعجم الکبیر حدیث ۸۴۲۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۹ /۶۸، مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۳۸۲

2 صحیح البخاری کتاب المرض ۲/ ۸۴۶ وکتاب الاحکام باب الاستخلاف ۲ /۱۰۷۲ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، باب من فضائل ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ / ۱۴۴، الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷

3 الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفصل الثالث دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۷، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۱۴۴

نہ کرے۔ پھر فرمایا: رہنے دو خدا کی پناہ کہ مسلمان اختلاف کریں ابوبکر کے بارے میں۔ صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب والہ وصحبہ وبارک وسلم۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ دوم: خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے آیا حضرت علی علیہ السلام افضل تھے یا کم؟

الجواب:

اہل سنت وجماعت نصرہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ مرسلین ملائکہ ورسل وانبیائے بشر صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علیہم کے بعد حضرات خلفائے اربعہ رضوان تعالٰی علیہم تمام مخلوق الٰہی سے افضل ہیں۔ تمام امم عالم اولین وآخرین کوئی شخص ان کی بزرگی وعظمت وعزت ووجاہت وقبول وکرامت وقرب وولایت کو نہیں پہنچتا۔

"اَنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾"[1]	فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے عطا فرمائے، اور اللہ بڑا فضل والا ہے (ت)

پھر ان میں باہم ترتیب یوں ہے کہ سب سے افضل صدیق اکبر، پھر فاروق اعظم پھر عثمان غنی، پھر مولی علی علیہ سید ہم ومولو ہم وآلہ وعلیہم وبارک وسلم، اس مذہب مہذب پر آیات قرآن عظیم واحادیث کثیرہ حضور نبی کریم علیہ وعلی آلہ وصحبہ الصلوۃ والتسلیم وارشادات جلیہ واضحہ امیر المؤمنین مولی علی مرتضی ودیگر ائمۂ اہلبیت طہارت وارتضاواجماع صحابہ کرام وتابعین عظام و تصریحات اولیائے امت وعلمائے امت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے وہ دلائل باہرہ وحجج قاہرہ ہیں جن کا استیعاب نہیں ہو سکتا۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس مسئلہ میں ایک کتاب عظیم بسیط وضخیم دو مجلد پر منقسم نام تاریخی **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ۱۲۹۷ھ سے متسم تصنیف کی اور خاص تفسیر آیہ کریمہ "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ" اور اس سے افضلیت مطلقہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اثبات واحقاق اور اوہام خلاف کے ابطال وازہاق میں ایک جلیل رسالہ مسمّٰی بنام تاریخی **الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی** ۱۳۰۱ھ تالیف کیا اس مبحث کی تفصیل ان کتب پر موکول، یہاں صرف چند ارشادات ائمہ اہلبیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم پر

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۹

پر اقتصار ہوتا ہے، اللہ عزوجل کی بیشمار رحمت ورضوان وبرکت امیر المومنین اس حیدر حق گو حق دان حق پرور کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی پر کہ اس جناب نے مسئلہ تفضیل کو بغایت مفصل فرمایا اپنی کرسی خلافت وعرش زعامت پر بر سر منبر مسجد جامع ومشاہد ومجامع وجلوات عامہ وخلوات خاصہ میں بطریق عدیدہ تامدد مدیدہ سپید وصاف ظاہر وواشگاف محکم ومفسر بے احتمال دگر حضرات شیخین کریمین وزیرین جلیلین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا اپنی ذات پاک اور تمام امت مرحومہ سید لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل وبہتر ہونا ایسے روشن وابین طور پر ارشاد کیا جس میں کسی طرح شائبہ شک وتردد نہ رہا مخالف مسئلہ کو مفتری بتایا اسی کوڑے کا مستحق ٹھہرا، حضرت سے ان اقوال کریمہ کے راوی اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین صواعق امام ابن حجر مکی میں ہے:

قال الذهبی وقد تواتر ذلك عنه فی خلافته وكرسی مملكة وبین الجم الغفیر من شیعته ثم بسط الاسانید الصحیحة فی ذلك قال ویقال رواه عنه نیف وثمانون نفسا وعدد منهم جماعة ثم قال فقبح الله الرافضة ماجهلهم[1] انتهی	ذہبی نے کہا امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں جبکہ آپ کرسی اقتدار پر جلوہ گر تھے تواتر سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی جماعت کے جم غفیر میں افضلیت شیخین کو بیان فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ اسی سے زائد افراد نے اس بارے میں آپ سے روایت کی ہے۔ ذہبی نے ان میں سے کچھ کے نام گنوائے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالٰی رافضیوں کا برا کرے وہ کس قدر جاہل ہیں انتہی (ت)

یہاں تک کہ بعض منصفان شیعہ مثل عبدالرزاق محدث صاحب مصنف نے باوصف تشیع تفضیل شیخین اختیار کی اور کہا جب خود حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی انہیں اپنے نفس کریم پر تفضیل دیتے تو مجھے اس کے اعتقاد سے کب مفر ہے مجھے یہ کیا گناہ تھوڑا ہے کہ علی سے محبت رکھوں اور علی کا خلاف کروں۔ صواعق میں ہے:

ماحسن ماسلكه بعض الشیعة المنصفین كعبد الرزاق فانه قال افضل الشیخین	کیا ہی اچھی راہ چلے ہیں بعض منصف شیعہ جیسے عبدالرزاق کہ اس نے کہا میں اس لئے شیخین کو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر فضیلت

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الكتب العلمیة بیروت ص ۹۰و۹۱

بتفضیل علی ایاھما علی نفسه والالما فضلتهما کفی بی وزرا ان احبه ثم اخالفه [1]۔	دیتا ہوں کہ حضرت علی نے انہیں فضیلت دی ہے ورنہ میں انہیں آپ پر فضیلت نہ دیتا میرے لئے یہ گناہ کافی ہے کہ میں آپ سے محبت کروں پھر آپ کی مخالفت کروں (ت)

اب **چند احادیث مرتضوی** سُنیے:

حدیث اول[۱]: صحیح بخاری شریف میں سیدنا وابن سیدنا امام محمد بن حنفیہ صاحبزادہ مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہما سے مروی:

قلت لابی ای الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ابوبکر قال قلت ثم من قال عمر [2]۔	میں نے اپنے والد ماجد کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے عرض کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب آدمیون میں بہتر کون ہے؟ فرمایا ابوبکر میں نے عرض کی پھر کون؟ فرمایا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

حدیث دوم[۲]: امام بخار اپنی صحیح اور ابن ماجہ سنن میں بطریق عبداللہ بن سلمہ امیر المؤمنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روای کہ فرماتے تھے۔

خیر الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابوبکر وخیر الناس بعد ابوبکر عمر [3] رضی اللہ تعالٰی عنهما. هذا حدیث ابن ماجة۔	بہترین مرد بعد سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر ہیں اور بہترین مرد بعد ابوبکر عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ یہ حدیث ابن ماجہ کی ہے۔ (ت)

حدیث سوم[۳]: امام ابوالقاسم اسمٰعیل بن محمد بن الفضل الطلحی کتاب السنۃ میں راوی:

اخبرنا ابوبکر بن مردویه ثنا سلیمن بن احمد ثنا الحسن	(ہم کو خبر دی ابوبکر بن مردویہ نے، ہم کو حدیث بیان

[1] الصواعق المحرقة الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۳

[2] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب بیروت ص ۹۳

[3] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مناقب ابی بکر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

بن المنصور الرمانی ثنا داؤد بن معاذ ثنا ابو سلمة العتکی عبداللّٰه بن عبدالرحمن عن سعید بن ابی عروبة عن منصور بن المعتمر عن ابراھیم عن علقمة قال بلغ علیا ان اقواما یفضلونه علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللّٰه واثنی علیه ثم قال یا ایھا الناس انه بلغنی ان قوما یفضلونی علی ابی بکر وعمر ولو کنت تقدمت فیه لعاقبت فیه فمن سمعته بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر علیه حد المفتری ثم قال ان خیر ھذا الامة بعد نبیھا ابوبکر ثم عمر، ثم اللّٰه اعلم بالخیر بعد، قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللّٰه لوسمی الثالث لسمی عثمان[1]۔	کی سلیمان بن احمد نے، ہم کو حدیث بیان کی حسن بن منصور رمانی نے، کو کو حدیث بیان کی داؤد معاذ بن، ہم کو ابو سلمہ عتکی عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے، انہوں نے سعید بن ابو عروبہ سے، انہوں نے منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہون نے حضرت علقمہ سے روایت کی) حضرت علقمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو خبر پہنچی کہ کچھ لوگ انہیں حضرات صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل بتاتے ہیں، یہ سن کر منبر پر جلوہ فرماہوئے حمد وثناء الٰہی بجالائے، پھر فرمایا: اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتے ہیں اس بارہ میں اگر مین نے پہلے سے حکم سنادیا ہوتا تو بے شک سزا دیتا آج سے جسے ایسا کہتے سنوں گا وہ مفتری ہے اس پر مفتری کی حد یعنی اسی کوڑے لازم ہیں۔ پھر فرمایا: بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل امت ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا خوب جانتا ہے کہ ان کے بعد کون سب سے بہتر ہے۔ علقمہ فرماتے ہیں مجلس میں سیدنا امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی تشریف فرماتھے انہوں نے فرمایا خدا کی قسم اگر تیسرے کانام لیتے تو عثمان کانام لیتے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

حدیث چہارم[۴]: امام دارقطنی سنن میں اور ابو عمر بن عبدالبر استیعاب میں حکم بن حجل سے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم فی کتاب السنۃ مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۶۸

راوی حضرت مولی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں:

لااجد احدا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفتری[1]۔	میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر سے افضل کہتا ہے اسے مفتری کی حد لگاؤں گا۔

امام ذہبی فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے۔

حدیث پنجم ۵: سنن دار قطنی میں حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ مقرب بارگاہ تھے جناب امیر انہیں وہب الخیر فرمایا کرتے تھے، مروی:

انه کان یری ان علیا افضل الامة فسمع اقواما یخالفونه فحزن حزنا شدیدا فقال له علی بعد ان اخذ بیدہ وادخله بیته ما احزنك یا ابا جحیفة فذکرله الخبر فقال الا اخبرك بخیر هذه الامة خیرها ابوبکر ثم عمر قال ابو جحیفة فاعطیت الله عهدا ان لا اکتم هذا الحدیث بعد ان شافهنی به علی مابقیت[2]۔	یعنی ان کے خیال میں مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ تمام امت سے افضل تھے انہوں نے کچھ لوگوں کو اس کے خلاف کہتے سنا سخت رنج ہوا حضرت مولی ان کا ہاتھ پکڑ کر کاشانہ ولایت میں لے گئے غم کی وجہ پوچھی، گزارش کی، فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ امت میں سب سے بہتر کون ہے ابوبکر ہیں پھر عمر۔ حضرت ابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں میں نے اللہ عزوجل سے عہد کیا کہ جب تک جیوں گا اس حدیث کو نہ چھپاؤں گا بعد اس کے کہ خود حضرت مولی نے بالمشافہ مجھے ایسا فرمایا۔

حدیث ششم ۶: امام احمد مسند ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ابن ابی حازم سے راوی:

قال جاء رجل الی علی بن الحسین رضی الله تعالٰی عنهما فقال ماکان منزلة ابی بکر وعمر	یعنی ایک شخص نے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت انور میں حاضر ہو کر عرض کی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۱

[2] الصواعق المحرقة بحواله الدار قطنی، الباب الثالث الفصل الاول دار الکتب العلمیة بیروت ص ۹۲

من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال منزلتھما الساعۃ وھما ضجیعاہ[1]	کی بارگاہ میں ابوبکر وعمر کا مرتبہ کیا تھا فرمایا جو مرتبہ ان کا اب ہے کہ حضور کے پہلو میں آرام کررہے ہیں۔

حدیث ہفتم ۷: دار قطنی حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ ارشاد فرماتے ہیں:

اجمع بنو فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم علی ان یقولوا فی الشیخین احسن مایکون من القول[2]۔	یعنی اولاد امجاد حضرت بتول زہرا صلی اللہ علیہ وسلم ابیہا الکریم وعلیہا وعلیہم وبارک وسلم کا اجماع واتفاق ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں وہ بات کہیں جو سب سے بہتر ہو (ظاہر ہے کہ سب سے بہتر بات اسی کے حق میں کہی جائے گی جو سب سے بہتر ہو)

حدیث ہشتم ۸: امام ابن عساکر وغیرہ وسالم بن ابی الجعد سے راوی:

قلت لمحمد بن الحنفیۃ ھل کان ابوبکر اول القوم اسلاما؟ قال لا۔ قلت فبم علا ابوبکر وسبق حتی لا یذکر احد غیر ابی بکر قال لانہ کان افضلھم اسلاما حین اسلم حتی لحق بربہ[3]۔	یعنی میں نے امام محمد بن حنفیّہ سے عرض کی: کیا ابوبکر سب سے پہلے اسلام لائے تھے؟ فرمایا: نہ۔ میں نے کہا: پھر کیا بات ہے کہ ابوبکر سب سے بالا رہے اور پیشی لے گئے یہاں تک کہ لوگ ان کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ فرمایا: یہ اس لئے کہ وہ اسلام میں سب سے افضل تھے جب سے اسلام لائے یہاں تک کہ اپنے رب عزوجل سے ملے۔

حدیث نہم ۹: امام ابوالحسن دار قطنی جندب اسدی سے راوی کہ امام محمد بن عبداللہ محض ابن حسن مثنی بن حسن مجتبی بن علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم کے پاس کچھ اہل کوفہ وجزیرہ نے حاضر ہوکر

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ذی الیدین رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۷۷

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدار قطنی عن محمد الباقر الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۷۸

[3] الصواعق المحرقۃ بحوالہ ابن عساکر عن سالم بن ابی الجعد الباب الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ۸۰

ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بارے مس سوال کیا امام ممدوح نے میری طرف ملتفت ہو کر فرمایا:

انظر والی اھل بلادك یسالونی عن ابی بکر و عمر لھما عندی افضل من علی [1] ۔	اپنے شہر والوں کو دیکھ مجھ سے ابوبکر وعمر کے بارے میں سوال کرتے ہیں وہ دونوں میرے نزدیک بلاشبہ مولا علی سے افضل ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

یہ امام اجل حضرت امام حسن مجتبٰی کے پوتے اور حضرت امام حسین شہید کربلا کے نواسے ہیں ان کا لقب مبارک نفس زکیہ ہے، ان کے والد حضرت عبداللہ محض کہ سب میں پہلے حسنی حسینی دونوں شرف کے جامع ہوئے لہٰذا محض کہلوائے، اپنے زمانے میں سردار بنی ہاشم تھے، ان کے والد ماجد امام حسن مثنی اور والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغرٰی بنت امام حسین صلی اللہ علیہ تعالٰی علی ابیہم وعلیہم وبارک وسلم۔

حدیث دہم ۱۰: امام حافظ عمر بن شبہ حضرت امام اجل سید زید شہید ابن امام علی سجاد زین العابدین ابن امام حسین شہید صلوات اللہ تعالٰی وتسلیماتہ علی جدہم الکریم وعلیہم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کوفیوں سے فرمایا:

انطلقت الخوارج فبرئت ممن دون ابی بکر وعمر، ولم یستطیعوا ان یقولوا فیھما شیئًا وانطلقتم انتم فظفرتم ای وثبتم فوق ذلك فبرئتم منھما فمن بقی؟ فواللہ مابقی احد الابرئتم منہ [2] ۔	یعنی خارجیوں نے اٹھ کر ان سے تبری کی جو ابوبکر وعمر سے کم تھے یعنی عثمان وعلی رضی اللہ تعالٰی عنہم مگر ابوبکر وعمر کی شان میں کچھ کہنے کی گنجائش نہ پائی اور تم نے اے کوفیو! اوپر جست کی کہ ابوبکر وعمر سے تبری کی تواب کون رہ گیا خدا کی قسم! اب کوئی نہ رہا جس پر تم نے تبرانہ کہا ہو۔

والعیاذ باللہ رب العلمین اللہ اکبر (اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اللہ سب سے بڑا ہے۔ (ت) امام زید شہید رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ ارشاد مجید ہم غلامان خاندان زید کو بحمد اللہ کافی و وافی ہے، سید سادات بلگرام حضرت مرجع الفریقین، مجمع الطریقین، حبر شریعت، بحر طریقت

---

[1] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی عن جندب الاسدی الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۸۳

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الحافظ عمر بن شبہ الباب الثانی دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۷۹

بقیۃ السلف، حجۃ الخلف سیدنا و مولانا میر عبدالواحد حسینی زیدی واسطی بلگرامی قدس اللہ تعالٰی سرہ السامی نے کتاب مستطاب سبع سنابل شریف تصنیف فرمائی کہ بارگاہ عالم پناہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں موقع قبول عظیم پر واقع ہوئی، حضرت مستفتی دامت برکاتہم کے جد امجد جداور اس فقیر کے آقائے نعمت و مولائے اوحد حضرت اسد الواصلین محبوب العاشقین سیدنا و مولونا حضرت سید شاہ حمزہ حسینی زیدی مارہروی قدس سرہ القوی کتاب مستطاب کاشف الاستار شریف کی ابتدا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ درخاندان ماحضرت سند المحققین سید عبدالوحد بلگرامی بسیار صاحب کمال بر خاستہ اند قطب فلک ہدایت ومرکز دائرہ ولایت بود در علم صوری ومعنوی فائق واز مشارب اہل تحقیق ذائق صاحب تصنیف وتالیف ست ونسب ایں فقیر بچہار واسطہ بذات مبارکش می پیوند[1]	جاننا چاہئے کہ ہمارے خاندان میں حضرت سند المحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی بہت صاحب کمال شخصیت ہیں۔ وہ فلک ہدایت کے قطب، دائرہ ولایت کے مرکز، ظاہری و باطنی علم میں فوقیت رکھنے والے، اصل تحقیق کے گھاٹوں کو چکھنے والے صاحب تصنیف وتالیف ہیں۔ اس فقیر کا نسب چار واسطوں سے آپ تک پہنچتا ہے۔ (ت)

پھر بعد چند اجزاء کے فرماتے ہیں:

شہر تصانیف او کتاب سنابل ست در سلوک و عقائد حاجی الحرمین سید غلام علی آزاد سلمہ اللہ در ماثر الکلام فی نویسد وقتے در شہر رمضان المبارک سنۃ خمس وثلثین ومائۃ والف مولف اوراق در دار الخلافہ شاہجہاں آباد خدمت شاہ کلیم چشتی قدس سرہ راہ زیارت کرد ذکر میر عبدالواحد قدس سرہ درمیان آمد شیخ مناقب وماثر میر تادیر بیان کرد فرمود شبے در	سلوک و عقائد میں آپ کی مشہور تصنیف کتاب سنابل ہے۔ حاجی حرمین سید غلام علی آزاد، اللہ انہیں سلامت رکھے، ماثر الکلام میں لکھتے ہیں جس وقت ۱۱۳۵ھ میں رمضان المبارک میں مؤلف اوراق نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں شاہ کلیم اللہ چشتی قدس سرہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر آپ کی زیارت کی، میر عبدالواحد کا ذکر درمیان کلام میں آگیا۔ حضرت شیخ نے کافی دیر تک میر صاحب کے فضائل و مناقب

[1] کاشف الاستار ماثر الکرام از میر علی آزاد بلگرامی (لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۵

مدینہ منورہ پہلو بر ستر خواب گزاشتم در واقعہ می بینم کہ من وسید صبغۃ اللہ بروجی معادر مجلس اقدس رسالت پناہ صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم باریاب شدیم جمعے از صحابہ کرام واولیائے امت حاضر اند دریںنا شخصے ست کہ حضرت باولت بہ تبسم شریں کردہ حرفہا میزند والتفات تمام دارند چوں مجلس آخر شد از سید صبغۃ اللہ استفسار کردم کہ ایں سید شخص کیست کہ حضرت، با اوالتفاف بایں مرتبہ دارند گفت میر عبدالواحد بلگرام، وباعث مزید احترام اوایںست کہ سنابل تصنیف او درجناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبول افتادہ انتہی کلامہ انتہی مقالہ الشریف بلفظہ المنیف قدس اللہ تعالٰی سرہ اللطیف[1]۔	بیان کئے اور فرمایا کہ ایک رات میں مدینہ منورہ میں اپنے بستر پر لیٹا تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں اور سید صبغت اللہ بروجی اکٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس میں حاضر ہیں، صحابہ کرام اور اولیاء امت کی ایک جماعت بھی حاضر ہے، آپ کی مجلس اقدس میں ایک شخص موجود ہے اور آپ اس کی طرف نظر کرم کرتے ہوئے مسکرارہے ہیں اور اس سے باتیں کررہے ہیں اور اس کی طرف بھرپور توجہ فرما رہے۔ جب مجلس ختم ہوئی تو میں نے سید صبغت اللہ سے پوچھا یہ شخص کون ہے جس کی طرف حضور علیہ الصلوۃ و السلام اس قدر توجہ فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ میر عبدالواحد بلگرامی ہیں اور ان کے اس قدر احترام کی وجہ یہ ہے کہ کتاب سنابل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں مقبول ہوئی ہے۔ ان کا کلام ختم ہوا۔ مقالہ شریف ان ہی کے بلند پایہ لفظوں میں ختم ہوا۔ اللہ تعالٰی ان کے سر لطیف کو مقدس بنائے۔ (ت)

حضرت میر قدس سرہ المنیر نے اس کتاب مقبول ومبارک میں مسئلہ تفضیل بکمال تفصیل وتاکید جمیل وتہدید جلیل ارشاد فرمایا لفظ مبارک سے چند حروف کی نقل سے شرف حاصل کروں اولیائے کرام محدثین وفقہاء جملہ اہل حق کے اجماعی عقائد میں بیان فرماتے ہیں:

وواجماع دارند کہ افضل از جملہ بشر بعد انبیاء	اور اس پر اجماع ہے کہ انبیاء کے بعد تمام

[1] کاشف الاستار ص ۴۱ ب اصح التواریخ از مولانا محمد میاں قادری مارہروی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ ۱۳۴۷ء ۱/ ۱۶۸، مآثر الکلام از میر غلام علی آزاد بلگرامی لاہور ۱۹۷۱ء ص ۲۹

ابو بکر صدیق ست وبعد از وے عمر فاروق ست وبعد از وے عثمان ذی النورین ست وبعد از وے علی مرتضٰے ست رضی اللہ لہ تعالٰی عنہم اجمعین [1]۔	انسانوں میں افضل ابوبکر صدیق،ان کے بعد عمر فاروق،ان کے بعد عثمان ذوالنورین،اور ان کے بعد حضرت علی المرتضی ہیں۔اللہ تعالٰی ان سب پر اضی ہو۔(ت)

پھر فرمایا:

فضل ختنین از فضل شیخین کمترست بے نقصان وقصور [2]	ختنین (عثمان غنی وعلی مرتضی) کی فضیلت شیخین (صدیق و فاروق) سے کم ہے مگراس میں کوئی نقص اور خامی نہیں (ت)

پھر فرمایا:

اجماع اصحاب وتابعین وتبع تابعین وسائر علمائے امت ہمبرین عقیدہ واقع شدہ است [3]	صحابہ کرام،تابعین،تبع تابعین اور تمام علمائے امت کا اجماع اسی عقیدہ پر واقع ہوا ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

مخدوم قاضی شہاب الدین در تیسیر الحکام بنوشت کہ ہیچ ولی بدرجہ ہیچ پیغمبر ے نرسد زیرا کہ امیر المومنین ابوبکر بحکم حدیث بعد پیغمبراں از ہمہ اولیا برترست واوبدرجہ ہیچ پیغمبرے نرسید وبعد او امیر المؤمنین عمر بن خطاب ست وبعد اوامیر المومنین عثمان بن عفان ست وبعد اوامیر المومنین علی بن ابی طالب ست رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین	مخدوم قاضی شہاب الدین نے تیسیر الحکام میں لکھا کوئی ولی کسی نبی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ حدیث کی رو سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ انبیاء کے بعد تمام اولیاء سے افضل ہیں اور وہ کسی نبی کے مقام تک نہیں پہنچے۔ابوبکر صدیق کے بعد امیر المومنین عمر بن خطاب،ان کے بعد امیر المومنین عثمان بن عفان اور ان کے بعد امیر المومنین علی بن ابی طالب کا مقام ہے اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۷

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[3] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

کسیکہ امیر المومنین علی را خلیفہ نداند او از خوارج ست وکسیکہ اورا بر امیر المومنین ابوبکر و عمر تفضیل کند او از روافض ست [1]	جو شخص امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلیفہ نہ مانے وہ خارجیوں سے ہے اور جو آپ کو ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے افضل جانے وہ رافضیوں میں سے ہے۔(ت)

پھر فرمایا:

ازینجا باید دانست کہ در جہاں نہ ہمچو مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پیرے پیدا شد ونہ ہمچو ابوبکر مریدے ہوید اگشت، اے عزیز! اگرچہ کمالیت فضائل شیخین بر ختنین مفرط وفائق اعتقاد باید کرد امانہ بر وجہی کہ در کمالیت فضائل ختنین قصورے و نقصانے بخاطر تو رسد بلکہ فضائل ایشاں وفضائل جملہ اصحاب از عقول بشریہ افکار انسانیہ بسے بالاتر ست [2]	یہاں سے جاننا چاہیے کہ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا پیر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ جیسا مرید کائنات میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔اے عزیز! اگر شیخین کی فضیلت کاملہ ختنین پر بہت زیادہ سمجھنی چاہیے مگر اس طور پر نہیں کہ تیرے دل میں ختنین کی فضیلت کاملہ کے قاصر وناقص ہونے کا خیال گزرے، بلکہ ان کے اور تمام صحابہ کے فضائل عقول بشریہ اور افکار انسانیہ سے بہت بلند ہیں۔

پھر فرمایا:

پس چوں اجماع صحابہ کہ انبیاء صفت اند بر تفضیل شیخین واقع شد و مرتضی نیز دریں اجماع متفق وشریک بود مفضلہ در اعتقاد خود غلط کردہ است اسے خان ومان مافدائے نام مرتضے باد کدام بدبخت ازل کہ محبت مرتضے در دلش نباشد وکدام راندہ درگاہ مولے کہ اہانت اور واداردہ مفضلہ گمان	جب انبیاء جیسی صفات کے حامل صحابہ کرام کا اجماع واقع ہو گیا کہ شیخین کریمین افضل ہیں۔اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس اجماع میں شامل اور متفق تھے۔ تو فرقہ تفضیلیہ نے خود اپنے اعتقاد میں غلطی کھائی ہے۔میرا گھر بار حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پر فدا اور میرا جان ودل آپ کے قدموں پر قربان ہوں کون ازلی بدبخت ہے جس کے دل میں محبت مرتضے

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

[2] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۰

بردہ است کہ نتیجہ محبت مامرتضے تفضیل اوست بر شیخین، ونمیدانند کہ ثمرہ محبت موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضے موافقت ست با او نہ مخالفت کہ چوں مرتضے فضل شیخین وذی النورین را بر خود روا داشت واقتداء بایشاں کرد و حکماے عہد خلافت ایشاں را امتثال فرمود شرط محبت با اوآں باشد کہ در راہ وروش با موافق باشد نہ مخالف[1]	نہیں ہے اور کون ہے بارگاہ خداوندی کا دھتکارا ہوا جو توہین مرتضی کو روا رکھتا ہے۔مفضلہ (فرقہ تفضیلیہ) نے گمان کیا ہے کہ محبت مرتضی کا تقاضا آپ کو شیخین پر فضیلت دینا ہے اور وہ نہیں جانتے کہ آپ کی محبت کا ثمرہ آپ کے ساتھ موافقت ہے نہ کہ مخالفت۔جب حضرت مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے شیخین اور ذوالنورین کو اپنے آپ سے افضل قرار دیا،ان کی اقتداء کی اور ان کے عہد خلافت کے احکام کو تسلیم کیا تو ان کی محبت کی شرط یہ ہے کہ ان کی راہ روش کے ساتھ موافقت کی جائے نہ کہ مخالفت۔(ت)

حضرت میر قدس سرہ ال منیر نے یہ بحث پانچ ورق سے زائد میں افادہ فرمائی ہے **من طلب الزیادۃ فلیرجع الیہ** (جو زیادہ تفصیل چاہتا ہے وہ اس کی طرف رجوع کرے،ت) یہ عقیدہ ہے اہل سنت وجماعت اور ہم غلامان دودمان زید شہید کا۔**واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

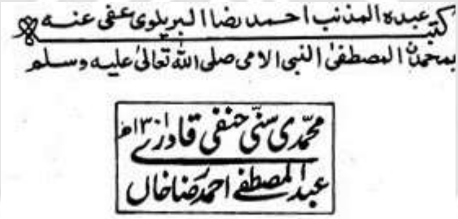

رسالہ "غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق" ختم ہوا

---

[1] سبع سنابل سنبلہ اول در عقائد ومذاہب مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۱۷

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی
(سب (متیوں) سے بڑے پرہیزگار کی سبقت کے دریا سے صاف ستھرا میٹھا پانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

قال تعالٰی "وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ" [1] احمد رضا نقی علی رضا علی طیب ذکی بان یفضل الشیخین والضجیعین الجلیلین والامیرین الوزیرین فی درجات	اللہ تعالٰی فرماتا ہے اور اللہ تعالٰی کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ پاک برتر نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وسلم) کی رضائے احمد (سب سے زیادہ سراہی ہوئی رضا مندی) پسندیدہ برتر پاک ستھرے کے لئے ہے جو شیخین گرامی مرتبت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۳۵/۵

علیة علیه فباح به وافصح وبینه واوضح، ولوح به وصرح نادیا الیه لسانه وطیبا به جنانه۔ اذ لم تکن بحمد الله من الکبر وحب الجاہ ذرة لدیه اصفه وصفا اجدبه رشفا من بحر نعت مصطفی کانت له الجائل وزانت به الفضائل وازدانت له الفواضل فیه کان بدؤها والیه کان فیئها فلا تنتمی الا الیه ولا تنتهی الا الیه انعته بمحامد تکون لی مصاعد الی ذروة حمد واحد له الحمد کله دقه وجله وکثرہ وقله واوله واخرہ باطنه وظاهرہ یرفع من یشاء ویضع اذ میزان الفضل بیدیه قولی هذا اقول و فی مید ان الحمد اجول۔ بسم الله الرحمن الرحیم۔ قال تعالٰی "لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ۫"[1] والحمد لله	علیہ وسلم کے پہلو میں لیٹنے والے دونوں امیروں اور وزیروں کی درجات بلند وبالا میں فضیلت مانتا ہے تو اس کو خوب واضح اور ظاہر کیا ہے اور اس کو مبین اور روشن کیا ہے اور اس کی تلویح وتصریح کی اس طرح کہ اس کی زبان اس عقیدہ کی طرف بلاتی اور اس کا دل اس پر خوش ہے۔ اس لئے کہ بحمد اللہ تکبر و محبت جاہ سے کوئی ذرہ اس کے پاس نہیں، میں اس کی ایسی تعریف کروں جس سے اس مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر نعت کے قطرے لوں جس کے لئے بزرگیاں ہیں اور فضیلتیں اس سے مزین ہیں اور عظیم نعمتیں اس کی مطیع، تو اسی سے ان کا آغاز اور انتہی کی طرف ان کی رجوع تو اسی کی طرف منسوب ہوں اور اسی کی طرف منتہی ہوں میں اوصاف حمیدہ سے اس کی تعریف بیان کرتا ہوں جو حمد یکتا کی بلندی تک پہنچنے کے لئے میرا زینہ بنیں۔ سب تعریفیں اسی کو سزاوار تھوڑی اور بہت اول وآخر ظاہر وباطن جس کو چاہے بلند فرمائے اور جس کو چاہے پست کرے اور لئے کہ فضل کی ترازو اس کے دست قدرت میں ہے، میں اپنی یہ بات کہہ کر میدان حمد میں جولان کروں بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ اللہ ہی کے لئے حمد ہے دنیا وآخرت میں۔ سب تعریفین اللہ

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۰

رب العلمین حمد امنیعا علی ان فضل نبینا علی العلمین جمیعا واقامه یوم القیٰمة للمذنبین شفیعا، وحبا کل من راٰه ولو لحظة من بعید فضلا وسیعا، ووعد من وقع فی واحد من الصحابة حمیما وضریعا، واختار منهم الاربعة الکرام عناصر الاسلام و ائمة الانام اختیارًا بدیعًا، وبنی ترتیب الخلافة علی ترتیب الفضیلة وغلط من عکس غلط شنیعا، فصلی الله وسلم وبارك وترحم علی حبیب القلوب وطبیب الذنوب واله الاطهار وصحبه الاخیار انه کان بصیرا سیمعا، صلوة اعظام یتلوها سلام وسلام اکرام تعقبه صلوة وتشیع کلا برکة وزکوة الی الابد تشییعا، واشهد ان لا اله سیده ومولاه ما اعظمه واعلاه اکبره واجله وحده لا شریك له الهًا رفیعًا، وان محمدا عبده ورسوله ورحمته ورفده، اجمله واکمله، وبدین الحق ارسله لیمحو

کے لئے جو پرورد گار ہے سب جہانوں کا اللہ کے لئے حمد بلند ہے اس پر کہ اس نے ہمارے نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو سب جہانوں پر فضیلت دی، اور انہیں قیامت کے دن گنہگاروں کا شفیع مقرر کیا، اور ہر مسلمان کو جس نے انہیں ایک لحظہ دور سے بھی دیکھا وسیع فضل دیا اور ان کے صحابیوں کے بد گویوں کو جہنم کے گرم پانی اور آگ کے کانٹوں کی غذا کی وعید سنائی اور ان صحابہ سے چار بزرگوں کہ اسلام کے عناصر اور مخلوق کے امام ہیں بے مثال انتخاب کیا اور خلافت کی ترتیب فضیلت کی ترتیب پر رکھی اور جس نے ترتیب الٹی اس نے بری غلطی کی، تو اللہ صلوۃ وسلام بھیجے اور رحمت وبرکت اتارے دلوں کے پیارے اور گناہوں کے چارہ ساز اور ان کی آل پاک اور نیک صحابہ پر، بیشک وہی سننے والا جاننے والا ہے عظمت کا درود جس کے پیچھے سلام چلے اور تکریم کا سلام جس کے پیچھے درود آئے، اور دونوں کو برکت وافزائش ہمیشہ کے لئے قوت دے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک ان کا خدا ان کا آقا و مولیٰ کس قدر بلند وبرتر اور بالا واعلی ہے، یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، عظمت الا معبود ہے، اور بے شک محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے خاص بندے اور اللہ کے رسول ہیں اور اس کی رحمت اور اس کی عطا ہیں۔ اللہ نے انہیں سچے دین کے

کل علة ویعلو الدین کله علوا سریعا۔

وبعد فهذا ان شاء الله منحة عالیة وسلعة غالیة و رحمه ربانیة لانزغة شیطانیة، واوراق ان رأیت قلیلة وان وعیت جلیلة، اذا قرات هانت، واذا فهمت لانت، وان انصفت زانت، وان تعسفت بانت، "فِیۡ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ ﴿۲۲﴾ قُطُوۡفُہَا دَانِیَۃٌ ﴿۲۳﴾"[1] "فِیۡہَا سُرُرٌ مَّرۡفُوۡعَۃٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَکۡوَابٌ مَّوۡضُوۡعَۃٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَۃٌ ﴿۱۵﴾ وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَۃٌ ﴿۱۶﴾"[2]۔ قبولها القبول من قبل الفحول، وزینتها الرد من اهل الحسد فیها من کل الثمرات، وجنا الجنات، عنب التحقیق ورطب التدقیق، وجوز الحقائق ولوز الدقائق تؤتی الفریقین اکلها مرتین مرة عسلا لارباب السنن، واخری ثما لا عـــه لا صحب الفتن فیها عیون حکمة تسمی سلسبیلا، فان شئت ریا فقم سل سبیلا، ماء ها صاف وشاف وکاف

ساتھ بیجا تاکہ وہ ہر خرابی مٹائیں اور سب دینوں پر جلد غالب آئیں۔

بعد حمد وصلوۃ ان شاء اللہ پر گراں قدر عطا اور بیش بہا متاع اور ربان رحمت ہے نہ کہ شیطانی وسوسہ، اور یہ اوراق دیکھو تو تھوڑے ہیں اور انہیں یاد کرلو تو گرانقدر ہیں اور پڑھو تو آسان اور سمجھو تو سہل، اور انصاف کرو تو سنوارین اور تعصب بر تو توجدار ہیں، اور یہ جنات عالیہ ہیں جن کے خوشے جھکے ہوئے ہیں، ان میں اونچے تخت ہیں اور چنے ہوئے کوزے اور قالین بچھے ہوئے اور چاندنیاں ہیں پھیلی ہوئی،

اس کی ضیا فضلا کو مقبول ومنظور اور اس کی زینت یہ ہے کہ اہل حسد اسے قبول نہ کریں۔ اس میں سب باغوں کے ہر قسم کے پھل ہیں۔ تحقیق کے انگور اور تدقیق کی تروتازہ کھجور اور حقائق کے ناریل اور دقائق کے بادام، یہ اپنے پھل دو بار دیتی ہے ایک بار سنیوں کے لئے ایسا پھل جو شہد کی طرح میٹھا ہو، اور دوسری بار گمراہوں کے لئے ایسا پھل جو ان کے لئے مہلک زہر ہو۔ اس میں حکمت کے چشمے ہیں جن کا سلسبیل نام ____ اگر تو سیرابی چاہتا ہے تو اٹھ راستہ تلاش کر، اس کا پانی صاف اور شافی اور کافی ہے پینے والے

عـــه: بضم الثاء السم المنقح کذا فی المعجم الوسیط۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۹ /۲۲و۲۳

[2] القرآن الکریم ۸۸ /۱۳تا۱۶

هُلَاهِلُ [عہ۱] مرو لمن يستقيه وهلهل [عہ۲] مرو لمن يتقيه۔

فيالها من جنة فی ظلها جنة للانس والجنة من شمس الافتتان وحريق المراء "اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِي السَّمَآءِ ۙ﴿۲۴﴾" السماء [1] تولی سقی اشجارها وفتق ازهارها واجتناء ثمارها عبده الكل عليه والمتفاق فی كل امر اليه عبد المصطفی الشهير باحمد رضا المحمدی دينا والسنی يقينا والحنفی مذهبا والقادری منتسبا والبركاتی مشربا والبريلوی مسكنا والمدنی البقيعی ان شاء الله مدفنا، فالعدنی الفردوسی برحمة الله موطنا، كان الله له وحقق امله واصلح عمله و جعل اخراه خيرا من اولاه ابن الامام الهمام، والفاضل الطمطام و البحر الطام والبدر التام، حامی السنن وماحی الفتن، ذی تصانيف رايقة وتواليف

کے لئے بہت کثیر اور ستھرا جس سے وہ سیراب ہوجاءیں اور جو اس سے بچے اس کیلئے زہر قاتل ہے کہ اس کو ہلاک کردے، تو یہ کیسی جنت ہے جس کے سایہ میں انسانوں اور جنوں کیلئے گمراہی کی دھوپ اور آتش جدل (ہٹ دھرمی سے امان ہے، اس کی جڑ جمی ہوئی اور اس کی شاخیں آسمان میں اس کے درختوں کی آبیاری اور اس کے پھول کھلانے اور پھل چننے کا کام اللہ کے محتاج بندے سرانجام دیتے ہیں اور ہر کام میں اس کے فقیر بندے عبدالمصطفیٰ عرف احمد رضا، جو دین کے اعتبار سے محمدی ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے سنی اور مذہبا حنفی ہے اور قادری انتساب ہے اور ارادۃ برکاتی او رمسکنا بریلوی اور مدفن کے لحاظ سے ان شاء اللہ مدینہ والا بقیع پاک والا اور اللہ کی رحمت سے مقام ابدی کے لحاظ سے بہشتی فردوسی نے خود انجام دیا۔ اللہ اس کا ہو اور اس کی امید برلائے اور اس کے عمل نیک کرے اور اس کی عاقبت اس کی دنیا سے بہتر فرمائے (احمد رضا) ابن امام ہمام فاضل عظیم، دریائے موجزن وماہ تمام، حامی سنت، ماحی بدعت، صاحب تصانیف پسندیدہ وتوالیف

عہ۱: بضم الهاء الماء الكثير الصافی المعجم الاوسيط۔

عہ۲: الهلهل، السم القتال، المعجم الوسيط۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۴

فایقة شریفة منیفة لطیفة نظیفة بقیة السلف، حجة الخلف، ناصح الامة، کاشف الغمة، حامی حمی الرسالة عن کید اهل الضلالة، ومما قلت فی بابه معتذرا الی جنابه۔

فواللّٰه لم یبلغ ثنائی کماله
ولکن عجزی خیر مدحی لماله
فذالبحر لولا ان للبحر ساحلا
وذالبدر لولا للبدر یخشی ماله،

سیدی و مولائی وسندی ماوای العالم العلم علامة العالم مولانا المولوی محمد نقی علی خان القادری البرکاتی الاحمدی الرسولی رضی اللّٰه تعالٰی عنه وارضاه بالنضرة والسرور لقاه ابن العارف العریف، السید الغطر یف شمس التقی، بدر النقی، نجم الهدی، علامة الوری ذی البرکات المتکاثره والکرامات المتواتره، والترقیات الرفیعة والتنزلات البدیعة، و قلت فی شانه راجیا لاحسانه۔

اذا لم یکن فضل فما النفع بالنسب
وهل یصطفی خبث وان کان من ذهب
والکننی ارجو الرضا منك یارضا
وانت علی فازولی والی الرتب

فاضلہ وبلند رتبہ ولطیفہ صافیہ، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، ناصح امت، دافع کربت، نگہبانی حدود رسالت از مکر اہل ضلالت، اور میں نے ان کے باب میں ان کی جناب میں معذرت کے طور پر عرض کیا ہے۔ ؎

اس کے کمال تک نہ پہنچا مرا بیاں
پر بہترین مدحت ہے عجز کی زباں
ساحل اگر نہ ہو تو وہ بحر بیکراں
کھٹکا نہ ہو غروب کا تو بدر ہر ماں

سیدی و مولائی وسندی، ملجائی کوہ علم، علامہ عالم، مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی احمدی رسولی، اللہ ان سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور انہیں تازگی وفرحت دے۔ ابن عارف مدبر سید وسردار کریم شمس تقوی ماہ تمام تقدس نجم ہدایت علامہ خلقت صاحب برکات کثیر وکرامات مستمرہ ودرجات عالیہ ومنازل بدیعہ میں نے ان کی شان میں ان کے انعام کا امید وار ہو کر کہا ؎

معدوم ہو کرم و کس کام کا نسب
زر کا بھی میل ہو تو مقبول ہو وہ کب
لیکن امید وار رضا تجھ سے ہوں رضا
اور تو علی ہے مجھ کو دے عالی قدر رتب

حصنی وحرزی وذخری وکنزی ذی القدر السنی والفخر السمی مولانا المولوی محمد رضا علی خان النقشبندی قدس الله سرہ و افاض علینا برہ امین یارب العلمین، حملنی علی تصنیفها واحسان تالیفها باحصان ترصیفها ما رایت ان قد زاغت اقدام وزلت اقوام وضلت افهام عما رفعت له الرایات الی رفع الغایات، واشمغ النهایات من توافر الایات و تظافر الاخبار وتواتر الاثار من العترة الاطهار والصحابة الکبار والاولیاء الاخیار والعلماء لا برار من تفضیل الشیخین علی ابن الحسنین رضی الله تعالٰی عنهم، و جعلنا لهم ومنهم حتی بلغنی ان بعض من قادة الخمین والظن غیر امین الی اقتداء العمین فی ازدراء الثمین واجتبا المهین تعلق بشکوك سخیفة لا لطیفة والا نظیفة وانما هی کطعام "مِنْ ضَرِیْعٍ ﴿٦﴾ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ﴿٧﴾ "[1] فیما توافق علیه سادة النقی و قادة التقی	میرے حرزِ جان اور میری امان اور میرے کنز وذخیرہ صاحب قدر علی وفخر گرامی مولانا مولوی محمد رضا علی خاں نقشبندی اللہ ان کا باطن منزہ فرمائے اور ہم پر ان کا فیض جاری فرمائے، آمین یارب العلمین ! مجھے اس کتاب کی تصنیف اور اس کی تالیف خوب اور اس کی ترتیب کو محکم کرنے پر اس امر نے اکسایا جو میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ منحرف ہوئے اور کچھ قدم پھسلے اور کچھ ذہن اس سے گمراہ ہوئے جس کے لئے نہایت بلندی تک علم بلند کئے گئے آیات، اخبار اور آثار کی کثرت سے اور اس پر صحابہ کبار، اہل بیت اطہار، پیشوایان اخیار او ر علماء ابرار کا اجماع ہوچکا یعنی شیخین ابوبکر وعمر کی فضیلت البوالحسنین علی پر اللہ ہمیں ان کے لئے کرے اور انہیں میں ہمیں رکھے یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ جن لوگوں کو ظن نے کھینچا اور ظن امین نہیں اندھوں کی اقتداء اور قیمتی چیز عـہ۱ کی تحقیر اور ذلیل عـہ۲ چیز کے انتخاب کی طرف وہی شبہات کہ نہ لطیف ہیں نہ نظیف ستھرے، بلکہ آگ کے کانٹوں کی غذا کی طرح ہے کہ "نہ فربہ کریں نہ بھوک سے بے نیاز کریں" کا سہارا اس میں لیتا ہے جس پر سرداران تقدس و تقوی کا اتفاق ہے یعنی

عـہ۱: یعنی عقیدہ صحیحہ موافق اہلسنت وجماعت

عـہ۲: یعنی گمراہی

[1] القرآن الکریم ۸۸/۶و۷

من الاجتجاج بکریمۃ "وَسَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ﴿ۙ۱۷﴾ "[1] وقام بعرضھا کلھا اوبعضھا احد المتدخلین فی عداد الا ذکیاء علی بعض العصریین من النبلاء، و لم اعلم الام دارت رحی التقریر، وعلی ای شق برك البعیر، فاشتد ذلك علی وعظم امرہ لدی فاستخرت اللہ تعالٰی فی عمل کتاب یبین الجواب عن کل ارتیاب و یکشف النقاب عن وجه الصواب، مع اطلاعی علی قصور باعی وقصر ذاعی، عدم الظفر من اسفار التفاسیر الا بشیئ نزل یسیر ولو لا الا ما اقاسیه من ھجوم ھموم و عموم غموم وتباعد اغراض وتوارد اعراض، وما لا محیض عنه لمسلم من ایذاء موذ و ایلام مولم کما اخبر النبی الاکرم صلی اللہ علیه وسلم بید ان الفقیر العانی عاین عین اعیان المعانی تفیض علیّ فیضا مدرارا واتثج الی ثجا کبار، افقوی ظنی ان صاحب التوفیق سیقوی الضعیف علی بایطیق فاختلست الفرصۃ	کریمہ "وَسَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ﴿ۙ۱۷﴾ " سے فضیلت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ پر حجت قائم کرنا اور ان شبہات کو ایک شخص نے جو اذکیاء کے شمار میں دخیل ہونا چاہتا ہے، فضلاء میں سے ایک ہمعصر پر پیش کیا اور مجھے معلوم نہ ہوا کہ تقریر مدعی کی ہوچکی کب تک چلی اور اونٹ کس کروٹ بیٹھا تو یہ مجھے دشوار گزار اور اس کا معاملہ میرے نزدیک بڑا ہوگیا تو میں نے اللہ سے استخارہ کیا ایک کتاب کی تصنیف میں جو ہر شبہ کا روشن جواب دے اور صواب کے چہرے سے نقاب اٹھادے باوجود یہ کہ میں اپنے قصور طاقت اور بساط کی قلّت اور کتب تفاسیر سے بہت تھوڑا میسر ہونے سے واقف ہوں اور اگر سوائے اندوہ و غم کے ہجوم اور اغراض کی دوری اور امراض کے وورد پیہم کے اور موذی کی ایذا جس سے کسی مسلم کو چھٹکارا نہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی، کچھ نہ ہو تو اس کام سے یہی مانع ہوتا مگر اس فقیر ذلیل نے دیکھا کہ معانی نفیسہ کا چشمہ اس کے قلب پر سراٹے سے ابل رہا ہے اور وہ بڑی مقدار میں اس کی طرف بہہ کر آرہے ہیں تو میرا گمان غالب ہوا کہ مالک توفیق (خدا) اس ضعیف کو اس کی قوت دے گا جس کی اسے قدرت نہیں

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

خمسة ایام من آخر الشهر المبارك ذی الحجة الحرام ،حتی جاءت بحمد الله کما تری تروق الناظر وتجلو البصائر کاشفة عن وجوه غوانی من حسان معانی لم تقرع الاذان ،ونفائس تحقیق وعرائس تدقیق لم یطمثهن قبلی انس ولاجان فان صدق ظنی فکل مافیه غیر ماانمیه مما سمع به فکری الفاتر ،وادی الیه نظری القاصر والانسان کما تعلم مساوق الخطاء والنسیان،فما کان صوابا فمن الله الرحمان،وانا ارجو الله سبحنه فیه،وماکان خطافمنی ومن الشیطان وانا ابری الی الله عن مساویه،ویابی الله العصمة فی کل معنی وکلمة الا لکتابه الاعظم و کلام رسوله الاکرم صلی الله تعالٰی علیه وسلم ،ولما کان فض ختامها وطلوع بدر تمامها للیلة بقیت من المائة الثالثة عشر من سنی هجرة سیدالبشر علیه من الصلوات

تو میں نے ماہ مبارک ذوالحجۃ الحرام سے آخری پانچ دن کی فرصت لی یہاں تک کہ یہ کتاب بحمد اللہ ایسی ظاہر ہوئی جیسی کہ تم دیکھتے ہو جو دیکھنے والے کو خوش کرتی ،بصیرتوں کو جلا بخشتی ہے،اور ایسے خوشتر معانی (جو کانوں سے نہ ٹکرائے) سے پردے ہٹاتی ہے جو خوبان بے نیاز آرائش کے چہرے ہیں اور تحقیق کی نفیس صورتیں اور تدقیق کی دلہنیں ہیں جنہیں مجھ سے پہلے کسی آدم نے چھوا نے کسی جن نے ،تو اگر میرا گمان سچا ہو تو سوائے اس کے جس کی میں کسی کی طرف نسبت کروں اس میں جو کچھ ہے وہ میری فکر قاصر کی دین ہے اور اس تک میری کوتاہ نظر پہنچی ہے اور انسان جیساکہ تم جانتے ہو خطاء ونسیان کے ساتھ چلتا ہے،تو جو درست ہو وہ خدائے رحمان کی طرف سے ہے،اور میں اس کے سبب اللہ سے امیدوار ثواب ہوں،اور جو خطا ہو تو وہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے اور میں اللہ کی طرف اس کی بدیوں سے براءت کرتا ہوں،اور اللہ ہر معنی اور ہر کلمہ میں عصمت(خطا سے محفوظ ہونا) اپنی کتاب معظم اور اپنے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلام کے سوا کسی کے لئے نہیں چاہتا اور جب اس رسالہ کی مہر اختتام کی شکست اور اس کے تمام کا ماہ تمام اس ایک رات میں طلوع ہوا جو سید البشر کی ہجرت کے سالوں میں سے تیرھویں صدی میں باقی تھی اور پر درودوں

انما ھا ومن التحیات ازکاھا ناسب ان اسمیھا "الزلال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" لیکون العلم علما علی العام واللہ تعالٰی ولی الانعام، وھو الخامس عشر من تصانیفی فی علوم الدین نفعنی اللہ تعالٰی بھا و سائر المسلمین وجعلھا نورا بین یدی و حجۃ لی لاعلی، انہ علی مایشاء قدیر و بالاجابۃ جدیر و حسبنا اللہ ونعم الوکیل، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	میں سب درودوں سے بڑھتا درود اور تحیات میں سب سے فزوں تحیت ہو مناسب ہے کہ اس کا نام "الزوال الانقی من بحر سبقۃ الاتقی" رکھوں تاکہ نام سال تصنیف کی نشانی ہو جائے اور اللہ تعالٰی ہی ولی نعمت ہے اور یہ میری تصانیف سے پندرہویں تصنیف ہے علوم دین میں، اللہ تعالٰی مجھے اور باقی مسلمانوں کو اس سے نفع بخشے، اور اللہ تعالٰی اسے میرے ما بعد کیلئے نور بنائے اور میرے حق میں حجت نہ میرے خلاف وہ جو چاہے کر سکتا ہے، اور قبول دعا اسی کو سزاوار ہے اور اللہ ہمیں کافی ہے اور وہ کیا ہی اچھا کارساز ہے اور بدی سے پھرنا اور نیکی کی طاقت اللہ علو و عظمت والے ہی سے ہے۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ط

قال ربنا تبارک وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾"[1] اراد اللہ سبحنہ و تعالٰی رد ما کانت علیہ الجاھلیۃ من التفاخر بالاٰباء والطعن فی الانساب وتعلی النسب علی	ہمارا رب تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا خبردار ہے" (ترجمہ رضویہ) اللہ تعالٰی کی مراد اس طور کا رد ہے جس پر اہل جاہلیت چلتے تھے کہ باپ دادا پر فخر کرتے اور دوسروں کے نسب پر طعنہ زن ہوتے

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

غیرہ من الناس حتی کا نہ عبدلہ اواذل، وکان بدء ھذہ النزعۃ اللئیمۃ من الذلیل الخسیس عدو اللہ ابلیس اذقال "اَنَاخَیْرٌمِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾"[1] فرد اللہ سبحنہ وتعالٰی علیھم بان اباکم واحد وامکم واحدۃ فانہ تعالٰی "خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ"[2] فما منکم من احد الا وھو یدلی بمثل مایدلی بہ الاخر سواء بسواء، فلا مساغ للتفاضل فی النسب و التفاخر بالام والاب، واما ما رتبنا کم علی اجیال تحتھا شعوب تحتھا قبائل فانما ذالك لتعارفوا فتصلوا ارحامکم ولا ینتمی احد الی غیر ابیہ، لالان تتفاخروا ویزدری بعضکم بعضا نعم ان اردتم التفاضل فالفضل عندنا بالتقوی فکلما زاد	اور نسب کی وجہ سے آدمی دوسرے آدمی پر ایسی تعلی کرتا گویا کہ وہ اس کا غلام بلکہ اس سے بھی زیادہ خوار ہے، اور اس ذلیل طریقہ کی ابتداء ذلیل خسیس ابلیس سے ہوئی جس نے کہا تھا کہ اے رب! میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور آدم (علی نبینا وعلیہ السلام) کو مٹی سے بنایا، تو اللہ نے ان کا یوں رد فرمایا کہ تمہارا باپ ایک ہے اور تمہاری ماں ایک ہے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کی بیوی کو بنایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلادئے تو تم میں ہر ایک اپنی اصل سے وہی اتصال رکھتا ہے جو دوسرا رکھتا ہے تو نسب میں ایک کو دوسرے پر فضیلت کی راہ نہیں اور ماں باپ سے ایک دوسرے پر فخر کی مجال نہیں رہا یہ کہ ہم نے تمہیں اصول پر مرتب کیا جن کے نیچے ان کی شاخیں ہیں اور ان کے نیچے قبیلے ہیں تو یہ محض اس لئے کہ آپس میں پہچان رکھو تو اپنے قریبی عزیزوں سے ملو اور کوئی باپ کے سوا اور کی طرف منسوب نہ ہو نہ اس لئے کہ تم نسب پر گھمنڈ کرو، اور ایک دوسرے کو حقیر جانے، ہاں اگر فضیلت چاہو تو فضیلت ہمارے یہاں تقوی (پرہیزگاری)

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۲ و ۳۸/ ۷۶

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱

الانسان تقوی زاد کرامة عند ربه تبارك وتعالى، فاکرمکم عندنا من کان اتقی لا من کان انسب۔ ان الله علیم بکرم النفوس وتقواها خبیر بهم النفوس فی هواها۔

قال البغوی قال ابن عباس نزلت فی ثابت بن قیس وقوله للرجل الذی لم یفسح له "ابن فلانة یعیره بامه قال النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم من الذاکر فلانه"؟ فقال ثابت انا یا رسول الله، فقال انظر فی وجوه القوم، فنظر، فقال ما رایت یا ثابت؟ قال رایت احمر وابیض واسود، قال فانك لاتفضله الا فی الدین والتقوی "فنزلت فی ثابت هذه الایة و فی الذی لم یتفسح له "یایها الذین امنو اذا قیل لکم تفسحوا فی المجالس فافسحوا" وقال مقاتل لما کان یوم فتح مکة

سے ہے تو جب انسان پرہیز گاری میں بڑھے اپنے رب کے یہاں عزت میں بڑھے۔ تو ہمارے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے نہ کہ وہ جو بڑے نسب والا ہے بے شک اللہ تعالٰی نفوس کی عزت اور ان کی پرہیز گاری کو جانتا ہے اور نفوس کی اپنی خواہش میں کوشش سے خبردار ہے۔

امام بغوی نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) نے فرمایا یہ آیت حضرت ثابت بن قیس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کے بارے میں اور ان کے اس شخص سے جس نے ان کے لئے مجلس میں جگہ کشادہ نہ کی فلانی کا بیٹا کہنے کے باب میں اتری تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، کون ہے جس نے فلانی کو یاد کیا؟ حضرت ثابت نے عرض کیا وہ میں ہوں یا رسول اللہ! تو حضور (علیہ الصلوۃ والسلام) نے فرمایا: لوگوں کے چہروں میں بغور دیکھو۔ تو انہوں نے دیکھا۔ پھر فرمایا: اے ثابت! تم نے کیا دیکھا؟ عرض کی: میں نے لال، سفید اور کالے چہرے دیکھے۔ سرکار (علیہ السلام والتحیۃ المدرار) نے فرمایا: تو بے شک تمہیں ان پر فضیلت نہیں مگر دین اور تقوی میں۔ تو حضرت ثابت کے لئے یہ آیت اتری اور جنہوں نے مجلس میں کشادگی نہ کی تھی ان کے حق میں ارشاد نازل ہوا: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے مجلسوں میں جگہ دو تو جگہ دو۔ اور مقاتل کا قول ہے کہ جس دن مکہ فتح ہوا رسول اللہ

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلا لا حتی علا علی ظھر الکعبۃ واذن، فقال عتاب بن اسید بن ابی العیص: الحمد للہ الذی قبض ابی حتی لم یر ھذا الیوم۔ وقال الحارث بن ھشام اما وجد محمد غیر ھذا الغراب الاسود موذنا۔ وقال سھل بن عمرو ان یرد اللہ شیئا یغیرہ۔ وقال ابو سفیان انی لا اقول شیئا اخاف ان یخبر بہ رب السماء فاتی جبریل فاخبر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بما قالو فدعاھم وسالھم عما قالوا فاقروا فانزل اللہ تعالٰی ھذہ الایۃ وزجرھم عن التفاخر بالانساب والتکاثر بالاموال والازراء بالفقراء[1] قال العلامۃ النسفی فی المدارک تبعا للزمخشری فی الکشاف عن یزید بن شجرۃ مر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی سوق المدینۃ فرای غلاما اسود یقول من اشترانی فعلی شرط ان لا یمنعی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا (کہ اذان دیں) تو وہ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور انہوں نے اذان کہی، تو عتاب بن اسید بن ابی العیص نے کہا: اللہ کے لئے حمد ہے جس نے میرے باپ کو اٹھالیا اور انہوں نے یہ دن نہ دیکھا۔ اور حارث بن ہشام نے کہا: کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اذان دینے والا نہ ملا۔ اور سہل بن عمرو نے کہا: اللہ کو اگر کوئی چیز ناپسند ہوگی وہ اسے بدل دے گا۔ اور ابوسفیان بولے: میں کچھ نہیں کہتا مجھے خوف ہے کہ آسمان کا رب انہیں خبر دار کر دے گا۔ تو جبریل (علی بنینا وعلیہ السلام) نازل ہوئے پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان لوگوں کی باتیں بتادیں تو حضور (علیہ الصلوہ والسلام) نے ان سے ان کے اقوال کی بابت پوچھا تو انہوں نے اقرار کیا، تو اللہ نے یہ آیت اتاری اور انہیں نسب پر فخر اور اموال پر گھمنڈ اور فقراء کی تحقیر سے منع فرمایا۔

علامہ نسفی نے زمخشری کی اتباع کرتے ہوئے مدارک میں فرمایا یزید بن شجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بازار میں گزرے تو ایک سیاہ فام غلام دیکھا جو کہتا تھا مجھے جو خریدے تو اس شرط پر خریدے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الایۃ ۴۹/۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۵/۴

من الصلوات الخمس خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فاشتراہ بعضھم فمرض فعادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم، ثم توفی فحضر دفنہ فقالوا فی ذلك شیئا فنزلت [1]۔	وسلم وآلہ وسلم کے پیچھے پنجگانہ نماز سے نہ روکے گا۔ تو اسے کسی نے خرید لیا۔ پھر وہ بیمار پڑا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی عیادت کو تشریف لائے، پھر اس کی وفات ہو گئی تو سرکار اس کے دفن میں رونق افروز ہوئے تو لوگوں نے اس بارے میں کچھ کہا تو یہ آیت اتری۔
وبالجملۃ فمحصل الایۃ نفی التفاخر بالانساب وان الکرم عند اللہ تعالٰی انما ینال بالتقوی فمن لم یکن تقیا لم یکن لہ حظ من الکرامۃ وسلبہ کلیا لایصح الاعن کافر اذکل مؤمن یتقی اکبر الکبائر الکفر و الشرک، ومن کان تقیا کان کریما ومن کان اتقی کان اکرم عند اللہ تعالٰی، ولعلك تظن ان سردنا تلك الروایات فی شان النزول مما لا یغنینا فیما نحن بصددہ، ولیس کذالك بل ھو ینفعنا فی نفس الاحتجاج وتکسر بہ سورۃ بعض الاوھام ان شاء اللہ	مختصر یہ کہ آیت کریمہ کا حاصل نسب پر فخر کی نفی ہے اور یہ کہ اللہ کے یہاں عزت تقوی ہی سے ملتی ہے، تو جو متقی نہیں اس کے لئے عزت سے کچھ حصہ نہیں اور تقوی کا سلب کلی طور پر کافر کے سوا کسی سے نہیں، اس لئے کہ ہر مومن اکبر الکبائر کفر و شرک سے بچتا ہے اور جو متقی ہوگا وہ باعزت ہوگا اور جو زیادہ تقوی والا ہوگا وہ زیادہ عزت دار اپنے رب کے یہاں ہوگا۔ اور شاید تمہیں گمان ہو کہ ہمارا ان روایتوں کو ذکر کرنا اس مدعی میں جس کے ثابت کرنے کے ہم درپے ہیں ہمیں نفع بخش نہیں حالانکہ بات یوں نہیں بلکہ وہ ہمیں نفس استدلال میں فائدہ دے گا اور ہم اس سے کچھ وہمیوں کا زور توڑینگے ان شاء اللہ

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] مدارك التنزیل تفسیر النسفی تحت الایۃ ۴۹ /۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۳

تعالٰی، کما ستطلع علیہ، فانتظر، ھذہ مقدمة۔	تعالٰی، جیسا کہ تم عنقریب اس پر مطلع ہوگے، تو انتظار کرو، یہ ایک مقدمہ ہے۔
والمقدمة الاخری	**اور دوسرا مقدمہ یہ ہے**
قال اللہ سبحنہ وتعالٰی: وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ "[1] اجمع المفسرون من اھل السنة والجماعة علی ان لایة نزلت فی الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ وانہ ھو المراد بالاتقی۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بہت اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو اور کسی کا اس پر کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا اہل سنت وجماعت کے مفسرین کا اجماع ہے اس پر کہ یہ آیت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اتری اور الاتقی سے وہی مراد ہے۔
اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی ان ابا بکر اعتق سبعة کلھم یعذب فی اللہ فانزل اللہ تعالٰی قولہ "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ "الی اخر السورة[2]، قال البغوی قال ابن الزبیر وکان	ابن ابی حاتم وطبرانی نے حدیث روایت کی کہ ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ان سات کو آزاد کیا جو سب کے سب اللہ کی راہ میں ستائے جاتے تھے تو اللہ نے اپنا فرمان ("وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ "تا آخر سورة) نازل فرمایا۔ بغوی نے فرمایا کہ ابن الزبیر کا قول ہے کہ ابو بکر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱

[2] الصواعق المحرقة بحوالہ ابن حاتم والطبرانی الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۹۸، الدر المنثور بحوالہ ابن حاتم والطبرانی تحت الایة ۹۲/ ۱۷ تا ۲۱ دار احیاء التراث العربی ۸/ ۴۹۳، الحاوی للفتاوی الفتاوی القرآنیة سورة اللیل الفصل الاول دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۲۷

ابو بکر یبتاع الضعفة فیعتقهم .فقال ابوه:ای بنی لوکنت نبتاع من یمنع ظهرك ؟ قال منع ظهری ارید،فنزل"وسیجنبها الاتقی"الی اخر السورة،وذکر محمد بن اسحق قال کان بلال لبعض بنی جمح وهو بلال بن رباح واسم امه حمامة وکان صادق الاسلام وطاهر القلب وکان امیة بن خلف یخرجه اذا حمیت الظهیرة فیطرحه علی ظهره ببطحاء مکة،ثم یامر بالصخرة العظیمة فتوضع علی صدره،ثم یقول له لا تزال هکذا حتی تموت او تکفر بمحمد(صلی الله تعالٰی علیه وسلم)ویقول وهو فی ذلك البلاء احد احد،و قال محمد بن اسحاق عن هشام بن عروة عن ابیه قال مربه ابوبکر یوما وهو یضنعون به ذلك و کانت دار ابی بکرفی بنی جمح فقال لامیة لاتتقی فی هذا المسکین؟قال:انت افسدته فانقذه مما	رضی اللہ تعالٰی عنہ کمزوروں کو خریدتے پھر انہیں آزاد کر دیتے۔تو ان سے ان کے والدین نے کہا:اے بیٹے ! ایسے غلاموں کو خریدتے ہوتے جو تمہاری حفاظت کرتے۔ابوبکر نے فرمایا میں اپنی حفاظت ہی چاہتا ہوں۔تو یہ آیت تاآخر سورت نازل ہوئی۔اور محمد بن اسحٰق نے ذکر کیا بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قبیلہ بنی جمح کے غلام تھے اور ان کا نام بلال بن رباح ہے اور ان کی ماں کا نام حمامہ ہےاور بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اسلام میں سچے تھے اور پاک دل تھے،اور امیہ بن خلف انہیں باہر لاتا جب گرم دوپہر ہوتی توانہیں پیٹھ کے بل مکہ کے ریتلے میدان میں ڈال دیتا پھر بڑی چٹان لانے کا حکم دیتاتو ان کے سینہ پر رکھدی جاتی پھر کہتا،تم ایسے ہی پڑے رہوگے یہاں تک کہ مرجاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کافرہو۔اور حضرت بلال احد احد فرماتے حالانکہ وہ اس بلامیں ہوتے۔اور محمد بن اسحٰق نے ہشام بن عروہ سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی انہوں نے فرمایا ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گزر ایک دن بلال (رضی اللہ عنہ) کے پاس سے ہوااور وہ لوگ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یہی برتاؤ کررہے تھے اور ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا گھر بنو جمح میں تھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تو(امیہ بن خلف)اس بیچارے کے معاملہ میں

تری، قال ابوبکر افعل عندی غلام اسود واجلد منه واقوی علی دینك اعطیکه؟ قال قدفعلت فاعطاہ ابو بکر غلامه واخذہ فاعتقه، ثم اعتق معه علی الاسلام قبل ان یهاجر ست رقاب بلال سابعهم، عامر بن فهیرة (رضی الله تعالٰی عنه) شهد بدرا و اُحُدا وقتل یوم بئر معونة شهیدا، وام عمیس و زهرة فاصیب بصرها و اعتقها فقال قریش ما اذهب بصرها الا اللات والعزی فقالت: کذبوا وبیت الله ماتضر اللات و العزی وما تنفعان، فرد الله تعالٰی الیها بصرها و اعتق النهدیة وابنتها وکانتا لامراۃ من بنی عبد الدار فمر بهما وقد بعثتهما سیدتهما تطحنان لها وهی تقول والله لا اعتقکما ابدا

اللہ سے نہیں ڈرتا، تو امیہ نے کہا آپ نے اسے بگاڑا ہے تو آپ اس گت سے اسے بچالیں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں بچائے لیتا ہوں میرے پاس ایک غلام ہے سیاہ فام جو بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے زیادہ اور طاقتور ہے اور تیرے دین پر ہے وہ تجھے دے دوں۔ امیہ بولا: مجھے منظور ہے تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو لے لیا تو انہیں آزاد کر دیا پھر ان کے ساتھ اسلام کی شرط پر ہجرت سے پہلے چھ غلامون کو آزاد کیا، انکے ساتویں بلال ہیں، عامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جو جنگ بد واحد میں شریک ہوئے اور بئر معونہ کی جنگ میں قتل ہو کر شہید ہوئے، اور ام عمیس وزھرہ کی آنکھ جاتی رہی، جب انہیں ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے آزاد فرمایا، تو قریش بولے کہ انہیں لات وعزی نے اندھا کیا ہے، تو آپ بولیں: قریش، کعبہ کی قسم جھوٹے ہیں لات وعزی نہ ضرر دے سکیں نہ فائدہ پہنچا سکیں۔ تو اللہ نے انہیں ان کی بینائی پھیر دی۔ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی کو آزاد کیا اور یہ دونوں بنی عبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں، تو صدیق اکبر (رضی ال لہ تعالٰی عنہ) ان کے پاس سے گزرے اور ان کی آقا عورت نے انہیں بھیجا تھا کہ اس کا آٹا پیسیں اور وہ عورت کہتی تھی کہ خدا کی قسم! تمہیں کبھی آزاد نہ کروں گی۔

تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: اے ام فلان! ہر گز نہیں۔ وہ بولی: ہر گز نہیں، آپ نے ان دونوں کو بگاڑا ہے تو آپ آزاد کریں۔ صدیق نے فرمایا: تو کتنے دام پر بیچتی ہے؟ وہ بولی: اتنے اور رائے دام پر۔ ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا: میں انے ان دونوں کو لیا اور یہ دونوں آزاد ہیں، اور آپ کا گزر بنو مؤمل کی ایک لونڈی کے پاس سے ہوا جب اس پر ظلم ہو رہا تھا تو اسے خرید کر اسے آزاد کر دیا،	فقال ابوبکر کلا یا ام فلان، فقالت کلا انت افسدتهما فاعتقهما، قال فبکم؟ بکذا وکذا قال قد اخذتهما وهما حرتان، ومر بجاریة بنی المؤمل وهی تعذب فابتاعها فاعتقها۔
اور سعید بن المسیب (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی کہ امیہ بن خلف نے ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے بلال کے معاملہ میں اس وقت جب انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا بلال کو فروخت کرے گا؟ کہا: ہاں میں اسے نسطاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا غلام جو دس ہزار دینار اور بہت سے لونڈی اور غلام اور چوپایوں کا مالک تھا کے بدلے بیچتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے چاہا تھا کہ نسطاس اسلام لے آئے اور اس کا مال اسی کا رہے، تو وہ نہ مانا تو حضرت ابوبکر نے اس کو مبغوض جانا، پھر جب امیہ نے کہا: بلال کو میں آپ کے غلام کے بدلے دیتا ہوں۔ ابوبکر نے اس بات کو غنیمت جانا اور نسطاس کو امیہ کے ہاتھ بیچ دیا، تو مشرکین بولے، ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ایسا صرف اس لئے کیا ہے کہ بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا ان پر کوئی احسان ہے، تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت	وقال سعید بن المسیب بلغنی ان امیة بن خلف قال لابی بکر فی بلال حین قال اتبیعه؟ قال نعم ابیعه بنسطاس وکان نسطاس عبد الابی بکر صاحب عشرة الاف دینار، غلمان وجوار و مواش وکان مشرکا حمله ابوبکر علی الاسلام ان یکون ماله له، فابی فابغضه ابو بکر، فلما قال له امیة ابیعه بغلامك نسطاس، اغتنمه ابوبکر وباعه منه فقال المشرکون مافعل ذلك ابوبکر الا لید کانت لبلال عنده فانزل اللہ تعالٰی

"وَمَالِاَحَدٍعِنْدَهٗمِنْنِّعْمَةٍتُجْزٰٓى" [1]۔	اتاری "وَمَالِاَحَدٍعِنْدَهٗ" الخ یعنی اور اس پر کسی کا کچھ احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔
وذکر العلامۃ ابو السعود فی تفسیرہ قد روی عطاء و الضحاك عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وذکر قصة شراء بلال واعتقاقه قال فقال المشرکون ما اعتقه ابو بکر الالید کانت عندہ فنزلت [2] اھ ملخصا	اور علامہ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا کہ عطا اور ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا (اس روایت میں خریداری بلال اور ان کے آزاد ہونے کا قصہ ذکر کیا پھر کہا) تو مشرکین بولے: ابوبکر نے بلال کو ان کے کسی احسان ہی کی وجہ سے آزاد کیا ہے تو یہ آیت (مندرجہ بالا) اتری اھ ملحصًا۔
و فی الازالة عن عروة ان ابابکر الصدیق اعتق سبعة کلهم یعذب فی اللہ بلالا وعامر بن فهیرة النهدیة وابنتها وزنیرة وام عیسی وامة بنی المؤمل، وفیه نزلت "وَسَيُجَنَّبُهَاالْاَتْقَى" [3] الی آخر السورة۔	اور ازالہ میں عروہ سے ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے ساتھ کو آزاد کیا، ان سب پر اللہ کی راہ میں ظلم توڑا جاتا تھا وہ بلال وعامر بن فہیرہ اور نہدیہ اور اس کی بیٹی اور زنیرہ اور ام عیسی اور بنی مؤمل کی کنیز ہیں اور انہیں کیلئے آیت اتری "وَسَيُجَنَّبُهَاالْاَتْقَى" اور اس سے (دوزخ) بہت دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے۔ تا آخر سورت۔
وعن عامر بن عبداللہ بن الزبیر عن ابیه قال قال ابو قحافة لابی بکر اراك تعتق رقابا ضعافا فلوانك اذا فعلت مافعلت اعتقت رجالا جلدًا یمنعونك	اور عامر بن عبداللہ بن الزبیر سے روایت ہے وہ اپنی باپ سے روای ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوقحانہ نے ابو بکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا: میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ کمزور غلامون کو آزاد کرتے ہو تو کاش! تم تندرست و

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲ /۱۷ تا۲۱ دار الکتب العلمیہ ۴ /۴۶۲۔ ۴۶۳

[2] ارشاد والعقل السلیم تحت الآیة ۹۲ /۱۹ دار احیاء التراث العربی ۹ /۱۶۸

[3] ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلك اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱ /۳۰۱

ویقومون دونك فقال یا ابت انما ارید وجه الله فنزلت ھذہ الایة "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ الی قوله وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾ "[1]۔	توانا غلام آزاد کرتے جو تمہاری حفاظت کرتے اور جنگ میں تمہاری سپر ہوتے۔ تو ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) نے فرمایا؛ اے میرے باپ! میں تو صرف اللہ کی رضا چاہتا ہوں تو یہ آیت نازل ہوئی "فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾" یعنی جس نے دیا اور پرہیزگاری کی۔۔ اللہ تعالٰی کے قول وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی تک یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب سے بلند ہے، اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا۔
وعن سعید بن المسیب قال نزلت "وما لاحد عندہ من نعمة تجزی" فی ابی بکر عتق ناسا لم یلتمس منهم جزاء ولا شكورا ستة او سبعة منهم بلال وعامر بن فهیرة[2]	اور حضرت سعید ابن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ آیۃ کریمہ سے "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾" ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں اتری کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو آزاد کیا اُن سے نہ بدلہ چاہا نہ شکرگزاری، وہ آزاد شدہ چھ یا سات تھے، انہیں میں بلال وعامر بن فہیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تھے۔
وعن ابن عباس فی قوله تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" قال هو ابوبکر الصدیق[3]۔	اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" کی تفسیر میں ہے فرمایا وہ ابوبکر صدیق ہیں (آیت میں جن کا ذکر ہے)۔
قلت وقد اخرج ابن ابی حاتم ابن مسعود (رضی الله تعالٰی عنه) ان ابابکر اشتری بلالا من امیة بن خلف	**میں کہتا ہوں** اور ابن ابی حاتم نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند خود روایت کی کہ امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت ابوبکر نے

[1] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[2] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء فصل ہشتم مقصد اول مسلک اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۰۱

ببردة وعشرة اواق فاعتقه لله تعالٰی. فانزل الله تعالٰی هذه الآیة: ای ان سعی ابی بکر و امیه و ابی لمفترق فرقانا عظیما فشتان ما بینهما[1] وقد قال السید ابن السدید عمار بن یاسر رضی الله تعالٰی عنهما فی اشتراء الصدیق بلالا و اعتاقه شعرًا۔ جزی الله خیرا عن بلال وصحبه عتیقا واخزی فاکها وابا جهل عشیة هما فی بلال بسوءة ولم یحذر امام یحذر المرء ذو العقل بتوحید رب الانام وقوله شهدت بان الله رب علی مهل فان تقتلونی فاقتلونی فلم اکن لاشرك بالرحمن من خیفة القتل فیارب ابراهیم والعبد یونس وموسی وعیسی نجنی ثم تملی لمن ظل یهوی الغی من ال غالب علی غیر بر کان منه ولا عدل[2]	حضرت بلال کو ایک چادر اور دس اوقیہ سونے کے عوض خریدا پھر انہیں خاص اللہ کے لئے آزاد کر دیا تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت اتاری جس کا مطلب یہ ہے "بے شک تمہاری کوشش مختلف ہے" یعنی ابوبکر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور امیہ اور ابی بن خلف کی کوششوں میں عظیم فرق ہے تو ان میں بون بعید ہے اور سردار بن سردار عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے ابوبکر صدیق کے بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خرید کر آزاد کرنے کے بارے میں یہ اشعار کہے جن کا ترجمہ درج ذیل ہے: اللہ جزائے خیر دے بلال اور ان کے ساتھیوں کی طرف سے عتیق (ابوبکر کو اور امیہ اور ابوجہل کو رسوا کرے، وہ شام یاد کرو جب ان دونوں نے بلال کا برا چاہا اور اس سے نہ ڈرے جس سے ذی عقل آدمی ڈرتا ہے، انہوں نے بلال کا برا اس لئے چاہا کہ بلال نے خلق کے خدا کو ایک جانا اور نے اس نے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، میں اس پر مطمئن ہوں تو اگر تم مجھے قتل کرو تو اس حال میں قتل کروگے کہ میں رحمان کا شریک نہیں ٹھہراتا قتل کے ڈرے سے تو اے ابراہیم اور اپنے بندے یونس اور موسی وعیسی کے رب! مجھے نجات دے، پھر اسے مہلت نہ دے جو ناحق ظالمانہ آل غالب کی گمراہی کی آرزو کئے جاتا ہے)

[1] الصواعق المحرقة بحواله ابن ابی حاتم الباب الثالث الفصل الثانی دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۹

[2] لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر خازن) تحت الایة ۱۷/ ۹۲ درا الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۴۳۶

ھذا وقد قال البغوی فی الاتقی یعنی ابابکر الصدیق فی قول الجمیع[1] وقال الرازی فی مفاتیح الغیب "اجمع المفسرون منا علی ان المراد منه ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنه"[2]۔ ونقل ابن حجر فی الصواعق عن العلامة ابن الجوزی اجمعوا انھا نزلت فی ابی بکر[3]۔ حتی بلغنی ان الطبرسی مع رفضه لم یسغ له انکاره فی تفسیره مجمع البیان، والفضل ماشھدت به الاعداء، الحمد للہ رب العلمین۔	اسے یاد رکھو اور امام بغوی نے الاتقی کی تفسیر میں کہا اس لفظ سے خدا کی مراد سب مفسرین کے قول کے بموجب ابوبکر صدیق ہیں۔ امام رازی نے مفاتیح الغیب میں فرمایا ہم سنیوں کے مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ اتقی سے مراد ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں" صواعق میں ابن حضر نے علامہ ابن الجوزی سے نقل کیا علماء اس پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوبکر کے حق میں نازل ہوئی۔ یہاں تک کہ مجھے خبر پہنچی کہ طبرسی کو باوجود رفض اپنی تفسیر مجمع البیان میں اس کا انکار نہ بن پڑا اور فضل وہی ہے جس کی شہادت دشمن دیں، والحمد للہ رب العلمین۔
ثم ان الامام الفاضل فخر الدین الرازی حاول فی تفسیره اثبات ان الایة لا تصلح الا للصدیق بطریق النظر والاستدلال علی ماھو دابه رحمه اللہ تعالٰی فقال "اعلم ان الشیعة باسرھم ینکرون ھذه الروایة ویقولون انھا نزلت فی حق علی ابن ابی طالب علیه السلام والدلیل علیه قوله تعالٰی "ویؤتون الزکوۃ وھم	پھر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالٰی نے اپنی عادت کے مطابق اپنی تفسیر میں عقلی استدلال و نظر کی راہ سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی کہ آیت کا مفہوم صدیق اکبر کے سوا کسی کے لئے نہیں بنتا، تو انھوں نے فرمایا تمہیں معلوم ہو کہ تمام شیعہ اس روایت کے منکر ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ آیت علی بن ابی طالب کے حق میں اتری ہے اور اس کی دلیل اللہ کا فرمان ہے ویؤتون الزکوۃ وھم راکعون یعنی وہ رکوع کی

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۹۲/۱۷ دار الکتب العلمیه بیروت ۴/ ۴۶۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۵

[3] الصواعق المحرقه الباب الثالث الفصل الثانی، دار الکتب العلمیه بیروت ص ۹۸

راکعون۔فقولہ"الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی"اشارۃ الی مافی تلک الایۃ من قولہ"یؤتون الزکوۃ وھم راکعون"ولما ذکر ذلك بعضھم فی محضری قلت اقیم الدلالۃ العقلیۃ علی ان المراد من ھذہ الایۃ ابوبکر،وتقریرھا ان المراد من ھذا الاتقی ھو افضل الخلق۔فاذا کان کذالك وجب ان یکون المراد ابو بکر۔فھاتان المقدمتان متی صحتاصح المقصود، انما قلنا ان المراد من ھذا الاتقی افضل الخلق لقولہ تعالی"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" والاکرم ھو الافضل فدل علی ان کل من کان اتقی وجب ان یکون الافضل۔فثبت ان الاتقی المذکور ھھنا الابد وان یکون افضل الخلق عند اللہ تعالی۔فنقول لابد و ان یکون المراد بہ ابا بکر لان الامۃ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ	حالت میں زکوہ دیتے ہیں تو اللہ تعالٰی کا قول الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی یعنی وہ سب سے بڑاپرہیزگار جو ستھرا ہونے کو اپنا مال دیتا ہے،اسی وصف کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں مذکور ہوا یعنی اللہ کا یہ فرمانا"ویؤتون الزکوۃ"الایۃ اور جب ایک رافضی نے یہ بات میری مجلس میں کہی میں نے کہا میں اس پر دلیل عقلی قائم کروں گا کہ اس آیت سے مراد صرف ابو بکر ہیں،اور تقریر دلیل یوں ہے کہ مراد اس بڑے پرہیزگار سے وہی ہے جو سب سے افضل ہے،تو جب معاملہ ایسا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے مراد بس ابوبکر ہوں،توجب یہ دونوں مقدمے صحیح ہونگے دعوی درست ہوگا۔اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ اس بڑے پرہیزگار سے مراد سب سے افضل ہے کہ اللہ تعالٰی کا قول ہے"اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔"اور اکرم ہی افضل ہے۔توآیت نے بتایا کہ ہر وہ شخص جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہوگا ضروری ہے کہ وہ سب سے زیادہ مرتبے والا ہو،تو ثابت ہوگیا کہ سب سے بڑا پرہیزگار جس کا یہاں (آیت میں)ذکر ہوا ضروری ہے کہ اللہ کے یہاں سب سے افضل ہو۔اب ہم کہتے ہیں کہ ساری امت اس پر متفق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلق سے افضل ابوبکر ہیں یا علی۔

تعالٰی علیه وسلم تعالٰی علیه وسلم اما ابو بکر او علی، ولایکمن حمل هذه الایة علی علی بن ابی طالب فتعین حملها علی ابی بکر. وانما قلنا انه لایمکن حملها علی علی بن ابی طالب لانه تعالٰی قال فی صفة هذا الاتقی "ومالاحد عنده من نعمة تجزی" وهذا الوصف لا یصدق علی علی ابن ابی طالب لانه کان فی تربیة النبی صلی الله علیه وسلم لانه اخذه من ابیه وکان یطعمه ویسقیه و یکسوه ویربیه. وکان الرسول صلی الله علیه وسلم منعما علیه نعمة یجب جزاءها اما ابو بکر فلم یکن للنبی علیه الصلوة والسلام نعمة دنیویة بل ابو بکر کان ینفق علی الرسول الصلوة والسلام بلی کان للرسول علیه الصلوة والسلام علیه نعمة الهدایة والارشاد الی الدین. الا ان هذا لایجزی لقوله تعالٰی "مااسئلکم علیه من اجر" والمذکور ههنا لیس مطلق النعمة بل نعمة تجزی. فعلمنا ان هذه الایة لاتصلح	اور یہ ممکن نہیں کہ یہ آیت علی پر محمول کی جائے تو ابوبکر کے لئے اس کا مصداق ہونا متعین ہوگیا، اور ہم نے یہ اسی لئے کہا کہ آیت کو علی پر محمول کرنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اس سب سے بڑے پرہیزگار کی صفت میں فرمایا ہے **ومالاحد عندہ من نعمة تجزی** یعنی اس پر کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے، اور یہ وصف علی بن ابی طالب پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے بایں سبب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو ان کے باپ سے لے لیا تھا اور حضور انہیں کھلاتے بلاتے، پہناتے اور پالتے تھے اور حضور (رسول) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی کے ایسے محسن ہیں کہ ان کے احسان کا بدلہ واجب ہوا۔ رہے ابوبکر، تو حضور (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا ان پر دنیوی احسان نہیں بلکہ ابوبکر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کا خرچ اٹھاتے تھے، ہاں کیوں نہیں ابوبکر پر رسول علیہ الصلوۃ و السلام کا دین کی طرف ہدایت وارشاد کا احسان ہے۔ مگر یہ ایسا نہیں جس کا بدلہ

لعلی بن ابی طالب، واذا ثبت ان المراد بهذه الاية من کان افضل الخلق، وثبت ان ذالك الافضل من الامة اما ابوبکر اوعلی، وثبت ان الآیة غیر صالحة لعلی تعین حملها علی ابی بکر رضی الله تعالٰی عنه، وثبت دلالة الایة ایضا علی ان ابابکر افضل الامة[1] اھ ملخصًا۔

دیا جائے اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا (حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ارشاد کی حکایت کرتے ہوئے) میں تبلیغ پر تم سے کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اور یہاں مطلق احسان کا ذکر نہیں بلکہ بات اس احسان کی ہے جس کا بدلہ دیا جائے تو ہم نے جان لیا کہ آیت کا یہ معنی علی بن ابی طالب کے لئے نہیں بنتا، اور جب یہ ثابت ہے کہ مراد اس آیت کی وہی ہے جو افضل خلق ہے، اور یہ ثابت ہے امت میں سب سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مفہوم آیت علی کے شایاں نہیں اس کا مصداق ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے متعین ہوگیا اور آیت کی دلالت اس پر بھی ثابت ہو گئی کہ ابوبکر ساری امت سے افضل ہیں اھ ملخصا۔

قلت اما ماذکر الفاضل الامام ان علیا رضی الله تعالٰی عنه کان فی تربیة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وانه اخذه من ابیه فقد ذکره محمد بن اسحق وابن هشام وهذا الفظ ابن اسحق "حدثنی عبدالله بن ابی نجیح عن مجاهد بن جبیر ابی الحجاج قال کان من نعمة الله تعالٰی علی علی ابن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه مما صنع الله تعالٰی له واراده به من الخیر ان قریشا اصابتهم ازمة شدیدة وکان ابوطالب ذاعیال کثیر فقال

میں کہتا ہوں کہ رہی یہ بات جو فاضل امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) نے فرمائی کہ علی رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تربیت میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ان کے والد سے لے لیا تھا تو اس کا ذکر محمد ابن اسحٰق وابن ہشام نے کیا ہے اور محمد بن اسحٰق کے الفاظ یوں ہیں: مجھ سے عبداللہ بن ابی نجیح نے حدیث بیان کی انہوں نے روایت کی مجاہد بن جبیر ابی الحجاج سے انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر اللہ تعالٰی کے احسان کے قبیل سے وہ ہے، جو اللہ تعالٰی نے ان کے ساتھ کیا اور ان کی بھلائی کا ارادہ فرمایا وہ یہ کہ قریش پر سخت تنگی پڑی اور ابوطالب کی اولاد بہت تھی اس لئے رسول

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱ / ۲۰۵ و۲۰۶

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم للعباس عمہ وکان من ایسر بنی ھاشم یا عباس ان اخاك ابا طالب کثیر العیال، وقد اصاب الناس ماتری من ھذہ الازمۃ فانطلق بنا الیہ، فلنخفف عنہ من عیالہ آخذ من بنیہ رجلا وتاخذ انت رجلا، فنکلھما عنہ قال العباس نعم فانطلقا حتی اتیا الی ابی طالب، فقالا لہ انا نرید ان نخفف عنك من عیالك حتی ینکشف عن الناس ماھم فیہ، فقال لھما ابو طالب اذا ترکتما لی عقیلا فاصنعا ما شئتما، فاخذ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم علیًا فضمہ الیہ واخذ العباس جعفرا فضمہ الیہ فلم یزل علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم حتی بعثہ اللّٰہ تبارك وتعالٰی نبیا فاتبعہ علی وآمن بہ علی وصدقہ ولم یزل جعفر عند العباس حتی اسلم واستغنی عنہ[1] انتہٰی۔	اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا عباس (رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ) سے فرمایا اور وہ بنی ہاشم کے بڑے مالداروں میں سے تھے، اے عباس! آپ کے بھائی ابوطالب کی اولاد بہت ہے اور لوگوں پر جو یہ سختی پڑی ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں تو ہمارے ساتھ ابوطالب کے یہاں چلئے کہ ہم ان کی اولاد کا بوجھ کم کریں ان کے بیٹوں سے ایک آدمی میں لے لوں اور ایک آدمی آپ لے لیں تو ہم دونوں ان کی کفالت کریں۔ حضرت عباس نے عرض کی: جی ہاں۔ تو دونوں حضرات چل کر ابوطالب کے پاس تشریف لائے تو ان سے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ جب تک لوگوں کی مصیبت (جس میں وہ مبتلا ہیں) دور ہو آپ سے آپ کی اولاد کا بوجھ کم کردیں۔ تو ابوطالب ان سے بولے: اگر تم میرے لئے عقیل کو چھوڑ دو تو تم جو چاہو کرو۔ تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم نے علی کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور حضرت عباس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ نے جعفر کو لیا اور چمٹالیا۔ تو علی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہے یہاں تک کہ اللّٰہ تعالٰی نے سرکار کو نبی مبعوث فرمایا تو حضرت علی ان پر ایمان لائے اور ان کو سچا مانا اور جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ اسلام لاکر ان سے بے نیاز ہوگئے اھ۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر ان علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزء اول والثانی ص ۲۴۶

قلت وتمام النعمة الكبرى بتزويج البتول الزهراء صلوات الله على ابيها الكريم وعليها واما ما ذكر من ان ابابكر كان ينفق على رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فهذا اوضح و اظهر عند من له خبرة بالاحاديث والسير۔ اخرج الامام احمد و البخاری عن ابن عباس عن النبی صلى الله تعالٰى عليه وسلم قال: انه ليس من الناس احد امن على فی نفسه وماله من ابی بكر بن ابی قحافة ولو كنت متخذا من الناس خليلا لا اتخذت ابابكر خليلا ولكن خلة الاسلام افضل سدوا عنی كل خوخة فی هذا المسجد غير خوخة ابی بكر[1]

واخرج الترمذی عن ابی هريرة عن النبی صلى الله تعالٰى عليه وسلم مالاحد عندنا يد الاوقد كافيناه ماخلا ابابكر فان له عندنا يدا يكافيه الله بها يوم القيٰمة ومانفعنی

میں کہتا ہوں اور نعمت کبری کی تکمیل بتول زہرا (فاطمہ) صلوات اللہ علی ابیہا الکریم وعلیہا سے شادی ہو کر ہوئی۔ اور یہ جو ذکر کیا کہ حضرت ابوبکر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خرچ اٹھاتے تھے۔ تو یہ اس کے نزدیک جس کو احادیث و کتب سیرت سے واقفیت ہے بہت واضح اور خوب ظاہر ہے۔ امام احمد و بخاری نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ حضور نے فرمایا: لوگوں میں سے کوئی شخص نہیں جس کا اپنے جان ومال میں مجھ پر زیادہ احسان ہو سوا ابوبکر بن قحافہ کے، اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا، لیکن اسلامی خلت اور محبت افضل ہے، اس مسجد میں ابوبکر کے دروازہ کے سواسب دروازے بند کرو۔

اور ترمذی نے (اپنی سند سے) ابوہریرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے حدیث ذکر کی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں (کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا) ہر شخص کے احسان کا بدلہ ہم نے اسے دے دیا سوائے ابوبکر کے کہ ان کا ہم پر وہ احسان ہے جس کا

---

[1] صحيح البخاری كتاب الصلوة باب الخوخة والممر فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۶۷، مسند احمد حنبل عن ابن عباس المكتب الاسلامی بيروت ۱/۲۷۰

مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر ولو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا الا وان صاحبکم (ای محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) خلیل اللہ [1]	بدلہ انہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن دے گا، اور مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو فائدہ مجھے ابوبکر کے مال نے دیا، اور اگر میں کسی کو دوست بناتا تو ضرور ابوبکر کو دوست بناتا، اور خبر دار تمہارے صاحب (محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) اللہ تعالٰی کے دوست ہیں۔"
واخرج ایضا عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: رحم اللہ تعالٰی ابابکر زوجنی ابنتہ وحملنی الی دار الھجرۃ واعتق بلالا من مالہ [2]۔	اور ترمذی نے علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی حدیث ذکر کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمائی: "اللہ ابوبکر پر رحمت کرے مجھ سے اپنی بیٹی کا عقد کیا اور مجھے دار الہجرۃ (مدینہ) میں لائے اور اپنے مال سے بلال (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو خرید کر آزاد کیا۔"
واخرج الامام احمد و ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر، فبکی ابوبکر وقال ھل انا ومالی الا لک یا رسول اللہ [3]۔	اور امام احمد وابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم کی یہ حدیث روایت کی مجھے کبھی کسی کے مال نے وہ فائدہ نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے مجھے دیا، تو ابوبکر رو دیئے اور عرض کی: یارسول اللہ! میں اور میرا مال آپ ہی کا تو ہے۔"
واخرج الطبرانی عن ابن عباس	اور طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۰۷

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب علی رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲/۲۱۳

[3] سنن ابن ماجہ باب فضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ماأحد اعظم عندی یدا من ابی بکر واسانی بنفسہ ومالہ وانکحنی ابنتہ[1]	عنہما سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے یوں حدیث روایت کی "مجھ پر ابو بکر سے بڑھ کر کسی کا احسان نہیں، اس نے اپنی جان ومال سے میرا ساتھ دیا اور مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔"
واخرج ابویعلی من حدیث ام المؤمنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا مرفوعا مثل حدیث ابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ قال ابن حجر قال ابن کثیر مروی ایضا من حدیث علی او بن عباس وجابر بن عبداللہ و ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہم واخرجہ الخطیب عن ابن المسیب مرسلا وزاد وکان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقضی فی مال ابی بکر کما یقضی فی مال نفسہ۔واخرج ابن عساکر من طرق عن عائشۃ وعروۃ ان ابابکر اسلم یوم اسلم لہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]	اورابو یعلی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث مرفوع حدیث ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ کے مثل (یعنی انہیں الفاظ سے) روایت کی۔ابن حجر نے فرمایا کہ ابن کثیر کا قول ہے کہ یہ حدیث علی وابن عباس وجابر بن عبداللہ وابو سعید خدری سے بھی مروی ہے اور خطیب نے اسے ابن المسیب سے مرسل روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا: "اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر کے مال سے اپنا قرض ادا فرماتے جس طرح اپنے مال سے ادا فرماتے۔اور ابن عساکر نے متعدد سندوں سے حضرات عائشہ وعروہ سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر جس دن اسلام لائے ان کے پاس چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار دینار تھے، اور ایک روایت میں ہے چالیس ہزار درہم تھے، تو ابوبکر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اٹھا دیا اھ۔
قلت ومروی ایضا من حدیث سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ	**میں کہتا ہوں** یہ حدیث سیدنا انس بن مالک سے بھی مروی ہے جیسا کہ امام عدی نے

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۶۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/۱۹۱

[2] الصواعق المحرقۃ الباب الثانی الفصل الثانی، دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۱۲

کما اخرجه الامام ابن عدی فی الکامل انبأنا المولی الثقة الحجة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة امام الفقهاء و المحدثین سیدی واستاذی مولانا عبد الرحمن بن عبد الله بن عبدالرحمن السراج عن جمال العلماء السلف الخیر فی منصب الافتاء مولانا جمال بن عبدالله بن عمر المکی عن خاتمة الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن الشیخ احمد علی السندی ثم الزبیدی ثم المدنی عن المولی محمد صالح الفلانی العمر ی عن الشیخ محمد بن السنة الفلانی الفاروقی عن مولای السید الشریف محمد بن عبد الله عن الفاضل المحدث سیدی علی الاجهوری عن الامام شمس الدین الرملی عن شیخ الاسلام زید الدین زکریا الانصاری عن علامة الوری جبل الحفظ شهاب الدین ابی الفضل احمد حجر العسقلانی عن ابی علی محمد بن احمد المهدوی عن یونس بن ابی اسحق عن ابی الحسن علی بن المقیر انا ابوالکریم الشهر زوری انا اسمعیل بن مسعدة الجرجانی انا ابو القاسم حمزة بن یوسف السهمی الجر جانی وابوعمر و عبد الرحمن بن محمد الفارسی انا ابو احمد عبدالله بن عدی الجرجانی	کامل میں اپنی سند سے روایت کیا ہے (سند حدیث مذکور) ہمیں خبر دی مولی ثقہ حجۃ مفتی حنفیہ بمکہ محمیہ پیشوائے فقہاء و محدثین سیدی واستاذی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبد الرحمٰن سراج نے انہوں نے جمال علماء سلف خیر فی منصب الافتاء (یعنی منصب افتاء میں مفتیوں کے لئے اچھے پیشرو) مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر مکی سے روایت کی انہوں نے خاتمۃ الحفاظ والمحدثین مولانا محمد عابد بن شیخ احمد علی سندی ثم زبیدی ثم مدنی سے روایت کی انہوں نے مولی محمد صالح فلانی عمری سے انہوں نے شیخ محمد بن السنۃ فلانی فاروقی سے انہوں نے مولائی سید شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے فاضل محدث سیدی علی اجہوری سے انہوں نے امام شمس الدین رملی سے انہوں نے شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری سے انہوں نے علامہ عالم کوہ حفظ شہاب الدین ابوالفضل احمد بن حجر عسقلانی سے انہوں نے ابو علی محمد بن احمد مہدوی سے انہوں نے یونس بن اسحاق سے انہوں نے ابوالحسن علی بن مقیر سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو کریم شہر زوری سے ہمیں خبر دی اسمٰعیل بن مسعدہ بن جرجانی نے ہمیں خبر دی ابوالقاسم حمزہ بن یوسف سہمی جرجانی اور ابو عمر وعبدالرحمٰن بن محمد الفارسی نے ہمیں خبر دی اور ابواحمد عبداللہ بن عدی جرجانی

نا الحسین بن عبدالغفار الازدی نا سعید ابن کثیر بن غفیر نا الفضل بن مختار عن ابان عن انس قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی بکر ما اطیب مالك منه بلال موذنی وناقتی التی ھاجرت علیھا وزجنتی ابنتك و واسیتنی بنفسك ومالك کانی انظر الیك علی باب الجنۃ تشفع لامتی [1]۔	نے ہم سے حدیث بیان کی حسین بن عبدالغفار ازدی نے ہم سے حدیث بیان کی سعید بن کثیر بن غفیر نے ہم سے حدیث بیان کی فضل بن مختار نے ابان سے انہوں نے روایت کی انس سے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوبکر سے فرمایا: تمہارا مال کتنا ستھرا ہے اسی سے میرا موذن بلال ہے اور میری اونٹنی ہے جس پر میں نے ہجرت کی اور تم نے اپنی دختر میرے نکاح میں دیا اور اپنی جان ومال سے میری مدد کی گویا میں تمہیں دیکھ رہا ہوں جنت کے دروازہ پر کھڑے ہو میری امت کیلئے شفاعت کررہے ہو۔
ھذا وقد اسقصینا الکلام عی ھذین الفصلین الذین اشار الیھما النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی تلك الاحادیث اعنی مواساۃ الصدیق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنفسه وماله فصلین من الباب الثانی من کتابنا الکبیر فی التفضیل علی غایۃ التحقیق والتفصیل فارجع الیه ان احببت ھذا تقریر ماذکر الفاضل الرازی وقد اوردہ الامام ابن حجر ایضا فی الصواعق	یہ تو ہوا اور ہم نے ان دونوں فصل پر (یعنی صدیق کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدد جان ومال سے کرنا) جن کی طرف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ فرمایا۔ کامل گفتگو اپنی کتاب کبیر، جو باب تفضیل میں ہے کے باب دوم کی دو فصلوں میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ کی ہے اس کا مطالعہ کرلو اگر چاہو، یہ کلام اس کلام کی تائید ہے جو فاضل رازی نے ذکر کیا، اور امام رازی کا یہ کلام امام ابن حجر میں صواعق محرقہ بھی لائے

[1] الکامل لابن عدی ترجمه ابان بن ابی عیاش دار الفکر بیروت ۱/۳۷۵، الکام لابن عدی ترجمه الفضل بن مختار بصری دار الفکر بیروت ۶/۲۰۴۱

وارتضاہ۔

قلت ولمناقش ان يناقش فيه باربعة وجوه ينتظمها وجهان **الاول** انا لانسلم ان ابابكر لم يكن عليه احد نعمة تجزى فان من اعظم المنعمين على الانسان والديه قال تعالٰى "اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیْكَؕ"[1]۔ ومعلوم ان لاشكر الا بمقابلة النعمة ونعم الوالدين من النعم الدنيوية التى تجرى فيها المجاز اه دون الدينية التى قال الله تعالٰى فيها "قُلْ مَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ"[2] "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"[3] على انا نعتقد ان النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم قد تمت له خلافة الله العظمى ونيابته الكبرى فيده الكريمة عليا و ايدى العلمين سفلى۔ جعل سبحنه و تعالٰى خزائن رحمته ونعمه وموائد جوده وكرمه طوع يديه، و مفوضة اليه صلى الله تعالٰى عليه وسلم ينفق

میں کہتا ہوں کسی کو مجال ہے کہ اس میں چار وجہ سے بحث کرے جن کو دو وجہیں گھیرے ہیں **پہلی وجہ** یہ کہ ہمیں تسلیم نہیں کہ ابوبکر پر کسی کا ایسا احسان نہ تھا جس بدلہ دیا جائے اس لیئے کہ انسان پر بڑے محسنوں میں اس کے ماں باپ ہیں۔ اللہ تعالٰی کا راشاد ہے: حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا۔ اور یہ معلوم ہے کہ شکر نعمت کے مقابل ہی ہوتا ہے اور والدین کے احسانات ان دینوی احسانات سے ہیں جن میں بدلہ دینا جاری ہے اور یہ دینی احسانات نہیں ہیں جن کی بابت اللہ کافرمان ہے (حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا) میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو جہانوں کے پروردگار پر ہے، اس کے علاوہ ہمارا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے اللہ تعالٰی کی خلافت عظمٰی اور نیابت کبرٰی کامل ہوچکی تو ان کا دست کرم بالا اور سب جہانوں کے ہاتھ پست، اللہ تعالٰی نے اپنی رحمت اور کل نعمت کے خزانے اور اپنے فیض وکرم کے خوان ان کے ہاتھوں کے مطیع کر دیئے، اور یہ سب انہیں سونپ دیا جیسے چاہیں خرچ کریں،

I.T. Majlis of DawateIslami

---

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۲۵ / ۵۷و۳۸/ ۸۶

[3] القرن الکریم ۲۶ / ۱۰۹و ۱۲۷و۱۴۵و۱۶۴و۱۸۰

کیف یشاء وھو خزانۃ السر و موضع نفوذ الامر فلا تنال برکۃ الامنہ ولا ینقل خیر الاعنہ کما قال صلی اللہ تعالٰی عیہ وسلم انما انا قاسم واللہ المعطی [1]۔ فھو الذی یقسم الخیرات والبرکات وسائر النعماء والآلاء فی لارض والسماء والملك والملکوت والاول والاخر والباطن والظاھر ایقنت بھا جماھیر الفضلاء العظام ومشاھیر الاولیاء الکرام کما حققتہ فی رسالتی الملقبۃ بسلطنۃ المصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، وفیھا من المباحث الفائقۃ والمدارك الشائقۃ ماتقربہ الاعین وتلذبہ الاذان وتنشرح بہ الصدور والحمدللہ رب العلمین فاذن ماکان لابی بکر اور غیرہ من مال وبلوغ امال الابعطاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فلم تنحصر النعم النبویۃ علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ فی النعم الدینیۃ التی لاتجزی فکما ان علیا لم یصلح وموردا للایۃ فکذلك ابوبکر سواء بسواء۔ **اقول:** والجواب عن اما اولا فلانہ	اور وہ رازِ الٰہی کا خزانہ اور اس کے حکم کی جائے نفاذ ہیں تو برکت انہیں سے ملتی ہے اور خیر انہیں سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: میں تو بانٹتا ہوں اور اللہ دیتا ہے۔ تو وہی خیرات وبرکات اور ساری نعمتیں آسمان و زمین وملک وملکوت اول آخر باطن وظاہر میں بانٹتے ہیں اس پر فضلاء عظام اور مشہور اولیائے کرام کے جمہور کا یقین ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی میں تحقیق کی اس میں کچھ ایسے مباحث فاضلہ اور پسندیدہ دلائل ہیں کہ ان سے آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور کان لطف اندوز ہوتے ہیں اور سینے کھلتے ہیں، تو جب یہ بات ہے (کہ ساری برکت ونعمت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے سبب ہے) تو ابوبکر کو جو کچھ مال ومنال حاصل ہوا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عطا سے ہی حاصل ہو الہٰذا نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ ان دینی احسانات میں منحصر نہیں جن کا بدلہ نہیں دیا جاتا تو جس طرح علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) آیت کے مصداق نہ ٹھہرے اسی طرح ابوبکر بھی یکساں طور پر آیت کے مصداق نہیں۔ **میں کہتا ہوں** اس اعتراض کا جواب اول

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ خیر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح البخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان قدمہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۹، صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۸۷

ان صح ماذکر تم لتعطلت الایة راسا ولم یوجد لھا مصداق ابدا اذ لیس فی الصحابة من لم یلدہ ابواہ او لم ینعم علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دینہ ودنیاہ[1]۔	تو یہ ہے کہ اگر یہ صحیح ہو جو آپ نے ذکر کیا تو آیت سرے سے معطل ہو جائے گی اور کبھی اس کا کوئی مصداق نہ پایا جائے گا اس لئے کہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے ماں باپ سے پیدا نہ ہو یا اس پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین ودنیا کا کوئی احسان نہ فرمایا ہو۔
واما ثانیًا وھو الحل فلان نعم الدنیا لیست کلھا مما تجزی اذا لمجازاة ھو المکافات وحاصل نعمة الوالدین ان اللہ سبحنہ وتعالٰی جعلھا سببا لایجادہ وخروجہ من ظلمة العدم الی نور التکون ، وبھما جعلہ بشرا حسینا بعد ان کان ماء مھینا وھذا مما لایمکن ان یجازی اذا لیس فی وسع احد ان یحیی ابویہ او یکونھما بعد ان لم یکونا ولذلك قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایجزی ولد والدہ الاان یجدہ مملوکا فیشتریہ فیعتقہ اخرجہ مسلم وابوداؤد	**اور جواب دوم** اور وہی حل ہے یہ کہ دنیا کے سب احسان ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جاتا ہو اس لئے کہ احسان کا بدلہ یہ ہے کہ احسان کے مساوی اس کی جزا دے ، اور والدین کے احسان کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی نے انہیں بچہ کی ایجاد اور عدم کی ظلمت سے نور ہستی میں آنے کا سبب بنایا ہے اور ان کے سبب سے اس کے بعد کہ وہ بے وقعت پانی تھا خوبصورت انسان بنایا، اور یہ احسان کا بدلہ نہیں ہو سکتا یوں کہ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے والدین کو زندہ کردے، یا عدم کے بعد انہیں موجود کردے، اسی لئے نبی صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی بچہ اپنے ماں باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتا مگر یہ کہ اسے غلام پائے تو اسے خرید کر آزاد کردے۔" یہ حدیث مسلم وابوداؤد

[1] صحیح مسلم کتاب العتق باب فضل عتق الوالد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹۵، سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی بر الوالدین آفتاب علم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳

والترمذی[1] ونسائی وابن ماجة فاشار صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الی بعض المجازاة علی حسب مایدخل تحت الامکان فان الرق موت حکما اذبه تتعطل الاهلیة ویلتحق الانسان العاقل البالغ بالبهائم فالعتق کانه احیاء له و اخراج من ظلمة البهیمیة الی نور الانسانیة فعن هذ عد ادا ء لبعض حقوقهما وکذالك النعم النبویة علی صاحبها الصلوة والتحیة علی حسب ماقر رنا علیك لیست مما تجزی وتجری فیه ذاك بهذا الانه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی ذلك المقام الرفیع والمنصب البدیع انما یتصرف علی خلافة الملك المقتدر تبارك و تعالٰی و نعم الملك لاتجزی فان الاحسان لایجازی الا بالاحسان کما نطق به القرآن العظیم ومایجازی به العبد لابد وان یکون ایضا من عطایاہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فکان مکافات عطائه بعطائه

وترمذی ونسائی وابن ماجہ نے اپنی سندوں سے روایت کی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تھوڑے بدلہ کی طرف (جو موافق مقدور بشر ہو) اشارہ فرمایا اس لئے کہ غلامی موت کے حکم میں ہے اس وجہ سے کہ اس کے سبب آدمی کی اہلیت معطل ہوجاتی ہے اور عاقل بالغ انسان جانوروں سے مل جاتا ہے لہذا اسے آزاد کرنا گویا کہ اس کو زندہ کرنا اور بہیمیت کی تاریکی سے انسانیت کی روشنی میں لے آنا ہے، اسی لئے ماں باپ کو آزاد کرنا اس کے بعض حقوق کی ادائیگی میں شمار ہوا، اسی طرح نبوی احسانات علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ جیسا کہ ہم نے تمہارے لئے ثابت کیا ایسے نہیں جن کا بدلہ دیا جائے اور ان میں یہ مقولہ جاری ہو کہ یہ اس احسان کا بدلہ ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو اس مقام رفیع اور اس منصب بے نظیر میں بادشاہ قادر تبارک وتعالٰی کی خلافت پر فائز ہو کر متصرف ہیں اور بادشاہ کی نعمتوں کا بدلہ نہیں ہوتا، اس لئے کہ بدلہ بغیر احسان کے نہیں ہوتا، جیسا کہ اس پر قرآن عظیم ناطق ہے، اور بندہ احسان کا جو بدلہ دے گا لامحالہ وہ بھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی عطا سے ہوگا تو سرکار کی عطا کی مکافات

[1] جامع الترمذی ابواب البر والصلة باب ماجاء فی حق الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳، سنن ابن ماجة ابواب الادب باب بر الوالدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۶۸، مشکوۃ المصابیح کتاب العتق باب اعتاق العبد المشترك الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۹۴

وھو غیر معقول وعن ھذا نعتقد ان اداء شکر اللہ سبحنہ وتعالٰی بعمنی فراغ الذمۃ منہ محال عقلا اذا لشکر نعمۃ اخری فلیشکرھا حتی یخرج عن عھدتہ ویتسلسل الی مالایتناھی ، فثبت ان الدلیل لا غبار علیہ من ھذا الوجہ۔	سرکاری عطا سے ہوگی ، اور یہ معقول نہیں، یہیں سے ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کا شکر بہ معنی براءت ذمہ از شکر عقلا محال ہے اس لئے کہ شکر نعمت دیگر ہے تو بندہ اس دوسری نعمت کا شکر کرے کہ عہدہ برآ ہو اور یہ سلسلہ شکر کا نہایت کو نہ پہنچے تو ثابت ہوا کہ دلیل اس وجہ سے بے غبار ہے
الثانی : ان المقدمۃ القائلۃ ان الامہ مجمعۃ علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما ابوبکر او علی رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	**دوسری وجہ** : یہ ہے کہ یہ مقدمہ جس کا مضمون ی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد افضل یا ابوبکر ہیں یا علی رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ اس پر اجماع امت ہے۔
مدخول فیھا اذھناك فرقتان اخریان تدعی احدھما تفضیل سیدنا الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی جمیع الامۃ ، ومستندھا مایروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ، انہ قال ماطلعت الشمس علی رجل خیر من عمر [1] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوکان بعدی نبی لکان عمر بن خطاب [2] وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اللہ تعالٰی باھی باھل عرفۃ عامۃ وباھی لعمر خاصۃ [3]	اس پر اعتراض کو مجال ہے اس لئے کہ یہاں دو فرقے اور ہیں ، ان میں کا ایک دعوی کرتا ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ساری امت سے افضل ہیں، اور اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے کہ "حضرت عمر سے بہتر کسی آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا۔ اور آپ سے مروی ہے، کہ : اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر نبی ہوتے۔ اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت ہے کہ "اللہ تعالٰی نے عرفات میں جمع ہونے والوں پر عام طور سے فخر فرمایا اور عمر سے خاص طور

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۹ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷

[2] جامع الترمذی البواب المناقب باب مناقب عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰۹

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۲۵ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۵، کنز العمال حدیث ۳۵۸۵۸ مؤسستہ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۹۶

وان کان الاستدلال بھا و بامثالھا لایقوم علی ساق اما روایۃ اودرایۃ اومعا کاستمساک المفضلۃ بحدیث علی خیر البشر وحدیث الطیر و حدیث الاستخلاف فی غزوۃ تبوك وماضا ھاھا فمنھا کذب مختلق ومنھا منکر واہٍ ومنھا ما یایفید ہم شیئا وکذلك مضت سنۃ اللہ فی کل مبتدع یحتج ولا حجۃ ویجنح حیث لامحجۃ۔	سے مباہات فرمائی۔ اگرچہ اس روایت سے اور اس کے مشابہ روایتوں سے دلیل پائے ثبات پر قائم نہیں ہوتی یا بلحاظ روایت یا بلحاظ درایت یا دونوں کے لحاظ سے، جیسے تفضیلیہ کا حدیث علی خیر البشر علی سب انسانوں سے افضل ہیں اور حدیث طیر اور غزوہ تبوک کے زمانہ میں سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کو اپنا خلیفہ مقرر رفمانے کی روایت سے تمسک کا حال ہے کہ ان میں کچھ تو نری تراشیدہ جھوٹ ہیں اور کچھ منکر واہی (راویان ثقہ کے مقابل روایان غیر ثقہ کی روایات ضعیف ہیں) اور کچھ انہیں بالکل فائدہ مند نہیں اور یونہی اللہ تعالٰی کی سنت ہر بدمذہب کے حق میں ہوئی کہ وہ استدلال کرے حالانکہ دلیل نہیں اور وہاں کا قصد کرے جہاں راستہ نہیں۔
والفرقہ الاخری تدعی تفضیل سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنھما وکان ملحظھم وان لم یعط ففضھم قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فیہ اب عم الرجل صنو ابیہ، وھو حدیث احسن اخرجہ الترمذی [1] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ولاشك	اور دوسرا فرقہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما کو سب سے افضل کہتا ہے، گویا انکے مد نظر اگرچہ ان کی مراد نہیں دیتا اس بارے میں حضور صلی اللہ تعالٰی عنہ کا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بابت قول ہے کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہے۔ اور یہ حدیث حسن ہے جسے ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور کچھ شک نہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العباس امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷

انه رضی الله تعالٰی عنه شیخ المسلمین وسیدهم ومقدمهم وقائدهم وعز نفوسهم و تاج رؤسهم حتی الخلفاء الاربعة من هذا الوجه کما ان حضرة البتول الزهراء واخاها السید الکریم ابراهیم علی ابیهما وعلیهما الصلوة التسلیم افضل الامة مطلقا من جهة النسب واجزائیة وکرامة الجوهر والطینة۔ وبالجملہ فلا یتعین احد من الشقوق الاربعة الا بابطال الثلثة الباقیة جمیعا فکیف قلتم ان الایة لما لم تلتئم علی علی تعین ابوبکر مصداقالها علی ان المسائل السمعیة لاتنال الامن قبل السمع۔ فالناظر المتفحص الامذهب له قبل ان ینظر فی دلیل فیظهر له سبیل فان کان تمام الدلیل موقوفا علی (التمذهب) بمذهب لزم الدور وهذا نظیر ما اجبنا به عن استدلال الائمة الشافعیة علی افتراض الترتیب فی الوضوء بدخول الفاء	حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ شیخ المسلمین ہیں اور ان کے سردار ہیں اور ان کے صدر و قائد اور ان کی آبرو اور ان کے سروں کا تاج ہیں۔اس وجہ سے چاروں خلفاء پر بھی انہیں فضیلت ہے۔ جیسے حضرت فاطمہ زہرا اور ان کے بھائی سید ابراہیم ان کے والد اور ان پر صلوٰۃ وسلام ہو، روئے نسب و جزئیت و کرامت جوہر وطینت تمام امت سے افضل ہیں۔ بالجملہ ان چار شقوں سے کوئی شق باقی تین وجوہ کو باطل کئے بغیر متعین نہیں ہوگی تو آپ نے کیونکر فرمایا کہ آیت کریمہ جب علی پر صادق نہ آئی تو ابوبکر اس کا مصداق متعین ہوئے علاوہ اس کے مسائل سمعیہ دلیل سمعی ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔ تو صاحب نظر و جستجو کا کوئی مذہب اس سے پہلے نہیں ہوتا کہ وہ دلیل میں غور کرے تو کوئی راہ اس کو روشن ہوجائے تو اگر دلیل کا تام ہونا کسی مذہب سازی پر موقوف ہو تو دور لازم آئے گا اور یہ اس جواب کی نظیر ہے جو ہم نے ائمہ شافعیہ کی اس دلیل کے جواب میں کہا جو انہوں نے وضو میں فرضیت ترتیب پر آیت کریمہ میں وجوہ

I.T. Majlis of Dawateislami www.dawateislami.net

على الوجوه وعدم القائل بالفصل كما هو مذكور فى الخلافيات۔

اقول: والجواب عنهما مستند نا الاول الذى عليه المعول فى هذ الباب اجماع الصحابة والتابعين لهم بالحسان رضى الله تعالى عنهم اجمعين كما نقله الامام الشافعى ثم البيهقى ثم اخرون ودلت عليه احاديث عند البخارى وغيره كما فصلته فى الكتاب واقمت الدليل الجليل على ان الاجماع تام كامل لم يثبت شذوذمنه ولاندور، وان الخلاف الذى ذكره ابو عمر بن عبدالبر فليس مما يعرج عليه اويلتفت اليه الا رواية والادراية وان سلمنافالسواد االعظم مبتوع و اتباع الشاذ ممنوع ، وهذا القدر يكفينا للتمذهب فانتفى الدور نعم حديث الفرقتين قوى صحيح ليكن لا يخل بالمقصود فان عمر و عباسا رضى الله تعالى عنهما لم يكونا سلما حين نزول الاية كما يظهر بالرجوع الى التاريخ ، فلم يقصدا بالاية قطعا وبه بطل الشقان الباقيان وأل الدليل

پر دخول فاء اور قائل بالفصل کے معدوم ہونے سے قائم کی جیسا کہ خلافیات میں مذکور ہے۔

میں کہتا ہوں اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس بات میں ہماری اولین سند جس پر ہمارا اعتماد ہے جملہ صحابہ اور اچھے طریقے پر ان کے تمام پیروان کا تابعین کا اجماع ہے جیسا کہ امام شافعی پھر بیہقی پھر دیگر ائمہ نے اسے نقل کیا اور اس پر بخاری وغیرہ کی احادیث دلالت کرتی ہیں جیسا کہ میں نے اپنی کتاب میں مفصل بیان کیا ہے اور اس امر پر میں نے دلیل جمیل قائم کی کہ اجتماع تام کامل ہے اور اس سے کسی کا خلاف ثابت نہیں اور یہ کہ جو خلاف علامہ ابو عمر بن عبد البر نے ذکر کیا نہ روایت کے لحاظ سے نہ درایت کے لحاظ سے وہ اس قابل ہے کہ نظر اس پر گزرے یا اس کی طرف مڑ کے دیکھا جائے۔ اور اگر ہم مان لیں تو سواد اعظم ہی کی اتباع ہوگی اور شاذ و نادر کی اتباع ممنوع ہوگی اور اتنی بات ہمیں مذہب قرار دینے کو کافی ہے تو دور نہ رہا، ہاں ان دو فرقوں کی (جو حضرت عمر وعباس کی فضیلت پاتے ہیں) حدیث قوی و صحیح ہے، لیکن مقصود میں خلل انداز نہیں اس لئے کہ عمر و عباس آیت کے نزول کے وقت مسلمان نہ تھے، جیسا کہ مطالعہ تاریخ سے ظاہر ہے، تو یہ دونوں قطعی آیت کے مقصود ہی نہ ہوئے، اور اسی وجہ سے باقی دو شقیں باطل ہوگئیں اور آخر کار دلیل

الی الاحصان والارصان والحمد لله ولی الاحسان غایة الامر ان الفاضل المستدل لم یطلع هذین القولین اولم یعتد بهما لتناهیهما فی السقوط و الشذوذ علی أنا بحمد الله بعد ما ثبت الاجماع علی ان الصدیق هو المراد فی غنی عن هذه التجشمات کما لا یخفی اذا ثبت هذا فنقول وصف الله سبحنه وتعالٰی الصدیق بانه اتقی و وصف الاتقی بانه الکرم انتجت المقدمتان ان الصدیق اکرم عند الله تعالٰی و الافضل والاکرم والارفع درجة والاعلی مکانة کلها الفاظ معتورة علی معنی واحد، فثبت الفضل المطلق الکلی للصدیق والله تعالٰی ولی التوفیق، هذا تقریر الدلیل بحیث یشفی العلیل ویروی الغلیل والحمد للمولی الجلیل واعلم ان هذا الاحتجاج اطبقت علیه کلمات العلماء سلفا وخلفا وارتضوه وتلقوه بالقبول تلیدا وطارفا ولا شك انه لجدیر بذلك لکن المفضلة لهم کلام فیه بثلثة وجوه نذکرها نردها بحیث لایبقی ولا یذر بتوفیق الله العلی الاکبر۔

فنقول الشبهة الاولی ان من المفسرین من فسر الاتقی بالتقی

مضبوط و مستحکم رہی، اس معاملہ کی نہایت کار یہ کہ فاضل مستدل کو تو ان دونوں مذہبوں کا علم نہ ہوا یا اس وجہ سے کہ سقوط و ندرت میں حد کو پہنچے ہونے کی وجہ سے انہیں شمار ہی نہیں فرمایا، مزید برآں بحمد اللہ اس پر اجماع کہ صدیق ہی مراد آیت ہیں کہ ثابت ہونے کے بعد ہم ان تکلفات سے بے نیاز ہیں، جیسا کہ ظاہر جب یہ بات ثابت ہوچکی تو ہم کہتے ہیں اللہ تعالٰی نے صدیق کا وصف بیان فرمایا کہ وہ اتقی ہیں اور اتقی کا وصف بتایا کہ وہ اکرم ہے ان دو مقدموں نے نتیجہ دیا کہ صدیق اللہ تعالٰی کے نزدیک اکرم (سب سے افضل) ہیں اور افضل اکرم اور ارفع درجۃ اور اعلی منزلۃ یہ سب الفاظ ایک ہی معنی پر صادق آتے ہیں، لہذا فضل مطلق کلی صدیق کیلئے ثابت ہے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے اور تم جان لو کہ اس استدلال پر جملہ علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے اور سب نے اسے پسند کیا اور قبول کے ہاتھوں لیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ یہ اس کے قابل ہے، لیکن تفضیلیہ کو اس میں تین وجوہ سے کلام ہے ہم ان وجہوں کو خدائے بزرگ و برتر کی توفیق کے سہارے ذکر کرتے ہیں اور ان کا ایسا رد کرتے جو کوئی شبہ باقی نہ چھوڑے اور کوئی شک نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ پہلا شبہہ یہ ہے کہ بعض مفسرین نے اتقی کی تفسیر تقی (صفت

کمافی المعالم والبیضاوی وغیرھما من التفاسیر فسقط الاحتجاج عن اصلہ اقول ولا علینا ان نمھد اولا مقدمات تعینك ان شاء اللہ تعالٰی فی الجواب عن ھذا الاتیاب ثم نرفع الحجاب عن وجہ الصواب بتوفیق العلیم الوھاب فاستمع لما یلقی علیہ۔	مشبہ جس میں فضیلت دوسرے پر ملحوظ نہیں کہ صرف تقوی سے اتصاف ہے) سے کی جیسا کہ معالم وبیضاوی وغیرہما تفاسیر میں ہے تو استدلال جس کی بنیاد اتقی کے اسم تفضیل ہونے پر تھی) جڑ سے اکھڑ اپڑا، میں کہتا ہوں ہمارا کوئی حرج نہیں اس میں کہ ہم پہلے کچھ ایسے مقدمات کی تمہید اٹھائیں جو جواب میں ان شاء اللہ تعالٰی تمہاری مدد کریں پھر ہم خدائے دانا وبخشندہ کی توفیق کے سہارے چہرہ صواب سے حجاب اٹھائیں تو سنو جو تم سے کہا جائے۔
المقدمۃ الاولٰی ماتظافرت لادلۃ من العقل والنقل وناھیك بھما اما مین علی ان الالفاظ لاتصرف عن ظواھر ھا مالم تمس حاجۃ شدیدۃ لاتندفع الابہ والالم یکن ھذا تاویلا بل تغییرا وتبدیلا ولو فتح باب التصرفات من دون ضرورۃ تلجئ لارتفع الامان عن النصوص کما لایخفی وھذ بغایۃ ظھورہ اغنانا عن تجشم اقامۃ الدلیل علیہ حتی ان بعض العلماء ادرجوہ فی متون العقائد وانہ لحَقِیق بہ فان قصاری ھمم المبتدعین عن اخرھم انما ھو صرف النصوص عن الظواھر وارتکاب تاویلات	**پہلا مقدمہ** عقل ونقل کی بکثرت دلیلیں (اور یہ دونوں امام تمہیں کافی ہیں) اس پر متفق ہیں کہ الفاظ کو اپنے ظاہر معنی سے پھیرنا منع ہے جب تک کہ سخت حاجت نہ ہو جو لفظ کو ظاہر معنی سے پھیرے بغیر دفع نہ ہو ورنہ یہ بے ضرورت پھیرنا تاویل نہ ہوگا بلکہ تغیر وتبدیل ٹھہرے گا اور اگر بے ضرورت پھیرنے کا دروازہ کھل جائے تو نصوص شرعیہ سے امان اٹھ جائے جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور یہ مسئلہ چونکہ نہایت ظاہر ہے اس لئے اس نے ہمیں دلیل قائم کرنے کی زحمت سے بے نیاز کردیا۔ بعض علماء نے اس عقائد کے متون میں رکھا، اور یہ مسئلہ اس کا سزوار ہے اس لئے کہ سب بدمذہبوں کی ساری کوشش یہی ہے، کہ عبارات شرعیہ ان کے ظاہری معنی سے پھیر دیں اور فاسد

فاسدة واحتمالات کاسدة واعذار باردة فوجب علینا حسم مادتها بایجاب حمل النصوص علی مایعطیه ظاهرها الابضرورة ابدا وهذا ظاهر جدًّا۔	تاویلوں اور کھوتے احتمالوں اور نہ چلنے والے بہانوں کے مرتکب ہوں تو ہم پر واجب ہے کہ نصوص شرعیہ کو مقام ضرورت کے سوا ہمیشہ ان کے ظاہری معنی پر رکھنا واجب بتا کر ان تاویلات کامادہ کاٹ دیں، اور یہ بات خوب ظاہر ہے۔
المقدمة الثانیة: لیس کل مایذکر فی اکثر التفاسیر المتداولة واجب القبول وان لم یساعده معقول ویؤیده منقول، والوجه فی ذلك ان التفسیر المرفوع وهو الذی لامحیص عن قبوله ابدا نذر یسیر جدا لایبلغ المجموع منه جزء اوجزئین۔	**دوسرا مقدمہ**: بہت سی متداول تفسیروں میں جو مذکور ہوتا ہے وہ سب ایسا نہیں جس کا قبول کرنا ضروری ہو اگرچہ نہ کوئی دلیل عقلی اس کی معین ہو نہ کوئی دلیل شرعی اس کی موید ہو، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر مرفوع (جو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے ارشاد فرمائی) وہ بہت تھوڑی ہے جس کا مجموعہ دو جز بلکہ ایک جز کو بھی نہیں پہنچتا۔
قال الامام الجوینی علم التفسیر عسیر یسیر اما عسره فظاهر من وجوه اظهرها انه کلام متکلم لم یصل الناس الی مراده بالسماع منه، ولا امکان للصول الیه بخلاف الامثال والاشعار ونحوها فان الانسان یمکن علمه منه اذا تکلم بان یسمع منه او ممن سمع منه، واما القرآن فتفسیره علی وجه القطع لایعلم الابان یسمع من الرسول صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم و ذلك متعذر الافی	امام جوینی کا قول ہے علم تفسیر مشکل اور کم ہے، اس کا مشکل ہونا تو کئی وجوہ سے ظاہر ہے، ان میں روشن تر وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے متکلم (عزجلالہ) کا کلام ہے جس کی مراد کو لوگ اس سے سن کر نہ پہنچے اور نہ اس کی طرف رسائی کا امکان ہے. بخلاف امثال واشعار اور ان جیسی اور باتوں کے کہ انسان کو بولنے والے کی مراد معلوم ہوسکتی ہے جب وہ بولے بایں طور کہ وہ اس سے خود سنے یااس سے سنے جس نے اس سے سنا ہو۔ رہی قرآن کی قطعی طور پر تفسیر تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنے بغیر معلوم نہ ہوگی اور وہ (جو سرکار

ایات متعددة قلائل، فالعلم بالمراد یستنبط بامارات ودلائل، والحکمة فیه ان الله تعالٰی اراد ان یتفکر عبادہ فی کتاب، فلم یامر نبیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بالتنصیص علی المراد فی جمیع آیاته[1] اھ وقال الامام الزرکشی فی البرھان للناظر فی القرآن لطلب التفسیر ماخذ کثیرة امھاتھا اربعة الاول النقل عن رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم وھذا ھو الطراز الاول لیکن یجب الحذر من الضعیف فیه والموضوع فانه کثیر[2] الخ۔ قال الامام السیوطی الذی صح من ذلك قلیل جدا بل اصل الوضوع منه فی غایة القلة، وکذلك الماثور عن الصحابة الکرام و التابعین لھم باحسان قلائل لھذه الطوامیر الکبروالا قاویل الذاھبة شذر مذر فیھا لاخبر ولا اثر و انما حدثت بعدھم لما کثرت الاراء وتجاذبت الاھواء قام کل لغوی ونحوی وبیانی وکل من له	علیہ الصلوۃ والسلام سے سنا گیا) چند گنتی کی آیتوں کے ماسوا میں تعذر ہے تو مرادالٰہی کا علم امارات ودلائل سے مستخرج ہوتا ہے اور حکمت اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے چاہا کہ اس کے بندے اس کی کتاب میں غور وفکر کریں لہٰذا اپنے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو اپنی تمام آیات کی مراد واضح طور پر بتانے کا حکم نہ دیا اھ۔ اور امام زرکشی نے برہان میں فرمایا جو شخص قرآن میں تفسیر کے حصول کیلئے نظر کرتا ہے اس کے لئے بہت سے مراجع ہیں جن کے اصول چار ہیں، اول وہ تفسیر جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہو اور یہی پہلا نمایاں طریقہ ہے، لیکن اس میں ضعیف وموضوع سے احتراز واجب ہے اس لئے کہ وہ (ضعیف وموضوع) زیادہ ہے الخ۔ امام سیوطی نے فرمایا جو ان کی طرف سے صحیح ہے وہ بہت کم ہے بلکہ اس میں اصل موضوع قلّت ہی ہے۔ اور اسی طرح وہ تفسیر جو صحابہ کرام اور ان کے تابعین نیکوکار سے منقول ہے وہ ان بڑے طوماروں اور ان اقوال کے مقابل کم ہیں جو مختلف راہوں میں چلے گئے اور ان کے لئے کوئی حدیث یا صحابی و تابعی کا قول نہیں، یہ اقوال تو صحابہ وتابعین کے بعد ظاہر ہوئے۔ جب خیالات بسیار ہوئے اور مذاہب میں

[1] الاتقان بحوالہ الجوینی فصل الحاجة الی التفسیر دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

[2] البرہان فی علوم القرآن فصل فی امہات ماخذ التفسیر للناظر فی القرآن دار الفکر بیروت ۲/ ۱۵۶

ممارسة بشیئ من انواع علوم القرآن یفسر الکلام العزیز بما سمح به فکره وادی الیه نظره ثم جاء الناس مهر عین وبجمع الاقوال مولعین فنقلوا ما وجدوا وقلیلا مانقدوا فعن هذا جاءت کثرة الاقاویل ختلاط الصواب بالا باطیل۔	کشاکش ہوئی تو ہر لغوی ہر نحوی اور ہر عالم بلاغت اور ہر وہ شخص جسے علوم قرآن کی قسموں سے کسی قسم کے علم کی ممارست تھی اس کلام سے کلام عزیز کی تفسیر کرنے لگا جو اس کی سمجھ تک تھا اور جس کی طرف اس کی نظر پہنچی۔ پھر لوگ رواں دواں اقوال کو جمع کرنے کے سائق ہوئے تو جو انہوں نے پایا اسے نقل کردیا اور تحقیق کم کی تو اسی سے اقوال کی کثرت اور حق کی ناحق سے آمیزش آئی۔
وذکر ابن تیمیة کما نقله الامام السیوطی قائلا انه نفیس جدا لذلك وجهین، **احدهما** قوم اعتقدوا معانی، ثم ارادوا حمل الفاظ القرآن علیها۔ **والثانی** قوم فسروا القرآن بمجرد مایسوغ ان یریده من کان من الناطقین بلغة العرب من غیر نظر الی المتکلم بالقرآن والمنزل علیه المخاطب به، فالا ولون راعوا المعنی الذی رأوه من غیر نظر الی ما یستحقه الفاظ القرآن من الدلالة والبیان۔ والاخرون راعوا مجرد اللفظ و مایجوز ان یرید به العربی من غیر نظم الی مایصلح للمتکلم وسیاق الکلام۔	اور ابن تمیمیہ نے جیسا کہ امام سیوطی نے اس کا کلام یہ کہہ کر نقل کیا کہ وہ بہت نفیس ہے اس کی دو وجہیں ذکر کیں: **پہلی** وجہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ معانی کو عقیدہ ٹھہرالیا، پھر انہوں نے قرآن کے الفاظ کو ان پر رکھنا چاہا۔ اور **دوسری وجہ** وہ لوگ ہیں جنہوں نے قرآن کی تفسیر محض ان الفاظ سے کی جو کسی عربی زبان بولنے والے کی مراد ہوسکتے ہیں انہوں نے قرآن کے متکلم (باری تعالی) اور جس پر اترا اور جو اس کا مخاطب ہے کی طرف نظر نہ کی تو پہلی جماعت نے تو اس معنی کی رعایت کی جو ان کا عقیدہ تھا، انہوں نے قرآن کے الفاظ کے دلالت اور بیان جس کے وہ الفاظ سزاوار ہیں کہ نظر انداز کردیا۔ اور دوسروں نے صرف لفظ او جو عربی کی مراد ہوسکتا ہے اس کا لحاظ کیا قطع نظر اس سے کہ متکلم کے شایان کیا ہے اور سیاق کلام کیا ہے۔

ثم هوالاء كثيرا ما يغلطون فى احتمال اللفظ لذلك المعنى فى اللغة كما يغلط فى ذلك الذين قبلهم كما ان لاولين كثير اما يغلطون فى صحة المعنى الذى فسروا به القرآن كما يغلط فى ذلك الاخرون وان كان نظر الاولين الى المعنى اسبق ونظر الاخرين الى اللفظ اسبق، والا ولون صنفان تارة يسلبون لفظ القرآن مادل عليه واريدبه وتارة يحملونه على ما لم يدل عليه ولم يردبه، وفى كلا الامرين قديكون ماقصدوا نفيه اواثباته من المعنى باطلا فيكون خطاهم فى الدليل والمدلول وقديكون حقا فيكون خطاهم فيه فى الدليل لا فى المدلول (الى ان قال) وفى الجملة من عدل عن مذاهب الصحابة والتابعين وتفسيرهم الى ما يخالف ذلك كان مخطئا فى ذلك بل مبتدعا لانهم كانوا اعلم بتفسيره ومعانيه كما انهم اعلم بالحق الذى بعث الله به رسوله [1] اھ ملخصًا۔	پھر یہ لوگ بسااوقات لغت کے اعتبار سے لفظ کے اس معنی کو (جو انہوں نے مراد لئے) محتمل ہونے میں خطا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے پہلے والے بھی یہی غلطی کرتے ہیں جس طرح یہ اگلے اسی معنی کی صحت میں غلطی کرتے ہیں جس سے انہوں نے قرآن کی تفسیر کی جیسا کہ دوسرے لوگ یہی خطا کرتے ہیں اگرچہ پہلے والوں کی نظر معنی کی طرف پہلے پہنچتی ہے اور دوسروں کی نظر لفظ کی طرف سبقت کرتی ہے اور پہلی جماعت دو صنف ہے کبھی تو لفظ قرآن سے اس کا مدلول و مراد چھین لیتے ہیں اور کبھی لفظ کو اس پر رکھتے ہیں جو اس کا معنی و مطلب نہیں اور دونوں باتوں میں کبھی وہ معنی جس کی نفی اثبات ان کا مقصود ہوتی ہے باطل ہوتا تو ان کی خطا لفظ و معنی دونوں میں ہوتی ہے اور کبھی حق ہوتا ہے تو ان کی خطا لفظ میں ہوتی ہے نہ کہ معنی میں۔(ابن تمیہ نے یہاں تک کہا) مختصر یہ کہ جو صحابہ وتابعین اور ان کی تفسیر سے پھر کر ان کا خلاف اختیار کرے گا وہ اس میں بر سر خطا ہوگا بلکہ بد مذہب ہوگا اس لئے کہ صحابہ وتابعین کو قرآن کی تفسیر اس کے مطالب کا علم سب سے زیادہ تھا، جس طرح انہیں اس حق کی جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا خبر سب سے زیادہ تھی اھ ملخصًا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۱ و ۴۴۲

ولذا قال الامام ابو طالب طبری فی اوائل تفسیرہ فی القول فی آداب المفسر، ویجب ان یکون اعتمادہ علی النقل عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعن اصحابھم ومن عاصرھم ویتجنب المحدثات[1] الخ۔ قال ابن تمیۃ ایضا کان النزاع بین الصحابۃ فی تفسیر القرآن قلیلا جدا وھو (و) عـــہ ان کان بین التابعین اکثر منہ بین الصحابۃ فھو قلیل بالنسبۃ الی مابعدھم[2] الخ۔ وقال السیوطی بعد ما ذکر تفاسیر القدماء "ثم الف فی التفسیر خلایق فاختصروا الاسانید ونقلوا الاقوال بترًا فدخل من ھنا الدخیل والتبس الصحیح بالعلیل، ثم صار کل من یسنح لہ قول یوردہ، ومن یخطر ببالہ شیئ یعتمدہ، ثم ینقل ذلك عنہ من یجیئ بعدہ ظانا ان لہ اصلا غیر ملتفت الی تحریر ما ورد عن السلف الصالح ومن یرجع الیھم فی التفسیر حتی رایت	اور اسی لئے امام ابوطالب طبری نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں آداب مفسر کے بیان میں فرمایا کہ ضروری ہے کہ مفسر کا اعتماد اس پر ہو جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ وتابعین سے منقول ہے اور نئی باتوں سے بچے۔ نیز ابن تمیہ کا قول ہے صحابہ کے درمیان قرآن کی تفسیر میں بہت کم اختلاف تھا اور تابعین میں اگرچہ اختلاف صحابہ سے زیادہ ہوا مگر ان کے بعد والوں کی بہ نسبت تھوڑا تھا، اور سیوطی علیہ الرحمہ نے قدماء کی تفسیروں کا ذکر فرمایا کہ فرمایا: پھر تفسیر میں بہت لوگوں نے کتابیں تصنیف کیں تو انہوں نے سندوں کو مختصر کردیا اور ناتمام اقوال نقل کئے تو اس وجہ سے دخیل گھسا اور صحیح وغیر صحیح مخلوط ہوگئے پھر ہر شخص جس کے دل میں کوئی بات آئی اس کو ذکر کرنے لگا۔ اور جس کے فکر میں جو خطرہ گزرا وہ اس پر اعتماد کرنے لگا۔ پھر اس کے بعد جو آتا رہا وہ اس کے یہ خیالات نقل کرتا رہا اور اس گمان میں کہ اس کی کوئی اصل ہے، سلف صالحین اور ان لوگوں سے جو تفسیر میں مرجع ہیں اور جو وارد ہوا اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ کی یہاں تک کہ میں نے

عـــہ: سقطت ھذہ الواؤ من قلم الناسخ وزدناھا فی القوسین بعد ما رأینا الاتقان فوجدناھا فیہ۔ الازھری غفرلہ

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابن تیمیہ النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۳۷

من حکی فی تفسیر قولہ تعالٰی غیر المغضوب علیھم و لاالضالین"نحو عشرۃ اقوال،وتفسیر ھا بالیھود و النصارٰی ھو الوارد عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم وجمیع الصحابۃ والتابعین و اتباعھم حتی قال ابن ابی حاتم الااعلم فی ذلك اختلافا بین المفسرین[1] (الی ان قال)فان قلت فای التفاسیر ترشد الیہ وتامر الناظر ان یعول علیہ۔ **قلت** تفسیر الامام ابی جعفر بن جریر الطبری الذی اجمع العلماء المعتبرون علی ان لہ یؤلف فی التفسیر مثلہ[2] الخ۔وفی المقاصد البرھان والاتقان غیرھا عن الامام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تالی عنہ قال ثلثہ لیس لھا اصل المغازی والملاحم والتفسیر[3] اھ **قلت** وھذا ان لم یکن جاریا علی اطلاقۃ لما(عہ) یشھد بہ الواقع الا انہ	ایسے شخص کو دیکھا جس نے غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کی تفسیر میں تقریبًا دس قول نقل کئے حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور تمام صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے یہی منقول ہے کہ اس سے یہود ونصارٰی مراد ہیں یہاں تک کہ ابن ابی حاتم نے فرمایا کہ مجھے مفسرین کے درمیان اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں (یہاں تک انہوں نے کہا) اب اگر تم کہو تو کون سی تفسیر کی طرف آپ رہنمائی فرتے ہیں اور ناظر کو کس پر اعتماد کا حکم دیتے ہیں۔ **میں کہوں گا** تفسیر امام ابو جعفر بن جریر طبری کی تفسیر معتمد علماء نے جس کے لئے بالاتفاق فرمایا کہ تفسیر میں اس کی جیسی کوئی تالیف نہیں ہوئی الخ۔اور مقاصد، برہان اور اتقان وغیرہ میں امام اجل احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: تین کتابوں کی کوئی اصل نہیں، کتب سیر وغزوات وتفسر اھ۔ **میں کہتا ہوں** اگرچہ یہ بات اپنے اطلاق پر جاری نہیں جیسا کہ واقعہ اس کا گواہ ہے مگر یہ بات

عہ:لعلہ کما۔الازھری غفرلہ

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۴و۴۷۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن النور الثمانون فی طبقات المفسرین دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۶

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۰

لم یقله مالم یر الخلط غالبا علیها کمالا یخفی وهذا فی زمانه فیکف بما بعده وفی مجمع بحار الانوار عن رسالة ابن تیمیة "وفی التفسیر من هذه الموضوعات کثیره کما یرویه الثعلبی والواحدی والزمخشری فی فضل السور والثعلبی فی نفسه کان ذاخیر ودین لکن کان حاطب لیل ینقل ماوجد فی کتب التفسیر من صحیح وضعیف وموضوع والواحدی صاحبه کان ابصر منه بالعربیة لکن هو ابعد عن اتباع السلف، والبغوی تفسیره مختصر من الثعلبی لکن صان تفسیره عن الموضوع والبدع [1] اھ، وفیه عن جامع البیان لمعین بن صیفی قد یذکر محی السنة البغوی فی تفسیره من المعانی والحایات ما اتفقت کلمة المتاخرین علی ضعفه بل علی وضعه [2] اھ وفیه عن الامام احمد رحمة الله تعالٰی انه قال فی تفسیر الکلبی	یقینی ہے کہ امام احمد نے یہ بات نہ کہی جب تک ان کتابوں میں صحیح وسقیم کے خلط کا غلبہ نہ دیکھ لیا جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ تو ان کے زمانہ میں تھا تو ان کے بعد کیسی حالت ہوئی ہوگی۔ اور مجمع بحار الانوار میں رسالہ ابن تیمیہ سے منقول ہے اور تفسیر میں ان موضوعات سے بہت ہے جیسے وہ حدیثیں جو ثعلبی اور واحدی اور زمخشری سورتوں کی فضیلت میں روایت کرتے ہیں اور ثعلبی اپنی صفات میں صاحب خیر و دیانت تھے، لیکن رات کے لکڑہارے کی طرح تھے کہ تفسیر کی کتابوں میں صحیح، ضعیف، موضوع جو کچھ پاتے نقل کردیتے تھے، اور ان کے ساتھی واحدی کو عربیت میں ان سے زیادہ بصیرت تھی لیکن وہ سلف کی پیروی سے بہت دور تھا، اور بغوی کی تفسیر ثعلبی کی تلخیص ہے، لیکن انہوں نے اپنی تفسیر کو موضاعات اور بدعتوں سے بچایا ہے اور اسی میں جامع البیان مصنفہ معین بن صیفی سے ہے" کبھی محی السنۃ بغوی اپنی تفسیر میں وہ مطالب و حکایات ذکر کرتے ہیں جسے متاخرین نے یک زبان ضعیف بلکہ موضوع کہا ہے، اور اسی میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے ہے کہ انہوں نے فرمایا: تفسیر کلبی میں شروع سے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

[2] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۱

من اوله الی اخره کذب لایحل المنظر فیها [1] اھ وقد عد الخلیل فی الارشاد اجزاء قائل من التفسر صحت اسانیدها وغالبها بل کلها لاتوجد الان اللهم الانقول عنها فی اسفار المتاخرین"قال وهذه التفاسیر الطوال التی اسندوها الی ابن عباس غیر مرضیة ورواتها مجاهیل کتفسیر جویبر عن الضحاك عن ابن عباس [2] الخ۔وقال فاما ابن جریج فانه لم یقصد الصحة وانما روی ماذکر فی کل ایة من الصحیح والسقیم، وتفسیر مقاتل بن سلیمان فمقاتل فی نفسه ضعفوه وقد ادرك الکبار من التابعین و الشافعی اشار الی ان تفسیره صالح [3]۔ قال المولی السیوطی قدس الله سره واوهی طرقه (یعنی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما) طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلك روایة محمد بن مروان السدی	آخر تک جھوٹ ہے اس کا مطالعہ حلال نہیں اھ۔ اور بے شک خلیلی نے ارشاد میں تھوڑے تفسیر کے جزا یسے شمار کئے جن کی سندیں صحیح ہیں اور ان کا اکثر بلکہ چند نقول ان کی متاخرین کی کتابوں مین ہیں،ابن تمیمیہ نے کہا اور یہ لمبی تفسیریں جن کی نسبت لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کی ہے ناپسندیدہ ہیں اور اس کے راوی مجہول ہیں جیسے تفسیر جویبر بروایت ضحاک عن ابن عباس الخ۔اور کہا رہے ابن جریج تو انہوں نے صحیح روایتوں کا قصد نہ کیا انہوں نے ہر آیت کی تفسیر میں جو کچھ صحیح وسقیم مذکور ہوا روایت کردیا۔اور مقاتل بن سلیمان کا علماء نے فی نفسہ ضعیف بتایا حالانکہ انہوں نے اکابر تابعین سے اور امام شافعی سے ملاقات کی یہ اشارہ ہے کہ ان کی تفسیر لائق قبول ہے اھ۔امام سیوطی قدس سرہ نے فرمایا اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی سب سے کمزور سند کلبی عن ابی صالح عن ابن عباس سے پھر اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت مل جائے

[1] مجمع بحار الانوار نوع فی تعیین بعض الوضاع وکتبهم مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵ /۲۳۰

[2] الاتقان فی علم القرآن بحواله الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۰

[3] الاتقان فی علم القرآن بحواله الخلیلی النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۷۱

الصغیر فھی سلسلة الکذب وکثیر ا مایخرج منھا الثعلبی والواحدی،ولکن قال ابن عدی فی الکامل للکلبی احادیث صالحة وخاصة عن ابی صالح وھو معروف بالتفسیر ولیس لاحد نفسیر اطول منه و لا اشبع،وبعدہ مقاتل بن سلیمان الا ان الکلبی یفضل علیه لما فی مقاتل من المذاھب الردیئة و طریق الضحاك بن مزاحم عن ابن عباس منقطعة فان الضحاك لم یلقه فان انضم الی ذلك روایة بشربن عمارة عن ابی روق عنه فضعیفة لضعف بشر،وقد اخرج من ھذہ النسخة کثیرا ابن جریر وابن ابی حاتم،وان کان من روایة جویبر عن الضحاك فاشد ضعفا لان جویبرا شدید الضعف متروك[1] الخ۔قال ورایت عن فضائل الامام الشافعی لابی عبد الله محمد بن احمد بن شاکر القطان انه اخرج بسندہ من طریق بن عبد الحکم قال سمعت الشافعی یقول لم یثبت عن ابن عباس فی التفسیر الاشبیه	تو یہ جھوٹ کا سلسلہ ہے،او را یسا بہت ہوتا ہے کہ ثعالبی اور واحدی اس سلسلہ سے روایت کرتے ہیں۔لیکن ابن عدی نے کامل میں فرمایا کلبی کی احادیث قابل قبول ہیں اور خصوصًا ابو صالح کی روایت سے اور وہ تفسیر کے سبب معروف ہیں اور کسی کی تفسیر ان سے زیادہ طویل اور بھرپور نہیں،اور ان کے بعد مقاتل بن سلیمان ہیں،مگر کلبی کو ان پر اس لئے فضیلت ہے کہ مقاتل کے یہاں ردی خیالات ہیں،اور سند ضحاک بن مزاحم عن ابن عباس منقطع ہے اس لئے کہ ضحاک نے ابن عباس سے ملاقات نہ کی،پھر اگر اس کے ساتھ روایت بشر بن عمارہ عن ابی روق مل جائے تو بوجہ ضعف بشر ضعیف ہے،اس نسخہ سے بہت حدیثیں ابن جریر اور ابن حاتم نے تخریج کیں اور اگر جویبر کی کوئی روایت ضحاک سے ہو تو سخت ضعیف ہے اس لئے کہ جویبر شدید الضعف متروک ہے،انہوں نے کہا اور میں نے فضائل امام شافعی مصنفہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن شاکر قطان میں دیکھا کہ انہوں نے اپنی سند بطریق ابن عبد الحکم روایت کیا کہ ابن عبد الحکم نے فرمایا میں نے امام شافعی کو فرماتے سنا کہ ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تفسیر میں تقریبا سو حدیثیں

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۱و۴۷۲

بمائة حدیث[1] قلت وھذہ معالم التنزیل للامام البغوی مع سلامة حالھا بالنسبة الی کثیر من التفاسیر المتداولة و دنوھا الی المشرع الحدیثی یحتوی علی قناطیر مقنطرة من الضعاف والشواذ والواھیات المنکرة و کثیرا ماتدور اسانیدھا علی ھولاء المذکورین بالضعف والجرح کالثعلبی والواحدی والکلبی والسدی و مقاتل وغیرھم ممن قصصنا علیك اولم نقصص فما ظنك بالذین لااعتناء لھم بعلم الحدیث ولا اقتدار علی نقد الطیب من الخبیث کالقاضی البیضاوی وغیرہ ممن یحذو حذوہ.فلا تسئل عما عندھم من اباطیل لازمام لھا ولاخطام دع عنك ھذا یالیتھم اقتصروا علی ذلك لکن بعضھم تعدوا ماھنا لك وسلکوا مسالك تجر الی مھالك فادلجوا فی تفسیر القرآن ماتقف لہ الشعر وتنکرہ القلوب وتمجہ الاذن اذقرر واقصص الانبیاء الکرام والملئکة العظام علیھم الصلوٰۃ والسلام	ثابت ہیں۔ **میں کہوں گا** اور یہ معالم التنزیل ہے جو امام بغوی کی تصنیف ہے، باوصف یہ کہ بہت سی رائج تفسیروں کے مقابل غلطیوں سے محفوظ ہے اور طرفہ حدیث سے قریب ہے بہت ضعیف و شاذ اور واہی منکر روایتوں پر مشتمل ہے اور ایسا بہت ہوتا ہے اس کی روایت کی سندیں ان پر دورہ کرتی ہیں جن کا نام ضعف وجرح کے ساتھ لیا جاتا ہے جیسے ثعلبی، واحدی، کلبی، سدی اور مقاتل وغیرہم جن کا ہم نے تم سے بیان کیا اور جن کا بیان نہ کیا تو تمہارا گمان انکے ساتھ کیسا ہے جنہیں علم حدیث کا اہتمام نہیں اور ستھرے کو میلے سے الگ کرنے کی قدرت نہیں جیسے قاضی بیضاوی اور ان کے علاوہ جو بیضاوی کے طریقہ پر چلتے ہیں، تو ان کے پاس ان باطل اقوال کا حال نہ پوچھو جن کے لئے نہ لگام ہے نہ بندش کی رسی، اس خیال کو اپنے سے دور رہنے دو، کاش یہ لوگ اسی پر بس کرتے، مگر ان میں سے کچھ لوگ اس سے آگے بڑھے اور ایسے رستے چلے جو ہلاکتوں کی طرف کھینچ کرلے جائیں تو انہوں نے قرآن کی تفسیر میں ایسی باتیں داخل کردیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل انہیں ناپسند کرتے اور کان انہیں پھینکتے ہیں اس لئے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۷۲

بما ینقض عصمتھم وینقص اویزیل عن قلوب الجھال عظمتھم کما یظھر علی ذلك من راجع قصة ادم وحواء وداؤد و اوریا وسلیمان والجسد الملقی و الالقاء فی الامنیة والغرانقة العلی وھاروت و ماروت وما ببابل جری فباللّٰه التعوذ والیه المشتکی فاصابھم فی ذلك ما اصاب اھل السیر والملاحم فی نقل مشاجرات الصحابة.اذجاء کثیر منھا مناقضا للدین وموھنا للیقین وازدارد خنا علی وخن وھنات علی ھنات ان اطلع علی کلامھم بعض من لیس عندہ آثار ۃ من علم ولامتانة من حلم فضل و اضل اما اغترارابکلما تھم جھلا منه بما فیه من الوبال البعید والنکال الشدید واما ظلما وعلوا لاجتراء ہ بذلك علی ابانة مافی قلبه المرض من تنقیص الانبیاء وتفسیق الاولیاء فمضی علیه الکبیر و نشاء علیه الصغیر	انبیاء کرام وملائکہ عظام کے قصوں میں ایسی باتوں کو مقرر رکھا جن سے اس کی عصمت نہیں رہتی اور جاہلوں کے دل مین ان کی عظمت کم ہوجاتی ہے یازائل ہوجاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات آدم و حوا وداؤد و اوریا اور سلیمان اور انکی کرسی پر پڑے ہوئے جسم اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تلاوت کے دوران شیطان کے القاء اور غرانیق عُلی کے واقعات اور ہاروت و ماروت اور بابل کا ماجرا کا مطالعہ کرنے والے پر ظاہر ہے تو اللہ ہی کی پناہ اور اسی سے ان کی شکایت ہے تو ان کو ان باتوں سے وہ مرض لگا جو مصنفین واقعات سیرت ومغازی کو صحابہ کے اختلافات کو نقل کرنے سے لگا اس لئے کہ بہت باتیں دین کے مخالف اور ایمان کو کمزور کرنے والی ان لوگوں سے ظاہر ہوئیں اور فساد پر فساد اور خطاؤں پر خطائیں یوں بڑھ گئیں کہ ان لوگوں کے کلام کی اطلاع کچھ ان لوگوں کو ہوگئ جن کے پاس نہ کچھ بچاکھچا علم تھا نہ عقل کی پختگی، تو وہ خود گمراہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا یا تو ان کے کلمات سے دھوکا کر اس کے وبال شدید وسخت عذاب سے بے خبری میں یا ظلم وسرکشی کی وجہ اسے اس لئے کہ ان باتوں سے انہیں اس کے اظہار کی جرات ہوئی جو انبیاء کی تنقیص اور اولیاء کی تفسیق ان کے دل میں تھی تو اس پر بڑے گزرے اور چھوٹے پروان چڑھے اور یہ

فاختل دین کثیر من الناقصین وصاروا شرا من العوام العامین اذلم یقدروا علی مطالعتها فنجوا عن فتنتها وقد بذل علماء نا النصح للثقلین فشد دو االنکیر علی کلا الفریقین اعنی التفاسیر والوھیة و السیر الداھیة فاعلنوا انکارھا و بینوا عوارھا کالقاضی فی الشفاء والقاری فی الشرح والخفاجی فی النسیم والقسطلانی فی المواھب والزرقانی فی الشرح والشیخ فی المدارج وغیرھم فی غیرھا رحمة الله علیھم اجمعین، والحمدلله رب العالمین، ولقد الان القول ابوحیان اذقال کما نقل الامام السیوطی ان المفسرین ذکروا مالا یصح من اسباب نزول و احادیث فی الفضائل و حکایات لاتناسب وتواریخ اسرائیلیة ولاینبغی ذکر ھذا فی علم التفسیر[1] انتھی،

واعلم ان ھناك اقواما یعتریھم نزغة فلسفیة لما افنوا عمرھم فیھا وظنوھا شیئا شھیا فیولعون بابداء احتمالات

عامی لوگوں سے بدتر ہوگئے کہ عامیوں کو ان کتابوں کے معالعہ کی قدرت نہ تھی تو وہ ان کے فتنہ سے بچے رہے اور بے شک ہمارے علماء نے دونوں فریقوں کو بھرپور نصیحت کی چنانچہ انہوں نے دونوں فریق کی سخت مذمت کی یعنی واہی تفاسیر اور سیرت کی ناپسندیدہ کتابوں کی تو انہوں نے ان کتابوں کا ناپسندیدہ ہونا ظاہر کیا اور ان کا عیب کھولا جیسے علامہ قاضی عیاض نے شفا میں اور علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں اور علامہ قسطلانی نے مواہب میں اور علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اور علامہ قاری نے شرح شفا میں اور شیخ (محقق عبدالحق محدث دہلوی) نے مدارج میں اور دوسروں نے دوسری تصانیف میں رحمۃ اللہ علیہم اجمعین والحمدللہ رب العلمین، اور یقینا ابوحیان نے بات کو سہل ونرم کیا کہ انہوں نے کہا جیسا کہ امام سیوطی نے نقل کیا کہ مفسرین نے ایسے اسباب نزول اور فضائل میں وہ حدیثیں ثابت نہں اور نامناسب حکایات اور تواریخ اسرائیل کو ذکر کیا ہے حالانکہ اس کا ذکر تفسیر میں مناسب نہیں، اور تم جان لو کہ اس جگہ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں فلسفی وسوسے آتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے اپنی عمر اس میں فنا کی اور اسے موغوب شے گمان کیا تو ان کو دورازکار

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

بعیدۃ ولولم یکن فیھا حلاوۃ ولا علیھا طلاوۃ حتی ذکر بعضھم فی قولہ تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" [1] ماتعلقت بہ جھلۃ النصارٰی واخرون ممن یتلجلجون فی الایمان فیلھجون بکلمۃ الاسلام وفی قلوبھم من بغض النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانکار معجزاتہ جبال عظام فانا للہ وانا الیہ راجعون ھذا الذی اعیی السیوطی حتی تبرا عنھا کلھا واقتصر علی الارشاد الی تفسیر ابن جریر کما مرنقلہ کما تضجرا الذھبی عن خلاعۃ اکثر السیر والتواریخ فعافھا عن اخرھا الی دلائل البیھقی قائلا انہ النور کلہ وقد دبت ھذہ الفتنۃ الصماء والبلیۃ العمیاء الی کثیر من متاخری المتکلمین الذین اشتد عنایتھم بالتفلسف الخبیث ولم یحصلو ابصیرۃ فی صناعۃ الحدیث حتی انھم یذکرون فی بعض المسائل فضلاعن الدلائل ما لیس من السنۃ فی شی واما	احتمالوں کو ظاہر کرنے کی لت ہے اگرچہ ان میں شیرینی ہو نہ ان پر رونق ہو، یہاں تک کہ کسی نے قول باری تعالٰی "وَانْشَقَّ الْقَمَرُ۝" (اور چاند شق ہوگیا) کی تفسیر میں وہ بات ذکر کی جس سے جاہل نصرانی اور دوسرے وہ لوگ جوایمان میں ثابت نہیں اس لئے زبان سے کلمہ اسلام پڑھتے ہیں حالانکہ ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عداوت اور ان کے معجزات کے انکار کے بڑے پہاڑ ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون (ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے) یہی سبب تھا کہ سیوطی اس درجہ عاجز ہوئے کہ تمام تفسیروں سے بیزاری فرمائی اور صرف تفسیر ابن جریر کی طرف رہنمائی پر بس کیا جیسا کہ اس کی حکایت گزری جس طرح ذہبی سیرت اور تاریخ کی اکثر کتابوں کی بے شرمی سے پریشان ہوئے توانہوں نے اول سے آخر تک سب کو چھوڑا اور دلائل بیہقی پر مطمئن ہوئے اور فرمایا وہ سراسر نور ہے، اور یہ شدید فتنہ اور ہمہ گیر بلا بہت سے متاخر متکلمین کی طرف سرایت کر گئی (جن کی زیادہ توجہ خبیث فلسفہ پر تھی) اور انہوں نے فن حدیث میں بصیرت حاصل نہ کی یہاں تک کہ یہ لوگ کچھ مسائل میں چہ جائیکہ دلائل میں وہ باتیں ذکر کرتے ہیں جو باتیں سنت سے نہیں۔ رہ گیا

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱

مابینھم من قیل وقال وکثرۃ السوال و الشبہ و الجدال،فکن حذورا و لاتسئل عن الخیر اوہ علی اللہ الشکوی۔ فلقد بلغ الامر الی ان الناظر فی تلك الکتب لایکاد یعرف ان ھذا ما جاء بہ ارسطو و افلاطون اوماجاء بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقد ثقل صنیعھم ھذا علی العلماء المحتمین للدین ان الامام العامل بعلمہ سیدی الشیخ المحقق لما رای ذلك منھم فی مسئلۃ المعراج لم یتمالك نفسہ ان اغلظ القول فیھم الی سماھم ان سماھم ضالین مضلین ولم یکن بدعا فی ذلك بل سبقہ فی اقامۃ الطامۃ الکبری علیھم ائمۃ تشار الیھم بالبنان وتقوم بھم ارکان الایمان کما فصلہ الملاعلی القاری فی شرح الفقہ الاکبر ان شئت فطالعہ فانك اذا رایت ثم رایت عجبا کبیرا ومن ھذا القبیل ما ذکرہ بعضھم فی مشاجرات الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اذنسب القول بتفسیق کثیر منھم حتی بعض العشرۃ المبشرۃ ایضًا	کو کچھ ان کے درمیان قیل وقال اور کثرت سوال و شبہات وجدال ہیں۔ان سے بہت ڈرتے رہو اور ان کی حالت نہ پوچھو آہ اللہ ہی سے فرماد ہے۔ اس لئے کہ نوبت یہاں پہنچی ان کتابوں کو دیکھنے والا یہ جانتا ہوانہیں لگتا ہے کہ یہ بات ارسطو اور افلاطون لائے یا یہ وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لائے اور ان کا یہ معاملہ دین کے لئے حمیت والے علماء پر شاق گزار یہاں تک کہ امام عالم باعمل سیدی شیخ محقق (عبدالحق محدث دہلوی) نے مسئلہ معراج میں جب ان کی یہ روش دیکھی تو انہیں اپنے اوپر قابو نہ رہا انہوں نے ان لوگوں کے بابت سخت کلام فرمایا یہاں تک کہ انہیں گمراہ و گمراہ گر کا نام دیا اور اس میں وہ نت نئے نہیں بلکہ ان سے پہلے ان پر قیامت کبری ان پیشواؤں نے قائم کی جن کی طرف انگلیاں اٹھتی ہیں اور جن سے ایمان کے ستون قائم ہیں جیسا کہ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اس کو مفصل بیان فرمایا ہے تم چاہو تو اس کا مطالعہ کرو اس لئے کہ جب تم اس مقام کو دیکھوگے تو بڑی عجیب بات دیکھوگے،اور اسی قبیل سے وہ ہے جو بعض لوگوں نے صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اختلافات میں ذکر کیا ہے،کہ انہوں نے بہت صحابہ کے یہاں تک کہ دس صحابہ مژدہ یافتگان

الی کثیر من اهل السنة والجماعة وهم والله ماقالوا ولا اذنوا فالحق ان الدین لایقوم الا بالحدیث والحدیث مضلة الا للفقیه والفقه لایحصل باتباع الشبه وتحکیم العقل السفیه نجانا الله والمسلمین عن شر الجهل و شر العلم فان شر العلم ادهی وامر ولاحول ولا قوة الا بالله العزیز الحکیم وانما اطبنا الکلام فی هذاالمقام حوطا علی السنن وکراهة للفتن ان تروج علی المؤمنین او ترعرع الی الدین فیفسد الیقین الا فعض علیه بالنواجذ فالنصیح غیر مفتون وایاك ان تخالفه وان افتاك المفتون۔	جنت میں سے کچھ کے فسق کا قول بہت سنی علماء کی طرف منسوب کردیا حالانکہ انہوں نے قطعاً خدا کی قسم یہ بات نہ کہی نہ کسی کے لئے روا رکھی تو حق یہ ہے کہ دین کا نظام تو حدیث سے ہے اور حدیث سے فقیہ کے سوا سب کو گمراہی کا اندیشہ ہے اور فقہ اثبات شبہات اور نادان عقل کو حاکم بنا کر حاصل نہیں ہوتا اللہ تعالٰی ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہل کی شر اور علم کی شر سے بچائے اس لئے کہ علم کی شر بہت سخت اور بہت تلخ ہے اور برائی سے پھرنا اور نیکی کی قدرت اللہ ہی سے ہے جو غلبے والا حکمت والا ہے اور ہم نے اس مقام میں کلام طویل سنت کی حفاظت کے لئے اور اس بات کی کراہیت کے سبب کیا کہ فتنے مسلمانوں میں راوج پائیں یا دین کی طرف چلے آئیں تو ایمان بگڑ جائے، سنتا ہے تو اس کو مضبوطی سے پکڑلو کہ نصیحت پکڑنے والا گمراہ نہیں ہوتا، اور خبردار اس کی مخالفت نہ کرنا اگرچہ فتوی دینے والے فتوی دیں۔
ایقاظ مهم: اعیذك بالله ان یستفزك الوهم عن الذی القینا علیك فتفتری علینا غیره اویوسوسك قلة الفهم انا لانکترث للتفسیر ولانلقی له	**ضروری تنبیہ:** میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں اس بات سے کہ تمہیں وہم اس بات سے ڈگمگادے جو ہم نے تم پر القاء کیا، تو تم ہم پر اس سے جدا بات کا بہتان باندھو یا فہم کی کمی یہ وسوسہ ڈالے کہ ہم تفسیر کی پرواہ نہیں کرتے اور

بالا ولا نسلم له خیرہ وانما المعنی ان غالب الزبر المتداولة لاتسلم من الدخیل وتجمع من الاقوال کل صحیح وعلیل فمجرد حکایتها لایوجب التسلیم ولایصد الناقد عن نقد السقیم فماھی عندنا اسوء حالا من اکثر کتب الاحادیث اذ نعاملها مرة بالترک ومرة بالاحتجاج لما نعلم انها ترد کل مورد فتحمل تارة عذبا فراتا وتاتی مرة بملح اجاج، وبالجملة فالامر یدور علی نظافة الحدیث سندا ومتنا فاینما وجدنا الرطب اجتنینا وان کان فی منابت الحنظل وحیثما راینا الحنظل اجتنبنا وان نبت فی مسیل العسل۔	اس کا ہمیں کوئی خیال نہیں اور ہم اس کی اچھی بات بھی نہیں مانتے، مقصد صرف اتنا ہے کہ اکثر کتب متداولہ دخیل سے محفوظ نہیں اور وہ ہر صحیح وسقیم قول کو اکٹھا کرتی ہین تو ان کتابون میں کسی قول کی مجرد حکایت اس کا مان لینا واجب نہیں کرتی اور پرکھنے والوں کو کھوٹے کی پرکھ سے نہیں روکتی تو یہ ان کتابوں کاحال ہمارے نزدیک حدیث کی اکثر کتابوں سے زیادہ برا نہیں اس لئے کہ ہم ان کے ساتھ کبھی کسی قول کو چھوڑنے اور کبھی کسی کو حجت بنانے کا معاملہ کرتے ہیں یوں کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ ہر گھاٹ پر اترتی ہیں تو کبھی میٹھا پانی اٹھالیتی ہیں اور کبھی سخت کھاری پانی جس سے منہ جل جائے لاتی ہیں، بالجملہ مدار کار حدیث کی نظافت (پاکیزگی) سند و متن کے لحاظ سے ہے تو جہاں کہیں ہم میٹھا پھل پائیں گے اسے چن لیں گے اگرچہ وہ کسی خراب جگہ اگاہو اور جہاں کہیں کڑوا پھل دیکھیں گے تو اس کو چھوڑدیں گے اگرچہ وہ شہد کی نہر میں اگاہو۔
ولقد علمت ان اکثر ھذا الداء العضال انما دخل التفاسیر من باب الاعضال وفی امثال تلك المحال اذا لم یعرف السند یؤل الامر الی نقد المقال فما کان منها یناضل النصوص ویرد المنصوص اوفیه ازراء بالرسل والانبیاء اوغیر ذلك ممالا یحتمل علمنا انه قول مغسول	اور یقیناً تمہیں معلوم ہے کہ اس لاعلاج مرض کا بیشتر حصہ تفاسیر میں جہالت سند کے دروازہ سے گھسا اور ایسے مقامات میں جب سند معروف نہ ہو مآل کار بات کو پرکھنا ہے تو جو بات نصوص سے ٹکراتی اور منصوب کورد کرتی ہو یا اس میں رسل وانبیاء کی تنقیص ہو یا اور کوئی بات جو قابل قبول نہ ہو ہم جان لیں گے کہ یہ قول دھودینے کے قابل ہے اور اگر

وان كان بريئا من الافات نقيا من العاهات قبلناه على تفاوت عظيم بين قبول وقبول وليس هذا من باب مانهينا عنه من الاجتراء على التفسير بالاراء ومعاذ الله ان نجترى عليه فان علم التفسير اشد عسير ويحتاج فيه الى ما ليس بحاصل ولا ميسر كما قد فصل بعضه العلامة السيوطى رحمة الله تعالٰى عليه وكذلك اذا اتانا منها مافيه العدول عن ظاهر المدلول وصح ذلك عمن لا يسعنا خلافه اوكانت هناك خلة لا تنسد الابه تعين القبول والا فدلالة كلام الله تبارك وتعالٰى احق بالتعويل من قال وقيل هذا الذى قصد فلا تنقص ولا تزد۔	خرابیوں سے بری، علتوں سے پاک ہو ہم اسے قبول کرلیں گے باوجودیکہ اسے قبول کرنے میں اور دوسرے قول کو قبول کرنے میں عظیم تفاوت ہے اور تفسیر بالرائے کے باب سے نہیں ہے جس سے ہمیں روکا گیا، اور اللہ کی پناہ اس سے کہ ہم اس پر جرات کریں اس لئے کہ علم تفسیر سخت دشوار ہے اور اس میں اس کی حاجت ہے جو ہمیں حاصل نہیں اور نہ اس کا حاصل ہونا آسان ہے جیسا کہ ان علوم ضروریہ میں سے بعض کی تفصیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمائی ہے اور یونہی جب ہمیں ان میں کوئی قول ایسا پہنچے جس میں ظاہر معنی سے عدول ہو اور وہ اس سے ثابت ہو جس کا خلاف ہمیں نہیں پہنچتا یا کوئی حاجت ہو جو ظاہر سے عدول کے بغیر پوری نہ ہو تو اسے قبول کرنا متعین ہے ورنہ کلام الٰہی کی دلالت قیل وقال سے اعتماد کی زیادہ حقدار ہے یہی ہمارا مقصود ہے تو اس سے نہ کم کرو نہ زیادہ۔
قال الامام السيوطى قال بعضهم فى جواز تفسير القرآن بمقتضى اللغة روايتان عن احمد وقيل الكراهة تحمل على صرف الاية عن ظاهرها الى معان خارجة محتملة يدل عليها القليل من كلام العرب ولا يوجد غالبا الا فى الشعر و نحوه ويكون المتبادر خلافها[1] اھ"	امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: بعض علماء نے فرمایا کہ مقتضائے لغت کے مطابق قرآن کی تفسیر کے جواز میں امام احمد سے دو روایتیں ہیں اور کچھ کا قول یہ ہے کہ کراہت اس پر محمول ہے کہ آیت کو اس کے ظاہری معنی سے پھیر کر ایسے معانی خارجہ محتملہ پر محمول کرے جن پر قلیل کلام عرب دلالت کرتا ہو اور وہ غالبا اور اس کے مثل کلام کے سوا عام بول چال میں نہ پائے جائیں اور ذہن کا تبادر اس کے خلاف ہو اھ۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۴

وقال عن برھان الزرکشی "کل لفظ احتمل معنیین فصاعدا فھو الذی لایجوز لغیر العلماء الاجتھاد فیه، وعلیھم اعتماد الشواھد والدلائل دون مجرد الرأی، فان کان احد المعنیین اظھر وجب الحمل علیه الاان یقوم دلیل علی ان المراد ھو الخفی [1] اھ	اور سیوطی نے برہان سے حکایت کیا: ہر وہ لفظ جو دو یا دو سے زائد معنی کا احتمال رکھے اس میں تو غیر علماء کو اجتہاد جائز نہیں اور علماء کو لازم ہے کہ وہ شواہد ودلائل پر بھروسہ کریں نہ کہ محض رائے پر، تو اگر دو معنی میں سے ایک ظاہر تر ہے تو اسی پر محمول کرنا واجب ہے مگر یہ کہ دلیل قائم ہو کہ مراد خفی ہی ہے اھ۔
وقال قال العلماء یجب علی المفسران یتحری فی التفسیر مطابقة المفسر و ان یتحرز فی ذلك من نقص عما یحتاج الیه فی ایضاح المعنی اوزیادة لا تلیق بالغرض ومن کون المفسرفیه زیغ عن المعنی و عدول عن طریقه وعلیه بمراعاة المعنی الحقیقی و المجازی، ومراعاة التالیف والغرض الذی سیق له الکلام [2] الخ۔	اور فرمایا: علماء کا قول ہے کہ مفسر پر واجب ہے کہ وہ تفسیر میں یہ تجویز کرے کہ تفسیر لفظ مفسر کے مطابق ہو اور اس سے کم کرنے سے بچے جس کی حاجت توضیح مراد کے لئے ہو اور ایسے لفظ کو زیادہ کرنے سے احتراز کرے جو مقصد کے مناسب نہ ہو، اور اس بات کی احتیاط رکھے کہ تفسیر میں معنی سے انحراف اور اس کی راہ سے عدول نہ ہو، اور اس پر لازم ہے کہ معنی حقیقی ومجازی کی رعایت کرے اور ترکیب اور اس غرض کی جس کے لئے کلام ذکر کیا گیا رعایت رکھے۔
المقدمة الثالثة: کثیرا ماتری المفسرین یذکر بعضھم تحت الایة وجھا من التاویل والبعض الاخرون وجھا اخر وربما جمعوا وجوھا کثیرة وغالبه لیس من باب الاختلاف	**مقدمہ سوم:** مفسرین کو تم بہت دیکھوگے کہ ان میں سے کوئی آیت کے تحت کوئی وجہ تاویل ذکر کرتا ہے اور بعض دوسرے دوسری وجہ ذکر کرتے ہیں اور کبھی بہت سی وجوہ جمع کردیتے ہیں اور بیشتر وجوہ اختلاف وتردد کے

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۵۳

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

او التردد المانع عن التمسك باحدها لاسیما الاظهر الانور منها و انما هو تفنن فی المرام، او بیان لبعض ماینتظمه الکلام وذالك ان القرآن ذو وجوه وفنون ولکل حرف منه غصون وشجون و له عجائب لاتنقضی ومعان تمد ولا تنتهی فجاز الاحتجاج به علی کل وجوهه و هذا من اعظم نعم الله سبحنه وتعالٰی علینا ومن ابلغ وجوه اعجاز القرآن ولو کان الامر علی خلاف ذلك لعادت النعمة بلیة والاعجاز عجزا والعیاذ بالله تعالٰی وقد وصف الله سبحنه وتعالٰی القرآن بالمبین، فلیس تنوع معاینه کتذبذب المحتملات فی کلام مبهم مختلط لایستبین المراد منه، ولقد قال الله تبارك وتعالٰی "قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾"[1] وقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی مااخرج ابو نعیم وغیره

باب سے نہیں جس میں سے کسی کو اخذ کرنا دوسری سے تمسک کا مانع ہو خصوصاً ان میں جو ظاہر تر اور روشن تر ہو بلکہ یہ وجوہ بیان مقصد میں تفنن عبارت ہے یا کلام جن وجوہ کو شامل ہے اس میں سے کچھ کو بیان کردینا ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن مختلف وجوہ رکھتا ہے اور اس کے ہر لفظ کے متعدد معانی ہیں اور اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے اور معانی بڑھتے ہیں اور کسی حد پر نہیں تھمتے، لہٰذا اس کی تمام وجوہ کو حجت بنانا جائز ہے اور یہ ہمارے لئے اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک ہے اور قرآن کے اعجاز کے اسباب بلیغہ سے ایک سبب ہے، اور اگر معاملہ اس کے برخلاف ہوتا تو نعمت مصیبت ہوجاتی اور اعجاز عجز ہوجاتا والعیاذ باللہ تعالٰی، اور اللہ تعالٰی نے قرآن کا وصف مبین فرمایا ہے تو اس کے معانی کا قسم قسم ہونا کلام مبہم میں جس کی مراد ظاہر نہ ہو، محتملات کے تردد کی طرح نہیں اور یقیناً اللہ تبارک وتعالٰی فرماتا ہے: اے محبوب! تم فرمادو اگر سمندر میرے رب کی باتوں کے لئے روشنائی ہوجائے تو سمندر ختم ہوجائے گا اور میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم اس جیسا اور اس کی مدد کو لے آئیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جیساکہ ابونعیم وغیرہ نے حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۱۰۹

عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما القرآن ذلول ذو وجوہ فاحملوہ علی احسن وجوھہ [1] رضی اللہ تعالٰی عنہما کما اخرج ابن ابی حاتم عنہ ان القرآن ذو شجون وفنون وظھور وبطون لاتنقضی عجائبہ ولا تبلغ غایتہ [2] الحدیث۔ قال السیوطی قال ابن سبع فی شفاء الصدور ورد عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال لایفقہ الرجل کل الفقہ حتی یجعل للقرآن وجوھا، وقد قال بعض العلماء لکل ایۃ ستون الف فھم [3] انتہی ملخصًا۔وللہ در الامام البوصیری حیث یقول ؎ لھا معان کموج البحر فی مدد وفوق جوھرہ فی الحسن والقیم فلا تعد ولا تحصی عجائبھا ولا تسام علی الاکثار بالسام [4]	ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا قرآن نرم و آسان ہے مختلف وجوہ والا ہے تو اسے اس کی سب سے اچھی وجہ پر محمول کرو۔اور سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا جیسا کہ ابن ابی حاتم نے ان سے روایت کی قرآن مختلف معانی ومطالب اور ظاہری وباطنی پہلو رکھتا ہے،اس کے عجائب بے انتہا ہیں اس کی بلندی تک رسائی نہیں (الحدیث) سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابن سبع نے شفاء الصدور میں فرمایا کہ ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آدمی اس وقت تک کامل فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن کے مختلف وجوہ نہ جان لے،اور بعض علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے ساٹھ ہزار مفہوم ہیں۔ اور امام بوصیری کی خوبی اللہ ہی کے لئے ہے کہ وہ فرماتے ہیں قرآنی آیات کے وہ معانی کثیر ہیں جیسے سمندر کی موج افزائش میں،اور وہ حسن وقیمت میں سمندر کے گہر سے بڑھ کر ہیں تو ان آیتوں کے عجائب کی نہ گنتی ہوسکے نہ شمار میں آئیں، اور اس کثرت کے باوجود ان سے اکتانے کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۴۴۷و۴۴۶

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۶۰

[3] الاتقان فی علوم القرآن بحوالہ ابی نعیم وغیرہ عن ابن عباس النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۴۶۰

[4] الکوکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ہند، ص ۴۰

فثبت بحمد الله ان بعض معانیه لاینافی بعضا ولا یوجب وجه لوجه رفضا من جراء هذا تری العلماء لم یزالو محتجین علی احد التاویلات، ولم یمنعهم عن ذلك علمهم بان هناك وجوها اخر لاتعلق لها بالمقام، وعلام کان یصدهم وقد علموا ان القرآن حجة بوجوهه جمیعا ولیس هذا الا تفننا وتنویعا هذا هوالاصل العظیم الذی یجب المحافظة علیه، انبانا المولی السراج عن المفتی الجمال عن السنة السندی عن الشیخ صالح عن محمد بن السنة وسلیمان الدرعی عن الشریف محمد بن عبدالله عن السراج بن الالجائی عن البدر الکرخی والشمس العلقمی کلهم عن الامام جلال الملة و الدین السیوطی قال فی الاتقان ناقلا عن ابن تیمیة الخلاف بین السلف فی التفسیر قلیلل وغالب مایصح عنهم من الخلاف یرجع الی اختلاف تنوع الاختلاف تضاد۔ وذلك صنفان: **احدهما** ان یعبر واحد منهم عن المراد بعبارة غیر عبارة صاحبه تدل علی معنی فی المسمی غیر المعنی الاخر من اتحاد المسمی	اب بحمد اللہ ثابت ہوا کہ اس قرآن کا کوئی معنی دوسرے کے متنافی نہیں اور کوئی وجہ دوسری وجہ کو چھوڑ دینا واجب نہیں کرتی اسی وجہ سے تم دیکھوگے کہ علماء ایک تاویل پر بنائے دلیل رکھتے ہیں اور اس بات سے باز نہیں رکھتا انہیں ان کا یہ علم کہ اس جگہ دوسری وجوہ بھی جن کو ان کے مقصد سے تعلق نہیں، اور کا ہے کو باز رکھے حالانکہ انہیں خبر ہے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے اور یہ اختلاف وجوہ تو محض تفنن کلام و تلون عبارت ہے، ہمیں خبر دی مولی سراج نے مفتی جمال سے انہوں نے سند سندی سے انھوں نے شیخ صالح سے انھوں نے محمد بن السنۃ اور سلیمان درعی سے انہوں نے شریف محمد بن عبداللہ سے انہوں نے سراج بن الالجائی سے انہوں نے بدر کرخی و شمس علقمی سے، ان سب نے جلال الملۃ والدین سیوطی سے روایت کی کہ انہوں نے اتقان میں ابن تیمیہ سے نقل فرمایا کہ تفسیر میں سلف کے درمیان اختلاف کم ہے اور اکثر اختلاف جو سلف سے ثابت ہے اختلاف طرز تعبیر کی طرف لوٹتا ہے متضاد باتوں کا اختلاف نہیں اور یہ (تعبیروں کا اختلاف) دو صنف ہے: ان میں سے **ایک صنف** یہ کہ ان لوگوں میں سے کوئی اپنی مراد کی تعبیر ایک عبارت سے کرے جو اس کے ساتھی کی عبارت سے جداگانہ ہو اور معنی ایک ہو جیسے علماء نے

کتفسیر ھم الصراط المستقیم "بعض بالقرآن ای اتباعه وبعض بالاسلام فالقولان متفقان لان دین الاسلام ھو اتباع القرآن ولکن کل منھما نبه علی وصف غیر الوصف الاخر کما ان لفظ الصراط یشعر بوصف ثالث، وکذلك قول من قال ھو السنة و الجماعة وقول من قال ھو طریق العبودیة وقول من قال ھو طاعة الله ورسوله و امثال ذلک. فھؤلاء کلھم اشاروا الی ذات واحدة ولکن وصفھا کل منھم بصفة من صفاتھا۔	الصراط المستقیم کی تفسیر کی کسی نے قرآن کہا یعنی قرآن کی پیروی اور کسی نے اسلام تو یہ دونوں قول ایک دوسرے کے موافق ہیں اس لئے کہ دین اسلام تو قرآن کی پیروی ہے۔ لیکن ان دونوں نے ایک دوسرے کے وصف سے جدا ایک وصف پر متنبہ کیا جیسے کہ لفظ صراط تیسرے وصف کی خبر دیتا ہے اسی طرح اس کی بات جس نے یہ کہا تھا کہ صراط مستقیم مسلک اہل سنت و جماعت ہے اور اس کی بات جس نے کہا کہ وہ طریق بندگی ہے اور اس کا قول جو بولا کہ وہ اللہ ورسول (جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی اطاعت ہے اور جیسے اس طرح کے دوسرے اقوال اس لئے کہ ان سب نے ایک ذات کی طرف رہنمائی کی لیکن ہر ایک نے اس کی ایک صفت اس کی صفات سے بیان کردی۔
الثانی ان یذکر کل منھم من الاسم العام بعض انواعه علی سبیل التمثیل وتنبیه المستمع علی النوع، لاعلی سبیل الحد المطابق للمحدود فی عمومه و خصوصه مثاله مانقل فی قوله تعالٰی ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایة فمعلوم ان الظالم لنفسه یتناول المضیع للواجبات والمنتھك للحرمات و المقتصد یتناول فاعل	**دوسری صنف** یہ ہے کہ ہر عالم لفظ عام کی کوئی قسم مثال کے اوپر ذکر کرے اور مخالف کو اس نوع پر متنبہ کرے اور اس نوع کو ذکر کرنا ذات اس کے عموم و خصوص میں ذات کی حد تام و تعریف تمام کے طور پر نہ ہو وہ جو اللہ تعالٰی کے قول ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا الایة کی تفسیر میں منقول ہوا اس لئے کہ معلوم ہے کہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا اس کو شامل ہے جو واجبات کو ضائع کرے اور حرمتوں کو توڑے اور مقتصد

الواجبات وتارك المحرمات، والسابق يدخل فيه من سبق فتقرب بالحسنات مع الواجبات فالمقتصدون اصحاب اليمين والسابقون السابقون اولئك المقربون، ثم ان كلامنهم يذكر هذا فى نوع من انواع الطاعات كقول القائل السابق الذى يصلى فى اول الوقت، والمقتصد الذى يصلى فى اثنائه والظالم لنفسه الذى يؤخر العصر الى الاصفرا ر او يقول السابق المحسن بالصدقة مع الزكوة، والمقتصد الذى يؤدى الزكاة المفر وضة فقط، والظالم مانع الزكوة[1] اھ۔ وعن الزركشى "ربما يحكى عنهم عبارات مختلفة الالفاظ فيظن من لافهم عنده ان ذلك اختلاف محقق فيحكيه اقوالا و ليس كذلك بل يكون كل واحد منهم ذكر معنى من الاية لكونه اظهر عنده او اليق بحال السائل وقد يكون بعضهم يخبر عن الشيئ بلازمه ونظيره والاخر بمقصوده	واجبات کی تعمیل اور محرمات کو ترک کرنے والے کو شامل ہے اور سابق میں وہ داخل ہے جو سبقت کرے تو واجبات کے ساتھ حسنات سے اللہ کی قربت حاصل کرے تو مقتصد لوگ دہنے ہاتھ والے ہیں اور سابق سابق ہیں وہی اللہ کے مقرب ہیں پھر ان میں سے ہر عالم اس مثال کو انواع عبادات میں سے کسی قسم میں ذکر کرتا ہے جیسے کسی نے کہا: سابق وہ ہے جو اول وقت میں نماز پڑھے اور مقتصد وہ ہے جو درمیان وقت میں پڑھے اور ظالم وہ ہے جو عصر کو سورج زرد ہونے تک موخر کردے، اور کوئی کہے، سابق وہ ہے جو صدقہ نفل زکوۃ کے ساتھ دے کر نیکی کرے، اور مقتصد وہ ہے جو صرف زکوۃ فرض دے، اور ظالم وہ ہے جو زکوۃ نہ دے اھ۔ اور سیوطی نے زرکشی سے نقل کیا بسا اوقات علماء سے مختلف عبارتیں منقول ہوتی ہیں تو جو فہم نہیں رکھتا یہ گمان کرتا ہے کہ یہ اختلاف حقیقی ہے تو وہ اس کو کئی قول بنا کر حکایت کرتا ہے، حالانکہ بات یوں نہیں، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ ہر عالم آیت کا ایک معنی ذکر کرتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے نزدیک ظاہر تر یا حال سائل کے زیادہ شایاں ہوتا ہے اور کبھی کوئی عالم شے کا لازم یا اس کی نظیر بتاتا ہے اور دوسرا اس کا مقصود

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۳۸

وثمرته والکل یؤل الی معنی واحد غالبا[1] الخ وعن البغوی والکواشی وغیر ھما التاویل صرف الایة الی معنی موافق لما قبلها وبعد ھا تحتمله الایة غیر مخالف للکتاب والسنة من طریق الاستنباط غیر محظور علی العلماء بالتفسیر کقوله تعالٰی"انفروا خفافا وثقالا"قیل شبابا وشیوخا،وقیل اغنیاء و فقراء،قیل عزابا ومتاھلین،وقیل نشاطا وغیر نشاط وقیل اصحاء ومرضی وکل ذلك سائغ والایة تحتمله[2] الخ،وھذا فصل عمیق بعید لوفصلنا فیه الکلام خرج بناء عما نحن بصدده من المراد،فیما اوردناہ کفایة الاولی الاحلام لاسیما من له اجالة نظر فی کلمات المفسرین وتمسکات العلماء بالقرآن المبین۔

وثمرہ بتاتا ہے اور اکثر سب کا بیان ایک ہی معنی کی طرف لوٹتا ہے الخ۔
اور سیوطی علیہ الرحمۃ نے بغوی وکواشی وغیرہما سے نقل کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تاویل براہ استنباط آیت کو ایسے معنی کی طرف پھیرنا ہے جو اس کی اگلی آمد پچھلی آیت کے موافق ہو،اور آیت اس کا احتمال رکھتی ہو اور وہ معنی کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو،ایسی تاویل ان لوگوں کو منع نہیں جنھیں تفسیر کا علم ہے، جیسے اللہ تعالٰی کے قول"انفروا خفافا وثقالا (یعنی کوچ کرو ہلکی جان سے چاہے بھاری دل سے) میں کسی نے کہا: بوڑھے اور جوان۔اور کسی نے کہا غنی وفقیر۔اور کسی کا قول ہے۔شادی شدہ اور مجرد۔اور کسی کا قول ہے: چست وسست۔اور کسی نے کہا: صحت مند وبیمار (یعنی یہ سب کوچ کریں) اور یہ تمام وجوہ بنتی ہیں اور آیت سب کی محتمل ہے اور یہ فصل وسیع وعریض ہے اگر ہم اس میں مفصل کلام کریں تو وہ کلام ہمیں ہمارے اس مقصود سے باہر کردے گا جس کے ہم درپے ہیں،اور جو ہم نے ذکر کیا اس میں سمجھ والوں اور ان کے لئے جن کی نظر کلمات مفسرین اور علماء کے قرآن سے تمسکات میں رواں ہے، کفایت ہے۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۴
[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون دار الکتاب العربی بیروت ۲ / ۴۴۸

المقدمة الرابعة:هذا التاویل الذی فتحنا ابواب الکلام علی ایهانه اعنی تفسیر الاتقی بالتقی انما هو مروی عن ابی عبیدة کما صرح به العلامة النسفی رحمه الله تعالٰی فی مدارك التنزیل[1] وحقائق التاویل وابوعبیدة هذا رجل نحوی لغوی من الطبقة السابعة اسمه معمر بن المثنی کان یری رأی الخوارج وکان سلیط اللسان وقاعا فی العلماء وتلمیذه ابو عبیدالقاسم بن سلام احسن منه حالا وابصر منه بالحدیث انبأنا مفتی مکة سیدی عبدالرحمن عن جمال بن عمر عن الشیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی عن ابن السنة عن المولی الشرف عن محمد ابن ارکماش الحنفی عن حافظ ابن حجر العسقلانی قال فی التقریب معمر بن المثنی ابو عبیدة التیمی مولاهم البصری النحوی اللغوی صدوق اخباری وقدرمی برای الخوارج من السابعة مات سنة ثمان ومائتین وقیل بعد ذلك وقد قارب المائة[2] انتهی۔	**چوتھا مقدمہ**: یہ تاویل جس کے ضعف بتانے کے لئے ہم نے کلام کے دروازے کھولے (یعنی اتقی کی تفسیر تقی سے کرنا) یہ صرف ابو عبیدہ سے منقول ہے۔چنانچہ اس کی تصریح علامہ نسفی نے مدارک التنزیل میں کی ہے،اور یہ ابوعبیدہ ایک آدمی ہے نحو ولغت کا عالم،جوساتویں طبقہ پر ایک فرد ہے،اس کانام معمر بن المثنی ہے،خارجیوں کا عقیدہ رکھتا تھا،اور یہ بدزبان علماء کابدگو تھا،اور اس کے شاگرد ابو عبید قاسم بن سلام کا حال اس سے اچھا تھا اور انہیں حدیث میں اس سے زیادہ بصیرت تھی۔مجھے مفتی مکہ سیدی عبدالرحمٰن نے جمال بن عمر سے خبر دی انہوں نے شیخ محمد عابد بن احمد علی عن الفلانی سے روایت کی انہوں نے ابن السنۃ سے انہوں نے مولی شریف سے انہوں نے محمد بن ارکماش حنفی سے انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے روایت کی کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں فرمایا معمر بن مثنی ابو عبیدہ تیمی بنوتیم کا آزاد کردہ،بصری نحوی،لغوی سچا ہے تاریخ کا راوی ہے،اور خوارج کے مذہب سے متہم کیا گیا،طبقہ ہفتم کے علماء سے ہے ۲۰۸ھ میں انتقال ہوا،اور بعض کا قول ہے کہ اس کے بعد وفات ہوئی اور عمر تقریبًا سوسال ہوئی انتہی۔

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[2] تقریب التهذیب ترجمه ۶۸۳۶ معمر بن المثنی دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۰۳

وقد قال ابن خلکان کما نقل الفاضل عبد الحی فی مقدمة عـــہ الهدایة ابو عبید بغیر تاء مذکور فی باب الجنایات من کتاب الحج اسمه القاسم بن سلام ذاباع طویل فی فنون الادب والفقه، قال القاضی احمد بن کامل کان ابوعبید فاضلا فی دینه متفننا فی اصناف العلوم من القراءات والفقه العربیة و الاخبار حسن الروایة صحیح النقل روی عن ابی زید والاصمعی وابی عبیدہ وابن الاعرابی والکسائی والفراء وغیرهم وروی الناس من کتبه المصنفة بضعة وعشرین فی الحدیث والقراءات والامثال ومعانی الشعر وغریب الحدیث وغیر ذلك ویقال انه اول من صنف فی غریب الحدیث، وقال الهلال مَنَّ اللہ تعالٰی علی هذه الامة باربعة فی زمانهم الشافعی فی فقه الحدیث وباحمد بن حنبل فی المحنة ولولاہ لکفر الناس وبیحیی بن معین فی ذب الکذب عن الاحادیث وبابی عبید القاسم بن	اور ابن خلکان نے کہا جیسا کہ فاضل عبدالحیٰ نے مقدمہ ہدایہ میں کہا: ابو عبید بغیر تاء کتاب الحج کے باب الجنایات میں مذکور ہوا ان کا نام قاسم بن سلام ہے ادب کے فنون وفقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ قاضی احمد بن کامل نے فرمایا: ابو عبید اپنے دین میں فاضل مختلف علوم قراءت وفقہ وعربیت وتاریخ کے ماہر تھے ان کی روایت حسن ہے اور نقل صحیح ہے انہوں نے ابوزید واصمعی وابو عبیدہ وابن الاعرابی وکسائی وفراء وغیرہم سے روایت کی اور لوگوں نے ان کی تصنیفات سے حدیث وقراءت وامثال ومعنی شعر واحادیث غریبہ وغیرہا میں تئیس سے انتیس تک کتابوں کو روایت کیا، اور کہتے ہیں قاسم بن سلام نے سب سے پہلے غریب الحدیث میں تالیف فرمائی۔ اور ہلال نے فرمایا اللہ تعالٰی نے اس امت پر اپنے زمانہ میں چار شخصوں سے منت رکھی، شافعی سے فقہ حدیث میں اور احمد بن حنبل سے ان کی آزمائش کے سبب (یعنی وہ آزمائش جس میں حضرت امام احمد بن حنبل زمانہ مامون میں مخالفت عقیدۂ خلق قرآن کے سبب مبتلا ہوئے) اور اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ

عـــہ: فی الاصل بیاض وعبارۃ المقدمۃ منقولۃ من المترجم ۱۲ النعمانی۔

سلام فی غریب الحدیث و کانت وفاته بمکة وقیل بالمدینة سنة اثنتین اوثلث وعشرین ومائتین وقال البخاری سنة اربع وعشرین۔ ویوجد فی بعض نسخ الهدایة فی الموضع المذکور ابو عبیدة بالتاء واسمه معمر بن المثنی وقد ذکرنا ترجمته فی الاصل وقال العینی فی شرحه ابو عبید اسمه معمر بن المثنی التیمی، وفی بعض النسخ ابو عبیدة بالتاء واسمه القاسم بن سلام البغدادی، والاول اصح انتهی، وهذا مخالف لما فی تاریخ ابن خلکان وغیره من التواریخ المعتمدة من ان ابا عبید بغیر التاء کنیة القاسم وبالتاء کنیة معمر[1]۔ واما قدماء العلماء ککنیف ملئ علما حامل تاج المسلمین نعال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم سیدنا عبدالله مسعود وحبر الامة سلطان المفسرین عبدالله بن عباس وعروة بن زبیر وشقیقه عبدالله وافضل التابعین سعید	کافر ہو جاتے، اور یحیٰی بن معین سے یوں منت رکھی کہ انہوں نے احادیث سے دروغ کو الگ کردیا اور ابوعبید بن قاسم بن سلام سے غریب احادیث کو جمع کرنے میں، ان کی وفات مکہ میں ہوئی، اور ایک قول پر مدینہ میں ۲۲۳ھ یا ۲۲۲ھ میں ہوئی اور بخاری نے سن وفات ۲۲۴ھ میں فرمایا، اور ہدایہ کے بعض نسخوں میں یوں ہے موضع مذکور میں ابو عبیدة بالتاء اور ان کا نام معمر بن مثنی ہے اور ہم نے اس کے حالات اصل میں ذکر کئے اور عینی نے شرح ہدایہ میں فرمایا ابو عبید معمر بن مثنی بن تیمی ہے۔ اور بعض نسخوں میں ابوعبیدة بالتاء ہے اور ان کا نام قاسم بن سلام بغدادی ہے، اور پہلا قول اصح ہے۔ اور یہ بات اس کے مخالف ہے جو تاریخ ابن خلکان وغیرہ تواریخ معتمدہ میں ہے کہ عبید بغیر تاء قاسم کی کنیت ہے اور تاء کے ساتھ معمر کی کنیت ہے۔ رہے علمائے متقدمین جیسے علم سے بھرے ہوئے ظرف حامل تاج مسلمانان نقش پائے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا عبداللہ بن مسعود اور عالم امت سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس اور عروہ بن زبیر اور ان کے سگے بھائی عبداللہ اور افضل التابعین سعید بن المسیب رضی اللہ عنہم

[1] مذیلة الدرایة لمقدمة الهدایة لعبد الحی مع الهدایة المکتبة العربیة کراچی ص ۴

بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عھنم اجمعین فقد روینا لك ماقالوا فی الایۃ۔

المقدمۃ الخامسۃ: لعلك یا من یفضل علیا علی الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین تفرح و تمرح ان ھؤلاء المفسرین انما عدلوا عن الاتقی الی التقی کیلا یلزم تفضیل الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ علی من عداہ وحاشاھم عن ذلک،الاتری انھم کما فسروا الاتقی بالتقی کذلك اولوا الاشقی بالشقی فاین ھذا من قصدك الذمیم الذی ترید لاجلہ تغییر القرآن العظیم وانما الباعث لھم علی ذلك ما ذکرہ ابو عبیدۃ بنفسہ۔

انبانا سراج العلماء عن المفتی ابن عمر عن عابد سندی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن العلاء عن حسن العجیمی عن خیر الدین الرملی عن العلامۃ احمد بن امین الدین بن عبد العال عن ابیہ عن جدہ عن العزعبد الرحیم بن الفرات عن ضیاء الدین محمد بن محمد الصنعانی عن قوام الدین مسعود بن ابراھیم الکرمانی عن

تو ہم آیت کریمہ کی تفسیر میں ان کے اقوال تمہارے لئے روایت کرچکے۔

پانچواں مقدمہ: اے تفضیلیہ شاید تو خوش ہو اور فخر کرے یہ مفسرین اتقی سے تقی کی طرف اسی لئے پھرے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فضیلت ان کے ماسوا دوسرے صحابہ پر لازم نہ آئے اور وہ اس خیال سے بری ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ انہوں نے جس طرح اتقی کی تفسیر تقی سے کی یونہی اشقی کی تاویل شقی سے کی تو مفسرین کی اس روش کو تیرے اس بد ارادے سے کیا علاقہ ہے جس کے لئے تو قرآن عظیم کو بدلنا چاہتا ہے،ان کے لیے اس تفسیر پر ابو عبیدہ کا قول مذکور باعث ہوا۔

ہمیں سراج العلماء نے خبردی مفتی ابن عمر سے انہوں نے روایت کی عابد سندی سے انہوں نے یوسف مزجاجی سے روایت کی انہوں نے اپنے باپ محمد بن علاء سے انہوں نے حسن العجیمی سے روایت کی انہوں نے خیر الدین رملی سے انہوں نے علامہ احمد بن امین الدین بن عبد العال سے انہوں نے اپنے باپ سے پھر اپنے دادا سے انہوں نے عزعبد الرحیم بن فرات سے انہوں نے ضیاء الدین محمد بن محمد صنعانی سے انہوں نے قوام الدین مسعود بن ابراہیم کرمانی سے انہوں نے مولی

المولی حافظ الدین ابی البرکات محمود النسفی قال فی مدارك التنزیل قال ابو عبیدة الاشقی بمعنی الشقی و هو الکافر، والاتقی بمعنی التقی وهو المؤمن لانه لا یختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابا لنجاة اتقی الاتقیاء وان زعمت انه تعالٰی نکر النار فاراد نارا مخصوصة بالاشقی، فما تصنع لقوله وسیجنبها الاتقی الذی لان الاتقی یجنب تلك النار المخصوصة لا الاتقی منهم خاصة[1] انتهی۔

حافظ الدین ابو البرکات محمود نسفی سے روایت کیا کہ (علامہ نسفی نے) مدارک التنزیل میں فرمایا ابو عبیدہ نے کہا اشقی بمعنی شقی کے ہے اور وہ کافر ہے، اور اتقی تقی کے معنی میں ہے اور اس سے مراد مومن ہے، اس لئے کہ آگ میں جانا سب اشقیاء سے بڑھ کر شقی کی خصوصیت نہیں ہے اور نجات پانا سب پرہیزگاروں سے افضل کے لئے مخصوص نہیں ہے اور اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا (اور نکرہ جب محل اثبات میں ہو تو اس سے مراد فرد مخصوص ہوتا ہے) تو اللہ تعالٰی کی مراد ایک مخصوص نار ہے تو تم (یعنی اس سے بہت دور رکھا جائے گا سب سے بڑا پرہیزگار) کے ساتھ کیا کروگے اس لئے کہ ہر متقی اس نار مخصوص سے دور رکھا جائے گا نہ کہ خاص کر سب سے بڑا متقی۔

وتلخیص المقام: ان قوله سبحنه وتعالٰی "فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ لَا یَصۡلٰىهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۱۶﴾"[2] لایمکن اجراءہ علی ظاهره لانه یقتضی قصر دخول النار علی اشقی الاشقیاء من الکفار فیلزم ان

مقام تلخیص: یہ ہے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی کے قول "فَاَنۡذَرۡتُكُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ﴿۱۴﴾ لَا یَصۡلٰىهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ﴿۱۵﴾ الَّذِیۡ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ﴿۱۶﴾" (تو میں تمہیں ڈراتا ہوں اس آگ سے جو بھڑک رہی ہے نہ جائے گا اس میں مگر بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) کو اس کے ظاہر معنی پر جاری رکھنا ممکن نہیں اس لئے

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر المدارک) تحت الآیة ۹۲/۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۳۲۳

[2] القرآن الکریم ۹۲/۱۴تا۱۶

لایدخلها احد غیرہ کالفجار والکافرین القاصرین عنه فی الشقاء والاستکبار وھذا باطل قطعا فاختار الواحدی والرازی والقاضی المحلی وابو السعود واخرون ماملحظه ان لیس المراد بالاشقی رجل مخصوص یکون اشقی الاشقیاء بل المعنی من کان بالغا عـــہ فی الشقاء

کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوزخ میں وہی جائے جو کافروں میں سب بد نصیبوں سے بڑا بد نصیب ہو تو لازم آئے گا کہ وہ فجار و کفار جو بد نصیبی اور گھمنڈ میں اس سے کم رتبے کے بد نصیب ہوں دوزخ میں نہ جائیں، اور یہ قطعاً باطل ہے، لہٰذا واحدی و رازی و قاضی و محلّی وابو السعود اور دیگر مفسرین نے یہ اختیار کیا جن میں یہ لحاظ ہے کہ اشقی سے مراد کوئی خاص نہیں جو سب سے بڑا شقی ہو بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شقاوت میں حد کو پہنچا ہوا ہو اور

عـــہ: قوله بالغا فی الشقاء الخ" انت خبیر بانا قررنا کلامھم بحیث یندفع عنه یراد قوی کان یتخالج فی صدری تقریر الایراد ان المؤمن الفاجر له قسط من الشقاوۃ کما ان له قسطا عظیما من السعادۃ، ولیس ان الشقاء یختص بالکفرۃ، الاتری ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم سمی الخبیث الشقی عبدالرحمن بن ملجم الذی قتل السید الکریم المرتضی رضی الله تعالٰی عنه وخضب الحیۃ الکریمۃ بدم راسه الاقدس اشقی الاخرین کما ورد بطریق عدیدۃ عن سیدنا علی کرم الله تعالٰی وجھه وانما کان ھذاك الخبیث رجلا من الخوارج واذا کان الامر ھکذا

(قولہ بد بختی میں حد کو پہنچا ہوالخ) تم خبر دار ہو کہ ہم نے ان علماء کے کلام کی تقریر اس طور پر کی جس سے وہ قوی اعتراض جو میرے سینے میں متردد تھا دفع ہو جائے۔ اس اعتراض کی تقریر یہ ہے کہ مومن فاجر کے لئے بد بختی سے ایک حصہ ہے جیسا کہ اس کے لئے سعادت سے عظیم بہرہ ہے اور ایسا نہیں کہ بد بختی کافروں کیلئے خاص ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خبیث شقی عبدالرحمٰن بن ملجم کو جس نے سید کریم مرتضی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو شہید کیا اور ان کی ریش مبارک کو ان کے سر اقدس کے خون سے رنگین کیا پچھلوں کا سب سے بڑا بد بخت فرمایا، جیسا کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے متعدد سندوں سے روایت ہے اور یہ خبیث (باقی برصفحہ آئندہ)

متناهیا فیه وهم الکفار عن	اس مفہوم کے مصداق سارے کافر ہیں اور وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

فما لھولاء اولو الاشقی بالشقی ثم خصوہ بالکافر حتی عاد الاعتراض بخروج الفجار مع ان بعضھم یدخل النار قطعا، فلو انھم اجروہ علی العموم یسلموا من ذاك و تقریر الجواب انھم لما فطموا الافعل عن معناہ الحقیقی اعنی الزائد فی الاتصاف بالمبدء علی کل من عداہ کرھوا ان یذھبوا بہ مذھبا ابعد من حقیقۃ کل البعد، فاردوا بہ البالغ فی الشقاء المتناھی فیہ ابقاء لمعنی الزیادۃ المدلول علیھا بصیغۃ التفضیل، والوجہ فی ذلك ان ھناك ثلثۃ امور، الاول الاتصاف بالمبدء وھو مفاد اسم الفاعل، و الثانی الکثرۃ فیہ و ھو مدلول صیغۃ المبالغۃ، و الثالث الزیادۃ فیہ عن غیرہ و

تو خارجیوں میں کا ایک شخص تھا (یعنی کافر نہ تھا بلکہ گمراہ تھا) اور جب بات ایسی ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا جنہوں نے اشقی کی تاویل شقی سے کی پھر اسے کافر کے لئے مخصوص کیا تو اعتراض لوٹا کہ فاجر مسلمان اس حکم سے نکل گئے حالانکہ بعض فاجر مسلمان یقینا جہنم میں جائیں گے تو اگر انہوں نے حکم عام رکھا ہوتا تو اس اعتراض سے بچ جاتے، اور جواب کی تقریر یہ ہے کہ جب انہوں نے افعل، (اسم تفضیل) کو اس کے حقیقی معنی سے مجرد کیا یعنی جو مصدر سے متصف ہونے میں اپنے ہر ماسوا سے زائد ہو تو انہیں یہ پسند نہ ہوا کہ اسم تفضیل کو ایسے مذہب پر لے جائیں جو اس کے حقیقی معنی سے بالکل دور ہو لہٰذا انہوں نے اشقی سے مراد لیا کہ بدبختی میں حد کو پہنچا ہو تاکہ زیادتی کا مفہوم جس پر صیغہ افعل تفضیل دلالت کرتا ہو باقی رکھیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ تین امور ہیں، پہلا مصدر سے موصوف ہونا اور یہ اسم فاعل کا مفاد ہے اور دوسرا امر اس وصف میں کثرت اور یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفہوم ہے، اور تیسرا امر اس وصف میں دوسرے سے بڑھ جانا اور یہ وہ مفہوم ہے جس کے لئے اسم تفضیل (باقی بر صفحہ آئندہ)

اخرھم لانسلاخھم عن السعادۃ بالمرۃ اما المؤمن الفاجر فان کان لہ وجہ الی الشقاء الزائل فوجھہ الاخر الی السعادۃ الابدیۃ وھی الایمان، و ھؤلاء القائلون لمارأوا مادۃ الایراد لم تنحسم اذ دخول بعض الفجار ایضا مقطوع فزعوا الی تاویل الصلی باللزوم، وزعم الواحدی انہ معناہ الحقیقی فقال کما نقل الرازی معنی"لایصلاھا" لایلزمھا فی حقیقۃ اللغۃ یقال صلی الکافر النار اذا لزمھا مقایسا شدتھا وحرھا، وعندنا ان ھذہ الملازمۃ لاتثبت الا الکافر اما الفاسق فاما ان لاید خلھا اوان دخلھا تخلص منھا[1] انتھی	سعادت سے بالکل محروم ہیں۔ وُرہا مومن فاجر تو اس کا ایک پہلو شقاوت فانیہ کی طرف ہے تو دوسرا ابدی سعادت کی طرف ہے اور وہ سعادت ابدی ایمان ہے۔ اور ان لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ اعتراض کا مادہ بالکل ختم نہ ہوا اس لئے کہ بعض بد عمل مسلمانوں کا دوزخ میں جانا ہی قطعی امر ہے۔ لہٰذ یہ لوگ صلی کی تاویل لزوم سے کرنے کی طرف راغب ہوئے۔ واحدی نے کہا کہ لزوم اس کا حقیقی معنی ہے جیسا کہ امام رازی نے نقل کیا ہے کہ "لایصلاھا" کا معنی حقیقت لغت میں "لایلزمھا" ہے کہتے ہیں کہ صلی الکافر النار جب وہ اس حال میں آگ کو لازم پکڑے درانحالیکہ اس کی شدت وحرارت کو برداشت کرے، اور ہماری رائے یہ ہے کہ یہ ملازمۃ فقط کافر کیلئے ثابت ہے، رہا فاسق تو وہ یا تو اس میں داخل ہی نہ ہوگا یا داخل تو ہوگا مگر اس سے چھٹکارا پالے گا۔ انتہی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ھو الموضوع لہ اسم التفضیل فالثانی و کالوسط بین الاول والثالث و العدول عن طرف الی طرف ابعد من المیل عن طرف الی الوسط فھذا الذی حملھم علی ذلک فیما اظن و اللہ تعالٰی اعلم منہ عفااللہ تعالٰی عنہ امین۔	کی وضع ہے تو دوسرا جیسے اول وسوئم کے درمیان ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف پھرنا ایک کنارے سے درمیان کی طرف مائل ہونے سے زیادہ دور ہے تو میرے گمان میں یہی ان کو اس پر باعث ہوا، واللہ تعالٰی اعلم منہ عفا اللہ تعالٰی عنہ۔ آمین!

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵تا۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ ۳۱/ ۲۰۴

اقول: وما احسن هذا تأويلا او اصفاه لو لاان يكدره ماسأذكره قريبا فارتقب وركن الرازي الى وجه اخر من التاويل وهوان يخص عموم هذا الظاہر بالايات الدالة على وعيد الفساق [1] **اقول:** هذا جمع بين التاويل والتخصيص وهو مستغنى عنه اذ لو قيل بالتخصيص فكما دلت الايات على وعيد الفساق كذالك دلت على ايعاد سائر الكفار بدلالة اظهر واجلى۔ اللهم الاان يقال فيه تكثير التخصيص جدا والقصر على فرد واحد اشد بعد و هذا ^{عـــه} ولقد سلك	میں کہتا ہوں کہ یہ تاویل کس قدر اچھی ہے اور یہ رنگ کتنا صاف تھا اگر اس کو اس بات نے مکدر نہ کیا ہوتا جو میں عنقریب ذکر کروں گا، تو انتظار کرو، اور رازی ایک دوسری تاویل کی طرف مائل ہوئے، اور وہ یہ کہ اس کے ظاہر معنی کا عموم ان آیات کے ساتھ خاص ہو جو فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہو۔ **میں کہتا ہوں** یہ تاویل و تخصیص کو یکجا کرنا ہے اور اس کی حاجت نہیں اس لئے کہ اگر تخصیص کا قول کیا گیا تو جس طرح آیات فساق کی وعید پر دلالت کرتی ہیں یونہی تمام کافروں کی وعید پر روشن اور صاف تر دلالت فرماتی ہیں۔ الٰہی! تو مدد فرما، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں بہت زیادہ تخصیص لازم آئے گی، اور ایک فرد پر منحصر کردینا بہت زیادہ مستبعد ہے یہ لو، اور

عـــه: اعلم ان العبد الضعيف لما فرغ من تحرير هذه المقدمات الخمس وبلغ الى اخر ما كتبنا فی جواب الشبهة الاولى استعار تفسير فتح العزيز المتعلق بجزء عم يتساءلون من	تمہیں معلوم ہو کہ بندہ ناتواں جب ان پانچ مقدمات کی تحریر سے فارغ ہوا اور پہلے شبہہ کے جواب میں جو ہم نے لکھا اس کے آخر تک پہنچا تو ایک دوست سے تفسیر فتح العزیز جو جزء عم یتساء لون سے متعلق ہے عاریت لی تو (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۱۵/۹۲و۱۶ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳/ ۲۰۴

القاضی الامام ابو بکر کما	قاضی امام ابوبکر نے جیسا کہ امام فخر رازی نے مفاتیح الغیب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بعض الاصدقاء فطالعت فیه من هذا المقام ورایت المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز ذکر الدفع هذا الایراد اعنی نقض الحصر فی الکفار بدخول بعض الفجار النار بوجهین اخرین جیدین الاول ان المراد بالنار نار مخصوصة بالکفار، والثانی ان دخول بعض المومنین لما کان تطهیرا، وتادیبا کان کلا دخول وانما الدخول کل الدخول دخول لیس بعده خروج فالحصر بهذا المعنی وهو حق صحیح بلا امتراء انتهی۔

بالحاصل **اقول:** ما انعمهما من وجهین وادفعهما لکل شین لکنك یا عریف انت خبیر بانهما یجریان ایضا بعد شیئ من تغیر العبارۃ فیما اذا حملنا الاشقی علی معناه الحقیقی کما ستسمع منا ان شاء الله تعالٰی فیا لیت المولی الفاضل لما تنبه علی هذین کما تنبهنا تجنب التاویل کما اجتنبنا اذ البدایة بتاویل الاشقی بالشقی ثم التحصن بهذین الحصنین المانعین

میں نے اس میں اس مقام کا مطالعہ کیا اور میں نے دیکھا کہ مولی فاضل استاذ استاذی عبدالعزیز نے اس اعتراض کے دفع کے لئے یعنی اس حصر کا کفار میں بعض فجار کے آتش جہنم میں داخل ہونے سے منقوض ہونا دو اور بہتر وجہیں ذکر کیں، پہلی یہ کہ نار سے مراد وہ نار ہے جو کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ دوسری یہ کہ بعض مسلمانوں کا آگ میں جانا جبکہ ان کی تطہیر و تہذیب کے لئے ٹھہرا، تو یہ آگ میں جانا نہ جانے کے مثل ہے اور آگ میں بالکل جانا وہ جانا ہے جس کے بعد آگ سے نکلنا نہ ہوگا تو آیت کا حصر کفار میں اس معنی پر ہے اور بے شک حق و صواب ہے۔

الحاصل **میں کہتا ہوں** یہ دونوں وجہیں کس قدر اچھی ہیں اور ہر خرابی کی کیسی دافع ہیں، لیکن اے جاننے والے! تم خبردار کہ یہ دونوں وجہیں عبارت کی قدرے تغییر کے بعد اس صورت میں بھی جاری رہتی ہیں جب ہم اشقی کو اس کے معنی حقیقی پر رکھیں جیسا کہ تم ہم سے سنوگے ان شاء اللہ تو کاش مولائے فاضل جب ہماری طرف ان دونوں وجہوں پر متنبہ ہوئے اسی طرح تاویل سے بچتے جیسے ہم بچے، اس لئے کہ پہلے اشقی کی تاویل شقی سے کرنا پھر ان دو محکم وجہوں جو اصل تاویل سے مانع ہیں سے تمسک

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اثر عنه الفخر الرازی فی مفاتیح الغیب مسلکا حسنا اذحاول ابقاء الاشقی علی معناہ الحقیقی اعنی من لایدانیه احد فی الشقاء وذکر لتصحیح الحصر وجهین یرتاح بهما اللبیب ویندحض کل شك مریب: **الاول** ان یکون المراد بقوله تعالٰی "نارا تلظٰی" نارا مخصوصة من النیران لانها درکات بقوله تعالٰی ان المنفقین فی الدرك الاسفل من النار "فالایة تدل علی ان تلك النار المخصوصة لایصلها سوی هذا الاشقی، ولاتدل علی ان الفاسق وغیر من هذا صفته من الکفار لایدخل سائر النیران[1] انتهی۔ **اقول**: فکان کقوله تعالٰی "وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿۱۲﴾"[2] ای اعظم النیران جمیعا علی احد وجوہ التاویلات	میں نقل کیا ہے ایک اچھا مسلک اختیار کیا اس لئے کہ انہوں نے اشقی کو اس کے حقیقی معنی پر باقی رکھنے کی کوشش کی جن سے دانشمند چین پائے اور دھوکے میں ڈالنے والا ہر شک زائل ہوجائے: **پہلی وجہ** یہ کہ قول خداتعالٰی نارا تلظٰی سے دوزخ کی آتشوں سے ایک مخصوص آتش مراد ہو اس لئے کہ آگ کے مختلف طبقے ہیں کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ "بے شک منافق آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہیں،" اب آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مخصوص آگ میں یہی اشقی جائے گا اور اس کا یہ معنی نہیں کہ اس بڑے بدنصیب کے سوا دوسرے کافر اور فاسق آگ کے باقی طبقوں میں نہ جائیں انتہی۔ **میں کہتا ہوں** اللہ تعالٰی کے فرمان "وَیَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَی ﴿۱۱﴾ الَّذِیْ یَصْلَی النَّارَ الْکُبْرٰی ﴿۱۲﴾" (دور رہے گا اس سے وہ بڑا بدنصیب جو بڑی آگ میں دھنسے گا) یعنی ایک تاویل پر سب سے بڑی آگ دلیل ہوگئی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) عن اصل التاویل مما یفضی الی العجب فکان کمن تمنی غرضا ورمی غرضا فاخطا بعد کادان یصیب، وماتوفیقی الا باللہ علیه توکلت والیه انیب ۱۲منه عفااللہ تعالٰی عنه امین۔	ایسی چیز ہے جو تعجب کا سبب ہے تو یہ ایسا ہوا جیسے کوئی ایک نشان چاہے اور دوسرے کو مارے تو نشانے پر تیر پہنچنے کے قریب ہو کر چوک جائے اور میری توفیق اللہ ہی سے ہے اس پر میں بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۴و۱۵ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/۲۰۴

[2] القرآن الکریم ۸۷/ ۱۱و۱۲

ورده الرازی بان قوله تعالٰی "نارا تلظی" یحتمل ان یکون ذلك صفة لکل النیران وان یکون صفة لنار مخصوصة لکنه تعالٰی وصف کل نار جهنم بهذا الوصف فی اٰیة اخری فقال" اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى " [1]	اور رازی نے اس قول کو یوں رد کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول نارًا تلظی میں احتمال ہے کہ وہ سب آتشوں کی صفت ہو اور ممکن ہے کہ مخصوص آتش کی صفت ہو۔ لیکن اللہ تعالٰی نے جہنم کی سب آتشوں کا یہی وصف دوسری آیت میں فرمایا، اس کا ارشاد گرامی ہے: " اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى " وہ تو بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی۔
اقول: یترأی من هذه العبارة للایراد وجهتان: **الاولی** ان المورد کانه ظن ان القاضی الامام یدعی تخصیص النار بصفة التلظی کما یتخصص الغلام فی قولنا جاء نی غلام عاقل بصفة العقل، ومن هذا الطریق یقول ان المراد نار مخصوصة اعظم النیران فلا یرادح ظاهر الورود اذ الاوصاف انما تخصص اذا کانت خصائص توجد فی فرد دون اخر والتلظی لا یختص بنار دون نار۔ الاتری ان الله سبحنه وتعالٰی وصف النار مطلقا " اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى " [2] ولکن لم یکن القاضی الامام	**میں کہتا ہوں** اس عبارت سے اعتراض کی دو ۲ جہتیں نظر آتی ہیں۔ **پہلی** تو یہ ہے کہ گویا معترض نے یہ گمان کیا کہ قاضی امام ابو بکر آتش جہنم کے لپٹ مارنے کی صفت سے مخصوص ہونے کے مدعی ہیں اس طور پر جیسے غلام ہمارے قول جاءنی زید عاقل میں صفت عقل سے مخصوص ہے اور اس طریقے سے وہ فرماتے ہیں کہ مراد خاص آگ ہے جو سب سے بڑی آگ ہے، تو اعتراض کا ورود اس صورت میں ظاہر ہے اس لئے کہ اوصاف ذات کے ساتھ اسی وقت خاص ہوتے ہیں جبکہ وہ اس فرد کا خاصہ ہوں کہ دوسرے میں نہ پائے جائیں اور لپٹ مارنا ایسا نہیں کہ ایک آگ کی خاص صفت ہو دوسری کی نہ ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ سبحنہ وتعالٰی مطلقاً آتش جہنم کا وصف بیان فرماتا ہے: " اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى " (یعنی وہ تو

[1] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵ و ۱۶

[2] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۵ و ۱۶

لیرید هذا وانما ملحظه الی ان التنکیر للتعظیم فقوله تعالٰی نارا ای نارا عظیما لیس کمثله نارکانه اشیر بالتنکیر الی انها بشهرة امرها وشیوع فزعها واخذ اهوالها بمجامع القلوب صارت بمثابة لاتسبق الاذهان الا الیها، فاغنت شهرتها و انتشار ذکرها عن تعریف اسمها کما یفید ذلك تنکیر الملیك فی قوله تعالٰی "فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ" [1] وتنکیر الظلم فی قوله تعالٰی "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" [2] ای ظلم لاظلم کمثله وهو الشرک۔ انبانا مولانا السید حسین جمل اللیل امام الشافعیة بمکة المحمیة عن خاتمة المحدثین محمد عابد السندی عن صالح الفلانی عن	بھڑکتی آگ ہے کھال اتار لینے والی) لیکن حضرت قاضی امام یہ معنی مراد لینے والے نہیں ان کا اشارہ تو اس طرف ہے کہ نکرہ تعظیم کیلئے ہے تو اللہ تعالٰی کے فرمان نارا کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑی آگ ہے اس جیسی کوئی آگ نہیں، گویا وہ اپنی حالت کی شہرت اور اس کی ہیبت کے عام چرچے اور اس کی ہولناکیوں کی پورے دلوں پر پکڑ کے سبب اس مقام پر ہے کہ ذہن اسی کی طرف سبقت کرتے ہیں، تو اس کی شہرت اور اس کے عام ذکر نے اس سے بے نیاز کردیا کہ اس کا نام لے کر اسے معین کیا جائے، جس طرح یہی فائدہ لفظ ملیك اللہ تعالٰی کے قول "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" (یعنی سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور) کا نکرہ ہونا دیتا ہے اور لفظ ظلم اللہ تعالٰی کے قول "اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" میں یہ فائدہ دیتا ہے یعنی ایسا ظلم کہ کوئی ظلم اس جیسا نہیں اور وہ ظلم شرک ہے۔ ہمیں خبر دی مولانا سیدنا حسین جمال اللیل نے جو مکہ میں امام شافعیہ ہیں وہ روایت کرتے ہیں خاتمۃ المحدثین محمد عابد سندی سے انہوں نے روایت کیا صالح فلانی سے انہوں نے روایت کی

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۶/۸۲

محمد بن سنة عن احمد العجلی عن قطب الدین النهر والی عن ابی الفتوح عن یوسف الهروی عن محمد بن شاہ بخت عن ابی النعمان الختلانی عن الفربری عن محمد بن اسمعیل البخاری ثنا ابوعدی ثنا شعبة عن سلیمان عن ابراهیم عن علقمة عن عبدالله لما نزلت الذین امنوا و لم یلبسوا ایمانهم بظلم اولئك لهم الامن وهم مهتدون[1] قال اصحاب رسول الله تعالٰی علیه وسلم اینا لم یظلم فنزل الله ان الشرك لظلم عظیم۔	محمد بن سنہ سے انہوں نے احمد عجلی سے انہوں نے قطب الدین نہروالی سے انہوں نے ابوالفتوح سے انہوں نے یوسف ہروی سے انہوں نے محمد بن شاہ بخت سے انہوں نے ابونعمان ختلانی سے انھوں نے فربری سے انھوں نے محمد بن اسمٰعیل بخاری سے، بخاری نے فرمایا ہم سے ابوعدی نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی انہوں نے سلیمان سے انہوں نے ابراہیم سے انہوں نے علقمہ سے علقمہ نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ "الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم اولئك لهم الامن و هم مهتدون" (یعنی وہ جو ایمان لائے اور اپنے امان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں کے لئے ایمان ہے اور وہی راہ پر ہیں) نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اصحاب بولے ہم میں کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا، اللہ تعالٰی نے آیہ کریمہ "ان الشرك لظلم عظیم" بے شک شرک بڑا ظلم ہے۔ ت) نازل فرمائی۔
انبانا شیخ العلماء مولانا السید زین دحلان المکی الشافعی عن العلامة عثمان بن حسن الدمیاطی	ہمیں شیخ العلماء مولانا سید احمد دحلان مکی شافعی نے خبر دی انہوں نے علامہ عثمان بن حسن دمیاطی شافعی ازہری سے انہوں نے امیر کبیر

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الانعام، باب قول تعالٰی ولم یلبسوا ایمانهم بظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۶۶، انوار التنزیل و اسرار التاویل (تفسیر البیضاوی) ۲/۸۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۲۶ و ۴۲۶

الشافعی الازھری عن الامیر الکبیر العلامۃ محمد المالکی الازھری والشیخ عبداللہ الشرفاء الشافعی و سیدی محمد الشنوانی الشافعی واخرین باسانیدھم الی الامام مسلم بن الحجاج النیسابوری بسندہ الی عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فیہ قالوا اینالا یظلم نفسہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس ھو کما تظنون انما ھو کما قال لقمان لابنہ"یابنی لاتشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم"[1] وھکذا اخرجہ الامام احمد والترمذی وقد اختار الرازی بنفسہ عین ھذا التوجیہ فی قولہ تعالٰی "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی"[2]قال التنکیر فی عبد یدل علی کونہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاملا فی العبودیۃ کانہ تعالٰی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عبدلایفی العالم بشرح	علامہ محمد مالکی ازہری اور الشیخ عبداللہ شرفائی الشافعی اور سیدی محمد الشنوانی الشافعی اور دیگر علماء سے ان کی سندوں کے ساتھ جو امام مسلم بن حجاج نیشاپوری تک پہنچتی ہیں انہوں نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ تک اپنی سند سے روایت کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تالی عنہ نے فرمایا صحابہ نے عرض کی ہم میں کس نے ظلم نہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ ظلم نہیں جو گمان کرتے ہو یہ تو اس طرح ہے جیسے لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا: اے بیٹے ! اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے، اور مسلم کی حدیث کے مثل امام احمد وترمذی نے بھی روایت کیا اور خود رازی نے توجیہ اللہ تعالٰی کے قول "ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی" (بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ت) میں اختیار کی انہوں نے فرمایا کہ عبدا کا نکرہ ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ تمام جہان حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حقیقت کے بیان اور عبودیت میں ان کے اخلاص کی توصیف کا حق ادا نہیں

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صدق الایمان واخلاصہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷۷، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الانعام امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۲۴

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۹۶/ ۹و۱۰ المطبعۃ البیھۃ المصریۃ مصر ۳۲/ ۲۰

بیانیه وصفة اخلاصه فی عبودیته[1] انتھٰی **والثانیة** ان توصیفه بالتلظی ینافی هذا التخصیص لانه وصف مطلق النار لا نار مخصوص۔ اقول ولیس بشیئ اذ لا یمتنع توصیف فرد عظیم من جنس بوصف عام نشترك فیه الافراد جمیعا و انما الممتنع عکسه، اعنی توصیف جمیع الافراد بما یختص به فرد خاص، الاتری الی قوله تعالٰی "مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ "[2] مع انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعظم الرسل و اکرمھم بالاطلاق، والرسالة وصف عام یشترك فیه المرسلون جمیعا، ولیس فی الاية مایدل علی القصر ینافی العموم علی ان التلظی مقول بالتشکیك فیجوز ان یراد ھنا تلظ خاص لیس کمثله تلظ کما قال اللہ سبحنه وتعالٰی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ "[3] اطلق الضلال و	کرسکتا۔ دوسری یہ کہ آگ کو تلظی (بھڑکنے) سے موصوف فرمانا اس تخصیص کے منافی ہے اس لئے کہ بھڑکنا مطلقًا ہر آگ کی صفت ہے نہ کہ کسی خاص آگ کی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ اعتراض کوئی چیز نہیں اس لئے کہ کسی جنس کے عظیم فرد کو ایسے عام وصف سے جس میں سارے افراد شریک موصوف کرنا ممتنع نہیں، ممتنع تو اس کا عکس ہے یعنی تمام افراد کو ایسی صفت سے موصوف کیا جائے جو کسی خاص فرد کی صفت ہو گیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے اس قول کی طرف "اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں" حالانکہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب رسولوں سے مطلقًا افضل واعلٰی ہیں اور رسالت ایک وصف عام ہے جس میں سب رسول شریک ہیں، اور آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو کہ عموم کے منافی ہو، مزید برآں تلظی (بھڑکنا) کلی مشکک ہے لہٰذا جائز ہے کہ اس جگہ خاص تلظی (بھڑکنا) مراد ہو جس کے مثل کوئی تلظی نہ ہو، جیسے اللہ تعالٰی سبحنہ وتعالٰی نے فرمایا: "اے ایمان والو! تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ پر ہو

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیة ۹۲/۱۰و۹ المطبعة البھیتہ المصریة مصر ۳۲/ ۲۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۵

ارادا الضلال البعید وھو الکفر۔ اخرج الامام احمد و الطبرانی وغیرھما عن ابی عامر الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ھذہ الایۃ فقال لایضرکم من ضل من الکفار اذا اھتدیتم[1] والعجب ان الرازی جنح بنفسہ الی نحو من ھذا فی قولہ تعالٰی "نار حامیۃ" قال والمعنی ان سائر النیران بالنسبۃ الیھا کانھا لیست حامیۃ وھذ القدر کاف فی التنبیہ علی قوۃ سخونتھا نعوذ باللہ منھا[2] الخ، فما للشعیر یوکل ویذم۔ **اقول:** لك ان تقول ان لظی من المجرد وتلظی من المزید و زیادۃ اللفظ تدل علی زیادۃ المعنی، کما قالوا فی الرحمن والرحیم وغیر ذلك مع فیہ من التشدید	"ضلال بولا اور ضلال بعید مراد لیا اور وہ کفر ہے۔ امام احمد و طبرانی وغیرہما نے ابو عامر اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سے دریافت کیا اس آیت کے بارے میں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا وہ جو گمراہ ہوا (یعنی کافر لوگ) جبکہ تم راہ پر ہو۔ اور تعجب تو یہ ہے کہ فخر رازی خود اس کے قریب توجیہ کی طرف مائل ہوئے اللہ تعالٰی کے قول نار حامیۃ کی تفسیر میں انہوں نے فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ ہر آگ جہنم کی آگ کے مقابل گویا گرم ہی نہیں اور اتنی بات آتش جہنم کی سخت گرمی پر متنبہ فرمانے کو کافی ہے ہم اللہ کی اس سے پناہ مانگتے ہیں جو کھایا جائے اور برا بھی کہا جائے۔ **میں کہتا ہوں** اور تمہیں پہنچتا ہے کہ تم کہو کہ لظی مجرد کے قبیل سے ہے اور تلظی مزید کے قبیل سے ہے اور لفظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ رحمٰن ورحیم وغیرہ میں علماء نے فرمایا اس کے ساتھ تلظی

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۱۲۹/۴۔۲۰۱، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب التفسیر سورۃ المائدۃ دار الکتاب بیروت ۱۹/۷

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایۃ ۱۰۱/۱۱ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۷۴/۳۲

لفظ المنبئی عن الشدۃ معنی کما فی قتل وقتل وقاتل وقتال مع ان باب الادعاء واسع وقصر الوصف علی اعظم من یوصف شائع قال تعالٰی فی المهاجرین "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾" [1] ویمکن ان تجعل من هذا القبیل امثال قوله تعالٰی "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۶﴾" [2]۔ وقد حققنا المسالة فی خاتمة رسالتنا سلطنة المصطفی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بما لا مزید علیه هذا وکان قلب ابی عبیدة رکن الی هذا الوجه الذی ذکر القاضی الامام شیئا قلیلا ثم بدا له مابدا فانحجم کما حکینا لك کلامه ستسمع منا جوابه ان شاء الله تعالٰی۔ **الثانی من وجهی القاضی** "ان المراد بقوله تعالٰی نارا تلظی النیران اجمع، ویکون المراد بقوله تعالٰی لا یصلها الا الاشقی ای هذا الاشقی به احق، وثبوت هذا الزیادة فی الاستحقاق	میں لفظی شدت ہے جو معنوی شدت کی خبر دیتی ہے جیسے لفظ قتل اور قتّل اور قاتل وقتال میں، اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ادعاء کا باب واسع ہے اور صفت کو سب موصوفین سے بڑے موصوف پر مقصود رکھنا عرف شائع ہے۔ اللہ تعالٰی کا مہاجرین کے بارے میں ارشاد ہے "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۸﴾" (یہی لوگ سچے ہیں) اور ممکن کہ تم اللہ تعالٰی کے قول (بے شک وہی ہے سنتا جانتا ہے) کہ اس قبیل سے قرار دو۔ اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق اپنے رسالہ سلطنۃ المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خاتمہ میں ایسے کلام سے جس میں زیادتی نہیں ہوسکتی کی ہے اور اس توجیہ کی طرف جو قاضی امام نے بیان فرمائی ابو عبیدہ کا دل کچھ مائل ہوا تھا پھر اس کو سوجھی جو سوجھی تو وہ اس سے منحرف ہوگیا جیسا کہ ہم تم سے اس کا کلام ذکر کرچکے اور عنقریب تم ہم سے اس کا جواب سنو گے ان شاء اللہ تعالٰی۔ قاضی کی ارشاد فرمودہ دو وجہوں میں سے **دوسری** یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول نارا تلظی سے مراد تمام آتشیں ہیں اور اللہ تعالٰی کے قول لا یصلها الا الاشقی (اس میں نہ جائے گا مگر وہ سب سے بڑا بدبخت) سے مراد یہ ہے کہ یہ سب سے بڑا بدبخت ان تمام آزمائشوں کے

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۸

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۳۶

غیر حاصل الا لهذا الاشقی [1] انتهی والی نحو من هذا یمیل ماجزم به الزمخشری فی الکشاف مقتصرا علیه ونقله الامام النسفی رامزا الیه من ان الایة واردة فی الموازنة بین حالتی عظیم من المشرکین وعظیم من المؤمنین فارید ان یبالغ فی صفتیهما المتناقضتین، فقیل الاشقی وجعل مختصا بالصلی کان النار لم تخلق الاله، وقیل الاتقی وجعل مختصا بالنجاة کان الجنة لم تخلق الا له [2] انتهی۔

اقول: وهذا هو الحصر الادعائی الذی وصفنا لك ولا شك انه دائر سائر بین البلغاء یشهد بهذا من تتبع دواوین العرب وکلامهم فی المدح والهجاء ومعلوم ان الزمخشری له ید طولی وکعب علیا فی فنون الادب وصنائع الادباء فقول الرازی انه ترك الظاهر من غیر دلیل [3] انتهی غیر مستحسن

سب سے زیادہ سزاوار ہے اور استحقاق کی زیادتی اسی سب سے بڑے بدبخت کو حاصل ہے انتہی، اور اس سے قریب توجیہ کی طرف وہ توجیہ مائل ہے جس پر زمخشری نے جزم کیا کشاف میں اس پر اکتفا کرتے ہوئے اور زمخشری کی وہ توجیہ امام نسفی نے اسکی طرف اشارہ فرماتے ہوئے نقل فرمائی وہ توجیہ یہ ہے کہ یہ آیت مشرکین کے ایک عظیم اور مومنین کے ایک عظیم کے دو متناقض صفتوں میں مبالغہ فرمایا جائے تو اشقی فرمایا گیا اور اسے آتش جہنم میں جانے کیلئے مخصوص ٹھہرایا گیا گویا جہنم کی آگ اسی کے لئے پیدا ہوئی ہے اور اتقی فرمایا گیا اور نجات کے لئے مخصوص فرمایا گیا گویا جنت اسی کے لئے بنی ہے انتہی۔

میں کہتا ہوں یہی وہ حصر ادعائی جس کا بیان ہم نے تم سے کیا اور کوئی شک نہیں کہ یہ بلغاء میں دائر وسائر ہے اس کی گواہی عرب کے دیوانوں کو اور مدح وہجو میں ان کے کلام کو خوب مطالعہ کرنے والا دے گا، اور یہ معلوم ہے کہ زمخشری کو فنون ادب اور ادیبوں کی صنعتوں میں بڑی دسترس ہے اور اونچا درجہ حاصل ہے تو فخر رازی کا زمخشری پر یہ اعتراض کہ اس کی یہ توجیہ ظاہر کو بے دلیل چھوڑنا ہے انتہی خوب نہیں

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

[2] مدارك التنزیل التفسیر الکبیر تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الایة ۹۲/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة مصر ۳۱/ ۲۰۴

وای شیئ اکبر دلالۃ من الاحتیاج الی تصحیح الکلام ولیس تاویل الاشقی بالشقی اقرب الی الظاھر من ھذا الحصر من شیوعہ وکثرۃ وقوعہ نظماً ونثراً وتصحیح الکلام قرینۃ کافیۃ فی امثال ھذا المقام الاتری انك اذا سمعت رجلا یقول زید ھو الکریم علمت اول وھلۃ من دون تامل ولامھلۃ ان مرادہ ان لیس کریم مثلہ لا ان لاکریم مثلہ وھذا ظاھر جدا، ھذا مایتعلق بحکم الاشقی، ولاشك ان الکلام ھھنامحتاج بظاھرہ الی تاویل او توجیہ لکن ابا عبیدۃ زاد فی الشطرنج بغلۃ ثم تتابع فی قوم من المتاخرین ینقلون کلامہ من دون تنقیح کما حکینا لك دیرنھم من کلام الامام العلامۃ السیوطی رحمہ اللہ تعالٰی حملہ علی ذلك ان ظن ان اٰیۃ الاتقی ایضاً محتاجۃ الی التاویل حیث قال وان زعمت انہ تعالٰی نکر النار الی اخر الخ مانقلنا عنہ فلم یثبت ان اخذ الاتقی بمعنی التقی لیشمل کل مؤمن ووافقہ علی ذلك الزمخشری وغیرہ لکنھم

اور کلام کی تصحیح کی حاجت سے بڑی کون سی دلیل ہے اور اشقی کی تاویل شقی سے اس حصر کی بہ نسبت ظاہر سے نزدیک تر نہیں باوجود اس کے یہ حصر عرف میں شائع ہے اور نظم ونثر میں بکثرت واقع ہے اور تصحیح کلام کی حاجت اس جیسے مقامات میں قرینہ کافیہ ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب تم کسی کو یہ کہتے سنو کہ زید ہی کریم ہے تو پہلی فرصت میں تم جان جاؤگے کہ زید جیسا کوئی کریم نہیں نہ یہ کہ زید کے سوا کوئی کریم نہیں اور یہ خوب ظاہر ہے تو یہ حکم اشقی سے متعلق تھا اور یہ کوئی شک نہیں کہ اس مقام پر کلام اپنے ظاہر سے تاویل یا توجیہ کا محتاج ہے لیکن ابو عبیدہ نے شطرنج کے مہروں میں بغلہ (خچر) بڑھادیا پھر متاخرین میں سے کچھ لوگ پے در پے اس کا کلام بغیر تنقیح کے نقل کرتے رہے، جیسا کہ ہم نے تم سے امام علامہ سیوطی کے کلام سے ان کی عادت کی حکایت کی، اس کے لئے اس کا سبب یہ ہوا کہ اس نے یہ گمان کیا کہ وہ آیت بھی جس میں اتقی وارد ہوا تاویل کی حاجتمند ہے اس لئے کہ اس نے کہا کہ اگر تم کہو کہ اللہ تعالٰی نے نار کو نکرہ فرمایا الخ تو کچھ دیر نہ ٹھہرا کہ اتقی کو بمعنی تقی کے لیا تاکہ آیت ہر مومن کو شامل ہوجائے اور اسی بات میں زمخشری وغیرہ نے اس سے اتفاق کیا مگر اس کی تاویل

لم یوافقه علی التاویل کما سمعت وهذا کلام لایقوم علی ساق اذلیس فی قوله تعالٰی وسیجنبها الاتقی مایدل علی الحصر والقصر انما یصف الله سبحنه وتعالٰی عبدا له اتقی بانه یجنب النار و یبعد عنها لانه لایجنب النار الاهو و رحم الله الرازی حیث تفطن لهذا فذکر فی الاشقی قولا انه بمعنی الشقی ولم یذکره فی الاتقی راسابل صرح بخلافه حیث قال"هذا لایدل علی حال غیر الاتقی الا علی سبیل المفهوم والتمسك بدلیل الخطاب[1]	میں ان لوگوں نے اس کی موافقت نہ کی جیسا کہ تونے سنااور یہ کلام پائے ثبات پر قائم نہیں اس لئے اللہ تعالٰی کے قول وسیجنبها الاتقی میں کوئی لفظ نہیں جو حصر پر دلالت کرتا ہو، اللہ تعالٰی تو اپنے ایک بندے کا وصف بیان فرماتا ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہو، یوں کہ وہ جہنم کی آتش سے بہت دور رکھا جائے گا یہ مطلب نہیں کہ جہنم کی آگ سے وہی بچایا جائے گا۔اور اللہ تعالٰی علامہ رازی پر اپنی رحمت فرمائے کہ انہوں نے اس امر کو سمجھ لیا لہٰذا اشقی میں ایک قول ذکر کیا کہ وہ بمعنی شقی کے ہے اور اتقی میں اسے بالکل ذکر نہ کیا بلکہ اس کے خلاف کی تصریح کی انہوں نے فرمایا یہ آیت کریمہ جس میں اتقی کے لئے بشارت ہے غیر اتقی کے حال پر دلالت نہیں کرتی مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے اور دلیل خطاب سے تمسک کے طور پر الخ۔
اقول: بل ولا یتمشی علی مذهب القائلین بمفهوم الصفة ایضافان الکلام مسوق لمدح الاتقی کمایدل علیه سبب النزول ومقام المدح والذم مستثنی عندهم ایضا کما هو مذکور فی کتب الاصول فیا للعجب من القاضی البیضاوی الشافعی	**میں کہتا ہوں** بلکہ یہ بات ان کے مذہب پر بھی نہیں چلتی جو مفہوم صفت کے قائل ہیں اس لئے کہ کلام مدحت اتقی کے لئے لایا گیا ہے جیسا کہ اس پر سبب نزول دلالت کرتا ہے اور ان لوگوں کے نزدیک مقام مدح وذم بھی مستثنی ہے جیسا کہ کتب اصول فقہ میں مذکور ہے تو قاضی بیضاوی شافعی پر تعجب ہے انہوں نے

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت الایۃ ۹۲/۱۷ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

كيف تمسك ههنا بالمفهوم، مع انه ليس محله بالاتفاق واشد العجب من القاضى الامام ابى بكر الشافعى اذ زل قلمه فمال الى افادة الحصر مع انه يخالف ائمته فى القول بالمفهوم راسا، وهكذا يرينا الله اياته فى الافاق و فى انفسنا كيلا يغتر مغتر بدقة انظاره ولا يسخر ساخر من عاثر فى افكاره اذ نرى كل صارم ينبو وكل جواد يكبو فعلام يزهو من يزهو و سقى الله عهد من قالوا وما ادراك من قالوا سادة كرام قادة الامة ابراهيم النخعى ومالك بن انس وغيرهما من الائمة اذ قالوا ولنعم ماقالوا كل احد ماخوذ من كلامه ومردود عليه الا صاحب هذا القبر [1] صلى الله تعالى عليه وسلم نسال الله الوقاية فى البداية والنهاية، والحمد لله رب العالمين۔

کیونکر مفہوم سے استدلال کیا حالانکہ بالاتفاق یہ اس کا محل نہیں، اور سخت تعجب تو قاضی امام ابوبکر شافعی پر ہے کہ ان کے قلم نے لغزش کی تو وہ اس طرف مائل ہوئے کہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہے حالانکہ وہ قول بالمفہوم میں اپنے ائمہ کے بالکل مخالف ہیں اور یونہی اللہ ہمیں اپنی نشانیاں آفاق میں اور ہمارے نفوس میں دکھاتا ہے تاکہ کوئی اپنی باریک بینی پر مغرور نہ ہو اور کوئی ہنسنے والا اپنے افکار میں لغزش کرنے والے سے نہ ہنسے، اس لئے کہ ہر تلوار اچٹتی ہے اور ہر گھوڑا گرتا ہے تو گھمنڈ کرنیوالا کاہے کو گھمنڈ کرے اور اللہ تعالٰی ان کے زمانے کو سیراب کرے جنہوں نے فرمایا اور تمہیں کیا خبر وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے فرمایا سرداران بزرگ امت کے مقتدا ابراہیم ۔۔۔ ومالک بن انس وغیرہ ائمہ کہ انہوں نے فرمایا اور کیا خوب فرمایا کہ ہر شخص کی کوئی بات مقبول ہوتی ہے اور کوئی نامقبول مگر اس قبر شریف کے ساکن یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ ان کی ہر بات قبول ہے ہم اللہ تعالٰی سے حفاظت مانگتے ہیں ابتداء وانتہاء میں، والحمد للہ رب العالمین۔

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] الیواقیت والجواہر المبحث التاسع والاربعون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸

والان اٰن ان نستکمل الرد علی ابی عبیدۃ فیما فرعنه وفیما اطمان علیه **فاقول** وباللّٰه التوفیق زعم الرجل اولا ان تاویل الاشقی بالشقی ینجیه عما فیه اذ اٰل الکلام الی ان لایصلی النار الاکافر وھذا حق لاغبار علیه۔	اور اب وقت آگیا ہے کہ ہم ابوعبیدہ کارد اس میں جس سے اس نے فرار اختیار کیا اور جس پر وہ مطمئن ہوا تمام کریں، تو **میں کہتا ہوں** اور اللہ سے ہی توفیق ہے اس شخص نے پہلے خیال یہ کیا کہ اشقی کی تاویل شقی سے اسے اس آفت سے نجات دے دے گی جس میں وہ مبتلا ہے اس لئے کہ کلام کا مآل یہ ہوا کہ دوزخ کی آگ میں کافر ہی جائے گا۔اور یہ بات حق ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔
قلنا نظرت الموصوف وترکت الصفة یقول اللّٰه سبحنه وتعالٰی "لَا یَصْلٰهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿۱۶﴾"[1] ومعلوم ان من الکفار من لم یکذب النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم مدۃ عمرہ لابجنانه ولابلسانه وانما کفرہ ان سبق الکتاب وخذل التوفیق والعیاذ بوجه المولی الکریم۔	ہم کہیں گے کہ تم نے موصوف کو دیکھا اور صفت کو چھوڑ دیا اللہ سبحنہ وتعالٰی فرماتا ہے لایصلھا الاالاشقی الذی کذب وتولی (اس میں نہ جائے گامگر وہ سب سے بڑا بدبخت جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا) اور یہ معلوم ہے کہ کافروں میں وہ بھی ہیں جنہوں نے اپنی تمام عمر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ جھٹلایا نہ اپنے دل سے نہ اپنی زبان سے،اس کا کفر تو یوں ہوا کہ اللہ کا لکھا غالب آیات اور توفیق الٰہی نے اس کا ساتھ نہ دیا اور مولائے کریم کی ذات کی پناہ ہے۔
اقول: و ھذا ابو طالب عم رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم افنی عمرہ فی حفظه وحمایته وبلغ الغایة القصوی	**میں کہتا ہوں** یہ ہیں ابوطالب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا جنہوں نے اپنی عمر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حفاظت وحمایت میں فنا کردی اور وہ حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵۔۱۶

من محبته وولايته قد كان حبه صلى الله تعالٰى عليه وسلم اخذ بمجامع قلبه، حتى كا ن يفضله على الاطفال الصغار من بنى صلبه، و لما بعث الله تعالٰى نبيه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فدعا المشركين الى التوحيد، وهجم عليه الاعداء من كل شاء وبعيد، قام يناضل عنه صلى الله تعالٰى عليه وسلم فاعظم بره ولازم نصره وقاسى ماقاسى من شدائد لاتحصى فى مهاجرة المشركين من عشيرته الاقربين۔ وهو الذى لما تمالات قريش على المصطفى صلى الله تعالٰى عليه وسلم ونفر و اعنه من يريد الاسلام انشاء قصيدة تدل على عظم حبه المصطفى وشدة بغضه اعدائه الليام كما روى ابن اسحق وغيره من الثقات ومنها هذه الابيات۔

اعبد مناف انكم خير قومكم
فلا تشركوا فى امركم كل واغل
فقد خفت ان لم يصلح الله امركم
تكونوا كما كانت احاديث وائل
اعوذ برب الناس من كل طاعن
علينا بسوء او ملح بباطل

علیہ وسلم کی محبت اور نصرت کی انتہائی حد کو پہنچے، سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت نے ان کے پورے دل کو ایسا پکڑ لیا تھا کہ اپنے صلبی کم سن بچوں پر حضور علیہ السلام کو فضیلت دیتے تھے اور جب اللہ تعالٰی نے اپنے نبی علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تو سرکار نے مشرکین کو وحدانیت کی طرف بلایا اور دین کے دشمن ہر سمت دور دراز سے حملہ آور ہوئے ابو طالب ان کی حمایت کو کافروں سے لڑنے کو کھڑے ہوگئے تو سرکار کے ساتھ بڑی نیکی کی اور ہمیشہ ان کی مدد کی اور اپنے قریبی رشتہ دار مشرکوں کی طرف سے کیسی بے شمار سختیاں جھیلیں۔ یہ وہ ابو طالب تھے کہ جب سارے قریش مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مخالف ہوئے اور اسلام کے خواہشمندوں کو سرکار علیہ السلام سے دور کیا تو انہوں نے ایک قصیدہ کہا جو مصطفے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بڑی محبت اور ان کے کمین دشمنان سے شدید عداوت کی دلیل ہے، جیسا ابن اسحٰق نے معتمد راویوں سے روایت کیا ہے۔ اسی قصیدہ کے یہ شعر ہیں:

اے عبد مناف کے بیٹو! تم اپنی قوم میں سے بہتر ہو، تو تم اپنے معاملہ میں ہر خسیس کو شریک نہ کرو، بے شک مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہارا حال ٹھیک نہ کیا تو تم وائل کے افسانوں کی طرح افسانہ ہو جاؤ گے میں لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں ہر برائی کا طعنہ دینے والے اور باطل پر اصرار کرنے والے سے

ومن کاشح یسعی لنا بعبیة ومن ملحق فی الدین مالم یحاول وثور ومن ارسی ثبیر امکانه وراق لبر فی حراء ونازل۔ وبالبیت حق البیت فی بطن مکة وباللّٰه ان اللّٰه لیس بغافل کذبتم وبیت اللّٰه نبزی محمدا ولما نطاعن دونه ونناضل ونسلمه حتی نصرع حوله ونذهل عن ابناء نا والحلائل لعمری لقد کلفت وجدا باحمد واجبته داب المحب المواصل فمن مثله فی الناس ای مؤمل اذا قاسه الحکام عند التفاضل حلیم رشید عاقل غیر طائش یوالی الاھا لیس عنه بغافل	اور کینہ پرور سے جو ہم پر گھمنڈ کی کوشش کرے اور اس سے جو دین میں ایسی بات شامل کرے جو دین میں کبھی نہ پائی گئی ہو۔ اور کوہ ثور سے اور اس سے جس نے کوہ ثبیر کو اپنی جگہ جمایا اور کوہ حرامیں عبادت کے لئے چڑھنے اور اترنے والے سے۔ اور اللہ تعالٰی کے سچے گھر کی قسم اور اللہ کی قسم، بیشک اللہ تعالٰی بخبر نہیں۔ اللہ کے گھر قسم! اے کافرو! تم جھوٹے ہو اس گمان میں کہ ہم محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو چھوڑ دیں گے۔ حالانکہ ابھی ہم نے حضور علیہ السلام کے گرد نیز وں اور تیروں سے جنگ نہ کی اور کیا ہم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمہارے سپرد کریں گے جب تک کہ اپنے بیٹوں اور بیویوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ مجھے اپنی جان کی قسم! مجھے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شدید محبت ہے اور میں انہیں ایسا چاہتا ہوں جس طرح ہیم چاہنے والے کی عادت ہوتی ہے۔ جب فیصلہ کرنے والے مقابلے کے وقت کسی کو ان پر قیاس کریں تو ان جیسا لوگوں میں کون ہے جس کے لئے یہ امید ہو کہ وہ ان کا ہم پلہ ہوگا۔ حلم والے رشد والے، عقل والے، طیش والے نہیں وہ بیوقوف وبے قدر سے محبت رکھتے ہیں جو ان سے غافل نہیں۔

فواللہ لولا ان اجی بسبة تجر علی اشیاخنا فی المحافل لکنا اتبعناہ علی کل حالة من الدھر جدا غیر قول التھازل فاصبح فینا احمد فی ارومة تقصر عنھا سورة المتطاول حدیث بنفسی دونہ وحیتہ ودافعت عنہ بالذر اوالکلاکل[1]	توخدا کی قسم اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میں ایسا کام کروں جو ہمارے بزرگوں پر محافل میں ملامت کا سبب بنے۔ توہم نے زمانہ کی ہر حالت میں ان کی پیروی کی ہوتی تو یہ بات سنجیدگی سے بے مذاق کے کہتا ہوں۔ تو احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے اندر ایسے عالی نسب ہیں جس کو فخر کرنے والے کی محبت پانے سے عاجز ہے۔ میں نے اپنی جان کو ان کے سپرد کردیا اور ان کی حمایت کی اور سرداروں اور گروہوں کے ذریعہ (یا سروں اور رسینوں کے ذریعہ) دشمنوں سے حضور کا بچاؤ کیا۔
ولقد کان یتبرك بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و یتوسل بہ الی اللہ تعالٰی فی الدعاء کما یدل علیہ ما روی العلماء من سنة قریش وحدیث الاستسقا[2] و قد حث الناس علی اتباعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و اخبر عن امور لم تقع فصدق	اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے برکت طلب کرتے اور دعا میں آنجناب علیہ الصلوۃ والسلام کو وسیلہ بناتے چنانچہ اس پر قریش کی قحط سالی اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ سے بارش طلب کرنے کا واقعہ جسے علماء نے روایت فرمایا ہے دلالت کرتا ہے اور بے شک ابوطالب نے لوگوں کو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی اتباع پر ابھارا اور ان باتوں کی خبر دی جو واقع نہ ہوئی تھیں تو ایسا ہی

---

[1] السیرۃ النبویۃ سید احمد زینی دحلان باب وفاۃ عبدالمطلب المکتبۃ الاسلامیہ بیروت ۱/ ۸۳، السیرۃ النبویۃ لابن ھشام شعر ابی طالب فی استعطاف قریش دار ابن کثیر بیروت الجزء الاول والثانی ص ۲۸۰ تا ۲۷۲

[2] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

سبحنه وتعالٰی ظنه ووقع کمثل اخبارہ فوقع ولقد له موقع عظیم فی قلب النبی الکریم علیه افضل الصلوۃ والتسلیم حتی انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لما جاءہ اعرابی فقال یارسول اللہ اتیناك ومالنا صبی یغط ولا بعیر یئط وانشد ابیاتا فقام صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یجر رداءہ حتی صعد المنبر ورفع یدیه الی السماء فواللہ ماردیدیه بکریمتین حتی التقت السماء بابرا قها وجاءوا یضجون الغرق، فضحك صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وتذکر قول ابی طالب فی مدحه حیث یقول ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامٰی عصمة للارامل[1] فقال للہ در ابی طالب لوکان حیالقرت عیناہ من ینشدنا قوله، فقال علی کرم اللہ تعالٰی وجهه یارسول اللہ	ہوا جیسا انہوں نے خبر دی اور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے دل میں ان کے لئے مقام عظیم تھا یہاں تک کہ جب سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں ایک اعرابی نے آکر عرض کی کہ ہم سرکار کے پاس آئے ہیں اور حال یہ ہے کہ ضعف سے ہمارے بچوں کی آواز نہیں نکلتی اور ہمارے اونٹ لاغری سے کراہتے نہیں اور اس اعرابی نے سرکار کی مدح میں کچھ اشعار پڑھے تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام چادر اقدس کو گھسیٹتے ہوئے اٹھے اور منبر پر صعود فرمایا اور آسمان کی جانب اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے تو خدا کی قسم ابھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے ہاتھ نیچے نہ کئے تھے کہ آسمان بجلیوں سے بھر گیا اور اس قدر بارش ہوئی کہ لوگ پکارتے ہوئے آئے کہ ہم ڈوبے، تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے تبسم فرمایا یہاں تک کہ دندان اقدس چمکے اور آپ کو اپنی تعریف میں ابوطالب کا قول یاد آیا جب انہوں نے عرض کیا تھا کہ ؎ سرکار گورے ہیں جن کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کی ٹیک اور بیواؤں کا سہارا ہیں۔ پھر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: اللہ کے لئے ابو طالب کی خوبی ہے اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں کون ہمیں ان کے شعر سنائے گا۔ تو حضرت علی

[1] صحیح البخاری، ابواب استسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الاستسقاء النبی صلی اللہ علیه وسلم دار الکتب العلمیه بیروت ۶/ ۱۴۱

کانک ترید قوله وابیض یستسقی، وذکر ابیاتا فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اجل کما اخرجه البیهقی فی دلائل النبوة [1] عن سیدنا انس رضی الله تعالٰی عنه فانظر الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم "لله در ابی طالب" وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم " لوکان حیا لقرت عیناه" وقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم من ینشدنا قوله" ولم ینقل عنه مرة انه رد علی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم وکذبه فیه بل هو القائل فی تلك القصیدة مخاطبا لقریش ؎ لقد علموا ان ابننا لامکذب لدینا ولا یعنی بقول الاباطل [2] ولذا کان اھون اھل	کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کیا گویا سرکار کی مراد ان کا وہ قصیدہ ہے جسمیں انہوں نے عرض کی "وہ گورے رنگ والے جن کے چہرے کے ذریعہ بارش طلب کی جاتی ہے۔اور سید نا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے چند شعر پڑھے تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ہاں میں یہی چاہتا تھا۔جیسا کہ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا تو سرکار ابد قرار علیہ الصلوۃ والسلام کے قول "للہ در ابی طالب" (اللہ کے لئے ابوطالب کی خوبی ہے) کو دیکھو اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کو دیکھو کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتیں،اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر نظر کرو کہ ہمیں کون ابوطالب کے شعر سنائے گا۔اور ایک بار بھی منقول نہ ہوا کہ ابو طالب نے سرکار کی کسی بات کو رد کیا ہو یا سرکار کو جھٹلایا ہو،بلکہ خود اسی قصیدہ میں قریش سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ خدا کی قسم لوگ جانتے ہیں کہ ہمارا فرزند ہمارے نزدیک ایسا نہیں کہ جھٹلایا جائے اور نہ اسے جھوٹی باتوں سے کام ہے۔ اور اسی وجہ سے ابوطالب پر تمام دوزخیوں

[1] دلائل النبوۃ للبیهقی باب استسقاء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الخ دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۱۴۱

[2] السیرة النبویة لسید احمد زینی دحلان باب وفاة عبد المطلب المکتبة الاسلامیة بیروت ۱/ ۸۳

النار عذابا کما فی الصحاح و نفعته شفاعة الشفیع المرتجی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی اخرج الی ضحضاح[1] علی خلاف من سائر الکافرین الذین لا تنفعھم شفاعة الشافعین، ویالیتہ لو اسلم لکان من افضل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولکن قضاء اللہ لایرد وحکمہ لایعقب وللہ الحجة السامیة ولاحول ولاقوة الا باللہ العزیز الحکیم وقد فصلنا المسئلة فی بعض فتاونا واظھرنا بطلان قول من قال باسلامہ واذا کان ذلك ظھر ان الحصر فی الشقی المکذب ایضا غیر مستقیم الی ھذا اشار القاضی الامام حیث قال لایمکن اجراء ھذہ الایة علی ظاھرھا، و یدل علی ذلك ثلثة اوجہ۔	سے ہلکا عذاب ہے جیسا کہ صحیح حدیثوں میں وارد ہوا اور شفیع مرتجی (امید گاہ عاصیاں) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے انہیں نے نفع دیا تو ان پر تخفیف کے لئے انہیں جہنم کے بالائی سرے پر رکھ دیا گیا اور یہ معاملہ ان کے ساتھ سارے کافروں کے بر خلاف ہے جنہیں شفیعوں کی شفاعت کام نہ دے گی اور کاش وہ ایمان لاتے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل صحابہ سے ہوتے۔ لیکن اللہ کا لکھا نہیں ٹلتا اور اس کا حکم نہیں بدلتا اور اللہ ہی کے لئے حجت بلند اور معصیت سے پھرنے کی قوت اور طاعت کی طاقت اللہ عزوجل حکیم کے دئے بغیر نہیں، اور ہم نے اس مسئلہ کو اپنے بعض فتاوی میں تفصیل سے بیان کیا اور ابوطالب کے اسلام کے قائل کی رائے کا بطلان ظاہر کیا ہے اور جب یہ بات یوں ہے تو ظاہر ہوا کہ حصر شقی مکذب (جھٹلانے والے) میں بھی درست نہیں اسی طرف امام ابوبکر نے اشارہ کیا چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کو اس کے ظاہری معنی پر جاری کرنا ممکن نہیں اور اس پر تین وجوہ دلالت کرتی ہیں۔
احدھا انہ یقتضی ان لایدخل النار "الا الاشقی الذی کذب وتولی" فوجب فی الکافر	ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ حصر اس کا مقتضی ہے کہ جہنم میں وہی کافر جائے گا جو سب سے بڑا بدبخت ہو جس نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸

الذی لم یکذب ولم یتول ان لایدخل النار [1] الخ۔

قلت وبما قررنا المقال بان لك انخساف ماقال الرازی متعقبا للامام القاضی ان کل کافر لابد و ان یکون مکذبا للنبی فی دعواہ ویکون متولیا عن النظر فی دلالۃ صدق ذلك النبی [2] الخ وظھر ایضا ان ھذ التاویل الذی ارتضاہ کثیر من المتاخرین ولایسد خلۃ ولایشفی غلۃ وعلیك بتلطیف القریحۃ۔

وزعم **ثانیا** ان ایۃ الاتقی ایضا تفتقر الی التاویل لقرینتھا فارتکب ماکان فی مندوحۃ عنہ کما حققنا۔

وزعم **ثالثا** ان تاویل الاتقی بالتقی مما یفیدہ ویغنی زعما منہ ان غیر التقی المذکور

کی تکذیب کی ہو اور ان کی سچائی کے دلائل میں نظر سے اعراض کرتا ہو، تولازم آیا کہ وہ کافر جس سے تکذیب و عراض سرزد نہ ہو (جیسے ابوطالب) جہنم میں نہ جائے۔

میں کہتا ہوں جس طور پر اپنے مقالہ کی تکذیب کی اس سے امام رازی کے اس قول کا ضعف ظاہر ہوگیا جو انہوں نے امام قاضی پر بطور اعتراض کیا ہے کہ ہر کافر کا نبی کو اس کے دعوی میں جھٹلانا ضروری ہے اور اس نبی کے دلائل صدق میں نظر سے روگردانی اسے لازم ہے، اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ تاویل جسے بہت سے متاخرین نے پسند کیا کوئی حاجت پوری نہیں کرتی نہ تشنگی کو اکساتی بجھاتی ہے اور تم لطافت طبع کو لازم پکڑو۔

اور **ثانیًا** اسے گمان کیا کہ وہ آیت جو اتقی کے بارے میں ہے وہ بھی اپنے ساتھ والی آیت کی طرح محتاج تاویل ہے، تو اس کا ارتکاب کیا جس سے وہ بے نیاز تھے جیسا کہ ہم نے تحقیق کی۔

اور **ثالثًا** گمان کیا کہ اس کا اتقی کو تقی کی طرف مؤول کرنا اسے فائدہ دے گا اور غنا بخشے گا اس گمان کی بنا پر کہ اس کے نزدیک

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۳

[2] مفاتیح الغیب التفسیر الکبیر تحت الایۃ ۹۲/ ۱۵۔۱۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۴

فی الایۃ لایجنب النار۔	آیت میں مذکور تقی کے سوا کوئی آتش دوزخ سے نہ بچایا جائے گا۔
اقول: ولا یرد علیه ماسیظن ان این رحمة الله تعالٰی علیه العصاة وقد اذنت نصوص قواطع ان کثیرا من الفجار والمثقلین بالاوزار والهالکین علی الاصرار لا یسمعون حسیس النار بمحض رحمة العزیز الغفار و فیض شفاعة الشفیع المختار صلی الله تعالٰی علیه و سلم. اذا التقوی درجات وفنون اولها اتقاء الکفر و هذا یستوی فیه المؤمنون وقد افصح ابوعبیدة عن مراده اذقال الاتقی بمعنی التقی وهو المؤمن[1] انتهی۔	**میں کہتا ہوں** اور اس پر وہ سوال وارد نہیں ہوتا جس کا عنقریب وہ گمان کریگا کہ پھر اللہ تعالٰی کی رحمت گنہگاروں پر کہاں گئی حالانکہ قطعی دلیلیں بتاچکیں کہ بہت سے بد عمل اور گناہوں سے بوجھل اور مرتے دم تک گناہوں کے عادی محض رحمت عزیز غفار اور شفیع مختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب آتش دوزخ کی بھنک تک نہ سنیں گے اس لئے کہ تقوی کے درجات واقسام میں ان کا پہلا درجہ کفر سے بچنا ہے جس مومن برابر ہیں اور ابوعبیدہ نے اپنی مراد ظاہر کردی کہ اس نے کہا اتقی بمعنی تقی کے ہے اور تقی مومن ہے اھ۔
اقول: وبه اندفع مایترای من النقض بالصبیان والمجانین فان المراد بالتقی المؤمن والصبی ان عقل فاسلامه معقول مقبول و الجنون ان طرء فیستصحب الایمان السالف والا فینسحب علیهما حکم الفطر ة الاسلامیة۔لکنی **اقول:** اولا فح ماذا تصنع باللام الداخلة علی الاتقی	**میں کہتا ہوں** اس تقریر سے وہ اعتراض دفع ہوگیا جو بچوں اور پاگلوں سے نقض کے ذریعہ اٹھتا معلوم ہوتا تھا اس لئے کہ تقی سے مراد مومن ہے اور بچہ اگر سمجھ والا ہے تو اس کا اسلام معقول اور مقبول ہے اور مجنون پر جنون اگر طاری ہے تو شرعا اس کا ایمان سابق اس کے ساتھ مانا جائے گا ورنہ ان دونوں پر حکم فطرت اسلامیہ جاری (یعنی انہیں بہ حکم مسلمان جانیں گے) لیکن **میں کہتا ہوں** کہ اولا جب اتقی بعنی تقی کے ٹھہرا تو اس صورت میں اس لام

[1] مدارك التنزيل التفسير النسفی بحواله ابی عبیده تحت الایة ۹۲/ ۱۷ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۶۳

اذقد تقرر فی الاصول انہا ان لم تکن للعھد فللاستغراق ومعلوم ان من المؤمنین من یعذب ولا یجنب[1]، ولا ینفع ارادۃ اللزوم بالصلی اذا الکنایۃ للنار دون الصلی ولقد اغرب من تفطن لبعض من ھذا کالقاضی البیضاوی فحمل الکلام علی من یتقی الکفر و المعاصی اقول نعم الان یصح الاستغراق و لکن من للحصر المزعوم الذی یرتکب لاجلہ تاویل الاتقی، اذمن الفجار من یجنب ولا یعذب کما ذکرنا وعلی ھذا یرد النقض ایضا بالصبی والمجنون۔	کے ساتھ کیا معاملہ کروگے جو اتقی پر داخل ہے اس لئے کہ اصول میں مقرر ہوچکاہے کہ لام اگر عہد کے لئے نہ ہوگا تو استغراق کے لئے ہوگا۔اور یہ معلوم ہے کہ مومنون میں وہ ہیں جنہیں عذاب ہوگااور وہ آتش دوزخ سے نہ بچائے گے اور یہ مفید نہیں کہ یصلی سے بجائے آگ میں جانے کے آگ کا لازم ہونا مراد لیا جائے اس لئے کہ یجنبھا (اس دوزخ سے دور کیا جائیگا میں ضمیر جہنم کی آگ کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ صلی مصدر کی طرف (جس کا معنی آگ میں جانا ہے) اور جس کا ذہن ان باتوں مین سے بعض کی طرف پہنچااس نے عجیب و غریب کام کیا جیسے قاضی بیضاوی، توانھوں نے کلام کو اس پر محمول کیا جو کفر اور گناہوں سے بچے لیکن اس حصر مزعوم کا مدد گار کون جس کی وجہ سے اتقی کی تاویل کاارتکاب کیا جاتا ہے، اس لئے کہ فاجروں میں وہ بھی ہے جو دوزخ کی آگ سے دور رہے گااور اسے عذاب نہ ہوگا)
واقول ثانیا اغمضنا ھذا کلہ وترکنا کم وشانکم فاذھبوا بالکلام الی ما تشتھیہ انفسکم الا انکم اغفلتم الصفۃ ھھنا ایضا غفولکم عنھا	اور **ثانیًا میں کہتاہوں** کہ ہم نے ان تمام باتوں سے آنکھ میچی اور آپ کو آپ کے حال پر چھوڑا تو کلام کو جدھر چاہئے لے جائے مگر آپ لوگ یہاں بھی صفت سے غافل رہے جس طرح اشقی (جس نے جھٹلایا اور منہ موڑا)

[1] التوضیح والتلویح نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۳۶

فی "الْاَشْقَى ۙ﴿۱۵﴾ الَّذِیْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ؕ﴿۱۶﴾ "[1] فان الله سبحنه وتعالٰی لم یرسل الاتقی ارسالا بل خصه "الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ۚ﴿۱۸﴾ "[2] ومعلوم ان التقی الفقیر لا مال له و انه مجنب عن النار لاشک،فان کان الکلام علی الحصر کمازعمتم فالحصر لم یستقیم بعد والا فما ذا یلجئکم الی التاویل والعدول عن ظاہر التنزیل، عن ھذا نقول ان الوجه ترك التکلف وصون اللفظین لاسیما الاتقی عن التغییر و التصرف لانعدام الحاجة فی احدی الآیتین و اندفاعها بطریق اسلم فی الاخری کما یفیده الوجهان اللذان ذکرهما القاضی الامام مع ماشاهد نا ان التاویل یراد ولا مفاد ویقاد ولا ینقاد بید انی مایدرینی لعل الجدال یوری نارا موقدة تطلع علی الافئدۃ فیقوم قائل ان وجهی القاضی ایضا یعکر علیها بشی فلامناص من تشدید الارکان	کے معاملہ میں آپ نے صفت سے غفلت کی اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے اتقی کو مطلع نہ رکھا بلکہ اسے اس کے ساتھ خاص کیا جو اپنا مال ستھرا ہونے کو راہ خدا میں دے اور یہ معلوم ہے کہ تقی فقیر کے پاس مال نہیں ہے حالانکہ وہ آتش دوزخ سے بے شک دور رہے گا۔ تو اگر کلام بر سبیل حصر ہے جیسا کہ آپ لوگوں کا زعم ہے تو حصر تو اب بھی درست نہیں ہوا اور اگر حصر پر بناء نہیں تو آپ کو تاویل اور ظاہر تنزیل سے عدول کی طرف کون سی چیز مضطر کرتی ہے اسی سبب سے ہم کہتے ہیں کہ صحیح طریقہ یہی ہے کہ تکلف چھوڑا جائے اور دونوں لفظوں خصوصا اتقی کو تصرف و تغیر سے محفوظ رکھیں اس لئے کہ ایک آیت میں تاویل کی حاجت نہیں اور دوسری میں مسلک اسلم سے حاجت مندفع ہو جاتی ہے جیسا کہ ان دو وجہوں نے افادہ کیا جو قاضی امام نے ذکر فرمائیں باوجودیکہ ہم نے مشاہدہ کیا ہے کہ تاویل مراد ہوتی ہے حالانکہ کوئی مفاد نہیں ہوتا اور وہ کھینچی جاتی ہے جبکہ وہ نہیں کھنچتی۔ لیکن میں کیا جانوں شاید بحث روشن آگ کو بھڑکائے جو دلوں پر چمکیں تو کوئی قائل کھڑا ہو جائے اور کہے کہ قاضی کی مذکورہ دو[2] وجہوں پر بھی کچھ غبار ہے لہذا ارکان کو مضبوط

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۵، ۱۶

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۸

وتجدید الارصان علی حسب الامکان۔	کرنا اور اشیاء کی تجدید بقدر امکان ضروری ہے۔
فاقول: وربی ولی الاحسان یستبعد علی الوجه الاول وصف الاتقی بانه یجنب تلك النار الکبری فان مدح اکرم القوم بانه لیس ارذل القوم ممالا یستملح۔	**تو میں کہتا ہوں** اور میرا رب ولی نعمت ہے، پہلی وجہ پر اتقی کا یہ وصف بیان کرنا کہ وہ بڑی آگ سے دور رکھا جائے گا مستبعد ہے اس لئے کہ قوم کے بزرگ ترین کے لئے یہ کہنا کہ وہ رذیل ترین نہیں ہے اس میں کوئی ملاحت نہیں ہے۔
اقول: والمخلص الاستخدام وھو شائع فی فصیح الکلام بل عدوه والتوریة اشرف انواع البدیع، بل منهم من قدمه فی الشرف علی الجمیع کماذکر الامام العلامة السیوطی[1] ومنه فی القران العظیم قوله تعالٰی "وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ﴿۱۳﴾ "[2]	**میں کہتا ہوں** اور اس سے نجات دہندہ وہ استخدام ہے اور وہ کلام فصیح میں شائع ہے، بلکہ علماء نے استخدام وتوریہ ف کو بدیع کی سب سے عمدہ قسم شمار کیا ہے بلکہ بعض علماء نے استخدام کو شرف میں تمام اقسام بدیع پر مقدم رکھا ہے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے ذکر کیا ہے، اور اس قبیل سے قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھہراؤ میں"

ف: توریہ ابہام کو کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ایک لفظ کو لیں جس کے دو معنی ہوں ایک قریب دوسرا بعید، اور معنی قریب سے بعید معنی کا توریہ کریں، اور بعید معنی مراد ہو تو معنی قریب کو مورّی بہ اور معنی بعید کو مورّی علیہ کہتے ہیں۔

[1] الاتقان فی علوم القرآن النور الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۱۲و۱۳

المراد بالانسان ابو نا ادم علیه السلام وبضمیر ولدہ، ومنه قوله تعالٰی "اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ"[1]۔ المراد بامر الله بعثة محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی احد الوجوه فی تاویله اخرج ابن مردویة عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه فی قوله تعالٰی اتی امر الله قال محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم، والمراد بالضمیر قیام الساعة قاله العلامة السیوطی[2] نفعنا الله تعالٰی بعلومه، امین۔	آیت میں انسان سے مراد ہم انسانوں کے باپ آدم علیہ السلام ہیں اور ضمیر سے مراد ان کی اولاد ہے اور اسی قبیل سے اللہ تعالٰی کا قول ہے کہ "اللہ تعالٰی کا حکم آیا تو اس کی جلدی نہ مچاؤ۔ اس آیت میں ایک وجہ پر امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ ہے۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ اللہ تعالٰی کے قول "اتی امر اللہ" میں امر اللہ سے مراد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ اور ضمیر سے مراد قیامت کا قائم ہے، یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ نے ذکر کیا ہے اللہ تعالٰی ہمیں ان کے علوم سے نفع بخشے آمین۔
اقول: فان قلت اذا اردتم بالنار اعظم النیران المخصوص باشقی الاشقیاء فما انذار سائر الناس عنه قلت المعنی ان شاء الله تعالٰی ان الاشقی انما بلغ ما بلغ من کمال الشقاء وسوء الجزاء وجهد البلاء بما ثابر علیه من اللدادو	**میں کہتا ہوں** اب اگر تم کہو جبکہ آپ نے آیت میں مذکور نار سے دوزخ کی سب سے بڑی آگ مراد لی جو تمام اشقیاء سے بدتر شقی کے لئے مخصوص ہے تو سب لوگوں کو اسے ڈرانے کا کیا مقصد ہے، تو میں کہوں گا کہ مقصد ان شاء اللہ تعالٰی یہ ہے کہ وہ سب سے بڑا شقی کمال شقاوت اور بری جزا اور سخت بلا کے جس درجہ پر پہنچا اس کا سبب وہی کفر وعناد ہے اور ہر ناہت اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والخمسون دار الکتاب العربی بیروت ۲ /۱۵۴

العناد والاصرار والاستکبار فاحذروا انتم یا ایها الناس ان لم تنیبوا الی الحق ودمتم کدوامه ان تعادلوه فی الشقاء فتلقوا اثاما کمثل اثامه فکانت الایة علی حد قوله تعالٰی "فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ ﴿۱۳﴾" [1] فانهم انما اصابهم ما اصابهم لمثل هذا الاعراض فماذا یؤمنکم ان مضیتم علی دابهم ان تعذبوا بعذابهم وحصل الانذار بانه تعالٰی اخبر ان هناك عدوا اشقی من یوجد وله جزاء اسوء مایکون والناس غیر دارین انه من هو، ولم یذکر الله تعالٰی من صفاته الاالتکذیب و التولی، فحق ان تنقطع قلب کل مکذب وینفلق کبد کل متول خوفا وفرقا ان یکون هو هو فمن هذا الوجه جاء الانذار لسائر الناس فاتقنه فانه من احسن السوانح بتوفیق الملك العلیم الفاتح جل جلاله	گھمنڈ ہے جس پر وہ قائم رہا تو اے لوگو! تم ڈرو کہ اگر تم حق کو نہ مانو اور ناحق پر جمے رہو جیسا کہ وہ بڑ بدبخت جمارہا کہیں تم بدبختی میں اس کے برابر نہ جاؤ تو اس کے عذاب جیسا عذاب پاؤ تو یہ آیت اللہ تعالٰی کے قول "پھر اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرماؤ کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک کڑک سے جیسی کڑک عاد اور ثمود پر آئی تھی، کے طور پر ہے اس لئے کہ عاد و ثمود پر جو مصیبت اتری وہ اسی طور کے اعراض (روگردانی) کے سبب اتری تو تمہیں کون سی چیز بے خوف کرتی ہے، اگر تم ان اگلوں کی عادت پر جمے رہو ان جیسا عذاب پانے سے یا سب کے لئے تنبیہ ہوگئی کہ اللہ تعالٰی نے بتایا کہ آخرت میں اللہ تعالٰی کا ایک دشمن نہایت بدبخت ہوگا اور اس کے لئے نہایت بدترین سزا ہے اور لوگ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے، اور اللہ تعالٰی نے اس کی صفات میں سے جھٹلانے اور، منہ موڑنے کے سوا کچھ ذکر نہیں کیا تو بجا ہے کہ ہر جھٹلانے والے کا دل کٹ جائے اور ہر منہ موڑنے والے کا کلیجہ پھٹ جائے اس ڈر سے کہ کہیں وہ ہی نہ سب سے بڑا بدبخت ہو جس کی یہ سزا سنائی گئی تو اس وجہ سے یہ تخویف سے لوگوں کے لئے آئی، اس نکتہ کو یاد رکھو کہ یہ بادشاہ علیم فاتح (علم والے عقدہ کھولنے والے جل جلالہ) کی توفیق سے ایک

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۱۳

وھذا الکلام یجری بعضه فی الوجه الثانی ایضا لکن ھنا دقیقة غامضة وھی ان امثال ھذا الحصر الادعائی انما تناسب المقام اذا کان سوق الکلام لذم ھذا الاشقی الملام، فکانه قیل انه بلغ من الشقاء مبلغا تضمحل دونه سائر الشقاوات فکانه لایلج النار الا ھو، اما اذا سیق مساق الانذار لجمیع الکفار أو قصد ذٰلك ایضًا مع قصد الذم فلعله لایستحسن حینئذ حصر العقاب فی رجل واحد، تأمل فانه موضعه و العبد الضعیف لھذا یجد نفسه ارکن الی الوجه الاول دون الثانی، وفیه الغنیة و حصول المنیة، و الحمدﷲ معطی الامانی، ثم لما بلغت ھذا المقام رجعت العزیزی بعد ما استعرته من بعض الاعزة فرأیت المولٰی عبد العزیز تجاوز اﷲ تعالٰی عنا وعنه تنبه لھذا الاستبعاد الذی ذکرته فی الوجه الاول وجھی القاضی وحق له ان یتنبه لانه العلم فی الذکاء و الفطانة، ثم اجاب عنه بجوابین: **الاول** یقارب ما	اچھا خیال ہے اور یہ تقریر کچھ وجہ ثانی میں بھی جاری ہے، لیکن یہاں ایک نہایت خفی نکتہ ہے اوہ یہ کہ ایسے حصر ادعائی موقع کے مناسب اسی وقت ہوں گے جبکہ سیاقِ کلام اس بڑے بدبخت وقابل ملامت کی مذمت کے لئے ہو، تو گویا یوں فرمایا گیا کہ یہ شخص شقاوت کے اس درجہ تک پہنچا جس کے آگے سب شقاوتیں ہیچ ہیں تو گویا دوزخ میں اس کے سوا کوئی نہ جائے گا، مگر جبکہ یہ کلام تمام کافروں کی تخویف کے لئے ہو یا، مذمت کے ساتھ یہ قصد بھی ہو تو شاید عذاب کو ایک شخص میں منحصر بتانا مستحسن نہیں، غور کرو کہ یہ مقام غور ہے اور یہ بندۂ ناتواں اسی لئے خود کو دوسری وجہ کے بجائے پہلی وجہ کی طرف زیادہ مائل پاتا ہے اور اسی میں بے نیازی اور مطلب کا حصول ہے اور اللہ تعالٰی کے لئے حمد ہے جو مرادیں عطا فرماتا ہے، پھر میں جب اس مقام تک پہنچا میں نے تفسیر عزیزی اپنے بعض اعزہ سے عاریۃً لے کر دیکھی تو میں نے حضرت مولانا عبدالعزیز کو (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں معاف فرمائے) دیکھا کہ وہ اس اعتراض کی طرف متنبہ ہوئے جو وجہ اول پر اعلٰی حضرت نے فرمایا اور انہیں متنبہ ہونا ہی چاہئے اس لئے کہ وہ ذکاوت وفطانت کا پہاڑ ہیں، پھر اس کے دو جواب دیے: **پہلا** تو وہی جو علماء نے اختیار فرمایا یعنی

دنا التوفیق الیه من القول بالاستخدام۔

والثانی ان التجنیب من تلك النار المخصوصة بالکفار ایضا لها عرض عریض وغایة القصوی مختصة بالاتقی وسائر المومنین وان کانوا مجنبین لکن لا کمثله[1] انتهی معرّبًا۔

اقول: الوجه الوجه الاول وعلیه عندی المعول واما ماذکر من الوجه الثانی فلیس بشیئ عندی وانکان هو المرضی لدیه حتی اورد الاول بصیغة التمریض وذلك لان کون التجنیب مقولا بالتشکیل مسلم فی مطلق النار التی یمکن ان یدخلها بعض المومنین ومعنی العرض العریض فیه کما یسبق الیه ذهنی القاصر أن الذنوب مقتضاها الأصلی الذی لو خلیت هی وطبایعها ما أقتضت الا ایاه انما هو اصابة الجزاء الذی اوعدبه علیها وهذا ظاهر جدًّا، فکل من

استخدام کا طریقہ۔

دوسرا یہ کہ اس نار سے دور رکھا جانا جو کافروں کے ساتھ خاص ہے اس میں بڑی وسعت ہے اور اس کی آخری حد اتقی کے لئے خاص ہے اور باقی مسلمان اگرچہ وہ بھی اس آگے سے دور رہیں گے لیکن اس کی طرح نہیں اھ۔

میں کہتاہوں وجہ تو پہلی ہے اور میرے نزدیک وہی معتمد ہے، اور جو دوسری وجہ ذکر کی وہ میرے نزدیک کوئی چیز نہیں اگرچہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو دوسری پسند ہے کہ پہلی کو ایسے صیغہ سے ذکر کیا جس سے اس کے ضعف، کی طرف اشارہ ہوتا ہے اس لئے کہ نار سے دور رہنا اس کا کلی مشکک ہونا مطلق نار میں مسلم ہے جس میں بعض مومن داخل ہوسکتے ہیں اور تجنیب (ناردوزخ سے دور رہنا) میں بڑی وسعت کا معنٰی جیسا کہ میرا ذہن قاصر اس کی طرف سبقت کرتا ہے کہ گناہوں کا وہ مقتضائے اصلی کہ اگر گناہ اپنی طبیعت کے ساتھ چھوڑ دئے جائیں تو اسی کا تقاضا کریں تو یہ ہے کہ بندہ کو وہ سزا ملے جس کی اسے گناہوں پر وعید سنائی گئی، اور یہ بہت ظاہر ہے، تو ہر وہ شخص جس نے

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیة ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۳۰۴

اذنب ذنباولو مرة استحق بذنبه هذا أن يؤاخذه الملك جل جلاله، ولا تقبض حسناته المكتاثرة على العزيز االمقتدراذ نفع الحسنات انما يعوداليه، فكيف يمن على الله تعالٰی بما عمله لنفع نفسه، فكيف يجعله ذريعة الى ابطال منشور الجزاء عن رأسه وقد قيل له بأفصح بيان ان كما تدين تدان[1] غاية الامران يقسم لبثه فى الدارين على مقدارلبثه فى العملين كمّا وكيفًا، فيجوز ان تسمه النار بما يعدل هذا المقدار، وقد اعتقدنانحن معشر اهل السنة و الجماعة رزقنا الله سبحٰنه وتعالٰى حظ الرحمة و الشفاعة أنه تبارك وتعالٰى له ان يؤاخذعبده كل جريرة ولو صغيرة كما ان له ان يتجاوز عن كل كبيرة، فضل وذٰلك عدل وما الله بظلامٍ للعبيد۔ ثم ان المولٰى جل وعلا بغاية عدله وضع الجزاء مشاكلًا للعمل ولذايديم تنغيم المومن وتعذيب الكافر	ایک بار بھی گناہ کیا اللہ تعالٰی کی پکڑ کا مستحق ہے اور بندہ کی بکثرت نیکیاں خدائے غالب وقدیر کو مانع نہیں ہوسکتیں اس لئے کہ نیکیوں کا نفع تو بندہ ہی کو پہنچتا ہے تو کیسے اللہ تعالٰی کو اپنے بھلے کے لئے کیے ہوئے کام کا احسان جتائے گا اور کیونکر اسے سزا کے دستور کو سرے سے باطل کرنے کا ذریعہ بنائے گا، حالانکہ بندہ کو خوب واضح بیان سے کہہ دیا گیا ہے کہ جیسا تُو کرے گا ویسا تجھے بدلہ دیا جائے گا، غایت امر یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں بندہ کی مدت اقامت کو نیک وبد ہر دو عمل میں ٹھہرنے کی مقدار پر باعتبار قدر و کیفیت تقسیم کریں تو ممکن ہے کہ اسے آگ اتنی مدت تک چھوئے جو اس کے مقدار عمل کے برابر ہو اور ہم اہلسنت وجماعت (اللہ ہمیں رحمت و شفاعت سے نصیب عطا فرمائے) کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالٰی کو حق ہے کہ وہ بندے سے ہر جرم پر مواخذہ کرے اگرچہ صغیرہ ہو جس طرح کہ اس کو سزاوار ہے کہ ہر گناہ سے درگزر فرمائے اگرچہ کبیرہ ہو اور یہ اس کا فضل ہے اور وہ اس کا عدل اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اسی لئے جنت میں مومنین کی آسائش اور جہنم میں کافر کا عذاب ہمیشہ ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالٰی کو انکی نیت اور مخفی ارادے کا

[1] کنزالعمال حدیث ۴۳۰۳۲ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۷۷۲

اذقد علم من نیتھما ومکنونات طویتھما أنھما عازمان علی ادامة ماھما من الکفر والایمان حتی لو دامو افی الدنیا لداموا علیه الا تری الی قوله تعالٰی "وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ"[1] ولذٰلك لما انسلخ ابو طالب عن الکفار بشراشرہ واثبت قدمیه علی تلك الملة الخبیثة نجا الدیان سبحٰنه وتعالٰی سائر بدنه من النار وسلط العذاب علی قدمیه کما فی حدیث الشیخین[2] وغیرھما فقضیة المشاکلة أن من تساوت حسناته وسیأته یساوی لبثه فی العذاب بلبثه فی دار الثواب ومن اذنب ذنبا واحدا اذیق اثامه ومن الم بسیئة ثم انقلع عنھا فجزاءہ المشاکل ان یدنی الی النار ثم یبعدعنھا لیذوق من الفزع والغم قدر ماذاق من اللذة فی اللمم ھذا حکم العدل وحکم العدل ھو الاصل لکن المولی الجواد الکریم	علم ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی حالت کفروایمان پر قائم ودائم رہنے کا عزم کئے ہوئے ہیں یہاں تک کہ اگر دنیا میں ہمیشہ رہتے اپنے حال پر ہمیشہ رہتے کیا تم اللہ کے فرمان کو نہیں دیکھتے "اوراگرواپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے "اور جب ابوطالب کفار سے تمام وکمال جدا ہوئے اوراپنے قدم اس خبیث ملت پر جمائے رکھے جزادینے والے رب سبحٰنہ وتعالٰی نے ان کے سارے بدن کو نار سے نجات دی اور عذاب کو ان کے قدموں پر مسلط فرمادیا جیسا کہ بخاری ومسلم وغیرہ کی حدیث میں ہے تو عمل وجزا میں مشاکلت کامقتضٰی یہ ہے کہ جس کی نیکیاں اوربرائیاں برابر ہوں اس کا عذاب میں رہنا ثواب کے گھر میں رہنے کے برابر ہوا، جو ایک گناہ کرے وہ اس کا عذاب چکھے اور جو برائی کے قریب جائے پھراس سے جدا رہے تواس کی جزامشابہ عمل یہ ہے کہ وہ نار کے قریب کیاجائے پھراس سے دور رکھاجائے تاکہ غم اور گھبراہٹ کا مزہ ارادۂ گناہ میں لذت کے بمقدار چکھے، یہ حکم عدل ہے اور حکم عدل ہی اصل ہے، لیکن جُودو کرم والے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۸

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعة النبی صلی اللہ علیه وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

الذی "كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ"[1] وجعل لها السبقة على الغضب منة ونعمة تشفع اليه شفيعان رفيعان وجيهان حبيبان لايردان ولا يخيبان رحمته الكاملة العامة الشاملة وهذا النبی الكريم المبعوث من الحرم بفيض الجود والكرم صلی الله تعالٰی عليه واٰله وبارك وسلم فوعد بالطاف جميلة ورحمات جليلة فضلامن لديه من دون وجوب عليه، وحاشاه أن يجب عليه شیئ "وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ"[2] وبشر "اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ"[3] وان اللمم معفوعنا ان شاء الله تعالٰی "اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ"[4] وان الله تجاوزلنا عما همت به انفسنا مالم نعمل اونتكلم و أن من تعادلت كفتاه لم يدخل النار وان لا يهلك على الله المارد متمرد وهذا كله تفضل وتكرم من المولی الحی جلت	مولیٰ نے اپنے اوپر رحمت کولازم فرمایااور اس کے لئے غضب پر سبقت رکھی اپنے کرم واحسان سے اس سے سفارش کی جو رفعت وجاہت والے وپیارے شفیعوں نے جو نہ پھیرے جائیں نہ محروم ہوں ایک اللہ تعالٰی کی رحمتِ تمام وعام اور دوسرے یہ نبی کریم جو حرم سے فیض جودوکرم کے ساتھ مبعوث ہوئے تو اللہ تعالٰی نے جمیل مہربانیوں اور جلیل رحمتوں کا وعدہ فرمایا محض اپنے فضل سے نہ اس سبب سے کہ اس پر کچھ واجب ہے اور وہ اس سے منزہ ہے کہ اس پر کچھ واجب ہو حالانکہ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور اس نے خوشخبری دی کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ کہ لمم (ارادۂ گناہ) پر ہمیں معافی دے دی گئی بے شک تمہارے رب کی مغفرت وسیع ہے اور بیشک اللہ تعالٰی ان باتوں سے در گزر فرماتا ہے جن کا ارادہ ہمارے نفوس کرتے ہیں جب تک انکو انجام نہ دیں یا انہیں نہ بولیں اور جس کے دونوں پلے برابر ہوں گے وہ نار میں نہ جائے گا۔ اور یہ کہ اللہ تعالٰی کے یہاں صرف نہایت سرکش نرا نافرمان ہی ہلاک ہوگا

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۲
[2] القرآن الکریم ۲۳/ ۸۸
[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۱۴
[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

اٰلاہ وتوالت نعماؤہ ولہ الحمد کما یحب ویرضی۔

فکل من اذنب او الم ثم جنبہ المولی النار فانما جنبہ علی استحقاق منہ لجزاء ماعملہ کما قال تبارك و تعالٰی " اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ "[1] بل لا معنی للمغفرۃ الا تجاوز صاحب الحق عن استیفاء حقہ کلًا اوبعضًا فھذا تجنیب بعد تقریب وأنجاء بعد الجاء مع مافیہ ایضامن تفاوت الرتب کمالا یخفی، اما الذی بلغ من التقوٰی غایتہ القصوی حتی تنزہ عن کل مایکرہ وفنی عن الخلق وبقی بالحق و ارتفع شانہ عن اتیان عصیان ونظر بالرضی الی ما یبغض الرحمٰن، فھذا محال ان یکون من النار فی شیئ أو النار منہ فی شئی لاسیما اتقی الاتقیاء وأصفی الاصفیاء

(یعنی کافر) اور یہ سب مولائے غنی کریم کا فضل و کرم ہے۔ اس کی نعمتیں جلیل ہیں اور اس کے احسان پیہم ہیں، اور اسی کے لیے حمد ہے۔ جیسی وہ چاہے اور پسند فرمائے،

تو ہر وہ شخص جس نے گناہ کیا یا گناہ کے پاس جا کر رُک گیا پھر اللہ تعالٰی نے اسے نار سے دور رکھا تو اسے اس کے استحقاق کی جہت سے اس کے عمل کی جزا دینے کو دور رکھا چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ "بے شک اللہ تعالٰی لوگوں کو بخشنے والا ہے انکے ظلم کے باوجود" بلکہ مغفرت کا معنی یہی ہے کہ صاحب حق اپنے حق کو لینے سے کلی یا جزوی طور پر در گزر کرے تو یہ نار سے قریب کرکے اس سے دور رکھنا ہے اور نار کی طرف لیجا کر اس سے بچانا ہے اس کے باوجود اس میں رتبوں کا تفاوت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں مگر جو تقویٰ کی سب سے آخری حد تک پہنچ گیا، یہاں تک کہ کہ ہر ناپسندیدہ بات سے دور رہا اور خلق سے فانی اور حق پر باقی ہو گیا اور اس کی شان معصیت کے ارتکاب سے اور رحمٰن کے مبغوض کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے سے بلند ہو گئی تو محال ہے کہ ایسے شخص کو نار سے علاقہ ہو یا نار کو اس سے کوئی تعلق ہو خصوصًا وہ متقیوں کا متقی اور سارے اصفیاء سے زیادہ

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۶

الذی لم یزل من الحق بعین الرضا فی جمیع احواله، ولم یسوء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعلة من افعاله، فذاك العبد ذاك العبد کلت الالسن عن شرح کماله وتاهت العقول فی تیه جلاله جالت و عالت، فبقیت تکبو ثم رجعت فسئلت فقالت هو هو، فغایة القول فیه أنه أولی العباد وأول المراد بقول الجواد "اِنَّ الَّذِیۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰۤی ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسۡمَعُوۡنَ حَسِیۡسَهَا ۚ وَ هُمۡ فِیۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَ تَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا یَوۡمُكُمُ الَّذِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾" [1] هذا معنی العرض العریض للتجنبی من مطلق النار علٰی حسب مایطیقه البیان، ولا یتاتی مثله فی النار المخصوصة بالکفار اذ انما هی جزاء الکفر والمؤمنون کلهم متساوون فی التباعد عنه اذ الکفر والایمان لایزید ان ولا ینقصان و	صاف باطن جس کے تمام احوال پر حق کی چشم رضا رہی، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کا کوئی کام بُرا نہ لگا تو یہی وہ خدا کا بندہ ہے یہی وہ خاص بندہ ہے زبانیں جس کے کمال کو بیان کرنے سے عاجز ہیں جس کی عظمت کے صحرا میں عقلیں گم ہیں اس میں عقلیں دوڑیں اور گھومتی پھریں، پھر گرتی پڑتی رہیں پھر لوٹیں تو ان سے پوچھا تو بولیں وہی وہ ہے، تو اس خاص بندہ کے بارے میں آخری بات یہ ہے کہ وہ سارے بندوں سے اولٰی اور خدائے جواد کے قول "بیشک وہ جن کے لئے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من مانی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا" کی پہلی مراد ہے، مطلق نار سے دور رکھنے میں جو بڑی وسعت ہے اس کا مقدور بیان کے مطابق یہ معنی ہے اور ایسی بات اس نار کے بارے میں نہیں بنتی جو کفار کے ساتھ مخصوص ہے وہ تو کفر کی سزا ہے اور تمام مسلمان اس نار سے دور رہنے میں برابر ہیں اس لئے کہ کفر وایمان یہ دونوں وصف گھٹتے بڑھتے نہیں ہیں اور یہ

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱تا۱۰۳

المسئلة اجماعية والنزاع لفظی فوجب ان یتساووا فی البُعد عن جزاء الکفر ایضًا، واما قوله تبارك وتعالٰی "هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ"[1] فهٰذا بالنظر الی الظاهر اذ الاٰیة فی المنافقین لقوله تعالٰی "يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ"[2] یعنی أنهم کانوا یتظاهرون بالایمان فیظن الجاهل بما فی السرائر انهم مؤمنون، لما کانوا یتباعدون بالسنهم عن الکفر ثم لما انخزلوا عن عسکر المؤمنین وقالوا "لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ"[3] تخرق الحجاب وغلب علی الظنون انهم لیسوا بمؤمنین مع تجویز ان یکون هذا القول منهم تکاسلًا واخلادًا الی ارض الدعة، فهذا معنی القرب و البعد او المراد بالکفر والایمان اهلوهما

مسئلہ (کفروایمان کا کم زیادہ نہ ہونا) اجماعی ہے اور اختلاف لفظی ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان کفر کی سزا سے دور رہنے میں بھی برابر ہوں۔ رہا اللہ تعالٰی کا قول "اس دن وہ ظاہری ایمان کی بہ نسبت کہیں کفر سے زیادہ قریب ہیں" تو یہ باعتبار ظاہر کے ہے اسلئے کہ آیت منافقین کے بارے میں ہے اس وجہ سے کہ اللہ تعالٰی نے ان کے بارے میں فرمایا: "اپنے منہ سے کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں۔" مطلب یہ ہے کہ منافقین ظاہری طور پر ایمان والے بنتے تھے تو ان کے دلوں میں چھپی بات سے بے خبر یہ گمان کرتا تھا کہ وہ مسلمان چونکہ منافقین کفر سے دوری ظاہر کرتے تھے پھر جب وہ مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہوگئے اور بولے کہ "اگر ہم لڑائی ہوتی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔" ان کا پردہ فاش ہوگیا اور گمانوں پر غالب ہوگیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں اس احتمال کے ساتھ کہ منافقوں کی یہ بات سُستی اور آسائش کی زمین پکڑنے کی وجہ سے ہو تو قُرب اور بُعد کا یہ معنٰی ہے یا کفر وایمان سے مراد صاحبان کفر وایمان ہیں اس لئے

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۶۷

اذتقلیلهم سوادالمومنین بالانعزال عنهم تقویة للمشرکین کذا قال المفسرون هذا ماعندی، والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم۔	کہ منافقوں کا مسلمان کے گروہ کو کم کرنا مسلمانوں کے لشکر سے جدا ہو کر مشرکوں کو تقویت دینا ہے ایسا ہے مفسرین نے فرمایا ہے، یہ ہے وہ جو میری رائے ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔
وبالجملة فهبت نسائم التحقیق علی ان الوجه ابقاء اللفظین علی ظاهرهما، وانما تحتاج الی امرین لایعد شیئ منهما تکلفًا ولا تغیرًا۔	خلاصہ یہ کہ اب تحقیق کی ہوائیں چلیں اس پر کہ وجہ تو یہی ہے کہ دونوں لفظوں کو انکے ظاہر پر رکھا جائے اور تمھیں حاجت صرف دو امر کی ہوگی اور ان میں سے کوئی نہ تکلف کے شمار میں ہے نہ تغیر کی گنتی میں۔
الاول ان تنکیر نارًا للتعظیم وهو کما تری شائع فی الکلام الفصیح قرانا وقدیما وحدیثا واخذ التلظی بمعنی اشد مایکون حملا للمطلق علی فرده الکامل وهو ایضا منتشر مستطیر۔	**پہلی بات** یہ کہ یہاں "نارًا" نکرہ تعظیم کے لیے ہے اور یہ اسلوب جیسا کہ تم جانتے ہو قرآن وحدیث اور قدیم وجدید کلام فصیح میں شائع ہے اور **تلظی** (آگ کی بھڑک) مطلق کو فرد کامل پر محمول کرتے ہوئے سخت ترین بھڑکنے کے معنی میں لیا جائے اور یہ بھی خوب شائع ہے۔
والثانی الاستخدام وهو کما سمعت اعلٰی اومن اعلی انواع البدیع او ارجاع الضمیر الی نفس الموصوف مجردا عن الصفة وهذا لیس من التاویل فی شیئ علی ان غرضنا یتعلق بأیة الا تقی ولا مساغ فیه للتاویل بتا وقطعًا هکذا ینبغی التحقیق والله ولی التوفیق والحمدلله رب العالمین۔	اور **دوسری بات** استخدام، اور وہ جیسا کہ تم نے سنا اقسام بدیع میں سب سے اعلٰی ہے یا منجملہ اعلٰی اقسام کے ہے یا ضمیر کو نفس موصوف کی طرف بلا لحاظ صفت لوٹائیں اور یہ تاویل سے کوئی لگاؤ نہیں رکھتا۔ علاوہ بریں ہماری غرض تو آیت اتقی سے ہے، اور اس میں قطعًا تاویل کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی توفیق کا مالک ہے اور ساری خوبیاں اللہ کے لئے جو مالک ہے سب جہانوں کا۔
اذا وعیت هذا ودریت مافیه	جب یہ بات ثابت ہوگئی اور تم نے اس کے

Majlis of Dawateislami

واُلقيت السمع وانت نبيه هان عليك الجواب عن هٰذه الشبهة الاولٰى بوجوه۔	مضمون کو سمجھ لیا اور تم نے کان دھرا اور تم ذہین ہو تو تمہیں اس پہلے شبہہ کا جواب چند وجوہ سے آسان ہے:
الاول ظاهر اللفظ واجب الحفظ الا بضرورة واين الضرورة۔	**پہلی وجہ** یہ ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کی حفاظت واجب ہے یعنی لفظ کو ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں مگر بہ ضرورت، اور ضرورت کہاں۔
الثانی ماما لوا اليه لم يزدد الا قدحًا فوجب ان نضرب عنه صفحًا، وابوعبيدة فيما عانٰى لا أصاب ولا أغنٰى فكيف نترك ظاهر قول الله سبحٰنه وتعالٰى بقول رجل لم يكن معصومًا ولا صحابيًا ولا تابعيًا ولا سنّيا ولا مصيبًا فی ماطلب ولا مجديا فی ما اليه هرب۔	**دوسری وجہ** یہ ہے کہ جس تاویل کی طرف لوگ مائل ہوئے اس سے تو قباحت ہی زیادہ ہوئی تو ضرور ہوا کہ ہم اس سے منہ پھیریں، اور ابوعبیدہ نے جو پاپڑ بیلے اس کاوش میں وہ نہ صواب کو پہنچا اور نہ کوئی مفید بات کہی تو ہم اللہ تعالٰی کے قول کے ظاہری معنٰی کو ایسے شخص کے کہنے سے کیسے چھوڑ دیں جو نہ معصوم تھا، نہ صحابی تھا، نہ تابعی، نہ سنی، نہ اپنے مطلب میں صواب کو پانے والا، نہ اپنے مفَر میں نفع بخش۔
ايها الناس انی سائلكم عن شيئ فهل انتم مخبرون أرأيتم لو ان الاٰية وردت بلفظ التقی وفسره بالاتقی ابوعبيدة اللغوی فتعلقناه بقوله وندبنا كم الی قبوله ماذا كنتم فاعلين لكن الانصاف شيئ عزيز ولا يؤتی الا ذا حظ عظيم۔	اے لوگو! میں تم سے ایک بات پوچھوں تو کیا جواب دو گے، مجھے بتاؤ اگر آیت لفظ تقی کے ساتھ وارد ہوتی اور ابو عبیدہ لغوی اسے اتقی سے تفسیر کرتا تو ہم اس کے قول سے چمٹ جاتے اور تمہیں اسے قبول کرنے کی دعوت دیتے اب تم کیا کرتے، لیکن انصاف کمیاب شیئ ہے اور بڑے نصیب والے ہی کو ملتا ہے۔
الثالث سلمنا كونه فی الاٰية وجهًا وجيهًا لكن هو الوجه فيها بل وجهنا هو الأوضح والأجلی	**تیسری وجہ** یہ ہے کہ ہم نے آیت میں اس کا وجہ وجیہ ہونا مان لیا، مگر آیت میں کیا یہی وجہ ہے، بلکہ ہماری وجہ واضح تر اور زیادہ

ولا تنافی بین نجاۃ التقی ونجاۃ الاتقی والقرآن محتج به علی کل تاویل واحد الوجهین یوجب التفضیل و الوجه الاٰخر لاینافیه فوجب القبول والقول بما فیه۔ ولذٰلك تری علمائنا رحمهم الله تعالٰی لم یزالوا محتجین بالاٰیة الکریمة علی تفضیل العتیق الصدیق رضی الله تعالٰی عنه وهم ادری منا ومنکم بما قاله أبو عبیدة وغیره ثم هذا لم یقعدهم عن سلوك تلك المسالك ولم ینکر علیهم احد ذٰلك فثبت ان مقصودنا بحمدالله حاصل ومزعومکم بحول الله باطل، والحمدلله رب العٰلمین ایاه نرجو وبه نستعین۔

الشبهة الثانیة: ما نقله المولی الفاضل استاذ استاذی عبدالعزیز بن ولی الله الدهلوی سامحنا الله وایهما بلطفه الخفی وفضله الوفی فی تفسیر فتح العزیز بعد ما ذکر استدلال اهل السنة والجماعة بالاٰیة الکریمة علی الطریق المشهور بین علماء الدهور، قال وقالت اهل التفضیل ان الاتقی محمول علی التقی منسلخ عن معنی التفضیل اذ لولاه لشمل باطلاقه النبی صلی الله تعالٰی

روشن ہے تقی اور اتقی کی نجات میں کوئی منافات نہیں ہے اور قرآن ہر تاویل پر حجت ہے، اور دو وجہوں میں سے ایک تفضیل کی مقتضی ہے اور دوسری اس کی منافی نہیں تو قبول کرنا اور اس وجہ کے مضمون کا قائل ضروری ہے۔
اسی لئے ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی کو دیکھتے ہو کہ وہ اس آیت سے سیدنا عتیق صدیق کی فضیلت پر دلیل لاتے ہیں حالانکہ وہ ابو عبیدہ وغیرہ کے کلام کو ہم سے اور تم سے زیادہ جانتے ہیں، پھر بھی علماء کو اس بات نے اس مسالک پر چلنے سے نہ روکا، نہ کسی نے اس مسلک کو ناپسند کیا اب ثابت ہو گیا کہ ہمارا مقصد بحمد اللہ حاصل ہے اور تمہارا زعم اللہ کی قدرت سے باطل ہے اور سب خوبیاں اللہ کے لئے ہیں جو مالک ہے سب جہانوں کا، ہم اسی سے امید رکھیں اور اسی سے مدد چاہیں۔

دوسرا شبہہ: وہ ہے جو میرے استاذ الاستاذ و مولا فاضل عبد العزیز بن ولی اللہ الدہلوی (اللہ تعالٰی ہمیں اور انہیں اپنے لطف خفی اور فضل کامل سے معاف فرمائے) نے تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کریمہ سے اہل سنت وجماعت کے استدلال کو علمائے زمانہ کے درمیان مشہور طریقہ پر ذکر کرنے کے بعد نقل فرمایا، انہوں نے فرمایا کہ تفضیلیہ نے کہا کہ اتقی بمعنی تقی ہے، اور وہ (اسم تفضیل) معنی تفضیل سے مجرد ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی نہ ہو تو اسم تفضیل کے اطلاق کے

علیه وسلم فیلزم ان یکون الصدیق اتقی منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم وهو باطل قطعًا بالاجماع فقال واجاب اهل السنة والجماعة ان حمل الاتقی علی التقی یخالف اللسان العربی والقراٰن انما نزل بها فحمله علی مالیس منها غیر سدید، وما ذکروا من الضرورة مندفع بان الکلام فی سائر الناس دون الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لما علم من الشریعة ان الانبیاء اعلی کرامة واشرف مکانة عندالله تبارك و تعالٰی فلایقاسون بسائر الناس ولا یقاس سائر الناس بهم فعرف الشرع حین جریان الکلام فی مقام التفاضل وتفاوت الدرجة یخص امثال هذا اللفظ بالامة والتخصیص العرفی اقوی من التخصیص الذکری کقول القائل خبز القمح احسن خبز لن یفهم منه تفضیله علی خبز اللوز لأن استعماله غیر متعارف وهو خارج عن المبحث اذ الکلام انما انتظم الحبوب دون الفواکه [1] هذا کلامه فی التفسیر الفارسی اوردناه نقلًا بالمعنٰی۔	سبب صدیق کی فضیلت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شامل ہوگی تو لازم آئیگا کہ صدیق نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتقی ہوں اور یہ قطعًا اجماعی طور پر باطل ہے، شاہ عبدالعزیز نے فرمایا کہ اہل السنت والجماعت نے جواب دیا کہ اتقی کو تقی کے معنی میں لینا عربی زبان کے خلاف ہے اور قرآن تو اسی میں اترا، تو ایسے طریقہ پر محمول کرنا جو زبان عربی کے دستور میں نہ ہو صحیح نہیں ہے اور جو ضرورت تفضیلیہ نے ذکر کی وہ مندفع ہے، اس لئے کہ کلام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر باقی لوگوں میں ہے کیونکہ شریعت سے یہ معلوم ہے کہ انبیاء کی عظمت سب سے زیادہ ہے اور انکا مرتبہ سب پر بلند ہے تو انہیں باقی لوگوں پر قیاس نہ کیا جائے گا، نہ باقی لوگ ان پر قیاس کئے جائینگے، تو شریعت کا عرف مقام فضیلت اور تفاوت مراتب کی جاری گفتگو میں ایسے الفاظ کو امت کے ساتھ خاص کردیتا ہے اور تخصیص عرفی تخصیص ذکری سے زیادہ قوی ہے جیسے کوئی کہے کہ گیہوں کی روٹی سب سے اچھی روٹی ہے، اس سے گیہوں کی روٹی کی فضیلت بادام کی روٹی پر نہ سمجھی جائیگی اس لئے کہ اس کا استعمال متعارف نہیں ہے اور وہ بحث سے خارج ہے اس لیے کہ کلام اناج کو شامل ہے نہ کہ میووں کو۔ یہ شاہ عبدالعزیز کا تفسیر فارسی میں کلام تھا جس کے مفہوم کو ہم نے نقل کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/ ۱۷ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پ عم ص ۳۰۴

اقول: وباللّٰہ التوفیق اما ماذکر من ان ھذا یخالف اللسان العربیۃ فممنوع ومدفوع، الا تری الٰی قولہ تعالٰی "ھُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْہِ" [1]۔ ولیس شیئ اھون علی اللہ تعالٰی من شیئ والمعنی فی نظرکم علی احد تاویلات فی عسٰی ولعل الواردین فی القرآن، والٰی قولہ تعالٰی "اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ یَوْمَئِذٍ خَیْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِیْلًا ﴿۲۴﴾" [2] ولا خیر للغیر ولا حسن لأھل الضیر اولاٰیۃ جاریۃ علٰی سبیل التھکم بھم کما قال المفسرون لکن الأمر أن	**میں کہتا ہوں** اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے، رہی وہ بات جو شاہ صاحب نے ذکر کی کہ یہ (اتقی بمعنی تقی ہونا) ممنوع ومدفوع ہے، کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا قول "اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے" حالانکہ اللہ تعالٰی کے لئے کوئی چیز دوسری چیز سے زیادہ آسان نہیں (یعنی اللہ تعالٰی کو ہر چیز پر یکساں قدرت حاصل ہے) اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ بنانا تمہاری نظر میں زیادہ آسان ہونا چاہیے اور یہ عسٰی ولعل جو قرآن میں وارد ہیں ان کی تاویلات میں سے ایک تاویل کی بنا پر ہے اور کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کا یہ قول "جنت والوں کا اس دن (سب سے عہ) اچھا ٹھکانا اور حساب کی دوپہر کے بعد (سب سے) اچھی آرام کی جگہ" حالانکہ غیر کے لئے خیر نہیں اور خسارہ والوں کیلئے

عہ: آیت کا ترجمہ ہم نے "کنزالایمان" سے نقل کیا ہے اور بریکٹ میں دوجگہ لفظ "سب سے" بڑھادیا ہے تاکہ اس امر کی طرف اشارہ ہو کہ خیر واحسن کا اسم تفضیل کے لحاظ سے اصل ترجمہ اس طرح ہونا چاہیے تھا، مگر قرینہ حالیہ کے سبب صحیح وہ ہے جو اعلیحضرت علیہ الرحمہ نے کیا، اور اس سے ظاہر ہے کہ یہاں خیر واحسن کا حقیقی معنی تفضیل والا نہیں۔ ازہری غفرلہ

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۲۷

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۴

الافعل حقیقتہ فی التفضیل ولا یسار الی الانسلاخ عنہ الا لضرورۃ دعت بقرینۃ قامت کما فی الاٰیتین اللتین تلونا وحیث لاضرورۃ ولا قرینۃ کما نحن فیہ لانقول بہ والمصیر الیہ اشبہ بالتحریف منہ بالتفسیر کما قد حققنا وھذا القدر یکفی للرد علیھم، واما ماذکر من حدیث التخصیص عرفا فجری منہ علی تسلیم مادعی الخصم من أن اللفظ بصیغتہ یشمل الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام وان بغیت الحق المرصوص فلا شمول ولا خصوص لأن الا تقٰی ان عم عم افرادہ وھم المفضلون المرجحون دون المرجوحین المفضل علیھم۔	کوئی اچھائی نہیں، یا آیت کفار سے استہزاء کے طور پر جاری ہے، جیسا کہ مفسرین نے فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسم تفضیل کا معنٰی حقیقی تفضیل ہے اور تفضیل سے مجرد ہونے کی طرف بغیر ضرورت داعیہ بہ سبب قرینہ قائمہ نہ پھرے گی جیسا کہ ان دو آیتوں میں جو ہم نے تلاوت کیں اور جہاں نہ ضرورت ہو اور نہ قرینہ ہو وہاں ہم تفضیل سے مجرد ہونے کا قول نہ کریں گے اور اس طرف پھرنا تفسیر کی بہ نسبت تحریف سے زیادہ مشابہ ہے جیسا کہ ہم نے تحقیق کیا اور اس قدر انکے رد کے لئے کافی ہے، اور رہی وہ تخصیص عرفی کی بات جو شاہ صاحب نے ذکر فرمائی تو مدعی کا وہ دعوی کہ لفظ اپنے صیغہ کے سبب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی شامل ہے تسلیم کرنے کی تقدیر جاری ہوئی اور اگر تم حق محکم کو چاہو تو نہ شمول ہے نہ خصوص ہے اس لئے کہ اتقی اسم تفضیل اگر عام ہے تو اپنے افراد کو عام وشامل ہے۔ اور اس کے افراد وہ ہیں جنہیں فضیلت وترجیح دی گئی ہے نہ کہ وہ مرجوح جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی۔
وسر المقام بتوفیق الملک العلام ان الافضل لابد لہ من مفضل علیہ والمضل علیہ یذکر صریحا اذا استعمل مضافا اوبمن اما اذا استعمل باللام فلا یورد فی الکلام	اور اس مقام میں علم والے بادشاہ کی توفیق سے راز یہ ہے کہ افضل کے لئے ایک مفضل اور دوسرا مفضل علیہ لازم ہے اور جب اسم تفضیل اضافت کے ساتھ یا من کے ساتھ مستعمل ہو تو مفضل علیہ صراحۃً مذکور ہوتا ہے،

ولکن اللام تشیر الیہ علی سبیل العھد فی ضمن الاشارۃ الی المفضل لان ذات مالہ الفضل کما ھو مفاد لفظ افعل بلا لام لاتتعین الا وقد تتعین المفضل علیہ فعھدھا یستلزم عھدہ واذلم یکن ھناك عھد فی اللفظ فالمصیر الی العھد الحکمی وقد عھد فی الشرع المطھر تفضیل بعض الامۃ علٰی بعض لاتفضیلھم علی الانبیاء الکرام فلا یقصدہ المتکلم ولا یفھمہ السامع فلم یدخلوا حتی یخرجوا۔ تأمل، انہ دقیق۔ وقد کنت أظن ھکذا من تلقاء نظری الی ان رایت علماء النحو صرحوابما ابدی فکری وللہ الحمد۔	لیکن جب اسم تفضیل الف لام کے ساتھ آتا ہے تو اس میں مفضل علیہ کلام میں ذکر نہیں کیاجاتا لیکن لام تعریف بر سبیل عہد مفضل علیہ کی طرف مفضل کی طرف اشارہ کے ضمن میں اشارہ کرتا ہے اس لئے کہ کوئی ذات جس کو دوسرے پر فضیلت ہو جیسا کہ صیغہ افعل کا مفاد ہے بغیر لام تعریف کے اسی وقت متعین ہوگی جب مفضل علیہ متعین ہو تو اس کی تعیین مفضل علیہ کی تعیین کو مستلزم اور جب کہ تعیین صراحۃً موجود نہیں تو مآل کار حکمًا تعیین ماننا ہے اور شرع مطہر میں بعض امتیوں کی تفضیل دوسرے امتیوں پر معروف ہے نہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام پر فضیلت ہو تو نہ متکلم کی مراد ہوتی ہے نہ مخاطب ہی یہ معنی سمجھتا ہے، اب انبیائے کرام عموم میں داخل ہی نہیں کہ اس سے مستثنٰی کئے جائیں، اس کلام میں غور کرے، بیشك یہ دقیق ہے اور میں اپنی سمجھ سے یہی گمان کرتا تھا یہاں تك کہ میں نے نحو کے عالموں کی تصریح اپنے نتیجہ فکر کے مطابق دیکھی وللہ الحمد۔
قال المولی السامی نورالملۃ والدین الجامی قدس اللہ تعالٰی سرہ وضعہ لتفضیل الشیئ علی غیرہ فلا بدفیہ من ذکر الغیر الذی ھو المفضل علیہ وذکرہ مع من و الاضافۃ ظاھر، واما مع	حضرت بلند مرتبت نورالملۃ والدین جامی قدس اللہ تعالٰی سرہٗ نے فرمایا اسم تفضیل کی وضع شے کی غیر پر فضیلت بتانے کے لئے ہے، لہٰذا اس میں غیر جو مفضل علیہ کامذکور ہونا ضروری ہے اور من اور اضافت کے ساتھ تو مفضل علیہ کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ رہا لام تعریف کے ساتھ تو مفضل علیہ ظاہرًا مذکور کے حکم میں ہے اس لئے کہ لام

اللام فھو فی حکم المذکور ظاھرًا لانه یشار باللام الی معین بتعیین المفضل علیه مذکور قبل لفظًا اوحکمًا کما اذطلب شخص افضل من زید، قلت عمرو الأفضل ای الشخص الذی قلنا انه افضل من زید، فعلی ھذا لاتکون اللام فی افعل التفضیل الا للعھد انتھٰی۔ **قلت** وتنقیح المرام بتحقیق المقام یستدعی بسطا نحن فی غنی عنه(**لطیفتان**) بمثل ماصرّح المولی الجامی[1] صرح الرضی الاستر آبادی الذی لم تکن فی مصرہ عمارة عصرہ الابنحوہ لکنا لم ناثر عنه لان علی قلبه آفة لاحدلھا فھم من فھم ھذا ثم ان المولی الفاضل نقل فی التفسیر جوابًا آخر عن بعض الاجلة الاکابر ولعله یریدبه اباہ وھو أن الاتقی ھُھنا	تعریف سے ایک معین کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو لفظ میں مذکور یا حکم میں موجود مفضل علیہ کی تعیین سے متعین ہوتا ہے جیسا کہ اگر کوئی شخص زید سے افضل مطلوب ہو تو تم کہو کہ عمرو افضل ہے (لام تعریف کے ساتھ) تو مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جسے ہم نے زید سے افضل کہا عمرو ہے، تو اس بناء پر صیغہ افعل التفضیل میں لام عہد (تعیین) ہی کے لئے ہوگا **انتہی**۔ **قلت** (میں نے کہا) مقصود کی تنقیح اس بحث کی تحقیق کے ذریعہ تفصیل کو چاہتی ہے جس سے ہم بے نیاز ہیں (دو لطیفے) جس طرح اسم تفضیل کے بارے میں فاضل جامی نے تصریح کی، ایسی ہی تصریح رضی استر آبادی نے بھی کی جس کے شہر میں اس کے زمانے میں اسی کی نہج و نحو پر عمارت قائم ہوئی، مگر ہم نے اس کا کلام نقل نہ کیا اس لئے کہ اس کے دل پر ایسی آفت ہے جس کی حد نہیں ہے، اس کو سمجھا جو سمجھا، پھر فاضل مولانا نے بعض گرامی قدر اکابر سے ایک اور جواب نقل کیا اور شاید ان کی مراد ان کے والد ہیں اور وہ یہ کہ اتقی اس جگہ اپنے معنی پر ہے یعنی جو تقویٰ میں اپنے

Majlis of Dawatelslami

[1] شرح الجامی الاسماء والوافقھا بحث اسم التفضیل مطبع مصطفائی لکھنؤ ص ۲۷۷

علٰی معناہ اعنی من فضل فی التقوی علٰی کل من عداہ نبیاً کان او غیرہ الا انہ یختص بالاحیاء الموجودین فالصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یوصف بہ فی اٰخر عمرہ حین خلافتہ بعد ارتحال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وسیدنا عیسٰی علٰی نبینا علیہ الصلوٰۃ و السلام لما کان مرفوعا الی السماء لم یبق فی حکم الاحیاء،ولا یجب للتقی ان یکون اتقی فی جمیع الاوقات وبالنسبۃ الٰی کل احد من الاحیاء والاموات والالم یوجد لہ فی العٰلمین مصداق اذلایتصور التقوی فی زمن الصبا وکل منصب محمود شرعًا فالعبرۃ فیہ باٰخر العمر کالعدل والصلاح والغوثیۃ و القطبیۃ و الولایۃ والنبوۃ ولھذا یدعی بھٰذہ الاوصاف من تشرف بھا فی اواخر عمرہ وان لم یکن لہ ذٰلک من بدو امرہ،فالاتقی من فضل بالتقوی من سائر الموجودین فی آخر عمرہ الذی ھو وقت اعتبار الاعمال وبہ یثبت المدعی بلا تکلف ولا تاویل[1] اھ بالتعریف وقد ارتضاہ المولی الفاضل جانحا الیہ وساکتاعلیہ۔	ماسوا سے افضل ہو خواہ نبی ہو یا غیر نبی، مگر یہ کہ اس صورت میں یہ ان کے ساتھ خاص ہوگا جو زندہ موجود ہیں۔ پھر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اتقی کے مصداق اپنی عمر کے آخری حصہ میں اپنی خلافت کے دور میں مصطفٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد ہوئے اور سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ جب آسمان پر اٹھالئے گئے تو وہ زندوں کے حکم میں نہ رہے اور اتقی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام اوقات میں اتقی ہو اور تمام احیاء و اموات سے افضل ہو، ورنہ عالم میں کوئی اس کا مصداق نہ ہوگا کیونکہ بچپن کے زمانہ میں تقوٰی متصور نہیں، اور ہر منصب جو شرعًا محمود ہو اس میں اعتبار آخر عمر کا ہے جیسے عدل و صلاح غوثیت وقطبیت ولایت ونبوت اسی لئے جو ان اوصاف سے مشرف ہوتا ہے اسے اس کے آخری ایام میں ان اوصاف کے ساتھ موسوم کرتے ہیں اگرچہ یہ اوصاف ان لوگوں کو ابتداء سے حاصل نہیں ہوتے تو اتقی وہ ہے جو تمام موجودین کے بیچ تقوٰی میں سب سے افضل ہو، اپنی اواخر عمر میں جس وقت اعمال کا اعتبار ہوتا ہے اور اس تقریر سے صدیق کی افضلیت کا دعوی بے تکلف وتاویل ثابت ہوجاتا ہے، عربی عبات کا ترجمہ ختم ہوا اور اس تقریر کو فاضل مولانا نے اس کی طرف میلان اور اس پر سکوت کرتے ہوئے پسند کیا۔

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) تحت الآیۃ ۹۲/۱۷ مسلم بک ڈپو لال کنواں دہلی، پارہ عم ص ۳۰۴۔۳۰۵

اقول: وان جعل الله الفطأنة بمرأى العين من قلب وكيع اتقن وأيقن ان هذا لايزيد على تلميع هب ان حديث"العبرة بالخواتيم"[1] حق واجب التسليم لكن اليس العقل السليم شهيدًا بانه اذا ذكر أحد من الاحياء الموجودين بنعت من النعوت لايفهم منه الا اتصافه فى الحال لا انه يصير هكذا بالمآل والتبادر دليل الحقيقة والافتياق الى قرينة تصرف الافهام، و تظهر المرام و امارة المجاز فماذا يحوجنا اليه مع استقامة الحقيقة من دون تكلف ولا تاويل، اما على طريقتنا فالامر أبين واجلى، واما على طريقة الشيخ العزيز عبد العزيز فلان امثال تلك التخصيصات تكون مرتكزة فى الاذهان من دون حاجة الى البيان، وليس دلالة هذا التلويح أدون من ارشاد التصريح ولهذا لا ينزل العام عن درجة القطعية كما فى الكتب الاصولية واعجب من هذا عده تكلفا وتاويلا مع شيوعه فى	**اقول:** (میں کہتاہوں) اوراگر اللہ تعالٰی ذہانت کو قلب کے سامنے رکھے تو وہ محکم یقین کرلے گا کہ یہ ملمع سے زیادہ نہیں، مان لو کہ حدیث کاارشاد ہے "خاتمہ کا اعتبار ہے" حق واجب التسلیم ہے لیکن کیا عقل سلیم شاہد نہیں کہ جب دنیا میں زندہ موجود لوگوں میں سے کوئی کسی وصف کے ساتھ مذکور ہو تواس سے اس کافی الحال متصف ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے نہ یہ کہ وہ ایسا آئندہ ہوجائے گا، اور تبادر (معنی کی طرف سبقت فہم) معنی حقیقی کی دلیل ہے اور قرینہ کی حاجت جو ذہن کو دوسرے معنٰی کی طرف پھیرے اور مقصد ظاہر کرے مجازی معنی کی علامت ہے تو ہمیں مجاز کی ضرورت کس لئے پڑی باوجودیکہ حقیقت بغیر تکلف وبغیر تاویل درست ہے ہمارے طریقے پر، تو معاملہ خوب ظاہر و باہر ہے، اور شیخ عبدالعزیز کے طریقہ پر حقیقی معنی کی درستگی اس لئے ایسی تخصیصات عرفی اذہان میں مرتکز ہوتی ہیں جن کے بیان کی حاجت نہیں ہوتی اور عرف عام کے اس اشارہ کی دلالت صراحت کی دلالت سے کم رتبہ نہیں، اوراسی لئے عام درجہ قطعیت (تیقن) سے نہیں گرتا، جیساکہ اصول فقہ کی کتب میں مصرح ہے، اوراس سے عجیب تر یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ نے اس (تخصیص)

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب العمل بالخواتیم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۸، کنزالعمال حدیث ۵۹۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۵

النصوص حدیثًا وتنزیلا فلو کان من باب التکلف فما اکثر التکلف فی افصح الکلام وکلام من ھو افصح الانام علیه افضل الصلوٰة واکمل السلام، واغرب من ھذا زعم طریقته بریئة من التکلف مع انها تحتاج الی ماھو ابرد وابعد فان الصدیق رضی الله تعالٰی عنه لم یکن بالحقیقة أتقی لاالموجودین فی حین من الاحیان لحیات سیدنا عیسٰی علیه الصلوٰة والسلام علی أرجح الاقوال وزعم التحاقه بالاموات لارتفاعه الی السمٰوٰت کلمة ھو قائلها ما علیها دلیل ولا برھان، وان سلم فاین انت من سیدنا الخضر علیه السلام مع أن المعتمد المختار نبوته وحیاته[1] فان قلت انه مختف عن الابصار معتزل عن الامصار فالتحق بالاموات کان عذرًا أفسد من الاول فافهم علی أنا قد اثبتنا اطلاق السفة علی من سیکون کذا تجوز ولا تجوز الابقرینة ولا قرینة الاتخصیص الانبیاء

عرفی کو تکلف وتاویل میں شمار کیا باجودیکہ یہ قرآن وحدیث کی نصوص میں شائع ہے تو اگر یہ تکلف کے باب سے ہو تو افصح الکلام (قرآن) اور سب سے زیادہ فصیح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں کس قدر تکلف ہوگا۔ اور اس سے زیادہ عجیب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اپنے پسندیدہ طریقہ کو تکلف سے بری کہا جب کہ وہ بہت دور کی اور بہت بارد تاویل کا محتاج ہے اس لئے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کسی وقت بھی تمام موجودین سے حقیقۃً زیادہ متقی نہ تھے اس لئے کہ راجح مذہب پر سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں زندہ ہیں اور آسمانوں میں حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہونے کے سبب انھیں اموات سے ملحق بتانا ایسی بات ہے جو انھوں نے کہی اور اس پر کوئی دلیل وبرہان نہیں ہے۔ پھر اگر یہ بات تسلیم کرلیں تو تم سیدنا خضر علیہ السلام سے کہاں غافل ہو باوجودیکہ معتمد ومختار یہ ہے کہ وہ نبی ہیں اور دنیا میں زندہ ہیں تو اگر تم کہو کہ وہ نگاہوں سے پوشیدہ اور شہروں سے جدا ہیں اس بنا پر اموات سے ملحق ہیں تو یہ عذر پہلے سے زیادہ فاسد ہوگا تو تم سمجھ لو، علاوہ ازیں ہم ثابت کرچکے کہ صفت کا اطلاق ایسے شخص پر جو آئندہ صفت کا مصداق ہوگا مجاز ہے اور مجاز بغیر قرینہ کے ماننا درست نہیں اور قرینہ شرعی انبیاء کی تخصیص ہے، تو کلام کو

[1] شرح المقاصد المقصد السادس الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ حیدرآباد دکن ۲/۳۱۱

شرعًافباتکائہ حمل الکلام علی الحقیقۃ اولٰی ام المصیر الی التجوز معتمدًا علی تلك القرینۃ نفسھا، وقد بقی بعد خبایا فی زوایا لانذکرھا مخافۃ للطویل فحق الجواب والحق فی الجواب ماذکر العبد الذلیل وولی التوفیق ربی الجلیل۔	حقیقت پر محمول کرنا اولٰی ہے یا مجاز کی طرف اسی قرینہ پر اعتماد کی وجہ سے پھیرنا انسب ہے اور کچھ پوشیدہ باتیں گوشوں میں رہ گئی ہیں جنہیں ہم طوالت کے ڈر سے ذکر نہیں کرتے تو جواب برحق اور جواب کا حق وہی ہے جو بندہ ناتواں نے اپنے رب جلیل کی توفیق واعانت سے ذکر کیا۔
ثم اقول: وھناك نکتۃ اخری أحق واحری بقبول النھٰی لم ارمن تنبہ لھا وھی ان افعل التفضیل لا محید لہ من مفضل علیہ فالمحلی منہ باللام اما ان یکون مفادہ التفضیل علی جمیع من عھد التفاضل فیما بینھم فی امثال ھذا المقام کالحبوب فی قولنا خبز البر ھوالاحسن والاکثرفیما نحن فیہ، او علی بعضھم دون بعض اولا ولا بل احتمالا علی الاول حصل المقصود والثانی باطل بالبداھۃ الاتری الی قولہ تعالٰی "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿۱﴾"[1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ دبر الصلوۃ اسمع و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) اس مقام میں ایک دوسرا نکتہ ہے جو عقلوں کو قبول ہونے کا زیادہ سزاوار ہے، میں نے نہ دیکھا کہ کسی کو اس نکتہ کی طرف توجہ ہوئی ہو اور وہ نکتہ یہ ہے کہ افعل التفضیل کے لئے مفضل علیہ ضروری ہے تو اس صیغہ پر جب لام تعریف داخل ہوگا تو یا تو ایسے مقام میں ان تمام افراد پر فضیلت ہوگا جن کے درمیان ایسے مواقع پر حرف میں تفاضل سمجھا جاتا ہے جیسے ناج کی قسموں میں ہمارے جملہ "گیہوں کی روٹی ہی اچھی ہے" میں اور وہی زیادہ تر مستعمل ہے اس مقام میں جس کی بابت ہم گفتگو کررہے ہیں، یا اس صیغہ سے بعض پر فضیلت سمجھی جائے گی اور بعض پر فضیلت مفہوم نہ ہوگی یا نہ پہلی صورت ہوگی نہ دوسری، بلکہ دونوں کا احتمال ہوگا۔ پہلی تقدیر پر ہمارا مدعا حاصل ہے اور دوسری تقدیر پر بداہۃً باطل ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے اللہ تعالٰی کے قول "اپنے رب اعلٰی کی پاکی بولو

[1] القرآن الکریم ۸۷/۱

استجب اللہ اکبر والاکبر علی روایة الرفع، اخرجه ابوداود، والنسائی وابن السنی وقول ابن امسعود رضی اللہ تعالٰی عنه[1] بین الصفاء والمروة "رب اغفر وارحم انك انت الاعزالاکرم، رواه ابن ابی شبیة[2] بل الی قول کل مصل فی سجودہ سبحٰن ربی الاعلٰی" وعلی الثالث کانت الآیة مجملة فی حق المفضل علیهم والمجمل ان لم یبین عد من المتشابهات ولم یعد هاأحد منها لکنا بحمد اللہ وجدنا البیان من صاحب البیان علیه افضل الصلٰوۃ والسلام، اخرج الامام ابو عمر بن عبدالبر من حدیث مجالد عن شعبی قال سألت ابن عباس او سئل ای الناس اول اسلامًا قال اما سمعت قول حسان بن ثابت۔	کی طرف اور نماز کے بعد حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے قول "اے رب! دعا سن لے اور قبول فرما، اللہ اکبر، اللہ اکبر، کی طرف۔ اکبر کے مرفوع ہونے کی روایت پر اس حدیث کو روایت کیا ابوداود، نسائی اور ابن السنی نے، اور صفاومرہ کے درمیان ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول "اے رب بخش دے اور مہر فرما بیشک تو ہی عزت والا اکرم والا ہے" کو نہیں دیکھتے۔ اسے روایت کیا ابن ابی شیبہ نے، بلکہ سجدے میں ہر نمازی کے قول "سبحان ربی الاعلٰی" کو نہیں دیکھتے اور تیسری تقدیر پر ہر آیت مفضل علیہم کے حق میں مجمل ہوگی اور مجمل آیت کا بیان اگر نہ ہوا تو وہ متشابہ آیتوں میں شمار ہوگی حالانکہ اس آیت کو کسی نے متشابہات میں شمار نہ کیا، لیکن ہم نے بحمد اللہ اس آیت کا بیان صاحب بیان حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام سے پایا۔ امام ابو عمر ابن عبداللہ نے روایت کی حدیث مجالد سے انہوں نے شعبی سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے پوچھا یا ابن عباس سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے پہلے کون اسلام لایا۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے حسان بن ثابت کے یہ شعر نہ سنے:

[1] سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب مایقول الرجل اذا سلم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۱۱، عمل الیوم واللیلة باب مایقول فی دبر صلٰوۃ الصبح دائرۃ المعارف النعمانیه حیدرآباد دکن ص ۳۲

[2] المصنف لابن ابی شیبه کتاب الحج باب ۴۶۰ حدیث ۱۵۵۶۰ دارالکتب العلمیه بیروت ۳/ ۴۰۴

اذا تذکرت شجوًا من اخی ثقة فاذکر اخاك ابابکر بما فعلا خیر البریة اتقاها واعدلها بعد النبی واوفاها بما حملا والثانی التالی المحمود مشھدہ واول الناس منھم صدق الرسلا[1] انتھی	(ترجمہ اشعار) "جب تجھے سچے دوست کا غم یاد آئے، تو اپنے بھائی ابوبکر کو انکے کارناموں سے یاد کر جو نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے بہتر، سب سے زیادہ تقوٰی اور عدل والے، اور سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والے، جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ غار میں رہے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سفر ہجرت میں چلے، جن کا منظر محمود ہے اور لوگوں میں سب سے پہلے جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی" (صلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وسلم)
انبانا عبدالرحمن عن ابن عبداللہ المکی عن عابد الزبیدی المدنی عن الفلانی عن ابن السنة عن الشریف عن ابن ارکماش عن ابن حجر العسقلانی عن الکمال ابی العباس أنا ابو محمد عبداللہ بن الحسین بن محمد بن ابی التائب عن محمد بن ابی بکر البلخی عن الحافظ السلفی عن ابی عمران موسٰی بن ابی تلمید عن الامام ابی عمر یوسف بن عبدالبر. قال فی الاستیعاب یروٰی أن رسول اللہ	ہمیں خبر دی عبدالرحمٰن نے انھوں نے روایت کی ابن عبد اللہ مکی سے انہوں نے روایت کی عابد زبیدی مدنی سے انہوں نے روایت کی فلانی سے وہ روایت کرتے ہیں ابن السنۃ سے وہ روایت کرتے ہیں شریف سے وہ روایت کرتے ہیں ابن ارکماش سے وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر عسقلانی سے وہ راوی ہیں کمال ابو العباس سے انہوں نے کہا ہمیں خبر دی ابو محمد عبداللہ بن حسین بن محمد بن ابی التائب نے محمد بن ابی بکر بلخی سے وہ راوی ہیں حافظ سلفی سے وہ راوی ہیں ابو عمران موسٰی بن ابی تلمید سے وہ روایت کرتے ہیں امام ابو عمر یوسف بن عبدالبر سے، ابن عبدالبر نے استیعاب میں فرمایا کہ

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب حرف العین ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لحسان "ہل قلت فی ابو بکر شیئا؟ قال نعم، وانشد ہذہ الابیات وفیہا بیت رابع وھی:۔"	روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حسان سے فرمایا کیا تم نے ابوبکر کے بارے میں کچھ کہا ہے؟ انہوں نے عرض کی: جی۔ اور حضرت حسان نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ شعر سنائے اور ان میں چوتھا شعر ہے وہ یہ ہے:
والثانی اثنین فی الغار النیف وقد طاف العدو بہ اذصعد والجبلا۔ فسر النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بذٰلک فقال احسنت یاحسّان[1]	(ترجمہ) "غار شریف میں وہ دوسری جان درانحالیکہ دشمن اس کے گرد چکر لگاتے تھے جبکہ وہ دشمن (صدیق اکبر کی نظروں کے سامنے) پہاڑ پر چڑھے تھے۔" تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اشعار کو سن کر خوش ہوئے اور فرمایا: اے حسان! تم نے اچھا کیا۔
وقدروی فیہا بیت خامس:۔ وکان حب رسول اللہ قد علموا خیر البریۃ لم یعدل بہ رجلا[2] انتہٰی۔	اور ان میں پانچواں شعر بھی مروی ہوا: (ترجمہ) "(شہرت، چمک یا حرارت محبت میں) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے محبوب لوگوں نے انہیں جانا، تمام مخلوق سے بہتر، جس کے برابر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کسی کو نہ رکھا۔"
قلت ویروی بدلہ ع من الخلائق لم یعدل بہ بدلا[3] وحدیث ابن عباس رواہ	**قلت** (میں کہتا ہوں) مصرعہ ثانی کے بجائے یوں بھی مروی: (ترجمہ "مخلوق سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے برابر نہ رکھا۔") اور حدیث ابن عباس کو طبرانی نے بھی

[1] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

[2] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۱۶۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۹۳

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

الطبرانی ایضًا فی المعجم الکبیر [1] وعبداللہ بن احمد فی زوائد الزھد، واما الحدیث المرفوع اعنی بہ استماع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشعارہ وتحسینہ علیہا فاصلہ مروی ایضا عند الحاکم من حدیث غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن [2] ابی حبیب وعند ابی سعد فی الطبقات وعند الطبرانی عن الزھری ورواہ الحاکم ایضا من حدیث مجالد عن الشعبی من قولہ کمثل حدیث [3] ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما والاصولی یعرف ان الموقوف فی مثل ھذا کالمرفوع اذ المجمل لا یبین بالرأی ولھذا ان لم یبین وانقطع عــہ نزول القراٰن عاد متشابھا، ثم ان	روایت کیا معجم کبیر میں، اور عبداللہ بن احمد نے زوائد زہد میں۔ رہی حدیث مرفوع یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حضرت حسان کے اشعار کو سن کرانہیں سراہنا تواس کی اصل بھی مستدرک حاکم میں غالب بن عبداللہ کی حدیث میں بطریق غالب بن عبداللہ عن ابیہ عن جدہ حبیب بن ابی حبیب مروی ہے (یعنی یہ حضرت غالب بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ سے سنی انہوں نے اپنے باپ غالب کے دادا حبیب بن ابی حبیب سے سنی) اور طبقات ابن سعد میں اور طبرانی میں زہری سے مروی ہے، اور نیز حاکم نے مجالد کی حدیث میں بروایت شعبی انکا قول حدیث ابن عباس رضی اللہ کے بلفظ مشابہ روایت کیا، اور اصولی جانتاہے کہ ایسی جگہ پر موقوف (صحابی کا قول) مرفوع (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول) کی طرح ہے، اس لئے کہ مجمل کا بیان رائے سے نہیں ہوتا لہٰذا اگر شارع نے بیان نہ کیااور قرآن کانزول بند ہوگیا

عــــہ: یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات سے کنایہ ہے ۱۲منہ۔

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۲۵۶۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۸۹

[2] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴و۸۷، کنزالعمال حدیث ۳۵۶۷۳و۳۵۶۸۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۲۳و۵۱۳، الدر المنثور بحوالہ ابن عدی وابن عساکر مکتبۃ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۳/ ۲۴۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۶۴

البیان یلتحق بالمبین اذ لا یفید الا رفع التشکیك وتعیین احد المحتملات فکان حکمه کحکم القرینة والمفاد انما ینسب الی الکلام کما اوضحته الاصول فثبت بالاٰیة تفضیله رضی الله تعالٰی عنه علی کل من عداه فی التقوٰی والحمدلله علی ما اولٰی۔ **اقول:** واخذ الافعل بمعنی کثیر الفعل فطام له عما یحتاج الیه فی اصل وضعه اعنی المفضل علیه فیکون صرفا عن المعنی الحقیقی المتبادر فلا بدمنه قرینة واین القرینة ولتکن حاجة وماذاالحاجة، نعم ھذا مفاد صیغة المبالغة وشتان مھما فلیتنبه لھذا والله تعالٰی الموفق۔ **الشبھة الثالثة:** وھی تتعلق بالکبری من قیاس اھل السنة والجماعة ان المحمول فی قوله تعالٰی " اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ " [1] ھو الاتقٰی فکان حاصل المقدمتین ان	تو مجمل متشابہ ہوجائے گا، پھر بیان مبین (مجمل) سے ملحق ہوگا اس لئے کہ بیان کا یہی فائدہ ہے کہ شک دور کرے اور محتمل معانی میں سے کوئی ایک معین کردے تو بیان کا حکم وہی ہے جو قرینہ کا ہے اور کلام کا مفاد کلام ہی کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسا کہ اصول فقہ نے واضح کیا تو اس آیت سے صدیق اکبر کی فضیلت تقوٰی میں ہر امتی پر ثابت ہوگئی اور اللہ تعالٰی کیلئے اس کی نعمتوں پر حمد ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور افعل کو بمعنی کثیر الفعل لینا اس کو اس شَے سے الگ رکھنا ہے جس وہ اصل وضع کے لحاظ سے محتاج ہے یعنی مفضل علیہ تو یہ معنی حقیقی متبادر سے پھیرنا ہوگا اب تو قرینہ ضروری ہے اور قرینہ کہاں، اور اس کے لئے حاجت بھی چاہیے اور حاجت کیا ہے، ہاں یہ مبالغہ کے صیغہ کا مفاد ہے اور اسم تفضیل اور مبالغہ میں فرق ہے۔ **تیسرا شبہہ:** اس کا تعلق اہلسنت وجماعت کے قیاس کے کبرٰی کے ساتھ ہے کہ اللہ تعالٰی کے قول " اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ " میں محمول الاتقی ہے۔ تو دونوں مقدموں کا حاصل یہ ہے ہوا کہ صدیق اتقٰی ہیں اور

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

الصدیق اتقی وکل اکرم اتقی وھذا لیس من الشکل الاول فی شیئ ولا ثانیًا ایضًالعدم الاختلاف فی الکیف وان عکستم الکبرٰی جاءت جزئیۃ لاتصلح لکبرویۃ الشکل الاول فمفاد الاٰیتین لایضرنا ولا ینفعکم ومن الشبھۃ ھی اللتی بلغنی عن بعض المفضلۃ عرضھاعلٰی بعض المتکلمین منا۔

وانا اقول: وباللہ التوفیق ما استخفہ تشکیکا و اضعفہ دخلًارکیکًاغلط ساقط باطل عاطل لا یستحق الجواب ولکن اذا قیل وسئل فلا بدمن ابانۃ الصواب فاعلم ان اللطیف الخفی وفقنی لازھاق ھذا التلبیس الفلسفی باثنی عشر وجھا امھاتھاثلثۃ وجوہ کل منھا یکفی ویشفی۔

الاول لو کان لھذا القائل علم بمحاورات القراٰن او الحدیث اوبماروی العلماء فی شان النزول او التفسیر المرفوع الی جناب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوکلمات العلماء والائمۃ الفحول او رزق حظامن فھم الخطاب ودرك المفادو

ہر اکرم اتقی ہے،اور یہ کسی طرح شکل اول کے قبیل سے نہیں اور شکل ثانی بھی نہیں اس لئے کہ کیف میں اختلاف نہیں ہے،اور اگر کبرٰی کا عکس کردیا جائے اس صورت میں موجبہ جزئیہ ہوگا جو شکل اول کے کبرٰی بننے کے لائق نہیں،تو دونوں آیتوں کا مفاد ہمیں مضر نہیں اور تمہیں مفید نہیں،اور یہ وہی شُبہ ہے جس کے بارے میں مجھے خبر پہنچی کہ کسی تفضیلی نے ہمارے کسی عالم سے عرض کیا۔

اور **میں کہتاہوں** اور توفیق اللہ ہی سے ہے،یہ کتنی سخیف تشکیک ہے اور کس قدر ضعیف اعتراض رکیک ہے جو غلط ہے ساقط ہے باطل وعاطل ہے جواب کا مستحق نہیں،لیکن یہ جب کہا گیا اور پوچھا گیا تو صواب کو ظاہر کرنا ضروری ہے،اب تم جانو کہ اللہ لطیف خفی نے اس قید فلسفی کے قلع قمع کے لئے مجھے بارہ وجوہ سے توفیق بخشی ان بارہ کی اصل تین وجہیں ہیں ان میں سے ہر ایک کافی وشافی ہے۔

پہلی یہ کہ اگر اس معترض کو قرآن وحدیث کے محاورات یا شان نزول میں علماء کی روایات جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب ومرفوع تفسیر یا علماء اور جلیل القدر ائمہ کے کلمات کا علم ہوتا یا نظم قرآن کی سمجھ اور مفاد و معنی کی فہم اور کلام کو غرض مقصود پر رکھنے سے کچھ حصہ روزی ہوا ہوتا تو وہ جان لیتا کہ اکرم

تنزیل الکلام علی الغرض المراد لعلم ان حمل الاکرم هو المعتبروصدرالکلام بتصدیر الخبر و ذٰلك لوجوه اوقفنی الله تعالٰی علیها بمنه وعمیم کرمه۔ **فاقول اولًا**: کانت الجاهلیة تتفاخر بالانساب وتظن ان الانسب هو الا فضل فجاء ت کلمة الاسلام برد کلمة الجاهلیة " اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ " [1] فالنزاع انما وقع فی موصوف الافضل لافی صفته وهذا کما اذا سأل سائل عن الذ الاطعمة فقال قائل الحامض الذ فنقول رداعلیه الابل الذها احلاها فانما ترید ان الاحلی هو الالذ والوجه ان الاتقی فی الاٰیة کالاحلی فی قولك هذه مراٰة لملاحظة الذات والاکرم حکم علیه کالالذوانما الخبرماحکم به	کو محمول بنانا ہی معتبر ہے تو کلام اس طرح صادر ہوا کہ اس میں تقدیم خبر ہے اور یہ دعوی چند دلیلوں سے ثابت ہے اس پر اللہ تبارک وتعالٰی نے مجھے اپنے احسان اور لطف عام سے مطلع کیا۔ **فاقول**: (میں کہتا ہوں) **اوّلا** اہل جاہلیت نسبت پر فخر کرتے تھے اور وہ گمان کرتے تھے کہ جس کا نسب بہتر ہے وہی افضل ہے تو اسلام کا کلمہ جاہلیت کے بول کو رد کرتا ہوا آیا " اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَاللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ " (بے شک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار ہے) تونزاع تو اس میں ہے کہ وصف اول کا موصوف کون ہے نہ کہ صفت افضل میں اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی پوچھنے والا پوچھے کہ کھانوں میں سب سے مزیدار کھانا کون سا ہے؟ تو کوئی کہے کہ الذّھا اخلاھا (کھٹا سب سے زیادہ مزیدار ہے) تو اس کا رد کرنے کے کو تم یوں کہو: نہیں بلکہ الذھا احلاھا (سب سے زیادہ مزیدار میٹھی چیز ہے) تو ہماری مراد یہی ہے کہ سب سے زیادہ میٹھا سب سے زیادہ مزیدار ہے، اور وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اتقٰی تمارے اس قول "ذات کے ملاحظہ کیلئے یہ آئینہ ہے" میں احلی کی مثل ہے اور اکرم

[1] القرآن الکریم ۴۹ /۱۳

لاماحکم علیه ولقد دری من له قلیل ممارسة بکلام العرب ان الذهن اول ماتلقّٰی الیه امثال هذا الکلام لایسبق الا الی ان المراد مدح الاتقیاء والترغیب فی التقوی والوعد الجمیل بان من یتقی یکن کریمًا علینا عظیما لدینا وهٰکذا فهم المفسرون فهذا الزمخشری النکتة فی الادب الشامة فی معرفة کلام العرب یقول فی تفسیره "المعنی ان الحکمة التی من اجلها رتبکم علٰی شعوب وقبائل هی ان یعرف بعضکم نسب بعض فلایعتزی الٰی غیراٰبائه، لاان تتفاخروابالاٰباء والاجداد وتدعواالتفاوت و التفاضل فی الانساب، ثم بین الخصلة التی بها یفضل الانسان غیره ویکتسب الشرف والکرم عندالله تعالٰی فقال ان اکرمکم عندالله اتقاکم "وقرئ ان بالفتح کانه قیل لایتفاخر بالانساب فقیل لان اکرمکم عند الله اتقاکم لا انسبکم[1] الخ وبمثله قال الامام

محکوم علیہ ہے جیسے الذ۔اور خبر تو محکوم بہ ہوتی ہے نہ کہ محکوم علیہ۔اور بیشک وہ سمجھتا ہے جسے کلام عرب سے تھوڑا سا سابقہ ہو کہ جیسے ہی ایسا کلام ذہن میں آتا ہے اس کی سبقت اسی طرف ہوتی ہے کہ مراد پرہیزگاروں کی تعریف اور تقوٰی کی رغبت دلاتا ہے اور یہ وعدہ جمیل کہ جو تقوٰی اختیار کرے گا ہمارے یہاں عزت و کرامت والا ہوگا۔اور اسی طرح مفسرین نے سمجھا تو یہ زمخشری جو ادب میں نکتہ کی مانند اور کلام عرب میں تِل کی مثال سے ہے اپنی تفسیر میں قائل ہیں بیشک وہ حکمت جس کی وجہ سے تمھاری ترتیب کنبوں اور قبیلوں پر رکھی وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا نسب جان لے۔تو اپنے آباء و اجداد کے سوا دوسرے کی طرف اپنی نسبت نہ کرے نہ یہ کہ تم آباء واجداد پر فخر کرو اور نسب میں فضیلت اور برتری کا دعوی کرو پھر اللہ نے وہ خصلت بیان کی جس سے انسان دوسرے سے برتر ہوتا ہے اور اللہ کے یہاں عزت وبزرگی کا اکتساب کرتا ہے تو اللہ نے فرمایا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اور ایک قراءت ان فتح ہمزہ کے ساتھ ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ نسبت پر فخر کیوں نہ کیا جائے، تو بتایا گیا کہ اس وجہ سے کہ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے نہ وہ جو سب سے بڑے نسب والا ہو الخ

[1] الکشاف تحت الآیة ۱۳/۴۹ دارالکتب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵

النسفی فی المدارک[1]۔	اوراسی طرح امام نسفی نے مدارک میں فرمایا۔
واقول ثانیًا القراٰن انما نزل لبیان الاحکام التی لا یطلع علیھا الا اطلاع اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کالنجاۃ و الھلاك والکرامۃ والھوان والردوالقبول والغضب و الرضوان لالبیان الامور الحسیۃ وکون الرجل تقیا او فاجرا مما یدرك بالحس ففی جعل الاکرم موضوعًا کقلب الموضوع ولقد کان ھذا الوجہ من اول ماسبق الیہ فکری حین استماع الشبھۃ ثم فی اثناء تحریر الرسالۃ لما راجعت مفاتیح الغیب رأیت الفاضل المدقق تنبہ للشبھۃ ودندن فی الجواب حول ما او مانا الیہ حیث یقول"فان قیل الاٰیۃ دلت علٰی ان کل من کان اکرم کان اتقی" وذٰلك لایقتضی ان کل من کان اتقی کان اکرم .قلنا وصف کون الانسان اتقی معلوم مشاھد	**اقول ثانیًا:** قرآن تو ان احکام کے بیان کے لئے نازل ہوا ہے جن کا علم اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کے اطلاع کئے بغیر نہیں ہوسکتا جیسے کہ نجات وہلاکت، عزت وذلت اور مردودومقبول ہونا اور غضب ورضائے الٰہی، یہ محسوسات کے بیان کے لئے نہیں اترا اورآدمی کا پرہیزگار یامددگار ہونا ان باتوں سے ہے جن کا علم احساس سے ہوتاہے تواکرم کو موضوع بنانا قلب موضوع ہے اور بیشک یہ وجہ ان باتوں سے ہے جن کی طرف میری فکر نے شبہ کو سن کر سبقت کی، پھر اس رسالہ کی تصنیف کے دوران جب میں نے تفسیر "مفاتیح الغیب" دیکھی تو میں نے فاضل مدقق کو دیکھا کہ وہ اس شبہ کی طرف متنبہ ہوئے اور جواب میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اس کے گرد مبہم کلام فرمایا اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں پھر اگر کہا جائے کہ یہ آیت تواس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ شخص جو اکرم (بڑا عزت والا) ہوگا، اتقی (بڑا پرہیزگار) ہوگا، اوریہ اس بات کا مقتضی نہیں کہ ہر وہ شخص جو اتقی (بڑا پرہیزگار) ہو وہ اکرم (بڑاعزت دار) ہو۔ہم کہیں گے کہ انسان کا اتقی ہونا وصف معلوم ومحسوس ہے

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/۱۷۳

ووصف کونه افضل غیر معلوم ولامشاهد والاخبار عن المعلوم بغیر المعلوم هوالطریق الحسن،اما عکسه فغیر مفید،فتقدیر الاٰیة کانه وقعت الشبهة فی ان الاکرم عندالله من هو؟ فقیل هو الاتقٰی، واذا کان کذٰلك کان التقدیر اتقٰکم اکرمکم عند الله انتهی۔[1]	اور انسان کا افضل ہونا نہ وصف معلوم ہے اور نہ محسوس۔ اور معلوم کے بارے میں وصف غیر معلوم کے ذریعہ خبر دینا، یہی بہتر طریقہ ہے۔ رہا اس کا عکس، تو وہ مفید نہیں۔ تو آیت میں عبارت مقدر ہے، گویا کہ اس بارے میں شبہ ہوا کہ اللہ کے نزدیک اکرم کون ہے؟ تو فرمایا گیا کہ اکرم اتقی ہے، اور جب بات یوں ہے تو آیت کی تقدیر یوں ہوگی اتقٰکم اکرمکم عنداللہ (تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار اللہ کے نزدیک تم سب میں عزت والا ہے)
قلت ولعلك لایخفی علیك مابین التقدیرین من الفرق وما بین هذا الوجه و وجوهنا الباقیة من التفاوت العظیم "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[2] و لحمدلله رب العٰلمین۔	**قلت** (میں کہتا ہوں) اور شاید تم پر پوشیدہ نہ ہو وہ فرق جو دونوں تقدیروں میں ہے اور وہ عظیم تفاوت جو اس وجہ میں اور ہماری باقی وجوہ میں ہے یہ اللہ کے فضل میں ہے جسے چاہتا ہے دے دیتا ہے۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب ہے جہان والوں کا۔
ثم اقول علی ان یزعجك الوهم الصؤل فیلجئك ان تقوم تقول الیس التقوی من افعال القلوب،قال الله سبحٰنه و	**ثم اقول** (پھر میں کہتا ہوں) قریب ہے کہ تمہیں وہم بے چین کرے پھر تمہیں مجبور کرے کہ تم کھڑے ہو کر یہ کہو کہ کیا تقویٰ افعال القلوب سے نہیں، اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیة ۴۹/ ۱۷ المطبعة البهیة المصریة ۲۸/ ۲۰۵

[2] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

تعالٰی "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى" [1] وقال تعالٰی "وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾" [2] وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، التقوٰی ھٰھنا، یشیر الٰی صدرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ "اخرجہ مسلم [3] وغیرہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "لکل شیئ معدن ومعدن التقوٰی قلوب العارفین" اخرجہ الطبرانی [4] عن ابن عمر والبیھقی عن الفاروق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنھما، فکیف قلتم انھا من المحسوسات۔ **قلت** بلٰی ان التقوٰی مقامھا القلب وعن ھذا قلنا ان الصدیق لما کان اتقی الامۃ باسرھا وجب ان یکون اعرفھا باللہ تعالٰی	ہے: "یہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے۔ "اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے: "اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ "اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے، تقوٰی یہاں ہے۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ فرماتے تھے۔ "اس حدیث کو مسلم وغیرہ نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی ہے: "ہر شے کے لئے کان ہے اور تقوٰی کی کان اولیاء کے دل ہیں۔ "اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمر سے اور بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا، تو آپ نے کیسے کہہ دیا کہ تقوٰی محسوسات سے ہے۔ **قلت** (میں جواب میں کہتا ہوں) ہاں بے شک تقوٰی کا مقام قلب ہے اور اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ بے شک جب صدیق تمام امت سے زیادہ پرہیزگار ہوئے تو ضروری ہوا کہ وہ سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے ہوں

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۳

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲

[3] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۷

[4] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۱۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۳۰۳

لکن القلب امیر الجوارح فاذ ااستولی علیہ سلطان شیئ اذعنت لہ الجوارح طرًا ولعمت علیہا آثارہ جھرًا وھذا مشاھد فی الحیاء والحزن والفرح و الغضب وغیرذٰلک من صفات القلب قال المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الا وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب" اخرجہ الشیخان [1] عن نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم "اذا رایتم الرجل یعتاد المسجد فاشھدوالہ بالایمان" اخرجہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ وابن خزیمۃ وابن حبان والحاکم والبیہقی [2] عن ابی سعید	لیکن قلب اعضاء کا امیر ہے، تو جب قلب پر کسی شے کا سلطان غالب ہوتا ہے تو تمام اعضاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں اور اعضاء پر اس کے آثار صاف جھلکتے ہیں اور حیاء وغم، خوشی وغضب وغیرہ صفات قلب میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: "خبردار! بیشک جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ سدھرتا ہے پورا جسم سدھر جاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو پورا جسم بگڑ جاتا ہے، سنتے ہو وہ قلب ہے۔" اس حدیث کو بخاری ومسلم نے نعمان ابن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم آدمی کو مسجد میں آنے جانے کا عادی پاؤ تو اس کے مومن ہونے کی گواہی دو۔" اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم و بیہقی نے ابو سعید

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترک الشبہات قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۸

[2] جامع الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیۃ ۹/ ۱۸امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۳۵، سنن ابن ماجۃ کتاب المساجد والجماعات باب لزوم المساجد الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۸، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۶۸، المستدرک للحاکم کتاب الصلوٰۃ بشر المشائین فی الظلم الی المساجد الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۲، السنن الکبرٰی کتاب الصلوٰۃ باب فضل المساجد الخ دار صادر بیروت ۳/ ۶۶، موارد الظمآن الی زوائد الظمآن باب الجلوس فی المسجد بالخیر حدیث ۳۱۰ المطبعۃ السلفیہ ص ۹۹

الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اقول ثالثاً کل ماذکر فی شان النزول فانما یستقیم و یطابق التنزیل اذا کان الموضوع ھو الاتقٰی۔اما اذا عکس فلایتاتی ولایاتی الرمی علی المرمی،اما روایۃ یزید بن شجرۃ فطریق الاستدلال فیھا انکم استحقرتم ھذا العبدلانہ عبداسود فقلتم عاد ذلیلاً وحضر جنازۃ ذلیل لکنہ عندنا کریم جلیل اذ کان متقیا والفضل عندنا بالتقوٰی فمن کان تقیا کان کریما عندنا وان کان عبدا اسود اجدع۔وھذا الطریق ھو المفھوم من الاٰیۃ عند کل من لہ ذوق سلیم،اما علی ما زعمتم فیکون حاصل استدلال اللہ سبحٰنہ و تعالٰی انہ کان کریما وکل کریم متق فلذا اعادہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وحضر دفنہ،وھذاالطریق کما تری اذا کان ینبغی الاستدلال بامر مسلم عندھم یستلزم مالم یسلموہ کالتقوٰی علٰی تقریرنا۔

خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

اقول ثالثاً: جو کچھ آیت کریمہ کے شان نزول میں مسطور ہوا وہ تو اسی وقت راس آتا ہے اور تنزیل کے مطابق ہوتا ہے جب آیت کریمہ میں اتقی ہی موضوع ہو۔رہی وہ صورت جب اس کا عکس کردیں تو بات نہیں بنتی،ہر تیر نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ رہی یزید ابن شجرہ کی روایت تو اس میں استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ اے لوگو! تم نے غلام کو حقیر جانا اس لئے کہ سیاہ فام غلام ہے تو تم نے اعتراض کیا کہ ذلیل کی عیادت کی ذلیل کے جنازہ میں حاضر ہوئے، لیکن وہ غلام ہمارے نزدیک باعزت جلیل القدر ہے اس لئے کہ وہ متقی تھا اور ہمارے یہاں بزرگی تقوٰی سے ہے تو جو متقی ہوگا ہماری بارگاہ میں عزت والا ہوگا اگرچہ کالا نکٹا غلام ہو۔اور آیت سے ہر ذوق سلیم والے سے یہی طریق استدلال مفہوم ہوتا ہے،اور تمہارے زعم پر اللہ تبارک وتعالٰی کے استدلال کا حاصل یوں ہوگا کہ وہ بے شک عزت والا تھا اور ہر عزت والا متقی ہے اسی لئے تو ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے دفن میں شریک ہوئے۔اور یہ طریق استدلال جیسا ہے تمہیں معلوم ہے اس لئے کہ دلیل لانا ایسے امر سے چاہئے تھا جو کفار کو مسلم ہو اور جو اس کو مستلزم ہو جس کو وہ تسلیم نہیں کرتے جیسے تقوٰی ہماری تقریر پر۔

واما الکرامۃ فلم تکن ثابتۃ عندھم والالما قالو ما قالوا، علی ان المقدمۃ المذکورۃ فی الاٰیۃ تبقی ح عبثًا والعیاذباللّٰہ تعالٰی فان الرد علیھم تم بالمطویۃ القائلۃ انہ رجل کریم عنداللّٰہ تعالٰی وبعد ذٰلك ای حاجۃ الی ان یقال کل کریم متق، اذلم یکن نزاعھم فی التقوٰی بل فی الکرم۔ وبالجملۃ یلزم اخذ المدعی صغری واستنتاج مالیس بمدعی وھٰکذا یجری الکلام فی روایۃ مقاتل واستحقار قریش سیدنا عتیق العتیق اعتقنا اللّٰہ بھما من عذاب الحریق، اٰمین۔	رہی عزت (اس سیاہ فام غلام کی) کافروں کے نزدیک ثابت ہی نہ تھی ورنہ یہ کافروہ کچھ نہ کہتے جو انہوں نے کیا۔ علاوہ ازیں وہ مقدمہ جو اس آیت میں ذکر ہوا اس تقدیر پر عبث ٹھہرے گا والعیاذ باللہ، اس لئے کہ کفار پر رَد تو اس قضیۂ مطویہ (پوشیدہ) سے تام ہو لیا جس میں یہ دعوی ہے کہ وہ غلام، اللہ کے نزدیک باعزت ہے۔ اس کے بعد کون سی حاجت ہے کہ کہا جائے کہ ہر کریم، متقی ہے اس لئے کہ کافروں کا نزاع تقویٰ میں نہ تھا بلکہ کرامت میں تھا۔ بالجملہ اس تقدیر پر لازم آتا ہے کہ مدعا صغری ہو اور نتیجہ وہ نکلے جو مدعا نہیں اور یونہی کلام روایت مقاتل میں اور قریش کی جانب سے سیدنا عتیق العتیق (حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غلام حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ) کی تحقیر میں جاری ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ان دونوں کے صدقے میں جہنم کے عذاب سے آزاد فرمائے امین۔
ولنقرر **بعبارۃ اُخری** قال "کل جدید لذیذ" کان طریق استدلالھم علٰی حقارتہ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ بانہ عبد ولاشیئ من العبد کریمًا فھو لیس بکریم والاٰیۃ نزل فی الردعلیھم فلابد من نقض احدی المقدمتین من قیاسھم لکن الصغرٰی لامردلھا، فتعین ان الاٰیۃ انما تبطل الکبرٰی باثبات	اور ہم بلفظ دیگر تقریر کریں اس لئے کہ "کل جدید لذیذ"، کفار کا طریق استدلال حضرت بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حقارت پر بایں طور تھا کہ وہ غلام ہیں اور کوئی غلام عزت والا نہیں ہوتا، تو عزت والے نہیں، اور یہ آیت کفار کے رد میں اُتری لہٰذا ان کے قیاس میں دو مقدموں میں سے ایک کا نقض ضروری ہے لیکن صغرٰی کا رد نہیں ہوسکتا۔ اب متعین ہوا کہ آیت کبرٰی کا ہی ابطال کرتی ہے اس کی نقیض

نقیضھا، وھو ان بعض العبید کریم ولا یمکن اثباتہ الا علی طریقتنا بان نقول بعض العبید یتقی اللہ تعالٰی ومن یتقی اللہ تعالٰی فھو کریم۔ اما علٰی طریقتکم فی اصل المقدمتین ان بعض العبید متق وکل کریم متق وھذا ھو القیاس الذی انتم دفعتموہ وھکذا یتمشی التقریر فی روایۃ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما بکلا الوجھین۔ ولنقررہ **بعبارۃ ثالثۃ** استحقر ثابت بن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ بعض اھل المجلس بقولہ یاابن فلانۃ ای یادنی النسب فرداللہ سبحٰنہ وتعالٰی علیہ بانك ان زعمت ان بعض الادانی فی النسب لایکون کریمًا فقولك ھذا صادق لکن علام استحقرت ھذا بخصوصہ اذیجوز ان لایکون ھذا من ذٰلك البعض وان اردت السلب الکلی فباطل قطعًا۔ اذلو صدق لصدق ان بعض المتقین لیس کریمًا لان بعضھم دنی النسب فلم یکن کریمًا عندك لکن التالی باطل	کے اثبات کے ذریعہ اور کفار کے کبرٰی کی نقیض یہ ہے کہ بعض غلام باعزت ہیں اور اس کا ثابت کرنا ممکن نہیں مگر ہمارے طریقے پر بایں طور کہ ہم کہیں بعض غلام، اللہ تبارک وتعالٰی سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہی عزت والا ہے۔ رہا اصل مقدمتین میں تمہارے طریقے پر یہ قیاس کہ بعض غلام متقی ہیں اور ہر عزت والا متقی ہے تو یہ وہی قیاس ہے جس کو تم دفع کرچکے۔ اور یونہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت میں دونوں وجوہ کے ساتھ یہ تقریر چلے گی۔ اور ہم تقریر مدعا تیسری عبارت سے کریں حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعض اہل مجلس کی تحقیر انہیں، "یا ابن فلانہ" (اے فلانی کے بیٹے) کہہ کر کی یعنی اے نسب میں کمتر، تو اللہ تبارک وتعالٰی نے ان کا رد یوں فرمایا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ کچھ کمتر نسب والے شریف نہیں ہوتے تو تمہاری یہ بات سچی ہے لیکن تم نے خاص اس شخص کو کس بنیاد پر حقیر جانا؟ اس لئے کہ ممکن ہے کہ یہ ان بعض میں سے نہ ہو اور اگر تمہاری مراد سلب کلی ہے تو یہ قطعًا باطل ہے اس لئے

لصدق نقیضه وهو ان کل متق کریم فالمقدم مثله.هذا علی طریقتنا اما علی طریقتکم فالمقدمة الا ستثنائیة ان کل کریم متق وهو لایرفع اللازم فلا یرفع الملزوم اتقن هذا فان الفیض مدرار۔ والحمدلله۔	کہ اگر یہ صادق ہو تو یقیناً یہ صادق ہوگا کہ بعض متقی شریف نہیں اس لئے کہ ان میں کے بعض نسب میں کمتر ہیں تو تمہارے نزدیک شریف نہ ہوں گے لیکن تالی باطل ہے اس لئے کہ اس کی نقیض صادق ہے اور وہ یہ کہ ہر متقی کریم ہے تو مقدم بھی اس کی طرح باطل ہے یہ ہمارے طریقے پر ہے لیکن تمہارے طریقے پر تو مقدمہ استثنائیہ [عـــہ] یہ ہے کہ ہر شریف متقی ہے اور یہ لازم کو مرتفع نہیں کرتا تو ملزوم کو بھی مرتفع نہ کرے گا۔اس تقریر کو خوف ضبط کرلو اس لئے کہ فیض (کادریا) زوروں پر ہے،اور تمام خوبیاں اللہ ہی کی ہیں۔
اقول رابعًا الاحادیث التی جاءت تفسیرا الاٰیة اوترد موردمشرعها اوتلحظ ملحظ منزعها انما تعطی ما ذکرنا من المفاد وتابی عما بغیتم من الافساد و منها ماانبانا المولی السراج عن الجمال عن عبدالله السراج ح وعالیًابدرجة عن ابیه عبدالله السراج عن محمد بن هاشم ح ومساویاللعالی عن الجمال عن السندی ح وشافعهنی عالیابدرجتین	**اقول رابعًا** وہ احادیث جو اس آیت کی تفسیر کرتی ہے یا اس کے گھاٹ کے راستے پر چلیں یا اس جگہ اشارہ کرتی ہیں جہاں سے اس کا تیر کھینچا وہ تو وہی مفاد دیتی ہیں جو ہم نے ذکر کیا اور اس فساد انگیزی سے انکار کرتی ہیں جو تم نے چاہا منجملہ ان حدیثوں کے یہ ہے کہ جس کی خبر ہمیں مولٰی سراج نے دی وہ روایت کرتے ہیں جمال سے وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ سراج سے (ح) نیز ہم نے سراج سے یہ حدیث ایک درجہ عالی سند سے روایت کی وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ عبد اللہ سراج سے وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ہاشم سے (تحویل) نیز اس سند سے اس روایت کی جو سند عالی کے

عـــہ: مقدمہ استثنائیہ کو قیاس استثنائی بھی کہا جاتاہے،اور قیاس استثنائی وہ ہے جس میں نتیجہ یا اس کی نقیض بالفعل مذکور ہو جیسے ہمارا یہ کہنا کہ "یہ اگر جسم ہے تو متحیز ہے" لیکن وہ جسم ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ متحیز ہے اور یہی بعینہٖ قیاس یعنی مقدمہ میں مذکور ہے اور نقیض کی مثال یہ کہ وہ متحیز نہیں تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ جسم نہیں اور اس کی نقیض کہ وہ جسم ہے مقدمہ میں مذکور ہے۔(تعریفات جرجانی ص۱۵۹)

سیدی جمل اللیل عن السندی کلاھما عن صالح العمری باسانیدہ الامامین الجلیلین بسندھما الٰی سیدنا ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای الناس اکرم، فقال اکرمھم عنداللہ اتقٰھم[1]۔	مساوی ہے انہوں نے روایت کی جمالی سے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے اور میرے اوپر دو درجہ عالی سند سے اس حدیث کو مجھ سے روایت کیا سیدی جمل اللیل نے وہ روایت کرتے ہیں سندی سے دونوں نے روایت کی صالح عمری سے ان امامین جلیلین (بخاری ومسلم) کی اسانید کے ساتھ ان دونوں اماموں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا: لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ توآپ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب لوگوں سے بڑھ کر عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔
اقول: انظر الٰی اٰثار رحمۃ اللہ کیف یوضح المحجۃ ولا یدع لاحد حجۃ انما سئل المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان ای الناس اکرم ای من الموصوف بہ لا ان الاکرم ماھو بای نعت یزھو فاجاب الاٰیۃ الکریمۃ فلولا ان الاتقی ھو الموضوع لما طابق الجواب	**اقول:** (میں کہتاہوں) اللہ تبارک وتعالٰی کی رحمت کے آثار دیکھو راستہ کو کس طرح واضح کرتا ہے یہ کسی کے لئے حجت نہیں چھوڑتا مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تو یوں سوال ہوا تھا کہ کون سا شخص سب سے زیادہ عزت والا ہے یعنی اس وصف سے کون موصوف ہے یہ سوال نہ ہوا تھا کہ "اکرم کی ماہیت کیا ہے۔" اکرم" (سب سے زیادہ عزت والا) اور کون سے وصف پر ناز کرتا ہے، توسرکار نے

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ یوسف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۹، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل یوسف علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

السوال وعليك بتزكية الخيال ومن تمام نعمة الله تعالٰى ان فسر الشراح الحديث بما يعين المراد ويقطع كل وهم يراد۔	آیۃ کریمہ سے جواب دیا تو اگر بات یہ نہ ہوتی کہ اتقی (سب سے بڑا پرہیزگار) ہی موضوع ہے تو جواب سوال کے مطابق نہ ہوتا اس پر خیال کا تزکیہ ہے، اور اللہ تبارک وتعالٰی کی نعمت کی تمامی سے یہ ہے کہ حدیث کے شارحین نے اس کی تفسیر اس جملہ سے کردی جو مراد کو متعین کردیتا ہے اور وہم کا قاطع ہے۔
قال العلامة المناوی "اکرم الناس اتقهم لان اصل الکرم کثرۃ الخیر" فلما کان المتقی کثیر الخیر فی الدنیا وله الدرجات العلٰی فی الاٰخرۃ کان اعم الناس کرما فهو اتقٰهم [1]، انتهی۔	اس میں علامہ مناوی کا ارشاد ہے: اکرم الناس اتقاھم (سب لوگوں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) اس لئے کہ کرم اصل میں کثرت خیر ہے، توجب متقی دنیا میں خیر کثیر والا ہے اور آخرت میں اس کے درجے بلند ہوں گے، توسب سے زیادہ کرم والا وہی ہے جوسب سے زیادہ تقوٰی والا، انتہی۔
انظر این ذهبت شبهتك الواهية فهل تری لها من باقية، ومنها ما انبانا المولٰی عبد الرحمن عن الشریف محمد بن عبد الله کما مضی عن علی بن یحیٰی الزیادی عن الشهاب احمد بن محمد الرملی عن الامام ابی الخیر السخاوی عن	دیکھو تمہارا واہی شبہہ کہاں گیا، اب اس کا کچھ نشان دیکھتے ہو۔ اور از انجملہ وہ حدیث ہے جس کی ہمیں خبر دی مولٰی عبد الرحمٰن نے، انہوں نے روایت کی سید محمد بن عبداللہ سے، جیسا کہ گزرا، اور وہ روایت کرتے ہیں علی بن یحیٰی زیادی سے، وہ روایت کرتے ہیں شہاب احمد بن محمد رملی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابوالخیر سخاوی سے، وہ روایت کرتے ہیں،

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اکرم الناس اتقاھم مکتبۃ الامام الشافعی ۱/۲۰۳

العزعبدالرحیم بن فرات عن الصلاح بن ابی عمر عن الفخربن البخاری عن فضل الله ابی سعید التوقانی عن الامام محی السنة البغوی انا ابوبکر بن ابی الھیثم انا عبدالله بن احمد بن حمویة انا ابراھیم بن خزیم ثناعبدالله بن حمید انا الضحاك بن مخلد عن موسٰی بن عبیدة عن عبد الله بن دینار عن ابن اعمر ان النبی صلی الله علیه وسلم طاف یوم الفتح علی راحلته یستلم الارکان بمحجنه فلما خرج لم یجد مناخًا فنزل علی ایدی الرجال ثم قام فخطبھم فحمدالله واثنی علیه، وقال الحمدلله الذی اذھب عنکم غبیة الجاھلیة وتکبرھابآبائھا انما الناس رجلان بر تقی کریم علی الله وفاجر شقی ھیّن علی الله ثم تلا "یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثٰی "ثم قال اقول قولی ھذا واستغفر الله

عز عبدالرحیم بن فرات سے، وہ روایت کرتے ہیں صلاح بن ابی عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں فخر ابن بخاری سے، وہ روایت کرتے ہیں فضل اللہ ابوسعید توقانی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام ابی السنۃ بغوی سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابوبکر ابن ابی ہیثم نے عبداللہ ابن احمد ابن حمویہ سے، وہ فرماتے ہیں ہمیں خبر دی ابراہیم ابن خزیم نے، ہم سے حدیث بیان کی عبداللہ ابن حمید نے، ہمیں خبر دی ضحاک ابن مخلد نے، وہ روایت کرتے ہیں اس کو موسٰی ابن عبیدہ سے، وہ روایت کرتے ہیں عبداللہ بن دینار سے، وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنی سواری پر طواف کیا، ارکان کعبہ کا بوسہ اپنے عصائے مبارک سے لیتے تھے، تو جب باہر تشریف لائے تو سواری کو ٹھہرانے کی جگہ نہ پائی تو لوگوں میں سواری سے اتر گئے پھر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تبارک وتعالٰی کی حمد وثناء کی اور فرمایا: اللہ کے لئے حمد جس نے تم سے جاہلیت کا گھمنڈ اور آباواجداد کا غرور دور کیا۔ لوگوں میں دو قسم کے مرد ہیں، ایک نیک متقی اللہ کے یہاں عزت والا، دوسرا بدکار، بدبخت، اللہ کی بارگاہ میں ذلیل، پھر یہ آیت پڑھی: "اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا"، پھر فرمایا: "میں یہ بات کہتا ہوں اور اللہ سے اپنے

لی ولکم [1]۔ **اقول:** انظر کیف قسم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخلق الٰی قسمین برتقی ووصفھم بالکرم وفاجر شقی ووصفھم بالھوان وھذا صریح فیما قلنا۔ ومنھا ما اخرج ابن النجار والرافعی عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من دعائہ:"اللھم اغننی بالعلم وزینی بالحلم واکرمنی بالتقوٰی وجملنی بالعافیۃ۔"[2] قال المناوی اکرمنی بالتقوی لاکون من اکرم الناس علیك ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم [3]اھ **اقول:** والوجہ حذف	لئے اور تمہارے لئے مغفرت چاہتاہوں۔" **اقول:** دیکھو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مخلوق کو دو قسم کیا، ایک نیک، پرہیزگار، اوران کو عزت سے موصوف کیا۔ اور دوسرے بدکار، بدبخت، اورانہیں ذلیل بتایا۔ اوریہ ہمارے دعوی کی صریح دلیل ہے۔ ان احادیث میں سے ایک وہ ہے جس کی تخریج ابن نجار اور رافعی نے کی سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُعاکے یہ کلمات مروی ہے ہیں: "اے اللہ! مجھ علم کے ساتھ غنا، حلم کے ساتھ زینت، تقوٰی کے ساتھ اکرام اور عافیت کے ساتھ جمال عطافرما۔" مناوی نے (دعاکا مطلب بیان کرتے ہوئے) کہا: "مجھے تقوٰی کے ساتھ اکرام عطافرما تاکہ میں تیرے یہاں سب سے زیادہ عزت پانے والے لوگوں میں سے ہوجاؤں (بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والاوہ ہے جوتم میں زیادہ پرہیزگار ہے) اھ **میں کہتاہوں** صحیح یہ ہے کہ لفظ من

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۴۹/۱۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۱۹۶

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۶۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۸۵و۲۰۲، الجامع الصغیر حدیث ۱۵۳۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۹۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللھم اغننی بالعلم الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۲۱

من وکانہ اراد ماترید الامۃ عند الدعاء بہ تاسیا بالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	کو حذف کیا جائے۔ گویا اس کی مراد وہ ہے جس کا ارادہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی میں دعا کرتے ہوئے امت کرتی ہے۔
ومنہا ما اورد الزمخشری فی الکشاف ثم الامام النسفی فی المدارک عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من سرہ ان یکون اکرم الناس فلیتق اللہ [1] اھ وھذا ابین واجلی۔	من جملہ ان حدیثوں میں سے یہ حدیث ہے جسے زمخشری نے کشاف میں پھر امام نسفی نے مدارک میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ذکر کیا فرمایا: جس کی یہ خوشی ہو کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ عزت والا ہو تو اللہ تعالٰی سے ڈرے۔ اور یہ ظاہر تر ہے۔
واقول خامسا: العلماء مافھموا من الاٰیۃ الا مدح المتقین ولم یزالوا محتجین بہا علٰی فضیلۃ التقوی واھلہا فلو کان الامر کما زعمتم لا ندحض ھذہ التمسکات بحذافیرھا اذ لما کان المعنی ان کل کریم متق وھو لایستلزم ان کل متق کریم فای مدح فیہ للمتقین وبم ذا یفضلون علی الباقین، الاتری ان کل کریم انسان وحیوان وجسمان	**اقول خامسا:** علماء نے اس آیت سے متقی لوگوں کی تعریف ہی سمجھی اور اس آیت سے تقوٰی اور اہل تقوٰی کی فضیلت پر دلیل لاتے رہے، تو اگر معاملہ یوں ہوتا جیسا کہ تمہارا گمان ہے تو یہ تمام استدلال سرے سے باطل ہو جاتے اس لئے کہ جب معنی یہ ٹھہرے کہ ہر کریم متقی ہے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ ہر متقی کریم ہو تو اس میں پرہیزگاروں کے لئے کون سی تعریف ہے اور پرہیزگار دوسروں سے کس وصف سے برتر ہوں گے کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر کریم انسان، حیوان

[1] الکشاف تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۷۵، مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۴۹/ ۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۱۷۳

ولایکون بھذا کل فرد من ھٰؤلاء محمودا فی الدین۔	اور جسم ہے اوراس کے ساتھ ان تینوں میں سے ہر فرد محمود نہیں ہوتا۔
فان قلت ان التقوی وصف خاص بالکرماء فلھذا استحق الثناء بخلاف ماذکرتم من الاوصاف۔	**فان قلت** (تو اگر تم کہو کہ) بے شک تقوٰی کریموں کے ساتھ خاص ہے لہٰذا یہ وصف تعریف کا مستحق ہے بخلاف ان اوصاف کے جو آپ نے ذکر کئے۔
قلت الاٰن اتیت الی ابیت فان التقوٰی اذا اختص بھم ولم یوجد فی غیرھم وجب ان یکون کل متق کریمًا وفیه المقصود قال المولی الفاضل الناصح محمد افندی الرومی البرکلی فی الطریقة المحمدیة بعد ماسرد الاٰیات فی فضیلة التقوٰی فتأمل فیما کتبنا من الاٰیات الکریمة کیف کان المتقی عندالله تعالٰی اکرم[1] انتھٰی۔	**قلت** (میں کہوں گا) اب تم اسی بات پر آگئے جس کا تم نے انکار کیا تھا اس لئے کہ تقوٰی جب کریموں کے ساتھ خاص ہے دوسروں میں نہیں پایا جاتا تو ضروری ہے کہ ہر متقی کریم ہو اوریہی ہمارا مقصود ہے۔ مولٰی فاضل ناصح محمد آفندی رومی برکلی طریقہ محمدیہ میں تقوٰی کی فضیلت میں آیات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں تو ان آیات کریمہ میں غور کرو جو ہم نے لکھیں کیونکہ متقی اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ کریم ٹھہرا۔
قال المولی الشارح العارف بالله سیدی عبدالغنی النابلسی فی شرحها الحدیقة الندیة اشارة الی الاٰیة الاولی من قوله تعالٰی "ان اکرمکم عندالله اتقٰکم"[2] انتھٰی۔	کتاب مذکور کے شارح مولا عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں مصنف کا اشارہ پہلی آیت یعنی اللہ تعالٰی کے قول "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" کی طرف ہے۔
واقول سادسًا: الی یاموفق تحقیق بالقبول احق اخرج	**واقول سادسًا**: اے توفیق والے میری طرف آ، یہ ایک تحقیق ہے جو قبول کی

[1] الطریقة المحمدیة الباب الثانی الفصل الثالث مکتبہ حنفیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۹

[2] الحدیقة الندیة شرح الطریقة المحمدیة الفصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۴۱۰

الامام احمد والحاکم والبیھقی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرم المرء دینہ ومروتہ عقلہ وحسبہ خلقہ[1] واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب الیقین عن یحیٰی بن ابی کثیر مرسلًا ینمیہ الی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الکرم التقوٰی و الشرف التواضع[2] واخرج الترمذی محمد بن علی الحکیم عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما یرفعہ الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "الحیاء زینۃ والتقی کرم"[3] انظر الی الاحادیث ما اجلاھا و افصحھا واحلھا واملحا انظر الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مروتہ	سزاوار ہے، امام احمد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث روایت کی انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: "آدمی کی عزت اس کا دین ہے اوراس کی مروت اس کی عقل ہے اوراس کا خلق۔"اور ابن ابی الدنیا نے کتاب الیقین میں یحیٰی بن ابی کثیر سے بسند مرسل روایت کیادرآنحالیکہ اس حدیث کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف کرتے تھے کہ فرمایا: "کرم، تقوٰی ہے اورشرف تواضع ہے۔"اورترمذی محمد ابن علی الحکیم نے جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا درانحالیکہ اس کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوع کرتے تھے کہ فرمایا: "حیاء زینت ہے اور تقوٰی کرم ہے۔" احادیث کو دیکھو کس قدر روشن اور کتنی فصیح ہیں اور کیسی شیریں اور کیسی ملیح ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ قول کہ آدمی کی مروت اس

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۶۵، المستدرك للحاکم کتاب العلم کرم المومن دینہ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۱۲۳، لمستدرك للحاکم کتاب النکاح الحسب والمال والکرم الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۶۳، السنن الکبرٰی کتاب النکاح باب اعتبار الیسار فی الکفاءۃ دار صادر بیروت ۷/ ۱۳۶، السنن الکبرٰی کتاب الشھادات باب بیان مکارم الاخلاق الخ دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۹۵

[2] کتاب الیقین من رسائل ابن ابی الدنیا حدیث ۲۲ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ۱/ ۲۸

[3] نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول الاصل السادس والخمسون والمائۃ دار صادر بیروت ص ۲۰۰

عقله فانما وصف العقل بالمروة لاالمروة بالعقل و كذا قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "حسبه خلقه و الشرف التواضع" فانما حکم علی الخلق بانه الحسب وعلی التواضع بانه الشرف حسما لما یدعیه المدعون من ان المال هو الشرف، ولذا ان قال قائل ان الحسب خلق والمروة عقل والشرف تواضع لم یقبل قوله منه، وان عکس قبل فهکذا فی الفقرتین اعنی قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الکرم التقوٰی وکرم المرء دینه۔

وانا اعطیك ضابطة لهذا کلما رأیت فی امثال عــــہ هذا المقام اسمین معرفین باللام محمولا احدهما علی الاٰخر فان صح ان یحمل الاٰخر علی الاول مجردا عن اللام فاعلم انه یجوز ان یکون محمولاً فی تلك القضیة ایضًا والا لانظیرہ قول الشاعر ؎

کی عقل ہے۔ دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عقل ہی کو مروت سے موصوف کیا اور اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "آدمی کا حسب اس کا خُلق ہے اور شرف تواضع ہے" تو اس لئے کہ خُلق پر حکم لگایا کہ وہ حسب ہے اور تواضع پر حکم فرمایا کہ وہی شرف ہے مدعیوں کے دعوے کو رد کرنے کے لئے کہ مال ہی شرف ہے اسی لئے کہ اگر کوئی یوں کہے کہ بے شک حسب خُلق ہے اور مروت عقل ہے اور شرف تواضع ہے تو اس کا قول مقبول نہ ہوگا اور اگر اس کا عکس کردے تو قبول کیا جائے گا تو اسی طرح دونوں حدیثوں میں اپنے بعد فقروں سے ملے ہوئے فقروں میں یعنی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول کرم تقوٰی ہے اور آدمی کی عزت اس کا دین ہے (یعنی ان جملوں کا عکس مقبول نہ ہوگا۔)

اور میں تم کو اس کے لئے ایک ضابطہ دیتا ہوں جب کبھی تم ایسے مقامات میں دو اسم معرف باللام دیکھو کہ ان میں کا ایک دوسرے پر محمول ہوتا ہے تو اگر دوسرے کا پہلے کے لئے محمول بننا بغیر لام کے صحیح ہو تو جان لو کہ وہ اس قضیے میں بھی محمول ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، اسکی نظیر شاعر کا شعر ہے:

عــــہ: اشاربه الی انك تقول الخ (المصنف)

بنونا بنو ابناءنا وبنو بناتنا ابناء الرجال فانك ان قلت احفادنا ابناء لنا صدقت وان قلت ابنائنا احفادلنا كذبت فكان بنونا هو المحكوم به و السر فی ذلك ان المحمول يجوز تنكيره ابدًا وافادة القصر علٰی تسليمه عــه كليًا امر زائد علٰی نفس الحكم و الموضوع لاينكر تنكيرا محضا فلذٰلك لا يقال الكرم تقویٰ اوالكرم دين وانما تقول بالتعريف لان الاٰخر هو الموضوع حقيقة لاجل هذا ان عكست ونكرت صح اما رايت ان النبی صلی اللہ تعالٰی عليه و سلم لما قدم التقویٰ فی حديث الحكيم نكر الكرم و لما عكس فی الحديث الاٰخر عرف التقویٰ، اللهم لك الحمد علٰی تواتر اٰلائك ولا اخالك ياهذا مغمورا فی غيابات الغباوت بحيث يعسر عليك الانتباه لما فی تلك الاحاديث	"یعنی ہمارے بیٹے ہمارے بیٹوں کے بیٹے ہیں اور ہماری بیٹیوں کے بیٹے اور مردوں کے بیٹے ہیں۔" اس لئے کہ اگر تم یوں کہو کہ ہمارے پوتے ہمارے بیٹے ہیں تو یہ صادق ہوگا، اور اگر یوں کہو کہ ہمارے بیٹے ہمارے پوتے ہیں تو یہ کاذب ہوگا تو شعر میں "بنونا" ہی محکوم بہ ہے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ ہمیشہ محمول کو نکرہ لانا جائز ہے اور افادہ قصر اگر اس کو امر کلی تسلیم کرلیں نفس حکم پر ایک زائد بات ہے، اور موضوع کبھی نکرہ محضہ نہیں لایا جاتا ہے تو اس لئے یوں نہ کہا جائے گا کہ الکرم تقویٰ یا الکرم دین یعنی جبکہ جملے کا جز ثانی مبتدا ٹھہرائیں تو اس کو نکرہ لانا جائز نہیں بلکہ تم یہ جملہ دوسرے جز کی تعریف کے ساتھ بولوگے اس لئے کہ حقیقت میں دوسرا جز ہی موضوع ہے اسی وجہ سے اگر اس جملے کا عکس کردو اور پہلے جز کو نکرہ کردو تو صحیح ہوگا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب تقویٰ کو مقدم کیا حکیم ترمذی کی گزشتہ حدیث میں تو "کرم" کو نکرہ لائے، اور دوسری حدیث میں جب اس کا عکس کیا تو "تقویٰ" کو معرفہ لائے۔ الٰہی! تیری پیہم نعمتوں پر تیرے لئے حمد اے شخص میں گمان نہیں کرتا کہ تو کم فہمی کی اندھیریوں

عــه: اشارہ الی انہ مع اشتہارہ فی کثیر من الناس الخ (المصنف)

التی جاءت مرۃ بتقدیم الکرم واخری بتصدیر التقوی من لمعات بوارق یکاد سناھا یختف ابصار الشبھات ولا سیما حدیث الترمذی مع ماتقرر فی الاصول ان اللام ان لاعھد فللاستغراق بال الجنس ایضا مفید اذحکمہ لابدوان یسوی فیہ الافراد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں ایسا بھٹکا ہو کہ تیرے اوپر ان چمکتی تجلّیوں سے تنبیہ ہونا دشوار ہو جن کی روشنی لگتا ہے کہ شبہات کی آنکھوں کو اچک لے گی جو ان احادیث میں ہیں جن میں کبھی کرم کو مقدم فرمایا اور کبھی تقوٰی کو صدر کلام میں لائے بالخصوص حدیث ترمذی باوجودیکہ اصول میں مقرر ہوچکا کہ لام جبکہ عہد کے لئے نہ ہو تو استغراق کے لئے ہوگا بلکہ جنس بھی مفید استغراق ہے اس لئے کہ ضروری ہے کہ جنس کے حکم میں سب افراد برابر ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اقول: سابعًا ان قیل لك اکرم الناس اتقاھم ثم من دونہ فی التقوٰی وھٰکذا یأتی ینزل تدریجا لاجرم ان تسلمہ وتقول ھذا لاریب فیہ لکنك لم تدران قد انصرفت عما اقترفت وقد اعترفت بما انحرفت، قل لی ماذا محصل قولك ان اکرم الناس یوصف اولًا بانہ اتقی وثانیًا بانہ قلیل التقوٰی وثالثًا بانہ اقل، ھل ھذا الا کلام مجنون تفوہ بلفظ فی الجنون وما دری وما عقل وھذہ الشناعۃ

اقول: سابعًا اگر تم سے کہا جائے کہ سب لوگوں سے زیادہ باعزت سب سے زیادہ پرہیزگار ہے پھر جو تقوی میں اس سے کم ہے اور اسی طرح سے تدریجًا کم سے کم تر کی طرف نازل ہو، لامحالہ تم اس کو تسلیم کروگے اور کہوگے کہ اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن تم نے نہیں سمجھا کہ تم اس سے پھر گئے۔ جس کا تم نے ارتکاب کیا تھا۔ اور انحراف کا اعتراف کرلیا مجھے بتاؤ تمہارے اس قول کا حاصل کیا ہے کہ اکرم الناس اولًا اتقی سے موصوف ہوتا ہے (سب سے زیادہ پرہیزگار) اور ثانیًا قلیل التقوٰی کے ساتھ اور ثالثًا اس سے بھی اقل کے ساتھ (یعنی اس صورت میں جب کہ جزِ ثانی یعنی اتقی کو محمول مانیں کیا یہ ایسے مجنون کا کلام نہیں۔ جو جنون میں لفظ

تکدر علیك زعمك العجیب فی کل ما جاء علی الترتیب وھو کثیر فی الاحادیث. قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "احب الاعمال الی اللہ الصلوٰۃ لوقتھا ثم بر الوالدین ثم الجھاد فی سبیل اللہ" اخرجہ الائمۃ احمد [1] والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی و النسائی عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فالمعنٰی علی زعمك ان احب الاعمال یوصف اولًا بانہ صلوٰۃ ثم یمکث فیصیر برا ثم یلبث فیعود جھادًا وھذا من اعجب ماسمع السامعون،	بولتا ہے اور سمجھتا ہے ورنہ اسے خبر ہوتی، اور یہ شناعت تمہارے زعم عجیب میں ان تمام احادیث کو مکدر کردے گی جن میں ترتیب کے ساتھ اعمال کی فضیلت بیان ہوئی اور یہ مضمون احادیث میں بہت ہے، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ کو سب کاموں سے زیادہ پیاری نماز ہے جو وقت پر پڑھی جائے۔ پھر ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک، پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔" اس حدیث کو روایت کیا احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تو تمہارے زعم پر معنٰی یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ محبوب کام پہلے صلوٰۃ کے ساتھ موصوف ہوتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر حسنِ سلوک بن جاتا ہے پھر کچھ دیر ٹھہر کر جہاد ہوتا ہے اور یہ سب سے زیادہ عجیب باتوں میں سے ہے جو سُننے والوں نے سُنی۔

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلوۃ باب فضل الصلوۃ لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۶، صحیح البخاری کتاب الجھاد باب فضل الجھاد لوقتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۰، صحیح البخاری کتاب الادب باب قولہ تعالٰی ووصینا الانسان بوالدیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۸۸۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون الایمان باللہ افضل الاعمال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۶۲، مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۱۰ و ۴۱۸۔۴۲۱ و ۴۳۹ و ۴۴۴ و ۴۴۸ و ۴۵۱، جامع الترمذی ابواب الصلوۃ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۴، جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی بر الوالدین امین کمپنی دہلی ۲/ ۳، سنن النسائی کتاب المواقیت فضل الصلوۃ لمواقیتھا نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۰۰، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب المحافظۃ علی الصلوات آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۶۱

تذئیل ایاك وان تظن ان تقدیم الخبر فی امثال هذا المقام قلیل فی فصیح الکلام حتی یعدتاویلا للمرام بل هو شائع تکثربل هو الاکثر الاوفر، ولو سرد نالك من الاحادیث الواردة علی هذاالمنوال لنافت علی مئاتٍ ورمیتنی بالاملال، ثم منها ما فی نفس الحدیث دلیل علی مانرید کتقدیم الصفات و تاخیر الذوات وغیر ذٰلك ومنها ما شرح الشارحون بعکس الترتیب من دون حاجة الی ماهنالك فعلم انه طریق شائع کثیرًا مایجری الکلام علیه وتتبادر الافهام الیه بلا احتیاج الی صوارف ولا توقف علی موقف ولو لاانا علی حذرمن الاطناب لارینا ك منها العجب العجاب، لکن لا باس ان نذکر طرفًا من احادیث اکثرها من القسم الثانی لانها اوضح فی المقصود وضوحًا جیلًا و نقدم علیها حدیثا ذکر فیه المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مقدمتین فاستنتج منهما العلماء کمثل صنیعنا فی الاٰیتین	**تذئیل** خبر دار یہ گمان نہ کرنا کہ ایسے مقامات میں خبر کو مقدم رکھنا کلام فصیح میں نادر ہے۔ یہاں تک کہ مقصود کے لیے تاویل کرنا ٹھہرے، بلکہ وہ بکثرت شائع ہے بلکہ یہی اکثر و اوفر ہے اور اگر ہم تم سے ان احادیث میں سے کچھ کا ذکر کریں جو اس طریقے پر وارد ہوئیں تو گنتی میں سینکڑوں سے زیادہ ہوں گی اور تم مجھے اکتا دینے پر تہمت لگاؤ گے۔ پھر ان میں سے وہ بھی ہے جو نفسِ حدیث میں ہمارے مدعا کی دلیل ہے جیسے صفات کو مقدم کرنا اور ذوات کو مؤخر کرنا اور اس کے علاوہ ان میں شارحین حدیث کا حدیث کی شرح میں ترتیب الٹ دینا بلا ضرورت، تو اس سے معلوم ہوا کہ خبر کو مقدم کرنا شائع ہے اور بسا اوقات کلام اس ڈھنگ پر چلتا ہے اور قرائن صارفہ کی حاجت کے بغیر لوگوں کی فہم اس کی طرف سبقت کرتی ہے اور کسی بتانے والے پر موقوف نہیں ہوتی اور اگر ہمیں تطویل کا ڈر نہ ہو تو ہم تمہیں ان احادیث کا عجیب و غریب نمونہ دکھاتے لیکن اس میں حرج نہیں کہ ہم ان احادیث کا ایک حصہ ذکر کریں جن میں اکثر قسم ثانی کے قبیل سے ہیں۔ اس لیے کہ وہ مقصود میں خوب واضح ہیں اور ہم پہلے ایک حدیث ذکر کریں جس میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو مقدمے ذکر کیے تو اس سے علماء نے نتیجہ نکالا، جس طرح دو آیتوں میں

لیکون ھذا اشدتنکیلا. انبأنا حسین الفاطمی عن عابد بن احمد عن صالح الفاروقی عن سلیمان الدرعی عن محمد الشریف، عن الشمس العلقمی عن الامام السیوطی عن احمد بن عبدالقادر بن طریف انا ابو اسحاق التنوخی انا ابوالحجاج یوسف بن الزکی المزی انا الفخر بن البخاری سماعًا بسماعه عن ابی حفص عمر بن طبرزد انا ابوالفتح عبدالملك ابن قاسم الکروخی، انا القاضی ابوعامر محمود بن القاسم الازدی وابوبکر احمد بن عبدالصمد الغورجی انا ابو محمد عبدالجبار الجراحی المروزی انا ابوالعباس محمد بن احمد بن المحبوب المحبوبی المروزی، انا الترمذی ثنا محمد بن یحیی نامحمد بن یوسف ناسفین عن ھشام بن عروۃ عن ابیه عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خیر کم خیر کم لاھله	ہم نے کیا تاکہ قید سخت ہو۔ ہم سے حدیث بیان کی حسین فاطمی نے، وہ روایت کرتے ہیں عابد بن احمد سے، وہ روایت کرتے ہیں صالح فاروقی سے، وہ روایت کرتے ہیں سلیمان بن درعی سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد شریف سے، وہ روایت کرتے ہیں شمس علقمی سے، وہ روایت کرتے ہیں امام سیوطی سے، وہ روایت کرتے ہیں احمد بن عبدالقادر ابن طریف سے، ہمیں خبر دی ابواسحٰق تنوخی نے۔ ہمیں خبر دی ابوالحجاج یوسف ابن زکی مزی نے۔ ہمیں خبر دی فخر الدین ابن بخاری نے۔ سماعًا ابو حفص عمر بن طبرزد سے سن کر۔ ہمیں خبر دی ابو الفتح عبدالملک ابن قاسم کروخی نے۔ ہمیں خبر دی قاضی ابو عامر محمود ابن قاسم ازدی اور ابوبکر احمد بن عبدالصمد غورجی نے۔ ہمیں خبر دی ابو محمد عبدالجبار جراحی مروزی نے، ہمیں خبر دی ترمذی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد ابن یحیٰی نے، حدیث بیان کی ہم سے محمد بن یوسف نے، حدیث بیان کی ہم سے سفیان نے، انہوں نے روایت کی ہشام بن عروہ سے انھوں نے روایت کی اپنے باپ سے۔ انہوں نے روایت کی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے۔ انہوں نے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

وانا خیر کم لاھلی واذا مات صاحبکم فدعوہ۔ھذا حدیث حسن صحیح [1] **قلت** ومروی ایضاعندابن ماجۃ [2] من حدیث ابن عباس وعندالطبرانی فی معجمہ [3] الکبیرعن معٰویۃ بن ابی سفٰین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین قال الامام العلامۃ الشارح عبدالرؤف المناوی فی التیسیر شرح الجامع الصغیرللامام المولٰی جلال الحق و الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیھما فانا خیر کم مطلقاوکان احسن الناس عشرۃ لھم [4] انتھی۔ **اقول:** یاھذاان ابدیت فرقابین ھذاالقیاس والقیاس	نے "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے بہتر ہو اور میں اپنی بیوی کے لیے تم سب سے بہتر ہوں جب تمہارا کوئی ساتھی مرجائے تو اسے چھوڑ دو" (یعنی اس کا ذکر برائی سے نہ کرو) یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ **قلت** (میں کہوں گا کہ) یہ حدیث ابن ماجہ کے یہاں منجملہ حدیث ابن عباس سے مروی ہے اور طبرانی کے یہاں ان کے معجم کبیر میں معاویہ ابن ابوسفیان رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے امام علامہ عبدالرؤف مناوی نے تیسیر شرح جامع صغیر مصنفہ امام مولٰی جلال الحق والدّین سیوطی رحمہما اللہ تعالٰی میں فرمایا "تو میں مطلقاً تم سب سے بہتر ہوں۔ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنے اہل کے ساتھ سب سے بہتر سلوک فرماتے تھے۔" **اقول:** (میں کہتا ہوں) اے شخص اگر تو اِس قیاس میں اور اُس قیاس میں جس کی صحت کا

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فضل ازواج النبی صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۹، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۱۳۱۲ المکتبۃ السلفیہ ص ۳۱۸، الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۲۸۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۰، الجامع الصغیر حدیث ۴۱۰۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۴۹

[2] سنن ابن ماجہ کتاب النکاح باب حسن معاشرۃ النساء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۴۳

[3] المعجم الکبیر حدیث ۸۵۳ مکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۹/ ۳۶۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر کم خیر کم لاھلہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۳۳

الذی تنکر صحتہ لشکرك المفضلة ابدا ما کانوا و لکن ھیھات ھیھات انّی لك ذٰلك اخرج احمد و الشیخان عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، خیر نساء رکبن الابل صالح نساء قریش [1]	تو منکر ہے فرق نمایاں کردے تو تفضیلیہ عمر بھر تیرے شکر گزار ہوں گے، لیکن ہیہات ہیہات تجھ سے کیونکر ایسا ممکن ہے۔امام احمد و بخاری و مسلم حضرت ابوہریرہ سے راوی، انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کی کہ فرمایا۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں۔
قال الفاضل الشارح فالمحکوم له بالخیریة الصالحة منھن لا علی العموم [2] اھ انظر کیف جعل الخیر محکومًا بہ اخرج احمد والترمذی والحاکم باسناد صحیح عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنھما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر الاصحاب عند اللہ خیر ھم لصاحبہ وخیر الجیران عنداللہ خیر ھم لجارہ [3] قال الفاضل الشارح "فکل	فاضل شارح نے فرمایا تو جن کے لیے سب سے بہتر ہونے کا حکم فرمایا گیا وہ قریشی عورتوں میں نیک عورتیں ہیں اور یہ حکم اپنے عموم پر نہیں دیکھو کس طرح شارح نے خیر کو محکوم بہ قرار دیا۔امام احمد۔ترمذی اور حاکم بسندِ صحیح حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اصحاب میں سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے سب سے بہتر ہو اور ہمسایوں میں اللہ کے نزدیک سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۵ و ۳۹۳، صحیح البخاری کتاب النکاح باب الی من ینکح وایّ النساء خیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۰، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل نساءِ قریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۰۸

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث خیر نساء رکبن مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۴۲

[3] مسند امام احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۶۸، المستدرك للحاکم کتاب المناسك خیر الاصحاب عنداللہ الخ دار الفکر ۱/ ۴۴۳، الجامع الترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی حق الجوار امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶

من کان اکثر خیرًا لصاحبه و جاره فهو افضل عند الله و العکس بالعکس [1] اھ اخرج احمد و ابن حبان والبیهقی عن سعید بن ابی وقاص رضی الله تعالٰی عنه باسناد صحیح عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم خیر الذکر الخفی [2] قال الفاضل الشارح "ای ما اخفاه الذاکر وستره عن الناس فهو افضل من الجهر [3] اھ. اخرج الطبرانی عن ابی امامة الباهلی رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم افضل الصدقة سر الی فقیر [4] قال الفاضل الشارح "قال تعالٰی "وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ" [5] اھ"	ہمسایوں کے لیے سب سے بہتر ہو۔ فاضل شارح نے کہا تو ہر وہ شخص جو اپنے ساتھی اور پڑوسی کے لیے کثیر الخیر ہو وہ اللہ کے نزدیک افضل ہے۔ اور اس کے برعکس ہو تو حکم برعکس ہے انتھی۔ امام احمد، ابن حبان اور بیہقی نے سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسندِ صحیح روایت کیا وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ سرکار نے فرمایا "سب سے بہتر ذکر ذکرِ خفی ہے" فاضل شارح نے کہا یعنی وہ ذکر جسے ذاکر خفیہ رکھے اور لوگوں سے چھپائے وہ ذکرِ جہر سے افضل ہے انتھی، طبرانی، ابن ماجہ، ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا، "سب سے بہتر صدقہ وہ ہے جو خفیہ طور پر فقیر کو دیا جائے" فاضل شارح نے کہا اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ "وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَ تُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ؕ"۔ انتھی

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الاصحاب الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن سعید بن ابی وقاص المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۷۲، موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۳۲۳ المکتبۃ السلفیہ ص ۵۷۷، شعب الایمان حدیث ۵۵۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۰۷

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث خیر الذکر مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۲۶

[4] المعجم الکبیر حدیث ۷۸۷۱ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/ ۲۵۹، الجامع الصغیر حدیث ۱۲۷۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۸۰

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث افضل الصدقہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۸۵

اقول: انظر فقد اخرت الأیۃ وقدم الحدیث، اخرج احمد والحاکم عن رجل من الصحابۃ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان افضل الضحایا اغلاھا واسمنھا[1] قال الفاضل الشارح فالاسمن افضل من العدد[2] اھ اخرج احمد والطبرانی فی الکبیر عن ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم افضل الاعمال الایمان باللہ ثم الجہاد ثم حجۃ برۃ تفضل سائر العمل[3]۔	**اقول:** دیکھو آیت کریمہ نے خیر کو (جو موضوع ہے) موخر کیا اور حدیث نے اس کو مقدم کیا۔امام احمد اور حاکم نے کسی صحابی سے دریافت کیا۔وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا "قربانی کے جانوروں میں سب سے بہتر سب سے قیمتی سب سے فربہ ہے۔" فاضل شارح نے کہا تو جو سب سے فربہ ہے وہ عدد سے افضل ہے اھ امام احمد اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت ماعز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی۔انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا "سب سے بہتر عمل اللہ پر ایمان رکھنا ہے پھر جہاد۔پھر حج مقبول تمام اعمال سے افضل ہے۔"
اقول: انظر الی ھذہ الکلمۃ الاخرۃ صدر بالافضل ثم اخرہ۔ اخرج ابوالحسن القزوینی فی امالیہ الحدیثیۃ عن ابی امامۃ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اس کلمہ میں دیکھو، پہلے افضل کو مقدم کیا پھر اس کو موخر لائے۔ ابوالحسن قزوینی اپنے امالی حدیثیہ میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی

[1] مسند احمد حنبل حدیث جدابی الاشد السلمی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۲۴، المستدرک کتاب الاضاحی باب افضل الضحایا الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۲۳۱

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ان افضل الضحایا مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۲

[3] مسند احمد بن حنبل حدیثِ ماعز رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۴۲، المعجم الکبیر حدیث ۸۰۹ المکتبۃ الفیصیلۃ بیروت ۲۰/ ۳۴۴و۳۴۵

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "ان اشد الناس تصدیقًا للناس اصدقهم حدیثا وان اشد الناس تکذیبًا اکذبهم حدیثا"[1] قال الفاضل الشارح فالصدوق یحمل کلام غیرہ علی الصدق لاعتقاد قبح الکذب والکذوب یتهم کل مخبر بالکذب لکونه شانه۔[2] اھ	وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔"سب سے زیادہ لوگوں کی تصدیق کرنے والا وہ ہے جس کی بات سب سے زیادہ سچی اور لوگوں کو سب سے زیادہ جھوٹا بتانے والا وہ ہے جو اپنی بات میں سب سے بڑا جھوٹا ہو۔" فاضل شارح نے فرمایا وہ سچا دوسرے کے کلام کو سچائی پر محمول کرتا ہے اس لیے کہ وہ جھوٹ کو بُرا جانتا ہے۔اور جھوٹا ہر مخبر کو جھوٹ کی تہمت لگاتا ہے اس لیے کہ جھوٹ بولنا اس کا کام ہے،اھ
اخرج احمد فی کتاب الزهد عن سلمان الفارسی واقفًا علیه و ابن لال وابن النجار عن ابی هریرۃ والسجزی فی الابانة عن ابن ابی اوفی رافعین الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اکثر الناس ذنوبًا یوم القیمة اکثرهم کلامًا فیما لایعنیه[3] قال الفاضل الشارح"لان	امام احمد نے کتاب الزھد میں حضرت سلیمان فارسی سے حدیث موقوف روایت کی اور ابن لال اور ابن نجار نے ابو ہریرہ سے اور سجزی نے ابانہ میں ابن ابی اوفٰی سے،ان سب نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مرفوعًا روایت کیا کہ فرمایا"سب لوگوں سے زیادہ قیامت کے دن اس کے گناہ ہوں گے۔جو سب سے زیادہ لایعنی باتیں کرے۔" فاضل شارح نے فرمایا اس لیے کہ

[1] کنزالعمال حدیث نمبر ۶۸۵۴ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۳۴۴،الجامع الصغیر حدیث نمبر ۲۲۰۲ دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحدیت حدیث ان اشد الناس تصدیقا دارالکتب العلمیه بیروت ۱/۳۱۱

[3] الجامع الصغیر بحواله ابن لال و ابن نجار حدیث نمبر ۱۳۸۶ دارالکتب العلمیه بیروت ۱/ ۸۶،کتاب الزهد ۸۱۱ دارالکتاب العربی دارالکتب العلمیه بیروت ص ۲۱۹

من کثر کلامه کثر سقطه فتکثر ذنوبه من حیث لا یشعر [1]"اھ اخرج البخاری فی التاریخ والترمذی و ابن حبان بسند صحیح عن عبدالله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان اولی الناس بی یوم القیمة اکثرهم علیّ صلٰوة [2]۔ قال الفاضل الشارح"ای اقربهم منی فی القیٰمة و احقهم بشفاعتی اکثرهم علیّ صلاة فی الدنیا لان کثرة الصلوة علیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم تدل علی صدق المحبة و کمال الوصلة فتکون منازلهم فی الاخرة منه صلی الله تعالٰی علیه وسلم بحسب تفاوتهم فی ذٰلك [3]اھ **اقول:** انظر شرح اولاً لفظ الحدیث	جس کا کلام کثیر ہوگا تو اس میں مہمل خلافِ شرع باتیں زیادہ ہوں گی تو اس کے گناہ بڑھیں گے اور اس کو شعور نہ ہوگا اھ۔ امام بخاری تاریخ میں اور ترمذی اور ابن حبان بہ سندِ صحیح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا" قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ مجھ سے قریب وہ ہوگا جو سب لوگوں سے زیادہ مجھ پر درود بھیجے گا۔ فاضل شارح نے فرمایا یعنی قیامت میں سب سے مجھ سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ میری شفاعت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود کی کثرت سچی محبت پر اور کمال ربط پر دلالت کرتی ہے۔ تو لوگوں کے مدارج حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قُرب میں اس امر میں لوگوں کے تفاوت کے حساب سے ہوں گے۔ **اقول:** دیکھو پہلے لفظ حدیث کی شرح

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اکثر الناس ذنوبا یوم القیٰمة مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۰

[2] جامع الترمذی ابواب الوتر باب ماجاء فی فضل الصلوة علی النبی امین کمپنی دہلی ۱/ ۶۴، الجامع الصغیر حدیث ۲۲۴۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/ ۱۳۶

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ان اولی الناس بی الخ مکتبة الامام الشافعی ریاض ۱/ ۳۱۶

ثم علل بما لایستقیم الاعلی جعل الاولٰی محکومًا بہ،وابین من ھذا ان العلماء المحدثین افاض اللہ علینا من برکاتھم استدلوا بھٰذا الحدیث علٰی فضل اھل الحدیث،وانھم اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لانھم اکثر الناس صلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایذکرون حدیثا الاو یصلون فیہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عشرًا وخمسًا او مرتین اومرۃ لا اقل کما ھو معلوم مشاھد والحمد للہ۔	کی پھر علت وہ بیان کی جو اسی صورت میں ٹھیک بیٹھتی ہے جب کہ حدیث میں (وارد) لفظ اولٰی کو محکوم بہ ٹھہرائیں اور اس سے روشن تر یہ ہے کہ علماء محدثین نے (اللہ تبارک و تعالٰی ہمارے اوپر ان کی برکتیں برسائے) اس حدیث سے علماء حدیث کی فضیلت پر استدلال کیا۔اور اس پر دلیل پکڑی کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے قریب ہیں اس لیے کہ وہ سب سے زیادہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔جب کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر دس مرتبہ یا پانچ مرتبہ یادو مرتبہ یا کم از کم ایک مرتبہ درود پڑھتے ہیں جیسا کہ معلوم ہے اور اس کا مشاہدہ ہے۔والحمدللہ،
ارایتك ھذا الاستدلال الیس علٰی طبق احتجاجنا بالاٰیتین حذوا بحذو وسواء بسواء۔ثمّ من تمام نعمۃ اللہ ان جاء حدیث عند البیھقی برجال ثقات عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اکثروا من الصلوۃ علی فی کل یوم جمعۃ فان صلوۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ فمن کان اکثرھم علی	مجھے بتاؤ کیا استدلال ان دونوں آیتوں سے ہمارے استدلال کے بالکل مطابق نہیں۔پھر اللہ تبارک و تعالٰی کی تمامی نعمت سے یہ ہے کہ ایک حدیث بیہقی میں ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آئی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا کہ فرمایا کہ ہر جمعہ کے دن بکثرت درود بھیجو اس لیے کہ تمہارا درود ہر جمعہ کے دن میرے اوپر پیش ہوتا ہے توسب سے زیادہ جو میرے اوپر درود بھیجے گا وہ درجے

صلوٰۃ کان اقربھم منی منزلۃ"[1] فعلم انہ لایبالٰی فی امثال المقام بتقدیم ولا تاخیر لعدم الا لتباس والسرفیہ ما القیناعلیك ان ھذہ احکام شرعیۃ لایطلع علیھاالا باطلاع الشارع فھی التی تلیق ان تجعل محمولات،ولا تسبق الاذھان الا الٰی ذلك مقدمۃ جاءت اومؤخرۃ وھذا کلّہ واضح جلی کاد ان یقال بدیھی واولٰی لایسوغ انکارہ الا لجاھل خرف اومتجاھل متعسف،ونخشی ان یعد اکثار نا ھذا من اقامۃ الدلائل علیہ شبیھا بالعبث عند العلماء لان اٰذانھم ممتلئۃ بالوف الاف من امثال تلك المحاورات،وھم العارفون باسالیب الکلام ومجاری البیان فی مناھج المرام ،فحاشاھم ان یتعسر علیھم تمییز محمول من(ھٰھنا سقط ظاھر ولعل العبارۃ ھکذا ان یخطر ببالھم)یحط ببالھم نحوھذہ الخدشات، لکنی ،اتنصل الیھم وعذری ان شاء اللہ تعالٰی واضح لدیھم

میں سب سے زیادہ مجھ سے قریب ہوگا۔تو معلوم ہوا کہ ایسے مقامات میں تقدیم و تاخیر کی پرواہ نہیں کی جاتی اس لیے کہ اشتباہ نہیں ہوتا اور اس میں سر وہی ہے جو ہم نے بتایا۔تو یہ احکامِ شرعیہ ہیں جن پر بغیر شارع کے بتائے اطلاع نہیں ہوتی۔تو یہی اس کے لائق ہیں کہ محمول بنائے جائیں۔اور اذہان کی سبقت انہیں کی طرف ہوتی ہے خواہ مقدم آئیں یا مؤخر،اور یہ سب واضح و روشن ہے۔قریب ہے کہ اس کو بدیہی و اولٰی کہا جائے اس کا انکار جاہل بے خرد یا جاہل بننے والے معاند کے سوا کسی کو نہ بن پڑے گا اور ہم کو ڈر ہے کہ ہمارا اس پر بکثرت دلائل قائم کرنا علماء کے نزدیک عبث کے مشابہ قرار دیا جائے۔اس لیے کہ ان کے کان اسی قسم کے ہزاروں محاورات سے بھرے پڑے ہیں اور وہ کلام کے اسالیب سے اور مقصود کے طریقوں میں بیان کی راہوں سے آگاہ ہیں۔تو وہ اس سے منزہ ہیں کہ انہیں محمول کی تمیز موضوع سے دشوار ہو اور یہ ان کے ذہن میں ایسے خدشات جگہ پائیں۔لیکن میں ان کی طرف معذرت کرتا ہوں اور میرا عذر ان کے نزدیک ظاہر ہے اس لیے کہ میری مثال اور ان لوگوں کی مثال جو میری نہیں مانتے

[1] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایؤمر بہ فی لیلۃ الجمعۃ الخ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۳/ ۲۴۹

فانما مثلی ومثل الذین لاینقادون لی کجمال شردت عن صاحبہا فھو یقصداسرھا ویقتفی اثرھا لا تعلوشرفا ولاتھبط وادیا الا اتبعھا۔

ان اونٹوں کی سی ہے جو اپنے مالک کے پاس سے بھاگ کھڑے ہوں تو ان کا مالک ان کو پکڑنے کا قصد کرے اور ان کے پیچھے پیچھے چلے وہ کسی بلندی پر نہ چڑھیں اور نہ کسی گھاٹی میں اتریں مگر یہ کہ وہ ان کا پیچھا کرتا ہو۔

تکمیل: ومن ھٰھنا بان لك ان ماقالت النحاۃ من وجوب تقدیم المبتداء علی الخبر اذاکان معرفتین او متساویین امرا کثری لاکلی وانما المعنی علی اللبس و اذ لیس فلیس، بذٰلك صرح الشراح و لا یغرنك اطلاق المتون فانھا ربما تمشی علی الاطلاق فی مقام التقیید فی علم الفقہ فکیف بغیرہ من الفنون۔

تکمیل: یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ نحویوں نے جو یہ کہا کہ مبتداء کو خبر پر مقدم کرنا ضروری ہے۔ جب دونوں معرفہ ہوں یا تنکیر و تعریف میں دونوں برابر ہوں یہ اکثری قاعدہ ہے کلی قاعدہ نہیں اور معنٰی یہی ہے کہ مبتدا کی تقدیم ایسی صورت میں اس وقت واجب ہے۔ جب کہ التباس کا اندیشہ ہو اور جب التباس کا اندیشہ نہ ہو تو واجب نہیں۔ شارحین نے اس کی تصریح کی تو ہرگز تمہیں متون کا اس مسئلہ کو مطلق کرنا دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ متون تو بسا اوقات اطلاق کی راہ پر چلتے ہیں مسئلہ کو مقید رکھنے کے مقام میں علم فقہ میں تو تمہارا کیا گمان ہے فقہ کے سوا دوسرے فنون میں،

انبانا مفتی الحرم عن ابن عمر عن الزبیدی عن یوسف المزجاجی عن ابیہ محمد بن علاء الدین عن حسن العجیمی عن العلامۃ خیر الدین الرملی عن ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار قال فی منح الغفار "ان العجب من اصحاب المتون

ہمیں خبر دی مفتی حرم نے، وہ روایت کرتے ہیں ابن عمر سے، وہ روایت کرتے ہیں زبیدی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں یوسف مزجاجی سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ محمد بن علاء الدین سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حسن عجیمی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں خیر الدین رملی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنفِ تنویر الابصار سے، انہوں نے منح الغفار میں فرمایا اصحابِ متون سے تعجب ہے اس لیے کہ وہ اپنے

فانهم يتركون فى متونهم قيودا لابدمنها وهى موضوعة لنقل المذهب فيظن من يقف على مسائله الاطلاق فيجرى الحكم على اطلاقه وهو مقيد فيرتكب الخطاء فى كثير من الاحكام فى الافتاء والقضاء [1] انتهى	متون میں ضروری قیدیں چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ متون نقل مذہب کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جو متن کے مسائل سے واقف ہوتا ہے وہ حکم کو مطلق گمان کرتا ہے تو اس حکم کو اس کے اطلاق پر جاری کرتا ہے حالانکہ وہ مقید ہوتا ہے تو وہ خطا کر جاتا ہے فتوٰی اور قضا کے دوران بہت سارے احکام میں۔ انتہی۔
انبانا السراج بالسندالمذكور الى العلامة الغزى عن العلامة زين بن نجيم المصرى قال فى البحر الرائق "قصد هم بذلك ان لايدعى علمهم الا من زاحمهم عليه بالركب وليعلم انه لايحصل الا بكثرة المراجعة وتتبع عباراتهم و الاخذعن الاشياخ [2]۔ انتهى	ہمیں خبر دی سراج نے علامہ غزی تک اسی سند مذکور سے۔ انہوں نے روایت کیا علامہ زین ابن نجیم مصری سے۔ انہوں نے بحر الرائق میں فرمایا کہ اس طریقے سے ان کا قصد یہ ہے کہ ان کے علم کا دعوٰی وہی کرے جو زانوؤں سے ان کا مزاحم ہو اور تاکہ معلوم ہو کہ یہ علم کثرت مراجعت اور فقہاء کی عبارات کی تلاش اور مشائخِ فن سے حاصل کیے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ انتہی۔
اقول: وقد و الله رأينا تصديق هذا فى كثيرمن ابناء الزمان ممن تصدربالدعوى وتصدى للفتوى، وما عنده ما يرد عن الطغوى فمنهم من افتى بتوريث المنكوحة بالنكاح الفاسد وأخر ببطلان تزويج الام الصغيرة من دون حضرة العم	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور بے شک بخدا میں نے اس کی تصدیق آج کل کے ان لوگوں میں وہ پائی جو زبانی دعوٰی سے خود صدر بن بیٹھے اور فتوٰی دینے کے درپے ہوئے حالانکہ ان کے پاس وہ علم نہیں جو انہیں حد سے گزر جانے سے باز رکھے ان میں کچھ وہ ہیں جنہوں نے نکاح فاسد سے بیاہی گئی عورت کے وارث ہونے کا فتوٰی دیا تو ان میں سے کسی دوسرے نے یہ فتوٰی دیا کہ چچا کی

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد فصل فی کیفیة القسمة داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۳۵

[2] ردالمحتار بحواله البحر الرائق کتاب الصلوة باب صفة الصلوة العربی بیروت ۱/ ۳۰۳

منع انہ متوقف لاباطل، واخر باعطاء المسمّٰی من نکحت فی عدۃ اختھا واُخر بتحریم بیع ھذہ القراطیس الافرنجیۃ المقدرۃ بقدر معلوم من الدراھم بما یزید علی ھذا المقدار اوینقص ظنا منہ انہ ربٰومع عدم الا تحادجنسا ولا قدرًا۔ واُخر بتجویز اخذ الربٰو من کفار الھند زعما منہ انہادار الحرب مع عدم الانقطاع عن دار الاسلام من کل جانب وشیوع بعض الشعائر الاسلامیۃ قطعًا۔ واُخر بحل ماقطع من حیوان حی اُخذا من قول الھدایۃ وما ابین من الحی"وان کان میتافمیتہ حلال"[1] حتی انتھت ریاسۃ الفتوٰی و انتمت السیادۃ الکبرٰی الی من اباح بنت الاخ رضاعًا، وتقدمہ مجتھداُخر فجوز نکاح العمۃ النسبیۃ فالی اللہ المشتکی من فساد الزمان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وسیعلم ھذا من جرب	غیر موجودگی میں ماں کو صغیرہ (نابالغہ) کا عقد کردینا باطل ہے حالانکہ یہ متوقف ہے نہ کہ باطل ہے۔ اور کسی دوسرے نے فتوٰی دیا کہ اس عورت کو جو اپنی بہن کی عدت میں شادی کرے مہر مسمّٰی دیا جائے گا۔ اور دوسرے نے ان افرنگی کاغذوں کو جن پر روپوں کی ایک معین مقدار سے زائد یا کم پر بیچنے کو حرام ہونے کا فتوٰی دیا اپنی طرف سے اس گمان کی بناء پر کہ یہ تبادلہ سود ہے حالانکہ نہ جنس میں اتحاد ہے نہ مقدار میں۔ اور ایک اور نے فتوٰی دیا کہ ہندی کافروں سے سُود لینا جائز ہے اس زعم پر کہ ہندوستان دارالحرب ہے۔ حالانکہ یہ ملک دارالاسلام ہے ہر جانب سے کٹا ہوا نہیں اور بعض اسلامی شعار یقینا جاری ہیں۔ اور ایک نے فتوٰی دیا کہ زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا جائے حلال ہے۔ ہدایہ کی اس عبارت سے "اور اگر مردہ ہو تو اس کا مردار حلال ہے۔" اس مسئلہ کو اخذ کیا یہاں تک کہ ریاست اسی فتوٰی تک پہنچی اور سیادتِ کبرٰی اس سے منسوب ہوئی جس نے رضاعی بھائی کی لڑکی سے نکاح حلال ٹھہرایا۔ اور ایک دوسرا مجتہد اس سے آگے بڑھا تو اس نے حقیقی پھوپھی کا نکاح جائز ٹھہرا دیا تو فسادِ زمانہ کی شکایت اللہ ہی سے ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ تو عنقریب اس کو وہ جان لے گا جو میرے جیسے تجربہ کرے گا،

[1] الھدایۃ کتاب الذبائح فصل فیما یحل اکلہ ومالا یحل مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۲۴۱

مثل تجربتی، اسأل الله تطهیر جنانی و تقویم لسانی وتسدید بنانی فبه اعتصامی وعلیه کلانی امین،	اللہ سے میں اپنے قلب کی پاکی اور زبان کی درستگی اور ہاتھ کی صلاح طلب کرتا ہوں تو اسی سے میری حفاظت ہے اور اسی پر میرا بھروسا ہے۔ یاالٰہی۔ قبول فرما،
تسجیل: ولعلك تقول لقد کشفت النقاب ورفعت الحجاب فبین لی ماالنکتة فی تقدیم الخبر وانما حقه ان یوخر، **قلت** نعم فیه نکت بدیعة منها ان المحکوم به لما کان خفیا والمحکوم علیه مدرکا جلیا اشبه الاول بالمعرف والاخر بالتعریف فاستحسن تقدیمه لیکون الاخیر کالتعریف له۔ ومنها تشویق السامع لان النفوس متطلعة الی علم مالا تعلم فاذا سمعت بما هو خفی لدیها ورجت ان یذکر بعده ما یظهره علیها توجهت للاستماع وتفرغت للاطلاع فکان الکلام اوقع وامکن والنفس الیه امیل و اسکن۔ ومنها ان الاعمال لا تقصد فی الشرع لذواتها بل لما یترتب علیها	**تسجیل:** اور شاید تم کہو بے شک تم نے نقاب اٹھادیا اور حجاب کو دُور کردیا تو مجھ سے بیان کرو کہ خبر کو مقدم کرنے میں کیا نکتہ ہے حالانکہ اس کا حق یہ ہے کہ اس کو موخر رکھا جائے۔ **میں کہوں گا** ہاں اس میں بدیع نکتے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ محکوم بہ (خبر) جب کہ پوشیدہ ہو اور محکوم علیہ (مبتداء) ادراک میں ظاہر ہو تو پہلا (خبر) معرّف کے مشابہ ہوگا اور دوسرا (مبتدا) تعریف کے مشابہ ہوگا۔ لہٰذا اس کو مقدم کرنا مستحسن ہے تاکہ لفظ اخیر اس کے لیے تعریف کے مانند ہو جائے اور انہیں نکتوں میں سے سننے والوں کو شوق دلانا ہے اس لیے کہ نفوس انجانی بات کو جاننے کے لیے ہمکتے ہیں تو جب کسی ایسی چیز کو سنیں گے جو ان کے نزدیک پوشیدہ ہے اور امید رکھیں گے کہ اس کے بعد وہ ذکر کیا جائے جو ان پر ظاہر ہے۔ تو سننے کے لیے متوجہ ہوں گے اور جاننے کے لیے فارغ ہوں گے تو اس صورت میں کلام زیادہ دلنشین اور راسخ ہوگا اور نفس کو اس کی طرف زیادہ میلان اور سکون ہوگا۔ اور ان میں سے یہ ہے کہ شریعت میں اعمال اپنی ذات کے لیے مقصود نہیں ہوتے۔

من ثمراتها فضلا من المولی سبحٰنه وتعالٰی۔فکانت الثمرات هی المقاصد وحق المقاصد ان تقدم الی غیر ذلك مما لا یخفی علی اولی الالباب وفیما ذکرنا ما یغنی عن الاطناب والحمد لله رب العٰلمین هذا کله مما حبانی الملك الجواد تبارك وتعالٰی فقد بان لك صدق فی قولی ان هذا الزاعم لاخبرة له بمناهج الکلام فی النصوص ولا باسباب النزول فی هذا الخصوص ولا بالتفسیر المرفوع الی الجناب الرفیع و لا بتصریح القادۃ فی کلامهم البدیع ولا بشیئ مما خلا والحمد لله جل وعلا۔	بلکہ ان ثمرات کے لیے مقصود ہوتے ہیں جو ان پر مرتب ہوتے ہیں اللہ تبارک و تعالٰی کے فضل سے لہٰذا وہ ثمرات ہی مقاصد ہیں اور مقاصد کا حق یہ ہے کہ ان کو مقدم کیا جائے۔ اس کے علاوہ اس میں اور بھی نکتے ہیں جو عقل والوں پر پوشیدہ نہیں۔اور جو ہم نے ذکر کیا ان میں تطویل سے بے نیازی ہے۔یہ سب ان عنایتوں سے ہے جو اللہ تبارک و تعالٰی نے مجھے عطا کی۔اب تمہیں میری سچائی ظاہر ہو گئی میری اس بات میں کہ اس زعم والے شخص کو نصوص میں کلام کے طریقوں کی خبر نہیں نہ ان نصوص میں اسباب نزول کو جانتا ہے۔اور نہ جنابِ رفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی تفسیر مرفوع سے خبر ہے اور نہ رہنمایانِ شریعت کی ان کے کلام بلیغ میں تصریحات کی واقفیت ہے اور نہ ان چیزوں سے جن کا ذکر گزرا اس کے پاس کچھ نہیں۔والحمد للہ جل وعلا۔
من وجوہ الجواب عن هذا الارتیاب اقول:بتوفیق الوهاب لئن جئنا علی المماکسة والاستقصاء لما ترکنا کم ان تزعموا ان الایة لا تقتضی باکرمیة الاتقی وان سلمنا الموضوع	اس شبہہ کے جواب میں دوسری وجہ۔میں اللہ وہاب کی توفیق سے کہتا ہوں اگر ہم اس بحث کا دائرہ بند کرنے پر اور حد تک پہنچانے پر آجائیں تو ہم تم کو نہ چھوڑیں کہ تم یہ کہو کہ آیت اتقی کی فضیلت کا تقاضا نہیں کرتی۔اگرچہ ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آیت میں اکرم ہی

هوالاکرم وذٰلك لان اتقٰکم واکرمکم لایصدقان بل لایصلحان لان یصدقا الاعلی واحد ولا یجوز تعددهما بمعنی الصدق مرة علی هذا واخری علی ذاك فاذا ثبت اتحادهما فی الوجود کما هو مقتضی الحمل وجب التعاکس اذلما اتحد مصداقهما وقد علمنا بطلان التعدد کانا کعلمین لجزئی واحد،لك ان تجعل ایهما شئت مرآة لملاحظة وایهما شئت محمولًا علیه و له نظائر جمة تقول افضل الانبیاء اولهم خلقا واکرم الرسل اٰخرهم بعثًا۔واحسن الجنّٰت اقربها الی العرش واعظم شجرة فی الجنة طوبٰی۔ ومنتهی جبریل سدرة المنتهٰی،وافضل الصلوة الصلوة والوسطی،وابوك ابوه۔وامك امه،و اول من دخل اٰخرمن خرج،واقل الاعداد اول الاعداد،و الشمس النیرالاعظم۔واعلی	موضوع ہے یہ اس وجہ سے کہ اتقاکم اور اکرمکم صادق نہیں آتے بلکہ ان میں صلاحیت ہی نہیں اس کی کہ وہ ایک ذات واحد پر صادق آئیں تو ان دونوں کا تعدد جائز نہیں بایں معنی کہ کبھی اس پر صادق ہوں اور کبھی اس پر صادق ہوں کہ جب ان کا وجود میں اتحاد ثابت ہوگیا تو دونوں کا باہم عکس ضروری ہوااس لیے کہ جب دونوں کا مصداق ایک ہے اور ہم نے تعدد کا باطل ہونا جان لیا تو یہ دنوں ایک ذات واحد کے دو علم کی مثال ہوئے تمہیں اختیار ہے کہ جن کو چاہو ذات کے لیے مراۃ ملاحظہ بناؤ۔اور جن کو چاہو محمول علیہ بناؤاور اس کی بہت ساری مثالیں ہیں تم کہتے ہو سب نبیوں سے افضل وہ ہیں جو سب سے پہلے مخلوق ہوئے اور سب رسولوں سے اکرم وہ ہیں جو سب کے بعد مبعوث ہوئے۔اور سب جنتوں سے بہتر وہ جنت ہے جو سب سے زیادہ عرش سے قریب ہے۔اور جنت میں سب سے بڑا پیڑ طوبٰی ہے۔۔اور جبریل کا منتہٰی سدرۃ المنتہٰی ہے اور سب نمازوں سے بہتر بیچ کی نماز (عصر) ہے۔ اور تمہارا باپ اس کا باپ ہے اور تمہاری ماں اس کی ماں ہے۔اور سب سے پہلے داخل ہونے والا سب کے بعد نکلنے والا ہے۔اور عدد میں سب سے کمتر پہلا عدد ہے۔اور سورج نیرِ اعظم ہے

الافلاك اكبرها حجما، واخص الكليات اقلها افرادًا و فلك جوز هو فلك القمر و سيارة لا تدوير لها ذكاء و المتحيرة السوداء زحل، والخانس الكانس الاحمر مريخ الى غير ذلك ممالايعد ولايحصى ومحال ان تبدى مثالا يحمل فيه افعل مضافا على افضل مضافا الى اضيف اليه الاول مع جريا نهما على معناهما الحقيقى ثم لايصح العكس،

فاذا صدقت القضية بالنظر الى الواقع كفانا هذا الانتظام القياس واستنتاج المدعى، والسرفى ذلك ان الموجبات انما تنعكس الى مالا يصلح لكبروية الاول لجواز عموم المحمول واذا كان هناك مفهومان ليس لكل منهما الامصداق واحد بحسب ظرف الخارج اوالذهن ايضًا بطل عمومهما بحسب ذلك الظرف (فلايجوزان يكون احدهما اعم من الأخر بمعنى شموله له ولغيره فى ذلك الظرف) فلم يبق باعتباره الا التساوى) اوالتباين ولا ثالث لهما، فان صدقت الحملية القائلة ان هذا ذاك

اور سب سے اونچا فلک حجم میں سب سے بڑا ہے۔ اور خاص تر کلی سب سے کم افراد والی ہے اور فلک جوز فلک قمر ہے۔ اور وہ سیارہ جس میں گولائی نہیں وہ سورج ہے اور سیارہ سیاہ متحیرہ زحل ہے اور سیدھے چل کر اُلٹے پھرنے والا اور غائب ہو جانے والا سرخ سیارہ مریخ ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری مثالیں جن کی گنتی اور شمار نہیں۔ اور محال ہے کہ تم ایسی مثال ظاہر کرو جس میں افعل التفضیل مضاف ہو کر دوسرے افضل التفضیل پر محمول ہو درانحالیکہ وہ اس کی طرف مضاف ہو جس کی طرف پہلا مضاف ہوا ہے اور اسی کے ساتھ دونوں اپنے معنی حقیقی پر جاری ہوں پھر ان دونوں کا عکس صحیح نہیں۔

تو جب قضیہ نظر بنفس الامر صادق ہے تو ہمیں نظم قیاس اور مدعا کا نتیجہ حاصل کرنے کے لیے یہی کافی ہے اور اس میں راز یہ ہے کہ موجبہ قضیے کا عکس وہ آتا ہے جو شکل اول کے کبرٰی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے کہ محمول کے عموم کا احتمال ہے اور جب کہ دو مفہوم وہاں ایسے ہوں کہ جن میں سے ہر ایک کے مصداق کا اعتبار اس کے محل خارجی کے اعتبار سے ایک ہو یا ذہن میں بھی متحد ہو تو ان دونوں کے مفہوم کا عموم باعتبار اس محل کے باطل ہے تو اس کے اعتبار سے نہ رہی مگر تساوی یا تباین اور ان دونوں کا ثالث نہیں تو اگر قضیہ حملیہ جس میں یہ دعوٰی ہو کہ بے شک یہ شخص وہی ہے تو ضروری ہے کہ یہ قضیہ

وجب صدق القائلة ان ذاك هذا والالجاز السلب فیتباینان فتبطل الاولٰی هف فاذا بلغنا مثلاً عن رجل قولان احدهما قوله لعمرو زید ابوك والأُخر قوله ابی ابوك امکن لنا ان نعمل من قولیه شکلاً ینتج ان زیدا ابی لانه اذا صدق قوله ابی ابوك لزم صدق ابوك ابی والا لتعدد ابواهما فبطل الاول واذا صدقت هذه انتظم الشکل بان زیدا ابوك وابوك ابی فزید ابی، وافعل التفضیل مضافًا الی جماعة اذا کان باقیًا علٰی معناہ الحقیقی المتبادر منه شانه هذا، اذلا یکون الفرد الاکمل من جماعة الاواحدا ولن یصدقن ابدا قضیتان قائلتان بان هذا اکملهم و ذلك اکملهم معًا وهذا ظاهر جدا بل شان هذا انور من شان الشمس واخواتها فان العقل

حملیہ صادق آئے کہ وہ شخص یہی ہے ورنہ اس کا سلب جائز ہوگا تو آپس میں دونوں متباین ہوں گے تو پہلا قضیہ باطل ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے لہٰذا اگر ہمیں ایک شخص سے دو باتیں پہنچیں ان میں سے ایک اس کا قول عمرو سے مخاطب ہو کر کہ زید تیرا باپ ہے اور دوسرا اس کا قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے تو ہمیں ممکن ہے کہ ہم اس کے دونوں قول سے ایک شکل بنائیں تو یہ نتیجہ دیں کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ جب اس کا یہ قول کہ میرا باپ تیرا باپ ہے صادق ہے تو لازم ہے کہ یہ قول صادق ہو کہ تیرا باپ میرا باپ ہے ورنہ ان دونوں کے باپ متعدد ہوں گے تو پہلا قول باطل ہو جائے گا اور جب یہ قضیہ صادق ہے تو شکل اسی طور پر بنے گی کہ زید تیرا باپ ہے اور تیرا باپ میرا باپ ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ زید میرا باپ ہے۔ اور افعل التفضیل جو ایک جماعت کی طرف مضاف ہو جب وہ اپنے اس معنی حقیقی پر باقی ہو جو اس سے متبادر ہوتے ہیں تو اس کی شان یہی ہوتی ہے اس لیے کہ کسی جماعت سے فرد اکمل ایک ہوگا اور ہرگز کبھی ایسے دو۲ قضیے صادق نہ آئیں گے جو یہ دعوی کرتے ہوں کہ یہ شخص ساری جماعت سے اکمل ہے اور وہ شخص ساری جماعت سے افضل ہے۔ اور یہ سب ظاہر ہے بلکہ اس کا معاملہ سورج اور اس کے امثال کے ظہور سے روشن تر ہے اس لیے کہ عقل

يجيز صدقها علی افراد کثیرة ثبیرة واذا وجدلها فی الخارج فرد لم یستبعد وجود اٰخر بخلاف افعلهم فانما یقبل الاشتراك علی سبیل البدلیة واذا صدق فی الخارج علی فرد حال العقل صدقه علی اٰخر منحازًا عنه کدأب اسماء الاشارة سواء بسواء فصدق العکس ھٰھنا ابین واجلی،واما قول اهل المیزان لا تنعکس الموجبة الاجزئیة معنا ہ ان کلما جعلت موضوع موجبة کلیة محمولًا و محمولها موضوعًا و اتیت بسورا لکلیة کانت القضیة کاذبة،فان الواقع یکذبه بل المعنی عدم الاطراد،وهم لا اقتصرنظر هم علی الکلیات لایعتدون الا بالمطرد المضبوط الذی لایتخلف فی مادة من المواد،وعدم الاطراد لا یستلزم المراد العدم،ولا اقول:انه عکس منطقی،و لاانهاتلزم القضیة لزومًا عامًا لکنهاتلزم فی امثال المقام لاشک،فتصدق القضیة بالنظر الی الواقع	شمس وغیرہ کے مفہومات کا صادق آنا بہت سارے افراد پر جائز جانتی ہے اور جب ان مفہومات کا خارج میں کوئی فرد پایا جائے تو عقل دوسرے فرد کے وجود کو بعید نہیں جانتی.بخلاف اَفعَلُھُم کہ یہ تو اشتراک کو بر سبیل بدلیت قبول کرتا ہے اور جب خارج میں کسی فرد پر اس کا مصداق پایا جائے تو عقل محال جانتی ہے کہ افعل التفضیل کا مصداق دوسرے پر صادق آئے جو اس سے منفرد ہو اس کا معاملہ اسمائے اشارہ کے مانند برابر برابر ہے تو یہاں پر عکس کا صادق ہونا روشن تر اور ظاہر تر ہے۔رہا منطق والوں کا یہ قول کہ موجبہ کا عکس نہیں ہوتا مگر جزئیہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب کبھی تم موجبہ کلیہ کے موضوع کو محمول بناؤ اور اس کے محمول کو موضوع بناؤ اور اس پر کلیہ کا سور لاؤ تو قضیہ کاذب ہوگا اس لیے کہ واقعہ اس بات کو جھٹلاتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ مطرد نہیں اور منطقیوں کی نظر چونکہ کلیات تک محدود ہوتی ہے تو وہ اعتبار نہیں کرتے مگر اس مفہوم کا جو مطرد و مضبوط ہو مواد میں سے کسی مادہ میں جس کا حکم متخلف نہ ہو اور عدمِ اطراد اطراد عدم کو مستلزم نہیں ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ یہ عکس منطقی ہے۔نہ یہ دعوی کرتا ہوں کہ یہ قضیہ کو عام طور پر لازم ہے لیکن اس مقام کے امثال میں بلاشبہہ عکس لازم ہوتا ہے تو قضیہ منعکسہ واقعہ پر نظر کرتے ہوئے

www.dawateislami.net
Majlis of Dawateislami

سمّاھا المیزانیون عکسًا اوّلًا وھذا القدر یکفی لانتظام الشکل فان صادقتین مستجمعتین للشرائط لا تنتجان الاصادقۃ ولایلزم اثبات الصدق علی انھا عکس منطقی لقضیۃ صادقۃ وانکار ھذا من اخنی المکابرات۔ثم ھذاالعکس لم یرشدنا الیہ الا الاٰیۃ الکریمۃ اذھی التی دلتنا علی اتحادھما فی الوجود فاذا کان ھذا فی مفھومین لاتعدد لمصداق شیئ منھما ان ارشادًا الی التعاکس قطعًا کما اذا سمعت رجلًا یقول ابی زید جازلك ان تقول کان الرجل یقول زیدا بی لان زیدًا لایتعدد وابوالرجل لایتعدد فاذا کان ابوہ زیدا کان زید اباہ کذا ھذا من دون شك ولا اشتباہ الحمد للہ علی نعمائہ وعلیك بتسکین الھواجس یافلسفیاہ۔	صادق ہے اہل منطق نے اس کا نام عکسِ اول رکھا ہے اور اتنی مقدار انتظام شکل کے لیے کافی ہے اس لیے کہ دو قضایا صادقہ جو شرائط کے جامع ہوں ایک قضیہ صادق ہی کا نتیجہ دیں گے اور صدق کا ثابت کرنا اس پر موقوف نہیں کہ وہ قضیہ صادقہ عکس منطقی ہو اور اس کا انکار نہایت بے شرمی کے مکابرات میں سے ہے۔پھر اس عکس کی طرف آیت کریمہ نے ہی رہنمائی کی کہ اس لیے کہ اس نے ہم کو یہ دکھایا کہ دونوں قضیے وجوب میں متحد ہیں توجب یہ حال ایسے دو مفہوموں میں ہے کہ ان میں سے کسی شے کا مصداق متعدد نہیں تو یہ یقینًا دونوں قضیے کے باہم منعکس ہونے کی طرف رہنمائی ہے جیسے کہ تم جب کسی شخص کو کہتے سنو کہ میرا باپ زید ہے تو تمہیں جائز ہے کہ تم کہو گویا کہ یہ شخص یوں کہہ رہا ہے کہ زید میرا باپ ہے اس لیے کہ زید متعدد نہیں اور اس شخص کے باپ متعدد نہیں۔توجب اس کا باپ زید ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زید اس شخص کا باپ ہے۔اسی طور پر بلا شک و شبہہ یہ آیت ہے اور اللہ کے لیے اس کی نعمتوں پر حمد۔اور اے فلسفی تجھے لازم ہے کہ وساوس کو ساکن رکھ۔
الثالث من وجوہ الجواب اقول:و ربی ھادی الصواب اخترناعن ھذاکلّہ وسلمنا ان مفاد الاٰیۃ الاولی قولنا	وجوہِ جواب میں سے تیسری وجہ،میں کہتا ہوں اور میرا رب راہِ صواب دکھانے والا ہے ہم نے اس سب کو اختیار کیا اور مان لیا۔آیت اولٰی کا مفاد ہمارا یہ قول ہے کہ

کل اکرم اتقٰی وینعکس بعکس النقیض الٰی قولنا "من لیس باتقی لیس باکرم" وقد اثبتنا فیما اسلفنا عرش التحقیق علی ان المراد بالاتقی فی الایۃ الثانیۃ اعنی قولہ تعالٰی "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾"[1] اتقی الصحابۃ جمیعًا فوجب ان لایکون احد من الصحابۃ اتقی منہ۔ ولامساویًا لہ فی التقوٰی اذا ثبت ھذا فنقول کل صحابۃ فھو لیس باتقی من ابی بکر ومن لیس باتقی منہ لیس باکرم منہ۔ انتج ان کل صحابۃ فھو لیس باکرم من ابی بکر وصغری القیاس معدولۃ کما لوحنا الیہ بتقدیم اداۃ الربط علی حرف السلب ولك ان تجعلھا موجبۃ سالبۃ المحمول اعنی علی قول قوم من المتاخرین ویرشدك الٰی مایزیح وھمك جعل السلب فی الکبرٰی مراۃ الملاحظۃ افراد الاوسط۔ وان شئت لم تعکس الاٰیۃ الاولٰی ایضا ونسجت الشکل	کل اکرم اتقٰی (یعنی ہر اکرم سب سی بڑا متقی ہے) اور اس کا عکس نقیض ہمارا یہ قول ہے کہ من لیس باتقٰی لیس باکرم (جو اتقی سب سے بڑا متقی نہیں ہے وہ اکرم نہیں ہے) اور ہم نے ان کلمات میں جو ہم پہلے کہہ چکے عرش تحقیق کو ثابت کردیا کہ مراد اتقی سے آیت ثانیہ یعنی اللہ تبارک وتعالٰی کے قول "وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾" میں تمام صحابہ سے زیادہ متقی شخص مراد ہے تو ضروری ہے کہ صحابہ میں کوئی اس سے بڑھ کر متقی نہ ہو اور نہ تقوٰی میں اس کے کوئی مساوی ہو۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کہ ہر صحابی ابوبکر سے بڑھ کر متقی نہیں اور جو ان سے بڑھ متقی نہیں وہ کرامت میں ان سے بڑھ کر نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر صحابی ابوبکر سے زیادہ عزت والا نہیں اور اس قیاس کا صغرٰی معدولہ ہے جیسا کہ ہم نے اس کی طرف اداتِ ربط کو حرفِ سلب پر مقدم کرکے اشارہ کیا اور تمہیں اختیار ہے کہ تم اس قضیہ کو موجبہ سالبۃ المحمول بناؤ یعنی متاخرین میں سے ایک قوم کے قول پر اور تمہاری رہنمائی اس بات کی طرف جو تمہارے وہم کو دور کردے سلب کو کبرٰی میں افراد اوسط کے لیے مراۃ ملاحظہ بنانے سے ہوگی۔ اور اگر تم چاہو تو آیتِ اولٰی کا عکس نہ کرو اور شکل کو آیتِ ثانیہ کے طرز پر منتظم کرو بایں طور کہ تم کہو کہ کوئی صحابی ابوبکر سے بڑھ کر عزت والا نہیں۔ اور شاید تم اس کو قیاس استثنائی کے طور پر

[1] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

على منوال الثانى بان تقول لاشيئ من الصحابة اكرم من ابى بكر و كل اكرم من ابى بكر اتقى منه انتج ان لا شيئ من الصحابة اكرم من ابى بكر و لعلّك ان تقرره قياسًا استثنا ئيًا يرفع المقدم لرفع التالى فتقول لوكان احد من الامة اكرم من الصديق لكان اتقى منه لان كل اكرم اتقى لكنهم ليسوا باتقى منه للاية الثانية فليسوا باكرم منه وفيه المقصود۔	مقرر رکھو جو مقدم کو ارتفاع تالی کی وجہ سے مرتفع کردے تو تم یوں کہو امت میں اگر کوئی صدیق سے بڑھ کر عزت والا ہوتا تو وہ ضرور صدیق سے بڑھ کر متقی ہوتا اس لیے کہ ہر اکرم اتقی ہے لیکن ساری امت صدیق سے بڑھ کر متقی نہیں بدلیل آیت ثانیہ۔تو وہ صدیق سے بڑھ کر عزت والے نہیں اور اسی میں ہمارا مقصود ہے۔
تنبيه: سيقول السفهاء من الناس ماولكم عن دعوئكم التى كنتم عليها فان الثابت على هذه التقارير الثلثة الاخيرة انما هو نفى اكرم من الصديق وهو لا يستلزم اكرميته رضى الله تعالٰى عنه اذ يحتمل التساوى۔	**تنبیہ:** اب کہیں گے بے وقوف لوگ اس دعوی سے جس پر تم قائم تھے کس چیز نے تمہیں پھیر دیا اس لیے کہ ان تین تقاریر اخیرہ پر جو ثابت ہوتا ہے وہ صدیق سے زیادہ عزت والے کی نفی ہے اور اس سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (اولویت) سب پر لازم نہیں آتی اس لیے کہ تساوی کا احتمال ہے۔
اقول: اوقد قالوا افلئن قالوا فلقد زاغوا۔	**اقول:** کیا ان بے وقوفوں نے یہ بات کہی اگر انہوں نے ایسا کہا تو بے شک وہ منحرف ہوگا۔
اما اولًا فنصوص الشرع و محاورات البلغاء طافحة بسوق الكلام الى غرض التفضيل على الاطلاق على هذا المساق يقولون ليس احد افضل من فلان ويريدون انه افضل الكل وذلك لان التساوى	**اولًا** نصوص شرع اور اہلِ بلاغت کے محاورے اس ڈھنگ سے بھرے ہیں کہ کلام کو علی الاطلاق فضیلت بتانے کی غرض سے اس طور پر لایا جاتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی فلاں سے افضل نہیں ہے اور مراد لیتے ہیں کہ وہ سب سے افضل ہے اور یہ اس لیے کہ تساوی حقیقی عادتًا گویا

الحقیقی کالمحال عادۃ وعلیك بکلام شراح الحدیث۔

واما ثانیًا: فلك ان تضم الیه اجماع الامة علی وجود التفاضل والحق لایخرج عن اقوالھم۔

واما ثالثًا: ھو الطراز المعلم ان العارف باسالیب الکلام یفھم من الایة الاولی تسبب التقوی لایراث الکرامة وقصر حصولھا علی حصوله وبه صرحت الاحادیث الناشیة عن ارشاد الایة اللاحظة الی ملحظ الکریمة انبأنا سراج الحنیفة بالسند عن الشریف عن محمد بن ارکماش عن العلامة ابن حجر عسقلانی عن عبدالرحمن بن احمد بن المبارك الغزی عن احمد بن ابی طالب الحجار عن علی بن اسمعیل بن قریش عن الحافظ المنذری قال فی کتاب الترغیب والترھیب عن عقبة بن عامر رضی الله تعالٰی عنه ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم قال ان انسابکم ھذہ لیست بسباب علی احد وانما انتم ولد آدم طف الصاع لم تملؤوہ لیس لاحد فضل علی احد الابالدین او

محال ہے اور تم شراح حدیث کے کلام کو لازم پکڑو۔

ثانیًا: تمہیں یہ اختیار ہے کہ اس کے ساتھ وجود تفاضل پر امت کا اجماع ضم کرو اور حق اقوالِ اُمت سے باہر نہ ہوگا۔

ثالثًا: اور وہ وجہ طراز معلم یہ کہ اسالیب کلام کا واقف آیتِ اولٰی سے سمجھتا ہے کہ تقوٰی عزت حاصل ہونے کا سبب ہے اور عزت کا حصول تقوٰی کے حصول پر منحصر ہے اسی کی تصریح ان احادیث نے کی کہ جو ارشادِ آیت سے ناشی ہیں اور آیتِ کریمہ کے مطمح نظر کی طرف دیکھتی ہیں۔ ہمیں سراج الحنفیہ نے خبر دی اپنی سند سے۔ وہ روایت کرتے ہیں شریف سے۔ وہ روایت کرتے ہیں محمد ابن ارکماش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علامہ ابن حجر عسقلانی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن ابن احمد ابن مبارک غزی سے۔ وہ روایت کرتے ہیں احمد ابن ابی طالب حجار سے۔ وہ روایت کرتے ہیں علی ابن اسمٰعیل ابن قریش سے۔ وہ روایت کرتے ہیں حافظ منذری سے۔ انہوں نے فرمایا، کتاب الترغیب والترہیب میں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا یہ نسب کسی کے لیے گالی نہیں ہے تم تو آدم کی اولاد ہو پیمانہ کی طرح جو تم نے نہیں بھرا کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح کے سبب۔ اس

عمل صالح۔رواہ احمد والبیھقی کلاھما من روایۃ ابن لھیعۃ ولفظ البیھقی قال لیس لا حد علی احد فضل الابالدین او عمل صالح حسب للرجل ان یکون بذیا بخیلا۔وفی روایۃ لیس لاحد علی احد فضل الابدین اوتقوٰی وکفی بالرجل ان یکون بذیا فاحشا بخیلا۔قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طف الصاع بالاضافۃ ای قریب بعضکم من بعض[1] اھ قلت واخرجہ الطبرانی فی حدیث طویل من طریق ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ولفظہ انما انتم من رجل وامرأۃ کجُمام الصاع لیس لاحد علی احد فضل الاّ بالتقوٰی[2] اھ قولہ صلی اللہ تعالٰی لیہ وسلم کجُمام الصاع جُمام بالضم مایملأ والمعنی انکم متساوون فی القدر کحبّات الصاع تکال فیعرف مقدار ھا و استواء ھا بمثلھا کیلًا من	حدیث کو روایت کیا احمد اور بیہقی دونوں نے ابن لہیعہ کی روایت سے۔اور بیہقی کے لفظ یوں ہیں۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا عمل صالح سے۔اور آدمی کے بُرا ہونے کے لیے کافی ہے کہ وہ بدزبان کنجوس ہو۔اور ایک روایت میں ہے۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر دین یا تقوٰی سے۔اور آدمی کے لیے کافی برائی ہے کہ وہ بدگو بے حیاء کنجوس ہو۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول "طف الصاع" اضافت کے ساتھ کا معنی یہ ہے یعنی تم میں سے بعض بعض کے قریب ہے۔انتہی۔ **قلت**(میں کہتا ہوں)اور طبرانی میں اس کی تخریج کی ایک حدیث طویل میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے طریق سے،اور ان کے لفظ یہ ہیں۔تم لوگ ایک مرد اور عورت سے ہو جمام صاع کی طرح۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقوٰی سے انتھی۔حدیث میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قول "جُمام صاع" جمام بضم جیم وہ چیز ہے جو پیمانہ میں بھری جاتی ہے اور معنی یہ ہے کہ تم قدر میں ایک دوسرے سے برابر ہو پیمانہ کے حبّوں کی طرح جس کو پیمانہ میں بھرا جاتا ہے تو ان کی مقدار اور ان کے مثل کے ساتھ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۶و۷ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

[2] الجامع لاحکام القرآن تحت الاٰیۃ ۴۳/ ۴۴ دار الکتاب العربی بیروت ۱۶/ ۸۲

دون حاجة الی الوزن لتساویھا ثقلًا و اکتنازًا وبہ قال المنذری عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ "ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لہ انظر فان لست بخیر من احمر ولا اسود الا ان تفضلہ بتقوٰی۔رواہ احمد و رواتہ ثقات مشھورون الا ان بکر بن عبداللہ المزنی لم یسمع من ابی ذر۔اھ[1]	ان کی برابری پیمانہ میں معلوم ہوتی ہے اور انہیں تولنے کی ضرورت نہیں ہوتی اس لیے کہ بوجھ اور موٹائی میں وہ برابر ہوتے ہیں۔اور اسی مضمون کو منذری نے ابو ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا" بے شک تم سیاہ فام سے اور سُرخ سے بہتر نہیں اور نہ سیاہ فام تم سے بہتر ہے۔مگر یہ کہ تم اس پر فضیلت پاؤ تقوٰی کی وجہ سے۔"اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔اور اس کے راوی ثقہ معروف ہیں مگر یہ کہ بکر بن عبد اللہ مزنی نے اس حدیث کو ابوذر سے نہیں سنا۔انتہی،
قلت والمرسل مقبول عندنا وعند الجمھور۔وبہ قال عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما قال خطبنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی اوسط ایام التشریق خطبة الوداع فقال۔یا ایھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد۔الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقوٰی ان اکرمکم عنداللہ اتقٰکم الاھل	**قلت**(میں کہتا ہوں)اور مرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے۔اور اسی مضمون کی روایت کی جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن میں خطبہ الوداع دیا کہ فرمایا"اے لوگو۔بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔سنتے ہو عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں اور نہ عجمی کو عربی پر اور نہ سرخ کو کالے پر اور نہ کالے کو سرخ پر فضیلت ہے مگر تقوٰی سے۔بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۸ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲

بلغت،قالوابلیٰ یارسول اللّٰہ،قال فلیبلغ الشاھد الغیب،ثم ذکر الحدیث فی تحریم الدماء والاموال والاعراض رواہ البیہقی وقال فی اسنادہ بعض من یجھل[1] انتہی	سنتے ہو کیا میں نے رب کا پیغام پہنچادیا۔صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں۔یارسول اللہ(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)فرمایا اب جو حاضر ہیں وہ غائبین کو پہنچادیں۔پھر حدیث ذکر کی جو لوگوں کے خون۔مال اور آبرو کی حرمت میں ارشاد ہوئی۔ اسے بیہقی نے روایت کیااور کہااس کی سند میں بعض مجہول ہیں۔
قلت ولایضرنا فی الشواھد واخرج الطبرانی فی الکبیر عن حبیب بن خراش رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم المسلمون اخوۃ لا فضل لاحد علی احد الا بالتقوی۔[2] وبالجملۃ فالاحادیث کثیرۃ فی ھذا المعنی ثم ان الکرامۃ والتقویٰ کلاھما مقولان بالتشکیك فکلما زاد زادت وکلما نقص نقصت و المتساویان فیہ یتساویان فیھا کالعصیان عـــہ سبب للھوان فیزداد بزیادتہ وینتقص بانتقاصہ وھکذا فاذا ثبت ھذا کان معنی قولنا کل اکرم اتقی منحلا الی ثلث قضایا احدھا ھذہ والثانیۃ کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنہ فی التقویٰ	**قلت**(میں کہتا ہوں)شواہد میں ہم کو راوی کی جہالت مضر نہیں۔طبرانی نے معجم کبیر میں حبیب بن خراش رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے۔بالجملہ اس معنی کی حدیثیں بکثرت وارد ہیں مگر کرامت اور تقویٰ دونوں تشکیك کے ساتھ بولے جاتے ہیں تو جب تقویٰ زیادہ ہوگا کرامت زیادہ ہوگی اور جب تقویٰ کم ہوگا کرامت کم ہوگی۔اور تقویٰ میں متساوی کرامت میں متساوی ہوں گے جیسے کہ عصیان سبب ذلت کا۔تو ذلت عصیان کی زیادتی سے زیادہ اور اس کی کمی سے کم ہوتی ہے۔اور یونہی جب یہ بات ثابت ہے تو ہمارے قول"کل اکرم اتقی"کے معنی کی تحلیل تین قضیوں کی طرف ہوگی ان کا ایک تو یہی ہے اور دوسرا

عـــہ: ای فی اصل قضیۃ المجازاۃ امّاتدارك الرحمۃ ففضل الٰہی یختص بہ من یشاء ما اسلفنا تحقیقہ(۱۲ منہ)غفرلہ۔	یعنی اصل مقتضائے مجازات میں رہاتدارك رحمت تو یہ فضلِ الٰہی ہے اللہ تبارك و تعالٰی جسے چاہے اس کے ساتھ مخصوص فرماتا ہے۔جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق گزشتہ میں کی ۱۲منہ غفرلہ

[1] الترغیب والترہیب من احقار المسلم وانہ لا فضل لاحد الخ حدیث ۹ مصطفی البابی مصر ۳/ ۶۱۲ تا ۶۱۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۵۴۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۵

والثالث کل متساویین فیھا متساویان فیه والایة الثانیة ایضاتنحل الیٰ ثلث مقدمات"ابوبکر اتقی الکل"وھو المنطوق ولا یزید علیه احد فی التقویٰ و لایساویة احدفیه و عندھذا لیسھل علیك دفع الاشکال ونظم الاشکال لقطع الاحتمال والحمد لله المھیمن المتعال ھذا ما الھمنا المولیٰ تبارك وتعالیٰ بمنیع فضله ورفیع کرمه ومنحنا من عظام اٰلائه وحسان نعمه فی تقریر دلیل اھل السنة والجماعة ودفع شبھات(اھل)البطالة والخلاعة وارجو ان تکون عامة ما فی تلك الخیام من عرائس بیض تجلو الظلام وبسائم تکشِرعن بردالغمام۔ اکون انا ابا عذرتھا وماذون الدخول فی حجرتھا وان قال الاول لیس علی الله بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد۔ فقلت اناقدقدر الله فلا تنکر۔ان لحق العاجز بالقادر کیف وقدفازبافضاله ال۔کل فماظنك بالقادری۔

یہ ہے کل ناقص فی الکرم عن غیرہ ناقص عنه فی التقویٰ (عزت میں دوسرے سے کم تر اس سے تقویٰ میں کمتر ہے) اور تیسرا کل متساویین فیھا متساویان فیه (ہر وہ شخص جو تقویٰ میں برابر ہیں وہ عزت میں برابر ہیں) اور اس صورت میں تمہیں اشکال کا دفع کرنا قطع احتمال کے سبب آسان ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لیے جو نگہبان و برتر ہے۔۔۔۔۔۔یہ وہ ہے جو ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے الہام فرمایا اپنے فضل عظیم اور کرمِ رفیع سے۔اور بخشا ہمیں اپنے عظیم احسانوں سے۔اور حسین نعمتوں سے اہلسنت و جماعت کی دلیل کی تقریر میں تائید اور اہل بطالت وضلالت کے شبہات کے دفع کرنے کے لیے۔اور میں امید کرتا ہوں کہ ان خیموں میں جو خوبصورت دلہنیں ہیں وہ اندھیروں کو دور کریں اور مسکراتی صورتیں جو بارش کے اولے دکھائیں ان میں سے اکثر کا میں ہی صاحب ہوں۔اور ان کے حجرے میں دخول کا مجاز ہوں۔ اور مجھ سے پہلے نہ کہا تھا کہ اللہ پر مستبعد نہیں کہ عالم کو ایک میں جمع کردے۔تو میں نے کہا بے شک اللہ نے مقدر کیا تو اس کا انکار نہ کرنا کہ اللہ نے عاجز کو قادر سے ملحق کردیا۔یوں نہ ہو حالانکہ اللہ کے فضل سے سب بہرہ مند ہیں تو تیرا کیا گمان ہے۔قادری کے ساتھ۔

خاتمہ:رزقنا اللّٰہ تعالٰی حسنھا امین فان قلت لقد تفضل اللّٰہ علیك یا وضیع القدر فنطقت بکلمات بلغن قاموس البحر فماذا تأمرنی فی المسئلة اقطع بتفضیل الصدیق نظرًا الٰی ھذا الاستدلال۔مع مافی الایة من تاویل واحتمال۔اذ ذھب ذاھبون الٰی ان الا تقی بمعنی التقی وان زیفت قولھم بتحقیق نقی۔	**خاتمہ**:اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب کرے۔اب اگر تم کہو بے شک اللہ نے اے کمترین۔تیرے اوپر احسان فرمایا تو تُو نے وہ کلمات بولے جو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچ گئے۔اب مجھے اس مسئلہ میں کیا حکم دیتا ہے۔آیا میں فضیلت صدیق کا یقین لاؤں۔۔اس استدلال پر نظر کرتے ہوئے باوجود یہ کہ اس آیت میں تاویل و احتمال ہے اس لیے کہ جانے والے اس طرف گئے کہ اتقی بمعنی تقی ہے اگرچہ تُو نے ان کا قول ستھری تحقیق سے غلط ثابت کردیا۔
قلت نعم اقطع ولاتبال بما قیل او مایقال اذ قاطعان لایأتیان قط الا بقطع وقد سمعت ان الصدیق ھو المراد بالاتقی باجماع الامة قاطبة ولم ینقل فی ذلك شذوذ شاذ فکان قطعیا والایة الاُخری نص فی المرام لا شك اما ما ذکرت من حدیث من ذھب الٰی ما ذھب فقد سمعت ان الاٰیة لا مساغ فیھا للتاویل واحتمال بلا دلیل لاینزل التنزیل عن درجة برھان قاطع جلیل،الا تری ان کل نص یحتمل التاویل ومع ذٰلك ھو قطعی قطعًا کما صرح به ائمة الاصول۔	**قلت**(میں کہتا ہوں) ہاں یقین کر اور قیل و قال کی پرواہ نہ کر۔اس لیے کہ دو قطعی نتیجہ نہیں دیتے مگر قطعی کا۔اور تم سن چکے کہ صدیق ہی مراد ہیں اتقی سے ساری امت کے اجماع کے بموجب اور اس میں کسی نادر کی رائے شاذ بھی منقول نہیں۔تو یہ اجماع قطعی ہوا۔اور دوسری آیت مدعا میں نص ہے جس میں کوئی شک نہیں۔رہی وہ بات جو تم نے اس رائے کی کہی جس کی طرف جانے والے گئے۔تو تم سُن چکے کہ آیت میں تاویل کی گنجائش نہیں اور احتمال بے دلیل تنزیل کو برہان قاطع جلیل کے درجے سے نازل نہیں کرتا۔کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہر نص تاویل کی محتمل ہے اور وہ اس کے باوجود یقینًا قطعی ہے جیسا کہ ائمہ اصول نے اس کی تصریح کی۔

وتحقیق المقام علٰی ما الھمنی الملك العلام ان العلم القطعی یستعمل فی معنیین۔

احدھما: قطع الاحتمال علی وجه الاستیصال بحیث لایبقی منه خبرولا اثر وھذا ھو الاخص الاعلٰی کما فی المحکم والمتواتر وھو المطلوب فی اصول الدین فلا یکتفی فیھا بالنص المشھور۔

والثانی: ان لایکون ھناك احتمال ناش من دلیل و ان کان نفس الاحتمال باقیًا التجوز و التخصیص و سائر انحاء التاویل کما فی الظواھر والنصوص و الاحادیث المشھورة والاول یسمی علم الیقین و مخالفه کافر علی الاختلاف فی الاطلاق کما ھو مذھب فقھاء الاٰفاق، والتخصیص بضروریات الدین ما ھو مشرب العلماء المتکلمین۔و الثانی علم الطمانیة و مخالفه مبتدع ضال ولا مجال الی اکفاره کمسئلة وزن الاعمال یوم القیمة قال تعالٰی "وَالْوَزْنُ یَوْمَىٕذِ ِالْحَقُّ ۚ"[1] ویحتمل النقد احتمالًا لاصارف

اور مقام کی تحقیق اس طور پر جو مجھے اللہ ملک العلام نے الہام کیا یہ ہے کہ علم قطعی دو معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ احتمال جڑ سے منقطع ہوجائے بایں طور کہ اس کی کوئی خبر یا اس کا کوئی اثر باقی نہ رہے۔اور یہ اخص اعلٰی ہے جیسا کہ محکم اور متواتر میں ہوتا ہے۔اور اصولِ دین میں یہی مطلوب ہے۔تو اس میں نصِ مشہور پر کفایت نہیں ہوتی۔

دوسرا: یہ کہ اس جگہ ایسا احتمال نہ ہو جو دلیل سے ناشی ہو اگرچہ نفس احتمال باقی ہو۔جیسے کہ مجاز اور تخصیص۔اور باقی وجوہِ تاویل۔جیسا کہ ظواہر اور نصوص اور احادیث مشہورہ میں ہے۔اور پہلی قسم کا نام علم یقین ہے اور اس کا مخالف کافر ہے علماء میں اختلاف کے بموجب مطلقًا۔جیسا کہ فقہائے آفاق کا مذہب ہے یا ضروریات دین کی قید کے ساتھ یہ حکم مخصوص ہے جیسا کہ علمائے متکلمین کا مشرب ہے اور دوسرے کا نام علم طمانیت ہی اور اس کا مخالف بدعتی و گمراہ ہے اور اس کو کافر کہنے کی مجال نہیں۔جیسے کہ قیامت کے دن اعمال کو تولنے کا مسئلہ۔اللہ تعالٰی کا قول ہے "اور قیامت کے دن تول ہونا برحق ہے" اور یہ آیت نقد (پرکھ) کا ایسا احتمال رکھتی ہے۔

[1] القرآن الکریم ۷/۸

الیه ولا دلیل اصلاعلیه فیکون کقولک"وزنته بمیزان العقل"وھورائج فی العجم ایضًا تقول"سخن سنج"ای ناقدا لکلام۔ و مسئلة رؤیة الوجه الکریم للمؤمنین۔رزقنا المولیٰ بفضله العمیم۔قال تعالیٰ "وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾ "[1] ویحتمل احتمالًا کذلك ارادة الامل و الرجاء وھو ایضًا مما توافقت علیه العرب والعجم تقول"دستِ نگر من ست"ای یرجو عطائی ویحتاج الی نوالی وھٰکذا مسئلة الاسراء الی السمٰوٰت العلی و الشفاعة الکبرٰی للسید المصطفٰی علیه افضل التحیة والثناء فکل ذل ثابت بنصوص قواطع بالمعنی الثانی۔ ولذا لا نقول بالکفار المعتزلة والروافض اولالین المأولین۔و ھکذا الظن له معینان اذ مقابل الاعم اخص والاعم اخص کما لا یخفی۔اذا عرفت ھذا فمسئلتنا ھذه ان ارید فیھا القطع بالمعنی الاخص فھذا	جس کی طرف پھیرنے والی کوئی چیز نہیں اور نہ اصلًا اس پر کوئی دلیل ہے۔اب آیت کا معنٰی تمہارے قول"میں نے اس کو میزانِ عقل سے تولا"کے مثل ہوگا۔اور یہ عجم میں رائج ہے۔تم کہتے ہو"سخن سنج"یعنی کلام کو پرکھنے والا۔ اور مومنین کے لیے اللہ تبارک وتعالٰی کے دیدار کا مسئلہ۔ مولائے کریم اپنے فضل عظیم سے نصیب فرمائے۔اللہ تعالٰی نے فرمایا"کچھ منہ اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے "احتمال رکھتا ہے اسی طرح اُمید ورجاء کے ارادے کا۔اور یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن پر اب عرب و عجم سب متفق ہیں۔تم کہتے ہو"دستِ نگر من ست"یعنی میری عطا کی امید رکھتا ہے اور میری بخشش کا محتاج ہے۔اور اسی طرح آسمانوں کی سیر اور شفاعتِ کُبری محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کہ یہ تمام باتیں دوسرے معنی پر نصوصِ قطعی سے ثابت ہیں۔اور اسی لیے ہم تاویل کرنے کے سبب معتزلہ اور اگلے روافض کی تکفیر نہیں کرتے۔اور اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں اس لیے کہ اعم کا مقابل اخص ہے اور اعم اخص ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔جب تم نے یہ جان لیا تو ہمارا یہ مسئلہ اگر اس میں قطعی بالمعنی الاخص مراد لیا جائے تو یہ

[1] القرآن الکریم ۷۵ /۲۲و۲۳

جبل وعرصعب المرتقی۔اذماوردفیھا فمانص او ظاھر وکلاھما یقبلان التاویل ولو قبولًا ضعیفًا بعیدًا او ابعد اضعف مایکون کالا تقی فیما نحن فیه یحتمل التجوز بالبالغ فی التقویٰ والخیر والافضل فی الاحادیث یحتمل تقدیر من کقول القائل "فلان اعقل الناس" وما جاء من الاحادیث مفسّرًا محکمًا فاحاد تطرق الیھا الاحتمال من قبل النقل لکنا مالنا ولھذا القطع، اذلا نقول باکفار المفضلة ومعاذ الله ان نقول اما الا بتداع فیثبت بخلاف القطع بالمعنی الثانی وھو حاصل لا شك فیه لایسوغ انکارہ الا لغافل او متغافل فقد تظافرت علیه النصوص تظافرا جلیا و بلغت الاخبار تواترًا معنویا والاحتمالات الرکیکة السخیفة الناشیة من غیر دلیل لا تقدح فی القطع بھٰذا المعنی کما صرحت به علماء الاصول و زادنا نورًا الٰی نوروِرشادًا الٰی رشاد اجماع الصحابة الکرام و	پہاڑ ہے سخت دشوار گزار چڑھائی والا۔اس لیے کہ اس میں جو کچھ وارد ہوا ہے یا تو نص ہے یا ظاہر ہے اور دونوں تاویل کو قبول کرتے ہیں اگرچہ ضعیف بعید یا بہت زیادہ ابعد اضعف سہی۔ جیسے کہ ہمارے اسی مسئلہ میں جس میں ہمیں بحث ہے جیسے کہ اتقی، تقویٰ اور خیر میں بالغیت کے معنی مجازی کا احتمال رکھتا ہے اور احادیث میں لفظ افضل کے مقدر ہونے کا احتمال رکھتا ہے جیسے کوئی کہے "فلان اعقل الناس" (فلاں شخص لوگوں سے زیادہ عاقل ہے) اور جو احادیث مفسر محکم آئیں تو وہ خبر واحد ہیں جن میں روایت کی طرف سے احتمال راہ پاتا ہے لیکن ہمیں اس طرز کے قطعی سے کیا کام۔اس لیے کہ ہم تفضیلیوں کے کافر ہونے کا قول نہیں کرتے اور اللہ کی پناہ ہو کہ ہم یہ قول کریں۔ لیکن اُن کا بدعتی ہونا وہ تو ثابت ہے برخلاف قطعی بمعنی دیگر تو وہ بلاشک حاصل ہے جس کا انکار سوائے غافل یا غافل بننے والے کے کسی کو نہ بن پڑے گا اس لیے کہ اسپر واضح کثرت کے ساتھ نصوص آئیں اور احادیث تواتر معنوی کی حد کو پہنچ گئیں اور رکیک کمزور احتمالات جو کسی دلیل سے ناشی نہیں ہوتے اس معنی پر قطعی میں اثر انداز نہ ہوں گے۔ جیسا کہ علمائے اصول نے اس کی تصریح کی ہے اور ہمارے لیے نُور پر نور بڑھایا اور ہدایت کے اوپر ہم کو ہدایت کی صحابہ کرام اور

التابعین العظام ما نقلہ جمہور الائمۃ الاعلامہ، منہم سیدنا عبداللہ بن عمر وابو ھریرۃ من الصحابۃ ومیمون بن مہران من التابعین والامام الشافعی من الاتباع وغیرھم من لایحصون لکثرتہم۔و حکایۃ ابن عبدالبرلا معقولۃ فی الدرایۃ ولا مقبولۃ فی الروایۃ کما حققناہ فی مطلع القمرین مع ما ارشدنا القرآن العظیم واحادیث المصطفٰی الکریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم الٰی دلائل جمۃ توخذ منہما بالاستنباط ووفق لہا ھذا الفقیر الضعیف کما عقدنا لہا الباب الثانی من الکتاب البیر فلولا الاواحد من ھذہ لشفی وکفی ودفع کل ریب ونفی،فکیف اذا کثرت وجلت وعقدت و حلت ورعدت و برقت و اضاء ت واشرفت فلا وربك لم یبق للشك محل ولا للریب مدخل والحمدللہ الاعلی الاجل۔اما قول من قال انا وجدنا النصوص متعارضۃ فھذا اخبار عن نفسہ فکیف یحتج بہ علی من نظر وابصر ونقد واختبر فقتلہا خبرا واحاط بمالدیہا علمًا علی	تابعین عظام کے اجماع نے۔جیسا کہ اس کو نقل کیا ہے جمہور آئمہ اعلام نے۔ان میں عبداللہ بن عمر اور ابوہریرہ صحابہ میں سے۔اور میمون ابن مہران تابعین میں سے۔اور امام شافعی تبع تابعین میں سے۔اور ان کے سواجن کی گنتی نہیں بوجہ ان کی کثرت کے۔اور ابن عبدالبر کی حکایت نہ توازراہِ درایت معقول ہے اور نہ روایت مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق کی ہے مطلع القمرین میں مع ان دلائل کثیرہ کے جن کی طرف ہماری رہنمائی قرآن عظیم اور احادیثِ مصطفٰی کریمہ علیہ الصلوۃ والسلام نے کی۔یہ دلائل قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ ماخوذ ہیں اور ان کے لیے اس فقیر ناتواں کو توفیق ہوئی جیسا کہ ہم نے اس کے لیے اپنی کتاب کبیر کا باب دوئم باندھا ہے تو اگر ان دلائل میں سے نہ ہوتی مگر ایک دلیل تو وہ بھی شافی وکافی ہوتی اور ہر شک کی دافع و نافی ہوتی تو کیا گمان ہے جب کہ یہ دلائل کثیر و جلیل ہوں اور دین کی گرہیں باندھیں اور شبہوں کی رسیاں کھولیں اور گرجیں اور چمکیں اور روشن اور بلند ہوں تو تیرے رب کی قسم شک کا محل باقی رہانہ شبہہ کا مدخل۔والحمدللہ الاعلی الاجل۔رہی اس کی بات جس نے ہاہم نے نصوص کو متعارض پایا تو یہ اس کی اپنی حالت کی خبر ہے۔تو وہ کیسے حجت لاتا ہے اس سے اس پر جس نے دیکھا اور غور کیا اور جانچا اور پرکھا تو نصوص کو خوب پرکھ کے جان لیا اور انکے پاس جو علم ہے اس کا احاطہ

انہ ان ارادا التعارض الصوری وقد یطلق علیہ ایضًا کقول الا صولیین یقدم المحکم علی المفسّر والمفسر علی النص والنص علی الظاھر عند التعارض مع انہ لاتعارض لضعیف مع قوی فھذا لایضرنا ولا ینفعہ وان اراد الحقیقی اعنی تزاحم الحجتین علی حد سواء فنقول معنا ناش عن غفول وعلی قائلہ اومن یمشی بمشیہ ان ینور دعواہ ببینۃ مبینۃ وانی لھم ذالك ولیت شعری الام یودی ضیق العطن اذا رأی احادیث لاتخیر وابین الانبیاء [1] ولا تفضلونی علی یونس بن متی [2] وافضل الانبیاء آدم [3] وذالك (ای)خیر البریۃ ابراھیم [4] ایقول بتعارض النصوص فی تفضیل المصطفٰی	کیا۔علاوہ بریں یہ کہ اگر اس نے تعارض صوری مراد لیا اور کبھی تعارض کااطلاق اس پر بھی آتا ہے جیسے اصولی کہتے ہیں کہ محکم کو مفسر پر اور مفسر کو نص اور نص کو ظاہر پر تعارض کے وقت مقدم کیا جائے گا حالانکہ بلاشبہ ضعیف کا قوی کے ساتھ اصلاً تعارض نہیں ہوتا تو یہ ہم کو نقصان نہ دے گا نہ اس کو فائدہ دے گا اور اگر اس نے تعارض حقیقی مراد لیا یعنی دو دلیلوں کا برابری کی حد پر ایک دوسرے کے مزاحم ہونا تو ہم کہیں گے یہ معنی غفلت سے ناشی ہے اور اس کے قائل پر یا جو اس کے طریقے پر چلے لازم ہے کہ اپنے دعوی کو روشن دلیل سے منور کرے اور ان کو یہ کیونکر بن پڑے گا۔اور کاش میں سمجھتا کہ کہ بندش کی تنگی کا انجام یا ہوگا جبکہ وہ یہ حدیثیں دیکھتے کہ انبیاء میں باہم ایک دوسرے کو فضیلت نہ دو اور مجھے یونس ابن متی پر فضیلت مت دو،اور آدم افضل انبیاء ہیں۔اور ابراہیم خلق میں سب سے بہتر ہیں۔کیا وہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب ما یذکر فی الاشخاص قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۵،صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسی علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۸

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب قواعد العقائد "الاصل السابع" دار الفکر بیروت ۲/ ۱۰۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۳۶۱ المکتبۃ الفیصیلیۃ بیروت ۱۱/ ۱۶۰،

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل ابراھیم علیہ السلام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۵

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی العالمین جمیعا ام یرجع الی نفسہ فیدری ان التعارض شیئ ومجرد وجود النفی والاثبات شیئ اخر۔ وبھذا التحقیق البدیع الانیق الذی خصنا بہ المولٰی تبارك وتعالٰی امکن لنا التوفیق بین کلمات الائمۃ الکرام فمن قال بالقطع ونفی الظن فانما ارادا لقطع بالمعنی الاعم والظن وبالمعنی الاخص وھو حق لا مریۃ فیہ ومن عکس فقد عکس وھو صدق لاغبار علیہ۔فان تخالج فی صدرك ان المسئلۃ من الاعتقادیات فکیف اکتفیتم بالقطع بالمعنی الثانی۔	کی سب جہان پر فضیلت میں تعارض نصوص کو مانے گا یا اپنے نفس کی طرف لوٹے گا تو سمجھے گا کہ تعارض ایک شے ہے اور مجرد وجود نفی واثبات دوسری شے ہے۔اور اس تحقیق انیق و بے نظیر سے جو خاص اللہ تبارک و تعالٰی نے ہم کو عنایت کی ہم کو آئمہ کرام کے کلمات میں مطابقت ممکن ہے تو جس نے اس مسئلہ کو قطعی کہا اور ظن کی نفی کی تو اس نے قطعی بالمعنی الاعم ہی کو مراد لیا اور ظن بالمعنی الاخص۔ اور حق یہ ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور جس نے عکس کیا تو اس نے عکس کیا اور وہ سچ ہے جس پر کوئی غبار نہیں۔اب اگر تمہارے سینے میں یہ خلش ہو کہ یہ مسئلہ تو اعتقادیات سے ہے تو تم نے معنی ثانی میں قطعی پر کیسے اکتفا کرلیا۔
قلت ھذا اشد ورودًا علی القائلین بالظن ان ارادوا الظن بالمعنی الاخص والحل ان المسئلۃ لیست من اصول الاسلام حتی یکفر جاحدھا کمسئلۃ امامۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین وبھذا المثال ینقطع قلب من قال من بطلۃ الزمان انھا اذا لم تکن من الاصول کما صریح بہ السید الشریف فی شرح المواقف[1]	**قلت**(میں کہتا ہوں) یہ اعتراض ان لوگوں پر جو ظنی کے قائل ہیں زیادہ سختی کے ساتھ وارد ہوتا ہے جب کہ وہ ظن بالمعنی الاخص مراد لیں۔اور اس کا حل یہ ہے کہ یہ مسئلہ اصولِ اسلام سے نہیں ہے کہ اس کا منکر کافر ٹھہرے۔جیسے کہ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کی خلافت کا مسئلہ۔اور اس مثال سے اس کا دل ٹکڑے ہوجائے گا جو اس زمانہ کے اہلِ باطل میں سے کہتا ہے کہ جب یہ مسئلہ اصول میں سے نہیں جیسا کہ سید شریف نے شرح مواقف

[1] شرح الموقف المرصد الرابع فی الامامۃ منشورات الرضی قم ایران ۸ /۳۴۴تا۴۰۱

وغیرہ من المتکلمین الفحول وکذا قد شھد علٰی نفسہ بالرسۃ الکبرٰی فی مناصب الجھل والسفاھۃ من قال اذلم تکن قطعیۃ قلنا ان نطوی الکشح عن تسلیمھا قل لھم اترکوا الواجبات باسرھا ثم انظروا مایأتیکم من وعید الشریعۃ وتأثیمھا واذ قد علمت ان ھذا التحقیق یرفع الخلاف ویورث التطبیق فعلیك بہ اتفقت الاقوال اواختلفت اذ کلمۃ جامعۃ خیر من آراء متدافعۃ فان رأیت شیئا من کلمات المتاخرین تابی ھذا النور المبین فاعلم ان تخطیۃ ھذاالبعض خیر من تخطیۃ احد الفریقین من آئمہ الدین،لاسیما القائلین بالقطع فھم العمد الکبار للدین الحنیف۔وبھم تشید ارکان الشرع المنیف۔ فمنھم من ھو اولھم واولٰھم سیدھم وولیھم اکثرھم للتفضیل تفصیلا واشد ھم علی المخالف تنکیلا سیدنا المرتضٰی اسد اللہ العلی الاعلی کرم اللہ تعالٰی وجھہ الکریم اذقد تواتر عنہ فی ایام امامتہ وکرسی زعامتہ

میں اور دوسرے علماء متکلمین نے اس کی تصریح کی اور یونہی مناسب جہل وحماقت میں اپنی زعمتِ کبرٰی پر گواہی دی اس نے جس نے یہ کہا کہ جب یہ مسئلہ قطعی نہیں ہے تو ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے تسلیم کرنے سے پہلو تہی کریں۔ان سے ہو سارے واجبات کو چھوڑ دو پھر دیکھو کہ تمہارے پاس شریعت کی کیسی وعید اور تمہارے گنہ گار ہونے کی تہدید آتی ہے۔جب تم نے جان لیا کہ یہ تحقیق خلاف کو اٹھاتی اور کلماتِ علماء میں مطابق پیدا کرتی ہے تو تم اس کو لازم پکڑو اقوال متفق ہوں یا مختلف اس لیے کہ ایک جامع بات باہم ٹکراتی باتوں سے بہتر ہے تو اگر تم دیکھو کلماتِ متاخرین میں کوئی عبارت اس نورِ مبین سے اِباء کرتی ہے تو جان لو کہ اس بعض کو خاطی جاننا بہتر ہے اس سے کہ آئمہ دین میں کسی فریق کو خاطی ٹھہرایا جائے خصوصًا وہ آئمہ کرام جو اس مسئلہ کو قطعی کہتے ہیں اس لیے کہ وہی دین حنیف کے بڑے ستون ہیں اور انہیں سے شرع بلند وبرتر کے ستون قائم ہیں۔تو ان میں سے ایک وہ ہیں جو سب سے زیادہ اول واولٰی اور ان سب کے سید ومولٰی اور مسئلہ تفضیل کو سب سے زیادہ بیان کرنے والے اور مخالفین کو سخت سزا کا خوف دلانے والے سیدنا علی مرتضٰی اللہ بلند وبالا کے شیر کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم اس لیے کہ ان کے ایامِ خلافت اور کرسی زعامت میں

تفضیل الشیخین علٰی نفسه وعلی سائر الامة۔ورمٰی بھابین اکتاف الناس و ظھورھم حتی جلی ظلام شکوك مدلھمة۔روی الدارقطنی عنه رضی الله تعالٰی عنه قال لااجد احدًا فضلنی علی ابی بکر و عمر الاجلدته حد المفترٰی[1]عــــه۔	ان کا شیخین ابوبکر و عمر کو خود پر اور تمام امت پر فضیلت دینا تواتر سے ثابت ہوا اس کو لوگوں کے کندھوں اور پشتوں پر مارا یعنی اس مسئلہ کو لوگوں کے سامنے اور ان کے پیچھے خوب روشن کیا یہاں تک کہ تیرہ و تار شبہات کی اندھیری کو دور کر دیا۔دار قطنی نے اسی جناب سے روایت کیا۔فرمایا میں کسی کو نہ پاؤں گا جو مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت دے مگر یہ کہ میں اس کو مفتری کی حد ماردوں گا۔

عــــه:وقد کان رضی الله تعالٰی عنه یبوح بھذا فی المجامع الشاملة والمحافل الحافلة والمساجد الجامعة وفیھم من فیھم من الصحابة والتابعین لھم باحسان ثم لم ینقل عن احد منھم انه ردقوله ھذا ولقد کانوا اتقی الله تعالٰی من ان یسکنوا عن حق اویقروا علٰی خطاؤ ھم الّذین وصف الله سبحٰنه وتعالٰی فی القرآن العظیم بانھم "خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ

اور سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ عام مجمعوں میں اور بھری محفلوں میں اور جامع مسجدوں میں اس بات کا اعلان فرماتے تھے اور لوگوں میں صحابہ اور تابعین کرام موجود ہوتے تھے پھر ان میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اس قول کو رد کیا ہو اور بے شک وہ اللہ تعالٰی سے بہت ڈرنے والے تھے اور اس بات سے دور تھے کہ حق بتانے سے خاموش رہیں یا کسی خطا کو مقرر رکھیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تبارک وتعالٰی نے قرآن عظیم میں یوں بیان فرمایا "اور تم بہترین اُمت ہیں جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی کہ (باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

[1] الصواعق المحرقة بحواله الدارقطنی الباب الثالث الفصل الاول دارالکتب العلمیه بیروت ص۹۱

قال سلطان الشان ابوعبداللہ الذہبی حدیث صحیح۔	اس فن کے سلطان حضرت ابوعبداللہ ذہبی نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔
قلت انظر الی ھذا الوعید الشدید افتراہ معاذ اللہ مجترأعلی اللہ تعالٰی فی اجراء الحدود مع تعارض الظنون وھو الراوی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علی وسلم ادرؤا الحدود [1] اخرجہ عنہ الدار قطنی والبیہقی۔ وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم	**قلت** (میں کہتا ہوں) اس وعید شدید دیکھو تو کیا تم حضرت علی کو گمان کروگے پناہ بخدا اللہ تبارک وتعالٰی پر جرات کرنے والا حدود کو جاری کرنے میں باوجود گمانوں کے تعارض کے حالانکہ وہی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی ہیں کہ فرمایا "حدود کو دفع کرو۔ مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیہقی ودار قطنی نے روایت کیا اور فرمایا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے "مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو جب تک تم کو استطاعت ہے۔ تم اگر تم مسلمان کے لیے کوئی راہِ خلاص پاؤ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" [2] وائمتھم الکرام کانوا اتقی ومنھم احرص علی الرشد والصواب۔ وقد کانوا یحثون العلماء علی ابانۃ الحق ان خطاء وتقویمہ الاودان مالوا۔

بھلائی کا حکم دیتے اور بُرائی سے روکتے ہو" اور اس گروہ کے آئمہ کرام ان سے زیادہ متقی اور ہدایت وصواب پر ان سے زیادہ حریص تھے اور علماء کو حق ظاہر کرنے پر اکساتے تھے اگر ان سے خطا ہو اور کجی کو درست کرنے کی ترغیب دیتے تھے اگر وہ منحرف ہوں۔

[1] سنن الدار قطنی کتاب الحدود والدیات حدیث ۳۰۶۲/۹ دار المعرفۃ بیروت ۶/۳، سنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبھات دار صادر بیروت ۸/ ۲۳۸

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۰

فان وجدتم للمسلم مخرجًا فخلوا سبیلہ فان الامام ان یخطئ فی العفو خیر من ان یخطئ فی العقوبۃ رواہ ابن ابی شیبۃ والترمذی [1] والحاکم و البیہقی عن اُم المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا ومنہم میمون ابن مہران من فقہاء التابعین سُئِل ابوبکر و عمر افضل ام علی۔فقف شعرہ و ارتعدت فرائصہ حتی سقطت عصاہ من یدہ وقال ما کنت اظن ان اعیش الٰی زمان یفضل الناس فیہ احدًا علی ابی بکر و عمر اوکما قال رواہ ابونعیم [2] عن فرات بن السائب۔ومنہم عالم المدینۃ الامام مال بن انس رضی اللہ تالٰی عنہ سُئِل عن افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا در گزر میں خطا کرنا اس سے بہتر ہے کہ وہ عقوبت میں خطا کرے "اس حدیث کو ابن ابی شیبہ۔ترمذی۔حاکم اور بیہقی نے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا اور انہیں میں سے حضرت میمون ابن مہران ہیں جو کہ فقہائے تابعین سے ہیں ان سے سوال ہوا کہ سیدنا ابوبکر و عمر افضل ہیں یا علی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور ان کی رگیں پھڑکنے لگیں یہاں تک کہ چھڑی ان کے ہاتھ سے گر گئی اور انہوں نے کہا کہ مجھے گمان نہ تھا کہ میں اس زمانہ تک جیوں گا۔جس میں لوگ ابوبکر و عمر پر کسی کو فضیلت دیں گے۔یا جیسا انہوں نے فرمایا اس حدیث کو روایت کیا ابونعیم نے فرات بن سائب سے۔اور انہیں میں سے عالم مدینہ امام مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں سے افضل کے بارے میں۔تو فرمایا ابوبکر و عمر۔پھر

[1] المستدرك للحاکم کتاب الحدود باب ان وجدتم لمسلم مرجا الخ دارالفکر بیروت ۴ /۳۸۴، جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱ /۱۷۱، السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دارصادر بیروت ۸ /۲۳۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الحدود باب فی درء الحدود بالشبہات حدیث ۲۸۴۹۳ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵ /۵۰۸

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۲۵۱ میمون بن مہران دارالکتاب العربی بیروت ۴ /۹۲ و ۹۳

فقال ابوبکر و عمر۔ثم قال اوفی ذٰلك شك [1] ومنهم الامام الاعظم الاقدم الاعلم الاکرم سیدنا ابو حنیفه رضی الله تعالٰی عنه سئل ن علامات اهل السنة فقال ان تفضل الشیخین وتحب الختنین و تمسح علی الخفین [2] ومنهم عالم قریش مالئی طباق الارض علمًا سیدنا الامام محمد بن ادریس الشافعی المطلبی نقل اجماع الصحابة والتابعین علی تفضیل الشیخین ولم یحك خلافا [3] ومنهم امام اهل السنة و الجماعة صاحب الحکمة الیمانیة سیدنا الامام ابو الحسن الاشعری رحمة الله تعالٰی علیه کما نقل عنه العلماء الثقات ومنهم الامام الهمام حجة الاسلام ذکر فی قواعد عقائد الاماجد وذر فیها مسئلة التفضیل وقال فی اٰخرها ان فضل	فرمایا کیا اس میں کوئی شک ہے۔اور انہیں میں سے امام اعظم اقدم سب سے زیادہ علم رکھنے والے سب سے زیادہ مکرم سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں ان سے سوال ہوا اہلسنت کی علامات کے بارے میں تو انہوں نے فرمایا اہلسنت کی پہچان یہ ہے کہ تو شیخین ابوبکر و عمر کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل جانے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دونوں دامادوں سے محبت کرے اور خفین پر مسح کرے۔انہیں میں سے عالم قریش زمین کے طباق کو علم سے بھرنے والے سیدنا امام محمد ابن ادریس شافعی مطلبی انہوں نے صحابہ اور تابعین افضلیتِ شیخین پر اجماع نقل کیا۔اور انہیں میں امام اہلسنت وجماعت حکمتِ یمانیہ سیدنا امام ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ہیں۔جیسا کہ ان سے علمائے ثقات نے نقل کیا اور انہیں میں امام ہمام حجۃ الاسلام (غزالی) انہوں نے قواعد العقائد میں مجد والے آئمہ کے عقائد کو ذکر کیا اور ان عقائد میں مسئلہ تفضیل کو ذکر کیا اور اس کے آخر میں کہا کہ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعرفة بیروت ۷/ ۳۸

[2] تمہید ابی الشکور السالمی الباب الحادی عشر القول السادس دار العلوم حزب الاحناف لاہور ص ۱۶۵، خلاصة الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الاول مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۱

[3] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد السابع الفصل الثالث دار المعروفة بیروت ۷/ ۳۹، تدریب الراوی شرح تقریب النوادی النوع التاسع والثلاثون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۹۶

الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم علی حسب ترتیبهم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل ما هو فضل عند اللہ عزوجل وذٰلك لا یطلع علیه الا الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم[1] وان یعتقد فضل الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم و ترتیبهم وان افضل الناس بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ تعالٰی عنهم[2] ومنهم الامام جبل الحفظ علامة الورٰی سیدنا ابن حجر العسقلانی والامام العلام احمد بن محمد القسطلانی و المولٰی الفاضل عبدالباقی الزرقانی و ناظم قصیدة بدء الامالی والفاضل الجلیل مولانا علی القاری وغیرهم رحمة اللہ تعالٰی علیهم اجمعین حدثنا المولٰی الثقة الثبت سلالة العارفین السید الشریف الفاطمی سیدنا ابوالحسین احمد النوری قال سمعت شیخی و مرشدی سیدنا و مولانا اٰل الرسول الاحمدی قال سمعت الشاہ عبدالعزیز الدهلوی یقول تفضیل الشیخین قطعی اوکالقطعی۔	فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کے موافق ہے اس لیے کہ حقیقتِ فضل وہ ہے جو اللہ کے نزدیک فضل ہو اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کو اطلاع نہیں۔ یا آدمی صحابہ رضوان اللہ علیہم کی فضیلت اور اس میں ترتیب کا اعتقاد کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ اور انہیں میں امام حفظ کے پہاڑ علامہ جہاں سیدنا امام حجر عسقلانی اور امام علام احمد بن محمد قسطلانی اور مولٰی فاضل عبدالباقی زرقانی اور قصیدہ بدء الامالی کے ناظم اور فاضل جلیل مولانا علی قاری وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ہیں۔ ہم سے حدیث بیان کی مولٰی ثقہ ثبت سلالۃ العارفین سید شریف فاطمی سیدنا ابوالحسین نوری نے انہوں نے فرمایا میں نے سنا اپنے شیخ اور مرشد آل رسول احمدی سے انہوں نے فرمایا میں نے سنا شاہ عبدالعزیز دہلوی سے وہ فرماتے تھے شیخین کی فضیلت قطعی ہے یا قطعی جیسی ہے۔

[1] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الثالث مطبعة المشهد الحسین القاهرہ ۱/ ۱۱۵

[2] احیاء العلوم کتاب قواعد العقائد الفصل الاول مطبعة المشهد الحسین القاهرہ ۱/ ۹۳

اقول: ولك ان تحمل الترديد على التنويع دون التردد۔ فالمعنى قطعی بالمعنى الثانی وكالقطعی بالمعنى الاول۔ ومن ھٰھنا بان لك ان من قال رأينا المجمعين ايضًا ظانين غير قاطعين فقد صدق ان ارادالظن بالمعنى الاعم والقطع بالمعنى الاخص۔ ولا يضرنا ولا ينفعه وان عكس فقد غلط وهو محجوج بدلائل لاقبل له بها والله تعالٰی اعلم۔ هذا جملة القول فی هذا المقام وقد اشرناك الى نكت تجلو بها الظلام اما التفصيل فقد فرغنا عنه فی كتاب التفضيل بتوفيق الملك الجليل۔ ولا حول ولا قوة الا بالله	**اقول:** (میں کہتا ہوں) اور تمہیں اختیار ہے کہ تردید کو تقسیم پر محمول کرو نہ کہ تردد پر۔ تو معنی یہ ہے کہ معنی ثانی پر فضیلت شیخین قطعی ہے اور معنی اول پر قطعی جیسی ہے اور یہاں سے تمہیں ظاہر ہوگیا کہ جس نے یہ کہا کہ ہم نے اس مسئلہ میں اجماع کرنے والوں کو دیکھا کہ وہ بھی ظن پر قائم ہیں قطعی فیصلہ نہیں کرتے تو وہ سچا ہے اگر اس نے ظن بالمعنی الاعم مراد لیا اور قطعی بالمعنی الاخص کا قصد کیا۔ اور یہ کہ ہم کو نقصان دہ نہیں اور اس کو سود مند نہیں اور اگر وہ اس کا عکس مراد لے تو اس نے غلط کہا اور اس پر ان دلائل سے حجت قائم ہے جن کے مقابل کی اس کو طاقت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم اس مقام میں یہ مختصر قول ہے اور ہم نے تمہیں اشارہ کیا اُن نکتوں کی طرف جن سے اندھیرا اچھٹ جاتا ہے۔ رہی تفصیل تو ہم اس سے فارغ ہوچکے ہیں۔ کتاب تفصیل میں اللہ ملک جلیل کی توفیق سے۔ اور برائی سے پھرنے اور نیکی یک طاقت نہیں مگر اللہ سے۔
لطيفة: قال الامام الرازی فی مفاتيح الغيب سورة و الليل سورة ابی بكر۔ و سورة والضحٰی سورة محمد عليه الصلوة والسلام ثم ماجعل بينهما واسطة ليعلم انه لا واسطة بين محمد صلی الله تعالٰی عليه وسلم وابی بكر فان ذكرت الليل اولًا وهو ابو بكر	**لطیفہ:** فرمایا امام رازی نے مفاتیح الغیب میں کہ سورہ واللیل ابوبکر کی سورۃ ہے اور سورہ والضحٰی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت ہے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ان سورتوں کے درمیان واسطہ نہ رکھا تاکہ معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ابوبکر کے درمیان کوئی شخص واسطہ نہیں تو اگر تم پہلے واللیل کا ذکر کرو وہ ابوبکر ہیں پھر

ثم صعدت وجدت بعدہ النھار وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وان ذکرت والضحٰی اولا وھو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم نزلت وجدت بعدہ واللیل وھوابوبکر لیعلم انہ لاواسطۃ بینھما[1] انتھی	چڑھو تو اس کے بعد دن کو پاؤگے تو وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اور اگر تم پہلے والضحٰی کا ذکر کرو اور وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔ پھر اترو تو اس کے بعد واللیل کو پاؤگے اور وہ ابوبکر ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔
اقول: وکان تقدیم واللیل علٰی ھذا التقدیر لا نھا جواب عن طعن الکفار فی جناب الصدیق والضحٰی جواب عن طعنھم فی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تستلزم تبرئۃ الصدیق لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم اعلی وبراءۃ الاعلی لا توجب براء ۃ الادنی و تبرئۃ الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ یحکم تبرئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالطریق الاولٰی اذ انما بری لانہ عبد بذاك البریٔ النقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکان فی تقدیم واللیل استعجالًا الی الجواب عن الطعنین معًا ولو اخرلتأخرالجواب عن طعن الصدیق۔	**اقول:** اور واللیل کو تقدیم اس تقدیر پر اس لیے ہے کہ وہ جناب صدیق کے بارے میں کفار کے طعنہ کا جواب ہے اور والضحٰی ان کے طعنہ کا جواب ہے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں۔ اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت صدیق کی براءت کو مستلزم نہیں اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلٰی ہیں اور اعلٰی کی براءت ادنی کی براءت کو لازم نہیں کرتی اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی براءت بدرجہ اولٰی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی براءت کا حکم کرتی ہے اس لیے کہ صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اس لیے بری ہوئے کہ اس بری نقی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام ہیں تو واللیل کی تقدیم میں ایک ساتھ دونوں طعنوں کے جواب کی جحت ہوئی اور اگر واللیل کو مؤخر کیا جاتا تو صدیق کے طعنہ کا جواب مؤخر ہوجاتا،
اقول: تسمیۃ سورۃ الصدیق	**اقول:** سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۹۳/ ۱تا۳ المطبعۃ البھیتہ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۰۹

بالليل وسورة المصطفٰی بالضحٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ورضی الله تعالٰی عنه کانه اشارة الٰی ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نور الصدیق وهداه ووسیلة الی الله به یبتغٰی فضله ورضاه والصدیق رضی الله تعالٰی عنه راحة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ووجه انسه وسکونه واطمینان نفسه وموضع سره ولباس خاصته فقد قال تبارو تعالٰی "وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ"[1] و قال تعالٰی "جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ"[2] وتلمیح الٰی ان نظام عالم الدین انما یقوم بهما کما ان نظام عالم الدنیا یقوم بالملوین فلولا النهار لما کان ابصار و لولا اللیل لما حصل قرار فالحمد لله العزیز الغفار۔

لطیفة: استنباط القاضی الامام ابوبکر الباقلانی من الایات

تعالٰی عنہ کی سورت کو واللیل کا نام دینا اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سورت کا نام ضحٰی رکھنا گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صدیق کا نور اور ان کی ہدایت اور اللہ کی طرف ان کا وسیلہ جن کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کی جاتی ہے اور صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راحت اور ان کے انس وسکون اور اطمینان نفس کی وجہ ہیں اور ان کے محرم راز اور ان کے خاص معاملات سے وابستہ رہنے والے اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالٰی فرماتا ہے "اور رات کو پردہ پوش کیا" اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے" تمہارے لیے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لیے کہ تم حق مانو" اور یہ اس بات کی طرف تلمیح ہے کہ دین کا نظام ان دونوں سے قائم ہے جیسے کہ دنیا کا نظام دن رات سے قائم ہے تو اگر دن نہ ہو تو کچھ نظر نہ آئے اور رات نہ ہو تو سکون حاصل نہ ہو۔ تو اللہ عزیز غفار ہی کے لیے حمد ہے۔

لطیفہ: قاضی امام ابوبکر باقلانی نے اس آیتہ کریمہ سے حضرت سیدنا مرتضٰی پر فضیلت

[1] القرآن الکریم ۷۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۳

I.T. Majlis of DawateIslami

الکریمۃ وجھا اٰخر لتفضیل سیدنا الصدیق علٰی سیدنا المرتضی لقاھما اللہ تعالٰی باحسن الرضا۔ انبانا السراج عن الجمال عن السندی عن الفلانی عن محمد سعید عن محمد طاھر عن ابیہ ابراہیم الکردی عن القشاشی عن الرملی عن الزین زکریا عن ابن حجر عن مجد الدین الفیروز آبادی عن الحافظ سراج الدین القزوینی عن القاضی ابی بکر التفتازانی عن شرف الدین محمد بن محمد الھروی عن محمد بن عمر الرازی قال فی مفاتیح الغیب" ذکر القاضی ابوبکر الباقلانی فی کتاب الامامۃ فقال ایۃ الواردۃ فی حق علی کرم اللہ وجھہ الکریم: " اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِیْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا ۝۱۰ "والایۃ الواردۃ فی حق ابی بکر " اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝۲۰ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ۝۲۱ " فدلت الایتان	صدیق کی دوسری وجہ استنباط کی۔اللہ تبارک و تعالٰی دونوں کو اپنی بہترین رضا سے ہمکنار کرے۔ ہمیں خبر دی سراج نے وہ روایت کرتے ہیں جمال سے۔وہ روایت کرتے ہیں سندی سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد سعید سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد طاہر سے۔وہ روایت کرتے ہیں اپنے باپ ابراہیم ردی سے۔وہ روایت کرتے ہیں قشاشی سے۔وہ روایت کرتے ہیں رملی سے۔وہ روایت کرتے ہیں زین زکریا سے۔وہ روایت کرتے ہیں ابن حجر سے۔وہ روایت کرتے ہیں مجد الدین فیروز آبادی سے۔وہ روایت کرتے ہیں حافظ سراج الدین قزوینی سے۔وہ روایت کرتے ہیں قاضی ابوبکر تفتازانی سے۔وہ روایت کرتے ہیں شرف الدین محمد بن محمد الہروی سے۔وہ روایت کرتے ہیں محمد بن عمر رازی سے۔انہوں نے مفاتیح الغیب میں فرمایا قاضی ابوبکر باقلانی نے کتاب الامامۃ میں ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ وہ آیت جو علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے حق میں وارد ہے "ان سے کہتے ہیں ہم تمہیں خاص اللہ کے لیے کھانا دیتے ہیں تم سے کوئی بدلہ یا شکر گزاری نہیں مانگتے بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن اڈر ہے جو بہت ترش نہایت سخت ہے" اور وہ آیت جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں وارد ہوئی" صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے جو سب

سے بلند ہے اور بے شک قریب ہے کہ وہ راضی ہوگا" یہ دونوں آیتیں دلالت کرتی ہیں کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے نیکی اللہ کی خوشنودی کے لیے کی مگر یہ کہ سیدنا علی کے حق میں جو آیت اُتری وہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اللہ کی خوشنودی اور روزِ قیامت کے ڈر سے کیا اس بناء پر انہوں نے کہا" بے شک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو بہت ترش اور نہایت سخت ہے" اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اترنے والی آیت وہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا محض اللہ کے لیے کیا بغیر اس کے کہ اس میں کچھ طمع کا شائبہ ہو اس امر میں جو ثواب میں رغبت یا عذاب میں ہیبت کی طرف لوٹتا ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مقام اعلٰی اور اجل ہوا انتہی،	ان کل احد منهما انما فعل ما فعل لوجه الله الا ان اية علی تدل علی انه فعل ما فعل لوجه الله وللخوف من یوم القیمة علٰی ما قال "انا نخاف من ربنا یومًا عبوسا قمطریرا" واما ایة ابی بکر فانها دلت علی انه فعل ما فعل لمحض وجه الله تعالٰی من غیر ان یشوبه طمع فیما یرجع الی رغبة فی ثواب او رهبة من عقاب فکان مقام ابی بکر اعلٰی واجل[1] انتهٰی
اقول: (میں کہتا ہوں) اور تحقیق یہ ہے کہ تمام اجلّہ صحابہ کرام مراتبِ ولایت میں اور خلق سے فنا اور حق میں بقا کے مرتبہ میں اپنے ماسوا تمام اکابر اولیاء عظام سے وہ جو بھی ہوں افضل ہیں۔ اور ان کی شان ارفع واعلٰی ہے اس سے کہ وہ اپنے اعمال سے غیر اللہ کا قصد کریں۔ لیکن مدارج متفاوت ہیں اور مراتب ترتیب کے ساتھ	**اقول:** والتحقیق ان جملة جلة الصحابة الکرام رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین ارقی فی مراقی الولایة والفناء عن الخلق والبقاء بالحق من کل من دونهم من اکابر الاولیاء العظام کائنین من کانوا۔ وشانهم رضی الله تعالٰی عنهم ارفع واعلٰی من ان یقصدوا

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آلایة ۹۲/ ۲۰ و۲۱ المطبعة البهتیه المصرتیه مصر ۳۱/ ۲۰۶ و۲۰۷

باعمالھم غیر اللہ سبحٰنہ وتعالٰی لکن المدارج متفاوتۃ والمراتب مترتبۃ وشئی دون شئی وفضل فوق فضل۔ومقام الصدیق حیث انتھت النھایات وانقطعت الغایات ذاھورضی اللہ تعالٰی عنہ کما صرح بہ امام القوم سیدی محی الملۃ والدین ابن عربی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی امام الائمۃ ومالک الازمۃ ومقامہ فوق الصدیقیۃ ودون النبوۃ التشریعیۃ ولیس احدبینہ وبین مولاہ الاکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی اسم خاتم الرسالۃ ختمنا الرسالۃ۔والحمد للہ مولی الجلالۃ۔ تم الکتاب علٰی ثناء الھاشی ختم الالٰہ لنا علی اسم الخاتم "سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ۚ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ۚ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾ ؑ"[1]۔	ہیں اور کوئی شے کسی شے سے کم ہے اور کوئی فضل کسی فضل کے اوپر ہے اور صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا مقام وہاں ہے جہاں نہایتیں ختم اور غایتیں منقطع ہو گئیں اس لیے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ امام القوم سیدّی محی الدین ابن عربی قدس سرہ الزکی کی تصریح کے مطابق پیشواؤں کے پیشوا اور تمام کی لگام تھامنے والے اور ان کا مقام صدیقیت سے بلند اور تشریع نبوت سے کمتر ہے۔ان کے درمیان اور ان کے مولائے اکرام محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درمیان کوئی نہیں۔اور خاتم رسالت کے نام ہم نے اپنا یہ رسالہ تمام کیا اور اللہ کے لیے حمد ہے جو مالک ہے جلالت کا۔کتاب رسول ہاشمی کی ثناء پر تمام ہوئی اور اللہ تعالٰی ہمارا خاتمہ فرمائے۔خاتم النبیین کے نام پر۔"سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۸۰﴾ۚ وَسَلٰمٌ عَلَی الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۸۱﴾ۚ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۸۲﴾ ؑ"

رسالہ الزلال الانقٰی من بحر سبقۃ الاتقٰی ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۸ کتاب الشتی حصّہ سوم فضائل و مناقب کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی

جلد ۲۹ کتاب الشتی کے حصّہ چہارم سے شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۸۰تا۱۸۲

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۲۹

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4

پیش لفظ 6

انتیسویں ۲۹ جلد 10

ضروری بات 11

فہرست مضامین مفصّل 14

فہرست ضمنی مسائل 40

کتاب الشّتی 48

(حصّۂ چہارم) 48

عروض و قوافی 48

علم وتعلیم 60

زبان وبیان 66

وعظ وتبلیغ 70

علم الحیوان 74

تشریح ابدان 76

علمِ حروف وریاضی 80

حقوق العباد 84

لغت 86

خواب 88

اجارہ 90

عقائد وکلام ودینیات 92

قوارع القھار علی المجسمۃ الفجّار ۱۳۱۸ھ 120

جسمیتِ باری تعالٰی کے قائل فاجروں پر قہر فرمانے والے (اللہ تعالٰی) کی طرف سے سخت مصیبتیں) 120

ملقب بلقب تاریخی 120

ضربِ قہاری ۱۳۱۸ھ 120
رسالہ 288
ثلج الصدر لایمان القدر ۱۳۲۵ھ 288
(سینے کی ٹھنڈک،ایمان تقدیر کے سبب) 288
رسالہ 304
التحبیر بباب التدبیر ۱۳۰۵ھ 304
(آرائش کلام مسئلہ تدبیر کے بارے میں) 304
رسالہ 340
اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والاٰل والاصحاب ۱۲۹۸ھ 340
(احباب کا اعتقاد جمیل (اللہ تعالٰی) مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،آپ کی آل اور اصحاب کے بارے میں) 340
رسالہ 412
رماح القہار علی کفر الکفار ۱۳۲۸ھ 412
(قہار کا نیزہ مارنا کافروں کے کفر پر) 412
(تمہیدِ "خالص الاعتقاد") 412
رسالہ 434
خالصُ الاعتقاد ۱۳۲۸ھ 434
(اعتقادِ خالص) 434
رسالہ 486
اِنبآءُ المصطفٰی بحال سِرّ واخفٰی ۱۳۱۸ھ 486
(مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر دینا پوشیدہ کی اور پوشیدہ ترین کی) 486
رسالہ 512
ازاحۃ العیب بسیف الغیب 512
(عیب کو دُور کرنا غیب کی تلوار سے) 512
رسالہ 550

انوارالانتباہ فی حل نداءیارسول اللّٰہ 550
(یارسُول اللہ کہنے کے جواز کے بارے میں نورانی تنبیہیں) 550
رسالہ 572
اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین 572
(محبوبوں کے سردار کی شفاعت کے بارے میں چالیس ۴۰ حدیثیں سنانا) 572
امورِعشرین درامتیازِعقائد سُنّیین 614
(سُنیوں کے عقائد کی پہچان میں بیس ۲۰ امور) 614
رسالہ 656
شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ۱۳۱۶ھ 656
(مطالب کی وضاحت ابُوطالب کی بحث میں) 656

فتاوٰی رِضویّہ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

مَنۡ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُّفَقِّهۡهُ فِیۡ الدِّیۡنِ (الحدیث)

اَلۡعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الۡفَتَاوٰی الرِّضۡوِیَّۃِ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

جلد ۲۹

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون: ۷۶۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب__________فتاوی رضویہ جلد ۲۹

تصنیف__________شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست__________حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح__________مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی__________مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت__________محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ__________مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات__________۷۵۲

اشاعت__________رجب المرجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء

مطبع__________

ناشر__________رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت__________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ۵
فہرست مفصل ۱۳
فہرست ضمنی مسائل ۳۹
عروض و قوافی ۴۷
علم و تعلیم ۵۹
زبان و بیان ۶۵
وعظ و تبلیغ ۶۹
علم الحیوان ۷۳
تشریح ابدان ۷۵
علم حروف و ریاضی ۷۹
حقوق العباد ۸۳
لُعنت ۸۵
خواب ۸۷
اجارہ ۸۹
عقائد و کلام و دینیات ۹۱

فہرست رسائل

○ قوارع القہار ۱۱۹
○ ثلج الصدر ۲۸۷
○ التجیر ۳۰۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

o اعتقاد الاحباب ____ ۳۳۹
o رماح القہار ____ ۴۱۱
o خالص الاعتقاد ____ ۴۳۳
o انباء المصطفی ____ ۴۸۵
o ازاحۃ العیب ____ ۵۱۱
o انوار الانتباہ ____ ۵۴۹
o اسماع اربعین ____ ۵۷۱
o امور عشرین ____ ۶۱۳
o شرح المطالب ____ ۶۵۵

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمد للہ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا شاہ احمد رضاخاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضافاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری سے مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں:

(۱)الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ	(۱۳۲۳ھ)
مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ	(۱۳۲۶ھ)
(۲)انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ	(۱۳۲۶ھ)
مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری	(۱۳۲۸ھ)
(۳)کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم	(۱۳۲۴ھ)
(۴)صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	(۱۳۰۵ھ)
(۵)ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ	(۱۳۱۴ھ)

I.T. Majlis of DawateIslami www.dawateislami.net

(۶)الصافیة الموحیة لحکم جلود الاضحیة (۱۳۰۷ھ)

(۷)الاجازات المتینة لعلماء بکة والمدینة (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویة فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کاآغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہٖ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا تقریبًا پندرہ [۱۵] سال کے مختصر عرصہ میں انتیسویں [۲۹] جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس سے قبل شائع ہونے والی اٹھائیس جلدوں کے مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت۔کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ،صوم،حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح،طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق،ایمان اور حدود وتعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲

۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰____اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴
۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰____ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعد ۱۴۲۰____فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱____جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر____۱۴۲۲____مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____۱۴۲۳____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری____۱۴۲۳____اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر والاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ____۱۴۲۳____فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ____۱۴۲۳____فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب____۱۴۲۴____ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام____۱۴۲۵ مارچ____۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری____۱۴۲۵____اگست ۲۰۰۴	۶۸۴
۲۸	کتاب الشتی حصہ سوم	۲۲	۶	ذیقعدہ____۱۴۲۵____جنوری ۲۰۰۵	۶۸۴

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس ۲۰ جلدوں میں اسی ترتیب کو

ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھااور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کاعنوان ذکر کیاجاتاہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں ۲۰ جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھالہٰذا اکیسویں ۲۱ جلد سے مسائل حظروا باحۃ کی اشاعت کاآغاز کیاگیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں ۲۵ جلد بھی منصّہ شہود پرآچکی ہے۔ اب ابواب فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیش نظر جلد میں شامل کردیاگیاہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم ودوازدہم میں غیر مبوّب و غیر مترتّب طورپر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھامگررب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیٰحضرت اور مفتی اعظم رحمۃاللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کوابواب کی لڑی میں پروکر مرتبط ومنضبط کردیاہے **وللہ الحمد**۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کامرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کردیاہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کااعتبار کیاگیاہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیاہے۔

(د) مذکورہ بالادونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیاہے۔

(ہ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیاہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کردیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرناپڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

انتیسویں [۲۹] جلد

یہ جلد ۲۱۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۷۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔البتہ رسالہ "خالص الاعتقاد" کی بعض عبارات کا ترجمہ حضرت مولانا تحسین رضا خان صاحب نے کیا ہے جب کہ التحبیر بباب التدبیر اور ثلج الصدر لایمان القدر کی اکثر عبارات کا ترجمہ حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی دامت برکاتہم العالیہ کے رشحاتِ قلم کا ثمر ہے۔رسالہ قوارع القہار کا ترجمہ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد عبد القیوم قادری ہزاروی علیہ الرحمہ کا تحریر کردہ ہے اور رسالہ اعتقاد الاحباب کی تزیین وترتیب اور توضیح و تشریح خلیل العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد خلیل القادری البرکاتی علیہ الرحمہ نے فرمائی ہے۔

پیش نظر جلد (کتاب الشتی حصہ چہارم) بنیادی طور پر مسائل کلامیہ واعتقادیہ پر مشتمل ہے جو فتاویٰ رضویہ قدیم جلد نہم و دوازدہم میں متفرق طور پر مذکور ہیں ہم نے ان کو یکجا کردیا ہے علاوہ ازیں اس جلد میں عروض و قوافی۔ علم و تعلیم زبان و بیان علم الحیوان، علم حروف و ریاضی، وعظ و تبلیغ، حقوق العباد، تشریح ابدان، خواب، لغت اور اجارہ کے بارے میں سوالوں کے جوابات بھی شامل ہیں۔مذکورہ بالا عنوانات کے علاوہ متعدد عنوانات سے متعلق مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں،

انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل گیارہ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں۔

(۱) قوارع القہار علی المجسمۃ الفجار المعروف بہ ضربِ قہاری (۱۳۱۸ھ)

آیاتِ متشابہات پر آریوں کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب

(۲) ازاحۃ العیب بسیف الغیب

علمِ غیب کے موضوع پر مدلّل رسالہ

(۳) "خالص الاعتقاد" مع تمہید رماح القہار علی کفر الکفار (۱۳۲۸ھ)

مسئلہ علمِ غیب کا مدلل رسالہ

(۴) انباء المصطفیٰ بحال سر واخفی (۱۳۱۸ھ)

حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالمِ ماکان ومایکون ہونے کا ثبوت

(۵) انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ (۱۳۰۴ھ)

یارسول اللہ کہنے کے جواز پر زوردار دلائل

(۶) شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۱۶ھ)

ایمان ابوطالب کے بارے میں مفصل بحث

(۷) اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفیٰ والال والاصحاب (۱۲۹۸ھ)

اہل سنت وجماعت کے دس عقائدِ حقہ کا بیان

(۸) التحبیر بباب التدبیر (۱۳۲۵ھ)

مسئلہ قضاء وقدر کا روشن بیان

(۱۰) اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین (۱۳۰۵ھ)

(۱۱) امور عشرین در عقائد سنین

سُنی اور غیر سنی میں امتیاز کرنے والے بیس ۲۰ امور کا بیان۔

ضروری بات

گو مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے وصال پرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابل برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجود باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی مدظلہ جو علوم دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل

اور حضرت مفتی اعظم کی علمی و تجرباتی وسعت وفراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاوٰی رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوش جمیلہ پر گامزن ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حسب معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہئے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں۔فقط

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
اگست ۲۰۰۵

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور وشیخوپورہ (پاکستان)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فہرست مضامین مفصّل

عروض وقوافی		پانچواں اعتراض اور اس کا جواب	۵۰
کنزالآخرۃ نامی کتاب پر فنِ شاعری میں مہارت رکھنے والے ایک شخص کے چند اعتراضات اور مصنف کنزالآخرۃ کی طرف سے ان کے جوابات پر اعلٰیحضرت علیہ الرحمہ کا علمی تحقیقی اور فنی تبصرہ،	۴۷	تفریس کسے کہتے ہیں	۵۰
پہلا اعتراض اور اس کا جواب	۴۷	چھٹا، ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں اعتراض اور ان کے جوابات	۵۱
دوسرا اعتراض اور اس کا جواب	۴۸	اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا جواب	۵۲
اختلاف حرکت قافیہ میں اساتذہ کی سندیں حدِ تواتر پر ہیں	۴۸	اعتراضِ اول پر تبصرہ	۵۲
تائید کے لیے کچھ اشعار	۴۸	اعتراضِ دوم پر تبصرہ	۵۲
تیسرا اعتراض اور اس کا جواب	۴۹	اعتراضِ سوم پر تبصرہ	۵۳
جمع کے قوافی میں مفرد کا لحاظ نہ رکھا جائے گا	۴۹	اعتراضِ چہارم پر تبصرہ	۵۴
مستحسن ضرور ہے لازم نہیں	۴۹	اعتراضِ پنجم پر تبصرہ	۵۴
چند اشعار مؤیّدہ	۴۹	اعتراضِ ششم پر تبصرہ	۵۴
چوتھا اعتراض اور اس کا جواب	۵۰		

اعتراضِ ہفتم پر تبصرہ	۵۵	جاہل کے لکھے ہوئے مسئلہ کی علماء کو تصدیق نہیں کرنی چاہیے	۶۱
اعتراضِ ہشتم پر تبصرہ	۵۵	تمام مسائل کہ صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف بلفظ قال وعند نسبت کیے جاتے ہیں، کتب ظاہر الروایہ کے مسئلے ہیں اور ان تک اسانید متصلہ موجود۔ ہر مسئلہ کے لیے جدا سند کی حاجت نہیں	۶۱
اعتراضِ نہم پر تبصرہ	۵۵	صاحب در مختار کی سند	۶۲
اعتراضِ دہم پر تبصرہ	۵۶	صاحب بحر کی سند	۶۲
کرنا، کرلینا اور کردینا میں فرق اور اس کی مثالیں	۵۷	مرقاۃ شرح مشکوۃ میں مذکور ایک حدیث کے حوالہ کے بارے میں سوال کا جواب	۶۴
علم و تعلیم		**زبان و بیان**	
پانچ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء اور اس کا مفصل جواب	۵۹	زنائے خلاف رضامندی وبلا رضامندی میں فرق ہے	۶۵
اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہماری ہر حاجت کے متعلق حق و باطل اور نفع وضرر پر ہمیں مطلع فرمادیا،	۶۰	وقف کے بارے میں در مختار اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب	۶۶
مسائل کو حیاء کے پیرائے میں بیان کرنا چاہیے	۶۰	اس شعر کا مطلب ؎ میری تعمیر میں مضمر ہے اِک صورت خرابی کی ہیولی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقاں کا	۶۷
ترجمہ کرتے وقت کیا احتیاطیں ضروری ہیں	۶۰	تین اشعار کے مطلب کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۶۷
ایک ہی بات اختلافِ طرزِ بیان سے تعظیم سے توہین تک بدل جاتی ہے	۶۰	لفظ محمد کے عدد ۹۲ اور خدا کے عدد ۶۰۵ ہیں	۶۸
صحیح مقابل فرضی کا مطلب	۶۰	رسل کرام کی سیر من اللہ الی الخلق ہے اور امت کی سیر من الرسل الی اللہ ہے	۶۸
مالابد اور مفتاح الجنۃ میں زیادات والحاقات ہیں	۶۰	بے وساطتِ رسل اللہ تک رسائی محال ہے	۶۸
بہشتی زیور اغلاط وضلالت وبطالت وجہالت کا مجموعہ ہے	۶۱		

تصدیق سب رسولوں کی جزوِ ایمان ہے	۶۸	روح انسانی متجزی نہیں	۷۷
برس کو عربی میں حول کہتے ہیں کہ تحویل سے مشعر ہے	۶۸	**علمِ حروف وریاضی**	
برس بمعنی بارش ہے	۶۸	تکمیل مجذور کے بارے میں نواب وزیر احمد خان قادری کے ایک سوال کا جواب	۷۹
ہر رسول کی رسالت بارشِ رحمت ہے	۶۸	ایک آیتِ کریمہ کے عدد سے ایک رافضی کے غلط استدلال کا ردِّ بلیغ	۸۰
وعظ و تبلیغ		روافض کی بنائے مذہب اوہام بے سروپا و پادر ہوا ہے	۸۰
واعظ کے لیے شرطِ اوّل مسلمان ہونا، شرط دوم سُنّی ہونا، شرطِ سوم عالم ہونا اور شرطِ چہارم فاسق نہ ہونا	۷۰	ہر آیت عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابق کرسکتے ہیں اور ہر آیتِ ثواب کے عدد اسماء کفار سے کہ اسماء میں وسعت وسیعہ ہے،	۸۰
علم الحیوان		امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر وعمر وعثمان ہیں	۸۰
کتّا اور کل جانور چرند پرند کس کی اولاد ہیں	۷۳	حضرت امام حسن وحسین ومحسن کے نام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں شبر وشبیر ومبشر کے ہم وزن وہم معنی ہیں	۸۱
تشریحِ ابدان		آیاتِ عذاب واسماء اشرار اور آیاتِ مدح واسماء اخیار کے عدد میں مطابقت کی سات مثالیں	۸۱
کیا کسی شخص کے دو دل ہوسکتے ہیں	۷۵	**حقوق العباد**	
قلب کیا ہے،	۷۶	اگر کوئی شخص کسی عورت سے بدفعلی کرے پھر اس کے خاوند سے معافی طلب کرے تو اس کے معاف کرنے سے معاف ہوجائے گا یا اس پر توبہ لازم ہے، اور اگر فقط توبہ کرلے تو کیا یہ گناہ معاف ہوجائے گا	۸۳
نکرہ تحت نفی مفید عموم واستغراق ہوتا ہے	۷۶		

لغت		رنڈیوں کا ناچ حرام ہے۔اولیاء کرام کے عُرسوں پر بے قید جاہلوں نے یہ معصیت پھیلائی ہے	۹۲
شکیل اور عقیل کا معنٰی کیا ہیں	۸۵	خاوند کے شراب پینے کا وبال اس پر ہے، عورت اسے جماع سے منع نہیں کرسکتی	۹۳
خواب		امانت میں خیانت اور غدر وبدعہدی جائز نہیں	۹۳
خواب کیا چیز ہے	۸۷	کسی جرم قانونی کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا منع ہے	۹۳
خواب چار قسم ہے	۸۷	غدر اور قانونی جرم کے بغیر ہندو کا مال ملے تو اس کو لے لینا مباح ہے	۹۴
پہلا حدیث نفس	۸۷	عورت کی خواہش مرد سے بہت زیادہ ہے مگر اللہ تعالٰی نے اس پر حیا ڈال دی ہے	۹۴
دوسرا القاء شیطان	۸۷	کنگھے کے لیے شریعت میں کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے	۹۴
تیسرا القاء فرشتہ۔	۸۷	تقویۃ الایمان ایک گمراہی اور بے دینی کی کتاب ہے	۹۴
چوتھا القاء الٰہی	۸۸	وہابی کون ہیں، ان کی اصل کہاں سے نکلی اور ان کے عقائد کیا ہیں	۹۵
اجارہ		مولود شریف کی حقیقت کیا ہے	۹۶
جو شخص کسی کام کے لیے منتخب کیا گیا وہ اس کو پوری طرح ادا نہ کرے یعنی قاصر رہے تو اس کو کیا سمجھنا چاہیے	۸۹	خواجہ حسن نظامی دہلوی کی کتاب محرم نامہ کے بارے میں سوال کا جواب	۹۷
عقائد وکلام ودینیات		سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کے فضائل ومناقب	۹۸
آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء کا جواب	۹۱	صحابہ سب کے سب اہلِ خیر وعدالت ہیں۔	۹۸
علمِ غیب ذاتی اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے اور اللہ تعالٰی کے بتانے سے انبیاء کو معلوم ہونا ضروریاتِ دین سے ہے	۹۲	اولیاء اللہ کے بارے میں چھ سوالات پر مشتمل ایک استفتاء کا جواب	۱۰۳
آیات واحادیث سے تائید	۹۲		

روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے	۱۰۳	حاشا نہ کوئی رسول رسالت سے معزول کیا جاتا ہے نہ سیدنا مسیح علیہ الصلوۃ والسلام معزول ہوں گے	۱۱۰
موتِ رُوح کے قائل بدمذہب ہیں	۱۰۳	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا امتی ہونا رسالت کے خلاف نہیں	۱۱۱
میت اپنی قبر پر آنے والے کو دیکھتا اور ان کی آواز کو سنتا ہے	۱۰۳	منسوخ پر حکم باطل ہے۔	۱۱۱
اولیاء اللہ کے تصرفات اور فیض رسانی کے بارے میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی عبارت	۱۰۳	مسلم الثبوت کی ایک عبارت کے بارے میں سوال کا جواب	۱۱۲
حیاتِ شہداء واولیاء کا ثبوت قرآن مجید سے۔	۱۰۵	مصنف مسلم الثبوت سُنی حنفی ہیں آزاد خیال نہیں	۱۱۲
حضور سیدنا غوث اعظم ضرور دستگیر اور خواجہ معین الدین چشتی ضرور غریب نواز ہیں	۱۰۵	ایک مجمل گول سوال پر تنبیہ	۱۱۲
عباراتِ علماء سے تائید	۱۰۵	حدیث لولاک کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۱۱۳
قرآن مجید میں جب سب کچھ موجود ہے تو پھر اماموں کا اختلاف کس بناء پر ہے	۱۰۶	اللہ تعالٰی نے تمام جہان حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے بنایا	۱۱۳
علم ہونے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا زمانہ افک میں سکوت حکمت پر مبنی تھا	۱۰۸	اللہ تعالٰی کو عرش پر سمجھنے کے بارے میں ایک غلط فتوٰی کا رد	۱۱۶
سیدنا حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی والدہ ماجدہ کے بارے میں چھ سوالات پر مشتمل استفتاء کا جواب	۱۰۹	اللہ تعالٰی مکان وتمکن سے پاک ہے۔نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ	۱۱۶
سیدہ مریم کے یوسف نجار کے ساتھ نکاح اور ان کے نبیہ ہونے کا شریعت مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں	۱۰۹	استواء علی العرش پر گفتگو	۱۱۶
چار نبیوں کو ابھی تک موت کا لحوق نہیں ہوا	۱۰۹	آیاتِ متشابہات کے بارے میں اہلسنت کے دو۲ مسلک ہیں	۱۱۷
حیات انبیاء کے منکر گمراہ بددین ہیں	۱۱۰	ابن تیمیہ کو مادی اور مجرد عن المادہ کے درمیان فرق معلوم نہیں	۱۱۷
تمام انبیاء بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں	۱۱۰		

رسالہ قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار (قرآن مجید کی آیات متشابہات پر آریہ کے اعتراضات کا تحقیقی جواب	۱۱۹	نجدی گمراہ کی چند سطری تحریر میں چھ جہالتوں اور ضلالتوں کا بیان	۱۴۰
اللہ عزوجل کی تنزیہ میں اہل سنت وجماعت کے پندرہ عقیدے	۱۱۹	مذکرہ بالا جہالتوں اور ضلالتوں کی خبر لینے کے لیے مصنف علیہ الرحمہ کی طرف چھ تپانچے	۱۴۰
آیات متشابہات کے باب میں اہلسنت و جماعت کا اعتقاد	۱۲۱	پہلا تپانچہ	۱۴۱
ہدایت وضلالت کا بڑا منشاء قرآن مجید کی آیات کا دو قسم ہونا ہے، محکمات اور متشابہات	۱۲۲	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے ۲۵۰ ضربیں	۱۴۱
استواعلی العرش کے معنٰی میں چار نفیس وجوہ تاویل	۱۲۴	ضرب اول جو ۳۳ ضربوں پر مشتمل ہے	۱۴۱
قرآن مجید میں استواء سات۷ جگہ آیا ہے، ساتوں جگہ آفرینش زمین وآسمان کے ساتھ اور بلافصل اس کے بعد آیا ہے	۱۲۶	دوسرا تپانچہ	۱۴۷
آیتِ کریمہ "الرحمن علی العرش استوی" آیاتِ متشابہات میں سے ہے	۱۲۸	تیسرا تپانچہ	۱۵۰
بیس۲۰ کتب سے تائید مسئلہ مذکورہ	۱۲۸	اصلی تپانچہ قیامت کا تپانچہ جس سے مجسمی گمراہی کا سُرمہ ہو جائے	۱۵۰
چاروں اماموں کا اجماع ہے کہ استواء کے معنے کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام ہے	۱۳۳	جو اجسام پر روا ہے اللہ تعالٰی پر روا نہیں	۱۵۲
وہابیہ مجسمہ کی بے دینی	۱۳۷	مکانی چیز کا ایک آن میں دو مختلف مکانوں میں موجود ہونا محال ہے	۱۵۳
اکثر مسائل میں اہل سنت دو متناقض فرقوں کے وسط میں رہتے ہیں	۱۳۷	واجب ہے کہ مولٰی تعالٰی مکان سے پاک ہو	۱۵۴
جو شخص کہے کہ اللہ تعالٰی عرش پر بیٹھا ہے اور کہیں نہیں ہے۔ شرعا اس کا کیا حکم ہے	۱۳۹	کسی مخلوق کو ازلی ماننا باجماعِ مسلمین کفر ہے	۱۵۴
نقل تحریر ضلالت تخمیر اور نجدی بقیر	۱۳۹	مکان کا مکیں کو محیط ہونا لازم	۱۵۵
ضرب قہاری	۱۴۰	اگر معبود کو مکانی فرض کیا جائے تو دو حال سے خالی نہ ہوگا کہ جزء لایتجزی کے برابر ہوگا یا اس سے بڑا ہوگا اور یہ دونوں باطل ہیں	۱۵۵

جو مکانی ہو اور جزء لایتجزی کے برابر نہ ہو اسے مقدار سے مفر نہیں	۱۵۷	اللہ تعالٰی کے لیے مکان وجہت کے اثبات پر ابن تیمیہ وغیرہ کی دلیل کا رَد۔	۱۵۹
مقدار غیر متناہی بالفعل باطل ہے	۱۵۷	شرع مطہر نے تمام جہان کے مسلمانوں کو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے	۱۶۰
مقدار متناہی کے افراد نامتناہی ہیں	۱۵۷	صمد وہ ہے جس کا جوف نہ ہو	۱۶۰
امور متساویۃ النسبۃ میں ایک کی ترجیح ارادے پر موقوف ہے	۱۵۷	آسمان اعلٰی کو فلک اطلس اور فلک الافلاک کہتے ہیں	۱۶۰
ہر مخلوق بالارادہ حادث ہے	۱۵۷	لاجرم ایمان لانا فرض ہے کہ وہ غنی بے نیاز مکان وجہت وجملہ اعراض سے پاک ہے	۱۶۱
مقداری کا وجود بے مقدار کے محال ہے	۱۵۷	بحمداللہ یہ بیس ۲۰ دلائل جلائل مثبت حق ومبطل باطل ہیں	۱۶۲
ہر مقدار متناہی قابل زیادت ہے	۱۵۷	رد جہالاتِ مخالف	۱۶۲
جہات فوق وتحت دو مفہوم اضافی ہیں ایک کا وجود بے دوسرے کے محال ہے	۱۵۷	ابن لہیعہ مدلس ہے	۱۶۶
ازل میں سوا اللہ عزوجل کے کچھ نہ تھا	۱۵۷	مدلس کا عنعنہ محدثین قبول نہیں کرتے	۱۶۶
ہر ذی جہت قابل اشارہ حسیہ ہے	۱۵۸	دراج پر جرح وتعدیل	۱۶۶
ہر قابلِ اشارہ حسیہ متحیز ہے	۱۵۸	ابوالہیثم سے دراج کی روایت ضعیف ہے	۱۶۶
ہر متحیز جسم یا جسمانی ہے	۱۵۸	مکان ومنزل ومقام بمعنی مکانت ومنزلت ومرتبہ شائع الاستعمال ہیں	۱۶۶
ہر جسم وجسمانی محتاج۔	۱۵۸	چوتھا تپانچہ	۱۷۰
اللہ تعالٰی احتیاج سے پاک ہے	۱۵۸	آیات متشابہات میں اہلسنت کے صرف دو طریق ہیں	۱۷۰
عرش زمین سے غایت بُعد پر ہے	۱۵۸	طریق اول، تفویض	۱۷۱
عاجز واسفل خدا نہیں ہوسکتا	۱۵۸	فائدہ جلیلہ (حاشیہ)	۱۷۱
مکان ومکانی کو جہت سے چارہ نہیں	۱۵۸	طریق دوم (تاویل)	۱۷۲
جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ	۱۵۸	پانچواں تپانچہ	۱۷۶
زمین گول ہے اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہے	۱۵۹	متواترات صرف معدودے چند ہیں	۱۷۹

چھٹا تپانچہ	۱۸۰	تقلید واجب شرعی ہے اور زمانہ رسالت سے شروع ہوئی	۱۹۵
عرش کسی مکان میں نہیں بلکہ وہ بالائے تمام اجسام ہے	۱۸۰	وجودِ آسمان پر دلائل اور فلاسفہ کا رَد	۲۰۰
ضرب فیصلہ	۱۸۸	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ وسلم کی ذات و صفات و فضائل وکمالات کبھی زوال پذیر نہیں بلکہ ہمیشہ مترقی ہیں	۲۰۱
ساتواں تپانچہ	۱۸۹	گیارھویں شریف اور بزرگوں کی یادگاری کے لیے دن مقرر کرنے کا بیان	۲۰۲
مسئلہ فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۱۸۹	ہمارے ملک میں میلاد خوانی و زیارتِ قبور وغیرہ کا منکر سوا وہابیہ کے کوئی نہیں	۲۰۳
کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے عرش کا مکانِ الٰہی ہونا ثابت نہیں	۱۸۹	مولود شریف کرنا اور اس میں ذکرِ ولادت اقدس پر قیام کرنا	۲۰۴
کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی ممانعت ثابت نہیں	۱۸۹	پیرانِ پیر کی گیارھویں شریف کرنا کیسا ہے	۲۰۴
صحیح لذاتہ و صحیح لغیرہ و حسن لذاتہ و حسن لغیرہ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں	۱۹۰	کھانا سامنے رکھ کر ختم دینا کیسا ہے	۲۰۴
مقامِ فضائل میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں	۱۹۰	یارسول اللہ کہنا، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب ماننا کیسا ہے	۲۰۴
مجہول العین بہت ائمہ محققین کے نزدیک مقبول ہے اور مجہول الحال میں بھی بعض اکابر کا مذہب مقبول ہے	۱۹۰	بزرگوں کی قبروں کی زیارت، ان کا طواف اور ان کا بوسہ دینا کیسا ہے	۲۰۵
جہالت عین جہالت حال کو مستلزم نہیں	۱۹۰	حیلہ اسقاط کا حکم شرعی کیا ہے	۲۰۵
مجہول پایہ احتجاج سے ساقط ہے نہ پایہ اعتبار سے	۱۹۰	جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر ۱۲ رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں	۲۰۵
مسئلہ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز پڑھنا	۱۹۳	ایک دیوبندی مفتی کے فتوی کے بارے میں استفتاء کا جواب	۲۱۱
لاکھوں تابعین اور ہزاروں صحابہ کرام مقلد تھے	۱۹۴	عرس کے جواز پر شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ کا ارشاد	۲۱۲

سزاوجزاء کے بارے میں ایک فارسی منظوم سوال وجواب	۲۱۲	بعض محتمل لفظ جب کسی مقبول سے صادر ہوں بحکم قرآن انہیں معنی حسن پر محمول کریں گے اور جب کسی مردود سے صادر ہوں جو صریح توہینیں کرچکا ہو تواس کی خبیث عادت کی بناء پر معنی خبیث ہی مفہوم ہوں گے	۲۲۴
میلاد شریف کا رواج کب سے ہے اور خاص ذکر پیدائش کے وقت تعظیماً قیام کرنا کہاں سے ثابت ہے	۲۱۳	"لامھدی الاّعیسٰی" حدیث صحیح نہیں	۲۲۶
جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں عقائد میں بھی چار اصول ہیں	۲۱۴	حضرت امام مہدی اور حضرت عیسٰی کے بارے میں حدیثیں حدِ تواتر تک پہنچی ہیں	۲۲۶
فقہ میں اجماع اقوی الادلہ ہے	۲۱۵	صحابہ کرام کے فضائل اور ان کی تعظیم کی فرضیت کا بیان	۲۲۷
سواداعظم یعنی اہل سنت کا کسی مسئلہ عقائد پر اتفاق اقوی الادلہ ہے۔	۲۱۵	سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوئی	۲۲۸
بارہ خلفاء کے بارے میں پانچ سوالات پر مشتمل استفتاء کا مفصل جواب	۲۱۶	ہر صحابہ کے ساتھ حضرت اور رضی اللہ تعالٰی عنہ کہا جائے گا	۲۲۸
منکرِ میلاد شریف و تقبیل ابہامین کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے	۲۱۹	کوئی غیر نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔	۲۲۸
مرتکب کبیرہ کو کافر کہنے والا خارجی اور نری کلمہ گوئی کو کافی جاننے والا نیچری ہے	۲۲۰	مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو کسی نبی کے برابر ماننا کفرِ خالص ہے	۲۲۸
اہل سنت کا مذہب	۲۲۰	ایک افترائی مضحکہ خیز حکایت	۲۲۸
زید کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے برابر پیدا کرسکتا ہے مگر کرے گا نہیں۔اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یانہیں	۲۲۱	انبیاء کے بعد سب سے افضل سیدنا صدیق اکبر پھر فاروق اعظم ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما	۲۲۹
غنیۃ الطالبین سرکار غوث کی تصنیف نہیں ہے نیز اس میں الحاق بھی کردیا گیا ہے	۲۲۲	مذہبی تقریبات کے لیے تعین یوم کا انکار آج کل وہابیہ کا شعار ہے	۲۲۹
کتاب مذکور میں تمام حنفیّہ کو نہیں بلکہ بعض کو گمراہ کہا گیا ہے	۲۲۳	میلاد شریف کرانے اور اس میں قیام کرنے سے سُنی وہابی کی پہچان نہیں ہوسکتی کیونکہ اکثر موقع پر وہابی بھی ایسا کرلیتے ہیں	۲۲۹

جب سیدّ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود رحمت ہیں توآپ پر رحمت بھیجنے کا کیا فائدہ ہے	۲۳۰	کشتی نوح علیہ السلام رجب میں چلی	۲۳۵
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیامت تک کے تمام احوال کو دیکھتے ہیں	۲۳۱	تعزیہ بنانے والے کو کافر، قیام و مولود کو بدعتِ سیئہ اور حاضری اعراس بزرگان کو فعل لغو کہنے والا شخص سُنّی حنفی ہے یا نہیں	۲۳۶
انبیاء کرام سے امام الانبیاء پر ایمان لانے کا وعدہ لینے میں حکمت کیا تھی	۲۳۰	دیوبندی اور غیر مقلد میں سے زیادہ ضلالت پر کون ہے	۲۳۶
اللہ تعالٰی پر کچھ واجب نہیں تاہم تفضّل صحیح ہے	۲۳۲	جو شخص مزارات اولیاء کو تودہ خاک کہے، قبورِ اولیاء سے استمداد واستفاضہ کا منکر ہو، یارسول اللہ کہنے کو شرک قرار دے، طعامِ فاتحہ و نیاز کو حرام سمجھے اور رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ غیب کا منکر ہو وہ شخص مسلمان ہے یا نہیں	۲۳۶
ولایت مطلقہ افضل ہے یا نبوت خاصہ	۲۳۲	مولوی قاسم دیوبندی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی محمود حسن دیوبندی کس مذہب کے لوگ ہیں۔ان کے ساتھ کیسا خیال رکھنا چاہیے	۲۳۷
نبوت مطلقاً ہر ولی غیر نبی کی ولایت سے ہزاروں درجے افضل ہے	۲۳۳	کتبِ وہابیہ سے چند گستاخانہ کفریہ عبارات باحوالہ	۲۳۸
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سب اولیاء کرام تھے	۲۳۳	کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت	۲۴۵
افضل الصحابہ کون ہے	۲۳۴	وہابیہ کے سو روپے انعام کے مقابلے میں دو سو روپے انعام کا اعلان	۲۴۷
علم غیب سے متعلق ایک آیت کریمہ کے بارے میں سوال کا جواب	۲۳۵	میلاد شریف منانے کا ثبوت قرآن مجید سے	۲۴۷
اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے معتقدوں کے بارے میں استفتاء کا جواب	۲۳۵	تحریر بر رسالہ شمس السالکین در بارہ مجلس مبارک وقیام	۲۴۸
فضائل اعمال میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں	۲۳۵		

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ شیطان تمثیل نہیں کرسکتا، ہاں نیک لوگوں کی شکل بن کر دھوکا دے سکتا ہے بلکہ اپنے آپ کو الٰہ ظاہر کرسکتا ہے	۲۵۳	مجلس میلاد میں قیام مندوب ہے	۲۶۶
اٹھارہ ہزار عالم سے کیا مراد ہے	۲۵۳	شعار سنیت کالحاظ ضرور مؤکد ہے	۲۶۶
بعد میثاق الست بربکم کیاارواح معدوم کردی گئی تھیں	۲۵۳	مرتد کے پیچھے نماز کیسی	۲۶۷
روح بعد ایجاد کبھی فنانہ ہوگی	۲۵۳	ایمان بالغیب کے بارے میں ایک طویل استفتاء	۲۶۷
بدن کے ساتھ حدوث نفس خیال باطل فلاسفہ ہے	۲۵۳	جب لعنتِ الٰہی اترتی ہے تو دل کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں	۲۶۹
ایمان کی تعریف اور کامل ایمان	۲۵۴	علم کے اسباب تین ہیں	۲۷۰
درود تاج پڑھنااور حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دافع بلاء سمجھنا	۲۵۵	سائنس والے صدہا باتوں میں خود مختلف ہیں	۲۷۰
حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجلسِ میلاد میں جلوہ گر ہوتے ہیں	۲۵۷	اقلیدس کاایک مسئلہ	۲۷۰
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس بارہاستّر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے	۲۵۸	ارثماطیقی کاایک مسئلہ	۲۷۰
چند قرآنی آیات کی تفسیر کے بارے میں استفسار	۲۵۹	جبر ومقابلہ کاایک مسئلہ	۲۷۰
خبر الٰہی مثل علم الٰہی ہے ان میں سے کسی کا خلاف ممکن نہیں مگر یہ استحالہ بالغیر ہے نفی قدرت نہیں کرتا	۲۶۲	قیامِ میلاد شریف کا ثبوت اور منکرین کارد	۲۷۲
مولاعزوجل کے وعدووعید کسی میں تخلف ممکن نہیں	۲۶۲	قبر میں سوال روح سے ہوتا ہے اور روح کبھی نہیں مرتی،	۲۷۳
صحابہ کرام کی عظمت و فضیلت اور انہیں لالچی کہنے والے کی مذمت وضلالت کا بیان	۲۶۴	حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو خلفاء اربعہ سے افضل قرار دینے والے شخص کے غلط استدلال کارد بلیغ	۲۷۴
ایک مذہب پر قائم رہنا ضروری ہے اور جو ایک مذہب پر قائم نہیں رہتا، وہ دہریہ یاغیر مقلد ہے	۲۶۶	یہ عقیدہ کہ حضرت علی مرتضٰے رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل ترین امت بعد رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اہلسنت کا نہیں بلکہ روافض کا ہے	۲۷۷

مسلمان کی رُوح بعد انتقال جہاں چاہے جاتی ہے	۲۸۱	خالق ہونا اللہ تعالٰی ہی کا کام ہے۔ یہ اختیار نہ اس نے کسی کو دیا نہ اس کا کوئی اختیار پاسکتا ہے	۲۸۹
زیارتِ قبور سنت ہے	۲۸۲	انسان سے بازپرس کیوں ہوتی ہے،	۲۹۱
اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین، مشرق و مغرب عرش وفرش، ماتحت الثرٰی اور جملہ ما کان ومایکون الی آخر الایام کے ذرّے ذرے کا تفصیلی علم عطا فرمایا	۲۸۳	انسان میں قصد وارادہ و اختیار کا ہونا ایسا واضح و بدیہی امر ہے جس کا انکار نہیں کرسکتا مگر مجنون	۲۹۱
اذان میں نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چومنا مستحب ہے	۲۸۳	ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے	۲۹۱
بلاوجہ شرعی عمداً ترک جماعت گناہ ہے اور اس کا عادی فاسق گمراہ ہے	۲۸۳	قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو، ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہدایت وضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے	۲۹۲
تقدیر سے متعلق ایک سوال کا جواب	۲۸۵	کسی بات کو حق جاننے کے لیے اس کی حقیقت کو جاننا لازم نہیں ہوتا	۲۹۶
روحیں ازل سے پیدا نہ ہوئیں۔ ہاں جسم سے دو ہزار برس پہلے بنیں	۲۸۵	عقیدہ اہلسنت یہی ہے کہ انسان نہ تو پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ ہی خود مختار بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک حالت ہے	۲۹۹
○ رسالہ **ثلج الصدر لایمان القدر** (مسئلہ قضاء و قدر کا روشن بیان)	۲۸۷	سزاوجزاء کیوں	۳۰۰
جب اللہ تعالٰی کی مشیت کے بغیر بندہ کچھ بھی نہیں کرسکتا تو پھر بندے سے مؤاخذہ اور بازپرس کیوں ہوگی	۲۸۸	یہود مغضوب علیہم ہیں	۳۰۲
اللہ تعالٰی نے رسول بھیج کر، کتابیں اتار کر، ہر بات کا حُسن و قبح جتا کر اپنی نعمت تمام فرمادی اور کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی	۲۸۸	نصارٰی تین خدا مانتے ہیں	۳۰۲
		مجوسی دو خالق مانتے ہیں یزدان اور اھرمن	۳۰۲

○رسالہ **التحبیر بباب التدبیر** (مسئلہ تدبیر پر سیر حاصل بحث)	۳۰۳	تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں	۳۱۳
تدبیر کو مستحسن جاننے والے کو کافر کہنا کیسا ہے اور کافر کہنے والے پر کیا گناہ وتعزیر ہے	۳۰۳	حلال معاش کی طلب وتلاش کی فضیلتیں	۳۱۴
فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے۔	۳۰۴	ترک کسب سے ممانعت	۳۱۸
تدبیر زنہار معطل نہیں۔	۳۰۵	تلاشِ حلال، فکر معاش اور تعاطی اسباب ہرگز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضیِ الٰہی ہے آدمی تدبیر کرے اور بھروسا تقدیر پر رکھے	۳۱۸
دنیا عالمِ اسباب ہے جس میں مسبّبات کو اسباب کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے	۳۰۵	تدبیر تقدیر سے باہر نہیں بلکہ وہ خود ایک تقدیر ہے	۳۱۹
سنتِ الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبّب پیدا ہوتا ہے	۳۰۵	آدمی کا ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہوجانا ممنوع ومذموم ہے	۳۲۱
تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے	۳۰۵	مسلمان کو کافر کہنا سہل بات نہیں	۳۲۵
تدبیر کو محض عبث ومطرود اور فضول ومردود بنانا گمراہ یا مجنون کا کام ہے	۳۰۵	مسلمان کو کافر کہنے والے پر توبہ اور تجدید نکاح لازم ہے	۳۲۵
حضرات مرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی متوکل نہیں اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی کا تقدیر پر ایمان ہے	۳۰۵	روح اصل خلقت میں پاک ہے پھر بداعتقادی وبدعملی سے ناپاک ہو کر مستحق عذاب ہوجاتی ہے	۳۲۷
انبیاء ومرسلین ہمیشہ تدبیر فرماتے، اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی فرما کر رزقِ طیب کھاتے تھے	۳۰۵	فرض کے لیے امکان شرط نہیں	۳۲۸
آیاتِ قرآنیہ سے مسئلہ کی تائید	۳۰۵	جنت ودوزخ میں مناظرہ	۳۲۸
احادیث مبارکہ سے تائید	۳۰۷	ایک بے اصل جھوٹی حکایت	۳۲۹
تدبیر کو مطلقاً مہمل ماننے کی قباحتیں	۳۱۱	علم ہیئت کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۳۳۲
تدبیر کی بہت سی صورتیں مندوب ومسنون ہیں	۳۱۱	تمام انبیاء وملائکہ معصوم ہیں	۳۳۳
دعا کی حدیثیں متواتر ہیں	۳۱۱	دور سے سُننا اور حاضر وناظر ہونا اللہ تعالٰی کی عطا سے اس کے محبوبوں کی شان ہے	۲۳۳
استعمالِ دوا سنت ہے	۳۱۳		

مزارات کی مٹی منہ پر ملنا جائز ہے	۳۳۴	صدر نشینان بزمِ عزوجاہ	۳۵۱
طوافِ تعظیمی صرف کعبہ معظّمہ کا ہے	۳۳۴	عقیدہ رابعہ (چوتھا عقیدہ)	۳۵۲
انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سب دعائیں مقبول ہیں	۳۳۴	اعلٰی طبقہ ملائکہ مقربین	۳۵۲
مزاراتِ اولیاء پر حاضری سنتِ رسول وسنت صحابہ ہے	۳۳۴	عقیدہ خامسہ (پانچواں عقیدہ)	۳۵۴
غیب کا معنٰی	۳۳۴	اصحاب سید المرسلین واہلِ بیت کرام۔	
انبیاء کے لیے علمِ غیب کا ثبوت	۳۳۴	تنبیہ ضروری	۳۶۳
نبی کا معنی	۳۳۴	صحابہ کرام کا ذکر جب بھی ہو خیر کے ساتھ ہی ہونا فرض ہے	۳۶۳
ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ کس معنی میں رؤیت باری تعالٰی کا انکار فرماتی ہیں	۳۳۵	عقیدہ سادسہ (چھٹا عقیدہ)	۳۶۳
امام اعظم سردارانِ علماء میں داخل ہیں	۳۳۵	عشرہ مبشرہ وخلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم	۳۶۳
اہلسنت کے نزدیک امیر معاویہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی اجتہاد پر طعن جائز نہیں خطاء اجتہادی دو قسم پر ہے۔ مقرر ومنکر	۳۳۵	عقیدہ سابعہ (ساتواں عقیدہ)	۳۷۵
مشاجرات صحابہ کرام میں مداخلت حرام	۳۳۶	مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم	۳۷۵
حضرت امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جو خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد فرمائی اس سے مقصود صلح و بندشِ جنگ تھا	۳۳۶	عقیدہ ثامنہ (آٹھواں عقیدہ)	۳۸۰
○رسالہ **اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والال و الاصحاب**(اہلسنت و جماعت کے دس سچے معتقدات کا روشن بیان	۳۳۹	امامت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۳۸۰
عقیدہ اُولٰی (پہلا عقیدہ)	۳۳۹	عقیدہ تاسعہ (نواں عقیدہ)	۳۸۲
ذات وصفاتِ باری تعالٰی	۳۳۹	ضروریاتِ دین	۳۸۲
عقیدہ ثانیہ (دوسرا عقیدہ)	۳۴۵	فائدہ جلیلہ	۳۸۵
سب سے اعلٰی وسب سے اولٰی	۳۴۵	مانی ہوئی باتیں چار قسم ہوتی ہیں ۱ضروریات دین۔ ۲ضروریات مذہب اہل سنت، ثابتات ۳محکمہ، ظنیاتِ محتملہ	۳۸۵
عقیدہ ثالثہ (تیسرا عقیدہ)	۳۵۱		

عقیدہ عاشرہ (دسواں عقیدہ)	۳۸۶	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عزجلالہ، کے ساتھ خاص ہے کہ اس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے	۴۰۵
شریعت وطریقت	۳۸۶	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ماکان ومایکون کے تمام غیب منکشف فرمادیئے گئے	۴۰۸
نبی ہونے کے باوجود سیدنا موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امتی ہونے کی خواہش کیوں کی	۳۹۰	ملّا علی قاری کی ایک عبارت کی توجیہ	۴۰۸
عوام مومنین سے عوام ملائکہ کا مرتبہ زیادہ ہے یا نہیں	۳۹۱	٥رماح القہار علی کفر الکفار (تمہید "خالص الاعتقاد")	۴۱۱
عوام مومنین کی تشریح	۳۹۱	رسالہ "خالص الاعتقاد کی وجہ تصنیف اور تفصیلی پس منظر	۴۱۲
تقلید فرض قطعی ہے	۳۹۲	کفر پارٹی کی دو تدبیریں	۴۱۳
فقہ کو نہ ماننے والا شیطان ہے	۳۹۳	تدبیر اول معارضہ بالمثل	۴۱۳
فقہ کو نہ ماننے کی قباحتیں	۳۹۳	مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں۔ ضروریات دین، ضروریاتِ عقائد اہل سنت۔ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ	۴۱۳
آمین بالجہر نماز میں درست نہیں	۳۹۳	مسائل علمِ غیب کے اقسام واحکام	۴۱۴
تعظیم کبھی قیام میں اور کبھی باادب بیٹھنے سے ہوتی ہے۔	۳۹۴	وہابیہ کی مکاریاں	۴۱۶
راما سنگھم آریہ کے افتراء وجہالت ونافہمی وبے ایمانی پر مبنی ایک سوال کا جواب	۳۹۵	غایۃ المامول والے منور علی رامپوری کی چوری اور سرزوری	۴۱۸
صاحب کشف معتزلی ہے	۳۹۶	منور علی رامپوری کی بکف چراغی	۴۱۹
مسئلہ مغفرت ذنب کی بحث اور اس کے بارے میں آریہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات کی تفصیل	۳۹۶	منور علی رامپوری کی کتر بیونت	۴۱۹
راما سنگھم اب آریہ نہیں نصرانی ہے لہذا رُوئے جواب جانب نصارٰی کرتے ہوئے سوال مذکور کا جواب باسلوب دیگر	۴۰۲	شرمیلی جھانولی	۴۲۰
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے علمِ غیب عطائی کا ثبوت	۴۰۴	دوسری تدبیر	۴۲۱

نامہ اول از حضرت سید حسین حیدر میاں مارہروی بنام اعلحضرت رحمۃاللہ علیہما	۴۲۹	علم کی ذاتی و عطائی کی طرف انقسام یقینی اور محیط وغیر محیط کی طرف تقسیم بدیہی ہے	۴۴۴
نامہ دوم	۴۳۰	اللہ تعالٰی کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف علم ذاتی وعلم محیط ہے	۴۴۴
○ رسالہ **خالص الاعتقاد** (مسئلہ علم غیب پر عظیم اور مدلل کتاب جوایک سوبیس دلائل پر مشتمل ہے)	۴۳۳	حوالہ جات وتصریحات آئمہ کرام	۴۴۵
مراسلہ مصنف علیہ الرحمہ بنام حضرت سید حسین حیدر میاں مارہروی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ	۴۳۳	آیتِ کریمہ "لااعلم الغیب" کی تین نفیس تفسیریں	۴۵۰
امر اول	۴۳۴	امر چہارم	۴۵۰
مخالفین کی افتراء پردازیاں	۴۳۴	علمِ غیب سے متعلق اجماعی مسائل	۴۵۰
امر دوم	۴۳۸	تمام مخلوق کے علوم کو علوم الٰہیہ سے وہ نسبت بھی نہیں جو کروڑہا کروڑ سمندروں سے ایک ذراسی بوند کے کروڑویں حصے کو ہے	۴۵۰
بندوں کو علمِ غیب عطا ہونے کی سندیں اور آیاتِ نفی کی مراد	۴۳۸	متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے	۴۵۰
کون ساعلمِ غیب اللہ تعالٰی کا خاصہ ہے۔	۴۳۸	جو کچھ دوحدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے	۴۵۱
اللہ تعالٰی کی عطا سے علومِ غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوۃ والتسلیمات کو عطا ہونا قطعًا حق ہے	۴۳۸	بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا	۴۵۱
ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شیئ کا علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لاناکیونکر ممکن ہے۔	۴۳۹	علمِ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں وہابیہ کے عقائد	۴۵۱
حوالہ جات	۴۳۹	امر پنجم	۴۵۳
وہابیہ پر غضبوں کی ترقیاں	۴۴۳	علمِ غیب کی اختلافی حدود اور مسلک عرفاء	۴۵۳
امر سوم	۴۴۴	مجموعہ ماکان ومایکون کا علم، علومِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سمندر کی ایک لہر ہے	۴۵۳
ذاتی وعطائی کی جانب علم کا انقسام اور علماء کی تصریحات	۴۴۴	علمِ ماکان ومایکون سے متعلق ائمہ وعلما کے حوالہ جات	۴۵۴
		ولی فرد تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے	۴۵۸

آیتِ کریمہ "وعلم اٰدم الاسماء کلھا" کے متعلق حضرت سید عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ کا قول	۴۶۴	علمِ عظیم مصطفےٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وسعت کا بیان	۴۸۶
اشر دو قسم کے ہوتے ہیں	۴۶۵	آیاتِ قرآنی	۴۸۷
قسم اول اشر قولی کہ زبان سے بک بک کرے	۴۶۵	اہلِ سنت کے مذہب میں شیئ ہر موجود کو کہتے ہیں	۴۸۷
قسم دوم اشر فعلی کہ زبان سے چپ رہے اور خباثت سے باز نہ آئے	۴۶۵	علمِ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لوح محفوظ کو محیط ہے	۴۸۷
وہابیہ اشر قولی واشر فعلی دونوں ہیں	۴۶۵	لوح محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے	۴۸۷
سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بعض ارشادات	۴۶۵	نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہوتا ہے	۴۸۸
جفر وجامعہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دو کتابیں ہیں	۴۶۶	لفظِ کل ایسا عام ہے جو کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا	۴۸۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پانچوں غیبوں کا علم حاصل تھا	۴۷۲	عام افادہ استغراق میں قطعی ہوتا ہے۔	
تنبیہ جلیل	۴۷۷	نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی	۴۸۸
تمام علماء۔اولیاء، صحابہ اور انبیاء وہابیوں کی تکفیر کا نشانہ	۴۷۹	تخصیص متراخی نسخ ہے	۴۸۸
امام احمد رضا کا سلسلہ اعتقاد علماء، اولیاء، ائمہ اور صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ سے اللہ رب العالمین تک مسلسل ملا ہوا ہے	۴۸۲	اخبار کا نسخ ناممکن ہے	۴۸۸
○ رسالہ ابناء المصطفٰی بحال سرّ واخفٰی (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالمِ ماکان ومایکون ہونے کا بیان)	۴۸۵	تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی	۴۸۸
اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا	۴۸۶	شرق وغرب، سماء وارض، عرش وفرش کا کوئی ذرّہ حضور کے علم سے باہر نہیں	۴۸۸

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا علم گھٹانے کے لیے جتنے دلائل پیش کیے جاتے ہیں ان سب کا جواب	۴۸۹	نصوصِ حصر کو مدعائے مخالف سے اصلاً مَس نہیں بلکہ وہ اس کی صریح جہالت پر نص ہیں	۵۰۳
عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار واحاد سے استناد محض غلط ہے	۴۸۹	اپنے خاتمے کا حال حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو معلوم نہ ماننا صریح کفر ہے	۵۰۴
براہین قاطعہ کی چند عبارات اور ان کا رَد	۴۸۹	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عظمتِ شان۔ میں جامع ترمذی کی ایک جامع حدیث	۵۰۶
حدیث "واللہ لا ادری مایفعل بی و لابکم" سے وہابیہ کے استدلال کا جواب	۴۹۰	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو گالی دینے اور عیب لگانے والے کا حکم	۵۰۷
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم پر ایک اعتراض کا شیخ محقق کی طرف سے جواب	۴۹۱	جس نے کہا فلاں کا علم حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم سے زیادہ ہے اس نے آپ کو عیب لگایا	۵۰۷
احادیثِ مبارکہ	۴۹۲	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں مصنف علیہ الرحمہ کی ایک مبسوط کتاب "مالی الجیب بعلوم الغیب" کا تعارف	۵۰۸
سب امت تمام اعمال سمیت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے پیش کی گئی	۴۹۴	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں مصنف علیہ الرحمہ کی ایک مبسوط کتاب "مالی الجیب بعلوم الغیب" کا تعارف	۵۰۸
اقوالِ ائمہ کرام	۴۹۷	○ رسالہ **ازاحۃ العیب بسیف الغیب** (علم غیب کے مسئلہ پر مدلل تحریر اور اوہامِ وہابیہ کا رَدِّ بلیغ مدرسہ دیوبند سے ارسال کردہ ایک سوال	۵۱۱
علمِ الٰہی اور علمِ خلق میں فرق	۵۰۰	جواب از مصنف علیہ الرحمہ	۵۱۲
نصوص حصر	۵۰۲	شہاب وہابیہ کا دفعیہ	۵۱۲
علم باعتبارِ منشاء دو قسم کا ہے۔ ذاتی وعطائی	۵۰۳	قرآن مجید نے ۲۳ برس میں بتدریج نزولِ اجلال فرمایا	۵۱۲
علم باعتبار متعلق دو قسم کا ہے ۱علم مطلق و ۲مطلق علم	۵۰۳	حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جمیع ماکان ومایکون کا علم عطا ہوا	۵۱۲
علم ذاتی و علم مطلق بلاشبہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں اور ہرگز کسی غیر خدا کے لیے ان کے حصول کا کوئی بھی قائل نہیں	۵۰۳		

آیاتِ قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث احاد بھی مسلم نہیں ہوسکتی اگرچہ سنداً صحیح ہو	۵۱۳	باب تشبیہ واسع ہے	۵۱۸
قرآن عظیم کے خلاف پر جو دلیل قائم کرے اس پر چار باتیں ملحوظ رکھنا لازم ہیں	۵۱۳	شبہ ثانیہ کارَد	۵۱۸
نفی حقیقت ذاتیہ نفی حقیقت عطائیہ کو مستلزم نہیں	۵۱۳	شبہ ثالثہ کارَد	۵۱۹
میدانِ محشر کا منظر اور حضور شافع محشر علیہ الصلوۃ والسلام کی کرم نوازیاں	۵۱۳	دیوبندی کا حدیث میں صریح افتراء	۵۱۹
فائدہ	۵۱۵	اعمالِ اُمت بارگاہِ رسالت میں پیش ہوتے ہیں	۵۱۹
شبہ اولٰی کارد	۵۱۵	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات ووفات اُمت کے لیے بہتر ہیں	۵۱۹
امام ابن سیرین کی وفات سے ساڑھے ترپن برس بعد امام احمد بن حنبل کی ولادت ہوئی۔	۵۱۵	ہر پیر اور جمعرات کو اعمال اللہ تعالٰی کے حضور پیش ہوتے ہیں اور جمعہ کو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور ماں باپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں	۵۲۰
ابن سیرین کا وصال ۹ شوال ۱۱۰ھ کو ہے جب کہ امام احمد بن حنبل کی ولادت ربیع الاول ۱۶۴ھ کو ہوئی	۵۱۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور روزانہ اعمال کی پیشی آپ کے خصائص میں سے ہے۔	۵۲۲
وہابیہ کو اوروں کے فضائل سے اتنی عداوت نہیں جتنی فضائل حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے	۵۱۶	شبہ رابعہ کارد	۵۲۲
لطیفہ جلیلہ	۵۱۶	حدیث ترمذی پر مصنف علیہ الرحمہ کی محدثانہ بحث اور راویوں کی جرح وتعدیل	۵۲۲
گنگوہی صاحب کی تاریخی جہالت کہ امام ابویوسف کو حسین بن منصور حلّاج کا ہمعصر سمجھ بیٹھے	۵۱۶	وہابیہ کا عجب اوندھا پن کہ جو حدیث حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر روشن دلیل ہے اُسی کو الٹی دلیلِ نفی ٹھہراتے ہیں	۵۲۹
امام ابویوسف کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی	۵۱۶	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شریعت وحقیقت دونوں کے حاکم ہیں لہٰذا آپ کے احکام کبھی شریعتِ ظاہر پر اور کبھی حقیقت باطنہ پر ہوتے ہیں	۵۲۹
سلطان اورنگزیب عالمگیر کی ایک حکایت	۵۱۷		

حقیقت باطنہ پر احکام کی مثالیں	۵۲۹	اولیاء اللہ کو دور سے مشکل کے واسطے پکارنا کیسا ہے	۵۴۵
ایک نمازی کو قتل کرنے کا حکم	۵۳۰	"یارسول اللہ" پکارنا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ آپ بذاتِ خود سنتے ہیں کیسا ہے	۵۴۵
چور کو قتل کرنے کا حکم	۵۳۱	حیاتِ عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۵۴۷
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ دو قبلوں اور دو ہجرتوں کے جامع ہیں اور شریعت و حقیقت دونوں آپ کے لیے جمع کردی گئی ہیں	۵۳۲	میلاد شریف کب سے نکلا، کس نے نکالا، امام اعظم نے کیا یا نہیں۔ زمانہ صحابہ میں تھا یا نہیں	۵۴۷
امام سیوطی علیہ الرحمہ کی کتاب "خصائص کبرٰی" کی عبارت سے تائید مزید	۵۳۳	یا" شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا وظیفہ جائز ہے	۵۴۸
عامہ انبیاء کو صرف ظاہر شرع، حضرت خضر کو صرف باطن پر جب کہ امام الانبیاء کو دونوں پر عمل کا اذن ہے علیہم الصلوۃ والسلام	۵۳۳	٥رسالہ انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ (یارسول اللہ کے جواز پر دلائل)	۵۴۹
قیام ذکرِ ولادت سید الانام علیہ وعلٰی ذویہ افضل الصلوۃ والسلام بلاشبہ مستحب و مستحسن علمائے اعلام و عادت محبین کرام و غیظ وہابیہ لئام	۵۴۰	یارسول اللہ کہنا بلاشبہ جائز ہے	۵۵۰
مزارات پر جاکر مرادیں مانگنے سے منع کرنے والے شخص کے بارے میں سوال کا جواب	۵۴۳	احادیث اور ادعیہ ماثورہ سے اس کا ثبوت	۵۵۰
حنفی کی تعریف	۵۴۴	اقوالِ ائمہ اور فتاوٰی علماء سے ثبوت	۵۵۳
محفل میلاد شریف میں قیام کرنا مستحسن ہے اور یہ قیام چاروں مذاہب کے علماء و عام اہل اسلام کرتے ہیں	۵۴۴	تین شامی مجاہدین کا واقعہ کہ یہ تینوں تبع تابعی تھے	۵۵۴
اسمٰعیل دہلوی و تقویۃ الایمان کے ماننے والا یا اس کے مطابق عقائد رکھنے والا وہابی ہے	۵۴۴	سیدنا غوث اعظم کی تعلیمات بسلسلہ ہذا	۵۵۶
اولیاء کرام بعد وفات زندہ ہیں مگر نہ مثل حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام	۵۴۵	اولیاء کرام کو ندا کرنے کا طریقہ متوارثہ جو خود انہوں نے اپنے متوسلین کو تعلیم فرمایا	۵۵۶
سب مسلمان قبروں سے کفن میں اٹھیں گے	۵۴۵		

اس سلسلہ میں چند واقعات	۵۵۸	دوسری آیت	۵۷۲
علامہ جامی وشاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف سے اس مسئلہ کا اثبات	۵۶۱	تیسری آیت	۵۷۳
"یاشیخ عبدالقادر و نادِ علی وديگر وظائف کے ذریعہ ثبوت	۵۶۴	چوتھی آیت	۵۷۳
وہابیہ کے قول پر صحابہ سے لے کر شاہ ولی اللہ تک سب مشرک ٹھہرتے ہیں	۵۶۵	پانچویں آیت	۵۷۳
التحیات کے بعد نداء یارسول اللہ کا اثبات	۵۶۶	احادیث کریمہ	۵۷۴
وہابیہ کے مذہب پر نماز جو کہ عبادت ہے اس کے اندر شرک لازم آتا ہے	۵۶۶	عرصات محشر کی ہولناکی اور شفاعتِ کبرٰی کی حدیثیں	۵۷۴
التحیات میں معانی کا قصد کرتے ہوئے سرکار کی خدمت میں سلام عرض کرے	۵۶۷	بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی اور کی نہیں۔	۵۷۵
اعمالِ اُمت بارگاہِ رسالت میں پیش ہوتے ہیں	۵۶۸	منصبِ شفاعت کبرٰی اسی سرکار کا خاصہ ہے	۵۷۵
○رسالہ اسماع الاربعین فی شفاعۃ سیّد المحبوبین (شفاعت کے بارے میں چالیس ۴۰ احادیث مقدسہ)	۵۷۱	حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے اور ہر مرتبہ بے شمار بندگانِ خدا کو نجات بخشیں گے	۵۷۵
ہزارہا محدثین احادیث شفاعت کے راوی ہیں حدیث کی ہر گونہ کتاب صحاح، سنن، مسانید معاجیم، جوامع، مصنفات، ان سے مالا مال اہلسنت کا ہر متنفس، یہاں تک کہ زنان واطفال بلکہ دہقانی جُہّال بھی اس عقیدے سے آگاہ، خدا کا دیدار، محمد کی شفاعت ایک ایک بچے کی زبان پر جاری، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	۵۷۲	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے ایسی چالیس احادیث شفاعت کا انتخاب جو مشہور احادیثِ شفاعت کے علاوہ ہیں اور گوش عوام تک کم پہنچی ہیں۔	۵۷۶
شفاعت کے ثبوت میں چند آیاتِ قرآنیہ	۵۷۲	حدیث ۱و۲	۵۷۷
پہلی آیت	۵۷۲	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت گناہوں میں آلود سخت سخت خطاکاروں کے لیے ہوگی	۵۷۷

حدیث ۳، ہالکین کے لیے شفاعت	۵۷۷	حدیث ۲۴ تمام مخلوقِ الٰہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نیاز مند ہو گئی۔ یہاں تک کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی	۵۸۴
حدیث ۴، تا ۸، اہل کبائر کے لیے شفاعت	۵۷۷	حدیث ۲۵ اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کے لیے شفاعت چھپا رکھی کسی اور کو نہ دی	۵۸۴
حدیث ۹۔ اہلِ ذنوب کے لیے شفاعت	۵۷۸	حدیث ۲۶ حضور علیہ الصلوۃ والسلام قیامت کے دن انبیاء کے پیشوا اور خطیب ہوں گے	۵۸۵
		حدیث ۲۷ تا ۴۰ جو شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا وہ شفاعت کا اہل نہیں	۵۸۵
حدیث ۱۰ و ۱۱، زمین کے پیڑوں، پتھروں اور ڈھیلوں کی تعداد سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت۔	۵۷۸	شبِ قدر میں تمام چیزیں سجدہ کرتی ہیں	۵۸۶
حدیث ۱۲۔ ہر سچے کلمہ گو کے لیے شفاعت	۵۷۹	ایک خط کا جواب جو دو مولوی صاحبان کے درمیان اختلاف رائے کے بارے میں مولوی سید احمد نے لکھا	۵۸۷
حدیث ۱۳۔ ہر اس شخص کے لیے شفاعت جس کا خاتمہ عدمِ شرک پر ہوا	۵۷۹	تعظیم سادات کی اہمیت	۵۸۷
حدیث ۱۴۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جہنم کا دروازہ کھلوا کر ہر سچے کلمہ گو کو وہاں سے نکال لائیں گے	۵۷۹	لوگ اپنے نسب پر امین ہوتے ہیں	۵۸۷
حدیث ۱۵۔ رب فرمائے گا اے محبوب۔ تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں۔	۵۸۰	حج سے واپسی پر احمد آباد میں قیام کا واقعہ	۵۸۹
داروغہ دوزخ عرض کرے گا کہ اے محبوب آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔	۵۸۰	ایک رامپوری عالم کی تصنیف پر تقریظ لکھنے کا واقعہ	۵۹۰
حدیث ۱۶ تا ۲۱، فرمان سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہیں ملا	۵۸۱	عوام کو ضروری باتوں کا علم سیکھنا ہی فرض ہے	۵۹۱
حدیث ۲۲ و ۲۳ ہر نبی کو ایک خاص مقبول دعا عطا ہوئی جو انہوں نے دنیا میں استعمال کرلی مگر امام الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ دُعا آخرت کے لیے اٹھا رکھی جس کے ذریعے وہ اپنی ساری امت کو بخشوائیں گے	۵۸۱		

عوام مرتبے سے اونچے ہر گز نہ اڑیں	۵۹۱	قسم اول	۶۰۳
مولانا محرم علی چشتی علیہ الرحمہ صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور کا دس سوالات پر مشتمل خط اور اعلیحضرت علیہ الرحمہ کا جواب	۵۹۱	قسم دوم	۶۰۳
اہلِ حق سے لغزش واقع ہو اس کا اخفاء واجب ہے	۵۹۴	عرض اخیر	۶۰۷
والد ماجد اعلیحضرت مولانا نقی علی خان و محبِ رسول مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہما کی جلالت شان	۵۹۵	اعلیحضرت علیہ الرحمہ کی ہمہ وقتی دینی امور میں مشغولیت	۶۰۸
مصنف علیہ الرحمہ کی کسر نفسی	۵۹۲	مولانا سید دیدار علی شاہ اور اعلیحضرت کے دوران گفتگو	۶۱۰
سنِ ۱۳۲۰ ہجری تک اعلیحضرت کی تعداد تصانیف کا بیان	۵۹۲	○رسالہ "امور عشرین در امتیاز عقائد سنیین" (سُنی اور غیر سنّی میں امتیاز کرنے والے بیس امور)	۶۱۳
انجمن نعمانیہ لاہور میں اعلیحضرت نے ۱۳۲۰ھ تک کے شائع شدہ رسائل خود ارسال کیے تھے	۵۹۲	(علاقہ ریاست جے پور (راجستھان) سے ارسال کردہ حافظ محمد عثمان کے خط کا جواب جس میں جناب مولوی احمد علی شاہ صاحب کے بارے میں مصنف علیہ الرحمہ سے استفسار کیا گیا تھا)	۶۱۳
خالص اہلسنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے (۱) علماء کا اتفاق (۲) تحمل شاق قدر بالطاق (۳) امراء کا اتفاق لوجہ الخلاق،	۵۹۷	نقل نامہ حافظ محمد عثمان صاحب بنام مصنف علیہ الرحمہ	۶۱۳
حدیث کا ارشاد کہ وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ پیسے کے نہ چلے گا	۵۹۹	نامہ مصنّف علیہ الرحمہ بنام حافظ محمد عثمان صاحب	۶۱۴
اشاعتِ علم دین کے اہم طریقے	۵۹۹	امور عشرین تصدیق طلب از جناب مولانا مولوی احمد علی شاہ صاحب مرزا پوری	۶۱۵
فہرست عقائد حنفیہّ میں کچھ ترمیمات	۶۰۲	مصنف علیہ الرحمہ کے امور مقررہ کی تصدیق از جناب مولانا مولوی احمد علی شاہ صاحب	۶۱۷
ترمیمات سابقہ متروکہ کی دو قسمیں	۶۰۳	تصدیق تحریر از مصنف علیہ الرحمہ	۶۱۷

شیخ احمد نامی خادم روضۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے ایک وصیت پر مشتمل اشتہار کے بارے میں استفتاء	۶۱۸	نو سوالات پر مشتمل ایک استفتاء کا جواب	۶۳۲
عالم وجاہل کے گناہ میں فرق	۶۱۹	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا فرمان روحانی معراج کے بارے میں ہے	۶۳۲
صاحبزادہ والا قدر حضرت مولانا سید محمد میاں مارہروی کے ایک خط کا جواب جس میں کنزالاخرۃ نامی کتاب کی تصحیح و اصلاح کا ذکر کیا گیا ہے،	۶۲۰	معراج جسمانی کی تفصیل	۶۳۳
ایک امام مسجد کے بارے میں سوال جو کھانے کی اشیاء پر اس لیے فاتحہ پڑھنے سے انکار کرتا ہے کہ اگر اس میں سے کوئی حصہ زمین پر گر گیا تو بے ادبی ہوگی اور فاتحہ دینے والے کو اس پر گناہ ہوگا	۶۲۵	رات میں معراج ہونے کی حکمت	۶۳۵
نیکی وبدی تولنے والی میزان یہاں کے ترازو کے خلاف ہے وہاں نیکیوں کا پلڑا اگر بھاری ہے تو اوپر اُٹھے گا اور بدیوں کا پلڑا نیچے بیٹھے گا	۶۲۶	انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی زندہ ہیں	۶۳۷
حضرت منصور، بایزید بسطامی اور شمس تبریزی کے اقوال انا الحق، سبحانی ما اعظم شانی اور قم باذنی کی تحقیق	۶۲۷	چار نبی بے عروضِ موت اب تک زندہ ہیں	۶۳۷
حضرت شاہ منصور علیہ الرحمہ کو سُولی کیوں دی گئی	۶۲۸	حقیقی سادات پر عذاب سے مامون ہونے کی امید واثق ہے	۶۳۸
سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ڈوبی کشتی ترانے والی کرامت	۶۲۹	حضرت فاطمہ اور ان کی تمام ذریت نار سے محفوظ ہے	۶۳۸
یہ روایت غلط و باطل ہے کہ غوثِ اعظم نے عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مارا، اور اس کو بیان کرنا حرام	۶۲۹	اسی نوعیت کے ایک اور سوال کا جواب	۶۳۹
مرسلین ملائکہ بالاجماع تمام غیر انبیاء سے افضل ہیں	۶۲۹	بد شگونی جائز نہیں اور ہندوانہ طریقہ	۶۴۱
توہینِ رسول کفر ہے	۶۲۹	کافر بیعت نہیں ہوسکتا۔	۶۴۲
قرآنی کلمات پر مشتمل گمنام خط کے بارے میں سوال کا جواب	۶۳۰	کافر کو مجاز وماذون بیعت و خلیفہ بنانا کفر ہے	۶۴۲
ارواح مومنین کا اپنے اپنے مکان میں آنے کا ثبوت	۶۳۰		

مومن اور ولی میں کون سی نسبت ہے	۶۴۳	فصل سوم اقوال ائمہ کرام و علمائے اعلام جن سے کفرِ ابی طالب ثابت	۶۸۵
درود شریف میں علیٰ ابراہیم وعلیٰ ال ابراہیم لانے کی وجہ	۶۴۳	فصل چہارم علماء کی تصریحیں کہ دربارہ ابوطالب قول تکفیر ہی حق و صحیح ہے	۶۹۹
جس مضمون پر قرآن پاک دلالت کرے وہ مدلولِ قرآنی ہے	۶۴۳	فصل پنجم علماء کی تصریحیں کہ کفرابی طالب پر اجماع اہل سنت ہے	۷۰۱
متشابہات میں قیاس کرنا ضلالت ہے	۶۴۳	فصل ششم علماء کی تصریحیں کہ اسلامِ ابوطالب ماننا روافض کا مذہب ہے	۷۰۳
آل کے اندر اصحاب بھی شامل ہیں	۶۴۳	فصل ہفتم شبہات مخالفین کارَد	۷۰۵
درجہ ولایت باقی رہنے اور نبوت ختم ہونے کی وجہ	۶۴۴	شبہ اولیٰ کفالتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	۷۰۵
نوشہ بغداد قدس سرّہ کی تشریح اور وہم کا صحیح علاج	۶۴۵	شبہ دوم نصرتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور اس کے پانچ جواب	۷۰۶
عبادت کی جامع ومانع تعریف	۶۴۶	شبہ سوم محبت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عدمِ اسلام ابی طالب کی حکمتیں	۷۰۸
غیر خدا کے لیے سجدہ عبادت کفر ہے اور سجدہ تحیت حرام وکبیرہ ہے	۶۴۹	شبہ چہارم نعت شریف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	۷۱۱
قرآن مجید میں کلمہ طیبہ کے دونوں جز موجود ہیں	۶۵۴	شبہ پنجم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استغفار فرمانا	۷۱۲
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شافع محشر ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے	۶۵۴	شبہ ششم حکایت جامع الاصول اور جواب میں اُن اہلِ بیت کا ذکر جنہوں نے کفرابی طالب کی تصریحیں کیں	۷۱۲
○رسالہ **شرح المطالب فی مبحث ابی طالب** (ایمان ابوطالب کے بارے میں مفصل۔ومدلل بحث)	۶۵۵	شبہ ہفتم عبارت شرح سفر السعادۃ	۷۱۴
فصل اول آیاتِ قرآنیہ جن سے ابوطالب کا مسلمان نہ ہونا ثابت	۶۶۱	شبہ ہشتم وصیت نامہ اور اس کے تین جواب	۷۱۴
فصل دوم احادیثِ صریحہ جن سے ابوطالب کا عدمِ اسلام ثابت	۶۷۳		

شبہ نہم روایت مغازی ابن اسحاق اور اس کے سات جواب	۴۱۸	لفظ محمد کے عدد ۹۲ اور خدا کے عدد ۶۰۵ ہیں	۶۸
فصل ہشتم کفر ابی طالب وابو لہب کا فرق اور کافر کے لیے دعائے مغفرت کا حرام ہونا	۴۳۸	اقلیدس کا ایک مسئلہ	۲۷۰
فصل نہم اُن اسی ۸۰ صحابہ وتابعین وائمہ و علماء کے نام جن سے کفر ابی طالب کی تصریح اس رسالہ میں منقول ہوئی	۴۴۱	ارثماطیقی کا ایک مسئلہ	۲۷۰
فصل دہم اُن ایک سو تیس کتب تفسیر وعقائد وغیرہا کے نام جن کی سندیں اس رسالہ میں منقول ہوئیں	۴۴۵	جبر و مقابلہ کا ایک مسئلہ	۲۷۰
تذییل، وہ کتاب جن سے اس رسالہ میں مدد لی گئی	۴۴۸	**لغت (ضمیمہ)**	
عقائد وکلام (ضمیمہ)		کرنا، کرلینا اور کردینا میں فرق اور اس کی مثالیں	۵۷
بے وساطتِ رسل اللہ تعالٰی تک رسائی محال ہے	۶۸	برس کو عربی میں حول کہتے ہیں کہ تحویل سے مشعر ہے	۶۸
تصدیق سب رسولوں کی جزو ایمان ہے	۶۸	برس بمعنی بارش ہے	۶۸
علمِ حروف وریاضی (ضمیمہ)		مقام و منزل و مقام بمعنی مکانت و منزلت و مرتبہ شائع الاستعمال ہیں	۱۶۶

فہرست ضمنی مسائل

فضائل سیّد المرسلین		نبی ہونے کے باوجود سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اُمتی ہونے کی خواہش کیوں کی	۳۹۰
ہر رسول کی رسالت بارش رحمت ہے	۶۸	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عظمت شان میں جامع ترمذی کی ایک جامع حدیث	۵۰۶
اللہ تعالیٰ نے تمام جہان حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بنایا	۱۱۳	میدانِ محشر کا منظر اور حضور شافع محشر علیہ الصلوۃ والسلام کی کرم نوازیاں	۵۱۳
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات و صفات وفضائل وکمالات کبھی زوال پذیر نہیں بلکہ ہمیشہ مترقی ہیں	۲۰۱	رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور روزانہ اعمال کی پیشی آپ کے خصائص میں سے ہیں	۵۲۲
درود تاج پڑھنا اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دافع بلاء سمجھنا	۲۵۵	حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم شریعت و حقیقت دونوں کے حاکم ہیں لہٰذا آپ کے احکام کبھی شریعتِ ظاہر پر اور کبھی حقیقت باطنہ پر ہوتے ہیں	۵۲۹
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح اقدس بارہا ستر ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے	۶۵۸	حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ دو قبلوں اور دو ہجرتوں کے جامع ہیں اور شریعت و حقیقت دونوں آپ کے لیے جمع کردی گئی ہیں	۵۳۲

بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی اور کی نہیں	۵۷۵	ولی فرد تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے	۴۵۸
منصب شفاعتِ کبرٰی اسی سرکار کا خاصہ ہے	۵۷۵	تعظیم سادات کی اہمیت	۵۸۷
داروغہ دوزخ عرض کرے گا کہ اے محبوب آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا	۵۸۰	والد ماجد اعلیحضرت مولانا نقی علی خان و محبِ رسول مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہما کی جلالت شان	۵۹۵
فضائل و مناقب		سرکارِ غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ڈوبی کشتی ترانے والی کرامت	۵۲۹
سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، آپ کے فضائل و مناقب	۹۸	مرسلین ملائکہ بالاجماع تمام غیر انبیائے سے افضل ہیں	۵۲۹
صحابہ سب کے سب اہلِ خیر وعدلت ہیں	۹۸	حقیقی سادات پر عذاب سے مامون ہونے کی امید واثق ہے	۵۳۸
حضور سیدنا غوث اعظم ضرور دستگیر اور خواجہ معین الدین چشتی ضرور غریب نواز ہیں	۱۰۵	حضرت فاطمہ اور ان کی تمام ذریت نار سے محفوظ ہے	۶۳۸
صحابہ کرام کے فضائل اور ان کی تعظیم کی فرضیت کا بیان	۲۲۷	درود شریف میں علٰی ابراہیم وعلٰی آل ابراہیم لانے کی وجہ	۶۴۳
انبیاء کے بعد سب سے افضل سیدنا صدیق اکبر پھر فاروق اعظم ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما	۲۲۹	**نماز وامامت**	
صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سب اولیاء کرام تھے	۲۳۳	شرع مطہر نے تمام جہان کے مسلمانوں کو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے	۱۶۰
افضل الصحابہ کون ہے	۲۳۴	مسئلہ غیر مقلدوں کے پیچھے نماز پڑھنا	۱۹۳
صحابہ کرام کی عظمت وفضیلت اور انہیں لالچی کہنے والے کی مذمت وضلالت کا بیان	۲۶۴	جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر ۱۲ رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں	۲۰۵
ام المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ کس معنی میں رؤیت باری تعالٰی کا انکار فرماتی ہیں	۳۳۵	منکر میلاد شریف وتقبیل ابہامین کے پیچھے نماز پڑھنے کا شرعی حکم کیا ہے	۲۱۹
امام اعظم سردارانِ علماء میں داخل ہیں	۳۳۵	زید کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے برابر پیدا کرسکتا ہے مگر کرے گا نہیں۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں	۲۲۱

مرتد کے پیچھے نماز کیسی	۲۶۷	ہدایت وضلالت کا بڑا منشاء قرآن مجید کی آیات کادو قسم ہونا ہے، محکمات اور متشابہات	۱۲۲
بلاوجہ شرعی عمداً ترک جماعت گناہ ہے اور اس کا عادی فاسق گمراہ ہے	۲۸۳	استواء علی العرش کے معنی ہیں چار نفیس وجوہِ تاویل	۱۲۴
آمین بالجہر نماز میں درست نہیں	۳۹۳	قرآن مجید میں استواء سات جگہ آیا ہے ساتویں جگہ آفرینشِ زمین وآسمان کے ساتھ اور بلا فصل اس کے بعد آیا ہے	۱۲۶
التحیات کے بعد نداء یارسول اللہ کا اثبات	۵۶۶	آیتِ کریمہ "الرحمن علی العرش استوی" آیاتِ متشابہات میں سے ہے	۱۲۸
وہابیہ کے مذہب پر نماز جو کہ عبادت ہے اس کے اندر شرک لازم آتا ہے	۵۶۶	آیاتِ متشابہات میں اہل سنت کے صرف دو طریق ہیں	۱۷۰
التحیات میں معانی کا قصد کرتے ہوئے سرکار کی خدمت میں سلام عرض کرے	۵۶۶	چند قرآنی آیات کی تفسیر کے بارے میں استفسار	۲۵۹
جنائز		آیت کریمہ "لااعلم الغیب" کی تین نفیس تفسیریں	۴۵۰
بزرگوں کی قبروں کی زیارت، ان کا طواف اور ان کو بوسہ دینا کیسا ہے	۲۰۵	آیتِ کریمہ "وعلم اٰدم الاسماء کلھا" کے متعلق حضرت سید عبدالعزیز دباغ علیہ الرحمہ کا قول	۴۶۲
زیارتِ قبور سنت ہے	۲۸۲	قرآن مجید نے ۲۳ برس میں بتدریج نزول اجلال فرمایا	۵۱۲
فوائد تفسیریہ		قرآن میں کلمہ طیبہ کے دونوں جُز موجود ہیں	۶۵۴
ترجمہ کرتے وقت کیا احتیاطیں ضروری ہیں	۶۰	**فوائدِ حدیثیہ**	
استواء علی العرش پر گفتگو	۱۱۶	مرقاۃ شرح مشکوۃ میں مذکور ایک حدیث کے حوالہ کے بارے میں سوال کا جواب	۶۴
آیاتِ متشابہات کے بارے میں اہلسنت کے دو مسلک ہیں	۱۱۷	حدیث لولاک کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۱۱۳

مدلس کا عنعنہ محدثین قبول نہیں کرتے	۱۶۶	عرصات محشر کی ہولناکی اور شفاعتِ کبرٰی کی حدیثیں	۵۷۴
متواترات صرف معدودے چند ہیں	۱۷۹	مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے ایسی چالیس ۴۰ احادیثِ شفاعت کا انتخاب جو مشہور احادیث شفاعت کے علاوہ ہیں اور گوشِ عوام تک کم پہنچی ہیں	۵۷۶
صحیح لذاتہ و صحیح لغیرہ و حسن لذاتہ و حسن لغیرہ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں	۱۹۰	**فوائد فقہیہ**	
مقام فضائل میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں	۱۹۰	حنفی کی تعریف	۵۴۴
مجہول العین بہت ائمہ محققین کے نزدیک مقبول ہے اور مجہول الحال میں بھی بعض اکابر کا مذہب مقبول ہے	۱۹۰	عبادت کی جامع ومانع تعریف	۶۴۰
"لامھدی الا عیسٰی" حدیث صحیح نہیں	۲۲۶	**فوائد اصولیہ**	
حضرت امام مہدی اور حضرت عیسٰی کے بارے میں حدیثیں حدِ تواتر تک پہنچی ہیں	۲۲۶	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا امی ہونا رسالت کے خلاف نہیں	۱۱۰
اسمٰعیل دہلوی اور سید احمد بریلوی کے معتقدوں کے بارے میں استفتاء کا جواب	۲۳۵	منسوخ پر حکم باطل ہے	۱۱۰
فضائل اعمال میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں	۲۳۵	امور متساویۃ النسبۃ میں ایک کی ترجیح ارادے پر موقوف ہے	۱۵۷
دعا کی حدیثیں متواتر ہیں	۳۱۱	ہر مخلوق بالارادہ حادث ہے	۱۵۷
براہین قاطعہ کی چند عبارات اور ان کا رد	۴۸۹	جہالت عین جہالت حال کو مستلزم نہیں	۱۹۰
حدیث "واللہ لا ادری مایفعل بی ولا بکم" سے وہابیہ کے استدلال کا جواب	۴۹۰	مجہول پایہ احتجاج سے ساقط ہے نہ کہ پایہ اعتبار سے	۱۹۰
حدیث ترمذی پر مصنف علیہ الرحمہ کی محدثانہ بحث اور راویوں کی جرح وتعدیل	۵۲۲	جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں عقائد میں بھی چار اصول ہیں	۲۱۴

فقہ میں اجماع اقوی الادلّہ ہے	۲۱۵	دراج پر جرح وتعدیل	۱۶۶
سوادِ اعظم یعنی اہلِ سنت کا کسی مسئلہ عقائد پر اتفاق اقوی الادلہ ہے	۲۱۵	ابوالہیثم سے دراج کی روایت ضعیف ہے	۱۶۶
نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی	۴۸۸	بیعت وخلافت	
تخصیص متراخی نسخ ہے	۴۸۸	کافر بیعت نہیں ہوسکتا	۶۴۲
اخبار کا نسخ ناممکن ہے	۴۸۸	کافر کو مجاز وماذون بیعت وخلیفہ بنانا کفر ہے	۶۴۲
تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی	۴۸۸	**تقلید**	
عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار واحاد سے استناد محض غلط ہے	۴۸۹	لاکھوں تابعین اور ہزاروں صحابہ کرام مقلد تھے	۱۹۴
آیاتِ قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث احاد بھی مسلم نہیں ہوسکتی اگرچہ سنداً صحیح ہو	۵۱۳	تقلید واجب شرعی ہے اور زمانہ رسالت سے شروع ہوئی	۱۹۵
نفی حقیقت ذاتیہ نفی حقیقت عطائیہ کو مستلزم نہیں	۵۱۳	تقلید فرض قطعی ہے	۳۹۲
جس مضمون پر قرآن پاک دلالت کرے وہ مدلولِ قرآنی ہے	۶۴۳	فقہ کو نہ ماننے والا شیطان ہے	۳۹۳
متشابہات میں قیاس کرنا ضلالت ہے	۶۴۳	فقہ کو نہ ماننے کی قباحتیں	۳۹۳
افتاء ورسم المفتی		تاریخ وتذکرہ	
جاہل کے لکھے ہوئے مسئلہ کی علماء کو تصدیق نہیں کرنی چاہیے	۶۱	صاحب درمختار کی سند	۶۲
تمام مسائل کو صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بلفظ قال وعند نسبت کیے جاتے ہیں۔ کتب ظاہر الروایہ کے مسئلے ہیں اور ان تک اسانید متصلہ موجود۔ ہر مسئلہ کے لیے جدا سند کی حاجت نہیں	۶۱	صاحبِ بحر کی سند	۶۲
اسماء الرجال		امیر المومنین حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر وعمر وعثمان ہیں	۸۰
ابن لہیعہ مدلس ہے	۱۶۶		

حضرت امام حسن و حسین و محسن کے نام حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹوں شبر وشبیر ومبشر کے ہم وزن وہم معنی ہیں	۸۱	اولیاء کرام کو ندا کرنے کا طریقہ متوارثہ جو خود انہوں نے اپنے متوسلین کو تعلیم فرمایا	۵۵۶
مصنف مسلم الثبوت سنی حنفی ہیں آزاد خیال نہیں	۱۱۲	اس سلسلہ میں چند واقعات	۵۵۶
کشتی نوح علیہ السلام رجب میں چلی	۲۳۵	حج سے واپسی پر احمد آباد میں قیام کا واقعہ۔	۵۸۹
صاحب کشاف معتزلی ہے	۳۹۶	ایک رامپوری عالم کی تصنیف پر تقریظ لکھنے کا واقعہ	۵۹۰
جفر و جامعہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی دو کتابیں ہیں	۴۶۶	سن ۱۳۳۰ ہجری تک اعلیحضرت کی تعداد تصانیف کا بیان	۵۹۶
امام ابن سیرین کی وفات سے ساڑھے ترپن برس بعد امام احمد بن حنبل کی ولادت ہوئی	۵۱۵	انجمن نعمانیہ لاہور میں اعلیحضرت نے ۱۳۲۰ھ تک کے شائع شدہ رسائل خود ارسال کیے تھے	۵۹۶
ابن سیرین کا وصال ۹ شوال ۱۱۰ھ کو ہے جب کہ امام احمد حنبل کی ولادت ربیع الاول ۱۶۴ھ کو ہوئی	۵۱۵	اعلیحضرت علیہ الرحمہ کی ہمہ وقتی دینی امور میں مشغولیت	۶۰۸
گنگوہی صاحب کی تاریخی جہالت کہ امام ابویوسف کو حسین بن منصور حلاج کا ہمعصر سمجھ بیٹھے	۵۱۶	مولانا سید دیدار علی شاہ اور اعلیحضرت کے درمیان گفتگو	۶۱۰
امام ابویوسف کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی	۵۱۶	حضرت منصور، بایزید بسطامی اور شمس تبریزی کے اقوال انا الحق، سبحانی ما اعظم شانی اور قم باذنی کی تحقیق	۶۲۷
سلطان اورنگزیب عالمگیر کی ایک حکایت	۵۱۷	حضرت شاہ منصور علیہ الرحمہ کو سولی کیوں دی گئی	۶۲۸
میلاد شریف کب سے نکلا، کس نے نکالا، امام اعظم نے کیا یا نہیں۔ زمانہ صحابہ میں تھا یا نہیں	۵۴۷	چار نبی بے عروضِ موت اب تک زندہ ہیں	۶۳۷
تین شامی مجاہدین کا واقعہ کہ یہ تینوں تبع تابعی تھے	۵۵۴		

حدود وتعزیر		مکان ومکانی کو جہت سے چارہ نہیں	۱۵۸
زنائے خلاف رضامندی و بلا رضامندی میں فرق ہے	۶۵	جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ	۱۵۸
فلسفہ وسائنس		آسمان اعلیٰ کو فلک اطلس اور فلک الافلاک کہتے ہیں	۱۶۰
روح انسانی متجزی نہیں	۷۷	وجودِ آسمان پر دلائل اور فلاسفہ کا رَد	۲۰۰
مکان کا مکین کو محیط ہونا لازم	۱۵۵	بدن کے ساتھ حدوث نفس خیال باطل فلاسفہ ہے	۲۵۳
اگر معبود کو مکانی فرض کیا جائے تو دو حال سے خالی نہ ہوگا کہ جزء لایتجزی کے برابر ہوگا یا اس سے بڑا ہوگا، اور یہ دونوں باطل ہیں	۱۵۵	سائنس والے صدہا باتوں میں خود مختلف ہیں	۲۷۰
جو مکانی ہو اور جزء لایتجزیٰ کے برابر نہ ہو اسے مقدار سے مفر نہیں	۱۵۷	متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے	۴۵۰
مقدار غیر متناہی بالفعل باطل ہے	۱۵۷	جو کچھ دو حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے	۴۵۱
مقدار متناہی کے افراد نامتناہی ہیں	۱۵۷	**وقف**	
مقداری کا وجود بے مقدار کے محال ہے	۱۵۷	وقف کے بارے میں درمختار اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب	۶۶
ہر مقدار متناہی قابلِ زیادت ہے	۱۵۷	**منطق**	
جہات فوق وتحت دو مفہوم اضافی ہیں۔		مومن اور ولی میں کون سی نسبت ہے	۶۴۳
ایک کا وجود بے دوسرے کے محال ہے	۱۵۷	حظر واباحت	
ہر ذی جہت قابل اشارہ حسیہ ہے۔	۱۵۸	مسائل کو حیاء کے پیرائے میں بیان کرنا چاہیے	۶۰
ہر قابل اشارہ حسیہ متحیز ہے	۱۵۸	رنڈیوں کا ناچ حرام ہے، اولیاء کرام کے عُرسوں پر بے قید جاہلوں نے یہ معصیت پھیلائی ہے	۹۲
ہر متحیز جسم یا جسمانی ہے	۱۵۸	خاوند کے شراب پینے کا وبال اس پر ہے عورت اسے جماع سے منع نہیں کرسکتی	۹۳
ہر جسم وجسمانی محتاج	۱۵۸		

امانت میں خیانت اور غدر وبدعہدی جائز نہیں	۹۳	نکرہ تحت نفی مفید عموم واستغراق ہوتا ہے	۷۶
کسی جرم قانونی کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا منع ہے	۹۳	لفظِ کل ایسا عام ہے جو کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا	۴۸۸
غدر اور قانونی جرم کے بغیر ہندو کا مال ملے تو اس کو لے لینا مباح ہے	۹۴	عام افادہ استغراق میں قطعی ہوتا ہے	۴۸۸
کنگھے کے لیے شریعت میں کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے	۹۴	باب تشبیہ واسع ہے	۵۱۸
مجلس میلاد میں قیام مندوب ہے	۲۶۶	**ہیئت**	
استعمالِ دوا سنت ہے	۳۱۳	علمِ ہیئت کے بارے میں ایک سوال کا جواب	۳۳۲
آدمی کا ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہو جانا ممنوع ومذموم ہے	۳۲۱	**ردِّ بدمذہباں ومناظرہ**	
بہت علوم کا اظہار مصلحت نہیں ہوتا	۵۱۳	نجدی گمراہ کی چند سطری تحریر میں چھ جہالتوں اور ضلالتوں کا بیان	۱۴۰
قیام ذکر ولادت سید الانام علیہ وعلٰی ذویہ افضل الصلوۃ والسلام بلاشبہ مستحب ومستحسن علمائے اعلام وعادت محبین کرام وغیظ وہابیہ لئام	۵۴۰	مذکورہ بالا جہالتوں اور ضلالتوں کی خبر لینے کے لیے مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے چھ تپانچے	۱۴۰
"یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا وظیفہ جائز ہے	۵۴۸	اللہ تعالٰی کے لیے مکان وجہت کے اثبات پر ابن تیمیہ وغیرہ کی دلیل کارد	۱۵۹
عوام مرتبے سے اونچے ہر گز نہ اُڑیں	۵۹۱	رَدِّ جہالاتِ مخالف	۱۶۲
بدشگونی جائز نہیں اور ہندوانہ طریقہ	۶۴۱	وہابیہ پر غضبوں کی ترقیاں	۴۴۳
بلاغت		وہابیہ کا عجب اوندھا پن کہ جو حدیث حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر روشن دلیل ہے اسی کو الٹی دلیلِ نفی ٹھہراتے	۵۲۹

کتاب الشّتی

(حصّۂ چہارم)

عروض و قوافی

مسئلہ ۱: از سہارن پور ضلع ایٹہ مرسلہ جناب چودھری مولوی عبدالحمید صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۱ھ

اعلیحضرت عظیم البرکت مجددمائۃ حاضرہ مؤید ظاہرہ عالی جناب مولوی مفتی احمد رضاخان صاحب۔ ادام اللہ تعالٰی ظلال اشادہ علٰی راس الطالبین، پس از آداب عجز و نیاز و سلام مسنون، مارہرہ سے ایک صاحب نے کنز الآخرہ پر مندرجہ پرچہ بااضافہ وترمیم کرکے بھیجا ہے جس کے جوابات ذیل بغرض ملاحظہ اعلیحضرت ارسال ہیں، بعد ملاحظہ اس امر کی تنقیح فرمائی جائے کہ اعتراض کس حد تک صحیح ہیں اور جوابات کس حد تک کافی، تاکہ اس کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔ معترض صاحبِ فن شاعری میں دستگاہ قادر رکھتے ہیں اور عروض و قوافی میں مہارتِ کامل۔

(۱) صفحہ ٹائیٹل **محمد الرسول اللہ**۔

اعتراض: مضاف پر الف لام نہیں آتا۔

جواب: میں نے عنوان کتاب پر سوا نام کتاب کے کچھ تحریر نہ کیا۔ باقی سب عبارت تالیفِ کاتب ہے۔ "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی"[1] (اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

(۲) ص ۴: ؎

وہ یگانہ ہے صفات وذات میں   نیز یکتا اس کے سب افعال ہیں

اعتراض: قافیہ صحیح نہیں، یوں ہو: ع

نیز یکتا ہو وہ ہر بات میں

جواب: اختلاف حرکت قافیہ میں اساتذہ کی سندیں حدِ تواتر پر ہیں حضرت سعدی: ؎

(۱) چو خواہد کہ ویراں کند عالمے   کند ملک در پنجہ ظالمے [1]

(۲) برائے جہاندیدگاں کار کن   کہ صید آموزداست گرگ کہن [2]

(۳) چو خدمت گزاریت گردد کہن   حق سالیانش فرامش مکن [3]

(۴) کنونت کہ دستت خاری بکن   دگر کے برآری تو دست از کفن [4]

(۵) بخائیدش از کینہ دنداں بزہر   کہ دوں پرورست ایں فرومایہ دہر [5]

(۱) جب وہ چاہتا ہے کہ کوئی ملک برباد ہوجائے تو وہ ملک کسی ظالم کے قبضہ میں دے دیتا ہے۔

(۲) جنہوں نے جہاں دیکھا ہوا ہے ان کی رائے کے مطابق عمل کر کیونکہ پرانے بھیڑیئے کو شکار کا تجربہ ہوتا ہے۔

(۳) جب تیرا خدمتگار بوڑھا ہوجائے تو اس کے سالانہ وظیفے کو مت بھول۔

(۴) اب جب کہ تیرا ہاتھ (طاقت) ہے کوئی کانٹا نکال، پھر کفن سے کب ہاتھ باہر نکال سکے گا۔

(۵) کینہ کی وجہ سے اس کو زہریلے دانتوں سے چبائیں گے کیونکہ کینہ پرور ہے یہ کمینہ زمانہ۔ (ت)

---

[1] بوستان سعدی باب اول مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۴۱

[2] بوستان سعدی باب اول مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۶۳

[3] بوستان سعدی باب اول مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۱۹

[4] بوستان سعدی باب اول مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۵۰

[5] بوستان سعدی باب اول مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۹۳

مثنوی شریف: ؎

گفت پیغمبر بکن اے رائے زن　　مشورت کالمستشارِ مؤتمَنُ [1]

مؤتمن بکسر میم ثانی بمعنی امین ہے۔

کالے خدا افغاں ازیں گرگ کہن　　گویدش نک وقت آمد صبر کن [2]

کمال اسمٰعیل:

اے زرایت ملک ودیں در نازش ودر پرورش　　اے شہنشاہ فریدوں فر داسکندر منش

سایہ حق است ویارب سایہ اش پایندہ دار　　زانکہ فرض ست از میان بادعائے دولتش

منش اور دولتش کا اختلاف اظہر من الشّمس ہے، مولوی حافظ عزیز الدین جلیسری مؤلف نادر الترتیب جو اب بھی حیات ہیں اور بڑے استاد اور پرانے تجربہ کار شاعر ہیں نادر الترتیب میں لکھتے ہیں۔

چھ سو بارہ تیرہ فصل دو باب اس میں ہیں　　تھوڑے تھوڑے حاشیہ پر ہیں لغت ہر باب میں

مہربان من اختلاف دکن قافیہ بے تکلف درست ہے۔ **(۳)** ص ۴: ؎

ہے وہی خلّاق مخلوقات کا　　ہے وہی رزّاق حیوانات کا

اعتراض: مخلوقات وحیوانات میں ایکار ہے، یوں چاہیے، ہے وہی رزاق مرزوقات کا

جواب: جمع کے قوافی، میں مفرد کا لحاظ نہ رکھا جائے گا، مستحسن ضرور ہے لازم نہیں۔ **مولانا روم:** ؎

یا کریم العفو، ستّار العیوب!　　انتقام از ما مکش اندر ذنوب [3]

پس پیغمبر گفت استفت القلوب　　گرچہ مفتی تاں بروں گوید خطوب [4]

عیوب وذنوب میں علامت جمع واؤ ہے اس کو علیحدہ کرکے دیکھا جائے تو عیب وذنب کا قافیہ نہ بنے گا اسی طرح قلوب وخطوب۔

آتش گلزار نسیم ؎

حلوا اس دیو کو دکھلاؤ　　گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

---

[1] مثنوی معنوی دفتر اول مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۱۳۱

[2] مثنوی معنوی دفتر سوم مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۳/ ۵۰

[3] مثنوی معنوی دفتر اول مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۱۴۵

[4] مثنوی معنوی دفتر ششم حامد اینڈ کمپنی لاہور ۶/ ۵۰

یہاں بھی علامت جمع واؤکے علیحدہ کرنے سے قافیہ مفرد کا صحیح نہیں رہتا، ایک استاد جن کا نام مجھ کو یاد نہیں فرماتے ہیں ؎

تم درود اس نام پر پڑھتے رہو اے مومنین ! چھوڑ دو سب ذکر جب ہو ذکر ختم المرسلین

(۴) صفحہ ۵: ؎

وہ کسی کا بھی نہیں محتاج ہے اس کے سب محتاج ہیں چھوٹے بڑے

اعتراض: قافیہ غلط، یوں چاہیے اس کی ہی محتاج ہے ہر ایک شے

جواب: نمبر ۲ میں گزر چکا۔

(۵) صفحہ ۵:

پاک ہے وہ جسم وجوہر عرض سے مادہ سے اور مکاں سے مرض سے

اعتراض: جوہر کے مقابل عرض بفتحتین ہے اور نیز مرض، یوں چاہیے: ؎

ہے عرض اور جسم وجوہر سے وہ پاک مادہ سے اور مرض اور گھر سے پاک

جواب: یہ بضرورت جائز ہے اس کا نام تفریس ہے، اگرچہ یہ تفریس قبیح ہے، لیکن جائز ہونے میں شک نہیں، اکثر اہلِ فارس نے لغات عربی میں بموجب شہرت عام کی ہے، مثلاً حرکت بفتحاتِ ثلثہ تلافوقی: ع

زبس خوش حرکت وشیریں ادا بود

کفن بفتحتین، لیکن شفائی کہتا ہے۔

از لتہ حیض خواہرش کفن کند

پس ایک زبان کے لغت کو دوسری میں تفریس کرکے لانا صحیح، ہاں عربی کو عربی، فارسی کو فارسی میں تفریس کرے تو ضرور نا جائز، باایں ہمہ اس تفریس کو میں بھی پسند نہیں کرتا اور اب میں نے ان تمام متغیر الحرکات لغات کو اصلی حرکات سے ملبس کر کے درست کرلیا ہے۔ شعر کو جناب نے ترمیم فرماکر جو تحریر فرمایا ہے اس میں پاک ہر دو جگہ متحد المعنٰی ہے پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ قافیہ کیونکر درست ہوگا۔ ہاں اس طرح ترمیم کیا جائے۔ ؎

وہ عرض اور جسم وجوہر سے ہے پاک مادہ سے اور مرض گھر سے ہے پاک

یا یوں ؎

ہے عرض اور جسم جوہر سے پاک مادہ سے اور مرض اور گھر سے پاک

تب درست ہے لیکن اس میں یہ قباحت ہے کہ ضمیر (وہ) کسی جگہ نہیں آتا، میں نے ترمیم اس طرح کی ہے: ؎

جسم و جوہر سے عرض سے پاک ہے وہ مکاں سے اور مرض سے پاک ہے

اس میں اگرچہ کلمہ مادہ کا دور ہوا جاتا ہے لیکن بندش میں شگفتگی ہوتی ہے اور مادہ کی توضیح یوں بھی ہوسکتی ہے کہ جب مرض سے پاک ہے لامحالہ مادہ سے بھی پاک ہے کہ مادی شے کو مرض لازمی ہے۔

(۶) صفحہ ۵:

کچھ نہیں پوشیدہ اس سے بے شبہ حاضر و ناظر وہی ہے ہر جگہ

اعتراض: شبہ غلط ہے صحیح:

اس سے پوشیدہ نہیں کوئی ذرا حاضر و ناظر وہ ہے ہر ایک جا

جواب: چونکہ اس تفریس کو میں خود مقبوح کہہ چکا ہوں لہذا اس سے مجھ کو اتفاق ہے۔

(۷) صفحہ ۶:

بیشبہ وہ قاضی الحاجات ہے وہ مجیب عرض اور دعوات ہے

اعتراض: قافیہ، ترمیم: شرک و کفر و فسق سے نفرت اسے

جواب: ترمیم تسلیم۔

(۸) صفحہ ۷:

شرک و کفر و فسق سے ناخوش وہ ہے ہے وہ راضی طاعت و ایماں سے

اعتراض: ترمیم: بالیقین وہ قاضی الحاجات ہے۔

جواب نمبر ۲: مفصل گزرا، اس کو غلط سمجھنا معترض کی غلطی ہے۔

(۹) صفحہ ۸: ؎

آسمانوں پر الٰی ماشاء اللہ حق ہے معراج محمد دیں پناہ

اعتراض: بغیر اضافت محمد دیں پناہ کی ترکیب اجنب ہے۔

جواب: جناب بغیر اضافت کیوں رکھتے ہیں، اگر محمد کی دال کو خفیف اضافت دی جائے تو کیا حرج ہے، شعر وزن سے نہیں گرے گا۔

حق ہے معراج محمد دیں پناہ فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

(۱۰) الٰی ماشاء اللہ غلط ہے، ترمیم ؎

حق ہے معراج محمد بالیقین آسمانوں پر گئے سلطانِ دیں

وقس ھذاالبواقی۔

جواب: ماشاء کے ہمزہ کو آپ ظاہر کرکے کیوں پڑھتے ہیں، ہمزہ کو **ماشاء اللہ** کے الف اور اللہ کے لام میں ادغام کرکے پڑھئے۔ جناب نے ترمیمی شعر کہا ہے اس شعر اور اس کی خوبی میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

آسمانوں پر گئے سلطان دیں اس میں انتہائے سیر معراج آسمانوں تک ثابت ہوتی ہے، اور شعر کتاب میں الی **ماشاء اللہ** کا کلمہ ایسا پر معنی ہے جس میں انتہائے سیر کی کچھ حد ہی نہیں رہتی اور جس کی تفسیر فکان قاب قوسین اوادنٰی سے مزین ہے **کما لا یخفٰی علی اھل البصیرۃ** (جیساکہ اہلِ بصیرت پر پوشیدہ نہیں۔ت) تمت۔

الجواب: کامل النصاب چودھری صاحب زیدت محالیہ وبورکت ایام ولیالیہ۔ بعد اہدائے ہدیہ سنت ملتمس، نوازشنامہ اسی وقت تشریف لایا، بکمال اختصار جواب حاضر۔ جو کچھ حضرت معترض کے خلاف گزارش کروں گا اس پر نمبر حرفی ہوں گے۔ اب ح ء اور خلاف جناب معروض ہوگا اس پر نمبر عددی ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴ اور مشترک پر مشترک۔

(اعتراض اول) (ا) بے محل ہے اور جواب کافی **(ب)** یہی زیر اعتراض لینے تھے تو اسم تاریخی الموسوم بہ کیوں ترک ہوا کون سی ترکیب سے موسوم باسم تاریخی چاہیے تھا۔ **(ح)** الموسوم بہ **(ء)** المعروف بہ یہ **کائِنتھاأُنَہ** عــــہ الف لام ہیں عند الپرتال معلوم بھیوان کی بھی تغییر چاہیے تھی۔ **(ھ) (ا)** ہاں کنزالاخرۃ کے نام ہونے پر ایک باریک مواخذہ بر محل ہوتا تائے مدورہ شکلاً ہا ہے اور لفظاً وقف میں ہا اور وصل میں تا اوّلاً عام اعتبار کتابت کا ہے اور تلفظ بھی لیجئے تو محل محلِ وقف ہے اور الف لام سے ترکیب ترکیب عربی، تو بہرحال ۵ ہی عدد ہوئی نہ ۴۰۰ ہاں منطق عوام پر کنزالاخرت پڑھے تو باعتبار تلفظ تاریخ صحیح ہوسکتی ہے مگر ایک علمی تصنیف، اس سے محفوظ رہنا اولٰی۔

(اعتراض دوم) (۲) میں اور ہاں کا قافیہ معیوب ضرور ہے۔ **(۳)** عالمے ظالمے پر قیاس

عــــہ: مطلب یہ ہے کہ الموسوم اور المعروف پر جو الف لام ہے، یہ کایستھ لوگ بولتے اور کاغذات پٹواری میں لکھتے ہیں لاعِنْدُ الپرتال معلوم بھیو یعنی جانچ پرتال سے معلوم ہوا، اس جملے میں ان لوگوں نے ایک خرابی تو یہ کی عند کو عنْدُ کہا اور دوسری یہ کہ الف لام داخل کیا۔ ۱۲ عبدالمنان اعظمی۔

صحیح نہیں کہ رَوِی جب متحرک ہو تو قبل کی حرکت میں اختلاف باجماع جائز وبے عیب ہے جیسے دلش وگلشن بخلاف اختلافِ دل کہ روی ساکن ہے جیسے یہاں (۴) کہن بفتح ہا وبضمتین دونوں طرح ہے جس کی سند یہی اشعار اور ان کی امثال بے شمار ہیں۔ حضرت مولوی قدس سرہ ؎

نفس فرعونے ست ہاں سیر مش مکن   تانیارد یادزاں کفر کہن [1]

(نفس فرعون ہے خبردار اس کو سیر مت کر، تاکہ وہ پرانے کفر کی یاد نہ لائے۔ت)

اکابر نے اس کثرت سے کن کا قافیہ من یا بزن یا حسن وغیرہا بھی کبھی باندھا (۵) جاری بکن غلطی کاتب ہے صحیح خارے بکن ہے (۶) زہر ودہر دونوں بالفتح ہیں۔ (۷) حدیث شریف میں مؤتمن بروزن معتمد بفتح میم دوم ہی ہے مؤتمن بالکسر امین دارندہ وبالفتح امین داشتہ شدہ یعنی جس سے مشورہ طلب کیا گیا اسے امین بنایا گیا تو خلاف مشورہ دینا خیانت ہے۔ لہٰذا فقیر کو ان گزارشوں پر جرات ہے کہ یہی حکمِ شریعت ومقتضائے امانت ہے۔ (۸) منش اور دولتش میں ضرور اختلافِ حرکت ہے اور عیب ہے۔ کوئی عیب لفظی خواہ معنوی ایسا نہیں جس کی مثال اساتذہ کے کلام سے نہ دی گئی ہو اس سے نہ وہ جائز ہوتا ہے نہ عیب ہونے سے باہر آتا ہے اور نہ اس میں ان کی تقلید روا ہو۔ ائمہ محققین مثل ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تصریح فرماتے ہیں کہ ان کا باندھ جانا بے پرواہی پر محمول ہوگا کہ قادر سخن تھے دوسرا باندھے تو جہل وعجز پر محمول ہوگا، میں نے اس مصرعہ کو یوں بدلا ہے:

وہ یگانہ ہے صفات وذات میں   حکم میں افعال میں ہر بات میں

(اعتراض سوم) کا (و) وہ جواب صحیح ہے جو جناب نے دیا کہ اس کا لحاظ مستحسن ہے ورنہ اکابر کے کلام میں بکثرت موجود ؎

قلوب العارفین لھا عیون   تری مالا یراہ الناظرونا

واجنحۃ تطیر بغیر ریش   الٰی ملکوت رب العالمینا

والسنۃ بسّر قد تناجی   بغیب عن کرام کاتبینا

(عارفوں کے لیے دل کی آنکھیں ہیں وہ دیکھتی ہیں جو ہم میں سے دیکھنے والے نہیں دیکھتے۔ اور ان کے بازو ہیں کہ وہ پروں کے بغیر اڑتے ہیں پروردگار عالم کی بادشاہی میں۔ اور ان کی زبانیں ہیں جو ایسے خفیہ راز کہہ دیتی ہیں جو کراماً کاتبین سے پوشیدہ ہیں ت)

---

[1] مثنوی معنوی دفتر چہارم مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۲/ ۳۴۲

(۹) مگر عیوب وذنوب اور قلوب وخطوب کے قوافی سے استشہاد صحیح نہیں کہ کلام جمع سالم میں ہے۔ فقیر نے بھی یہ قافیہ نہ بدلا تھا۔ کہ ضروری نہ تھا بعد اعتراض مرزوقات ہی بنادینا انسب معلوم ہوا۔

(اعتراض چہارم) وہی دوم ہے والکلام الکلام میں نے یہاں پہلا مصرعہ یوں بدلا ہے۔ ؎

پاک ہے ہر حاجت وہر عیب سے اس کے سب محتاج ہیں چھوٹے بڑے

اس میں ایک مسئلہ کلیہ زائد ہوگیا۔

(اعتراض پنجم) **(۱۰)** یہ بھی ضرور قابلِ اخذ وواجب الترک ہے اور ایسے تصرفات کا ہم کو اختیار نہ دیا گیا نہ وہ کوئی قاعدہ ہے کہ سماع بے سماع ہر جگہ جاری کرسکیں اور ضرورت کا جواب وہی ہے کہ شعر گفتن چہ ضرور۔ حرکت وبرکت اور ان کے امثال میں بوجہ توالی حرکات سکون ثانی بے شک عام طور پر مستعمل مگر مرض وعرض وعرض وغرض وحرج وفرس وامثالہا کو اس پر قیاس نہیں کرسکتے۔ میں نے یہاں دو شعروں کو تین سے یوں تبدیل کیا ہے: ؎

ہے منزّہ جسم سے وہ پاک ذات بے مکان وبے زمان وبے جہات

خالق ان کا ان سے پہلے جیسے تھا ان کے ہونے پر بھی ویسا ہی رہا

جسم وجوہر سے عرض سے پاک ہے مادہ سے اور مرض سے پاک ہے

مکان سے تنزیہہ شعر اول میں آگئی **(۱۱)** پاک صفت ہے اور اس میں ضمیر مستتر ہے، ضمیر مظہر کی ضرورت نہیں جیسے اس شعر میں۔ ؎

جانتا ہے رازہائے سینہ کو دیکھتا ہے دل میں حُب وکینہ کو

(ز) حضرت معترض نے جو تبدیلی فرمائی اس پر جناب کا اعتراض بہت صحیح ہے۔

(اعتراض ششم) بے شبہہ صحیح ہے جسے جناب نے بھی تسلیم فرمایا مگر **(ح)** شُبہ صحیح بتانا خود غلط ہے صحیح شبہہ ہے۔ **(ط)** **(۱۲)** حاضر وناظر کا اطلاق بھی باری عزوجل پر نہ کیا جائے گا۔ علماء کرام کو اس کے اطلاق میں یہاں تک حاجت ہوئی کہ اس پر سے نفی تکفیر فرمائی،

شرح الوہبانیہ ودرمختار میں ہے۔ **ویاحاضر یاناظر لیس یکفر۔**[1] یعنی اللہ عزوجل کو یا حاضر یا ناظر کہنے سے کافر نہ ہوگا۔ میں نے اس شعر کو یوں بدلا ہے۔

ہے وہی ہر چیز کا شاہد بصیر کچھ نہیں پوشیدہ تجھ سے اے خبیر

مصرعہ ثانی میں التفات ہے کہ نفائس صنعت سے ہے۔

---

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۶۱

(اعتراض ہفتم) وہی ششم ہے مگر (ی) **(۱۳)** قاضی الحاجات باثبات یا برقرار رکھنا عجب ہے میں نے اسے یوں بدلا ہے۔ع
بالیقین وہ قاضی حاجات ہے (یا)

(۱۴) اس کے پہلے مصرعہ وہ مجیب عرض اور دعوات ہے میں مجیب عرض ترکیب فارسی ہے لفظ اور سے اس پر عطف ناجائز ہے، اس پر اعتراض کیوں نہ ہوا، میں نے اسے یوں تبدیل کیا۔

وہ مجیب العرض والدعوات ہے۔ (س)

(۱۵) اسی صفحہ کا ۱۱ شعر بے دلیل وحجت وبرہان لیک میں بھی عطف بہ ترکیب فارسی ہیں تو اظہار نون ناجائز اس پر بھی اعتراض نہ ہوا۔ میں نے اسے یوں بدلا: ع

حاجت حجت نہیں ایمان میں لیک (لح)

(۱۶) صفحہ ۷ کے پہلے مصرعہ خالق خیر اور شر اللہ ہے میں وہی بات ہے کہ ترکیب اور عطف ہندی اور اب وہ سخت معنی فاسد کو موہم کہ شر کا عطف معاذ اللہ خالق خیر پڑھو اور شر اللہ ہے یہ بھی اعتراض سے رہ گیا میں نے اسے یوں بدلا۔

خالق ہر خیر و شر اللہ ہے

(اعتراض ہشتم) وہی دوم ہے **والکلام الکلام** (بہ) اس میں یوں تبدیل شرک وکفر وفسق سے نفرت اسے بہت سخت قبیح واقع ہوئی اگر کروڑوں قافیے تبدیل بلکہ روی رکھتے بلکہ ہر مصرعہ خارج از وزن ہوتا تو بھی ان کروڑوں کی شناعت اس تبدیلی کی کروڑویں حصہ کو نہ پہنچتی۔ نفرت بھاگنے اور بدکنے کو کہتے ہیں، اللہ عزوجل کی طرف اس کی نسبت حلال نہیں (یہ) **(۱۷)** نیز اس مصرعہ "ہے وہ راضی طاعت وایمان سے" میں ترکیب فارسی کے بعد اظہار نون ممنوع تھا۔ اس پر اعتراض نہ ہوا میں نے یہ شعر یوں بدلا ہے: ؎

طاعت وایمان سے راضی ہے وہ حیی   شرک وکفر وفسق سے ناراض ہے

(یو) (۱۸) اسی صفحہ میں "بعض افضل پر ہیں بالضرور" تھا لفظ ضرور ہے یا بالضرورۃ، بالضرور کوئی چیز نہیں، میں نے اسے یوں بدلا ہے: ع

بعض افضل بعض سے ہیں پُر ضرور

(اعتراض نہم) (یز) "حق ہے معراج محمد دیں پناہ" صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ فلک اضافت پر اعتراض بیجا ہے فلک لک دولک جگہ ملے گا۔ یہیں ص ۷ پر اول ان کے حضرت آدم ابوالبشر

میں بھی فک تھا وہ کیوں جائز رکھا گیا۔ **(یح)** اگر فک نامعقول ہو تو دیں پناہ کو صفت کیوں مانئے بلکہ بحذف مبتدا جملہ مستقلہ مدحیہ ہے یعنی وہ دیں پناہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے نظائر خود قرآن عظیم میں ہیں۔ (یط) یہ بھی نہ سہی کیوں نہ ٹھہرائیں کہ مخاطب سعید کو ندا ہے یعنی اے دیں پناہ

(۱۹) یہ جواب کو خفیف اضافت دی جائے صحیح نہیں اب وزن فاعلاتن فاعلن نہیں ہوسکتا فاعلن کی گنجائش تو پہلے ہی نہ تھی دین پناہ فاعلات ہے اب کسرہ دال یہ تقطیع کردے گا فاعلاتن فاعلات مفاعلن۔

(اعتراض دہم) صحیح ہے **(۲۰)** ماشاء اللہ یعنی جو اس طرح پڑھا جائے۔ ماشال لاہ کسی قاعدہ کا مقتضی نہیں حذف ہمزہ بے شک جائز و شائع ہے مگر اب الف و لام میں التقائے ساکنین ہو کر الف گر جائے گا اور یوں پڑھا جائے گا۔ **ماشّلا** میں نے اسے دو طرح بدلا ہے۔ آسمانوں پر "الی ماشا الالٰہ" یعنی ہمزہ محذوف اور الف شا بوجہ التقا ساقط ہو کر شین لام سے مل گیا۔ دوم آسمانوں "لماشاء الالٰہ" لام بمعنی الیٰ بکثرت شائع اور خود قرآن عظیم میں واقع اور اصلاً کسی تکلف کی حاجت نہیں۔ **(ی)** اس تبدیلی پر جو اعتراض جناب نے کیا وہ صحیح ہے واقعی مفاد اصل و بدل میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے، یہ ایک اربعین ہے مع انصاف تام یعنی بیس متعلق بحضرت معترض اور بیس متعلق بجناب والسلام فقیر کی رائے میں دوسری جگہ بھیجنے کی نہ حاجت نہ حصول منفعت کہ بہت تبدیلیں جو درکار ہیں رہ جائیں۔ بعض کہ درکار نہیں عمل میں آئیں بعض کہ خود اشد اعظم تبدیل کے محتاج ہوں ظہور پائیں امید کہ یہاں کی ترمیم کے بعد کوئی غلطی نہ شرعی باقی رہی نہ شعری، ان شاء اللہ تعالیٰ جناب کو فقیر نے لکھا تھا کہ اغلاطِ شعریہ سے قطع نظر کروں گا اس کے جواب میں فرمائش جناب پر وہ بھی زیر نظر رکھے گئے میری عظیم بے فرصتی بے حد کثرت کار اور اس پر محض تنہائی اور پھر علالت و نقاہت کا دس مہینے سے دورہ ضرور باعث دیر تاخیر ہوں گے۔ اگر عجلت نہ فرمائیں اور منظور حضرت عزجلالہ ہو تو کام پورا اور تمام نقائص سے مبرا ہو جائے گا۔ آئندہ جو رائے سامی ہو والتسلیم مع التکریم۔

مسئلہ ۲: از مطبع اہلسنت وجماعت بریلی مسئولہ منشی اعجاز احمد صاحب قیصر مراد آبادی کاتب مطبع مذکور ۵ رجب ۱۳۳۵ھ

ے اسی پر آپ کو قیصر مسلمانی کا دعوی ہے
کبھی یاد خدا کرلیں کبھی ذکر بتاں کرلیں

یہ بحر ہزج سالم ہے یا مزاحف مسبع؟ کریں، اور کرلیں، میں کیا فرق ہے؟ اور کرلیں، کی فارسی کیا ہو گی؟

الجواب:

مثمن سالم ہے لین کا نون تقطیع میں حسب قاعدہ نہ آئے گا لہٰذا مسبغ نہیں۔ہاں ایک مصرع مسبغ ہے۔ ع

اسیرانِ قفس کا دم گھٹا جاتا ہے اے صیاد

فعل کا اثر اپنے لیے حاصل کرنا ہو خواہ دوسرے کے لیے اُسے مطلقاً کرنا کہیں گے اور کرلینا وہاں کہ اپنے لیے تحصیل اثر مقصود ہو اگرچہ اس قدر کہ اس سے فراغ حاصل ہوا میں نے بات کرلی یعنی کرچکا اور کردینا وہاں کہ دوسرے تک وصول اثر مقصود ہو نفع خواہ ضرر، نکاح کرلیا یعنی اپنا اور کردیا یعنی دوسرے سے اور کیا دونوں کو شامل ہے سر اپنا چاک کرلیا اور دوسرے کا کردیا اور کیا عام۔فارسی میں اس مختصر ترکیب کا ترجمہ نہیں اور یہ فقط کرنے ہی سے خاص نہیں بلکہ ہر فعل میں ہے جیسے کھالو پی لو مگر دو وہیں ہوگا۔جہاں دوسرے پر اثر پہنچے کھادو نہ کہا جائے گا انار توڑدو یعنی دوسرے کو اور توڑ لو یعنی اپنے لیے اور اگر دوسرے کے لیے توڑ رہا ہے اس سے کہا انار توڑ لو تو ایک بات نہیں یہاں وہی بمعنی فراغ ہے کہ یہ اثر اپنے لیے ہے فقط۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

علم وتعلیم

مسئلہ ۴۳تا۴۷: از اسارا ڈاکخانہ کرہٹل ضلع میرٹھ مدرسہ حفاظت اسلام مرسلہ منشی محمود علی مدرس مدرسہ مذکور ۲۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) اس زمانے میں جب کہ عام جہالت کی گھٹا پھیلی ہوئی ہے تو اس وجہ سے قرآن پاک، حدیث شریف، فقہ حنفیّہ کا بوجہ بعض مسائل شرمناک ہونے کے مثلاً حیض، نفاس، جماع، طلاق، ثبوت نسب وغیرہ کے کتب بالا کا ترجمہ کرکے عوام کے روبرو اظہار کرنا کیا منع ہے۔

(۲) کُتب فقہ جو مذہب حنفی کی درسی وغیر درسی مثلاً کنزالدقائق، شرح وقایہ، ہدایہ، درمختار، عالمگیری، شامی، قاضیخاں وغیرہ اور انکی شروح جو مشہور مدارس عربیہ میں داخل درس ہیں آیا صحیح ہیں یا فرضی؟

(۳) جو مسائل کتب مذکورہ بالا سے اخذ کرکے اردو میں کردیئے جائیں تاکہ عوام اس سے فائدہ مند ہوں تو کیا وہ قابلِ یقین و عمل نہ ہوں گے جیسے کُتب فارسی وار دو مالابدمنہ، مفتاح الجنت، بہشتی زیور وغیرہ۔

(۴) جو شخص باوجود دعوی حنفیت کرتے ہوئے کتبِ بالا سے انکار کرے اور کہے کہ ان کے مسائل فرضی ہیں۔ حنفی مذہب کے نہیں جس کی وجہ سے ایک گروہ عظیم کا کتب بالا سے اعتقاد خراب ہو جاتا ہے، یہ لوگ اپنے دعوی میں مقلد ہوں گے یا غیر مقلد؟

(۵) اکثر لوگ بہشتی زیور کے بعض مسائل پر کہ متفرق طور سے فصل نجاست اور ثبوت نسبت وغیرہ میں ہیں۔

اعتراض کرتے ہیں ہم نے ان کی تحقیق کتب فقہ میں کی تو شرح وقایہ، درمختار، کنزالدقائق میں پائے جاتے ہیں ایک مفتی صاحب کہتے ہیں کہ مسائل فرضی ہیں ان کا کہا کیونکر صحیح ہے؟

الجواب:

(۱) ایسے سوال میں قرآن عظیم کا شامل کرنا سُوء ادب ہے اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہماری ہر حاجت کے متعلق حق وباطل، نفع وضرر پر ہمیں مطلع فرمایا۔ جس طرح ہمیں نماز روزہ سکھایا یونہی جماع واستنجاء تعلیم فرمایا مگر امورِ شرم کا ذکر طرز بیان مختلف ہوجانے سے مختلف ہوجاتا ہے۔ ایک ہی مسئلہ اگر حیاء کے پیرایہ میں بیان کیا جائے تو کنواری لڑکی کو اس کی تعلیم ہوسکتی ہے اور بے حیائی کے طور پر ہو تو کوئی مہذب آدمی مردوں کے سامنے بھی بیان نہیں کرسکتا۔ خصوصًا ترجمہ کہ وہ گویا متکلم کی طرف سے اس کی زبان کا بیان ہوتا ہے، تو نہایت ضرور ہے کہ اس کی عظمت وشان ملحوظ رہے، وہ لفظ لکھے جائیں جو اس کے کہنے کے ہوں، بعض گمراہوں نے ترجمہ قرآن مجید میں اس کا لحاظ نہ رکھا یہ سخت سوء ادب ہے۔ غرض ایک ہی بات اختلافِ طرز بیان سے تعظیم سے توہین تک بدل جاتی ہے جیسے اوش فرمایئے، تناول فرمایئے نوشِ جان فرمایئے۔ کھاؤ، نگلو، تھورو، زہر مار کرو اور تعظیم وتوہین میں کس قدر مختلف ہیں تو صرف اتنا عذر کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے کافی نہیں ہوسکتا جب کہ طرزِ بیان بے ہودہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) صحیح مقابل فرضی کے لیے تو اس قدر بس ہے کہ وہ کتاب جس کی طرف نسبت کی جائے اس کی ہو اگرچہ کتنے ہی اغلاط پر مشتمل ہو، جن کتابوں کے نام سائل نے لیے ان میں کوئی فرضی نہیں، کنز سے قاضیخاں تک جتنے نام مذکور ہوئے یہ سب صحیح بمعنی معتمد بھی ہیں، مگر اعتماد کیا حاصل اس کی تفصیل ہم نے اپنے فتاوٰی میں ذکر کی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) اگر کتبِ مذکورہ بالا سے صحیح ترجمہ کیا جائے اور طرزِ بیان بھی مقبول ومحمود ہو اور اپنی طرف سے کچھ اضافہ نہ ہو تو وہ گویا انہیں کتابوں کا وجود ثانی ہوگا یقین تو اعتقادیات میں درکار ہوتا ہے اور قابلِ عمل وہ مسئلہ جو مفتی بہ ہو۔ مالابد میں بھی زیادات ہیں اور مفتاح الجنتہ تو وہابیہ کے ہاتھ میں رہی جس میں بہت کچھ اصلاح ہوئی اور بہشتی زیور اغلاط وضلالت وبطالت وجہالت کا مجموعہ ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) کنز سے قاضیخاں تک جتنی کتابوں کے نام لیے ان کی نسبت کوئی حنفی نہیں کہتا کہ ان کے مسائل حنفیّہ کے خلاف ہیں اور فرضی ہیں، تو سوال ہی فرضی ہے، مالابد ومفتاح الجنتہ کے بعض زیادات والحاقات کو اگر کسی نے ایسا کہا تو بیجا نہ کہا اور بہشتی زیور لا فی العیر ولا فی النفیر (نہ قافلے میں نہ لشکر میں، یعنی کسی شمار میں نہیں، ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) بہشتی زیور کا حال بالاجمال اُوپر گزرا بے شک اس میں بہت مسائل باطل و ساختہ ہیں وہ کسی طرح اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اسے دیکھے یا اپنے گھر میں رکھے مگر عالم جید بغرض رَدّ وابطال، مفتی صاحب کا اس پر اعتراض بجا ہے اور عوام اس کے مسائل سے جتنی بھی نفرت کریں ان کے حق میں مصلحت دینیہ ہے۔قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ایّاکم وایّاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1]	اُن سے دور بھاگو اور اپنے سے دور رکھو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈالیں۔

علمائے کرام نے وصیت فرمائی کہ جاہل کے لکھے ہوئے مسئلہ پر تصدیق نہ کرو اگرچہ مسئلہ فی نفسہا صحیح ہو کہ اس کی تصدیق نگاہِ عوام میں وقعت کاتب کی موجب ہوگی۔ وہ یہ سمجھ لیں گے کہ یہ بھی کوئی مفتی ہے، پھر اور جو اپنی جہالت سے غلط فتوی لکھے گا اس پر بھی اعتبار کریں گے۔ جب جاہل کے لیے یہ حکم ہے تو چہ جائے مبتدی چہ جائے مرتد واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸: ازجے پور راجپوتانہ، بازار ہوا محل، مرسلہ محمد یوسف مدرس مدرسہ فیض محمدی ۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ درمختار و شرح وقایہ و ہدایہ و فتاوی عالمگیری و کنزالدقائق و قدوری ومنیۃ المصلی وغیرہ کتب فقہ میں وہ مسائل جو بلفظ قال ابوحنیفہ وعند ابی حنفیہ (ابوحنیفہ نے فرمایا اور ابوحنیفہ کے نزدیک یوں ہے، ت) منقول ہیں کیا اُن کی اسناد بقاعدہ محدثین صاحب کتاب سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تک پہنچتی ہیں تو ایک دو مسئلہ کی سند بطور نظیر کے ارقام فرمادیں۔

الجواب:

تمام مسائل کہ صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف بلفظ قال وعنہ نسبت کئے جاتے ہیں کتب ظاہر الروایہ کے مسئلے ہیں اور اُن تک اسانید متصلہ موجود ہر مسئلہ کے لیے جدا سند کی حاجت نہیں جس طرح صحیح بخاری تک ہم اسانید متصلہ رکھتے ہیں، صحیح کی تمام حدیثیں ہمارے پاس انہیں سندوں سے ہیں ہر حدیث میں جدید سند کی ضرورت نہیں۔ صاحبِ درمختار رضی اللہ تعالٰی عنہ درمختار میں فرماتے ہیں:

[1] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

انی ارویہ عن شیخنا الشیخ عبدالنبی الخلیلی عن المصنف(ای شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی التمر تاشی)عن ابن نجیم المصری (ای العلامۃ المحقق زین صاحب البحر الرائق) بسندہ الی صاحب المذہب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ(الٰی قولہ) کماھو مبسوط فی اجازا تنا بطرق عدیدۃ عن المشائخ المتبحرین الکبار۔[1]	میں اس (علم فقہ) کو روایت کرتا ہوں اپنے استاذ شیخ عبدالنبی خلیلی سے، وہ روایت کرتے ہیں مصنف (یعنی شیخ الاسلام ابو عبد اللہ محمد بن عبداللہ غزی تمر تاشی) سے وہ ابن نجیم مصری (یعنی علامہ محقق زین صاحب بحر الرائق) سے وہ اپنی سند کے ساتھ جو متصل ہے صاحبِ مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ (مصنف کے اس قول تک کہ) یہ متبحر علماء کبار سے متعدد طرق کے ساتھ ہماری اجازت میں مفصل مذکور ہے (ت)

علامہ صاحبِ بحر کی سند یہ ہے:

المحقق زین عن العلامۃ ابن الشلبی صاحب الفتاوٰی عن ابن الشحنۃ شارح الوھبانیۃ عن الامام ابن الھمام صاحب فتح القدیر وزادالفقیر عن الامام العلامۃ قارئ الھدایۃ عن العلامۃ علاء الدین السیرانی عن السید جلال الدین صاحب الکفایۃ عن الامام عبدالعزیز البخاری صاحب کشف بزدوی عن الامام حافظ الدین النفسی صاحب الکنز و الوافی والکافی عن الامام شمس الائمۃ الکردری عن الامام برھان الدین صاحب الھدایۃ وکفایۃ المنتھی والتجنیس عن الامام فخر الاسلام علی البزدوی عن	محقق زین روایت کرتے ہیں علامہ ابن شلبی صاحبِ فتاوٰی سے وہ ابن شحنہ شارح وہبانیہ سے وہ امام ابن ہمام مصنف فتح القدیر وزاد الفقیر سے وہ علامہ قاری الہدایہ سے وہ علامہ علاء الدین سیرانی سے وہ سید جلال الدین صاحب کفایہ سے وہ امام عبدالعزیز بخاری صاحب کشف بزدوی سے وہ کنز ووافی وکافی کے مصنف حافظ الدین نسفی سے وہ امام شمس الائمہ کردری سے وہ ہدایہ، کفایۃ المنتہی اور تجنیس کے مصنف امام برہان الدین سے وہ امام فخر الاسلام علی بزدوی سے وہ امام شمس الائمہ سرخسی صاحبِ مبسوط سے وہ امام شمس الائمہ حلوانی سے وہ قاضی ابو علی نسفی سے وہ امام

[1] الدر المختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳

الامام شمس الائمة السرخسی صاحب المبسوط شرح کافی الامام الحاکم الشهید عن الامام شمس الائمة الحلوانی عن القاضی ابی علی النسفی عن الامام الفضل عن ابی عبدالله السبذمونی عن ابی حفص الصغیر عن ابیه الامام ابی حفص الکبیر عن الامام محمد عن سراج الامة الامام الاعظم وایضاعن محمد عن یعقوب عن ابی حنفیه رضی الله تعالٰی عنهم۔[1]	فضل سے وہ ابوعبداللہ سبذ مونی سے وہ ابوحفص صغیر سے وہ اپنے والد امام ابوحفص کبیر سے وہ امام محمد سے وہ سراج الامہ امام اعظم ابوحنیفہ سے نیز امام محمد روایت کرتے ہیں امام یعقوب (ابویوسف) سے اور وہ امام ابوحنیفہ سے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)

صاحب مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ تک فقیر کی سند صدر جلد اول فتاوٰی فقیر اور بفضلہٖ تعالٰی کتب ظاہر الروایہ بلکہ کتب نوادر بلکہ بکثرت کتب علماء و مشائخ تک باسانید متصلہ موجود، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹: از احمد آباد گجرات، محلّہ جماپور، مرسلہ مولوی حکیم عبدالرحیم صاحب، ۹ صفر المظفر ۱۳۳۷ھ

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری کی عبارت اگر آپ کے زیر نظر ہو تو یہ پتا بتائیے کہ یہ مرقاۃ کی کون سے باب و فصل اور کون سے صحابی کی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری نے یہ حدیث نقل کی ہے اس کی بندہ کو ضرورت ہے ممنون و مشکور ہوگا عبارت یہ ہے:

انه بلغنی عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان من قال لا اله الا الله سبعین الفاغفر الله تعالٰی له ومن قیل له غفر له ایضاً۔	مجھ تک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث پہنچی، آپ نے فرمایا کہ بے شک جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ کہالا الٰہ الا اللہ، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے گا اور جس کے لیے یہ کہا گیا اس کی بھی مغفرت فرمائے گا۔(ت)

[1] البحر الرائق

الجواب:

مولانا اکرمکم، السلام علیکم ورحمتہ وبرکاتہ!

یہ عبارت مرقاۃ[1] کتاب الصلوۃ، باب ما علی الماموم من المتابعۃ، فصل ثانی، حدیث علی و معاذ بن جبل علیہما الرضوان کی شرح میں ہے۔ مطبع مصر جلد دوم صفحہ ۱۰۲)

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، کتاب الصلوۃ، الفصل الثانی، حدیث ۱۱۴۲ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۳/ ۲۲۲

زبان وبیان

مسئلہ ۱۰: از ملک بنگال ضلع فرید پور مرسلہ شمس الدین صاحب
زنائے خلاف رضامندی و بلارضامندی میں کیا فرق ہے؟

الجواب:

مہمل و بے حاصل سوال ہے، خلافِ رضا وعدم رضا میں عموم وخصوص مطلق ہے وہ بات جس کی طرف نہ رغبت نہ نفرت، خلافِ رضا نہیں بلارضا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱:

یزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل صہ و بقوله جعلته مسجدا۔[1]	مسجد اور عیدگاہ میں فعل نماز سے مالک کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے اور یہ کہنے سے بھی ملکیت زائل ہو جاتی ہے کہ میں نے اس کو مسجد کردیا۔(ت)

یہ واؤ جس پر صہ بنا ہوا ہے یا کے معنی دے گا یا اور کے؟

دوم: واذا بنی مسجدا لم یزل ملکه عنه حتی یفرزه عن ملکه بطریقه	جس شخص نے مسجد بنائی تو اس سے بانی کی ملکیت زائل نہ ہوگی جب تک اس کا راستہ الگ کرکے

[1] الدر المختار کتاب الوقف مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۷۹

وصیاذن للناس بالصلٰوۃ فیہ[1]	اُسے اپنی ملکیت سے جُدا نہ کردے اور جب تک لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ دے دے۔ (ت)

یہ واؤ جس پر صہ دوسری جگہ ہے اس کے معنی یا کے ہوں گے یا اور کے؟ اور وجہ کیا ہے؟

الجواب:

پہلی عبارت در مختار کی ہے اور اس میں واؤ بمعنی یا ہے یعنی مسجد میں فعلِ نماز سے ملک مالک زائل ہو جاتی ہے اور مالک کے اس قول سے بھی کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا، دونوں میں جو ہو کافی ہے دونوں کا وجود ضروری نہیں، ردالمحتار میں اسی پر لکھا ہے:

لم یردانہ لایزول بدونہ لما عرفت انہ یزول بالفعل ایضا بلا خلاف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس سے یہ مراد نہیں کہ اس کے بغیر ملکیت زائل نہیں ہوگی اس لیے کہ تو جان چکا ہے کہ ملکیت تو محض فعل نماز سے بھی زائل ہو جاتی ہے اس میں نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ دے دے۔ (ت)

دوسری عبارت ہدایہ کی ہے اور اس میں واؤ بمعنی یا نہیں بلکہ امران ضرور ہے اور اس کے بعد طرفین کے نزدیک ایک بار نماز باذن ہونا لازم، اور امام ابو یوسف کے نزدیک صرف زبان سے کہہ دینا کافی کہ میں نے اسے مسجد کیا، اسی کو اس عبارت کے متصل ہدایہ میں بتایا:

وقال ابو یوسف یزول ملکہ لقولہ جعلتہ مسجدا[3]۔	امام ابو یوسف نے فرمایا اس کے صرف یہ کہہ دینے سے کہ میں نے اس کو مسجد کر دیا ہے اس کی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ (ت)

اور قول امام ابو یوسف پر ہی فتوی ہے کہ دونوں میں سے جو ہو کافی ہے فعل و قول کا جمع ہونا ضروری نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

فی الدر المنتقی وقدم فی التنویر والدرر والوقایۃ وغیرھا قول ابی یوسف علمت ارجحیتہ فی الوقف والقضا۔[4]	در منتقی میں ہے کہ تنویر، درر اور وقایہ میں امام ابو یوسف کے قول کو مقدم کیا گیا ہے اور وقف و قضا میں اس کا ارجح ہونا معلوم ہو چکا ہے۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴

[2] ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی احکام المسجد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۶۹

[3] الہدایۃ کتاب الوقف المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۶۲۴

[4] ردالمحتار کتاب الوقف داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۷۰

مسئلہ ۱۲: از مدرسہ منظر الاسلام بریلی، مرسلہ مولوی اکبر حسین رام پوری طالب علم ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ
بعالی خدمت اعلیحضرت مدظلہ العالی عرض ہے کہ ایک شعر کے معنی میں نہایت فکر کرتا ہوں لیکن سمجھ میں نہیں آتا، امید کہ میں حضور کی ذاتِ اقدس سے کامیاب ہوں گا، شعر یہ ہے:ے

میری تعمیر میں مضمر اک صورت خرابی کی ہیولٰی برق خرمن کا ہے خون گرم دہقان کا

الجواب:

ہیولٰی مادے کو کہتے ہیں جس میں شے کی قابلیت اور استعداد ہوتی ہے اور خون گرم سعی کا سبب کہ دہقان کی سعی سے کھیتی کی پیداوار ہے، اور اس کا محاصل خرمن، کہ برق گرے تو اسے بالکلیہ نیست و نابود کردے، تو کہتا ہے کہ وہ خون گرم دہقان کے سبب پیدا ہوا۔ وہی برق خرمن کا مادہ بنا کر حرارت میں برق بننے کی استعداد تھی اور وہی بالآخر اپنے پیدا کردہ خرمن پر بجلی ہو کر گرا اور اسے فنا کر گیا تو اس تعمیر میں ویرانی کی صورت پنہاں تھی کہ:

لدو اللموت وابنوا للخراب

جیو مرنے کے لیے اور عمارتیں بناؤ خراب و برباد ہونے کے لیے۔

مسئلہ ۱۳: از پیلی بھیت محلّہ احمد زئی مرسلہ مولوی سید محمد عمر الہ آبادی سہروردی ۱۸ رجب ۱۳۳۲ھ

(۱) من آن وقت بودم کہ آدم نبود کہ حوا عدم بود آدم نبود

(۲) من آں وقت کردم خدارا سجود کہ ذات و صفات خدا ہم نبود

(۳) غور سے ہم نے محمد کو جو دیکھا فرحاں تین سو ساٹھ برس پایا خدا سے پہلے

(۱) میں اس وقت تھا کہ آدم نہ تھا کہ حوا معدوم تھی اور آدم نہ تھا۔

(۲) میں نے اس وقت خدا کو سجدہ کیا کہ خدا کی ذات و صفات بھی موجود نہ تھیں۔ت)

ان تینوں شعروں کا مطلب تحریر فرمائیے کہ یہ اشعار کس کے ہیں اور کس کتاب میں ہیں؟ ایک شخص نے مجھ سے ان شعروں کا مطلب دریافت کیا ہے مگر مجھے نہیں معلوم میں کیسے بتلاؤں لہذا آنجناب سے سوال ہے کہ مطلب تحریر فرمائیے فقط المستفتی محمد عمر۔

الجواب:

ایسے اشعار کا مطلب اس وقت پوچھا جاتا ہے جب معلوم ہو کہ قائل کوئی معتبر شخص تھا ورنہ

بے معنی لوگوں کے ہذیان کیا قابلِ التفات۔

شعر اول کے مصرعہ اخیر میں آں دم نبود چاہیے ورنہ قافیہ غلط ہے بہر حال اس کا مطلب صحیح وصاف ہے وجود ارواح قبل اجسام کی طرف اشارہ ہے۔

شعر دوم صریح کفر ہے۔

شعر سوم میں دراصل تین سو تیرہ برس کا لفظ ہے فرحان ہمارے بریلی کے شاعر تھے ان کی زندگی میں ان کی یہ غزل چھپی تھی فقیر نے جبھی دیکھی تھی اس میں تین سو تیرہ کا لفظ تھا اس میں شاعر نے یہ مہمل وبے ہودہ ولغو مطلب رکھا ہے کہ لفظ محمد کے عدد ۹۲ ہیں اور لفظ خدا کے عدد ۶۰۵ ظاہر ہے کہ ۶۰۵ سے ۹۲ بقدر ۵۱۳ کے مقدم ہے۔بے ہودہ معنی اور بے معنی بات واستغفر اللہ العظیم یہ وہ ہے جو شاعر صاحب نے سمجھا تھا اور اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ محمد سے مراد مرتبہ رسالت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین ہو جس کا سرصرف رہے کہ رویت وروایت وردیت درائے سب کا مبدا ہے اور انہار رسالت کی یہی منابع ہیں۔اس کے عدد ۲۰۰ ہیں اور رسول ۳۱۳ کہ حقیقۃً سب ظلال رسالت محمدیہ علیہ صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ ہیں مجموع ۵۱۳ ہوا۔رسل کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی سیر من اللہ الی الخلق ہے اور امت کی سیر من الرسل الی اللہ جب تک رسولوں پر ایمان نہ لائے اللہ عزوجل پر ایمان نہیں مل سکتا۔پھر اس تک رسائی تو بے وساطت رسل محال ہے اور تصدیق سب رسولوں کی جزء ایمان ہے۔"لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ"[1] (ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے)برس کو عربی میں حول کہتے ہیں کہ تحویل سے مشعر ہے رسولوں کی بدلیاں بھی تحویل تھیں اور برس بمعنی بارش ہے ہر رسول کی رسالت بارش رحمت ہے یعنی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آدم سے خاتم تک رائے رسالت میں یہ تین سو تیرہ تطور فرمائے تین سو تیرہ ابر رحمت برسائے جب تک ان سب کی تصدیق سے بہرہ ور ہو خدا تک رسائی ناممکن ہے **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

وعظ و تبلیغ

مسئلہ ۱۴: از سہسرام ضلع گیا محلّہ پٹیاں ٹولی عرف نیم کالے خان مرسلہ حکیم سراج الدین احمد صاحب ۱۷ شوال ۱۳۳۵ھ
دیوبندی سہارنپوری نانوتوی والہ آبادی وغیرہم واعظین مدارس و مساجد کی تعمیر و تحفظ میں بلاترجیح یکدیگر جو کچھ اقوالِ مختلفہ بیان کرتے ہیں کہاں تک حق بجانب ہے تاوقتیکہ بدعت واجب مندوب مباح حرام مکروہ اور بدعت کی وجہ حسن و قبح اور فرق درمیان بدعت و مباح و تخصیص حدیثیں۔

(۱) من سنّ سنّة حسنة و من سنّ سنة سیّئة[1]۔	جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اور جس نے بُرا طریقہ ایجاد کیا (ت)
(۲) من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو ردّ[2]۔	جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی نکالے وہ مردود ہے۔ (ت)
(۳) من ابتدع بدعة ضلالة لایرضاها الله ورسوله[3]۔	جس نے کوئی ایسی نئی بات نکالی جو بُری ہے جسے اللہ و رسول پسند نہیں فرماتے۔ (ت)

[1] مسند الامام احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۶۱ وصحیح مسلم کتاب العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۱

[2] صحیح مسلم کتاب الاقضیة باب نقض الاحکام الباطلة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

[3] جامع الترمذی کتاب العلم باب الاخذ بالسنة واجتناب البدعة امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۲

کے مطابق ہر امورِ حسنہ کو سیئہ سے پاک رہنے کا حال مفصل نہ کہہ سنائیں کہ عوام غلط فہمی سے حق تلفی کرکے امور حسنہ کو بآمیزش ممنوعات کے مذموم نہ کردیں اگر اس کا التزام مذکورین اپنے اپنے وعظ میں نہ کریں تو موردِ الزام ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:

واعظ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو دیوبندی عقیدے والے مسلمان ہی نہیں ان کا وعظ سننا حرام اور دانستہ انہیں واعظ بنانا کفر علمائے حرمین شریفین نے فرمایا ہے کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر [1]	جس نے ان کے کفر اور عذاب میں شک کیا اس نے کفر کیا۔(ت)

اسی طرح تمام وہابیہ وغیر مقلدین فانّھم جمیعا اخوان الشیاطین۔(کہ وہ سب شیطانوں کے بھائی ہیں۔ت) دوسری شرط سنی ہونا غیر سنی کو واعظ بنانا حرام ہے اگرچہ بالفرض وہ بات ٹھیک ہی کہے۔حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی ھدم الاسلام [2]	جس نے کسی بدمذہب کی توقیر کی اس نے دین اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔

تیسری شرط عالم ہونا جاہل کو واعظ کہنا ناجائز ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

اتخذ الناس رؤسا جھالا فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا۔[3]	لوگوں نے جاہلوں کو سردار بنالیا پس جب ان سے سوال کیا گیا تو انہوں نے بے علم احکام شرعی بیان کرنے شروع کیے تو آپ بھی گمراہ ہوئے اور اوروں کو بھی گمراہ کیا۔

چوتھی شرط فاسق نہ ہونا۔ تبیین الحقائق وغیرہ میں ہے:

لان فی تقدیمه للامامة تعظیمه	کیونکہ اسے امامت کے لیے مقدم کرنے میں اس کی

[1] الدر المختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ص ۹۴

[2] کنز العمال حدیث ۱۱۰۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] صحیح البخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰

وقدوجب علیھم اھانتہ شرعًا[1]۔	تعظیم ہے حالانکہ شرعًا مسلمانوں پر اس کی توہین واجب ہے۔(ت)

اور جب یہ سب شرائط مجتمع ہوں سنی صحیح العقیدہ عالم دین متقی وعظ فرمائے تو عوام کو اس کے وعظ میں دخل دینے کی اجازت نہیں وہ ضرور مصالح شرعیہ کا لحاظ رکھے گا ہاں اگر کسی جگہ کوئی خاص مصلحت ہو جس پر اُسے اطلاع نہیں تو پیش از وعظ مطلع کر دیا جائے کہ یہاں یہ حالت ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] تبیین الحقائق باب الامامۃ والحدث فی الصلوۃ المطبعۃ الکبرٰی بولاق مصر ۱/ ۱۳۴

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

علم الحیوان

مسئلہ ۱۵: کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں۔
کُتّااور کل جانور چرند وپرند کس کی اولاد میں سے ہیں؟

الجواب:

ہر جانور کہ مادہ سے پیدا ہوتا ہے اپنی قسم کے اس پہلے جانور کی اولاد میں ہے جسے رب عزوجل نے ابتداً بنایا تھامثلاً سب میں پہلا گھوڑا جو مٹی اور پانی سے رب عزوجل نے بنایاسب گھوڑے اس کی نسل ہیں یونہی کتے وغیرہ۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

تشریح ابدان

مسئلہ ۱۶: مرسلہ مولوی نواب محمد سلطان احمد خان صاحب ۲۹ محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

زید کہتا ہے حال میں دو شخص ایسے پائے گئے ہیں جن کے دو دو دل ہیں اور ڈاکٹروں نے بھی اس کو اپنے طور پر جانچ کیا ہے بکر کہتا ہے کہ ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

"مَاجَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِہٖ ۚ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے۔ (ت)

اس پر خالد کہتا ہے خدائے تعالٰی نے یہ بھی تو فرمایا ہے:

"ھُوَالَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ"[2]۔	وہی ہے جو تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے)

پس یہ امر عجائبِ صنع باری سے ہے جیسے کہ ایک شخص ایسا بھی موجود ہے جس کا دل داہنی طرف ہے اسی طرح عجیب الخلقت بچے ہمیشہ پیدا ہوتے رہتے ہیں کیا انسان کیا جانور اور پہلی آیت تو اس شخص کے بارے میں اتری ہے جو دعوی کرتا ہے کہ اس شخص کے دو دل ہیں لہٰذا میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم و فہم رکھتا ہوں۔ چونکہ اس وقت میں لوگ طرح طرح سے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ تھے اس لیے اس شخص نے

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۳/ ۶

کہہ دیا جس سے لوگ آپ سے برگشتہ ہو جائیں تو خدا تعالیٰ نے اس کا جھوٹ ظاہر کر دیا۔ پس علماء دین قویم سے بقلب استفسار ہے کہ منشاہر دو آیت کا کیا ہے اور اس بارہ میں کیا اعتقاد رکھنا چاہیے؟ **القوا کلام نفسیکم فی قلبی توجروا من ربی** (اپنا نفیس کلام میرے دل میں ڈالو میرے رب سے اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

قلب وہ عضو ہے کہ سلطان اقلیم بدن و محل عقل و فہم و منشا قصد واختیار ورضا وانکار ہے ایک شخص کے دو دل نہیں ہو سکتے دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند (ایک سلطنت میں دو بادشاہ نہیں ہوتے۔ت) آیہ کریمہ میں رجل نکرہ ہے اور تحت نفی داخل ہے تو مفید عموم واستغراق ہے یعنی اللہ عزوجل نے کسی کے دو دل نہ بنائے نہ کہ فقط اس شخص خاص کی نسبت انکار فرمایا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا وان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب۔[1]	سنتے ہو بدن میں ایک پارہ گوشت ہے کہ وہ ٹھیک ہے تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے اور وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سنتے ہو وہ دل ہے۔

تو اگر کسی کے دو دل ہوں ان میں ایک ٹھیک رہے ایک بگڑ جائے تو چاہیے معًا ایک آن میں سارا بدن بگڑا اور سنبھلا دونوں ہوا اور یہ محال ہے جب دو دل ہیں ایک نے ارادہ کیا یہ کام کیجئے دوسرے نے ارادہ کیا نہ کیجئے تو اب بدن ایک کی اطاعت کرے گا یا دونوں کی یا کسی کی نہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں کی اطاعت محال ہے اور کسی کی نہ ہو تو ان میں کوئی قلب نہیں کہ قلب تو وہی ہے کہ بدن اسی کے ارادے سے حرکت وسکون ارادی کرتا ہے اور اگر ایک کی اطاعت کرے گا دوسرے کی نہیں تو جس کی اطاعت کرے گا وہی قلب ہے اور دوسرا ایک بد گوشت ہے کہ بدن میں صورت قلب پر پیدا ہو گیا جیسے کسی کے پنجے میں چھ انگلیاں اور بعض کے ایک ہاتھ میں دو ہاتھ لگے ہوتے ہیں ان میں جو کام دیتا ہے اور ٹھیک موقع پر ہے وہی ہاتھ ہے دوسرا بد گوشت ہے۔ ڈاکٹروں کا بیان اگر سچا ہو تو اس کی یہی صورت ہوگی کہ بدن میں

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب فضل من استبراء لدینہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب المساقات باب اخذ الحلال وترک الشبہات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸

ایک بد گوشت بصورتِ دل زیادہ پیدا ہوگیا ہوگا۔ ہاتھ میں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصلی اور زائد دونوں ہاتھ کام دیں مگر قلب میں یہ ناممکن ہے آدمی روح انسانی سے آدمی ہے اور اسی کے مرکب کا نام قلب ہے اور روح انسانی متجزی نہیں کہ آدھی ایک دل میں رہے آدھی دوسرے میں۔ تو جس سے وہ اصالۃً متعلق ہوگی تو وہی قلب ہے دوسرا سلب ہے۔ اور آیہ کریمہ میں "یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ؕ"۔[1] فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں تمہاری تصویر بناتا ہے جیسی وہ چاہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ کیف تشاؤن و بتخیلاتکم تخترعون جیسی تم چاہو اور اپنے خیالات میں گھڑو ویسی ہی تصویر بنادے یہ محض باطل ہے اور اس نے اپنی مشیت بتادی کہ کسی کے جوف میں میں نے دو دل نہ رکھے تو اس کے خلاف تصویر نہ ہوگی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۶

علمِ حروف وریاضی

مسئلہ ۱۷: از شہر محلّہ بہار پیپور نواب وزیر احمد خان صاحب قادری رضوی ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بعز عرض بندگانِ عالی متعالی خداوند متعالی خداوند نعمت میر ساند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آداب فدویانہ معروض۔لا۲ = ۷۵ء۲لا + ء = ۱۳۰ اگر یہ نمونہ صحیح ہوجاتا تو اسی نمونے پر یہ مساوات قائم ہوجاتی۔لا ۲/ ۷۵ = (۳۰۔لا) ۲لا۲ = ۷۵ (۳۰۔لا)۲ یا لا۲ = ۷۵(۹۰۰۔۶۰لا + لا۲) یا لا۲ = ۶۷۵۰۰۔۴۵۰۰لا + ۷۵لا۲ یا ۷۴لا۲ + ۴۵۰۰لا = ۶۷۵۰۰ تقسیم کیا۔۲سے ۳۷لا۲۔۲۲۵۰لا = ۳۳۷۵۰۰۰ مربع کامل کیا ۳۷لا۲۔۲۲۵۰ + ۱/ ۳۷(۲/۲۲۵۰)۲ = ۳۳۷۵۰ + ۳۷/ ۱(۲/۲۲۵۰)۲ یا ۳۷لا۲۔۲۲۵۰لا + ۳۷/ ۱(۱۱۲۵)۲ = ۔۳۳۷۵۰ + ۳۷/ ۱(۱۱۲۵)۲ یا ۳۷لا۲ء۔ ۳۷/ ۱ (۱۱۲۵)۲ = ۳۳۷۵۰ + ۳۷/ ۱(۱۱۲۵)۲ اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے یہاں تک کہ اگر صحیح ہو تو آگے عمل کیا جائے۔

الجواب:

مکرم کرم فرما چھوٹے نواب صاحب سلمہ وعلیکم السلام ورحمتہ وبرکاتہ تکمیل مجذور کا یہ نیا قاعدہ ہے کہ سر مجذور کی طرف ایک کو نسبت کرکے مجذور نصف سر لا کا سر کرکے شامل کریں مجذور کامل ہوجائے میرے نزدیک یہ صحیح نہ آئے گا مثلاً ۲لا۲ + ۶لا = ۲۰ طور مذکور پر ۲لا۲ + ۲/ ۱(۳)۲ = ۲۰ + ۹/ ۲ = ۴۹/ ۲ ہرگز مجذور کامل نہیں یا ۳لا۲۔۴لا ۴ بطور مذکور ۳لا۲۔۴لا + ۳/ ۱(۲)۲ = ۴ + ۴/ ۳ = ۱۶/ ۳ ہرگز مربع نہیں۔

(۲) مساوات درجہ دوم سے یہ بہت سہل حل ہوسکتا یہاں تک آپ لے آئے کہ۔ ۴۷لا۲ + ۴۵۰۰لا = ۶۷۵۰۰ یہاں نفی واثبات کا قلب کرلیجئے مساوات یہ ہوجائے گی ۴۷لا۲ ۴۵۰۰ = ۶۷۵۰۰۰ پھر خواہ یوں عمل کیجئے لا۲۔۴۵۰۰ / ۴۷لا =۔ ۶۷۵۰۰/۴۷ طرفین میں ۲۲۵۰/۴۷ کا مجذور شامل کیجئے یا مساوات کو بحال رکھ کر ۲۹۶ میں ضرب دے کر طرفین میں (۶۷۵۰۰) ۲شامل فرمائیے مدعا حاصل ہوگا۔

(۳) ہاں لطیف تر یہ ہے کہ درجہ دوم کا نام نہ آنے پائے صرف مساوات درجہ اول سے حاصل ہو اسے بتائیے وہ بہت آسان ہے فقط۔

مسئلہ ۱۸: مسئولہ قاضی فضل احمد صاحب لودیانوی ۲۲صفر مظفر ۱۳۳۹ھ

علمائے کرام کا اس میں کیا ارشاد ہے ایک رافضی نے کہا آیت کریمہ "**اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ**۠" [1]۔ (بے شک ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔ت) کے عدد ۱۲۰۲ ہیں اور یہ ہی عدد ابوبکر عثمان کے ہیں۔

الجواب:

روافض لعنہم اللہ تعالٰی کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سروپا پادر ہوا پر ہے۔

اولاً: ہر آیت عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابق کرسکتے ہیں اور آیت ثواب کے اسماء کفار سے کہ اسماء میں وسعت وسیعہ ہے۔

ثانیاً: امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر وعمر وعثمان ہیں۔

رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا کوئی ناصبی ادھر پھیر دے گا اور دونوں ملعون ہیں۔ حدیث میں ہے سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ولادت پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔ **ارونی ابنی ماسمیتموہ** [2] مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا۔ مولٰی علی نے عرض کی حرب۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسن ہے۔ پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ولادت پر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھے میرا بیٹا دکھاؤ تم نے اس کا کیا نام رکھا؟ مولی علی نے عرض کی: حرب۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ حسین ہے پھر امام محسن کی ولادت پر وہی فرمایا مولٰی علی نے وہی عرض کی۔ فرمایا: نہیں بلکہ وہ محسن ہے پھر فرمایا میں نے اپنے بیٹوں کے نام داؤد علیہ الصلوۃ والسلام

[1] القرآن الکریم ۳۲/ ۲۲

[2] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ باب الحاء والسین ترجمہ حسن بن علی ۱۱۶۵ دار الفکر بیروت ۱/ ۵۵۷

کے بیٹوں پر رکھے۔ شبر شُبیر مُشبر[1] حسن حسین محسن ان سے ہم وزن و ہم معنٰی ہیں اس سے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو تنبیہ ہوئی کہ اولاد کے نام اخیار کے ناموں پر رکھنے چاہیئں لہٰذا ان کے بعد اپنے صاحبزادوں کے نام ابوبکر عمر عثمان عباس وغیرہا رکھے۔

ثالثًا: رافضی نے عدد غلط بتائے امیر المومنین عثمٰن غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام پاک میں الف نہیں لکھا جاتا تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔

ہاں او رافضی **(۱)** بارہ سو دو عدد کا ہے کے ہیں ابن سینا رافضہ کے۔

(۲) ہاں او رافضی! بارہ سو دو عدد ان کے ہیں ابلیس یزید ابن زیاد شیطان الطاق کلینی ابن بابویہ قمی طوسی حلی۔

(۳) ہاں او رافضی! اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ" [2]۔	بے شک جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شیعہ ہو گئے اے نبی! تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔

اس آیہ کریمہ کے عدد ۲۸ ۲۸ ہیں اور یہی عددی ہیں رفاض اثنا عشریہ شیطنیہ اسمعیلیہ کے اور اگر اپنی طرح سے اسمعیلیہ میں الف چاہے تو یہ ہی عدد ہیں روافض اثنا عشریہ و نصیریہ و اسماعیلیہ کے۔

(۴) ہاں او رافضی! اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ" [3]۔	ان کے لیے ہے لعنت اور ان کے لیے ہے، بُرا گھر۔

اس کے عدد چھ سو چوالیس ہیں اور یہی عدد ہیں شیطان الطاق طوسی حلی کے۔

(۵) نہیں او رافضی! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ" [4]۔	وہی اپنے رب کے یہاں صدیق و شہید ہیں ان کے لیے ان کا ثواب ہے۔

اس کے عدد چودہ سو پینتالیس ہیں اور یہی عدد ابوبکر عمر عثمان علی سعد کے۔

---

[1] اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ باب الحاء والسین ترجمہ حسن بن علی ۱۱۶۵ دار الفکر بیروت ۱/ ۵۵۷

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۹

[3] القرآن الکریم ۱۳/ ۲۵

[4] القرآن لکریم ۵۷/ ۱۹

(۶) نہیں او رافضی ! بلکہ مولٰی تعالٰی فرماتا ہے:

"اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ "[1]۔	وہی اپنے رب کے حضور صدیق و شہید ہیں ان کے لیے ہے ان کا ثواب اور ان کا نور۔

اس کے عدد ۵۲۷۱ ہیں اور یہی عدد ہیں ابوبکر و عمر و عثمن و علی و طلحہ و زبیر کے۔

(۷) نہیں اورافضی ! بلکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ؕ "[2]۔	جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق و شہید ہیں ان کے لیے ہے ان کا ثواب اور ان کا نور۔

آیۃ کریمہ کے عدد ۳۰۱۶ ہیں اور یہی عدد ہیں صدیق فاروق ذوالنورین علی طلحہ زبیر سعد سعید ابوعبیدہ عبدالرحمٰن بن عوف کے۔

الحمدللہ آیۃ کریمہ کا تمام و کمال جملہ مدح بھی پورا ہوگیا اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اسمائے طیبہ بھی سب آگئے جس میں اصلاً تکلف و تصنع کو دخل نہیں کچھ روزوں سے آنکھ دکھتی ہے یہ تمام آیات عذاب واسمائے اشرار و آیت مدح و اسمائے اخیار کے عدد محض خیال میں مطابق کیے جن میں صرف چند منٹ صرف ہوئے اگر لکھ کر اعداد جوڑے جاتے تو مطابقتوں کی بہار نظر آتی مگر بعونہ تعالٰی اس قدر بھی کافی ہے وللہ الحمد واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن لکریم ۵۷/ ۱۹

[2] القرآن لکریم ۵۷/ ۱۹

حقوق العباد

مسئلہ ۱۹: از شہر بریلی محلّہ لودی ٹولہ مسئولہ نظیر احمد شہر کہنہ شنبہ ۲۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

کوئی شخص اگر کسی کی عورت کے ساتھ بدفعلی کرے اور اس عورت کے خاوند سے معافی چاہے تو کیا معاف ہوجائے گا یا توبہ بھی اس پر لازم ہوگی؟ اگر فقط توبہ کرنے سے گناہ معاف ہوجائے تو اس وقت میری عرض یہ ہے کہ حق العباد تو معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ صاحبِ حق سے معافی نہ لے کیا یہ حق العباد نہیں ہے؟ مفصّلاً تحریر فرمائیں۔ بینوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

عورت جس کا شوہر ہو یا باپ بھائی وغیرہم اولیاء جن کو اس امر سے عار پہنچے فرض کیجئے وہ دس شخص ہیں تو اس کے ساتھ معاذ اللہ بدکاری اگر بے اس کی رضا کے ہے تو بارہ حقوق میں گرفتاری ہے ایک حق مولٰی عزوجل کا کہ اس کی نافرمانی کی دوسرا اس عورت کا کہ اس کی عصمت خراب کی تیسرا اس کے شوہر کا یوں ہی باقی دس حقداروں کا جب تک یہ سب معاف نہ کریں معاف نہ ہوگا۔ بحالیکہ ان کو اطلاع پہنچ جائے اور اگر برضائے زن ہے تو عورت اور یہ دونوں گیارہ سخت حقوق میں گرفتار ہوئے ایک حق مولٰی عزوجل کا دس ان دسوں کے اور اس صورت میں عورت کا حق نہ ہوگا کہ وہ راضی ہے اور عورت زنا کے باعث نکاح سے خارج نہیں ہوتی مگر اس حالت میں کہ شوہر کے باپ یا بیٹے سے یہ امر واقع ہو تو

نکاح فاسد ہوجائے گا۔ شوہر پر ہمیشہ کے لیے حرام ہوجائے گی کہ کبھی حلال نہیں ہوتی۔ شوہر پر فرض ہوگا کہ اسے چھوڑ دے مگر بے اس کے چھوڑے نکاح سے نکلے گی اب بھی نہیں دوسری جگہ نکاح نہ کرسکے گی واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

لغت

مسئلہ ۲۰: از کانپور محلّہ ناچ گھر قدیم مرسلہ مولانا مولوی محمد آصف صاحب قادری رضوی برکاتی ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

یا حبیبِ محبوب اللہ روحی فداک قبلہ قبلہ پرستان وکعبہ اربابِ ایقان مد ظلہم العالی بعد تسلیمات فدویانہ وتمنائے حضور شرف آستانہ الفاظ شکیل وعقیل بمعنی دانا کی صحت وتغلیط سے مطلع فرمائیں۔

جناب جلال لکھنوی آنجہانی کو کمترین نے حسب ذیل تحریر بھیجی تھی ہر دو الفاظ مذکورہ ان کے نزدیک غلط ہیں۔ شکیل اور عقیل ذوق مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار میں پائے جاتے ہیں۔

نور معنی ہے بہر شکل نتیجہ اُس کا   اللہ اللہ رے زہے شکل شہنشاہ شکیل

دانش آموز ہو گر تربیت عام تری   بید مجنون کو بنادے ابھی انسان عقیل[1]

غیاث میں ہے۔

عقیل بفتح اول وکسر قاف مرد بزرگ وبسیار دانا وزانو بند شتر ونام پسر ابی طالب کہ داناتر بود بہ نسبت قریش[2]۔	عقیل (ع پر زبر اور ق کے نیچے زیر) بزرگ اور بہت عقل والا آدمی اور اونٹ کا زانو بند۔ اور ابوطالب کے بیٹے کا نام کہ وہ قریش کی نسبت زیادہ عقلمند تھا۔ (ت)

1

[2] غیاث اللغات فصل عین مہملہ مع قاف نولکشور لکھنو ص ۳۶۶

اس تحریر کا جواب جناب جلال نے یہ تحریر فرمایا تھا: ذوق نے جو شکیل و عقیل بمعنی دانا باندھا ہے آپ کے نزدیک وہ پایہ اعتبار میں ہوگا میرے نزدیک نہیں اس لیے کہ شکیل و عقیل بمعنی دانا کسی لغت معتبر میں مثل صراح و قاموس کے نہیں نکلتا نہ اساتذہ پارس کے اشعار میں ہے پھر کیونکر میں مان لوں۔ اور صاحبِ غیاث بھی عقیل کو بمعنی دانا لکھا کریں مگر صاحبِ غیاث کا ماخذ جو لغت ہیں ان میں سے بھی کسی نے لکھا ہے۔ فافہم ہیچمدان جلال۔

الجواب:

صدہا الفاظ عربی ہیں کہ اردو میں غیر معنی عربی پر مستعمل ہیں ان معانی کو قاموس میں تلاش کرنا حماقت ہے بلکہ اردو کے اہل زبان سے دریافت کرنا چاہیے ذوق مرحوم اس زبان کے مسلم اساتذہ سے تھے۔ معترض صاحب کا تخلص جلال ہے لفظ تخلص اس معنی پر کون سے قاموس میں ہے۔ اردو میں جب غصہ کو کہتے ہیں جلال آگیا۔ عربی میں اس معنی پر کب ہے بلکہ غصہ بھی عربی میں گلے کا اچھو ہے نہ کہ خشم۔ اس قسم کے الفاظ کی فہرست لکھی جائے تو ایک رسالہ ہو۔ انہیں میں شکیل و عقیل بھی ہیں شکیل بمعنی حسین اور عقیل بمعنی صاحب عقل معترض کا کہنا کہ ذوق نے شکیل و عقیل بمعنی دانا باندھا محض نادانی ہے شکیل بمعنی دانا شعر ذوق میں کہاں سے سمجھا بلکہ عقیل و دانا میں بھی عقیل دانا کے نزدیک فرق ہے عقل و علم شَے واحد نہیں علمہ اکبر من عقلہ (اس کا علم اس کی عقل سے بڑا ہے۔ ت) مشہور ہے جہاں تک میرے کان کا سنا ہوا ہے معترض کا مذہب شیعی تھا ایسی حالت میں جناب اور فرمایا نہ چاہیے والسلام مع الکریم واللہ تعالٰی اعلم۔

خواب

مسئلہ ۲۱: ازکانپور محلّہ مولگنج مرسلہ الدین صاحب امام مسجد شکراللہ صاحب سوداگر ۱۳ربیع الاخر شریف

خواب کیا چیز ہے؟

الجواب:

خواب چار ۴ قسم ہے:

ایک حدیث نفس کہ دن میں جو خیالات قلب پر غالب رہے جب سویا اور اس طرف سے حواس معطل ہوئے عالم مثال بقدر استعداد منکشف ہوا انہیں تخیلات کی شکلیں سامنے آئیں یہ خواب مہمل وبے معنی ہے اور اس میں داخل ہے وہ جو کسی خلط کے غلبہ اس کے مناسبات نظر آتے ہیں مثلاً صفراوی آگ دیکھے بلغمی پانی۔

دوسرا خواب القائے شیطان ہے اور وہ اکثر وحشتناک ہوتا ہے شیطان آدمی کو ڈراتا یا خواب میں اس کے ساتھ کھیلتا ہے اس کو فرمایا کہ کسی سے ذکر نہ کرو کہ تمہیں ضرر نہ دے۔ایسا خواب دیکھے تو بائیں طرف تین بار تھوک دے اور اعوذ پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ وضو کرکے دو رکعت نفل پڑھے۔

تیسرا خواب القائے فرشتہ ہوتا ہے اس سے گزشتہ وموجودہ وآئندہ غیب ظاہر ہوتے ہیں مگر اکثر پردہ تاویل قریب یا بعید میں و لہٰذا محتاج تعبیر ہوتا ہے۔

چوتھا خواب کہ ربّ العزّۃ بلاواسطہ القاء فرمائے وہ صاف صریح ہوتا ہے اور احتیاج تعبیر سے بری۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

اجارہ

مسئلہ ۲۲: از کراچی میمن مسجد آرام باغ گاڑی حاطہ ۱۹ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جو شخص جس کام کے لیے منتخب کیا گیا وہ اس کو پوری طرح سے ادا نہ کرے یعنی قاصر رہے تو اس کو کیا سمجھنا چاہیے۔؟ **بینوا توجرا۔** (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

اس میں ہزاروں صورتیں ہو سکتی ہیں ایسی گول بات قابلِ جواب نہیں ہوتی۔ کیا کام کیسا انتخاب کیونکر نہ کرنا ایک ایسے کام کے لیے منتخب کیا تھا جو اس کے لیے مباح ہے نہ کیا تو کیا الزام اور اگر اس پر فرض تھا اور نہ کیا تو سخت گناہگار اور حرام تھا اور نہ کیا تو بہت اچھا کیا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

عقائد و کلام و دینیات

مسئلہ ۲۳: از حسن پور ضلع مراد آباد بذریعہ طفیل احمد صاحب قادری برکاتی رضوی مرسلہ حافظ اکرام اللہ خاں، ۱۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: تقویۃ الایمان مولوی اسمٰعیل کی فخر المطابع لکھنؤ کی چھپی ہوئی کے صفحہ ۳۲۹ پر جو عرس شریف کی تردید میں کچھ نظم ہے، اور رنڈی وغیرہ کا حوالہ دیا ہے اسے جو پڑھا تو جہاں تک عقل نے کام دیا سچا معلوم ہوا کیونکہ اکثر عرس میں رنڈیاں ناچتی ہیں اور بہت بہت گناہ ہوتے ہیں اور رنڈیوں کے ساتھ ان کے یار آشنا بھی ہوتے ہیں اور آنکھوں سے سب آدمی دیکھتے ہیں اور طرح طرح کے خیال آتے ہیں کیونکہ خیالِ بد و نیک اپنے قبضہ میں نہیں، ایسی اور بہت ساری باتیں لکھی ہیں جن کو دیکھ کر تسلی بخش جواب دیجئے۔

سوال دوم: اور اس کتاب کے صفحہ ۳۰۰ پر دربارہ علم غیب کے جو فتوے درج ہیں کہ مچھر مارنے کا آپ کو علم ہو جاتا ہے اس کے جواب میں جو مولوی صاحب نے درج کی سورہ نمل آیۃ چہارم، پارہ ۷ سورہ انعام آیت پنجم و سورہ اعراف و سورہ احقاف اور اس سے آگے حدیث شریف پیش کی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو علمِ غیب کیا کل کا بھی حال معلوم نہیں تھا کہ کیا ہوگا حدیث شریف سے ظاہر ہوتا ہے، اور یہ کہنا کہ شیطان کو علم زیادہ ہے اور آپ کو کم، تو عرض ہے کہ بہت ساری باتیں ایسی ہیں کہ ہمارے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہیں دی گئیں اوروں کو دی گئیں۔

مثل سلیمان علیہ السلام کو تخت اور لڑائی کے لیے گھوڑے اور اونٹ، اور ہمارے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں پیدل چل کر لڑتے تھے۔ بہت ساری باتیں عرض حال ہے جس سے طول ہونے کا خیال ہے۔ تسلی بخش جواب بادلیل عنایت کیجئے اور وہ آیت مع ترجمہ جس سے کہ علمِ غیب معلوم ہوتا ہے اور حدیث شریف جس سے علمِ غیب پایا جاتا ہے اور وہ مثل حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ تعالٰی عنہا) کی جو تہمت لگائی گئی تھی اگر علمِ غیب ہوتا تو آپ کو کیوں خبر نہ ہوئی۔

سوال سوم: اگر کسی عورت کا خاوند شراب پیتا ہے اور شراب پی کر عورت سے جماع کرے تو اس عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال چہارم: اگر کوئی ہندو کوئی چیز میرے پاس نقد یا سامان رکھ گیا تو اس کو نہ دینا چاہیے، جائز ہے یا ناجائز؟ یا کوئی چیز بھول گیا تو میں نے اس کو اٹھالیا تو دینا چاہیے یا نہیں؟ غرض ہندوؤں کا مال چوری دھوکا دے کر لینا جائز ہے یا نہیں؟

سوال پنجم: یہ جو مشہور ہے کہ عورت کو خواہش نفس مرد سے نوحصے زیادہ ہے، اس کا پتہ شریعت سے چلتا ہے یا نہیں؟

سوال ششم: کنگھا داڑھی میں کس کس وقت کیا جائے؟

سوال ہفتم: مولوی اشرفعلی تھانہ بھون والے کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال ہشتم: وہ کون سی باتیں ہیں جن کی وجہ سے کتاب تقویۃ الایمان خراب ہے؟

الجواب:

جوابِ سوال اوّل:

رنڈیوں کا ناچ بے شک حرام ہے، اولیائے کرام کے عرسوں میں بیقید جاہلوں نے یہ معصیت پھیلائی ہے۔

جوابِ سوال دوم: علم غیب ذاتی کہ اپنی ذات سے بے کسی کے دیئے ہوئے اللہ عزوجل کے لیے خاص ہے اُن آیتوں میں یہی معنٰی مراد ہیں کہ بے خدا کے دیئے کوئی نہیں جان سکتا اور اللہ کے بتائے سے انبیاء کو معلوم ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، قرآن مجید کی بہت آیتیں اس کے ثبوت میں ہیں، ازانجملہ سورہ جن میں فرماتا ہے:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ(۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ	اللہ ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ

رَّسُوْلٍ"[1]۔	رسولوں کے۔

اور فرماتا ہے:

"تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ"[2]	یہ غیب کی باتیں ہیں کہ ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ"[3]	یہ نبی غیب کی باتیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

اس مسئلہ کے بیان کو رسالہ انباء المصطفٰی ورسالہ خالص الاعتقاد دیکھئے کہ کتنی آیتوں، حدیثوں اور اقوالِ ائمہ دین سے ثبوت ہے، جو شخص شیطان کے علم کو زیادہ بتاتا ہے، نبی صلی تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرتا ہے اور کافر ہے اس کے بیان کو علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی حسام الحرمین دیکھئے یہ سب کتابیں بریلی مطبع اہلسنت سے مل سکتی ہیں۔ کوئی دولت، کوئی نعمت، کوئی عزت جو حقیقۃً دولت وعزت ہو ایسی نہیں کہ اللہ عزوجل نے کسی اور کو دی ہو اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عطانہ کی ہو، جو کچھ جسے عطا ہوا یا عطا ہوگا دنیا میں یا آخرت میں وہ سب حضور کے صدقہ میں ہے حضور کے طفیل میں ہے حضور کے ہاتھ سے عطا ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انما انا قاسم واللہ المعطی[4]۔	دینے والا اللہ ہے اور بانٹنے والا میں۔

جواب سوال سوم: خاوند کے شراب پینے کا وبال اس پر ہے عورت اسے جماع سے منع نہیں کر سکتی

جواب سوال چہارم: امانت میں خیانت جائز نہیں اگرچہ ہندو کی ہو، غدر وبدعہدی جائز نہیں اگرچہ ہندو سے ہو، خیانت وغدر کے سوا اس کا بھی لحاظ ضرور ہے کہ کسی جرم قانونی کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو ذلت پر پیش کرنا بھی منع ہے۔ حدیث میں ہے:

من اعطی الذلۃ من نفسہ	جو شخص بغیر کسی مجبوری کے اپنے آپ کو بخوشی

[1] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶و۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۹

[3] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۴

[4] صحیح البخاری کتاب العلم باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶، صحیح البخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی فان للہ خمسۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۹

طائعا غیر مکرہ فلیس منّا[1]۔	ذلت پر پیش کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اور جب نہ غدر ہو نہ قانونی جُرم تو پھر جس طرح اس کا مال ملے مباح ہے۔

جواب سوال پنجم: ضرور اس کی اصل ہے، حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ عورت کو مرد سے سوحصے زائد خواہش (شہوت) ہے مگر اللہ تعالٰی نے اس پر حیاڈال دی ہے۔[2]

جواب سوال ششم: کنگھے کے لیے شریعت میں کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے اعتدال کا حکم ہے، نہ تو یہ ہو کہ آدمی جِنّاتی شکل بنا رہے نہ یہ ہو کہ ہر وقت مانگ چوٹی میں گرفتار، خیر الامور اوسطھا[3]۔ (بہترین امر وہ ہے جو درمیانہ ہو۔ت)

جواب ہفتم: اشرف علی کی نسبت علمائے حرمین شریفین نے اسی کتاب حسام الحرمین میں فرمایا ہے۔

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔[4]	جو اس کے اقوالِ کفر پر مطلع ہو کر اس کے کافر و معذب ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

جواب سوال ہشتم: تقویۃ الایمان ایک گمراہی اور بے دینی کی کتاب ہے، علمائے حرمین شریفین نے اس گروہ کو گمراہ و بے دین لکھا ہے، اور فرمایا ہے۔

"اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ(۱۹)"[5]۔	یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں خبردار رہو شیطان ہی کے گروہ نقصان میں ہیں۔

اس کتاب اور اس کے مصنف کے کلمات کفر کوکبہ شہابیہ میں بطور نمونہ ستر۷۰ کے قریب بیان کیے ہیں جس میں صفحات کے حوالہ سے اس کی عبارتیں اور پھر اس کے کلمہ کفر ہونے پر آیتیں، حدیثیں ائمہ کی روایتیں لکھی ہیں اور اس رسالہ کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ شخص کیسا بے دین تھا بیدین کی کتاب دیکھنا حرام ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] الترغیب والترہیب الترغیب فی الزہد فی الدنیا الخ حدیث ۶۰ مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۷۹

[2] المقاصد الحسنہ حدیث ۶۰۵ دارالکتاب العربی بیروت ص ۳۰۴، کنز العمال حدیث ۴۴۸۴۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۳۴۵

[3] کشف الخفاء حدیث ۱۲۴۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۴۶

[4] حسام الحرمین مع تمہیدِ ایمان مطبع اہلسنت بریلی ص ۹۴

[5] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۹

مسئلہ ۳۰: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی ابوالمسعود عبدالودود صاحب طالب علم مدرسہ مذکور یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

وہابی جو مشہور ہیں وہ کون سا فرقہ ہے اور ان کی اصل کہاں سے نکلی اور ان کے عقائد کیا ہیں، اور ان کی بابت حدیث میں کیا وارد ہے؟

الجواب:

وہابی ایک بے دین فرقہ ہے جو محبوبانِ خدا کی تعظیم سے جلتا ہے اور طرح طرح کے حیلوں سے ان کے ذکر و تعظیم کو مٹانا چاہتا ہے ابتداء اس کی ابلیس لعین سے ہے کہ اللہ عزوجل نے تعظیم سیدنا آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا حکم دیا اور اس ملعون نے نہ مانا اور زمانہ اسلام میں اس کا بادی ذوالخویصرہ تمیمی ہوا جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شانِ ارفع میں کلمہ توہین کہا اس کے بعد ایک پورا گروہ خوارج کا اس طریق پر چلا جن کو امیر المومنین مولٰی علی نے قتل فرمایا لوگوں نے کہا حمد اللہ کو جس نے ان کی نجاستوں سے زمین کو پاک کیا امیر المومنین نے فرمایا یہ منقطع نہیں ہوئے ابھی ان میں کے ماؤں کے پیٹوں میں ہیں باپوں کی پیٹھوں میں ہیں، کلما قطع قرن نشاء قرن جب ان میں کی ایک سنگت کاٹ دی جائے گی دوسری سر اٹھائے گی، حتی یکون اٰخرھم یخرج مع المسیح الدجال[1]۔ یہاں تک کہ ان کا پچھلا گروہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ اس حدیث کے مطابق ہر زمانہ میں یہ لوگ نئے نئے نام سے ظاہر ہوتے رہے یہاں تک کہ بارھویں صدی کے آخر میں ابن عبدالوہاب نجدی اس فرقہ کا سرغنہ ہوا اور اس نے کتاب التوحید لکھی اور توحید الٰہی عزوجل کے پردے میں انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور خود حضور اقدس سید الانام علیہ افضل الصلوۃ کی توہین دل کھول کر کی اس کی طرف نسبت کرکے اس گروہ کا نام نجدی وہابی ہوا۔ ہندوستان میں اس فتنہ ملعونہ کو اسمٰعیل دہلوی نے پھیلایا کتاب التوحید کا ترجمہ کیا اس کا نام تقویۃ الایمان رکھا، دلی عقیدہ وہ ہے جو تقویۃ الایمان میں کئی جگہ صاف لفظوں میں لکھ دیا کہ: اللہ کے سوا کسی کو نہ مان[2]۔ اوروں کا ماننا محض خبط ہے۔[3]

اس کے متبعین جو گروہ ہیں عقائد میں سب ایک ہیں مگر اعمال میں یوں متفرق ہوئے کہ ایک فرقہ نے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۳۱۲۴۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۲۰۵

[2] تقویۃ الایمان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور، ص ۱۲

[3] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور، ص ۵

تقلید کو بھی ترک کیا اور خود اہلحدیث بنے یہ غیر مقلد وہابی ہیں ان کا سر گروہ نذیر حسین دہلوی اور کچھ پنجابی بنگالی تھے اور ہیں، اور مقلد وہابیوں کے سر گروہ رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی، اور اب اشرف علی تھانوی، جوان لوگوں کو اچھا جانے یا تقویۃ الایمان وغیرہ ان کی کتابوں کو مانے یا ان کے گمراہ بددین ہونے میں شک کرے وہ وہابی ہے، وہابی کی علامت حدیث میں ارشاد ہوئی کہ ظاہرًا شریعت کے بڑے پابند بنیں گے۔ **تحقرون صلٰوتکم مع صلوتھم وصیامکم مع صیامھم وعملکم مع عملھم**[1]۔ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے آگے حقیر جانوگے اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے آگے اور اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے آگے **یقرؤن القرآن ولا یجاوز تراقیھم**[2]۔ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے گلے سے نہ اترے گا یعنی دل میں اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ **یقولون من خیر قول البریۃ**[3]۔ باتیں بظاہر بہت اچھی کریں گے، اور ایک روایت ہے۔ **من قول خیر البریۃ**۔[4] حدیث حدیث بہت پکاریں گے۔ باینہمہ حال یہ ہوگا **یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ** نکل جائیں گے دین سے ایسے جیسے تیر نکل جاتا ہے نشانہ سے **ثم لا یعودون فیہ**[5] پھر لوٹ کر دین میں نہ آئیں گے۔ **سیما ھم التحلیق**[6]۔ ان کی علامت سر منڈانا ہوگی۔ **مشمر الازار**[7]۔ تہبند یا پائچے بہت اونچے۔ ان کے عقائد کا بیان ہمارے رسالہ نور الفرقان اور رسالہ کوکبہ الشہابیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱: از مراد آباد مدرسہ اہلسنت بازار دیوان مرسلہ مولوی ابوالمسعود عبدالودود صاحب طالب علم مدرسہ مذکور، یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مولود شریف کی حقیقت کیا ہے، اور محفلِ میلاد میں خاص وقت ذکر ولادت شریف حضور

---

[1] کنزالعمال حدیث ۳۰۹۶۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۴۳

[2] کنزالعمال حدیث ۳۰۹۵۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۴۰، صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفۃ و بیان الخوارج قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۰ و ۳۴۳

[3] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفۃ و بیان الخوارج قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۴۲

[4] کنزالعمال حدیث ۳۰۹۵۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۴۱

[5] کنزالعمال حدیث ۳۰۹۴۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۳۹

[6] کنزالعمال حدیث ۳۰۹۴۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۱۳۹

[7] صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطاء المؤلفۃ و بیان الخوارج قدیمی کتب خانہ راچی ۱/ ۳۴۰

پُر نور احمد مجتبےٰ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کھڑے ہونا اور لوگوں کو کھڑے ہونے کے لیے حکم دینا اور نعتیہ اشعار خوش الحانی سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

یہ سب باتیں جائز و مستحسن و باعث برکات ہیں اوان کی اصل قرآن عظیم کے ان احکام کا ماننا ہے کہ "**وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ**" [1] اپنے رب کی نعمت لوگوں کے سامنے خوب بیان کرو، "**وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ**" [2]۔ انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ، "**قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا**" [3] تم حکم دو کہ اللہ کے فضل اور اللہ کی رحمت کی خوشی منائیں، "**لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ**" [4]۔ تاکہ تم اللہ اور اس کے رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۲: رام نگر ضلع بنارس مرسلہ امام الدین صاحب ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

گزشتہ محرم خواجہ حسن نظامی دہلوی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام محرم نامہ رکھا ہے، خواجہ صاحب ایک مشہور شخصیت کے آدمی ہیں اس لیے ان کی اس کتاب کی بڑی اشاعت ہوئی اس کا ایک نسخہ ناچیز کے ایک دوست نے بھی منگایا اس محرم نامہ میں خواجہ صاحب نے عام بنوامیہ پر اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ پر خصوصًا نہایت سخت و شدید حملے کیے ہیں اور ان کے متعلق ایسی باتیں لکھی ہیں سنی المذہب محرم نامہ پڑھنے والوں کے خیالات میں نہایت ہلچل پڑ گئی ہے۔ لہذا محرم نامہ مذکور سے اخذ کرکے کچھ حوالہ کرتا ہوں اور دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ باتیں کیسی ہیں تاکہ معلوم کرکے خود کو اور دیگر برادرانِ اہل سنن کو خیالات کی کشمکش سے چھڑاؤں، محرم نامہ میں ہے۔

(۱) بغیر سوچے تم کو معلوم ہوجائے گا کہ حضرت عثمان کی شروع خلافت سے لے کر قتلِ عثمان تک جنگ جمل، جنگ صفین، فیصلہ صفین اور آخر تک ہر بڑے چھوٹے فساد کی بنیاد میں عمرو بن العاص کا ہاتھ ضرور تھا۔

(۲) حضرت علی کو دھوکا دے کر خلافت حضرت عثمان کو انہوں نے دلوائی۔

---

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۵

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۹

(۳)اور پھر سب سے پہلے مخالفتِ عثمان پر یہ آمادہ ہوئے،
(۴)حضرت عثمان کی بہن کو طلاق دی۔
(۵)اور مسجد میں سخت کلامی کا افتتاح بھی انہی عمرو بن العاص نے حضرت عثمان کے ساتھ کیا۔
(۶)یہی عمرو بن العاص تھے جنہوں نے لوگوں کو علانیہ جوش دلا کر حضرت عثمان کے مار ڈالنے پر ترغیب دی۔
(۷)اور پھر یہی عمرو بن العاص تھے جو معاویہ کے وزیر بن کر حضرت علی سے خونِ عثمان کا انتقام لینے آئے۔
(۸)فیصلہ خلافت میں ابو موسیٰ اشعری کو دھوکا دینے والے بھی یہی تھے۔
(۹)بنی امیہ اور عمرو بن العاص جیسے چند آدمیوں کی یہ آگ لگائی ہوئی ہے جو آج تک نہیں بجھی۔
مندرجہ بالا باتوں کا تعلق اگرچہ زیادہ تر تاریخ سے ہے لیکن چونکہ ایک ایک حرف مذہب پر اثر ڈال رہا ہے، اور اس لیے ناچیز نے دارالافتاء کے دروازے ہی پر دستک دینی مناسب سمجھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق تین باتیں اور پوچھنی ہیں۔
(۱)حضرت کا نسب نامہ۔
(۲)آیا آپ کی حضور رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی رشتہ داری تھی یا نہیں؟
(۳)کسی گروہ کو آپ کے صحیح النسب ہونے میں کلام ہے؟ محرم نامہ مذکور کی نسبت یہ دریافت کرنا ہے کہ آیا اس کا پڑھنا سُنیوں کے لیے کیسا ہے اور اس کو درست سمجھنا؟

الجواب:

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ جلیل القدر صحابہ کرام سے ہیں اُن کی شان میں گستاخی نہ کرے گا مگر رافضی، جس کتاب میں ایسی باتیں ہوں اس کا پڑھنا سُننا مسلمان سنیوں پر حرام ہے، ایسے مسئلہ میں کتابوں کے حوالے کی کیا حاجت، اہلسنت کے مسنون عقائد میں تصریح ہے،

الصحابة کلھم عدول لانذ کرھم الابخیر [1]۔	صحابہ سب کے سب اہل خیر وعدالت ہیں ہم ان کا ذکر نہ کریں گے مگر بھلائی سے۔

اگر کوئی شخص اہل سنت کی کتابوں کو نہ مانے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ علیہ الصلوۃ والسلام مصطفی البابی مصر ص ۷۱

ارشادات کو تومانے گا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اسلم الناس وأمن عمر و بن العاص رواہ الترمذی[1] عن عقبۃ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	بہت لوگ وہ ہیں کہ اسلام لائے مگر عمرو بن العاص ان میں ہیں جو ایمان لائے۔(اس کو ترمذی نے عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان عمرو بن العاص من صالحی قریش رواہ الترمذی[2] والامام احمد فی مسند عن سیدنا طلحۃ بن عبید اللہ احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔	عمرو بن العاص صالحین قریش سے ہیں (ترمذی اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسے سیدنا طلحہ بن عبید اللہ جو عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ایک ہیں سے روایت کیا۔ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نعم اھل البیت عبداللہ وابو عبداللہ وام عبداللہ، رواہ البغوی[3] وابو یعلی عن طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔	بہت اچھے گھر والے ہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عبد اللہ کا باپ اور اس کی ماں۔اس کو بغوی اور ابویعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

واخرجہ ابن سعد فی الطبقات بسند صحیح عن ابن ابی ملیکۃ وزاد (اس کو ابن سعد نے طبقات میں صحیح سند کے ساتھ ابن ابی ملکیہ سے روایت کیا اور اتنا زیادہ کیا۔) یعنی عبداللہ بن عمرو بن العاص، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غزوہ ذات السلاسل میں اسی الٰہی فوج کا سردار کیا۔جس میں صدیق اکبر وفاروق اعظم

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمرو بن العاص حدیث ۳۸۷۰ دار الفکر بیروت ۴۵۶/۵

[2] سنن الترمذی ابواب المناقب مناقب عمرو بن العاص حدیث ۳۸۷۱ دار الفکر بیروت ۴۵۶/۵، مسند احمد بن حنبل عن طلحہ بن عبید اللہ حدیث ۱۳۸۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۶۰/۱

[3] مسند احمد بن حنبل عن طلحہ بن عبید اللہ حدیث ۱۳۸۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۶۰/۱، مسند ابی یعلی حدیث ۶۴۱ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۳۱۳/۱

تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ایک بار اہل مدینہ طیبہ کو کچھ ایسا خوف پیدا ہوا کہ متفرق ہوگئے سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور عمرو بن العاص دونوں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہما تلوار لے کر مسجد شریف میں حاضر رہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم، نے خطبہ فرمایا اور اس میں ارشاد کیا:

الاکان مفزعکم الی اللہ والی رسولہ الا فعلتم کما فعل ھٰذان الرجلان المؤمنان۔[1]	کیوں نہ ہوا کہ تم خوف میں اللہ ورسول کی طرف التجا لاتے، تم نے ایسا کیوں نہ کیا جیسا ان دونوں ایمان والے مردوں نے کیا۔

منکر اگر احادیث کو بھی نہ مانے تو قرآن عظیم کو تو مانے گا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۠" [2]	تم میں برابر نہیں جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ و قتال کیا وہ درجے میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد میں خرچ و قتال کیا اور دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ کہ تم کروگے۔

اللہ عزوجل نے صحابہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دو قسم فرمایا: ایک مومنین قبل فتح مکہ، دوسرے مومنین بعد فتح مکہ، فریق اول کو فریق دوم پر فضیلت بخشی اور دونوں فریق کو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے بھلائی کا وعدہ کیا۔ عمرو ابن العاص مومنین قبل فتح مکہ میں ہیں۔ اصابہ فی تمیز الصحابہ میں ہے:

عمرو بن العاص بن وائل بن ھاشم بن سعید بالتصغیر ابن سھم بن عمرو ابن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی السھمی امیر مصر یکنی ابا عبداللہ و ابا محمد اسلم قبل الفتح فی صفر ۸ھ	عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید (تصغیر کے ساتھ) بن سہم بن عمرو بن ھصیص بن کعب بن لوی قرشی سہمی امیر مصر جن کی کنیت ابو عبداللہ اور ابو محمد ہے وہ فتح مکہ سے پہلے ماہ صفر ۸ ہجری میں اسلام لائے اور

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۰۳

[2] القرآن الکریم ۵۷/۱۰

ثمان وقیل بین الحدیبیة وخیبر[1] ۔	کہا گیا ہے کہ حدیبیہ اور خیبر کے درمیان اسلام لائے۔ت)

اور بعد فتح تو راہِ خدا میں جو ان کے جہاد ہیں آسمان و زمین اُن کے آوازے سے گونج رہے ہیں اور اللہ عزوجل نے دونوں فریق سے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور مریض القلب معترضین جو ان پر طعن کریں کہ فلاں نے یہ کام کیا فلاں نے یہ کام کیا اگر ایمان رکھتے ہوں تو ان کا منہ تتمہ آیت سے بند فرمادیا کہ "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۱۰" [2] مجھے خوب معلوم ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، مگر میں تو تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا۔ اب یہ بھی قرآن عظیم ہی سے پوچھ دیکھئے، کہ اللہ عزوجل نے جس سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اس کے لیے کیا ہے فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝۱۰۱ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۲ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۱۰۳ "[3] ۔	بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سنیں گے اور اپنی من مانتی نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے وہ قیامت سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی اور ملائکہ ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

ان ارشاداتِ الٰہیہ کے بعد مسلمان کی شان نہیں کہ کسی صحابی پر طعن کرے، بفرض غلط بفرض باطل طعن کرنے والا جتنی بات بتاتا ہے اس سے ہزار حصے زائد سہی اس سے یہ کہیے "ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ" [4] کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ، کیا اللہ کو ان باتوں کی خبر نہ تھی باینہمہ وہ ان سے فرماچکا کہ میں نے تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرمالیا تمہارے کام مجھ سے پوشیدہ نہیں، تو اب اعتراض نہ کرے گا مگر وہ جسے اللہ عزوجل پر اعتراض مقصود ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف العین ترجمہ عمرو بن العاص ۵۸۸۲ دار صادر بیروت ۲/۳

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۰

جلیل القدر قریشی ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جد امجد کعب بن لوی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی اولاد سے، اور ان کی نسبت وہ ملعون کلمہ طعن فی النسب کا اگر کہا ہوگا تو کسی رافضی نے، پھر وہ صدیق وفاروق کو کب چھوڑتے ہیں عمرو بن عاص کی کیا گنتی، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ " واللہ تعالٰی اعلم۔[1]	اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳ تا ۳۸: ازکانپور محلّہ روئی گودام مسجد حسینی مستری مرسلہ محمد یعقوب خان ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) حضرات اولیاء اللہ بعد وصال زندہ رہتے ہیں یا نہیں؟ اگر زندہ رہتے ہیں تو کوئی دلیل قطعی ان کی حیاتِ ابدی پر ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں زندہ رہتے تو اس پر کوئی برہان قاطع ہے یا نہیں؟

(۲) اولیاء اللہ کے تصرفات اور انکے فیوض وانوار وبرکات بعد وصال بھی موجود رہتے ہیں یا بعد موت ظاہری وہ سب ختم ہوجاتے ہیں؟ حاجتمندوں کا بزرگانِ دین کی درگاہوں سے فیضیاب ہونا برحق ہے اور اس پر کوئی دلیل شرعی ہے؟ اگر ہے تو کیا دلیل ہے اور اگر نہیں ہے تو کیا یہ سب محض توہمات ہیں؟ ان کے توہمات ہونے پر کیا دلیل ہے؟

(۳) بزرگانِ دین کی درگاہوں میں حاضر ہونا اور ان سے یہ کہنا کہ آپ مستجاب الدعوات اور مقبول بارگاہ ہیں ہمارے لیے دعا کیجئے کہ خداوند عالم ہماری وہ غرض پوری کردے شریعتِ غرا میں اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ اگر اس کی کوئی اصل ہے تو کس کتاب میں ہے؟

(۴) اولیاء اللہ کو مزارات پر جانے سے خبر ہوتی ہے یا نہیں؟ اور ان میں یہ احساس ہے تو بارگاہِ ذوالجلال میں عرض کرکے کسی مصیبت زدہ کی تکلیف اور مصیبت کا ازالہ کرادیں یا نہیں،

(۵) حضرت غوث اعظم پاک قدس سرہ کو دستگیر کہنا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) حضرت خواجہ معین الدین سنجری قدس سرہ کو غریب نواز کے لقب سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

الجواب:

اہلسنت کامذہب یہ ہے کہ روح انسانی بعد موت بھی زندہ رہتی ہے، موت بدن کے لیے ہے روح کے لیے نہیں، انما خلقتم للابد تم[1] ہمیشہ رہنے کے لیے بنائے گئے ہو۔ امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں بعض ائمہ کرام سے نقل فرماتے ہیں کہ کسی نے ان کے سامنے موت وروح کا ذکر کیا، فرمایا:

سبحٰن اللّٰہ ھذا قول اھل البدع[2]	سبحان اللہ! یہ بدمذہبوں کا قول ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"کُلُّ نَفۡسٍ ذَآئِقَۃُ الۡمَوۡتِ ؕ"[3]۔	ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔

موت جب تک واقع نہ ہوئی معدوم کا مزہ کہاں سے آیا اور جب واقع ہوئی اگر روح مر جائے تو موت کا مزہ کون چکھے یوں ہی اہلسنت وجماعت کا اجماع اور صحیح حدیثوں کی تصریح ہے کہ ہر میت اپنی قبر پر آنے والے کو دیکھتا اور اس کا کلام سنتا ہے، موت کے بعد سمع بصر، علم ادراک، سب بدستور باقی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، کہ یہ صفتیں روح کی تھیں اور روح اب بھی زندہ ہے پہلے بدن میں مقید تھی اور اب اس قید سے آزاد ہے، اولیائے کرام سے اس طرح عرض حاجت بلاشبہ جائز ہے، امام اجل تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی نے کتاب مستطاب شفاء السقام اور شیخ محقق مولٰنا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اشعۃ اللمعات اور دیگر اکابر نے اپنی تصنیفات میں ان مسائل کی تحقیق جلیل فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی تفسیر عزیزی میں زیر آیہ کریمہ **والقمر اذا اتسق** لکھتے ہیں:

بعضے از خواص اولیاء اللہ راکہ آلہ جارحہ تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اندریں حالت ہم تصرف دردنیا	اللہ تعالٰی کے بعض خاص اولیاء ہیں جن کو بندوں کی تربیت کاملہ اور رہنمائی کے لیے ذریعہ بنایا گیا ہے، انہیں اس حالت میں بھی

[1] شرح الصدور باب فضل الموت خلافت اکیڈمی سوات ص ۵

[2] شرح الصدور باب مقر الارواح خلافت اکیڈمی سوات ص ۱۰۶

[3] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۵

دادہ، واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہامانع توجہ بایں سمت نمی گردد و اویسیان تحصیل کمالات باطنی ازآنہامے نمایند وارباب حاجات و مطالب حل مشکلات خود ازانہامی طلبند ومے یابند۔[1]	دنیا کے اندر تصرف کی طاقت و اختیار دیا گیا ہے اور کامل وسعتِ مدارک کی وجہ سے ان کا استغراق اس طرف متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہوتا۔ صوفیائے اویسیہ باطنی کمالات ان اولیاء اللہ سے حاصل کرتے ہیں اور غرض مندو محتاج لوگ اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرتے اور پاتے ہیں (ت)

نیز تفسیر عزیزی میں ہے:

سوختن گویا روح رابے مکان کردن است و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن است بنابریں ازاولیائے مدفونین و دیگر صلحائے مومنین انتفاع واستفادہ جاری ست وآنہارا افادہ اعانت نیز متصور۔[2]	جلادینا گویا کہ روح کو بے مکان کرنا ہے جب کہ دفن کرنا گویا کہ روح کے لیے ٹھکانا بنانا ہے۔ اسی سبب سے دفن شدہ اولیاء اللہ اور دیگر صلحائے مومنین سے نفع وفائدہ کا حصول جاری ہے اوران کے لیے امداد وفائدہ رسانی بھی متصور ہے۔ (ت)

نیز اسی میں تفسیر سورہ مطففین میں ہے:

مقامِ علیین بالائے ہفت آسمان ست وپائن آں متصل بسدرۃ المنتہی است و بالائے آں متصل بہ پایہ راست عرش مجید است وارواح نیکاں بعدازقبض درآنجامی رسند ومقربان یعنی انبیاء و اولیاء دراں مستقرمی مانند، وعوام صلحاء رابرحسبِ مراتب درآسمان دنیا یا درمیان آسمان وزمین یا درچاہ زمزم قرارمی دہند و تعلقے بقبر نیز ایں ارواح رامی باشد کہ بحضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں	مقام علیین ساتویں آسمانوں کے اوپر ہے، اس کا نچلا حصہ سدرۃ المنتہی اور اوپروالا عرش مجید کے دائیں پائے سے ملا ہوا ہے، نیک لوگوں کی روحیں قبض ہونے کے بعد وہاں پہنچتی ہیں، مقربین یعنی انبیاء واولیاء تو وہیں برقرار رہتے ہیں جب کہ عام صالحین کو ان کے مراتب کے مطابق آسمانِ دنیا یا آسمانِ وزمین کے درمیان یا چاہ زمزم میں ٹھہراتے ہیں ان روحوں کا تعلق قبروں کے ساتھ بھی قائم رہتا ہے، چنانچہ وہ زیارت کے لیے قبرپر

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم تحت آیۃ والقمر اذا اتسق الخ مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[2] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم سورہ عبس استفادہ ازاولیائے مدفونین مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۴۳

بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمی شود، و مثال آں در وجودِ انسانی روح بصری ست کہ ستارہ ہائے ہفت آسمان درون چاہ مے تواند دید۔[1]	آنے والے عزیز و اقارب اور دوستوں سے آگاہ ہوتے ہیں اور ان سے انس حاصل کرتے ہیں کیونکہ مکانی قرب و بعد روح کے لیے اس دریافت و علم سے مانع نہیں ہوتا، اس کی مثال انسانی وجود میں روح بصری ہے جو ساتویں آسمان کے ستاروں کو چاہ کے اندر دیکھ سکتی ہے۔ (ت)

حیاتِ شہداء قرآن عظیم سے ثابت ہے اور شہداء سے علماء افضل، حدیث میں ہے۔ روز قیامت شہداء کا خون اور علماء کی دوات کی سیاہی تولے جائیں گے علماء کی دوات کی سیاہی شہداء کے خون پر غالب آئے گی۔[2]

اور علماء سے اولیاء افضل ہیں، تو جب شہداء زندہ ہیں اور فرمایا کہ انہیں مردہ نہ کہو، تو اولیاء کہ بدرجہا ان سے افضل ہیں ضرور ان سے بہتر حی ابدی ہیں، قرآن کریم کے ایجازات میں یہ بھی ہے کہ امر ارشاد فرماتے ہیں اور اس سے اس کے امثال اور اس سے امثل پر دلالت فرمادیتے ہیں۔ جیسے:

"فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا"[3]	ان سے ہُوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا (ت)

ماں باپ کو ہُوں کہنے سے ممانعت فرمائی جو کچھ اسے زیادہ ہو وہ خود ہی منع ہوگیا، اور یہیں دیکھئے حیاتِ شہداء کی تصریح فرمائی اور حیاتِ انبیاء کا ذکر نہیں کہ اعلیٰ خود ہی مفہوم ہو جائے گا اس دلالۃ النص میں اولیاء بلاشبہہ داخل۔

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور دستگیر ہیں، اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز، سیدنا ابوالحسن نورالدین بہجۃ الاسرار شریف میں سیدنا ابوالقاسم عمر بزاز قدس سرہ سے روایت فرماتے ہیں:

قال سمعت السید الشیخ عبدالقادر	یعنی میں نے اپنے مولیٰ حضرت سید شیخ عبدالقادر

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم سورہ مطففین مقام ارواح انبیاء وصلحا مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۱۹۳

[2] کنز العمال حدیث ۲۸۷۱۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۴۱

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۳

الجیلی رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول غیر مرۃ عثرا خی حسین الحلاج فلم یکن فی زمانہ من یاخذ بیدہ ولو کنت فی زمانہ لاخذت بیدہ وانا لکل من عثر بہ مرکوبہ من اصحابی و مریدی و محبی الٰی یوم القیمۃ اخذ بیدہ[1]۔ والحمد للہ رب العلمین۔	جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بارہا فرماتے سنا میرے بھائی حسین حلاج کا پاؤں پھسلا ان کے وقت میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کی دستگیری کرتا اس وقت میں ہوتا تو ان کی دستگیری فرماتا اور میرے اصحاب اور میرے مریدوں اور مجھ سے محبت رکھنے والوں میں قیامت تک جس سے لغزش ہوگی میں اس کا دستگیر ہوں۔

تمام مسلمانوں کی زبانوں پر حضور کا لقب غوث اعظم ہے یعنی سب سے بڑے فریاد رس شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب درکنار خود اسمٰعیل دہلوی نے جابجا حضور کو غوث اعظم یاد کیا ہے یہ فریاد رسی و دستگیری نہیں تو کیا ہے، حضرت شیخ مجدد الف ثانی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

بعد از رحلت ارشاد پناہی قبلہ گاہی روزِ عید بزیارت مزار ایشاں رفتہ بود در اثنائے توجہ بمزار متبرک التفات تمام از روحانیت مقدسہ ایشاں ظاہر گشت و از کمال غریب نوازی نسبت خاصہ خود راکہ بحضرت خواجہ احرار منسوب بود مرحمت فرمودند۔[2] واللہ تعالٰی اعلم	مرشد گرامی کے وصال کے بعد عید کے روز ان کے مزار اقدس کی زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ مزار مبارک کی طرف توجہ کے دوران مرشد گرامی کی روحانیت مقدسہ کا التفات تام ظاہر ہوا اور کمال غریب نوازی سے آپ نے وہ نسبت خاص عنایت فرمائی جو آپ کو حضرت خواجہ احرار علیہ الرحمۃ سے حاصل تھی۔ (ت)

مسئلہ ۳۹و۴۰: از موضع درو ٔضلع نینی تال مرسلہ مٹھو نورباف ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

اللہ تعالٰی کا جو فرمان ہے وہ کلام پاک ہے، اس میں سب فیصلے موجود ہیں، اس سے کوئی فیصلہ بچا نہیں ہے، اب اماموں کا جو اختلاف ہے وہ کس بنا پر ہے؟ ایک فعل حرام اور کسی کے یہاں وہی فعل حلال ہے اور کسی کے یہاں وہی فعل فرض اور کسی کے یہاں وہی فعل سنت، بعض کے

---

[1] بهجة الاسرار فضل اصحابه وبشراهم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲

[2] مکتوبات مجدد الف ثانی مکتوب ۲۹۱ نولکشور لکھنو ۱/ ۴۱۳

یہاں واجب، مثلاً ایک فعل امام شافعی کے یہاں جائز ہے اور ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے یہاں ناجائز، اور کچھ لوگ اس فعل کو کرتے ہیں اور ہم بچتے ہیں، اور یہ بھی سُنا ہے کہ خدا کے حرام کو حلال جاننے والا کافر، اور یہ بھی سُنا ہے کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز ناجائز نہیں ہے بلکہ مکروہ ہے، حضور اس کی تسکین ہو۔

دوسرے یہ کہ جناب باری نے اپنے محبوب کو سب مراتب عنایت فرمائے ہیں اکثر وہابیہ کا جھگڑا سُننے کو ملتا ہے تو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی مثال پیش کرتے ہیں تہمت والی، میرے حضور! گزارش یہ ہے کہ بعض موقع پر جنابِ باری کی طرف سے پردہ ہوتا تھا یا کیا؟

الجواب:

قرآن عظیم میں بے شک سب کچھ موجود ہے مگر اُسے کوئی نہ سمجھ سکتا اگر حدیث اس کی شرح نہ فرماتی۔ **قال اللہ تعالٰی:**

"لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ"[1]۔	تاکہ تم لوگوں سے بیان کردو جو اُن کی طرف اُترا (ت)

اور حدیث بھی کوئی نہ سمجھ سکتا اگر ائمہ مجتہدین اس کی شرح نہ فرماتے، ان کی سمجھ میں مدارج مختلف ہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ربّ مبلّغ یبلغہ اوعی لہ من سامع۔[2]	بہت سے لوگ جن تک بات پہنچائی جاتی وہ سننے والے سے زیادہ اس کو یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔ (ت)

اور فرماتے ہیں:

ربّ حامل فقہ الٰی من ھو افقہ منہ۔[3]	بہت سے فقہ اُٹھانے والوں سے وہ زیادہ فقیہ ہوتا ہے جس کو وہ پہنچاتے ہیں۔ (ت)

اس تفقّہ فی الدین میں اختلافِ مراتب باعثِ اختلاف ہوا اور ادھر مصلحت الٰہیہ احادیث

[1] القرآن الکریم ۱۶/۴۴

[2] سنن ابن ماجہ باب من بلغ علمًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱

[3] جامع الترمذی ابواب العلم باب ماجاء فی الحث علی تبلیغ السماع امین کمپنی دہلی ۲/ ۹۰، سنن ابن ماجہ باب من بلغ علمًا ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱

مختلف آئیں، کسی صحابی نے کوئی حدیث سُنی اور کسی نے کوئی اور وہ بلاد میں متفرق ہوئے، ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا، یہ دوسرا باعثِ اختلاف ہوا۔ عبداللہ بن عمر کا علم امام مالک کو آیا، اور عبداللہ بن عباس کا امام شافعی کو، اور افضل العباد لہ عبداللہ بن مسعود کا علم ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، حلال کو حرام یا حرام کو حلال جاننا جو کفر کہا گیا ہے وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریاتِ دین سے ہے یا کم از کم نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہو۔ اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن بھی جائز نہیں نہ کہ معاذ اللہ ایسا خیال، غیر مقلدوں کے پیچھے نماز باطل محض ہے کہ اصلاً ہوتی ہی نہیں۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ النہی الاکید میں ہے ان غیر مقلدوں پر بحکم فقہاء کرام ستر وجہ سے کفر لازم ہے اور ان کے پیچھے نماز ہوسکنا کیا معنی۔ امام اعظم وامام ابویوسف وامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

لاتجوز الصلوۃ خلف اھل الاھواء۔[1]	بدمذہبوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ (ت)

اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم اتارا کہ ہر چیز ان پر روشن فرمادی۔ قال اللہ تعالٰی:

"نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ"[2]	ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (ت)

قرآن عظیم تھوڑا تھوڑا کرکے تئیس ۲۳ برس میں نازل ہوا، جتنا قرآن عظیم اُترتا گیا، حضور پر غیب روشن ہوتا گیا، جب قرآن عظیم پورا نازل ہوچکا روزِ اول سے روزِ آخر تک کا جمیع ماکان ومایکون کا علم محیط حضور کو حاصل ہوگیا۔ تمامی نزول قرآن سے پہلے اگر کوئی واقعہ کسی حکمت الٰہیہ کے سبب منکشف نہ ہوا ہو تو احاطہ علم اقدس کا منافی نہیں معہذا زمانہ افک میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی نے سکوت فرمایا جس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور کو علم نہ تھا، اپنے اہل کی براءت اپنی زبان سے ظاہر فرمانا یہ بہتر ہوتا یا یہ کہ رب السموت والارض نے قرآن کریم میں سترہ ۱۷ آیتیں ان کی براءت میں نازل فرمائیں جو قیامِ قیامت تک مساجد ومجالس ومجامع میں تلاوت کی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

مسئلہ ۴۱ تا ۴۶: از شہر عقب کوتوالی مسئولہ عزیز الدین صاحب پیشکار ۱۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

(۱) حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا نکاح بعد ولادتِ حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے یوسف نجار حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی سے ہوا ہے یا نہیں؟

(۲) حضرت مریم نبیہ ہیں یا نہیں؟

(۳) اب کے پیغمبر زندہ ہیں اور کہاں کہاں ہیں؟

(۴) حضرت عیسٰی علیہ السلام کیا چوتھے آسمان پر ہیں؟

(۵) ایک شخص زندہ ہونے پیغمبروں کا قائل نہیں ہے اور آیت "**قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِہِ الرُّسُلُ ؕ**"[1]۔

(ان سے پہلے رسول ہوچکے۔ت) کہ استدلال میں لاتا ہے، اس آیت کا کیا مطلب ہے؟

(۶) اور اُسی کا یہ قول ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام اگر اُتریں گے تو وہ رسول ہوں گے یا نہیں اور اگر وہ رسول نہ ہوں اور اُمتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اُس وقت ہوں تو خلاف کلام پاک ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی رسالت نہ چھیننے گا، اور کیا ان کی امت بلارسول کے رہ جائے گی؟

الجواب:

(۱) شرع مطہر میں اس کا کہیں ثبوت نہیں، نصارٰی کے یہاں بھی صرف منگیتر لکھا ہے ہاں وہ جنت میں حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے ہوں گی، کمافی الحدیث۔

(۲) نہیں، کوئی عورت نبیہ نہیں۔

(۳) ہاں بایں معنی کہ اب تک لحوقِ موت اصلًا نہ ہوا چار نبی زندہ ہیں: عیسٰی و ادریس علیہما الصلوۃ والسلام آسمان پر، اور الیاس و خضر علیہما الصلوۃ والسلام زمین پر۔ شرح مقاصد میں ہے:

ذھب الیہ العظماء من العلماء ان ربعۃ من انبیاء فی زمرۃ الاحیاء	بزرگ علماء اس طرف گئے ہیں کہ چار انبیاء زندوں کے زمرہ میں ہیں، حضرت خضر اور

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

الخضر والیاس فی الارض وعیسٰی وادریس فی السماء علیہم الصلوۃ والسلام [1]۔	الیاس علیہما الصلوۃ والسلام زمین میں جب کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہما الصلوۃ والسلام آسمان پر (ت)

(۴) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ اسرٰی انہیں آسمانِ دوم پر پایا استقبال سرکار واقتداء حضور کے لیے تمام انبیاء کرام علیہ وعلیہم افضل الصلوۃ والسلام اوّلاً بیت المقدس میں جمع ہوئے پھر ہر نبی کو ان کے محل میں دیکھا اس سے ظاہر یہ کہ مقام سیدنا مسیح علیہ السلام آسمانِ دوم ہے اور مشہور چہارم، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۵) حیاتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کا منکر گمراہ بددین ہے اور خلت سرے سے طریان موت پر بھی دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ استمرار موت یہ لفظ صرف انقضائے عہد پر دال ہے جیسے بلا تشبیہ یہ کہنا کہ سلطان محمد خاں خامس سے پہلے اتنے سلاطین ہو گزرے اس سے یہ نہ سمجھا جائے گا کہ سلطان حمید خان زندہ ہی نہیں۔ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیاتِ حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ [2]	انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ حرّم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔ [3]	بے شک اللہ تعالٰی نے نبیوں کے جسم کو کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے چنانچہ اللہ تعالٰی کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔ ت)

(۶) حاشا نہ کوئی رسول رسالت سے معزول کیا جاتا ہے نہ سیدنا مسیح علیہ الصلوۃ

---

[1] شرح المقاصد الحسنہ الفصل الرابع المبحث السابع دار المعارف النعمانیہ لاہور ۲/ ۳۱۱

[2] مسند ابی یعلٰی حدیث ۳۴۱۲ مؤسسۃ علوم القران بیروت ۳/ ۳۷۹

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

والسلام رسالت سے معزول ہوں گے، نہ حضور کا امتی ہونا رسالت کے خلاف، وہ قبلِ نزول اپنے عہد میں بھی ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے امتی تھے اور بعد رفع بھی اُمتی ہو کر اتریں گے، تمام انبیاء و مرسلین اپنے عہد میں بھی حضور کے امتی تھے اور اب بھی امتی ہیں، جب بھی رسول تھے اور اب بھی رسول ہیں کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں۔ **قال اللہ تعالٰی**: "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ" ن بہ ولتنصرنہ [1]۔ (تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا ت) ہاں اس وقت وہ اپنی شریعت پر حکم فرماتے تھے اب کہ شریعتِ محمدیہ صلی اللہ علی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیہ نے اگلی شریعتیں منسوخ فرمادیں۔ ایک حضرت مسیح نہیں جو کوئی رسول بھی اب ظاہر ہو شریعت محمدیہ پر ہی حکم کرے گا، منسوخ پر حکم باطل، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: اگر موسٰی میرا زمانہ پاتے تو میری اتباع کے سوا انہیں کچھ گنجائش نہ ہوتی [2]۔ اور اس کا کہنا ان کی امت بلا رسول کے رہ جائے گی اس کی سخت جہالت پر دلیل ہے اور اگر سمجھ کر کہے تو اس کی نصرانیت، کیا اب نصرانی امتِ مسیح ہیں، کیا اب وہ ان کے دین پر ہیں، حاشا "كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ" [3]۔ (کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے مونہوں سے نکلتا ہے۔ ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۷: از بریلی مدرسہ اہلسنت وجماعت مسئولہ مولوی شفیع احمد صاحب بسیلپوری طالب علم مدرسہ مذکور ۱۴ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسلم الثبوت میں جو یہ دو مذہب بیان کیے ہیں یہ باطل و مردود ہیں یا نہیں؟ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف آزاد خیال شخص ہیں پہلے کی بناپر ارادہ میں عبد مختار محض ہوا دوسرے کی بناپر افعال قلوب جزئیہ کا خالق ہوا۔ عبارت یہ ہے:

وقیل بل موجود فیجب تخصیص القصد المصمم من عموم	اور کہا گیا ہے بلکہ قصد موجود ہے چنانچہ نصوص خلق کے عموم سے بندے کے مصمم ارادہ کی تخصیص

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۱

[2] مسند احمد بن حنبل عن جابر بن عبداللہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۸۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الاول عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص ۸

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

الخلق بالعقل[1]۔	بقرنیہ عقل واجب ہے(ت)

ایک سطر بعد ہے:

وعندی مختار بحسب الادراکات الجزئیۃ الجسمانیۃ مجبور بحسب العلوم الکلیۃ العقلیۃ۔[2]	اور میرے نزدیک بندہ ادراکات جزئیہ جسمانیہ کے اعتبار سے مختار اور علوم کلیہ عقلیہ کے اعتبار سے مجبور ہے۔(ت)

الجواب:

پہلا مذہب باطل ہے، اس کارد فقیر کے رسالہ **القمع المبین** میں ہے۔ مذہب دوم محض مہمل و بے معنی ہے جس کا اصلاً کوئی محصل نہیں، مصنف سُنّی حنفی ہیں آزاد خیال نہیں مگر اس بحر خونخوار میں غوطہ زنی سے ممانعت فرمائی گئی تھی اُس پر جرات باعثِ لغزش وزلت ہوئی اور ہونی ہی تھی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۴۸: از کانپور نئی سڑک مسجد حاجی شکر اللہ مرحوم مرسلہ امام الدین صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید خدا کی شان میں یہ کلماتِ توہینیہ کہتا ہے گویا ابتو خدا اچھا خاصا ربڑ ہوگیا۔ آیا زید خدا کی شان میں ایسے کلمات توہینیہ کہنے سے کافر ہوگیا یا مسلمان رہا؟ مجھے چونکہ بجز حضور کی تحقیقات علمیہ کے تسکین نہیں ہوتی اس واسطے عریضہ خدمت میں روانہ کیا جاتا ہے۔

الجواب:

ایسے مجمل گول مول سوال پر کوئی حکم نہیں ہوسکتا، لفظ ابتو صاف دلالت کر رہا ہے کہ یہ کسی بات پر تفریع ہے وہ بات کیا تھی اور اس کا قائل یہ تھا یا دوسرا، مثلاً کسی کافر یا مرتد یا منافق خبیث نے اپنے معبود کے لیے کوئی بات ایسی کہی جس سے اس کا پھیلنا سمٹنا ثابت ہو، یا اسی قدر کہ یہ ناپاک تغیرات اس کی شان سے ٹھہریں اس پر کسی مسلمان نے اس اندھے کافر کی آنکھیں کھولنے کو یہ تنبیہ کی تو توہین اس کافر مرتد نے کی نہ کہ اس مسلمان نے، غرض اس میں بہت صورتیں ہوسکتیں ہیں۔ مفصل بات کہی جائے تو حکم دیا جائے، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] مسلم الثبوت فائدۃ عند الجھمیۃ لاقدرۃ فی العبد اصلا المطبع الانصاری دہلی ص ۹

[2] مسلم الثبوت فائدۃ عند الجھمیۃ لاقدرۃ فی العبد اصلا المطبع الانصاری دہلی ص ۹

مسئلہ ۴۹: از تیلن پاڑہ اندرون باڑی عجب میاں ضلع ہگلی مرسلہ سلطان احمد خاں مرزاپوری ۱۵ جمادی الاخرے ۱۳۳۶ھ

لولاك لما خلقت الافلاك[1]۔ کو علمائے دین ہمیشہ سے محفل میلاد شریف میں بیان کرتے آئے اور اب بھی بیان کرتے ہیں اور اکثر علمائے دین نے برسرِ مجلس اس حدیث کو بتلایا کہ یہ حدیث قدسی ہے اور بہت سی اردو میلاد کی کتابوں میں یہی لکھا ہے اور تمام دنیا کے میلاد خواں اسی کو پڑھتے ہیں مگر کسی عالم نے کبھی اس کی نسبت کچھ اعتراض نہ کیا اور مولانا غلام امام شہید کے میلاد شریف شہیدی میں یہی حاشیہ پر لکھا ہے کہ حدیثِ قدسی ہے، اسی طرح بہت سی اردو کی میلاد کی کتابوں میں ہے، اور لغاتِ کشوری میں بھی لکھا ہے کہ قدسی ہے، برعکس اس کے مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس حدیث کی بابت بیان کیا ہے کہ یہ حدیث قدسی نہیں ہے اور نہ کسی حدیث میں ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم نے اکثر بزرگان دین سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بے شک یہ کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ اس کے معنی صحیح ہیں۔ اس حدیث کی نسبت جو کچھ حکم خدا و رسول کا ہو بیان فرمائیں۔

الجواب:

یہ ضرور صحیح ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام جہان حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے بنایا اگر حضور نہ ہوتے کچھ نہ ہوتا۔ یہ مضمون احادیث کثیرہ سے ثابت ہے جن کا بیان ہمارے رسالہ تلالؤ الافلاک بجلال احادیث لولاک میں ہے اور انہی لفظوں کے ساتھ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھی مگر سنداً ثابت یہ لفظ ہیں۔

خلقت الدنیا واھلھا لاعرفھم کرامتك ومنزلتك عندی ولولاك یا محمد ماخلقت الدنیا[2]۔	(یعنی اللہ عزوجل اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ) میں نے دنیا اور اہل دنیا کو اس لیے بنایا کہ تمہاری عزت اور مرتبہ جو میری بارگاہ مںں ہے ان پر ظاہر کروں، اے محمد! اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔

اس میں تو فقط **افلاك** کا لفظ تھا اس میں ساری دنیا کو فرمایا جس میں افلاک وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب داخل ہیں، اسی کو حدیث قدسی کہتے ہیں کہ وہ کلامِ الٰہی جو حدیث

[1] کشف الخفاء حدیث ۲۱۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۴۸

[2] تاریخ دمشق الکبیر ذکر عروجه الی السماء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ / ۲۹۷

میں فرمایا گیا ایسی جگہ لفظی بحث پیش کرکے عوام کے دلوں میں شک و شبہہ ڈالنا اور ان کے قلوب کو متزلزل کرنا ہر گز مسلمانوں کی خیر خواہی نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الدین النصح لکل مسلم۔[1]	دین یہ ہے کہ آدمی ہر مسلمان کی خیر خواہی کرے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵۰: از قدمتلی پوسٹ باںچہ رام پور ضلع تیرہ مرسلہ طالب علی صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

ذاتِ باری تعالٰی کو فقط عرش ہی پر سمجھے اور ماسوا فوق العرش کسی کو مخلوقاتِ الٰہی سے بے ذات باری تعالے محیط نہ جاننا بلکہ یہ کہنا کہ فقط علم الٰہی ساری اشیاء کو محیط ہے اور ذات اس کی فقط عرش ہی پر ہے اور دوسری جگہ نہیں، یہ عقیدہ اہل سنت کا ہے یا نہیں؟ اور جو معتقد اس عقیدے کا ہو نماز پیچھے اس کے ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

وایںہم تحریر فرمایند کہ ایشاںان ایں عقیدہ را منسوب بحنابِلہ مے گویند فی الحقیقت عقائد حنابِلہ ہمچنیں ست یا نہ؟	اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ لوگ اس عقیدے کو حنابِلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، کیا درحقیقت عقائد حنابِلہ ایسے ہیں یا نہیں؟ (ت)

ھو المصوب ذاتِ پروردگار کو عرش پر سمجھنا بدوں بیان کیفیت استوا اور اس کے علم کو محیط تمام عالم سمجھنا اور آیت معیت و قرب وغیرہ کو قرب و معیت علمی پر حمل کرنا مذہب اہلسنت کا ہے اور معتقد اس مذہب کے پیچھے نماز درست ہے بلا کراہت، شرح حکمت نبویہ میں ہے:

نعتقد انه علی العرش مستو علیه استواء منزھا عن التمکن والا ستقرار، و انه فوق العرش مع ذٰلك ھو قریب من کل موجود وھو اقرب من حبل الورید ولا یماثل قربه قرب الاجسام[2]۔اھ	ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی عرش پر ایسے استواء کے ساتھ مستوی ہے جو تمکن و استقرار سے منزہ ہے، اور عرش پر جلوہ گر ہونے کے باوجود وہ ہر موجود کے نزدیک اور شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور اس کا قرب اجسام کے قُرب کی مثل نہیں ہے۔اھ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الدین النصیحۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان الدین النصیحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴ و ۵۵

[2] شرح حکمت نبویہ

اور سیر النبلا میں ہے:

قال اسحٰق بن راھویۃ اجمع اھل العلم علی انہ تعالٰی علی العرش استوی وھو یعلم کل شیئ فی اسفل الارض السابعۃ۔[1] انتھی	اسحاق بن راہویہ نے کہا: تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالٰی نے عرش پر استواء فرمایا اور وہ ساتویں زمین کے نیچے ہر شیئ کو جانتا ہے۔ انتہی (ت)

اور جامع ترمذی میں بعد ذکرِ حدیث:

لوانکم دلیتم اجلًا بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ ثم قرأ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو الاول والاخر والظاھر و الباطن وھو بکل شیئ علیم۔[2]	اگر تم کوئی رسّی نیچے والی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ اللہ کے پاس پہنچے گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

مرقوم ہے:

قرأۃ الاٰیۃ تدل علی انہ ارادبھبط علی اللہ علی علم اللہ وقدرتہ وسلطانہ وعلم اللہ فی کل مکان وھو علی العرش کماوصف فی کتابہ۔[3]	آیتِ کریمہ کی تلاوت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسی کے اللہ تعالٰی کے پاس پہنچے سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالٰی کے علم، قدرت اور سلطنت میں پہنچی ہے۔ اور اللہ تعالٰی کا علم ہر جگہ ہے جب کہ وہ خود عرش پر ہے۔ جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں خود اپنا یہ وصف بیان فرمایا ہے۔ (ت)

اور یہ جو مشہور ہے کہ یہ مذہب حنابِلہ کا ہے، غلط ہے۔ بلکہ یہ مذہب جمہور محققین حنفیّہ وشافعیہ و

[1] سیر اعلام النبلاء ترجمہ اسحاق بن راہویہ ۷۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۳۷۰

[2] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الحدید امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶۲

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الحدید امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۶۲

مالکیہ وحنابلہ و محدثین وغیرہم کا ہے البتہ بعض حنابلہ استواء مع بیان الکیفیت کے قائل ہوگئے ہیں اور استقرار پر پروردگار کو مثل استقرار مخلوقات کے سمجھتے ہیں یہ مذہب مردود ہے، والتفصیل یتدعی بسطا بسیطاوفیما ذکرناہ کفایۃ. واللہ تعالٰی اعلم بالصواب (اور تفصیل بہت زیادہ وسعت کو چاہتی ہے جب کہ ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس میں کفایت ہے اور اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے۔ت) حررہ، محمد کرامت علی عفی عنہ

الجواب:

حاشاللہ! یہ ہرگز عقیدہ اہلسنت کا نہیں، وہ مکان و تمکن سے پاک ہے، نہ عرش اس کا مکان ہے نہ دوسری جگہ، عرش و فرش سب حادثات ہیں، اور وہ قدیم ازلی ابدی سرمدی جب تک یہ کچھ نہ تھے کہاں تھا، جیسا جب تھا ویسا ہی اب ہے اور جیسا اب ہے ویسا ہی ابدالآباد تک رہے گا۔ عرش و فرش سب متغیر ہیں، حادث ہیں، فانی ہیں، اور وہ اور اس کی صفات تغیر و حدوث و فنا سب سے پاک، استواء پر اجماع نقل کرنے کی کیا حاجت، خود رحمٰن عزوجل فرماتا ہے:

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝" [1]۔	وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ (ت)

مگر اعتقاد اہلسنت کا وہ ہے جو ان کے رب عزوجل نے راسخین فی العلم کو تعلیم فرمایا:

"وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝" [2]۔	اور وہ پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے۔ (ت)

اعتقاد اہل سنت کا وہ ہے جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا:

الاستواء معلوم والکیف مجھول والایمان بہ واجب و السؤال عنہ بدعۃ۔ [3]	استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول، اور اس پر ایمان واجب، اور اس کی تفتیش گمراہی۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۷

[3] الدرالمنثور تحت الآیۃ ۷/ ۵۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۲۹، فتح الباری کتاب التوحید باب قولہ وکان عرشہ علی الماء مصطفی البابی مصر ۱۷/ ۱۷۷

اہلسنت کے دو[2] مسلک آیاتِ متشابہات میں ہیں سلف صالح کا مسلک تفویض کا، ہم نہ ان کے معنی جانیں نہ ان سے بحث کریں جو کچھ اُن کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے، وہ قطعًا مراد نہیں اور جو کچھ ان کے رب عزوجل کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔

"كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ"[1]۔	ہم سب اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔

دوسرا مسلک متاخرین کا کہ حفظ دین عوام کے لیے معنی محال سے پھیر کر کسی قریب معنی صحیح کی طرف لے جائیں، مثلًا استواء بمعنی استیلا بھی آتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق　　من غیر سیف اودم مہراق[2]

(تحقیق بشر عراق پر غالب آگیا تلوار کے ساتھ خون بہائے بغیر۔ت)

مگر یہ مسلک باطل کہ آیات معیت تو تاویل پر محمول ہیں اور آیت استواء ظاہر پر یہ ہرگز مسلک اہل سنت نہیں، عرش پر ہے دوسری جگہ نہیں، یہ صاف تمکن کو بتارہا ہے عرش پر معاذ اللہ اس کے لیے جگہ ثابت کی جب تو اور مکانات کی نفی کی، عالمگیریہ، طریقہ محمدیہ، حدیقہ ندیہ، تاتارخانیہ، خلاصہ، جامع الفصولین، خزانۃ المفتین وغیرہا میں تصریح ہے کہ رب عزوجل کے لیے کسی طرح کسی جگہ مکان ثابت کرنا کفر ہے۔ متاخرین حنابلہ میں بعض خبثاء مجسمہ ہوگئے جیسے ابن تیمیہ وابن قیم، ابن تیمیہ کہتا ہے کہ میں نے سب جگہ ڈھونڈا کہیں نہ پایا اور معدوم ہے ان دونوں میں کچھ فرق نہیں یعنی جو کسی جگہ نہیں ہے وہ ہے ہی نہیں لیکن رب عزوجل تو معاذ اللہ ضرور کسی جگہ ہے، اس احمق سفیہ کو اگر مادی اور مجرد عن المادہ کا فرق نہ معلوم ہو تو وہ سیف قاطع جو اوپر ہم نے ذکر کی اس کی گردن کاٹنے کو کافی جگہ حادث ہے جب جگہ تھی ہی نہیں کہاں تھا وہ شاید یہ کہے گا کہ جب جگہ نہ تھی وہ بھی نہ تھا یا یہ کہے گا کہ جگہ بھی قدیم ازلی ہے اور دونوں کفر ہیں جب اُس کا معبود اس کے نزدیک بغیر کسی جگہ میں موجود ہوئے نہیں ہوسکتا تو جگہ کا محتاج ہوا، اور جو محتاج ہے اللہ نہیں تو حقیقۃً ان پر انکار خدا ہی لازم ہے ایسے عقیدے والے کے پیچھے نماز ممنوع و ناجائز ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] فتح الباری کتاب التوحید باب قولہ وکان عرشہ علی الماء مصطفی البابی مصر ۱۷/ ۱۷۶

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

قوارع القهار علی المجسمة الفجّار ۱۳۱۸ھ

جسمیتِ باری تعالٰی کے قائل فاجروں پر قہر فرمانے والے (اللہ تعالٰی) کی طرف سے سخت مصیبتیں)

ملقب بلقب تاریخی

ضربِ قہّاری ۱۳۱۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سبحٰنك یا من تعالٰی عما یقول المجسمة الظالمون علوا کبیرا * صلّ و سلم وبارك علی من اتانا بشیرًا و نذیرًا * داعیا الیك باذنك سراجًا منیرًا * وعلٰی اٰله وصحابته واھلسنته وجماعته کثیرا کثیرا۔	پاک ہے تو اے وہ ذات جو بلند ترین ہے اس بات سے جو جسم ثابت کرنے والے ظالم لوگ کہتے ہیں، رحمت، سلامتی اور برکت فرما اس شخصیت پر جو ہمارے پاس بشیر و نذیر بن کر تشریف لائے اور تیری طرف دعوت دینے والے تیرے حکم سے روشن چراغ ہیں اور اُن کی آل و صحابہ و اہلسنت و جماعت پر کثرت در کثرت سے (ت)

اللہ عزّوجل کی تنزیہ میں اہلسنت وجماعت کے عقیدے

(۱) اللہ تعالٰی ہر عیب و نقصان سے پاک ہے۔

(۲) سب اس کے محتاج ہیں وہ کسی چیز کی طرف کسی طرح کسی بات میں اصلًا احتیاج للہ

نہیں رکھتا۔

(۳) مخلوق کی مشابہت سے منزہ ہے۔

(۴) اس میں تغیر نہیں آسکتا، ازل میں جیسا تھا ویسا ہی اب ہے اور ویسا ہی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پہلے ایک طور پر ہو پھر بدل کر اور حالت پر ہوجائے۔

(۵) وہ جسم نہیں جسم والی کسی چیز کو اس سے لگاؤ نہیں۔

(۶) اُسے مقدار عارض نہیں کہ اِتنا یا اُتنا کہہ سکیں، لمبا چوڑا یا دَلدار یا موٹا یا پتلا یا بہت یا تھوڑا یا گنتی یا تول میں بڑا یا چھوٹا یا بھاری یا ہلکا نہیں۔

(۷) وہ شکل سے منزّہ ہے، پھیلا یا سمٹا، گول یا لمبا، تکونا یا چوکھونٹا، سیدھا یا ترچھا یا اور کسی صورت کا نہیں۔

(۸) حد و طرف و نہایت سے پاک ہے اور اس معنی پر نامحدود بھی نہیں کہ بے نہایت پھیلا ہوا ہو بلکہ یہ معنی کہ وہ مقدار وغیرہ تمام اعراض سے منزہ ہے، غرض نامحدود کہنا نفی حد کے لیے ہے نہ اثبات بے مقدار بے نہایت کے لیے۔

(۹) وہ کسی چیز سے بنا نہیں۔

(۱۰) اس میں اجزا یا حصے فرض نہیں کرسکتے۔

(۱۱) جہت اور طرف سے پاک ہے جس طرح اُسے دہنے بائیں یا نیچے نہیں کہہ سکتے یونہی جہت کے معنی پر آگے پیچھے یا اُوپر بھی ہرگز نہیں۔

(۱۲) وہ کسی مخلوق سے مل نہیں سکتا کہ اس سے لگا ہوا ہو۔

(۱۳) کسی مخلوق سے جُدا نہیں کہ اُس میں اور مخلوق میں مسافت کا فاصلہ ہو۔

(۱۴) اُس کے لیے مکان اور جگہ نہیں۔

(۱۵) اُٹھنے، بیٹھنے، اُترنے، چڑھنے، چلنے، ٹھہرنے وغیرہا تمام عوارض جسم و جسمانیات سے منزّہ ہے۔

محل تفصیل میں عقائد تنزیہہ بے شمار ہیں، یہ پندرہ۱۵ کہ بقدر حاجت یہاں مذکور ہوئے اور انکے سوا ان جملہ مسائل کی اصل یہی تین عقیدے ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اور ان میں بھی اصل الاصول عقیدہ اولی ہے کہ تمام مطالب تنزیہیہ کا حاصل و خلاصہ ہے ان کی دلیل قرآن عظیم کی وہ سب آیات ہیں جن میں باری عزوجل کی تسبیح و تقدیس و پاکی و بے نیازی و بے مثلی و بے نظیری ارشاد

ہوئی آیات تسبیح خود کس قدر کثیر ووافر ہیں۔ وقال تعالٰی: "اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ"[1]۔ بادشاہ نہایت پاکی والا ہر عیب سے سلامت۔ وقال تعالٰی: "فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۝۹۷"[2]۔ بے شک اللہ سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ وقال تعالٰی: "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۝۲۶"[3]۔ بے شک اللہ ہی بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا، وقال تعالٰی: "لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ"[4]۔ اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ وقال تعالٰی: "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا۝۶۵"[5]۔ کیا تو جانتا ہے اس کے نام کا کوئی، وقال تعالٰی: "وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۝۴"[6]۔ اس کے جوڑ کا کوئی نہیں۔ ان مطالب کی آیتیں صدہا ہیں، یہ آیاتِ محکمات ہیں، یہ اُم الکتاب ہیں، ان کے معنی میں کوئی خفاو اجمال نہیں، اصلاً دقت واشکال نہیں جو کچھ ان کے صریح لفظوں سے بے پردہ روشن وہویدا ہے بے تغیر وتبدیل بے تخصیص وتاویل اس پر ایمان لانا ضروریاتِ دین اسلام سے ہے، وباللہ التوفیق۔

آیاتِ متشابہات کے باب میں اہلسنت کا اعتقاد

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ ؔ وَ مَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۚ وَ مَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ	(موضح القرآن میں اس کا ترجمہ یوں ہے۔ وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں پکی ہیں سو جڑ ہیں کتاب کی، اور دوسری ہیں کئی طرف ملتی، سو جن کے دل ہیں پھرے ہوئے وہ لگتے ہیں ان کے ڈھب والیوں سے، تلاش کرتے ہیں گمراہی اور تلاش کرتے ہیں اُن کی کل بیٹھانی، اور ان کی کل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، اور جو مضبوط علم والے ہیں سو کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور سمجھائے وہی سمجھے ہیں

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۹۷

[3] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۶

[4] القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱

[5] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۵

[6] القرآن الکریم ۱۱۲/ ۴

اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۷﴾ "[1]۔	جن کو عقل ہے۔[2]

اور اس کے فائدے میں لکھا: اللہ صاحب فرماتا ہے کہ ہر کلام میں اللہ نے بعضی باتیں رکھی ہیں جن کے معنی صاف نہیں کھلتے تو جو گمراہ ہو اُن کے معنی عقل سے لگے پکڑنے اور جو مضبوط علم رکھے وہ ان کے معنی اور آیتوں سے ملا کر سمجھے جو جڑ کتاب کی ہے اس کے موافق سمجھ پائے تو سمجھے اور اگر نہ پائے تو اللہ پر چھوڑ دے کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے[3] **انتہی**۔

اقول: (میں کہتا ہوں، ت) بات یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید اتارا ہے ہدایت فرمانے اور بندوں کو جانچنے آزمانے کو، "یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا ۙ وَّ یَہۡدِیۡ بِہٖ کَثِیۡرًا ؕ "[4]۔اسی قرآن سے بہتوں کو گمراہ فرمائے اور بہتیروں کو راہ دکھائے۔

اس ہدایت وضلالت کا بڑا منشا قرآن عظیم کی آیتوں کا دو قسم ہونا ہے: **محکمات** جن کے معنی صاف بے دقت ہیں جیسے اللہ تعالٰی کی پاکی وبے نیازی وبے مثلی کی آیتیں جن کا ذکر اوپر گزرا، اور دوسری **متشابہات** جن کے معنٰی میں اشکال ہے یا تو ظاہر لفظ سے کچھ سمجھ ہی نہیں آتا جیسے حروفِ مقطعات الم وغیرہ یا جو سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ عزوجل پر محال ہے، جیسے "اَلرَّحۡمٰنُ عَلَی الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰی ﴿۵﴾ "[5] ۔ (وہ بڑا مہر والا اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ت) یا "ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۟ "[6]۔ (پھر اس نے عرش پر استواء فرمایا۔ت)

پھر جن کے دلوں میں کجی وگمراہی تھی وہ تو ان کو اپنے ڈھب کا پاکر ان کے ذریعہ سے بے علموں کو بہکانے اور دین میں فتنے پھیلانے لگے کہ دیکھو قرآن میں آیا ہے اللہ عرش پر بیٹھا ہے، عرش پر چڑھا ہوا ہے، عرش پر ٹھہر گیا ہے۔اور آیاتِ محکمات جو کتاب کی جڑ تھیں اُن کے ارشاد دل سے بھلا دیئے حالانکہ قرآن عظیم میں تو استواء آیا ہے اور اس کے معنی چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا، ہونا کچھ ضرور نہیں یہ تو تمہاری اپنی

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر ۱۲۱اتاج کمپنی لاہور ص ۶۲

[3] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر ۱۲۱اتاج کمپنی لاہور ص ۶۲

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۶

[5] القرآن الکریم ۲۰/ ۵

[6] القرآن الکریم ۷/ ۵۴و۱۰/ ۳ وغیرہ

سمجھ ہے جس کا حکم خدا پر لگا رہے۔ "مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ بِہَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ"[1]۔ (اللہ تعالٰی نے اس پر کوئی دلیل نازل نہ فرمائی۔ت) اگر بالفرض قرآن مجید میں یہی الفاظ چڑھنا، بیٹھنا، ٹھہرنا آتے تو قرآن ہی کے حکم سے فرض قطعی تھا کہ انہیں ان ظاہری معنی پر نہ سمجھو جو ان لفظوں سے ہمارے ذہن میں آتے ہیں کہ یہ کام تو اجسام کے ہیں اور اللہ تعالٰی جسم نہیں مگر یہ لوگ اپنی گمراہی سے اسی معنی پر جم گئے انہیں کو قرآن مجید نے فرمایا۔

"الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ زَیۡغٌ"[2]۔	ان کے دل پھرے ہوئے ہیں۔

اور جو لوگ علم میں پکے اور اپنے رب کے پاس سے ہدایت رکھتے تھے وہ سمجھے کہ آیات محکمات سے قطعًا ثابت ہے کہ اللہ تعالٰی مکان وجہت و جسم و اعراض سے پاک ہے بیٹھنے، چڑھنے، بیٹھنے سے منزہ ہے کہ یہ سب باتیں اس بے عیب کے حق میں عیب ہیں جن کا بیان ان شاء اللہ المستعان عنقریب آتا ہے اور وہ ہر عیب سے پاک ہے ان میں اللہ عزوجل کے لیے اپنی مخلوق عرش کی طرف حاجت نکلے گی اور وہ ہر احتیاج سے پاک ہے ان میں مخلوقات سے مشابہت ثابت ہوگی کہ اٹھنا، بیٹھنا، چڑھنا، اترنا، سرکنا ٹھہرنا اجسام کے کام ہیں اور وہ ہر مشابہت خلق سے پاک ہے تو قطعًا یقینًا ان لفظوں کے ظاہری معنی جو ہماری سمجھ میں آتے ہیں ہرگز مراد نہیں، پھر آخر معنی کیا لیں۔ اس میں یہ ہدایت والے دو روش ہوگئے۔ اکثر نے فرمایا جب یہ ظاہری معنی قطعًا مقصود نہیں اور تاویلی مطلب متعین و محدود نہیں تو ہم اپنی طرف سے کیا کہیں، یہی بہتر کہ اس کا علم اللہ پر چھوڑیں ہمیں ہمارے رب نے آیاتِ متشابہات کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا اور ان کی تعیین مراد میں خوض کرنے کو گمراہی بتایا تو ہم حد سے باہر کیوں قدم دھریں، اسی قرآن کے بتائے حصے پر قناعت کریں کہ "اٰمَنَّا بِہٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ"[3]۔ جو کچھ ہمارے مولٰی کی مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے محکم متشابہ سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، یہ مذہب جمہور ائمہ سلف کا ہے اور یہی اسلم واولٰی ہے اسے مسلک تفویض و تسلیم کہتے ہیں، ان ائمہ نے فرمایا استواء معلوم ہے کہ ضرور اللہ تعالٰی کی ایک صفت ہے اور کیف مجہول ہے کہ اس کے معنی ہماری سمجھ سے وراء ہیں، اور ایمان اس پر واجب ہے کہ نص قطعی قرآن سے ثابت ہے اور سوال اس سے بدعت

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۳ /۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

ہے کہ سوال نہ ہوگا مگر تعیین مراد کے لیے اور تعین مراد کی طرف راہ نہیں اور بعض نے خیال کیا کہ جب اللہ عزوجل نے محکم متشابہ دو قسمیں فرما کر محکمات کو "ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ"[1] فرمایا کہ وہ کتاب کی جڑ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر فرع اپنی اصل کی طرف پلٹتی ہے تو آیہ کریمہ نے تاویل متشابہات کی راہ خود بتادی اور ان کی ٹھیک معیار ہمیں سمجھادی کہ ان میں وہ درست و پاکیزہ احتمالات پیدا کرو جن سے یہ اپنی اصل یعنی محکمات کے مطابق آجائیں اور فتنہ وضلال و باطل و محال راہ نہ پائیں۔ یہ ضرور ہے کہ اپنے نکالے ہوئے معنی پر یقین نہیں کرسکتے کہ اللہ عزوجل کی یہی مراد ہے مگر جب معنی صاف و پاکیزہ ہیں اور مخالفت محکمات سے بری و منزہ ہیں اور محاورات عرب کے لحاظ سے بن بھی سکتے ہیں تو احتمالی طور پر بیان کرنے میں کیا حرج ہے اور اس میں نفع یہ ہے کہ بعض عوام کی طبائع صرف اتنی بات پر مشکل سے قناعت کریں کہ انکے معنی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور جب انہیں روکا جائے گا تو خواہ مخواہ ان میں فکر کی اور حرص بڑھے گی۔

ان ابن ادم عـــہ لحریص علی مامنع[2]	انسان کو جس چیز سے منع کیا جائے وہ اس پر حریص ہوتا ہے۔ (ت)

اور جب فکر کریں گے فتنے میں پڑیں گے گمراہی میں گریں گے، تو یہی انسب ہے کہ ان کی افکار ایک مناسب و ملائم معنی کی طرف کہ محکمات سے مطابق محاورات سے موافق ہوں پھیر دی جائیں کہ فتنہ وضلال سے نجات پائیں یہ مسلک بہت علمائے متاخرین کا ہے کہ نظر بحال عوام اسے اختیار کیا ہے اسے مسلک تاویل کہتے یہ علماء بوجوہ کثیر تاویل آیت فرماتے ہیں ان میں چار وجہیں نفیس و واضح ہیں۔

اول: استواء بمعنی قہر و غلبہ ہے، یہ زبان عرب سے ثابت و پیدا ہے عرش سب مخلوقات سے اوپر اور اونچا ہے اس لیے اس کے ذکر پر اکتفا فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمام مخلوقات پر قاہر و غالب ہے۔

عـــہ: رواہ الطبرانی[3] ومن طریقہ الدیلمی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	اس کو طبرانی نے روایت کیا اور دیلمی نے طبرانی کے طریق پر ابن عمر رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۸۸۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۳۱

[3] کشف الخفاء بحوالہ الطبرانی حدیث ۶۷۴ ۱/ ۱۹۹

دوم: استواء بمعنی علو ہے، اور علو اللہ عزوجل کی صفت ہے نہ علو مکان بلکہ علو مالکیت و سلطان، یہ دونوں معنی امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ذکر فرمائے جس کی عبارات عنقریب آتی ہیں۔ان شاء اللہ تعالٰی

سوم: استواء بمعنی قصد وارادہ ہے، ثم استوی علی العرش یعنی پھر عرش کی طرف متوجہ ہوا یعنی اس کی آفرینش کا ارادہ فرمایا یعنی اس کی تخلیق شروع کی، یہ تاویل امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری نے افادہ فرمائی۔امام اسمٰعیل ضریر نے فرمایا: انه الصواب[1] یہی ٹھیک ہے، نقله الامام جلال الدین سیوطی فی الاتقان عـــہ (اس کو امام جلال الدین سیوطی نے اتقان میں نقل کیا ہے۔ت)

عـــہ: قاله الفراء والاشعری وجماعة اهل المعانی ثم قال یبعدہ تعدیته بعلٰی ولوکان کما ذکروہ لتعدی بالٰی کما فی قوله تعالٰی ثم استوی علی السماء۔وفیه ان حروف المعانی[2] تنوب بعضها عن بعض کما نص علیه فی الصحاح وغیرها و قد روی الامام البیهقی فی کتاب الاسماء والصفات عن الفراء ان تقول کان مقبلا علٰی فلان ثم استوی علیّ یشاتمنی والیّ سواء علٰی معنی اقبل الیّ وعلیّ۔[3] ۱۲منه۔

فراء، اشعری اور اہل معانی کی ایک جماعت کا یہ قول ہے، پھر امام سیوطی نے کہا کہ یہ قول اس کے علٰی کے ساتھ متعدی ہونے سے بعید ہے اگر مطلب وہی ہوتا جو انہوں نے ذکر کیا ہے تو یہ الٰی کے ساتھ متعدی ہوتا جیسا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد ثم استوی الٰی اسماء میں ہے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ حروف ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ صحاح وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے، اور امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں فراء سے روایت کیا ہے مثلاً تو کہے کہ وہ فلاں کی طرف متوجہ تھا پھر وہ مجھے برا بھلا کہتے ہوئے میری طرف متوجہ ہوا یعنی چاہے استوی الیّ کہے یا استوی علی دونوں برابر ہیں۔ ۱۲منه (ت)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثالث والاربعون فی المحکم والمتشابه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثالث والاربعون فی المحکم والمتشابه دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۵

[3] کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریه سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۴

چہارم: استواء بمعنی فراغ و تمامی کار ہے یعنی سلسلہ خلق وآفرینش کو عرش پر تمام فرمایا اس سے باہر کوئی چیز نہ پائی، دنیا وآخرت میں جو کچھ بنایا اور بنائے گا دائرہ عرش سے باہر نہیں کہ وہ تمام مخلوق کو حاوی ہے۔ قرآن کی بہتر تفسیر وہ ہے وہ قرآن سے ہو۔ استواء بمعنی تمامی خود قرآن عظیم میں ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

"وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى"[1]	جب اپنی قوت کے زمانے کو پہنچا اور اس کا شباب پورا ہوا۔

اسی طرح **قولہ تعالٰی:**

"كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــٴَـهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ"[2]	جیسے پودا کہ اس کا خوشہ نکلا تو اس کو بوجھل کیا تو وہ موٹا ہوا تو وہ اپنے تنے پر درست ہوا۔ (ت)

میں استواء حالتِ کمال سے عبارت ہے، یہ تاویل امام حافظ الحدیث ابن الحجر عسقلانی نے امام ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال سے نقل کی اور یہ کلام امام ابوطاہر قزوینی کا ہے کہ سراج العقول میں افادہ فرمایا، اور امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب الیواقیت[3] میں منقول۔

اقول: (میں کہتا ہوں، ت) اور اس کے سوا یہ ہے کہ قرآن عظیم میں یہ استواء سات جگہ مذکور ہوا، ساتوں جگہ ذکر آفرینش آسمان وزمین کے ساتھ اور بلا فصل اُس کے بعد ہے، سورہ اعراف وسورہ یونس علیہ الصلوۃ والسلام میں فرمایا۔

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ"[4]	تمہارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا چھ دنوں میں پھر عرش پر استوا فرمایا (ت)

سورہ رعد میں فرمایا:

"اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ	اللہ تعالٰی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں کو

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۹

[3] الیوقیت والجواھر بحوالہ سراج العقول المبحث السابع مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۰۲

[4] القرآن الکریم ۱۰/ ۳

تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ"[1]۔	بغیر ستون کے بلند کیا تم دیکھ رہے ہو پھر عرش پر استواء فرمایا (ت)

سورہ طٰہٰ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں فرمایا:

"تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ؕ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى" [2]۔	قرآن نازل کردہ ہے اس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا زمین کو اور بلند آسمانوں کو، وہ رحمٰن ہے جس نے عرش پر استوافرمایا۔ (ت)

سورہ فرقان میں فرمایا:

"الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ"[3]۔	وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور ان دونوں کے درمیان کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر استواء فرمایا (ت)

سورہ رعد میں فرمایا:

"هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ"[4]۔	وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر استواء فرمایا (ت)

یہ مطالب کہ اول سے یہاں تک اجمالاً مذکور ہوئے صدہا ائمہ دین کے کلمات عالیہ میں ان کی تصریحات جلیہ ہیں انہیں نقل کیجئے تو دفتر عظیم ہو، اور فقیر کو اس رسالہ میں التزام ہے کہ جن کتابوں کے نام مخالف گمنام نے اغوائے عوام کے لیے لکھ دیئے ہیں اس کے رَد میں انہی کی عبارتیں نقل کرے کہ مسلمان دیکھیں کہ وہابی صاحب کس قدر بے حیا، بیباک، مکار، چالاک، بد دین، ناپاک ہوتے ہیں کہ جن کتابوں میں اُن کی گمراہیوں کے صریح رَد لکھے ہیں انہی کے نام اپنی سند میں لکھ دیتے ہیں۔ ع

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

(چور کیسا دلیر ہے کہ ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے ہے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۲

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۴و۵

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۵۹

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۴

مباحث آئندہ میں جو عبارات ان کتابوں کی منقول ہوں گی انہیں سے ان شاء اللہ العظیم یہ سب بیان واضح ہوجائیں گے یہاں صرف آیات متشابہات کے متعلق بعض عبارات نقل کروں جن سے مطلب سابق بھی ظاہر ہو اور یہ بھی کھل جائے کہ آیہ کریمہ الرحمن علی العرش استوٰی آیات متشابہات سے ہے، اور یہ بھی کہ جس طرح مخالف کا مذہب نامہذب یقیناً صریح ضلالت اور مخالف جملہ اہل سنت ہے۔ یونہی اجمالاً اس آیت کے معنی جاننے پر مخالف سلف صالح وجمہور ائمہ اہلسنت وجماعت ہے۔

(۱) موضح القرآن کی عبارت اوپر گزری۔

(۲) معالم ومدارک وکتاب الاسماء والصفات وجامع البیان کے بیان یہاں سُنئے کہ یہ پانچوں کتابیں بھی اُنہیں کتب سے ہیں جن کا نام مخالف نے گِن دیا۔ معالم التنزیل میں ہے:

اما اھل السنة یقولون الاستواء علی العرش صفة للہ تعالٰی بلا کیف یجب علی الرجل الایمان بہ ویکل العلم فیہ الی اللہ عزوجل۔[1]	یعنی رہے اہلسنت، وہ یہ فرماتے ہیں کہ عرش پر استواء اللہ عزوجل کی ایک صفت بے چونی وچگونگی ہے، مسلمان پر فرض ہے کہ اُس پر ایمان لائے اور اس کے معنی کا علم خدا کو سونپے۔

مخالف کو سُوجھے کہ اُسی کی مستند کتاب نے خاص مسئلہ استواء میں اہلسنت کا مذہب کیا لکھا ہے شرم رکھتا ہے تو اپنی خرافات سے باز آئے اور عقیدہ اپنا مطابق اعتقاد اہلسنت کرے۔

(۳) اُسی میں ہے:

ذھب الاکثرون الی ان الواو فی قولہ، والراسخون واو الاستئناف وتم الکلام عند قولہ ومایعلم تاویلہ الا اللہ وھو قول ابی بن کعب	یعنی جمہور ائمہ دین صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ والراسخون فی العلم سے جدا بات شروع ہوئی پہلا کلام وہیں پُورا ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا،

[1] معالم التنزیل تحت الآیۃ ۷/ ۵۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۳۷

وعائشة وعروة بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنھم،و روایة طاؤس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما و بہ قال الحسن واکثر التابعین واختارہ الکسائی و الفراء والاخفش(الٰی ان قال)ومما یصدق ذلك قراءة عبد اللہ ان تاویلہ الا عند اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنّاو فی حرف ابی ویقول الراسخون فی العلم اٰمنّا بہ،وقال عمر بن عبدالعزیز فی ھٰذہ الایة انتھی علم الراسخین فی العلم تاویل القرآن الی ان قالوا اٰمنّا بہ کل من عند ربنا وھٰذا القول اقیس فی العربیة واشبہ بظاھر الاٰیة۔[1]	یہی قول حضرت سیدّ قاریان صحابہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے،اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا،اور یہی مذہب امام حسن بصری و اکثر تابعین کا ہے،اور اسی کو امام کسائی وفراء واخفش نے اختیار کیااور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اس قراءت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات تشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں، اور پکے علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت بھی اسی معنی کی تصدیق کرتی ہے۔امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایاان کی تفسیر میں محکم علم والوں کامنتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رُو سے زیادہ دلنشین اور ظاہر آیت سے بہت موافق ہے۔

(۴)مدارک التنزیل میں ہے۔

منہ اٰیت محکمٰت احکمت عبارتھا بان حفظت من الاحتمال و	یعنی قرآن عظیم کی بعض آیتیں محکمات ہیں جن کے معنی صاف ہیں احتمال واشتباہ کو ان میں

[1] معالم التنزیل تحت الآیة ۳/ ۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۱۴و ۲۱۵

الاشتباہ ھن ام الکتب. اصل الکتاب تحمل المتشابھات علیھا وترد الیھا واخرمتشابھات مشتبھات محتملات مثال ذٰلك الرحمن علی العرش استوی فالا ستواء یکون بمعنی الجلوس وبمعنی القدرۃ و الاستیلاء و لا یجوز الاوّل علی اللہ تعالٰی بدلیل المحکم وھو قولہ تعالٰی لیس کمثلہ شیئ. فاما الذین فی قلوبھم زیغ میل عن الحق وھم اھل البدع فیتبعون ماتشابہ، فیتعلقون بالمتشابہ الذی یحتمل مایذھب الیہ المبتدع ممالا یطابق المحکم ویحتمل مایطابقہ من قول اھل الحق منہ ابتغاء الفتنۃ طلب ان یفتنوا الناس دینھم ویضلوھم وابتغاء تاویلہ وطلب ان یؤولوہ التاویل الذی یشتھونہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ ای لایھتدی الٰی تاویلہ الحق الذی یجب ان یحمل علیہ الاّ اللہ[1] اھ مختصرًا۔	گزر نہیں یہ آیات توکتاب کی اصلی ہیں کہ متشابہات انہیں پر حمل کی جائیں گی اور اُن کے معنی انہیں کی طرف پھیرے جائیں گے اور بعض دوسری متشابہات ہیں جن کے معنی میں اشکال و احتمال ہے جیسے کریمہ الرحمٰن علی العرش استوی بیٹھنے کے معنی پر بھی آتا ہے اور قدرت و غلبہ کے معنی پر بھی اور پہلے معنی اللہ عزوجل پر محال ہیں کہ آیات محکمات اللہ تعالٰی کو بیٹھنے سے پاک و منزہ بتارہی ہیں اُن محکمات سے ایک یہ آیت ہے لیس کمثلہ شیئ اللہ کے مثل کوئی چیز نہیں، پھر وہ جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں اور وہ بدمذہب لوگ ہوئے وہ تو آیات متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں ایسی آیتوں کی آڑ لیتے ہیں جن میں ان کی بدمذہبی کے معنی کا احتمال ہوسکے جو آیات محکمات کے مطابق نہیں اور اس مطلب کا بھی احتمال ہو جو محکمات کے مطابق اور اہلسنت کامذہب ہے وہ بدمذہب اُن آیات متشابہات کی آڑ اس لیے لیتے ہیں کہ فتنہ اٹھائیں لوگوں کو سچے دین سے بہکائیں ان کے وہ معنی بتائیں جو اپنی خواہش کے موافق ہوں، اور انکے معنی تو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ، اللہ ہی کو خبر ہے کہ ان کے حق معنی کیا ہیں جن پر ان کا اتارنا واجب ہے انتہی۔

گمراہ شخص آنکھیں کھول کر دیکھے کہ یہ پاکیزہ تقریر یہ آیت و تفسیر اس کی گمراہی کا کیسارد واضح و

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۳/ ۷ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۴۶

منیر ہے۔ والحمدللہ رب العلمین۔

(۵) امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں فرماتے ہیں:

الاستواء فالمتقدمون من اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم کانو الا یفسرونہ ولا یتکلمون فیہ کنحو مذھبھم فی امثال ذٰلک۔[1]	ہمارے اصحاب متقدمین رضی اللہ تعالٰی عنھم استواء کے کچھ معنی نہ کہتے تھے نہ اس میں اصلاً زبان کھولتے جس طرح تمام صفات متشابہات میں اُن کا یہی مذہب ہے۔

(۶) اُسی میں ہے:

حکینا عن المتقدمین من اصحابنا ترک الکلام فی امثال ذلک، ھذا مع اعتقادھم نفی الحد والتشبیہ و التمثیل عن اللہ سبحٰنہ وتعالٰی۔[2]	ہم اپنے اصحاب متقدمین کا مذہب لکھ چکے کہ ایسے نصوص میں اصلاً لب نہ کھولتے اور اس کے ساتھ یہ اعتقاد رکھتے کہ اللہ تعالٰی محدود ہونے یا مخلوق سے کسی بات میں متشابہ و مانند ہونے سے پاک ہے۔

(۷) اُسی میں یحیٰی بن یحیٰی سے روایت کی:

کنا عند مالك بن انس فجاء رجل فقال یا ابا عبدا للہ الرحمن علی العرش استوی فکیف استوٰی ؟ قال فاطرق مالك راسه حتی علاہ الرحضاء ثم قال الاستواء غیر مجھول والکیف غیر معقول والایمان به واجب، والسؤل عنه بدعة، وما اراك الامبتدعا فامر به ان یخرج۔[3]	ہم امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابوعبداللہ! رحمٰن نے عرش پر استواء فرمایا یہ استواء کس طرح ہے؟ اس کے سنتے ہی امام نے سر مبارک جھکالیا یہاں تک کہ بدن مقدس پسینہ پسینہ ہوگیا، پھر فرمایا: استواء مجہول نہیں اور کیفیت معقول نہیں اور اس پر ایمان فرض اور اس سے استفسار بدعت اور میرے خیال میں تو ضرور بدمذہب ہے، پھر حکم دیا کہ اسے نکال دو۔

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی، المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۰

[2] کتاب الاسماء والصفات باب قول اللہ تعالٰی یعیسی علیہ السلام انی متوفیك ورافعك الی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۶۹

[3] کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمن علی العرش الخ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۰و۱۵۱

(۸) اُسی میں عبداللہ بن صالح بن مسلم سے روایت کی:

سئل ربیعة الرأی عن قول اللہ تبارك وتعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی کیف استوٰی ؟قال الکیف غیر معقول والاستواء غیر مجھول ویجب علیّ وعلیك الایمان بذلك کله۔[1]	یعنی امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن استاذ امام مالک سے جنہیں بوجہ قوت عقل و کثرت قیاس ربیعۃ الرائے لکھا جاتا یہی سوال ہوا، فرمایا کیفیت غیر معقول ہے اور اللہ تعالٰی کا استواء مجہول نہیں اور مجھ پر اور تجھ پر ان سب باتوں پر ایمان لانا واجب ہے۔

(۹) اُسی میں بطریق امام احمد بن ابی الحواری امام سفیٰن بن عیینہ سے روایت کی کہ فرماتے:

ماوصف اللہ تعالٰی من نفسه فی کتابه فتفسیرہ تلاوته والسکوت علیه۔[2]	یعنی اس قسم کی جتنی صفات اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں اپنے لیے بیان فرمائی ہیں ان کی تفسیر یہی ہے کہ تلاوت کیجئے اور خاموش رہیے۔

بطریق اسحٰق بن موسٰی انصاری زائد کیا:

لیس لاحد ان یفسرہ بالعربیة ولا بالفارسیة۔[3]	کسی کو جائز نہیں کہ عربی میں خواہ فارسی کسی زبان میں اس کے معنی کہے۔

(۱۰) اُسی میں حاکم سے روایت کی انہوں نے امام ابوبکر احمد بن اسحٰق بن ایوب کا عقائد نامہ دکھایا جس میں مذہب اہلسنت مندرجہ تھا اس میں لکھا ہے:

الرحمن علی العرش استوی بلاکیف[4]۔	رحمٰن کا استواء بیچون وبیچگون ہے۔

(۱۱) اسی میں ہے:

والاثار عن السلف فی مثل ھذا کثیرة وعلٰی ھذہ الطریقة یدل مذھب الشافعی رضی اللہ تعالٰی عنه	یعنی اس باب میں سلف صالح سے روایات بکثرت ہیں اور اس طریقہ سکوت پر ایمان شافعی کا مذہب دلالت کرتا ہے اور یہی مسلک

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ عزوجل الرحمن علی العرش استوٰی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۱

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ عزوجل الرحمن علی العرش ۲/ ۱۵۱ وباب ماذکر فی یمین والکف ۲/ ۱۵۱

[3] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی اثبات العین المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۴۲

[4] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ عزوجل الرحمن علی العرش استوٰی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۲

والیھاذھب احمد بن حنبل والحسین بن الفضل البلخی ومن المتاخرین ابوسلیمن الخطابی۔[1]	امام احمد بن حنبل وامام حسین بن فضل بلخی اور متاخرین سے امام ابوسلیمن خطابی کا ہے۔

الحمدللہ امام اعظم سے روایت عنقریب آتی ہے، ائمہ ثلٰثہ سے یہ موجود ہیں، ثابت ہوا کہ چاروں اماموں کا اجماع ہے کہ استواء کے معنی کچھ نہ کہے جائیں اس پر ایمان واجب ہے اور معنی کی تفتیش حرام یہی طریقہ جملہ سلف صالحین کا ہے۔

(۱۲) اُسی میں امام خطابی سے ہے

"ونحن احری بان لانتقدم فیما تأخر عنه من ھو اکثر علما و اقدم زمانا وسنا، ولکن الزمان الذی نحن فیه قد صار اھله حزبین منکرلما یروی من نوع ھٰذہ الاحادیث راسا ومکذب به اصلا، وفی ذلك تکذیب العلماء الذین ردوا ھٰذہ الاحادیث وھم ائمة الدین ونقلة السنن والواسطة بیننا وبین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم، والطائفة الاخرٰی مسلمة للروایة فیھا ذاھبة فی تحقیق منھا مذھبا یکاد یفضی بھم الی القول بالتشبیه ونحن نرغب عن الامرین معًا، ولا نرضی بواحد منھما مذھبا، فیحق علینا ان نطلب	یعنی جب اُن ائمہ کرام نے جو ہم میں سے علم میں زائد اور زمانے میں مقدم اور عمر میں بڑے تھے متشابہات میں سکوت فرمایا تو ہمیں ساکت رہنا اور ان کے معنی کچھ نہ کہنا اور زیادہ لائق تھا مگر ہمارے زمانے میں دو گروہ پیدا ہوئے ایک تو اس قسم کی حدیثوں کو سرے سے رَد کرتا اور جھوٹ بتاتا ہے، اس میں علمائے رواۃ احادیث کی تکذیب لازم آتی ہے، حالانکہ وہ دین کے امام ہیں اور سنتوں کے ناقل اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک ہمارے وسائط و رسائل۔ اور دوسرا گروہ ان روایتوں کو مان کر ان کے ظاہری معنی کی طرف ایسا جاتا ہے کہ اس کا کلام اللہ عزوجل کو خلق سے مشابہ کردینے تک پہنچنا چاہتا ہے اور ہمیں یہ دونوں باتیں ناپسند ہیں ہم ان میں سے کسی کو مذہب بنانے پر راضی نہیں، تو ہمیں ضرور ہوا کہ اس باب میں

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ عزوجل الرحمن علی العرش المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۲

لما یرد من ھٰذہ الاحادیث اذا صحت من طریق فالنقل و السند، تاویلا یخرج علی معانی اصول الدین ومذاھب العلماء و لاتبطل الروایۃ فیھا اصلا، اذا کانت طرقھا مرضیۃ ونقلتھا عدولا۔[1]	جو صحیح حدیثیں آئیں اُن کی وہ تاویل کردیں جس سے ان کے معنی اصول عقائد وآیات محکمات کے مطابق ہوجائیں اور صحیح روایتیں کہ علماء ثقات کی سند سے آئیں باطل نہ ہونے پائیں۔

(۱۳) امام ابوالقاسم لالکائی کتاب السنہ میں سیدنا امام محمد سردار مذہب حنفی تلمیذ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ فرماتے:

اتفق الفقھاء کلھم من المشرق الی المغرب علی الایمان بالقرآن و بالاحادیث التی جاء بھا الثقات عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی صفۃ الرب من غیر تشبیہ ولا تفسیر فمن فسر شیئا من ذلك فقد خرج عما کان علیہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و فارق الجماعۃ فانھم لم یصفوا ولم یفسروا ولکن اٰمنوا بما فی الکتاب والسنۃ ثم سکتوا۔[2]	شرق سے غرب تک تمام ائمہ مجتہدین کا اجماع ہے کہ آیات قرآن عظیم واحادیث صحیحہ میں جو صفاتِ الٰہیہ آئیں ان پر ایمان لائیں بلا تشبیہ و بلا تفسیر توجو ان میں سے کسی کے معنی بیان کرے وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے طریقے سے خارج اور جماعتِ علماء سے جدا ہوا اس لیے کہ ائمہ نے نہ ان صفات کا کچھ حال بیان فرمایا نہ اُن کے معنی کہے بلکہ قرآن وحدیث پر ایمان لاکر چپ رہے۔

طرفہ یہ کہ امام محمد کے اس ارشاد و ذکر اجماع ائمہ امجاد کو خود ذہبی نے بھی کتاب العلو میں نقل کیا اور کہا محمد سے یہ اجماع لالکائی اور ابو محمد بن قدامہ نے اپنی کتابوں میں روایت کیا بلکہ خود ابن تیمیہ مخذول بھی اُسے نقل کرگیا۔ **وللہ الحمد ولہ الحجۃ السامیۃ** (حمد اللہ تعالٰی کے لیے ہے اور غالب حجت اسی کی ہے۔ت)

(۱۴) نیز مدارک میں زیر سورہ طٰہٰ ہے:

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماذکر فی القدم الرجل المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۸۶

[2] کتاب السنۃ امام ابو القاسم لالکائی

والمذهب قول علی رضی الله تعالٰی عنه الاستواء غیر مجهول والتکیف غیر معقول والایمان به واجب و السوال عنه بدعة لانه تعالٰی کان ولا مکان فهو علی ما کان قبل خلق المکان لم یتغیر عما کان۔[1]	مذہب وہ ہے جو مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ استواء مجہول نہیں اور اس کی چگونگی عقل میں نہیں آسکتی اُس پر ایمان واجب ہے اور اس کے معنی سے بحث بدعت ہے اس لیے کہ مکان پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالٰی موجود تھا اور مکان نہ تھا پھر وہ اپنی اُس شان سے بدلا نہیں یعنی جیسا جب مکان سے پاک تھا اب بھی پاک ہے۔

گمراہ اپنی ہی مستند کی اس عبارت کو سوجھے اور اپنا ایمان ٹھیک کرے۔

(۱۵) اسی میں زیر سورہ اعراف یہی قول امام جعفر صادق و امام حسن بصری و امام اعظم ابو حنیفہ و امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہم سے نقل فرمایا[2]۔

(۱۶) یہی مضمون جامع البیان سورہ یونس میں ہے۔

الاستواء معلوم والکیفیة مجهولة والسؤال عنه بدعة۔[3]	استواء معلوم ہے اور اس کی کیفیت مجہول ہے اور اس سے بحث و سوال بدعت ہے۔(ت)

(۱۷) یہی مضمون سورہ رعد میں سلف صالح سے نقل کیا کہ:

قال السلف الاستواء معلوم والکیفیة مجهولة۔[4]	سلف نے فرمایا: استواء معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔(ت)

(۱۸) سورہ طٰہٰ میں لکھا ہے:

سئل الشافعی عن الاستواء فاجاب اٰمنت بلاتشبیه واتهمت	یعنی امام شافعی سے استواء کے معنی پوچھے گئے، فرمایا: میں استواء پر ایمان لایا اور

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۳/ ۵ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۸

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۷/ ۵۴ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۵۶

[3] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیة ۱۰/ ۳ دار نشر الکتب الاسلامیه گوجرانواله ۱/ ۲۹۲

[4] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیة ۱۳/ ۲ دار نشر الکتب الاسلامیه گوجرانواله ۱/ ۳۴۵

نفسی فی الادراك وامسکت عن الخوض فیه کل الامساک۔[1]	وہ معنی نہیں ہوسکتے جن میں اللہ تعالٰی کی مشابہت مخلوق سے نکلے اور میں اپنے آپ کو اُس کے معنی سمجھنے میں متہم رکھتا ہوں مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں کہ اس کے صحیح معنی سمجھ سکوں لہٰذا میں نے اس میں فکر کرنے سے یک قلم قطعی دست کشی کی۔

(۱۹) سورہ اعراف میں لکھا:

اجمع السلف علٰی ان استواءہ علی العرش صفة له بلا کیف نؤمن به ونکل العلم الی اللہ تعالٰی۔[2]	سلف صالح کا اجماع ہے کہ عرش پر استواء اللہ تعالٰی کی ایک صفت بیچون وبے چگون ہے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ان کا علم خدا کو سونپتے ہیں۔

(۲۰) طرفہ یہ کہ سورہ اعراف میں تو صرف اتنا لکھا کہ اس کے معنی ہم کچھ نہیں جانتے اور سورہ فرقان میں لکھا۔

قدمر فی سورۃ الاعراف تفصیل معناہ۔[3]	اس کے معنی کی تفصیل سورہ اعراف میں گزری۔

یونہی سورہ سجدہ میں لکھا قدمر فی سورۃ الاعراف[4]۔ (سورہ اعراف میں گزرا۔ت)

یونہی سورہ حدید میں قدمر تفصیله فی سورۃ الاعراف وغیرھا[5]۔ (اس کی تفصیل سورہ اعراف وغیرہ میں گزر چکی ہے۔ت)

دیکھو کیسا صاف بتایا کہ اس کے معنی کی تفصیل یہی ہے کہ ہم کچھ نہیں جانتے، اب تو کھلا کہ وہابیہ مجسمہ کا اپنی سند میں کتاب الاسماء و معالم ومدارک وجامع البیان کے نام لے دینا

---

[1] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیۃ ۲۰/ ۵ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۲/ ۱۶و۱۵

[2] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیۃ ۷/ ۵۴ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۱/ ۲۲۳

[3] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیۃ ۲۵/ ۵۹ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۲/ ۸۹

[4] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیۃ ۳۲/ ۴ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۲/ ۱۵۷

[5] جامع البیان محمد بن عبدالرحمن الشافعی آیۃ ۵۷/ ۴ دارنشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۲/ ۳۳۶

کیسی سخت بے حیائی تھا۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

وہابیہ مجسّمہ کی بد دینی

صفات متشابہات کے باب میں اہلسنت کا عقیدہ تو معلوم ہولیا کہ ان میں ہمارا حصہ بس اس قدر ہے کہ اللہ تعالٰی کی جو کچھ مراد ہے ہم اس پر ایمان لائے، ظاہر لفظ سے جو معنی ہماری سمجھ میں آتے ہیں ان سے اللہ تعالٰی یقینًا پاک ہے اور مراد الٰہی پر ہمیں اطلاع نہیں لہذا ہم اُن کے معنی کچھ کہہ ہی نہیں سکتے یا بطورِ تاویل کچھ کہیں بھی تو وہی کہیں گے جو ہمارے رب کی شان قدوسی کے لائق اور آیاتِ محکمات کے مطابق اور اہلسنت کو اللہ تعالٰی نے صراط مستقیم عطا فرمائی ہے وہ ہمیشہ راہ وسط ہوتی ہے اس کے دونوں پہلوؤں پر افراط و تفریط دو ہولناک مہلک گھاٹیاں ہیں اسی لیے اکثر مسائل میں اہلسنت دو فرقہ متناقض کے وسط میں رہتے ہیں جیسے رافضی ناصبی یا خارجی مرجی یا قدری جبری یا باطنی ظاہری یا وہابی بدعتی یا اسمٰعیل پرست گور پرست وعلٰی ہذاالقیاس اسی طرح یہاں بھی دو فرقہ باطلہ نکلے معطلہ و مشبہہ، معطلہ جنہیں جہمیہ بھی کہتے ہیں صفات متشابہات سے یکسر منکر ہی ہوگئے یہاں تک کہ ان کا پہلا پیشوا جعد بن درہم مردود کہتا کہ نہ اللہ تعالٰی نے ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کو اپنا خلیل بنایا نہ موسٰی کلیم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے کلام فرمایا، یہ گمراہ لوگ اپنے افراط کے باعث "اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۚ"[1]۔ (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ت) سے بے بہرہ ہوئے ان کی طرف نقیض پر انتہائے تفریط میں مشبہہ آئے جنہیں حشویہ و مجسمہ بھی کہتے ہیں ان خبیثوں نے صاف صاف مان لیا کہ ہاں اللہ تعالٰی کے لیے مکان ہے جسم ہے جہت ہے۔ اور جب یہ سب کچھ ہے تو پھر چڑھنا اترنا اٹھنا بیٹھنا چلنا ٹھہرنا سب آپ ہی ثابت ہے، یہ مردود وہی ہوئے جنہیں قرآن عظیم نے "فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ"[2]۔ (ان کے دلوں میں زیغ ہے۔ت) فرمایا اور گمراہ فتنہ پرداز بتایا تھا۔ وہابیہ ناپاک کو آپ جانیں کہ سب گمراہوں کے فضلہ خوار ہیں مختلف بدمذہبوں سے کچھ کچھ عقائد ضلالت لے کر آپ بھرت پورا کیا ہے یہاں بھی نہ چوکے، اور ان کے پیشوا اسمٰعیل نے صراط نامستقیم میں جو اپنے جاہل پیر کی اللہ تعالٰی سے

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] القرآن الکریم ۳/ ۷

دوستانہ ملاقات اور ہاتھ سے ہاتھ ملاکر گڈ مارننگ (Good Morning) ثابت کی تھی۔ (دیکھو کتاب مستطاب الکوکبة الشھابیہ علی کفریات ابی الوھابیہ) لہٰذا اس کے بعضے سپوت صاف صاف مجسمہ مبہوت کا مذہب مقوت مان گئے اور اس کی جڑ بھی وہی ان کا پیشوائے قبیح اپنے رسالہ ایضاح الحق الصریح میں جما گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو مکان و جہت سے پاک جاننا بدعت وضلالت ہے جس کے رَد میں کوکبہ شہابیہ نے تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ اہل سنت و جماعت کے عقیدے میں اللہ تعالیٰ کے لیے مکان نہیں، نہ اس کے لیے فوق یا تحت کوئی جہت ہوسکتی ہے[1]۔ اور بحر الرائق و عالمگیری کی یہ عبارت:

یکفر باثبات المکان للہ تعالیٰ[2]	یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مکان ماننے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔

اور فتاوٰی امام اجل قاضی خاں کی یہ عبارت:

رجل قال خدائے برآسمان می داند کہ من چیزے ندارم یکون کفرا لان اللہ تعالیٰ منزہ عن المکان[3]۔	یعنی کسی نے کہا خدا آسمان پر جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں کافر ہوگیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔

اور فتاوٰی خلاصہ کی یہ عبارت:

لو قال نردبان بنہ و بآسمان برآئے و باخدا جنگ کن یکفر، لانہ اثبت المکان للہ تعالیٰ[4]۔	اگر کوئی یہ کہے نیزہ لے اور آسمان پر جا اور خدا سے جنگ کر، تو کافر ہوجائے گا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے مکان مانا۔ (ت) (دیکھو کوکبہ شہابیہ)

انہیں مجسمہ گستاخ کے تازہ افراخ سے ایک صاحب سہسوانی بکاسہ لیسی گمراہ ہزاری غلام نواب بھوپال قنوجی آنجہانی از سر نو اس فتنہ خوابیدہ کے بادی و بانی اور اس سُبوح قدوس جل جلالہ

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب پنجم در الٰہیات سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۴۱

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب السیر، الباب التاسع نوری کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۵۹، بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۲۰

[3] فتاوٰی قاضی خان کتاب السیر باب مایکون کفرًا من المسلم نولکشور لکھنو ۴/ ۸۸۴

[4] خلاصة الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر فصل ۲ جنس ۲ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۴

کی شان میں مدعی عیوب جسمی و مکانی ہوئے، چہارم محرم الحرام ۱۳۱۸ ہجریہ قدسیہ کو اس باب اور انہیں صاحب کے متعلق دو امر دیگر میں حضرت تاج المحققین عالم اہلسنت دام ظلہم العالی سے استفتاء ہوا حضرت نے نفس حکم بنہایت اجمال ارشاد فرمایا: پونے دو مہینے کے بعد بست و ششم ۲۶ صفر کو ان کے متعلق ایک پریشان تحریر گمراہی و جہالت و سفاہت وضلالت کی بولتی تصویر آئی ایسے ہذیانات کیا قابلِ التفات مگر حفظ عقائد عوام و نصرت سنت واسلام کے لحاظ سے یہ چند سطور لوجہ اللہ مسطور، اہلِ حق بنگاہِ انصاف نظر فرمائیں اور امر عقائد میں کسی گمراہ مکار کے کہنے میں نہ آئیں۔

وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔ (مجھے توفیق صرف اللہ تعالٰی سے ہے اسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔ت)

مسئلہ ۵۱: از سہسوان قاضی محلّہ مرسلہ حاجی فرحت علی صاحب ۴ محرم ۱۳۱۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ رب العزت عرش پر بیٹھا ہے اور کہیں نہیں ہے شرعًا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

اللہ عزوجل مکان وجہت وجلوس وغیرہا تمام عوارض جسم و جسمانیات وعیوب و نقائص سے پاک ہے، یہ لفظ کہ اس شخص نے کہا سخت گمراہی کے معنی دیتا ہے اس پر توبہ لازم ہے عقیدہ اپنا مطابق اہل سنت کرے، **واللہ الھادی۔**

نقل تحریر ضلالت تخمیر از نجدی بقیر:

مسئلہ: اللہ تعالٰی کا عرش پر ہی ہونا:

الجواب:

الرحمن علی العرش استوٰی اللہ تعالٰی عرش پر بیٹھا یا چڑھا یا ٹھہرا۔ ان تین معنی کے سوا اس آیت میں جو کوئی اور معنی کہے گا وہ بدعتی ہے، اللہ تعالٰی نے اپنے کلام شریف میں سات جگہ اس مضمون کو ذکر فرمایا ہے۔ دیکھو فتح الرحمٰن تفسیر قاری شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی و تفسیر موضح القرآن

مؤلفہ شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی وترجمہ لفظی شاہ رفیع الدین صاحبِ دہلوی وکتاب الاسماء والصفات بیہقی وکتاب العلوامام ذہبی و تفسیر ابن کثیر و معالم التنزیل و جامع البیان و مدارک وغیرہا اور محیط ہونا باری تعالٰی کا ہر چیز پر فقط ازروئے علم ہے۔**قال تعالٰی**: "اَحَاطَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ﴿۱۲﴾"[1]۔ (اللہ تعالٰی نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا) احادیثِ صریحہ صحیحہ سے عرش کا مکانِ الٰہی ہونا ثابت ہے، چنانچہ بخاری کی معراج کی حدیث میں فرمایا: **وھو فی مکانہ**[2] (اور وہ اپنے مکان میں ہے۔ت) اور مشکوۃ کے باب الاستغفار والتوبہ میں مسند احمد کی حدیث میں وارد ہے کہ:

وعزتی وجلالی وارتفاع مکانی الخ[3]۔	میری عزت، میرے جلال اور میرے بلند مکان کی قسم الخ (ت)

ہاں جن صفات سے کلامِ شارع ساکت ہے اُن میں سکوت لازم ہے بعض اشخاص بریلی نے جو علمِ منقول وعقائد اہلِ حق سے بے بہرہ ہیں اس عقیدہ صحیحہ کے معتقد کو بزور گمراہی گمراہ بنایا "وَمَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ"[4]۔ (ان کو اس کا علم نہیں۔ت) ایسے شخص سے اہلِ اسلام کو بچنا چاہیے۔

ضربِ قہاری

(۱۳۱۸ھ)

مسلمانو! دیکھو اس گمراہ نے ان چند سطور میں کیسی کیسی جہالتیں ضلالتیں تناقض سفاہتیں اللہ ورسول پر افتراء علما وکتب پر تہمتیں بھردی ہیں۔

اولاً: ادعا کیا کہ استواء علی العرش میں بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کے سوا جو کوئی اور معنی کہے بدعتی ہے اور اسی کی سند میں بکمال جرات وبے حیائی ان نوکتابوں کے نام گن دیئے۔

ثانیاً: زعم کیا کہ احاطہ الٰہی صرف ازرُوئے علم ہے حالانکہ اس مسئلہ کا یہاں کچھ ذکر نہ تھا مگر اس نے اس بیان سے اپنی وہ گمراہی پالنی چاہی ہے۔ کہ اللہ تعالٰی عرش پر ہے اور عرش کے سوا

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۲

[2] صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی وکلم اللہ موسٰی تکلیمًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۰

[3] مشکوۃ المصابیح باب الاستغفار والتوبۃ الفصل الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۲۰۴

[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۸

کہیں نہیں۔

ثالثًا: مُنہ بھر کر اُس سبّوح قدوس کو گالی دی کہ اس کے لیے مکان ثابت ہے، عرش اس کا مکان ہے، اور اس کے ثبوت میں بزورِ زبان دو حدیثیں نقل کردیں۔

رابعًا: یہ تین دعوے تو منطوق عبارت تھے مفہوم استثناء سے بتایا کہ استواء علی العرش کے معنی اللہ تعالٰی کا عرش پر بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا مطابق سنت ہیں۔

خامسًا: اپنے معبود کو بٹھانے، چڑھانے، ٹھہرانے ہی پر قناعت نہ کی بلکہ ان لفظوں کے مفہوم سے کہ جن صفات سے کلامِ شارع ساکت ہے ان میں سکوت لازم ہے تمام متشابہات استواء کی طرح انہیں معانی پر محمول کرلیں جو اُن کے ظاہر سے مفہوم ہوتے ہیں۔

سادسًا: باوصف ان کے اصل دعوی یہ ہے کہ خدا عرش کے سوا کہیں نہیں۔

ہم بھی ان چھ باتوں کو بعونہ تعالٰی اسی ترتیب پر چھ تپانچوں سے خبر لیں اور ساتویں تپانچے میں دو مسئلہ باقیہ کے متعلق اجمالی گوشمالی کریں **وباللہ التوفیق۔**

پہلا تپانچہ

گمراہ نے ادعا کیا کہ اللہ تعالٰی کے بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کے سوا جو کوئی اور معنی استواء کے کہے بدعتی ہے، اور اس پر اُن نو [۹] کتابوں کا حوالہ دیا۔

ضربِ اوّل: فقیر نے اگر یہ التزام نہ کیا ہوتا کہ اُس کی گنائی ہوئی کتابوں سے سند لاؤں گا تو آپ سیر دیکھتے کہ یہ تپانچہ اس گمراہ کو کیونکر خاک وخون میں لٹاتا مگر اجمالاً اقوال مذکورہ بالا ہی ملاحظہ ہوجائیں کہ اس گمراہ نے کس کس امامِ دین وسنت کو بدعتی بنا دیا، [۱] امام ابوالحسن علی ابن بطالی، [۲] امام ابن حجر عسقلانی، [۳] امام ابوطاہر قزوینی، [۴] امام عارف شعرانی، [۵] امام جلال الدین سیوطی، [۶] امام اسمٰعیل ضریر [۷] حتی کہ خود امام اہلسنت سیدنا امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، تو کم از کم اس ضرب کو سات [۷] ضرب سمجھئے بلکہ تیرہ [۱۳] کہ امام نسفی وامام بیہقی وامام بغوی وامام علی بن محمد ابوالحسن طبری وامام ابوبکر بن فورک وامام ابو منصور بن ابی ایوب کے اقوال عنقریب آتے ہیں۔ یہ حضرات بھی اس بدعتی کے طور پر معاذ اللہ بدعتی ہوئے، اور بیس [۲۰] ضرب اوپر گزریں جملہ تینتس [۳۳] ہوئیں، آگے چلیے اور اب صرف اس کے مستندوں سے اس کی خبر لیجئے۔

ضرب ۳۴: مدارک شریف سورہ سجدہ میں استواء علی العرش کا حاصل اس کا احداث اور

پیدا کرنا لیا یہ انہیں معنی سوم کے قریب ہے جو اُوپر گزرے۔

ضرب ۳۵: اس سورۃ اور سورہ فرقان کے سوا کہ وہاں استواء کی تفسیر سے سکوت مطلق ہے باقی پانچوں جگہ اُس کے معنی استیلاء وغلبہ و قابو بتائے۔ حدید میں ہے: ثم استوی استولی علی العرش [1]۔ (پھر عرش پر استواء فرمایا۔ت) رعد میں ہے:

استولی بالاقتدار ونفوذ السلطان [2]	اقتدار اور حکومت کا مالک ہوا۔ (ت)

اعراف میں ہے:

اضاف الاستیلاء الی العرش وان کان سبحنہ وتعالٰی مستولیا علی جمیع المخلوقات لان العرش اعظمہا و اعلاہا [3]۔	یعنی اللہ تعالٰی کا قابو اس کی تمام مخلوقات پر ہے، خاص عرش پر قابو ہونے کا ذکر اس لیے فرمایا کہ عرش سب مخلوقات سے جسامت میں بڑا اور سب سے اوپر ہے۔

ضرب ۳۶: سورہ طٰہٰ میں بعد ذکر معنی استیلاء ایک وجہ یہ نقل فرمائی۔

لما کان الاستواء علی العرش وھو سریر الملك مما یردف الملك جعلوہ کنایۃ عن الملك فقال استوٰی فلان علی العرش ای ملك وان لم یقعد علی السریر البتۃ وھذا کقولك ید فلان مبسوطۃ ای جواد وان لم یکن لہ ید رأسا [4]۔	یعنی جب کہ تخت نشینی آثار شاہی سے ہے تو عرف میں تخت نشینی بولتے اور اس سے سلطنت مراد لیتے ہیں، کہتے ہیں فلاں شخص تخت نشین ہوا، یعنی بادشاہ ہوا اگرچہ اصلاً تخت پر نہ بیٹھا ہو، جس طرح تیرے اس کہنے سے کہ فلاں کا ہاتھ کشادہ ہے اُس کا سخی ہونا مراد ہوتا ہے اگرچہ وہ سرے سے ہاتھ ہی نہ رکھتا ہو۔

حاصل یہ کہ استواء علی العرش بمعنی بادشاہی ہے حقیقۃً بیٹھنا ہرگز لازم نہیں، جب

---

[1] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیۃ ۵۷/ ۴ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۲۳

[2] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیۃ ۱۳/ ۲ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۲۴۱

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیۃ ۷/ ۵۴ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۵۶

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیۃ ۲۰/ ۵ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۸

خلق کے باب میں یہ محاورہ ہے جن کا اٹھنا بیٹھنا سب ممکن، تو خالق عزوجل کے بارے میں اُس سے معاذ اللہ حقیقۃً بیٹھنا سمجھ لینا کیسا ظلمِ صریح ہے۔

ضرب ۳۷: معالم سورہ اعراف کا بیان تو وہ تھا کہ اہلسنت کا طریقہ سکوت ہے اتنا جانتے ہیں کہ استواء اللہ تعالٰی کی ایک صفت ہے اوراس کے معنٰی کا علم اللہ کے سپرد ہے، یہ طریقہ سلف صالحین تھا، سورہ رعد میں استواء کو علو سے تاویل کیا۔ یہ معنی دوم ہیں کہ اوپر گزرے۔

ضرب ۳۸: امام بیہقی نے کتاب الاسماء میں دربارہ استواء ائمہ متقدمین کا وہ مسلک ارشاد فرمایا جس کا بیان اوپر گزرا۔ پھر فرمایا:

وذھب ابوالحسن علی بن اسمعیل الاشعری الی ان اللہ تعالٰی جل ثناؤہ فعل فی العرش فعلا سمّاہ استواء کما فعل فی غیرہ فعلا سماہ رزقا اونعمۃ اوغیرھما من افعالہ ثم لم یکیف الاستواء الا انہ جعلہ من صفات الفعل لقولہ تعالٰی ثم استوی علی العرش وثم للتراخی والتراخی انما یکون فی الافعال وافعال اللہ تعالٰی توجد بلامباشرۃ منہ ایاھا ولا حرکۃ۔[1]	یعنی امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے عرش کے ساتھ کوئی فعل فرمایا ہے جس کا نام استواء رکھا ہے جیسے من وتو زید وعمرو کے ساتھ افعال فرمائے اور اُن کا نام رزق ونعمت وغیرہ رکھا اس فعل استواء کی کیفیت ہم نہیں جانتے اتنا ضرور ہے کہ اس کے افعال میں مخلوق کے ساتھ ملنا، چھونا، ان سے لگا ہوا ہونا یا حرکت کرنا نہیں جیسے بیٹھنے چڑھنے وغیرہ میں ہے اور استواء کے فعل ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا پھر عرش پر استواء کیا تو معلوم ہوا کہ استواء حادث ہے پہلے نہ تھا اور حدوث افعال میں ہوسکتا ہے اللہ تعالٰی کی صفات ذات حدوث سے پاک ہیں، تو ثابت ہوا کہ استواء اللہ تعالٰی کی کوئی صفت ذاتی نہیں بلکہ اس کے کاموں میں سے ایک کام ہے جس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں۔

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۲

ضرب ۳۹: ابوالحسن علی بن محمد طبری وغیرہ ائمہ متکلمین سے نقل فرمایا:

القدیم سبحنه عال علی عرشه لا قاعد ولا قائم ولا مماس و لامبائن عن العرش، یرید به مباینة الذات التی هی بمعنی الاعتزال او التباعد لان المماسة و المباینة التی هی ضدها والقیام والقعود من اوصاف الاجسام، والله عزوجل احد صمد لم یلد ولم یولد و لم یکن له کفوا احد، فلا یجوز علیه مایجوز علی الاجسام تبارك وتعالٰی۔[1]	مولٰی تعالٰی عرش پر علو رکھتا ہے مگر نہ اُس پر بیٹھا ہے نہ کھڑا، نہ اس سے لگا ہوا نہ اس معنٰی پر جُدا کہ اس سے ایک کنارے پر ہو یا دور ہو کہ لگا یا الگ ہونا اور اٹھنا بیٹھنا تو جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالٰی احد صمد ہے، نہ جنا نہ جنا گیا، نہ اس کے جوڑ کا کوئی، تو جو باتیں اجسام پر روا ہیں اللہ عزوجل پر روا نہیں ہوسکتیں۔

ضرب ۴۰: امام استاذ ابوبکر بن فورک سے نقل فرمایا کہ انہوں نے بعض ائمہ اہلسنت سے حکایت کی:

استوٰی بمعنی علا ولا یرید بذلك علوا بالمسافة و التحیز والکون فی مکان متمکنا فیه ولکن یرید معنی قول الله عزوجل ءامنتم من فی السماء ای من فوقها علٰی معنی نفی الحد عنه وانه لیس مما یحویه طبق او یحیط به قطر۔[2]	یعنی استواء بمعنی علو ہے اور اس سے مسافت کی بُلندی یا مکان میں ہونا مراد نہیں بلکہ یہ کہ وہ حدو نہایت سے پاک ہے، عرش وفرش کا کوئی طبقہ اُسے محیط نہیں ہوسکتا نہ کوئی مکان اسے گھیرے، اسی معنی پر قرآن عظیم میں اُسے آسمان کے اوپر فرمایا، یعنی اس سے بلند و بالا ہے کہ آسمان میں سماسکے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں:

قلت وھو علی ھذہ الطریقة من	حاصل یہ کہ اس طریقہ پر استواء صفات ذات

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمٰن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۲

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمٰن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۲۔۱۵۳

صفات الذات و کلمة ثم تعلقت بالمستوی علیه. لا بالاستواء وھو کقوله عزوجل ثم الله شھید علٰی مایفعلون یعنی ثم یکون عملھم فیشھدہ وقد اشار ابو الحسن علی بن اسمعیل الٰی ھٰذہ الطریقة حکایة، فقال وقال بعض اصحابنا انه صفة ذات ولا یقال لم یزل مستویا علٰی عرشه کما ان العلم بان الاشیاء قد حدثت من صفات الذات، ولا یقال لم یزل عالما بان قد حدثت ولما حدثت بعد[1]۔	سے ہوگا کہ اللہ سبحٰنہ بذاتہ اپنی تمام مخلوق سے بُلند وبالا ہے، نہ بُلندی مکان بلکہ بُلندیِ مالکیت وسلطان، اور اب پھر کا لفظ نظر بحدوث عرش ہوگا کہ وہ بُلندی ذاتی ہر حادث سے اس کے حدوث کے بعد متعلق ہوتی ہے جیسے قرآن عظیم میں فرمایا کہ پھر اللہ شاہد ہے اُن کے افعال پر یعنی جب ان کے افعال پیدا ہوئے تو شہود الٰہی ان سے متعلق ہوا جس طرح علمِ الٰہی قدیم ہے مگر یہ علم کہ چیز حادث ہوگئی اس کے حدوث کے بعد ہی متعلق ہوگا یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ازل میں جانتا تھا کہ اشیاء پیدا ہوچکیں حالانکہ ہنوز ناپیدا تھیں۔

ضرب ۴۱: پھر امام اہلسنت قدس سرہ سے نقل فرمایا:

وجوابی ھو الاول وھو انّ الله مستوی علی عرشه وانه فوق الاشیاء بائن منھا بمعنی انھا لا تحله ولا یحلھا ولا یمسھا ولا یشبھھا ولیست البینونة بالعزلة، تعالی الله ربنا عن الحلول والمماسة علوًا کبیرا[2]۔	میرا قول وہی پہلا ہے کہ اللہ عزوجل نے عرش کے ساتھ فعلِ استواء کیا اور ایک عرش ہی کیا وہ تمام اشیاء سے بالا اور سب سے جدا ہے بایں معنٰی کہ نہ اشیاء اس میں حلول کریں نہ وہ اُن میں، نہ وہ ان سے مَس کرے نہ اُن سے کوئی مشابہت رکھے، اور یہ جدائی نہیں کہ اللہ تعالٰی اشیاء سے ایک کنارے پر ہو، ہمارا رب حلول و مس وفاصلہ وعزلت سے بہت بلند ہے، جل وعلا۔

دیکھو ائمہ اہلسنت بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے کی کیسی جڑ کاٹ رہے ہیں۔

---

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمٰن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۳

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمٰن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۳

ضرب ۴۲: پھر امام اہلسنت سے نقل فرمایا:

وقد قال بعض اصحابنا ان الاستواء صفة الله تعالٰی ینفی الاعوجاج عنه[1]۔	یعنی بعض ائمہ اہلسنت نے فرمایا کہ صفت استواء کے معنی ہیں کہ اللہ عزوجل کجی سے پاک ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں، ت) اس تقدیر پر استواء صفات سلبیہ سے ہوگا جیسے غنی یعنی کسی کا محتاج نہیں، یونہی مستوی یعنی اس میں کجی اور اعوجاج نہیں، اور اب علٰی ظرفِ مستقر ہوگا اور اسی علو ملک و سلطان کا مفید، اور ثم تراخی فی الذکر کے لیے، (ت) **کقوله تعالٰی:** "ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا"[2] (پھر ایمان والوں میں ہوا۔ت) **وقوله تعالٰی** "خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹"[3] (اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس کو فرمایا ہوجا، تو وہ ہوگیا۔ت) **والله تعالٰی اعلم۔**

ضرب ۴۳: پھر امام استاذ ابو منصور ابن ابی ایوب سے نقل فرمایا کہ انہوں نے مجھے لکھ بھیجا:

ان کثیرا من متاخری اصحابنا ذهبوا الٰی ان الاستواء هو القهر والغلبة، و معناه ان الرحمٰن غلب العرش و قهره، وفائدته الاخبار عن قهره مملوكاته، وانها لم تقهره وانما خص العرش بالذكر لانه اعظم المملوكات فنبه بالاعلی علی الادنی، قال والاستواء بمعنی القهر و الغلبة شائع فی اللغة كما یقال استوٰی فلان علی الناحیة اذا غلب اهلها وقال الشاعر فی	یعنی بہت متاخرین علمائے اہل سنت اس طرف گئے کہ استواء بمعنی قہر و غلبہ ہے، آیت کے معنی یہ ہیں کہ رحمٰن عزجلالہ عرش پر غالب اور اس کا قاہر ہے، اور اس ارشاد کا فائدہ یہ خبر دینا ہے کہ مولٰی تعالٰی اپنی تمام مملوکات پر قابو رکھتا ہے مملوکات کا اس پر قابو نہیں اور عرش کا خاص ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ جسامت میں سب مملوکات سے بڑا ہے، تو اس کے ذکر سے باقی سب پر تنبیہ فرمادی اور استواء بمعنی قہر و غلبہ زبانِ عرب میں شائع ہے۔ پھر نثر و نظم سے اس کی نظریں پیش کیں کہ

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی باب ماجاء فی قول الله تعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۹۰/ ۱۷

[3] القرآن الکریم ۳/ ۵۹

بشر بن مروان۔ قد استوی بشر علی العراق من غیر سیف ودم مهراق یرید انه غلب اهله من غیر محاربة۔[1]	جب کوئی شخص کسی بستی والوں پر غالب آجائے تو کہا جاتا ہے استوٰی فلان علی الناحیة اور شاعر نے بشر بن مروان کے بارے میں کہا تحقیق بشر عراق پر غالب آگیا تلوار کے ساتھ خون بہائے بغیر، شاعر کی مراد یہ ہے کہ وہ جنگ کیے بغیر بستی والوں پر غالب آگیا۔ (ت)

گمراہ وہابیو! تم نے دیکھا کہ تمہاری ہی پیش کردہ کتابوں نے تمہیں کیا کیا سزائے کردار کو پہنچایا مگر تمہیں حیا کہاں!

دُوسرا اتپانچہ:

جاہل بے خرد نے بک دیا کہ اللہ تعالٰی کا احاطہ فقط ازرُوئے علم ہے اس میں اللہ تعالٰی کی قدرت کا بھی منکر ہوا، اللہ عزوجل کی صفت بصر سے بھی بے بصر ہوا، اپنی مستندہ کتابوں کا بھی خلاف کیا، خود اپنی بیہودہ تحریر سے بھی تناقض واختلاف کیا۔ وجوہ سنیئے۔

ضرب ۴۴: قال اللہ تعالٰی:

"اَلَآ اِنَّهُمْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ ﴿۵۴﴾"[2]	سنتا ہے وہ شک میں ہیں اپنے رب سے ملنے سے، سُنتا ہے خدا ہر چیز کو محیط ہے۔

ضرب ۴۵: قال اللہ تعالٰی:

"وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾"[3]۔	اللہ ہر شے کو محیط ہے۔

ضرب ۴۶: قال اللہ تعالٰی:

"وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىٕهِمْ مُّحِیْطٌ ﴿۲۰﴾"[4]۔	اللہ ان کے آس پاس سے محیط ہے۔

ان تینوں آیتوں میں اللہ عزوجل کو محیط بتایا ہے، احاطہ علم کی آیت جُدا ہے۔

---

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی الرحمن علی العرش استوٰی المکتبة الاثریة سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۳

[2] القرآن الکریم ۴۱/ ۵۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۶

[4] القرآن الکریم ۸۵/ ۲۰

"وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا۠ "[1]۔	بے شک اللہ تعالٰی کا علم ہر شے کو محیط ہے۔(ت)

ضرب ۴۷: ترجمہ رفیعیہ میں ہے: خبر دار ہو تحقیق وہ بیچ شک کے ہیں ملاقات پروردگار اپنے کی سے، خبر دار ہو تحقیق وہ ہر چیز کو گھیر رہا ہے[2]۔

ضرب ۴۸: اسی میں ہے۔ اور ہے اللہ ساتھ ہر چیز کے گھیرنے والا،[3]

ضرب ۴۹: اُسی میں ہے: اور اللہ اُن کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔[4]

ضرب ۵۰: موضح القرآن میں ہے: سنتا ہے وہ دھوکے میں ہیں اپنے رب کی ملاقات سے، سُنتا ہے وہ گھیر رہا ہے ہر چیز کو۔[5]

ضرب ۵۱: اُسی میں زیر آیتِ ثالثہ ہے: اور اللہ نے اُن کے گرد سے گھیرا ہے۔[6]

ان دونوں تیرے مستند مترجموں نے بھی یہ احاطہ خود اللہ عزوجل ہی کی طرف نسبت کیا۔

ضرب ۵۲: اُسی میں زیر آیت ثانیہ ہے: اللہ کے ڈھب میں ہے، سب چیز[7]۔ یہ احاطہ ازروئے قدرت لیا۔

ضرب ۵۳: جامع البیان میں زیر آیت اُولٰی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۱۲

[2] ترجمہ شاہ رفیع الدین آیۃ ۴۱ / ۵۴ ممتاز کمپنی لاہور ص ۵۲۹ و ۵۳۰

[3] ترجمہ شاہ رفیع الدین آیۃ ۴/ ۱۲۶ ممتاز کمپنی لاہور ص ۱۰۹

[4] ترجمہ شاہ رفیع الدین آیۃ ۸۵/ ۱۲ ممتاز کمپنی لاہور ص ۶۵

[5] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر ۱۲۱ تاج کمپنی لاہور ص ۵۱۱

[6] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر ۱۲۱ تاج کمپنی لاہور ص ۱۶۷

[7] موضح القرآن ترجمہ وتفسیر شاہ عبدالقادر ۱۲۱ تاج کمپنی لاہور ص ۱۲۰

الکل تحت علمه وقدرته [1]۔	یعنی سب اُس کے علم و قدرت کے نیچے ہیں۔

ضرب ۵۴: زیر آیت ثانیہ ہے: بعلمه وقدرته۔ اللہ علم و قدرت دونوں کی رُو سے محیط ہے [2]۔ ضرب ۵۵: مدارک شریف میں زیر آیت ثالثہ ہے:

ضعالم باحوالهم وقادر علیهم وهم لایعجزونه۔ [3]	یعنی اللہ اُن کے احوال کا عالم اور ان پر قادر ہے وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے۔

ضرب ۵۶: کتاب الاسماء میں ہے:

المحیط راجع الی کمال العلم و القدرة [4]۔	اسم الٰہی محیط کے معنی کمال علم و قدرت کی طرف راجع ہیں۔

ان تیرے مستندوں نے احاطہ فقط از روئے علم ہونا کیسا باطل کیا۔ ضرب ۵۷: اللہ عزوجل کی بصر بھی محیط ہے، قال تعالٰی:

"اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍۭ بَصِیْرٌ ⑲" [5]۔	اللہ تعالٰی ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔

ضرب ۵۸: اس کا سمع بھی محیط اشیاء ہے۔

کما حققه عالم اهل السنة مدظله فی منهیات سبحن السبوح۔	جیسا کہ عالم اہلسنت نے سبحٰن السبوح کے منہیات میں اس کی تحقیق فرمائی ہے (ت)

ضرب ۵۹: قدرت بھی محیط ہے، قال تعالٰی:

"اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ⑳ؑ" [6]۔	بے شک اللہ تعالٰی ہر شے پر قادر ہے۔ (ت)

ضرب ۶۰: خالقیت بھی محیط ہے، قال تعالٰی:

"خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ" [7]۔	اللہ تعالٰی ہر شے کا خالق ہے پس اسی کی عبادت کرو۔ (ت)

[1] جامع البیان لمحمد بن عبدالرحمن آیہ ۴۱/ ۵۴ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۲/ ۲۵۲

[2] جامع البیان لمحمد بن عبدالرحمن آیہ ۴۱/ ۵۴ دار نشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ ۱/ ۱۴۶

[3] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) آیة ۸۵/ ۲۰ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۳۴۷

[4] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی ابواب ذکر الاسماء التی متبع فی التشبیه الخ. المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱/ ۸۱

[5] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۹

[6] القرآن الکریم ۲/ ۲۰ و ۲/ ۱۰۶ و ۲/ ۱۰۹ و ۲/ ۱۴۸ وغیرہ

[7] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۲

ضرب ۶۱: مالکیت بھی محیط ہے قال تعالٰی۔

"بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ﴿۸۳﴾"[1]۔	اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کا قبضہ ہے۔(ت)

اس بے خرد وہابی نے فقط از روئے علم کہہ کر ان تمام صفات الٰہیہ کے احاطہ سے انکار کردیا، آنکھیں رکھتا ہو تو سوجھے کہ اپنی گہری جہالت کی گھٹاٹوپ اندھیری میں کتنی آیتوں کا رد کر گیا۔

بالجملہ اگر مذہب متقدمین لیجئے تو ہم ایمان لائے کہ ہمارے مولٰی تعالٰی کا علم محیط ہے جیساکہ سورہ طلاق میں فرمایا، اور احاطہ علم کے معنی ہمیں معلوم ہیں کہ۔

"لَا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ"[2]۔	اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔(ت)

اور ہمارا مولٰی عزوجل محیط ہے جیساکہ سورہ نساء سورہ فصلت وسورہ بروج میں ارشاد فرمایا اور اس کا احاطہ ہماری عقل سے وراء ہے۔

"اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ"[3]	ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔(ت)

اور اگر مسلک متاخرین چلیے تو اللہ تعالٰی جس طرح از روئے علم محیط ہے یونہی از روئے قدرت واز روئے سمع واز راہ بصر واز جہت ملک واز وجہ خلق وغیر ذلک، تو فقط علم میں احاطہ منحصر کردینا ان سب صفات وآیات سے منکر ہوجانا ہے۔

ضرب ۶۲: بے وقوف چند سطر بعد مانے گا کہ جتنی صفتیں کلامِ شارع میں وارد ہیں اُن سے سکوت نہ ہوگا، یہاں احاطہ ذات سے سکوت کیسا، انکار کر گیا مگر وہابی را حافظہ نباشد، یہ کیسا صریح تناقض ہے۔

تیسرا تپانچہ:
اصل تپانچہ قیامت کا تپانچہ جس سے مجسمی گمراہی کا سرمہ ہوجائے

بدمذہب گمراہ نے صاف بک دیا کہ اس کا معبود مکان رکھتا ہے عرش پر بستا ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۸۳

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۳

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

تعالٰی اللہ عما یقول الظلمون علوا کبیرا o اللہ تعالٰی اس سے بہت بلند ہے جو ظالم کہتے ہیں ت)

ضرب ۶۳: وہابیہ مجسمہ کے پیر مغاں اسمٰعیل آنجہانی علیہ ماعلیہ کے دادا پیر اور استاد اور باپ یعنی جناب شاہ عبدالعزیز صاحب کا ارشاد اوپر گزرا کہ اہلسنت کے اعتقاد میں اللہ تعالٰی عزوجل مکان سے پاک ہے، اس کے بدعتی ہونے میں انہیں کا فتوی کافی۔

ضرب ۶۴ تا ۶۷: بحرالرائق و عالمگیری و قاضی خان و فتاوٰی خلاصہ کی عبارتیں بھی اوپر گزریں کہ جو اللہ عزوجل کے لیے مکان مانے کافر ہے۔

یہ تو اوپر کے پانچ تھے اب اصل طرز کے لیجئے یعنی اس کی مستند کتابوں سے اُسے رگیدنا، پھر کچھ دلائل قاطعہ عقلیہ ونقلیہ کے جگر دوز جوشن گزار تیروں سے مجسمیت کا کلیجا چھیدنا، وباللہ التوفیق ووصول التحقیق۔

ضرب ۶۸: مدارک شریف سورہ اعراف میں ہے:

انہ تعالٰی کان قبل العرش ولا مکان و ھو الاٰن کما کان، لان التغیر من صفات الاکوان[1]۔	بے شک اللہ تعالٰی عرش سے پہلے موجود تھا جب مکان کا نام و نشان نہ تھا اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا جب تھا اس لیے کہ بدل جانا تو مخلوق کی شان ہے۔

ضرب ۶۹: یونہی سورہ طٰہ میں تصریح فرمائی کہ عرش مکانِ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل مکان سے پاک ہے، عبارت سابقاً منقول ہوئی۔

ضرب ۷۰: سورہ یونس میں فرمایا:

ای استولی فقد یقدس الدیان جل و عزعن المکان والمعبود عن الحدود[2]۔	استواء بمعنی استیلاء وغلبہ ہے نہ بمعنی مکانیت اس لیے کہ اللہ عزوجل مکان سے پاک اور معبود جل وعلا حدو نہایت سے منزہ ہے۔

ہزار نفرین اُس بیحیا آنکھ کو جو ایسے ناپاک بول بول کر ایسی کتابوں کا نام لیتے ہوئے ذرا نہ جھپکے۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۷/ ۵۴ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۵۶

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۱۰/ ۳ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۵۳

ضرب ۷۱: امام بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں امام اجل ابو عبداللہ حلیمی سے زیر اسم پاک متعالی نقل فرماتے ہیں:

معناہ المرتفع عن ان یجوز علیه مایجوز علی المحدثین من الازواج والاولادو الجوارح والاعضاء و اتخاذ السریر للجلوس علیه، والا حتجاب بالستور عن ان تنفذ الابصار الیه، و الانتقال من مکان الٰی مکان، ونحو ذلك فان اثبات بعض ھذہ الاشیاء یوجب النھایة وبعضھا یوجب الحاجة، وبعضھا یوجب التغیر والاستحالة، و شیئ من ذٰلك غیر لائق بالقدیم ولا جائز علیه۔[1]	یعنی نام الٰہی متعالی کے یہ معنی ہیں کہ اللہ عزوجل اس سے پاک و منزہ ہے کہ جو باتیں مخلوقات پر روا ہیں جیسے جورو، بیٹا، آلات، اعضاء، تخت پر بیٹھنا، پردوں میں چھپنا، ایک مکان سے دوسرے کی طرف انتقال کرنا (جس طرح چڑھنے، اُترنے، چلنے، ٹھہرنے میں ہوتا ہے) اس پر روا ہوسکیں اس لیے کہ ان میں بعض باتوں سے نہایت لازم آئے گی بعض سے احتیاج بعض سے بدلنا متغیر ہونا اور ان میں سے کوئی امر اللہ عزوجل کے لائق نہیں، نہ اس کے لیے امکان رکھے۔

کیوں پچتائے تو نہ ہوگے کتاب الاسماء کا حوالہ دے کر، تف ہزار تُف وہابیہ مجسمہ کی بے حیائی پر۔

ضرب ۷۲: باب ماجاء فی العرش میں امام سلیمٰن خطابی علیہ الرحمۃ سے نقل فرماتے ہیں:

لیس معنی قول المسلمین ان اللہ تعالٰی استوٰی علی العرش ھو انه مماس له او متمکن فیه، اومتحیز فی جھة من جھاته، لکنه بائن من جمیع خلقه، وانما ھو خبر جاء به التوقیف فقلنا به، ونفینا عنه التکیف اذ لیس کمثله شیئ وھو	مسلمانوں کے اس قول کے کہ اللہ تعالٰی عرش پر ہے، یہ معنی نہیں کہ وہ عرش سے لگا یا ہوا ہے یا وہ اس کا مکان ہے یا وہ اس کی کسی جانب میں ٹھہرا ہوا ہے بلکہ وہ تو اپنی تمام مخلوق سے نرالا ہے یہ تو ایک خبر ہے کہ شرع میں وارد ہوئی تو ہم نے مانی اور چگونگی اس سے دور و مسلوب جانی اس لیے کہ اللہ کے مشابہ کوئی

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر الاسماء التی تتبع نفی التشبیه المکتبة الاثریه سانگلہ ہل ۱/۲، ۷۱ و ۷۲

السمیع العلیم[1]۔	چیز نہیں اور وہی ہے سننے دیکھنے والا۔

ضرب ۷۳: اس سے گزرا کہ اللہ عزوجل کے علو سے اس کا امکان بالا میں ہونا مراد نہیں، مکان اسے نہیں گھیرتا۔

ضرب ۷۴: نیز یہ کلیہ بھی گزرا کہ جو اجسام پر روا ہے اللہ عزوجل پر روا نہیں۔

ضرب ۷۵: اُسی میں یہ حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طبقات آسمان پھر ان کے اوپر عرش پھر طبقاتِ زمین کا بیان کرکے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم احدکم بحبل الی الارض السابعۃ لھبط علی اللہ تبارك وتعالٰی ثم قرأرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و ھو الاول والاخر والظاھر والباطن۔[2]	قسم اس کی جس کے دستِ قدرت میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم کسی کو رسی کے ذریعہ سے ساتویں زمین تک لٹکاؤ تو وہاں بھی وہ اللہ عزوجل ہی تک پہنچے گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ اللہ ہی ہے اول وآخر وظاہر و باطن۔

اس حدیث کے بعد امام فرماتے ہیں:

الذی روی فی اٰخر ھٰذا الحدیث اشارۃ الٰی نفی المکان عن اللہ تعالٰی وان العبد اینما کان فھو فی القرب و البعد من اللہ تعالٰی سواء وانہ الظاھر، فیصح ادراکہ بالدلالۃ، الباطن فلا یصح ادراکہ بالکون فی مکان۔[3]	اس حدیث کا پچھلا فقرہ اللہ عزوجل سے نفی مکان پر دلالت کرتا ہے اور یہ کہ بندہ کہیں ہو اللہ عزوجل سے قُرب و بعد میں یکساں ہے، اور یہ کہ اللہ ہی ظاہر ہے تو دلائل سے اُسے پہچان سکتے ہیں اور وہی باطن ہے کسی مکان میں نہیں کہ یوں اسے جان سکیں۔

اقول: یعنی اگر عرش اُس کا مکان ہوتا تو جو ساتویں زمین تک پہنچا وہ اس سے کمال دوری و بعد پر ہو جاتا نہ کہ وہاں بھی اللہ ہی تک پہنچتا، اور مکانی چیز کا ایک آن میں دو مختلف

---

[1] کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی العرش والکرسی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۳۹

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر الاسماء التی تتبع نفی التشبیہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۲/ ۱۴۴

[3] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر الاسماء التی تتبع نفی التشبیہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۲/ ۱۴۴

مکان میں موجود ہونا محال اور یہ اس سے بھی شنیع تر ہے کہ عرش تا فرش تمام مکانات بالا وزیریں دفعۃً اس سے بھرے ہوئے مانو کہ تجزیہ وغیرہ صدہا استحالے لازم آنے کے علاوہ معاذ اللہ اللہ تعالٰی کو اسفل وادنی کہنا بھی صحیح ہوگا لاجرم قطعًا یقینًا ایمان لانا پڑے گا کہ عرش وفرش کچھ اس کا مکان نہیں، نہ وہ عرش میں ہے نہ ماتحت الثرٰی میں، نہ کسی جگہ میں ہاں اس کا علم و قدرت و سمع وبصر وملک ہر جگہ ہے۔ جس طرح امام ترمذی نے جامع میں ذکر فرمایا:

واستدل بعض اصحابنا فی نفی المکان عنہ تعالٰی بقول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انت الظاھر فلیس فوقك شیئ وانت الباطن فلیس دونك شیئ واذا لم یکن فوقہ شیئ ولا دونہ شیئ لم یکن فی مکان[1] ۔	یعنی اور بعض ائمہ اہلسنت نے اللہ عزوجل سے نفی مکان پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا کہ اپنے رب عزوجل سے عرض کرتے ہیں تو ہی ظاہر ہے تو کوئی تجھ سے اوپر نہیں، اور تو ہی باطن ہے تو کوئی تیرے نیچے نہیں، جب اللہ عزوجل سے نہ کوئی اوپر ہوا نہ کوئی نیچے تو اللہ تعالٰی کسی مکان میں نہ ہوا۔

یہ حدیث صحیح مسلم شریف وسنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے وروا ہ البیہقی فی الاسم الاول والاخر (اسے بیہقی نے اسم اول وآخر میں ذکر کیا ہے۔ت)

اقول: حاصل دلیل یہ کہ اللہ عزوجل کا تمام امکنہ زیر و بالا کو بھرے ہونا تو بداہۃً محال ہے ورنہ وہی استحالے لازم آئیں، اب اگر مکان بالا میں ہوگا تو اشیاء اس کے نیچے ہوں گی اور مکان زیریں میں ہوا تو اشیاء اُس سے اوپر ہوں گی اور وسط میں ہوا تو اوپر نیچے دونوں ہوں گی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی وسلم فرماتے ہیں، نہ اس سے اوپر کچھ ہے نہ نیچے کچھ، تو واجب ہوا کہ مولٰی تعالٰی مکان سے پاک ہو۔

ضرب ۷۷: عرش فرش جگہ کو معاذ اللہ مکانِ الٰہی کہو اللہ تعالٰی ازل سے اس میں متمکن تھا یا اب متمکن ہوا، پہلی تقدیر پر وہ مکان بھی ازلی ٹھہرا اور کسی مخلوق کو ازلی ماننا باجماع مسلمین

---

[1] کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی العرش والکرسی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۴۴

کفر ہے دوسری تقدیر پر اللہ تعالیٰ عزوجل میں تغیر آیا اور یہ خلافِ شان الوہیت ہے۔

ضرب ۷۸: اقول: مکان خواہ بعد موہوم ہو یا مجرد یا سطح حاوی مکین کو اُس کا محیط ہونا لازم، محیط یا مماس بعض شے مکان یا بعض مکان ہے نہ مکان شے، مثلاً ٹوپی کو نہیں کہہ سکتے کہ پہننے والے کا مکان، تم جوتا پہنے ہو تو یہ نہ کہیں گے کہ تمہارا مکان جوتے میں ہے، تو عرش اگر معاذاللہ مکان الٰہی ہو لازم کہ اللہ عزوجل کو محیط ہو، یہ محال ہے۔ قال اللہ تعالیٰ: "وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۠ ﴿۱۲۶﴾"[1] اللہ تعالیٰ عرش وفرش سب کو محیط ہے۔ وہ احاطہ جو عقل سے وراء ہے اور اس کی شان قدوسی کے لائق ہے اس کا غیر اسے محیط نہیں ہو سکتا۔

ضرب ۷۹: نیز لازم کہ اللہ عزوجل عرش سے چھوٹا ہو۔

ضرب ۸۰: نیز محدود محصور ہو۔

ضرب ۸۱: ان سب شناعتوں کے بعد جس آیت سے عرش کی مکانیت نکالی تھی وہی باطل ہو گئی، آیت میں عرش پر فرمایا ہے اور عرش مکانِ خدا ہو تو خدا عرش کے اندر ہوگا نہ کہ عرش پر۔

ضرب ۸۲: اقول: جب تیرے نزدیک تیرا معبود مکانی ہوا تو دو حال سے خالی نہیں جزء لایتجزی کے برابر ہوگا یا اس سے بڑا، اول باطل ہے کہ اس تقدیر پر تیرا معبود ہر چھوٹی چیز سے چھوٹا ہوا، ایک دانہ ریگ کے ہزارویں لاکھوں حصے سے بھی کمتر ہوا، نیز اس صورت میں صدہا آیات واحادیث عین وید ووجہ وساق وغیرہا کا انکار ہوگا کہ جب متشابہات ظاہر پر محمول ٹھہریں تو یہاں بھی معانی مفہومہ ظاہرہ مراد لینے واجب ہوں گے اور جزء لایتجزی کے لیے آنکھ، ہاتھ، چہرہ، پاؤں ممکن نہیں۔ اگر کہیے وہ ایک ہی جزء اِن سب اعضاء کے کام دیتا ہے، لہٰذا ان ناموں سے مسمّٰی ہوا تو یہ بھی باطل ہے کہ **اوّلاً** تو اس کے لیے یہ اشیاء مانی گئی ہیں نہ یہ کہ وہ خود یہ اشیاء ہے۔ **ثانیاً:** **باعیننا** اور **بل یداہ** کا کیا جواب ہوگا کہ جزء لایتجزی میں دو فرض نہیں کر سکتے۔ اور **مبسوطتان** تو صراحۃً اس کا ابطال ہے جوہر فرد میں بسط کہاں، اور ثانی بھی باطل ہے کہ اس تقدیر پر تیرے معبود کے ٹکڑے ہو سکیں گے اس میں حصے فرض کر سکیں گے اور معبود حق عزجلالہ اس سے پاک ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۶

ضرب ۸۳: اقول: جو کسی چیز پر بیٹھا ہو اس کی تین ہی صورتیں ممکن، یا تو وہ بیٹھک اس کے برابر ہے یا اس سے بڑی ہے کہ وہ بیٹھا ہے اور جگہ خالی باقی ہے یا چھوٹی ہے کہ وہ پورا اس بیٹھک پر نہ آیا کچھ حصہ باہر ہے، اللہ عزوجل میں یہ تینوں صورتیں محال ہیں، وہ عرش کے برابر ہو تو جتنے حصے عرش میں ہو سکتے ہیں اس میں بھی ہو سکیں گے، اور چھوٹا ہو تو اسے خدا کہنے سے عرش کو خدا کہنا اولی ہے کہ وہ خدا سے بھی بڑا ہے اور بڑا ہو تو بالفعل حصے متعین ہوگئے کہ خدا کا ایک حصہ عرش سے ملا ہے اور ایک حصہ باہر ہے۔

ضرب ۸۴: اقول: خدا اس عرش سے بھی بڑا بنا سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو عاجز ہوا حالانکہ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" [1] ۔بے شک اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ت) اور اگر ہاں تو اب اگر خدا عرش سے چھوٹا نہیں برابر بھی ہو تو جب عرش سے بڑا بنا سکتا ہے اپنے سے بڑا بھی بنا سکتا ہے کہ جب دونوں برابر ہیں تو جو عرش سے بڑا ہے خدا سے بھی بڑا ہے اور اگر خدا عرش سے بڑا ہی تو غیر متناہی بڑا نہیں ہو سکتا کہ لاتناہی ابعاد دلائل قاطعہ سے باطل ہے لاجرم بقدر متناہی بڑا ہوگا۔ مثلاً عرش سے دونا فرض کیجئے، اب عرش سے سوائی ڈیوڑھی، پون دگنی، تگنی مقداروں کو پوچھتے جائیے کہ خدا ان کے بنانے پر قادر ہے یا نہیں، جہاں انکار کروگے خدا کو عاجز کہوگے اور اقرار کرتے جاؤگے تو وہی مصیبت آڑے آئے گی کہ خدا اپنے سے بڑا بنا سکتا ہے۔

ضرب ۸۵: اقول: یہ تو ضرور ہے کہ خدا جب عرش پر بیٹھے تو عرش سے بڑا ہو ورنہ خدا اور مخلوق برابر ہو جائیں گے یا مخلوق اس سے بڑی ٹھہرے گی، اور جب وہ بیٹھنے والا اپنی بیٹھک سے بڑا ہے تو قطعاً اس پر پورا نہیں آسکتا جتنا بڑا ہے اتنا حصہ باہر رہے گا تو اس میں دو حصے ہوئے ایک عرش سے لگا اور ایک الگ۔ اب سوال ہوگا کہ یہ دونوں حصے خدا ہیں یا جتنا عرش سے لگا ہے وہی خدا ہے باہر والا خدائی سے جدا ہے یا اس کا عکس ہے یا اُن میں کوئی خدا نہیں بلکہ دونوں کا مجموعہ خدا ہے پہلی تقدیر پر دو خدا لازم آئیں گے، دوسری پر خدا و عرش برابر ہوگئے کہ خدا تو اتنے ہی کا نام رہا جو عرش سے ملا ہوا ہے۔ تیسری تقدیر پر خدا عرش پر نہ بیٹھا کہ جو خدا ہے وہ الگ ہے اور جو لگا ہے وہ خدا نہیں، چوتھی پر عرش خدا کا مکان نہ ہوا کہ وہ اگر مکان ہے تو اُتنے ٹکڑے کا جو اس سے ملا ہے اور وہ خدا نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۰ و ۱۰۶ و ۱۰۹ و ۱۴۸ وغیرہ

ضرب ۸۶: اقول: جو مکانی ہے اور جزء لایتجزے کے برابر نہیں اسے مقدار سے مفر نہیں اور مقدار غیر متناہی بالفعل باطل ہے اور مقدار متناہی کے افراد نامتناہی ہیں اور شخص معین کو اُن میں سے کوئی قدر معین ہی عارض ہوگی، تو لاجرم تیرا معبود ایک مقدار مخصوص محدود پر ہوا اس تخصیص کو علت سے چارہ نہیں مثلاً کروڑ گز کا ہے تو دو کروڑ کا کیوں نہ ہوا، دو کروڑ کا ہے تو کروڑ کا کیوں نہ ہوا، اس تخصیص کی علت تیرا معبود آپ ہی ہے یا اس کا غیر اگر غیر ہے جب تو سچا خدا وہی ہے جس نے تیرے معبود کو اتنے یا اتنے گز کا بنایا، اور اگر خود ہی ہو تاہم بہر حال اس کا حادث ہونا لازم کہ امورِ متساویۃ النسبۃ میں ایک کی ترجیح ارادے پر موقوف، اور ہر مخلوق بالارادہ حادث ہے تو وہ مقدار مخصوص حادث ہوئی اور مقداری کا وجود بے مقدار کے محال، تو تیرا معبود حادث ہوا اور تقدم الشیئ علی نفسہ کا لزوم علاوہ۔

ضرب ۸۷: اقول: ہر مقدار متناہی قابل زیادت ہے تو تیرے معبود سے بڑا اور اس کے بڑے سے بڑا ممکن۔

ضرب ۸۸: اقول: جہات فوق و تحت دو مفہوم اضافی ہیں ایک کا وجود بے دوسرے کے محال ہر بچہ جانتا ہے کہ کسی چیز کو اوپر نہیں کہہ سکتے جب تک دوسری چیز نیچی نہ ہو، اور ازل میں اللہ عزوجل کے سوا کچھ نہ تھا۔ صحیح بخاری شریف میں عمران بن حصین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کان اللہ تعالٰی ولم یکن شیئ غیرہ[1]۔	اللہ تعالٰی تھا اور اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

تو ازل میں اللہ عزوجل کا فوق یا تحت ہونا محال اور جب ازل میں محال تھا تو ہمیشہ محال رہے گا ورنہ اللہ عزوجل کے ساتھ حوادث کا قیام لازم آئے گا اور یہ محال ہے، کتاب الاسماء والصفات میں امام ابو عبداللہ حلیمی سے ہے:

اذاقیل للہ العزیز فانما یراد بہ الاعتراف لہ بالقدم الذی لایتھیأ معہ تغیرہ عما لم یزل علیہ من القدرۃ والقوۃ و	جب اللہ تعالٰی کو عزیز کہا جائے تو اس سے اس کے قدم کا اعتراف ہے کہ جس کی بناء پر ازل سے اس کی قدرت وطاقت پر کوئی تغیر نہیں ہوا، اور اللہ تعالٰی کی پاکیزگی کی طرف راجع ہے ان چیزوں سے جو

[1] صحیح البخاری کتاب بدءِ الخلق باب ماجاء فی قول اللہ تعالٰی وھو الذی یبدؤ الخلق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۵۳

ذٰلك عائد الی تنزیهه تعالٰی عما یحوز علی المصنوعین لاعراضهم بالحدوث فی انفسهم للحوادث ان تصیبهم وتغیرهم[1]۔	مخلوق کے لیے ہو سکتی ہیں کیونکہ وہ خود اور ان کے حوادث تغیر پاتے ہیں۔(ت)

ضرب ۸۹: اقول: ہر ذی جہت قابل اشارہ حسیہ ہے کہ اُوپر ہوا تو اُنگلی اوپر کو اٹھا کر بتا سکتے ہیں، کہ وہ ہے اور نیچے ہوا تو نیچے کو، اور ہر قابل اشارہ حسیہ متحیز ہے اور متحیز جسم یا جسمانی ہے اور ہر جسم و جسمانی محتاج ہے اور اللہ عزوجل احتیاج سے پاک ہے تو واجب ہوا کہ جہت سے پاک ہو، نہ اوپر ہو نہ نیچے، نہ آگے نہ پیچھے، نہ دہنے نہ بائیں تو قطعًا لازم کہ کسی مکان میں نہ ہو۔

ضرب ۹۰: اقول: عرش زمین سے غایت بعد پر ہے اور اللہ بندے سے نہایت قرب میں۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾"[2]۔	ہم تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔(ت)

قال اللہ تعالٰی:

"اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ"[3]۔	جب تجھ سے میرے متعلق میرے بندے سوال کریں تو میں قریب ہوں۔(ت)

تو اگر عرش پر اللہ عزوجل کا مکان ہوتا اللہ تعالٰی ہر دور تر سے زیادہ ہم سے دور ہوتا، اور وہ بنصِ قرآن باطل ہے۔

ضرب ۹۱: مولٰی تعالٰی اگر عرش پر چڑھا بیٹھا ہے تو اس سے اُتر بھی سکتا ہے یا نہیں، اگر نہیں تو عاجز ہوا اور عاجز خدا نہیں، اور اگر ہاں تو جب اُترے گا عرش سے نیچے ہوگا تو اس کا اسفل ہونا بھی ممکن ہوا اور اسفل خدا نہیں۔

ضرب ۹۲: اقول: اگر تیرے معبود کے لیے مکان ہے اور مکان و مکانی کو جہت سے چارہ نہیں کہ جہات نفس امکنہ ہیں یا حدود امکنہ، تو اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو آفتاب کی طرح صرف ایک ہی طرف ہوگا یا آسمان کی مانند ہر جہت سے محیط، اولٰی باطل ہے بوجوہ۔

---

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر الاسماء التی تتبع نفی التشبیہ الخ. المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱/ ۱۷

[2] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۶

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۶

اولاً: آیہ کریمہ "وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا۠(۱۲۶)"[1]۔ (اللہ تعالٰی کی قدرت ہر چیز کو محیط ہے۔ت) کے مخالف ہے۔

ثانیاً: کریمہ "فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ"[2]۔ (تم جدھر پھر و تو وہاں اللہ تعالٰی کی ذات ہے۔ت) کے خلاف ہے۔

ثالثاً: زمین کروی یعنی گول ہے اور اس کی ہر طرف آبادی ثابت ہوئی ہے اور بحمد اللہ ہر جگہ اسلام پہنچا ہوا ہے نئی پرانی دنیائیں سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کلمے سے گونج رہی ہیں شریعتِ مطہرہ تمام بقاع کو عام ہے۔

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ(۱)"[3]۔	وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے خاص بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ سب جہانوں کے لیے ڈر سنانے والا ہو۔(ت)

اور صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان احدکم اذا کان فی الصّلٰوۃ فان اللہ تعالٰی قبل وجھہ فلا یتنخمن احد قبل وجھہ فی الصّلٰوۃ[4]۔	جب تم میں کوئی شخص نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے منہ کے سامنے ہے تو ہر گز کوئی شخص نماز میں سامنے کو کھکار نہ ڈالے۔

اگر اللہ تعالٰی ایک ہی طرف ہے تو ہر پارہ زمین میں نماز پڑھنے والے کے سامنے کیونکر ہو سکتا ہے۔

رابعاً: ان گمراہوں مکان و جہت ماننے والوں کے پیشواؤں ابن تیمیہ وغیرہ نے اللہ تعالٰی کے جہت بالا میں ہونے پر خود ہی یہ دلیل پیش کی ہے کہ تمام جہان کے مسلمان دعا و مناجات کے وقت ہاتھ اپنے سروں کی طرف اٹھاتے ہیں۔ پُر ظاہر کہ یہ دلیل ذلیل طبل کلیل کہ ائمہ کرام جس کے پرخچے اُڑا چکے اگر ثابت کرے گی تو اللہ عزوجل کا سب طرف سے محیط ہونا کہ ایک ہی طرف ہوتا تو وہیں کے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[4] صحیح البخاری کتاب الاذان باب ھل یلتفت لامر ینزل بہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۴

مسلمان سر کی طرف ہاتھ اٹھاتے جہاں وہ سروں کے مقابل ہے باقی اطراف کے مسلمان سروں کی طرف کیونکر اٹھاتے بلکہ سمت مقابل کے رہنے والوں پر لازم ہوتا کہ اپنے پاؤں کی طرف ہاتھ بڑھائیں کہ ان مجسمہ کا معبود اُن کے پاؤوں کی طرف ہے۔ بالجملہ پہلی شق باطل ہے، رہی دوسری اس پر یہ احاطہ عرش کے اندر اندر ہر گز نہ ہوگا ورنہ استواء باطل ہوجائے گا، ان کا معبود عرش کے اوپر نہ ہوگا نیچے قرار پائے گا، لاجرم عرش کے باہر سے احاطہ کرے گا اب عرش ان کے معبود کے پیٹ میں ہوگا تو عرش اس کا مکان کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ وہ عرش کا مکان ٹھہرا اور اب عرش پر بیٹھنا بھی باطل ہوگیا، کہ جو چیز اپنے اندر ہو اس پر بیٹھنا نہیں کہہ سکتے کیا تمہیں کہیں گے کہ تم اپنے دل یا جگر یا طحال پر بیٹھے ہوئے ہو، گمراہو، حجۃ اللہ یوں قائم ہوتی ہے۔

ضرب ۹۳: اقول: شرع مطہر نے تمام جہان کے مسلمانوں کو نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم فرمایا، یہی حکم دلیل قطعی ہے کہ اللہ عزوجل جہت و مکان سے پاک و بری ہے، اگر خود حضرت عزت جلالہ کے لیے طرف وجہت ہوتی محض مہمل باطل تھا کہ اصل معبود کی طرف منہ کرکے اس کی خدمت میں کھڑا ہونا اس کی عظمت کے حضور پیٹھ جھکانا اس کے سامنے خاک پر منہ ملنا چھوڑ کر ایک اور مکان کی طرف سجدہ کرنے لگیں حالانکہ معبود دوسرے مکان میں ہے، بادشاہ کا مجرئی اگر بادشاہ کو چھوڑ کر دیوان خانہ کی کسی دیوار کی طرف منہ کرکے آداب مجرا بجالائے اور دیوار ہی کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا رہے تو بے ادب مسخرہ کہلائے گا یا مجنون پاگل۔ ہاں اگر معبود سب طرف سے زمین کو گھیرے ہوتا تو البتہ جہت قبلہ مقرر کرنے کی جہت نکل سکتی کہ جب وہ ہر سمت سے محیط ہے تو اس کی طرف منہ تو ہر حال میں ہوگا ہی، ایک ادب قاعدے کے طور پر ایک سمت خاص بنادی گئی، مگر معبود ایسے گھیرے سے پاک ہے کہ یہ صورت دو ہی طور پر متصور ہے، ایک یہ کہ عرش تا فرش سب جگہیں اس سے بھری ہوں جیسے ہر خلا میں ہوا بھری ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ عرش سے باہر باہر افلاک کی طرح محیط عالم ہو اور بیچ میں خلا جس میں عرش و کرسی، آسمان و زمین و مخلوقات واقع ہیں، اور دونوں صورتیں محال ہیں، پچھلی اس لیے کہ اب وہ صمد نہ رہے گا صمد وہ جس کے لیے جوف نہ ہو، اور اس کا جوف تو اتنا بڑا ہوا معنذا جب خالق عالم آسمان کی شکل پر ہوا تو تمہیں کیا معلوم ہوا کہ وہ یہی آسمان اعلیٰ ہو جسے فلک اطلس و فلک الافلاک کہتے ہیں، جب تشبیہ ٹھہری تو اس کے استحالے پر کیا دلیل ہوسکتی ہے اور پہلی صورت اس سے بھی شنیع تر وبدیہی البطلان ہے کہ جب مجسمہ گمراہوں کا وہمی معبود عرش تا فرش ہر مکان کو بھرے ہوئے ہے تو معاذ اللہ ہر پاخانے غسل خانے میں ہوگا مردوں کے پیٹ اور عورتوں کے

رحم میں بھی ہوگا، راہ چلنے والے اسی پر پاؤں اور جوتا رکھ کر چلیں گے معہذا اس تقدیر پر تمہیں کیا معلوم کہ وہ یہی ہوا ہو جو ہر جگہ بھری ہے، جب احاطہ جسمانیہ ہر طرح باطل ہوا تو بالضرورۃ ایک ہی کنارے کو ہوگا اور شک نہیں کہ کرہ زمین کے ہر سمت رہنے والے جب نمازوں میں کعبے کو منہ کریں گے تو سب کا منہ اس ایک ہی کنارے کی طرف نہ ہوگا جس میں تم نے خدا کو فرض کیا ہے بلکہ ایک کا منہ ہے تو دوسرے کی پیٹھ ہوگی، تیسرے کا بازو، ایک کا سر ہوگا تو دوسرے کے پاؤں، یہ شریعت مطہرہ کو سخت عیب لگانا ہوگا۔ لاجرم ایمان لانا فرض ہے کہ وہ غنی بے نیاز مکان وجہت وجملہ اعراض سے پاک ہے **وللہ الحمد**۔

ضرب ۹۴: اقول: صحیحین میں ابوہریرہ اور صحیح مسلم میں ابوہریرہ وابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ینزل ربنا کل اللیلۃ الی سماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاٰخر فیقول من یدعونی فاستجیب لہ الحدیث[1]۔	ہمارا رب عزوجل ہر رات تہائی رات رہے اس آسمانِ زیریں تک نزول کرتا اور ارشاد فرماتا ہے، ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں۔

اور ارصاد صحیحہ متواترہ نے ثابت کیا ہے کہ آسمان وزمین دونوں گول بشکل کُرہ ہیں، آفتاب ہر آن طلوع وغروب میں ہے، جب ایک موضع میں طالع ہوتا ہے تو دوسرے میں غروب ہوتا ہے، آٹھ پہر یہی حالت ہے تو دن اور رات کا ہر حصہ بھی یونہی آٹھ پہر باختلاف مواضع موجود رہے گا اس وقت یہاں تہائی رات رہی تو ایک لحظہ کے بعد دوسری جگہ تہائی رہے گی جو پہلی جگہ سے ایک مقدار خفیف پر مغرب کو ہٹی ہوگی ایک لحظہ بعد تیسری جگہ تہائی رہے گی وعلٰی ہذا القیاس، تو واجب ہے کہ مجسمہ کا معبود جن کے طور پر یہ نزول وغیرہ سب معنی حقیقی پر حمل کرنا لازم، ہمیشہ ہر وقت آٹھوں پہر بارھوں مہینے اسی نیچے کے آسمان پر رہتا ہو، غایت یہ کہ جو جو رات سرکتی جائے خود بھی ان لوگوں کے محاذات میں سرکتا ہو خواہ آسمان پر ایک ہی جگہ بیٹھا آواز دیتا ہو، بہرحال جب ہر وقت اسی آسمان پر براج رہا ہے تو عرش پر بیٹھنے کا کون سا وقت آئے گا اور آسمان پر اترنے کے کیا معنی ہوں گے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب الدعاء والصلوۃ من آخر اللیل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۵۳، صحیح مسلم کتاب صلوۃ المسافرین باب صلوۃ اللیل وعدد رکعات الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۸

بحمد اللہ یہ **بیس ۲۰ دلائل جلائل**، مثبت حق و مبطل باطل ہیں، تین افادہ ائمہ کرام اور سترہ افاضہ مولائے علام کہ بلا مراجعت کتاب ارتجالًا لکھ دیں، چودہ ایک جلسہ واحدہ خفیفہ میں اور باقی تین نماز کے بعد جلسہ ثانیہ میں، اگر کتب کلامیہ کی طرف رجوع کی جائے تو ظاہرًا بہت دلائل ان میں ان سے جدا ہوں گے بہت ان میں جدید و تازہ ہوں گے، اور عجب نہیں کہ بعض مشترک بھی ملیں، مگر نہ زیادہ کی فرصت نہ حاجت، نہ اس رسالے میں کتبِ دیگر سے استناد کا قرار داد، لہٰذا اسی پر اقتصار و قناعت، اور توفیقِ الٰہی ساتھ ہو تو انہیں میں کفایت وہدایت، والحمدللہ رب العلمین۔

اب **رَدِّ جہالاتِ مخالف** لیجئے یعنی وہ جو اس بے علم نے اپنی گمراہی کے زور میں دو حدیثیں پیشِ خویش اپنی مفید جان کر پیش کیں۔

ضرب ۹۵: حدیث صحیح بخاری تو ان علامۃ الدہر صاحب نے بالکل آنکھیں بند کرکے لکھ دی اپنے معبود کا مکانی و جسم ہونا جو ذہن میں جم گیا ہے تو خواہی نخواہی بھی ہرا ہی ہرا سوجھتا ہے حدیث کے لفظ یہ ہیں۔

فقال وھو مکانہ یارب خفف عنّا فان امتی لاتستطیع ھٰذا[1]۔	آپ نے اپنی جگہ پر فرمایا۔اے رب! ہم پر تخفیف فرما کیونکہ میری امت میں یہ استطاعت نہیں۔(ت)

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہوئیں اور حضور سدرہ سے واپس آئے آسمان ہفتم پر موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نے تخفیف چاہنے کے لیے گزارش کی حضور بمشورہ جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم پھر عازمِ سدرہ ہوئے اور اپنے اسی مکان سابق پر پہنچ کر جہاں تک پہلے پہنچے تھے اپنے رب سے عرض کی: الٰہی! ہم سے تخفیف فرمادے کہ میری امت سے اتنی نہ ہوسکیں گی۔

یہاں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مکان ترقی کا ذکر ہے، باؤلے فاضل نے جھٹ ضمیر حضرت عزت کی طرف پھیر دی یعنی حضور نے عرض کی اس حال میں کہ خدا اپنے اسی مکان میں بیٹھا ہوا تھا کہیں چلا نہ گیا تھا۔ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم بصیر صاحب کو اتنی بھی نہ سوجھی کہ وھو مکانہ جملہ حالیہ قال اور اس کے مقولے کے درمیان واقع ہے

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ عزوجل وکلم اللہ موسی تکلیما قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۰

تو اقرب کو چھوڑ کر بلا دلیل کیونکر گھڑ لیا جائے کہ یہ حال حضور سے نہیں اللہ عزوجل سے ہے جو اس جملے میں مذکور بھی نہیں مگر یہ ہے کہ۔

"وَمَنۡ لَّمۡ یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾" [1]۔	جس کے لیے اللہ تعالٰی نُور نہ بنائے تو اس کے لیے نور نہیں۔ (ت)

ضرب ۹۶: اپنی مستند کتاب الاسماء والصفات کو دیکھ کر اس حدیث کے باب میں کیا کیا فرماتے ہیں یہ حدیث شریک بن عبداللہ بن ابی نمر نے (جنہیں امام یحیٰی بن معین وامام نسائی نے **لیس بالقوی** [2]۔ کہا ویسے قوی نہیں، اور تم غیر مقلدوں کے پیشوا ابن حزم نے اسی حدیث کی وجہ سے واہی وضعیف بتایا اور حافظ الشان نے تقریب [3]۔ میں **صدوق یخطی** فرمایا۔) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی جس میں جابجا ثقات حفاظ کی مخالفت کی اس پر کتاب موصوف میں فرماتے ہیں:

وروی حدیث المعراج ابن شھاب الزھری عن انس بن مالك عن ابی ذر وقتادۃ عن انس بن مالك عن مالك بن صعصعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لیس فی حدیث واحد منھما شیئ من ذلک، وقد ذکر شریك بن عبداللہ بن ابی نمر فی روایتہ ھذا ما یستدل بہ علی انہ لم یحفظ الحدیث کما ینبغی لہ۔ [4]	یعنی یہ حدیث معراج امام ابن شہاب زہری نے حضرت انس بن مالک انہوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور قتادہ نے حضرت انس بن مالک انہوں نے حضرت مالک بن صعصعہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ان روایات میں اصلًا ان الفاظ کا پتہ نہیں اور بیشک شریک نے روایت میں وہ باتیں ذکر کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث جیسی چاہیے انہیں یاد نہ تھی۔

ضرب ۹۷: وجوہ مخالفت بیان کرکے فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

[2] میزان الاعتدال بحوالہ النسائی ترجمہ ۳۶۹۶ شریك بن عبداللہ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۶۹

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۲۷۹۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۴۱۸

[4] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی قول اللہ ثم دنا فتدلی الخ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۸۷

ثم ان هذه القصة بطولها انما هی حکایة حکاها شریك عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه من تلقاء نفسه، لم یعزها الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ولارواها عنه ولا اضافها الی قوله وقد خالفه فیما تفرد به منها عبد الله بن مسعود و عائشة و ابو هریرة رضی الله تعالٰی عنهم وهم احفظ و اکبر و اکثر[1]۔	یعنی پھر یہ قصہ حدیث مرفوع نہیں شریک نے صرف حضرت انس کا اپنا قول روایت کیا ہے جسے نہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کیا نہ حضور کا قول روایت کیا اور ان الفاظ میں ان کی مخالفت فرمائی حضرت عبد اللہ بن مسعود و حضرت ام المومنین صدیقہ و حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے، اور وہ حفظ میں زائد، عمر میں زائد، عدد میں زائد۔

ضرب ۹۸: پھر امام ابو سلیمٰن خطابی سے نقل فرمایا:

وفی الحدیث لفظة اخری تفرد بها شریك ایضا لم یذکرها غیره وهی قوله فقال وهو مکانه والمکان لایضاف الی الله تعالٰی سبحٰنه انما هو مکان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم و مقامه الاول الذی اقیم فیه۔[2]	یعنی یہ لفظ مکان بھی صرف شریک نے ذکر کیا اوروں کی روایت میں اس کا پتہ نہیں اور مکان اللہ سبحٰنہ کی طرف منسوب نہیں، اس سے مراد تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مکان اور حضور کا وہ مقام ہے جہاں اس نزول سے پہلے قائم کیے گئے تھے۔

کیوں کچے تو نہ ہوئے ہوگے، مگر توبہ وہابی گمراہ کو حیا کہاں۔

ضرب ۹۹: اقول: مسند امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث مسند سیدنا ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایک بار اس سند سے مروی۔

حدثنا ابو سلمة انا لیث عن یزید بن الهاد عن عمرو بن ابی سعید الخدری[3]۔ دوبارہ یوں:

---

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی باب ماجاء فی قول الله تعالٰی ثم دنا فتدلی الخ المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۸۷

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی باب ماجاء فی قول الله تعالٰی ثم دنا فتدلی الخ المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۸۷

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابو سعید الخدری دار الفکر بیروت ۳/ ۲۹

حدثنا یونس ثنا لیث الحدیث سندًا ومتنًا[1]۔

ان میں صرف اس قدر ہے کہ رب عزوجل نے فرمایا۔ بعزتی وجلالی[2]۔ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم۔ ارتفاع مکانی کا اصلاً ذکر نہیں، سہ بارہ اس سند سے روایت فرمائی۔

حدثنا یحیی بن اسحٰق انا ابن لھیعۃ عن دراج عن ابی الھیثم عن ابی سعید الخدری۔

یہاں سرے سے قسم کا ذکر ہی نہیں صرف اتنا ہے کہ:

قال الرب عزوجل لا ازال اغفر لھم مااستغفرونی[3]۔	رب عزوجل نے فرمایا میں انہیں ہمیشہ بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے استغفار کریں گے۔

امام اجل حافظ الحدیث عبدالعظیم منذری نے بھی یہ حدیث کتاب الترغیب والترہیب میں بحوالہ مسند امام احمد ومستدرک حاکم ذکر فرمائی انہوں نے بھی صرف اسی قدر نقل کیا کہ بعزتی وجلالی[4] اور امام جلیل جلال الدین سیوطی نے جامع صغیر وجامع کبیر میں بھی بحوالہ مسند احمد وابی یعلٰی وحاکم ذکر کی ان میں بھی اتنا ہی ہے ارتفاع مکانی کا لفظ کسی میں نہیں، ہاں بیہقی نے کتاب الاسماء میں یہ حدیث اس طریق اخیر ابن لہیعہ سے روایت کی۔

حیث قال اخبرنا علی بن احمد بن عبدان انا احمد بن عبید ثنا جعفر بن محمد ثنا قتیبۃ ثنا ابن لھیعۃ عن دراج عن ابی الھیثم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ[5]۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دارالفکر بیروت ۳/ ۴۱

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دارالفکر بیروت ۳/ ۲۹و۴۱

[3] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوسعید خدری دارالفکر بیروت ۳/ ۷۱

[4] الترغیب والترہیب کتاب الذکر والدعاء الترغیب فی الاستغفار مصطفی البابی مصر ۲/ ۴۶۸

[5] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی اثبات العزۃ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱/ ۲۲۱

یہاں وہ لفظ (ارتفاع مکانی ف) ہے اس سند میں اول تو ابن لہیعہ موجود اُن میں محدثین کا جو کلام ہے معلوم و معہود جب باب احکام میں اُن کی حدیث پر ائمہ کو وہ نزاعیں ہیں تو باب صفات تو اشد الابواب ہے۔

ضرب ۱۰۰: اقول: وہ مدلس ہیں کما فی فتح المغیث (جیسا کہ فتح المغیث میں ہے، ت) اور مدلس کا عنعنہ محدثین قبول نہیں کرتے۔

ضرب ۱۰۱: اقول: وہ درّاج سے راوی ہیں اور دراج ابوالہیثم سے، میزان الاعتدال میں دراج کی توثیق صرف یحیٰی سے نقل کی، اور امام احمد نے ان کی تضعیف فرمائی اور اُن کی حدیثوں کو منکر کہا۔ امام فضلک رازی نے کہا وہ ثقہ نہیں، امام نسائی نے فرمایا: منکر الحدیث ہیں، امام ابوحاتم نے کہا ضعیف ہیں ابن عدی نے اُن کی حدیثیں روایت کرکے کہہ دیا۔ اور حفاظ ان کی موافقت نہیں کرتے۔ امام دارقطنی نے کہا: ضعیف ہیں، اور ایک بار فرمایا: متروک ہیں، یہ سب اقوال میزان الاعتدال میں ہیں[1]۔ بالآخر ان کے باب میں قولِ منقح یہ ٹھہرا جو حافظ الشان نے تقریب میں لکھا کہ:

صدوق فی حدیثہ عن ابی الھیثم ضعیف[2]۔	آدمی فی نفسہ سچے ہیں مگر ابوالہیثم سے ان کی روایت ضعیف ہے۔

اور یہاں یہ روایت ابوالہیثم ہی سے ہے تو حدیث کا ضعف ثابت ہوگیا۔ بڑے محدث جی، اسی برتے پر احادیث صحیحہ کہا تھا۔

ضرب ۱۰۲: یہ سات ضربیں ان خاص خاص حدیثوں کے متعلق آپ کے دم پر تھیں۔ اب عام لیجئے کہ یہ حدیث اور اس جیسی اور جولاؤ سب میں منہ کی کھاؤ مکان و منزل و مقام بمعنی عـــہ مکانت و منزلت

عـــہ: ولہٰذا مرقات میں اسی حدیث کے نیچے لکھا۔ وارتفاع مکانی ای مکانتی[3]۔ ۱۲منہ

ف: اسی مقام پر تحقیق والے نے بھی مکان سے مراد مکانۃ لیا ہے، المراد ھنا ارتفاع المکانۃ لیس المکان لان اللہ موجود بلامکان ودلیلہ حدیث اھل الیمن۔ نذیر احمد سعیدی

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۲۶۶۷ دراج ابوالسمح المصری دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۵، ۲۴

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۱۸۲۹ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۸۴

[3] مرقات المفاتیح باب الاستغفار والتوبہ فصل ثانی، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۵/ ۱۷۵

و مرتبہ ایسے شائع الاستعمال نہیں کہ کسی ادنٰی ذی علم پر مخفی رہیں مگر جاہل بے خرد کا کیا علاج۔

ضرب ۱۰۳: اقول: ممکن کہ مکان مصدر میمی ہو تو اس کا حاصل کون و وجود وارتفاع واعتلائے وجود الٰہی ہوگا۔

ضرب ۱۰۴: اضافت تشریفی بھی کبھی کسی ذی علم سے سُنی ہے، کعبہ کو فرمایا: بیتی میرا گھر جبریل امین کو فرمایا: روحنا ہماری رُوح، ناقہ صالح کو فرمایا: ناقة الله اللہ کی اونٹنی اب کہہ دینا کہ اللہ کا بڑا شیش محل تو اوپر ہے اور ایک چھوٹی سی کوٹھری رات کو سونے کی مکے میں بنا رکھی ہے اور تیرا معبود کوئی جاندار بھی ہے اونچی سی اونٹنی پر سوار بھی ہے۔

بیحیا باش وانچہ خواہی گوئے

(بے حیا ہو جا اور جو چاہے کہہ ت)

وہی تیری جان کے دشمن امام بیہقی جن کی کتاب الاسماء کا نام تو نے ہمیشہ کے لیے اپنی جان کو آفت لگا دینے کے واسطے لے دیا اُسی کتاب الاسماء میں بعد عبارت مذکورہ سابق فرماتے ہیں:

قال ابوسلیمٰن وھٰھنا لفظة اخری فی قصة الشفاعة رواھا قتادة عن انس رضی اللہ تعالٰی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیأتونی یعنی اھل المحشر یسألونی للشفاعة فاستأذن علی ربی فی دارہ فیؤذن لی علیه ای فی دارہ التی دوّرھا لاولیائه وھی الجنة کقوله عزوجل لھم دار السلام عند ربھم وکقوله تعالٰی واللہ یدعوالٰی دار السلٰم وکما یقال بیت اللہ و حرم اللہ. یریدون البیت الذی جعل اللہ مثابة	ابوسلیمان نے فرمایا کہ یہاں شفاعت کے واقعہ میں ایک دوسرا لفظ ہے جس کو حضرت قتادہ نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور انہوں نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا: تو میرے پاس اہلِ محشر آئیں گے شفاعت کی درخواست کریں گے، تو میں اللہ تعالٰی سے اجازت طلب کروں گا اس کے گھر میں تو مجھے اجازتِ شفاعت ہوگی، فی دارہ سے مراد وہ دار ہے جس کو اللہ تعالٰی نے اپنے اولیاء کے لیے دار بنایا اور وہ جنت ہے، جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اور اللہ تعالٰی دارالسلام کی طرف دعوت دیتا ہے۔ (جنت کو اللہ تعالٰی کا دار کہنا) ایسے ہی ہے جیسے بیت اللہ اور حرم اللہ کہا جاتا ہے اور یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ بیت جس کو

للناس، والحرم الذی جعله امنا ومثله روح الله علی سبیل التفضیل له علی سائر الارواح، وانما ذٰلك فی ترتیب الکلام کقوله جل وعلا (ای حکایة عن فرعون) ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون فاضاف الرسول الیهم وانما هو رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ارسل الیهم اهـ باختصار[1]۔	اللہ تعالٰی نے لوگوں کے لیے مرجع بنایا اور وہ حرم جس کو اللہ تعالٰی نے لوگوں کے لیے جائے امن بنایا، اس طرح روح اللہ کہا گیا کہ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس کو باقی روحوں پر فضیلت دی اور یہ صرف کلامی ترتیب ہے جیسے اللہ تعالٰی کا ارشاد فرعون سے حکایت کرتے ہوئے ہے کہ اس نے کہا: بنی اسرائیل! تمہارا رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا وہ مجنون ہے، تو یہاں رسول کی اضافت بنی اسرائیل کی طرف کی حالانکہ وہ صرف اللہ کے رسول ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، جس کو اللہ تعالٰی نے ان کی طرف بھیجا ہے، اھ اختصاراً (ت)

ضرب ۱۰۵: کہ حدیث اول سے بھی جواب آخر ہے یہ دونوں حدیثیں بھی فرض کرلیں اور مکان اُسی تیرے گمان ہی کے معنی پر رکھیں اور اس کی نسبت جانب حضرت عزت بھی تیرے ہی حسب دلخواہ قرار دیں تو غایت یہ کہ دو حدیث آحاد میں لفظ مکان وارد ہوا اس قدر کیا قابلِ استناد ولائق اعتماد کہ ایسے مسائلِ ذات و صفاتِ الٰہی میں احادیث اصلاً قابل قبول نہیں وہی تیرے دشمن مستند، امام بیہقی اُسی کتاب الاسماء والصفات میں فرماتے ہیں:

ترك اهل النظر اصحابنا الاحتجاج باخبار الآحاد فی صفات الله تعالٰی اذا لم یکن لما انفرد منها اصل فی الکتاب او الاجماع واشتغلوا بتاویله[2]۔	ہمارے ائمہ متکلمین اہلسنت و جماعت نے مسائل صفاتِ الٰہیہ میں اخبار آحاد سے سند لانی قبول نہ کی جب کہ وہ بات کہ تنہا ان میں آئی اس کی اصل قرآن عظیم یا باجماع امت سے ثابت نہ ہوا اور ایسی حدیثوں کی تاویل میں مشغول ہوئے۔

اُسی میں امام خطابی سے نقل فرمایا:

[1] کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی قول الله تعالٰی ثم دنا فتدلّٰی الخ المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۸۸و۱۸۹

[2] کتاب الاسماء والصفات باب ماذکر فی القدم والرجل ثم دنا فتدلّٰی الخ المکتبة الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۹۲

الاصل فی ھذا وما اشبھه فی اثبات الصفات، انه لا یجوز ذٰلك الاان یکون بکتاب ناطق اوخبر مقطوع بصحته فان لم یکونا فیما یثبت من اخبار الاحادیث المستندة الٰی اصل فی الکتاب اوفی السنة المقطوع بصحتها او بموافقة معانیھا و ماکان بخلاف ذٰلك فالتوقف عن اطلاق الاسم به ھوالواجب ویتأول حینئذ علی مایلیق بمعانی الاصول المتفق علیھا من اقاویل اھل الدین والعلم مع نفی التشبیه فیه، ھذا ھوالاصل الذی یبنی علیه الکلام والمعتمدة فی ھذا الباب۔[1]	اس میں اور اس قسم کی صفات کے اثبات میں قاعدہ یہ ہے کہ یہ اثبات صرف کتاب اللہ یا قطعی حدیث سے ہو، اگر ان دونوں سے نہ ہو پھر اس کا ثبوت ان احادیث سے ہو جو کتاب اللہ اور قطعی صحیح حدیث سے مستند کسی ضابطہ کے مطابق اور ان کے معانی کے موافق ہو، اور جو ان کے مخالف ہو تو پھر اس صفت کے اسم کے اطلاق پر ہی اکتفا کیا جانا ضروری ہوگا اور اس کی مراد کے لیے ایسی تاویل کی جائے گی جو اہلِ دین اور اہل علم کے متفقہ اقوال کے معانی کے موافق ہو، اور ضروری ہے کہ اس صفات میں کوئی تشبیہ کا پہلو نہ ہو، یہی وہ قاعدہ ہے جس پر کلام کو مبنی کیا جائے اور اس باب میں یہی قابل اعتماد قاعدہ ہے۔(ت)

ضرب ۱۰۶: اقول: تیری سب جہالتوں سے قطع نظر کی جائے تو ذرا اپنے دعوے کو سوجھ کہ احادیث صریحہ صحیحہ سے عرش کا مکانِ الٰہی ہونا ثابت ہے، صریح ہونا بالائے طاق ان احادیث سے اگر بفرض باطل ثابت ہوگا تو یہ تیرے معبود کے لیے تیرے زعم میں مکان ہے اس سے یہ کیونکر نکلا کہ وہ مکان عرش ہی ہے، خود اپنا دعوٰی سمجھنے کی لیاقت نہیں اور چلے صفاتِ الٰہیہ میں کلام کرنے۔

ضرب ۱۰۷: اقول: بلکہ حدیث اول میں تو سدرۃ المنتہٰی کا ذکر ہے کہ:

ثم علا به فوق ذٰلك بمالایعلمه الا اللہ حتی جاء سدرۃ المنتھٰی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی حتی کان منه قاب قوسین اوادنی فاوحٰی الیه فیما اوحی خمسین	پھر آپ اس سے اوپر گئے جہاں کا صرف اللہ تعالٰی کو ہی علم ہے حتی کہ آپ سدرۃ المنتہٰی پر آئے اور رب العزت کا قرب پایا پھر اور قرب پایا حتی کہ دو کمانوں کے فاصلہ پر ہوئے یا اس سے بھی زیادہ قرب پایا، تو اللہ تعالٰی نے ان کی طرف وحی

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب ماذکر فی الاصابع المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/۷۰

صلوۃ الحدیث[1]۔	فرمائی جو فرمائی اس وحی میں پچاس نمازیں بھی ہیں۔ الحدیث (ت)

تو اگر تیرے زعمِ باطل کے طور پر اطلاق مکان ثابت ہوگا تو سدرہ پر نہ عرش پر، انہیں کو احادیث صریحہ کہا تھا۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

چوتھا تپانچہ

یہ ادعا کہ استواء علی العرش کے معنی بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا مطابق سنت ہیں۔

ضرب ۱۰۸: اقول: تم وہابیہ کے دھرم میں تشریع کا منصب تین قرن تک جاری رہا تھا، اور اس کے بعد عمومات و اطلاقاتِ شرعیہ کا دروازہ بھی بند ہوگیا، تو نے اسی تحریر میں لکھا ہے۔ جو بات امورِ دین میں بعد قرون ثلثہ کے ایجاد ہوئی بالاتفاق بدعت ہے **وکل بدعۃ ضلالۃ** (اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ ت)

اب ذرا تھوڑی دیر کو مرد بن کر استواء علی العرش کے ان تینوں معنی کا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے ائمہ سنت سے باسانید صحیحہ معتمدہ ثبوت دیجئے ورنہ خود اپنی بدعتی گمراہ بددین فی النار ہونے کا اقرار کیجئے تیرہ صدی کے دو ایک ہندیوں کا لکھ دینا سنت نہ ثابت کرسکے گا۔

ضرب ۱۰۹: اقول: تُو نے اسی تحریر میں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے انکار میں لکھا: کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے ثابت نہیں، کہے کی شرم اور غیر مقلدی کی لاج ہے تو ان تینوں معنی کا ثبوت بھی کسی حدیث صحیح سے دو ورنہ اپنے لکھے کو سر پر ہاتھ رکھ کر روؤ۔

ضرب ۱۱۰: اقول: یہ تو الزامی ضربیں تھیں اور تحقیقاً بھی قرآن عظیم کے معنی اپنی رائے سے کہنا سخت شنیع و ممنوع ہے تو ایسے معنی کا سلف صالح سے ثابت دینا ضرور اور قول بے ثبوت مردود و مہجور۔

ضرب ۱۱۱: ہر عاقل سمجھتا ہے کہ مولٰی سبحٰنہ و تعالٰی نے استواء کو اپنی مدح و ثناء میں ذکر فرمایا ہے۔ معاذ اللہ بیٹھنے، چڑھنے، ٹھہرنے میں اس کی کیا تعریف نکلتی ہے کہ ان سے اپنی مدح فرماتا اور مدح بھی ایسی کہ بار بار بتکرار سات سورتوں میں اس کا بیان لاتا تو ان معانی پر استواء کو لینا مدح و تعریف میں قدح و تحریف میں کردینا ہے لاجرم بالیقین یہ ناقص و بے معنی معانی ہرگز مراد رب العزۃ نہیں۔

ضرب ۱۱۲: اوپر معلوم ہوچکا کہ آیاتِ متشابہات میں اہل سنت کے صرف دو[۲] طریق ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب کلم اللہ موسٰی تکلیما قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۰

اوّل: تفویض کہ کچھ معنی نہ کہے جائیں، اس طریق پر اصلاً عہ ترجمے کی اجازت ہی نہیں کہ جب معنی ہم

عہ: **فائدہ جلیلہ:** امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی کتاب الجام العوام میں فرماتے ہیں:

یجب علی من سمع اٰیات الصفات واحادیثھا من العوام و النحوی و المحدث والمفسر والفقیہ ان ینزہ اللہ سبحنہ من الجسمیۃ وتوابعھا من الصورۃ والمکان والجھۃ فیقطع بان معناہ التحقیق اللغوی غیرمراد لانہ فی حق اللہ تعالٰی محال وان لھذا معنی یلیق بجلالہ تعالٰی وان لا یتصرف فی الالفاظ الواردۃ لابالتفسیر ای تبدیل اللفظ بلفظ آخر عربی اوغیرہ لان جواز التبدیل فرع معرفۃ المعنی المراد ولا بالاشتقاق من الوارد کان یقول مستوٍ اخذا من استوی ولا بالقیاس کان یطلق لفظۃ الساعد والکف قیاسا علی ورود الید وان یکف باطنہ عن التفکر فی ھذہ الامور فان حدثتہ نفسہ بذلك تشاغل بالصلوۃ و الذکر وقراءۃ القرآن فان لم یقدر علی الدوام علی ذلك تشاغل بشیئ من العلوم فان لم یمکنہ فبحرفۃ او صناعۃ فان لم یقدر فبلعب ولھو فان ذلك خیر من الخوض فی ھذا البحر

یعنی جو شخص عامی یا نحوی یا محدث یا مفسر یا فقیہ اس قسم کی آیات و احادیث سنے اس پر فرض ہے کہ جسمیت اور اس کے توابع مثل صورت و مکان و جہت سے اللہ تعالٰی کی تنزیہ کرے۔ یقین جانے کہ ان کے حقیقی لغوی معنی مراد نہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کے حق میں محال ہیں اور جانے کہ ان کے کچھ معنی ہیں جو اللہ سبحنہ کے جلال کے لائق ہیں اور جو لفظ وارد ہوئے ان میں اصلاً تصرف نہ کرے، نہ کسی دوسرے لفظ عرب سے بدلے، نہ کسی اور زبان میں ترجمہ کرے کہ تبدیل و ترجمہ تو جب جائز ہو کہ پہلے معنی مراد ہولیں، نہ لفظ وارد سے کوئی مشتق نکال کر اطلاع کرے جیسے استوٰی آیا ہے مستوی نہ کہے نہ لفظ وارد پر قیاس کرے ید آیا ہے اس کے قیاس سے ساعد و کف نہ بولے اور فرض ہے کہ اپنے دل کو بھی اس میں فکر سے روکے اگر دل میں اس کا خطرہ آئے تو فوراً نماز و ذکر و تلاوت میں مشغول ہو جائے، اگر ان عبادات پر دوام نہ ہوسکے تو کسی علم میں مشغول ہو کر دھیان بٹادے۔ یہ بھی نہ ہوسکے تو کسی حرفت یا صنعت میں یہ بھی نہ جانے تو کھیل کود میں کہ تشابہات میں فکر کرنے سے کھیل کود ہی بھلا ہے بلکہ اگر گناہوں میں مشغول ہو تو اس (باقی اگلے صفحہ پر)

جانتے ہی نہیں ترجمہ کیا کریں، امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد گزرا کہ ان کی تفسیر میں منتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے، کتاب الاسماء سے گزرا کہ ہمارے اصحاب متقدمین رضی اللہ تعالٰی عنہم استواء کے کچھ معنی نہ کہتے نہ اس میں اصلاً زبان کھولتے۔

امام سفین کا ارشاد گزرا کہ ان کی تفسیر یہی ہے کہ تلاوت کیجئے اور خاموش رہیئے، کسی کو جائز نہیں کہ عربی یا فارسی کسی زبان میں اس کے معنی کہے۔

سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد گزرا کہ ان کے معنی نہ کہنا ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول، اور اسی پر سلف صالح کا اجماع ہے۔

طریق دوم: کہ متاخرین نے بضرورت اختیار کیا اس کا یہ منشا تھا کہ وہ معنی نہ رہیں جن سے اللہ عزوجل کا خلق سے مشابہ ہونا متوہم ہو بلکہ اس کے جلال وقدوسیت کے معنی پیدا ہوجائیں۔ بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا تو خاص اجسام کے کام اور باری عزوجل کے حق میں صریح عیب ہیں تو تم نے تاویل خاک کی بلکہ اور وہم کی جڑ جمادی۔

بالجملہ یہ تینوں معانی دونوں طریقہ اہلسنت سے دور ومہجور ہیں ان کو مطابق سنت کہنا نام زنگی کافور رکھنا ہے اب آپ ملاحظہ ہی کریں گے کہ ائمہ اہلسنت نے ان معانی کو کیسا کیسا رد فرمایا ہے دو ایک ہندیوں کے قدم نے اگر لغزش کی اور خیال نہ رہا کہ ان لفظوں سے ترجمہ ہرگز صحیح نہیں تو ان کا لکھنا ائمہ سلف وخلف کے اجماع کو رد نہیں کرسکتا، نہ وہ مسلک اہلسنت قرار پاسکتا ہے مگر وہابیوں بلکہ سب گمراہوں کی ہمیشہ یہی حالت رہی ہے کہ ڈوبتا سوار پکڑتا ہے جہاں کسی کا کوئی لفظ شاذ مہجور پکڑ لیا خوش ہوگئے اور اس کے مقابل تصریحات قاہرہ سلف وخلف بلکہ ارشادات صریحہ قرآن وحدیث کو

بل لواشتغل لملاھی البدنیۃ کان اسلم من الخوض فی ھذا البحر البعید غورہ بل لو اشتغل بالمعاصی البدنیۃ کان اسلم فان ذلک غایتہ لفسق وھذا عاقبتہ الشرک اھ مختصرًا[1]۔	سے بہتر ہے کہ اُن کی نہایت فسق ہے اور اس کا انجام کفر، والعیاذ باللہ تعالٰی ۱۲ منہ۔

[1] الجام العوام

بالائے طاق رکھ دیا مگر اہل حق بحمد اللہ تعالٰی خوب جانتے ہیں کہ شاہراہ ہدایت اتباع جمہور ہے جس سے سہواً خطا ہوئی اگرچہ معذور ہے مگر اس کا وہ قول متروک و مہجور ہے، وہ جانتے ہیں کہ لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ ہر تیز گھوڑا کبھی ٹھوکر کھالیتا ہے اور ہر تیغ براں کبھی کر جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی کوئی لغزش وقوع پاتی ہے۔ **وباللہ العصمۃ۔**

ضرب ۱۱۳: اب اپنے مستندات سے ان معانی کا رَد سُنتے جایئے جنہیں آپ نے براہ جہالت مطابق سنت بلکہ سنت کو انہیں میں منحصر بتایا۔ مدارک شریف سے گزرا:

الاستواء بمعنی الجلوس لایجوز علی اللہ تعالٰی [1]۔	استواء بیٹھنے کے معنی پر اللہ تعالٰی عزوجل کے حق میں محال ہے۔

ضرب ۱۱۴: کتاب الاسماء سے گزرا:

متعال عن ان یجوز علیہ اتخاذ السریر للجلوس [2]۔	اللہ تعالٰی عزوجل اس سے پاک و برتر ہے کہ بیٹھنے کے لیے تخت بنائے۔

ضرب ۱۱۵: اسی میں امام ابوالحسن طبری وغیرہ ائمہ متکلمین سے گزرا استواء کے یہ معنی نہیں کہ مولٰی تعالٰی عرش پر بیٹھا یا کھڑا ہے، یہ جسم کی صفات ہیں اور اللہ عزوجل ان سے پاک۔

ضرب ۱۱۶: اُسی میں فرانحوی سے یہ حکایت کرکے کہ استواء بمعنی اقبال ہے، اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے چڑھنے سے تفسیر کی، فرمایا:

استوی بمعنی اقبل صحیح لان الاقبال ھو القصد و القصد ھو الارادۃ وذٰلک جائز فی صفات اللہ تعالٰی، اما ماحکی عن ابن عباس	یعنی استوا بمعنی اقبال صحیح کہ اقبال قصد ہے اور قصد ارادہ ہے، یہ تو اللہ سبحٰنہ کی صفات میں جائز ہے، مگر وہ جو ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حکایت کی کہ استواء چڑھنے [عہ] کے معنی

عہ: امام جلال الدین سیوطی نے اتقان میں فرمایا: رد بانہ تعالٰی منزہ عن الصعود ایضًا [3]۔ یہ معنی یوں مردود ہوئے کہ اللہ تعالٰی چڑھنے سے پاک ہے ۱۲ منہ۔

---

[1] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیت ۳/ ۷ دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۴۶

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی جماع ابواب ذکر اسماء التی تتبع المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱/ ۷۱، ۷۲

[3] الاتقان فی علوم القرآن النوع الثالث والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۰۵

رضی اللہ تعالٰی عنهما فانما اخذہ عن تفسیر الکلبی و الکلبی ضعیف والروایة عنه فی موضع اٰخر عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما استوٰی یعنی صعد امرہ اھ ملخصًا[1]۔	پر ہے فراء نے کلبی کی تفسیر سے اخذ کیا اور کلبی ضعیف ہے اور خود ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کلبی نے دوسری جگہ یوں روایت کی کہ استواء کے معنی حکمِ الٰہی کا چڑھنا ہے۔

ضرب ۱۱۷: اُسی میں فرمایا:

عن محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما فی قوله تعالٰی ثم استوی علی العرش یقول استقر علی العرش، ھذہ الروایة منکرة وقد قال فی موضع اٰخر بھٰذا الاسناد استوی علی العرش یقول استقر امرہ علی السریر ورد الاستقرار الی الامر، وابوصالح ھذا والکلبی و محمد بن مروان کلهم متروك عند اھل العلم بالحدیث لایحتجون بشیئ من روایا تھم لکثرة المناکیر فیها وظهور الکذب منهم فی روایا تهم، اخبرنا ابو سعید المالینی (فذکر باسنادہ) عن حبیب بن ابی ثابت قال کنا نسمیه دروغ زن یعنی ابا صالح مولی ام ھانی، واخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ (فاسند) عن سفٰین قال قال الکلبی قال لی ابوصالح	یعنی محمد بن مروان نے کلبی سے اس نے ابوصالح سے اس نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ اللہ تعالٰی کے قول ثم استوی علی العرش میں عرش پر استوا کے معنی ٹھہرنا ہے یہ روایت منکر ہے، اور خود کلبی نے اسی سند سے دوسری جگہ یوں روایت کی کہ عرش پر استوا کے معنی حکم الٰہی کا ٹھہرنا ہے یہاں ٹھہرنے کو حکم کی طرف پھیرا اور یہ ابوصالح اور کلبی اور محمد بن مروان سب کے سب علمائے محدثین کے نزدیک متروک ہیں ان کی کوئی روایت حجت لانے کے قابل نہیں کہ ان کی روایتوں میں منکرات بکثرت ہیں اور ان میں ان کا جھوٹ بولنا آشکارا ہے، حبیب بن ابی ثابت نے فرمایا ہم نے اس ابوصالح کا نام ہی دروغ زن رکھ دیا تھا امام سفیان نے فرمایا خود کلبی نے مجھ سے بیان کیا کہ ابوصالح نے مجھ سے کہا جتنی حدیثیں میں نے تجھ سے بیان کی ہیں سب جھوٹ ہیں نیز کلبی نے کہا

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیهقی باب الرحمن علی العرش استوی المکتبة الاثریه سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۴ و ۱۵۵

کل ما حدثك کذب، واخبرنا المالینی (بسندہ) عن الکلبی قال قال لی ابو صالح انظر کل شیئ رویت عنی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فلا تروہ، اخبرنا ابو سھل احمد بن محمد المزکی ثنا ابوالحسین محمد بن حامد العطار اخبرنی ابو عبداللہ الرواسانی قال سمعت محمد بن اسمعیل البخاری یقول محمد بن مروان الکوفی صاحب الکلبی سکتوا عنہ لایکتب حدیثہ البتّۃ اھ مختصرًا [1]۔	مجھ سے ابو صالح نے کہا دیکھو جو کچھ تو نے میرے واسطے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے اس میں سے کچھ روایت نہ کرنا، امام بخاری فرماتے ہیں کلبی کے شاگرد محمد بن مروان کوفی سے ائمہ حدیث نے سکوت کیا ہے، یعنی اس کی روایات متروک کردیں اس کی حدیث کا ہر گز اعتبار نہ کیا جائے۔

ضرب ۱۱۸: پھر فرمایا:

وکیف یجوز ان یکون مثل ھٰذہ الاقاویل صحیحۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ثم لایرویھا ولایعرفھا احد من اصحابہ الثقات الاثبات مع شدۃ الحاجۃ الی معرفتھا، وما تفرد بہ الکلبی وامثالہ یوجب الحد والحد یوجب الحدث لحاجۃ الحد الی حادخصہ بہ والباری تعالٰی قدیم لم یزل۔ [2]	بھلا کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایسی باتیں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے صحیح ہوں پھر ان کے ثقہ شاگرد محکم فہم وحفظ والے نہ اُنہیں روایت کریں نہ ان سے آگاہ ہوں حالانکہ ان کے جاننے کی کیسی ضرورت ہے اور جو کچھ کلبی اور اس کی حالت کے اور لوگ تنہا روایت کررہے ہیں اس سے تو اللہ عزوجل کا محدود ہونا لازم آتا ہے اور محدود ہونا حادث ہونے کو واجب کرتا ہے کہ حد کے لیے کوئی ایسا درکار ہے جو خاص اس حد معین سے اس محدود کو مخصوص کرے اور اللہ عزوجل تو قدیم ہے ہمیشہ سے ہے۔

[1] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب الرحمن علی العرش استوی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۲۵۵ تا ۲۵۷

[2] کتاب الاسماء والصفات للبیہقی باب الرحمن علی العرش استوی المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۲/ ۱۵۷

ضرب ۱۱۹: اُسی میں ہے:

ان اللہ تعالٰی لامکان لہ ولا مرکب و ان الحرکۃ و السکون والانتقال والاستقرار من صفات الاجسام واللہ تعالٰی احد صمد لیس کمثلہ شیئ [1]۔ اھ باختصار	بے شک اللہ تعالٰی کے لیے نہ مکان ہے نہ کوئی چیز ایسی جس پر سوار ہو اور بے شک حرکت اور سکون اور ہٹنا اور ٹھہرنا یہ جسم کی صفتیں ہیں اور اللہ تعالٰی احد صمد ہے کوئی چیز اس سے مشابہت نہیں رکھتی اھ باختصار۔

ضرب ۱۲۰: مدارک شریف میں فرمایا:

تفسیر العرش بالسریر والاستواء بالاستقرار کما تقولہ المشبھۃ باطل [2]۔	عرش کے معنی تخت اور استواء کے معنی ٹھہرنا کہنا جس طرح فرقہ مجسمہ کہتا ہے باطل ہے۔

دیکھا تو نے حق کیسا واضح ہوا، وللہ الحمد۔

پانچواں تپانچہ

اقول: یہ تو اوپر واضح ہولیا کہ یہ مدعی خود ہی دعوے پر نہ جما اور جن صفات سے کلامِ شارع ساکت نہیں ان سے سکوت درکنار، ان کا صاف انکار کرگیا مگر یہاں یہ کہنا ہے کہ اس مدعی بے باک کے نزدیک تسلیم وعدم سکوت کا وہ مطلب ہر گز نہیں جو اہلسنت کے نزدیک ہے یعنی کچھ معنی نہ کہنا صرف اجمالاً اتنی بات پر ایمان لے آنا کہ جو کچھ مراد الٰہی ہے حق ہے یا تاویل کرکے صاف و پاک معنی کی طرف ڈھال دینا جن میں مشابہت مخلوق و جسمیت و مکان وجہت کی بو اصلاً نہ پیدا ہو۔ اس مسلک پر ایمان لاتا تو استواء کے معنی بیٹھنا، چڑھنا، ٹھہرنا نہ بتاتا ان کے علاوہ اور معانی کو کہ ائمہ اہلسنت نے ذکر فرمائے بدعت وضلالت نہ بتاتا لاجرم اس کا مسلک وہی مسلک مجسمہ ہے کہ جو کچھ وارد ہوا وہ اپنے حقیقی لغوی معنی مفہوم ومتبادر پر محمول ٹھہرا کر ماناجائے گا۔ شروع سے اب تک جو لکھا گیا وہ اسی ضلالت ملعونہ کے رَد میں تھا اتنا اور اس کے کان میں ڈال دوں شاید خدا سمجھ دے اور ہدایت کرے کہ اے بے خرد! یہ ناپاک مسلک جو استوا میں خصوصًا اور باقی تشابہات میں مطلقًا تیرا ہے۔ (کھلی گمراہی کا نجس رستہ ہے) اس طریقہ پر تیرا معبود جسے تو اپنے

---

[1] کتاب الاسماء والصفات باب ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ الخ المکتبۃ الاثریہ شیخوپورہ ۲/ ۱۹۴

[2] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) آیۃ ۷/ ۵۴ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۵۶

ذہن میں ایک صورت تراش کر معبود سمجھ لیا ہے اگر بت خانہ چین کی ایک مورت ہو کر نہ رہ جائے تو میرا ذمہ۔

ضرب ۱۲۱تا ۱۸۲: جانتا ہے وہ تیرا وہمی معبود کیسا ہے۔

له وجه کوجه الانسان فيه عينان تنظران ولكن من سخط عليه لاينظر اليه ثم العجب ان وجهه الى كل جهة واعظم عجبا انه مع ذلك يصرفه عمن يغضب عليه فليت شعري كيف يصرف عن جهة ما هو الٰى كل وجهة بل المصلى مادام يصلي يقبل عليه بوجهه فاذا انصرف صرف له صوت فلتكن حنجرة ونفس ايضا بل قد وجد من قبل اليمن له اذنان ياذن لمن يرضى عليه جعد ذو وفرة الٰى شحمة اذنيه اما اللحية فلم توجد بل شاب امرد له يدان كالانسان فيهما يمين و شمال وساعد وكف واصابع مبسوطتان الٰى بعيد و ربما قبض و قد يحثوله جنب وضحكه يخبر عن فم يغفر واسنان تكشرله حقو تعلقت به الرحم و رجلان وساق قد جلس على السرير مدليا قدميه و اضعهما علٰى كرسی وربما استلقی	اس کا انسان جیسا چہرہ، اس میں دو آنکھیں دیکھتی ہیں لیکن جس پر وہ ناراض ہو اس کی طرف نہیں دیکھتا پھر عجب ہے کہ اس کا چہرہ ہر طرف ہے اس سے بڑھ کر عجیب یہ کہ اس کے باوجود جس سے ناراض ہو اس سے چہرہ پھیر لے، کاش سمجھ ہوتی، جو ہر طرف ہو وہ کس طرح دوسری طرف پھر جائے، بلکہ جب تک نمازی نماز میں ہے تو وہ اپنے چہرہ کو نمازی کی طرف کرتا ہے اور جب وہ نمازی فارغ ہو جاتا ہے تو وہ بھی پھر جاتا ہے، اس کی آواز ہے تو آہٹ اور سانس بھی ہوگا، بلکہ یمن کی طرف سے پایا جاتا ہے، اس کے دو کان ہیں جس سے راضی ہو اس پر کان لگاتا ہے قد آور ہے اس کے سر کے بال دونوں کانوں سے نیچے تک بڑھے ہوئے ہیں، لیکن داڑھی نہیں بلکہ نوجوان بے داڑھی ہے، انسان کی طرح اس کے دو۲ ہاتھ ہیں انمیں ایک دایاں دوسرا بایاں ہے، اس کا بازو اور ہتھیلی اور انگلیاں ہیں، دور تک اس کے ہاتھ پھیلے ہوئے، کبھی ہاتھوں کو بند کرتا ہے اور کبھی کھول کر پھرتا ہے، اس کا پہلو ہے، ہنستا ہے، اپنے منہ سے خبر بتاتا ہے، اس کے دانت ہیں جو چباتے ہیں، اس کا زیر جامہ ہے جس سے رحم لٹکتا ہے، دو۲ پاؤں ہیں، پنڈلی ہے، تخت پر بیٹھ کر دونوں پاؤں کو لٹکاتا ہے اور ان دونوں کو کرسی پر رکھتا ہے اور کبھی چت لیٹ کر

واضعا احدی رجلیه علی الاخری فلا بد من ظهر وقفا ویستأنس للصدر ایضا فمن نور صدره خلقت الملئکة قد ماه فی کل مسجد علیهما یسجد الساجدون وبقیة الاعضاء لم تفصل الا خبر اعم واشمل انه علٰی صورة الانسان اذ خلق ادم علٰی صورة الرحمن یصعد وینزل ویمشی ویهرول وقد یأتی الارض و کانت اُخر وطأته بموضع وج ثم یجیئ یوم القیمة فیطوف الارض مکتسٍ ثیابا ازارا و رداء یستر المؤمن بکتفه رداؤه علٰی وجه فی جنة عدن له ظل ظلیل یصیب به من یشاء ویصرف عنه من یشاء یأتی یوم القیام فی ظلل من الغمام یتعجب ویستحیی و یمل ویتردد و یستهزئ وقد یتقذر نفسه شیئا تحمله وعرشه اربعة املاك اثنان تحت رجله الیمنی و اثنان تحت رجله الیسری تقبل شدید الوزر ویأط منه العرش اطیط الرجل الجدید من ثقل الراکب الشدید ربما لبس حلة خضراء ونعلین من ذهب وجلس علٰی کرسی ذهب تحته فراش من ذهب ودونه ستر من

ایک ٹانگ کو دوسری پر رکھتا ہے لہٰذا اس کی پیٹھ اور گدی ہوگی، اور چھاتی سے مانوس کرتا ہے، اس کی چھاتی کے نور سے فرشتے پیدا ہوئے، اس کے قدم ہر مسجد میں ہیں تاکہ سجدہ کرنے والا ان قدموں پر سجدہ کرے، اور باقی اعضاء جن کی تفصیل نہیں صرف یہ خبر عام و اشمل ہے کہ وہ انسانی صورت پر ہے کیونکہ اس نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا، چڑھتا ہے، اترتا ہے، چلتا ہے، دوڑتا ہے، کبھی زمین پر آتا ہے اور آخری قدم موضع وج میں ہوتا ہے، پھر قیامت کو آکر زمین پر چکر لگائے گا، لباس والا تہبند اور چادر پہنے ہوئے، اپنے دامن سے مومن کو ڈھانپتا ہے اس کی چادر چہرہ پر ہے جنت عدن میں اس کا گہرا سایہ ہے جس کو چاہتا ہے اس پر ڈالتا ہے اور جس چیز پر نہیں چاہتا نہیں ڈالتا، قیامت میں بادل کے سایہ میں آئے گا۔ تعجب و حیا کرتا ہے، میلان آگے پیچھے ہوتا ہے مذاق کرتا ہے، کبھی کسی چیز سے گھن کرتا ہے، اس کا عرش چار ملک ہیں، دو اس کے داہنے قدم اور دو اس کے بائیں قدم کے نیچے ہیں، شدید بوجھ ڈالے تو اس سے عرش اس طرح آواز نکالتا ہے جیسے نیا کجاوا بھاری سوار سے آواز پیدا کرتا ہے، کبھی سبز جوڑا پہنتا ہے، اور سونے کے جوتے ہیں اور سونے کی کرسی پر بیٹھا اور اس کے نیچے سونے کا بستر اور پاس موتیوں کے پردے ہوتے ہیں،

لؤلؤ رجلاہ فی خضرۃ فی روضۃ خضراء الیٰ غیر ذلك مما نطقت ببعضہ الایات ووردت بالباقی الاحادیث، اتی علی اکثرھا فی کتاب الاسماء و الصفات۔	اس کے پاؤں سبزے کے باغ میں سبزے پر ہوتے ہیں بعض ان میں وہ صفات ہیں جن کو قرآنی آیات نے بیان کیا اور باقی وہ جن کے بارے میں احادیث وارد ہوئی ہیں ان میں سے اکثر کو کتاب الاسماء والصفات میں پیش کیا ہے۔(ت)

کیوں اے جاہل بے خرد ! اے حدیث احاد ضعیف ارتفاع مکانی سے سند لا کر اپنے معبود کو مکان ماننے والے، کیا ایسے ہی معبود کو تو پوجتا ہے پھر اس میں اور انسان کے جسم میں چھوٹے بڑے کے سوا فرق کیا ہے، مگر الحمد ﷲ اہلسنت ایسے سچے رب حقیقی معبود کو پوجتے ہیں جو احد، صمد، بے شبہہ ونمون وبیچون وچگون ہے۔

"لَمْ یَلِدْ ۙ۬ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ "[1]۔	نہ اس کی کوئی اولاد اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ اس کے جوڑ کا کوئی (ت)

جسم و جسمانیات و مکان و جہالت و اعضاء وآلات و تمام عیوب و نقصانات سے پاک و منزہ ہے یہ سب اور اس کے مثل جو کچھ وارد ہوا ان میں کچھ روایۃً ضعیف ہے اور زیادہ وہی ہوگا اور صریح تشبیہ کی صاف تصریحیں کہ تاویلی محاوروں سے بعید پڑیں اُسی میں ملیں گی اُسے تو یہ خدا کے موفق بندے ایک جو کے برابر بھی نہیں سمجھتے اور جو کچھ روایۃً صحیح مگر خبر احاد ہو اسے بھی جب کہ متواترات سے موافق المعنٰی نہ ہو پایہ قبول پر جگہ نہیں دیتے۔

فان الاحاد لاتفید الاعتماد فی باب الاعتقاد ولو فرضت فی اصح الکتب باصح الاسناد۔	اعتقاد کے باب میں اخبار احاد اگرچہ صحیح کتاب اور صحیح سند سے ہوں وہ اعتماد کے لیے مفید نہیں ہیں۔(ت)

رہ گئے متواترات اور وہ نہیں مگر معدودے چند، اور وہ بھی معروف و مشہور محاوراتِ عرب کے موافق تاویل پسند مثل ید ووجہ و عین وساق واستواء واتیان ونزول وغیرہا ان میں تاویل کیجئے تو راہ روشن اور تفویض کیجئے تو سب سے احسن، نہ یہ کہ منہ بھر کر خدا کو گالی دیجئے اور اس کے لیے صاف صاف مکان مان لیجئے، یا اٹھتا، بیٹھتا، چڑھتا، اترتا، چلتا، ٹھہرتا، تسلیم کیجئے۔ اللہ عزوجل

---

[1] القرآن الکریم ۱۱۲/۳و۴

اتباعِ حق کی توفیق دے اور مخالفتِ اہلسنت سے ہر قول و فعل میں محفوظ رکھے، آمین۔

چھٹا تپانچہ

اقول: طرفہ تماشا ہے جب اس گمراہ نے سب مصائب اپنے سر پر اوڑھ لیے اپنے معبود کو مکانی کہہ دیا، جسم مان لیا، عرش پر متمکن ٹھہرا کر جہت میں جان لیا، پھر یہ کیا خبط سوجھا کہ اور کہیں نہیں کہہ کر طرح طرح اپنے ہی لکھے سے تناقض کیا۔

ضرب ۱۸۳: سچا ہے تو قرآن و حدیث سے ثبوت دے کہ اللہ تعالٰی عرش پر تو ہے اور عرش کے سوا کہیں نہیں، یہ اور کہیں نہیں، کون سی آیت حدیث میں ہے؟ "اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰"[1]۔ یا یہود کی طرح بے جانے بوجھے دل سے گھڑ کر خدا پر حکم لگادیتے ہو۔

ضرب ۱۸۴: جب تُو اس سبوح و قدوس جل جلالہ کو مکان سے پاک نہیں مانتا تو اب کوئی وجہ نہیں کہ اور آیات و احادیث جن کے ظاہر الفاظ سے اور جگہ ہونا مفہوم ہو اپنے ظاہر سے پھیری جائیں۔ تیرے طور پر اُن سب کو معنی لغوی حقیقی ظاہر متبادر پر عمل کرنا واجب ہوگا، اب دیکھ کہ تو نے کتنی آیات و احادیث کا انکار کردیا اور کتنی بار اپنے اس لکھے سے کہ جو شرع میں وارد ہے اس سے سکوت نہ ہوگا، صاف تناقض کیا سب میں پہلے تو یہی حدیث صحیح بخاری **وھو مکانہ**[2]۔ ہے جس میں تُو نے بزورِ زبان ضمیر حضرت عزت جل شانہ کی طرف ٹھہرادی اور پھر مکانہ سے محض زبردستی عرش مراد لے لیا حالانکہ وہاں سدرۃ المنتہٰی کا ذکر ہے تو عرش ہی پر ہونا غلط ہوا کبھی سدرہ پر بھی ٹھہرا ہے۔

ضرب ۱۸۵: صحیح بخاری حدیثِ شفاعت میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

فاستاذن علی ربی فی دارہ فیؤذن لی علیہ[3]۔	میں اپنے رب پر اذن طلب کروں گا اس کی حویلی میں تو مجھے اس کے پاس حاضر ہونے کا اذن ملے گا۔

ظاہر ہے کہ تخت کو حویلی نہیں کہتے، نہ عرش کسی مکان میں ہے، بلکہ وہ بالائے جملہ اجسام ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی وکلم اللہ موسٰی تکلیما قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۰

[3] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ قدیمی کتب خانہ کراچی، ۲/ ۱۱۰۸

لاجرم یہ حویلی جنّت ہی ہوگی۔

ضرب ۱۸۶: صحیحین میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جنتان من فضۃ اٰنیتھما وما فیھما، وجنتان من ذھب اٰنیتھما وما فیھما وما بین القوم وبین ان ینظروا الی ربھم عزوجل الارداء الکبریاء علی وجھہ فی جنۃ عدن[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان چاندی کا ہے، دو۲ جنتیں ہیں جن کے برتن اور تمام سامان سونے کا ہے اللہ تعالٰی کے دیدار اور قوم میں صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو جنتِ عدن میں اس کے چہرے پر ہوگی، حائل ہوگی۔(ت)

یہاں جنت عدن میں ہونے کی تصریح ہے۔

ضرب ۱۸۷: بزار وابن ابی الدنیا اور طبرانی بسند جید قوی اوسط میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیثِ دیدار اہل جنت ہر روز جمعہ میں مرفوعًا راوی:

فاذا کان یوم الجمۃ نزل تبارك وتعالٰی من علیین علی کرسیّہ ثم حف الکرسی بمنابر من نور وجاء النبیون حتی یجلسوا علیھا[2]۔الحدیث	جب جمعہ کا روز ہوگا تو اللہ تبارک وتعالٰی علیین سے کرسی پر نزول فرمائے گا پھر اس کے گرد نور کے منبر بچھائے جائیں گے، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تشریف لاکر ان منبروں پر جلوہ گر ہوں گے۔الحدیث (ت)

یہاں علیین سے اُتر کر کرسی پر حلقہ انبیاء وصدیقین وشہداء وسائر اہل جنت کے اندر تجلّی ہے۔

ضرب ۱۸۸: قال تعالٰی: "ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ"[3]۔ (کیا تم اس سے نڈر ہوگئے ہو جس کی

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر ۲/ ۷۳۴ وکتاب التوحید ۲/ ۱۱۰۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۰

[2] الترغیب والترھیب فصل فی نظر اہل الجنۃ الی ربھم حدیث ۱۲۹ مصطفی البابی مصر ۴/ ۵۵۴، کشف الاستار عن زوائد البزار باب فی نعیم اہل الجنۃ حدیث ۳۵۱۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۱۹۵، المعجم الاوسط حدیث ۶۷۱۳ مکتبۃ المعارف الریاض ۷/ ۳۶۷

[3] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۶

سلطنت آسمان میں ہے۔ت)

ضرب ۱۸۹: قال تعالٰی "اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ"[1]۔ (کیا تم نڈر ہوگئے ہو اس سے جس کی سلطنت آسمان میں ہے۔(ت)

ضرب ۱۹۰: احمد و ابن ماجہ و حاکم بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث قبض روح میں مرفوعًا راوی۔

فلایزال یقال لھا ذلك حتی تنتھی بھا الی السماء التی فیھا اللہ تبارك و تعالٰی[2]۔	روح کو یہ کہا جاتا رہے گا حتی کہ وہ اس آسمان تک پہنچ جائے جس میں اللہ تعالٰی ہے۔(ت)

ضرب ۱۹۱: مسلم ابوداؤد و نسائی معویہ بن حکم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث جاریہ میں راوی:

قال لھا این اللہ قالت فی السماء قال من انا قالت انت رسول اللہ قال اعتقھا فانھا مؤمنۃ[3]۔	لونڈی کو فرمایا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں، پھر پوچھا میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا آپ رسول اللہ ہیں، تو آپ نے مالک کو فرمایا اس کو آزاد کردو کیونکہ مومنہ ہے۔(ت)

ضرب ۱۹۲: ابوداؤد و ترمذی بافادہ تصحیح عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء[4]۔	حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: زمین والوں پر رحم کرو تم پر رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔(ت)

ضرب ۱۹۳: صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: مجھے اس

---

[1] القرآن الکریم ۶۷ / ۱۷

[2] مسند احمد بن حنبل مروی از ابوھریرہ دار الفکر بیروت ۲/ ۳۶۴، سنن ابن ماجہ باب ذکر الموت والاستعداد لہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۵، کنز العمال حدیث ۴۲۴۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۲۳۰

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب تحریم الکلام فی الصلوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۴، سنن ابوداؤد باب تشمیت العاطس فی الصلوۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۳۴

[4] جامع الترمذی ابواب البر والصلۃ امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۲/ ۱۴، سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی الادب آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۱۹

والذی نفسی بیدہ مامن رجل یدعو امراتہ الٰی فراشھا فتابٰی علیہ الاکان الذی فی السماء ساخطا علیھا حتی یرضٰی عنھا۔[1]	ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جب کوئی خاوند اپنی بیوی کو جماع کے لیے طلب کرتا ہے اور وہ انکار کرتی ہے تو وہ ذات جو آسمان میں ہے بیوی پر ناراض ہوتی ہے۔(ت)

ضرب ۱۹۴: ابویعلٰی وبزار وابونعیم بسندِ حسن ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما القی ابراہیم فی النار قال اللھم انت فی السماء واحدوانا فی الارض واحدأعبدک[2]۔	حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جب براہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہوں نے کہا: اے اللہ تو آسمان میں ایک ہے اور میں زمین میں ایک ہوں، تیری عبادت کرتا ہوں۔(ت)

ضرب ۱۹۵: ابویعلٰی وحکیم وحاکم وسعید بن منصور وابن حبان وابونعیم اور بیہقی کتاب الاسماء میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا راوی، اللہ عزوجل نے فرمایا:

یاموسٰی لو ان السمٰوٰت السبع و عامر ھن غیری، و الارضین السبع فی کفۃ ولاالہ الا اللہ فی کفۃ مالت بھن لا الٰہ الا اللہ[3]۔	اے موسٰی اگر ساتوں آسمان اور ان میں موجود ہر چیز میرے سوا، اور ساتھ زمینیں ایک پلڑے میں ہوں اور دوسرے پلڑے میں لاالٰہ الا اللہ ہو تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا سب پر بھاری ہوگا۔(ت)

ان آیات واحادیث سے آسمان میں ہونا ثابت ہوا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب النکاح باب تحریم امتناعہا من فراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۶۴

[2] حلیۃ الاولیاء مقدمۃ المؤلف دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۹، کنزالعمال بحوالہ ابی یعلی حدیث ۳۲۲۸۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۸۴

[3] مسند ابو یعلی حدیث ۱۳۸۹ مروی ازابوسعید خدری موسسۃ علوم القرآن بیروت ۲/ ۱۳۵، کتاب الاسماء والصفات باب ماجاء فی فضل الکلمۃ الباقیہ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل شیخوپورہ ۱/ ۱۷۵، المستدرک للحاکم کتاب الدعاء دارالفکر بیروت ۱/ ۵۲۸، موارد الظمآن حدیث ۲۳۲۴ المطبعۃ السلفیہ ص ۵۷۷

ضرب ۱۹۶: ہر رات آسمانِ دُنیا پر ہونے کی حدیث گزری اور احادیث اس باب میں بکثرت ہیں۔ ضرب ۱۹۷: قال اللہ تعالٰی:

"هُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ فِي الْاَرْضِ" [1]۔	وہ اللہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ (ت)

ضرب ۱۹۸: قال تعالٰی:

"وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾" [2]۔	ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔ (ت)

ضرب ۱۹۹: قال تعالٰی:

"وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾" [3]۔	سجدہ کر اور قریب ہو۔ (ت)

ضرب ۲۰۰: قال تعالٰی:

"اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ" [4]۔	جب آپ سے سوال کریں میرے بندے میرے متعلق تو میں قریب ہوں۔ (ت)

ضرب ۲۰۱: قال تعالٰی:

"اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾" [5]	وہ سمیع وقریب ہے۔ (ت)

ضرب ۲۰۲: قال تعالٰی:

"وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾" [6]۔	اور ہم نے ان کو ندادی طور کی دائیں جانب سے اور اس کو ہم نے قریب کیا مناجات کرتے ہوئے۔ (ت)

ضرب ۲۰۳: قال تعالٰی۔

"فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸﴾" [7]۔	جب وہاں آئے تو ندادی گئی کہ جو آگ میں ہے اس کو برکت دی گئی اور اس کے ارد گرد والوں کو، اللہ پاک رب العالمین ہے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵۰/ ۱۶

[3] القرآن الکریم ۹۶/ ۱۹

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۶

[5] القرآن الکریم ۳۴/ ۵۰

[6] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۲

[7] القرآن الکریم ۲۷/ ۸

معالم میں ہے:

روی عن ابن عباس وسعید بن جبیر والحسن فی قوله بورك من فی النار قدس من فی النار وھو الله تعالٰی عنی به نفسه علٰی معنی انه نادٰی موسٰی منھا واسمعه کلامه من جھتھا[1]۔	ابن عباس، سعید بن جبیر اور حسن رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا گیا کہ من بورک فی النار کے بارے میں، یعنی برگزیدہ ہے جو آگ میں ہے اور وہ اللہ کی ذات ہے جس کو اپنی ذات کے بارے میں فرمایا یعنی یہ ہے کہ موسٰی نے ندا کی تو اس کو اپنا کلام سنایا اس جانب سے۔(ت)

ضرب ۲۰۴: قال تعالٰی:

"وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ" [2]۔	وہ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔(ت)

ضرب ۲۰۵: صحیحین میں ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یایھا الناس اربعوا علٰی انفسکم فانکم لاتدعون اصم ولا غائبا انکم تدعونه سمیعا قریبا وھو معکم۔[3]	اے لوگو! اپنے آپ پر نرمی کرو کیونکہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے، تم تو پکارتے ہو سمیع قریب کو، وہ تمہارے پاس ہے۔(ت)

اسی حدیث کی ایک روایت میں ہے:

والذی تدعون اقرب الی احدکم من عنق راحلة احدکم[4]	وہ ذات جسے تم پکارتے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی قریب تر ہے۔(ت)

ضرب ۲۰۶: مسلم، ابوداؤد، ونسائی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اقرب مایکون العبد من ربه	بندہ اللہ تعالٰی کے قریب ترین ہوتا ہے جب

---

[1] معالم التنزیل(تفسیر البغوی) آیۃ ۲۷/ ۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۳۴۸

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۴

[3] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب مایکرہ من رفع الصوت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۰، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب استحباب خفض الصوت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۶

[4] صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء باب استحباب خفض الصوت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴۶

وھوساجد فاکثروا الدعاء [1]	وہ سجدہ کرتا ہے، تو دُعا زیادہ کرو۔ (ت)

ضرب ۲۰۷: دیلمی ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالٰی انا خلفك واما مك وعن یمینك وعن شمالك یا موسٰی انا جلیس عبدی حین یذکرنی وانا معہ اذا دعانی۔ [2]	اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے موسٰی! میں تیرے پیچھے، آگے دائیں اور بائیں ہوں، میں بندے کا ہم نشین ہوتا ہوں جب وہ میرا ذکر کرتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے۔ (ت)

ضرب ۲۰۸: صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی [3]	میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے (ت)

ضرب ۲۰۹: مستدرک میں بروایت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث قدسی ہے۔

عبدی انا عند ظنك بی وانا معك اذا ذکرتنی [4]	اے بندے میں تیرے گمان کے ساتھ ہوں جو تو میرے متعلق کرتا ہے اور میں تیرے ساتھ ہوتا ہوں جب تُو مجھے یاد کرتا ہے۔ (ت)

ضرب ۲۱۰: سعید بن منصور ابو عمارہ سے مرفوعًا راوی:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب مایقال فی الرکوع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۱، سنن ابی داؤد کتاب الصلوۃ باب الدعا فی الرکوع والسجود آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۲۷، سنن النسائی اقرب مایکون العبد من اللہ عزوجل نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۷۰

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۴۵۳۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۹۲

[3] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی ویحذرکم اللہ نفسہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۱، صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء ۲/ ۳۴۳ وکتاب التوبۃ ۲/ ۳۵۴

[4] المستدرک للحاکم کتاب الدعا باب قال عزوجل عبدی انا عند ظنك بی دار الفکر ۱/ ۴۹۷

الساجد یسجد علی قدمی اللہ تعالٰی [1]	سجدہ کرنے والا اللہ تعالٰی کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے۔(ت)

ان آیات واحادیث سے زمین پر اور طُور پر اور ہر مسجد میں اور بندے کے آگے پیچھے دہنے بائیں اور ہر ذاکر کے پاس اور ہر شخص کے ساتھ اور ہر جگہ اور ہر ایک کی شہ رگ گردن سے زیادہ قریب ہونا ثابت ہے۔

ضرب ۲۱۱: قال اللہ تعالٰی: "اَنۡ طَهِّرَا بَیۡتِیَ" [2] (تم دونوں میرے گھر کو صاف کرو،ت) یہاں کعبے کو اپنا گھر بتایا۔

ضرب ۲۱۲: معالم میں ہے مروی ہوا کہ توریت مقدس میں لکھا ہے:

جاء اللہ تعالٰی من سیناء واشرف من ساعین واستعلی من جبال فاران۔ [3]	اللہ تعالٰی سیناء کے پہاڑ سے آیا اور ساعین کے پہاڑ سے جھانکا اور مکہ معظّمہ کے پہاڑوں سے بُلند ہوا۔

ذکرہ تحت اٰیۃ بورک (اسے آیہ بورک کے تحت ذکر کیا۔ت)

ضرب ۲۱۳: طبرانی کبیر میں سلمہ بن نفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی اجد نفس الرحمن من ھٰھنا واشار الی الیمن۔ [4]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یمن کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: بے شک میں رحمان کی خوشبو یہاں سے پاتا ہوں۔

ضرب ۲۱۴: مسند احمد وجامع ترمذی میں حدیثِ سابق ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

والذی نفس محمد بیدہ لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلی لھبط علی اللہ عزوجل، ثم	اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جان ہے اگر تم سب سے نچلی زمین تک رسّی لٹکاؤ تو وہ رسّی اللہ تعالٰی پر گرے گی، پھر

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ حسان بن عطیہ دارالکتاب العربی بیروت ۶/ ۷۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۵

[3] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۷/ ۸ دارالکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۴۸

[4] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۵۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/ ۵۲

قرأھوالاول والاخروالظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم o ۔[1]	آپ نے ھوالاول والاٰخروالظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم کوتلاوت کیا۔(ت)

یہاں سے ثابت کہ سب زمینوں کے نیچے ہے۔

ضرب فیصلہ عــــہ **ضرب ۲۱۵: اقول:** یہی آیات واحادیث ہر مجسم خبیث کی دہن دوزی اور ہر مسلم سُنّی کی ایمان افروزی کو بس ہیں اس مجسم سے کہا جائے کہ اگر ظاہر پر حمل کرتا ہے توان آیات واحادیث پر کیوں ایمان نہیں لاتا۔" اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ "[2] (قرآن پاک کی بعض آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو،ت) دیکھ تیرے اس کہنے میں کہ عرش پر ہے اور کہیں نہیں کتنی آیتوں حدیثوں کا صاف انکار ہے،اور اگر ان میں تاویل کی راہ چلتا ہے تو آیاتِ استوا وحدیث مکان میں کیوں حد سے نکلتا ہے،اب یہ تیرا بکنا صریح جھوٹ اور تحکم ٹھہرا کہ تیرا معبود مکان رکھتا اور عرش پر بیٹھتا ہے،اور مومن سُنی کو ان سے بحمد اللہ یوں روشن راستہ ہدایت کا ملتا ہے کہ جب آیات واحادیث عرش وکعبہ وآسمان وزمین وہر موضع ومقام کے لیے وارد ہیں تو اب تین حال سے خالی نہیں،یا تو ان میں بعض کو ظاہر پر محمول کریں اور بعض میں تفویض و تاویل،یا سب ظاہر پر ہوں یا سب میں تفویض و تاویل،اول تحکم بیجا وترجیح بلامرجح اور اللہ عزوجل پر بے دلیل حکم لگادینا ہے،اور شق دوم قطع نظر اُن قاطعہ قاہرہ دلائل زاہرہ تنزیہ الٰہی کے یوں بھی عقلاً ونقلاً ہر طرح باطل کہ مکینِ واحد وقتِ واحد میں امکنہ متعددہ میں نہیں ہوسکتا تو ہر جگہ ہونا اُسی صورت پر بنے گا کہ ہوا کی طرح ہر جگہ بھرا ہو اور اس سے زائد شنیع و ناپاک اور بداہۃً باطل کیا بات ہوگی کہ ہر نجاست کی جگہ،ہر پاؤں کے تلے ہر شخص کے منہ،ہر مادہ کے رحم میں ہونا لازم آتا ہے۔اور پھر جتنی جگہ مکانوں پہاڑوں وغیرہ اجسام سے بھری ہوئی ہے بعینہٖ اس میں بھی ہو تو تداخل ہے اور نہ ہو تو اس میں کروڑوں ٹکڑے پرزے جوف سوراخ لازم آئیں گے،اور جو نیا پیڑ اُگے نئی دیوار اُٹھے تیرے معبود کو سمٹنا پڑے ایک نیا جوف اس میں اور بڑھے اور اب استوا کے لیے عرش اور دار کے لیے

عــــہ: لفظِ فیصلہ کے بھی ۲۱۵ عدد ہیں منہ۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ الحدید حدیث ۳۳۰۹ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۹۵،مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۷۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۸۵

جنت بیت کے لیے کعبے کی کیا خصوصیت رہے گی۔لاجرم شق سوم ہی حق ہے اور آیاتِ استوا سے لے کر یہاں تک کوئی آیت و حدیث ان محال و بے ہودہ معنی پر محمول نہیں جو ناقص افہام میں ظاہر الفاظ سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ تفہیم عوام کے لیے اُن کے پاکیزہ معانی ہیں، اللہ عزوجل کے جلال کے لائق جنہیں ائمہ کرام اور خصوصًا امام بیہقی نے کتاب الاسماء میں مشرحًا بیان فرمایا اور ان کی حقیقی مراد کا علم اللہ عزوجل کو سپرد ہے۔

امنّا بہ کل من عند ربنا وما یذکر الا اولو الالباب o والحمد اللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین امین !	ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے، اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔اور درود و سلام نازل ہو سید المرسلین محمد مصطفیٰ پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔آمین (ت)

ساتواں تپانچہ

الحمدُ للہ مسئلہ عرش ورَدِّ مکان سے فراغ پایا کہ یہی رسالے کا موضوع اصلی تھا اب تحریر وہابیت تخمیر کے دو[۲] حرف اخیر دو مسئلہ دیگر کے متعلق باقی ہیں اُن کی نسبت بھی سرسری دو چار ہاتھ لیجئے کہ شکایت نہ رہے۔

قولہ مسئلہ : فرضوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔

الجواب :

کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے فرضوں کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا ثابت نہیں۔

اقول : ضرب ۲۱۶ : کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے اللہ تعالٰی کا عرش کے سوا اور کہیں نہ ہونا ثابت نہیں دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا بے حدیث صحیح بدعت مگر خدا پر حکم لگادینے کو صرف تیرے زبان ادعا کی حاجت ع

نجدی بے شرم شرم ہم بدار

(بے شرم نجدی! کچھ شرم کر)

ضرب ۲۱۷ : کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے عرش کا امکانِ الٰہی ہونا ثابت نہیں، اپنے رب کے حضور التجا کے لیے ہاتھ پھیلانے کو حدیثِ صحیح کی ضرورت، مگر اللہ عزوجل کو گالی دینے اس کی مخلوقات سے مشابہ بنادینے کو فقط تیری بدلگام زبان حجت ع

مکن خود را مکان در قعرِ نار

(اپنا مکان مت بنا آگ کی گہرائی میں۔ت)

ضرب ۲۱۸: کسی صحیح حدیث قولی و فعلی و تقریری سے فرضوں کے بعد دُعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ثابت نہیں۔ پھر تم لوگ کس منہ سے منع کرتے ہو، کیا منع کی شریعت تمہارے اپنے گھر کی ہے یا جواز کے لیے حاجت دلیل ہے ممانعت دلیل سے مستغنی ہے۔

ضرب ۲۱۹: اگر صحیح سے مقابل حسن مراد تو ہرگز حجت اس میں منحصر نہیں، صحیح لذاتہ و صحیح لغیرہ و حسن لذاتہ و حسن لغیرہ سب حجت اور خود مثبت احکام ہیں، اور اگر حسن کو بھی شامل تو انکار صرف بنظر خصوص محل ہے، یا بمعنی عدم ثبوت مطلق ثانی قطعًا باطل، بکثرت صحیح و معتمد احادیث قولی و فعلی و تقریری سے نماز کے بعد دعا مانگنا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت۔ یونہی ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب سے ہونا بکثرت احادیث صحیحہ و معتبرہ قولی و فعلی و تقریری سے ثابت، یہ سب حدیثیں صحاح و مشکوۃ و اذکار و حصن حصین وغیرہا میں مروی و مذکور، اور بعد ثبوت اطلاق بے اثبات تخصیص ممانعت خاص قاعدہ علم سے دور و مہجور۔

ضرب ۲۲۰: مقام مقامِ فضائل ہے اور اس میں ضعاف بالاجماع مقبول، دیکھو حضرت عالم اہلسنت مدظلہ العالی کا رسالہ **الھاد الکاف فی حکم الضعاف** تو مطالبہ صحت سراسر جہل واعتساف۔

اقول: مصنف ابن ابی شیبہ کی حدیث جو بطریق اسود عامری بعض اہل بریلی کے فتوے میں منقول ہے۔ وہ باتفاق محدثین ضعیف و پایہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ اسود عامری مجہول العین والحال ہے۔

اقول: ضرب ۲۲۱: ادعائے اتفاق محض کذب و اختلاق، مجہول العین بہت ائمہ محققین کے نزدیک مقبول ہے اور مجہول الحال میں بھی بعض اکابر کا مذہب قبول ہے، امام نووی مقدمہ منہاج میں فرماتے ہیں:

المجھول اقسام مجھول العدالۃ ظاھرا وباطنا و مجھولھا باطنا مع وجود ھا ظاھرا وھو المستور و المجھول العین فاما الاول فالجمھور علی انہ لایحتج بہ واما الاخران فاحتج بھما کثیرون من المحققین[1]۔	مجہول کی کئی اقسام ہیں، مجہول العدالۃ ظاہرًا و باطنًا، مجہول العدالۃ باطنًا مع وجود العدالۃ ظاہرًا، یہ مستور ہے اور مجہول العین، صرف پہلی قسم کو جمہور دلیل نہیں بناتے لیکن آخری دو قسموں کو محققین میں سے کثیر نے دلیل بنایا ہے۔ (ت)

[1] مقدمہ منہاج للنووی مع صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷

(زیادہ تفصیل درکار ہو تو حضرت عالم اہلسنت مدظلہ العالی کی کتاب مستطاب منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین افادہ دوم صدر کتاب وفائدہ چہارم آخر کتاب کے مطالعے سے مشرف ہو)

ضرب ۲۲۲: اسود کی نسبت میزان الاعتدال میں صرف اس قدر ہے:

ماروی عنہ سوی ولدہ دلھم لہ حدیث واحد۔[1]	اس کے بیٹے دلھم کے بغیر اس سے کسی نے روایت نہیں کی اور محدثین کے ہاں اس کی ایک حدیث ہے۔(ت)

اس سے فقط جہالت عین ظاہر ہوتی ہے وہ جہالت حالی کو مستلزم نہیں کہ مجہول العین بہت محققین کے نزدیک مقبول اور مجہول الحال مجروح تو جہالت حال کا حکم آپ کی اپنی جہالت ہے یا ائمہ معتمدین سے روایت علی الثانی ثبوت دیجئے علی الاول آپ کیا اور آپ کی جہالت کیا، آپ کا علم تو جہل ہے جہل کیا ہوگا، آپ اللہ عزوجل ہی کو نہیں جانتے ہیں کہ اس کے لیے مکان مانتے ہیں۔

ضرب ۲۲۳: ذہبی نے بھی یہ قول اپنی طرف سے لکھا اور اُن کی نفی نفی ائمہ کے مثل نہیں ہوسکتی، اب یہیں دیکھئے کہ وہ کہتے ہیں کہ اسود کے لیے ایک حدیث ہے، میں کہتا ہوں ان کی ایک حدیث تو یہی ہے کہ ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کی، دوسری حدیث ان سے سنن ابی داؤد میں ہے جس میں وفادت لقیط بن عامر کا ذکر فرما کر حدیث کے دو لفظ مختصر **بطریق عبد الرحمن بن عیاش سمعی عن دلھم بن الاسود عن ابیہ عن عمہ**[2] ذکر کیے اور تمام و کمال ایک ورق طویل میں متضمن بیانات علم غیب وحشر ونشر وحوض کوثر وغیرہا بطریق مذکور عبداللہ بن الامام کے زوائد مسند میں ہے۔

ضرب ۲۲۴: محدث صاحب! آپ نے حافظ الشان کا قولِ منقح بھی دیکھا وہ تصریح فرماتے ہیں کہ اسود عامری مقبول ہیں جاہل مجہول اگر جہل سے معذور تو زبان کھولنی کیا ضرور۔

ضرب ۲۲۵: حافظ الشان سے سو اوجہ اجل واعظم لیجئے امام اجل ابوداؤد نے سنن میں حدیث مذکور اسود عامری سے روایت کی اور اُس پر اصلاً جرح نہ فرمائی تو حسبِ تصریحات ائمہ حدیث صحیح یا حسن یا لااقل صالح تو ہوئی خود امام ممدوح اپنے رسالہ مکیہ میں فرماتے ہیں:

مالم اذکرہ فیہ شیئا فھو صالح و	جس میں کوئی علت بیان نہ کروں وہ حدیث

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۹۸۲ اسود بن عبداللہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۵۶

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی رزین العقیل لقیط بن عامر الخ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳

بعضہا اصح من بعض۔[1]	درست ہوگی اور ان میں بعض سے بعض اصح ہوں گی۔ت

اب اپنی جہالت کبرٰی دیکھ کہ ائمہ کرام تو اسود کو مقبول اور ان کی حدیث کو صالح فرمائیں اور تجھ جیسا بے تمیز بے ادراک پایہ اعتبار سے ساقط بتائے۔

ضرب ۲۲۶: بالفرض اگر آپ کی جہالت مان بھی لیں اور بفرضِ غلط یہ بھی تسلیم کرلیں کہ مجہول الحال بالاتفاق نامقبول، پھر بھی بالاتفاق پایہ اعتبار سے ساقط بتانا مردود ومخذول، محدث مسکین ابھی احتجاج واعتبار ہی کافرق نہیں جانتے اور چلے حدیثوں پر جرح کرنے، محدث صاحب! مجہول اگر ساقط ہے تو پایہ احتجاج سے نہ کہ پایہ اعتبار سے، دیکھو رسالہ الہادِ الکاف، اور یہاں پایہ اعتبار تک ہونا کافی ووافی ہے بلاخلاف۔

ضرب ۲۲۷: یہ سب کام اس تسلیم پر ہے کہ اسود مذکور فی المیزان ہوں مگر حاشا اس کا تمہارے پاس کیا ثبوت، بلکہ دلیل اس کے خلاف کی طرف ناظر کہ اُن اسود کے باپ صحابی نہیں مجہول ہیں **کما نص علیہ الحافظ** (جیسا کہ حافظ نے اس پر نص کی ہے۔ ت) اور اس اسود کے باپ صحابی **کما ذکر فی نفس الحدیث صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفجر** (جیسا کہ اسی حدیث میں ذکر ہے کہ میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی(ت)

قولہ: اور ابن السنی کے عمل الیوم واللیلہ کی حدیث جو بروایت انس فتوی مذکور میں منقول ہے۔ موضوع ہے کیونکہ اس میں عیسٰی راوی کذاب ہے، یہ دونوں حدیثیں میزان الاعتدال کے اخیر میں موجود ہیں۔

اقول ضرب ۲۲۸: عیسٰی تو کذاب نہیں مگر تم ضرور کذاب ہو اس کی سند میں عیسی کوئی راوی ہی نہیں ؎

ولے از مفتری نتواں برآمد　　　　کہ اواز خود سخن می آفریند

(افترا پرداز سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ خود بات بنالیتا ہے)

---

[1] مقدمہ سنن ابی داؤد الفصل الثانی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴

ضرب ۲۲۹: حکم بالوضع بے دلیل و مردود ہے۔

ضرب ۲۳۰: میزان الاعتدال میں ان احادیث کا ذکر نہیں، کیا بلاوجہ بھی جھوٹ کی عادت ہے اور فاصبر کیا موقع پر ہے۔

قولہ مسئلہ: غیر مقلدوں کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔

الجواب: جو شخص کسی مسلمان کو بلا ثبوت شرعی فاسق یا مبتدع یا کافر کہے خود اسی کا مصداق ہے۔

اقول: ضرب ۲۳۱: بھلا کسی مسلمان کو بلا ثبوت برا کہنا، یہ جرم ہوا اور جو ناپاک بے باک اپنی گمراہی کی ترنگ میں مسلمانوں کے رب کے لیے نہ صرف بلا ثبوت بلکہ قطعًا برخلاف ثبوت شرعی مکان بتائے اسے اس کی مخلوق محتاج کے مانند بنائے وہ مردود کس لفظ کا مصداق ہے اسے کس سزا کا استحقاق ہے۔

ضرب ۲۳۲: اپنے پیر مغان اسمٰعیل دہلوی علیہ ما علیہ کی خوب خبر لی وہ اور اس کی تمام ذریت اہلِ توہب و نجدیت اسی مرض مہلک میں گرفتار ہیں کہ مسلمانوں کو بلا ثبوت شرعی محض بزور زبان وزور بہتان مشرک بدعتی بنانے کو تیار ہیں "**قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ**"[1]۔ (اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ت) مردک نے خود ہی شرک کی تعریف کی کہ جو باتیں خدا نے اپنی تعظیم کے لیے خاص کی ہیں وہ دوسروں کے لیے بجالانا اور پھر شرک کی مثالوں میں گنا دیا، کسی کی قبر پر شامیانہ کھڑا کرنا، کسی کی قبر کو مور چھل جھلنا، **الحمدللہ** کہ تم جیسے سپوتوں نے اس مردک کے خود مشرک ہونے کا اقرار کردیا۔

ضرب ۲۳۳: یونہی تم نئی پود والے جن پرانوں سیانوں کے گرگے ہو یعنی یہی دہلوی اور اس کے اذناب غوی تم سب کا مسلک ناپاک ہے کہ تقلید ائمہ کو بلا ثبوتِ شرعی شرک اور مقلدین کو مشرک کہتے ہو، **الحمدللہ** کہ تم خود اپنے منہ آپ مشرک بنے کہ کردکہ نیافت۔

ضرب ۲۳۴: تمہارے طائفہ غیر مقلدین کا فساق مبتدعین ہونا بے ثبوت شرعی نہیں بلکہ علمائے عرب و عجم بکثرت دلائل قاہرہ سے ثابت فرماچکے سینہ زوری سے نہ ہارو تو اس کا کیا علاج۔

ضرب ۲۳۵: جناب شیخ مجدد الف ثانی رسالہ مبدو معاد میں فرماتے ہیں:

مدتے آرزوئے آں داشت کہ وجہے پیدا شود وجیہ در مذہب حنفی تادر خلف امام قراءتِ فاتحہ نمودہ آید امابواسطہ رعایت مذہب بے اختیار	مدت تک یہ آرزو رہی کہ حنفی مذہب میں قرات خلف الامام کی کوئی صورت بن جائے تاہم غیر اختیاری طور پر مذہب کی رعایت میں امام کی

[1] القرآن الکریم ۶۳/۴

ترک قراءت میکردوایں ترک راازقبیل ریاضت مجاہدہ می شمرد، آخر الامر سبحانہ تعالٰی بہ برکت رعایت مذہب کہ نقل از مذہب الحادست، حقیقتِ مذہب حنفی در ترک قراءت ماموم ظاہر ساخت وقراءت حکمی از قراءت حقیقی در نظر بصیرت زیبا ترنمود۔[1]	اقتداء میں قراءت نہ کی، اس ترک قراءت کو تکلف محسوس کرتا رہا، بالآخر مذہب کی رعایت کی برکت سے مقتدی کے لیے ترک قراءت کی حقیقت ظاہر ہوگئی جب کہ اپنے مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہونا الحاد ہے، چنانچہ حقیقی قرءات سے حکمی قراءت نظرِ بصیرت میں خوب تر معلوم ہوئی۔(ت)

یہاں حضرت ممدوح غیر مقلدوں کو صاف صاف ملحد فرمارہے ہیں، آپ کے نزدیک یہ فرمانا مطابق ثبوت شرعی ہے جب تو آپ اور آپ کے سارے طائفے کو الحاد و بے دینی کا خلعت مبارک، پھر آپ فاسق و مبتدع کہنے پر کیوں بگڑیں۔ ہاں شاید یوں بگڑے ہو کہ مرتبہ گھٹادیا ملحد زندیق سے نرا فاسق مبتدع رکھا، اور اگر یہ فرمانا بے ثبوت شرعی ہے تو آپ کے طور پر حضرت شیخ مجدد معاذ اللہ ملحد قرار پائیں گے جلد بتاؤ کہ دونوں شقوں سے کون سی شق تمہیں پسند ہے، ہنوز بس نہیں، جب جناب شیخ ایسے ٹھہریں گے تو شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب کہاں بچیں گے کہ یہ ان کے مرید ان کے معتقد ہیں انہیں اکابر اولیاء سے جانتے ہیں اور جو کسی ملحد کو مسلم کہے خود ملحد ہے نہ کہ امامِ اسلام وولی والا مقام کہنے والا، اور ابھی انتہا کہاں، جب یہ سب حضرات ایسے ہوئے تو وہابیہ مخذولین کا شیخ مقتول اسمٰعیل مخذول علیہ ما علیہ کدھر بھاگے گا، یہ تینوں کا مداح تینوں کا غلام تینوں کو ولی کہے تینوں کو امام، تو یہ خود ملحد در ملحد ملحدوں کا ملحد ہوا، اور اب تم کہاں جاتے ہو تم اس ایک کے ویسے ہی ہو جیسا وہ اُن تین کا تو دیگ الحاد کی پچھلی کھرچن الحادی بوتل کی نیچے کی تلچھٹ تم ہوئے اب کہو کون سی شق پسند رہی، ہر شق پر الحاد کی آفت تمہارے ہی ماتھے گئی۔

قولہ: ائمہ دین و مسلمانان قرونِ ثلثہ سب غیر مقلد تھے۔

اقول: ضرب ۲۳۶: محض جھوٹ ہے، تابعین و تبع تابعین میں تو لکھوکھا مقلدین تھے ہی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں بھی ہزاروں حضرات خصوصًا اعراب و اکثر طلقاء مقلد تھے۔ قرونِ ثلثہ کے کروڑوں مسلمانوں میں ہر شخص کو مجتہد جاننا آپ ہی جیسے فاضل اجہل کا کام ہے ایمان

---

[1] مبدء ومعاد مجدد الف ثانی مطبع مجددی امرتسر انڈیا ص ۳۷

سے کہنا قرونِ ثلثہ میں کبھی کسی کا کسی عالم سے مسئلہ پوچھنا اور وہ جو فرمائے اس پر عمل کرنا ہوا یا نہیں، بے شک ہوا اور ہر قرن میں ہوا اور شب و روز ہوتا رہا، اور تقلید کس چیز کا نام ہے، اگر کبھی خواب میں بھی کتبِ حدیث کی ہوا لگی ہوتی تو معلوم ہوتا کہ عوام و علماء کا یہ استفتاء وافتاء نہ صرف زمانہ صحابہ بلکہ زمانہ رسالت سے ہمیشہ رائج رہا۔

ضرب ۲۳۷: اہل زمانہ غیر مقلدین کے بارے میں سوال کریں کہ ان کے پیچھے نماز کیسی ہے؟ علمائے سنت جواب فرمائیں کہ ممنوع و مکروہ ہے، اس سوال وجواب کو ائمہ مجتہدین پر حمل کرنا، جہالت نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ حرامزدگی ہے، غیر مقلد اس طائفہ تالفہ ضالہ حائفہ کا نام ہے جو بتقلیدِ شیطانِ لعین تقلیدِ ائمہ دین سے انکار رکھتا ہے، مقلدین ائمہ کو مشرک کہتا ہے اپنے ہر خرنا مشخص کو بے اتباع ارشادات ائمہ اپنی عقل ناقص پر چلنے کا حکم دیتا ہے ناموں کے معانی لغوی لے کر غیر مسمّٰی پر حمل کرنا کیسی حماریت کبری ہے، یہ وہی مثل ہوئی کہ قارورے کو قارورہ کیوں کہتے ہیں اس لیے کہ اس میں پانی کا قرار ہے تو تمہارا پیٹ بھی قارورہ ہوا کہ اس میں بھی پانی کا قرار ہوتا ہے۔ جرجیر کو جرجیر کیوں کہتے ہیں اس لیے کہ وہ تجرجر یعنی حرکت کرتا ہے تو تمہاری داڑھی بھی جرجیر ہوئی کہ اسے بھی جنبش ہوتی ہے۔

ضرب ۲۳۸: اگر بفرض باطل لفظ غیر مقلدین ائمہ مجتہدین کو بھی شامل مانیے تو لفظ کے مصداق جب دو قسم ہوں ایک محمود، دوسری مذموم، اور محمود زمانہ سلف میں تھے اب تنہا مذموم باقی ہیں تو اب حکم مذمت میں قید و تخصیص کی ضرورت نہیں ہر عاقل کے نزدیک حکم انہیں موجودین کے لیے ہوگا اسے عام سمجھنے والا یا مکابر سرکش ہے یا مسکین بارکش، مثلاً ہر مسلمان کہتا ہے کہ یہود و نصارٰی کافر ہیں اس پر شخص جو اعتراض کرے کہ زمانہ موسوی کے یہود، عصرِ عیسوی کے نصارٰی کہ دین حق پر قائم تھے مومنین تھے تم نے سب کو کافر کہہ دیا، تو یہ معترض انہیں دو حال سے خالی نہیں یا حرامزادہ وہ شریر ہے یا خر مسکین۔

قولہ: تقلید ایک امر مستحدث ہے اور چوتھی صدی میں ایجاد ہوئی۔

اقول: ضرب ۲۳۹: سخت جھوٹے ہو بلکہ تقلید واجب واجب شرعی ہے، قرآن و حدیث نے لازم کی، زمانہ رسالت سے رائج ہوئی، قال اللہ تعالٰی:

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝" [1]۔	اہلِ ذکر سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے۔ (ت)

وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم:

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

الاسألوااذلم یعلموافانماشفاء العی السؤال [1]۔	انہوں نے خود نہ جاننے پر پوچھا کیوں نہیں کیوں کہ عاجز کا علاج پوچھنا ہے۔(ت)

ہاں تمہارے طائفہ گمراہ کی غیر مقلدی بہت نو پیدا حدث ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی نے بارھویں صدی میں نکالی، دیکھو سردار علمائے مکہ معظّمہ شیخ العلماحضرت سیدنا احمد زین قدس سرہ کا رسالہ الدررالسنیہ فی الردعلی الوھابیہ۔

ضرب ۲۴۰: ہم اہلسنت کو ان گمراہوں سے نزاع اوّلاً تقلید کو شرک بتانے، ثانیاً اس کے حرام ٹھہرانے، ثالثاً بے لیاقت اجتہاد اس کا ترک جائز بتانے میں ہے، یہ چالاک عیار تینوں کو چھوڑ کر تقلید شخصی میں الجھنے لگتے ہیں، یہ ان مکاروں کا قدیم طریقہ جان بچانے کا ہے، یہ نئی پرواز کے پٹھے بھی یہی چال چلے پھر بھی چوتھی صدی جھوٹ بنالی، ان کے شیخ مقتول اسمٰعیل مخذول کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب رسالہ انصاف میں انصاف کر گئے کہ:

بعد المائتین ظھر بینھم التمذھب للمجتھدین باعیانھم وقل من کان لایعتمد علی مذھب مجتھد بعینہ وکان ھذاھوالواجب فی ذٰلك الزمان [2]۔	یعنی دو صدی کے بعد خاص ایک مجتہد کے مذہب کا پابند بننا اہل اسلام میں ظاہر ہوا کہ کم ہی کوئی شخص تھا جو ایک امام معین پر اعتماد نہ کرتا ہو اور یہی واجب تھا اس زمانے میں۔

قولہ: اور جو بات امورِ دین میں بعد قرونِ ثلٰثہ کے ایجاد ہوئی بالاتفاق بدعت ہے **وکل بدعۃ ضلالۃ**۔

ضرب ۲۴۱: جیسی تمہاری غیر مقلدی کہ تین چھوڑ بارھویں قرن میں قرن الشیطان کے پیٹ سے نکلی،

ضرب ۲۴۲: شیر کے بن میں ڈکرانے والا بیل اپنی موت اپنے منہ مانگتا ہے، اللہ تعالٰی کے لیے مکان ثابت کرنا بتا تو دے کہ قرون ثلثہ میں کس نے مانا، تو تیرا قول بدتراز بول تیرے ہی منہ سے بدعت وضلالت وفی النار اور تو بدعتی گمراہ مستحق نار ہے۔

ضرب ۲۴۳: اللہ عزوجل کے احاطہ ذاتیہ کا انکار قرون ثلٰثہ میں کس نے کیا، یہ بھی تیری بدعت و

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المجذور یتیمم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴۹

[2] رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ الخ مکتبہ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۱۹

ضلالت ہے۔

ضرب ۲۴۴: صفاتِ الٰہیہ میں صرف علم کو محیط ماننا جس سے اس کی قدرت، اس کے سمع اس کی بصر، اس کی مالکیت، اس کی خالقیت کے احاطے کا انکار ثابت ہوتا ہے، قرونِ ثلثہ میں کون اس کا قائل تھا، یہ بھی تیری گمراہی و بدمذہبی ہے۔

ضرب ۲۴۵: استواء کے وہ تین معنی کہنا اور ان کے سوا چوتھے کو بدعت بتانا قرون ثلثہ میں کس کا قول تھا۔ یہ بھی تیری ضلالت و بددینی ہے۔

ضرب ۲۴۶: فضائلِ اعمال کے ثبوت کو حدیث صحیح میں منحصر کردینا قرون ثلثہ میں کس کا مذہب تھا، یہ بھی تیری بدعت جسارت و بدزبانی ہے۔

ضرب ۲۴۷: بدعت کے یہ معنی لینا کہ جو بات امورِ دین میں بعد قرونِ ثلثہ کے حادث ہوئی اور اسے بالاتفاق بدعتِ ضلالت کہنا اُمتِ مرحومہ پر افتراء ہے، اس کی تحقیق علماء اہلسنت اپنی تصانیف کثیرہ میں فرما چکے، وہ بحث لکھئے تو دفتر طویل ہو، اور پھر مخاطب ناقص العقل کیا قابلِ خطاب، مگر مدعی اپنے اس دعوی اطلاق پر امت کا اتفاق مسند معتمد سے دکھائے ورنہ اپنی جہالت و ضلالت کا آپ سر کھائے۔

قولہ: مفتی بریلی جو تقلید کو امر دینی سمجھتا ہے یقینی مبتدع ہوا اور اس کے فتوے کے مطابق اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوا کما ھو ظاہر افسوس کہ اس نادان دوست نے اپنے ائمہ رحمہم اللہ تعالٰی کے پیچھے بھی نماز پڑھنے کو ناجائز کردیا۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی

گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد

نعوذ باللہ من ھفواتہ۔

مجھے خوشی ہے کہ تم رقیبوں سے دامن بچا کر گزر گئے اگرچہ میری مشتِ خاک بھی برباد ہوگئی، اللہ تعالٰی اس کی بے ہودہ باتوں سے بچائے۔ (ت)

ضرب ۲۴۹:

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد — میلش اندر طعنہ پاکاں زند

(جب اللہ تعالٰی کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو پاک لوگوں پر طعنہ میں اسے مشغول کردیتا ہے۔ ت)

مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ لفظ مبتدع کے مستحق معاذ اللہ علمائے اہلسنت میں یا یہ بددین گمراہ کہ اللہ کو مکانی مانتا

جسمانی جانتا اس کی قدرت و سمع و بصر و خالقیت و مالکیت وغیرہا کو محیط نہیں سمجھتا ائمہ دین سے باقرار خود رقابت رکھتا ہے عیاذًا باللہ وہ مبتدع ہیں یا اس وہابیہ کے نئے پٹھے کا پرانا گرو گھنٹال شیخ مقتول اسمٰعیل مخذول جس کے کفریات میں رسالہ مبارکہ الکوکبۃ الشھابیۃ علٰی کفریات ابی الوھابیۃ تصنیف ہوا اور علمائے عرب و عجم نے اس کے ضلال بلکہ علمائے حرمین طیبین نے اس کے کفر پر فتوی دیا، یہاں اسے یہ دکھانا ہے کہ جب تقلید کو امر دینی سمجھنے والا معاذاللہ مبتدع ہوا تو اب شاہ ولی اللہ کی خبریں کہیے جو نہ مطلق تقلید بلکہ دوصدی کے بعد خاص تقلید شخصی کو واجب کہتے ہیں جس کی عبارت ابھی گزری۔

ضرب ۲۵۰: اور جناب مجددیت مآب کی نسبت کیا حکم ہوگا جو تقلید نہ مطلق تقلید بلکہ خاص تقلید شخصی کو ایسا سخت ضروری و مہم ترامر عظیم دینی مانتے ہیں کہ اس کے ترک کو الحاد و بے دینی جانتے ہیں، عبارت اوپر گزری، اور سنئے کہ وہ صحیح و مستفیض حدیثوں کو فقہی روایت کے مقابل نہیں سنتے اور روایت بھی کیسی کہ خود مختلف آئی اور اختلاف بھی کیسا کہ اپنے ہی ائمہ کا فتوی تک مختلف امام محمد کی کتاب میں خود اس کے خلاف، اور حدیثوں کے مطابق اپنا اور حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب مذکور کہ التحیات میں اشارہ کیا جائے اور اس پر بھی ائمہ فتوی نے دیا مگر صرف اس بنا پر کہ یہ روایت ہمارے امام سے مشہور نہیں احادیث پر عمل کرنا جائز نہیں بتاتے، اس سے بڑھ کر تقلید اور وہ بھی خاص شخصی کو دینی ضروری سمجھنا اور کیا ہو سکتا ہے، مکتوبات جلد اول مکتوب ۳۱۲ میں فرماتے ہیں:

مخدوما احادیث نبوی علٰی مصدرہا الصلوۃ والسلام درباب جواز اشارت سبابہ بسیار وارد شدہ اند وبعضے از روایات فقہیہ حنفیہ نیز دریں باب آمدہ وانچہ امام محمد گفتہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یشیر ونصنع کما یصنع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ثم قال ھذا قولی و قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما از روایاتِ نوادرست مامقلدان رانمی رسد کہ بمقتضائے احادیث عمل نمودہ جرأت دراشارت نمائیم	اے ہمارے مخدوم! تشہد میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کی کثیر احادیث وارد ہیں اور بعض حنفی حضرات کی اس بارے میں روایات فقہیہ بھی آئی ہیں، اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اشارہ فرماتے تھے اور ہم وہ کریں گے جو نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرتے تھے۔ پھر انہوں نے فرمایا میرا اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہی قول ہے، تو یہ نادر روایات میں سے ہے، تو ہم مقلد لوگوں کو براہِ راست حدیث پر عمل نہیں کرنا چاہیے، کہ اشارہ کرنے کی جرات کریں،

اگر گویند کہ علمائے حنفیہ برجواز اشارت نیز فتوٰی دادہ اند گویم ترجیح عدمِ جواز راست اھ ملتقطا۔[1]	اگر کہا جائے کہ حنفی علماء نے اشارہ کے جواز پر فتوے دیا ہے تو میں کہوں گا کہ ترجیح عدمِ جواز کو ہے اھ ملتقطا (ت)

اب مبتدعی کہ خبریں کہیے اور تقریر سابق بھی یاد رکھیے کہ ان کی شان میں کوئی کلمہ کہا اور ساتھ لگے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز صاحب بھی گئے اور بلا پس ہو تینوں کو جانے دو وہ سب میں چہیتے اسمٰعیل جو گئے اور ان کے صدقے گیہوں کے گھن، اور تمہارے سب طائفے والے جہنم بدعت وضلالت کے قعر میں پہنچے، افسوس کہ اس نامرد ہاتھی نے اپنی ہی فوج کا زیاں کیا اس کچی پینڈی نے اپنے سفرہ و دستار خوان کا نقصان کیا، اسمٰعیل اور سارے طائفہ مردود و ذلیل کو بدعتی گمراہ جہنمی مان لیا ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز کردیا۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی گو جائے ذکر ماہم آں تنگ دل ندارد

مجھے خوشی ہے کہ تم رقیبوں سے دامن بچا کر گزر گئے، اگرچہ ہمارے ذکر پر بھی وہ تنگ دل نہیں ہوتے۔ ت)

نعوذ باللہ من ھفواتہ وھمزات اسمعیل وھناتہ رب انی اعوذبك من ھمزات الشیطین، واعوذبك ان یحضرون ۝ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین امین!	ہم اللہ تعالٰی کی پناہ چاہتے ہیں اس کے لغویات اور اسمٰعیل کی وسوسہ انگیزیوں اور باعثِ شرم باتوں سے۔ اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں شیطان کی وسوسہ انگیزیوں سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں شیطانوں کی حاضری سے، اور ہماری آخری بات یہ ہے تمام حمدیں اللہ تعالٰی رب العالمین کے لیے ہیں، اور صلوۃ وسلام ہو، رسولوں کے سردار ہمارے آقا محمد اور انکی آل واصحاب سب پر، آمین (ت)

الحمد للہ کہ یہ مختصر اجمالی جواب پانزدہم شہر النور والسرور ماہِ مبارک ربیع الاول ۱۳۱۸ھ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا الصلوۃ و التحیہ کو باوصف کثرتِ کار وہجوم اشغال تعلیم وتدریس ومجالس مبارکہ میلاد سراپا تقدیس وقت فرصت کے قلیل جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ قوارع القھار علی المجسمۃ الفجار ۱۳۱۸ھ

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی مکتوب ۳۱۲ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۴۴۸ تا ۴۵۱

نام ہوااس التزام کے ساتھ کہ مسئلہ مکان میں صرف اسی شخص کی سند گنائی ہوئی کتابوں کی عبارتیں پیش کروں گا، عدد ڈھائی سو ضرب تک پہنچااور اس کی مستند کتابوں میں بھی تفسیر ابن کثیر موجود نہ تھی ورنہ ممکن تھاکہ عدد اور بڑھتا، یونہی کتاب العلو مضطرب منہافت اور اس کے علاوہ پاس بھی نہ تھی اور اگر قلم کو اس مخالف کی اس قدر جائے تنگ میں محصور نہ کیا جاتا تو ضربوں کی کثرت لطف دکھاتی، پھر بھی اُن معدود سطور پر ڈھائی سو کیا کم ہیں۔ وباللہ التوفیق، واللہ سبحنہ وتعالٰی الھادی الی سواء الطریق وصلی اللہ تعالٰی علی النبی الکریم محمد وآلہ وبارك وسلم امین۔

مسئلہ ۵۲: از شہر مدرسہ اہلسنت وجماعت منظر اسلام مسئولہ مولوی اکبر حسن خان رامپوری طالب علم مدرسہ مذکور ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کمترین خدمت خدامان حضرت میں عارض ہے انگریزوں کے یہاں بدلائل عقلیہ ثابت ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں اور یہ جو نیلگوں شے محسوس ہوتی ہے وہ فضا ہے، اور اختلافِ لیل ونہار سب حرکت ارض ہے۔ اور نہ ستاروں کی حرکت ہے، ہر ستارہ کی کشش دوسرے کو روکے ہوئے ہے جس طرح مقناطیس امید کہ کوئی قوی دلیل عقلی ونقلی وجودِ آسمان پر افادہ فرمائی جائے۔

الجواب:

وجود آسمان پر آسمانی کتابوں سے زیادہ کیا دلیل درکار ہے تمام آسمانی کتابیں اثبات وجودِ آسمان سے مالا مال ہیں، قرآن عظیم میں تو صدہا آیتیں ہیں جن میں آسمان کا ابتداء میں دھواں ہونا بستہ چیز پھر رب العزت کا اسے جدا جدا کرنا پھیلانا، سات پر بنانا، اس کا چھت ہونا اس کا نہایت مضبوط بنائے مستحکم ہونا، اس کا بے ستون قائم ہونا، اللہ تعالٰی کا اسے اور زمین کو چھ دن میں بنانا، روز قیامت اس کا شق ہونا، اٹھا کر زمین کے ساتھ ایک بار ٹکرادیا جانا، پھر اس کا اور زمین کا دوبارہ پیدا ہونا وغیرہ وغیرہ صاف روشن ارشاد ہیں کہ ان کا انکار نہیں کرسکتا مگر وہ جو اللہ ہی کا منکر ہے، نیز قرآن عظیم میں جابجا یہ بھی تصریح ہے کہ جو ہم کو نظر آرہا ہے یہی آسمان ہے تو اس میں گمراہ فلسفیوں کا رد ہے جو آسمانوں کا وجود تو مانتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ وہ نظر نہیں آسکتے یہ جو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ کرہ بخار ہے۔ ان نصرانیوں اور ان یونانیوں سب بطلانیوں کے رد میں ایک آیہ کریمہ کافی ہے کہ:

"اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَھُوَ اللَّطِیۡفُ	کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک

الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ "[1]۔	خبردار۔

بنانے والا جو فرمارہا ہے وہ تو نہ مانا جائے اور دل کے اندھے سمجھ کے اوندھے جو اٹکلیں دوڑاتے ہیں وہ سنی جائیں، اس سے بڑھ کر گدھا پن کیا ہوسکتا ہے، یہ بائیبل جو اب نصارٰی کے پاس ہے اس کی پہلی کتاب کا پہلا باب آسمان وزمین کے بیان پیدائش ہی سے شروع ہے رہی دلیل عقلی، ذرا انصاف درکار، اتنا بڑا جسم جسے کروڑوں آنکھیں دیکھ رہی ہیں اس کا وجود محتاج دلیل ہے یا جو کہے یہ معدوم محض یہ سب آنکھوں کی غلطی ہے یہ نِری دھوکا کی ٹٹی ہے اس کے ذمے ہے کہ دلیل قطعی سے اس کا عدم ثابت کرے یوں تو ہر چیز پر دلیل عقلی قائم کرنی ہوگی آفتاب جسے نصارٰی بھی مانتے ہیں کیا دلیل ہے کہ یہ فی نفسہ کوئی وجود رکھتا ہے اور نگاہ کی غلطی نہیں غرض محسوسات سے بھی امان اٹھ کر دین و دنیا کچھ قائم نہ رہیں گے عنادیہ کا مذہب آجائے گا۔ **ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۳: از لاہور حویلی میاں خان نزد مکان حکیم محمد انور صاحب مرسلہ اللہ دیا شاعر ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

میں ایک حنفی المذہب شخص ہوں میں نے ایک مجمع میں جس میں غیر مقلد و مرزائی وغیرہ شامل تھے یہ کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات لایزال ہے اور اس کو زوال نہیں جس پر انہوں نے مجھے کافر مشرک اور بے دین کہا یہ بھی کہا کہ کسی عالم نے آج تک اس مسئلہ پر کچھ نہیں لکھا اس واسطے تم جھوٹے ہو، آپ کی خدمت اقدس میں عرض ہے کہ اس کے متعلق فتوٰی عنایت فرمائیں میں نے لاہور کے چند علماؤں سے اس کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم راستی پر ہو اور انہوں نے مجھے فتوی بھی دیئے۔ اب میری یہ آرزو ہے کہ میں ان فتوؤں کو جمع کرکے چھپوادوں، چونکہ آپ ہماری جماعت حقہ کے حکیم حاذق ہیں اور ہمیں آپ کی ذات بابرکت پر بڑا فخر و ناز ہے۔

الجواب:

بے شک حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات و صفات و فضائل و کمالات کبھی زوال پذیر نہیں بلکہ ہمیشہ مترقی ہیں، **قال اللہ تعالٰی۔**

"وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾ "[2]۔	اور بے شک پچھلی تمہارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔ (ت)

یہاں کسی عاقل مسلم کی یہ مراد نہیں ہوسکتی کہ حرکت و انتقال منتفی ہے، نہ کوئی مسلمان اس کی نفی کرے گا۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۷ / ۱۴

[2] القرآن الکریم ۹۳ / ۴

تصدیق وعدہ الٰہیہ کے لیے جو ایک آن کے لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو طریان موت ہو کر معًا حیاتِ حقیقی ابدی روحانی جسمانی بخشی جاتی ہے، یہ حضور کے لیے نہ ہوئی بلکہ اس سے حضور کی برزخ میں حیاتِ ابدی اور فضائل اقدس میں ترقی دوامی مراد ہوگی بلاشبہہ اُس تصدیقِ وعدہ کے بعد سب انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے ابدیت ذات حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔[1]	انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔(ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق۔[2]	بے شک اللہ تعالٰی نے زمین پر حرام کردیا ہے کہ وہ نبیوں کے جسموں کو کھائے چنانچہ اللہ تعالٰی کا نبی زندہ ہوتا ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے۔(ت)

باوصف قرب معنی صحیح مسلمان کے کلام کو معنی قبیح بلکہ کفر صریح پر حمل کرنا مسلمان کا کام نہیں۔واللہ اعلم۔

مسئلہ ۵۴: از رادھن پور گجرات قریب احمد آباد مرسلہ حکیم محمد میاں صاحب ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

گیارھویں کے لیے آپ کیا فرماتے ہیں، گیارھویں کے روز فاتحہ دلانے سے ثواب زیادہ ہوتا ہے یا آڑے دن فاتحہ دلانے سے، بزرگوں کے دن کی یادگاری کے لیے دن مقرر کرنا کیسا ہے؟

الجواب:

محبوبان خدا کی یادگاری کے لیے دن مقرر کرنا بے شک جائز ہے۔حدیث میں ہے:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یاتی قبور شھداء اُحد علی راس کل حول[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لاتے تھے۔(ت)

شاہ عبدالعزیز صاحب نے اسی حدیث کو اعراس اولیاء کرام کے لیے مستند مانا، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے کہا:

---

[1] شرح الصدور باب احوال الموتٰی فی قبورھم الخ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۷، مسند ابی یعلٰی حدیث ۳۴۱۲ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۳/ ۳۷۹

[2] سنن ابن ماجہ ابواب ماجاء فی الجنائز باب ذکر وفاتہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۹

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۱۳/ ۲۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۳/ ۱۷۰

ازینجاست حفظ اعراس مشائخ۔[1]	مشائخ کے عرس منانا اس حدیث سے ثابت ہے (ت)

گیارھویں شریف کی تعیین بھی اسی باب سے ہی مگر ثواب کی کمی بیشی اس پر نہیں جب کریں ویسا ہی ثواب ہوگا۔ ہاں اوقاتِ فاضلہ میں اعمال فاضلہ زیادہ نورانیت رکھتے ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۵۵: از بریسال ڈاکخانہ مہر گنج محلّہ چڑ لکھی مکان منشی عبدالکریم۔ مرسلہ محمد حسن صاحب ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

آناں بملک ما برائے چند کلام نزع برفع اند اوگا مابین علمائے چند فریق شدہ اند یک دیگرے را وہابی گویند و در پیش آں صلوۃ خوانی مکروہ تحریمی و عقائد قوم و جماعت وہابیہ اینکہ مولود خوانی و زیارتِ قبور و فاتحہ و تسبیح و تہلیل و عرس کردن ایں سب امور را حرام گویند و انجا افعال کنندہ را بدعتی گویند در پیش ایں جماعت را نماز نمی خواند وایں ہر دو جماعت ہمیچال فساد می کنند لکن کیفیت وہابی و سنی چیست نہ معلوم اند۔	ہمارے ملک میں چند اختلافی باتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں جن میں سے پہلی یہ کہ علماء کے درمیان کچھ گروہ ہیں جو ایک دوسرے کو وہابی کہتے ہیں اور ان کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیتے ہیں۔ وہابی قوم کے عقائد یہ ہیں کہ وہ میلاد خوانی زیارتِ قبور، فاتحہ، تسبیح و تہلیل اور عرس کرنے کو حرام کہتے ہیں، اور ایسے افعال کرنے والے کو بدعتی کہتے ہیں، اور انکی جماعت میں نماز نہیں پڑھتے۔ یہ دونوں جماعتیں اس طرح فساد کرتی ہیں لیکن وہابی اور سنی کی کیفیت کیا ہے یہ معلوم نہیں (ت)

الجواب:

دریں دیار منکراں میلاد خوانی و زیارتِ قبور و فاتحہ و تسبیح و تہلیل جز وہابیہ نہ باشند و ہمچناں منکران نفس عرس، اما عرسیکہ مشتمل بر رقص باشد خود ناروا ست نماز پس وہابیہ جائز نیست، در فتح قدر است **روی محمد عن ابی حنیفۃ وابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم ان الصلوۃ خلف اھل الاھواء لاتجوز۔**[2]	اس ملک میں میلاد خوانی، زیارتِ قبور، فاتحہ اور تسبیح و تہلیل کا منکر وہابیوں کے سوا کوئی نہیں، یونہی نفس عرس کا منکر بھی ان کے علاوہ کوئی نہیں، رہا قص پر مشتمل عرس تو وہ خود ناجائز ہے، وہابیوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، فتح القدیر میں ہے: امام محمد نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی کہ بے شک بدمذہبوں کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد پاکستان ص ۵۸

[2] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

انکار امور مذکورہ شعار وہابیہ است ہمچناں استمداد از انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام و یارسول اللہ و یا علی گفتن راشرک می گویند وخلاصہ مذہب ایشاں آنست کہ امام آنہا در تقویۃ الایمان [1] گفت کہ جز خدا ہیچ کس را قائل مباش و مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راخود ہمیں بزرگی داشت چنانکہ برادر کلاں رابر برادر خورد وازیں قسم بسیار سخنہائے گستاخی بانبیاء و اولیاء خود حضور سیدالانبیاء علیہم الصلوۃ والثناء چادیدہ است حاصل مذہب ایں خبثا آنست کہ حضرت مولوی قدس سرہ در مثنوی شریف فرمود ؎

ہمسری باانبیاء برداشتند
اولیاء راہمچو خود پنداشتند [2]

واللہ تعالٰی اعلم۔

امور مذکور کاانکار وہابیوں شعار ہے،اسی طرح اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے مدد مانگنے اور یارسول اللہ اور یاعلی کہنے کو شرک قرار دیتے ہیں،ان کے مذہب کاخلاصہ وہ ہے جوان کے امام نے تقویۃ الایمان میں کہا کہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی کا قائل مت ہو،اور محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کوخود پر صرف اتنی بڑائی دیتے ہیں جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر۔اس قسم کی بہت سی گستاخانہ باتیں نبیوں، ولیوں اور خود حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ پر چسپاں کرتے ہیں۔ان خبیثوں کے مذہب کاحاصل وہ ہے جو حضرت مولوی (مولانا روم) قدس سرہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ہے انہوں نے نبیوں کے ساتھ برابری کا دعوی کھڑا کردیا اور اولیاء اللہ کواپنے جیسا سمجھ لیا ہے۔(ت)

مسئلہ ۵۶ تا ۶۲: از فورٹ سنڈیمن بلوچستان رسالہ زوب ملیشیہ مرسلہ مستری احمد الدین ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) مولود شریف کرنا کیسا ہے اور بوقتِ بیانِ ولادت شریف قیام کرنا کیسا ہے؟

(۲) گیارھویں حضرت پیرانِ پیر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی کرنی کیسی ہے؟

(۳) کھانا آگے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر ختم دینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۴) اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ کہنا،آپ کو حاضر ناظر جاننا اور عالم الغیب ماننا کیسا ہے؟

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۱

[2] مثنوی معنوی حکایت مرد بقال الخ موسستہ انتشارات اسلامی لاہور دفتر اول ص ۵۸

(۵) بزرگوں کی قبروں کی زیارت کے لیے دور دراز سے سفر کرنا عرس اور قبروں کا طواف اور بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

(۶) ہر دو طریق پر میت کا اسقاط کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۷) جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر ۱۲ رکعت پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب ہر ہشت سوال

(۱) مولود شریف یعنی خاص بیان ولادت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خالی از منکراتِ شرعیہ می باشد جائز ہست مگر قیام کردن و دست برناف بستن بریں اعتقاد کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر میشوذ مجلس مولود را غیر صحیح وخلاف عقیدہ ہست۔	(۱) مولود شریف یعنی خاص بیان ولادت سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کہ منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو جائز ہے مگر اس کے لیے قیام کرنا اور اس اعتقاد کے ساتھ ناف پر ہاتھ باندھنا کہ جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محفلِ میلاد میں حاضر ہوتے ہیں صحیح نہیں اور عقیدہ کے خلاف ہے۔
(۲) نذر دادن بروح غوثِ اعظم علیہ الرحمہ اگر خالصًا لوجہ اللہ از برائے ایصال الثواب بروح مقدس شان مے باشد جائز بلکہ حسن ست لکن اگر دروقت نذر کردن خاص نام پیرانِ پیر علیہ الرحمۃ ذکر کند و نام خداوند تعالٰی ترک کند چنانچہ عادت جہال ست پس ناجائز بلکہ خوفِ کفر ہست۔	(۲) غوث اعظم علیہ الرحمہ کی روح پاک کی نذر دینی اگر خالصًا اللہ تعالٰی کی ذات کے لیے ہو اور سرکار غوث پاک کی روح مقدس کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو جائز بلکہ مستحسن کو ثواب پہنچانا مقصود ہو تو جائز بلکہ مستحسن ہے، لیکن اگر نذر کرتے وقت خاص پیران پیر علیہ الرحمہ کا نام ذکر کرے اور اللہ تبارک وتعالٰی کا ذکر چھوڑ دے تو جیسا کہ جاہلوں کی عادت ہے ناجائز ہے بلکہ کفر کا خوف ہے۔
(۳) ودُعا کردن دروقت حضور طعام جائز ہست لیکن بہتر آن ہست کہ بعد فراغ از تناول طعام کردہ شود زیرا کہ حق طعام سابق ہست لکن آنکہ دربعضے شہرہا معروف ہست کہ طلبہ و ملایان را جمع می کنند و برایشاں ختم	(۳) کھانا سامنے رکھ کر دعا کرنا جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ کھانا کھا کر فارغ ہونے کے بعد دعا کی جائے کیونکہ کھانے کا حق مقدم ہے لیکن جو بعض شہروں میں مروج ہے کہ طلباء اور ملاؤں کو جمع کرتے ہیں وہ قرآن مجید ختم کرتے ہیں اور تسبیح و

فارسی	اردو
قرآن شریف و تسبیح و تہلیل می کنند وبعوض آں ایشاں رانان و پیرہا می دہند ناجائز ہست ختم کنندگان را گرفتن فلوس وخوردن طعام حرام ہست وصاحبِ طعام راثوابِ خیرات نمی شود چنانچہ در طریقہ محمدیہ در فصل آخرودر بحر الرائق ودر شامی مذکور ہست۔	تہلیل کرتے ہیں جس کے بدلے میں انہیں روٹی اور پیسے دیئے جاتے ہیں یہ ناجائز ہے ختم کرنے والوں کو پیسے لینا اور کھانا کھانا حرام ہے اور کھانا کھلانے والے کو خیرات کا ثواب حاصل نہیں ہوتا، جیساکہ طریقہ محمدیہ کی فصل آخر بحر الرائق اور شامی میں مذکور ہے۔
(۴) یارسول اللہ گفتن ماسوائے از مواضع بے ادبی در ہر وقت جائز ہست مگر حاضر دانستن جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخالف عقیدہ اہلسنت وجماعت ہست صحیح نیست بلکہ درود شریف یاسلام بخود پیش کردہ مے شود بر روح پاک آنجناب علیہ السلام در مدینہ منورہ نہ آنکہ سیدالانبیاء از برائے او حاضر مے شود، چنانچہ در حدیث نسائی شریف ف وارد شدہ ہست قال علیہ السلام ان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم [1]۔ نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ	**(۴)** یارسول اللہ کہنا بے ادبی کی جگہوں کے سوا ہر وقت جائز ہے مگر سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حاضر جاننا عقیدہ اہلسنت وجماعت کے خلاف ہے اور صحیح نہیں ہے بلکہ درود شریف یا سلام نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح پاک کو خود مدینہ منورہ میں پیش کیا جاتا ہے، یوں نہیں کہ سیدالانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اس کے لیے خود حاضر ہوتے ہیں جیساکہ نسائی شریف کی حدیث میں وارد ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تمہارا درود مجھ تک پہنچتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو۔

ف: انتہائی کوشش کے بعد بھی نسائی شریف میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث نہیں مل سکی البتہ ان الفاظ کے قریب قریب معجم کبیر ومسند احمد بن حنبل میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث ملی ہے۔ **حیثما کنتم فصلّوا علی فان صلوتکم تبلغنی۔** نذیر احمد سعیدی

[1] المعجم الکبیر حدیث ۲۷۲۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۳/ ۸۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی ۲/ ۳۶۷

I.T. Majlis of Dawateislami

تعالٰی علیہ وسلم را عالم الغیب گفتن ناجائز ہست، چنانچہ ملا علی قاری در شرح فقہ اکبر تصریح میکند ثم اعلم ان الانبیاء علیہم السلام لم یعلموا المغیبات من الاشیاء الاما علمہم اللہ احیانا وذکر الحنفیۃ صریحا بالتکفیر باعتقادہ ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالٰی قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ[1]۔	نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عالم الغیب کہنا ناجائز ہے، چنانچہ ملا علی قاری علیہ الرحمہ شرح فقہ اکبر میں تصریح کرتے ہیں پھر تو جان لے کہ بے شک انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام غیب اشیاء کو نہیں جانتے سوائے ان چیزوں کے جن کا علم انہیں اللہ تعالٰی کبھی کبھار عطا فرماتا ہے، اور حنفیّہ نے اس کی تکفیر کا ذکر اس وجہ سے کیا ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اس لیے کہ ان کا یہ اعتقاد اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے مخالف ہے: اے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ فرمادیں کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ غیب نہیں جانتا سوائے اللہ تعالٰی کے۔
(۵) سفر کردن از برائے زیارتِ قبور جائز ہست از جہت اطلاق قولہ علیہ السلام کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروہا[2]۔ وانچہ بعض علماء مثل ابن تیمیہ وغیرہ استدلال بر منع سفر کردہ اند بایں حدیث لا تشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مساجد[3] الخ۔ غلط ہست، چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمہ در احیاء	**(۵)** زیارتِ قبور کے لیے سفر کرنا جائز ہے اس واسطے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد مطلق ہے میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا تو اب ان کی زیارت کیا کرو۔ ابن تیمیہ وغیرہ بعض علماء کا منع سفر پر اس حدیث سے استدلال کرنا غلط ہے کجاوے مت باندھو مگر صرف تین مسجدوں کی طرف چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر حکم تصدیق الکاہن بما یخبر بہ من الغیب مصطفی البابی مصر ص ۱۵۱

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی الذہاب الی زیارۃ القبور قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد باب فضل المساجد الثلاثہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۷

می فرماید وذہب بعض العلماء الی الاستدلال بهذا الحدیث فی المنع من الرحلة لزیارة المشاہد وقبور العلماء والصلحاء و ماتبین لی ان الامر لیس کذلك بل الزیارة مامورة بها قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کنت نهیتکم عن زیارة القبور الخ[1]۔ لکن بوسہ دادن وطواف کردن قبر و عرس وغیرہ ہمہ ناجائز و حرام ہست و نیز مخالف ہست از آداب وطریقہ زیارت کردن، چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ دراحیا می فرمودند وآداب الزیارة ان لایقوم مستقبل القبر مستدبر القبلة ولایقبله ولا ینحنی له[2] الخ بلکہ درانحناء وسجدہ کردن خوفِ کفرست۔

میں فرماتے ہیں: بعض علماء نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ علماء و صلحاء کی قبور اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے سفر کرنا منع ہے اور میرے لیے جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ زیارتِ قبور کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا تو اب ان کی زیارت کیا کرو لیکن قبر کو بوسہ دینا طواف کرنا اور عرس وغیرہ سب ناجائز و حرام ہے اور ایسا کرنا زیارت کرنے کے طریقہ اور آداب کے خلاف ہے، چنانچہ امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: زیارت کے آداب یہ ہیں کہ قبر کی طرف منہ کرکے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرکے مت کھڑا ہو اور نہ قبر کو چومے اور نہ ہی اس کے لیے جھکے الخ بلکہ قبر کے لیے جھکنے اور سجدہ کرنے میں کفر کا خوف ہے۔

(۶) اسقاط کردن بر طریق معروف اگرچہ در قرونِ ثلثہ بریں طریق جاری نبود لیکن علماء فقہ در کتب ہائے خود نقل کردہ ہست واز نصوص وآثار صحابہ ایں حکم رامستنبط کردہ اند چنانچہ علامہ ابن العابدین شامی دریں مسئلہ رسالہ مستقبل چاپ کردہ ہست

(۶) مروج طریقے پر حیلہ اسقاط کرنا اگرچہ قرون ثلثہ میں اس طور پر جاری نہ تھا مگر علماء فقہ نے اپنی کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے اور نصوص وآثارِ صحابہ سے اس حکم کو مستنبط کیا ہے چنانچہ علامہ ابن العابدین صاحب شامی نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ شائع

[1] احیاء العلوم کتاب ذکر اسرار الحج فضیلة المدینة الشریفه الخ مطبعة المشهد الحسینی القاہرہ ۱/ ۲۴۴

[2] احیاء العلوم کتاب ذکر الموت الباب السادس مطبعة المشهد الحسینی القاہرہ ۴/ ۴۹۱

وثابت کردہ ہست کہ اسقاطِ میت جائز ہست ودر نقل عبارت آں رسالہ بسیار طول لازم می شود ازیں وجہ ترک کردم۔	کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ میت کے لیے حیلہ اسقاط جائز ہے چونکہ اس رسالہ کی عبارات کو نقل کرنے میں بہت زیادہ طوالت لازم آتی ہے۔اس لیے میں نے ان عبارات کو ترک کردیا ہے۔
(۷) در عدد رکعات نمازِ جمعہ اختلاف علماء ہست بعضے میگویند کہ بعد از فرضِ جمعہ شش رکعات سنت ہست و چہار رکعت فرض احتیاطی رامنع می کند چنانچہ صاحب بحرالرائق در کتاب خود تصریح کردہ ہست بر منع و میگوید و منشاء جهلهم صلوة الاربع بعد الجمعة بنية الظهروانما وضعها بعض المتاخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها في مصرواحد وليست هذه الرواية بالمختارة وليس هذا القول اعنى اختيار صلوة الاربع بعدها مرويا عن ابي حنيفة و صاحبيه حتى وقع لي اني افتيت مرارًا بعدم صلوتها خوفا على اعتقاد الجهلة بانها الفرض وان الجمعة ليست بفرض۔ [1]الخ، پس از قول صاحب بحرالرائق مطلقًا منع کردن معلوم میشود و بعض علماء	**(۷)** نمازِ جمعہ کی رکعتوں کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ فرض جمعہ کے بعد چھ رکعتیں سنت ہیں اور چار رکعت فرض احتیاطی (احتیاط الظہر) سے منع کرتے ہیں۔ چنانچہ صاحب بحرالرائق اپنی کتاب میں ممانعت پر تصریح فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرضیت جمعہ کے منکرین کی جہالت کا منشاء جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے چار رکعتیں نماز پڑھنا ہے جس کو بعض متاخرین نے صحتِ جمعہ میں شک کی بنیاد پر وضع کیا ہے اور اس شک کا سبب ایک شہر میں تعدد جمعات کے عدمِ جواز والی روایت ہے حالانکہ یہ روایت مختار نہیں اور نہ ہی یہ قول یعنی جمعہ کے بعد چار رکعتیں احتیاط الظہر پڑھنے کا مختار ہونا امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین سے مروی ہے۔ حتی کہ میرے لیے ایسے واقع ہوا کہ میں نے بارہا ان چار رکعتوں کے عدمِ جواز کا فتوٰی دیا اس بات کا خوف کرتے ہوئے کہ جاہل لوگ ان چار رکعتوں کو فرض سمجھ لیں گے اور جمعہ کو فرض نہیں سمجھیں گے۔ الخ صاحب بحرالرائق کے قول سے تو مطلقًا ممانعت

[1] بحرالرائق کتاب الصلوة باب الجمعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۳۹

میگوید کہ بہتر ایں ہست کہ بعد از جمعہ دوازدہ رکعات گزاردہ شود چہار رکعت احتیاطی چنانچہ معروف ہست چنانچہ صاحب شامی نوشتہ ہست **ونقل المقدسی عن المحیط کل موضع وقع الشك فی کونه مصرًا ینبغی لهم ان یصلوا بعد الجمعة اربعًا بنیة الظهر احتیاطًا**[1] **الخ** لکن نزد بندہ مختار ایں ہست کہ قول صاحب بحرالرائق حمل کردہ شود بر عوام الناس و عوام الناس را فتوی دادہ نہ شود بر گزاردن فرض احتیاطی زیرا کہ ایشاں را ضرور تردد واقع میشود ودر فرضیت جمعہ و قول صاحبِ شامی محمول ہست بر خواص ازیں وجہ کہ ایشاں واقف ہست از احوال نیت واصل خلاف پس واقع نمی شود ایشاں را تردد در فرضیت جمعہ و دلیل گرفتہ ام بقول مقدسی **حیث قال نحن لا نامر بذلك المثال هذه العوام بل ندل علیه الخواص**[2] ۔الخ حاصل آنکہ فرض احتیاطی در حق عوام الناس امر نکردہ شود بلکہ خواص را بہتر ہست فقط **السلام علیکم وعلی من لدیکم هذا ما وضع لی واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔**

معلوم ہوتی ہے، بعض علماء کہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے بعد بارہ رکعتیں ادا کی جائیں چار رکعتیں احتیاطی فرض ہیں جیسا کہ معروف ہے، چنانچہ صاحبِ شامی نے لکھا ہے کہ مقدسی نے محیط سے نقل کیا جس جگہ کے شہر ہونے میں شک ہو وہاں لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں فرض احتیاطی بنیت ظہر پڑھیں الخ لیکن بندہ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ صاحب بحرالرائق کے قول کو عوام الناس پر محمول کیا جائے گا چنانچہ عوام الناس کو فرض احتیاطی پڑھنے کا فتوٰی نہیں دیا جائے گا کیونکہ ان کو ضرور جمعہ کی فرضیت میں تردد واقع ہوگا اور صاحب شامی کے قول کو خواص پر محمول کیا جائے گا۔اس لیے کہ وہ نیت کے احوال اور اصل خلاف سے واقف ہیں لہٰذا ان کی فرضیت جمعہ میں کوئی تردد نہ ہوگا۔میں نے مقدسی کے قول سے دلیل پکڑی ہے جہاں انہوں نے فرمایا کہ ہم ایسے احکام کا عوام کو حکم نہیں دیتے بلکہ ان پر خواص کی رہنمائی کرتے ہیں الخ۔خلاصہ یہ کہ فرض احتیاطی کا عوام کو حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ خواص کے لیے بہتر ہے، فقط تم پر اور ان پر جو تمہارے پاس ہیں سلام ہو۔یہ وہ ہے جو مجھے مہیا ہوا، اور اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے۔(ت)

محررہ فقیر مولوی سید بادشاہ ابن مولوی سید محمد صدیق احسن زادہ ساکن ریوزی مورخہ ۳ رمضان

---

[1] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۲

[2] ردالمحتار کتاب الصلوۃ باب الجمعة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۴۲

بخدمت اقدس حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ، استفتاء ہذا ارسال خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں، یہ مولوی صاحب جنہوں نے جواب استفتاء ہذا تحریر فرمایا ہے تعلیم یافتہ مدرسہ دیوبند ہیں لیکن ان کے خیالات یہ ہیں جو انہوں نے ارقام فرمائے ہیں اب یہ تحریر فرمائیں کہ ان مولوی صاحب کو امام مسجد مقرر کرنا اور ان کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے، آیا اس شخص کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے۔

الجواب:

بعد مراسم سُنّت، وہ سوال جواب جوابات میں بہت چالاکی برتی گئی ہے پھر بھی ان سے تو ہب کی جھلک پیدا ہے آپ نے مجیب کا دیوبند میں تعلیم پانا لکھا ہے وہاں یہ سوالات کرنے نہ تھے کہ انہیں غلط جواب دے جب بھی کافر تو نہ ہوگا دیوبندیوں کے عقائد تو وہ ہیں جن کی نسبت علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق تحریر فرمایا ہے کہ۔

من شك فی عذابه و كفره فقد كفر [1]۔	جو ان کے اقوال پر مطلع ہو کر ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

ایسی جگہ تو یہ سوال کرنا چاہیے کہ رشید احمد گنگوہی واشرف علی تھانوی و قاسم نانوتوی اور محمود حسن دیوبندی و خلیل احمد انبیٹھی اور ان سب سے گھٹ کر ان کے امام اسمٰعیل دہلوی اور ان کی کتابوں براہین قاطعہ و تحذیر الناس وحفظ الایمان و تقویۃ الایمان و ایضاح الحق کو کیسا جانتے ہو اور ان لوگوں کی نسبت علمائے حرمین شریف نے جو فتوے دیئے ہیں انہیں باطل سمجھتے ہو یا حق مانتے ہو اور اگر وہ ان فتوؤں سے اپنی ناواقفی ظاہر کرے تو بریلی مطبع اہلسنت سے حسام الحرمین منگا لیجئے اور دکھایئے اگر بکشادہ پیشانی تسلیم کرے کہ بیشک علمائے حرمین شریفین کے یہ فتوے حق ہیں تو ثابت ہوگا کہ دیوبندیت کا اُس پر کچھ اثر نہیں ورنہ علمائے حرمین شریفین کا وہی فتوٰی ہے کہ:

من شك فی عذابه و كفره فقد كفر [2]۔	جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ (ت)

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

اس وقت آپ کو ظاہر ہو جائے گا کہ جو شخص اللہ و رسول کو گالیاں دینے والوں کو کافر نہ جاننا درکنار علمائے دین واکابر مسلمین جانے وہ کیونکر مسلمان، پھر مسئلہ عرس وفاتحہ وفرعی مسائل کا اس کے سامنے ذکر کیا ہے، فقط۔

مسئلہ ۶۳: ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ برادر دینی ویقینی مولوی محمد فاروق صاحب سلمہ

الجواب:

بعد تحیۃ مسنونہ، اس وقت آپ کا خط تلاش کیا، نہ ملا معلوم نہیں اور کیا لکھا تھا ایک سوال دربارہ عرس یاد ہے عرش شریف کا ثبوت شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے رسالہ ذبیحہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دیا ہے، شاہ صاحب موصوف اور ان کے اب وجد عرس کرتے ہیں، ایک پنجابی نے اس پر اعتراض کیا جس کا جواب شاہ صاحب نے حدیث سے دیا، کلام اُس عرس شریف میں ہے جو منکرات شرعیہ سے خالی ہو، اس میں خیر کے سوا کیا ہے، اور خیر کا بعینہٖ منقول ہونا کچھ ضرور نہیں، یہ مسئلہ صدیق و فاروق و صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں طے ہو لیا کہ اگرچہ حضرت اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا مگر کام خیر ہے لہٰذا کیا جائے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا۔ سوال کا جواب تو اتنا ہے مگر مدارس کی تعمیر اور ان میں مدرسین کا تنخواہوں کے ساتھ تقرر اور اس میں درس نظامی یا اور کسی مقرر کردہ نصاب کا تعین اور ان میں ماہانہ و سالانہ امتحان اور اس میں کامیابیوں کے نمبر اور ان پر انعام اور کتابیں چھاپنا، کمیشن مقرر کرنا وغیرہ ہزاروں باتیں منکرین میں رائج ہیں وہ سب بھی اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، مجھے تعجب ہے کہ ان باتوں کی تصریح امام اعظم سے کہاں انہیں ہاتھ لگی یونہی اپنے اور اپنے اہل وعیال کے فرض و واجب واجب نفقہ کا کوٹ انسپکٹری سے ادا کرنا بھی امام اعظم کے ارشاد سے کیوں نہ محتاج تصریح ہوا، بچوں کو دعا، فقط

مسئلہ ۶۴: از مدرسہ اہلسنت وجماعت بریلی مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب کابلی طالب علم مدرسہ مذکور ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۳۶ھ

سزا ایم برگنا ہم لازم آمد   پس آنگہ رحمتش نہ باہم آمد
بگو گفتی خطائے یا صوابم   بسا اسرار اینجا باہم آمد

(میرے گناہ پر مجھے سزا ملنا لازم ہے تو اس وقت اس (اللہ تعالٰی) کی رحمت مہیانہ ہوئی)

اے مفتی! بتا میں نے غلط کہا یا درست کہا، بہت سے راز اس جگہ حاصل ہوئے ہیں ت)

الجواب:

۱	مسلماں راسزا لازم کہ کردست	کہ قول اعتزالی ظالم آمد
۲	وگریابد سزا کامل نیابد	کہ عفوش بہر مومن لازم آمد
۳	وگر بالفرض از وچیزے نہ بخشد	ز نقصان رحمتش خود سالم آمد
۴	کہ یرحم من یشاء لاکل فرد	یعذب من یشاء ہم قائم آمد
۵	بدنیا رحمتش بر جملہ عام ست	بعقبے خاص حظ مسلم آمد
۶	ثوابش بہر مومن منتہی نیست	عذابش بہر کافر دائم آمد
۷	برائے ہر صفت مظہر بکارست	کہ اوذو انتقام وراحم آمد

واللہ تعالٰی اعلم

(۱) مسلمان کے لیے سزا کس نے لازم کی ہے کہ یہ تو ظالم معتزلی کا قول ہے۔

(۲) اور اگر اس نے سزا پائی تو بھی کامل سزا نہ پائے گا۔ کیونکہ مومن کے لیے عفو اللہ تعالٰی کے ذمہ کرم پر لازم ہے۔

(۳) اگر بالفرض اللہ تعالٰی مومن کی خطا معاف نہ فرمائے تو بھی اس کی رحمت نقصان سے مبرا ہے۔

(۴) کیونکہ وہ جس پر چاہے رحم فرماتا ہے نہ کہ ہر فرد پر، جس کو چاہے عذاب دیتا ہے۔ (یہ حکم) بھی قائم ہے۔

(۵) دنیا میں اس کی رحمت سب کو عام ہے، آخرت میں خاص مسلمان کا حصہ ہے۔

(۶) مومن کے لیے اس کے ثواب کی انتہا نہیں ہے، کافر کے لیے اس کا عذاب دائمی ہے۔

(۷) اس کی ہر صفت کا کوئی مظہر ہے، کیونکہ وہ انتقام لینے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

مسئلہ ۶۵: از کانپور مرسلہ مولوی سلیمان صاحب مورخہ ۱۷ جمادی الاخری ۱۳۳۱ھ

میلاد شریف کا رواج کب سے ہے اور خاص ذکر پیدائش کے وقت تعظیماً قیام کرنا کہاں سے ثابت ہے؟

الجواب:

مجلس میلاد مبارک و قیام کا ثبوت ہزاروں بار دے دیا، اور اب اجمالاً یہ ہے کہ ان کا ثبوت وہاں سے ہے جہاں سے وہابیہ کے کفر کا ثبوت آیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ٦٦: مسئولہ شفیع احمد فقیر قادری رضوی طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۱ جمادی الاخری ۱۳۳٦ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شرح عقائد عضدیہ للمحقق الدوانی رحمۃ اللہ علیہ کے خطبہ میں ہے۔

یا من وفقنا لتحقیق العقائد الاسلامیۃ وعصمنا عن التقلید فی الاصول والفروع الکلامیۃ۔ [1]	اے وہ ذات جس نے ہمیں عقائد اسلامیہ کی تحقیق کی توفیق عطا فرمائی اور ہمیں اصولِ کلامیہ اور فروع کلامیہ میں تقلید سے بچایا۔

اور یہ بھی مشہور ہے:

لا تقلید فی الاعتقادیات۔ [2]	اعتقادیات میں تقلید نہیں۔ (ت)

حضور اگر ایسا ہے تو جاہل کے لیے یہ کیوں ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی عقیدہ پیش کیا جائے اور یہ نہ جانتا ہو تو کہے میرا وہ عقیدہ ہے جو اہل سنت کا ہے بلکہ کوئی جاہل بلکہ اکثر معمولی عالم اکثر عقائد کے استدلال نہیں جانتے اور ہم اکثر ثبوت عقائد میں اقوال ائمہ پیش کرتے ہیں اور یہ طریق اثبات تصانیف علمائے عظام میں موجود یا اس کے معنٰی یہ ہیں کہ عقائد کا علم یقینی مثل علم امر محقق ہو، نہ علم ظنی مثل علم مرد مقلد۔

الجواب:

جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں، کتاب سنت، اجماع، قیاس، عقائد میں چار اصول ہیں، کتاب، سنت، سواد اعظم، عقل صحیح، تو جو ان میں ایک کے ذریعہ سے کسی مسئلہ عقائد کو جانتا ہے دلیل سے جانتا ہے نہ کہ بے دلیل محض تقلیداً اہل سنت ہی سواد اعظم اسلام ہیں، تو ان پر حوالہ دلیل پر حوالہ ہے نہ کہ تقلید۔ یوں ہی اقوالِ ائمہ سے استناد اسی معنٰی پر ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب ہے ولہذا ایک دو دس بیس علماء کبار ہی سہی اگر جمہور و سواد اعظم کے خلاف لکھیں گے اس

---

[1] الدوانی علی العقائد العضدیہ خطبۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ص ۲

2

وقت ان کے اقوال پر نہ اعتماد جائز نہ استناد کہ اب یہ تقلید ہوگی اور وہ عقائد میں جائز نہیں، اس دلیل اعنی سوادِ اعظم کی طرف ہدایت اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمال رحمت ہے، ہر شخص کہاں قادر تھا کہ عقیدہ کتاب و سنت سے ثابت کرے، عقل تو خود ہی سمعیات میں کافی نہیں ناچار عوام کو عقائد میں تقلید کرنی ہوتی، لہٰذا یہ واضح روشن دلیل عطا فرمائی کہ سوادِ اعظم مسلمین جس عقیدہ پر ہو وہ حق ہے اس کی پہچان کچھ دشوار نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں تو کوئی بدمذہب تھا ہی نہیں اور بعد کو اگرچہ پیدا ہوئے مگر دنیا بھر کے سب بدمذہب ملا کر کبھی اہلسنت کی گنتی کو نہیں پہنچ سکے، **للہ الحمد** فقہ میں جس طرح اجماع اقوی الادلّہ ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں اگرچہ وہ اپنی رائے میں کتاب و سنت سے اس کا خلاف پاتا ہو یقیناً سمجھا جائے گا کہ یا فہم کی خطا ہے یا یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے اگرچہ مجتہد کو اس کا ناسخ نہ معلوم ہو، یونہی اجماع امت تو شے عظیم ہے سوادِ اعظم یعنی اہلسنت کا کسی مسئلہ عقائد پر اتفاق یہاں اقوی الادلہ ہے کتاب و سنت سے اس کا خلاف سمجھ میں آئے تو فہم کی غلطی ہے، حق سوادِ اعظم کے ساتھ ہے، اور ایک معنی پر یہاں اقوی الادلہ عقل ہے کہ اور دلائل کی حجیت بھی اسی سے ظاہر ہوئی ہے مگر محال ہے کہ سوادِ اعظم کا اتفاق کسی برہان صحیح عقلی کے خلاف ہو، یہ گنتی کے جملے ہیں مگر بحمدہ تعالیٰ بہت نافع و سود مند **فعضوا علیھا بالنواجذ** (پس ان کو مضبوطی سے داڑھوں کے ساتھ پکڑلو۔ت) **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۷تا۱۷۱: از شہر محلہ کنبوہ کوٹھی حامد حسین خاں صاحب رئیس مسئولہ شمشاد علی خان صاحب ۲۶ رجب ۱۳۳۶ھ

(۱) صحیح مسلم و دیگر صحاح میں بہ الفاظِ مختلفہ و اتحاد مطلب یہ حدیث وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امر اسلام ہمیشہ غالب رہے گا اور اس میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ان بارہ کے اسماء مبارک کیا ہیں؟

(۲) وہ خلفائے دوازدہ گانہ کُل کے کُل اخیار ہوں گے یا کہ بعض اچھے اور بعض بُرے، اور اگر کہا جائے کہ سب اُن میں اچھے نہ تھے بلکہ کچھ ایسے بھی تھے جو کہ خیر الناس نہیں کہے جاسکتے، یہ تفصیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یا دیگرے علماء نے؟

(۳) وہ بارہ ۱۲ خلفاء زیب دہ مسند خلافت ہوچکے یا یہ کہ ابھی کچھ باقی ہیں؟

(۴) چونکہ احادیث متعلقہ خلفاء اثنی عشر میں یہ مسئلہ وارد ہوا ہے کہ اسلام ختم نہ ہوگا تاوقتیکہ بارہ خلفاء پورے نہ ہولیں اگر خلفاء دنیا میں رونق افزائے عالم ہو کر اپنی تعداد پوری کرچکے ہیں تو اب

حسبِ مفاد حدیث اسلام واسلامیان دنیا میں باقی ہیں یا کیا؟
(۵) شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کہ صفحہ ۸۲ یا کسی دوسرے صفحہ پر بارہ خلفاء کے جو نام ظاہر کیے گئے ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط؟

الجواب:

اصل یہ ہے کہ امورِ غیب میں اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جتنی بات بیان فرمائیں اتنی یقینا حق ہے اور جس قدر ذکر نہ فرمائیں اس کی طرف یقین کی راہ نہیں کہ غیب بے خدا ورسول کے بتائے معلوم نہیں ہوسکتا لہٰذا اس حدیث کے معنٰی میں زمانہ تابعین سے اشتباہ رہا۔ مہلب نے فرمایا:

لم الق احدا یقطع فی ہذا الحدیث بمعنی[1]۔	میں نے کوئی ایسا نہ پایا کہ اس حدیث کی کوئی مراد قطعی بتاتا۔

امام قاضی عیاض مالکی نے شرح صحیح مسلم میں بہت احتمالات بتا کر فرمایا:

وقد یحتمل وجوھا اُخر واللہ اعلم بمراد نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	یعنی اس کے سوا حدیث میں اور احتمال بھی نکل سکتے ہیں اور اللہ اپنے نبی کی مراد خوب جانے، جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

امام ابن جوزی کشف المشکل میں لکھتے ہیں:

قد اطلت البحث عن معنی ہذا الحدیث وطلبتہ فی مظانہ وسألت عنہ فما رأیت احدًا وقع علی المقصود بہ[3]۔	میں نے مدتوں اس حدیث کے معنی کی تفتیش کی اور جہاں جہاں گمان تھا وہ کتابیں دیکھیں اپنے زمانے کے ائمہ سے سوال کیے مگر مراد متعین نہ ہوئی۔

اور ہو کیونکر کہ جس غیب کی اللہ ورسول تفصیل نہ فرمائیں اس کی تفصیل قطعًا کیونکر معلوم ہو، ہاں لوگ لگتے لگاتے ہیں جن میں سے کسی پر یقین نہیں، البتہ یہ معیار صحیح ہے کہ حدیث میں جو جو نشان اُن بارہ خلفاء کے ارشاد ہوئے جس معنی میں نہ پائے جائیں باطل ہیں اور جس میں پائے جائیں وہ احتمالی

---

[1] فتح الباری بحوالہ المہلب کتاب الاحکام تحت الحدیث ۷۲۲۲ و ۷۲۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴/ ۱۸۱

[2] شرح صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[3] کشف المشکل کتاب الاحکام باب الاستخلاف تحت الحدیث ۷۲۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۸/ ۲۹۵

طور پر مسلم ہوگا نہ کہ یقینی، احادیث باب میں ان کے نشان یہ ہیں۔

(۱) کلھم من قریش سب قریشی ہوں گے رواہ الشیخان۔[1]

(۲) وہ سب بادشاہ ووالیانِ ملک ہوں گے، صحیح مسلم میں ہے:

لایزال امر الناس ماضیا ماولّٰھم اثنا عشر رجلا کلھم من قریش۔[2]	خلافت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک بارہ مرد (خلفاء) حکمران رہیں گے جو سب قریش میں سے ہوں گے۔ (ت)

مسند احمد و بزار و صحیح مستدرک میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسندِ حسن ہے:

انہ سئل کم تملك ھذہ الامۃ من خلیفۃ فقال سألنا عنھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال اثنا عشرۃ کعدۃ نقباء بنی اسرائیل۔[3]	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سوال کیا گیا کہ کتنے خلفاء اس امت کے حکمران بنیں گے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا وہ بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے مطابق بارہ ۱۲ ہوں گے۔ (ت)

(۳) اُن کے زمانے میں اسلام قوی ہوگا صحیح مسلم میں ہے:

لایزال الاسلام عزیزا الی اثنی عشر خلیفۃ کلھم من قریش[4]۔	بارہ خلفاء کی حکومت پوری ہونے تک اسلام غالب رہے گا، وہ سب قریشی ہوں گے۔ (ت)

(۴) اُن کا زمانہ زمانہ صلاح ہوگا، بزار و طبرانی وابوجحیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لایزال امر امتی صالحا[5]۔	(بارہ ۱۲ خلفاء کی خلافت تک) میری امت کا معاملہ درست رہے گا۔ (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[3] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۹۸، مجمع الزوائد بحوالہ بزار وغیرہ باب الخلفاء الاثنا عشر دار الکتاب بیروت ۵/ ۱۹۰

[4] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الناس تبع لقریش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۹

[5] □ کنز العمال بزمرطب وابن عساکر عون الخ حدیث ۳۳۸۴۹ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۲/ ۳۲

(۵) اُن پر اجماعِ امت ہوگا یعنی اہلِ حل وعقد اُنہیں والیٔ ملک و خلیفہ صدق مانیں گے، سنن ابی داؤد میں ہے:

لایزال ھذاالدین قائماحتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفۃ کلھم تجتمع علیہ الامّۃ۔[1]	یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک تم پر بارہ خلفاء حاکم ہوں، جن پر تمام امت متفق ہوگی۔(ت)

(۶و۷) وہ سب ہدایت و دین حق پر عمل کریں گے ان میں سے دو۲ اہلبیتِ رسالت سے ہوں گے۔ استاذ امام بخاری و مسلم مسدد کی مسند کبیر میں ابوالجلد سے ہے:

انہ لاتھلك ھٰذہ الامۃ حتی یکون منھا اثنا عشر خلیفۃ کلھم یعمل بالھدٰی و دین الحق، منھم رجلان من اھل بیت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]	بے شک یہ امت اس وقت تک ہلاک نہ ہوگی جب تک ان میں بارہ خلفاء حکمران ہوں گے، وہ سب ہدایت و دین حق پر عمل کریں گے ان میں سے دو۲ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اہلبیت میں سے ہوں گے۔(ت)

لگتے لگانے والوں میں جس نے سب طرق حدیث نہ دیکھے ایک آدھ طریق کو دیکھ کر کوئی احتمال نکال دیا جیسے ابوالحسین بن مناوی نے یہ معنی لیے کہ ایک وقت میں بارہ خلیفہ ہوں گے یعنی اس قدر اختلاف یہ فقط اُس لفظ مجمل بخاری پر بن سکتا تھا اور الفاظ دیکھئے تو کہاں اس درجہ افتراق اور کہاں اجتماع اور ایسی حالت میں اسلام کے قوی و غالب و قائم اور امرامت کے صالح ہونے کے کیا معنی؟ اس قبیل سے علی قاری کا یہ زعم باتباع ابن حجر شافعی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے آخر ولاۃ بنی امیہ تک ۱۲ ہوئے اور ان میں یزید پلید علیہ ماعلیہ کو بھی گنادیا حالانکہ اُس خبیث کے زمانہ کو قوتِ دین و صلاح سے کیا تعلق، یہ احادیث دیکھ کر اس قول کی گنجائش نہ ہوتی، مگر صرف ۱۲ سلطنتیں نگاہ میں تھا اور حق یہ کہ اُس خبیث پر اجماعِ اہلِ حل و عقد کب ہوا، ریحانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس کے دستِ ناپاک پر بیعت نہ کرنے ہی کے باعث شہید ہوئے، اہلِ مدینہ نے اُس پر خروج کیا۔ عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] سنن ابی داود کتاب المھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۳۲

[2] فتح الباری بحوالہ مسدد فی مسندہ الکبیر تحت الحدیث ۷۲۲۲ و ۷۲۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۱۸۳

نے فرمایا:

واللہ ماخرجنا علی یزید حتی خفنا ان نرمی بالحجارۃ من السماء ان رجلا ینکح امہات الاولاد والبنات والاخوات ویشرب الخمر ویدع الصلوۃ[1]۔	خدا کی قسم ہم نے یزید پر خروج نہ کیا جب تک یہ خوف نہ ہوا کہ آسمان سے پتھر آئیں، ایسا شخص کہ بہن بیٹی کی آبروریزی کرے اور شراب پیئے اور تارک الصلوۃ ہو۔(ت)

غرض جمیع طرقِ حدیث سے یہ قول باطل ہے، حدیث میں کہیں نہیں کہ وہ سب بلافصل یکے بعد دیگرے ہوں گے۔ان میں سے آٹھ گزر گئے صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضٰی، حسن مجتبٰی، امیر معویہ، عبداللہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز، اور ایک یقیناً آنے والے ہیں، حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین باقی تین کی تعیین اللہ ورسول کے علم میں ہے، عجب عجب ہزار عجب کہ ان میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صحابی ابن صحابی ہیں، امام عادل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بھتیجے ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نواسہ ہیں، احد العشرۃ المبشرہ کے صاحبزادے ہیں شمار نہ کیے جائیں، اور وہ خبیث ناپاک معدود ہو جسے امیر المومنین کہنے پر امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک شخص کو بیس تازیانے لگائے۔نسأل اللہ العفوو العافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی وعافیت طلب کرتے ہیں۔ت) عبداللہ بن زبیر بھی درکنار، خود امام مجتبٰی کو نہ گنا کہ ان کی خلافت کا زمانہ قلیل تھا اور ولید کو گنا جس نے قرآن عظیم کو دیوار میں لٹکا کر تیروں سے چھیدا۔ایسے بے سروپا بے معنی اقوال کی سند نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک متاخر عالم کی خطائے رائے ہے عصمت انبیاء وملائکہ علیہم الصلوۃ والسلام کے سوا کسی کے لیے نہیں، نسأل اللہ العفوو العافیۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۲: مرسلہ موضع بہوبت پور ڈاکخانہ اتراؤں ضلع الہ آباد سائل امیر اللہ قصاب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عالم صاحب قیام محفل میلاد شریف کو منع کرتے ہیں جو ہر وقت ذکر ولادت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اس کا ثبوت کہیں نہیں ہے ونیز یہ بھی کہتے ہیں کہ نام جب آتا ہے تو لوگ انگوٹھا چومتے ہیں اس کا بھی کہیں ثبوت نہیں یہ سب بیجا ہے اور گناہ ہے، ایسے عالم کے لیے کیا حکم ہے؟ اور ان سے مرید ہونا اور انکے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور یہ امور مذکورہ یعنی قیام اور بوسہ دینا انگوٹھے کا بروقت نامِ پاک آنے

[1] الصواعق المحرقۃ الخاتمہ فی بیان اعتقاد اہل السنۃ مکتبہ مجیدیہ ملتان ص ۲۲۱

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے، کیا اس کا کہیں ثبوت ہے؟ امید کہ قرآن وحدیث سے اس کا ثبوت دیا جائے، یہاں پر سخت جھگڑا اس کی بابت ہے، لہٰذا جواب جلد مرحمت ہو۔

الجواب:

ایسا شخص عالم نہیں ہوسکتا جسے اتنی تمیز نہ ہو کہ منع کرنے اور گناہ کہنے کو ثبوتِ منع درکار ہے جس چیز سے اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا یہ منع کرنے والا کون اس کے لیے عدمِ ثبوت کافی جاننا سخت جہل شدید ہے، ثبوت تو منع کا بھی نہیں، تو اُسی کے منہ ثابت ہوا کہ وہ اس ممانعت کے سبب گنہگار ہے، آج کل ان چیزوں کے مانعین اکثر وہابی ہوتے ہیں، اور وہابی بے دین ہیں ان کی بات سننا حرام ہے، اور ایسے شخص کا مرید ہونا سخت اشد گناہِ کبیرہ ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل محض۔ کما حققناہ فی النھی الاکید (جیسا کہ ہم نے (رسالہ) النھی الاکید میں اسکی تحقیق کی ہے۔ت) قیام کا ثبوت ہمارے رسالہ اقامۃ القیامہ میں ہے، اور بوسہ انگشت میں ہماری مبسوط کتاب منیر العین ہے جسے طبع ہوئے ۲۳ برس ہوئے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۳: از شہر بانس منڈی دُکان عزیز اللہ مرسلہ کریم بخش چمڑہ فروش ۱۹ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید نے کہا کہ جو شخص روزہ رکھے گا نماز پڑھے گا اور جتنے ارکانِ شرعی ہیں وہ سب ادا کرے گا وہ رسول مقبول صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت میں ہے اور وہ بہشت میں جائے گا اور جو رسول مقبول صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم کے برخلاف ہوگا وہ دوزخ میں جائے گا اور نہ اس کی بخشش ہے اور نہ وہ اُمت میں ہے۔ بکر نے کہا جو روزہ نہ رکھے نماز نہ پڑھے جتنے ارکان شرعی ہیں وہ سب نہ ادا کرے مگر کلمہ گو ہو وہ بخشا جائے گا۔

الجواب:

دونوں قول گمراہی وضلالت ہیں، پہلا قول خارجیوں کا ہے کہ مرتکب کبیرہ کو کافر کہتے ہیں، دوسرا نیچریوں کا ہے کہ نِری کلمہ گوئی کافی جانتے ہیں، مسلمانان اہلسنت کا مذہب یہ ہے کہ جو ضروریاتِ دین میں سے کسی شے کا منکر ہو یا عزوجل یا قرآن عظیم یا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا کسی نبی یا ملک کی توہین کرے غرض کوئی قول یا فعل نافی ومنافی ایمان وقطعًا قاطع اسلام کرے وہ کافر ہے اگرچہ لاکھ کلمہ گو نمازی روزہ دار ہو، اور جو عقیدہ ودین میں مسلم سالم ہے، اگر ایک

وقت کی نماز قصداً یا ایک فرض روزہ عمداً ترک کرے یا کسی گناہ کا مرتکب ہو اللہ عزوجل چاہے تو اس پر عذاب کرے اور یہ اس کا عدل ہے چاہے بخش دے اور یہ اس کا فضل ہے۔

" اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ "[1]۔	بے شک اللہ تعالٰی اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: ازاردہ نگلہ ڈاک خانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خان صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۶ھ

زید کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالٰی ذاتِ پاک رسول مقبول صلی للہ علیہ وآلہ وسلم کی برابر پیدا کرسکتا ہے مگر بموجب اپنے وعدہ کے پیدا نہیں کرے گا۔ زید کا امامِ نماز ہونا محققین علماء کے نزدیک درست ہے یا نہیں؟

الجواب:

حضور اقدس صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم کے بہت فضائل جلیلہ وخصائص کریمہ ناقابل اشتراک ہیں جیسے افضل الانبیاء خاتم النبیین، سید المرسلین، اول خلق اللہ، افضل خلق اللہ، اول شافع، اول مشقع، نبی الانبیاء صلی للہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اگر اس وقت اس طرف قائل کا ذہن نہ گیا محض عموم قدرت پیش نظر تھا اُسے تفہیم کی جائے، اگر تابعِ حق وطالبِ حق ہوگا ضرور سمجھ جائے گا۔ اور اپنی غلطی سے باز آئے گا۔ اور اگر باوصفِ تفہیم عناد واستکبار ولدادو اصرار کرے تو ضرور بدمذہب ہے، اسے امام بنانا ہرگز جائز نہیں اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پھیرنی واجب، یہ بھی اس وقت ہے کہ قول مذکور بعلت وہابیت نہ ہو، ورنہ اب دیوبندیوں نے وہابیہ میں اسلام کا نام نہ رکھا جو ان کے مثل اللہ ورسول کی شدید واضح وقابل تاویل توہینیں کرتے ہیں خود کافر ہیں، ورنہ اتنا ضرور ہے کہ ان توہینوں کے کرنے والوں کو کافر نہیں کہتے یہ ان کے صدقے میں کافر ہوئے علمائے حرمین شریفین دیوبندیوں کی نسبت تحریر فرماچکے کہ من شك فی کفرہ فقد کفر۔[2] جو ان کے کفر

1

[2] القرآن الکریم ۴/ ۴۸ و ۴/ ۱۱۶

میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی** (اللہ بچائے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۷۵: از کلکتہ ڈاک خانہ بالی گنج کڑایا وڈ نمبر ۱۰۱ مسؤلہ فیض محمد تاجر در بازار مستری ہادی مرحوم۔

حضور قطب الاقطاب سیدنا و مولانا محبوب سبحانی غوث الصمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے رسالہ غنیۃ الطالبین میں مذہبِ حنفیّہ کو گمراہ فرقہ میں مندرج فرمایا ہے اس کو اچھی طرح سے حضور واضح فرما کر تسکین و تشفی بخشیں کہ وسوسہ وخطراتِ نفسانی و شیطانی رفع ہوجائیں، عبدالعظیم نامی ضلع غازیپور کے باشندے نے ایک رسالہ تصنیف کیا ہے جس میں رسالہ تقویۃ الایمان عرف تفویۃ الایمان کے مضمون کو مکتوبات مخدوم الملک رحمۃ اللہ علیہ و مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور بھی بزرگان دین کے مکتوبات سے دکھلایا ہے وثابت کیا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنے مکتوبات میں تقویۃ الایمان سے بھی سخت سخت الفاظ نام بنام لکھا ہے کہ اللہ چاہے تو فلاں کو مردود کردے و فرعون و نمرود کو چاہے مقبول کرے، سینکڑوں کعبہ تیار کردے وغیرہ وغیرہ۔

اب خاکسار عرض کرتا ہے کہ یا تو کوئی رسالہ ان کے جواب میں شائع فرمایا ہو تو بذریعہ ریلوے ڈاک پارسل ارسال ہو یا واضح خلاصہ جواب ارقام ہو والسلام مع الاکرام۔

غنیۃ الطالبین کے مضامین سے زیادہ اس لیے انتشار ہے کہ دونوں حضرات سے تعلق ورشتہ وایمان وایقان کا سلسلہ ملحق ہے، حنفی اگر مذہب ہے تو قادری مشرب ہے، اب ذرا بھی ان دونوں پیشوا کی طرف سے ریب وشک دامنگیر ہوا کہ بہت بڑا حملہ ایمان پر ہونے کا خوف وڈر ہے، اللہ میرے حالِ زار پر رحم فرمائیں اس وقت میرے لیے بہت بڑا امتحان مد نظر ہے۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم ط

مکرم کرم فرما اکرمکم اللہ تعالٰی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اوّلاً: کتاب غنیۃ الطالبین شریف کی نسبت حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو یہ خیال ہے کہ وہ سرے سے حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تصنیف ہی نہیں مگر یہ نفی مجرد ہے۔ اور امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ اس کتاب میں بعض مستحقین عذاب نے الحاق کردیا ہے، فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

وایّاك ان تغتر بما وقع	یعنی خبردار دھوکا نہ کھانا اس سے جو امام الاولیاء

فی الغنیة لامام العارفین و قطب الاسلام والمسلمین الاستاذ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ فانہ دسہ علیہ فیہا من سینتقم اللہ منہ والا فھو بریئ من ذلك۔[1]	سردارِ اسلام و مسلمین حضور سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی غنیہ میں واقع ہوا کہ اس کتاب میں اسے حضور پر افتراء کرکے ایسے شخص نے بڑھا دیا ہے کہ عنقریب اللہ عزوجل اس سے بدلہ لے گا، حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ اس سے بَری ہیں۔

ثانیًا اسی کتاب میں تمام اشعریہ یعنی اہلسنت وجماعت کو بدعتی، گمراہ، گمراہ گر لکھا ہے کہ:

خلاف ماقالت الاشعریة من ان کلام اللہ معنی قائم بنفسہ واللہ حسیب کل مبتدع ضال مضل۔[2]	بخلاف اس کے جو اشاعرہ نے کہا کہ اللہ تعالٰی کا کلام ایسا معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اللہ تعالٰی ہر بدعتی، گمراہ و گمراہ گر کے لیے کافی ہے۔ (ت)

کیا کوئی ذی انصاف کہہ سکتا ہے کہ معاذ اللہ یہ سرکار غوثیت کا ارشاد ہے جس کتاب میں تمام اہلسنت کو بدعتی، گمراہ گمراہ گر لکھا ہے اس میں حنفیّہ کی نسبت کچھ ہو تو کیا جائے شکایت ہے۔ لہٰذا کوئی محلِ تشویش نہیں۔

ثالثًا: پھر یہ خود صریح غلط اور افترا بر افترا ہے کہ تمام حنفیّہ کو ایسا لکھا ہے غنیۃ الطالبین کے یہاں صریح لفظ یہ ہیں کہ:

ھم بعض اصحاب ابی حنیفة۔[3]	وہ بعض حنفی ہیں۔

اس نے نہ حنفیّہ پر الزام آسکتا ہے نہ معاذ اللہ حنفیت پر، آخر یہ تو قطعًا معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ حنفیّہ میں بعض معتزلی تھے، جیسے زمخشری صاحبِ کشاف و عبدالجبار و مطرزی صاحبِ مغرب و زاہدی صاحبِ قنیہ و حاوی و مجتبٰے، پھر اس سے حنفیت و حنفیّہ پر کیا الزام آیا۔ بعض شافعیہ زیدی رافضی ہیں اس سے شافعیہ و شافعیت پر کیا الزام آیا۔ نجد کے وہابی سب حنبلی ہیں پھر

---

[1] الفتاوی الحدیثیة مطلب ان مافی الغنیة للشیخ عبدالقادر مطبعة الجمالیہ مصر ص ۱۴۸

[2] الغنیة لطالبی طریق الحق فصل فی اعتقاد ان القرآن حروف مفھومة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۱

[3] الغنیة لطالبی طریق الحق فصل واما الجھمیة الخ ادارہ نشرواشاعت علوم اسلامیہ پشاور ۱/ ۹۱

اس سے حنبلیہ وحنبلیت پر کیاالزام آیا، جانے دو رافضی خارجی معتزلی وہابی سب اسلام ہی میں نکلے اور اسلام کے مدعی ہوئے پھر معاذاللہ اس سے اسلام و مسلمین پر کیاالزام آیا۔

رابعًا: کتاب مستطاب بھجۃ الاسرار میں بسندِ صحیح حضرت ابوالتقی محمد بن ازہر صریفینی سے ہے مجھے رجال الغیب کے دیکھنے کی تمنا بھی مزارِ پاک امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حضور ایک مرد کو دیکھا دل میں آیا کہ مردانِ غیب سے ہیں وہ زیارت سے فارغ ہو کر چلے یہ پیچھے ہوئے ان کے لیے دریائے دجلہ کا پاٹ سمٹ کر ایک قدم بھر کا رہ گیا کہ وہ پاؤں رکھ کر اس پار ہوگئے انھوں نے قسم دے کر روکا اور ان کا مذہب پوچھا، فرمایا:

حنفی مسلم وما انا من المشرکین۔	ہر باطل سے الگ مسلمان، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں، (ت)

یہ سمجھے کہ حنفی ہیں، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں عرض کے لیے حاضر ہوئے حضور اندر ہیں دروازہ بند ہے ان کے پہنچتے ہی حضور نے اندر سے ارشاد فرمایا: اے محمد! آج روئے زمین پر اس شان کا کوئی ولی حنفی المذہب نہیں[1]۔

کیا معاذاللہ گمراہ بدمذہب لوگ اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کی ولایت کی خود سرکار غوثیت نے شہادت دی، وہ وہابی رسالہ نظر سے نہ گزرا، یہاں چند امور واجب اللحاظ ہیں۔

اولًا وہ کلمات جو ان کتب سے مخالف نے نقل کیے اسمٰعیل دہلوی کے کلمات ملعونہ کے مثل ہوں ورنہ استشہاد مردود، یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ بعض متحمل لفظ جب کسی مقبول سے صادر ہوں بحکم قرآن انہیں معنی حسن پر حمل کریں گے، اور جب کسی مردود سے صادر ہوں جو صریح توہینیں کرچکا ہو تو اس کی خبیث عادت کی بناپر معنی خبیث ہی مفہوم ہوں گے کہ:

کل اناء یترشح بما فیہ صرح بہ الامام ابن حجر المکی رحمۃ اللہ تعالٰی۔	ہر برتن سے وہی کچھ باہر آتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے، امام حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

ثانیًا: وہ کتاب محفوظ مصوّن ہونا ثابت ہو جس میں کسی دشمنِ دین کے الحاق کا احتمال نہ ہو جیسے ابھی غنیۃ الطالبین شریف میں الحاق ہونا بیان ہوا، یونہی امام حجۃ الاسلام غزالی کے کلام

[1] بھجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعاً بشیئ من عجائب احوالہ مختصرا دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۱۵۲

میں الحاق ہوئے اور حضرت شیخ اکبر کے کلام میں تو الحاقات کا شمار نہیں جن کا شافی بیان امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر میں فرمایا اور فرمایا کہ خود میری زندگی میں میری کتاب میں حاسدوں نے الحاقات کیے، اسی طرح حضرت حکیم سنائی وحضرت خواجہ حافظ وغیرہما اکابر کے کلام میں الحاقات ہونا شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثناء عشریہ میں بیان فرمایا، کسی الماری میں کوئی قلمی کتاب ملے اس میں کچھ عبارت ملنی دلیل شرعی نہیں کہ بے کم وبیش مصنف کی ہے پھر اس قلمی نسخہ سے چھاپا کریں تو مطبوعہ نسخوں کی کثرت کثرت نہ ہوگی اور ان کی اصل وہی مجہول قلمی ہے جیسے فتوحات مکیہ کے مطبوعہ نسخے۔

ثالثًا: اگر بہ سند ہی ثابت ہو تو تواتر و تحقیق درکار امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

لاتجوز نسبة مسلم الٰی کبیرة من غیر تحقیق، نعم یجوز ان یقال قتل ابن ملجم علیًا فان ذٰلك ثبت متواترا۔[1]	بلا تحقیق مسلمان کی طرف گناہِ کبیرہ کی نسبت کرنا جائز نہیں، ہاں یوں کہنا جائز ہے کہ ابن ملجم نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو قتل کیا، کیونکہ یہ خبر متواتر سے ثابت ہے۔(ت)

جب بے تحقیق تام عام مسلمان کلمہ گو کی طرف گناہ کی نسبت ناجائز ہے تو اولیاء کرام کی طرف معاذ اللہ کلمہ کفر کی نسبت بلا ثبوت قطعی کیسے حلال ہو سکتی ہے۔

رابعًا: سب فرض کرلیں تو اب وہابی کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی توہین بری نہیں کہ فلاں فلاں نے بھی کی ہے کیا یہ جواب کوئی مسلمان دے سکتا ہے، بفرض غلط توہین جس سے ثابت ہو وہ ہی مقبول نہ ہوگا نہ یہ کہ معاذ اللہ اس کے سبب توہین مقبول ہو جائے۔

ولا حول ولاقوة الا باللّٰه العلی العظیم واللّٰه تعالٰی اعلم۔	نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بُلند وعظمت والے اللہ کی توفیق سے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۷۶ تا ۷۸: مرسلہ محمد عبدالواحد خان صاحب بمبئی اسلامپورہ ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

(۱) لامھدی الاعیسٰی (حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ت) کے متعلق کیا رائے ہے؟

---

[1] احیاء العلوم کتاب آفات اللسان الافة الثامنة اللعن مطبعة المشهد الحسینی القاهرہ ۳/ ۱۲۵

(۲) حضرت مہدی وعیسی کے متعلق کس قدر حدیثیں وارد ہیں؟

(۳) قرآن شریف کی کن کن آیتوں سے ان کا رد ہو سکتا ہے؟

الجواب:

(ا) یہ حدیث صحیح نہیں، اور بفرض صحت از قبیل:

لاوجع الاوجع العین ولاھم الا ھم الدین ولا فتٰی الاعلی ولاسیف الاذوالفقار۔	آنکھ کے درد کے سوا کوئی درد نہیں، دین کے غم کے سوا کوئی غم نہیں، حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے سوا کوئی سخی نہیں، اور ذو الفقار کے سوا کوئی تلوار نہیں (ت)

کے قبیل سے ہے۔

(۲) حضرت مہدی وعیسٰی کے بارے میں احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہیں یہاں تک کہ ائمہ دین نے ان کا نزول اور انکا ظہور عقائد میں داخل فرمایا۔

(۳) قرآن عظیم کی جتنی آیتیں تعظیم انبیاء علیہم السلام کا حکم دیتی ہیں ان کی تکذیب پر تکفیر فرماتی ہیں، معجزات سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام گناتی ہیں، انکی نبوت ورسالت کی شہادت دیتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خاتم النبیین بتاتی ہیں، جھوٹے مدعی نبوت پر لعنت فرماتی ہیں، وہ سب قادیانی کے رد ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۷۹: مرسلہ عبدالجبار خاں طیب دھام پور ضلع بجنور ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

(ا) جو شخص کہ خلیفہ برحق سے برسر بغاوت وبرسرپیکار ہو کیا وہ شخص قابلِ عزت ولائق احترام ہے اور اس کے نام کو لفظ حضرت ورحمۃاللہ علیہ یا رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ یاد کرنا لازم ہے خواہ صحابی ہوں یا غیر صحابی؟

(۲) کیا حضرت امیر معاویہ بمقابلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، باغی اور خطاکار تھے یا بطور اجتہاد ان کی رائے مختلف تھی جس میں ان پر بدنیتی اور عصیان کا الزام عائد نہ ہوگا۔ تفصیل واضح مطلوب۔

(۳) کیا حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کوئی انسان کسی نبی کے مرتبہ کے برابر ہو سکتا ہے یا زیادہ؟ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ انبیاء بنی اسرائیل کے برابر یا ان سے بالاتر ماننا واجب ہے؟ ایک شخص یہ دلیل بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایسے ہی سوال کے جواب میں یہ فرمایا کہ تم یہ سمجھ لو کہ حضرت آدم ایک بار گندم کھانے سے مورد عقاب ہوئے

اور میں نے اس قدر لکھا یا ہے وغیرہ، کیا یہ حدیث صحیح اور متواتر ہے اور کیا اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے جو شخص مذکور نکلتا ہے؟

(۴) کیا ہم کو اس بحث میں پڑنا زیبا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا رتبہ خلفائے ثلثہ سے بالاتر اور ان کا کمتر ہے اور کیا یہ حنفیوں کے عقائد ضروریہ میں سے ہے؟ فقط۔

الجواب:

(۱) اہلسنت کے عقیدہ میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تعظیم فرض ہے اور ان میں سے کسی پر طعن حرام اور انکے مشاجرت میں خوض ممنوع، حدیث میں ارشاد:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا[1]۔	جب میرے صحابہ کا ذکر کیا جائے، (بحث و خوض سے) رُک جاؤ۔ (ت)

رب عزوجل کہ عالم الغیب والشادہ ہے اس نے صحابہ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں، مومنین قبل الفتح جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہِ خدا میں خرچ و جہاد کیا اور مومنین بعد الفتح جنہوں نے بعد کو، فریق اول کو دوم پر تفضیل عطا فرمائی کہ:

"لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ[2]"۔	تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں اُن سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا۔ (ت)

اور ساتھ ہی فرمادیا۔ "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ"[3]۔ دونوں فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا۔ اور ان کے افعال پر جاہلانہ نکتہ چینی کا دروازہ بھی بند فرمادیا کہ ساتھ ہی ارشاد ہوا۔ "وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۠"[4]۔ اللہ کو تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے، یعنی جو کچھ تم کرنے والے ہو وہ سب جانتا ہے بایںہمہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا خواہ سابقین ہوں یا لاحقین، اور یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھئے کہ مولٰی عزوجل جس سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا اُس کے لیے کیا فرماتا ہے:

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲۷ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲/ ۹۶

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ اُولٰٓىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَۙ(۱۰۱) لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَاۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ(۱۰۲) لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ(۱۰۳)"[1]۔	بے شک جن سے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں اس کی بِھنک تک نہ سُنیں گے اور وہ اپنی من مانتی مرادوں میں ہمیشہ رہیں گے، اُنہیں غم میں نہ ڈالے گی بڑی گھبراہٹ، فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

سچا اسلامی دل اپنے رب عزوجل کا یہ ارشاد عام سن کر کبھی کسی صحابی پر نہ سوءِ ظن کر سکتا ہے نہ اس کے اعمال کی تفتیش، بفرض غلط کچھ بھی کیا تم حاکم ہو یا اللہ، تم زیادہ جانو یا اللہ، "ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُؕ"[2]۔ (کیا تمہیں علم زیادہ ہے یا اللہ تعالٰی کو، ت) دلوں کی جاننے والا سچا حاکم یہ فیصلہ فرماچکا کہ مجھے تمہارے سب اعمال کی خبر ہے میں تم سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا۔ اس کے بعد مسلمان کو اس کے خلاف کی گنجائش کیا ہے، ضرور ہر صحابی کے ساتھ حضرت کہا جائے گا، ضرور رضی اللہ تعالٰی عنہ کہا جائے گا، ضرور اس کا اعزاز واحترام فرض ہے۔ "وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَۚ(۸)"[3] (اگرچہ مجرم بُرا مانیں۔ ت)

(۲) اُس کا جواب بھی جواب اوّل سے واضح ہو چکا، بلاشبہہ اُن کی خطا خطائے اجتہادی تھی اور اس پر الزامِ معصیت عائد کرنا اس ارشادِ الٰہی کے صریح خلاف ہے۔

(۳) مسلمانوں کا اجماع ہے کہ کوئی غیر نبی کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی غیر نبی کو کسی نبی کے ہمسر یا افضل جانے وہ بالاجماع کافر مرتد ہے۔ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا مرتبہ انبیائے بنی اسرائیل یا کسی نبی سے بالا یا برابر ماننا واجب در کنار کفر خالص ہے اور ملعون افترائی حکایت عجب مضحکہ خیز ہے، گیہوں کھانا ہی اگر دلیل افضیلت ہو تو مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نے اتنے گیہوں ہر گز نہیں کھائے جتنے زید و عمرو آج کل کھا رہے ہیں، اُس بادشاہِ ملک ولایت کی اکثر غذا باتباعِ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو تھی، اور وہ بھی اکثر ایک وقت، اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں۔ اور زید و عمرو رات دن میں دو دو وقت گیہوں کھاتے ہیں تو یہ معاذ اللہ آدم علیہ السلام سے

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/۱۰۱ و ۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۲/۱۴۰

[3] القرآن الکریم ۸/۸

بھی اور مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے بھی افضل ہوئے، ایں فساد خوردن گندم بود (یہ گندم کھانے کا فساد ہے۔ت)

(۴) یہ نہ فقط حنفیہ بلکہ تمام اہلسنت کے عقائد کے خلاف ہے۔ اہلسنت کے نزدیک بعد انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام تمام اولین وآخرین سے افضل امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۸۳: ازفراشی ٹولہ بریلی مرسلہ مقصود علی خان صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۵ھ

زید کو لوگ عام طور پر کہتے ہیں کہ وہ وہابی ہے اور اس کے یہاں میلاد شریف اور تیجہ وغیرہ نہیں ہوتا اور قیام کے وقت بھی کھڑا نہیں ہوتا۔ زید نے میلاد شریف کرائی اور قیام کے وقت کھڑا ہوا اور دریافت کرنے پر وہ کہتا ہے کہ قرآن عظیم اور کلمہ شریف پڑھ کر ثواب میت کو پہنچانا جائز ہے لیکن تعین کے ساتھ تیجہ وبرسی وچھماہی یہ نہ کرنا چاہیے بلکہ خواہ میت کے دوسرے روز خواہ تیسرے روز خواہ چوتھے روز مکتے پر یا خُرمے پر یا کسی شے پر کلمہ شریف پڑھ کر ثواب میت کی ارواح کو پہنچانا جائز ہے اور اسی طرح ہر برسی وچھماہی کے لفظ سے اور گنتی دنوں سے نہ کرے بلکہ جس وقت چاہے کھانا پکوا کر فاتحہ دلوا دے، اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف میں یہ میرا عقیدہ ہے کہ خدا سے کم زیادہ سب سے کہے یہی کلمہ ہے شایان محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور حضور کی تعظیم میں ذرا بھی فرق دل میں لائے تو وہ خارج از اسلام ہے، اور حضور پُر نور کو شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سمجھے اور یہ سمجھے کہ مثل حضور کے نہ کوئی ہے نہ ہوا اور نہ ہو، اور اگر خداوند کریم حضور کو پیدا نہ کرتا تو تمام مخلوق کو پیدا نہ کرتا۔ ایسے عقیدے والے کو وہابی خیال کرنا چاہیے؟ اس پر اگر یہ خیال کیا جائے کہ اس نے کسی مصلحت سے ایسا کیا ہے لیکن اس کے دل میں ممکن ہے کہ اس کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں کیا سمجھنا چاہیے اس کے زبانی اقرار کا اعتبار ہوسکتا ہے یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

تعین یوم کا انکار آج کل وہابیہ کا شعار ہے، اور جتنی باتیں اُس نے کہیں بڑے بڑے پکے وہابی کہہ لیتے ہیں اور بڑے بڑے اشد موقع پر مجلس وقیام بھی کرلیتے ہیں ان باتوں سے پہچان نہیں ہوسکتی۔ بلکہ زید سے مفصل عقائد وہابیہ دریافت کیے جائیں نیز اسمٰعیل دہلوی وتقویۃ الایمان وبراہین قاطعہ وتحذیر الناس وحفظ الایمان اور ان کے مصنفوں کی نسبت دریافت کیا جائے اگر سب باتوں کے جواب میں وہی کہے جو علمائے حرمین شریفین نے تحریر فرمایا تو ضرور اسے سُنّی سمجھا جائے گا جب تک اس کا

خلاف ظاہر نہ ہو اور اگر اُس میں کسی بات کا جواب خلاف دے یا جو کچھ علمائے حرمین شریفین اُن کتابوں اور ان کے مصنفوں کی نسبت حکمِ ضلالت و کفر وارتداد لگاچکے اس کے ماننے میں ہچر مچر کرے تو وہ بلاشبہہ سُنّی نہیں ضرور منہم (انہی میں سے) ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۸۴: مولوی افضل صاحب بخاری طالب علم مدرسہ منظر الاسلام بریلی ۲۱صفر ۱۳۳۶ھ

(۱) عرض اینست کہ ورد خواندن شرائط بسیار مذکورست عقل بعید می پندارد تاکہ در وقت خواندن در نفس خطرات پیدا می شود یعنی کہ حضرت مآب آیا می بیند و می شنود۔	**(۱)** عرض یہ ہے کہ وِرد پڑھنے میں شرائط بہت زیادہ مذکور ہیں جن کو عقل بعید سمجھتی ہے یہاں تک کہ ورد پڑھتے وقت دل میں خیالات پیدا ہونے لگتے ہیں، یعنی کیا رسالتماب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیکھتے اور سنتے ہیں؟
(۲) جناب سید کائنات خود رحمت و بروح اقدس او رحمت فرستادن چہ فائدہ؟	**(۲)** سید کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب خود رحمت ہیں توان پر رحمت (درود) بھیجنے کا کیا فائدہ ہے؟
(۳) پروردگارِ عالم چرا بر انبیاء علیہم السلام فرمود کہ اگر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برزمان ہریک اگر مبعوث شد تو بروے ایمان آورد وغیرہ چراکہ بروے معلوم بود کہ زمانہ خاص جلوہ افروز میشود۔	**(۳)** پروردگار عالم نے انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کو کیوں ارشاد فرمایا کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر ان کے زمانہ میں مبعوث ہوئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں حالانکہ اللہ تعالٰی کو معلوم تھا کہ آپ ایک خاص زمانے میں جلوہ افروز ہوں گے۔
(۴) عرض اینست کہ اگر شخصے ایں عقیدہ داشتہ باشد بایں طور کہ براللہ تعالٰی چیزے واجب نیست از جانب غیر لکن از طرف رحمت و فضل اگر خود برخود واجب کردہ باشد جائزست چگونہ۔	**(۴)** عرض یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کسی غیر کی جانب سے اللہ تعالٰی پر کوئی شیئ واجب نہیں لیکن وہ خود اگر اپنی رحمت و فضل سے اپنے ذمہ کرم پر کچھ واجب کرلے تو جائز ہے، یہ کیسا ہے؟

الجواب:

(۱) بلاشبہہ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام	**(۱)** بلاشبہہ حضور اقدس علیہ الصلوۃ والسلام

می بیند و می شنود انّی اری مالا ترون واسمع مالا تسمعون اطّت السّماء وحق لها ان تئط[1] آواز اطیط آسمان از پانصد ساله راه می شنود از راه دو یک ماه چنان نشنود ان الله تعالٰی قدر فع لی الدنیا فانا انظر الیها و الی ماهو کائن فیها الٰی یوم القیمة کانّی انظر الٰی کفی هذه[2] انچه تا قیامت آمدنی ست همه را همچو کف دست مبارکش می بیند آنچه از حالا موجود ست چرانه بیند علیه من الصلوات افضلها و من التحیات اکملها۔ اینهارا عقل بعید نمی پندارد بلکه وهم و ظن اکذب الحدیث ست چه جائے وهم۔ والله تعالٰی اعلم۔

(۲) حق سبحنه وتعالٰے خود پاک و سبوح ست برائے او تسبیح گفتن چه فائده؟ فائده خود ماراست ؎

من نگردم پاک از تسبیح شاں
پاک ہم ایشاں شوند و درفشاں

دیکھتے اور سنتے ہیں (فرمان رسول ہے) بے شک میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان نے چیخ ماری ہے اور اس کو چیخ مارنی چاہیے۔ جب وہ پانچ سوسال کی راہ سے آسمان کی چیخ کی آواز سنتے ہیں تو ایک دو ماہ کی راہ سے کیوں نہیں سنتے۔ (فرمان رسول ہے) بے شک اللہ تعالٰی نے دنیا کو میری طرف بُلند کردیا تو میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے اس کی طرف دیکھ رہا ہوں گویا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ جب وہ قیامت تک ہونے والی چیزوں کو اپنے دستِ مبارک کی ہتھیلی کی طرح دیکھتے ہیں تو جو کچھ اب موجود ہے اس کو کیوں نہیں دیکھ سکتے، ان پر افضل واکمل درود وسلام ہوں۔ عقل اس کو بعید شمار نہیں کرتی بلکہ وہ، اور جب ظن اکذب الحدیث ہے تو وہم کس گنتی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حق سبحنہ وتعالٰی جب خود پاک اور منزہ ہے تو پھر اس کی تسبیح (پاکی) بیان کرنے کا کیا فائدہ؟ فائدہ درحقیقت خود ہمارا ہے۔ میں ان کی تسبیح سے پاک نہیں ہوتا۔ (بلکہ تسبیح سے) وہ خود پاک اور ممتاز ہوتے ہیں۔

[1] جامع الترمذی کتاب الزھد باب ماجاء فی قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۵

[2] کنزالعمال حدیث ۳۱۹۷۱ موسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۲۰

ہمچناں اینجا فائدہ ماراست کہ من صلی علی واحدۃً صلی اللہ علیہ عشرا [1]۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وھو اعلم۔	اسی طرح یہاں (درود بھیجنے میں) بھی ہمارا اپنا فائدہ ہے، (فرمانِ رسول ہے) کہ جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالٰی اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اللہ تعالٰی آپ پر درود وسلام بھیجے، اور وہ خوب جانتا ہے۔
(۳) مقصود اظہار عزت وعظمت وسیادت مطلقہ واصالت کلیہ حضور پُر نور علیہ افضل الصلوۃ والسلام بود تا ہمہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام را در دائرہ نبوت مطلقہ اش فراگیرد وامتی او گرداند، صلی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین وو بارک وسلم۔	(۳) حضور پُر نور علیہ افضل الصلوۃ والسلام کی عزت عظمت، سیادت مطلقہ اور اصالت کلیہ کو ظاہر کرنا مقصود تھا تاکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو آپ کی نبوتِ مطلقہ کے دائرہ میں لے کر آپ کا امتی بنادے۔ان سب پر اللہ تعالٰی درود وسلام وبرکت نازل فرمائے۔
(۴) صحیح است وآں وجوب نیست تفضل ست "کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ" [2] "وَ کَانَ حَقًّا عَلَیۡنَا نَصۡرُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾" [3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	(۴) یہ صحیح ہے، اور وہ وجوب نہیں بلکہ اس کا فضل ہے۔ (فرمانِ الٰہی ہے) تمہارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔(مزید فرمایا) اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا (ت) (واللہ تعالٰی اعلم)

مسئلہ ۸۸: از شہر محلّہ قلعہ متصل جامع مسجد مرسلہ حامد حسین خان صاحب ۷ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ آیا ولایت مطلقہ افضل ہے نبوت خاص سے یا نبوت خاص افضل ہے ولایت سے؟ اور صحابہ کرام رسول للہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کون صحابی دارائے ولایت تھے؟ اور تمام صحابہ کرام مرتبہ ولایت پر فائز تھے یا بعض اُن

[1] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعد التشہد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۵

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۴

[3] القرآن الکریم ۳۰/ ۴۷

میں سے مفصل اور مشرح ارشاد ہو۔

الجواب:

نبوت مطلقًا ہر ولی غیر نبی کی ولایت سے ہزاروں درجے افضل ہے کیسے ہی اعظم مرتبہ کا ولی ہو، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ نبی کی نبوت خود اس کی اپنی ولایت سے افضل ہے یا اس کی اپنی ولایت اس کی نبوت سے، اور اس اختلاف میں خوض کی کوئی حاجت نہیں، پہلی بات ضروریات دین سے ہے اس کا اعتقاد مدارِ ایمان ہے جو کسی ولی غیر نبی حتی کہ صدیق کو کسی نبی سے افضل یا ہمسر ہی کہے کافر ہے کما قد نص علیہ الاکابر الائمۃ فی غیر ما کتاب۔ (جیسا کہ اکابر امت نے متعدد کتابوں میں اس پر نص فرمائی ہے۔ت) صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سب اولیائے کرام تھے۔ قال اللہ تعالٰی:

"لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْاؕ"[1]۔	تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا، وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح کے خرچ اور جہاد کیا، اور ان سب سے اللہ تعالٰی جنت کا وعدہ فرما چکا ہے، اور اللہ تعالٰی کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤىۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَۙ(۱۰۱) لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَاۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَۚ(۱۰۲) لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ(۱۰۳)"[2]۔	بے شک جن کے لیے ہماری طرف سے نیکی کا وعدہ پہلے ہو چکا وہ اس (جہنم) سے دور رکھے گئے ہیں وہ اس کی ہلکی سی آواز بھی نہ سنیں گے اور جو کچھ وہ چاہیں گے ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ، اور فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۱/۱۰۱و۱۰۳

وقال اللہ تعالٰی:

"وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖۤ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الصِّدِّیۡقُوۡنَ ٭ۖ وَالشُّہَدَآءُ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ وَنُوۡرُہُمۡ ؕ"[1]۔	اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائیں وہی ہیں کامل سچے اور اوروں پر گواہ اپنے رب کے یہاں ان کے لیے ان کا ثواب اور ان کا نور ہے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی:

"یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ ۚ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَبِاَیۡمَانِہِمۡ"[2]۔	جس دن اللہ تعالٰی رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے ساتھ کے ایمان والوں کو، ان کا نور دوڑتا ہوگا اُن کے آگے اور ان کے دائیں۔ (ت)

صحابہ کرام میں سب سے افضل واکمل واعلٰی واقرب الی اللہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم تھے اور انکی افضیلت ولایت بترتیبِ خلافت، یہ چاروں حضرات سب سے اعلٰی درجے کے کامل مکمل ہیں اور دارائے نیابت نبوت ہونے میں شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا پایہ ارفع ہے اور دارائے تکمیل ہونے میں حضرت مولا علی مرتضٰی شیر خدا مشکل کُشا کا، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، واللہ اعلم۔

مسئلہ ۸۹: قصبہ بشارت گنج ضلع بریلی فتح محمد ۱۲ جمادی الاخر ۱۳۳۶ھ یوم ہفتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ پارہ ۹ سورہ اعراف میں یہ آیہ کریمہ آتی ہے۔

"وَلَوۡ کُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ لَاسۡتَکۡثَرۡتُ مِنَ الۡخَیۡرِ ۖۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوۡٓءُ ۚ اِنۡ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ وَّبَشِیۡرٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾"[3]۔	اور اگر میں غیب جان لیا کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچی، میں تو یہی ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔ (ت)

اس کے کیا معنی ہیں اور اس کا شانِ نزول کیا ہے اور اس سے علمِ غیب کی نفی ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب:

اگر میں اپنی ذات سے بے خدا کے بتائے غیب جانتا تو بہت سی خیر جمع کرلیتا اور مجھے کوئی برائی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ایمان والوں کو ڈر اور خوشخبری ہی سنانے والا ہوں کافروں کے مہمل سوالات پر اتری تھی۔ اس سے علمِ غیب ذاتی کی نفی ہوتی ہے کہ بے خدا کے بتائے مجھے علم نہیں ہوتا اور خدا کے بتائے سے نہ ہونا مراد لیں تو صراحۃً قرآن مجید کا انکار اور کھلا کفر ہے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسائل علمِ غیب میں دیکھو، واللہ اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۸

[3] القرآن الکریم ۷/ ۱۸۸

مسئلہ ۹۰: از قصبہ شیش گڑھ ڈاک خانہ خاص بریلی مسؤلہ سید محمد سجاد حسین صاحب ۲۹ محرم الحرام ۱۳۳۷ھ

(۱) زید باوجود ادعائے صدیق الوارثی کے اسمٰعیل دہلوی کو حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتا ہے۔

(۲) بکر اپنے آپ کو چشتی حیدری بتاتا ہے اور مندرجہ ذیل امور پر اعتقاد رکھتا ہے یعنی مسلمان جو حضرات پیران پیر جناب شیخ سید محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی گیارہویں شریف مقرر کرکے ان کی رُوح پر فتوح کو ثواب پہنچاتے ہیں اس کی بابت کہتا ہے کہ گیارھویں تاریخ مقرر کرنا مذموم ہے۔ ماہِ رجب کی بابت لکھتا ہے کہ اس ماہ کے نوافل، صلوۃ وصوم وعبادت کے متعلق بڑے بڑے ثوابوں کی بہت سی روایتیں ہیں اُن میں صحیح کوئی بھی نہیں۔ اور یہ بات بالکل غلط اور بے سند ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ماہِ رجب میں ہوا تھا۔ ماہِ شعبان میں حلوا پکانا یا تیرھویں کو عرفہ کرنا، عید کے دن کھانا تقسیم کرنا ممنوع ہے۔ ماہِ محرم میں کھچڑا یا شربت خاص کرکے پکانا، پلانا اور اماموں کے نام کی نیاز دلانا اور سبیل لگانا بہت بری بدعتیں ہیں، ماہِ صفر میں کسی خاص ثواب یا برکت کا خیال رکھنا جہل ہے، سید احمد رائے بریلوی کو نیک، بزرگ بلکہ ولی جانتا ہے۔ پس کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے اشخاص کے حق میں کہ ان کا اصلی مذہب کیا ہے؟ اور امور مذکورہ بالا کی اصلیت مفصل طور سے تحریر فرمائی جائے۔

الجواب:

(۱) صورت مذکورہ میں زید گمراہ بددین نجدی اسمٰعیلی ہے اور بحکم فقہائے کرام اس پر حکم کفر لازم، جس کی تفصیل کتاب الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیہ سے ظاہر، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) بکر ہوشیار وہابی معلوم ہوتا ہے، گیارھویں شریف کو مذموم، شعبان کے حلوے، تیرھویں کے عرفے، عید کے کھانے کو مطلقًا بلاممانعت شرعی ممنوع، محرم شریف کے کھچڑے، شربتِ ائمہ اطہار کی سبیل کو مطلقًا بدعتِ شنیعہ کہنا شعارِ وہابیہ ہے۔ اور وہابیہ گمراہ، بددین، احادیثِ اعمال رجب کو صحیح نہ کہنا بڑی چالاکی ہے، اصطلاح محدثین کی صحت یہاں درکار نہیں، فضائلِ اعمال میں ضعاف بالاجماع مقبول ہیں۔ رجب میں کشتی بنانے کا حکم نہ ہوا تھا بلکہ رجب میں کشتی چلی اور اعداء پر قہر اور محبوبوں پر "وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ﴿۱۳﴾ تَجْرِیْ

بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ "[1]۔ (ہم نے نوح کو سوار کیا تختوں اور کیلوں والی پر کہ ہماری نگاہ کے رُوبرو بہتی، اس کے صلہ میں جس کے ساتھ کفر کیا گیا تھا۔ت) کا فضل اسی مہینہ میں ظاہر ہوا۔ یہ عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی حدیثوں سے ثابت ہے۔ صفر و سُرمہ عاشورہ کی نسبت اس کا قول رَد نہ کیا جائے اگرچہ ثانی میں اختلاف کثیر ہے۔ اگر صراط مستقیم کے کلماتِ باطلہ کو باطلہ، کفریہ کو کفریہ، اسمٰعیل دہلوی کو گمراہ بددین جانتا ہے وہابیت سے جدا ہے تو سید احمد کو صرف بزرگ جاننے سے وہابی نہ ہوگا۔ ورنہ وقد بینا الایات لقومہ یعقلون کما ھدانا ربنا تبارك وتعالٰی عما یصفون (تحقیق ہم نے عقلمند قوم کے لیے نشانیاں ظاہر کردی ہیں، جیسا کہ ہمارے رب نے ہمیں ہدایت دی ہمار اپروردگار ان کی باتوں سے بُلند و بالا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲: از بہار شریعت محلّہ خانقاہ حضرت مخدوم الملک بہاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مسؤلہ نجم الدین احمد صاحب فردوسی نبیرہ جناب حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ۲۳ صفر ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیافرماتے ہیں علماو مفتیانِ شرع متین ان مسائل مفصلہ ذیل میں۔

(۱) جو تعزیہ بنانے والے کو کافر اور اس کی اولاد کو حرامی اور قیام مولود کو بدعتِ سیئہ اور حاضری عرائس بزرگان دین کو فعلِ لغو سمجھتا ہے وہ شخص کیسا ہے، سُنی حنفی ہے یا نہیں؟

(۲) دیوبندی مدعیِ تقلید و غیر مقلد مدعی اہل حدیث میں زیادہ کون ضلالت پر ہے اور دونوں فرقوں کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں گروہوں پر علمائے حرمین شریفین کا کیا فتوٰی ہے؟

(۳) جو شخص کہ اکابر اولیاء اللہ کے مزار اقدس کو تودہ خاک کہے اور استمداد و استفاضہ کا اولیاء اللہ کے قبور سے منکر ہو، اور یا رسول اللہ کہنا شرک و ناجائز بتائے اور طعام فاتحہ و نیاز کا کھانا حرام سمجھے اور جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غیب کا منکر ہو وہ شخص مسلمان ہے یا نہیں؟

[1] القرآن الکریم ۵۴/۱۳و۱۴

(۴) مولوی قاسم دیوبندی و مولوی رشید احمد گنگوہی و مولوی اشرف علی تھانوی و مولوی محمود حسن دیوبندی کس مذہب کے لوگ ہیں؟ ان کے ساتھ کیسا خیال رکھنا چاہیے؟ ارشاد فرمایا جائے کہ ہم سنیوں کو تقویت حاصل ہو۔ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر دیئے جاؤ گے ت)

الجواب:

تعزیہ بنانا گناہ ہے کفر نہیں، کافر کہنے والا مسلمان کو کافر کہتا ہے اور اس حدیث میں داخل ہوتا ہے کہ بخاری اور مسلم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما فان کان کما قال والا رجعت علیہ۔[1]	یعنی جو بظاہر کسی مسلم کو کافر کہے دونوں میں سے ایک پر یہ بلا ضرور پڑے، اگر واقع میں کافر ہے تو خیر ورنہ یہ کہنا اس کہنے والے ہی پر پلٹ آئے گا۔

اور اس کی اولاد کو حرامی کہنا اس آیہ کریمہ میں داخل ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ "[2]۔	وہ جو پارسا بے خبر ایمان والیوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

قیامِ مجلس مبارک کو بدعت سیئہ اور حاضری اعراس طیبہ کو لغو سمجھنا شعارِ وہابیہ ہے، اور وہابیہ سنی کیا مسلمان بھی نہیں کہ اللہ و رسول کی علانیہ توہین کرتے ہیں، اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِیْمَانِكُمْ ؕ "[3]۔	ان سے فرمادو کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل فھو کما قال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۲۳

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۵ و ۶۶

ہاں بالفرض اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ وہابیت و وہابیہ سے جدا ہو وہابیہ کو گمراہ و بددین، دیوبندیہ کو کفار مرتدین جانتا مانتا ہو صرف قیام و عرس میں کلام رکھتا ہو تو محض اس وجہ پر اسے سنیت و حنیفت سے خارج نہ کہا جائے گا مگر آج کل یہ فرض از قبیل فرض باطل ہے، آج وہ کون ہے کہ ان میں کلام کرے اور ہو سنی، اللھم مگر بہ تقیہ کہ وہابیہ میں روافض سے کچھ کم نہیں،

(۲) دونوں میدانِ کفر میں کفرسی[عــہ] رہان ہیں، دونوں کے پیچھے نماز باطل محض جیسے مسیح چرن یا گنگا دین کے پیچھے۔

کما حققناہ فی النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید وغیرہ من کتبنا وفتاوٰنا۔	جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید اور دیگر کتب و فتاوٰی میں کردی ہے۔ (ت)

فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

روی محمد عن ابی حنیفۃ و ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنھم ان الصلوۃ خلف اھل الھواء لایجوز۔[1]	امام محمد علیہ الرحمہ نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما سے روایت فرمایا کہ بدمذہب کے پیچھے نماز جائز نہیں (ت)

بظاہر غیر مقلد دیوبندیہ سے بدتر ہیں کہ عقائدِ کفر و ضلال میں دونوں متحد اور ان میں انکار تقلید و بدگوئی ائمہ زائد خود امام الدیابنہ رشید گنگوہی کے فتاوٰی حصہ دوم صفحہ ۲۱ میں ۴ گروہ غیر مقلد میں نذیر حسین دہلوی کی نسبت ہے۔

ان کو مردود اور خارج اہل سنت سے کہنا بھی سخت بے جا ہے[2]۔

عقائد میں سب متحد مقلد اور غیر مقلد ہیں۔ اور مفتی سے اگر غیر مقلدین اور دیوبندیہ کے بارے میں سوال ہوگا تو دیوبندیوں پر حکم سخت تر دے گا کہ اس کا مطمع نظر وصف عنوانی ہے ترک تقلید و بدگوئی ائمہ کو دیوبندیہ کے ان اقوال سے کیا نسبت ہے جو سرگروہانِ دیابنہ گنگوہی، نانوتوی و تھانوی کے ہیں کہ ابلیس کو علم غیب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے ماننے تو صریح مشرک۔

عــہ: دونوں ریس کے گھوڑوں کی مانند ہیں جو ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الصلوۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۰۴

[2] فتاوٰی رشیدیہ مولوی نذیر حسین اہلحدیث کو بُرا کہنے کا حکم محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی ص ۱۸۵

(۲) شیطان کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی فخرِ عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رَد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔[1]

(۳) شیطان خدا کی صفت خاصہ میں اُس کا شریک ہے۔[2]

(۴) شیطان اس عظیم فضیلت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ ہے نہ بایں معنی کہ حضور میں کم ہو اور اس میں زائد، بلکہ بایں معنی کہ یہ فضلِ جلیل ابلیس ہی کے لیے ہے حضور کے لیے ماننے والا مشرک بلکہ شیطان خود خدا ہے کہ اس کے لیے علمِ غیب ثابت ہے کوئی عوام میں بسبب افضلیت کے شیطان سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر تو علم غیب بزعم خود ثابت کردے۔[3]

براہین والے نے بزعمِ خود مخالف کا یہ زعم تراشا ہے کہ افضلیت موجب اعلمیت ہے اس بنا پر کہتا ہے کہ اپنے اس زعم پر بربنائے افضلیت شیطان کے برابر تو علم غیب ثابت کرلے علمِ غیب کا لفظ کلامِ مخالف میں نہ تھا اور جو مخالف نے ثابت کیا اُسے براہین والا خود نصوص سے ثابت مانتا ہے اور اسی کو علم غیب کہتا ہے اور واقعی وہ وہابیہ کے نزدیک علم غیب ہے بلکہ سب علوم غیب سے کروڑوں درجے زائد کہ ان کے یہاں ایک پیڑ کے پتوں کی گنتی جان لینا علم غیب ہے، ایک جلسہ نکاح پر مطلع ہوجانا علم غیب ہے براہین قاطعہ ص ۴۹ فقط مجلس نکاح کے اعتقاد علم میں کافر لکھا ہے۔[4] تو علم محیط زمین تو لاکھوں کروڑوں علم غیب کا مجموعہ ہوا جسے شیطان کے لیے ثابت مانا اور اثبات علم غیب غیر حق تعالٰی کو شرک صریح ہے۔[5] (فتاوٰی گنگوہی حصہ تین ص ۷) تو ضرور شیطان ان کے یہاں غیر حق تعالٰی نہیں ورنہ اس کے لیے علمِ غیب مان کر شرک صریح میں نہ پڑتے۔ جو وقوعِ کذب باری کا قائل ہو یعنی صراحۃً کہے کہ اللہ (معاذ اللہ) جھوٹا ہے تو اس کو کافر یا بدعتی ضال کہنا نہ چاہیے اس کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے، اس میں تکفیر علمائے سلف کی لازم آتی ہے حنفی شافعی پر طعن و تضلیل نہیں کرسکتا، ایسے کو تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔[6] (فتوٰی گنگوہی صاحب)

[1] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور انڈیا ص ۵۱

[2] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور انڈیا ص ۵۱ و ۵۲

[3] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور انڈیا ص ۵۱

[4] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور انڈیا ص ۵۱

[5] فتاوٰی رشیدیہ علم غیب شرک ہے محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب کراچی ص ۶۵

[6]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خاتم النبیین بمعنی نبی آخر الزماں ہونا (جیسے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آج تک سب مسلمان سمجھ رہے) جاہلوں کا خیال ہے نافہمی ہے یہ وصف کریم نہ کوئی کمال ہے نہ اُسے فضیلت میں دخل نہ وہ مدح میں ذکر کرکے قابل آیت کے یہ معنی ہوں تو خدا پر زیادہ گوئی کا وہم [1] قرآن کی عبارت بے ربط (تحذیر الناس نانوتوی صاحب ص ۲ و ۳) بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبی صلعم عہ۱ بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ [2] (تحذیر الناس ص ۳۳) بڑوں (علماء وائمہ وصحابہ خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کا فہم نہ پہنچا۔ طفل ناداں یعنی نانوتوی صاحب) نے ٹھکانے کی بات کہہ دی۔ [3] (تحذیر الناس ص ۳۴) یعنی یہ کہ خاتم النبیین کہنا محض جھوٹی ہوا بندی ہے اس لیے کہ ختم زمانی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آج تک تمام صحابہ وائمہ وعلماء و مسلمین (ان کے زعم میں) براہِ نا فہمی سمجھے ہوئے تھے اور ص ۱۱ تحذیر الناس پر خود برائے تصنع کہا تھا کہ اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ [4] وہ تو اس صورت میں کہ بعد زمانہ نبوی صلعم۔ عہ۲ بھی کوئی نبی پیدا ہو بداہۃً زائل ہو ہی گیا کہ وہ تو خود بہ اقرار تحذیر الناس ص ۲ یہی تھا کہ آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ [5] جب حضور کے بعد اور نبی پیدا ہوا تو سب میں آخری کب رہیں گے یہ تو گیا ہی اور اس کے جاتے ہی نانوتوی صاحب کا ساختہ ختم ذاتی بھی ختم شد کہ اسے ختم زمانی لازم تھا تحذیر ص ۹ ختم نبوت بمعنی معروض کو تاخر زمانی لازم ہے۔ [6] لازم گیا تو ملزوم کہاں غرض نہ ختم زمانی رہا نہ ذاتی، سب فنا اور خاتمیت بجااس میں کچھ فرق نہ آئے گا" کَذٰلِکَ یَطۡبَعُ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ قَلۡبِ مُتَکَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾"۔ [7] (اللہ تعالٰی یونہی مہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر (ت) یہ ہے وہ ٹھکانہ کی بات

عہ۱ و عہ ۲: ہم کہتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ۱۲ منہ غفرلہ

---

[1] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۲۱

[2] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۲۵

[3] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۲۶

[4] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۱۰

[5] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۳

[6] تحذیر الناس کتب خانہ رحیمیہ دیوبند سہارن پور ص ۸

[7] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵

جو آج تک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی نہ سمجھے تھے نانوتوی صاحب نے سمجھی بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور، (یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔[1] حفظ الایمان تھانوی ص ۷ نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کلی کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت۔[2] حفظ الایمان ص ۸۔

ولہذا علمائے کرام حرمین شریفین نے فتاوٰی الحرمین میں غیر مقلد پر یہ حکم فرمایا:

ھو من اھل البدعۃ والنار[3]	وہ بدعتی جہنمی ہے۔[4]

اور حسام الحرمین شریف میں دیوبندیوں کی نسبت یوں ارشاد فرمایا:

ھٰؤلاء الطوائف کلھم کفار مرتدون خارجون عن الاسلام۔[5]	یہ طائفہ سب کے سب کافر مرتد ہیں باجماع امت اسلام سے خارج ہیں۔[6]

اور تحقیق یہ ہے کہ ان صریح جلی ملعون کفروں کے ایجاد میں دیوبندی پیش قدم ہیں اور ان کے تسلیم میں وہ اور غیر مقلد سب یکساں وہمدم ہیں کوئی وہابی ان لعین کفروں اور اللہ ورسول کو شدید غلیظ گالیوں پر دیوبندیوں کی تکفیر نہ کرے گا بلکہ اپنی چلتی ساتھ ہی دے گا اور علمائے کرام دیوبندیوں کو فرما چکے۔

من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔[7]	جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔[8]

تو ملعون کفروں میں سب برابر ہوئے اور اللہ ورسول جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان

---

[1] حفظ الایمان تھانوی محمد عثمان خاں تاجر کتب مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی ص ۸

[2] حفظ الایمان تھانوی محمد عثمان خاں تاجر کتب مالک کتب خانہ اشرفیہ دہلی ص ۹

[3] فتاوٰی الحرمین

[4] فتاوٰی الحرمین

[5] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۱

[6] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۳۲

[7] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

[8] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۴

سخت گندی دشناموں کے بعد اس پر کیا نظر کہ اُنہوں نے ائمہ کو بھی بُرا اور تقلید کو ناجائز کہا اُن عظیم ملعون کفروں کے آگے یہ کیا قابلِ ذکر ہے لہٰذا دونوں گروہ کفر میں برابر اور سگ زرد و شغال و سگِ سیاہ و خوک سے زیادہ باہم حقیقی برادر ہیں۔

(۳) یہ سب مسائل وہابیت ہیں اور ہم واضح کرچکے کہ وہابیہ مسلمان نہیں اگرچہ نفس مسائل فی انفسہا کفر نہ ہوں سوائے انکار علم غیب کہ اگر نہ صرف لفظ بلکہ معنی کا انکار ہو اور علی الاطلاق ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاً غیب پر اطلاع نہ دی گئی تو یہ انکار بذاتِ خود کفر ہے کہ آیاتِ قرآنیہ و نصوصِ قاطعہ کے علاوہ خود نفس نبوت حضور کا انکار کیا ہے، امام قسطلانی مواہب اللدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب [1]	یعنی نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ غیب پر مطلع ہونا۔

(۴) یہ چاروں حضرات عناصر اربعہ دیوبندیت ائمۃ الکفر انھم لاایمان لھم (یہ وہ ہیں جن کے پاس ایمان نہیں۔ت) یکسر ہمزہ میں چہ جائے فتحہ، جواب دوم میں دیوبندیوں کی نسبت علمائے حرمین طیبین کا فتوٰی سُن چکے کہ یہ سب بہ اجماعِ اُمت کافر مرتد ہیں جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر، اور انہیں اکابر نے تقریظات حسام الحرمین شریف میں جابجا نام بنام بھی ثلثہ سابقہ پر حکم کفر فرمائے۔ **صفحہ ۴۲:**

ان غلام احمد القادیانی ورشید احمد ومن تبعه کخلیل الانبیتھی واشرفعلی وغیرھم لاشبھة فی کفرھم بلامجال بل لاشبھة فی من شك بل فیمن توقف فی کفرھم بحال من الاحوال۔[2]	غلام احمد قادیانی ورشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرفعلی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں شبہہ نہیں [3]

ص۵۸:

غلام احمد القادیانی و	غلام احمد قادیانی ورشید احمد و

---

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۷

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص۴۹

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص۵۰

رشید احمد و خلیل احمد واشرف علی من اھل الکفر الجلی۔[1]	خلیل احمد واشرف علی کھلے کافر ہیں۔[2]

ص ٦٠:

رشید احمد واشرف علی و خلیل احمد من ذوی الکفر الجلی۔[3]	رشید احمد واشرف علی و خلیل احمد کھلے کفر والے ہیں۔[4]

ص ٦٨ و ٧٠:

اطلعت علٰی کلام المضلین فوجدته موجبًا لردتھم و ھم اخزاھم اللہ تعالٰی رشید احمد واشرف علی و خلیل احمد من ذوی الکفر الجلی۔[5]	میں اُن گمراہ گروہ کے اقوال پر مطلع ہوا تو میں نے پایا کہ اُن کے اقوال ان کے مرتد ہو جانے کے موجب ہیں، اور وہ (انہیں اللہ رسوا کرے) رشید احمد و اشرف علی و خلیل احمد ہیں جو کھلے کفر والے ہیں۔[6]

ص ١٠٠:

الفرقة المارقة التی تدعی بالوھابیة منھم المارق المنقص لشان الالوھیة والرسالة قاسم النانوتوی و رشید احمد گنگوہی و خلیل احمد انبیٹھی واشرف علی تھانوی۔[7]	گروہ خارج از دین جسے وہابیہ کہا جاتا ہے ان میں سے ہے دین سے نکلنے والا شان الوہیت ورسالت کا گھٹانے والا قاسم نانوتوی رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھی، اشرف علی تھانوی۔[8]

---

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٦٥

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٦٦

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٦٧

[4] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٦٨

[5] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٧٥ و ٧٧

[6] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ٧٦ و ٧٨

[7] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ١٠٧

[8] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ١٠٨

ص ۱۲۸ و ص ۱۳۰:

والقاسمية قولهم صريح فی تجويز نبوة جديدة لاحد بعده ولا شك ان من جوزذلك فهو كافر باجماع المسلمين وعليهم وعلى من رضی بمقالتهم تلك ان لم يتوبوا غضب الله ولعنته الى يوم الدين۔[1]	قاسم نانوتوی کے قول سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو نبوت جدیدہ ملنی جائز مان رہے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ جو اسے جائز مانے وہ باجماع علمائے اُمت کافر ہے ان لوگوں پر اور جو ان کی اس بات پر راضی ہو اس پر اللہ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہے قیامت تک اگر تائب نہ ہوں۔[2]

ص ۱۳۲ و ۱۳۴:

قول رشيد احمد الگنگوهی فی البراهين القاطعة كفر واستخفاف صريح برسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وقد نص ائمة المذاهب الاربعة ان من استخف برسول الله كافر۔[3]	وہ جو رشید احمد گنگوہی نے براہین قاطعہ میں لکھا کفر ہے اور صاف صاف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان گھٹانا ہے چاروں مذہب کے اماموں نے تصریحات فرمائی ہیں کہ شان اقدس گھٹانے والا کافر ہے۔[4]

ص ۱۳۴:

قول اشرفعلی تهانوی كفر صريح بالاجماع اشد استخفافا برسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم من مقالة رشيد احمد فيكون كفرا بطريق الاولٰى موجبا لغضب الله	وہ جو اشرف علی تھانوی نے کہا وہ کھلا ہوا کفر ہے بالاتفاق اس میں رشید احمد کے قول سے بھی زیادہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیص شان ہے تو بدرجہ اولٰی کفر ہوگا اور قیامت تک اللہ تعالٰی کے غضب ولعنت کا

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳۵ و ۱۳۷

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳۶ و ۱۳۸

[3] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳۹ و ۱۴۱

[4] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۴۰ و ۱۴۲

لعنته الی یوم الدین [1]۔	موجب [2]۔

رہے چوتھے دیوبندی صاحب یہ اُنہیں اگلے تین کے پیچھے ہیں مگر کروڑوں خداؤں کے پوچنے میں آگے ہیں انہوں نے ضمیمہ اخبار نظام الملک ۲۵ اگست ۱۸۸۹ء میں بے تکان چھاپ دیا کہ ان کا خدا چوری کرسکتا ہے کیونکہ آدمی چرا سکتا ہے تو خدا کیسے چور نہ ہوسکے گا، اب ملاحظہ ہو کوئی عاقل اپنی مِلک لینے کو چوری نہیں کہہ سکتا تو ضرور ہے کہ بعض چیزیں ان کے خدا کی ملک سے باہر اور دوسرے کی مِلک مستقل ہوں اور مالک مستقل نہ ہوگا مگر خدا کہ بندہ کا سب کچھ اس کے مولیٰ کا ہے تو ضرور ہے کہ دوسرا خدا ہو جس کی ملک کو ان کا خدا چراسکے پھر آدمی لاکھوں کروڑوں کی چوری کرسکتا ہے ان کا خدا اگر ایک ہی کی کرسکے تو پھر انسان سے قدرت میں گھٹ رہے تو ضرور ہے کہ دیوبندی کے لاکھوں کروڑوں خدا میں جن کی چوری ان کا یہ خدا کرسکتا ہے یہ ظاہر تو کی محمود حسن نے مگر اصل دلیل ان کے امام الطائفہ اسمٰعیل دہلوی کی ہے کہ یکروزی [3] میں لکھی کہ آدمی جھوٹ بول سکتا ہے خدا نہ بول سکے تو آدمی سے قدرت میں کم رہے اس دلیل ذلیل کے بکثرت رَد ہمارے رسائل مثل سبحٰن السبوح وغیرہ میں ہیں مگر وہابیہ پر اس کا ماننا لازم اور سب وہابی خود اس کے قائل ہیں۔ اب ہے دم تھانوی صاحب یا محمود حسن یا کسی دیوبندی یا کسی وہابی میں کہ اس کا جواب لاسکے اور اپنے کروڑوں خدا سے ایک ہی گھٹا سکے۔ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ "۔ [4] (مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۶: از نصیر آباد راجپوتانہ مرسلہ شیخ عمر ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر کسی کتاب میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول یا فعل سے کھانے پر فاتحہ ہاتھ اٹھا کر پڑھنے کا ثبوت ہو تو برائے مہربانی اُس کتاب کا نام اور صفحہ سے بہت جلد اطلاع دیں کیونکہ ایسا دعوی مولوی عبدالحکیم غیر مقلد کرتا ہے جس کے پرچہ کی نقل جو میرے پاس آیا ہوا ہے کرکے خدمت میں روانہ کرتا ہوں ملاحظہ

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۴۱

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۴۲

[3] یک روزہ فارسی فاروقی کتب خانہ ملتان ص ۱۷

[4] القرآن الکریم ۶۸/ ۳۳

فرمائیں۔(نقل رقعہ یہ ہے) میں عبدالحکیم اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اگر کوئی عالم امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے یہ ثابت کردے کہ انہوں نے کھانا آگے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا ہے تو میں اس کام کو کروں گا، اور علانیہ لوگوں میں توبہ کروں گا اور سو روپیہ کی مٹھائی اس کے شکریہ میں تقسیم کروں گا۔

الجواب: امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب وہ ہے جو ان کی کتاب عقائد فقہ اکبر کی شرح میں ہے کہ:

ان دعاء الاحیاء للاموات و صدقتهم عنهم نفع لهم، خلافا للمعتزلة. الاصل فی ذلك عند اهل السنة ان للانسان ان یجعل ثواب عمله لغیره صلاة او صوما او حجا او صدقة اوغیرها. وعند ابی حنیفة رحمة الله و اصحابه یجوز ذلك و ثوابه الی المیت ملخصًا[1]۔	بے شک زندوں کا مُردوں کے لیے دُعا کرنا اور ان کی طرف سے صدقہ دینا مردوں کو نفع دیتا ہے، معتزلہ گمراہ فرقہ اس میں مخالف ہے، اور اصل اس میں یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک آدمی اپنے ہر عمل کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے نماز ہو یا روزہ یا حج یا صدقہ یا کچھ، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک یہ سب جائز ہے اور میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔(ت)

یہ مذہب ہے امام اعظم کا، اگر اس میں کوئی ثبوت دے دے کہ امام نے قرآن مجید اور کھانے کا ثواب پہنچانا جائز تو فرمایا لیکن کھانا آگے رکھنے کو منع فرمایا ہے، میت کے لیے دعا تو جائز فرمائی ہے لیکن اس میں ہاتھ اُٹھانا منع فرمایا ہے، تو اسے دو سو روپے انعام دیئے جائیں گے، نیز دیوبند وغیرہ وہابی مدارس میں جو انصافِ تعلیم ہے اور سالانہ جلسے، طرز معلوم کے لیے امتحان اور ان کے نمبر اور رودادیں چھاپنا اور کتابیں چھاپ کر بیچنا اور ان پر کمیشن کاٹنا، اگر کوئی عالم اس کا ثبوت دے کہ امام اعظم نے ان باتوں کا حکم دیا ہے تو سو روپیہ انعام پائے گا۔

مسئلہ ۹۷: از امرتسر کٹڑہ پرچہ مرسلہ غلام محمد دکاندار ۲۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

ثبوتِ مولود شریف پر سو روپیہ انعام، آج کل جس رسمِ مولود کا رواج ہے ہمارے علم میں یہ بے ثبوت بات ہے اس کے ثبوت دینے پر انجمن ہذا کی طرف سے یکم ربیع الاول کو ایک اشتہار انعامی دس روپیہ شائع ہو چکا ہے مگر میاں فیروز الدین صاحب سودا گر آنریری مجسٹریٹ فرماتے ہیں کہ یہ انعام کم ہے اس مسئلہ

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر الدعاء للمیت ینفع خلافاً للمعتزلۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۳۰۔۱۲۹

کا فیصلہ ہونا ضروری ہے اس لیے میاں صاحب موصوف مروجہ مولود کا ثبوت قرآن یا حدیث یا فقہ میں سے دینے والے کو ایک صد ۱۰۰ روپیہ انعام دینے کا اعلان کرنے کی ہم کو اجازت دیتے ہیں۔امید ہے حامیانِ مولود شریف ضرور توجہ کرکے انعامِ مرقومہ کے علاوہ ثواب دارین بھی حاصل کریں گے۔

نوٹ: واضح رہے کہ ایچ پیچ کا کام نہیں، صرف حوالہ کتاب مع عبارت شائع کردینا کافی ہے جس میں لکھا ہو کہ ربیع الاول کے مہینہ میں مجلس مولود کیا کرو مجلسِ مولود کرنا ثواب ہے، ہماری طرف سے اجازت ہے کہ امامانِ دین میں سے کسی ایک امام کا قول دکھادیں جو کسی مستند کتاب میں ہو، اگر اتنا بھی ثبوت نہیں تو پھر ایسی بے ثبوت بات کو چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔والسلام خاکسار محمد ابراہیم شال مرچنٹ نائب سیکریٹری انجمن اہلِ حدیث امرتسر ۱۳ دسمبر

الجواب:

وہابیہ کو دوسو ۲۰۰ روپے انعام۔حامدًا ومصلیا ومسلما۔**(۱)** اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۠" [1]۔	اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

اگر وہابیہ ثبوت دے دیں کہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی ولادت نعمت نہیں یا مجلس میلاد مبارک اس نعمت کا چرچا نہیں تو ۴۰ روپے انعام۔

(۲) اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ" [2]۔	انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔

اگر وہابیہ ثبوت دے دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت کا دن اللہ کے عظمت والے دنوں میں نہیں یا مجلسِ میلاد اُس دن کا یاد دلانا نہیں تو ۴۰ روپے انعام۔

(۳) اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا" [3]۔	تم فرمادو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر لازم ہے کہ خوشیاں مناؤ۔

---

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۵

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

اگر وہابیہ ثبوت دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہیں یا مجلسِ میلاد اس فضل ورحمت کی خوشی نہیں تو ۴۰ روپے انعام۔

(۴) اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

"وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ ۚ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۚ"[1]۔	جو رسول تمہیں دے وہ لو اور جس سے وہ منع کریں اس سے باز رہو

اگر وہابیہ ثبوت دیں کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں کہیں مجلس میلاد مبارک کو منع فرماتا ہے تو ۴۰ روپے انعام۔

ضروری اطلاع: واضح رہے کہ اینچ پینچ کا کام نہیں صرف وہ آیت یا مع حوالہ کتاب وصحیح اسناد وہ حدیث شائع کردینا کافی ہے جس میں لکھا ہے کہ ربیع الاول کے مہینے میں مجلس میلاد نہ کیا کرو مجلس میلاد کرنا عذاب ہے بلکہ ہماری طرف سے اجازت ہے کہ چاروں اماموں یا صحاح ستّہ کے چھ مصنفوں میں سے کسی ایک امام ہی کا قول مذکور دکھادیں جو کسی مستند کتاب میں ہو، اگر منع کا اتنا ثبوت بھی نہیں تو پھر ایسے بے ثبوت منع کو چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔

(۵) اہلحدیث کی کانفرنس اور اس میں سیکریٹری وغیرہ مقرر کرنا اور بننا اور اس کے بڑے سالانہ جلسے اور ان کی ہیئت کذائی اور اہلحدیث کا اخبار چھاپنا اور اس کی پیشگی قیمت لینا اور رَدِّائمہ میں کتابیں چھاپنا اور ہیئت مروجہ پر مدرسے بنانا اور ان میں تنخواہ دار مدرسین رکھنا، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان ہونا، ان میں پاس کے نمبر ٹھہرانا، کسی مسئلہ کا ثبوت مانگنے پر اشتہار چھاپنا، اس پر درس کا نصاب معین کرنا، انعام ٹھہرانا، ان سب باتوں کا اگر وہابیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا صحابہ، تابعین یا چار امام یا چھ مصنف صحاح سے ثبوت دے دیں تو ۴۰ روپیہ انعام، اور ثبوت نہ دے سکیں، تو پھر ایسی بے ثبوت باتوں کے چھوڑنے میں ذرا دیر نہ کریں ورنہ خدا کے سامنے جواب دہی ہوگی۔ والسلام علٰی من اتبع الھدٰی (اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے۔ت)

تحریر رسالہ شمس السالکین دربارہ مجلس مبارک وقیام

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمدللہ وکفی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفی لاسیما الحبیب المصطفٰی واٰلہ وصحبہ اولی الصدق والصفا، فقیر غفرلہ المولی القدیر نے مولٰینا مولوی

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷

ابونصر حکیم محمد یعقوب صاحب حنفی قادری رامپوری کا یہ مختصر وکافی فتوی مسمّٰی بہ شمس السالکین مطالعہ کیا، مولٰی عزوجل مولٰینا کی سعی جمیل قبول فرمائے اور اس فتوٰی کو حقیقۃً سالکین راہِ ہُدٰی کے لیے آفتاب نورانی بنائے۔ مجلس مبارک و قیام اہلِ محبت کے نزدیک تواصلاً محتاج دلیل نہیں۔ اہلِ حجت میں جو انصاف پر آئیں قرآن عظیم قولِ فیصل وحاکم عدل ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا"[1]۔	تم فرمادو کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ہی پر لازم ہے کہ خوشیاں مناؤ۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ"[2]۔	انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾"[3]۔	اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۸﴾ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ"[4]۔	اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾"[5]۔	تو وہ جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اُسے مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اُترا، وہی بامراد ہوئے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

"لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ	اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو اور میرے رسولوں

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

[5] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

"بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ﴿۱۲﴾ "[1]۔	پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بے شک میں تمہارے گناہ اتار دوں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں رواں پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا (ت)

پہلی تینوں آیتوں میں حکم فرماتا ہے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر شادیاں مناؤ، لوگوں کو اللہ کے دن یاد دلاؤ، اللہ کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ اللہ کا کون سا فضل و رحمت، کون سی نعمت اس حبیب کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوۃ والتسلیم کی ولادت سے زائد ہے کہ تمام نعمتیں تمام رحمتیں تمام برکتیں اسی کے صدقے میں عطا ہوئیں۔ اللہ کا کون سا دن اس نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ظہور پر نور کے دن سے بڑا ہے، تو بلاشبہہ قرآن کریم ہمیں حکم دیتا ہے کہ ولادتِ اقدس پر خوشی کرو۔ مسلمانوں کے سامنے اُسی کا چرچا خوب زور شور سے کرو، اسی کا نام مجلس میلاد ہے، بعد کی تین آیتوں میں اپنے رسولوں خصوصا سید الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم مطلق فرماتا ہے، اور قاعدہ شرعیہ المطلق یجری علٰی اطلاقہ[2]۔ (مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ت) جو بات اللہ عزوجل نے مطلق ارشاد فرمائی وہ مطلق حکم عطا کرے گی جو جو کچھ اس مطلق کے تحت میں داخل ہے سب کو وہ حکم شامل ہے بلا تخصیص شرع جو اپنی طرف سے کتاب اللہ تعالٰی کے مطلق کو مقید کرے گا تو وہ کتاب اللہ کو منسوخ کرتا ہے جب ہمیں تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم مطلق فرمایا تو جمیع طرق تعظیم کی اجازت ہوئی جب تک کسی خاص طریقے سے شریعت منع نہ فرمائے۔ یونہی رحمت پر فرحت ایامِ الٰہی کا تذکرہ، نعمتِ ربانی کا چرچا یہ بھی مطلق ہیں جس طریقہ سے کیے جائیں سب امتثال امر الٰہی ہیں جب تک شرع مطہر کسی خاص طریقہ پر انکار نہ فرمائے۔ تو روشن ہوا کہ مجلس وقیام پر خاص دلیل نام لے کر چاہنا یا بعینہٖ اُن کا قرون ثلثہ میں وجود تلاش کرنا نری اوندھی مت ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کو اپنی رائے سے منسوخ کرنا ہے۔ اللہ عزوجل تو مطلق حکم فرمائے اور منکرین کہیں کہ وہ مطلق کہا کرے ہم تو خاص وہ صورت جائز مانیں گے جسے بالتخصیص نام لے کر جائز کیا ہو یا جس کا بہیئت کذائی قرون ثلثہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/۵

[2] التوضیح والتلویح فصل حکم المطلق مطبع میر محمد کراچی ۱/۱۶۹

وجود ہوا ہو "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ ﴿۱۵۶﴾"[1]۔ (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت) عقل و دین رکھتے تو جو طریقہ اظہارِ فرحت و تذکرہ نعمت و تعظیم سرکار رسالت دیکھتے اس میں یہ تلاش کرتے کہ کہیں خاص اس صورت کو اللہ و رسول نے منع تو نہیں فرمایا، اگر اُس کی خاص ممانعت نہ پاتے یقین جانتے کہ یہ اُنہیں احکام کی بجاآوری ہے جو ان آیاتِ کریمہ میں گزرے، مگر آدمی دل سے مجبور ہے، محبوب کا چرچا محب کا چین، اور اس کی تعظیم آنکھوں کی ٹھنڈک، اور جس دل میں غیظ بھرا ہے وہ آپ ہی ذکر سے بھی جلے گا تعظیم سے بھی بگڑے گا۔ دوست دشمن کی یہ بڑی پہچان ہے، آخر نہ دیکھا کہ دل کی دبی نے بھڑک کر کہاں تک پھونکا، جانتے ہو کہ اب یہ منکران مجلس و قیام کون ہیں، ہاں ہاں وہی ہیں جو اول تو اتنا کہتے تھے کہ وہ بڑے بھائی ہم چھوٹے بھائی، ان کی سروری ایسی ہی ہے جیسے گاؤں کا پدھان یا قوم کا چودھری، اُن کی تعریف ایسی ہی کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کم، باتوں مثالوں میں چوڑھے چمار سے تشبیہ بھی دے بھاگتے تھے کہ یہ سب اوروں سے بہت زائد ان کی دھرم پوتھی تقویۃ الایمان میں مصرح ہیں اور اب تو اور بھی کھیل کھیلے کہ ان کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے۔[2] جیسا علم غیب ان کو ہے ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے[3] وغیرہ وغیرہ کلماتِ ملعونہ۔ مسلمانو! یہ ہیں جو آج تمہارے سامنے مجلس مبارک و قیام سے منکر ہیں اب تو سمجھو کہ علتِ انکار کیا ہے واللہ واللہ بغضِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، دیکھو خبردار ہوشیار یہ ہیں وہ جن کی خبر حدیث میں دی تھی کہ ذیاب فی ثیاب۔[4] بھیڑیئے ہوں گے کپڑے پہنے، یعنی ظاہر میں انسانی لباس اور باطن میں گرگ خنّاس۔ اے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بھولی بھیڑو! اپنے دشمن کو پہچانو، نہیں نہیں تمہارے دشمن نہیں تمہارے پیارے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دشمن جنھوں نے وہ ملعون گالیاں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں لکھیں، چھاپیں اور آج تک اُن پر مصر ہیں۔

"قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۚۖ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ	ان کی عداوتِ شدیدہ تو اُن کی باتوں سے ظاہر ہو گئی اور وہ جو اُن کے دلوں میں چھپی ہے بہت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۷

[2] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

[3] حفظ الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۳ و دعوتِ فکر مکتبہ اعلٰیحضرت لاہور ص ۷۲

4

اَکْبَرُ " [1]۔	زائد ہے۔

جو بظاہر اُن خبیث گالیوں کے خود مرتکب نہیں ان سے پوچھ دیکھئے کہ جن خبثاء نے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یوں منہ بھر کر گالیاں دیں وہ مسلمان رہے یا کافر ہوگئے، دیکھو ہر گز ہر گز نہیں کافر نہ کہیں گے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل اُلٹی اُن کی حمایت کو تیار ہو جائیں گے، تاویلیں گھڑیں گے بات بنائیں گے، حالانکہ علمائے کرام حرمین شریفین بالاتفاق اُن تمام دشنامیوں کو ایک ایک کا نام لے کر فرما چکے کہ۔

من شك فی عذابه و کفره فقد کفر [2]	جو ان کے عذاب اور کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے،

مسلمانو! جب نوبت یہاں تک پہنچ چکی پھر اُسے مجلس یا قیام یا کسی مسئلہ اسلام میں بحث کا کیا موقع رہا۔ کافروں مرتدوں کو اسلامی مسائل میں دخل دینے کا کیا حق۔ مگر یہ ساری دقت اس کی ہے کہ بھائیو تم نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کو ابھی نہ پہچانا، ان کے پاس بیٹھتے ہو، ان کی بات سنتے ہو، ان کی تحریریں دیکھتے ہو، دیکھو یہ تمہارے حق میں زہر ہے، دیکھو تمہارے پیارے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ واللہ تم سے بڑھ کر تم پر مہربان ہیں، تمہیں ارشاد فرمارہے ہیں کہ:

فایّاکم وایّاهم لایضلونکم ولایفتنونکم [3]	اُن سے دور بھاگو انہیں اپنے سے دُور کردو کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

بھائیو! مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دامن سے لپٹا رہنا اچھا ہے یا معاذ اللہ ان کے دشمن کے پھندے میں پڑنا۔ اللہ تعالیٰ اُن کا دامن نہ چھڑائے دنیا میں نہ آخرت میں، آمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولٰینا محمد واله وصحبه اجمعین آمین۔

مسئلہ ۹۸ تا ۹۹: از جالندھر چوک امام ناصر الدین صاحب، دکان ملک محمد امین، مرسلہ ملک محمد امین ۲۵ ربیع الاخرے ۱۳۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ۔

---

[1] القران الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] حسام الحرمین مکتبۃ نبویہ لاہور ص ۱۳ مکتبہ اہل سنت بریلی ص ۹۴

[3] صحیح مسلم باب النھی عن الروایة عن الضعفاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰

(۱) خواب میں شیطان کسی اچھی صورت میں ہو کر فریب دے سکتا ہے یا نہیں کہ میں محمد رسول اللہ ہوں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

(۲) اٹھارہ ہزار عالم سے کیا مراد ہے؟ کلُ اشیاء درخت وغیرہ بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں؟

الجواب:

(۱) حضور اقدس علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کے ساتھ شیطان تمثل نہیں کر سکتا۔ حدیث میں فرمایا۔

من رأنی فی المنام فقد رای الحق ان الشیطان لایتمثل بی [1]۔	جس نے مجھے خواب میں دیکھا بے شک اس نے مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ (ت)

ہاں نیک لوگوں کی شکل بن کر دھوکا دے سکتا ہے بلکہ اپنے آپ کو الٰہ ظاہر کر سکتا ہے۔

(۲) عالم اٹھارہ ہیں اور ہر ایک میں کثرتِ مخلوقات کے سبب اسے ہزار سے تعبیر کیا۔ تینوں موالید جمادات، نباتات، حیوانات، اور چاروں عناصر، اور سات آسمان، اور فلک ثوابت، فلک اطلس، کرسی، عرش، افادہ الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۰: از شہر بریلی محلّہ سوداگراں مسؤلہ شفیع احمد بیسلپوری ۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

حضور پُرنور، بعدِ میثاق الست بربّکم کیا ارواح معدوم کردی گئی تھیں اور بعدہ خلقِ انسان کے وقت پھر خلق روح ہوتا ہے، اس میں اہل سنت کا کیا عقیدہ ہے اور کیا دلیل؟ اور یہ عقیدہ کس مرتبہ میں ہے ایقانی اجماعی یا ضروریاتِ اہلسنت سے؟ اس مسئلہ میں علماء کو تردد ہے، ابھی ضرورت ہے۔

الجواب:

حاشاللہ، رُوح بعد ایجاد کبھی فنا نہ ہوگی، انما خلقتم للابد [2] (تم ہمیشہ کے لیے پیدا کیے گئے ہو۔ت) بدن کے ساتھ حدوث نفس خیال باطل فلاسفہ ہے، قال اللہ عزوجل:

"وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ" [3]۔	حالانکہ تم مردہ تھے اُس نے تمہیں جِلایا پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جِلائے گا۔ (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۱۴۸۹ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۳۸۴

[2] شرح الصدور باب فضل الموت خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸

اگر بعد میثاق رُوحیں معدوم کردی گئی ہوتیں تو تین موتیں ہوتیں اور یوں فرمایا جاتا۔

کنتم امواتا فاحیاکم ثم اماتکم ثم احیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم۔	تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا، پھر مارا، پھر زندہ کیا، پھر مارے گا، پھر زندہ کرے گا۔(ت)

یہ عقیدہ اجماعی ہے مگر نہ اس درجہ پر واضح کہ جو شخص بحال ناواقفی اس کا خلاف کرے اُسے اہل سنت سے خارج کیا جائے بلکہ غلط کار خاطی ہے وبس، اور اس پر یہ الزام ہے کہ بے جانے لب کشائی کی جرات کی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۰۱: ۱۱ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اُس مسئلہ میں کہ ایمان کی تعریف کیا ہے؟ اور ایمان کامل کیسے ہوتا ہے؟ **بیّنوا توجروا۔** (بیان فرماؤاجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہر بات میں سچا جانے، حضور کی حقانیت کو صدقِ دل سے ماننا ایمان ہے جو اس کا مقرر ہو اسے مسلمان جانیں گے جب کہ اس کے کسی قول یا فعل یا حال میں اللہ ورسول کا انکار یا تکذیب یا توہین نہ پائی جائے اور جس کے دل میں اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علاقہ تمام علاقوں پر غالب ہو اللہ ورسول کے محبوں سے محبت رکھے اگرچہ اپنے دشمن ہوں، اور اللہ ورسول کے مخالفوں بد گویوں سے عداوت رکھے اگرچہ اپنے جگر کے ٹکڑے ہوں، جو کچھ دے اللہ کے لیے دے جو کچھ روکے، سو اس کا ایمان کامل ہے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من احب للہ وابغض للہ واعطی للہ ومنع للہ فقد استکمل الایمان[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	جس نے اللہ تعالٰی کے لیے محبت کی اور اللہ تعالٰی کے لیے عداوت کی، اور اللہ تعالٰی کے لیے دیا اور اللہ تعالٰی کے لیے روکا، اس کا ایمان کامل ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۲و۱۰۳: از کھنڈل پوسٹ آفس کیوکٹو ضلع اکیاب مرسلہ محمد عبدالسلام مدرس چہارم گورنمنٹ اسلامیہ اردو اسکول ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض وہابی عالم کہتے ہیں کہ درود تاج پڑھنا حرام ہے

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی رد الارجاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۷

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق میں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم (مصیبت، وباء قحط سالی، بیماری اور دُکھ کو دُور کرنے والا۔ ت) کا استعمال نازیبا بلکہ شرعًا ممنوع اور ایمان جانے کا خوف ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک، یہ قول حق ہے یا باطل؟ اگر حق ہو تو منکرین پر شرعًا کیا حکم؟

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک دافع ہر بلا ہیں، ان کی شان عظیم تو ارفع واعلیٰ ہے، اُن کے غلام دفع بلا فرماتے ہیں، ابن عدی وابن عساکر عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّمَا سُمِّیتُ اَحْیَدَ لِاَنِّی اُحِیْدُ عَنْ اُمَّتِیْ نَارَ جَھَنَّمَ۔[1]	میرا نام اَحْیَدُ اس لیے ہوا کہ میں اپنی اُمت سے آتش دوزخ کو دفع فرماتا ہوں۔

دوزخ سے بدتر اور کیا بلا ہوگی جس کے دافع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

بیہقی دلائل النبوۃ اور ابوسعد شرف المصطفیٰ میں راوی، خفاف بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضرِ بارگاہ ہو کر عرض کی۔

حتی وردت الی المدینة جاھدا کیما اراك فتفرج الکربات۔[2]	میں کوشش کرتا ہوا مدینہ میں حاضر ہوا کہ زیارت اقدس سے مشرف ہوں تو حضور میری سب مشکلیں کھول دیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کی عرض پسند کی اور تعریف فرمائی۔

منح المدح امام ابن سید الناس میں ہے حرب بن ریطہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:۔

لقد بعث اللہ النبی محمدا   بحق وبرھان الھدی یکشف الکربا۔[3]

(خدا کی قسم اللہ عزوجل نے اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حق اور قطعی دلیل ہدایت کے ساتھ ایسا بھیجا کہ حضور دافعِ بلا فرماتے ہیں)

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب معرفة اسمائه دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۱

[2] دلائل النبوۃ للبیہقی جماع ابواب المبعث سبب اسلام خفاف بن نضله دار الکتب العلمیه بیروت ۲/ ۲۶۱، شرف المصطفیٰ ذکر اسلام خفاف بن نضله حدیث ۵۳ دار البشائر الاسلامیه ۱/ ۲۳۴

[3] الاصابة فی تمیز الصحابة بحواله ابن سید الناس ترجمه ۱۶۵۹ حرب بن ریطه دار صادر بیروت ۱/ ۳۲۰

عمر بن شبہ بطریق عامر شعبی راوی، اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی۔

انت الرسول الذی یرجی فواضلہ عند القحوط اذا ما أخطا المطر۔[1]	یارسول اللہ! حضور وہ رسول ہیں جن کے فضل کی امید کی جاتی ہے قحط کے وقت جب مینہ خطا کرے۔

ابن شاذان عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے پر فرمایا۔

یا حمزۃ یا کاشف الکربات یا حمزۃ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ۔[2]	اے حمزہ اے دافع البلا اے حمزہ اے چہرہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دشمنوں کے دفع کرنے والے۔

کتب سابقہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر شریف میں ہے ان کے دو نائب ہوں گے ایک سن رسیدہ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اور دوسرے جوان یعنی فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ **اما الفتی فخواض غمرات و دفاع معضلات**[3]۔ وہ جو جوان ہیں وہ سختیوں میں گھس پڑنے والے اور بڑے دافع البلا بڑے مشکل کشا ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ولیہ فعلی ولیہ[4] قال المناوی فی شرحہ یدفع عنہ مایکرہ۔[5]	یعنی میں جس کا مددگار ہوں علی المرتضٰی اس کے مددگار ہیں کہ ہر مکروہ کو اس سے دفع کرتے ہیں،

شاہ ولی اللہ دہلوی ہمعات میں لکھتے ہیں:

از ثمراتِ ایں نسبت است در مہالک و مضایق صورت آں جماعت پدید آمدن و حل مشکلات وے بآں صورت منسوب شدن۔[6]	ہلاکتوں اور تنگیوں میں اس جماعت (اولیاء اللہ) کی صورت کا ظاہر ہونا اور حل مشکلات کا اس کی طرف منسوب ہونا اس نسبت کے ثمرات میں ہے۔ت)

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۱۶۹ اسود بن مسعود ثقفی دار صادر بیروت ۱/ ۴۶

[2] انسان العیون المعروف بالسیرۃ الحلبیۃ ذکر غزوہ احد المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۲/ ۲۴۷

[3]

[4] الجامع الصغیر حدیث ۹۰۰۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۴۲

[5] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث من کنت ولیہ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۴۴۲

[6] ہمعات ہمہ ۱۱ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد ص ۵۹

قاضی ثناء اللہ تذکرۃ الموتٰی میں لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں یعنی اولیادر زمین وآسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند و دوستان و معتقدان رادر دنیا وآخرت مددگاری مے فرمایند ودشمناں راہلاک می نمایند [1]۔	اولیاء اللہ کی روحیں زمین، آسمان اور جنت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اور دنیا وآخرت میں اپنے دوستوں اور عقیدتمندوں کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کوہلاک کرتی ہیں (ت)

اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہماری کتاب **الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلا** میں ہے۔ درود تاج پڑھنے کو حرام کی طرف نسبت وہی کرے گاجو خود منسوب بحرام ہو۔ وہابیہ مرتدین ہیں ان کی بات سُننی جائز نہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

سوال ثانی: ازیں مقام وازیں سائل (سوال دوم اُسی جگہ سے اسی سائل کی طرف سے۔ت)

ے باادب داخل ہوا ے دل محفل میلاد میں
خود بدولت خود میں شامل محفلِ میلاد ہیں

ہمارے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا محفلِ مولود میں جلوہ افروز ہونا اس شعر سے صادق آتا ہے لیکن وہابی کہتا ہی کہ نہیں ہوسکتا۔ جلوہ افروز نہ ہونے کی کیا دلیل؟

الجواب:

وہابی کذاب جھوٹا ہے، امام خاتم الحفاظ جلال الملّۃ والدّین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تنویر میں فرماتے ہیں۔

قداخبرنی الثقات من اھل الصلاح انھم شاھدوہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرارا عند قراءۃ المولود الشریف وعندختم القرآن وبعض الاحادیث [2]۔	مجھے ثقہ صالحین نے خبر دی کہ انہوں نے بارہا حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مجلس میلاد شریف وجلسہ ختمِ قرآن عظیم وبعض احادیث میں مشاہدہ کیا۔

نیز امام ممدوح تنویر پھر امام محدث جلیل زرقانی شرح المواہب شریفہ میں فرماتے ہیں:

انہ وسائر الانبیاء صلی اللہ تعالٰی	بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] تذکرۃ الموتی باب در مقر ارواح مطبع محمدی لاہور ص ۳۰
[2] تنویر الحوالک

علیھم وسلم اذن لھم فی الخروج من قبورھم للتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی۔[1]	اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اجازت ہے کہ آسمان و زمین کی سلطنت الٰہی میں تصرف فرمانے کے لیے اپنے مزارات طیبہ سے باہر تشریف لے جائیں۔

علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

ونحوہ یاتی للمصنف فی غیر موضع من ھٰذا الکتاب۔[2]	یعنی اس کے مثل امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں جا بجا تصریح فرمائی ہے۔

امام ابن حجر مکی فتاوٰی کبرٰی باب الجنائز میں فرماتے ہیں:

روح نبیّنا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ربما تظھر فی سبعین الف صورۃ۔[3]	ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس سترّ ہزار صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔

حضور عین نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شانِ اقدس تو بُلند و بالا ہے، امام اجل عبداللہ بن مبارک و ابوبکر بن ابی شیبہ استاد بخاری و مسلم حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے وقفاً اور امام احمد مسند اور حاکم صحیح مستدرک اور ابونعیم حلیہ میں بسندِ صحیح حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے رفعاً راوی، وھذا حدیث ابی بکر:

اذا مات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث شاء۔[4]	جب مسلمان کا انتقال ہوتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے جہاں چاہے جاتا ہے۔

ہم نے اپنے رسالہ اتیان الارواح لدیار ھم بعد الرواح میں اس پر بہت روایات ذکر کیں بلکہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مجالس طیبہ میں تشریف لانا بایں معنی نہیں کہ نہ تھے اور تشریف لائے کہ وہ تو ہر وقت مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرماہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] الحاوی للفتاوی تنویر الحوالك فی امکان رؤیۃ النبی والملك دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۳

[2]

[3] الفتاوٰی الکبرٰی کتاب الصلوۃ باب الجنائز دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۹

[4] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ المصنف لابن ابی شیبہ کتاب ذکر الموت دارالفکر بیروت ۱۰/ ۲۲۷

ملا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:

لان روح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام۔[1]	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔

بلکہ یہ معنی کہ مجلس مبارک میں تجلی خاص فرماتے ہیں، یہ اُن کے کرم پر ہے ہر جگہ ضرور نہیں اور جس ذلیل سے ذلیل بندے کو نوازیں کچھ دور نہیں۔

اگر بادشہ بر در پیر زن بیاید تو اے خواجہ سلبت مکن

(اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر تشریف لائے تو اے سردار! مونچھ مت اکھاڑ، ت)

وہابی کہ اسے محال مانتا ہے کیا دلیل رکھتا ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے: "قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۱"[2]۔

اپنی برہان لاؤ اگر سچے ہو۔

دلیل کچھ نہیں سوا اس کے کہ ع

انبیارا ہمچو خود پنداشتند

(نبیوں کو وہ اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ت)

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۝۲۲۷"۔[3] واللہ تعالٰی اعلم	عنقریب ظالم جان جائیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۴: از کانپور مرسلہ مولانا محمد آصف صاحب ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

یا حبیب محبوب اللہ روحی فداک، قبلہ کونین و کعبہ دارین دامت فیوضہم بعد تسلیمات فدویانہ و تمنائے حصول سعادت آستانہ بوسی، التماس اینکہ بفضلہٖ تعالٰی کمترین بخیریت ہے صحتوری حضور کی مدام بارگاہِ احدیث سے مطلوب۔ گرامی نامہ صادر ہو کر موجب عزت وسرفرازی ہوا۔ فدوی نے اس آیت قرآنی "فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝۱۰۵"[4]۔ (تو ان میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی خوش نصیب۔ت) کی تفسیر،

---

[1] شرح الشفاء لملّا علی القاری علی ہامش نسیم الریاض فصل فی المواطن الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۳ /۴۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱ و ۲۷/ ۶۴

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۵

تفسیر کبیر میں دیکھی۔

"وَ اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَؕ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۝۱۰۸ "[1]۔	اور جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا یہ بخشش ہی کبھی ختم نہ ہوگی۔(ت)

کے متعلق لکھا ہے:

الاستثناء فی باب السعداء یجب حمله علی احد الوجوه المذکورة فیما تقدم وھناوجه اٰخروھوانه ربما اتفق لبعضھم ان یرفع من الجنة الی العرش و الی المنازل الرفیعة التی لایعلمھا الا الله تعالٰی[2]۔	خوش نصیبوں کے بارے میں استثناء کو ماقبل میں مذکور وجوہ میں سے کسی ایک پر محمول کرنا لازم ہے اور یہاں پر ایک دوسری وجہ ہے وہ یہ کہ بسا اوقات بعض کے لیے یہ اتفاق ہوتا ہے کہ اسے جنت سے عرش اور ان بُلند منزلوں کی طرف رفعت بخشی جاتی ہے جن کو اللہ تعالٰی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔(ت)

اگر کوئی کہے کہ الفاظ غیر مجذوذ سے معلوم ہوا کہ عطا غیر منقطع ہوگی مگر استثناء ماشاء ربک ہے قدرت منقطع کرنے پر معلوم ہوتی ہے اگرچہ ہرگز ہرگز مشیئت منقطع کرنے کے لیے متعلق نہ فرمائے گا تو اس کا کیا جواب ہے حضور کا رسالہ جلد اول سبحن السبوح فدوی کے پاس ہے۔ مولانا مولوی امجد علی صاحب سے چند کتابیں مثل ظفر الطیب وغیرہ و نیز جلد ثانی سبحٰن السبوح کی کمترین نے بذریعہ ویلو طلب کی ہیں کتاب صیانۃ الناس عن وساوس الخناس تصنیف مولانا نذیر احمد خاں صاحب مرحوم رامپوری میں لکھا ہے۔اخبارِ وعدہ ثواب کا قطعی ہونا اور مشیت پر مبنی نہ ہونا واجب ہے کہ اس کے خلاف میں لوم ہے جس سے خدائے تعالٰی پاک ومنزہ ہے۔

قال عبدالحکیم فی الحاشیة علی الخیالی لعل مراد ذٰلك البعض بقولھم ان الخلف فی الوعید کرم ان الکریم اذازجر بالوعید فاللائق بحاله و	ملا عبدالحکیم نے خیالی کے حاشیہ مین کہا، شاید اس بعض کی مراد اپنے اس قول سے کہ وعید میں خلف کرم ہے یہ ہو کہ کریم جب وعید کے ساتھ زجر فرمائے تو اس کے حال کے لائق اور

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۸

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیت ۱۱/ ۱۰۸ المطبعة البھیة المصریة مصر ۱۸/ ۶۷

مقتضی کرمه ان یبتنی اخبارہ علی المشیة فجمیع العمومات الواردفی الوعید متعلقة بالمشیة وان لم یصرح بها زجر اللعاصین ومنعًا لهم فلا یلزم الکذب والتبدیل بخلاف وعدالکریم فانه یجب ان یکون قطعیا لان الخلف فیه لوم فلا یجوز تعلیقه بالمشیة [1]۔	اس کے کرم کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وعید کے بارے میں اس کی خبر مشیت پر مبنی ہو۔ چنانچہ وعید کے سلسلے میں وارد تمام عمومات مشیت کے ساتھ منسلک ہیں اگرچہ نافرمانوں کی زجر و توبیخ اور انہیں گناہ سے باز رکھنے کی خاطر کریم نے اس کی تصریح نہ کی ہو لہٰذا اس میں جھوٹ اور تبدیلی لازم نہیں آتی بخلاف کریم کے وعدے کے اس کا قطعی ہونا واجب ہے اس لیے کہ اس میں خلف لوم ہے چنانچہ اس کو مشیت پر معلق کرنا جائز نہیں (ت)

دوسرا خط عریضہ ملفوف تخمیناً بارہ ۱۲ روز ہوئے ہوں گے، فدوی روانہ خدمت فیضدرجت کرچکا ہے ہنوز جواب سے محروم ہے، اُس عریضہ میں متعلق آیت "فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ" دریافت کیا تھا کہ اہل جنت کی بابت بعد مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (جب تک آسمان وزمین رہیں گے۔ت) کے "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ" (مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا۔ت) سے اگر کوئی شبہہ کرے کہ قدرت خلود ابدی کے خلاف کرنے پر معلوم ہوتی ہے اگرچہ ہرگز خلاف وعدہ نہ فرمائے گا چنانچہ صراحةً بھی عطاء غیر مجذوذ کے فرمادیا ہے تو کیا شبہہ ہے۔ تفسیر ابن جریر وعرائس البیان میں ہے:

قال ابن مسعود لیاتین علی جهنم زمان تخفق ابوابها لیس فیها احد [2]۔	ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ جہنم پر ضرور ایک ایسا زمانہ آئے گا جب اس کے تمام دروازے خالی ہوجائیں گے اور اس میں کوئی ایک شخص بھی نہیں رہے گا۔ (ت)

اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم مولانا المکرم

[1] حاشیہ عبدالحکیم علی الحکیم الخیالی مطبع یوسفی لکھنؤ ص ۱۲۶

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیت ۱۱/۱۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۲/۱۴۲

اکرکم میں آج کل متعدد رسائل رَدوہابیہ خذلہم اللہ تعالیٰ میں مشغول تھا۔ خبر الٰہی مثل علم الٰہی ہے ان میں سے کسی کا خلاف ممکن نہیں، مگر یہ استحالہ بالغیر ہے، نفی قدرت نہیں کرتا علم الٰہی ازلی میں تھا کہ یہ زید کو فلاں وقت پیدا کرے گا اب واجب ہوا کہ زید اس وقت پیدا ہو، اگر نہ پیدا ہو تو معاذ اللہ جہل لازم آئے لیکن اس سے یہ لازم نہ آیا کہ مولا تعالیٰ اس کو پیدا کرنے پر مجبور ہوگیا، نہ پیدا کرنے پر قادر نہ رہا اور نہ پھر جہل لازم آئے کہ علم میں تو یہ تھا کہ اپنی قدرت سے اسے پیدا کرے گا اور یہ نہ ہوا بلکہ معاذ اللہ مجبور ہوگیا۔ حاشا بلکہ زید کا وجود و فنا ازلاً ابداً تحتِ قدرت ہے اور تعلق علم کے سبب جس وقت اس کا وجودِ علم الٰہی میں تھا وجود واجب ہے اور جس وقت فنا فنا واجب ہے کہ خلاف ہو تو جہل ہو اور جہل محال بالذات ہے اس محال بالذات نے ان ممکنات کو اپنے اپنے وقت میں واجب بالغیر کر دیا اس سے معاذ اللہ نہ قدرت مسلوب ہوئی نہ جہل ممکن، بعینہٖ یہی بات خبر الٰہی میں ہے اس نے خبر دی کہ اہل جنت کو جنت میں ہمیشہ رکھے گا ان کا خلود واجب ہوگیا۔ اگر نہ ہو تو معاذ اللہ کذب لازم آئے۔ مگر اس سے انقطاع پر قدرت مسلوب نہ ہوئی خلود و انقطاع دونوں ازلاً ابداً زیر قدرت ہیں مگر تعلق خبر نے خلود کو واجب بالغیر کر دیا اس سے نہ قدرت مسلوب ہوئی نہ معاذ اللہ کذب ممکن۔ کذب کے محال بالذات ہونے ہی نے تو اس ممکن کو واجب بالغیر کر دیا اگر اس سے کذب ممکن ہو جائے تو اسے واجب کون کرے، مولا عزوجل کے وعد و وعید کسی میں تخلف ممکن نہیں خود وعید ہی کے لیے ارشاد ہوا ہے۔ "مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ"[1]۔ میرے یہاں بات بدلتی نہیں۔ت) جیسے وعدہ کو فرمایا: "لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ"[2]۔ (اور اللہ تعالیٰ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ کرے گا۔ت) بعض کے کلام میں کہ خلف وعید کا لفظ واقع ہوا تصریحات ہیں کہ اس سے مراد عفو ہے، یہ اگر معاذ اللہ امکانِ کذب ہو تو امکان کیسا وقوع ہوا کہ عفو یقیناً واقع ہوگا، اس کی مفصل بحث سبحٰن السبوح میں ہے آیہ کریمہ "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ"[3]۔ (مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا۔ت) کے وہ معنی بعونہ تعالیٰ ذہنِ فقیر میں ہیں جن کے بعد ہرگز ہرگز کسی تاویل کی حاجت نہیں، معنی ظاہر پر بلا تکلف مستقیم ہیں خلودِ اہل دارین کو عمر آسمان و زمین سے مقدر فرمایا ہے "مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ"۔[4] (جب تک آسمان و زمین رہیں گے۔ت) ظاہر ہے کہ اس سے یہ بقائے آسمان و زمین مراد نہیں جو نفخِ صور پر منقطع ہے بلکہ سماء و ارض کہ روزِ قیامت اعادہ کیے جائیں گے اُن کی عمر مراد ہے جو ابدی ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس کی مقدار جنتیوں کے

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/۲۹

[2] القرآن الکریم ۲۲/۴۷

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۷ و ۱۰۸

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۷ و ۱۰۸

جنت دوزخیوں کے دوزخ میں رہنے کی مقدار سے صدہا سال زائد ہے کہ انتہانہ ان کو نہ اس کو، مگر اس کی ابتداء ان کی ابتداء سے سینکڑوں برس پہلے ہے شروع روزِ قیامت میں آسمان وزمین پیدا ہو جائیں گے لیکن جنتی جنت اور دوزخی دوزخ میں بعد حساب جائیں گے اور باہم بھی مقدار میں مختلف ہوں گے فقراء اغنیاء سے پانچسو برس پہلے جنت میں جائیں گے تو جانب ابتدا میں ان کا خلود اُن سموات وارض کے دوام سے کم ہوا کسی کا مثلاً ہزار برس کم جیسی جس کے لیے مشیت ہوگی کسی کا دو ہزار برس کم، الی غیر ذلك اس کو فرماتا ہے۔ "اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ" [1] (مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا۔ ت) روایت لیاتین علی جھنم [2] الخ دوزخ کے طبقہ اولیٰ کے لیے ہے جس کا نام جہنم ہے اگرچہ مجموعہ کو بھی جہنم کہتے ہیں یہ طبقہ عصاۃ موحدین کے لیے ہے یہ بیشک ایک روز بالکل خالی ہو جائے گا جب لا الٰہ اللہ کہنے والا کوئی اس میں نہ رکھا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۰۵: ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

علمائے اہلسنت وجماعت کی خدمت میں گزارش ہے کہ آج کل اکثر سنت والجماعت فرقہ باطلہ کی صحبت میں رہ کر چند مسائل سے بدعقیدہ ہوگئے ہیں اگرچہ حضور کی تصانیف کثیرہ میں ہر قسم کے مسائل موجود ہیں لیکن احقر کی نگاہ سے یہ مسئلہ نہیں گزرا، اسی واسطے اس مسئلے کی ضرورت ہوئی، اور نیز عوام کا ایمان تازہ ہوگا اور بدعقیدہ لوگ گمراہی سے باز آئیں گے، منجملہ اُن کے ایک مسئلہ ذیل میں تحریر ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت زید کہتا ہے کہ وہ لالچی شخص تھے، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑ کر انکی خلافت لے لی اور ہزار ہا صحابہ کو شہید کیا۔ بکر کہتا ہے کہ میں ان کو خطا پر جانتا ہوں ان کو امیر نہ کہنا چاہیے۔ عمرو کا یہ قول ہے کہ وہ اجلہ صحابہ میں سے ہیں ان کی توہین کرنا گمراہی ہے ایک اور شخص کو اپنے آپ کو سنی المذہب کہتا ہے اور کچھ علم بھی رکھتا ہے، (حق یہ ہے کہ وہ نرا جاہل ہے) وہ کہتا ہے کہ سب صحابہ اور خصوصًا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما لالچی تھے (نعوذ باللہ منہا) کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعش مبارک رکھی تھی اور وہ اپنے اپنے خلیفہ ہونے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ ان چاروں شخصوں کی نسبت کیا حکم ہے؟ ان شخصوں کو سنت والجماعت کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور حضور کا اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۷ و ۱۰۸

[2] جامع القرآن (تفسیر ابن جریر) تحت آیت ۱۱/ ۱۰۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۲/ ۱۴۲

جواب مدلل عام ارقام فرمائیے۔

الجواب:

اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کی دو قسمیں فرمائیں، ایک وہ کہ قبل فتح مکہ شریف مشرف بایمان ہوئے اور راہ خدا میں مال خرچ کیا جہاد کیا۔ دوسرے وہ کہ بعد پھر فرمایا۔ "وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"[1]۔ دونوں فریق سے اللہ تعالٰی نے بھلائی کا وعدہ فرمایا، اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ہے ان کو فرماتا ہے، "اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ" "وہ جہنم سے دور رکھے گئے، لایسمعون حسیسھا اس کی بھنک تک نہ سنیں گے۔ "وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ" اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے قیامت کی سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔ "وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ" فرشتے اُن کا استقبال کریں گے۔ "هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" [2] یہ کہتے ہوئے کہ یہ تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے، تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے، اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشاد الٰہی کے مقابل پیش کرنا اہل اسلام کا کام نہیں، رب عزوجل نے اُسی آیت میں اس کا منہ بھی بند فرمادیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمایا "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ" [3]۔ اور اللہ تعالٰی کو خوب خبر ہے جو کچھ تم کروگے۔ بااینہمہ میں تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا۔ اس کے بعد کوئی بکے اپنا سر کھائے خود جہنم جائے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

ومن یکون یطعن فی معاویۃ فذالك کلب من کلاب الھاویۃ [4]۔	جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتّا ہے۔

اُن چار شخصوں میں عمر کا قول سچا ہے، زید و بکر جھوٹے ہیں، اور چوتھا شخص سب سے بدتر خبیث رافضی تبرائی ہے۔ امام کا مقرر کرنا ہر مہم سے زیادہ ہے تمام انتظامِ دین و دنیا اسی سے متعلق ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۱ /۱۰۱تا ۱۰۳

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[4] نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۳/ ۴۳۰

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جنازہ انور اگر قیامت تک رکھا رہتا اصلاً کوئی خلل متحمل نہ تھا، انبیاء علیہم السلام کے اجسام طاہرہ بگڑتے نہیں، سیدنا سلیمٰن علیہ الصلوۃ والسلام بعد انتقال ایک سال کھڑے رہے سال بھر بعد دفن ہوئے، جنازہ مبارکہ حجرہ ام المومنین صدیقہ میں تھا جہاں اب مزار انور ہے اس سے باہر لے جانا نہ تھا، چھوٹا سا حجرہ اور تمام صحابہ کو اُس نماز اقدس سے مشرف ہونا ایک ایک جماعت آتی اور پڑھتی اور باہر جاتی دوسری آتی، یوں یہ سلسلہ تیسرے دن ختم ہوا۔ اور اگر تین برس میں ختم ہوتا تو جنازہ اقدس تین برس یوں ہی رکھا رہنا تھا کہ اس وجہ سے تاخیر دفن اقدس ضروری تھی۔ ابلیس کے نزدیک یہ اگر لالچ کے سبب تھا سب سے سخت تر الزام امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ پر ہے یہ تو لالچی نہ تھے اور کفن دفن کا کام گھر والوں سے ہی متعلق ہوتا ہے یہ کیوں تین دن ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ انہیں نے رسول کا یہ کام کیا ہوتا یہ پچھلی خدمت بجالائے ہوتے۔ تو معلوم ہوا کہ اعتراض ملعون ہے اور جنازہ انور کا جلد دفن نہ کرنا ہی مصلحت دینی تھی جس پر علی مرتضی اور سب صحابہ نے اجماع کیا مگر ؎

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　　عیب نماید بہ نگاہش ہنر

(بدخواہ کی آنکھ برباد ہوجائے اس کی نگاہ میں ہنر بھی عیب نظر آتا ہے۔ ت)

یہ خبثاء خذلہم اللہ تعالٰی صحابہ کرام کو ایذا نہیں دیتے۔ حدیث شریف میں ہے۔

من اٰذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللہ ومن اٰذی اللہ یوشك ان یاخذہ۔[1]	جس نے میرے صحابہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے گرفتار کرے، والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۶: از کوچین ضلع ملیبار محلّہ مٹانچیری مرسلہ مولانا حاجی طاہر محمد صاحب ۲۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مذہب پر قائم رہنا فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟ جو ایک مذہب پر قائم نہیں وہ کون ہے؟ اس کا نام کیا ہے؟

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب من سب اصحابہ صلی اللہ علیہ وسلم، امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۶

الجواب:

مذہب اہلسنت پر قائم رہنا فرضِ اعظم ہے اور فقہ میں ایک مذہب مثلاً حنفی مذہب پر قائم رہنا، اور جو کسی مذہب پر قائم نہیں پہلی صورت میں دہریہ اور دوسری صورت میں غیر مقلد ہے اور یہ فرقہ بھی بدعتی ناری ہے۔ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

فمن کان خارجًا عن ھٰذا الاربعۃ فھو من اھل البدعۃ والنار۔[1] واللہ تعالٰی اعلم	تو جو کوئی چاروں سے خارج ہے وہ بدعتیوں اور جہنمیوں میں سے ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۰۷: از شہر بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسؤلہ امام بخش طالب علم مدرسہ مذکور ۱۵ جمادی الاخرہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا یہ قول ہے کہ قیام ناجائز ہے اور اس کی دلیل امام اعظم صاحب کا قول پیش کرتا ہے بطورِ افتراء کہ ہمارے امام صاحب خود کبھی کبھی قیامت نہیں فرماتے تھے جب ہم ان کی تقلید کرتے ہیں تو ہر ایک بات میں تقلید کرنا چاہیے تو اس صورت میں کہ ہم قیام نہیں کرتے الزام نہیں ہوسکتا اور زید کا یہ قول کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی کبھی کبھی قیام نہیں فرماتے تھے یہ صحیح ہے یا نہیں، اگر زید امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ پر افتراء کرتا ہے تو ایسے شخص کے واسطے کیا حکم ہے؟ زید کہتا ہے کہ صاحبِ مرقات کا قول یہ ہے کہ جو امر مندوب ہے اس پر تاکید کرنے سے مکروہ ہوجاتا ہے، قیام مستحب ہے پھر اس پر اس قدر تاکید کیوں ہے یہاں تک کہ رسالہ بازیوں تک نوبت پہنچ گئی، قبل نماز عصر چار رکعت سنت مستحب ہے، اس پر تاکید کیوں نہیں کرتے، قیام پر کیا خصوصیت ہے اور قیام کرنے والوں کو کیا ثواب ملے گا؟ اور منکرِ قیام کو کیا عذاب ہوگا؟ میلاد شریف میں کچھ لوگوں نے قیام کیا اور کچھ لوگوں نے نہیں کیا اُن کے واسطے کیا حکم ہے؟ جو لوگ صرف قیام کے منکر ہیں یا پورے دیوبندی خیال کے ہیں ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:

اس نے امام پر افترا کیا اور قیام مندوب ہے اگر بعض اوقات اس لحاظ سے کہ واجب نہیں ساری مجلس قیام نہ کرتی اور اس کے ساتھ یہ خیال وہابیت نہ ہوتا تو حرج نہ تھا اور اب یہ قیام شعارِ اہلسنت ہوگیا ہے اور اس سے ان کا اشعارِ وہابیت اور شعارِ سنیت کا لحاظ ضرور موکدہ ہے۔

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الذبائح المکتبۃ الاسلامیہ کوئٹہ ۴/ ۱۵۳

عصر سے پہلے کے نوافل نہ شعارِ سنیت ہیں نہ ان کے ترک میں کوئی تہمت و گمراہی، خصوصًا اس حالت میں کہ مجلس قیام کرے اور بعض بالقصد مخالفتِ مسلمین کرکے بیٹھے رہیں، منکر قیام اگر بالفرض ایسا پایا جائے کہ صرف اسی مسئلہ میں اس کو شبہہ ہے نہ بہ علت وہابیت نہ بر بنائے اصولِ وہابیت اور تمام مسائل میں موافق اہلسنت ہے، وہابیہ کو گمراہ بے دین جانتا ہے تو اس کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا، مگر ہندوستان میں شاید ایسا شخص معدوم ہو۔ رہے دیوبندی اور ان کے ہم خیال وہ مرتدین ہیں مرتد کے پیچھے نماز کیسی!

مسئلہ ۱۰۸: بمعرفت سید ضمیر الحسن صاحب ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

جناب بھائی صاحب دام اقبالہ، مؤدبانہ گزارش ہے کہ جس رسالہ کے بارے میں تذکرہ کیا تھا وہ اس وقت موصول ہوا، اس کا ایک اعتراض تحریر کرتا ہوں کیونکہ دوسرے لمبے چوڑے ہیں وہ بعد کو لکھوں گا آپ اس کو اعلیحضرت قبلہ وکعبہ کی خدمت عالی میں پیش کریں اور جواب خاکسار کے پاس روانہ فرمائیں، وہ اعتراض یہ ہے کہ ہم جو کہ ایمانی حالت نہایت کمزور رکھتے ہیں ہمارے واسطے حکم ہوتا ہے۔ "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ"[1]۔ بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔ "مَنْ یَّخَافُهٗ بِالْغَیْبِ"[2]۔ کون ہے جو بے دیکھے ڈرتا ہے۔ "الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾"[3]۔ یہ نصیحت نامہ ان لوگوں کے واسطے ہے جو بے دیکھے خدا سے ڈرتے ہیں اور قیامت سے ڈرتے ہیں، "اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ"[4]۔ تم اُنہیں کو ڈراؤ جو سمجھانے پر چلے اور بغیر دیکھے رحمٰن سے ڈرے، "مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿۳۳﴾ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ"[5]۔ جو شخص بے دیکھے خدا سے ڈرتا رہا اور دل گرویدہ لے کر حاضر ہوا ہم ایسے لوگوں سے فرمائیں گے سلامتی کے ساتھ اس بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ "مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ"[6]۔ جو لوگ بغیر دیکھے خدا اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں۔ "اِنَّ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۱۲﴾"[7]۔ جو لوگ خدا سے بغیر دیکھے ڈرتے ہیں اُن کے واسطے بڑا اجر ہے۔ غرضکہ متعدد آیات جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳

[2] القرآن الکریم ۵/ ۹۴

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۴۹

[4] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۱

[5] القرآن الکریم ۵۰/ ۳۳و۳۴

[6] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۵

[7] القرآن الکریم ۶۷/ ۱۲

اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لاؤ، آج کل فلسفہ، سائنس اور کیمسٹری نے وہ کچھ زور باندھا ہے کہ معمولی سے معمولی سمجھ والا بھی بغیر دیکھے ایمان لانے کو تیار نہیں۔ جن، بھوت، پری، چڑیل کے قصے چند روز ہوئے کہ ہمارے دلوں پر بڑا بھاری اثر کیے ہوئے تھے مگر اب جوں جوں سائنس کی ہوا لگتی جاتی ہے ان باتوں سے انکار ہوتا چلا جاتا ہے اور مشاہدے کے بغیر کسی بات کے ماننے کے واسطے ہم تیار ہی نہیں ہوتے، اس لیے آجکل یہ بڑی مشکل بات ہے کہ بلا مشاہدہ کے کوئی شخص کسی بات کو تسلیم کرلے جب کہ آج سے چند ہزار سال پہلے ایک اولوالعزم بلکہ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے۔

"وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَ لَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ "[1]۔	اور جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے کہا تھا کہ میرے رب مجھے دکھا کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، خدا نے پوچھا کیا تو ہماری اس بات پر ایمان نہیں لاتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں ایمان تو لایا ہوں مگر اطمینان قلب کی خاطر دیکھنا چاہتا ہوں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ایمان لانا دل کے ساتھ ہوتا ہے زبانی جمع خرچ کا نام ایمان نہیں، اگر فی الحقیقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بات پر ایمان لائے ہوتے تو اطمینان قلب ضرور ہوتا اب اعتراض یہ ہے کہ اُس زمانہ میں جب کہ سائنس اور فلسفہ نے انسان کو اس قدر ہوشیار نہیں کیا تھا اُس وقت کے لوگ تو یہ حق رکھتے تھے کہ وہ دیکھ بھال کر کھوٹا کھرا جانچ کر ایمان لائیں تو بھلا یہ کس قدر انصاف پر مبنی ہے کہ اس روشنی کے زمانے میں یہ نادر شاہی حکم ہو کہ تم پوچھو کچھو دیکھو بھالو نہیں بغیر دیکھے ہی ایمان لے آؤ۔ اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی تھے اور نبی بھی ایسے نبی جن کی اولاد سے کئی ہزار نبی پیدا ہوئے اور خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر فخر کیا کہ: "قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًاؕ "[2]۔ (تم فرماؤ بلکہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کا دین لیتے ہیں۔ت) دوسرے نبی نبا سے نکلا ہے نبا خبر کو کہتے ہیں، نبی کے معنی غیب کی خبریں پانے والا۔ اور غیب کی خبر ایک ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے کہ جو ہر مرتبہ ایمانی ترقی کا ذریعہ ہوئی ہے کائنات عالم کی خبریں اللہ تعالٰی انہیں

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۵

دیتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ نہایت مسرور رہتے ہیں ان باتوں کو مد نظر رکھ کر اب غور کیجئے کہ جو رات دن خارق عادت خبریں پارہے ہیں وہ تو یہ حق رکھیں کہ مجھے یہ دکھادے کہ تو کس طرح مردوں کو زندہ کرے گا، اور ہم جو کہ اس موجودہ سائنس اور فلسفہ کے روز افزوں سیلاب میں ڈوبے جارہے ہیں ہمیں یہ نادر شاہی حکم ہو کہ بغیر دیکھے ایمان لے آؤ۔ کیا یہ انصاف ہے؟ لوگو! خدا کے لیے جواب دو۔ اس نئی روشنی نے جو غضب ڈھایا ہے وہ حسب ذیل نوٹ سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ جب تک یہ سائنسدان پیدا نہیں ہوئے تھے دنیا اس قدر نرم دل واقع ہوئی تھی کہ خدا کی ہستی سے انکار کسی کو بھی نہ تھا بلکہ معمولی سے معمولی چیزوں کو بھی وہ خدا تسلیم کرلیا کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ عالم آپ کو یہ بتادے گی کہ کوئی مذہب ایسا نہیں تھا کہ جن کو ہستی باری تعالٰی سے انکار ہو۔ اس کے برعکس ایسے لوگ موجود تھے کہ آگ، پتھر، درخت، آفتاب، ستارہ، چاند، دریا، جانور تک کو خدا مانتے تھے، ایک چھوڑ کئی کئی خدا کے ماننے والے موجود تھے انکار کسی کو بھی نہ تھا مگر ڈارون جیسوں کی تھیوریز نے پیدا ہو کر سرے سے خدا ہی کو اڑادیا اور کہنے لگے یہ سب کچھ خود بخود سے ہے کوئی خدا نہیں یہ جاہلوں کی باتیں ہیں۔ اب ذرا غور کریں کہ یہاں تو سرے سے خدا کا ہی انکار ہے اس حالت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ کوئی بلا دلیل خدا کے احکامات پر بلا دیکھے ایمان لاسکے تعجب ہے کب جب حضرت انسان اپنی حقیقت سے بھی ناواقف تھا اور ایک وحشی کی طرح زندگی بسر کررہا تھا اس وقت تو اس کو یہ حق حاصل تھا کہ یہ دیکھ بھال کر ٹھونک بجا کر ایمان لائے اور جب کہ انسان آگ، پانی، ہوا، بجلی پر حکمرانی کرتے کرتے ترقی کے آسمان پر پرواز کرکے تاروں سے گفت و شنید کی فکر میں منہمک ہو اس وقت کے واسطے یہ قانون پاس ہوجائے کہ جی بغیر دیکھے ایمان لے آؤ کس قدر انصاف ہے، اور پھر جب کہ نبی تو دیکھ بھال کر ایمان لائیں اور ہم کمزور انسانوں کے واسطے یہ حکم ہو کہ بغیر دیکھے ایمان لے آؤ تمہیں بتاؤ کہ ہم ان سے زیادہ حقدار ہیں یا نہیں؟ ہر شخص اس کا یہی جواب دے گا کہ ہاں بے شک ہم انبیاء سے زیادہ دیکھ بھال کر ایمان لانے کے مستحق ہیں کیونکہ ہم نے تجلیات اللہ کا ایک پر تو بھی نہیں دیکھا، اور نہ ہم دیکھ سکتے ہیں وحی الٰہی نبوت حضرت رسول کریم خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ختم ہوگئی، اور بقول احمدیوں کے یہ بھی مان لیا جائے کہ نبوت کا راستہ بند نہیں ہوا تو یہ بھی غیر ممکن ہے کہ تمام دنیا نبی بن جائے۔

الجواب:

اللہ عزوجل اپنی لعنت سے بچائے، جب لعنت الٰہی اترتی ہے دل کی آنکھیں پھوٹ جاتی ہیں اچھا خاصا ہوش و حواس والا پکا پاگل ہوجاتا ہے اسے اپنی ہی ہستی سجھائی نہیں دیتی اپنے افعال

والی آنکھ بند ہو جاتی ہے اور مہملات بکنے والا منہ کھل جاتا ہے۔

(۱) علم کے اسباب تین ہیں: عقل، حواس، خبر صادق۔ حواس پانچ ہیں جن میں دیکھنا صرف ایک سے متعلق ہے تو علم کے ساتھ ذریعہ ہوئے، جو اندھا کہے کہ بے دیکھے نہ مانیں گے وہ سات میں سے چھ ذریعہ علم کو باطل کر چکا اور اگر ظاہر کا بھی اندھا ہے تو وہ ساتواں بھی گیا۔

(۲) یہ تو گدھے سے بھی بدتر ہوا، وہ بھی جانتا ہے کہ دیکھنے کے سوا اور بھی ذرائع علم ہیں دور سے شیر کی آواز سنے گا یا بو سونگھے گا تو جان توڑ کر سرپٹ بھاگے گا مگر یہ گدھے سے بھی احمق تر وہیں کھڑا رہے گا کہ شیر کو دیکھا تو ہے ہی نہیں بے دیکھے ماننا کیا معنی۔

(۳) سائنس والے ہوا کے معتقد ہیں یا نہیں ہیں، تو بے دیکھے کیونکر۔

(۴) سائنس والے صدہا باتوں میں خود مختلف ہیں، دیکھی ہوئی بات میں اختلاف کیا، کیا سب اندھے ہیں یا ان میں سے ایک انکھیارا ضرور بے دیکھی باتوں میں اٹکلیں دوڑاتے اور ہر ایک اپنی مانتا ہے۔

(۵) اقلیدس کا مسئلہ ہے کہ کرہ کی نسبت کرہ کی طرف، قطر کی نسبت قطر کی طرف ہے، مثلثہ بالتکریر مثلاً ایک کرہ کا قطر دوسرے کا ۱/۲ ہے تو یہ کرہ اس کا ۱/۸ ہوگا، یا ۱/۳ ہے تو ۱/۲۷ یہ کن آنکھوں سے دیکھ کر مانا۔

(۶) ارثماطیقی کا مسئلہ ہے کہ نسبت مجذورین مجذور نسبت جذرین ہے، یہ کن آنکھوں سے دیکھی۔

(۷) جبر و مقابلہ کا مسئلہ ہے کہ نصف سر لا کا مجذور طرفین میں شامل کرنے سے یعنی جو مساوات اس صورت کی ہو: لا۲ + ص لا = ط اس میں (ص/۲) ۲ یا ص۲/۴ ملانے سے مجذور کامل ہو جاتا ہے۔ اگرچہ پہلے بھی کامل ہو، یہ کن آنکھوں سے دیکھ کر مانا۔ اسی طرح ان فنون اور ان کے سوا دیگر علوم کے لاکھوں مسائل ہیں کہ بے دیکھے مان لیتے ہیں۔

(۸) یہ معترض اور ہر (شخص) اپنی ماں کو یقیناً اپنی ماں جانتا ہے ان میں سے کس نے اپنے آپ کو اس کے پیٹ سے پیدا ہوتے دیکھا ہے۔

(۹) ماں تو ماں اُن میں سے جو کوئی باپ رکھتا ہے اُسے کبھی شبہہ نہیں ہوتا کہ اس نے اپنے آپ کو اس کی پیٹھ سے اُترتے اور ماں کے پیٹ میں داخل ہوتے نہ دیکھا پھر کیونکر اس کے باپ ہونے پر اعتقاد رکھتا ہے۔

(۱۰) ان میں لاکھوں ہوں گے جنہوں نے لندن آنکھوں سے نہ دیکھا پھر کیسا اندھاپن ہے کہ بے دیکھے

اقوال رات دن کے مسلمات ایسا بھول جاتا ہے گویا نہ یہ انسان ہے نہ انسان کے نطفے سے بنا، نہ کبھی انسان کی اسے ہوا لگی۔
واقعات دیکھئے
اس کا یقین رکھتے ہیں۔

(۱۱) ایسے پاگل پن کا اعتراض کرنے والوں کو نہ صرف قانونِ الٰہی بلکہ قانون گورنمنٹ پر بھی کھُلا انکار ہوگا کہ ہم نے واضعانِ قانون کو یہ قانون بناتے نہ دیکھا ہم کیونکر مان لیں۔

(۱۲) قانون بالائے طاق وہ قیصر ہند کی سلطنت سے بھی انکار کریں گے کہ ہم نے نہ قیصرِ ہند کو دیکھا نہ ہمارے سامنی تاجپوشی ہوئی ہم کیوں تسلیم کریں۔

بالجملہ اس کی لاکھوں مثالیں ہیں جو اشقیاء خود روزمرہ برت رہے ہیں، مگر اللہ واحد قہار پر اعتراض کرنے کے لیے اُن کو بھلاتے اور ناپاکی کا منہ پھیلاتے ہیں، رب عزوجل نے غیب پر بے دلیل ایمان لانے پر مجبور نہیں فرمایا بلکہ براہین قاطعہ و دلائل ساطعہ قائم فرمائے انبیاء بھیجے انہیں معجزات دیئے آفاق وانفس میں اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں ان کے ماننے کیطرف بلایا ہے، کافر سے اس کی کیا شکایت کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھنے سے پہلے ایمان سے خالی بتایا مگر یہ کہے کہ اس واقعہ سے اس کا استدلال تحقیقًا ہے یا الزامًا، اگر تحقیقًا ہے تو خود اپنے سارے جھوٹ کو جہنم میں ڈال دیا، جہنم سے مراد دوزخ نہیں، اس پر تو ایمان ہی نہیں رکھتا، اس دن ایمان لائے گا۔ "یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ "[1]۔جس دن دھکے دے کر جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے، یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلاتے تھے، کیا یہ جادو ہے یا تمہیں سوجھتا نہیں، بلکہ میری مراد یہ ہے کہ اس نے اپنی تمام جھوٹی خباثتوں کو بھڑکتی آگ میں ڈال کر بھسم کردیا، بے دیکھے کیونکر اعتقاد لایا کہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ واقعہ ہوا۔ اور اگر الزامًا ہے تو خود اس گفتگو میں تصریح ہے کہ بیشک مجھے ایمان ہے اس کی کیفیت کی قلب کو تلاش ہے کہ اس کے وقوع کا کیا طریقہ ہوگا دیکھنے سے اس کا اطمینان چاہتا ہوں اندھا سوال ہی کو دیکھے یہ عرض نہ کی کہ رب اتحی الموت اے میرے رب! کیا تو مُردے جِلائے گا کہ معاذاللہ جلانے میں شک سمجھا جائے بلکہ یہ عرض کی کہ "رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ "[2]۔اے میرے رب! جس طرح تو مردے جِلائے گا وہ صورت مجھے آنکھوں سے دکھادے۔ "وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ "[3]۔ولاحول ولاقوۃ

---

[1] القرآن الکریم ۵۲/ ۱۳و۱۴و۱۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۶۰

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۳

الّا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم (مگر ظالم اللہ تعالٰی کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بلندی وعظمت والے خدا کی طرف سے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: قیام میلاد شریف کے بارے میں چند مستند حدیثوں کی ضرورت ہے، مخالف وہابی کہتے ہیں رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قیام کے واسطے کوئی حکم نہیں دیا ہے اور کسی کتاب سے ثابت بھی نہیں ہے، منع ہے۔

الجواب:

وہابی جھوٹے ہیں اور اُن کا منع کہنا شریعت پر افترا ہے، ان سے پوچھو کہ اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے یا تم منع کرتے ہو۔ اگر کہیں اللہ ورسول نے منع فرمایا ہے، تو دکھائیں کس آیت کس حدیث صحیح میں ہے کہ قیامِ مجلس مبارک منع ہے، اور اگر کہیں کہ ہم خود منع کرتے ہیں، تو بکا کریں، حکم اُن کا نہیں بلکہ اللہ ورسول کا ہے جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جابجا نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا حکم فرمایا اور یہ قیام بھی اقسام تعظیم سے ہے تو جب تک اس خاص تعظیم کی ممانعت اللہ ورسول اللہ کے حکم سے ثابت نہ ہو یہ حکم قرآنی کے مطابق ہے۔ قرآن عظیم سے بڑھ کر اور کیا دلیل درکار ہے، زیادہ تفصیل ہمارے رسالہ اقامۃ القیامہ میں ہے، خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تکریم حضرت بتول زہرا کے لیے قیام فرماتے اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا تعظیم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے قیام کرتیں سعد بن معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ جس وقت حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انصار کرام کو ان کے لیے قیام کا حکم فرمایا۔ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجلسِ انور سے اُٹھتے **قمنا قیاما حتی نراہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ**[1]۔ ہم سب کھڑے ہوجاتے اور کھڑے رہتے جب تک کہ حضور حجرات شریفہ میں سے کسی میں تشریف نہ لے جاتے، ممانعت قیامِ اعاجم سے ہے کہ ان کا بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوتا اور درباری تصویر بنے ہوئے سامنے کھڑے رہتے۔ بعض وقت اس کی ناپسندی بطورِ تواضع ورفع تکلف ہے جیسے اب بھی کوئی معظم دینی آئے اور حاضرین اس کے لیے قیام کریں تو وہ کہتا ہے کہ تکلیف نہ فرمایئے تشریف رکھئے، اس کے یہ معنی نہیں کہ قیام سے شرعًا کرتا ہے بلکہ تواضعًا، مانعین کے یہاں بھی قیام تعظیمی برابر رائج ہے اپنے ملّوں کے لیے قیام کریں گے اور لوگ ان کے لیے قیام کریں بعض بیٹھے رہیں تو ناراض ہوں گے بے ادب

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الحلم واخلاق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۲

جانیں گے مگر یہ تو اپنے مُلّوں کی تعظیم ہے جن کی باطل عظمت سے دل بھرے ہوئے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت اُن کے یہاں کہاں، اس میں یہ شاخسانے سوجھتے ہیں، شفاء شریف وغیرہا میں ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ حضور کے ذکر اقدس کی تعظیم ذات انور کی طرح ہے وقت تشریف آوری تعظیم ذات انور کی طرح ہے، وقت تشریف آوری تعظیم ذات کریم قیام سے ہے تو ذکر شریف کی یہ ہی تعظیم مسلمانوں نے صدہا سال سے مقرر کی **کما فی عقدالجوھر وغیرہ** (جیسا کہ عقد الجوہر وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۱۰: از رمضان پور ڈاک خانہ خاص ضلع بدایوں مرسلہ عبدالصمد عرف صوفی قادری برکاتی نوری ابوالحسینی ۱۴رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میت کو جس وقت دفن کرکے واپس آتے ہیں کتبہائے سابقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ ملائکہ قبر میں آتے ہیں پھر میت کو زندہ کرکے حساب لیتے ہیں اس بات کا ثبوت کس نص صریح میں ہے یعنی اشارۃ النص یا دلالۃ النص، ایک فرقہ جدید پیدا ہوا ہے جو اپنے آپ کو اہل قرآن ظاہر کرتے ہیں وہ اس بات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ زندہ کرنے کا ایک وقت معینہ مقرر ہے جس کو قیامت کہتے ہیں باقی سب لغویات ہیں سائل بڑے فکر وتردد میں ہے کہ کس طرح سے جواب اس فرقہ بد کو دیا جائے۔

الجواب:

سوال رُوح سے ہوتا ہے اور رُوح کبھی نہیں مرتی، رہا یہ کہ روح بدن میں اعادہ کی جاتی ہے یا نصف بدن میں آتی ہے یا بدن و کفن کے درمیان رکھی جاتی ہے اس کی تفصیل قطعیات سے نہیں نہ تفتیش کی حاجت اور یہ جدید فرقہ جو بنام قرآنی نکلا ہے، اسلام سے خارج ہے اس کی بات سننی نہ چاہیے، **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۱۱: از شہر بریلی بی بی جی کی مسجد مسؤلہ حشمت علی صاحب طالبِ علم مدرسہ منظر الاسلام ۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے حقانیین اہل سنت و جماعت کثر ہم اللہ نصر ہم و امداد ہم مسئلہ ذیل میں کہ زید بحمد اللہ تعالٰی کسی ضروری دینی کا انکار بلکہ اس میں شک بھی نہیں کرتا بلکہ ایسے شخص کو بھی کافر و مرتد جانتا ہے۔ باوجود اس کے اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ سیدّنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ اگرچہ افضل الناس بعد الانبیاء ہیں لیکن بحکم **مامن عام الاوقد خص منہ البعض**[1]۔ (کوئی عام نہیں مگر اس میں سے بعض افراد کو

---

[1] التوضیح علی التلویح فصل فی حکم العام میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۲۰۹

خاص کیا گیا ہے۔ت) اس ناس سے حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مستثنیٰ ہیں، کیونکہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما شاہزادگان دورمانِ نبوت ہیں اور حضرات خلفائے اربعہ وزرائے شہ سریر رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور وزراء سے شاہزادوں کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما خلفائے اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے افضل ہیں۔اس پر عمر کہتا ہے کہ سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرتبہ کے بعد ہیں، تو کیا حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے والد ماجد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی افضل ہو جائیں گے، زید جوابًا کہتا ہے کہ یہ محال نہیں بلکہ ممکن بلکہ واقع ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کا استدلال کیسا ہے اور اس عقیدہ سے اس کی سنیت میں تو کوئی نقص نہ آیا۔

الجواب:

اگر وہ یہ کہتا کہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بوجہ جزئیت کریمہ ایک فضل جزئی حضرات عالیہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر رکھتے ہیں اور مرتبہ حضرات خلفاء کا اعظم واعلیٰ ہے تو حق تھا مگر اس نے اپنی جہالت سے فضل کلی سبطین کو دیا اور افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر الصدیق کو عام مخصوص منہ البعض ٹھہرایا اور انہیں امیر المومنین مولیٰ علی سے افضل کہا یہ سب باطل اور خلاف اہلسنت ہے اس عقیدہ باطلہ سے توبہ فرض ہے ورنہ وہ سنی نہیں اور اس کی دلیل محض مردود و ذلیل، اگر جزئیت موجب افضیلت مرتبہ عند اللہ ہو تو لازم کہ آج کل کے بھی سارے میر صاحب اگرچہ کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوں اللہ عزوجل کے نزدیک امیر المومنین مولیٰ علی سے افضل واعلیٰ ہوں اور یہ نہ کہے گا مگر جاہل اجہل مجنون یا ضال مضل مفتون

قال اللہ عزوجل:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ" [1]۔	تم فرمادو کیا برابر ہو جائیں گے عالم اور بے علم۔

اور فرماتا ہے:

"يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" [2]۔	اللہ بُلند فرمائے گا تم میں سے مومنوں اور بالخصوص عالموں کے درجے۔

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۸

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۱۱

توعنداللہ فضل علم فضلِ نسب سے اشرف واعظم ہے، یہ میر صاحب کہ عالم نہ ہوں اگرچہ صالح ہوں آج کل کے عالم سُنی صحیح العقیدہ کے مرتبہ کو شرعًا نہیں پہنچتے نہ کہ ائمہ نہ کہ صحابہ نہ کہ مولٰی علی نہ کہ صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے:

للشاب العالم ان یتقدم علی الشیخ الجاھل ولو قریشا، قال تعالٰی والذین اوتوا العلم درجٰت فالرافع ھو اللہ فمن یضعہ یضعہ اللہ فی جھنم[1]۔	نوجوان عالم کو بوڑھے جاہل پر تقدم کا حق حاصل ہے اگرچہ وہ (جاہل) قرشی ہو، اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی عالموں کے درجے بُلند فرمائے گا۔ چونکہ بُلندی عطافرمانے والا اللہ تعالٰی ہے لہٰذا جو اس کو گھٹائے گا اللہ تعالٰی اس کو جہنم میں ڈالے گا۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ امام خیر الدین رملی میں ہے:

کونہ قرشیاً لایبیح لہ التقدم علی ذی العلم مع جھلہ اذکتب العلم طافحۃ بتقدم العالم علی القرشی ولم یفرق سبحٰنہ وتعالٰی بین القرشی وغیرہ فی قولہ تعالٰی ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون[2]۔	جاہل کا قرشی ہونا عالم پر اس کے تقدم کو مباح نہیں کرتا، کیونکہ علم کی کتابیں عالم کے قرشی پر تقدم کے حق سے بھری پڑی ہیں اور اللہ سبحٰنہ و تعالٰی نے قرشی و غیر قرشی کے درمیان اپنے اس ارشاد میں کوئی فرق نہیں، فرمایا کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں۔ (ت)

اسی میں ہے:

والعالم یقدم علی القرشی الغیر العالم والدلیل علی ذلك تقدم الصھرین علی الختنین و	قرشی غیر عالم پر عالم کو تقدم حاصل ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سُسر آپ کے دامادوں پر مقدم ہیں

[1] الدرالمختار مسائل شتّٰی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۱

[2] الفتاوی الخیریۃ مسائل شتّٰی دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۳۴

ان کان الختن اقرب نسبا منھم [1]۔	حالانکہ نسب کے اعتبار سے داماد بنسبت سسر کے اقرب ہوتا ہے۔(ت)

ولہذا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سرداری حضرات سبطین کریمین کو حفظ تعمیم کے لیے جوانان اہلِ جنت سے خاص فرمایا۔

الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔	حسین و حسین رضی اللہ تعالے عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔(ت)

کہ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شامل نہ ہو، اور متعدد صحیح حدیثوں میں اسی کے تتمہ میں فرمادیا۔وابوھما خیر منھما حسن وحسین جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں اور ان کا باپ ان سے افضل ہے۔

رواہ ابن ماجۃ والحاکم [2]عن ابن عمر والطبرانی فی الکبیر عن قرۃ بن ایاس بسند حسن وعن مالك بن الحویرث والحاکم وصحہ عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔	اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے ابن عمر سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں قرہ بن ایاس سے سندِ حسن کے ساتھ مالک بن حویرث و حاکم سے روایت کیا ہے اور ابن مسعود نے اس کی تصحیح کی ہے رضی اللہ عنہم (ت)

اور ارشاد ہوا:

ابوبکر و عمر خیر الاولین والاخرین و خیر اھل السمٰوٰت وخیر اھل الارضین الاالنبیین والمرسلین [3]۔	ابوبکر و عمر سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں اور سب آسمان والوں اور سب زمین والوں سے افضل ہیں سوا انبیاء مرسلین کے علیہم الصلوۃ والتسلیم (ت)

[1] الفتاوی الخیریۃ مسائل شتّٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۳۵

[2] سنن ابن ماجہ فضل علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارالفکر بیروت ۳/ ۱۶۷، المعجم الکبیر حدیث ۶۵۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۹/ ۲۹۲

[3] کنزالعمال حدیث ۳۲۶۴۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۶۰

مسئلہ ۱۱۲: از سیتاپور محلّہ تامین گنج مرسلہ حکیم غلام حیدر صاحب ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی نے اپنے مؤلفہ کتاب یزید نامہ میں اپنے عقائد کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو افضل ترین امت بعد رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سمجھتا ہوں اور دعوٰی کیا ہے کہ یہی عقیدہ حقہ تمامی اہلسنت کا ہے جن کی چشم بصیرت بینا نہیں اُن سے قطع نظر تمام صوفیہ کرام واولیائے عظام وبزرگان دین کا یہی عقیدہ ومسلک ہے۔ بحوالہ فتوحاتِ مکیہ حضرت ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا بھی یہی عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ حضرت امیر معویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حالات میں بہت کچھ لکھا ہے کل نقل باعثِ طوالت ہے، آخری فیصلہ یہ لکھا ہے کہ ہم کو ان کے کفر وبے دینی کے ثبوت تلاش کرنے میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے لہٰذا اس معاملہ کو خدا کے حوالہ کرتے ہیں، مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی طاب ثراہ اپنی کتاب ازالۃ الخفا میں اس عقیدہ والے کو فرقہ تفضیلی وبدعتی ومستحق تعزیر قرار دیتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول متعدد طرق سے نقل فرماتے ہیں کہ فرمایا حضرت علی نے کوئی شخص مجھے حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما پر فضیلت نہ دے ورنہ تہمت وافتراء پردازی کے جرم میں اسی درے لگاؤں گا[1]۔

اس نازک زمانہ میں اس استفتاء کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ یزید نامہ کو دیکھ کر عقائد سے ناواقف سنی جن میں اعلٰی درجے کے تعلیم یافتہ وگریجوایٹ حضرات بھی شامل ہیں اسی عقیدہ کو عقیدہ حقہ اہلسنت سمجھیں گے اُن کو واضح ہونا چاہیے کہ یہ عقائد فرقہ تفضیلیہ کے ہیں عقائد اہلسنت کو اس سے واسطہ نہیں امید کہ علمائے اہلسنت اس پر کافی توجہ فرمائیں گے۔

الجواب:

حاشا یہ ہرگز اہلسنت کا مذہب نہیں روافض کا مذہب ہے اسے اہلسنت کا مذہب کہنا بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی کہے رافضیوں کا مذہب تفضیل شیخین ہے یعنی صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما، کو رافضی تمام امت سے افضل واعلٰی مانتے ہیں جیسا اس کا قائل صریح جھوٹا مفتری ہے یونہی یہ کہنے والا کہ تمام اہلسنت کا عقیدہ مولا علی کو سب سے افضل جاننا ہے بلاشبہہ سخت کذاب جری ہے، امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پہلا شعار اہلسنت کا یہ بتایا ہے **ان تفضل الشیخین**[2]۔ یہ کہ تُو صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کو تمام اُمت سے افضل مانے، یہ عقیدہ حمیدہ خود امیر المومنین مولا علی

---

[1] ازالۃ الخفاء مقصد اول فصل چہارم مسند علی رضی اللہ تعالٰی عنہ، سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۶۷و۶۸

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر افضل الناس بعدہ علیہ الصلوۃ والسلام الخ مصطفی البابی مصر ص ۶۳

کرم اللہ وجہہ الکریم سے اسّی ۸۰ صحابہ تابعین نے روایت کیا اس میں ہماری حافل کافل کتاب **مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین** ہے جس میں اس مطلب شریف پر قرآن عظیم واحادیث سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وآثار اہلبیت کرام وصحابہ عظام وارشاداتِ امیر المومنین حیدر رضی اللہ عنہم ونصوصِ ائمہ وعلماء واولیاء وعرفا قدست اسرارھم سے دریا لہرا رہے ہیں۔ ہر بچہ جانتا ہے کہ اہل سنت کی تمام کتب عقائد میں **افضل البشر بعد الانبیاء ابوبکر الصدیق**[1] ۔ (انبیاء کے بعد سب سے افضل انسان ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔ اگر نہایت صاف دن میں کف دستِ میدان میں منہ پر آنکھیں ہوتے ہوئے ٹھیک دوپہر کو انکار آفتاب روا ہے تو اس کا انکار[عہ] بھی اُسی منکر کا سا مجنون کر سکتا ہے یونہی حضرات اولیائے کرام قدسنا اللہ تعالٰی باسرارہم کی طرف اس عقیدہ باطلہ کی نسبت کھلا افترا ہے۔ دلیل الیقین من کلمات العارفین میں افضیلت مطلقہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو صرف ارشادات اولیائے کرام سے ثابت کیا ہے اور خود ظاہر کہ جب یہ عقیدہ اہلسنت ہے اور عقیدہ میں اہلسنت کا مخالف مبتدع اور مبتدع کا ولی ہونا محال، تو اس کے خلاف اعتقاد اولیاء کیونکر ہو سکتا ہے۔ **ولکن الظلمین یفترون وفی الحق بعد ماتبین یمترون** (لیکن ظالم جھوٹ گھڑتے اور حق ظاہر ہوجانے کے بعد اس میں شک کرتے ہیں۔ ت) اسی زمرہ میں فتوحات مکیہ پر بھی افترا جڑا، فتوحات کے صریح لفظ یہ ہیں:

اعلم انہ لیس فی امۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من ھو افضل من ابی بکر غیر عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام[2] ۔	یعنی یقین جان کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اُمت میں کوئی ایسا نہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے افضل ہو سوا سیدنا عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کے کہ وہ حضور کے امتی ہیں اور صدیق سے افضل ہیں کہ نبی ہیں۔

عہ: بددینی وگمراہی دوسری چیز ہے مگر ذی عقل مشہور کی طرف ایسے انکار آفتاب کی نسبت سے یہ سہل معلوم ہوتا ہے کہ کسی یزیدی نے یزید نامہ لکھ کر اُس کے نام کر دیا یا کم از کم ایسی وقاحتیں اس میں ملا دیں ۱۲ منہ

---

[1] شرح العقائد النسفیہ دار الاشاعۃ العربیۃ قندھار افغانستان ص ۱۰۷

[2] الفتوحات المکیۃ

حدیث امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اجلّہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم سے ہیں، صحیح ترمذی شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لیے دعافرمائی۔

اللھم اجعلہ ھادیا مھدیا واھد بہ[1]۔	الٰہی! اسے راہ نما راہ یاب کر اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت دے۔

صحابہ کرام میں کسی کو کافرِ بے دین نہ کہے گا مگر کافرِ بے دین یا گمراہ بددین، عزیز جبار واحد قہار جل وعلا نے صحابہ کرام کو دو قسم کیا ایک وہ کہ قبل فتح مکہ جنہوں نے راہِ خدا میں خرچ وقتال کیا دوسرے وہ جنہوں نے بعد فتح پھر فرمادیا کہ دونوں فریق سے اللہ عزوجل نے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اللہ کو تمہارے کاموں کی خوب خبر ہے کہ تم کیا کیا کرنے والے ہو بایںہمہ اس نے تم سب سے حسنٰی کا وعدہ فرمایا۔ یہاں قرآن عظیم نے ان دریدہ دہنوں، بیباکوں، بے ادب، ناپاکوں کے منہ میں پتھر دے دیا جو صحابہ کرام کے افعال سے اُن پر طعن چاہتے ہیں وہ بشرطِ صحت اللہ عزوجل کو معلوم تھے پھر بھی اُن سب سے حسنٰی کا وعدہ فرمایا، تو اب جو معترض ہے اللہ واحد قہار پر معترض ہے جنت ومدارج عالیہ اس معترض کے ہاتھ میں نہیں اللہ عزوجل کے ہاتھ ہیں معترض اپنا سر کھاتا رہے گا اور اللہ نے جو حُسنٰی کا وعدہ اُن سے فرمایا ہے ضرور پورا فرمائے گا اور معترض جہنم میں سزا پائے گا وہ آیہ کریمہ یہ ہے:

لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ اُولٰٓىٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ۠ ﴿۱۰﴾[2]۔	اے محبوب کے صحابیو! تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ وقتال کیا وہ رُتبے میں بعد والوں سے بڑے ہیں، اور دونوں فریق سے اللہ نے حُسنٰی کا وعدہ کرلیا، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو۔

اب جن کے لیے اللہ کا وعدہ حسنٰی کا ہولیا اُن کا حال بھی قرآن عظیم سے سنئے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓىٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا ۚ وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ	بے شک جن کے لیے ہمارا وعدہ حُسنٰی کا ہوچکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اس کی بھنک تک نہ سُنیں گے اور ہمیشہ اپنی من مانتی مرادوں میں رہیں گے۔

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب معاویہ بن ابی سفیان امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۲۵

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَ تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ؕ هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ "[1]	وہ بڑی گھبراہٹ قیامت کی ہلچل انہیں غم نہ دے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

یہ ہے جمیع صحابہ کرام سید الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے لیے قرآن کریم کی شہادت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی مشکلکشا کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم قسم اول میں ہیں جن کو فرمایا: "اُولٰٓىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً "[2]۔ اُن کے مرتبے قسم دوم والوں سے بڑے ہیں، اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم قسم دوم میں ہیں، اور حسنٰی کا وعدہ اور یہ تمام بشارتیں سب کو شامل۔ ولہذا امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابن عساکر کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تکون لاصحابی زلّۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم معی ثم یأتی قوم بعد ھم یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار[3]	میرے اصحاب سے لغزش ہوگی جسے اللہ عزوجل معاف فرمائے گا اُس سابقہ کے سبب جو اُن کو میری بارگاہ میں ہے پھر اُن کے بعد کچھ لوگ آئیں گی کہ انہیں اللہ تعالٰی ان کے منہ کے بل جہنم میں اوندھا کرے گا۔

یہ ہیں وہ کہ صحابہ کی لغزشوں پر گرفت کریں گے۔ ولہذا علامہ شہاب خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرمایا:

ومن یکون یطعن فی معٰویۃ فذالك کلب من کلاب الھاویۃ[4]۔	جو امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتّوں سے ایک کُتا ہے۔

واللہ یقول الحق ویھدی السبیل (اور اللہ تعالٰی سچ فرماتا ہے اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱و۱۰۲و۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[3] المعجم الاوسط حدیث ۳۲۴۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۱۴۲ و مجمع الزوائد ۷/ ۲۳۴

[4] نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت گجرات الہند ۳/ ۴۳۰

مسئلہ ۱۱۳: از دھولقہ ضلع احمد آباد ملک گجرات فتح حسن کا پول مولوی نور نبی ابن حاجی ولی محمد صاحب ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وسلم ۔امّابعد کیافرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں:

(۱) روح بعد خروج جسم کے دُنیامیں آتی ہے یانہیں؟ خصوصًا جب کہ حیاتِ انبیاء واولیاء و شہداء ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح پاک دنیامیں میلاد و مجلس شریف میں آسکتی ہے یانہیں؟ اور کوئی ان کی پاک روح کی تشریف آوری کو بعید از امکان سمجھے وہ شخص دائرہ اسلام میں کیسا سمجھا جائے گا؟

(۲) کوئی شخص قبورِ اہل اللہ کی زیارت اور اُن پر پھول چڑھانے کو بدعت بتلائے تو اس کی نسبت اہل اسلام کا کیسا خیال ہوگا؟

(۳) حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علمِ غیب تھا یانہیں؟ اور کوئی شخص کہے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مطلق غیب نہ تھا بلکہ تمام انسان کو جتنا علم ہوتا ہے، اُتنا ہی آپ کو علم تھا غرض علم حضور کا انکار کرے وہ کیسا سمجھا جائے گا؟

(۴) وقت اذان کے اشہدان محمدا رسول اللہ کہا جائے اس وقت ہاتھ کے انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟ کوئی شخص انکار کرے وہ کیسا سمجھا جائے گا؟

(۵) جو شخص عمدًا ترک جماعت کرے اس کی نسبت اہلِ اسلام کا کیا خیال ہوگا؟

الجواب:

(۱) مسلمان کی روح بعد انتقال جہاں چاہے جاتی ہے، حدیث میں ہے:

اذامات المؤمن یخلی سربہ یسرح حیث یشاء [1]۔	جب مسلمان مرتا ہے اس کی راہ کھول دی جاتی ہے کہ جہاں چاہے جائے۔

اس کا مفصل بیان ہماری کتاب حیات الموات فی بیان سماع الاموات میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شانِ اقدس تمام جہاں سے ارفع واعلٰی ہے وہاں یہ سوال کرنا بھی بے جا ہے، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک وقت میں ستر ہزار جگہ تشریف فرما

[1] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ المصنف لابن ابی شیبہ کتاب ذکر الموت فضیلۃ ذکر الموت دار الفکر بیروت ۱۰/ ۲۲۷

ہو سکتے ہیں[1]۔

امام جلال الدین سیوطی خاتم حفاظ الحدیث فرماتے ہیں:

اذن للانبیاء ان یخرجوا من قبورھم ویتصرفوا فی العالم العلوی والسفلی۔[2]	تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو اختیار ملا ہے کہ اپنے مزاراتِ طیبہ سے باہر تشریف لائیں اور جملہ عالم آسمان وزمین میں جہاں جو چاہیں تصرف فرمائیں۔

روح اقدس کی تشریف آوری کو بعید از امکان جاننا اگر براہِ جہل وبے علمی ہے تو جرات وبے ادبی ہے، اور بربنائے وہابیت ہے تو وہابیت خود کفرِ جلی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) زیارتِ قبور سنّت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا فزوروھا فانھا تزھدکم فی الدنیا وتذکرکم الاٰخرۃ۔[3]	سُن لو، قبور کی زیارت کرو کہ وہ تمہیں دنیا میں بے رغبت کرے گی اور آخرت یاد دلائے گی۔

خصوصًا زیارتِ مزارات اولیاء کرام کہ موجب ہزاروں ہزار برکت وسعادت ہے، اسے بدعت نہ کہے گا مگر وہابی نابکار، ابن تیمیہ کا فضلہ خوار۔ وہاں جاہلوں نے جو بدعات مثل رقص ومزامیر ایجاد کرلیے ہیں وہ ضرور ناجائز ہیں، مگر اُن سے زیارت کہ سنت ہے بدعت نہ ہوجائے گی۔ جیسے نماز میں قرآن شریف غلط پڑھنا، رکوع وسجود صحیح نہ کرنا، طہارت ٹھیک نہ ہونا عام عوام میں جاری وساری ہے اس سے نماز بُری نہ ہوجائے گی۔

قبر مسلمان پر پھول رکھنا مستحب ہے، ائمہ دین فرماتے ہین، وہ جب تک تر ہے تسبیح الٰہی کرے گا اس سے مردے کا دل بہلے گا۔ کما فی فتاوٰی الامام فقیہ النفس وغیرھا (جیسا کہ امام فقیہ النفس کے فتاوٰی وغیرہ میں ہے۔ ت) فتاوٰی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

وضع الورد والریاحین علی	قبروں پر گلاب وغیرہ خوشبودار پھول رکھنا

---

[1] الفتاوٰی الکبرٰی لابن الحجر الھیتمی باب الجنائز دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۹

[2] الحاوی للفتاوٰی تنویر الحوالک فی امکان رؤیۃ النبی والملك دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۳

[3] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ماجاء فی زیارۃ القبور ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۴

القبور حسن[1]۔	اچھا ہے۔ت)

اسے بدعت کہنا بھی آج کل وہابیہ ہی کی ضلالت ہے، واللہ تعالٰی اعلم

(۳) اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام اولین وآخرین وشرق وغرب وعرش وفرش وماتحت الثری و جملہ ماکان ومایکون الٰی آخر الایام کے ذرے ذرے کا علم تفصیلی عطا فرمایا اس کا بیان ہمارے رسالہ انباء المصطفٰی و خالص الاعتقاد والدولۃ المکیہ وغیرہا میں ہے۔ جو کہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم غیب مطلقًا نہ تھا یا حضور کا علم اور سب آدمیوں کے برابر ہے وہ کافر ہے، امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں:

النبوۃ ھی الاطلاع علی الغیب[2]۔	نبوت کا معنٰی غیب پر مطلع ہونا ہے۔ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ(۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ"[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔(ت)

(۴) اذان میں نامِ اقدس سُن کر انگوٹھے چُومنا حسبِ تصریح کتبِ فقہ ردالمحتار حاشیہ درمختار و جامع الرموز شرح نقایہ وفتاوٰی صوفیہ وکنزالعباد مستحب ہے۔ اس کا مبسوط بیان ہماری کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین میں ہے اس پر انکار بھی آج کل شعارِ وہابیہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) بلاوجہ شرعی عمدًا ترک جماعت گناہ ہے اور اس کا عادی فاسق گمراہ ہے صحیح مسلم شریف میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ولوانکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی ھذاالمتخلف فی بیتہ لترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم سنۃ نبیکم ولو ترکتم	اور اگر تم نے گھروں میں نماز پڑھی جیسا کہ یہ تارک جماعت اپنے گھر میں پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت چھوڑو گے اور اگر تم نے اپنے

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراھیۃ الباب السادس عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵۱

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۷

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶و۲۷

سنة نبيكم لضللتم[1] اھ ای ضلال عن سبیل المتقین وان استحله او استخفه فضلال فی الدین، والعیاذ باللہ رب العالمین۔	نبی کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے اھ یعنی متقی لوگوں کے راستے سے ہٹ جاؤ گے اور اگر کسی نے ترک جماعت کو حلال جانا یا ہلکا سمجھا تو یہ دین سے گمراہ ہونا ہے۔ اللہ رب العالمین کی پناہ (ت)

ایک یہ بات نہایت ضروری وبکار آمد ہے کہ دیوبندیوں سے کوئی مسئلہ پوچھنا یا کسی مسئلہ میں اُن کی بات پر کان رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، تمام علمائے حرمین طیبین بالاتفاق دیوبندیوں کو مرتد لکھ چکے اور فرمادیا۔ من شك فی كفره وعذابه فقد كفر[2]۔ (جس نے اس کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہوگیا۔ت) جو اُن کے اقوالِ ملعونہ پر مطلع ہو کر انہیں مسلمان جاننا درکنار ان کے کفر میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے۔ دیکھو حسام الحرمین شریف۔ **واللہ الھادی۔**

مسئلہ ۱۱۸تا۱۲۰: از میونڈی ڈاکخانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سیّد امیر عالم حسن صاحب ۱۲ شوال ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے جو ہوا اور ہوگا سب خدا کے حکم سے ہی ہوا اور ہوگا پھر بندہ سے کیوں گرفت ہے اور اس کو کیوں سزا کا مرتکب ٹھہرایا گیا اس نے کون سا کام کیا جو مستحق عذاب کا ہوا جو کچھ اس نے تقدیر میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے کیونکہ قرآن پاک سے ثابت ہو رہا ہے کہ بلا حکم اُس کے ایک ذرّہ نہیں ہلتا۔ پھر بندے نے کون سا اپنے اختیار سے وہ کام کیا جو دوزخی ہوا یا کافر یا فاسق، جو بُرے کام تقدیر میں لکھے ہوں گے تو بُرے کام کرے گا اور بھلے لکھے ہوں گے تو بھلے، بہر حال تقدیر کا تابع ہے پھر کیوں اس کو مجرم بنایا جاتا ہے؟ چوری کرنا، زنا کرنا، قتل کرنا، وغیرہ وغیرہ جو بندہ کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں وہی کرنا ہے ایسے ہی نیک کام کرنا ہے۔

(۲) جب کسی عورت نے کسی شخص سے قربت کی اور اس کو حمل رہ گیا تو اس حمل کو حملِ حرام کیوں کہا گیا اور اس کے اس فعل قربت کو زنا کیوں کہا گیا؟ اور جب اس حمل سے بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کو

---
[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب بیان فضل الجماعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲

[2] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳ مکتبہ اہل سنت بریلی ص ۹۴

حرامی کیوں کہا جائے؟ کیونکہ جتنے افعال بندہ کرتا ہے وہ سب تقدیر سے اور حکمِ خدا سے ہوتے ہیں تو اب اس عورت نے کیا اپنی قدرت اور حکم سے ان فعلوں کو کرلیا، نہیں وہی کیا جو تقدیر میں لکھ دیا تھا پھر اس کو زنا یا حرام کہنا کیونکر ہے؟

(۳) اُس بچے کی روح پاک تھی یا ناپاک؟ یا اُن روحوں میں کی روح تھی جو روزِ ازل میں پیدا ہوئی تھیں یا کوئی اور؟ اور اس کا کیا سبب جو بچہ حرامی ہوگیا اور روح پاک رہے نہیں روح بھی ایسی ہے جیسا بچہ حرامی کیونکر ہوسکتا ہے؟ فقط

الجواب:

(۱) زید گمراہ بے دین ہے، اُسے کوئی جوتا مارے تو کیوں ناراض ہوتا ہے، یہ بھی تو تقدیر میں تھا۔ اس کا کوئی مال دبالے تو کیوں بگڑتا ہے، یہ بھی تقدیر میں تھا۔ یہ شیطانی فعلوں کا دھوکا ہے کہ جیسا لکھ دیا ایسا ہمیں کرنا پڑتا ہے بلکہ جیسا ہم کرنے والے تھے اُس نے اپنے علم سے جان کر وہی لکھا ہے۔

(۲) یہ وہی ابلیس ملعون کا دھوکا ہے جو بددینوں کو دیا کرتا ہے علم کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ عورت زنا کرنے والی تھی اس لیے اس کا یہ آئندہ حال اس نے اپنے علم غیب سے جان کر لکھ لیا۔ اگر وہ حلال کرنے والی ہوتی تو اسے حلال والی ہی لکھا جاتا۔

(۳) رُوحیں ازل میں پیدا نہ ہوئیں، ہاں جسم سے دو ہزار برس پہلے بنیں، ولد الحرام کا اپنا قصور نہیں مگر جبکہ وہ حرام سے پیدا ہوا ولد الحرام ہونے میں کیا شک ہے، نہ اس سے اس کی روح کی ناپاکی لازم۔ روح کفر وضلالت سے پاک ہوتی ہے، بددین کی روح ناپاک ہے اگرچہ ولد الحلال ہو۔ اور دیندار کی رُوح پاک ہے اگرچہ اس کی ولادت حرام سے ہو، روح کے پاک ہونے سے جسم کا نطفہ حرام سے بننا کیونکر مٹ گیا۔ بے علم کو ایسی جہالتوں اور ایسی باتوں میں خوض سے فائدہ نہیں ہوتا سوا اس کے کہ شیطان کسی گھاٹی میں راہ مار کر ہلاک کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
ثلج الصدر لایمان القدر ۱۳۲۵ھ
(سینے کی ٹھنڈک، ایمان تقدیر کے سبب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۲۱: از ضلع کھیری ملک اودھ موضع کٹوارہ مرسلہ سید محمد مظفر حسین صاحب خلف سید رضا حسین صاحب، تعلقدار کٹوارہ ۲۸، محرم الحرام ۱۳۲۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ (کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں، ت) قرآن میں جس آیت کے معنی یہ ہیں کہ "اے محمد! ان اشخاص کو زیادہ ہدایت مت کرو، ان کے لئے اسلام کے واسطے مشیت ازلی نہیں ہے، یہ مسلمان نہ ہوں گے"۔ اور ہر امر کے ثبوت میں اکثر آیات قرآنی موجود ہیں، تو پس کیونکر خلاف مشیت پروردگار کوئی امر ظہور پذیر ہوسکتا ہے، کیونکہ مشیت کے معنی ارادہ پروردگار عالم کے ہیں، تو جب کسی کام کا ارادہ اللہ تعالٰی نے کیا تو بندہ اس کے خلاف کیونکر کرسکتا تھا۔ اور اللہ نے جب قبل پیدائش کسی بشر کے ارادہ اس کے کافر رکھنے کا کرلیا تھا تو اب وہ مسلمان کیونکر ہوسکتا ہے "یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ط"[1]۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۷۲

کے صاف معنی یہ ہیں کہ جس امر کی طرف اس کی خواہش ہوگی وہ ہوگا۔ پس انسان مجبور ہے اس سے باز پرس کیونکر ہوسکتی ہے کہ اس نے فلاں کام کیوں کیا، کیونکہ اس وقت اس کو ہدایت از جانب باری عزاسمہ ہوگی وہ اختیار کرے گا۔ علم اور ارادہ میں بین فرق ہے، یہاں من یشاء سے اس کی خواہش ظاہر ہوتی ہے۔ پھر انسان باز پرس میں کیوں لایا جائے، پس معلوم ہوا کہ جب اللہ پاک کسی بشر کو اہل جنان سے کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایسی ہی ہدایت ہوتی ہے۔

الجواب:

اللھم ھدایۃ الحق والصواب، ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا وھب لنا من لدنك رحمۃ انك انت الوھاب، رب انی اعوذبك من ھمزات الشیطین واعوذ بك رب ان یحضرون۔	اے اللہ ! میں تجھ سے حق اور درستگی کا طلبگار ہوں، اے ہمارے رب ! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بیشک تو ہے بڑا دینے والا، اے میرے رب ! تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے رب ! تیری پناہ اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں ۱۲ (ت)

اللہ عزوجل نے بندے بنائے، اور انھیں کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں، زبان وغیرہا آلات و جوارح عطافرمائے اور انھیں کام میں لانے کا طریقہ الہام کیا۔ اور ان کے ارادے کا تابع وفرماں بردار کردیا کہ اپنے منافع حاصل کریں اور مضرتوں سے بچیں۔
پھر اعلی درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔ عقل کو ان امور کے ادراک کی طاقت بخشی۔ خیر وشر، نفع وضرر یہ حواس ظاہری نہ پہچان سکتے تھے۔ پھر اسے بھی فقط اپنی سمجھ پر بے کس وبے یاور نہ چھوڑا، ہنوز لاکھوں باتیں جن کو عقل خود ادراک نہ کرسکتی تھی، اور جن کا ادراک ممکن تھا ان میں لغزش کرنے، ٹھوکر کھانے سے پناہ کے لئے کوئی زبردست دامن ہاتھ میں نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا انبیاء بھیج کر، کتابیں اتار کر ذرا ذرا بات کا حسن وقبح خوب جتا کر اپنی نعمت تمام وکمال فرمادی کسی عذر کی جگہ باقی نہ چھوڑی "لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ[1]" (کہ رسولوں کے بعد اللہ کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے ت) حق کا راستہ آفتاب سے زیادہ واضح ہوگیا۔ ہدایت وگمراہی پر کوئی پردہ نہ رہا "لَاۤ اِكْرَاهَ فِی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۶۵

الدِّیۡنِ ۟ۙ قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ ۚ "[1] کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے (ت)

بااین ہمہ کسی کا خالق ہونا، یعنی ذات ہو یا صفت، فعل ہو یا حالت، کسی معدوم چیز کو عدم سے نکال کر لباس وجود پہنا دینا، یہ اسی کا کام ہے، یہ نہ اس نے کسی کے اختیار میں دیا نہ کوئی اس کا اختیار پا سکتا تھا، کہ تمام مخلوقات خود اپنی حد ذات میں نیست ہیں، ایک نیست دوسرے نیست کو کیا ہست بنا سکے، ہست بنانا اسی کی شان ہے جو آپ اپنی ذات سے ہست حقیقی وہست مطلق ہے، ہاں یہ اس نے اپنی رحمت اور غنائے مطلق سے عادات اجراء فرمائے کہ بندہ جس امر کی طرف قصد کرے اپنے جوارح ادھر پھیرے، مولا تعالیٰ اپنے ارادہ سے اسے پیدا فرمادیتا ہے مثلاً اس نے ہاتھ دئے ان میں پھیلنے، سمٹنے، اٹھنے، جھکنے کی قوت رکھی، تلوار بنائی، اس میں دھار، اور دھار میں کاٹ کی قوت رکھی۔ اس کا اٹھانا، لگانا، وار کرنا بنایا، دوست دشمن کی پہچان کو عقل بخشی، اسے نیک وبد میں تمیز کی طاقت عطا کی، شریعت بھیج کر قتل حق وناحق کی بھلائی برائی صاف جتادی۔ زید نے وہی خدا کی بتائی ہوئی تلوار، خدا کے بنائے ہوئے ہاتھ، خدا کی دی ہوئی قوت سے اٹھانے کا قصد کیا۔ وہ خدا کے حکم سے اٹھ گئی اور جھکا کر ولید کے جسم پر ضرب پہنچانے کا ارادہ کیا، وہ خدا کے حکم سے جھکی اور ولید کے جسم پر لگی۔ تو یہ ضرب جن امور پر موقوف تھی سب عطائے حق تھے، اور خود جو ضرب واقع ہوئی بارادہ خدا واقع ہوئی۔ اور اب جو اس ضرب سے ولید کی گردن کٹ جانا پیدا ہوگا یہ بھی اللہ کے پیدا کرنے سے ہوگا۔ وہ نہ چاہتا تو ایک زید کیا تمام انس وجن وملک جمع ہو کر زور کرتے تو اٹھنا در کنار، ہر گز جنبش نہ کرتی اور اس کے حکم سے اٹھنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا تو زمین، آسمان، پہاڑ سب ایک لنگر بنا کر تلوار کے پیپلے (نوک) پر ڈال دیے جاتے، نام کو بال برابر نہ جھکتی۔ اور اس کے حکم سے پہنچنے کے بعد اگر وہ نہ چاہتا گردن کٹنا تو بڑی چیز ہے ممکن نہ تھا کہ خط بھی آتا۔ لڑائیوں میں ہزاروں بار تجربہ ہو چکا کہ تلواریں پڑیں اور خراش تک نہ آئی، گولیاں لگیں اور جسم تک آتے آتے ٹھنڈی ہو گئیں، شام کو معرکہ سے پلٹنے کے بعد سپاہیوں کے سر کے بالوں میں سے گولیاں نکلی ہیں۔ تو زید سے جو کچھ واقع ہوا سب خلق خدا وبارادہ خدا تھا۔ زید کا بیچ میں صرف اتنا کام رہا کہ اس نے قتل ولید کا ارادہ کیا اور اس طرف اپنے جوارح کو پھیرا اب اگر ولید شرعاً مستحق قتل ہے تو زید پر کچھ الزام نہیں رہا بلکہ بارہا ثواب عظیم کا مستحق ہوگا کہ اس نے اس چیز کا قصد کیا اور اس طرف جوارح کو پھیرا جسے اللہ عزوجل نے اپنے رسولوں کے ذریعہ سے اپنی مرضی، اپنا پسندیدہ کام ارشاد فرمایا تھا۔ اور اگر قتل ناحق ہے تو یقیناً زید پر الزام ہے اور عذاب الیم کا مستحق ہوگا کہ

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۶

بمخالفت حکم شرع اس شے کا عزم کیا، اور اس طرف جوارح کو متوجہ کیا جسے مولی تعالیٰ نے اپنی کتابوں کے واسطے سے اپنے غضب اپنی ناراضی کا حکم بتایا تھا، غرض فعل انسان کے ارادہ سے نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے یہ نیکی کا ارادہ کرے اور اپنے جوارح کو پھیرے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکی پیدا کردے گا اور یہ برے کا ارادہ کرے اور جوارح کو اس طرف پھیرے اللہ تعالیٰ اپنی بے نیازی سے بدی کو موجود فرمادے گا۔ دو پیالیوں میں شہد اور زہر ہیں اور دونوں خود بھی خداہی کے بنائے ہوئے ہیں، شہد میں شفاء ہے اور زہر میں ہلاک کرنے کا اثر بھی اسی نے رکھا ہے۔ روشن دماغ حکیموں کو بھیج کر بتا بھی دیا ہے، کہ دیکھو یہ شہد ہے اس کے یہ منافع ہیں اور خبردار! یہ زہر ہے اس کے پینے سے ہلاک ہوجاتا ہے۔ ان ناصح اور خیر خواہ حکمائے کرام کی یہ مبارک آوازیں تمام جہان میں گونجیں اور ایک ایک شخص کے کان میں پہنچیں۔ اس پر کچھ نے شہد کی پیالی اٹھا کر پی اور کچھ نے زہر کی۔ ان اٹھانے والوں کے ہاتھ بھی خداہی کے بنائے ہوئے تھے، اور ان میں پیالی اٹھانے، منہ تک لے جانے کی قوت بھی اسی کی رکھی ہوئی تھی۔ منہ اور حلق میں کسی چیز کو جذب کرکے اندر لینے کی قوت۔ اور خود منہ اور حلق اور معدہ وغیرہ سب اس کے مخلوق تھے، اب شہد پینے والوں کے جوف میں شہد پہنچا، کیا وہ آپ اس کا نفع پیدا کرلیں گے؟ یا شہد بذات خود خالق نفع ہوجائے گا؟ حاشا ہرگز نہیں، بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے دست قدرت میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادہ سے ہوگا۔ وہ نہ چاہے تو منوں شہد پی جائے کچھ فائدہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ چاہے تو شہد زہر کا اثر دے، یونہی زہر والوں کے پیٹ میں زہر جاکر، کیا وہ آپ ضرر کی تخلیق کرلیں گے یا زہر خود بخود خالق ضرر ہوجائیگا، حاشا ہرگز نہیں بلکہ اس کا اثر پیدا ہونا یہ بھی اسی کے قبضہ اقتدار میں ہے اور ہوگا تو اسی کے ارادے سے ہوگا، بلکہ وہ چاہے تو زہر شہد ہو کر لگے، بااین ہمہ شہد پینے والے ضرور قابل تحسین وآفرین ہیں، ہر عاقل یہی کہے گا کہ انھوں نے اچھا کیا، ایسا ہی کرنا چاہے اور زہر پینے والے ضرور لائق سزا و نفریں ہیں، ہر ذی ہوش یہی کہے گا کہ یہ بدبخت خودکشی کے مجرم ہیں۔

دیکھو اول سے آخر تک جو کچھ ہوا سب اللہ ہی کے ارادے سے ہوا۔ اور جتنے آلات اس کام میں لئے گئے سب اللہ ہی کے مخلوق تھے اور اسی کے حکم سے انھوں نے کام دیے، جو تمام عقلاء کے نزدیک ایک فریق کی تعریف ہے اور دوسرے کی مذمت، تمام کچہریاں جو عقل سے حصہ رکھتی ہوں ان زہر نوشوں کو مجرم بنائیں گی، پھر کیوں بناتی ہیں، نہ زہر ان کا پیدا کیا ہوا نہ زہر میں قوت اہلاک ان کی رکھی ہوئی، نہ ہاتھ ان کا پیدا کیا ہوا نہ اس کے بڑھانے اٹھانے کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ دہن وحلق ان کے پیدا کئے ہوئے نہ ان میں جذب وکشش کی قوت ان کی رکھی ہوئی، نہ حلق سے اتر جانا ان کے ارادے سے ممکن تھا، آدمی

پانی پیتا ہے اور چاہتا ہے کہ حلق سے اترے مگر اچھو ہو کر نکل جاتا ہے اس کا چاہا نہیں چلتا۔ جب تک وہی نہ چاہے جو صاحب سارے جہاں کا ہے۔

اب حلق سے اترنے کے بعد تو ظاہری نگاہوں میں بھی پینے والے کا اپنا کوئی کام نہیں، خون میں اس کا ملنا اور خون کا اسے لے کر دورہ کرنا اور دورہ میں قلب تک پہنچنا اور وہاں جا کر اسے فاسد کر دینا یہ کوئی فعل نہ اس کے ارادے سے ہے نہ اس کی طاقت سے بہتیرے زہر پی کر نادم ہوتے ہیں، پھر ہزار کوشش کرتے ہیں جو ہونی ہے ہو کر رہتی ہے۔ اگر اس کے ارادہ سے ضرر ہوتا تو اس ارادہ سے باز آتے ہی زہر باطل ہو جانا لازم تھا، مگر نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ بے اثر ہے پھر اس سے کیوں باز پرس ہوتی ہے؟ ہاں، باز پرس کی وہی وجہ ہے کہ شہد اور زہر اسے بتا دیے تھے، عالی قدر حکمائے عظام کی معرفت سے نفع نقصان جتا دیے تھے، دست و دہان و حلق اس کے قابو میں کر دیے تھے، دیکھنے کو آنکھ، سمجھنے کو عقل اسے دے دی تھی، یہی ہاتھ جس سے اس نے زہر کی پیالی اٹھا کر پی، جام شہد کی طرف بڑھاتا اللہ تعالیٰ اسی کا اٹھنا پیدا کر دیتا، یہاں تک کہ سب کام اول تا آخر اسی کی خلق و مشیت سے واقع ہو کر اس کے نفع کے موجب ہوتے مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ کاسہ زہر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے پینے کا عزم لایا وہ غنی بے نیاز دونوں جہان سے بے پروا ہے وہاں تو عادت جاری ہو رہی ہے کہ یہ قصد کرے اور وہ خلق فرما دے، اس نے اسی کاسہ کا اٹھنا اور حلق سے اترنا دل تک پہنچنا وغیرہ وغیرہ پیدا فرما دیا پھر یہ کیونکر بے جرم قرار پا سکتا ہے۔ انسان میں یہ قصد و ارادہ و اختیار ہونا ایسا واضح و روشن و بدیہی امر ہے جس سے انکار نہیں کر سکتا مگر مجنون، ہر شخص سمجھتا ہے کہ مجھ میں اور پتھر میں ضرور فرق ہے ہر شخص جانتا ہے کہ انسان کے چلنے پھرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے وغیرہ وغیرہ افعال کے حرکات ارادی ہیں ہر شخص آگاہ ہے کہ انسان کا کام کرنے کے لئے ہاتھ کو حرکت دینا اور وہ جنبش جو ہاتھ کو رعشہ سے ہو، ان میں صریح فرق ہے ہر شخص واقف ہے کہ جب وہ اوپر کی جانب جست کرتا اور اس کی طاقت ختم ہونے پر زمیں پر گرتا ہے ان دونوں حرکتوں میں تفرقہ ہے اوپر کودنا اپنے اختیار و ارادہ سے تھا اگر نہ چاہتا نہ کودتا اور یہ حرکت تمام ہو کر اب زمیں پر آنا اپنے ارادے و اختیار سے نہیں۔

ولہٰذا اگر رکنا چاہے تو نہیں رک سکتا۔ بس یہی ارادہ، یہی اختیار جو ہر شخص اپنے نفس میں دیکھ رہا ہے عقل کے ساتھ اس کا پایا جانا، یہی مدار امر و نہی و جزا و سزا و عقاب و پرسش و حساب ہے، اگرچہ بلاشبہہ بلاریب قطعاً یقیناً یہ ارادہ و اختیار بھی اللہ عزوجل ہی کا پیدا کیا ہوا ہے جیسے انسان خود بھی اسی کا بنایا ہوا ہے آدمی جس طرح نہ آپ سے آپ بن سکتا تھا نہ اپنے لئے آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان

وغیرہا بنا سکتا تھا، یونہی اپنے لئے طاقت، قوت، ارادہ، اختیار بھی نہیں بنا سکتا، سب کچھ اس نے دیا اور اسی نے بنایا، مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ جب ہمارا ارادہ واختیار بھی خدا ہی کا مخلوق ہے تو پھر ہم پتھر ہوگئے قابل سزا وجزا وباز پرس نہ رہے، کیسی سخت جہالت ہے، صاحبو! تم میں خدا نے کیا پیدا کیا؟ ارادہ و اختیار، تو ان کے پیدا ہونے سے تم صاحب ارادہ۔ صاحب اختیار ہوئے یا مضطر، مجبور، ناچار، صاحبو! تمھاری اور پتھر کی حرکت میں فرق کیا تھا، یہ کہ وہ ارادہ واختیار نہیں رکھتا اور تم میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت پیدا کی عجب عجب کہ وہی صفت جس کے پیدا ہونے نے تمھاری حرکات کو پتھر کی حرکات سے ممتاز کردیا، اسی کی پیدائش کو اپنے پتھر ہوجانے کا سبب سمجھو یہ کیسی الٹی مت ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھیں پیدا کیں ان میں نور خلق کیا اس سے ہم انکھیارے ہوئے نہ کہ معاذاللہ اندھے یونہی اس نے ہم میں ارادہ واختیار پیدا کیا اس سے ہم اس کی عطا کے لائق مختار ہوئے، نہ کہ الٹے مجبور۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وقتاً فوقتاً ہر فرد اختیار بھی اسی کی خلق اسی کی عطا ہے ہماری اپنی ذات سے نہیں تو مختار کردہ ہوئے خود مختار نہ ہوئے پھر اس میں کیا حرج ہے؟ بندے کی شان ہی نہیں کہ خود مختار ہوسکے نہ جزا وسزا کے لئے خود مختار ہونا ہی ضرور۔ ایک نوع اختیار چاہیے، کس طرح ہو، وہ بداہۃً حاصل ہے۔

آدمی انصاف سے کام لے تو اسی قدر تقریر ومثال کافی ہے شہد کی پیالی اطاعت الٰہی ہے اور زہر کا کاسہ اس کی نافرمانی اور وہ عالی شان حکماء انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام۔ اور ہدایت اس شہد سے نفع پانا ہے کہ اللہ ہی کے ارادے سے ہوگا اور ضلالت اس زہر کا ضرور پہنچنا کہ یہ بھی اسی کے ارادے سے ہوگا مگر اطاعت والے تعریف کئے جائیں گے اور تمرد (سرکشی) والے مذموم و ملزم ہوکر سزا پائیں گے۔ پھر بھی جب تک ایمان باقی ہے "فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ"[1] (جسے چاہے بخش دے۔ت) باقی ہے۔

والحمد للہ رب العٰلمین، لہ الحکم والیہ ترجعون۔	اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف تمھیں لوٹنا ہے۔ (ت)

قرآن عظیم میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ان اشخاص کو زیادہ ہدایت نہ کرو۔۔۔ ہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ ہدایت ضلالت سب اس کے ارادہ سے ہے، اس کا بیان بھی ہوچکا اور آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ اور زیادہ واضح ہوگا۔ نیز فرمایا:

[1] القرآن الکریم ۲ / ۲۸۴

"اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾ "[1]۔	وہ علم الٰہی میں کافر ہیں انھیں ایک سا ہے چاہے تم ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہ لائیں گے۔

ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام جہان کے لئے رحمت بھیجے گئے جو کافر ایمان نہ لاتے ان کا نہایت غم حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہوتا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

"فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ عَلٰۤی اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ یُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ اَسَفًا ﴿۶﴾ "[2]۔	شاید تم ان کے پیچھے اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اس غم میں کہ وہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں۔

لہٰذا حضور کی تسکین خاطر اقدس کو یہ ارشاد ہوا ہے کہ جو ہمارے علم میں کفر پر مرنے والے ہیں **والعیاذ باللہ تعالٰی** وہ کس طرح ایمان نہ لائیں گے، تم اس کا غم نہ کرو۔ لہٰذا یہ فرمایا کہ تمھارا "سمجھانا نہ سمجھانا "ان کو" یکساں ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ "تمھارے حق میں" یکساں ہے، کہ ہدایت معاذاللہ امر فضول ٹھرے۔ ہادی کا اجر اللہ پر ہے، چاہے کوئی مانے نہ مانے۔

"وَمَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۵۴﴾ "[3]۔ "وَمَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۹﴾ "[4]۔	اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچادینا (ت) اور میں تم سے اس پر کچھ اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی پر ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔

اللہ خوب جانتا ہے اور آج سے نہیں ازل الآزال سے کہ اتنے بندے ہدایت پائیں گے اور اتنے چاہ ضلالت میں ڈوبیں گے، مگر کبھی اپنے رسولوں کو ہدایت سے منع نہیں فرمایا کہ جو ہدایت پانے والے ہیں ان کے لئے سبب ہدایت ہوں اور جو نہ پائیں ان پر حجت الٰہیہ قائم ہو۔ **وللہ الحجۃ البالغۃ** (اور اللہ ہی کی حجت پوری ہے۔ ت)

ابن جریر عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما بعث اللہ تعالٰی موسٰی علیہ الصلاۃ والسلام الی فرعون نودی لن یفعل، فلم افعل؟ فقال فناداہ اثنا عشر ملکا	ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ جب سیدنا موسٰی علیہ الصلاۃ والسلام کو مولٰی عزوجل نے رسول کرکے فرعون کی طرف بھیجا موسٰی علیہ السلام چلے تو ندا ہوئی مگر اے موسٰی فرعون ایمان نہ لائے گا، موسٰی نے دل

[1] القرآن الکریم ۲/ ۶

[2] القرآن الکریم ۱۸/ ۶

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۵۴

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۹

من علماء الملئکۃ: امض لما امرت بہ. فانا جھدنا ان نعلم ھذا فلم نعلمہ۔[1]	میں کہا پھر میرے جانے سے کیا فائدہ ہے؟ اس پر بارہ علماء ملائکہ عظام علیہم السلام نے کہا اے موسی آپ کو جہاں کا حکم ہے جائیے، یہ وہ راز ہے کہ باوصف کوشش آج تک ہم پر بھی نہ کھلا۔

اور آخر نفع بعثت سب نے دیکھ لیا کہ دشمنان خدا ہلاک ہوئے، دوستان خدا نے ان کی غلامی، ان کے عذاب سے نجات پائی ایک جلسے میں ستر ہزار ساحر سجدہ میں گر گئے اور ایک زبان بولے:

"اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾"[2]۔	ہم اس پر ایمان لائے جو رب ہے سارے جہاں کا، رب ہے موسی وہارون کا۔

مولی عزوجل قادر تھا اور ہے کہ بے کسی نبی وکتاب کے تمام جہان کو ایک آن میں ہدایت فرمادے۔

"وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَی الْهُدٰی فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾"[3]۔	اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا کردیتا تو اے سننے والے! تو ہر گز نادان نہ بن۔

مگر اس نے دنیا کو عالم اسباب بنایا ہے اور ہر نعمت میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مختلف حصہ رکھا ہے وہ چاہتا تو انسان وغیرہ جانداروں کو بھوک ہی نہ لگتی، یا بھوکے ہوتے تو کسی کا صرف نام پاک لینے سے، کسی کا ہوا سونگھنے سے پیٹ بھرتا، زمین جوتنے سے روٹی پکانے تک جو سخت مشقتیں پڑتی ہیں کسی کو نہ ہوتیں، مگر اس نے یونہی چاہا اور اس میں بھی بے شمار اختلاف رکھا کسی کو اتنا دیا کہ لاکھوں پیٹ اس کے در سے پلتے ہیں، اور کسی پر اس کے اہل وعیال کے ساتھ تین تین فاقے گزرتے ہیں۔

غرض ہر چیز میں "اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ"[4] (کیا تمھارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں، ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا۔ ت) کی نیرنگیاں ہیں۔ احمق، بدعقل، یا اجہل بددین وہ اس کے ناموس میں چون وچرا کرے کہ یوں کیوں کیا یوں کیوں نہ کیا؟ سنتا ہے اس کی شان ہے "یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿۲۷﴾"[5] اللہ جو چاہے کرتا ہے اس کی شان ہے "اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱﴾"[6]

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۲۱و۱۲۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۵

[4] القرآن الکریم ۴۳/ ۳۲

[5] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱

اللہ جو چاہے حکم فرماتا ہے۔اس کی شان ہے "لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾" [1] وہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے سوال ہوگا

زید نے روپے کی ہزار اینٹیں خریدیں، پانچسو ۵۰۰ مسجد مس لگائیں، پانسو ۵۰۰ پاخانہ کی زمین اور قدمچوں میں کیا اس سے کوئی الجھ سکتا ہے کہ ایک ہاتھ کی بنائی ہوئی،ایک مٹی سے بنی ہوئی،ایک آوے سے پکی ہوئی ایک روپے کی مول لی ہوئی ہزار اینٹیں تھیں،ان پانسو میں کیا خوبی تھی کہ مسجد میں صرف کیں،اور ان میں کیا عیب تھا کہ جائے نجاست میں رکھیں اگر احمق اس سے پوچھے بھی تو وہ یہی کہے گا کہ میری ملک تھیں میں نے جو چاہا کیا۔

جب مجازی جھوٹی ملک کا یہ حال تو حقیقی سچی ملک کا کیا پوچھنا۔ہمارا اور ہماری جان ومال اور تمام جھان کا وہ ایک اکیلا پاک نرالا سچا مالک ہے۔اس کے کام،اس کے احکام میں کسی کو مجال دم زدن کیا معنی! کیا کوئی اسکا ہمسر یا اس پر افسر ہے جو اس سے کیوں اور کیا کہے۔مالک علی الاطلاق ہے،بے اشتراک ہے،جو چاہا کیا اور جو چاہے کرے گا،ذلیل فقیر بے حیثیت حقیر اگر بادشاہ جبار سے الجھے تو اسکا سر کھجایا ہے،شامت نے گھیرا ہے اس ہر عاقل یہی کہے گا کہ او بد عقل،بے ادب! اپنی حد پر رہ،جب یقینا معلوم ہے کہ بادشاہ کمال عادل اور جمیع کمال صفات میں یکتا وکامل ہے تو تجھے اس کے احکام میں دخل دینے کی کیا مجال! ؎

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش　　　نظام مملکت خویش خسرواں دانند [2]

(تو خاک نشینی گدا گر ہے اے حافظ! شور مت کر،اپنی سلطنت کے نظام کو بادشاہ جانتے ہیں ت)

افسوس کہ دنیوی،مجازی،جھوٹے بادشاہوں کی نسبت تو آدمی کو یہ خیال ہو اور ملک الملوک بادشاہ حقیقی جل جلالہ کے احکام میں رائے زنی کرے،سلاطین تو سلاطین اپنا برابر زئی بلکہ اپنے سے بھی کم رتبہ شخص بلکہ اپنا نوکر یا غلام جب کسی صفت کا استاد ماہر ہو اور خود یہ شخص اس سے آگاہ نہیں تو اس کے اکثر کاموں کو ہرگز نہ سمجھ سکے گا،یہ اتنا ادراک ہی نہیں رکھتا،مگر عقل سے حصہ ہے تو اس پر معترض بھی نہ ہوگا۔جان لے گا کہ یہ اس کام کا استاد وحکیم ہے،میرا خیال وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۲۳

[2] دیوان حافظ ردیف شین معجمہ سب رنگ کتاب گھر دہلی ص ۲۵۸

غرض اپنی فہم کو قاصر جانے گانہ کہ اس کی حکمت کو۔ پھر رب الارباب، حکیم حقیقی، عالم السر والخفی عزجلالہ کے اسرار میں خوض کرنا اور جو سمجھ میں نہ آئے اس پر معترض ہونا اگر بے دینی نہیں جنون ہے۔ اگر جنون نہیں بے دینی ہے، **والعیاذ باللہ رب العالمین۔**

اے عزیز! کسی بات کو حق جاننے کے لئے اس کی حقیقت جاننی لازم نہیں ہوتی، دنیا جانتی ہے کہ مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، اور مقناطیسی قوت دیا ہوا لوہا ستارہ قطب کی طرف توجہ کرتا ہے۔ مگر اس کی حقیقت وکنہ کوئی نہیں بتاسکتا کہ اس خاکی لوہے اور اس افلاکی ستارے میں کہ یہاں سے کروڑوں میل دور ہے باہم کیاالفت؟ اور کیونکر اسے اس کی جہت کا شعور ہے؟ اور ایک یہی نہیں عالم میں ہزاروں ایسے عجائب ہیں کہ بڑے بڑے فلاسفہ خاک چھان کر مرگئے اور ان کی کنہ نہ پائی۔ پھر اس سے ان باتوں کا انکار نہیں ہوسکتا، آدمی اپنی جان ہی کو بتائے وہ کیا شیئ ہے جسے یہ "میں" کہتا ہے، اور کیا چیز جب نکل جاتی ہے تو یہ مٹی کا ڈھیر بے حس وحرکت رہ جاتا ہے۔ اللہ جل جلالہ فرقان حکیم میں فرماتا ہے:

"وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۠ ﴿۲۹﴾"[1]۔	تم کیا چاہو، مگر یہ کہ چاہے اللہ رب سارے جہان کا۔

اور فرماتا ہے:

"هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ"[2]۔	کیا کوئی اور بھی کسی چیز کا خالق ہے سوا اللہ کے۔

اور فرماتا ہے:

"لَهُمُ الْخِيَرَةُ"[3]۔	اختیار خاص اسی کو ہے۔

اور فرماتا ہے:

"اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾"[4]۔	سنتے ہو پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کے لیے ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ مالک سارے جہان کا۔

یہ آیات کریمہ صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا خاص اسی کا کام ہے، دوسرے کو اس میں اصلاً (بالکل) شرکت نہیں، نیز اصل اختیار اسی کا ہے، نیز بے اس کی مشیت کے

---

[1] القرآن الکریم ۲۹/۸۱

[2] القرآن الکریم ۳/۳۵

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۶۸ و ۳۳ / ۳۶

[4] القرآن الکریم ۷/ ۵۴

کسی کی مشیت نہیں ہوسکتی۔

اور وہی مالک ومولی جل وعلا اسی قرآن کریم میں فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾" [1]۔	یہ ہم نے ان کی سرکشی کا بدلہ انھیں دیا، اور بیشک بالیقین ہم سچے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾" [2]۔	ہم نے ان پر کچھ ظلم نہ کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

اور فرماتا ہے:

"اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴۰﴾" [3]۔	جو تمہارا جی چاہے کئے جاؤ اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ" [4]۔	اے نبی! تم فرمادو کہ حق تمہارے رب کے پاس سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے بیشک ہم نے ظالموں کے لئے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کے سراپردے انھیں گھیریں گے ہر طرف آگ ہی آگ ہوگی۔

اور فرماتا ہے:

"قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿۲۸﴾ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَاۤ اَنَا	کافر کا ساتھی شیطان بولا اے رب ہمارے! میں نے انھیں سرکش نہ کردیا تھا یہ آپ ہی دور کی گمراہی میں تھا، رب عزوجل نے فرمایا میرے حضور فضول جھگڑا نہ کرو، میں تو تمھیں پہلے ہی سزا کا ڈر سنا چکا تھا، میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی، اور نہ میں

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۰

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۹

" بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۠(۲۹) "[1]۔	بندوں پر ظلم کروں۔

یہ آیتیں صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ بندہ خود ہی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے وہ اپنی ہی کرنی بھرتا ہے وہ ایک حرام کا اختیار وارادہ ضرور رکھتا ہے، اب دونوں قسم کی سب آیتیں قطعاً مسلمان کا ایمان ہیں۔ بے شک بے شبہ بندہ کے افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے۔ بے شک بندہ بے ارادہ الٰہیہ کچھ نہیں کرسکتا، اور بے شک بندہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، بے شک وہ اپنی ہی بداعمالیوں کے سبب مستحق سزا ہے۔

یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہوسکتیں مگر یونہی کہ عقیدہ اہل سنت وجماعت پر ایمان لایا جائے، وہ کیا بات ہے؟ وہ جو اہل سنت کے سردار و مولی امیر المؤمنین علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے انہیں تعلیم فرمایا۔

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں بطریق امام شافعی عن یحیٰی بن سلیم امام جعفر صادق سے، وہ حضرت امام باقر، وہ حضرت عبداللہ بن جعفر طیار، وہ امیر المؤمنین مولی علی رضی اللہ تعالٰی عنھم سے راوی:

انه خطب الناس یوما (فذکر خطبته ثم قال) فقام الیه رجل ممن کان شھد معه الجمل، فقال یا امیر المؤمنین اخبرنا عن القدر، فقال بحر عمیق فلا تلجه، قال یا امیر المؤمنین اخبرنا عن القدر، قال سر الله فلا تتکلفه، قال یا امیر المؤمنین اخبرنا عن القدر، قال اما اذا ابیت فانه امر بین امرین لا جبر و لا تفویض، قال یا امیر المؤمنین ان فلانا یقول بالاستطاعة، وھو حاضرک، فقال علی به فاقاموہ، فلما راٰه سل سیفه قدر اربع اصابع، فقال الاستطاعة تملکھا	یعنی ایک دن امیر المؤمنین خطبہ فرمارہے تھے، ایک شخص نے کہ واقعہ جمل میں امیر المؤمنین کے ساتھ تھے کھڑے ہو کر عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہمیں مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے، فرمایا: گہرا دریا ہے اس میں قدم نہ رکھ، عرض کی: یا امیر المؤمنین! ہمیں خبر دیجئے، فرمایا: اللہ کا راز ہے زبردستی اس کا بوجھ نہ اٹھا۔ عرض کی: یا امیرا لمؤمنین ہمیں خبر دیجئے فرمایا: اگر نہیں مانتا تو ایک امر ہے دو امروں کے درمیان، نہ آدمی مجبور محض ہے نہ اختیار اسے سپرد ہے۔ عرض کی: یا امیر المؤمنین فلاں شخص کہتا ہے کہ آدمی اپنی قدرت سے کام کرتا ہے، اور وہ حضور میں حاضر ہے، مولی علی فرمایا: میرے سامنے لاؤ، لوگوں نے اسے کھڑا کیا۔ جب امیر المؤمنین نے اسے دیکھا تیغ مبارک چار انگل کے قدر نیام سے

[1] القرآن الکریم ۵۰/ ۲۷و۲۹

مع اللہ او من دون اللہ ؟ وایاك ان تقول احدھما فترتد فاضرب عنقك. قال فما اقول یا امیر المؤمنین قال قل املکھا باللہ الذی ان شاء ملکنیھا[1]۔	نکال لی اور فرمایا: کام کی قدرت کا توخدا کے ساتھ مالک ہے یا خدا سے جدا مالک ہے ؟ اور سنتا ہے خبردار ان دونوں میں سے کوئی بات نہ کہنا کہ کافر ہو جائیگا اور میں تیری گردن مار دوں گا۔ اس نے کہا: یا امیر المؤمنین ! پھر میں کیا کہوں ؟ فرمایا: یوں کہہ کہ اس خدا کے دیے سے اختیار رکھتا ہوں کہ اگر وہ چاہے تو مجھے اختیار دے بے اس کی مشیت کے مجھے کچھ اختیار نہیں۔

بس یہی عقیدہ اہلسنت ہے کہ انسان پتھر کی طرح مجبور محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ایک حالت ہے جس کی کنہ راز خدا اور ایک نہایت عمیق دریا ہے۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رضائیں امیر المؤمنین علی پر نازل ہوں کہ ان دونوں الجھنوں کو دو فقروں میں صاف فرمادیا، ایک صاحب نے اسی بارے میں سوال کیا کہ کیا معاصی بھی بے ارادہ الٰہیہ واقع نہیں ہوتے ؟ فرمایا تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرلے گا افیعصی قھرا یعنی وہ نہ چاہتا تھا کہ اس سے گناہ ہو مگر اس نے کر ہی لیا تو اس کا ارادہ زبردست پڑا معاذاللہ خدا بھی دنیا کے مجازی بادشاہوں کی طرح ہوا کہ وہ ڈاکوؤں، چوروں کا بہتیرا بندوبست کریں پھر بھی ڈاکو اور چور اپنا کام کر ہی گزرتے ہیں۔ حاشا وہ ملک الملوک بادشاہ حقیقی قادر مطلق ہرگز ایسا نہیں کہ اس کے ملک میں بے اس کے حکم کے ایک ذرہ جنبش کرسکے، وہ صاحب کہتے ہیں فکانما القمنی حجرا[2] مولی علی نے یہ جواب دے کر گویا میرے منہ میں پتھر رکھ دیا کہ آگے کچھ کہتے بن ہی نہ پڑا۔ عمرو بن عبید معتزلی کہ بندے کے افعال خدا کے ارادہ سے نہ جانتا تھا کہ خود کہتا ہے کہ مجھے کسی نے ایسا الزام نہ دیا جیسا ایک مجوسی نے دیا جو میرے ساتھ جہاز میں تھا، میں نے کہا تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا؟ کہا خدا نہیں چاہتا، میں نے کہا خدا تو چاہتا ہے مگر شیطان تجھے نہیں چھوڑتے، کہا تو میں شریک غالب کے ساتھ ہوں، اسی ناپاک شناعت کے رد کی طرف مولی علی نے اشارہ فرمایا کہ وہ نہ چاہے تو کیا کوئی زبردستی اس کی معصیت کرلے گا؟۔ باقی رہا اس مجوسی کا عذر، وہ بعینہٖ ایسا ہے کہ کوئی بھوکا ہے بھوک سے دم نکلا جاتا ہے، کھانا سامنے رکھا ہے اور نہیں کھاتا کہ خدا کا ارادہ نہیں، اس کا ارادہ ہوتا

---

[1] حلیۃ الاولیاء

[2] قول مولی علی

تو میں ضرور کھالیتا، اس احمق سے یہی کہا جائے گا کہ خدا کا ارادہ نہ ہونا تو نے کاہے سے جانا؟ اسی سے کہ تو نہیں کھاتا، تو کھانے کا قصد تو کر، دیکھ تو ارادہ الٰہیہ سے کھانا ہو جائے گا۔ ایسی اوندھی مت اسی کو آنی ہے جس پر موت سوار ہے۔ غرض مولی علی نے یہ تو اس کا فیصلہ فرمایا کہ جو کچھ ہوتا ہے بے ارادہ الٰہیہ نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات کہ جزاوسزا کیوں ہے! ۔اس کا یوں فیصلہ ارشاد ہوا، ابن ابی حاتم واصبہانی ولالکائی وخلعی حضرت امام جعفر صادق وہ اپنے والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں،

قال قیل لعلی بن ابی طالب ان ھٰھنا رجلا یتکلم فی المشیئة فقال له علی یا عبدالله خلقك الله لما یشاء او لما شئت؟ قال بل لما یشاء قال فیمرضك اذا شاء أو اذا شئت؟ قال بل اذا شاء، قال فیمیتك اذا شاء او اذا شئت؟ قال اذا شاء، قال فیدخلك حیث شاء او حیث شئت؟ قسال بل حیث یشاء، قال والله لو قلت غیر ذلك لضربت الذی فیه عیناك بالسیف۔ ثم تلا علی: وماتشاؤون الا ان یشاء الله ھو اھل التقوی و اھل المغفرة[1]	مولی علی سے عرض کی گئی کہ یہاں ایک شخص مشیت میں گفتگو کرتا ہے، مولی علی نے اس سے فرمایا، اے خدا کے بندے! خدا نے تجھے اس لئے پیدا کیا جس لئے اس نے چاہا یا اس لئے جس لئے تو نے چاہا؟ کہا: جس لئے اس نے چاہا، فرمایا: تجھے جب وہ چاہے بیمار کرتا ہے یا جب تو چاہے؟ کہا: بلکہ جب وہ چاہے۔ فرمایا: تجھے اس وقت وفات دے گا جب وہ چاہے یا جب تو چاہے؟ کہا جب وہ چاہے۔ فرمایا: تو تجھے وہاں بھیجے گا جہاں وہ چاہے یا جہاں تو چاہے؟ کہا: جہاں وہ چاہے، فرمایا: خدا کی قسم تو اس کے سوا کچھ اور کہتا تو یہ جس میں تیری آنکھیں ہیں (یعنی تیرا سر) تلوار سے مار دیتا۔ پھر مولی علی نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "اور تم کیا چاہو مگر یہ کہ اللہ چاہے وہ تقوی کا مستحق اور گناہ عفو فرمانے والا ہے۔"

خلاصہ یہ کہ جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے، بناتے وقت تجھ سے مشورہ نہ لیا تھا بھیجتے وقت بھی

---

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم واللالکائی فی السنة الخلفی فی فوائدہ عن علی تحت الآیة ۲۲/ ۲۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۸/۶ و۱۹

نہ لے گا، تمام عالم اس کی ملک ہے، اور مالک سے در بارہ ملک سوال نہیں ہو سکتا۔

ابن عساکر نے حارث ہمدانی سے روایت کی ایک شخص نے آکر امیر المؤمنین مولی علی سے عرض کی: یاامیر المؤمنین! مجھے مسئلہ تقدیر سے خبر دیجئے۔ فرمایا: تاریک راستہ ہے اس میں نہ چل۔ عرض کی: یاامیر المؤمنین! مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا: گہرا سمندر ہے اور اس میں قدم نہ رکھ، عرض کی: یا امیر المؤمنین! فرمایا اللہ کا راز ہے تجھ پر پوشیدہ ہے اسے نہ کھول، عرض کی: یا امیر المؤمنین! مجھے خبر دیجئے۔ فرمایا: "ان الله خالقك کما شاء او کما شئت" اللہ نے تجھے جیسا اس نے چاہا بنایا یا جیسا تو نے چاہا؟ عرض کی: جیسا اس نے چاہا: فرمایا: "فیستعملك کما شاء او کما شئت" تو تجھ سے کام ویسا لے گا جیسا وہ چاہے یا جیسا تو چاہے؟ عرض کی: جیسا وہ چاہے۔ فرمایا: "فیبعثك یوم القیٰمة کما شاء او کما شئت" تجھے قیامت کے دن جس طرح وہ چاہے گا اٹھائے گا یا جس طرح تو چاہے؟۔ کہا: جس طرح وہ چاہے۔ فرمایا: "ایھا السائل تقول لا حول ولا قوۃ الا بمن" اے سائل! تو کہتا ہے کہ نہ طاقت ہے نہ قوت ہے مگر کس کی ذات سے؟۔ کہا: اللہ علی عظیم کی ذات سے۔ فرمایا تو اس کی تفسیر جانتا ہے؟۔ عرض کی "امیر المؤمنین کو جو علم اللہ نے دیا ہے اس سے مجھے تعلیم فرمائیں۔ فرمایا: "ان تفسیرھا لا یقدر علی طاعة الله ولا یکون قوۃ فی معصیة الله فی الامرین جمیعا الا بالله" اس کی تفسیر یہ ہے کہ نہ طاعت کی طاقت، نہ معصیت کی قوت دونوں اللہ ہی کے دیے سے ہیں۔ پھر فرمایا: "ایھا السائل الك مع الله مشیة او دون الله مشیة. فان قلت ان لك دون الله مشیة. فقد اکتفیت بھا عن مشیة الله وان زعمت ان لك فوق الله مشیة فقد ادعیت مع الله شرکا فی مشیته" اے سائل: تجھے خدا کے ساتھ اپنے کام کا اختیار ہے یا بے خدا کے؟ اگر تو کہے کہ بے خدا کے تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے ارادہ الٰہیہ کی کچھ حاجت نہ رکھی، جو چاہے خود اپنے ارادے سے کرلے گا، خدا چاہے یا نہ چاہے، اور یہ سمجھے کہ خدا سے اوپر تجھے اختیار حاصل ہے تو تو نے اللہ کے ارادے میں اپنے شریک ہونے کا دعوی کیا۔ پھر فرمایا: ایھا السائل الله یشج ویداوی فمنه الداء ومنه الدواء اعقلت عن الله امرہ"۔ اے سائل: بیشک اللہ زخم پہنچاتا ہے اور اللہ ہی دوا دیتا ہے تو اسی سے مرض ہے اور اسی سے دوا، کیوں تو نے اب تو اللہ کا حکم سمجھ لیا؟۔ اس نے عرض کی: ہاں۔ حاضرین سے فرمایا: الاٰن اسلم اخوکم فقوموا فصافحوا" اب تمہارا یہ بھائی مسلمان ہوا، کھڑے ہو اس سے مصافحہ کرو۔ پھر فرمایا: لو ان عندی رجلا من القدریة لاخذت برقبته ثم لا ازال اجرھا حتی اقطعھا فانھم یھود ھذہ الامة ونصاراھا ومجوسھا" اگر میرے پاس کوئی شخص ہو جو انسان کو اپنے افعال کا خالق

جانتااور تقدیر الٰہی سے وقوع طاقت ومعصیت کا انکار کرتاہو تو میں اس کی گردن پکڑ کر دبوچتا رہوں گا یہاں تک کہ الگ کاٹ دوں، اس لئے کہ وہ اس امت کے یہودی اور نصرانی و مجوسی ہیں۔

یہودی اس لئے فرمایا کہ ان پر خدا کا غضب ہے اور یہود **مغضوب علیھم** ہیں، اور نصرانی و مجوسی اس لئے فرمایا کہ نصاری تین خدا مانتے ہیں، مجوسی یزدان واہرمن دو خالق مانتے ہیں، یہ بے شمار خالقوں پر ایمان لا رہے ہیں کہ ہر جن وانس کو اپنے افعال خالق گا رہے ہیں، **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

یہ اس مسئلہ میں اجمالی کلام ہے، مگران شاء اللہ تعالٰی کافی ووافی وشافی جس سے ہدایت والے ہدایت پائیں گے اور ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ ہے، **وللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

رسالہ

ثلج الصدر لایمان القدر

ختم ہوا

رسالہ
التحبیر بباب التدبیر ۱۳۰۵ھ
(آرائش کلام مسئلہ تدبیر کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۲۲: مسئولہ مولوی الٰہ یار خان صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ خالد یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جو کچھ کام بھلا یا بُرا ہوتا ہے سب خدا کی تقدیر سے ہوتا ہے۔ اور تدبیرات کو کارِ دنیوی واُخروی میں امر مستحسن اور بہتر جانتا ہے۔

ولید خالد کو بوجہ مستحسن جاننے تدبیرات کے کافر کہتا ہے، بلکہ اسے کافر سمجھ کر سلام وجواب سلام بھی ترک کر دیا اور کہتا ہے کہ تدبیر کوئی چیز نہیں، بالکل واہیات ہے، اور جو اشخاص اپنے اطفال کو پڑھاتے لکھاتے ہیں۔ (خواہ عربی خواہ انگریزی) وہ جھک مارتے ہیں، گوہ کھاتے ہیں، کیونکہ پڑھنا لکھنا تدبیر میں داخل ہے۔

پس ولید نے خالد کو جو کافر کہا تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ اور نہیں ہے تو کہنے والے کے لیے کیا گناہ و تعزیر ہے۔ بَیِّنُوْا تُوجرُوا (بیان فرماؤاجر دیئے جاؤ گے ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ الذی قدّر الکائنات وربط بالاسباب المسببّات والصلوۃ و السلام علٰی سید المتوکلین سرًّا و جھرًا، وامام العالمین والمدبرات امرًا وعلٰی اٰلہ و صحبہ الذین باطنھم توکل، وظاھر ھم فی الکدّ والعمل۔	تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے تمام ہونے والی چیزیں مقدر فرمائیں اور مسببّات کا اسباب سے ربط رکھا اور درود و سلام خفیہ اور علانیہ توکل کرنے والوں کے سردار اور تمام عالموں کے امام پر اور ان پر جو کام کی تدبیر کرنے والے ہیں اور ان کی آل و اصحاب پر جن کا باطن متوکل ہے اور ان کا ظاہر محنت و عمل میں لگا ہوا ہے۔ (ت)

بے شک خالد سچا، اور اس کا یہ عقیدہ خاص اہلِ حق کا عقیدہ ہے۔ فی الواقع عالم میں جو کچھ ہوتا ہے سب اللہ جل جلالہ کی تقدیر سے ہے۔ قال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"كُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾"[1]۔	ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔ ت)

وقال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾"[2]۔	اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں، (ت)

وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾"[3]۔	اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔ (ت)

الٰی غیر ذٰلك من الاٰیات والاحادیث (اس کے علاوہ اور بھی آیات واحادیث ہیں۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۳

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۲

[3] القرآن الکریم ۶/ ۵۹

مگر تدبیر زنہار معطل نہیں۔ دنیا عالمِ اسباب ہے۔ رب جل مجدہ نے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق اس میں مسببات کو اسباب سے ربط دیا۔ اور سنتِ الٰہیہ جاری ہوئی کہ سبب کے بعد مسبّب پیدا ہو۔

جس طرح تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار کی خصلت ہے یونہی تدبیر کو محض عبث و مطرود وفضول و مردود بتانا کسی کھلے گمراہ یا سچے مجنون کا کام ہے جس کی رو سے صدہا آیات واحادیث سے اعراض اور انبیاء و صحابہ وائمہ واولیاء سب پر طعن واعتراض لازم آتا ہے۔ حضرات مرسلین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم اجمعین (اللہ کے درود وسلام ہوں ان سب پر) سے زیادہ کس کا توکل اور ان سے بڑھ کر تقدیر الٰہی پر کس کا ایمان۔ پھر وہ بھی ہمیشہ تدبیر فرماتے اور اس کی راہیں بتاتے اور خود کسب حلال میں سعی کرکے رزقِ طیب کھاتے۔

(۱) داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے۔ **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت)

"وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ "[1]۔	اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہاری آنچ سے بچائے، تو کیا تم شکر کروگے۔ ت)

(۲) وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت)

"وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ﴿۱۰﴾ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱﴾ "[2]۔	اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو بے شک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں (ت)

(۳) موسٰی علیہ السلام نے دس برس شعیب علیہ الصلوۃ والسلام کی بکریاں اجرت پر چرائیں۔ **قال تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ ت)

"قَالَ اِنِّیْۤ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى ابْنَتَیَّ هٰتَيْنِ عَلٰۤى اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَ مَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِیْۤ	کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی دونوں بیٹیوں میں سے ایک تمہیں بیاہ دوں اس مہر پر کہ تم آٹھ برس میری ملازمت کرو، پھر اگر پورے دس برس کرلو تو تمہاری طرف سے ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/۸۰

[2] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۰و۱۱

اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ ذٰلِکَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکَ ؕ اَیَّمَا الۡاَجَلَیۡنِ قَضَیۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَیَّ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ ﴿۲۸﴾ فَلَمَّا قَضٰی مُوۡسَی الۡاَجَلَ وَ سَارَ بِاَہۡلِہٖۤ "الایۃ[1]۔	نہیں چاہتا قریب ہے اِن شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔ موسٰی نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان اقرار ہو چکا میں ان دونوں میں جو میعاد پوری کردوں تو مجھ پر کوئی مطالبہ نہیں اور ہمارے اس کہے پر اللہ کا ذمہ ہے پھر جب موسی نے اپنی میعاد پوری کردی اور اپنی بیوی کو لے کر چلا۔ (ت)

خود حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت امّ المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مال بطور مضاربت لے کر شام کو تشریف فرما ہوئے۔ حضرت امیر المومنین عثمان غنی وحضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہما بڑے نامی گرامی تاجر تھے۔ حضرت امام اعظم قدس سرہ الاکرم بزاری کرتے، بلکہ ولید منکر تدبیر خود کیا تدبیر سے خالی ہوگا ہم نے فرض کیا کہ وہ زراعتِ تجارت، نوکری حرفت کچھ نہ کرتا ہو آخر اپنے لیے کھانا پکاتا یا پکواتا ہوگا۔ آٹا پیسنا، گوندھنا، پکانا یہ کیا تدبیر نہیں؟ یہ بھی جانے دیجئے اگر بغیر اس کے سوال یا اشارہ وایماکے خود بخود پکی پکائی اسے مل جاتی ہو، تاہم نوالہ بنانا، منہ تک لانا، چبانا نگلنا یہ بھی تدبیر، تدبیر کو معطل کرے تو اس سے بھی باز آئے کہ تقدیر الٰہی میں زندگی لکھی ہے بے کھائے جئے گا یا قدرتِ الٰہی سے پیٹ بھر جائے گا یا خود بخود کھانا معدے میں چلا جائے گا۔ ورنہ ان باتوں سے بھی کچھ حاصل نہ ہوگا۔ کہ مذہب اہلسنت میں نہ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ نہ کھانا بھوک کھوتا ہے۔ بلکہ یہ سب اسباب عادیہ میں ہیں جن سے اللہ تعالٰی نے مسببات کو مربوط فرمایا اور اپنی عادت جاریہ کے مطابق ان کے بعد سیری وسیرابی فرماتا ہے۔ وہ نہ چاہے تو گھڑے چڑھائے، دھڑیوں کھا جائے۔ عـــہ۱ کچھ مفید نہ ہوگا۔ آخر مرضِ استسقاء وجوع البقر عـــہ۲ میں کیا ہوتا ہے۔ وہی کھانا، پانی جو پہلے سیر وسیراب کرتا تھا اب کیوں محض بے کار ہو جاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہے تو بے کھائے پئے بھوک پیاس پاس نہ آئے، جیسے زمانہ دجال میں اہل ایمان کی پرورش فرمائے گا۔ اور ملائکہ کا بے آب وغذا زندگی کرنا کسے نہیں معلوم۔ مگر یہ انسان میں خرقِ عادت ہے جس پر

عـــہ۱: دھڑی: دس سیر یا پانچ سیر کا وزن ۱۲ مصباحی۔

عـــہ۲: جوع البقر: اس بیماری میں کتنا بھی کھائے بھوک نہیں جاتی جس طرح استسقاء میں جس قدر بھی پئے پیاس نہیں جاتی۔ م

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۷تا۲۹

ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھنا جہل وحماقت، یہاں تک کہ اگر تقدیر پر بھروسہ کا جھوٹا نام کرکے خورد ونوش کا عہد کرے اور بھوک پیاس سے مرجائے، بے شک حرام موت مرے اور اللہ تعالٰی کا گنہگار ٹھہرے۔ مرگ بھی تو تقدیر سے ہے، پھر اللہ تعالٰی نے کیوں فرمایا۔

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"۔[1]	اپنے ہاتھوں اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گرچہ مردن مقدر است ولے　　　تو مرو در دہان اژدہا[2]

(اگرچہ موت مقدر ہے لیکن از خود اژدہوں اور سانپوں کے منہ میں نہ جا۔ت)

ہم نے مانا کہ ولید اپنے دعوے پر ایسا مضبوط ہو کہ یک لخت ترک اسباب کرکے پیمانِ واثق (پکا عہد) کرلے کہ اصلاً دست و پانہ ہلائے نہ اشارۃً نہ کنایۃً کسی تدبیر کے پاس جائے گا خدا کے حکم سے پیٹ بھرے تو بہتر ورنہ مرنا قبول، تاہم اللہ تعالٰی سے سوال کرے گا یہ کیا تدبیر نہیں کہ دعا خود موثر حقیقی کب ہے؟ صرف حصول مراد کا ایک سبب ہے، اور تدبیر کاہے کا نام ہے۔ رب جل جلالہ فرماتا ہے:

(۵) "وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ"۔[3]	تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

وہ قادر تھے کہ بے دعا مراد بخشے، پھر اس تدبیر کی طرف کیوں ہدایت فرمائی؟ اور وہ بھی اس تاکید کے ساتھ کہ حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔

حدیث ۱:

مَنْ لَّمْ یَدْعُ اللهَ غَضِبَ علیه[4]۔	جو اللہ سے دعا نہ کرے گا اللہ تعالٰی اس پر غضب

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۵

[2]

[3] القرآن الکریم ۴۰/ ۶۰

[4] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الدعاء باب فی فضل الدعا حدیث ۹۲۱۸ ادارۃ القرآن کراچی ۱۰/ ۲۰۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۳، جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۷۳، سنن ابن ماجہ ابواب الدعاء باب فضل الدعاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۸۰، المستدرک للحاکم کتاب الدعاء باب من لم یدع اللہ الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۱

رواہ الائمة احمد فی المسند و ابو بکر بن ابی شیبة و اللفظ له فی المصنف و البخاری فی الادب المفرد و الترمذی فی الجامع و ابن ماجة فی السنن والحاکم فی المستدرك عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	فرمائے گا،(اس کو ائمہ نے روایت کیا احمد نے مسند میں، ابو بکر بن ابی شیبہ نے مصنف میں اور لفظ اسی کے ہیں، بخاری نے ادب المفرد میں ترمذی نے جامع میں، ابن ماجہ نے سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں ابوہریرہ سے۔اللہ تعالٰی ان پر راضی ہو۔ت)

بلکہ خلافت و سلطنت و قضاو جہاد و حدود و قصاص وغیرہا یہ تمام امور شرعیہ عین تدبیر ہیں کہ انتظام عالم و ترویج دین و دفع مفسدین کے لیے اس عالم اسباب میں مقرر ہوئے۔

(۶)وقال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" [1]۔	حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور انکا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت)

(۷)وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔(ت)

"وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ" [2]۔	اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہی اور سارا دین اللہ کا ہو جائے۔(ت)

(۸)وقال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۵۱﴾" [3]۔	اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے مگر اللہ سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔(ت)

(۹)وقال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا	اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجے اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۹

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۱

اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ "[1]۔	لیا جاتا ہے۔(ت)

دیکھو صاف ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ جہاد اسی لیے مقرر ہوا کہ فتنے فرو ہوں اور دین حق پھیلے۔اگر یہ نہ ہوتا تو زمین تباہ ہو جاتی اور مسجدیں اور عبادت خانے ڈھائے جاتے۔**(۱۰) وقال تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

" اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِیْرٌ ؕ "[2]۔	ایسا نہ کروگے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔(ت)

فتنہ کفر کی قوت،اور فساد کبیر ضعف اسلام۔

(۱۱) وقال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

" وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ یّٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ "[3]۔	اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقلمندو کہ تم کہیں بچو۔ت)

یعنی خون کے بدلے خون لوگے تو مفسدوں کے ہاتھ رکیں گے اور بے گناہوں کی جانیں بچیں گی،اور اسی لیے حد جاری کرتے وقت حکم ہوا کہ مسلمان جمع ہو کر دیکھیں تاکہ موجب عبرت ہو۔**(۱۲) قال تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایات)

" وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ "[4]۔	اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو۔(ت)

بلکہ اور ترقی کیجئے تو نماز،روزہ،حج،زکوۃ وغیرہا تمام اعمالِ دینیہ خود ایک تدبیر،اور رضائے الٰہی و ثواب نامتناہی ملنے اور عذاب و غضب سے نجات پانے کے اسباب ہیں۔**(۱۳) قال تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

" وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْیَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىٕكَ كَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْكُوْرًا "[5]۔	اور جو آخرت چاہے اور اس کی سی کوشش کرے اور ہو ایمان والا،تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی۔(ت)

اگرچہ ازل میں ٹھہر چکا کہ:

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۸/ ۷۳

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۷۹

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۲

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۹

"فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۞ "[1]۔	ایک گروہ جنت میں ہے اور ایک گروہ دوزخ میں۔ (ت)

پھر بھی اعمال فرض کیے کہ جس کے مقدر میں جو لکھا ہے اسے وہی راہ آسان، اور اسی کے اسباب مہیا ہو جائیں۔

قال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ۞ "[2]۔	تو بہت جلد ہم اُسے آسانی مہیا کر دیں گے۔ (ت)

وقال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ت)

"فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۞ "[3]۔	تو بہت جلد ہم اُسے دشواری مہیا کر دیں گے۔ (ت)

حدیث ۲: اسی لیے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دوزخی، جنتی سب لکھے ہوئے ہیں، اور صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! پھر ہم عمل کا ہے کو کریں، ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھیں۔ کہ جو سعید ہیں آپ ہی سعید ہوں گے اور جو شقی ہیں ناچار شقاوت پائیں گے۔ فرمایا: نہیں بلکہ عمل کیے جاؤ کہ ہر ایک جس گھر کے لیے بنا ہے اُسی کا راستہ اُسے سہل کر دیتے ہیں، سعید کو اعمالِ سعادت کا اور شقی کو افعالِ شقاوت کا۔ پھر حضور نے یہی دو آیتیں تلاوت فرمائیں۔

اخرجه الائمة احمد والبخاری و مسلم وغیرہم عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجهه قال: کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی جنازة فاخذ شیئا فجعل ینکت به الارض فقال مامنکم من احد الا وقد کتب مقعده من النار ومقعده من الجنة قالوا یارسول اللہ! افلانتکل علی کتابنا وندع	امام احمد، بخاری اور مسلم وغیرہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک تھے، آپ نے کوئی چیز پکڑی اور زمین کو کریدنے لگے اور فرمایا تم میں ایسا کوئی نہیں جس کا ایک ٹھکانہ دوزخ میں اور ایک ٹھکانہ جنت میں نہ لکھا جاچکا ہو۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! کیا ہم تحریر پر بھروسہ کرکے عمل کو چھوڑ نہ دیں۔

[1] القرآن الکریم ۷/۴۲

[2] القرآن الکریم ۷/۹۲

[3] القرآن الکریم ۱۰/۹۲

العمل (زادفی روایۃ فمن کان من اھل السعادۃ فسیصیر الی عمل اھل السعادۃ ومن کان من اھل الشقاء فسیصیر الی عمل اھل الشقاوۃ) قال اعملوا فکل میسر لما خلق لہ امّا من کان من اھل السعادۃ فییسر لعمل اھل السعادۃ واما من کان من اھل الشقاء فییسر لعمل الشقاوۃ ثمّ قراء فاما من اعطٰی واتقٰی وصدّق بالحسنٰی الایۃ[1]۔	(ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ جو اہلِ سعادت میں سے ہے وہ عنقریب اہل سعادت کے عمل کی طرف اور جو اہل شقاوت میں سے ہے وہ عنقریب اہلِ شقاوت کے عمل کی طرف راغب ہوگا) آپ نے فرمایا: عمل کرتے رہو ہر کسی کو وہی میسر ہوگا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا، جو اہلِ سعادت میں سے ہوگا اس کو اہلِ سعادت کا عمل اور جو اہل شقاوت میں سے ہوگا اس کو اہلِ شقاوت کا عمل میسر ہوگا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو وہ جس نے دیا اور پرہیزگاری کی اور سب سے اچھی چیز کو سچ مانا (ت)

یہاں سے ظاہر ہوا کہ اگر تدبیر مطلقاً مہمل (بے کار) ہو تو دین و شرائع (قوانین شرع) وانزالِ کتب (کتابیں اتارنا) وارسالِ رُسُل (رسولوں کو بھیجنا) و اِتیانِ فرائض (فرائض کا کرنا) واجتناب محرمات (حرام کاموں سے بچنا) معاذاللہ! سب لغو و فضول و عبث ٹھہریں۔ آدمی کی رسی کاٹ کر بجار (آزاد چھوٹا ہوا سانڈ) کردیں۔ دین و دنیا سب یکبارگی برہم ہوجائیں۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی و عظمت والے خدا کی طرف سے، ت) نہیں نہیں بلکہ تدبیر بے شک مستحسن ہے، اور اُس کی بہت صورتیں مندوب و مسنون ہیں، جیسے دُعا و دَوا۔

حدیث ۳: دُعا کی حدیثیں تو خود متواتر ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب القدر باب قولہ تعالٰی وکان امر اللہ قدراً مقدوراً قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۷، صحیح مسلم کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الادمی فی بطن امہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۳، مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۰، سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۹، مشکوۃ المصابیح باب الایمان بالقدر الفصل الاول اصح المطابع کراچی ص ۲۰

لَایَرُدُّ القَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ، رواہ الترمذی و ابن ماجہ[1] ۔ والحاکم بسند حسن عن سلمان الفارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	(تقدیر کسی چیز سے نہیں ٹلتی مگر دعا سے (یعنی قضا معلق) (اس کو ترمذی ابن ماجہ اور حاکم نے سند حسن کے ساتھ سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

(حدیث ۴): دوسری حدیث میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایغنی حذر من قدر، والدعاء ینفع مما نزل ومما لم ینزل ان البلاء ینزل فیتلقاہ الدّعاء فیعتلجان الٰی یوم القیمۃ رواہ الحاکم[2] والبزار والطبرانی فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قال الحاکم صحیح الاسناد وکذا قال[3]۔	تقدیر کے آگے احتیاط کی کچھ نہیں چلتی، اور دعا اس بلا سے جو اتر آئی اور جو ابھی نہیں اتری دونوں سے نفع دیتی ہے، اور بے شک بلا اترتی ہے دعا اس سے جا ملتی ہے دونوں قیامت تک کشتی لڑتی رہتی ہیں، یعنی بلا کتنا ہی اترنا چاہے دعا اسے اترنے نہیں دیتی۔ (اس کو حاکم، بزار اور طبرانی نے اوسط میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ حاکم نے کہا اس کا اسناد صحیح ہے اور یونہی ہے کہا۔(ت)

جسے دعا کے بارے میں احادیث مجملہ ومفصلہ وکلیہ وجزئیہ دیکھنا ہوں وہ کتاب الترغیب وحصن وعدہ وصلاح وغیرہا تصانیف علماء کی طرف رجوع کرے۔

(حدیث ۵) اور ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

تداووا عباد اللہ فان اللہ	خدا کے بندو! دوا کرو کہ اللہ تعالٰی نے کوئی بیماری

[1] جامع الترمذی ابواب القدر باب ماجاء لایرد القدر الاّ الدعاء امین کمپنی دہلی ۲/ ۳۶، سنن ابن ماجہ باب فی القدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰، المستدرک للحاکم کتاب الدعا لایرد القدر الا الدعا دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۳

[2] المستدرک للحاکم کتاب الدعاء ینفع الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۲، المعجم الاوسط حدیث ۲۵۱۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۲۴۲

[3] المستدرک للحاکم کتاب الدعا الدعاء ینفع الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۴۹۲

لم یضع داءً اِلاّ وضع له دواء غیر داءٍ واحد الھرم، اخرجه احمد وابو داؤد[1] والترمذی والنسائی وابن ماجة وابن حبان والحاکم عن اسامة بن شریك رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح۔	ایسی نہ رکھی جس کی دوانہ بنائی ہو مگر ایک مرض یعنی بڑھاپا، (اس کو احمد، ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے اسامہ بن شریک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔ت)

اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استعمالِ دوا فرمانا اور امُت مرحومہ کو صدہا امراض کے علاج بتانا بکثرت احادیث میں مذکور، اور طبِّ نبوی و سِیرَ وغیرہما فنون حدیثیہ میں مسطور (لکھاہوا) اور تدبیر کی بہت صورتیں فرض قطعی ہیں، جیسے فرائض کا بجالانا، محرمات سے بچنا، بقدر سدرمق (جان بچانے کی مقدار) کھانا کھانا، پانی پینا، یہاں تک کہ اس کے لیے بحالتِ مخمصہ (جان لیوا بھوک) شراب و مردار کی اجازت دی گئی۔

(حدیث ۶): اسی طرح جان بچانے کی کل تدبیریں اور حلال معاش کی سعی وتلاش جس میں اپنے اور اپنے متعلقین کے تن پیٹ کی پرورش ہو۔ حدیث میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

طَلَبُ کَسْبِ الْحَلَالِ فَرِیْضَةٌ بَعْدَ الفریضةِ اخرجه الطبرانی فی الکبیر[2] والبیھقی فی شعب الایمان والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن مسعود	آدمی پر فرض کے بعد دوسرا فرض یہ ہے کہ کسبِ حلال کی تلاش کرے (طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے شعب الایمان میں اور دیلمی نے مسندِ فردوس میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ

[1] جامع الترمذی ابواب الطب باب ماجاء فی الدداء والحث علیہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۵، سنن ابی داؤد کتاب الطب باب الرجل یتداوی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۳، سنن ابن ماجه ابواب الطب باب ما انزل الله داء الا انزل له شفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵۳، مسند احمد بن حنبل حدیث اُسامة بن شریک المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۷۸، موارد الظمآن کتاب الطب حدیث ۱۳۹۵ المطبعة السلفیة ص ۳۳۹

[2] شعب الایمان حدیث ۸۷۴۱ دار المعرفة بیروت ۶/ ۴۲۰، الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۳۹۱۸ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۴۴۱، کنز العمال برمز طب، ق حدیث ۹۲۳۱ مؤسسة الرسالة بیروت ۴/ ۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج فرمائی (ت)۔

(حدیث ۷): اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ اخرجه الدیلمی [1] بسندٍ حسنٍ عن انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	طلبِ حلال ہر مسلمان پر واجب ہے (دیلمی نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

حدیث ۸: اسی لیے احادیث میں حلال معاش کی طلب وتلاش کی بہت فضیلتیں وارد۔

مسند احمد وصحیح بخاری میں ہے حضور پُرنور سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما اکل احد طعاما قط خیرًا من ان یاکل من عمل یدہ و ان نبی الله داؤد کان یاکل من عمل یدہ، واخرجاہ عن مقدام [2] بن معدیکرب رضی الله تعالٰی عنه۔	کبھی کسی شخص نے کوئی کھانا اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر نہ کھایا اور بے شک نبی اللہ داؤد علیہ الصلوۃ والسلام اپنی دستکاری کی اُجرت سے کھاتے (ان دونوں نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کی تخریج کی۔ت)

حدیث ۹: اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اطیب ما اکلتم من کسبکم اخرجه البخاری فی التاریخ [3] والدارمی وابوداؤد والترمذی والنسائی عن ام المؤمنین الصدیقة بسندٍ صحیح۔	سب سے زیادہ پاکیزہ کھانا وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھاؤ۔ (امام بخاری نے تاریخ، دارمی، ترمذی اور نسائی نے سندِ صحیح کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اس کی تخریج کی۔ت)

I.T. Majlis of Dawateislami

[1] کنز العمال برمز فر عن انس حدیث ۹۲۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۵

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۸، مسند احمد بن حنبل حدیث المقدام بن معدیکرب المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳۱ و ۱۳۲

[3] جامع الترمذی ابواب الاحکام باب ماجاء ان الوالد یاخذ من مال ولدہ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۶۲، سُنن ابی داؤد کتاب البیوع باب الرجل یاکل من مال ولدہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۱، التاریخ الکبیر ترجمہ ۱۳۰۱ دار البازمکۃ المکرمۃ ۱/ ۴۰۷، سُنن الدارمی کتاب البیوع حدیث ۲۵۴۰ نشر السنۃ ملتان ۲/ ۱۶۲

حدیث ۱۰ تا ۱۳: کسی نے عرض کیا: یارسول اللہ **!اَیُّ الکسبِ افضل** ؟ سب سے بہتر کسب کون سا ہے ؟ فرمایا: **عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور**۔ اپنے ہاتھ کی مزدوری اور ہر مقبول تجارت کہ مفاسد شرعیہ سے خالی ہو۔

اخرجه الطبرانی [1]۔ فی الاوسط والکبیر بسند الثقات عن عبد اللہ بن عمر ،وھو فی الکبیر واحمد والبزار عن ابی بردۃ بن خیار ،وایضًا ھٰذان عن رافع بن خدیج ،والبیھقی عن سعید بن عمیر مرسلًا والحاکم عن امیر المومنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	اس کی تخریج کی سند ثقات کے ساتھ طبرانی نے اوسط وکبیر میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ،اور طبرانی نے ہی کبیر میں اور احمد وبزار نے ابوبردہ بن خیار سے ، نیزان دونوں نے رافع بن خدیج سے اور بیہقی نے سعید بن عمیر سے مرسلًا اور حاکم نے اُسی سے بحوالہ امیر المومنین عمر فاروق روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (ت)

حدیث ۱۴: اور وارد کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ یحب المومن المحترف۔ اخرجه الطبرانی فی الکبیر [2]۔ والبیھقی فی الشعب وسیدی محمد الترمذی فی النوادر عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	بے شک اللہ تعالٰی مسلمان پیشہ ور کو دوست رکھتا ہے۔ (طبرانی نے کبیر ، بیہقی نے شعب اور سید محمد ترمذی نے نوادر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تخریج کی۔ت)

حدیث ۱۵تا۱۷: اور مروی کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من امسٰی کالًّا من عمل یدہ امسٰی مغفورا له اخرجه الطبرانی۔ [3] فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقة	جسے مزدوری سے تھک کر شام آئے اس کی وہ شام شامِ مغفرت ہو۔ اس کی تخریج کی طبرانی نے اوسط میں ام المومنین سیدہ صدیقہ

[1] الترغیب والترہیب کتاب البیوع الترغیب فی الاکتساب بالبیع مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۲۳ الدر المنثور تحت آیۃ ۲/ ۲۶۸ منشورات مکتبہ آیۃ العظمی قم ایران ۱/ ۳۶۵، شعب الایمان حدیث ۱۲۲۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۴

[2] شعب الایمان حدیث ۱۲۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۸

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۵۱۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۲۵۷

ومثل ابی القاسم الاصبھانی عن ابن عباس و ابن عساکر عنه وعن انس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	سے اور مثل ابوالقاسم اصبہانی نے ابن عباس سے، اور ابن عساکر نے ابن عباس اور انس سے، اللہ تعالٰی ان سب پر راضی ہو۔ت)

حدیث ۱۸: اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

طوبی لمن طاب کسبه، الحدیث، اخرجه البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الکبیر [1] والبیهقی فی السنن و البغوی و الباوردی وابناء قانع و شاہین ومندة کلھم عن رکب المصری رضی اللہ تعالٰی عنه فی حدیث طویل قال ابن عبدالبر حدیث حسن قلت ای لغیرہ۔	پاک کمائی والے کے لیے جنت ہے (اس کی تخریج کی بخاری نے تاریخ میں، طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے سنن میں اور بغوی و باوردی اور قانع، شاہین و مندہ کے بیٹوں نے رُکب مصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک طویل حدیث میں اس کو روایت کیا، ابن عبدالبر نے کہا یہ حدیث حسن ہے، میں کہتا ہوں یعنی حسن لغیرہ ہے۔ت)

حدیث ۱۹ و ۲۰: ایک حدیث میں آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

الدنیا حُلوة خضرة، من اکتسب منها مالًا فی حِلّه و انفقه فی حقّه اثابه اللہ علیه واوردہ جنّته الحدیث، اخرجه البیهقی فی الشعب [2] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنهما قلت والمتن عندالترمذی عن خولة بنت قیس امراءة سیّدنا حمزة بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنهم بلفظ ان ھٰذاالمال خضرة	دنیا دیکھنے میں ہری، چکھنے میں میٹھی ہے یعنی بظاہر بہت خوشنما و خوش ذائقہ معلوم ہوتی ہے جو اسے حلال وجہ سے کمائے اور حق جگہ پر اٹھائے اللہ تعالٰی اسے ثواب دے اور اپنی جنت میں لے جائے (اس کی تخریج کی بیہقی نے شعب میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، میں کہتا ہوں اور متن ترمذی کے نزدیک خولہ بنت قیس زوجہ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ان لفظوں کے ساتھ ہے کہ یہ مال سبز و میٹھا

[1] الترغیب والترھیب کتاب البیوع الترغیب فی طلب الحلال مصطفی البابی مصر ۲/ ۵۴۷

[2] شعب الایمان حدیث ۵۵۲۷ دارالکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۳۹۶

حُلوۃ فمن اصابہ بحقّہ بُورك لہ فیہ. الحدیث قال الترمذی حسن صحیح۔[1] **قلت** واصلہ عن خولۃ عند البخاری مختصرًا۔	دکھائی دیتا ہے، چنانچہ جو اُسے حق جگہ پر پہنچائے اس کے لیے اس میں برکت دی جاتی ہے، الحدیث۔ ترمذی نے کہا یہ حسن صحیح ہے، **میں کہتا ہوں** اس کی اصل بخاری کے نزدیک خولہ سے ہے۔ اختصار۔ ت)

حدیث ۲۱: اور مذکور کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان من الذنوب ذنوبا لایکفر ھا الصّلوۃ ولا الصیام ولا الحج ولا العمرۃ. یکفرھا الھموم فی طلب المعیشۃ. رواہ ابن عساکر وابو نعیم۔[2] فی الحلیہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ نہ نماز ہو نہ روزے نہ حج نہ عمرہ، ان کا کفارہ وہ پریشانیاں ہوتی ہیں جو آدمی کو تلاشِ معاشِ حلال میں پہنچتی ہیں۔ (اس کو روایت کیا ابن عساکر نے اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔ ت)

حدیث ۲۲: صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم نے ایک شخص کو دیکھا کہ تیز وچست کسی کام کو جارہا ہے عرض کی: یارسول اللہ! کیا خوب ہوتا اگر اس کی یہ تیزی وچستی خدا کی راہ میں ہوتی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان کان خرج یسعٰی علٰی نفسہ یعفھا فھو فی سبیل اللہ. وان کان خرج یسعٰی علٰی ولدہ صغارا فھو فی سبیل اللہ۔ وان کان خرج یسعٰی علی ابوین شیخین کبیرین فھوفی سبیل اللہ. وان کان خرج یسعٰی ریاءً ومفاخرۃ فھوفی سبیل الشیطان. رواہ الطبرانی[3] عن کعب بن عجرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ و	اگر یہ شخص اپنے لئے کمائی کو نکلا ہے کہ سوال وغیرہ کی ذلت سے بچے تو اس کی یہ کوشش اللہ ہی کی راہ میں ہے، اور اگر اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے خیال سے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں ہے اور اگر اپنے بوڑھے ماں باپ کے لیے نکلا ہے جب بھی خدا کی راہ میں ہے، ہاں اگر ریاء وتفاخر کے لیے نکلا ہے تو شیطان کی راہ میں ہے۔ (اس کو طبرانی نے کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور اس کے

[1] جامع الترمذی ابواب الزہد باب ماجاء فی اخذ المال امین کمپنی دہلی ۲/ ۶۰

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۸۶ مالک بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۳۳۵

[3] المعجم الکبیر حدیث ۲۸۲ المکتبہ الفیصلیہ بیروت ۱۹/ ۱۲۹

رجالہ رجال الصحیح۔	رجال صحیح کے رجال ہیں۔ت)

حدیث ۲۳: اسی لیے ترک کسب سے صاف ممانعت آئی ہے حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس بخیرکم من ترك دنیاہ لاٰخرتہ ولا اٰخرتہ لدنیاہ حتی یصیب منھما جمیعًا فان الدنیا بلاغ الی الاٰخرۃ ولاتکونوا کلاّ علی الناس رواہ ابن عساکر۔[1] عن ابن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تمہارا بہتر وہ نہیں ہے جو اپنی دنیا آخرت کے لیے چھوڑ دے اور نہ وہ جو اپنی آخرت دنیا کے لیے ترک کرے، بہتر وہ ہے جو دونوں سے حصہ لے کہ دنیا آخرت کا وسیلہ ہے، اپنا بوجھ اوروں پر ڈال کر نہ بیٹھ رہو۔(اس کو ابن عساکر نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

انہیں احادیث سے ثابت ہوا کہ تلاش حلال و فکرِ معاش و تعاطیِ اسباب ہر گز منافی توکل نہیں بلکہ عین مرضی الٰہی ہے کہ آدمی تدبیر کرے اور بھروسہ تقدیر پر رکھے۔

حدیث ۲۴و۲۵: اسی لیے جب ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی اپنی اونٹنی یونہی چھوڑ دوں اور خدا پر بھروسہ رکھوں یا اُسے باندھوں اور خدا پر توکل کروں؟ ارشاد فرمایا قیّد و توکّل باندھ دے اور تکیہ خدا پر رکھ۔

بر توکل زانوے اشتر ببند

(اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اونٹنی کے گھٹنے باندھ (ت)

اخرجہ البیہقی۔[2] فی الشعب بسند جیّد عن عمرو بن امیّۃ الضمری والترمذی فی الجامع عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہما واللفظ عندہ اعقلہا وتوکل[3]۔	اس کی تخریج کی بیہقی نے شعب میں سند جید کے ساتھ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ترمذی نے جامع میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اس کے نزدیک لفظ یہ ہیں، اعقلہا و توکل۔

---

[1] کنزالعمال برمز ابن عساکر عن انس حدیث ۶۳۳۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۲۴۰

[2] کنزالعمال برمز ھب عن عمرو بن امیہ حدیث ۵۶۸۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/ ۱۰۳

[3] جامع الترمذی ابواب صفۃ یوم القیمۃ باب منہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۴

دیکھو کیسا صاف ارشاد ہے کہ تدبیر کرو مگر اس پر اعتماد نہ کرلو۔ دل کی نظر تقدیر پر رہے۔

مولانا قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

توکل کن بجنباں پا و دست رزق تو بر تو ز تو عاشق تر است [1]

(توکل کر اور ہاتھ پاؤں حرکت میں لا کہ تیرا رزق تجھ پر تجھ سے زیادہ عاشق ہے۔ت)

خود حضرت عزت جل مجدہ نے قرآن عظیم میں تلاش وتدبیر اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی۔ **(۱۴) قال تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ٘ وَاتَّقُوْنِ یٰۤاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ" [2]۔	اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے، اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو۔ت)

یمن کے کچھ لوگ بے زادِ راہ لیے حج کو آتے اور کہتے ہم متوکل ہیں، ناچار بھیک مانگنی پڑتی، حکم آیا توشہ ساتھ لیا کرو۔ کچھ اصحاب کرام نے موسمِ حج میں تجارت سے اندیشہ کیا کہ کہیں اخلاصِ نیت میں فرق نہ آئے۔ فرمان آیا کچھ گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل ڈھونڈو۔ اسی طرح تلاشِ فضلِ الٰہی کی آیتیں بکثرت ہیں۔ **(۱۵) وقال تعالٰی** (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت)

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾" [3]۔	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔ت)

صاف حکم دیتے ہیں کہ رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈو تاکہ مراد کو پہنچو۔ اگر تدبیر واسباب معطل و مُہمل ہوتے تو اس کی کیا حاجت تھی۔ بلکہ انصاف کیجئے تو تدبیر کب تقدیر سے باہر ہے، وہ خود ایک تقدیر ہے، اور اس کا بجالانے والا

1

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷و۱۹۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

ہر گز تقدیر سے رُو گرداں نہیں۔

حدیث ۲۶: حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی، دوا تقدیر سے کیا نافع ہو گی؟ فرمایا:

الدّوامن القدر، ینفع من یشاء بماشاء رواہ ابن السنی[1] فی الطب والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما وصدرہ عنہ عند ابی نعیم والطبرانی فی المعجم الکبیر۔	دوا خود بھی تقدیر سے ہے، اللہ تعالٰی جسے چاہے جس دوا سے چاہے نفع پہنچادیتا ہے۔(اس کو روایت کیا ہے ابن سنی نے طب میں اور دیلمی نے مسند فردوس میں اور اس کی ابتداء ابن عباس سے ابو نعیم کے نزدیک ہے اور طبرانی نے معجم کبیر میں اس کو روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۷: امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ جب بقصدِ شام وادی تبوک میں قریہ سرَغ تک پہنچے سردارانِ لشکر ابوعبیدہ بن الجراح وخالد بن الولید وعمرو بن العاص وغیرہم رضوان اللہ تعالٰی علیہم انہیں ملے اور خبر دی کہ شام میں وبا ہے، امیر المومنین نے مہاجرین وانصار وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بُلا کر مشورہ لیا، اکثر کی رائے رجوع پر قرار پائی امیر المومنین نے بازگشت کی منادی فرمائی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اِفرارا من اللہ کیا اللہ تعالٰی کی تقدیر سے بھاگنا؟ فرمایا:

لو غیرك قالھا یاابا عبیدۃ، نعم، نفرمن قدر اللہ الٰی قدر اللہ ارایت لوکان لك ابل ھبطت وادیا لہ عدوتان احدھما خصبۃ والاخرٰی جدبۃ الیس ان رعیت الخصبۃ رعیتھا بقدر اللہ وان رعیت الجدبۃ رعیتھا بقدر اللہ۔	کاش اے ابوعبیدہ! یہ بات تمہارے سوا کسی اور نے کہی ہوتی (یعنی تمہارے علم وفضل سے بعید تھی) ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر ہی کی طرف بھاگتے ہیں، بھلا بتاؤ تو اگر تمہارے کچھ اونٹ ہوں انہیں لے کر کسی وادی میں اترو جس کے دو کنارے ہوں، ایک سرسبز، دوسرا خشک، تو کیا یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم شاداب میں چراؤ گے تو خدا کی تقدیر سے اور خشک میں چراؤ گے تو خدا کی تقدیر سے۔

[1] کنزالعمال برمز ابن سنی عن ابن عباس حدیث ۲۸۰۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵

اخرجه الائمة مالك[1] واحمد والبخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	اس کی تخریج کی ہے ائمہ یعنی مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے ابنِ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے (ت)

یعنی باآنکہ سب کچھ تقدیر سے ہے پھر آدمی خشک جنگل چھوڑ کر ہرا بھرا چرائی کے لیے اختیار کرتا ہے، اس سے تقدیر الٰہی سے بچنا لازم نہیں آتا، یونہی ہمارا اُس زمین میں نہ جانا جس میں وبا پھیلی ہے یہ بھی تقدیر سے فرار نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ تدبیر ہر گز منافی توکل نہیں، بلکہ اصلاح نیت کے ساتھ عین توکل ہے۔ ہاں یہ بے شک ممنوع ومذموم ہے کہ آدم ہمہ تن تدبیر میں منہمک ہو جائے اور اس کی درستی میں جاوبیجا و نیک وبد و حلال وحرام کا خیال نہ رکھے۔ یہ بات بیشک اُسی سے صادر ہوگی جو تقدیر کو بھول کر تدبیر پر اعتماد کر بیٹھا، شیطان اُسے ابھارتا ہے کہ اگر یہ بن پڑی جب تو کار برآری ہے ورنہ مایوسی و ناکامی، ناچار سب این وآں سے غافل ہو کر اس کی تحصیل میں لہو پانی ایک کر دیتا ہے، اور ذلت وخواری، خوشامد وچاپلوسی، مکرو دغا بازی جس طرح بن پڑے اس کی راہ لیتا ہے، حالانکہ اس حرص سے کچھ نہ ہوگا۔ ہونا وہی ہے جو قسمت میں لکھا ہے۔ اگر یہ علوہمت و صدقِ نیت و پاسِ عزت ولحاظ شریعت ہاتھ سے نہ دیتا رزق کہ اللہ عزوجل نے اپنے ذمے لیا جب بھی پہنچتا، اس کی طمع نے آپ اس کے پاؤں میں تیشہ مارا اور حرص وگناہ کی شامت نے "خَسِرَ الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃَ ؕ"[2]۔ (دنیا وآخرت دونوں کے اندر گھاٹے میں رہا۔ ت) کا مصداق بنایا، اور اگر بالفرض آبرو کھو کر گناہ گار ہو کر دو پیسہ پائے بھی تو ایسے مال پر ہزار تف۔

بئس المطاعم حین الذل تکسبها   القدر منتصب والقدر مخفوض[3]

(بُری خوراک وہ جسے ذلت کی حالت میں حاصل کرو قسمت بُلند بھی ہے اور قسمت پست بھی۔ (ت)

حدیث ۲۸: اسی لیے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الطب باب مایذکر فی الطاعون قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۵۳، صحیح مسلم کتاب السلام باب الطاعون والطیرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۲۹، مؤطا الامام مالک کتاب الجامع باب ماجاء فی الطاعون میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۹۹ و۷۰۰

[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۱۱

3

اَجْمِلُوْا فی طَلَبِ الدُّنْیَا فاِنَّ کُلًّا مُیَسَّر لِمَا کُتِبَ لَه مِنْهَا رواہ ابن ماجۃ[1]۔ والحاکم والطبرانی فی الکبیر و البیہقی فی السنن وابو الشیخ فی الثواب عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ باسنادٍ صحیح واللفظ للحاکم۔	دنیا کی طلب میں اچھی روش سے عدول نہ کرو کہ جس کے مقدر میں جتنی لکھی ہے ضرور اس کے سامان مہیا پائے گا۔ (اس کو روایت کیا ابن ماجہ، حاکم) طبرانی نے کبیر میں، بیہقی نے سُنن میں اور ابوالشیخ نے ثواب میں صحیح اسناد کے ساتھ ابو حمید ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور لفظ حاکم کے ہیں۔ت)

حدیث ۲۹و۳۰: اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

یا ایھاالناس اتقوا واجملوا فی الطلب فانّ نفسًا لن تموت حتی تستوفی رزقھا فان ابطأمنھا فاتقوا اللہ و اجملوا فی الطلب خذوا ماحلّ ودَعُوا ماحرم ، رواہ ابن ماجۃ [2] واللفظ له والحاکم وقال صحیح علٰی شرطھما وبسندٍاٰخر صحیح علٰی شرط مسلم [3] وابن حبّان فی صحیحه کلھم عن جابر بن عبداللہ	اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور طلبِ رزق نیک طور پر کرو کہ کوئی جان دنیا سے نہ جائے گی، جب تک اپنا رزق پورا نہ لے لے، تو اگر روزی میں دیر دیکھو تو خدا سے ڈرو اور رَوش محمود پر تلاش کرو، حلال کرلو اور حرام کو چھوڑو۔ (اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا اور لفظ اُسی کے ہیں، اور حاکم نے روایت کرکے کہا کہ یہ شیخین کی شرط پر صحیح ہے اور ایک دوسری سند کے ساتھ کہا کہ مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔ سب نے

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب البیوع لاباْس بالغنی لمن اتقی دارالفکر بیروت ۲/ ۳، سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الاقتصاد فی طلب المعیشۃ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۵۶، السنن الکبرٰی کتاب البیوع باب الاجمال فی طلب الدنیا دارصادر بیروت ۵/ ۲۶۴، کنزالعمال عن ابی حمید ساعدی حدیث ۹۲۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۲۰، الترغیب والترہیب الترغیب فی الاقتصاد فی طلب الرزق الخ مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۵۳۴

[2] سنن ابن ماجہ ابواب التجارات باب الاقتصاد فی طلب المعیشہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۵۶، المستدرک للحاکم کتاب البیوع لاباْس بالغنی لمن اتقی الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۴

[3] المستدرک للحاکم کتاب البیوع لاباْس بالغنی لمن اتقی الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۴

وبمعناہ عند ابی یعلی بسند حسن ان شاء اللہ تعالٰی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس کے ہم معنٰی ابویعلٰی کے نزدیک اِن شاء اللہ تعالٰی سندِ حسن کے ساتھ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت)

حدیث ۳۱ تا ۳۴: اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان روح القدس نفث فی روعی ان نفسًا لن تموت حتی تستکمل اجلھا وتستوعب رزقھا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملن احدکم استبطاء الرزق ان یطلبہ بمعصیۃ اللہ، فان اللہ تعالٰی لایُنال ماعندہ الا بطاعتہ، اخرجہ ابونعیم فی الحلیۃ[1]۔ واللفظ لہ عن ابی امامۃ الباھلی، والبغوی فی شرح السُّنۃ والبیھقی فی الشعب والحاکم فی المستدرك عن ابن مسعود، و البزار عن حذیفۃ الیمان ونحوہ للطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین غیر ان الطبرانی لم یذکر جبریل علیہ الصلوۃ السلام۔	بے شک رُوح القدس جبریل نے میرے دل میں ڈالا کہ کوئی جان نہ مرے گی جب تک اپنی عمر اور اپنا رزق پورا نہ کر لے، توخدا سے ڈرو اور نیک طریقے سے تلاش کرو، اور خبردار رزق کی درنگی تم میں کسی کو اس پر نہ لائے کہ نافرمانی خدا سے اُسے طلب کرے کہ اللہ کا فضل تو اس کی طاعت ہی سے ملتا ہے۔ (ابونعیم نے حلیہ میں اس کی تخریج کی اور لفظ اسی کے ہیں، بغوی نے شرح السنہ میں، بیہقی نے شعب میں اور حاکم نے مستدرک میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نیز بزار نے حذیفہ بن الیمان سے اور اسی کی مثل طبرانی کی کبیر میں حسن بن امیر المومنین علی سے مروی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین مگر طبرانی نے جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر نہیں کیا۔ت)

حدیث ۳۵: اور مروی ہوا، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

أُطلبُوا الحوائج بعزّۃ الانفس فانّ الامور تجری بالمقادیر رواہ تمام	حاجتیں عزت نفس کے ساتھ طلب کرو کہ سب کام تقدیر پر چلتے ہیں۔ (اس کو تمام نے

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۴۵۷ احمد بن ابی الحواری دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۲۷، شرح السنۃ باب التوکل علی اللہ حدیث ۴۱۱۱ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴/ ۳۰۴

فی فوائدہ وابن عساکر[1] فی تاریخہ عن عبداللّٰہ بن بُسررضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	فوائد میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں عبداللہ بن بُسر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ان سب حدیثوں میں بھی تلاش وتدبیر کی طرف ہدایت فرمائی مگر حکم دیا کہ شریعت وعزت کا پاس رکھو، تدبیر میں بے ہوش و مدہوش نہ ہوجاؤ، دست درکار و دل بایار، تدبیر میں ہاتھ، دل تقدیر کے ساتھ، ظاہر میں ادھر باطن میں ادھر، اسباب کا نام، مسبّب سے کام، یوں بسر کرنا چاہیے، یہی روش ہُدٰی ہے، یہی مرضی خدا، یہی سنتِ انبیاء، یہی سیرت اولیاء **علیھم جمیعا الصلوۃ والثناء** (ان سب کے لیے درود اور ثناء ہو۔ت)

بس اس بارے میں یہی قولِ فیصل وصراطِ مستقیم ہے، اس کے سوا تقدیر کو بھولنا یا حق نہ ماننا، یا تدبیر کو اصلاً مہمل جاننا دونوں معاذ اللہ گمراہی ضلالت یا جنون وسفاہت، **والعیاذ باللہ رب العٰلمین**۔

باب تدبیر میں آیات واحادیث اتنی نہیں جنہیں کوئی حصر کرسکے۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ دعوی کرتا ہے کہ ان شاء اللہ تعالٰی اگر محنت کی جائے تو دس ہزار سے زائد آیات واحادیث اس پر ہوسکتی ہیں مگر کیا حاجت کہ۔ ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

(سورج کی دلیل خود سورج ہے۔ت)

جس مسئلہ کے تسلیم پر تمام جہان کے کاروبار کا دار ومدار، اس میں زیادہ تطویل عبث وبیکار، اسی تحریر میں کہ فقیر نے پندرہ آیتیں اور پینتس حدیثیں جملہ پچاس ۵۰ نصوص ذکر کیے اور صدہا بلکہ ہزارہا کے پتے دیئے، یہ کیا تھوڑے ہیں، انہیں سے ثابت کہ انکارِ تدبیر کس قدر اعلٰی درجہ کی حماقت، اخبث الامراض، اور قرآن وحدیث سے صریح اعراض اور خدا ورسول پر کھلا اعتراض **ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔

ولید پر فرض ہے کہ تائب ہو، اور کتاب وسنت سے اپنا عقیدہ درست کرے، ورنہ بدمذہبی کی شامت سخت جانکاہ ہے **والعیاذ باللہ رب العلمین**، باقی رہا اس کا عربی پڑھانے، علم سکھانے کی نسبت وہ شنیع لفظ کہنا، اگر اِس تاویل کا درمیان نہ ہوتا کہ شاید وہ ان لوگوں پر معترض ہے جو

---

[1] کنزالعمال برمز تمام وابن عساکر عن عبداللہ بن بسر حدیث ۱۶۸۰۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۱۸/۶

دنیا کے لیے علم پڑھاتے ہیں، اور ایسے لوگ بے شک لائقِ اعتراض ہیں، تو صریح کلمہ کفر تھا کہ اس نے علمِ دین کی تحقیر و توہین کی، اور اس سے سخت تر ہے اُس کا خالد کو اس بنا پر کافر کہنا کہ وہ باوجود ایمان تقدیر، تدبیر کو بہتر و مستحسن جانتا ہے، حالانکہ جو اُس کا عقیدہ ہے وہی حق و صحیح ہے، اور ولید کا قول خود باطل و قبیح، مسلمان کو کافر کہنا سہل بات نہیں۔

(حدیث ۳۶ تا ۳۹): صحیح حدیثوں میں فرمایا کہ جو دوسرے کو کافر کہے اگر وہ کافر نہ تھا یہ کافر ہو جائے۔

کما اخرجه الائمة مالك واحمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی عن عبدالله بن عمر، والبخاری عن ابی هریرة واحمد والشیخان عن ابی ذر وابن حبان بسند صحیح عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنهم باسانید عدیدة والفاظ متباٸنة ومعانی متقاربة۔[1]	جیسا کہ اس کی تخریج کی ہے ائمہ کرام یعنی امام مالک، احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی نے عبداللہ بن عمر سے اور بخاری نے ابوہریرہ سے اور احمد اور شیخین نے ابوذر سے اور ابن حبان نے سند صحیح کے ساتھ ابوسعید خدری سے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین متعدد سندوں کے ساتھ جن کے الفاظ مختلف مگر معانی قریب قریب ہیں۔ (ت)

اور اگرچہ اہلِ سنت کا مذہب محقق و منقح یہی ہے کہ ہمیں تاہم احتیاط لازم اور اتنی بات پر حکم تکفیر ممنوع و ناملائم، اور احادیث مذکورہ میں تاویلاتِ عدیدہ کا احتمال قائم۔ مگر پھر بھی صدہا ائمہ مثل امام ابوبکر اعمش و جمہور فقہاء بلخ وغیرہم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم ظاہر احادیث ہی پر عمل کرتے، اور مسلمان کے مکفر کو مطلقاً کافر کہتے ہیں، کما فصّلناہ کل ذلك فی رسالتنا النهی الاكيد عن الصلوة وراء عدی التقلید (جیسا کہ ہم نے اس تمام کی تفصیل اپنے رسالہ النہی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید میں کر دی ہے۔ ت)

تو ولید پر لازم کہ از سر نو کلمہ اسلام پڑھے اور اگر صاحبِ نکاح ہو تو اپنی زوجہ سے تجدید نکاح کرے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال ایمان من قال لاخیہ المسلم یا کفر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷، مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۱۳

فی الدُّرِ المختار عن شرح الوھبانیة للعلامة حَسَنِ الشُّرُنبُلالی مایکون کفرًا اتفاقًا یبطل العمل و النکاح واولادہ اولادُ زنا و ما فیه خِلاف یؤمر بالاستغفار والتوبة وتجدید النکاح[1]۔	دُر مختار میں علامہ حسن شُرنبلالی کی شرح وہبانیہ سے منقول ہے جو بالاتفاق کفر ہو اس سے عمل اور نکاح باطل ہوجائیں گے بلاتجدیدِ ایمان و نکاح اس کی اولاد اولادِ زنا ہوگی، اور جس میں اختلاف ہے قائل کو استغفار، توبہ، تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔ (ت)

حدیث ۴۰: اور جس طرح یہ کلماتِ شنیعہ علانیہ کہے یونہی توبہ و تجدید ایمان کا بھی اعلان چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاعملت سیئة فاحدث عندھا توبة السرّ بالسّرو العلانیة بالعلانیة رواہ الامام احمد فی کتاب الزھد[2] والطبرانی فی المعجم الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنه بسند حسن۔	جب تو کوئی گناہ کرے تو فورًا ازسرنو توبہ کر، پوشیدہ کی پوشیدہ، اور آشکارا کی آشکارا (اس کو امام احمد نے کتاب الزہد میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں سند حسن کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ت)۔

واللہ تعالٰی اعلم

رسالہ التحبیر بباب التدبیر ختم ہوا۔

مسئلہ ۱۲۳: از قصبہ مؤناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ مدرسہ دارالعلوم مرسلہ عبدالرحیم خان ۱۱صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روح پاک ہے یا ناپاک؟ اگر پاک ہے تو بعد مُردن عذاب کیوں ہوتا ہے؟ اور اگر ناپاک ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر میں کیوں داخل ہوا؟

---

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

[2] الزھد لاحمد بن حنبل حدیث ۱۴۱ دارالکتاب العربی بیروت ص ۴۹، المعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

الجواب:

روح اصل خلقت میں پاک ہے، پھر اگر بداعتقاد بداعمال اختیار کیے تو ان سے ناپاک ہوجاتی ہے، جس کے سبب مستحق عذاب ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از سہاور ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اندریں باب کہ ایک صاحب نے دو مضامین ذیل بحوالہ حدیث بیان فرمائے اور اول کو حدیث قدسی کہا مضمون اول یہ ہے کہ اگر تمام مخلوقات کے قلب مثل قلب حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوات والطیبات کے ہوجائیں یا مثل شیطان لعین کے ہوجائیں تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے، کہ مجھ کو مطلق پروا نہیں۔

دوسرا مضمون یہ ہے کہ بروزِ قیامت جنت و دوزخ میں حجت ہوگی۔ دوزخ کہے گی کہ میں محلِ جابرہ وافاخرہ ہوں اور تو محلِ مساکین وغرباء ہے اس لیے میں افضل ہوں یا مستحق اس کی ہوں کہ تمام بنی آدم میرے حوالے ہوں۔ جنت کچھ جواب نہ دے گی، مکالمہ میں کمزور پڑے گی، پس اللہ تعالٰی فیصلہ فرمائے گا کہ تم دونوں کو استحقاقِ حجت کسی طرح نہیں ہے میں جس کو جہاں چاہوں گا بھیجوں گا۔ پس سوال یہ ہے کہ آیا یہ دونوں مضمون اُن صاحب کے صحیح موافق حدیث کے ہیں یا نہیں؟ اور بر تقدیر اول یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ کوئی دوسرا قلب مثل قلب مبارک حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہوجائے، علماء نے تو ایسی احادیث کو جو صاحبِ درمنثور وغیرہ نے حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی ہے درجہ اعتبار سے گرایا ہے، اور نیز دوسرے مضمون میں جابرہ وافاخرہ کا ہونا دوزخ کے لیے کب موجبِ فضیلت وفوقیت ہوسکتا ہے کہ وہ مشرکین وکفار ہوں گے، امید کہ جواب باصواب عنایت ہو کہ ایک جماعت مسلمین کا شک رفع ہو، بینوا توجروا، (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ ت)

الجواب:

حدیث اول میں ہرگز نامِ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہیں بلکہ یوں ہے کہ:

علی اتقی قلب رجل واحد منکم[1]۔	تم میں کا جو بڑا پرہیزگار شخص ہو اس کے دل پر ہو جائیں۔

[1] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۹

اور فرض کے لیے امکان شرط نہیں۔قال اللہ تعالٰی:

"قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ "[1]۔	تم فرماؤ اگر بفرضِ محال رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا(ت)

حدیث تو لفظ لَوۡ سے ہے کہ:

لو ان اولکم واٰخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی[2]۔	اگر تمہارے پہلے، پچھلے انسان،اور جن سب سے بڑے پرہیزگار کے دل پر ہو جائیں۔الخ(ت)

اور آیہ کریمہ میں تو لفظ ان ہے،بیان حدیث دوم میں غلط ہے کہ حجت روزِ قیامت ہوگی اور یہ بھی غلط کہ تمام بنی آدم میرے حوالہ ہوں اور یہ بھی غلط کہ جنت کچھ جواب نہ دے گی یا کمزور پڑے گی،اسی طرح بیان حدیث اول میں متعدد اغلاط تھے۔یہ حدیث یوں ہے:

تحاجت الجنۃ والنار فقالت النار اوثرت بالمتکبرین والمتجبرین وقالت الجنۃ فمالی لایدخلنی الا ضعفاء الناس[3]۔الحدیث۔	جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا تو دوزخ نے کہا مجھے متکبروں اور جابروں کے سبب ترجیح دی گئی اور جنت نے کہا مجھے کیا ہے کہ میرے اندر صرف کمزور لوگ داخل ہوتے ہیں،الحدیث (ت)

یہ گزشتہ کی حکایت ہے اُس وقت نار کا علم اُسے محیط ہونا کیا ضرور کہ اس کے لیے کفار و مشرکین ہیں جس طرح جنت کا یہ کہنا بتا رہا ہے کہ اُسے ان کمزوروں کا فضل و تقرب معلوم نہ تھا جب سے معلوم ہوا خود ان کی مشتاق ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۵: از بلوچستان مرسلہ قادر بخش ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

اندریں حکایت علمائے کرام چہ می فرمایند کہ قولے معتبر است آیا واعظ ذکر بکند یا حقیقت است در کدام کتاب	اس حکایت کے بارے میں علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ کیا یہ کسی معتبر قول سے منقول ہے وعظ کرنے والا اس کو اپنے وعظ میں بیان کرسکتا ہے؟

---

[1] القرآن الکریم ۸۱/۴۳

[2] صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۱۹/۲

[3] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورہ ق قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۱۹/۲،صحیح مسلم کتاب الجنۃ باب جھنم اعاذنا اللہ منھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۸۱/۲

ایں نقل است، آن حکایت این است۔	اس کی کوئی حقیقت ہے؟ کون سی کتاب میں منقول ہے؟ حکایت یہ ہے۔

(۱) یک حکایت یاد دارم از رسول   باد مقبول ھمہ اہل قبول

(۲) تا کہ معلوم تو گردد ہمتش   تا چہ حد است امتاں را شفقتش

(۳) بعد ازاں آیم بمدح چار یار   اے برادر یک زمان گوش دار

(۴) جملہ شبہا مصطفٰی بیدار بود   اتفاقاً یک شبے خوابش ربود

(۵) بود اندر خواب تا وقتے نماز   ناگہاں آمد خطابش بے نیاز

(۶) آفریدم من ترا از بہر آں   تا شدی پشت پناہے اُمتاں

(۷) اے محمد خواب تو زیبندہ نیست   ہر کہ در خدمت نباشد بندہ نیست

(۸) چوں بہ پروازی بخوابِ نیم شب   کردم اکنوں امتانت را غضب

(۹) دوزخ اندازم ہمہ از عام و خاص   یک تنے زیشاں نگر دانم خلاص

(۱۰) چوں شنید ایں آیۃ خیر البشر   انت زانجا امتی گویا بدر

(۱۱) رفت زانجا او ندیدہ ہیچ کس   داند او را عالم الاسرار بس

(۱۲) چوں گزشت از دو سہ روز ایں قصہ را   خون دل خوردند یاراں غصہ را

(۱۳) عاقبت روز سوئم بعد از نماز   جملہ پیش عائشہ رفتند باز

(۱۴) چوں بپرسید ندزام مومنین   داد ایشاں را جواب ایں چنیں

(۱۵) گفت او شین شب رسید از حق خطاب   امتاں را آیہ از بہر عذاب

(۱۶) چونکہ ایں آیۃ بگوش او رسید   شد بروں از حجرہ او را کس ندید

(۱۷) آنچناں برخاست از یاراں غریو   لرزہ افتادند اندر جن و دیو

(۱۸) ناگہاں دیدند یک چوبان زدور   یافت زاں چوبان دل ایشاں سرور

(۱۹) پیش او رفتند و پرسیدند ازو   گر خبر داری ز پیغمبر بگو

(۲۰) گفت من کے مصطفٰی را دیدہ ام   بلکہ او را از کسے نشنیدہ ام

(۲۱) لیک سہ روز است پیغام خروش   از میان کوہ میآید بگوش

(۲۲) جانور از نالہ او دل خستہ اند   از چراگاہ دہاں را بستہ اند

(۲۳) ہر زماں از دیدہ می راند آب   بستہ اندازہ راہ دیدہ راہِ خواب

(۲۴) چوں شنیدند ایں خبر راآں گروہ	جملہ آوردند روئے سوئے کوہ
(۲۵) شد نمایاں درمیان کوہ غار	دیدور آن غار آں صدر کبار
(۲۶) سربسجدہ بروہ پیش بے نیاز	باخدائے خویشتن میگفت راز
(۲۷) گریہ میکرد وہمی گفت اے الٰہ	تانہ بخشی امتانم را گناہ
(۲۸) مانہ بردارم سر خود از زمیں	تابروِ حشر عالم ایں چنیں
(۲۹) ایں چنیں می گفت ومی نالہ زار	اشک میبارید چوں ابر بہار
(۳۰) چوں شنیدند ایں خفاش رازور	جملہ را از نالہ اش خون شد جگر
(۳۱) گفت صدیق شفیع المومنین	از کرم بردار سر را از زمین
(۳۲) آنچہ من در عمر طاعت کردہ ام	انچہ در دنیا عبادۃ کردہ ام
(۳۳) آں ثواب از برائے امتاں	دارم اے پیغمبر آخر زماں

الی اخر الحکایت (حکایت کے آخر تک، ت) یہ حکایت رسالہ میلاد غلام شہید میں ہے۔

(ترجمہ حکایت)

(۱) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں مجھے ایک حکایت یاد ہے جو تمام نیک لوگوں میں مقبول ہے۔

(۲) تاکہ تجھے آپ کی ہمتِ اقدس کا پتا چلے کہ امت پر آپ کی کس قدر شفقت ہے۔

(۳) اس کے بعد میں چاروں یاروں کی مدح کی طرف آؤں گا، اے بھائی! تھوڑا سا وقت غور سے سُن،

(۴) مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام راتیں بیدار رہتے، ایک رات اتفاقاً آپ پر نیند غالب آگئی۔

(۵) نماز کے وقت تک آپ نیند میں تھے۔ اچانک آپ کو خدائے بے نیاز کا حکم پہنچا۔

(۶) کہ میں نے آپ کو اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ آپ امت کے پشت پناہ بنیں۔

(۷) اے میرے محبوب (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سونا آپ کو زیب نہیں دیتا، جو خدمت میں مشغول نہ ہو وہ بندہ نہیں ہے۔

(۸) جب آدھی رات کو نیند میں مشغول ہیں تو میں آپ کی اُمت پر غضب نازل کروں گا۔

(۹) ہر خاص وعام کو دوزخ میں ڈالوں گا ان میں سے کسی ایک کو چھٹکارا نہیں دوں گا۔

(۱۰) جب خیر البشر (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے یہ آیت سنی تو فوراً وہاں سے امتی کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

(۱۱)وہاں سے آپ تشریف لے گئے، کسی نے آپ کو نہیں دیکھا،آپ کے بارے میں فقط چھپی باتیں جاننے والے کو علم تھا۔

(۱۲)اس قصّہ کو جب دو تین دن گزر گئے آپ کے دوست یعنی صحابہ کرام غم سے دل کا خون پیتے رہے۔

(۱۳)آخر کار تیسرے دن نماز کے بعد تمام صحابہ کرام سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس گئے۔

(۱۴)جب انہوں نے اُم المومنین سے پوچھا تو آپ نے انہیں یہ جواب دیا۔

(۱۵)آپ نے کہا کہ پچھلی رات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حق کی طرف سے خطاب ہوا،امت کے عذاب سے متعلق آیت نازل ہوئی۔

(۱۶)جب آپ کے کان مبارک تک یہ آیت پہنچی آپ حجرہ سے باہر چلے گئے کسی نے آپ کو نہیں دیکھا۔

(۱۷)نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دوستوں سے اس قدر شور بُلند ہوا کہ جنوں اور دیوؤں پر لرزہ طاری ہوگیا۔

(۱۸)صحابہ نے اچانک دور سے ایک چرواہے کو دیکھا اس چرواہے کو دیکھنے سے ان کے دلوں کو کچھ چین آیا۔

(۱۹)اس کے پاس پہنچے اور پوچھا اگر پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی تجھے کوئی خبر ہے تو بتا۔

(۲۰)اس نے کہا میں نے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو کب دیکھا ہے بلکہ میں نے ان کے بارے میں کسی سے سُنا بھی نہیں ہے۔

(۲۱)لیکن تین دنوں سے پہاڑ کے درمیان سے شور کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے۔

(۲۲)اس کے رونے سے جانوروں کے دل زخمی ہوگئے ہیں،چراگاہ سے انہوں نے اپنے منہ بند کرلیے ہیں۔

(۲۳)ہر وقت آنکھوں سے آنسو بہاتے ہیں، نیند سے انہوں نے آنکھیں باندھ رکھی ہیں۔

(۲۴)جماعتِ صحابہ نے جب یہ خبر سنی تو ان سب نے اپنا رُخ پہاڑ کی طرف کرلیا۔

(۲۵)پہاڑ کے درمیان ایک غار ظاہر ہوئی،اس غار کے اندر انہوں نے بڑوں کے سردار کو دیکھا۔

(۲۶)بے نیاز کی بارگاہ میں سر سجدہ میں رکھے ہوئے تھے،اپنے خدا سے رازداری میں کہہ رہے تھے۔

(۲۷)فریاد کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ ! جب تک تو میری اُمت کے گناہ نہیں بخشے گا،

(۲۸)میں اپنا سر زمین سے نہیں اٹھاؤں گا،روزِ حشر تک میں اسی طرح روتا رہوں گا۔

(۲۹)اس طرح کہہ رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے، موسم بہار کی طرح آنسو بہہ رہے تھے۔

(۳۰)جب غار کے چمگادڑوں اور صحابہ کرام نے گریہ وزاری کا یہ زور سُنا تو سرکار کے رونے سے سب کے جگر خون ہوگئے۔

(۳۱) صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا اے مومنوں کی شفاعت فرمانے والے ! مہربانی فرمائیں، زمین سے سر اٹھائیں۔
(۳۲) میں نے عمر بھر جو طاعت کی ہے، اور دنیا میں جتنی عبادت کی ہے۔
(۳۳) اس کا ثواب آپ کی اُمت کے لیے دیتا ہوں میں اے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

الجواب:

ایں نقل باطل وبے اصل ست ودرہیچ کتاب معتبر از ونشانے نیست، واللہ تعالٰی اعلم

یہ نقل باطل اور بے اصل ہے، کسی معتبر کتاب میں اس کا نام نشان نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۶: بریلی محلّہ بہاری پور مرسلہ بمعرفت سلطان احمد خاں سائل پیر محمد عبداللہ ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

حالت مندرجہ ذیل کب واقع ہوگی، زہرہ برج حوت میں طالع ہو اور قمر برج سرطان میں بنظر تثلیث زہرہ ہو لیکن بتربیع ومقابلہ مریخ ناظر بزحل نہ ہو۔ امید کہ ماہرانِ علم ہیئت جواب باصواب دیں۔

الجواب:

یہ سائل کی غلطی ہے کہ مریخ تربیع یا مقابلہ سے ناظر زحل نہ ہو بلکہ یہاں مقصود یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی زہرہ کو نظر دشمنی سے نہ دیکھتا ہو کہ تربیع یا مقابلہ ہے زہرہ سے اگر ساقط ہوں اور باہم نظر عداوت رکھتے ہوں کیا حرج ہے، بالجملہ عرض یہ ہے کہ زہرہ برج شرف میں ہو اور قمر اپنے بیت میں اور زہرہ کو بنظر تمام دوستی دیکھتا ہو اور زہرہ مریخ وزحل کی نظر عداوت تربیع ومقابلہ سے محفوظ ہو یہ صورت نہ اس سال ہے نہ سال آئندہ ہے، ہاں وہ کہ سائل نے بیان کیا۔ ۲۷ مارچ ۱۹۲۰ء کو ہوگی زہرہ حوت کے ۱۱ درجہ میں ہوگی قمر سرطان کے ۱۱ درجہ میں کہ پورے ۱۲۰ درجے (ایک سو بیس درجہ) کا فاصلہ اور کامل نظر تثلیث ہے، مریخ عقرب کے ۸ درجے ۶ دقیقے زحل سنبلہ کے ۶ درجے ۶ دقیقے کہ کامل نظر تسدیس نظر نیم دوستی ہے نہ تربیع ہے نہ مقابلہ لیکن زہرہ وزحل کا فاصلہ ۶ برج سے صرف ۵ درجے زائد ہوگا، زہرہ اگرچہ مقابلہ زحل سے منصرف ہو چکی ہے مگر دونوں کے مطرح شعاع ۷ و ۹ درجے کے مجموع کے نصف یعنی ۸ درجے سے فاصلہ کم ہے تو ہنوز حکم مقابلہ باقی ہے تیسرے دن زائل ہوگا جب تک ماہ سرطان سے بھی نکل جائے گا اور تثلیث سے بھی گزر جائے گا، ہاں مریخ اگرچہ زہرہ سے ساقط نہیں مگر تثلیث میں ہے کہ تمام دوستی ہے نہ تربیع ومقابلہ فقط۔

مسئلہ ۱۲۷: از شہر محلہ ملوکپور مسئولہ قدرت علی خان ۱۵ شوال ۱۳۳۸ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ جملہ انبیاء وملائکہ علیہم السلام معصوم ہیں دوسرا شخص کہتا ہے کہ سوائے پنجتن پاک کے کوئی معصوم نہیں۔اور تیسرا شخص کہتا ہے کہ پنجتن پاک کوئی چیز نہیں ہیں سوائے خلفائے راشدین کے۔

الجواب:

پہلے شخص کا قول حق وعقیدہ اہلسنت ہے،اور دوسرے کا قول صریح گمراہی ورفض وکلمہ کفر ہے،اور تیسرے شخص کا قول بدتراز بول میں بھی ایک کھلا پہلو کفر کا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸: از نانگل لکڑی ضلع گورگانوہ ڈاکخانہ ڈھنبہ مسئولہ حافظ غلام کبریا صاحب پیش امام مسجد کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ۔

(۱) زید کہتا ہے اولیاء سے مدد مانگنا دور سے،اور ہر وقت حاضر ناظر سمجھنا شرک ہے،کیونکہ یہ خاص اللہ تعالٰی کی صفت ہے دوسرے کی نہیں،قرآن شریف کا ثبوت دیتا،(نواں پارہ) کہہ دو میں نہیں مالک اپنی جان کا نہ نفع کا نہ ضرر کا۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں کی خاک ہاتھ میں لے کر منہ پر ملنا کیسا ہے؟ طواف قبر اولیاء کا کرنا بعضے کہتے ہیں طواف صرف کعبہ شریف کے واسطے ہے۔

(۳) شیخ عبدالحق نے ترجمہ مشکوۃ میں فرمایا ہے پیغمبروں کی سب دُعا مقبول نہیں ہوتی۔

(۴) خانقاہِ اولیاء پر جمع نہ ہونا حدیث کا ثبوت دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے یااللہ! میری قبر کو عیدگاہ نہ بنائیو۔

(۵) اگر نبی کو غیب داں سمجھے تو کافر ہے کیونکہ ان کو علم عطائیہ ہے وہ غیب نہیں ہوسکتا کیونکہ غیب کے معنی یہ ہیں کہ بے اطلاع کیے معلوم ہو وہ غیب ہے۔

الجواب:

(۱) جس نے کہا کہ دُور سے سننا صرف اُس کی شان ہے اس نے رب عزوجل کی شان گھٹائی وہ پاک ہے اس سے کہ دور سے سُنے،وہ ہر قریب سے قریب تر ہے،دور سے سننا اس کی عطا سے اس کے محبوبوں ہی کی شان ہے،اُسے حاضر وناظر بھی نہیں کہہ سکتے،وہ شہید وبصیر ہے،حاضر وناظر اس کی عطا سے اُس کے محبوب علیہ افضل الصلوۃ والسلام ہیں،کمافی رسائل الشیخ عبدالحق محدث الدہلوی قدس سرہ اُس آیۃ کریمہ سے اس کا کیا ثبوت

ہوا، جھوٹا دعوی کرنا اور قرآن مجید پر اس کی تہمت رکھنا مسلمان کا کام نہیں، نفع وضرر کا مالک بالذات اُس واحد حقیقی کے سوا کوئی نہیں، آیت میں اسی کی نفی ہے، ورنہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں تو فرعون کو مالک نفع و ضرر لکھا ہے۔ پھر محبوبانِ بارگاہِ کا کیا کہنا وہ بے شک اس کی تملیک سے ہمارے نفع وضرر کے مالک ہیں، جس کا بیان آیاتِ واحادیث سے کتاب الامن والعلیٰ میں ہے۔

(۲) مزارات کی مٹی منہ پر ملنا جائز ہے، اور طوافِ تعظیمی صرف کعبہ معظّمہ کا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی سب دُعائیں مستجاب ہیں، مومنین سے حضرت عزت کا وعدہ ہے مجھ سے دعا کرو میں قبول فرماؤں گا، اور اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا، پھر انبیاء تو انبیاء بعض وقت وہ اس اظہار کے لیے کہ یہ امر خلاف مقدر ہے اسے صورت دعا میں ظاہر کرتے ہیں وہ اعلیٰ وجہ پر قبول ہوتی ہیں مگر مطلوب ظاہری واقع نہیں ہوتا نظر ظاہر اسے عدم قبول سے تعبیر کرتی ہے، شرح مشکوۃ میں اسی کا ذکر ہے۔

(۴) مزارات اولیاء پر تشریف لے جانا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و خلفائے راشدین سے ثابت ہے اور اس حدیث میں اس کی کہیں ممانعت نہیں، اس کا یہ مطلب ہے کہ میرے مزار کریمہ کو مسلمان عید نہ بنائیں جو سال میں ایک ہی بار آتی ہے بلکہ بکثرت حاضری دیں کہ ان کے گناہ معاف ہوں اور انہیں برکات ملیں، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) غیب وہ ہے کہ بے بتائے معلوم نہ ہوسکے، جو کہے کہ انبیاء کو غیب کے علم نہ دیئے گئے وہ کافر ہے کہ نبوت کا منکر ہے، ائمہ دین فرماتے ہیں:

النبی ھو المطلع علی الغیب [1]	نبی وہی ہے جو غیب پر مطلع ہو۔

عطا سے غیب نہ رہنا آیات کثیرہ کی تکذیب ہے جو کارڈ پر نہیں لکھی جاسکتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳و۱۳۴: از مقام رامہ تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی مرسلہ تاج الدین امام مسجد

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ہے کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معراج کی رات میں بچشم خود اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا۔

---

[1] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۴۷

(۲) حدیث اور آیت اس طور پر نہیں آئی کہ تم لوگ امام صاحب کے مذہب پر چلیں۔ بَیِّنُوْا تُوْجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

(۱) امّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا رؤیت بمعنی احاطہ کا انکار فرماتی ہیں کہ "لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ "[1]۔ سے سند لاتی ہیں اور احادیث صحیحہ میں رؤیت کا اثبات بمعنی احاطہ نہیں کہ اللہ عزوجل کو کوئی شے محیط نہیں ہو سکتی وہی ہر شے کو محیط ہے اور اثبات نفی پر مقدم، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) حدیث اور آیت اس طور پر آئی ہے کہ تمہیں علم نہ ہو تو علماء سے پوچھو۔ امامِ اعظم سردارانِ علماء میں داخل ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۵و۱۳۶: از لاہور مسجد بیگم شاہی اندرون دروازہ مستی مرسلہ صوفی احمد الدین طالب علم ۲۶ صفر ۱۳۳۸ھ

حضرت ہادی ورہنمائے سالکاں قبلہ دوجہاں دام فیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مسائل ذیل میں حضرت کیا فرماتے ہیں۔

(۱) حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر ایک روز خفا ہوئے، اور روافض کہتے ہیں یہی وجہ ہے باغی ہونے کی، پھر ایک کتاب مولانا حاجی صاحب کی تصنیف اعتقاد نامہ ہے جو بچوں کو پڑھایا جاتا ہے اس میں یہ شعر بھی درج ہے: ؎

حق درآنجا بدست حیدر بود — جنگ با او خطا و منکر بود

(حق وہاں حیدر کرار رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاتھ میں تھا ان کے ساتھ جنگ غلط اور ناپسندیدہ تھی)

(۲) امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ نے خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سپرد کی تھی واسطے دفع جنگ کے۔

الجواب:

(۱) روافض کا قول کذب محض ہے، عقائد نامہ میں خطا و منکر بود نہیں ہے بلکہ خطائے منکر بود۔ اہل سنت کے نزدیک امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خطا خطاء اجتہادی تھی، اجتہاد پر طعن جائز نہیں، خطاء اجتہادی دو[۲] قسم ہے، [۱]مقرر و [۲]منکر، مقرر وہ جس کے صاحب کو اُس پر برقرار

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۰۳

رکھا جائے گا اور اُس سے تعرض نہ کیا جائے گا، جیسے حنفیّہ کے نزدیک شافعی المذہب مقتدی کا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا، اور منکر وہ جس پر انکار کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب کوئی فتنہ پیدا ہوتا ہو جیسے اجلہ اصحاب جمل رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ قطعی جنتی ہیں اور ان کی خطاء یقیناً اجتہادی جس میں کسی نام سنیت لینے والے کو محل لب کشائی نہیں، با اینہمہ اس پر انکار لازم تھا جیسا امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے کیا باقی مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں مداخلت حرام ہے،

حدیث میں ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا ذکر اصحابی فامسکوا[1]۔	جب میرے صحابہ کا ذکر آئے تو زبان روکو۔

دوسری حدیث میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ستکون لاصحابی بعد زلۃ یغفرھا اللہ لھم لسابقتھم ثم یاتی من بعد ھم قوم یکبھم اللہ علی مناخرھم فی النار[2]۔	قریب ہے کہ میرے اصحاب سے کچھ لغزش ہو گی جسے اللہ بخش دے گا اُس سابقہ کے سبب جو ان کو میری سرکار میں ہے پھر ان کے بعد کچھ لوگ آئیں گے جن کو اللہ تعالٰی ناک کے بل جہنم میں اوندھا کر دے گا۔

یہ وہ ہیں جو اُن لغزشوں کے سبب صحابہ پر طعن کریں گے۔ اللہ عزوجل نے تمام صحابہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو قرآن عظیم میں دو قسم کیا:

(۱) مومنین قبل فتح مکہ و مومنین بعد فتح۔ اول کو دوم پر تفضیل دی اور صاف فرمادیا "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى"[3]۔ سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرمالیا۔ اور ساتھ ہی ان کے افعال کی تفتیش کرنے والوں کا منہ بند فرمادیا "وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۰﴾"[4]۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرنے والے ہو، بایں ہمہ وہ تم سب سے بھلائی کا وعدہ فرماچکا پھر دوسرا کون ہے کہ ان میں سے کسی کی بات پر طعن کرے، واللہ الہادی، واللہ تعالٰی اعلم

(۲) بے شک امام مجتبی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خلافت سپرد فرمائی۔

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۹۶

[2] المعجم الاوسط حدیث ۳۲۴۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۱۴۲ و مجمع الزوائد ۷/ ۲۳۴

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[4] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

اور اس سے صلح و بندش جنگ مقصود تھی اور یہ صلح و تفویضِ خلافت اللہ و رسول کی پسند سے ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امام حسن کو گود میں لے کر فرمایا تھا:

ان ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین[1]۔	میرا یہ بیٹا سید ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ اس کے سبب سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اگر خلافت کے اہل نہ ہوتے تو امام مجتبٰی ہر گز انہیں تفویض نہ فرماتے نہ اللہ و رسول اسے جائز رکھتے واللہ تعالٰی اعلم۔

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب الحسن والحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۰، مشکوۃ المصابیح باب مناقب اھل بیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطبع مجتبائی دہلی ص ۵۶۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ

اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والاٰل والاصحاب ۱۲۹۸ھ

(احباب کا اعتقاد جمیل (اللہ تعالٰی) مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، آپ کی آل اور اصحاب کے بارے میں)

عقیدہ اُولٰی ۱ ____________ ذات و صفات باری تعالٰی

حضرت حق سبحانہ و تبارک و تعالٰی شانہ واحد ہے۔ (اپنی ربوبیت والوہیت میں، کوئی اس کا شریک نہیں، وہ یکتا ہے اپنے افعال میں، مصنوعات کو تنہا اسی نے بنایا۔ وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں کوئی اس کا قسیم نہیں۔ بیگانہ ہے اپنی صفات میں۔ کوئی اس کا شبیہ نہیں۔ ذات و صفات میں یکتا و واحد مگر) عـــہ نہ عدد سے (کہ شمار و گنتی میں آسکے اور کوئی اس کا ہم ثانی و جنس کہلا سکے تو اللہ کے ساتھ، اس کی

عـــہ: **عرضِ مرتّب:** امام اہلسنت امام احمد رضا خاں صاحب قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ اعتقادالاحباب کی زیارت و مطالعہ سے یہ فقیر جب پہلی بار حال ہی میں شرفیاب ہوا تو معًا خیال آیا کہ بتوفیقہ تعالٰی اسے نئی ترتیب اور اجمالی تفصیل کے ساتھ عامۃ الناس تک پہنچایا جائے تو ان شاء اللہ تعالٰی اس سے عوام بھی فیض پائیں۔ نصرت الٰہی کے بھروسا پر قدم اٹھایا اور بفیضانِ اساتذہ کرام نہایت (باقی برصفحہ آئندہ)

ذات و صفات میں، شریک کا وجود، محض وہم انسانی کی ایک اختراع وایجاد ہے) خالق ہے۔(ہر شے کا، ذوات ہوں خواہ افعال، سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں) نہ علت سے (اس کے افعال نہ علت وسبب کے محتاج، نہ اس کے فعل کے لیے کوئی غرض، کہ غرض اس فائدہ کو کہتے ہیں جو فاعل کی طرف رجوع کرے اور نہ اس کے افعال کے لیے غایت، کہ غایت کا حاصل بھی وہی غرض ہے۔ فعال ہے (ہمیشہ جو چاہے کرلینے والا) نہ جوارح (وآلات) سے (جب کہ انسان اپنے ہر کام میں اپنے جوارح یعنی اعضائے بدن کا محتاج ہے۔ مثلاً علم کے لیے دل و دماغ کا۔ دیکھنے اور سننے کے لیے آنکھ، کان کا، لیکن خداوند قدوس کہ ہر پست سے پست آواز کو سنتا اور ہر باریک سے باریک کو کہ خوردبین سے محسوس نہ ہو دیکھتا ہے، مگر کان آنکھ سے اس کا سننا دیکھنا اور زبان سے کلام کرنا نہیں کہ یہ سب اجسام ہیں۔ اور جسم و جسمانیت سے وہ پاک) قریب ہے۔ (اپنے کمالِ قدرت و علم ورحمت سے) نہ (کہ) مسافت سے (کہ اس کا قرب ماپ و پیمائش میں سما سکے) ملک (وسلطان و شہنشاہ زمین و آسمان) ہے مگر بے وزیر (جیسا کہ سلاطین دنیا کے وزیر باتدبیر ہوتے ہیں کہ اس کے امورِ سلطنت میں اس کا بوجھ اٹھاتے اور ہاتھ بٹاتے ہیں۔)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

قلیل مدت میں اپنی مصروفیات کے باوجود کامیابی سے سرفراز ہوا۔

میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا، اس کا فیصلہ آپ کریں گے، اور میری کوتاہ فہمی وقصور علمی آپ کے خیال مبارک میں آئے تو اس سے اس ہیمچمداں کو مطلع فرمائیں گے۔

اور اس حقیقت کے اظہار میں یہ فقیر فخر محسوس کرتا ہے کہ اس رسالہ مبارکہ میں حاشیے بین السطور اور تشریح مطالب (جو اصل عبارت سے جدا، قوسین میں محدود ہے، اور اصل عبارت خط کشیدہ) جو کچھ پائیں گے وہ اکثر و بیشتر مقامات پر اعلیحضرت قدس سرہ ہی کے کتب ورسائل اور حضرت استاذی واستاذ العلماء صدر الشریعۃ مولٰنا الشاہ امجد علی قادری برکاتی رضوی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہورِ زمانہ کتاب بہارِ شریعت سے ماخوذ وملتقط ہے۔

امید ہے کہ ناظرین کرام اس فقیر کو اپنی دعائے خیر میں یاد فرماتے رہیں گے کہ سفرِ آخرت درپیش ہے اور یہ فقیر خالی ہاتھ، خالی دامن، بس ایک انہیں کا سہارا ہے اور ان شاء اللہ تعالٰی وہی بگڑی بنائیں گے ورنہ ہم نے تو کمائی سب عیبوں میں گنوائی ہے۔

والسلام،

العبد محمد خلیل خاں قادری البرکاتی المارہروی عفی عنہ۔

والی (ہے۔مالک و حاکم علی الاطلاق ہے۔جو چاہے اور جیسا چاہے کرے مگر) بے مشیر (نہ کوئی اس کو مشورہ دینے والا۔نہ وہ کسی کے مشورہ کا محتاج،نہ کوئی اس کے ارادے سے اسے باز رکھنے والا۔ولایت، ملکیت،مالکیت،حاکمیت،کے سارے اختیارات اسی کو حاصل، کسی کو کسی حیثیت سے بھی اس ذات پاک پر دسترس نہیں،ملک و حکومت کا حقیقی مالک کہ تمام موجودات اس کے تحتِ ملک و حکومت ہیں،اور اس کی مالکیت و سلطنت دائمی ہے جسے زوال نہیں) حیات و کلام و سمع و بصر و ارادہ و قدرت و علم (کہ اس کے صفات ذاتیہ ہیں اور ان کے علاوہ تکوین و تخلیق و رزاقیت یعنی مارنا،جلانا،صحت دنیا،بیمار کرنا،غنی کرنا،فقیر کرنا،ساری کائنات کی ترتیب فرمانا اور ہر چیز کو بتدریج اس کی فطرت کے مطابق کمالِ مقدار تک پہنچانا،انہیں ان کے مناسبِ احوال روزی رزق مہیا کرنا) وغیرہا (صفات جن کا تعلق مخلوق سے ہے اور جنہیں صفاتِ اضافیہ اور صفاتِ فعلیہ بھی کہتے ہیں اور جنہیں صفات تخلیق و تکوین کی تفصیل سمجھنا چاہیے،اور صفاتِ سلبیہ یعنی وہ صفات جن سے اللہ تعالٰی کی ذات منزہ اور مبرّا ہے،مثلاً وہ جاہل نہیں عاجز نہیں،بے اختیار و بے بس نہیں، کسی کے ساتھ متحد نہیں جیسا کہ برف پانی میں گھل کر ایک ہو جاتا ہے، غرض وہ اپنی صفاتِ ذاتیہ، صفاتِ اضافیہ اور صفات سلبیہ) تمام صفات کمال سے ازلاً ابداً موصوف (ہے،اور جس طرح اس کی ذات قدیم ازلی ابدی ہے اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں،اور ذات و صفات باری تعالٰی کے سوا سب چیزیں حادث و نوپید،یعنی پہلے نہ تھیں پھر موجود ہوئیں، صفات الٰہی کو جو مخلوق کہے یا حادث بتائے گمراہ بے دین ہے۔اس کی ذات و صفات) تمام شیون (تمام نقائص تمام کوتاہیوں سے) و شین و عیب (ہر قسم کے نقص و نقصان) سے اوّلاً و آخراً بری (کہ جب وہ مجتمع ہے تمام صفات کمال کا جامع ہے ہر کمال و خوبی کا،تو کسی عیب کسی نقص، کسی کوتاہی کا اس میں ہونا محال،بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو نہ نقصان وہ بھی اس کے لیے محال)

ذات پاک اس کی ندّ و ضد (نظیر و مقابل) شبیہ و مثل (مشابہ و مماثل) کیف و کم (کیفیت و مقدار) شکل و جسم و جہت و مکان و امد (غایت و انتہا اور) زمان سے منزّہ (جب عقیدہ یہ ہے کہ ذات باری تعالٰی قدیم ازلی ابدی ہے اور اس کی تمام صفات بھی قدیم ازلی ابدی ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وہ ان تمام چیزوں سے جو حادث ہیں یا جن میں مکانیت ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری طرف نقل و حرکت، یا ان میں کسی قسم کا تغیر پایا جانا، یا اس کے اوصاف کا متغیر ہونا، یا اس کے اوصاف کا مخلوق کے اوصاف کے مانند ہونا، یہ تمام امور اس کے لیے

محال ہیں، یا یوں کہئے کہ ذاتِ باری تعالٰی ان تمام حوادث وحوائج سے پاک ہے جو خاصہ بشریت ہیں) نہ والد ہے نہ مولود (نہ وہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کا بیٹا، کیونکہ کوئی اس کا مجالس وہم جنس نہیں، اور چونکہ وہ قدیم ہے اور پیدا ہونا حادث و مخلوق کی شان) نہ کوئی شے اس کے جوڑ کی (یعنی کوئی اس کا ہمتا کوئی اس کا عدیل نہیں۔ مثل و نظیر و شبیہ سے پاک ہے اور اپنی ربوبیت والوہیت میں صفاتِ عظمت و کمال کے ساتھ موصوف) اور جس طرح ذات کریم اس کی، مناسبتِ ذوات سے مبّرا اسی طرح صفاتِ کمالیہ اس کی، مشابہت صفات سے معرّا (اس کا ہر کمال عظیم اور ہر صفت عالی، کوئی مخلوق کیسی ہی اشرف واعلٰی ہو اس کی شریک کسی حیثیت سے، کسی درجہ میں نہیں ہو سکتی) مسلمان پر لا الٰہ الاّ اللّٰہ ماننا، اللہ سبحانہ وتعالٰی کو واحد، صمد، لاشریك لہ جاننا فرض اول و مدار ایمان ہے کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں کہ لا الٰہ الا اللّٰہ (اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں) نہ صفات میں کہ "لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ"[1]۔ اس جیسا کوئی نہیں، نہ اسماء میں کہ "هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا"[2]۔ کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو؟ نہ احکام میں کہ "وَّ لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا"[3]۔ اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا، نہ افعال میں کہ "هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ"[4]۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق ہے، نہ سلطنت میں کہ "وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ"[5]۔ اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں، تو جس طرح اس کی ذات اور ذاتوں کے مشابہ نہیں یونہی اس کی صفات بھی صفاتِ مخلوق کے مماثل نہیں۔

اور یہ جو ایک ہی نام کا اطلاق اس پر اور اس کی کسی مخلوق پر دیکھا جاتا ہے جیسے علیم، حکیم، کریم، سمیع، بصیر اور ان جیسے اور، تو یہ محض لفظی موافقت ہے نہ کہ معنوی شرکت، اس میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت نہیں ولہذا مثلاً) اوروں کے علم وقدرت کو اس کے علم وقدرت سے (محض لفظی یعنی) فقط ع، ل، م، ق، د، ر، ت میں مشابہت ہے۔ (نہ کہ شرکت معنوی) اس (صوری و لفظی موافقت) سے آگے (قدم بڑھے تو) اس کی تعالٰی وتکبر (برتری وکبریائی) کا سراپردہ کسی کو

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۶۵

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶

[4] القرآن الکریم ۳۵/ ۳

[5] القرآن الکریم ۲۵/ ۲

بار نہیں دیتا۔ (اور کوئی اس شاہی بارگاہ کے ارد گرد بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا کوئی اس میں دخل انداز نہیں) تمام عزتیں اس کے حضور پست (فرشتے ہوں یا جن یا انسان یا اور کوئی مخلوق، کوئی بھی اس سے بے نیاز نہیں، سب اس کے فضل کے محتاج ہیں، اور زبانِ حال و قال سے اپنی پستیوں، اپنی احتیاجوں کے معترف اور اس کے حضور سائل، اس کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلائے ہوئے، اور ساری مخلوقات چاہے، وہ زمینی ہوں یا آسمانی اپنی اپنی حاجتیں اور مرادیں اسی حق تعالٰی سے طلب کرتی ہیں) اور سب ہستیاں اس کے آگے نیست (نہ کوئی ہستی ہستی، نہ کوئی وجود وجود) "كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ" [1]۔ (بقا صرف اس کی وجہ کریم کے لیے ہے باقی سب کے لیے فنا، باقی باقی، باقی فانی) وجود واحد (اسی حیّ و قیوم ازلی ابدی کا) موجود واحد (وہی ایک حی و قیوم ازلی ابدی) باقی سب اعتبارات ہیں (اعتبار کیجئے تو موجود ورنہ محض معدوم) ذراتِ اکوان (یعنی موجودات کے ذرہ ذرہ) کو اس کی ذات سے ایک نسبت مجہولۃ الکیف ہے۔ (نامعلوم الکیفیت) جس کے لحاظ سے من و تو (ماو شماو ایں وآں) کو موجود و کائن کہا جاتا (اور ہست و بود سے تعبیر کیا جاتا) ہے۔ (اگر اس نسبت کا قدم درمیان سے اٹھالیں۔ ہست، نیست اور بود، نابود ہو جائے، کسی ذرہ موجود کا وجود نہ رہے کہ اس پر ہستی کا اطلاق) روا ہو۔) اور اس کے آفتاب وجود کا ایک پرتو (ایک ظل، ایک عکس، ایک شعاع ہے کہ کائنات کا ہر ذرّہ نگاہِ ظاہر میں جلوہ آرائیاں کررہا ہے۔ (اور اس تماشاگاہِ عالم کے ذرہ ذرہ سے اس کی قدرتِ کاملہ کے جلوے ہویدا ہیں) اگر اس نسبت و پرتو سے (کہ ہر ذرہ کون و مکان کو اس آفتاب وجود حقیقی سے حاصل ہے) قطع نظر کی جائے (اور ایک لحظہ کو اس سے نگاہ ہٹالی جائے) تو عالم ایک خوابِ پریشان کا نام رہ جائے، ہو کا میدان عدم بحت کی طرح سنسان (محض معدوم و یکسر ویران، تو مرتبہ وجود میں صرف ایک ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود ہیں، مرتبہ کون میں نور ابدی آفتاب ہے، اور تمام عالم اس کے آئینے اس نسبتِ فیضان کا قدم، درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہو جائے کہ اسی نور کے متعدد پرتوں نے بے شمار نام پائے ہیں، ذات باری تعالٰی واحد حقیقی ہے، تغیر و اختلاف کو اصلاً اس کے سرا پردہ عزت کے گرد بار نہیں۔ پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں، بے شمار نام، بے حساب آثار پیدا ہیں، نورِ احدیت کی تابش غیر محدود ہے۔ اور چشم جسم و چشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں، اور اس سے زیادہ بیان

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۸۸

سے باہر، عقل سے وراء ہے۔)

موجود واحد ہے نہ وہ واحد جو چند (ابعاض واجزاء) سے مل کر مرکب ہوا (اور شے واحد کا نام اس پر روا ٹھہرا) نہ وہ واحد جو چند کی طرف تحلیل پائے (جیسا کہ انسانِ واحد یا شَے واحد کہ گوشت پوست وخون واستخوان وغیرہا اجزاء وابعاض سے ترکیب پا کر مرکب ہوا اور ایک کہلایا اور اس کی تحلیل و تجزی اور تجزیہ، انہیں اعضاء واجزاء وابعاض کی طرف ہوگا جن سے اس نے ترکیب پائی اور مرکب کہلایا کہ یہی جسم کی شان ہے، اور ذاتِ باری تعالٰی عزشانہ جسم وجسمانیات سے پاک ومنزہ ہے۔) نہ وہ واحد جو بہ تہمت حلول عینیّت (کہ اس کی ذات قدسی صفات پر یہ تہمت لگائی جائے کہ وہ کسی چیز میں حلول کیے ہوئے یا اس میں سمائی ہوئی ہے یا کوئی چیز اسکی ذاتِ احدیت میں حلول کیے ہوئے اور اس میں پیوست ہے اور یوں معاذ اللہ وہ) اوج وحدت (وحدانیت ویکتائی کی رفعتوں) سے حضیض اثنینیت (دوئی اور اشتراک کی پستیوں) میں اتر آئے۔ **ھوولاموجود الا ھو** آیۃ کریمہ "سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ" [1]۔ (پاکی اور برتری ہے اسے ان شریکوں سے) جس طرح شرک فی الالوہیت کو رَد کرتی ہے۔ (اور بتاتی ہے کہ خداوند قدوس کی خدائی اور اس معبود برحق کی الوہیت وربوبیت میں کوئی شریک نہیں۔ "وَھُوَالَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الۡاَرۡضِ اِلٰہٌ" [2]۔ وہی آسمان والوں کا خدا اور وہی زمین والوں کا خدا، تو نفسِ الوہیت وربوبیت میں کوئی اس کا شریک کیا ہوتا، اس کی صفاتِ کمال میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ "لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ" [3]۔ اس جیسا کوئی نہیں) یونہی (یہ آیۃ کریمہ) اشتراک فی الوجود کی نفی فرماتی ہے (تو اس کی ذات بھی منزّہ اور اس کی تمام صفات کمال بھی مبرا ان تمام نالائق امور سے جو اہلِ شرک وجاہلیت اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ وجود اسی ذات برحق کے لیے ہے، باقی سب ظلال وپرتو۔

غیرتش غیر در جہاں نہ گزاشت ــــ لاجرم عین جملہ معنی شد

(اور وحدت الوجود کے جتنے معنی اور جس قدر مفاہیم عقل میں آسکتے ہیں وہ یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب اسی کے مظاہر اور آئینے کہ اپنی حدِ ذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۳۰/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۴

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۱۱

رکھتے،اور حاش ثم حاش یہ معنی ہر گز نہیں کہ من و تو،ماوشما،این وآں،ہر شَے خدا ہے،یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔اور پہلی بات مذہب ہے اہلِ توحید کا،کہ اہلِ اسلام وہ صاحبِ ایمان حقیقی ہیں)

عقیدہ ثانیہ ۲ ___________ سب سے اعلیٰ،سب سے اَولیٰ

بایں ہمہ (کہ اُس کی ذاتِ کریم دوسری ذوات کی مناسبت سے معرّا ہے اور اس کی صفاتِ عالیہ اوروں کی صفات کی مشابہت سے مبّرا) اس نے اپنی حکمت کاملہ (و رحمت شاملہ) کے مطابق عالم (یعنی ماسوی اللہ) کو جس طرح وہ (اپنے علم قدیم ازلی سے) جانتا ہے۔ایجاد فرمایا (تمام کائنات کو خلعت وجود بخشا۔اپنے بندوں کو پیدا فرمایا انہیں کان،آنکھ،ہاتھ،پاؤں زبان وغیرہ عطا فرمائے اور انہیں کام میں لانے کا طریقہ الہام فرمایا۔پھر اعلیٰ درجہ کے شریف جوہر یعنی عقل سے ممتاز فرمایا جس نے تمام حیوانات پر انسان کا مرتبہ بڑھایا۔پھر لاکھوں باتیں ہیں جن کا عقل ادراک نہیں کرسکتی تھی۔لہٰذا انبیاء بھیج کر کتابیں اتار کر ذرا ذرا سی بات بتادی۔اور کسی کو عذر کی کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی) اور مکلفین کو (جو تکلیف شرعی کے اہل،امر و نہی کے خطاب کے قابل،بالغ عاقل ہیں) اپنے فضل وعدل سے دو فرقے کردیا "فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ" [1]۔(ایک جنتی و ناجی،جس نے حق قبول کیا) "وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝" [2]۔(دوسرا جہنمی وہالک،جس نے قبولِ حق سے جی چرایا۔) اور جس طرح پر تو وجود (موجود حقیقی جل جلالہ) سے سب نے بہرہ پایا (اور اسی اعتبار سے وہ ہست و موجود کہلایا) اسی طرح فریق جنت کو اس کے صفات کمالیہ سے نصیبہ خاص ملا (دنیا وآخرت میں اس کے لیے فوز وفلاح کے دروازے کھلے اور علم و فضل خاص کی دولتوں سے اس کے دامن بھرے) دبستان (مدرسہ) "عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ" [3]۔(اور دار العلوم "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝" [4] (میں تعلیم فرمایا (کہ جو کچھ وہ نہ جانتا تھا اُسے سکھایا پھر) "وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝" [5]۔نے اور رنگ آمیزیاں کیں (کہ اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم اس پر جلوہ گستر رہا، مولائے کریم نے گوناگوں نعمتوں سے اسے نوازا۔بے شمار فضائل و محاسن سے اسے سنوارا۔قلب و قالب،جسم و جاں،ظاہر و باطن کو رذائل اور خصائل قبیحہ مذمومہ سے پاک صاف اور محامد واخلاق حسنہ سے اسے آراستہ و

---

[1] القرآن الکریم ۴۲ / ۷

[2] القرآن الکریم ۴۲/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳

[4] القرآن الکریم ۹۶/ ۵

[5] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳

پیراستہ کیا۔اور قربِ خداوندی کی راہوں پر اُسے ڈال دیا)اور یہ سب تصدق (صدقہ و طفیل)ایک ذات جامع البرکات کا تھا جسے اپنا محبوب خاص فرمایا۔(مرتبہ محبوبیت کُبرٰی سے سرفراز فرمایا کہ تمام خلق حتّٰی کہ نبی و مرسل وملک مقرب جویائے رضائے الٰہی ہے اور وہ ان کی رضا کا طالب)

مرکز دائرہ(کُن) و دائرہ مرکز کاف ونون بنایا،اپنی خلافت کاملہ کا خلعتِ رفیع المنزلت اُس کے قامتِ موزوں پر سجایا کہ تمام افرادِ کائنات اس کے ظل ظلیل (سایہ ممدورافت)اور ذیل جلیل (دامن معمور رحمت) میں آرام کرتے ہیں۔اعاظم مقربین (کہ اُس کی بارگاہِ عالی جاہ میں قربِ خاص سے مشرف ہیں) (ان) کو (بھی) جب تک اس مامن جہاں (پناہ گاہِ کون و مکان) سے توسّل نہ کریں(انہیں اس کی جناب والا میں وسیلہ نہ بنائیں) بادشاہ(حقیقی عزّاسمہ وجل مجدہ)تک پہنچنا ممکن نہیں کنجیاں،خزائنِ علم و قدرت،تدبر و تصرف کی،اس کے ہاتھ میں رکھیں،عظمت والوں کو مہ پارے(چاندکے ٹکڑے،روشن تارے)اور اس کو اس نے آفتاب عالم تاب کیا کہ اس سے اقتباس انوار کریں(عرفان و معرفت کی روشنیوں سے اپنے دامن بھریں)اور اس کے حضور انا زبان پر (اور اپنے فضائل و محاسن،ان کے مقابل،شمار میں) نہ لائیں اس (محبوب اجل واعلٰی)کے سراپردہ عزت واجلال کو وہ عزت ورفعت بخشی کہ عرش عظیم جیسے ہزاراں ہزار اس میں یوں گم ہو جائیں جیسے بیدائے ناپیدا کنار (وسیع و عریض بیابان، جس کا کنارہ نظر نہ آئے اس) میں ایک شلنگ ذرہ کم مقدار (کہ لق ودق صحرا میں اس کی اڑان کی کیا وقعت اور کیا قدرت و منزلت) علم وہ وسیع و غزیر (کثیر در کثیر) عطا فرمایا کہ علومِ اوّلین وآخرین اس کے بحر علوم کی نہریں یا جوشش فیوض کے چھینٹے قرار پائے (شرق تا غرب،عرش تا فرش انہیں دکھایا،ملکوت السمٰوت والارض کا شاہد بنایا) روزِ اوّل سے روزِ آخر تک کا،سب ماکان ومایکون انہیں بتایا) ازل سے ابد تک تمام غیب وشہادت (غائب و حاضر) پر اطلاع تام (وآگاہی تمام انہیں) حاصل،الا ماشاء اللہ(اور ہنوز ان کے احاطہ علم میں وہ ہزار در ہزار،بے حد وبے کنار سمندر لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت وہ جانیں یا اُن کا عطا کرنے والا اُن کا مالک و مولٰی جل وعلا) بصر (و نظر) وہ محیط (اور اس کا احاطہ اتنا بسیط) کہ شش جہت مقابل (کہ بصارت کو ان پر اطلاع تام حاصل) دنیا اس کے سامنے اٹھالی کہ تمام کائنات تا بروزِ قیامت،آنِ واحد میں پیش نظر (تو وہ دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے دیکھ رہے ہیں جیسے اپنی ہتھیلی کو،اور ایمانی نگاہوں میں نہ یہ قدرت الٰہی

پر دشوار نہ عزت ووجاہت انبیاء کے مقابل بسیار) سمع والا کے نزدیک پانچ سو برس راہ کی صدا جیسے کان پڑی آواز ہے اور (بعطائے قادرِ مطلق) قدرت (واختیارات) کا تو کیا پوچھنا، کہ قدرت قدیر علی الاطلاق جل جلالہ کی نمونہ وآئینہ ہیں، عالم علوی و سفلی (اقطار واطرافِ زمین وآسمان) میں اس کا حکم جاری۔ فرمانروائی کن کو اس کی زباں کی پاسداری، مردہ کو قم کہیں (کہ بحکم الٰہی کھڑا ہو جا تو وہ) زندہ اور چاند کو اشارہ کریں (تو) فوراً دو پارہ ہو۔ جو (یہ) چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ منشورِ خلافت مطلقہ (تامہ، عامہ، شاملہ، کاملہ) و تفویض تام کا فرمان شاہی) ان کے نام نامی (اسم گرامی) پر پڑھا گیا اور سکہ و خطبہ ان کا ملاء ادنی سے عالمِ بالا تک جاری ہوا۔ (تو وہ اللہ عزوجل کے نائب مطلق ہیں اور تمام ماسوی اللہ تمام عالم ان کے تحت تصرف ان کے زیر اختیار، ان کے سپرد کہ جو چاہیں کریں جسے جو چاہیں دیں اور جس سے جو چاہیں واپس لیں تمام جہان میں کوئی ان کا پھیرنے والا نہیں اور ہاں کوئی کیونکر ان کا حکم پھیر سکے کہ حکم الٰہی کسی کے پھیرے نہیں پھرتا۔ تمام جہان ان کا محکوم اور تمام آدمیوں کے وہ مالک، جو انہیں اپنا مالک نہ جانے حلاوتِ سنت سے محروم مل۔ ملکوت السموات والارض ان کے زیر فرمان، تمام زمین اُن کی ملک اور تمام جنت ان کی جاگیر) دنیا ودیں میں جو جسے ملتا ہے ان کی بارگاہِ عرش اشتباہ سے ملتا ہے۔ (جنت و نار کی کنجیاں دستِ اقدس میں دے دی گئیں۔ رزق و خیر اور ہر قسم کی عطائیں حضور ہی کے دربار سے تقسیم ہوتی ہیں۔ دنیا وآخرت حضور ہی کی عطا کا ایک حصہ ہے۔

فانّ من جودك الدنيا وضرّتها [1]

(بے شک دُنیا وآخرت آپ کے جود و سخا سے ہے)

تو تمام ماسوی اللہ نے جو نعمت، دنیاوی واخروی، جسمانی یا روحانی، چھوٹی یا بڑی پائی انہیں کے دستِ عطا سے پائی۔ انہیں کے کرم، انہیں کے طفیل، انہیں کے اسطے سے ملی۔ اللہ عطا فرماتا ہے اور ان کے ہاتھوں ملا، ملتا ہے اور ابدالآباد تک ملتا رہے گا جس طرح دین وملت، اسلام وسنت، صلاح وعبادت، زہد وطہارت اور علم ومعرفت ساری دینی نعمتیں ان کی عطا فرمائی ہوئی ہیں۔ یونہی مال ودولت، شفاء وصحت، عزت ورفعت اور فرزند وعشرت یہ سب دنیاوی نعمتیں بھی انہیں کے دستِ اقدس سے ملی ہیں۔

---

[1] مجموع المتون قصیدۃ بردۃ فی مدحہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الشئون الدینیہ دولۃ قطر ص ۱۰

قال الرضا:ؔ

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے　　　حاشا غلط غلط، یہ ہوس بے بصر کی ہے [1]

وقال الفقیرؔ

بے اُن کے توسُّل کے، مانگے بھی نہیں ملتا　　　بے اُن کے توسط کے، پرسش ہے نہ شنوائی

وہ بالادست حاکم کہ تمام ماسوی اللہ ان کا محکوم اور ان کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں۔ (ملکوت السمٰوات والارض میں ان کا حکم جاری ہے، تمام مخلوقِ الٰہی کو ان کے لیے حکمِ اطاعت وفرمانبرداری ہے وہ خدا کے ہیں، اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا، تیر [2]

جو سر ہے اُن کی طرف جھکا ہوا، اور جو ہاتھ ہے وہ ان کی طرف پھیلا ہوا۔)

سب اُن کے محتاج اور وہ خدا کے محتاج (وہی بارگاہِ الٰہی کے وارث ہیں اور تمام عالم کو انہیں کی وساطت سے ملتا ہے) قرآن عظیم ان کی مدح وستائش کا دفتر (اور) نام ان کا ہر جگہ نامِ الٰہی کے برابر۔

ورفعنالک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر　　　ذکر اونچا ہے ترا، بول ہے بالا تیرا [3]

احکامِ تشریعیہ، شریعت کے فرامین، اوامر و نواہی سب ان کے قبضہ میں، سب ان کے سپرد، جس بات میں جو چاہیں اپنی طرف سے فرمادیں، وہی شریعت ہے، جس پر جو چاہیں حرام فرمادیں، اور جس کے لیے جو چاہیں حلال کردیں، اور جو فرض چاہیں معاف فرمادیں وہی شرع ہے، غرض وہ کارخانہ الٰہی کے مختارِ کل ہیں، اور خُسروانِ عالم اس کے دستِ نگر و محتاج)

[1] حدائقِ بخشش حاضری بارگاہ بہیں جائے حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۹۴

[2] حدائقِ بخشش وصل اول درنعت رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۲

[3] حدائقِ بخشش وصل چہارم، درمنافحت اعداء الخ حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۹

(وہ کون؟) اعنّی سیّد المرسلین (رہبرِ رہبراں)، خاتم النبیین (خاتم پیغمبراں) رحمۃ للعلمین (رحمتِ ہر دو جہاں)، شفیع المذنبین (شافع خطا کاراں،) قائد الغر المحجلین (ہادی نوریاں و روشن جبیناں)، سرّ اللہ المکنون (رب العزت کا راز سربستہ) دُرّ اللہ المخزون (خزانہ الٰہی کا موتی، قیمتی و پوشیدہ) سرور القلب المحزون (ٹوٹے دلوں کا سہارا) عالم ماکان وما سیکون (ماضی و مستقبل کا واقف کار) تاج الاتقیاء (نیکو کاروں کے سر کا تاج) نبی الانبیاء (تمام نبیوں کا سرتاج) محمّد المصطفٰی) رسول رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم الٰی یوم الدین۔

بایں ہمہ (فضائل جمیلہ و فواضل جلیلہ و محاسنِ حمیدہ و محامد محمودہ وہ) خدا کے بندہ و محتاج ہیں (اور یسئلہ من فی السمٰوٰت والارض کے مصداق[1]۔ حاش للہ کہ عینیت یا مثلیت کا گمان (تو گمان یہ وہم بھی ان کی ذاتِ کریمہ، ذاتِ الٰہی عزشانہ کی عین یا اس کے مثل و مماثل یا شبیہ و نظیر ہے) کافر کے سوا مسلمان کو ہوسکے۔ خزانہ قدرت میں ممکن۔ (وحادث و مخلوق) کے لیے جو کمالات متصور تھے (تصور و گمان میں آسکتے تھے یا آسکتے ہیں) سب پائے کہ دوسری کو ہم عنانی (و ہمسری اور ان مراتبِ رفیعہ میں برابری) کی مجال نہیں، مگر دائرہ عبدیت وافتقار (بندگی و احتیاج) سے قدم نہ بڑھا، نہ بڑھا سکے۔ العظمۃ للہ خدائے تعالٰی سے ذات و صفات میں مشابہت (و مماثلت) کیسی۔ (اس سے مشابہ و مماثل ہونے کا شبہ بھی اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل ایمان منزل میں اس کا خطرہ گزرسکے، جب کہ اہل حق کا ایمان ہے کہ حضور اقدس سرور عالم عالم اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم ان احساناتِ الٰہی کا جو بارگاہِ الٰہی سے ہر آن، ہر گھڑی، ہر لحظہ، ہر لمحہ ان کی بارگاہِ بیکس پناہ پر مبذول رہتے ہیں، ان انعامات اور ان) نعمائے خداوندی کے لائق جو شکر و ثناء ہے اسی پورا پورا بجانہ لاسکے نہ ممکن کہ بجالائیں کہ جو شکر کریں وہ بھی نعمت آخر موجب شکر دیگر الٰی مالا نہایۃ لہ نعم وافضال خداوندی (ربّانی نعمتیں اور بخششیں خصوصًا آپ پر) غیر متناہی ہیں۔ ان کی کوئی حد و نہایت نہیں، انہیں کوئی گنتی و شمار میں نہیں لاسکتا۔ قال اللہ تعالٰی "وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ﴿۴﴾"[2]۔ (اے نبی بے شک ہر آنے والا لمحہ تمہارے لیے گزرے ہوئے لمحہ سے بہتر ہے اور ساعت بساعت آپ کے مراتبِ رفیعہ ترقیوں میں ہیں) مرتبہ قاب قوسین

---

[1] القرآن الکریم ۵۵/ ۲۹

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۴

اوادنٰی کا پایا[1]۔ (اور یہ وہ منزل ہے کہ نہ کسی نے پائی اور نہ کسی کے لیے ممکن ہے اس تک رسائی وہ خود ارشاد فرماتے ہیں کہ شب اسرٰی مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا۔)[2]۔ قسم کھانے کو فرق کا نام رہ گیا۔

کمانِ امکاں کے جھوٹے نقطو! تم اول آکر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے، کدھر گئے تھے[3]

دیدارِ الٰہی بچشم سر دیکھا، کلامِ الٰہی بے واسطہ سُنا، (بدن اقدس کے ساتھ، بیداری میں، اور یہ وہ قرب خاص ہے کہ کسی نبی مرسل وملک مقرب کو بھی نہ کبھی حاصل ہوا اور نہ کبھی حاصل ہو)

محملِ لیلٰی (ادراک سے ماوراء) کروڑوں منزل سے کروڑوں منزل (دُور) (اور) خرد خردہ میں (عقل نکتہ دان، دقیقہ شناس) دنگ ہے۔ (کوئی جانے تو کیا جانے اور کوئی خبر دے تو کیا خبر دے) نیا سماں ہے نیا رنگ) (ہوش وحواس ان وسعتوں میں گم اور دامانِ نگاہ تنگ) قُرب میں بعد (نزدیکی میں دوری) بعد میں قرب (دوری میں نزدیکی) وصل میں ہجر (فرقت میں وصال) ع عجب گھڑی تھی کہ وصل وفرقت جنم کے بچھڑے گلے ملے تھے[4]۔

عقل وشعور کو خود اپنا شعور نہیں، دست و پا بستہ خود گم کردہ حواس ہے، ہوش و خرد کو خود اپنے لالے پڑے ہیں وہم و گمان دوڑیں تو کہاں تک پہنچیں، ٹھوکر کھائی اور گرے۔

سراغ این ومتٰی کہاں تھا، نشان کیف والٰی کہاں تھا
نہ کوئی راہی، نہ کوئی ساتھی، نہ سنگ منزل، نہ مرحلے تھے[5]

جس راز کو اللہ جل شانہ ظاہر نہ فرمائے بے بتائے کس کی سمجھ میں آئے اور کسی بے وقار کی کیا مجال کہ درون خانہ خاص تک قدم بڑھائے)

گوہر شناور دریا (گویا موتی پانی میں تیر رہا ہے) مگر (یوں کہ) صدف (یعنی سیپی) نے وہ

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۹

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی و کلم اللہ موسٰی تکلیما قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۲۰

[3] حدائق بخشش معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء الخ حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۱۰۵

[4] حدائق بخشش معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء الخ حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۱۱۰

[5] حدائق بخشش معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء الخ حصہ اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۱۱۰

پردہ ڈال رکھا ہے کہ نم سے آشنا نہیں (قطرہ تو قطرہ، نمی سے بھی بہرہ ور نہیں) اے جاہلِ ناداں، علم (وکنہ حقیقت) کو علم والے پر چھوڑ اور اس میدان دشوار جولان سے (جس سے سلامتی سے گزر جانا جوئے شیر لانا ہے اور سخت مشقتوں میں پڑنا) سمندِ بیان (کلام وخطاب کی تیز وطرار سواری) کی عنان (باگ دوڑ) موڑ (اس والا جناب کی رفعتوں، منزلتوں اور قُربتوں کے اظہار کے لیے) زبان بند ہے پر اتنا کہتے ہیں کہ خلق کے آقا ہیں، خالق کے بندے، عبادت (وپرستش) ان کی کفر (اور ناقابلِ معافی جرم) اور بے ان کی تعظیم کے حبط (برباد، ناقابل اعتبار، منہ پر مار دیئے جانے کے قابل) ایمان ان کی محبت و عظمت کا نام (اور فعل تعظیم، بعد ایمان، ہر فرض سے مقدم) اور مسلمان وہ جس کا کام ہے نامِ خدا کے ساتھ، ان کے نام پر تمام والسلام علٰی خیر الانام والاٰل والاصحاب علی الدّوام۔

عقیدہ ثالثہ ۳ ________ صدر نشینانِ بزم عزّوجاہ

اس جناب عرش قباب کے بعد (جن کے قبّہ اطہر اور گنبدِ انور کی رفعتیں عرش سے ملتی ہیں) مرتبہ اور انبیاء ومرسلین کا ہے۔ صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہم اجمعین کہ باہم ان میں تفاضل (اور بعض کو بعض پر فضیلت) مگر ان کا غیر، گو کسی مرتبہ ولایت تک پہنچے، فرشتہ ہو (اگرچہ مقرب خواہ آدمی صحابی ہو خواہ اہلبیت (اگرچہ مکرم تر و معظم ترین) ان کے درجے تک (اس غیر کو) وصول محال، جو قربِ الٰہی انہیں حاصل، کوئی اس تک فائز نہیں، اور جیسے یہ خدا کے محبوب، دوسرا ہر گز نہیں، یہ وہ صدر (وبالا) نشینانِ بزم عزوجاہ ہیں (اور والا مقامانِ محفل عزت ووجاہت اور مقربانِ حضرت عزت) کہ رب العالمین تبارک وتعالٰی خود ان کے مولٰی و سردار (نبی مختار علیہ الصلوۃ والسلام الٰی یوم القرار) کو حکم فرماتا ہے: "اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ط"[1]۔ (اللّٰہ اللّٰہ! کوئی کیا اندازہ کرسکتا ہے اس مقدس ذات برگزیدہ صفات کا جسے اس کے رب تبارک وتعالٰی نے محامد جمیلہ، محاسنِ جلیلہ، اخلاقِ حسنہ، خصائل محمودہ سے نوازا، سرِ اقدس پر محبوبیت کبرٰی کا تاج والا ابتہاج رکھا، جسے خلافتِ عظمٰی کا خلعت والا مرتبت پہنایا جس کے طفیل ساری کائنات کو بنایا، جس کے فیوض وبرکات کا دروازہ تمام ماسوی اللّٰہ کو دکھایا۔ انہیں سے

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۰

یہ خطاب فرمایا کہ) یہ وہ ہیں جنہیں خدا نے راہ دکھائی تو تو ان کی پیروی کر۔ اور فرماتا ہے: "فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا"[1]۔ تو پیروی کر شریعتِ ابراہیم کی، جو سب ادیانِ باطلہ سے کنارہ کش ہو کر دینِ حق کی طرف جھک آیا۔

(غرض انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام الیٰ یوم الدین میں سے، ہر نبی، ہر رسول بارگاہِ عزت جل مجدہ میں بڑی عزت و وجاہت والا ہے، اور اس کی شان بہت رفیع، ولہٰذا ہر نبی کی تعظیم فرض عین بلکہ اصل جملہ فرائض ہے اور) ان کی ادنٰی توہین مثل سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کفر قطعی (ان میں سے کسی کی تکذیب و تنقیص، کسی کی اہانت، کسی کی بارگاہ میں ادنٰی گستاخی ایسے ہی قطعًا کفر ہے جیسے خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخی و دریدہ دہنی، والعیاذ باللہ تعالٰی) اور کسی کی نسبت، صدیق ہوں خواہ مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما ان (حضرات قدسی صفات) کی خادمی و غاشیہ برادری (اطاعت و فرمانبرداری کہ یہ ان کے پیش خدمت و اطاعت گزار ہیں، اس) سے بڑھا کر (افضیلت و برتری در کنار) دعوی ہم سری (کہ یہ بھی مراتب رفیعہ اور ان کے درجاتِ علیہ میں ان کے ہمسر و برابر ہیں) محض بے دینی (الحاد و زندیقی ہے) جس نگاہِ اجلال و توقیر (تکریم و تعظیم) سے انہیں دیکھنا فرض (ہے اور دائمی فرض) حاشا کہ اس کے سَو حصے سے ایک حصہ (۱۰۰/ ۱) دوسرے کو دیکھیں آخر نہ دیکھا کہ صدیق و مرتضے رضی اللہ تعالٰی عنہما جس سرکارِ ابد قرار (و سّرِ ہر کاز) کے غلام ہیں، اسی کو حکم ہوتا ہے ان کی راہ پر چل اور ان کی اقتداء سے نہ نکل (تا بہ دیگراں چہ رسد)

(اے عقل خبر دار! یہاں مجال دم زدن نہیں)

عقیدہ رابعہ ۴ ________ اعلیٰ طبقہ، ملائکہ مقربین

ان (انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام) کے بعد اعلیٰ طبقہ ملائکہ مقربین کا ہے مثل ساداتنا و موالینا (مثلًا ہمارے سرداروں اور پیش رو مددگاروں میں سے حضرت) جبرائیل (جن کے ذمہ پیغمبروں کی خدمت میں وحی الٰہی لانا ہے) و (حضرت) میکائیل (جو پانی برسانے والے اور مخلوقِ خدا کو روزی پہنچانے پر مقرر ہیں) و (حضرت) اسرافیل (جو قیامت کو صور پھونکیں گے) و (حضرت) عزرائیل (جنہیں قبض ارواح کی خدمت سپرد کی گئی ہے) و حملہ (یعنی حاملان) عرش جلیل، صلوات اللہ وسلامہ علیہم

[1] القرآن الکریم ۳/ ۹۵

اجمعین، ان کے علوِ شان و رفعت مکان (شوکت و عظمت اور عالی مرتبت) کو بھی کوئی ولی نہیں پہنچتا) (خواہ کتنا ہی مقرب بارگاہِ احدیّت ہو) اور ان کی جناب میں گستاخی کا بھی بعینہٖ وہی حکم (جو انبیاء مرسلین کی رفعت پناہ بارگاہوں میں گستاخی کا ہے کہ کفر قطعی ہے ان ملائکہ مقربین میں بالخصوص) جبرئیل علیہ السلام مِن وَجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے استاذ عـــہ ہیں قال تعالٰی "عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۙ" [1]۔ (سکھایا ان کو یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو سخت قوتوں والے طاقتور نے، یعنی جبرائیل علیہ السلام نے جو قوت واجلال خداوندی کے مظہرِ اتم، قوت جسمانی و عقل و نظر کے اعتبار سے کامل وحی الٰہی کے بار کے متحمل، چشم زدن میں سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ جانے والے جن کی دانشمندی اور فراست ایمانی کا یہ عالم کہ تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی بارگاہوں میں وحی الٰہی لے کر نزول اجلال فرماتے اور پوری

عـــہ: قال الامام الفخر الرازی وقوله شديد القوى، فيه فوائد الاولى ان مدح المعلم مدح المتعلم فلو قال علمه جبرائيل ولم يصفه ماكان يحصل للنبي صلى الله تعالى عليه وسلم به فضيلة ظاهرة. الثانية هي ان فيه ردًّا عليهم حيث قالوا اساطير الاولين سمعها وقت سفره الى الشام فقال لم يعلمه احد من الناس بل معلمه شديد القوى [2]۔ الخ ولهذا قال الامام احمد رضا ماقال وهو حق ثابت، والله اعلم۔

العبد محمد خلیل عفی عنہ

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد شدید القوی میں کئی فائدے ہیں، پہلا فائدہ یہ ہے کہ معلم کی مدح متعلّم کی مدح ہوتی ہے، اگر اللہ تعالٰی یوں فرماتا کہ اس کو جبرائیل نے سکھایا ہے، اور وصف شدید القوی سے اس کو متصف نہ فرماتا تو اس سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فضیلت ظاہرہ حاصل نہ ہوتی، دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کہا یہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں جن کو انہوں نے شام کی طرف سفر کے دوران سُن لیا ہے، تو اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انہیں لوگوں میں سے کسی نے نہیں سکھایا ان کا معلم تو شدید القوٰی ہے الخ، اسی لیے امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے جو کہا ہے وہ حقِ ثابت ہے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۵

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۵۳/ ۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۸/ ۲۴۵

دیانتداری سے اس امانت کو ادا کرتے رہے) پھر وہ کسی کے شاگرد کیا ہوں گے جسے ان کا استاذ بنایئے۔ اسے سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا استاذ الاستاذ ٹھہرایئے یہ وہی ہیں جنہیں حق تبارک وتعالیٰ رسول کریم[1]۔ مکین امین۔[2] فرماتا ہے (کہ وہ عزت والے مالک عرش کے حضور بڑی عزت والے ہیں ملاء اعلیٰ کے مقتداء کہ تمام ملائکہ ان کے اطاعت گزار وفرماں بردار، وحیِ الٰہی کے امانت دار، کہ انکی امانت میں کسی کو مجال حرف زدن نہیں پیامِ رسانی وحی میں امکانِ نہ سہو کا نہ کسی غلط فہمی وغلطی کا اور نہ کسی سہل پسندی اور غفلت کا، منصب رسالت کے پوری طرح متحمل، اسرار وانوار کے ہر طرح محافظ، فرشتوں میں سب سے اونچا ان کا مرتبہ ومقام اور قرب قبول پر فائز المرام، وہ صاحبِ عزت واحترام کہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا دوسرے کے خادم نہیں۔ (اور تمام مخلوقات میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ان کا مخدوم ومطاع نہیں۔ اور جنگِ بدر میں فرشتوں کی ایک جمعیت کے ساتھ حضور کے لشکر کا ایک سپاہی بن کر شامل ہونا مشہور، زبان زد خاص وعام) اکابر صحابہ واعاظم اولیاء کو (کہ واسطہ نزول برکات ہیں) اگر ان کی خدمت (کی دولت) ملے دو جہاں کی فخر وسعادت جانیں پھر یہ کس کے خدمت گار یا غاشیہ بردار ہوں گے (اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بادشاہِ کون ومکاں، مخدوم ومطاع ہر دو جہاں ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وبارک وسلم۔

عقیدہ خامسہ ۵ ________ اصحاب سیّد المرسلین واہلِ بیت کرام

ان (ملائکہ مرسلین وساداتِ فرشتگان مقربین) کے بعد (بڑی عزت ومنزلت اور قُرب قبول احدیت پر فائز) اصحابِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اور اُنہیں میں حضرت بتول، جگر پارہ رسول، خاتونِ جہاں، بانوے جہاں، سیدۃ النساء فاطمہ زہرا (شامل) اور اس دو جہاں کی آقا زادی کے دونوں شہزادے، عرش (اعظم) کی آنکھ کے دونوں تارے، چرخ سیادت (آسمانِ کرامت) کے مہ پارے، باغِ تطہیر کے پیارے پھول، دونوں قرۃ العین رسول، امامین کریمین (ہادیانِ باکرامت وباصفا)، سعیدین شہیدین (نیک بخت وشہیدانِ جفا) تقیین نقیین (پاک دامن، پاک باطن) نیرین (قمرین، آفتاب رُخ وماہتاب رُو) طاہرین (پاک سیرت، پاکیزہ خو) ابو محمد (حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۸۱/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۰ و۲۱

امام) حسن و ابو عبداللہ (حضرت امام) حسین، اور تمام مادرانِ اُمت، بانوانِ رسالت (امہات المومنین) ازواج مطہرات) علی المصطفٰی و علیہم کلہم الصلوۃ والتحیۃ (ان صحابہ کرام کے زمرہ میں) داخل کہ صحابی ہر وہ مسلمان ہے جو حالتِ اسلام میں اس چہرہ خدا نما (اور اس ذاتِ حق رسا) کی زیارت سے مشرف ہوا۔او راسلام ہی پر دنیا سے گیا۔ (مرد ہو خواہ عورت، بالغ ہو خواہ نابالغ) ان (اعلٰی درجاتِ والا مقامات) کی قدر و منزلت وہی خوب جانتا ہے جو سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ کی عزت و رفعت سے آگاہ ہے۔ (اس کا سینہ انوارِ عرفان سے منور اور آنکھیں جمال حق سے مشرف ہیں، حق پر چلتا، حق پر جیتا اور حق کے لیے مرتا ہے اور قبول حق اس کا وطیرہ ہے) آفتاب نیمروز (دوپہر کے چڑھتے سورج) سے روشن تر کہ محب (سچا چاہنے والا) جب قدرت پاتا ہے اپنے محبوب کو صحبتِ بد (برے ہم نشینوں اور بدکار رفیقوں) سے بچاتا ہے۔ (اور مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا مانتا ہے کہ) حق تعالٰی قادر مطلق (اور ہر ممکن اس کے تحت قدرت ہے) اور (یہ کہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے محبوب و سید المحبوبین (تمام محبوبانِ بارگاہ کے سردار و سر کے تاج) کیا عقل سلیم (بشرطیکہ وہ سلیم ہو) تجویز کرتی (جائز و گوارہ رکھتی) ہے کہ ایسا قدیر (فعال لمّا یرید جو چاہے اور جیسا چاہے کرے) ایسے عظیم ذی وجاہت، جانِ محبوبی وکانِ عزت (کہ جو ہو گیا، جو ہوگا، اور جو ہو رہا ہے انہیں کی مرضی پر ہوا۔انہیں کی مرضی پر ہوگا اور انہیں کی مرضی پر ہو رہا ہے۔ایسے محبوب ایسے مقبول) کے لیے خیارِ خلق کو) (کہ انبیاء و مرسلین کے بعد تمام خلائق پر فائق ہوں۔ حضور کا صحابی) جلیس و انیس (ہم نشین و غمخوار) و یارو مددگار مقرر نہ فرمائے (نہیں ہرگز نہیں تو جب کہ مولائے قادر و قدیر جل جلالہ نے انہیں، ان کی یاری و مددگاری، رفاقت و صحبت کے لیے منتخب فرمالیا تو اب) جو ان میں سے کسی پر طعن کرتا ہے جناب باری تعالٰی کے کمال حکمت و تمام قدرت (پر الزام نقص و ناتمامی کا لگاتا ہے) یا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی غایت محبوبیت (کمال شانِ محبوبی) و نہایت منزلت (وہ انتہائے عزت وجاہت اور ان مراتب رفیعہ اور مناصب جلیلہ) پر حرف رکھتا ہے۔ (جو انہیں بارگاہِ صمدیت میں حاصل ہیں تو یہ مولائے قدوس تعالٰی شانہ کی بارگاہ میں یا اس کے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب پاک میں گستاخانہ زبان درازی و دریدہ دہنی ہے اور کھلی بغاوت) اسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ اللہ فی اصحابی، لاتتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ط ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ط ومن اذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ ط ومن اذی اللہ فیوشك ان یاخذہ ط۔ خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو میرے اصحاب کے حق میں انہیں نشانہ نہ بنالینا میرے بعد جو انہیں دوست رکھتا ہے میری

محبت سے انہیں دوست رکھتا ہے، اور جو ان کا دشمن ہے میری عداوت سے ان کا دشمن ہے، جس نے انہیں ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی، اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی، اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی اس کو گرفتار کرلے۔ (یعنی زندہ عذاب و بلا میں ڈال دے) رواہ الترمذی[1] وغیرہ۔

اب اے خارجیو، ناصبیو! (حضرت ختنین و امامین جلیلین سے خصوصًا اپنے سینوں میں بغض و کینہ رکھنے اور انہیں چنین و چناں کہنے والو!) کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (مذکورہ بالا) اس ارشاد عام اور جناب باری تعالٰی نے آیۃ کریمہ "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ"[2] سے (کہ اللہ تعالٰی ان سے یعنی ان کی اطاعت و اخلاص سے راضی اور وہ اس سے یعنی اس کے کرم و عطا سے راضی) جناب ذوالنورین (امیر المومنین حضرت عثمان غنی) و حضرت اسد اللہ غالب (امیر المومنین علی بن ابی طالب) و حضرات سبطین کریمین (امام حسن و امام حسین) رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین (کو مستثنٰی کردیا اور اس استثناء کو تمہارے کان میں پھونک دیا ہے) یا اے شیعو! اے رافضیو! ان احکام شاملہ سے (کہ سب صحابہ کو شامل ہیں اور جملہ صحابہ کرام ان میں داخل ہیں۔) خدا و رسول (جل و علا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نے (امیر المومنین خلیفۃ المسلمین) جناب فاروق اکبر (و امیر المومنین کامل الحیاءِ والایمان) حضرت مجہز جیش العسرۃ (فی رضی الرحمٰن عثمان بن عفّان) و جناب ام المومنین، محبوبہ سیّد العالمین (طیبہّ، طاہرہ، عفیفہ) عائشہ صدیقہ بنتِ صدیق و حضرات طلحہ و زبیر و معاویہ (کہ اوّل کے بارے میں ارشاد وارد کہ اے طلحہ! یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے ہولوں میں تمہارے ساتھ رہوں گا[3]۔ اور ثانی کے باب میں ارشاد فرمایا یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ میں روزِ قیامت تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ تمہارے چہرہ سے جہنم کی اُڑتی چنگاریاں دور کردوں گا[4]۔ امام جلال الدین سیوطی جمع الجوامع میں فرماتے ہیں سَنَدُہ صحیح[5]۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اور

[1] جامع الترمذی کتاب المناقب باب فی من سبّ اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۳۸۸۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۶۳، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مغفل المزنی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۵۴ و ۵۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۰

[3] کنزالعمال حدیث ۳۶۷۳۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۲۴۶ و ۲۴۷

[4] کنزالعمال حدیث ۳۳۲۹۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۶۸۳

[5] کنزالعمال حدیث ۳۶۷۳۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۲۴۷

حضرت امیر معاویہ تو اول ملوک اسلام اور سلطنتِ محمدیہ کے پہلے بادشاہ ہیں اسی کی طرف توراۃ مقدس میں اشارہ ہے کہ:

مولدہ بمکّۃ ومھاجرہ طیبۃ وملکہ بالشام۔

وہ نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکہ میں پیدا ہوگا اور مدینہ کو ہجرت فرمائے گا اور اس کی سلطنت شام میں ہوگی۔ (تو امیر معاویہ کی بادشاہی اگرچہ سلطنت ہے، مگر کس کی؟ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی) وغیرھم رضوان اللہ تعالٰی علیہم الٰی یوم الدین کو خارج کردیا اور تمہارے کان میں (اللہ کے رسول نے چپ چاپ) کہہ دیا کہ اصحابی سے ہماری مراد اور آیت میں ضمیر ھم کے مصداق ان لوگوں کے سوا (اور دوسرے صحابہ) ہیں جو تم ان کے اے خوارج (اور اے روافض) دشمن ہوگئے۔ اور عیاذًا باللہ (انہیں) لعن طعن سے یاد کرنے لگے (اور شومئی بخت سے) نہ یہ جانا کہ یہ دشمنی، درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دشمنی ہے اور ان کی ایذاء حق تبارک وتعالٰی کی ایذاء (اور جہنم کا دائمی عذاب جس کی سزا، مگر اے اللہ! تیری برکت والی رحمت اور ہمیشگی والی عنایت اس پاک فرقہ اہل سنت وجماعت پر، جس نے تیرے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب ہم نشینوں اور گلستانِ صحبت کے گل چینوں کو (ہمیشہ ہمیش کسی استثناء کے بغیر) نگاہِ تعظیم واجلال (اور نظرِ تکریم وتوقیر) سے دیکھنا اپنا شعار ودثار (اپنی علامت ونشان) کرلیا اور سب کو چرخ ہدایت کے ستارے اور فلک عزت کے سیّارے جاننا، عقیدہ کرلیا کہ ہر ہر فرد بشر ان کا (بارونیکوکار) سرور عدول واخیار واتقیاء وابرار کا سردار (اور امت کے تمام عدل گستر، عدل پرور، نیکوکار، پرہیزگار اور صالح بندوں کے سر کا تاج ہے) تابعین سے لے کر تابقیامتِ امت کا کوئی ولی کیسے ہی پایہ عظیم کو پہنچے، صاحب سلسلہ ہو خواہ غیر ان کا، ہرگز ہرگز ان میں سے ادنٰی سے ادنٰی کے رتبہ کو نہیں پہنچتا، اور ان میں ادنٰی کوئی نہیں، رسول اللہ صلّی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد صادق کے مطابق اوروں کا کوہِ اُحد کے برابر سونا ان کے نیم صاع (تقریبًا دو کلو) جو کے برابر نہیں[1]۔ جو قربِ خدا انہیں حاصل

[1] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تحریم سب الصحابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۰، سنن ابن ماجۃ فضل اہل بدر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵، سنن ابی داود کتاب السنۃ باب فی النھی عن سب اصحاب رسول اللہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۴

دوسرے کو میسر نہیں۔اور جو درجات عالیہ یہ پائیں گے غیر کو ہاتھ نہ آئیں گے۔(اہلسنت کے خواص تو خواص، عوام تک) ان سب کو بالاجمال (کہ کوئی فرد ان کا شمول سے نہ رہ جائے، از اوّل تا آخر) پرلے درجے کا برّو تقی (نیکوکار متقی) جانتے اور تفاصیل احوال (کہ کس نے کس کے ساتھ کیا کیا اور کیوں کیا، اس) پر نظر حرام مانتے (ہیں) جو فعل (ان حضرات صحابہ کرام میں سے) کسی کا اگر ایسا منقول بھی ہوا جو نظر قاصر (ونگاہ کوتاہ بیں) میں ان کی شان سے قدرے گرا ہوا ٹھہرے (اور کسی کوتاہ نظر کو اس میں حرف زنی کی گنجائش ملے) اسے محمل حسن پر اتارتے ہیں۔(اور اسے ان کے خلوصِ قلب و حسن نیت پر محمول کرتے ہیں) اور اللہ کا سچا قول "رَّضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ"[1]۔سُن کر آئینہ دل میں زنگ تفتیش کو جگہ نہیں دیتے۔(اور تحقیق احوال واقعی کے نام کا میل کچیل، دل کے آئینے پر چڑھنے نہیں دیتے) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیہ وسلم حکم فرماچکے۔

اذا ذکر اصحابی فامسکوا[2]۔جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو باز رہو۔

(سُوءِ عقیدت و بدگمانی کو قریب نہ پھٹکنے دو، تحقیق حال و تفتیش مآل میں نہ پڑو) ناچار اپنے آقا کا فرمان عالی شان، اور یہ سخت وعیدیں، ہولناک تہدیدیں (ڈراوے اور دھمکیاں) سُن کر زبان بند کرلی اور دل کو سب کی طرف سے صاف کرلیا۔(اور بلاچونُ وچرا) جان لیا کہ ان کے رُتبے ہماری عقل سے وراء ہیں پھر ہم اُن کے معاملات میں کیا دخل دیں ان میں جو مشاجرات (صورۃً نزاعات واختلافات) واقع ہوئے ہم ان کا فیصلہ کرنے والے کون؟

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند[3]

(تُو خاک نشین گداگر ہے اے حافظ! شورمت کر کہ اپنی سلطنت کے بھید بادشاہ جانتے ہیں)

(ع تیرا منہ ہے کہ تُو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں)

حاشا کہ ایک کی طرفداری میں دوسرے کو بُرا کہنے لگیں، یا ان نزاعوں میں ایک فریق کو

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۰

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۴۲۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۹۶

[3] دیوانِ حافظ ردیف شین معجمہ سب رنگ کتاب گھر دہلی ص ۲۵۸

دنیا طلب ٹھہرائیں بلکہ بالیقین جانتے ہیں کہ وہ سب مصالح دین کے خواستگار تھے (اسلام و مسلمین کی سربُلندی ان کا نصب العین تھی پھر وہ مجتہد بھی تھے، تو) جس کے اجتہاد میں جو بات دینِ الٰہی و شرع رسالت پناہی جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے اصلح وانسب (زیادہ مصلحت آمیز اور احوالِ مسلمین سے مناسب تر) معلوم ہوئی، اختیار کی، گو اجتہاد میں خطا ہوئی اور ٹھیک بات ذہن میں نہ آئی۔ لیکن وہ سب حق پر ہیں (اور سب واجب الاحترام) ان کا حال بعینہٖ ایسا ہے جیسا فروعِ مذہب میں (خود علمائے اہلسنت بلکہ ان کے مجتہدین مثلاً امام اعظم) ابو حنیفہ (امام) شافعی (وغیرہما) کے اختلافات نہ ہرگز ان منازعات کے سبب، ایک دوسرے کو گمراہ فاسق جاننا نہ ان کا دشمن ہو جانا (جس کی تائید مولٰی علی کے اس قول سے ہوتی ہے کہ: **اخواننا بغوا علینا**[1]۔

یہ سب ہمارے بھائی ہیں کہ ہمارے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔

مسلمانوں کو تو یہ دیکھنا چاہیے کہ سب حضرات آقائے دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جاں نثار اور سچے غلام ہیں، خدا اور رسول کی بارگاہوں میں معظم و معزز اور آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں **اصحابی کالنجوم**[2]۔

بالجملہ ارشاداتِ خدا اور رسول عزّ مجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے (اس پاک فرقہ اہل سنّت و جماعت نے اپنا عقیدہ اور اتنا یقین کرلیا کہ سب (صحابہ کرام) اچھے اور عدل و ثقہ، تقی، نقی ابرار (خاصانِ پروردگار) ہیں۔ اور ان (مشاجرات ونزاعات کی) تفاصیل پر نظر گمراہ کرنے والی ہے، نظیر اس کی عصمتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء ہے کہ اہلِ حق (اہلِ اسلام، اہلسنت وجماعت) شاہراہِ عقیدت پر چل کر (منزل) مقصود کو پہنچے۔ اور ارباب (غوایت واہل) باطل تفصیلوں میں خوض (و ناحق غور) کرکے مغاک (ضلالت اور) بد دینی (کی گمراہیوں) میں جا پڑے کہیں دیکھا "**وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ۪ۖ﴿۱۲۱﴾**"[3]۔ (کہ اس میں عصیاں اور بظاہر تعمیل حکمِ ربانی سے روگردانی کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی جانب کی گئی ہے۔)

---

[1] السنن الکبرٰی کتاب قتال اھل البغی دار صادر بیروت ۸/ ۱۷۳

[2] کشف الخفاء حرف الھمزہ مع الصاد حدیث ۳۸۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۱۸

[3] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۱

کہیں سنا "لِّیَغۡفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِکَ وَ مَا تَاَخَّرَ "[1]۔ (جس سے ذنب یعنی گناہ و غفران ذنب یعنی بخشش گناہ کی نسبت کا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جنابِ والا کی جانب گمان ہوتا ہے)

کبھی موسٰی (علیہ السلام) و قبطی (قومِ فرعون) کا قصہ یاد آیا (کہ آپ نے قبطی کو آمادہ ظلم پاکر ایک گھونسا مارا اور وہ قبطی قعر گور میں پہنچا۔[2]

کبھی (حضرت) داؤد (علیہ الصلوۃ والسلام اور اُن کے ایک اُمتّی) اوریّاہ کا فسانہ سُن پایا (حالانکہ یہ الزام تھا یہود کا حضرت داؤد علیہ السلام پر، جسے انہوں نے خوب اُچھالا اور زبان زد عوام الناس ہوگیا۔ حتی کہ بربنائے شہرت، بلا تحقیق و تفتیش احوال بعض مفسرین نے اس واقعہ کو من وعن بیان فرمادیا، جب کہ امام رازی[3] فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میری تحقیق میں سراسر باطل ولغو ہے۔ غرض بے عقل بے دینوں اور بے دین بد عقلوں نے یہ افسانہ سُن پایا تو لگے چوُن وچرا کرنے تسلیم و گردن نہادوں کے زینہ سے اُترنے پھر ناراضی خدا و رسول کے سوا اور بھی کچھ پھل پایا؟ اور (اُلٹا) "خُضۡتُمۡ کَالَّذِیۡ خَاضُوۡا ؕ "[4] (اور تم بے ہودگی میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے اور اتباع باطل میں ان کی راہ اختیار کی) نے "وَلٰکِنۡ حَقَّتۡ کَلِمَۃُ الۡعَذَابِ عَلَی الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۷۱﴾ "[5]۔ (مگر عذاب کا قول کافروں پر ٹھیک اُترا) کادن دکھایا "اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡـًٔا ؕ "[6]۔ "اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ ﴿۱۰۷﴾ "[7]۔

(مسلمان ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کبیرہ گناہوں سے مطلقًا اور گناہِ صغیرہ کے عمدًا ارتکاب، اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعثِ نفرت ہو اور مخلوق خدا ان کے باعث ان سے دُور بھاگے نیز ایسے افعال سے جو وجاہت و مروت اور معززین کی شان و مرتبہ کے خلاف ہیں قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں)

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۲

[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۱۵

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۳۸/ ۲۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۶/ ۱۶۵

[4] القرآن الکریم ۹/ ۶۹

[5] القرآن الکریم ۳۹/ ۷۱

[6] القرآن الکریم ۶/ ۸۰

[7] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۷

اللّٰھم اثبات علی الھدی انك انت العلی الاعلٰی۔

(اے اللہ! ہم تجھ سے ہدایت پر ثابت قدمی مانگتے ہیں، بے شک تُو ہی بُلند و برتر ہے)

صحابہ کرام کے باب میں یاد رکھنا چاہیے کہ۔

(وہ حضرات رضی اللہ تعالٰی عنہم انبیاء نہ تھے، فرشتے نہ تھے کہ معصوم ہوں، ان میں سے بعض حضرات سے لغزشیں صادر ہوئیں مگر ان کی کسی بات پر گرفت اللہ و رسول کے احکام کے خلاف ہے۔

اللہ عزوجل نے سورہ حدید میں صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دو قسمیں فرمائیں۔

(۱) "مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ"۔

(۲) "الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ قٰتَلُوْا ؕ"[1]۔

یعنی ایک وہ کہ قبل فتح مکہ مشرف بایمان ہوئے راہِ خدا میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا جب کہ ان کی تعداد بھی بہت قلیل تھی۔ اور وہ ہر طرح ضعیف و درماندہ بھی تھے، انہوں نے اپنے اوپر جیسے جیسے شدید مجاہدے گوارا کرکے اور اپنی جانوں کو خطروں میں ڈال ڈال کر، بے دریغ اپنا سرمایہ اسلام کی خدمت کی نذر کردیا۔ یہ حضرات مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین ہیں، ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

دوسرے وہ کہ بعد فتح مکہ ایمان لائے، راہِ مولا میں خرچ کیا اور جہاد میں حصہ لیا۔ ان اہلِ ایمان نے اس اخلاص کا ثبوت جہاد مالی و قتالی سے دیا، جب اسلامی سلطنت کی جڑ مضبوط ہو چکی تھی اور مسلمان کثرتِ تعداد اور جاہ و مال ہر لحاظ سے بڑھ چکے تھے، اجر اُن کا بھی عظیم ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان سابقون اوّلون والوں کے درجہ کا نہیں۔

اسی لیے قرآن عظیم نے ان پہلوں کو ان پچھلوں پر تفضیل دی۔

اور پھر فرمایا: "وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ"[2]۔

ان سب سے اللہ تعالٰی نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔

کہ اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اجر ملے گا سب ہی کو، محروم کوئی نہ رہے گا۔

اور جن سے بھلائی کا وعدہ کیا ان کے حق میں فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۵۷/ ۱۰

"اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ" [1]۔
وہ جہنم سے دُور رکھے گئے ہیں۔
"لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا" [2] وہ جہنم کی بھنک تک نہ سُنیں گے۔
"وَ هُمْ فِیْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ" [3]۔وہ ہمیشہ اپنی من مانتی جی بھاتی مرادوں میں رہیں گے۔
"لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ" [4]۔قیامت کی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ انہیں غمگین نہ کرے گی۔
"تَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ"۔فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔
"هٰذَا یَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ" [5]۔یہ کہتے ہوئے کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ تھا۔
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہر صحابی کی یہ شان اللہ عزوجل بتاتا ہے تو جو کسی صحابی پر طعن کرے اللہ واحد قہار کو جھٹلاتا ہے۔
اور ان کے بعض معاملات جن میں اکثر حکایات کاذبہ ہیں ارشادالٰہی کے مقابل پیش کرنا اہلِ اسلام کا کام نہیں۔
رب عزوجل نے اسی آیت حدید میں اس کا منہ بھی بند کردیا کہ دونوں فریق صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھلائی کا وعدہ کرکے ساتھ ہی ارشاد فرمادیا۔
"وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ" [6]۔اور اللہ کو خُوب خبر ہے جو تم کروگے۔
بایں ہمہ اس نے تمہارے اعمال جان کر حکم فرمادیا کہ وہ تم سب سے جنت بے عذاب و کرامات و

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۱
[2] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۲
[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۲
[4] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۳
[5] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۳
[6] القرآن الکریم ۵۷/۱۰

ثواب بے حساب کا وعدہ فرما چکا ہے۔

تواب دوسرے کو کیا حق رہا کہ ان کی کسی بات پر طعن کرے، کیا طعن کرنے والا، اللہ تعالٰی سے جُدا اپنی مستقل حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، اس کے بعد جو کوئی کچھ بکے وہ اپنا سر کھائے اور خود جہنم میں جائے۔

علامہ شہاب الدین خفاجی، نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: جو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کُتوں میں سے ایک کُتا ہے[1]۔ (احکامِ شریعت وغیرہ)

تنبیہ ضروری: اہلِ سنت کا یہ عقیدہ کہ ونکف عن ذکر الصحابة الابخیر[2]۔

یعنی صحابہ کرام کا جب بھی ذکر ہو تو خیر ہی کے ساتھ ہونا فرض ہے، انہیں صحابہ کرام کے حق میں جو ایمان و سنت و اسلام حقیقی پر تادمِ مرگ ثابت قدم رہے اور صحابہ کرام جمہور کے خلاف، اسلامی تعلیمات کے مقابل، اپنی خواہشات کے اتباع میں کوئی نئی راہ نہ نکالی اور وہ بدنصیب کہ اس سعادت سے محروم ہو کر اپنی دکان الگ جما بیٹھے اور اہل حق کے مقابل، قتال پر آمادہ ہوگئے۔ وہ ہرگز اس کا مصداق نہیں اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنگِ جمل و صفین میں جو مسلمان ایک دوسرے کے مقابل آئے ان کا حکم خطائے اجتہادی کا ہے۔ لیکن اہل نہروان جو مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی تکفیر کرکے بغاوت پر آمادہ ہوئے وہ یقیناً فساق، فجار، طاغی و باغی تھے اور ایک نئے فرقہ کے ساعی و ساتھی جو خوارج کے نام سے موسوم ہوا اور اُمّت میں نئے فتنے اب تک اسی کے دم سے پھیل رہے ہیں۔ (سراج العوارف وغیرہ)

عقیدہ سادسہ ۶ ____________ عشرہ مبشرہ و خلفائے اربعہ

اب ان سب میں افضل و اعلٰی و اکمل حضرات عشرہ مبشرہ ہیں، وہ دس صحابی جن کے قطعی جنتی ہونے کی بشارت وخوشخبری رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی زندگی ہی میں سنادی تھی وہ عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں۔ یعنی حضرات خلفائے (اتا۴) اربعہ راشدین، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت زبیر بن العوام،

---

[1] نسیم الریاض الباب الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۳/ ۴۳۰

[2] شرح عقائد النسفی دارالاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۱۱۶

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح۔

ے دہ یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر، عثمان و علی
سعد ست سعید وبوعبیدہ طلحہ ست وزبیر وعبدالرحمٰن

اور ان میں خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین اور ان چار ارکان قصر ملت (ملّت اسلامیہ کے عالی شان محل کے چار ستونوں) وچار انہار باغ شریعت (اور گلستانِ شریعت کی ان چار نہروں) کے خصائص وفضائل، کچھ ایسے رنگ پر واقع ہیں کہ ان میں سے جس کسی کی فضیلت پر تنہا نظر کیجئے یہی معلوم (ومتبادر ومفہوم) ہوتا ہے کہ جو کچھ ہیں یہی ہیں ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔

بہر گلے کہ ازیں چار باغ می نگرم بہار دامن دل می کشد کہ جاایںجاست

(ان چار باغوں میں سے جس پھول کو میں دیکھتاہوں تو بہار میرے دل کے دامن کو کھینچتی ہے کہ اصل جگہ تو یہی ہے۔)
علی الخصوص شمع شبستان ولایت، بہار چمنستانِ معرفت، امام الواصلین، سیّد العارفین (واصلانِ حق کے امام، اہل معرفت کے پیش رو) خاتمِ خلافت نبوت، فاتح سلاسل طریقت، مولٰی المسلمین، امیر المومنین ابوالائمۃ الطاھرین (پاک طینت، پاکیزہ خصلت، اماموں کے جدامجد طاہر مطہر، قاسمِ کوثر، اسد اللہ الغالب، مظہر العجائب والغرائب، مطلوب کل طالب، سیدنا و مولانا علی بن طالب کرم اللہ تعالٰی وجھه الکریم وحشرنا فی زمرته فی یوم عقیم کہ اس جناب گردوں قباب (جن کے قبہ کی کلس آسمان برابر ہے ان) کے مناقب جلیلہ (اوصافِ حمیدہ) ومحامد جمیلہ (خصائل حسنہ) جس کثرت وشہرت کے ساتھ (کثیر و مشہور، زبان زد عام وخواص) ہیں دوسرے کے نہیں۔
(پھر) حضرات شیخین، صاحبین صہرین (کہ ان کی صاحبزادیاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شرفِ زوجیت سے مشرف ہوئیں اور امہات المومنین، مسلمانوں ایمان والوں کی مائیں کہلائیں) وزیرین (جیسا کہ حدیث شریف میں وارد کہ میرے دو وزیر آسمان پر ہیں جبرائیل ومیکائیل اور دو وزیر زمین پر ہیں ابوبکر وعمر[1] رضی اللہ تعالٰی عنہما) امیرین (کہ ہر دو امیر المومنین ہیں) مشیرین (دونوں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مجلس شورٰی کے رکن اعظم) ضجیعین (ہم خواجہ اور دونوں اپنے آقا ومولٰی کے پہلو بہ پہلو آج بھی مصروفِ استراحت) رفیقین (ایک دوسرے کے یار وغمگسار) سیّدنا و مولٰنا عبداللہ العتیق

[1] کنز العمال حدیث ۳۲۶۶۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۶۳

ابوبکر صدیق وجناب حق مآب ابوحفص عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شانِ والاسب کی شانوں سے جدا ہے اور ان پر سب سے زیادہ عنایت خدا اور رسولِ خدا جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بعد انبیاء و مرسلین وملائکہ مقربین کے جو مرتبہ ان کا خدا کے نزدیک ہے دوسرے کا نہیں اور رب تبارک وتعالٰی سے جو قرب ونزدیکی اور بارگاہِ عرش اشتباہ رسالت میں جو عزت وسر بُلندی ان کا حصہ ہے اوروں کا نصیبا نہیں، اور منازل جنت و مواہب۔ بے منت (عہ) میں انہیں کے درجات سب پر عالی فضائل و فواضل (فضیلتوں اور خصوصی بخششوں) و حسنات طیبات (نیکیوں اور پاکیزگیوں) میں انہیں کو تقدم و پیشی (یہی سب پر مقدم۔ یہی پیش پیش ہمارے علماء وائمہ نے اس (باب) میں مستقل تصنیفیں فرما کر سعادتِ کونین و شرافتِ دارین حاصل کی (ان کے خصائل تحریر میں لائے، ان کے محاسن کا ذکر فرمایا، ان کے اولیات و خصوصیات گنائے) ورنہ غیر متناہی (جو ہماری فہم و فراست کی رسائی سے ماورا ہو۔ اس) کا شمار کس کے اختیار واللہ العظیم اگر ہزاروں دفتر ان کے شرح فضائل (اور بسط فواضل) میں لکھے جائیں یکے از ہزار تحریر میں نہ آئیں ؎

وعلٰی تفنن واصفیہ بحسنہ　　　　یغنی الزمان وفیہ مالم یوصف

(اور اس کے حسن کی تعریف کرنے والوں کی عمدہ بیانی کی بنیاد پر زمانہ غنی ہوگیا اور اس میں ایسی خوبیاں ہیں جنہیں بیان نہیں کیا جاسکتا) مگر کثرتِ فضائل و شہرتِ فواضل (کثیر در کثیر فضلیتوں کا موجود اور پاکیزہ، و برتر عزتوں مرحمتوں کا مشہور ہونا) چیزے دیگر (اور بات ہے) اور فضیلت و کرامات (سب سے افضل اور بارگاہِ عزت میں سب سے زیادہ قریب ہونا۔) امرے آخر (ایک اور بات ہے اس سے جداو ممتاز) فضل اللہ تعالٰی کے ہاتھ ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔

"قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ"[1]۔

اس کی کتاب کریم اور اس کا رسول عظیم علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والتسلیم علی الاعلان گواہی دے رہے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے والد ماجد مولٰی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں:

عہ: مطبوعہ رسالہ میں وزاب بے منت مطبوع ہے اور حاشیہ پر تحریر کہ اصل میں ایسا ہے، فقیر نے اسے مواہب لکھا جب کہ منازل کا ہم قافیہ ہے مناہل یعنی چشمے اور انسب یہی ہے ۱۲ محمد خلیل۔

---

[1] القرآن الکریم ۳ / ۷۳

کہ وہ فرماتے ہیں: کنت عندالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاقبل ابوبکر وعمر فقال یا علی ھٰذان سیّدا کھول اھل الجنۃ وشبابہا بعد النبیین والمرسلین[1]۔ (رواہ الترمذی، وابن ماجہ وعبداللہ بن الامام احمد)

میں خدمت اقدس حضور افضل الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھا کہ ابوبکر وعمر سامنے آئے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علی! یہ دونوں سردار ہیں اہل جنت کے سب بوڑھوں اور جوانوں کے، بعد انبیاء و مرسلین کے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی، حضور کا ارشاد ہے:

ابوبکر وعمر خیر الاولین والاخرین وخیر اھل السمٰوٰت وخیر اھل الارضین الا النبیین والمرسلین[2]۔ (رواہ الحاکم فی الکنٰی وابن عدی وخطیب)

ابوبکر و عمر بہتر ہیں سب اگلوں پچھلوں کے، اور بہتر ہیں سب آسمان والوں سے اور بہتر ہیں سب زمین والوں سے، سوا انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کے۔

خود حضرت مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے بار بار اپنی کرسی مملکت و سطوت (و دبدبہ) خلافت میں افضلیت مطلقہ شیخین کی تصریح فرمائی (اور صاف صاف واشگاف الفاظ میں بیان فرمایا کہ یہ دونوں حضرات علی الاطلاق بلا قیدِ جہت و حیثیت تمام صحابہ کرام سے افضل ہیں) اور یہ ارشادان سے بتواتر ثابت ہوا کہ اسی سے زیادہ صحابہ وتابعین نے اسے روایت کیا۔ اور فی الواقع اس مسئلہ (افضلیت شیخ کریمین) کو جیسا حق مآب مرتضوی نے صاف صاف واشگاف بہ کرات و مرات (بار بار موقع بہ موقع اپنی) جلَوات وخلوات (عمومی محفلوں، خصوصی نشستوں) ومشاہد عامہ و مساجد جامعہ (عامۃ الناس کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۰، جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی بکر الصدیق حدیث ۳۶۸۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۷۶، سُنن ابن ماجہ فضل ابی بکر الصدیق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰

[2] کنز العمّال بحوالہ الحاکم فی الکنٰی حدیث ۳۲۶۴۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۶۰، الصواعق المحرقہ بحوالہ الحاکم و ابن عدی و الخطیب الباب الثالث الفصل الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۱۹

مجلسوں اور جامع مسجدوں) میں ارشاد فرمایا دوسروں سے واقع نہیں ہوا۔

(ازاں جملہ وہ ارشاد گرامی کہ) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، حضرت محمد بن حنفیہّ صاحبزادہ جناب امیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال قلت لابی ایّ الناس خیر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم؟ قال ابو بکر قال قلت ثم من؟ قال عمر[1]۔

یعنی میں نے اپنے والد ماجد امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ وجہہ سے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد سب آدمیوں سے بہتر کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: ابوبکر میں نے عرض کیا پھر کون؟ فرمایا عمر۔

ابو عمر بن عبداللہ، حکم بن حجل سے اور دار قطنی اپنی سنن میں راوی، جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ تعالٰی فرماتے ہیں:

لااجد احدًا فضلنی علی ابی بکر و عمر الا جلدتہ حد المفتری[2]۔

جسے میں پاؤں گا کہ شیخین (حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے مجھے افضل بتاتا (اور مجھے ان میں سے کسی پر فضیلت دیتا) ہے اسے مُفتری (افتراء و بہتان لگانے والے) کی حد ماروں گا کہ اسی ۸۰ کوڑے ہیں۔

ابو القاسم طلحی کتاب السّنّۃ میں جناب علقمہ سے راوی: بلغ علیًا ان اقوامًا یفضّلونہ علی ابی بکر و عمر فصعد المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ایھا الناس! انہ بلغنی ان اقواما یفضّلونی علی ابی بکر و عمر ولو کنت تقدمت فیہ لعاقبت فیہ فمن سمعتہ بعد ھذا الیوم یقول ھذا فھو مفتر، علیہ حد المفتری، ثم قال ان خیر ھٰذہ الامۃ بعد نبیھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم اللہ اعلم بالخیر بعدہ قال وفی المجلس الحسن بن علی فقال واللہ لوسمی الثالث لسمّٰی عثمٰن[3]۔ یعنی جناب مولٰی علی کو خبر پہنچی کہ لوگ انہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر تفضیل دیتے (اور حضرت مولٰی کو ان سے افضل بتاتے) ہیں۔ پس منبر پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالٰی کی حمد و ثناء کی، پھر فرمایا اے لوگو! مجھے خبر پہنچی کہ کچھ لوگ مجھے ابوبکر و عمر سے افضل بتاتے ہیں اور اگر میں نے پہلے سے

---

[1] صحیح البخاری مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب فضل ابی بکر بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۱۸

[2] الصواعق المحرقۃ بحوالہ الدارقطنی الباب الثالث دار الکتب العلمیۃ بیروت ص۹۱

[3] ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء بحوالہ ابی القاسم مسند علی بن ابی طالب سہیل اکیڈمی ۱/ ۶۸

سُنا ہوتا تو اس میں سزا دیتا یعنی پہلی بار تفہیم (وتنبیہ) پر قناعت فرماتا ہوں پس اس دن کے بعد جسے ایسا کہتے سنوں گا تو وہ مفتری (بہتان باندھنے والا) ہے اس پر مفتری کی حد لازم ہے، پھر فرمایا بے شک بہتر اس امت کے بعد ان نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ابوبکر ہیں پھر عمر، پھر خدا، خوب جانتا ہے بہتر کو ان کے بعد، اور مجلس میں امام حسن (رضی اللہ عنہ) بھی جلوہ فرما تھے انہوں نے ارشاد کیا خدا کی قسم اگر تیسرے کا نام لیتے تو عثمان کا نام لیتے۔

بالجملہ احادیثِ مرفوعہ واقوالِ حضرت مرتضوی واہلبیت نبوت اس بارے میں لاتعداد ولاتحصی (بے شمار ولاانتہا) ہیں کہ بعض کی تفسیر فقیر نے اپنے رسالہ تفضیل عـــہ میں کی۔ اب اہل سنت (کے علمائے ذوی الاحترام) نے ان احادیث وآثار میں جو نگاہ غور کو کام فرمایا تو تفضیل شیخین کی صدہا تصریحیں (سیکڑوں صراحتیں) علی الاطلاق پائیں کہیں جہت وحیثیت کی قید نہ دیکھی کہ یہ صرف فلاں حیثیت سے افضل ہیں اور دوسری حیثیت سے دوسروں کو افضیلت (حاصل ہے) لہٰذا انہوں نے عقیدہ کرلیا کہ گو فضائل خاصہ وخصائص فاضلہ (مخصوص فضیلتیں اور فضیلت میں خصوصیتیں) حضرت مولیٰ (علی مشکل کُشا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ) اور ان کے غیر کو بھی ایسے حاصل (اور بعطائے الٰہی وہ ان خصوصیات کے تنہا حامل) جو حضرات شیخین (کریمین جلیلین) نے نہ پائے جیسے کہ اس کا عکس بھی صادق ہے (کہ امیرین وزیرین کو وہ خصائصِ غالیہ اور فضائل عالیہ، بارگاہ الٰہی سے مرحمت ہوئے کہ ان کے غیر نے اس سے کوئی حصہ نہ پایا) مگر فضل مطلق کُلّی (کسی جہت وحیثیت کا لحاظ کیے بغیر فضیلت مطلقہ کُلّیہ) جو کثرتِ ثواب وزیادتِ قُربِ ربّ الارباب سے عبارت ہے وہ انہیں کو عطا ہوا (اوروں کے نصیب میں نہ آیا)

(یعنی اللہ عزوجل کے یہاں زیادہ عزت ومنزلت جسے کثرتِ ثواب سے بھی تعبیر کرتے ہیں وہ صرف حضرات شیخین نے پائی۔ اس سے مراد اجر وانعام کی کثرت وزیادت نہیں کہ بارہا مفضول کے لیے ہوتی ہے۔

حدیث میں ہمراہیانِ سیدّنا امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت آیا کہ ان میں سے ہر ایک کے لیے پچاس کا اجر ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ان میں کے پچاس کا یا ہم میں کے؟ فرمایا بلکہ تم میں کے تو اجر

عـــہ: اعلیٰحضرت قدس سرہ العزیز نے مسئلہ تفضیل شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر نوے ۹۰ جز کے قریب ایک کتاب مسمّٰی بہ منتہی التفصیل لمبحث التفضیل لکھی پھر مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین میں اس کی تلخیص کی، غالبًا اس ارشاد گرامی میں اشارہ اسی کی طرف ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد خلیل القادری عفی عنہ)

ان کا زائد ہوا۔انعام و معاوضہ محنت انہیں زیادہ ملا مگر افضیلت میں وہ صحابہ کے ہمسر بھی نہیں ہو سکتے،زیادت در کنار،کہاں امام مہدی کی رفاقت اور کہاں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صحابیت،اس کی نظیر بلا تشبیہ یوں سمجھئے کہ سلطان نے کسی مہم پر وزیر اور بعض دیگر افسروں کو بھیجا،اس کی فتح پر ہر افسر کو لاکھ لاکھ روپے انعام دیئے اور وزیر کو خالی پروانہ خوشنودی مزاج دیا تو انعام انہیں افسروں کو زیادہ ملا اور اجر و معاوضہ انہوں نے زیادہ پایا مگر کہاں وہ اور کہاں وزیر اعظم کا اعزاز (بہار شریعت)

اور (یہ اہل سنت و جماعت کا وہ عقیدہ ثابتہ محکمہ ہے کہ)اس عقیدہ کا خلاف اوّل تو کسی حدیث صحیح میں ہے ہی نہیں اور اگر بالفرض کہیں بوئے خلاف پائے بھی تو سمجھ لے کہ یہ ہماری فہم کا قصور ہے(اور ہماری کوتاہ فہمی) ورنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور خود حضرت مولٰی (علی) واہلبیت کرام (صاحب البیت ادرٰی بما فیہ کے مصداق،اسرار خانہ سے مقابلۃً واقف تر) کیوں بلا تقیید (کسی جہت و حیثیت کی قید کے بغیر) انہیں افضل و خیر امت و سردار اوّلین و آخرین بتاتے،کیا آیہ کریمہ فقل "فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾ "[1] ۔(تو ان سے فرمادو کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہارے عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں) و حدیث صحیح من کنت مولاہ فعلی مولاہ[2] ۔(جس کا میں مولا ہوں تو علی بھی اس کا مولا ہے)اور خبر شدید الضعف وقوی الجرح (نہایت درجہ ضعیف و قابل شدید جرح و تعدیل) لحمك لحمی ودمك دمی۔[3] (تمہارا گوشت میرا گوشت اور تمہارا خون میرا خون ہے)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۶۱

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب علی رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۳،مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۴ و ۱۱۸ و ۱۱۹ و ۱۵۲،سنن ابن ماجہ فضل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲،المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ من کنت مولاہ فعلیٌ مولاہ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۱۰،المعجم الکبیر حدیث ۳۰۴۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۸۹،کنز العمال حدیث ۳۲۹۰۴ و ۳۲۹۴۶ و ۳۲۹۵۰ و ۳۲۹۵۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۰۲ و ۶۰۹ و ۶۱۰

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۹۳۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۰۷

برتقدیر ثبوت (بشرطیکہ ثابت و صحیح مان لی جائے) وغیر ذلک (احادیث و اخبار) سے انہیں آگاہی نہ تھی۔ (ہوش و حواس، علم و شعور اور فہم و فراست میں یگانہ روزگار ہوتے ہوئے ان اسرارِ درون خانہ سے بیگانہ رہے اور اسی بیگانگی میں عمریں گزار دیں) یا (انہیں آگاہی اور ان اسرار پر اطلاع) تھی تو وہ (ان واضح الدلالۃ الفاظ) کا مطلب نہ سمجھے (اور غیرت و شرم کے باعث اور کسی سے پوچھ نہ سکے۔) یا سمجھے۔ (حقیقت حال سے آگاہ ہوئے) اور اس میں تفضیل شیخین کا خلاف پایا (مگر خاموش رہے اور جمہور صحابہ کرام کے برخلاف عقیدہ رکھا زبان پر اس کا خلاف نہ آنے دیا اور حالانکہ یہ ان کی پاک جنابوں میں گستاخی اور ان پر تقیہ ملعونہ کی تہمت تراشی ہے) تو (اب ہم) کیونکر خلاف سمجھ لیں (کسے کہہ دیں کہ ان کے دل میں خلاف تھا زبان سے اقرار) اور تصریحات بیّنہ و قاطع الدلالۃ (روشن صراحتوں قطعی دلالتوں) وغیر محتملۃ الخلاف کو (جن میں کسی خلاف کا احتمال نہیں کوئی ہیر پھیر نہیں) کیسے پس پشت ڈال دیں الحمد للہ رب العلمین کہ حق تبارک و تعالیٰ نے فقیر حقیر کو یہ ایسا جواب شافی تعلیم فرمایا کہ منصف (انصاف پسند ذی ہوش) کے لیے اس میں کفایت (اور یہ جواب اس کی صحیح رہنمائی و ہدایت کے لیے کافی) اور متعصب کو (کہ آتش غلو میں سُلگتا اور ضد و نفسانیت کی راہ چلتا ہے) اس میں غیظ بے نہایت ("قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ"[1]۔ انہیں آتشِ غضب میں جلنا مبارک) (ہم مسلمانانِ اہلسنت کے نزدیک، حضرت مولیٰ کی ماننا) یہی محبتِ علی مرتضٰی ہے اور اس کا بھی (یہی تقاضا) یہی مقتضٰی ہے کہ محبوب کی اطاعت کیجئے اور اس کے غضب اور اسی کروڑوں کے استحقاق سے بچئے (والعیاذ باللہ)

اللہ! اللہ وہ امام الصدیقین، اکمل اولیاء العارفین سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کو حفظ جان پر مقدم رکھا حالانکہ جان کا رکھنا سب سے زیادہ اہم فرض ہے۔ اگر بوجہ ظلم عدو مکابر وغیرہ نماز پڑھنے میں معاذ اللہ ہلاک جان کا یقین ہو تو اس وقت ترک نماز کی اجازت ہوگی۔

یہی تعظیم و محبت و جاں نثاری و پروانہ وارِی شمع رسالت علیہ الصلوۃ والتحیۃ ہے جس نے صدیق اکبر کو بعد انبیاء و مرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تمام جہان پر تفوق بخشا اور ان کے بعد تمام عالم، تمام خلق، تمام اولیاء، تمام عرفاء سے افضل و اکرم و اکمل و اعظم کردیا۔

وہ صدیق جس کی نسبت حدیث میں آیا کہ ابوبکر کو کثرتِ صوم و صلوۃ کی وجہ سے تم پر فضیلت نہ ہوئی

---

[1] القرآن الکریم ۳/۱۱۹

بلکہ اس سر کے سبب جو اس کے دل میں راسخ و متمکن ہے[1]۔

وہ صدیق جس کی نسبت ارشاد ہوا اگر ابوبکر کا ایمان میری تمام اُمت کے ایمان کے ساتھ وزن کیا جائے تو ابوبکر کا ایمان غالب آئے[2]۔

وہ صدیق کہ خود اُن کے مولائے اکرم و آقائے اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کسی کا ہمارے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں ہے جس کا ہم نے عوض نہ کردیا ہو سوا ابوبکر کے، کہ ان کا ہمارے ساتھ وہ حسن سلوک ہے جس کا بدلہ اللہ تعالٰی انہیں روز قیامت دے گا[3]۔

وہ صدیق جس کی افضلیت مطلقہ پر قرآنِ کریم کی شہادت ناطقہ ہے کہ فرمایا: "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ط"[4]۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے حضور وہ ہے جو تم سب میں اتقی ہے۔

اور دوسری آیۃ کریمہ میں صاف فرمادیا۔ "وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾"[5]۔ قریب ہے کہ جہنم سے بچایا جائے گا وہ اتقٰی۔

بشہادت آیت اُولی ان آیات کریمہ سے وہی مراد ہے جو افضل و اکرم امتِ مرحومہ ہے، اور وہ نہیں مگر اہل سنت کے نزدیک صدیق اکبر، اور تفضیلیہ و روافض کے نزدیک یہاں امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

مگر اللہ عزوجل کے لیے حمد کہ اس نے کسی کی تلبیس و تدلیس اور حق و باطل میں آمیزش و آویزش کو جگہ نہ چھوڑی، آیۃ کریمہ نے ایسے وصفِ خاص سے اتقٰی کی تعیین فرمادی جو حضرت صدیق اکبر کے سوا کسی پر صادق آ ہی نہیں سکتا۔

فرماتا ہے: "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾"[6]۔ اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔

---

[1] کشف الخفا حدیث ۲۲۲۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۱۷۰

[2] تاریخ الخلفاء فصل فیما ورد من کلام الصحابۃ الخ دار صادر بیروت ص ۷۸، شعب الایمان حدیث ۳۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۶۹

[3] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[4] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

[5] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۷

[6] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۹

اور دنیا جانتی مانتی ہے کہ وہ صرف صدیقِ اکبر ہی ہیں جن کی طرف سے ہمیشہ بندگی وغلامی وخدمت و نیاز مندی اور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے براہِ بندہ نوازی قبول و پذیرائی کا برتاؤ رہا یہاں تک کہ خود ارشاد فرمایا کہ: بے شک تمام آدمیوں میں اپنی جان ومال سے کسی نے ایسا سلوک نہیں کیا جیسا ابوبکر نے کیا[1]۔

جب کہ مولٰی علی نے مولائے کل، سیّد الرسل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کنارِ اقدس میں پرورش پائی، حضور کی گود میں ہوش سنبھالا، اور جو کچھ پایا بظاہر حالات یہیں سے پایا، تو آیۂ کریمہ "وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝۱۹"[2]۔

(اس پر کسی کا ایسا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے) سے مولا علی قطعاً مراد نہیں ہو سکتے بلکہ بالیقین صدیقِ اکبر ہی مقصود ہیں، اور اسی پر اجماعِ مفسرین موجود۔

وہ صدیق جنہیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرضیتِ حج کے بعد پہلے ہی سال میں امیر الحجاج مقرر فرمایا اور انہیں کو اپنے سامنے اپنے مرض المرت شریف میں اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔

حضرت مولی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کا ارشاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد جب ہم نے غور کیا (تو اس نتیجہ پر پہنچے) کہ نماز تو اسلام کا رُکن ہے اور اسی پر دین کا قیام ہے اس لیے ہم نے امورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے بھی اس پر رضا مندی ظاہر کر دی، جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا، اور اسی لیے ہم نے ابوبکر کی بیعت کر لی[3]۔

اور فاروق اعظم تو فاروق اعظم ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ، وہ فاروق جن کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا مانگی کہ:

اللّٰھمّ اعزّ الاسلام بعمر بن خطّاب خاصّة[4]۔ الٰہی! اسلام کی خاص عمر بن خطاب کے اسلام سے عزتیں بڑھا۔

اس دعائے کریم کے باعث عمر فاروق اعظم کے ذریعہ سے جو جو عزتیں اسلام کو ملیں، جو جو بلائیں اسلام و مسلمین سے دفع ہوئیں مخالف موافق سب پر روشن و مبینّ، ولہٰذا سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۷

[2] القرآن الکریم ۹۲/ ۱۹

[3] الصواعق المحرقۃ الباب الاول الفضل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۴۳

[4] سنن ابن ماجہ فضل عمر رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۸۳

فرماتے ہیں کہ:

مازلنا اعزۃ منذ اسلم[1]۔ (بخاری) ہم ہمیشہ معزز رہے جب سے عمر اسلام لائے۔

وہ فاروق جن کے حق میں خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا[2]۔ (رضی اللہ عنہ)

یعنی آپ کی فطرت اتنی کاملہ تھی کہ اگر دروازہ نبوت بند نہ ہوتا تو محض فضلِ الٰہی سے وہ نبی ہو سکتے تھے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے نبوت کا کوئی مستحق نہیں)

وہ فاروق جن کے بارے میں ارشادِ محبوب رب العالمین موجود کہ: عمر کہیں ہو حق اس کی رفاقت میں رہے گا[3]۔

وہ فاروق جن کے لیے صحابہ کرام کا اجماع کہ عمر علم کے نو حصے لے گئے[4]۔ جب کہ ابو بکر صدیق صحابہ میں سب سے زیادہ علم والے تھے۔

وہ فاروق کہ جس راہ سے وہ گزر جائیں شیاطین کے دل دہل جائیں[5]۔

وہ فاروق کہ جب وہ اسلام لائے ملاءِ اعلٰی کے فرشتوں نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کی بارگاہ میں تہنیت و مبارکبادیوں کی ڈالیاں نذرانے میں پیش کیں[6]۔

وہ فاروق کہ ان کے روزِ اسلام سے اسلام ہمیشہ عزتیں اور سربُلندیاں ہی پاتا گیا۔ ان کا اسلام فتح تھا ان کی ہجرت نصرت اور ان کی خلافت رحمت (رضی اللہ تعالٰی عنہ)

اور جب ثابت ہو گیا کہ قربِ الٰہی (معرفت و کثرت ثواب میں) شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو مزیت و

---

[1] صحیح البخاری کتاب مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۰۹، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۸۳

[3] کنز العمال حدیث ۳۲۷۱۵ و ۳۲۷۳۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۳ و ۵۷۷

[4] تاریخ الخلفاء ذکر عمر بن الخطاب فصل فی اقوال الصحابۃ فیہ دار ابن حزم بیروت ص ۹۸

[5] صحیح البخاری مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰

[6] کنز العمال حدیث ۳۲۷۳۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۷۷

تفوّق (زیادت وفوقیت) ہے تو ولایت (خاصہ جو کہ ایک قُربِ خاص ہے کہ مولیٰ عزوجل اپنے برگزیدہ بندوں کو محض اپنے فضل وکرم سے عطافرماتا ہے یہ) بھی انہیں کی اعلیٰ ہوئی (اور ولایت شیخین، جملہ اکابر اولیاء کی ولایت سے بالا)
(ہاں) مگر ایک درجہ قُربِ الٰہی جل جلالہ ورزقنا اللہ کا (ضروری اللحاظ اور خصوصاً حضرات علماء وفضلاء اُمّت کی توجہ کا مستحق ہے اور وہ یہ ہے کہ مرتبہ تکمیل پر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جانب کمالات نبوت حضرات شیخین کو قائم فرمایا، اور جانبِ کمالاتِ ولایت حضرت مولا علی مشکل کشا کو تو جملہ اولیائے مابعد نے مولیٰ علی ہی کے گھر سے نعمت پائی، انہیں کے دستِ نگر تھے، انہیں کے دستِ نگر ہیں اور انہیں کے دستِ نگر رہیں گے)

پر ظاہر ہے کہ سیر الی اللہ میں تو سب اولیاء برابر ہوتے ہیں اور وہاں "لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟"[1]۔ (ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے) کی طرح لانفرق بین احدٍ من اولیاءہ (ہم اس کے دوستوں میں کوئی تفریق نہیں کرتے) کہا جاتا ہے (یعنی تمام اولیاء اللہ اصل طریقِ ولایت یعنی سیر الی اللہ میں برابر ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے پر سبقت وفضیلت کا قول باعتبار سیر فی اللہ کیا جاتا ہے کہ جب سالک عالمِ لاہوت پر پہنچا۔ سیر وسلوک تمام ہوا، یعنی سیر الی اللہ سے فراغت کے بعد سیر فی اللہ ہوتی ہے اور اس کی نہایت وحد نہیں) جب (عالم لاہوت پر پہنچ کر) ماسوائے الٰہی آنکھوں سے گر گیا اور مرتبہ فنا تک پہنچ کر آگے قدم بڑھا تو وہ سیر فی اللہ ہے اس کے لیے انتہا نہیں اور یہیں تفاوت قُرب (بارگاہِ الٰہی میں عزت ومنزلت اور کثرتِ ثواب میں فرق) جلوہ گر ہوتا ہے جس کی سیر فی اللہ زائد وہی خدا سے زیادہ نزدیک، پھر بعضے بڑھتے چلے جاتے ہیں (اور جذبِ الٰہی انہیں اپنی جانب کھینچتا رہتا ہے ان کی یہ سیر کبھی ختم نہیں ہوتی) اور بعض کو دعوتِ خلق (ورہنمائیِ مخلوق الٰہی) کے لیے منزل ناسوتی عطا فرماتے ہیں (جسے عالم شہادت وعالم خلق وعالم جسمانی وغیرہ بھی کہتے ہیں۔ اور اس منزل میں تعلق مع اللہ کے ساتھ ان میں خلائق سے علاقہ پیدا کردیا جاتا ہے اور وہ خلق خدا کی ہدایت کی طرف بھی متوجہ رہتے ہیں) ان سے طریقہ خرقہ وبیعت کا رواج پاتا ہے اور سلسلہ طریقت جنبش میں آتا ہے مگر یہ معنی اسے مستلزم نہیں (اور اس سے یہ لازم نہیں آتا) ان کی سیر فی اللہ اگلوں سے بڑھ جائے۔ (اور یہ دعوت خلق ورہنمائی مخلوق کے باعث

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۵

بارگاہِ الٰہی میں ان سے سوا عزت و منزلت اور ثواب میں کثرت پاجائیں)
ہاں یہ ایک فضل جداگانہ ہے کہ انہیں ملا اور دوسروں کو عطا نہ ہوا تو یہ کیا؟ (اور اسی کی تخصیص کیسی؟) اس کے سوا صدہا خصائص حضرت مولیٰ کو ایسے ملے کہ شیخین کو نہ ملے۔ مگر (بارگاہِ الٰہی میں) قرب و رفعتِ درجات میں اُنہیں کو افزونی رہی (انہیں کو مزیّت ملی اور انہیں کے قدم پیش پیش رہے) ورنہ کیا وجہ ہے کہ ارشاداتِ مذکورہ بالا میں انہیں ان سے افضل و بہتر کہا جاتا ہے (اور وہ بھی علی الاطلاق کسی جہت و حیثیت کی قید کے بغیر) اور ان (یعنی حضرت مولیٰ علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الاسنٰی) کی افضلیت (اور ان کی ان حضرات پر تفضیل) کا بہ تاکید اکید (مؤکد در مؤکد) انکار کیا جاتا ہے حالانکہ ادنٰی ولی، اعلٰی ولی سے افضل نہیں ہوسکتا ہے، آخر دیکھئے حضرت امیر (مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم) کے خلفائے کرام میں حضرت سبط اصغر (سیدّنا امام حسین) و جناب خواجہ حسن بصری کو تنزل ناسوتی ملا اور حضرت سبط اکبر (سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کوئی سلسلہ جاری نہ ہوا حالانکہ قربِ ولایت امام مجتبٰی (سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ولایت و قرب خواجہ (حسن بصری) سے بالیقین اتم واعلیٰ (برتر و بالا) اور ظاہر احادیث سے سبط اصغر شہزادہ گلگوں قبا (شہیدِ کرب وبلا) پر بھی ان کا فضل ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عقیدہ سابعہ ____________ مشاجرات صحابہ کرام

حضرت مرتضوی (امیر المومنین سیدنا علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنہوں نے مشاجرات و منازعات کیے۔ (اور اس حق مآب صائب الرائے کی رائے سے مختلف ہوئے، اور ان اختلافات کے باعث ان میں جو واقعات رُونما ہوئے کہ ایک دوسرے کے مدِ مقابل آئے مثلاً جنگ جمل میں حضرت طلحہ و زبیر و صدیقہ عائشہ اور جنگِ صفین میں حضرت امیر معاویہ بمقابلہ مولیٰ علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم)
ہم اہلسنت ان میں حق، جانب جناب مولیٰ علی (مانتے) اور ان سب کو مورد لغزش، بر غلط و خطا اور حضرت اسد اللّٰہی کو بدرجہا ان سے اکمل واعلیٰ جانتے ہیں مگر بایں ہمہ بلحاظ احادیث مذکورہ (کہ ان حضرات کے مناقب و فضائل میں مروی ہیں) زبان طعن و تشنیع ان دوسروں کے حق میں نہیں کھولتے اور انہیں ان کے مراتب پر جو ان کے لیے شرع میں ثابت ہوئے رکھتے ہیں، کسی کو کسی پر اپنی ہوائے نفس سے فضیلت نہیں دیتے۔ اور ان کے مشاجرات میں دخل اندازی کو حرام جانتے ہیں، اور ان کے اختلافات

کو ابو حنیفہ و شافعی جیسا اختلاف سمجھتے ہیں۔ تو ہم اہلسنت کے نزدیک ان میں سے کسی ادنیٰ صحابی پر بھی طعن جائز نہیں چہ جائیکہ اُمّ المومنین صدیقہ (عائشہ طیبہ طاہرہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی جناب رفیع اور بارگاہِ وقیع) میں طعن کریں، حاش ! یہ اللہ ورسول کی جناب میں گستاخی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تطہیر و بریت (پاکدامنی و عفت اور منافقین کی بہتان تراشی سے براءت) میں آیات نازل فرمائے اور ان پر تہمت دھرنے والوں کو وعیدیں "عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۙ" کی سنائے[1]۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں اپنی سب ازواج مطہرات میں زیادہ چاہیں، جہاں منہ رکھ کر عائشہ صدیقہ پانی پئیں حضور اُسی جگہ اپنا لبِ اقدس رکھ کر وہیں سے پانی پئیں، یوں تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب ازواج (مطہرات، طیبات طاہرات) دنیا و آخرت میں حضور ہی کی بیبیاں ہیں مگر عائشہ سے محبت کا یہ عالم ہے کہ ان کے حق میں ارشاد ہوا کہ یہ حضور کی بی بی ہیں دنیا و آخرت میں حضرت خیر النساء یعنی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم ہوا ہے کہ فاطمہ ! تو مجھ سے محبت رکھتی ہے تو عائشہ سے بھی محبت رکھ کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ (چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمہ سے فرمایا)

اَیْ بنیۃ ! الست تحبّین ما احب؟ فقالت بلٰی قال فاحبّی ھٰذہ[2]۔

پیاری بیٹی ! جس سے میں محبت کرتا ہوں کیا تو اس سے محبت نہیں رکھتی؟ عرض کیا: بالکل یہی درست ہے (جسے آپ چاہیں میں ضرور اسے چاہوں گی) فرمایا تب تو بھی عائشہ سے محبت رکھا کر)

سوال ہوا سب آدمیوں میں حضور کو کون محبوب ہیں؟ جواب عطا ہوا: عائشہ[3]۔

نوٹ: بریلی شریف سے شائع ہونے والے رسالہ میں مذکور کہ یہاں اصل میں بہت بیاض ہے، درمیان میں کچھ ناتمام سطریں ہیں مناسبت مقام سے جو کچھ فہم قاصر میں آیا بنادیا ۱۲۔ اس فقیر نے ان اضافوں کو اصل عبارت سے ملا کر قوسین میں محدود کر دیا ہے تاکہ اصل و اضافہ میں امتیاز رہے اور ناظرین کو اس کا مطالعہ سہل ہو۔ اس میں غلطی ہو تو فقیر کی جانب منسوب کیا جائے۔ (محمد خلیل عفی عنہ)

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۸۵

[3] صحیح البخاری ابواب مناقب اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ ۱/ ۵۱۷، صحیح مسلم باب فضائل ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ ۲/ ۲۷۳، مسند احمد بن حنبل عن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۰۳

(وہ عائشہ صدیقہ بنت الصدیق، اُمّ المومنین، جن کا محبوبہ رب العالمین ہونا آفتاب نیم روز سے روشن تر، وہ صدیقہ جن کی تصویر بہشتی حریر میں رُوح القدس خدمتِ اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر لائیں۔ وہ ام المومنین کہ جبرئیل امین باآں فضل مبین انہیں سلام کریں اور ان کے کاشانہ عزت و طہارت میں بے اذن لیے حاضر نہ ہوسکیں، وہ صدیقہ کہ اللہ عزوجل وحی نہ بھیجے ان کے سوا کسی کے لحاف میں۔ وہ ام المومنین کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اگر سفر میں بے ان کے تشریف لے جائیں ان کی یاد میں واعروساہ[1]۔ فرمائیں۔

وہ صدیقہ کہ یوسف صدیق علیہ الصلوۃ والسلام کی براءت و پاکدامنی کی شہادت اہلِ زلیخا سے ایک بچہ ادا کرے بتول مریم کی تطہیر وعفت مآبی، روح اللہ کلمۃ اللہ فرمائیں، مگر ان کی براءت، پاک طینتی، پاک دامنی وطہارت کی گواہی میں قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ نزول فرمائیں۔ وہ ام المومنین کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے پانی پینے میں دیکھتے رہیں کہ کوزے میں کس جگہ لب مبارک رکھ کر پانی پیا ہے حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے لب ہائے مبارک وخدا پسند وہیں رکھ کر پانی نوش فرمائیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہا وعلٰی ابیہا وبارك وسلم۔

آدمی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھے اگر کوئی اس کی ماں کی توہین کرے اس پر بہتان اٹھائے یا اسے بُرا بھلا کہے تو اس کا کیسا دشمن ہوجائے گا اس کی صورت دیکھ کر آنکھوں میں خون اُتر آئے گا، اور مسلمانوں کی مائیں یوں بے قدر ہوں کہ کلمہ پڑھ کر ان پر طعن کریں تہمت دھریں اور مسلمان کے مسلمان بنے رہیں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

اور زبیر وطلحہ ان سے بھی افضل کہ عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ وہ (یعنی زبیر بن العوام) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور حواری (جاں باز، معاون ومددگار) اور یہ (یعنی طلحہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چہرے انور کے لیے سپر، وقت جاں نثاری (جیسے ایک جاں نثار نڈر سپاہی و سرفروش محافظ)

رہے امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ تواُن کا درجہ ان سب کے بعد ہے۔

اور حضرت مولٰی علی (مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی) کے مقام رفیع (مراتب بُلند وبالا) وشانِ منیع (عظمت ومنزلتِ محکم واعلا) تک تو ان سے وہ دور دراز منزلیں ہیں جن ہزاروں ہزار رہوار برق کردار (ایسے کشادہ فراخ قدم گھوڑے جیسے بجلی کا کوندا) صبا رفتار (ہوا سے بات کرنے والے، تیز رو،

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۲۴۸

تیز گام) تھک رہیں اور قطع (مسافت) نہ کرسکیں۔

مگر فضلِ صحبت (و شرفِ صحابیت و فضل) وشرف سعادت خدائی دین ہے۔ (جس سے مسلمان آنکھ بند نہیں کرسکتے تو ان پر لعن طعن یا ان کی توہین تنقیص کیسے گوارا رکھیں اور کیسے سمجھ لیں کہ مولٰی علی کے مقابلے میں انہوں نے جو کچھ کیا بربنائے نفسانیت تھا۔ صاحب ایمان مسلمان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں آسکتی۔

ہاں ایک بات کہتے ہیں اور ایمان لگتی کہتے ہیں کہ) ہم تو بحمداللہ سرکار اہلبیت (کرام) کے غلامانِ خان زاد ہیں (اور موروثی خدمت گار، خدمت گزار) ہمیں (امیر) معاویہ (رضی اللہ تعالٰی عنہ) سے کیا رشتہ خدانخواستہ ان کی حمایت بے جا کریں مگر ہاں اپنی سرکار کی طرفداری (اور امرِ حق مین ان کی حمایت و پاسداری) اور ان (حضرت امیر معاویہ) کا (خصوصًا) الزام بدگویاں (اور دریدہ دہنوں، بدزبانوں کی تہمتوں سے بری رکھنا منظور ہے کہ ہمارے شہزادہ اکبر حضرت سبط (اکبر، حسن) مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حسبِ بشارت اپنے جدِّ امجد سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد اختتامِ مدت (خلافت راشدہ کہ منہاج نبوت پر تیس سال رہی اور سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چھ ماہ مدتِ خلافت پر ختم ہوئی) عین معرکہ جنگ میں ایک فوج جرار کی ہمراہی کے باوجود) ہتھیار رکھ دیے (بالقصد والاختیار) اور ملک (اور امور مسلمین کا انتظام وانصرام) امیر معاویہ کو سپرد کردیا (اور ان کے ہاتھ پر بیعت اطاعت فرمالی) اگر امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ العیاذ باللہ کافر یا فاسق تھے یا ظالم جائر تھے یا غاصب جابر تھے۔ (ظلم وجور پر کمربستہ) تو الزام امام حسن پر آتا ہے کہ انہوں نے کاروبار مسلمین وانتظام شرع و دین باختیارِ خود (بلا جبر واکراہ بلا ضرورت شرعیہ، باوجود مقدرت) ایسے شخص کو تفویض فرمادیا (اور اس کی تحویل میں دے دیا) اور خیر خواہی اسلام کو معاذ اللہ کام نہ فرمایا (اس سے ہاتھ اٹھالیا) اگر مدت خلافت ختم ہوچکی تھی اور آپ (خود) بادشاہت منظور نہیں فرماتے تھے) تو صحابہ حجاز میں کوئی اور قابلیت نظم ونسق دین نہ رکھتا تھا جو انہیں کو اختیار کیا۔ اور انہیں کے ہاتھ پر بیعتِ اطاعت کرلی) حاش للہ بلکہ یہ بات خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی پیش گوئی میں ان کے اس فعل کو پسند فرمایا اور ان کی سیادت کا نتیجہ ٹھہرایا کما فی صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے) صادق و مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امام حسن رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت فرمایا۔ ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظمتین من المسلمین[1]۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصلح باب قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للحسن الخ و مناقب الحسن و الحسین قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۷۳ و ۵۳۰

(میرا یہ بیٹا سید ہے، سیادت کا علمبردار) میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل اس کے باعث دو بڑے گروہ اسلام میں صلح کرادے۔

آیہ کریمہ کا ارشاد ہے: "وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ"[1]۔

اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے۔

جو دنیا میں ان کے درمیان تھے اور طبیعتوں میں جو کدورت وکشیدگی تھی اسے رفق والفت سے بدل دیا اور ان میں آپس میں نہ باقی رہی مگر مودت ومحبت۔

اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ آپ نے فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ میں اور عثمان اور طلحہ وزبیر ان میں سے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ نزعنا الایۃ۔

حضرت مولیٰ علی کے اس ارشاد کے بعد بھی ان پر الزام دینا عقل وخرد سے جنگ ہے، مولیٰ علی سے جنگ ہے، اور خدا ورسول سے جنگ ہے۔والعیاذ باللہ۔

جب کہ تاریخ کے اوراق شاہد عادل ہیں کہ حضرت زبیر کو جونہی اپنی غلطی کا احساس ہوا انہوں نے فوراً جنگ سے کنارہ کشی کرلی۔

اور حضرت طلحہ کے متعلق بھی روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مددگار کے ذریعے حضرت مولیٰ علی سے بیعت اطاعت کرلی تھی۔

اور تاریخ سے ان واقعات کو کون چھپا سکتا ہے کہ جنگ جمل ختم ہونے کے بعد حضرت مولیٰ علی مرتضی نے حضرت عائشہ کے برادر معظم محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور دیکھیں کہ حضرت عائشہ کو خدانخواستہ کوئی زخم وغیرہ تو نہیں پہنچا۔بلکہ بعجلت تمام خود بھی تشریف لے گئے اور پوچھا۔آپ کا مزاج کیسا ہے؟

انہوں نے جواب دیا الحمدللہ اچھی ہوں۔

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا اور تمہاری بھی۔

پھر مقتولین کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر حضرت مولیٰ علی نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی واپسی کا انتظام کیا اور پورے اعزاز واکرام کے ساتھ محمد بن ابی بکر کی نگرانی میں چالیس معزز عورتوں کے جھرمٹ میں ان کو

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۴۳

جانب حجاز رخصت کیا۔خود حضرت علی نے دور تک مشایعت کی،ہمراہ رہے،امام حسن میلوں تک ساتھ گئے۔چلتے وقت حضرت صدیقہ نے مجمع میں اقرار فرمایا کہ مجھ کو علی سے نہ کسی قسم کی کدورت پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ہاں ساس،داماد (یا دیور،بھاوج) میں کبھی کبھی جو بات ہو جایا کرتی ہے اس سے مجھے انکار نہیں۔

حضرت علی نے یہ سن کر ارشاد فرمایا لوگو! حضرت عائشہ سچ کہہ رہی ہیں خدا کی قسم مجھ میں اور ان میں اس سے زیادہ اختلاف نہیں ہے،بہر حال خواہ کچھ ہو یہ دنیا وآخرت میں تمہارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں (اور ام المومنین)۔

اللہ اللہ! ان یارانِ پیکر صدق وصفا میں باہمی یہ رفق ومودت اور عزت واکرام اور ایک دوسرے کے ساتھ یہ معاملہ تعظیم واحترام،اور ان عقل سے بیگانوں اور نادان دوستوں کی حمایت علی کا یہ عالم کہ ان پر لعن طعن کو اپنا مذہب اور اپنا شعار بنائیں اور ان سے کدورت ودشمنی کو مولیٰ علی سے محبت وعقیدت ٹھہرائیں۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مسلمانانِ اہلسنت اپنا ایمان تازہ کرلیں اور سن رکھیں کہ اگر صحابہ کرام کے دلوں میں کھوٹ،نیتوں میں فتور اور معاملات میں فتنہ وفساد ہو تو رضی اللہ عنہم کے کوئی معنی ہی نہیں ہوسکتے۔

صحابہ کرام کے عند اللہ مرضی وپسندیدہ ہونے کے معنی یہی تو ہیں کہ وہ مولائے کریم ان کے ظاہر وباطن سے راضی،ان کی نیتوں اور مافی الضمیر سے خوش ہے،اور ان کے اخلاق واعمال بارگاہِ عزت میں پسندیدہ ہیں۔اسی لیے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ"[1] الآیۃ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان پیارا کردیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر اور حکم عدولی اور نافرمانی تمہیں ناگوار کردیئے اب جو کوئی اس کے خلاف کہے اپنا ایمان خراب کرے اور اپنی عاقبت برباد۔والعیاذ باللہ۔

عقیدہ ثامنہ[۸] ______ امامت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابتِ مطلقہ کو امامتِ کُبریٰ اور اس منصبِ عظیم پر فائز

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۷

ہونے والے کو امام کہتے ہیں۔

امام المسلمین حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھتا ہے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہوتی ہے۔

اس امام کے لیے مسلمان آزاد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے، ہاشمی علوی اور معصوم ہونا اس کی شرط نہیں، ان کا شرط کرنا روافض کا مذہب ہے جس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ برحق امرائے مومنین، خلفائے ثلٰثہ ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلافتِ رسول سے جدا کردیں۔ حالانکہ ان کی خلافتوں پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔ مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم و حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے ان کی خلافتیں تسلیم کیں۔ اور علویت کی شرط نے تو مولیٰ علی کو بھی خلیفہ ہونے سے خارج کردیا۔ مولا علی کیسے علوی ہو سکتے ہیں۔ رہی عصمت تو یہ انبیاء و ملائکہ کا خاصہ ہے امام کا معصوم ہونا روافض کا مذہب ہے۔ (بہارِ شریعت)

ہم مسلمانانِ اہلسنت و جماعت کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد (خلافت و امامتِ صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بالقطع التحقیق (قطعًا، یقینًا، تحقیقًا) حقّہ راشدہ ہے (ثابت و درست، رُشد و ہدایت پر مبنی) نہ غاصبہ جائرہ (کہ غصب یا جور و جبر سے حاصل کی گئی) رحمت و رافت (مہربانی و شفقت) حسنِ سیادت (بہتر ولائق تر امارت) و لحاظِ مصلحت (تمام مصلحتوں سے ملحوظ) و حمایتِ ملّت (شریعت کی حمایتوں سے معمور) و پناہ اُمت سے مزین (آراستہ و پیراستہ) اور عدل و داد (انصاف و برابری) و صدق و سداد (راستی و درستی) و رشد و ارشاد (راست روی و حق نمائی) و قطع فساد و قمع اہل ارتداد (مرتدین کی بیخ کنی) سے محلّی (سنواری ہوئی) اوّل تلویحات و تصریحات روشن و صریح ارشادات) سیّد الکائنات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوات والتحیات اس بارے میں بہ کثرت وارد۔

دوسرے خلافت اس جناب تقوی مآب کی باجماعِ صحابہ واقع ہوئی، (اور آپ کا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد تختِ خلافت پر جلوس فرمانا فرامین و احکام جاری کرنا، ممالک اسلامیہ کا نظم و نسق سنبھالنا، اور تمام امور مملکت و رزم و بزم کی باگیں اپنے دستِ حق پرست میں لیناوہ تاریخی واقعہ مشہور و متواتر اظہر من الشمس ہے، جس سے دنیا میں موافق مخالف حتّٰی کہ نصارٰی و یہود و مجوس و ہنود کسی کو انکار نہیں۔ اور ان محبانِ خدا و نوابانِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابدًا ابدًا سے شیعانِ علی

کو زیادہ عداوت کا منشی یہی ہے کہ ان کے زعم باطل میں استحقاقِ خلافت حضرت مولیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنیٰ میں منحصر تھا۔ جب بحکمِ الٰہی خلافتِ راشدہ، اوّل ان تین سرداران مومنین کو پہنچی روافض نے انہیں معاذاللہ مولیٰ علی کا حق چھیننے والا اور ان کی خلافت وامامت کو غاصبہ جائرہ ٹھہرایا۔

اتنا ہی نہیں بلکہ تقیہ شقیہ کی تہمت کی بدولت حضرت اسد اللہ غالب کو عیاذًا باللہ سخت نامرد و بُزدل وتارک حق ومطیع باطل ٹھہرایا۔ع

دوستی بے خرداں دشمنی ست

(بے عقلوں کی دوستی دشمنی ہوتی ہے)

(الغرض آپ کی امامت وخلافت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے) اور باطل پر اجماع امّت (خصوصًا اصحابِ حضرت رسالت علیہ وعلیہم الصلوۃ والتحیۃ کا) ممکن نہیں۔ (اور مان لیا جائے تو غصب وظلم پر اتفاق سے عیاذًا باللہ سب فساق ہوئے، اور یہی لوگ حاملانِ قرآن مبین وراویانِ دین متین ہیں، جو انہیں فاسق بتائے اپنے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک دوسرا سلسلہ پیدا کرے یا ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اسی طرح ان کے بعد خلافتِ فاروق، پھر امامتِ ذی النورین، پھر جلوہ فرمائی ابوالحسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

عقیدہ تاسعہ ۹ ______ ضروریاتِ دین

نصوصِ قرآنیہ (اپنی مراد پر واضح آیاتِ فرقانیہ) واحادیثِ مشہورہ متواترہ (شہرت اور تواتر سے مؤیّد) واجماعِ امت مرحومہ مبارکہ (کہ یہ قصرِ شریعت کے اساسی ستون ہیں اور شبہات وتاویلات سے پاک، ان میں سے ہر دلیل قطعی، یقینی واجب الاذعان والثبوت، ان) سے جو کچھ دربارہ الوہیت (ذات وصفاتِ باری تعالیٰ) ورسالت (ونبوت انبیاء ومرسلین وحی رب العلمین) وکتب سماوی، وملائکہ وجن وبعث وحشر ونشر وقیامِ قیامت، قضاء وقدر) وماکان ومایکون (جملہ ضروریاتِ دین) ثابت (اور ان دلائل قطعیہ سے مدلل ان براہین واضحہ سے مبرہن) سب حق ہیں اور ہم سب پر ایمان لائے جنت اور اسکے جانفزا احوال (کہ لاعین رأت ولا اُذن سمعت ولا خطر ببال احدٍ[1]۔ وہ عظیم نعمتیں

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر تحت آیۃ ۳۲/ ۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۴، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ السجدۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۵۱، سُنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب صفۃ الجنۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳۱

وہ نعیم عظمتیں اور جان و دل کو مرغوب و مطلوب وہ لذتیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خطرہ گزرا) دوزخ اور اس کے جاں گزا حالات (کہ وہ ہر تکلیف و اذیت جو ادراک کی جائے اور تصور میں لائی جائے، ایک ادنی حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا، والعیاذ باللہ) قبر کے نعیم و عذاب (کہ وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) منکر نکیر سے سوال و جواب روزِ قیامت حساب و کتاب و وزنِ اعمال (جس کی حقیقت اللہ جانے اور اس کا رسول) و کوثر (کہ میدانِ حشر کا ایک حوض ہے اور جنت کا طویل و عریض چشمہ) و صراط (بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، پشتِ جہنم پر ایک پُل) و شفاعۃ عصاۃ اہلِ کبائر (یعنی گناہگاران اُمت مرحومہ کہ کبیرہ گناہوں میں ملوث رہے ان کے لیے سوالِ بخشش) اور اس کے سبب اہل کبائر کی نجات الٰی غیر ذالک من الواردات سب حق (ہے اور سب ضروری القبول) جبر و قدر باطل (اپنے آپ کو مجبورِ محض یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی)۔

ولٰکن امر بین امرین (اختیارِ مطلق اور جبر محض کے بین بین راہِ سلامتی اور اس میں زیادہ غور و فکر سبب ہلاکت، صدیق و فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماو شما کس گنتی میں) جو بات ہماری عقل میں نہیں آتی (اس میں خواہ مخواہ نہیں الجھتے اور اپنی اندھی اوندھی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے بلکہ) اس کو موکول بخدا کرتے (اللہ عزوجل کو سونپتے کہ واللہ اعلم بالصواب) اور اپنا نصیبہ "اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ" [1]۔ بناتے ہیں (کہ سب کچھ حق کی جانب سے ہے سب حق ہے اور سب پر ہمارا ایمان) ؎

مصطفٰی اندر میاں آنکہ کہ می گوید بعقل　　آفتاب اندر جہاں آنکہ کہ می جوید سہا [2]

مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما ہوں تو اپنی عقل سے کون بات کرتا ہے سورج دنیا میں جلوہ گر ہو تو چھوٹے سے ستارے کو کون ڈھونڈتا ہے۔ ت)

(قال الرضا)

عرش پہ جا کہ مرغِ عقل تھک کے گرا، غش آگیا　　اور ابھی منزلوں پرے، پہلا ہی آستان ہے [3]

یاد رکھنا چاہیے کہ وحی الٰہی کا نزول، کتبِ آسمانی کی تنزیل، جن و ملائکہ، قیامت و بعث، حشر و نشر

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2]

[3] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ کراچی حصہ اول ص ۷۹

حساب وکتاب، ثواب وعذاب اور جنت ودوزخ کے وہی معنی ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہیں اور جن پر صدر اسلام سے اب تک چودہ سو ۱۴۰۰ سال کے کافہ مسلمین ومومنین دوسرے ضروریاتِ دین کی طرح ایمان رکھتے چلے آرہے ہیں مسلمانوں میں مشہور ہیں۔

جو شخص ان چیزوں کو تو حق کہے اور ان لفظوں کا تو اقرار کرے مگر ان کے نئے معنٰی گھڑے مثلًا یوں کہے کہ جنت ودوزخ وحشر ونشر وثواب وعذاب سے ایسے معنی مراد ہیں جو ان کے ظاہر الفاظ سے سمجھ میں نہیں آتے۔ یعنی ثواب کے معنی اپنے حسنات کو دیکھ کر خوش ہونا۔ اور عذاب، اپنے برے اعمال کو دیکھ کر غمگین ہونا ہیں۔ یا یہ کہ وہ روحانی لذتیں اور باطنی معنی ہیں وہ کافر ہے کیونکہ ان امور پر قرآن پاک اور حدیث شریف میں کھلے ہوئے روشن ارشادات موجود ہیں۔

یونہی یہ کہنا بھی یقینًا کفر ہے کہ پیغمبروں نے اپنی اپنی اُمتوں کے سامنے جو کلام، کلامِ الٰہی بتا کر پیش کیا وہ ہر گز کلامِ الٰہی نہ تھا بلکہ وہ سب انہیں پیغمبروں کے دلوں کے خیالات تھے جو فوارے کے پانی کی طرح انہیں کے قلوب سے جوش مار کر نکلے اور پھر انہیں کے دِلوں پر نازل ہوگئے۔

یونہی یہ کہنا کہ نہ دوزخ میں سانپ، بچھو اور زنجیریں ہیں اور نہ وہ عذاب جن کا ذکر مسلمانوں میں رائج ہے، نہ دوزخ کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالٰی کی نافرمانی سے جو کلفت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانی اذیت کا اعلٰی درجہ پر محسوس ہونا اسی کا نام دوزخ اور جہنم ہے، یہ سب کفر قطعی ہے۔

یونہی یہ سمجھنا کہ جنت میں میوے ہیں نہ باغ، نہ محل ہیں نہ نہریں ہیں، نہ حوریں ہیں، نہ غلمان ہیں، نہ جنت کا کوئی وجود خارجی ہے بلکہ دنیا میں اللہ تعالٰی کی فرمانبرداری کی جو راحت روح کو ہوئی تھی بس اسی روحانیت کا اعلٰی درجہ پر حاصل ہونا اسی کا نام جنت ہے، یہ بھی قطعًا یقینا کفر ہے۔

یونہی یہ کہنا کہ اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں جن فرشتوں کا ذکر فرمایا ہے نہ ان کا کوئی اصل وجود ہے نہ ان کا موجود ہونا ممکن ہے، بلکہ اللہ تعالٰی نے اپنی ہر ہر مخلوق میں جو مختلف قسم کی قوتیں رکھی ہیں جیسے پہاڑوں کی سختی، پانی کی روانی، نباتات کی فنرونی بس انہیں قوتوں کا نام فرشتہ ہے، یہ بھی بالقطع والیقین کفر ہے۔

یونہی جن وشیاطین کے وجود کا انکار اور بدی کی قوت کا نام جن یا شیطان رکھنا کفر ہے اور ایسے اقوال کے قائل یقینًا کافر اور اسلامی برادری سے خارج ہیں۔

فائدہ جلیلہ

مانی ہوئی باتیں چار۴ قسم ہوتی ہیں۔

(۱) ضروریاتِ دین: ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہی جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

(۲) ضروریاتِ مذہبِ اہلسنت وجماعت: ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیی ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

(۳) ثابتات محکمہ: ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل اور التفاتِ خاص کے ناقابل بنادے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سوادِ اعظم و جمہور علماء کا سندِ وافی، فانّ ید اللہ علی الجماعۃ (اللہ تعالٰی کا دستِ قدرت جماعت پر ہوتا ہے۔ ت)

ان کا منکر وضوح امر کے بعد خاطی وآثم خطاکار و گناہگار قرار پاتا ہے، نہ بددین و گمراہ نہ کافر و خارج از اسلام

(۴) ظنّیات محتملہ: ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنّی بھی کافی، جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مخطی و قصوروار کہا جائے گا نہ گنہگار، چہ جائیکہ گمراہ، چہ جائیکہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلٰی درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بے وقوف ہے **یا مکّار فیلسوف** ع

ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد

(ہر بات کا کوئی وقت اور ہر نکتے کا کوئی خاص مقام ہوتا ہے۔ ت)

اور ع

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

(اگر تُو مراتب کے فرق کو ملحوظ نہ رکھے تو زندیق ہے۔ ت)

اور بالخصوص قرآنِ عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریح صریح ہونے کی تو اصلاً ضرورت نہیں حتّٰی کہ مرتبہ اعلیٰ اعنی ضروریاتِ دین میں بھی۔

بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات و احادیث میں نہیں، مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔

قرآن عظیم میں اللہ عزوجل کے علم و احاطہ کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر امتناع و امکان کی بحث کہیں نہیں پھر کیا جو شخص کہے کہ واقع میں تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے چھپا نہیں۔

مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے تو کیا وہ کافر نہ ہوگا کہ اس کے امکان کا سلبِ صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ ! ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر، تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح صریح، قرآن و حدیث میں ضرور نہیں تو ان سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مرچڑا پن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے، نری جہالت ہے یا صریح ضلالت، مگر جنون و تعصب کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

تو خوب کان کھول کر سُن لو اور لوح دل پر نقش رکھو کہ جسے کہتا سنو ہم اماموں کا قول نہیں جانتے ہمیں تو قرآن و حدیث چاہیے۔ جان لو کہ یہ گمراہ ہے، اور جسے کہتا سنو کہ ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں صرف قرآن درکار ہے سمجھ لو کہ یہ بد دین، دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔

مسلمانو ! تم ان گمراہوں کی ایک نہ سُنو۔ اور جب تمہیں قرآن میں شبہہ ڈالیں تم حدیث کی پناہ لو۔ اگر حدیث میں ایں وآں نکالیں تم ائمہ دین کا دامن پکڑو۔ اس درجے پر آکر حق و باطل صاف کھل جائے گا اور ان گمراہوں کا اڑایا ہوا، سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دھل جائے گا اور اس وقت یہ ضال، مضل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے۔

"كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۵۰﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۵۱﴾"[1]۔ (گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں) (الصارم الربانی ملخصًا)

عقیدہ عاشرہ ۱۰ ________ شریعت و طریقت

شریعت و طریقت، دو راہیں متبائن نہیں (کہ ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے کے خلاف ہوں) بلکہ بے اتباع شریعت، خدا تک وصول محال، شریعت تمام احکامِ جسم و جان و روح قلب

[1] القرآن الکریم ۷۴/ ۵۰ و ۵۱

وجملہ علومِ الٰہیہ ومعارفِ نامتناہیہ کو جامع ہے جن میں سے ایک ایک ٹکڑے کا نام طریقت ومعرفت ہے ولہٰذا باجماعِ قطعی جملہ اولیائے کرام کے تمام حقائق کو شریعتِ مطہرہ پر عرض کرنا فرض ہے، اگر شریعت کے مطابق ہوں حق وقبول ہیں ورنہ مردود ومخذول (مطرود ونامقبول)

(تو یقیناً قطعاً شریعت ہی اصل کار ہے، شریعت ہی مناط ومدار ہے شریعت ہی محک ومعیار ہے اور حق وباطل کے پرکھنے کی کسوٹی) شریعت راہ کو کہتے ہیں اور شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ کا ترجمہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ۔ اور یہ قطعاً عام ومطلق ہے نہ کہ صرف چند احکام جسمانی سے خاص۔

یہی وہ راہ ہے کہ پانچوں وقت، ہر نماز ہر رکعت میں اس کا مانگنا اور اس پر صبر واستقامت کی دُعا کرنا ہر مسلمان پر واجب فرمایا ہے کہ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" [1]۔ (ہم کو سیدھا راستہ چلا) ہم کو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی راہ پر چلا، ان کی شریعت پر ثابت قدم رکھ۔

یونہی طریق، طریقہ، طریقت راہ کو کہتے ہیں نہ کہ پہنچ جانے کو، تو یقیناً طریقت بھی راہ ہی کا نام ہے، اب اگر وہ شریعت سے جدا ہو تو بشہادت قرآن عظیم خدا تک نہ پہنچائے گی بلکہ شیطان تک جنت تک نہ لے جائے گی بلکہ جہنم میں کہ شریعت کے سوا سب راہوں کو قرآن عظیم باطل ومردود فرما چکا۔

لاجرم ضرور ہوا کہ طریقت یہی شریعت ہے اسی راہ روشن کا ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال وناسزا ہے، جو اسے شریعت سے جدا مانتا ہے اسے راہِ خدا سے توڑ کر راہِ ابلیس مانتا ہے مگر حاشا، طریقت حقّہ راہِ ابلیس نہیں قطعاً راہِ خدا ہے) نہ بندہ کسی وقت کیسی ہی ریاضات ومجاہدات بجالائے۔ (کیسی ہی ریاضتوں، مجاہدوں اور چلّہ کشیوں میں وقت گزارا جائے۔ اس رُتبہ تک پہنچے کہ تکالیف شرع (شریعت ومطہرہ کے فرامین واحکامِ امر ونہی) اس سے ساقط ہوجائیں اور اسے اسپ بے لگام وشُتر بے زمام کرکے چھوڑ دیا جائے۔

قرآن عظیم میں فرمایا: "اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾" [2]۔ بے شک اسی سیدھی راہ پر میرا رب ملتا ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱/ ۵

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۵۶

اور فرمایا: "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ" الآیۃ[1]۔

شروع رکوع سے احکامِ شریعت بیان کرکے فرماتا ہے۔ اور اے محبوب! تم فرمادو کہ یہ شریعت میری سیدھی راہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا اور راستوں کے پیچھے نہ لگ جاؤ کہ وہ تمہیں خدا کی راہ سے جدا کردیں گے۔ دیکھو قرآن عظیم نے صاف فرمادیا کہ شریعت ہی صرف وہ راہ ہے جس کا منتہا اللہ ہے اور جس سے وصول الی اللہ ہے، اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ کی راہ سے دُور پڑے گا،

طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت ہی کے اتباع کا صدقہ ہے ورنہ بے اتباعِ شرع بڑے بڑے کشف راہبوں، جوگیوں، سنیاسیوں کو دیئے جاتے ہیں، پھر وہ کہاں تک لے جاتے ہیں، اسی نارِ جحیم وعذاب الیم تک پہنچاتے ہیں۔ (مقال العرفاء)

صوفی وہ ہے کہ اپنے ہوا (اپنی خواہشوں، اپنی مرادوں) کو تابع شرع کرے (بے اتباع شرع کسی خواہش پر نہ لگے) نہ وہ کہ ہوا (وہوس اور نفسانی خواہشوں) کی خاطر شرع سے دستبردار ہو (اور اتباع شریعت سے آزاد) شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زوال پائے گی، شریعت آنکھ ہے اور طریقت نظر (اور) آنکھ پھوٹ کر نظر (کا باقی رہنا) غیر متصور (عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو شریعتِ مطہرہ میں کب مقبول ومعتبر) بعد از وصولِ (منزل) اگر اتباعِ شریعت سے بے پروائی ہوتی (اور احکامِ شرع کا اتباع لازم وضرور نہ رہتا یا بندہ اس میں مختار ہوتا) تو سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام الواصلین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس کے ساتھ احق ہوتے (اور ترک بندگی واتباع شرع کے باب میں سب سے مقدم و پیش رفت) نہیں (یہ بات نہیں اور ہرگز نہیں) بلکہ جس قدر قربِ (حق) زیادہ ہوتا ہے شرع کی باگیں اور زیادہ سخت ہوتی جاتی ہیں (کہ) حسنات الابرار سیئات المقربین[2]۔ (ابرار کی نیکیاں بھی مقربین کے لیے عیب ہوتی ہیں)

ع نزدیکاں رابیش بود حیرانی

(قریب والوں کو حیرت زیادہ ہوتی ہے)

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۵۳

[2] کشف الخفاء حدیث ۱۱۳۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۱۸

اور ع

جن کے رُتبے ہیں سوا، ان کو سوا مشکل ہے

آخر نہ دیکھا کہ سیّد المعصومین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رات، رات بھر عبادات و نوافل میں مشغول اور کارِ امّت کے لیے گریاں و ملول رہتے، نماز پنجگانہ تو حضور پر فرض تھی ہی نمازِ تہجد کا ادا کرنا بھی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر لازم بلکہ فرض قرار دیا گیا جب کہ اُمّت کے لیے وہی سنت کی سنت ہے۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ زعم کرتے ہیں کہ احکامِ شریعت تو وصول کا ذریعہ تھے اور ہم واصل ہوگئے یعنی اب ہمیں شریعت کی کیا حاجت۔ فرمایا وہ سچ کہتے ہیں، واصل ضرور ہوئے مگر کہاں تک؟ جہنم تک۔

چور اور زانی ایسے عقیدے والوں سے بہتر ہیں اگر ہزار برس جیوں تو فرائض وواجبات تو بڑی چیز ہیں، جو نوافل و مستحبات مقرر کردیئے ہیں بے عذرِ شرعی ان میں کچھ کم نہ کروں۔

تو خلق پر تمام راستے بند ہیں مگر وہ جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نشانِ قدم کی پیروی کرے۔

خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید   کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید[1]

(جس کسی نے پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلاف راستہ اختیار کیا ہرگز منزل مقصود پر نہ پہنچے گا)

توہینِ شریعت کفر (اور علمائے دین کو سب وشتم، آخرت میں فضیحت ورسوائی کا موجب)

اور اس کے دائرہ سے خروج فسق (و نافرمانی) صوفی (تقوی شعار) صادق (العمل) عالم سنی صحیح العقیدہ پر خدا اور رسول کے فرمان (واجب الاذعان کے مطابق) ہمیشہ یہ عقیدت رکھتا ہے کہ (یہاں اصل میں بیاض ہے) (علمائے شرع مبین و ارثانِ خاتم النبیین ہیں اور علومِ شریعت کے نگہبان و علمبردار، توان کی تعظیم و تکریم صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہے اور اس پر دین کا مدار) اور عالمِ متدین خدا طلب (خدا پرست، خدا ترس، خدا آگاہ) ہمیشہ صوفی سے (یہاں اصل میں بیاض ہے) (بتواضع و انکسار پیش آئے گا کہ وہ حق آگاہ اور حق کی پناہ میں ہے) اور اسے اپنے سے افضل و اکمل جانے گا (کہ وہ دنیاوی آلائشوں سے پاک ہے) جو اعمال اس (صوفی صاف حق پرست و حق آگاہ) کے اس کی نظر میں قانونِ تقوی سے باہر نظر آئیں گے (ان سے صرف نظر کرکے معاملہ عالم الغیب

---

[1] بوستان سعدی دیباچہ کتاب مکتبہ شرکتِ علمیہ ملتان ص ۸

والشہادۃ پر چھوڑے گا بمصداق۔

ایکہ حمّالِ عیب خویشتید طعنہ بر عیبِ دیگراں مکنید

(اے اپنے عیبوں کو اٹھانے والو! دوسروں کے عیب پر طعنہ زنی مت کرو)

اے اللہ! سب کو ہدایت اور اس پر ثبات و استقامت (ثابت قدمی) اور اپنے محبوبوں اور سچے پکے عقیدوں پر جہانِ گزران سے اٹھا، آمین یا ارحم الراحمین۔

اللّٰھم لك الحمد والیك المشتکٰی وانت المستعان ط ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب المصطفٰی وعلٰی اٰلہ الطیبین وصحبہ الطاہرین اجمعین

رسالہ **اعتقاد الاحباب فی الجمیل والمصطفٰی والاٰل والاصحاب** ختم ہوا۔

مسئلہ ۱۳۷: از بریلی مدرسہ منظر الاسلام مسئولہ مولوی محمد افضل صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام خواہش امتی بودن سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چرا کرد حالانکہ از مرتبہ نبوت دیگر مرتبہ نیست فوق آں، و مرتبہ امت اسفل ازاں دیگر اینکہ ایں طور حدیث را بر عقائد چکار زیرا کہ انبیاء علیہم السلام در علوئیں تمام عالم احتیاج ایشاں اند ایشاں احتیاج کسے نیستند۔ بینوا توجروا	حضرت موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہونے کی خواہش کیوں کی حالانکہ مرتبہ نبوت سے کوئی اور مرتبہ بُلند نہیں ہے اور امت کا مرتبہ نبوت کے مرتبہ سے نیچے ہے، پھر اس طرح کی حدیث عقائد میں کیسے کارآمد ہو سکتی ہے اس لیے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بُلندی کے اس مقام پر فائز ہیں کہ تمام جہان ان کا محتاج ہے وہ کسی کے محتاج نہیں، بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب:

افضل غنی از فضل نیست سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم را مرتبہ از محبوبیت کبرٰی و جملہ فضائل عالیہ چناں بخشیدند کہ مرکب کسے بغبار او نرسد تیرہ دروناں بر فضل دیگراں حسد برند واہل کمال چوں بینند کہ مارا بآں دسترس نیست انتسابِ بآں محبوب خواہند	افضل فضیلت سے مستغنی نہیں ہوتا۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محبوبیت کبرٰی کا بُلند مرتبہ اور تمام فضائل عالیہ اس طور پر حاصل ہوئے کہ کسی کا مرکب ان کے غبار تک نہیں پہنچ سکتا۔ تاریک دل والے دوسروں کی فضیلت پر حسد کرتے ہیں اور اہلِ کمال جب دیکھتے ہیں کہ ہمیں اس عظیم

کہ در زیر عنایتش بروجہے خاص باشند انبیاء رابدیگراں احتیاج نبودن مسلم فامابہ سیدا نبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمہ رانیاز ست چنانکہ کریمہ اخذ میثاق ازانبیاء و حدیث صحیح مسلم یرغب الیّ الخلق کلھم حتی خلیل اللہ ابراھیم [1]۔راں شاہد عدل ست ایں چنیں احادیث راباہیچ عقیدہ خلاف نیست، واللہ تعالیٰ اعلم۔	مقام تک رسائی حاصل نہیں تو وہ اس عظیم محبوب کی طرف اپنی نسبت کرنے کی پسند کرتے ہیں تاکہ بطورِ خاص اس کی نظرِ عنایت میں ہوجائیں، یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دوسروں کے محتاج نہیں لیکن سید انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سب کو محتاجی ہے، جیسا کہ انبیاء سے اخذِ میثاق والی آیت کریمہ اور صحیح مسلم کی یہ حدیث اس پر شاہد عادل ہے کہ تمام مخلوق میری طرف راغب ہے حتی کہ جناب ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام بھی۔اس قسم کی حدیثیں کسی عقیدہ کے مخالف نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۳۸: از گونڈل مرسلہ قاضی قاسم میاں صاحب ۲۶ ربیع الاخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام مومنین سے عوام ملائکہ کا مرتبہ زیادہ ہے یا نہیں عوام مومنین کی تشریح فرمائیں۔

الجواب:

حدیث میں ہے رب العزۃ جل وعلا فرماتا ہے: **عبدی المؤمن احب الیّ من بعض ملئکتی** [2]۔ میرا مسلمان بندہ مجھے میرے بعض فرشتوں سے زیادہ پیارا ہے۔

ہمارے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں، اور ملائکہ کے رسول ہمارے اولیاء سے افضل ہیں، اور ہمارے اولیاء عوام ملائکہ یعنی غیر رسل سے افضل ہیں اور یہاں عوام مومنین سے یہی مراد ہے۔نہ فسّاق و فجار کہ ملائکہ سے کسی طرح افضل نہیں ہوسکتے۔انسان صفت ملکوتی و بہیمی و سبعی و شیطانی سب کا جامع ہے جو صفت اس پر غلبہ کرے گی اس کے منسوب الیہ سے زائد ہوجائے گا کہ اگر ملکوتی صفت غالب ہوئی کروڑوں ملائکہ سے افضل ہوگا۔اور بہیمی غالب ہوئی تو بہائم سے بدتر اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ

---

[1] صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن باب بیان القرآن انزل علی سبعۃ احرف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۳

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الصوم دار الفکر بیروت ۴/ ۱۹۳

اَضَلُّ ؕ "[1] (جو چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔ت) یونہی سبعی و شیطانی وہابیہ کو دیکھو، شیطان کہ ان سے سبق لیتا ہے، ابلیس کو ہزاروں برس کی عمر میں نہ سوجھی تھیں جو انہیں سوجھتی ہیں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۹: از دارالطلبہ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد مرسلہ مولوی ابراہیم صاحب ۱۷رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) زید کہتا ہے کہ تقلید شخصی واجب نہیں کہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں اگر واجب ہوتی تو احادیث میں کہیں نہ کہیں ذکر ہوتا۔ عمرو کہتا ہے واجب ہے بالخصوص امام اعظم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی، زید کا قول صحیح ہے یا عمرو کا؟

(۲) زید کہتا ہے قراءت خلف الامام کرنی چاہیے نہ کی جائے گی تو نماز صحیح نہ ہوگی، اور اس کے ثبوت میں احادیث پیش کرتا ہے، عمرو کہتا ہے نہ کرنا چاہیے، زید احادیث و تفاسیر کے علاوہ اور کسی دلیل کو نہیں مانتا، کہتا ہے کہ فقہ قیاسی ہے احادیث و تفاسیر کے مقابل قابل عمل نہیں۔

(۳) زید کہتا ہے آمین بالجہر کرنا چاہیے کہ احادیث سے ثابت ہے۔ عمرو مانع ہے، کس کا قول ٹھیک ہے؟

الجواب:

(۱) تقلید فرض قطعی ہے، **قال اللہ تعالٰی:**

"فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۟ۙ "[2]۔	تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں ہے۔(ت)

وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الاسئلوا ان لم یعلموا فانما شفاء العی السؤال[3]۔	اگر وہ نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں کیونکہ جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے۔(ت)

اگر ایک مذہب کی پابندی نہ کی جائے تو یا وقت واحد میں شیئ واحد کو حرام بھی جانے گا اور حلال بھی جیسے قراءت مقتدی شافعیہ کے یہاں واجب اور حنفیّہ کے یہاں حرام اور وقت واحد میں شے کا

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

[3] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب المجدور یتیمم آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۴۹

حرام وحلال دونوں ہونا محال، یا یہ کرے گا کہ ایک وقت حلال سمجھے گا دوسرے وقت حرام، تو یہ اس آیت میں داخل ہونا ہوگا کہ "یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا"[1]۔ (ایک سال اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور ایک سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں۔ت) لاجرم پابندیِ مذہب لازم، اور اس کی تفصیل ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) فقہ کا نہ ماننے والا شیطان ہے، ائمہ کا دامن جو نہ تھامے وہ قیامت تک کوئی اختلافی مسئلہ حدیث سے ثابت نہیں کرسکتا، جسے دعوٰی ہو سامنے آئے اور زیادہ نہیں اسی کا ثبوت دے کہ کتا کھانا حلال ہے یا حرام؟ آیت نے تو کھانے کی حرام چیزوں کو صرف چار میں حصر فرمایا ہے۔ مردار اور رگوں کا خون، اور خنزیر کا گوشت اور وہ جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے تو کتا درکنار سوئر کی چربی اور گردے اور اوجڑی کہاں سے حرام ہوگی کسی حدیث میں ان کی تحریم نہیں اور آیت میں لحم فرمایا ہے جو ان کو شامل نہیں، غرض یہ لوگ شیاطین ہیں، ان کی بات سننا جائز نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) عمرو کا قول ٹھیک ہے، آمین دعا ہے اور دعا کے اخفاء کا قرآن عظیم میں حکم ہے اور حدیث مرفوع بھی اسی کا افادہ فرماتی ہے کہ:

واذا قال ولا الضالین قولوا امین فان الامام یقولها[2]۔	جب امام ولا الضالین کہے تم آمین کہو کہ امام بھی کہے گا۔

معلوم ہوا کہ آہستہ کہے گا، اصل یہ ہے کہ امام کے فعل کے ساتھ اس کا فعل ہو اگر وہ آمین بالجہر کہتا مقتدیوں کو معلوم ہوتا تو یہ فرمایا جاتا کہ جب وہ آمین کہے تم بھی کہو۔ یہاں یہ نہ فرمایا بلکہ اس کا فعل بتایا کہ جب وہ **ولا الضالین** کہے تم امین کہو اور اس کی موافقت کہ خفی تھی ظاہر فرمادی کہ وہ بھی کہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۲: از شہر محلّہ سوداگراں مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قیام میلاد شریف اگر مطلقًا ذکر خیر کی

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

[2] سنن النسائی کتاب الافتتاح باب جهر الامام آمین نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۱۴۷، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۷۰

وجہ سے کیا جاتا ہے تو اول وقت سے کیوں نہیں کیا جاتا اس لیے کہ اول سے ذکرِ خیر ہی ہوتا ہے، اور اگر اس خیال سے کیا جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رونق افروز ہوتے ہیں تو کیا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول وقت سے رونق افروز نہیں ہوتے اگر ہوتے تو ابتداءً مجلس مبارک قیام ہی سے کیوں نہیں ہوتا اور اگر نہیں تو کیا **فظهر فولد** (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہی کے وقت جلوہ افروز ہوتے اور تا قیام تشریف فرما رہتے اور فوراً لوگوں کے بیٹھتے ہی تشریف لے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضور کا آنا لوگوں کے قیام و نیز میلاد خواں کے **فظهر فولد** کہنے پر موقوف ہے، کیا یہ زید کا کہنا لغو ہے یا نہیں اور اس کا کافی جواب کیا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

زید کی یہ سب حماقتیں جہالتیں سفاہتیں ہیں مہمل ولایعنی شقوق اپنی طرف سے ایجاد کیے اور جو وجہ حقیقی ہے اس کی طرف اسے ہدایت نہ ہوئی، تعظیم ذکر اقدس مثل تعظیم ذاتِ انور ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تعظیم ذات باختلافِ حالات مختلف ہوتی ہے، معظم کے قدوم کے وقت قیام کیا جاتا ہے اور اس کے حضور کے وقت باادب اس کے سامنے بیٹھنا تعظیم ہے۔ ذکر شریف میں بھی ذکر قدوم کی تعظیم قیام سے ہے اور باقی وقت کی تعظیم باادب قعود سے۔ **ولکن الوهابية قوم لایعقلون** (لیکن وہابی بے عقل قوم ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۳: مسئولہ مولٰنا مولوی سید غلام قطب الدین صاحب پر دیسی جی برہمچاری از شہر محلّہ باسمنڈی ۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اب کی دس جنوری کی اشاعت میں راما سنگھم نے قرآن عظیم کی تین آیات کا حوالہ دے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) گنہگار قرار دیا ہے ان میں سے پہلی دو میں رسول مقبول (صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم) کو یوں مخاطب کیا ہے۔ تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ۔ تیسری آیت کا مطلب یہ ہے فی الواقعی ہم نے تیرے واسطے بلا شبہہ کامیابی حاصل کی ہے کہ خدا تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف کرتا ہے مسٹر حسن ہم کو اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ ان آیات میں تو سے مراد تو ہر گز نہیں ہے بلکہ اس کا اشارہ اسلام کے نبی کے پیروؤں کے گناہوں اور غلطیوں کی طرف ہے یہ بات مشکل ہے کہ اس مباحثہ کو قابل یقین سمجھا جائے کیونکہ اگر عربی زبان ایسی ہی پیچیدہ ہے کہ ہر ایک پڑھنے والا اپنی خواہش کے مطابق مطلب لے سکتا ہے تب قرآن عظیم سے جو چاہیں مطلب لے سکتے ہیں، تاہم مسٹر حسن کا یہ بیان ہے کہ وہ آیاتِ زیر مباحثہ کے ان معنوں پر اعتقاد

رکھتے اور قرآن عظیم کے مفسرین کی صنعت کو مانتے ہیں مجھ کو خوف ہے کہ مسٹر حسن نے تفسیروں کو غور سے نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ میں ذیل میں یہ دکھاؤں گا کہ قرآن عظیم کے مسلم مفسرین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار ہونے کو (معاذاللہ) صاف طور سے مانتے ہیں اور بعض موقعوں پر ان خاص گناہوں کو بتاتے ہیں جن کی بابت رسول مقبول (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے معافی مانگنے کو کہا گیا ہم وہ تین آیات لیتے ہیں جو راما سنگھم نے نقل کی ہیں، اول سورہ محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی انتیسویں آیت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تو معافی مانگ اپنے گناہوں اور اپنے معتقدین کی خواہ مرد ہوں خواہ عورت، یہاں پر کسی حالت میں بھی تو کے معنی پیروؤں کے نہیں ہوسکتے چونکہ ان لوگوں کا ذکر خود بھی آچکا ہے۔ اور حرف عطف سب پیچیدگیوں کو صاف کردیتا ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے اپنی اور بعد کو اپنے پیروؤں کی معافی مانگنے کو کہا گیا ہے۔ دوسری سورہ مومن کی پچیسویں آیت ہے اور اس کا مطلب یہ ہے تو اپنے گناہوں کی معافی مانگ اس بات کو یقین کرنا دشوار ہے کہ آپ کے مسٹر حسن نے درحقیقت مفسرین سے دریافت کیا ہوگا اگر وہ دریافت کرلیتے تو کبھی نہ کہتے کہ وے لوگ اس بات کو راما سنگھم پر صاف عیاں کردیں گے کہ مسلمانوں کے پیغمبر (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہر گناہ سے معصوم ہیں اس سے کہیں دور وہ صاف طور سے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی گنہگاری کو مانتے ہیں، ابن عباس بڑے بھاری مفسرین میں سے ہیں اور اپنی تفسیر میں اس طرح سے کہتے ہیں: واستغفر عـــہ لذنبك لتقصیر والشکر علی ما انعم اللہ علیك وعلی اصحابك اس کے معنی یہ ہیں کہ تو معافی مانگ اپنے گناہوں کی وہ یہ کہ تو نے خدا کی اس مہربانی کے شکر گزار ہونے میں غفلت کی جو کہ خدا نے تیرے پیروؤں پر کی۔

زمخشری ایک بڑے بھاری مفسر اپنی تفسیر الکشاف میں یوں لکھتے ہیں: لکن یغفر اللہ لك ماتقدم من ذنبك قبل الوحی وما تاخر وما یکون بعد الوحی الی الموت اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا تیرے گناہ جو کہ وحی آنے کے قبل ہوئے ہیں اور اس کے بعد میں یعنی مرتے وقت تک معاف کردے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

اس سوال میں آریہ نے افتراء وجہالت ونافہمی وبے ایمانی سے کام لیا۔

عـــہ: ھکذا بخطہ۔ ۱۲ منہ

عبارت کہ کشاف کی طرف نسبت کی محض بہتان ہے، کشاف میں اُس کا پتہ نہیں،

(۲) بالفرض اگر کشاف میں ہوتی تو وہ ایک معتزلی بدمذہب بے ادب کی تصنیف ہے اس کا کیا اعتبار۔

(۳) یہ تفسیر کہ منسوب بسیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ہے نہ اُن کی کتاب ہے نہ اُن سے ثابت یہ بسند محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح مروی ہے اور ائمہ دین اس سند کو فرماتے ہیں کہ یہ سلسلہ کذب ہے تفسیر اتقان شریف میں ہے:

واوھی طرقه طریق الکلبی عن ابی صالح عن ابن عباس فان انضم الی ذلك روایة محمد بن مروان اسدی الصغیر فھی سلسلة الکذب[1]۔	اس کے طُرق میں سے کمزور ترین طریق کلبی کا ابوصالح سے اور اس کا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرنا اگر اس کے ساتھ محمد بن مروان اسدی کی روایت مل جائے تو کذب کا سلسلہ ہے۔(ت)

(۴) اس کے ترجمے میں بھی آریہ نے تحریف کی ہے، عبارت یہ ہے: لتقصیر الشکر علی ما انعم اللہ علیك وعلی اصحابک۔

یعنی اللہ عزوجل نے آپ پر اور آپ کے اصحاب پر جو نعمتیں فرمائیں ان کے شکر میں جس قدر کمی واقع ہوئی اس کے اس لیے استغفار فرمائیے۔

کہاں کمی اور کہاں غفلت، نعمائے الٰہیہ ہر فرد پر بے شمار حقیقۃً غیر متناہی بالفعل ہیں کما حققه المفتی ابوالسعود فی ارشاد العقل السلیم (جیسا کہ مفتی ابوالسعود نے ارشاد العقل السلیم میں اس کی تحقیق کی ہے۔ت) قال اللہ عزوجل "وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا"[2]۔ اگر اللہ کی نعمتیں گنا چاہو تو نہ گن سکوگے، جب اس کی نعمتوں کو کوئی گن نہیں سکتا تو ہر نعمت کا پورا شکر کون ادا کرسکتا ہے۔

از دست وزباں کہ برآید کز عہدہ شکرش بدر آید

(کس کے ہاتھ اور زبان سے ممکن ہے کہ اس کے شکر سے عہدہ برآ ہوسکے۔ت)

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن النوع التاسع والسبعون فی غرائب التفسیر مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۸۹

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۳۴

شکر میں ایسی کمی ہر گز گناہ بمعنی معروف نہیں بلکہ لازمہ بشریت ہے نعمائے الٰہیہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن ہر حال میں متزائد ہیں خصوصًا خاصوں پر خصوصًا اُن پر جو سب خاصوں کے سردار ہیں اور بشر کو کسی وقت کھانے پینے سونے میں مشغولی ضرور، اگرچہ خاصوں کے یہ افعال بھی عبادت ہی ہیں مگر اصل عبادت سے تو ایک درجہ کم ہیں اس کمی کو تقصیر اور اس تقصیر کو ذنب سے تعبیر فرمایا گیا۔

(۵) بلکہ خود نفس عبارت گواہ ہے کہ یہ جسے ذنب فرمایا گیا ہر گز حقیقۃً ذنب بمعنی گناہ نہیں۔

ماتقدم سے کیا مراد لیا، وحی اترنے سے پیشتر کے، اور گناہ کسے کہتے ہیں، مخالفتِ فرمان کو، اور فرمان کاہے سے معلوم ہوگا، وحی سے۔ تو جب تک وحی نہ اتری تھی فرمان کہاں تھا جب فرمان نہ تھا مخالفتِ فرمان کے کیا معنی، اور جب مخالفتِ فرمان نہیں تو گناہ کیا۔

(۶) جس طرح **ماتقدم** میں ثابت ہولیا کہ حقیقۃً ذنب نہیں۔ یوں ہی **ماتاخر** میں نقد وقت ہے قبل ابتدائے نزول فرمان جو افعال جائز ہوئے کہ بعد کو فرمان ان کے منع پر اترا اور انہیں یوں تعبیر فرمایا گیا حالانکہ ان کا حقیقۃً گناہ ہونا کوئی معنی ہی نہ رکھتا تھا۔ یونہی بعد نزول وحی و ظہور رسالت بھی جو افعال جائز فرمائے اور بعد کو ان کی ممانعت اُتری اسی طریقے سے ان کو **ما تاخر** فرمایا کہ وحی بتدریج نازل ہوئی نہ کہ دفعۃً۔

(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب، مشرک کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا۔ ایسا ہی ہے تو وہ لغویات وہزلیات و فحشیات کہ ایک مہذب آدمی کو انہیں بکتے بلکہ دوسرے آدمی سے نقل کرتے عار آئے جو آریہ کے ویدوں میں اہلی گہلی پھر رہی ہیں اور خود بندگانِ وید نے اس کے ترجموں میں وہی حد بھر کے گندے گھناؤنے فحش لکھے ان سے آریہ کی جان کیونکر چھوٹے گی مثلاً یجروید میں ایشور کی بیماری کا حال لکھا کہ بستر بیماری پر پڑے پکار رہے ہیں کہ او سیکڑوں کی طرح کی عقل و علم رکھنے والو! تمہاری سیکڑوں ہزاروں طرح کی بوٹیاں ہیں ان میں سے میرے شریر کو نروگ کرو، اے اماں جان! تو بھی ایسا ہی کر نیز یہ بھی فرمارہے ہیں کہ اے بوٹیوں کے مانند فائدہ دینے والی دیوی ماتا! میں فرزند تجھ کو بہت نصیحت کرتا ہوں ماما جی کہتی اے لائق بیٹے! میں والدہ تیرے گھوڑے گائیں، زمین، کپڑے، جان کی حفاظت و پرورش کرتی تو مجھے نصیحت مت کرو اسی یجروید کے ادھیائے ۳۱ منتر اول میں ایشور کے متعلق ہے اس کے ہزار سر ہیں ہزار آنکھیں ہیں ہزار پاؤں ہیں زمین پر وہ سب جگہ ہے الٹا سیدھا تب بھی دس انگل کے فاصلے پر ہر آدمی کے آگے بیٹھا ہے۔ نیز ویدوں میں اس کا نام سروبیاپک ہے یعنی وہ ہر جگہ سمایا ہوا، ہر چیز میں رما ہوا، ہر خلا میں گھسا ہوا ہے، ہر جانور کی مقعد ہر مادہ کی فرج ہر پاخانہ کی ڈھیری میں ایشور

ہی ایشور ہے۔ دیانند نے محض زبردستی اُن کی کایا پلٹ کی اور انہیں فحش سے نکالا مگر اور مترجموں کا ترجمہ کہاں مٹ جائے گا مفسر تو اپنی طرف سے مطلب کہتا ہے اور مترجم خود اصل کلام کو دوسری زبان میں بیان کرتا ہے ترجمے کی غلطی اگر ہوتی ہے تو دو ایک لفظ کے معنی میں نہ کہ سارے کا سارا کلام محض فحش سے حکمت کی طرف پلٹ دیا جائے اور اگر سنسکرت ایسی ہی پیچیدہ زبان ہے جس کی سطروں کی سطریں چاہے فحش سے ترجمہ کردو خواہ حکمت سے تو وہ کلام کیا ہوا بھان متی کا گورکھ دھندا ہوا اور اس کے کس حرف پر اعتماد ہوسکتا ہے، نہیں معلوم کہ مالا جپی ہے یا گالی بکی ہے۔

(۸) استدلال بڑی ذمہ داری کا کام ہے آریہ بیچارہ کیا کھا کر اس سے عہدہ برآمد ہوسکتا ہے۔

نباشد بہ آئین تحقیق دال کچوری و پوری و بھجیا و دال

شرط تمامی استدلال قطع ہر احتمال ہے علم کا قاعدہ مسلمہ ہے۔

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال[1]۔	جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہوجاتا ہے۔(ت)

سورہ مومن و سورہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آیات کریمہ میں کون سی دلیل قطعی ہے۔ کہ خطاب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے، مومن میں تو اتنا ہے۔: "وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ"[2]۔ اے شخص اپنی خطا کی معافی چاہ کسی کا خاص نام نہیں کوئی دلیل تخصیص کلام نہیں، قرآن عظیم تمام جہان کی ہدایت کے لیے اترا نہ صرف اس وقت کے موجودین بلکہ قیامت تک کے آنے والوں سے وہ خطاب فرماتا ہے، "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ"[3]۔ نماز برپا رکھو۔ یہ خطاب جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے تھا ویسا ہی ہم سے بھی ہے اور تا قیامِ قیامت ہمارے بعد آنے والی نسلوں سے بھی۔ اسی قرآن عظیم میں ہے:

"لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ"[4]۔	تاکہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے (ت)

کتب کا عام قاعدہ ہے کہ خطاب ہر سامع سے ہوتا ہے بدان اسعدك اللہ تعالٰی (تُو جان لے اللہ تعالٰی

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۵۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۴۳

[4] القرآن الکریم ۶/ ۱۹

تجھے سعادت مند بنائے۔ت) میں کوئی خاص شخص مراد نہیں۔خود قرآن عظیم میں فرمایا:

"اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰىۙ(۹) عَبْدًا اِذَا صَلّٰىؕ(۱۰) اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤىۙ(۱۱) اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰىؕ(۱۲) "[1]۔	(ابوجہل لعین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نماز سے روکنا چاہا اس پر یہ آیتِ کریمہ اتریں) کہ کیا تُونے دیکھا اُسے جو روکتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے، بھلا دیکھو تو اگر وہ بندہ ہدایت پر ہو یا پرہیزگاری کا حکم فرمائے۔

یہاں بندے سے مراد حضور اقدس ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،اور غائب کی ضمیریں حضور کی طرف ہیں اور مخاطب کی ہر سامع کی طرف،بلکہ فرماتا ہے:

"فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِؕ(۷) "[2]۔	(ان روشن دلیلوں کے بعد) کیا چیز تجھے روزِ قیامت کے جھٹلانے پر باعث ہورہی ہے۔

یہ خطاب خاص کفار سے ہے بلکہ ان میں بھی خاص منکران قیامت مثل مشرکین آریہ وہنود سے،یونہی دونوں سورہ کریمہ میں کاف خطاب ہر سامع کے لیے ہے کہ اے سننے والے اپنے اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کے گناہ کی معافی مانگ۔

(۹) بلکہ آیت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں تو صاف قرینہ موجود ہے کہ خطاب حضور سے نہیں،اس کی ابتداء یوں ہے:

"فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِؕ "[3]۔	جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی اور مسلمان مردوں اور عورتوں کی معافی چاہ۔

تو یہ خطاب اُس سے ہے جو ابھی لا الٰہ الا اللہ نہیں جانتا ورنہ جاننے والے کو جاننے کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے،تو معنی یہ ہوئے کہ اے سُننے والے جسے ابھی توحید پر یقین نہیں کسے باشد توحید پر یقین لا اور اپنے اور اپنے بھائی مسلمانوں کے گناہ کی معافی مانگ،تتمہ آیت میں اس عموم کو واضح فرمادیا کہ:

"وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ۠(۱۹) "[4]۔	اللہ جانتا ہے جہاں تم سب لوگ کروٹیں لے رہے ہو،اور جہاں تم سب کا ٹھکانا ہے۔

اگر فاعلم میں تاویل کرے تو ذنبک میں تاویل سے کون مانع ہے اور اگر ذنبك میں تاویل نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۹۶/ ۹تا۱۲

[2] القرآن الکریم ۹۵/ ۷

[3] القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹

[4] القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹

کرتا تو فاعلم میں تاویل کیسے کرسکتا ہے، دونوں پر ہمارا مطلب حاصل، اور مدعی معاند کا استدلال زائل۔

(۱۰) دونوں آیۂ کریمہ میں صیغہ امر ہے اور امر انشا ہے اور انشا وقوع پر دال نہیں تو حاصل اس قدر کہ بفرض وقوع استغفار واجب نہ یہ کہ معاذ اللہ واقع ہوا، جیسے کسی سے کہنا اکرم ضیفك اپنے مہمان کی عزت کرنا، اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا ہی بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا۔

(۱۱) ذنب معصیت کو کہتے ہیں اور قرآن عظیم کے عرف میں اطلاق معصیت عمد ہی سے خاص نہیں، قال اللہ تعالٰی "وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﭪ"[1]۔ آدم نے اپنے رب کی معصیت کی، حالانکہ خود فرماتا ہے: "فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﭣ"[2]۔ آدم بھول گیا ہم نے اس کا قصد نہ پایا، لیکن سہو نہ گناہ ہے نہ اس پر مؤاخذہ، خود قرآن کریم نے بندوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

"رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِیْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ"[3]۔	اے ہمارے رب! ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں۔

(۱۲) جتنا قُرب زائد اُسی قدر احکام کی شدت زیادہ ع

جن کے رُتبے ہیں سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔

بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگلی گنوار کی جو بات سُن لے گا جو برتاؤ گوارا کرے گا ہرگز شہریوں سے پسند نہ کرے گا، شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزراء ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے اس لیے وارد ہوا۔

حسنات الابرار سیّئات المقربین[4]۔ نیکوں کے جو نیک کام ہیں مقربوں کے حق میں گناہ ہیں۔ وہاں ترک اولٰی کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالانکہ ترک اولٰی ہرگز گناہ نہیں۔

(۱۳) آریہ بے چارے جن کے باپ دادا نے کبھی عربی کا نام نہ سُنا، اگر نہ جانے تو ہر ادنٰی

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲۱

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۱۵

[3] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۶

[4] لباب التاویل (تفسیر الخازن) تحت آیۃ ۴۷/ ۱۹ مصطفی البابی مصر ۶/ ۱۸۰، ارشاد العقل السلیم تحت آیۃ ۴۷/ ۱۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۹۷

طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنٰی ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یونہی کرایہ دار کی طرف، یونہی جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس جو ملنے آئے گا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں ایک دوسرے سے پوچھے گا تمہارا کھیت کَے جریب ہوا، یہاں نہ ملک نہ اجارہ نہ عاریت، اور اضافت موجود یونہی بیٹے کے گھر سے جو چیز آئے گی، باپ سے کہہ سکتے ہیں کہ آپ کے یہاں سے یہ عطا ہوا تھا، تو ذنبک سے مراد اہلبیت کرام کی لغزشیں ہیں اور اس کے بعد وللمؤمنین وللمؤمنٰت تعمیم بعد تخصیص ہے یعنی شفاعت فرمایئے اپنے اہلبیت کرام اور سب مردوں عورتوں کے لیے۔اب آریہ کے اس جنون کا بھی علاج ہوگیا کہ پیروؤں کا ذکر تو بعد کو موجود ہے۔ تعمیم بعد تخصیص کی مثال خود قرآن عظیم میں ہے:

"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِؕ"[1]۔	اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ آیا اور سب مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو۔

(۱۴) اسی وجہ پر آیۃ کریم سورہ فتح میں لام لک تعلیل کا ہے اور ماتقدم من ذنبک تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیّدنا عبداللہ و سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام و امہات طیبات باستثناء انبیاء کرام مثل آدم و شیث ونوح و خلیل واسمٰعیل علیہم الصلوۃ والسلام، اور ماتاخر تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہلبیت وامتِ مرحومہ تو حاصل آیۃ کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین فرمائی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے بخش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کے گناہ۔ والحمدللہ رب العالمین۔

(۱۵) ماتقدم وماتأخر سے قبل وبعد نزول وحی کا ارادہ جس طرح عبارتِ تفسیر میں مصرح تھا آیت میں قطعًا محتمل، اور ہم ثابت کر چکے کہ اب حقیقت ذنب خود مندفع وللہ الحمد وصلی اللہ تعالٰی علٰی شفیع المذنبین وبارك وسلم الٰی یوم الدین وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۷۱/ ۲۸

مسئلہ ۱۴۴: از شہر مسئولہ مولوی غلام قطب الدین صاحب ۴ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

راما سنگھم اب آریہ نہیں نصرانی ہے، رُوئے جواب جانبِ نصارٰی ہونا چاہیے۔

الجواب:

بحمد اللہ وہ جواب کافی ووافی ہے صدر کلام اور ۴ و ۸ میں آریہ کی جگہ نصرانی لکھ لیجئے اور ۸ کا شعر کاٹ دیجئے اور ۱۳ میں آریہ کی جگہ کرسچن، ہاں ۷ بالکل تبدیل ہوگا اسے یوں لکھئے۔

(۷) نہ ہر تفسیر معتبر نہ ہر مفسر مصیب، نصرانی کا ظلم ہے کہ نام لے آیات کا اور دامن پکڑے نامعتبر تفسیرات کا، عربی زبان تو لسان مبین ہے، نہ ہر محل قابل تاویل، نہ ہر تاویل لائقِ تحویل کہ ہر شخص جہاں چاہے اپنی خواہش کے مطابق مطلب بنالے، اور محل محتمل میں تاویل صحیح کا باب بے شک واسع اور ہر زبان اور ہر قوم میں شائع و ذائع اس کا انکار نہ کرے گا مگر مکابر مفتون، اور اس کا اقرار نہ کرے گا مگر دیوانہ مجنون، ہاں بائبل کی زبان ایسی پیچیدہ ہے کہ اور تو اور خود مصنف محرف کی سمجھ میں نہیں آتی۔ تواریخ کی دوسری کتاب باب ۲۱ درس ۲۰ اور باب ۲۲ درس ۱ و ۲ میں لکھا وہ بتیس برس کی عمر میں بادشاہ ہوا ۸ برس بادشاہت کی اور جاتا رہا داؤد کے شہر میں گاڑا گیا یروشلم کے باشندوں نے اس کے چھوٹے بیٹے اخزیاہ کو اس کی جگہ بادشاہ کیا اخزیاہ ۴۲ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ یعنی باپ ۴۰ برس کی عمر میں مرا اس وقت بیٹا ۴۲ برس کا تھا۔ باپ سے دو برس پہلے پیدا ہولیا تھا۔ متی کی انجیل میں مسیح و داؤد علیہما الصلوۃ والسلام کے بیچ میں ۲۶ پشتیں ہیں اور اس میں عدد بھی گنادیا ہے کہ مسیح تا داؤد ۲۸ شخص ہیں۔ لیکن لوقا کی انجیل میں مسیح سے داؤد تک ۴۳ آدمی ہیں، ۱۵ پشتیں زائد اور اسماء بھی بالکل نامطابق، ایضًا انجیل متی باب ۵ درس ۱۷: یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابیں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پوری کرنے آیا ہوں۔ درس ۱۸ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان وزمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ توریت کا ہر گز نہ مٹے گا۔ یہاں تو نسخ کا اس شدت سے انکار ہے اور جابجا انجیل ہی میں نسخ احکام توریت کا اظہار ہے۔ اسی انجیل کے اسی باب درس ۳۲، ۳۱ میں ہے یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاق نامہ لکھ دے پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے ایضًا درس ۳۳ و ۳۴ تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنی قسمیں خداوند کے لیے پوری کر، پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز قسم نہ کھانا ایضًا درس ۳۸ و ۳۹ تم سن چکے ہو کہ کہا گیا آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے

دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے ایضًا باب ۱۹ درس ۸ و ۹ موسٰی نے جوروؤں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی پر میں تم سے کہتا ہوں جو کوئی اپنی جورو کو سوا زنا کے اور سبب سے چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی عورت کو بیاہے زنا کرتا ہے۔ یہی مضمون انجیل مرقس باب: ۱۰ درس ۲ تا ۱۲ میں ہے ان کے سوا بہت نظائر تناقض و نافہمی کے ہیں تو ثابت ہوا کہ عبری زبان ہی ایسی پیچیدہ ہے کہ اس میں کتاب تصنیف کرنے والا خود اپنی نہیں سمجھتا، اور (۱۵) کے بعد یہ نمبر اور اضافہ کیجئے۔

(۱۶) ہر صغیرہ سے صغیرہ کو گناہ کہہ سکتے ہیں اگرچہ قبل ظہور رسالت ہو اور توسعًا خلاف اولٰی کو بھی جو ہر گز منافی نبوت نہیں لیکن نیک ہونا تو نبی کے لیے لازم ہے نہ وہ کہ جو خدا کا بیٹا ٹھہرے مگر یہ انجیلیں کہتی ہیں کہ مسیح ہر گز نیک نہیں، دیکھو متی باب ۱۹ درس ۱۶ و ۱۷ ایک نے اس سے کہا اے نیک استاد، اس نے کہا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے، نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا، یہی مضمون انجیل مرقس باب ۱۰ درس ۱۷ و ۱۸ وانجیل لوقا باب ۱۸ درس ۱۸ اور ۱۹ میں ہے۔ وہاں اگر بعض مفسرین نے معاذ اللہ گناہگار ہونا مانا تھا تو یہاں تو خود انجیلیں مسیح کو معاذ اللہ صاف طور سے بد بتا رہی ہیں۔

(۱۷) گناہ نہیں مگر شریعت کی مخالفت لیکن بائیبل تو شریعت کو راسًا باطل کر رہی ہے گلیتوں کو پولس کا خط باب ۳ درس ۱۰ وے سب جو شریعت ہی کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں سو لعنت کے تحت ہیں درس ۱۱: کوئی خدا کے نزدیک شریعت سے راستباز نہیں ٹھہرتا۔ درس ۱۲: شریعت کو ایمان سے کچھ نسبت نہیں اور مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پکے راستباز و کامل الایمان ہیں تو ضرور شریعت سے جدا ہیں تو گناہگار ہیں کتاب یرمیاہ باب ۹ درس ۱۲ و ۱۳ میں ہے۔ سرزمین کس لیے ویران ہوئی اور بیابان کے مانند جل گئی خداوند کہتا ہے اسی لیے کہ انہوں نے میری شریعت کو ترک کر دیا اور اس کے موافق نہ چلے۔

(۱۸) بلکہ ترک اولٰے یا کسی صغیرہ کا صدور یا بد ہونا بھی درکنار بائیبل تو مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو معاذ اللہ صاف ملعون بتاتی ہے، خط مذکور باب ۳ درس ۱۳ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا ہو سو لعنتی ہے۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی**، ایسے پوچ ولچر مذہب کے پابند کیوں دین حق اسلام کے خدام سے الجھتے ہیں اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور اپنی پگڑی کہ کبھی نہ سنبھلے گی سنبھالیں۔ **واللہ یھدی من یشاء الٰی صراط مستقیم** (اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم**۔

مسئلہ ۱۴۵: از موضع پارہ پرگنہ مورانواں ضلع اناؤ مسئولہ محمد عبدالرؤف صاحب ۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقیدہ ہے کہ چونکہ عالم الغیب صفت مختصہ باری تعالٰی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت لفظ عالم الغیب بالواسطہ یا بالعطایا کہنا بھی جائز نہیں اور نہ حضور پرنور کو کل علم غیب یعنی از روزِ ازل تا ابد شبِ معراج میں عطافرمایا گیا تھا۔البتہ بعض بعض علوم غیبیہ کا قائل ہے اور اپنے عقیدہ کی دلیل میں چند واقعات بطور اثبات نوشتہ علمائے دیوبند پیش کرتا ہے، مثلاً سورہ کہف کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بجواب اس سوال کے کہ اصحابِ کہف کس مدت تک سوئے تھے،فرمایا کل بتلاؤں گا،اور لفظ ان شاء اللہ تعالٰی نہ کہنے کی وجہ سے اٹھارہ روز تک وحی کا نزول نہ ہوا،اگر علمِ غیب ہوتا تو توقف نہ فرماتے۔

دوئم [۲] حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا حادثہ کہ کفار مکہ نے آپ کو متہم کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم طلاق دینے پر آمادہ ہوگئے۔اور اگر آپ کو علم ہوتا تو تذبذب کیوں ہوتا،وحی کے نزول پر آپ مطمئن ہوئے اور کہتا ہے کہ اگر کل علمِ غیب عطافرمایا جاتا تو پھر وحی آنے کی کیا ضرورت تھی؟

(عقیدہ عمرو).برعکس اس کے عمرو کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور پرنور سید یوم النشور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر شب معراج میں اللہ رب العزت نے جملہ اولین وآخرین مانند آفتابِ درخشاں روشن کردیئے تھے اور تمام علم ماکان ومایکون سے صدرِ مبارک حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جلوہ افروز کردیا تھا اور جن باتوں سے آپ نے جواب نہیں دیا بلکہ سکوت اختیار فرمایا ان کو خدا اور حبیبِ خدا کے درمیانی اسرار مخفی کی جانب مبذول کرتا ہے،اور روز اول سے لے کر یوم الحشر کے تمامی علوم کو حضور سرورکائنات و مفخر موجودات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علوم کے سمندر کی ایک لہر کی برابر تصور کرتا ہے۔

الجواب:

اس مسئلہ میں بفضلہٖ تعالٰی یہاں سے متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ پر اکابر علمائے مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ وغیرہا بلادِ اسلامیہ نے مہریں کیں، گرانقدر تقریظیں لکھیں خالص الاعتقاد دس سال سے شائع ہوا انباء المصطفٰی بیس سال سے ہزار کی تعداد میں بمبئی وبریلی ومراد آباد میں چھپ کر تمام ملک میں شائع ہوا اور بحمدہٖ تعالٰی سب کتابیں آج تک لاجواب ہیں، مگر وہابیہ اپنی بے حیائی سے باز نہیں آتے۔ علم غیب عطا ہونا اور لفظ عالم الغیب کا اطلاق اور بعض اجلہ اکابر کے کلام میں اگرچہ بندہ مومن کی نسبت صریح لفظ یعلم الغیب وارد ہے کما فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح

لملا علی القاری (جیسا کہ ملا علی قاری کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح میں ہے۔ت) بلکہ خود حدیث سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں سیدنا خضر علیہ الصلوۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہے:

کان رجلا یعلم علم الغیب[1]۔	وہ مرد کامل ہیں جو علمِ غیب جانتے ہیں۔ت)

مگر ہماری تحقیق میں لفظ عالم الغیب کا اطلاق حضرت عزت عزجلالہ کے ساتھ خاص ہے کہ اُس سے عرفاً علم بالذات متبادر ہے۔کشاف میں ہے:

المراد به الخفی الذی لاینفذ فیه ابتداء الا علم اللطیف الخبیر ولهذا لایجوزان یطلق فیقال فلان یعلم الغیب[2]۔	اس سے مراد پوشیدہ شے ہے جس تک ابتداءً (بالذات) سوائے باریکی جاننے والے یا خبیر (اللہ تعالٰی) کے کسی کے علم کی رسائی نہیں۔یہی وجہ ہے کہ علی الاطلاق یوں کہنا کہ فلاں غیب جانتا ہے جائز نہیں (ت)

اور اس سے انکار معنی لازم نہیں آتا۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قطعاً بے شمار غیوب وماکان ومایکون کے عالم ہیں مگر عالم الغیب صرف اللہ عزوجل کو کہا جائے گا جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قطعاً عزت جلالت والے ہیں تمام عالم میں ان کے برابر کوئی عزیز وجلیل ہے نہ ہوسکتا ہے مگر محمد عزوجل کہنا جائز نہیں بلکہ اللہ عزوجل ومحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔غرض صدق وصورت معنی کو جواز اطلاق لفظ لازم نہیں نہ منع اطلاق لفظ کو نفی صحت معنی۔امام ابن المنیر اسکندری کتاب الانتصاف میں فرماتے ہیں:

کم من معتقد لایطلق القول به خشیة ایهام غیره مما لایجوز اعتقاده فلا ربط بین الاعتقاد والاطلاق[3]۔	بہت سے معتقدات ہیں کہ جن کے ساتھ قول کا اطلاق اس ڈر سے نہیں کیا جاتا کہ ان میں ایسے غیر کا ایہام ہوتا ہے جس کا اعتقاد جائز نہیں، لہٰذا اعتقاد اور اطلاق کے درمیان کوئی لزوم نہیں۔(ت)

یہ سب اس صورت میں ہے کہ مقید بقید اطلاق اطلاق کیا جائے یا بلا قید علی الاطلاق مثلاً عالم الغیب یا عالم الغیب علی الاطلاق اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ بالواسطہ یا بالعطاء کی تصریح کردی جائے تو وہ محذور نہیں کہ ایہام زائل اور مراد حاصل۔علامہ سید شریف قدس سرہ حواشی کشاف میں فرماتے ہیں:

وانما لم یجز الاطلاق فی غیره	علم غیب کا اطلاق غیر اللہ پر اس لیے ناجائز ہے

[1] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیۃ وعلمنٰہ من لدنا علماً دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۳۲۳

[2] الکشاف تحت آیۃ ۲/ ۳ انتشارات آفتاب تہران ۱/ ۱۲۱

[3] الانتصاف

تعالٰی لانه یتبادر منه تعلق علمه به ابتداء فیکون تناقضا واما اذا قید وقیل اعلمه الله تعالٰی الغیب او اطلعه علیه فلا محذور فیه[1]۔	کہ اس سے غیر اللہ کے علم کا غیب کے ساتھ ابتداء (بالذات) متعلق ہونا متبادر ہوتا ہے تو اس طرح تناقض لازم آتا ہے لیکن اگر علم غیب کے ساتھ کوئی قید لگادی جائے اور یوں کہا جائے کہ اللہ تعالٰی نے اس کو غیب کا علم عطافرمادیا ہے یا اس کو غیب پر مطلع فرمادیا ہے تو اس صورت میں کوئی ممانعت نہیں۔(ت)

زید کا قول کذب صریح وجہل قبیح ہے، کذب توظاہر کہ بے ممانعت شرعی اپنی طرف سے عدم جواز کا حکم لگا کر شریعت وشارع علیہ الصلوۃ والسلام اور رب العزۃ جل وعلا پر افتراء کر رہا ہے۔

قال اللہ تعالٰی "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۱۷﴾"[2]۔	اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھو، بے شک جو اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا، تھوڑا برتنا ہے اور انکے لیے دردناک عذاب ہے۔ت)

اور جہل فاضح یہ کہ عالم الغیب صفت مختصہ باری تعالٰی ہونے پر بالواسطہ و بالعطا کہنے کے عدمِ جواز کو متفرع کر رہا ہے شاید اس کے نزدیک علم غیب بالواسطہ، و بالعطا خاصہ باری تعالٰی ہے یعنی دوسرے کے دیئے سے علم غیب خاص اللہ تعالٰی کو ہوتا ہے اس کے غیر کو علم غیب بالذات بلاواسطہ ہے ایسا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کفرِ اشد کیا ہے۔ گنگوہی صاحب نے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم غیب بالذات بے عطائے الٰہی ملنے کے اعتقاد کو کفر نہ مانا تھا صرف اندیشہ کفر کہا تھا ان کے فتاوٰی حصہ اول صفحہ ۸۳ میں ہے:

جو یہ عقیدہ رکھے کہ خود بخود آپ کو علم تھا بدون اطلاق حق تعالٰی کے تو اندیشہ کفر کا ہے

---

[1] حاشیہ سید الشریف علی الکشاف تحت آیۃ ۲/ ۱۳ انتشارات آفتاب تہران ۱/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶ و ۱۱۷

لہٰذا امام نہ بنانا چاہیے اگرچہ کافر کہنے سے بھی زبان کو روکے[1]۔

حالانکہ گنگوہی صاحب کا یہ قول خود ہی صریح کفر ہے بلاشبہہ جو غیر خدا کو بے عطائے الٰہی خود بخود علم مانے قطعًا کافر ہے اور جو اس کے کفر میں تردد کرے وہ بھی کافر۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب نے دوسری شق لی تھی کہ اللہ عزوجل کے علم غیب کو حادث و اختیاری مانا۔

تقویت الایمان میں ہے: غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجئے یہ اللہ صاحب کی ہی شان ہے[2]۔

یہ بھی صریح کلمہ کفر ہے مگر دونوں شقیں جمع کرنا کہ اللہ تعالٰی کا علم عطائی اور دوسرے کا ذاتی یہ اسی نتیجہ قول زید کا خاصہ ہے۔ دو واقعے کہ زید نے پیش کیے اگرچہ ان پر ابحاث اور بھی ہیں مگر کیا انباء المصطفٰی میں صاف نہ کہہ دیا گیا تھا کہ بحمد اللہ تعالٰی نص قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون (جو ہوچکا اور جو ہوگا۔ت) کا علم دیا اور جب یہ علم قرآن عظیم کے تبیانًا لکل شیئ ہونے نے دیا اور پر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے نہ ہر آیت یا سورت کا تو نزول جمیع قرآن عظیم سے پہلے اگر بعض کی نسبت ارشاد ہو لم نقصص علیک (ہم نے آپ پر بیان نہیں کیا۔ت) ہر گز احاطہ علم مصطفوی کا کانافی نہیں، مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کے ہیں۔ ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کوہی سب کو دعوت عام ہے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادۃ لائیں جس سے صریح ثابت ہو کہ تمام نزولِ قرآن کے بعد بھی ماکان ومایکون سے فلاں امر حضور پر مخفی رہا اگر ایسا نص نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ لاسکو گے تو جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو اھ ملخص[3]۔

اس کے بعد بھی ایسے وقائع پیش کرنا کیسی شدید بے حیائی ہے، بلاشبہہ عمرو کا قول صحیح ہے جمیع ماکان ومایکون جملہ مندرجات لوح محفوظ کا علم محیط حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم کریم کے سمندروں سے ایک لہر ہے جیسا کہ علامہ قاری کی زبدہ شرح بردہ میں مصرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

[3] انباء المصطفٰی رضا اکیڈمی بمبئی ص ۷ تا ۱۰

مسئلہ ۱۴۶: از سیتاپور محلّہ نرائن پور مکان مولوی الٰہی بخش صاحب مسئولہ علی حسین خان ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص کہے کہ غیب کا حال سوائے خدا تعالٰی کے کوئی نہیں جانتا ہے حتی کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی نہیں معلوم تھا بہ ثبوت اس روایت کے کہ ایک بار ابوجہل نے کنواں راستے میں کھود کر خس پوش کردیا تھااور خود بیماری کا حیلہ کرکے پڑرہا تھا جس وقت حضور عیادت کو گئے تو چاہ مذکور عین رہگزر میں تھااس وقت جبرئیل علیہ السلام نے بذریعہ وحی معلوم کیا لہٰذا اولیاء اللہ بھی نہیں جان سکتے بجز کشف والہام کے۔**بینوا توجروا** (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

یہ حق ہے کہ غیب کا حال سوارب عزوجل کے کوئی نہیں جانتا یعنی اپنی ذات سے بے اس کے بتائے اور یہ باطل ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی نہیں معلوم تھا قران کریم واحادیثِ صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ **ماکان ومایکون الٰی اٰخر الایام** (جو ہوچکااور قیامت تک ہوگا۔ت) کے تمام غیب حضور اقدس علیہ افضل الصلوۃ والسلام پر منکشف فرمادیئے گئےاور حضور کے بتائے سے حضور کے غلام اولیائے کرام جانتے ہیں کشف والہام دونوں ان کے جاننے کے ذریعہ ہیں اور ان پر کوئی حد بندی نہیں۔ان تمام مضامین کی تفصیل ہماری کتاب **انباء المصطفٰی** و**خالص الاعتقاد** وغیرہما میں ہےاور وہ ابوجہل کے کنویں والی حکایت محض ساختہ وبے اصل ہے۔**وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۴۷: از ڈاکخانہ مولوی گنج ضلع گیا، مسئولہ عبدالمجید ۲۹ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غیب کی باتیں معلوم تھیں یا نہیں،مائۃ مسائل کے چوبیسویں سوال کے جواب میں روایت فقہی ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ہے جاننا چاہیے کہ کوئی بات غیب کی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نہیں جانتے تھے مگر جس قدر کہ اللہ تعالٰی اُن کو کسی وقت کوئی چیز معلوم کرادیتا تھا تو جانتے تھے جو کوئی اس بات کا اعتقاد کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غیب کی باتیں معلوم کرلیتے تھے حنفیّہ نے اس شخص پر صریح تکفیر کا حکم دیا ہے۔**لمعارضۃ قولہ تعالٰی** "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۶۵﴾ "[1]۔ (اللہ تعالٰی کے اس فرمان کے معارضہ کی وجہ سے، تم فرماؤ

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۵

غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ اور انہیں خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔ت) بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

زید عمرو کچھ کہیں مگر قرآن مجید واحادیث صحیحہ کا ارشاد یہ ہے کہ حضور اقدس علیہ افضل الصلوۃ والسلام کو روزِ ازل سے روزِ آخر تک کے تمام غیوب کا علم عطا فرمایا گیا یہ بے شک حق ہے کہ انبیاء غیب اُسی قدر جانتے ہیں جتنا اُن کو ان کے رب نے بتایا بلاشبہہ بے اس کے بتائے کوئی نہیں جان سکتا اور یہ بھی حق ہے کہ احیانًا بتایا گیا کہ وحی حینًا بعد حین ہی اُترتی نہ کہ وقتِ بعثت سے وقتِ وفات تک ہر آن علی الاتصال، مگر اس سے یہ سمجھ لینا کہ گنتی کی چیزیں معلوم ہوئیں اور ان کے علم کو قلیل وذلیل قرار دینا مسلمان کا کام نہیں، اسی احیانًا تعلیم میں شرق وغرب وعرش وفرش کے ذرّہ ذرّہ کا حال روزِ ازل سے روزِ آخر تک تمام منکشف کردیا، آیہ کریمہ میں علم ذاتی کی نفی ہے کہ کوئی شخص بے خدا کے بتائے غیب نہیں جانتا، یہ بے شک حق ہے اور اسی کے معارضہ کو حنفیّہ نے کفر کہا ہے ورنہ یہ کہ خدا کے بتائے سے بھی کوئی نہیں جانتا اس کا انکار صریح کفر اور بکثرت آیات کی تکذیب ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل انباء المصطفٰی وخالص الاعتقاد میں دیکھا چاہیے کہ ایمان درست ہو، وھوتعالٰی اعلم۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
رماح القھار علی کفر الکفار ۱۳۲۸ھ
(قہار کا نیزہ مارنا کافروں کے کفر پر)
(تمہید "خالص الاعتقاد")

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ ھادی القلوب وافضل الصلوۃ والسلام علی النبی المطلع علی الغیوب المنزّہ من جمیع النقائص والعیوب وعلٰی اٰلہ و صحبہ المطھرین من الذنوب القاھرین علٰی کل شقی مفتر کذوب صلوۃ وسلاما یتجدان بکل طلوع وغروب۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے جو دلوں کو ہدایت دینے والا ہے،اور افضل درود و سلام اس نبی کریم پر جو تمام غیبوں پر آگاہ اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر جو گناہوں سے محفوظ اور ہر بدبخت افتراء پرداز (جھوٹے) پر غالب ہیں ایسا درود و سلام جو ہر طلوع و غروب کے ساتھ متجدد ہوتا رہتا ہے۔ (ت)

اللہ عزوجل جن قلوب کو ہدایت فرماتا ہے اُن کا قدم ثبات جادہ حق سے لغزش نہیں کرتا اگر ذریت شیطان اپنے وسوسے شوشے کچھ ڈالتی بھی ہے تو ہرگز اس پر اعتماد نہیں کرتے کہ ان کے

رب نے فرمادیا ہے:

"اِنۡ جَآءَکُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا"[1]۔	اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لائے تو فوراً تحقیق کرلو بے تحقیق اعتبار نہ کر بیٹھو۔

پھر جب امرِ حق اپنی جھلک اُنہیں دکھاتا ہے فوراً ان کا وہ حال ہوتا ہے جو ان کے رب نے فرمایا:

"اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ۚ"[2]۔	بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے، ہوشیار ہوجاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔(ت)

معًا ہوشیار ہوجاتے اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ابلیس لعین کی ذریت نے جو پردہ ڈالنا چاہا تھا دھواں بن کر اڑ جاتا اور آفتابِ حق اپنی نورانی کرنوں سے شعاعیں ڈالتا چمک آتا ہے۔ وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی نے جب اللہ واحد قہار اور اس کے حبیب سید ابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین و تکذیب اُس حد تک پہنچائی کہ ابلیس لعین کی ہزار ہا سال کی کمائی پر فوق لے گئے ادھر اللہ تبارک و تعالٰی نے اپنے بندہ عالم اہلسنت مجدد دین وملت دام ظلہم الاقدس کو اُن خبثا کی سرکوبی پر مقرار فرمایا، الحمدللہ سرکوبی بھی وہ فرمائی جس سے عرب و عجم گونج اٹھے، اکابر علمائے کرام حرمین شریفین نے ان شیاطین کے اقوال تکذیب وتوہین پر ان کو کافر مرتد زندیق ملحد لکھا اور صاف فرمادیا کہ "من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر"[3]۔ جو ایسوں کے ان اقوال پر مطلع ہوکر ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی انہیں طرح کافر ہے کہ اس نے اللہ عزوجل کی عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظمت کو ہلکا جانا اُن کے بدگویوں کو کافر نہ مانا، الحمدللہ یہ مبارک فتوٰی مسمّٰی بہ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۱۳۲۴ھ) ایسا بے نظیر مرتب ہوا جس نے وہابیت کے دلوں میں رعب، قلعوں میں زلزلے ڈال دئے۔ پھر نفیس و بے مثال تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۳۲۶ھ) اس محمدی خنجر پر اور الٰہی صیقل ہوئی جس نے خدا و رسول کے دشنام دہندوں کے سب حیلے مٹادیئے اور صاف صاف صرف قرآن عظیم کی آیتوں نے اُن پر حکم کفر لگادیئے۔ کافروں کے پاس اس کے

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۱

[3] حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین مطبع اہلسنت وجماعت بریلی ص ۹۴

جواب کیا ہوتے اور بے توفیق الٰہی توبہ کیونکر کرتے ناچار مکروفریب، جھوٹ، کذب، تہمت افتراء، بہتان گالیوں، ہذیانوں پر اُترے جو عاجزوں کی پچھلی تدبیر ہے خادمان سنت نے گالیوں سے اعراض اور اپنی ذات سے متعلق تہمتوں افتراؤں سے بھی اغماض ہی کیا، باقی دھوکے بازیوں کے جواب ظفر الدین الجید و کین کش پنجہ پیچ و بارش سنگی و پیکانِ جانگداز و ضروری نوٹس و نیا زمانہ و کشف راز وغیرہا رسائل واعلانات سے دیتے رہے ان رسالوں اشتہاروں کے جواب سے کفر پارٹی نے پھر ایک کان گونگا ایک بہرا رکھا اصلاً کسی بات کا جواب نہ دیا اور اپنی ٹائیں ٹائیں سے باز بھی نہ آئی جب دیکھا کہ یوں کام نہیں چلتا بالاخر مرتا کیا نہ کرتا پارٹی نے دو تدبیریں وہ بے مثال سوچیں کہ ابلیس العین بھی عش عش کرگیا کان ٹیک دیئے ان کے حسن پر غش کرگیا۔

تدبیر اوّل: معاوضہ بالمثل یعنی علمائے اسلام نے کفر پارٹی کے کفر پر حرمین طیبین کا فتوٰی شائع فرمایا تمام اسلامی دنیا میں کفر پارٹی ملعونہ پر تُھو تُھو ہو رہی ہے، پارٹی کے رنگ فق ہوئے، جگر شق ہوئے، دَم اُلٹ گئے، کلیجے پھٹ گئے مگر قہر قہار کا کیا جواب۔ اچھا اس کا جواب نہیں ہوسکتا تو لاؤ جاہلوں کے پھسلانے احمقوں کے بہکانے کو انوکھے افتراء کے پاپڑ بیلیں، معارضہ بالمثل کا جل کھیلیں یعنی پارٹی نے تو ضروریاتِ دین کا انکار کیا ہے اللہ عزوجل کو جھوٹا کہا ہے، ختم نبوت کا بکھیڑا اکھیڑا ہے، نئی نبوتوں کا راگ چھیڑا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے کہیں اپنے بزرگ ابلیس لعین کے علم کو بڑھایا ہے، کہیں پاگلوں چوپایوں کے علم کو علم اقدس کے مثل بنایا ہے۔ شیطان لعین کو خدا کی صفت میں شریک ٹھہرایا ہے، ان باتوں پر علمائے اسلام سے کفر و ارتداد کا حکم پایا ہے، دیکھو کسی نزعی اختلافی مسئلے میں عرب کے کسی مفتی کو ان علمائے کرام سے خلاف ہو تو اس کے متعلق کچھ لکھوائیں۔ اور اس میں گھناؤنی تہمتیں گندے افتراء اپنی طرف سے ملائیں، اور بایں ہمہ حکم من مانتا نہ ملے تو حکم بھی جی سے نکال لیں افتراء کی مشین تو گھر میں چل رہی ہے خانگی سانچے میں ڈھال لیں۔ بس نام کو کہیں بوئے خلاف ملنی چاہیے، پھر کیا ہے ابلیس دے اور ذریت لے، سوچتے سوچتے ایک مسئلہ علم خمس کا ملا جس میں مدینہ طیبہ کے شافعی المذہب مفتی برزنجی صاحب کو شُبہ تھا اور ایک انہیں کو کیا یہ مسئلہ پہلے سے علمائے امت میں مختلف رہا ہے اکثر ظاہرین جانب انکار رہے اور اولیائے عظام اور ان کے غلام علمائے کرام جانب اثبات واقرار رہے، ایسے مسئلے میں کسی طرف تکفیر چہ معنی تضلیل کیسی تفسیق بھی نہیں ہوسکتی۔ **مسلمانو!** مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں۔

ایک ضروریات دین اُن کا منکر بلکہ اُن میں ادنٰی شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے ایسا کہ

جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔
دوم ضروریات عقائد اہلسنت، ان کا منکر بدمذہب گمراہ ہوتا ہے۔
سوم وہ مسائل کہ علمائے اہلسنت میں مختلف فیہ ہوں اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔
یہ دوسری بات ہے کہ کوئی شخص اپنے خیال میں کسی قول کو راجح جانے خواہ تحقیقاً یعنی دلیل سے اسے وہی مرجح نظر آیا خواہ تقلید کہ اسے اپنے نزدیک اکثر علماء یا اپنے معتمد علیہم کا قول پایا۔ کبھی ایک ہی مسئلہ کی صورتوں میں یہ تینوں قسمیں موجود ہو جاتی ہیں۔ مثلاً اللہ عزوجل کے لیے ید و عین کا مسئلہ: قال اللہ تعالٰی "یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ"[1]۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ت) وقال تعالٰی: "وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ﴿۳۹﴾"[2]۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور اس لیے کہ تو میری نگاہ کے سامنے تیار ہو۔ت) ید ہاتھ کو کہتے ہیں، عین آنکھ کو۔ اب جو یہ کہے کہ جیسے ہمارے ہاتھ آنکھ ہیں ایسے ہی جسم کے ٹکڑے اللہ عزوجل کے لیے ہیں وہ قطعاً کافر ہے اللہ عزوجل کا ایسے ید و عین سے پاک ہونا ضروریات دین سے ہے، اور جو کہے کہ اس کے ید و عین بھی ہیں تو جسم ہی مگر نہ مثل اجسام، بلکہ مشابہت اجسام سے پاک و منزہ ہیں وہ گمراہ بددین کہ اللہ عزوجل کا جسم و جسمانیات سے مطلقاً پاک و منزہ ہونا ضروریات عقائد اہلسنت و جماعت سے ہے، اور جو کہے کہ اللہ عزوجل کے لیے ید و عین ہیں کہ مطلقاً جسمیت سے بری و مبرا ہیں وہ اس کی صفات قدیمہ ہیں جن کی حقیقت ہم نہیں جانتے نہ اُن میں تاویل کریں وہ قطعاً مسلم سُنّی صحیح العقیدہ ہے اگرچہ یہ عدم تاویل کا مسئلہ اہلسنت کا خلافیہ ہے متاخرین نے تاویل اختیار کی پھر اس سے نہ یہ گمراہ ہوئے کہ وہ کہ اجرا علی الظاہر بمعنی مذکور کرتے ہیں جس کا حاصل صرف اتنا کہ "اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا"[3]۔ (ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ت)
بعینہ یہی حالت مسئلہ علم غیب کی ہے۔ اس میں بھی تینوں قسم کے مسائل موجود ہیں۔
(۱) اللہ عزوجل ہی عالم بالذات ہے اُس کے بتائے ایک حرف کوئی نہیں جان سکتا۔
(۲) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ عزوجل نے اپنے بعض غیوب کا علم دیا۔
(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم اوروں سے زائد ہے ابلیس کا علم معاذ اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۳۹

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

علم اقدس سے ہر گز وسیع تر نہیں۔

(۴) جو علم اللہ عزوجل کی صفت خاصہ ہے جس میں اُس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شریک کرنا بھی شرک ہو وہ ہر گز ابلیس کے لیے نہیں ہو سکتا جو ایسا مانے قطعًا مشرک کافر ملعون بندہ ابلیس ہے۔

(۵) زید و عمرو ہر بچے پاگل، چوپائے کو علمِ غیب میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مماثل کہنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صریح توہین اور کھلا کفر ہے، یہ سب مسائل ضروریاتِ دین سے ہیں اور اُن کا منکر ان میں ادنٰی شک لانے والا قطعًا کافر، یہ **قسم اول** ہوئی۔

(۶) اولیاء کرام نفعنا اللہ تعالٰی ببر کاتھم فی الدارین کو بھی کچھ علومِ غیب ملتے ہیں مگر بوساطت رسل علیہم الصلٰوۃ والسلام۔ معتزلہ خذلھم اللہ تعالٰی کہ صرف رسولوں کے لیے **اطلاع غیب** مانتے اور اولیاء کرم رضی اللہ تعالٰی عنھم کا علومِ غیب کا اصلًا حصہ نہیں مانتے گمراہ و مبتدع ہیں۔

(۷) اللہ عزوجل نے اپنے محبوبوں خصوصًا سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو غیوب خمسہ سے بہت جزئیات کا علم بخشا جو یہ کہے کہ خمس میں سے کسی فرد کا علم کسی کو نہ دیا گیا ہزار ہا احادیث متواترۃ المعنٰی کا منکر اور بدمذہب خاسر ہے، یہ **قسم دوم** ہوئی۔

(۸) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تعیینِ وقتِ قیامت کا بھی علم ملا۔

(۹) حضور کو بلا استثناء جمیع جزئیات خمس کا علم ہے۔

(۱۰) جملہ مکنونات قلم و مکتوبات لوح بالجملہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام ماکان ومایکون مندرجہ لوح محفوظ اور اس سے بہت زائد کا عالم ہے جس میں ماورائے قیامت تو جملہ افراد خمس داخل اور دربارہ قیامت اگر ثابت ہو کہ اس کی تعیین وقت بھی درج لوح ہے تو اسے بھی شامل، ورنہ دونوں احتمال حاصل۔

(۱۱) حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حقیقتِ روح کا بھی علم ہے۔

(۱۲) جملہ متشابہات قرآنیہ کا بھی علم ہے، یہ پانچوں مسائل **قسم سوم** سے ہیں کہ ان میں خود علماء و آئمہ اہل سنت مختلف رہے ہیں جس کا بیان بعونہ تعالٰی عنقریب واضح ہوگا ان میں مثبت و نافی کسی پر معاذ اللہ کفر کیا معنی ضلال یا فسق کا بھی حکم نہیں ہو سکتا جب کہ پہلے سات مسئلوں پر ایمان

رکھتا ہو اور ان پانچ کا انکار اُس مرض قلب کی بناپر نہ ہو جو وہابیہ قاتلہم اللہ تعالٰی کے نجس دلوں کو ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل سے جلتے اور جہاں تک بنے تنقیص و کمی کی راہ چلتے ہیں، **فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا ولاھل السنۃ من اللہ احمد رضا امین**۔ (ان کے دلوں میں بیماری ہے ان کی بیماری اور بڑھ گئی اور اہل سنت کے لیے اللہ عزوجل کی طرف سے بہترین رضا ہو، آمین ! ت)

وہابیہ کی مکّاریاں

اب وہابیہ کی مکاریاں دیکھیے۔

اولًا: انہیں معلوم ہوا کہ سرکار اعظم مدینہ طیبہ میں مفتی شافعیہ کو باتباع اہلِ ظاہر بعض مسائل قسم سوم میں خلاف ہے، خبثاء کا اپنا خلاف تو مسائل قسم اول میں تھا انکار ضروریاتِ دیں و توہین حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کرکے خود انہیں مفتی شافعیہ و جملہ مفتیانِ کرام ہر دو حرم محترم کے روشن فتوؤں سے کافر مرتد مستحقِ لعنتِ ابد ٹھہر چکے تھے، جھٹ سب سے ہلکی قسم سوم میں خلاف لاڈالا۔ دو فائدے سوچ کر ایک یہ کہ جب مسئلہ خود اہلسنت کا خلافیہ ہے تو ادھر بھی عباراتِ علماء مل جائیں گی۔ ناواقفوں کے سامنے غُل مچانے کی گنجائش تو ہوگی، دوسرے سب سے بڑا جل یہ کہ مفتی صاحب سے کوئی تحریر ہاتھ آسکے گی جسے بزورِ زبان و زورِ بہتان حسام الحرمین کا معاوضہ ٹھہرا سکیں اور گلے پھاڑ کر چیختنا شروع کیا کہ علمِ غیب میں مناظرہ کرلو۔ ہیے کی پھوٹوں سے کہیے کہ مسائل قسم اول تو اصل الاصول مسائل علم غیب ہیں۔ خبیثو! تم ان کے منکر ہو کر باجماع علمائے حرمین شریفین کافر ٹھہر چکے ہو۔ انہیں چھوڑ کر سب سے ہلکے مسائل قسم سوم کی طرف کہاں رہے جاتے ہو جو خود ہم اہلسنت کے خلافیہ ہیں۔ پہلے مسلمان تو ہولو پھر کسی فرعی مسئلہ کو چھیڑو۔ اس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی ملعون معاذاللہ اللہ عزوجل کے لیے ہمارے ہی سے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، کان، گوشت، پوست، استخواں سے مرکب مانے، اور جب اہل اسلام اس کی تکفیر کریں تو ید و عین میں مسئلہ خلافیہ تاویل و تفویض میں بحث کی آڑلے، اس سے یہی کہا جائے گا کہ ابلیس کے مسخرے تو صراحۃً اُس قدوس متعالی عزجلالہ کو اپنا سا جسم مان کر کافر ہوچکا ہے تجھ سے اور اس مسئلہ خلافیہ اہلسنت سے کیا علاقہ۔ دجّال کے گدھے پہلے آدمی تو بن مسلمان تو ہو۔ پھر تفویض و تاویل پوچھیو، مسلمانو! ان خبثاء کے علمِ غیب رٹنے کا یہ حاصل ہے۔

تعسا لھم واضل

اعمالھم (ان پر تباہی پڑے اور اللہ انکے اعمال برباد کرے۔ت)

ثانیًا: پیش خویش یہ منصوبے گانٹھ کر ایک مقہور مخصوص آثم ماثوم عــہ زنگی کافور موسوم کو (کہ مکہ معظّمہ میں بعون اللہ تعالٰی خائب وخاسر وذلیل ومخصوم ہوچکا تھا یہاں تک کہ علمائے کرام حرم شریف نے اس کا نام ہی بدل کر مخصوم رکھ دیا تھا۔) متعین کیا کہ مکہ معظّمہ میں تو چھل پیچ نہ چلا مجدد دین وملت کے انوار علم نے حرم شریف کے کُوچے کوچے کو جگمگادیا ہے یہاں کے علمائے کرام بعون الملک العلام فریب میں نہ آئیں گے سرکار اعظم مدینہ طیبہ میں ہنوز "الدولة المکیة بالمادة الغیبیة (۱۳۲۳ھ)" کا آفتاب طالع نہیں ہوا اور مفتی شافعیہ کو خمس میں اشتباہ ہے ہی وہاں جل کھیلیں، مخصوم ماثوم ہے، ذی ہوش سمجھا کہ اس قدر سے اپنی جگری چہیتوں کفر وارتداد کی مصیبت بیتون کے اندرونی گہرے زخم جانکاہ کا کیا مرہم ہوگا کہ مسئلہ خود اہلسنت کا خلافیہ ہے بڑھ سے بڑھ اتنا ہوگا کہ مفتی صاحب اپنا قول مختار لکھ دیں اور دوسرے قول کو خلافِ تحقیق بتائیں، یہ تو آئمہ وعلماء میں صحابہ کرام کے وقت سے آج تک برابر ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا اس سے کیا کام چلے گا۔ لہٰذا اس میں یہ نمک مرچ ملائے گئے کہ اعلٰیحضرت مجدد دین وملت نے اپنے رسالہ میں علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سوا علومِ ذات وصفات الٰہی کے جملہ معلوماتِ الٰہیہ غیر متناہیہ بالفعل کو بتفصیل تام محیط ٹھہرایا اور اس احاطہ میں علمِ الٰہی وعلم نبوی میں صرف قدمِ وحدوث کا فرق بتایا ہے۔

مفتریوں پر کمالِ قہرِ الٰہی کا ثمر یہ کہ یہ من گھڑت باتیں رسالہ اعلٰیحضرت کی طرف نسبت کیں جس میں صراحۃً ان اباطیل کا روشن رَد ہے جس کا ذکر بعونہ تعالٰی عنقریب آتا ہے رسالے میں اگر ان باتوں کی نسبت ہاں ونہ، کچھ نہ ہوتا تو ان کا اس کی طرف منسوب کرنا سخت خبیث افتراء تھا نہ کہ رسالے میں بتصریح نام روشن وواضح طور پر جن باتوں کا رد ہوا انہیں کو اس کی طرف نسبت کریا جائے اس کی نظیر یہی ہوسکتی ہے کہ کوئی ملعون کہے قرآن عظیم میں عیسٰی مسیح کو خدا لکھا ہے "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ"[1]۔ (بے شک اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ت) اس سے یہی کہا جائے گا کہ او ملعون مجنون ابلیس کے مفتون سوجھ کر قرآن عظیم میں ایسا فرمایا ہے یا اس کا رَد ارشاد ہوا ہے کہ:

عــہ: ماثوم مجرم سزایافتہ کہ خدائے کیفر کردارش بکنارش نہاد ۱۲۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۷

" لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّهْلِكَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ؕ "[1]۔	بے شک کافر ہیں وہ جو مسیح ابن مریم کو خدا کہتے ہیں تم فرمادو کہ کسی کو اللہ پر کچھ اختیار ہے اگر وہ مسیح ابن مریم اور انکی ماں اور تمام اہل زمین کو فنا کردینا چاہیے۔

اعلیحضرت نے یہ مبارک رسالہ مکہ معظّمہ میں تصنیف فرمایا اکابر علمائے مکہ نے خواہش کرکے اس کی نقلیں لیں اس رسالہ کی قسم اول جناب مفتی برزنجی صاحب نے پڑھوا کر سنی حاش للہ ہزار ہزار بار حاش للہ زنہار معقول و مقبول نہیں کہ معاذ اللہ خود حضرت ممدوح ایسے اخبث انجس افترائے ملعون تراشیں یا اُن کا تراشنا روا رکھیں بلکہ ضرور ضرور ان دل کے اندھوں نے اس مقدس مفتی کی ظاہری نابینائی سے فائدہ اٹھایا اور کوئی نہ کوئی کارروائی دھوکے فریب یا تحریف تصحیف کی عمل میں لائی گئی۔
" اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ "[2]۔ (افتراء وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔ت) اپنے پرانوں
" الْمُرْجِفُوْنَ فِی الْمَدِیْنَةِ "[3]۔ (مدینہ میں جھوٹ اڑانے والوں۔ت) کا ترکہ پایا
" وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ ۠ "[4]۔ (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

ثالثًا: خبثاء نے کھایا بھی اور کال بھی نہ کٹا: مفتی صاحب نے ان افترائی اقوال پر بھی اتنا ہی حکم دیا کہ غلط اور تفسیر قرآن پر بے دلیل جرأت ہے اشقیاء کے طائفہ بھر کی چھاتیاں پھٹ گئیں کہ ہائے ہائے رسول کے شہر میں خدا کا قہر سر پر اوڑھا اور کچھ کام نہ چلا۔ اب رامپور، بریلی، دیوبند، تھانہ بھون، انبیٹھ گنگوہ، دہلی، پنجاب وغیرہا کے سب پنچ غیب جڑ جڑا کر کمیٹیاں ہوئیں اور رائے پاس ہولی کہ ابلیسی مسخرو! تم اور غم کرو۔ ارے افترا کی مشین تو تمہارے گھر چل رہی ہے۔ مجددِ ملت پر افترا جوڑے تھے حضرت مفی صاحب پر جوڑتے ہوئے کیوں مرے جاتے ہو، بنابرآں پہلے افتراء میں وہ جو علوم ذات و صفاتِ الٰہی کا استثناء رکھا تھا اپنے ہی چھپے ہوئے رسالے غایۃ المامول سے اسے بھی اڑادیا جناب منور علی رامپوری اینڈ کو جو اس رسالہ غایۃ المامول کے لانے والے چھاپنے والے ہیں مسلمان سب سے پہلے انہیں کی دن دہاڑے چوری اور سرزوری ملاحظہ فرمائیں۔ رسالے کے صفحہ ۳ پر مفتی صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۵ /۱۷

[2] القرآن الکریم ۱۶ /۱۰۵

[3] القرآن الکریم ۳۳ /۶۰

[4] القرآن الکریم ۲۶ /۲۲۷

کی طرف منسوب عبارت تو یہ چھاپی:

ذھب فیھا ای صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علمہ محیط بکل شیئ حتی المغیبات الخمس وانہ لا یستثنٰی من ذلك الا العلم المتعلق بذات اللہ تعالٰی وصفاتہ۔	اس کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم ہر شے کو محیط ہے حتی کہ مغیبات خمسہ کو بھی، اور وہ اللہ تعالٰی کی ذات و صفات سے متعلق علم کے سوا کسی علم کو اس سے مستثنٰی نہیں کرتا۔ (ت)

جس میں علم متعلق بذاتِ الٰہی و صفاتِ الٰہی کا صریح استثناء موجود ہے اور اس عبارت کے منگھڑت خلاصہ کا ترجمہ آخر کتاب میں یوں چھاپا کہ "رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم بھی ایسا ہی محیط ہے جیسے اللہ تعالٰی کا اور آپ کے علم اور اللہ تعالٰی کے علم میں کوئی فرق نہیں سوائے حدوث وقدم کے"۔

ملاحظہ ہو کہ وہ علم ذات و صفات کا استثناء یک لخت اڑ گیا۔ اور بلا استثناء جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو علم نبوی محیط ماننے کا بہتان جڑ گیا۔ بیجا بددین لوگ اکثر افتراء گانٹھا کرتے ہیں اس کا کچھ گلہ نہیں مگر۔ ع

چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد

(چور کتنا دلیر ہے کہ ہاتھ میں چراغ رکھتا ہے۔ ت)

کا سماں اور ہی مزہ رکھتا ہے، جس کتاب میں تحریف کریں اسی کے ساتھ اسی کی پشت پر چھاپ دیں اور پھر سرِ بازار مسلمانوں کو آنکھیں دکھائیں۔ تف تف تف سے کیا ہوتا ہے جب خدا کی لعنت ہی کا خوف نہیں پھرا، پھر اس چالبازی کی کیا شکایت کہ مفتی صاحب کی طرف عبارت تو یہ منسوب کی "العلنی علی رسالۃ ذھب فیھا"، جس کا صاف مفاد یہ کہ یہ مضمون اس رسالہ کا ہے، حالانکہ رسالہ میں اس کا صاف رَد لکھا ہے، اور باطنی طائفہ نجدیت کے امام [عہ] معصوم سفلی آسمان کذب وافتراء کے بدر منور اس کا ترجمہ یوں گانٹھتے ہیں "اپنے دوسرے رسالہ علم غیب کی مجھ کو خبر دی اور اس کا یہ مدعا بیان کیا۔" یعنی یہ مدعا زبانی بیان میں تھا نہ کہ رسالہ میں۔

تاکہ کوئی رسالہ کا تپانچہ دے کر جھوٹ بکنے والا لوٹ دے کر مفتریو رسالہ میں یہ قول لکھا ہے یا اس کا رَد کیا ہے۔ پھر اس ننھی سی کتر بیونت کا کیا گلہ کہ مفتی صاحب کی طرف عبارت تو یہ منسوب کی "فلم ال جھدا فی بیان ان الآیۃ المذکورۃ لا تدل علی مدعاہ دلالۃ قطعیۃ"

عہ: اسماعیل دہلوی کی صراط مستقیم میں۔

جس کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ میں نے اپنے چلتی اس بیان میں کمی نہ کی کہ آیت ان کے دعوی پر ایسی دلالت نہیں کرتی جو یقینی قطعی ہو۔اب قصرِ وہابیت کے منور محل کا چمکتا ترجمہ سنئے۔آیت مذکورہ تمہارے دعوی کی دلیل نہیں ہو سکتی۔کہاں نفی تیقن کہ یقینی طور پر اثبات نہیں اور کہاں استحالہ کی دلیل ہو ہی نہیں سکتی دو سطر کے ترجمہ میں یہ ڈھٹائیاں اور واں گھائیاں یہ دلربائیاں اور پھر دین و دیانت کا دعوی پر قرار۔ع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز (بی بی تمیز کے محکم مضبوط وضو کی طرح۔ت)

پھر یہ شرمیلی جھانولی تو خاص انعام دینے کے قابل کہ اسی صفحہ ۳ عبارت مفتی صاحب میں قادیانی، پھر طائفہ امیریہ امیر حسن سہسوانی، پھر طائفہ نذیریہ نذیر حسین دہلوی، پھر طائفہ قاسمیہ قاسم نانوتوی، پھر رشید احمد گنگوہی، پھر اشرف علی تھانوی، یہ سارے کے سارے نام بنام مذکور تھے اور ان سب پر جب کہ وہ اقوال ان کے ہوں احکام کفر و ضلال مسطور تھے، تنِ وہابیت کی منور جان جو سرمائی نظروں سے اس کے ترجمہ پر آئیں تو یوں جھلک دے کر الوپ ہو جائیں کہ ہندوستان میں کچھ لوگ گمراہ اور اہلِ کفر ہیں جو ایسا ایسا کہتے ہیں منجملہ ان کے غلام احمد قادیانی وغیرہ وغیرہ ملاحظہ ہو اپنے پانچوں کو کیا وغیرہ وغیرہ کے پردے میں بٹھایا، وغیرہ کی خاک ڈال کر بلی کی طرح چھپایا ہے غرض ۔

عیّار ہو مکّار ہو جو آج ہو تم ہو
بندے ہو مگر خوفِ خدا نہیں رکھتے

ارے بیباک! کیا کہنا ہے تیری اس وغیرہ کا
یہی پردہ ہے سارے ایرغیرا نتھّو خیرا کا

بریلی کے وہابیہ بھی انہیں حضرت کی چال پر پھول کر اپنی بتیاں والی تحریر سر بازار تشہیر کر ابیٹھے۔مسلمانوں نے پانسو روپے انعام کا اشتہار دیا اگر ایک ہفتہ میں اپنے افتراؤں کا ثبوت دے دیں۔معیاد گزری اور اس سے دو چند زمانہ گزرا، اور پھر سہ چند تک نوبت پہنچی مگر کسی مفتری کذب کے لب نہ کھلے "فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَۚ۝۲۵۸" [1]۔تو ہوش اڑ گئے کافر کے، اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو۔ت) بیس ۲۰ روز بعد بعض بے حیا پردہ نشینوں نے کسی اپنے سعید کی فرضی آڑ سے دیوبندی کمیٹیوں کا نتیجہ چھاپا۔پہلے دو اندھیر تھے تو اس میں افترا بر افترا، افترا بر افترا کے ڈھیر تھے اور واقعی کوئی

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۸

ملعون طائفہ اپنے لعنتی افتراؤں کا ثبوت کہاں سے لائے سوا اس کے کہ لعنتوں پر لعنت، غضبوں پر غضب اوڑھے، اس پر مسلمانوں نے العذاب البئیس علی انجس حلائل ابلیس ان پر نازل کیا اور تین ہزار روپے کا اعلان دیا اور ان کی مہلت تین ہفتے کر دی اور برسم شہادت ان کے الفاظ کی ٹوکری در بھنگی وغیرہ سب کے ظاہر پیر تھانوی صاحب کے سر دھر دی، اگرچہ برسوں کا تجربہ شاہد ہے کہ وہ تین توڑے دیکھ کر بھی لب نہ عہ کھولیں گے۔ اُن کی مہر دہن جب ٹوٹے کہ کچھ گنجائش سوجھے، خیر ایک تدبیر تو کفر پارٹی کی یہ تھی۔ دوسری تدبیر لعنتِ تخمیر اشد ملعونی کی بولتی تصویر فلک شیطنت کی بدر منیر ابلیس لعین کی بڑی ہمشیر اللہ و رسول پر حملہ کے لیے کفر پارٹی کی ننگی شمشیر، یعنی رسالہ ملعون و شقی ظلماً مسمّٰی سیف النقی۔ اس خبیثہ ملعونہ رسالہ نے وہ طرز اختیار کی کہ وہابیہ خذلھم اللہ تعالٰی پر سے ۳۵ برس کا قرضہ ایک دم میں اُترواد ے،

آستانہ علویہ رضویہ سے پینتس سال کامل ہوئے کہ وہابیہ کا رد اشاعت پارہا ہے اور آج تک بفضل وھاب جل وعلا لاجواب رہا ہے۔ کسی گنگوہی، نانوتوی، انبٹھی، تھانوی، دیوبندی، دہلوی، امرتسری کو تاب نہ ہوئی کہ ایک حرف کا جواب لکھیں اور جب مطالبہ جواب کتب کا نام آیا ہے، متکلمین طائفہ نے جو مناظرہ رٹ رہے ہیں وہ وہ چک پھیریاں لیں، وہ وہ اڑان گھاٹیاں دکھائیں جن کا بیان رسالہ الاستمتاع بذوات القناع سے ظاہر شریفہ ظریفہ رشیدہ رسیدہ نے اپنے اقبال وسیع سے ان کے ادبار پر وضیق کو ایسی فراخی حوصلہ کی لَے سکھائی ہے کہ چاہیں تو ایک ایک منٹ میں اپنے خصموں کی ایک ایک کتاب کا جواب لکھ دیں۔ اور وہ بھی بے مثل ولاجواب لکھ دیں یعنی خصم کا جو قول چاہیں نقل کریں اور اس کے مخالف جتنی عبارات چاہیں خصم کے آباء واجداد و مشائخ کی طرف سے گھڑلیں اور ان کی تصانیف کے نام بھی تراش لیں، ان کے مطبع بھی اپنے افترائی سانچے میں ڈھال لیں اور سر بازار بکمال حیا آنکھیں دکھانے کو ہو جائیں کہ تم تو کہتے ہو اور تمہارے والد ماجد اس کے خلاف فلاں کتاب میں یوں فرماتے ہیں، تمہارے جدامجد کا فلاں کتاب میں یہ ارشاد ہے۔ فلاں مشائخ کرام فلاں فلاں کتاب میں یوں فرماگئے ہیں ان کتابوں کے یہ یہ نام ہیں، فلاں فلاں مطبع میں چھپی، ان کے فلاں فلاں صفحہ پر یہ عبارات ہیں، کہیے اس سے بڑھ کر پکا اور کامل ثبوت اور کیا ہوگا۔ اور بعنایتِ الٰہی حقیقت دیکھئے تو ان کتابوں کا اصلاً کہیں روئے زمین پر نام ونشان نہیں، نری من گھڑت خیالی تراشیدہ خوابہائے پریشان جن کی تعبیر فقط اتنی کہ "لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی

عـــہ: یہی واقع ہوا دس ۱۰ برس سے زیادہ گزرے تھانوی صاحب خاموش باختہ ہوش۔

الْكٰذِبِيْنَ ۝ "[1]۔ (جھوٹوں پر اللہ کی لعنت، ت)

مثلاً (۱) صفحہ ۳ پر ایک کتاب بنام تحفۃ المقلدین اعلیحضرت کے والد ماجد اقدس حضرت مولانا مولوی محمد نقی علی خاں قدس سرہ العزیز کے نام سے گھڑی اور بکمال بے حیائی کہہ دیا کہ مطبوعہ صبح صادق سیتاپور صفحہ ۱۵۔

(۲) صفحہ ۱۱ پر ایک کتاب بنام ہدایۃ الاسلام اعلیحضرت اعلیحضرت کے جدِّ امجد حضور پُر نور سیدنا مولوی محمد رضا علی خاں صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام سے تراشی اور بکمال ملعونی کہہ دیا کہ مطبوعہ صبح صادق سیتاپور صفحہ ۳۰۔

(۳) صفحہ ۱۱ اور صفحہ ۲۰ پر ہدایۃ البریہ مطبوعہ صبح صادق کے علاوہ ایک ہدایۃ البریہ مطبوعہ لاہور اعلیحضرت کے والد روح اللہ روحہ کے نام سے گھڑی اور اپنی تراشیدہ عبارتیں اس کی طرف منسوب کردیں کہ صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں، صفحہ ۴۱ میں فرماتے ہیں اور سب محض بناوٹ۔

(۴) صفحہ ۱۱ پر ایک کتاب بنام خزینۃ الاولیاء حضور اقدس انور حضرت سیدنا شاہ حمزہ مارہروی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نام اقدس سے گھڑی اور بکمالِ شقاوت کہہ دیا کہ مطبوعہ کانپور صفحہ ۱۵۔

(۵) صفحہ ۲۰ پر ایک کتاب بنام تحفۃ المقلدین اعلیحضرت کے جدّ امجد نور اللہ تعالٰی مرقدہ کے نام سے گھڑی اور بکمال شیطنت کہہ دیا مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۔

(۶) صفحہ ۲۱ پر حضرت اقدس حضور سیدنا شاہ حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ملفوظات دل سے گھڑے اور بکمال اہلبیت کہہ دیا کہ مطبوعہ مصطفائی صفحہ ۱۷ اور خبیثہ شقیہ نے جو عبارت جی سے گھڑی وہ ہوتی تو مکتوب ہوتی نہ کہ ملفوظ اور اس کے اخیر میں دستخط بھی گھڑ لیے کتبہ شاہ حمزہ مارہروی عفی عنہ اللہ کی مہر کا اثر کہ اندھی خبیثہ کو ملفوظ ومکتوب کا فرق تک معلوم نہیں اور دل سے گھڑنت کو آندھی۔ ع

عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ع قدم فسق پیشتر بہتر

(۷) خبیثہ ملعونہ نے صفحہ ۱۴ پر ایک کتاب بنام مرآۃ الحقیقۃ حضور انور واکرم غوث دوعالم

[1] القرآن الکریم ۳/ ۶۱

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اسم مہر انور سے گھڑی اور بکمال بے ایمانی کہہ دیا کہ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۸۔

(۸) صفحہ ۲۰ پر اعلیحضرت کے والد ماجد عطر اللہ مرقدہ، کی مہر مبارک بھی دل سے گھڑلی، اور اس کی یہ صورت بنائی۔

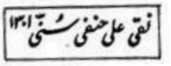

حالانکہ حضرت والا کی مہرِ اقدس یہ تھی جو بکثرت کتب پر طبع ہوئی ہے۔

(۹) حضرت اعلٰی قدس سرہ، کی وفات شریف ۱۲۹۷ھ میں واقع ہوئی خبیثہ نے مہر کا سَن ۱۳۰۱ لکھا یعنی وصال شریف کے چار برس بعد مہر کندہ ہوئی۔ سچ ہے جب لعنتِ الٰہی کا استحقاق آتا ہے، آنکھ، کان، دل سب پٹ ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) تقویت الایمان پر سے اعتراضات بزورِ زبان اٹھانے کو صفحہ ۲۸ پر ایک تقویت الایمان مطبوعہ مصطفائی گڑھی، اور اس سے وہ عبارتیں نقل کردی جس کا دنیا بھر کی کسی تقویت الایمان میں نشان نہیں۔

جب حالت یہ ہے تو اپنی طرف کی فرضی خیالی تصانیف گھڑ دینے کی کیا شکایت۔ محمد نقی اجمیری جو کوئی شخص اس کا مصنّف ٹھہرایا ہے، غالبًا یہ بھی خیالی گھڑا یا کم از کم اسی فرضی ہے۔ ایک بزرگوار نے پہلے ایک اسی رنگ کا رسالہ حمایتِ اعلیحضرت میں لکھ کر یہاں چھاپنے کو بھیجا تھا جس میں مخالفانِ حضرت والا کے کلام ایسے ہی فرضی نقل کیے تھے۔ **الحمد للہ** اہل سنت ایسی ملعون باتیں کب پسند کریں یہاں سے دھتکار دیا تو مخالف ہو کر دامن وہابیوں کا پکڑا اور ان کو یہ رسالہ سیف النقی بھیجا، جھوٹے معبود کے پجاری تو ایسوں کے بھوکے ہی تھے۔ "**باسم المعبود الکذاب اللئیم**" کہہ کر قبول کرلیا اور اعلان چھاپا کہ بندہ کی معرفت یہ رسالہ اشرف علی وغیرہ بزرگان کی جملہ تصانیف مل سکتی ہیں۔ راقم اصغر حسین مدرسہ دیوبند۔

مسلمان اپنی ہی عادت پر قیاس کرتا ہے، گمان تھا کہ وہ حضرات بیحیا سے بے حیا ہوں،

پھر بھی ایسی ہی سخت سے سخت ناپاک ترخبیث گندی گھناؤنی ابلیسی ملعون تحریر کا نام لیتے کچھ تو شرمائیں گے جس کی کمال بے حیائیوں ڈھٹائیوں کی نظیر جہان بھر میں کہیں نہ پائیں گے۔ مگر واضح ہوا کہ وہاں بعضبِ الٰہی ایک حمام میں سب ننگے ہیں، مدرسہ دیوبند سے اس کی اشاعت تو دیکھ ہی چکے،اب در بھنگی صاحب کی حیاء ملاحظہ ہو، ۱۴ ربیع الاخر شریف کو جناب تھانوی صاحب سے رجسٹری شدہ نوٹس میں استفسار فرمایا تھا کہ کیاآپ مناظرہ کوآمادہ ہوئے ہیں۔ کیاآپ نے در بھنگی صاحب کو اپنا وکیل مطلق کیاہے۔آج سوامہینہ گزرا تھانوی صاحب کو تو حسب عادت جو سونگھ جاتا تھا سونگھ گیا یا دماغ شریف سونٹھ کی ناس سے اونگھتا ہی رہتاہے اور بھی اونگھ گیا۔ مگر ۳۰ ربیع الاخر شریف کو در بھنگی جی اچھلے، اور اپنی ہی خصلت و نسبت کے موافق بہت کچھ کلمات ناپاک اور غلیظ اپنے دہن شریف سے اگلے اور ایک دوورقہ اپنے نصیبوں کی طرح سیاہ فرمایا جس کا حاصل صرف اس قدر کہ ہاں ہم تھانوی صاحب کے وکیل ہیں، کیا ہم نہیں کہتے کہ ہم تھانوی کے وکیل ہیں ہم نے معززوں کے سامنے کہہ دیا ہے کہ ہم تھانوی کے وکیل ہیں۔ہاں ہاں اے لو، خدا کی قسم ہم تھانوی کے وکیل ہیں تھانوی جی سے کیوں پوچھو کہ تم نے وکیل کیا یا نہیں، ہم جو کہہ رہے ہیں کہ ہم تھانوی کے وکیل ہیں۔اچھا تھانوی جی نہیں بولتے کہ ہم ان کے وکیل ہیں توان کے نہ بولنے سے کیا یہ مِٹ جائے گا کہ ہم تھانوی کے بول ہیں، ہم خود تو بول رہے ہیں کہ ہم تھانوی کے وکیل ہیں تو گنگوہی کی آنکھوں کی قسم ہم تھانوی کے وکیل ہیں۔ مسلمانو! خدارا انصاف یہ صورتیں مناظرہ کرنے کی ہیں۔اللہ و رسول (جل وعلا، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی جیسی عزت ان کی نگاہوں مین ہے طشت از بام ہے اسی پر تو عرب و عجم میں حل وحرم میں ان پر لعنتوں کالام ہے۔ہاں بعض دنیاوی عزتوں کا بھاری بوجھ پڑا کہ دفع الوقتی کو در بھنگی صاحب مغالطہ دہی کے لیے اپنے منہ آپ جناب تھانوی صاحب کے وکیل بن بیٹھے۔اوّل روز سے تھانوی صاحب پر تمام رسائل واعلانات میں یہی تقاضا سوار تھا کہ خود مناظرہ میں آتے ہول کھاتے ہو، کھاؤ اپنے مہر ودستخط سے کسی کو وکیل بناؤ، بارے اب خدا خدا کرکے وکالت کی بھنک سُنی تو اس کی تحقیقات حرام ہے۔خود ساختہ وکیل صاحب کا جبروتی حکم ہے کہ جناب تھانوی صاحب کی مہر کیسی، دستخط کہاں کے۔ان سے پوچھنا ہی بے ضابطہ ہے۔ہم خود ہی جو کہہ رہے ہیں کہ ہم تھانوی کے وکیل ہیں۔اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہے۔تھانوی کو رجسٹری شدہ نوٹس پہنچا جس میں وکیل کرنے نہ کرنے کو ان سے پوچھا وہ نہ بولے، لاکھ نہ بولیں، ان کے نہ بولنے سے کیا ہوا، بس اتنا ہی، نہ کہ یہ سمجھا گیا کہ انہوں نے ہم در بھنگی صاحب کو وکیل ہرگز نہ کیا۔ پھر اس سے کیا ہوتا ہے ہم خود جو فرمارہے ہیں کہ ہاں ہم کو تھانوی جی نے وکیل کیاہے۔اس میں ہماری

ہاں کے آگے تھانوی جی کے نائے نوئے یاہائے ہوئے یا ٹال مٹول یا اول فول یا قول فعل کسی حرکت کا اصلًا اعتبار ہی کیا ہے، آپ نے نہیں سُنا کہ ع

گھر سے آیا ہے معتبر نائی

مسلمانو! نہ فقط مسلمانوں، جہان بھر کے ذرا سی بھی عقل و تمیز رکھنے والو! کبھی اس مزہ کی وکالت کہیں سنی ہے، گویا اس پیرانہ سالہ میں دیوبندیوں نے گھیر گھار کر دو گز اٹیا کیا سر پر لپیٹ دی۔ گورنمنٹ گنگوہیت نے در بھنگی صاحب کے بیر سڑی کا بلّا لگا دیا کہ موکل کے انکار اقرار کی کچھ حاجت نہیں فقط ان کا فرمانا کافی ہے، یا وہ تمام دیوبندیوں خواہ خواص تھانوی صاحب کے گھر کی عام مختاری کا ڈپلومہ ان کے پرو دینا تھا جس کے بعد تو وکیل کی نسبت دریافت کرنا ہی بے ضابطگی ہے۔

مسلمانو! کیا وکالت یونہی ثابت ہوتی ہے، کیا اس سے در بھنگی صاحب کی محض جھوٹی وکالت کا ہوائی ببولا نہ پھوٹ گیا۔ جناب تھانوی صاحب نے دبی زبان بھی اتنی ہانک نہ دی کہ میں نے وکیل تو کیا ہے، کیا ایسے ہی منہ مناظرہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اللہ اللہ جناب تھانوی صاحب کی یہ گریز، یہ فرار، یہ ہول، یہ خوف، یہ صموت اور اس پر اذناب کی یہ حالتیں، اور پھر مناظرہ کا نام بدنام، ارے نامردی تو خدا نے دی ہے، مار مار تو کیے جاؤ ازلی نصیبوا نہیں حالتوں پر عظمائے اسلام کو لکھتے ہو کہ خدا نے جو ذلت اور رسوائی آخری عمر میں آپ کی گردن کا طوق بنا دیا ہے کیا ان ناپاک چالوں اور بے شرمی کے حیلوں سے ٹال سکتے ہیں۔

"ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ" (ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری۔ت) کے مصداق ہو کر عزت کی طلب فضول اور عبث ہے۔

ارے منافقو! تمہارے اگلے تو اس سے بھی بڑھ کر کہہ گئے تھے کہ:

"لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ"[1]۔	اگر ہم مدینہ پھر کر گئے تو ضرور جو بڑی عزت والا ہے وہ اس میں سے نکال دے گا اُسے جو نہایت ذلت والا ہے۔ (ت)

اس پر قرآن عظیم نے کیا جواب دیا:

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ"[2]۔	عزت تو اللہ و رسول اور مسلمانوں کے لیے ہے مگر منافقین کو خبر نہیں۔

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

وہ ملاعنہ ہمیشہ الٰہی عزت کو ذلت ہی تعبیر کرتے یا اندھے ابلیس کی اندھی نسلوں کو عزت کی ذلت نہیں سوجھتی، اسی پر تو قرآن عظیم نے فرمایا:

"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞" [1]۔	خدا انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

یہی ترکہ اگر آپ نے پایا کیا جائے شکایت ہے، واقعی جن کو اللہ تعالیٰ اوندھا کیے ان کی اوندھی اوندھی مَت میں اس سے بڑھ کر ناپاک چال اور بے شرمی کا حیلہ کیا ہے کہ زید سے پوچھا جائے عمرو جو اپنے آپ کو تیرا وکیل بتاتا ہے کیا تو نے اسے وکیل کیا ہے اور کمال پاک چال اور بڑی شرمیلی حیلہ گری کیا ہے یہ کہ ۳۵ سال ضربیں کھا کر بعض دنیاوی رئیسوں کے دباؤ سے جب دم پر بنے تو ایک بے معنی خود وکیل بنے، جب فرضی موکل صاحب سے تصدیق طلب ہو کہ کیا آپ نے اسے وکیل کیا تو پھر یا مظہر العجائب جواب مع مجیب غائب۔ بس اور تو کیا کہوں اور اس سے بہتر کہہ بھی کیا سکوں جو قرآن عظیم فرما چکا کہ:

"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞" [2]۔	خدا انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

خیر یہ تو مناظرہ دہلی کا خاتمہ تھا جو تھانوی صاحب کی کمال دہشت خواری بے تکان فراری یادر بھنگی بولوں میں اُن کی آخری عمر کی سخت ذلت وخواری پر ہوا۔ اور ہونا ہی چاہیے تھا کہ قرآن پاک فرما چکا تھا:

"اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۞" [3]۔	بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا (ت)

اور صاف ارشاد فرمایا

"قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞" [4]۔	خدا انہیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔

یہاں کہنا یہ ہے کہ رسالہ ملعونہ خبیثہ مذکورہ کے کوتک آپ ملاحظہ فرما چکے اور حاشا وہ اس کے چہارم کوتک بھی نہیں۔ خیال تھا کہ دیوبندی مدرسہ سے اگرچہ اس کی اشاعت کا اعلان ہے مگر کوئی دیوبندی مُلا نا ایسی ناپاک ملعونہ کو اپنی کہتے کچھ تولے جائے گا۔ لیکن یہ خیال غلط نکلا۔ اب یہی در بھنگی صاحب، نہیں نہیں بلکہ کچھ دنوں کے لیے ان کے منہ یہی تھانوی صاحب، ہاں ہاں یہی سارے کے سارے دیوبندیوں کے مشکل کشا، مناظر، بیرسٹر، پلیڈر، حاویٔ جملہ اصول و نظائر اپنے اُسی خواری نامہ ۳۰ ربیع الاخر میں فرماتے ہیں، تحریر میں بھی اب آپ کی حقیقت دیکھنی ہے، سیف النقی اور

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

[3] القرآن الکریم ۶۳/ ۶

[4] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

دین کا ڈنکا تو طبع ہو چکا ہے۔ ملاحظہ سے گزرا ہو گا، الشہاب الثاقب اور رجوم بھی طبع ہونے والا ہے، وہ دیکھئے کس فخر کے ساتھ اس ملعونہ کا نام لیا ہے۔ اللہ اللہ مسلمانوں، نہ صرف مسلمانوں، دنیا بھر کے عاقلوں سے پوچھ دیکھو کہ کبھی کسی بیحیا سے بیحیا ناپاک، گھناؤنی سے گھناؤنی، بے باک سے بے باک، پاجی، کمینی، گندی قوم نے اپنے خصم کے مقابل بے دھڑک ایسی حرکات کیں۔ آنکھیں میچ کر گندا منہ پھاڑ کر ان پر فخر کیے۔ انہیں سرِ بازار شائع کیا اور ان پر افتخار ہی نہیں۔ بلکہ سُنتے ہیں کہ ان میں کوئی نئ نویلی، حیادار، شرمیلی، بانکی، نکیلی، میٹھی، رسیلی، اچپل، البیلی، چنچل، انیلی، اجودھیا باشی آنکھ یہ تان لیتی اُبھی ہے۔ ع

نا چنے ہی کو جو نکلے تو کہاں کی گھونگھٹ

اس فاحشہ آنکھ نے کوئی نیا غمزہ تراشا اور اس کا نام شہابِ ثاقب رکھا ہے کہ خود اسی کے شیطانی بے حیائی پر شہاب ثاقب ہے اس میں وہ حیا پریدہ گیسو بریدہ افتخار سے استناد، استناد سے اعتماد تک بڑھی ہے۔ کہیں تو اسی ملعونہ بظلم مسمّات سیف النقی کا آنچل پکڑ کے سندلائی اور اس کا بھی سہارا چھوڑ خود اپنی طرف سے وہی بے سُری گائی وہ تازہ غمزہ پاروں تک پہنچا تو اِن شاء اللہ العزیز اس کی جدا خبر لی جائے گی۔

مسلمانو ! بلکہ ہر مذہب کے عاقلو، کیا ایسوں سے کسی مخاطبہ کا محل رہ گیا کیا اُن کا عجز لاکھوں آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو گیا۔ بد نصیبوں میں کچھ بھی سکت ہوتی تو ایسی ناپاک حرکت جس کی نظیر آریوں، پادریوں ہندوؤں، بت پرستوں کسی میں نہ ملے ہر گز اختیار نہ کی جاتی۔

ارے دم ہے کسی تھانوی، دربھنگی، سرہنگی، سربھنگی، انبٹھی، دیوبندی، نانوتوی، گنگوہی، امرتسری، دہلوی، جنگلی کوہی میں کہ اُن من گھڑت کتابوں، اُن کے صفحہ، اُن کی عبارتوں کا ثبوت دے اور نہ دے سکے تو کسی علمی بحث یا انسانی بات میں کسی عاقل کے لگنے کے قابل اپنا منہ بناسکے۔

اسی کو تک پہ یہ لپکا کہ کوئی منہ لگے تیرے
جو تجھ سے بڑھ کے گندا ہو وہ پاجی منہ لگے تیرے

بھلا یہ تو اصغر حسین جی دیوبندی و مرتضٰی حسن جی دربھنگی و حسین احمد جی اجودھیا باشی کے تانگے تھے خود پرانے جہان دیدہ گرم وسرد چشیدہ عالیجناب تھانوی صاحب کا چرچہ ملاحظہ ہو۔

ارے بے دم ہے کسی وہابی بے دم میں

اسی ذی العقدہ ۲۸ھ کی ۲۰ تاریخ کو اعلیٰحضرت مجددِ دین وملت نے " تھانوی صاحب کا چرخہ " کے نام ایک مفاوضہ عالیہ مسمّٰی بنام تاریخی ابحاث اخیرہ (۱۳۲۸ھ) امضا فرمایا جس کے تذکارات نمبر ۹ میں ارشاد ہو ! " یہ مانا کہ جب جواب بن ہی نہ پڑے تو کیا کیجئے کس گھر سے دیجئے مگر والا جناب ! ایسی ایسی صورتوں

میں انصاف یہ تھا کہ اپنے اتباع کا منہ بند کرتے معاملہ دین میں ایسی ناگفتنی حرکات پر انہیں لجاتے شرماتے، اگر جناب کی سے ترغیب نہ تھی تو کم از کم آپ کے سکوت نے انہیں شہ دی یہاں تک کہ انہوں نے سیف النقی جیسی تحریر شائع کی جس کی نظیر آج تک کسی آریہ یا پادری سے بھی بن نہ پڑی"۔

پھر استفسارات میں فرمایا:

(۷) آخر آپ بھی اللہ واحد قہار جل وعلا کا نام تو لیتے ہیں اسی واحد قہار جبار کی شہادت سے بتایئے کہ یہ حرکات جو آپ کے یہاں کے علمائے مناظرین کررہے ہیں صاف صریح اُن کے عجز کامل اور نہایت گندے جملہ بزدل کی دلیل روشن ہیں یا نہیں۔

(۸) جو حضرات ایسی حرکات اور اتنی بے تکلفی اختیار کریں، چھپوائیں، بیچیں، بانٹیں، شائع و آشکار کریں، پیش کریں، حوالہ دیں، افتخار کریں، امورِ مذکورہ کو رواہ رکھیں، ترک انسداد و انکار کریں کسی غافل کے نزدیک لائق خطاب ٹھہراسکتے ہیں یا صاف ظاہر ہوگیا کہ مناظرہ آخر ہوگیا۔

(۹) اُسی واحد قہار جل جلالہ کی شہادت سے یہ بھی بتادیجئے کہ وہ رسالہ ملعونہ جو خاص جناب کے مدرسہ دیوبند سے اشاعت ہورہا ہے اس اشاعت کی آپ کو اطلاع تو ظاہر مگر اس میں آپ کے مشورے آپ کی شرکت ہے یا نہیں؟ نہیں تو آپ کی رضا ورغبت ہے یا نہیں، نہیں تو آپ کو سکوت اور اس سکوت کا محصل اجازت ہے یا نہیں۔ الخ۔

تھانوی صاحب حسبِ عادت خاموش وخود فراموش، غرض بات وہی ہے کہ ایک حمام میں سب ننگے۔ ع

بے حیا باش آنچہ خواہی کُن

(بے حیا ہوجا پھر جو چاہے کر۔ت)

خیر ایسوں کے منہ کہاں تک لگیں اصل بات جس پر اس تمہید کا آغاز تھا عرض کریں کہ اللہ عزوجل جن قلوب کو ہدایت فرماتا ہے ان کا قدم ثبات جادہ حق سے لغزش نہیں کرتا اگر ذریتِ شیطان وسوسے ڈالے تو اس پر اعتماد نہیں کرتے پھر جب امرِ حق جھلک دکھاتا ہے معًا ہوشیار ہوجاتے اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں اس کی تصدیق والا حضرت بالا درجت معلٰی برکت حضرت سید حسین حیدر میاں صاحب قبلہ حسینی زیدی واسطی مارہری دامت برکاتہم کا واقعہ نفیسہ ہے حضرت والا اجلہ سادات عظام و صاحبزادگان سرکار مارہرہ مطہرہ وتلامذہ اعلیحضرت تاج الفحول محب الرسول مولٰینا مولوی حافظ حاجی شاہ محمد عبدالقادر صاحب قادری عثمانی بدایونی قدس سرہ الشریف سے ہیں لکھنؤ اپنے بعض اعزہ کے

معالجہ کو تشریف لائے تھے، شیاطین غراب خوارِ دیوبندیہ کی غرابیں تو ہندوستان میں برساتی حشرات الارض کی طرح پھیلی ہیں حضرت جھوائی ٹولہ میں فروکش تھے دروازہ کے قریب ایک شب کچھ دیوبندی غرابوں کا آپس میں یہ ذکر کرتے سنا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ غیب کے قائل ہوگئے ہیں اور یہ عقیدہ کفر کا ہے، اور حسبِ عادت افتراء و تہمت بک رہے تھے حضرت کو بہت ناگوار گزرا۔ مگر اللہ اکبر ادھر رب عزوجل کا ارشاد کہ:

"اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوۡۤا" [1]۔	جب کوئی فاسق تمہارے پاس کچھ خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلو۔

ادھر حضرت میں دینِ متین کی حرارت، صبح ہی اعلٰیحضرت مجدد المائۃ الحاضرہ کے نام والا نامہ تحریر فرمایا جس کے ہاشمی تیور یہاں تک تھے کہ بہر نوع مجھ کو اپنی تسکین کی ضرورت ہے اگر آپ سے ممکن ہو تو فرمادیجئے۔ حتی کہ ارشاد فرمایا تھا۔ اگر اس میرے عریضہ کا جواب شافی آپ نہ دیں گے تو یہ عقیدہ علم غیب کا مجھ کو اپنا تبدیل کرنا پڑے گا۔

اعلٰیحضرت مجدد دین وملت نے فوراً یہ خط جو اس وقت بنام **خالص الاعتقاد** آپ کے پیش نظر ہے حضرتِ والا کو رجسٹری بھیجا اور اس سے کے ساتھ انباء المصطفی وحسام الحرمین وتمہید ایمان وبطش غیب وظفر الدین الطیب وغیرہا بھی ارسال کیے۔

الحمدللہ کہ اسی آیۃ کریمہ کا ظہور ہوا کہ "تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ" [2]۔

تقوٰی والوں پر شیطان کچھ وسوسہ ڈالے تو وہ معًا ہوشیار ہوجاتے اور ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اس خط ورسائل کو تمام وکمال تین ہفتہ میں ملاحظہ فرما کر حضرت والا نے یہ دو گرامی نامے اعلٰیحضرت کو ارسال فرمائے۔

نامہ اوّل:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط وبہ نستعین ونصلی ونسلم علٰی نبیہ الکریم ط

حضرت مولٰینا وبالفضل اولٰنا دام ظلہم وبرکاتہم وعمرہم۔

از حقر سید حسین حیدر بعد تسلیم نیاز عرض خدمت عالی اینکہ نوازش نامہ عالی عرض دار لایا۔

عـــہ: مراد آباد کی طبع دوم کا بہت ناقص چھپا تھا کہ پڑھنے میں دقت تھی ۱۲۔

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۰۱

معزز فرمایا او تعالٰی ذاتِ والا کو باین تجدید و تاسیس دین متین سلامت رکھے اس صدی کے مجدد اللہ تعالٰی نے ہمارے سب کے واسطے ذاتِ عالی کو بھیجا ہے رسائل عنایت فرمودہ جناب میں نے حرف بحرف پڑھے اور تمام دن انہیں کے مطالعہ میں گزرتا ہے اگرچہ اس مسئلہ میں جو کچھ میں نے وقتاً فوقتاً آپ کی زبان سے سنا تھا اسی حبلِ متین کو مضبوط پکڑے ہوئے تھا اب اس تقریر والا نے تو میرے اس عقیدہ کو ایسا فولاد کر دیا ہے کہ جس کا بیان نہیں، فتوٰی انباء المصطفٰی نے بوجہ اپنی طبع عـــہ کے مجھ کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ اس تحریر کے بعد مجھ کو حاجت رہی، نسخہ "تمہید ایمان" کو دیکھ کر میں اپنی مسرت کا حال کیا عرض کروں علمائے حرمین شریفین نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ مشتے نمونہ خروار ہے اور میرا یہی عقیدہ ہے اخوت اسلامی ورشتہ خاندانی سے قطع نظر کرکے ابتداء سے میرا یہی عقیدہ ہے کہ اب ہندوستان وعرب میں آپ کا مثل نہیں ہے اور یہ امر بلا مبالغہ میرے دل میں راسخ ہوگیا ہے وہ لوگ جن سے اس بات میں مجھ سے گفتگو ہوئی تھی ابھی تک مجھ کو نہیں ملے ہیں اب وہ ملیں تو رسالہ حرمین طیبین دکھاؤں اور جواب لُوں میں ے دیوانِ نعمت۔ برادرم حسن رضا خان صاحب مرحوم کو لکھا مرحوم مجھ سے وعدہ فرماگئے تھے کہ بعد طبع تجھ کو ضرور بھیجوں گا اللہ تعالٰی ان کو اپنی آغوش رحمت میں رکھے مورخہ ۷ ربیع الثانی یوم دوشنبہ رسائل مطبوعہ جدید مجھ کو ضرور مع دیوان بھیج دیں آج کل انہیں سے دل بہلتا ہے مکرر وہی مطالعہ میں رہتے ہیں اللہ تعالٰی آپ کو زندہ وسلامت رکھے زیادہ نیاز فقط، احقر سید حسین حیدر از لکھنؤ جھوائی ٹولہ، مکان حکیم حسن رضا مرحوم۔

اس مدت میں رسائل کین کش پنجہ پیچ و بارش سنگی و پیکان جانگداز بھی بفضلہٖ تعالٰی تیار ہوگئے کہ حسب الحاکم مع دیوان نعت شریف مصنف حضرت مولٰنا مولوی حاجی حسن رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ روانہ خدمت حضرت والا کیے گئے ادھر اس مدت میں حضرت والا کو وہ مخالفین بھی مل گئے جن کو یہ الٰہی تلواریں دکھا کر حضرت نے پسپا کیا، اور یہ دوسرا نامہ نامی احضا فرمایا:

نامہ دوم

حضرت مولٰنا و بالفضل والمجد اولٰنا مد ظلہم وبرکاتہم علٰی سائر المسلمین، بعد تسلیم نیاز آنکہ پولندہ دیوان نعت شریف مع رسائل عطیہ حضور پہنچے اللہ آپکو زندہ رکھے جن لوگوں سے میری گفتگو ہوئی تھی وہ انہیں مرضی حسن در بھنگی کے اتباع میں ہیں بارش سنگی واشتہارات میں نے سب سنائے۔

عـــہ: مراد آباد کی طبع دوم کا بہت ناقص چھپا تھا کہ پڑھنے میں دقت تھی ۱۲

اس پر بڑا تعجب ظاہر کیا، میں نے کہا کہ مولٰنا صاحب نے مناظرہ سے انکار نہ فرمایا، بلکہ ان شرائط پر مباحثہ و مناظرہ تمام طائفہ سے فرمایا، اشتہارات وغیرہ دیکھ کر کہا کہ یہ اُن تک پہنچے نہیں ورنہ وہ ایسے نہ تھے کہ رسالہ کا جواب فوری نہ دیتے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ تو پرانا منجھا ہوا پیچ ہے کہ ڈاک لُٹ گئی۔ اُس پر کہا کہ اب ہم تحریر کرتے ہیں رسائل کا نام وغیرہ جو جواب آئے گا۔ آپ عــــہ کو مطلع کریں گے۔ پھر کہا کہ مولوی صاحب کو لازم نہ تھا کہ علمائے دین کی تکفیر کرتے قلم ان کا بہت تیز ہے۔ میں نے کہا کہ یہ قوم اعداء اللہ پر جہاد کے لیے پیدا ہوئی ہے۔ اب تلوار نہیں رہی تو خدائے تعالٰی نے وہی کاٹ چھانٹ ان کے قلم کو عطا فرمادی ہے۔ اثنائے ذکر میں یہ بھی کہا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے ایک شاگرد کے مقابلہ میں مولوی صاحب کا سارا عرب دشمن ہوگیا اگر وہاں سے چلے نہ آتے تو بڑی مشکل پڑتی۔ میں نے کہا یہ ہی ایک فقرہ آپ نے سچ فرمایا ہے آپ کے مضمون کی شہادت جو علماءِ حرمین نے دی ہے وہ میرے پاس ہے اسے دیکھ لیجئے کیسا بڑا لکھا مگر اس طرح کا کوئی فقرہ آپ نکال لائیں تو میں مانوں، عبارات میں نے پڑھنا شروع کیں۔ اور اُن حیاداروں کا رنگ متغیر ہونا شروع ہوا میں لاحول پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا فقط ۲۹۔۴۔۱

مسلمانو! حضرات کی عیاریاں مکاریاں حیاداریاں ملاحظہ کیں حضرت والا سید صاحب قبلہ دامت برکاتہم کی طرح جس بندہ کو خدا عقل وایمان وانصاف دے گا وہ ان مکاروں ابلیس شعاروں پر لاحول ہی پڑھ کر اٹھے گا۔

اب بعونہ تعالٰی خالص الاعتقاد مطالعہ کیجئے اور اپنے ایمان ویقین و محبت وغلامی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تازگی دیجئے۔

والحمد للہ رب العٰلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علٰی سیدنا ومولٰنا والہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین امین

سید عبدالرحمٰن غفرلہ

عــــہ: اب تک ان صاحبوں نے بھی کروٹ نہ لی تو وہ سب کو ایک ہی مرض الموت لاحق ہے ۱۲۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
خالصُ الاعتقاد ۱۳۲۸ھ
(اعتقادِ خالص)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلّ علٰی رسولہ الکریم ط

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت والا درجیت، بالا منزلت، عظیم البرکتہ حضرت مولٰنا مولوی سید حسین حیدر میاں صاحب قبلہ دامت برکاتہم العلمیہ، بعد تسلیم وآداب خادمانہ عارض۔

(۱) حضرت والا کو معلوم ہوگا کہ وہابیۂ گنگوہ دیوبند و نانوتہ و تھانہ بھون و دہلی و سہسوان خذلہم اللہ تعالٰی نے اللہ عزوعلا و حضور پرنور سیّد الانبیاء وعلیہم افضل الصلٰوۃ والثناء کی شان میں کیا کیا کلماتِ ملعونہ

نوٹ: یہ کتاب حضرت گرامی مرتبت سید حسین حیدر میاں صاحب مارہروی علیہ الرحمہ کے ان خطوط کے جواب میں بطور مراسلہ لکھی گئی جو موصوف نے بعض دیانبہ کی الزام تراشیوں سے پیدا شدہ صورتِ حال پر پریشان ہو کر تحقیق کے لیے مصنف علیہ الرحمۃ کو تحریر فرمائے تھے اور وہ خطوط چند صفحات قبل رسالہ کی تمہید میں مذکور ہیں۔

بکے، لکھے اور چھاپے، جن پر عامہ علماء عرب و ہند نے ان کی تکفیر کی، کتاب حسام الحرمین مع تمہید ایمان و خلاصہ فوائد فتاوٰی حاضرِ خدمت ہیں۔ زیادہ نہ ہو تو صرف دو رسالے اولین تمہیدِ ایمان و خلاصہ فوائد کو حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمالیں کہ حق آفتاب سے زیادہ واضح ہے۔

(۲) اس کتابِ مستطاب کی اشاعت پر خدا اور رسول (جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے بدگویوں کی جو حالتِ اضطراب و پیچ و تاب ہے، بیان سے باہر ہے۔ دو سال سے اسی کتاب کی طبع کے بعد چیختے چلاتے اور طرح طرح کے غل مچاتے، پرچوں، اخباروں میں گالیوں کے انبار لگاتے، سَوسَو پہلو بدلتے، اِدھر اُدھر پلٹے کھاتے ہیں مگر اصل مبحث کا جواب دینا درکنار، اس کا نا لیے ہول کھاتے ہیں، بدگویوں میں مرتضی حسن چاندپوری دیوبندی اور ان کے یار غار ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد صرف اسی لیے غلم چانے، بحثیں بدلنے، گالیاں چھاپنے کے لیے منتخب کیے گئے ہیں جن کے غل پر پانچ پانچ رسالے میرے احباب کے ان کو پہنچے ہوئے ہیں ان سب کو بھی جواب غائب اور چیخ بدستور، یہ تمام حال حضرت والا کو ملاحظہ رسالہ ظفر الدین الجید و ظفر الدین الطیب و اشتہار ضروری نوٹس و اشتہار نیازمانہ کے ملاحظہ سے واضح ہوگا۔ سب مرسل خدمت ہیں، اور زیادہ تفصیل احباب فقیر کے رسالہ کین کش پنجہ پیچ و رسالہ بارش سنگی و رسالہ پیکان جانگداز کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگی۔ یہ سب زیر طبع ہیں، بعد طبع بعونہ تعالٰی ان سے کہہ دوں گا کہ ارسالِ خدمت اقدس کریں۔

(۳) اب چند امور ضروری مختصراً عرض کروں کہ بعونہ تعالٰی اظہارِ حق و ابطالِ باطل کو بس ہوں۔

امر اوّل

وہابیہ کی افتراپردازیاں

ان چالوں کے علاوہ خدا ورسول جل وعلا وصلی الہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدگویوں نے ادھر یہ مکر گانٹھا کہ کسی طرح معارضہ بالقلب کیجئے یعنی ادھر بھی کوئی بات ایسی نسبت کریں جس پر معاذ اللہ حکم کفر یا ضلال لگا سکیں۔

اس کے لیے مسئلہ غیب میں افترا چھانٹنے شروع کیے۔

(۱) کبھی یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم، ذاتی، بے اعطائے الٰہی مانتا ہے۔

(۲) کبھی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم، علمِ الٰہی سے مساوی جانتا ہے صرف قدم و

حدوث کافرق کرتا ہے۔

(۳) کبھی یہ کہ باستثناء ذات و صفاتِ الٰہی باقی تمام معلوماتِ الٰہیہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم محیط بتاتا ہے۔

(۴) کبھی یہ کہ امورِ غیر متناہیہ بالفعل کو حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم بتفصیل تمام حاوی ٹھہراتا ہے۔

حالانکہ واحد قہار یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ سب ان اشقیاء کا افترا ہے۔

سچے ہیں تو بتائیں کہ ان میں سے کون سا جملہ فقیر کے کس رسالے، کس فتوے، کس تحریر میں ہے؟

"قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾" [1]	تم فرماؤ لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو۔(ت)
"فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾" [2]	تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں۔(ت)
"اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾" [3]۔	جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔(ت)

یہی بیانات لوگوں کے سامنے بیان کرکے ان کو پریشان کرتے ہیں ان کا پریشان ہونا حق بجانب ہے اس پر اگر کوئی عالم مخالفت کرے تو ضرور اسے لائق و مناسب ہے۔ مفتریانِ کذّاب اگر ان کلمات کا خود مجھ سے استفتاء کرتے تو سب سے پہلے ان باطل باتوں کا رَدّ و ابطال میں کرتا۔

فقیر نے مکہ معظّمہ میں جو رسالہ الدولة المکیة بالمادة الغیبیة اس باب میں تصنیف کیا جس کی متعدد نقول علماء کرام مکہ نے لیں اس میں ان تمام خرافات کا رَد صریح موجود ہے۔ان اباطیل کل یا بعض پر جو عالم مخالفت کرے یا رَد لکھے وہ رَدّ و خلافت حقیقۃً انہیں ملعون افتراؤں پر عائد ہوگا۔نہ اس پر جو ان اکاذیب سے بحمد اللہ ایسا بری ہے جیسے وہ مفتریانِ کذاب دین وحیا سے۔

"وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾" [4]۔	اور اب جاننا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵

[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

حضرت والا کو حق سبحانہ، وتعالیٰ شفائے کامل و عاجل عطا فرمائے۔ اگر براہِ کرم قدیم و لطفِ عمیم یہاں تشریف فرما ہو کر خادم نوازی کریں تو اصل رسالہ جس پر مولانا تاج الدین الیاس و مولانا عثمان بن عبدالسلام مفتیانِ مدینہ منورہ کی اصل تقریظات اُن کی مُہری دستخطی موجود ہیں، نظرِ انور سے گزاروں گا۔

فی الحال اُس کی دو چار عبارات عرض کرتا ہوں جن سے روشن ہو جائے گا کہ مفتریوں کے افتراء کس درجہ باطل و پادر ہوا ہیں، جس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ کوئی ید باطن کہے اہلسنت کا مذہب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تبرا اور صدیقہ طاہرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر بہتان اٹھانا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العالمین، میرے رسالہ کی نظر اول میں ہے۔

(ا) العلم ذاتی مختص بالمولٰی سبحٰنه وتعالٰی لایمکن لغیرہ ومن اثبت شیئا منه ولو ادنٰی من ادنٰی من ذرۃ لاحد من العٰلمین فقد کفر واشرك [1]۔	علمِ ذاتی اللہ عزوجل سے خاص ہے اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگرچہ ایک ذرّہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔

(۲) اُسی میں ہے:

اللاتناهی الکمی مخصوص بعلوم اللہ تعالٰی [2]۔	غیر متناہی بالفعل کو شامل ہونا صرف علمِ الٰہی کے لیے ہے۔

(۳) اُسی میں ہے:

احاطة احد من الخلق بمعلومات اللہ تعالٰی علی جھة التفصیل التام محال شرعا وعقلا بل لو جمع علوم جمیع العٰلمین اولًا واٰخرًا لما کانت له نسبة ما اصلا الی علوم اللہ سبحٰنه وتعالٰی حتی کنسبة حصة من الف الف حصص قطرۃ الی الف الف بحر [3]۔	کسی مخلوق کا معلوماتِ الٰہیہ کو بتفصیل تام محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے، اور عقل سے بھی، بلکہ اگر تمام اہلِ عالم اگلے پچھلوں سب کے جملہ علوم جمع کیے جائیں تو اُن کو علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بُوند کے دس لاکھ حصوں سے ایک حصے کو دس لاکھ سمندروں سے۔

[1] الدولۃ المکیۃ النظر الاول مطبع اہلسنت بریلی ص ۶

[2] الدولۃ المکیۃ النظر الاول مطبع اہلسنت بریلی ص ۶

[3] الدولۃ المکیۃ النظر الاول مطبع اہلسنت بریلی ص ۶

(۴)اُسی کی نظر ثانی میں ہے:

زھر وبھر ممّا تقرر ان شبھۃ مساواۃ علوم المخلوقین طرا اجمعین بعلم ربنا اللہ العٰلمین ما کانت لتخطر ببال المسلمین[1]۔	ہماری تقریر سے روشن و تاباں ہوگیا کہ تمام مخلوق کے جملہ علوم مل کر بھی علمِ الٰہی سے مساوی ہونے کا شبہہ اس قابل نہیں کہ مسلمان کے دل میں اس کا خطرہ گزرے۔

(۵)اسی میں ہے:

قد اقمنا الدلائل القاھرۃ علی ان احاطۃ علم المخلوق بجمیع المعلومات الالٰھیۃ محال قطعا، عقلا وسمعا[2]۔	ہم قاہر دلیلیں قائم کرچکے کہ علم مخلوق کا جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہونا ہونا عقل و شرع دونوں کی رو سے یقیناً محال ہے۔

(۶)اسی کی نظر ثالث میں ہے:

العلم الذاتی والمطلق والمحیط التفصیلی مختص باللہ تعالٰی وما للعباد الامطلق العلم العطائی[3]۔	علم ذاتی اور بالاستیعاب محیط تفصیلی یہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں بندوں کے لیے صرف ایک گُونہ علم بعطائے الٰہی ہے۔

(۷)اسی کی نظر خامس میں ہے:

لانقول بمساواۃ علم اللہ تعالٰی ولا بحصولہ بالاستقلال ولا نثبت بعطاء اللہ تعالٰی ایضا الا البعض[4]۔	ہم نے علمِ الٰہی سے مساوات مانیں نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں، اور عطائے الٰہی سے بھی بعض علم ہی ملنا مانتے ہیں نہ کہ جمیع۔

میرا مختصر فتوٰی ابناء المصطفٰی بمبئی مراد آباد میں تین بار ۱۳۱۸ھ سے ہزاروں کی تعداد میں طبع ہو کر شائع ہوا، ایک نسخہ اسی کا کہ رسالہ الکلمۃ العلیا ف کے ساتھ مطبوع ہوا مرسل خدمت ہے، اس سے بڑھ کر جس امر کا اعتقاد میری طرف کوئی نسبت کرے مفتری کذاب ہے اور اللہ کے یہاں اس کا حساب۔

---

[1] الدولۃ المکیہ النظر الثانی مطبعہ اہلِ سنت بریلی ص ۱۵

[2] الدولۃ المکیہ النظر الثانی مطبعہ اہلِ سنت بریلی ص ۱۶

[3] الدولۃ المکیہ النظر الثالث مطبعہ اہلِ سنت بریلی ص ۱۹

[4] الدولۃ المکیہ النظر الخامس مطبعہ اہلِ سنت بریلی ص ۲۸

ف: الکلمۃ العلیا مصنفہ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ

امر دوم

بندوں کو علم غیب عطا ہونے کی سندیں اور آیاتِ نفی کی مراد

انہیں عبارات سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ علمِ غیب کا خاصہ حضرتِ عزت ہونا بے شک حق ہے، اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ" [1]۔	تم فرمادو کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

اور اس سے مراد وہی علم ذاتی و علم محیط ہے کہ وہی باری عزوجل کے لیے ثابت اور اس سے مخصوص ہیں۔ علم عطائی کہ دوسرے کا دیا ہوا ہو۔ علم غیر محیط کہ بعض اشیاء سے مطلع بعض سے ناواقف ہو، اللہ عزوجل کے لیے ہو ہی نہیں سکتا، اس سے مخصوص ہونا تو دوسرا درجہ ہے، اور اللہ عزوجل کی عطا سے علوم غیب غیر محیط کا انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو ملنا بھی قطعاً حق ہے، اور کیوں نہ ہو کہ رب عزوجل فرماتا ہے۔

(۱) "وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ" [2]۔	اللہ اس لیے نہیں کہ تم لوگوں کو غیب پر مطلع کرے ہاں اللہ اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

(۲) اور فرماتا ہے:

"عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" [3]۔	اللہ عالم الغیب ہے تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۳) اور فرماتا ہے:

"وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ" [4]۔	یہ نبی غیب کے بتانے میں بخیل نہیں۔

(۴) اور فرماتا ہے:

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ" [5]۔	اے نبی! یہ غیب کی باتیں ہم تم کو مخفی طور پر بتاتے ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶و۲۷

[4] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۴

[5] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۲

(۵) حتی کہ مسلمانوں کو فرماتا ہے:

"یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ"[1]۔	غیب پر ایمان لاتے ہیں۔

ایمان تصدیق ہے اور تصدیق علم ہے جس شیئ کا اصلاً علم ہی نہ ہو اس پر ایمان لانا کیونکر ممکن، لاجرم تفسیر کبیر میں ہے۔

(۶) لایمتنع ان تقول نعلم من الغیب مالنا علیہ دلیل[2]۔	یہ کہنا کچھ منع نہیں کہ ہم کو اس غیب کا علم ہے جس میں ہمارے لیے دلیل ہے۔

(۷) نسیم الریاض میں ہے:

لم یکلفنا اللہ الایمان بالغیب الّاوقد فتح لنا باب غیبہ[3]۔	ہمیں اللہ تعالٰی نے ایمان بالغیب کا جبھی حکم دیا ہے کہ اپنے غیب کا دروازہ ہمارے لیے کھول دیا ہے۔

فقیر نے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کہا تھا یہ ائمہ، علماء جو اپنے لیے مان رہے ہیں معلوم نہیں کہ مخالفین ان پر کون سا حکم جڑیں۔

(۸و۹) امام شعرانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں:

للمجتھدین القدم الراسخ فی علوم الغیب[4]۔	علم غیب میں ائمہ مجتہدین کے لیے مضبوط قدم ہے۔

(۱۰و۱۱) مولٰنا علی قاری (کہ مخالفین براہِ نافہمی اس مسئلہ میں ان سے سند لاتے ہیں) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں کتاب عقائد تالیف حضرت شیخ ابوعبداللہ شیرازی سے نقل فرماتے ہیں:

نعتقدان العبد ینقل فی الاحوال حتی یصیر الی نعت الروحانیۃ فیعلم الغیب[5]۔	ہمارا عقیدہ ہے کہ بندہ ترقیِ مقامات پا کر صفتِ روحانی تک پہنچتا ہے اس وقت اسے علمِ غیب حاصل ہوتا ہے۔

(۱۲) یہی علی قاری مرقاۃ میں اُسی کتاب سے ناقل:

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲/ ۳ المطبعۃ البھیۃ المصریہ مصر ۲/ ۲۸

[3] نسیم الریاض فصل ومن ذلک ما اطلع علیہ من الغیوب مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۳/ ۱۵۱

[4] الیواقیت والجواھر البحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۰

[5] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان الفصل الاول تحت حدیث ۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۸

یطلع العبد علی حقائق الاشیاء ویتجلّی له الغیب و غیب الغیب [1]۔	نورِ ایمان کی قوت بڑھ کر بندہ حقائق اشیاء پر مطلع ہوتا ہے اور اس پر غیب نہ صرف غیب بلکہ غیب کا غیب روشن ہو جاتا ہے۔

(۱۳) یہی علی قاری اسی مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

الناس ینقسم الی فطن یدرك الغائب کالمشاھد وھم الانبیاء والی من الغالب علیھم متابعة الحس و متابعة الوھم فقط وھم اکثر الخلائق فلا بدّلھم من معلم یکشف لھم المغیبات وما ھو الا النبی المبعوث لھذا الامر [2]۔	آدمی دو قسم کے ہوتی ہیں، ایک وہ زیرک کہ غیب کہ مشاہد کی طرح جانتے ہیں اور یہ انبیاء ہیں، دوسرے وہ جن پر صرف حس و وہم کی پیروی غالب ہے اکثر مخلوق اسی قسم کی ہے۔ تو ان کو ایک بتانے والے کی ضرورت ہے جو ان پر غیبوں کو کھول دے اور وہ بتانے والا نہیں مگر نبی کہ خود اس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(۱۴و۱۵) یہی علی قاری شرح فقہ اکبر میں حضرت ابو سلیمان دارانی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ناقل:

الفراسة مکاشفة النفس ومعاینة الغیب وھی من مقامات الایمان [3]۔	فراستِ مومن (جس کا ذکر حدیث میں ارشاد ہوا ہے) وہ رُوح کا کشف اور غیب کا معائنہ ہے۔ اور یہ ایمان کے مقاموں میں سے ایک مقام ہے۔

(۱۶و۱۷) امام ابن حجر مکّی کتاب الاعلام، پھر علامہ شامی سل الحسام میں فرماتے ہیں:

الخواص یجوزان ان یعلموا الغیب فی قضیة او قضایا کما وقع لکثیر منھم واشتھر [4]۔	جائز ہے کہ اولیاء کو کسی واقعے یا وقائع میں علم غیب ملے جیسا کہ ان میں بہت کے لیے واقع ہو کر مشتہر ہوا۔

(۱۸و۱۹) تفسیر معالم و تفسیر خازن میں زیر قولہ تعالٰی: "وَمَاهُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۚ﴿۲۴﴾" [5]۔ ہے۔

یقول انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے: میرے نبی صلی اللہ تعالٰی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان الفصل الاول تحت حدیث ۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۱۹

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان الفصل الاول تحت حدیث ۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۱۲۰

[3] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر خوارق العادات الخ مصطفی البابی مصر ص ۸۰

[4] الاعلام بقواطع الاسلام مکتبۃ الحقیقۃ بشارع دار الشفقۃ استنبول ترکی ص ۳۵۹، سل الحسام رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۳۱۱

[5] القرآن الکریم ۸۱/ ۲۴

یأتیه علم الغیب فلا یبخل به علیکم بل یعلّمکم [1]۔	علیہ وسلم کو غیب کا علم آتا ہے وہ تمہیں بتانے میں بخل نہیں فرماتے بلکہ تم کو بھی اس کا علم دیتے ہیں۔

(۲۰) تفسیر بیضاوی زیر قولہ تعالٰی: "وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾" [2] ہے۔

ای مما یختص بنا ولا یعلم الابتوفیقنا وھو علم الغیوب [3]۔	یعنی اللہ عزوجل فرماتا ہے وہ علم کہ ہمارے ساتھ خاص ہے اور بے ہمارے بتائے ہوئے معلوم نہیں ہوتا وہ علمِ غیب ہم نے خضر کو عطا فرمایا ہے۔

(۲۱) تفسیر ابن جریر میں حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت ہے۔

قال انّك لن تستطیع معی صبرا، وکان رجلا یعلم علم الغیب قد علم ذٰلك [4]۔	حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے موسٰی علیہ السلام سے کہا: آپ میرے ساتھ نہ ٹھہر سکیں گے۔ خضر علمِ غیب جانتے تھے انہیں علم غیب دیا گیا تھا۔

(۲۲) اُسی میں ہے عبداللہ ابن عباس نے فرمایا: خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے کہا:

لم تحط من علم الغیب بما اعلم [5]۔	جو علم غیب میں جانتا ہوں آپ کا علم اُسے محیط نہیں۔

(۲۳) امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

النبوۃ التی ھی الاطلاع علی الغیب [6]۔	نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ علم غیب جاننا۔

(۲۴) اُسی میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اسم مبارک نبی کے بیان میں فرمایا:

النبوۃ ماخوذۃ من النباء وھو الخبر ای ان اللہ تعالٰی اطلعه علٰی غیبه [7]۔	حضور کو نبی اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو اپنے غیب کا علم دیا۔

[1] معالم التنزیل تحت آیۃ ۲۴/۸۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۴۲۲، لباب التاویل فی معانی التنزیل (تفسیر الخازن) ۴/۳۹۹

[2] القرآن لکریم ۱۸/۶۵

[3] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت آیۃ ۱۸/۶۵ دار الفکر بیروت ۳/۵۱۰

[4] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیۃ ۱۸/۶۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۳۲۳

[5] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیۃ ۱۸/۶۸ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۵/۳۲۳

[6] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/۴۷

[7] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/۴۵و۴۶

(۲۵) اُسی میں ہے:

قد اشتهر وانتشر امره صلی الله تعالٰی علیه وسلم بین اصحابه بالاطلاع علی الغیوب [1]۔	بے شک صحابہ کرام میں مشہور ومعروف تھا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غیبوں کا علم ہے۔

(۲۶) اُسی کی شرح زرقانی میں ہے:

اصحابه صلی الله تعالٰی علیه وسلم جازمون باطلاعه علی الغیب [2]۔	صحابہ کرام یقین کے ساتھ حکم لگاتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے۔

(۲۷) علی قاری شرح بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

علمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم حاو لفنون العلم (الٰی ان قال) ومنها علمه بالامور الغیبیة [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم اقسام علم کو حاوی ہے غیبوں کا علم بھی علم حضور کی شاخوں سے ایک شاخ ہے۔

(۲۸) تفسیر امام طبری اور تفسیر درمنثور میں بروایت ابوبکر بن ابی شیبہ استاذ امام بخاری ومسلم وغیرہا ائمہ محدثین سیدنا امام مجاہد تلمیذ خاص حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے:

انه قال فی قوله تعالٰی ولئن سألتهم لیقولن انما کنّا نخوض ونلعب قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقة فلان بوادی کذا وکذا وما یدریه بالغیب [4]۔	انہوں نے فرمایا اللہ کے قول ولئن سالتھم الخ کی تفسیر میں کہ منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) ہم سے بیان کرتے ہیں کہ فلاں کی اونٹنی فلاں فلاں وادی میں ہے بھلا وہ غیب کی باتیں کیا جانیں۔ (ت)

یعنی کسی کا ناقہ گم ہوگیا تھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فلاں جنگل میں ہے ایک منافق

---

[1] المواہب اللدنیة المقصد الثامن الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۵۵۴

[2] شرح الزرقانی علی المواہب الدنیة الفصل الثالث دار المعرفة بیروت ۷ /۲۰۰

[3] الزبدة العمدة شرح البردة تحت شعر و واقفون لدیه عند حدّھم جمعیۃ علماء سکندریہ خیر پور سندھ ص ۵۷

[4] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیة ۹ /۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰ /۱۹۶، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ وغیرہ تحت آیة ۹ /۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴ /۲۱۰

بولا محمد غیب کیا جانیں اسی پر اللہ عزوجل نے یہ آیتِ کریمہ اتاری کہ ان سے فرمادیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کی آیتوں سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ایمان کے بعد۔

حضرت ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت مخالفین پر کیسی آفت ہے۔

وہابیہ پر غضبوں کی ترقیاں

[1] **پہلا غضب:** ان پر ائمہ کے اقوال تھے کہ دریا سے قطرہ عرض کیے ان پر تو یہیں تک تھا کہ یہ سب ائمہ دین ان مخالفینِ دین کے مذہب پر معاذاللہ کافر ومشرک ٹھہرتے ہیں۔

[2] **دوسرا غضب:** اس سے زیادہ آفت اُس حدیث ابن عباس میں تھی کہ معاذاللہ عبداللہ ابن عباس حضر علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے علمِ غیب بتاکر کافر قرار پاتے ہیں۔

[3] **تیسرا غضب:** اُس سے عظیم تر اشد آفت مواہب شریف اور زرقانی کی عبارات میں تھی کہ نہ صرف عبداللہ ابن عباس بلکہ عام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علمِ غیب پر ایمان لاکر وہابیہ کے دھرم میں کافر ہوئے جاتے ہیں۔

[4] **چوتھا غضب:** اس سے سخت تر ہولناک آفت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری حدیث میں تھی کہ سیدنا حضر علیہ الصلوۃ والسلام نبی ہیں خود اپنے لیے علمِ غیب بتاکر معاذاللہ (حاکم بدہن وہابیہ) کافر ٹھہرتے ہیں۔

[5] **پانچواں غضب:** اُس سے بھی انتہا درجہ کی حد سے گزری ہوئی آفت کہ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کہ اجماعًا قطعًا، یقینا، ایمانًا اللہ کے رسول و نبی اور اولوالعزم من الرسل سے ہیں وہابیہ کی تکفیر سے کہاں بچتے ہیں۔

حضر علیہ الصلوۃ والسلام نے خود ان سے کہا کہ مجھے علمِ غیب ہے جو آپ کو نہیں، اور موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے اس پر کچھ انکار نہ فرمایا۔ کیا اس پر ایک وہابی نہ کہے گا کہ افسوس ایک ناؤ کا تختہ توڑ دینے یا گرتی دیوار بے اُجرت سیدھی کردینے پر وہ اعتراض کہ باوصفِ وعدہ صبر نہ ہوسکا اور وہابی شریعت کی رُو سے منہ بھر کلمہ کفر سُنا اور شربت کا گھونٹ پی کر چپ رہے۔

خیر، ان سب آفتوں کا وہابیہ کے پاس تین کہاوتوں سے علاج تھا۔

موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت حضر کے لیے علم غیب تسلیم کیا تو وہابیہ کہہ سکتے تھے کہ موسیٰ بددین خود مایاں بددین خود، حضرت حضر علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے لیے علم غیب بتایا تو وہ اس شیطانی مثل کی آڑ لے سکتے تھے

کہ ناؤ کس نے ڈبوئی، خواجہ خصر نے۔

ابن عباس وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے علم غیب جانا تو کسی دہن دریدہ وہابی کو کہتے کیا لگتا کہ:

پیراں نمی پرند مریداں مے پرانند

(پیر نہیں اُڑتے بلکہ مرید انہیں اڑاتے ہیں۔ت)

لعنۃ اللہ علی الظلمین (ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔ت)

مگر چھٹا غضب: دُھر کی قیامت تو خود اللہ واحد قہار نے ڈھادی، پورا قہر اس آیۃ کریمہ اور اس کی شانِ نزول نے توڑا۔ یہاں اللہ عزوجل یہ حکم لگارہا ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے منکر ہو وہ کافر ہے، وہ اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتا ہے، وہ کلمہ گوئی کرکے مرتد ہوتا ہے، افسوس کہ یہاں اس چوتھی مثل کے سوا کچھ گنجائش نہیں کہ ؎

مازیاران چشم یاری داشتیم　　　خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم

(ہم نے دوستوں سے دوستی کی امید رکھی تھی جو کچھ ہم نے گمان کیا وہ خود غلط تھا۔ت)

بھلا جس خدا کی توحید بنی رکھنے کے لیے نبی سے بگاڑی، رسولوں سے بگاڑی، سب کے علم پر دولتی جھاڑی، غضب ہے وہی خدا وہابیہ کو چھوڑ کر رسول کا ہوجائے، الٹا وہابیہ پر حکم کفر لگائے، سچ ہے اب کسی سے دوستی کا دھرم نہ رہا، معلوم نہیں کہ اب مخالفین اپنے سرگروہوں کا فتوی مانتے ہیں یا اللہ واحد قہار کا، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی وعظمت والے خدا کی طرف سے۔ت)

امر سوم

ذاتی وعطائی کی جانب علم کا انقسام اور علماء کی تصریحات

مخالفین کو تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کریمہ کی دشمنی نے اندھا بہرا کردیا، انہیں حق نہیں سوجھتا مگر تھوڑی سی عقل والا سمجھ سکتا ہے کہ یہاں کچھ بھی دشواری نہیں۔

علم یقیناً اُن صفات میں سے ہے کہ غیر خدا کو بعطائے خدا مل سکتا ہے، تو ذاتی وعطائی کی طرف اس کا انقسام یقینی، یونہی محیط وغیر محیط کی تقسیم بدیہی، ان میں اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہونے کے

قابل صرف ہر تقسیم کی قسم اول ہے یعنی علم ذاتی و علم محیط حقیقی۔

تو آیات واحادیث واقوال علماء جن میں دوسرے کے لیے اثباتِ علم غیب سے انکار ہے ان میں قطعًا یہی قسمیں مراد ہیں۔ فقہاکہ حکمِ تکفیر کرتے ہیں انہیں قسموں پر حکم لگاتے ہیں کہ آخر مبنائے تکفیر یہی تو ہے کہ خدا کی صفتِ خاصہ دُوسرے کے لیے ثابت کی۔ اب یہ دیکھ لیجئے کہ خدا کے لیے علم ذاتی خاص ہے یا عطائی، حاشا اللہ علم عطائی خدا کے ساتھ ہونا درکنار خدا کے لیے محال قطعی ہے کہ دوسرے کے دیئے سے اسے علم حاصل ہو پھر خدا کے لیے علم محیط حقیقی خاص ہے یا غیر محیط، حاشا اللہ علم محیط خدا کے لیے محال قطعی ہے جس میں بعض معلومات مجہول رہیں، تو علمِ عطائی غیر محیط حقیقی غیر خدا کے لیے ثابت کرنا خدا کی صفتِ خاصہ ثابت کرنا کیونکر ہوا۔ تکفیر فقہاء اگر اس طرف ناظر ہو تو معنی یہ ٹھہریں گے کہ دیکھو تم غیر خدا کے لیے وہ صفت ثابت کرتے ہو جو زنہار خدا کی صفت نہیں ہو سکتی لہٰذا کافر ہو یعنی وہ صفت غیر کے لیے ثابت کرنی چاہیے تھی جو خاص خدا کی صفت ہے، کیا کوئی احمق ایسا اخبث جنون گوارا کر سکتا ہے۔ ولٰکن النجدیة قوم لایعقلون (لیکن نجدی بے عقل قوم ہے۔ ت)

(۲۹و۳۰) امام ابن حجر مکی فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

وما ذکرناہ فی الاٰیة صرح به النووی رحمة اللہ تعالٰی فی فتاواہ فقال معناھا لایعلم ذٰلك استقلا لًا وعلم احاطة بکل المعلومات الاّ اللہ تعالٰی [1]۔	یعنی ہم نے جو آیات کی تفسیر کی امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تصریح کی، فرماتے ہیں آیت کے معنٰی یہ ہیں کہ غیب کا ایسا علم صرف خدا کو ہے جو بذاتِ خود ہو اور جمیع معلومات کو محیط ہو۔

(۳۱) نیز شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

انه تعالٰی اختص به لکن من حیث الاحاطة فلا ینافی ذٰلك اطلاع اللہ تعالٰی لبعض خواصه علٰی کثیر من المغیبات حتی من الخمس التی قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فیھن خمس لایعلمھن الا اللہ [2]۔	غیب اللہ کے لیے خاص ہے مگر بمعنی احاطہ تو اس کے منافی نہیں کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بعض خاصوں کو بہت سے غیبوں کا علم دیا یہاں تک کہ ان پانچ میں سے جن کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔

[1] فتاوٰی حدیثیه مطلب فی حکم ما اذا قال فلان یعلم الغیب مصطفی البابی مصر ص ۲۲۸

[2] افضل القراء القراء ام القرٰی تحت شعر لك ذات العلوم الخ مجمع الثقافی ابوظبی ۴۴۔ ۱۴۳

(۳۲) تفسیر کبیر میں ہے:

قولہ ولا اعلم الغیب یدل علی اعترافہ بانہ غیر عالم بکل المعلومات[1]۔	یعنی آیت میں جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ کوارشاد ہوا تم فرمادو میں غیب نہیں جانتا، اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا علم جمیع معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں۔

(۳۳و۳۴) امام قاضی عیاض شفا شریف اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں۔

(ھذہ المعجزۃ) فی اطلاعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الغیب (المعلومۃ علی القطع) بحیث لایمکن انکارھا اوالتردد فیھا لا حدٍ من العقلاء (لکثرۃ رواتھا واتفاق معانیھا علی الاطلاع علی الغیب) و ھذا لاینافی الاٰیات الدالۃ علی انہ لایعلم الغیب الا اللہ و قولہ ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر فان المنفی علمہ من غیرواسطۃ واما اطلاعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیہ باعلام اللہ تعالٰی لہ فامر متحقق بقولہ تعالٰی فلایظھر علٰی غیبہ احدًا الّا من ارتضٰی من رسول[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معجزہ علم غیب یقینًا ثابت ہے جس میں کسی عاقل کو انکار یا تردّد کی گنجائش نہیں کہ اس میں احادیث بکثرت آئیں اور ان سب سے بالاتفاق حضور کا علم غیب ثابت ہے اور یہ ان آیتوں کے کچھ منافی نہیں جو بتاتی ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور یہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس کہنے کا حکم ہوا کہ میں غیب جانتا تو اپنے لیے بہت خیر جمع کرلیتا، اس لیے کہ آیتوں میں نفی اس علم کی ہے جو بغیر خدا کے بتائے ہو اور اللہ تعالٰی کے بتائے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم غیب ملنا تو قرآن عظیم سے ثابت ہے، کہ اللہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوا اپنے پسندیدہ رسول کے۔

(۳۵) تفسیر نیشاپوری میں ہے:

لا اعلم الغیب فیہ دلالۃ علی ان الغیب بالاستقلال لا یعلمہ الّا اللہ[3]۔	آیت کے یہ معنی ہیں کہ علم غیب جو بذاتِ خود ہو وہ خدا کے ساتھ خاص ہے۔

[1] مفاتیح الغیب

[2] نسیم الریاض شرح الشفا للقاضی عیاض و من ذٰلك ما اطلع علیہ من الغیوب مرکز اہلسنت برکات رضا ۳/ ۱۵۰

[3] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آیۃ ۶/ ۵۰ مصطفی البابی مصر ۶/ ۱۱۰

(۳۶) تفسیر انموذج جلیل میں ہے:

معناہ لایعلم الغیب بلادلیل الا اللہ او بلا تعلیم الا اللہ او جمیع الغیب الا اللہ[1]۔	آیت کے یہ معنی ہیں کہ غیب کو بلادلیل و بلا تعلیم جاننا یا جمیع غیب کو محیط ہونا یہ اللہ تعالٰی کے ساتھ خاص ہے۔

(۳۷) جامع الفصولین میں ہے:

یجاب بانہ یمکن التوفیق بان المنفی ھو العلم بالاستقلال لا العلم بالاعلام اوالمنفی ھو المجزوم بہ لا المظنون ویؤیدہ قولہ تعالٰی اتجعل فیھا من یفسد فیھا الاٰیۃ لانّہ غیب اخبر بہ الملئکۃ ظنا منھم اوبا علام الحق فینبغی ان یکفر لوادعاہ مستقلًا لا لو اخبربہ باعلام فی نومہ اویقظتہ بنوع من الکشف اذلامنافاۃ بینہ وبین الاٰیۃ لما مرّ من التوفیق[2]۔	(یعنی فقہانے دعوی علم غیب پر حکمِ کفر کیا اور حدیثوں اور آئمہ ثقات کی کتابوں میں بہت غیب کی خبریں موجود ہیں جن کاانکار نہیں ہوسکتا) اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ فقہاء نے اس کی نفی کی ہے کہ کسی کے لیے بذاتِ خود علم غیب مانا جائے، خداکے بتائے سے علمِ غیب کی نفی نہ کی، یا نفی قطعی کی ہے نہ ظنی کی، اوراس کی تائید یہ آیت کریمہ کرتی ہے، فرشتوں نے عرض کیا تُو زمین میں ایسوں کو خلیفہ کرے گا جو اس میں فساد و خونریزی کریں گے۔ ملائکہ غیب کی خبر بولے مگر ظنًا یا خداکے بتائے سے، تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بے خداکے بتائے سے، تو تکفیر اس پر چاہیے کہ کوئی بے خداکے بتائے علمِ غیب ملنے کادعوی کرے نہ یوں کہ براہِ کشف جاگتے یا سوتے میں خداکے بتائے سے، ایسا علمِ غیب آیت کے کچھ منافی نہیں۔

(۳۸و۳۹) ردالمحتار میں امام صاحبِ ہدایہ کی مختارات النوازل سے ہے:

لوادعٰی علم الغیب بنفسہ	اگر بذاتِ خود علم غیب حاصل کرلینے کادعوی

[1]

[2] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۰۲

یکفر [1]۔	کرے توکافر ہے۔

(۴۰تا۴۴) اسی میں ہے:

قال فی التتار خانیة وفی الحجة ذکر فی الملتقط انه لا یکفر لان الاشیاء تعرض علٰی روح النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وان الرسل یعرفون بعض الغیب قال اللّٰه تعالٰی عالم الغیب فلا یظهر علٰی غیبه احدا الامن ارتضٰی من رسول اھ قلت بل ذکروا فی کتب العقائد ان من جملة کرامات الاولیاء الاطلاع علی بعض المغیبات وردوا علی المعتزلة المستدلین بهذه الاٰیة علٰی نفیها [2]۔	تاتارخانیہ میں ہے کہ فتاوی حجہ میں ہے، ملتقط میں فرمایا: کہ جس نے اللہ ورسول کو گواہ کرکے نکاح کیا کافر نہ ہوگا۔اس لیے کہ اشیاء نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح مبارک پر عرض کی جاتی ہیں اور بے شک رسولوں کو بعض علم غیب ہے،اللہ تعالٰی فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو علامہ شامی نے فرمایا کہ بلکہ ائمہ اہلسنت نے کتبِ عقائد میں فرمایا کہ بعض غیبوں کا علم ہونا اولیاء کی کرامت سے ہے اور معتزلہ نے اس آیت کو اولیاء کرام سے اس کی نفی پر دلیل قرار دیا۔ ہمارے ائمہ نے اس کا رَد کیا یعنی ثابت فرمایا کہ آیہ کریمہ اولیاء سے بھی مطلقًا علم غیب کی نفی نہیں فرماتی۔

(۴۵) تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان میں ہے:

لم ینف الاالدرایة من قبل نفسه وما نفی الدرایة من جهة الوحی [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی ذات سے جاننے کی نفی فرمائی ہے خدا کے بتائے سے جاننے کی نفی نہیں فرمائی۔

(۴۶و۴۷) تفسیر جمل شرح جلالین وتفسیر خازن میں ہے:

المعنی لا اعلم الغیب الا ان	آیت میں جو ارشاد ہوا کہ میں غیب نہیں جانتا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الجهاد باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۹۷

[2] ردالمحتار کتاب النکاح قبیل فصل فی المحرمات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۲۷۶

[3] غرائب القرآن (تفسیر النیساپوری) تحت آیة ۴۶ /۹ مصطفی البابی مصر ۲۶/۸

یطلعنی اللہ تعالٰی علیہ [1]۔	اس کے معنٰی یہ ہیں کہ میں بے خدا کے بتائے نہیں جانتا۔

(۴۸) تفسیر البیضاوی میں ہے:

لااعلم الغیب مالم یوح الی ولم ینصب علیہ دلیل [2]۔	آیت کے یہ معنی ہیں کہ جب تک کوئی وحی یا کوئی دلیل قائم نہ ہو مجھے بذاتِ خود غیب کا علم نہیں ہوتا۔

(۴۹) تفسیر عنایۃ القاضی میں ہے:

وعندہ مفاتیح الغیب وجہ اختصاصہا بہ تعالٰی انہ لا یعلمہا کما ھی ابتداءً الا ھو [3]۔	یہ جو آیت میں فرمایا کہ غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اُس کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا اس خصوصیت کے یہ معنی ہیں کہ ابتداءً بغیر بتائے ان کی حقیقت دوسرے پر نہیں کھلتی۔

(۵۰) تفسیر علامہ نیشاپوری میں ہے:

(قل لا اقول لکم)لم یقل لیس عندی خزائن اللہ لیعلم ان خزائن اللہ وھی العلم بحقائق الاشیاء وما ھیاتہا عندہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باستجابۃ دعاءہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی قولہ ارنا الاشیاء کما ھی ولکنہ یکلم الناس علٰی قدر عقولھم (ولا اعلم الغیب) ای لا اقول لکم ھذا مع انہ قال صلی اللہ تعالٰی علیہ	یعنی ارشاد ہوا کہ اے نبی! فرمادو کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالٰی کے خزانے ہیں، یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کے خزانے میرے پاس نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس ہیں، تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کے خزانے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہیں مگر حضور لوگوں سے انکی سمجھ کے قابل باتیں فرماتے ہیں، اور وہ خزانے کیا ہیں، تمام اشیاء کی حقیقت وماہیت کا علم حضور نے اسی کے ملنے کی دعا کی اور اللہ عزوجل نے قبول فرمائی پھر فرمایا:

[1] لباب التاویل(تفسیر الخازن)تحت الآیۃ ۷/ ۱۸۸، ۲/ ۲۸۰ والفتوحات(تفسیر الجمل) ۳/ ۱۵۸

[2] انوار التنزیل(تفسیر البیضاوی)تحت آیۃ ۶/ ۵۰ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۱۰

[3] عنایۃ القاضی علٰی تفسیر البیضاوی تحت آیتہ ۶/ ۵۸ دار اصادر بیروت ۴/ ۷۳

وسلم علمت ماکان وماسیکون اھ مختصرًا [1]۔	میں نہیں جانتا یعنی تم سے نہیں کہتا کہ مجھے غیب کا علم ہے، ورنہ حضور تو خود فرماتے ہیں مجھے ماکان و مایکون کا علم ملا یعنی جو کچھ ہو گزرا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے انتہی۔

الحمدللہ اس آیہ کریمہ کی فرمادو میں غیب نہیں جانتا ایک تفسیر وہ تھی جو تفسیر کبیر سے گزری کہ احاطہ جمیع غیوب کی نفی ہے، نہ کہ غیب کا علم ہی نہیں۔

دوسری وہ تھی جو بہت کتب سے گزری کہ بے خدا کے بتائے جاننے کی نفی ہے نہ یہ کہ بتائے سے بھی مجھے علم غیب نہیں۔

اب بحمد اللہ تعالٰی سب سے لطیف تر یہ تیسری تفسیر ہے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ مجھے علم غیب ہے، اس لیے کہ اے کافرو! تم ان باتوں کے اہل نہیں ہو ورنہ واقع میں مجھے ماکان ومایکون کا علم ملا ہے۔ والحمدللہ رب العلمین۔

امر چہارم
علمِ غیب سے متعلق اجماعی مسائل

یہاں تک جو کچھ معروض ہوا جمہور ائمہ دین کا متفق علیہ ہے۔

(۱) بلاشبہ غیر خدا کے لیے ایک ذرہ کا علم ذاتی نہیں اس قدر خود ضروریات دین سے اور منکر کافر۔

(۲) بلاشبہ غیر خدا کا علم معلومات الٰہیہ کو حاوی نہیں ہو سکتا، مساوی درکنار تمام اولین و آخرین و انبیاء و مرسلین و ملائکہ و مقربین سب کے علوم مل کر علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑ ہا کروڑ سمندروں سے ایک ذراسی بوند کے کروڑویں حصے کو کہ وہ تمام سمندر اور یہ بوند کا کروڑواں حصہ دونوں متناہی ہیں، اور متناہی کو متناہی سے نسبت ضرور ہے، بخلاف علوم الٰہیہ کو غیر متناہی در غیر متناہی در غیر متناہی ہیں۔ اور مخلوق کے علوم اگرچہ عرش وفرش شرق و غرب و جملہ کائنات از روزِ اول تا روزِ آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں کہ عرش وفرش دو [2] حدیں

---

[1] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) تحت آلایۃ ۶ /۵۰ مصطفی البابی مصر ۷ /۱۱۲

ہیں۔ روزِ اول وروزِ آخر دو۲ حدیں ہیں۔ اور جو کچھ دو۲ حدوں کے اندر ہو سب متناہی ہے۔
بالفعل غیر متناہی کا علم تفصیلی مخلوق کو مل ہی نہیں سکتا تو جملہ علوم خلق کو علم الٰہی سے اصلاً نسبت ہونی ہی محال قطعی ہے نہ کہ معاذاللہ توہم مساوات۔
(۳) یوں ہی اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزوجل کے دیئے سے انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے یہ بھی ضروریاتِ دین سے ہے جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت ہی کا منکر ہے۔
(۴) اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضل جلیل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حصہ تمام انبیاء و تمام جہان سے اتم و اعظم ہے، اللہ عزوجل کی عطا سے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزوجل ہی جانتا ہے، مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا مگر وہابیہ کو محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی عظمت کس دل سے گوارا ہو۔ انہوں نے صاف کہہ دیا کہ۔
(۱) حضور کو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں[1]۔
(۲) وہ اور تو اور اپنے خاتمے کا بھی نہ جانتے تھے[2]۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ:
(۳) خدا کے بتائے سے بھی اگر بعض مغیبات کا علم ان کے لیے مانے جب بھی شرک ہے[3]۔
(۴) اس پر قہر یہ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہ مانیں اور ابلیس لعین کے لیے تمام زمین کا
علم محیط حاصل جانیں[4]۔
(۵) اس پر عذر کہ ابلیس کی وسعتِ علم نص سے ثابت ہے، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے[5]۔
(۶) پھر ستم، قہر یہ کہ جو کچھ ابلیس کے لیے خود ثابت مانا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---
[1] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱
[2] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱
[3] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱
[4] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱
[5] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

کے لیے اس کے ماننے پر جھٹ حکمِ شرک جڑ دیا یعنی خاص صفت ابلیس کے لیے تو ثابت ہے وہ تو خدا کا شریک ہے، مگر حضور کے لیے ثابت کرو تو مشرک ہو۔

(۷) اس پر بعض غالی اور بڑھے اور صاف کہہ دیا کہ جیسا علم غیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے ایسا تو ہر پاگل ہر چوپائے کو ہوتا ہے[1]۔ **انّا للہ وانّا الیہ راجعون** (بے شک ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اُسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

اصل بحث ان کلماتِ ملعونہ کی ہے، خبثاء کا واکاٹ کہ (پینترا بدل کر) اس سے بچتے اور علم کے خاص و غیر خاص ہونے کی بحث بے علاقہ لے دوڑتے ہیں کہ علمِ غیب کو آیات واحادیث نے خاص بخدا بتایا۔ فقہاء نے دوسرے کے لیے اس کے اثبات کو کفر کہا ہے، اس کا جواب تو اوپر معروض ہو چکا کہ خدا کے ساتھ خاص وہی علم ذاتی و محیط حقیقی ہے غیر کے لیے اسی کے اثبات کو فقہاء کفر کہتے ہیں۔

علمِ عطائی غیر محیط حقیقی خدا کے لیے ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ معاذ اللہ اس کی صفت خاصہ ہو یہ علم ہم نے نہ غیر خدا کے لیے مانا، نہ وہ نصوص واقوال ہم پر وارد۔ مگر ان حضرات سے پوچھیے کہ آیات واحادیث حصر واقوال فقہاء علم عطائی غیر محیط حقیقی کو بھی شامل ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو تمہارا کتنا جنون ہے کہ انہیں ہم پر پیش کرتے ہو ان کو ہمارے دعوے سے کیا منافات ہوئی اور اگر اسے بھی شامل ہیں تو اب بتائیے کہ گنگوہی صاحب آپ ابلیس کے لیے جو علمِ محیط زمین اور تھانوی صاحب آپ ہر پاگل ہر چوپائے کے لیے جو علمِ غیب کے قائل ہیں آیا ان کے لیے علم ذاتی حقیقی مانتے ہیں یا اس کا غیر۔ بر تقدیر اول قطعاً کافر ہو۔ بر تقدیر ثانی بھی خود تمہارے ہی منہ سے وہ آیات وہ احادیث واقوالِ فقہاء تم پر وارد۔ اور تم اپنے ہی پیش کردہ دلائل سے خود کافر و مرتد۔

اب کہیے، مفر کدھر؟

ہاں مفر وہی ہے کہ ابلیس اور پاگل اور چوپائے سب تو علم غیب رکھتے ہیں، آیاتِ واحادیث واقوالِ فقہاء ان کے لیے نہیں، وہ تو صرف محمد رسول کی نفیِ علم کے لیے ہیں۔ **الالعنۃ اللہ علی الظّٰلمین** (خبردار! ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ت)

---

[1] تغییر العنوان مع حفظ الایمان دریبہ کلاں دہلی بھارت، ص ۱۷

امر پنجم

علمِ غیب کی اختلافی حدود اور مسلک عرفاء

فضلِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے منکروں کو جہنم جانے دیجئے۔ تتمہ کلام استماع فرمائیے، ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولٰی عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عطا فرمائے آیا وہ روزِ اوّل سے یومِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے۔ بہت اہلِ ظاہر جناب خصوص گئے ہیں، کسی نے کہا متشابہات کا، کسی نے کہا خمس کا، کسی نے کہا ساعت کا، اور عام علماء باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا ماکان ومایکون بمعنی مذکور میں ازانجا کہ غایت میں دخول وخروج دونوں محتمل ہیں، ساعت داخل ہو یا نہیں بہرحال یہ مجموعہ بھی علومِ الٰہیہ سے ایک بعض خفیف بلکہ انباء المصطفٰی حاضر ہے۔

میں نے قصیدہ بردہ شریف اور اس کی شرح ملا علی قاری سے ثابت کیا ہے کہ علم الٰہی تو علم الٰہی جو غیر متناہی در غیر متناہی ہے، یہ مجموعہ ماکان کا علم علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سمندر سے ایک لہر ہے، پھر علم الٰہی غیر متناہی کے آگے اس کی کیا گنتی، اللہ کی قدر نہ جاننے والے اسی کو معاذ اللہ علمِ الٰہی سے مساوات ٹھہراتے ہیں، "وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ"[1]۔ (اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسی قدر کرنے کا حق ہے۔ ت) اور واقعی جب ان کے امام الطائفہ کے نزدیک ایک پیڑ کے پتے گن دینے پر خدائی آگئی تو ماکان ومایکون تو بڑی چیز ہے۔ خیر انہیں جانے دیجئے یہ خاص مسئلہ جس طرح ہمارے علماء اہلسنت میں دائر ہے مسائل خلافیہ اشاعرہ وماتریدیہ کے مثل ہے کہ اصلاً محلِ لوم نہیں۔

ہاں ہمارا مختار قولِ اخیر ہے جو عام عرفائے کرام وبکثرت اعلام کا مسلک ہے، اس بارے میں بعض آیات واحادیث واقوالِ ائمہ حضرات کو فقیر کے رسالہ انباء المصطفٰی میں ملیں گے۔ اور اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر وماکان ومایکون وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالٰی کثیر ووافر ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۹۱

اور اقوال اولیائے کرام و علمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر عظیم درکار، یہاں بطورِ نمونہ صرف بعض اشاراتِ ائمہ پر اقتصار، وما توفیقی الا باللہ العزیز الغفار، حدیث صحیح جامع ترمذی جس میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

تجلّی کل شیئ وعرفتُ [1]۔	ہر چیز مجھ پر روشن ہو گئی اور میں نے پہچان لی۔

اور فرمایا:

علمت مافی السمٰوٰتِ ومافی الارض [2]۔	میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

(۵۱) شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمینہا بود عبارت ست از حصول تمامہ علوم جزئی و کُلی واحاطہ آں [3]۔	"میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا اس حدیث میں تمام علوم جزی و کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے کا بیان ہے۔ (ت)

(۵۲) امام محمد بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں عرض کرتے ہیں۔

فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم [4]۔	یارسول اللہ ! دنیا وآخرت دونوں حضور کی بخشش سے ایک حصہ ہیں اور لوح و قلم کا علم (جس میں تمام ماکان و مایکون ہے) حضور کے علوم سے ایک ٹکڑا ہے۔

(۵۳) علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

کون علمهما من علومه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان علومه تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق و	لوح و قلم کا علم علومِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک ٹکڑا اس لیے ہے کہ حضور کے علم متعدد انواع ہیں کلیات، جزئیات، حقائق

---

[1] جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص حدیث ۳۲۴۶ دار الفکر بیروت ۵ /۱۶۰

[2] جامع سنن الترمذی کتاب التفسیر من سورۃ ص حدیث ۳۲۴۴ دار الفکر بیروت ۵ /۱۵۹

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوۃ باب المساجد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱ /۳۳۳

[4] مجموع المتون متن قصیدۃ البردۃ الشئون الدینیۃ دولۃ قطر ص ۱۰

دقائق وعوارف ومعارف تتعلق بالذات والصفات و علمهما یکون سطرا من سطور علمه ونهرًا من بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔	دقائق، عوارف اور معارف کہ ذاتِ و صفاتِ الٰہی سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کا علم تو حضور کے مکتوب علم سے ایک سطر اور اس کے سمندروں سے ایک نہر ہے پھر بایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت وجود سے تو ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۵۴) ام القریٰ شریف میں ہے:

وسع العٰلمین علمًا و حلمًا[2]۔	حضور کا علم و حلم تمام جہان کو محیط ہے۔

(۵۵) امام ابن حجر مکی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

لان الله تعالٰی اطلعه علی العالم فعلم علم الاولین والاخرین ماکان ومایکون[3]۔	اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو تمام عالم پر اطلاع دی، تو سب اولین وآخرین کا علم حضور کو ملا جو ہو گزرا اور جو ہونے والا ہے سب جان لیا۔

(۵۶و۵۷) نسیم الریاض میں ہے:

ذکر العراقی فی شرح المهذب انه صلی الله تعالٰی علیه و سلم عرضت علیه الخلائق من لدن اٰدم علیه الصلوة والسلام الٰی قیام الساعة فعرفهم کلّهم کما علم اٰدم الاسماء[4]۔	امام عراقی شرح مہذب میں فرماتی ہیں کہ آدم علیہ الصلوۃ و السلام سے لے کر قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر عرض کی گئیں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان سب کو پہچان لیا جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام تعلیم ہوئے تھے۔

(۵۸) اسی لیے امام بوصیری مدحیہ ہمزیہ میں عرض کرتے ہیں:

[1] الزبدة العمدة فی شرح البردة ناشر جمعیة علماء سکندریہ خیر پور سندھ ص ۱۱۷

[2] مجموع المتون متن قصیدة الهمزیه فی مدح خیر البریة الشؤن الدینیة دولتہ قطر ص ۱۸

[3] افضل القرا القراء ام القرٰی

[4] نسیم الریاض الباب الثالث فصل فیما ورد من ذکر مکانته مرکز اہلسنت برکاتِ رضا گجرات الہند ۲/ ۲۰۸

لك ذات العلوم من عالم الغیب ومنها لاٰدم الاسماء [1]

عالم غیب سے حضور کے لیے علوم کی ذات ہے اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے نام۔

(۵۹و۶۰) امام ابن حاج مکی مدخل اور امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

قد قال علماؤنا رحمهم الله تعالٰی ان الزائر یشعر نفسه بانه واقف بین یدیه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کما هو فی حیاته اذلافرق بین موته وحیاته صلی الله تعالٰی علیه وسلم اعنی فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم ونیّاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذٰلك عنده جلی لا خفاء فیه [2]۔	بے شک ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ زائر اپنے نفس کو آگاہ کردے کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہے جیسا کہ حضور کی حیاتِ ظاہر میں، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حیات و وفات میں اس بات میں کچھ فرق نہیں کہ وہ اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں اور ان کی حالتوں، نیتوں، ارادوں اور دل کے خطروں کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب حضور پر روشن ہے جس میں اصلاً پوشیدگی نہیں۔

(۶۱) نیز مواہب شریف میں ہے:

لاشك ان الله تعالٰی قد اطلعه علٰی ازید من ذٰلك والقی علیه علوم الاولین والاخرین [3]۔	کچھ شک نہیں کہ بلاشبہ اللہ تعالٰی نے اس سے بھی زائد حضور کو علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القا فرمایا۔

(۶۲تا۶۴) امام قاضی پھر علامہ قاری پھر علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر امام سیوطی ہیں لکھتے ہیں:

النفوس القدسیة اذا تجردت	پاک جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا

[1] مجموع المتون متن قصیدۃ الهمزیه الشئون الدینیة دولة قطر ص ۱۱

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲، المواهب اللدنیة المقصد العاشر الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۸۰

[3] المواهب اللدنیة المقصد الثامن الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۶۰

عن العلائق البدنیۃ اتصلت بالملاء الاعلٰی ولم یبق لھا حجاب فتری وتسمع الکل کالمشاھد[1]۔	ہوتی ہیں، ملاء اعلٰی سے مل جاتی ہیں اور ان کے لیے کچھ پردہ نہیں رہتا تو سب کچھ ایسا دیکھتی سنتی ہیں جیسے یہاں موجود ہیں۔

(۶۵) ملا علی قاری شریف شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

ان روح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح کریم تمام جہان میں ہر مسلمان کے گھر میں تشریف فرما ہے۔

(۶۶) مدارج النبوۃ شریف میں ہے:

ہرچہ در دنیا است از زمانِ آدم تا اوان نفخۂ اولٰی بروے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منکشف ساختند تاہمہ احوال او را از اول تا آخر معلوم کرد ویارانِ خودرا نیز از بعضے ازاں احوال خبر داد[3]۔	جو کچھ دنیا میں ہے آدمی علیہ السلام کے زمانے سے نفخۂ اُولٰی تک حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر منکشف کردیا ہے یہاں تک کہ تمام احوال آپ کو اول سے آخر تک معلوم ہوگئے ان میں سے کچھ اپنے دوستوں کو بھی بتادیئے۔

(۶۷) نیز فرماتے ہیں قدس سرہ:

وھو بالکل شیئ علیم وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دانا ست بر ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی واحکام صفات حق واسماء و افعال وآثار بجمیع علوم ظاہر و باطن اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم شدہ، علیہ من الصلوات افضلھا ومن التحیات اتمّھا واکملھا[4]۔	وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام چیزوں کو جانتے ہیں، اللہ کی شانوں اور اس کے احکام اور صفات کے احکام اور اسماء وافعال وآثار ہیں، اور تمام علوم ظاہر و باطن، اول وآخر کا احاطہ کرلیا اور فوق کل ذی علم علیم کا مصداق ہوگئے، ان پر اللہ کی بہترین رحمتیں ہوں اور اتم و اکمل تحیات ہوں۔

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث حیثما کنتم فصلوا علی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۰۲

[2] شرح الشفاء للملاّ علی قاری فصل فی المواطن التی تستحب فیھا الصلوۃ والسلام دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۱۱۸

[3] مدارج النبوۃ باب پنجم، وصل خصائص آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴۴

[4] مدارج النبوۃ مقدمۃ الکتاب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲و۳

(۶۸) شاہ ولی اللہ صاحب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

افاض علیّ من جنابه المقدس صلی الله تعالٰی علیه وسلم کیفیة ترقی العبد من حیّزه الٰی حیّز القدس فیتجلّی له حینئذٍ کل شیئ کما اخبر عن هذا المشهد فی قصة المعراج المنامی[1]۔	مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ سے فائض ہوا کہ بندہ کیونکر اپنی جگہ سے مقامِ مقدس تک ترقی کرتا ہے کہ ہر شے اس پر روشن ہوجاتی ہے جیسا کہ قصّہ معراج کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس مقام سے خبر دی۔

(۶۹) نیز اسی میں ہے:

العارف ینجذب الٰی حیزّ الحق فیصی عبدالله فتجلّٰی له کل شیئ[2]۔	عارف مقام حق تک کھینچ کر بارگاہِ قرب میں ہوتا ہے تو ہر چیز اس پر روشن ہوجاتی ہے۔

(۷۰) اُسی میں ولی فرد کے خصائص سے لکھا ہے کہ وہ تمام نشاۃ عنصری جسمانی پر مستولی ہوتا ہے، پھر لکھا کہ یہ استیلاء انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں تو ظاہر ہے۔

واما فی غیر هم فمناصب وراثة الانبیاء کالمجددیة و القطبیعة وظهور اٰثارها واحکامها والبلوغ الٰی حقیقة کل علم وحال[3]۔	رہے غیر انبیاء، ان میں وراثت کے منصب ہیں جیسے مجدد و قطب ہونا۔ ان کے آثار و احکام کا ظاہر ہونا اور علم و حال کی حقیقت کو پہنچ جانا۔

(۷۱) اسی میں تقریر مذکور و تفصیل دقائق فرد کے بعد ہے:

بعد ذٰلك کله جبلت نفسه نفسًا قدسیة لایشغلها شان عن شان ولایاتی علیه حال من الاحوال الٰی التجرد الی النطقة الکلیة الا وهو خبیر	اور اس سب کے بعد بات یہ ہے کہ مرد کا نفس اصل خلقت میں نفس قدسی بنایا جاتا ہے اسے ایک بات دوسری سے مشغول نہیں کرتی (یعنی یہ نہیں ہوتا کہ ایک دھیان میں اور طرف کا خیال نہ رہے بلکہ ہر جانب اس کی نگاہ ایک سی رہتی ہے)

---

[1] فیوض الحرمین مشہد اللہ تعالٰی مخلوق کی طرف کتاب نازل کرنے کے وقت کیا کرتا ہے، محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۶۹

[2] فیوض الحرمین مشہد قدَم صدقٍ عند ربھم کی تفسیر محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۱۷۵

[3] فیوض الحرمین مشہد مشہد آخر یعنی دقائق اور ان کے اثرات محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۲۸۰ و ۲۸۱

بھا الاٰن وانما الاٰتی تفصیل لاجمال[1]۔	اور اب سے لے کر اس وقت تک کہ وہ سب سے جدا ہو کر مرکز عالم سے جا ملے یعنی وقتِ وفات تک جو کچھ حال اس پر آنے والا ہے اس سب کی اس وقت اسے خبر ہے، وہ جو آئے گا اجمال کی تفصیل ہی ہوگا۔

(۷۲) امام قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں:

ھذا مع انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان لایکتب ولکنہ اوتی علم کل شیئ حتی قدوردت اٰثار بمعرفتہ حروف الخط وحسن تصویرھا کقولہ لاتمدوا بسم اللہ الرحمن الرحیم رواہ ابن شعبان من طریق ابن عباس وقولہ الحدیث الاخر الذی روی عن معٰویۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ کان یکتب بین یدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لہ الق الدواۃ و حرّف القلم واقم الباء وفرق السین ولاتعور المیم وحسن اللہ و مدّ الرحمن وجود الرحیم[2]۔	یعنی حالانکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکھتے نہ تھے مگر حضور کو ہر چیز کا علم عطا ہوا تھا یہاں تک کہ بے شک حدیثیں آتی ہیں کہ حضور کتابت کے حروف پہچانتے تھے اور یہ کہ کس طرح لکھے جائیں تو خوبصورت ہوں گے، جیسے ایک حدیث ابن شعبان نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بسم اللہ کشش سے نہ لکھو (سین میں دندانے ہوں نری کشش نہ ہو) دوسری حدیث (مسند الفردوس) میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہوئی کہ یہ حضور کے سامنے لکھ رہے تھے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دوات میں صوف ڈالو اور قلم پر ترچھا قط دو اور بسم اللہ کی ب کھڑی لکھو اور اس کے دندانے جدا رکھو اور میم اندھا نہ کردو (اس کے چشمہ کی سفیدی کھلی رہے) اور لفظ اللہ خوبصورت لکھو اور لفظ رحمٰن میں کشش ہو (رحمن یا رحمن یا رحمن یا رحمن) اور لفظ رحیم اچھا لکھو۔

(۷۳ و ۷۴) امام شعرانی قدس سرہ کتاب الجواہر والدرر نیز کتاب درۃ الغواص میں سید علی خواص

[1] فیوض الحرمین مشھد آخر ایعنی دقائق اوران کے اثرات محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۲۸۵-۸۶

[2] الشفاء بحقوق المصطفٰی فصل ومن معجزاتہ الباہرۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۲۹۸و۲۹۹

رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ناقل:

محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو الاول والاخر و الظاھر والباطن و قدولج حین اسرٰی بہ عالم الاسماء الذی اولھا مرکز الارض واخرھا السماء الدنیا بجمیع احکامھا و تعلقا تھا ثم ولج البرزخ الی انتہائہ وھو السماء السابعۃ ثم ولج علم العرش الی مالا نھایۃ الیہ، وانفتح فی برزخیتہ تصور العوالم الالٰھیۃ والکونیۃ اھ ملتقطًا۔[1]	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی اول وآخر وظاہر و باطن ہیں وہ شب معراج مرکز زمین سے آسمان تک تشریف لے گئے اور اس عالم کے جملہ احکام اور تعلقات جان لیے پھر آسمان سے عرش اور عرش سے لاانتہا تک اور حضور کے برزخ میں تمام عالم علوی وسفلی کی صورتیں منکشف ہوگئیں۔

(۷۵) تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ: "وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ"[2]۔(اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ت) فرمایا:

الاطلاع علی اثار حکمۃ اللہ تعالٰی فی کل واحد من مخلوقات ھذا العالم بحسب اجناسھا وانواعھا و اصنافھا واشخاصھا و احوالھا مما لا یحصل الا للا کابر من الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام ولھذا المعنی کان رسولنا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فی دعاء اللھم ارنا الاشیاء کما ھی۔[3]	اس عالم کی تمام جنسوں اور نوعوں اور صنفوں اور شخصوں اور جرموں ہر ہر مخلوق میں حکمت الٰہیہ کے آثار پر انہیں اکابر کو اطلاع ہوتی ہے جو انبیاء ہیں علیہم الصلوۃ والسلام اسی لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ الٰہی! ہم کو تمام چیزیں جیسی وہ ہیں دکھادے اھ۔

اقول: یہاں مقصود اس قدر ہے کہ ان امام اہلسنت کے نزدیک انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام اس عالم کی تمام مخلوقات کے ایک ایک ذرہ کی جنس، نوع، صنف، شخص۔ جسم اور ان سب میں اللہ کی حکمتیں بالتفصیل

---

[1] الجواہر والدرر علی ہامش الابریز مصطفٰی البابی مصر ص ۲۱۱ تا ۲۱۳

[2] القرآن الکریم ۶ /۷۵

[3] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت آیۃ ۶ /۷۵ المطبعۃ البہیتہ المصریۃ مصر ۱۳ /۴۵

جانتے ہیں، وہابیہ کے نزدیک کافر و مشرک ہونے کو یہی بہت ہے، بلکہ ان کے نزدیک امام ممدوح کو کافر و مشرک سے بہت بڑھ کر کہنا چاہیے۔

گنگوہی صاحب نے صرف اتنی بات کو کہ دنیا میں جہاں کہیں مجلس میلاد ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع ہو جائے، زمین کا علم محیط مانا اور صاف حکم شرک جڑ دیا کہ شرک نہیں تو کون ساحصّہ ایمان کا ہے[1]۔

توامام کہ صرف زمین درکنار، زمین وآسمان وفرش وعرش و تمام عالم کے جملہ اجناس وانواع واصناف واشخاص واجرام کو نہ صرف حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلکہ وہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کا بھی علم محیط مانتے ہیں گنگوہی دھرم میں ان کو توکئی لاکھ درجے ڈبل کافر ہونا چاہیے والعیاذ باللہ تعالٰی ورنہ اصل بات یہ ہے کہ اصالۃً علوم غیب اور ان کے عطاو نیابت سے ان کے خدام اکابر اولیائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بھی ایک ایک ذرہ عالم کا تفصیلی علم عطا ہونا ہر گز ممنوع نہیں بلکہ بتصریح اولیاء واقع ہے، جیساکہ عنقریب آتا ہے وللہ الحمد۔

(۷۶) یہی مضمون شریف تفسیر نیشاپوری میں بایں عبارت ہے:

الاطلاع علٰی تفاصیل اٰثار حکمۃ اللہ تعالٰی فی کل احد من مخلوقات ھذہ العوالم بحسب اجناسھا وانواعھا واصنافھا واشخاصھا واعوارضھا ولواحقھا کما ھی لا تحصل الا لاکابر الانبیاء و لھذا قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ ارنی الاشیاء کما ھی[2]۔	ان عالموں کی مخلوقات میں سے ہر ایک کے تمام آثار حکمت الٰہیہ پر انکی جنسوں، نوعوں، قسموں اور فردوں، نیز عوارض و لواحق حقیقہ پر مطلع ہونا اکابر انبیاء کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا میں عرض کیا کہ مجھے اشیاء کی حقیقتیں دکھا۔(ت)

اس میں اٰثار حکمۃ اللہ کے ساتھ تفاصیل زائد ہے۔ھذاالعالم کی جگہ ھٰذہ العوالم ہے کہ نظر تفصیلی پر زیادہ دلالت کرتا ہے اور اجناس وانواع واصناف واشخاص کے ساتھ عوارض ولواحق بھی مذکور ہے کہ احاطہ جملہ جواہر واعراض میں تصریح تر ہو، اگرچہ اجناس عالم

---

[1] البراہین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

[2] غرائب القرآن (تفسیر النیسابوری) آیۃ ۶ /۷۵ مصطفی البابی مصر ۷ /۱۴۱

میں عوارض بھی داخل تھے پھر ان کے ساتھ کماھی کا لفظ اور زیادہ ہے کہ صحت علم غیر مشوب بالخطاء والوھم (غلطی اور وہم کی آلائش سے پاک۔ت) کی تاکید ہو۔فجزاھم اللہ تعالٰی خیر جزا آمین۔

(۷۷) نیشاپوری میں زیر آیۂ کریمہ "وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾" [1] (اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں گے۔ت) فرمایا:

لانّ روحه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم شاهد علٰی جمیع الارواح والقلوب و النفوس لقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اول ما خلق اللہ روحی [2]۔	یہ جو رب عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایا کہ ہم تمہیں ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح انور تمام جہان میں ہر ایک کی روح، ہر ایک کے دل، ہر ایک کے نفس کا مشاہدہ فرماتی ہے۔(کوئی روح، کوئی دل، کوئی نفس ان کی نظر کرم سے او جھل نہیں جب تو سب پر گواہ بنا کر لائے جائیں گے کہ شاہد کو مشاہدہ ضرور ہے) اس لیے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میری روح کریم کو پیدا کیا (تو عالم میں جو کچھ ہوا حضور کے سامنے ہی ہوا)

(۷۸) حافظ الحدیث سیدی احمد سلجماسی قدس سرہ، اپنے شیخ کریم حضرت سیدی عبدالعزیز بن مسعود دباغ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کتاب مستطاب ابریز میں روایت فرماتے ہیں کہ انہوں نے آیہ کریمہ "وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا" [3]۔(اور اللہ تعالٰی نے آدم علیہ السلام کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔ت) کے متعلق فرمایا:

المراد بالاسماء الاسماء العالیة لا الاسماء النازلة فان کل مخلوق له اسم عال واسم نازل، فالاسم النازل هو الذی یشعر بالمسمّٰی فی الجملة والاسم العالی هو الذی	اس کلام نورانی واعلام ربانی ایمان افروز، کفران سوز کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر چیز کے دو نام ہیں علوی و سفلی، سفلی نام تو صرف مسمّٰی سے ایک گونہ آگاہی دیتا ہے۔اور علوی نام سنتے ہی یہ معلوم ہو جاتا ہے

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۱

[2] غرائب القرآن

[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۱

يشعر باصل المسمّٰى ومن اىّ شيئ هو و بفائدة المسمّٰى ولاى شيئ يصلح الفاس من سائر ما يستعمل فيه وكيفية صنعة الحداد له فيعلم من مجرد سماع لفظه وهذه العلوم والمعارف المتعلقة بالفاس وهكذا كل مخلوق، والمراد بقوله تعالٰى الاسماء كلها الاسماء التى يطيقها ادم ويحتاج اليها سائر البشر اولهم بها تعلق وهى من كل مخلوق تحت العرش الٰى ماتحت الارض فيدخل فى ذلك الجنة والنار والسمٰوٰت السبع ومافيهن ومابينهن ومابين السماء والارض ومافى الارض من البرارى والقفار والاودية والبحار و الاشجار فكل مخلوق فى ذلك ناطق اوجامد الّا و آدم يعرف من اسمه تلك الامور الثلٰثة اصله وفائدته و كيفية ترتيبه ووضع شكله فيعلم من اسم الجنة من اين خلقت ولاىّ شيئ خلقت وترتيب مراتبها وجميع ما فيها من الحور وعدد من يسكنها بعد البعث ويعلم من لفظ النار مثل ذلك ويعلم من لفظ السماء مثل ذلك ولاىّ شيئ كانت الاولٰى فى محلها و الثانية وهكذا فى كل سماء ويعلم من لفظ الملئكة من اى شيئ خلقوا ولاىّ شيئ خلقوا وكيفية خلقهم وترتيب مراتبهم وباىّ شيئ استحق

کہ مسمّٰی کی حقیقت وماہیت کیا ہے اور کیونکر پیدا ہوا اور کاہے سے بنا اور کس لیے بنا، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام اشیاء کے یہ علوی نام تعلیم فرمائے گئے جس سے انہوں نے حسبِ طاقت وحاجتِ بشری تمام اشیاء جان لیں اور یہ زیر عرش سے زیر فرش تک کی تمام چیزیں ہیں جس میں جنت ودوزخ وہفت آسمان اور جو کچھ ان میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ آسمان وزمین کے درمیان ہے اور جنگل اور صحرا اور نالے اور دریا اور درخت وغیرہ جو کچھ زمین میں ہے غرض یہ تمام مخلوقات ناطق وغیر ناطق ان کے صرف نام سننے سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوگیا کہ عرش سے فرش تک ہر شے کی حقیقت یہ ہے اور فائدہ یہ ہے اور اس ترتیب سے اس شکل پر ہے۔ جنت کا نام سنتے ہی انہوں نے جان لیا کہ کہاں سے بنی اور کس لیے بنی اور اس کے مربتوں کی ترتیب کیا ہے اور جس قدر اس میں حوریں ہیں اور قیامت کے بعد اتنے لوگ اس میں آجائیں گے اسی طرح نار (دوزخ) یوں ہی آسمان، اور یہ کہ پہلا آسمان وہاں کیوں ہوا اور دوسرا دوسری جگہ کیوں ہوا، اسی طرح ملائکہ کا لفظ سننے سے انہوں نے جان لیا کہ کاہے سے بنے اور کیونکر بنے اور ان کے مرتبوں کی ترتیب کیا ہے اور کس لیے یہ فرشتہ اس مقام کا مستحق ہوا اور دسرا دوسرے کا۔ اسی طرح عرش سے زیر زمین تک ہر فرشتے کا حال، اور یہ

هذا الملك هذا المقام واستحق غیرہ مقامًا اخر وهكذا فی كل ملك فی العرش الی ماتحت العرض فهٰذه علوم ادم واولادہ من الانبیاء علیهم الصلوۃ و السلام والاولیاء الكمل رضی الله تعالٰی عنهم اجمعین، و انما خص اٰدم بالذكر لانه اوّل من علم هٰذه العلوم و من علمها من اولادہ فانما علمها بعدہ ولیس المراد انه لایعلمها الا اٰدم وانما خصصناها بمایحتاج الیه وذریته وبمایحتاج الیه وذریته و بما یطیقونه لئلا یلزم من عدم التخصیص الا حاطة بمعلومات الله تعالٰی وانما قال تنزلت اشارة الی الفرق بین علم النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم بهذہ العلوم و بین علم اٰدم وغیرہ من الانبیاء علیهم الصلوۃ بها فانهم اذا توجهوا الیها یحصل لهم شبه مقام عن مشاهدۃ الحق سبحانه وتعالٰی واذا توجهوا نحو مشاهدۃ الحق سبحانه وتعالٰی حصل لهم شبه النوم عن هذہ العلوم .ونبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لقوته لا یشغله هذا عن هذا فهواذا توجه نحوالحق سبحانه و تعالٰی حصلت له المشاهدۃ التامة وحصل له مع ذلك مشاهدۃ هذہ العلوم وغیرهما مما لایطلق واذاتوجه نحوهذه العلوم حصلت له مع حصول هذہ المشاهدۃ فی الحق

تمام علوم صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو نہیں بلکہ ہر نبی اور ہر ولی کامل کو عطا ہوئے ہیں، علیہم الصلوۃ والسلام، آدم کا نام خاص اس لیے لیا کہ انکو یہ علوم پہلے ملے، پھر فرمایا کہ ہم نے بقدر طاقت وحاجت کی قید لگا کر صرف عرش تا فرش کی تمام اشیاء کا احاطہ اس لیے رکھا کہ جملہ معلوماتِ الٰہیہ کا احاطہ نہ لازم آئے اور ان علوم میں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں یہ فرق ہے کہ اور جب ان علوم کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ان کو مشاہدہ حضرت عزت جلالہ، سے ایک گونہ غفلت سی ہو جاتی ہے اور جب مشاہدہ حق کی طرف توجہ فرمائیں تو ان علوم کی طرف سے ایک نیند سی آجاتی ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کی کمال قوت کے سبب ایک علم دوسرے علم سے مشغول نہیں کرتا، وہ عین مشاہدہ حق کے وقت ان تمام علوم اور ان کے سوا اور علموں کو جانتے ہیں جن کی طاقت کسی میں نہیں اور ان علوم کی طرف عین توجہ میں مشاہدہ حق فرماتے ہیں اور ان کو نہ مشاہدہ حق، مشاہدہ خلق سے پردہ ہو نہ مشاہدہ خلق مشاہدہ حق سے، پاکی و بُلندی اسے جس نے ان کو یہ علوم اور یہ قوتیں بخشیں صلی اللہ

سبحٰنہ و تعالٰی فلا تحجبہ مشاھدۃ الحق عن مشاھدۃ الخلق ولا مشاھدۃ الخلق عن مشاھدۃ الحق سبحٰنہ وتعالٰی[1]۔	تعالٰی علیہ وسلم۔

کیوں وہابیو! ہے کچھ دم؟ ہاں ہاں تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ کی شرک دانی لے کر دوڑیو، مشرک مشرک کی تسبیح بھانیو، کل قیامت کو کھل جائے گا کہ مشرک، کافر، مرتد خاسر کون تھا، "سَیَعۡلَمُوۡنَ غَدًا مَّنِ الۡکَذَّابُ الۡاَشِرُ ﴿۲۶﴾"[2]۔ (بہت جلد کل جان جائیں گے کون تھا بڑا جھوٹا اترونا۔ت)

اشر بھی دو قسم کے ہوتے ہیں:

(۱) اشر قولی کہ زبان سے بک بک کرے۔

(۲) اشر فعلی کہ زبان سے چپ اور خباثت سے باز آئے۔

وہابیہ اشر قولی واشر فعلی دونوں ہیں۔ "قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ﴿۳۰﴾"[3]۔ (اللہ انہیں مارے کیا اوندھے جاتے ہیں)

حضرت سیّدی شاہ عبدالعزیز قدس اللہ بسرہ العزیز، اجلّہ اکابر اولیاء عظام و اعاظم سادات کرام سے ہیں، بدلگام وہابیہ سے کچھ تعجب نہیں کہ ان کی شان کریم میں حسب عادت لئیم گستاخی و زبان درازی کریں، لہٰذا مناسب کہ اس پاک، مبارک، لاڈلے بیٹے کی تائید میں اس کے مہربان باپ، مسلمانوں کے مولٰی، اللہ واحد قہار کے غالب شیر، سیدنا امیر المومنین مولٰی علی مشکل کشا حاجت روا، کافرکُش، مومن پناہ کرم کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے بعض ارشادات ذکر کروں کہ سگانِ زردکے برادر شغال اس اسدِ ذوالجلال کی بو سونگھ کر بھاگیں، اور شرک شرک بکنے والے منہ میں قہر کے پتھر ہوں، اور پتھروں سے آگیں۔

(۷۹) ابن النجار ابوالمعتمر مسلم بن اوس وجاریہ بن قدامہ سعدی سے راوی کہ امیر المومنین ابوالائمۃ الطاہرین سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

سلونی قبل ان تفقدونی فانّی لا اُسأل عن شیئ دون العرش الا	مجھ سے سوال کرو قبل اس کے کہ مجھے نہ پاؤ کہ عرش کے نیچے جس کسی چیز کو مجھ سے پوچھا جائے میں

[1] الابریز الباب السابع دار الکتب العلمیہ بیروت ص ۳۸۲ و ۳۸۳

[2] القرآن الکریم ۵۴/ ۲۶

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

اخبرت عنه[1]۔	بتادوں گا۔

عرش کے نیچے کُرسی، ہفت آسمان، ہفت زمین اور آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے تحت الثّرٰی تک سب داخل ہے، مولٰی علی فرماتے ہیں کہ اس سب کو میرا علم محیط ہے ان میں جو شَے مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا، رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۸۰) امام ابن الانباری کتاب المصاحف میں اور امام ابو عمر بن عبدالبر کتاب العلم میں ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال شهدت علی بن ابی طالب یخطب فقال فی خطبته سلونی فوالله لاتسألونی عن شیئ الٰی یوم القیٰمة الاّ حدثتکم به[2]۔	میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، کے خطبہ میں حاضر تھا امیر المومنین نے خطبہ میں ارشاد فرمایا مجھ سے دریافت کرو خدا کی قسم قیامت تک جو چیز ہونے والی ہے مجھ سے پوچھو میں بتادوں گا۔

امیر المومنین فرماتے ہیں: کہ میرا علم قیامت تک کی تمام کائنات کو حاوی ہے، یہ دونوں حدیثیں امامِ جلیل، جلال الملۃ والدین سیوطی نے جامع کبیر میں ذکر فرمائیں۔

(۸۱تا۸۴) ابن قتیبہ پھر ابن خلکان پھر امام دمیری پھر علامہ زرقانی شرح مواہب اللدنیا میں فرماتے ہیں:

الجفر جلد کتبه جعفر الصادق کتب فیه لاهل البیت کل مایحتاجون الٰی علمه وکل مایکون الٰی یوم القیمة[3]۔	جفر ایک جلد ہے کہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لکھی اور اس میں اہل بیت کرام کے لیے جس چیز کے علم کی انہیں حاجت پڑے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب تحریر فرمادے۔

(۸۵) علامہ سید شریف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شرح مواقف میں فرماتے ہیں:

الجفر والجامعة کتابان لعلی رضی الله تعالٰی	یعنی جفر وجامعہ امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم

---

[1]

[2] جامع بیان العلم وفضله باب فی ابتداء العالم جلساء بالفائدة وقوله سلونی دارالفکر بیروت ۱/ ۱۳۸

[3] حیوة الحیوان الکبرٰی تحت لفظ الجفرة مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۲۷۹، وفیات الاعیان ترجمه عبدالمومن صاحب المغرب ۴۰۸ دارالثقافت بیروت ۳/ ۲۴۰

عنه قد ذکر فیهما علی طریقة علم الحروف الحوادث التی تحدث الی انقراض العالم وکانت الائمة المعروفون من اولاده یعرفونهما ویحکمون بهما وفی کتاب قبول العهد الذی کتبه علی بن موسٰی رضی الله تعالٰی عنهما الی المامون انك قد عرفت من حقوقنا ما لم یعرفه اباؤك فقلبت منك عهدك الا ان الجفر والجامعة یدلان علی انه لایتم ولمشائخ المغاربة نصیب من علم الحروف ینتسبون فیه الی اهل البیت ورأیت انا بالشام نظما اشیر فیه بالرموز الٰی احوال ملوك مصرو سمعت انه مستخرج من ذینك الکتابین اھ[1]۔	کی دو[2] کتابیں ہیں بے شک امیر المومنین نے ان دونوں میں علم الحروف کی روش پر ختم دنیا تک جتنے وقائع ہونے والے ہیں سب ذکر فرمادیئے ہیں اور ان کی اولاد امجاد سے ائمہ مشہورین رضی اللہ تعالٰی عنہم اُن کتابوں کے رموز پہچانتے اور ان سے احکام لگاتے تھے۔اور مامون رشید نے جب حضرت امام علی رضا ابن امام موسٰی کاظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کو اپنے بعد ولیعہد کیا اور خلافت نامہ لکھ دیا امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے قبول میں فرمان بنام مامون رشید تحریر فرمایا اس میں ارشاد فرماتے ہیں کہ تم نے ہمارے حق پہچانے جو تمہارے باپ دادا نے نہ پہچانے اس لیے میں تمہاری ولی عہدی قبول کرتا ہوں۔مگر جفر وجامعہ بتارہی ہیں کہ یہ کام پورا نہ ہوگا۔(چنانچہ ایسا ہی ہوا اور امام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مامون رشید کی زندگی ہی میں شہادت پائی) اور مشائخِ مغرب اس علم سے حصہ اور اس میں اہل بیت کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اپنے انتساب کا سلسلہ رکھتے ہیں،اور میں نے ملک شام میں ایک نظم دیکھی جس میں شاہانِ مصر کے احوال کی طرف رمزوں میں اشارہ کیا ہے میں نے سنا کہ وہ احکام انہی دونوں کتابوں سے نکالے ہیں۔انتہٰی

اس علم علوی شریف مبارک کی بحث اور اس کے حکم شرعی کی جلیل تحقیق بحمد اللہ تعالٰی فقیر کے رسالہ **مجتلی العروس ومراد النفوس** ۱۳۲۸ھ میں ہے جو اس کے غیر میں نہ ملے گی۔

(۸۶) حضور پر نور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

وعزة ربی ان السعداء والاشقیاء لیعرضون علی عینی فی اللوح	عزت الٰہی کی قسم بے شک سب سعید و شقی میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں میری آنکھ لوح محفوظ

[1] شرح مواقف النوع الثانی المقصد الثانی منشورات شریف الرضی قم ایران ۶ /۲۲

المحفوظ [1]۔	میں ہے۔

(۸۷) اور فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

لولالجام الشریعة علٰی لسانی لاخبرتکم بما تاکلون و ماتدخرون فی بیوتکم انتم بین یدی کالقواریر یرٰی مافی بواطنکم وظواھرکم [2]۔	اگر میری زبان پر شریعت کی روک نہ ہوتی تو میں تمہیں خبر دیتا جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ اپنے گھروں میں اندوختہ کرکے رکھتے ہو تم میرے سامنے شیشہ کی مانند ہو، میں تمہارا ظاہر و باطن سب دیکھ رہا ہوں۔

(۸۸) اور فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

قلبی مطلع علٰی اسرار الخلیفة ناظرا لی وجوہ القلوب قد صفاہ الحق عن دنس رویةسواہ حتّی صارلوحًا ینقل الیہ مافی اللوح المحفوظ وسلم علیہ ازمة امور اھل زمانہ وصرفہ فی عطائھم ومنعھم [3]۔	میرا دل اسرارِ مخلوقات پر مطلع ہے سب دلوں کو دیکھ رہا ہے اللہ تعالٰی نے اسے روایت ماسوا کے میل سے صاف کردیا کہ ایک لوح ہوگیا جس کی طرف وہ منتقل ہوتا ہے، جو لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ (اللہ تعالٰی نے) تمام اہل زمانہ کے کاموں کی باگیں اسے سپرد فرمائیں اور اجازت فرمائی کہ جسے چاہیں عطا کریں، جسے چاہیں منع فرمادیں۔

(۸۹ و ۹۰ و ۹۱) والحمدللہ رب العالمین یہ اور ان کے مثل اور کلمات قدسیہ اجلہ اکابرائمہ مثل امام اوحد سیّدی نور الحق والدین ابوالحسن علی شطنوفی صاحب کتاب بہجۃ الاسرار وامام اجل سیدی عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی صاحبِ خلاصۃ المفاخر وغیرہما نے حضور سے بہ اسانیدِ صحیحہ روایت فرمائے، اور علی قاری وغیرہ علماء نے نزہۃ الخاطر وغیرہا کتب مناقب شریفہ میں ذکر کیے۔

(۹۲) عارف کبیر احدالاقطاب الاربعہ سیدنا حضرت سید احمد رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ ترقیات کامل کے بارے میں فرماتے ہیں:

[1] بهجة الاسرار ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه محدثا بنعمة ربه دار الکتب العلمیه بیروت ص ۵۰

[2] بهجة الاسرار ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه محدثا بنعمة ربه دار الکتب العلمیه بیروت ص ۵۵

[3] بهجة الاسرار ذکر کلمات اخبر بها عن نفسه محدثا بنعمة ربه دار الکتب العلمیه بیروت ص ۵۰

اطلعه علیٰ غیبه حتی لا تنبت شجرة ولا تخضرورقة الابنظرہ[1]۔	اللہ تعالٰی اسے اپنے غیب پر مطلع کرتا ہے یہاں تک کہ کوئی پیڑ نہیں اُگتا اور کوئی پتہ نہیں ہریاتا مگر اس کی نظر کے سامنے۔

(۹۳) عارف باللہ حضرت سیدی رسلان دمشقی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

العارف من جعل اللہ تعالٰی فی قلبه لوحًا منقوشًا باسرار الموجودات و بامداده بانوار حق الیقین یدرك حقائق تلك السطور علی اختلاف اطوار ها و یدرك اسرار الافعال فلا تتحرك حركة ظاهرةً ولا باطنة فی الملك والملكوت الا ویكشف اللہ تعالٰی عن بصیرة ایمانه وعین عیانه فیشهدها علمًا وكشفًا[2]۔	عارف وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالٰی نے ایک لوح رکھی ہے کہ جملہ اسرار موجودات اس میں منقوش ہیں اور حق الیقین کے نوروں سے اسے مدد دی کہ وہ ان لکھی ہوئی چیزوں کی حقیقتیں خوب جانتا ہے باآنکہ انکے طور کس قدر مختلف ہیں اور افعال کے راز جانتا ہے تو ظاہری یا باطنی کوئی جنبش ملک یا ملکوت میں واقع نہیں ہوتی، مگر یہ کہ اللہ تعالٰی اس کے ایمان کی نگاہ اور اس کے معاینہ کی آنکھ کھول دیتا ہے تو عارف اسے دیکھتا ہے اور اپنے علم وکشف سے جانتا ہے۔

(۹۴) (مذکورہ بالا) یہ دونوں کلام کریم سیّدی امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی نے طبقاتِ کبرٰی میں نقل کیے۔

(۹۵) سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے امام حضرت عزیزان رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے:

زمین در نظر ایں طائفہ چو سفرہ ایست[3]۔	اس گروہ کی نظر میں زمین دستر خوان کی طرح ہے۔ (ت)

(۹۶) حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین نقشبندی رضی اللہ تعالٰی عنہ یہ کلام پاک نقل کرکے فرماتے:

ومامی گوئیم چوں روئے ناخنے ست ہیچ چیز از نظر ایشاں غائب نیست[4]۔	ہم کہتے ہیں کہ ناخن کی سطح کی طرح ہے، کوئی چیز ان کی نظر سے غائب نہیں۔

---

[1] قول سیّد احمد رفاعی

[2] الطبقات الکبرٰی ترجمہ ۲۷۴ رسلان الدمشقی دار الفکر بیروت ص ۲۱۴

[3] نفحات الانس ترجمہ خواجہ بہاءُ الحق والدّین النقشبندی انتشارات کتاب فروشی ص ۳۸۷

[4] نفحات الانس ترجمہ خواجہ بہاءُ الحق والدّین النقشبندی انتشارات کتاب فروشی ص ۸۸۔۳۸۷

گنگوہی صاحب! اب اپنے شیطانی شرک براہین کی خبر لیجئے۔

(۹۷) یہ دونوں ارشاد مبارک حضرت مولٰینا جامی قدس سرہ السامی نے نفحات الانس میں ذکر کیے۔

(۹۸) امامِ اجل سیّدی علی وفا رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لیس الرجل من یقیدہ العرش وما حواہ من الافلاك والجنّة والنّار، وانما الرجل من نفذ بصرہ الٰی خارج ھذا الوجود کلہ وھناك یعرف قدر عظمة موجوہ سبحٰنہ وتعالٰی[1]۔	مرد وہ نہیں جسے عرش اور جو کچھ اس کے احاطہ میں ہے آسمان وجنت و نار یہی چیزیں محدود مقید کرلیں، مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے وہاں اسے موجدِ عالم سبحنہ وتعالٰی کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

(۹۹) یہ پاکیزہ کلام کتاب الیواقیت والجواھر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا۔

(۱۰۰) ابریز شریف میں ہے:

سمعتہ رضی اللہ تعالٰی عنہ احیانا یقول ما السمٰوٰت السبع والارضون السبع فی نظر العبد المؤمن الا کحلقة ملقاة فی فلاة من الارض[2]۔	یعنی میں نے حضرت سید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بارہا سنا کہ فرماتے ساتویں آسمان اور ساتویں زمینیں مومن کامل کی وسعتِ نگاہ میں ایسے ہیں جیسے ایک میدانِ لق ودق میں ایک چھلا پڑا ہوا۔

(۱۰۱) امام شعرانی کتاب الجواہر میں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

الکامل قلبہ مراٰة للوجود العلوی و السفلی کلہ علی التفصیل[3]۔	کامل کا دل تمام عالم علوی و سفلی کا بروجہ تفصیل آئینہ ہے۔

(۱۰۲) امام رازی تفسیر کبیر میں رَدِ معتزلہ کے لیے حقیقتِ کرامات اولیاء پر دلائل قائم کرنے میں فرماتے ہیں:

الحجة السادسة لا شك انّ المتولی للافعال ھو الروح لا البدن ولھذا نری ان کل من کان اکثر علمًا باحوال عالم الغیب	یعنی اہل سنت کی چھٹی دلیل یہ ہے کہ بلاشبہہ افعال کی متولی تو روح ہے نہ کہ بدن، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ جسے احوال عالم غیب کا علم زیادہ ہے اس کا

[1] الیواقیت والجواھر البحث الرابع والثلاثون دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۷۰

[2] الابریز الباب السادس مصطفی البابی مصر ص ۲۴۲

[3] الجواھر والدرر علی ھامش الابریز الباب السادس مصطفی البابی مصر ص ۲۲۳

کان اقوٰی قلبًا ولهذا قال علی کرم الله تعالٰی وجهه و الله ماقلعت باب خیبر بقوة جسدانیة ولٰکن بقوة ربانیة وکذٰلك العبداذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول الله تعالٰی کنت له سمعًا وبصرًا فاذا صار نور اجلال الله تعالٰی سمعًا له سمع القریب و البعید واذاصارذٰلك النور بصرًا له رأی القریب و البعید واذا صارذٰلك النوریدا له قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب[1]۔	دل زیادہ زبردست ہوتا ہے، ولہٰذا مولٰی علی نے فرمایا: خدا کی قسم میں نے خیبر کا دروازہ جسم کی قوت سے نہ اکھیڑا بلکہ ربانی طاقت سے، اسی طرح بندہ جب ہمیشہ طاعت میں لگا رہتا ہے تو اس مقام تک پہنچتا ہے جس کی نسبت رب عزوجل فرماتا ہے کہ وہاں میں خود اس کے کان آنکھ ہوجاتا ہوں تو جب اجلالِ الٰہی کا نور اس کا کان ہوجاتا ہے بندہ نزدیک، دور سب سنتا ہے اور جب وہ نور اس کی آنکھ ہوجاتا ہے بندہ نزدیک و دور، سب دیکھتا ہے اور جب وہ نور اس کا ہاتھ ہوجاتا ہے بندہ سہل و دشوار و نزدیک و دور میں تصرفات کرتا ہے۔

(۱۰۳) حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلوی دفتر ثالث مثنوی شریف میں موزہ و عقاب کی حدیث مستطاب میں فرماتے ہیں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

گرچہ ہر غیبے خدامارا نمود ۔۔۔ دل دراں لحظہ بخود مشغول بود[2]

(اگرچہ ہر غیب خدا نے ہم کو دکھایا ہے لیکن دل اس وقت اپنی ذات میں مشغول تھا۔ت)

(۱۰۴) مولانا بحر العلوم ملک العلماء قدس سرہ، شرح میں فرماتے ہیں:

محمد رضا گفتہ اے فکر تن نداشت و از جہت استغراق بعضی مغیبات برانبیاء مستور شوند انتہی، معنی بیت ایں چنیں ست کہ دل بخود مشغول بود کہ دل نفس دل رامشاہدہ می کرد وذات باحدیث جمیع اسماء دردل ست پس بسبب	یعنی محمد رضا کہتا ہے دل کو بدن کی فکر نہ تھی اور استغراق کی وجہ سے بعض غیوب انبیاء سے چھپ جاتے ہیں انتہی، شعر کے معنی یہ ہیں کہ دل ذات دل کا مشاہدہ کررہا تھا اور ذات احدیث تمام اسماء کے ساتھ دل میں ہے، پس اس

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آیة ۱۸/ ۹ دار الکتب العلمیه بیروت ۲۱/ ۷۷

[2] مثنوی معنوی ربودن عقب موزہ رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور دفتر سوم ص ۸۱

استغراق دریں مشاہدات توجہ بسوئے اکوان نبود پس بعض اکوان مغفول عنہ ماند وایں وجہ وجیہ است [1]۔	مشاہدہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے توجہ عالم کی طرف نہ تھی اس لیے بعض حالات پوشیدہ رہے یہ بہترین توجیہ ہے۔(ت)

(۱۰۵و۱۰۶و۱۰۷و۱۰۸) امام قرطبّی شارح صحیح مسلم، پھر امام عینی بدر محمود، پھر امام احمد قسطلانی شارح صحیح بخاری، پھر علامہ علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ حدیث **وخمس لایعلمھن الا اللہ** کی شرح میں فرماتے ہیں۔

فمن ادعٰی علم شیئ منہا غیر مسند الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان کاذبًا دعواہ [2]۔	یعنی جو کوئی قیامت وغیرہ خمس سے کسی شے کے علم کا اِدعا کرے اور اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت نہ کرے کہ حضور کے بتائے سے مجھے یہ علم آیا، وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔

صاف معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان پانچوں غیبوں کو جانتے ہیں اور اس میں سے جو چاہیں اپنے جس غلام کو چاہیں بتاسکتے ہیں، اور جو حضور کی تعلیم سے ان کے علم کا دعوی کرے اس کی تکذیب نہ ہوگی۔

(۱۰۹) روض النضیر شرح جامع صغیر امام کبیر جلال الملۃ والدین سیوطی سے اس حدیث کے متعلق ہے۔

اما قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ھو ففسر بانہ لا یعلمھا احد بذاتہ و من ذاتہ الا ھو لکن قد تعلم باعلام اللہ تعالٰی فان ثمہ من یعلمھا وقد وجدنا ذٰلک لغیر واحد کما راینا جماعتہ	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ ان پانچویں غیبوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس کے یہ معنی ہیں کہ بذاتِ خود اپنی ذات سے انہیں اللہ ہی جانتا ہے مگر خدا کے بتائے سے کبھی ان کو بھی ان کا علم ملتا ہے بے شک یہاں ایسے موجود ہیں جو ان غیبوں کو جانتے ہیں اور ہم نے متعدد اشخاص

1

2 عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ادرۃ طباعۃ المنیریۃ بیروت ۱/ ۲۹۰، ارشاد الساری شرح البخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۴۱

علمو امتی یموتون و علموا مافی الارحام حال حمل المرأۃ وقبلہ[1]۔	ان کے جاننے والے پائے ایک جماعت کو ہم نے دیکھا کہ ان کو معلوم تھا کب مریں گے اور انہوں نے عورت کے حمل کے زمانے میں بلکہ حمل سے بھی پہلے جان لیا کہ پیٹ میں کیا ہے۔

(۱۱۰) شیخ محقق قدس سرہ، لمعات شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں:

المراد لاتعلم بدون تعلیم اللہ تعالٰی منہ[2]۔	مراد یہ ہے کہ قیامت وغیرہ غیب بے خدا کے بتائے معلوم نہیں ہوتے۔

(۱۱۱) علامہ بیجوری شرح بُردہ شریف میں فرماتے ہیں:

لم یخرج صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الدنیا الابعد ان اعلمہ اللہ تعالٰی بھذہٖ الامور ای الخمسہ[3]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا سے تشریف نہ لے گئے مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو ان پانچ غیبوں کا علم دے دیا۔

(۱۱۲) علامہ شنوانی نے جمع النہایۃ میں اسے بطور حدیث بیان کیا کہ:

قدورد ان اللہ تعالٰی لم یخرج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی اطلعہ علٰی کل شیئ[4]۔	بے شک وارد ہوا کہ اللہ تعالٰی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا جب تک کہ حضور کو تمام اشیاء کا علم عطا نہ فرمایا۔

(۱۱۳) حافظ الحدیث سیدی احمد مالکی غوث الزمان سید شریف عبدالعزیز مسعود حسنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایخفی علیہ شیئ من الخمس المذکورۃ فی الایۃ لشریفۃ وکیف یخفی علیہ ذٰلک والاقطاب السبعۃ من امتہ	یعنی قیامت کب آئے گی، مینہ کب اور کہاں اور کتنا برسے گا، مادہ کے پیٹ میں کیا ہے، کل کیا ہوگا، فلاں کہاں مرے گا، یہ پانچوں غیب جو آیہ کریمہ میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ

---

[1] روض النضیر شرح الجامع الصغیر

[2] لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح تحت حدیث ۳ مکتبۃ المعارف العلمیۃ لاہور ۱/ ۷۳

[3] حاشیۃ الباجوری علی البردۃ تحت البیت فان من جودك الدنیا الخ مصطفی البابی مصر ص ۹۲

4

الشریفة یعلمونها وهم دون الغوث فکیف بسید الاولین والآخرین الذی هو سبب کل شیئ و منه کل شیئ [1]۔	تعالٰی علیہ وسلم پر مخفی نہیں،اور کیونکر یہ چیزیں حضور سے پوشیدہ ہیں،حالانکہ حضور کی امت سے ساتوں قطب ان کو جانتے ہیں اور ان کا مرتبہ غوث کے نیچے ہے، غوث کا کیا کہنا پھر ان کا کیا پوچھنا۔جو سب اگلوں پچھلوں سارے جہان کے سردار اور ہر چیز کے سبب ہیں اور ہر شے انہیں سے ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۱۱۴) نیز ابریز عزیز میں فرمایا:

قلت للشیخ رضی اللہ تعالٰی عنه فان علماء الظاهر من المحدیثین وغیرهم اختلفوا فی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم هل کان یعلم الخمس فقال رضی اللہ تعالٰی عنه کیف یخفی امر الخمس علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم والواحد من اهل التصرف من امته الشریفة لایمکنه التصرف الا بمعرفة هذه الخمس [2]۔	یعنی میں نے حضرت شیخ رضی اللہ تعالٰی عنہ س ے عرض کی کہ علماء ظاہر محدثین مسئلہ خمس میں باہم اختلاف رکھتے ہیں، علماء کا ایک گروہ کہتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کا علم تھا،دوسرا ان کار کرتا ہے،اس میں حق کیا ہے؟فرمایا(جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پانچویں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں) حضور سے یہ غیب کیونکر چھپے رہیں گے حالانکہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہلِ تصرف ہیں(کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کا علم مانتے ہیں وہ حق پر ہیں) حضور سے یہ غیب کیونکر چھپے رہیں گے حالانکہ حضور کی امت شریفہ میں جو اولیائے کرام اہلِ تصرف ہیں(کہ عالم میں تصرف فرماتے ہیں) وہ جب تک ان پانچوں غیبوں کو جان نہ لیں تصرف نہیں کرسکتے۔

(۱۱۵) تفسیر کبیر میں زیر آیہ کریمہ "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" [3] فرمایا:

ای وقت وقوع القیٰمة من غیب	یعنی قیامت کے واقع ہونے کا وقت اس غیب

[1]

[2] الابریز الباب الثانی مصطفی البابی مصر ص ۱۶۷و۱۶۸

[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۶

الذی لایظھرہ اللہ لاحد فان قیل فاذا حملتم ذٰلک علی القیٰمۃ فکیف قال الا من ارتضٰی من رسول مع انہ لا یظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قرب القیٰمۃ"[1] (ملخصًا)	میں سے ہے جس کو اللہ تعالٰی کسی پر ظاہر نہیں کرتا اگر کہا جائے کہ جب تم نے آیت کو علمِ قیامت پر محمول کیا تو کیسے اللہ نے فرمایا: الّا من ارتضٰی من رسول باوجودیہ کہ یہ غیب اللہ کسی پر ظاہر نہیں کرے گا، ہم جواب دیں گے کہ قیامت کے قریب ظاہر کرے گا۔ (ت)

اس نفیس تفسیر نے صاف معنیٰ آیت یہ ٹھہرائے کہ اللہ عالم الغیب ہے، وہ وقتِ قیامت کا علم کسی کو نہیں دیتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۱۱۶) علامہ سعد الدین تفتازانی شرح مقاصد میں فرقہ باطلہ معتزلہ **خذلھم اللہ تعالٰی** کے کرامات اولیاء سے انکار اور ان کے شبہات فاسدہ کے ذکر وابطال میں فرماتے ہیں:

الخامس وھو فی الاخبار عن المغیبات قولہ تعالٰی عالم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہ احدًا الا من ارتضٰی من رسول خص الرسل من بین المرتضین بالاطلاع علی الغیب فلا یطلع غیر ھم وان کانوا اولیاء مرتضین، الجواب ان الغیب ھٰھنا لیس للعموم بل مطلق او معین ھو وقت وقوع القیٰمۃ بقرینۃ السباق ولا یبعدان یطلع	یعنی معتزلہ کی پانچویں دلیل خاص علم غیب کے بارے میں ہے وہ گمراہ کہتے ہیں کہ اولیاء کو غیب کا علم نہیں ہوسکتا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر مسلط نہیں کرتا۔ مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو، جب غیب پر اطلاع رسولوں کے ساتھ خاص ہے تو اولیاء کیونکر غیب جان سکتے ہیں۔ ائمہ اہلسنت عـــہ نے جواب دیا کہ یہاں غیب عام نہیں جس کے یہ معنے ہوں کہ کوئی غیب رسولوں کے سوا کسی کو نہیں بتاتا جس سے مطلقًا اولیاء کے علومِ غیب کی نفی

عـــہ: **فائدہ:** اس نفیس عبارت کتاب العقائد اہلسنت سے ثابت ہوا کہ وہابیہ معتزلہ سے بھی بہت خبیث تر ہیں، معتزلہ کو صرف اولیائے کرام کے علومِ غیب میں کلام تھا انبیاء کے لیے مانتے تھے، یہ خبیث خود انبیاء سے منکر ہوگئے، اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ائمہ اہلسنت انبیاء واولیاء سب کے لیے مانتے ہیں وللہ الحمد ۱۲ منہ۔

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۷۲/ ۲۶ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر ۳۰/ ۱۶۸

علیہ بعض الرسل من الملئکۃ او البشر فیصح الاستثناء [1]۔	ہوسکے، بلکہ یہ تو مطلق ہے (یعنی کچھ غیب ایسے ہیں کہ غیر رسول کو نہیں معلوم ہوتے) یا خاص وقت وقوعِ قیامت مراد ہے (کہ خاص اس غیب کی اطلاع رسولوں کے سوا اوروں کو نہیں دیتے) اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں غیب قیامت ہی کا ذکر ہے۔ (تو آیت سے صرف اتنا نکلا کہ بعض غیبوں یا خاص وقت قیامت کی تعیین پر اولیاء کو اطلاع نہیں ہوتی نہ یہ کہ اولیاء کوئی غیب نہیں جانتے، اس پر اگر شبہہ کیجئے کہ اللہ تو رسولوں کا استثناء فرمارہا ہے کہ وہ ان غیبوں پر مطلع ہوتے ہیں جن کو اور لوگ نہیں جانتے اب اگر اس سے تعیین وقت قیامت لیجئے تو رسولوں کا بھی استثناء نہ رہے گا کہ یہ تو اُن کو بھی نہیں بتایا جاتا۔ اس کا جواب یہ فرمایا کہ) ملائکہ یا بشر سے بعض رسولوں کو تعیین وقت قیامت کا علم ملنا کچھ بعید نہیں تو استثناء کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ضرور صحیح ہے۔

(۱۱۷) امام قسطلانی شرح بخاری تفسیر سورہ رعد میں فرماتے ہیں:

لایعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ الا من ارتضٰی من رسول فانہ یطلعہ من یشاء من غیبہ والولی التابع لہ یاخذ عنہ [2]۔	کوئی غیر خدا نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی سوا اس کے پسندیدہ رسولوں کے کہ انہیں اپنے جس غیب پر چاہے اطلاع دیتا ہے۔ (یعنی وقتِ قیامت کا علم بھی ان پر بند نہیں۔) رہے اولیاء وہ رسولوں کے تابع ہیں ان سے علم حاصل کرتے ہیں۔

یہاں اس خاص غیب کے علم میں بھی اولیاء کے لیے راہ رکھی، مگر یوں کہ اصالۃً انبیاء کو ہے اور ان کو ان سے ملتا ہے، اور حق یہی ہے کہ آیہ کریمہ غیر رسل سے علم غیوب میں اصالت کی نفی فرماتی ہے نہ کہ مطلق علم کی۔

(۱۱۸ و ۱۱۹) علامہ حسن بن علی مدابغی حاشیہ فتح المبین امام ابن حجر مکی اور فاضل ابن عطیہ فتوحات وہبیہ شرح اربعین امام نووی میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو علم قیامت عطا ہونے کے باب میں فرماتے ہیں:

الحق کما قال جمع ان اللہ سبحٰنہ	یعنی حق مذہب وہ ہے جو ایک جماعت علماء نے

[1] شرح المقاصد المبحث الثامن اولی ھو العارف باللہ تعالٰی دار المعارف النعمانیۃ لاہور ۲ /۲۰۴ و ۲۰۵

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الرعد دار الکتاب العربی بیروت ۷ /۱۸۶

وتعالٰی لم یقبض نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی اطلعہ علی کل ما ابھمہ عنہ الا انہ امر بکتم بعض و الاعلام ببعض[1]۔	فرمایا کہ اللہ عزوجل ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دنیا سے نہ لے گیا یہاں تک کہ جو کچھ حضور سے مخفی رہا تھا اس سب کا علم حضور کو عطا فرمادیا، ہاں بعض علوم کی بنسبت حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو حکم دیا کہ کسی کو نہ بتائے اور بعض کے بتانے کا حکم کیا۔

(۱۲۰) علامہ عشماوی کتاب مستطاب عجب العجاب شرح صلاۃ سیّدی احمد بدوی کبیر صلی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

قیل انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوتی علمھا (ای الخمس) فی اٰخر الامر لکنہ امر فیھا بالکتمان وھٰذا القیل ھو الصحیح[2]۔	یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو آخر میں ان پانچوں غیبوں کا بھی علم عطا ہوگیا مگر ان کے چھپانے کا حکم تھا، اور یہی قول صحیح ہے۔

تنبیہ جلیل

الحمد للہ یہ بطورِ نمونہ ایک سوبیس ۱۲۰ عبارات قاہرہ میں جن سے وہابیت کی پوچ ذلیل عمارت نہ صرف منہدم ہوئی بلکہ قارون اور اس کے گھر کی طرح بفضلہٖ تعالٰی تحت الثرٰی پہنچتی ہے، اور بحمدہ تعالٰی یہ کل سے جز ہیں، ایسے ہی صدہا نصوص جلیلہ و عظیمہ دیکھنا ہوں تو فقیر کی کتاب مالیئ الجیب بعلوم الغیب ۱۳۱۸ھ و رسالہ اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون ۱۳۱۸ھ" ملاحظہ ہوں کہ نصوص کے دریا ہیں چھلکتے، اور حُبِّ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چاند چمکتے اور تعظیم حضور کے سورج دمکتے، اور نور آیمان کے تارے جھلکتے، اور حق کے باغ مہکتے اور ہدایت کے پھول چہکتے اور نجدیت کے کوے سسکتے اور وہابیت کے بوم بلکتے، اور بدبوح گستاخ پھڑکتے۔ والحمد للہ رب العلمین۔

وہابیہ خذلھم اللہ تعالٰی ان نصوص قاہرہ کے مقابل ادھر ادھر سے کچھ عبارات دربارہ تخصیص

ع ـــہ: صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1]

[2] عجب العجاب شرح صلٰوۃ سید احمد کبیر بدوی

غیوب نقل کرلاتے اور بغلیں بجاتے ہیں حالانکہ یہ محض جہالت، کج فہمی بلکہ صریح مکاری اور ہٹ دھرمی ہے انصافاً وہ ہمارے ہی بیان کا دوسرا پہلو دکھاتے ہیں۔

فقیر گزارش کرچکا کہ مسئلہ عموم وخصوص اُن اجماعات بعد کہ امر چہارم میں معروض ہوئے علمائے اہلسنت کا خلافیہ (اختلافی) ہے۔ عامہ اولیاء کرام وبکثرت علمائے عظام جانب تعمیم ہیں اور یہی ظاہر نصوص قرآن عظیم ومفادات احادیث حضور پرنور علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہے۔

اور بہت اہل رسوم جانب خصوص گئے، ان میں بھی شاید نرے متقشفوں کا یہ خیال ہو ورنہ ان کے لیے اس پر ایک باعث ہے جس کا بیان مع چند نظائرِ نفسیہ فقیر کے رسالے انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شیئ (۱۳۲۰ھ) میں مشرح ہے تو ایسی عبارات سے ہمیں کیا ضرر، ہم نے کیا دعوی اجماع کیا تھا کہ خلاف دکھاؤ۔

وہاں تم اپنی جہالت سے مدعی اجماع تھے یہاں تک کہ مخالف کی تکفیر کر بیٹھے۔ تو ہر طرح تم پر قہر کی مار ہے ایجابِ جزئی سے موجبہ کلیہ کا ثبوت چاہنا مجنون کا شعار ہے۔

تم دس عبارتیں خصوص میں لاؤ ہم سو نصوص عموم میں دکھائیں گے پھر ظواہر قرآن وحدیث وعامہ اولیائے قدیم وحدیث ہمارے ساتھ ہیں، اور اسی میں ہمارے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی فضیلت کی ترقی اور خود اسی بارے میں ان کا رب فرما چکا کہ "وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا ﴿۱۱۳﴾"[1] سکھادیا تمہیں جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بڑا ہے۔ جسے اللہ بڑا کہے اسے گھٹائے کیونکر بنے، معہذا اگر بفرض باطل خدا کا فضل عظیم چھوٹا اور مختصر ہی ہو۔ مگر ہم نے ظواہر قرآن وحدیث وتصریحات صدہا ائمہ ظاہر وباطن کے اتباع سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیادہ رفعت شان چاہ کر اسے بڑا مانا تو بحمد اللہ تعالٰی اللہ کے فضل اور اس کے حبیب کی تعظیم ہی کی۔

اور اگر واقع میں وہ فضل الٰہی ویسا ہی بڑا ہے اور تم نے برخلاف ظواہر نصوص قرآن وحدیث اسے ہلکا اور چھوٹا جانا تو تمہارا معاملا معکوس ہوا۔ "فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ"[2]۔ خیال کرلو کہ کون سا فریق زیادہ مستحق امن ہے۔

غرض یہاں چند پریشان عبارات خصوص کا سنانا محض جہل ہے یا سخت مکر، کلام تو اس میں ہے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۸۱

کہ تم اقوال عموم بمعنی مرقوم بلکہ اس سے بھی لاکھوں درجے ہلکے پر حکمِ شرک و کفر جڑرہے ہو۔گنگوہی جی کی قاطعہ براہین دیکھو۔صرف اتنی بات کہ جہاں مجلس میلاد مبارک ہو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اطلاع ہوجائے، علمِ محیط زمین ٹھہرادیا۔پھر اسے خدا کا خاصہ اور ساتھ ہی اپنے معبود وابلیس کی صفت بتاکر صاف حکمِ شرک پھٹادیا اور شرک بھی کیسا جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں پھر عرش تا فرش کا علم تو زمین کے علم محیط سے کروڑہا کروڑ درجے بڑا ہے پھر ماکان ومایکون کا تو کیا ہی کہنا ہے۔

اسی طرح اور تعمیمات کہ کلاِ ائمہ دین وعلمائے معتمدین میں گزریں۔اس کا ماننے والا اگر معاذ اللہ ایک حصہ کافر تھا تو ان کا ماننے والا تو پدموں سنکھوں کافروں کے برابر ایک کافر ہوگا۔

یونہی تمہارا امام علیہ ماعلیہ تقویۃ الایمان میں بعطائے الٰہی بھی غیب کی بات کا علم ماننے کو شرک کہہ چکا پھر گنگوہی جی کا شرک تو میلاد مبارک کی اطلاع پر اُچھلا تھا۔ان امام جی نے ایک پیڑ کے پتے ہی جاننے پر شرک اُگل دیا۔

تمام علماء، اولیاء، صحابہ، انبیاء وہابیوں کی تکفیر کا نشانہ

اب دیکھئے کہ گنگوہی واسمٰعیل ووہابیہ نے معاذ اللہ کن کن آئمہ، علماء ومحدثین وفقہاء ومفسرین ومتکلمین واولیاء وصحابہ وانبیاء علیہم الصلوۃ والثنا کو کافر بنادیا۔

انہیں کو گنئے جن کے اقوال وارشادات اس مختصر میں گزرے۔

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی
(۲) مولٰنا ملک العلماء بحر العلوم
(۳) علامہ سامی صاحبِ ردالمحتار
(۴) آئمہ اہلسنت ومصنفانِ عقائد
(۵) شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی
(۶) علامہ شہاب الدین خفاجی
(۷) امام فخر الدین رازی
(۸) علامہ سید شریف جرجانی
(۹) علامہ سعد الدین تفتازانی
(۱۰) علی قاری مکی
(۱۱) امام ابنِ حجر مکی
(۱۲) علامہ محمد زرقانی
(۱۳) علامہ عبدالرؤف مناوی
(۱۴) علامہ احمد قسطلانی
(۱۵) امام قرطبّی
(۱۶) امام بدر الدین عینی
(۱۷) امام بغوی (صاحبِ تفسیر معالم)
(۱۸) شیخ علاؤ الدین علی بغدادی (صاحبِ تفسیر خازن)
(۱۹) علامہ بیضاوی
(۲۰) علامہ نظام الدین نیشاپوری (صاحبِ تفسیر غرائب القرآن)

(۲۱)علامہ جمل (شارح جلالین) (۲۲)امام ابوبکر رازی (صاحبِ تفسیر انموذج جلیل)
(۲۳)امام قاضی عیاض (۲۴)امام زین الدین عراقی (استاد امام ابن حجر عسقلانی)
(۲۵)حافظ الحدیث احمد سلجماسی (۲۶)ابن قتیبہ
(۲۷)ابن خلکان (۲۸)امام کمال الدین دمیری
(۲۹)علامہ ابراہیم بیجوری (۲۰)علامہ شنوانی
(۳۱)علامہ مدابغی (۳۲)علامہ ابن عطیہ
(۳۳)علامہ عشماوی (۳۴)امام ناصر الدین سمرقندی (صاحب ملتقط)
(۳۵)علامہ بدرالدین محمود بن اسرائیل (صاحب جامع الفصولین) (۳۶) شیخ عالم بن صاحبِ تاتارخانیہ
(۳۷)امام فقیہہ صاحبِ فتاوٰی حجہ (۳۸)امام عبدالوہاب شعرانی
(۳۹)امام یافعی (۴۰)امام اوحد ابوالحسن شطنوفی
(۴۱)امام ابن حجر مکی (۴۲)امام محمد صاحب مدحیہ بردہ شریف
(۴۳) حضرت مولانا جامی (۴۴) حضرت مولوی معنوی
(۴۵) حضرت سید عبدالعزیز دباغ (۴۶) حضرت سیدی علی خواص
(۴۷) حضرت خواجہ بہاؤالحق والدین (۴۸) حضرت خواجہ عزیزان رامتینی
(۴۹) حضرت شیخ اکبر (۵۰) حضرت سیدی علی وفا
(۵۱) حضرت سیّدی رسلان دمشقی (۵۲) حضرت سیدی ابوعبداللہ شیرازی
(۵۳) حضرت سیدی ابوسلیمان درانی (۵۴) حضرت قطبِ کبیر سید احمد رفاعی
(۵۵) حضور قطب الاقطاب سیدنا غوث اعظم (۵۶) حضرت امام علی رضا
(۵۷) حضرت امام جعفر صادق (۵۸) حضرت عالیہ دیگر آئمہ اطہار
(۵۹)امام مجاہد (۶۰) حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس
(۶۱) حضور سیدنا امیرالمومنین علی مرتضٰی (۶۲) عامہ صحابہ کرام
(۶۳) حضرت خضر بلکہ (۶۴) حضرت موسٰی بلکہ
(۶۵) (خاک بہ دہن دشمنان) خود حضور سیدالانبیاء (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) بلکہ
(۶۶) (لعنۃ اللہ علی الظالمین) خود اللہ رب العالمین

ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1]۔	نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی و عظمت والے خدا کی طرف سے۔ عنقریب ظالم جانیں گے کس لوٹنے کی جگہ لوٹتے ہیں۔(ت)

یہ گنتی میں تو چھیاسٹھ ہیں اور ان میں آئمہ اہلسنت، مصنفانِ عقائد جن کا حوالہ علامہ شامی نے دیا، اور آئمہ اطہار جن کا حوالہ علامہ سید شریف نے اور تمام صحابہ کرام جن کا حوالہ امام قسطلانی وعلامہ زرقانی نے دیا سب خود جماعتیں ہیں۔

اور ہے یہ کہ جب اللہ ورسول تک نوبت ہے تو اگلے پچھلے جن وانس وملائک تمام مومنین سب ہی وہابیہ کی تکفیر میں آگئے۔

ان بے دینوں کا تماشا دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بدگویوں کی تکفیر ہوئی اس پر کیا کیا روئے ہیں کہ ہائے سارے جہان کو کافر کہہ دیا۔ (گویا جہان انہیں ڈھائی نفروں سے عبارت ہے) ہائے اسلام کا دائرہ تنگ کردیا (گویا اسلام ان بے دینوں کے قافیہ کا نام ہے ان کا قافیہ تنگ ہوا تو اسلام ہی کا دائرہ تنگ ہوگیا۔

اور خود یہ حالت کہ اشقیاء نہ علماء کو چھوڑیں، نہ اولیاء کو نہ صحابہ کو نہ مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کو نہ جناب کبریا (عزوجلالہ) کو سب پر حکم کفر لگائیں اور خود ہٹے کٹے مسلمانوں کے بچے بنے رہیں "اَلَا لَعۡنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۸﴾ "[2] (خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ت) ہاں ہاں وہابیو! گنگوہیو! دیوبندیو! تھانویو دہلویو! امرتسریو! بات کے پکے اور قول کے سچے ہو تو آنکھیں بند کرکے منہ کھول کر صاف کہہ ڈالو کہ ہاں ہاں شاہ ولی اللہ سے لے کر فقہاء محدثین مفسرین، متکلمین اکابر علماء، اکابر علماء، سے لے کر اولیاء اولیاء سے لے کر آئمہ اطہار، آئمہ اطہار سے لے کر انبیاء عظام، انبیاء عظام سے لے کر سید الانبیاء، سید الانبیاء (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) سے لے کر واحد قہار تک تمہارے دھرم میں سب کافر ہیں، اس کی بحث ہے اس میں کلام ہے۔ دو چار، دس بیس عبارات تخصیص دکھانے، کروٹیں بدلنے، کہنے، مکرنے، اڑے اڑے پھرنے سے کام نہیں چلتا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

یہ کہنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے، مگر نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک دامنوں سے وابستہ ہے، احمد رضا کا سلسلہ اعتقاد علماء، اولیاء آئمہ صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے اللہ رب العالمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین ع

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ

(اگرچہ ہم چھوٹے ہیں مگر نسبت بُلند ہے۔ت)

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ، پر اللہ عزوجل کی بے شمار رحمتیں، کیا خوب فرمایا ہے:

رومی سخن کفر نگفتست و نگوید، منکر مشوید ش

کافر شود آنکس کہ بانکار بر آمد مردود جہاں شد

(رومی نے کفر کی بات نہیں کہی ہے اور نہ کہے گا۔ اس کے منکر مت ہو۔ کافر وہ شخص ہوتا ہے جس نے انکار ظاہر کیا مردود جہاں ہو گیا۔ت)

اب اپنا ہی حال سوجھو کہ تمہاری آگ کا لوکا کہاں تک پہنچا جس نے علماء، اولیاء وائمہ و صحابہ وانبیاء و مصطفٰی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) و حضرت کبریا (جل وعلا) سب پر معاذ اللہ وہی معلون حکم لگا دیا اور کافر شود مردود جہاں شد کا تمغہ لیا۔

پھر کیا تمہاری یہ آگ اللہ و روسول (جل وعلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کو ضرر پہنچائے گی؟ حاش للہ بلکہ تمہیں کو جلائے گی، اور بے توبہ مرے تو اِن شاء اللہ القہار ابد الاباد تک "ذق انّك انت الاشرف الرشید" (اس کا مزہ چکھ بے شک تو اشرف رشید ہے۔ ت) کا مزہ چکھائے گی۔

پھر بھی ہم کہیں گے انصاف ہی کی۔ تمام آئمہ واولیاء و محبوبانِ خدا کو تم کافر کہو تو جائے شکایت نہیں، انہوں نے قصور ہی ایسا کیا ہے، ابلیس کی وسعتِ علم مانی تمہارے کلیجے کا سکھ آنکھوں کی ٹھنڈک ہوئی، براہینِ قاطعہ میں جس کا گیت گایا ہے، انہوں نے یہ تو کہا نہیں، لے کر چلے وسعتِ علم تمہارے دشمن محمد رسول اللہ اور ان کے غلاموں کی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہ وسلم پھر ان پر کیوں نہ یہ حکم جڑو کہ کون سا ایمان کا حصہ ہے۔

یہاں تک تو تم پر آسانی تھی مگر ذرا خدا کی تکفیر ٹیڑھی کھیر ہوگی، کاذب تو کہہ دیا کافر کہتے کچھ تو آنکھ جھپکے گی، اور سب سے بڑھ کر پتھر کے تلے دامن جناب شاہ ولی اللہ صاحب کا معاملہ ہے جسے وہابیہ کے لیے سانپ کے منہ کی چھچھوندر کہیے تو بجا ہے، نہ اگلتی بنتی ہے نہ نگلتے، وہ کہہ کر چل بسے کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ان کے غلاموں عارفوں پر ہر چیز روشن ہوتی ہے، وہ ہر علم ہر حال کی حقیقت کو پہنچے ہوتے ہیں، وفات تک جو کچھ آنے والا ہے ہر حال کی اس وقت خبر رکھتے ہیں کہاں تو وہ مجالس میلاد پر اطلاع ماننے سے گنگوہی بہادر کا گھنڈ شرک بلکہ اوندھی سمجھ میں ایک ہی نکاح کی خبر ماننے سے وہ فتاوٰی حنفیہ کی تکفیریں اور کہاں یہ ولی الٰہی بڑے بول جو کھال لگی رکھیں نہ ڈھول۔ اب انہیں کافر نہیں کہے تو غریب سنیوں کی تکفیر کیسے بن پڑے اور وہابیت کی مٹی پلید ہو وہ الگ، اور اگر دل کڑا کرکے ان پر بھی کفر کی جڑ دی تو وہابیت بیچاری کا کٹھم ناٹھ ہوگیا۔ ان کے کافر ہوتے ہی اسمٰعیل جی کہ انہیں کے گیت گائیں، انہیں کو امام ومقتدا وپیر وپیشوا وحکیم اُمت وصاحب وحی وعصمت مانیں، کافر در کافر، کافروں کے بچے، کافروں کے چیلے ہوئے اور تم سب کہ اسمٰعیل جی کے شاہ صاحب کے معتقد ومداح بنتے تھے۔ تو ساتھ لگے گیہوں کے گھن تم سب کے سب کافرانِ کہن اللہ اللہ کفر کو بھی تم سے کیا محبت ہے کہ کسی پہلو چلو، کوئی روپ بدلو وہ ہر پھر کر تمہارے ہی گلے کا ہار ہوتا ہے۔

گر براند نرود ور برود باز آید ‌ ‌ ‌ ‌ مگسِ کفر بود خالِ رخ وہابی

(اگر بھگائے تو نہیں جاتی اور اگر جائے تو لوٹ آتی ہی کفر کی مکھی وہابی کے چہرے کا تل ہے۔ت)

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۠۳۳ "[1] وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیّدنا ومولٰینا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، والحمد للہ رب العلمین۔	مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی ہے، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے اور درود نازل فرمائے اللہ تعالٰی ہمارے آقا ومولٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام اصحاب پر، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے سب جہانوں کا۔ (ت)

فقیر احمد رضا خان قادری عفی عنہ ‌ ‌ ‌ ‌ از بریلی ۱۴ ربیع الاول شریف روز شنبہ ۱۳۲۸ھ

رسالہ خالص الاعتقاد ختم ہوا۔

[1] القرآن الکریم ۶۸ / ۳۳

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
اِنبآءُ المصطفٰی بحال سِرّ واخفٰی ۱۳۱۸ھ
(مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خبر دینا پوشیدہ کی اور پوشیدہ ترین کی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۴۸: از دہلی چاندنی چوک موتی بازار، مرسلہ بعض علماء اہلسنت ۲۱ ربیع الاخر شریف ۱۳۱۸ھ

حضرت علمائے کرام اہلسنت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید [عہ] دعوی کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو حق تعالٰی نے علم غیب عطا فرمایا ہے، دنیا میں جو کچھ ہوا اور ہوگا حتی کہ بدء الخلق سے لے کر دوزخ وجنت میں داخل ہونے تک کا تمام حال اور اپنی امت کا خیر وشر تفصیل سے جانتے ہیں۔ اور جمیع اولین وآخرین کو اس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جس طرح اپنے کفِ دست مبارک کو، اور اس دعوے کے ثبوت میں آیات واحادیث واقوالِ علماء پیش کرتا ہے۔

بکر اس عقیدے کو کفر وشرک کہتا ہے اور بکمال درشتی دعوی کرتا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کچھ نہیں جانتے، حتی کہ آپ کو اپنے خاتمے کا حال بھی معلوم نہ تھا، اور اپنے اس دعوے کے

عہ: زید سے مراد جناب مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی مرحوم ہیں۔

اثبات میں کتاب تقویۃ الایمان کی عبارتیں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی نسبت یہ عقیدہ کہ آپ کو علمِ ذاتی تھا خواہ یہ کہ خدا نے عطا فرمادیا تھا۔ دونوں طرح شرک ہے۔
اب علمائے ربانی کی جناب میں التماس ہے کہ ان دونوں سے کون برسرِ حق موافق عقیدہ سلف صالح ہے اور کون بدمذہب جہنمی ہے، نیز عمرو کا دعوی ہے کہ شیطان کا علم معاذ اللہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے۔ اس کا گنگوہی مرشد اپنی کتاب براھین قاطعہ کے صفحہ ۴۷ پر یوں لکھتا ہے کہ شیطان کو وسعتِ علم نص سے ثابت ہوئی فخر عالم کی وسعتِ علم کی کون سی نص قطعی ہے[1]۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللھم لك الحمد سرمدًا صل وسلم وبارك علی من علمته الغیب و نزھته من کل عیب وعلی اٰله وصحبه ابدًا رب انی اعوذبك من ھمزات الشیاطین واعوذبك رب ان یحضرون۔	اے اللہ تمام تعریفیں ہمیشہ ہمیشہ تیرے لیے ہیں، درود و سلام اور برکت نازل فرما اس پر جس کو تو نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے اور اس کو ہر عیب سے پاک بنایا ہے اور اس کی آل و اصحاب پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اے میرے پروردگار! تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے، اور اے میرے پروردگار! تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ (ت)

زید کا قول حق و صحیح اور بکر کا زعم مردود و قبیح ہے۔ بے شک حضرت عزت عزت عظمتہ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو تمامی اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا۔ شرق تا غرب، عرش تا فرش سب انہیں دکھایا۔ ملکوت السموت والارض کا شاہد بنایا، روزِ اول سے روزِ آخر تک سب ماکان ومایکون انہیں بتایا، اشیائے مذکورہ سے کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔ علم عظیم حبیب کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ان سب کو محیط ہوا۔ نہ صرف اجمالاً بلکہ صغیر وکبیر، ہر رطب و یابس، جو پتّہ گرتا ہے، زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ کہیں پڑا ہے سب کو جدا جدا تفصیلاً جان لیا، للہ الحمد کثیرًا۔ بلکہ یہ جو کچھ بیان ہوا ہر گز ہر گز محمد رسول اللہ کا پورا علم نہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین وکرّم، بلکہ علم حضور سے ایک چھوٹا حصہ ہے، ہنوز احاطہ علم محمدی میں وہ ہزار دوہزار بے حد و کنار سمندر

---
[1] البراہین القاطعہ بحث علمِ غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھورص ۵۱

لہرا رہے ہیں جن کی حقیقت کو وہ خود جانیں یا ان کا عطا کرنے والا ان کا مالک و مولٰی جل وعلا الحمد للہ العلی الاعلٰی۔

کُتب حدیث و تصانیف علمائے قدیم و حدیث میں اس کے دلائل کا بسط شافی اور بیان وافی ہے اور اگر کچھ نہ ہو تو بحمد اللہ قرآن عظیم خود شاہد عدل و حکم فصل ہے۔

آیاتِ قُرآنی: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۸۹"[1]۔	اتاری ہم نے تم پر کتاب جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت و رحمت و بشارت۔

قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ"[2]۔	قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شے کا صاف جدا جدا بیان ہے۔

وقال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ"[3]۔	ہم نے کتاب میں کوئی شے اٹھا نہیں رکھی۔

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ت) جب فرقان مجید میں ہر شے کا بیان ہے اور بیان بھی کیسا، روشن اور روشن بھی کس درجہ کا، مفصل، اور اہلسنت کے مذہب میں شے ہر موجود کو کہتے ہیں، تو عرش تا فرش تمام کائنات جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے اور منجملہ موجودات کتابت لوح محفوظ بھی ہے تا بالضرورت یہ بیانات محیط، اس کے مکتوب بھی بالتفصیل شامل ہوئے۔ اب یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھئے کہ لوح محفوظ میں کیا لکھا ہے۔ **قال اللہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝۵۳"[4]۔	ہر چھوٹی بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۱۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۳۸

[4] القرآن الکریم ۵۴/ ۵۳

وقال اللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

[1] "وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِيٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿١٢﴾"۔	ہر شَے ہم نے ایک روشن پیشوامیں جمع فرمادی ہے۔

وقال اللہ تعالٰی اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿٥٩﴾" [2]۔	کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہے۔

اور اصول میں مبرہن ہوچکا کہ نکرہ حیز نفی میں مفید عموم ہے اور لفظ کُل تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہو کر مستعمل ہی نہیں ہوتا اور عام افادہ استغراق میں قطعی ہے، اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی۔بے دلیل شرعی تخصیص وتاویل کی اجازت نہیں۔ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے، نہ احادیث احاد اگرچہ کیسے ہی اعلٰی درجے کی ہوں، عمومِ قرآن کی تخصیص کرسکیں بلکہ اس کے حضور مضمحل ہوجائیں گی بلکہ تخصیص متراخی نسخ ہے اور اخبار کا نسخ ناممکن اور تخصیص عقلی عام کو قطعیت سے نازل نہیں کرتی نہ اس کے اعتماد پر کسی ظنی سے تخصیص ہوسکے تو بحمد اللہ تعالٰی کیسے نص صحیح قطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور صاحبِ قرآن صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے تمام موجودات جملہ ماکان ومایکون الی یوم القیمۃ جمیع مندرجاتِ لوح محفوظ کا علم دیا اور شرق وغرب وسماء وارض وعرش فرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔وللہ الحجۃ الساطعۃ

اور جب کہ یہ علم قرآن عظیم کے "تِبْيَٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" [3]۔(ہر چیز کا روشن بیان۔ت) ہونے نے دیا،

اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمام کلام مجید کا ہے، نہ ہر آیت یا سورت کا، تو نزول جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نسبت ارشاد ہو "لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ" [4]۔(ان کا قصّہ ہم نے آپ پر بیان نہیں کیا۔ت) یا منافقین کے باب میں فرمایا جائے: "لَا تَعْلَمُهُمْ" [5]۔(آپ ان کو نہیں جانتے۔ت) ہر گز ان آیات کے منافی اور علمِ مصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمدللہ جس قدر قصص وروایات واخبار وحکایاتِ علم عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

---

[1] القرآن الکریم ۳۶/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۶/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹

[4] القرآن الکریم ۴۰/ ۷۸

[5] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۱

کے گھٹانے کو آیاتِ قطعیہ قرآنیہ میں پیش کی جاتی ہیں ان سب کا جواب انہیں دو فقروں میں ہوگیا ہے دو حال سے خالی نہیں، یا تو ان قصص سے تاریخ معلوم ہو گی یا نہیں، اگر نہیں تو ان سے استدلال درست نہیں کہ جب تاریخ مجہول تو ان کا تمامی نزولِ قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول اور اگر ہاں تو دو حال سے خالی نہیں یا وہ تاریخ تمامی نزول سے پہلے کی ہو گی یا بعد کی، پہلی صورت میں استدلال کرنا درست نہیں، بر تقدیر ثانی اگر مدعائے مخالف میں نص صریح نہ ہو تو استناد محض خرط القتاد، مخالفین جو پیش کرتے ہیں سب انہیں اقسام کی ہیں۔ ان آیات کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح صریح قطعی الافادہ نہیں دکھا سکتے، اور اگر بفرض غلط تسلیم ہی کرلیں تو ایک یہی جواب جامع و نافع و نافی و قامع سب کے لیے شافی وکافی، کہ عموم آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض غلط ہے۔ اس مطلب پر تصریحاتِ آئمہ اصول سے احتجاج کروں اس سے یہی بہتر ہے کہ خود مخالفین کے بزرگوں کی شہادت پیش کروں۔ ع

مدعی لاکھ پرہ بھاری ہے گواہی تیری

نصوص قطعیہ قرآن عظیم کے خلاف پر احادیث احاد کا سُنا جانا بالائے طاق، یہ بزرگوار صاف تصریح کرتے ہیں کہ یہاں خبر واحد سے استدلال ہی جائز نہیں، نہ اصلاً اس پر التفات ہوسکے، اسی براہین قاطعہ ما امر اللہ بہ ان یوصل میں اسی مسئلہ علم غیب کی تقریر یوں لکھتے ہیں: عقائد مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہوجائیں، بلکہ قطعی ہیں، قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبرِ واحد یہاں بھی مفید نہیں، لہٰذا اس کا اثبات اس وقت قابلِ التفات ہو کہ قطعیات سے اس کو ثابت کرے[1]۔

نیز صفحہ ۸۱ پر لکھا: اعتقادات میں قطعیات کا اعتبار ہوتا ہے، نہ ظنیاتِ صحاح کا[2]۔

صفحہ ۸۷ پر ہے: احاد صحاح بھی معتبر نہیں، چنانچہ فنِ اصول میں مبرہن ہے[3]۔

الحمدُ للہ تمام مخالفین کو دعوتِ عام ہے **فاجمعوا شرکاء کم** (اپنے شرکاء کو جمع کرلو۔ ت)

---

[1] البراھین القاطعہ بحث علم غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۵۱

[2] البراھین القاطعہ شب جمعہ میں ارواح کے اپنے گھر آنے کے اثبات میں روایات سب مخدوش ہیں ص ۸۹

[3] البراھین القاطعہ مسئلہ فاتحہ اعتقادیہ ہے اس میں ضعاف کیا احادِ صحاح بھی قابلِ اعتماد نہیں ص ۹۶

چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف صریح طور پر ثابت ہو کہ تمام نزولِ قرآن عظیم کے بعد بھی اشیائے مذکورہ ماکان ومایکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔

"فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا"[1]۔ فاعلموا "اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ كَيۡدَ الۡخَآٮِٕنِيۡنَ ﴿۵۲﴾"[2]۔	اگر ایسی نص نہ لاسکو اور ہم کہے دیتے ہیں کہ ہر گز نہ کرسکو گے، تو خوب جان لو کہ اللہ راہ نہیں دیتا دغا بازوں کے مکر کو۔

والحمدللہ رب العالمین (اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) یہی مولوی رشید احمد صاحب پھر لکھتے ہیں: خودِ فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں واللہ لاادری مایفعل بی ولا بکم (الحدیث)
(اور بخدا میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا ہوگا اور تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ت)
اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں[3]۔
قطع نظر اس سے کہ اس آیت وحدیث کے کیا معنی ہیں اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں اور قطع نظر اس سے کہ خود قرآن عظیم واحادیثِ صحیحہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا ناسخ موجود کہ جب آیۂ کریمہ:

"لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ"[4]۔	(تاکہ اللہ بخش دے تمہارے واسطے سے سب اگلے پچھلے گناہ)

نازل ہوئی توصحابہ نے عرض کی:

هنيألك يارسول الله لقد بيّن الله لك ماذا يُفعل بك	یارسول اللہ! آپ کو مبارک ہو، خدا کی قسم! اللہ عزوجل نے یہ تو صاف بیان فرمادیا کہ حضور کے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴
[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۲
[3] البراہین القاطعہ بحث علمِ غیب مطبع لے بلاساواقع ڈھور ص ۵۱
[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۲

فماذا یُفعل بنا[1]۔	ساتھ کیا کرے گا، اب رہا یہ کہ ہمارے ساتھ کیا کرے گا۔

اس پر یہ آیت اُتری:

"لِّیُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا وَ یُکَفِّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عِنۡدَ اللّٰہِ فَوۡزًا عَظِیۡمًا ۙ"[2]۔	تاکہ داخل کرے اللہ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور مٹا دے ان سے ان کے گناہ، اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔

یہ آیت اور ان کے امثال بے نظیر اور یہ حدیث جلیل و شہیر۔

رہا شیخ عبدالحق کا حوالہ، قطع نظر اس سے کہ روایت و حکایت میں فرق ہے، اس بے اصل حکایت سے استناد اور شیخ محقق قدس سرہ العزیز کی طرف اسناد کیسی جرات و وقاحت ہے، شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج شریف میں یوں فرمایا ہے:

اینجا اشکال می آرند کہ در بعض روایات آمدہ است کہ گفت آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم من بندہ ام نمی دانم آں چہ درپس ایں دیوار ست، جوابش آنست کہ ایں سخن اصلے نہ دارد، وروایت بداں صحیح نشدہ است[3]۔	اس موقعہ پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بندہ ہوں مجھے معلوم نہیں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسکی کوئی اصل نہیں اور یہ روایت صحیح نہیں۔

ایسا ہی لاتقربوا الصلوۃ (نماز کے قریب مت جاؤ۔ت) پر عمل کروگے تو خوب چین سے رہوگے ع

اس آنکھ سے ڈریئے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

امام ابن حجر عسقلانی (رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) فرماتے ہیں۔ لَا اَصۡلَ لَہٗ[4]۔ یہ حکایت محض

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی ۲/ ۶۰۰ و سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۷۴ ۵/ ۱۷۶

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۵

[3] مدارج النبوت لاعلم ماورای جداری ایں سخنے اصل ندارد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۷

[4] المواہب الدنیۃ المقصد الثالث الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۸

بے اصل ہے۔

امام ابن حجر مکی نے افضل القری میں فرمایا: **لم یُعرف سَنَد**[1]۔ اس کے لیے کوئی سند نہ پہچانی گئی۔

افسوس اسی منہ سے مقام اعتقادیات بتانا، احادیثِ صحیحہ بھی نامقبول ٹھہرنا، اسی منہ سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا علمِ عظیم گھٹا کر ایسی بے اصل حکایت سے سند لانا اور ملمع کاری کے لیے شیخ محقق کا نام لکھ جانا جو صراحۃً فرمارہے ہیں کہ اس حکایت کی جڑ نہ بنیاد، آپ اس کے سوا کیا کہیے کہ ایسوں کی داد نہ فریاد۔ اللہ اللہ نبی صل اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مناقب عظیمہ اور باب فضائل سے نکلوا کر اس تنگنائے میں داخل کرائیں تاکہ صحیحین بخاری و مسلم کی حدیثیں بھی مردود بنائیں اور حضور کی تنقیص شان میں یہ فراخی دکھائیں کہ بے اصل بے سند مقولے سب سما جائیں۔ ع

حال ایمان کا معلوم ہے بس جانے دو

بالجملہ بحمداللہ تعالٰی زید سُنی حفظہ اللہ تعالٰی کا دعوٰی آیات قطعیہ قرآنیہ سے ایسے جلیل و جمیل طور سے ثابت جس میں اصلاً مجال دم زدن نہیں، اگر یہاں کوئی دلیل ظنّی تخصیص سے قائم بھی ہوتی تو عموم قطعی قرآن عظیم کے حضور مضمحل ہوجاتی۔ نہ کہ صحیح مسلم و صحیح بخاری وغیرہا سُنن وصحاح ومسانید ومعاجیم کی احادیث صریحہ، صحیحہ، کثیرہ، شہیرہ اس عموم واطلاق کی اور تاکید وتائید فرمارہی ہیں۔

احادیثِ مبارکہ:

صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قام فینا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقامًا ماترك شیئا یکون فی مقامه ذلك الی قیام الساعة الّا حدّث به حفظه من حفظه ونسیه من نسیه[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ہم میں کھڑے ہوکر ابتدائے آفرینش سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا، کوئی چیز نہ چھوڑی، جسے یاد رہا یاد رہا، جو بھول گیا بھول گیا۔

[1] افضل القرا القراء ام القرٰی

[2] مشکوۃ المصابیح برمز متفق علیه کتاب الفتن الفصل الاول مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۶۱، صحیح مسلم کتاب الفتن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۹۰، مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۸۵ و ۳۸۹

یہی مضمون احمد نے مسند، بخاری نے تاریخ، طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔
صحیح بخاری شریف میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے:

"قام فینا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقامًا فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اھل الجنۃ منازلھم و اھل النار منازلھم حفظ ذٰلك من حفظہ ونسیہ من نسیہ[1]۔	ایک بار سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ہم میں کھڑے ہو کر ابتدائے آفرینش سے لے کر جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے دوزخ جانے تک کا حال ہم سے بیان فرمادیا۔ یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھول گیا جو بھول گیا۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت عمرو بن اخطب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ فجر سے غروبِ آفتاب تک خطبہ فرمایا، بیچ میں ظہر وعصر کی نمازوں کے علاوہ کچھ کام نہ کیا فاخبرنا بما ھو کائن الی یوم القیمۃ فاعلمنا احفظہ[2]۔ اس میں سب کچھ ہم سے بیان فرمادیا جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا ہم میں زیادہ علم والا وہ ہے جسے زیادہ یاد رہا۔ جامع ترمذی شریف وغیرہ کتب کثیرۂ آئمہ حدیث میں باسانید عدیدہ وطرق متنوعہ دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فرأیتہ عزّوجل وضع کفّہ بین کتفیّ فوجدت بردانا ملہ بین ثدّی فتجلّی لی کل شیئ وعرفت[3]۔	میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اس نے اپنا دستِ قدرت میری پشت پر رکھا کہ میرے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی اسی وقت ہر چیز مجھ پر روشن ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں:

ھذا حدیث حسن سألت محمد بن اسمٰعیل	یہ حدیث حسن صحیح ہے، میں نے امام بخاری سے

[1] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق باب ماجاء فی قول اللہ وھو الذی یبدء الخلق الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۳
[2] صحیح مسلم کتاب الفتن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۹۰
[3] سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۴۶ دار الفکر بیروت ۵/۱۶۰

عن هذا الحديث فقال صحيح [1]۔	اس کا حال پوچھا، فرمایا صحیح ہے۔

اسی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اسی معراج منامی کے بیان میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

فعلمت ما في السمٰوٰت وما في الارض [2]۔	جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب میرے علم میں آگیا۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

پس دانستم ہرچہ در آسمانہا وہرچہ در زمین ہابود عبارت است از حصولِ تمامہ علوم جزوی وکلّی واحاطہ آں [3]۔	چنانچہ میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے یہ تعبیر ہے تمام علوم کے حصول اور ان کے احاطہ سے چاہے وہ علوم جزوی ہوں یا کُلی۔ (ت)

امام احمد مسند اور ابن سعد طبقات اور طبرانی معجم میں بسند صحیح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابویعلٰی وابن منیع و طبرانی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

لقد تركنا رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم وما يحرّك طائر جناحيه في السمّاء الّا ذكر لنا منه علما [4]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس حال پر چھوڑا کہ ہوا میں کوئی پرندہ پر مارنے والا ایسا نہیں جس کا علم حضور نے ہمارے سامنے بیان نہ فرمادیا ہو۔

نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض وشرح زرقانی للمواہب میں ہے:

هذا تمثيل لبيان كل شيئ تفصيلا	یہ ایک مثال دی ہے اس کی کہ نبی کریم صلی اللہ

---

[1] سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۴۶ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۶۱

[2] سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۲۴۴ دار الفکر بیروت ۵/ ۱۵۹

[3] اشعۃ اللمعات کتاب الصلوۃ باب المساجد و مواضع الصلوۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۳۳۳

[4] مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر غفاری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۵۳، مجمع الزوائد عن ابی الدرداء کتاب علامات النبوۃ باب فیما اوتی من العلم. الخ دار الکتاب ۸/ ۲۶۴

تارۃً واجمالًا اُخرٰی[1]۔	تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ہر چیز بیان فرمادی، کبھی تفصیلًا کبھی اجمالًا۔

مواہب امام قسطلانی میں ہے:

ولا شك ان اللہ تعالٰی قد اطلعه علٰی اَزْیَدَ من ذٰلك والقٰی علیه علم الاوّلین والاخرین[2]۔	اور کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اس سے زیادہ علم دیا اور تمام اگلے پچھلوں کا علم حضور پر القاء کیا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

طبرانی معجم کبیر اور نصیم بن حماد کتاب الفتن اور ابونعیم حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والٰی ما هو کائن فیها الٰی یوم القیامة کانّما انظر الٰی کفی هذه جلیان من اللہ جلّاہ لنبیّه کما جلّاہ لنبیّین من قبله[3]۔	بے شک میرے سامنے اللہ عزوجل نے دنیا اٹھالی ہے اور میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کچھ ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اس روشنی کے سبب جو اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے محمد سے پہلے انبیاء کے لیے روشن کی تھی۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اس حدیث ہے کہ جو کچھ سماوات وارض میں ہے اور جو قیامت تک ہوگا اس سب کا علم اگلے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی عطا ہوا تھا اور حضرت عزت عزوجلالہ نے اس تمام ماکان ومایکون کو اپنے ان محبوبوں کے پیش نظر فرمادیا، مثلًا مشرق سے مغرب تک سماک سے سمک تک، ارض سے فلک

---

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل و من ذٰلك مااطلع الخ مرکز اہلسنت برکایت رضا گجرات ۳ /۱۵۳، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الثامن الفصل الثالث القسم الثانی دار المعرفۃ بیروت ۷ /۲۰۶

[2] المواہب اللدنیہ المقصد الثامن الفصل مااخبر بہ صلی اللہ علیہ وسلم من الغیب المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۵۶۰

[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۳۸ حدید بن کریب دار لکتاب العربی بیروت ۶ /۱۰۱، کنز العمال حدیث ۳۱۸۱۰ و ۳۱۹۷۱ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱ /۳۷۸ و ۴۲۰

تک اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے، سیدنا ابراہیم خلیل علیہ الصلوۃ والسلام والتسلیم ہزار ہا برس پہلے اس سب کو ایسا دیکھ رہے تھے گویا اس وقت ہر جگہ موجود ہیں، ایمانی نگاہ میں یہ نہ قدرتِ الٰہی پر دشوار اور نہ عزت و وجاہت انبیاء کے مقابل بسیار، مگر معترض بیچارے جن کے یہاں خدائی کی حقیقت اتنی ہو کہ ایک پیڑ کے پتّے گن دیئے وہ آپ ہی ان حدیثوں کو شرک اکبر کہنا چاہیں اور جو آئمہ کرام و علمائے اعلان ان سے سند لائے، انہیں مقبول مسلم رکھتے آئے، جیسے امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی مصنف خصائص کبری و امام شہاب احمد محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنّیہ و امام ابوالفضل شہاب ابن حجر مکی ہیثمی شارح ہمزیہ و علامہ شہاب احمد مصری خفاجی صاحب نسیم الریاض شرح شفاء قاضی عیاض و علامہ محمد عبدالباقی زرقانی شارح مواہب وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی انہیں مشرک کہیں۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

صحیح مسلم و مسند امام احمد و سُنن ابنِ ماجہ میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

عرضت علیّ امتی باعمالھا حسنھا وقبیحھا[1]۔	میری ساری اُمت اپنے سب اعمالِ نیک و بد کے ساتھ میرے حضور پیش کی گئی۔

طبرانی اور ضیاء مختارہ میں حذیفہ بن اُسید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"عرضت علیّ امتی البارحۃ لدی ھٰذہ الحجرۃ حتی لانا اعرف بالرّجل منھم من احد کم بصاحبہ[2]۔	گزشتہ رات مجھ پر میری اُمّت اس حجرے کے پاس میرے سامنے پیش کی گئی بے شک میں ان کے ہر شخص کو اس سے زیادہ پہچانتا ہوں جیسا تم میں کوئی اپنے ساتھی کو پہچانے۔

والحمدللہ ربّ العالمین (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد باب النہی عن البصاق فی المسجد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۰۷، مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۱۸۰

[2] المعجم الکبیر حدیث ۳۰۵۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۸۱، کنز العمال حدیث ۳۱۹۱۱ موسستہ الرسال بیروت ۱۱/ ۴۰۸

اقوال ائمہ کرام:

امام اجل سیّدی بوصیری قدس سرہ، ام القری میں فرماتے ہیں:

وسع العالمین علمًا وحکمًا[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا علم وحکمت تمام جہان کو محیط ہوا۔

امام ابن حجر مکی اس کی شرح افضل القری میں فرماتے ہیں:

لانّ اللّٰہ تعالٰی اطلعه علی العالم فعلم علم الاولین والاٰخرین وماکان ومایکون[2]۔	یہ اس لیے کہ بے شک عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہان پر اطلاع بخشی تو سب اگلے پچھلوں اور ماکان ومایکون کا علم حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوگیا۔

امام جلیل قدوۃ المحدثین سیدی زین الدین عراقی استاذ امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی شرح مہذب میں پھر علامہ خفاجی نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

ان صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم عرضت علیه الخلائق من لدن اٰدم علیه الصلوة والسلام الی قیام الساعة فعرفهم کلهم کما عُلّم اٰدم الاسماء[3]۔	حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے لے کر قیامِ قیامت تک کی تمام مخلوقات الٰہی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو پیش کی گئی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے جمیع مخلوقات گزشتہ اور آئندہ سب کو پہچان لیا۔ جس طرح آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام نام سکھائے گئے تھے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر میں فرماتے ہیں:

النفوسُ القدسیّة اذا تَجَرَّدَتْ عن العلائق البدنیة اتصلت بالملاء الاعلٰی ولم یبق لها حجاب	پاکیزہ جانیں جب بدن کے علاقوں سے جدا ہو کر عالمِ بالا سے ملتی ہیں ان کے لیے کوئی پردہ نہیں رہتا ہے وہ ہر چیز کو ایسا دیکھتی اور

---

[1] مجموع المتون متن قصیدۃ الھمزیۃ فی مدح خیر البریۃ الشؤن الدینیہ دولتہ قطر ص ۱۸

[2] افضل القراء لقراء ام القرٰی

[3] نسیم الریاض الباب الثالث الفصل الاول فیما ورد من ذکر مکانتہ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۲/ ۲۰۸

فتزی وتسمع الکل کالمشاھد [1]۔	سنتی ہیں جیسے پاس حاضر ہیں۔

امام ابن الحاج مکی مدخل امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں:

قد قال علماءُ نا رحمھم اللہ تعالٰی لا فرق بین موتہ وحیاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی مشاھدتہ لامّتہ و معرفتہ باحوالھم و نیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذٰلك جلی عندہ لاخِفاء بہ [2]۔	بے شک ہمارے علمائے کرام رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی حالت دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے اس بات میں کہ حضور اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں ان کے ہر حال، ان کی ہر نیت، ان کے ہر ارادے، ان کے دلوں کے ہر خطرے کو پہچانتے ہیں، اور یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر ایسی روشن ہیں جن میں اصلاً کسی طرح کی پوشیدگی نہیں۔

یہ عقیدے ہیں علمائے ربانیین کے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی جناب ارفع میں، جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

شیخ شیوخ علمائے ہند مولانا شیخ محقق نور اللہ تعالٰی مرقدہ المکرم مدارج شریف میں فرماتے ہیں:

ذکر کن اُو را ودرود بفرست بروے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وباش در حال ذکر گویا حاضر ست پیش او در حالتِ حیات ومی بینی تو او رامتادب باجلال و تعظیم و ہیبت وامید بداں کہ وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم می بیند ومی شنود کلام ترا زیرا کہ وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	ان کی یاد کر اور ان پر درود بھیج، اور ذکر کے وقت ایسے ہو جاؤ گویا تم ان کی زندگی میں ان کے سامنے حاضر ہو اور ان کو دیکھ رہے ہو، پورے ادب اور تعظیم سے رہو، ہیبت بھی ہو اور امید بھی، اور جان لو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیکھ رہے ہیں اور تمہارا کلام سن رہے ہیں۔ کیونکہ وہ صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں اور

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث حیثما کنتم فصلوا علیّ الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۰۲

[2] المدخل لابن الحاج فصل فی الکلام علی زیارۃ سید المرسلین دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۲۵۲، المواھب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الثانی المکتب الاسلامی العربی بیروت ۴/ ۵۸۰

متصف است بصفات اللہ ویکے از صفات الٰہی آنست کہ انا جلیس من ذکرنی[1]۔	اللہ کی ایک صفت یہ ہے کہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اس کے پاس ہوتا ہوں۔

اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں شیخ محقق پر، جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا دیکھنا ہمیں بیان کیا بدانکہ بڑھایا تاکہ اسے کوئی گویا کے نیچے داخل نہ سمجھے، غرض ایمانی نگاہوں کے سامنے اس حدیث پاک کی تصویر کھینچ دی کہ:

اعبدِ اللہ کانّك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک[2]۔	اللہ تعالٰی کی عبادت کر، گویا تُو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھے تو وہ تو یقیناً تجھے دیکھتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں:

ہر چہ در دنیا است زمانِ آدم تا نفحہ اولٰی بروے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منکشف ساختند تاہمہ احوال راز اول تا آخر معلوم کرد و یاران خود را نیز بعضے از اں احوال خبر داد[3]۔	جو کچھ دنیا میں زمانہ آدم سے پہلے صور پھونکے جانے تک ہے ان (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) پر منکشف کردیا یہاں تک کہ انہیں اول سے آخر تک تمام احوال معلوم ہوگئے۔ انہوں نے بعض اصحاب کو ان احوال میں سے بعض کی اطلاع دی۔

نیز فرماتے ہیں:

وھو بکل شیئ علیم o ووے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دانا است ہمہ چیز از شیونات ذات الٰہی واحکام صفاتِ حق واسماء وافعال وآثار و جمیع علومِ ظاہر و باطن اول وآخر احاطہ نمودہ و مصداق فوق کل ذی علم علیم o علیہ من الصلوات افضلھا	وھو بکل شیئ علیم، اور وہ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سب چیزوں کو جاننے والے ہیں، احوالِ احکام الٰہی احکامِ صفاتِ حق، اسماء افعال آثار، تمام علوم ظاہر و باطن، اول وآخر کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اور فوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہیں، آپ پر افضل درود اور اتم

[1] مدارج النبوۃ باب یازدہم وصل نوع ثانی کہ تعلق معنوی است الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۲۶۱

[2] صحیح بخاری کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الایمان قدیمی کتب خانہ ۱/ ۱۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب سوال جبریل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۹

[3] مدارج النبوۃ کتاب الایمان باب پنجم وصل خصائص آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۱۴۴

من التحیات اتمہا واکملہا[1]۔	وہ اکمل سلام ہو۔ت)

شاہ ولی اللہ دہلوی، فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں:

فاضَ علیّ من جنابِہِ المقدّس صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کیفیۃُ ترقی العبدِ من حَیزہ الٰی حیزا لقدسِ فیتجلّٰی لہ حینئذٍ کُلُّ شیئٍ کما اخبرعن ھٰذا المشھد فی قصّۃِ المعراج المنامی[2]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس سے مجھ پر اس حالت کا علم فائض ہوا کہ بندہ اپنے مقام سے مقامِ قدس تک کیونکر ترقی کرتا ہے کہ اس پر ہر چیز روشن ہوجاتی ہے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس مقام سے معراج خواب کے قصے میں خبر دی۔

قرآن وحدیث واقوالِ آئمہ حدیث سے اس مطلب پر دلائل بے شمار ہیں اور خدا انصاف دے تو یہی اقل قلیل کہ مذکور ہوئے بسیار ہوئے، غرض شمس وامس کی طرح روشن ہوا کہ عقیدہ مذکورۂ زید کو معاذاللہ کفر وشرک کہنا خود قرآن عظیم پر تہمت رکھنا اور احادیث صحیحہ صریحہ شہیرہ کثیرہ کو رَد کرنا اور بہ کثرت آئمۂ دین واکابر علمائے عاملین واعظم علمائے کاملین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز صاحب کو بھی عیاذًا باللہ کافر ومشرک بنانا اور بحکم ظواہر احادیث صحیحہ وروایات معتمدہ فقہیہ خود کافر ومشرک بننا ہے اس کے متعلق احادیث وروایات واقوالِ آئمہ وترجیحات وتصریحات فقیر کے رسالہ النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید ورسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ علٰی کفریات ابی الوھابیۃ وغیرہا میں ملاحظہ کیجئے۔

افسوس کہ ان شرک فروش اندھوں کو اتنا نہیں سوجھتا کہ علمِ الٰہی ذاتی ہے اور علمِ خلق عطائی، وہ واجب یہ ممکن، وہ قدیم یہ حادث، وہ نامخلوق یہ مخلوق وہ نامقدور یہ مقدور، وہ ضروری البقا یہ جائز الفنا، وہ ممتنع التغیر یہ ممکن التبدّل۔ ان عظیم تفرقوں کے بعد احتمال شرک نہ ہوگا مگر کسی مجنون کو، بصیرت کے اندھے اس علم ماکان ومایکون بمعنی مذکور ثابت جاننے کو معاذاللہ علمِ الٰہی سے مساوات مان لینا سمجھتے ہیں حالانکہ العظمۃُ للہ علمِ الٰہی تو علمِ الٰہی جس میں غیر متناہی علوم

[1] مدارج النبوۃ مقدمۃ الکتاب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱ و ۳

[2] فیوض الحرمین مشھد اللہ تعالٰی مخلوق کی طرف کتاب نازل کرنے کے لیے وقت کیا کرتا ہے محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۱۶۹

تفصیلی فراوانی بالفعل کے غیر متناہی سلسلے غیر متناہی یا وہ جسے گویا مصطلح حساب کے طور پر غیر متناہی کا مکعب کہئے بالفعل و بالدوام ازلاً ابداً موجود ہیں۔ یہ شرق تا غرب و سماوات وارض و عرش تا فرش وماکان ومایکون من اوّل یوم الیٰ اٰخر الایام سب کے ذرے ذرّے کا حال تفصیل سے جاننا وہ بالجملہ جملہ مکتوبات لوح و مکنونات قلم کو تفصیلاً محیط ہونا علوم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے، یہ تو ان کے طفیل سے ان کے بھائیوں حضرات مرسلین، کرام علیہ و علیہم افضل الصلوۃ واکمل السلام بلکہ ان کی عطا سے ان کے غلاموں ف بعض اعاظم اولیائے عظام قدست اسرار ہم کو ملا، اور ملتا ہے ہنوز علومِ محمدیہ میں وہ بحار ذخار ناپیدا کنار ہیں جن پر ان کی افضیلت کلیہ اور افضیلت مطلقہ کی بناء ہے۔

اللہ عزوجل کے بے شمار رحمتیں امام اجل محمد بوصیری شرف الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ پر قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

فانّ من جودك الدّنيا وضرّتها ومن علومك علم اللّوح والقلم [1]

یعنی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیاوآخرت دونوں حضور کے خوانِ جود و کرم سے ایک ٹکڑا ہیں اور لوح و قلم کا تمام علم جن میں ماکان ومایکون مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک حصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیٰ الک وصحبک وبارک وسلم

مولانا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری زبدہ شرح بردہ میں فرماتے ہیں:

توضیحه ان المراد بعلم اللّوح ما اثبت فيه من النقوش القدسية و الصور الغيبية وبعلم القلم ما اثبت فيه كما شاء والا ضافة لادنى ملابسة وكون علمهما من علومه صلى الله تعالى عليه وسلم	یعنی توضیح اس کی یہ ہے کہ علمِ لوح سے مراد نقوشِ قدس وصور غیب ہیں جو اس میں منقوش ہوئے، اور قلم کے علم سے مراد وہ ہیں جو اللہ عزوجل نے جس طرح چاہا اس میں ودیعت رکھے، ان دونوں کی طرف علم کی اضافت ادنی علاقے یعنی محلیت نقش واثبات کے باعث ہے اور ان

ف: تمام ماکان ومایکون کا علم علومِ حضور سے ایک علم ہے، یہ تو ان کی عطا سے ان کے غلاموں اکابر اولیاء کو بھی ملتا ہے ۱۲ منہ۔

[1] مجموع المتون متن قصيدة البردة الشئون الدينية دولة قطر ص ۱۰

انّ علومه تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق ومعارف وعوارف تتعلق بالذات والصفات وعلمهما انما یکون سطرًا من سطور علمه ونهرًا من بحور علمه ثم مع هذا هو من برکة وجوده صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔	دونوں میں جس قدر علوم ثبت ہیں ان کا علم علوم محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک پارہ ہونا، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علوم بہت اقسام کے ہیں، علوم کلیہ، علوم جزئیہ، علوم حقائق اشیاء وعلومِ اسرار خفیہ اور وہ علوم اور معرفتیں کہ ذات و صفات حضرت عزت جل جلالہ، سے متعلق ہیں اور لوح و قلم کے جملہ علوم علومِ محمدیہ کی سطروں سے ایک سطر، اور ان کے دریاؤں سے ایک نہر ہیں، پھر بہ ایں ہمہ وہ حضور ہی کی برکت وجود سے تو ہیں۔ کہ اگر حضور نہ ہوتے تو نہ لوح و قلم ہوتے نہ اُن کے علوم، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

منکرین کو صدمہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے لیے روزِ اول سے قیامت تک کے تمام ماکان ومایکون کا علم تفصیلی مانا جاتا ہے لیکن بحمداللہ تعالٰی وہ جمیع علم ماکان ومایکون علومِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے عظیم سمندروں سے ایک نہر بلکہ بے پایاں موجوں سے ایک لہر قرار پاتا ہے۔

والحمد للّٰه رب العٰلمین o وخسر هنالك المبطلون o فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا، وقیل بُعدًا للقوم الظّٰلمین o	اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا اور باطل والوں کا وہاں خسارہ ہے، ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھائی اور فرمایا گیا کہ دور ہوں بے انصاف لوگ (ت)

نصوصِ حصر:

یعنی جن آیات واحادیث میں ارشاد ہوا ہے کہ علمِ غیب خاصہ خدا تعالٰی ہے، مولٰی عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، قطعًا حق اور بحمداللہ تعالٰی مسلمان کے ایمان ہیں مگر منکر متکبر کا اپنے دعوائے باطلہ پر ان سے استدلال اور اس کی بنا پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم ماکان ومایکون بمعنی۔

---

[1] الذبدۃ العمدۃ فی شرح البردۃ ناشر جمعیت علماء سکندریہ خیر پور سندھ ص ۱۱۷

مذکور ماننے والے پر حکمِ کفر وضلال، نصِ جنون وخام خیال بلکہ خود مستلزمِ کفر وضلال ہے۔

علم بہ اعتبار منشا دو[2] قسم ہے: ذاتی کہ اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور عطائی کہ اللہ عزوجل کا عطیہ ہو، اور بہ اعتبارِ متعلق بھی دو[2] قسم ہے، اعلم مطلق یعنی محیط حقیقی، تفصیلی فعلی فروانی کہ جمیع معلوماتِ الٰہیہ عزوعلاء کو جن میں غیر متناہی معلومات کے سلاسل وہ بھی غیر متناہیہ وہ بھی غیر متناہی بار داخل اور خود کنہ ذات الٰہی واحاطہ تامِ صفاتِ الٰہیہ نامتناہی سب کو شامل فردًا فردًا تفصیلاً مستغرق ہو اور مطلق علم یعنی جاننا، اگر محیط باحاطہ حقیقیہ نہ ہو، ان تقسیمات میں علم ذاتی وعلم مطلق یعنی مذکور بلاشبہ اللہ عزوجل کے لیے خاص ہیں اور ہر گز کسی غیر خدا کے لیے ان کے حصول کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

ہم ابھی بیان کر آئے کہ علم ماکان ومایکون بمعنی مسطور اگرچہ کیساہی تفصیلی بروجہ اتم واکمل ہو علومِ محمدیہ کی وسعت عظیمہ کو نہیں پہنچتا، پھر علوم محمدیہ تو علومِ الٰہیہ ہیں، جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، مطلق علم ہر گز حضرت حق عزوعلا سے خاص نہیں بلکہ قسم عطائی تو مخلوق ہی کے ساتھ خاص ہے۔

مولٰی عزوجل کا علم عطائی ہونے سے پاک ہے، تو نصوصِ حصر میں یقیناً قطعًا وہی قسم اوّل مراد ہو سکتی ہے۔ نہ کہ قسمِ اخیر، اور بداہۃً ظاہر کہ علم تفصیل جملہ ذرّات ماکان ومایکون بمعنی مزبور بلکہ اس سے ہزار در ہزار ازید وافزوں علم بھی کہ بہ عطائے الٰہی مانا جائے اسی قسم اخیر سے ہوگا۔ تو نصوصِ حصر کو مدعائے مخالف سے اصلاً مس نہیں بلکہ وہ اس کی صریح جہالت پر نص ہیں، وللہ الحمد، یہ معنی بآنکہ خود بدیہی وواضح ہے، آئمہ دین نے اس کی تصریح بھی فرمائی۔

امام اجل ابوزکریا نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوٰی پھر امام ابنِ حجر مکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اپنے فتاوٰی حدیثیہ میں فرماتے ہیں:

لایعلم ذٰلك استقلالًا وعلم احاطۃٍ بکل المعلومات الا اللہ تعالٰی اما المعجزات والکرامات فباعلام اللہ تعالٰی اما المعجزات والکرامات فبا علام اللہ تعالٰی لھم علمت وکذا ماعُلِمَ باجراء العادۃ[1]۔	یعنی آیت میں غیر خدا سے نفی علمِ غیب کے یہ معنی ہیں کہ غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا اور ایسا علم کہ جمیع معلوماتِ الٰہیہ کو محیط ہو جائے یہ اللہ تعالٰی کے سوا کسی کو نہیں رہے انبیاء کے معجزات اور اولیاء یہ تو اللہ عزوجل کے بتانے سے انہیں علم ہوا ہے یونہی وہ باتیں کہ عادت کی مطابقت سے جن کا علم ہوتا ہے۔

[1] فتاوٰی حدیثیہ مطلب فی حکم ما اذا قال قائل فلان یعلم الغیب مصطفی البابی مصر ص ۲۲۸

مخالفین کا استدلال محض باطل وخیال محال ہونا تو یہیں سے ظاہر ہوگیا، مگر فقیر نے اپنے رسائل میں ثابت کیا ہے کہ یہ استدلال ان ضلّال کے خود اقراری کفر وضلال کا تمغہ ہے، نیز انہیں میں روشن کیا کہ خلق کے لیے ادعائے علم غیب پر فقہا کا حکم کفر بھی درجہ اولائے حقیقت حق میں اسی صورت علم ذاتی اور درجہ اخرائے طرزِ فقہاء میں علم مطلق بمعنی مرقوم کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ محققین کے کلام میں منصوص ہے۔

بکر پر مکر کا وہ زعم مردود جس میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی نسبت کچھ نہیں جانتےف کا لفظ ناپاک ہے وہ بھی کلمہ کفر وضلال بیباک ہے بکر نے جس عقیدے کو کفر وشرک کہا اور اس کے رد میں یہ کلما بدفرجام بکا، خود اس میں تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حضرت حق جل شانہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے، لاجرم بکر کی یہ نفی مطلق شاملِ علم عطائی بھی ہے اور خود بعض شیاطین الانس کے قول سے استناد بھی اس تعلیم پر دلیل جلی ہے کہ اس قول میں خواہ یوں اور خواہ یوں، دونوں صورت پر حکم شرک دیا ہے، اب اس لفظ قبیح کے کلمہ کفر صریح ہونے میں کیا تامل ہو سکتا ہے۔ قرآن عظیم کی روشن آیتوں کی تکذیب بلکہ سارے قرآن کی تکذیب رسالت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انکار بلکہ نبوت تمام انبیاء کا انکار، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی تنقیص مکان بلکہ رب العزۃ جلالہ کی توہین شان، ایک دو کفر ہوں تو گنے جائیں۔ **والعیاذ باللہ رب العالمین**۔

یوں ہی اس کا قول کہ اپنے خاتمے کا بھی حال معلوم نہ تھا صریح کلمۂ کفر وخسار اور بیشمار آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ متواترہ کا انکار ہے۔ آیہ کریمہ **لیغفرلك اللّٰہ** مع حدیث صحیحین بخاری ومسلم، بعض اور سنئے، **قال اللّٰہ تعالٰی** (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝۵" [1]۔	اے نبی! بے شک آخرت تمہارے لیے دنیا سے بہتر ہے۔

وقال اللّٰہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴" [2]۔	بے شک نزدیک ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی ہو جاؤگے۔

ف: اپنے خاتمے کا حال حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو معلوم نہ ماننا صریح کفر ہے۔

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۴

[2] القرآن الکریم ۹۳/ ۵

وقال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ"[1]۔	جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی اور ان کے صحابہ کو ان کا نور ان کے آگے اور داہنے جوالان عـــہ کرے گا۔

وقال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾"[2]۔	قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں تعریف کے مکان میں بھیجے گا جہاں اولین وآخرین سب تمہاری حمد کریں گے۔

وقال اللہ تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾"[3]۔ على قراءة الرفع قراة بن كثير وابن عامر ورواية ابی بکر عن عاصم۔ الٰی غیر ذلك من الاٰیات۔	بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اپنی مشیت سے تمہارے لیے اس خزانہ و باغ سے (جس کی طلب یہ کافر کررہے ہیں) بہتر چیزیں کردیں جنتیں جن کے نیچے نہریں رواں اور وہ تمہیں بہشت بریں کے اونچے اونچے محل بخشے گا۔ **یجعل** کو مرفوع پڑھنے کی تقدیر پر جو کہ ابن کثیر اور ابن عامر کی قراءۃ ہے اور ابوبکر کی عاصم سے یہ روایت ہے اس کے علاوہ اور بھی متعدد آیات ہیں۔ (ت)

اور احادیثِ کریمہ میں تو جس تفصیل جلیل سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وخصائص وقتِ وفاتِ مبارک وبرزخ مطہر وحشر منور وشفاعت وکوثر وخلافتِ عظمٰی وسیادتِ کبرٰی ودخولِ جنت ورویت وغیرہا وارد ہیں، انہیں جمع کیجئے تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے۔ یہاں صرف

عـــہ: دوڑے گا۔ ۱۲

[1] القرآن الکریم ۶۶/ ۸

[2] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

[3] القرآن الکریم ۲۵/ ۱۰

ایک حدیث تبرکاً سُن لیجئے۔

جامع ترمذی وغیرہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول الناس خروجاً اذا بعثوا و انا خطیبھم اذا وفدوا، وانا خطیبھم اذا اُنصتوا، وانا مستشفعھم اذا حُبِسوا، وانا مبشرھم اذا یئسوا الکرامۃ و المفاتیح یومئذٍ بیدی، وانا اکرم ولد اٰدم علی ربی یطوف علیّ الف خادمٍ کانھم بیض مکنون اولؤلؤ منثور [1] ۔	جب لوگوں کا حشر ہوگا تو سب سے پہلے میں مزار اطہر سے باہر تشریف لاؤں گا، اور جب وہ سب دم بخود رہیں گے تو اُن کا خطبہ خواں میں ہوں گا، اور جب وہ روکے جائیں گے تو ان کا شفاعت خواہ میں ہوں گا۔ اور جب وہ نا امید ہوجائیں گے تو ان کا بشارت دینے والا میں ہوں گا، عزت کے لیے اور تمام کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی، لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا، بارگاہِ عزت میں میری عزت تمام اولادِ آدم سے زائد ہے، ہزار خدمتگار میرے ارد گرد گھومیں گے گویا وہ گرد و غبار سے پاکیزہ انڈے ہیں محفوظ رکھے ہوئے یا جگمگاتے موتی ہیں بکھیرے ہوئے۔

بالجملہ بکرپر مکر کے گمراہ و بددین ہونے میں اصلاً شُبہہ نہیں، اور اگر کچھ نہ ہوتا تو صرف اتنا ہی کہ تقویۃ الایمان پر جو حقیقتاً تفویۃ الایمان ہے اس کا ایمان ہے، یہی اس کا ایمان سلامت نہ رکھنے کو بس تھا، جیسا کہ فقیر کے رسالہ الکوکبۃ الشھابیۃ وغیرہا کے مطالعے سے ظاہر ہے ؎

اذا کان الغراب دلیل قومٍ سیھدیھم طریق الھالکینا [2]

(جب کوّا کسی قوم کا رہبر ہو تو وہ اس کو ہلاکت کی راہ پر ڈال دے گا۔ ت)

والعیاذ باللہ تعالٰی۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب منہ امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰۱، دلائل النبوۃ ذکر الفضیلۃ الرابعۃ باقسام اللہ بحیاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالم الکتب بیروت ص ۱۳، سنن الدارمی باب مااعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۴۹ دارالمحاسن للطباعۃ ۱ /۳۰، الدرالمنثور بحوالہ ابن مردویۃ عن انس رضی اللہ عنہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۶ /۳۰۱

[2]

وہ شخص جو شیطان کے علم ملعون کو علمِ اقدس حضور پر نور عالمِ ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زائد ہے اس کا جواب اس کفرستانِ ہند میں کیا ہو سکتا ہے، ان شاء اللہ القہار (اگر بہت قہر فرمانے والا خدا نے چاہا۔ت) روزِ جزا وہ ناپاک نانجار اپنے کیفر کفری گفتار کو پہنچے گا۔ "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠﴿۲۲۷﴾ "[1] (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کون سی کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) یہاں اسی قدر کافی ہے کہ یہ ناپاک کلمہ صراحتًا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عیب لگانا ہے، اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو عیب لگانا کلمہ کفر نہ ہوا تو اور کیا کلمہ کفر ہوگا۔

"وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۶۱﴾ "[2]۔	اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دکھ کی مار ہے۔
" اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا﴿۵۷﴾ "[3]۔	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول کو، اللہ نے اُن پر لعنت فرمائی ہے دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لیے تیار کر رکھی ہے ذلت والی مار۔

شفائے امامِ اجل قاضی عیاض اور شرح علامہ شہاب خفاجی مسمّٰی بہ نسیم الریاض میں ہے:

جمیع من سبّ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشتمة اوعابه هو اعم من السب فان من قال فلان اعلم منه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد عابه و نقصه وان لم یسبه(فهو ساب والحکم فیه حکم الساب) من غیر فوق بینهما(لانستثنی منه)(فصلًا) ای صورةً (ولا نمتری)فیه تصریحًا کان	یعنی جو شخص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو گالی دے یا حضور کو عیب لگائے اور یہ گالی دینے سے علم تر ہے کہ جس نے کسی کی نسبت کہا کہ فلاں کا علم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علم سے زیادہ ہے اس نے ضرور حضور کو عیب لگایا، حضور کی توہین کی، اگرچہ گالی نہ دی، یہ سب گالی دینے والے کے حکم میں ہے، ان کے اور گالی دینے والے کے حکم میں کوئی فرق نہیں، نہ ہم اس سے کسی صورت کا استثناء کریں نہ اس میں شک وتردد کو

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

اوتلویحًا وھذا کلّه اجماع من العلماء وائمة الفتوٰی من لدن الصحابة رضی الله تعالٰی علٰی عنهم الٰی ھلّم جرًّا [1] اھ مختصرًا۔ نسأل الله العفو والعافیة فی الدنیا والاخرة ونعوذ به من الحور بعد الکور ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم وصلی الله تعالٰی علیه سید المرسلین والله سبحانه تعالٰی اعلم۔	راہ دیں، صاف صاف کہا ہو یا کنایہ سے، ان سب احکام پر تمام علماء اور آئمہ فتوی کا اجماع ہے کہ زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آج تک برابر چلا آیا ہے۔اھ مختصرًا ہم اللہ تعالٰی سے دنیاو آخرت میں معافی اور عافیت چاہتے ہیں اور کثرت کے بعد قلّت سے اس کی پناہ چاہتے ہیں نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی و عظمت والے خدا کی توفیق سے اور درود نازل فرمائے اللہ تعالٰی رسولوں کے سردار پر،اور اللہ سبحنہ و تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس سوال کے ورود پر ایک مبسوط کتاب بحر عباب منقسم بہ چار باب مسمّٰی بہ نام تاریخی مائی الحبیب بعلوم الغیب (۱۳۱۸ھ) کی طرح ڈالی۔

باب اول: فصوص یعنی فوائد جلیلہ ونفائس جزیلہ کہ ترصیف دلائل اہلسنت کے مقدمات ہوں۔

باب دوم: نصوص یعنی اپنے مدعا پر دلائل جلائل قرآن وحدیث واقوالِ آئمہ قدیم وحدیث۔

باب سوم: عموم وخصوص کہ احاطہ علومِ محمدیہ میں تحریر محل نزاع کرے۔

باب چہارم: قطع اللصوص یعنی اس مسئلے میں تمام مہملات نجدیۂ نو وکہن کی سرفگنی و تکبر شکنی، مگر فصوص ونصوص کے ہجوم و وفور نے ظاہر کردیا کہ اطالت تاحدّ ملالت متوقع،

لہٰذا باذن اللہ تعالٰی نفع عامّہ کے لیے اس بحر ذخار سے ایک گوہر شہوار لامع الانوار گویا خزائن الاسرار سے در مختار مسمّی بہ نام تاریخی اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ماکان ومایکون" (۱۳۱۸ھ) (پوشیدہ موتی بشیر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علمِ ماکان ومایکون کے بارے میں۔ت) چن لیا جس نے جمع وتلفیق کے عوض نفع وتحقیق کی طرف بحمد اللہ زیادہ رُخ کیا۔اس کے ایک ایک نور نے نور السمٰوت والارض جل جلالہ کے عون سے وہ تابشیں دکھائیں کہ ظلماتِ باطلہ کافور ہوتی نظر آئیں۔

[1] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اھل سنت برکاتِ رضا گجرات ہند ۴/ ۳۳۵و۳۳۶

یہ چند حرفی فتوٰی کہ اس کے لمعات سے ایک شعشہ اور بلحاظ تاریخ بنام ابناء المصطفٰی بحال سرّ واخفی (مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پوشیدہ اور پوشیدہ ترین کے حال کی خبر دینا۔ت) مسمّٰی ہے۔اس کے تمام اشارات خفیہ کا بیان مفصل اسی پر محول ذی علم ماہر تو ان ہی چند حروف سے اِن شاء اللہ تعالٰی سب خرافات وجزافات مخالفین کو کیفر چشانی کر سکتا ہے مگر جو صاحب تفصیل کے ساتھ دست نگر ہوں بعونہ تعالٰی رسائل مذکورہ کے لآلی متلالی سے بہرہ ور ہوں، حضراتِ مخالفین سے بھی گزارش ہے کہ اگر توفیقِ الٰہی مساعدت کرے یہی حرفِ مختصر ہدایت کرے تو ازیں چہ بہتر، ورنہ اگر بوجہ کوتاہی فہم وغلبیٔ وہم و قلّتِ تدرّب و شدتِ تعصب اپنی تمام جہالاتِ فاحشہ کی پردہ دری ان مختصر سطور میں نہ دیکھ سکیں۔تو اسی مہر جہاں تاب کا انتظار کریں۔جو بہ عنایت الٰہی واعانت رسالت پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کی تمام ظلمتوں کی صبح کردے گا۔ان کا ہر کاسہ سوال آبِ زلال رَدو ابطال سے بھر دے گا۔

الا انّ موعد ھم الصبح الیس الصبح بقریب ط وما توفیقی الاّ باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب ط۔	خبردار! بے شک ان کا وعدہ صبح کے وقت ہے کیا صبح قریب نہیں، اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔(ت)

کیا فائدہ کہ اس وقت آپ کا خواب غفلت کچھ ہذیات عـــہ کا رنگ دکھائے، اور جب صبح ہدایت افق سعادت سے طالع ہو تو کھل جائے کہ ع

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو کہا افسانہ تھا

معہذا طائفہ ارانب وثعالب کو یہی مناسب کہ جب شیر ژیاں کو چہل قدمی کرتا دیکھ لیں سامنے سے ٹل جائیں اپنے اپنے سوراخوں میں جان چھپائیں، نہ یہ کہ اس وقت اس کے خرام نرم پر غرّہ ہو کر آئیں اس کی آتشِ غضب کو بھڑکائیں اپنی موت اپنے منہ بلائیں، ع

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دور تر خواہند　　شغالانِ ہزیمت مند خشم شیر ہیجارا

(اے دوست! نصیحت سُن کہ اپنی جان سے دور چاہتے ہیں، شکست پسند گیدڑ بپھرے ہوئے شیر کے غصے کو۔ت)

عـــہ: بے ہودہ گوئی۔

اقول: قولی ھذا واستغفراللہ لی ولسائر المؤمنین والمؤمنات و الصلوۃ الزاکیات والتحیّات النامیات علٰی سیدنا محمدٍ نبی المغیبات مظہر الخفیات وعلٰی الہ وصحبہ الاکارم السادات واللہ سبحنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اَتَمُّ واحکم	**میں کہتا ہوں** یہ میرا قول ہے، اور میں اللہ تعالٰی سے اپنے لیے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں، پاکیزہ درود اور بڑھنے والے سلام ہوں ہمارے سردار محمد پر جو غیب کی خبریں دینے والے اور پوشیدہ باتوں کو ظاہر فرمانے والے ہیں اور آپ کی آل واصحاب پر جو بزرگی والے سردار ہیں، اور اللہ سبحانہ و تعالٰی خوب جانتا ہے اور اللہ جل مجدہ، کا کلام اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

انباء المصطفٰی بحال سرّ واخفٰی

ختم ہوا۔

رسالہ
ازاحۃ العیب بسیف الغیب
(عیب کو دُور کرنا غیب کی تلوار سے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ط

مسئلہ ۱۴۹: از مدرسہ دیوبند ضلع سہارن پور مرسلہ یکے از اہلسنت نصرہم اللہ تعالٰی بوساطت جناب مولوی وصی احمد صاحب محدث سورتی سلمہ اللہ تعالٰی۔

تسلیمات دست بستہ کے بعد گزارش ہے بندہ اس وقت وہاب گڑھ مدرسہ دیوبند میں مقیم ہے۔

جناب عالی (یعنی جناب مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی) جو جو باتیں آپ نے ان لوگوں کے حق میں فرمائی تھیں وہ سب سچ ہیں سرموفرق نہیں۔ عید کے دن بعد نماز جمیع اکابر علماء، و طلباء و روسانے مل کر عیدگاہ میں بقدر ایک گھنٹہ یہ دعا مانگی کہ اللہ تعالٰی جارج پنجم بادشاہِ لندن کو ہمیشہ ہمارے سروں پر قائم رکھے اور اس کے والد کی خدا مغفرت کرے۔ اور جس وقت جارج پنجم ولایت سے بمبئی کو آیا اور مبلغ چوبیس روپیہ کانا برائے خیر مقدم یعنی سلامی روانہ کردیا اور بتاریخ ۱۳ ذی الحجہ ایک بڑا جلسہ کردیا کہ جو چار گھنٹے مختلف علماء نے بادشاہ انگریز کی تعریف اور دعا بیان کیا اور خوشی کے واسطے مٹھائی تقسیم کیا اور عین خطبہ میں بیان کیا کہ امام احمد بن حنبل نے خواب میں دیکھا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

علیہ وآلہ وسلم کو، امام احمد نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، میری کتنی عمر باقی ہے؟ آپ نے پانچ انگشت اٹھائیں، پھر برائے تعبیر محمد بن سیرین کے پاس آئے انہوں نے فرمایا: **خمس لایعلمھا الّاھو** [1]۔ (پانچ اشیاء ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ت) تو معلوم ہوا کہ آپ مطلع علی الغیب نہیں، دوسرا والیدین کی حدیث کو بیان کیا کہ آپ کو نماز میں سہو ہوگیا جب ذوالیدین نے بار بار استفسار کیا اور آپ نے صحابہ سے دریافت کیا تو پھر نماز کو پورا کیا۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علم مشاہدہ میں نقصان ثابت ہوگیا، علم غیب پر اطلاع تو ابھی دور ہے انتہی، یہاں کے لوگ اس قدر بدمعاش ہیں کہ مولوی محمود حسن مدرس اول درجہ حدیث نے مسلم شریف کے سبق میں باب شفاعت اس حدیث میں کہ آپ نے جب تمام مسلمین کی شفاعت کی اور سب کو نجات دے دیا مگر کچھ لوگ رہ گئے یعنی منافقین وغیرہ تو آپ نے انکے واسطے شفاعت کی تو فرشتوں نے منع کردیا کہ تم نہیں جانتے ہو کہ ان لوگوں نے کیا کچھ نکالا بعد آپ کے، تو اس سے ظاہر ہوگیا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہر جمعہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر امت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ یہ غلط ہے، محض افتراء ہے، علم غیب کا کیا ذکر، اللہ اکبر، ترمذی شریف کے سبق ۱۷۲ صفحہ آخر میں ہے، ایک عورت کے ساتھ زنا ہوگیا اکراہ کے ساتھ تو اس عورت نے ایک شخص پر ہاتھ رکھا، آپ نے اس شخص کو رجم کا حکم فرمایا۔ پس دوسرا شخص اٹھا، اس نے اقرار زنا کا کرلیا، پہلے شخص کو چھوڑا اور دوسرا مرجوم ہوگیا۔ آپ نے فرمایا **تاب توبۃ** الخ (اس نے پکی توبہ کی الخ ت) اگر شخص ثانی اقرار نہ کرتا تو پہلے شخص کی گردن اڑادیتے، یہ اچھی غیب دانی ہے۔ **ھذا کلہ قولہ** (یہ سب اس کا قول ہے۔ت) اور بھی وقتاً فوقتاً احادیث میں کچھ نہ کچھ کہے بغیر نہیں چھوڑتے۔ اللہ اکبر، **معاذ اللہ من شرہ** (اللہ تعالیٰ بہت بڑا ہے، اللہ کی پناہ اس کے شر سے۔ت)

الجواب:

اللہ عزوجل گمراہی وبے حیائی سے پناہ دے، فقیر نے انباء المصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر جملوں میں ان شبہات اور ان جیسے ہزاروں ہوں تو سب کا جواب شافی دے دیا مگر وہابیہ اپنی خرافات سے باز نہیں آتے اور الدولۃ المکیہ اور اس کی تعلیق الفیوض المکیہ میں بیان امین ہے، میں پھر تذکیر کردوں کہ ان شاء اللہ بار بار سوال کی حاجت نہ ہو اور ذی فہم سُنّی ایسے لاکھ شبہے ہوں تو سب کا جواب خود دے، فقیر نے قرآن عظیم کی آیاتِ قطعیہ سے ثابت کیا کہ قرآن عظیم نے ۲۳ برس میں بتدریج نزولِ اجلال فرما کر اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو **جمیع ماکان ومایکون**

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی عامر الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۹ و ۱۶۴

یعنی روزِ اول سے روزِ آخر تک کی ہر شَے ہر بات کا علم عطا فرمایا، اور اصول میں مبرہن ہو چکا کہ آیاتِ قطعیہ کے خلاف کوئی حدیث احاد بھی مسلم نہیں ہوسکتی، اگرچہ سنداً صحیح ہو تو مخالف قرآن عظیم کے خلاف پر جو دلیل پیش کرے اس پر چار باتوں کا لحاظ لازم:

اول: وہ آیت قطعی الدلالۃ یا ایسی ہی حدیث متواتر ہو۔

دوم: واقعہ تمامی نزولِ قرآن کے بعد کا ہو۔

سوم: اس دلیل سے راساً عدم حصولِ علم ثابت ہو کہ مخالف مستدل ہے اور محل ذہول میں اس پر جزم محال، اور وہ منافی حصول علم نہیں بلکہ اس کا مثبت و مقتضی ہے۔

چہارم: صراحۃً نفی علم کرے ورنہ بہت علوم کا اظہار مصلحت نہیں ہوتا اور اللہ اعلم یا خدا ہی جانے یا اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ایسی جگہ قطع طمع جواب کے لیے بھی ہوتا ہے اور نفی حقیقت ذاتیہ، نفی عطائیہ کو مستلزم نہیں۔ اللہ عزوجل روزِ قیامت رسولوں کو جمع کرکے فرمائے گا "**مَاذَآ اُجِبْتُمْ**ؕ" تم جو کفار کے پاس ہدایت لے کر گئے انہوں نے کیا جواب دیا، عرض کریں گے "**لَاعِلْمَ لَنَا**ؕ"[1]۔ ہمیں کچھ علم نہیں۔

ان شبہات اور انکے امثال کے رَد کو بھی چار جملے بس ہیں، اور یہاں امر پنجم اور ہے کہ وہ واقعہ روزِ اول سے قیامِ قیامت تک یعنی ان حوادث سے ہو جو لوح محفوظ میں ثبت ہیں کہ انہیں کے احاطہ کا دعوٰی ہے۔ امور متعلقہ ذات و صفات وابد وغیرہ نامتناہیات سے ہو تو بحث سے خروج اور دائرہ جنون و سفاہت میں صریح ولوج ہے۔ ان جملوں کے لحاظ کے بعد وہابیہ کے تمام شبہات برباد ہوجاتے ہیں "**كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ**﴿۲۶﴾"[2]۔ (جیسے ایک گندہ پیڑ کہ زمین کے اوپر سے کاٹ دیا گیا ہے اب اُسے قیام نہیں۔ ت)

اب یہیں ملاحظہ کیجئے:

اولاً: چاروں شبہے امر اوّل سے مردود ہیں ان میں کون سی آیت یا حدیث قطعی الدلالۃ ہے۔

ثانیاً: دوسرا اور چوتھا شبہہ امر دوم سے دوبارہ مردود ہیں کہ یہ ایام نزول کے وقائع ہیں یا کم از کم ان کا بعد تمامی نزول ہونا ثابت نہیں۔

ثالثاً: دوسرا شبہہ امر سوم سے سہ بارہ اور تیسرا دوبارہ مردود ہے، شبہہ دوم میں تو صریح بدیہی یقینی ذہول تھا، نماز فعل اختیاری ہے اور فعل اختیاریہ بے علم و شعور ناممکن مگر وہابیہ

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

[2] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۶

بدیہیات میں بھی انکار رکھتے ہیں۔ ذٰلك بانھم قوم یکابرون (یہ اس لیے ہے کہ وہ حق کا انکار کرنے والی قوم ہے۔ت) اور شُبہ سوم کا حال بھی ظاہر، روزِ قیامت کا عظیم ہجوم، تمام اولین وآخرین وانس وجن کا ازدحام، لاکھوں منزل کے دور میں مقام اور حوض وصراط ومیزان پر گنتی شمار کی حد سے باہر، مختلف کام اور ہر جگہ خبر گیراں صرف ایک محمد رسول اللہ سیّد الانام علیہ وعلی آلہ افضل الصلوۃ والسلام اس سے کروڑویں حصے کا کروڑواں حصہ ہجوم، کارہائے عظیمہ مہمہ اگر ایسے دس ہزار پر ہو جن کی عقل نہایت کامل اور حواس کمال مجتمع اور قلب اعلیٰ درجہ کا ثابت توان کے ہوش پراں ہوجائیں، آئے حواس گم ہوں یہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ پاک ہے جس کی وسعت کے حضور عرش اعظم مع جملہ عوالم صحرائے لق ودق میں بھنگے کے مانند ہیں جسے ان کا رب فرماتا ہے: "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ"[1]۔ (کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ت) پھر ان عظیم وخارج از حد کاموں کے علاوہ وقت وہ سہمناک کہ اکابر انبیاء ومرسلین نفسی نفسی پکاریں، رب عزوجل اس غضب شدید کے ساتھ تجلی فرمائے ہو کہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی نہ اس کے بعد کبھی ہو، پھر ایک مسلمان انہیں اس سے زیادہ پیارا جیسے مہربان ماں کو اکلوتا بچہ، وہ جوشِ ہیبت، وہ کام کی کثرت، وہ وفورِ رحمت، وہ لاکھوں منزل کا دورہ، وہ کروڑوں طرف نظر، سنکھوں طرف خیال، ایسی حالت میں اگر بعض باتیں ذہن اقدس سے اتر جائیں تو عین اعجاز ہے، جس سے بالا صرف علمِ الٰہی ہے وبس۔ "ولکن الوھابیۃ قوم لایعقلون" (لیکن وہابی وہ قوم ہیں جنہیں عقل نہیں۔ت) اور اس پر صریح دلیل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تمام امت کا دکھایا جانا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام امت کے اعمال برابر عرض ہوتے رہنا تو ہے ہی، جس پر احادیثِ کثیرہ ناطق، اگرچہ وہابیہ اپنی ڈھٹائی سے انکار کریں مگر سب سے زیادہ صاف صریح دلیل قطعی یہ ہے کہ آخر روزِ قیامت کچھ لوگوں کی نسبت یہ واقعہ پیش آنے کی حدیثِ بیان کون فرمارہا ہے، خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی تو ارشاد فرمارہے ہیں اگر اس ہجوم عظیم، کارہائے خطیر میں ذہول نہ ہوتا تو یہ واقعہ ہی نہ ہوتا تو اس وقت اتنے ذہول سے چارہ نہیں۔ "لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۬"[2]۔ (تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے۔ت) ولکن الوھابیہ قوم یفرقون (لیکن وہابی تفریق پیدا کرنے والی قوم ہے۔ت)

رابعًا: پہلا شبہہ امر چہارم سے دوبارہ مردود ہے کسی کی مقدار عمر وقتِ موت اسے بتادینا

---

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۱

[2] القرآن الکریم ۸/ ۴۴

غالب اوقات اکثر ناس کے لیے مصلحتِ دینیہ کے خلاف ہے تو ایسے مہمل سوال کے جواب سے اگر اعراض فرمایا اور حوالہ بخدا فرمادیا، کیا مستبعد ہے۔

فائدہ:

یہ انہیں جملوں سے ان چاروں شبہوں کے متعدد رد ہوگئے، اب بتوفیقہ تعالٰی بعض افادیت ذکر نہ کریں کہ وہابیہ کی کمال حالت آفتاب سے زیادہ روشن ہو اور چاروں شبہوں میں ہی ایک پر چار چار رَد ہو جائیں۔

فاقول: وباللّٰہ التوفیق (چنانچہ میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت)

شبہہ اُولٰی: کے دو ۲ رد گزرے امر اول و چہارم سے، ثالثاً حضرات علمائے وہابیہ کی جہالت تماشا کردنی۔ امام احمد بن حنبل نے خواب دیکھا اور امام ابن سیرین سے تعبیر پوچھی۔ اے سبحان اللہ! جھوٹ گھڑے تو ایسا گھڑے، امام ابن سیرین کی وفات سے ساڑھے ترپن (۱/۲۔۵۳) برس بعد امام احمد کی ولادت ہوئی ہے۔ ابن سیرین کی وفات نہم شوال ایک سو دس (۱۱۰ھ) کو ہے اور امام احمد کی ولادت ربیع الاول ایک سو چونسٹھ (۱۶۴ھ) میں۔ تقریب میں ہے:

محمد بن سیرین ثقة ثبت عابد کبیر القدر مات سنة عشر ومائة[1]۔	محمد بن سیرین ثقہ، ثبت، عبادت گزار اور بڑی قدر و منزلت والے ہیں، ان کا وصال ۱۱۰ھ میں ہوا۔ت)

وفیات الاعیان میں ہے:

محمد بن سیرین له الید الطولٰی فی تعبیر الرؤیا توفی تاسع شوال یوم الجمعة سنة عشر ومائة بالبصرة[2]۔	محمد بن سیرین جو کہ خوابوں کی تعبیر میں کامل مہارت رکھتے تھے، نے ۹ شوال ۱۱۰ھ بروز جمعہ میں بصرہ میں وفات پائی۔ت)

تقریب میں ہے:

احمد بن محمد بن حنبل مات احدی واربعین وله سبع وسبعون سنة[3]۔	امام احمد بن محمد بن حنبل نے ۲۴۱ھ میں وصال فرمایا جب کہ آپ کی عمر مبارک ۷۷ برس تھی۔ (ت)

[1] تقریب التہذیب ترجمہ ۵۹۲۶ محمد بن سیرین دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۸۵

[2] وفیات الاعیان ترجمہ ۵۶۵ محمد بن سیرین دار الثقافة بیروت ۴/ ۱۸۲

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۹۶ احمد بن محمد بن حنبل دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۴

وفیات الاعیان میں ہے:

الامام احمد بن حنبل خرجت اُمّہ من مرو وھی حامل بہ فولدتہ فی بغداد فی شھر ربیع الاول سنۃ اربع وستین ومائۃ[1]۔	امام احمد بن حنبل کی والدہ ماجدہ مرو سے نکلیں جبکہ امام احمد ان کے شکم میں تھے، چنانچہ آپ کی والدہ نے آپ کو شہر بغداد میں ربیع الاول شریف ۱۶۴ھ میں جنا۔(ت)

مگر یہ کہئے کہ امام احمد علیہ الرحمہ نے جب کہ اپنے جدامجد کی پشت میں نطفے تھے یہ خواب دیکھا اور امام ابن سیرین نے **مافی الارحام** (جو رحموں میں ہے۔ت) سے بھی خفی تر غیب **مافی الاصلاب** (جو پشتوں میں سے۔ت) کو جانا اور تعبیر بیان کی۔ یوں آپ کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی غیب دانی نہ ہوئی تو ابن سیرین کو علم غیب ہوا۔ یہ شاید حضراتِ وہابیہ پر آسان ہو کہ ان کو اوروں کو فضائل سے اتنی عداوت نہیں جتنی اصل اُصول جملہ فضائل یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔

لطیفہ جلیلہ: دیوبندی علماء کی جہالت اپنے قابل ہے، ان کے اکابر کی ان سے بھی بڑھ کر ان کے قابل تھی، عالیجناب امام الوہابیہ مولوی گنگوہی صاحب آنجہانی اپنے ایک فتوے میں اپنی دادِ قابلیت دیتے ہوئے فرماتے ہیں، حسین بن منصور کے قتل پر امام ابویوسف شاگردِ امام ابوحنیفہ جو کہ سیّد العلماء تھے اور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جو تمام سلاسل کے مرجع ہیں دونوں نے فتوی قتل کا دیا، بجا ہے۔(حاشیہ: قتل پر قتل کا فتوی بھی قابل تماشا ہے، یعنی قتل کو قتل کیا جائے یا قاتل کو۔۱۲) درفنِ تاریخ ہم کمالے دارند (فن تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ت)

سیدنا امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وفات پنجم ربیع الاول یا ربیع الاخر ایک سو بیاسی ہجری (۱۸۲ھ) کو ہے اور حضرت حسین بن منصور حلاج قدس سرہ، کا یہ واقع ۲۳ ذی القعدہ (۳۰۹ھ) تین سو نو ہجری میں، دونوں میں قریب ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) برس کے فاصلہ ہے مگر امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ کو غیب داں کہیے کہ اپنی وفات سے سوا سو برس بعد کے واقعہ کو جان کر حلاج کے قتل کا پیشگی فتوی دے گئے۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں ہے:

القاضی ابویوسف الامام العلامۃ الفقیہ العراقین صاحب ابی حنیفۃ اجتمع	قاضی ابویوسف امام، علامہ، اہل کوفہ وبصرہ کے فقیہ اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں، تمام مسلمان

[1] وفیات الاعیان ترجمہ ۲۰ احمد بن حنبل دار الثقافۃ بیروت ۱/ ۶۴

علیه المسلمون مات فی ربیع الاٰخر سنة ثنتین و ثمانین ومائة عن سبعین سنة الاسنة وله اخبار فی العلم والسیادة [1]۔	آپ پر متفق ہیں۔آپ نے ماہِ ربیع الثانی ۱۸۲ہجری کو ۶۹ برس کی عمر میں وصال فرمایا۔علم و سیادت میں ان کی متعدد خبریں ہیں۔(ت)

وفیات الاعیان میں ہے:

کانت ولادة القاضی ابی یوسف سنة ثلث عشرة ومائة وتوفی یوم الخمیس اول وقت الظهر لخمس خلون من شهر ربیع الاول سنة اثنتین وثمانین ومائة ببغداد [2]۔	قاضی ابویوسف کی ولادت ۱۱۳ھ کو اور وفات ۵ ربیع الاول ۱۸۲ھ بروز جمعرات بوقتِ اول ظہر بغداد میں ہوئی۔ت)

اسی میں تاریخِ شہادتِ حضرت حلاج میں لکھا:

"یوم الثلثاء لسبع بقین وقیل لست بقین من ذی القعدة سنة تسع وثلثمائة [3]۔	۲۳ یا ۲۴ ذوالقعدہ ۳۰۹ھ بروز منگل(ت)

سلطان اورنگزیب محی الدین عالمگیر انار اللہ تعالیٰ برہانہ کی حکایت مشہور ہے کہ کسی مدعیِ ولایت کا شہرہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے،اس کی عمر طویل بتائی جاتی تھی۔سلطان نے پوچھا۔جناب کی عمر شریف کس قدر ہے؟کہا مجھے تحقیق تو یاد نہیں مگر جس زمانے مین سکندر ذوالقرنین امیر تیمور سے لڑرہا تھا میں جوان تھا سلطان نے فرمایا:علاوہ کشف و کراماتِ درفن تاریخ ہم کمالے دارند(کشف و کرامات کے علاوہ فنِ تاریخ میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ت)

دیوبندی صاحبوں نے تو ترپن چون ہی برس کا بل رکھا تھا،جناب گنگوہی صاحب سوا سو برس سے بھی اونچے اڑ گئے یعنی شملہ بمقدار علم،اس سنت پر قائم ہو کر اگر کوئی دیوبندی یا تھانوی حضرت گنگوہی صاحب کے تذکرہ میں لکھ دیتا کہ عالیجاب گنگوہیت مآب کو ابن ملجم نے غسل دیا اور یزید نے نماز پڑھائی اور شمر نے قبر میں اتارا،تو کیا مستبعد تھا بلکہ وہ اس سے قریب تر ہوتا دو وجہ سے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ۲۷۳ /۶۲۲ ۴۲ ابو یوسف یعقوب بن ابراھیم دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۱۴

[2] وفیات الاعیان ترجمہ ۸۲۴ قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراهیم دار الثقافة بیروت ۶/ ۳۸۸

[3] وفیات الاعیان ترجمہ ۱۸۹ الحاج حسین بن منصور دار الثقافة بیروت ۲/ ۱۴۵

اوّلاً: ممکن کہ اشتراک اسماء ہو، وفاتِ گنگوہی صاحب کے وقت جو لوگ ان کاموں میں ہوں انکے یہ نام ہوں۔

ثانیاً: بابِ تشبیہ واسع ہے جیسے لکل فرعون موسٰی (ہر فرعون کے مقابلے میں موسٰی ہوتا ہے۔ت) مگر جناب گنگوہی صاحب کے کلام میں کہ امام ابویوسف شاگردِ امام ابوحنیفہ جو سید العلماء تھے کوئی تاویل بنتی نظر نہیں آتی سوا اس کے اتنا عظیم جہل شدید یا حضرت امام پر اتنا بیباکانہ افترائے بعید ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز المجید۔

رابعاً: بفرض صحتِ حکایت یہ معبر کی اپنی مقدار علم ہے ممکن کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے عمر ہی بتائی ہو خواہ مجموع خواہ باقی۔ پانچ انگلیوں سے اشارے میں پانچ یا چھ دن یا ہفتے یا مہینے یا برس یا ساٹھ بہتر برس یا تیس سال دس مہینے گیارہ دن یا اکتیس سال چار مہینے چند دن، بارہ احتمال ہیں، کیا دلیل ہے کہ خواب دیکھنے والے کی عمر اگرچہ بفرضِ غلط امام احمد ہی ہوں روزِ خواب سے آخر تک ان میں سے کسی مقدار پر نہ ہوئی امام احمد کی عمر شریف ستتر (۷۷) سال ہوئی، اگر پانچ برس کی عمر میں خواب دیکھا ہو تو سب میں بڑا احتمال بہتر سال ممکن ہے اور باقی زیادہ واضح ہیں، یا اصل دیکھئے تو امام احمد وامام ابن سیرین کا نام تو دیوبندیوں نے بنالیا۔ کیا دلیل کہ واقعی خواب دیکھنے والے کی ساری عمر چار احتمال اخیر سے کسی شمار پر نہ ہوئی خواب دیکھنے والے کی تاریخ اور دیکھنے والے کی تاریخ ولادت وفات یہ سب صحیح طور پر معلوم ہوئیں اور ثابت ہو کہ اس کی مجموع عمر و باقی عمر کوئی ان میں سے کسی احتمال پر ٹھیک نہیں آتی، اس وقت اس کہنے کی گنجائش ہو کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے اس سے مقدارِ عمر کی طرف اشارہ نہ فرمایا، اور جب کہ ان میں سے کچھ ثابت نہیں تو ممکن کہ حضور حضور نے عمر ہی بتائی ہو معبر کو اس کے جاننے کی طرف راہ نہ تھی لہٰذا اپنی سمجھ کے قابل اسے غیوبِ خمسہ کی طرف پھیر دیا، دیوبندیوں کو تو شاید اس اشارے میں یہ بارہ احتمال سمجھنے بھی دشوار ہوں حالانکہ وہ نہایت واضح ہیں اور ان کے سوا اور دقیق احتمام بھی تھے کہ ہم نے ترک کردیئے۔

شبہہ ثانیہ: کے تین رَد گزری امر اول و دوم و سوم سے۔ رابعاً دیوبندیوں کی عبارت کہ آپ کے علم مشاہدہ میں نقصان ثابت ہو گیا علم غیب پر اطلاع تو ابھی دور ہے جس ناپاک وبیباک طرز پر واقع ہوئی اس کا جواب تو اِن شاء اللہ تعالٰی روزِ قیامت ملے گا مگر ان سفیہوں کو دین کی طرح عقل سے بھی مس نہیں، امر اہم و اعظم و اجل و اعلٰی میں اشتغال بارہا امر سہل سے ذہول کا باعث ہوتا ہے، ایسی جگہ اس کے ثبوت سے ہی اس کا انتفا ہوتا ہے نہ کہ اس کی نفی سے اس کی نفی پر استدلال کیا جائے۔ ولکن الوھابیۃ قوم یجھلون (لیکن وہابی جاہل قوم ہے۔ت)

شبہہ ثالثہ: کے دو رَد گزرے امر اول وسوم سے۔

ثالثًا: یہ حدیث جس طرح دیوبندی نے بتائی صریح افترا ہے، نہ صحیح مسلم میں کہیں اس کا پتا ہے۔

رابعًا: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر اعمالِ اُمت پیش کیے جانے کو غلط و محض افترا کہنا غلط و محض افترا ہے۔ بزار اپنی مسند میں بسندِ صحیح جیدّ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

حیاتی خیرلکم تحدثون ونحدث لکم، ووفاتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فمارأیت من خیر حمدت اللہ علیہ ومارأیت من شر استغفرت اللہ لکم[1]۔	میری زندگی تمہارے لیے بہتر ہے مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تم سے باتیں کرتے ہیں، اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے جب بھلائی دیکھوں گا حمدِ الٰہی بجالاؤں گا اور جب برائی دیکھوں گا تمہاری بخشش چاہوں گا۔ (ت)
اللھم صل وسلم وبارك علیہ صلوۃ تکون لك ولہ رضاء ولحقہ العظیم اداء اٰمین۔	اے اللہ! درود وسلام اور برکت عطا فرما آپ پر ایسا درود جو تیری اور ان کا رضا کا ذریعہ ہو اور اس سے انکے عظیم حق کی ادائیگی ہو۔ آمین۔ (ت)

مسند حارث میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

حیاتی خیر لکم تحدثون وتحدث لکم فاذا انامت کانت وفاتی خیرالکم تعرض علیّ اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ وان رأیت شرا ذٰلك استغفرت اللہ لکم[2]۔	میری جینا تمہارے لیے بہتر ہی مجھ سے باتیں کرتے ہو اور ہم تمہارے نفع کی باتیں تم سے فرماتے ہیں، جب میں انتقال فرماؤں گا تو میری وفات تمہارے لیے خیر ہوگی، تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے اگر نیکی دیکھوں گا حمد الٰہی کروں گا اور دوسری بات پاؤں گا تو تمہاری مغفرت طلب کروں گا۔

[1] البحر الزخار المعروف بمسند البزار حدیث ۱۹۲۵ مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورۃ ۵ /۳۰۸ و ۳۰۹

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر ما قرب الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم من اجلہ دار صادر بیروت ۲ /۱۰۴

ف: حدیث کے مذکورہ بالا الفاظ طبقات ابن سعد میں بکر بن عبداللہ مزنی سے منقول ہے۔

اللھم صل وسلم وبارك علیه قدر رأفته ورحمة بامته ابدا امین۔	اے اللہ! آپ پر ہمیشہ اس قدر درود وسلام اور برکت نازل فرما جس قدر آپ اپنی امت پر مہربان ہیں، آمین (ت)

ابن سعد طبقات اور حارث مسند میں اور قاضی اسمٰعیل بہ سند ثقات بکر بن عبدالبرمزنی سے مرسلاً راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

حیاتی خیر لکم تحدثونی ونحدث لکم فاذا انا مت کانت وفاتی خیرالکم تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیر احمدت اللہ وان رأیت شرا استغفرت لکم۔[1] اللھم صل وسلم وبارك علٰی ھذا الحبیب الذی ارسلته رحمة وبعثته نعمة وعلٰی اله وصحبه عدد کل عمل وکلمة امین۔	میری حیات تمہارے لیے بہتر ہے، جو نئی بات تم سے واقع ہوتی ہے ہم اس کا تازہ علاج فرماتے ہیں جب میں انتقال کروں گا میری وفات تمہارے لیے بہتر ہوگی تمہارے اعمال میرے حضور معروض ہوں گے میں نیکیوں پر شکر اور بدی پر تمہارے لیے استغفار فرماؤں گا۔ اے اللہ تعالٰی! تمام اعمال اور تمام کلمات کی تعداد کے مطابق درود وسلام اور برکت نازل فرما اس حبیب پر جسے تو نے رحمت اور نعمت بنا کر بھیجا ہے، آمین۔ (ت)

امام ترمذی محمد بن علی والدِ عبدالعزیز سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرض الاعمال یوم الاثنین ویوم الخمیس علی اللہ تعالٰی وتعرض علی الانبیاء وعلی الاٰباء والامھات یوم الجمعة فیفرحون بحسناتھم وتزداد وجوھھم بیضا ونزھة فاتقوا	ہر دوشنبہ وپنجشنبہ کو اعمال اللہ کے حضور پیش ہوتے ہیں اور ہر جمعہ کو انبیاء اور ماں باپ کے سامنے، وہ نیکیوں پر خوش ہوتے ہیں اور انکے چہروں کی نورانیت اور چمک بڑھ جاتی ہے، تو اللہ سے ڈرو اور اپنے مردوں کو اپنی بداعمالیوں

[1] کنزالعمال بحوالہ ابن سعد عن بکر بن عبداللہ مرسلاً حدیث ۳۱۹۰۳ موسستہ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۷، الجامع الصغیر بحوالہ ابن سعد عن بکر حدیث ۳۷۷۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۲۲۹

اللہ تعالٰی ولا تؤذوا موتاکم[1]۔ اللھم وفقنا لما ترضاہ ویرضاہ نبینّا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تزداد وجوہ اٰبائنا وامھاتنا بیاضا واشراقا اٰمین۔	سے ایذا نہ دو۔ اے اللہ! ہمیں ایسے اعمال کی توفیق عطا فرما جن پر تُو اور ہمارا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہوں اور ان سے ہمارے ماں باپ کے چہروں کی نورانیت اور چمک میں اضافہ ہو، آمین۔ (ت)

ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اعمال امتی تعرض علیّ فی کلّ یوم جمعۃ، واشتد غضب اللہ علی الزناۃ[2]۔	بے شک ہر جمعہ کے دن میری امت کے اعمال مجھ پر ہوتے ہیں اور زانیوں پر خدا کا سخت غضب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

امام اجل عبداللہ بن مبارک سعید بن مسیّب بن حزن رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

لیس من یوم الا تعرض فیہ علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفھم بسیماھم واعمالھم[3]۔	کوئی دن ایسا نہیں جس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم وآلہ وسلم پر ان کی اُمّت کے اعمال صبح و شام دو دفعہ پیش نہ ہوتے ہوں تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم انہیں ان کی نشانی صورت سے بھی پہچانتے ہیں اور ان کے اعمال سے بھی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تیسیر شرح جامع صغیر میں ہے:

وذٰلک کل یوم کما ذکرہ المؤلف وعدہ من خصوصیاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و تعرض علیہ ایضا مع الانبیاء	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں پیشی تو ہر روز ہے جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے ذکر فرمایا اور اسے حضور کے خصائص سے گنا اور ہر دو شنبہ و پنجشنبہ کو بھی حضور صلی اللہ تعالٰی

[1] نوادر الاصول الاصل السابع واستون والمائۃ الخ دار صادر بیروت ص ۲۱۳

[2] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ۳۵۸ عمران القصیر دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۱۷۹

[3] کتاب الزھد باب فی عرض عمل الاحیاء علی الاموات حدیث دار الکتب العلمیہ بیروت الجزء الرابع ص ۴۲

والاباء یوم الاثنین والخمیس [1] قالہ تحت حدیث ابن سعد المذکور، واللہ تعالٰی اعلم۔	علیہ وآلہ وسلم پر اعمالِ امت انبیاء اور آباء کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔(یہ بات امام مناوی نے حدیث ابن سعد مذکور کے تحت فرمائی ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

اس طرح بارگاہِ حضور میں اعمالِ اُمّت کی پیشی روزانہ ہر صبح وشام کو الگ ہوتی ہے پھر ہر دوشنبہ اور پنجشنبہ کو جدا، پھر ہر جمعہ کو ہفتہ بھر کے اعمال کی پیشی جدا۔ بالجملہ دیوبندیوں کا اسے غلط وافترائے محض کہنا محض اسی بناپر ہے کہ فضائلِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے جلتے ہیں، صحیح حدیثوں کو کیا مانیں جب قرآن عظیم ہی سے بچ کر نکلتے ہیں، اوندھے چلتی ہیں،

"فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ۝۶" [2]۔ (پھر اللہ اور اس کی آیتوں کو چھوڑ کر کون سی بات پر ایمان لائیں گے۔ت)

شبہہ رابعہ: کے دو رُد گزرے امر اول ودوم سے۔

ثالثاً: حدیث ترمذی، جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر شدید اعتراض جمانا چاہا

"وَ سَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۝۲۲۷" [3]۔ (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) اصول محدثین پر محل کلام اور اصولِ دین پر قطعًا حجیت سے ساقط ہے، ترمذی کے یہاں اس کے لفظ یہ ہیں۔

حدثنا محمد بن یحیی ثنا محمد بن یوسف عن اسرائیل ثنا سماك بن حرب عن علقمة بن وائل الکندی عن ابیه ان امرأة خرجت علی عهد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ترید الصلوة فتلقاها رجل فتجللها فقضی حاجته منها فصاحت فانطلق ومر علیها رجل فقالت ان ذٰلك الرجل فعل بی کذا وکذا، ومرت بعصابة	علقمہ بن وائل کندی اپنے باپ (وائل) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے عہد اقدس میں ایک عورت نماز پڑھنے کے لیے نکلی تو اسے ایک مرد ملا جس نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے اپنی حاجت پوری کی وہ عورت چیخی تو وہ شخص چلا گیا، ایک اور شخص اس عورت کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا کہ اس مرد نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔ اور وہ خاتون مہاجرین کی

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث حیاتی خیر لکم مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۵۰۲

[2] القرآن الکریم ۴۵/ ۶

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

من المهاجرين فقالت ان ذالك الرجل فعل بى كذا كذا فانطلقوا فاخذوا الرجل الذى ظنت انه وقع عليها واتوها فقالت نعم هو هذا فاتوا به رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم فلما امر به لرجم قام صاحبها الذى وقع عليها فقال يارسول الله انا صاحبها فقال لها اذهبى فقد غفر الله لك.وقال للرجل قولًا حسنًا.وقال للرجل الذى وقع عليها ارجموه وقال لقد تاب توبة لوتابها اهل المدينة لقبل منهم.هذا حديث حسن غريب صحيح.و علقمة بن وائل بن حجر سمع من ابيه وهواكبر من عبد الجبار بن وائل وعبدالجبار بن وائل لم يسمع من ابيه [1]۔	ایک جماعت کے پاس سے گزری اور کہا اس مرد نے میرے ساتھ ایسا ایسا کیا ہے۔وہ لوگ گئے اور اس مرد کو پکڑ لائے جس کے بارے میں اس خاتون نے گمان کیا تھا کہ اس نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے،جب وہ اسے خاتون کے پاس لائے تو اس نے کہا ہاں یہ وہی ہے،چنانچہ وہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے پھر جب آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا تو وہ شخص اٹھ کر کھڑا ہوگیا جس نے فی الواقع اس عورت سے زنا کیا تھا اور عرض کی کہ یارسول اللہ ! میں نے اس کے ساتھ زنا کیا ہے،چنانچہ آپ نے اس عورت سے فرمایا: جا اللہ تعالٰی نے تیری مغفرت کردی،اور پہلے مرد سے اچھا کلام فرمایا اور دوسرے مرد جس نے حقیقۃً زنا کیا تھا کہ بارے میں فرمایا کہ اس کو سنگسار کردو پھر فرمایا اس نے ایسی توبہ کی کہ اگر تمام اہلِ مدینہ یہ توبہ کرتے تو ان سے قبول کرلی جاتی۔یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے،علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے سماعت کی ہے اور وہ عبدالجبار بن وائل سے بڑے ہیں عبدالجبار نے اپنے باپ سے کچھ نہیں سُنا۔ت)

(ا) وائل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے علقمہ کے سماع میں کلام ہے،امام یحیٰی بن معین ان کی روایت کو منقطع بتاتی ہیں اور اسی پر حافظ نے تقریب میں جزم کیا،میزان میں ہے:

علقمة بن وائل بن حجر صدوق الا ان	علقمہ بن وائل بن حجر صدوق ہے مگر یحیٰی بن معین

[1] جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی المراۃ اذا استکرھت علی الزنا امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۵

یحیی بن معین یقول فیه روایة عن ابیه مرسلة [1]۔	کہتے ہیں کہ اس کی روایت اپنے باپ سے مرسل ہے۔(ت)

تقریب میں ہے:

علقمة بن وائل صدوق الا انه لم یسمع من ابیه [2]۔	علقمہ بن وائل صدوق ہے مگر اپنے باپ سے اس نے کچھ نہ سنا۔(ت)

(۲) پھر سماک بن حرب میں کلام ہے، تقریب میں ہے:

قد تغیر باخبرہ فکان ربما یلقن [3]۔	آخر عمر میں وہ متغیر ہوگئے تھے چنانچہ بسا اوقات انہیں تلقین کی جاتی تھی۔(ت)

امام نسائی نے اس کے باب میں یہ فیصلہ کیا کہ جس حدیث کے تنہا وہی راوی ہوں حجت نہیں۔ میزان میں ہے:

قال النسائی اذا انفرد باصل لم یکن بحجة لانه کان یلقن فیتلقن [4] اھ وقد انقد الحافظ علی الترمذی تصحیحاته بل وتحسیناته کما بیناہ فی مدارج طبقات الحدیث وغیرھا من تصانیفنا۔	نسائی نے کہا جس حدیث میں علقمہ منفرد ہو وہ حجت نہیں کیونکہ انہیں بات سمجھائی جاتی تب وہ سمجھتے اور حافظ نے ترمذی پر اس کی تصحیحات بلکہ اس کی تحسینات پر تنقید کی، جیسا کہ ہم نے اپنی تصانیف مدارج طبقات الحدیث وغیرہ میں اس کو بیان کیا ہے۔(ت)

اور اس پر ظاہر کہ اس حدیث کا مدار سماک پر ہے۔

(۳) ابوداؤد نے یہ حدیث بعینہٖ اسی سند سے روایت کی اور اسی میں یہ لفظ **لیرجم** (کہ اسے رجم کیا جائے۔(ت)) جو منشاء اعتراض وہابی ہے، اصلاً نہیں، اس کی سند یہ ہے:

حدثنا محمد بن یحیی بن فارس	ہمیں حدیث بیان کی محمد بن یحییٰ بن فارس نے وہ

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۵۷۶۱ علقمہ بن وائل دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۰۸

[2] تقریب التہذیب ترجمہ ۴۷۰۰ علقمہ بن وائل دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۶۸۷

[3] تقریب التہذیب ترجمہ ۲۶۳۲ علقمہ بن وائل دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۹۴

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ۳۵۴۸ سماك بن حرب دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۲۳۳

نا فریابی نا اسرائیل نا سماك بن حرب عن علقمة بن وائل عن ابیه[1]۔	کہتے ہیں ہمیں فریابی نے وہ کہتے ہیں ہمیں اسرائیل نے وہ کہتے ہیں ہمیں سماک بن حرب نے علقمہ بن وائل سے انہوں نے اپنے باپ سے حدیث بیان کی۔(ت)

اور محل احتجاج میں لفظ صرف یہ ہیں:

فقالت نعم هو هذا فاتوا به رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فلما امر به قام صاحبها الذی وقع علیها فقال رسول الله انا صاحبها[2]۔	اس عورت نے کہاہاں یہ وہی ہے چنانچہ وہ لوگ اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔جب آپ نے اس کے بارے میں حکم دیا تو وہ شخص کھڑا ہوگیا جس نے فی الواقع اس عورت سے زناء کیا تھااور عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم میں نے اس کے ساتھ زناء کیاہے۔(ت)

آخر میں:

قال ابوداؤد رواہ اسباط بن نصر ایضا عن سماك[3]۔	ابوداؤد نے کہااس کو اسباط بن نصر نے بھی سماک سے روایت کیاہے۔(ت)

یہاں امر بہ مطلق ہے ممکن کہ تحقیقات کے لیے حکم فرمایا یہ بھی سہی کہ بقدرِ حاجت کچھ سخت گیری کرو قید کرو کہ اگر گناہ کیاہو اقرار کرے کہ شرعًا متہم کی تعزیر جائز ہے۔جامع ترمذی میں حسن بن معاویہ بن خیدہ قشیری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

حدثنا علی بن سعید الکندی ثنا ابن المبارك عن معمر عن بهزین حکیم عن ابیه عن جده ان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم حبس	ہمیں حدیث بیان کی علی بن سعید کندی نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی ابن مبارک نے انہوں نے معمر سے انہوں نے بہز بن حکیم سے انہوں نے بواسطہ اپنے باپ اپنے دادا سے روایت کیاکہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو

[1] سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی صاحب الحد یجیئ فیقر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی صاحب الحد یجیئ فیقر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۵

[3] سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فی صاحب الحد یجیئ فیقر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۴۶

رجلافی تہمۃ ثم خلی عنہ"قال الترمذی وفی الباب عن ابی ھریرۃ حدیث بھز عن ابیہ عن جدہ حدیث حسن،وقدروی اسمعیل بن ابراہیم عن بھزبن حکیم ھذا الحدیث اتم من ھذا واطول اھ[1] قلت سندالترمذی حسن،علی وبھزوحکیم کلھم صدوق ما اشارالیہ من روایۃ اسمعیل بن ابراھیم فقد رواھا ابن ابی عاصم فی کتاب العفو،قال حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ ثناء ابن عُلیۃ عن بھزعن ابیہ عن جدہ ان اخاہ اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال جیرانی علی ما اخذوا فاعرض عنہ فاعاد قولہ فاعرض عنہ وساق القصۃ قال فی اخرھا خلوالہ عن جیرانہ[2]۔	کسی تہمت میں محبوس فرمایا پھر چھوڑ دیا۔اس باب میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی روایت ہے۔بہز کی حدیث بواسطہ اپنے باپ اپنے دادا سے حسن ہے۔تحقیق اسمٰعیل بن ابراہیم نے بہز بن حکیم سے اس حدیث کو اتم واطول روایت کیا ہے۔اھ میں کہتا ہوں ترمذی کی سند حسن ہے،علی،بہز اور حکیم تمام صدوق ہیں۔اسمٰعیل بن ابراہیم کی روایت سے جس حدیث کی طرف ترمذی نے اشارہ کیا ہے۔اس کو ابن ابی عاصم نے کتاب العفو میں روایت کیا،کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابوبکر بن ابی شیبہ نے انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی ابن علیہ نے انہوں نے بہز سے انہوں نے بہز سے انہوں نے بواسطہ اپنے آپ کے اپنے دادا سے روایت کی کہ اُن کے بھائی نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری پڑوسی کس بنیاد پر پکڑے گئے،آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اعراض فرمایا۔انہوں نے بات دہرائی،آپ نے پھر اعراض فرمایا،اور پورا قصہ بیان کیا،اس کے آخر میں ہے کہ آپ نے فرمایااس کی خاطر اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔(ت)

(۴)امام بغوی نے مصابیح میں یہ حدیث ذکر کی اور اس میں سرے سے دوسرے شخص کا جس پر غلطی سے تہمت ہوئی تھی قصہ ہی نہ رکھا،مصابیح کے لفظ یہ ہیں:

عن علقمۃ بن وائل عن ابیہ	علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل سے راوی ہیں کہ

[1] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی الحبس فی التہمۃ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۰

[2] حدیث بالمفھوم سنن ابی داؤد کتاب القضاء ۲/ ۱۵۵ ومسند احمد بن حنبل ۵/ ۴

ان امرأۃ خرجت علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ترید الصلوۃ فتلقاھا رجل فتجللھا فقضی حاجتہ منھا فصاحت صحیۃ وانطلق ومرت بعصابۃ من المھاجرین فقالت ان ذلک فعل بی کذاو کذا، فاخذوا الرجل فاتوابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال لھا اذھبی فقد غفر اللہ لک وقال للرجل الذی وقع علیھا ارجموہ وقال لقد تاب توبۃ لوتابھا اھل المدینۃ لقبل منھم[1]۔	ایک عورت نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نماز کے ارادہ سے نکلی تو ایک مرد اسے ملا جو اس پر چھا گیا۔اس نے عورت سے اپنی حاجت پوری کرلی۔وہ چیخی تو وہ مرد چلا گیا، مہاجرین کی ایک جماعت وہاں سے گزری تو وہ عورت بولی کہ اس شخص نے مجھ سے ایسا ایسا کیا ہے۔لوگوں سے اس شخص کو پکڑ لیا پھر اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائے تو حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے اس عورت سے فرمایا تو جا تجھے اللہ تعالٰی نے بخش دیا ہے۔اس شخص کے بارے میں فرمایا جو اس پر چھا گیا تھا کہ اسے رجم کردو،اور فرمایا یقیناً اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر یہ توبہ سارے مدینہ والے کرتے تو ان کی توبہ قبول ہو جاتی۔

یہ بالکل وبے دغدغہ ہے، مشکوٰۃ میں اسے ذکر کرکے کہا رواہ الترمذی وابوداؤد[2] (اس کو ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ت)۔

(۵) اس لفظ ترمذی میں اصل علت یہ ہے کہ اگر کوئی عورت دھوکے سے کسی مرد پر زنا کی تہمت رکھ دے اور حاکم کے حضور نہ وہ مرد اقرار کرے نہ اصلاً کوئی شہادت معائنہ گزرے تو چار درکنار ایک گواہ بھی نہ ہو تو کیا ایسی صورت میں حاکم کو روا ہے کہ صرف عورت کے نام لے دینے سے اس کے رجم و قتل کا حکم دے دے، حاشا ہرگز نہیں، ایسا حکم قطعاً، یقیناً، اجماعاً قرآن عظیم و شریعتِ مطہرہ کے بالکل خلاف اور صریح باطل و ظلم و خونِ انصاف ہے، اس سے کوئی شخص انکار

---

[1] مصباح السنۃ کتاب الحدود حدیث ۲۶۵۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۱۱۲

[2] مشکوۃ المصابیح کتاب الحدود، الفصل الثانی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۳۱۲

نہیں کرسکتا، اور یہاں اسی قدر واقعہ تھا ہمارے ائمہ کے یہاں مقبول ہے مگر انقطاع باطن باجماعِ علماء مردود و باطل و مخذول ہے اگرچہ کیسی ہے سند لطیف و صحیح سے آئے نہ کہ یہ سند کہ بوجوہ محلِ نظر ہے، سماک کے سوا اسرائیل میں بھی اختلاف ہے اگرچہ راجح توثیق ہے۔ امام علی مدینی نے فرمایا: **اسرائیل ضعیف** [1]۔ (اسرائیل ضعیف ہے۔ت) ابن سعد نے کہا: **منھم من یستضعفہ** [2]۔ (اُن میں سے بعض اُسی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ت) یعقوب بن شیبہ نے کہا: **صالح الحدیث وفی حدیثہ لین** [3] (صالح الحدیث ہے اس کی حدیث میں کمزوری ہے۔ت) میزان میں ہے: **کان یحیی القطان لایرضاہ** [4]۔ (یحیٰی قطان اُسے پسند نہ کرتے تھے۔ت)

ابن حزم نے کہا: ضعیف، اور ان کی متابعت کہ اسباط بن نصر نے کی، ان کا حال تو بہت گرا ہوا ہے۔ تقریب میں کہا:

صدوق کثیر الخطایغرب اھ [5]۔ امام احاول بہ التفصی عنہ فی حامش نسخۃ الطبع اذ قال لعل المراد فلما قارب ان یامر بہ وذلك قالہ الراوی نظر الی ظاھرا لامر حیث انھم احضروہ فی المحکم عند الامام والامام اشتغل بالتفتیش عن حالہ اھ [6]۔ **فاقول**: لایجدی نفعا	صدوق ہے بہت خطا کرتا ہے نوادرات بیان کرتا ہے۔اھ (ت) مطبوعہ نسخے کے حاشیے میں مُحشی نے یوں کہہ کر اشکال سے بچنے کا ارادہ کیا ہے کہ شاید مراد اس سے یہ ہو کہ جب اپ رجم کا حکم دینے کے قریب ہوئے اور راوی نے ظاہر امر کو دیکھتی ہوئے یہ کہہ دیا کہ آپ نے رجم کا حکم دیا۔ اس لیے کہ لوگوں نے اُس شخص کو امام کے پاس کچہری میں پیش کیا اور امام اس کے حال کی تفتیش میں مشغول ہوئے۔اھ (ت) **فاقول**: (تو میں کہتا ہوں) یہ کچھ نفع نہیں

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۸۲۰ اسرائیل بن یونس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۸۲۰ اسرائیل بن یونس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۹

[3] میزان الاعتدال ترجمہ ۸۲۰ اسرائیل بن یونس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۹

[4] میزان الاعتدال ترجمہ ۸۲۰ اسرائیل بن یونس دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۰۹

[5] تقریب التھذیب ترجمہ ۳۲۱ اسباط بن نصر دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۷۶

[6] جامع الترمذی باب الحدود باب ماجاء فی المراۃ اذا استکرھت علی الزناء (حاشیہ) امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۵

فان الاشتغال بالتفتیش لایفهم قرب الامر بالرجم مالم یکن هناك شیئ یثبته وماکان هناك شهود ولااقرار وما کان النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لیامر بقتل مسلم من دون ثبت فکیف یظهر للناظر قرب الامر بالرجم رجما بالغیب بل نسبة مثل هذا ا الفهم الرکیك الباطل الذی یترفع عنه احاد الناس الی الصحابة رضی الله تعالٰی عنهم ثم ادعاء انهم اعتمدوا علیه کل الاعتماد حتی نسبوا الامر بالرجم الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ازراء بالصحابة وهو یرفع الامان عن روایاتهم، ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العظیم۔	دیتا کیونکہ تفتیش میں مشغول ہونے سے رجم کا حکم دینے کے قریب ہونا نہیں سمجھا جاتا جب تک وہاں اس کو ثابت کرنے والی کوئی شے نہ پائی جائے، جب کہ وہاں نہ گواہ ہیں نہ اقرار اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم بغیر ثبوت کے کسی مسلمان کے قتل کا حکم نہیں دیتے تو ناظر پر محض تخمینے سے امرِ رجم کیسے ظاہر ہوگیا، بلکہ ایسے باطل و رکیک فہم جس سے عام لوگ بھی منزہ ہوں کی نسبت صحابہ کرام کی طرف کرنا پھر یہ دعوت کرنا کہ انہوں نے اس پر مکمل اعتماد کرلیا اور امرِ رجم کو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا صحابہ کرام پر جسارت ہے اور یہ ان کی روایت سے امان کو اٹھادے گا۔ بُلندی و عظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت ہے۔ (ت)

رابعًا: یہ سب علم ظاہر کے طور پر تھا اور علم حقیقت لیجئے تو وہابیہ کا عجب اوندھا پن قابل تماشا ہے وہ حدیث کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علوم غیب پر روشن دلیل ہے اس کو کو الٹی دلیل نفی ٹھہراتے ہیں، اللہ عزوجل نے ہمارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو شریعت و حقیقت دونوں کا حکم بنایا حضور کے احکام شریعتِ ظاہرہ پر ہوتے اور کبھی حقیقتِ باطنہ پر حکم فرماتے مگر اس پر زور نہ دیا جاتا۔ ابن ابی شیبہ وابویعلی وبزار و بیہقی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال ذکروا رجلا عند النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فذکروا قوته فی الجهاد واجتهاده فی العبادة فاذا هم بالرجل مقبل فقال النبی صلی الله تعالٰی علیه و اله وسلم انی لاجد فی وجهه سفعة من الشیطان فلمادنی فسلم فقال له	صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے ایک شخص کی تعریف کی کہ جہاد میں ایسی قوت رکھتا ہے اور عبادت میں ایسی کوشش کرتا ہے، اتنے میں وہ سامنے سے گزرا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس کے چہرے پر شیطان کا داغ پاتا ہوں۔ اس نے پاس آکر سلام کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی

رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل حدثت نفسك بانہ لیس فی القوم احد خیرمنك؟ قال نعم، ثم ذھب فاختط مسجدا و وقف یصلی، فقال رسول اللہ ایکم یقوم فیقتلہ؟ فقام ابوبکر فانطلق، فوجدہ یصلی، فرجع، فقال وجدتہ قائمًا یصلی، نھبت ان اقتلہ؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ایکم یقوم فیقتلہ؟ فقال عمر فصنع کما صنع ابوبکر، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ایکم یقوم فیقتلہ؟ فقال علی انا قال انت ان ادرکتہ فذھب فوجدہ قد انصرف فرجع، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا اول قرن خرج فی امتی لوقتلتہ مااختلف اثنان بعدہ من امتی[1]۔	علیہ وآلہ وسلم نے اس کے دل کی بات بتائی کہ کیوں تونے اپنے دل میں کہا کہ اس قوم میں تجھ سے بہتر کوئی نہیں۔ کہا ہاں، پھر چلا گیا اور ایک مسجد مقرر کرکے نماز پڑھنے کھڑا ہوا، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ کون ایسا ہے جو اٹھ کر جائے اور اسے قتل کردے؟ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ گئے، دیکھا وہ نماز پڑھتا ہے واپس آئے اور عرض کیا کہ میں نے اسے نماز میں دیکھا مجھے قتل کرتے خوف آیا۔ حضور نے پھر فرمایا تم میں کون ایسا ہے کہ اٹھ کر جائے اور اُسے قتل کردے؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ گئے اور نماز پڑھتا دیکھ کر چھوڑ آئے اور وہی عذر کیا۔ حضور نے پھر فرمایا۔ تم میں کون ایسا ہے جو اٹھ کر جائے اور اسے قتل کردے؟ مولٰی علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کی میں حضور نے فرمایا: ہاں تم اگر اسے پاؤ۔ یہ گئے وہ جاچکا تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ میری امت سے پہلی سینگ نکلا تھا اگر یہ قتل ہوجاتا تو آئندہ امت میں کچھ اختلاف نہ پڑتا۔

خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر کیا گیا جس نے چوری کی تھی، ارشاد ہوا اسے قتل کردو، عرض کی گئی اس نے چوری ہی تو کی ہے۔ فرمایا: خیر ہاتھ کاٹ دو۔ پھر اس نے دوبارہ چوری کی اور قطع کیا گیا، سہ بارہ زمانہ صدیق اکبر میں پھر چرایا اور قطع کیا گیا۔ چوتھی بار پھر چوری کی اور قطع کیا گیا۔ پانچویں بار پھر چرایا۔

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماروی فی اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجل الذی وصف الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۲۸۷و۲۸۸، مسند ابویعلٰی عن انس حدیث ۳۶۵۶و۴۱۱۳و۴۱۲۸ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۴/ ۸تا۱۰و۱۵۴و۱۵۵و۱۶۲، کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب اہل البغی باب علامتھم وعبادتھم مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۶۰

صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تیری حقیقت خوب جانتے تھے جب کہ اول ہی بار تیرے قتل کا حکم فرمایا تھا تیرا وہی علاج ہے جو حضور کا ارشاد تھا۔ لے جاؤ اسے قتل کردو۔ اب قتل کیا گیا۔

ابو یعلٰی اور شاشی اور طبرانی معجم کبیر اور حاکم صحیح مستدرک میں، ضیائے مقدسی صحیح مختارہ میں محمد بن حاطب اور حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح ان کے بھائی حارث بن حاطب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلص فامر بقتلہ فقیل انہ سرق فقال اقطعوہ ثم جیئ بہ بعد ذٰلك الی ابی بکر وقد قطعت قوائمہ فقال ابوبکر ماا جدلك شیئا الاماقضی فیك رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم امر بقتلك فانہ کان اعلم بك فامر بقتلہ [1]۔	کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا آپ نے فرمایا اس کو قتل کردو، عرض کی گئی کہ اس نے چوری ہی تو کی ہے، فرمایا اس کا ہاتھ کاٹ دو پھر اسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس اس حال میں لایا گیا کہ اس کے تمام ہاتھ پاؤں کاٹے جاچکے تھے۔ تو آپ نے فرمایا میں اس کے بغیر تیرا علاج نہیں جانتا جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تیرے بارے میں فیصلہ فرمایا تھا کہ اس کو قتل کردو وہ تیرا حال خوب جانتے تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ (ت)

صحیح مستدرک کے لفظ حارث بن حاطب سے یہ ہیں:

ان رجلا سرق علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاتی بہ فقال اقتلوہ فقالوا انما سرق، قال فاقطعوہ ثم سرق ایضا فقطع	ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں چوری کی اُسے آپ کی بارگاہ میں لایا گیا آپ نے فرمایا۔ اس کو قتل کردو، عرض کی گئی اس نے چوری ہی تو کی ہے، فرمایا اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ اس

[1] کنز العمال بحوالہ ع والشاشی طب ك ص حدیث ۱۳۸۶۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۵/ ۵۳۸

ثم سرق علی عھد ابی بکر فقطع، ثم سرق فقطع، حتّی قطعت قوائمہ، ثم سرق الخامسۃ فقال ابو بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعلم بھٰذا حیث امر بقتلہ اذھبوا بہ فاقتلوہ [1]	نے پھر چوری کی پھر قطع کیا گیا۔ زمانہ صدیقی میں پھر چوری کی پھر قطع کیا گیا، پھر چوری کی پھر قطع کیا گیا۔ یہاں تک کہ اس کے تمام ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے پانچویں مرتبہ اس نے پھر چوری کرلی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اس کا حال خوب جانتے تھے جب کہ آپ نے پہلی مرتبہ ہی اس کے قتل کا حکم صادر فرمایا تھا۔ اس کو لے جاؤ اور قتل کردو۔ (ت)

ظاہر ہے کہ ان دونوں کے قتل کا حکم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے علوم غیب ہی کی بنا پر فرمایا تھا ورنہ ظاہر شریعت میں وہ مستحقِ قتل نہ تھے۔ امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی سلمہ اللہ تعالٰی خصائص کبرٰی شریف میں فرماتے ہیں:

باب ومن خصائصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ جمع بین القبلتین والھجرتین وانہ جمعت لہ الشریعۃ والحقیقۃ ولم یکن للانبیاء الا احدھما بدلیل قصۃ موسٰی مع الخضر علیھما الصلوۃ و السلام وقولہ انی علی علم من علم اللہ لاینبغی لک ان تعلمہ وانت علی علم من علم اللہ تعالٰی لاینبغی لی ان اعلمہ	باب اور حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ دو قبلوں اور دو ہجرتوں کے جامع ہیں۔ اور یہ کہ آپ کے لیے شریعت وحقیقت کو جمع کردیا گیا۔ دیگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں سے کسی میں یہ دونوں وصف جمع نہ ہوئے بلکہ وہ صرف ایک وصف کے ساتھ متصف ہوئے۔ اس کی دلیل سیّدنا موسٰی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ ہے۔ اور حضرت خضر علیہ السلام کا وہ قول کہ آپ نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے کہا: میں اللہ تعالٰی کی طرف سے ایسے علم کا حامل

[1] المستدرک للحاکم کتاب الحدود حکایۃ سارق قتل فی الخامسۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۸۲

وقد کنت قلت ھذا الکلام اولا استنباطا من ھذا الحدیث من غیر ان اقف علیہ فی کلام احد من العلماء ثم رأیت البدر بن الصاحب اشار الیہ فی تذکرتہ ووجدت من شواھدہ حدیث السارق الذی امر بقتلہ والمصلی الذی امر بقتلہ وقد تقدم فی باب الاخبار بالمغیبات۔

ہوں جسے جاننا آپ کو مناسب نہیں اور آپ کو منجانب اللہ ایسا علم عطا ہوا جس کو جاننا مجھے مناسب نہیں۔(امام سیوطی فرماتے ہیں) میں پہلے یہ بات حدیث سے استنباط کرکے کہا کرتا تھا بغیر اس کے کہ میں اس بارے میں کسی عالم کے کلام پر مطلع ہوتا۔اس کے بعد میں نے دیکھا کہ بدر بن الصاحب نے اپنے تذکرہ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔اور میں نے اس کے شواہد میں وہ حدیث پائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک چور کو قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ حدیث کہ جس میں آپ نے ایک نمازی کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا،دونوں مذکورہ حدیثیں اس سے قبل الاخبار بالمغیبات کے باب میں گزر چکی ہیں۔

زیادۃ ایضاح لھذا الباب: فقد اشکل فھمہ علی قوم ولو تأملوا لاتضح لھم المراد بالشریعۃ الحکم بالظاھر وبالحقیقۃ الحکم بالباطن وقد نص العلماء علی ان غالب الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام انما بعثوا لیحکموا بالظاھر دون ما اطلعوا علیہ من بواطن الامور وحقائقھا وبعث الخضر علیہ السلام لیحکم بما اطلع علیہ من بواطن الامور وحقائقھا ولکون الانبیاء لم یبعثوا بذلك

اس باب کی مزید وضاحت: تحقیق لوگوں کو اس کے سمجھنے میں مشکل پیش آئی اور اگر وہ غور وفکر کرتے تو مطلب واضح ہوجاتا کہ شریعت سے مراد ظاہری حکم اور حقیقت سے مراد باطنی حکم ہے،بے شک علمائے کرام نے اس بات کی تصریح فرمائی کہ اکثر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اس لیے مبعوث ہوئے کہ وہ ظاہر پر حکم کریں نہ کہ امور باطنیہ اور ان کے حقائق پر جن سے وہ مطلع ہوئے۔اور حضرت خضر علیہ السلام کی بعثت اس پر ہے کہ وہ اس پر حکم دیں اور جو امور باطنیہ اور اس کے حقائق سے متعلق ہیں اور جس پر ان کو اطلاع و

انکر موسٰی علیه قتله الغلام وقال له لقد جئت شیئا نکرا لان ذلك خلاف الشرع فاجابه بانه امر بذالك وبعث به فقال وما فعلته عن امری "(ذلك تاویل) و هذا معنی قوله له انّك علی علم الٰی اخره۔	خبر ہے چونکہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اس کے ساتھ بعثت نہیں ہوئی یہی وجہ ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے اس بچہ کے قتل پر اعتراض کیا جس کو حضرت خضر علیہ السلام نے قتل کیا تھا اور ان سے کہا بے شک تم نے بہت بری بات کی اس لیے کہ قتلِ نفس شریعت کے خلاف ہے، لہٰذا اس کا جواب حضرت خضر علیہ السلام نے دیا کہ انہیں اسی کا حکم دیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ بھیجا گیا ہے اور کہا کہ یہ قتل میں نے اپنے ارادے سے نہیں کیا ہے اور یہی مطلب ان کے اس کہنے کا ہے جو کہ انہوں نے کہا تھا میں اللہ تعالٰی کی طرف سے ایسے علم کا حامل ہوں جسے جاننا آپ کو مناسب نہیں۔الخ۔
قال الشیخ سراج الدین البلقینی فی شرح البخاری المراد بالعلم التنفیذ والمعنی لاینبغی لك ان تعلمه لتعمل به لان العمل به مناف لمقتضی الشرع ولا ینبغی ان اعلمه فاعمل بمقتضاه لانه مناف لمقتضی الحقیقة قال فعلی هذا لایجوز لولی التابع للنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم	شیخ سراج الدین بلقینی رحمۃ تعالٰی علیہ نے شرح بخاری میں فرمایا کہ علم سے مراد حکم کا نافذ کرنا ہے اور ان کے اس کہنے کا مطلب یہ تھا کہ مناسب نہیں ہے کہ آپ اس کا علم حاصل کریں تاکہ آپ اس پر حکم نافذ کریں، کیونکہ اس پر عمل کرنا تقاضائے شریعت کے خلاف ہے، اور نہ یہ مناسب ہے کہ میں اسے حاصل کروں اور اس کے مقتضاء پر عمل کروں کیونکہ یہ بھی مقتضائے حقیقت کے منافی ہے۔ شیخ سراج الدین رحمۃ اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا اس قاعدے کے بموجب اس ولی کے لیے جائز نہیں ہے جو نبی کریم صلی اللہ

اذا اطلع حقیقۃ ان ینفذ ذلك بمقتضی الحقیقۃ وانما علیہ ان ینفذ الحکم الظاھر انتھی۔	تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا تابع ہے کہ جب وہ حقیقت پر مطلع ہو تو وہ بہ مقتضائے حقیقت اس کا نفاذ کرے بے شک اس پر یہی لازم ہے کہ حکمِ ظاہر کو نافذ کرے۔انتہی۔
وقال الحافظ ابن حجر فی الاصابۃ قال ابوحبان فی تفسیرہ الجمھور علی ان الخضر نبی وکان علمہ معرفۃ بواطن اوحیت الیہ وعلم موسٰی الحکم بالظاھر فاشار الٰی ان المراد فی الحدیث بالعلمین الحکم بالباطن والحکم بالظاھر لاامر اٰخر۔	حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے الاصابہ میں فرمایا کہ ابوحبان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا کہ جمہور اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں اور انکا علم ان امورِ باطنیہ کی معرفت تھی جس کی انہیں وحی کی گئی جب کہ حضرت موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کا علم ظاہر پر حکم لگانا تھا حدیث میں دو علوم جن کی طرف اشارہ فرمایا ہے اس سے مراد ظاہر و باطن پر حکم لگانا ہے،اس کے علاوہ کوئی دوسرا مطلب مراد نہیں ہے۔
وقد قال الشیخ تقی الدین السبکی ان الذی بعث بہ الخضر شریعۃ لہ فالکل شریعۃ واما نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فانہ امر اولًا ان یحکم بالظاھر دون ما اطلع علیہ من الباطن والحقیقۃ کغالب الانبیاء علیھم الصلوۃ والسلام،ولھذا قال نحن نحکم بالظاھر،وفی لفظ انما اقضی بالظاھر	شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا وہ حکم جس کے ساتھ حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام مبعوث ہوئے وہ ان کی شریعت تھی لہٰذا یہ سب شریعت ہے،اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ابتداء میں یہ حکم فرمایا گیا کہ ظاہر پر حکم فرمائیں اور اس باطن و حقیقت پر حکم نہ دیں جس کی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہے جس طرح کہ اکثر انبیاء علیہم السلام کا معمول تھا۔اسی بناء پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم تو ظاہر پر حکم دیتے ہیں"۔

www.dawateislami.net

واللہ یتولی السرائر وقال انما اقضی بنحو ما اسمع فمن قضیت لہ بحق اخر فانما ھی قطعۃ من النار وقال للعباس اما ظاھرك فکان علینا واما سریرتك فالی اللہ وکان یقبل عذر المتخلفین عن غزوۃ تبوك ویکل سرائرھم الی اللہ وقال فی تلك المرأۃ لو کنت راجما احدا من غیر بینۃ لرجمتھا وقال ایضا لولا القرآن لکان لی ولھا شان فھذا کلہ صریح فی انہ انما یحکم بظاہر الشرع بالبینۃ اوالاعتراف دون ما اطلعہ اللہ علیہ من بواطن الامور وحقائقھا ثم ان اللہ زادہ شرفا واذن لہ ان یحکم بالباطن وما اطلع	ایک روایت میں اس طرح ہے میں تو ظاہر پر فیصلہ دیتا ہوں باطن حالات کا خدا عزوجل مالک ہے۔ اور یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں تو اسی پر فیصلہ دیتا ہوں جیسا کہ میں سنتا ہوں، لہٰذا میں نے جس کے لیے دوسرے کے حق کا فیصلہ کردیا ہے تو وہ یہ جان لے کہ وہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ اور یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا جہاں تک تمہارے ظاہر کا تعلق ہے تو وہ ہمارے ذمہ ہے لیکن جو تمہاری باطنی حالت ہے وہ اللہ عزوجل کے ذمہ ہے اور یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے رہ جانے والوں کی معذرت قبول فرماتے تھے اور ان کے باطنی حالات کو اللہ تعالٰی کے سپرد فرماتے تھے۔ اور یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ایک عورت کے بارے میں فرمایا۔ اگر میں بغیر دلیل و شہادت کے کسی کو سنگسار کرتا تو ضرور اس عورت کو سنگسار کرتا اور یہ بھی فرمایا کہ اگر قرآن نہ ہوتا تو یقینا میرے لیے اور اس عورت کے لیے کچھ اور ہی معاملہ ہوتا۔ یہ تمام نظائر اور شواہد اس بات کے مظہر ہیں کہ آپ کو دلیل و شہادت یا اعتراف واقرار کے ساتھ ظاہر شریعت پر فیصلہ دینے کا حکم ہوا نہ کہ اس پر جو باطنی امور پر اللہ عزوجل نے آپ کو مطلع فرمایا

عليه من حقائق الامور فجمع له بين ماكان للانبياء و ماكان للخضر خصوصية خصه الله بها ولم يجمع الامر ان لغيره، وقد قال القرطبي فی تفسيره اجمع العلماء عن بكرة ابيهم ان ليس لاحد ان يقتل بعلمه الا النبي صلى الله تعالٰى عليه وسلم وشاهد ذٰلك حديث المصلیّ والسارق الذين امر بقتلهما فانه اطلع على باطن امرهما وعلم منهما مايوجب القتل۔	اور اس کے حقائق آپ پر واضح فرمائے۔اس کے بعد اللہ عزوجل نے آپ کے شرف کو اور زیادہ فرمایا اور آپ کو اجازت فرمائی کہ آپ باطن پر حکم لگائیں اور جن امور کی حقیقتوں کی آپ کو اطلاع دی گئی ہے اس پر فیصلہ فرمائیں تو اس طرح آپ ان تمام معمولات کے جو انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے لیے تھے اور اس خصوصیت کے ساتھ جو حضرت خضر علیہ السلام کے لیے اللہ عزوجل نے خاص فرمائے جامع تھے اور یہ امر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی اور نبی میں جمع نہیں کیا گیا۔اور امام قرطبیؒ علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں فرمایا علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اپنے علم کے ساتھ کسی کے قتل کا حکم دے سوائے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے۔اس کی شاہد اس نمازی اور چور والی حدیث ہے جن کے قتل کرنے کا حکم حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا کیونکہ اللہ تعالٰی نے ان دونوں کے باطنی حالات پر آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو مطلع فرمادیا تھا اور ان دونوں کے بارے میں آپ کو علم ہوگیا تھا کہ واجب القتل ہیں۔اگرچہ ان کا قتل کچھ عرصہ بعد واقع ہوا۔)
ولوتفطن الذين لم يفهموا الى استشهادی بهذين الحديثين فی اخر الباب	(امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں)کاش کہ یہ علماء اعلام اس بات کو سمجھ سکتے جس کو انہوں نے نہیں سمجھا جس کی طرف میں نے آخر باب میں ان

لعرفوا ان المراد الحکم بالظاهر والباطن فقط لاشیئ اخر لایقوله مسلم ولا کافر ولا مجانین المارستان، وقد ذکر بعض السلف ان الخضر الی الاٰن ینفذ الحقیقة وان الذین یموتون فجأةً هو الذین یقتلهم فان صح ذلك فهو فی هذه الامة بطریق النیابة عن النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فانه صار من اتباعه کما ان عیسی علیه السلام لما ینزل یحکم بشریعة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم نیابة عنه ویصیر من اتباعه وامته[1]۔	دونوں حدیثوں کے ساتھ استشہاد کیا ہے۔اگر وہ یہ بات سمجھ جاتے تو یقیناً جان لیتے کہ مراد فقط ظاہر اور باطن کے ساتھ حکم فرمانا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں،اس کے سوااور کوئی بات نہ مسلمان کہہ سکتا ہے اور نہ کافر اور نہ مجنون و پاگل بعض اسلاف رحمہم اللہ تعالٰی نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت خضر علیہ الصلوۃ و السلام اب تک حقیقت کو نافذ کرتی ہیں،اور وہ لوگ جو اچانک مر جاتے ہیں وہ وہی ہوتے ہیں جن کو انہوں نے قتل کیا ہوتا ہے۔اگر یہ بات صحیح ہے تو ان کا یہ عمل اس اُمت میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کیطرف سے بطورِ نیابت ہوگا اور وہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے متبعین میں سے ہوں گے جس طرح کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے ساتھ آپ کی نیابت میں حکم دیں گے وہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے متبعین اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے ہوں گے۔اھ (ت)

اس کلام نفیس سے ثابت کہ عامہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو صرف ظاہر شرع پر عمل کا اذن ہوتا ہے،اور سیدنا خضر علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنے علم مغیبات پر عمل کا حکم ہے،ولہذا انہوں نے ناسمجھ بچہ کو بے کسی جرم ظاہر کے قتل کر دیا اور یہ کہ اب جو ناگہانی موت سے مرجاتے ہیں انہیں بھی وہی قتل فرماتے ہیں،اور ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو ظاہر شرع

[1] الخصائص الکبرٰی باب ومن خصائصه انه جمع بین القبلتین الخ مرکز اہلسنت برکار رضا گجرات ہند ۲/ ۱۹۲،۱۹۱

اور اپنے علومِ غیب دونوں پر عمل و حکم کا رب عزوجل نے اختیار دیا ہے۔ اور امام قرطبی نے اجماعِ علماء نقل فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو اختیار ہے کہ محض اپنے علم کی بناء پر قتل کا حکم فرمادیں اگرچہ گواہ شاید کچھ نہ ہو، اور حضور کے سوا دوسرے کو یہ اختیار نہیں، تو اگر اس نماز والے یا اس چور یا اس شخص کو جس پر عورت نے دھوکے سے تہمت رکھی تھی قتل کا حکم فرمائیں تو یقیناً وہ حضور کے علومِ غیب ہی پر مبنی ہے نہ کہ ان کا نافی۔ کیوں وہابیو! اب تو اپنی اوندھی مَت پر مطلع ہوئے۔ **فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ** (تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔ ت)

مسلمانو! وہابیہ کے مطلب پر بھی غور کیا، حکم کے دو ہی منبے ہوئے، یا ظاہر شرع یا باطنی علومِ غیب، ظاہر ہے کہ یہاں ظاہر کی رُو سے تو اصلاً حکم رجم کی گنجائش نہ تھی، نہ ملزم کا اقرار نہ اصلاً کوئی گناہ، صرف مدعی کا غلط دعوی سن کر قتل کا حکم فرمادیں۔ نبی کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔ آج کل کا کوئی عالم نہ عالم کوئی جاہل حاکم ہی ایسا کر بیٹھے تو ہر عاقل اسے یا سخت جاہل یا پکا ظالم کہے تو حدیث صحیح مان کر راہ نہ تھی مگر اسی طرف کہ حضور نے بربنائے تہمت ہرگز یہ حکم نہ دیا بلکہ بزعم خود اسی کے ابطال کو یہ حدیث لائے ہیں، تو اب سمجھ لیجئے کہ ان کا مطلب کیا ہوا اور انہوں نے تمہارے پیارے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر کیسا بھاری الزام قائم کیا۔ کیوں نہ ہو عداوت کا یہی مقتضٰی ہے۔

"قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾" [1] "وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾" [2] "رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾" [3] وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا و مولانا	بیر ان کی باتوں سے جھلک اُٹھا اور وہ جو سینے میں چھپائے ہیں بڑا ہے ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سُنادیں اگر تمہیں عقل ہو۔ اور جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اے میرے رب تیری پناہ شیطانوں کے وسوسوں سے اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ اور اللہ درود نازل فرمائے ہمارے آقا و مولٰی

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۱۸

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[3] القرآن الکریم ۲۳/ ۹۷و۹۸

محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین و اٰخر دعوٰنا ان الحمدﷲ رب العٰلمین، واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم	محمد مصطفٰی پر، آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر۔اور ہماری دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا، اور اللہ سبحٰنہ و تعالٰی خوب جانتا ہے، اور اس کا علم اتم و احاکم ہے۔(ت)

رسالہ ازاحۃ العیب بسیف الغیب ختم ہوا۔

مسئلہ ۱۵۰: از موضع پارہ پر گنہ مورانواں ضلع اناؤ مسئولہ محمد عبدالرؤف صاحب ۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا عقیدہ ہے کہ قیام کرنا بوقتِ ذکر ولادت شریف بدعت سیئہ ہے کیونکہ اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے مطلق پایا نہیں جاتا اور نہ وہ بات جو بعد قرونِ ثلٰثہ قائم کی گئی قابل ماننے کے ہے۔اور کہتا ہے کہ کیا اُسی وقت حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش ہوتی ہے جو یہ تعظیمی قیام کیا جاتا ہے، یا یہ کہ اُسی وقت آپ کی تشریف آوری ہوتی ہے۔اگر یہ صحیح ہے تو کس مقام مجلس میں آپ متجلی ہوتے ہیں، اگر حضارِ محفل میں آپ رونق افروز ہوتے ہیں، تو یہ اور بے ادبی ہے کہ میلاد خوان منبر پر اور آپ فرشِ زمین پر، اور اگر آپ منبر پر جلوہ فگن ہوتے ہیں تو یہ بھی بے ادبی ہوئی کہ برابری کا مرتبہ ظاہر ہوتا ہے، لہٰذا بہر نوع قیام بدعت سیئہ ہے،اس کے برعکس عمرو محفل میلاد شریف اور قیام تعظیمی و تقسیم شیرینی وغیرہ کو اپنا فرض منصبی اور نہایت درجہ مستحسن اور وسیلہ نجات اور ذریعہ فلاحت دینی و دنیوی سمجھتا ہے، فقط۔

الجواب:

قیام وقت ذکرِ ولادت سید الانام علیہ وعلٰی ذویہ افضل الصلوۃ والسلام بلاشبہ مستحب و مستحسن علمائے اعلام وعادت محبین کرام وغیظ وہابیہ لئام ہے ہم نے اپنے رسالہ اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیامہ لنبی تہامۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وغیرہا میں اسے متعدد آیات قرآن مجید سے ثابت کیا، مگر وہابیہ کو کیا سوجھے۔" لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا٘ "[1]۔(وہ آنکھیں رکھتے ہیں

[1] القرآن ۷/ ۱۷۹

جن سے دیکھتے نہیں۔ت) خصوصًا قرآن عظیم تک ان کی فہم کیا پہنچے، قال اللہ تعالٰی:

"وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ"[1]۔	ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے کہ اسے نہ سمجھیں۔(ت)

ہم جو آیاتِ تلاوت کریں اُن کا کان کیونکر سنے "وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا"[2]۔(اور ان کے کانوں میں گرانی۔ت) راہِ حق کی دعوت انہیں کیا نفع دے۔

"وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا"[3]۔	اور اگر انہیں تم ہدایت کی طرف بلاؤ تو جب بھی ہر گز کبھی راہ نہ پائیں گے۔(ت)

قرونِ ثلٰثہ کی بحث میں وہابیہ کو ہزاروں بار ان کے گھر پہنچا دیا گیا جس کا روشن بیان اصول الرشاد تصنیف لطیف امام العلماء حضرت سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد میں ہے۔مدرسہ دیوبند بایں قوانین مخترعہ تو قرون اثناء عشر کے بعد قائم ہوا پہلے اس کی بنا ڈھائیں اینٹ سے اینٹ بجائیں، یا یہ مسئلہ صرف انہیں چیزوں کے حرام کرنے کو ہے جن میں تعظیم و محبتِ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم والیاء کرام علیہم الرضوان الاتم ہے یہ قیام ذکر تشریف آوری کی تعظیم ہے دل میں عظمت ہو تو جانیں کہ تعظیم ذکر شریف مانند تعظیمِ ذات اقدس ہے۔کما بینہ الامام القاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی فی کتاب الشفاء والامام احمد القسطلانی فی المواهب الشریفۃ جیسا کہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب الشفاء میں اور امام احمد قسطلانی نے مواہب شریفہ میں اسے بیان کیا۔ت) دل کے اندھے اُسے بھلا کر خود ذات کریم کی تشریف آوری ڈھونڈتے ہیں اور بے ادبی گستاخ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ کیا اُسی وقت حضور کی پیدائش ہوتی ہے ہم مدعی نہیں کہ ہر مجلس مبارک میں تشریف آوری ضرور ہے۔ہاں ہوتی ہے، اکابر اولیاء نے بارہا مشاہدہ کی ہے جیسا بہجتہ الاسرار امام اوحد ابوالحسن لخمی شطنوفی و تنویر الحوالک امام جلال الدین سیوطی و تصانیف شاہ ولی اللہ دہلوی وغیرہا میں مذکور ہے اور اس پر بے ہودہ تشقیق کہ فرش پر تشریف رکھتے ہیں یا منبر پر جہل سحیق ہے، ایسا جاہلانہ سوال اُن تمام تشریف آوریوں پر ہو گا جن کا ذکر ائمہ و

---

[1] القرآن ۶/ ۲۵

[2] القرآن ۶/ ۲۵

[3] القرآن ۱۸/ ۵۷

اکابر نے فرمایا اور خود ظاہری حیاتِ اقدس میں تشریف آوری اور تشریف فرمائی کس طرح ہوتی تھی، اور صحیح بخاری شریف کی اُس حدیث کو تو بالکل چھیل کر پھینک دیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مسجد کریم میں حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کرکے نعتِ اقدس سُناتے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہاں تشریف رکھتے تھے، فرش پر حسان سے نیچے یا منبر پر حسان کے برابر؟ جو وہاں جواب دے ویسا بلکہ اس سے اعلٰی یہاں موجود ہے کہ جلوہ فرمائی چشمِ ظاہر سے غیر مشہود ہے اور نور کی جلوہ افروزی فرش وغیرہ سے جدا متعالی از معہود ہے۔ علامہ علی قاری شرح شریف میں فرماتے ہیں:

ان روح النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضرۃ فی بیوت اھل الاسلام [1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی روح پاک تمام مسلمانوں کے گھروں میں تشریف فرما ہے،

یہ تشریف فرمائی زمین پر ہے کہ چھت والے اونچے ہوں یا چھت پر کہ دو منزلہ والے بُلند، اور جن کے چھت نہیں ایک نیچا چھپّر ہے اور اس کے گرد مکان اس گھر میں تشریف فرمائی کس طرح ہے، بلکہ رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ﴿۱۶﴾" [2]۔	ہم آدمی سے اس کی رگِ گردن سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اب ایک شخص لیٹا، دوسرا بیٹھا، تیسرا کھڑا، چوتھا سامنے کی چھت پر چڑھا ہے، رب عزوجل کہ اس لیٹے کی شہ رگ سے قریب ہے کیا یہ تینوں اُس سے اونچے ہیں، کیسی سخت بے ادبی و گستاخی ہے، یونہی حدیث قدسی میں ہے، رب عزوجل فرماتا ہے:

انا جلیس من ذکرنی [3]۔	میں اپنے یاد کرنے والے کا ہمنشین ہوں۔

یاد وہ بھی کررہے ہیں جو فرش پر ہیں اور وہ بھی جو منبر پر، تو کیا ان سب کے برابر ہوا اور منبر والے سے نیچا؟

و لٰکن الوھابیۃ قوم لا یعقلون ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم	لیکن وہابی بے عقل قوم ہے، اللہ تعالٰی کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی

[1] شرح الشفاء لمنلا علی القاری علی ھامش نسیم الریاض فصل فی المواطن التی یستحب فیھا الصلٰوۃ الخ ۳/ ۴۶۴

[2] القرآن ۵۰/ ۱۶

[3] کشف الخفا حدیث ۶۱۱ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۸۳

وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی سیدنا ومولانا وذویہ اجمعین، واللہ تعالٰی اعلم، وانما زدنا الوجھین الآخرین لابانۃ جھلہ فی قیاس الشاھد علی الغائب فاعلم وربك اعلم۔	نیکی کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ ہمارے سردار و مالک اور ان کے تمام اصحاب پر اللہ تعالٰی درود و سلام بھیجے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ آخری دونوں وجہیں ہم نے صرف اس لیے زیادہ کردی ہیں تاکہ شاہد کو غائب پر قیاس کرنے کے سلسلہ میں اس کی جہالت ظاہر ہوجائے، تو جان لے اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵۱: از شہر محلّہ بانخانہ مسئولہ محمد بخش صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص میلاد شریف بھی کراتا ہے اور تمام اولیاء اللہ کی نیاز نذر بھی کرتا ہے اور سب کو مانتا ہے، اور وہ شخص یہ بات کہتا ہے کہ تمام کام کرو لیکن وہ شخص ان باتوں کو منع کرتا ہے کہ مزار شریف پر جاکر مرادیں مت مانگو بلکہ اللہ سے مراد مانگو اور مزار پر جاکر نیاز نذر سب کچھ کرو۔ اور کہتا ہے کہ مرادیں اس طریقہ پر مت مانگو کہ فلاں فلاں میری حاجت رفع ہو۔ مزار پر جاکر مت مانگو، مزار پر جاکر فاتحہ پڑھو، ثواب پہنچاؤ، زیارت کرو کہ کیسے کیسے بزرگ آدمی گزرے ہیں، کچھ کرو لیکن مراد مت مانگو خدا سے عرض کرو۔

الجواب:

اگر وہ شخص اور کوئی بات وہابیت کی نہیں رکھتا اور وہابیوں اور دیوبندیوں کو کافر جانتا ہے تو اتنا کہنے سے وہابی نہیں ہوسکتا۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۵۲ تا ۱۵۶: از قصبہ نظام آباد ضلع اعظم گڈھ مسئولہ سیّد علی اصغر ۹ شعبان چہار شنبہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

(۱) حنفی کس کو کہتے ہیں، پوری پوری تعریف کیا ہے؟

(۲) زید ایک فارغ التحصیل علومِ عربیہ کا ہے اور اپنے کو حنفی مذہب کا مقلد کہتا ہے، آمین بالجہر، رفع یدین، قراءت فاتحہ خلف الامام کا قائل نہیں، تراویح بیس ۲۰ رکعت پڑھتا ہے اور وتر تین رکعت، کتب فقہیہ پر عمل کرتا ہے۔ مسلمانوں کو زید کے پیچھے نماز پڑنا چاہیے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زید کو حنفی کہیں گے یا نہیں؟

(۳) محفلِ میلاد شریف میں قیام کرنا کیسا ہے؟

(۴) زید محفل میلاد شریف میں شریک ہوتا ہے اور قیام کو مستحب کہتا ہے اور خود کرتا ہے اس کو حنفی کہیں گے یا وہابی؟

(۵) وہابی یا غیر مقلد کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی پہچان کیا ہے بیّنُوا تُوجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

(۱) علماء کی اصطلاح میں حنفی وہ کہ فروع میں مذہب حنفی کا پیرو ہو، پھر اگر اصول میں بھی حق کا متبع ہے تو سُنی حنفی ہے ورنہ گمراہ جیسے معتزلہ، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ان باتوں سے اگر ثابت ہوا تو اتنا کہ زید فروعًا حنفی ہے اور اس قدر سے اس کے پیچھے صحتِ نماز لازم نہیں، پہلے تو معتزلہ تھے اب قطعی مرتد فرقے ایسے ہیں کہ اپنے آپ کو حنفی کہتے اور فروع میں فقہ حنفی پر چلنے کا دعوی رکھتے ہیں اُن کی حنفیت انہیں کیا مفید ہو سکتی ہے، امامت کے لیے سُنّی صحیح العقیدہ صحیح الطہارۃ صحیح القراءۃ جامع شرائط صحت وحلت ہونا چاہیے، واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) مستحسنِ علمائے کرام ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) مجلس میلاد و مبارک و قیام چاروں مذہب کے علماء و عام اہل اسلام کرتے ہیں یہ کچھ حنفیّہ سے خاص نہیں اور بعض وہابیہ بھی براہِ تقیہ ان کے عامل ہوتے ہیں جیسا کہ بارہا کا مشاہدہ ہے تقویۃ الایمان کو گمراہی وضلالت اور دیوبندیت کو کفر وردت صراحۃً بلاغرض بکشادہ پیشانی مانے تو اسے وہابی نہ کہا جائے گا اور قلب کا علم عالم الغیب کو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) اسمٰعیل دہلوی و تقویۃ الایمان کو ماننے والا یا اس کے مطابق عقائد رکھنے والا اگرچہ زبان سے اس کا ماننا نہ کہے وہابی ہے، اور یہی اس کی پہچان کو بس ہے، پھر اگر فقہ پر چلنے کا ادعا کرے تو مقلد وہابی ہے، اور اگر اس کے ساتھ فقہ کو بھی نہ مانے تو غیر مقلد وہابی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از شفاخانہ فرید پور ڈاک خانہ خاص اسٹیشن پتنبر پور ضلع بریلی مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۸ رمضان ۱۳۳۹ھ

اولیاء کرام بعد وفات کے حیات رہتے ہیں یا نہیں جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم حیاۃ النبی ہیں، اور اولیاء کرام کے مزار پر جان کر ان کے توسط سے التجاء کرنا اور ان سے دعا کرانا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

اولیائے کرام بعد وفات زندہ ہیں مگر نہ مثل حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام انبیاء کی حیات روحانی جسمانی دنیاوی ہے بعینہٖ اُسی طرح جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں تھے اور اولیاء کی حیات اُن سے کم اور شہداء سے زائد، جن کے لیے قرآن عظیم میں دو جگہ ارشاد ہوا کہ ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں۔ یہ حیات حیاتِ روحانی و جسمانی برزخی ہے۔ حیاتِ روح سب کو حاصل ہے کہ رُوح بعد موت فنا نہیں ہوتی، اس کا مفصل بیان ہماری کتاب حیاۃ الموات میں ہے۔

اولیائے کرام سے توسل اور اُن سے طلبِ دُعا بلاشبہ محمود ہے اور علماء و صلحاء میں معمول و معہود واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۸: از بنگالہ ڈاکخانہ تالشہر موضع ایضًا مسئولہ عبدالصمد ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں، علمائے دین کہ حشر کے دن سب مسلمان قبر سے کفن لے کر اٹھیں گے یا برہنہ ؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

کفن میں اُٹھیں گے پھر وہ کفن طول مدت کی وجہ سے گل کر گر جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۹و۱۶۰: از ناگل لکڑی ضلع گوڑگانوہ پوسٹ ڈھینا ریاست مسئولہ حافظ غلام کبریا ۳ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین کہ:

(۱) اولیاء اللہ کو دُور سے مشکل کے واسطے پکارنا کیسا ہے؟ اولیاء اللہ دور سے بعض وقت سُنتی ہیں یا سب وقت سُنتے ہیں؟

(۲) اگر کوئی یارسول اللہ پکارے اور یہ اعتقاد رکھے کہ آپ بذاتِ خود سنتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ یہ اعتقاد کہتے ہیں کہ یہ اعتقاد ٹھیک نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:

روح راقرب وبُعد مکانی یکسانی ست [1]۔	روح کے مکانی قُرب وبُعد برابر ہیں (ت)

1

تو وہ سب وقت سن سکتے ہیں مگر ملاء اعلیٰ کی طرف توجہ اور اس میں استغراق اکثر کو ہر وقت سننے سے مانع ہو سکتا ہے مگر اکابر جن کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں لکھا۔

استغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود را ازانہامی طلبند ومی یابند[1]۔	کامل وسعت مدارک کی وجہ سے ان کا استغراق اس طرف متوجہ ہونے سے مانع نہیں ہوتا اور غرض مند محتاج لوگ اپنی مشکلات کا حل ان سے طلب کرتے اور پاتے ہیں۔(ت)

یہ ہر وقت سنتے اور حاجت روائی فرماتے ہیں کہ باذنہ تعالیٰ اسم قاضی الحاجات کے مظہر ہیں۔

(۲) بذاتِ خود کے اگر یہ معنی کہ بے عطائے الٰہی خود اپنی ذاتی قدرت سے سُنتے ہیں تو یہ بے شک باطل بلکہ کفر ہے اور یہ ہرگز کسی مسلمان کا خیال بھی نہیں۔ اور اگر بذاتِ خود کے یہ معنی کہ بعطائے الٰہی حضور کی قوتِ سامعہ تمام شرق و غرب کو محیط ہے سب کی عرضیں آوازیں خود سنتے ہیں اگرچہ آداب دربار شاہی ہر ذرہ اُن کے پیشِ نظر ہے اور ارض و سما کی ہر آواز ان کے گوش مبارک میں ہے۔ شاہ ولی اللہ کی فیوض الحرمین میں ہے:

لایشغلہ شأن عن شان[2]۔ وھوتعالیٰ اعلم	اس کی ایک حالت اس کو دوسری حالت سے غافل نہیں کرتی۔(ت)

مسئلہ ۱۶۱: از دہلی بازار چتلی قبر چھتا موم گراں مسئولہ محمد صاحب داد خاں ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قادیانی کہتے ہیں حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام زندہ آسمان پر نہیں گئے بلکہ اپنی موت مرے، زندہ آسمان پر جانا نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے، کیونکہ اس میں حضرت رسولِ مقبول محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ پاک گھٹتی ہے کہ حضور دونوں عالم سے افضل و اعلیٰ ہو کر وفات پائیں اور زمین کے نیچے رہیں اور حضرت عیسٰی

---

[1] فتح العزیز (تفسیر عزیزی) پارہ عم سورۃ الانشقاق مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی ص ۲۰۶

[2] فیوض الحرمین مشہد آخر ایعنی دقائق اور ان کے اثرات کے بیان میں محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی ص ۲۷۱

آسمان پر چلے جائیں یہ ممکن نہیں، اس خرافات کا کیا جواب ہے؟ **بیّنوا توجروا۔**

الجواب:

قادیانی مکاروں کا فریب ہے کہ مرزا کے صریح کفر اور انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام خصوصًا سیدنا عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو جو اس نے سڑی سڑی گالیاں دی ہیں چھپاتے اور مسئلہ حیات و موتِ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام میں بحث کرتے ہیں جس کے ماننے نہ ماننے پر کچھ اسلام و کفر کا مدار نہیں۔

جمہور ائمہ کرام کا مذہب یہی ہے کہ سیدنا عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام نے ابھی انتقال نہ فرمایا، قریب قیامت نزول فرمائیں گے، دجال کو قتل کریں گے، برسوں رہ کر انتقال فرمائیں گے، روضہ پاک حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم میں ایک مزار کی جگہ خالی ہے وہاں دفن ہوں گے۔ اُس کا وہ جاہلانہ احمقانہ خیال تو یہیں سے دفع ہوگیا۔ او فقط آسمان پر ہونا اگر موجبِ فضل ہو تو فرشتوں کو تو آسمان پر مانے گا۔ **قال تعالٰی** "وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ"[1] آسمانوں میں بہتیرے فرشتے ہیں۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کو دونوں عالم سے افضل کہہ رہا ہے کیا ملائکہ سے افضل نہ مانے گا یا حضور کے وفات پاکر زمین پر رہنے اور ملائکہ کے آسمان پر ہونے سے معاذ اللہ شانِ اقدس کا گھٹ نا جانے گا، اور فرشتے بھی نہ سہی چاند سورج ستارے تو آسمان پر سے افضل ہے خصوصًا محلِ تربت اقدس کہ عرشِ اعظم سے بھی اعلٰی و افضل ہے اندھوں نے جہت میں اوپر نیچے دیکھ لیا اور یہ نہ جانا کہ دل تمام اعضاء کا سلطان اور سب سے افضل ہے اگرچہ بہت اعضاء اس سے اوپر ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میلاد شریف کب سے نکلا اور کس نے نکالا؟ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے زمانے میں تھا یا نہیں؟ اپنے امام صاحب نے اس کو کیا ہے یا نہیں؟ صحابہ کے زمانے میں تھا یا نہیں؟ کسی نے محفل کی تھی یا نہیں؟ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

بیان میلادِ شریف قرآن مجید نے نکالا اور اس نے متعدد آیتوں میں اس کا حکم دیا، کارڈ

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۲۶

میں آیتیں نہیں لکھی جاسکتیں غرض مقصود سے ہے، نام نیا ہونے سے شئی نئی نہیں ہوسکتی، جو اس سے مقصود ہے وہ خود حضور اقدس علیہ افضل الصلوۃ والسلام نے کیا۔ صحیح بخاری[1] شریف میں ہے خود حضور اقدس علیہ افضل الصلوۃ والسلام مسجد مدینہ طیبہ میں حضرت حسان بن ثابت انصاری علیہ الرضوان کے لیے منبر بچھاتے اور وہ اس پر قیام کرکے نعتِ اقدس سُناتے، حضور اور صحابہ کرام سُنتے، **وھو تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۶۳: از ضلع ہوشنگ آباد مقام وڈاکخانہ واسٹیشن ۵۱ر موسارے مسئولہ دولت الدین ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض عالم و مولوی اعتراض کرتے ہیں کہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للّٰہ کا وظیفہ کرنا ناجائز ہے، مہربانی فرما کر خلاصہ مسئلہ تحریر فرمائیں۔ **بینوا توجروا۔**

الجواب:

یہ مبارک وظیفہ بے شک جائز ہے۔ فتاوٰی خیریہ علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحبِ درمختار میں ہے:

اما قولھم یاشیخ عبد القادر فنداء فما الموجب لحرمتہ[2]۔	ان کا یا شیخ عبدالقادر کہنا نداء ہے تو اس کی حرمت کا موجب کیا ہے۔ (ت)

یہاں اس کو ناجائز کہنے والے وہابی ہیں اور وہابیہ بے دین ہیں ان کی بات سننی جائز نہیں۔ **وھو تعالٰی اعلم۔**

---

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان من الشعر حکمۃ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۷ و احیاء العلوم بحوالہ الصحیحین کتاب آداب السماع والوجد مطبعۃ مشھد الحسینی قاہرہ ۲/ ۲۷۴

[2] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الکراھیۃ والاحسان دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۲

رسالہ
انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ
(یارسُول اللہ کہنے کے جواز کے بارے میں نورانی تنبیہیں)

مسئلہ ۱۶۴: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید موحّد مسلمان جو خدا کو خدا اور رسول کو رسول جانتا ہے۔ نماز کے بعد اور دیگر اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بکلمہ یا ندا کرتا اور الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ یا اسئلک الشفاعۃ یارسول اللہ کہا کرتا ہے، یہ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اسے اس کلمہ کی وجہ سے کافر و مشرک کہیں ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان فرمائیے روزِ حساب اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ وکفٰی والصلوۃ والسلام علٰی حبیبہ المصطفٰی واٰلہ واصحابہ اُولی الصدق والصّفا۔

کلماتِ مذکورہ بے شک جائز ہیں جن کے جواز میں کلام نہ کرے گا مگر سفیہ جاہل یا ضال مضل، جسے اس مسئلہ کے متعلق قدرے تفصیل دیکھنی ہو شفاء السقام امام علام بقیۃ المجتہدین الکرام تقی الملۃ والدین علامہ زرقانی و مطالع المسرات علامہ فاسی و مرقاۃ شرح مشکوۃ علامہ علی قاری و لمعات و اشعۃ اللمعات شروح مشکوۃ وجذب القلوب الٰی دیار المحبوب و مدارج النبوۃ تصانیف شیخ عبدالحق محدث دہلوی و افضل القری شرح اُمّ القری امام ابن حجر مکی وغیرہا کتب وکلام علمائے کرام وضلائے عظام علیہم رحمۃ اللہ العلام کی طرف رجوع لائے یا فقیر کا رسالہ الاہلال بفیض الاولیاء بعد الوصال مطالعہ کرے۔

یہاں فقیر بعدرِ ضرورت چند کلمات اجمالی لکھتا ہے، حدیث صحیح مذیل بطراز گرانہائے تصحیح جسے امام نسائی و امام ترمذی و ابن ماجہ وحاکم و بیہقی و امام الائمہ ابن خزیمہ و امام ابوالقاسم طبرانی نے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی و بیہقی نے صحیح اور حاکم نے بر شرطِ بخاری و مسلم جس میں حضورِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک نابینا کو دُعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز یوں کہے:

اللھم انی اسئلك واتوجّہ الیك بنبیك محمدٍ نبی الرحمۃ یامحمد انی اتوجہ بك الٰی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضٰی لی اللھم فشفعہ فیَّ[1]۔	اے اللہ ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں بوسیلہ تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ مہربانی کے نبی ہیں، یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہو کہ میری حاجت روا ہو۔ الٰہی ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

[1] جامع ترمذی ابواب الدعوات باب فی انتظار الفرج وغیر ذلك امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۷، سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰، المستدرك للحاکم کتاب الدعا مکتبہ اسلامیہ بیروت ۱/ ۵۱۹ وصحیح ابن خزیمۃ باب صلوۃ الترغیب ۲/ ۲۲۶

امام طبرانی کی معجم میں یوں ہے:

انّ رجلًا کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حاجۃ لہ وکان عثمان لایلتفت الیہ ولا ینظر فی حاجتہ فلقی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ فشکٰی ذلك الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ ائتِ المیضاءۃ فتوضّأ ثم ائت المسجد فصلّ فیہ رکعتین ثم قل اللّٰھمّ انّی اسئلك و اتوجّھالیك بنبینا نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بك الی ربّی فیقضی حاجتی، وتذکر حاجتك ورُح الیّ حتّی اَرُوح معك فانطلق الرجل فصنع ماقال لہ ثم اتٰی باب عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ فجاء البوّابُ حتّٰی اخذہ بیدہ فادخلہ علٰی عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فاجلسہ معہ علی الطّنفسۃ وقال حاجتك؟ فذکر حاجتہ فقضاھا لہ ثمّ قال ماذکرت حاجتك حتی کانت ھذہ الساعۃ وقال ماکان لك من حاجۃٍ فاتنا، ثم انّ الرجل خرج من عندہ فلقی عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال لہ، جزاك اللہ خیرا ماکان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت الیّ حتّٰی	یعنی ایک حاجتمند اپنی حاجت کے لیے امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت میں آتا جاتا، امیر المومنین نہ اس کی طرف التفات فرماتے نہ اس کی حاجت پر نظر فرماتے، اس نے عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس امر کی شکایت کی، انہوں نے فرمایا وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ پھر دعا مانگ "الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسول اللہ ! میں حضور کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔" اور اپنی حاجت ذکر کر، پھر شام کو میرے پاس آنا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ حاجتمند نے (کہ وہ بھی صحابی یا لااقل کبار تابعین میں سے تھے۔) یوں ہی کیا، پھر آستانِ خلافت پر حاضر ہوئے، دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھالیا، مطلب پوچھا، عرض کیا، فورًا روا فرمایا، اور ارشاد کیا اتنے دنوں میں اس وقت اپنا مطلب بیان کیا، پھر فرمایا: جو حاجت تمہیں پیش آیا کرے ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ یہ صاحب وہاں سے نکل کر عثمان بن حنیف سے ملے اور کہا اللہ تعالٰی تمہیں جزائے خیر دے امیر المومنین میری حاجت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے یہاں تک کہ

كلّمته فی فقال عثمٰن بن حنيف رضی الله تعالٰی عنه والله ماكلّمته، ولٰكن شهدت رسول الله لی الله تعالٰی عليه وسلم واتاه رجل ضرير فشكا اليه ذهاب بصره فقال له النبی صلی الله تعالٰی عليه وسلم ائت الميضأة فتوضّأ ثمّ صل ركعتين ثم ادع بهٰذه الدعوات فقال عثمان بن حنيف رضی الله تعالٰی عنه فوالله ماتفرقنا وطال بنا الحديث حتّٰی دخل علينا الرجل كانه لم يكن به ضرّ قط [1]۔	آپ نے ان سے میری سفارش کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے معاملے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہوا یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور نابینائی کی شکایت کی حضور نے یونہی اس سے ارشاد فرمایا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کررہے تھے کہ وہ ہمارے پاس آیا گویا کبھی وہ اندھا نہ تھا۔

امام طبرانی پھر امام منذری فرماتے ہیں والحدیث صحیح [2]۔ (یہ حدیث صحیح ہے)۔ امام بخاری کتاب الادب المفرد؎ میں اور امام ابن السنی وامام ابن بشکوال روایت کرتے ہیں:

انّ ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما خدرت رجله فقيل له، اذكر احب الناس اليك فصاح يا محمداه فانتشرت [3]۔	یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا پاؤں سوگیا، کسی نے کہا انہیں یاد کیجئے جو آپ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضرت نے باآواز بُلند کہا۔ یا محمداہ! فورًا پاؤں کھل گیا۔

؎: ولفظ البخاری فی الادب المفرد خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل اذكر احب الناس اليك فقال يا محمد [4] اھ ۱۲ منہ۔

[1] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترغیب فی صلوۃ الحاجۃ حدیث ا مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۴ تا ۴۷۶، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب صلوۃ الحاجۃ دار الکتاب بیروت ۲/ ۲۷۹

[2] الترغیب والترھیب بحوالہ الطبرانی الترغیب فی صلوۃ الحاجۃ حدیث ا مصطفی البابی مصر ۱/ ۴۷۴ تا ۴۷۶، مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی باب صلوۃ الحاجۃ دار الکتاب بیروت ۲/ ۲۷۹

[3] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۱۶۸ دائرۃ المعارف النعمانیہ ص ۴۷

[4] الادب المفرد حدیث ۹۶۴ مکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ص ۲۵۰

امام نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ تعالٰی نے کتاب الاذکار میں اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے نقل فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس کسی آدمی کا پاؤں سو گیا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: تو اس شخص کو یاد کر جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہے، تو اس نے یا محمداہ کہا، اچھا ہوگیا[1]۔ اور یہ امر ان دو صحابیوں کے سوا اوروں سے بھی مروی ہوا۔ اہلِ مدینہ میں قدیم سے اس یا محمداہ کہنے کی عادت چلی آتی ہے۔ علامہ شہاب خفاجی مصری نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں۔

هذا مما تعاهده اهل المدينة[2]۔	یہ اہلِ مدینہ کے معمولات میں سے ہے۔(ت)

حضرت بلال بن الحارث مُزنی سے قحطِ عام الرمادہ میں کہ بعد خلافتِ فاروقی ۱۸ھ میں واقع ہوا، ان کی قوم بنی مزینہ نے درخواست کی کہ ہم مرے جاتے ہیں کوئی بکری ذبح کیجئے فرمایا بکریوں میں کچھ نہیں رہا ہے، انہوں نے اصرار کیا، آخر ذبح کی، کھال کھینچی تو نِری سرخ ہڈی نکلی، یہ دیکھ کر بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ندا کی۔ یا محمداہ پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لا کر بشارت دی۔ ذکرہ فی الکامل[3]۔ (اس کو کامل میں ذکر کیا گیا۔ ت) امام مجتہد فقیہ اجل عبد الرحمٰن ہذلی کوفی مسعودی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پوتی اور اجلہ تبع تابعین و اکابر ائمہ مجتہدین سے ہیں سر پر بُلند ٹوپی رکھتے جس میں لکھا تھا: محمد یا منصور "اور ظاہر ہے کہ "اَلْقَلَمُ اَحَدُ اللِّسَانَیْنِ (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ ت)، ہثیم بن جمیل انطاکہ ثقات علمائے محدثین سے ہیں، انہیں امام اجل کی نسبت فرماتے ہیں:

رأيته وعلى رأسه قلنسوته اطول من ذراع مكتوب فيها مُحمد يا منصورُ ذكره في تهذيب التهذيب وغيره[4]۔	میں نے اُن کو دیکھا ان کے سر پر ہاتھ بھر سے لمبی ٹوپی تھی جس میں لکھا ہوا تھا۔ محمد یا منصور۔ اس کو تهذيب التهذيب وغیرہ میں ذکر کیا ہے۔ ت)

امام شیخ الاسلام شہاب رملی انصاری کے فتاوٰی میں ہے:

سُئل عمّا يقعُ من العامّةِ من قولهم	یعنی ان سے استفتاء ہوا کہ عام لوگ جو سختیوں

[1] الاذکار باب مایقوله اذا خدرت رجله دار الکتاب العربی بیروت ص ۲۷۱

[2] نسیم الریاض شرح الشفاء فصل فیما روی عن السلف مرکز اہلسنت برکاتِ رضا گجرات ۳/ ۳۵۵

[3] الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ذکر القحط وعام الرمادہ دار صادر بیروت ۲/ ۵۵۶

[4] میزان الاعتدال فی نقد الرجل ترجمہ ۴۹۰۷ دار المعرفۃ للطباعۃ ۲/ ۵۷۴

عند الشدائد یا شیخ فلان ونحو ذٰلك من الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والصالحین وھل للمشائخ اِغاثة بعد موتھم ام لا؟ فاجاب بما نصّه. انّ الاستغاثة بالانبیاء والمرسلین والاولیاء والعلماء الصّالحین جائزة وللانبیاء و للرسل والاولیاء والصالحین اِغاثة بعد موتھم الخ[1]۔	کے وقت انبیاء و مرسلین واولیاء وصالحین سے فریاد کرتے اور یا شیخ فلاں (یارسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی) اور ان کی مثل کلمات کہتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اولیاء بعد انتقال کے بھی مدد فرماتے ہیں یا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بے شک انبیاء و مرسلین واولیاء و علماء سے مدد مانگنی جائز ہے اور وہ بعد انتقال بھی امداد فرماتے ہیں۔ الخ۔

علامہ خیر الدین رملی اُستاذ صاحبِ دُر مختار، فتاوٰی خیریہ میں فرماتے ہیں:

قولھم یا شیخ عبد القادر فھو نداء فما الموجب الحرمته[2]۔	لوگوں کا کہنا کہ: یا شیخ عبدالقادر " یہ ایک ندا ہے پھر اُس کی حرمت کا سبب کیا ہے۔

سیدی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

سئلت ممن یقول فی حال الشدائد یارسول اللہ اویا علی اویا شیخ عبدالقادر مثلاً ھل ھو جائز شرعاً ام لا؟ اجبت نعم الاستغاثة بالاولیاء ونداؤھم و التوسل بھم امر مشروع وشیئ مرغوب لاینکرہ الا مکابر اومعاند وقد حرم برکة الاولیاء الکرام الخ[3]۔	یعنی مجھ سے سوال ہوا اس شخص کے بارے میں جو مصیبت کے وقت میں کہتا ہو یارسول اللہ یا علی یا شیخ عبدالقادر، مثلاً آیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ میں نے جواب دیا: ہاں اولیاء سے مدد مانگنی اور انہیں پکارنا اور ان کے ساتھ توسّل کرنا شروع میں جائز اور پسندیدہ چیز ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر ہٹ دھرم یا صاحبِ عناد، اور بے شک وہ اولیاء کرام کی برکت سے محروم ہے۔

امام ابن جوزی نے کتاب عیون الحکایات میں تین اولیائے عظام کا عظیم الشان واقعہ بسندِ مسلسل

[1] فتاوٰی الرملی فی فروع الفقہ الشافعی مسائل شتّٰی دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/ ۷۳۳

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الکراھیة والاستحسان دار المعرفة للطباعة بیروت ۲/ ۱۸۲

[3] فتاوٰی جمال بن عبداللہ بن عمر مکی

روایت کیا کہ وہ تین بھائی سواران دلاور ساکنانِ شام تھے کہ ہمیشہ راہِ خدا میں جہاد کرتے :

فاسرہ الروم مّرۃ قال لھم الملك انی اجعل فیکم الملك وازوّجکم بناتی وتدخلون فی النصرانیّۃ فابَوا وقالوا یا مُحَمَّدَاہُ[1]۔	یعنی ایک بار نصاری روم انہیں قید کرکے لے گئے بادشاہ نے کہا میں تمہیں سلطنت دوں گا اور اپنی بیٹیاں تمہیں بیاہ دوں گا تم نصرانی ہوجاؤ۔ انہوں نے نہ مانا اور ندا کی یا محمداہُ۔

بادشاہ نے دیگوں میں تیل گرم کراکر دو صاحبوں کو اس میں ڈال دیا، تیسرے کو اللہ تعالٰی نے ایک سبب پیدا فرما کر بچالیا۔ وہ دونوں چھ مہینے کے بعد مع ایک جماعت ملائکہ کے بیداری میں ان کے پاس آئے اور فرمایا: اللہ تعالٰی نے تمہاری شادی میں شریک ہونے کو بھیجا ہے انہوں نے حال پوچھا فرمایا:

ماکانت الاّ الغطسۃ التی رأیت حتّٰی خرجنا فی الفردوس۔	بس وہی تیل کا ایک غوطہ تھا جو تم نے دیکھا اس کے بعد ہم جنت اعلی میں تھے۔

امام فرماتے ہیں:

کانا مشھورین بذلك معروفین بالشام فی الزمن الاوّل۔	یہ حضرات زمانہ سلف میں مشہور تھے اور ان کا یہ واقعہ معروف۔

پھر فرمایا: شعراء نے ان کی منقبت میں قصیدے لکھے، از انجملہ یہ بیت ہے۔

سیعطی الصادقین بفضل صدق　　　نجاۃ فی الحیاۃ وفی الممات[2]

قریب ہے کہ اللہ تعالٰی سچے ایمان والوں کو ان کے سچ کی برکت سے حیات و موت میں نجات بخشے گا۔

یہ واقعہ عجیب، نفس و روح پرور ہے، میں بخیالِ تطویل اسے مختصر کرگیا، تمام و کمال امام جلال الدین سیوطی کی شرح الصدور میں ہے من شاء فلیرجع الیہ (جو تفصیل چاہتا ہے اس کی طرف رجوع کرے۔ت) یہاں مقصود اس قدر ہے کہ مصیبت میں "یارسول اللہ" کہنا اگر شرک ہے تو مشرک کی مغفرت و شہادت کیسی، اور جنت الفردوس میں جگہ پائی کیا معنے، اور ان کی شادی میں

[1] شرح الصدور بحوالہ عیون الحکایات باب زیادۃ القبور و علم الموتی الخ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۸۹

[2] شرح الصدور بحوالہ عیون الحکایات باب زیادۃ القبور و علم الموتی الخ خلافت اکیڈمی منگورہ سوات ص ۹۰

فرشتوں کو بھیجنا کیونکر معقول؟ اور ان ائمہ دین نے یہ روایت کیونکر مقبول اور ان کی شہادت و ولایت کس وجہ سے مسلم رکھی۔اور وہ مردانِ خدا خود بھی سلفِ صالح میں تھے کہ واقعہ شہر طرطوس کی آبادی سے پہلے کا ہے "کما ذکرہ فی الرّوایۃ نفسھا" (جیسا کہ خود روایت میں ذکر کیا ہے۔ت) اور طرطوس ایک ثغر ہے یعنی دارالاسلام کی سرحد کا شہر جسے خلیفہ ہارون رشید نے آباد کیا "کما ذکرہ الامام السیوطی[1] فی تاریخ الخلفاء" جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے تاریخ الخلفاء میں اس کا ذکر کیا ہے۔ت)

ہارون رشید کا زمانہ زمانہ تابعین و تبع تابعین تھا تو یہ تینوں شہدائے کرام اگر تابعی نہ تھے لا اقل تبع تابعین سے تھے واللہ الھادی (اور اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ت)

حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

من استغاث بی فی کربۃٍ کشفت عنه و من نادی باسمی فی شدۃ فرجت عنه من توسّل بی الی اللہ عزوجل فی حاجۃٍ قضیت له و من صلّٰی رکعتین یقرأ فی کل رکعۃٍ بعد الفاتحۃ سورۃ اخلاص اِحدٰی عشرۃ مرّۃً ثم یصلّی علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بعد السلام ویسلم علیه ویذکرنی ثم یخطوالی جھۃ العراق احدٰی عشرۃ خطوۃ یذکرھا اسمی ویذکر حاجته فانھا تقضٰی باذن اللہ[2]۔	یعنی جو کسی تکلیف میں مجھ سے فریاد کرے وہ تکلیف دفع ہو اور جو کسی سختی میں میرا نام لے کر ندا کرے وہ سختی دور ہو اور جو کسی حاجت میں اللہ تعالٰی کی طرف مجھ سے توسل کرے وہ حاجت بر آئے۔اور جو دو رکعت نماز ادا کرے ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھے پھر سلام بھیجے اور مجھے یاد کرے، پھر عراق شریف کی طرف گیارہ قدم چلے ان میں میرا نام لیتا جائے اور اپنی حاجت یاد کرے اس کی وہ حاجت روا ہو اللہ کے اذن سے۔

[1] شرح الصدور باب زیارۃ القبور مصطفی البابی مصر ص ۸۹

[2] بھجۃ الاسرار ذکر فضل اصحابه وبشراھم مصطفی البابی مصر ص ۱۰۲، زبدۃ الاسرار ذکر فضل اصحابه و مریدیه ومحبیه بکسلنگ کمپنی بمبئی ص ۱۰۱

اکابر علمائے کرام واولیائے عظام مثل امام ابوالحسن نور الدین علی بن جریر لخمی شطنوفی وامام عبداللہ بن اسد یافعی مکی، مولانا علی قاری مکی صاحبِ مرقاۃ شرح مشکوۃ، مولینا ابوالمعالی محمد سلمی قادری و شیخ محقق مولانا عبدالحق محدثِ دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اپنی تصانیف جلیلہ بہجۃ الاسرار وخلاصۃ المفاخر ونزہۃ الخاطر وتحفہ قادریہ وزبدۃ الآثار وغیرہا میں یہ کلمات رحمت آیات حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل وروایت فرماتے ہیں۔

یہ امام ابوالحسن نور الدین علی مصنفِ بہجۃ الاسرار شریف اعاظمِ علماء وآئمۂ قراءت واکابر اولیاء وساداتِ طریقت سے ہیں، حضور غوث الثقلین رضی اللہ تعالٰی عنہ تک صرف دو واسطے رکھتے ہیں، امام اجل حضرت ابوصالح نصر قدس سرہ، سے فیض حاصل کیا انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت ابوبکر تاج الدین عبدالرزاق نور اللہ مرقدہ، سے انہوں نے اپنے والد ماجد حضور پُر نور سید السادات غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ زبدۃ الآثار شریف میں فرماتے ہیں: یہ کتاب بہجۃ الاسرار کتاب عظیم وشریف ومشہور ہے اور اس کے مصنف علمائے قراءت سے عالم معروف ومشہور اور ان کے احوالِ شریفہ عـــہ کتابوں میں مذکور ومسطور[1]۔

امام شمس الدین ذہبی کہ علمِ حدیث واسماء الرجال میں جن کی جلالت شان عالم آشکار اس جناب کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور اپنی کتاب طبقات المقرئین میں ان کے مدائح لکھے۔

امام محدث محمد بن محمد بن الجزری مصنفِ حصن حصین اس جناب کے سلسلہ تلامذہ میں ہیں انہوں نے یہ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف اپنے شیخ سے پڑھی اور اس کی سند واجازت حاصل کی[2]۔

ان سب باتوں کی تفصیل اور اس نماز مبارک کا دلائل شرعیہ واقوال وافعالِ علماء واولیاء سے ثبوتِ جلیل فقیر غفر اللہ تعالٰی لہٗ کے رسالہ انہار الانوار من یم صلوۃ الاسرار میں ہے۔

فعلیك بما تجد فیہا ما یشفی الصدور	اس رسالہ کا مطالعہ تجھ پر لازم ہے اس میں تو

عـــہ: امام جلال الدین سیوطی نے ان جناب کو الامام الاوحد لکھا یعنی امام یکتا بے نظیر ۱۲ منہ۔

---

[1] زبدۃ الآثار بکسلنگ کمپنی بمبئی ص ۲

[2] زبدۃ الآثار بکسلنگ کمپنی بمبئی ص ۲

ویکشف العمٰی والحمدللہ ربّ العلمین۔	وہ کچھ پائے گا جو دلوں کو شفا دیتا ہے اور اندھا پن کو دور کرتا ہی اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

امام عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ ربانی کتاب مستطاب "لواقح الانوار فی طبقات الاخیار" میں فرماتے ہیں: سیدی محمد غمری رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایک مرید بازار میں تشریف لیے جاتے تھے ان کے جانور کا پاؤں پھسلا، باآواز پکارا یا سیدی محمد یا غمری، ادھر ابن عمر حاکمِ صعید کو بحکم سلطان چقمق قید کیے لیے جاتے تھے، ابن عمر نے فقیر کا نداء کرنا سُنا، پوچھا یہ سیدی محمد کون ہیں؟ کہا میرے شیخ کہا میں ذلیل بھی کہتا ہوں، یاسیدی یاغمری لاحِظنی اے میرے سردار اے محمد غمری! مجھ پر نظر عنایت کرو، ان کا یہ کہنا کہ حضرت سیّدی محمد غمری رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے اور مدد فرمائی کہ بادشاہ اور اس کے لشکریوں کی جان پر بن گئی، مجبورانہ ابن عمر کو خلعت دے کر رخصت کیا[1]۔

اسی میں ہے: سیدی شمس الدین محمد حنفی رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے حجرہ خلوت میں وضو فرمارہے تھے ناگاہ ایک کھڑاؤں ہوا پر پھینکی کے غائب ہو گئی حالانکہ حجرے میں کوئی راہ اس کے ہوا پر جانے کی نہ تھی۔ دوسری کھڑاؤں اپنے خادم کو عطا فرمائی کہ اسے اپنے پاس رہنے دے جب تک وہ پہلی واپس آئے، ایک مدت کے بعد ملک شام سے ایک شخص وہ کھڑاؤں مع اور ہدایا کے حاضر لایا اور عرض کی کہ اللہ تعالٰی حضرت کو جزائے خیر دی جب چور میرے سینہ پر مجھے ذبح کرنے بیٹھا میں نے اپنے دل میں کہا۔ "یاسیدی محمد یا حنفی" اُسی وقت یہ کھڑاؤں غیب سے آکر اس کے سینہ پر لگی کہ غش کھا کر الٹا ہو گیا اور مجھے یہ برکتِ حضرت اللہ عزوجل نے نجات بخشی[2]۔

[1] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۴ الشیخ محمد الغمری مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۸۸

[2] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۵ سیدنا و مولانا شمس الدین حنفی مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۹۵

اسی میں ہے:

ولیِ ممدوح قدس سرّہ کی زوجہ مقدسہ بیماری سے قریبِ مرگ ہوئیں تو وہ یوں ندا کرتی تھیں: "یاسیدی احمد یا بدویؒ خاطرك معی" اے میرے سردار اے احمد بدوی! حضرت کی توجہ میرے ساتھ ہے۔ ایک دن حضرت سیدی احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، کب تک مجھے پکارے گی اور مجھ سے فریاد کرے گی تو جانتی نہیں کہ تو ایک بڑے صاحبِ تمکین (یعنی اپنے شوہر) کی حمایت میں ہے، اور جو کسی ولی کبیر کی درگاہ میں ہوتا ہے ہم اس کی نداء پر اجابت نہیں کرتے، یوں کہہ یا سیدی محمد یا حنفی کہ یہ کہے گی تو اللہ تعالٰی تجھے عافیت بخشے گا۔ ان بی بی نے یونہی کہا، صبح کو خاصی تندرست اُٹھیں، گویا کبھی مرض نہ تھا[1]۔ اسی میں ہے حضرت ممدوح رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے مرضِ موت میں فرماتے تھے۔

من کانت حاجۃ فلیأت الی قبری و یطلب حاجتہ اقضھالہ فانّ مابینی وبینکم غیر ذراعٍ من تراب وکل رجل یحجبہ عن اصحٰبہ ذراع من تراب فلیس برجل[2]۔	جسے کوئی حاجت ہو وہ میری قبر پر حاضر ہو کر حاجت مانگے میں رَوا فرمادوں گا کہ مجھ میں تم میں یہی ہاتھ بھر مٹی ہی تو حائل ہے اور جس مرد کو اتنی مٹی اپنے اصحاب سے حجاب میں کردے وہ مرد کاہے کا۔

اسی طرح حضرت سیدی محمد بن احمد فرغل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے احوال شریفہ میں لکھا:

کان رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول انا من المتصرفین فی قبورھم فمن کانت لہ حاجۃ فلیأت الی قبالۃ وجھی ویذکرھالی اقضھالہ[3]۔	فرمایا کرتے تھے میں اُن میں ہوں جو اپنی قبور میں تصرف فرماتے ہیں جسے کوئی حاجت ہو میرے پاس میرے چہرہ مبارک کے سامنے حاضر ہو کر مجھ سے اپنی حاجت کہے میں روا فرمادوں گا۔

اسی میں ہے:

مروی ہوا ایک بار حضرت سیدی مدین بن احمد اشمونی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وضو

---

[1] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۵ سیدنا ومولنا شمس الدین الحنفی مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۶

[2] لواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۵ سیدنا ومولنا شمس الدین الحنفی مصطفی البابی مصر ۲/ ۹۶

[3] الواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۹ الشیخ محمد بن احمد الفرغل مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۰۵

فرماتے ہیں ایک کھڑاؤں بلاد مشرق کی طرف پھینکی، سال بھر کے بعد ایک شخص حاضر ہوئے اور وہ کھڑاؤں ان کے پاس تھی انہوں نے حال عرض کیا کہ جنگل میں ایک بد وضع نے ان کی صاحبزادی پر دست درازی چاہی، لڑکی کو اس وقت اپنے باپ کے پیر و مرشد حضرت سیدی مدین کا نام معلوم نہ تھا یوں ندا کی "یا شیخ ابی لاحظنی" اے میرے باپ کے پیر مجھے بچائیے، یہ ندا کرتے ہی وہ کھڑاؤں آئی لڑکی نے نجات پائی وہ کھڑاؤں اُن کی اولاد میں اب تک موجود ہے[1]۔ اسی میں سیدی موسٰی ابو عمران رحمہ اللہ تعالٰی کے ذکر میں لکھتے ہیں:

کان اذا ناداہُ مریدہ، اجابہ من مسیرۃِ سنۃٍ او اکثر[2]۔	جب ان کا مرید جہاں کہیں سے انہیں نداء کرتا جواب دیتے اگرچہ سال بھر کی راہ پر ہوتا یا اس سے بھی زائد۔

حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار شریف میں ذکر مبارک حضرت سید اجل شیخ بہاء الحق والدین بن ابراہیم عطاء اللہ الانصاری القادری الشطاری الحسینی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں حضرت ممدوح کے رسالہ مبارکہ شطاریہ سے نقل فرماتے ہیں:

ذکرِ کشفِ ارواح یا احمد یا محمد در دو طریق ست، یک طریق آنست یا احمد را در راستا بگوید و یا محمد را در چپا بگوید و در دل ضرب کند یارسول اللہ طریق دوم آنست کہ یا احمد را در راستا گوید و چپا یا محمد و در دل وہم کند یا مصطفٰی دیگر ذکر یا احمد یا محمد یا علی یا حسن یا حسین یا فاطمہ شش طرفی ذکر کند کشف جمیع ارواح شود دیگر اسمائے	کشف ارواح کے ذکر یا احمد و یا محمد میں دو طریقے ہیں پہلا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف سے کہتے ہوئے دل پر یارسول اللہ کی ضرب لگائے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یا احمد دائیں طرف اور یا محمد بائیں طرف سے کہتے ہوئے دل میں یا مصطفٰی کا خیال جمائے۔ اس کے علاوہ دیگر اذکار یا محمد، یا احمد، یا علی، یا حسن، یا حسین، یا فاطمہ کا چھ طرفی ذکر کرنے سے

[1] الواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۲۶ الشیخ محمد بن احمد الفرغل مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۱۰۲

[2] الواقح الانوار فی طبقات الاخیار ترجمہ ۳۱۳ الشیخ محمد بن احمد الفرغل مصطفٰی البابی مصر ۲/ ۲۱

ملائکہ مقرب ہمیں تاثیر دارند یا جبریل، یا میکائیل یا اسرافیل یا عزرائیل چہار ضربی، دیگر ذکر اسم شیخ یعنی بگوید یا شیخ یا شیخ ہزار بار بگوید کہ حرفِ نداء را از دل بکشد طرف راست ابرد و لفظ شیخ را در دل ضرب کند [1]۔	تمام ارواح کا کشف حاصل ہو جاتا ہے۔ مقرب فرشتوں کے ناموں کا ذکر بھی تاثیر رکھتا ہے، یا جبرائیل، یا میکائیل، یا اسرافیل، یا عزرائیل کا چار ضربی ذکر کرے، نیز اسم شیخ کا ذکر کرتے ہوئے یا شیخ یا شیخ ہزار بار اس طرح کرے کہ حرفِ ندا کو دل سے کھینچتے ہوئے دائیں طرف لے جائے اور لفظِ شیخ سے دل پر ضرب لگائے۔ (ت)

حضرت سیدی نور الدین عبدالرحمٰن مولانا جامی قدس سرہ السامی نفحات الانس شریف میں حضرت مولوی معنوی قدس سرہ العلی کے حالات میں لکھتے ہیں کہ مولانا روح اللہ روحہ، نے قریب انتقال ارشاد فرمایا:

از رفتنِ من غمناک مشوید کہ نور منصور رحمۃ اللہ تعالٰی بعد از صد و پنجاہ سال بر روح شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ تعالٰی تجلّی کرد و مرشد او شد [2]۔	ہمارے جانے سے غمگین مت ہوں کہ حضرت منصور علیہ الرحمہ کا نور ایک سو پچاس سال بعد شیخ فرید الدین عطار کی روح پر تجلی کرتے ہوئے ان کا مرشد ہو گیا۔ (ت)

اور فرمایا:

در ہر حالتے کہ باشید مرا یاد کنید تا من شمارا مِد باشم در ہر لبا سے کہ باشم [3]۔	تم جس حالت میں رہو مجھے یاد کرو تاکہ میں تمہارا مددگار بنوں میں چاہے جس لباس میں ہوں۔ (ت)

اور فرمایا:

در عالم مارا دو تعلق ست، یکے بہ بدن و یکے بشما، و چوں بہ عنایتِ حق سبحانہ و تعالٰی فرد و مجرد شوم و	دنیا میں ہمارے دو تعلق ہیں ایک بدن کے ساتھ اور دوسرا تمہارے ساتھ، جب حق تعالٰی کی عنایت سے میں فرد و مجرد ہو جاؤں گا اور عالمِ

[1] اخبار الاخبار ترجمہ شیخ بہاؤالدین ابراہیم عطاء اللہ انصاری مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۱۹۹، نفحات الانس ترجمہ مولانا جلال الدین رومی، کتاب فروشی محمودی ص ۴۶۲ و ۴۶۳

[2] نفحات الانس ترجمہ مولانا جلال الدین رومی، کتاب فروشی محمودی ص ۴۶۲ و ۴۶۳

[3] نفحات الانس ترجمہ مولانا جلال الدین رومی، کتاب فروشی محمودی ص ۴۶۲ و ۴۶۳

عالم تجرید و تفرید روئے نماید آں تعلق نیز ازآں شما خواہد بود[1]۔	تفرید و تجرید ظاہر ہوجائے گا تو یہ تعلق بھی تمہارے لیے ہوگا۔(ت)

شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی اطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم میں لکھتے ہیں۔

وصلّی علیك اللّٰه یا خیر خلقه ویا خیر مامول ویا خیرَ واهب

ویا خیر من یرجٰی لکشف رَزِیّةٍ ومن جوده قد فاق جود السحائب

وانت مجیری من هجوم مُلِمَّةٍ اذا انشبت فی القلب شرّ المخالب[2]

اور خود اس کی شرح وترجمہ میں کہتے ہیں:

(فصل یازدہم در ابتہال بجناب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) رحمتِ فرستد بر تو خدائے تعالٰی اے بہترین خلقِ خدا، واے بہترین کسیکہ امید داشتہ شود، اے بہترین عطا کنندہ وائے بہترین کسیکہ امید داشتہ باشد برائے ازالہ مصیبتے واے بہترین کسیکہ سخاوتِ او زیادہ است از باراں، بارہا گواہی میدہم کہ تو پناہ دہندہ منی از ہجوم کردن مصیبتے وقتے کہ بخلاند در دل بدترین چنگالہارا[3] اھ ملخصًا	(گیارھویں فصل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں عاجزانہ فریاد کے بارے میں) اے خلقِ خدا سے بہتر! آپ پر اللہ تعالٰی درود بھیجے، اے بہترین شخص جس سے امید کی جاتی ہے اور اے بہترین عطا کرنے والے اے بہترین شخص کہ مصیبت کو دور کرنے میں جس سے امید رکھی جاتی ہے، اور جس کی سخاوت بارش پر فوقیت رکھتی ہے۔ آپ ہی مجھے مصیبتوں کے ہجوم سے پناہ دینے والے ہیں جب وہ میرے دل میں بدترین پنجے گاڑتی ہیں۔(ت)

اسی کے شروع میں لکھتے ہیں:

ذکر بعد حوادث زماں کہ دراں حوادث لابدست از استمداد بروح آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4]۔	بعض حوادثِ زمانہ کا ذکر جن حوادث میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس سے مدد طلب کرنا ضروری ہے۔ت)

---

[1] نفحات الانس ترجمہ مولانا جلال الدین الرومی کتاب فروشی محمودی ص ۴۶۲ و ۴۶۳

[2] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل یازدہم مجتبائی دہلی ص ۲۲

[3] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل یازدہم مجتبائی دہلی ص ۲۲

[4] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل اول مجتبائی دہلی ص ۲

اسی کی فصل اول میں لکھتے ہیں:

بہ نظر نمی آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ جائے دست زدن اندوہگین ست در ہر شدتے [1]۔	مجھے حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کوئی نظر نہیں آتا کیونکہ ہر سختی میں غمزدوں کی پناہ گاہ آپ ہی ہیں۔(ت)

یہی شاہ صاحب قصیدہ "مدحیہ حمزیہ" میں لکھتے ہیں:

ینادی ضارعًا لخضوع قلب وذلّ وابتہال والتجاء

رسول اللہ یا خیر البرایا نوالك ابتغی یوم القضاء

اذا ما حلّ خطب مدلھم فانت الحصن من کل البلاء

الیك توجھی وبك استنادی وفیك مطامعی وبك ارتجائی [2]

اور خود ہی اس کی شرح وترجمہ میں لکھتے ہیں:

فصل ششم در مخاطبہ جناب عالی علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات والتسلیمات ندا کند زادو خوار شدہ بشکستگی دل واظہار بے قدری خود بہ اخلاص در مناجات وبہ پناہ گرفتن بایں طریق کہ اے رسولِ خدا اے بہترین مخلوقات عطائے مے خواہم روز فیصل کردن، وقتے کہ فرود آید کار عظیم در غایت تاریکی پس توئی پناہ از ہر بلا بسوئے تست روآوردن من وبہ تست پناہ گرفتن من ودر تست امید داشتنِ من اھ ملخصًا [3]"	چھٹی فصل عالی مرتبت سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو پکارنے کے بیان میں۔آپ پر بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو۔ذلیل وخوار شخص شکستہ دل، ذلت ورسوائی عجزو انکسار کے ساتھ پناہ طلب کرتے ہوئے یوں پکارتا ہے، اے اللہ تعالٰی کے رسول، اے بہترین خلق! میں فیصلے کے دن آپ کی عطا کا طلبگار ہوں، جب انتہائی اندھیرے میں بہت بڑی مصیبت نازل ہو تو ہر بلائیں پناہ گاہ تو ہی ہے۔ میری توجہ تیری طرف ہے، تجھ ہی سے میں پناہ لیتا ہوں، تجھ ہی سے طمع وامید رکھتا ہوں اھ ملخصًا (ت)

[1] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل اول مجتبائی دہلی ص ۴

[2] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل ششم مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳

[3] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل ششم مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳ و ۳۴

یہی شاہ صاحب "انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں قضائے حاجت کے لیے ایک ختم کی ترکیب یوں نقل کرتے ہیں۔

اوّل دورکعت نفل، بعد ازاں یک صدو یازدہ بار درود و بعدازاں یک صدو یازدہ بار کلمہ تمجید ویک صدو یازدہ بار شیئاً للہ یا شیخ عبدالقادر جیلانی [1]۔	پہلے دو رکعت پڑھے پھر ایک سو گیارہ بار درود شریف، ایک سو گیارہ بار کلمہ تمجید، پھر ایک سو گیارہ بار یہ پڑھے، اے شیخ عبدالقادر جیلانی خدارا کچھ عطافرمائیں۔ (ت)

اسی انتباہ سے ثابت کہ یہی شاہ صاحب اور ان کے شیخ واستاذ حدیث مولانا طاہر مدنی جن کی خدمت میں مدتوں رہ کر شاہ صاحب نے حدیث پڑھی اور ان کے شیخ واستاذ ووالد مولٰینا ابراہیم کُردی اور ان کے استاذ الاستاذ مولٰینا احمد نخلی کہ یہ چاروں حضرات بھی شاہ صاحب کے اکثر سلاسلِ حدیث میں داخل اور شاہ صاحب کے پیر ومرشد شیخ محمد سعید لاہوری جنہیں انتباہ میں "شیخ معمر ثقہ کہا اور اعیان مشائخ طریقت سے گنا اور ان کے پیر شیخ محمد اشرف لاہوری اور ان کے شیخ مولینا عبدالمالک اور ان کے مرشد شیخ بایزید ثانی اور شیخ شناوی کے پیر حضرت سید صبغۃ اللہ بروجی اور ان دو صاحبوں کے پیر ومرشد مولانا وجیہ الدین علوی شارح ہدایہ وشرح وقایہ اور ان کے شیخ حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہم رحمۃ الملک الباری، یہ سب اکابر نادِ علی کی سندیں لیتے اور اپنے تلامذہ ومستفیدین کو اجازتیں دیتے اور یاعلی یاعلی کا وظیفہ کرتے وللہ الحجۃ السامیہ، جسے اس کی تفصیل دیکھنی ہو فقیر کے رسالہ "انہار الانوار وحیات الموات فی بیان سماع الاموات" کی طرف رجوع کرے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے بُستان المحدثین میں حضرتِ ارفع واعلٰی امام العلما نظام الاولیا

نوٹ: الانتباہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں سلاسلِ طریقت بیان کیے گیے ہیں اور دوسرے حصہ میں فقہ وحدیث کی سندیں بیان کی گئی ہیں دوسرا حصہ مکتبہ سلفیہ لاہور نے "وصّاف النبیہ" کے نام سے شائع کیا تھا، ناشر نے مقدمہ میں تصریح کی ہے کہ اس حصہ کا ایک باب نہیں مل سکا اور وہ کچھ ضروری بھی نہ تھا، غالبًا یہ حوالہ اسی "غیر ضروری" حصہ میں قلم زد ہوگیا ہے ۱۲ اشرف قادری

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

حضرت سیدی احمد زرّوق مغربی قدس سرہ استاذ شمس الدین لقانی و امام شہاب الدین قسطلانی شارح صحیح بخاری کی مدح عظیم لکھی کہ وہ جناب ابدالِ سبعہ و محققین صوفیہ سے ہیں، شریعت و حقیقت کے جامع، باوصف ُعلوِّ باطن، ان کی تصانیف علومِ ظاہری میں بھی نافع و مفید و بکثرت ہیں، اکابر علماء فخر کرتے ہیں کہ ہم ایسے جلیل القدر عالم و عارف کے شاگرد ہیں، یہاں تک کہ لکھا:

"بالجملہ مردے جلیل القدر ے ست کہ مرتبہ کمالِ اُوفوق الذکراست"۔

خلاصہ یہ کہ وہ بڑی قدر و منزلت والے بزرگ ہیں کہ ان کا مقام و مرتبہ ذکر سے ماوراء ہے۔ (ت)

پھر اس جناب جلالت مآب کے کلام سے دو بیتیں نقل کیں کہ فرماتے ہیں ؎

انا لمریدی جامع لشتات اذا ماسطاجورُ الزمان بنکبته

وان کنت فی ضَیقٍ و کربٍ و وحشۃٍ فناد بیازرّوق اٰت بسُرعته[1]

یعنی میں اپنے مرید کی پریشانیوں میں جمعیت بخشنے والا ہوں جب ستم زمانہ اپنی نحوست سے اس پر تعدی کرے اور تو تنگی و تکلیف و وحشت میں ہو تو یوں نداء کر: یازروق میں فورًا آموجود ہوں گا۔

علامہ زیادی، پھر علامہ اجہوری صاحبِ تصانیفِ کثیرہ مشہورہ پھر علامہ داؤدی محشّی شرح منہج، پھر علامہ شامی صاحبِ ردالمحتار حاشیہ درمختار گم شدہ چیز ملنے کے لیے فرماتے ہیں کہ: بُلندی پر جا کر حضرت سیّدی احمد بن علوان یمنی قدس سرہ، کے لیے فاتحہ پڑھے پھر انہیں نداء کرے کہ یاسیدی احمد یاابن علوان[2]۔

شامی مشہور و معروف کتاب ہے، فقیر نے اس کے حاشیہ کی یہ عبارت اپنے رسالہ حیاۃ الموات کے ہامش تکملہ پر ذکر کی۔

غرض یہ صحابہ کرام سے اس وقت تک کے اس قدر ائمہ اولیاء و علماء ہیں جن کے اقوالِ فقیر نے ایک ساعتِ قلیلہ میں جمع کیے۔ اب مشرک کہنے والوں سے صاف صاف پوچھنا چاہیے کہ

---

[1] بستان المحدثین حاشیہ سید زروق فاسی علیا لنجاری ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۲

[2] حواشی الشامی علی ردالمحتار کتاب اللقطه دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۲۴

عثمان بن حنیف و عبداللہ بن عباس و عبداللہ بن صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے لے کر شاہ ولی اللہ و شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے اساتذہ و مشائخ تک سب کو کافر ومشرک کہتے ہو یا نہیں؟ اگر انکار کریں تو الحمدللہ ہدایت پائی اور حق واضح ہوگیا اور بے دھڑک ان سب پر کفر و شرک کا فتوٰی جاری کریں تو ان سے اتنا کہئے کہ اللہ تمہیں ہدایت کرے۔ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو تو کسے کہا اور کیا کچھ کہا "انّا للہ وانّا الیہ راجعون" اور جان لیجئے کہ مذہب کی بناپر صحابہ سے لے کر اب تک کے اکابر سب معاذ اللہ مشرک وکافر ٹھہریں۔ وہ مذہب خدا اور رسول کو کس قدر دشمن ہوگا۔

صحیح حدیثوں میں آیا کہ "جو مسلمان کو کافر کہے خود کافر ہے[1]۔

اور بہت ائمہ دین نے مطلقًا اس پر فتوٰی دیا جس کی تفصیل فقیر نے اپنے رسالہ "النھی الاکید عن الصلوۃ وراء عدی التقلید" میں ذکر کی۔ ہم اگرچہ بحکم احتیاط تکفیر نہ کریں تاہم اس قدر میں کلام نہیں کہ ایک گروہ ائمہ کے نزدیک یہ حضرات کہ یارسول اللہ و یا علی و یا حسین و یا غوث الثقلین کہنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرکین کہتے ہیں خود کافر ہیں تو ان پر لازم کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں۔ درمختار میں ہے:

مافیه خلاف یؤمر بالاستغفار و التوبة وتجدید النکاح[2]۔	اور جس چیز کے کفر میں اختلاف ہو اس کے مرتکب کو استغفار وتوبہ اور تجدید نکاح کا حکم دیا جائے گا۔(ت)

فائدہ: حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نداء کرنے کے عمدہ دلائل سے "التحیات" ہے جسے ہر نمازی ہر نماز کی دو رکعت پر پڑھتا ہے اور اپنے نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے عرض کرتا ہے السلام علیك ایھاالنبی و رحمة اللہ و برکاته سلام حضور پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔

اگر ندا معاذاللہ شرک ہے، تو یہ عجب شرک ہے کہ عین نماز میں شریک و داخل ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اور یہ جاہلانہ خیال محض باطل کہ التحیات زمانہ اقدس سے ویسے ہی چلی آتی ہے تو مقصود ان لفظوں کی ادا ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ

[1] صحیح البخاری کتاب الادب باب من اکفر اخاہ بغیر تاویل قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۰۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان حال الایمان من قال الخیه المسلم یا کافر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۷

[2] الدرالمختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۹

وسلم کی نداء حاشا وکلا شریعتِ مطہرہ نے نماز میں کوئی ایسا ذکر نہیں رکھا ہے جس میں صرف زبان سے لفظ نکالے جائیں اور معنی مراد نہ ہوں، نہیں نہیں بلکہ قطعاً یہی درکار ہے۔ التحیاتُ للّٰہ والصلوات سے حمدِ الٰہی کا قصد رکھے اور السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، سے یہ ارادہ کرے کہ اس وقت میں اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور حضور سے بالقصد عرض کر رہا ہوں کہ سلام حضور اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں۔ فتاوائے عالمگیری میں شرح قدوری سے ہے:

لابدّ من ان یقصد بالفاظ التشهد معانیها التی وضعت لها من عنده کانه یُحیِّ اللّٰه تعالٰی ویسلم علی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علی وسلم وعلٰی نفسه وعلٰی اولیاء اللّٰه تعالٰی[1]۔	تشہد کے الفاظ سے ان معانی کا قصد کرنا ضروری ہے جن کے لیے ان الفاظ کو وضع کیا گیا ہے اور جو نمازی کی طرف سے مقصود ہوں ہوں۔ گویا کہ نمازی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نذرانہ عبادت پیش کر رہا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر، خود اپنی ذات پر اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے۔ (ت)

تنویر الابصار اور اس کی شرح دُر مختار میں ہے:

(ویقصد بالفاظ التشهد) معانیها مرادة له علٰی وجه (الانشاء) کانه یحیّ اللّٰه تعالٰی ویسلم علٰی نبیه وعلٰی نفسه واولیائه (لا الاخبار) عن ذلك ذکره، فی المجتبٰی[2]۔	الفاظِ تشہد سے اُن کے معانی مقصودہ کا بطور انشآء قصد کرے، گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہارِ بندگی کر رہا ہے اور اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام بھیج رہا ہے، ان الفاظ سے حکایت وخبر کا قصد نہ کرے اس کو مجتبٰی میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

علامہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں:

یقصد معانیه، مرادةً له، علٰی	قصد کرے معنی مقصودہ کا بایں طور کہ نمازی

[1] الفتاوٰی الهندیة کتاب الصلوٰة الفصل الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۷۲

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلوٰة باب صفة الصلوٰة مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۷

اَنَّہٗ یُنْشِئُھَا تَحِیَّۃً وَّسَلَامًا مِنْہُ [1]۔	اپنی طرف سے تحیہ اور سلام پیش کر رہا ہے۔ت)

اسی طرح بہت علماء نے تصریح فرمائی۔اس پر بعض سفہائے منکرین یہ عذر گھڑتے ہیں کہ صلوۃ وسلام پہنچانے پر ملائکہ مقرر ہیں تو ان میں نداء جائز اور ان کے ماوراء میں ناجائز، حالانکہ یہ سخت جہالت بے مزہ ہے قطع نظر بہت اعتراضوں سے جو اس پر وارد ہوتے ہیں ان ہوشمندوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ صرف درود وسلام ہی نہیں بلکہ اُمت کے تمام اقوال وافعال واعمال روزانہ دو وقت سرکار عرش وقار حضور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیے جاتے ہیں۔احادیث کثیرہ میں تصریح ہے کہ مطلقًا اعمالِ حسنہ وسیّہ سب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اور یونہی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام اور والدین واعزاء واقارب سب پر عرضِ اعمال ہوتی ہے۔فقیر نے اپنے رسالہ "سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی" میں وہ سب حدیثیں جمع کیں، یہاں اسی قدر بس ہے کہ امام اجل عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

لیس من یومٍ الاوتعرض علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعمال اُمّتہ غدوۃ وعشیاّ فیعرفھم بسیماھم و اعمالھم [2]۔	یعنی کوئی دن ایسا نہیں جس میں سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اعمالِ اُمت ہر صبح وشام پیش نہ کیے جاتے ہوں، تو حضور کا اپنے امتیوں کو پہچاننا ان کی علامت اور ان کے اعمال دونوں وجہ سے ہے۔(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہ وصحبہ وشرف وکرم)۔

فقیر غفراللہ تعالٰی لہ، بتوفیق اللہ عزوجل اس مسئلے میں ایک کتاب مبسوط لکھ سکتا ہے مگر منصف کے لیے اسی قدر دانی، اور خدا ہدایت دے تو ایک حرف کافی۔

اکفنا شر المضلین یا کافی وصلّ علٰی سیّدنا ومولٰینا محمدن الشافی واٰلہ وصحبہ حُماۃِ الدین	اے کفایت فرمانے والے! ہماری طرف سے گمراہ کرنے والوں کے شر کا دفاع فرما۔ ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی پر درود نازل فرما

[1] مراقی الفلاح علی ھامش حاشیۃ الطحطاوی کتاب الصلوۃ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۱۵۵

[2] المواھب اللدنیہ بحوالہ ابن المبارک عن سعید ابن مسیب المقصد الرابع الفصل الثانی بیروت ۲/ ۶۹۷

الصافی اٰمین والحمد للہ رب العالمین۔	جو شفاء عطا فرمانے والے ہیں اور آپ کے آلِ و اصحاب پر جو دین صافی کے حمایتی ہیں آمین والحمد للہ رب العالمین۔

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری ۱۳۰۱
عبدالمصطفٰی احمد رضا خان

رسالہ

انوار الانتباہ فی حل نداء یا رسول اللہ

ختم ہوا۔

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین
(محبوبوں کے سردار کی شفاعت کے بارے میں چالیس ۴۰ حدیثیں سنانا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۱۶۵: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شفیع ہونا کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب:

الحمدللہ البصیر السمیع والصلوۃ والسلام علی البشیر الشفیع وعلٰی الہ وصحبہ کل مساء وسطیع	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے جو دیکھنے والا سننے والا ہے، اور درود وسلام نازل ہو بشارت دینے والے شفاعت کرنے والے پر اور اس کے آل واصحاب پر ہر شام کو اور ہر صبح کو۔(ت)

سُبحان اللہ! ایسے سوال سُن کر تعجب آتا ہے کہ مسلمان ومدعیان سنیت اور ایسے واضح

عقائد میں تشکیک کی آفت، یہ بھی قُربِ قیامت کی ایک علامت ہے۔"انّا للہ وانّا الیہ راجعون "

احادیثِ شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں، بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزار ہا محدثین ان کے راوی، حدیث کی ہر گونہ کتابیں صحاح، سُنن، مسانید، معاجیم، جوامع، مصنفات ان سے مالا مال۔اہل سنت کا ہر متنفس یہاں تک کہ زنان و اطفال بلکہ دہقانی جہاں بھی اس عقیدے سے آگاہ، خدا کا دیدار محمد کی شفاعت ایک ایک بچے کی زبان پر جاری، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و بارک وشرف ومجد وکرم۔

فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ لہ نے رسالہ "سمع وطاعة الاحادیث الشفاعة" میں بہت کثرت سے ان احادیث کی جمع و تلخیص کی، (یہاں) بہ نہایت اجمال صرف چالیس حدیثوں کی طرف اشارت، اور ان سے پہلے چند آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہوں۔

الآیات:

آیتِ اُولیٰ ۱: قال اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا):

" عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ "[1]۔	قریب ہے کہ تیرا رب تجھے مقامِ محمود میں بھیجے۔

حدیث شریف میں ہے حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی گئی، مقامِ محمود کیا چیز ہے: فرمایا: **ھو الشفاعة**[2]۔ وہ شفاعت ہے۔

آیتِ ثانیہ ۳: قال اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا):

" وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ "[3]۔	اور قریب تر ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تُو راضی ہو جائے گا۔

دیلمی مسند الفردوس میں امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، سے راوی، جب یہ آیت اتری حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذًا لا ارضٰی وواحد من امتی فی النار[4]۔	یعنی جب اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی کر دینے کا وعدہ فرماتا ہے تو میں راضی نہ ہوں گا اگر میرا ایک امتی بھی دوزخ میں رہا۔

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

[2] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۴۲

[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۵

[4] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۹۳/ ۵ المطبعۃ البہیۃ المصریۃ مصر ۳۱/ ۲۱۳

اللّٰھم صلّ وسلم وبارِك علیہ۔

طبرانی معجم اوسط اور بزار مسند میں جناب مولی المسلمین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اشفع الامتی حتی ینادینی ربی قد ارضیت یا محمد فاقول ای ربّ قد رضیت[1]	میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا یہاں تک کہ میرا رب پکارے گا اے محمد! تو راضی ہوا؟ میں عرض کروں گا: اے رب میرے! میں راضی ہوا۔

آیت ثالثہ ۳: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنۡۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ"[2]۔	اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگی۔

اس آیت میں اللہ تعالٰی اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم کو حکم دیتا ہے کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہ مجھ سے بخشواؤ، اور شفاعت کاہے کا نام ہے۔

آیت رابعہ ۴: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا"[3]۔	اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تیرے پاس حاضر ہوں، پھر خدا سے استغفار کریں، اور رسول ان کی بخشش مانگے تو بیشک اللہ تعالٰی کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ گناہ کرکے اس نبی کی سرکار میں حاضر ہو اور اُس سے درخواستِ شفاعت کرو، محبوب تمہاری شفاعت فرمائے گا۔ تو ہم یقیناً تمہارے گناہ بخش دیں گے۔

آیتِ خمسہ ۵: قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا):

[1] المعجم الاوسط حدیث ۲۰۸۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۴۴، الترغیب الترہیب کتاب البعث فصل فی الشفاعۃ مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۴۶، الدر المنثور تحت الآیۃ ۹۳/ ۵ مکتبۃ آیۃ اللہ العظمٰی قسم ایران ۶/ ۳۶۱

[2] القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹

[3] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

"وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا یَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ "[1]۔	جب ان منافقوں سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہاری مغفرت مانگیں تو اپنے سر پھیر لیتے ہیں۔

اس آیت میں منافقوں کا حال بد مآل ارشاد ہوا کہ وہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے شفاعت نہیں چاہتے، پھر جو آج نہیں چاہتے وہ کل نہ پائیں گے۔ اللہ دنیا وآخرت میں ان کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔

منکر آج ان سے التجا نہ کرے ۔۔۔ حشر میں ہم بھی سیر دیکھیں گے

وصلی اللہ تعالٰی علٰی شفیع المذنبین واٰلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین۔

اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے گنہگاروں کی شفاعت فرمانے والے پر اور ان کی آل، اصحاب اور تمام امت پر۔ (ت)

الاحادیث

شفاعت کُبرٰی کی حدیثیں جن میں صاف صریح ارشاد ہوا کہ عرصاتِ محشر میں وہ طویل دن ہوگا کہ کاٹے نہ کٹے اور سروں پر آفتاب اور دوزخ نزدیک، اُس دن سورج میں دس برس کامل کی گرمی جمع کریں گے اور سروں سے کچھ ہی فاصلہ پر لار کھیں گے، پیاس کی وہ شدت کہ خدا نہ دکھائے، گرمی وہ قیامت کہ اللہ بچائے، بانسوں پسینہ زمین میں جذب ہو کر اوپر چڑھے گا، یہاں تک کہ گلے گلے سے بھی اونچے ہوگا، جہاز چھوڑیں تو بہنے لگیں، لوگ اس میں غوطے کھائیں گے، گھبرا گھبرا کر دل حلق تک آجائیں گے۔ لوگ ان عظیم آفتوں میں جان سے تنگ آکر شفیع کی تلاش میں جابجا پھریں گے، آدم ونوح، خلیل وکلیم ومسیح علیہم الصلوۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہو کر جواب صاف سنیں گے، سب انبیاء فرمائیں گے ہمارا یہ مرتبہ نہیں ہم اس لائق نہیں ہم سے یہ کام نہ نکلے گا، نفسی نفسی، تم اور کسی کے پاس جاؤ، یہاں تک کہ سب کے بعد حضور پُرنور خاتم النبیین، سیّد الاولین والآخرین، شفیع المذنبین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم "اَنَا لَهَا انا لها"[2]

---

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۵

[2] البدایۃ والنہایۃ ذکر ثناء اللہ ورسولہ الکریم علی عبدہ وخلیلہ ابراھیم مکتبۃ المعارف بیروت ۱/ ۱۷۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۰

فرمائیں گے یعنی میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے۔

پھر اپنے رب کریم جلالہ، کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سجدہ کریں گے ان کا رب تبارک و تعالٰی ارشاد فرمائے گا:

یا محمد ارفع رأسك وقل تُسمع وسل تعطه واشفع تشفع [1]۔	اے محمد ! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمہاری بات سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہے۔

یہی مقامِ محمود ہوگا جہاں تمام اولین و آخرین میں حضور کی تعریف و حمد و ثنا کا غُل پڑ جائے گا اور موافق و مخالف سب پر کھل جائے گا۔ بارگاہِ الٰہی میں جو وجاہت ہمارے آقا کی ہے کسی کی نہیں اور مالک عظیم جل جلالہ کے یہاں جو عظمت ہمارے مولے کے لیے ہے کسی کے لیے نہیں والحمدلله رب العلمین۔ (اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ت) اسی لیے اللہ تعالٰی اپنی حکمتِ کاملہ کے مطابق لوگوں کے دلوں میں ڈالے گا کہ پہلے اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے پاس جائیں اور وہاں سے محروم پھر کر ان کی خدمت میں حاضر آئیں تاکہ سب جان لیں کہ منصب شفاعت اسی سرکار کا خاصہ ہے دوسرے کی مجال نہیں کہ اس کا دروازہ کھول سکے۔ والحمدلله رب العلمین (اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

یہ حدیثیں صحیح بخاری و صحیح مسلم تمام کتابوں میں مذکور اور اہلِ اسلام میں معروف و مشہور ہیں، ذکر کی حاجت نہیں کہ بہت طویل ہیں۔ شک لانے والا اگر دو حرف بھی پڑھا ہو تو مشکوۃ شریف کا اردو میں ترجمہ منگا کر دیکھ لے یا کسی مسلمان سے کہے کہ پڑھ کر سُنا دے۔ اور انہیں حدیثوں کے آخر میں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ شفاعت کرنے کے بعد حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بخشش گنہگارانِ کے لیے

[1] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی ولقد ارسلنا نوحًا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۰، صحیح البخاری کتاب الرقاق باب صفة الجنة والنار قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۷۱، صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی لما خلقت بیدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۲، صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی وجوہ یومئذ ناضرۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۰۸، صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول الرب یوم القیمة الانبیاء وغیرہم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۱۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۸ تا ۱۱۱

بار بار شفاعت فرمائیں گے اور ہر دفعہ اللہ تعالٰی وہی کلمات فرمائے گا اور حضور ہر مرتبہ بے شمار بندگانِ خدا کو نجات بخشیں گے۔
میں ان مشہور حدیثون کے سوا ایک **اربعین** یعنی چالیس [۴] حدیثیں اور لکھتا ہوں جو گوش عوام تک کم پہنچی ہوں، جن سے مسلمانوں کا ایمان ترقی پائے، منکرِ کا دل آتشِ غیظ میں جل جائے، بالخصوص جن سے اس ناپاک تحریف کارَد شریف ہو جو بعض بددینوں، خدا ناترسوں، ناحق کوشوں، باطل کیشوں نے معنی شفاعت میں کیں اور انکارِ شفاعت کے چہرہ نجس چھپانے کو ایک جھوٹی صورت نام کی شفاعت دل سے گھڑی۔

ان حدیثوں سے واضح ہوگا یہ حدیثیں ظاہر کریں گی کہ ہمیں خدا اور رسول نے کان کھول کر شفیع کا پیارا نام بتادیا اور صاف فرمایا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نہ یہ کہ بات گول رکھی ہو جیسے ایک بدبخت کہتا ہے کہ اسی کے اختیار پر چھوڑ دیجئے جس کو وہ چاہے ہمارا شفیع کردے۔

یہ حدیثیں مژدہ جانفزا دیں گی کہ حضور کی شفاعت نہ اس کے لیے ہے جس سے اتفاقاً گناہ ہوگیا ہو اور وہ اس پر ہر وقت نادم و پریشان وترساں ولرزاں ہے جس طرح ایک دُزد باطن کہتا ہے کہ چور پر توچوری ثابت ہو گئی مگر وہ ہمیشہ کا چور نہیں اور چوری کو اس نے کچھ اپنا پیشہ نہیں ٹھہرایا مگر نفس کی شامت سے قصور ہوگیا سو اس پر شرمندہ ہے اور رات دن ڈرتا ہے۔ نہیں نہیں ان کے رب کی قسم جس نے انہیں شفیع المذنبین کیا۔ اُن کی شفاعت ہم جیسے روسیاہوں، پُرگناہوں، سیاہ کاروں ستم گاروں کے لیے ہے جن کا بال بال گناہ میں بندھا ہے جن کے نام سے گناہ بھی ننگ وعار رکھتا ہے۔ ع

ترسم آلودہ شود دامنِ عصیاں از من

(میں ڈرتا ہوں کہ گناہوں کا دامن میری وجہ سے آلودہ ہوجائے گا۔ ت)

وحسبنا اللہ تعالٰی و نعم الوکیل و الصلوۃ والسلام علی الشفیع الجمیل وعلٰی اٰلہ وصحبہ بالوف التبجیل والحمدللہ	اور اللہ تعالٰی ہمارے لیے کافی ہے اور کیا ہی خوب کارساز ہے، اور درود و سلام نازل ہو جمال والے شفیع پر اور ان کے آل و اصحاب پر ہزاروں تعظیم و تکریم کے ساتھ، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں

ربّ العلمین۔	جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

حدیث ۱ و ۲: امام احمد بسندِ صحیح اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور ابن ماجہ حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خُیِّرت بین الشفاعۃ وبین ان یدخل نصف امتی الجنۃ فاخترت الشفاعۃ لانھا اعم واکفٰی ترونھا للمتقین لا ولکنھا للمذنبین الخطائین المتلوثین[1]۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علیہ والحمد للہ رب العٰلمین۔	اللہ تعالٰی نے مجھے اختیار دیا کہ یا تو شفاعت لو یا یہ کہ تمہاری آدمی امت جنت میں جائے میں نے شفاعت لی کہ وہ زیادہ تمام اور زیادہ کام آنے والی ہے، کیا تم یہ سمجھ لیے ہو کہ میری شفاعت پاکیزہ مسلمانوں کے لیے ہے؟ نہیں بلکہ وہ ان گنہگاروں کے واسطے ہے جو گناہوں میں آلودہ اور سخت خطاکار ہیں۔ اے اللہ ! درود و سلام اور برکت نازل فرما ان پر، اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

حدیث ۳: ابن عدی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی للھالکین من اُمتی[2]۔	میری شفاعت میرے ان امتیوں کے لیے ہے جنہیں گناہوں نے ہلاک کر ڈالا۔

حق ہے اے شفیع میرے، میں قربان تیرے، صلی اللہ علیک۔

حدیث ۴ تا ۸: حضرت ابوداؤد و ترمذی و ابن حبان و حاکم و بیہقی بافادہ صحیح حضرت انس بن مالک اور ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان، و حاکم حضرت جابر بن عبداللہ اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۹، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۷۵

[2] الکامل لابن عدی ترجمہ عمرو بن المحرم دار الفکر بیروت ۵ /۱۸۰۱، کنز العمال حدیث ۳۹۰۷۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴ /۴۰۱

اور خطیبِ بغدادی حضرت عبداللہ ابن عمر فاروق و حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی یوم القیٰمۃ لاھل الکبائر من امّتی [1]۔	میری شفاعت میری امت میں ان کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں۔

صلی اللہ علیك وسلم، والحمد للہ رب العلمین۔ اللہ تعالٰی آپ پر درود وسلام نازل فرمائے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

حدیث ۹: ابوبکر احمد بن بغدادی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شفاعتی لاھل الذنوب من امتی۔ میری شفاعت میرے گنہگار امتیوں کے لیے ہے۔

ابودرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: وان زنٰی وان سرق (اگرچہ زانی ہو، اگرچہ چور ہو) فرمایا: وان زنٰی وان سرق علٰی رغم انفِ ابی الدرداء [2]۔ (اگرچہ زانی ہو اگرچہ چور ہو برخلاف خواہش ابودرداء کے)

حدیث ۱۰و۱۱: طبرانی و بیہقی حضرت بریدہ اور طبرانی معجم اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[1] سُنن ابنِ ماجہ ابواب الزہد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۹، سُنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی الشفاعۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۲۹۶، جامع الترمذی ابواب صفۃ القیمۃ باب ماجاء فی الشفاعۃ امین کمپنی دہلی ۲ /۶۶، المستدرك للحاکم کتاب الایمان شفاعتی لاھل الکبائر من امتی دارالفکر بیروت ۱/ ۶۹، السنن الکبرٰی کتاب الجنایات ۸ /۱۷ و کتاب الشہادات دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۹۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۱۴۵۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱ /۱۸۹، موارد الظمآن الٰی زوائد ابن حبان حدیث ۲۵۹۶ المطبعۃ السلفیہ ص ۶۴۵، کنز العمال حدیث ۳۹۰۵۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۳۹۸

[2] تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن ابراھیم الغازی ابن البصری دارالکتاب العربی بیروت ۱ /۴۱۶

ان اشفع یوم القیٰمۃ لِاکثر مما علی وجہ الارض من شجروحجر ومدر[1]۔	یعنی رُوئے زمین پر جتنے پیڑ، پتھر، ڈھیلے ہیں میں قیامت یں ان سب سے زیادہ آدمیوں کی شفاعت فرماؤں گا۔

حدیث ۱۲: بخاری، مسلم، حاکم، بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، واللفظ لہٰذین (اور لفظ حاکم و بیہقی کے ہیں۔ت) حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی لمن شھدان لا الٰہ الا اللہ مخلصًا یصدق قلبہ لسانہ۲۔	میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو۔

حدیث ۱۳: احمد، طبرانی وبزار حضرت معاذ بن جبل وحضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہا اوسع لھم وھی لمن مات ولایشرك باللہ شیئا[2]۔	شفاعت میں امت کے لیے زیادہ وسعت ہے کہ وہ ہر شخص کے واسطے ہے جو اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔

حدیث ۱۴: طبرانی معجم اوسط میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰتی جھنم فاضرب بابھا فیفتح لی فادخلھا فاحمد اللہ محامد ما حمدہ احد قبلی مثلھا ولا یحمد احد بعدی	میں جہنم کا دروازہ کھلوا کر تشریف لے جاؤں گا وہاں خدا کی تعریف کروں گا، ایسی نہ مجھ سے پہلے کسی نے کیں نہ میرے بعد کوئی کرے، پھر دوزخ سے ہر اس شخص کو نکال

[1] مسند احمد بن حنبل عن بریدہ الاسلمی المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۳۴۷، المعجم الاوسط حدیث ۵۳۵۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۶ /۱۷۲، کنزالعمال حدیث ۳۹۰۶۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴ /۳۹۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب الایمان باب شفاعتی لمن یشھد الخ دارالفکر بیروت ۱ /۷۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی موسی الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۴۰۴ و ۴۱۵، کنزالعمال حدیث ۳۹۰۷۹ و ۳۹۰۸۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰ /۳۶۸ و ۳۶۹، مجمع الزوائد کتاب البعث باب ماجآء فی الشفاعۃ دارالکتاب بیروت ۱۰ /۳۶۸ و ۳۶۹

ثم اخرج منها من قال لا اله الا الله[1] ملخصًا۔	لوں گا جس نے خالص دل سے لا الٰہ الا اللہ کہا۔

حدیث ۱۵: حاکم بافادہ تصحیح اور طبرانی و بیہقی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یوضع للانبیاء منابر من ذهب فیجلسون علیها ویبقٰی منبری لا اجلس علیه او لا اقعد علیه قائما بین یدی ربی مخافة ان یبعث بی الی الجنةِ ویبقی اُمّتی بعدی فاقول یارب امتی امتی فیقول الله عزوجل یا محمد ما ترید ان اصنع بامتك فاقول یا رب عجل حسابهم فما ازال اشفع حتی اعطٰی صکاکًا برجال قد بعث بهم الی النار حتی اَنّ مالکًا خازن النار فیقول یا محمد ما ترکت لغضب ربك فی امتك من نقمة[2]۔ اللهم صلی وبارك علیه والحمد الله رب العلمین۔	انبیا کے لیے سونے کے منبر بچھائیں گے وہ ان پر بیٹھیں گے، اور میرا منبر باقی رہے گا کہ میں اس پر جلوس نہ فرماؤں گا بلکہ اپنے رب کے حضور سر وقد کھڑا رہوں گا اس ڈر سے کہ کہیں ایسا نہ ہو مجھے جنت میں بھیج دے اور میری امت میرے بعد رہ جائے پھر عرض کروں گا اے رب میرے! میری امت، میری امت، اللہ تعالٰی فرمائے گا اے محمد، تیری کیا مرضی ہے میں تیری امت کے ساتھ کیا کروں؟ عرض کروں گا اے رب میرے ان کا حساب جلد فرمادے، پس میں شفاعت کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ مجھے ان کی رہائی کی چھٹیاں ملیں گی جنہیں دوزخ بھیج چکے تھے یہاں تک کہ مالک داروغہ دوزخ عرض کرے گا اے محمد! آپ نے اپنی امت میں رب کا غضب نام کو نہ چھوڑا۔ اے اللہ! درود و برکت نازل فرما ان پر، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

Majlis of Dawateislami

[1] المعجم الاوسط حدیث ۳۸۵۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۴/ ۵۰۳

[2] المستدرك للحاکم کتاب الایمان باب الانبیاء منابر من ذهب دار الفکر بیروت ۱/ ۶۵و۶۶، المعجم الاوسط حدیث ۲۹۵۸ مکتبۃ المعارف ریاض ۳/ ۴۴۶و۴۴۷، الترغیب والترهیب کتاب البعث فصل فی الشفاعة مصطفٰی البابی مصر ۴/ ۴۴۶

حدیث ۱۶تا۲۱: بخاری و مسلم و نسائی حضرت جابر بن عبداللہ اور احمد بسندِ حسن اور بخاری تاریخ میں اور بزار اور طبرانی و بیہقی و ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس، اور احمد بسندِ حسن و بزار بسندِ جیدّ و دارمی و ابن ابی شیبہ و ابویعلٰی و ابونعیم و بیہقی حضرت ابوذر، اور طبرانی معجم اوسط میں بسند حضرت ابوسعید خدری، اور کبیر میں حضرت سائب بن زید، اور احمد باسنادِ حسن اور ابن ابی شیبہ و طبرانی حضرت ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی:

واللفظ لجابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُوعطیت مالم یعط احد قبلی الٰی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واعطیت الشفاعۃ[1]۔	اور لفظ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھے وہ کچھ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دیا گیا"۔

ان چھیوں حدیثوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میں شفیع مقرر کردیا گیااور شفاعت خاص مجھی کو عطا ہوگی میرے سوا کسی نبی کو یہ منصب نہ ملا۔

حدیث ۲۲و۲۳: ابن عباس وابوسعید وابوموسٰی سے انہیں حدیثوں میں وہ مضمون بھی ہے جو احمد و بخاری و مسلم نے انس اور شیخین نے ابوہریرہ (رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین) سے روایت کیا کہ حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح بخاری کتاب التیمم وقولہ تعالٰی فلم تجدواماءً قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۸، صحیح بخاری کتاب الصلوۃ باب قولہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجدًا کراچی ۱ /۶۲، صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۹۹، سنن النسائی کتاب الغسل والتیمم باب التیمم بالصعید نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ /۷۴، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہا لمکتب الاسلامی بیروت ۱ /۳۰۱، المعجم الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہا لمکتب الاسلامی بیروت ۱ /۳۰۱، المعجم الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ حدیث ۱۱۰۸۵ المکتب الاسلامی بیروت ۱۱ /۷۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۱۶۲، الترغیب و الترھیب بحوالہ البزار فصل فی الشفاعۃ مصطفٰی البابی مصر ۴ /۴۳۳، المعجم الاوسط حدیث ۷۴۳۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۲۱۲، المعجم الکبیر عن سائب بن زید حدیث ۶۶۷۳ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۷ /۱۵۵، مسند احمد بن حنبل عن ابی موسٰی المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۴۰۴

ان لکل نبی دعوۃ قد دعا بھا فی امتہ واستجیب لہ[1]۔ وھذا اللفظ الانس ولفظ ابی سعید لیس من نبی الا وقد اُعطی دعوۃ فتعجّلھا[2]۔(ولفظ ابن عباس)لم یبق نبی الا اُعطی سؤلہ[3]۔رجعنا الٰی لفظ انس والفاظ الباقین کمثلہ معنیً قال وانی اختبات دعوتی شفاعۃ لِاُمتی یوم القیٰمۃ[4]۔(زاد موسٰی)جعلتھا لمن مات من امتی لایشرك باللہ شیئا[5]۔	ہر نبی کے لیے ایک خاص دعا ہے جو وہ اپنی امت کے بارے میں کرچکا ہے اور وہ قبول ہوئی ہے، یہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ ہیں، اور حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ یوں ہیں کہ نہیں ہے کوئی نبی مگر یہ کہ اُسے ایک خاص دعا عطا ہوئی جسے اس نے دنیا میں مانگ لیا۔ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہماکے لفظ ہیں کہ کوئی نبی نہ بچا جس کو خاص دُعا عطا نہ ہوئی ہو،ہم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے الفاظ کی طرف رجوع کرتے ہیں، باقی راویوں کے الفاظ معنی کے اعتبار سے اُن ہی کی مثل ہیں۔سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔میں نے اپنی دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے بچا رکھا ہے۔"ابو موسٰی نے اضافہ کیا کہ میں ہر اُس امتی کے لیے شفاعت کروں گا جو اس حال پر مرا کہ اللہ تعالٰی کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا۔(ت)

یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی اگرچہ ہزاروں دُعائیں قبول ہوتی ہیں مگر ایک دُعا انہیں خاص جناب باری تبارک و تعالٰی سے ملتی ہے کہ جو چاہے مانگ لو بے شک دیا جائے گا تمام انبیاء آدم سے عیسٰی تک(علیہم الصلوۃ والسلام)سب اپنی اپنی وہ دُعا دنیا میں کرچکے اور میں نے آخرت کے لیے اٹھا رکھی،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الدعوات باب قول اللہ تعالٰی ادعونی استجب لکم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۳۲،صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳،مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۰۸

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخذری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۰

[3] السنن الکبری کتاب الصلوۃ باب اینما ادرکتك الصلوۃ فصل الخ دار صادر بیروت ۲/ ۴۳۳

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳،مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۰۸

[5] مسند احمد بن حنبل عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۴۱۶

وہ میری شفاعت ہے میری امت کے لیے قیامت کے دن، میں نے اسے اپنی ساری امت کے لیے رکھا ہے جو ایمان پر دنیا سے اُٹھی۔

اللّٰھم ارزقنا بجاھه عندك اٰمین !	اے اللہ ! ہمیں ان کی اس وجاہت کے صدقے میں عطا فرما جواُن کو تیری بارگاہ میں حاصل ہے۔(ت)

اللہ اکبر ! اے گنہگاران اُمّت ! کیا تم نے اپنے مالک و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ کمال رافت و رحمت اپنے حال پر نہ دیکھی کہ بارگاہِ الٰہی عزوجلالہ سے تین سوال حضور کو ملے کہ جو چاہو مانگ لو عطا ہوگا۔ حضور نے ان میں کوئی سوال اپنی ذات پاک کے لیے نہ رکھا، سب تمہارے ہی کام میں صرف فرمادیئے دو سوال دنیا میں کیے وہ بھی تمہارے ہی واسطے، تیسرا آخرت کو اٹھار کھا، وہ تمہاری اس عظیم حاجت کے واسطے جب اس مہربان مولیٰ رؤف ورحیم آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی کام آنے والا، بگڑی بنانے والا نہ ہوگا۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) حق فرمایا حضرت حق عزوجل نے :

"عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ "[1]۔	اُن پر تمہارا مشقّت میں پڑنا گراں ہے، تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان۔(ت)

واللہ العظیم ! قسم اس کی جس نے انہیں آپ پر مہربان کیا ہرگز ہرگز کوئی ماں اپنے عزیز پیارے اکلوتے بیٹے پر زنہار اتنی مہربان نہیں جس قدر وہ اپنے ایک امتی پر مہربان ہیں۔(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) الٰہی ! تو ہمارا عجز وضعف اور اُن کے حقوقِ عظیمہ کی عظمت جانتا ہے۔اے قادر ! اے واجد ! ہماری طرف سے اُن پر اور اُن کی آل پر وہ برکت والی درودیں نازل فرما جو ان کے حقوق کو وافی ہوں اور ان کی رحمتوں کو مکافی۔

اللھم صلّ وسلم وبارك علیه وعلی اله وصحبه قدر رأفته و رحمة بامته وقدر أفتك ورحمتك به اٰمین اٰمین اله الحق امین۔	اے اللہ ! درود وسلام اور برکت نازل فرما آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر جتنا کہ وہ اپنی اُمت پر مہربان ہیں اور جس قدر تو ان پر مہربان ہے۔اے معبود برحق ! ہماری دُعا قبول فرما۔(ت)

سبحٰن اللہ ! امتیوں نے ان کی رحمتوں کا یہ معاوضہ رکھا کہ کوئی افضلیت میں تشکیلیں نکالتا ہے۔کوئی ان کی تعریف اپنی سی جانتا ہے، کوئی ان کی تعظیم پر بگڑ کر کڑاتا ہے۔افعالِ محبت کا بدعت نام اجلال وادب

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۸

پر شرک کے احکام،

انّا للہ وانّا الیہ راجعون، وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلب ینقلبون، ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	بے شک ہم اللہ تعالٰی کے لیے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹنا ہے، عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹتے ہیں، اور اللہ بُلند و عظیم کی توفیق کے بغیر نہ توگناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت۔ (ت)

حدیث ۲۴: صحیح مسلم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ تعالٰی نے مجھے تین سوال عطافرمائے، میں نے دو بار تو دنیامیں عرض کرلی: **اللّٰھم اغفر لامّتی اللھم اغفر لامتی الٰھی!** میری اُمت کی مغفرت فرما، الٰہی میری اُمت کی مغفرت فرما۔ الٰہی! میری اُمت کی مغفرت فرما۔" **واخّرت الثالثۃ لیوم یرغب الیّ فیہ الخلق حتی ابراھیم** [1] ۔اور تیسری عرض اس دن کے لیے اٹھارکھی جس میں مخلوقِ الٰہی میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام۔

وصل وسلم بارك علیہ والحمد للہ رب العلمین۔	اور درود وسلام وبرکت نازل فرمااُن پر، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کاپروردگار ہے۔ (ت)

حدیث ۲۵: بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شبِ اسرٰی اپنے رب سے عرض کی۔ تُو نے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو یہ یہ فضائل بخشے، رب عزمجدہ، نے فرمایا: **اعطیتك خیرًا من ذلك (الٰی قولہ) خبأت شفاعتك ولم اخبأھالنبی غیرك** [2] ۔

میں نے تجھے جو عطافرمایاوہ ان سب سے بہتر ہے، میں نے تیرے لیے شفاعت چھپارکھی اور تیرے سوادوسرے کو نہ دی۔

حدیث ۲۶: ابن ابی شیبہ وترمذی بافادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ وحاکم بحکم تصحیح حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی بن کعب المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۱۲۷، صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن باب بیان ان القرآن انزل علٰی سبعۃ حرف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۳

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثالث الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۱۳۴

اذاکان یوم القیمة کنت امام النبیین وخطیبهم و صاحب شفاعتهم غیر فخر [1]۔	قیامت کے دن میں انبیاء کا پیشوا اور ان کا خطیب اور ان کا شفاعت والا ہوں اور یہ کچھ فخر کی راہ سے نہیں فرماتا۔

حدیث ۲۷ تا ۴۰: ابن منیع، حضرت زید بن ارقم وغیرہ چودہ [۱۴] صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضرت شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی یوم القیمة حق فمن لم یؤمن بها لم یکن من اهلها [2]۔	میری شفاعت روزِ قیامت حق ہے جو اس پر ایمان نہ لائے گا اس کے قابل نہ ہوگا۔

منکر مسکین اس حدیثِ متواتر کو دیکھے اور اپنی جان پر رحم کرکے شفاعتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

"اللّٰھم انك تعلم ھدیت فاٰمنّا بشفاعة حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاجعلنا من اهلها فی الدنیا والاخرة یا اهل التقوٰی واهل المغفرة واجعل اشرف صلواتك وانمی برکاتك وازکٰی تحیاتك علٰی هذا الحبیب المجتبٰی والشفیع المرتضٰی وعلٰی اٰله و صحبه دائمًا ابدًا امین یا ارحم الرحمین، والحمد للہ رب العلمین۔	اے اللہ ! تُو جانتا ہے، بے شک تُو نے ہدایت عطا فرمائی ہے، تو ہم تیرے حبیب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت پر ایمان لائے ہیں۔ اے اللہ! تو ہمیں دُنیا وآخرت میں لائق شفاعت بنادے۔ اے تقوی ومغفرت والے ! اپنا افضل درود، اکثر برکات اور پاکیزہ تحیات بھیج اس منتخب محبوب پر جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے، اے بہترین رحم فرمانے والے ! ہماری دُعا کو قبول فرما۔ اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب باب منه امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰۱، سنن ابن ماجه ابواب الزہد باب ذکر الشفاعة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۳۰، المستدرک للحاکم کتاب الایمان باب اذاکان یوم القیمة الخ دار الفکر بیروت ۱/ ۷۱

[2] کنز العمال بحواله ابن منیع عن زید بن ارقم الخ حدیث ۳۹۰۵۹ مؤسسته الرساله بیروت ۱۴/ ۳۹۹

مسئلہ ۱۶۶: مسئولہ مولوی احمد شاہ ساکن موضع سادات

شبِ قدر میں تمام چیزیں مثل درخت وپتھر وغیرہ کے سجدہ کرتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:

ہاں ہر چیز سجدہ کرتی ہے، اولیاء نے اسے مشاہدہ کیا ہے، **واللہ تعالٰی علم۔**

مسئلہ ۱۶۷: از اودے پور میواڑ راجپوتانہ مدرسہ اسلامیہ، مسئولہ مولانا مولوی سید احمد صاحب مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۲۹ھ

قدوۃ العلماء زبدۃ الفقہاء حضرت مولانا صاحب دام فیوضہم، بعد سلامِ مسنون نیاز مشحون، معروض خدمت بندگان والا ہوں، آپ کا مکرمت نامہ جس روز پہنچا اُسی روز مولوی ظہیر حسن صاحب بھی پہنچے اور بخیریت ہیں، کارِ درس وتدریس انجام دے رہے ہیں، حضور نے یاد آوری بزرگانہ سی مشکور فرمایا۔ کارِ خدمت سے یاد فرمائیں۔

دیگر مکلّف ہوں کہ مولوی عبدالرحیم صاحب احمد آبادی مع مولوی علاؤالدین صاحب سندھی ساداتِ عظام وفقراء ذوی الاحترام کے پیچھے بلاوجہ پڑ رہے ہیں اور طرح طرح کے الزام ان کے ذمہ لگا کر تکفیر کے فتوے منگا لیے ہیں۔

اسی طرح سے فقراء سے غرضیکہ ایسی فضول باتیں کرکے بزرگانِ دین کا دل دکھاتے ہیں وجہ خاص اس کی یہ ہے کہ ان کو احمد آباد کے لوگ پہلے نہیں مانتے تھے۔ سادات اور فقراء کی حقارت کرنے میں اب پہنچ گئے۔ اس بارہ میں حضور کو اشارہ کافی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملہ میں جب تک فریقین کی جانب سے تحقیق نہ ہو تکفیر وغیرہ کا حکم نہ بخشا جائے، اور بلاوجہ سادات و فقراء کے پیچھے پڑنا اور جڑ بنیاد حقارت کے واسطے اکھیڑنا شرعًا ناجائز ہے، چنانچہ حضرت فرید میاں صاحب سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد حسین چشتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی اولاد میں ہیں۔ اور اسی طرف سے قاضی احمد میاں قادر میاں صاحب قادری کی نسبتِ سادات نہ ہونے کی وعظ وغیرہ کہہ کر دل دکھاتے ہیں۔ سو اب بطورِ فتوی ارقام فرمادیں کہ حضرت شاہ فرید میاں صاحب اور قادر میاں صاحب اور احمد میاں صاحب سادات کا دکھانا اور کسرِ شان سادات و فقیراء کی کرنا اور ان سے سند طلب کرنا اور نہ ملنے پر برا کہنا کہاں تک جائز ہے۔ اور ایسا کہنے والے کی نسبت شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ سو برائے کرم اس کا فتوی صاف تحریر فرمائیں زیادہ حدِ ادب، فقیر کو بھی بوجہ غامانِ سادات ہونے کے سخت رنج ہے۔

الجواب:

بگرامی ملاحظہ مکرم ذی المجدوالکرم جناب مولانا مولوی سید قاضی احمد علی صاحب مدنی دام مجد ہم۔بعد ادائے ہدیہ سنّت ملتمس، نوازش نامہ تشریف لایا، ممنون یادآوری فرمایا، مولوی عبدالرحیم صاحب نے صرف ایک شخص کی نسبت مجھ سے دو بار فتوی لیا،ایک اس بارہ میں کہ اس نے حضرات ائمہ اطہار کو نبی ورسول بتایا،اس کے بارے میں میں نے "جزاء اللہ عدوہ" لکھی جس کو طبع ہوئے بارہ ۱۲ برس گزرے۔دوسرا اس بارے میں کہ وہ معوذتین کو قرآن نہیں مانتا اس پر میرا فتوی نذیر المنافقین میں چھپا جسے سال ہوئے۔ان کے سوا میں نے ان کو کوئی فتوی کسی کے کفر پر لکھ کر نہ بھیجا۔ہاں ایک شخص کے کچھ اشعار کی نسبت سوال تھا جس میں اس نے اپنے پیر کی تعریف میں بہت غلو وافراط کیا۔اس پر میں نے صریح کفر ہونے کا فتوی نہ دیا بلکہ اس میں تاویلات کی طرف اشارہ کیا۔اور یہ دو نام جو آپ نے تحریر فرمائے ان کی بابت مجھے اصلاً یاد نہیں کہ کسی امر کا کوئی فتوی کیسا ہی لکھا گیا ہو۔ہاں زید وعمر کرکے کوئی سوال انہوں نے بھیجا اور میں نے جواب لکھا ہو تو معلوم نہیں، مگر کفر کا فتوی صرف انہیں باتوں پر لکھا نہیں بلکہ چھاپ کر بھیجا ہے جسے ۲ اور ۷ برس ہوئے،اور اشعار والا فتوی بھی غالبًا وہیں طبع ہوگیا ہے۔

یہ فقیر ذلیل بحمدہ تعالٰی حضرات ساداتِ کرام کا ادنٰی غلام وخاکپا ہے۔ان کی محبت وعظمت ذریعہ نجات وشفاعت جانتا ہے،اپنی کتابوں میں چھاپ چکا ہے کہ سیّد اگر بدمذہب بھی ہوجائے تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک بدمذہب حدِ کفر تک نہ پہنچے،ہاں بعدِ کفر سیادت ہی نہیں رہتی، پھر اس کی تعظیم حرام ہوجاتی ہے۔اور یہ بھی فقیر بارہا فتوی دے چکا ہے کہ کسی کو سید سمجھنے اور اس کی تعظیم کرنے کے لیے ہمیں اپنے ذاتی علم سے اسے سید جاننا ضروری نہیں، جو لوگ سید کہلائے جاتے ہیں ہم ان کی تعظیم کریں گے، ہمیں تحقیقات کی حاجت نہیں،نہ سیادت کی سند مانگنے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔اور خواہی نخواہی سند دکھانے پر مجبور کرنا اور نہ دکھائیں تو بُرا کہنا مطعون کرنا ہرگز جائے نہیں۔" الناس امناُ علی انسابھم (لوگ اپنے نسب پر امین ہیں)،ہاں جس کی نسبت ہمیں خوب تحقیق معلوم ہو کہ یہ سیّد نہیں اور وہ سید بنے اس کی ہم تعظیم نہ کریں گے نہ اسے سید کہیں گے اور مناسب ہوگا کہ ناواقفوں کو اس کے فریب سے مطلع کردیا جائے۔میرے خیال میں ایک حکایت ہے جس پر میرا عمل ہے کہ ایک شخص کسی سیّد سے الجھا،انہوں نے فرمایا میں سیّد ہوں کہا۔

کیا سند ہے تمہارے سیّد ہونے کی۔ رات کو زیارتِ اقدس سے مشرف ہوا کہ معرکہ حشر ہے یہ شفاعت خواہ ہوا، اعراض فرمایا: اس نے عرض کی: میں بھی حضور کا امتی ہوں۔ فرمایا: کیا سند ہے تیرے امتی ہونے کی، میں مولوی عبدالرحیم صاحب کو اس بارے میں لکھوں گا۔ اور اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو منع کروں گا، امید ہے کہ وہ میری گزارش قبول کریں گے۔ آپ فقیر کی اسی تحریر کو فتوٰی تصوّر فرمائیں۔ فقیر احمد رضا غفرلہ از بریلی ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۲۹ھ

مسئلہ ۱۶۸:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی علی رسول الرؤف الرحیم ط

امابعد! سوال از فاضلِ اجل عالمِ بے بدل حضرت مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب ساکن بریلی عم فیضہ الصوری والمعنوی۔

مخدومی مکرمی معظمی مفخمی حضرت حامی دین متین مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب دام مجدکم، بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واضح رائے عالی ہو کہ ہمارے یہاں شہر احمد آباد میں ایک رسالہ آٹھ صفحہ کا مطبع حمیدی پریس واقع احمد آباد بازار کالوپور میں چھپ کر شائع ہوا ہے۔ اس کے مشتہر مولوی شیر محمد بن شاہ محمد ساکن احمد آباد محلّہ مرزا پور متصل قصابانِ گاؤ ہیں۔ اور اس میں رسالہ کی اشاعت کی تاریخ یہ لکھی ہے " مورخہ ۲ جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ روز وشنبہ " اور اس رسالہ کے صفحہ ۵ سے صفحہ ۷ تک ایک فتوٰی ہے اور وہ فتوٰی تاریخ ۱۱ جمادی الاولٰی یوم الاربعا ۱۳۲۴ھ کو لکھا گیا ہے۔

جناب مولانا صاحب! دست بستہ خدمت میں عرض یہ ہے کہ چھپا ہوا فتوٰی آپ کی خدمت میں رجسٹرڈ حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ فتوٰی آپ نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟ یہاں بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب نے یہ فتوٰی نہیں لکھا۔ یہ فتوٰی مولانا صاحب کی طرف منسوب کردیا ہے۔ مولانا اس فتوٰی کے لکھنے سے انکار فرماتے ہیں۔ یہ فرمانا ان حضرات کا صحیح ہے یا غلط ہے؟ اور یہ فتوٰی آپ نے چھ سال پہلے لکھا ہے یا نہیں، اور ہم نے آپ کا قلمی مہر کیا ہوا فتوٰی بھی مولوی شیر محمد صاحب کے پاس دیکھا ہے اس کو ہم سچا سمجھیں یا نہیں؟ آپ ہم کو سمجھا دیجئے رب العالمین آپ کو اجرِ عظیم وثوابِ جزیل عطا فرمائے گا۔

رقیمہ آپ کا خادم مہرباز خاں بن محمد خاں ساکن احمد آباد محلّہ جمال پور کھاڑیہ متصل مسجد

دادی بی مورخہ ۲۵ جمادی الثانی ۱۳۳۰ھ چہار شنبہ۔

الجواب:

فقیر غفرلہ المولٰی القدیر جب جمادی الاولٰی ۱۳۲۴ھ میں بعدِ سفر مدینہ طیبہ کراچی آیا اور وہاں سے احباب احمد آباد لانے پر مصر ہوئے۔ یہاں میرے معظم دوست حامیِ سنت ماحی بدعت مولانا مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم و مغفور کے دو معزز شاگردوں مولوی عبدالرحیم صاحب و مولوی علاؤالدین صاحب سلمہا اللہ تعالٰی میں نزاع تھی، دو فریق ہو رہے تھے۔ اور اس سے پہلے مولوی علاؤالدین صاحب غریب خانہ پر تشریف لائے تھے اور ایک رسالہ پیش کیا جس میں مولوی عبدالرحیم صاحب پر سخت الزام قائم کرنے چاہے حتی کہ نوبت بہ تکفیر پہنچائی تھی، فقیر نے انہیں سمجھایا اور اس رسالہ کی اشاعت سے باز رکھا اور ان الزامات کی غلطی پر دوستانہ متنبہ کیا۔ الحمدللہ مولوی علاؤالدین صاحب نے گزارشِ فقیر کو قبول کیا مگر باہم فریق بندی اس وقت تک تھی کہ فقیر حج سے واپس آیا اس وقت مولوی عبدالرحیم صاحب نے یہ سوال پیش کیا جس کا میں نے وہ جواب لکھا، وہ جواب میرا ہی ہے مگر اس وقت کی حالت سے متعلق تھا۔ میں نے اس جواب ہی میں بتادیا تھا کہ مولوی علاؤالدین صاحب نے مولوی عبدالرحیم صاحب کی تکفیر عنادًانہ کی تھی بلکہ مسئلہ ان کی سمجھ میں یوں ہی آیا تھا جس سے انہوں نے بعد تفہیم فقیر رجوع کی تو ان پر کوئی حکم سخت نہیں، ہاں اگر وہ بعد اس کے کہ حق سمجھ لیے پھر بلاوجہ شرعی تکفیر کی طرف رجوع کریں تو اُس وقت حکم سخت ہونا لازم ہے۔ اس کے بعد وہیں ایام اقامت فقیر میں فریقین فیصلہ فقیر پر راضی ہوئے اور بحمداللہ تعالٰی باہم صلح کرادی گئی، میں نے اس وقت تک صلح شکن نہ پایا بلکہ قریب زمانہ میں جب کہ بعض فساد پسندوں نے تکفیر مولوی عبدالرحیم صاحب کا باطل و بے معنی غلغلہ پھر اٹھایا اور پرانا مہمل اشتہار مولوی قندھاری نے دوبارہ کسی شخص وزیر الدین کے نام سے چھاپا، زاور مولوی عبدالرحیم صاحب کو دفع فتنہ کے لیے یہاں کے فتوی کی ضرورت ہوئی ہے اور اس پر ان سے واقعات پوچھے گئے جس کا مفصل جواب انہوں نے ہفتم ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو بھیجا، اُس خط میں بھی یہ لفظ موجود ہیں "احمد آباد میں آپ کے قدم مبارک کراچی سے رونق افروز ہوئے تھے اور آپ نے صلح بندی کی اور مولوی علاؤالدین صاحب کی کرائی تھی، جب سے اب تک بحمداللہ تعالٰی صلح ہے وہ میرے موافق ہیں انتھی بلفظہ"۔ اس کے بعد میرا یہی فتوی جواب شیر محمد صاحب نے چھاپا مولوی عبدالرحیم نے اس کی نقل مجھے بھیجی تھی اور اس میں سے اُن تمام سطروں پر کہ مولوی علاوہ الدین صاحب کے متعلق تھیں سُرخی سے قلم پھیر دیا کہ اب اُن کی ضرورت نہیں۔ مولوی علاؤالدین صاحب

کا جو خط فقیر کے نام آیا اس میں وہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ ہم اس وقت تک بدستور صلح پر قائم ہیں۔یوں ہی اس سے بھی تازہ تر عنایت نامہ جناب شاہ صاحب وجیہی علوی میں ہے، پھر فقیر نہیں کہہ سکتا کہ اس فتوے کے چھاپنے کی کیا ضرورت ہوئی اور اس سے کیا نفع ہو سکتا ہے،اس میں تو مولوی علاؤالدین صاحب پر حکم سخت ہونا اس شرط سے مشروط تھا کہ وہ بعد کشف شبہہ تکفیر مسلم کی طرف معاذ اللہ پھر عود کریں،جب یہ شرط نہیں تو ہرگز اس فتوے سے نہ مولوی علاؤالدین صاحب کو ضرر نہ چھاپنے والے کو نفع،اور خدانخواستہ شرط متحقق ہوئی تو اس کا حال اللہ جانتا ہے۔بالجملہ یہ امر دین ہے اور دین میں کسی کی رعایت نہیں۔دونوں صاحب میرے دوست ہیں اور دونوں صاحب ذی علم اور ایک استاد کے شاگرد ہیں، میں امید کرتا ہوں کہ بدستور صلح پر قائم ہوں گے جیسا کہ دونوں صاحبوں کی تحریر سے مجھے معلوم ہوا،ورنہ جس طرف سے نقض عہد واقع ہو وہ ضرور اپنے حکمِ شرعی کا مستحق ہوگا کائنا من کان (جو کوئی بھی،ت) فریقین اس آیہ کریمہ کو پیش نظر رکھیں۔

"وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾ "[1]۔واللہ تعالٰی اعلم۔	اور میرے بندوں سے فرماد و وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو،بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈال دیتا ہے،بے شک شیطان آدمی کا کھُلا دشمن ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

مسئلہ ۱۶۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بیان کرتا ہے کہ فخر عالم سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نورِ مبارک کو اللہ تعالٰی نے اپنے نورِ ذاتی سے پیدا کیا،اور وہ نورِ مقدس قدیم ہے۔اور بکر بیان کرتا ہے اپنے نورِ مبارک سے مراد نورِ قدرت اس کی کا ہے اور وہ نور حادث ہے۔

اور مسئلہ دیگر یہ کہ زید بیان کرتا ہے کہ "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ﴿۸﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ﴿۹﴾ "[2]۔(پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اتر آیا اور اس جلوے اور محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔ت) سے مراد قرب اللہ تعالٰی کا ہے کہ معراج شریف میں سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اتنے قریب ہوئے اللہ سے کہ درمیان فرق دو کمان کا رہ گیا۔اور اکثر یہ بیان مولود شریف میں ذکر ہوتا ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۵۳

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۹

اور بکر بیان کرتا ہے کہ یہ قریب ہونا رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اُس مقام پر مراد جبرئیل علیہ السلام سے ہے نہ خدائے تعالٰی سے، بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے)

الجواب:

عوام مسلمین کو نماز، روزے، وضو، غسل، قراءت کی تصحیح فرض ہے جس سے روزِ قیامت ان پر مطالبہ و مواخذہ ہوگا، اپنے مرتبہ سے اونچی باتوں میں کچہریاں جمانا اور کھچڑیاں پکانا اور رائیں لگانا گمراہی کا پھاٹک ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۰ تا ۱۷۹: ازلاہور، انجمن نعمانیہ مرسلہ مولانا شاہ محرم علی صاحب چشتی صدر ثانی انجمن ۱۵ جمادی الاخری ۱۳۳۰ھ

جناب مخدوم معظم من حضرت مولانا صاحب ادام اللہ فیوضکم، بعد ہدیہ سلام سنت الاسلام گزارش، والانامہ رجسٹری شدہ پہنچا، مولانا مولوی حاجی خلیفہ تاج الدین احمد صاحب وہ افتخار نامہ لے کر غریب خانہ پر تشریف لائے باوجودیکہ حضرت مولانا محمد اکرام الدین صاحب بخاری کی طبیعت پندرہ بیس روز سے سخت ناساز ہے اسی وقت ان کو تکلیف دی گئی، اور وہ بھی تشریف لائے، عریضہ ہذا لکھنے کے وقت پر دو صاحبان غریب خانہ پر موجود ہیں، جناب نے جس روشن ضمیری اور امدادِ باطنی سے قلم برداشتہ اس قدر عجلت میں ایسا بے نظیر و مستند فتوی عـــہ بنصوصِ صریحہ رقم فرمایا ہے اس کو دیکھ کر میرے دونوں ہم جلیس حاضرِ وقت تاحال حالتِ وجد میں ہیں اور بار بار اللّٰھم بارك فی عمر ھم و واقبالھم و مجد ھم و ایمانھم وعلوشانھم فی الدارین (اے اللہ! ان کی عمر، بخت، بزرگی، بُلند شان اور ایمان میں دونوں جہانوں میں برکت عطافرما۔ت) کا وظیفہ کر رہے ہیں۔ مجھے تا حال بغور مطالعہ کا موقع نہ ملا کیونکہ دونوں حضرات اس کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں اور دو دن تک اپنے پاس رکھنے کا اصرار کر رہے ہیں۔ اب آنجناب براہ عنایت میرے سوالات کا جواب بھی ارشاد فرمائیں۔

(۱) کیا اس مسئلہ میں جو غلطی فتوی دینے والوں کو ہوئی وہ بہت کھلی اور فاش ہے یا بہت باریک قسم کی غلطی ہے جہاں اعلٰی درجہ کے علماء بھی مغالطہ میں پڑھ سکتے ہیں؟

(۲) بریلی، بدایوں اور پیلی بھیت وغیرہ کے مستند علماء اور ان کے فیض یافتوں پر کس حد تک آنکھیں بند کرکے اعتماد کرنا چاہیے۔ یہ سوال ان بیچارے حنفی مسلمانوں کی طرف سے ہے۔

عـــہ: یعنی فتوی مسمّٰی بہ "الجلی الحسن فی حرمة ولد اخی اللبن" کہ کتاب النکاح میں ہے۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور کی جلد ۱۱ صفحہ ۴۸۷ پر ہے۔

جو میری طرف علم کی آنکھیں نہیں رکھتے اور جن کی تعداد کثیر ہے۔

(۳) ہمارے ہم اعتقاد حنیف حنفیوں کے مدرسہ کے علماء ومدرسین کا مصالحہ ہمیں کہاں سے فراہم کرنا چاہیے۔

(۴) یہ کہ انجمن نعمانیہ کو تاحال جناب کی خدمت میں اس قدر خصوصیت حاصل نہیں ہوئی کہ کم از کم آنجناب کی تصانیف مبارکہ طبع شدہ انجمن کے کتب خانے کے لیے باوجود متواتر تحریری تقاضوں اور خود جناب خلیفہ تاج الدین احمد صاحب کی زبانی تقاضوں کے بھی ارسال کی جائیں حالانکہ انجمن ان کا ہدیہ ادا کرنے پر بھی ہمیشہ تیار رہی ہے۔ اگر اس فتوی کے وقت "سیف المصطفٰی علٰی ادیان الافتراء" و "نقد البیان لحرمۃ ابنۃ اخی اللبان" اور "کاسر السفیہ الواھم" کتب خانہ میں موجود ہوتیں تو یہی خاکسار ان کو نکال کے ۔۔۔۔۔۔ کی خدمت میں پیش کردیتا۔

(۵) کیا جناب کی رائے میں حنیف حنفیوں کا مجموعی مرکز بنانے اور ان کو تقویت دینے کی ضرورت ہے یا نہیں، اگر ہے تو اس کی کیا تدبیر اور سامان جناب کے خیال میں ہیں؟

(۶) لامذہبوں کے پنجاب میں بالخصوص اور بدمذہبوں کے بالعموم حملوں کی مدافعت کی کیا تدابیر جناب کے خیال مبارک میں ہیں؟

(۷) عقائدِ حنفیہّ کے متعلق جناب مولانا مولوی محمد حامد رضاخاں صاحب کی خدمت میں بالمشافہ گفتگو ہو کر قرار داد ہونے کے بعد بھی مسودہ عقائد حنفیہّ آنجناب کی طرف سے نہ بھیجا، اور اس کے نہ پہنچنے پر مجبورًا یہاں سے مسودہ تیار کرکے آنجناب کی خدمت میں بھیجا گیا جس کی کوئی ترمیم واصلاح یا تصدیق تو درکنار اس کی رسید بھی مرحمت نہ ہوئی۔ اس کم توجہی کی اصل وجہ کیا ہے؟ اب عقائد حنفیہّ جو حسب مشورہ علماء ہم لوگوں نے شائع کیے ہیں ارسالِ خدمت ہیں وہ بھی اس عریضہ کے ساتھ منسلک ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو اس پر دستخط تصدیق فرما کر واپس فرمائیں، دوسری زائد کاپی اپنے پاس رکھیں، ورنہ اصلاح فرما کر واپس فرمائیں۔

(۸) لامذہبوں یا بدمذہبوں کے ساتھ اگر زبانی مباحثہ کی ضرورت پڑے تو آنجناب کون کون سے علماء کو اس قابل سمجھتے ہیں جو علاوہ قابلیت کے تکلیف سفر وغیرہ بھی خالصًا للہ اٹھانے کے لیے امادہ ہوں۔

(۹) ایک فہرست ایسے علماء اسلام کی جو بالکل آپ کے ہم خیال اور مستند ہوں، مع ان کے پورے پتہ کے کس لیے تاحال باوجود جناب مولانا مولوی محمد حامد رضاخان صاحب کی خدمت میں گزارش کرنے کے نہیں پہنچی، اور کب تک وہ بہم پہنچ سکتی ہے؟

(۱۰) باوجود انجمن نعمانیہ کی آنجناب کے ساتھ تمام ہندوستان میں خصوصیات مشہور ہوجانے اور اراکین انجمن کو آنجناب کے ساتھ ایسا دلی خلوص اور نیاز ہونے کے احباب کی طرف سے کسی خاص التفات کا اس کی نسبت ظاہر نہ ہونا کون سی وجوہات پر مبنی ہے، اگر انجمن میں کوئی امور قابل اصلاح ہیں تو وہ کیا ہیں۔

الجواب:

(۱) نظر بحال زمانہ تو یہ غلطی نہایت دقیق و عمیق بات میں خطاء فی الکفر کے قبیل سے ہونی چاہیے کہ مولوی اسحٰق صاحب دہلوی کے شاگرد رشید مولوی عالم صاحب مرادآبادی نے کھائی۔ پھر غیر مقلدوں کے شیخ الکل فی الکل مجتہد العصر نذیر حسین صاحب نے کھائی، پھر ایک مدعی، انا ولا غیر مولوی بردوانی صاحب نے کھائی اور ایک طویل تحریر بزعم خود اس کے اثبات میں لکھی، پھر زمانہ حال میں ان حصرات کے آڑے آئی۔ مگر نظر بواقع وہ بہت کھلی فاحش جبیں میں ہمارے سُنی ذی علم حضرات کا وقوع صرف وہی جواب رکھتا ہے جو حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جب کہ اس جناب سے سوال ہوا: اَیزنی العارف (کیا عارف زناء کرسکتا ہے؟ت) دیر تک سر بگریباں رہے، پھر سر اٹھا کر فرمایا: "وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ﴿۳۸﴾"[1]۔ (اللہ تعالٰی کا حکم تو ہو کر رہے گا) چونکہ قضا آید طبیب ابلہ شود اذا جاء القدر عمی البصر واذا جاء القضاء ضاق الفضاء (حکم تقدیر آتا ہے تو آنکھ اندھی ہوجاتی ہے اور حکمِ ربانی کے وقت فضا تنگ ہوجاتی ہے)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ. انا للہ وانا الیہ راجعون لا عاصم الیوم الامن رحم ربی۔ ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور سلامتی طلب کرتے ہیں، بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اس کی طرف لوٹنے والے ہیں آج وہی بچے گا جس پر اللہ تعالٰی رحم فرمائے۔ت) لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی اور عظمت والے معبود کی توفیق سے۔ت) مولانا اس فتوٰی باطلہ کا ابقاء ہرگز ٹھیک نہیں،

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۸

باطل کا اعدام و افناء چاہیے نہ کہ تحفظ و ابقاء بدمذہبوں گمراہوں سے جو اباطیل خارج از مسائل مذہب واقع ہوں ان کی اشاعت مصلحتِ شرعی ہے کہ مسلمانوں کا ان پر سے اعتبار اٹھے۔ ان کی ضلالات میں بھی اتباع نہ کریں۔ حدیث شریف میں ہے:

اترغبون عن ذکر الفاجر متی یعرفه الناس اذکروا للفاجر بما فیه یحذره الناس [1]۔	کیا فاجر کی برائیاں بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہو، لوگ اسے کب پہچانیں گیں، فاجر میں جو برائیوں ہیں بیان کرو کہ لوگ اس سے حذر کریں۔

اور اہلسنت سے بتقدیرِ الٰہی جو ایسی لغزشِ فاحش واقع ہو اس کا اخفاء واجب ہے کہ معاذ اللہ لوگ ان سے بداعتقاد ہوں گے تو جو نفع ان کی تقریر اور تحریر سے اسلام و سنت کو پہنچتا تھا اس میں خلل واقع ہوگا۔ اس کی اشاعت اشاعتِ فاحشہ ہے۔ اور اشاعتِ فاحشہ بنصِ قرآن عظیم حرام، **قال اللہ تعالٰی**:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ" [2]۔	جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں فاحشہ کی اشاعت ہو ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

خصوصًا جب کہ وہ بندگانِ خدا حق کی طرف بے کسی عذر و تامل کے رجوع فرماچکے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من عیر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعمله [3]۔ قال ابن المنیع وغیرہ المراد ذنب تاب عنه، **قلت** وقد جاء کذا مقید فی الروایة کما فی الشرعة [4] ثم فی الحدیقة الندیة۔	جس نے اپنے بھائی کو کسی گناہ کی وجہ سے عار دلایا وہ مرنے سے قبل اسی گناہ میں ضرور مبتلا ہوگا۔ ابن منیع وغیرہ کہتے ہیں کہ گناہ سے مراد وہ ہے کہ اس سے توبہ کرلی گئی ہو۔ **میں کہتا ہوں** شرعہ اور حدیقہ میں روایت میں توبہ کی قید لگی ہوئی ہے۔ت)

[1] نوادر الاصول الاصل فی ذکر الفاجر بما فیه للتحذیر منه دار صادر بیروت ص ۲۱۳

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۹

[3] جامع الترمذی ابواب صفة القیلة باب منه امین کمپنی دہلی ۲/ ۷۳

[4] شرح شرعة الاسلام فصل فی سنن الکلام وآدابه مکتبہ الاسلامیہ کوئٹہ ص ۳۳۳

ولہذا ابتاکید اکید گزا عمائد و مشاہیر علمائے اہلسنت و جماعت جس امر میں متفق ہیں یعنی عقائد مشہورہ متداولہ ان میں ہمارے عام بھائی بلا دغدغہ ان کے ارشادات پر عامل ہوں۔ یوں ہی وہ فرعیات جو اہل سنت اور ان کے مخالفین میں مابہ الامتیاز ہو رہے ہیں جیسے مجلس مبارک و فاتحہ و عرس واستمداد و نداء وامثالہا باقی رہیں فرعیات فقہیہ جن میں وہ مختلف ہو سکتے ہیں خواہ بسبب اختلاف روایات، خواہ بوجہ خطاء فی الفکر یا بسبب عجلت و قلّتِ تدبر یا بوجہ کمی ممارست ومزاولتِ فقہ، ان میں فقیر کیا عرض کرے۔

مرا سوزیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد　　　　وگردم در کشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

(میرے دل میں جلن ہے اگر کہتا ہوں تو زبان جلتی ہے اور اگر چپ رہوں تو ڈر ہے کہ ہڈیوں کا مغز جل جائے گا، ت)

آہ آہ آہ! ہندوستان میں میرے زمانہ ہوش میں دو بندہ خدا تھے جن پر اصول و فروع و عقائد و فقہ سب میں اعتمادِ کلی کی اجازت تھی۔ اول اقدس حضرت خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد حاش للہ نہ اس لیے کہ وہ میرے والد و والی ولی نعمت تھے بلکہ اس لیے کہ الحق و الحق اقول، الصدق واللہ یحب الصدق (یہ حق ہے اور میں حق کہتا ہوں، یہ صدق ہے اور اللہ تعالٰی صدق کو محبوب رکھتا ہے۔ت) میں نے اس طبیبِ صادق کا برسوں مطب پایا اور وہ دیکھا کہ عرب و عجم میں جس کا نظیر نظر نہ آیا اس جناب رفیع قدس سرہ البدیع کو اصولِ حنفی سے استنباطِ فروع کا ملکہ حاصل تھا۔ اگرچہ کبھی اس پر حکم نہ فرماتے، مگر یوں ظاہر ہوتا تھا کہ نادر و دقیق و معضل مسئلہ پیش نہ ہوا کہ کتب متداولہ میں جس کا پتہ نہیں، خادم کمینہ کو مراجعتِ کتب و استخراج جزئیہ کا حکم ہوتا اور ارشاد فرماتے "ظاہرًا حکم یوں ہونا چاہیے" جو وہ فرماتے وہی نکلتا، یا بعض کتب میں اس کا خلاف نکلتا تو زیادتِ مطالعہ نے واضح کردیا کہ دیگر کتب میں ترجیح اسی کو دی جو حضرت نے ارشاد فرمایا تھا۔ عجم کی حالت تو آپ ملاحظہ ہی فرماتے ہیں۔ عرب کا حال یہ ہے کہ اس جنابِ قدس سرہ کا یہ ادنٰی خوشہ چیں و زلہ ربا، جو مکہ معظّمہ میں اس بار حاضر ہوا، وہاں کے اعلم العلماء وافقہ الفقہاء سے چھ چھ گھنٹے مذاکرہ علمیہ کی مجلس گرم رہتی، جب انہوں نے ملاحظہ فرمایا کہ یہ فقہ حنفی کے دو حرف جانتا ہے اپنے زمانہ کے عہدِ افتاء کے مسائل کثیرہ جن میں وہاں کے علماء سے اختلاف پڑا یا اشتباہ رہا، اس ہیچ میرز پر پیش فرمانا شروع کیے جس مسئلہ و حکم میں اس احقر نے انکی موافقت عرض کی آثار بشاشت ان کے چہرہ نورانی پر ظاہر ہوئے اور جس میں عرض کردیا کہ فقیہ کی رائے میں حکم اس کے خلاف ہے، سماعِ دلیل سے پہلے آثارِ حزن نمایاں ہوئے اور

خیال فرمالیتے کہ ہم سے اس حکم میں لغزش واقع ہوئی یہ اسی طبیبِ حاذق کی کفش برادری کا صدقہ ہے۔

(۲) دوم والاحضرت تاج الفحول محبِ رسول مولانا مولوی عبدالقادر صاحب قادری بدایونی قدس سرہ الشریف، پچیس برس فقیر کو اس جناب سے بھی صحبت رہی ان کی سی وسعتِ نظر و قوتِ حفظ و تحقیق انیق ان کے بعد کسی میں نظر نہ آئی۔ان دونوں آفتاب وماہتاب کے غروب کے بعد ہندوستان میں کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس کی نسبت عرض کروں کہ آنکھیں بند کرکے اس کے فتوے پر عمل ہو۔

فقیر نے جواب میں عمائد و مشاہیر علمائے اہلسنت کی تخصیص کی اور جناب نے فیض یافتوں سے بھی سوال فرمایا ہے فیض کے لیے عرض عریض ہے۔میں یہاں مطلقًا اتنا بھی عرض نہیں کرسکتا جو حضرات عمائد کی نسبت گزارش کیا۔

مولانا! اس تقریر فقیر کو اصول کے ایک اختلافی مسئلہ میں اس قول پر محمول نہ فرمائیں کہ متکلم اپنے عمومی کلام میں داخل نہیں ہوتا۔حاشا فقیر تو ایک ناقص، قاصر، ادنٰی طالب علم ہے، کبھی خواب میں بھی اپنے لیے کوئی مرتبہ علم قائم نہ کیا۔اور بحمدہ تعالٰی بظاہر اسباب یہی ایک وجہ ہے کہ رحمتِ الٰہی میری دستگیری فرماتی ہے، میں اپنی بے بضاعتی جانتا ہوں، اس لیے پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں، مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے کرم سے میری مدد فرماتے ہیں اور مجھ پر علم حق کا افاضہ فرماتے ہیں، اور انہیں کے رب کریم کے لیے حمد ہے، اور ان پر ابدی صلوٰۃ والسلام۔

(۳) مدرس کے لیے ذی علم، ذی فہم، سنّی صحیح العقیدہ ہونا کافی ہے صحت عقیدہ کی جانچ کی نسبت جواب نمبر ہفتم میں گزارش ہوگی۔اور یہ لوگ خود معروف نہ ہوں تو اہالی نمبر نہم کی معرفت لیے جائیں اور ان سے عرض کی جائے کہ حضرات کسی سفارش، خوشامد، رعایت پر کاربندی نہ فرمائیں المستشار موتمن پر۔

(۴) نیاز مند کی چار سو تصانیف سے صرف کچھ اوپر سو اب تک مطبوع ہوئیں اور ہزاروں کی تعداد میں بلامعاوضہ تقسیم ہوا کیں جس کے سبب جو رسالہ چھپا جلد ختم ہوگیا۔بعض تین تین چار بار چھپے۔انجمن نعمانیہ میں غالبًا رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ میں اس وقت تک کے تمام موجودہ رسائل میں نے خود حاضر کیے ہیں اور انجمن سے رسید بھی آگئی۔ان کی فہرست اب فقیر کو یاد نہیں، غالبًا دفتر انجمن میں ہو۔اگر وہ معلوم ہوجائے تو بقیہ رسائل جو ادھر چھپے اور مطبع میں ان کے نسخے رہے، بالراس والعین نذر انجمن بلامعاوضہ ہوں گے۔دو برس سے عنانِ مطبع ایک انجمن نے اپنے ہاتھ میں لی ہے جس نے طریقہ فقیر تقسیم کثیر بلا عوض کو منسوخ کردیا پھر بھی انجمنِ نعمانیہ کے لیے

ہدیہ حاضر کرنے سے اس انجمن کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

(۵) خالص اہل سنت کی ایک قوت اجتماعی کی ضرور ضرورت ہے، مگر اس کے لیے تین چیزوں کی سخت حاجت ہے۔

(۱) علماء کا اتفاق **(۲)** تحمل ساق قدر بالطاق۔ **(۳)** امراء کا اتفاق لوجہ الخلاق۔

یہاں یہ سب باتیں مفقود ہیں، **فانّا للہ وانّا الیہ راجعون**، ہمارے اغنیاء نام چاہتے ہیں، معصیت بلکہ صریح ضلالت میں ہزاروں اڑادیں، خزانوں کے منہ کھول دیں، یونیورسٹی کے لیے کتنی جلد تیس لاکھ جمع ہوگیا۔ مدرسہ دیوبند کو ایک عورت نے پچاس ہزار دے دیا، مگر کسی سُنی مدرسہ کو بھی یہ دن نصیب ہوا؟ اوّل تو تائید دین ومذہب جن کا نام لیے گھبرائیں گے، میاں ! یہ ان مولویوں کے جھگڑے ہیں اور شرما شرمی خفیف وذلیل چندہ بھی مقرر کیا تو۔

"لَا یُؤَدِّہٖۤ اِلَیۡکَ اِلَّا مَا دُمۡتَ عَلَیۡهِ قَآئِمًا ؕ" [1]۔	وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک سر پر سوار ہو۔ (ت)

بلکہ تقاضا کیجئے تو بگڑیں اور ڈھیل دیجئے تو سور ہیں، ادھر ہمارے کارکنوں کو وہ چال وہ جال معلوم نہیں جس سے وہابیہ **خذلھم اللہ تعالٰی**۔ (اللہ تعالٰی ان کو رسوا کرے، ت) بندگانِ خدا کو چھل کر نہ صرف اپنے ہم مذہبوں بلکہ اپنے ہم مشربوں سے روپیہ اینٹھتے ہیں، اس کے لیے ریا ونفاق ومکر وخداع وبے حیائی وبے عزتی لازم ہے، وہ نہ آپ میں ہے نہ آپ کی شریعت اس کی اجازت دے، پھر کیسے کام کیوں کر چلے۔ ابھی ایک نمبری وہابی ایک باثر صوفی کے یہاں چند لینے گیا انہوں نے فرمایا سنا ہے تم احمد رضا کے مخالف ہو، کہا حاشا میں تو اسی در کا کتا ہوں، کتا بن کر پانچ سو لے آیا۔

علماء کی یہ حالت ہے کہ رئیسوں سے بڑھ کر آرام طلب ہیں، حمایتِ مذہب کے نام سے گھبراتے ہیں، جو بندہ خدا اپنی جان اس پر وقف کرے اسے احمق بلکہ مفسد سمجھتے ہیں۔ مداہنت ان کے دلوں میں پیری ہوئی ہے۔ ایامِ ندوہ میں ہندوستان بھر کا تجربہ ہوا۔ عباراتِ ندوہ سُن کر ضلالت ضلالت کی رَٹ لگادیں۔ اور جب کہئے حضرت لکھ دیجئے، بھائی لکھواؤ نہیں، ہمارے فلاں دوست برا مانیں گے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷۵

ہمارے فلاں استاد کو بُرا لگے گا، بہت کو یہ خیال کہ مفت میں اوکھلی میں سر دے کر موسل کون کھائے، بدمذہب دشمن ہو جائیں گے، دانتوں پر رکھ لیں گے۔ گالیاں، پھبتیاں اخباروں اشتہاروں میں چھاپیں گے، طرح طرح کے بہتان، افتراء اچھالیں گے۔ اچھی بچھی جان کو کون جنجال میں ڈالے۔ بعض کو یہ کد کہ حمایتِ مذہب کی تو صلح کھلی نہ رہے گی۔ ہر دل عزیزی جا کر پلاؤ، قورمے، نذرانہ میں فرق آئے گا۔ یا کم از کم آؤ بھگت تو عام نہ رہے گی۔

اتفاقِ علماء کا یہ حال کہ حسد کا بازار گرم، ایک کا نام جھوٹوں بھی مشہور ہوا تو بہتیرے سچے اس کے مخالف ہو گئے اس کی توہین تشنیع میں گمراہوں کے ہم زبان بنے کہ "ہیں" لوگ اسے پوچھتے ہیں اور ہمیں نہیں پوچھتے۔ اب فرمائیں کہ وہ قوم کو اپنے میں کسی ذی فضل کو نہ دیکھ سکے، اپنے ناقصوں کو کامل قاصروں کو ذی فضل بنانے کی کیا کوشش کرے گی۔ حاشا یہ کلیہ نہیں مگر للاکثر حکم الکل (اکثر کا حکم وہی ہوتا ہے جو کل کا ہوتا ہے۔ت)

الحمدللہ یہاں متکلم عموم کلام سے ضرور خارج ہے۔ **ولوجہ ربی الحمد ابدا** (میرے پروردگار کی ذات کے لیے ہمیشہ حمد ہے۔ت) فقیر میں لاکھوں عیب ہیں مگر میرے رب نے مجھے حسد سے بالکل پاک رکھا ہے، اپنے سے جسے زیادہ پایا اگر دنیا کے مال ومنال میں زیادہ ہے قلب نے اندر سے اسے حقیر جانا، پھر حسد کیا حقارت پر؟

اور اگر دینی شرف وافضال میں زیادہ ہے اس کی دست بوسی وقدم بوسی کو اپنا فخر جانا، پھر حسد کیا اپنے معظم بابرکت پر؟ اپنے میں جسے حمایتِ دین پر دیکھا اس کے نشر فضائل اور خلق کو اس کی طرف مائل کرنے میں تحریرًا وتقریرًا ساعی رہا۔ اس کے لیے عمدہ القاب وضع کرکے شائع کیے جس پر میری کتاب "المعتمد المستند" وغیرہ شاہد ہیں، حسد شہرت طلبی سے پیدا ہوتا ہے اور میرے رب کریم کے وجہِ کریمہ کے لیے حمد ہے کہ میں نے کبھی اس کے لیے خواہش نہ کی بلکہ ہمیشہ اس سے نفور اور گوشہ نشینی کا دلدادہ رہا۔ جلسوں انجمنوں کے دوروں سے دور رہنا انہیں دو وجہ پر تھا۔ اول حُبِّ خمول دوم۔

زمانہ می نخرو عیب وغیر از نیم نیست جابرم خر خود را بایں کساد متاع[1]

(زمانہ عیب دار کو خرید تا نہیں اور میرے پاس اس کے علاوہ نہیں ہے۔ اس کھوٹے سامان کے ساتھ اپنے گدھے کو کہاں لے کر جاؤں۔ت)

اور اب تو سالہا سال سے شدت ہجوم کار وانعدامِ کلی فرصت وغلبہ ضعف نقاہت نے بالکل ہی

1

بٹھادیا ہے، جسے میرے احباب نے نازک مزاجی بلکہ بعض حضرات نے غرور و تکبر پر حمل کیا۔ اور اللہ اپنے بندہ کی نیت جانتا ہے، بالجملہ اہل سنت سے امور ثلٰثہ مفقود ہیں پھر فرمائیں صورت کیا ہو۔

دفع گمراہانِ میں جو کچھ اس حقیر ہیچ میرز سے بن پڑتا ہے بحمد اللہ تعالٰی ۱۴ برس کی عمر سے اس میں مشغول ہے۔ اور میرے رب کریم کے وجہِ کریم کو حمد کہ اس نے میری بساط، میرے حوصلے، میرے کاموں سے ہزاروں درجہ زائد اس سے نفع بخشا۔ باقی جو آپ چاہتے ہیں اسی قوت متفقہ پر موقوف ہے جس کا حال اوپر گزارش ہوا۔ بڑی کمی امراء کی بے توجہی اور روپے کی ناداری ہے، حدیث کا ارشاد صادق آیا کہ: "وہ زمانہ آنے والا ہے کہ دین کا کام بھی بے روپیہ کے نہ چلے گا"[1]۔

کوئی باقاعدہ عالی شان مدرسہ تو آپ کے ہاتھ میں نہیں، کوئی اخبار پرچہ آپ کے یہاں
نہیں، مدرسین، واعظین، مناظرین، مصنفین کی کثرت بقدرِ حاجت آپ کے پاس نہیں۔ جو کچھ کرسکتے ہیں فارغ البال نہیں۔ جو فارغ البال ہیں وہ اہل نہیں۔ بعض نے خونِ جگر کھا کر تصانیف کیں تو چھپیں کہاں سے۔ کسی طرح سے کچھ چھپالو کی اشاعت کیونکر ہو۔ دیوان نہیں، ناول نہیں کہ ہمارے بھائی دو آنے کی چیز کا ایک روپیہ دے کر شوق سے خریدیں، یہاں تو سر چپیٹنا ہے روپیہ وافر ہو تو ممکن کہ یہ سب شکایت رفع ہوں۔

اول عظیم الشان مدارس کھولے جائیں باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

ثانیًا طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

ثالثًا مدرسوں کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

رابعًا طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف و مناظرہ میں بھی توزیع ہو، کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

خامسًا ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریرًا و تقریرًا وعظًا و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں۔

مولانا! اس گئی گزری حالت میں تو کوئی بفضلہٖ تعالٰی آپ کے سامنے آنہیں سکتا۔ دور سے غُل مچاتے اور وقت پر دم دباتے ہیں۔ جب آپ کے اہل علم یوں مل میں پھیلیں اس وقت کون

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۳۲۶۹ دار لکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۶۶

ان کی قوت کا سامنا کر سکتا ہے۔

سادسًا حمایت (مذہب) وہ رَدِّ بدمذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

سابعًا تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

ثامنًا شہروں شہروں آپ کے سفیر نگران رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔آپ سرکوبی اعداء کے لیے اپنی فوجیں میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔

تاسعًا جو ہم میں قابل کار، موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کرکے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جوئیں۔

عاشرًا آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتًا فوقتًا ہر قسم کے حمایت مذہب ممیں مضامین تمام ملک میں بقمیت و بلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہچاتے رہیں۔

میرے خیال میں تو یہ تدابیر ہیں،آپ اور جو کچھ بہتر سمجھیں افادہ فرمائیں، بلکہ مولانا ! روپیہ ہونے کی صورت میں اپنی قوت پھیلانے کے علاوہ گمراہوں کی طاقتیں توڑنا بھی اِن شاء اللہ العزیز آسان ہوگا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ گمراہیوں کے بہت سے افراد صرف تنخواہوں کے لالچ سے زہر اگلتے پھرتے ہیں۔ان میں جسے دس کی جگہ بارہ دیجئے اب آپ کی سی کہے گا، یا کم از کم بہ لقمہ درختہ بہ تو ہوگا۔

دیکھئے حدیث کا ارشاد کیسا صادق ہے کہ: "آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم ودینار سے چلے گا"[1]۔

اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق ومصدوق صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کلام ہے، عالم ماکان ومایکون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خبر ہے۔

(۷) مسودہ عقائد حنفیّہ کہ یہاں بنظر استصواب آیا تھا بعد بعض ترمیمات ضرور یہ گیا بھی،اور انجمن کو پہنچا بھی۔اور انجمن نے اس میں اکثر ترمیمات کو قبول فرمایا بھی،اس پر گواہ خود یہ مسودہ تازہ ہے کہ جناب نے اب ارسال فرمایا ہے، یہ اکثر انہیں ترمیمات پر مشتمل ہے جو فقیر نے ایک نہایت سرسری نگاہ میں عرض کی تھیں، مگر جناب کا یہ فرمانا بھی کہ ترمیم یا تصدیق درکنار تو نے رسید بھی نہ بھیجی بجائے خود ہے۔واقعی فقیر ترمیم کرکے بھیج چکا اور واقعی ترمیم کرکے فقیر نے نہ بھیجا۔اس معمہ کا حل یہ ہے کہ فقیر بے حد عدیم الفرصت ہے خاطر خواہ ترمیمیں (مگر دفترے دیگر

---

[1] کشف الخفاء حدیث ۳۲۶۹ دار لکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۳۶۶

املا کند) کی مصداق ہوتیں۔ اس کے لیے وقت نہ ملتا تھا ایک ضرور شدیدہ سے پیلی بھیت جانا ہوا۔ حضرت مولانا محدث سورتی دامت برکاتہم نے اس کا ذکر فرمایا۔ فقیر نے عرض کی وقتِ فرصت سن لوں گا۔ نصف شب کے قریب وہاں کی ضروریات اور احباب کی ملاقات سے فارغ ہوا اس وقت وہ مسودہ فقیر کو سُنایا گیا، جابجا تبدیلات و نقص و زیادات و محو و اثبات عرض کرتا گیا اور حضرت ممدوح تحریر فرماتے گئے۔ ۱۸ صفحہ تک اس وقت ہوا پھر صبح بعدِ فراغ وظائف، جب کہ ریل کا وقت قریب تھا۔ بقیہ بعجلتِ تام تمام کیا۔ مولوی ابوالعلاء امجد علی صاحب سلمہ بھی ہمراہ تھے ان سے گزارش کی کہ آپ کے پاس بھی ایک مسودہ آیا ہوا ہے یہی ترمیمات آپ بھی لکھ بھیجنا، اور اتفاق رائے فقیر سے بھی انجمن مبارک کو اطلاع دیں۔ مگر بریلی آکر مولوی صاحب کو کثرت کار میں یاد نہ رہا۔ یوں وہ اصلاحاتِ فقیر کی طرف سے پہنچیں بھی اور نہیں بھی۔

اب **اولاً** اس مسودہ ثانیہ میں بعض تو اغلاطِ کاتب ہیں انہیں فقیر نے بنادیا ہے۔ ان میں بعض بہت ضروری اللحاظ ہیں۔

ثانیاً بعض نئی ترمیمات اور خیال میں آئی ہیں، خواہ عبارت سابقہ پر، یا اب جو مسودہ ثانیہ میں خود انجمن نے محو و اثبات کیا اس پر۔

ثالثاً اصلاحاتِ سابقہ میں سے اکثر تو قبول فرمائی گئیں مگر بعض وہ بھی ہیں کہ اس مسودہ ثانیہ میں بھی متروک ہوئیں یا نظر سے رہ گئیں خصوصاً ان میں بعض کا نہ پانا زیادہ مشوش خیال ہوسکتا ہے کہ بحال عمر الاقل رعایت و مداہنت کا سخت پہلو نکلتا ہے۔ ہاں سہواً ترک ہوا تو "رفع عن امتی الخطاٗ والنیسان"[1]۔ (میری امت سے خطاء ونسیان کو معاف کردیا گیا ہے۔ت) ارشادِ والا ہے۔

رابعاً ان سب کے بعد بھی بحکم "المستشار مؤتمن"[2]۔ (جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔ت) مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ یہ سب مقاصد اجمالاً یہاں گوش گزار کروں۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

[1] کشف الخفاء حدیث ۱۳۹۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۳۸۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی المشورة آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۴۳، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ان المستشار مؤتمن امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۰۵

ترمیمات جدیدۃ یا ترمیماتِ جدیدہ مع بیان وجہ

صفحہ	سطر	مبدل	بدل	وجہ
۳	۹	کوئی لطف جزئی یا اصلاح جزئی	کوئی لطف یا اصلاح یا کوئی شے	قید جزئی احترازی نہ سمجھی جائے کہ وجوب کلی متوہم ہو حالانکہ لایجب علی اللہ شیئ (اللہ پر کچھ واجب نہیں۔ت)
۴	۴	کئی	بہت	کئی ترجمہ چند کا ہے
۶	۷	ختم نبوت	ختم نبوت و افضیلت مطلقہ و خلافت کبرٰی و اولویت فی الشفاعۃ وفی دخول الجنۃ واصالت فی کل فضل وساطۃ فی کل نعمۃ وغیرھا صفات کثیرۃ ناممکنۃ الاشتراک	اعلائے شان اقدس و تفریح خاطر مومنین و رغم انف عدو
۶	۲۲	علم الٰہی غیر متناہی	علم الٰہی غیر متناہی بالفعل	بیان تمایز
۶	۲۲	آپ کا علم متناہی	حضور کا علم متناہی بالفعل وغیر متناہی بالقوۃ	عوام متناہی کو بمعنی منتہی و منقطع نہ سمجھ لیں
۷	۲۰	زندہ بحیات خاصہ ہیں	زندہ بحیات حقیقیہ دنیاو جسمانیہ ہیں	حیاتِ خاصہ حیاتِ برزخیہ روحانیہ بھی ہے کہ ہر شخص کو حاصل۔
۸	۱۱و۱۲	تمام روئے زمین کی مخلوقات عاجز ہے	تمام مخلوقات عاجز ہے	تحدی اگرچہ جن وانس سے ہوئی مگر عجز سب کو شامل ہے۔
ج۹ عـــہ	۲۱	حضرت مہدی علیہ السلام	حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ	صلوۃ والسلام بالاستقلال مخصوص بانبیاء و ملائکہ ہے
۱۱	۹تا۱۱	مختلف اقوال امام میں ترجیح کے لیے	مختلف اقوال امام بحضور امام خلاف قول مستقر امام کو ترجیح کے لیے	مجتہدین فی الفتوی سے امتیاز

عـــہ: ج علامت جدید ترمیم کی ہے ۱۲۔

۱۱	۱۴	ان کاکام صرف بعض کوترجیح دینا	ان کا کام صرف بعض کو بحضور امام مستقر امام پر ترجیح دینا اور اصول امام کے موافق تازہ	حصر کی تصحیح اور مجتہدین فی الفتوٰی و مجتہدین فی المسائل سے امتیاز
۱۱	۱۵	ان کے بعد رحمت کا ظہور ہوا	ان کے بعد رحمت کااور ظہور ہوا	یہ رحمتِ جدید ہے نہ کہ رحمت جدید ہے
ج۱۱	۲۱	امام فخر الدین رازی	امام ابوبکر احمد ابن علی رازی	پہلے مسودہ میں صرف رازی تھا،اور وہ صحیح تھااس مسودہ میں فخر الدین بڑھایا گیا،اور یہ بھی باری غلطی ہے امام فخر الدین رازی حنفی نہیں شفاعی ہیں۔

ترمیمات سابقہ متروکہ (یہ دو قسم ہیں) (قسم اوّل)

صفحہ	سطر	مبدل	بدل	وجہ
۱	۱۱	باقی صفات فعلیہ میں ان سب سے ازلًا متصف تھا	ان سب سے ازلًا متصف ہے باقی صفات وفعلیہ و نفسیہ و سلبیہ واضافیہ ہیں۔	باقی سب فعلیہ نہیں نہ باقیات ازلیہ
۳	۱۵	عدل کی چھ صورتیں ہیں	عدل و فضل کی الخ	ان میں یہ بھی محدود ہوا کہ کسی کے اعمالِ حسنہ سے ذرہ بھر نقصان نہیں فرماتا۔یہ عدل ہو تو اس کا خلاف ظلم ہوااور ظلم محال ہے،تو اثابت واجب ہو حالانکہ لایجب علی اللہ شیئ (اللہ پر کچھ واجب نہیں۔ت) مسودہ سابقہ میں بغیر غرض صحیح کا لفظ تھا،وہ تو بہت ہی بے جا تھا،اب اسے مصلحت سے بدلا یہ مصلحت راجع الی العبد ہے یاالی اللہ،ثانی محال ہے،بہر تقدیر
۳	۱۹	اپنے بندوں میں سے کسی کو مصلحت یااجرِ جزیل کوئی مصیبت نہیں دیتا	اس کا فضل ہے کہ اپنے مسلمان بندوں پر جو مصیبت بھیجے اس میں بھی ان کے لیے اجر رکھتا ہے۔	

(ا)

۸	۲۲	ہر دو وحی سے جو اخبار و معارف قطعًا مفہوم ہوتے ہیں حق ہیں کوئی شبہ نہیں۔	ہر دو وحی سے جو معنی قطعًا ثابت ہیں حق ہیں کوئی شبہ نہیں	اول کافر کہ شاہی جہل یا جزیرہ بعیدہ میں رہتا ہو جس سے مسلمانوں کو کوئی ضرر نہ ہو بلکہ ذمی مطیع خدمت گار اسلام جس سے مسلمانوں کو منافع ملتے ہوں اس پر مصائب ڈالنے میں کس کی مصلحت یا کوئی اجر ہے ایلام بلا عوض کو خلافِ عدل ماننا معتزلہ کا مسلک ہے اہلِ سنت کے نزدیک "**یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ**"[1] (اللہ تعالٰی جو چاہے کرتا ہے۔ت) ہاں اس کا فضل ہے کہ مومن کو مصیبت پر بھی ماجور فرماتا ہے **وله الحمد**، انتفائے شبہ قطعیت دلالت و ثبوت دونوں سے ہے، مجرد قطعًا ہونا کافی نہیں۔
۹	۱۵	سوال منکر و نکیر ضرور ہونے والا ہے۔	سوال منکر نکیر جس سے خدا چاہے ضرور ہونے والا ہے۔	روئے سخن سوئے عوام ہے اور اطلاق میں عموم کا ایہام تو تصریح اوضح و امکن فی الافہام۔
۱۲	۱۳	ثقاہت	ثقہ ہونا	**ثقۃ علۃ** ہے نہ **فِعَل**
۱۳	۱۰	حضرت امام حسن و امام حسین قطعی جنتی ہیں	حضرت امام حسن و امام حسین و اصحابِ بدر و بیعۃ الرضوان قطعی جنتی ہیں۔	ان کا قطعی جنتی ہونا بھی نصوص سے ثابت اور کتب میں مصرح ہے۔
۱۴	۱۵	خوش آوازی سے سن کر محبت بھڑکانا مستحسن ہے۔	مستحسن ہے جب کہ مزامیر وغیرہا منکراتِ شرعیہ سے خالی ہو۔	علماء فرماتے ہیں الاطلاق فی محل التقیید غیر سدید (تقید کے محل میں اطلاق درست نہیں۔ت) خصوصًا جہاں عوام و خواص کالعوام اطلاق سے عموم تک پہنچتے ہوں، صرف اتنا ہی رہتا کہ جب منکراتِ شرعیہ سے پاک ہو جب بھی سد اطلاق کرتا ورنہ خوش آوازی میں غنائے زناں بھی داخل۔ اور بعض متصوفہ زمانہ اس پر عامل۔

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۲۷

۱۵	۲۲	بصورت انکار صریح مطلقًا کافر ہے	فقہاء کے نزدیک مطلقًا کفر ہے۔	متکلمین صرف انکار ضروریاتِ دین کو کفر جانتے ہیں **وھو الاحوط** (اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے۔ ت) اور انکار اجماع میں نزاع طویل ہے۔

"قسم دوم"

صفحہ	سطر	مبدل	بدل	وجہ
۱	۸	تدبیر کائنات جزئی و کل اسی کی ذات سے مختص	باختیارِ خود تدبیر کائنات الخ	اس کے دو محمل تھے تبخیص تعیم و تعیم و تخصیص۔ **اول** یہ کہ تدبیر کا ہر فرد کائنات کو عام و شامل ہوتا، مختص بحضرت الوہیت ہے، **دوم** یہ کہ کسی فرد میں کیسی ہے تدبیر مطلقًا مختص بذاتِ احدیت ہے۔ **اول** پر غیر خدا سے سلب عموم ہوگا اور ثانی پر عموم سلب، **ثانی** میں جب تک بالا ستقلال یا باختیار خود کی قید نہ لگائیں عین مسلک وہابیت و مخالف کریمہ "**فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝**"[1] (پھر کام کی تدبیر کریں۔ت) وغیرہا نصوص قاطعہ ہے، بلکہ اہلِ حقیقت کے نزدیک اول بھی کہ حقیقت مجریہ علٰی صاحبہا افضل الصلوۃ والتحیۃ مدبرۃ الکل ہے **بالخلافۃ المطلقۃ عن حضرۃ الاحدیۃ** (بارگاہِ احدیت سے خلافت مطلقہ کے سبب سے۔ت) تو اس قید کا ترک وہابیہ کو گنجائش دے گا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷۹/ ۵

۲	۱۰	ذاتِ حق ان سے منزہ ہے	ذاتِ حق پر سب محال بالذات ہیں۔	لفظ تنزیہہ استحالہ ذاتیہ کی تعیین نہیں کرتا۔اور بعدِ گزارش پھر وہی نگارش معلوم نہیں کس بنا پر ہے۔کیا جہل وکذب وغیرہ وغیرہ میں کوئی عیب باری عزوجل کے لیے ممکن ہے یااس زمانہ فتن میں کہ امکانِ کذب پر مکذبین جان دیتے ہیں۔تصریح استحالہ سے پہلو تہی چاہیے۔
۵	۲۱	ان میں باتباعِ سلف جو وجوہ مباح تعظیم مروجہ ہر ملک ہوں	مسلمانوں میں جو الخ	کلام قابل تاویل ضرور تھا کہ غیر محل منع میں اطلاق تجویز ہی اتباعِ سلف ہے مگر وہابیہ کے لیے گنجائش تھی کہ فلاں فلاں امور سلف میں کب تھے تو ان میں اتباعِ سلف کہاں۔
۱۰	۳	عامۃ الناس احکام غیر منصوصیہ میں تقلید پر مامور ہیں۔	عامۃ الناس احکام غیر منصوصہ قطعیہ میں الخ	غیر مقلد کہہ سکتے ہیں کہ رفع یدین وقراءت خلف الامام وجہریہ آمین وامثالہا سب منصوصہ ہیں تو ائمہ مجتہدین کی تقلید نہیں،یہ وہی بات تو ہے کہ حدیث کے ہوتے ہوئے قولِ امام کی کیا حاجت !
۱۶	۱۴	قوائے انسانیہ کو ملائکہ قوت نظریہ کو جبرئیل ماننا خلاف نص و اجماع ہے	خلاف نص و اجماع اور کفر قطعی ہے کہ ضروریات دین کا انکار ہے۔	اس اضافہ کے اسقاط میں مصلحت سمجھ میں نہ آئی کیا یہ کفر قطعی نہیں کیا یہ انکار ضروریات دین نہیں یاکافر کو کافر کہنا خلافِ تہذیب ہے۔
۱۶	۷	بعدِ بعثت اقدس بعثت نبی کا قائل ہونا کفر ہے	بعد بعثتِ اقدس بعثت نبی کو جائز ماننا یا اس کو ختمِ نبوت میں مخل نہ جاننا کفر ہے	اس سے عدول کی مصلحت بھی مفہوم نہ ہوئی کیا صرف قائل ہونا کفر ہے جائز ماننا کفر نہیں یا اسے ختم نبوت میں مخل نہ جاننا کفر نہیں؟ یا کفار کی رعایت کرنی چاہیے۔ "وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ"[1] اور

[1] القرآن الکریم ۹/۷۳ و ۶۶/۹

"وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً"[1] اور "لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ"[2] اور "لَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ"[3]۔ اور "كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ"[4]۔ اور "لَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ"[5] وغیرہا آیات کا حکم؟ اور اس پر عمل فرض قطعی ہے یا نہیں؟				

عرضِ اخیر

خوں شدم زاندیشہ انجام ایں معیارِ حق　　کایں ہمہ اصلاحہا گر ہست وحاصل شد چہ شد

ہر کہ چوں من آزماید روشناسہ ہمچو من　　ورنہ گر ابلیس آدم روئے شامل شد چہ شد

(اس معیارِ حق کے انجام کے اندیشہ سے میں خون ہوگیا ہوں۔ یہ تمام اصلاحات اگر حاصل ہوگئیں تو کیا ہوا، جو میری طرح آزمائے وہ میری طرح آشنا ہوگا۔ ورنہ اگر ابلیس انسانی شکل اختیار کرکے شامل ہوگیا تو کیا ہوا۔ ت)

"من جرّب بتجربتی عرف معرفتی"۔	جس نے میری طرح آزمایا وہ میری طرح جان لے گا۔

مولانا! اس مسودہ سے بعض عقائدِ اہلسنت پر عوام کو صرف اطلاع دینا مقصود نہیں بلکہ ایک معیارِ سنیت قائم فرمانا ہے کہ اس پر تصدیق کردے ہمارا ہے۔ ع

چشم و دل را از دست نور سرور

(اس سے آنکھ اور دل کو خوشی کا نور حاصل ہوگا۔ ت)

اور جو نہ مانے بیگانہ ہے۔ ع

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۳

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۴

[4] القرآن الکریم ۴/ ۱۳۵

[5] القرآن الکریم ۲۴/ ۲

I.T. Majlis of DawateIslami

سایہ اش دُور باد از ما دور

(اس کا سایہ ہم سے دُور ہے۔ت)

مگر بہ ہزار افسوس یہ گزارش کہ یہ غرض اس مسودہ سے ہر گز حاصل نہیں ہو سکتی جب تک وہ ضلالتیں کہ آج کل مدعیانِ اسلام بلکہ مدعیانِ سنیت میں پھیلی ہوئی ہیں۔ تصریحًا ان کا ذکر اور ان سے تبریہ نہ ہو۔

مولانا ! مجھے تجربہ ہوا ہے، ایک دو نہیں صدہا ایسے ابلیس آدم رو ملیں گے کہ ان مسائل پر دستخط کر دیں گے اور وہ نہ صرف سنیت بلکہ اسلام کے کٹر دشمن اور آپ کے جرگہ حق میں شامل ہو کر آپ کے مذہب کے بیخ کن ہوں گے۔ اسی لیے تو ائمہ کرام نے ایسوں کے اسلام کو کلمہ شہادت ہر گز کافی نہ جانا، جب تک اپنے مسلک خبیثہ سے صراحۃً براءت نہ کریں۔ جامع الفصولین و وجیز کردری و بحرالرائق و درمختار وغیرہا میں ہے:

ولواتی بھما(ای بالشھادتین)علی وجہ العادۃ لم ینفعہ مالم یتبرأ[1]۔	عادۃً کلمہ شہادت کا پڑھنا گمراہ کو مفید نہیں جب تک وہ اپنی ضلالتوں سے براءت نہ کرے۔

چند سال ہوئے ایک مولی صاحب، شاہ صاحب، واعظ صاحب نے فقیر سے اپنی سنیت کی سند تحریر مانگی، فقیر نے انہیں لکھا۔ حضرت ! تصریح نفی فتن دائرہ چاہیے۔

"الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْۤا اَنْ یَّقُوْلُوْۤا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ﴿۲﴾ "[2]۔	کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اٰمنا کہنے سے چھٹی مل جائے گی اور وہ آزمائے نہ جائیں گے۔

پھر امور عشرین لکھ کر بھیجے، انہوں نے بے تکلف دستخط فرمادیئے، فقیر نے سندِ سنیت انہیں بھیج دی۔ وہ امور بعض اضافات جدیدہ (کہ ان برسوں میں ان کی حاجت ہوئی کہ فتن روزانہ متجدد ہیں۔) عرض کروں انہیں غور فرمائیں۔ انجمن اگر ان کی اشاعت پسند فرمائے اور ان پر بلا دغدغہ تصدیق کو معیارِ سنیت ٹھہرائے تو ان شاء اللہ العزیز یہی کافی و وافی ہے، زیادہ کی ضرورت نہیں، اور یہ نہ ہوں تو شرح عقائد و مقاصد و مواقف کے ترجمے چھاپ کر اس پر دستخط لیجئے ہر گز کفایت نہیں۔ مولانا ! بحمد اللہ میں نے

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

[2] القرآن الکریم ۲۹/ ۲

آپ کے رنگ تحریر سے سمجھا کہ آپ صاف گو ہیں اور امرِ حق میں اسی کو پسند فرماتے ہیں اور الحق کو یہی پسند حق ہے:

"فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾"[1]۔	جس کا حکم دیا گیا وہ علی الاعلان فرمادیں اور مشرکین سے اعراض فرمائیں۔

بحمدہ سبحٰنہ یہی طریقہ فقیر کا ہے۔

فاش میگویم واز گفتہ خود دلشادم   بندہ عشقم واز ہر دو جہاں آزادم

(میں کھلی بات کرتا ہوں اور اپنے کیے ہوئے پر میرا دل خوش ہے، میں عشق کا غلام ہوں اور دونوں جہاں سے آزاد ہوں۔ت)

اب یہاں پانچ صورتیں ہیں۔

(ا) اقوالِ ضلال کے قائلین اور حاشیہ پر نامِ قائل وکتاب۔

(ب) صرف نام کتب

(ج) متن میں صرف اقوال اور حاشیہ پر نام قائل وکتاب۔ (د) حاشیہ پر صرف نام کتاب

(ہ) مجرد اقوال بے اشعار نام قائل وکتاب۔

حاش للہ! طریقہ خامسہ میں کفایت نہیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے متعدد بار متعدد شہروں میں وہ دیکھے ہیں کہ ان عبارات کی نسبت ان سے سوال ہوا، صاف صاف حکم کفر وضلال لکھ دیا۔ جب کہا گیا کہ یہ قول فلاں شخص یا فلاں کتاب کا ہے۔ فوراً اپلٹ گئے کہ ان کو تو ہرگز نہ کہوں گا۔

مولانا! آج کل تو یہ حالتِ ایمان رہ گئی ہے، اللہ ورسول کو گالی دینا ضرور کفر ہے مگر زید گالی دے تو معاف ہے۔

"انّا للہ وانّا الیہ راجعون" بہرحال میں یہاں طریقِ اوسط اختیار کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ مبارک انجمن کون سا پسند فرماتی ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل اور اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ت)

میں نے قصد کیا تھا کہ امورِ عشرین سے وہ باتیں کہ مسودہ میں آگئی ہیں ساقط اور بعض جدید اضافہ کروں۔ اب یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ وہ تمام پہلے سے نفیس تر پیرایہ میں مع زیاداتِ کثیرہ جلیلہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

جزیلہ ذکر کروں کہ انجمن پسند فرمائے تو یہی بس ہے، ورنہ یادگار رہے گی۔ اور حق سبحانہ وتعالٰی جس کے لیے چاہے گا کام دے گی وباﷲ التوفیق۔

یہاں اسے لکھنا چاہا تھا مگر یہ بفضلہٖ تعالٰی ایک کافی وافی نفیس مستقل رسالہ ہوگیا جس کا نام "نور الفرقان بین جند الالٰہ واحباب الشیطٰن" رکھا گیا۔ بعد تبییض ان شاء اللہ العزیز اگر انجمن مبارک کی خواہش ہوئی جداگانہ مرسل ہوگا۔ وﷲ الحمد

(۸ و۹) کے جوابات اس فہرست سے واضح ہوں گے جسے لکھنے کے لیے فقیر نے ابوالعلاء امجد علی صاحب سے گزارش کردی ہے اور ان شاء اللہ تعالٰی اسی نیاز نامہ کے ساتھ مرسل ہوگی، وہ امور کہ بعض جوابات سابقہ میں گزرے ضرور ملحوظِ خاطر رہیں۔

(۱۰) "**تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ**"[1]۔ (یہ پورے دس ہوئے۔ت) اللہ عزوجل انجمن کو مبارک تر کرے اور اہل سنت کو اس سے نفع عظیم پہنچائے۔ کئی سال سے بحمدہ تعالٰی فقیر اسے خالص انجمن اہل سنت وجماعت سمجھتا ہے۔ اور بفضلہٖ تعالٰی کوئی امر قابلِ شکایت معلوم نہ ہوا، مگر مولانا اس فقیر حقیر کے ذمہ کاموں کی بے انتہا کثرت ہے، اور اس پر نقاہت وضعفِ قوت اور اس پر محض تنہائی ووحدت، ایسے امور ہیں کہ فقیر کو دوسرے کام کی طرف متوجہ ہونے سے مجبورانہ باز رکھتے ہیں۔ خود اپنے مدرسہ میں قدم رکھنے تک کی فرصت نہیں ملتی۔ یہ خدمت کہ فقیر سراپا تقصیر سے میرے مولائے اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محض اپنے کرم سے لے رہے ہیں۔ اہل سنت ومذہب اہل سنت ہی کی خدمت ہے جو صاحب چاہیں جتنے دن چاہیں فقیر کے یہاں اقامت فرمائیں۔ مہینہ دو مہینہ سال دو سال اور فقیر کا جو منٹ خالی دیکھیں یا جس وقت فقیر کو کوئی ذاتی کام کرتے دیکھیں اسی وقت مواخذہ فرمائیں کہ تو اتنی دیر میں دوسرا کام کرسکتا تھا۔ اور جب بحمدہ تعالٰی سارا وقت آپ ہی کے مذہب کی خدمت گاری میں گزرتا ہے تو اب یہ کام اگر فضول یا دوسرا اس سے اہم ہو تو مجھے ہدایت فرمائی جائے، ورنہ فقیر کا عذر قابل قبول ہے۔

مولوی سید دیدار علی صاحب ومولوی ابوالفرح عبدالمجید صاحب نے فقیر سے ایک انجمن قائم کرکے اس کی خدمات انجام دینے کو فرمایا۔ فقیر نے گزارش کی کہ جو کام اللہ عزوجل یہاں سے لے رہا ہے۔ ضروری ہے یا نہیں؟ فرمایا: سخت ضروری، فقیر نے عرض کی۔ دوسرے کوئی صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

اس پر مقرر فرمادیجئے اور مجھ سے کوئی اور خدمت اہل سنت لیجئے، فرمایا نہ دوسرا کوئی اسے کر سکتا ہے۔ نہ دس آدمی مل کر انجام دے سکتے ہیں۔ فقیر نے گزارش کی پھر عذر واضح ہے۔

غرض انجمن اہلِ سنت جو اہم مقاصد چاہے ان میں سے ایک میرے مقدور بھر بالفعل موجود ہے تو اسی کو خدمتِ انجمن تصور فرمائیں، میں جہاں ہوں اور جس حال میں ہوں مذہب اہل سنت کا ادنٰی خدمت گار اور اپنے سنی بھائیوں کا خیر خواہ ہوں۔ البتہ وجوہِ مذکورہ بالا سے نہ کہیں آنے جانے کی فرصت نہ طاقت، نہ اپنا کام چھوڑ کر دوسرا کام لینے کی لیاقت۔

"وحسبنا اللہ و نعم الوکیل، واللہ یقول الحق و یھدی السبیل"۔	اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور سیدھی راہ کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ (ت)

اس نیاز نامہ میں جو امور معروض ہوئے ہیں، جہاں کہیں مشورہ خیر ہو ضرور مطلع فرمائیں۔ فقیر کی کیا حاجت ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے زمانہ خلافتِ راشدہ میں فرماتے ہیں:

لاخیر فیکم مالم تقولوا ولا خیر فی مالم اسمع[1]۔ وفقنا اللہ تعالٰی وایاکم وسائر اخوانہ لکل خیر وحفظنا وایاکم من کل شر، وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا و مولانا محمد والہ وصحبہ و ابنہ وحزبہ اجمعین و بارك وسلم امین۔ ۲۷ جمادی الاُخرٰی ۱۳۳۰ھ	تم مشورہ خیر نہ دو تو تم میں بھلائی نہیں اور میں اس کو نہ سنوں تو مجھ میں بھلائی نہیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں تمہیں اور ہمارے تمام بھائیوں کو ہر خیر کی توفیق عطا فرمائے اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔ اللہ تعالٰی ہمارے آقا و مولٰی محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد اور تمام امت پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ آمین (ت)

1

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

امورِ عشرین در امتیازِ عقائد سُنّیین

(سُنّیوں کے عقائد کی پہچان میں بیس ۲۰ امور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب الانس والجنة، والصلٰوۃ والسلام علٰی نبینا العظیم والمنّة، المنقذ من النار والمعطی الجنّة الذی ذکرہ حرز وحبه جُنّة وعلٰی اٰله وصحبه واَهل السّنة۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو انسانوں اور جِنّوں کا رب ہے، اور درود وسلام ہو ہمارے عظمت واحسان والے نبی پر جو جہنم سے بچانے اور جنت عطا فرمانے والا ہے، جس کا ذکر حفاظت اور اس کی محبت ڈھال ہے، اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر اور اہلسنت پر۔ (ت)

ماہِ رمضان المبارک ۱۳۱۸ ہجریہ قدسیہ علٰی صاحبہا الصلٰوۃ والتحیۃ میں فقیر کے پاس سانبھر علاقہ ریاست جے پور (راجستھان) سے ایک خط بایں تلخیص آیا۔

نقل نامہ حافظ محمد عثمان صاحب بنام فقیر (مصنّف علیہ الرحمہ)

بخدمتِ فیض درجت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی محدّث وامامِ اہلِ سنت وجماعت بعد سلام سنت الاسلام کے عرض خدمت ہے کہ دریں ولا ہماری ملک مارواڑ (راجستھان) کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ آج کل یہاں سانبھر میں جناب مولانا مولوی احمد علی شاہ صاحب حنفی نقشبندی اویسی

تشریف لائے ہیں، ہم لوگ آپ کی تصنیفات گونا گو سے مستفیض ہوچکے تھے۔ اب خوش بیانی، اثر پنہانی وتوجہ قلبی سے فیض یاب ہورہے ہیں، غیر مقلدین ودیگر عقائد باطلہ والے توبہ کرکے وعظ سے اُٹھتے ہیں کوئی وعظ ایسا نہیں ہوتا جس میں آپ ندوہ (یعنی صلہ کلی الحاد) کی برائی بیان نہ کرتے ہوں، یہاں کے لوگ ندوے کے بڑے ثنا خواں تھے اب ایسے متنفر ہوگئے جیسے کسی خبیث (جن) سے کوئی متنفر ہوتا ہے۔ ایک مولوی ندوی بھی یہاں آگیا ہے وہ کہتا ہے اگر مولوی احمد علی شاہ صاحب مخالف ہیں توخود جاہل وبددین ہیں۔ چند لوگ اس کے کہنے سے بہک گئے، وہ کہتے ہیں اگر مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی دربارہ مولوی احمد علی شاہ صاحب لکھ دیں توہم ان کی باتیں سنیں گے اور اپنے خیالات سے توبہ کریں گے، لہٰذا عرض خدمت ہے کہ مولوی احمد علی شاہ صاحب آپ کے علم میں جیسے ہوں تحریر فرمایئے، آپ کی یہ تحریر سرکشوں کے لیے بہت مفید ہوگی۔ العبد محمد عثمان۔

(سیدامام اہل سنت اعلحضرت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں) فقیر کو اس سے پہلے مولانا موصوف سے تعرف تفصیلی نہ تھا اور امر شہادت خصوصًا دربارہ عقائد اہم واعظم، لہٰذا جواب میں یہ خط ارسال فرمایا۔ (مکتوبِ اعلحضرت)

نامہ فقیر (مصنّف علیہ الرحمہ) بنام حافظ (محمد عثمان) صاحب

بملاحظہ کرم فرما حافظ محمد عثمان صاحب زید لطفہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

لطف نامہ آیا، ممنون یادآوری فرمایا، مولوی احمد علی شاہ صاحب نے غریب خانہ پر کرم فرمایا تھا، پہلی ملاقات تھی، بعدہ، جلسہ عظیم آباد (پٹنہ بہار) میں نیاز حاصل ہوا۔ وہ اس سے بھی مجمل تھا کہ سوائے سلام ومصافحہ کے کسی مکالمہ کی نوبت نہ آئی۔ امرِ شہادت عظیم ہے، میں معاذ اللہ کوئی سوء ظن نہیں کرتا بلکہ مولانا موصوف کے جن فضائل کو اب اجمالًا وسماعًا (بذریعہ حافظ مذکور) جانتا ہوں تفصیلًا وعیانًا جان لوں۔ مولانا کی حق پسندی سے امید ہے کہ فقیر کی اس عرض پر کمال خوش ومسرور، آج کل غیر مقلدین یا ندوے ہی کا فتنہ ہندوستان میں ساری نہیں بلکہ معاذ اللہ صدہا آفتیں ہیں، فقیر بیس امور حاضر کرتا ہے مولانا موصوف ان پر اپنی تصدیق کافی ووافی جس سے بکشادہ پیشانی تسلیم کامل روشن طور پر ثابت ہو تحریر فرماکر اپنی مہر سے مزین فرما کر فقیر کے پاس روانہ کردیں۔

فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

از بریلی ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اُمور عشرین تصدیق طلب از جناب مولانا مولوی احمد علی شاہ صاحب مرزا پوری

(۱) سید احمد خاں علی گڑھ اور اس کے متبعین سب کفار ہیں۔

(۲) رافضی کہ قرآن عظیم کو ناقص کہے یا مولٰی علی کرم اللہ وجہہ یا کسی غیر نبی کو انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی سے افضل بتائے کافر و مرتد ہے۔

(۳) رافضی تبرائی فقہاء کے نزدیک کافر ہے اور اس کے گمراہ، بدعتی، جہنمی ہونے پر اجماع ہے۔

(۴) جو مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما پر قربِ الٰہی میں تفضیل دے وہ گمراہ مخالفِ سنت ہے۔

(۵) جنگِ جمل و صفین میں حق بدست حق پرست امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ تھا۔ مگر حضرات صحابہ کرام مخالفین کی خطا خطائے اجتہادی تھی جس کی وجہ سے ان پر طعن سخت حرام، ان کی نسبت کوئی کلمہ اس سے زائد گستاخی کا نکالنا بے شک رفض ہے اور خروج از دائرہ اہلسنت جو کسی صحابی کی شان میں کلمہ طعن و توہین کہے، انہیں بُرا جانے، فاسق مانے، ان میں سے کسی سے بغض رکھے مطلقاً رافضی ہے۔

(۶) صدہا سال سے درجہ اجتہاد مطلق تک کوئی واصل نہیں ہے بے وصول درجہ اجتہاد تقلید فرض، غیر مقلدین گمراہ بددین ہیں۔

(۷) اہلسنت صدہا سال سے چار گروہ میں منحصر ہیں جو ان سے خارج ہے بدعتی ناری ہے۔

(۸) وہابیہ کا معلّمِ اوّل ابن عبدالوہاب نجدی اور معلمِ ثانی اسمٰعیل دہلوی مصنف تقویۃ الایمان دونوں سخت گمراہ بددین تھے۔

(۹) تقویۃ الایمان و صراطِ مستقیم و رسالہ یکروزی و تنویر العینین تصانیف اسمٰعیل دہلوی صریح ضلالتوں، گمراہیوں اور کلماتِ کفریہ پر مشتمل ہیں۔

(۱۰) مائۃ مسائل مولوی اسحٰق دہلوی غلط و مردود مسائل و مخالفاتِ اہل سنّت و مخالفات جمہور سے پُر ہیں۔

(۱۱) انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور اولیاء قدست اسرارہم سے استمداد و استعانت اور انہیں وقتِ حاجت توسل و استمداد کے لیے ندا کرنا یارسول اللہ، یا علی،

یا شیخ عبدالقادر الجیلانی کہنا اور انہیں واسطہ فیضِ الٰہی جاننا ضرور حق و جائز ہے۔

(۱۲) عالم میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء قُدِّ سَتۡ اَسۡرارُھُم کا تصرف حیاتِ دنیوی میں اور بعد وصال بھی بعطاءِ الٰہی جاری اور قیامت تک اُن کا دریائے فیض موجزن رہے گا۔

(۱۳) عام اموات احیاء کو دیکھتے، ان کا کلام سُنتے سمجھتے ہیں، سماعِ موتی حق ہے، پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔

(۱۴) اللہ عزوجل نے روزِ اوّل سے قیامت تک کے تمام ماکان وما یکون ایک ایک ذرّے کا حال اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بتا دیا حضور کا علم ان تمام غیبوں کو محیط ہے۔

(۱۵) امکانِ کذب الٰہی جیسا کہ اسمٰعیل دہلوی نے رسالہ یکروزی اور اب گنگوہی نے براہین قاطعہ میں مانا صریح ضلالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کذب قطعًا اجماعًا محال بالذات ہے۔ مسئلہ خلفِ وعید کو ان کے اس ناپاک خیال سے اصلًا علاقہ نہیں۔

(۱۶) شیطان کے علم کو معاذ اللہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زائد وسیع تر ماننا جیسا کہ براہین قاطعہ گنگوہی میں ہے صریح ضلالت و توہین حضرت رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ ہے۔

(۱۷) مجلس میں میلاد مبارک اور اس میں قیام تعظیمی جس طرح صدہا سال سے حرمین محترمین میں شائع وذائع ہے جائز ہے۔

(۱۸) گیارھویں شریف کی نیاز اور اموات کی فاتحہ اور عرسِ اولیاء کہ مزامیر وغیرہا منکرات سے خالی ہو سب جائز ومندوب ہے۔

(۱۹) شریعت وطریقت دو متبائن نہیں ہیں، بے اتباعِ شرع وصول الی اللہ ناممکن، کوئی کیسے ہی مرتبہ عالیہ تک پہنچے، جب تک عقل باقی ہے احکامِ الٰہیہ اس پر سے ساقط نہیں ہوسکتے، جھوٹے متصوف کہ مخالف شرع میں اپنا کمال سمجھتے ہیں سب گمراہ مسخرگان شیطان ہیں، وحدتِ وجود حق ہے اور حلول واتحاد کہ آج کل کے بعض متصوفہ (بناوٹی صوفی) بکتے ہیں صریح کفر ہے۔

(۲۰) ندوہ سرمایہ ضلالت و مجموعہ بدعات ہے، گمراہوں سے میل جول اتحاد حرام ہے، ان کی تعظیم موجبِ غضبِ الٰہی اور ان کے رَد کا انسداد لعنتِ الٰہی کی طرف بلانا، انہیں دینی مجلس کا رکن بنانا دین کو ڈھانا ہے۔ ندوہ کے لیکچروں اور روئیداد میں وہ باتیں بھری ہیں جن سے اللہ ورسول بیزار و بَری ہیں جل جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ سب بدمذہبوں و گمراہوں

سے پناہ دے اور سنّتِ حقّہ خالص پر ثابت قدم رکھے۔

○۔ حضرت فاضل بریلوی مدظلہ العالی کے ان امور مقررئہ مذکورہ کی تصدیق جناب مولانا شاہ احمد علی صاحب مرزا پوری نے فرمائی اور یہ عبارت لکھی۔ "امورِ عشرین مندرجہ بالا بہت درست و ٹھیک ہیں۔ وحدت وجود حق ہے مگر اس میں بحث و مباحثہ فقیر کے نزدیک خوب نہیں، یہ امور کشفیہ سے ہیں اور متعلق بکفیت ایسے امور کو اولیاء اللہ ہی خوب سمجھے ہوئے ہیں چونکہ فقیر کے پاس مُہر نہیں لہذا دستخط ہی پر اکتفاء کیا۔"

۲ شوال ۱۳۱۸ھ روز چہار شنبہ۔

○ پھر امام اہلسنت فاضل بریلوی مدظلہم نے یہ تحریر فرما کر اپنے دستخط اور مہر ثبت فرمائی۔ "آج کل بہت لوگ اعادئے سنیت کرتے اور عوام بیچارے دھوکے میں پڑتے ہیں۔ بعض مصلحت وقت کے لیے زبان سے کچھ کہہ جاتے اور موقعہ پا کر پھر پلٹا کھاتے ہیں، اکثر جگہ امتحان کے لیے ان شاء اللہ العزیز یہ امور عشرین بطورِ نمونہ کافی ہیں جو بعونہ تعالٰی فراز سنیت پر سچا فائز ہے۔ بے تکلف دستخط کردے گا، ورنہ پانی مرنا آپ ہی نشیب ضلالت کی خبر دے گا۔

"فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ"[1] "وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ"[2] "وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۲۴"[3]۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔	اور جس نے عہد توڑا اس عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور جو منہ پھیرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا، اور سب تعریفیں رب العالمین کے لیے ہیں۔ (ت)

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ

بمحمدؐ المصطفٰی النبی الامّی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۵۷/ ۲۴

مسئلہ ۱۸۰: از ضلع میرٹھ مسئولہ محمد فضل الرحمٰن صاحب ۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک قطعہ اشتہار "پروانہ خداوندی" مجھے اس قصبہ میں دستیاب ہوا ہے، لہٰذا ارسال بحضور ہے، امید کہ مفصل مطلع فرمایا جائے کہ یہ اشتہار کہاں تک صحیح ہے۔

"پروانہ خداوندی"

بسم اللہ الرحمن الرحیم، صلی اللہ علی سیّدنا محمد وعلٰی اٰلہ واصحابہ وسلم ۔ یہ وصیت حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے شیخ احمد خادمِ روضۃ النبی علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف ہے کہ جمعہ کی رات کو خواب میں قرآن شریف کی تلاوت فرماتے ہوئے دیکھا اور فرمایا: اے شیخ احمد! یہ دوسری وصیت تیری طرف ہے علاوہ اس پہلی وصیت کے، وہ یہ ہے کہ تم جملہ مسلمین کو رب العالمین کی طرف سے خبر کردو کہ میں ان کے بابت ان کے کثرتِ گناہ و معاصی کے سخت بیزار ہوں، جس کا سبب یہ ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک (کلمہ گو) نوّے ہزار اموات ہوئی ہیں جن میں ستّر ہزار اسلام باقی تمام غیر اسلام یعنی کفر پر مرے ہیں۔ جس وقت ملائکہ نے یہ بات سُنی توانہوں نے کہا: یا محمد! آپ کی امت گناہوں کی طرف بہت مائل ہوگئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالٰی کی عبادت چھوڑدی ہے پس اللہ تعالٰی نے ان کی صورتوں کی تبدیلی کا حکم فرمادیا۔ پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے رب! ان پر تھوڑا صبر کر اور ان کو مہلت دے جب تک یہ خبر میں ان کو پہنچادوں، پس اگر وہ تائب نہ ہوئے تو حکم تیرے ہاتھ میں ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ دائمی گناہوں، کبیرہ گناہوں، زناکاری، کم تولنے، کم میزان رکھنے، سود کھانے، شراب کے پینے کی طرف بہت مائل ہوگئے ہیں، اور فقراء ومساکین کو خیرات نہیں دیتے، اور دنیا کی محبت آخرت کی نسبت زیادہ کرتی ہیں اور نماز کو ترک کر بیٹھے ہیں، اور زکوۃ نہیں دیتے پس اے شیخ احمد! تُو ان کو اس بات کی خبر دے، ان کو کہو کہ قیامت قریب ہے، اور وہ وقت قریب ہے کہ آفتاب مغرب سے طلوع کرے ان شاء اللہ تعالٰی اور ہم نے اس سے پہلے بھی وصیت پہنچائی تھی لیکن یہ لوگ نافرمانی اور غرور میں زیادہ دلیر ہوگئے۔ اور یہ آخری وصیت ہے۔ شیخ احمد خادمِ حجرہ شریف نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کہ جو کوئی اس کو پڑھے اور اس کی نقل کرکے ایک شہر سے دوسرے شہر تک پہنچائے وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا اور اس کی میں شفاعت کروں گا دن قیامت کے، اور جو اس کو پڑھے اور اس کی نقل نہ کرے وہ قیامت کو میرا دشمن ہوگا۔ اور کہا شیخ احمد نے میں اللہ سبحانہ، وتعالٰی کی تین مرتبہ قسم کھاتا ہوں کہ یہ بالکل سچی بات ہے، اور

میں اس میں جھوٹا ہوں تو خدا مجھ کو دنیا سے کافر کرکے نکالے، اور جو اس کی تصدیق کرے گا وہ دوزخ کی آگ سے نجات پائے گا۔ صلی اللہ علٰی سیدنا محمد وعلٰی آلہ واصحابہ وسلم۔

الجواب:

جن باتوں کی اس میں ہدایت ہے وہ باتیں اچھی ہیں، انکے احکام قرآن وحدیث میں موجود ہیں، ان پر عمل ضرور ہے۔ باقی یہ تمہید جو اشتہار میں لکھی گئی ہے بے اصل ہے۔ بارہا اس قسم کے اشتہار شائع ہوئے ہیں، کسی میں خادمِ روضہ انور کا نام صالح ہے کسی میں شیخ احمد ہے۔ اور ایسے ہی بے باکی کے کلمات لکھے ہیں کہ اتنے مسلمان مرے ان مین سے صرف اتنے ایمان کے ساتھ گئے اور باقی معاذاللہ بے ایمان مرے۔ اس اشتہار میں تو اتنی رعایت ہے کہ نوے ہزار اموات میں صرف بیس ہزار معاذ اللہ کافر رکھے ہیں۔ اور اشتہاروں میں تو گنتی کے مسلمان رکھے۔ رب عزوجل سے جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عرض نسبت کی ہے، کس قدر بے معنی ہے۔ نسأل اللہ العفو والعافیۃ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کے طلبگار ہیں، ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک جاہل نے کوئی گناہ کیا جس کو قطعی نہ جانتا تھا کہ حلال ہے یا حرام۔ اور اسی یا دوسرے گناہ کو عالم نے کیا، تو ان دونوں کے لیے از جانبِ شریعت حکم مختلف ہے، یا نہیں؟ اور اگر مختلف ہے تو کیوں؟ اور اگر مختلف نہیں ہے تو کیوں؟ **بیّنوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب:

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذنب العالم ذنب واحد وذنب الجاھل ذنبان [1]۔ قیل ولم یارسول اللہ، قال العالم یعذب علی رکوبہ الذنب و الجاھل یعذب علی رکوبہ الذنب وترك التعلم [2]۔	عالم کا گناہ ایک گناہ ہے اور جاہل کا گناہ دوہرا گناہ، عرض کی: یارسول اللہ! یہ کس لیے؟ فرمایا: عالم پر گناہ کرنے کا عذاب ہے اور جاہل پر ایک عذاب گناہ کرنے کا ہے اور ایک علم نہ سیکھنے کا۔

[1] الجامع الصغیر حدیث ۴۳۳۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۶۴

[2] فیض القدیر تحت حدیث ۴۳۳۵ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۵۶۵

مسئلہ ۱۸۲: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ سرکار کلاں مرسلہ سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ دوشنبہ

مولانا المعظم ذوالمجد والکرم معظم ومکرم دام مجدھم، پس از سلامِ مسنون عارضِ خدمت ہوں۔ بفضلہٖ تعالٰی جناب کی صحت و عافیت کا مستدعی بخیر ہوں۔ میں نے جناب سے سیّد ظہور حیدر صاحب مرحوم کے لیے جو اُن کے نام سے ایک عدد کم کرکے تاریخ وفات ان کی کردینے کو کہہ آیا تھا اور جناب نے وعدہ فرمایا تھا۔ اب اگر ہوگئی ہو تو روانہ فرمائیں۔ تقریظات الحدوث والقدوم اور التناسخ بھی روانہ ہوں جو بدایونی رسائل ہیں، اور اگر کوئی جدید رسالہ مبحث اذان میں شائع ہوا ہو تو روانہ ہو، کنزالآخرۃ جو چودھری صاحب سہاروی کی ہے وہ جدید الطبع سُنا ہے کہ جناب کی نظر و اصلاح سے بتمامہا گزری ہے، آیا یہ درست ہے؟ اور اس میں جو صفحہ ۲۷ پر امامت کے مسائل ہیں، قبروں پر چادریں چڑھانے کو بدعت سیئہ کے قسم اعتقاد یہ اور باب زیادۃ القبور میں قبروں پر کچھ چڑھانے یا چُومنے کو جو حرام اور بدعت لکھ دیا ہے۔ آیا یہ بھی جناب کے نزدیک صحیح ہے؟ اس سے مطلع فرمایئے۔ والسلام

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

بشرف ملاحظہ عالیہ حضرت صاحبزادہ والا قدر بالا فخر حضرت جناب مولانا مولوی سید محمد میاں صاحب دامت برکاتہم بعد تسلیم مع التکریم ملتمس والا حضرت سیدنا شاہ مہدی میاں صاحب قبلہ کے حکم سے ان عظیم بے فرصتیوں میں یہ کتاب فقیر نے بنائی۔ اغلاطِ شدیدہ کثیرہ عظیمہ شرعیہ کا نکالنا تو لازم وواجب ہی تھا۔ حکم یہ ہوا کہ اشعار کی بھی اصلاح کر۔ جس سے بلا مبالغہ اتنی بڑی کتاب نظم اور اتنے کثیر حواشی از سرِ نو تصنیف کرنی ہوئی، بلکہ تصنیفِ جدیدہ میں اس کی نصف محنت بھی نہ ہوتی جو اس کے بنانے میں ہوئی، طبع اول صفحہ ۱۲۳ تک کہ طبع جدید کے صفحہ ۱۳۳ ہے، تمام اصلاحات کی نقل میں نے اپنے پاس رکھی، اور جناب چودھری صاحب کی خدمت میں گزارش کی کہ بعد تبیضیں یہاں پھر دیکھنے کو بھیج دیا کریں۔ جناب موصوف نے کچھ اجزاء کافی شدہ دیکھنے کو بھیجے۔ اس کے مطالعہ سے واضح ہوا کہ اصلاح میں شدید تبدیلیں فرمادیں ہیں۔ اس کے بعد مجھے چاہیے تھا کہ باقی کتاب واپس کرتا۔ مگر حکمِ حاکم

سے چارہ نہ تھا۔ باقی کی بھی اسی محنت سے اصلاح کی اور چودھری صاحب سے عرض کر بھیجی کہ اب مبیضہ یہاں بھیجنے کی حاجت نہیں۔ یہ مسئلہ چادر وغیرہ کا جو حضرت نے دریافت فرمایا ہے **الحمدللہ** کہ اسی صفحہ ۱۲۳ پر تھا جسے میں یہ دکھا سکتا ہوں کہ میری اصلاح یہ تھی، اور یہ حضرت خود ملاحظہ فرمالیں گے کہ طبع جدید میں اس کی کیا گت ہو گئی ہے۔

طبع اول کے صفحہ ۸۵ و ۸۶ پر کہ اب صفحہ ۹۲ تا ۹۴ ہے، اس میں یہ شعر "کچھ چڑھانا قبر پر یا چومنا الخ

سجدہ قبر اور طوافِ باخضوع
اُن کے آگے جھکنا تا حدِ رکوع[1]

طبع دوم میں وہی اپنا شعر رہا، یہیں میں نے یہ اشعار اضافہ کیے تھے۔

اولیاء سے استعانت ہے روا — وہ وسائل ہیں ترے پیشِ خدا
معطی و مالک فقط اللہ ہے — واسطہ اپنا ولی اللہ ہے
ہے توسّل کی طلب القرآن میں — وابتغوا آیا ہے اس کی شان میں
دیکھ تفسیر عزیزی پارہ عم — لکھتے ہیں یوں شاہ صاحب محترم
اولیاء کرتے ہیں امدادِ بشر — جارحہ ہیں بہرِ امداد بشر
اہلِ حاجت ان سے حاجت مانگ کر — اپنی مشکل کرتے ہیں حل سربسر
یہ بھی فرمایا کہ نذرِ اولیاء — ہے تمام امت میں رائج بے خطا
ہے یہ مقصودِ شہ عبدالعزیز — نذر عرفی ہے، نہ شرعی اے عزیز
تحفہ جو لے جائیں شاہوں کے حضور — نذر کہتے ہیں اسے اہل شعور
فرقِ عُرف و شرع سے غافل نہ ہو — کہہ نہ مشرک اہلِ الااللہ کو
اُمت احمد کو جو مشرک کہے — خود ہے وہ نزدیک شرک و کفر سے
اور سماع و علمِ موتی مطلقًا — اہلِ سنت کا ہے اجماع اے فتٰی
مُردے مومن ہوں کہ کافر لاکلام — دیکھتے سُنتے سمجھتے ہیں مُدام
اس پہ ناطق ہے تواتر سے حدیث — ہے فنائے رُوح تو قولِ خبیث

[1] کنزالاخرۃ

وہ نہیں سُنتے تو کیوں اُن پر سلام کیا شریعت چاہے پتھر سے کلام
عام کے یہ دھڑ نہیں سُنتے ضرور ہیں یہی موتی یہی من فی القبور
یہ بھی جب حق چاہے سُنتے ہیں ندا کیونکہ انّ اللہ یسمع من یشاء [1]

ملاحظہ ہو طبعِ دوم میں ان کی کیا تبدیلی ہوئی ہے، سب سے زیادہ سخت افسوس مجھے ان اشعار کا ہوا کہ نعت شریف میں میں نے اضافہ کیے تھے وہ یہ ہیں۔

حضرتِ علّامِ کُل بے شک وریب بخشا ہے انبیاء کو علم غیب
ان کو کرتا ہے مسلط غیب پر اوروں کو ان کے توسط سے خبر
ان پہ کر دیتا ہے روشن لاکلام ختم تک دنیا و مافیہا تمام
مصطفٰی کو جس سے بخشا ہے سِوا مایکون ماکان جس کا جز ہوا
علم مانے شہ سے شیطاں کا وسیع کس سے جز شیطاں ہو یہ کفر شنیع
علمِ غیب اُن کا سا جو ثابت کرے بچے پاگل جانور کے واسطے
وہ شقی مرتد عدو اللہ ہے کافروں سے بھی سوا گمراہ ہے
جو کریں تنقیصِ شانِ شاہِ دیں لعنۃ اللہ علیہم اجمعین
مصطفٰی ہی ہیں، قیامت میں شفیع ہے انہیں کا حصہ یہ شان رفیع
فاتحِ بابِ شفاعت ہیں وہی کہفِ اربابِ شفاعت ہیں وہی
جو کبائر والے بے توبہ مریں وہ کریم ان کی شفاعت بھی کریں
جو کہے اس دن کے وہ شافع نہیں وہ ہے گمراہ و خبیث اے اہلِ دیں
فضلہ خورانِ سگانِ اعتزال بکتے ہیں ایسے بداقوال ضلال
اُن کی گمراہی سے تم مُنہ موڑنا اپنے مولا کا نہ دامن چھوڑنا
وہ نہ ہوں شافع ہمارے گروہاں کہیے ہم سوں کا ٹھکانہ پھر کہاں [2]

ملاحظہ ہو کہ اس میں کتنا اور کیا باقی رہا، ان تمام اضافات پر حواشی تھے جن میں ہر لفظ کا آفتاب سے

---

[1] کنزالاخرۃ

[2] کنزالاخرۃ

زیادہ ثبوت تھاوہ بھی اکثر حذف ہوگئے،اب حضرت اپنی مسئول عبارت ملاحظہ فرمائیں،اشاعتِ اولیٰ میں اس حاشیہ کی عبارت یہ تھی۔

ص ۵ ہوتی ہے مگروہ الخ یعنی فاسق فاجر اور نابینااور اہلِ بدعت اور جاہل کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے ولیکن بعض کے پیچھے مکروہ تحریمہ اور بعض کے پیچھے مکروہ تحریمہ اور بعض کے پیچھے مکروہ تنزیہی یعنی اہل بدعت اور وہ جاہل جو قراءت توڑے اور ادھ کٹ حرفوں سے پڑھے،ان کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمہ ہوتی ہےاور نابیناو فاسق کے پیچھے اگروہ اہل بدعت اور جاہل نہ ہو تو نماز مکروہ تنزیہی ہوتی ہے،اہل بدعت کے پیچھے اس لیے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من احدث فی امرنا ھٰذا الیس منه فھورد[1]۔	یعنی جس شخص نے نئی بات نکالی اپنی طرف سے بیچ دین میں ہمارے کے جو کہ کتاب و سنت سے ثابت نہیں ہے۔(مراد اس سے بدعت سیئہ ہے) پس وہ شخص یعنی بدعتی مردود ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا:

کل بدعة ضلالة[2]۔	یعنی ہر بدعت گمراہی کاراستہ ہے۔

پس جو شخص مرتکب ایسی بدعت کا ہواس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھنا چاہیے،اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمہ ہوگی۔

واضح ہو کہ قبروں کو سجدہ کرنے والے اور اہل قبور سے منت ماننے والے اور فرقہائے باطلہ مثل خوارج وجبریہ وقدریہ کے،اور وہ اَن پڑھ جاہل جو کہ کتاب وسنت سے بالکل ناواقف وبے بہرہ ہیں اور پھر ترک تقلید کرتے ہیں،یہ لوگ اہلِ بدعت ہیں انکی صحبت سے بچنا چاہیے،غرضیکہ جن باتوں پر صحابہ وتابعین وآئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا اجماع ہو چکا ہے انکے خلاف عقیدہ رکھنا یہی بدعت ہے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیة باب نقض الاحکام الباطلة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۷

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلوٰة والخطبة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۷،سُنن ابن ماجة باب اجتناب البدع والجدل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۶

اس فقیر نے یوں بنایا تھا۔

نمبر ۵: پچھلے دور میں الخ یعنی جاہل اور نابینا اور ولد الزنا اور غلام، فاسق اور اہلِ بدعت کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے لیکن اگلے چار کے پیچھے مکروہِ تنزیہی اور پچھلے دو کے پیچھے مکروہ تحریمی ہوتی ہے، جب کہ وہ فاسق معلن ہو یعنی اس کا فسق ظاہر اور مشہور ہو، ورنہ اس کے پیچھے بھی مکروہ تنزیہی ہوگی۔ اور جب کہ اس مبتدع کی بدعت و بدمذہبی حدِ کفر تک نہ پہنچی ہو، ورنہ اس کے پیچھے باطل محض ہوگی، جیسے آج کل کے روافض ووہابی و نیچری و قادیانی و چکڑالوی کہ اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہتے ہیں، اور غیر مقلد، حدیث میں فرمایا:

کل بدعة ضلالة	یعنی ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور اس سے مراد بدعت سیئہ ہے، پس جو شخص مرتکب ایسی بدعت کا ہو اس کے پیچھے نماز ہرگز نہ پڑھنا چاہیے اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ادا ہوگی۔

واضح ہو کہ بدعتِ سیئہ دو قسم ہے: عملی اور اعتقادی، عملی جیسے عَلَم، تعزیے اور قبروں کو سجدہ، اور اعتقادی جیسے تفضیلیہ و خوارج وجبریہ وقدریہ وغیرہ، یہ لوگ اہلِ بدعت ہیں ان کی صحبت سے بچنا چاہیے، غرضیکہ جن باتوں پر صحابہ و تابعین و آئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اجماع ہو چکا ہے ان کے خلاف عقیدہ رکھنا یہی بدعت ہے۔ پھر ان میں جن کی بدعتِ حد کفر کو نہ پہنچی ہو جیسے تفضیلیہ۔ اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے ورنہ باطل محض ۱۲ منہ۔

اب اشاعتِ ثانیہ میں جس طرح کر لیا گیا ہے وہ پیش نظر ہے۔ اسی طرح بیشمار تبدیلات ہیں، اشعار میں بھی پھر اسی قسم کی اغلاط نے عود کیا ہے۔ صفحہ ۱۲۳ کے بعد کی اصلاحات یہاں نہ رہیں اگر وہ بھی ہوں اور یہ کتاب مطابق اصلاحِ فقیر کوئی صاحب چھاپیں تو کتابِ ثالث ہوگی اور بفضلہٖ تعالیٰ اغلاطِ شرعیہ وشعریہ سے پاک۔

حضرت سید ظہور حیدر میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تاریخِ وصال جبھی خیال میں آگئی تھی معروض ہے: ع

نحو لقاء جدہ اُم ظہور حیدر

حسن الی الجنان اذ ثمّ ظہور حیدر

قیل متٰی ھذا السفر	ھمَّ ظھور حیدر
قلت لان بقی السنة عــــہ	ثمَّ ظھور حیدر
۱۳۳۲	۱۳۳۳

بدایوں کے رسالہ تناسخ اور رسالہ حدوث و قدوم پر جو الفاظ نیاز مند نے لکھے تھے ان کی نقل حاضر ہے، مولانا کے خط کی نقل گر بدایوں سے مل گئی ہو تو میں بھی دیکھتا۔

والا خدمت حضرت جناب سیدنا شاہ ابوالقاسم حاج سید اسمٰعیل حسن میاں صاحب قبلہ تسلیم معروض رسالہ ہزار ضرب اقوی جس میں مولوی عبدالغفار خاں صاحب کے چوتھے رسالہ آثار المتدعین پر کامل ایک ہزار رد ہیں، تین چار روز میں ان شاء اللہ تعالٰی طبع ہو جائے گا بعونہ تعالٰی حاضر کیا جائے گا۔ کلکتہ والوں کا رَد حاضر ہے حسب تحریر اسماء تقسیم فرمادیا جائے فقط۔

مسئلہ ۱۸۳: مسئولہ احمد علی معمار محلّہ برہی، روز پنجشنبہ تاریخ ۹ محرم ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص امام مسجد شیرینی اور کھانے کی چیزوں پر فاتحہ پڑھنے سے انکار کرتا ہے۔ اور عذر یہ پیش کرتا ہے کہ فاتحہ دی ہوئی چیز کا اگر کچھ حصہ زمین پر گر گیا یا اور کسی قسم کی بے ادبی ہوئی تو فاتحہ دینے والا گنہگار ہوگا۔ ایسے شخص پر شرعًا کوئی عذاب یا ثواب ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:

اس کا یہ خیال باطل اور یہ عذر لاطائل ہے، زمین پر بلاقصد گر جانے میں کچھ گناہ کسی کے ذمہ نہیں، اور اگر کوئی وہابی یا رافضی معاذ اللہ قصدًا بے ادبی کرے تو اس کا گناہ اس کے سر کیوں باندھا جائے۔ قال اللہ تعالٰی:

"لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ"[1]۔	اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (ت)

ہاں اگر دینے الا جان کر وہابی یا رافضی اور کسی کافر کو دے تو وہ بے ادبی کہ یہ لوگ کریں اس دینے والے

عــــہ: بقی یبقٰی، سمع اور ضرب دونوں سے آتا ہے، علاوہ ازیں ضرب سے بمعنی انتظار لغتِ معروف ہے۔

[1] القرآن الکریم ۶/ ۱۶۴

کی طرف عائد ہوگی۔ شخصِ مذکور اگر واقعی یہ عقیدہ رکھتا ہے جو زبان سے کہا تو قرآن مجید کا مخالف ہے کما تلونا۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ وہ باطن میں فاتحہ اولیاء کرام کا منکر ہے۔ اور براہِ تقیہ یہ عذر بے ہودہ گھڑتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ شخص مستحق عذاب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴: مسئولہ جناب حکیم مقیم الدین صاحب بہیڑی ضلع بریلی ۱۱رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ جب نیکی بدی میزان میں تولینگی تو نیکی کا پلہ بھاری ہوگا یا بدیوں کا، کیونکہ قاعدے سے جب نیکیاں زیادہ ہوں نیکیوں کا پلہ بھاری اور نیچا ہوگا اور بدیاں زیادہ ہوں تو بدی کا پلہ بھاری اور نیچا ہونا چاہیے، اور کتابوں میں لکھا بھی ایسا ہی ہے کہ جب نیکیاں زیادہ ہوں گی تو نیکوں کا پلہ بھاری ہوگا اور جھکے گا تو کیا واقعی نیکیاں زیادہ ہوں گی تو نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ مفصل بیان ہو کیونکہ نیکیاں بمقابلہ گناہوں کے ہلکی ہونا چاہیں۔

الجواب:

وہ میزان یہاں کے ترازو کے خلاف ہے وہاں نیکیوں کا پلہ اگر بھاری ہوگا تو اُوپر اُٹھے گا اور بدی کا پلہ نیچے بیٹھے گا۔ قال اللہ تعالٰی عزوجل:

" اِلَیۡهِ یَصۡعَدُ الۡكَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُهٗ ؕ " [1]۔	اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اس کو بُلند کرتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۵: از گونڈل علاقہ کاٹھیاوار مسئولہ عبدالستار بن اسمٰعیل بروز سہ شنبہ تاریخ ۱۳رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

بعض متصوفہ زندیقہ جو زید، عمر، بکر یہ وہ سب کا خدا ہی خدا کہتے ہیں وہ یہ دلیل لاتے ہیں کہ اس وجہ سے منصور نے دعوی انا الحق کا کیا، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اسی لیے سبحانی ما اعظم شانی (میں پاک ہوں اور کتنی عظیم میری شان ہے۔ ت) فرمایا۔ اور شمس تبریزی نے اسی وجہ سے قم باذنی (اٹھ میرے حکم سے۔ ت) کہہ کر مردہ زندہ کیا۔ اب عرض یہ ہے کہ کیا واقعی یہ کلمات اوپر کے بزرگوں سے صادر ہوئے ہیں؟ اور کیا اس صوفی زندیق کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اور اگر ہے تو کیا یہ کلمات عندالشرع مردود ہیں یا نہیں؟ اور

---

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۱۰

اگر مردود ہیں تو اُوپر کے تینوں بزرگوں کے ساتھ اہلِ سنت وجماعت کس طرح کا عقیدہ رکھیں؟

الجواب الملفوظ

اُن زنادقہ کا یہ قول کفر صریح ہے اور ان کے قول کی صحت کا شک واقع ہونا سائل کے ایمان کا مضر ہے تجدید اسلام چاہیے، وہ تینوں حضرات کرام اکابر اولیائے عظام سے ہیں۔ قدسنا اللہ باسرارھم، حضرت شمس تبریزی قدس سرہ، سے یہ کلمہ ثابت نہیں، اور ثابت ہو تو معاذاللہ اُسے ادعائے الوہیت سے کیا علاقہ! ایسی اضافات مجازیہ شائع ہیں۔

حضرت حسین منصور انا الحق نہیں کہتے تھے بلکہ انا الاحق (میں ہی احق ہوں۔ت) ابتلائے الٰہی کے لیے سامعین کی فہم کی غلطی تھی ان کی بہن اکابر اولیائے کرام سے تھیں۔ ہر روز اخیر شب میں جنگل کو تشریف لے جاتیں اور عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوجاتیں، ایک روز حضرت حسین منصور کی آنکھ کھلی اور بہن کو نہ پایا، شیطان نے شبہہ ڈالا۔ دوسری رات قصداً جاگتے رہے، جب وہ اپنے وقتِ معمول پر اٹھ کر باہر چلیں یہ آہستہ اٹھ کر پیچھے ہولیے، وہ جنگل میں پہنچیں اور عبادت میں مشغول ہوئیں۔ یہ پیڑوں کی آڑ میں چھپے دیکھتے تھے، قریبِ صبح انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اُترا اور وہ ان کی بہن کے دہن مبارک کے پاس آگیا۔

انہوں نے پینا شروع کیا، یہ بے چین ہوئے اور چلا کر کہا۔ بہن! تمہیں خدا کی قسم تھوڑا میرے لیے بھی چھوڑ دو۔ انہوں نے صرف ایک جرعہ ان کے لیے چھوڑا جس کے پیتے ہی ان کو ہر شجر و حجر و درو دیوار سے آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ احق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے؟ یہ اس کا جواب دیتے انا الاحق بے شک میں احق ہوں۔ لوگوں نے کچھ سنا اور جو منظور تھا واقع ہوا۔

حضرت سیّدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اُس سوال کا خود جواب ارشاد فرمادیا، فرمایا: میں نہیں کہتا وہ فرماتا ہے جسے فرمانا زیبا ہے، سائلوں نے اس پر دلیل چاہی۔ فرمایا: تم سب ایک ایک خنجر ہاتھ میں لے کر بیٹھ جاؤ اور جس وقت مجھے ایسا کہتے سنو بے تامل خنجر مارو کہ ایسے قائل کی سزا قتل ہے انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت پر حالت وارد ہوئی اور وہی کلمہ نکلا اُن سب نے بے مہابا خنجر مارے۔ جس نے جس جگہ کے قصد پر خنجر مارا تھا خود اس کے اسی جگہ لگا۔ جب حضرت کو افاقہ ہوا ملاحظہ فرمایا کہ وہ سب گھائل پڑے ہیں۔ فرمایا: میں نہ کہتا تھا کہ میں نہیں کہتا وہ کہتا ہے جس کا کہنا بجا ہے، سیدنا موسٰی کلیم علٰی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم نے کوہِ طور پر اُس درخت میں سے ندا سنی کہ "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ

رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾ "[1]۔ (اے موسٰی میں ہوں، اللہ رب سارے جہانوں کا، ت) کیا یہ درخت نے کہا تھا، حاشا بلکہ رب العالمین نے درخت پر تجلی فرمائی اور حضرت کلیم کو اُس میں سے ندا مسموع ہوئی، کیا وہ ایک درخت پر تجلی فرماسکتا ہے۔ اور بایزید پر نہیں؟ کیا محال ہے کہ بایزید پر تجلی کرے اور سبحانی ما اعظم شانی [2]۔ (میں پاک ہوں اور کتنی عظیم میری شان ہے۔ ت) اور لوگوں کو ان میں سے ندا آئے۔

حضرت مولوی معنوی قدس اللہ سرہ الشریف فرماتے ہیں۔ ایک جن جس پر تسلط کرتا ہے اس کی زبان سے کلام کرتا ہے اس کے جوارح سے کام کرتا ہے[3]۔

کیا تمہارے نزدیک رب عزوجل ایسا نہیں کرسکتا۔ کلام اس کا ہے اور زبان بایزید کی، بایزید شجرہ موسٰی ہیں اور متکلم وہ جس نے فرمایا انی انا اللہ رب العلمین۔ **فللّٰہ الحجۃ البالغۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۱۸۶: علمائے عظام و مشائخ کرام نے منصور کو کیوں سُولی دی؟ اگر بوجہ کفر سُولی دی گئی ہے تو کیا منصور کو اب مسلمان اور کاملین میں سے شمار کریں یا اُن کی نسبت کیا عقیدہ رکھیں؟

الجواب الملفوظ

ظاہر مسموع اُن کا کلام سے وہ تھا جس پر شرعاً تعزیر قتل ہے لہٰذا حکم شرع پورا کیا گیا۔

نہ بر حکم شرع آب خوردن خطاست   دگر خون بہ فتوے بریزی رواست [4]

(کیا ایسا نہیں شرع کے حکم کے بغیر پانی پینا گناہ ہے، اور اگر شرعی فتوی کے ساتھ تو خون بہائے تو جائز ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۸۷: از ریاست رامپور کونچہ قاضی مرزا صابر حسین   بروز شنبہ ۷ ارجب ۱۳۳۴ھ

کیا ارشاد فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین و مشائخ کرام اور اولیائے عظام اس مسئلہ میں کہ حضرت بڑے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند مشہور کرامتیں جو کہ مولود شریف و وعظ وغیرہ میں بیان کی جاتی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ ایک بڑھالبِ دریا بیٹھی روتی تھی، اتفاقاً حضرت کا

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

[2] تذکرۃ الاولیاء (اردو) شیخ فرید الدین عطار ملک اینڈ کمپنی اردو بازار لاہور ص ۸۳

[3] مثنوی معنوی دفتر چہارم قصہ سبحانی ما اعظم شانی مؤسسۃ انتشارات اسلامی لاہور ۴/ ۲۰۵

[4] بوستانِ سعدی باب اول پہلی گفتار مکتبہ شرکت علمیہ ملتان ص ۲۹

اس طرف سے گزر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس قدر کیوں روتی ہو؟ بڑھیا نے عرض کیا: حضرت! میرے لڑکے کی بارہ برس ہوئے یہاں دریا میں مع سامان کے برات ڈوبی ہے میں یہاں آکر روزانہ روتی ہوں، آپ نے دعا فرمائی آپ کی دعا کی برکت سے بارہ برس کی ڈوبی ہوئی برات مع کل سامان کے صحیح وسالم نکل آئی اور بڑھیا خوش وخرم اپنے مکان کو چلی گئی۔

دوسرے یہ کہ حضرت کے ایک مرید کا انتقال ہوگیا، موتی کا لڑکا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت سے عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس پر لڑکا زیادہ رویا پیٹا اور اڑ گیا۔ تو آپ کو رحم آیا آپ نے وعدہ فرمایا اور لڑکے کی تسکین کی۔ بعدہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو مراقب ہو کر روکا، جب حضرت عزرائیل علیہ السلام رکے آپ نے دریافت کیا کہ ہمارے مرید کی روح تم نے قبض کی ہے؟ جواب دیا کہ ہاں آپ نے فرمایا۔ روح ہمارے مرید کی چھوڑ دو عزرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے بحکم رب العالمین رُوح قبض کی ہے۔ بغیر حکم نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر جھگڑا ہوا۔ آپ نے تھپڑ مارا، حضرت کے تھپڑ سے عزرائیل علیہ السلام کی ایک آنکھ نکل پڑی اور آپ نے ان سے زنبیل چھین کر اس روز کی تمام رُوحیں جو کہ قبض کی تھیں چھوڑ دیں۔ اس پر حضرت عزرائیل علیہ السلام نے رب العالمین سے عرض کیا وہاں سے حکم ہوا کہ ہمارے محبوب نے ایک رُوح چھوڑنے کو کہا تھا تم نے کیوں نہیں چھوڑی ہم کو ان کی خاطر منظور ہے اگر انہوں نے تمام روحیں چھوڑ دیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔

شرعاً ان روایتوں کا بیان کرنا مجلس مولود شریف یا وعظ وغیرہ میں درست ہے، یا نہیں؟ بحوالہ کتب معتبر تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب الملفوظ:

پہلی روایت اگرچہ نظر سے کسی کتاب میں نہ گزری مگر زبان پر مشہور ہے، اور اُس میں کوئی امر خلافِ شرع نہیں، اس کا انکار نہ کیا جائے۔

اور دوسری روایت ابلیس کی گھڑی ہوئی ہے اور اُس کا پڑھنا اور سُننا دونوں حرام۔ احمق، جاہل بے ادب نے یہ جانا کہ وہ اس میں حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تعظیم کرتا ہے حالانکہ وہ حضور کی سخت توہین کر رہا ہے، کسی عالم مسلمان کی اس سے زیادہ توہین کیا ہوگی کہ معاذ اللہ اُسے کفر کی طرف نسبت کیا جائے نہ کہ محبوبانِ الٰہی سیدنا عزرائیل علیہ السلام مرسلین ملائکہ میں سے ہیں اور مرسلین ملائکہ بالاجماع تمام غیر انبیاء سے افضل ہیں کسی رسول کے ساتھ ایسی حرکت کرنا توہین رسول کے سبب معاذ اللہ اس کے لیے باعثِ کفر ہے، اللہ تعالٰی جہالت وضلالت

سے پناہ دے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸: مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاوار یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

ان دنوں اکثر احباب کو گمنام خطوط بدیں مضمون ملے ہیں۔بسم اللہ الرحمن الرحیم۔قل ھواللہ احد اللہ الصمد، ایاك نعبدو ایاك نستعین، انعمت علیھم عرصہ تین روز میں نوخط نوجگہ بھیجئے اس سے آپ کو بہت فائدہ ہوگا ورنہ نقصان۔
اب عرض یہ ہے کہ اس مضمون کا عندالشرع کیا اصل ہے؟اس پر عمل ضروری ہے یا نہیں؟اگر واجب العمل ہے تو بلا نام ونشان کے گمنام خط لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب الملفوظ:

یہ بدعتِ شنیعہ ہے کہ کسی جاہل نے ایجاد کی جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے اور قرآن عظیم کے ساتھ بے ادب کھلے ہوئے کارڈوں پر کلام الٰہی لکھ کر بھیجا جاتا ہے کہ چھٹی رساں جو اکثر ہنود اور عموماً بے وضو ہوتے ہیں اُسے مس کرتے ہیں، ڈاکخانوں میں مہریں لگانے والے بے وضو یا نجس ہاتھوں سے چھوتے ہیں زمین پر رکھ کر مہر لگاتے ہیں اور خصوصاً زمین پر وہی رُخ ہوتا ہے جس پر آیات ہیں، یہ سب ناپاکیاں اس بدعتِ خبیثہ کے سبب ہیں، اور پھر یہ اللہ پر افترا ہے کہ ایسا کروگے تو نودن میں خوشی ہوگی ورنہ آفت میں مبتلا ہوگے۔

" اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۰ "[1]۔	یااللہ تعالٰی پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔(ت)

مسئلہ ۱۸۹: الف خان مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

ارواح مومنین یا کافر کا کسی وقت اپنے اپنے مکان میں آنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے یا نہیں؟فقط۔

الجواب الملفوظ:

ارواح کفار کا آنا کیونکر ہوسکتا ہے وہ محبوس ومقید ہیں، اور روح مومنین کی نسبت حدیث میں ارشاد ہوا:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۰

اذا مات المؤمن یخلی سربہ حیث شاء [1]۔	اس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جاتی ہے جہاں چاہے۔

جہاں چاہے میں اپنا گھر بھی داخل ہے، اور بارہا ارواح صالحین کا اپنے اور اپنے متعلقین کے گھر آنا اور مدد کرنا ثابت ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے ایک مریض کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ صاحبِ فراش تھے، رات کو جب سو رہے تھے انہیں پیاس لگی اور کپڑا اوڑھنے کی ضرورت ہوئی، کوئی پاس نہ تھا، ان کے ایک بزرگ کی روح ظاہر ہوئی اس نے پانی پلایا اور کپڑا اڑھایا [2]۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۰: مرسلہ محمد عبدالواحد خاں مسلم کمیٹی اسلام پورہ معرفت عبداللطیف ہیڈ ماسٹر میونسپل اردو اسکول ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

واجب الاحترام والتعظیم اعلیحضرت مد ظلہم، قادیانی نے جس قدر تحریرات رسائل کتب اپنے دعوے کی تائید میں لکھے ہیں اگر آپ کے پاس ہوں اور ممکن ہو تو روانہ فرمادیجئے تاکہ اس کی تمام باتوں پر میں غور کرکے ایک رائے قائم کرلوں اور مباحثہ کے وقت سہولیت پیدا ہوجائے کیونکہ مخالف کتابیں دینے سے انکار کرتا ہے اگر یہ نہیں ہوسکتا ہے تو کم از کم ان کی کتابوں کے نام اور جگہ جہاں سے وہ دستیاب ہوسکتی ہیں تحریر فرمادیں، یہ تکلیف آپ کو دینا جائز نہیں مگر کوئی اور شخص ایسا نظر نہیں آتا جو اس کام کو انجام دے سکے۔ اب دوسری بات تردید یعنی جس قدر رسائل اشتہارات وغیرہ اس کے رد میں لکھے گئے ہوں روانہ فرمائے جائیں، ورنہ آخر درجہ ان کی فہرست ہی سہی۔ اور مندرجہ ذیل شکوک رفع کردیجئے۔ (قرآن، صحاح ستّہ ہی کے دلائل ہوں تو خوب ہے۔)

(۱) میں صحاح ستہ کو دیکھنا چاہتا ہوں مگر عربی نہیں جانتا، کیا کوئی اردو ترجمہ تحت اللفظ اس کا فراہم ہوسکتا ہے اور کون سی کتاب زیادہ معتبر اور فائدہ رساں ہے؟

(۲) مشکوۃ شریف میں کیا بیان ہے اس سے کیا مدد مل سکتی ہے؟

(۳) ہمارے یہاں سب سے زیادہ کون کون سی کتابیں معتبر ہیں۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مذہب پر آپ کی کیا رائے ہے؟

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب ذکر الموت فضیلۃ ذکر الموت دار الفکر بیروت ۱۰/ ۲۲۷

[2] انفاس العارفین مترجم اردو امداد اولیاء ص ۳۶۹

(۵) حضرت مسیح (علیہ السلام) کے زندہ ہونے کی کن کن حدیثوں سے دلیل مل سکتی ہے؟

(۶) سُبحان الذی الخ میں سبحان کے لفظ میں کیا خوصیت ہے؟

(۷) اور آپ کو رات کو کیوں معراج ہوا، دن کو کیوں نہ ہوا؟

(۸) ادریس، خضر، عزیز، الیاس (علیہم السلام) ان کے قصص قدرے صراحت کے ساتھ بیان کیجئے۔

(۹) حضرت مہدی اور عیسٰی (علیہما السلام) دونوں جداجدا اشخاص قدرے صراحت کے ساتھ بیان کیجئے۔

الجواب:

(۱) صحاح ستّہ کے اردو میں ترجمے ہوئے ہیں مگر عموماً وہابیہ نے کیے ہیں، اور ترجمہ دیکھ کر کوئی شخص قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا۔

(۲) مشکوۃ شریف ایک جامع کتاب ہے، بہت باتوں میں مدد دیتی ہے، مگر تنہا کوئی کتاب سوا قرآن عظیم کے کافی نہیں۔

(۳) ہمارے یہاں قرآن عظیم کے بعد حدیث میں صحیحین اور سننِ اربعہ، مسانید امام اعظم، موطا و کتاب الآثار امام محرر، کتاب الخراج امام ابویوسف، کتاب الحج امام عیسٰی بن ابان، شرح معانی الاثار امام طحطاوی، مشکلات الاثار امام طحطاوی _____ عقائد میں فقہ اکبر، وصایائے امام اعظم، عقائد امام مفتی الانس والجن نجم الدین عمر نسفی _____ فقہ میں ہدایہ، بدائع مبسوط۔ جامع صغیر، جامع کبیر، خانیہ، خلاصہ، بزازیہ، غرر، درر، تنویر الابصار، درمختار، غنیہ، حلیہ اور ہزارہا کتب بے شمار۔

(۴) ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا شبِ معراج تک خدمت اقدس میں حاضر بھی نہ ہوئی تھیں بہت صغیر السن بچی تھیں۔ وہ جو فرماتی ہیں، ان روحانی معراجوں کی نسبت فرماتی ہیں جو اُن کے زمانے میں ہوئیں۔ معراج جسمانی انکی حاضری سے کئی سال پیشتر ہوچکا تھا۔

(۵) اس کے لیے دُرمنثور و ابن جریر و تفاسیر دیکھنی چاہیئں، ابھی میں اوپر کہہ چکا ہوں کہ ان مسائل میں بحث یہ قادیانیوں کا دھوکا ہے بحث اس کے ان کفریات میں چاہیے جس کا نمونہ اوپر مذکور ہوا۔

(۶) حضرت عزّت جل وعلا اپنے محبوبوں کی مدح سے اپنی حمد فرمایا کرتا ہے۔ اس کی ابتداء

کہیں ھو الذی سے ہوئی ہے، جیسے:

"ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا"[1]۔	جس نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ (ت)
"ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡھُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ"[2]۔	وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ (ت)

کہیں تبارك الذین سے:

"تَبٰرَکَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِہٖ لِیَکُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ﴿۱﴾"[3]۔	بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔ (ت)

کہیں حمد سے، جیسے:

"اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿۱﴾"[4]۔	سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی۔ (ت)

یہاں تسبیح سے ابتداء فرمائی ہے کہ:

"سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ"[5]۔	پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے۔ (ت)

اس میں ایک صریح نکتہ یہ ہے کہ جو بات نہایت عجیب ہوتی ہے اس پر تسبیح کی جاتی ہے، سبحن اللہ الذی کیسی عمدہ چیز ہے۔ سبحن کیسی عجیب بات ہے جسم کے ساتھ آسمانوں پر تشریف لے جانا کوئی زمہریر طے فرمانا، کُرہ نار طے فرمانا، کروڑوں برس کی راہ کو چند ساعت میں طے فرمانا۔ تمام ملک وملکوت کی سیر فرمانا۔ یہ تو انتہائی عجیب آیات بیّنات ہی ہیں۔ اتنی بات کہ کفارِ مکہ پر حجت قائم فرمانے کے لیے ارشاد ہوئی کہ شب کو مکہ معظّمہ میں آرام فرمائیں صبح بھی مکہ معظّمہ میں تشریف فرما ہوں، اور رات ہی رات بیت المقدس تشریف لے جائیں اور واپس تشریف لائیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۶۲/۲

[2] القرآن الکریم ۴۸/۲۸ و۶۱/۹

[3] القرآن الکریم ۲۵/۱

[4] القرآن الکریم ۱۸/۱

[5] القرآن الکریم ۱۷/۱

کیا کم عجیب ہے، اس لیے **سبحن الذی** ارشاد ہوا، کفار نے آسمان کہاں دیکھے، ان پر تشریف لے جانے کا اُن کے سامنے ذکر ایک ایسا دعوی ہوتا جس کی وہ جانچ نہ کرسکتے، بخلاف بیت المقدس جس میں ہر سال اُن کے دو[2] پھیرے ہوتے۔ "رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ ۚ﴿۲﴾ "[1]۔ (سردی اور گرمی میں کوچ کرنا۔ت) اور وہ خوب جانتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کبھی وہاں تشریف نہ لے گئے تو اس معجزے کی خوب جانچ کرسکتے تھے اور ان پر حجت الٰہی پوری قائم ہوسکتی تھی۔ چنانچہ بحمداللہ تعالٰی یہ ہی ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بیت المقدس تشریف لے جانا اور شب ہی شب میں واپس آنا بیان فرمایا، ابوجہل لعین اپنے دل میں بہت خوش ہوا کہ اب ایک صریح حجت معاذاللہ ان کے غلط فرمانے کی مل گئی، و لہٰذا ملعون نے تکذیب ظاہر نہ کی بلکہ یہ عرض کی کہ آج ہی رات تشریف لے گئے؟ فرمایا: ہاں۔ کہاں اور آج شب میں واپس آئے؟ فرمایا: ہاں کہاں: اروں کے سامنے بھی ایسا ہی فرماد یجئے گا؟ فرمایا: ہاں اب اس نے قریش کو آواز دی اور وہ جمع ہوئے اور حضور سے پھر اس ارشاد کا اعادہ چاہا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اعادہ فرمادیا۔ کافر بغلیں بجاتی صدیق اکبر کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ گمان تھا کہ ایسی ناممکن بات سن کر وہ بھی معاذاللہ تصدیق سے پھر جائیں گے۔ صدیق سے عرض کی۔ آپ نے کچھ اور بھی سنا آپ کے یار فرماتے ہیں کہ میں آج کی رات بیت المقدس گیا اور شب ہی میں واپس ہوا۔ صدیق اکبر نے فرمایا: کیا وہ ایسا فرماتے ہیں؟ کہاں: ہاں وہ یہ حرم میں تشریف فرما ہیں۔ صدیق نے فرمایا۔ تو واللہ حق فرمایا یہ تو مکہ سے بیت المقدس تک کا فاصلہ ہے میں تو اس پر ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ صبح شام آسمان کی خبر ان کے پاس آتی ہے، پھر کافروں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے نشان پوچھے، جانتے تھے کہ یہ تو کبھی تشریف لے گئے نہیں کیونکر بتائیں گے وہ جو کچھ پوچھتے گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ارشاد فرماتے گئے۔ کافروں نے کہا: واللہ ! نشان تو پورے صحیح ہیں۔ پھر اپنے ایک قافلہ کا حال پوچھا جو بیت المقدس کو گیا ہوا تھا کہ وہ بھی راستہ میں حضور کو ملا تھا اور کہاں ملا تھا اور کیا حالت تھی کب تک آئے گا؟ حضور نے ارشاد فرمایا: فلاں منزل میں ہم کو ملا تھا اور یہ کہ اُتر کر ہم نے اس میں ایک پیالہ سے پانی پیا تھا اور اس میں ایک اونٹ بھاگا اور ایک شخص کا پاؤں

---

[1] القرآن الکریم ۱۰۶/۲

ٹوٹ گیا اور قافلہ فلاں دن طلوع شمس کے وقت آئے گا۔ یہ مدت جو ارشاد ہوئی منزلوں کے حساب سے قافلہ کے لیے بھی کسی طرح کافی نہ تھی۔ جب وہ دن آیا کفار پہاڑ پر چڑھ گئے کہ کسی طرح آفتاب چمک آئے اور قافلہ نہ آئے اور قافلہ نہ آئے تو ہم کہہ دیں کہ دیکھو معاذ اللہ وہ خبر غلط ہوئی۔ کچھ جانبِ شرق طلوع آفتاب کو دیکھ رہے تھے کچھ جانبِ شام راہ قافلہ پر نظر رکھتے تھے اُن میں سے ایک نے کہا: وہ آفتاب چمکا، کہ اُن میں سے دوسرا بولا کہ وہ قافلہ آیا۔ یہ ہوتی ہے سچی نبوت جس کی خبر میں سر مُو فرق آنا محال ہے۔

قادیانی سے زیادہ تو اُن کفارِ مکہ ہی کی عقل تھی وہ جانتے تھے کہ ایک بات میں بھی کہیں فرق پڑ جائے تو دعوی نبوت معاذ اللہ غلط ہو جائے گا۔ مگر یہ جھوٹا نبی ہے کہ جھوٹ کے چھینکے اڑاتا ہے اور نہ وہ شرماتا ہے۔ اور نہ اس کے ماننے والوں کو اس کا حس ہوتا ہے بلکہ در کمال شوخ چشمی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہتا ہے کہ ہاں ہاں اگلے چار سو انبیاء کی بھی پیشگوئیاں غلط ہوئیں اور وہ جھوٹے یعنی پنجاب کا جھوٹا کذاب نبی اگر دروغ گو نکلا کیا پرواہ ہے اس سے پہلے بھی چار سو نبی جھوٹے گزر چکے ہیں۔ یہ کوئی نہیں پوچھتا کہ جب نبوت اور جھوٹ جمع ہو سکتے ہیں تو انبیاء کی تصدیق شرطِ ایمان کیوں ہوئی انکی تکذیب کفر کیوں ہوئی۔

ولٰکن لعنۃ اللہ علی الظّٰلمین الذین یکذبون المرسلین۔	لیکن اللہ تعالٰی کی لعنت ہو ان ظالموں پر جو رسولوں کو جھٹلاتے ہیں۔ (ت)

ان عظیم وقائع نے معراج مبارک کا جسمانی ہونا بھی آفتاب سے زیادہ واضح کر دیا اگر وہ کوئی روحانی سیر یا خواب تھا تو اس پر تعجب کیا۔ زید و عمرو خواب میں حرمین شریفین تک ہو آتے ہیں اور پھر صبح اپنے بستر پر ہیں۔ رؤیا کے لفظ سے استدلال کرنا اور الاّفتنۃ للناس نہ دیکھنا صریح خطا ہے۔ رؤیا بمعنی رویت آتا ہے۔ اور فتنہ و آزمائش بیداری ہی میں ہے نہ کہ خواب میں ولہٰذا ارشاد ہوا۔

"سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ" [1]۔	پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو لے گیا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۷) رات تجلی لطفی ہے اور دن تجلی قہری، اور معراج کمالِ لطف ہے جس سے مافوق متصور نہیں، لہٰذا تجلی لطفی ہی کا وقت مناسب تھا۔ معراج وصلِ محب و محبوب ہے اور وصال کے لیے

[1] القرآن الکریم ۱۷/۱

عادۃً شب ہی انسب مانی جاتی ہے معراج ایک معجزہ عظیم قاہرہ ظاہرہ تھا۔اور سنتِ الٰہیہ ہے کہ ایسے واضح معجزہ کو دیکھ کر جو قوم نہ مانے ہلاک کردی جاتی ہے اُن پر عذاب عام بھیجا جاتا ہے، جیسے اگلی امتوں میں بکثرت واقع ہوا۔ معراج کو شریف لے جانا اگر دن میں ہوتا تو یا سب ایمان لے آتے یا سب ہلاک کیے جاتے،ایمان تو کفار کے مقدر میں تھا نہیں تو یہ ہی شق رہی کہ اُن پر عذاب عام اُترتا اور حضور بھیجے گئے سارے جہان کے لیے رحمت، جنہیں اُن کا رب فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ"[1]۔	اے رحمت عالم ! جب تک تم ان میں تشریف فرما ہو اللہ انہیں عذاب کرنے والا نہیں۔

لہٰذا شب ہی مناسب ہوئی۔

(۸) تصانیف علماء میں قصص الانبیاء دیکھئے اگر کوئی خاص بات دریافت کرنی ہو تو پوچھیے۔

حضرت عزیز علیہ السلام کا قصہ قرآن عظیم ہی میں مذکور ہے کہ اُن کی روح قبض فرمائی پھر سو برس بعد زندہ فرمایا، کھانا پانی جو ساتھ تھا وہ اس سو برس میں نہ بگڑا۔اور سواری کے لیے جانور کی ہڈیاں بھی گل چکی تھیں،ان کی نظر کے سامنے اس کی ہڈیاں اُبھاریں اُن پر گوشت چڑھایا اسے زندہ فرمایا[2]۔

حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ سیدنا موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ بھی قرآن عظیم میں ہے[3]۔

حضرت ادریس علیہ الصلوۃ والسلام کو دنیا سے مع جسم بہشت بریں میں اٹھالیا،

"وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ٘ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا(۵۶) وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا(۵۷)"[4]۔	اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا، غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بُلند مقام کی طرف اٹھالیا۔(ت)

---

[1] القرآن لکریم ۸ /۳۳

[2] القرآن لکریم ۲ /۲۵۹

[3] القرآن لکریم ۱۸/ ۶۵تا۸۲

[4] القرآن لکریم ۱۹/ ۵۶و۵۷

الیاس علیہ الصلوۃ والسلام مرسلین کرام میں ہیں، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سب بحیات حقیقی روحانی جسمانی زندہ ہیں، ان کی موت صرف ایک آن کو تصدیقِ وعدہ الٰہیہ کے لیے ہوتی ہے، جمہور علماء کے نزدیک چار نبی بے عروضِ موت اب تک زندہ ہیں، دو آسمان پر، سیدنا ادریس و سیدنا عیسٰی اور دو زمین میں، سیدنا الیاس و سیدنا خضر علیہم الصلوۃ والسلام [1] اور یہ دونوں حضرات ہر سال حج کرتے ہیں اور ختم حج پر زمزم شریف کے پاس باہم ملتے ہیں، اور آبِ زمزم شریف پیتے ہیں کہ آئندہ سال تک ان کے لیے کافی ہوتا ہے پھر کھانے پینے کی حاجت نہیں ہوتی۔ ان کلمات پر باہم ملاقات ختم فرماتے ہیں:

سبحان اللہ ماشاء اللہ لایسوق الخیر الاّ اللہ ماشاء اللہ لایصلح السوء الا اللہ ماشاء اللہ ماکان من نعمۃ فمن اللہ ماشاء اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ [2]۔	اللہ تعالٰی پاک ہے جو اللہ چاہے، بھلائی نہیں لاتا، مگر اللہ جس قدر چاہے جو بھی نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف ہے جس قدر اللہ چاہے، نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت ہے مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ (ت)

الیاس علیہ الصلوۃ والسلام لشکرِ اقدس حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایک غار میں یہ دعا کرتے ملتے۔

اللھم اجعلنی من امۃ احمد المرحومۃ المبارکۃ المستجاب لھا [3]۔	اے اللہ ! مجھے احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی امت سے بنا دے جس پر تیری رحمت و برکت نازل ہوتی ہے اور جس کی دعائیں قبول کی جاتی ہیں۔ (ت)

خضر علیہ الصلوۃ والسلام بعد وصال اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعزیت کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لائے، مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے راستہ میں امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالٰی عنہ سے باتیں کرتے اور ان پر تکیہ لگاتے ہوئے راہ چلتے نظر آئے، اکابر اولیاء کے پاس اکثر تشریف لاتے، حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مجالس وعظ میں بکثرت کرم فرمایا، اور اب تک اولیاء سے ملتے ہیں، جنگل میں بے بسی کے وقت

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۰۰۴ الیاس بن عیسٰی علیہ السلام دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۱۵۵

[2] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۰۰۴ الیاس بن عیسٰی علیہ السلام دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۱۵۸

[3] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۰۰۴ الیاس بن عیسٰی علیہ السلام دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۱۵۹

مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں۔

(۹) ان احادیث کی تفصیل خصائص کبرٰی امام جلال الدین سیوطی وکتاب الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ سیدنا علامہ محمد ابن عبدالرسول برزنجی وغیرہما میں ہے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۱۹۹و۲۰۰: مرسلہ حکیم عبدالجبار خان دہام پور ضلع بجنور ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

(۱) کیا سید پر دوزخ کی آنچ قطع حرام ہے، اور وہ کسی بداعمالی کی پاداش میں دوزخ میں جا ہی نہ سکے گا؟

(۲) آل فاطمہ کا مخصوص اعزاز و امتیاز کیا حضرت فاطمہ خاتونِ جنت کے ذریعہ سے ہے کیونکہ جناب سیدہ موصوفہ سید کونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صاحبزادی ہیں یا حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی ذات خاص کی بدولت یہ رُتبہ سادات ہے فقط۔

الجواب:

(۱) ساداتِ کرام جو واقعی علمِ الٰہی میں سادات ہوں ان کے بارے میں رب عزوجل سے امید واثق یہی ہے کہ آخرت میں اُن کو کسی گناہ پر عذاب نہ دیا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

انما سمیت فاطمۃ لان اللہ تعالٰی حرمھا وذریتھا علی النار[1]۔	ان کا فاطمہ نام اس لیے ہوا کہ اللہ نے ان کو اور ان کی تمام ذریت کو نار پر حرام فرمادیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمایا:

ان اللہ غیر معذبك ولا ولدك اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	اے فاطمہ! اللہ نہ تجھے عذاب کرے گا نہ تیری اولاد میں کسی کو، مگر حکم قطعی بے نص قطعی ناممکن ہے۔

(۲) امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کی اولاد امجاد اور بھی ہیں قریشی ہاشمی علوی ہونے سے ان کا دامان فضائل مالامال ہے مگر یہ شرفِ اعظم حضرت سادات کرام کو ہے، اُن

[1] الجامع الصغیر حدیث ۲۳۰۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۳۹، المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۶۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۱۶۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۲۶۳

کے لیے نہیں یہ شرفِ حضرت بتول زہرا کی طرف سے ہے کہ۔

فاطمة بضعة منّی [1]۔ کل بنی اٰدم ینتمون الی عصبة ابیھم الابنی فاطمة فانا ابوھم [2]۔	فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔ سب کی اولادیں اپنے باپ کی طرف نسبت کی جاتی ہیں سوائے اولادِ فاطمہ کے کہ میں ان کا باپ ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۱: ازامروہہ مرسلہ رفیق احمد صاحب عباسی محلّہ ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

مرشدی و مولائی مدفیوضکم العالیٰ!

بعد آداب و نیاز غلامانہ گزارش ہے کہ یہاں بعض اشخاص اس امر کے مدعی ہیں کہ سادات بنی فاطمہ علیہا الصلوۃ والسلام میں سے کوئی متنفس خواہ وہ کوئی مشرب رکھتا ہو اور کیسے ہی اعمال کا ہونارِ دوزخ سے بری ہے اور ثبوت میں آیت تطہیر و حدیث اکرموااولادی [3]۔الخ (میری اولاد کا احترام کرو۔ت) وغیرہ کے علاوہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی فتوحات مکیہ کا باب سلمان فارسی پیش کرتے ہیں اس کے متعلق آں قبلہ کی جو کچھ رائے اقدس ہو اس سے مطلع فرمائیے، زیادہ آرزوئے قدمبوسی فقط۔

الجواب:

سیّد کوئی مشرب رکھتا ہو یہ لفظ بہت وسیع ہے، آج کل بہت مشرب صریح کفر وارتداد کے ہیں جیسے قادیانی، نیچری، رافضی، وہابی، چکڑالوی، دیوبندی وغیرہم، جو مشرب رکھتا ہو ہرگز سید نہیں۔

" اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ﳓ " [4]۔	وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں، بے شک اس کے کام بہت نالائق ہیں۔(ت)

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقبِ فاطمة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۳۲، صحیح البخاری کتاب المناقب باب مناقب قرابت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۶، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل من فاطمہ رضی اللہ عنہما قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۹۰

[2] الاسرار المرفوعة فی اخبار الموضوعة حرف الکاف حدیث ۶۷۸ دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۷۶

[3]

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

ہاں سلامت ایمان کے اعمال کیسے ہی ہوں اللہ عزوجل کے کرم سے امید واثق یہ ہی ہے کہ جو اس کے علم میں سیّد ہیں اُن سے اصلًا کسی گناہ پر کچھ مواخذہ نہ فرمائے، حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها الله وذريتها على النار [1] رواه البزار و ابو يعلى والطبرانى فى الكبير و الحاكم وصح وتمام فى فوائده كلهم عن عبدالله بن مسعود رضى الله تعالٰى عنه۔	بے شک فاطمہ نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو اللہ تعالٰی نے اس پر اور اس کی اولاد پر دوزخ کی آگ حرام فرمادی۔ اس کو بزار، ابویعلی، طبرانی نے معجم کبیر میں، اور حاکم نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی۔ یہ تمام اس کے فوائد میں ہے، سب نے اس کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اسی باب میں اور احادیث بھی وارد ہیں کہ ذریت بتول زہرا عذاب سے محفوظ ہے۔

و زعم المناوى اماهى وابناها فالمراد فى حقهم التحريم المطلق، واما من عداهم فالمحرم عليهم نار الخلود [2] اھ ورأيتنى كتبت عليه **اقول:** قد علم المحفوظون من اهل السنة والجماعة ان نار الخلو: محرمة على كل من قال لا اله الا الله فما خصوصية ذرية زهراء بل المعنى بحول العزيز المقتدر هو التعميم والله ذوالفضل العظيم۔ والله تعالٰى اعلم	مناوی نے کہا کہ خود خاتونِ جنت اور ان کے دونوں بیٹوں کے حق میں تو مطلقًا دوزخ کا حرام ہونا مراد ہے۔ لیکن ان کے غیر میں دائمی طور پر دوزخ میں رہنا حرام ہے اھ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر یوں لکھا۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اہلِ سنت و جماعت جو کہ محفوظ ہیں جانتے ہیں کہ دوزخ میں دائمی طور پر رہنا تو ہر اس شخص پر حرام ہے جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا۔ اس میں سیدہ زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اولاد کی کیا تخصیص ہوئی بلکہ عزت واقتدار والے معبود کی توفیق سے معنی میں تعمیم ہے یعنی مطلقًا حرمت اللہ تعالٰی فضل وعظمت والا ہے۔ (ت)

---

[1] الجامع الصغیر بحوالہ البزار وع، طب، ک، حدیث ۲۳۰۹ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۳۹

[2] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر طب، ک، دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۴۶۲

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ از محمد ابراہیم موضع گردھرپور ڈاکخانہ رچھا ضلع بریلی

ایک شخص نجابت خاں جاہل اور بدعقیدہ ہے اور سود خوار بھی ہے، نماز روز خیرات وغیرہ کرنا بے کار محض سمجھتا ہے، اس شخص کی نسبت عام طور پر جملہ مسلمانانِ واہل ہنود میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر صبح کو اس کی منحوس صورت دیکھ لی جائے یا کہیں کام کو جاتے ہوئے یہ سامنے آجائے تو ضرور کچھ نہ کچھ وقت اور پریشانی اٹھانی پڑے گی اور چاہے کیسا ہی یقینی طور پر کام ہوجانے کا وثوق ہو لیکن ان کا خیال ہے کہ کچھ نہ کچھ ضرور رکاوٹ اور پریشانی ہوگی چنانچہ اُن لوگوں کو ان کے خیال کے مناسب بربار تجربہ ہوتا رہتا ہے اور وہ لوگ برابر اس امر کا خیال رکھتے ہیں کہ اگر کہیں جاتے ہوئے سامنی پڑگیا تو اپنے مکان کو واپس جاتے ہیں اور چندے توقف کرکے یہ معلوم کرکے وہ منحوس سامنے تو نہیں ہے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ عقیدہ اور طرز عمل کیسا ہے؟ کوئی قباحتِ شرعیہ تو نہیں؟

الجواب:

شرع مطہر میں اس کی کچھ اصل نہیں، لوگوں کا وہم سامنے آتا ہے۔ شریعت میں حکم ہے: **اذا تطیرتم فامضوا**[1]۔ جب کوئی شگون بدگمان میں آئے تو اس پر عمل نہ کرو، وہ طریقہ محض ہندوانہ ہے مسلمانوں کو ایسی جگہ چاہیے کہ:

اللّٰھم لا طیر الا طیرك ولا خیرالا خیرك ولا الٰه غیرک[2]۔	اے اللہ! نہیں ہے کوئی برائی مگر تیری طرف سے اور نہیں ہے کوئی بھلائی مگر تیری طرف سے اور تیرے بغیر کوئی معبود نہیں۔ (ت) پڑھ لے، اور اپنے رب پر بھروسا کرکے اپنے کام کو چلا جائے، ہرگز نہ رُکے نہ واپس آئے۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۲۰۳ تا ۲۰۶: از اکبر آباد محلّہ گھٹا اعظم کان مکان منشی مظفر حسین خاں مختار مرسلہ محمد رضی الدین چشتی نظامی ۲ جمادی الاولی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اِن مسائل میں کہ:

(۱) مشرک داخل سلسلہ کسی مشائخ سلسلہ سے کس حیثیت سے اور کس طرح پر داخل سلسلہ ہوسکتا ہے؟

---

[1] فتح الباری کتاب الطب باب الطیرۃ مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۳۲۳

[2] فتح الباری کتاب الطب باب الطیرۃ مصطفی البابی مصر ۱۲/ ۳۲۳، کنز العمال حدیث ۲۸۵۸۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۱۵

مشرک کی آلودگی ظاہر اُس میں نمایاں ہو جیسے اہلِ ہنود میں سی۔
(۲) ایسے شخص کی بیعت کسی مشائخ سلسلہ سے کب معتبر اور کیسی ہوگی؟
(۳) ایسا مشرک کسی مشائخ سلسلہ کا خلیفہ اور صاحبِ اجازت یا صاحبِ مجاز ہو سکتا ہے جس کی نسبت یقیناً بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کا پابند نہیں، نہ اس نے احکامِ شریعت کی بظاہر پابندی کی۔ دائرہ اسلام میں بظاہر شامل نہیں ہوا۔ نہ اس نے شرک و کفر و فسق و فجور سے کسی جلسہ عام مسلمانوں میں توبہ کی، نہ توبہ کا شاہد بنایا۔
(۴) عوام الناس اپنی اغراض نفسانی سے ایسے شخص کو جس کی نسبت عرض کیا جارہا ہے اس کو رشد و ہدایت کا اپنی ہادی بنا سکتے ہیں یا نہیں۔

الجواب:

لا الٰہ الا اللہ کوئی کافر خواہ مشرک ہو یا موحد ہرگز نہ داخل سلسلہ ہو سکتا ہے۔ نہ بے اسلام اس کی بیعت معتبر ہو سکتی ہے، نہ قبل اسلام اس کی بیعت معتبر ہوا گرچہ بعد کو مسلمان ہوجائے کہ بیعت ہو یا کوئی عمل، سب کے لیے پہلی شرط اسلام ہے قال تعالٰی:

"وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾" [1] ۔	اور جو کچھ انہوں نے کام کیے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں، (ت)

جو اس کے کفر پر رہتے ہوئے اسے مجاز و ماذونِ بیعت و خلیفہ طریقت کرے اور جو اسے پیرِ رُشد و ہدایت سمجھے یہ سب کافر ہوجائیں گے۔ بزازیہ، مجمع الانہر و دُر مختار وغیرہ میں ہے:

من شك فی كفره فقد كفر [2] ۔	جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ کافر ہوگیا۔ (ت)

ہاں اگر وقتِ بیعت اس نے کلمہ طیبہ پڑھا اور دینِ اسلام کا مقر ہوا تو بیعت صحیح ہوئی اور اس کے بعد قبل اظہار کفر ماذون کیا تو پیر پر الزام نہیں مگر جب بعد کو اس نے کفر کیا مرتد ہوگیا بیعت فسخ ہوگئی اب جو اُسے ہادی بنائے یہ کافر ہوگا، **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم۔**

---

[1] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

[2] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

مسئلہ ۲۰۷تا۲۱۱: از کلکتہ نمبر ۲۴ پوسٹ شملہ مانک تلہ مرسلہ منصور علی میاں بگاں قدمِ رسول ۱۷ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ،

(۱) مومن اور ولی میں کون سی نسبت ہے؟

(۲) درود شریف کے اندر بجائے علٰی ابراہیم وعلٰی آل ابراہیم کے علٰی ال داؤد یا علٰی ال زکریا وغیرھما نہ آنے کی کیا وجہ ؟

(۳) جو مضمون قران شریف کے ہے اس کو مدلولِ قرآنی کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کہہ سکتے ہیں تو **طھرا بیتی وطھر اقلبی** میں کیافرق ہے؟ اور اگر مدلول نص نہیں تو کیوں؟

(۴) صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اصحاب پر آل کو مقدم کیوں کیا؟

(۵) درجہ ولایت باقی رہنے اور نبوت کے ختم ہو جانے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:

(۱) اگر ولایتِ عامہ مراد ہے تو تساوی، "**اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا**"[1]۔ (اللہ تعالٰی ایمان والوں کا ولی ہے۔ت)

اور خاصہ تو عموم خصوص مطلق "**اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ**"[2]۔ (اس کے ولی تو پرہیزگار ہیں۔ت)

(۲) آل ابراہیم علیہ السلام میں آل داؤد و آل زکریا علیہما السلام سب داخل ولاعکس۔

(۳) جس مضمون پر قرآن عظیم دلالت فرمائے مدلولِ قرآنی ہے بیتی اور قلبی میں زمین وآسمان کافرق ہے اور متشابہات میں قیاس جاری کرنا ضلالت "**اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا**"[3]۔ (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس ہے۔ت) نہ کہ **من عند نفسك** (تیرے نفس کے پاس سے۔ت)

(۴) آل اصحاب کو بھی شامل ہے ولاعکس یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۸/ ۳۴

[3] القرآن الکریم ۳/ ۷

(۵) اللہ عزوجل نے فرمایا:

"وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ"[1]۔	ہاں وہ اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔(ت)

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق لایضرھم من خذلھم ولا خالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذٰلک[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا، ان کی رُسوائی کا ارادہ کرنے والا اور ان کا مخالف ان کو نقصان نہیں پہنچاسکے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کا امر (قیامت) آجائے در آنحالیکہ وہ حق پر قائم ہوں گے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ ۲۱۲: از تھانہ فتح پور چوراسی ضلع اناؤ۔ مرسلہ علی احمد خان صاحب ہیڈ محرر ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تیسری لڑکی ہوئی، اس دن سے زید نہایت پریشان ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تیسری لڑکی اچھی نہیں ہوتی تیسرا لڑکا نصیب ور اور اچھا ہوتا ہے۔ زید نے ایک صاحب سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ سب باتیں اہل ہنود اور عورتوں کی بنائی ہوئی ہیں اگر تم کو وہم ہو صدقات کردو ایک گائے یا سات بکریاں قربانی کردو اور توشہ شاہنشاہِ بغداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کردو، حق تعالٰی بتصدق سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ ہر طرح کی بلاو نحوست سے محفوظ رکھے گا۔ توشہ دو ہیں۔

ایک خشکہ گیلانی: برنج (۵ ما)، روغن زرد (۵ ما)، شکر (۵ ما)، میوہ (۵ ما) شیر گاؤ (۵ ما) زعفران (۵ تولہ)، گلاب (ایک بوتل)، کیوڑا (ایک بوتل) الائچی خورد (۵ ما)، لونگ (۳ تولہ)۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] الدرالمنثور بحوالہ مسلم والترمذی و ابن ماجہ تحت آیۃ ولولا دفع اللہ الناس الخ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی قم ایران ۱/ ۳۲۱، صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۴۳

اس کو پکا کر نیاز شہنشاہِ بغداد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کرکے مسلمانوں کو تقسیم کردیا جائے دوسرا حلوہ اس طرح کہ:

میدہ گندم (۵ مِا)، روغن زرد (۵ مِا) شکر (۵ مِا) میوہ (۵ بار)

حلوہ پکا کر کیوڑا، گلاب، ورق نقرہ لگا کر فاتحہ دے کر تقسیم کردیا جائے۔ پانچ سیر سے کم ہونا اچھا نہیں زیادہ کا اختیار ہے۔ چونکہ زید اور اس کی اہلیہ متبع حضور کے ہیں اس وجہ سے حضور کو تکلیف دی جاتی ہے کہ یہ باتیں صحیح ہیں یا غلط آپ کچھ صدقات تحریر فرمادیجئے تاکہ ان کی تعمیل زید کرسکے کیونکہ ان صدقات میں مبلغ ایک سو روپے صرف ہوں گے اور زید کی تنخواہ صرف عہ روپے ہے یا ان صدقات میں کمی فرمادیں۔

الجواب:

یہ محض باطل اور زنانے ادہام اور ہندوانہ خیالات شیطانیہ ہیں ان کی پیروی حرام ہے۔ تصدیق اور توشہ سرکار ابد قرار رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت اچھی چیز ہے مگر اس نیت سے کہ اس کی نحوست دفع ہو جائز نہیں کہ اس میں اس کی نحوست مان لینا ہوا اور یہ شیطان کا ڈالا ہوا وہم تسلیم کرلینا ہوا والعیاذ باللہ تعالٰی، اس قسم کے خطرے وسوسے جب کبھی پیدا ہوں اُن کے واسطے قرآن کریم و حدیث شریف سے چند مختصر و بیشمار نافع دعائیں لکھتا ہوں انہیں ایک ایک بار خواہ زائد آپ اور آپ کے گھر میں پڑھ لیں۔ اگر دل پختہ ہوجائے اور وہ وہم جاتا رہے بہتر ورنہ جب وہ وسوسہ پیدا ہو ایک ایک دفعہ پڑھ لیجئے اور یقین کیجئے کہ اللہ و رسول کے وعدے سچے ہیں اور شیطان ملعون کا ڈرانا جھوٹا۔ چند بار میں بعونہ تعالٰی وہ وہم بالکل زائل ہوجائے گا اور اصلاً کبھی کسی طرح اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ وہ دعائیں یہ ہیں:

"لَّنۡ یُّصِیۡبَنَاۤ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ۚ ہُوَ مَوۡلٰىنَا ۚ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ "[1]۔ " حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿۱۷۳﴾ "[2]۔	ہمیں نہ پہنچے گی مگر جو ہمارے لیے اللہ نے لکھ دی وہ ہمارا مولٰی، اور اللہ ہی پر بھروسا کرنا لازم۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا اچھا بنانے والا۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۳

اللھم لایاتی بالحسنات الا انت ولا یذھب السیئات الا انت ولاحول ولاقوۃ الا بك[1]۔	الٰہی ! اچھی باتیں کوئی نہیں لاتا تیرے سوااور بُری باتیں کوئی دور نہیں کرتا تیرے سوا اور کوئی زور طاقت نہیں مگر تیری طرف سے۔
اللھم لاطیر الا طیرك ولا خیر الا خیرك ولا الٰہ غیرك[2]۔	الٰہی تیری فال فال ہے اور تیری ہی خیر، خیر اور تیری سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ توشہ کہ انہوں نے بتایا نہایت مفید چیز ہے اور حاجتیں بر لانے کے لیے مجرب، ہمارے خاندان کے مشائخ میں اس کی ترکیب یوں ہے۔

میدہ گندم (۵ مِا)، شکر (۵ مِا)، گھی (۵ مِا) مغز بادام (ا مِا)، پستہ (ا مِا)، کشمش (ا۔مِا) ناریل (ا مِا)۔لوگ، دار چینی، چھوٹی الائچی ہر ایک سوا چھٹانک۔

حضور کی نیاز دے کر صالحین کو کھلائے اور اپنے مطلب کی دُعا کرائے۔اصل وزن یہ ہیں، بقدرِ قدرت ان میں کمی بیشی کا اختیار ہے۔نصف، چوتھائی، آٹھواں حصہ یا جتنا مقدور ہو کرے وہی اثر دے گا۔واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۳: از مدرسہ نعمانیہ اسلامیہ محلّہ فراشخانہ دہلی، مسئولہ محمد ابراہیم احمد آبادی ۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ عبادت جس کے غیر خدا عزوجل کو کرنے سے آدمی مشرک ہو جاتا ہے اس کی کیا تعریف ہے جو جامع اور مانع ہو اور اپنی جنس و فصل یا عرض عام اور خاصہ پر مشتمل ہو۔

الجواب:

امام لامشی پھر ابوالسعود ازہری پھر سید احمد طحطاوی پھر سید محمد شامی فرماتے ہیں:

العبادۃ عبارۃ عن الخضوع و التذلل وحدھا فعل لایراد	عبادت انتہائی عاجزی اور انکساری کا نام ہے،اس کی تعریف یہ ہے وہ ایک ایسا فعل ہے

[1] کنزالعمال حدیث ۲۸۵۸۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰ /۱۱۶

[2] کنزالعمال حدیث ۲۸۵۸۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰ /۱۱۵

بہ الا تعظیم اللہ تعالٰی بامرہ[1]۔	جس سے اللہ تعالٰی کے حکم سے اس کی تعظیم کے بغیر کچھ بھی مراد نہیں ہوتا۔(ت)

امام شیخ الاسلام زکریا انصاری پھر علامہ سید احمد حموی غمزالعیون نیز علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں:

العبادۃ مایثاب علٰی فعلہ ویتوقف علٰی نیتہ[2]۔	عبادت وہ ہے کہ جس کے کرنے پر ثواب دیا جاتا ہے اور وہ ثواب کی نیت پر موقوف ہوتی ہے۔(ت)

نیز شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

العبادۃ مایُعبَّد بہ بشرط النیۃ و معرفۃ المعبود[3]۔	عبادت وہ فعل ہے جس کے ذریعے بندگی کا اظہار کیا جاتا ہے بشرطیکہ ثواب کی نیت ہو اور معبود کی معرفت حاصل ہو۔(ت)

تعریفات علامہ سیّد شریف میں ہے:

العبادۃ ھو فعل الملکف علٰی خلاف ھوی نفسہ تعظیما لربہ[4]۔	عبادت مکلّف کا وہ فعل ہے جو وہ اپنے رب کی تعظیم کے لیے اپنے نفس کی خواہش کے خلاف کرے۔(ت)

مفردات امام راغب میں ہے:

العبودیۃ اظہار التذلل والعبادۃ ابلغ منہا لانہا غایۃ التذلل ولا یستحقہا الا من لہ غایۃ الافضال وھو اللہ تعالٰی ولھذا قال لاتعبدوا الا ایاہ[5]۔	عبودیت، عجز و رسوائی کو ظاہر کرنا ہے، اور عبادت اس سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ وہ انتہائی عاجزی اور رسوائی کا نام ہے، چنانچہ عبادت کا مستحق اس کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا جو انتہائی فضل والا ہو اور وہ اللہ تعالٰی ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے کہ مت عبادت کرو مگر صرف اسی کی۔(ت)

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۱/ ۴۴

[2] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولٰی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴

[4] کتاب التعریفات باب العین مطبعۃ الخیریۃ المنشأۃ بجمالیۃ مصر ص ۶۳

[5] المفردات فی غرائب القرآن العین کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۲۱

تاج العروس میں نقل کیا:

العبادۃ فعل مایرضی بہ الرب[1]۔	عبادت وہ فعل ہے جس کے کرنے پر رب راضی ہوتا ہے۔(ت)

یہ تعریفیں بجائے خود قابلِ تعریف ہیں **وانا اقول: وباللہ التوفیق** (اور میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ت) عبادت کسی کو اقصی غایات تعظیم کا مستحق جان کر اس کی تعظیم بجالانا ہے اور اسی سے باعتقاد مذکور اس کے لیے تذلّل نیز اس کے امر کا امتثال اس حیثیت سے کہ اس کا امر ہے، اس تعریف کی تسجیل اور اور اُن تحریفات کے مالہا وما علیہا کی تفصیل موجبِ تطویل یہاں بعض نکت کے طرف ایما کریں۔

فاقول: وبہ استعین (تو میں کہتا ہوں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ت)

(۱) عبادت حقّہ کو مستحقِ عبادت عزّجلالہ، کے لیے ہو اس میں اُس فعل کا واقعی تعظیم ہونا ضرور، مجرد، زعم فاعل کافی نہیں، اور عبادتِ باطلہ میں اس کا زعم بس، مکاء وتصدیہ مشرکین عبادتِ الٰہی نہ تھا اور بُتوں کے سامنے اُن کا سنکھ اور گھنٹی بجانا عبادت، اگرچہ یہ بیہودہ افعال حقیقۃً تعظیم نہ ہوں، یونہی امتثال امر میں عبادت حقہ جب ہی ہے کہ واقعی وہ اس کا امر ہو، کفار کا "وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِہَا" [2]۔(اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا۔ت) کہنا اگر واقعی اُن کے زعم میں بھی ہو مراد وہی اور عبادتِ باطلہ میں صرف زعم کافی۔

(۲) عبادت کے لیے نیت شرط ہے اور معرفتِ معبود لازم، جیسا کہ اس کی تعریف سے ظاہر ہے، اور کوئی کافر اصلاً رب عزوجل کو نہیں جانتا جس کی تحقیق ہمارے رسالہ **باب العقائد والکلام** میں ہے۔ اور امام رستغفنی نے تصریح فرمائی کہ:

الکفر ھو الجھل باللہ تعالٰی[3]۔	کفر یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کو نہ جانے(ت)

ولہٰذا کافر نہ اہلِ نیت ہے نہ اہل عبادتِ حقہ "، **کما نصوا علیہ قاطبۃ** جیسا کہ اس پر سب نے نص فرمائی۔(ت) اور مشرک عبادت باطلہ کرتا ہے کہ اپنے معبود باطل کا تصور کرکے اس کی

---

[1] تاج العروس شرح القاموس فصل العین دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۰

[2] القرآن الکریم ۷/ ۲۸

3

تعظیم کا قصد رکھتا ہے۔

(۳) عبادتِ باطلہ میں التزامِ عبادت و قول بہ الوہیت غیر ہی اُسے اقصٰی غایات تعظیم کا مستحق جاننے پر دلیل واضح ہے اگرچہ مرتکب عناداً منکر ہو کر "مَانَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی ؕ"[1] (ہم تو انہیں صرف اتنی بات کے لیے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کردیں۔ت) کہے۔ رب عزوجل اُن کی تکذیب فرماتا ہے کہ "ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ۝"[2]۔ (پھر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے تھے۔ت) خود مشرکین روزِ قیامت اعتراف کریں گے۔

"اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝"[3]۔	جب کہ ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے۔ت)

(۴) بعض افعال کی وضع ہی عبادت کے لیے ہے تو ان سے تعظیمِ غیر کا قصد اور اس قصد باطل سے انہیں کرنا ہی مطلقاً حکم شرک لائے گا جیسے صلوٰۃ وصوم ورنہ قصد عبادت پر موقوف رہے گا، جیسے سجدہ کہ فی نفسہ عبادت نہیں ولہٰذا سجدات اربعہ صلوٰۃ وسہو وتلاوت وشکر کے سوا سجدہ بے سبب حنفیّہ کے نزدیک صرف مباح ہے کما فی الدر المختار (جیسا کہ در مختار میں ہے۔ت) اور شافعیہ کے نزدیک حرام کما فی الجوھر المنظم للامام ابن حجر المکی جیسا کہ جوہر المنظم للام ابن حجر مکی میں ہے۔ت) ولہٰذا غیر خدا کے لیے سجدہ عبادت کفر ہوا اور سجدۂ تحیت حرام وکبیرہ ہے کفر نہیں کما فی الھندیۃ والدر وغیرھما من الاسفار الغر وقد حققناہ فی رسالتنا مستقلۃ فی الرد علی بعض المضلۃ۔ جیسا کہ ہندیہ اور درو غیرہ روشن کتابوں میں ہے اس کی تحقیق ہم نے بعض گمراہوں کے رَد میں اپنے ایک مستقل رسالہ میں کردی ہے۔ت)

(۵) عبادت کہ لغۃً خضوع ہے عبادت شرعیہ کو لازم ہے وہ تذلل سے خالی نہیں اگرچہ بظاہر صورۃً تذلل نہ ہو جیسے زکوٰۃ وجہاد کہ اسے حاکم وآمر وقاہر اور اپنے آپ کو محکوم ومامور ومقہور جان کے امتثال امر عین تذلل ہے مگر اقصٰی غایات تذلل ہونا ضرور نہیں کہ نماز زکوٰۃ سے زائد تذلل ہے بلکہ نماز کا سجدہ اس کے رکوع، رکوع قیام، قیام قعود سے اگرچہ اجزائے نماز سب عبادت ہیں۔ ہاں اسے اقصٰی غایات تعظیم کا مستحق جاننا ضرور ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۹۸

(۶) فقہاء کبھی نفسِ فعل پر نظر کرتے ہیں اگر وہ وضعًا عبادت نہیں اسے عبادت نہیں کہتے جیسے عتق ووقف اور کبھی نیت مخصوصہ کے ساتھ دیکھتے اور عبادت کہتے ہیں، جیسے قضاء عنایہ میں اسے منجملہ اشرف عبادات بتایا ہی حتی کہ در مختار وغیرہ میں نکاح کو بھی عبادت فرمایا۔علامہ حموی نے اس سے مراد جماع حلیلہ ٹھہرایا۔اشباہ میں ہے:

اماالعتق فعندنالیس بعبادة وضعا بدلیل صحته من الکافر و لاعبادة له فان نوی وجه الله تعالٰی کان عبادة مثابا علیه وان اعتق بلانیة صح ولاثواب له ان کان صریحا،واما الکنایات فلابد لهامن النیة فان اعتق للصنم اوللشیطان صح واثم وان اعتق لاجل مخلوق صح و کان مباحا لاثواب ولا اثم وینبغی ان یخصص الاعتاق للصنم بما اذا کان المعتق کافرا،اما المسلم اذا اعتق له قاصدا تعظیمه کفر کماینبغی ان یکون الاعتاق لمخلوق مکروها والتدبیر والکتابة کا لعتق،واما الجهاد فمن اعظم العبادات فلابه له من خلوص النیة،واما الوصیة فکان لعتق	لیکن عتق تو وہ ہمارے نزدیک وضع کے اعتبار سے عبادت نہیں اس دلیل کے ساتھ کہ عتق کافر سے بھی صحیح ہوجاتا ہے جب کہ کافر کا کوئی فعل عبادت نہیں ہوتا۔اگر آزاد کرنے والا اللہ کی رضا کی نیت کرے تو یہ عتق عبادت بن جائے گا جس پر ثواب دیا جائے گا اور اگر اس نے نیت کے بغیر آزاد کیا تو صحیح ہے اور اس کے لیے کوئی ثواب نہیں ہوگا اگر یہ صریح ہے،رہے کنایات تو ان میں نیت ضروری ہے اگر کسی نے بت یا شیطان کے لیے غلام کو آزاد کیا تو صحیح ہے اور وہ گنہگار ہوگا۔اور اگر مخلوق کے لیے آزاد کیا تو صحیح اور مباح ہے اس پر نہ تو اُسے ثواب ہوگا۔نہ ہی گناہ،اور بُت کے لیے آزاد کرنے میں یہ تخصیص ہونی چاہیے کہ جب آزاد کرنے والا کافر ہو۔رہا مسلمان اگر وہ بُت کے لیے آزاد کرے درانحالیکہ وہ بُت کی تعظیم کا ارادہ کرنے والا ہو تو وہ کافر ہوجائے گا۔جیسا کہ مخلوق کے لیے آزاد کرنا مکروہ ہونا چاہیے۔مدبر بنانا اور مکاتب بنانا عتق کی طرح ہے لیکن جہاد تو وہ سب سے بڑی عبادتوں میں سے ہے۔چنانچہ اس کے لیے خلوص نیت ضروری ہے،لیکن وصیت تو وہ عتق کی مثل ہے۔

ان قصد التقرب فله الثواب والافهی صحیحة فقط واما الوقف فلیس بعبادة وضعا بدلیل صحته من الکافر فان نوی القربة فله الثواب والا فلا، واما النکاح فقالوا انه اقرب الی العبادات حتی الاشتغال به افضل من التخلی لمحض العبادة وهو عندالاعتدال سنة مؤکدة علی الصحیح فیحتاج الی النیة لتحصیل الثواب وهو ان یقصداعفاف نفسه وتحصینها و حصول ولد قدفسرنا الاعتدال فی الشرح الکبیر شرح الکنز ولما لم تکن النیة فیه شرط صحته قالوا یصح النکاح مع الهزل وعلی هذا سائر القرب لا بدفیها من النیة بمعنی توقف حصول الثواب علی قصد التقرب بها الی الله تعالٰی من نشر العلم تعلیما و افتاء وتصنیفا واما القضاء فقالوا انه من العبادات فالثواب علیه متوقف علیها وکذلك اقامة الحدود و التعازیر وکل	اگر تقرب کا ارادہ کرے گا تو اسے ثواب ملے گا ورنہ فقط وہ صحیح ہوجائے گی۔ رہا وقف، تو وضع کے اعتبار سے عادت نہیں ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ کافر کی طرف سے بھی صحیح ہوجاتا ہے، چنانچہ اگر تقرب کی نیت کرے گا تو اسے ثواب ملے گا ورنہ نہیں۔ لیکن نکاح اس کے بارے میں تو مشائخ نے کہا کہ وہ عبادات کے قریب ترین ہے یہاں تک کہ اس میں مشغول ہونا محض عبادت کے لیے خلوت سے افضل ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق اعتدال کے وقت نکاح سنتِ مؤکدہ ہے۔ چنانچہ ثواب حاصل کرنے کے لیے اس میں نیت کی حاجت ہے اور وہ یہ کہ نفس کی پاکدامنی اور اولاد حاصل کرنے کا قصد کرے۔ اور اعتدال کی تفسیر ہم نے کنز کی شرح "شرح الکبیر میں کردی ہے۔ اور جب نکاح کے صحیح ہونے کے لیے نیت شرط نہیں ہے تو فقہاء نے کہا ہے کہ نکاح ہزل کے ساتھ بھی صحیح ہوجائے گا۔ اسی پر باقی عبادات کو قیاس کیا جائے گا کہ ان میں نیت ضروری ہے بایں معنی کہ ثواب کا حصول اس بات پر موقوف ہے کہ ان میں اللہ تعالٰی کے تقرب کا ارادہ کرے جیسے علم کو پھیلانا چاہیے کسی کو علم سکھا کر یا فتوٰی دے کر یا کوئی کتاب لکھ کر۔ رہا قاضی بننا تو مشائخ نے فرمایا کہ وہ عبادات میں سے ہے چنانچہ اس میں ثواب عبادت کی نیت پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح حدود و تعزیرات کا قائم کرنا اور

مایتعاطاہ الحکام والولاۃ وکذا تحمل الشھادۃ و اداؤھا[1]۔	ہر وہ کام جس کو حاکم اور ولی سرانجام دیتے ہیں اور یونہی گواہی کو اپنے ذمے لینا اور اُسے ادا کرنا۔(ت)

شرح التنویر للعلائی بلکہ خود اشباہ والنظائر فن ثانی میں:

لیس لنا عبادۃ شرعت من عھد اٰدم الی الاٰن ثم تستمر فی الجنۃ الا الایمان والنکاح[2]۔	ہمارے لیے کوئی عبادت ایسی نہیں جو آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک مشروع رہی ہو پھر وہ جنت میں بھی جاری رہے گی سوائے ایمان اور نکاح کے۔(ت)

حموی میں ہے:

الظاھر ان المراد بالنکاح ھنا الوطئ لا العقدوان کان حقیقۃ فی العقد عندنا[3]۔	ظاہر یہ ہے کہ نکاح سے مراد یہاں پر وطی ہے نہ کہ عقد، اگرچہ ہمارے نزدیک نکاح عقد میں حقیقت ہے۔ت)

بلکہ اس کے فنِ اوّل میں ہے:

المراد بالنکاح ھنا الوطی المترتب علی العقد الصحیح بقرینۃ قولہ حتی ان الاشتغال بہ افضل من التخلی لمحض للعبادۃ[4] اھ اقول: لادلالۃ فربما یکون الاشتغال بتدبیر العقد اطول مکثا من الوطی بل القرینۃ قولہ	یہاں نکاح سے مراد وہ وطی ہے جو عقدِ صحیح پر مرتب ہوتی ہے اس پر قرینہ مصنف کا یہ قول ہے جہاں تک کہ نکاح میں مشغول ہونا محض عبادت کے خلوت سے افضل ہے،الخ میں کہتا ہوں یہ کوئی دلالت وقرینہ نہیں بسا اوقات عقد کی تدبیر میں مشغول ہونا وطی میں مشغول ہونے سے زیادہ طویل ہوتا ہے،بلکہ قرینہ اس پر مصنف

[1] الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۔۳۴
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۶
[3] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب النکاح ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۴۶
[4] غمزعیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الاول القاعدۃ الاولی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۳۔۳۴

یستمر فی الجنة فلم یثبت وقوع العقد فیها کمانقله الحموی فی النکاح عن العلامة محمد بن ابی شریف **اقول:** وای حاجة الیه بعد قوله تعالٰی "وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ﴿۲۰﴾"[1] کمالم تحتج الیه ام المؤمنین زینب رضی الله تعالٰی عنها بعد قوله عزوجل "زَوَّجْنٰكَهَا"[2]۔	کا یہ قول ہے کہ پھر وہ جنت میں جاری رہے گی چنانچہ جنت میں وقوعِ عقد ثابت نہیں جیسا کہ اس کو علامہ حموی نے باب النکاح میں بحوالہ علامہ محمد بن ابوشریف نقل فرمایا ہے۔ **میں کہتا ہوں** اور اس کی کیا ضرورت ہے اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے بعد اور ہم نے انہیں بیاہ دیا بڑی آنکھوں والی حوروں کے ساتھ جیسا کہ نہیں محتاج ہوئیں اس کی طرف ام المومنین سیّدہ زینب رضی اللہ تعالٰی عنہا اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کے بعد ہم نے وہ تمہیں نکاح میں دے دی۔ت)

اقول: تحقیق یہ ہے کہ یہ اختلافِ حیثیت ہے ورنہ وضعًا ان میں سے کچھ عبادات نہیں ولہٰذا قضا بھی کافر سے صحیح ہے جب کہ امام نے اُسے ذمیوں کا قاضی بنایا ہو اور عتق بھی عبادت ہے جب کہ نیت مذکورہ کے ساتھ ہو اور ثواب نیت پر مطلقًا موقوف اگرچہ فعل عبادت نہ ہو اور یہیں سے ظاہر کہ اخیر میں جو افعال ذکر کیے یعنی اقامت حدود وتعزیرات وافعال حکام وولاۃ وادا وتحمل وشہادت سب کی تشبیہ قضا کے ساتھ بشرط عبادت ہوجانے میں بھی ممکن نہ صرف توقف ثواب علی النیتہ میں کہ مطلقًا ہر فعل کو حاصل۔۔۔۔۔(جواب نامکمل دستیاب ہوا)

مسئلہ ۲۱۴: از بمبئی کلا باکافی شاپ سید وزیر علی صاحب مسئولہ محمد ابراہیم صاحب ۵ جمادی الاخر ۱۳۳۹ھ

بحضور فیض گنجور پیر روشن ضمیر جناب مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی، بعد آدابِ خادمانہ کے عرض پرداز ہوں کہ یہاں پر عیسائیوں کا (عیسائی) بہت زور شور ہے اور ہر وقت یہ لوگ پریشان کرتے ہیں، فی الحال ان کے دو۲ سوال جن کے حل کرنے کے واسطے عرض کی جاتی ہی ہم لوگ حضور کے خادم اور نام لینے والے حضور کو ہی ہماری لاج ہے **(۱)** کلمہ شریف (لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ) یہ قرآن میں کس جگہ لکھا ہے اگر نہیں تو وہ اس کی تشریح مانگتے ہیں۔

(۲) حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کہتے ہیں کہ وہ شافع محشر کس طرح سے؟ اس کا ثبوت

[1] القرآن الکریم ۵۲ / ۲۰

[2] القرآن الکریم ۳۳ / ۳۷

دو کہ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے؟ حضور اس کو نہایت ضروری تصور فرما کر جلدی جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب:

(۱) قرآن مجید سورہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"[1]۔ ہے اور اس کے متصل سورہ فتح میں "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"[2]۔

(۲) سورہ بنی اسرائیل میں ہے:

"عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾"[3]۔	قریب ہے کہ تمہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کردے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔(ت)

مقامِ محمود مقامِ شفاعت کا نام ہے۔ سورہ نساء پارہ ۵ رکوع ۶ میں ہے:

"وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾"[4]۔	اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کرلیں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔(ت)

رسول کا گنا ہگاروں کے لیے استغفار کرنا شفاعت ہی ہے۔ بے علم آدمی کو کافروں سے بدمذہبوں سے الجھنا بحث کرنا سخت حرام ہے انہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ حکم ہے **ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم**[5]۔ اُن سے دُور رہو انہیں اپنے سے دور کرو وہ تمہیں گمراہ نہ کردیں کہیں وہ تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم** (اور اللہ تعالٰی کی پناہ، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۹

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

[4] القرآن الکریم ۴/ ۶۹

[5] صحیح مسلم باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ، قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی ۱/ ۱۰

رسالہ
شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ۱۳۱۶ھ
(مطالب کی وضاحت ابُوطالب کی بحث میں)

مسئلہ ۲۱۵: از بدایوں ۱۲۹۴ھ بعبارت سوال وثانیا بالاجمال از احمد آباد گجرات، محلّہ جمال پور قریب مسجد کانچ مرسلہ جماعت اہل سنت ساکنان احمد آباد ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۱۶ ہجری۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ابوطالب کو کافر اور ابولہب و ابلیس کا مماثل کہتا ہے اور عمرو بدین دلائل اس سے انکار کرتا ہے کہ انہوں نے جناب سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کفالت ونصرت وحمایت ومحبت بدرجہ غایت کی اور نعت شریف میں قصائد لکھے حضور نے انکے لیے استغفار فرمائی اور جامع الاصول میں ہے کہ: اہل بیت کے نزدیک وہ مسلمان مرے۔

شیخ محقق علیہ الرحمۃ نے شرح سفر السعادۃ میں فرمایا:

کم ازان نہ باشد کہ دریں مسئلہ توقف کنند وصرفہ نگہ دارند۔	کم از کم اس مسئلہ میں توقف کرتے ہیں اور احتیاط کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ (ت)

اور مواہب لدنیہ میں ایک وصیّت نامہ اُن کا بنام قریشی منقول جو حرفاً حرفاً اُن کے اسلام پر شاہد، اِن دونوں میں کون حق پر ہے، اور ابوطالب کو مثل ابولہب و ابلیس سمجھنا کیسا اور اُن کے کفر میں کوئی حدیث

صحیح وارد ہوئی یا نہیں، بر تقدیر ثانی انہیں ضامن وکفیل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سمجھ کر رضی اللہ تعالٰی عنہ کہیں یا مثلِ کفار سمجھیں؟ بیّنوا بسند الکتاب توجروا من الملك الوھّاب بیوم القیٰمۃ والحساب۔ (کتاب کی سند کے ساتھ بیان فرمایئے قیامت اور حساب کے دن ملک الوہاب سے اجر دیئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللّٰھمّ ربنا ولوجھك الحمد احق ماقال العبد وکلنالك عبد لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا رادلما قضیت ولا ینفع ذا الجد منك الجدلك الحمد علٰی ما ھدیت وعفوت وعافیت و منحت واولیت تبارکت و تعالیت سبحٰنك ربّ البیت مستجیرین بجمال وجھك الکریم من عذابك الالیم و شاھدین بان لا حول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم انت العزیز الغالب لایعجزك ھارب ولا یدرك مامنعت طالب ما علیك من واجب قدرت الاقدار ودو رت الادوارو کتبت فی الاسفار ما انت کاتب.یعمل عامل بعمل الجنان فیظن الظان من الانس والجان ان سید خلھا و کأن قد کان فیغلبه الکتاب فاذا ھو خائب ویفعل فاعل افعال النیران فیحسب الجیران ومن طلع علیه النیران ان	اے اللہ ! ہمارے پروردگار! اور حمد تیری ذات کے زیادہ لائق ہے بنسبت اس کے جو بندے نے کہا۔اور ہم سب تیرے بندے ہیں، جو تُو نے عطافرمایا اُسے کوئی روکنے والے نہیں، اور جسے تُو نے روک دیا اُسے کوئی دینے والا نہیں، اور تیرے فی صلے کو کوئی رَد کرنے والا نہیں اور تیرے سامنے کسی تونگر کی تونگری اُس کے لیے نافع نہیں، اور تیرے سامنے کسی تونگر کی تونگری اسکے لیے نافع نہیں، تیرے لیے ہی حمد ہے اس پر جو تونے ہدایت دی، معاف فرمایا، عافیت دی، عطافرمایا اور والی بنایا، تو برکت والا ہے اور برتر ہے، اے ربِ کعبہ ! ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، تیرے دردناک عذاب سے تیری ذات کی پناہ مانگتے ہوئے اور اس پر گواہی دیتے ہوئے کہ اللہ برتر و عظیم کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت تُو عزت والا غالب ہے، کوئی بھاگنے والا تیرے قابو سے باہر نہیں جاسکتا اور جو تُو روک دے کوئی طالب اس کو پا نہیں سکتا تجھ پر کچھ بھی واجب نہیں، تُو نے تقدیریں مقدر فرمائیں اور ادوار کو گردش دی۔ اور جو نے لکھنا تھا کتب تقدیر میں لکھ دیا۔ کوئی آدمی جنتیوں جیسے کام کرتا ہے تو انسانوں اور جِنّوں میں سے کچھ گمان کرنے والے

سیوردھا وکأن قد حان فیدرك القدر فاذا ھو تائب ارسلت خیر خلقك وسراج افقك محمدا المبعوث بیسرك ورفقك بشیرا و نذیرا و سراجا منیرا ملأ ضؤوہ المشارق والمغارب وعم نورہ الاباعد والاقارب وحرم بقرب حضرتہ من حضرۃ قربہ ابوطالب فلك الحجۃ السامیۃ صل علٰی محمد صلاۃ نامیۃ وعلٰی اٰلہ وصحبہ واھلہ وحزبہ صلاۃ ترضیك وترضیہ وتحفظ المصلی عما یردیہ وبارك وسلم ابدا ابدا والحمدللہ دائما سرمدًا امین اٰمین یا ارحم الراحمین!	گمان کرنے لگتے ہیں کہ عنقریب یہ جنت میں داخل ہوجائے گا گویا کہ ایسا ہوگیا۔ پھر اس پر لکھا ہوا غالب آجاتا ہے تو وہ ناکام ہوجاتا ہے اور کوئی عامل جنہمیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے پڑوسی اور دیگر لوگ سمجھنے لگتے کہ عنقریب یہ اُس میں داخل ہوگا اور گویا کہ اس کا وقت قریب ہوچکا ہے، پھر تقدیر اُس کو پالیتی ہے تو وہ تائب ہوجاتا ہے، تُو نے اپنی مخلوق میں سے بہترین کو بھیجا جو تیرے افق کا سراج ہے یعنی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو تیری طرف سے آسانی اور نرمی کے ساتھ مبعوث ہوئے خوشخبری سناتے، ڈر سناتے، چمکادینے والے چراغ جس کی روشن نے مشرقوں اور مغربوں کو بھر دیا، اس کا نور دور ونزدیک والوں کو عام ہے۔ اور ابو طالب اس کی بارگاہ کے قریب کے باوجود اس کی بارگاہ قرب سے محروم رہے۔ چنانچہ تیری ہی حجت بُلند ہے۔ محمد مصطفٰی آپ کی آل، آپ کے اصحاب، آپ کے اہلِ خانہ اور آپ کی جماعت پر ایسا پڑھنے والا درود نازل فرما جو تجھے بھی پسند ہو اور انہیں بھی پسند ہو جو درود پڑھنے والے کو ہلاکت سے بچائے اور برکت وسلام نازل فرما ہمیشہ کے لیے۔ اور ہر حمد ہمیشہ ہمیشہ اللہ ہی کے لیے ہے۔ اے بہترین رحم فرمانے والے! ہماری دُعا کو قبول فرما(ت)

اس میں شک نہیں کہ ابوطالب تمام عمر حضور سیّد المرسلین سیّد الاولین والاخرین سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آل وسلم الٰی یوم القرار کی حفظ وحمایت وکفایت ونصرت میں مصروف رہے۔ اپنی اولاد سے زیادہ حضور کو عزیز رکھا، اور اس وقت میں ساتھ دیا کہ ایک عالم حضور کا دشمنِ جاں ہوگیا تھا، اور حضور کی محبت میں اپنے تمام عزیزوں قریبیوں سے مخالفت گوارا کی، سب کو چھوڑ دینا قبول کیا، کوئی دقیقہ غمگساری وجاں نثاری کا نامرعی نہ رکھا، اور یقینًا جانتے تھے کہ حضور افضل المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، ان پر ایمان لانے میں جنت ابدی اور تکذیب میں جہنم دائمی ہے، بنوہاشم کو مرتے وقت وصیت کی کہ محمد صلی اللہ

تعالٰی علیہ وسلم کی تصدیق کرو فلاح پاؤگے، نعت شریف میں قصائدان سے منقول، اور اُن میں براہ فراست وہ امور ذکر کیے کہ اس وقت تک واقع نہ ہوئے تھے۔ بعد بعثت شریف ان کا ظہور ہوا، یہ سب احوال مطالعہ احادیث و مراجعتِ کُتب سیر سے ظاہر، ایک شعران کے قصیدے کا صحیح بخاری شریف میں بھی مروی:

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامٰی عصمۃ للارامل [1]

(وہ گورے رنگ والے جن کے رُوئے روشن کے توسّل سے مینہ برستا ہے، یتیموں کے جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ت)

محمد بن اسحٰق تابعی صاحبِ سیر و مغازی نے یہ قصیدہ بتمامہا نقل کیا جس میں ایک سو ۱۱۰ دس بیتیں مدح جلیل و نعتِ منیع پر مشتمل ہیں۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، شرح صراطِ مستقیم میں اس قی صدہ کی نسبت فرماتے ہیں:

دلالت صریح دارو بر کمال محبت ونہایت نبوت او، انتھی [2]۔	یہ قصیدہ ابوطالب کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ کمال محبت اور آپ کی نبوت کی انتہائی معرفت پر دلالت کرتا ہے۔ (ت)

مگر مجرد ان امور سے ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ کاش یہ افعال واقوال اُن سے حالتِ اسلام میں صادر ہوتے تو سیّدنا عباس بلکہ ظاہراً سیّدنا حمزہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بھی افضل قرار پاتے اور افضل الاعمام حضور افضل الانام علیہ وعلٰی آلہ وافضل الصلوۃ والسلام کہلائے جاتے۔ تقدیر الٰہی نے بربنااُس حکمت کے جسے وہ جانے یا اُس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہیں گروہِ مسلمین و غلامانِ شفیع المذنبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں شمار کیا جانا منظور نہ فرمایا "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲" [3]۔ (تو عبرت لواے نگاہ والو! ت) صرف معرفت گو کیسی ہی کمال کے ساتھ ہو ایمان نہیں، دانستن و شناختن اور چیز ہے اور اذعان و گرویدن اور، کم کافر تھے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے کا یقین نہ تھا "جَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ" [4] (اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا۔ت) اور علمائے اہلِ کتاب تو عموماً جزمِ کلی رکھتے تھے حتی کہ یہ امران کے نزدیک کالعیان سے بھی زائد تھا معائنہ میں بصر غلطی

[1] صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۷

[2] شرح سفر السعادۃ فصل دربیان عیادت بیماراں مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۴۹

[3] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۴

بھی کرتی ہے اور یہاں کسی طرح کا شبہ واحتمال نہ تھا۔ قال جل وعلا (اللہ جل وعلانے فرمایا): "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ"[1]۔ وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ (ت) وقال عزمن قائل:

"فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ۝۸۹"[2]۔	تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس کے منکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر۔ (ت)

وقال جل ذکرہ:

"یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘"[3]۔	لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں۔ (ت)

بعض کور چشم بد باطن وہابیہ عصر کہ اس میں کلام کرتے اور کہتے ہیں اگر اہل کتاب کے یہاں حضور کا ذکر رسالت ہوتا تو ایمان کیوں نہ لاتے۔ نصوص قاطعہ سے انکار اور خدا اور رسول کی تکذیب اور یہودی و نصارٰی کی حمایت و تصدیق کرنے والے ہیں۔ اعوذ باللہ من وسواس الشیطان (میں شیطان کے وسوسوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ ت) شرح عقائد نفسی میں ہے:

لیست حقیقۃ التصدیق ان تقع فی القلب نسبۃ الصدق الی الخبر والمخبر من غیر اذعان وقبول بل ھو اذعان وقبول لذٰلك بحیث یقع علیه اسم التسلیم علی ماصرح به الامام الغزالی[4]۔	حقیقت تصدیق یہ نہیں کہ دل میں خبر یا مخبر کی سچائی کی نسبت واقع ہو جائے بغیر اذعان وقبول کے، بلکہ وہ تو اذعان اور اس طرح قبول کرنا ہے کہ اس پر اسم تسلیم واقع ہو۔ جیسا کہ امام غزالی علیہ الرحمہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲ /۱۴۶

[2] القرآن الکریم ۲ /۸۹

[3] القرآن الکریم ۷ /۱۵۷

[4] شرح عقائد النسفی والایمان فی اللغۃ التصدیق دار الاشاعۃ العربیہ قندھار افغانستان ص ۸۹

بعض القدریۃ ذھب الی ان الایمان ھو المعرفۃ واطبق علماؤنا علٰی فسادہ لان اھل الکتاب کانوا یعرفون نبوۃ محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کما کانوا یعرفون ابناء ھم مع القطع بکفرھم لعدم التصدیق ولان من الکفار من کان یعرف الحق یقینا وانما کان ینکر عنادًا اواستکبارًا قال اللّٰہ تعالٰی وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم [1]۔	بعض قدریہ اس طرف گئے ہیں کہ ایمان فقط معرفت کو کہتے ہیں، اور ہمارے علماء کا اس قول کے فساد پر اجماع ہے، کیونکہ اہل کتاب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کو ایسے پہچانتے تھے جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے، اس معرفت کے باوجود ان کا کفر قطعی ہے کیونکہ وہاں تصدیق نہیں پائی گی، اور اس لئے بھی کہ بعض کافر یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے اور محض عناد و تکبر کی وجہ سے انکار کرتے تھے، اللہ تعالٰی نے فرمایا؛ حالانکہ ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا (ت)

محقق دوانی شرح عقائد عضدی میں فرماتے ہیں:

التلفظ بکلمتی الشھادتین مع القدرۃ علیہ شرط فمن اخل بہ فھو کافر مخلد فی النار ولا تنفعہ المعرفۃ القلبیۃ من غیر اذعان وقبول فان من الکفار من کان یعرف الحق یقینا وکان انکارہ عنادا واستکبارا کما قال اللہ تعالٰی "وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَاۤ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ" [2]۔	شہادت (توحید و رسالت کی شہادت) کے دو کلموں کے ساتھ تلفظ کرنا جب کہ اس پر قادر ہو ایمان کی شرط ہے، تو جس نے اس میں کوتاہی کی تو وہ کافر ہے اور دائمی طور پر جہنم میں رہنے والا ہے، اور اذعان و قبول کے بغیر معرفتِ قلبی اس کو نفع نہیں دے گی۔ کیونکہ بعض کافر ایسے ہیں جو یقینی طور پر حق کو پہچانتے تھے۔ ان کا انکار عناد و تکبر کی وجہ سے تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اور ان کے منکر ہوئے حالانکہ ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر کی وجہ سے۔ (ت)

---

[1] شرح عقائد النسفی والایمان لایزید ولا ینقص دار الاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ص ۹۳ و ۹۴

[2] الدوانی العقائد العضدیۃ والکفر عدم الایمان مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۰۱

آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ صحیحہ متوافرہ متظافرہ سے ابوطالب کا کفر پر مرنا اور دم واپسیں ایمان لانے سے انکار کرنا اور عاقبت کار اصحاب نار سے ہونا ایسے روشن ثبوت سے ثابت جس سے کسی سنی کو مجالِ دم زدن نہیں، ہم یہاں کلام کو سات فصل پر منقسم کریں۔

فصل اوّل ______ آیاتِ قرآنیہ

آیتِ اُولیٰ: قال اللہ تبارک وتعالیٰ (اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔ت):

" اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ "[1]۔	اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں۔

مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیہ کریمہ ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ معالم التنزیل میں ہے:

نزلت فی ابی طالب[2]۔	ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔(ت)

جلالین میں ہے:

نزل فی حرصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم علی ایمان عمّه ابی طالب[3]۔	یہ آیت حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آپ کے چچا ابو طالب کے ایمان لانے کی حرص میں نازل ہوئی۔(ت)

مدارک التنزیل میں ہے:

قال الزجاج اجمع المفسرون انها نزلت فی ابی طالب[4]۔	زجاج نے کہا کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔(ت)

کشاف زمخشری وتفسیر کبیر میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۵۶

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۲۸/ ۵۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۳۸۷

[3] تفسیر جلالین (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۲۸/ ۵۶ اصح المطابع دہلی ص ۳۳۲

[4] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۲۸/ ۵۶ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۴۰

قال الزجاج اجمع المسلمون انہا نزلت فی ابی طالب [1]۔	زجاج نے کہا کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔(ت)

امام نووی شرح صحیح مسلم شریف کتاب الایمان میں فرماتے ہیں:

اجمع المفسرون علی انما نزلت فی ابی طالب وکذا نقل اجماعہم علی ھذا الزجاج وغیرہ [2]۔	مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی اور جیسا کہ زجاج وغیرہ نے اس پر ان کا اجماع نقل کیا ہے۔(ت)

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

لقولہ تعالٰی فی حقہ باتفاق المفسرین انک لا تھدی من احببت [3]۔	اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے جو باتفاق مفسرین اس (ابو طالب) کے بارے میں ہے: اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو(ت)

حدیث اول: صحیح حدیث میں اس آیہ کریمہ کا سبب نزول یوں مذکور کہ جب حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابو طالب سے مرتے وقت کلمہ پڑھنے کو ارشاد فرمایا، صاف انکار کیا اور کہا مجھے قریش عیب لگائیں گے کہ موت کی سختی سے گھبرا کر مسلمان ہوگیا ورنہ حضور کی خوشی کردیتا۔اس پر رب العزت تبارک و تعالٰی نے یہ آیت کریمہ اتاری یعنی اے حبیب تم اس کا غم نہ کرو تم اپنا منصب تبلیغ ادا کرچکے ہدایت دینا اور دل میں نور ایمان پیدا کرنا یہ تمہارا فعل نہیں اللہ عزوجل کے اختیار میں ہے اور اسے خوب معلوم ہے کہ کسے یہ دولت دے گا کسے محروم رکھے گا۔

صحیح مسلم شریف کتاب الایمان وجامع ترمذی کتاب التفسیر میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ مروی:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعمہ (زاد مسلم فی اخری	ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا (مسلم نے

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت آیۃ ۲۸ /۵۶ المطبعۃ البہیۃ مصر ۲/۲۵، تفسیر الکشاف تحت آیۃ ۲۸ /۵۶ دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۴۲۲

[2] شرح صحیح مسلم للامام النووی کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۱

[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب الفتن باب صفۃ النار و اھلہا تحت حدیث ۵۶۶۸ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۹/ ۶۴۰

عند الموت)قل لا الٰہ الا اللہ اشھد لك بھا یوم القیٰمۃ قال لولا ان تعیرنی قریش یقولون انما حملہ علی ذلك الجزع لاقررت بھا عینك فانزل اللہ عزوجل "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ" [1]۔	دوسری روایت میں یہ اضافہ کیا کہ بوقت موت فرمایا) لاالٰہ الا اللہ کہہ دو میں تیرے لئے قیامت کے دن اس کی گواہی دوں گا۔اس نے جواب دیا: اگر یہ بات نہ ہوئی کہ قریش مجھے عار دلائیں گے کہ موت کی شدت کے باعث مسلمان ہوگیا تو میں آپ کی آنکھ ٹھنڈی کردیتا۔اس پر اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ: اے نبی ! "تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو، ہاں خدا ہدایت دیتا ہے جسے چاہے"۔(ت)

معالم ومدارک وبیضاوی وارشاد العقل السلیم وخازن وفتوحات الٰہیہ وغیرھا تفاسیر میں اسی حدیث کا حاصل اس آیت کے نیچے ذکر کیا۔

آیت ثانیہ: قال جل جلالہ (اللہ جل جلالہ نے فرمایا):

"مَا كَانَ لِلنَّبِیِّ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِیْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِیْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾" [2]۔	روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لئے اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہوچکا کہ وہ بھڑکتی آگ میں جانیوالے ہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی ابوطالب کے حق میں نازل ہوئی۔ تفسیر امام نسفی میں ہے:

ھم علیہ الصلوۃ والسلام ان یستغفر لابی طالب فنزل ماکان للنبی [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ابوطالب کے لئے استغفار کریں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ "نبی کو یہ روا نہیں"۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ القصص امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۵۰

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۱۳

[3] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیۃ ۹/ ۱۱۳ دار الکتاب العربی بیروت ۲/ ۱۴۸

جلالین میں ہے:

نزل فی استغفارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعمہ ابی طالب[1]۔	یہ آیت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اپنے چچاابو طالب کے لیے استغفار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔(ت)

امام عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں: قال الواحدی سمعت ابا عثمان الحیری سمعت ابا الحسن بن مقسم سمعت ابا اسحق الزجاج یقول فی ہذہ الایۃ اجمع المفسرون انہا نزلت فی ابی طالب[2]۔ یعنی واحدی نے اپنی تفسیر میں بسند خود ابواسحاق زجاج سے روایت کی کہ مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے حق میں اُتری۔

اقول: ھکذا اثرہ ھٰھنا والمعروف من الزجاج قولہ ھٰذا فی الایۃ الاولٰی کما سمعت والمذکور ھٰھنا فی المعالم وغیرھا فلیراجع تفسیر الواحدی فلعلہ اراد اتفاق الاکثرین ولم یلق للخلاف بالالکونہ خلاف ماثبت فی الصحیح۔	**میں کہتا ہوں** یہاں تو وہ ایسا ہی منقول ہے حالانکہ زجاج کا یہ قول پہلی آیت کے بارے میں معروف ہے جیسا کہ تو سُن چکا ہے، اور معالم وغیرہ میں اس مقام پر مذکور ہے کہ آیت کے سبب نزول میں اختلاف ہے چنانچہ تفسیر واحدی کی طرف مراجعت کی جائے ہوسکتا ہے کہ اُس کی مراد اکثر مفسرین کا اتفاق ہو اور اس نے مخالفت کی اس بنیاد پر کوئی پروانہ کی ہو کہ اس کے مخالف ہے جو صحیح میں ثابت ہوچکا ہے۔(ت)

بیضاوی میں پہلا قول اس آیت کا نزول در بارہ ابی طالب لکھا۔

علامہ شہاب خفاجی اُس کی شرح عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں فرماتے ہیں: ھو الصحیح فی سبب النزول[3]۔ یعنی یہی صحیح ہے۔

اسی طرح اس کی تصحیح فتوح الغیب وارشاد الساری میں کی ہے اور فرمایا یہی حق ہے۔ کما سیأتی

[1] تفسیر جلالین تحت آیۃ ۹ /۱۱۳ اصح المطابع دہلی ص ۱۶۷

[2] عمدۃ القاری کتاب الجنائز تحت حدیث ۱۳۶۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۲۶۲

[3] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۹ /۱۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴ /۶۴۸

وھٰذہ التصحیحات ایضًا اٰیة الخلاف کما لیس بخاف۔ (جیسا کہ عنقریب آئے گا اور یہ تصحیحیں بھی مخالفت کی علامت میں جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

حدیث دوم: صحیح بخاری و صحیح مسلم و سنن نسائی میں ہے:

واللفظ محمد قال حدثنا محمود فذکر بسندہ عن سعید بن المسیب عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنھما ان اباطالب لما حضرتہ الوفاۃ دخل علیھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعندہ ابوجھل فقال ای عم قال لا الٰہ الا اللہ کلمۃ احاج لك بھا عند اللہ فقال ابوجھل وعبداللہ بن امیّۃ یا اباطالب اترغب عن ملّۃ عبدالمطلب فلم یزالا یکلمانہ حتی قال اخرشیئ کلمھم بہ علی ملۃ عبدالمطلب (زادالبخاری فی الجنائز و تفسیر سورۃ القص ص کمثل مسلم فی الایمان وابی ان یقول لا الٰہ الا اللہ) فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاستغفرن لك مالم انہ عنہ، فنزلت "مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ	اور لفظ محمد کے ہیں، انہوں نے کہا ہم کو حدیث بیان کی محمود نے، پھر اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیب سے اور انہوں نے اپنے باپ سے ذکر کیا۔ رضی اللہ تعالٰی عنہما، کہ ابوطالب جب قریب الموت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے جب کہ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ وہاں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا اے چچا کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ پڑھ لو میں اس کے ذریعے تمہارے لیے جھگڑا کروں گا۔ ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین سے اعراض کرلوگے؟ وہ دونوں مسلسل ابوطالب سے یہی بات کہتے رہے، یہاں تک کہ ابوطالب نے جو آخری بات انہیں کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔ (امام بخاری نے جنائز اور سورہ قص ص کی تفسیر میں یہ اضافہ کیا جیسا کہ امام مسلم نے کتاب الایمان میں کیا ہے کہ ابوطالب نے لا الٰہ اللہ کہنے سے انکار کردیا) تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کردیا گیا میں تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا۔ چنانچہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی روا نہیں نبی اور ایمان والوں کو کہ استغفار کریں مشرکوں کے لیے اگرچہ وہ اپنے قرابت والے ہوں بعد اس کے کہ ان پر ظاہر ہوچکا کہ وہ

الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ "، ونزلت " اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ " [1]۔	بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔اور یہ آیت نازل ہوئی۔اے نبی ! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو۔(ت)

اس حدیث جلیل سے واضح کہ ابوطالب نے وقتِ مرگ کلمہ طیبہ سے صاف انکار کردیا اور ابوجہل لعین کے اغوا سے حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد قبول نہ کیا۔حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس پر بھی وعدہ فرمایا کہ جب تک اللہ عزوجل مجھے منع نہ فرمائے گا میں تیرے لیے استغفار کروں گا۔مولٰی سبحنہ وتعالٰی نے یہ دونوں آیتیں اتاریں اور اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ابوطالب کے لیے استغفار سے منع کیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ مشرکوں دوزخیوں کے لیے استغفار جائز نہیں۔

نسأل اللہ العفو والعافیۃ،اما تزییف الزمخشری نزول الایۃ فیہ بان موت ابی طالب کان قبل الھجرۃ و ھذا اٰخر مانزل بالمدینۃ [2] اھ فمردود بما فی ارشاد الساری عن الطیبی عن التقریب انہ یجوز ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یستغفر لابی طالب الٰی حین نزولھا والتشدید مع الکفار انما ظھر فی ھذہ السورۃ [3] اھ،قال اعنی القسطلانی	ترجمہ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں، رہا زمخشری کا ابوطالب کے بارے میں اس آیت کے نزول کو اس بنیاد پر ضعیف قرار دینا کہ ابوطالب کی موت ہجرت سے پہلے ہوئی،جبکہ یہ آیت کریمہ آخری مرحلہ پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی،تو وہ مردود ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ارشاد الساری میں طیبی سے بحوالہ تقریب مذکور ہے کہ ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی وسلم اس آیت کے نزول تک ابوطالب کے لئے استغفار کرتے رہے ہوں۔کافروں کے ساتھ

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذاقال المشرک عندالموت لا الٰہ الا اللہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱،صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸،صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ البراءۃ باب ماکان للنبی والذین اٰمنوا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۵،صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص باب قولہ تعالٰی انک لاتھدی من احببت قدیمی کتب خانہ ۲/ ۷۰۳، صحیح مسلم،کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام من حضر الموت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰،سنن النسائی کتاب الجنائز النھی عن الاستغفار للمشرکین نور محمد کارخانہ تجارت کراچی ۱/ ۲۸۶

[2] الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل تحت آیۃ ۹/ ۱۱۳ مکتبۃ الاعلام الاسلامی فی الحورۃ العلمیۃ قم ایران ۲/ ۳۱۵

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ توبہ دارالکتاب العربیۃ بیروت ۷/ ۱۵۸

قال فی فتوح الغیب وھذاھوالحق وروایۃ نزولھا فی ابی طالب ھی الصحیحۃ [1] اھوکذاردہ الامام الرازی فی الکبیر وقال العلامۃ الخفاجی فی عنایۃ القاضی بعد نقل کلام التقریب اعتمدہ من بعدہ.من الشراح ولاینافیہ قولہ فی الحدیث فنزلت لامتداداستغفارہ لہ الی نزدلھا اولان الفاء للسببیۃ بدون تعقیب [2] اھ۔	شدت پسندی تواس سورۃ میں ظاہر ہوئی ہے۔اھ امام قسطلانی نے فرمایا کہ فتوح الغیب میں ہے کہ یہی حق ہے اور اس کے ابوطالب کے بارے میں نزول والی روایت ہی صحیح ہے اھ امام رازی نے تفسیر کبیر میں یونہی زمخشری کا رد کیا ہے،اور علامہ خفاجی نے عنایۃ القاضی میں تقریب کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا کہ بعد والے تمام شارحین نے اس پر اعتماد کیا ہے اور یہ حدیث میں وارد راوی کے قول فنزلت کے منافی نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نزول آیتِ تک ابوطالب کے لیے استغفار میں استمرار فرمایا یا اس لیے کہ فاء سببیت کے لیے ہے نہ کہ تعقیب کے لیے اھ (ت)
اقول: والدلیل علی الاستمرار واستدامۃ الاستغفار قول سیدالابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا ستغفرن لك مالم انہ عنہ [3] فھذا مقام الجزم دون التجویز و الاستظھار،علا ان الامام الجلیل الجلال السیوطی فی کتاب الاتقان [4] عقد فصلا لبیان	**میں کہتا ہوں** کہ استغفار کے استمرار ودوام پر دلیل سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں تیرے لیے ضرور استغفار کروں گا جب تک مجھے منع نہ کیا گیا۔لہٰذا یہ مقام جزم ہے نہ کہ مقام تجویز وتائید،علاوہ ازیں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے کتاب الاتقان میں یہ بیان کرنے کے لیے ایک فصل قائم فرمائی ہے کہ مکی

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ توبہ دار الکتاب العربیۃ بیروت ۷ /۱۵۸

[2] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشھاب علی تفسیر البیضاوی تحت آیہ۹/ ۱۱۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۶۴۸

[3] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب ۱ /۵۴۸ و سورۃ التوبۃ ۲/ ۶۷۵ وسورۃ القصص ۲/ ۷۰۳،صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام من حضر الموت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۰

[4] الاتقان فی علوم القرآن فصل فی ذکر ما استثنی من المکی والمدنی دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۷۳

مانزل من اٰیات السور المکیة بالمدینة وبالعکس وذکر فیه عن بعضهم ان اٰیة ماکان للنبی اٰیة مکیة نزلت فی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لابی طالب لاستغفرن لك مالم انه عنه واقره[1] علیه فعلی هذا یزهق الاشکال من راسه ثم ان لفظ البخاری فی کتاب التفسیر فانزل الله بعد ذلك قال الحافظ فی فتح الباری الظاهر نزولها بعده بمدة الروایة التفسیر[2] اھ وهذا ایضا یطیح الشبهة من راسها افاد هٰذین العلامة الزرقانی فی شرح المواهب وبعد اللتیا والتی اذقد افصح الحدیث الصحیح بنزولها فیه فکیف ترد الصحاح بالهوسات۔	سورتوں کی کون سی آیات مدینہ میں نازل ہوئی ہیں اور اس کے برعکس (یعنی مدنی سورتوں کی کون سی آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں) اور اس میں بعض مفسرین کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ آیتِ کریمہ ماکان للنبی مکی ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بارے میں نازل ہوئی جو آپ نے ابو طالب سے فرمایا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں تیرے لیے استغفار کروں گا اور امام سیوطی نے اس کو برقرار رکھا اس بنیاد پر تو اشکال سرے سے ہی دفع ہو جائے گا۔ پھر کتاب التفسیر میں بخاری کے لفظ یہ ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالٰی نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، حافظ نے فتح الباری میں کہا روایت تفسیر کی بنیاد پر ظاہر یہ ہے کہ اس کا نزول سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشادِ مذکور سے کچھ مدت کے بعد ہوا اھ یہ بھی سرے سے شبہہ کا ازالہ کر دیتا ہے، علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں ان دونوں کا افادہ فرمایا، اس لمبی اور مختصر گفتگو کے بعد جب حدیث صحیح نے ابو طالب کے بارے میں نزول آیت کی تصریح کر دی تو خواہشات کے ساتھ صحیح حدیثوں کو کیسے رَد کیا جاسکتا ہے۔ (ت)

آیت ثالثہ: قال عزّ مجدہ (اللہ عزّ مجدہ نے فرمایا۔ ت):

"وَهُمۡ يَنۡهَوۡنَ عَنۡهُ وَيَنۡـَٔوۡنَ عَنۡهُ ۚ وَاِنۡ يُّهۡلِكُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَ	وہ اس نبی سے اوروں کو روکتے اور باز رکھتے ہیں اور خود اس پر ایمان لانے سے بچتے اور دور رہتے

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة ذکر وفاة خدیجة وابی طالب دار المعرفه بیروت ۱/ ۲۹۳

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة ذکر وفاة خدیجة وابی طالب دار المعرفه بیروت ۱/ ۲۹۳

مَایَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾ "[1]۔	ہیں اور اس کے باعث وہ خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں۔

یعنی جان بوجھ کر جو بے شعوروں کے سے کام کرے اس سے بڑھ کر بے شعور کون۔ سلطان المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور اُن کے تلمیذ رشید سیدنا امام اعظم کے استاد مجید امام عطاء بن ابی رباح و مقاتل وغیرہم مفسرین فرماتے ہیں، یہ آیت ابوطالب کے باب میں اُتری۔ تفسیر امام بغوی محی السنہ میں ہے:

قال ابن عباس و مقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینھی الناس عن اذی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویمنعھم وینأی عن الایمان بہ ای یبعد[2]۔	ابن عباس و مقاتل نے فرمایا کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی، وہ لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تکلیف دینے سے روکتا تھا اور انہیں منع کرتا تھا اور خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانے سے دور رہتا۔ (ت)

انوار التنزیل میں ہے:

ینھون عن التعرض الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وینأون عنہ فلا یؤمنون بہ کابی طالب[3]۔	وہ لوگوں کو رسول پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تعاقب کرنے سے روکتے اور خود آپ سے دور رہتے چنانچہ آپ پر ایمان نہیں لاتے جیسے ابوطالب (ت)

حدیث سوم: فریابی اور عبدالرزاق اپنے مصنف اور سعید بن منصور سنن میں اور عبد بن حمید اور ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم و طبرانی وابوالشیخ وابن مردویہ اور حاکم مستدرک میں بافادہ تصحیح اور بیہقی دلائل النبوۃ میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی تفسیر میں راوی:

قال نزلت فی ابی طالب کان ینھٰی عن المشرکین ان یؤذوا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	یعنی یہ آیت ابوطالب کے بارے میں اُتری کہ وہ کافروں کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

[1] القرآن الکریم ۶/ ۲۶

[2] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت آیۃ ۶/ ۲۶ دار الکتب بیروت ۲/ ۷۵

[3] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت آیۃ ۶/ ۲۶ دار الفکر بیروت ۲/ ۴۰۱

یتباعد عما جاء به[1]۔	ایذا سے منع کرتے باز رکھتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لانے سے دور رہتے۔
قال فی مفاتیح الغیب فیه قولان منهم من قال المراد انهم ینهون عن التصدیق نبوته والاقرار برسالته وقال عطاء ومقاتل نزلت فی ابی طالب کان ینهی قریشا عن ایذاء النبی علیه الصلوة والسلام ثم یتباعد عنه ولا یتبعه علی دینه، و القول الاول اشبه لوجهین الاول ان جمیع الایات المتقدمة علی هٰذه الایة تقتضی ذم طریقتهم فلذلك قوله وهم ینهون عنه ینبغی ان یکون محمولا علی امر مذموم فلو حملناه علی ان ابا طالب کان ینهٰی عن ایذاءه لما حصل هذا النظم، والثانی انه تعالٰی قال بعد ذلك "وان یهلکون الا انفسهم" یعنی به ما تقدم ذکره ولا یلیق ذلك ان یکون المراد من قوله "وهم ینهون عنه" النهی	مفاتیح الغیب میں فرمایا اس میں دو قول ہیں ان میں سے بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ وہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق اور آپ کی رسالت کے اقرار سے روکتے ہیں جب کہ عطاء اور مقاتل نے کہا کہ وہ یہ آیت کریمہ ابو طالب کے بارے میں نازل ہوئی وہ قریش کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے تھے پھر خود آپ سے دور رہتے اور دین میں آپ کی اتباع نہیں کرتے تھے، قولِ اوّل دو وجہ سے زیادہ مناسب ہے۔ **وجہ اوّل**: یہ ہے کہ اس آیۃ کریمہ سے ما قبل والی تمام آیتِ قریش کے طریقہ کی مذمت کا تقاضا کرتی ہیں۔ اسی طرح یہ اللہ تعالٰی کا قول وھم ینھون عنه (یعنی وہ اس سے روکتے ہیں) بھی امر مذموم پر محمول ہونا چاہیے اگر ہم اس کو اس معنی پر محمول کریں کہ ابو طالب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے تھے تو یہ نظم مذکور حاصل نہ ہوگا۔ **وجہ ثانی** یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے اس کے بعد فرمایا ہے کہ وہ خود اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اس سے مراد وہی ہے جس کا پہلا ذکر ہو چکا ہے۔

[1] الدر المنثور بحوالہ الفریابی و عبدالرزاق وغیرہ تحت آلایۃ ۶ /۲۶ دار احیاء التراث العربی ۳ /۷ ۲۳، جامع البیان (تفسیر طبری) تحت آیۃ ۶ /۲۶ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷ /۲۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی جماع ابواب المبعث باب وفاۃ ابی طالب، دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۳۴۰، تفسیر ابن ابی حاتم تحت آیہ ۶ /۲۶ مکتبہ نزار مصطفی البازمکہ مکرمہ ریاض ۴ /۱۲۷۷

عن اذیته لانّ ذلك حسن لایوجب الهلاك [1] اھ۔	اور یہ مناسب نہیں کہ اللہ تعالٰی کے ارشاد "اور وہ اس سے روکتے ہیں" سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ایذاء رسانی سے روکنا ہو اس لیے کہ یہ تو حسن ہے جو موجبِ ہلاکت نہیں ہوتا اھ (ت)
اقول: اصل الذم النسائی وقد تشدد بالنهی فان الذنب بعد العلم اشد منه حین الجهل فذکر النهی لا بانة شدة ما یلحقه من الذم فی ذلك و عظمة ما یعتریه من الوزر فیما هنالك فان العلم حجة الله مالك وعلیك الا تری الی قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی ابی طالب ولو لا انا لکان فی الدرك الا سفل من النار [2] کما سیأتی مع ما علم من حمایته وکفالته و نصرته ومحبته للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم طول عمره فانما کادیکون فی الدرك الاسفل لولا شفاعة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لما ابی الایمان مع کما العرفان فلاایة	**میں کہتا ہوں** اصل مذمت تو نائی یعنی دور رہنے کی وجہ سے ہے جو نہی کے سبب سے شدید ہوگئی، کیونکہ علم کے بعد گناہ اس گناہ سے زیادہ شدید ہوجاتا ہے جو زمانہ جہالت میں کیا گیا ہو۔ چنانچہ نہی کا یہاں ذکر اس شدت و عظمت کے اظہار کے لیے جو اس سے ملحق گناہ اور بوجھ سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ علم اللہ تعالٰی کی حجرت ہے تیرے حق میں اور تیرے خلاف کیا تو ابوطالب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کو نہیں دیکھا دیکھا کہ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا۔ جیسا کہ عنقریب آئے گا ابوطالب کی طرف سے تمام عمر نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نہ ہوتی تو ابوطالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے کیونکہ کمال معرفت کے باوجود نے انہوں سے انکار کیا۔

[1] مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) تحت آلایة ۲۶/۶ المطبعة البهیة مصر ۱۲/ ۱۷۹

[2] صحیح البخاری مناقب الانصار باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح مسلم باب شفاعة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

علی وزان قولہ تعالٰی "اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝۴۴" [1]۔ فذکر فی سیاق الذم امرھم بالبر وتلاوتھم الکتاب وانما القصد الی وتلاوتھم الکتاب وانما القصد الی نسیانھم انفسھم وذکر ھٰذین للتسجیل بل قال جل ذکرہ: "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝۳" [2]۔فشدد النکیر علی القول من دون عمل وان کان القول خیرا فی نفسہ قال فی معالم التنزیل: قال المفسرون ان المؤمنین قالو ا لونعلم ای الاعمال احب الی اللہ عزوجل لعملناہ ولبذلنافیہ اموالنا و انفسنا فانزل عزوجل ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفافابتلوا بذلك یوم احد فولوا مدبرین فانزل اللہ تعالٰی: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝۲ [3]۔اھ وبہ ینحل الوجھان لمن انصف لاجرم ان قال الخفاجی	چنانچہ آیت مذکورہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی طرف پر ہے کہ کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے جان کو کو بھولتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ ان کے نیکی کا حکم دینے اور کتاب پڑھنے کو مذمت کے سیاق میں ذکر کیا۔ مقصود تو ان کا اپنی جانوں کو بھلانا ہے اور ان دونوں باتوں کا ذکر بطور تمہید ہے بلکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے۔ کیسی سخت ناپسند ہے اللہ کو وہ بات کہ وہ کہو جو نہ کرو۔ تو یہاں پر قول بلا عمل پر سخت نفرت کا اظہار فرمایا اگرچہ فی نفسہ قول اچھا ہو۔ معالم التنزیل میں کہا کہ مفسرین نے فرمایا کہ مومنوں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہوجائے کہ اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں محبوب ترین عمل کون سا ہے تو ہم اس کو ضرور کریں گے اور اس میں اپنے مال و جان قربان کردیں گے۔ تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انہیں جو اس کی راہ میں لڑتے ہیں پرا باندھ کر پھر غزوہ اُحد میں انہیں اس میں مبتلا کردیا گیا تو پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے تو اللہ تعالٰی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے ہو۔ اور اس سے منصف کے لیے دونوں وجہیں کھل گئیں۔ علامہ خفاجی نے

[1] القرآن الکریم ۲/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۶۱/ ۲و۳

[3] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت آیۃ ۶۱/ ۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۰۷

فی العنایۃ بعد نقلہ کلام الامام فیہ نظر اھ[1]۔ بالجملۃ فعطاء اعلم منا ومنکم باسالیب القرآن ونظمہ فضلا عن ھذا الحبر العظیم الذی قد فاق اکثر الامۃ فی علم القرآن وفھمہ واللہ تعالٰی اعلم۔	عنایہ میں امام کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا۔اس میں نظر ہے۔اھ خلاصہ یہ کہ عطاء قرآن مجید کے اسالیب و نظم کو ہم سے اور تم سے زیادہ جاننے والا ہے۔چہ جائیکہ یہ عظیم عالم متبحر جو قرآن مجید کے علم و فہم میں اکثر امت پر فوقیت رکھتا ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

فصل دوم ــــــــ احادیث

حدیث چہارم: صحیحین و مسند امام احمد میں حضرت سیدنا عباس عم رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے۔

انہ قال للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما اغنیت عن عمك فواللہ کان یحوطك ویغضب لك قال ھو فی ضحضاح من نار ولولا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار[2]۔وفی روایۃ وجدتہ غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح[3]۔	یعنی انہوں نے خدمتِ اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کی حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا؟ خدا کی قسم وہ حضور کی حمایت کرتا اور حضور کے لیے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا۔فرمایا میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو اُسے کھینچ کر پاؤں تک آگ میں کردیا اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا۔

امام ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

یؤید الخصوصیۃ انہ بعد ان امتنع	یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خصوصیت سے

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت الایۃ ۶ /۲۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۶۵

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصۃ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۴۸ وصحیح البخاری کتاب الادب باب کنیۃ المشرك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۱۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۵، مسند احمد بن حنبل عن العباس المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۲۰۷ و۲۱۰

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب ۱ /۱۱۵

شفع له حتی خفف له العذاب بالنسبة لغیره [1]۔	ہوا کہ ابو طالب نے باآنکہ ایمان لانے سے انکار کیا پھر بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت نے اتنا کام دیا کہ بہ نسبت باقی کافروں کے عذاب ہلکا ہوگیا۔

حدیث پنجم: صحیحین و مسند امام احمد میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ذکر عنده عمه ابوطالب فقال لعله تنفعه شفاعتی یوم القیمة فیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیه یغلی منه دماغه [2]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے ابوطالب کا ذکر آیا فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ روزِ قیامت میری شفاعت اسے یہ نفع دے گی کہ جہنم میں پاؤں تک کی آگ میں کردیا جائے گا جو اس کے ٹخنوں تک ہوگی جس سے اس کا دماغ جوش مارے گا۔

یونس بن بکیر نے حدیث محمد بن اسحٰق سے یوں روایت کیا: **یغلی منه دماغه حتی یسیل علٰی قدمیه** [3]۔ اس کا بھیجا اُبل کر پاؤں پر گرے گا۔ عمدۃ القاری وارشاد الساری شروح صحیح بخاری و مواہب الدنیا وغیرہا میں امام سہیلی سے منقول:

الحکمة فیه ان اباطالب کان تابعا لرسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لجملته الا انه استمر ثابت القدم علٰی دین قومه فسلط العذاب علٰی قدمیه خاصة لتثبیته ایاهما علی دین قومه [4]۔	یعنی ابو طالب کے پاؤں تک آگ رہنے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ عزوجل جزا ہمشکل عمل دیتا ہے ابوطالب کا سارا بدن حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حمایت میں صرف رہا، ملتِ کفر پر ثابت قدمی نے پاؤں پر عذاب مسلط کیا۔

---

[1] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص باب قوله انك لاتهدی مصطفی البابی مصر ۱۰/ ۱۲۳

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۵۰، صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار باب قصه ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸

[3] المواهب اللدنیة بحواله ابن اسحق ۱/ ۲۶۴ وارشاد الساری بحواله ابن اسحق تحت الحدیث ۳۸۸۵ ۸/ ۳۵۱

[4] عمدة القادری شرح صحیح البخاری مناقب الانصار باب قصه ابی طالب حدیث ۳۸۸۵ دارالکتب العلمیه بیروت ۱۷/ ۲۴، ارشاد الساری بحواله السهیلی تحت الحدیث ۳۸۸۵، ۸/ ۳۵۱ والمواهب اللدنیه بحواله السهیلی ۱/ ۲۶۴

اسی طرح تسیر شرح جامع صغیر وغیرہ میں ہے۔

حدیث ششم: بزار وابویعلٰی وابن عدی و تمام حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قیل للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھل نفعت ابا طالب قال اخرجتہ من غمرۃ جھنم الی ضحضاح منھا[1]۔	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی حضور نے ابوطالب کو کچھ نفع دیا۔ فرمایا میں نے اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں کی آگ میں کھینچ لیا۔

امام عینی عمدہ میں فرماتے ہیں۔

فان قلت اعمال الکفرۃ ھباء منثورا لافائدۃ فیھا قلت ھذا النفع من برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخصائصہ[2]۔	اس کا بھی وہی مطلب ہے کہ ابو طالب کو یہ نفع ملنا صرف حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکت سے ہے ورنہ کافروں کے اعمال تو غبار ہیں ہوا پر اڑائے ہوئے۔

حدیث ہفتم: طبرانی حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان الحارث بن ھشام اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم حجۃ الوداع فقال یارسول اللہ انی کنت علی صلۃ الرحم والاحسان الی الجار وایواء الیتیم واطعام الضیف واطعام المسکین وکل ھذا قدن کا یفعلہ ھشام بن المغیرۃ فماظنك بہ یارسول اللہ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قبر ای لایشھد صاحبہ ان لا الٰہ الا اللہ فھو جذوۃ من النار، و قدوجدت	یعنی حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی نے روز حجۃ الوداع حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی۔ یارسول اللہ! میں ان باتوں پر عمل کرتا ہوں۔ رشتہ داروں سے نیک سلوک، ہمسایہ سے اچھا برتاؤ، یتیم کو جگہ دینا، مہمان کو مہمانی دینا، محتاج کو کھانا کھلانا اور میر ا باپ ہشام یہ سب کام کرتا تھا تو حضور کا اس کی نسبت کیا گمان ہے؟ فرمایا جو قبر بنے جس کا مردہ لاالٰہ الا اللہ نہ مانتا ہو وہ دوزخ کا انگارا ہے میں نے خود اپنے چچا ابوطالب کو

[1] مسند ابویعلی الموصلی عن مسند جابر بن عبداللہ حدیث ۲۰۴۳ موسسۃ علوم القرآن بیروت ۲/ ۳۹۹

[2] عمدۃ القاری کتاب مناقب الانصار تحت الحدیث ۳۸۸۳ دار الکتب العلمیہ ۱۷/ ۲۳

عمی اباطالب فی طمطام من النار فاخرجه الله لمکانه منی واحسانه الی فجعله فی ضحضاح من النّار[1]۔	سر سے اونچی آگ میں پایا، میری قرابت وخدمت کے باعث اللہ تعالٰی نے اُسے وہاں سے نکال کر پاؤں تک آگ میں کردیا۔

مجمع بحار الانوار میں بعلامت کاف امام کرمانی شارح بخاری سے منقول:

نفع اباطالب اعماله ببرکته صلی الله تعالٰی علیه وسلم وان کان اعمال الکفرة هباء منثورا[2]۔	یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکت سے ابوطالب کے اعمال نفع دے گئے ورنہ کافروں کے کام تو نرے برباد ہوتے ہیں۔

حدیث ہشتم: امام احمد مسند اور امام بخاری ومسلم اپنی صحاح میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اهون اهل النار عذابا ابوطالب وهو منتعل بنعلین من نار یغلی منهما دماغه[3]۔	بے شک دوزخیوں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے وہ آگ کے دو جوتے پہنے ہوئے ہے جس سے اس کا دماغ کھولتا ہے۔

نیز صحیحین میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت سے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اهون اهل النار عذابا من له نعلان و شراکان من نار یغلی منهما دماغه کما یغلی المرجل مایرٰی ان احدا اشد منه عذابا وانه لاهونهم عذابا[4]۔	دوزخ میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہے جسے آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ دیگ کی طرح جوش مارے گا وہ یہ سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی پر ہے حالانکہ اس پر سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔

اسی حدیث میں امام احمد کی روایت یوں ہے:

---

[1] المعجم الکبیر عن ام سلمہ حدیث ۹۷۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳ /۴۰۵، المعجم الاوسط حدیث ۷۳۸۵ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۱۹۰

[2] مجمع بحار الانوار

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۱۱۵

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۵

یوضع فی اخمص قدمیہ جمرتان یغلی منھما دماغہ[1]۔	اس کے تلووں میں انگارے رکھے جائیں گے جس سے بھیجا اُبلے گا۔

اور صحیحین میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

یقول اللہ لاھون اھل النار عذابا یوم القیمۃ لو ان لك مافی الارض من شیئ اکنت تفتدی بہ فیقول نعم فیقول اردت منك اھون من ھذا وانت فی صلب اٰدم ان لاتشرك لی شیئا فابیتہ ان لاتشرك بی[2]۔	دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے سے اللہ عزوجل فرمائے گا تمام زمین میں جو کچھ ہے اگر تیری مِلک ہوتا تو کیا اسے اپنے فدیہ میں دے کر عذاب سے نجات مانگنے پر راضی ہوگا؟ وہ عرض کرے گا ہاں فرمائے گا میں نے تو تجھ سے روزِ میثاق جب کہ تو پشت آدم میں تھا اس سے بھی ہلکی اور آسان بات چاہی تھی کہ کسی کو میرا شریک نہ کرنا مگر تو نے نہ مانا بغیر میرا شریک ٹھہرائے ہوئے۔

اس حدیث سے بھی ابوطالب کا شرک پر مرنا ثابت ہے۔کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

قیل ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مسح اباطالب بعد موتہ وانسی تحت قدمیہ ولذا ینتعل بنعلین من النار[3]۔	یعنی کہا گیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بعد مرگ ابوطالب کے بدن پر دستِ اقدس پھیر دیا تھا مگر تلووں پر ہاتھ پھیرنا یاد نہ رہا اس لیے ابوطالب کو روزِ قیامت آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے۔(باقی جسم بہ برکتِ دستِ اقدس محفوظ رہے گا۔)

حدیث نہم: امام شافعی وامام احمد وامام اسحٰق بن راہویہ وابوداؤد وطیالسی اپنی مسانید اور ابن سعد

[1] مسندا حمد بن حنبل عن نعمان بن بشیر المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۲۷۴

[2] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب صفۃ الجنۃ والنار قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۹۷۰،صحیح مسلم کتاب صفۃ المنافقین باب فی الکفار قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۳۷۴،مشکوۃ المصابیح باب صفۃ النار واھلھا الفصل الاول قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۰۲

[3] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس وفاۃ ابی طالب موسسۃ شعبان بیروت ۱ /۳۰۰

طبقات اور ابوبکر بن ابی شیبہ مصنف اور ابوداؤد و نسائی سنن اور ابن خزیمہ اپنی صحیح اور ابن الجارود منتقی اور مروزی کتاب الجنائز اور بزار و ابویعلٰی مسانید اور بیہقی سنن میں بطریقِ عدیدہ حضرت سیدنا امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی:

قال قلت للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان عمّك الشیخ الضال قد مات قال اذهب فوار اباك[1]۔	یعنی میں نے حضورِ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ! حضور کا چچا وہ بُڈھا گمراہ مر گیا، جا،اسے دبا آ۔

ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے مولا علی نے عرض کی:

ان عمّك الشیخ الكافر قد مات فما تری فیه. قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اری ان تغسله وامره بالغسل[2]	حضور کا چچا وہ بڈھا کافر مر گیا اس کے بارے میں حضور کی کیا رائے ہے یعنی غسل وغیرہ دیا جائے یا نہیں؟ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نہلا کر دبا دو۔

امام شافعی کی روایت میں ہے:

فقلت یارسول اللہ انه مات مشركا قال اذهب فواره[3]۔	میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ تو مشرک مرا، فرمایا: جاؤ، دبا آؤ۔

امام الائمہ ابن خزیمہ نے فرمایا: حدیث صحیح ہے۔ امام حافظ الشان اصابہ فی تمیز الصحابہ میں فرماتے ہیں: صححه ابن خزیمه[4]۔ (ابن خزیمہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔ت)

---

[1] نصب الرایة بحوالة الشافعی واسحٰق بن راہویہ وابی داؤد الطیالسی وغیرهم كتاب الصلوة فصل فی الصلوة علی المیت الحدیث الحادی العشر النوریة الرضویة پبلشنگ کمپنی لاہور ۲/ ۲۸۹ و ۲۹۰، سُنن ابی داؤد كتاب الجنائز باب الرجل یموت له قرابة مشرك آفتاب عالم پریس ۲/ ۱۰۲، مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنه المكتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۲۹ و ۱۳۰، السنن الكبری كتاب الجنائز باب المسلم یغسل ذا قرابته دار صادر بیروت ۳/ ۳۵۸

[2] المصنف لابن ابی شیبه كتاب الجنائز باب فی الرجل یموت له قرابة المشرك ادارة القرآن کراچی ۳/ ۳۴۸

[3] نصب الرایه بحوالة الشافعی كتاب الصلوة فصل فی الصلوة علی المیت النوریه الرضویه الخ ۳/ ۲۹۰

[4] الاصابة فی تمییز الصحابة حرف الطاء ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

اس حدیث جلیل کو دیکھئے ابوطالب کے مرنے پر خود امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں کہ حضور کا وہ گمراہ کافر چچا مر گیا۔ حضور اس پر انکار نہیں فرماتے نہ خود جنازے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ابوطالب کی بی بی امیر المومنین کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالٰی عنہما نے جب انتقال کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی چادر و قمیص مبارک میں انہیں کفن دیا۔اپنے دستِ مبارک سے لحد کھودی، اپنے دستِ مبارک سے مٹی نکالی، پھر ان کے دفن سے پہلے خود ان کی قبر مبارک میں لیٹے اور دعا کی:

اللہ الذی یحیی ویمیت وھو حیّ لایموت اغفر لاُمّی فاطمۃ بنت اسد و وسّع علیھا مدخلھا بحق نبیك و الانبیاء الذین من قبل،فانّك ارحم الراحمین رواہ الطبرانی [1] فی الکبیر والاوسط وابن حبان والحاکم وصححہ وابونعیم فی الحلیۃ عن انس ونحوہ ابن ابی شیبۃ عن جابر والشیرازی فی الالقاب وابن عبد البر وابونعیم فی المعرفۃ،والدیلمی بسند حسن عن ابن عباس وابن عساکر عن علی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	اللہ جِلاتا ہے اور مارتا ہے اور خود زندہ ہے کہ کبھی نہ مرے گا، میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے اور اُن کی قبر وسیع کر صدقہ اپنے نبی کا اور مجھ سے پہلے انبیاء کا، تو سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔(روایت کیا اس کو طبرانی نے کبیر و اوسط میں، ابن حبان نے حاکم نے اور اس نے اس کی تصحیح کی، ابونعیم نے حلیہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور اس کی مثل ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، شیرازی نے القاب میں، ابن عبدالبر نے، ابونعیم نے معرفہ میں، ویلمی نے سند حسن کے ساتھ ابن عباس سے اور ابن عساکر نے حضرت علی سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ت)

کاش ابوطالب مسلمان ہوتے تو کیا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اُن کے جنازہ میں تشریف نہ لے جاتے۔صرف اتنے ہی ارشاد پر قناعت فرماتے کہ جاؤ اسے دباء آؤ امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی قوتِ ایمان دیکھئے کہ خاص اپنے باپ نے انتقال کیا ہے اور خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غسل کا فتوٰی دے رہے ہیں، اور یہ عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! وہ تو مشرک مرا۔ایمان ان بندگانِ خدا کے تھے کہ اللہ ورسول کے مقابلہ میں باپ بیٹے کسی سے کچھ علاقہ نہ تھا، اللہ ورسول کے مخالفوں کے دشمن تھے اگرچہ وہ اپنا جگر ہو، دوستانِ خدا و

[1] مجمع الزوائد کتاب المناقب باب مناقب بنت اسد دار الکتاب بیروت ۹/ ۲۵۷، کنز العمال حدیث ۳۴۴۲۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۴۷

رسول کے دوست تھے اگرچہ اُن سے دنیوی ضرر ہو۔

"اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَ اَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ یُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۠" [1] ۔جعلنا اللہ منھم بھم ولھم بفضل رحمۃ بھم انہ ھو الغفور الرحیم، و الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا وموٰلینا محمد وّٰلہ واصحابہ اجمعین اٰمین۔	یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے انکی مدد کی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہیں، ان میں ہمیشہ رہیں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ اللہ کی جماعت ہے، سنتا ہے اللہ کی جماعت ہی کامیاب ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں ان کے صدقے میں ان میں سے کردے۔ بے شک وہ ہی بہت بخشنے والا مہربان ہے، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا، اور درود نازل فرمائے اللہ تعالٰی ہمارے آقا محمد مصطفٰی! آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر، اے اللہ! ہماری دُعا قبول فرما! (ت)

حدیث دہم: بخاری و مسلم اپنی صحاح اور ابن ماجہ اپنی سنن اور طحاوی شرح معانی الآثار اور اسماعیلی مستخرج علٰی صحیح البخاری میں بطریق امام علی بن حسین زین العابدین عن عمرو بن عثمان الغنی رضی اللہ تعالٰی عنہم سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

انہ قال یارسول اللہ این تنزل فی دارك بمکۃ فقال و ھل ترك عقیل من رباع او دور وکان عقیل ورث ابا طالب ھو وطالب ولم یرثہ جعفر ولا علی رضی اللہ تعالٰی عنھما شیئا لانھما کان مسلمین وکان عقیل و طالب کافرین فکان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ یقول لایرث	یعنی انہوں نے خدمتِ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کی کہ یارسول اللہ! حضور کل مکہ معظّمہ میں اپنے محلے کے کون سے مکان میں نزول اجلال فرمائیں گے۔ فرمایا، کیا ہمارے لیے عقیل نے کوئی محلّہ یا مکان چھوڑ دیا ہے۔ امام زین العابدین نے فرمایا: ہوا یہ تھا کہ ابوطالب کا ترکہ عقیل اور طالب نے پایا، اور جعفر و علی

[1] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

المؤمن الکافر [1] ۔ولفظ ابن ماجة والطحاوی فکان عمر من اجل ذٰلك یقو ل [2] ۔الخ ولفظ الاسماعیلی فمن اجل ذٰلك کان عمر یقول [3] ۔ **تنبیه:** لاشك ان قوله وکان عقیل ورث اباطالب مدرج فی الحدیث ولم یبین قائله فی الکتب الذی ذکرنا واخترت انا انه الامام زین العابدین رضی الله تعالٰی عنه وقال الامام العینی فی العمدة قوله وکان عقیل ادراج من بعض الرواة ولعله من اسامة کذا قال الکرمانی [4] اھ والصواب ما ذکرته وقد کتبت علی هامش العمدة مانصه۔ **اقول:** بل هو من علی بن حسین بن علی رضی الله تعالٰی عنهم ،بیّنه	رضی اللہ تعالٰی عنہما کو کچھ نہ ملا۔یہ دونوں حضرات وقتِ موت ابی طالب مسلمان تھے اور طالب کافر تھا اور عقیل رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔اسی بناء پر امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرمایا کرتے کہ کافر کا ترکہ مسلمان کو نہیں پہنچتا۔ **تنبیہ:** اس میں شک نہیں کہ اس قول اور عقیل وارث ہوا ابو طالب کا حدیث میں داخل کیا گیا اس کا قائل ان کتابوں میں مذکور نہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے اور میں نے اختیار کیا ہے کہ وہ امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں۔امام عینی نے عمدۃ القاری میں کہا کہ اس کا قول وکان عقیل بعض راویوں کی طرف سے حدیث میں داخل کیا گیا ہے، ممکن ہے یہ ادراج و ادخال اسامہ کی طرف سے ہو۔کرمانی نے یوں ہی کہا ہے اھ، اور درست وہی ہے جو میں نے ذکر کیا،اور میں نے عمدۃ القاری پر حاشیہ لکھا جس کی صراحت یہ ہے۔(ت) **میں کہتا ہوں** بلکہ وہ علی بن حسین بن علی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اس کو امام مالک نے اپنی کتاب مؤطا میں

[1] صحیح البخاری کتاب المناسك باب توریث دور مکة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۶،صحیح مسلم کتاب الحج باب النزول بمکة وتوریث دورها قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۶

[2] سُنن ابن ماجه ابو اب الفرائض باب میراث اهل الاسلام من اهل الشرك الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[3]

[4] عمدة القاری کتاب المناسك باب توریث دور مکه الخ تحت الحدیث ۱۵۸۸ دار الکتب العلمیة بیروت ۹/ ۳۲۴

مالك فی مؤطاہ فانہ اسند اولا عن ابن شہاب بالسند المذکور فی الکتاب اعنی صحیح البخاری ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لایرث المسلم الکافر اھ[1]۔ ثم قال مالك عن ابن شہاب عن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب انہ اخبرہ انما ورث اباطالب عقیل وطالب ولم یرثہ علی قال علی فلذٰلك ترکنا نصیبنا من الشعب[2] اھ وھٰکذا رواہ محمد فی مؤطاہ عن مالك مفرقا مصرحا فقد بین واحسن احسن اللہ الیہ والینا بہ امین۔	میں بیان فرمایا ہے، پہلے اس کو امام مالک نے ابن شہاب سے ذکر یعنی صحیح بخاری میں مذکور سند کے ساتھ ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کافر کا وارث نہیں بنتا اھ پھر کہا مالک نے ابن شہاب سے روایت کی اس نے علی بن حسین بن علی ابن ابی طالب سے، اس نے خبر دی کہ عقیل اور طالب ابو طالب کے وارث بنے جب کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کے وارث نہ بنے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا یہی وجہ ہے کہ ہم نے شعب ابی طالب سے اپنا حصہ ترک کردیا۔ اسی طرح امام محمد نے اپنی کتاب مؤطا میں امام مالک سے صراحتًا روایت کیا انہوں نے خوب ظاہر کیا اور احسان کیا، اللہ تعالٰی ان پر اور ہم پر احسان فرمائے۔ امین (ت)

حدیث یازدہم: عمر بن شبہ کتاب مکہ میں اور ابویعلٰی وابوبشر اور سمویہ اپنے فوائد اور حاکم مستدرک میں بطریق محمد بن سلمہ بن ہشام بن حسان عن محمد بن سیرین قصہ اسلام ابی قحافہ والد امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہما میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال فلما مدیدہ یبایعہ بکی ابوبکر فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما یبکیك قال لان تکون ید عمّك مکان یدہ ویسلم ویقر	یعنی جب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنا دست انور ابوقحافہ سے بیعت اسلام لینے کے لیے بڑھایا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ روئے، حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کیوں روتے ہو؟ عرض کی: ان کے ہاتھ کی جگہ آج حضور کے

[1] مؤطا امام مالك کتاب الفرائض باب میراث اہل الملل میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۶۶

[2] مؤطا امام مالك کتاب الفرائض باب میراث اہل الملل میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۶۶

اللہ عینك احب الیّ من ان یکون [1]۔	چچا کا ہاتھ ہوتا اور ان کے اسلام لانے سے اللہ تعالٰی حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی آنکھ ٹھنڈی کرتا تو مجھی اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ یہ بات عزیز تھی۔

حاکم نے کہا: یہ حدیث بر شرطِ شیخین صحیح ہے۔ حافظ الشان نے اصابہ میں اسے مسلم رکھا اور فرمایا: سندہ صحیح[2]۔ (اس کی سند صحیح ہے۔ت)

حدیث دوازدہم: ابوقرہ موسٰی بن طارق وہ موسٰی بن عبیدہ وہ عبداللہ بن دینار و حضور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال جاء ابوبکر یابی قحافۃ یقودہ یوم فتح مکۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ترك الشیخ حتی نأتیہ قال ابوبکر ادرت ان یأجرہ اللہ والذی بعثك بالحق لانا کنت اشد فرحا باسلام ابی طالب لوکان اسلم منی بابی[3]۔	یعنی صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فتح مکہ کے دن ابوقحافہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر لائے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اس بوڑھے کو وہیں کیوں نہ رہنے دیا کہ ہم خود اس کے پاس تشریف فرما ہوتے، صدیق نے عرض کی کہ میں نے چاہا کہ اُن کو اجر دے قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا ہے مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ ابوطالب کے مسلمان ہونے کی خوشی ہوتی اگر وہ اسلام لے آتے۔ (ت)

اللہ اللہ یہ محبوب میں فنائے مطلق کا مرتبہ ہے، صدق اللہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ"[4]۔ (اللہ تعالٰی نے سچ فرمایا اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں۔ت) اسی طرح

---

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ عمر بن شیبہ وغیرہ ذکر ابی طالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۶

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ عمر بن شیبہ وغیرہ ذکر ابی طالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۶

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ ابی قرۃ وغیرہ ذکر ابی طالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

[4] القرآن الکریم ۲/ ۱۶۵

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ عَمّ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہا:

انا باسلامك اذا اسلمت افرح منی باسلام الخطاب، ذکر ابن اسحق[1] فی سیرته۔	مجھے آپ کے اسلام کی جتنی خوشی ہوئی اپنے باپ خطاب کے اسلام کی اتنی نہ ہوتی۔(اس کو ابواسحٰق اس کی سیرت میں ذکر کیا۔ت)

حدیث سیز دہم: یونس بن بکیر فی زیادات مغازی ابن اسحٰق عن یونس بن عمرو عن ابی السفر:

قال بعث ابوطالب الی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقال اطعمنی من عنب جنتك فقال ابوبکر ان اللہ حرمها علی الکافرین[2]۔	یعنی ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کر بھیجی کہ مجھے اپنی جنت کے انگور کھلائے۔اس پر صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: بے شک اللہ نے انہیں کافروں پر حرام کیا ہے۔

حدیث چہاردہم: الواحدی من حدیث موسٰی بن عبیدۃ قال اخبرنا محمد بن کعب القرظی،

قال بلغنی انه لما اشتکی ابوطالب شکواہ التی قبض فیها قالت له قریش ارسل الی ابن اخیك یرسل الیك من ھٰذہ الجنة التی ذکرھا یکون لك شفاء فارسل الیه فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان اللہ حرمها علی الکافرین طعامها وشرابها ثم اتاہ فعرض علیه الاسلام، فقال لولا ان تعیربها	یعنی ابوطالب کے مرض الموت میں کافرانِ قریش نے صلاح دی کہ اپنے بھتیجے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے عرض کرو کہ یہ جنت جو وہ بیان کرتے ہیں اس میں سے تمہارے لیے کچھ بھیج دیں کہ تم شفاء پاؤ۔ابوطالب نے عرض کر بھیجی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰی نے جنت کا کھانا پانی کافروں پر حرام کیا ہے۔پھر تشریف لا کر ابوطالب پر اسلام پیش کیا۔ابوطالب نے کہا: لوگ حضور پر طعنہ کریں گے کہ

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ ابن اسحاق ذکر ابی طالب دارصادر بیروت ۴ /۱۱۷

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ ابن اسحاق ذکر ابی طالب دارصادر بیروت ۴ /۱۱۶

فیقال جزع عمّك من الموت لاقررت بھا عینك و استغفرلہ بعد ما مات فقال المسلمون ما یمنعنا ان نستغفر لآبائنا و لذوی قرابتنا قداستغفر ابراھیم علیہ السلام لابیہ و محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لعمہ فاستغفروا للمشرکین حتی نزلت ما کان للنبی والذین اٰمنوا[1] الاٰیۃ۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا چچا موت سے گھبرا گیا اس کا خیال نہ ہوتا تو میں حضور کی خوشی کردیتا۔جب وہ مر گئے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکے لیے دعائے مغفرت کی، مسلمانوں نے کہا ہمیں اپنے والدوں قریبوں کے لیے دعائے بخشش سے کون مانع ہے،ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے باپ کے لیے استغفار کی، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے چچا کے لیے استغفار کر رہے ہیں، یہ سمجھ کر مسلمانوں نے اپنے اقارب مشرکین کے واسطے دعائے مغفرت کی،اللہ عزوجل نے آیت اتاری کہ مشرکوں کے لیے یہ دعا نہ نبی کو روا نہ مسلمانوں کو،جب کہ روشن ہولیا کہ وہ جہنمی ہیں۔**والعیاذ باللہ تعالٰی**

حدیث پانزدہم: ابو نعیم حلیہ میں امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

کانت مشیّۃ اللہ عزوجل فی اسلام عمی العباس و مشیتی فی اسلام عمی ابی طالب فغلبت مشیۃ اللہ مشیتی[2]۔	اللہ تعالٰی نے میرے چچا عباس کا مسلمان ہونا چاہا اور میری خواہش یہ تھی کہ میرا چچا ابوطالب مسلمان ہو،اللہ تعالٰی کا ارادہ میری خواہش پر غالب آیا کہ ابوطالب کافر رہا اور عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ مشرف باسلام ہوئے۔فللّٰہ الحجۃ البالغۃ

فصل سوم:

چون[۵۴] اقوال ائمہ کرام و علمائے اعلام اُوپر گزرے اور بعد کلام خدا و رسول جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیا حالتِ منتظرہ باقی ہے خاتمہ کا حال خدا و رسول سے زیادہ کون جانے، عزمجدہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

[1]

[2] کنز العمال برمز ابی نعیم عن علی حدیث ۳۳۴۳۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۱۵۲

مگر تکثیر فوائد و تسکین زائد کے لیے بعض اور بھی کہ سر دست پیش نظر ہیں اضافہ کیجئے کہ زیادت خیر زیادت خیر ہے۔ وباللہ التوفیق۔

امام الائمہ، مالک الازمّہ، کاشف الغمہ، سراج الائمہ، سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

ابوطالب عمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات کافرا[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کی موت کُفر پر ہوئی۔ والعیاذباللہ۔

امام برہان الدین علی بن ابی بکر فرغانی ہدایہ میں فرماتے ہیں:

اذا مات الکافر ولہ ولی مسلم فانہ یغسلہ ویکفنہ و یدفنہ بذلك امر علی رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حق ابیہ ابی طالب لکن یغسل غسل الثوب النجس ویلف فی خرقۃ ویحفر حفیرۃ من غیر مراعاۃ سنۃ التکفین و اللحد ولا یوضع فیہ بل یلقی[2]۔	جب کافر مر جائے اور اس کا کوئی مسلمان رشتہ دار موجود ہو تو وہ اس کو غسل دے، کفن پہنائے اور دفن کرے، حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ان کے باپ ابو طالب کے بارے میں ایسا ہی حکم دیا گیا۔ لیکن اس کو غسل ایسے دیا جائے جیسے پلید کپڑے کو دھویا جاتا ہے اور کسی کپڑے میں لپیٹ دیا جائے اور اس کے لیے گڑھا کھودا جائے، کفن پہنانے اور لحد بنانے کی سنت ملحوظ نہ رکھی جائے اور نہ ہی اس کو گڑھے میں رکھا جائے بلکہ پھینکا جائے۔(ت)

امام ابوالبرکات عبداللہ نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

مات کافر یغسلہ ولیہ المسلم ویکفنہ ویدفنہ، و الاصل فیہ انہ لما مات ابوطالب اتی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقال انّ عمك الشیخ الضال	کافر مر جائے تو اس کا مسلمان رشتہ دار اس کو غسل دے، کفن پہنائے اور دفن کرے، اس میں اصل یہ ہے کہ جب ابوطالب مر گئے تو حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کا بوڑھا گمراہ چچا

[1] الفقہ الاکبر مع وصیّت نامہ ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار لاہور ص ۲۱

[2] الہدایہ باب الجنائز فصل فی الصلوۃ علی المیت المکتبۃ العربیۃ دستگیر کالونی کراچی ۱/ ۶۲۔۱۶۱

قد مات فقال اغسله واکفنه وادفنه و لاتحدث حدثا حتی تلقانی ای لاتصل علیه[1]۔	مر گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اس کو غسل دو، کفن پہناؤ اور دفن کرو اور کوئی نئی چیز نہ کرنا یہاں تک کہ مجھے آملو یعنی اس کی نمازِ جنازہ مت پڑھنا الخ۔(ت)

علامہ ابراہیم حلبی غنیہ شرح منیہ میں فرماتے ہیں:

مات للمسلم قریب کافر لیس له ولی من الکفار یغسله غسل الثوب الجنس ویلفه فی خرقة و یحفرله حفرة ویلفیه فیها من غیر مراعاة السنة فی ذلك لماروی ان اباطالب لما هلك جاء علیّ فقال یا رسول انّ عمّك الضال قدمات[2]۔الخ	مسلمان کا کوئی قریبی کافر رشتہ دار مر گیا۔اس کا کافروں میں کوئی وارث موجود نہیں ہے تو وہ مسلمان اُسے غسل دے جیسے پلید کپڑے کو دھویا جاتا ہے،ایک کپڑے میں لپیٹے اور ایک گڑھا کھود کر اس میں پھینک دے اور اس سلسلے میں سنت کا لحاظ نہ کرے کیونکہ مروی ہے کہ جب ابوطالب کا انتقال ہوا تو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آکر کہا یارسول اللہ ! آپ کا گمراہ چچا مر گیا ہے۔الخ

علامہ ابراہیم طرابلسی برہان شرح مواہب الرحمٰن پھر علامہ سیّد احمد طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں زیر قول نور الایضاح ان کان للکافر قریب مسلم غسله (اگر کسی کافر کا کوئی قریبی رشتہ دار مسلمان ہو تو وہ اس کو غسل دے۔ت) فرماتے ہیں:

الاصل فیه ما رواه ابوداؤد وغیره عن علی رضی الله تعالٰی عنه قال لمامات ابوطالب[3]۔الحدیث۔	اصل اس میں وہ حدیث ہے جس کو ابوداؤد وغیرہ نے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ جب ابوطالب مر گیا تو انہوں نے کہا۔(الحدیث۔ت)

علامہ زین بن نجیم مصری بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

یغسل ولی مسلم الکافر ویکفنه و	مسلمان رشتہ دار کافر کو غسل دے، کفن پہنائے اور

[1] الکافی شرح الوافی

[2] غنیة المستملی شرح منیة المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۶۰۳

[3] حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب احکام الجنائز فصل السلطان احق بصلٰوته نور محمد کارخانہ کراچی ص ۳۲۹و۳۳۰

یدفنه بذلك امر علی رضی اللّٰه تعالٰی عنه ان یفعل بابیه حین مات[1]۔	دفن کرے، حضرت علی مرتضٰی رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا جب اُن کا باپ مرگیا۔(ت)

ان سب عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ مسلمان اپنے قرابت دار کافر مردہ کو نہلا سکتا ہے کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، نے اپنے باپ ابوطالب کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت سے نہلایا۔

فتح القدیر وکفایہ وبنایہ وغیرہا تمام شروح ہدایہ میں اس مضمون کو مقبول ومقرر رکھا۔ کتبِ فقہ میں اس کی عبارات بکثرت ملیں گی سب کی نقل سے اطالت کی حاجت نہیں، واضح ہوا کہ سب علمائے کرام ابوطالب کو کافر جانتے ہیں۔ یونہی امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں "باب الرجل یموت له قرابة مشرک"[2] وضع فرمایا یعنی "باب اُس شخص کا جس کا کوئی قرابت دار مشرک مرے،" اور امام نسائی نے "باب مواراة المشرک"[3] یعنی "دفن مشرک کا باب"، اور دونوں نے اس میں یہی حدیث موتِ ابی طالب ذکر کی، انہیں نسائی کے اسی مجتبٰی میں ایک باب "النھی عن الاستغفار للمشرکین"[4] ہے اس میں حدیث دوم روایت کی، ابن ماجہ نے سُنن میں باب میراث "اھل الاسلام من اھل الشرك"[5] لکھا یعنی مشرک کا ترکہ مسلم کو ملے گا یا نہیں۔ اس میں حدیث دوم وارد کی۔ امام اجل صاحب المذہب سیّدنا امام مالک نے مؤطا شریف میں باب "التوارث بین اھل الملل"[6] منعقد فرمایا یعنی مختلف دین والوں میں ایک کو دوسرے کا ترکہ ملنے کا حکم، اور اس میں حدیثیں مسلم وکافر کے عدمِ توارث کی روایت فرمائیں جن میں یہ حدیث امام زین العابدین دربارہ ترکہ ابوطالب مذکور حدیث دہم بھی ارشاد کی۔ یونہی امام محرر المذہب سیّدنا امام محمد نے مؤطا شریف میں باب "لایرث المسلم الکافر"[7] منعقد فرما کر حدیث مذکور ایراد کی۔

---

[1] بحر الرائق کتاب الجنائز فصل السلطان احق بصلوته ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۹۰

[2] سُنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب الرجل یموت له الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۰۲

[3] سُنن النسائی کتاب الجنائز باب مواراة المشرك نور محمد کارخانہ کراچی ۱/ ۲۸۳

[4] سنن النسائی کتاب الجنائز باب النھی عن الاستغفار للمشرکین نور محمد کارخانہ کراچی ۱/ ۲۸۶

[5] سنن ابن ماجه ابواب الفرائض باب میراث اہل الاسلام من اھل الشرك ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[6] مؤطا الامام مالك کتاب الفرائض باب میراث اہل الملل میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۶۶۶

[7] مؤطا الامام محمد کتاب الفرائض باب لایرث المسلم کافر نور محمد کارخانہ کراچی ص ۳۱۹و۳۲۰

امام اجل محمد بن اسمٰعیل بخاری نے جامع صحیح کتاب الجنائز میں ایک باب وضع فرمایا: "باب اذا قال المشرک عند الموت لا الٰہ الا اللہ"[1]۔ یعنی باب اس کے بیان کا کہ مشرک مرتے وقت لا الٰہ الا اللہ کہے تو کیا حکم ہے اور اس میں حدیث دوم روایت فرمائی۔ اُسی کی کتاب الادب میں لکھا "باب کنیۃ المشرک"[2]۔ اس میں حدیث چہارم روایت اور حدیث مذکور:

سمعت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول وھو علی المنبر ان بنی ھاشم بن المغیرۃ استاذنونی ان ینکحوا ابنتھم علی بن ابی طالب[3]۔	میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا جب کہ آپ منبر پر تشریف فرماتھے کہ بنی ہاشم بن مغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب کے ساتھ کردیں۔ (ت)

ذکر کی ــــــ امام قسطلانی نے تطبیقِ حدیث وترجمہ میں لکھا "فذکر ابا طالب المشرک بکنیۃ" نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوطالب مشرک کو کنیت سے یاد فرمایا۔ پھر لکھا:

قد جوزوا ذکر الکافر بکنیتہ اذا کان لایعرف الا بھا کما فی ابی طالب اوکان علی سبیل التالف رجاء اسلامھم او تحصیل منفعۃ منھم لا علی سبیل التکریم فانا ما مورون بالاغلاظ علیھم[4]۔	علماء نے کافر کو کنیت سے ذکر کرنا ناجائز رکھا جب کہ وہ اور نام سے نہ پہچانا جائے جیسے ابوطالب یا بامیدِ اسلام تالیف مقصود یا کام نکالنا ہو مگر بطورِ تکریم جائز نہیں کہ ہمیں ان پر سختی کرنے کا حکم ہے۔

عمدۃ القاری میں ہے:

قال ابن بطال فیہ جواز تکنیۃ المشرک[5]۔	امام ابن بطال نے فرمایا: اس حدیث سے مشرک کو بلفظ کنیت یاد کرنے کا جواز معلوم ہوا۔

اُسی میں ہے:

[1] صحیح البخاری کتاب الجنائز باب اذا قال المشرک عند الموت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۸۱

[2] صحیح البخاری کتاب الادب باب کنیۃ المشرک قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۶

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب ذب الرجل عن ابنتہ فی الغیرہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۷

[4] ارشاد الساری کتاب الادب باب کنیۃ المشرک تحت الحدیث ۶۲۰۸ بیروت ۲۳/ ۲۰۷و ۲۱۰

[5] عمدۃ القاری شرح البخاری کتاب الادب تحت الحدیث ۶۲۰۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۲/ ۳۳۹

فیه دلالة انّ الله تعالیٰ قد یعطی الکافر عوضًا من اعماله التی مثلها یکون قربة لا هل الایمان بالله تعالیٰ لانه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اخبر ان عمه نفعته تربیته ایاه وحیاطته له التخفیف[1] ۔الخ	اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ عزوجل کافر کو بھی اس کے اعمال کا کچھ عوض دیتا ہے، جو اہلِ ایمان کریں تو قُربِ الٰہی پائیں۔ دیکھو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حضور کے چچا کو حضور کی خدمت و حمایت نے تخفیف عذاب کا فائدہ دیا الخ۔

امام عارف باللہ سیدّی علی متقی مکی قدس سرہ الملکی نے اپنی کتبِ جلیلہ منہج العمال و کنزالعمال و منتخب کنزالعمال میں ایک باب منعقد فرمایا:

الباب السادس فی اشخاص لیسوا من الصحابة[2]۔	اُن شخصوں کے ذکر میں جو صحابی نہیں، اور اسی باب میں ابو طالب وابو جہل وغیرہما ذکر کیا۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن بن شیبا نے تیسیر الوصول الیٰ جامع الاصول میں احادیث ذکر ابی طالب کو فصل غیر صحابہ میں وارد کیا اور اس میں صرف حدیث دوم و چہارم و پنجم کو جلوہ دیا۔ اگر ابوطالب کو اسلام نصیب ہوتا تو کیا وہ شخص صحابہ سے خارج ہو سکتا جس نے بچپن سے حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گود میں پالا اور مرتے دم تک حضر و سفر کی ہمرکابی سے بہرہ یابی کا غلغلہ ڈالا۔

یونہی امام حافظ الحدیث ابوالفضل شہاب الدین ابن حجر عسقلانی نے کتاب اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ابوطالب کو باب الکنی حرف الطاء المہملہ کی قسم رابع میں ذکر کیا۔ یعنی وہ لوگ جنہیں صحابی کہنا مردود وغلط و باطل ہے۔ اسی میں فرماتے ہیں:

ورد من عدة طرق فی حق من مات فی الفترة ومن ولد مجنونا ونحوذلك ان کلامنهم یدلی بحجة ویقول لوعقلت اوذکرت لاٰمنت فترفع لهم نار ویقال لهم ادخلوها فمن دخلها	یعنی بہت اسانید سے حدیث آئی کہ جو زمانہ فترت میں اسلام آنے سے پہلے مر گیا یا مجنون پیدا ہوا اور جنون ہی میں گزر گیا اور اسی قسم کے لوگ جنہیں دعوتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نہ پہنچی ان میں ہر ایک روزِ قیامت ایک عذر پیش کرے گا کہ الٰہی! میں عقل رکھتا یا مجھے دعوت پہنچتی تو میں ایمان لاتا، ان کے امتحان کو ایک

[1] عمدة القاری شرح صحیح البخاری کتاب الادب باب کنیة المشرک تحت الحدیث ۶۲۰۸ دار الکتب العلمیه بیروت ۲۲/ ۳۳۹

[2] کنز العمال الباب السادس فی فضل اشخاص لیسوا من الصحابة موسسة الرساله بیروت ۱۲/ ۱۵۰

کانت علیھم برداً وسلاماً ومن امتنع ادخلھا کرھا و نحن نرجو ان یدخل عبدالمطلب واٰل بیتہ فی جملۃ من یدخلھا طائعا فینجو، لکن وردفی ابی طالب ما یدفع ذلك وھو ما تقدم من اٰیۃ براءۃ وما فی الصحیح انہ فی ضحضاح من النار، فھٰذ شان من مات علی الکفرفلوکان مات علی التوحید لنجامن النار اصلاو الاحادیث الصحیۃ والاخبار المتکاثرۃ طافحۃ بذلك [1]۔اھ مختصراً۔	آگ بُلند کی جائے گی اور ارشاد ہوگا اس میں جاؤ جو حکم مانے گا اور اس میں داخل ہوگا وہ اس پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجائے گی، اور جو نہ مانے گا جبراً آگ میں ڈالا جائے گا، اور ہمیں امید ہے کہ عبدالمطلب اور انکے گھر والے کہ قبل ظہورِ نور اسلام انتقال کرگئے وہ سب انہیں لوگوں میں ہوں گے جو اپنی خوشی سے اس امتحانی آگ میں جاکر ناجی ہوجائیں گے، مگر ابوطالب کے حق میں وہ وارد ہولیا جو اسے دفع کرتا ہے، سورہ توبہ شریف کی آیت اور حدیث صحیح کا ارشاد کہ وہ پاؤں تک کی آگ میں ہے۔ یہ حال اس کا ہے جو کافر مرے، اگر اخیر وقت اسلام لاکر مرنا ہوتا تو دوزخ سے نجات کُلی چاہیے تھی، صحیح و کثیر حدیثیں کفرابی طالب ثابت کررہی ہیں۔ اھ مختصر۔

پھر فرمایا:

وقد فخر المنصور علی محمد بن عبداللہ بن الحسن لما خرج بالمدینۃ وکاتبہ المکاتبات المشھورۃ ومنھا فی کتاب المنصور وقد بعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولہ اربعۃ اعمام فاٰمن بہ اثنان احدھما ابی وکفر بہ اثنان احدھما ابوک [2]۔	یعنی جب امام نفس زکیہ محمد بن عبداللہ بن حسن مجتبٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم نے خلیفہ عباسی عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما مشہور بہ منصور و وانیقی پر خروج فرمایا اور مدینہ طیبہ پر تسلط کرکے خلیفہ وامیر المومنین لقب پایا اُن میں اور خلیفہ مذکور منصور میں مکاتبات مشہورہ ہوئے ازاں جملہ منصور نے ایک نامہ میں لکھا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت ظاہر ہوئی حضور کے چار چچا زندہ تھے حمزہ و عباس وابوطالب وابولہب دو حضور پر ایمان لائے ایک ان میں میرے باپ

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۸

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۸

	ہیں یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور دو کافر رہے ایک ان میں آپ کے باپ ہیں یعنی ابوطالب۔

یہ منصور علاوہ خلیفہ و اہلبیت ہونے کے خود بھی علمائے تبع تابعین و فقہاء محدثین سے ہیں امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے تاریخ الخلفاء میں انہیں فقیہ النفس وجید المشارکۃ فی العلم لکھا اور فرمایا:

ولد سنة خمس وتسعين وادرك جدّه ولم يروعنه وروى عن ابيه وعن عطاء بن يسار وعنه ولده المهدى[1]۔	وہ ۹۵ھ میں پیدا ہوا، اپنے دادا کو پایا مگر ان سے روایت نہیں کی، اپنے باپ اور عطاء بن یسار سے روایت کی اور اس سے اس کے بیٹے مہدی نے روایت کی۔ (ت)

اور امام اجل نفس زکیہ کو یوں بے تامل لکھ بھیجنا اور امام کا اس پر رد نہ فرمانا بھی بتا رہا ہے کہ کفر ابی طالب واضح و مشہور بات تھی، اصابہ میں اس کے بعد فرمایا: **ومن شعر عبدالله بن المعتز يخاطب الفاطمين**۔

وانتم بنو بنته دوننا

ونحن بنو عمه المسلم[2]

یعنی عبداللہ بن محمد بن جعفر بن محمد بن ہارون بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما، یا یوں کہیے کہ چھ خلفاء کے بیٹے عبداللہ بن المعتز باللہ ابن المتوکل ابن المعتصم ابن الرشید ابن المہدی ابن المنصور کا ایک شعر بعض ساداتِ کرام کے خطاب میں ہے کہ: "تم حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نواسے ہو ہم نہیں، اور ہم حضور کے مسلمان چچا کے بیٹے ہیں"۔

اِس میں بھی کفرِ ابی طالب پر صاف تعریض موجود ہے عبداللہ اہل علم و فضل سے ہیں، حدیث میں علی بن حرب معاصر امام بخاری و مسلم کے شاگرد نیز امام ممدوح کتاب الاحکام پھر امام قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں:

نحن نرجوان يدخل عبدالمطلب	ہم امید کرتے ہیں کہ عبدالمطلب اور ان کے اہلبیت

[1] تاریخ الخلفاء احوال المنصور ابو جعفر عبداللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۸۰

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة حرف الطاء ترجمہ ۶۸۵ ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۸

واٰل بیته الجنة الاابا طالب فانه ادرك البعثة ولم یؤمن[1] اھباختصار۔	سب جنت میں جائیں گے سوا ابوطالب کے کہ زمانہ اسلام پایا اور اسلام نہ لائے۔

نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

من عجائب الاتفاق ان الذین ادرکھم الاسلام من اعمام النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اربعة لم یسلم منھم اثنان واسلم اثنان وکان اسم من لم یسلم ینافی اسامی المسلمین وھما ابوطالب و اسمه عبد مناف وابولھب و اسمه عبدالعزّی بخلاف من اسلم وھما حمزة والعباس[2]۔	عجائب اتفاق سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چار چچا زمانۂ اسلام میں زندہ تھے، دو اسلام نہ لائے اور دو مشرف باسلام ہوئے، وہ دو کے اسلام نہ لائے ان کے نام بھی پہلے ہی سے مسلمانوں کے نام کے خلاف تھے۔ ابوطالب کا نام عبدمناف تھا اور ابولہب کا عبدالعزی، اور دو کہ مسلمان ہوئے انکے نام پاک وصاف تھے حمزہ و عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

وکذا اثرہ الزرقانی فی شرح المواہب۔

امام احمد بن محمد خطیب قسطلانی مواہب الدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

کان العباس اصغر اعمامه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولم یسلم منھم الاھو وحمزة[3]۔	عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سب میں چھوٹے چچا تھے، حضور کے اعمام میں صرف یہ اور حضرت حمزہ مسلمان ہوئے وبس۔

امام محمد محمد محمد ابن امیر الحاج حلیہ شرح منیہ اواخر صلوۃ اس مسئلہ کے بیان میں کہ کافر کے لیے دعائے مغفرت ناجائز ہے، آیت دوم تلاوت کرکے فرماتے ہیں:

ثبت فی الصحیحین ان سبب نزول	صحیحین میں ثابت ہوچکا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی

[1] المواھب اللدنیة قضیة نجاۃ والدیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رای المصنف فی المسئلة المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۸۳، الاصابة فی تمییز الصحابة حرف الطاء ترجمہ ۶۸۵ ابوطالب دار صادر بیروت ۴/۱۱۸

[2] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصه ابی طالب مصطفٰی البابی مصر ۸/۲۹۶، شرح الزرقانی علی المواہب الدنیة عام الحزن وفاۃ خدیجه وابی طالب دار المعرفة بیروت ۱/۲۹۶

[3] المواھب اللدنیة المقصد الثانی الفصل الرابع المکتب الاسلامی بیروت ۲/۱۱۱

الایۃ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابی طالب لاستغفرن لك مالم انہ عنک[1]۔	علیہ وسلم نے ابوطالب کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔ (یعنی یہ کہا تھا کہ جب تک مجھے منع نہ کیا گیا میں تیرے لیے استغفار کروں گا) اس پر یہ آیت اتری۔

امام محی السنہ بغوی معالم شریف اول رکوع سورہ بقر میں زیر قولہ تعالٰی ان الذین کفروا سواء علیھم، پھر قاضی حسین بن محمد دیار بکری مالکی مکی کتاب الخمیس میں فرماتے ہیں، کفر چار قسم ہے کفر انکار و کفر جحود و کفر عناد و کفر نفاق، کفر انکار یہ کہ اللہ عزوجل کو نہ دل سے جانے اور نہ زبان سے مانے مگر دل میں نہ جانے۔ وکفر العناد ان یعرف اللہ بقلبہ ویعترف بلسانہ ولایدین بہ ککفر ابی طالب حیث یقول[2]۔

ولقد علمت بان دین محمد
من خیر ادیان البریۃ دینا
لولا الملامۃ اوحذار مسبۃ
لوجدتنی سمحا بذاك مبینا

یعنی کفر عناد یہ کہ اللہ تعالٰی کو دل سے بھی جانے اور زبان سے بھی کہے مگر تسلیم و گرویدگی سے باز رہے جیسے ابوطالب کا کفر کہ یہ شعر کہے۔

واللہ! میں جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دین تمام جہان کے دین سے بہتر ہے، اگر ملامت یا طعنے سے بچنا نہ ہوتا تو تُو مجھے دیکھتا کہ میں کیسی اہل دلی کے ساتھ صاف صاف اس دین کو قبول کرلیتا۔

امام ممدوح یہ چاروں قسمیں بیان کرکے فرماتے ہیں: جمیع ھٰذہ الاصناف سواء فی ان من لقی اللہ تعالٰی بواحد منھا لایغفرلہ[3]۔ یہ سب قسمیں اس حکم میں یکساں ہیں کہ جو ان میں سے کسی قسم کا

[1] حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی

[2] تاریخ الخمیس وفاۃ ابی طالب موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۰۱، معالم التنزیل تفسیر البغوی تحت الآیۃ ۲/ ۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۱

[3] معالم التنزیل تفسیر البغوی تحت الآیۃ ۲/ ۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۱

کفر کرکے اللہ عزوجل سے ملے گا وہ کبھی اسے نہ بخشے گا۔

امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرآنی نے شرح التنقیح پھر امام قسطلانی نے مواہب میں کفار کی ایک قسم یوں بیان فرمائی:

من اٰمن بظاہرہ وباطنہ وکفر بعدم الاذعان للفروع کما حکی عن ابی طالب انہ کان یقول انی لاعلم ان مایقولہ ابن اخی لحق ولو لا انی اخاف ان تعیرنی نساء قریش لاتبعتہ وفی شعرہ یقول لقد علموا ان ابننا لامکذب یقینًا ولا یعزی لقول الاباطل فھذا تصریح باللسان و اعتقاد بالجنان غیرانہ لم یذعن[1]	یعنی ایک کافر وہ ہے جو قلب سے عارف زبان سے معترف ہو مگر اذعان نہ لائے جیسے ابوطالب سے مروی کہ بے شک میں یقینًا جانتا ہوں کہ جو کچھ میرے بھتیجے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) فرماتے ہیں ضرور حق ہے اگر اس کا اندیشہ نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں مجھے عیب لگائیں گی تو ضرور میں اُن کا تابع ہوجاتا اور اپنے ایک شعر میں کہا: خدا کی قسم کافران قریش خوب جانتے ہیں کہ ہمارے بیٹے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) یقینًا سچے ہیں اور معاذ اللہ کوئی کلمہ خلاف حق کہنا ان کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا۔ تو یہ زبان سے تصریح اور دل سے اعتقاد سب کچھ ہے مگر اذعان نہ ہوا۔

امام ابن اثیر جزری نہایہ، پھر علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

کفر عناد ھو ان یعرفہ بقلبہ ویعترف بلسانہ ولا یدین بہ کابی طالب[2]۔	کفر عنادیہ ہے کہ دل سے پہچانے اور زبان سے اقرار کرے مگر تسلیم وانقیاد سے باز رہے جیسے ابوطالب۔

علامہ مجدالدین فیروزآبادی سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

چوں عم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابوطالب	جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چچا ابوطالب

[1] المواہب اللدنیہ عالم الحزن وفاۃ ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۶۵

[2] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ وفاۃ خدیجہ و ابی طالب دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۵

بیمار شد باوجود آنکہ مشرک بود او راعیادت فرمود و دعوتِ اسلام کرو ابوطالب قبول نہ کرواھ ملخصًا[1]۔	بیمار ہوگئے تو ان کے کافر ہونے کے باوجود حضور علیہ الصلوۃ و السلام نے ان کی عیادت کی اور اسلام لانے کی دعوت دی جسے ابوطالب نے قبول نہ کیا۔(ت)

شیخ محقق مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

حدیث صحیح اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفر را[2]۔	حدیثِ صحیح نے کفرِ ابوطالب کو ثابت کردیا ہے۔(ت)

پھر بعد ذکر احادیث فرمایا:

و در روضۃ الاحباب نیز اخبار موت ابوطالب بر کفر آوردہ الخ[3]۔	روضۃ الاحباب میں بھی ابوطالب کے کفر پر مرنے کی احادیث لائی گئی ہیں۔الخ(ت)

بحر العلوم ملک العلماء مولانا عبدالعلی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں:

احادیث کفرہ شھیرۃ وقد نزل فی حق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شان عمہ ابی طالب "انك لاتھدی من احببت" کمافی صحیح مسلم وسنن الترمذی وقد ثبت فی الخبر الصحیح عن الامام محمد ن الباقر کرم اللہ تعالٰی وجھہ الکریم ووجوہ اٰبائہ الکرام ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورث طالبا وعقیلا اباھما ولم یورث علیا وجعفرا قال علی ولذا ترکنا نصیبنا فی الشعب کذا فی مؤطا الامام مالك[4]۔	حدیثیں اُس کے کفر کی مشہور ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ان کے چچا ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اے نبی! تم ہدایت نہیں دیتے جسے دوست رکھو جیسا کہ صحیح مسلم اور ترمذی میں ہے تحقیق امام محمد باقر، "اللہ تعالٰی نے ان کے اور ان کے آباء واجداد کے چہرے کو مکرم بنایا"، سے خبر صحیح میں ثابت ہوچکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طالب و عقیل کو ان کے باپ کا وارث بنایا مگر علی و جعفر کو وارث نہیں بنایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: اسی وجہ سے ہم نے شعب ابی طالب سے اپنا حصہ ترک کردیا۔مؤطا امام مالک میں یونہی ہے۔(ت)

[1] شرح سفر السعادت فصل در بیان عیادت بیماراں و نماز جنازہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۴۹

[2] مدارج النبوۃ وفات یافتن ابوطالب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۸

[3] مدارج النبوۃ وفات یافتن ابوطالب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۲/ ۴۹

[4] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی منشورات الشریف رضی قم ایران ۱/ ۱۵۳ و ۱۵۴

یعنی کفر ابو طالب کی حدیثیں مشہور ہیں پھر اس کے ثبوت میں آیت اولیٰ کا اترنا اور حدیث دہم کفر ابی طالب کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علی و جعفر کو ترکہ نہ دلانا بیان فرمایا۔

اقول: وذکر الامام الباقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقع زلۃ من القلم وانما ھو الامام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما اسمعناک من المؤطا والصحیحین وغیرھا۔	میں کہتا ہوں امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر قلم کی لغزش سے واقع ہوا۔ درحقیقت وہ امام زین العابدین ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جیسا کہ ہم تجھے بحوالۂ مؤطا و صحیحین وغیرہ بتاچکے ہیں۔ت)

نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض فصل الوجہ الخامس من وجوہ السب امام ابن حجر مکی سے نقل فرمایا:

حدیث مسلم ان ابی واباک فی النار اراد بابیہ عمہ ابا طالب لان العرب تسمی العم ابا (ملخصًا)[1]۔	حدیث مسلم میں کہ میرا اور تیرا باپ جہنم میں ہیں، باپ سے مراد آپ کے چچا ابو طالب ہیں کیونکہ عرب چچا کو باپ کہہ دیتے ہیں۔ (ملخصًا) (ت)

یعنی عرب کی عادت ہے کہ باپ کو چچا کہتے ہیں، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اسی عادت پر اس حدیث میں اپنے چچا ابو طالب کو باپ کہہ کر فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے۔

امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی مسالک الحنفاء فی والدی المصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اسی حدیث کی نسبت فرماتے ہیں:

ماالمانع ان یکون المراد بہ عمہ ابوطالب فکانت تسمیۃ ابی طالب ابا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شائعۃ عندھم لکونہ عمہ وکونہ رباہ وکفلہ من صغرہ اھ ملخصًا[2]۔	کون مانع ہے کہ اس حدیث میں ابو طالب مراد ہو کہ وہ دوزخ میں ہے، اُس زمانہ میں شائع تھا کہ ابو طالب کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا باپ کہا جاتا۔ چچا ہونے اور بچپن سے حضور اقدس کی خدمت و کفالت کرنے کے باعث۔

اقول: جس طرح ابھی ابو طالب کے شعر سے گزرا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابو طالب کی بی بی حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی ماں فرمایا۔

---

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل الوجہ خامس مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۴/ ۴۱۴

[2] الحاوی للفتاوٰی مسالک الحنفاء فی والد المصطفٰی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۲۷و۲۲۸

اسی میں فرماتے ہیں:

اخرج تمام الرازی فی فوائدہ بسند ضعیف عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا کان یوم القیٰمۃ شفعت لابی و امّی وابی طالب واخ لی کان فی الجاھلیۃ اوردہ المحب الطبری وھو من الحفاظ والفقہاء فی کتابہ ذخائر العقبٰی فی مناقب ذوی القربٰی وقال ان ثبت فھو مؤول فی ابی طالب علی ماورد فی الصحیح من تخفیف العذاب عنہ بشفاعتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انتھٰی وانما احتاج الی تاویلہ فی ابی طالب دون الثلثۃ ابیہ وامہ و اخیہ یعنی من الرضاعۃ لان ابا طالب ادرک البعثۃ و لم یسلم والثلثۃ ماتوا فی الفترۃ[1]۔	یعنی تمام الرازی نے بسند ضعیف ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں روزِ قیامت اپنے والدین اور ابو طالب اور اپنے ایک رضاعی بھائی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔ امام محب طبرنی نے کہ حافظان حدیث و علمائے فقہ سے ہیں ذخائر العقبٰی میں فرمایا یہ حدیث اگر ثابت بھی ہو تو ابو طالب کے بارے میں اس کی تاویل وہ ہے جو صحیح حدیث میں آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت سے عذاب ہلکا ہوجائے گا۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔ خاص ابوطالب کے باب میں تاویل کی حاجت یہ ہوئی کہ ابو طالب نے زمانہ اسلام پایا اور کفر پر اصرار رکھا بخلاف والدین کریمین و برادر رضاعی کہ زمانہ فترت میں گزرے۔

یعنی ایک حدیث ضعیف میں آیا کہ میں روز قیامت اپنے والدین اور ابو طالب اور اپنے ایک رضاعی بھائی کہ زمانہ جاہلیت میں گزرا شفاعت فرماؤں گا۔

اقول: یہاں تاویل بمعنی بیان مراد و معنی ہے جس طرح شرح معانی قرآن کو تاویل کہتے ہیں، کفار سے تخفیف عذاب بھی حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالٰی کی اقساط شفاعت سے ہے شفاعت کبرٰی کہ فتح باب حساب کے لیے ہے تمام جہان کو شامل و عام ہے۔ امام نووی نے باآنکہ ابوطالب کو بالیقین کافر جانتے ہیں تبویب صحیح مسلم شریف میں حدیث چہارم و پنجم کا باب یوں لکھا۔

باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ[2]۔	نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ابوطالب کے لیے شفاعت اور اس کے عذاب میں تخفیف کا باب۔

[1] الحاوی للفتاوٰی مسالک الحنفاء فی والدا المصطفٰی دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۰۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

امام بدر الدین زرکشی نے خادم میں ابن دحیہ سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اقسام شفاعت سے وہ تخفیف عذاب ہے جو ابولہب کو بروز دوشنبہ ملتی ہے۔ لسرورہ بولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واعتاقہ ثویبۃ حین بشرت بہ قال وانما ھی کرامۃ لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس لیے کہ اس نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے میلاد مبارک کی خوشی کی اور اس کا مژدہ سن کر ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔ یہ حضور ہی کا فضل ہے جس کے باعث اس نے تخفیف پائی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، نقلہ فی المسالك ایضًا[1]۔ (اسے مسالک میں بھی نقل کیا گیا۔ ت) نیز مسالک الحنفا پھر شرح مواہب علامہ زرقانی میں ہے:

قد ثبت فی الصحیح واخبر الصادق المصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ابا طالب اھون اھل النار عذاب[2] اھ ملتقطا۔ اللھم اجرنا من عذابك الالیم بجاہ نبیّك الرؤف الرحیم علیہ وعلٰی اٰلہ افضل الصلوۃ وادوم التسلیم امین والحمد للہ رب العٰلمین۔	بے شک صحاح میں ثابت ہے اور صادق مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابوطالب پر سب دوزخیوں سے کم عذاب ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنے دردناک عذاب سے بچا رؤف ورحیم نبی کے صدقے میں، آپ پر اور آپ کی آل پر بہترین درود اور دائمی سلام ہو۔ اے اللہ ہماری دعا قبول فرما۔ اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

فصل چہارم:

علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر پھر علامہ علی بن احمد عزیزی سراج المنیر شروح جامع صغیر میں زیر حدیث ہشتم فرماتے ہیں:

ھٰذا یؤذن بموتہ علٰی کفرہ وھو الحق ووھم البعض[3]۔	یعنی یہ حدیث بتاتی ہے کہ ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی اور یہی حق ہے اور اس کا خلاف وہم ہے۔

امام عینی زیر حدیث دوم وچہارم فرماتے ہیں:

---

[1] الحاوی للفتاوٰی بحوالہ الزرکشی مسالك الحنفاء فی والد المصطفٰی دار الکتب العلمیہ بیروت ۲ /۲۰۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ وفات خدیجہ و ابی طالب ۱ /۲۹۴ والحاوی للفتاوی ۲ /۲۲۸

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اھون اھل النار عذابا الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱ /۳۸۴

ھذا کلہ ظاھر انہ مات علی غیر الاسلام فان قلت ذکر السھیلی انہ رای فی بعض کتب المسعودی انہ اسلم قلت مثل ھذا لایعارض مافی الصحیح[1]۔	ان سب حدیثوں سے ظاہر ہے کہ ابوطالب کی موت غیر اسلامی پر ہوئی، اگر تُو کہے کہ سہیلی نے ذکر کیا کہ انہوں نے مسعودی کی کسی کتاب میں دیکھا کہ ابوطالب اسلام لے آئے میں کہوں گا ایسی بے سروپا حکایت احادیث صحیح بخاری کی معارض نہیں ہوسکتی۔

اقول: علاوہ بریں اگر یہ مسعودی علی بن حسین صاحبِ مروج ہے تو خود رافضی ہے اس کی کتاب مروج الذھب خلفائے کرام و صحابہ عظام عشرہ مبشرہ وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنہم پر صریح تبرا سے جابجا آلودہ وملوث ہے۔ لوط بن یحیٰی ابومخنف رافضی خبیث ہالک کے اقوال و نقول بکثرت لاتا ہے جس کے مردود و تالف ہونے پر آئمہ جرح و تعدیل کا اجماع ہے اسی طرح اور رفاض و فساق وہالکین کے اخبار پر اس کی کتاب کا مدار ہے جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح و آشکار ہے، فقیر غفر اللہ تعالٰی نے اپنے نسخہ مروج الذھب کے ہامش پر اِس کی تنبیہ لکھ دی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

ہشام کلبی مفسر کہ رافضی غالی ست وہمچنیں مسعودی صاحبِ مروج الذہب وابوالفرج اصبہانی صاحبِ کتاب الاغانی وعلٰی ہذا القیاس امثال اینہارا ایں فرقہ دراعداد اہلسنت داخل کنند و بمقولات ومنقولات ایشاں الزام اہلسنت خواہند[2]۔	ہشام کلبی مفسر جو کہ غالی رافضی ہے، اسی طرح مروج الذھب کا مصنف مسعودی اور ابوالفرج اصبہانی صاحبِ کتاب الاغانی اور علٰی ہذا القیاس ان جیسے دیگر رافضیوں کو یہ فرقہ، اہل سنت میں داخل کرتا ہے اور ان کے اقوال و منعقولات سے اہل سنت کو الزام دینا چاہتا ہے۔ (ت)

علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

القول باسلام ابی طالب لایصح قالہ ابن عساکر وغیرہ[3]۔	ابوطالب کا اسلام ماننا غلط ہے امام ابن عساکر وغیرہ نے اس کی صریح کی۔

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب مناقب الانصار تحت حدیث ۳۸۸۴ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۷/ ۲۴

[2] تحفہ اثنا عشریہ باب دوم فصل دوم کید بست وسوم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۴۱

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الرابع دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۸۶

اسی طرح اصابہ میں ہے کماسیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) علامہ شہاب نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

من الغریب مانقلہ بعضھم ان اللہ تعالٰی احیاہ لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فامن بہ کابویہ واظنہ من افتراء الشیعۃ[1]۔	غرائب سے ہے یہ جو بعض نے نقل کیا کہ اللہ تعالٰی نے والدین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرح ابوطالب کو بھی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے زندہ کیا کہ بعد مرگ جی کر مشرف باسلام ہوئے میرے گمان میں یہ رافضیوں کی گھڑت ہے۔

اقول: وضّاع کذاب رافضیوں ہی میں منح صر نہیں مگر یہ اُن کے مسلک کے موافق ہے لہٰذا اس کی وضع کا گمانِ انہیں کی طرف جاتا ہے پھر بھی بے تحقیق جزم کی کیا صورت ممکن کہ کسی اور نے وضع کی ہو، اس بناپر لفظ ظن فرمایا، ورنہ اس کے موضوع و مفتری ہونے میں تو شُبہ نہیں، کمالایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) علامہ صبان محمد بن علی مصری کتاب اسعاف الراغبین میں فرماتے ہیں:

اما اعمامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاثنا عشرۃ حمزۃ العباس وھما المسلمان وابوطالب والصحیح انہ مات کافرا[2]۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارہ چچا تھے، حمزہ و عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما اور یہی دو مشرف باسلام ہوئے اور ابوطالب اور صحیح یہی ہے کہ یہ کافر مرے۔

فصل پنجم:

شرح مقاصد و شرح تحریر پھر ردالمحتار حاشیہ درمختار باب المرتدین میں ہے:

المصر علی عدم الاقرار مع المطالبۃ بہ کافر وفاقا لکون ذلك من امارات عدم التصدیق ولھذا اطبقوا	جس سے اقرارِ اسلام کا مطالبہ کیا جائے اور وہ اقرار نہ کرنے پر اصرار رکھے بالاتفاق کافر ہے کہ یہ دل میں تصدیق نہ ہونے کی علامت ہے۔

[1] نسیم الریاض القسم الاول الباب الاول الفصل الخامس مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۲۱۰

[2] اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی علٰی ھامش نور الابصار دار الفکر بیروت ص ۹۴

علٰی کفر ابی طالب [1]۔	اسی واسطے تمام علماء نے کفرِ ابی طالب پر اجماع کیا ہے۔

مولانا علی قاری شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:

اذا امربھا وامتنع وابٰی عنھا کابی طالب فھو کافر بالاجماع [2]۔	جسے شہادت کلمہ اسلام کا حکم دیا جائے اور وہ باز رہے اور ادائے شہادت سے انکار کرے جیسے ابوطالب، تو وہ بالاجماع کافر ہے۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اُس شخص کے بارے میں جو قلب سے اعتقاد رکھتا تھا اور بغیر کسی عذر و مانع کے زبان سے اقرار کی نوبت نہ آئی، علماء کا اختلاف کہ یہ اعتقاد بے اقرار اُسے آخرت میں نافع ہوگا یا نہیں، نقل کرکے فرماتے ہیں۔

قلت لکن بشرط عدم طلب الاقرار منه فان ابی بعد ذٰلك فکافر اجماعا لقضیة ابی طالب [3]۔	یعنی یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس سے اقرار طلب نہ کیا گیا ہو اور اگر بعد طلب باز رہے جب تو بالاجماع کافر ہے۔ ابو طالب کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔

اُسی کی فصل ثانی باب اشراط الساعۃ میں ہے:

ابوطالب لم یؤمن عند اھل السنة [4]۔	اہل سنت کے نزدیک ابوطالب مسلمان نہیں۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ میں فرماتے ہیں:

مشائخ حدیث و علمائے سنت بریں اند کہ ایمان ابوطالب ثبوت نہ پذیرفتہ ودر صحاح احادیث ست کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در وقتِ وفات وے بر سر دے آمد و	مشائخ حدیث اور علماءِ اہلسنت کا مؤقف یہ ہے کہ ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں ہے، صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ ابوطالب کی وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسکے

[1] ردالمحتار کتاب السیر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۳ و ۲۸۴

[2]

[3]

[4] مرقات المفاتیح شرح مشکٰوۃ المصابیح کتاب الفتن حدیث ۵۴۵۸ المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ ۹/ ۳۶۰

عرض اسلام کرد وے قبول نہ کرد[1]۔	پاس تشریف لائے اور سلام پیش فرمایا مگر اس نے قبول نہیں کیا۔ت)

فصل ششم:

امام ابن حجر مکی افضل القریٰ القراء ام القریٰ میں ابوطالب کی بیت مروی صحیح بخاری کہ ہم نے شروع جواب میں ذکر کی لکھ کر فرماتے ہیں:

ھذا البیت من جملة قصیدة له فیھا مدح عجیب له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی اخذا الشیعة منھا القول باسلامه[2]۔	یہ بیت ابوطالب کے ایک قصیدہ کا ہے جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عجب نعت ہے، یہاں تک کہ رافضیوں نے اس سے ابوطالب کا مسلمان ہونا اخذ کرلیا۔

پھر فرماتے ہیں:

صرائح الاحادیث المتفق علٰی صحتھا ترد ذٰلک[3]۔	لیکن صاف اور روشن حدیثیں جن کی صحت پر اتفاق ہے اسلام ابوطالب کو رَد کررہی ہیں۔

علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب میں روایت ضعیفہ ابن اسحٰق کہ ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب مع اپنے جوابوں کے آتی ہے ذکر کرکے فرماتے ہیں:

بھذا احتج الرفضة ومن تبعھم علٰی اسلامه[4]۔	رافضی اور جو اُن کے پیرو ہوئے وہ اسی روایت سے ابوطالب کے اسلام پر سند لاتے ہیں۔

انوار التنزیل وارشاد العقل میں زیر آیہ کریمہ "انك لاتھدی من احببت" فرمایا:

الجمھور علی انھا نزلت فی ابی طالب[5]۔	جمہور آئمہ کے نزدیک یہ آیت دربارہ ابوطالب اُتری۔

---

[1] شرح سفر السعادۃ فصل دربیان عیادت بیماراں و نماز جنازہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۴۹

[2] افضل القرٰی القراء ام القرٰی تحت البیت ۴۵ المجمع الثقافی ابوظہبی ۱/ ۲۸۶

[3] افضل القرٰی القراء ام القرٰی تحت البیت ۴۵ المجمع الثقافی ابوظہبی ۱/ ۲۸۶

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة عام الحزن وفاۃ خدیجہ وابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۱

[5] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲۸/ ۵۶ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۹۸

علامہ خفاجی اِس کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

اشارۃ الی الرد علی بعض الرفضۃ اذذھب الی اسلامہ[1]۔	یہ اشارہ ہے بعض رافضیوں کے رَد کی طرف کہ وہ اسلامِ ابو طالب کے قائل ہیں۔

اصابہ میں ہے:

ذکر جمع من الرفضۃ انہ مات مسلما[2]، قال ابن عساکر فی صدر ترجمتہ قیل انہ اسلم ولایصح اسلامہ مختصر[3]۔	رافضیوں کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ابو طالب مسلمان مرے۔ امام ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں شروع تذکرۂ ابوطالب میں فرمایا بعض اسلام ابو طالب کے قائل ہوئے اور یہ صحیح نہیں مختصر۔

زرقانی میں ہے:

الصحیح ان ابا طالب لم یسلم، و ذکر جمع من الرفضۃ انہ مات مسلما وتمسکوا باشعار واخبار واھیۃ تکفل بردھا فی الاصابۃ[4]۔	صحیح یہ ہے کہ ابوطالب مسلمان نہ ہوئے، رافضیوں کی ایک جماعت نے اُن کا اسلام پر مرنا مانا اور کچھ شعروں اور واہیات خبروں سے تمسک کیا جن کے رَد کا امام حافظ الشان نے اصابہ میں ذمہ لیا۔

نسیم فصل کیفیۃ الصلوۃ علیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والتسلیم میں ہے:

ابو طالب توفی کافرا وادعاء بعض الشیعۃ انہ اسلم لا اصل لہ[5]۔	ابوطالب کی موت کفر پر ہوئی اور بعض رافضیوں کا دعوی باطلہ کہ وہ اسلام لائے محض بے اصل ہے۔

شیخ محقق شرح صراط مستقیم میں فرماتے ہیں:

[1] عنایۃ القاضی حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی تحت آلایۃ ۲۸ /۵۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ /۳۰۹

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابوطالب دار صادر بیروت ۴ /۱۱۶

[3] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۸۹۴۰ ابوطالب دار احیاء التراث العربی ۷۰ /۲۲۸

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الرابع دار المعرفتہ بیروت ۳ /۲۷۴

[5] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۳ /۴۸۴

شیخ ابن حجر در فتح الباری میگوید معرفت ابوطالب بہ نبوت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم در بسیاری از اخبار آمدہ و تمسک کردہ بدان شیعہ بر اسلام وے و استدلال کردہ اند بر دعوی خود بچیزے کہ دلالت ندارد بر آں[1]۔	شیخ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نبوت کی معرفت حاصل تھی۔اس بارے میں متعدد احادیث وارد ہیں جن کو شیعہ اسلامِ ابو طالب کی دلیل بتاتی ہیں اور اپنے دعوی پر جس چیز اسے استدلال کرتے ہیں وہ اُن کے دعوی پر دلالت نہیں کرتی۔ت)

اسی میں ہے:

مخفی نماند کہ صحتِ اسلام ابوین بلکہ سائر آبائے دے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مشہور ست و شیعہ اسلامِ ابوطالب رانیز ازیں قبیل دانند[2] اھ مختصرًا۔	پوشیدہ نہ رہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین بلکہ تمام آباء واجداد کے اسلام کا صحیح ہونا مشہور ہے، اور شیعہ اسلامِ ابوطالب کو بھی اسی قبیل سے سمجھتے ہیں اھ اختصار(ت)

فصل ہفتم:

الحمدُ للہ کلام اپنی نہایت کو پہنچا بعد اس قدر نصوص علیہ وجلیہ قرآن وحدیث وارشاداتِ صحابہ وتابعین وتبع تابعین وآئمہ قدیم وحدیث کے منصف کو چارہ نہیں مگر تسلیم اور شبہات کا حصہ نہیں مگر فنائے عمیم پھر بھی تبیین مرام وتسکین اوہام مناسب مقام، عمرو نے آٹھ شبہے ذکر کیے اور نواں کہ اگر شبہہ کہنے کے بھی کچھ قابل ہے تو وہی ہے اس سے متروک ہوا ہم اُن سب کو ذکر کرکے بتوفیق اللہ تعالٰی اظہار جواب وابانتِ صواب کریں۔

شبہہ اولٰی__کفالت__ اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) ہاں بالیقین مگر کفالت نبی مستلزم اطاعتِ نبی نہیں، قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّ حَزَنًاؕ" الایۃ[3]۔	تواُسے اٹھالیا فرعون کے گھر والوں نے کہ وہ ان کا دشمن اور ان پر غم ہو، الآیۃ(ت)

[1] سفر السعادت فصل دربیان عیادت بیماراں الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۲۴۹

[2] سفر السعادت فصل دربیان عیادت بیماراں الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ص ۵۰۔۲۴۹

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۸

قال تعالٰی (اور اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"قَالَ اَلَمۡ نُرَبِّكَ فِيۡنَا وَلِيۡدًا وَّلَبِثۡتَ فِيۡنَا مِنۡ عُمُرِكَ سِنِيۡنَ ۙ۝۱۸" [1]۔	بولا کیا ہم نے تمہیں اپنے یہاں بچپن میں نہ پالا اور تم نے ہمارے یہاں اپنی عمر کے کئی برس گزارے۔(ت)

شبہہ ثانیہ ____ نصرتِ وحمایت ____ نقول: ضرور مگر مدعا سے دور، رافضی اس سے دلیل لائے اور علمائے سنت جواب دے چکے۔اصابہ میں فرمایا:

استدل الرافضی بقول اللہ تعالٰی "فالذین اٰمنوا بہ و عزروہ و نصروہ واتبعوا النور الذی معہ اولئك ھم المفلحون" قال وقد عزرہ ابوطالب بما اشتھر و علم ونابذ قریشا وعاداھم بسببہ مما لایدفعہ احد من نقلۃ الاخبار فیکون من المفلحین انتھی وھذا مبلغھم من العلم وانا نسلم انہ نصرہ وبالغ فی ذلك لکنہ لم یتبع النور الذی معہ وھو الکتاب العزیز الداعی الی التوحید ولا یحصل الفلاح الا بحصول ماترتب علیہ من الصفات کلھا[2]۔	یعنی اسلامِ ابی طالب پر رافضی اس آیت سے دلیل لایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے "جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور اس کی نصرت ومدد کی اور جو نورِ اس نبی کے ساتھ اتارا گیا اس کے پیرو ہوئے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں"۔رافضی نے کہا: ابوطالب کی مدد ونصرت مشہور ومعروف ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے قریش سے مخالفت کی عداوت باندھ لی جس کا کوئی راوی اخبار انکار نہ کرے گا تو وہ فلاح پانے والوں میں ٹھہرے۔رافضیوں کے علم کی رسائی یہاں تک ہے اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ابوطالب نے ضرور نصرت کی اور بدرجہ غایت کی مگر اس نور کا اتباع نہ کیا جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اترا یعنی قرآن مجید داعی توحید اور فلاح تو جب ملے کہ جتنی صفات پر اسے مرتب فرمایا ہے سب حاصل ہوں۔

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۱۸

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء ترجمہ ۶۸۵ ابوطالب دار صادر بیروت ۴ /۱۱۸

اقول: اولاً یہ نصرت وحمایت کا قصہ بارگاہِ رسالت میں پیش ہوچکا، عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! ابو طالب چنیں وچناں کرتا اسے کیا نفع ملا؟ جواب جو ارشاد ہوا۔ حدیث چہارم میں گزرا۔

ثانیاً: بلکہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما پر خود رب العزت جواب دے چکا کہ اوروں کو نبی کی ایذا سے روکتے اور خود ایمان لانے سے بچتے ہیں، دیکھو آیت وحدیث سوم۔

ثالثاً: اعتبار خاتمہ کا ہے "**انما الاعمال بالخواتیم**"[1]۔ (اعمال کا دارومدار خاتموں پر ہے۔ت) جب ابوطالب کا کفر پر مرنا قرآن وحدیث سے ثابت تو اب اگلے قصّے سنانا اور گزشتہ کفالت ونصرت سے دلیل لانا محض ساقط۔ صحاح ستّہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک حدیثِ طویل میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"فواللہ الذی لا الٰہ غیرہ ان احدکم لیعمل بعمل اھل الجنۃ حتی مایکون بینہ وبینھا الاذراع فیسبق علیہ الکتاب فیعمل بعمل اھل النار فیدخل النار"[2]۔	قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں تم میں کوئی شخص جنتیوں کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ایک ہاتھ کا فرق رہ جاتا ہی اتنے میں تقدیر غالب آجاتی ہے کہ وہ دوزخیوں کے کام کرکے دوزخ میں جاتا ہے۔ (والعیاذ باللہ رب العالمین)۔

رابعاً: نہ صرف اسلام مستلزم اسلام نہ ثبوت خاص نہ ثبوت عام، صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہی غزوہ خیبر میں ایک مدعی اسلام نے ہمراہ رکاب اقدس سخت جہاد اور کافروں سے عظیم قتال کیا، صحابہ اس کے مداح ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: وہ دوزخی ہے۔ اس پر قریب تھا کہ بعض لوگ متزلزل ہوجاتے۔ (یعنی ایسے عالی درجہ کے عمدہ کام ایسی جلیل وجمیل نصرت اسلام اور اس پر ناری ہونے کے احکام) بالآخر خبر پائی کہ وہ معرکہ میں زخمی ہوا درد کی تاب نہ لایا رات کو اپنا گلا کاٹ کر مرگیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث سھل بن سعد المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۳۵

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قولہ تعالٰی ولقد سبقت کلمتنا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۱۰، صحیح مسلم کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲، سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب القدر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۲

"انه لا یدخل الجنة الا نفس مسلمة وان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر "[1]۔	بے شک جنت میں کوئی نہ جائے گا مگر مسلمان جان، اور بے شک اللہ اس دین کی مدد کرتا ہے فاسق کے ہاتھ پر۔

اسی کے قریب طبرانی نے کبیر میں عمرو بن نعمان بن مقرن رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی۔ نسائی وابن حبان حضرت انس بن مالک اور احمد وطبرانی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند جید راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله یؤید ھٰذا الدین باقوام لا خلاق لھم[2]۔	بے شک اللہ عزوجل اس دین کی مدد ایسے لوگوں سے فرماتا ہے جن کا کوئی حصہ نہیں۔

طبرانی کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الله تعالٰی لیؤید الاسلام برجال ماھم من اھله[3]۔	بے شک اللہ تعالٰی اسلام کی تائید ایسے لوگوں سے کراتا ہے جو خود اہلِ اسلام سے نہیں۔

نسأل الله العفو والعافیة (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ ت)

شبہہ ثالثہ ____ محبت ____ اقول: بے شک مگر حد طبعی تک جیسے چچا کو بھتیجے سے چاہیے اور بھتیجے بھی کیسے کہ حقیقی بھائی نوجوان گزرے ہوئے کی اکلوتی نشانی، پھر اس پر جمال صورت و کمال سیرت وہ کہ اپنے تو اپنے غیر دیکھیں تو فدا ہو جائیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاندان ہاشمی ایک اسی چراغ محمود و شمع بے دُود سے روشن تھا۔ خاندانی حمیت ہر عاقل کو ہوتی ہے خصوصًا عرب خصوصًا قریش خصوصًا بنی ہاشم میں اس کے عظیم مادہ ولہذا جب آیہ کریمہ "فَاصْدَعْ

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الخیبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰۴، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان غلظ تحریم قتل الانسان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۲

[2] کنز العمال برمز ن حب و حم طب عن ابی بکرۃ حدیث ۲۸۹۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۸۴

[3] کنز العمال برمز طب عن ابن عمرو حدیث ۲۸۹۵۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۱۸۴

بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۹۴﴾ "[1]۔ (تو اعلانیہ کہہ دو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو۔ت) نازل ہوئی اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے علانیہ دعوتِ اسلام شروع کی اشرافِ قریش جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تمام عرب میں سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے بڑھ کر اچھی اٹھان والا لڑکا ہم سے لے لو اُسے بجائے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرورش کرو اور انہیں ہم کو دے دو، اور اسی ارادہ فاسد پر عمارہ بن ولید کو لے کر گئے تھے کہ ابوطالب نے مانا تو اسے انہیں دے دیں گے، ابوطالب نے کہا:

"واللہ لبئس ماتسوموننی اتطوننی ابنکم اغذوہ لکم واعطیکم ابنی تقتلونه ھذا واللہ مالا یکون ابدا حین تروح الابل فانه حنت ناقة الی غیر فصیلھا دفعته الیکم"۔ لخصناہ حدیث ابن اسحٰق ذکرناہ بلاغا ومن حدیث مقاتل ذکرہ فی المواھب[2]	خدا کی قسم کیا بُری گاہکی میرے ساتھ کر رہے ہو، کیا تم اپنا بیٹا مجھے دو کہ میں تمہارے لیے اسے کھلاؤں پرورش کروں اور میں اپنا بیٹا تمہیں دے دوں کہ تم اسے قتل کرو، خدا کی قسم یہ کبھی ہونی نہیں، جب اُونٹ شام کو نکلتے ہیں تو اگر کوئی ناقہ اپنے بچے کو چھوڑ کر دوسری کی طرف میل کرتی ہو تو میں بھی تم سے اپنا بیٹا بدل لوں۔ (ہم نے اس کو حدیث ابن اسحٰق سے ملخص کیا جسے انہوں نے مفصل بیان کیا اور ہم نے ملخص کیا اور حدیث مقاتل سے جس کو مواہب میں ذکر کیا گیا ہے۔ت)

ابوطالب نے صاف بتادیا کہ ان کی محبت وہی ہے جو انسان تو انسان حیوان کو بھی اپنے بچے سے ہوتی ہے، ایسی محبت ایمان نہیں، ایمان حُبِّ شرعی ہے، ابوطالب میں اس کی شان نہیں، محبت شرعی وایمانی ہوتی تو نار کو عار پر اختیار اور دمِ مرگ کلمہ طیبہ سے انکار اور ملتِ جاہلیت پر اصرار کیوں ہوتا۔ امام قسطلانی ارشاد الساری میں فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹۴

[2] المواھب اللدنیة

قد کان ابوطالب یحوطه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم و ینصرہ ویحبه حبا طبعیا لاشرعیا فسبق القدر فیه واستمر علی کفرہ وللہ الحجة السامیة[1]۔	یعنی ابو طالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نصرت وحمایت سب کچھ کی، طبعی محبت بہت کچھ رکھی۔ مگر شرعی محبت نہ تھی، آخر تقدیرِ الٰہی غالب آئی اور معاذ اللہ کفر پر وفات پائی اور اللہ ہی کے لیے ہے حجت بُلند۔

نسیم الریاض میں ہے:

حنونه علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ومحبته له امر مشھور فی السیر وکان یعظمه ویعرف نبوته ولکن لم یوفقه اللہ للاسلام و فی الامتناع ان فیه حکمة خفیة من اللہ تعالٰی لانه عظیم قریش لایمکن احدا منھم ان یتعدی علی ما فی جوارہ فکان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بدء امرہ فی کنف حمایته یذبھم عنه کما قال:۔ واللہ لن یصلوا الیك بجمعھم حتی اوسد فی التراب دفینا فلو اسلم لم یکن له ذمة عندھم ولذا لم یکن له صلی اللہ علیه علیه وسلم بعد موته بد من الھجرة[2]	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ ابوطالب کی مہر ومحبت مشہور ہے اور تعظیم ومعرفت نبوت معلوم، مگر اللہ تعالٰی نے مسلمان ہونے کی توفیق نہ دی، اور کتاب الامتاع میں فرمایا: ابوطالب کے مسلمان نہ ہونے میں اللہ تعالٰی کی ایک باریک حکمت ہے وہ سردارِ قریش تھے کوئی ان کی پناہ پر تعدی نہ کر سکتا تھا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں ان کی حمایت میں تھے وہ مخالفوں کو حضور سے دفع کرتے تھے، خود ایک شعر میں کہا ہے۔ خدا کی قسم تمام قریش اکٹھے ہوجائیں تو حضور تک نہ پہنچ سکیں گے جب تک میں خاک میں دبا کر لٹانہ دیا جاؤں۔ تو اگر وہ اسلام لے آتے قریش کے نزدیک ان کی پناہ کوئی چیز نہ رہتی، آخر ان کے انتقال پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہجرت ہی فرمانی ہوئی۔

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصہ ابی طالب دار الکتاب العربی بیروت ۶/ ۲۰۱

[2] نسیم الریاض القسم الاول الباب الاول الفصل الخامس مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۲۱۰

اقول: قربِ انتقال تک اسلام نہلانے کی یہ حکمت ہوسکتی ہے، مرتے وقت کفر پر اصرار کی حکمت اللہ جانے یا اس کا رسول، شاید اس میں **اولاً:** یہ نکتہ ہو کہ اگر اسلام لاکر مرتے مخالف گمان کرتے کہ اللہ کے رسول نے ہمارے ساتھ معاذ اللہ فریب برتا، اپنے چچا کو مسلمان تو کرلیا تھا مگر پناہ وذمہ رکھنے کے لیے ظاہر نہ ہونے دیا جب اخیر وقت آیا کہ اب وہ کام نہ رہا ظاہر کروایا۔

ثانیاً: اُن مسلمانون کی تسکین بھی ہے جن کے بزرگ حالتِ کفر میں مرے جس کا پتا حدیث ان ابی و اباك[1]۔ دیتی ہے اوّل ناگوار ہوا جب اپنے چچا کو شامل فرمایا سکون پایا۔

ثالثاً: مسلمانوں کے لیے اُسوہ حسنہ قائم فرمانا کہ اپنے اقارب جب خدا کے خلاف ہوں اُن سے براءت کریں مرنے پر جنازہ میں شریک نہ ہوں، نماز نہ پڑھیں، دُعائے مغفرت نہ کریں کہ جب خود اپنے حبیب کو منع فرمایا تو اوروں کی کیا گنتی۔

رابعاً: عمل میں اخلاص للہ وخوف وانقیاد کی ترغیب اور محبوبانِ خدا سے نسبت پر بھول بیٹھنے سے ترہیب، جب ابوطالب کو ایسی نسبت قریبہ بان کارہائے عجیبہ بوجہ نامنقادی کام نہ آئی تو اور کیا چیز ہے۔

"الی غیر ذلك مما اللہ ورسولہ بہ اعلم جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" (اس کے علاوہ دیگر وجوہ جنہیں اللہ تعالٰی جل جلالہ اور سول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوب جانتے ہیں۔ت)

شبہہ رابعہ ــــــ نعت شریف ــــــ اقول: یہ تو اور حجت الٰہیہ قائم ہونا ہے جب ایسا جانتے ہو پھر کیوں نہیں مانتے یہود عنود قبلِ طلوعِ شمس رسالت کیا کچھ نعت ومدحت نہ کرتے جب کوئی مشکل آتی مصیبت منہ دکھاتی حضور سے توسّل کرتے جب دشمن کا مقابلہ ہوتا دُعا مانگتے۔

اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان الذی نجد صفتہ فی التورٰتہ[2]۔	الٰہی ہمیں اُن پر مدد دے صدقہ نبی آخر الزمان کا جس کی نعت ہم توریت میں پاتے ہیں۔

پھر جان کر نہ ماننے کا کیا نتیجہ ہوا یہ جو قرآن عظیم نے فرمایا:

"وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ٘ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى	اور اس سے پہلے وہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا تو اسے منکر ہو بیٹھے، تو اللہ کی

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان من مات علی الکفر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۴

[2] البحر المحیط تحت الآیۃ ۲/ ۸۹ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۰۳

الْكٰفِرِيْنَ۝۸۹ "[1]۔	لعنت ہو منکروں پر۔(ت)

اصابہ میں فرماتے ہیں:

اماشھادۃ ابی طالب بتصدیق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم فالجواب عنہ وعما ورد من شعر ابی طالب فی ذلك انہ نظیر ماحکی اللہ تعالٰی عن کفار قریش "وجحدوا بھا واستیقنتھا انفسھم ظلمًا وعلوا فکان کفرھم عنادا ومنشؤہ من الانفۃ والکبر والٰی ذلك اشار ابوطالب بقولہ لولا ان تعیرنی قریش "۔[2]	یعنی ابوطالب کے ان اشعار وغیرہا (جن میں تصدیق نبی کی شہادت ہے) کا جواب یہ ہے کہ وہ اسی قبیل سے ہے جو قرآن عظیم نے کفار کا حال بیان فرمایا کہ براہ ظلم و تکبر منکر ہوتے اور دل میں خوب یقین رکھتے ہیں تو یہ کفر عناد ہوا اور اس کا منشاء تکبر اور اپنے نزدیک بڑی ناک والا ہونا ہے خود ابوطالب نے اس کی طرف اشارہ کیا کہ اگر قریش کی طعنہ زنی کا خیال نہ ہوتا تو اسلام لے آتا۔

شبہہ خامسہ ـــــ حضور کا استغفار فرمانا ـــــ اقول: اولًا اس کا جواب خود رب الارباب جل جلالہ، دے چکا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قید لگادی تھی مالم انہ عنہ تیرے لیے استغفار فرماؤں گا جب تک منع نہ کیا جاؤں گا۔ رب العزۃ جل جلالہ نے منع فرمادیا اب اس سے استناد خرط القتاد۔

ثانیًا: خود یہ وعدہ ہی کلمہ طیبہ سے انکار سُن کر ارشاد ہوا تھا۔ دیکھو حدیث دوم، پھر اسے دلیلِ اسلام ٹھہرانا عجب ہے۔

شبہہ سادسہ ـــــ حکایت جامع الاصول ـــــ اقول: سید اہلبیت رضی اللہ تعالٰی عنہم مولٰی کرم اللہ وجہہ الکریم ابوطالب کو مشرک کہتے باوصف حکم اقدس غسل وکفن میں تامل عرض کرتے سیّد السادات سیّد الکائنات علیہ وآلہ افضل الصلوۃ واکمل التحیات اسے مقرر رکھتے، جنازہ میں شرکت سے باز رہتے، سیدنا جعفر بن ابی طالب وامیر المومنین علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بوجہ اسلام ترکہ کفار سے محرومی پاتے، سید امام زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کی وجہ کفرِ ابی طالب بیان فرماتے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ ختن اہل بیت اسے کافر کا ترکہ مومن کو نہ ملنے کی دلیل

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۹

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء ترجمہ ۶۸۵ ابو طالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

ٹھہراتے۔ سیدنا عباس عمّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ورضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کے حال سے سوال کرکے وہ جواب پاتے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت "وان یهلکون الا انفسهم" کا ابوطالب کے حق میں نزول بتاتے اور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث ہشتم اور اُمّ المومنین ام سلمہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث ہفتم امیر المومنین علی برادرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حدیث پانزدہم روایت فرماتے ہیں: یہ سروران وسردارانِ اہل بیت کرام ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، ان کے بعد وہ کون سے اہلبیت قائلِ اسلام ابوطالب ہوئے، کیا قرآن وحدیث واطباق ائمہ قدیم وحدیث کے مقابل ایسی حکایات بے زمام وخطام کچھ کام دے سکتی ہیں، حاشا، لاجرم شیخ محقق مدارج النبوت میں فرماتے ہیں:

از اعمام پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیر حمزہ وعباس مسلمان نہ شدہ اند وابوطالب وابولہب زمانِ اسلام را دریافتہ اما توفیق اسلام نیافتہ جمہور علماء برین اند وصاحبِ جامع الاصول آوردہ کہ زعم اہلبیت آن ست کہ ابوطالب مسلمان از دنیا رفتہ واللہ اعلم بصحتہ کذا فی روضۃ الاحباب[1]۔	پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچوں میں سے حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا کوئی مسلمان نہ ہوا، ابو طالب وابولہب نے اسلام کا زمانہ پایا مگر اسلام لانے کی توفیق نہ پائی۔ جمہور علماء کا موقف یہی ہے، اور صاحبِ جامع الاصول نے ذکر کیا ہے کہ اہل بیت کا گمان یہ ہے کہ ابوطالب مسلمان ہو کر دنیا سے گئے ہیں، اس کی صحت کا حال اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، یونہی روضۃ الاحباب میں ہے۔ (ت)

اقول: علماء کا جابجا کفرِ ابی طالب پر اجماع نقل فرمانا اور اسلام ابی طالب کا قول مزعوم روافض بتانا، جس کے نقول اگلے فصول میں مذکور ومنقول، اس حکایت بے سروپا کے رد کو بس ہے، کیا باوصف خلافِ ائمہ اہلبیت اجماع منعقد ہوسکتا یا معاذاللہ ان کا خلاف لایعتد بہ ٹھہرا کر دعوی اتفاق فرمادیا جاتا اور جب خود اپنے ائمہ کرام میں خلاف حاصل تو جانب اجانب اعنی روافض قصر نسبت پر کیا حامل، پس عند التحقیق یہ حکایت بے اصل اور محکی عنہ معدوم وباطل، ہاں اگر سادات زیدیہ کہ ایک فرقہ روافض ہے مراد ہوں تو عجب نہیں اور شبہہ زائل۔

[1] مدارج النبوۃ باب سوئم در ذکر اعمام النبی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۲/ ۴۹۰

شبہہ سابعہ ___ عبارت شرح سفر السعادۃ ___ اقول: یہ تہمت محض ہے شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں خود اسی شرح صراط المستقیم وغیرہ تصانیف سے اوپر گزرچکیں جو اس کی تکذیب کو بس ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں: حدیث صحیح ابوطالب کا کفر ثابت کرتی ہے علمائے اہل سنت ابو طالب کا کفر مانتے ہیں شیعہ انہیں مسلمان جانتے ہیں انکے دلائل مردود و باطل ہیں۔ان سب تصریحات کے بعد توقف کا کیا محل، ہاں یہ عبارت مدارج شریف میں نسبت آباء واجداد حضور سید انام علیہ افضل الصلوۃ والسلام تحریر فرمائی ہے۔

حیث قال متاخران ثابت کردہ اندکہ آباء واجداد آن حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پاک ومصفا بودند از دنس شرک وکفر باری کم ازاں نہ باشد کہ دریں مسئلہ توقف کنند و صرفہ نگاہ دارند[1]۔	جہاں فرمایا کہ متاخرین نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباء واجداد شرک وکفر باری تعالٰی کی میل کچیل سے پاک وصاف ہیں کم از کم اس مسئلہ میں انہوں نے توقف کیا ہے اور احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے۔(ت)

شبہہ ثامنہ ___ وصیت نامہ ___ اقول: اوّلاً: وہ ایک حکایت منقطعہ ہے جس کا منتہائے سند ایک رافضی غالی، مواہب شریف میں جس سے عمرو ناقل یہ وصیت نامہ یوں منقول:

حکی عن ھشام بن السائب الکلبی او ابیہ انہ قال لما حضرت اباطالب الوفاۃ جمع الیہ وجوہ قریش[2] الخ	یعنی ہشام بن سائب کلبی کوفی یا اس کے باپ کلبی سے حکایت کی گئی کہ ابوطالب نے مرتے وقت عمدگان قریش کو جمع کرکے وصیت کی۔

ہشام وکلبی دونوں رافضی مطعون ہیں۔ میزان الاعتدال میں ہے:

قال البخاری ابوالنضر الکلبی ترکہ یحیی وابن مھدی قال علی ثناء یحیی عن سفین قال الکلبی کلما حدثتك عن ابی صالح فھو کذب، و قال یزید بن زریع ثناء الکلبی	امام بخاری نے فرمایا ابو نضر کلبی کو امام یحیٰی بن معین وامام عبدالرحمٰن بن مہدی نے اسے متروک کیا۔امام سفین فرماتے ہیں۔ مجھ سے کلبی نے کاہ جتنی حدیثیں میں نے آپ کے سامنے ابوصالح سے روایت کی ہیں وہ سب جھوٹ ہیں، ی زید بن زریع نے کہا: کلبی رافضی

[1] مدارج النبوۃ باب سوم وفات یافتن ابوطالب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/ ۴۹

[2] المواہب اللدنیۃ عام الحزن وفاۃ ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۶۵

وکان سبائیا قال الاعمش اتق هذه السبائیة فانی ادرکت الناس وانما یسمّونهم الکذابین، التبوذکی سمعت هما ما یقول سمعت الکلبی یقول انا سبائی عن ابی عوانة سمعت الکلبی یقول انا سبائی عن ابی عوانة سمعت الکلبی یقول کان جبرئیل یملی الوحی علی النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم فلما دخل النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم الخلاء جعل یملی علی علیٍّ، قال الجوز جانی وغیره کذاب وقال الدار قطنی و جماعة متروك وقال ابن حبان مذهبه فی الدین و وضوع الکذب فیه اظهر من ان یحتاج الی الاغراق فی وصفه لایحل ذکره فی الکتاب فکیف الاحتجاج به[1] اهملتقطا"۔	تھا۔امام سلیمٰن اعمش تابعی نے فرمایا کہ ان رافضیوں سے بچو، میں نے علماء کو پایا کہ ان کا نام کذاب رکھتے تھے تبوذکی کہتے ہیں میں نے ہمام سے سُنا وہ کہتی ہیں میں نے خود کلبی کو کہتے سنا کہ میں رافضی ہوں۔ابو عوانہ کہتے ہیں کلبی نے میرے سامنے کہا کہ جبرئیل نبی کو وحی لکھاتے تھے جب حضور بیت الخلاء کو تشریف لے جاتے تو مولٰی علی (کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) کو لکھانے لگتے۔جوزجانی وغیرہ نے کہا۔کلبی کذاب ہے، دارقطنی اور ایک جماعت علماء نے کہا: متروک ہے۔ابن حبّان نے کہا اس کا مذہب دین میں اور اس میں کذب کا وضوع ایسا روشن ہے کہ محتاج بیان نہیں کتابوں میں اس کا ذکر کرنا حلال نہیں اور نہ اس سے سند لانا اھ ملتقطا۔

اُسی میں ہے:

ہشام بن محمد بن السائب الکلبی قال احمد بن حنبل انما کان صاحب سمر و نسب ماظننت ان احدا یحدث عنه وقال الدارقطنی وغیره متروك وقال ابن عساکر رافضی لیس بثقة[2]۔	امام احمد نے کلبی کے بیٹے ہشام کی نسبت فرمایا: وہ تو یہی کچھ کہانیاں کچھ نسبت نامے جانتا تھا مجھے گمان نہ تھا کہ کوئی اس سے حدیث روایت کرے گا۔امام دارقطنی وغیرہ نے فرمایا: متروک ہے۔امام ابن عساکر نے کہا: رافضی نامعتمد ہے۔

ثانیاً: خود اُسی وصیت نامہ میں وہ لفظ منقول جن میں صاف اپنے حال کی طرف اشارہ ہے کہ اُن حاضرین سے کہا:

[1] میزان الاعتدال ترجمہ ۷۵۷۴ محمد بن سائب الکلبی دار المعرفۃ بیروت ۳ /۵۵۷تا۵۵۹

[2] میزان الاعتدال ترجمہ ۹۲۳۷ ہشام بن محمد السائب دار المعرفۃ بیروت ۴ /۳۰۴

قدجاء بامرقبله الجنان وانکره اللسان مخافة الشنأن[1]۔	محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمارے پاس وہ بات لے کر آئے جسے دل نے مانا اور زبان نے انکار کیا اس خوف سے کہ لوگ دشمن ہو جائیں گے۔

علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

لما تعیرونه به من تبعیته لابن اخیه[2]۔	یعنی وہ خوف یہ ہے کہ تم عیب لگاؤ گے کہ وہ اپنے بھتیجے کا تابع ہوگیا۔

یعنی بھتیجا تو بیٹے کی مثل ہے انہیں امام بناتے آپ غلام بنتے عار آتی ہے، تم طعنہ کروگے اس لیے اسلام سے انکار ہے اگرچہ دل پر اُن کا صدق آشکار ہے۔

ثالثًا: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باب میں اُن سے بعض وصایا ضرور منقول مگر جب اوروں کو وصیت ہو خود جاہلی حمیت ہو تو اس سے کیا حصول۔ قال اللہ تعالٰی:

"كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝" [3]۔	اللہ کو سخت دشمن ہے یہ بات کہ کہو اور نہ کرو۔

تندرستی میں بھی یہی برتاؤ تھا کہ اوروں کو ترغیب دینا اور آپ بچنا وہی انداز وقتِ مرگ برتا۔ اصابہ میں فرمایا:

وهو امر ابی طالب ولدیه باتباعه فترکه ذلك هو من جملة العناد وهو ایضًا من حسن نصرته له وذبه عنه ومعاداته قومه بسببه[4]۔	رہا یہ کہ ابو طالب کا اپنے بیٹوں حیدر کرار و جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہنا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کرو تو خود اس کا ترک کرنا یہ عناد میں سے ہے اور یہ ترغیب پیروی بھی اُن کی اُسی خوبی مدد و حمایت اور حضور کے باعث اپنی قوم سے مخالفت ہی میں داخل ہے۔

---

[1] المواہب اللدنیہ عام الحزن وفاۃ ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۶۵

[2] شرح الزرقانی المواھب اللدنیۃ وفاۃ خدیجۃ و ابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۵

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۳

[4] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابو طالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

یعنی جہاں وہ سب کچھ تھا این ہم بر علم ایمان بے اذعان ملنا کیا امکان، ولہذا علمائے کرام جہاں ابوطالب سے یہ امور نقل فرماتے ہیں وہیں موت علی الکفر کی بھی تصریح کر جاتے ہیں اسی مواہب اللدنیہ اور اُن کی دوسری کتاب ارشاد الساری کے کتنے کلمات اوپر گزرے۔ مجمع البحار میں ہے:

فی العاشرۃ دناموت ابی طالب فوصی بنی المطلب باعانته صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومات فقال علی رضی الله تعالٰی عنه ان عمك الضال قدمات قال فاغسله وکفنه و واره غفر الله له فجعل یستغفرله ایاماحتی نزل "مکان للنّبی"[1]۔	یعنی نبوت سے دسویں سال ابو طالب کو موت آئی بنی عبدالمطلب کو مددگاری نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وصیت کرکے مر گئے۔ اس پر مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے عرض کی: حضور کا چچا مر گیا۔ فرمایا: نہلا کفنا کر دبا دے اللہ اُسے بخشے۔ دعائے مغفرت فرماتے رہے یہاں تک کہ آیت اتری نبی کو روا نہیں کہ مشرکوں جہنمیوں کی بخشش مانگے۔

علامہ حفنی حاشیہ شرح ہمزیہ میں لکھتے ہیں:

"قال القرطبی فی المفهم کان ابو طالب یعرف صدق رسول الله تعالٰی علیه وسلم فی کل مایقوله ویقول لقریش تعلمون والله ان محمدا لم یکذب قط و یقول لا بنه علی اتبعه فانه علی الحق غیرانه لم یدخل فی الاسلام ولم یزل علی ذلك حتی حضوته الوفاۃ فدخل علیه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم طامعًا فی اسلامه حریصًا علیه باذلا فی ذلك	یعنی امام قرطبی نے مفہم شرح صحیح مسلم میں فرمایا: ابو طالب خوب جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں سب حق ہے قریش سے کہتے خدا کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی کوئی کلمہ خلافِ واقع نہ فرمایا اپنے بیٹے علی کرم اللہ وجہہ سے کہتے ان کے پیرو رہنا کہ یہ حق پر ہیں پر سب کچھ تھا مگر خود اسلام میں نہ آئے موت آنے تک اسی حال پر رہے اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما ہوئے اس امید پر کہ شاید مسلمان ہو جائیں، اس کی حضور کو سخت خواہش

[1] مجمع بحار الانوار فصل فی السیر بیان ارضاعه مکتبه دار الایمان مدینة المنورة ۵/ ۲۷۲

جھدہ مستفرغا ما عندہ ولکن عاقت عن ذلك عوائق الاقدار التی لاینفع معھا حرص ولا اعتذار [1]۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	تھی جو کچھ کوشش ممکن تھی سب خرچ فرمادی مگر وہ تقدیریں آڑے آئیں جن کے آگے نہ خواہش چلتی ہے نہ عذر۔ اور اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے کیا ہی اچھا کارساز ہے، اور نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر بُلندی و عظمت والے خدا کی توفیق سے۔(ت)

شبہہ تاسعہ: الحمدللہ عمرو کے سب شبہات حل ہوگئے اور وہ شبہات ہی کیا تھے محض مہملات تھے اب ایک شبہہ باقی رہا جس سے زمانہ قدیم میں بعض روافض نے اپنے رسالہ "اسلام ابی طالب" میں استناد کیا اور اکابر ائمہ علمائے اہل سنت مثل امام اجل بیہقی وامام جلیل سہیلی وامام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی وامام بدر الدین محمود عینی وامام احمد قسطلانی وامام ابن حجر مکی و علامہ حسین دیار بکری وعلامہ محمد زرقانی و شیخ محقق دہلوی وغیر ہم رحمہم اللہ تعالٰی نے متعدد وجوہ سے جواب دیا۔ سُنّی کے لیے تو اسی قدر سے جواب ظاہر ہوگیا کہ استدلال کرنے والا ایک رافضی اور جواب دینے والے ائمہ و علمائے اہلسنت مگر تتمیم فائدہ کے لیے فقیر غفرلہ المولی القدیر وہ شبہہ اور علماء کے اجوبہ ذکر کرکے جو کچھ فیض قدیر سے قلب فقیر پر فائض ہوا تحریر کرے۔ وباللہ التوفیق، ابن اسحٰق نے سیرۃ میں ایک روایت شاذہ ذکر کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو طالب کے مرض الموت میں اشرافِ قریش جمع ہو کر ان کے پاس گئے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سمجھادو کہ ہمارے دین سے غرض نہ رکھیں، ہم ان کے دین سے تعرض نہ کریں ابوطالب نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بلا کر عرض کی، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں یہ ایک بات کہہ لیں جس سے تم تمام عرب کے مالک ہو جاؤ اور عجم تمہاری مطیع ابو جہل لعین نے عرض کی حضور ہی کے باپ کی قسم ایک بات نہیں دس" باتیں۔ فرمایا: تو لا الٰہ الا اللہ کہہ لو۔ اس پر کافر تالیاں بجا کر بھاگ گئے۔ ابوطالب کے منہ سے نکلا، خدا کی قسم حضور نے کوئی بے جا بات توان سے نہ چاہی تھی اس کہنے سے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اُمید پڑی کہ شاید یہی مسلمان ہوجائے۔ حضور نے بار بار فرمانا شروع کیا: اے چچا! تو ہی کہہ لے جس کے سبب سے میں تیری شفاعت روزِ قیامت حلال کرلوں۔ جب ابوطالب نے حضور کی شدتِ خواہش دیکھی تو کہا۔ اے بھتیجے! میرے خدا کی قسم اگر یہ خوف نہ ہوتا

1

کہ لوگ حضور کو اور حضور کے باپ (یعنی خود ابو طالب) کے بیٹوں کو طعنہ دیں گے کہ نزع کی سختی پر صبر نہ ہوا کلمہ پڑھ لیا۔ تو میں پڑھ لیتا، اور وہ بھی اس طرح پڑھتا "لا اقولھا الا لا سرك بھا" (میں نہ کہتا وہ کلمہ مگر اس لیے کہ آپ کو خوش کروں) صرف اس لیے کہ حضور کی خوشی کردوں۔ یہ باتیں نزع میں تو ہو ہی رہی تھیں جب روح پرواز کرنے کا وقت نزدیک آیا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ان کے لبوں کی جنبش دیکھی کان لگا کر سنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی: "یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ ان یقولھا" اے میرے بھتیجے! خدا کی قسم میرے بھائی نے وہ بات کہہ لی جو حضور اقدس اس سے کہلواتے تھے: **قال فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم اسمع**[1]۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہ سُنی۔

یہ وہ روایت ہے علماء نے اس سے پانچ جواب دیئے۔

اوّل: یہ روایت ہے علماء نے اس سے پانچ جواب دیئے۔

اوّل: یہ روایت ضعیف و مردود ہے، اس کی سند میں ایک راوی مبہم موجود ہے، یہ جواب امام بیہقی پھر امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی وامام بدرالدین محمود عینی وامام ابن حجر مکی وعلامہ حسین دیار بکری وعلامہ زرقانی وغیرہم نے افادہ فرمایا۔ خمیس میں ہے:

قال البیہقی انہ منقطع الخ وسیأتی تمامہ[2]۔	بیہقی نے کہا یہ منقطع ہے الخ اس کی پوری تفصیل عنقریب آرہی ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

فی سندہ من لم یسم[3]۔	اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ (ت)

شرح مواہب میں ہے:

روایۃ ابن اسحٰق ضعیفہ[4]۔	ابن اسحاق کی روایت ضعیف ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام وفاۃ ابی طالب وخدیجہ دار ابن کثیر والتوزیع للطباعۃ والنشیر القسم الاول ۱۸۔۴۱۷

[2] تاریخ الخمیس وفاۃ ابی طالب مؤسستہ شعبان بیروت ۱/ ۳۰۰

[3] عمدۃ القاری کتاب المناقب الانصار باب قصۃ ابی طالب تحت حدیث ۳۸۸۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول وفاۃ خدیجۃ وابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۱

فیہ من لم یسم [1]۔	اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔(ت)

شرح ہمزیہ میں ہے:

روایۃ ضعیفۃ عن العباس انہ اسر الیہ الاسلام عند موتہ [2]۔	حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک ضعیف روایت ہے کہ ابو طالب نے بوقتِ موت راز داری سے انہیں اسلام کی خبر دی۔ت)

اصابہ میں ہے:

لقد وقفت علٰی تصنیف لبعض الشیعۃ اثبت فیہ اسلام ابی طالب منہا ما اخرجہ عن محمد بن اسحٰق الی ان قال بعد نقل متمسکات الرافضی، اسانید ھٰذہ الاحادیث واھیۃ [3]۔ **اقول:** وباللہ التوفیق ھٰھنا امور یجب التنبہ لھا: **اولھا:** لیس المنقطع ھٰھنا فی کلام البیھقی بالاصطلاح المشھور عند الجمہور انہ الذی سقط من سندہ راوٍ امّا مطلقًا اوبشرط ان لایسقط ازید من واحد علی التوالی وھو المرسل علی	یعنی میں نے ایک رافضی کا رسالہ دیکھا جس میں اس نے بعض روایات سے اسلام ابی طالب ثابت کرنا چاہا ہے، ازاں جملہ یہ روایت ابن اسحٰق ہے۔ ان سب کی سندیں واہی ہیں۔ **اقول:** (میں کہتا ہوں) اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے، یہاں چند امور ایسے ہیں جن پر آگاہ ہونا ضروری ہے۔ **پہلا امر:** منقطع یہاں پر بیہقی کے کلام میں اُس معنی میں استعمال نہیں ہوا جو جمہور کے نزدیک مشہور اصطلاح ہے، یعنی وہ حدیث جس کی سند سے کوئی راوی ساقط ہوگیا ہو یا مطلقًا یا اس شرط کے ساتھ کہ اس کی سند میں ایک سے زائد راوی پے درپے ساقط نہ ہوئے ہوں، بصورتِ اوّل

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول وفاۃ خدیجۃ وابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۹۱

[2]

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۶

الاول اومنه علی الثانی باصطلاح الفقهاء واهل الاصول واذا نظفت رجاله فعندنا وعند الجمهور مقبول کیف و ذلك خلاف الواقع فی روایة ابن اسحٰق فان سنده علی مارأیت فی سیرة ابن ہشام ونقله الحافظ وغیره فی الفتح وغیره ھکذا حدثنی العباس بن عبدالله بن معبد عن بعض اھله عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما[1] وھذا لا انقطاع فیه کما تری و لامساغ لا رادة الانقطاع من قبل ان ابن عباس لم یدرك الواقعة فانه انما ولد عام مات ابوطالب ولد قبل الهجرة بثلث سنین کما فی التقریب[2] وکذلك ارخ ابن الجزار موت ابی طالب قبل هجرته صلی الله تعالٰی علیه وسلم بثلث سنین کما فی المواهب[3] وذلك لان مراسیل	وہ مرسل ہے، اور بصورت ثانی مرسل کی ایک نوع ہے فقہاء اور اہلِ اصول کی اصطلاح میں، اور جب اس کے رجل عادل ہوں تو وہ ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک مقبول ہے اور جمہور کی اصطلاح میں یہ کیسے منقطع ہو سکتی ہے حالانکہ ابن اسحٰق کی روایت میں معنی مذکور کے خلاف واقع ہے، کیونکہ اس کی سند جیسا کہ میں نے سیرت ابنِ ہشام میں دیکھی اور حافظ وغیرہ نے اس کو فتح الباری وغیرہ میں نقل کیا وہ یوں ہے، مجھے حدیث بیان کی عباس بن عبداللہ بن معبد نے اپنے بعض گھر والوں سے انہوں نے عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور اس مین جیسا کہ تُو دیکھ رہا ہے کوئی انقطاع نہیں اور نہ ہی اس جہت سے انقطاع مراد لینے کی کوئی گنجائش ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یہ واقعہ نہیں پایا کیونکہ آپ اس سال پیدا ہوئے جس سال ابوطالب کا انتقال ہوا۔ آپ کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی جیسا کہ تقریب میں ہے اور یونہی ابوطالب کی موت کی تاریخ ابن جزار نے بیان کی وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت سے تین سال پہلے فوت ہوئے جیسا کہ مواہب میں ہے۔ اور یہ اس لیے کہ مراسیل

[1] السیرة النبویة لابن ہشام وفاۃ ابی طالب و خدیجه دار ابن کثیر للطباعة القسم الاول ص ۴۱۷

[2] تقریب التهذیب ترجمه ۳۴۲۰ دارلکتب العلمیة بیروت ۱/ ۵۰۴

[3] المواهب اللدنیة عام الحزن وفاۃ ابی طالب المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۶۲

الصحابة مقبولة بالاجماع ولا عبرة بمن شذ.فی تقریب النووی ھذا کلہ فی غیر مرسل الصحابی اما مرسلہ فمحکوم بصحتہ علی المذھب الصحیح[1]۔ قال فی التدریب قطع بہ الجمھور من اصحابنا و غیرھم واطبق علیہ المحدثون[2]۔وفی مسلم الثبوت ان کان من الصحابی یقبل مطلقا اتفاقا ولا اعتداد لمن خالف[3]۔اھ وانما سمّاہ البیقھی منقطعا علی اصطلاح لہ ولشیخہ الحاکم ان المبھم ایضامن المنقطع فی التقریب و التدریب(اذا قال)الراوی فی الاسناد(فلان عن رجل عن فلان فقال الحاکم) ھو (منقطع لیس مرسلا وقال غیرہ مرسل)قال العراقی کل من القولین خلاف ما علیہ الاکثرون، فانھم ذھبوا الی انہ متصل فی سندہ مجھول.وزاد البیھقی علی ھذا فی سننہ فجعل	صحابہ کے مقبول ہونے پر اجماع ہے اور جو تنہا اس موقف کے خلاف ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، تقریب نواوی میں ہے کہ یہ سب گفتگو مرسلِ صحابی کے غیر میں ہے۔رہا مرسل صحابی تو صحیح مذہب میں اس کے صحیح ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔تدریب میں کہا کہ ہمارے اصحاب وغیرہ جمہور نے اس حکم کو قطعی قرار دیا اور محدثین نے اس پر اتفاق کیا ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے مرسل اگر صحابی سے ہے تو مطلقاً قبول کی جائے گی، اور جس نے مخالفت کی اس کا کوئی اعتبار نہیں اھ بیہقی کا اُسے منقطع کہنا فقط ان کی اپنی اور ان کے شیخ امام حاکم کی اصطلاح ہے کہ ان کے نزدیک مبہم بھی منقطع ہے۔ تقریب اور تدریب میں ہے راوی نے اسناد میں جب کہا کہ فلاں نے ایک مرد سے اور اس نے فلاں سے روایت کی تو امام حاکم نے فرمایا کہ یہ منقطع ہے مرسل نہیں ہے جب کہ اس کے غیر نے کہا یہ مرسل ہے۔ عراقی نے کہا یہ دونوں قول اکثریت کے مؤقف کے خلاف ہیں کیونکہ اکثر کا مؤقف یہ ہے کہ یہ متصل ہے اس کی سند میں راوی مجہول ہے،امام بہقی نے اپنی سنن میں اس پر اضافہ کیا اور اس حدیث کو مرسل

[1] تقریب النواوی مع تدریب الراوی النوع التاسع المرسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۱

[2] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی النوع التاسع المرسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۷۱

[3] مسلم البثوت الاصل الثانی السنۃ مسئلہ تعریف المرسل مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۰۱

مارواہ التابعی عن رجل من الصحابۃ لم یسم مرسلا [1] اھ مختصرا۔ وفیھما (النوع العاشر المنقطع الصحیح الذی ذھب الیہ الفقہاء والخطیب و ابن عبدالبروغیرھما من المحدثین ان المنقطع مالم یتصل اسنادہ علی ای وجہ کان انقطاعہ) فھو و المرسل واحد (واکثر مایستعمل فی روایۃ من دون التابعی عن الصحابۃ کمالك عن ابن عمر وقیل ھو ما اختل منہ رجل قبل التابعی) الصواب قبل الصحابی (محذوفا کان) الرجل (اومبھما کرجل) ھذا بناء علی ماتقدم ان فلانا عن رجل یسمّی منقطعا وتقدم ان فلانا عن رجل یسمّی منقطعا وتقدم ان الاکثرین علی خلافہ۔ ثم ان ھذا القول ھو المشہور بشرط ان یکون الساقط واحدا فقط اواثنین لا علی التوالی کما جزم بہ العراقی وشیخ الاسلام [2] اھ ملخصًا۔

قرار دیا جس کو تابعی نے صحابہ میں سے ایک مرد سے روایت کیا اس صحابی کے نام کی تصریح نہیں کی اھ اختصار۔ اور ان دونوں (تقریب وتدریب) میں ہے دسویں قسم منقطع، صحیح مؤقف جس کی طرف فقہاء کرام اور محدثین میں سے خطیب وابن عبدالبر وغیرہ گئے ہیں وہ یہ ہے کہ منقطع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو، چاہے کسی وجہ سے انقطاع ہو، وہ اور مرسل ایک ہی ہیں، اور اس کا اکثر اطلاق ایسی حدیث پر ہوتا ہے جس میں تابعی سے نیچے درجے کا کوئی شخص صحابہ سے روایت کرے جیسے امام مالک علیہ الرحمہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کریں۔ ایک قول کے مطابق منقطع وہ حدیث ہے جس میں تابعی سے قبل (صحیح یہ ہے کہ صحابی سے قبل) کوئی راوی مختل ہو، چاہے تو وہ محذوف ہو یا مبہم، جیسے کہا جائے "کوئی شخص" یہ اس پر مبنی ہے جس کا پہلے ذکر ہوچکا "یعنی فلاں نے ایک شخص سے روایت کی" یہ منقطع کہلاتی ہے۔ اور ماقبل میں گزر چکا ہے کہ اکثریت اس کے خلاف ہے، پھر یہ قول اس شرط کے ساتھ مشہور ہے کہ ساقط فقط ایک راوی ہو یا دو ہوں مگر پے در پے نہ ہوں جیسا کہ اس پر عراقی اور شیخ الاسلام نے جزم کیا ہے اھ تلخیص۔

[1] تقریب النووی مع تدریب الراوی النوع التاسع المرسل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶۱۔ ۱۶۲

[2] تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی النوع العاشر المنقطع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۷۱ و ۱۷۲

ثانیا:لیس المبھم من المجھول المقبول عندنا وعند کثیر من الفحول او اکثرھم فان الراوی اذا لم یروعنه الاواحد ا فمجھول العین نمشیه نحن وکثیر من المحققین واذا زکی ظاھرا لا باطنا فمستور نقبله نحن واکثر المحققین کما بینته فی "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" وظاھر ان شیئا من ھذا الایعرف الابالتسمیة فالمبھم لیس منھما فی شیئ بل ھو کمجھول الحال الذی لم تعرف عدالته باطن ولا ظاھرا وان خصصناہ ایضا بمن سمی فلیس من المجھول المصطلح علیه اصلاً وان کان یطلق علیه اسم المجھول نظرا الی المعنی اللغوی،وتحقیق الحکم فیه ان ابھام راوغیر الصابی بغیر لفظ التعدیل کحدثنا وثقة لیس کحذفه عندنا فی القبول فان الجزم مع الاسقاط امارة الاعتماد بخلاف الاسناد قال فی مسلم الثبوت وشرحه فواتح الرحموت(قال رجل لایقبل

دوسرا امر: مبہم اس مجہول میں سے نہیں جو ہمارے نزدیک اور تمام علماء ماہرین یا اکثر کے نزدیک مقبول ہے،اس لیے کہ اگر کسی راوی سے فقط ایک ہی شخص روایت کرے تو وہ مجہول العین ہے،ہم اور کثیر محققین اس کو قبول کرتے ہیں۔اور اگر اس کا ظاہری طور پر تزکیہ ہو جائے مگر باطنی طور پر نہ ہو تو وہ مستور ہے،ہمارے اور اکثر محققین کے نزدیک یہ مقبول ہے جیسا کہ میں نے اس کو رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں بیان کیا ہے۔ظاہر ہے کہ مجہول کی دونوں قسموں میں سے کوئی نہیں پہچانا جاتا مگر نام ذکر کرنے سے تو مبہم ان دونوں قسموں میں سے کوئی قسم بھی نہ ہوا بلکہ وہ مجہول الحال کی مثل ہے جس کی عدالت نہ ظاہری طور پر معلوم ہوتی ہے نہ باطنی طور پر،اگر ہم اس(مجہول الحال) کو بھی مختص کرلیں اس کے ساتھ جس کا نام ذکر کیا جاتا ہے تو اس صورت میں مبہم بالکل ہی مجہول اصطلاحی میں سے نہیں ہوگا۔اگرچہ معنی لغوی کے اعتبار سے اس پر مجہول کا اطلاق ہوگا۔اس میں حکم کی تحقیق یہ ہے کہ غیر صحابی کا ابہام بغیر لفظ تعدیل کے جیسے مجھے حدیث بیان کی ایک ثقہ نے۔ہمارے نزدیک قبولیت میں حذف راوی کی مثل نہیں۔کیونکہ اسقاط راوی کے باوجود اس پر جزم،اعتماد کی نشانی ہے بخلاف اسناد کے۔مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے کسی شخص نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی

فی المذھب (الصحیح) ولیس ھذا کالارسال کما نقل عن شمس الائمة لان ھذا روایة عن مجھول والارسال جزم بنسبة المتن الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وھذا لایکون الا بالتوثیق فافترقا (بخلاف) قال ثقه اورجل من الصحابة لان ھذا روایة عن ثقة لان الصحابة کلھم عدول (ولواصطلح علی معین) معلوم العدالة علی التعیین برجل (فلا اشکال) فی القبول[1] اھ۔ **اقول:** ویترأی لی استثناء من ابھم وقدعلم من عادته انه لایروی الا عن ثقة کامامنا الاعظم والامام احمد وغیرھما ممن سیناھم فی "منیر العین" فان المبھم امام من مجھول الحال او کمثله وقدصرحوا فیه بھذا التفصیل قال فی الکتابین (فی روایة العدل) عن المجھول (مذاھب احدھا) (التعدیل) فان شان العدل لایروی الاعن عدل (و) الثانی

ایک مرد نے، تو مذہب صحیح میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ ارسال کی مثل نہیں جیسا کہ شمس الائمہ سے منقول ہے، کیونکہ یہ مجہول سے روایت ہے جبکہ ارسال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف متن کی نسبت کا جزم ہے اور یہ بغیر توثیق کے نہیں ہوسکتا، تو اس طرح دونوں میں فرق ہو گیا۔ بخلاف اس کے کہ اگر کسی نے کہا مجھ سے حدیث بیان کی ایک ثقہ نے یا صحابہ کرام میں سے ایک مرد نے کیونکہ یہ ثقہ سے روایت ہے، اس لیے کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ اگر یہ اصطلاح بنالی جائے کہ فلاں معین شخص جس کی عدالت معلوم ہے کہ "ایک مرد" کے ساتھ تعبیر کیا جائے گا تو اس کے مقبول ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ اھ **اقول:** (میں کہتا ہوں) میرے لیے اُس شخص کا استثناء ظاہر ہوا جس نے ابہام کیا حالانکہ اس کی عادت معروف ہے کہ بغیر ثقہ کے کسی سے روایت نہیں کرتا جیسا کہ ہمارے امام اعظم اور امام احمد اور دیگر ائمہ کرام جن کے نام ہم نے "منیر العین" میں ذکر کیے ہیں۔ اس لیے کہ مبہم مجہول الحال سے ہوگا یا اس کی مثل سے تحقیق اس میں علماء نے اس تفصیل کے سات تصریح فرمائی ہے، دونوں کتابوں میں کہا کہ مجہول سے عادل کی روایت کے بارے میں چند مذہب ہیں، ان میں سے ایک مذہب اس کی تعدیل ہے، کیونکہ عادل کی شان یہ ہے کہ وہ فقط عادل سے روایت کرتا ہے۔ دوسرا مذہب

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفٰی مسئله مجھول الحال الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۷۷

(المنع) لجواز روایته تعویلا علی المجتهد انه لایعمل الا بعد التعدیل (و) الثالث (التفصیل بین من علم) من عادته (انه لایروی الاعن عدل) فیکون تعدیلا (اولا) فلا (وهو) ای الثالث (الاعدل) وهو ظاهر[1] اھ باختصار۔	منع تعدیل ہے کیونکہ ہوسکتا ہے اس نے متجہد پر بھروسا کرتے ہوئے یہ روایت کرتی ہو کیونکہ مجتہد تعدیل کے بعد ہی عمل کرتا ہے، اور تیسرا مذہب تفصیل یعنی اگر اس کی یہ عادت معلوم ہے کہ وہ فقط عادل سے روایت کرتا ہے غیر عادل سے نہیں، تو تعدیل ہوگی ورنہ نہیں، اور یہ تیسرا مذہب زیادہ عدل والا ہے اور وہ ظاہر ہے اھ اختصار۔
ثالثھا: لیس الحکم علی کافر معلوم الکفر لاسیما المدرك صحة لغوية بطریان الاسلام من باب الفضائل المقبول فیه الضعاف باتفاق الاعلام، کیف وانه یبتنی علیه کثیر من الاحکام کتحریم ذکره الا بخیر و وجوب تعظیمه بطلب الترضی علیه اذا ذکر بعد ماکان ذاك حراما بل ربما المنجر الی الکفر، و العیاذ باللہ تعالٰی، وقبول قوله فی الروایات ان وقعت الی غیر ذلك والیقین لایزول الشك والضعیف لا یرفع الثابت وانما السرفی قبول الضعاف حیث تقبل انها ثمه لم تثبت شیئا لم یثبت کما حققناه بما لا مزید علیه	**تیسرا امر:** جس کافر کا کفر معلوم ہو خصوصًا جب کہ وہ صحت لغویہ کو پانے والا ہو۔ اُس پر اسلام کے طاری ہونے کا حکم از قبیل فضائل نہیں ہے جس میں باتفاق علماء ضعیف حدیثیں بھی مقبول ہیں، ایسا کیونکر ہوسکتا ہے جب کہ اس پر بہت سے احکام کی بنیاد ہے مثلًا بھلائی کے سوا اس کے ذکر کا حرام ہونا، اس کی تعظیم کا واجب ہونا اور اس کے ذکر کے ساتھ رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنا، بعد اسکے یہ حرام بلکہ بسا اوقات کفر تک پہنچا دینے والی چیز ہے، اور اللہ تعالٰی کی پناہ، اور روایات میں اس کے قول کو قبول کرنا جب کہ واقع ہوں وغیرہ ذلک، حالانکہ یقین شک کے ساتھ زائل نہیں ہوتا، اور ضعیف حدیث ثابت کو رفع نہیں کرسکتی، ضعیف حدیثیں جہاں قبول کی جاتی ہیں وہاں ان کو قبول کرنے میں راز یہ ہے کہ وہاں ضعیف حدیثیں کسی غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرتیں جیسا کہ ہم اپنے رسالہ

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذل المستصفٰی مسئلہ مجهول الحال الخ منشورات الشریف الرضی قم ایران ۲/ ۱۵۰

مادفع الاوھام المتطرقة الیه فی رسالتنا "الهادا الکاف فی حکم الضعاف" فاذا لم تکن لتثبت مالم یثبت فکیف ترفع ماقدثبت ماھذا الاغلط وشطط وھذا واضح جدا فاتضح بحمد الله ان الروایة ضعیفة واھیة وانها فی اثبات ماریم منها غیر مغنیة ولاکافیة ھکذا ینبغی التحقیق والله تعالٰی ولی التوفیق۔	"الهاد الکاف فی حکم الضعاف" میں اس کی تحقیق کردی ہے جس پر زیادتی نہیں کی جاسکتی جس نے اس مسئلہ میں پیدا ہونے والے تمام وہموں کا ازالہ کردیا ہے، چنانچہ جب وہ ضعیف حدیثیں غیر ثابت چیز کو ثابت نہیں کرسکتی ہیں تو ثابت شدہ چیز کو رفع کیسے کرسکیں گی۔ یہ محض غلط اور حق سے دُوری ہے، یہ خوب واضح ہے۔ بحمداللہ واضح ہوگیا کہ روایت مذکورہ ضعیف اور بے ہودہ ہے اور اس سے جس مقصد کو ثابت کرنا مطلوب تھا اسکے لیے یہ مفید وکافی نہیں ہے۔ یونہی تحقیق چاہیے اور اللہ تعالٰی توفیق کامالک ہے۔ (ت)

ثانیًا: اگر بالفرض صحیح بھی ہوتی توان احادیث جلیلہ جزیلہ صحاح اصح کے مخالف تھی لہٰذا مردود ہوتی نہ کہ خود صحیح بھی نہیں اب اُن کے مقابل کیاالتفات کے قابل اقول جواب اول بنظر سند تھا یہ بلحاظ متن ہے یعنی اگر سندًا صحیح بھی ہوتی تو متنًا شاذ تھی اور ایسا شذوذ قاوح صحت یوں بھی ضعیف رہتی اب کہ سندًا بھی صحیح نہیں خاص منکر ہے اور بہرحال مردود و نامعتبر، یہ جواب بھی علمائے ممدوحین نے دیا اور امام قسطلانی و شیخ محقق نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا۔ خمیس میں بعد عبارت مذکورہ امام بیہقی سے ہے:

والصحیح من الحدیث قد اثبت لابی طالب ابوفاة علی الکفر والشرك کمارویناہ فی صحیح البخاری [1]۔	یعنی حدیث صحیح ابوطالب کا کفر وشرک پر مرنا ثابت کررہی ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں موجود۔

بعنیہ اسی طرح مواہب میں ہے۔ عمدہ میں بعد عبارت مذکورہ اور زرقانی میں امام حافظ الشان سے ہے:

ولوکان صحیحا العارضه حدیث	اگر یہ صحیح بھی ہوتی تو اس باب میں وارد حدیث

[1] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس وصیت ابی طالب مؤسسة شعبان للنشر بیروت ۱/ ۳۰۰

الباب لانه اصح منه فضلا عن انه لم یصح[1]۔	اس کے معارض ہوتی کیونکہ وہ اس سے اصح ہے چہ جائیکہ یہ صحیح ہی نہیں۔(ت)

اصابہ میں بعد کلام سابق ہے:

وعلی تقدیر ثبوتها فقد عارضها ماهو اصح منها[2]۔	اور اس کے ثبوت کی تقدیر پر وہ حدیث اس کے معارض ہے جو اس سے اصح ہے۔(ت)

پھر حدیث دوم لکھ کر فرمایا:

فهذا هو الصحیح الذی یرد الروایة التی ذکرها ابن اسحٰق[3]۔	یہ حدیث صحیح روایت ابن اسحاق کو رَد کر رہی ہے۔

شرح ہمزیہ کی عبارت اوپر گزری:

صرائح الاحادیث المتفق علی صحتها ترد ذٰلك[4]۔	صریح حدیثیں جن کی صحت پر اتفاق ہے اسے رَد کر رہی ہیں۔

مدارج النبوۃ میں ہے:

دراحادیث و اخبار اسلام دے ثبوت نیافتہ جزانچہ درروایت ابن اسحٰق آمدہ کہ وے اسلام آورد نزدیک بوقتِ مرگ و گفتہ کہ چوں قریب شد موت وے وعباس گفت یا ابنَ اخی! واللہ بتحقیق گفت برادر من کلمہ راکہ امر کردی تواو رابداں کلمہ و درروا تیے آمدہ کہ آنحضرت گفت من نشنیدم باآنکہ حدیث	اخبار و احادیث میں ابوطالب کا اسلام ثابت نہیں ہوا سوائے اُس روایت کے جو ابن اسحاق سے مروی ہے کہ وہ وقتِ موت کے قریب اسلام لے آئے تھے ابن اسحاق نے کہا کہ جب ابوطالب کا وقت موت قریب ہوا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا: اے میرے بھتیجے! بخدا میرے بھائی نے وہ کلمہ کہہ دیا ہے جس کا

[1] عمدۃ القاری کتاب مناقب الانصار حدیث ۳۸۸۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۷/ ۲۳، شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱/ ۲۹۳

[2] الاصابة فی تمییز الصحابة حرف الطاء القسم الرابع دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۶

[3] الاصابة فی تمییز الصحابة حرف الطاء القسم الرابع دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

[4] شرح همزیة

صحیح اثبات کردہ است برائے ابوطالب کفر راھ مختصراً[1]۔	آپ نے اس کو حکم دیا ہے، ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں نے نہیں سنا باوجود یہ کہ حدیث صحیح نے کفر ابوطالب کو ثابت کردیا ہے اھ اختصار (ت)

یہ کلام حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالٰی کا ہے اور فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے یہاں ہامش مدارج پر اپنے دو حاشیے لکھے پائے جن کی نقل خالی از نفع نہیں۔

اوّل قول شیک جز آنچہ درروایت ابن اسحٰق آمدہ بر بریں عبارت **اقول** ایں استثناء منقطع ست ائمہ فن ہمچو امام بیہقی وامام ابن حجر عسقلانی و امام عینی و امام ابن حجر مکی وغیرھم تصریح کردہ اند بضعف ایں روایت زیراکہ درو راوی مبہم واقع شدہ باز بمخالف صحاح منکر ست وشیخ در آخر کلام خود ارشارہ بضعف او میکند کہ باآنکہ حدیث صحیح اثبات کردہ است الخ معلوم شد کہ ایں صحیح نیست۔	**اوّل** شیخ کے قول "جز آنچہ در روایت ابن اسحٰق آمدہ" پر اس عبارت کے ساتھ حاشیہ لکھا: **میں کہتا ہوں** یہ استثناء منقطع ہے۔ ائمہ فن جیسے امام بیہقی، امام ابن حجر عسقلانی، امام عینی اور امام ابن حجر مکی وغیرہ نے اس روایت کے ضعیف ہونے کی تصریح کی ہے کیونکہ اس میں ایک راوی مبہم واقع ہوا ہے، پھر صحیح حدیثوں کی مخالفت کی وجہ سے منکر ہے، اور شیخ علیہ الرحمہ اپنے کلام کے آخر میں ان لفظوں کے ساتھ اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ " باوجود یہ کہ حدیث صحیح نے اس کے کفر کو ثابت کردیا ہے" معلوم ہوگیا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔
دوم قوم شیخ ودر روایتے آمدہ پر بایں الفاظ **اقول**: ایں لفظ ایہام میکند آں راکہ ایں جا دو روایت ست وروایت مذکورہ ابن اسحٰق عاری ست از ذکر رَد فرمودن نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بقول	**دوم**: شیخ کے قول " ودر روایتے آمدہ" پر ان الفاظ کے ساتھ حاشیہ لکھا: **میں کہتا ہوں** یہ وہم میں ڈالتا ہے کہ یہاں دو روایتیں ہیں، اور روایت ابن اسحٰق میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے یہ کلماتِ رَد نہیں ہیں کہ "میں نے نہیں

[1] مدارج النبوۃ باب دوئم وفات یافتن ابوطالب مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر پاکستان ۲/ ۴۸

مبارکش لم اسمع حالانکہ نہ چنان ست بلکہ ایں تتمہ ہماں روایت ابن اسحٰق ست بریں معنی آگاہ باید بود[1]۔	سُنا" حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اسی روایت ابن اسحٰق کا تتمہ ہے، اس معنی پر آگاہ ہونا چاہیے۔(ت)

ثالثًا: خود قرآنِ عظیم اسے رَد فرمارہا ہے اگر اسلام پر موت ہوتی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو استغفار سے کیوں ممانعت آئی۔ یہ جواب حافظ الشان کا ہے اور اُسے خمیس میں بھی ذکر کیا۔ اصابہ میں بعد عبارت مذکورہ قریبہ ہے:

"اذلو کان قال کلمۃ التوحید مانھی اللہ تعالٰی نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الاستغفار لہ[2]۔	اگر اس نے کلمہ توحید کہہ لیا ہوتا تو اللہ تعالٰی اپنے نبی کو اُس کے حق میں استغفار سے منع نہ فرماتا۔(ت)

اقول: استغفار سی نہی کفر میں صریح نہیں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ابتدائے اسلام میں میت مدیون کے جنازہ پر نماز پڑھنے سے ممنوع تھے۔ علمائے متاخرین نے حدیث **استاذنت ربی ان استغفر لامی فلم یاذن لی**[3]۔ (میں نے اپنے رب سے اذن طلب کیا کہ میں اپنی ماں کے لیے استغفار کروں تو اُس نے مجھے اذن نہ دیا۔ت)

کا یہی جواب دیا ہے استدلال اسی آیت کریمہ کے لفظ **للمشرکین** ولفظ **اصحٰب الجحیم** سے اولٰی وانسب ہے اگر کلمہ اسلام پر موت ہوتی تو رب العزۃ ابوطالب کو مشرک کیوں بتاتا، اصحابِ نار سے کیوں ٹھہراتا۔ لاجرم یہ روایت بے اصل ہے۔

رابعًا اقول: اس میں ایک علّت اور ہے، حدیث صحیح چہارم دیکھئے خود یہی عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ جن سے یہ حکایت ذکر کی جاتی ہے موت ابی طالب کے بعد حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پوچھتے ہیں۔ یارسول اللہ! حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو بھی کچھ نفع دیا وہ حضور کا غمخوار طرفدار تھا ارشاد ہوا ہم نے اُسے سراپا جہنم میں غرق پایا اتنی تخفیف فرمادی کہ ٹخنوں تک آگ ہے میں نہ ہوتا تو اسفل السافلین اس کا ٹھکانا تھا[4]۔

سُبحٰن اللہ! اگر عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے کانوں سے مرتے وقت کلمہ توحید پڑھنا سُنتے تو

---

[1]

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف الطاء القسم الرابع ابوطالب دار صادر بیروت ۴/ ۱۱۷

[3] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی جواز زیارۃ قبور المشرکین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۴

[4] صحیح البخاری مناقب الانصار باب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل عن العباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۷و ۲۱۰

اس سوال کا کیا محل تھا، وہ نہ جانتے تھی کہ الاسلام یجب ما قبلہ مسلمان ہو جانا گزرے ہوئے سب اعمالِ بد کو ڈھا دیتا ہے، کیا وہ نہ جانتے تھے کہ اخیر وقت جو کافر مسلمان ہو کر مرے بے حساب جنت میں جائے، **من قال لا الٰہ الاّ اللہ دخل الجنّة**[1]۔ (جس نے لا الٰہ الاّ اللہ کہا جنّت میں داخل ہوا۔ ت) اور پھر سوال میں کیا عرض کرتے ہیں وہی پرانے قصّے نصرت و یاری و حمایت و غمخواری یہ نہیں کہتے یارسول اللہ ! وہ تو کلمہ اسلام پڑھ کر مرا ہے، یہ پوچھتے ہیں کہ حضور نے اسے بھی کچھ نفع بخشا، یا نہیں کہتے یارسول اللہ ! وہ تو کلمہ اسلام پڑھ کر مرا ہے، یہ پوچھتے ہیں کہ حضور نے اسے بھی کچھ نفع بخشا یہ نہیں عرض کرتے کہ کون سے اعلٰی درجاتِ جنت عطا فرمائے، وہ حالت صحیح میں ہوتے تو پرواز سوال یوں ہوتا کہ یارسول اللہ ! ابوطالب کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور حضور کے ساتھ اُن کی غایت محبت و کمال حمایت تو قدیم سے تھی اللہ عزوجل نے فردوس اعلٰی کا کون سا محل انہیں کرامت فرمایا تو نظرِ انصاف میں یہ سوال ہی اس روایت کی بے اصلی پر قرینہ واضحہ ہے اور جواب تو جو ارشاد ہوا ظاہر ہے "**والعیاذ باللہ تعالٰی ارحم الراحمین**" یہ جواب فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اپنے فتوائے سابقہ مختصرہ میں ذکر کیا تھا۔ اب شرح مواہب میں دیکھا کہ علامہ زرقانی نے بھی اس کی طرف ایما کیا، فرماتے ہیں:

فی سوال العباس عن حالہ دلیل علی ضعف روایة ابن اسحٰق لانہ لوکانت الشھادة عندہ لم یسأل لعلمہ بحالہ[2]۔	ابوطالب کے حال کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوال میں روایت ابن اسحٰق کے ضعف پر دلیل ہے، کیونکہ اگر ابوطالب نے حضرت عباس کے نزدیک کلمہ شہادت پڑھ لیا تھا تو وہ یہ سوال نہ کرتے اس لیے کہ ان کو اس کا حال معلوم ہوتا۔ (ت)

اقول: یونہی ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما جن کی طرف اس کی روایت کی نسبت جاتی ہے علاوہ اُس تفسیر کے جو آیت ثالثہ میں اُن سے مروی خود بسند صحیح معلوم کہ وہ حضور پرنور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ابوطالب کے بارے میں وہ ارشاد پاک حدیث ہشتم میں سُن چکے ہیں جس میں ناری ہونے کی صریح تصریح ہے یہ روایت اگر صحیح ہوتی تو اِس کا مقتضٰی یہ تھا کہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما

[1] الدر المنثور تحت آلایة مکتبہ آیة اللہ العظمی قم ایران ۶ /۶۳، المستدرك للحاکم کتاب التوبة من قال لا الٰہ الا اللہ دار الفکر بیروت ۴ /۲۵۱، المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴۷ المکتبة الفیصلیة بیروت ۷ /۴۸

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول وفاۃ خدیجہ دار المعرفة بیروت ۱ /۲۹۳

ابوطالب کو ناجی جانیں کہ ان امور میں نسخ وتغیر کو راہ نہیں مگر لازم بحکم حدیث صحیح مسلم باطل تو ملزوم بھی حلیہ صحت سے عاطل، فافھم۔

خامسًا: یقینًا معلوم کہ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ اُس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے کہیں گیارہ برس بعد فتح مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں، اوراسی روایت میں ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوطالب کاکلمہ پڑھنا نہ سُنا اور اُن کی عرض پر بھی اطمینان نہ فرمایا: یہی ارشاد ہوا کہ ہم نے نہ سُنا، اب نہ رہی مگر ایک شخص کی شہادت جو عدالت درکنار گواہی دیتے وقت مسلمان بھی نہیں وہ شرعًا کس قاعدہ و قانون سے قابل قبول یا لائق التفات اصحابِ عقول ہوسکتی ہے۔

اقول: پہلے جوابوں کا حاصل سندًا یا متنًا روایت کی تضعیف تھی اس جواب میں اُسے ہر طرح صحیح مان کر کلام ہے کہ اب بھی اثبات مدعی سے مس نہیں اُس سے یہ ثابت ہوا کہ ابوطالب نے کلمہ پڑھا بلکہ اس اس قدر معلوم ہوا کہ عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی غیر اسلام کی حالت میں ایسا بیان کیا پھر اس سے کیا ہوتا ہے، یہ جواب امام سہیلی نے روض الانف میں ارشاد فرمایا اور ان کے بعد امام عینی وامام قسطلانی نے ذکر کیا۔ عمدہ میں ہے:

قال السھیلی ان العباس قال ذٰلك فی حال کونه علی غیر الاسلام ولو اداھا بعد الاسلام لقبلت منه[1]۔	سہیلی نے کہا کہ حضرت عباس نے یہ بات حالتِ غیر اسلام میں کہی اگر بعد اسلام وہ اس کو ادا کرتے تو مقبول ہوتی۔ (ت)

اقول: وباللہ التوفیق خود اسی روایت کا بیان کہ سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کی عرض پر یہی فرمایا کہ ہمارے مسامع قدسیہ تک نہ آیا۔ دلیل واضح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اُن کے بیان پر اطمینان نہ فرمایا اس گواہی کو مقبول ومعتبر نہ ٹھہرایا ورنہ کیا عقل سلیم قبول کرتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جس کے اسلام میں اس درجہ کوشش بلیغ ہو نفس انفس نے اس حد شدت پر اُس کی خواہش فرمائی جب وہ امر عظیم محبوب وقوع میں آئی ایسے سہل لفظوں میں جواب دے دیا جائے، لاجرم اس ارشاد کا یہی مفاد کہ تمہارے کہنے پر کیا اعتماد ہم سُنتے تو ٹھیک تھا یہ صریح ردّ شہادت ہے تو جو گواہی خدا اور رسول رَد فرما چکے دوسرا اس کا قبول کرنے والا کون۔

وبھٰذا التحقیق الانیق استنار وللہ الحمد	اور اس عمدہ تحقیق سے بحمداللہ روشن ہوگیا کہ امام عینی نے

[1] عمدۃ القاری کتاب الجنائز حدیث ۱۳۶۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۸ /۲۶۴

ان الامام العینی لقد احسن اذاقتصر فی نقل کلام الامام السھیلی علی مامر ونعمافعل اذلم یتعدالٰی ما تعدی الیه الامام القسطلانی وتبعه العلامة الزرقانی حیث اثر اکلامه برمته واقرا علیه ھذالفظھما (اجیب) کما قال السھیلی فی الروض (بان شھادة العباس لابی طالب لواداھا بعد مااسلم کانت مقبولة و لم ترد) شھادته (یقول علیه الصلوة والسلام لم اسمع لان الشاھد العدل اذا قال سمعت وقال من ھو اعدل منه لم اسمع اخذ بقول من اثبت السماع) قال السھیلی لان عدم السماع یحتمل اسبابا منعت الشاھد من السمع (ولکن العباس شھد بذلك قبل ان یسلم) فلا تقبل شھادته[1]۔ اھ **اقول**: فلیس الکلام فی ان عباسا اثبت والنبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نفی

امام سہیلی کے نقل کلام میں اقتصار کرکے بہت اچھا کیا اُس کی بنیاد پر جو گزرا اور اس کی طرف تجاوز نہ کرکے بھی اچھا کیا جس کی طرف امام قسطلانی نے تجاوز کیا اور ان کی اتباع کی علامہ زرقانی نے کیونکہ ان دونوں نے اس کے کلام کو پورا نقل کیا اور اس پر قائم رہے اور یہ لفظ ان دونوں کے ہیں۔(جواب دیا گیا) جیسا کہ امام سہیلی نے روض میں فرمایا کہ اگر ابوطالب کے بارے میں حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت آپ کے اسلام لانے کے بعد ہوتی تو مقبول ہوتی، اس کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس ارشاد کے ساتھ رَد نہ کیا جاتا کہ "میں نے نہیں سُنا" کیونکہ عادل گواہ جب کہے کہ میں "میں نے سُنا ہے"، اور اس سے زیادہ عدل والا کہے کہ "میں نے نہیں سُنا" تو اس کے قول کو قبول کیا جائے گا جو سماع کو ثابت کرنے والا ہے، سہیلی نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ عدمِ سماع کئی ایسے اسباب کا احتمال رکھتا ہے جو گواہ کو سننے سے روکتے ہوں، لیکن چونکہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسلام لانے سے قبل اس کی شہادت دی لہٰذا ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔اھ **میں کہتا ہوں** اس میں کلام نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اثبات کیا اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نفی فرمائی

[1] شرح الزرقانی علی المواہب الدنیۃ المقصد الاول وفاۃ خدیجہ وابی طالب دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۹۱و۲۹۲

فھما شھادتان جاء تاعندنا احدھما تثبت والاخری تنفی فتقدم التی تثبت لوکان صاحبھا عدلا ومعاذ اللہ ان تقدم علی قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یقبل شھادۃ العباس و لم یرکن الیھا فھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قاض لاشاھد اٰخر وانما الشاھد العباس وحدہ، فاذا لم یقبلھا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمن یقبلھا بعدہ ھذا ماعندی وانافی عجب عاجب ھٰھنا من کلام ھٰؤلاء الاعلام الاکا برفامعن النظر لعل لہ معنی قصرت عنہ ید فھمی القاصر۔	یہ دو شہادتیں ہمارے پیش نظر ہیں، ایک ثابت کرنے والی اور دوسری نفی کرنے والی، لہٰذا مثبت گواہی نافی پر مقدم ہوگی جب کہ مثبت گواہی دینے والا عادل ہو اور معاذ اللہ کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قول پر مقدم ہو۔ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت کو قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی اس کی طرف میلان فرمایا، کیونکہ آپ تو قاضی تھے نہ کہ دوسرے گواہ، گواہ تو تنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے جب نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا تو آپ کے بعد کون قبول کرسکتا ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے۔ مجھے اس مقام پر ان اکابر علماء کے کلام پر سخت تعجب ہے، میں نے گہری نظر سے دیکھا کہ شاید اس کا کوئی معنی بن سکتا ہو مگر میرے فہم قاصر کا ہاتھ اس سے قاصر رہا۔ (ت)

یہ اجوبہ علماء ہیں اور بحمد اللہ کافی ووافی وصافی ہیں، **وانا اقول:** وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت)

سادساً ہم تسلیم کرتے ہیں کہ روایت اُنہیں احادیث صحیحین کی مثل سنداً ومتناً ہر طرح اعلٰی درجہ کی صحیح اور شہادت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی بروجہ کمال مقبول ونجیح، پھر بھی نہ مستدل کو نافع نہ کفرِ ابی طالب کی اصلاً دافع، آخر جب بحکم احادیث جلیلہ آیت قرآنیہ مشرک وناری بتارہی ہے تو یہ کسی کے مٹائے مٹتا نہیں، یہ دوسری حدیث کہ فرضاً اُسی پلہ کی صحیح وجلیل ہے صرف اتنا بتاتی ہے کہ ابوطالب نے اخیر وقت لاالٰہ الا اللہ کہا، یہ نہیں بتاتی، کہ وہ وقت کیا تھا، آخر وقت کیا تھا، آخر وقت دو ہیں ایک وہ کہ ہنوز پردے باقی ہیں اور یہ وقت وقتِ قبول ایمان ہے، دوسرا وہ حقیقی آکر جب حالت غرغرہ ہو، پردے اُٹھ جائیں جنت ونار پیش نظر ہوجائیں۔ "یؤمنون بالغیب" کا محل نہ رہے، کافر کا اس وقت اسلام لانا بالاجماع مردود ونامقبول ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"فَلَمۡ یَكُ یَنۡفَعُهُمۡ اِیۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ	تواُن کے ایمان نے انہیں کام نہ دیا جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا، اللہ کا دستور جو اس کے

فِیۡ عِبَادِہٖ ۚ وَ خَسِرَ ہُنَالِکَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ "[1]۔	بندوں میں گزر چکا اور وہاں کافر گھاٹے میں۔(ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ یقبل توبۃ العبد ما لم یغرغر[2]، رواہ احمد والترمذی و حسنہ و ابن ماجۃ والحاکم و ابن حبان والبیہقی فی الشعب کلھم عن سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اللہ تعالٰی سکراتِ موت سے پہلے پہلے توبہ قبول فرماتا ہے، اس کو روایت کیا احمد نے، ترمذی نے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا۔ نیز روایت کیا اس کو ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان اور امام بیہقی نے شعب میں، ان تمام نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

اب اگر وقت اول کہنا مانتے ہیں تو آیت قرآنیہ مع اُن احادیث صحیحہ کے اس حدیث صحیح مفروض سے مناقض ہوگی اور کسی نہ کسی حدیث صحیح کو رَد کے بغیر چارہ نہ ملے گا اور اگر وقت دوم پر مانتے ہیں تو آیت و احادیث سب حق و صحیح ٹھہرتے ہیں اور تناقض و تعارض بے تکلف دفع ہوا جاتا ہے کلمہ پڑھا اور ضرور پڑھا مگر کب، اس وقت جب کہ وقت نہ رہا تھا، لہٰذا حکمِ شرک و نار برقرار رہا۔ قال اللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

"حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدۡرَکَہُ الۡغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنۡتُ اَنَّہٗ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیۡۤ اٰمَنَتۡ بِہٖ بَنُوۡۤا اِسۡرَآءِیۡلَ وَ اَنَا مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۹۰﴾ "[3]۔ "آٰلۡـٰٔنَ وَ قَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ ﴿۹۱﴾ "[4]۔	یہاں تک کہ جب اُسے ڈوبنے نے آلیا تو بولا میں ایمان لایا کہ کوئی سچا معبود نہیں اس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا۔

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۸۵

[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات باب ماجاء فی فضل التوبۃ الخ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۲، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۳۲، المستدرک للحاکم کتاب التوبۃ باب ان اللہ یغفر لعبدہ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۵۷

[3] القرآن الکریم ۱۰/ ۹۰

[4] القرآن الکریم ۱۰/ ۹۰

صورت اُولٰی ظاہر البطلان، لہٰذا شق اخیر ہی لازم الاذعان، اور فی الواقع اگر یہ روایت مطابق واقع تھی تو قطعًا یہی صورت واقعی ہوئی اور وہ ضرور قرینِ قیاس بھی ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے قریب مرگ ہی جلوہ افروز ہوئے ہیں، اسی حالت میں کفارِ قریش سے وہ محاورات ہوئے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بار بار باصرار دعوتِ اسلام فرمائی کفار نے ملتِ کفر پر قائم رہنے میں جان لڑائی، آخر پچھلا جواب وہ دیا کہ ابوطالب ملتِ جاہلیت پر جاتا ہے، یہاں تک بات چیت کی طاقت تھی اب سینے پر دم آیا پردے اُٹھے غیب سامنے آیا اُس نار نے جس پر عار کو اختیار کیا تھا اپنی مہیب صورت سے منہ دکھایا لیس الخبر کالمعاینة[1] (خبر مشاہدہ کی مثل نہیں۔ت) اب کھلا کہ یہ بلا جھیلنے کی نہیں، ڈوبتا ہوا سوار پکڑتا ہے، اب لا الٰہ الا اللہ کی قدر آئی، کہنا چاہا طاقت نہ پائی، آہستہ لبوں کو جنبش ہوئی مگر بے سود کہ وقت نکل چکا تھا۔

انّا للہ وانّا الیہ راجعون ولا حول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔	ہم اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اسی کیطرف لوٹ کر جانے والے ہیں، نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ نیکی کرنے کی قوت ہے مگر بُلندی وعظمت والے خدا کی توفیق سے۔(ت)

تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی سچے کہ کلمہ پڑھا، اور قرآن وحدیث تو قطعًا سچے ہیں کہ حکمِ کفر بدستور رہا۔ **والعیاذ باللہ ربّ العالمین۔** (اللہ کی پناہ جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

سابعًا: اس سے بھی درگزریے، یہ بھی مانا کہ حالتِ غرغرہ سے پہلے ہی پڑھا ہے پھر حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو ظاہر ہی کی گواہی دیں گے، دل کے حال کا عالم خدا ہے، کیا اگر کوئی شخص روزانہ لاکھ بار کلمہ پڑھے اور اللہ عزوجل اسے کافر بتائے تو ہم اس کے کلمہ پڑھنے کو دیکھیں گے یا اپنے رب عزوجل کے ارشاد کو، ایمان زبان سے کلمہ خوانی کا نام نہیں، جب دلوں کا مالک اس کے کفر پر حاکم تو قطعًا ثابت کہ اس کے قلب میں اذعان واسلام نہیں، آخر نہ سُنا کہ جیتے جاگتے تندرستوں کے بڑی سے بڑی قسم کھا کر "نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ"[2] (ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضور بے شک یقینًا اللہ کے رسول ہیں۔ت) کہنے پر کیا ارشاد ہوا:

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۷۱

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

"وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ ؕ وَاللّٰہُ یَشْہَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾" [1]۔	اور اللہ جانتا ہے کہ تم اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔(ت)

غرض لاکھ جتن کیجئے آیت براءت سے براءت ملے یہ شُدنی نہیں رہے گی ہمان آش در کاسہ (وہی قسمت وہی نصیب۔ت) کہ:

"تَبَیَّنَ لَہُمْ اَنَّہُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۱۳﴾" [2]۔ والعیاذ باللّٰہ رب العٰلمین اللّٰھم ارحم الرحمین صل وسلم وبارك علی السید الامین الاتی من عندك بالحق المبین اللھم بقدر تك علینا وفاقتنا الیك ارحم عجزنا یا ارحم الراحمین امین امین والحمدللّٰہ رب العلمین لا الٰہ الا اللّٰہ عدۃ للقاء اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ودیعۃ عند اللّٰہ ولاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیّدنا محمد واٰلہٖ اجمعین والحمدللّٰہ رب العٰلمین۔	کُھل چکا کہ وہ دوزخی ہیں۔(ت) اور اللہ تعالٰی کی پناہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔اے اللہ بہترین رحم کرنے والے۔درود سلام اور برکت نازل فرما اُس امانت والے سردار پر جو تیری بارگاہ سے حق مبین لے کر آنے والے ہے۔اے اللہ ! اپنی قدرت کے ساتھ جو ہم پر ہے اور ہماری محتاجی تیری طرف ہے، ہمارے عجز پر رحم فرما اے بہترین رحم فرمانے والے، ہماری دُعا قبول فرما،اور تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو کل جہانوں کا پروردگار ہے۔ اللہ کے بغیر کوئی سچا معبود نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اللہ تعالٰی کی ملاقات کا وعدہ اللہ تعالٰی کے پاس ودیعت ہے،نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ کی توفیق سے۔اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا محمد مصطفٰی پر،آپ کی آل اور سب صحابہ پر،اور سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔(ت)

بحمد اللہ ازاحت شبہات سے بھی بروجہ احسن فراغ پایا۔

وھناك شبھۃ اخر اوھن واھون لم نوردھا اذلم تعرض	یہاں ایک دوسرا شبہ ہے جو بہت کمزور اور بہت ہلکا ہے ہم اس کو اس لیے وارد نہیں کرتے۔

[1] القرآن الکریم ۶۳ /۱

[2] القرآن الکریم ۹ /۱۱۳

ولم تعرف فلا نطیل الکلام بایرادھا و لنطوھا علی غرھا لمیعادھا"۔	کہ نہ تو اُس کا تعرض کیا گیا ہے اور نہ ہی وہ معروف ہے، چنانچہ ہم اس کو وارد کرکے کلام کو لمبا نہیں کرتے۔ لہٰذا چاہیے کہ ہم اس کے مقررہ وقت تک اس کو اس کے شکن پر لپیٹ دیں۔ (ت)

اب بقیہ سوال کا جواب لیجئے اور اس رسالہ میں جن ائمہ و علماء و کتب سے یہ مسئلہ ثابت کیا آخر میں اُن کے اسماء شمار کردیجئے کہ جسے رسالہ دیکھنے میں کاہلی آئے ان ناموں ہی کو دیکھ کر خلاف سے ہاتھ اٹھائے لہٰذا تین فصل کا وصل اور مناسب کہ تلك عشرۃ کاملۃ (یہ پورے دس ہوئے۔ت) جلوہ دکھائے۔

فصل ہشتم

جب ابوطالب کا کفراوّہ کالنہار سے آشکار تو رضی اللہ تعالٰی عنہ کہنے کا کیونکر اختیار، اگر اخبار ہے تو اللہ تعالٰی عزوجل پر افترا، کفار کو رضائے الٰہی سے کیا بہرہ، اور اگر دُعا ہے کما ھو الظاھر (جیسا کہ ظاہر ہے۔ت) تو دعا بالمحال حضرت ذی الجلال سے معاذ اللہ استہزاء، ایسی دُعا سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہی فرمائی۔

کما فی الصحیحین [1] وقد بیّنّاہ فی رسالتنا "ذیل المدعاء لاحسن الوعاء" التی ذیلنا بھا رسالۃ "احسن الوعاء لاٰداب الدعاء" لخاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد"۔	جیسا کہ صحیحین میں ہے، اور ہم نے اس کو اپنے رسالہ "ذیل المدعاء لاحسن الوعاء" میں بیان کردیا۔ اس رسالے کو ہم نے حاشیہ بنایا رسالہ "احسن الوعادء لآداب الدعاء" کا جو تصنیف ہے خاتمۃ المحققین ہمارے سردار والد گرامی قدس سرّہ کی۔ت)

علماء نے کافر کے لیے دُعائے مغفرت پر سخت اشد حکم صادر فرمایا اور اس کے حرام ہونے پر تو اجماع ہے، پھر دعائے رضوان تو اس سے بھی ارفع واعلٰی۔

فان السید قد یعفو عن عبدہ	اس لیے کہ مالک بعض دفعہ اپنے غلام کو معاف

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ البراءۃ باب ماکان للنبی والذین اٰمنوا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۷۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب الدلیل علی صحۃ الاسلام من حضرہ الموت الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰

وھو عند غیر راض کما ان العبد ربما یحب سیدہ وھو علی امرہ غیر ماض وحسبنا اللہ ونعم الوکیل	کردیتا ہے حالانکہ وہ اُس پر راضی نہیں ہوتا، جیسا کہ غلام بسا اوقات اپنے مالک کو پسند کرتا ہے مگر اُس کے حکم پر عمل پیرا نہیں ہوتا۔ اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ (ت)

امام محمد محمد حلبی حلیہ میں فرماتے ہیں:

"صرح الشیخ شہاب الدین القرافی المالکی بان الدعاء بالمغفرۃ للکافر کفر لطلبہ تکذب اللہ تعالٰی فیما اخبر بہ ولھذا قال المصنف وغیرہ ان کان مؤمنین"[1]۔	یعنی امام شہاب قرآنی مالکی نے تصریح فرمائی کہ کفار کے لیے دعائے مغفرت کرنا کفر ہے، کہ اللہ عزوجل نے جو خبر دی اس کا جھوٹا کرنا چاہتا ہے اس لیے منیہ وغیرہ کتب فقہ میں قید لگادی کہ ماں باپ کے لیے دعائے مغفرت کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہوں۔

پھر ایک ورق کے بعد فرمایا کہ "تقدم ان کفر"[2]۔ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ یہ کفر ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

الدعاء بہ کفر لعدم جوازہ عقلًا ولا شرعًا ولتکذیب النصوص القطعیۃ بخلاف الدعاء للمؤمنین کما علمت فالحق مافی الحلیۃ[3]۔	اس کی دُعا کفر ہے کیونکہ یہ عقلًا وشرعًا ناجائز ہے اور اس میں نصوص قطعیہ کی تکذیب ہے بخلاف مومنوں کے لیے دعا کے۔ جیسا کہ تُو جان چکا ہے، اور حق وہ ہے جو حلیہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الحق حرمۃ الدعاء بالمغفرۃ للکافر[4]۔	حق یہ ہے کہ کافر کے لیے دعائے مغفرت حرام ہے۔

اسی طرح بحر الرائق میں ہے:

[1] حلیۃ المحلی

[2] حلیۃ المحلی

[3] ردالمحتار کتاب الصلوۃ فصل واذا اراد الشروع فی الصلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۵۱

[4] الدر المختار کتاب الصلوۃ فصل واذا اراد الشروع فی الصلوۃ دار احیاء مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۷۸

اقول: ومانحاالیه العلامة الشامی من عدم جواز عفوالکفر عقلافانما تبع فیه الامام النسفی صاحب عمدة الکلام وشرذمة قلیلة من اهل السنة والجمهور علی امتناعه شرعا وجوازه عقلا کما فی شرح المقاصد والمسامرة وغیرهما وبه تقضی الدلائل فهو الصحیح وعلیه التعویل فاذن الحق ماذهب الیه البحر وتبعه فی الدر وتمام الکلام فی هذا المقام فیما علقناه علی رد المحتار۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) جس کا قصد علامہ شامی نے کیا یعنی کفر کی معافی کا عقلاً عدم جواز تو اس میں انہوں نے عمدۃ الکلام کے مصنف امام نسفی اور اہلسنت کے گروہ قلیل کی پیروی کی ہے، جب کہ جمہور کے نزدیک یہ شرعاً ممتنع اور عقلاً جائز ہے جیسا کہ شرح المقاصد اور مسامرہ وغیرہ میں ہے۔اور دلائل اسی کے مؤید ہیں لہٰذا یہی صحیح اور اسی پر بھروسا ہے، تو اب حق وہ ہے جس کی طرف صاحب البحر گئے ہیں اور دُر میں اسی کی پیروی کی ہے، اور مکمل کلام اس مقام پر ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔(ت)

ہاں ابولہب وابلیس لعنہما اللہ کی مثل کہنا محض افراط اور خون انصاف کرنا ہے، ابوطالب کی عمر خدمت و کفالت و نصرت و حمایتِ حضرت رسالت علیہ وعلٰی آلہ الصلوۃ والتحیۃ میں کٹی اور یہ ملاعنہ درپردہ وعلانیہ درپے ایذاء واضرار رہے کہاں وہ جس کا وظیفہ مدح وستائش ہو اور کہاں وہ شقی جس کا ورد ذم ونکوہش ہو ایک اگرچہ خود محروم اور اسلام سے مصروف مگر بتسخیر تقدیر نفع اسلام میں مصروف اور دوسرا مردود و متمرد وعدو ومعاند ہمہ تن کسر بیضہ اسلام میں مشغوف ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تابہ کجا

(ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ت)

آخر نہ دیکھا جو صحیح حدیث میں ارشاد ہوا کہ ابوطالب پر تمام کفار سے کم عقاب ہے اور یہ اشقیاء اُن میں ہیں جن پر اشد العذاب ہے، ابوطالب کے صرف پاؤں آگ میں ہیں اور یہ ملاعنہ اُن میں کہ:

"لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ"[1]۔ "لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ"[2]۔	اُن کے اوپر آگ کی تہیں ہیں اور اُن کے نیچے آگ کی تہیں۔ ان کے نیچے آگ کا بچھونا اور اوپر آگ کے لحاف۔

سراپا آگ، ہر طرف سے آگ، والعیاذ باللہ رب العلمین (اور اللہ رب العالمین کی پناہ۔ت)

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۱۶

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۱

بلکہ دونوں کا ثبوتِ کفر بھی ایک سا نہیں، ابوطالب کے باب میں اگرچہ قول حق و صواب وہی کفر و عذاب، اور اس کا خلاف شاذ ومردود باطل و مطرود پھر بھی اس حد کا نہیں کہ معاذاللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو اور ان اعداء اللہ کا کافر و ابدی جہنمی ہونا تو ضروریاتِ دین سے ہے جس کا منکر خود جہنمی کافر، تو فریقین کا نہ کفر یکساں نہ ثبوت یکساں، نہ عمل یکساں نہ سزا یکساں، ہر جگہ فرقِ زمین و آسمان، پھر مماثلت کہاں۔

نسأل الله سلوك سوی الصراط ونعوذ بالله من التفریط والافراط۔	ہم اللہ تعالٰی سے سیدھے راستے پر چلنے کا سوال کرتے ہیں، اور افراط و تفریط سے اس کی پناہ مانگتے ہیں۔(ت)

فصل نہم

ان ائمہ دین و علمائے معتمدین کے ذکر اسمائے طیبہ میں جنہوں نے کفر ابی طالب کی تصریح و تصحیح فرمائی اور اُن کے ارشادات کی نقل اس رسالہ میں گزری، **فمن الصحابة:**

(۱) امیر المومنین صدیقِ اکبر
(۲) امیر المومنین فاروق اعظم
(۳) امیر المومنین علی مرتضٰی
(۴) حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس
(۴) حافظ الصحابہ سیدنا ابوہریرہ
(۶) صحابی ابن الصحابی سیدنا میسّب بن حزن قریشی مخزومی
(۷) حضرت سیدنا عباس عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
(۸) سیدنا ابوسعید خدری
(۹) سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری
(۱۰) حضرت سیدتنا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین
(۱۱) سیدنا انس بن مالک خادم رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
(۱۲) حضرت سیدتنا ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین

پہلے چھ ۶ حضرات سے تو خود اُن کے اقوال گزرے اور انس و ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم کی تقریر اور باقی چار خود حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد بیان فرماتے ہیں، اور پر ظاہر کہ یہاں اپنے کہنے سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد بتانا اور بھی ابلغ ہے۔

ومن التابعین:

(۱۳) آدم آل عبا زین العابدین علی بن حسین بن علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہم و کرم وجوھھم۔
(۱۴) امام عطاء بن ابی رباح استاذ سیّدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما۔
(۱۵) امام محمد بن کعب قرظی کہ اجلّہ ائمہ محدثین و مفسرین تابعین سے ہیں۔

(۱۶) سعید بن محمد ابوالسفر تابعی ابن التابعی ابن الصحابی نبیرہ سیّدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۷) امام الائمہ سراج الامہ سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ومن تبع تابعین:

(۱۸) عالم المدینہ امام دار الہجرۃ سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

(۱۹) محرر المذہب مرجع الدنیا فی الفقہ والعلم سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ

(۲۰) امام تفسیر مقاتل بلخی

(۲۱) سلطان اسلام خلیفۃ المسلمین جن کے آنے کی سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بشارت دی تھی کہ:

منّا السفاح ومنّا المنصور ومنّا المهدی رواه الخطیب و ابن عساکر وغیرهما بطریق سعید بن جبیر عنه قال السیوطی قال الذهبی اسناده صالح۔	ہمیں میں سے ہوگا سفاح اور ہمیں میں منصور اور ہمیں میں مہدی۔ (اس کو خطیب و ابن عساکر وغیرہ نے سعید بن جبیر کے طریق سے روایت کیا اور اُسی کے طریق سے امام سیوطی نے کہا: ذہبی نے کہا اس کا اسناد صالح ہے۔ت)

بلکہ دو حدیثوں میں یہی الفاظ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آئے:

رواه كذلك الخطیب من طریق الضحاك عن ابن عباس وابن عساکر فی ضمن حدیث عن ابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی عنهم رفعاه الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم	اس کو اسی طرح خطیب نے بطریق ضحاک سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا جب کہ ابن عساکر نے ایک حدیث کے ضمن میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور ان دونوں نے اس کا رفع نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک کیا۔ (ت)

اعنی امام ابو جعفر منصور نبیرزادہ ابن عم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ومن اتباع التبع ومن یلیهم:

(۲۲) امام الدنیا فی الحفظ والحدیث ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری۔

(۲۳) امام اجل ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی

(۲۴) امام عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی۔

(۲۵) امام ابو عبداللہ بن یزید ابن ماجہ قزوینی۔

یہ چاروں ائمہ اصحاب صحاح مشہورہ ہیں اور یہی طبقہ اخیرہ عبداللہ بن المعتز کا ہے۔

ومن بعدھم من المفسرین:

(۲۶) امام محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود فرّاء بغوی

(۲۷) امام ابو اسحٰق زجاج ابراہیم بن السری۔

(۲۸) جار اللہ محمود بن عمر خوارزمی زمخشری

(۲۹) ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری صاحبِ بسیط ووسیط ووجیز۔

(۳۰) امام اجل محمد بن عمر فخر الدین رازی۔

(۳۱) قاضی القضاۃ شہاب الدین بن خلیل خوبی دمشقی مکمل الکبیر۔

(۳۲) علامہ قطب الدین محمد بن مسعود بن محمود بن ابن ابی الفتح سیرافی شفار صاحبِ تقریب۔

(۳۳) امام ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر بیضاوی۔

(۳۴) امام علامۃ الوجود مفتی ممالک رومیہ ابو السعود بن محمد عمادی۔

(۳۵) علامہ علاء الدین علی بن محمد بن ابراہیم بغدادی صوفی صاحبِ تفسیر لباب شہیر بہ خازن۔

(۳۶) امام جلال الدین محمد بن احمد محلّی۔

(۳۷) علامہ سلیمان جمل وغیرہم ممن یاتی

ومن المحدثین والشارحین:

(۳۸) امام اجل احمد بن حسین بیہقی

(۳۹) حافظ الشام ابو القاسم علی بن حسین بن ہبۃ اللہ دمشقی شہیر بابن عساکر۔

(۴۰) امام ابو الحسن علی بن خلف معروف بابن بطال مغربی شارح صحیح بخاری۔

(۴۱) امام ابو القاسم عبدالرحمٰن بن احمد سہیلی۔

(۴۲) امام حافظ الحدیث علامۃ الفقہ ابو زکریا یحیٰی بن شرف نووی۔

(۴۳) امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی شارح صحیح مسلم۔

(۴۴) امام ابو السعادات مبارک بن محمد ابی الکرم معروف بابن اثیر جزری صاحبِ نہایہ وجامع الاصول۔

(۴۵) امام جلیل محب الدین احمد بن عبداللہ الطبری۔

(۴۶) امام شرف الدین حسن بن محمد طیّبی شارح مشکوۃ۔

(۴۷)امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی کرمانی شارح صحیح بخاری۔

(۴۸)علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی صاحب القاموس۔

(۴۹)امام حافظ الشان ابوالفضل شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی۔

(۵۰)امام جلیل بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی۔

(۵۱)امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ادریس قرافی صاحب تنقیح الاصول۔

(۵۲)امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطی۔

(۵۳)امام شہاب الدین ابوالعباس احمد بن خطیب قسطلانی شارح صحیح بخاری۔

(۵۴)علامہ عبدالرحمٰن بن علی شیبانی تلمیذ امام شمس الدین سخاوی۔

(۵۵)علامہ قاضی حسین بن محمد بن حسین دیار بکری مکی۔

(۵۶) مولانا الفاضل علی بن سلطان محمد قاری ہروی مکی۔

(۵۷)علامہ زین العابدین عبدالروف محمد شمس الدین مناوی۔

(۵۸)امام شہاب الدین احمد بن حجر مکی۔

(۵۹) شیخ تقی الدین احمد بن علی مقریزی اخباری۔

(۶۰) سید جمال الدین عطاء اللہ بن فضل اللہ شیرازی صاحبِ روضۃ الاحباب

(۶۱)امام عارف باللہ سیدی علاء الملۃ والدین علی بن حسام الدین متقی مکی۔

(۶۲)علامہ شہاب الدین احمد خفاجی شارح شفاء

(۶۳)علامہ علی بن احمد بن محمد بن ابراہیم عزیزی۔

(۶۴)علامہ محمد حفنی محشیٰ افضل القرٰی

(۶۵)علامہ طاہر فتنی صاحبِ مجمع بحار الانوار

(۶۶) شیخ محقق مولانا عبدالحق بن سیف الدین بخاری

(۶۷)علامہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی مصری

(۶۸) فاضل محمد بن علی صبان مصری صاحب اسعاف الراغبین وغیرہم ممن مضی ویجییٔ۔

ومن الفقہاء والاصولیین:

(۶۹)امام اجل شیخ الاسلام والمسلمین علی بن ابی بکر برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ

(۷۰)امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد حافظ الدین نسفی صاحبِ کنز۔

(۷۱)امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام۔

(۷۲)امام جلال الدین کرلالی صاحبِ کفایہ۔

(۷۳)امام محقق محمد بن محمد بن محمد ابن امیر الحاج حلبی۔

(۷۴)امام ابراہیم بن موسٰی طرابلسی مصری صاحبِ مواہب الرحمٰن۔

(۷۵)علامہ ابراہیم بن محمد حلبی شارح منیہ

(۷۶)علامہ سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی۔

(۷۷)علامہ محقق زین بن نجیم مصری صاحبِ بحر۔

(۷۸)ملک العلماء بحر العلوم عبد العلی محمد لکھنوی۔

(۷۹)علامہ سید احمد مصری طحطاوی۔

(۸۰)علامہ سید محمد افندی ابن عابدین شامی وغیرہم ممن تقدم رحمہ اللہ تعالٰی علمائنا جمیعا من تاخر منھم ومن قدم اٰمن (اس کے علاوہ دیگر علماء جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، اللہ تعالٰی ہمارے تمام علماء متاخرین و تقدمین پر رحم فرمائے۔ امین۔ت)

فصل دہم:

اُن کتابوں کے نام جن کی نقول دربارہ ابوطالب اس رسالہ میں مذکور ہوئیں:

کتبِ تفسیر:

(۱)معالم التنزیل امام بغوی

(۲)مدارک التنزیل امام نسفی

(۳)انوار التنزیل امام بیضاوی

(۴)ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم للمفتی العلامۃ العماوی

(۴)کشاف حقائق التنزیل للزمخشری

(۶)مفاتیح الغیب للامام الرازی

(۷)تکملۃ المفاتیح للشمس الخوبی

(۸)جلالین

(۹)فتوحاتِ الھیہ للشیخ سلمین

(۱۰)عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی للعلامۃ الشہاب

(۱۱)معانی القرآن للزجاج

(۱۲)فتوح الغیب للطیبی

(۱۳)تقریب مختصر الکشاف للیسرافی

(۱۴)بسیط للواحدی

(۱۵)لباب التاویل فی معانی التنزیل للعلامۃ الخازن

(۱۶)الاحکام لبیان مافی القرآن من الابہام للعسقلانی۔

کتب حدیث:

(۱۷)صحیح بخاری (۱۸)صحیح مسلم (۱۹)سُنن ابی داؤد

(۲۰)جامع ترمذی (۲۱)مجتبٰی نسائی (۲۲)سُنن ابن ماجہ

(۲۳)مؤطا امام مالک (۲۴)مؤطا امام محمد (۲۵)مسند امام شافعی

(۲۶)مسند امام احمد (۲۷)شرح معانی الآثار (۲۸)مشکوۃ المصابیح

(۲۹)تیسیر الوصول الی جامع الاصول (۳۰)جامع صغیر (۳۱)منہج العمال للامام المتقی

(۳۲)کنز العمال لہ (۳۳)منتخب کنز العمال لہ (۳۴)مصنف عبدالرزاق

(۳۵)مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ (۳۶)مسند ابوداؤد طیالسی (۳۷)مسند اسحق بن راہویہ

(۳۸)طبقات ابن سعد (۳۹)کتاب موسٰی بن طارق ابوقرہ (۴۰)زیادات مغازی ابن اسحق لیونس بن بکیر

(۴۱)صحیح ابن خزیمہ (۴۲)منتقی ابن زود (۴۳)مسند بزار

(۴۴)مسند ابی یعلٰی (۴۵)معجم کبیر طبرانی (۴۶)معجم اوسط لہ

(۴۷)فوائد تمام رازی (۴۸)کامل ابن عدی (۴۹)کتاب الجنائز للمروزی

(۵۰)کتاب مکہ لعمر بن شبہ (۵۱)کتاب ابی بشر (۵۲)فوائد سمویہ

(۵۳)مستخرج اسمعیل (۵۴)مستدرک حاکم (۵۵)حلیۃ الاولیاء لابی نعیم

(۵۶)سنن بیہقی (۵۷)دلائل النبوۃ (۵۸)سُنن سعید بن منصور

(۵۹)مسند فریابی (۶۰)مسند عبد بن حمید (۶۱)تفسیر ابن جریر

(۶۲)تفسیر ابن المنذر (۶۳)تفسیر ابن ابی حاتم (۶۴)تفسیر ابوالشیخ

(۶۵)تفسیر ابن مردودیہ (۶۶)مغازی ابن اسحق علی ماقررنا وحررنا۔

شروح حدیث:

(۶۷)منہاج شرح مسلم للنووی (۶۸)عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری للعینی

(۶۹)ارشاد الساری شرح صحیح بخاری للقسطلانی (۷۰)مرقاۃ شرح مشکوۃ للقاری

(۷۱)تیسیر شرح جامع صغیر للمناوی (۷۲)سراج المنیر شرح جامع صغیر للعزیزی

(۷۳)فتح الباری شرح صحیح بکاری للعسقلانی (۷۴)کواکب الدراری شرح صحیح بخاری للکرمانی

(۷۵) مفہم شرح صحیح مسلم للقرطبی

کتبِ فقہ

(۷۶) ہدایہ
(۷۷) کافی شرح الوافی کلاہما للامام النفسی
(۷۸) فتح القدیر للمحقق
(۷۹) کفایہ شرح ہدایہ
(۸۰) حلیہ شرح منیہ للامام الحلبی
(۸۱) غنیہ شرح منیہ للمحقق الحلبی
(۸۲) بحر الرائق شرح کنز الدقائق
(۸۳) طحطاوی علی مراقی الفلاح للشرنبلالی
(۸۴) ردالمحتار علی الدر المختار
(۸۵) بنایہ شرح ہدایہ للعینی
(۸۶) برہان شرح مواہب الرحمان کلاھما للطرابلسی

کتب سیر

(۸۷) مواہب للدینہ ومنح محمدیہ
(۸۸) شرح مواہب للزرقانی
(۸۹) صراط المستقیم للمجد
(۹۰) شرح صراط المستقیم للشیخ
(۹۱) مدارج النبوۃ لہ
(۹۲) خمیس للدیار بکری
(۹۳) اسعاف الراغبین للصبان
(۹۴) روضۃ الاحباب
(۹۵) تاریخ ابن عساکر
(۹۶) روض سہیلی
(۹۷) امتاع الاسماع للمقریزی

کتب عقائد واصول وعلوم شتی

(۹۸) فقہ اکبر للامام اعظم
(۹۹) شرح المقاصد للعلامۃ المأتن
(۱۰۰) اصابہ تمیز الصحابۃ للامام ابن حجر
(۱۰۱) مسلک الحنفاء فی والدی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم للامام سیوطی
(۱۰۲) افضل القراء ام القری للامام ابن حجر
(۱۰۳) شرح شفاء لعلی القاری
(۱۰۴) نسیم الریاض للخفاجی
(۱۰۵) حفنی شرح الھمزیہ
(۱۰۶) مجمع البحار للفتنی
(۱۰۷) فواتح الرحموت لبحر العلوم
(۱۰۸) التقریر والتحریر فی الاصول للعلامۃ ابن امیر الحاج
(۱۰۹) نہایہ فی غریب الحدیث لابن اثیر

(۱۱۰) شرح تنقیح الفصول فی الاصول کلاھما للقرانی (۱۱۱) ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی للحافظ المحب الطبری

تذییل

وہ کتابیں جن سے اس رسالہ میں مدد لی گئی:

(۱۱۲) شرح عقائد نسفی (۱۱۳) شرح عقائد عضدی (۱۱۴) سیرت ابن ہشام

(۱۱۵) اتقان فی علوم القرآن (۱۱۶) میزان الاعتدال (۱۱۷) تقریب التہذیب

(۱۱۸) تقریب امام نووی (۱۱۹) تدریب امام سیوطی (۱۲۰) مسلم الثبوت

(۱۲۱) درمختار (۱۲۲) تاریخ الخلفاء (۱۲۳) تحفہ اثناء عشریہ

(۱۲۴) صحیح ابن حبان (۱۲۵) القاب شیرازی (۱۲۶) استیعاب ابو عمر

(۱۲۷) معرفۃ الصحابہ لابی نعیم (۱۲۸) مسند الفردوس دیلمی

(۱۲۹) خادم الامام بدر الدین الزرکشی (۱۳۰) شعب الایمان للامام البیہقی

ختم اللّٰہ تعالٰی لنا بالایمان والاٰمان اٰمین اٰمین الحمد للہ علی الاختتام ونسأله حسن الختام۔	اللہ تعالٰی ایمان اور امان کے ساتھ ہمارا ختمہ کرے، آمین۔ حسن اختتام رسالہ پر تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں، اور ہم اللہ تعالٰی سے حسنِ کاتمہ کا سوال کرتے ہیں۔ (ت)

پہلے یہ سوال بدایوں سے آیا تھا جواب میں ایک موجز رسالہ چند ورق کا لکھا اور اس کا نام معتبر الطالب فی شیون ابی طالب ۱۲۹۴ھ رکھا، اب کہ دوبارہ احمد آباد سے سوال آیا اور بعض علمائے بمبئی نے بھی اس بارہ میں توجہ خاص کا تقاضا فرمایا حسب حالت راہنہ و فرصت حاضرہ شرح وبسط کافی کو کام میں لایا اور اسے اس اجمال اول کی شرح بنایا نیز شرح مطالب وتسکین طالب میں بحمد اللہ تعالٰی حافل وکامل پایا، لہٰذا شرح المطالب فی مبحث ابی طالب ۱۳۱۶ھ اس کا نام رکھا اور یہی اس کی تاریخِ آغاز وانجام۔

والحمد للہ ولی الانعام وافضل	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو انعام کا

الصلوۃ واکمل السلام علی سیّدنا محمد ھادی الانام و علٰی اٰلہ وصحبہ الغر الکرام وعلینا بھم ولھم الٰی یوم القیٰمۃ اٰمین یاذا الجلال والاکرام، واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔	مالک ہے، اور افضل درود و اکمل سلام ہو ہمارے آقا محمد مصطفٰی پر جو کُل جہان کے ہادی ہیں، اور آپ کے روشن پیشانیوں والے اہل کرم آل واصحاب پر اور انکے صدقے میں ہم پر اور اُن کے لیے یوم قیامت تک ہماری دعا قبول فرمائے بزرگی اور اکرام والے۔ اللہ سبحنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، اور اس کا علم اتم اور مستحکم ہے۔ (ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنہ
بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
عبد المصطفٰی احمد رضا خان

رسالہ

شرح المطالب فی مبحث ابی طالب

ختم ہوا

نوٹ

جلد ۲۹ "عقائد وکلام ودینیات" کے عنوان پر اختتام پذیر ہوئی۔
فتاوٰی رضویہ کی آخری جلد ۳۰ اِن شاء اللہ تعالٰی سیرت اور
فضائل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عنوان پر مشتمل ہوگی۔

فتاوٰی رضویّہ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

۳۰

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

Contents

اجمالی فہرست 4
پیش لفظ 5
تیسویں ۳۰ جلد 9
محترم قارئین عظام! 10
تحدیثِ نعمت 13
از قلم حضرت علامہ مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری 13
سینئر مدرس جامعہ نظامیہ لاہور 13
عظیم ترین کارنامہ 14
مجدّد دین وملت: ایک تعارف، ایک جائزہ 15
فہرست مضامین مفصل 25
فہرست ضمنی مسائل 61
کتاب الشتی (حصّۂ پنجم) 71
شرح کلام علماء و صوفیاء 71
تجوید وقراءت 93
رسم القرآن 95
تشریح افلاک وعلم توقیت وتقویم 113
سیرت وفضائل وخصائص سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم 125
رسالہ 129
تجلی الیقین بانّ نبیّنا سید المرسلین ۱۳۰۵ھ 129
(یقین کا اظہار اس بات کے ساتھ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں) 129
رسالہ 267
شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام ۱۳۱۵ھ 267
(رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کا مسلمان ہونا) 267

رسالہ	307
تمھیدِ ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ	307
رسالہ	359
الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء	359
کلمہ دافع البلاء کے ساتھ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت بیان کرنے والوں کے لئے	359
بلاؤں سے امن اور انکے مرتبے کی بُلندی ہے	359
مسمّٰی بہ نامِ تاریخی	359
اکمال الطامۃ علی شرک سُوی بالاُمور العامۃ ۱۳۱۱ھ	359
پوری قیامت ڈھانا (وہابیوں کے اس) شرک پر جو امور عامہ کی طرح	359
(موجود کی ہر قسم پر صادق) ہے	359
باب اوّل:	379
باب دوم:	405
(رسالہ ضمنی) **منیۃ اللبیب ان التشریح بید الحبیب** ۱۳۱۱ھ	500
(عقلمند کا مقصد کہ بے شک احکام شرع حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں)	500
رسالہ	637
منبہ المنیۃ بوصول الحبیب الی العرش والرّؤیۃ ۱۳۲۰ھ	637
(محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش تک رسائی اور دیدار الٰہی کے بارے میں مطلوب سے خبردار کرنیوالا)	637
رسالہ	657
صلات الصفاء فی نور المصطفٰی ۱۳۲۹ھ	657
(نور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان میں صفائی باطن کے انعامات)	657
تقریظ ؏	687
رسالہ	695
نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیئ ۱۲۹۶ھ	695
(اس ذات اقدس کے سائے کی نفی جس کے نور سے ہر مخلوق منور ہوئی)	695

رسالہ 715
قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲۹۶ھ 715
(سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سایہ کی نفی میں کامل چاند) 715
رسالہ 737
ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان ۱۲۹۹ھ 737
(سرورکائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے سایہ کی نفی کے بارے میں حیرت زدہ کے لئے راہنمائی) 737

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

فتاوٰی رِضویّه

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ

رضا فاؤنڈیشن

جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ لاہور نمبر ۸

پاکستان (۵۴۰۰۰)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ (الحدیث)

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرِّضْوِیَّۃ

مع تخریج وترجمہ عربی عبارات

تحقیقات نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

جلد ۳۰

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز

۱۲۷۲ھ ــــــــــ ۱۳۴۰ھ

۱۸۵۶ء ــــــــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ

اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸، پاکستان (۵۴۰۰۰)

فون: ۷۲۵۷۳۱۴، ۷۶۶۵۷۷۲

www.dawateislami.net

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

نام کتاب ____________ فتاوی رضویہ جلد ۳۰

تصنیف ____________ شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃاللہ تعالٰی علیہ

ترجمہ عربی عبارات ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

ترتیبِ فہرست ____________ حافظ عبدالستار سعیدی، ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

تخریج و تصحیح ____________ مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا محمد اکرم اللہ بٹ، مولانا غلام حسین

باہتمام و سرپرستی ____________ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی ناظم اعلٰی تنظیم المدارس اہلسنّت، پاکستان

کتابت ____________ محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ____________ مولانا محمد منشاتابش قصوری معلم شعبۂ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ____________ ۷۷۲

اشاعت ____________ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء

مطبع ____________

ناشر ____________ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ____________

ملنے کے پتے

*رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/ ۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

*مکتبہ اہلسنت جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

*ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

*شبیر برادرز، ۴۰بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

پیش لفظ ____ ۵

تحدیثِ نعمت ____ ۱۳

فہرست ضمنی مفصّل مسائل ____ ۲۵

فہرست مسائل ضمنیہ ____ ۶۱

شرح کلام علماء وصوفیاء ____ ۷۱

تجوید وقراءت ____ ۹۳

رسم القرآن ____ ۹۵

تشریح افلاک وعلمِ توقیت وتقویم ____ ۱۱۳

سیرت وفضائل وخصائص سید المرسلین ____ ۱۲۵

فہرست رسائل

○ تجلی الیقین ____ ۱۲۹

○ شمول الاسلام ____ ۲۶۷

○ تمہید الایمان ____ ۳۰۷

○ الامن والعلی ____ ۳۵۹

○ منیة اللبیب (رسالہ ضمنی) ____ ۵۰۰

○ منبہ المنیہ ____ ۶۳۷

○ صلات الصفا ____ ۶۵۷

○ نفی الفئ ____ ۶۹۵

○ قمر التمام ____ ۷۱۵

○ ھدی الحیران ____ ۷۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

پیش لفظ

الحمدللہ ! اعلیٰ حضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائر فقہیہ کو جدید انداز میں عصر حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظر عام پر لانے کے لیے مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث، قدوۃ العلماء، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی علیہ الرحمہ (المتوفی ۲۶ اگست ۲۰۰۳) کی زیر پرستی دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے اہداف کی طرف بڑھ رہا ہے۔اب تک یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ)

(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ (۱۳۲۶ھ)

مع التعلیقات حاسم المفتری علی السید البری (۱۳۲۸ھ)

(۳) کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم (۱۳۲۴ھ)

(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین (۱۳۰۵ھ)

(۵) ھادی الاضحیۃ بالشاۃ الھندیۃ (۱۳۱۴ھ)

(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ (۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرضویہ المعروف بہ فتاوٰی رضویہ کی تخریج وترجمہ کے ساتھ عمدہ وخوبصورت انداز میں اشاعت ہے۔ فتاوٰی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ /مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہ وبعنایت رسولہ الکریم تقریبًا پندرہ سال کے مختصر عرصہ میں تیسویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل شائع ہونے والی انتیس جلدوں کی مشمولات کی تفصیل سنین اشاعت، کتب وابواب، مجموعی صفحات، تعداد سوالات وجوابات اوران میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

جلد	عنوان	جواباتِ اسئلہ	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارۃ	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ ____ مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	کتاب الطہارۃ	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ ____ نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰
۳	کتاب الطہارۃ	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ ____ فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	کتاب الطہارۃ	۱۳۲	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ ____ جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصّلوٰۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۴ ____ ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	کتاب الصّلوٰۃ	۴۵۷	۴	ربیع الاوّل ۱۴۱۵ ____ اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	کتاب الصّلوٰۃ	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ ____ دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	کتاب الصّلوٰۃ	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ ____ جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذیقعدہ ۱۴۱۶ ____ اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب زکوٰۃ، صوم، حج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاوّل ۱۴۱۷ ____ اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ ____ مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب نکاح، طلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ ____ نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب طلاق، ایمان اور حدود و تعزیر	۲۹۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۱۸ ____ مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ ____ ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	کتاب السیر	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ ____ اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴

۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰______ستمبر ۱۹۹۹	۶۳۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰______فروری ۲۰۰۰	۷۲۶
۱۸	کتاب الشھادۃ، کتاب القضاء و الدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱______جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالۃ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الامانات، کتاب العاریۃ، کتاب الھبہ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۱ فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید و الذبائح، کتاب الاضحیہ	۳۳۴	۳	صفر المظفر____۱۴۲۲___مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ اول)	۲۹۱	۹	ربیع الاوّل____۱۴۲۳____مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ دوم)	۲۴۱	۶	جمادی الاخری___۱۴۲۳___اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	کتاب الحظر و الاباحۃ (حصہ سوم)	۴۰۹	۷	ذوالحجہ____۱۴۲۳_____فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	کتاب الحظر و الاباحۃ	۲۸۴	۹	ذوالحجہ____۱۴۲۳_____فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرھن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب___۱۴۲۴___ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸
۲۶	کتاب الفرائض، کتاب الشتی حصہ اوّل	۳۲۵	۸	محرم الحرام____۱۴۲۵مارچ_____۲۰۰۴	۶۱۶
۲۷	کتاب الشتی حصہ دوم	۳۵	۱۰	جمادی الاخری___۱۴۲۵___اگست ۲۰۰۴	۶۸۴
۲۸	کتاب الشتی حصہ سوم	۲۲	۶	ذیقعدہ____۱۴۲۵_____جنوری ۲۰۰۵	۶۸۴
۲۹	کتاب الشتی حصہ چھارم	۲۱۵	۱۱	رجب المرجب ۱۴۲۶___اگست___۲۰۰۵	۷۵۲

فتاوٰی رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف ومتداول کتب فقہ و فتاوٰی میں مذکور ہے۔
رضافاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو

ملحوظ رکھا گیا ہے۔ مگر فتاوٰی رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابواب فقہ سے عدم مطابقت کی وجہ سے محل نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہذا کے سرپرست اعلی محسن اہلسنت مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب اور دیگر اکابر علماء ومشائخ سے استشارہ واستفسار کے بعد اراکین ادارہ نے فیصلہ کیا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاوٰی رضویہ کی قدیم جلدوں کی ترتیب کے بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے، نیز اس سلسلہ میں بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیق انیق کو بھی ہم نے پیش نظر رکھا اور اس سے بھرپور استفادہ اور راہنمائی حاصل کی۔ عام طور پر فقہ وفتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیۃ پر ہوا تھا لہذا اکیسویں جلد سے مسائل حظرواباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۲، ۲۱، ۲۴، ۲۳ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں[۲۵]، چھبیسویں[۲۶] جلد منصّہ شہود پر آچکی ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ ودیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث وفتاوائے اعلیحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوّب وغیر مترتّب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب وتبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین کی نظر عنایت، اعلیحضرت اور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پروکر مرتبط ومنضبط کردیا ہے وللہ الحمد۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطور خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ ومتفرقہ کو کتاب الشتی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کردیا ہے۔

(ب) تبویب میں سوال واستفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔

(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر مسئلہ کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم ودوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کردیا ہے۔

(ھ) رسائل کی ابتداء وانتہاء کو ممتاز کیا ہے۔

(و) کتاب الشتی کے ابواب سے متعلق اعلیحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل

نہ ہوسکے تھے ان کو بھی موزوں ومناسب جگہ پر شامل کردیا ہے۔

(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہٰذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتّب کرنا پڑی۔

(ح) کتاب الشتی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل ومفصّل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

تیسویں ۳۰ جلد

یہ جلد ۴۴ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور ۷۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔اس جلد کی عربی وفارسی عبارات کاترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے البتہ نوروسایہ سے متعلق رسائل اربعہ کی بعض عبارات کا ترجمہ استاذی المکرم مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

پیشِ نظر جلد (کتاب الشتی حصہ پنجم) کازیادہ ترحصہ فضائل وخصائص سیدالمرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین پر مشتمل ہے۔علاوہ ازیں اس جلد میں شرح کلام علماء وصوفیاء، تشریح افلاک، علمِ توقیت، رسم القرآن اور تجوید وقراءۃ کے بارے میں سوالوں کے جوابات بھی شامل ہیں۔مذکورہ بالاعنوانات کے علاوہ متعدد عنوانات سے متعلق مسائل ضمناًزیرِ بحث ہیں۔انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات وتدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل دس رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں۔

۱۔تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل الخلق وسید المرسلین ہونے کاقرآن وحدیث سے ثبوت۔

۲۔شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام (۱۳۱۵ھ)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین اورآباؤاجداد کے مسلمان ہونے کا ثبوت۔

۳۔تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۳۲۶ھ)

شان رسالت بزبان آیاتِ قرآنیہ

۴۔الامن والعلی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء (۱۳۱۱ھ)

حضورپرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشکل کشا، حاجت روااور دافع البلاء ہونے کامدلل ثبوت۔

۵۔منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب (ضمنی) (۱۳۱۱ھ)

احکام تشریعیہ میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مختار ہونے کا بیان۔

۶۔منبہ المنیہ بوصول الحبیب الی العرش والرؤیۃ (۱۳۲۰ھ)

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عرش تک جانے اور اللہ تعالٰی کو دیکھنے کا بیان۔

۷۔صلات الصفاء فی نور المصطفیٰ (۱۳۲۹ھ)

نورانیت مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

۸۔نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیئ (۱۲۹۶ھ)

مسئلہ نور وسایہ کا روشن بیان۔

۹۔قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام (۱۲۹۶ھ)

سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سایہ کی نفی کا بیان۔

۱۰۔ھدی الحیران فی نفی الفیی عن سید الاکوان (۱۲۹۹ھ)

سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔

محترم قارئین عظام!

یہ خبر آپ کیلئے یقیناً خوش کن ہوگی کہ الحمدللہ رضا فاؤنڈیشن کے تحت فتاوی رضویہ شریف کی تخریج وترجمہ کے ساتھ جدید انداز میں اشاعت پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہے۔ بلا مبالغہ ہم یہ دعویٰ کرسکتے ہیں کہ تیس جلدوں پر مشتمل یہ دنیا کا ضغیم ترین فتاوی ہے۔ یہ بُلند فقہی شاہکار مجموعی طور پر ۲۱۶۵۶ صفحات ۶۸۴۷ سوالوں کے جوابات اور ۲۰۶ رسائل پر مشتمل ہے جبکہ ہزاروں مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں۔

اس عظیم کارنامے کی تکمیل پر رضا فاؤنڈیشن کے بانی اوراس بے مثال اشاعتی منصوبے کا آغاز فرمانے والے مرد کامل استاذنا الکریم مخدوم ملت شیخ الحدیث مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم قادری ہزاروی نوراللہ مرقدہ کی روح پُرفتوح انتہائی مسرور ہو رہی ہوگی؟ اللہ تعالٰی ان کے درجات بُلند فرمائے اوراس عظیم فتاوی کی بین الاقوامی معیار کے مطابق اشاعت جدیدہ کوان کے لئے قیامت تک صدقہ جاریہ بنائے۔

رضا فاؤنڈیشن سے وابستہ تمام حضرات مبارکباد کے مستحق ہیں خصوصاً ادارے کے سرپرست جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی قادری ہزاروی ناظم اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ، فتاوٰی رضویہ کے مترجمین، مخرجین، مصححین، کاتب اور ناظم نشرواشاعت جگر گوشہ مفتی اعظم مولانا قاری نصیر احمد ہزاروی لائق صد تحسین و تبریک ہیں۔ پروردگار عالم ان تمام حضرات کو اجرِ جزیل وثواب عظیم عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
اگست ۲۰۰۵ء

حافظ محمد عبدالستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور و شیخوپورہ پاکستان

www.dawateislami.net

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

تحدیثِ نعمت

از قلم حضرت علامہ مولانا الحاج محمد منشا تابش قصوری

سینئر مدرس جامعہ نظامیہ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم ط

مرکز علم وعرفان جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان جس کی شہرت ومقبولیت چہار دانگ عالم میں بڑھتی ہی جارہی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے بانی وناظم اعلیٰ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی علیہ الرحمہ (المتوفی ۲۶ اگست ۲۰۰۳) جنہیں آج دنیائے اسلام کی نامور شخصیات مفتی اعظم پاکستان کے عظیم ترین علمی لقب سے یاد کرتی ہیں، ان کی ہر شعبہ علم سے گہری وابستگی اسے بام عروج تک پہنچانے میں عشق کی حد تک لگاؤ ہے، ان کی جہد مسلسل اور مساعی جمیلہ نے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں کہ دنیائے سنیت بجا طور پر فخر کرسکتی ہے۔ وہ اپنی ذات میں پاکیزہ انجمن اور ایک متحرک ادارہ تھے۔ درس و تدریس، تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور افتاء سے انتہائی شغف تھا۔ ان کی بصیرت وفراست کے سامنے مستقبل، حال کی طرح نمایاں اور ان کا ماضی ان کے وجود باجود کی طرح خوبصورت، حسن وجمال کا پیکر تھا۔

حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ مسلک حق کے صحیح ترجمان اور اس کی ترویج واشاعت کے سچے مبلغ تھے۔ امانت، دیانت، تقویٰ ان کے فتوی کی طرح درست۔ علماء و مشائخ عظام کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوتے۔ طلباء کو اپنے فرزندوں سے بڑھ کر نوازتے۔ جامعہ نظامیہ رضویہ کی تعمیر وترقی کا تصور آپ پر

ہر وقت غالب رہا۔ بحمدہ تعالیٰ اب ان کا مبارک تصور تصدیق بن کر جامعات کی تاریخ میں غالب ہے۔اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ میں تقریباً تین ہزار طلباء و طالبات علوم و فنون دینیہ حاصل کر رہے ہیں جن کی تعلیمی پیاس بجھانے کی لئے ساٹھ سے زائد قابل، محنتی اور مخلص اساتذہ کرام موجود ہیں۔

انما الاعمال بالنیات (اعمال کا دارو مدار نیات پر ہے) اس فرمان مخبر صادق نبی مکرم رسول اعظم جناب احمد مجتبٰی محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عملی تشریح کا اگر اس دور میں کسی کو مصداق سمجھا جائے تو بلاتامل راقم السطور مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نام نامی پیش کرنے میں عار محسوس نہیں کرے گا۔آپ نے جن ابتلاء و آزمائش اور مصائب و آلام سے گزر کر جامعہ کی آبیاری کی اس کی مثال مشکل سے ہی ملے گی۔آپ عزیمت کے کوہ گراں تھے۔ صبر واستقامت آپ پر ناز کناں رہا۔ دکھ، درد اور الم کو احباء و رفقاء سے ہمیشہ نہاں رکھا۔اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیب صلی تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام وارشادات پر عمل پیرا رہے۔اہل سنت و جماعت کو نہ صرف جامعہ نظامیہ رضویہ ایسا علوم وفنون کا مرکز مرحمت فرمایا بلکہ تنظیم المدارس اور رضا فاونڈیشن ایسے مضبوط ترین ادارے بھی عنایت کئے جن کے قیام سے سنیت کا بھرم قائم ہے۔ان کا مطمح نظر ہر شعبہ علم و فضل کے لئے افراد کی تیاری رہا، اور اس میں بفضلہٖ وکرمہ تعالیٰ دیگر شعبہ جات کی طرح خوب کامیاب رہے۔یہی وجہ ہے کہ آج جامعہ نظامیہ رضویہ کے فضلاء ملک بھر میں درس و تدریس کی مسندیں سجائے ہوئے ہیں۔ تحریر وافتاء، تصانیف و تالیفات اور تراجم میں نام پیدا کرچکے ہیں۔جامعہ کے تقریباً تمام مدرسین یہیں سے فراغت کی نسبت رکھتے ہیں۔

عظیم ترین کارنامہ

حضرت قبلہ مفتی اعظم پاکستان علیہ الرحمہ کا ہر کارنامہ عظیم تر ہے مگر رضا فاونڈیشن کا قیام ایسا کارنامہ ہے کہ بریلی شریف بھی اگر لاہور پر رشک کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہوگا،اس لئے کہ اعلیحضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کی ذات ستودہ صفات کے ایمان افروز، روح پرور اور تحقیق آشنا قلم سے جن ہزاروں فتووں کو دلائل وبراہین سے مرصع کیا گیا تھا، عوم، خواص کا انکی روح تک پہنچنا مشکل ترین امر تھا۔ مفتی اعظم پاکستان جن کی زندگی کا ہر لمحہ علم و عمل سے عبارت رہا انھوں نے جب اس دقت پر گہرائی اور گیرائی سے سوچا تو اس کا حل یوں ڈھونڈ نکالا کہ اعلیٰ حضرت

مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کے فتاوٰی رضویہ کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تخریج وترجمہ کے ساتھ شائع کرنے کی طرح ڈالی جائے۔ چنانچہ آپ نے ۱۹۸۵ء میں عربی وفارسی عبارات کے ترجمہ اور حوالہ جات کی تخریج کے ساتھ کام کا آغاز فرمادیا، مگر اس کے لئے ٹھوس بنیاد کا فراہم کرنا از حد ضروری تھا، اس لئے ۱۹۸۸ء میں اہل علم وقلم سے مشاورت کے لئے ایک میٹنگ بلائی جس میں بالاتفاق طے پایا کہ اس عظیم ترین کام کے لئے رضا فاؤنڈیشن کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔ چنانچہ ادارے کے بابرکت نام کے ظہور پذیر ہوتے ہی منصوبے کو روبہ عمل لایا گیا اور باقاعدگی سے تخریج وترجمہ کا کام شروع ہوگیا۔ الحمدللہ علی منہ وکرمہ واحسانہ کہ فتاوٰی رضویہ جو قدیم بارہ جلدوں پر مشتمل تھا آج اپنی وسعت وکشادگی کے باعث تیس ضخیم ترین جلدوں اور تقریبًا بائیس ہزار صفحات پر پھیلا ہوا عالم اسلام میں اپنی انفرادی حیثیت سے نمایاں اور ممتاز دکھائی دے رہا ہے۔ ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ تواریخ فتاوٰی میں اس سے عظیم اور جامع کوئی دوسرا فتاوٰی نہیں ہے۔ یقینا حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کی روح اپنے مزار مقدس میں شاداں وفرحاں ہوگی کہ جس کام کا آغاز کیا گیا تھا آج وہ پایہ تکمیل تک پہنچا اور وہ اس مہتم بالشان امر سے وابستہ ہر ایک کے لیے انعامی طور پر اپنی مستجابانہ دعاؤں سے نواز رہے ہوں گے۔ اس عظیم ترین مشن کو کامیابی وکامرانی تک پہنچانے کے لئے جن حضرات نے نمایاں خدمات سرانجام دیں ان کے اسمائے گرامی درج کرنے سے قبل میرا دل چاہتا ہے کہ صاحب فتاوٰی اعلیٰ حضرت مجدد مائۃ سابقہ وحاضرہ مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالٰی کی ذات ستودہ صفات کی حیات مبارکہ کا مختصر سا خلاصہ درج کیا جائے، گو فتاوٰی مبارکہ کی پہلی جلد سے لے کر آخری جلد تک کسی نہ کسی طرح بڑے احسن پیرائے میں تعارف لکھا جاچکا ہے، مگر بفحوائے ذکر الحبیب لبیب، محبوب کا ذکر میٹھا لگتا ہے۔ لہٰذا مزید مٹھاس حاصل کرنے کے لئے چند کلمات قلم بند کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

مجدّد دین وملت: ایک تعارف، ایک جائزہ

نکل کے صحن گلستاں سے دور دور گئی
یہ بُوئے گل بھی کہیں قید رہنے والی ہے

غیر معمولی اشخاص اپنے بچپن ہی سے اپنی حرکات وسکنات، نشو ونما میں ممتاز ہوتے ہیں ان کے ایک ایک خال میں بے پناہ کشش ہوتی ہے، ان کے ناصیہ قبل سے مستقبل کا نور چمک چمک کر نتیجے کا پتہ دیتا رہتا ہے، اور لوگ پکار اٹھتے ہیں:

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، امام اہلسنت، مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اسی قسم کی نادر روزگار ہستیوں میں سے ایک عظیم المرتبت ہستی تھے، بچپن میں ان کے ہر انداز میں سعادت ونیک بختی کے آثار نمایاں تھے۔ عموماہر زمانے کے بچوں کا وہی حال ہوتا ہے جو آج کل کے بچوں کا ہے کہ سات آٹھ سال تک تو انہیں کسی بات کا ہوش نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ کسی بات کی تہہ تک پہنچ سکتے ہیں، مگر اعلیٰ حضرت بریلوی کا بچپن بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کم سنی، خورد سالی اور کم عمری میں ہوشمندی اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ ساڑھے چار سال کی ننھی سی عمر میں قرآن مجید ناظرہ مکمل پڑھنے کی نعمت سے بار یاب ہوگئے۔ چھ سال کے تھے کہ ربیع الاول شریف کے مبارک مہینہ میں منبر پر جلوہ افروز ہو کر میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر ایک بہت بڑے اجتماع میں نہایت پُر مغز تقریر فرما کر علماء کرام اور مشائخ عظام سے تحسین وآفرین کی داد وصول کی۔ اسی عمر میں آپ نے بغداد شریف کے بارے میں سمت معلوم کر لی تھی تادم حیات بلدہ مبارکہ غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف پاؤں نہ پھیلائے، نماز سے تو عشق کی حد تک لگاؤ تھا چنانچہ نماز پنجگانہ باجماعت تکبیر اولیٰ کا تحفظ کرتے ہوئے مسجد میں جا کر ادا فرمایا کرتے، جب کبھی کسی خاتون کا سامنا ہوتا تو فوراً نظریں نیچی کرتے ہوئے سر جھکالیا کرتے، گویا کہ سنت مصطفی کریم علیہ التحیۃ والثناء کا آپ پر غلبہ تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں یوں سلام پیش کرتے ہیں ۔

نیچی نظروں کی شرم وحیا پر درود
اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے لڑکپن میں تقویٰ کو اس قدر اپنالیا تھا کہ چلتے وقت قدموں کی آہٹ تک سنائی نہ دیتی تھی۔ سات سال کے تھے کہ ماہ رمضان المبارک میں روزے رکھنے شروع کردیے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد حضرت مولانا علامہ حاجی محمد نقی علی خان بریلوی علیہ الرحمہ دوپہر کے وقت جبکہ شدت کی گرمی پڑرہی تھی آپ کو لئے اس کمرہ میں پہنچے جس میں افطاری کے لیے قسم قسم کا سامان موجود تھا، فیرنی کے پیالے بھی تھے، والد صاحب نے کمرہ اندر سے بند کرکے ایک پیالہ آپ کو دیتے ہوئے کہا اسے کھالو، تو آپ نے عرض کیا میرا روزہ ہے کیسے کھاؤں؟ آپ کے والد ماجد نے فرمایا بچوں کا روزہ ایسا ہی ہوتا ہے، لو کھالو، میں نے دروازہ بند کردیا ہے کسی کو

خبر نہ ہوگی اور نہ ہی کوئی دیکھ رہا ہے۔آپ نے جوابًا عرض کیا: ابا جان! جس کے حکم سے روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے۔یہ جواب سنتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار بندھ گیا اور آپ کو سینے سے لگایا، پیار کیا اور کمرے سے باہر لے آئے۔سبحان اللہ!

آٹھویں سال میں قدم رکھا تو فن نحو کی شہرہ آفاق کتاب "ھدایۃ النحو" کی شرح لکھ ڈالی، اور دسویں سال ''مسلم الثبوت'' کی تحقیقی شرح لکھنے کی سعادت پائی۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ نے جملہ علوم دینیہ عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں فرما کر ۱۴ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/۱۹نومبر ۱۸۶۹ء بروز جمعرات فارغ التحصیل ہونے کا شرف حاصل کیا۔بعدہ اپنے والد ماجد کے ارشاد پر درس وتدریس اور مسند افتاء کو زینت بخشی۔بفضلہ تعالیٰ آپ کو علم سے خصوصی لگاؤ رہا اور خداداد ذہانت سے علوم وفنون مروجہ کا سراپا بن گئے۔آپ نے اپنے سال فراغت کے دو تاریخی مادے تخریج فرمائے ''تعویذ'' اور ''غفور'' ان دونوں سے ۱۲۸۶ھ کے اعداد نکلتے ہیں۔

قوت حافظہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ایک بار اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے فرمایا: بعض ناواقف حضرات میرے نام کے ساتھ ''حافظ'' بھی لکھ دیا کرتے ہیں حالانکہ میں اس منصب کا اہل نہیں ہوں، لیکن یہ ضروری ہے کہ اگر کوئی حافظ صاحب کلام پاک کا ایک پارہ پڑھ کر سنا دیا کرے تو وہ دوبارہ مجھ سے سن لے۔چنانچہ طے پایا اور عشاء کے وضو فرمانے کے بعد جماعت سے قبل اس کیلئے نشست شروع کر دی گئی اور آپ نے تیس دنوں میں تیسوں پارے زبانی سنا دیئے، نیز فرمایا، الحمدللہ! ہم نے کلام پاک ترتیب سے یاد کرلیا۔اور یہ اس لئے کہ بندگان خدا کا کہنا غلط نہ ہو۔ سبحان اللہ! صداقت شعار بندوں کا کیا کہنا۔اور یہ مکمل حفظ القرآن کا وقت تخمینۃً سات گھنٹے بنتا ہے۔

بیان کرتے ہیں کہ امام محمد علیہ الرحمہ نے چھوٹی عمر میں سات دنوں میں قرآن کریم حفظ کرلیا تھا جبکہ امام شافعی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہما الرحمہ نے تین تین ماہ کی مدت میں قرآن مجید حفظ کیا، نیز حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے بھی اتنی ہی مدت میں قرآن کریم کو یاد فرمالیا جب انہیں جہانگیر بادشاہ نے قلعہ گوالیار میں قید وبند کی صعوبتوں سے دوچار کر رکھا تھا۔

استاذی المکرم فقیہ اعظم علیہ الرحمہ مولانا الحاج ابوالخیر محمد نور اللہ النعیمی قادری اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ بانی دارالعلوم حنفیّہ فریدیہ بصیر پور، فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاری کے حافظہ کے بعد اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے حافظہ کی مثال نہیں ملتی، آپ کی قوت حافظہ واخذ لاجواب تھی۔سچ ہے ولی را ولی می شناسد و عالم را عالم می شناسد، نیز فتاوٰی رضویہ آپ کی قوت حافظہ پر شاہد وعادل ہے۔

فاضل بریلوی اساطین علم وفن اور اکابر فضل وکمال کا مرکز بنے، برصغیر پاک وہند کے علمائے حقانی کے علاوہ عرب وعجم کے علماء ومشائخ ربانی کے نزدیک ان کی محبت اہل حق وسنت ہونے کی دلیل ٹھہری، ان سے انحراف بدعتی ہونے کی سب سے بڑی پہچان ہوئی۔ اور انہی اکابر نے آپ کو مجدد اسلام کے لقب سے نوازا۔

اللہ تعالٰی نے فاضل بریلوی کو فنافی السنہ ہونے کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ کمال استغراق کی وجہ سے خود ان کی ذات یکسر سنت و اتباع سنت کا پیکر ومجسمہ بن گئی، جو ان کے قدم قدم چلا اس نے سنت کو پالیا اور جس نے روگردانی کی اس نے سنت رسول اور منہج اصحاب حضور پرنور سے انحراف کیا۔

آخر یہ کیا تھا کہ بڑے بڑے علمائے اسلام ومفتیان عظام کو اعتراف کرنا پڑا: اذا رأیت الرجل احب احمد رضا فاعلم انه صاحب السنة۔ (اگر تم کسی کو دیکھو کہ وہ احمد رضا سے محبت کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ صاحب سنت ہے۔) **یعرف به المسلم من الزندیق** (اسی کسوٹی پر مسلم کو زندیق سے پرکھا جائے گا) اور یہ بالکل حق ہے آج ارباب شر کو فاضل بریلوی کا مسلک ومشرب پسند نہیں آئے گا ان کی محبت سے ایسے لوگوں کے دل کورے ہیں بلکہ کہیں گے ان کا طریقہ تو تامل ورائے کی عقلمندی سے خالی اور ظاہر پرستی، بے دانشی وبے علمی کا مجموعہ تھا، ان کا مشن بدعت وشرک کا پرچار کرنے، مخالف فلسفیانہ بحث میں الجھانے اور مرعوب کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ **العیاذ باللہ!**

جب دین کی قدریں کم ہوتی چلی گئیں دنیائے اسلام کے زرّیں اصولوں سے انحراف شروع ہوگیا، حضرت سیدنا محبوب سبحانی غوث صمدانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ''محی الدین'' بن کر تشریف لائے اور احیائے اسلام کے لیے اس شان سے خدمات انجام دیں کہ اپنے، پرائے یگانے، بیگانے سبھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

جب اکبر نے ''دین الٰہی'' کے نام سے بے دینی ایجاد کرنے کے ''ہندومسلم بھائی بھائی'' کی بڑ ہانکی، اسلام وکفر کو ایک کرنا چاہا، بدعات نے سر نکالنا شروع کیا، اسلام کی صورت مسخ ہونے لگی تو حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ تعالٰی مجدد الف ثانی کی صورت میں نمودار ہوئے اور ایسے کارنامے سرانجام دیے کہ عالم اسلام خصوصًا برصغیر پاک وہند کی مسلم اکثریت آج بھی ان کی معتقد نظر آتی ہے۔

مجدد دین وقت نے اپنے زمانے میں اسی کام کو اولیت دی جسے انہوں نے نہایت ضروری سمجھا مسائل کے اصول تو سید عالم نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مقرر فرمادیے تھے انہی کے وضع کردہ اصول

اور احادیث مبارکہ سے استنباط اجتہاد کرکے ائمہ اربعہ نے فقہ کو مدون کیا جس کی امت محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء کو سخت ضرورت تھی پھر یہی قواعد وضوابط مجدد دین اسلام کے تجدیدی کارناموں میں جاری وساری رہے۔

جب انبیاء واولیاء کی ذوات پر بیباکانہ حملے شروع ہوئے، گستاخیوں سے بھرپور کتابیں شائع ہونے لگیں، ناموس انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو تار تار کیا جانے لگا، انہیں مجبور محض، بے علم، عام سا معمولی انسان، بلکہ اپنے جیسے بشر ہونے کے دعوے اگلنے لگے، اولیائے کرام کے خلاف محاذ قائم ہونے لگے، بتوں کے لیے نازل شدہ آیات اولیائے کرام پر چسپاں کی جانے لگیں، حتی کہ سید عالم، محسن اعظم، نبی مکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مردہ اور روضہ اطہر کو صنم اکبر، گنبد خضراء کی زیارت اور مدینہ طیبہ کی حاضری کو حرام قرار دیا جانے لگا، اکبر کے ''دین الٰہی ''کے نفاذ کے لیے "ہندو مسلم بھائی بھائی" کی تحریکیں پھر سے پورے لاؤ لشکر اور مکمل سازو سامان ضالہ کے ساتھ دین اسلام کے ساتھ "ھل من مبارز" کے نعرے لگاتی ہوئیں بر صغیر پاک وہند دندنانے لگیں تو مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی امت مصطفٰی علیہ التحیۃ والثناء کے مونس وغمخوار اور محافظ ونگہبان بن کر تشریف فرما ہوئے۔ چناچہ باطل قوتیں دم توڑنے لگیں، حق کا بول بالا ہونے لگا، اور سرزمین بریلی سے آواز گونجی:

سب سے اولٰی واعلٰی ہمارا نبی

سب سے بالا ووالا ہمارا نبی

غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے

بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

مجدد دین وملت اعلیحضرت فاضل بریلوی کی تبلیغ عشق ومحبت کی تاثیر ہے کہ آپ کے مخالفین میں اب یہ جرات نہیں ہے کہ وہ الفاظ بر سر عام کہہ سکیں جو ان کے اکابر نے اپنی تصانیف میں درج کئے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کی ذات ستودہ صفات کے خلاف بڑی بڑی سازشیں مرتب ہوئیں مگر الحق یعلو ولا یعلی، آپ کو گالیاں دی گئیں مگر آپ کا اعلان آج بھی فضائے بسیط میں گونج رہا ہے کہ:

مجھے ہزار گالیں دو، میرے باپ دادا کو رات دن گالیاں دو، جو جی میں آئے کہتے رہو، مجھے بخوشی قبول ہے، میں تمھیں ایک لفظ تک بھی نہیں کہوں گا۔ مگر

خدارا میرے محبوب، حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور انبیاء واولیاء کی شان میں بے ادبی چھوڑ دو''۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی

کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

یہی وہ تجدیدی کارنامہ ہے جسے بزرگان سلف کے طریقہ پر مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے اپنی زبان وقلم اور علم وعمل سے سرانجام دیا۔آپ کے ترجمہ قرآن ''کنزالایمان'' کی شہرت ومقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج پاک وہند میں سیکڑوں اشاعتی ادارے جن میں زیادہ تر آپ کے مسلک سے قطعاً کوئی وابستگی نہیں رکھتے اس کی طباعت واشاعت سے اپنا پیٹ پال رہے ہیں۔آپ کا یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ مخالفین کے رزق کا سبب بنا ہوا ہے۔دراصل بات یہ ہے کہ کنزالایمان ایک ایسا ترجمہ قرآن ہے جس کی مثال نہیں ملتی، یہ واحد ترجمہ ہے جو عشق ومحبت خدا ورسول کا شاہکار ہے۔یوں بھی خدائی کلام کی صحیح ترجمانی وہی کرسکتا ہے جسے وہ اپنے کرم سے از خود بہرہ مند فرماتا ہے ان الفضل بید اللہ یؤتیہ من یشاء بیشک فضل اللہ کے قبضہ واختیار میں ہے جسے چاہتا ہے اسے اپنے فضل سے نوازتا ہے۔وہی بڑے فضائل کا مالک ہے۔

''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' جو قبل ازیں بارہ قدیم مجلدات پر پھیلا ہوا تھا اور جو دنیائے اسلام میں سب سے ضخیم وعظیم فتاوٰی ہونے کا شرف حاصل کرچکا تھا، جسے اب جدید دور کے تقاضا کے مطابق ترجمہ وتخریج کے ساتھ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان) کو تیس جلدوں میں پیش کرنے کی سعادت عظمٰی نصیب ہورہی ہے، جس کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا اور بفضلہٖ وکرمہ تعالٰی رجب المرجب ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵ء کو اپنی اشاعتی وطباعتی عمر کے پندرہ سال پورے ہونے پر ہزارہا عاشقان فتاوٰی کی دیرینہ آرزوؤں کو تکمیل کا جامہ پہنا رہا ہے۔آپ کی یہ ایک تصنیف دنیائے اسلام کی ہزارہا تصانیف پر بھاری ہے جس میں آپ نے اپنے سینے میں محفوظ پچاس علوم وفنون کو فتاوٰی رضویہ کی صورت میں ایک وسیع وعریض سدابہار گلشن بنادیا ہے۔

چمن میں پھول کا کھلنا تو کوئی بات نہیں

زہے وہ پھول جو گلشن بنائے صحرا کو

یوں تو اعلیحضرت امام احمد رضا کی تصانیف اہل تحقیق کے نزدیک ایک ہزار تک پہنچ چکی ہیں، اور بعض

اہل علم و قلم باقاعدہ ان کی فہرست مرتب کرکے شائع کرچکے ہیں۔ اب حیات اعلیٰحضرت حصہ دوم از قلم ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری تلمیذ و خلیفہ امام احمد رضا، میں تفصیلی تعارف کے ساتھ شائع ہو چکی ہے مگر جس خوش نصیب کے پاس فتاوی رضویہ جو تیس ۳۰ جلدوں پر محیط ہے، ہوگا وہ آپ کی سیکڑوں تصانیف سے بیک وقت مستفید ہوسکے گا۔ بات دور چلی گئی آمدم سر مطلب، فتاوی رضویہ جدید کے لیے جن علماء کرام، مفتیان اسلام، محققین عظام اور مخصوص اہل علم و فضل نے اس کی تیاری اور اشاعت میں کسی بھی طرح حصہ لیا ان کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں، دل چاہتا ہے کہ ان کا جامع تعارف قلمبند کیا جائے مگر بعض وجوہ کی بناء پر ان عالی مرتبت علمی شخصیت کے نام اور فتاوی پر کام کی نوعیت کو پیش کیا جاتا ہے،

حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی سید شجاعت علی قادری علیہ الرحمۃ بانی دار العلوم نعیمیہ کراچی وجج وفاقی شرعی عدالت، آپ نے فتاوی رضویہ جدید کی جلد نمبر ایک اور دو کا ترجمہ فرمایا۔

o حضرت مولانا علامہ مفتی محمد احمد مصباحی بھیروی مدظلہ ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور انڈیا، آپ نے جلد نمبر ۹، ۳، اور جلد چہارم نصف اول کا ترجمہ فرمایا۔

o حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی صدیق ہزاروی مدظلہ سینئر مدرس و شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور آپ نے جلد نمبر ۴ نصف ثانی کا ترجمہ فرمایا۔

o حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی عبد الدائم مدظلہ ناظم اعلی دار العلوم ربانیہ صدریہ ہری پور ہزارہ، آپ نے جلد ۵ کا ترجمہ فرمایا۔

o حضرت مولانا علامہ مفتی خان قادری مدظلہ بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ لاہور آپ نے جلد نمبر ۷، ۶، ۸، ۱۰، ۱۴، ۱۵، کا ترجمہ فرمایا۔

o حضرت مولانا علامہ الحاج الحافظ محمد عبد الستار سعیدی مدظلہ ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، آپ نے جلد ۳۰، ۲۹، ۲۸، ۲۷، ۲۶، ۲۵، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۳، ۱۲، ۱۱ ان چودہ جلدوں کا ترجمہ کرنے کا شرف حاصل کیا۔

o حضرت علامہ مفتی قاضی محمد سیف الرحمٰن ہزاروی مدظلہ آپ نے جلد نمبر ۲۱، ۲۴، ۲۳، ۲۲، کا ترجمہ فرمایا۔

دیگر ذکر معاون شخصیات

o حضرت مولانا الحاج محمد نثار بیگ صاحب مدظلہ برطانیہ۔

o حضرت علامہ مولانا الحاج پیر معروف حسین عارف نوری قادری نوشاہی مدظلہ بانی ورلڈ اسلامک مشن و سرپرست اعلی مرکزی جمعیت تبلیغ اسلام (یو۔کے)، آپ اس عظیم الشان اشاعتی منصوبے کے آغاز سے اب تک ہر اعتبار سے مسلسل اور بھرپور تعاون فرما رہے ہیں۔

o حضرت علامہ مولانا الحاج محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ بانی مکتبہ قادریہ رضویہ لاہور آپ کا شمارہ ادارہ ہذا کے محرکین اور بانیوں میں ہوتا ہے۔

o حضرت علامہ مولانا نذیر احمد سعیدی زید مجدہ تخریج و تصحیح کا زیادہ تر کام آپ ہی نے فرمایا آپ کے تخریجی کام کو دیکھ کر حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے حسن انتخاب کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔آپ نہایت مخلص، محنتی، مستعد، خدمت دین کے جذبہ سے سرشار، متواضع، منکسر المزاج اور اپنے مشن سے والہانہ لگاؤ رکھنے والے، درویش منش عالم ہیں آپ نے اپنے شباب سے انتہائی قیمتی پندرہ سال فتاوی رضویہ کی تخریج کے لئے وقف کئے ہیں۔

o مکرم و معظم جناب صوفی مولوی محمد شریف گل صاحب خوش نویس وکاتب فتاوی رضویہ جدید بقول مفتی اعظم علیہ الرحمہ "اگر گل صاحب جیسا تجربہ کار کاتب ہمیں دستیاب نہ ہوتا شاید اتنی عمدگی کے ساتھ اس عظیم کام کو ہم جاری نہ رکھ سکتے،،۔یاد رہے کہ فتاوی رضویہ جدید کی کتابت کا آغاز کرنے سے قبل موصوف کلین شیو تھے مگر اب فیضان وبرکات رضا کا کرشمہ ہے کہ وہ متشرع اور متبع سنت اور ایک مناظر بن چکے ہیں۔ موصوف کو فتاوی رضویہ جدید کی تمام جلدوں کی کتابت کا شرف نصیب ہوا۔

o حضرت علامہ مولانا الحاج غلام فرید صاحب ہزاروی مدظلہ ناظم امور تعلقات عامہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

o حضرت علامہ مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی مدظلہ ناظم اعلی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور۔

o حضرت علامہ الحافظ القاری مولانا صاحبزادہ محمد نصیر احمد ہزاروی زید مجدہ ناظم نشرواشاعت فتاوی رضویہ۔

راقم الحروف (محمد منشا تابش قصوری مدرس جامعہ نظامیہ لاہور) کو تقریباستائیس ۲۷ جلدوں کی پیسٹنگ کا موقعہ نصیب ہوا۔

برسبیل تذکرہ

یاد رہے کہ مفتی اعظم پاکستان علیہ الرحمۃ نے وصال سے دوروز قبل فتاوی رضویہ کی پچیسویں ۲۵ جلد کتابت شدہ راقم السطور کے سپرد کی تاکہ کاپیاں پیسٹ کردوں۔ میں نے عرض کیا: کتنے دن لگاؤں ؟فرمایا: ۶ ستمبر ۲۰۰۳ء کو صاحبزادہ حافظ نصیر احمد ہزاروی زید مجدہ کی شادی ہے

اس وقت تک تیار کرلیں، اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا طباعت کے لیے پریس کے حوالے کردی جائینگی مگر کسے معلوم تھا کہ ۲۷ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ/۲۶اگست ۲۰۰۳ء منگل کا سورج غروب ہوتے ہی آسمان فقاہت کا یہ آفتاب بھی اپنی تمامتر تابنیوں کو ساتھ لئے ہوئے عالم برزخ میں جا طلوع ہوگا تاہم پچیسویں ۲۵ جلد انکے چہلم مبارک پر مارکیٹ میں آگئی۔

حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ اس منصوبے کو جلد از جلد تکمیل کے مراحل سے گزرنے کی تڑپ رکھتے تھے۔آپ کے ذوق و شوق اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ اسباق سے قبل اور از فراغ کتابت فتاوی رضویہ جدید کی از خود تصحیح فرماتے رہتے،مزید تسلی کے لئے حضرت علامہ الحاج الحافظ القاری محمد عبد الستار سعیدی مدظلہ ناظم تعلیمات و شیخ الحدیث جامعہ کو پروف ریڈنگ کے لئے فرماتے حافظ صاحب قبلہ باوجود علالت کے اپنے مربی و محسن اور نہایت شفیق و مہربان استاذ کی خواہشات کے پیش نظر کسی قسم کے عذر کو سامنے لائے بغیر نہایت خنداں پیشانی سے ذمہ داری کو باحسن وجوہ نبھاتے۔۔۔۔۔نوبت بایں جارسید کہ اب تمام جلدوں کی تصحیح کے ساتھ ساتھ مجلدات کے ترجمے کا بار بھی آپ ہی کے کاندھوں پر آپڑا۔

قارئین کرام ! آپ ملاحظہ فرماچکے ہیں کہ چودہ ۱۴ جلدوں کا ترجمہ تمامتر آپ ہی کو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ من وجہ مکمل فتاوی رضویہ جدید تیس ۳۰ کی تیس ۳۰ جلدوں کا ترجمہ کہیں نظر ثانی اور کہیں بالاستیعاب،آپ ہی کے قلم کا مرہون منت ہے، یہ ایسا نادر، عدیم المثال تاریخی کارنامہ ہے جو سوائے فضل ربی اور عطائے محبوب ایزدی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصہ شہود پر جلوہ گر ہونا ممکن نہیں تھا۔

آج اعلیٰحضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات ستودہ صفات پر دنیا بھر کی یونیورسٹیوں میں جس تیزی سے کام ہورہا ہے قابل صد تحسین و لائق صد افتخار ہے۔اس وقت جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ/اگست ۲۰۰۵تک مندرجہ ذیل ممالک اور شہروں میں محققین،اسکالرز اور مفکرین آپ کی بُلند مرتبہ شخصیت پر کام کرکے ڈاکٹریٹ اور ایم فل کی ڈگریاں حاصل کرچکے ہیں اور مزید اس نعمت کے حصول میں کوشاں ہیں۔

پاکستان میں کراچی، لاہور، حیدرآباد، جام شورو، ملتان، بہاول پور، پشاور اور اسلام آباد کی جامعات سے سات ۷ حضرات نے پی۔ایچ۔ڈی۔کی ڈگریاں لیں۔ ہندوستان : علی گڑھ، پٹنہ ،بریلی، بنارس، کانپور، کلہار، رانچی، مظفر پور، ممبئی، کلکتہ، آرہ، حیدر آباد(دکن)، رندرو، پونا، دہلی، نیو دہلی سے اکیس ۲۱ حضرات نے پی۔ایچ۔ڈی کیا۔

بنگلہ دیش: اسلامک یونیورسٹی کشتیا سے ایک صاحب نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

مصر: جامعہ الازہر قاہرہ یونیورسٹی سے دو صاحبان نے پی۔ایچ۔ڈی کیا۔

نیو یارک: کولمبو یونیورسٹی سے ایک صاحب کو اس اعزاز کا شرف حاصل ہوا۔

عراق: بغداد شریف سے ایک خوش نصیب نے ڈگری حاصل کی۔

یو۔کے (برطانیہ)، برمنگھم یونیورسٹی سے ایک صاحب کو یہ عزت نصیب ہوئی۔

دیگر ممالک میں اعلی حضرت کی گرانقدر خدمات دینیہ، علمیہ پر تحقیقات کا دائرہ وسعت اختیار کرتا جا رہا ہے۔

گرامی قدر حضرات! آپ میری مذکورہ بالا تحریر پر ذرا غور فرمایئے، یہ تقریباً تینتیس ۳۳ وہ محقق، مفکر اور اسکالرز ہیں جنھوں نے امام احمد رضا کے کسی پہلو کو اپنے قلم کا موضوع بنایا ہے۔ اس کے برعکس فتاوی رضویہ جدید جو ہزارہا موضوع اور عنوان اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جسے حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے تصرف خاص کے باعث حضرت علامہ مولانا الحافظ محمد عبد الستار سعیدی دامت برکاتہم العالیہ نے پایہ تکمیل تک پہنچانے میں جس محنت، کاوش، جدوجہد، محبت اور جذب دروں سے کام لیا ہے یہ اتنا عظیم اور عدیم النظیر کارنامہ ہے کہ اگر میرے بس کی بات ہوتی تو انھیں کم از کم تیس پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگریاں پیش کرتا۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ حافظ صاحب قبلہ جامعہ کے تمام تر دیگر امور کی باحسن وجوہ انجام دہی کے ساتھ ساتھ فتاوی رضویہ جدید کو جس نہج سے مکمل کرنے کی مساعی جمیلہ فرماتے رہے ہیں یہ اللہ تعالٰی کے کرم اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نگاہ عنایت کے بغیر ممکن ہی نہیں تھا۔ دعا ہے اللہ تعالٰی موصوف کا سایہ عاطفت صحت و تندرستی کے ساتھ اہل سنت پر ہمیشہ قائم رکھے۔

آخر میں حضرت علامہ صاحبزادہ محمد عبد المصطفٰی ہزاروی مدظلہ کی خدمت عالیہ میں بھی خراج محبت پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے نہ صرف جامعہ کے تمام شعبہ جات کو رواں دواں رکھا بلکہ انھیں مزید ترقی کی راہ پر گامزن بھی فرمایا، خصوصاً رضا فاؤنڈیشن کے تمام تر پروگرام جاری وساری رکھے۔ اللہ تعالٰی جامعہ کے اساتذہ، طلباء، معاونین سبھی کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے نوازتا رہے، آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسٓ، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وبارک وسلم۔

رجب المرجب ۱۴۲۶ھ — محتاج دُعا

اگست ۲۰۰۵ء — پاکستان محمد منشا تابش قصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، خطیب مرید کے پاکستان

فہرست مضامین مفصل

شرح کلام علماء وصوفیاء		ومارمیت اذ رمیت میں نفی ازروئے صورت،اور اثبات از روئے حقیقت ہے۔	۸۰
مصنف علیہ الرحمہ کی چار عبارات کے بارے میں سوال کا جواب	۷۲	مولانا عبدالسمیع رامپوری اور شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کی عبارات کے بارے میں مولانا رکن الدین الوری علیہ الرحمہ کے سوال کا جواب۔	۸۲
مسئلہ زیارۃ القبور للنساء۔	۷۲	مصنف علیہ الرحمہ کے شعر: فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردار دوجہاں اے مرتضٰی عتیق وعمر کو خبر نہ ہو کا مطلب۔	۸۳
مسئلہ خطبہ مختلط۔	۷۳	عشّاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے کا مطلب وشرح۔	۸۴
مسئلہ حضرات سادات کرام۔	۷۴	تفہیم مسئلہ کے لیے آفتاب اور دھوپ کی تمثیل۔	۸۴
مسئلہ تسمیہ منیر الدین۔	۷۷	حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقتِ محمدیہ کی ایک تجلی ہے۔	۸۴
حیوۃ الحیوان کی ایک عبارت کا مطلب۔	۷۸	حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کی کتاب ''سبع سنابل'' کے سنبلہ دوم میں بیان کردہ ایک حکایت پر اعتراض کا مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے جواب۔	۸۶
جب اسناد حقیقی صحیح ہو تو وہی غالب ہوتی ہے اور اسناد صوری مغلوب۔	۸۰		

جواب اول۔	۸۶	جمع مذکر سالم اور لفظ کلام کی مانند دیگر کلمات کے لکھنے کے اصول۔	۹۵
ہر دور میں ایک ولی بنام خضر ہوتا ہے۔	۸۶	لفظ کلام قرآن مجید میں چار جگہ آیا ہے۔	۹۵
غوث کا نام عبداللہ وعبدالجامع اور اس کے دونوں وزیروں کا نام عبدالملک اور عبدالرب ہوتا ہے۔	۸۶	لفظ قیاماً باثبات الف لکھا جائے یا بدون الف۔	۹۶
اوتاد اربعہ کا نام عبدالرحیم، عبدالکریم، عبدالرشید اور عبدالجلیل ہے۔	۸۶	الولدان قرآن مجید میں مع الالف لکھا جائے گا یا بغیر الالف۔	۹۷
عہد نقابت پر فائز ولی کا نام خضر ہوتا ہے۔	۸۶	سکری کی کتابت کیسے ہوگی۔	۹۷
اولیاء اللہ کے ایک دوسرے پر افضیلت کی ترتیب۔	۸۷	سوءتکم وغیرہ کلمات قرآنیہ کو کیسے لکھا جائے گا۔	۹۸
جواب دوم۔	۸۸	ومن خزی یومئذ میں میم مفتوح ہوگا یا مکسور۔	۹۸
جواب سوم۔	۸۸	تعوذ کن الفاظ کے ساتھ مختار ہے۔	۹۸
نعلین اور نعل کے متعدد معانی کا بیان۔	۸۹	جواب سوال اول۔	۹۹
تجوید و قراءت		علم رسم القرآن علم سمع ہے نہ قیاس۔	۹۹
ہر آیت لا پر وقف جائز ہے۔	۹۳	جمع سالم کی کتابت سے متعلق دوضابطے ملتے ہیں۔	۹۹
سورۃ الناس میں خناس الّذی پڑھا جائے گا یا خناس الذی۔	۹۴	پہلا ضابطہ مطرد اور دوسرا اکثری ہے۔	۹۹
تراویح میں وقت ختم قرآن تین بار سورہ اخلاص پڑھنا مستحسن ہے۔	۹۴	جواب سوال دوم۔	۱۰۱
رسم القرآن		جواب سوال سوم۔	۱۰۳
آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء۔	۹۵	کلمہ قیاماً قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔	۱۰۳

جواب سوال چہارم۔	۱۰۴	رصدی آلہ کے مشاہدات سے براہین ہندسیہ کی تردید نہیں ہوسکتی۔	۱۲۱
جواب سوال پنجم۔	۱۰۴	تقویس مطالع کواکب سے جو تقویم حاصل ہوتی ہے اس کا فرق تقویم اصلی سے زیادہ سے زیادہ کس قدر ہوسکتا ہے؟	۱۲۱
جواب سوال ششم۔	۱۰۵	تیسرے درجہ کے سنبلہ کے طلوع سے متعلق سوال کا جواب۔	۱۲۲
جواب سوال ہفتم۔	۱۰۵	جدول تحویل تاریخ عیسوی بہ ہجری کے بارے میں ایک سوال جواب۔	۱۲۳
جواب سوال ہشتم۔	۱۰۶	گھڑی کو موجد کون ہے؟	۱۲۳
استعاذہ کے لیے تمام قاریوں کا مختار اور پسندیدہ لفظ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہے۔	۱۰۷	ائمہ کرام نے گھڑیوں کے ساتھ نماز و روزہ کا وقت کیوں مقرر نہیں فرمایا۔	۱۲۳
ذاتا، واستبقاالباب، دعوااللہ اور قالا الحمد کا الف پڑھا جائیگا یا نہیں۔	۱۱۰	گھڑی کے ساتھ نماز روزے کا وقت معین کرنے کے لیے گھڑی پر اعتماد کس کو جائز اور کس کو حرام ہے؟	۱۲۳
تشریح افلاک وعلم توقیت وتقویم		دیوبندی علم توقیت سے اسی طرح ناآشنا ہیں جیسے دین سے۔	۱۲۴
ہمارے نزدیک کواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ۔	۱۱۳	دیوبندی کے فتوے پر اعتماد کرنا گھڑی جیسے بے اعتبار آلہ پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر حرام ہے۔	۱۲۴
ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک ہے نہ آسمان۔	۱۱۴	**سیرت وفضائل وخصائص سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم**	
سبعہ سیارہ کا بیان کس آیت میں ہے۔	۱۱۵	ثویبہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو دودھ پلایا۔	۱۲۶
قاعدہ استخراج تقویماتِ کواکب از المنک۔	۱۱۶	ابولہب کو کافر ہونے کے باوجود میلاد رسول کی خوشی منانے پر فائدہ کیونکر پہنچا۔	۱۲۶
ایک قاعدہ تقویم کے بارے میں سوال کا جواب۔	۱۱۹	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی برکت سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔	۱۲۶
مطالع استوائیہ کواکب جو المنک میں مرقوم ہیں وہ صحیح اور حقیقی مطالع ہیں یا نہیں۔	۱۲۱	قیام مولود شریف کی شرعی حیثیت کیا ہے؟	۱۲۷

○**رسالہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین** (اس بات کا بیان کہ ہمارے آقا تمام رسولوں سے افضل واعلٰی ہیں	۱۲۹	تیسری آیت: وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ۔	۱۴۲
حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام کا افضل المرسلین ہونا قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔	۱۳۱	تحقیق مصنف کہ آیت مذکورہ پانچ وجوہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی افضلیت مطلقہ پر حجت ہے۔	۱۴۵
تفضیل شیخین پر مصنف علیہ الرحمہ کی نوے جزء پر مشتمل ایک کتاب کا تذکرہ۔	۱۳۲	انبیاء کو ادائے امانت و ابلاغ رسالت میں کن کن باتوں کی حاجت ہوتی ہے۔	۱۴۶
ترتیب کتاب از مصنف۔	۱۳۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عقل مبارک۔	۱۴۹
فضائل سید المرسلین پر مصنف کی چند کتابوں کے نام۔	۱۳۳	حضور کب سے نبی ہیں۔	۱۴۹
ہیکل اول آیات قرآنیہ:	۱۳۴	چوتھی آیت: تلك الرسل فضلنا بعضهم علٰی بعض۔	۱۵۰
پہلی آیت واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ۔	۱۳۴	پانچویں آیت: هو الذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق۔	۱۵۲
اللہ تعالٰی نے تمام انبیاء سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا قدیم سے سب امتیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشیاں مناتی اور حضور کے توسل سے اعداء پر فتح مانگتی آئیں۔	۱۳۶	حضور کا دین تمام ادیان سے اور آپ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔	۱۵۳
ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔	۱۳۷	چھٹی آیت: یٰادم اسکن انت و زوجك الجنة۔	۱۵۳
محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اصل الاصول اور رسولوں کے رسول ہیں۔	۱۳۸	باقی انبیاء اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو خطاب میں اسلوب قرآنی۔	
تحقیق مصنف کہ سید المرسلین کے بارے میں انبیاء کرام سے عہد کو قرآن عظیم نے دس تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔	۱۳۹	ساتویں آیت: لعمرك انهم لفی سکرتهم یعمهون۔	۱۵۸
دوسری آیت: وما ارسلناك الا رحمة للعالمین۔	۱۴۱	قرآن نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے شہر، آپ کی باتوں، آپ کے زمانے اور آپ کی جان کی قسم کھائی۔	۱۵۹

خاک پاک کی قسم، شیخ دہلوی کی توجیہ۔	۱۶۲	پانچویں وحی۔	۱۸۹
آٹھویں آیت۔	۱۶۲	موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کہ میں منکر احمد کو دوزخ میں ڈالوں گا۔	۱۹۰
متعدد مثالیں کہ انبیاء کفار کی زبان درازی کا خود جواب دیتے مگر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طرف سے رب تعالیٰ نے جواب ارشاد فرمائے۔	۱۶۲	احمد کون؟	۱۹۰
یوسف، مریم اور عائشہ کی براءت میں فرق۔	۱۶۹	موسیٰ علیہ السلام کی دعا۔	۱۹۰
نویں آیت: عسیٰ ان یبعثك ربك مقاما محمودا۔	۱۶۹	چھٹی وحی۔	۱۹۰
مقام محمود کیا ہے۔	۱۷۰	آخری نبی اور آخری امت بنانے کی حکمت۔	۱۹۱
اللہ تعالیٰ انہیں عرش پر اپنے ساتھ بٹھائے گا، اس کی توجیہ۔	۱۷۲	ساتویں وحی۔	۱۹۱
دسویں آیت۔	۱۷۷	تیرا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہوگا۔	۱۹۲
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیم کے درمیان بیس امتیازات۔	۱۷۷	آٹھویں وحی۔	۱۹۲
ہیکل دوم: احادیث جلیلہ۔	۱۸۵	سرکار حبیب اللہ ہیں۔	۱۹۲
تابش اول: چند وحی ربانی۔	۱۸۵	نویں وحی۔	۱۹۲
پہلی وحی۔	۱۸۵	حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دیکھا۔	۱۹۳
آدم علیہ السلام کی قبولیت توبہ۔	۱۸۶	دسویں وحی۔	۱۹۳
محبوب خلق الی اللہ۔	۱۸۶	حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الانبیاء اور آپ کی امت افضل الامم ہے۔	۱۹۳
دوسری وحی۔	۱۸۷	گیارہویں وحی۔	۱۹۳
عیسیٰ علیہ السلام کو وحی۔	۱۸۸	حضور علیہ الصلوۃ والسلام سراپا نور ہیں۔	۱۹۳
وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو۔	۱۸۸	بارہویں وحی۔	۱۹۴
تیسری وحی۔	۱۸۸	آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی نور محمدی کو دیکھا۔	۱۹۴
چوتھی وحی۔	۱۸۹		

تیرہویں وحی۔	۱۹۴	انا سید ولد اٰدم یوم القیٰمۃ۔	۱۹۹
عالم بالا میں حضور کا نام ہر جگہ خدا کے ساتھ مکتوب ہے۔	۱۹۴	سب سے پہلے قبر سے میں باہر آؤں گا۔	۲۰۰
وسیلہ محمدی کی برکت۔	۱۹۵	پہلا شافع اور پہلا مشفع میں ہوں گا۔	۲۰۰
چودھویں وحی۔	۱۹۵	تیسرا ارشاد۔	۲۰۰
جان ہیں وہ جہاں کی جان ہے تو جہان ہے۔	۱۹۵	قیامت میں لواء حمد میرے ہاتھ میں ہوگا اور سب میرے زیر لواء ہوں گے۔	۲۰۰
پندرہویں وحی۔	۱۹۵	چوتھا ارشاد۔	۲۰۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر عزت والا کوئی پیدا نہیں ہوا۔	۱۹۵	سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والا میں ہوں۔	۲۰۰
سولھویں وحی۔	۱۹۵	پانچواں ارشاد۔	۲۰۰
سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے انبیاء پر اور آپ کی امت سے پہلے سابقہ امتوں پر جنت حرام ہے۔	۱۹۶	جنت کا دروازہ میں کھلواؤں گا۔	۲۰۱
سترہویں وحی۔	۱۹۶	چھٹا ارشاد۔	۲۰۱
اٹھارھویں وحی۔	۱۹۶	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل وخصائص پر نفیس حدیث۔	۲۰۱
احمد مجتبٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے فوائد اور ایمان نہ لانے کے نقصانات۔	۱۹۷	ساتواں ارشاد۔	۲۰۲
تذییل۔	۱۹۷	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام محشر میں دوبار ہفتہ ہفتہ سربسجود ہوں گے پھر آپ کی عرض مسموع اور شفاعت قبول ہوگی۔	۲۰۲
خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم، خدا چاہتا ہے رضائے محمد۔	۱۹۸	آٹھواں ارشاد۔	۲۰۳
تابش دوم ارشادات سید المرسلین۔	۱۹۸	انا سید العالمین۔	۲۰۳
جلوہ اول۔	۱۹۸	نوواں ارشاد۔	۲۰۳
نصوص جلیلہ مسئلہ علیہ۔	۱۹۸	الا وانا حبیب اللہ۔	۲۰۴
ارشاد اول انا سید الناس یوم القیٰمۃ۔	۱۹۸	دسواں ارشاد۔	۲۰۴
دوسرا ارشاد۔	۱۹۹	میدان محشر میں میں ہی لوگوں کا قائد، خطیب، شفیع اور مبشر ہوں گا۔	۲۰۵

اس دن خزائن رحمت کی چابیاں اور لواء حمد میرے ہاتھ میں ہوگا۔	۲۰۵	ستر ہواں ارشاد	۲۰۹
گیارہواں ارشاد۔	۲۰۶	ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ اور میں حبیب اللہ ہوں۔	۲۰۹
پیشوائے مرسلین وخاتم النبیین میں ہوں۔	۲۰۶	حدیث ''اختصر لی اختصارًا'' کا معنی	۲۱۰
محشر میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خدام ایک ہزار اور جنت میں بے شمار میں ہوں گے۔	۲۰۶	تحقیق مصنف۔	۲۱۰
بارھواں ارشاد۔	۲۰۷	ہر آیت قرآنی کے نیچے ساٹھ ساٹھ ہزار علم ہیں۔	۲۱۰
حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الخلق اور آپ کا خاندان تمام خاندانوں سے افضل ہے۔	۲۰۷	کل کائنات کو ایسے دیکھتا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو۔	۲۱۱
تیرہواں ارشاد۔	۲۰۷	نمازیں پچاس سے پانچ اور زکوۃ چوتھے سے چالیسواں حصہ ہوگئی مگر ثواب وفضل پہلے والا برقرار ہے۔	۲۱۱
مخلوق کی تمام تقسیمات میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام بہترین قسم میں ہوئے۔	۲۰۷	اٹھارہواں ارشاد۔	۲۱۲
چودہواں ارشاد۔	۲۰۸	ہر نبی کے لیے ایک دعا ہے جو وہ دنیا میں کرچکے جبکہ میں نے اپنی دعا قیامت کے لیے چھپا رکھی ہے۔	۲۱۲
بہترین اولاد آدم پانچ ہیں اور حضور ان سب سے بہتر ہیں۔	۲۰۸	انیسواں ارشاد	۲۱۳
جلوہ دوم	۲۰۸	میں ہی حاشر ہوں کہ تمام لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے۔	۲۱۳
جلائل متعلقہ بآخرت	۲۰۸	بیسواں ارشاد	۲۱۴
پندرہواں ارشاد	۲۰۹	خاتون جنت قیامت میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی اونٹنی عضباء پر سوار ہوں گی۔	۲۱۴
ہم زمانے میں پچھلے، قیامت میں ہر فضل میں اگلے ہیں اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔	۲۰۹	حضور علیہ الصلوۃ والسلام براق پر سوار ہوں گے۔	۲۱۵
سولہواں ارشاد	۲۰۹	حضرت بلال محشر میں ایک جنتی اونٹنی پر سوار ہو کر اس کی پشت پر اذان دیں گے۔	۲۱۴
نحن الاخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیٰمۃ	۲۰۹		

اکیسواں ارشاد	۲۱۴	احادیث شفاعت	۲۱۸
میں سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لے جاؤں گا پھر مجھے بہشتی جوڑا پہنایا جائے گا۔	۲۱۵	ستائیسواں ارشاد	۲۱۹
میں عرش کی دائیں طرف کھڑا ہوں گا جہاں کوئی اور کھڑا نہیں ہوسکتا۔	۲۱۵	شفاعت سے متعلق وارد ہونیوالی احادیث کی تلخیص از مصنف	۲۲۰
بائیسواں ارشاد	۲۱۵	اٹھائیسواں ارشاد	۲۲۶
اگلے پچھلے مجھ پر رشک کرینگے۔	۲۱۵	قیامت کے دن میں تمام انبیاء کا امام، ان کا خطیب اور ان کا شفاعت کرنیوالا ہوں گا۔	۲۲۶
تئیسواں ارشاد	۲۱۵	انتیسواں ارشاد	۲۲۶
مجھے عمدہ بہشتی لباس پہنایا جائے گا کہ تمام بشر اس کے لائق نہ ہوں گے۔	۲۱۵	میں اپنی امت کا انتظار کروں گا۔	۲۲۶
چوبیسواں ارشاد	۲۱۵	حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بارگاہ محبوب میں حاضری اور التماس	۲۲۶
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور آپ کی امت قیامت کے دن سب سے بُلند ہوں گے۔	۲۱۵	حضور علیہ الصلوۃ والسلام وہ کچھ پائیں گے جو نہ کسی مقرب فرشتہ کوملا نہ کسی نبی مرسل نے پایا۔	۲۲۷
پچیسواں ارشاد	۲۱۶	تیسواں ارشاد۔	۲۲۷
قیامت کے دن ہر ایک تمنا کرے گا کہ وہ ہم سے ہوتا	۲۱۷	حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے پہلے دروازہ جنت کسی کے لئے نہیں کھولا جائے گا۔	۲۲۷
چھبیسواں ارشاد	۲۱۷	اکتیسواں ارشاد	۲۲۷
اللہ تعالٰی نے مجھے تین سوال دیے، دو میں نے کر لئے، تیسرا اس دن کے لیے موخر کر دیا جس دن سب کو میری حاجت ہوگی۔	۲۱۷	انا اول من ید خل الجنۃ ولا فخر	۲۲۷
قیامت کے دن جناب خلیل اللہ علیہ السلام بھی میری دعا کے خواہشمند ہوں گے۔	۲۱۷	بتیسواں ارشاد	۲۲۸
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی۔	۲۱۷	میں سب سے پہلا شفیع اور میرے پیروکار سب نبیوں کی امتوں سے افزوں	۲۲۸

تینتیسواں ارشاد	۲۲۸	ارشادات انبیاء عظام وملائکہ کرام	۲۳۳
سب سے بُلند نورانی منبر پر جلوہ گری	۲۲۸	چالیسواں ارشاد	۲۳۳
قیامت میں نبی امی کا اعزاز	۲۲۹	شب معراج تمام انبیاء نے حمد و ثناء الٰہی کے خطبے پڑھے اور آخر میں امام الانبیاء نے خطبہ پڑھا۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے آپ کے افضل الانبیاء ہونے کا اعلان فرمایا۔	۲۳۴
چونتیسواں کا ارشاد	۲۲۹	اکتالیسواں ارشاد	۲۳۴
سب سے پہلے میں پل صراط سے اپنی امت کو لے کر گزروں گا۔	۲۲۹	قول جبریل کہ میں نے کوئی شخص محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم سے افضل اور کوئی خاندان خاندان بنی ہاشم سے افضل نہ پایا۔	۲۳۵
پینتیسواں ارشاد	۲۲۹	بیالیسواں ارشاد	۲۳۵
دروازہ جنت کھلوانے کے لئے لوگ انبیاء کے پاس جائیں گے۔	۲۲۹	فرشتے کا مژدہ	۲۳۵
چھتیسواں ارشاد	۲۳۱	تینتالیسواں ارشاد	۲۳۵
سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی جنت میں تشریف آوری سے قبل جنت سب پیغمبروں پر حرام ہوگی۔	۲۳۱	قصہ ولادت رسول بزبان والدہ رسول علیہ الصلوۃ والسلام	۲۳۵
سینتیسواں ارشاد	۲۳۱	چوالیسواں ارشاد	۲۳۶
افضیلت مطلقہ کے منکر یہودی کو جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰے عنہ کا تھپڑ اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسل کا اس یہودی کو خطاب	۲۳۱	براق کی منہ زوری اور جبرائیل علیہ السلام کی تسکین وتوبیخ	۲۳۶
اڑتیسواں ارشاد	۲۳۲	پینتالیسواں ارشاد	۲۳۷
میرے لئے اللہ سے وسیلہ مانگو	۲۳۲	محبوب ترین ومعزز ترین خلق	۲۳۷
مقام وسیلہ کیا اور کس کو ملے گا۔	۲۳۲	احادیث امامۃ الانبیاء	۲۳۸
انتالیسواں ارشاد	۲۳۳	سینتالیسواں ارشاد	۲۳۸
جنت النعیم کے اعلٰی غرفہ میں جلوہ گری	۲۳۳	شب اسراء حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انبیاء کی امامت فرمانا۔	۲۳۸
جلوہ سوم	۲۳۳		

حضور نے ملائکہ و مرسلین کی امامت فرمائی	۲۴۲	تابش سوم	۲۴۶
فائدہ	۲۴۲	طرق روایات وحدیث خصائص	۲۴۶
تذییل	۲۴۳	حدیث خصائص متواتر المعنیٰ ہے	۲۴۶
اڑتالیسواں ارشاد	۲۴۳	حدیث خصائص کے راوی چودہ صحابہ کرام ہیں۔	۲۴۶
قیامت میں میرا ثواب سب انبیاء سے بڑا ہوگا۔	۲۴۳	خصائص ونفائس کی تعداد	۲۴۶
انچاسواں ارشاد	۲۴۳	مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ مجھ سے پہلے وہ فضائل کسی کو نہ ملے۔	۲۴۹
ابراہیم وعیسیٰ قیامت کے دن میری امت میں ہوں گے۔	۲۴۳	امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں تقریباً اڑھائی سو خصائص جمع فرمائے ہیں۔	۲۵۳
پچاسواں ارشاد	۲۴۴	علماءِ ظاہر سے علماءِ باطن کو زیادہ معلوم ہے۔	۲۵۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مخلوق سے بہتر اور منتخب ہیں۔	۲۴۴	اے ابوبکر! مجھے میرے رب کے سوا کسی نے نہیں پہچانا	۲۵۴
اکاونواں ارشاد	۲۴۴	تابش چہارم	۲۵۴
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیاء ورسل کے خاتم، قائد اور سید ہیں۔	۲۴۴	آثارِ صحابہ	۲۵۴
کل مخلوق کے رسول، مومنوں پر مہربان اور شفیع المذنبین۔	۲۴۴	پہلی روایت	۲۵۴
باونواں ارشاد	۲۴۴	حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمام مخلوق سے زیادہ عزت وکرامت والے ہوں گے۔	۲۵۴
لی مع اللہ وقت الخ	۲۴۴	دوسری روایت	۲۵۴
ترپنواں ارشاد	۲۴۵	اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ سلم کو اپنی ذات کریمہ کے لئے چن لیا۔	۲۵۴
جبرائیل علیہ السلام کا بارگاہ سید المرسلین میں سلام	۲۴۵	تیسری روایت	۲۵۵
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اول، آخر ظاہر اور باطن ہیں۔	۲۴۵	عنداللہ تمام مخلوق سے زیادہ وجاہت والے ابوالقاسم ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۲۵۵

چوتھی روایت	۲۵۵	سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا خواب	۲۵۹
حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں راہب کی زید بن عمرو بن نفیل کی پیشگوئی۔	۲۵۵	گیارہویں روایت	۲۵۹
پانچویں روایت	۲۵۵	سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ایک اور خواب	۲۵۹
ابوطالب وراہب کا قصہ	۲۵۶	بارہویں روایت	۲۵۹
ھذا سید العالمین وھذا رسول رب العالمین	۲۵۶	حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا پردہ عظمت تک پہنچنا، اذان سننا اور اللہ تعالٰی کا موذن کے کلمات کی تصدیق فرمانا	۲۶۰
شجر وحجر نے سجدہ کیا۔	۲۵۶	نور الختام (ضروری وضاحت)	۲۶۱
درخت اور بادل نے سایہ کیا۔	۲۵۶	تنبیہ (اختصار جواب کا التزام)	۲۶۳
چھٹی روایت	۲۵۶	ان ماخذ کے نام جو ترتیب کتاب کے وقت مصنف کے پیش نظر رہے۔	۲۶۳
تمیم داری کو ہاتف غیبی کی بعثت سید المرسلین کے بارے میں خبر	۲۵۶	بشارت جلیلہ (متعلقہ قبولیت رسالہ)	۲۶۵
ساتویں روایت	۲۵۷	بشارت اعظم (مصنف کی مقبولیت بارگاہ رسول میں)	۲۶۶
حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں ہاتف غیبی کے اشعار	۲۵۷	**○رسالہ شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام** **حضور سید عالم صلی اللہ علیہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کے ایمان کا بیان**	۲۶۷
آٹھویں روایت	۲۵۷	عبد مومن مشرک سے بہتر ہے۔	۲۶۸
بارگاہ رسالت میں ایک کنیز کا واقعہ	۲۵۷	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجے گئے۔	۲۶۸
نویں روایت۔	۲۵۸	روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے۔	۲۶۹
سیدہ آمنہ طیبہ طاہرہ کو حمل کے چھٹے ماہ میں بشارت	۲۵۸	واجب ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباؤ اجداد وامہات ہر قرن وطبقہ میں بندگان صالح ومقبول ہوں	۲۶۹
دسویں روایت	۲۵۹	پہلی دلیل	۲۶۹

دوسری دلیل	۲۶۹	غزوہ حنین کا واقعہ	۲۷۷
کسی کافرو کافرہ کے لئے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔	۲۷۰	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جدّات میں سے نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔	۲۸۰
تیسری دلیل	۲۷۱	ساتویں دلیل	۲۸۰
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا۔	۲۷۱	مسلم وکافر کا نسب منقطع ہے۔	۲۸۰
چوتھی دلیل	۲۷۱	آٹھویں اور نویں دلیل	۲۸۱
بارگاہ عزت میں سرکار کی وجاہت ومحبوبیت	۲۷۱	زید بن عمرو جنتی ہیں۔	۲۸۲
ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کیوں؟	۲۷۳	حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اکیس پشتوں تک اپنا نسب نامہ بیان فرمایا	۲۸۲
پانچویں دلیل	۲۷۵	دسویں دلیل	۲۸۳
دوزخ اور جنت والے برابر نہیں۔	۲۷۵	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے جن سے نکاح کا معاملہ فرمایا وہ جنتی ہیں۔	۲۸۴
بعض عقائد اہلسنت	۲۷۶	تنبیہات باہرہ	۲۸۴
حضرت عبدالمطلب داخل بہشت ہونگے	۲۷۶	حدیث ''ان ابی و اباک ''میں باپ سے ابوطالب مراد لینا طریق واضح ہے۔	۲۸۴
چھٹی دلیل	۲۷۶	آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔	۲۸۴
عزت وکرم مسلمانوں میں منحصر ہے۔	۲۷۷	استغفار سے نہی معاذاللہ عدم توحید پر دال نہیں۔	۲۸۴
کسی لئیم وذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز وکرم کے لئے باعث مدح نہیں۔	۲۷۷	سید الشافعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار بار شفاعت فرمائیں گے۔	۲۸۴
کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہے۔	۲۷۷	اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کیا وہ آپ پر ایمان لاکر شرف صحابیت پاکر آرام فرمارہے ہیں۔	۲۸۶
حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز ومدح میں بارہا اپنے آباء کرام و امہات کرام کا ذکر فرمایا۔	۲۷۷		

حدیث ضعیف در بارہ فضائل مقبول ہے۔	۲۸۶	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔	۲۹۳
امام ابن حجر مکی کی ایک عبارت	۲۸۶	حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ، رضاعی باپ حارث سعدی، رضاعی بھائی عبداللہ سعدی اور رضاعی بہن سیما سعدیہ سب کو دولت ایمان نصیب ہوئی	۲۹۳
احیاء والدین کریمین کی حکمت اور حافظ ابن دحیہ کے زعم کا اندفاع	۲۸۷	کسی نبی نے کوئی آیت وکرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی مثل اور اس سے امثل عطا نہ ہوئی ہو	۲۹۵
مسئلہ مذکورہ میں توقف کرنے والے بعض علماء کا قول	۲۸۸	فائدہ ظاہرہ	۲۹۷
آدمی جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذاللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔	۲۸۹	پینتیس ۳۵ ائمہ کبار اور اعاظم علماء نامدار کے اسماء گرامی جو ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں نجات کا اعتقاد رکھتے ہیں	۲۹۷
امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔	۲۸۹	مسئلہ مذکورہ کی تائید میں عبارات ائمہ وعلماء	۲۹۹
مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں	۲۸۹	عائدہ زاہرہ	۳۰۱
نکتہ الٰہیہ	۲۹۰	حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے ایمان افروز اشعار جو آپ نے اپنے وصال کے موقع پر اپنے ابن کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نذر کرتے ہوئے کہے	۳۰۱
ظاہر عنوان باطن ہے اور اسم آئینہ مسمّٰی	۲۹۰	سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی زبان پاک سے نکلے ہوئے آخری پر مغز کلمات	۳۰۳
الاسماء تنزل من السماء	۲۹۰	عبرت قاہرہ	۳۰۳
اچھے نام کی اہمیت اور برے نام کی کراہت	۲۹۰	مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں متفکر رہنے والے ایک عالم کا انوکھا واقعہ	۳۰۳
حبیب خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ مراعات الٰہیہ کے الطاف خفیہ	۲۹۲	رسالہ تمہید ایمان بآیات قران (صرف قرآنی آیات سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان کا مطلب)	۳۰۷
آپ کے والدین، مرضعات اور دائیوں وغیرہ کے اسماء کا عجب حسن انتخاب	۲۹۲	مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ عرض	۳۰۷

آیت ۱	۳۰۸	گستاخ پر دونوں جہان میں اللہ کی لعنت اور سخت عذاب ہے	۳۱۴
تعظیم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدار ایمان ہے	۳۰۹	گستاخوں پر سات کوڑے	۳۱۴
آیت ۲	۳۰۹	مسلمانوں کو اللہ اور رسول یاد دلا کر بدگویوں کے کلمات کی نسبت استفسار اور روشن بیانوں سے خدا اور رسول کی شان میں ان کے دشنام ہونے کا اظہار	۳۱۵
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت ماں باپ، اولاد اور سارے جہان سے زائد ہونی شرط نجات ہے۔	۳۰۹	دشنامیوں کی پہلی دشنام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو	۳۱۶
آیت ۳	۳۱۰	دوسری دشنام	۳۱۶
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا زبانی ادعاء کافی نہیں بلکہ امتحان ہوگا	۳۱۰	تیسری دشنام	۳۱۷
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم و محبت کا امتحان کیا ہے۔	۳۱۰	چوتھی دشنام	۳۱۷
آیت ۴	۳۱۱	آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳	۳۱۸
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا اگرچہ اپنا باپ ہو جو اس سے محبت رکھے وہ مسلمان نہیں	۳۱۲	قرآن کی بہت آیتیں تھانوی صاحب نے باطل کردیں	۳۱۸
رسول اللہ تعالٰی صلی اللہ تعالٰی وسلم کے گستاخ سے اگرچہ اپنا باپ ہو جو یک لخت علاقہ توڑ دے اس کے لئے قرآن مجید نے سات فائدے بتائے	۳۱۲	قرآن مجید اور ان کے خود اپنے اقرار سے ثابت کہ یہ بدگو چوپایوں سے بڑھ کر گمراہ ہیں	۳۱۹
آیت ۵، ۶، ۷	۳۱۳	آیت ۱۴	۳۲۰
جو ان کے گستاخ سے اگرچہ اپنا باپ ہو علاقہ رکھے اس پر قرآن مجید کے تازیانے	۳۱۳	آیت ۱۵	۳۲۰
جو گستاخ سے دل میں خفیہ میل رکھے اس پر تازیانہ	۳۱۳	پانچویں دشنام	۳۲۱
جو اس سے میل جول رکھے خود کافر ہے	۳۱۳	اللہ کو دشنامیوں کی دشنامیں	۳۲۱
آیت ۸، ۹	۳۱۴	چھٹی دشنام	۳۲۱

ساتویں دشنام	۳۲۱	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے کیسا ہی کلمہ گو ہو کافر ہوجاتا ہے۔	۳۲۸
آٹھویں دشنام	۳۲۲	آیت ۲۳	۳۲۹
دنیا کے پردے پر کوئی کافر فرقہ بھی ہرگز ایسا کفر نہیں بکتا	۳۲۲	اللہ تعالٰی نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم غیب سے منکر کو کافر فرمایا اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو۔	۳۲۹
دیکھو ایمان کی خبر لو کہ امتحان سے تمھارے نزدیک اللہ ورسول سے ماں باپ، استاذ بڑھ کر ٹھہرتے ہیں	۳۲۲	اس آیت سے منکران علم غیب سبق لیں	۳۳۰
آیت ۱۶	۳۲۳	مسئلہ علم غیب کا اجمالی بیان	۳۳۰
یہاں دو فرقے ان احکام قرآن کے خلاف چلتے ہیں۔ پہلا فرقہ جہلاء، ان کا ایک عذر وہی رشتہ یا علاقہ استاذی وغیرہ	۳۲۴	دوسرا مکر کہ اہل قبلہ کیونکر کافر ہو	۳۳۱
دوسرا عذر فلاں بدگو مولوی ہی اسے کیونکر برا کہیں	۳۲۴	آیت ۲۴	۳۳۱
اس عذر کے رد میں تین آیتیں	۳۲۴	آیت ۲۵	۳۳۱
آیت ۱۷	۳۲۴	آیت ۲۶	۳۳۲
آیت ۱۸	۳۲۴	آیت ۲۷	۳۳۲
آیت ۱۹	۳۲۵	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں پہلو دار بات سے گستاخی بھی کفر ہے نہ کہ صریح گستاخی	۳۳۲
دوسرا فرقہ معاندین ان کے پانچ مکر ہیں	۳۲۶	یہ امام اعظم پر افتراء کرتے ہیں امام کا مذہب یہ ہے کہ کسی قطعی بات کا منکر کافر ہے اگرچہ اہل قبلہ ہو	۳۳۳
پہلا مکر: کلمہ گو کیسے کافر ہوسکے اور قرآن مجید کی آیتوں سے اس کا رد	۳۲۷	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ادنی تنقیص کرنے والے کلمہ گو اہل قبلہ کے باب میں ہمارے امام مذہب کا فتوی کہ وہ کافر ہوگیا اس کی عورت نکاح سے نکل گئی	۳۳۴
آیت ۲۰	۳۲۸	اہل قبلہ کے صحیح معنی	۳۳۴
آیت ۲۱	۳۲۸	ائمہ دین کی تصریح کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدگو کو جو کافر نہ کہے خود کافر ہے	۳۳۵
آیت ۲۲	۳۲۸	ان بدگوئیوں کے اقوال شرع میں بت کو سجدہ کرنے سے بدتر ہیں	۳۳۷

نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بدگو کی توبہ قبول نہ ہونے کا مسئلہ	۳۳۸	آیت ۳۰	۳۵۲
تیسرا مکر کہ ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک اسلام کی اور قرآن مجید کی آیتوں سے اس کارد	۳۳۹	آیت ۳۱	۳۵۳
ان لوگوں کے نزدیک خدا کی بھاری غلطی کہ اس نے دائرہ اسلام تنگ کردیا	۳۴۰	مدتوں کی مطبوعہ کتابوں سے روشن ثبوت کہ یہاں دربارہ تکفیر کس قدر اعلٰی درجہ کی احتیاط ہے اور مفتریوں کی تہمت	۳۵۳
آیت ۲۸۔	۳۴۰	آیت ۳۲	۳۵۷
فقہائے کرام نے فرمایا کیا تھا اور ان مفتریوں نے کیا بنالیا	۳۴۱	آیت ۳۳	۳۵۷
کسی کے لئے علم غیب ماننے میں کتنے پہلو ہیں اور ان کے کیا کیا احکام	۳۴۱	رسالہ **الامن و العلی لناعتی المصطفی بدافع البلاء** (حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشکل کشا، حاجت روا اور دافع البلاء ہونے کا مدلل ثبوت)	۳۵۹
فائدہ جلیلہ: کسی کی نسبت ادعائے علم غیب پر بعض متاخرین کی تکفیر کا مطلب	۳۴۶	استفتاء از دہلی، مرسلہ مولوی کرامت اللہ صاحب	۳۵۹
غیب کے علم ظنی کا ادعا کفر نہیں اگرچہ بذریعہ نجوم یا رمل ہو	۳۴۶	مقدمہ	۳۶۲
ضروری تنبیہ	۳۴۸	عائدہ قاہرہ	۳۶۲
احتمال کون سا معتبر ہوتا ہے	۳۴۸	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں علماء اور ائمہ دین کا عقیدہ	۳۶۲
اس فرقے کا چوتھا مکر انکار یعنی مکر جانا اور اس کے رد میں آیت کریمہ	۳۴۹	وہابیوں کا پیشوا چھ سو ۶۰۰ برس سے پہلے کے عالموں کو کافر کہتا تھا	۳۶۳
پانچواں مکر: علمائے اہلسنت پر افتراء کہ انھوں نے بڑے بڑوں کو کافر کہہ دیا اور اس کے رد میں آیتیں	۳۵۰	وہابیوں کے نزدیک حضور کی تعریف میں کمی چاہیے۔	۳۶۴
توبہ کرنی ہو تو علانیہ چھاپیں	۳۵۱	وہابیوں کے نزدیک درود شریف کی کثرت شرک ہے۔	۳۶۴
آیت ۲۹	۳۵۲	وہابیہ کے طور پر شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب بدعتی تھے۔	۳۶۴

ملاحظہ ہو امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کا اپنے بڑوں کو صاف نبی اور صاحب شریعت و وحی و معصوم ماننا خاص دینی کاموں میں خاندان امام الطائفہ کا نئی نئی باتیں نکال کر وہابیہ کے طور پر بدعتی ہو جانا۔	۳۶۴	خواجہ نقشبند کی عنایت ان کی حمایت میں اہل و عیال کو سونپنا۔	۳۷۰
ذرا تصور شیخ کا حکم ملاحظہ ہو	۳۶۵	اولیاء کرام بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف فرماتے ہیں کمال وسیع علم رکھتے ہیں، اس عالم کی توجہ رکھتے ہیں۔	۳۷۰
وظائف کے التزام کا حکم	۳۶۶	اولیاء کرام سے دنیا والوں کو فیض پہنچتا ہے۔	۳۷۱
امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کا خود بدعتی ہونا۔	۳۶۶	یا علی یا علی کہہ کر مولی علی کو پکارنا۔	۳۷۲
وہابیہ کے طور پر سارا خاندان دہلی مشرک تھا، ملاحظہ ہوں ان کے عقائد کہ حضور ہی ہر مصیبت کے کام آتے ہیں	۳۶۷	نکتہ جلیلہ کہ وہابیہ کا مذہب انبیاء و ملائکہ یہاں تک کہ خود رب جل جلالہ کو (معاذاللہ) مشرک کہتا ہے۔	۳۷۳
حضور سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں	۳۶۸	نسبت و اسناد کی نفیس تحقیق	۳۷۴
عاجزی کے ساتھ حضور کو ندا کرے۔	۳۶۸	فرق ذاتی و عطائی	۳۷۴
حضور ہی ہر بلا سے پناہ ہیں۔	۳۶۸	جو معنی شرک ہیں کسی مسلمان کو خواب میں بھی ان کا خیال نہیں گزرتا۔	۳۷۵
اولیاء کا مشکل کشا ہونا۔	۳۶۸	وہابیہ کا ظلم کہ جو محاورے خود بولتے ہیں مسلمانوں کے مشرک بنانے کو ان سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔	۳۷۶
اولیاء کرام کی روحیں جہاں چاہتیں ہیں جاتی ہیں اپنے متوسلین کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔	۳۶۹	کلمہ گو کی نسبت ارادہ معنی شرک کا ادعاء حرام و کبیرہ و افتراء ہے۔	۳۷۶
مولی علی سے نیاز	۳۶۹	قائل کا موحد ہونا گواہ ہے کہ معنی شرک مراد نہیں۔	۳۷۶
بیماری میں مولی علی کی طرف توجہ	۳۶۹	حضور کو دافع البلاء کہنے کے شرک ہونے کی دو صورتیں ہیں اور جو صورت مراد لو خدا اور رسول تک حکم شرک پہنچے گا۔	۳۷۷
غوث پاک کی توجہ اور عنایت	۳۶۹	جو چیز اللہ کی قدرت میں ہے اسے غیر کے لیے بعطائے الٰہی ماننا بھی شرک نہیں ہو سکتا۔	۳۷۷

پہلا باب، اس میں چھ آیتیں اور ساٹھ حدیثیں ہیں۔	۳۷۹	بارہ حدیثیں کہ اسلام نے عزت، مسلمانوں نے راحت فاروق اعظم کے سبب پائی	۳۹۷
فصل اول، آیت کریمہ میں۔	۳۷۹	ہر بلاء کا دافع ہر نعمت کا حصول نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذریعے سے ہوا۔	۴۰۱
اللہ تعالٰی یوں ہی گناہ بخش سکتا تھا مگر فرماتا ہے کہ قبولِ توبہ چاہو تو نبی کے حضور حاضر ہو۔	۳۷۹	اللہ تعالٰی کا سب کارخانہ سب لینا دینا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے سے ہے۔	۴۰۱
متعدد آیات واحادیث کہ نیکوں کے سبب بلا دفع ہوتی ہے۔	۳۸۰	اللہ تعالٰی پر وہابیہ کے الزامات۔	۴۰۳
فصل دوم، احادیث عظیمہ میں،	۳۸۱	باب دوم، اس میں ۴۴ آیتیں اور ۲۴۰ حدیثیں ہیں۔	۴۰۵
نیکوں کے باعث مدد ملتی ہے۔	۳۸۱	فصل اول، آیات شریفہ میں کہ خدا ورسول نے دولتمند کردیا۔	۴۰۵
اولیاء کے باعث مینہ اترتا ہے۔	۳۸۴	دینے والے خدا ورسول ہیں ان کے دینے کی توقع رکھو۔	۴۰۵
اولیاء کے سبب زمین قائم ہے۔	۳۸۶	خدا ورسول نے نعمت دی۔	۴۰۶
اولیاء کے سبب زمین کی نگہبانی۔	۳۸۶	حافظ ونگہبان اللہ تعالٰی کے فرشتے ہیں۔	۴۰۶
حدیث کی خلق کی موت زندگی سب اولیاء کی وساطت سے ہے۔	۳۸۷	اللہ اور اللہ کے نیک بندے کافی ہیں	۴۰۶
متعدد حدیثیں کہ صحابہ اور اہل بیت امت کی پناہ ہیں۔	۳۸۸	پانچ آیتیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنا رب کہنا شرک نہیں جبکہ مجاز مراد ہو۔	۴۰۷
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالم کی پناہ ہیں (حدیث)	۳۹۰	یوسف علیہ السلام پر وہابیہ کے الزام۔	۴۰۷
سترہ حدیثیں کہ اللہ کے نیک بندوں سے اپنی حاجتیں مانگو۔	۳۹۰	عیسٰی علیہ السلام شافی ہوئے۔	۴۰۸
متعدد حدیثیں کہ اللہ کے نیک بندے حاجت روائی کرتے ہیں۔	۳۹۴	عیسی علیہ السلام زندہ کرنے والے ہوئے۔	۴۰۸
تین حدیثیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دوزخ سے بچاتے ہیں۔	۳۹۴	عیسی علیہ السلام پر وہابیہ کا الزام۔	۴۰۸

Majlis of Dawateislami

اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ کہنا شرک نہیں۔	۴۰۹	نبی بخش، عطار سول، عطا علی وغیرہ نام رکھنا شرک نہیں۔	۴۱۸
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تکلیف سے نجات دی، مصیبت کاٹ دی۔	۴۱۰	آیت کہ اللہ اور جبرائیل اور ابوبکر وعمر مددگار ہیں۔	۴۱۸
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گناہوں سے پاک کرتے ہیں۔	۴۱۰	اولیاء ہمارے مالک ہیں ہم ان کے مملوک ہیں اس میں کوئی شرک نہیں۔	۴۱۹
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیامت تک تمام امت کو پاک کرتے اور علم عطا فرماتے ہیں۔	۴۱۱	یوسف علیہ السلام پر وہابیہ کا پانچواں الزام۔	۴۲۰
محبوبان خدا اللہ کے حضور شفاعت کے مالک ہیں۔	۴۱۳	صرف اللہ ورسول اور اولیائے مددگار ہیں (بس)۔	۴۲۰
بندے بندوں کو رزق دیتے ہیں۔	۴۱۴	آیت کہ حضور اپنی امت کے حافظ ونگہبان ہیں۔	۴۲۲
مجاہدین کو فرشتے ثابت قدم رکھتے ہیں۔	۴۱۴	وہابیوں کی جان پر لاکھ من کے پہاڑ (یعنی امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب میں شرک وتوحید کا بگاڑ)	۴۲۳
دنیا کے تمام کاروبار کی فرشتے تدبیر کرتے ہیں۔	۴۱۴	سب کے ہاتھ حضور کی طرف پھیلے ہیں سب حضور کے آگے گڑ گڑاتے ہیں، حضور ساری زمین اور تمام مخلوق کے مالک ہیں جو حضور کو اپنا مالک نہ جانے سنت کی حلاوت نہ پائے۔	۴۲۳
اولیائے کرام بعد انتقال تمام عالم کا تصرف کرتے ہیں اور جہاں بھر کے کاروبار کی تدبیر کرتے ہیں۔	۴۱۶	امام الطائفہ نے انجانے میں گھر پھونک دیا	۴۲۵
مزارات اولیائے کرام سے استمداد کے منکر ملحد بے دین ہوئے۔	۴۱۶	بارہ حدیثیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اختیارات اور تصرفات کی کنجیاں عطا ہوئیں۔	۴۲۶
آیات سے ثابت ہے کہ موت فرشتہ دیتا ہے۔	۴۱۷	مدد دینے کی کنجیاں، نفع پہنچانے کی کنجیاں حضور کے ہاتھ میں ہیں۔	۴۲۷
جبرائیل علیہ السلام پر وہابیہ کا الزام، جبرائیل نے بیٹا دیا۔	۴۱۸	زمین وآسمان کی سب مخلوق حضور کے قبضہ میں ہے اور ساری دنیا حضور کی مٹھی میں۔	۴۲۹

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے نائب ہیں (حدیث)	۴۳۰	متعدد حدیثیں کہ مال کے مالک اللہ ورسول ہیں۔	۴۳۸
وہابیہ کے نزدیک اللہ کا نائب گویا پتھر کا نائب ہے۔	۴۳۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جان ومال کے مالک ہیں۔	۴۳۸
آخرت میں عزت دینا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے۔	۴۳۰	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضل کی امید۔	۴۴۱
قیامت میں کل اختیارات حضور کو ہیں۔	۴۳۰	اعرابی صحابی کی بارگاہ رسول میں عرض کہ حضور کے سوا ہمارا کون ہے جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں۔	۴۴۱
اللہ تعالٰی کی بارگاہ سے جنت و نار کی کنجیاں حضور کو عطا ہوں گی،اور حضور کی سرکار سے صدیق وفاروق کو۔	۴۳۱	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتیموں کی جائے پناہ اور بیواؤں کے نگہبان ہیں۔	۴۴۱
جنت ودوزخ کا اختیار خلفائے کرام کو دیا جائے گا۔	۴۳۱	ابو طالب کے اشعار جن کے سننے کی خود حضور نے خواہش کی جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑے بڑے ان کی پناہ لیتے ہیں۔	۴۴۲
مولی علی قسیم نار ہیں۔	۴۳۴	اصحاب انصار کی عرض کہ اللہ ورسول کا احسان زائد ہے،اللہ و رسول کا فضل بڑا ہے۔	۴۴۴
فصل دوم،احادیث منیفہ میں۔	۴۳۶	تین حدیثیں کہ زمین کے مالک اللہ ورسول ہیں۔	۴۴۴
وصل اول	۴۳۶	حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام آدمیوں کے مالک ہیں۔	۴۴۶
اللہ ورسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غنی کردیا۔	۴۳۶	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پناہ لینے میں پانچ حدیثیں۔	۴۴۶
اللہ ورسول حافظ ونگہبان ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا و آخرت میں کارساز ہیں۔	۴۳۷	جان وہابیت پر لاکھ من کا پہاڑ،رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دہائی۔	۴۴۸
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روز قیامت میں اہل سنت کے نگہبان ہیں۔	۴۳۷	غلام کو مارنا،اس غلام کا اللہ کی دہائی دینا۔	۴۴۸

پھر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھ کر حضور کی دہائی دینا۔	۴۴۸	عمر فاروق کے تین قول کہ ہمارے سر پر بال نبی نے اگائے۔	۴۶۵
صحابی کا حضور کی دہائی سن کر مارنے سے ہاتھ روک لینا وغیرہ، وہابی اس کو شرک کہتے ہیں۔	۴۴۸	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دو جہان کی دولت ایک جملہ فرما کر بخش دیتے ہیں۔	۴۶۷
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پناہ لینے والے کے لیے امان کا وعدہ ہے۔	۴۴۹	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مختار خزائن الٰہی ہونے کا نفیس ثبوت۔	۴۶۹
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے التجا کرنے والا نامراد نہیں رہتا (صحابی کا قول) کہ اللہ ورسول پر ہی بھروسہ ہے۔	۴۵۳	اللہ تعالٰی کی رحمت کے خزانے نعمتوں کے خوان نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھ کے نیچے ہیں سب تابع فرمان ہیں۔	۴۷۰
صحابی عامر بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عرض کہ یارسول اللہ! ہمارے گناہ بخش دیجئے یارسول اللہ! ہم پر سکینہ اتاریے، یارسول اللہ ہمیں ثابت قدم رکھئے۔ یارسول اللہ! ہم حضور کے فضل کے محتاج ہیں۔	۴۵۴	آٹھ حدیثیں کہ مخلوق کو حشر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دیں گے۔	۴۷۰
ایک صحابی دوسرے صحابی کے لیے حضور سے عرض کرتے ہیں کہ یارسول اللہ! حضور انھیں زندہ رکھتے تو ہمارے لیے بہتر ہوتا۔	۴۵۷	خدا کی شان میں ملا دینے کا رد	۴۷۳
(دو حدیثیں) کہ اللہ ورسول کے لیے صدقہ کرنا	۴۶۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اپنی امت سے نار جہنم کا دفع فرمانا۔	۴۷۴
صدیق اکبر کا قول کہ میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ ہوں۔	۴۶۲	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کے قیدی کی سزا بدل دی۔	۴۷۶
فاروق اعظم کا اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ بتانا۔	۴۶۲	(ایک بی بی سے حضور نے فرمایا کہ) بچے اللہ ورسول کے سپرد ہیں۔	۴۷۸
عمر فاروق اعظم اور تمام صحابہ پر وہابیہ کے متعدد الزامات۔	۴۶۳	حضور کا ارشاد کہ سخت تر دشمن کے مقابلہ میں اللہ و رسول تمہیں کفایت فرمائیں گے۔	۴۷۹
بدعت حسنہ کے ماننے پر وہابیہ نے فاروق اعظم کو صاف گمراہ کہہ دیا۔	۴۶۴	گھر والوں کے لیے اللہ و رسول کو باقی رکھنا (قول ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ) حضور کا ارشاد کہ اللہ ورسول نے نعمت دی۔	۴۸۰

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے رزق دیا	۴۸۲	حضور کارب اپنے محبوب سے مشورہ لیتا ہے۔	۴۹۰
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غافل دل زندہ کر دیئے، اندھی آنکھیں روشن فرمادیں۔ بہرے کان سننے والے اور ٹیڑھی زبانیں سیدھی کردیں۔	۴۸۲	آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض نہ کرے۔	۴۹۱
نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گمراہی سے پناہ دی، ہلاکت سے بچایا۔	۴۸۳	ایک ایک گھڑی کے حال کی غوث اعظم کو خبر ہونا۔	۴۹۲
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود تعلیم فرمایا کہ ہم سے استعانت کرو۔	۴۸۴	ہر شقی وسعید کاان پر پیش کیا جانا لوح محفوظ کاان کے پیش نظر ہونا۔	۴۹۲
وہابیہ عین ادعائے توحید میں شرک کرتے ہیں	۴۸۵	(صحابی کی عرض کہ) یارسول اللہ! حضور جنت میں اپنی رفاقت عطافرمائیں۔	۴۹۳
چاند کا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اشارے پر چلنا۔	۴۸۵	دنیاوآخرت کی تمام نعمتیں حضور کے اختیار میں ہیں جسے چاہیں عطافرمائیں۔	۴۹۳
ملائکہ مدبرات امر بھی حضور کے زیر حکم ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کے لیے بھی رسول ہیں اور وہ حضور کے امتی۔	۴۸۷	ماکان ومایکون (یعنی جو ہوچکا اور جو ہوگا) سب کا علم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علوم سے ایک ٹکڑا ہے۔	۴۹۵
سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سورج کے چلانے والے فرشتے ڈوبتے ہوئے سورج کو واپس لے آئے۔	۴۸۷	رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا تعلیم فرمانا کہ حاجت کے وقت ہمیں ندا کرو، ہم سے استعانت اور التجا کرو کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! حضور میری حاجت روافرمائیں۔	۴۹۶
کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دربار سے، اور کوئی شے کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے۔	۴۸۸	وہابیہ کے نزدیک ندا و استعانت میں صحابہ پر صریح شرک کا الزام۔	۴۹۸
حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس بات کاارادہ فرمائیں اس کے خلاف نہیں ہوتا کوئی ان کے حکم کا پھیرنے والا نہیں۔	۴۸۸	پیمانوں میں میں نے برکت رکھ دی ہے۔	۴۹۹
حدیث دیکھو کہ حضور کارب حضور کی اطاعت کرتا ہے۔	۴۸۸		

رسالہ (ضمنی) **منیة اللبیب ان التشریع بید الحبیب** (حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مالک احکام شرع ہیں)	۵۰۰	وہابیوں کا امام نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو صرف مخبر اور پیغام رساں مانتا ہے۔	۵۱۴
سولہ حدیثیں کہ مدینہ طیبہ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرم کردیا۔	۵۰۰	ایمان نبی علیہ الصلوۃ والسلام عطا کرتے ہیں	۵۱۵
پانچ حدیثیں کہ مکہ معظّمہ کو ابراہیم علیہ السلام نے حرم کردیا	۵۰۰	امام الوہابیہ کی دریدہ دہنی	۵۱۵
مکہ معظّمہ کو ابراہیم علیہ السلام نے امن والا کردیا	۵۰۰	(اختیارات) نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حکم سے کام فرض ہوجاتا ہے اگرچہ فی نفسہ فرض نہ ہو۔	۵۱۷
(فائدہ مہمہ) کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ تاکید تمام جس بات کا حکم فرمائیں وہابیوں کا پیشوا (تقویۃ الایمان میں) صراحۃً کہے یہ تو شرک ہے، اب دیکھیں وہابی کس کا کلمہ پڑھتے ہیں۔	۵۰۹	احکام شریعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سپرد ہیں جس بات سے جو چاہیں حکم فرما دیں اپنی طرف سے وہی شریعت ہے	۵۱۸
ذرا ملاحظہ ہو مدینہ طیبہ کے راستے میں نامعقول باتیں کرنا وہابیہ کا جزو ایمان ہے جو نہ کرے ان کے نزدیک مشرک ہوجائے۔	۵۱۰	(حقیقت ومجاز کا فرق) خدا کا فرض رسول کے فرض کئے ہوئے سے اقوی ہے ۵۸ حدیثیں جن سے معلوم ہوگا کہ حکم احکام شرع کے حضور کو سپرد ہیں۔	۵۱۹
لطیفہ حقہ	۵۱۰	ایک خاص نکتہ کی اصل جس سے مجلس میلاد قیام وفاتحہ وتیجہ وغیرہ تمام مسائل بدعت وہابیہ طے ہوجاتے ہیں۔	۵۲۴
عجب عجب کہ ہر راستے میں باہم جوتی پیزار ہونا وہابیہ کا جزو ایمان ہے، نہ کریں تو اپنے امام کے حکم سے مشرک ہوجائیں۔	۵۱۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جس حکم شرع سے جو چاہتے مستثنی فرمادیتے۔ اس سلسلہ میں ۲۳ واقعے ۳۵ حدیثیں۔	۵۲۴
تذییل وتکمیل	۵۱۱	(۱) حضرت ابو بردہ کے لیے ششماہہ بکری کی قربانی جائز فرما دی۔	۵۲۵
احکام الٰہیہ دو قسم ہیں: تکوینیہ وتشریعیہ	۵۱۱	(۲) ایک بار عقبہ بن عامر کے لیے بھی اس کی اجازت عطا کی۔	۵۲۶
احکام الٰہیہ تشریعیہ تکوینیہ میں کچے وہابیوں کا تفرقہ محض تحکم اور خود اپنے مذہب سے اندھاپن۔	۵۱۱		

(۳)ام عطیہ کو ایک جگہ نوحہ کرنے کی رخصت بخشی۔	۵۲۶	(۱۵)سراقہ کو سونے کے کنگن حضور کی اجازت سے پہنائے گئے۔	۵۳۷
(۴)ایک بار خولہ بنت حکیم کو نوحہ کی اجازت فرمادی۔	۵۲۷	(۱۶)مولیٰ علی کو اپنا نام اور کنیت جمع کرنے کی جازت فرمائی۔	۵۳۸
(۵)یونہی اسماء بنت یزید کو ایک دفعہ کی پروانگی عطاکی۔	۵۲۷	(۱۷)عثمان غنی کو بے حاضری جہاد سہم غنیمت کا مستحق قرار دیا اور عطاکیا۔	۵۴۰
(۶)اسماء بنت عمیس کو عدت کا سوگ معاف فرمادیا۔	۵۲۸	(۱۸)معاذ بن جبل کو اپنی رعیت سے تحائف لینا حلال فرمادیا۔	۵۴۱
(۷)ایک صحابی کو بجائے مہر کے سورۂ قرآن سکھانا کافی کردیا۔	۵۲۹	(۱۹)ایک صاحب کے لئے بیع میں خیار غبن مقرر فرمادیا۔	۵۴۲
(۸)خزیمہ بن ثابت کی تنہا گواہی کو شہادت کی نصاب کامل کردیا۔	۵۳۰	(۲۰)ام المومنین کو عصر کے بعد دو رکعت نفل جائز فرمادیے۔	۵۴۳
(۹)ایک صحابی کے لیے روزہ کا کفارہ خود ہی کھالینا جائز فرمادیا۔	۵۳۱	(۲۱)ایک بی بی کے لیے احرام میں شرط لگانا جائز فرمادیا۔	۵۴۵
(۱۰)ایک صاحب کو جوانی میں ایک بی بی کا دودھ پینے کی اجازت دی اور اس سے حرمت رضاعت ثابت فرمادی۔	۵۳۳	(۲۲)ایک شخص نے اس شرط پر اسلام قبول فرمالیا کہ دو نماز سے زائد نہ پڑھے گا۔	۵۴۶
(۱۱)دو صاحبوں کو ریشمیں کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔	۵۳۴	مسح موزہ کی مدت	۵۴۷
(۱۲)مولی علی کو بحالت جنابت مسجد اقدس میں رہنا مباح فرمادیا۔	۵۳۴	مسواک کا حکم	۵۵۱
(۱۳)کہ مخدرات اہلبیت (پردہ نشین) کو بحالت عارضہ ماہانہ مسجد مبارک میں آنا جائز فرمادیا۔	۵۳۵	حرام دو قسم ہے: ایک وہ جسے خدا نے حرام کیا، اور ایک وہ جس کو رسول نے حرام کیا، دونوں یکساں ہیں۔	۵۶۲
(۱۴)براء بن عازب کو سونے کی انگوٹھی پہننی جائز فرمادی۔	۵۳۵	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دین کے شارع ہیں۔	۵۶۳

امام الوہابیہ کا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صریح افتراء	۵۶۳	نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر امام الوہابیہ کا افتراء	۵۶۹
امام الوہابیہ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے فضائل وکمالات یکلخت اڑادیے۔	۵۶۴	امام الوہابیہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدحواس کہا۔	۵۶۹
اس کے نزدیک حضور کو کسی نبی سے کچھ امتیاز نہیں اور امتیوں میں فقط جاہلوں میں ممتاز ہیں نہ کی عالموں سے (یہ ہے وہابیوں کا عقیدہ)	۵۶۴	امام الوہابیہ کی اندھی مت۔	۵۶۹
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق صحابہ اور ائمہ کا عقیدہ کہ حضور تنہا حاکم ہیں، نہ ان کے سوا کوئی حاکم نہ وہ کسی کے محکوم۔	۵۶۵	مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع غیب پر قدرت واختیار ہونے کا حدیث سے ثبوت۔	۵۷۶
مسک الختام	۵۶۶	امام الوہابیہ اللہ عزوجل کو (معاذاللہ) صریح گالیاں دیتا اور صاف جاہل مانتا ہے۔	۵۸۰
(حدیث) وفینا نبی الخ کی نفیس بحث	۵۶۶	امام الوہابیہ کی صریح خیانت وعیاری	۵۸۲
(امام الوہابیہ) قرآن کے خلاف دعوی کرتا ہے کہ انبیاء کی طرف خدا کے بتانے سے بھی اطلاع غیب کی نسبت شرک ہے۔	۵۶۶	اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہوجائے گا۔ اس قول کے متعلق نہایت نفیس بحث اور احادیث کا جمع۔	۵۸۳
امام الوہابیہ کے نزدیک اس کا معبود کسی کو اطلاع علی الغیب کا رتبہ دینے سے عاجز ہے۔	۵۶۷	امام الوہابیہ کے نزدیک صحابہ کرام شرک کیا کرتے تھے اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منع نہ فرماتے۔	۵۸۷
امام الوہابیہ نے صریح قرآن کی مخالفت کی مگر اسے مضر نہیں کہ اس کے نزدیک قرآن کا سچا ہونا ہی ضروری نہیں۔	۵۶۸	امام الوہابیہ کے طور پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شرک سے ممانعت پر اپنے یاروں کے لحاظ کو ترجیح دیتے تھے۔	۵۸۷
امام الوہابیہ دعوے کے وقت آسمان پر اڑتا ہے اور دلیل لاتے وقت تحت الثرٰی پر بھی نہیں رکتا۔	۵۶۸	امام الوہابیہ کے نزدیک صحابہ کرام اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو سچی توحید (معاذاللہ) ایک یہودی نے سکھائی۔	۵۸۷
قرآن سے ثبوت علم غیب	۵۶۸	امام الوہابیہ کے نزدیک نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے شرک سے منع کیا تو صرف اس خیال سے کہ ایک مخالف اعتراض کرتا ہے۔	۵۸۷

امام الوہابیہ کے نزدیک بعد اعتراض حضور نے جو تعلیم فرمایا وہ خود شرک ہے۔	۵۸۷	موسٰی علیہ السلام نے ایک بُڑھیا کو جوانی پھیر دی۔	۶۰۰
احادیث مشیت کی نفیس تقریر منیر	۵۸۸	وہابیہ کے طور پر موسٰی علیہ السلام کو وحی آئی اے موسٰی اتو خدا بن جا۔	۶۰۵
امام الوہابیہ کی تصریح کہ بادشاہوں کو سلطنت امیروں کو امارت ملنے میں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی ہمت کو دخل ہے۔	۵۸۹	چالیس برس کی عمر آدم علیہ السلام نے عطافرمائی۔	۶۰۶
احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ہمارا وہی اعتقاد ہے جو صحابہ کرام کا تھااور امام الوہابیہ کا وہ خیال جو ایک یہودی کا تھا۔	۵۹۱	(حدیث) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا اورآخرت میں ہر مسلمان کے مددگار ہیں۔	۶۰۹
اہم نکتہ	۵۹۳	حضرت بتول زہرا نے اپنے غلاموں کو دوزخ سے آزاد فرمایا۔	۶۱۱
وصل دوم	۵۹۸	امیر المومنین حضرت عمر لوگوں کو دوزخ میں گرنے سے روکے ہوئے تھے۔	۶۱۲
مانگ جو تیرا جی چاہے۔	۵۹۹	فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ زمین کے مالک ہم ہیں۔	۶۱۳
موسٰی علیہ السلام نے بوڑھی عورت کو جنت عطا کی۔	۵۹۹	عثمان غنی سے استعانت فرمانا۔	۶۱۳
خود حدیث کاارشاد کہ اللہ تعالٰی کے تمام خزائن رحمت پر نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہاتھ پہنچتاہے جو چاہیں جسے چاہیں عطافرما دیں۔	۶۰۰	امیر المومنین عمر کی پناہ میں ایک فریادی کاآنااور امیر المومنین کا ارشاد فرمانا کہ ہماری بارگاہ سچی جائے پناہ ہے۔	۶۱۴
یہی اعتقاد صحابہ کرام کا تھا کہ حضور کارخانہ الٰہی کے مختار ہیں۔	۶۰۰	قحط سالی میں امیر المومنین کا عمرو بن عاص کو لکھنا: ارے فریاد کو پہنچو، ارے فریاد کو پہنچو۔	۶۱۴
موسٰی علیہ السلام پر وہابیوں کاالزام شرک اللہ اور حبیب اور کلیم علیہما الصلوۃ والتسلیم سے امام الوہابیہ کا بگاڑ۔	۶۰۰	وہابیہ کے نزدیک مولٰی علی خدائی بول بول رہے ہیں۔	۶۱۶

اپنے آپ کو غفار، ستار، قاضی الحاجات بتارہے ہیں۔	۶۱۷	تبارك الذی پڑھنے والے کو فرشتہ ہر برائی سے محفوظ رکھتا ہے۔	۶۲۵
حضرت علی کا اپنے آپ کو حاجت روا فرمانا۔	۶۱۷	مسلمان سے غیبت دفع کرنے پر فرشتہ آتش دوزخ سے اس کا نگہبان ہے۔	۶۲۶
حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مسلمانوں کو شفاء دی۔	۶۱۷	جعفر طیار کو جبریل امین نے جنت میں زیادہ مرتبہ عطا کردیا۔	۶۲۶
اسلام کو انصار نے پالا۔	۶۱۹	طلحہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو جبریل امین قیامت کے ہر ہول سے بچائیں گے۔	۶۲۷
وصل سوم	۶۱۹	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت عوف سے فرمایا اللہ تیرے دنیا کے کام بنادے تیری آخرت کا معاملہ تو میرے ذمہ ہے۔	۶۲۸
جبریل علیہ السلام دعائیں قبول کرتے حاجتیں بر لاتے ہیں۔	۶۱۹	تکملہ کاملہ	۶۲۹
فرشتے روزی پہنچاتے، رزق کا سامان کرتے ہیں اور نیک بندوں کے لیے رزق پاک اور آسان کرتے ہیں۔	۶۲۰	عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے حضور رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مکان بہشتی کی ضمانت فرمائی۔	۶۳۰
متواضعوں کے رتبے فرشتہ بُلند کرتا ہے۔	۶۲۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنت کا چشمہ عثمان غنی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔	۶۳۱
متکبروں کو فرشتہ ہلاک کرتا ہے۔	۶۲۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جنت عثمان غنی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔	۶۳۱
سانپ سے فرشتہ بچاتا ہے۔	۶۲۰	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے طلحہ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو جنت دینا اپنے ذمہ کرلیا۔	۶۳۲
فرشتہ نگہبانی کرتا ہے۔	۶۲۱	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر نیک بندے کے لئے جنت کی ضمانت فرمائی۔	۶۳۲
حدیث فرماتی ہے کہ تمام دنیا کے آنکھ، کان، گوشت پوست، صورت سب فرشتوں کے بنائے ہوئے ہیں۔	۶۲۱	امام الوہابیہ نبی صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو (معاذاللہ) فضولی جانتا ہے۔	۶۳۳
حدیث فرماتی ہے کہ سب کے بدن میں جان فرشتے کی ڈالی ہوئی ہے۔	۶۲۲	حدیث کہ جو شنبہ کو علی الصبح کسی حاجت کی تلاش میں جائے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کی حاجت روائی کے ذمہ دار ہیں۔	۶۳۳
تین حدیثیں کہ فرشتے نیک بات کی توفیق دیتے ٹھیک راستے پر قائم رکھتے ہیں۔	۶۲۲		

جبکہ میں دوراور حاضری سے معذور ہوں تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام میری پناہ اور مجھے راحت ملنے کی جگہ ہیں۔	۶۳۴	قصیدہ بردہ کے چند اشعار اوران کی شرح میں ملاعلی قاری کا کلام۔	۶۴۴
٥رسالہ **منبه المنية بوصول الحبيب الى العرش والرؤية** (اس بات کا بیان کہ شب معراج نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلم نے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کو دیکھااور یہ کہ آپ عرش سے آگے تشریف لے گئے)	۶۳۷	بعض ائمہ نے کہاکہ شب اسرٰی میں دس معراجیں ہوئیں۔	۶۴۵
احادیث مرفوعہ	۶۳۷	حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہواعطاہوئی جو صبح وشام ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی، ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو براق عطاہواجوآپ کوفرش سے عرش تک ایک لمحہ میں لے گیا۔	۶۴۵
رایت ربی عزوجل (الحدیث)	۶۳۷	فرش سے عرش تک کی اقل مسافت سات ہزار برس کی راہ ہے۔	۶۴۶
ابراہیم علیہ السلام کو خلت، موسٰی علیہ السلام کو کلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے حجاب دیدارالٰہی عطاہوا۔	۶۳۸	موسٰی علیہ السلام کے مشرف بہ کلام ہونے اور ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مشرف بکلام ہونے میں فرق۔	۶۴۶
آثار صحابہ	۶۳۹	معراج بیداری میں بدن وروح کے ساتھ ہوئی۔	۶۴۶
اخبار تابعین	۶۴۱	معراج کہاں تک ہوئی۔	۶۴۷
اقوال من بعدھم من ائمۃالدین	۶۴۲	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلم عرش پر پہنچے تو عرش نے آپ کادامن تھام لیا۔	۶۴۸
علمائے کرام نے اپنی تصانیف جلیلہ میں شب معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عرش پر تشریف لے جانے کی تصریحات فرمائی ہیں۔	۶۴۳	سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شب معراج دائرہ مکان وزمان سے باہر نکل گئے۔	۶۵۳
حدیث مرسل ومعضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے۔	۶۴۴	حدیث مرسل کی تعریف اور حکم۔	۶۵۴
مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔	۶۴۴	حدیث منقطع فضائل میں بالاجماع قابل عمل ہے۔	۶۵۵
عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں۔	۶۴۴	حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد "انا قسیم النار" حکماً مرفوع ہے۔	۶۵۵

عدم نقل وجود کی نفی نہیں کرتا۔	۶۵۶	باجماع علماء در بارہ فضائل، مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں۔	۶۶۱
٥رسالہ **صلاۃ الصفاء فی نور المصطفٰی**(اس بات کا بیان کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے نور سے پیدا ہوئے اور باقی مخلوقات آپ کے نور سے پیدا ہوتی ہیں۔)	۶۵۷	تلقی بالقبول صحت حدیث کے لئے دلیل کافی ہے۔	۶۶۱
امام عبدالرزاق کا تعارف	۶۵۸	نور محمدی کی نور خدا سے تخلیق کس اعتبار سے متشابہ ہے۔	۶۶۱
حدیث جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ	۶۵۸	شمع سے شمع روشن ہونے کے ساتھ تشبیہ نجاست سے آلودہ پیدا ہونے اور مثال چراغ سے متعلق ایک شبہ اور اس کا ازالہ	۶۶۲
تمام مخلوقات سے پہلے نور محمدی پیدا ہوا۔	۶۵۸	مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ کہ ہر طرح برابری بتانے کو۔	۶۶۲
نور نبی سے کائنات کے پیدا ہونے کی کیفیت	۶۵۸	علم ہیأت کی رو سے توے ہزار کامل چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی کے برابر ہے۔	۶۶۳
حدیث جابر کن کن ائمہ نے ذکر فرمائی۔	۶۵۹	رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے نور ذاتی سے پیدا ہیں یا نور صفاتی سے۔	۶۶۳
حدیث جابر حسن صالح مقبول معتمد ہے۔	۶۵۹	نور کیا چیز ہے۔	۶۶۳
تلقی علماء بالقبول وہ شیئ عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی۔	۶۵۹	درود شریف پورا لکھنا چاہئے صاد، عم، صلعم وغیرہ ہرگز کافی نہیں۔	۶۶۳
ہرچیز نور نبی سے بنی صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم۔	۶۵۹	القلم احد اللسانین۔	۶۶۳
انہ تعالٰی نور لیس کالانوار۔	۶۶۰	اللہ عزوجل نور حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے۔	۶۶۵
روح نبوی نور الٰہی کا لمعہ اور ملائکہ شررہیں۔	۶۶۰	مرتبہ ذات میں اللہ تعالٰی نے صرف حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔	۶۶۶
نور محمدی کے نور خدا سے پیدا ہونے کا کیا مطلب ہے؟	۶۶۱	مرتبہ احدیت کیا ہے۔	۶۶۶
اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہو کر مخلوق بنے۔	۶۶۱	انبیاء اللہ تعالٰی کے اسماء ذاتیہ سے پیدا ہوئے، اولیاء اسماء صفاتیہ سے اور بقیہ کائنات صفات فعلیہ سے جبکہ سید رسل ذات حق سے۔	۶۶۶

یا ابا بکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی۔	۶۶۷	مصنف علیہ الرحمہ کی تحقیق	۶۷۸
حدیث لولاک۔	۶۶۷	علامہ زرقانی کی عبارت اوراس پر مصنف کا حاشیہ	۶۷۸
بغرض توضیح ایک مثال ناقص (آئینہ کی)۔	۶۶۸	حاصل حدیث	۶۸۰
تقریر منیر مذکورہ حاصل شدہ چند فوائد۔	۶۷۲	نقل اشتہار (مرسلہ حکیم اظہر علی صاحب کلکتہ مرتبہ قاضی عبدا لمہیمن)	۶۸۰
پہلا فائدہ (اولًا)	۶۷۲	خلاصہ اشتہار یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی کا نور ذاتی یا ذاتی نور کہنا ناجائز ہے کہ اس سے کفر لازم آتا ہے البتہ نورِ خدا یا نور ذاتِ خدا یا نور جمالِ خدا کہنا جائز ہے۔	۶۸۱
علامہ شرابلسی کے اشکال کا اندفاع	۶۷۲	جواب اشتہار	۶۸۲
دوسرا فائدہ (ثانیًا)	۶۷۴	اس پر دلائل کہ نور ذاتی کہنا بھی نور ذات کہنے کی طرح جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔	۶۸۲
تیسرا فائدہ (ثالثًا)	۶۷۴	دلیل اول (اولًا)	۶۸۲
چوتھا فائدہ (رابعًا)	۶۷۴	ذاتی کی یہ اصطلاح کہ عین ذات یا جزء ماہیت ہو خاص ایساغوجی کی اصطلاح ہے عرف عام میں نہ یہ معنٰی مراد ہوتے ہیں نہ ہرگز مفہوم۔	۶۸۲
وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا۔	۶۷۵	صفات ذاتیہ سے کیا مراد ہے۔	۶۸۳
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام محی ہے کیونکہ آپ جان جہاں ہیں۔	۶۷۶	دلیل دوم (ثانیًا)	۶۸۴
جس کامل کو جو خوبی ملی وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مدد اور آپ کے ہاتھ سے ملی۔	۶۷۷	ذاتی میں یائے نسبت ہے۔	۶۸۴
کوئی موجود دو نعمتوں سے خالی نہیں، نعمت ایجاد اور نعمتِ امداد۔ دونوں میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واسطہ ہیں۔	۶۷۷	متغائرین میں ہر اضافت مصحح نسبت ہوتی ہے۔	۶۸۴
پانچواں فائدہ (خامسًا)	۶۷۷	دلیل سوم (ثالثًا)	۶۸۴
نور نبیك من نورہٖ کی طرح اضافت بیانیہ ہے۔	۶۷۷	نور ذات میں اضافت تشریفیہ ہے۔	۶۸۴

دلیل چہارم (رابعًا)	۶۸۵	علامہ فاضل محمد بن صبان رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۱
نور کے دو معنی ہیں۔	۶۸۵	مولانا رومی رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۱
جن خیالات سے نور ذاتی کہنا ایک درجہ ناجائز ہوگا تو نور ذات کہنا اور نور اللہ کہنا چار درجے ناجائز ہوگا۔	۶۸۵	بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمہ للہ تعالٰی	۶۹۱
دلیل پنجم (خامسًا)	۶۸۵	حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۱
مضاف و مضاف الیہ میں اگر مغائرت شرط ہے تو کیا منسوب و منسوب الیہ میں شرط نہیں؟	۶۸۵	امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۲
دلیل ششم (سادسا)	۶۸۶	ملائکہ کا سایہ نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ کیسے ہوگا	۶۹۳
دلیل ہفتم (سابعا)	۶۸۶	متعدد اشیاء کا ذکر جن کا سایہ نہیں ہوتا۔	۶۹۳
ایسا غوجی کہ اصطلاح میں ذاتی بمقابل عرضی ہے جبکہ عام محورہ میں ذاتی بمقابل صفاتی ہے، تو نور ذاتی میں ذاتی سے مراد معنٰی ثانی ہے نہ کہ اول۔	۶۸۶	جسم عنصری کے لئے سایہ ضروری نہیں۔	۶۹۴
تقریظ جلیل	۶۸۷	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کو بیمار دل گوارا نہیں کرتا۔	۶۹۴
مولانا حبیب علی علوی صاحب کی مسئلہ عدم سایہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متعلق تحریر منیر پر مصنف علیہ الرحمۃ کی زوردار تقریظ۔	۶۸۷	٥رسالہ **نفی الفیئ عمن استنار بنورہٖ کل شیئ** (نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے سایہ نہ ہونے کا مدلل بیان)	۶۹۵
ائمہ کرام اور علماء اعلام کی عبارات مؤیدہ	۶۸۸	ان علماء وائمہ کے اسماء گرامی جنہوں نے عدم سایہ کی تصریح فرمائی ہے۔	۶۹۶
امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی	۶۸۸	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سیاہ نہ تھا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔	۶۹۶
امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی	۶۸۸	دلائل مؤیدہ	۶۹۶
علامہ سلیمان جمل رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۰	عدم سایہ کی حکمت وسبب	۶۹۸
علامہ حسین بن محمد یار بکری رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۰	حضور کا ایک خاصہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔	۶۹۹
علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی	۶۹۰	امام ابن سبع کے استدلال سے مصنف علیہ الرحمہ کی ترتیب شدہ دلیل بصورت شکل اول بدیہی الانتاج۔	۷۰۶

دلیل کا صغری، کبری اور نتیجہ	۷۰۶	٥رسالہ **قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام** (عدم سایہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں انتہائی نفیس دلائل باہرہ و حجج قاہرہ پر مشتمل تحقیقی رسالہ)	۷۱۵
اثبات صغری پر دلائل	۷۰۶	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ ہونے کا مسئلہ احادیث واقوال ائمہ سے ثابت ہے۔	۷۱۶
حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما	۷۰۷	مفتی عقل و قاضی نقل اس پر متفق ہیں، کسی ایک عالم کا اس پر انکار منقول نہیں۔	۷۱۶
حدیث وصاف رضی اللہ تعالٰی عنہ	۷۰۸	وجود سایہ پر زور دینے والوں پر مصنف علیہ الرحمہ کا اظہار حیرت	۷۱۶
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد	۷۰۸	ایمان محبت رسول سے مربوط اور دوزخ سے نجات ان کی الفت پر منوط۔	۷۱۶
سیدہ آمنہ والدہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد۔	۷۰۸	سچی فضیلتوں کو مٹانا اور شام و سحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا دشمن کا کام ہے نہ کہ دوست کا۔	۷۱۶
سیدہ ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ارشاد	۷۰۹	وہ کیسا محبوب ہے؟	۷۱۶
سرکار کے نور سے خانہ تاریک روشن ہو جاتا۔	۷۱۰	محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوبیاں کسی کے مٹانے سے نہ مٹیں گی۔	۷۱۸
وہ بشر ہیں مگر عام علوی سے لاکھ درجہ اشرف	۷۱۰	ورفعنالك ذكرك (بُلندی ذکر کی صورتیں)	۷۱۸
ارواح وملائکہ سے الطف جسم انسانی	۷۱۰	فائدہ جلیلہ	۷۱۹
ان کی مثل کوئی نہیں	۷۱۰	جب راوی کو ثقہ معتمد مان چکے تو پھر انکار کی وجہ کیا ہے؟	۷۱۹
آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل و تکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے۔	۷۱۱	امر مذکور کی چند مثالیں۔	۷۲۰
ولادت ووصال کے وقت رب ھب لی امتی فرمایا۔	۷۱۲	مثال اول	۷۲۰
قیامت میں ان ہی کے دامن میں پناہ ملے گی۔	۷۱۲	جسم اقدس ولباس انفس پر مکھی نہ بیٹھتی۔	۷۲۰
رسالہ مبارک قمر التمام کا خلاصہ	۷۱۳	حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات سے ہے کہ مکھی آپ کے کپڑوں پر کبھی نہ بیٹھی، جوئیں آپ کو کبھی نہ ستاتی تھیں اور مچھر آپ کا خون نہ چوستے تھے۔	۷۲۰

"محمد رسول اللہ" کے سب حروف بے نقطہ ہیں۔	۴۲۰	پر ظاہر کہ آدمی بلاوجہ کسی بات کے درپے تفتیش نہیں ہوتا۔	۴۲۹
علامہ خفاجی کی ایمان افروز عبارت اور روح پرور رباعی۔	۴۲۱	امر مذکور کی چند مثالیں	۴۲۹
دوسری مثال	۴۲۲	صحابہ کرام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے آگے چلتے اور فرشتے آپ کے پیچھے چلتے۔	۴۳۱
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص سے ہے کہ جوئیں آپ کے کپڑوں میں نہ پڑتی تھیں۔	۴۲۲	مقدمہ ثالثہ	۴۳۱
تیری مثال		اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند ابن ابی ہالہ سے مشتہر ہوئیں۔	۴۳۱
جس جانور پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوئے عمر بھر ویسا ہی رہتا، آپ کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔	۴۲۲	ہند ابن ابی ہالہ کا تعارف	۴۳۱
چوتھی مثال	۴۲۲	مقدمہ رابعہ	۴۳۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا روشنی میں دیکھتے ویسا ہی تاریکی میں دیکھتے۔	۴۲۲	صحابہ کرام حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے لیے سایہ دار پیڑ چھوڑ دیتے۔	۴۳۳
پانچویں مثال	۴۲۳	قبل از بعثت ابر سایہ کے لیے متعین تھا۔	۴۳۳
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کریمین زندہ ہو کر آپ پر ایمان لائے۔	۴۲۳	صدہا معجزات قاہرہ غزوات واسفار میں واقع ہوئے ہزاروں آدمیوں نے دیکھا مگر ہم تک بنقل احاد پہنچے۔	۴۳۳
عام علوی سے لاکھ درجہ اشرف بشر اور ارواح ملائکہ سے ہزار درجہ الطف انسان	۴۲۵	معجزات مذکورہ کی چند مثالیں۔	۴۳۳
القائے جواب	۴۲۶	تابعین وعلمائے ثقات حدیث کو مرسلاً کب اور کیوں ذکر کرتے ہیں؟	۴۳۴
بارگاہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں صحابہ کرام کا ادب	۴۲۶	○رسالہ **ھدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان** (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کے باب میں ایک مخالف کا ردِّ بلیغ)	۴۳۷
آداب بارگاہ	۴۲۹	فصل اول	۴۳۸
مقدمہ ثانیہ	۴۲۹	ارتفاع نزاع کے لیے چند تمہیدی مقدمات۔	۴۳۸

مقدمہ اولیٰ	۷۳۸	ہر اس خس وخاشاک سے جو ایہاماً واحتمالاً بوئے تنقیص رکھتا ہو ساحت نبوت کی تبریت اصول ایمان سے ہے۔	۷۴۷
بعد ثبوت ملزوم تحقق لازم خود محقق ومعلوم اور تجشم دلیل کی حاجت معدوم	۷۳۸	سایہ کو کثافت لازم ہے۔	۷۴۷
مقدمہ ثانیہ	۷۳۹	لطافت کاصلہ عدمِ سایہ کو مستلزم ہے۔	۷۴۷
دعاوی ومقاصد خواہشِ ثبوت میں متساویۃ الاقدام نہیں۔	۷۳۹	لازم مذہب، مذہب قرار نہیں پاتا۔	۷۴۷
مقدمہ ثالثہ	۷۴۰	احتمالات مجرد جو مناشی صحیحہ سے ناشی نہ ہوں یکلخت پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔	۷۴۷
علماء کی تلقی بالقبول کوایراث قوت میں اثر عجیب ہے۔	۷۴۰	ضابطہ مذکورہ کونہ ماننے سے لازم آنیوالی خرابیاں اور مفاسد۔	۷۴۷
مجیب مخالف کے سارے جواب کامبنٰی قصور نظر سے ناشی ایک زعم فاسدپر ہے۔	۷۴۱	مجیب کے چار سطری جواب میں عجیب تماشے۔	۷۴۸
حکیم ترمذی کی روایت کردہ حدیث ''لم یکن له ظل لافی الشمس ولا فی القمر'' پر محدثانہ گفتگو۔	۷۴۱	متکلمین تصریح کرتے ہیں کہ مسائل خلافت اصول دینیہ سے نہیں۔	۷۴۹
نہ التزام تصحیح صحت کو مستلزم، نہ عدم التزام اس کامزاحم۔	۷۴۳	فصل دوم	۷۵۱
اہل التزام تصحیح کی تصانیف میں بہت روایات باطلہ ہوتی ہیں اور التزام نہ کرنے والوں کی تصنیفوں میں اکثر احادیث صحیحہ۔	۷۴۳	فصل خزانی کی پامالی کے لئے نسیم ایمانی کی پھر روانی	۷۵۲
مدار کار اسناد پر ہے، التزام وعدم التزام کوئی چیز نہیں۔	۷۴۳	بنات النعش میں ایک ستارہ جس کو سہاکہتے ہیں۔	۷۵۵
مخالف کا قول ''مسلمان کو ایک پر اصرار نہ چاہئے'' کلمہ عجیب ہے۔	۷۴۵	سایہ کیا شَے ہے؟	۷۵۶
شک کرنے والے کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور بحت ہونے میں تامّل ہے یا سایہ کو کثافت لازم ہونے میں تردّد بصورت اول قضیہ ''اشھدان محمدًاعبدہ ورسولہ'' کے لازمی احکام سے اپنا حکم دریافت کرلے اور بصورت ثانی مفتی عقل کی بارگاہ سے جنون ودیوانگی کا فتوی مبارک۔	۷۴۵		

سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتا ہے۔	۷۵۷	دائمہ کا اثبات مطلقہ عامہ کے اثبات سے بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔	۷۵۹
اہل اسلام کو بے راہ فلسفہ کی خرافات اور کرہ ہوا وبخار سے کیا کام؟	۷۵۷	قصہ گو واعظوں اور جاہل مؤرخوں نے مجمع بڑھانے اور فساد پھیلانے کے لیے اپنی کتابوں میں بے سروپا حکایات اور فتنہ انگیز افسانے درج کردیے ہیں۔	۷۶۳
حاجب ہونے اور کثیف ہونے میں عموم وخصوص مطلق ہے۔	۷۵۸	مؤرخوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں۔	۷۶۳
جسم مثلث کا سایہ نہیں ہوتا۔	۷۵۸	مخالف کے سوال کا جواب دینے سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے مخالف پر چند سوالات۔	۷۶۵
بار ثبوت مدعی کی گردن پر ہوتا ہے۔	۷۵۹	تعارف عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ	۷۷۰
فضائل سید المرسلین (ضمیمہ) حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقت محمدیہ کی ایک تجلی ہے۔	۸۴		

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

فہرست ضمنی مسائل

عقائد وکلام		عبد مومن مشرک سے بہتر ہے۔	۲۶۸
ابولہب کو کافر ہونے کے باوجود میلاد رسول کی خوشی منانے پر فائدہ کیونکر پہنچا؟	۱۲۶	کسی کافر وکافرہ کیلئے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔	۲۷۰
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت سے ابوطالب کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔	۱۲۶	ابوطالب کے عذاب میں تخفیف کیوں	۲۷۳
حضور پر نور علیہ الصلوۃ والسلام کا افضل المرسلین ہونا قطعی واجماعی مسئلہ ہے۔	۱۳۱	دوزخ اور جنت والے برابر نہیں۔	۲۷۵
ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔	۱۳۷	بعض عقائد اہلسنت	۲۷۶
محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اصل الاصول اور رسولوں کے رسول ہیں۔	۱۳۸	عزت وکرم مسلمانوں میں منحصر ہے۔	۲۷۷
تعظیم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدار ایمان ہے۔	۲۰۹	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والا اگرچہ اپنا باپ ہو جو اس سے محبت رکھے وہ مسلمان نہیں۔	۳۱۲
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت ماں باپ، اولاد اور سارے جہان سے زائد ہونی شرط نجات ہے۔	۲۰۹	گستاخ پر دونوں جہان میں اللہ تعالٰی کی لعنت اور سخت عذاب ہے۔	۳۱۴
		نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے سے کیسا ہی کلمہ گو ہو کافر ہو جاتا ہے۔	۳۲۸

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کے منکر کو کافر فرمایا اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو۔	۳۲۹	اللہ عزوجل نور حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے۔	۶۶۵
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں پہلودار بات سے گستاخی بھی کفر ہے نہ صریح گستاخی۔	۳۳۲	مرتبہ ذات میں اللہ تعالیٰ نے صرف حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا۔	۶۶۶
ائمہ دین کی تصریح کہ تمام امت کا اجماع ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگو کو جو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔	۳۳۵	مرتبہ احدیت کیا ہے؟	۶۶۶
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بدگو کی توبہ قبول نہ ہونے کا مسئلہ۔	۳۳۸	اس پر دلائل کہ نور ذات کہنا بھی نورِ ذات کہنے کی طرح جائز ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔	۶۸۲
غیب کے علم ظنی کا ادعاء کفر نہیں اگرچہ بذریعہ نجوم یا رمل ہو۔	۳۴۶	صفات ذاتیہ سے کیا مراد ہے؟	۶۸۳
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں علماء اور ائمہ دین کا عقیدہ	۳۶۲	ہر اس خس وخاشاک جو ایہاماً واحتمالاً بُوئے تنقیص رکھتا ہو ساحت نبوت کی تبریت اصولِ ایمان سے ہے۔	۷۴۷
جو چیز اللہ کی قدرت میں ہے اسے غیر کے لیے بعطائے الٰہی ماننا بھی شرک نہیں ہوسکتا۔	۳۷۷	**فضائل ومناقب**	
اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بندہ کہنا شرک نہیں۔	۴۰۹	خاتون جنت قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنی عضباء پر سوار ہوں گی۔	۲۱۴
(حدیث) کہ نبی اور علی مددگار وکارساز ہیں۔	۶۰۸	حضرت بلال محشر میں ایک جنتی اونٹنی پر سوار ہو کر اس کی پشت پر اذان دیں گے۔	۲۱۴
(حدیث) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا وآخرت میں ہر مسلمان کے مددگار ہیں۔	۶۰۹	قیامت کے دن ہر ایک تمنا کرے گا کہ وہ ہم سے ہوتا۔	۲۱۷
اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہو کر مخلوق بنے۔	۶۶۱	میں سب سے پہلا شفیع اور میرے پیروکار سب نبیوں کی امتوں سے افزوں۔	۲۲۸

www.dawateislami.net
IT Majlis of Dawateislami

حضرت عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے۔	۲۷۶	اولیاء کے سبب زمین کی نگہبانی۔	۳۸۶
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جن سے نکاح کا معاملہ فرمایا وہ جنتی ہیں۔	۲۸۴	متعدد حدیثیں کہ صحابہ اور اہلبیت امت کی پناہ ہیں۔	۳۸۸
آپ کے والدین، مرضعات اور دائیوں وغیرہ کے اسماء کا عجب حسن انتخاب۔	۲۹۲	بارہ حدیثیں کہ اسلام نے عزت، مسلمانوں نے راحت فاروق اعظم کے سبب پائی۔	۳۹۷
نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہٖ وسلم نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے لئے قیام فرمایا اور اپنی چادر بچھا کر اس پر بٹھایا۔	۲۹۳	آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک حضور غوث اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض نہ کرے۔	۴۹۱
حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقے میں آپ کی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ، رضاعی باپ حارث سعدی، رضاعی بھائی عبداللہ سعدی اور رضاعی بہن شیما سعدیہ سب کو دولت ایمان نصیب ہوئی۔	۲۹۳	ایک ایک گھڑی کے حال کی حضور غوث اعظم کو خبر ہونا۔	۴۹۲
اولیاء کا مشکل کشا ہونا۔	۳۶۸	ہر شقی وسعید کا ان پر پیش کیا جانا لوح محفوظ کا ان کے پیش نظر ہونا۔	۴۹۲
اولیاء کرام کی روحیں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اپنے متوسلین کی مدد کرتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔	۳۶۹	حضرت بتول زہرا نے اپنے غلاموں کو دوزخ سے آزاد فرمایا۔	۶۱۱
اولیاء کرام بعد انتقال بھی دنیا میں تصرف فرماتے ہیں، کمال وسعت علم رکھتے ہیں، اس عالم کی توجہ رکھتے ہیں۔	۳۷۰	امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ لوگوں کو دوزخ میں گرنے سے روکے ہوئے تھے۔	۶۱۲
اللہ تعالٰی یوں ہی گناہ بخش سکتا تھا مگر فرماتا ہے کہ قبول توبہ چاہو تو نبی کے حضور حاضر ہو۔	۳۷۹	فاروق اعظم فرماتے ہیں زمین کے مالک ہم ہیں۔	۶۱۳
متعدد آیات واحادیث کہ نیکوں کے سبب بلادفع ہوتی ہے۔	۳۸۰	عثمان غنی سے استعانت فرمانا۔	۶۱۳
نیکوں کے باعث مدد ملتی ہے۔	۳۸۱	اسلام کو انصار نے پالا۔	۶۱۹
اولیاء کے باعث مینہ اترتا ہے۔	۳۸۴	جعفر طیار کو جبریل امین نے جنت میں زیادہ مرتبہ عطا کردیا۔	۶۲۶
اولیاء کے سبب زمین قائم ہے۔	۳۸۶		

طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبریل امین قیامت کے ہر ہول سے بچائیں گے۔	۶۲۷	حدیث خصائص کے راوی چودہ ۱۴ صحابہ کرام ہیں۔	۲۴۶
حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عوف سے فرمایا اللہ تیرے دنیا کے کام بنادے تیری آخرت کا معاملہ تو میرے ذمہ ہے۔	۶۲۸	حدیث ''ان ابی و اباك ''میں باپ سے ابو طالب مراد لینا طریق واضح ہے۔	۲۸۴
عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکان بہشتی کی ضمانت فرمائی۔	۶۳۰	حدیث ضعیف درباره فضائل مقبول ہے۔	۲۸۶
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کا چشمہ عثمان غنی کے ہاتھ بیچ ڈالا۔	۶۳۱	حدیث ''وفینا نبی الخ'' کی نفیس بحث۔	۵۶۶
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت دینا اپنے ذمہ کرلیا۔	۶۳۲	اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہوجائے گا اس قول کے متعلق نہایت نفیس بحث اور احادیث کا جمع۔	۵۸۳
فوائد تفسیریہ		احادیث مشیت کی نفیس تقریر منیر۔	۵۸۸
''ومارمیت اذرمیت ''میں نفی از روئے صورت اور اثبات از روئے حقیقت ہے۔	۸۰	حدیث مرسل کی تعریف اور حکم۔	۶۵۴
کلمہ قیاما قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔	۱۰۳	حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ''انا قسیم النار'' حکما مرفوع ہے۔	۶۵۵
سبعہ سیارہ کا بیان کس آیت میں ہے۔	۱۱۵	نور نبی سے کائنات کے پیدا ہونے کی کیفیت۔	۶۵۸
ہر آیت قرآنی کے نیچے ساٹھ ساٹھ ہزار علم ہیں۔	۲۱۰	حدیث جابر کن کن ائمہ نے ذکر فرمائی۔	۶۵۹
فوائد حدیثیہ		حدیث جابر حسن صالح مقبول معتمد ہے۔	۶۵۹
شفاعت سے متعلق وارد ہونے والی احادیث کی تلخیص از مصنف۔	۲۲۰	تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو توحرج نہیں کرتی۔	۶۵۹
طرق روایات وحدیث خصائص۔	۲۴۶	تلقی بالقبول صحت حدیث کے لیے دلیل کافی ہے۔	۶۶۱
حدیث خصائص متواتر المعنے ہے۔	۲۴۶		

حدیث لولاک۔	۶۶۷	حدیث منقطع فضائل میں بالاجماع قابل عمل ہے۔	۶۵۵
تابعین وعلمائے ثقات حدیث کو مرسلا کب اور کیوں ذکر کرتے ہیں۔	۷۳۴	عدم نقل وجود کی نفی نہیں کرتا۔	۶۵۶
حکیم ترمذی کی روایت کردہ حدیث "لم یکن له ظل لا فی الشمس ولا فی القمر" پر محدثانہ گفتگو۔	۷۴۱	باجماع علماء در بارہ فضائل، مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں۔	۶۶۱
اہل التزام تصحیح کی تصانیف میں بہت روایات باطلہ ہوتی ہیں اور التزام نہ کرنے والوں کی تصنیفوں میں اکثر احادیث صحیحہ۔	۷۴۳	بعد ثبوت ملزوم تحقق لازم خود محقق ومعلوم اور تجشم دلیل کی حاجت معدوم۔	۷۳۸
فوائد اصولیہ		دعاوی ومقاصد خواہش ثبوت میں متساویۃ الاقدام نہیں۔	۷۳۹
احتمال کون سا معتبر ہوتا ہے۔	۳۴۸	علماء کی تلقی بالقبول کو ایراث قوت میں اثر عجیب ہے۔	۷۴۰
(اختیارات نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے حکم سے کام فرض ہوجاتا ہے اگرچہ فی نفسہ فرض نہ ہو۔	۵۱۷	نہ التزام تصحیح صحت کو مستلزم، نہ عدم التزام اس کا مزاحم۔	۷۴۳
ایک خاص نکتہ کی اصل جس سے مجلس میلاد، قیام وفاتحہ وتیجہ وغیرہا تمام مسائل بدعت وہابیہ طے ہوجاتے ہیں۔	۵۲۴	مدار کار اسناد پر ہے، التزام وعدم التزام کوئی چیز نہیں۔	۷۴۳
حرام دو قسم ہے: ایک وہ جسے خدا نے حرام کیا، اور ایک وہ جس کو رسول نے حرام کیا، دونوں یکساں ہیں۔	۵۶۲	لازم مذہب، مذہب قرار نہیں پاتا۔	۷۴۷
رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دین کے شارع ہیں۔	۵۶۳	احتمالات مجردہ جو ناشی صحیحہ سے ناشی نہ ہوں یکلخت پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔	۷۴۷
حدیث مرسل ومعضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے۔	۶۴۴	متکلمین تصریح کرتے ہیں کہ مسائل خلافت اصول دینیہ سے نہیں۔	۷۴۹
مثبت نافی پر مقدم ہوتا ہے۔	۶۴۴	بار ثبوت مدعی کی گردن پر ہوتا ہے۔	۷۵۹
عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں۔	۶۴۴	مؤرخوں کے قول کا اعتبار نہیں۔	۷۶۳

تاریخ وتذکرہ		غزوہ حنین کا واقعہ	۲۷۷
گھڑی کا موجد کون ہے۔	۱۲۳	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جدات میں سے نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔	۲۸۰
ثوبیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دودھ پلایا۔	۱۲۶	آزر ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا باپ نہ تھا بلکہ چچا تھا۔	۲۸۴
قدیم سے سب امتیں حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی تشریف آوری کی خوشیاں مناتی اور حضور کے توسل سے اعداء پر فتح مانگتی آئیں۔	۱۳۶	اللہ رب العزت نے اصحاب کہف کی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کریمین کو زندہ کیا وہ آپ پر ایمان لاکر شرف صحابیت پاکر آرام فرمارہے ہیں۔	۲۸۶
حضور نے ملائکہ مرسلین کی امامت فرمائی۔	۲۴۲	پینتیس ۳۵ ائمہ کبار اور اعاظم علماء نامدار کے اسماء گرامی جو ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں نجات کا اعتقاد رکھتے ہیں۔	۲۹۷
امام سیوطی نے خصائص کبرٰی میں تقریباً اڑھائی سو خصائص جمع فرمائے۔	۲۵۳	حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے ایمان افروز اشعار جو آپ نے اپنے وصال کے موقع پر اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نذر کرتے ہوئے کہے۔	۳۰۱
حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے بارے میں راہب کی زید بن عمرو بن نفیل کو پیشگوئی۔	۲۵۵	مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں متفکر رہنے والے ایک عالم کا انوکھا واقعہ۔	۳۰۳
ابوطالب وراہب کا قصہ	۲۵۶	ابوطالب کے اشعار جن کے سننے کی خود حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خواہش کی جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مصیبت کے وقت بڑے بڑے ان کی پناہ لیتے ہیں۔	۴۴۲
تمیم داری کو ہاتف غیبی کی بعثت سید المرسلین کے بارے میں خبر۔	۲۵۶	امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی پناہ میں ایک فریادی کا آنا اور امیر المومنین کا ارشاد فرمانا کہ ہماری بارگاہ سچی جائے پناہ ہے۔	۶۱۴
بارگاہ رسالت میں ایک کنیز کا واقعہ۔	۲۵۸	قحط سالی میں امیر المومنین کا عمرو بن عاص کو لکھنا: ارے فریاد کو پہنچو۔	۶۱۴
روئے زمین پر ہر زمانے میں کم از کم سات مسلمان ضرور رہے۔	۲۶۹	امام عبدالرزاق کا تعارف	۶۵۸
		ان علماء وائمہ کے اسماء گرامی جنھوں نے عدم سایہ کی تصریح فرمائی ہے۔	۶۹۶

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کریمین زندہ ہو کر آپ پر ایمان لائے۔	۷۲۳	کلمہ گو کی نسبت ارادہ معنی شرکی کاادعاء حرام کبیرہ وافتراء ہے۔	۳۷۶
ہند ابن ابی ہالہ کا تعارف۔	۷۳۱	نبی بخش، عطارسول، عطا علی وغیرہ نام رکھنا شرک نہیں۔	۴۱۸
تعارف عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	۷۷۰	درود شریف پورا لکھنا چاہیے صاد، عم، صلعم وغیرہ ہرگز کافی نہیں۔	۶۶۳
تصوف وطریقت		اہل اسلام کو بے راہ فلسفہ کی خرافات اور کرہ ہواو بخار سے کیاکام۔	۷۵۷
ہر دور میں ایک ولی بنام خضر ہوتا ہے۔	۸۶	**بلاغت ونحو**	
غوث کا نام عبداللہ وعبدالجامع اور اس کے دونوں وزیروں کا نام عبدالملک اور عبدالرب ہوتا ہے۔	۸۶	حیوۃالحیوان کی ایک عبارت کا مطلب۔	۷۸
اوتاد اربعہ کا نام عبدالرحیم، عبدالکریم، عبدالرشید اور عبدالجلیل ہے۔	۸۶	جب اسناد حقیقی صحیح ہو تو غالب ہوتی ہے اور اسناد صوری مغلوب۔	۸۰
عہدہ نقابت پر فائز ولی کا نام خضر ہوتا ہے۔	۸۷	نسبت واسناد کی نفیس تحقیق۔	۳۷۴
اولیاء اللہ کے ایک دوسرے پر افضیلت کی ترتیب۔	۸۷	نور نبیك میں من، نورہ کی طرح اضافت بیانیہ ہے۔	۶۷۷
حظرواباحت		ذاتی میں یائے نسبت ہے۔	۶۸۴
کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہے۔	۲۷۷	متغائرین میں ہر اضافت مصحح نسبت ہوتی ہے۔	۶۸۴
آدمی جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذاللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔	۲۸۹	نور ذات میں اضافت تشریفیہ ہے۔	۶۸۴
امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔	۲۸۹	مضاف ومضاف الیہ میں اگر مغائرت شرط ہے تو کیا منسوب ومنسوب الیہ میں شرط نہیں۔	۶۸۵
مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں۔	۲۸۹	**لغت**	
اچھے نام کی اہمیت اور برے نام کی کراہت۔	۲۹۰	نعلین اور نعل کے متعدد معانی کا بیان۔	۸۹

نور کے دو معنی ہیں۔	۶۸۵	سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہوتا ہے۔	۷۵۷
منطق و فلسفہ		حاجب ہونے اور کشف ہونے میں عموم و خصوص مطلق ہے۔	۷۵۸
ہمارے نزدیک کواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ۔	۱۱۳	جسم مثلث کا سایہ نہیں ہوتا۔	۷۵۸
ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک ہے نہ آسمان۔	۱۱۴	دائمہ کا اثبات مطلقہ عامہ کے اثبات سے بہت زیادہ مشکل ہوتا ہے۔	۷۵۹
ذاتی کہ یہ اصطلاح کہ عین ذات یا جزء ماہیت ہو خاص ایساغوجی کی اصطلاح ہے عرف عام میں نہ یہ معنٰی مراد ہوتے ہیں نہ ہرگز مفہوم۔	۶۸۲	**ہیئت**	
ایساغوجی کی اصطلاح میں ذاتی بمقابل عرضی ہے جبکہ عام محاورہ میں ذاتی بمقابل صفاتی ہے، تو نورِ ذاتی میں ذاتی سے مراد معنی ثانی ہے نہ کہ اول۔	۶۸۶	علم ہیأت کی رُو سے نوے ہزار کامل چاند کی روشنی آفتاب کی روشنی کے برابر ہے۔	۶۶۳
جسم عنصری کے لئے سایہ ضروری نہیں۔	۶۹۶	بنات النعش میں ایک ستارہ جس کو سہا کہتے ہیں۔	۷۵۵
امام ابن سبع کے استدلال سے مصنف علیہ الرحمہ کی ترتیب شدہ دلیل بصورت شکل اول بدیہی الانتاج۔	۷۰۶	**ترغیب وترہیب**	
دلیل کا صغرٰی، کبرٰی اور نتیجہ	۷۰۶	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گستاخ سے اگرچہ اپنا باپ ہو جو ایک لخت علاقہ توڑ دے اس کے لیے قرآن مجید نے سات فائدے بتائے۔	۳۱۲
اثبات صغرٰی پر دلائل	۷۰۶	جوان کے گستاخ سے اگر اپنا باپ ہو علاقہ رکھے اس پر قرآن مجید کے تازیانے اس آیت سے منکرانِ علم غیب سبق لیں۔	۳۳۰
سایہ کو کثافت لازم ہے۔	۷۴۷	ردّ بدمذہباں و مناظرہ	
لطافت کاملہ عدم سایہ کو مستلزم ہے۔	۷۴۷	قرآن کی بہت آیتیں تھانوی صاحب نے باطل کر دیں۔	۳۱۸
سایہ کیا شئے ہے؟	۷۵۶		

قرآن مجید اوران کے خود اپنے اقرار سے ثابت کہ یہ بدگو چوپایوں سے بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔	۳۱۹	عجب عجب کہ ہر راستے میں باہم جوتی پیزار ہونا وہابیہ کا جزو ایمان ہے نہ کریں تو اپنے امام کے حکم سے مشرک ہو جائیں۔	۵۱۰
ان بدگویوں کے اقوال شرع میں بت کو سجدہ کرنے سے بدتر ہیں۔	۳۳۷	امام الوہابیہ کی دریدہ دہنی۔	۵۱۵
وہابیوں کا پیشوا چھ سو برس سے پہلے عالموں کا کافر کہتا تھا۔	۳۶۳	امام الوہابیہ کا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر صریح افتراء	۵۶۳
امام الطائفہ (مولوی اسمٰعیل دہلوی) کا خود بدعتی ہونا۔	۳۶۶	امام الوہابیہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل وکمالات یکلخت اڑادیے۔	۵۶۴
اللہ تعالیٰ پر وہابیہ کے الزامات	۴۰۳	اس کے نزدیک حضور کو کسی نبی سے کچھ امتیاز نہیں اور امتیوں میں فقط جاہلوں میں ممتاز ہیں نہ کہ عالموں سے (یہ ہے وہابیوں کا عقیدہ)	۵۶۴
وہابیہ کی جان پر لاکھ من کے پہاڑ، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دُہائی۔	۴۴۸	(امام الوہابیہ) قرآن کے خلاف دعوی کرتا ہے کہ انبیاء کی طرف سے خدا کے بتانے سے بھی اطلاع غیب کی نسبت شرک ہے۔	۵۶۶
عمر فاروق اعظم اور تمام صحابہ پر وہابیہ کے متعدد الزامات	۴۶۳	امام الوہابیہ کے نزدیک اس کا معبود کسی کو اطلاع علی الغیب کا رتبہ دینے سے عاجز ہے۔	۵۶۷
وہابیہ عین ادعائے توحید میں شرک کرتے ہیں۔	۴۸۵	امام الوہابیہ نے قرآن کی صریح مخالفت کی مگر اسے مضر نہیں کہ اس کے نزدیک قرآن کا سچا ہونا ہی ضروری نہیں۔	۵۶۸
وہابیہ کے نزدیک ندا واستعانت میں صحابہ پر صریح شرک کا الزام۔	۴۹۸	امام الوہابیہ دعوے کے وقت آسمان پر اڑتا ہے اور دلیل لاتے وقت تحت الثرٰی پر بھی نہیں رکتا۔	۵۶۸
(فائدہ مہمہ) کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ تاکید تمام جس بات کا حکم فرمائیں وہابیوں کا پیشوا (تقویۃ الایمان میں) صراحۃً کہے یہ توشرک ہے، اب دیکھیں وہابی کس کا کلمہ پڑھتے ہیں۔	۵۰۹	امام الوہابیہ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدحواس کہا۔	۵۶۹
ذرا ملاحظہ ہو مدینہ طیبہ کے راستے میں نامعقول باتیں کرنا وہابیہ کا جزو ایمان ہے جو نہ کرے ان کے نزدیک مشرک ہو جائے۔	۵۱۰		

امام الوہابیہ کی اندھی مت۔	۵۶۹	مخالف کا قول ''مسلمان کو ایک پر اصرار نہ چاہیے'' کلمہ عجیب ہے۔	۷۴۵
امام الوہابیہ کی صریح خیانت وعیاری	۵۸۲	مخالف کے سوال کا جواب دینے سے پہلے مصنف علیہ الرحمہ کی طرف سے مخالف پر چند سوالات۔	۷۶۵
مجیب مخالف کے سارے جواب کا مبنی قصور نظر سے ناشی ایک زعم فاسد پر ہے۔	۷۴۱		

کتاب الشتی (حصّۂ پنجم)

شرح کلام علماء و صوفیاء

مسئلہ ۱تا۴: از پٹنہ عظیم آباد لودھی کٹرہ مرسلہ قاضی عبدالوحید صاحب ۲۷رمضان ۱۳۲۱ھ

مخدومی و مولائی قبلہ مدظلہ العالی! تسلیم!

امور مفصلہ ذیل کا ازراہ کرم مکمل جواب دیجئے کہ فقیر کو سخت تردد ہے۔ دوسرے بعض علماء سے بھی گفتگو آئی مگر تنقیح امور نہ ہو پائی۔ لہٰذا فقیر کو ابھی شک ہے، للہ دفع فرمائیے، اور اجر عظیم پائیے:

(۱) زیارت قبور للنساء کو مولانا فضل رسول بدایونی رضی اللہ تعالٰی عنہ بضمن تردید الحق وہابی دہلوی جائز فرماتے ہیں نیز علامہ عینی بھی۔ جواب مکمل عطا ہو کہ رفع شبہہ ہو۔

(۲) تحفہ رجب میں مختلط خطبہ کو آپ غیر مناسب بوجہ عدم توارث بتاتے ہیں حالانکہ تاج الفحول بدایونی رحمہ اللہ اسے درست وجائز بتاتے ہیں۔ یہ شبہ بھی رفع ہو۔

(۳) جزاء اللہ عدوہ کے آخر میں جناب حضرات ساداتِ کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان پر طریانِ کفر ناممکن، نہ یہ نیچری وغیرہ ہوسکیں، حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ دوسرے جملہ سادات کی سیادت پر تیقن اٹھ جائے گا۔ استدلال جناب بہ عموم آیت وحدیث شریف تحقیقات دیگر علما جو اسے مخصوص بحضرات طیبین رضی اللہ تعالٰی عنہما بتاتے ہیں۔ تیسرے پھر سادات کرام بھی قطعی جنتی ہوئے انہیں اندیشہ آخرت کیا باقی رہا!

(۴) اسمائے ذیل مثل ضیاء الدین، منیر الدین وغیرہ کو جناب قطعًا ناجائز بتاتے ہیں، جس شخص نے

براہ تفاؤل خیر رکھا، کیا حرج ہے؟ ورنہ کسی کا نام سعید وغیرہ بھی نہیں رکھ سکتے، جواب مرحمت فرمائیے۔

الجواب:

حامی سنن، ماحی فتن، ندوہ شکن، ندوی فگن، مولانا وحید زمین، صین عن الفتن وحوادث الزمن امین یا ذالمنن! اسلام علیکم ورحمۃاللہ وبرکاتہ۔

جواب مسائل اجمالاً حاضر، تفصیل کا وقت کہاں۔ قرآن مجید سن کر اس وقت آیا ہوں، بارہ بجا چاہتے ہیں، گیارہ بج کر ساڑھے باون منٹ آئے ہیں کہ یہ نیاز نامہ لکھ رہا ہوں اور اگر کسی میں تفصیل طلب فرمائیں گے تو امتثال امر کے لیے ہوں اور بارگاہ عزت سے امید ایسی ہی ہے کہ آپ کا ذہن سلیم بحمداللہ تعالٰی اسی اجمال سے ہی بہت کچھ تفصیل پیدا فرمائے گا۔

مسئلہ زیارۃ القبور للنساء:

حبیبی اکرمکم اللہ تعالٰی! شے کے لیے حکم دو قسم ہے: ذاتی کہ اس کے نفس ذات کے لحاظ سے ہو۔ اور عرضی کہ بوجہ عروض عوارض خارجیہ ہو۔ تمام احکام کہ بنظر سد ذرائع دیے جاتے ہیں جو مذہب حنفی میں بالخصوص ایک اصل اصیل ہے، اسی قسم دوم سے ہیں۔ یہ دونوں قسمیں باآنکہ نفی و اثبات میں مختلف ہوتی ہیں ہرگز متنافی نہیں کہ مناشی جدا جدا ہے۔ اس کی مثال حضور نساء فی المساجد ہے کہ نظر بذات ہرگز ممنوع نہیں کہ ان کا روکنا ممنوع ہے۔ صحیح حدیث میں ارشاد ہوا:

لاتمنعوا اماء اللہ مساجد اللہ[1]۔	اللہ کی باندیوں کو اللہ تعالٰی کی مساجد سے نہ روکو۔

اور نظر بحال زناں ممنوع کما صرح بہ الفقہاء الکرام (جیسا کہ فقہاء کرام اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ت)

وقد قالت ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا لو رای رسول اللہ	ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں کہ عورتوں نے جو نئی باتیں پیدا کرلی ہیں اگر

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب ھل علی من لایشھد الجمعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۳

صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم ما احدث النساء لمنعھن المساجد کما منعت نساء بنی اسرائیل[1]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھیں دیکھتے تو ان کو ایسا ہی مسجدوں سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روکی گئیں۔

یونہی دخول نساء فی الحمام کہ پردہ و ستر و عدم فتنہ کے ساتھ ہو تو فی نفسہ اصلا وجہ ممانعت نہیں رکھتا بلکہ طیب و نظافت میں داخل ہے: بنی الاسلام علی النظافۃ[2] (اسلام کی بنیاد صفائی پر رکھی گئی ہے۔ت) مگر نظر بر حال کہ باہم کشف عورات کے عادی ہیں۔ امام ابن ہمام وغیرہ اعلام نے فرمایا کہ سبیل اطلاق منع ہے، یہ حکم اسی قسم دوم کا ہے۔ بعینہٖ یہی لفظ آپ نے اس حکم میں پائے ہوں گے جو فقیر نے مسئلہ زیارت میں اختیار کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے حرام لکھا ہو بلکہ غالبا تعلیم ادب کے ساتھ حلت کی طرف اشارہ کیا اور نظر بحال سبیل اطلاق منع بتایا ہے، آپ میرے فتوی کو ملاحظہ فرمائیں، مجھے اس وقت بارہ ۱۲ بج کر دس ۱۰ منٹ آگئے اپنے مجموعہ سے نکالنے اور دیکھنے کی فرصت نہیں۔

فظھر ان لا تعارض و ان الحکمین کلاھما صواب علیحدۃ واللہ تعالٰی اعلم۔	ظاہر ہو گیا کہ کوئی تعارض نہیں اور دونوں حکم علیحدہ علیحدہ درست ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلۂ خطبۂ مختلط

بوجہ عدم توارث نامناسب ہونے کی نہایت کراہیت تنزیہی ہے کما نص علیہ فی حاشیۃ الطحطاویۃ ورد المحتار (جیسا کہ اس پر حاشیہ طحطاویہ اور ردالمحتار میں نص کی گئی ہے۔ت) اور کراہت تنزیہی قسم مباح سے ہے وہ منافی جواز درستی و اباحت نہیں بلکہ اباحت کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔

کما حققہ العلامۃ الشامی و لنا فی تحقیقہ مقالۃ سمیناھا "جمل محلیہ ان المکروھۃ تنزیھا لیس بمعصیۃ" اقمنا فیھا الطامۃ الکبری علی ما زعم اللکھنوی فی رسالتہ فی شرب الدخان ان المکروہ تنزیھا من الصغائر	جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تحقیق فرمائی ہے، اس مسئلہ کی تحقیق میں ہمارا ایک مقالہ ہے جس کا نام ہم نے "جمل محلیہ ان المکروھہ تنزیھا لیس بمعصیۃ" رکھا ہے اس میں ہم نے لکھنوی کے اس قول پر بڑی مصیبت قائم کی ہے جو اس نے شرب دخان (تمباکو نوشی) سے متعلق اپنے رسالہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاذان باب خروج النساء الی المساجد الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۰

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الطھارۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۲۰، کشف الخفاء حدیث ۹۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۵۸

فاذا اعتید صار من الکبائر، و ھذا جھل عظیم لا یساعد نقل و لا عقل نسأل اللہ العفو و العافیۃ۔	میں ذکر کیا کہ مکروہ تنزیہی بھی گناہ صغیرہ ہے جو تکرار واعادہ سے کبیرہ ہو جاتا ہے یہ بہت بڑی جہالت ہے جس کی موافقت نہ تو عقل کرتی ہے نہ ہی نقل۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔(ت)

توان دونوں حکموں میں بھی اصلا تنافی نہیں۔ہاں فتوی لکھنویہ نے کہ خلط کو مکروہ تحریمی ٹھہرایا وہ ضرور حکم تاج الفحول قدس سرہ الشریف کے خلاف اور غلط و باطل عند الانصاف ہے۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ حضرات سادات کرام

فاش میگویم واز گفتہ خود دلشادم بندہ عشقم واز ھر دو جہاں آزادم

(میں کھل کر بات کرتا ہوں اور اپنے کہے ہوئے پر میرا دل خوش ہے، میں عشق کا غلام ہوں اور دونوں جہانوں سے آزاد ہوں۔ت)

سادات کرام (جعلنا اللہ تعالٰی فی الدنیا والاخرۃ من موالیھم فان مولی القوم منھم، اللہ تعالٰی ہمیں دنیا وآخرت میں ان کے غلاموں میں رکھے کیونکہ کسی قوم کا آزاد کردہ غلام اسی قوم سے شمار ہوتا ہے۔ت) پر عدم طریان کفر (کہ اسی قدر کا فقیر مدعی) نہ عدم امکان جس سے حبیبی آپ نے تعبیر کیا، اور رفض و نیچریت کی میں نے نفی کی تصریح کر دی کہ اس سے وہی بد مذہبی مراد جس میں انکار بعض ضروریات دین ہو اس کا حاصل بھی وہی سلب کفر ہے نہ سلب بدعت غیر کفریہ جو آپ کی تعبیر میں عطف سے موہوم ہیں خصوصا وغیرہ کی زیادت کہ اور توسیع کی راہ دے کما عبرتم کہ ان پر طریان کفر ناممکن نہ یہ رافضی نیچری وغیرہ ہو سکیں فقیر بحمدہ تعالٰی اس مسئلہ میں مبتدع نہیں متبع ہے، اس کا بیان جزاء اللہ عدوہ میں ضمناً آیا لہذا اختصار سے کام لیا ص۱۰۱ سے ۱۱۶ تک جو کچھ کلمات مختصرہ معروض ہوئے ہیں ان پر دوبارہ نظر فرمائیں تو بعونہ تعالٰی ان تمام شبہات کا جواب ان میں پائیں۔آیت و احادیث کہ فقیر نے ذکر کیں اس میں شک نہیں کہ ضرور عام و مطلق ضرور اپنے عموم و اطلاق پر رہیں گے جب تک دلیل صحیح سے تخصیص وتقیید نہ ثابت ہو۔اور شک نہیں کہ بلادلیل محض اپنے خیال کی بنا پر ادعائے تخصیص وتقیید ہرگز تحقیق نہ قرار پا سکے گا بلکہ تفسیق۔اور شک نہیں کہ مسئلہ باب مناقب سے ہے نہ باب فقہ سے جو افعال مکلفین من حیث الحل والحرمۃ والصحۃ والسقام عـــہ سے باحث ہو۔اور جس میں بے معرفت دلیل

عـــہ: وفی الاصل "الصھام"۔

اتباع لازم ہو۔اور یہ بھی سہی تو اتباع ائمہ مذہب کا ہو گا نہ بعض متاخرین کا، بعض متاخرین کے کلام کو ان اکابر کے کلام پر کیا وجہ ترجیح ہے جن سے فقیر نے اسناد کیا سوا اس کے کہ یہ اطلاق آیت واحادیث سے متمسک ہیں جو یقینا دلیل شرعی ہے اور وہ بلا دلیل مدعی تخصیص وتقیید یہ اور اس کے امثال بہت نکات اس تحاور میں زیر نظر آئے مگر فقیر دیکھ رہا ہے کہ جہاں تک میں نے دعوی کیا ہے ان تجاذبات عــــہ کے لیے مساغ ہی نہیں۔ جزاء اللہ پر نظر تازہ فرمایئے ص ۱۰۲ پر اشعار کر دیا ہے کہ آیت کریمہ واحادیث مذکورہ کے دو محمل ہیں ہیں: نفی خلود و نفی دخول۔ثانی کو ظاہر لفظ سے متبادر اور اسی طرف کلمات اہل تحقیق کو ناظر بتایا ہے مگر اپنا دعوی یعنی نفی کفر دونوں تقدیر پر ثابت ٹھہرایا ہے کلمات بعض دیگر علماء میں تخصیص سبطین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما اسی ظاہر متبادر اعنی نفی دخول کی نظر سے ہے وہ یہاں میرا دعوی نہ تھا بلکہ دونوں احتمال گزارش کر دیئے تھے اگرچہ ایک طرف تبادر و ظہور ہے اور اسی طرف میرا اور نہ صرف میرا بلکہ ان اکابر کا میلان قلوب اور اس میں ہمارا انشراح صدور ہے ۔رہی نفی خلود، کیا کہیں کلمات دیگر علماء میں اس کی تصریح کہیں ملاحظہ فرمائی ہے کہ مخلد فی النار نہ ہونے کی نفی حضرات ریحانتین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما سے خاص ہے باقی سادات کرام کے لیے نہیں تو میرے دعوی کا رد اس تخصیص و تحقیق دیگراں میں بھی نہیں۔غایت یہ کہ یہاں عدم ذکر ہے نہ کہ ذکر عدم۔رہا وہ دوسرا پہلو جس کی طرف ہمارے قلوب ارکن و امیل ہیں اور ہمیں اپنے رب جل وعلا سے اس کی امید ہے اس میں حق ناصح یہ ہے کہ نظر علماء ایسے مواقع میں دو وجہ پر منشعب ہو جاتی ہے اور دونوں کے لئے شرع میں اصل اصیل ہے:

"لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا"[1]۔	ہر ایک کے لیے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے (ت)۔

ایک حفظ عامہ وسد اکہ تکال نہ کر بیٹھیں جس طرح سیدنا امام رضا رضی اللہ تعالٰی عنہ سے منقول ہوا اور علامہ زرقانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی یہی توجیہ فرمائی یہ تخصیص کرتے ہیں اور اس کا حاصل خصوص جزم ہے نہ جزم خصوص کہ معاذاللہ بلادلیل تخصیص عموم شرع لازم آئے۔یہ نفیس تفرقہ محفوظ رکھنے کا ہے۔جزم خصوص یہ کہ دعوی کر دیا جائے کہ یہ حکم انہیں کے ساتھ خاص ہے ان کے ماوراء

عــــہ: فی الاصل ھکذا۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۸

کے لئے ہر گز ثابت نہیں۔اور خصوص جزم یہ کہ بالجزم والیقین اس کا حکم ماننا یہ انہیں کے ساتھ خاص ہے ان کے ماوراء میں اس کے ثبوت پر قطع ویقین نہیں اگرچہ ظن ورجاء ہے۔

دوسرے بیان مفاد شرع واظہار مایعطی الدلیل وکل ذی حق حقہ خصوصًا جہاں محلِ وسعت ورجاء ہے کہ حدث عن البحر ولاجرم۔خصوصًا محل مناقب جہاں ضعاف بالاجماع مقبول خصوصًا اپنے سرکار میں محبت وبندگی ونیاز وغلامی کا تقاضا کہ یہ سب پر بالا ہے یہ ظاہر ومتبادر کا افادہ فرماتے ہیں اور جزم وقطع کو اس کے محل اور ظن ورجاء کو اس کے محل پر رکھتے ہیں۔یہ مسلک تحقیق ہے اور وہ مسلک تثقیف اور دونوں صواب ہیں۔حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ !لوگوں کو چھوڑ دیجئے کہ عمل کریں،فرمایا تو چھوڑ دو۔امید کرتا ہوں کہ اس بیان سے ظاہر ہوگیا ہوگا کہ اس طریق میں جو امام ابن حجر عسقلانی اور امام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی وحضرت امان الطریقۃ شیخ اکبر وغیرہم محققین رضی اللہ عنہم کا مختار ہے اور اسے طریق تخصیص سے اصلًا تنافی نہیں۔ہر ایک منشاء صحیح سے ناشی اور اپنے محل پر حق ہے وباللہ التوفیق۔

مخالفت مشاہد کا جواب جزاء اللہ میں ص ۱۰۵ پر بالقصد مذکور تھا۔وہ سارا صفحہ اسی بیان میں ہے،کیا مشاہدہ یہ ہوا کہ جو سید کہا جاتا تھا اس سے صدور ہوا تو ہمارے دعوی کے کب منافی۔یا یہ مشاہدہ ہوا تھا کہ فلاں کہ فی الواقع سید ہے نہ انتساب میں کبھی ادعاء نہ ______ اور پھر اس نے کفر کیا تو ایسا مشاہدہ روئے زمین پر نہ ملے گا۔پھر اس کے باعث جملہ سادات کی سیادت سے ارتفاع یقین میری فہم قاصر میں نہ آیا،یقین سے مراد یقین کلامی ہو تو وہ تو یوں ہی حاصل ہوسکتا ہے کہ اللہ ورسول بالتعیین کسی کا نام لے کر فرمائیں کہ یہ فلاں نسب کا ہے ایسا یقین آج کل کیونکر ممکن۔اور یقین فقہی مقصد ہو کہ نسب میں شہرت مانی جائے گی والناس امناء علی انسابھم (لوگ اپنی نسبوں پر امین ہوتے ہیں۔ت) تو جس خاص سے معاذاللہ صدور منافی ہو اس سے ارتفاع یقینی ہوگا کہ دلیل اس کے خلاف پر پائی گئی باقیوں سے کیوں ارتفاع ہوجائے گا حالانکہ دلیل اعنی شہرت موجود اور منافی اعنی صدور کفر مفقود۔

تیسرا شبہہ کہ سادات کرام جنتی ٹھہریں گے،حبیبی اس قضیے کے موضوع ومحمول دونوں میں دو احتمال ہیں۔سادات کرام یعنی وہ جو عنداللہ سادات کرام یا وہ جو بنام سیادت مشہور ہیں عام ازیں کہ نفس الامر اور علم الٰہی میں کچھ ہو اور قطعی جنتی یعنی بلا سبقت عذاب جس سے دخولِ نار کی نفی ہو یا قطعی جنتی بعاقبت وانجام جس سے خلود نار کی نفی ہو۔اب یہ چار محمل ہیں اور فقیر کے دعوی سے ایک کو بھی مَس نہیں۔پہلے عرض کرچکا کہ غیر حسنین میں نفی دخول بطور رجا نظر بظہور وتبادر ہے پھر قطعیت کہاں،بَلکہ نفی خلود بھی مسئلہ ظنیہ ہے اگرچہ بحمداللہ تعالٰی یہ ظن غالب۔اکثر رائے ملتحق بسر حد یقین ہے جسے فقہاء یقین ہی کے پلّے میں رکھتے ہیں،

مگر نہ یقین کلامی کہ مسئلہ عقائد قطعیہ سے قرار پائے اور اس میں ادنٰی شک کو راہ دینے والا گمراہ وخارج از اہلسنت ٹھہر جائے۔ جزاء اللہ صفحہ ۱۰۴ میں امام ابن حجر کے الفاظ ملاحظہ فرمائے ہوں گے۔

لانی اکاد ان اجزم ان حقیقۃ الکفر لاتقع[1] الخ۔	اس لئے کہ بے شک میں اس بات پر جزم کرتا ہوں کہ صحیح النسب سید سے حقیقی کفر کا وقوع نہیں ہوتا۔ الخ (ت)

اور بالفرض نفی خلود بلکہ بفرض غلط نفی دخول ہی قطعی مان لی جائے تو کس کے لئے۔ ان کے لیے جو عنداللہ سادات کرام ہیں، نہ ہر اس شخص کے لئے جو سید کہلاتا ہو اگرچہ واقع میں نہ ہو اور اب کسی معین میں حصول وصف عنوانی پر قطع ویقین کی طرف راہ نہیں تو ثبوت وصف محمول کیونکر مقطوع بہ ہو جائے گا اور کسی معین کو اندیشہ آخرت کیوں اٹھ جائے گا کہ ہر ایک میں عدم علم نفس الامر کے سبب احتمال لگا ہوا ہے۔ جزاء اللہ ص ۱۰۵ میں عبارت اسعاف ملاحظہ ہو کہ:

من این تحقق ذٰلک لقیام احتمال[2] الخ۔	جب احتمال قائم ہے تو یہ کیسے متحقق ہوگا الخ۔ (ت)

اور اندیشہ آخرت تو انہیں بھی نہ اٹھ گیا جنہیں بتعیین نام لے کر ارشاد ہوگیا کہ تم جنتی ہو۔ اعنی عشرہ مبشرہ ونظرائہم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ نہ انہیں اٹھ گیا جن سے بالتحقیق فرمایا گیا۔

اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم[3]۔	جو چاہو عمل کرو بے شک میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ (ت)

اعنی اصحاب بدر رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ تسمیہ منیر الدین

حبیبی اکرم اللہ تعالٰی! ہاں یہ مسئلہ فقہیہ ہے، اس میں خواہی نخواہی وہی حکم ہے کہ:

یجب اتباع المنقول وان لم یظھر للعقول کما فی	اس میں منقول کا اتباع واجب ہے اگرچہ عقل پر اس کی وجہ ظاہر نہ ہو، ایسے ہی

[1] جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ نوری کتب خانہ لاہور ص ۱۲۲

[2] جزاء اللہ عدوہ باباۂ ختم النبوۃ نوری کتب خانہ لاہور ص ۱۲۴

[3] کنز العمال حدیث ۲۹۵۷۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۶۹

ردالمحتار وغیرہ من کتب الفحول[1]۔	ردالمحتار وغیرہ فحول علماء کی کتابوں میں لکھا ہے۔

فقیر نے اپنی رائے سے یہ حکم استنباط کیا ہوتا تو ضرور محل مواخذہ تھا۔اب کہ علمائے کرام فقہائے اعلام تصریح فرما چکے اور ان کی عبارات فقیر نے فتوٰی میں نقل کردیں کہ اسی قدر عہدہ مفتی تھا تو اب سوائے اتباع چارہ کیا ہے۔ تفاول ضرور حسن ہے جب تک مخالفت شرعیہ نہ وہ اور نہی عذر تفاول اصلاً مسموع نہیں حق سبحانہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: "فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ"[2] (آپ اپنی جانوں کو صاف ستھرانہ بتاؤ۔ت) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کی شان کریم تھی کان یحب الفال الحسن[3]۔(اچھی فال کو پسند فرماتے تھے۔ت) برّہ نام سے منع فرمایا اور اسے بدل کر جمیلہ کردیا۔اور اس میں معذور شرعی وہی تزکیہ نفس ارشاد کیا برّہ کو تفاول پر حمل نہیں کرسکتے تھے، ضرور محمول ہوسکتا تھا مگر اس کا ظاہر تزکیہ نفس تھا اور وہ حرام ہے لہٰذا منع فرمایا اور بدل دیا۔ پھر منیر الدین وامثالہ میں برّہ سے کہیں زیادہ تزکیہ ہے نکوکاری ایک عام بات ہے کہ فساق کے سواسب کو حاصل۔ مگر اس مرتبہ عظیمہ پر پہنچنا کہ دین ان صاحب کے نور سے منور ہوجائے سخت مشکل۔ تو ایسا شدید تزکیہ نفس کیونکر جائز ہوگا بخلاف سعید وامثالہ کہ ان کا حاصل صرف مسلم ہے ہر مسلمان سعید ہے اور ہر سعید مسلمان ہے،آیہ کریمہ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ﴿۱۰۵﴾[4]۔ (ان میں کوئی بدبخت اور کوئی نیک بخت ہے۔ت) میں دو ہی قسمیں ارشاد ہوئیں اور ان سے کافر مومن مراد ہوئے تو سعید نام رکھنا ایسا ہی ہے جیسے مسلم اور اس میں تزکیہ نہیں۔ نظر بحال بیان واقع ہے اور نظر بمآل تفاول۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۵: از جزیرہ کلمبو، مرسلہ حاجی محمد رئیس بوساطت سید حسین ابن سید عبداللہ بغدادی قادری۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۲۵ھ

فی حیاۃ الحیوان الکبری للعلامۃ الدمیری رحمہ اللہ تعالٰی الجزء الثانی ص۱۳۱ باب العلق، اذا ذکر العبد ربہ او حمدہ فما ذکر اللہ الا اللہ ولا حمد اللہ الا اللہ[5]۔	علامہ دمیری علیہ الرحمہ کی کتاب "حیٰوۃ الحیوان الکبرٰی" کے جزء ثانی باب العلق میں ہے۔ت) جب بندہ اپنے رب کا ذکر یا حمد کرتا ہے تو اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر اللہ اور اس کی حمد نہیں کرتا مگر وہی۔

[1] ردالمحتار باب التصرف فی الرہن والجنایۃ علیہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۳۳۱

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۳۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۲

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۰۵

[5] حیٰوۃ الحیوان الکبرٰی تحت اللفظ "العلق" مصطفی البابی مصر ۲/ ۱۷

الجواب:

اللھم لك الحمد لا یحصی احد ثناء علیك انت کما اثنیت نفسك فان حق الثناء بحق المعرفة ولا یحیط بکنه اللہ وصفات اللہ وکمال اللہ وجمال اللہ و جلال اللہ الا اللہ و لذٰلك لما امرنا ان تصلی علی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم رددنا الامر الیه وکان امتثال امرہ بقولنا اللھم صل وسلم علیه اذلا تضی بقدرہ العظیم الا صلوٰۃ ربه الکریم۔ اعلم ان لکل فعل یصدر من العبد وجھتین وجھته الی خالقه عز وجل اذلا وجود له الا به ولیس للعبد من خلقه شیئ۔ ووجھته الی کاسبه اذمنه ظھر باظھار المولی سبحانه وتعالٰی وھٰذہ الاخری ھی مناط الاستناد العام لغة وعرفا وشرعا۔ فلا یقال قام الا لمن قام به القیام لا لمن خلقه لکن من الافعال مایصح صدورہ من الخالق عزوجل فیسوغ اسنادھا الیه لارتفاع الایھام والی العبد علی وجه العام	اے اللہ: تیرے لئے تعریف ہے کوئی تیری تعریف کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ تو ایسا ہی ہے جیسا تو نے اپنی تعریف کی۔ تعریف کا حق معرفت کے بعد ادا ہوتا ہے اور اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کی کنہ اور اس کے کمال، جلال کے سوائے خدا کے اور کون جان سکتا ہے اسی لئے تو جب اللہ تعالٰی نے ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر درود بھیجنے کو کہا تو ہم نے بات اسی کی طرف لوٹا دی اور حکم کی بجاآوری یوں کی کہ یا اللہ! تو ہی اپنے رسول پر درود بھیج، اس لئے کہ ان کے شایان درود تو ان کا رب کریم ہی بھیج سکتا ہے۔ جان لو کہ جو کام بھی بندے سے صادر ہوتا ہے اس کی دو وجہیں ہیں: ایک رب تبارک وتعالٰی کی طرف کہ ہر شیئ کا خالق وہی ہے بندے کو خلق سے کوئی حصہ نہیں اور ایک رخ کاسب کی طرف کیونکہ وہ فعل خدا کی قدرت سے اسی بندہ سے ظاہر ہوا۔ عام طور پر افعال کی نسبت کی بنیاد شریعت، نعت اور عرف عام میں یہی آخری وجہ یعنی اکتساب کی ہے۔ تو قیام کے خالق کے لیے قام نہیں کہا جائے گا اس کے مباشر کے لیے کہا جائے گا لیکن بعض افعال ایسے ہیں کہ ان کا صدور رب تبارک وتعالٰی سے بھی ہوتا ہے تو اس کی نسبت رب اور بندے دونوں کی طرف ہو سکتی ہے جس کو ہم نے اسناد عام سے تعبیر کیا کیونکہ یہاں کسی قسم کا ایہام پیدا

و ذلك کحمد و شکر و وحد و ذکر لا کصلی و سجد و صام و عبد و قام وقعد لما تقدم و الاول الحقیقة والاخر الصورة فاذا صحت الحقیقة غلبت واضمحلت عندہ الصورة فصح نفیه عن کاسبه و قصر اسنادہ علی خالقه وذلك قوله تعالٰی " فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ص "[1]، " وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ج "[2]، فاثبت و نفی صورة ومعنی و ما توفیقی الا باللہ و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔بل اذا نظرت بعین الحقیقة فلا وجود الا له عز جلا له کل شیئ ھالك الا وجھه ھو الاول ھو الاٰخر و الظاھر و الباطن۔وھذا سیدنا سواد ابن قارب رضی اللہ تعالٰی عنه قائلا فیما عرضه علی النبی صلی اللہ علیه وسلم ۔ فاشھد ان اللہ لا رب غیرہ وانت مامون علٰی کل غائب[3]	نہیں ہوتا اس کی مثال حمد، شکر، توحید بیان کرنا، ذکر کرنا، ہدایت کرنا اور یاد دلانا۔ صلوٰۃ، سجدہ، روزہ، عبادت، قیام و قعود ان افعال سے نہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے۔ پہلی نسبت حقیقی اور دوسری صوری ہے۔ تو جب اسناد حقیقی صحیح ہو تو وہی غالب ہو جاتی ہے اور اسناد صوری مغلوب مضمحل۔ ایسی صورت میں کاسب سے اس فعل کی نفی کرکے خالق کی طرف نسبت کردیجاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن عظیم میں اللہ تعالٰی نے فرمایا: ''کافروں کو تم نے قتل نہیں کیا ہم نے قتل کیا۔'' یا رسول اللہ ! آپ نے کنکری نہیں پھینکی ہم نے پھینکی'' پس نفی ازروئے صورت ہے اور اثبات ازروئے حقیقت ہے۔ اسی طرح ماتوفیقی الا باللہ وماتشاؤون الا ان یشاء اللہ ہے۔ بلکہ نگاہ حقیقت بیں سے دیکھوگے تو اللہ کے علاوہ کسی کا وجود ہی نہیں۔ ''اللہ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔'' وہی اول وہی آخر وہی ظاہر وہی باطن۔ '' ہمارے سردار سواد ابن قارب رضی اللہ تعالٰی عنہ سرکار (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: اللہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں اور آپ ہر غائب پر مامون ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

[2] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

[3] الاستیعاب فی معرفة الاصحاب ترجمه سواد بن قارب الدوسی ۱۱۱۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۳۴

وصار کلمۃ التوحید لا وجود فلا الٰہ الا اللہ للناسکین لا معبود الا اللہ وللسالکین لا مقصود الا اللہ و للواصلین لا مشھود الا اللہ و للکاملین لا موجود الا اللہ والکل سدید والکل توحید من دون اتحاد فانہ الحاد نسئل اللہ سبیل الرشاد فافھم۔واللہ تعالٰی اعلم۔	غور کیجئے کلمہ کا نام کلمہ توحید ہے نہ کلمہ وجود، تو اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے ہی نہیں تو عبادت کرنے والے کہتے ہیں لا معبود الا اللہ اور سالکین کہتے ہیں لامشھود الا اللہ اور کاملین کہتے ہیں کہ لاموجود الا اللہ سب درست ہے اور سب توحید ہے اتحاد کے بغیر کیونکہ وہ توالحاد ہے ہم اللہ سے ہدایت کا راستہ چاہتے ہیں، پس غور کرو۔واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶: از جے پور مکان نواب واجد علی خان صاحب مرسلہ جناب مولوی محمد رکن الدین صاحب الوری مورخہ ۱۴ صفر ۱۳۳۶ھ

تاج العلماء مایہ ناز ماسنیان مخزن علوم حضرت مولانا الحاج مولوی احمد رضا خان صاحب مداللہ ظلالکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ایک مدت سے گوذریعہ مراسلت دریافت خیریت مزاج وہاج سے قاصر ہوں مگر الحمدللہ کہ مردمان آیندگان کی زبانی خیریت معلوم ہونے سے مسرت ہوتی رہتی ہے، ایک عرصہ کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے دربار دُربار میں حاضری کا اتفاق ہوا، واپسی میں جے پور بھی نواب واجد علی خاں صاحب کے طلب کرنے پر قیام کرنا پڑا۔ایک مولوی وہابی سے گفتگو ہوئی اثنائے گفتگو میں مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم ومغفور کی اس عبارت پر کہ جوانہوں نے حدیث نبوی:

من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد[1]۔	(جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔ت)

کی نسبت لکھا ہے کہ شارحین نے مالیس منہ کی شرح میں یہ لکھا ہے:

فیہ اشارۃ الی ان احداث مالاینازع الکتاب والسنۃ لیس بمذموم[2]	اس میں اشارہ ہے کہ جو نئی بات کتاب وسنت کے مخالف نہ ہو اس کو ایجاد کرنا قابل مذمت نہیں ہے۔(ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الاقضیۃ باب نقض الاحکام الباطلۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۷۷

[2] انوار ساطعہ دربیان مولود وفاتحہ بدعت کی اصل تحقیق مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور ص ۷۳

یہ اعتراض کیا کہ یہ الفاظ کسی شرح میں نہیں ہیں اس وقت صحیحین کو جو دیکھا گیا تو نہ مولوی احمد علی سہاری کی شرح میں اور نہ نووی میں اس کا پتہ لگا۔ لہٰذا گزارش ہے کہ جناب اس عبارت کو تحریر فرمادیں کہ کون سی شرح میں ہے؟ کیونکہ مولوی عبدالسمیع صاحب مرحوم نے بھی کسی شرح کا حوالہ نہیں دیا، دوسرے شاہ احمد سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق حق المسائل کے اندر ثبوت سوم وچہلم میں بحوالہ حاشیہ یہ عبارت نقل فرمائی ہے:

ان المسلمین یجتمعون فی کل عصر وزمان یقرأون القراٰن ویھدون ثوابه لموتاھم وعلی ھذا اھل الصلاح والدیانة من کل مذھب من المالکیة و الشافعیة وغیرھم ولا ینکرذٰلك منکر فکان اجماعًا عند اھل السنة والجماعة خلافاللمعتزلة۔	ہر دور اور ہر زمانے کے لوگ جمع ہو کر قرآن مجید پڑھتے ہیں اوراس کا ثواب اپنے مردوں کو بخش دیتے ہیں، مالکیہ وشافعیہ وغیرہ ہر مذہب کے صالحین اور دیانتداروں کا یہی مؤقف ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرتا، تو اہلسنت وجماعت کے نزدیک اس پر اجماع ہے، بخلاف معتزلہ کے۔ (ت)

شاہ صاحب موصوف نے بھی کسی شرح کا حوالہ نہیں دیا اس کے بارے میں بھی عرض ہے کہ جناب تحریر فرمادیں کہ یہ عبارت کون سی شرح میں موجود ہے۔ وہابی صاحب کا یہ اعتراض ہے کہ سنی یونہی جھوٹے حوالے دیتے ہیں فقیر کی بھی نظر سے نہیں گزرا۔ جواب باصواب الور روانہ فرمایا جائے، بفضل تعالٰی یہاں سے تو اس وہابی کو نکلوادیا ہے، مگر ہم کو بھی توان عبارتوں کی اصلیت معلوم ہونا چاہیے۔ زیادہ نیاز مسکین محمد رکن الدین نقشبندی قادری الوری

الجواب:

مولٰنا المکرم ذی المجد والکرم اکرمکم الاکرم تعالٰی وتکرم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ پہلی عبارت مرقاۃ[1] شرح مشکوۃ علی قاری طبع مصر جلد اول ص ۱۷۷ سطر اخیر شروع باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے، اور دوسری بنایہ[2] شرح ہدایہ للامام محمود العینی طبع لکھنؤ جزء ثانی از جلد اول اوائل ص ۱۶۱۲ آغاز باب الحج عن الغیر میں۔ جناب مولانا! اہلسنت آئینہ ہیں، وہابی کو آئینے میں اپنا ہی منہ دکھادیا، یہ شیوہ وہابیہ کا ہے کتابیں دل سے گھڑلیں علماء دل سے تراش لئے، پھر عبارت گھڑنی کیا مشکل ہے۔ والسلام۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ حدیث ۱۴۰ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/ ۳۶۶

[2] البنایۃ فی شرح الهدایۃ کتاب الحج باب الحج عن الغیر المکتبۃ الامدادیہ مکۃ المکرمۃ المجلد الاول الجزء الثانی ص ۱۶۱۲

مسئلہ ۷: از شہر محلّہ کٹرہ چاند خاں مسئولہ منظور حسن صاحب قادری رضوی ۱۲رمضان ۱۳۳۸ھ

اس وقت حضور کا دیوان پیش نظر ہے اس میں اس شعر کا مطلب سمجھ نہ آیا:ے

فرماتے ہیں یہ دونوں ہیں سردار دو جہاں اے مرتضٰی عتیق و عمر کو خبر نہ ہو[1]

الجواب:

یہ شعر ایک حدیث کا ترجمہ ہے:

ابو بکر وعمر خیر الاولین وخیر الاٰخرین وخیر اہل السمٰوٰت وخیر اھل الارضین الا الانبیاء والمرسلین لاتخبرھما یاعلی[2]۔	ابوبکر وعمر سب اگلوں پچھلوں سے افضل ہیں اور تمام آسمان والوں اور سب زمین والوں سے بہتر ہیں سواانبیاء ومرسلین کے،اے علی! تم ان دونوں کواس کی خبر نہ دینا۔

علامہ مناوی نے تیسیر[3] میں اس کے یہ معنی بتائے ہیں کہ ارشاد ہوتا ہے اے علی (کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) تم ان سے نہ کہنا بلکہ ہم خود فرمائیں گے تاکہ ان کی مسرت زیادہ ہو۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۸: از کانپور فیلخانہ قدیم مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل مسئولہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۴رمضان ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

یا حبیب محبوب اللہ روحی فداک قبلہ کونین وکعبہ دارین محی الملّۃ والدین دامت فیوضہم بعد تسلیمات فدویانہ وتمناء حصول سعادت آستانہ بوسی اینکہ بفضلہٖ تعالٰی فدوی بخیریت ہے ملازمان سامی کی صحتوری مدام بارگاہ احدیت مطلوب۔ حدائق بخشش کے صفحہ ۸۰ مصرع:

عشّاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے[4]

کی شرح مطلب میں تحریر ہے کہ:

---

[1] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص۵۹

[2] کنزالعمال حدیث ۳۲۶۴۵ و ۳۲۶۵۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۱۔۵۶۰، تاریخ بغداد ترجمہ عبداللہ بن ہارون ۵۳۳۱ دار الکتاب العربی بیروت ۱۰/ ۱۹۲

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث ابو بکر وعمر سیدا کھول اہل الجنۃ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۱۸

[4] حدائق بخشش حاضری درگاہ ابدی پناہ وصل دوم رنگ عشقی مکتبہ رضویہ کراچی حصہ اول ص ۱۰۰

''کعبہ بھی انہیں کے نور سے بنا، انہیں کے جلوے نے کعبہ کو کعبہ بنادیا، تو حقیقت کعبہ وہ جلوہ محمدیہ ہے جو اس میں تجلی فرما ہے، وہی روح قبلہ اور اسی کی طرف حقیقۃً سجدہ ہے، اتنا یاد رہے کہ حقیقت محمدیہ ہماری شریعت میں مسجود الیہا ہے۔''
اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت کعبہ جلوہ محمدیہ ہے جس کی طرف حقیقۃً سجدہ ہے۔آخر عبارت کے الفاظ کہ ''حقیقت محمدیہ ہماری شریعت میں مسجود الیہا ہے۔'' ان الفاظ سے اس ناقص الایمان والعلم والعقل کی ناقص فہم میں یہ آتا ہے کہ جلوہ محمدیہ ہی کو حقیقت محمدیہ کہا گیا ہے اور جب حقیقت کعبہ جلوہ محمدیہ بتائی گئی اور اسی کی طرف حقیقت سجدہ کہا گیا اور حقیقت محمدیہ کو مسجود الیہا کہا تو حقیقت کعبہ کا حقیقت محمدیہ ہونا لازم آتا ہے۔ والسلام مع الکرام۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط

بملاحظہ مولانا المکرم ذوالمجد والکرم مولٰنا مولوی سید محمد آصف صاحب دامت فضائلہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اگر آپ آفتاب اور دھوپ کو دیکھیں تو فرق حقیقت و تجلی کی ایک ناقص مثال پیش نظر ہو۔ آفتاب گویا حقیقت شمس ہے اور دھوپ اس کا جلوہ۔ حقیقت صفات کثیرہ رکھتی ہے اور اپنے مجالی میں متفرق صفات سے تجلی کرتی ہے ان صفات کے لحاظ سے جو آثار ان مجالی کے ہیں وہ حقیقۃً حقیقت کے اور معاملات ان مجالی سے بحیثیت مجالی ہیں وہ حقیقۃً حقیقت سے جیسا صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی نسبت فرمایا:

من احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم[1]۔	جس نے میرے صحابہ سے محبت کی تو اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ (ت)

حقیقت کعبہ مثل حقائق جملہ اکوان حقیقت محمدیہ علٰی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ کی ایک تجلی ہے کعبہ کی حقیقت وہ جلوہ ہے مگر وہ جلوہ عین حقیقت محمدیہ نہیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

[1] جامع الترمذی ابواب المناقب سبّ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲ /۲۲۶، مسند احمد بن حنبل حدیث عبداللہ بن مغفل المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۵۴، ۵۵، ۵۷

بلکہ اس کے غیر متناہی ظلال سے ایک ظل، جیسا کہ اسی قصیدہ میں ہے ۔

کعبہ بھی ہے انہیں کی تجلی کا ایک ظل
روشن انہیں کے عکس سے پتلی حجر کی ہے [1]

حقیقت کریمہ نے اپنی صفت مسجودیت الیہا سے اس ظل میں تجلی فرمائی ہے لہٰذا کعبہ جس کی حقیقت یہی ظل و تجلی ہے مسجود الیہا ہوا اور حقیقت وہ حقیقت علیہ مسجود الیہا ہے کہ اسی کی اس صفت کے ساتھ اس پر تجلی نے اسے مسجود الیہا کیا۔ والسلام

مسئلہ ۹: (ماخوذ از ''مہر درخشاں'' تصنیف مولانا مظفر احمد قادری)

اعتراض: یہ کہ حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی نے اپنی کتاب ''سبع سنابل'' سنبلہ دوم ص۶۱ میں حکایت لکھی ہے کہ:

مردے بود از سلطان المشائخ منکر واز راہ وروش ایشاں متنفر واعتقاد بدرویشے دیگر داشت روزے ازاں درویش پرسید کہ مرا آرزوئے ملاقات خضر پیغامبر علیہ السلام بسیار است اگر بعنایت شما ملاقات میسر شود غایت بندہ نوازی وسرفرازی باشد آں درویش گفت روزے کہ درخانقاہ سلطان المشائخ سرود وسماع در میدہند آں روز خضر علیہ السلام آنجا حاضر می شود نگاہبانی نعلین وکفشہائے مردم می کند آں مرد از انکار خود پشیماں گشت درروز سماع درخانقاہ ایشاں آمد وباخضر علیہ السلام ملاقات کرد از وے فائدہا گرفت [2]۔	ایک شخص حضرت سلطان المشائخ کے احوال کا منکر آپ کی راہ وروش سے متنفر اور ایک دوسرے درویش کا معتقد تھا، ایک روز اس درویش سے کہنے لگا کہ میری یہ آرزو ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کروں اگر سرکار کے کرم سے ملاقات ہوجائے تو انتہائی بندہ نوازی اور سرفرازی ہو۔ درویش نے جواب دیا کہ جس روز حضرت سلطان المشائخ کے یہاں مجلس سرود وسماع ہوتی ہے اس روز حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کے جوتوں کی نگہبانی فرماتے ہیں۔ وہ شخص اب اپنے انکار پر پریشان ہوا اور قوالی والے دن آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوگیا، حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے خوب فیض حاصل کیا۔ (ت)

[1] حدائق بخشش حاضری بارگاہ بہیں جاہ وصل دوم رنگ علمی حصہ اول ص ۹۲

[2] سبع سنابل سنبلہ دوئم دربیان پیری مریدی مکتبہ قادریہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۶۱

توحاصل اعتراض یہ کہ اس حکایت میں حضرت خضر کی (جوایک قول پر نبی تک ہیں) توہین کی کہ انہیں حضرت سلطان المشائخ کا خدمت گار اور وہ بھی ایسا کہ ان کی مجلس سماع کے حاضرین کی نعلین (جوتیوں) کانگہبان بتایا۔

اس اعتراض پر بحکم شریعت وبپاس حمایت جانب محبوبان خداجو جوابات حضور سیدی اعلیٰ حضرت امام اہلسنت علامہ الحاج مولانا الشاہ مفتی عبدالمصطفٰی احمد رضاخاں صاحب فاضل بریلوی قدس سرہ نے تحریر فرمائے ملاحظہ ہوں۔

جواب اول:

اولیائے کرام قدست اسرارہم کو اس میں اختلاف ہے کہ یہ حضرت خضر جو اکثر اکابر سے ملاقی ہوتے ہیں آیا وہ خضر موسٰی علیہما الصلوۃ والسلام ہیں جن کی نبوت میں اختلاف ہے اور صحابیت میں شبہہ نہیں یاہر دورے میں ایک ولی بنام خضر ہوتا ہے یعنی مناصب ولایت سے ایک عہدے کا نام ''خضر'' ہے کہ جو اس عہدے پر قائم ہوگا اسی نام سے پکارا جائے گا، جیسے غوث کا نام عبداللہ وعبدالجامع اور اس کے دونوں وبزردست چپ وراست کا نام عبدالملک وعبدالرب جن کو امامین کہتے ہیں اور اوتاد اربعہ کا نام عبدالرحیم وعبدالکریم وعبدالرشید وعبدالجلیل، یونہی جو عہدہ نقابت پر ہو اسے ''خضر'' کہا جائے گا اس کا اپنا نام کچھ ہو۔ایک جماعت عظیم صوفیہ کرام اسی قول پر ہے اور بہت حکایات سے اس کا پتہ ملتا ہے۔حافظ الحدیث امام ابن حجر عسقلانی رحمۃاللہ علیہ نے اسی قول کی تائید کی،اصابہ فی تمییز الصحابہ''میں فرماتے ہیں:

قول بعضهم ان لكل زمان خضرا وانه نقيب الاولياء وكلما مات نقيب اقيم نقيب بعده مكانه ويسمّى الخضر وهذا قول تداولته جماعة من الصوفية من غير نكير بينهم ولا يقطع مع هذا بان الذى ينقل عنه انه الخضر هو صاحب موسٰى عليهما الصلٰوة والسلام بل هو خضر ذٰلك الزمان ويؤيده اختلافهم فى صفته فمنهم من يراه	بعض اولیاء کا قول کہ ہر زمانے کے لیے ایک خضر ہوتا ہے اور وہ نقیب اولیاء ہوتا ہے، جب ایک نقیب کا وصال ہوجائے تو اس کی جگہ کوئی اور نقیب مقرر کردیا جاتا ہے جس کو خضر کہا جاتا ہے ۔میں نے یہ قول صوفیاء کی ایک جماعت سے حاصل کیا۔اس کے بارے میں ان سے کوئی اختلاف نہیں اس قول کی موجودگی میں اس پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اعتراض میں منقول خضر سے مراد وہی خضر ہیں جو حضرت موسٰی علیہ السلام کے ساتھی ہیں بلکہ اس سے مراد اس زمانے کا خضر ہے اور صفت خضر کے بارے میں دیکھنے والوں کا

شیخاً او کھلاً او شاباً وھو محمول علی تغایر المرئی و زمانہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔	اختلاف بھی اس قول کا مؤید ہے۔ چنانچہ کسی نے انکو بوڑھا، کسی نے ادھیڑ عمر والا اور کسی نے جوان دیکھا یہ دکھائی دینے والے اور اس کے زمانے کے تغایر پر محمول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس ولی مسمّٰی بخضر کا جمیع اولیاء درکنار اپنے دورے کے اولیاء سے بھی افضل ہونا ضرور نہیں بلکہ افضل نہ ہونا ضرور ہے۔ غوث بالیقین اس سے افضل ہوتا ہے کہ وہ اپنے دورے میں سلطان کل اولیاء ہے۔ یونہی امامین، یونہی افراد، یونہی اوتاد، یونہی بُدلاء، یونہی ابدال کہ یہ سب یکے بعد دیگرے باقی اولیائے دورہ سے افضل ہوتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر میں فرماتے ہیں:

ان اکبر الاولیاء بعد الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم القطب ثم الافراد علی خلاف فی ذٰلک ثم الامامان ثم الاوتاد ثم الابدال[2] اھ **اقول:** والمراد بالابدال البدلاء السبعۃ لما ذکر بعدہ ان الابدال السبعۃ لایزیدون ولاینقصون وھٰؤلاء ھم البدلاء اما الابدال فاربعون بل سبعون کما فی الاحادیث۔	صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے بعد سب سے بڑا ولی قطب ہوتا ہے، پھر افراد، اس میں اختلاف ہے، پھر امامان، پھر اوتاد، پھر ابدال اھ۔ **میں کہتا ہوں** ابدال سے مراد سات بدلاء ہیں اس دلیل کی وجہ سے جو اس کے بعد مذکور ہے کہ بے شک ابدال سات ہیں نہ زیادہ ہوتے ہیں نہ کم اور یہی بُدلاء ہیں۔ رہے ابدال تو وہ چالیس ۴۰ بلکہ ستر ۷۰ ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے۔ (ت)

توکیا ضرور ہے کہ عہد کرامت مہد حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا خضر حضور سے افضل ہو بلکہ ممکن ہے کہ حضور کا خادم ہو۔ حضور کا لقب ساقِ عرش پر "قطب الدین" لکھا ہے اور یہ قطب اور غوث شیئ واحد ہے نہ وہ قطب کہ ہر شہر ہر قریہ ہر لشکر کا جدا ہوتا ہے۔ غالبًا اس لئے حضور نام سلطان المشائخ ہوا کہ قطب سلطان اولیائے دورہ ہے، واللہ

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ذکر خضر صاحب موسٰی علیہ السلام دار صادر بیروت ۱/ ۴۳۳

[2] الیواقیت والجواھر المبحث الخامس والاربعون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۴۶

تعالٰی اعلم۔ اور خادم کہ اپنے مخدوم کے مہمانوں کی خدمت کرے وہ درحقیقت مخدوم ہی کی خدمت ہے اور اس سے خادم کی کوئی اہانت نہیں ہوتی کہ ممکن ہے کہ اس دورے کا خضر خود حضرت سلطانی کا مرید ہو اور مرید تو کوچہ شیخ[عــہ] کے کتوں کی بھی تعظیم کرتا ہے اور اس کی اہانت نہیں بلکہ اور ترقی عزت وبُلندی مرتبت ہے۔

من تواضع لله رفعه الله۔ اللهم ارزقنا حسن الادب من اولیاءك بجاههم عندك اٰمین وانت محب السائلین۔	جو اللہ تعالٰی کے لیے عاجزی کرے اللہ تعالٰی اس کو رفعت عطافرماتا ہے۔ اے اللہ ہم کو اپنے ولیوں سے حسن ادب عطافرما اس مرتبے کے صدقے جو ان کا تیرے ہاں ہے۔ ہماری دعا قبول فرما اور تو مانگنے والوں سے محبت فرمانیوالا ہے۔ (ت)

جواب دوم:

حکایت مذکورہ میں صرف ذکر نگہبانی ہے یہ بیان نہیں کہ وہ حفاظت بطور خدمت تھی نہ حفاظت معنی خدمتگاری میں متعین، باپ اپنے بچوں یا استاد اپنے شاگردوں کو تعلیم شناوری کے لیے کہ سنت ہے اگر دریا میں بھیجے اور خود کنارے بیٹھا ان کے لباس ونعال کی حفاظت کرے کوئی عاقل اسے خدمتگار نہ کہے گا بلکہ رحمت وشفقت ونوازش پرورش۔ حکایت میں یہ صورت ہونا کس نے محال کیا فان واقعة عین یتطرق الیها کل احتمال کما نص علیه العلماء فی غیر ما مقال (کیونکہ معین واقعہ میں ہر احتمال راہ پاتا ہے جیسا کہ علماء نے اس پر نص فرمائی ہے۔ بغیر کسی قیل وقال کے۔ ت)

جواب سوم:

یہ دونوں جواب اہل ظاہر کے مدارک پر تھے ورنہ لسان حقائق کے طور پر معاملہ بالکل معکوس ہے۔ وہم کرنے والا اصطلاح قوم سے ناواقفی کے باعث کمال عظمت کو معاذاللہ موجب اہانت گمان کرتا ہے اور اہل ظاہر پر انکار کلمات اہل اللہ میں اکثر بلا اسی دروازے سے آتی ہے ان کی اصطلاح کو اپنے مفہوم پر حمل کرتے اور خطا میں گرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ؎

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح	سندیاں را اصطلاح سند مدح
درحق او مدح درحق تو ذم	درحق او شہد و درحق تو سم
درحق او درد و درحق تو خار	درحق او نور و درحق تو نار
تو چہ دانی زباں مرغاں را	کہ نہ دیدی گہِ سلیماں را

[عــہ]: خود حضور سلطان المشائخ کی اس بارے میں حکایت ہے۔ (تاج العلماء محمد میاں علیہ الرحمہ)

(ہندیوں کے ہند کی اصطلاح مدح ہے سندھیوں کے لیے سندھ کی اصطلاح مدح ہے اس کے حق میں مدح اور تیرے حق میں مذمت، اس کے حق میں شہد اور تیرے حق میں زہر اس کے حق میں گلاب کا پھول اور تیرے حق میں کانٹا۔ اس کے حق میں نور اور تیرے حق میں نار، تو کیا جانے پرندوں کے نقصان کو، کہ تو نے سلیمان کے زمانے کو نہیں دیکھا۔(ت)

محمد شاہ بادشاہ دہلی کے حضور مجمع علماء تھا بعض کلمات منسوبہ باولیاء پر رائے زنی ہو رہی تھی، ہر ایک اپنی سی کہتا اور اعتراض کرتا ایک صاحب کہ اس جماعت میں سب سے اعلم تھے خاموش تھے، بادشاہ نے عرض کی: آپ کچھ نہیں فرماتے، فرمایا: یہ سب صاحب میرے ایک سوال کا جواب دیں تو میں کچھ کہوں۔ سب ان عالم کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے فرمایا: آپ حضرات بولی کتے کی سمجھتے ہیں؟ سب نے کہا: نہ کہا بلی کی؟ کہا: نہ۔ کہا: سبحان اللہ تم مقر ہو کہ ارذل خلق اللہ کی بولی تم نہیں سمجھتے اولیاء کہ افضل خلق ہیں ان کا کلام کیونکر سمجھ لوگے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علمائے مصر جمع ہو کر ایک مجذوب کی زیارت کو گئے انہوں نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا:

مرحبا بعبید عبدی[1]۔	مرحبا میرے بندے کے بندے کو۔

سب پریشان ہو کر لوٹ آئے، ایک صاحب جامع ظاہر و باطن سے ملے اور شکایت کی، انہوں نے فرمایا: ٹھیک تو ہے تم سمجھتے نہیں، تم خواہش نفس کے بندے ہو رہے ہو اور انہوں نے خواہش نفس کو اپنا بندہ کر لیا ہے تو انکے بندے کے بندے ہوئے۔

اب سنئے اصطلاح قوم میں ''نعلین'' ''کونین'' کو کہتے ہیں، اللہ تعالٰی عزوجل نے اپنے بندے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا:

"فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾"[2]۔	اپنے دونوں جوتے اتار ڈالو کہ تم پاکیزہ جنگل طوی میں ہو۔

مفسر علام نظام الدین حسن بن محمد قمی غرائب القرآن ورغائب الفرقان معروف بتفسیر نیشاپوری میں اس آیہ کریمہ کی تاویل یعنی بطور اہل اشارات و حقائق میں فرماتے ہیں:

1

2 القرآن الکریم ۲۰/ ۱۲

اترك الالتفات الی الکونین انك واصل الی جناب القدس[1]۔	یعنی نعلین سے ''دونوں جہان'' مراد ہیں انہیں اتار ڈالو یعنی ان کی طرف التفات نہ کرو کہ تم بارگاہ قدس میں پہنچ گئے۔

اقول: نعل قطع راہ میں معین ہوتی ہے اور مقصد اولیاء وصول بحضرت کبریا ہے اور دنیا آخرت دونوں اس راہ کی قطع میں معین ۔ دنیا یوں کہ اس میں اعمال سبب وصول جنت ہیں، اور آخرت یوں کہ وہیں وعدہ دیدار ہے معہذا طالبانِ مولٰی لذات کونین کو زیر قدم رکھتے ہیں، جو زیر قدم ہو اسے نعل کہنا مناسب ہے۔ حدیث میں ہے:

الدنیا حرام علی اھل الاٰخرۃ والاٰخرۃ حرام علی اھل الدنیا، والدنیا والاٰخرۃ حرام علی اھل اللہ ۔ رواہ الدیلمی[2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	یعنی دنیا حرام ہے آخرت والوں پر اور آخرت حرام ہے دنیا والوں پر، اور دنیا وآخرت دونوں حرام ہیں اللہ والوں پر ۔ (اسے دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

نیز نعل ''زوجہ'' کو کہتے ہیں کمافی القاموس وغیرہ[3] (جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔ت) اور دنیا وآخرت دونوں سوتیں ہیں۔ ع

فان من جودك الدنیا وضرتھا ومن علومك علم اللوح والقلم[4]

(کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخششوں میں سے ہے اور لوح وقلم آپ کے علموں میں سے ہیں۔ت)

اسی طرف اشارہ ہے۔ حدیث نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے فرماتے ہیں:

من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاٰثروا مایبقی علی مایفنی	جو اپنی دنیا کو پیار کرے گا اس کی آخرت کو نقصان ہوگا اور جو اپنی آخرت کو پیارا رکھے اس کی دنیا کو ضرر ہوگا تو باقی کو فانی پر ترجیح دو۔

---

[1] غرائب القرآن تحت آیۃ ۲۰ /۱۲ مصطفی البابی مصر ۱۶ /۱۱۹

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۳۱۱۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۳۰

[3] القاموس المحیط باب اللام فصل النون مصطفی البابی مصر ۴ /۵۹

[4] قصیدہ بردہ شریف مطبع انصار دہلی ص ۷۹

رواہ احمد والحاکم عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح[1]۔	(اس کو امام احمد وحاکم نے ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

اورمدار دنیا بنیہ بشری پر ہے اورمدار مثوبات آخرت عقل تکلیفی پراور وجد وسماع کے غلبے میں ان کے زوال کا اندیشہ، خصوصًاجب قوت ضعف ہو اور برکت صاحب مجلس سے تجلی اشد واقوی واقع ہو تو بدن فنا یا عقل زائل ہو جانا کچھ بعید نہیں۔

حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نماز پڑھا رہے تھے جب سجدے میں گئے مقتدیوں میں سے ایک مرید کا جسم گھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ گوشت، پوست، استخواں کسی کا نام ونشان نہ رہا صرف ایک قطرہ پانی رہ گیا۔ حضور نے بعد سلام روئی کے پھوئے میں اٹھا کر دفن فرمایا اور فرمایا: سبحان اللہ! ایک تجلی میں اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

لہٰذا سیدنا خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوت ومدد سے انکی دنیاوآخرت کی یعنی بنیہ بشری وعقل تکلیفی کی حفاظت فرماتے تھے، کہئے یہ کمال عظمت ہے یا معاذاللہ اہانت! الخ، مختصرًا۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۴۱۲

تجوید وقراءت

مسئلہ ۱۰: از بندہ درماندہ فدوی محمد عمر　۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۱ھ

آیہ کریمہ:

"وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ "[1]۔	اوران کے سوا دو جنتیں اور ہیں ۔ تو اپنے رب کی کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔ نہایت سبزی سے سیاہی کی جھلک دے رہی ہیں تو اپنے رب کی کون سے نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔ (ت)

کیا فرماتے ہیں قراء شریعت اس میں کہ آیہ مذکورہ بالا میں جو آیت ''لا'' ہے اس پر ٹھہرنا جائز ہے یا نہیں ؟ اور اس کے متعلق کیا اختلافات ہیں ؟

الجواب:

ہر آیت ''لا'' پر وقف جائز ہے، یوں بھی سنت سے ثابت ہے۔ قراء میں بھی دونوں طریقے ہیں اور سب قراء تیں حق ہیں۔ **واللہ تعالٰی اعلم ۔**

---

[1] القرآن الحکیم ۵۵ / ۶۱ تا ۶۵

مسئلہ ۱۱: مرسلہ سید اشرف علی صاحب محلّہ ذخیرہ، بریلی ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ

بخدمت شریف جناب اعلیٰ حضرت صاحب قبلہ سلامت۔ عرض یہ ہے کہ سورہ ناس میں خَنَّاسِ الَّذِیْ ہے یا خنّاسِo الَّذِیْ، کس طرح پڑھنا چاہیے؟ حضور دیگر عرض یہ ہے خَنّاس الّذی میں الف آگیا یا نہیں؟

الجواب:

دونوں طرح جائز ہے، اور اصل وہی ہے کہ خنّاس کا سین الذی کے لام میں ملا کر پڑھیں اس میں الف گر جائے گا، اور بحالت وصل اس کے گرانے کا ہی حکم ہے اور "س" پر وقف کرکے "الذی" مع "ا" پڑھے جب بھی کچھ حرج نہیں، دونوں طریقے سنت سے ثابت ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲: از کانپور محلّہ بانس منڈی مدرسۃ امداد العلوم مسئولہ ابوالہادی محمد عبدالکافی روز یک شنبہ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

دربارہ اس مسئلہ میں کہ وقت ختم قرآن تراویح میں تین بار سورہ اخلاص شریف کا پڑھنا مکروہ ہے یا مستحسن بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ت)

الجواب:

مستحسن ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قراءۃ قل ھو اللہ احد ثلاث مرات عقیب الختم یستحسنھا بعض المشائخ لجبر نقصان دخل فی قراءۃ البعض الا ان یکون ختم القراٰن فی الصلوٰۃ المکتوبۃ فلایزید علی مرۃ واحدۃ[1]۔	ختم قرآن کے بعد تین مرتبہ قل ھو اللہ احد الخ، پڑھنے کو بعض مشائخ نے مستحسن قرار دیا ہے تاکہ اس نقصان کا ازالہ ہوجائے جو بعض کے پڑھتے وقت پیدا ہوا ہے، مگر جب ختم قرآن فرض نماز کے اندر ہو تو صرف ایک ہی بار سورہ اخلاص پڑھے زائد نہ پڑھے۔(ت)

عقود الدریہ میں ہے: والعمل بما علیہ الاکثر[2]۔ اس پر عمل کیا جائے جس پر اکثریت کا عمل ہو۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۷

[2] العقود الدریۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ العمل بما علیہ الاکثر ارگ بازار افغانستان ۲/ ۳۵۶

رسم القرآن

مسئلہ ۱۳ تا ۲۰: مسئولہ حافظ میر عبدالجلیل صاحب مارہروی ۲۵ صفر مظفر ۱۳۲۲ھ

الفاظ جمع مذکر سالم مانند خاسئین، قانتون، کٰرھین، خیر الفاتحین وامثالہا

(۱) جن کو منشی اشرف علی نے اپنے مصحف میں محذوف الالف لکھا ہے اور اکثر جگہ حوالہ شمع قراءت اور خلاصۃ الرسوم وغیرہ کا دیا ہے۔ اور مولوی احمد علی سہارنپوری نے الفاظ موصوفہ کو باثبات الف اپنے مصحف میں لکھا ہے بلکہ ایسے الفاظ قلیل الدور کی ایک فہرست اپنے مصحف کے ابتداء میں لکھ دی ہے کہ وہ باثبات الف ہیں۔ ان کی بابت آپ کا حکم کیا ہے؟

(۲) لفظ ''کلام ''ملک العلام میں صرف چار جگہ ہے، ایک جگہ سورہ بقرہ میں "یَسْمَعُوْنَ کَلٰمَ اللّٰہِ"[1] (اللہ کا کلام سنتے ہیں۔ ت) دوم سورہ اعراف میں:

"قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِکَلَامِیْ"[2]۔	فرمایا: اے موسٰی! میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے (ت)

سوم سورۂ توبہ میں: "فَاَجِرْهُ حَتّٰی یَسْمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ"[3]۔ (تو اسے پناہ دو کہ اللہ کا کلام سنے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۷۵

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۴۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶

چہارم سورۃ الفتح میں ہے:

"یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ" [1]۔	وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام بدل دیں۔(ت)

ان سب کو بعض مصاحف وکتب رسم الخط میں باثبات الف لکھا ہے اور بعض میں محذوف الالف اور بعض نے بعض کو مع الالف ________ اور بعض کو بغیر الف لکھا جاتا ہے۔آپ کی ان کے باب میں کیا رائے ہے؟

(۳) لفظ قیام دو مقام پر سورہ نساء میں، **اوّلًا**:

"وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا" [2]۔	بے عقلوں کو انکے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات کیا ہے۔(ت)

دوم:

"فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ" [3]۔	اللہ کی یاد کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔(ت)

سوم سورۃ المائدہ میں:

"جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ" [4]۔	اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث کیا۔(ت)

چہارم سورہ فرقان:

"وَ الَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِیٰمًا ﴿۶۴﴾" [5]۔	اور وہ جو رات کاٹتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں۔(ت)

پنجم سورہ زمر میں:

"ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾" [6]۔	پھر وہ دوبارہ پھونکا جائے گا جبھی وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہو جائیں گے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۰۳

[4] القرآن الکریم ۵/ ۹۷

[5] القرآن الکریم ۲۵/ ۶۴

[6] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۸

ششم سورہ ذاریات میں:

"فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾"[1]۔	تو وہ نہ کھڑے ہوسکے اور نہ وہ بدلہ لے سکتے تھے۔(ت)

عام مصاحف میں یعنی مولوی احمد علی صاحب سہارنپوری اوران کے مقلدین نے سورہ نساء کے پہلے اور سورہ مائدہ والے کو بدوں الف لکھا ہے۔اور باقی سب جگہ مع الف۔اوریہی رسالہ مرتع الغزلان سے ثابت ہے مگر منشی اشرف علی نے صرف آخر کے تینوں کو باثباتِ الف اوراول کے تینوں کو بدون الف لکھا ہے۔

(۴) "لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ"[2]۔	مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔(ت)

اور

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ"[3] الآیۃ۔	ہم نے سب کے لئے مال کے مستحق بنادیے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ۔(ت)

یہ سب مصاحف مروجہ ہندی میں الف اول موجود اورثانی مفقود ہے مگر مؤلف خلاصۃ الرسوم دونوں کا حذف فرماتے ہیں اور والدین یا و نون سے سب جگہ مع الالف ہے۔

(۵) "لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى"[4]۔	نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ۔(ت)

سورہ حج میں:

"وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى"[5]۔	اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور نشہ میں نہ ہوں گے۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۵۱/ ۴۵
[2] القرآن الکریم ۴/ ۷
[3] القرآن الکریم ۴/ ۳۳
[4] القرآن الکریم ۴/ ۴۳
[5] القرآن الکریم ۲۲/ ۲

تینوں کو منشی اشرف علی اور مولوی ہادی علی صاحب نے اپنے مکتوب مصاحف میں محذوف الالف لکھا ہے، اور عام مصاحف میں خاص سورہ نساء میں بدوں الف اور باقی دونوں کو مع الالف، خلاصۃ الرسوم اور رسالہ نورِ سرمدی سے قول اول ثابت ہے مگر مرتع الغزلان میں لکھا ہے: ع

گیر از جح دوجا سکڑی یاد [1]

یعنی محذوفات میں دو کا ذکر کیا تیسرے سے کچھ تعرض نہ کیا۔

(۶) علامہ ابو عمرو الدانی ارشاد کرتے ہیں:

کذٰلك سؤة وسوءٰتکم وسیئ وسیئت وبریؤن وھنیئا مریئا وبریئا وشبھه [2]۔	یعنی ان سب کا ہمزہ بدوں مرکز ہے لیکن کل مصاحف ہندی میں سوءٰتکم وغیرہ الف سے مرقوم ہیں بالاتفاق کسی نے اس میں خلاف بھی بیان نہیں کیا۔

(۷) "وَمِنۡ خِزۡيِ يَوۡمِىِٕذٍؕ" [3]۔ سورہ ہود میں قراءت مفتوح المیم کو کتاب تیسیر میں نافع اور ابن عامر کے نام سے لکھا ہے، اور خلاصۃ الرسوم میں مرقوم ہے:

بکسر میم ست بقراءت غیر سوسی [4]	سوسی کے غیر کی قراءۃ میں میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ (ت)

(۸) اعوذ باللہ کے باب میں روایت کتاب تحفہ نذریہ مؤلفہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی یہ ہے کہ:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم مختار جمیع قراء است [5]۔	اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم تمام قراء کا مختار ہے۔ (ت)

آگے بیان کرتے ہیں کہ:

اگر کسے لفظ دیگر در تعوّذ گفت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازاں لفظ منع فرمود [6]۔	اگر کسی نے کوئی دوسرا لفظ تعوّذ میں کہا تو حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس لفظ سے منع فرمایا ہے۔ (ت)

---

[1] مرتع الغزلان فی رسم الخط القرآن

[2] التیسیر فی قواعد علم التفسیر للامام محمد بن سلمان

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۶۶

[4] خلاصۃ الرسوم

[5] تحفہ نذریہ

[6] تحفہ نذریہ

Majlis of Dawateislami

پھر لکھتے ہیں:

باوجود اس منع و تعلیم الفاظ دیگر ہم مروی شدہ اند، پس تلفظ تعوّذ بآں الفاظ ہم جائز است اگرچہ مختار نیست، انتہی عبارتہ بقدر ضرورت[1]۔	اس منع و تعلیم کے باوجود کچھ دوسرے الفاظ بھی مروی ہیں، چنانچہ ان الفاظ کے ساتھ بھی تعوذ جائز ہے اگرچہ مختار نہیں ہے۔ تحفہ نذریہ کی عبارت ختم ہوئی جس قدر ضرورت تھی۔ (ت)

اس کے باب میں آپ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:

(ا) یہ علم سمع ہے نہ قیاس۔ کلمات علمائے کرام سے دو ضابطے ملتے ہیں:

اول: مطردہ کہ ہر جمع مذکر سالم کثیر الدور محذوف الالف ہے جبکہ اس الف پر مد نہ ہو۔

دوم: اکثری یہ کہ الف پر مد ہو یعنی اس کے بعد ہمزہ یا حرف مشدد آئے تو ثابت الالف ہے مگر ذوات الہمزہ میں حذف بھی بکثرت پایا گیا ہے۔ اور جمع مونث سالم تو مطلق محذوف الالف والالفین ہے اگرچہ قلیل الدور ہو، اگرچہ الف ممدود ہو مگر گنتی کے حروف جیسے سورہ شوریٰ میں روضٰت الجنّٰت، یونس میں اٰیاتنا بیّنٰت، اسی میں مکر فی اٰیاتنا، حٰم سجدہ میں سمٰوٰت، فاطر میں علی بینات علی الخلاف الی غیر ذلک من حروف قلائل۔ امام عمرو دانی رحمۃ اللہ علیہ مقنع میں فرماتے ہیں:

اتفقوا علی حذف الالف من جمع السالم الکثیر الدور من المذکر والمونث جمیعا الصٰبرین و الصٰدقین و القٰنتین والشیٰطین والظٰلمون و السٰحرون والطیبٰت و الخبیثٰت والمتصدقٰت و الثیبٰت والغرفٰت وماکان مثلہ۔ فان جاء بعد الالف ھمزۃ او حرف مضعف نحو السائلین والقائمین	تمام لوگوں نے جمع مذکر و مونث سالم کثیر الدور سے الف کے حذف کرنے پر اتفاق کیا، جیسے صٰبرین، صٰدقین، قٰنتین، شیٰطین ظٰلمون، سٰحرون، طیبٰت، خبیثٰت، متصدقٰت، ثیبٰت، تئبٰت، غرفٰت اور جو اس کے مثل ہو اور الف کے بعد ہمزہ یا حرف مشدد آئے جیسے سائلین، قائلین، ظانین،

[1] تحفہ نذریہ

والظاٰنين والعاٰدين وحاٰفين وشبهه اثبت الالف على انى تتبعت مصاحف اهل المدينة واهل العراق القديمة فوجدت فيها مواضع كثيرة مما بعد الالف فيه همزة قد حذف الالف منها واكثر ماوجدته فى جمع المونث لثقله والاثبات فى المذكر اكثر قال ابوعمرو ما اجتمع فيه الفان من جمع المونث السالم فان الرسم فى اكثر المصاحف بحذفها جميعا سواء كان بعد الالف حرف مضعف اوهمزة نحو الحفظٰت والصدقٰت والنٰزعٰت والصّٰفّٰت والعٰدیٰت والصّٰئمٰت وغيٰبٰت وسٰئحٰت وشبهه قد امعنت النظر فى ذٰلك فى مصاحف اهل العراق اهلية اذ عدمت النص فى ذٰلك فلم ارها مختلف فى حذف ذٰلك۔	عادین، حافین اوراس کے مشابہ ۔مگر میں نے اہل مدینہ اوراہل عراق کے قدیم مصاحف کا تتبع کیا تو بہت سے مقامات پر جہاں الف کے بعد ہمزہ تھا وہاں سے بھی الف حذف کردیا ہے اورایسا اکثر جمع مونث میں اس کے ثقل کی وجہ سے ہوا ہے۔اورمذکر میں زیادہ طورپر الف کا اثبات ہے۔امام ابوعمر وفرماتے ہیں جہاں جمع مونث سالم میں دوالف جمع ہوجائیں وہاں عام طور سے دونوں الف کو حذف کردیتے ہیں۔اس کے بعد ہمزہ اورحرف مشدد ہو یا نہ ہو، جیسے حفظٰت، صدقٰت، نٰزعٰت، صٰفّٰت، عٰدیٰت، صٰئمٰت، غیٰبٰت، سٰئحٰت اوراس کے اشباہ۔میں نے اہل عراق کے اصل مصاحف میں غور سے دیکھا جہاں مجھے کوئی تصریح نہ ملی تو ہر جگہ انہیں کو محذوف پایا۔
وقال محمد بن عيسٰى اصفهانى فى كتابه هجاء المصاحف قوم طاغون و والذاريٰت والطور وفى روضات الجنّٰت فى عسق مرسومه بالالف۔	محمد بن عیسی اصفہانی اپنی کتاب ''ہجاء المصاحف''میں فرماتے ہیں کچھ ذاریات اور طور میں طاغون کو اور روضات الجنّٰت الف سے لکھتے ہیں۔
وقال ابوعمرو كذا رأيتها انا فى مصاحف اهل العراق ورأيت فى بعضها كرامًا كاتبين بالالف	ابوعمرو فرماتے ہیں مصاحف اہل عراق میں کراما کاتبین کو الف اور بغیر الف دونوں طرح تحریر

فی بعضها بغیر الالف[1]۔اھ مختصرًا۔	پایا۔انتہی مختصرا۔

اس کے سوا جمع مذکر سالم قلیل الدور عدیم المد کے لئے کوئی ضابطہ نہیں اور خاص خاص الفاظ میں اختلاف مصاحف ثابت۔ مقطع میں ہے:

فی بعضها فارهین وفی بعضها فرهین بغیر الف و كذٰلك حاذرون وحذرون[2]۔	بعض مصاحف میں فارھین باالف اور بعض بغیر الف۔اسی طرح حاذرون بھی دونوں طرح تحریر پایا گیا۔

اسی طرح دخان وطور ومطففین فاکھین اور لیس کے فاکھون سب کو فرمایا کہ فی بعضھا بالف وفی بعضھا بغیر الف تو مطلقاً ایک حکم کلی اثبات خواہ حذف کا لگا دینا ہر گز صحیح نہیں،بلکہ ہر کلمہ میں رجوع بنقل پھر بحالت اتفاق اس کا اتباع لازم،اور بحالت اختلاف اکثر واشہر کی تقلید کی جائے اور تساوی ہو تو حذف واثبات میں اختیار ہے۔اور احسن یہ کہ جہاں اختلاف قراءت بھی ہو جیسے فکھین اور فاکھین وہاں حذف معمول بہ رکھیں لیحتمل القراء تین۔اور اگر نقل اصلًا نہ ملے تو ناچار رجوع بہ اصل ضرور،اور وہ اثبات ہے کہ اصل کتابت میں اتباع ہجاء ہے۔

علامہ علم الدین سخاوی شرح عقلیہ میں زیر قول مصنف قدس سرہ ع وبالذی غافر عن بعضہ الف فرماتے ہیں:

اصل ماجهل اصله ان یکتب باالالف علیماینطق[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	جس کی اصل نہ معلوم ہو تو قاعدہ یہ ہے کہ جس طرح باالف پڑھا جاتا ہے اسی طرح لکھا جائے۔

(۲) امام الاقاصی والادانی فی الرسم القرآنی ابو عمرو دانی فرماتے ہیں:

قال الغازی بن قیس العذاب والعقاب والحساب و البیان والغفار والجبار والساعة والنهار باالالف یعنی فی المصاحف وذٰلك علی اللفظ قال ابو عمرو	غازی بن قیس فرماتے ہیں کہ عذاب،عقاب،حساب، بیان،غفار،جبار،ساعۃ،نہار مصاحف میں الف کے ساتھ مرقوم ہے۔جیسا کہ لفظ ہے۔ابو عمرو فرماتے ہیں یونہی

---

[1] المقنع فی رسم المصحف لعثمان بن سعید

[2] المقطع فی رسم المصحف

[3] (شرح عقلیہ)الوسیلۃ فی کشف العقیلہ

کذٰلك رسموا کل ماکان علی وزن فعال وفعال بفتح الفاء وکسرھا وعلی وزن فاعل نحو ظالم وفعال نحو خوار وفعلان نحوبنیان وفعلان نحو رضوان و کذٰلك المیعاد والمیقات والمیزان وما اشبهه مما الفه زائد البناء وکذٰلك ان کانت منقلبة من یاء او واؤ حیث وقعت[1] اھ باختصار الامثلة۔	تحریر کیا ہر وہ لحظہ جو فعال اور فِعال کے وزن پر ہو یا فاعل کے وزن پر ہو جیسے ظالم یا فعال کے وزن پر ہو جیسے خوار اور فعلان کے وزن پر ہو جیسے بنیان اور فعلان کے وزن پر ہو جیسے رضوان، اور ایسے ہی میعاد، میقات، میزان اور اس کے مشابہ الفاظ جس میں الف زائد بناء کے لیے ہو۔ ایسے ہی یا اور واو سے بدلا ہوا بھی جہاں کہیں ہو مثالوں میں اختصار کردیا ہے۔

یہ مبارک کلام مفید عام کل سے ابتداء اور حیث وقعت پر انتہا ہو کر تاکید الافادہ عموم لایا، اگرچہ بحکم:

ما من عام الا وقد خص منه البعض حتی ھذہ القضیة لنفسها بمثل قوله سبحٰنه "وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" [2]۔	کوئی عام نہیں کہ اس سے بعض کی تخصیص نہ ہو خاص اس قضیہ میں بھی اللہ تعالٰی کے قول ھو بکل شیئ علیم کی طرح جیسا کہ عقل سلیم پر ظاہر ہے۔

بعض مستثنیات رکھتا ہے، جنہیں خود امام ممدوح نے مقنع میں مواضع متفرقہ پر افادہ فرمایا ہے، مثل عٰلم الغیب و لبٰلغ وبلٰغا والضلٰل ومن خلٰله وظلٰله وغیرھا[3]۔

ولہذا "مرتع الغزلان فی رسم خط القرآن" میں فرمایا:

[1] المقنع فی رسم المصحف

[2] القرآن الکریم ۲ /۲۹

[3] المقنع فی رسم المصحف

وزن فعال وفاعل وفعلان	فعال اور فاعل اور فعلان کا وزن
هم فعال وفعال وهم فعلان	فعال اور فعال اور فعلان کا وزن
نیز فعلان و مفعل وفعال	فُعلان اور مفعل اور فعّال بھی
هم فعال ومفاعل وافعال	فُعال اور مفاعل اور افعال بھی
هم مفاعیل ومفاعل وافعال	مفاعیل اور مفعل اور مفعال بھی
با فعالی فواعل وفعال	فعالی فواعل اور فِعّال
جملگی فعلها و مصدر ها	اور افعال اور تمام مصادر
الف منقلب ز واؤ و زیا	جن کا الف واؤ سے بدلا ہو یا یاء سے بدلا ہوا
همه گی ثابت است در همه جا	تمام مقامات میں ایسا الف باقی اور ثابت رہے گا البتہ چند
جز حروفے که گشته مستثنٰی [1]	حروف اس قاعدہ سے مستثنٰی ہیں۔

مگر شک نہیں کہ وہ ہمیں ایک ضابطہ نافعہ بتاتا ہے کہ مستثنیات کے سوا ایسے سب کلمے ثابتات الالف ہیں۔ تو جب تک بالخصوص نقل معتمد سے خلاف ثابت نہ ہو ثابت ہی رکھیں گے کہ وہی اصل اور خود اصل رسم میں اصل۔ خلاصۃ الرسوم سے بکلمی اور یبدلوا کلم اللہ بالحذف مترشح ہے۔ اخیر کی وجہ ظاہر ہے کہ امام حمزہ وامام کسائی نے یہاں کَلِم بروزن کَتِف پڑھا ہے مگر کلامی میں مثل دو باقی فقیر کے نزدیک اثبات ارجح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) یہ کلمہ سات جگہ آیا ہے، سب سے پہلے سورہ آل عمران میں:

"لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ" [2]	نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ (ت)

عام مصاحف میں یہاں بھی مع الالف ہے۔ صاحب خلاصۃ الرسوم علامہ عثمان طالقانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف مائدہ کو ذکر کیا کہ:

قیٰمًا بحذف الف مرسوم است از جهت اشتمال برهر دو قراءت یا بنام اختصار [3]۔	قیٰمًا الف کے حذف کے ساتھ لکھا گیا ہے، دونوں قراءت پر مشتمل ہونے کی وجہ سے یا اختصار کیلئے۔ (ت)

[1] مرتع الغزلان فی رسم خط القرآن

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۹۰ و ۱۹۱

[3] خلاصۃ الرسوم

اور حرف اول نساء کو اگرچہ لفظًانہ بتایامگر رسمًا بحذف لکھا جس سے ظاہر باقی پانچ میں اثبات ہے اور یہی قول مرتع ع قیٰمًا و ز ابتداء نساء ع آخر مائدہ قیٰمًا داں[1] کا مفاد ہے۔اوراس کی وجہ واضح ہے کہ امام نافع اورامام اجل ابن عامر نے حرف نساء "جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمۡ قِیٰمًا"[2] اورابن عامر نے حرف مائدہ "قِیٰمًا لِّلنَّاسِ"[3] کو بے الف پڑھا فی التیسیر، باقی سب میں اثباتِ الف ہے باتفاق قراء سبعہ والرسم یتبع اللفظ لاسیما وھو فعّال کمامر۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) مصحف کریم میں والدٍ، والدین، والدیہ، والدیک، والدی، والدۃ، والدتی، والدتک سب بالف بعد واؤ مرسوم ہیں۔ اور یہی مقتضائے قاعدہ فاعل ہے حتی کہ والدات بآنکہ جمع مونث سالم ہے، حذف الف میں مختلف فیہ ہے۔ والدٰان میں حذف الف تثنیہ توحسب قاعدہ مطردہ ضرور ہے، حذف اول کی کوئی وجہ ظاہر نہیں اور عبارت خلاصۃ الرسوم اس نسخہ سقیمہ میں یوں مرسوم "الولدان ہر دو بحذف الف تثنیہ مکتوب است بعد از واو ودال ہمہ جا" عبارت نے تو یہ حذف الف تثنیہ بتایا ہے اور ہر دو سے مراد دونوں لفظ الولدٰن کہ اس آیۃ کریمہ میں واقع ہیں اور بعد از واو الف تثنیہ کے کوئی معنی نہیں۔ظاہرا لفظ واؤ زیادت قلم ناسخ سے ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۵) فعالٰی کا قاعدہ مرتع سے گزرا اور بعینہٖ یہی تخصص موضعین حج مفاد مقنع ہے۔ محذوفات نافع بیان کرکے فرماتے ہیں:

فھذا جمیع ما فی روایۃ عبداللہ بن عیسٰی عن قالون عن نافع مما حذفت منہ الالف الرسم وحدثنا ابو الحسن بن غلبون قرأہ منی علیہ حدثنا ابی حدثنا محمد ابن جعفر حدثنا اسمٰعیل ابن اسحٰق القاضی القالون عن نافع	یہ سب عبداللہ بن عیسٰی کی روایت قالون سے ہے۔اور انہوں نے نافع سے روایت کی جہاں جہاں سے رسم میں الف محذوف ہوا ابوالحسن ابن غلبون نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں ان پر پڑھ رہا تھا انہوں نے کہا مجھ سے میرے والد نے ان سے محمد ابن جعفر نے ان سے اسمٰعیل بن اسحٰق قاضی نے انہوں نے قالون سے اور انہوں

[1] مرتع الغزلان فی رسم خط القرآن

[2] القرآن الکریم ۴/ ۵

[3] القرآن الکریم ۵ /۹۷

بعامة هذه الحروف وزاد فی الکھف فلا تصحبنی وفی الحج سکری وما ھم بسکری [1] الخ۔	نے امام نافع سے یہ سب روایت کی۔اور سورہ کہف میں فلا تصحبنی اور حج میں سکری وما ھم بسکری کا اضافہ کیا۔

اور وہ واضح الوجہ ہے کہ حرفین حج کو امام حمزہ اور امام کسائی نے سکری بروزن سَلْمٰی پڑھا ہے بخلاف حرف نساء کہ قراءت سبعہ میں بالاتفاق سُکٰری بروزن فُعالٰی ہے تو قول مرتفع ہی اوضح اور اوجہ ہے۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۶) مصاحف ہند نے اتباع "خلاصۃ الرسوم" کیا مگر کلام الامام امام الکلام ولا اقل دونوں مجوز ہوں۔واللہ تعالٰی اعلم۔

(۷) تیسیر میں ھود ومعارج کے "خِزْیِ یَوْمِىٕذٍ" [2] اور "عَذَابِ یَوْمِىٕذٍ" [3] میں فتح میم کو نافع اور کسائی کی طرف نسبت فرمایا اور اسی طرح دیگر ائمہ نے تصریح فرمائی۔تیسیر میں ہے:

نافع والکسائی ومن خزی یومئذ وفی المعارج من عذاب یومئذ ببنیه بفتح المیم والباقون بکسرھا [4]۔	نافع اور کسائی نے من خزی یومئذ اور سورہ معارج میں من عذاب یومئذ ببنیه کو میم کے فتحہ کے ساتھ اور باقیوں نے کسرہ کے ساتھ پڑھا۔

شاطبیہ میں ہے:۔

ویومئذ مع سال فافتح (ا)تی (ر)ضا وفی النمل (حصن) قبله النون (ث)ملا [5]۔	یومئذ کو اس سورۃ اور سورۃ معارج میں فتح میم سے پڑھ کہ وہ وہ پسندیدہ ہو کر آیا ہے اور سورۃ نمل میں فتح میم کو فیین اور نافع کیلئے ایک قلعہ ہے اور اس لفظ سے پہلے نون تنوین نے فتح کو سنوار دیا۔

شرح میں ہے:

امر بفتح المیم فی قوله تعالٰی ومن خزی	اللہ تعالٰی کے قول من خزی یومئذ اور

---

[1] المقنع فی رسم المصحف

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۷۰/ ۱۱

[4] التیسیر فی قواعد علم التفسیر للامام محمد بن سلیمان

[5] حرز الامانی ووجه التهانی سورہ ہود مصطفی البابی الحلبی مصر ص ۶۲

یومئذ ومن عذاب یومئذ ببنیه فی المعارج المشار الیهما بالهمزة والراء فی قوله اتی رضا وهما نافع و الکسائی۔ثم اخبر ان المشارالیهم بحصن وهم الکوفیون ونافع قرأوا بالنمل وهم من فزع یومئذ یومئذ فتعین لمن لم یذکره فی الترجمتین القراءة بکسر اما اصله وهو علی الحقیقة الخفض فی المواضع[1]۔ الخ	من عذاب یومئذ ببینہ میں جو سورہ معارج میں ہے میم کے فتحہ کا حکم دیا اور ہمزہ اور راء سے مصنف کے قول "اتی رضا" میں نافع اور کسائی کی طرف اشارہ ہے۔پھر یہ بتایا کہ لفظ حصن سے کوفیوں اور نافع کی طرف اشارہ ہے۔ان لوگوں نے سورہ نمل کے من فزع یومئذ کو یومئذ پڑھا۔تو یہ ثابت ہوگئی کہ دونوں ترجموں میں جن لوگوں کا ذکر نہیں ہے وہ اصل حقیقی پر تینوں جگہ مکسور پڑھتے ہیں۔

غیث النفع میں ہے:

خزی یومئذ قرأنا فع وعلی بفتح المیم والباقون بالکسر[2]۔	خزی یومئذ کو نافع اور علی نے بفتح میم اور باقی قراء نے بالکسر پڑھا۔

بعینہٖ اسی طرح اس کی سورۂ سائل میں ہے ان اجلہ اکابر کی تصریحات جلیلہ پر اعتماد لازم ہے۔**واللہ تعالٰی اعلم۔**

(۸) تعوذ میں یہ صیغہ مختار قراء کرام ہونا ضرور صحیح ہے،امام ابوعمرودانی تیسیر میں فرماتے ہیں:

المستعمل عند القراء الحذاق من اهل الاداء فی لفظها اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم دون غیره و ذٰلك لموافقة الکتاب والسنة فاما الکتاب ماجاء فی تنزیل العظیم قوله عزوجل لنبیه الکریم صلی الله تعالٰی	ادائے قرآن میں ماہر قاریوں میں استعاذہ کیلئے یہی الفاظ مستعمل ہیں اور نہیں،وجہ یہ ہے کہ یہ الفاظ قرآن وحدیث نبوی کے موافق ہیں،اللہ تعالٰی قرآن عظیم میں فرماتا ہے، جب قرآن پڑھنا ہو تو اعوذباللہ من الشیطان الرجیم پڑھو۔ اور حضرت نافع ابن جبیر ابن مطعم اپنے

[1] سراج القاری لعلی بن عثمان المعروف بابن القاصح

[2] غیث النفع

علیه وسلم وهو اصدق القائلین "فاذا قرأت القراٰن فاستعذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم "واما السنة فما رواه نافع ابن جبیر ابن مطعم عن ابیه رضی اللّٰه تعالٰی عنهما عن النبی صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم انه استعاذ قبل قرأة القراٰن بهٰذا اللفظ بعینه وبذٰلك قرأت وبه اٰخذ [1]۔	والد سے وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تلاوت قرآن پاک سے قبل خاص انہیں الفاظ میں اعوذ باللہ پڑھتے۔یہ حدیث سے ثبوت ہوا۔امام ابو عمرو فرماتے ہیں میں ایسا ہی پڑھتا ہوں اور یہی میرا مذہب ہے۔

غیث النفع میں ہے:

اما صیغتها فالمختار عند جمیع القراء اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم وکلهم یجیز غیر هذه الصیغة من الصیغ الوارد ة نحو اعوذباللّٰه السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم واعوذباللّٰه العظیم من الشیطٰن الرجیم واعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم انه هو السمیع العلیم واعوذباللّٰه السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم [2]۔	صیغہ استعاذہ کے لیے تمام قاریوں کا مختار اور پسندیدہ لفظ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے،اس کے باوجود ان دوسرے صیغوں کو بھی سبھی جائز قرار دیتے ہیں جو اس باب میں وارد ہیں جیسے اعوذباللّٰه السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم وغیرہ۔الخ

حرز الامانی امام محمد قاسم شاطبی قدس سرہ میں ہے:۔

اذا ما اردت الدهر تقرأ فاستعذ جهارا من الشیطٰن باللّٰه مسجلا علی ما اتی فی النحل یسرًا وان تزد لربك تنزیها فلست مجهلا [3]	زمانہ میں جب بھی قرآن شریف پڑھنا چاہو تو اعوذباللہ علی الاعلان پڑھو،یہ سب قاریوں کا مسلک ہے۔جیسا کہ سورہ نحل شریف میں وارد جو آسان ہے اور اگر اللہ تعالٰی کی کچھ تنزیہات بھی بڑھادو تو تم جاہل نہ ہوگے۔

[1] التیسیر فی قواعد علم التفسیر للامام محمد بن سلیمان

[2] غیث النفع

[3] حرز الامانی ووجه التهانی باب الاستعاذه مصطفی البابی مصر ص ۱۰

سراج القاری میں ہے:

قولہ مسجّلا ای مطلقا لجمیع القراء فی جمیع القراٰن (علی ما اتی فی النحل) ای استعذ علی اللفظ الذی نزل فی سورۃ النحل جاعلا مکان استعذ اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ومعنی یسرًا ای مسیرًا وتیسرہ قلۃ کلماتہ وزیادۃ التنزیہ ان تقول اعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم انہ ھو السمیع العلیم، و اعوذ باللّٰہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم و نحو ذٰلک وقولہ فلست مجھلا ای لست منسوبا الی الجھل لان ذٰلک کلہ صواب ومروی[1]۔	ماتن کا قول مسجلا کا مطلب یہ ہے کہ تمام قراء قرآن کی قراءت میں ہر جگہ اسی کو راجح قرار دیتے ہیں۔ علی ماا تی فی النحل کا مطلب یہ ہے کہ سورہ نحل شریف میں استعاذہ کے جو الفاظ وارد ہیں انہیں پڑھو، اور یسراً کے معنی یہ ہیں کہ چونکہ اس استعاذہ میں کلمات کم ہیں اس لئے ان کا پڑھنا آسان ہے اور تنزیہ کے اضافہ کا مطلب یہ ہے کہ اور روایتوں میں جو سمیع العلیم وغیرہ تعریف الٰہی کے کلمات وارد ہیں ان کا اضافہ کرو فلست مجھلا کا مطلب یہ کہ ایسا کرنے پر تم جاہل نہ قرار نہ دیے جاؤ گے کیونکہ وہ زائد کلمات بھی درست اور مروی ہیں۔

مگر دیگر الفاظ مرویہ سے بھی منع ہرگز نہیں۔ وہ سب بھی باجماع قراء جائز ہیں۔ غیث وشاطبیہ وشروح کی عبارات ابھی گزریں۔ امام جلال الدین سیوطی اتقان میں فرماتے ہیں:

قال الحلوانی فی جامعہ لیس للاستعاذۃ حد ینتھی الیہ، من شاء زاد ومن شاء نقص[2]۔	حلوانی نے اپنی جامع میں لکھا کہ استعاذہ کی کوئی حد نہیں ہے کہ اسی پر بس ہے۔ تو جو چاہے اضافہ کرے اور جو چاہے کم کرے۔

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دیگر الفاظ سے منع فرمانا ہرگز ثابت نہ ہوا، اور اگر ثابت ہو جاتا تو کیا معنٰی تھے کہ بعد منع اقدس پھر بھی دیگر الفاظ جائز رہتے۔ قاری صاحب نے یہاں عجیب بین المتنافیین کیا ہے اور الفاظ سے منع فرمانا بالجزم

[1] سراج القاری لعلی بن عثمان المعروف بابن القاصع

[2] الاتقان فی علوم القرآن النوع الخامس والثلاثون داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۴۱/۱

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا، حالانکہ وہ حدیث ضعیف ہے اور ضعیف کی بہ صیغہ جزم نسبت روا نہیں۔ پھر ان الفاظ کو بھی جائز رکھا حالانکہ بعد ممانعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جواز کی طرف راہ اصلاً نہیں، بلکہ جواز وہی ہے کہ منع ثابت نہ ہو۔ امام شاطبی بعد کلام مذکور فرماتے ہیں:

وقد ذکروا لفظ الرسول فلم یزد ولو صح ھذا النقل لم یبق مجملا[1]۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے الفاظ میں استعاذہ میں اضافہ نہیں ہے، اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو حکم قرآنی مجمل نہ ہوتا۔

شرح علامہ ابن قاصح میں ہے:

اشار الی قول ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ قرأت علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقلت اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم فقال لی قل یا ابن ام عبد اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم و روی نافع عن ابن جبیر ابن مطعم عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یقول قبل القراءۃ اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم وکلا الحدیثین ضعیف واشار بقولہ ولو صح ھذاالنقل الی عدم صحۃ الحدیثین وقولہ لم یبق مجملا ای لو صح نقل ترك الزیادۃ لذھب	مصنف نے اپنے قول سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور تلاوت کی تو اعوذباللہ السمیع العلیم من الشطٰن الرجیم کہا تو مجھ سے آپ نے فرمایا: اے ام عبد کے لڑکے! صرف اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم کہو، اور نافع نے جبیر ابن مطعم سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تلاوت سے قبل اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھتے تھے اور یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہیں۔ اور مصنف نے اپنے قول ولو صح ھذا النقل سے دونوں ہی حدیثوں کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے اور مصنف کے قول "مجمل نہ رہتی" کا مطلب یہ ہے

[1] حرز الامانی ووجہ التہانی باب الاستعاذہ مصطفی البابی مصر ص۱۰

اجمال الاٰیۃ واتضح معناھا وتعین لفظ النحل دون غیرہ ولکنہ لم یصح فبقی اللفظ مجملا ومع ذٰلک فالمختار ان یقال اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم لموافقۃ لفظ الاٰیۃ وان کان مجملا لورودالحدیث بہ علی الجملۃ وان لم یصح لاحتمال الصحۃ [1] ۔واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم	کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی کہ زیادتی کو ترک کیا تو آیت قرآنی کا اجمال ختم ہوجاتا اور اس کے معنی واضح ہوجاتے اور سورہ نحل میں وارد الفاظ ہی متعین ہوجاتے لیکن جب حدیث صحیح نہیں تو آیت مجمل ہی رہی ۔اس کے باوجود راجح اعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم ہی ہے کیونکہ یہ قرآنی الفاظ کے موافق بھی ہے اور حدیث بھی ان الفاظ کے ساتھ وارد ہے، تو اگر روایت صحیح ثابت نہ ہو احتمال صحت تو ہے۔

مسئلہ ۲۱: از دھرم پور ضلع بُلند شہر مرسلہ سید پرورش علی صاحب ۸ شعبان ۱۳۲۳ھ

چہ می فرمایند عالمان کتاب مبین کہ الف ذاقا، واستبقاالباب اوردعوااللہ اور قالا الحمد خواندہ شود یانہ ؟بینوا توجروا۔	کتاب مبین کے علماء کیا فرماتے ہیں کہ ذاقا، واستبقا الباب، دعوا اللہ اور قالا الحمد کا الف پڑھا جائے گا یا نہیں ؟ بیان فرمایئے اجر دئے جاؤگے۔(ت)

الجواب:

در سجاوندی ایں چہار فتحہ رابقدر خفیف کہ تا الف تام نہ رسد اشباع فرمودہ است، سجاوندی کتاب معتبرست ودر دیگر کتب از تصریح بداں نیست خلافش نیز نیست وجہش مواجہ است کہ تمیز تثنیہ از مفرد است پس عمل بداں محذورے ندارد و نظیرش فصل خفیف در قال اللہ تعالٰی " علٰی مَا	سجاوندی میں ان چار فتحوں میں ہلکا سا اشباع فرمایا گیا ہے تاکہ الف تام کی حد تک نہ پہنچے، سجاوندی معتبر کتاب ہے۔دوسری کتابوں میں اگرچہ اس کی تصریح نہیں ہے مگر مخالفت بھی نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے تثنیہ مفرد سے ممتاز ہوجائے گا۔لہٰذا اس پر عمل کرنے میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔اس

[1] شرح الشاطبیۃ سراج القاری للعلامۃ لعلی بن عثمان المعروف بابن القاصح

نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ "[1] "قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ"[2] وامثالها است تا مبتداء بفاعل ملتبس نہ شود۔واللہ تعالٰی اعلم	کی نظیر اللہ تعالٰی کے ارشاد "عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۲۸﴾ "، "قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ" اور اس جیسی دیگر مثالوں میں ہلکا سا فصل ہے تاکہ مبتداء کا فاعل کے ساتھ التباس لازم نہ آئے، واللہ تعالٰی اعلم۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۸

[2] القرآن الکریم ۶/ ۱۲۸

تشریح افلاک وعلم توقیت وتقویم

مسئلہ ۲۲: از ملک بنگالہ ضلع فرید پور موضع پٹوراکاندے مرسہ محمد شمس الدین صاحب
کواکب خود بالطبع آسمان میں گھومتے ہیں یا بحرکت قمری بالتبع چکر کھاتے ہیں؟

الجواب:

ہمارے نزدیک کواکب کی حرکت نہ طبعیہ ہے نہ تبعیہ، بلکہ خود کواکب بامر الٰہی و تحریک ملائکہ آسمانوں میں دریا میں مچھلی کی طرح تیرتے ہیں۔

قال اللہ تعالٰی "كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ ۝۴۰ "[1]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے ہر ستارہ ایک آسمان میں تیرتا ہے
وقال اللہ تعالٰی "وَالشَّمۡسُ تَجۡرِىۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ؕ۝۳۸ "[2]۔	اور اللہ عزوجل فرماتا ہے سورج اپنے مستقر کیلئے جاری ہے یہ غالب علم والے کا حساب ہے۔
وقال تعالٰی "وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ دَآئِبَيۡنِ ۚ "[3]۔	اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر فرمایا جو مسلسل چل رہے ہیں۔
وقال تعالٰی "كُلٌّ يَّجۡرِىۡۤ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى "[4]۔	اور فرمایا ایک مقررہ وقت کیلئے سب حرکت میں ہیں۔

[1] القران الکریم ۳۶/۴۰

[2] القرآن الکریم ۳۶/۳۸

[3] القرآن الکریم ۱۴/۳۳

[4] القرآن الکریم ۳۱/۲۹

ہمارے نزدیک نہ زمین متحرک نہ آسمان۔

قال اللہ تعالٰی " اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۚ وَلَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَہُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ " [1]۔	(اللہ تعالٰی نے فرمایا) بے شک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمینوں کو کہ ہٹ نہ جائیں اور جو وہ ہٹیں توخدا کے سوا انہیں کون روکے۔

سعید بن منصور اپنی سنن، اور عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن منذر اپنی تفاسیر میں شقیق سے راوی،

قال قیل لابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما ان کعبًا یقول ان السماء تدور فی قطبة مثل قطبة الرحا فی عمود علی منکب ملك قال کذب کعب " اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا " ۔وکفی بھا زوالا ان تدور [2]۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بتایا گیا کہ حضرت کعب کا کہنا ہے کہ آسمان چکی کے پاٹ کی طرح ایک کیل میں جو ایک فرشتے کے کندھے پر گھوم رہا ہے، آپ نے فرمایا، کعب غلط کہتے ہیں اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اس نے آسمان وزمین کو ٹلنے سے روک رکھا ہے اور حرکت کے لیے ٹلنا ضروری۔

عبد بن حمید قتادہ سے راوی:

ان کعبا کان یقول ان السماء تدور علی نصب مثل نصب الرحافقال حذیفة بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنھما کذب کعب " اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا " [3]۔	حضرت کعب احبار فرماتے تھے کہ آسمان چکی کی طرح کیلے پر گھوم رہا ہے۔حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے کہ ہم نے آسمان وزمین کو ٹلنے سے روک رکھا ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ حضرت افقہ الصحابہ بعد الخلفاء الاربعۃ سیدنا عبداللہ بن مسعود حضرت صاحب سرِّ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سیدنا حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم سے عرض کی گئی: کعب کہتے ہیں کہ آسمان گھومتا ہے۔دونوں صاحبوں نے کہا: کعب غلط کہتے ہیں۔اور وہی آیۃ کریمہ اس کے رد میں تلاوت فرمائی۔

[1] القرآن الکریم ۳۵/ ۴۱

[2] الدرالمنثور تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

[3] الدرالمنثور تحت آیۃ ۳۵/ ۴۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۳۲

اقول:وان کان الزاعم ان یزعم ان الزوال بمعنی الحرکۃ الاینیۃ ولکن کبراء الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم اعرف منا بتفسیر القراٰن فلا یجوز الاستدراک علیھم عند من نوراللہ بصیرتہ جعلنا اللہ منھم بحرمتھم عندہ اٰمین۔	میں کہتاہوں کہ کوئی شخص یہ گمان کرسکتا ہے کہ زوال تو حرکت اینیہ کو کہتے ہیں لیکن بزرگ ترین صحابہ ہم سے زیادہ قرآن کی تفسیر کے جاننے والے تھے کہ انکے کہے ہوئے کو (رضی اللہ تعالٰی عنہم) وہ شخص رد نہیں کرے گا جسے خدا نے نور بصیرت دیا۔اللہ ان کے صدقے میں ہمیں بھی انہیں کے ساتھ کرے آمین۔

مسئلہ ۲۳: ایضًا

سبع سیارہ کا بیان کس آیت میں ہے:

الجواب:

قال اللہ تعالٰی "وَالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوۡمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمۡرِهٖ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی فرماتا ہے: سورج، چاند اور ستارے سب اسی کے حکم کے فرمانبردار ہیں۔

اور "کُلٌّ فِیۡ فَلَکٍ"[2] سے بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اس میں سات حرف ہیں۔اپنے نفس پر دائر اور یزین کا بیان تو بکثرت فرمایا، خاص متحیرات خمسہ کا ذکر "فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿۱۶﴾"[3]۔ میں ہے، میں قسم یاد فرماتاہوں دُبک جانے والوں، چلنے والوں کی۔یہ انکے وقوف، استقامت ورجعت کا بیان ہے کہ سیدھے چلتے ہیں، پھر ٹھہر جاتے ہیں، پھر پیچھے ہٹتے ہیں، پھر ٹھہرتے ہیں، پھر سیدھے ہوجاتے ہیں۔اس لئے ان کو متحیرہ کہتے ہیں۔ابن ابی حاتم تفسیر امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے فلااقسم بالخنس کی تفسیر میں راوی:

قال خمسۃ انجم زحل وعطارد والمشتری، وبھرام والزھرۃ لیس فی الکواکب شیئ یقطع المجرۃ غیرھا[4]۔	فرمایا: وہ پانچ ستارے ہیں: زحل، عطارد، مشتری، مریخ، زہرہ، کوئی ستارہ ان کے سوا کہکشاں کو قطع نہیں کرتا۔

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۲

[2] القرآن الکریم ۳۶/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۸۱/ ۱۵ و ۱۶

[4] الدرالمنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت آیۃ فلااقسم بالخنس داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۳۹۵

یعنی ثوابت میں جو کہکشاں پر ہیں وہ وہیں ہیں جو اس کے ادھر اُدھر ہیں، وہ وہیں ہیں ان کی حرکت طبیعہ خفیفہ خفیہ ایسی نہیں کہ ابھی کہکشاں سے ادھر تھے چند ہی مدت میں اس پار چلے گئے۔ یہ شان انہیں پانچ نجوم کی ہے۔ **واللہ اعلم**

مسئلہ ۲۴: از میرٹھ لال کُرتی بازار مرسلہ جناب حاجی شیخ علاء الدین صاحب ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۰ھ

قاعدہ استخراج تقویمات کواکب از المینک

کوکب مطلوب کے صفحات میں سے ماہ مطلوبہ کے مقابل کے خانہ اپیرینٹ رایٹ اسینشن یعنی مطالع استواء سے رقم گھنٹہ منٹ سیکنڈ لے کر اس کی تحویل اجزائے محیط میں بموجب جدول پنجم کی دوسرے حصے کے کرلیں بعد تحویل کے جدول نمبر دوم یعنی جدول مطالع البروج بخط الاستواء المبتدائن اول الحمل میں دے کر مطالع کی تحویل میں طوالع میں کرلیں جو حاصل ہوگا وہ درجہ تقویمی کوکب یعنی منطقۃ البروج ہوگا۔ اب اگر اس تقویم بروج یونانیہ کو ہندی بروج کی تقویم میں تحویل کرنا ہو تو یونانی تقویم میں سے ۲۲ درجہ ۱۰ دقیقہ گھٹادو حقیقی تقویم حاصل ہوجائیگی یعنی مشاہدہ جس برج پر اور جس درجہ میں وہ کوکب ہوگا وہ درجہ ان کا آئے گا اور یہ وہ فرق ہے جو نقطہ حمل کے اپنے مرکز اصلی کے ہٹ جانے سے پیدا ہوگیا ہے۔

الجواب:

یہ قاعدہ محض باطل ہے۔ واضع نے جزء عاشر کو جزء تقویمی سمجھ لیا۔ اس عمل سے فلک البروج کا وہ جز حاصل ہوگا کہ ہنگام طلوع کوکب دائرہ نصف النہار پر ہو، یہ عاشر ہے نہ کہ تقویم۔ فقیر غفرلہ نے المنک سے تقویمات کواکب نکالنے کے چار طریق رکھے ہیں، نیز اس سے استخراج طالع وقت کے چار طریق اور ان کے بیان میں رسالہ **مسفر المطالع للتقویم والطالع** لکھا اس کے طریق سوم کا سب میں پہلا ابتدائی خفیف عمل یہ ہے جس کا نام واضع نے "**قاعدہ استخراج تقویم**" رکھا، ہم اس مقام سے اپنے رسالہ کے چند سطور نقل کریں کہ حال واضح ہو۔

طریق سوم استعلام تقویم کوکب از مطالع ممرد میل او **اقول: (ا)** ساعات مطالع ممرادرنہ زدہ در جدول مطالع استوائیہ مقوس کنند تاعاشر بدست آید۔ (واضع صاحب کا قاعدہ یہیں ختم ہوگیا، اس کے بعد ملاحظہ ہو کیا کیا درکار ہے کہ تقویم	تیسرا طریقہ ستاروں کی گزرگارہ اور اس کے میل سے تقویم کوکب (ستارے کے حال) کے معلوم کرنے کا ہے۔ **میں کہتا ہوں: (ا)** گزرگاہ کے مطالع کی ساعتوں کو نو (۹) سے ضرب دے کر مطالع استوائیہ کے جدول (نقشے) میں تقوایس (جیب کے

حاصل ہو) (۲) میلش برآرند (۳) پس اگر موافق الجہۃ باشد یا میل کوکب آنگاہ میل عاشر را برتمام میل کوکب افزایند ورنہ کاہند راگردر فزودن از صہ بیرون رود تمامش تاقف گیرند ارتفاع عاشر باشد (۴) ظل تمامش گرفتہ منحط گردہ محفوظ دارند (۵) یازیر مطالع ممر محلوم ربع در فزودہ مجموع رادرج سوا اعتبار کردہ جیب بعدش از اعتدال اقرب گیرند (۶) ایں جیب رادرجیب میلی کلی منحط زدہ حاصل رادر محفوظ زنند ظل تعدیل طالع بدست آید (۷) درجدول ظل مقوس کنند کہ تعدیل است (۸) لیس ہماں درج سواز امر مطالع استوائیہ گیرند (۹) باز نظر کنند کہ میل کوکب شمالی ست یا جنوبی بحال شمالیت اگر عاشر درنصف جدوی اعنی از اول جدی تا آخر جوزا باشد تعدیل رابریں مطالع استوائیہ افزایند مگر میل عاشر درربع اول منطقہ از یداز میل کوکب باشد واگر درنصف سرطانی اعنی از اول سرطانی تاآخر قوس بود تعدیل رااز مطالع مذکورہ کاہند مگر انکہ عاشر زائد المیل در ربع دوم منطقہ بود بحال جنوبیت اگر عاشر درنصف سرطانی است تعدیل افزایند مگرانکہ زائد المیل درربع سوم باشد واگر درمنطقہ بود بحال نصف جدوی ست۔ کاہند مگرآنکہ بازیادت میل درربع باشد (۱۰) عمل معلوم حسب حاجت کنند کہ تقویم است۔

مقابل آنے والی تقویس یعنی دائرے کے حصے کا معلوم) کریں تاکہ عاشر (دسواں حصہ) ہاتھ آئے (واضع صاحب کا قاعدہ یہیں ختم ہوا) اس کے بعد ملاحظہ ہوکیا درکار ہے کہ تقویم حاصل ہو (۲) اس کا میل نکالیں (دائرہ معدّل النہار سے آفتاب کی دوری کو میل اوردوسرے ستاروں کی دوری کو بُعد کہتے ہیں، اس عبارت میں ستارے کی دوری کو بھی میل کہا گیا ہے) (۳) پھر اگر میل، جہت میں موافق ہو میل کواکب کے تو اس وقت میل عاشر کو تمام میل کوکب پر بڑھائیں گے اور اگر جہت میں موافق نہ ہو تو کم کردینگے، اگر زیادہ کرنے کی صورت میں صہ (ساٹھ درجوں سے زائد ہو تو تمام میل قف (ایک سو اسی ۱۸۰ درجے) تک لیں، یہ عاشر کا ارتفاع ہوگا۔ (۴) اس کا ظل تمام لے کر کم کریں اور باقی محفوظ کرلیں۔ (۵) پھر گزرگاہ کے مطلع پر چوتھائی حصے کو زائد کرکے مجموع کا اعتبار کرکے اس کے بعد کا جیب اعتدال سے قریب لیں۔ (۶) اس جیب کو میل کل سے کم کرکے محفوظ میں ضرب دیں ظل تعدیل طالع حاصل ہوجائے گا۔ (۷) ظل کے جدول میں اس کی تقویس کریں کہ تعدیل ہے۔ (۸) پس اسی مجموع کو مطالع استوائیہ سے لیں (۹) پھر دیکھیں کہ ستارے کا میل شمالی ہے یا جنوبی، اگر شمالی ہے اور عاشر نصف جدوی یعنی برج جدی کی ابتداء سے جوزاء کے آخر تک ہے تو تعدیل کو ان مطالع استوائیہ پر زیادہ کریں گے، مگر اس صورت میں کہ عاشر کا میل منطقہ کے ربع اول میں میل کوکب سے زیادہ ہو

	اور اگر نصف سرطانی یعنی برج سرطان کی ابتداء سے لے کر برج قوس کے آخر تک ہو تو تعدیل کو مطالع مذکورہ سے کم کردیں گے مگر اس صورت میں کہ عاشر کا میل منطقہ کے ربع دوم میں زیادہ ہو میل کوکب سے اور اگر ستارے کا میل جنوبی ہے اگر عاشر نصف سرطانی میں ہے تو تعدیل کو زیادہ کریں گے مگر اس صورت میں کہ عاشر کا میل کوکب کے میل سے زیادہ ہو۔ اور اگر نصف جدوی میں ہو تو تعدیل کو مطالع مذکورہ سے کم کردیں گے، مگر اس صورت میں کہ عاشر کا میل کوکب کے میل سے زیادہ ہو۔ اور اگر نصف جدوی میں ہو تو تعدیل کو مطالع مذکورہ سے کم کردیں گے، مگر اس صورت میں کہ میل زیادہ ہو اور ربع میں ہو (۱۰) عمل معلوم حاجت کے مطابق کریں کہ یہی تقویم ہے۔ (ت)

زیج بہادر خانی سے مطالع استوائیہ کا ایک جدول بعینہٖ نقل کردیا ہے۔ ہم نے اپنے محاسبہ خاصہ سے اس کی تجدید کی ہے، تاہم یہ بھی تقریب کو کافی ہے۔ بروج یونانیہ وہندیہ میں ۱۰۲۲ا کا فرق بشدت غلط ہے بلکہ اسی سال کے آغاز یعنی یکم محرم ۱۳۳۰ھ کو مالثٰ م م لومہ فرق تھا یعنی ؐ۷ ۳ ۴۰ ؍۴ ؍۲۲ سے کچھ زائد اور روزانہ ترقی پر ہے۔ یہاں تک دنیا باقی رہی تو رجب ۱۷۹۲ھ میں پورے ایک برج کا تفاوت ہوجائے گا اس الثور سے ہندی بیکھ کی شنکرانت ہوگی۔ اس ہندی حساب کو حقیقی تقویم کہنا ٹھیک نہیں۔ حقیقی تقویم یہی ہے جو محل تقاطع سے ہے، اسی سے حساب فصول ہے، اسی سے حساب کمی بیشی روزوشب ہے، اسی سے حساب مطالع ہے، اسی سے حساب طلوع غروب وسائر اوقات ہے، ہندی تقویم تقویم صوری ہے کہ صورت پرستوں نے صورت کواکب پر اس کی بنا رکھی ہے [1]۔ **واللہ تعالٰی اعلم**

مسئلہ ۲۵: از میرٹھ بازار لال کرتی مرسلہ شیخ علاؤالدین صاحب ۱۱ شوال مکرم ۱۳۳۰ھ

حامیِ سنت، ماحی بدعت، مخدومی و معظمی حضرت مولانا مولوی احمد رضا خان صاحب مدظلکم العالی، بعد تقدیم، ہدیہ سلام ومراسم نیاز مندی عرض ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب جنہوں نے قاعدہ استخراج تقویم کواکب از مطالع استوائیہ مرقومہ المینک کمترین کو بتایا تھا ان سے جب کمترین نے ان کے قاعدہ کی غلطی کا اظہار کیا اور جناب والا کی تحریر دکھائی اس سے اطمینان نہ ہوا اور جناب والا کی تحریر کا مفہوم ان کی سمجھ میں نہیں آیا، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قاعدہ بالکل ٹھیک ہے اور میں اپنی ولایتی ستارہ بیں مشاہدہ کواکب کو دکھا کر آپ کا اطمینان کراسکتا ہوں، چنانچہ کمترین نے ان سے وعدہ لیا ہے کہ بعد رمضان المبارک چند روز کے واسطے مع ستارہ بیں کے یہاں تشریف لاکر میرا اطمینان کردیں۔ لہٰذا امید

---

[1] مسفر المطالع للتقویم والطالع

کہ اس وقت تک رسالہ مسفر المطالع کے طبع کرنے میں توقف کیا جائے۔ زیادہ حدِ ادب!

الجواب:

اس قاعدہ تقویم کی نسبت گزارش ہے کہ:

(۱) ستارہ بین کے آنے پر کیوں محمول فرمایئے خود المینک ایک اعلیٰ ستارہ بین ہے۔ اس سے ملاحظہ کیجئے جس وقت اس نے دو کوکبوں کا قرآن لکھا ہے اگر ان میں ایک قمر ہے تو اس کی تقویم وقت قرآن کے لئے تعدیل مابین السطرین سے لیجئے اور دوسرے کی اس قاعدہ سے ملاحظہ ہو کر دونوں میں کتنا فرق آتا ہے؟

(۲) یہ بھی نہ سہی نہایت سہل امکان گزارش کروں قمر کی تقویم نصف النہار و نصف اللیل روزانہ مکتوب ہے اور ہر گھنٹے کے مطالع ممر بھی ان مطالع کو تحویل و تقویس کرکے دیکھ لیجئے کس قدر تفاوت پڑتا ہے مثلاً ایک مثال گزارش، اس سال اکتوبر ۱۲ بجے کے مطالع لکھے ہیں۔ ۵/ء ۶۵۴۵۵۵ث درجات ہیں اس کی تحویل ہوئی۔ تح تح نٹ بط جدول مطالع استوائی میں اس کے طوالع ہوئے ۳۸َ ۲ ۰۲ُ حالانکہ اس وقت تقویم قمر ہے ۲۸' ۱۰ نصف درجہ کا فرق ہوا کہ ہر گز مخفی نہیں اور کہیں اس سے بھی زائد آئے گا کہیں کم کہیں قریب تطابق۔ یہ عقم قاعدہ کی دلیل روشن ہے یہی حال ہر کوکب میں ہوگا مگر شمس اس میں حاجت نہیں کہ اس کی جس وقت کے مطالع ممر لکھے اسی وقت کی تقویم ضو بھی مکتوب ہے۔

(۳) اہل ہیئات جدیدہ سہولت کے کمال حریض ہیں حتی کہ اس کے لیے مساہلت گوارا کرتے ہیں جیسا کہ ان کے اعمال و حقائق اعدائی کے مطالع پر مخفی نہیں یہاں بھی جو قواعد برہانیہ کے فقیر نے استنباط کئے ایسے نہ تھے ان کی فکر وہاں تک پہنچتی مگر طول امل و کثرت عمل کے باعث ان سہل انگاروں نے ان سے گریز کرکے یہ آسان قاعدہ رکھا جو میں نے آپ سے یہاں گزارش کیا تھا۔ اسی کی خاطر روزانہ ہر کوکب کا طول بفرض مرکزیت شمس اور عرض بفرض مذکور اور لوگارثم بُعد کے خانے دیے اور اتنے اعمال گوارا کئے اگر وہ سہل سی بات کافی ہوتی تو کیا انکا سر پھرا تھا کہ تحقیق و تدقیق چھوڑ کر تطویل میں پڑتے۔

(۴) صرف دو خط افق و نصف النہار تو کیا کام دے سکتے ہیں ہاں ایسے آلات میں ارتفاع بنانے کو اور خطوط بھی ہوتے ہیں مگر مقنطرات دوائر عریضہ میں بون بعید ہے ہاں یہ کہ کوکب اول السمٰوٰت پر ہوا اور عرض اقلیم رویت منتقی وہ نادرہ ہے اور یہ بریلی و میرٹھ اور ان سے شمال میں آخر تک اور جنوب میں تقریباً ساڑھے تین سو میل تک عادۃً ناممکن ہے اگرچہ قدرت میں سب کچھ ہے۔

(۵) ایک قول فیصل عرض کروں، دو حال سے خالی نہیں، ستارہ بیں سے جو تقویم نظر آئی تقویم محسوب بقاعدہ مولوی صاحب سے مطابق ہو گی یا مخالف، اگر مخالف ہو جب تو صحت قاعدہ کا ثبوت ہی نہ ہوا، اور مطابق ہو تو اور الٹی غلطی، قاعدہ کا ثبوت ہو گیا کہ انکسار کدھر جائے گا اور اختلاف منظر کدھر جائے گا تقویم مرئی کبھی تقویم حقیقی کے مطابق نہیں ہوتی حتی کہ اس وقت بھی کہ کوکب دائرہ نصف النہار پر ہو مگر صرف اس حالتِ نادرہ میں کہ عین سمت الراس پر ہو۔

جناب نے طبع رسالہ ابھی ملتوی رکھنے کا فرمایا ہے وہ خود ملتوی ہے۔ ردّ وہابیہ خذلہم اللہ تعالٰی کے دس رسالے زیر طبع ہیں:

(۱) سلی الثبوت (۲) ایجاب النکیر (۳) سبحٰن السبوح (۴) مزق تلبیس (۵) الھیبۃ الجباریہ (۶) دامان باغ (۷) پیکان جانگداز (۸) القمع المبین (۹) تعالٰی السبوح (۱۰) تازہ عطیہ

پھر ان کے بعد ان شاء اللہ الکریم الدولۃ المکیہ، الفیوض الملکیہ، حاسم المفتری، القثم الخاصم، الکاری فی العادی والغادی، الجسم الثانوی، اشد الباس، ادخال السنان، اقامۃ الھوانۃ، نور الفرقان کی باری ہے۔ وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

وہابیہ کی خدمت گزاری سے فرصت ہو تو اور طرف توجہ ہو لیکن اگر یہ فرمان اس بناء پر ہے کہ شاید ستارہ بیں قواعد رسالہ کی غلطی ثابت کرے تو کس سے اطمینان فرمائیں، سوا اس قاعدہ کے جو میں نے جناب سے گزارش کیا اور معمول ہیأت جدیدہ ہے کہ تقریب قریب ہوتا ہے مگر تحقیق سے دقیقہ تک تفاوت لاتا ہے۔ قواعد کہ فقیر نے استنباط کئے مبرہن براہین ہندسیہ ہیں، اگر ان کے خلاف بتائے تو یقیناً آلہ غلط ہے نہ کہ براہین۔ بعض آلات خود ناقص ہوتے ہیں بعض کو بنانے والا غلط بناتا ہے، بعض وقت صحیح آلہ غلط لگایا جاتا ہے، بعض وقت مدلول آلہ کو لگانے والا غلط ادراک کرتا ہے، آلہ اپنے منتہائے کار کے بعد بھی حساب کا محتاج ہے اور حساب اکثر محتاج آلہ نہیں، آلہ کیسا ہی دقیق ہو دقیق حساب تک نہیں پہنچ سکتا، حساب ثوالی ثوالث بناتا ہے اور عام آلات صرف درجات یا غایت درجہ انصاف درجہ اگر دقائق بتائے تو اعجوبہ دہر ہے مگر ثوالی ضرور نا متصور۔ آخر یہ تو قاعدہ کے متعلق سمع خراشی تھی اتنا فقیر کو مامول کہ اس ستارہ بیں کی قیمت اور جائے وجہ ان سے مطلع کیا جاؤں۔ جناب فرماتے ہیں بہت بیش قیمت ہے تو میں کہا پاسکوں، مولوی صاحب نے کہاں سے حاصل فرمائی، کس طرح ملی، جب ایسی بیش قیمت ہے تو زحل کے حلقے مشتری کے چاروں قمر جو لود سلطا وغیرہما کواکب جدیدہ بھی دکھاتی ہو گی۔ والسلام مع الاکرام

مسئلہ ۲۶: از میرٹھ محل مذکور ۱۲ شوال ۱۳۳۰

حامیِ دین متین، ناصر شرع مبین مد ظلکم العالی۔ بعد تقویم ہدیہ سلام و مراسم نیاز مندی مطالع استوائیہ کواکب جو المنک میں مرقوم ہیں وہ صحیح اور حقیقی مطالع ہیں یا نہیں، اور باعتبار مرکز زمین استخراج کئے گئے ہیں یا نہیں؟ امید کہ جواب سے جلد سرفراز بخشی جائے، نہایت مشکور امر باعث ہوگا۔ زیادہ نیاز۔ عریضہ کمترین علاؤالدین۔

الجواب:

رئیس دین پرور دامت محالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ المنک میں جو مطالع ممر شمس و قمر وہر کوکب کے لے ہیں سب بلحاظ مرکز زمین حقیقی اور بقدر کافی تحقیق و صحیح ہیں مگر ان سے طوالع حاصل کرنا شمس میں ہمیشہ تقویم سے مطابقت لائے گا اور دیگر کواکب میں نادر، اکثر اختلاف دے گا، جس کی مقدار نصف درجہ سے بھی زائد تک ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ یہ مطالع حقیقۃً مطالع اجزاء منطقۃ البروج ہیں کہ انہیں کے میل وبعد عن الاعتدال الاقرب سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ شمس دائمًا ملازم منطقہ ہے تو اس کی تقویم ہمیشہ نفس منطقہ پر ہوتی ہے اور وہی طوالع مطالع ہیں۔ بخلاف دیگر کواکب کے کہ اپنے تمام دورہ میں صرف دو بار منطقہ پر آتے ہیں جب کہ اپنے راس وذنب پر ہوں یا متحیرات کے باعث دوچار بار اور اسی وقت تقویسی مطالع ان کی تقویم ٹھیک بتائے گی یا اس وقت کہ کوکب مارہ بالا قطاب الاربعہ پر ہو کہ اب میلیہ وعریضہ متحد ہوجائیں گے باقی اوقات اختلاف دے گی۔ والسلام

مسئلہ ۲۷: از میرٹھ مرسلہ حاجی صاحب مذکور ۳۰ شوال ۱۳۳۰ھ

کمترین کو فی الحال بعد ملاقات مولوی عبداللہ صاحب کے بیشک یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اس ستارہ بین کے مشاہدے سے مولوی صاحب ممدوح کے قاعدہ کی تصدیق ہوجائے گی تو اس صورت میں رسالہ معلومہ کے قاعدہ میں کچھ سہو سمجھنا پڑے گا مگر چونکہ حضور والا کی تحریر سے معلوم ہوگیا کہ رصدی آلہ کے مشاہدات سے براہین ہندسیہ کی تردید نہیں ہوسکتی لہذا ایسی صورت میں ستارہ بین کے مشاہدات سے استدلال ہی فضول ہے۔ قبل ازیں کمترین کو یہ گمان تھا کہ آلہ و صدر کے مشاہدات سے جو بات ثابت ہوئی اس میں غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے کمترین نے رسالہ مسفر المطالع کے متعلق التوا کی درخواست کی تھی مگر اب چونکہ حقیقت اس کے خلاف نکلی لہذا اس کے طبع کرانے میں التوا کی ہرگز ضرورت نہیں ہے صرف ایک بات دریافت طلب رہ گئی ہے کہ تقویس مطالع کواکب سے جو تقدیم حاصل ہوتی ہے اس کا فرق تقویم اصلی سے زیادہ سے زیادہ کس قدر ہو سکتا ہے۔ یعنی ایک درجہ سے زیادہ فرق ہوسکتا ہے یا

نہیں؟امید کہ جواب سے سرفراز بخشی جائے۔ حضور کے دوسرے والانامہ سے یہ بالکل تحقیق ہوگئی کہ تقویس مطالع ممر سے دوسرے کواکب کی تقویم اصلی سوائے چند خاص نادر موقعوں کے نہیں نکل سکتی۔اس قدر سمع خراشی اور تکلیف دہی کی جوان تحریرات وغیرہ میں حضور والا کو ہوئی نہایت ادب سے معافی چاہتاہوں۔ عریضہ کمترین علاء الدین عفی عنہ

الجواب:

ہاں ایک نہیں ڈیڑھ درجے سے بھی زائد غلطی دے گا۔مثال حاضر ۸ رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۱۲ء عطارد کے مطالع استوائی عینی مطالع ممر تھی ط ت نرما قوس میں ایک کی تحویل نُمط مالہ بہ جدول مطالع استوائی میں اس کی تقویس (ج ـــــ) یعنی برج اسد (۲ً ۵۲ َ ۱۲ ۷ ُ ۲) یہ تو وہ قاعدہ ہوا۔اب اصل قاعدہ سے چلئے تقویم عطارد بمرکز شمس (۹ ً ۳ َ ۹ ۱ ُ ۲۹ ۳) تقویم شمس (۲ ً ۴۲ َ ۵۹ ۸ ۴۸ ُ ۱) نظیر ش (۲ ً ۴۲ ۵۹ َ = ۲۸ ُ ۳) تقویم کب۔ نظیر تقویم شمس = (۷ ً ۵ َ ۹ ۱) زاویۃ الشّمس نصفہا ۵۹ ً ۹ َ ☆ ۹ ُ_ ۵۹ ً ۹ َ = ۱ ۵ ُ ۹ ۸ محفوظ ظلہ ۲۷ ۷ ۵۳۶۲ء عرض عطارد بمرکزیت شمس ۱ ۵ َ ۶ نماز ۹ َ ۳ ُ ۸ جیبہ ۹۹۶۸۸۸۸ء ۹ + لوبعد عطارد ۵۹۵۷۵۵۵ء ۹ = ۵۹۲۶۴۴۳ ۳ء ۹ مفروق ازبعد شمس ۰۰۴۸۱۵۹ء ۱۰ = ۴۱۲۱۷۱۶ء ۱۰ قوسہ فی جدول الظل ۵۔۶۸۔۴۵ = ۵۰۔۲۳ ظلہا ۶۴۵۱۷۴۳ ۳ء ۹ + ظل محفوظ ۸۱۴۴۷۰ ۷ء ۱۲ قوسہ فی الظل ۷۔۳۔۸۹: محفوظ۔۷۔۳۔۸۹ = ۱۳ زاویۃ الارض: تقویم شمس ۱۳۔۲۔۴۲۔۴۶۔۸۔۱۴۸ یعنی اسد کے ۲۔۴۲۔۴۶۔۲۸ ملاحظہ ہو کہ واقع میں تقویم پونے انتیس درجہ میں بھی زائد تھی اوراس قاعدہ نے ستائیس درجے سے بھی کم بتائی۔

والسلام مع الکرام فقیر غفرلہ ازبریلی شوال المکرم ۱۳۳۰ ہجریہ

مسئلہ ۲۸: از شہر بہار یپور مرسلہ نواب سلطان احمد خان صاحب ۷ شوال ۱۳۲۶ھ

آج کل تیسرے درجہ کا سنبلہ کس وقت طالع ہوتاہے؟

الجواب:

آج کل درجہ سوم سنبلہ کا طلوع صبح کے آٹھ بجے کے بعد اس تفصیل سے ہے:

یوم	تاریخ قمری	تاریخ شمسی	وقت طلوع			انتہائے طلوع		
			گھنٹہ	منٹ	سکنڈ	گھنٹہ	منٹ	سکنڈ
پنجشنبہ	۸ شوال ۱۳۳۶ھ	۱۸ جولائی ۱۸۶۰ء	۸	۲۸	۴۷	۸	۲۳	۲۳
جمعہ	۹	۱۹	۸	۲۴	۵۱	۸	۲۹	۲۷
شنبہ	۱۰	۲۰	۸	۲۰	۵۵	۸	۲۵	۳۱

وقت ریلوے دیا ہے جو آجکل گھڑیوں میں رائج ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹: مسئولہ نواب امیر احمد خان صاحب ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

حضور عالی! جدول تحویل تاریخ عیسوی بہ ہجری میں میرے پاس مقابل چھ سو سال کے اہانب لہ ہے۔ حضور نے اہانب ل لکھا ہے کیا اس جدول میں تبدیلی کی گئی ہے تو مجھ کو از سر نو نقل لینی ہوگی؟

الجواب:

اہانب ل ہی ہے صحیح و بجا۔ یہ نب لہ کسی ابلہ نے لکھوادیا، اس جدول میں ترمیم کا ضرور خیال ہے مگر ابھی ہوئی نہیں، وہ ترمیم اسے بالکل کایا پلٹ کردے گی حتی کہ مداخل شہور وسنین بھی بدل جائیں گے اور وہی صحیح واصح ہوں گے، اس وقت نہ یہ اہانب ل ہوگا نہ نب لہ کچھ اور ہی ہوگا۔ غالبًا اہانب الہ ہو، فقط

مسئلہ ۳۰: از نسواہ قادریہ جونیر مدرسہ ضلع چاٹگام مرسلہ مولوی جمال الدین صاحب ۲۷ رمضان ۱۳۳۸ھ

وقت نماز وصوم از گھری معین نمودن قطع نظر از آفتاب و ماہتاب آیا جائز شود یا چنانچہ بعض دیوبندی قائل آنست بر تقدیر عدم جائز چہ دلیل عقلًا ونقلًا باید و موجد گھڑی کیست و کدام وقت ایجادش گردید وچرا ائمہ از وے وقت صوم وصلوٰۃ مقرر نہ نمودند۔	نماز وروزہ کا وقت گھڑی سے معین کرنا سورج اور چاند سے قطع نظر کرتے ہوئے جائز ہے یا نہیں؟ بعض دیوبندی اس کے قائل ہیں، ناجائز ہونے کی صورت میں اس پر کون سی عقلی و نقلی دلیل ہوگی، گھڑی کا موجد کون ہے اور کون سے زمانے میں ایجاد ہوئی، اور ائمہ کرام نے اس کے ساتھ نماز اور روزے کا وقت کیوں مقرر نہیں فرمایا۔ (ت)

الجواب:

موجد آلہ ساعت مردے از منجمان زمانہ ہارون رشید راگفتہ اند واللہ اعلم بہ فاما تازمانہ ائمہ بَلکہ تاچند صد سال پیش از زمان مارواجش نبود واعتماد بروآنکس راکہ علم توقیت نداند حرام ست، ہمچناں بریک آلہ ساعت اعتماد نشاید کہ	گھڑی کا موجد ہارون الرشید کے زمانے کا ایک نجومی مرد بتایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ائمہ کرام کے زمانے میں بَلکہ ہمارے زمانے سے چند سو سال پہلے تک اس کا رواج نہ تھا۔ علم توقیت نہ جانے والے شخص کے لئے اس

دفعۃً خود بخود پیش وپس می شود آرے ہر کہ علم توقیت داندہ آلہ ساعت رامحافظت تواند بروکاریستواں کرد کما افادہ فی الدر المختار دیوبندیاں خود از توقیت ہمچناں بیگانہ اند کہ از دین و اعتماد بر فتوائے آنہا حرام تراز آنست کہ بر ساعت بے تمکین۔ واللہ تعالٰی اعلم	آلہ پر اعتماد کرنا حرام ہے۔اسی طرح صرف ایک گھڑی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے کہ بعض اوقات خود بخود آگے پیچھے ہوجاتی ہے۔ہاں جو شخص علم توقیت جانتا ہے اور گھڑی کی حفاظت کر سکتا ہے وہ اس پر عمل کرسکتا ہے جیسا کہ درمختار میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔دیوبندی تو خود علم توقیت سے اسی طرح ناآشنا ہیں جیسے دین سے۔ان کے فتوے پر اعتماد کرنا گھڑی جیسے بے اعتبار آلہ پر اعتماد کرنے سے بڑھ کر حرام ہے۔واللہ تعالٰی اعلم (ت)

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

سیرت وفضائل وخصائص سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ ۳۱: از مقام گنڈارہ تحصیل گنج ضلع بہرائچ مرسلہ عبداللہ میاں جی صاحب معرفت سید سلطان احمد صاحب ۱۰رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت کی خبر جب ثویبہ جاریہ ابی لہب نے ابو لہب کو سنائی اس وقت ابولہب نے خوش ہو کر ثویبہ کو آزاد کردیا پھر کئی دن تک ثویبہ نے حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دودھ پلایا، پھر ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد خواہ حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے یا اور کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا: کیاحال ہے تیرا؟ بولا: آگ میں ہوں لیکن تخفیف ہوتی ہے۔ ہر دوشنبہ کی رات اور چوستاہوں دوانگلیوں سے پانی، جن کے اشارے سے آزاد کیا تھا ثویبہ کو۔ یہ قصہ اکثر معتبرین سے سنا گیا ہے، اور علامہ جزری علیہ الرحمہ نے بھی اپنے رسالہ میلاد شریف میں اس کو لکھاہے اور اس کے بعد یہ لکھا ہے:

اذاکان ھٰذا ابولھب الکافر الذی نزل القراٰن بذمه جوزی فی النار بفرحه لیلة مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم به فما حال المسلم الموحد	جب یہ حال ابولہب جیسے کافر کا ہے جس کی مذمت میں قرآن نال ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت کی شب خوشی منانے کی وجہ سے اس کو بھی قبر میں بدلہ دیا گیا تو آپ کے موحد ومسلمان

من امته صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الٰی آخرہ[1]۔	امتی کا کیا حال ہوگا الخ۔(ت)

اس پر ایک شخص کہتا ہے کہ یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے جبکہ قرآن شریف میں اللہ جل شانہ خبر دیتا ہے ابولہب کی نسبت "مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ؕ﴿۲﴾ "[2] کہ نہ نفع دیا اس کو اس کے مال اور اس کے فعل نے۔ پس مال لونڈی اور فعل اس کا آزاد کرنا۔ ورنہ خواب خیال کی باتیں آیات قرآنیہ کے مقابل میں کیونکر صحیح ہوں گی، پس اس کی تطبیق کیونکر صحیح ہوگی۔ بیان فرمائیے۔

الجواب:

یہ روایت صحیح بخاری شریف میں ہے، ائمہ نے اسے مقبول رکھا اور اس میں قرآن عظیم کی اصلاً مخالفت نہیں۔ قطع نظر اس سے یہ اغنانہ ہوا اس کا سبب حضور پرنور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علاقہ۔ حضور کی ولادت کریمہ پر خوشی کہ یہ نہ اس کا مال ہے نہ اس کا کسب و فعل اختیاری۔ یہ تو کیا ایسا فائدہ ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علاقہ ابوطالب کو ایسا کام آیا کہ سراپا آگ میں غرق تھے۔ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پایاب آگ میں کھینچ لیا کہ اب صرف تلووں میں آگ ہے حالانکہ کفار کے حق میں اصل حکم یہ ہے کہ:

" لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ "[3]۔	نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے نہ کوئی ان کی مدد کرے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

نعم هو فی ضحضاح من نار ولو لا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار[4]۔ وفی روایة وجدته فی غمرات من النار	ہاں وہ تھوڑی سے آگ میں ہے، اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس کو جہنم کی

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۴۷

[2] القرآن الکریم ۱۱۱/ ۲

[3] القرآن الکریم ۱۶۲/ ۲

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵، صحیح البخاری کتاب الادب باب کنیة المشرك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱

فاخرجته الٰی ضحضاح[1]۔	گہرائیوں میں پایا تو اس کو تھوڑی سے آگ کی طرف نکال لیا۔

اسی طرح صحیحین میں ابوسعید خدری اور مسند بزار وابویعلی وابن عدی وتمام میں حضرت جابر بن عبداللہ اور معجم کبیر طبرانی میں ام المومنین ام سلمہ سے ہے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین امام عینی شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

فان قلت اعمال الکفرۃ ھباء منشور لافائدۃ فیھا، قلت ھذا النفع من برکۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وخصائصہ[2]۔	اگر تو کہے کہ کافروں کے اعمال تو بکھرے ہوئے غبار کے ذروں کی طرح ہوتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، تو میں کہوں گا یہ نفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت اور آپ کے خصائص سے ہے۔(ت)

امام ابن حجر کی فتح الباری شرح بخاری میں ہے:

یؤید الخصوصیۃ انہ بعد ان امتنع شفع لہ حتی خفف عنہ العذاب بالنسبۃ لغیرہ[3]۔	اس خصوصیت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ایمان لانے سے انکار کے بعد بھی آپ نے اس کے لئے شفاعت کی یہاں تک کہ اس کے عذاب میں دوسروں کی بنسبت تخفیف کردی گئی۔(ت)

اسی طرح مجمع بحار الانوار وغیرہ میں ہے، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ نفع کافر کے عمل سے نہ ہوا بلکہ حضور رحمۃ للعالمین کی برکت سے، اور یہ خصائص عُلیہ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲: از بارکپور، مرغی محال، مسجد حافظ محمد جعفر صاحب مرسلہ پیش امام صاحب ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیام مولود شریف فرض ہے یا واجب ہے یا سنت؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصۃ ابی طالب ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۷/ ۱۷

[3] فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص مصطفی البابی مصر ۱۰/ ۱۲۳

عمرو کہتا ہے کہ قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہونا چاہیے اور زید کہتا ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر ہونا چاہیے، تو بتلایئے کہ کس کی بات سچ ہے؟

الجواب:

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بہتر ہے جیسا کہ حاضری روضہ انور کے وقت حکم ہے۔ فتاوی عالمگیری میں ہے: **یقف کما یقف فی الصلاۃ**[1] ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ (ت) اسی طرح لباب و شرح لباب و اختیار شرح مختار وغیرہا کتب معتبرہ میں ہے ________ قیام مجلس مبارک مستحب ہے اور مجلس کھڑی ہو تو سنت، اور ترک میں فتنہ یا الزام وہابیت ہو تو واجب **کما فی ردالمحتار فی قیام الناس بعضھم لبعض۔** (جیسا کہ ردالمحتار میں بعض لوگوں کے بعض کی خاطر کھڑے ہونے کے بارے میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب المناسک مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۶۵

رسالہ

تجلی الیقین بانّ نبیّنا سید المرسلین ۱۳۰۵ھ

(یقین کا اظہار اس بات کے ساتھ کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار ہیں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۳: از مونگیر لعل دروازہ معرفت حضرت مرزا غلام قادر بیگ غرہ شوال ۱۳۰۵ھ

حضرت اقدس دام ظلہم! یہاں وہابیہ نے ایک تازہ شگوفہ اظہار کیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے افضل المرسلین ہونے سے انکار کیا۔ ہر چند کہا گیا کہ مسئلہ واضح ہے، مسلمانوں کا ہر بچہ جانتا ہے، مگر کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے دلیل لاؤ۔ یہاں کوشش کی، قرآن وحدیث میں دلیل نہ پائی، لہٰذا مسئلہ حاضر خدمتِ والا ہے، امید ہے کہ بہ ثبوت آیات واحادیث مسلمانوں کو ممنون فرمائیں گے، فقط

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدللہ الذی ارسل رسولہ بالھدٰی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہٖ ط ولو کرہ المشرکون	سب خوبیاں اسے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور پڑے بُرا مانیں مشرک۔ بڑی

تبارك الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا اوالی اقوامھم خاصۃ ارسل المرسلون ھوالذی ارسل نبینا رحمۃ للعٰلمین فادخل تحت ذیل رحمۃ الانبیآء والمرسلین، والملئکۃ المقربین وخلق اللہ اجمعین، وجعلہ خاتم النبیین فنسخ الادیان ولا ینسخ لہ دین، وادخل فی امتہ جمیع المرسلین اذ اخذ اللہ میثاق النبیین، سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلًا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الی السمٰوٰت العلٰی الی العرش الاعلٰی، ثم دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی، فاوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی ما کذب الفؤاد مارأی افتمٰرونہ علی مایرٰی ولقد راٰہ نزلۃ اُخرٰی، مازاغ البصر وماطغٰی وان الٰی ربك المنتھٰی وان علیہ النشأۃ الاخرٰی یوم لایجد ون شفیعًا الا المصطفٰی فلہ الفضل فی الاولٰی والاخرٰی، والغایۃ القصوٰی والوسیلۃ العظمٰی والشفاعۃ الکبرٰی	برکت والا ہے وہ جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا کہ وہ سارے جہان کو ڈرسنانے والا ہو۔ اورسب رسول خاص اپنی ہی قوموں کی طرف بھیجے گئے۔ اس نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سارے جہان کے لیے رحمت بھیجا، تو ان کے دامنِ رحمت کے نیچے انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین اور تمام مخلوقِ الٰہی کو داخل فرمایا، اوران کو سب نبیوں کا خاتم کیا، تو انھوں نے اور دین نسخ فرمائے، اوران کے دین کا کوئی حرف منسوخ نہ ہوگا۔ اللہ نے ان کی امت میں تمام رسولوں کو داخل کیا، جبکہ خدا نے پیغمبروں سے عہد لیا۔ پاکی ہے اسے جو راتوں رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے لے گیا مسجد اقصٰی تک بُلند آسمانوں تک عرش اعلٰی تک، پھر نزدیک ہوا تو تجلی فرمائی، تو دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا۔ پس اپنے بندے کو وحی کی، دل نے جو دیکھا اس میں شک نہ کیا تو کیا تم ان کے دیدار میں جھگڑتے ہو۔ اور قسم ہے بے شک انھوں نے اسے دوبارہ دیکھا۔ آنکھ بیجا نہ چلی اورنہ حد سے بڑھی۔ اور بے شک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔ اور بے شک اسے سب کو دوبارہ پیدا کرنا ضرور ہے جس دن کوئی شفیع نہ پائیں گے سوائے مصطفٰی کے، تو دنیا اور آخرت میں انہیں کیلئے فضیلت ہے اورسب سے پرلے سرے کی نہایت اورسب سے بڑا وسیلہ اورسب سے

والمقام المحمود والحوض المورود ومالا یحصٰی من الصفات العلٰی والدرجات العلیاء فصلی اللہ تعالٰی و سلم وبارك علیه وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ وکل منتم الیه دآئما ابدًا کما یحب ویرضٰی ھو وربه العلی الاعلٰی۔	اعظم شفاعت اور وہ مقام جس میں سب اگلے پچھلے ان کی حمد کریں اور وہ حوض جس پر تشنگان امت آکر سیراب ہوں گے اور بے گنتی بُلند صفتیں اور سب سے اونچے درجے، تو اللہ تعالٰی درود وبرکت اتارے ان پر اور ان کے آل واصحاب اور ہر ان کے نام لیوا پر ہمیشہ ہمیشہ جیسی انہیں اور ان کے بُلند وبالاتر رب کو پسند ومحبوب ہے۔

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا افضل المرسلین وسید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی، یقینی، اذعانی، اجماعی، ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کرے گا مگر گمراہ بددین بندہ شیاطین والعیاذ باللہ رب العٰلمین کلمہ پڑھ کر اس میں شک عجیب ہے، آج نہ کھلا تو کل قریب ہے، جس دن تمام مخلوق کو جمع فرمائیں گے، سارے مجمع کا دولھا حضور کو بنائیں گے، انبیائے جلیل تا حضرت خلیل سب حضور ہی کے نیاز مند ہوں گے، موافق ومخالف کی حاجتوں کے ہاتھ انہیں کی جانب بُلند ہوں گے، انہیں کا کلمہ پڑھا جاتا ہوگا، انہیں کی حمد کا ڈنکا بجتا ہوگا، جو آج بیاں ہے کل عیاں ہے، اس دن جو مومن ومقر ہیں نور بار عشرتوں سے شادیاں رچائیں گے، "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا" [1] (سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی۔ت) اور جو مبطل ومنکر ہیں دلفگار حسرتوں سے ہاتھ چبائیں گے،

"یٰلَیۡتَنَاۤ اَطَعۡنَا اللّٰہَ وَ اَطَعۡنَا الرَّسُوۡلَا ﴿۶۶﴾" [2]۔	ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔
اللھم اجعلنا من المھتدین ولاتجعلنا فتنة للقوم الظٰلمین۔	اے اللہ! ہم کو ہدایت پانے والوں میں سے بنادے اور ہمیں ظالموں کے لئے آزمائش نہ بنا۔(ت)

گروہ معتزلہ کہ ملائکہ کرام کو حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے افضل مانتے ہیں وہ بھی حضور

[1] القرآن الکریم ۷ /۴۳

[2] القران الکریم ۳۳ /۶۶

سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم وعلیٰ آلہ اجمعین کو بالیقین مخصوص ومستثنیٰ جانتے ہیں۔انکے نزدیک بھی حضور پرنورانبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین وخلق اللہ اجمعین سب سے افضل واعلیٰ وبُلند وبالا علیہ صلوٰۃ المولیٰ تعالیٰ۔کلماتِ علمائے کرام میں اس کی تصریح اور فقیر کے رسالہ ''اجلال جبریل بجعلہ خادما للمحبوب الجلیل''میں تحقیق وتوضیح۔

اما الزمخشری فقد سفه نفسه وتبع هواه وجهل مذهبه وتناهی فی الضلال حتی لم یعلم مشربه کما نبه علیه اهل التحقیق، والله سبحانه ولی التوفیق۔	رہا زمخشری، تو وہ دل کا احمق، اپنی نفسانی خواہش کا پیروکار، اپنے مذہب سے جاہل اور گمراہی میں انتہاء کو پہنچا ہوا ہے، یہاں تک کہ اس کے مشرب کا پتا نہیں جیسا کہ اہل تحقیق نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے۔اور اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ توفیق کا مالک ہے۔(ت)

فقیر کو جہاں ایسے صریح مسئلے پر طلب دلیل نے تعجب دیا وہاں اس کے ساتھ ہی طرز سوال کو دیکھ کر یہ شکر بھی کیا کہ الحمدللہ عقیدہ صحیح ہے، صرف اطمینان خاطر کو خواہش توضیح ہے، مگر اس لفظ نے بیشک حیرت بڑھائی کہ قرآن وحدیث میں دلیل نہ پائی۔سبحان اللہ مسئلہ ظاہر، دلیلیں وافر، آیتیں متکاثر، حدیثیں متواتر۔پھر سائل ذی علم ہو تو اطلاع نہ ملنے کی کیا صورت۔ اور جاہل بے علم ہو تو اپنے نہ پانے کی بیجا شکایت۔فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے مسئلہ تفضیل حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں دلائل جلائل قرآن وحدیث سے جو اکثر بحمداللہ استخراج فقیر ہیں نوے ۹۰ جز کے قریب ایک کتاب مسمّٰی بہ ''منتهی التفصیل لمبحث التفضیل'' لکھی جس کے طول کو مُمِلِّ خواطر سمجھ کر ''مطلع القمرین فی ابانة سبقة العمرین (۱۲۹۷ھ) میں اس کی تلخیص کی، پھر کہاں وہ بحث متناہی المقدار اور کہاں یہ بحر ناپیدا کنار، اللہ اللہ العظمۃ للہ ''

"وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ"[1]۔	اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو، اس کے پیچھے سات سمندر اور، تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں(ت)

بلامبالغہ اگر توفیق مساعد ہو اس عقیدے کی تحقیق مجلدات سے زائد ہو، مگر بقدر حاجت و

[1] القرآن الکریم ۳۱/ ۲۷

وقت فرصت، قلب مؤمن کی تسکین وتثبیت اور منکر بدباطن کی تحزین وتبکیت کو صرف دس آیتوں اور سوحدیثوں پر اقتصار مطلب اوراس معجز عجالہ مسمّٰی بہ ''قلائد نحور الحور من فرائد بحور النور'' کو بلحاظ تاریخ ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' سے ملقب کرتا ہے۔

وماتوفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ انیب، وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ وسراج افقہ واٰلہ وصحبہٖ و متبعیہ وحزبہ انہ سمیع قریب مجیب۔	اللہ تعالٰی کے بغیر میرے لیے کسی کی توفیق نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا اوراسی کی طرف رجوع لاتاہوں۔اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے اس پر جواس کی تمام مخلوق سے بہتر اوراس کے افق کا سراج ہے،اورآپ کی آل پر اورآپ کے اصحاب پر اوراس کے تمام پیروکاروں پر اوراس کی جماعت پر، بے شک وہ سننے والا، قریب، دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔(ت)

یہ قلائد فرائد دوہیکل پر مشتمل:

ہیکل اول: میں آیات جلیلہ۔

ہیکل دوم: میں احادیث جمیلہ۔یہ ہیکل نورافگن چار تابشوں سے روشن:

تابش اول: چند وحی ربانی علاوہ آیات کریمہ قرآنی۔

تابش دوم: ارشادات عالیہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین۔

اگر بعض کلمات انبیاء وملائکہ دیکھئے متبوع کی رکاب میں تابع سمجھئے۔

تابش سوم: محض وخالص طرق وروایات حدیث خصائص۔

تابش چہارم: صحابہ کرام کے آثار رائقہ،اقوال علمائے کتب سابقہ،بشرائے ہواتف رؤیائے صادقہ۔واللّٰہ سبحانہ ھو المعین و الحمدللّٰہ رب العالمین (اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی ہی مددگار ہے اور تمام خوبیاں اللہ کو جو تمام جہانوں کاپروردگار ہے۔ت) ان کے سوا اقوال علماء پر توجہ نہ کی کہ غرضِ اختصار کے منافی تھی۔جسے ان کے بعض پر اطلاع پسند آئے۔فقیر کے رسائل ''سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی'' و ''قمر التمام لنفی الظل عن سید الانام'' و ''اجلال جبریل بجعلہ خادمًا للمحبوب الجمیل'' کی طرف رجوع لائے۔واللّٰہ الھادی وولی الایّادی (اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا اور نعمتوں کامالک ہے۔ت)

ہیکل اوّل میں جواہر زواہر آیات قرآنیہ

آیت اولٰی: قال تبارك وتعالٰی: "وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ "[1]۔	**پہلی آیت:** اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا، اور یاد کراے محبوب! جب خدا نے عہد لیا پیغمبروں سے کہ جو میں تم کو کتاب و حکمت دوں، پھر تمہارے پاس آئے رسول تصدیق فرماتا اس کی جو تمہارے ساتھ ہے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا، اور بہت ضرور اس کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کیا تم نے اقرار کیا، اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا۔ سب انبیاء نے عرض کی کہ ہم ایمان لائے۔ فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ اب جو اس کے بعد پھرے گا تو وہی لوگ بے حکم ہیں۔

امام اجل ابو جعفر طبری وغیرہ محدثین اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولی المسلمین امیر المومنین جناب مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی:

لم یبعث اللہ نبیا من اٰدم فمن بعدہ الا اخذ علیہ العھد فی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لئن بعث و ھو حی لیؤمنن بہ ولینصرنّہ ویاخذ العھد بذٰلك علی قومہٖ[2]۔	یعنی اللہ تعالٰی نے آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے سب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا گیا کہ اگر یہ اس نبی کی زندگی میں مبعوث ہو تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد فرمائے اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے۔

[1] القرآن الکریم ۳/ ۸۱

[2] المواھب اللدنیۃ عن علی المقصد الاول اخذ العھد علی الانبیاء المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۲، جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیۃ ۳/ ۸۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۷

اسی طرح حبرالائمہ عالم القرآن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہوا، رواہ ابن جریر[1] وابن عساکر وغیرھما (اس کو ابن جریر اور ابن عساکر وغیرہ نے روایت کیا۔ت) بلکہ امام بدر زرکشی وحافظ عماد بن کثیر وامام الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسے صحیح بخاری عـــہ کی طرف نسبت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ونحوہ اخرج الامام ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن السدی کما اوردہ الامام الاجل السیوطی فی الخصائص الکبرٰی[2]۔	اور اس کی مثل امام ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں سدی سے روایت کیا جیسا کہ امام اجل سیوطی علیہ الرحمہ نے خصائص کبرٰی میں وارد کیا ہے۔(ت)

اس عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء نشر مناقب وذکر مناصب حضور سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین سے رطب اللسان رہتے اور اپنی پاک مبارک مجالس ومحافل ملائک منزل کو حضور کی یاد ومداح سے زینت دیتے، اور اپنی امتوں سے حضور پرنور پر ایمان لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ رساں کنواری بتول کا ستھرا بیٹا مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوات اللہ "مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ"[3] (اس رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے۔ت) کہتا تشریف لایا۔ اور جب سب ستارے روشن مہ پارے مکمنِ غیب میں گئے آفتاب عالمتاب ختمیت مآب نے باہزاراں ہزار جاہ وجلال طلوع اجلال فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین وبارك وسلم دھر الداھرین (اللہ تعالٰی آپ پر اور دیگر تمام رسولوں پر ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ت)

عـــہ: قال الزرقانی قال الشامی ولم اظفر بہ فیہ[4] ۱۲ منہ۔	زرقانی نے کہا: شامی نے فرمایا ہے کہ میں اس کو صحیح بخاری میں نہیں پاسکا۔ت)

[1] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت آیۃ ۳/ ۸۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۸۷

[2] الخصائص الکبرٰی باب خصوصیۃ باخذ المیثاق علی النبیین الخ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۸

[3] القرآن الکریم ۶۱/ ۶

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفہ بیروت ۱/ ۴۰

ابن عساکر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

لم یزل اللہ یتقدم فی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی اٰدم فمن بعدہ ولم تزل الامم تتباشربہ وتستفتح بہ حتی اخرجہ اللہ فی خیر امۃ، وفی خیر قرن وفی خیر اصحاب وفی خیر بلد [1]۔	ہمیشہ اللہ تعالٰی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں آدم اور ان کے بعد سب انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام سے پیشگوئی فرماتا رہا، اور قدیم سے سب امتیں تشریف آوری حضور کی خوشیاں مناتیں اور حضور کے توسل سے اپنے اعداء پر فتح مانگتی آئیں، یہاں تک کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو بہترین امم و بہترین قرون وبہترین اصحاب وبہترین بلاد میں ظاہر فرمایا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اوراس کی تصدیق قرآن عظیم میں ہے:

"وَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۚ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾ " [2]۔	یعنی اس نبی کے ظہور سے پہلے کافروں پر اس کے وسیلہ سے فتح چاہتے، پھر جب وہ جانا پہچانا ان کے پاس تشریف لایا منکر ہو بیٹھے تو خدا کی پھٹکار منکروں پر۔

علماء فرماتے ہیں: جب یہود مشرکوں سے لڑتے دعا کرتے:

اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی اٰخر الزمان الذی نجد صفتہ فی التوٰرۃ [3]۔	الٰہی! مدد دے ان پر صدقہ نبی آخر الزمان کا جس کی نعت ہم توارت میں پاتے ہیں۔

اس دعا کی برکت سے انہیں فتح دی جاتی۔

اسی پیمانِ الٰہی کا سبب ہے کہ حدیث میں آیا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن عساکر باب خصوصیت باخذ المیثاق الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۸ و ۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۸۹

[3] الدر المنثور تحت الآیۃ ۲/ ۸۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۱۹۶

نے فرمایا:

والذی نفسی بیدہٖ لو ان موسٰی کان حیًّا الیوم ماوسعہ الا ان یتبعنی۔ اخرجہ الامام احمد [1] والدارمی و البیہقی فی شعب الایمان عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما، ابو نعیم فی دلائل النبوۃ واللفظ لہ عن امیر المؤمنین [2]۔ عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آج اگر موسٰی دنیا میں ہوتے تو میری پیروی کے سوا ان کو گنجائش نہ ہوتی (اس کو امام احمد، دارمی اور شعب الایمان میں بیہقی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور ابو نعیم نے دلائل النبوۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور لفظ ابو نعیم کے ہیں۔ت)

اور یہی باعث ہے کہ جب آخر الزمان میں حضرت سیدنا عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے باآنکہ بدستور منصب رفیع نبوت ورسالت پر ہوں گے، حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے امتی بن کر رہیں گے، حضور ہی کی شریعت پر عمل کریں گے، حضور کے ایک امتی ونائب یعنی امام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم وامامکم منکم۔ اخرجہ الشیخان [3] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیسا حال ہوگا تمہارا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا (اس کو شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور اس عہد واثق کی پوری تائید وتوکید حق عزجلالہ نے توریت مقدس میں فرمائی جس کی بعض آیتیں ان شاء اللہ تابش اول ہیکل دوم میں مذکور ہوں گی۔

امام علامہ تقی الملۃ والدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس آیت کی

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۳۸۷

[2] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الاول عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص ۸

[3] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسٰی بن مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۴۹۰، صحیح مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسٰی بن مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۸۷

تفسیر میں ایک نفیس رسالہ ''التعظیم والمنۃ فی لتؤمنن بہ ولتنصرنہ''لکھا۔اوراس میں آیت مذکورہ سے ثابت فرمایا کہ ہمارے حضور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ سب انبیاء کے نبی ہیں،اور تمام انبیاء ومرسلین اوران کی امتیں سب حضور کے امتی۔ حضور کی نبوت ورسالت زمانہ سیدنا ابوالبشر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے،اور حضور کا ارشاد ''وکنت نبیاوآدم بین الروح والجسد''[1] (میں نبی تھا جبکہ آدم علیہ السلام روح وجسد کے درمیان تھے۔ت) اپنے معنی حقیقی پر ہے۔ اگرہمارے حضور حضرت آدم ونوح وابراہیم وموسٰی وعیسٰی صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم کے زمانہ میں ظہور فرماتے،ان پر فرض ہوتا کہ حضور پر ایمان لاتے اور حضور کے مددگار ہوتے۔اسی کا اللہ تعالٰی نے ان سے عہد لیا اور حضور کے نبی الانبیاء ہونے ہی کا باعث ہے کہ شب اسرا تمام انبیاء ومرسلین نے حضور کی اقتداء کی،اوراس کا پورا ظہور اروز نشور ہوگا جب حضور کے زیرِ لوا آدم ومن سوا کافہ رسل وانبیاء ہوں گے،صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔یہ رسالہ نہایت نفیس کلام پر مشتمل جسے امام جلال الدین نے خصائص کبری اور امام شہاب الدین قسطلانی نے مواہب لدنیہ اور ائمہ مابعد نے اپنی تصانیف منیعہ میں نقل کیا اور اسے نعمت عظمٰی ومواہب کبرٰی سمجھا من شاء التفصیل فلیرجع الی کلماتھم رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین (جو تفصیل چاہتا ہے وہ ان کے کلام کی طرف رجوع کرے ان سب پر اللہ تعالٰی کی رحمت ہو۔ت)
بالجملہ مسلمان بہ نگاہ ایمان اس آیہ کریمہ کے مفادات عظیمہ پر غور کرے،صاف صریح ارشاد فرمارہی ہے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اصل الاصول ہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسولوں کے رسول ہیں،امتیوں کو جو نسبت انبیاء ورسل سے ہے وہ نسبت انبیاء ورسل کو اس سید الکل سے ہے،امتیوں پر فرض کرتے ہیں رسولوں پر ایمان لاؤ،اور رسولوں سے عہد وپیمان لیتے ہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے گرویدگی فرماؤ۔غرض صاف صاف جتارہے ہیں کہ مقصود اصلی ایک وہی ہیں باقی تم سب تابع وطفیلی ع

مقصود ذات اوست دگر جُملگی طفیل
(مقصود ان کی ذات ہے باقی سب طفیلی ہیں۔ت)

[1] المستدرك للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۲ /۶۰۹،کنزالعمال بحوالہ ابن سعد حدیث ۳۱۹۱۷ ۳۲۱۱۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۰۹ و۴۵۰

آیہ لتؤمنن بہ ولتنصرنہ کے بعض لطائف:

اقول: وباللہ التوفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ کہتاہوں۔ت) پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس مضمون کو قرآن عظیم نے کس قدر مہتم بالشان ٹھہرایا اور طرح طرح سے مؤکد فرمایا۔

اوّلاً: انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء معصومین ہیں۔ زنہار حکم الٰہی کاخلاف ان سے محتمل نہیں۔ کافی تھا کہ رب تبارک وتعالٰی بطریق امر انہیں ارشاد فرماتا اگر وہ نبی تمہارے پاس آئے اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، مگر اس قدر پر اکتفاء نہ فرمایا بلکہ ان سے عہد وپیمان لیا، یہ عہد عہد "اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ؕ"[1] (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ت) کے بعد دوسرا پیمان تھا، جیسے کلمہ طیبہ میں لاالٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ت) کے ساتھ محمد رسول اللہ (محمد اللہ کے رسول ہیں۔ت) تاکہ ظاہر ہو کہ تمام ماسوائے اللہ پر پہلا فرض ربوبیت الٰہیہ کا اذعان ہے۔ پھر اس کے برابر رسالت محمدیہ پر ایمان، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارک وشرف وبجل وعظم۔

ثانیًا: اس عہد کو لامِ قسم سے مؤکد فرمایا:

"لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ"[2]۔	تم ضرور اس کی مدد کرنا اور ضرور اس پر ایمان لانا۔(ت)

جس طرح نوابوں سے بیعتِ سلاطین پر قسمیں لی جاتی ہیں۔ امام سبکی فرماتے ہیں: شاید سوگندِ بیعت اسی آیت سے ماخوذ ہوئی ہے۔

ثالثًا: نون تاکید۔

رابعًا: وہ بھی ثقیلہ لاکر ثقل تاکید کو اور دوبالا فرمایا۔

خامسًا: یہ کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء ابھی جواب نہ دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں: ءاقررتم کیا اس امر پر اقرار لاتے ہو؟ یعنی کمال تعجیل وتسجیل مقصود ہے۔

سادسًا: اس قدر پر بھی بس نہ فرمائی بلکہ ارشاد ہوا:

---

[1] القرآن الکریم ۷ /۱۷۲

[2] القرآن الکریم ۳ /۸۱

"وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ"[1]۔خالی اقرار ہی نہیں بلکہ اس پر میرا بھاری ذمہ لو۔

سابعًا: علیہ یا علٰی ھٰذا کی جگہ "عَلٰی ذٰلِکُمۡ"[2] فرمایا کہ بُعد اشارت عظمت ہو۔

ثامنًا: اور ترقی ہوئی کہ "فَاشۡهَدُوۡا"[3]۔ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ۔حالانکہ معاذ اللہ اقرار کرکے مکر جانا ان پاک مقدس جنابوں سے معقول نہ تھا۔**تاسعًا:** کمال یہ ہے کہ فقط ان کی گواہیوں پر بھی اکتفانہ ہوئی بلکہ ارشاد فرمایا:

"وَ اَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۱﴾"[4]۔میں خود بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔**عاشرًا:** سب سے زیادہ نہایت کار یہ ہے کہ اس قدر عظیم جلیل تاکیدوں کے بعد باآنکہ انبیاء کو عصمت عطا فرمائی، یہ سخت شدید تہدید بھی فرمادی گئی کہ

"فَمَنۡ تَوَلّٰى بَعۡدَ ذٰ لِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾"[5]۔	اب وجو اس اقرار کے بعد پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اللہ .اللہ ! یہ وہی اعتنائے تام واہتمام تمام ہے جو باری تعالٰی کو اپنی توحید کے بارے میں منظور ہوا کہ ملائکہ معصومین کے حق میں ارشاد کرتا ہے:

"وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰـهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾"[6]	جو ان میں سے کہے گا میں اللہ کے سوا معبود ہوں اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو۔

گویا اشارہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہمیں ایمان کے جزاول لا الٰہ الا اللہ کا اہتمام ہے یونہی جز دوم محمد رسول اللہ سے اعتنائے تام ہے، میں تمام جہان کا خدا کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے اور میرا محبوب سارے عالم کا رسول و مقتدا کہ انبیاء ومرسلین بھی اسکی بیعت وخدمت کے محیط دائرہ میں داخل ہوئے۔

والحمد للہ رب العٰلمین،وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید المرسلین محمد و	سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔اور اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے

[1] القرآن الکریم ۳ /۸۱

[2] القرآن الکریم ۳ /۸۱

[3] القرآن الکریم ۳ /۸۱

[4] القرآن الکریم ۳ /۸۱

[5] القرآن الکریم ۳ /۸۲

[6] القرآن الکریم ۲۱ /۲۹

اٰلہ وصحبہٖ اجمعین O اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریك لہ وان سیدنا محمدا عبدہ ورسولہ سید المرسلین وخاتم النبیین واکرم الاولین و الاٰخرین صلوات اللّٰہ وسلامہ علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین۔	رسولوں کے سردار محمد مصطفٰی پر، آپ کی آل پر اورآپ کے تمام صحابہ پر۔ میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں وہ واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اوریہ کہ ہمارے سردار محمد مصطفٰی اس کے خاص بندے اوراس کے رسول ہیں۔وہ تمام رسولوں کے سردار، تمام نبیوں میں آخری نبی اوراگلوں اورپچھلوں سے افضل ہیں۔اللہ تعالٰی کے درود وسلام ہوں ان پر، ان کی آل پر اوران کے تمام صحابہ پر۔(ت)

اس سے بڑھ کر حضور کی سیادت عامّہ وفضیلت تامّہ پر کون سے دلیل درکار ہے۔وللہ الحجۃ البالغۃ (اور اللہ کی حجت پوری ہے۔ت)

آیت ثانیہ: قال عز مجدہ: "وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝۱۰۷"[1]۔	**دوسری آیت:** اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے محبوب! ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

عالم ماسوائے اللہ کو کہتے ہیں جس میں انبیاء وملائکہ سب داخل ہیں۔تولاجَرم حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان سب پر رحمت ونعمت رب الارباب ہوئے، اوروہ سب حضور کی سرکار عالی مدار سے بہرہ مند وفیضیاب۔اسی لئے اولیائے کاملین وعلمائے عاملین تصریحیں فرماتے ہیں کہ ازل سے ابدتک ارض وسماء میں اولٰی وآخرت میں دین ودنیا میں روح وجسم میں چھوٹی یابڑی، بہت یا تھوڑی، جو نعمت ودولت کسی کو ملی یااب ملتی ہے یاآئندہ ملے گی سب حضور کی بارگاہ میں جہاں پناہ سے بٹی اوربٹتی ہے اورہمیشہ بٹے گی۔ کما بیّنّاہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالتنا سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی۔(جیسا کہ ہم نے اس کو اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے رسالہ ''سلطنت المصطفی فی ملکوت الورٰی ''میں بیان کیا ہے۔ت) امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ نے اس آیہ کریمہ کے تحت لکھا:

لماکان رحمۃ للعالمین لزم ان	جب حضور تمام عالم کے لیے رحمت ہیں واجب

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

یکون افضل من کل العلمین [1] ۔قلت وادعاء التخصیص خروج عن الظاھر بلادلیل وھو لایجوز عند عاقل فضلا عن فاضل واللہ الھادی۔ آیت ثالثہ :قال جل ذکرہ: "وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ" [2]۔	ہوا کہ تمام ماسوائے اللہ سے افضل ہوں ۔میں کہتاہوں تخصیص کا دعوی کرنا ظاہر سے بلادلیل خروج ہے اوروہ کسی عاقل کے نزدیک جائز نہیں چہ جائیکہ کسی فاضل کے نزدیک ۔اوراللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والاہے۔(ت) **تیسری آیت**:اللہ تعالٰی نے فرمایا:نہ بھیجاہم نے کوئی رسول مگر ساتھ زبان اس کی قوم کے۔

علماء فرماتے ہیں: یہ آیہ کریمہ دلیل ہے کہ انبیائے سابقین سب خاص اپنی قوم پر رسول کرکے بھیجے جاتے۔

اگلے انبیاء صرف اپنی قوم کے رسول ہوئے اور ہمارے رسول ہر فرد مخلوق کے لئے

اقول:وقال اللہ تعالٰی "لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ" [3]۔ وقال تعالٰی "وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ" [4]۔وقال تعالٰی "وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ" [5]۔وقال تعالٰی "وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ" [6]۔وقال تعالٰی "وَ اِلٰى مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ" [7] وقال تعالٰی "ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰیٰتِنَاۤ	**اقول**:(میں کہتاہوں)اللہ تعالٰی نے فرمایا: تحقیق ہم نے نوح کو بھیجااس کی قوم کی طرف ۔اورفرمایا اللہ تعالٰی نے عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا۔اورفرمایا کہ ثمود کی طرف انکی برادری سے صالح کو بھیجا۔اور فرمایا:اورلُوط کو بھیجاجب اس نے اپنی قوم سے کہا۔اورفرمایا: مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب کو بھیجا۔اور فرمایا: پھر ان کے بعد ہم نے موسٰی کواپنی نشانیوں کے ساتھ

[1] مفاتیح الغیب(التفسیر الکبیر)تحت الآیۃ ۲ /۲۵۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۱۶۵

[2] القرآن الکریم ۱۴ /۴

[3] القرآن الکریم ۷ /۵۹

[4] القرآن الکریم ۷/ ۶۵

[5] القرآن الکریم ۷ /۷۳

[6] القرآن الکریم ۷ /۸۰

[7] القرآن الکریم ۷/ ۸۵

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ"[1] وقال تعالٰی "وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ"[2] وقال تعالٰی فی یونس علیه السلام "وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ۚ"[3]۔ وقال تعالٰی فی عیسٰی علیه السلام "وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ"[4]۔	اور فرمایا: پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا: اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی۔ اور یونس علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اور ہم نے اسے لاکھ آدمیوں کی طرف بھیجا بلکہ زیادہ۔ اور عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اور رسول ہوگا بنی اسرائیل کی طرف۔ (ت)

اسی لئے صحیح حدیث میں فرمایا:

کان النبی یبعث الی قومه خاصة۔ رواہ الشیخان[5] عن جابر رضی الله تعالٰی عنه۔	نبی خاص اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا۔ (اس کو شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

دوسری روایت میں آیا:

کان النبی یبعث الی قریته ولا یعدوها۔ رواہ ابو یعلی[6] عن عوف بن مالك رضی الله تعالٰی عنه۔	نبی ایک بستی کی طرف مبعوث ہوتا جس کے آگے تجاوز نہ کرتا۔ (اس کو ابو یعلٰی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

اور حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے:

"وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۲۸"[7]	نہ بھیجا ہم نے تمہیں مگر سب لوگوں کیلئے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، پر بہت لوگ بے خبر ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۶/ ۸۳

[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۴۷

[4] القرآن الکریم ۳/ ۴۹

[5] صحیح البخاری کتاب التیمم و مواضع الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸، صحیح مسلم کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸

[6] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان بحوالہ ابی یعلی حدیث ۶۳۶۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۱۰۴

[7] القرآن الکریم ۳۴/ ۲۸

وقال تعالٰی: "قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا "[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو فرما اے لوگو! میں خدا کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔
وقال تعالٰی: "تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۙ"[2]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: بڑی برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ ڈر سنانے والا ہو سارے جہان کو۔

اسی لئے خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ارسلت الی الخلق کافّۃ۔ اخرجہ مسلم[3] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں تمام مخلوق الٰہی کی طرف بھیجا گیا (اس کو مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حضور کی افضلیت مطلقہ کی یہ دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے ارشادات سے ہے۔ دارمی، ابویعلٰی، طبرانی، بیہقی روایت کرتے ہیں اس جناب نے فرمایا:

ان اللہ تعالٰی فضل محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الانبیاء وعلٰی اھل السماء۔	بیشک اللہ تعالٰی نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام انبیاء وملائکہ سے افضل کیا۔

حاضرین نے وجہ تفضیل پوچھی، فرمایا:

ان اللہ تعالٰی قال: "وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ"، و قال لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وما ارسلنٰك الا کافۃ للناس فارسلہ الی الانس والجن[4]۔	یعنی اللہ تعالٰی نے اور رسولوں کے لیے فرمایا ہے ہم نے نہ بھیجا کوئی رسول مگر ساتھ زبان اس کی قوم کے۔ اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایا: ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر رسول سب لوگوں کیلئے۔ تو حضور کو تمام انس وجن کا رسول بنایا۔

---

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۸

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۱

[3] صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹

[4] الدر المنثور تحت الآیۃ ۱۴/ ۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵ و ۶، شعب الایمان حدیث ۱۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۷۳، سنن الدارمی باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل حدیث ۴۷ دار المحاسن للطباعۃ القاہرۃ ۱/ ۲۹ و ۳۰

علماء فرماتے ہیں: رسالت والاکا تمام جن وانس کو شامل ہونا اجماعی ہے، اور محققین کے نزدیک ملٰئکہ کو بھی شامل، کما حققناہ بتوفیق اللہ تعالٰی فی رسالۃ "اجلال جبریل"۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حجر وشجر وارض وسماء وجبال وبحار تمام ماسوا اللہ اس کے احاطہ عامّہ ودائرہ تامّہ میں داخل، اور خود قرآن عظیم لفظ عٰلمین، اور روایت صحیح مسلم میں لفظ خلق وہ بھی مؤکد بکلمہ کافّۃ۔ اس مطلب پر احسن الدلائل طبرانی معجم کبیر میں یعلٰی بن مرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن شیئ الا یعلم انی رسول اللہ الا کفرۃ الجن و الانس[1]۔	کوئی چیز نہیں جو مجھے رسول اللہ نہ جانتی ہو، مگر بے ایمان جن وآدمی۔

اب نظر کیجئے کہ یہ آیت کتنی وجہ [عہ] سے افضلیتِ مطلقہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حجت ہے:

اولاً: اس موازنہ سے خود واضح ہے کہ انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم ایک ایک شہر کے ناظم تھے۔ اور حضور پر نور سید المرسلین صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ وعلیہم اجمعین سلطان ہفت کشور، بلکہ بادشاہ زمین وآسمان۔

ثانیاً: اعبائے رسالت سخت گرانبار ہیں۔ اور ان کا تحمّل بغایت دشوار "اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝" [2] (بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ ت) اسی لیے موسٰی وہارون سے عالی ہمتوں کو پہلے ہی تاکید ہوئی "لَا تَنِیَا فِیْ ذِكْرِیْ ۝" [3] دیکھو میرے ذکر سے سست نہ ہوجانا۔ پھر جس کی رسالت ایک قوم خاص کی طرف اس کی مشقت تو اس قدر جس کی رسالت نے انس وجن وشرق وغرب کو گھیر لیا اس کی مؤنت کس قدر۔ پھر جیسی مشقت ویسا ہی اجر، اور جتنی خدمت

عہ: ان میں بعض وجوہ افادہ علماء ہیں اور اکثر بحمد اللہ تعالٰی استخراج فقیر ۱۲ منہ

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۷۲ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲ /۲۶۲، کنز العمال بحوالہ الطبرانی عن یعلٰی بن مرہ حدیث ۳۱۹۲۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۱۱

[2] القرآن الکریم ۷۳ /۵

[3] القرآن الکریم ۲۰ /۴۲

اتنی ہی قدر افضل العبادات احمزھا (سب سے افضل عبادت سب سے سخت ہوتی ہے۔ت)

ثالثًا: جیسا کام جلیل ہو ویسا ہی جلالت والا اس کے لئے درکار ہوتا ہے۔ بادشاہ چھوٹی چھوٹی مہموں پر افسران ماتحت کو بھیجتا ہے اور سخت عظیم مہم پر امیر الامراء سردار اعظم کو لاجرم رسالت خاصہ وبعثت عامہ میں جو تفرقہ ہے وہی فرق مراتب ان خاص رسولوں اور اس رسول الکل میں ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین۔

رابعًا: یونہی حکیم کی شان یہ ہے کہ جیسے علوِّشان کا آدمی ہو اسے ویسے ہی عالیشان کام پر مقرر کریں کہ جس طرح بڑے کام پر چھوٹے سردار کا تعین اس کے سرانجام نہ ہونے کا موجب، یونہی چھوٹے کام پر بڑے سردار کا تقرر نگاہوں میں اس کے ہلکے پن کا جالب۔

خامسًا: جتنا کام زیادہ اتنا ہی اس کے لیے سامان زیادہ۔ نواب کو اپنے انتظامِ ریاست میں فوج وخزانہ اسی کے لائق درکار۔ اور بادشاہ عظیم خصوصًا سلطان ہفت اقلیم کو اس کے رتق وفتق ونظم میں اسی کے موافق۔ اور یہاں سامان وہ تائید الٰہی وتربیت ربانی ہے جو حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء پر مبذول ہوتی ہے۔ تو ضرور ہے کہ جو علوم ومعارف قلب اقدس پر القاء ہوئے معارف وعلوم جمیع انبیاء سے اکثر واوفٰی ہوں۔ افادہ الامام الحکیم الترمذی ونقلہ عنہ فی الکبیر الرازی (امام حکیم ترمذی نے اس کا افادہ فرمایا ہے اور اس سے امام رازی نے کبیر میں نقل کیا ہے۔ت)

اقول: پھر یہ بھی دیکھنا کہ انبیاء کو ادائے امانت وابلاغِ رسالت میں کن کن باتوں کی حاجت ہوتی ہے۔

(۱) حلم، کہ گستاخی کفار پر تنگ دل نہ ہوں۔

"وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ"[1]۔	ان کی ایذا پر در گزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو۔(ت)

(۲) صبر، کہ ان کی اذیتوں سے گھبرا نہ جائیں۔

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ"[2]۔	تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔(ت)

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۸

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۳۵

(۳) تواضع، کہ ان کی صحبت سے نفور نہ ہوں۔

"وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ "[1]۔	اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے پیرو مسلمانوں کے لیے۔(ت)

(۴) رفق ولینت، کہ قلوب ان کی طرف راغب ہوں۔

"فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ "[2]۔	تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی کہ اے محبوب! تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔(ت)

(۵) رحمت، کہ واسطہ فاضہ خیرات ہوں۔

"وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ط "[3]۔	اور جو تم میں مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں۔(ت)

(۶) شجاعت، کہ کثرتِ اعداء کو خیال میں نہ لائیں۔

"اِنِّیْ لَا يَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۱۰﴾ "[4]۔	بے شک میرے حضور رسولوں کو خوف نہیں ہوتا۔(ت)

(۷) جودوسخاوت، کہ باعث تالیف قلوب ہوں۔

فان الانسان عبید الاحسان وجبلت القلوب علی حب من احسن الیھا، "وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ "[5]۔	کیونکہ انسان احسان کا غلام ہے اور دلوں میں خلقی طور پر احسان کرنے والوں کی محبت ڈال دی گئی ہے اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔(ت)

(۸) عفو ومغفرت، کہ نادان جاہل فیض پاسکیں۔

"فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ "[6]۔	تو انہیں معاف کردو اور ان سے درگزر کرو بے شک احسان کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔(ت)

(۹) استغناء وقناعت، کہ جہّال اس دعوئ عظمٰی کو طلب دنیا پر محمول نہ کریں۔

"لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ	اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو ہم نے ان کے

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱۵

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۵۹

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۲۷/ ۱۰

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۲۹

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۳

"اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ"[1]۔	کچھ جوڑوں کو برتنے دی۔(ت)

(۱۰) جمالِ عدل، کہ تثقیف و تادیب و تربیتِ امت میں جس کی رعایت کریں۔

"وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ"[2]۔	اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو۔(ت)

(۱۱) کمالِ عقل، کہ اصل فضائل و منبع فواضل ہے، ولہٰذا عورت کبھی نبی ہوئی۔

"وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا"[3]۔	اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے۔(ت)

نہ کبھی اہل بادیہ و سُکّان دِہ کو نبوت ملی کہ جفا و غلظت ان کی طینت ہوتی ہے:

"اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى"[4] ای اهل المصار۔	جنہیں ہم وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے(ت)

حدیث میں ہے: **من بدأ جفا**[5]۔(جس نے دیہات میں رہائش اختیار کی اس نے ظلم کیا۔ت) اسی نظافتِ نسب و حسن سیرت وصورت سب کی صفاتِ جمیلہ کی حاجت ہے کہ ان کی کسی بات پر نکتہ چینی نہ ہو۔ غرض یہ سب انہیں خزائن سے ہیں جو ان سلاطین حقیقت کو عطا ہوئے ہیں، پھر جس کی سلطنت عظیم اس کے خزائن عظیم۔ حدیث میں ہے:

ان اللہ تعالٰی ینزل المعونة علی قدر المؤنة وینزل الصبر علی قدر البلاء[6]۔	بے شک اللہ تعالٰی ذمہ داری کے مطابق معاونت نازل فرماتا ہے اور آزمائش کے مطابق صبر نازل فرماتا ہے۔(ت)

توضرور ہوا کہ ہمارے حضور ان سب اخلاق فاضلہ واوصافِ کاملہ میں تمام انبیاء سے اتم واکمل واعلٰی واجل ہوں۔ اسی لئے خود ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۵/ ۴۲

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۹

[4] القرآن الکریم ۱۲/ ۱۰۹

[5] مسند احمد بن حنبل عن البراء المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۹۷، المعجم لکبیر حدیث ۱۱۰۳۰ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۱/ ۵۷

[6] کنز العمال بحوالہ عدو ابن لال عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۵۹۹۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۴۷

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔اخرجه البخاری فی الادب[1] وابن سعد والحاکم والبیهقی عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا۔۔(اس کو بخاری نے ادب میں اورابن سعد، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

وہب بن منبہ فرماتے ہیں: میں نے اکہتر کتب آسمانی میں لکھا دیکھا کہ روزآفرینش دنیا سے قیام قیامت تک تمام جان کے لوگوں کو جتنی عقل عطاکی ہے وہ سب مل کر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے ایسی ہے جیسے تمام ریگستان دنیاکے سامنے ریت کاایک دانہ[2]۔

سادسًا: ہم اوپر بیان کرآئے کہ حضور کی رسالت زمانہ بعثت سے مخصوص نہیں بلکہ سب کو حاوی۔ترمذی جامع میں فائدہ تحسین واللفظ لہ،اور حاکم و بیہقی وابو نعیم ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔اور ۲احمد مسند اور بخاری تاریخ میں،اورابن سعد وحاکم و بیہقی وابونعیم میسرة الفجر[3]۔رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔اور ۳بزار وطبرانی،ابو نعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔اور ۴ابو نعیم بطریق صنابجی امیر المومنین عمر الفاروق لاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ،اور ۵ابن سعد ابن ابی الجدعاء و۶مطرف بن عبداللہ بن الشخیر و ۷عامر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے باسانید متباینہ والفاظ متقاربہ راوی حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی: "متی وجبت لك النبوة " حضور کے لیے نبوت کس وقت ثابت ہوئی؟فرمایا: "وآدم بین الروح والجسد"[4]۔جبکہ آدم درمیان روح اور جسد کے تھے۔ **جبل** الحفظ امام عسقلانی نے کتاب الاصابہ

---

[1] الادب المفرد حدیث ۲۷۳ المکتبة الاثریة سانگلہ ہل ص۷۸،السنن الکبرٰی کتاب الشهادات باب بیان مکارم الاخلاق دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۹۲،الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر مبعث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الخ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۲ ۱۹۳

[2] سبل الهدٰی والرشاد الباب الثالث دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۴۲۷

[3] التاریخ الکبیر ترجمہ ۱۶۰۶ میسرة الفجر دار البازمکة المکرمة ۷ /۳۷۴،الجامع الصغیر حدیث ۶۴۲۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۲ /۴۰۰

[4] جامع الترمذی کتاب المناقب باب فضل النبی صلی اللہ علیه وسلم امین کمپنی دہلی ۲ /۲۰۱،المستدرك للحاکم کتاب التاریخ دار الفکر بیروت ۲ /۶۰۹،کنزالعمال بحوالہ ابن سعد حدیث ۳۱۹۱۷و ۳۲۱۱۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۰۹و ۴۵۰

میں حدیثِ میسرہ کی نسبت فرمایا: سندہ قوی[1] (اس کی سند قوی ہے۔ت)۔

آدم ستر و تن بآب و گِل داشت — کو حکم بملک جان جان و دل داشت

(آدم علیہ السلام ابھی گارے کا مجسمہ تھے کہ آنحضرت کی حکومت دل وجان کی مملکت میں تھی۔ت)

اسی لئے اکابر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جس کا خدا خالق ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ شیخ محقق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

چو بود خلق آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعظم الاخلاق بعث کرد خدائے تعالٰی اورابسوئے کافہ ناس و مقصور نہ گردانید رسالت اورا بر ناس بلکہ عام گردانید جن وانس را، بلکہ بر جن و انس نیز مقصور نہ گردانید تا آنکہ عام شد تمامہ عالمین را، پس ہر کہ اللہ تعالٰی پروردگار اوست محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رسول اُوست[2]۔	چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش تمام مخلوق سے اعظم ہے۔ لہٰذا اللہ تعالٰی نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ کی رسالت کو انسانوں میں منحصر نہیں فرمایا بلکہ جن وانس کے لیے عام کردیا بلکہ جن و انس میں بھی انحصار نہیں فرمایا یہاں تک کہ آپ کی رسالت تمام جہانوں کے لئے عام ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی جس کا پروردگار ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔(ت)

اب تو یہ دلیل اور بھی زیادہ عظیم و جلیل ہوگئی کہ ثابت ہوا جو نسبت انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے خاص ایک بستی کے لوگوں کو ہوئی وہ نسبت اس سرکار عرش وقار سے ہر ذرّہ مخلوق وہر فرد ماسوااللہ یہاں تک کہ خود حضرات انبیاء و مرسلین کو ہے، اور رسول کا اپنی امت سے افضل ہونا بدیہی، والحمدللہ رب العٰلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت) اب تو یہ دلیل اور بھی زیادہ عظیم و جلیل ہوگئی کہ ثابت ہوا جو نسبت انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم سے خاص ایک بستی کے لوگوں کو ہوتی ہے وہ نسبت اس سرکار عرش وقار سے ہر ذرۂ مخلوق وہر فرد ماسوااللہ یہاں تک کہ خود حضرات انبیاء و مرسلین کو ہے، اور رسول کا اپنی امت سے افضل ہونا بدیہی، والحمدللہ رب العٰلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

آیت رابعہ: "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ	**چوتھی آیت:** اللہ تعالٰی نے فرمایا: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ حرف المیم ترجمہ میسرۃ الفجر ۸۲۸۲ دارالفکر بیروت ۲۱۷/۵

[2] مداراج النبوۃ باب دوم دراخلاق عظیمہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳۴/۱

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ "[1]۔	کچھ ان میں وہ ہیں جن سے خدا نے کلام کیا، اور ان میں بعض کو درجوں بُلند فرمایا۔

ائمہ فرماتے ہیں یہاں اس بعض سے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مراد ہیں کہ انہیں سب انبیاء پر رفعت وعظمت بخشی۔

کما نص علیه البغوی [2] والبیضاوی[3] والنسفی [4] و السیوطی والقسطلانی والزرقانی والشامی والحلبی و غیرهم واقتصار الجلالین [5] دلیل انه اصح الاقوال لالتزام ذٰلك فی الجلالین۔	جیسا کہ اس پر نص فرمائی ہے بغوی، بیضاوی، نسفی، سیوطی، قسطلانی، زرقانی، شامی اور حلبی وغیرہ نے، اور جلالین میں اس پر اقتصار اس بات کی دلیل ہے کہ یہی اصح ہے کیونکہ جلالین میں اس کا التزام کیا گیا ہے (کہ اصح پر ہی اقتصار کیا جاتا ہے۔) (ت)

اور یوں مبہم ذکر فرمانے میں حضور کے ظہور افضلیت وشہرتِ سیادت کی طرف اشارہ تامہ ہے، یعنی یہ وہ ہیں کہ نام لو یا نہ لو انہی کی طرف ذہن جائے گا، اور کوئی دوسرا خیال نہ آئے گا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم۔ فقیر کہتا ہے اہل محبت جانتے ہیں کہ ابہامِ تام میں کیا لطف ومزہ ہے۔ ع

اے گُل بتو خرسند تو بوئے کسے داری

(اے پھول! تجھ پر شادمانی ہے کہ تو کسی کی خوشبو رکھتا ہے۔ت)

؎ مژدہ اے دل کی مسیحا نفسے مے آید   کہ زانفاسخوشش بوئے کسے می آید

(اے دل! خوشخبری ہو کہ مسیحا آتا ہے، جس کے عمدہ سانسوں سے کسی کو خوشبو آتی ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۷۷

[3] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ دار الفکر بیروت ۱/ ۵۴۹ و ۵۵۰

[4] مدارك التنزیل (تفسیر النسفی) تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۲۷

[5] تفسیر جلالین تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ اصح المطابع دہلی ص ۳۹

ع کسی کا دو قدم چلنا یہاں پامال ہو جانا

آیت خمسہ: قال تبارک عــہ۱ اسمہ "هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًاؕ(۲۸)" [1]۔	**پانچویں آیت**: اللہ تعالٰی نے فرمایا: وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر کہ اسے غالب کرے سب دینوں پر۔ اور خدا کافی ہے گواہ۔

اور اس امت مرحومہ سے فرماتا ہے:

عــہ۲ كُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ [2]۔	تم سب سے بہتر امت ہو کہ لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی۔

عــہ۱: حاشیہ، استدل الامام ابن سبع بھٰذہ الاٰیۃ علی ان شرعنا ناسخ الشرائع کما ذکرہ فی الخصائص الکبری [3] فافاد ان الدین فی الاٰیۃ علی عمومہ الحقیقی شامل الادیان الحقۃ السابقۃ غیر مختص بادیان الکفار الموجودۃ فی زمن الاسلام فتم لکلام ۱۲ منہ۔

امام ابن سبع نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا کہ ہماری شریعت تمام شریعتوں کیلئے ناسخ ہے جیساکہ امام سیوطی نے خصائص کبرٰی میں اس کو ذکر فرمایا اور یہ افادہ کیا کہ اس ایت میں دین اپنے حقیقی عموم پر ہے جو سابقہ تمام ادیان حقہ کو شامل ہے اور زمانہ اسلام میں پائے جانے والے ادیان کفار کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ لام پورا ہوا منہ (ت)

عــہ۲: استدل بھٰذہ الایۃ الرازی و التفتازانی و القسطلانی و ابن حجر المکی و غیرھم و العبد الضعیف ضم الیھا الایۃ الاولی فسلمت من الجدال کما یعرفہ المتأمل ۱۲ منہ۔

اس آیت کریمہ سے امام الرازی، تفتازانی، قسطلانی اور ابن حجر مکی وغیرہ نے استدلال کیا اور عبد ضعیف نے اس کے ساتھ پہلی آیت کو ملایا تو یہ جدال سے سلامت ہوئی جیساکہ غور کرنے والا جانتا ہے۔ منہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۸ /۲۸

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۱۰

[3] الخصائص الکبری باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات ہند ۲ /۱۸۷

آیات کریمہ ناطق کہ حضور کا دین تمام ادیان سے اعلٰی واکمل اور حضور کی امت سب امم سے بہتر وافضل، تولاجرم اس دین کا صاحب اور اس امت کا آقا سب دین وامت والوں سے افضل واعلٰی امام احمد وترمذی بافادہ تحسین وابن ماجہ وحاکم معاویہ بن حیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

انکم تتمون سبعین امۃ انتم خیرھا واکرمھا علی اللہ [1]۔	تم ستر امتوں کو پورا کرتے ہو کہ اللہ کے نزدیک ان سب سے بہتر وبزرگ تر تم ہو۔
آیت سادسہ: قال جلت عظمتہ: "یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ" [2]۔	**چھٹی آیت:** اللہ تعالٰی نے فرمایا اے آدم! تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ (ت)
وقال تعالٰی "یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا" [3]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے نوح کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلام۔
وقال تعالٰی: "یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا" [4]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے ابراہیم بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا۔
وقال تعالٰی "یٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ" [5]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا بے شک میں ہی ہوں اللہ (ت)۔
وقال تعالٰی "یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ" [6]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے عیسٰی میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا۔ (ت)
وقال تعالٰی "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً" [7]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے داؤد بے شک ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا۔ (ت)

[1] جامع الترمذی ابواب التفسیر تحت الآیۃ ۳ /۱۱۰ آمین کمپنی دہلی ۲ /۱۲۵، مسند امام احمد حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۶۱، کنز العمال حدیث ۳۴۴۶۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۵۶ ۱۶۹

[2] القرآن الکریم ۲ /۳۵

[3] القرآن الکریم ۱۱ /۴۸

[4] القرآن الکریم ۳۷ /۱۰۵

[5] القرآن الکریم ۲۸ /۳۰

[6] القرآن الکریم ۳ /۵۵

[7] القرآن الکریم ۳۸ /۲۶

وقال تعالٰی "یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ"[1]	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے زکریا ہم تجھے خوشی سناتے ہیں۔(ت)
وقال تعالٰی "یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ"[2]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا اے یحیٰی کتاب مضبوط تھام۔(ت)

غرض قرآن عظیم کا عام محاورہ ہے کہ تمام انبیائے کرام کو نام لے کر پکارتا ہے مگر جہاں محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے حضور کے اوصاف جلیلہ والقاب حمیدہ ہی سے یاد کیا ہے۔"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ"[3]۔اے نبی ہم نے تجھے رسول کیا۔"یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ"[4]۔اے رسول پہنچا جو تیری طرف اترا۔"یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ﴿۲﴾"[5]۔اے کپڑا اوڑھے لیٹنے والے رات میں قیام فرما۔"یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾"[6]۔اے جھرمٹ مارنے والے کھڑا ہو،لوگوں کو ڈر سنا۔"یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۙ﴿۳﴾"[7]۔اے یٰس یا اے سردار مجھے قسم ہے حکمت والے قرآن کی،بے شک تو مرسلوں سے ہے۔"طٰهٰ ۚ﴿۱﴾ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤی ۙ﴿۲﴾"[8]۔اے طٰہٰ!یا اے پاکیزہ رہنما!ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑے۔

ہر ذی عقل جانتا ہے کہ جو ان نداؤں اور ان خطابوں کو سنے گا بالبداہت حضور سید المرسلین وانبیائے سابقین کا فرق جان لے گا ع

یا آدم ست با پدر انبیاء خطاب　　یا ایھا النبی خطاب محمد است

("اے آدم!" نبیوں کے باپ کے لیے خطاب ہے۔اور محمد مصطفٰی صلی تعالٰی علیہ وسلم کے لیے خطاب ہے۔"اے نبی"۔ت)

امام عزالدین بن عبدالسلام وغیرہ علمائے کرام فرماتے ہیں بادشاہ جب اپنے تمام امرا کو نام لے کر پکارے اور ان میں خاص ایک مقرب کو یوں ندا فرمایا کرے اے مقرب حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۷
[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۲
[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵
[4] القرآن الکریم ۵/ ۶۷
[5] القرآن الکریم ۷۳/ ۱ و ۲
[6] القرآن الکریم ۷۴/ ۱ و ۲
[7] القرآن الکریم ۳۶/ ۱ تا ۳
[8] القرآن الکریم ۲۰/ ۱ و ۲

اے نائب سلطنت، اے صاحب عزت، اے سردار مملکت ___ تو کیا کسی طرح محل ریب وشک باقی رہے گا کہ یہ بندہ بارگاہ سلطانی میں سب سے زیادہ عزت ووجاہت والا اور سرکار سلطانی کو تمام عمائد وارکین سے بڑھ کر پیارا ہے۔

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ، خصوصا "یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ" [1]، اے کپڑا اوڑھے لیٹنے والے۔(ت) "یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ" [2]۔ اے جھرمٹ مارنے والے۔(ت) تو وہ پیارے خطاب ہیں جن کا مزہ اہل محبت جانتے ہیں ان آیتوں کے نزول کے وقت سید عالم صلی تعالٰی علیہ وسلم بالاپوش اوڑھے، جھرمٹ مارے لیٹے تھے، اسی وضع وحالت سے حضور کو یاد فرما کر ندا کی گئی، بلا تشبیہ جس طرح سچا چاہنے والا اپنے پیارے محبوب کو پکارے: او بانکی ٹوپی والے، او دھانی دوپٹے والے ع

او دامن اٹھا کے جانے والے

فسبحان اللہ والحمد والصلوٰۃ الزہراء علی الحبیب ذی الجاہ۔ اللہ تعالٰی کو پاکی ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں اور روشن درود وجاہت والے محبوب پر۔(ت)

ثم اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) نہایت یہ ہے کہ اشقیائے یہود مدینہ ومشرکین مکہ جو حضور سے جاہلانہ گفتگو میں کرتے۔ ان مقالات خبیثہ کو بغرض رد وابطال ومژدہ رسانی عذاب ونکال بارہا نقل فرمایا گیا مگر ان گستاخوں کی اس بے ادبانہ ندا کا کہ نام لے کر حضور کو پکارتے۔ محل نقل میں ذکر نہ آیا۔ ہاں جہاں انھوں نے وصف کریم سے ندا کی تھی، اگرچہ ان کے زعم میں بطور استہزا تھی، اسے قرآن مجید نقل کرلایا کہ:

"قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ" [3]۔	بولے اے وہ جس پر قرآن اترا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

بخلاف حضرات انبیائے سابقین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کہ ان کے کفار کے مخاطبے ویسے ہی منقول ہیں۔

"یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا" [4]۔ "ءَاَنْتَ فَعَلْتَ	اے نوح تم ہم سے جھگڑے، کیا تم نے ہمارے

---

[1] القرآن الکریم ۷۳/ ۱

[2] القرآن الکریم ۷۴/ ۱

[3] القرآن الکریم ۱۵/ ۶

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۳۲

ھٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ؕ"[1]۔ "یٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ"[2]۔ "یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ "[3]۔ "یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ"[4]۔	خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم! اے موسی ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے پاس ہے۔اے صالح ہم پر لے آو جس تم وعدہ دے رہے ہو۔ اے شعیب ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی باتیں (ت)

بلکہ اس زمانہ کے مطیعین بھی انبیاء علیہم الصلواۃ والتسلیم سے یونہی خطاب کرتے ہیں اور قرآن عظیم نے اسی طرح نقل فرمائی، اسباط نے کہا:

"یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ"[5]۔	اے موسٰی! ہم سے تو ایک کھانے پر ہر گز صبر نہ ہوگا۔

حواریوں نے کہا:

"یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ"[6]۔	اے عیسٰی بن مریم! کیاآپ کارب ایسا کرے گا۔(ت)

یہاں اس کا یہ بندوبست فرمایا کہ اس امت مرحومہ پر اس نبی کریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم کا نام پاک لے کر خطاب کرنا ہی حرام ٹھہرایا:

قال اللہ تعالٰی: "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ"[7]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: رسول کا پکارنا آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

کہ اے زید،اے عمرو۔بلکہ یوں عرض کرو: یارسول اللہ ،یانبی اللہ ،یا سیدی المرسلین،یا خاتم النبیین،یاشفیع المذنبین،صلی اللہ تعالٰی علیك وسلم وعلٰی اٰلك اجمعین۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۱/ ۶۲

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۳۴

[3] القرآن الکریم ۷/ ۷۷

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۹۱

[5] القرآن الکریم ۲/ ۶۱

[6] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۲

[7] القرآن الکریم ۲۴/ ۶۳

ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں راوی:

قال کانوا یقولون یا محمد یا اباالقاسم فنھٰھم اللہ عن ذٰلک اعظامًا لنبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فقالوا یانبی اللہ، یارسول اللہ[1]۔	یعنی پہلے حضور کو یا محمد یا ابالقاسم کہا جاتا اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کی تعظیم کو اس سے نہی فرمائی، جب سے صحابہ کرام یا نبی اللہ، یارسول اللہ کہا کرتے۔

بیہقی امام علقمہ وامام اسود اور ابو نعیم امام حسن بصری وامام سعید بن جبیر سے تفسیر کریمہ مذکورہ میں راوی:

لاتقولوا یامحمد ولکن قولوا یارسول اللہ، یانبی اللہ[2]۔	یعنی اللہ تعالٰی فرماتا ہے: یا محمد نہ کہو بلکہ یا نبی اللہ، یارسول اللہ کہو۔

اسی طرح امام قتادہ تلمیذ انس بن مالک سے روایت کی، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ولہٰذا علماء تصریح فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نام لے کر ندا کرنی حرام ہے۔

اور واقعی محل انصاف ہے جسے اس کا مالک و مولٰی تبارک وتعالٰی نام لے کر نہ پکارے غلام کی کیا مجال کہ راہِ ادب سے تجاوز کرے بَلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: گریہ لفظ کسی دعاء میں وارد ہو جو خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمائی جیسے دعائے یامحمد انی توجھت بك الٰی ربی[3]۔ اے محمد! میں آپ کے توسل سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا۔ (ت) تاہم اس کی جگہ یارسول اللہ، یانبی اللہ چاہیے، حالانکہ الفاظ دعاء میں حتی الوسع تغیر نہیں کی جاتی۔ کما یدل علیہ حدیث نبیك الذی ارسلت ورسولك

---

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الاول عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص ۷، الدر المنثور تحت الآیۃ ۲۴/ ۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۱۱

[2] تفسیر الحسن البصری تحت الآیۃ ۲۴/ ۶۳ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمۃ ۲/ ۱۶۴، الدر المنثور بحوالہ عبدبن حمید عن سعید بن جبیر والحسن تحت الآیۃ ۲۴/ ۶۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۶/ ۲۱۱

[3] المستدرک للحاکم کتاب صلٰوۃ التطوع دعاء رد البصر دار الفکر بیروت ۱/ ۳۱۳ و ۵۱۹ و ۵۲۶، سنن ابن ماجۃ کتاب اقامۃ الصلٰوۃ باب ماجاء فی حاجۃ الصلٰوۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

الذی ارسلت (جیسا کہ اس پر دلالت کرتی ہے حدیث مبارک ''تیرا نبی جس کو تُو نے بھیجا اور تیرا رسول جس کو تو نے بھیجا'' ت) یہ مسئلہ مہمّہ جس سے اکثر اہل زمانہ غافل ہیں نہایت واجب الحفظ ہے۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس کی تفصیل اپنے مجموعہ فتاوٰی مسمّٰی بہ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ میں ذکر کی۔ وباللہ التوفیق۔ خیر یہ تو خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا معاملہ تھا۔ حضور کے صدقہ میں اس امت مرحومہ کا خطاب بھی خطابِ امم سابقہ سے ممتاز ٹھہرا۔ اگلی امتوں کو اللہ تعالٰی یا ایھا المساکین[1]۔ فرمایا کرتا۔ توریت مقدس میں جابجا یہی لفظ ارشاد ہوا ہے، قالہ خیثمة رواہ ابن ابی حاتم اوردہ السیوطی فی الخصائص الکبرٰی (یہ خیثمہ نے کہا جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا اور امام سیوطی نے خصائص کبری مین وارد کیا ہے۔ ت) (یہ خیثمہ نے کہا جس کو ابن ابی حاتم نے روایت کیا اور امام سیوطی نے خصائص کبرٰی میں وارد کیا ہے۔ ت) اوراس مت مرحومہ کو جب ندا فرمائی ہے "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"[2] فرمایا گیا ہے، یعنی اے ایمان والو! امتی کے لیے اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔ سچ ہے پیارے کے علاقہ والے بھی پیارے۔ آخر نہ سنا کہ فرماتا ہے:

"فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"[3]	میری پیروی کرو اللہ کے محبوب ہو جاؤ گے۔
آیت سابعہ: قال جل جلالہ "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۝"[4]۔	**ساتویں آیت:** حق جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: تیری جان کی قسم وہ کافر اپنے نشے میں اندھے ہو رہے ہیں۔
وقال تعالٰی: لَاۤ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝ وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝"[5]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: میں قسم یاد کرتا ہوں اس شہر کی کہ تو اس میں جلوہ فرما ہے۔

[1] نسیم الریاض الباب الاول الفصل الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہندا /۱۸۸

[2] القرآن الکریم ۲ /۱۸۳

[3] القرآن الکریم ۳ /۳۱

[4] القرآن الکریم ۱۵ /۷۲

[5] القرآن الکریم ۹۰ /۲۱

وقال تعالٰی عـــہ۱: "وَقِیْلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ "[1]۔ قال تعالٰی: "وَالْعَصْرِ ﴿۱﴾ "[2]۔	اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: مجھے قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے رب میرے! یہ لوگ ایمان نہیں لاتے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا قسم زمان برکت نشان محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی۔

اے مسلمان! یہ مرتبہ جلیلہ اس جان محبوبیت کے سوا کسے میسر ہوا کہ قرآن عظیم نے ان کے شہر کی قسم کھائی، ان کی باتوں کی قسم کھائی، ان کے زمانے کی قسم کھائی، ان کی جان کی قسم کھائی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہاں اے مسلمان! محبوبیت کبری کے یہی معنی ہیں والحمد للہ رب العالمین۔ (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ت)

ابن مردویہ اپنی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما حلف اللہ بحیاۃ احد الا بحیاۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال تعالٰی: "لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ "وحیاتك یامحمد[3]۔	یعنی اللہ تعالٰی نے کبھی کسی کی زندگی کی قسم یاد نہ فرمائی سوائے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ آیہ: لعمرك میں فرمایا تیری جان کی قسم اے محمد عـــہ۲۔

عـــہ۱: قلت اغفل الامام القسطلانی ھذہ الآیۃ فی المواھب وقد سوغ فیھا ھذا المعنی الامام النسفی فی المدارك ۱۲منہ۔

میں کہتا ہوں امام قسطلانی نے مواہب میں اس کی طرف توجہ نہ فرمائی جبکہ تفسیر مدارک میں امام نسفی نے اس آیہ کریمہ میں اس معنی کو روا رکھا ۱۲منہ (ت)۔

عـــہ۲: ذکر ھذہ التاویل فی التفسیر الکبیر ثم القاضی البیضاوی فی تفسیرہ وتبعھما القسطلانی واقرہ الزرقانی ۱۲منہ۔

اس تاویل کو (امام رازی نے) تفسیر کبیر میں پھر قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا امام قسطلانی نے ان کی اتباع کی اور زرقانی نے اس کو برقرار رکھا۔ت)

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۸

[2] القرآن الکریم ۱۰۳/ ۱

[3] الدر المنثور بحوالہ ابن مردویہ تحت الایہ ۱۵/ ۷۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۸۰

ابو یعلی، ابن جریر، ابن مردویہ، ابن بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر، بغوی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ماخلق اللّٰہ وما ذراء وما براء نفسا اکرم علیه من محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم وما حلف اللّٰہ بحیاة احد الا بحیاة محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیه وسلم "لَعَمۡرُكَ اِنَّهُمۡ لَفِیۡ سَكۡرَتِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ" [1]۔	اللہ تعالٰی نے ایسا کوئی نہ بنایا، نہ پیدا کیا، نہ آفرینش فرمایا جو اسے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ عزیز ہو، نہ کبھی ان کی جان کے سوا کسی کی جان کی قسم یاد فرمائی کہ ارشاد کرتا ہے مجھے تیری جان کی قسم وہ کافر اپنی مستی میں بہک رہے ہیں۔

امام حجۃ الاسلام عــــہ محمد غزالی احیاء العلوم اور امام محمد بن الحاج عبدری مکی مدخل اور

عــــہ: ذکرہ فی احیاء والمدخل بطولہ وفی المواہب و النسیم کلمات منہ، وکذا الامام القاضی عیاض فی الشفاء و عزاہ الامام الجلال السیوطی فی مناھل الصفا صاحب اقتباس الانوار ولابن الحاج فی مدخلہ قال وکفی بذلك سند المثلہ فانہ لیس مما یتعلق بہ الاحکام اھ وذکرہ فی النسیم [2]۔	اس کو احیاء العلوم اور مدخل میں مفصل ذکر کیا ہے جبکہ مواہب و نسیم میں اس سے کلمات ذکر کیے گئے ہیں۔ اور یونہی امام قاضی عیاض نے شفاء میں ذکر فرمایا۔ امام سیوطی نے اس کو مناہل صفاء صاحب اقتباس الانوار کی طرف منسوب کیا۔ ابن الحاج نے اپنی کتاب مدخل میں کہا کہ اس کی مثل کے لیے یہ سند کافی ہے کیونکہ اس کے ساتھ شرعی احکام متعلق نہیں ہوتے اھ اور اس کو نسیم میں ذکر کیا ہے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] الدر المنثور بحوالہ ابی یعلی و ابن جریر و ابن مردویہ و البیہقی تحت الآیہ ۱۵ /۷۲ بیروت ۵ /۸۰، جامع البیان تحت الآیہ ۱۵ /۷۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴ /۵۴، ۵۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الرابع عالم الکتب بیروت الجز الاول ص ۱۲

[2] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی العیاض الفصل السابع مرکز اہل السنت گجرات ہند ۱ /۲۴۸

امام احمد محمد خطیب قسطلانی مواہب لدنیہ اور علامہ شہاب الدین خفاجی نسیم الریاض میں ناقل حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث طویل میں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں:

بابی انت وامی یارسول اللہ لقد بلغ من فضیلتك عند اللہ تعالیٰ ان اقسم بحیاتك دون سائر الانبیاء ولقد بلغ من فضیلتك عندہ ان اقسم بتراب قدمیك فقال:	یارسول اللہ! میرے ماں باپ حضور پر قربان بیشک حضور کی بزرگی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس حد کو پہنچی کہ حضور کی زندگی کی قسم یاد فرمائی، نہ باقی انبیاء علیہ الصلوٰۃ و السلام کی۔ اور تحقیق حضور کی فضیلت خدا کے یہاں اس نہایت کی ٹھہری کہ حضور کی خاک پاک کی قسم یاد فرمائی

اقول: وھو کلام نفیس طویل جلیل رثی بہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حین تحقق لہ موتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بخطبۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما یظھر بمراجعۃ الحدیث بطولہ فماوقع فی شرح المواھب للعلامۃ الزرقانی فی المقصد السادس تحت آیۃ "لااقسم بھذا البلد" ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقرہ علیہ[1] اھ سھو ینبغی التنبیہ لہ ۱۲ منہ۔

اقول: میں کہتا ہوں وہ طویل ونفیس کلام ہے جس کے ساتھ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرثیہ کہا جبکہ ان کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ سے آپ کی موت ثابت ہوگئی جیساکہ طویل حدیث کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ زرقانی کی شرح مواہب کے مقصد سادس میں آیت کریمہ "لا اقسم بھذا البلد" کے تحت جو واقع ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کہی اور آپ نے اس کو برقرار رکھا اھ سہو ہے جس پر متنبہ کرنا چاہیے ۱۲منہ)

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد السادس النوع الخامس الفصل الخامس المکتبہ الاسلامی بیروت ۶/ ۲۳۴

"لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِۙ" [1]۔	کہ ارشاد کرتا ہے مجھے قسم اس شہر کی۔(ت)

شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی مدارج میں فرماتے ہیں:

ایں لفظ در ظاہر نظر سخت مے در آید نسبت بجناب عزت چوں گویند کہ سوگندمے خورد بخاکپائے حضرت رسالت و نظر بحقیقت معنی صاف و پاک است کہ غبارے نیست برآں تحقیق ایں سخن آنست کہ سوگند خوردن حضرت رب العزت جل جلالہ بچیزے غیر ذات و صفات خود برائے اظہارِ شرف وفضیلت و تمیز آں چیز است نزد مردم و نسبت بایشاں تابدانند کہ آں امر عظیم و شریف است، نہ آنکہ اعظم است نسبت بوئے تعالٰی الخ [2]۔	یہ لفظ ظاہری نظر میں اللہ تعالٰی رب العزت کی طرف نسبت کرنے میں سخت ہیں۔جب یوں کہتے ہیں کہ اللہ رب العزت حضرت رسالت مآب کی خاک پا کی قسم ارشاد فرماتا ہے اور نظر حقیقت میں معنی بالکل پاک و صاف ہے کہ اس پر غبار نہیں اس کی تحقیق یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا اپنی ذات و صفات کے علاوہ کسی چیز کی قسم یاد فرمانا اس لیے ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک لوگوں کہ بنسبت اس چیز کا شرف، فضیلت اور ممتاز ہونا ظاہر ہو جائے تاکہ وہ جان لیں کہ یہ چیز عظمت و شرف والی ہے۔یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ چیز اللہ تعالٰی کی نسبت اعظم ہے الخ(ت)

آیت ثامنہ (آٹھویں آیت): قرآن عظیم میں جا بجا حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء سے کفار کی جاہلانہ جدال مذکور جس کے مطالعہ ظاہر کہ وہ اشقیاء طرح طرح سے حضرات انبیاء میں سخت کلامی و بیہودہ گوئی کرتے اور حضرات رسل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حلم و عظیم و فضل کریم کے لائق جواب دیتے۔سید نا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی قوم نے کہا:

"اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ" [3]۔	بیشک ہم تمھیں کھلا گمراہ سمجھتے ہیں۔

فرمایا:

"یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّ	اے میری قوم! مجھے گمراہی سے کچھ علاقہ نہیں

---

[1] المواھب اللدنیہ المقصد السادس النوع الاخامس الفصل الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۱۵،نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض الباب الاول الفصل الرابع مرکز اہلسنت ہند ۱/ ۱۹۶

[2] مدارج النبوۃ باب سوم دربیان فضل وشرافت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۵

[3] القران الکریم ۷ /۶۰

لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ "[1]۔	میں تو رسول پروردگار عالم کی طرف سے۔

سیدنا ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عاد نے کہا:

" اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ "[2]۔	یقیناً ہم تمھیں حماقت میں خیال کرتے ہیں، اور ہمارے گمان میں تم بے شک جھوٹے ہو۔

فرمایا:

" يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾ "[3]۔	اے میری قوم! مجھ میں اصلا سفاہت نہیں، میں تو پیغمبر ہوں رب العلمین کا۔

سیدنا شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدین نے کہا:

" اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ "[4]۔	ہم تمھیں اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں۔ اور اگر تمھارے ساتھ کے یہ چند آدمی نہ ہوتے تو ہم تمھیں پتھروں سے مارتے، اور کچھ تم ہماری نگاہ میں عزت والے نہیں۔

فرمایا:

" يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ "[5]۔	اے میری قوم! کیا میرے کنبے کے یہ معدود لوگ تمھارے نزدیک اللہ سے زیادہ زبردست ہیں اور اسے تم بالکل بھلائے بیٹھے ہو۔

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرعون نے کہا:

" اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾ "[6]۔	میرے گمان میں تو اے موسی! تم پر جادو ہوا۔

فرمایا:

" لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ	تو خوب جانتا ہے کہ انھیں نہ اتارا مگر آسمان و زمین کے مالک نے دلوں کی آنکھیں کھولنے کو، اور میرے یقین میں تو اے فرعون! تو ہلاک

[1] القرآن الکریم ۷/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۷/ ۶۶

[3] القرآن الکریم ۷/ ۶۷

[4] القرآن الکریم ۱۱/ ۹۱

[5] القرآن الکریم ۱۱/ ۹۲

[6] القرآن الکریم ۱۷/ ۱۰۱

مَثْبُوْرًا۝ "[1]۔	ہونے والا ہے۔

مگر حضور سید المرسلین افضل المحبوبین محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین کی خدمت والا میں کفار نے جو زبان درازی کی ہے ملک السموات والارض جل جلالہ خود متکفل جواب ہوا ہے، اور محبوب اکرم مطلوب اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے آپ مدافعہ فرمایا ہے۔ طرح طرح حضور کی تنزیہ و تبریت ارشاد فرمائی۔ جابجا رفع الزام اعدائے ایام پر قسم یاد فرمائی، یہاں تک کہ غنی مغنی عزمجدہ نے ہر جواب خطاب سے حضور کو غنی کر دیا، اور اللہ تعالٰی کا جواب دینا حضور کے خود جواب دینے سے بدرجہا حضور کے لیے بہتر ہوا۔ اور یہ وہ مرتبہ عظمٰی ہے کہ نہایت نہیں رکھتا۔ "ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۝" [2](یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ت) (۱) کفار نے کہا:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۝ "[3]۔	اے وہ جن پر قرآن اترا، بیشک تم مجنون ہو۔

حق جل وعلا نے فرمایا:

"نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ۝ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۝ "[4] "وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۝ "[5]۔	قسم قلم اور نوشتہائے ملائک کی تو اپنے رب کے فضل سے ہرگز مجنون نہیں۔ اور بے شک تیرے لیے اجر بے پایا ہے۔

کہ تو ان دیوانوں کی بدزبانی پر صبر کرتا اور حلم و کرم سے پیش آتا ہے۔ مجنون تو چلتی ہوا سے الجھا کرتے ہیں، تیرا سا حلم و صبر کوئی تمام عالم کے عقلاء میں تو بتادے۔

"وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝ "[6]۔	اور بے شک تو بڑے عظمت والے ادب تہذیب پر ہے۔

کہ ایک حلم و صبر کیا تیری خصلت ہے اس درجہ عظیم و باشوکت ہے کہ اخلاق عاقلان جہان

---

[1] القران الکریم ۱۰۲/۱۷

[2] القرآن الکریم ۲۱/۵۷

[3] القران الکریم ۶/۱۵

[4] القرآن الکریم ۶۸ /۱و۲

[5] القرآن الکریم ۶۸ /۳

[6] القرآن الکریم ۶۸ /۴

مجتمع ہو کر اس کے ایک شمہ کو نہیں پہنچتے۔ پھر اس سے بڑھ کر اندھا کون جو تجھے ایسے لفظ سے یاد کرے، مگر یہ ان کا اندھا پن بھی چند روز کا ہے۔

"فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَۙ(۵) بِاَىیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ(۶)"[1]۔	عنقریب تو بھی دیکھے گا اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کسے جنون ہے۔

آج اپنی بے خردی و دیوانگی و کور باطنی سے جو چاہیں کہہ لیں، آنکھیں کھلنے کا دن قریب آتا ہے، اور دوست و دشمن سب پر کھلا چاہتا ہے کہ مجنون کون تھا۔

(۲) وحی اترنے میں جو کچھ دنوں دیر لگی کافر بولے:

ان محمدا ودعه ربه وقلاه[2]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا، اور دشمن پکڑا۔

حق جل وعلا نے فرمایا:

"وَ الضُّحٰىۙ(۱) وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰىۙ(۲)"[3]۔	قسم ہے دن چڑھے کی، اور قسم رات کی جب اندھیری ڈالے۔

یا قسم اے محبوب تیرے روئے روشن کی، اور قسم تیری زلف کی جب چمکتے رخساروں پر بکھر آئے۔

"مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰىؕ(۳)"[4]۔	نہ تجھے تیرے رب نے چھوڑا اور نہ دشمن بنایا۔

اور یہ اشقیاء بھی دل میں خوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی تجھ پر کیسی مہر ہے، اس مہر ہی کو دیکھ دیکھ کر جلے جاتے ہیں، اور حسد وعناد سے یہ طوفان جوڑتے ہیں اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہیں مگر خبر نہیں کہ:

"وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىؕ(۴)"[5]۔	بے شک آخرت تیرے لیے دنیا سے بہتر ہے۔

وہاں جو نعمتیں تجھ کو ملیں گی نہ آنکھوں نے دیکھیں، نہ کانوں نے سنیں، نہ کسی بشر یا ملک کے خطرے میں آئیں، جن کا اجمال یہ ہے:

---

[1] القران الکریم ۶۸/ ۵، ۶

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۹۳/ ۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۴۶۵

[3] القرآن العظیم ۹۳/ ۱، ۲

[4] القرآن العظیم ۹۳/ ۳

[5] القرآن العظیم ۹۳/ ۴

"وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡکَ رَبُّکَ فَتَرۡضٰی ؕ﴿۵﴾ "[1]۔	قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اس دن دوست دشمن سب پر کھل جائے گا کہ تیرے برابر کوئی محبوب نہ تھا۔ خیر، اگر آج یہ اندھے آخرت کا یقین نہیں رکھتے تو تجھ پر خدا کی عظیم، جلیل، کثیر، جزیل نعمتیں رحمتیں آج کی تو نہیں قدیم ہی سے ہیں۔ کیا تیرے پہلے احوال انھوں نے نہ دیکھے اور ان سے یقین حاصل نہ کیا کہ جو نظر عنایت تجھ پر ہے ایسی نہیں کہ کبھی بدل جائے، "اَلَمۡ یَجِدۡکَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی ۪﴿۶﴾ "الی اٰخر السورۃ[2] کیا اس نے تمھیں یتیم نہ پایا پھر جگہ دی (سورت کے اخر تک۔ت)

(۳) کفار نے کہا: "لَسۡتَ مُرۡسَلًا ؕ"[3]۔ تم رسول نہیں ہو۔ حق جل وعلا نے فرمایا:

"یٰسٓ ۚ﴿۱﴾ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ﴿۳﴾ "[4]۔	اے سردار ! مجھے قسم ہے حکمت والے قرآن کی تو بیشک مرسل ہے۔

(۴) کفار نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شاعری کا عیب لگایا۔ حق جل وعلا نے فرمایا:

"وَ مَا عَلَّمۡنٰہُ الشِّعۡرَ وَ مَا یَنۡۢبَغِیۡ لَہٗ ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٌ وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِیۡنٌ ﴿ۙ۶۹﴾ "[5]۔	نہ ہم نے انھیں شعر سکھایا اور نہ وہ ان کے لائق تھا۔ وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن بیان والا قرآن۔

(۵) منافقین حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے اور ان میں کوئی کہتا ایسا نہ ہو کہیں ان تک خبر پہنچے۔ کہتے: پہنچے گی تو کیا ہوگا، ہم سے پوچھیں گے ہم مکر جائیں گے، قسمیں کھالیں گے، انھیں یقین آجائے گا، کہ "ہُوَ اُذُنٌ ؕ"[6] وہ تو کان ہیں جیسی ہم سے سنیں گے مان لیں گے۔ حق جل وعلا نے فرمایا: "اُذُنُ خَیۡرٍ لَّکُمۡ"[7]۔ وہ تمھارے بھلے کے لیے کان ہیں۔ کہ جھوٹے

---

[1] القرآن العظیم ۹۳/ ۵

[2] القرآن العظیم ۹۳/ ۶

[3] القرآن العظیم ۱۳/ ۴۳

[4] القرآن العظیم ۳۶/ ۱تا۳

[5] القرآن العظیم ۳۶/ ۶۹

[6] القرآن العظیم ۳۶/ ۶۹

[7] القرآن العظیم ۹/ ۶۱

عذر بھی قبول کرلیتے ہیں۔اور بکمال حلم و کرم چشم پوشی فرماتے ہیں۔ورنہ کیا انھیں تمھارے بھیدوں اور خلوت کی چھپی باتوں پر آگاہی نہیں۔"یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ"[1] خدا پر ایمان لاتے ہیں۔اور وہ تمھارے اسرار سے انھیں مطلع کرتا ہے،پھر تمھاری جھوٹی قسموں کا انھیں کیونکر یقین آئے۔ہاں "وَیُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ"[2]۔ایمان والوں کی بات واقعی مانتے ہیں۔کہ انھیں ان کے دل کی سچی حالتوں پر خبر ہے۔اس لیے "وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ"[3]۔مہربانی ان پر جو تم میں ایمان لائے کہ ان کے طفیل سے انھیں ہمیشگی کے گھر میں بڑے بڑے رتبے ملتے ہیں۔اور اگرچہ یہ بھی ان کی رحمت ہے کہ دنیا میں تم سے چشم پوشی ہوتی ہے۔مگر اس کا نتیجہ اچھا نہ سمجھو،کہ تمھاری گستاخیوں سے انھیں ایذا پہنچی ہے۔"وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۱﴾"[4]۔اور جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیں ان کیلئے دکھ کی مار ہے۔

(۶) ابن ابی شقی ملعون نے جب وہ کلمہ ملعونہ کہا:

"لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ"[5]۔	اگر ہم مدینہ لوٹ کر گئے تو ضرور نکال باہر کریگا عزت والا ذلیل کو۔

حق جل وعلا نے فرمایا:

"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾"[6]۔	عزت تو ساری خدا ورسول و مومنین ہی کے لیے ہے،پر منافقین کو خبر نہیں۔

(۷) عاص بن وائل شقی نے جو صاحبزادہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے انتقال پرملال پر حضور کو ابتر یعنی نسل بریدہ کہا۔حق جل وعلا نے فرمایا: "اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾"[7]۔بیشک ہم نے تمھیں خیر کثیر عطا فرمائی۔کہ اولاد سے نام چلنے کو تمھاری رفعت ذکر سے کیا نسبت،کروڑوں صاحب اولاد گزرے جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا،اور تمھاری ثناء کا ڈنکا تو قیام قیامت تک اکناف عالم واطراف جہاں میں بجے گا اور تمھارے نام نامی کا خطبہ ہمیشہ ہمیشہ اطباق فلک آفاق

---

[1] القرآن العظیم ۹/ ۶۱

[2] القرآن العظیم ۹/ ۶۱

[3] القرآن العظیم ۹/ ۶۱

[4] القرآن العظیم ۹/ ۶۱

[5] القران الکریم ۶۳/ ۸

[6] القران الکریم ۶۳/ ۸

[7] القران الکریم ۱۰۸/ ۱

زمین میں پڑھا جائے گا۔ پھر اولاد بھی تمھیں نفیس وطیب عطا ہوگی جن کی بقاء سے بقائے عالم مربوط رہیگی اس کے سوا تمام مسلمان تمھارے بال بچے ہیں، اور تم سا مہربان ان کے لیے کوئی نہیں، بلکہ حقیقت کار کو نظر کیجیے تو تمام عالم تمھاری اولاد معنوی ہے کہ تم نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، اور تمھارے ہی نور سے سب کی آفرینش ہوئی۔ اسی لیے جب ابوالبشر آدم تمھیں یاد کرتے تو یوں کہتے یا ابنی صورۃ وابای معنیً[1]۔ اے میرے ظاہر بیٹے اور حقیقت میں میرے باپ۔ پھر آخرت میں جو تمہیں ملنا ہے اس کا حال تو خدا ہی جانے۔ جب اس کی یہ عنایت بیغایت تم پر مبذول ہو۔ تو تم ان اشقیاء کی زبان درازی پر کیوں ملول ہو بلکہ "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ﴿۲﴾ "[2]۔ رب کے شکرانہ میں اس کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ؑ﴿۳﴾ "[3]۔ جو تمہارا دشمن ہے وہی نسل بریدہ ہے۔ کہ اور تمہارے دین حق میں آکر بوجہ اختلاف دین اس کی نسل سے جدا ہو کر تمہارے دینی بیٹوں میں شمار کئے جائیں گے۔ پھر آدمی بے نسل ہوتا۔ تو یہی سہی کہ نام نہ چلتا۔ اس سے نام بد کا باقی رہنا ہزار درجہ بدتر ہے۔ تمہارے دشمن کا ناپاک نام ہمیشہ بدی ونفرین کے ساتھ لیا جائے گا، اور روز قیامت ان گستاخیوں کی پوری سزا پائے گا۔ **والعیاذ باللہ تعالٰی۔**

(۸) جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے قریب رشتہ داروں کو جمع فرما کر وعظ ونصیحت اور اسلام واطاعت کی طرف دعوت کی۔ ابولہب شقی نے کہا:

تبالك سائر اليوم لهذا جمعتنا[4]۔	ٹوٹنا اور ہلاک ہونا تمہارے لیے ہمیشہ کو، کیا ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا۔

حق جل وعلا نے فرمایا: "تَبَّتْ يَدَاۤ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ﴿۱﴾ "[5] ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابولہب کے۔

[1] المدخل لابن الحاج فصل فی مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتب العربی بیروت ۲ /۳۴

[2] القرآن الکریم ۱۰۸/ ۲

[3] القرآن الکریم ۱۰۸/ ۳

[4] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ تب یدا ابی لہب ۱۱۱ قدیمی کتب خانہ ۲ /۷۴۳، صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان من مات علی اکفر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۴، تفسیر المراغی تحت الآیۃ ۱۱۱ /۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۰ /۲۶۰

[5] القرآن الکریم ۱۱۱ /۱تا۱

اور وہ خود ہلاک و برباد ہوا، "مَاۤ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ؕ" [1] اس کے کچھ کام نہ آیا اس کا مال اور جو کمایا۔
"سَیَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚۖ" [2] اب بیٹھا چاہتا ہے بھڑکتی آگ میں۔ "وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ" [3] اور اس کی جورو لکڑیوں کا گٹھا سر پر لئے۔ "فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۠" [4] اس کے گلے میں مونج کی رسی۔

بالجملہ اس روش کی آیتیں قرآن عظیم میں صدہا نکلیں گی۔ اسی طرح حضرت یوسف و بتول مریم اور ادھر ام المومنین صدیقہ علی سید ھم و علیہم الصلٰوۃ والسلام کے قصے اس مضمون پر شاہدِ عدل ہیں۔ حضرت والد ماجد ''سرور القلوب فی ذکر المحبوب'' میں فرماتے ہیں: ''حضرت یوسف کو دودھ پیتے بچے، اور حضرت مریم کو حضرت عیسٰی کی گواہی سے لوگوں کی بدگمانی سے نجات بخشی، اور جب حضرت عائشہ پر بہتان اٹھا خود ان کی پاک دامنی کی گواہی دی، اور سترہ آیتیں نازل فرمائیں، اگر چاہتا ایک ایک درخت اور پتھر سے گواہی دلواتا مگر منظور یہ ہوا کہ محبوبہ محبوب کی طہارت و پاکی پر خود گواہی دیں اور عزت و امتیاز ان کا بڑھائیں [5]۔" انتہٰی۔

محل غور ہے کہ اراکین دولت و مقربان حضرت سے باغیانِ سرکش بگستاخی و بے ادبی پیش آئیں۔ اور بادشاہ ان کے جوابوں کو انہیں پر چھوڑ دے۔ مگر ایک سردار بلدن اوقار کے ساتھ یہ برتاؤ ہو کہ مخالفین جو زبان درازی اس کی جناب میں کریں۔ حضرت سلطان اس مقرب ذی شان کو کچھ نہ کہنے دے، بلکہ بہ نفس نفیس اس کی طرف سے تکفل جواب کرے۔ کیا ہر ذی عقل اس معاملہ کو دیکھ کر یقین قطعی نہ کرے گا کہ سرکار سلطانی میں جو اعزاز اس مقرب جلیل کا ہے دوسرے کا نہیں، اور جو خاص نظر اس کے حال پر ہے اوروں کا حصہ اس میں نہیں۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

آیت تاسعہ: قال تعالٰی عظمتہ: "عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا	**نویں آیت:** اللہ تعالٰی نے فرمایا: قریب ہے تجھے تیرا رب بھیجے گا تعریف کے

[1] القرآن الکریم ۱۱۱ /۱تا۲
[2] القرآن الکریم ۱۱۱ /۱تا۳
[3] القرآن الکریم ۱۱۱ /۱تا۴
[4] القرآن الکریم ۱۱۱ /۱تا۵
[5] سرور القلوب فی ذکر المحبوب

مَقَامًامَّحْمُوْدًا﴿۹﴾ "[1]۔	مقام میں۔

صحیح بخاری وجامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے فرمایا:

سئل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن المقام المحمود فقال ھو الشفاعۃ[2]۔	حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سوال ہوا: مقام محمود کیا ہے؟ ارشاد فرمایا: شفاعت۔

اسی طرح احمد و بیہقی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

سئل عنہا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یعنی قولہ عسٰی ان یبعثك ربك مقاما محمودًا ط فقال ھی الشفاعۃ[3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اللہ تعالٰی کے قول ''قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ شفاعت ہے۔(ت)

اور شفاعت کی حدیثیں خود متواتر و مشہور اور صحاح وغیرہ میں مروی ومسطور، جن کی بعض ان شاء اللہ تعالٰی ہیکل دوم میں مذکور ہوں گی۔

اُس دن آدم صفی اللہ سے عیسٰی کلمۃ اللہ تک سب انبیاء اللہ علیہم الصلٰوۃ والسلام نفسی نفسی فرمائیں گے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لھا انا لھا[4]۔ میں ہوں شفاعت کے لیے، میں ہوں شفاعت کے لیے۔ انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور وہ متکلم۔ سب سر بگریبان، وہ ساجد و قائم۔ سب محل خوف میں، وہ آمن و ناہم۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/۷۹تا۷۹

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ ۱۷ باب قولہ عسٰی ان یبعثك الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۸۶، جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۴۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۴۴، نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض بحوالہ احمد و البیہقی فصل فی تفضیلہ بالشفاعۃ ۲/ ۳۴۵

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیلہ بالشفاعۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۱۸۰

سب اپنی فکر میں، انہیں فکر عوالم۔ سب زیر حکومت، وہ مالک وحاکم۔ بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کرینگے۔ ان کا رب انہیں فرمائے گا: یا محمد ارفع رأسك وقل تسمع وسل تعطه واشفع تشفع[1]۔ اے محمد! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی، اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا، اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول ہے۔ اس وقت اولین وآخرین میں حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی حمد وثناء کا غلغلہ پڑ جائے گا اور دوست، دشمن، موافق، مخالف، ہر شخص حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی افضلیتِ کبرٰی وسیادت عظمٰی پر ایمان لائے گا۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

مقام محمود ونامت محمد　　　　به نیساں مقامے ونامے کہ دارد[2]

آپ کا مقام محمود اور نام محمد ہے، ایسا مقام اور نام کون رکھتا ہے۔ ت)

امام محی السنۃ بغوی معالم التنزیل میں فرماتے ہیں:

عن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ان اللہ عزّوجل اتخذ ابراھیم خلیلا وان صاحبکم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خلیل اللہ واکرم الخلق علی اللہ ثم قرأ "عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾" قال یجلسه علی العرش[3]۔	یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی بیشک اللہ عزوجل نے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو خلیل بنایا۔ اور بیشک تمہارے آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خلیل اور تمام خلق سے زیادہ اس کے نزدیک عزیز وجلیل ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت کرکے فرمایا اللہ تعالٰی انہیں روز قیامت عرش پر بٹھائے گا۔

وعزا نحوہ فی المواھب[4] للثعلبی۔ (اس کی مثل مواہب میں ثعلبی کی طرف منسوب ہے۔ ت) امام عبد بن حمید وغیرہ حضرت مجاہد تلمیذ رشید حضرت حبر الامہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس آیت کی تفسیر میں راوی:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۹

[2]

[3] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت الآیۃ ۱۷/ ۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۰۹

[4] المواہب اللدنیۃ الفصل الثالث الشفاعۃ والمقام المحمود المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۴۲

یجلسه الله تعالٰی معه علی العرش [1]۔	اللہ تعالٰی انہیں عرش پر اپنے ساتھ بٹھائے گا۔

یعنی معیتِ تشریف و تکریم کہ وہ جلوس و مجلس سے پاک و متعالٰی ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں ناقل امام علامہ سید الحفاظ شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمہ للہ تعالٰی فرماتے ہیں مجاہد کا یہ قول نہ از روئے نقل مدفوع نہ از جہت عــہ نظر ممنوع، اور نقاش نے ابو داود صاحبِ سنن رحمہ اللہ تعالٰی

عــہ: رد علی الواحدی حیث بالغ فی الانکار علی ذٰلك وابلغ الجزاف منتهاه کما قال الاول بلغ السیل رواه حتی قال "لایمیل الیه الا قلیل العقل عدیم الدین [2]۔اھ" والله تعالٰی یسامح المسلمین واحتج لزعمه بمالاحجة له فیه وقدرده علیه العلماء کما یظهر بالرجوع الی المواهب وشرحه واعظم ماتشبث به فی ذٰلك انه تعالٰی قال "مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾" [3] لم یقل مقعدا والمقام موضع القیام لاموضع القعود۔قال الزرقانی واجیب بانه یصح علی انه المقام مصدر

یہ رد ہے واحدی پر کیونکہ اس نے اس قول کے انکار میں بہت مبالغہ کیا اور اپنے بے تکے کلام کو انتہا تک پہنچایا جیسا کہ قول اول میں کیا اور سیلاب اپنی سیرابی تک پہنچا۔ اس نے کہا کہ اس کی طرف نہیں مائل ہوگا مگر کم عقل اور بے دین اھ۔ اللہ تعالٰی مسلمانوں سے در گزر فرمائے۔ اور اس نے اپنے گمان کے مطابق جس چیز سے استدلال کیا اس میں اس کے لے کوئی دلیل نہیں ہے، بیشک اس پر علماء کرام نے رَد فرمایا جیسا کہ مواہب اور اس کی شرح کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ سب سے بڑی دلیل جس سے اس نے تمسک کیا وہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے "مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾" فرمایا ہے "مقعدا محمودًا" نہیں فرمایا اور مقام موضع قیام ہے نہ کہ موضع قعود۔ زرقانی نے کہا اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ مقام مصدر (باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] المواهب اللدنیة عن القسطلانی المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۴۲، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة بحوالہ عبد بن حمید وغیرہ المقصد العاشر الفصل الثالث ۸ /۳۶۸

[2] المواهب اللدنیة عن القسطلانی المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۴۳

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

سے نقل کیا۔ من انکر ھذا القول فھو متھم [1]۔ جو اس قول سے انکار کرے وہ متہم ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

میمی لا اسم مکان[2] اھ ای فیقوم مقام المفعول المطلق ای یبعثك بعثا محمودا۔

اقول: وباللہ التوفیق علی ان الرافعۃ بعد التواضع من تواضع للہ رفعہ اللہ فالقعود انما یکون بعد مایقوم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بین یدی ربہ تبارك وتعالٰی علی قدم الخدمۃ قذلك المکان مقام محمود ومقعد محمود وکلام اللہ سبحنہ وتعالٰی بما یقتصر علی بعض الشیئ کما فی قولہ تعالٰی "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا"[3]، وقد ثبت فی الاحادیث انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسجد بین یدی ربہ تبارك وتعالٰی ایامًا اسبوعا او اسبوعین ثم یرفع راسہ[4]، وانما

میمی ہے نہ کہ ظرف مکان اھ۔ یعنی یہ مفعول مطلق کے قائم مقام ہے اور معنٰی یہ ہوگا کہ اللہ تعالٰی تجھے اٹھائے گا ایسا اٹھانا جو محمود ہوگا۔

اقول: (میں کہتاہوں) اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے۔ علاوہ ازیں رفعت تواضع کے بعد ہے، جو اللہ تعالٰی کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالٰی اس کو رفعت عطافرماتاہے۔ چنانچہ قعود اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے قدمِ خدمت پر قیامت کے بعد ہوگا تو وہی مکان مقام محمود اور مقعد محمود ہوگا اور اللہ کا کلام بعض شے پر مقتصر ہے جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے سبحٰن الذی الخ (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجدِ اقصٰی تک) اور تحقیق احادیث سے ثابت ہوچکا ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تبارک و تعالٰی کی بارگاہ میں ایک ہفتہ یا دو ہفتے سجدہ ریز رہیں گے پھر سر اٹھائیں گے اس جگہ کا نام اللہ تعالٰی (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] المواھب اللدنیۃ بحوالہ الواحدی المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۴۳

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۶۸

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

4

اسی طرح امام دار قطنی نے اس قول کی تصریح فرمائی، اوراس کے بیان میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سمّاہ اللہ تعالٰی مقامًا محمودًا لامسجدًا فان لم ینف بہ امرالسجود فلم ذا ینفی امرالقعود قال الواحدی "واذا قیل السلطان بعث فلانافھم منہ انہ ارسلہ الی قوم لا صلح مھماتھم ولا یفھم منہ انہ اجلس مع نفسہ [1]۔ قال الزرقانی وھذا مردودبان ھذا عادۃ یجوز تخلفھا علٰی ان احوال الاٰخرۃ لایقاس علی احوال الدنیا [2] یبعثھم اللہ تعالٰی فی جمعھم عندہ لیحکم بینھم لا لیرسلھم الی قوم فجاز ان یکون ھذا البعث بالاجلاس لا للرسال مع ان الارسال کما یغایر الجلوس فکذا القیام عندہ ولکن الھوس یأتی بالعجائب والحل ان البعث من عندہ ھو الذی ذکرھا الواحدی والبعث من محل للحضور عندہ لاینافی

نے مقام محمود رکھا ہے مسجد نہیں رکھا۔ تو جب امر سجود اس کے منافی کیسے ہوگا؟ واحدی نے کہا جب کہا جائے کہ فلاں کو بادشاہ نے مبعوث کیا تواس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس قوم کی طرف بھیجا ہے کہ ان کی مہمات کی اصلاح کرے، یہ نہیں سمجھا جاتا کہ بادشاہ نے اسے اپنے ساتھ بٹھالیا۔ زرقانی نے کہا یہ مردود ہے کیونکہ ایک امر عادی ہے جس کے خلاف ہونا بھی جائز ہے۔اس کے علاوہ یہ کہ احوالِ آخرت کو احوال دنیا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔اللہ تعالٰی سب کو مبعوث فرما کر سب کو ایک میدان میں جمع کریگا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے نہ کہ ان کو اصلاح کے لیے کسی قوم کے پاس بھیجے گا۔ تو جائز ہے کہ یہ بعث بٹھانے کے ساتھ ہو نہ کہ بھیجنے کے ساتھ باوجودیکہ ارسال جس طرح بیٹھنے کے مغایر ہے اسی طرح اس کے پاس کھڑے رہنے کے بھی مغایر ہے لیکن جنون عیب وغریب امور کو لاتا ہے اوراس کا حل یہ ہے کہ جس بعث کو واحدی نے ذکر کیا ہے وہ ہے ''بعث من عندہ '' اپنے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] المواھب اللدنیۃ بحوالہ الواحدی المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۴۳

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۸ /۲۶۸

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الجلوس عندہ کما لایخفی۔قال الزرقانی تحت قول الواحدی لایمیل الیہ الخ ھذا مجازفۃ فی الکلام لاتلیق بطالب فضلاعن عالم بعد ثبوت القول عن تابعی جلیل ووجد مثلہ عن صحابیین ابن عباس وابن مسعود [1] اھ۔ قلت بل عن ثلثۃ ثالثھم ابن سلام کما نقلنا فی المتن رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ثم بعد کتابتی ھذا المحل رأیت الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھٰھنا تم الھنا والحمدللہ الھنا۔قال الامام الجلیل الجلال فی الدر المنثور اخرج الدیلمی عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عسٰی ان یبعثك ربك مقام محمودا قال یجلسنی معہ علی

پاس سے بھیجنا۔اور وہ بعث جو کسی محل سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے ہو وہ اس کے پاس بیٹھنے کے منافی نہیں، جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔واحدی کے قول "لایمیل الیہ الخ" کے تحت زرقانی نے یہ کہا کہ یہ بے تکا کلام ہے جو کسی طالب کے لائق بھی نہیں چہ جائیکہ عالم کے لایق ہو جبکہ ایک جلیل القدر تابعی سے یہ قول ثابت ہوچکا ہے اور اسکی مثل دو صحابیوں یعنی ابن عباس اور ابن مسعود سے۔میں کہتاہوں بلکہ تین صحابہ سے۔تیسرے ابن سلام ہیں جیسا کہ ہم نے متن میں نقل کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔پھر اس محل کی کتابت کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث دیکھی، یہاں ہماری بحث تام ہوگئی، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو ہمارا معبود ہے۔امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے در منثور میں فرمایا دیلمی نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آیت کریمہ "**عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا**۝" (قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں) کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث دار المعرفۃ بیروت ۸/ ۳۶۸

چند اشعار عہ نظم کیے۔ کما فی نسیم الریاض (جیسا کہ نسیم الریاض میں ہے۔ت)

السریر [1]۔ وقد عرفنا من ھٰھنا صدق ابن تیمیۃ فی قول فی الثعلبی ان الواحدی صاحبہ کان ابصر منہ بالعربیۃ لکنہ ابعد عن اتباع السلف [2] اھ. وان کان ابن تیمیۃ نفسہ ابعد وابعد وبالجملۃ فاسمع ما اثرناہ عن الامام ابی داود والامام الدار قطنی والامام العسقلانی فھم الائمۃ الاجلۃ الشان وایاك وان تلتفت الی زعمہ لیس بذالك فی ھذا الشان والحمد للہ رب العٰلمین۔ ۱۲منہ

مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھائے گا۔ تحقیق ہم نے یہاں سے ثعلبی کے بارے میں ابن تیمیہ کے اس قول کی صداقت جان لی کہ واحدی جو ثعلبی کا ساتھی ہے وہ ثعلبی سے بڑھ کر عربیت میں مہارت رکھتا ہے مگر اسلاف کی اتباع سے بہت ہی دور ہے اھ خلاصہ یہ کہ تُو سن لے اس کو جو ہم نے نقل کیا ہے امام ابو داود، امام دار قطنی اور امام عسقلانی سے، کیونکہ وہ انتہائی جلالت شان والے آئمہ ہیں، اور اس شخص کے قول باطل کی طرف التفات سے بچ جو ان کے ہم پلّہ نہیں ہے، اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ۱۲منہ (ت)

عہ: وہ اشعار یہ ہیں:

حدیث الشفاعۃ عن احمد | الی احمد المصطفٰی نسندہ

وقد جاء الحدیث باقعادہ | علی العرش ایضا ولا نجحدہ

امروا الحدیث علی وجھہ | ولا تدخلوا فیہ ما یفسدہ

ولا تنکروا انہ قاعد | ولا تنکروا انہ یقعدہ

اوردھا فی النسیم [3]۔ کلا انہ أجاد فی ذٰلك رحمہ اللہ تعالٰی رحمۃ واسعۃ الخ ۱۲منہ۔

---

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۷۹/۱۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۸۷

[2]

[3] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل فی تفضیلہ بالشفاعۃ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲/ ۳۴۳

ابو الشیخ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم القیٰمۃ یجلس علی کرسی الرب بین یدی الرب[1]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روزِ قیامت رب کے حضور رب کی کرسی پر جلوس فرمائیں گے۔

معالم میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے: **یقعدہ علی الکرسی**[2]۔ اللہ تعالٰی انہیں کرسی پر بٹھائے گا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ اجمعین، والحمدللہ رب العٰلمین (اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے آپ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے جو کل جہانوں کا پروردگار ہے۔ت)

آیت عاشرہ (دسویں آیت): قرآن شریف کے تفصیلی ارشادات ومحاورات ونقل اقوال وذکر احوال پر نظر کیجئے، تو ہر جگہ اس نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی شان سب انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بُلند وبالا نظر آتی ہے، یہ وہ بحرِ ذخّار ہے جس کی تفصیل کو دفتر درکار علمائے دین مثل امام ابو نعیم وابن فورک وقاضی عیاض وجلال سیوطی وشہاب قسطلانی وغیرہم رحمہم اللہ تعالٰی نے ان تفرقوں سے بعض کی طرف اشارہ فرمایا۔ فقیر اول ان کے چند اخراجات ذکر کرکے پھر بعض امتیاز کہ باندک تامل اس وقت ذہن قاصر میں حاضر ہوئے ظاہر کرے گا تطویل سے خوف اور اختصار کا قصد بیس پر اقتصار کا باعث ہوا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:)

ترجمہ اشعار: بحوالہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مروی ہے ہم احمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اس کا اسناد کرتے ہیں۔ یہ حدیث بھی آئی ہے کہ اللہ تعالٰی آپ کو عرش پر بٹھائے گا اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔ انہوں نے حدیث کو درست بیان کیا ہے تم اس میں کلام فاسد کو داخل مت کرو، نہ اس بات کا انکار کرو کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرش پر جلوہ گر ہوں گے اور نہ ہی اس بات کا انکار کرو کہ اللہ تعالٰی آپ کو عرش پر بٹھائے گا)۔ اس کو نسیم الریاض میں مکمل بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے خوب اشعار کہے ہیں، اللہ تعالٰی ان پر وسیع رحمت نازل فرمائے۔ (ت)

[1] المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۶۴۳ و ۶۴۴

[2] معالم التنزیل (تفسیر بغوی) تحت الآیۃ ۱۷/ ۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۱۰۹

(۱) خلیل جلیل علیہ الصلوٰۃ والتبجیل سے نقل فرمایا:

"وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾"[1]۔	مجھے رسوانہ کرنا جس دن لوگ اٹھائے جائیں۔

حبیب قریب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے خود ارشاد ہوا:

"یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ"[2]۔	جس دن خدا رسوانہ کرے گا نبی اور اسکے ساتھ والے مسلمانوں کو۔

حضور کے صدقے میں صحابہ بھی اس بشارتِ عظمٰی سے مشرف ہوئے۔

(۲) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تمنائے وصال نقل کی: "اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾"[3]۔ (بیشک میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں اور وہ مجھے راہ دے گا۔ت) حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خود بلا کر عطائے دولت کی خبر دی: "سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ"[4]۔ (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ت) (۳) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آرزوئے ہدایت نقل فرمائی: "سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾"[5] (وہ مجھے راہ دے گا۔ت) حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خود ارشاد فرمایا: "وَیَهْدِیَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲﴾"[6] (اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔ت) (۴) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے آیا فرشتے ان کے معزز مہمان ہوئے:

"هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾"[7]۔	اے محبوب! کیا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی خبر آئی؟ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے فرمایا فرشتے ان کے لشکری وسپاہی بنے:

"وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا"[8] "یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾"[9] "وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِیْرٌ ﴿۴﴾"[10]۔	اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں، تمہارا رب تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا، اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۷

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۸

[3] القرآن الکریم ۳۷/ ۹۹

[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۱

[5] القرآن الکریم ۳/ ۹۹

[6] القرآن الکریم ۴۸/ ۲

[7] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۴

[8] القرآن الکریم ۹/ ۴۰

[9] القرآن الکریم ۳/ ۱۲۵

[10] القرآن الکریم ۶۶/ ۴

(۵) کلیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کو فرمایا، انہوں نے خدا کی رضا چاہی:

"وَ عَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿۸۴﴾ "[1]۔	اور تیری طرف میں جلدی کرکے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے بتایا، خدا نے ان کی رضا چاہی:

"فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ "[2] "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ﴿۵﴾ "[3]۔	تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے۔ اور بیشک قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤگے۔ (ت)

(۶) کلیم علیہ الصلٰوۃ والسلام کا بخوف فرعون مصر سے تشریف لے جانا بلفظ فرار نقل فرمایا:

"فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ "[4]۔	تو میں تمہارے یہاں سے نکل گیا جبکہ تم سے ڈرا۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہجرت فرمانا باحسن عبارات ادا فرمایا:

"اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا "[5]۔	اور اے محبوب! یاد کرجب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے۔ (ت)

(۷) کلیم اللہ علیہ الصلٰوۃ والتسلیم سے طُور پر کلام کیا اور اسے سب پر ظاہر فرمادیا:

"اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾ "[6]۔ الٰی اٰخر الاٰیات۔	اور میں نے تجھے پسند کیا، اب کان لگا کر سن جو تجھے وحی ہوتی ہے، بیشک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ۔ آیات کے آخر تک۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۸۴
[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۴۴
[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۵
[4] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۱
[5] القرآن الکریم ۸/ ۳۰
[6] القرآن الکریم ۲۰/ ۱۳ ، ۱۴

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فوق السمٰوٰت مکالمہ فرمایا اور سب سے چھپایا:

"فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ؕ "[1]۔	اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔(ت)

(۸) داود علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ارشاد ہوا:

"وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَیُضِلَّكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ "[2]۔	خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ تجھے بہکادے خدا کی راہ سے۔

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں بقسم فرمایا:

"وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۙ "[3]۔	کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کہتا، وہ تو نہیں مگر وحی کہ القا ہوتی ہے۔

اب فقیر عرض کرتا ہے وباللہ التوفیق: (۹) نوح وہود علیہما الصلٰوۃ والسلام سے دعا نقل فرمائی:

"رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ"[4]۔	الٰہی! میری مدد فرما بدلا اس کا کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا۔

محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خود ارشاد ہوا:

"وَّ یَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِیْزًا"[5]۔	اللہ تیری مدد فرمائے گا زبردست مدد۔

(۱۰) نوح وخلیل علیہما الصلٰوۃ والتسلیم سے نقل فرمایا، انہوں نے اپنی امت کی دعائے مغفرت کی:

"عـــہ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ	اے ہمارے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ

عـــہ: یہ لفظ دعائے خلیل علیہ الصلٰوۃ والسلام کے ہیں، اور دعائے نوح علیہ الصلٰوۃ والسلام ان لفظوں سے ہے:

"رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ "[6]۔	اے میرے رب! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو اور اسے جو ایمان کے ساتھ میرے گھرے میں ہے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کو۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۳۸/ ۲۶

[3] القرآن الکریم ۵۳/ ۳ و ۴

[4] القرآن الکریم ۲۳/ ۲۶

[5] القرآن الکریم ۴۸/ ۳

[6] القرآن الکریم ۷۱/ ۲۸

لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ " [1]۔	کو اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خود حکم دیا اپنی امت کی مغفرت مانگو:

"وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ " [2]۔	اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو۔ (ت)

(۱۱) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے آیا، انہوں نے پچھلوں میں اپنے ذکر جمیل باقی رہنے کی دعا کی:

"وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ " [3]۔	اور میری سچی ناموری رکھ پچھلوں میں۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خود فرمایا: "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ " [4] (اور ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بُلند کردیا۔ت) اور اس سے اعلٰی وارفع مژدہ ملا:

"عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا " [5]۔	قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔ (ت)

کہ جہاں اولین وآخرین جمع ہوں گے حضور کی حمد وثناء کا شور ہر زبان سے جوش زن ہوگا۔ **(۱۲)** خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں فرمایا، انہوں نے قوم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رفع عذاب میں بہت کوشش کی: "يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ " [6] (ہم سے لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ت) "يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا " [7]۔ اے ابراہیم! اس خیال میں نہ پڑ۔ عرض کی: "اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا " [8]۔ اس بستی میں لوط جو ہے۔ حکم ہوا: "نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا " [9]۔ ہمیں خوب معلوم ہیں جو وہاں ہیں۔ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ارشاد ہوا:

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ " [10]۔	اللہ ان کافروں پر بھی عذاب نہ کرے گا جب تک اے رحمت عالم! تُو ان میں تشریف فرما ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۱

[2] القرآن الکریم ۴۷/ ۱۹

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۸۴

[4] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

[6] القرآن الکریم ۱۱/ ۷۴

[7] القرآن الکریم ۱۱/ ۷۶

[8] القرآن الکریم ۲۹/ ۳۲

[9] القرآن الکریم ۲۹/ ۳۲

[10] القرآن الکریم ۸/ ۳۳

(۱۳) خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نقل فرمایا: "رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ "[1] الٰہی! میری دعا قبول فرما۔ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے طفیلیوں کو ارشاد ہوا:

"قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ "[2]۔	تمہارا رب فرماتا ہے مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا۔

(۱۴) کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج درخت دنیا پر ہوئی:

"نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ "[3]۔	ندا کی گئی میدان کے دائیں کنارے سے برکت والے مقام میں پیڑ سے۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی معراج سدرۃ المنتہی وفردوسِ اعلیٰ تک بیان فرمائی:

"عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ ؕ "[4]۔	سدرۃ المنتہی کے پاس، اس کے پاس جنت الماوٰی ہے۔ (ت)

(۱۵) کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے وقت ارسال اپنی دل تنگی کی شکایت کی:

"وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ "[5]۔	اور میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی تو تُو ہارون کو بھی رسول کر۔ (ت)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خود شرح صدر کی دولت بخشی، اوراس سے منتِ عظمٰی رکھی: "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ ۙ"۔ (کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ ت) (۱۶) کلیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر حجاب نار سے تجلی ہوئی:

"فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ "[6]۔	پھر جب وہ آگ کے پاس آیا، ندا کی گئی کہ برکت دیا گیا وہ جو اس آگ کی جلوہ گاہ میں ہے (یعنی حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام)

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر جلوہ نور سے تجلی ہوئی اور وہ بھی غایت تفخیم وتعظیم کے لئے بالفاظ ابہام بیان فرمائی گئی:

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۴۰/ ۶۰

[3] القرآن الکریم ۲۸/ ۳۰

[4] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۴ و ۱۵

[5] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۳

[6] القرآن الکریم ۲۷/ ۸

"اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی ۝" [1]۔	جب چھاگیا سدرہ پر جو کچھ چھایا۔

ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابویعلی، بیہقی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث طویل معراج میں راوی:

ثم انتھی الی السدرۃ فغشیھا نور الخلاّق عزوجل فکلّمہ تعالٰی عند ذٰلك فقال لہ سل [2]۔	پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرہ تک پہنچے۔ خالق عزوجل کا نور اس پر چھایا۔اس قت جل جلالہ نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کلام کیااور فرمایا: مانگو اھ ملحصًا۔

(۱۷) کلیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم سے اپنے اور اپنے بھائی کے سوا، سب سے براءت و قطع تعلق نقل فرمایا۔جب انہوں نے اپنی قوم کو قتل عمالقہ کا حکم دیااور انہوں نے نہ مانا۔عرض کی:

"رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ۝" [3]۔	الٰہی ! میں اختیار نہیں رکھتا مگر اپنا اور اپنے بھائی کا، تو جدائی فرمادے ہم میں اور اس گنہگار قوم میں۔

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ظلِ وجاہت میں کفار تک کو داخل فرمایا:

"مَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِیْهِمْ ؕ" [4] "عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝" [5]۔	اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں عذاب کرے جب تک اے محبوب ! تم ان میں تشریف فرما ہو۔قریب ہے کہ تمہارا رب تمہیں اس جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۳/ ۱۶

[2] تفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۱۷ /۱ مکتبہ نزار مصطفی البابی بکۃ المکرمہ ریاض ۷/ ۲۳۱۳، جامع البیان (تفسیر طبری) تحت الآیۃ ۵۳/ ۱۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷/ ۶۸، الدر المنثور بحوالہ البزار وابو یعلی وابن ابی حاتم وابن مردویۃ والبیہقی تحت الآیۃ ۱۷ /۱ /۵ /۱۷۸

[3] القرآن الکریم ۵/ ۲۵

[4] القرآن الکریم ۸/ ۳۳

[5] القرآن الکریم ۱۷/ ۷۹

یہ شفاعت کبرٰی ہے کہ تمام اہل موقف موافق ومخالف سب کو شامل۔

(۱۸) ہارون وکلیم علیہم الصلٰوۃ والتسلیم کے لیے فرمایا، انہوں نے فرعون کے پاس جاتے اپنا خوف عرض کیا:

"رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ یَّطْغٰى ﴿۴۵﴾ "[1]۔	اے ہمارے رب! بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا شرارت سے پیش آئے۔(ت)

اس پر حکم ہوا:

"لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَ اَرٰى ﴿۴۶﴾ "[2]۔	ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا۔

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو خود مژدہ نگہبانی دیا: "وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِؕ "[3]۔ (اور اللہ تمہاری نگہبانی کرنے گا لوگوں سے۔ت)

(۱۹) مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام کے حق میں فرمایا ان سے پرائی بات پر یوں سوال ہوگا:

"یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ "[4]۔	اے مریم کے بیٹے عیسٰی! کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے سوا دو خدا ٹھیرالو۔

معالم میں ہے اس سوال پر خوف الٰہی سے حضرت روح اللہ صلوات اللہ وسلامہ، علیہ کا بند بند کانپ اٹھے گا اور ہر بُنِ مُوسے خون کا فوارہ بہے گا پھر جواب[5] عرض کریں گے جس کی حق تعالٰی تصدیق فرماتا ہے۔ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب غزوہ تبوک کا قصد فرمایا اور منافقوں نے جھوٹے بہانے بنا کر نہ جانے کی اجازت لے لی۔ اس پر سوال تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بھی ہوا مگر یہاں جو شان لطف ومحبت وکرم وعنایت ہے قابل غور ہے ارشاد فرمایا:

"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ "[6]۔	اللہ تجھے معاف فرمائے، تو نے انہیں اجازت کیوں دے دی۔

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۴۵

[2] القرآن الکریم ۲۰/ ۴۶

[3] القرآن الکریم ۵/ ۶۷

[4] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۶

[5] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۵/ ۱۱۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶۶

[6] القرآن الکریم ۹/ ۴۳

سبحان اللہ! سوال پیچھے ہے اور محبت کا کلمہ پہلے۔ والحمدللہ رب العالمین۔

(۲۰) مسیح علیہ الصلٰوۃ والسلام سے نقل فرمایا، انہوں نے اپنے امتیوں سے مدد طلب کی:

"فَلَمَّآ اَحَسَّ عِیۡسٰی مِنۡهُمُ الۡکُفۡرَ قَالَ مَنۡ اَنۡصَارِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ"[1]۔	پھر جب عیسٰی نے ان سے کفر پایا، بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف۔ حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مدد گار ہیں۔

حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کی نسبت انبیاء و مرسلین کو حکم نصرت ہوا: "لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ؕ"[2]۔ (تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا۔ ت)

غرض جو کسی محبوب کو ملا وہ سب اور اس سے افضل واعلٰی انہیں ملا، اور جو انہیں ملا وہ کسی کو نہ ملا۔

حسن یوسف دم عیسٰی ید بیضا داری آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری[3]

آپ یوسف (علیہ السلام) کا حسن، عیسٰی (علیہ السلام) کی پھونک اور روشن ہاتھ رکھتے ہیں۔ جو کمالات وہ سارے رکھتے ہیں آپ اکیلے رکھتے ہیں۔ ت)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ واصحابہ وبارك وکرم، والحمدللہ رب العٰلمین۔

ہیکل دوم میں لآلی متلالی احادیثِ جلیلہ
تابش اول چند وحی ربانی علاوہ آیات کریمہ قرآنی

وحی اوّل[1]**:** حاکم، بیہقی عـــہ طبرانی، آجری، ابونعیم، ابن عساکر امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ

عـــہ: وقال صحیح الاسناد واقرہ علیہ | اور کہا کہ اس کا اسناد صحیح ہے، علامہ ابن امیر الحاج (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۳/ ۸۱

3

سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما اقترف اٰدم الخطیئة قال رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لی، قال وکیف عرفت محمدا قال لانك لما خلقتنی بیدك ونفخت فی من روحك رفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مکتوبا لا الٰه الا الله محمد رسول الله فعلمت انك لم تضف الی اسمك الا احب الخلق الیك قال صدقت یاٰدم ولو لا محمد ما خلقتك [1] وفی روایة عند الحاکم فقال الله تعالٰی صدقت یاٰدم انه لاحب الخلق الی اما اذا سئلتنی بحقه	یعنی آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے خطا کا ارتکاب کیا تو انہوں نے اپنے رب سے عرض کی، اے رب میرے! صدقہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا میری مغفرت فرما۔ رب العٰلمین نے فرمایا: تو نے محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) کو کیونکر پہچانا؟ عرض کی: جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے بنایا اور مجھ میں اپنی روح ڈالی میں نے سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا پایا، جانا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ پیارا ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا بے شک وہ مجھے تمام جہان سے زیادہ پیارا ہے، اب کہ تو نے اس کے حق کا وسیلہ کرکے مجھ سے مانگا تو میں تیری مغفرت کرتا ہوں، اور اگر محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نہ ہوتا تو

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

العلامة ابن امیر الحاج فی الحلیة والسبکی فی شفاء السقام **اقول:** والذی تحرر عندی انه لاینزل عن درجة الحسن، والله تعالٰی اعلم ۱۲منه۔

نے حلیۃ میں اور سبکی نے شفاء السقام میں اس کو برقرار رکھا۔ **میں کہتا ہوں** جو میرے ہاں ثابت ہے وہ یہ کہ وہ درجہ حسن سے کمتر نہیں، اور اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنعمۃ ربہ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵ /۴۸۹، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ علیہ السلام ۷۷۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۷ /۳۰۹

فقد غفرت لك ولولا محمد ما غفرت وما خلقتك [1]۔	میں تیری مغفرت نہ کرتا، نہ تجھے بناتا۔

بیہقی وطبرانی کی روایت میں ہے: آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عرض کی:

رأیت فی کل موضع من الجنة مکتوبًا لاالٰه الا الله محمد رسول الله فعلمت انه اکرم خلقك علیك [2]۔	میں نے ہر جگہ جنت میں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا، تو جانا کہ وہ تیری بارگاہ میں تمام مخلوق سے زیادہ عزت والا ہے۔

آجری کی روایت میں ہے:

فعلمت انه لیس احد اعظم قدرًا عندك ممن جعلت اسمه مع اسمک [3]۔	مجھے یقین ہوا کہ کسی کا رتبہ تیرے نزدیک اس سے بڑا نہیں جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ رکھا ہے۔

وحی دوم ۲: حاکم عـــه بافادہ تصحیح عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

عـــه: واقره علیه السبکی فی شفاء السقام والسراج البلقینی فی فتاوٰہ وکذا جزم بصحته العلامة ابن حجر فی افضل القرٰی **اقول** قد صرح المحقق ابن الهمام فی باب الاحرام من فتح القدیر ان الاقدام علی التحسین فرع معرفته حالا وعینا **قلت** فکیف بالتصحیح وانت تعلم ان من یعلم حجة علی من لایعلم ۱۲ منه۔	امام سبکی نے شفاء السقام میں اور سراج بلقینی نے اپنے فتاوٰی میں اس کو برقرار رکھا۔ اور یونہی اسکی صحت پر جزم فرمایا امام ابن حجر نے افضل القری میں۔ **میں کہتاہوں** امام محقق ابن ہمام نے فتح القدیر کے باب الاحرام میں تصریح کی کسی کی تحسین فرع اسکے حال وعین کی معرفت ہے کی ہے۔ **میں کہتا ہوں** پھر تصحیح کا حال کیسا ہے اور جانتے ہو کہ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت ہے۔ ۱۲منہ (ت)

[1] المستدرك للحاکم کتاب التاریخ استغفار آدم بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم دار الفکر بیروت ۲/ ۶۱۵، کنزالعمال بحوالہ ك وغیرہ حدیث ۳۲۱۳۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۱۵

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثالث الفصل الاول المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/ ۱۳۷، ۱۳۸، نسیم الریاض بحوالہ البیہقی و الطبرانی الباب الثالث الفصل الاول مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲/ ۲۲۴

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثالث الفصل الاول المطبعة الشرکة الصحافیة ۱/ ۱۳۸

اوحی اللہ تعالٰی الٰی عیسٰی یا عیسٰی اٰمن بحمد واٰمر من ادرك من امتك ان یؤمنوا بہ فلولا محمد ما خلقت اٰدم ولولا محمد ماخلقت الجنۃ ولا النار ولقد خلقت العرش علی الماء فاضطرب فکتبت علیہ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فسکن[1]۔	اللہ تعالٰی نے عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو وحی بھیجی اے عیسٰی ! ایمان لا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور تیری امت سے جو لوگ اس کا زمانہ پائیں انہیں حکم کر کہ اس پر ایمان لائیں کہ اگر محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) نہ ہوتا میں آدم کو نہ پیدا کرتا، نہ جنت دوزخ بناتا، جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اسے جنبش تھی میں نے اس پر لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھ دیا، پس ٹھہر گیا۔

وحی سوم ۳: ابن عساکر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی: اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے کلام کیا، عیسٰی علیہ السلام کو روح القدس سے بنایا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل فرمایا۔ آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا۔ حضور کو کیا فضل دیا۔ فوراً جبرائیل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نازل ہوئے اور عرض کی حضور کا رب ارشاد فرماتا ہے:

ان کنت اتخذت ابراھیم خلیلًا فقد اتخذتك من قبل حبیبًا وان کنت کلمت موسٰی فی الارض تکلیمًا۔ فقد کلمتك فی السماء۔ وان کنت خلقت عیسٰی من روح القدس فقد خلقت اسمك من قبل ان اخلق الخلق بالفی سنۃ ولقد وطئت فی السماء موطئًا لم یطأہ احد قبلك ولا یطأہ احد بعدك۔ وان کنت اصطفیت اٰدم فقد ختمت بك الانبیاء وما خلقت	اگر میں نے ابراہیم کو خلیل کیا، تمہیں حبیب کیا۔ اور اگر موسٰی سے زمین میں کلام فرمایا، تم سے آسمان میں کلام کیا۔ اور اگر عیسٰی کو روح القدس سے بنایا تو تمہارا نام آفرینشِ خلق سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا۔ اور بیشک تمہارے قدم آسمان میں وہاں پہنچے جہاں نہ تم سے پہلے کوئی گیا نہ تمہارے بعد کسی کو رسائی ہو۔ اور اگر میں نے آدم کو برگزیدہ کیا تمہیں ختم الانبیاء کیا اور تم سے زیادہ عزت وکرامت والا کسی کو

[1] المستدرك للحاکم کتاب التاریخ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود الناس بالخیر دار الفکر بیروت ۲/ ۶۱۵

خلقاً اکرم علی منک (وساق الحدیث الی ان قال) ظلّ عرشی فی القیامۃ علیك ممدود تاج الحمد علی رأسك معقود وقرنت اسمك مع اسمی فلا اذکر فی موضع حتی تذکر معی۔ و لقد خلقت الدنیا و اھلھا لاعرفھم کرامتك ومنزلتك عندی، ولولاك ماخلقت الدنیا[1]۔	نہ بنایا، قیامت میں میرے عرش کا سایہ تم پر گُسترده، اور حمد کا تاج تمہارے سر پر آراستہ، تمہارا نام میں نے اپنے نام سے ملایا کہ کہیں میری یاد نہ ہو، جب تک تم میرے ساتھ یاد نہ کئے جاؤ اور بیشک میں نے دنیا واہل دنیا کو اس لئے بنایا کہ جو عزت ومنزلت تمہاری میرے نزدیک ہے ان پر ظاہر کروں، اگر تم نہ ہوتے میں دنیا کو نہ بناتا۔

وحی چہارم۴: دیلمی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتانی جبریل فقال ان اللہ یقول لولا ك ماخلقت الجنۃ ولولاك ماخلقت النار[2]۔	میرے پاس جبریل نے حاضر ہو کر عرض کی اللہ تعالٰی فرماتا ہے اگر تم نہ ہوتے میں جنت کو نہ بناتا، اور اگر تم نہ ہوتے میں دوزخ کو نہ بناتا۔

یعنی آدم وعالَم سب تمہارے طفیلی ہیں، تم نہ ہوتے تو مطیع وعاصی کوئی نہ ہوتا، جنت ونار کس کیلئے ہوتیں، اور خود جنت ونار اجزائے عالم سے ہیں، جن پر تمہارے وجود کا پر تو پڑا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم ۔

مقصود ذاتِ اُوست دگر جملگی طفیل | منظورِ نور اوست وگر جملگی ظلام [3]

(مقصود ان کی ذات ہے باقی تمام طفیلی ہے، فقط انہی کا نور دکھائی دیتا ہے باقی سب تاریکیاں ہیں۔ت)

وحی پنجم۵: ابو نعیم حلیہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳ /۲۹۶ و ۲۹۷

[2] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عباس حدیث ۳۲۰۲۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱ /۴۳۱

3

اوحی اللہ تعالٰی الٰی موسٰی نبیءِ بنی اسرائیل انہ من لقینی وھو جاحد باحمد ادخلتہ النار قال یارب ومن احمد قال ماخلقت خلقا اکرم علیّ منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان خلق السمٰوٰت والارض ان الجنۃ محرمۃ علٰی جمیع خلقی حتی یدخلھا ھو وامتہ قال ومن امتہ قال الحمادون (وذکر صفتھم ثم قال) قال اجعلنی نبی تلک الامۃ قال نبیھا منھا قال اجعلنی من امۃ ذٰلک النبی قال استقدمت واستاخر و لکن ساجمع بینک وبینہ فی دار الخلد[1]۔	اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی بنی اسرائیل کو خبر دے دے کہ جو احمد کو نہ مانے گا اسے دوزخ میں ڈالوں گا۔ عرض کی: اے میرے رب! احمد کون ہے؟ فرمایا: میں نے کوئی مخلوق اس سے زیادہ اپنی بارگاہ میں عزت والی نہ بنائی، میں نے آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے اس کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا، اور جب تک وہ اور اس کی امت داخل نہ ہولے جنت کو تمام مخلوق پر حرام کیا۔ عرض کی: الٰہی! اس کی امت کون ہے؟ فرمایا: وہ بڑی حمد کرنے والی۔ اور ان کی اور صفاتِ جلیلہ نے ارشاد فرمائیں۔ عرض کی الٰہی! مجھے اس امت کا نبی کر۔ فرمایا: ان کا نبی انہیں میں سے ہوگا۔ عرض کی: الٰہی مجھے اس نبی کی امت میں کر۔ فرمایا: تو زمانہ میں مقدّم اور وہ متاخر ہے، مگر ہمیشگی کے گھر میں تجھے اور اسے جمع کروں گا۔

وحی ششم[۶]: ابن عساکر وخطیب بغدادی انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لمّا اسری بی قربنی ربی حتی کان کان بینی وبینہ کقاب قوسین اوادنٰی، وقال لی یا محمد! ھل غمّک ان جعلتک اٰخر النبیین قلت	شب اسراء مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہا۔ رب نے مجھ سے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم!) کیا تجھے کچھ برا معلوم ہوا کہ میں نے تجھے سب انبیاء سے

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی نعیم فی الحلیۃ باب ذکرہ فی التوارۃ والانجیل الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۱۲

لا(یارب) عـــہ۱ قال فھل غم امّتك ان جعلتھم اُخر الامم۔قلت لا(یارب)،قال اخبر امتك انی جعلتھم اُخر الامم لافضع الامر عند ھم ولا افضحھم عند الامم[1]۔	متأخر کیا۔عرض کی:نہیں اے رب میرے!فرمایا:کیا تیری امت کو غم ہوا کہ میں نے انہیں سب امتوں سے پیچھے کیا۔میں نے عرض کی نہیں اے رب میرے!فرمایا:اپنی امتوں سے اس لئے پیچھے کیا کہ اور امتوں کو ان کے سامنے رسوا کروں اور انہیں کسی کے سامنے رسوانہ کروں۔

وحی ہفتم۷:ابونعیم انس بن مالک اور بیہقی حضرت ابوہریرہ عـــہ۲ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دلائل النبوۃ میں راوی،حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لما فرغت مما امرنی اللہ بہ من امر السمٰوٰت قلت یارب انہ لم یکن نبی قبلی الاّوقد اکرمتہ جعلت ابراھیم خلیلا وموسٰی کلیما وسخرت لداؤد الجبال ولسلیمان الریاح والشیاطین واحییت لعیسٰی الموتی فما جعلت لی؟قال	جب میں حسب ارشادِ الٰہی سیر سمٰوٰت سے فارغ ہوا اللہ تعالٰی سے عرض کی:اے رب میرے!مجھ سے پہلے جتنے انبیاء تھے سب کو تُو نے فضائل بخشے۔ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خلیل کیا،موسی علیہ السلام کو کلیم۔داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑ مسخر کیے،سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور شیاطین۔عیسٰی علیہ السلام کے لیے مردے جلائے،میرے لیے کیا کیا؟ارشاد

عـــہ۱:اللفظ لابن عساکر ولیست عندہ لفظۃ یارب فی الموضعین انما زدتہ من عند الخطیب استحلاء ۱۲ منہ۔	لفظ ابن عساکر کے ہیں اور ان کے نزدیک لفظ ''یارب'' دونوں جگہ نہیں ہے،اس کو میں نے خطیب کے ہاں سے حلاوت حاصل کرنے کیلئے بڑھادیا ہے۔۱۲منہ(ت)

عـــہ۲:واضح ہو کہ محدثین کے نزدیک تعدد صحابی سے حدیث متعدد ہو جاتی ہے۔۱۲منہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر ذکر عروجہ الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۹۶ ،۲۹۵ تاریخ بغداد ترجمہ احمد بن محمد النزولی ۲۵۵۷ دارالکتاب بیروت ۵/ ۱۳۰

اولیس اعطیتك افضل من ذلك کله لا اذکر الا ذکرت معنی[1] الحدیث۔	ہوا، کیا میں نے تجھے ان سب سے بزرگی عطا نہ کی کہ میری یاد نہ ہو جب تک تو میرے ساتھ یاد نہ کیا جائے۔

اور اس کے سوا اور فضائل ذکر فرمائے۔ یہ لفظ حدیث انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہیں۔ اور حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں ہے رب عزوجل نے فرمایا:

ما اعطیتك خیرا من ذلك اعطیت الکوثر وجعلت اسمك مع اسمی ینادی به فی جوف السماء (الی ان قال) وخبات شفاعتك ولم اخباها النبی غیرك[2]۔	یعنی جو میں نے تجھے دیا وہ ان سب سے بہتر ہے میں نے تجھے کوثر عطا فرمایا اور میں نے تیرا نام اپنے نام کے ساتھ کیا جوف آسمان میں اس کی ندا ہوتی ہے، اور میں نے تیری شفاعت ذخیرہ کر رکھی ہے اور تیرے سوا کسی نبی کو یہ دولت نہ دی۔

وحی ہشتم ۸: امام اجل حکیم ترمذی و بیہقی و ابن عساکر ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتخذ الله ابراهیم خلیلا وموسی نجیا واتخذنی حبیبا ثم قال وعزتی وجلالی لاوثرن حبیبی علی خلیلی ونجی[3]۔	اللہ تعالٰی نے ابراہیم اور موسٰی کو نجی کیا اور مجھے اپنا حبیب بنایا۔ پھر فرمایا مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم بیشک اپنے پیارے کو اپنے خلیل اور نجی پر تفضیل دوں گا۔

وحی نہم ۹: ابن عساکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] الدر المنثور بحواله ابی نعیم فی الدلائل تحت الایة ۹۴ /۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸ /۵۰۴، دلائل النبوة للبیهقی باب الدلیل علی ان النبی صلی الله علیه وسلم عرج به الی السماء الخ دار احیاء التراث العلمیه بیروت ۲ /۴۰۲

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الاول الباب الثالث الفصل الاول المطبعة الشرکة الصحافیة ۱ /۱۳۴

[3] الدر المنثور تحت الایة ۴ /۱۲۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۶۵۶، کنز العمال حدیث ۳۱۸۹۳ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۱ /۴۰۶

قال لی ربی عزوجل نحلت ابراھیم خلتی وکلمت موسی تکلیما واعطیت یامحمد کفاحا[1]	مجھ سے میرے رب عزوجل نے فرمایا: میں نے ابراہیم کو اپنی خلت بخشی اور موسی سے کلام کیا اور تجھے اے محمد اپنا مواجہ عطافرمایا (کہ پاس آکر بے پردہ وحجاب میرا وجہ کریم دیکھا)

وحی دہم ۱۰: بیہقی وہب بن منبہ سے راوی:

اوحی فی الزبور یاداؤد انہ سیاتی بعدك من اسمہ احمد ومحمد صادقا نبیا لا اغضب علیہ ابدا ولا یغضبنی ابدا (الی قولہ) امتہ مرحومۃ اعطیتھم من النوافل مثل ما اعطیت الانبیاء وافترضت علیھم الفرائض التی افترضت علی الانبیاء والرسل حتی یاتونی یوم القیامۃ نورھم مثل نور الانبیاء (الی ان قال) یاداؤد فانی فضلت محمدا وامتہ علی الامم کلھا[2] الی اخرہ۔	اللہ تعالٰی نے زبور مقدس میں وحی بھیجی: اے داؤد عنقریب تیرے بعد وہ سچا نبی آئے گا جس کا نام احمد و محمد ہے، میں کبھی اس سے ناراض نہ ہوں گا اور نہ وہ کبھی میری نافرمانی کرے گا۔ اس کی امت امت مرحومہ ہے، میں نے انھیں وہ نوافل عطا کئے جو پیغمبروں کو دیے، اور ان پر وہ احکام فرض ٹھہرائے جو انبیاء اور رسل پر فرض تھے، یہاں تک کہ وہ لوگ میرے پاس روز قیامت اس حال پر حاضر ہوں گے کہ ان کا نور مثل نور انبیاء کے ہوگا۔ اے داؤد! میں نے محمد کو سب سے افضل کیا۔ اور اس کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

وحی یازدہم ۱۱: ابونعیم وبیہقی حضرت کعب احبار سے راوی، ان کے سامنے ایک شخص نے خواب بیان کیا، گویا لوگ حساب کے لیے جمع کئے گئے اور حضرات انبیاء بلائے گئے، ہر نبی کے ساتھ اس امت آئی، ہر نبی کے لیے دو نور ہیں، اور ان کے ہر پیرو کے لیے ایک نور جس کی روشنی میں چلتا ہے۔ پھر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلائے گئے ان کے سرانور عـــہ وروئے منور کے ہر بال سے جدا جدا نور کے

عـــہ: یہاں صرف اسی قدر بیان میں آیا، ورنہ حضور کے سرانور سے پائے تک نور ہی نور ہوگا جیسا کہ تابش ۲ جلوہ ۲، ارشاد ۳۵ میں مذکور ہوگا ۱۲ منہ۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ذکر عروجہ الی السماء واجتماعہ الی الانبیاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۶

[2] دلائل النبوۃ باب صفۃ الرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۸۰

بجے بُلند ہیں جنھیں دیکھنے والا تمیز کرے، اور ان کے ہر پیرو کے لیے انبیاء کی طرح دو نور ہیں جس کی روشنی میں راہ چلتا ہے۔

کعب نے خواب سن کر فرمایا: **باللہ الذی لاالٰہ الا ھو رأیت ھٰذا فی منامك** تجھے قسم اللہ کی جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، تو نے یہ واقعہ خواب میں دیکھا۔ کہا ہاں، **والذی نفسی بیدہ انھا الصفة محمد وامته وصفة الانبیاء وامھا فی کتاب اللہ تعالٰی فکانما قرأته فی التوراة**[1]۔ قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بیشک بعینہٖ کتاب اللہ میں یوں ہی صفت لکھی ہے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کی امت اور انبیائے سابقین اور ان کی امتوں کی، گویا تو نے توریت میں پڑھ کر بیان کیا۔

وحی دوازدہم ۱۲: امام قسطلانی مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں رسالہ میلاد وامام علامہ ابن طغربک سے ناقل مروی ہوا، آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عرض کی: الٰہی! تو نے میری کنیت ابو محمد کس لئے رکھی؟ حکم ہوا: اے آدم! اپنا سر اٹھا۔ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے سر اٹھایا سراپردہ عرش میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور نظر آیا۔ عرض کی: الٰہی! یہ نور کیا ہے؟ فرمایا:

ھذا نور نبی من ذریتك اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاہ ما خلقتك ولا خلقت سماء والارضا[2]۔	یہ نور ایک نبی کا ہے تیری ذریّت یعنی اولاد سے، اس کا نام آسمان میں احمد ہے اور زمین میں محمد، اگر وہ نہ ہوتا تو میں تجھے نہ بناتا، نہ آسمان وزمین کو پیدا کرتا۔

وحی سیزدہم ۱۳: **وفیه اعنی فی المواھب** مروی ہوا، جب آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام جنت عــــہ سے باہر آئے، ساق عرش اور ہر مقام بہشت میں نامِ پاک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام الٰہی سے ملا ہوا

عــــہ: **اقول: باللہ التوفیق** (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) جنت سے باہر آنا، اور خوف الٰہی کے عظیم پہاڑوں کا دل مبارک پر دفعۃً ٹوٹ پڑنا، پھر اپنی لغزش کی یاد اور اس پر ندامت، اور اللہ جل جلالہ سے حیاء و خجلت آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام پر اس وقت کی حالت احاطہ تقریر و تحریر میں نہیں آسکتی۔ ایسے حال میں اگر آدمی اگلی جانی پہچانی بات بھی ذہول کرے تو اصلاً جائے تعجب نہیں، **فافھم. واللہ تعالٰی اعلم**۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب ذکرہ فی التوراة والانجیل الخ مرکز اہلسنت برکاتِ رضا گجرات الہند ۱/ ۱۶

[2] المواھب اللدنیة طیبة صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷۰

لکھا دیکھا۔ عرض کی: الٰہی! یہ محمد کون ہے؟ فرمایا: هذا ولدك الذی لولاه ما خلقتك یہ تیری بیٹا ہے، یہ اگر نہ ہوتا میں تجھے نہ بناتا۔ عرض کی: الٰہی! اس بیٹے کی حرمت سے اس بات پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا: اے آدم! اگر تو محمد کے وسیلہ سے تمام اہل آسمان و زمین کی شفاعت کرتا ہم قبول فرماتے[1]۔

وحی چہاردہم ۱۴: امام ابن سبع وعلامہ غزنی سیدنا مولا کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ناقل:

ان اللّٰه تعالٰی قال لنبیه من اجلك اسطح البطحاء و اموج الموج وارفع السماء واجعل الثواب والعقاب۔ ذکرہ الزرقانی[2] فی الشرح۔	یعنی اللہ تعالٰی نے اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایا: میں تیرے لئے بچھاتا ہوں زمین، اور موجزن کرتا ہوں دریا، اور بُلند کرتا ہوں آسمان، اور مقرر کرتا ہوں جزا و سزا۔ (اس کو زرقانی نے شرح میں ذکر کیا ہے)

ان سب روایات کا حاصل وہی ہے کہ تمام کائنات نے خلعت وجود حضور سید الکائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں پایا۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے[3]

وحی پانزدہم ۱۵: فی فتاوی الامام سراج الدین البلقینی (امام سراج الدین بلقینی کے فتاوٰی میں۔ت) اللہ تعالٰی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایا:

قد مننت علیك بسبعة اشیاء اولها انی لم اخلق فی السموات والارض اکرم علی منك[4]۔	میں نے تجھ پر سات احسان کئے، ان میں پہلا یہ ہے کہ آسمان وزمین میں کوئی تجھ سے زیادہ عزت والا نہ بنایا۔

وحی شانزدہم ۱۶: امام اجل فقیہ محدث عارف باللہ استاد ابو القاسم قشیری اور مفسر

---

[1] المواهب اللدنیة استشفاع آدم به صلی الله علیه وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۸۲

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه بحواله ابن سبع عن علی رضی الله عنه المقصد الاول ۱/ ۴۴

[3] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ کراچی ۱/ ۷۹

[4] المنح المکیة فی شرح الهمزیة بحواله السراج البلقینی فی فتاویه شعر ۱ المجمع الشقاء فی ابو ظهبی ص ۱۲۱

ثعلبی پھر علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فرماتے ہیں حق عزجلالہ نے اپنے حبیب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم سے فرمایا:

الجنۃ حرام علی الانبیاء حتی تدخلھا وعلی الامم حتی تدخلھا امتك [1]۔	جنت انبیاء پر حرام ہے جب تک تم داخل نہ ہو اور امتوں پر حرام ہے جب تک تمھاری امت نہ جائے۔

وحی ہفدہم ۱۷: علامہ ابن ظفر کتاب خیر البشر، پھر قسطلانی وشامی وحلبی و دلجی وغیرہم علماء اپنی تصانیف جلیلہ میں ناقل، رب العزت تبارک وتعالٰی کتاب شعیا علیہ الصلوٰۃ والسلام میں فرماتا ہے:

عبدی الذی سرت بہ نفسی انزل علیہ وحی فیظھر فی الامم عدل ویوصیھم الوصایا ولایضحك ولا یسمع صوتہ فی الاسواق یفتح العیون العور والاذان الصم ویحیی القلوب الغلف وما اعطیہ لا اعطی احدا مشفح یحمد اللہ حمدا جدیدا [2]	میرا بندہ جس سے میرا نفس شاد ہے اس پر اپنی وحی اتاروں گا، وہ تمام امتوں میں میرا عدل ظاہر کرے گا اور انہیں نیک باتوں پر تاکید فرمائے گا، بے جا نہ ہنسے گا، اور بازاروں میں اس کی آواز نہ سنی جائے گی، اندھی آنکھیں اور بہرے کان کھول دے گا، اور غافل دلوں کو زندہ کرے گا، میں جو اسے عطا کروں گا وہ کسی کو نہ دوں گا۔ مشفح اللہ کی نئی حمد کرے گا۔

مشفح ہمارے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام اور محمد سے ہموزن وہم معنی ہے یعنی بکثرت وبار بار سراہا گیا۔

وحی ہیجدہم ۱۸: علامہ فارسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں چند آیات توریت نقل فرمائیں جن میں حق سبحانہ وتعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

---

[1] المواھب اللدنیہ المقصد الخامس الاسراء والمعراج المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۹۳، تفسیر القشیری تحت الایۃ ۵۳ /۱۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۲۴۸، الکشف والبیان (تفسیر الثعلبی) تحت الایۃ ۵۳ /۱۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۹ /۱۳۹

[2] سبل الھدی والرشاد دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۵۱۴ المواھب اللدنیہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۵۴

یاموسی احمد نی اذا مننت علیك مع كلامی ایاك بالایمان باحمد ولو لم تقبل الایمان باحمد ما جاورتنی فی داری ولا تنعمت فی جنتی یاموسی من لم یومن باحمد من جمیع المرسلین ولم یصدقه ولم یشتق الیه كانت حسناته مردودة علیه ومنعته حفظ الحكمة ولاادخل فی قلبه نور الهدی وامحو اسمه من النبوة یاموسی من امن باحمد وصدقته اولئك هم الفائزون ومن كفر باحمد وكذبه من جمیع خلقی اولئك هم الخسرون اولئك هم النادمون اولئك هم الغافلون [1]	اے موسی ! میری حمد بجالا جبکہ میں نے تجھ پر احسان کیا کہ اپنی ہم کلامی کے ساتھ تجھے احمد پر ایمان عطا فرمایا، اور اگر تو احمد پر ایمان لانا نہ مانتا میرے گھر میں مجھ سے قرب نہ پاتا، نہ میری جنت میں چین کرتا۔ اے موسی تمام مرسلین سے جو کوئی احمد پر ایمان نہ لائے اور اس کی تصدیق نہ کرے اور اس کا مشتاق نہ ہو اسکی نیکیاں مردود ہوں گی، اور اسے حکمت کے حفظ سے روک دوں گا، اور اس کے دل میں ہدایت کا نور نہ ڈالوں گا، اور اس کا نام دفتر انبیاء سے مٹادوں گا۔ اے موسٰی ! جو احمد پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے، اور میری مخلوق میں جس نے احمد سے انکار اور اس کی تکذیب کی وہی زیاں کار، وہی ہیں پشیمان، وہی ہیں بے خبر۔

الحمدللہ یہ آیتیں خوب ظاہر فرماتی ہیں اس عہد وپیمان کو جو آیہ کریمہ "لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ" [2] میں مذکور ہوا۔

تذییل: بعض روایات میں ہے حق عزجلالہ اپنے حبیب کریم افضل الصلوٰۃ والتسلیم سے ارشاد فرماتا ہے:

یامحمد انت نور نوری وسر سری وکنوز هدایتی وخزائن معرفتی جعلت فداء لك ملكی من العرش	اے محمد ! تو میرے نور کا نور ہے، اور میرے راز کا راز، اور میری ہدایت کی کان۔ اور میری معرفت کے خزانے ! میں نے اپنا ملک عرش سے لے کر

[1] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۳۵۵
[2] القران الکریم ۳ /۸۱

الی ماتحت الارضین کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاك یا محمد [1]۔ اللھم رب محمد صل علی محمد و ال محمد اسالك برضاك عن محمد ورضا محمد عنك ان ترضی عنا محمد اوترضی عنا بمحمد امین الہ محمد وصل علی محمد وال محمد وبارك وسلم۔	تحت الثرٰی تک سب تجھ پر قربان کردیا۔ عالم میں جو کوئی ہے سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں یا محمد!۔ اے اللہ، اے رب محمد، درود نازل فرما محمد مصطفٰی اور ان کی آل پر۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں محمد مصطفٰی پر تیرے راضی ہونے اور تجھ پر محمد مصطفٰی کے راضی ہونے کے وسیلے سے کہ تو محمد مصطفٰی کو ہم پر راضی کردے اور محمد مصطفٰی کے وسیلہ سے تو ہم پر راضی ہو جا۔ اے محمد مصطفٰی کے معبود! ہماری دعا قبول فرما اور محمد مصطفٰی اور آپ کی آل پر درود بھیج اور برکت و سلامتی نازل فرما۔ (ت)

تابش دوم ارشادت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین

یہ تابشیں تین ۳ جلووں سے شعشہ افگن:

جلوہ اول نصوص جلیہ مسئلہ علیّہ

ارشاد اول ۱: احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا سید الناس یوم القیامۃ وھل تدرون مما ذلك یجمع اللہ الاولین والاخرین فی صعید واحد الحدیث	میں روز قیامت سب لوگوں کا سردار ہوں، کچھ جانتے ہو یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالٰی سب اگلے پچھلوں کو ایک ہموار میدان وسیع میں جمع کریگا۔ پھر حدیث طویل شفاعت

1

بطولہ [1]۔	ارشاد فرمائی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے ثرید و گوشت حاضر آیا، حضور نے دست گوسفند کو ایک بار دندان اقدس سے مشرف کیا اور فرمایا:

انا سید الناس یوم القیامۃ۔	میں قیامت کے دن سردار مردم ہوں۔

پھر دوبارہ اس گوشت سے قدرے تناول کیا اور فرمایا:

انا سید الناس یوم القیامۃ۔	میں قیامت کے دن سردار جہانیاں ہوں۔

جب حضور نے دیکھا مکرر فرمانے پر بھی صحابہ عـــہ وجہ نہیں پوچھتے، فرمایا الا تقولون کیفہ پوچھتے نہیں کہ یہ کیونکر ہے؟ صحابہ نے عرض کی: کیف ھو یارسول اللہ ہاں اللہ کے رسول یہ کیونکر ہے؟ فرمایا: یقوم الناس لرب العلمین لوگ رب العلمین کے حضور کھڑے ہوں گے پھر حدیث شفاعت ذکر فرمائی [2]۔

ارشاد دوم ۲: مسلم، ابوداؤد انہی سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا سید ولد ادم یوم القیامۃ و	میں روز قیامت تمام آدمیوں کا سردار، اور

عـــہ: اصحابہ کو اجمالاً حضور کی سیادت مطلقہ معلوم تھی، معہذا جو کچھ فرمائیں عین ایمان ہے، چون وچرا کی کیا مجال، لہذا وجہ نہ پوچھی، مگر نہ جانا کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس وقت تفصیلاً اپنی سیادت کبرٰی کا بیان فرمانا چاہتے ہیں اور منتظر ہیں کہ بعد سوال ارشاد ہوتا کہ اوقع فی التفنن ہو۔ جب صحابہ مقصود والا کو نہ سمجھے تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود متنبہ فرماکر سوال کیا اور جواب ارشاد کیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲منہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل باب قول اللہ تعالٰی ذریۃ من حملنا مع نوح الخ ۲ /۶۸۴و۶۸۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۱، سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ باب ما جاء فی الشفاعۃ حدیث ۲۴۴۲ دار الفکر بیروت ۴ /۱۹۶، مسند امام احمد حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۴۳۵

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۱

اول ینشق عنه القبر واول شافع و اول مشفع[1]۔	سب سے پہلے قبر سے باہر تشریف لانے والا، اور پہلا شفیع اور پہلا وہ جس کی شفاعت قبول ہو۔

ارشاد سوم ۳: احمد، ترمذی، ابن ماجہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا سید ولد ادم یوم القیامة ولا فخر وبیدی لواء الحمد ولا فخر وما من نبی یومئذ ادم فمن سواہ الا تحت لوائی[2] الحدیث۔	میں روز قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں، اور یہ کچھ فخر سے نہیں فرماتا۔ اور ہاتھ میں لوائے حمد ہوگا۔ اور یہ فخر نہیں کہتا اس دن اور ان کے سوا جتنے ہیں سب میرے زیر لوا ہوں گے۔

ارشاد چہارم ۴: دارمی، بیہقی، ابو نعیم انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا سید الناس یوم القیامة ولا فخر وانا اول من یدخل الجنة والا فخر[3]	میں قیامت میں سردار مردماں ہوں اور کچھ تفاخر نہیں۔

ارشاد پنجم ۵: حاکم و بیہقی کتاب الرؤیۃ میں عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا سید الناس یو م القیامة ولا فخر ما من احد الا وھو تحت	میں روز قیامت سب لوگوں کا سردار ہوں اور کچھ افتخار نہیں، ہر شخص قیامت میں میرے ہی

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب تفضیل نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۵، سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی التخیر بین الانبیاء علیہم السلام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۸۶

[2] الترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل حدیث ۳۱۵۹ دار الفکر بیروت ۵/ ۹۹ و ۱۰۰، الترمذی ابواب المناقب باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۳۶۳۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۵۴، کنز العمال بحوالہ حم ت عن ابی سعید حدیث ۳۱۸۸۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۴

[3] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنعمة ربہ دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۴۷۹، سنن دارمی باب اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ حدیث ۵۳ دار المحسن للطباعة القاھرۃ ۱/ ۳۱

لوائی یوم القیامۃ ینتظر الفرج وان معی لواء الحمد انا مشی ویمشی الناس معی حتی اتی باب الجنۃ فاستفتح فیقال من ھذا؟ فاقول محمد، فیقال مرحبا بمحمد، فاذا رایت ربی خررت لہ ساجدا انظر الیہ[1]۔	نشان کے نیچے کشائش کا انتظار کرتا ہوگا، اور میرے ہی ساتھ لوائے حمد ہوگا، میں جاؤں گا اور لوگ میرے ساتھ چلیں گے، یہاں تک کہ درجنت پر تشریف لے جا کر کھلواؤں گا پوچھا جائے گا: کون ہے؟ میں کہوں گا محمد کہا جائے گا: مرحبا محمد کو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا اس کے حضور سجدے میں گر پڑوں گا اس کے وجہ کریم کی طرف نظر کرتا۔

ارشاد ششم[۶]: ابونعیم عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ارسلت الی الجن والانس والی کل احمر واسود واحلت لی الغنائم دون الانبیاء وجعلت لی الارض کلھا طھورا ومسجدا ونصرت بالرعب اماما شھرا فاعطیت خواتیم سورۃ البقرۃ وکانت من کنوز العرش و خصصت بھا دون الانبیاء فاعطیت المثانی مکان التورۃ والمئین مکان الانجیل والحوامیم مکان الزبور وفضلت بالمفصل وانا سید ولد ادم فی الدنیا والاخرۃ ولا فخر وانا	میں جن وانس اور ہر سرخ سیاہ کی طرف رسول بھیجا گیا، اور سب انبیاء سے الگ میرے ہی لئے غنیمتیں حلال کی گئیں، اور میرے لئے ساری زمین پاک کرنے والی اور مسجد ٹھہری، اور میرے آگے ایک مہینہ راہ تک رعب سے میری مدد کی گئی، اور مجھے سورہ بقرہ کی پچھلی کہ خزانہ ہائے عرش سے تھیں عطا ہوئی، یہ خاص میرا حصہ تھا سب انبیاء سے جدا، اور مجھے تورات کے بدلے قرآن کی وہ سورتیں ملیں جن میں سو سے کم آیتیں ہیں، اور انجیل کی جگہ سو سو آیت والیاں اور زبور کے عوض حم کی سورتیں اور مجھے مفصل سے تفضیل دی گئی کہ سورۂ حجرات سے آخر قران تک ہے

[1] کنز العمال بحوالہ ك وابن عساکر عن عبادۃ الصامت حدیث ۳۲۰۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۳۴

اول تنشق الارض عنی وعن امتی ولا فخر بیدی لواء الحمد یوم القیامة وجمیع الانبیاء تحته ولا فخر والی مفاتیح الجنة یوم القیامة ولا فخر وبی تفتح الشفاعة ولا فخر وانا سابق الخلق الی الجنة یوم القیامة والا فخر وانا امامهم وامتی بالاثر[1]۔	اور دنیا وآخرت میں میں تمام بنی ادم کا سردار ہوں، اور کچھ فخر نہیں۔ اور سب سے پہلے میں اور میری امت قبور سے نکلے گی اور کچھ فخر نہیں، اور قیامت کے دن میرے ہی ہاتھ لوائے حمد ہوگا اور تمام انبیاء اس کے نیچے، اور کچھ فخر۔ اور میرے ہی اختیار میں جنت کی کنجیاں ہوں گی، اور کچھ فخر نہیں، اور مجھی سے شفاعت کی پہل ہوگی، اور کچھ فخر نہیں اور میں تمام مخلوق سے پہلے روز قیامت جنت میں تشریف لے جاؤں گا، اور کچھ فخر نہیں۔ میں ان سب کے آگے ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے۔ اللھم جعلنا منھم فیھم ومعھم بجاھه عندك امین! اے اللہ! ہمیں کردے ان سے، ان میں، اور ان کے ساتھ، اپنے محبوب کی وجاہت کے صدقے میں جو تیرے ہاں ہے۔ یاالٰہی! قبول فرما۔ (ت)

فقیر کہتا ہے مسلمان پر لازم ہے کہ اس نفیس حدیث شریف کو حفظ کرلے تاکہ اپنے آقائے نامدار کے فضائل وخصائص پر مطلع رہے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشاد ہفتم: احمد، بزار، ابویعلی اور ابن حبان اپنی صحیح میں حضرت جناب افضل الاولیاء الاولین والاخرین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیث شفاعت میں راوی، لوگ ادم ونوح وخلیل وکلیم علیہم الصلوۃ والتسلیم کے پاس ہوتے ہوئے حضرت مسیح کے پاس حاضر ہونگے حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے لیس ذاکم عندی ولکن انطلقوا الی سید ولد آدم۔ تمھارا یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا مگر تم اس کے پاس حاضر ہو جو تمام بنی آدم کا سردار ہے۔ لوگ خدمت اقدس میں حاضر ہوں گے حضور ولا جبرائیل امین علیہ الصلوہ والتسلیم کو اپنے رب کے پاس اذن لینے کے لیے بھیجیں گے۔ رب تبارک وتعالٰی اذن دے گا۔ حضور حاضر ہو کر ایک ہفتہ ساجد رہیں گے، رب عزمجدہ فرمائے گا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ مسموع ہوگی، اور شفاعت کرو

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الرابع عالم الکتب بیروت ۱/ ۱۳

کہ قبول ہوگی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سر اٹھائیں گے تو رب عظیم کا وجہ کریم دیکھیں گے فورا پھر سجدے میں گریں گے، ایک ہفتہ اور ساجد رہیں گے۔ رب جل وعلا پھر وہی کلمات لطف فرمائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سر مبارک اٹھائیں گے پھر سہ بارہ قصد سجدہ فرمائیں گے، جبرائیل امین حضور کے بازو تھام کر روک لیں گے اس وقت حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے رب کریم سبحانہ سے عرض کرینگے **یارب جعلتنی سید ولد ادم ولا فخر** اے رب میرے! تو نے مجھے سردار بنی آدم کیا اور کچھ فخر نہیں الی اخر الحدیث [1]۔

ارشاد ہشتم ۸: حاکم وبیہقی عــہ۱ فضائل الصحابہ میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: [2]۔ میں تمام عالم کا سردار ہوں۔

ارشاد نہم ۹: دارمی، ترمذی، ابو نعیم بسند حسن عــہ۲ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے

عــہ۱: صححه الحاکم قاله ابن حجر المکی فی افضل القرٰی واقره علیه وفی الحدیث قصة، قلت واما انا فانما اوردته فی المتابعات ۱۲منه۔

اس کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ ابن حجر مکی نے افضل القری میں یہی کہا اور اس کو برقرار رکھا، اور حدیث میں قصہ ہے، میں کہتا ہوں کہ میں نے تو اس کو متابعات میں وارد کیا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

عــہ۲: تحسنیه هو الذی حققه السراج البلقینی فی فتاوٰه کما اثر عنه فی ام القرٰی وان خالف فیه ابو عیسٰی رحمه اللہ تعالٰی ۱۲منه۔

سراج بلقینی نے اپنے فتاوی میں اس کو حسن قرار دیتے ہوئے اس کی تحقیق فرمائی جیسا کہ افضل القری میں اس سے منقول ہے، اگرچہ ابو عیسٰی علیہ الرحمۃ نے اس کی مخالفت کی۔ ۱۲منہ (ت)

---

[1] مسند احمد حنبل عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۵، مسند ابی یعلی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنه مؤسسة علوم القران بیروت ۱/ ۵۹، موارد الظمأن حدیث ۲۵۸۹ المطبعة السلفیه ص ۶۴۲ ۶۴۳، کنز العمال بحواله البزار حدیث ۳۹۷۵۰ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۴/ ۶۲۸ ۶۲۹

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) بحواله البیهقی تحت الآیة ۲/ ۲۵۳ دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۱۶۸

راوی، دراقدس پر کچھ صحابہ بیٹھے حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے انتظار میں باتیں کر رہے تھے حضور تشریف فرما ہوئے، انہیں اس ذکر میں پایا کہ ایک کہتا ہے اللہ تعالٰی نے ابراہیم کو خلیل بنایا۔ دوسرا بولا: حضرت موسٰی سے بے واسطہ کلام فرمایا۔ تیسرے نے کہا: اور عیسٰی کلمۃ اللہ وروح اللہ ہیں۔ چوتھے نے کہا: آدم علیہ السلام صفی اللہ ہیں۔ جب وہ سب کہہ چکے حضور پر نور صلوات اللہ سلامہ، علیہ قریب آئے اور ارشاد فرمایا: میں نے تمہارا کلام اور تمہارا تعجب کرنا سنا کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور ہاں وہ ایسے ہی ہیں، اور موسٰی نجی اللہ ہیں اور بیشک وہ ایسے ہی ہیں، اور عیسٰی روح اللہ ہیں اور وہ واقعی ایسے ہی ہیں، اور آدم صفی اللہ ہیں اور حقیقت میں وہ ایسے ہی ہیں۔

الا وانا حبیب اللہ ولا فخر، وانا حامل لواء الحمد یوم القیٰمۃ تحتہ اٰدم فمن دونہ ولا فخر، وانا اول شافع واول مشفّع یوم القیٰمۃ ولا فخر، وانا اول من یحرك حلق الجنۃ فیفتح اللہ لی فیدخلنیھا ومعی فقراء المؤمنین ولا فخر، وانا اکرم الاولین و الاٰخرین علی اللہ ولا فخر [1]	سن لو، اور میں اللہ تعالٰی کا پیارا ہوں، اور کچھ فخر مقصود نہیں، اور میں روزِ قیامت لواءِ محمد اٹھاؤں گا جس کے نیچے آدم اور ان کے سوا سب ہوں گے، اور کچھ تفاخر نہیں۔ اور میں پہلا شافع اور مقبول الشفاعۃ ہوں، اور کچھ افتخار نہیں۔ اور سب سے پہلے میں دروازہ جنت کی زنجیر ہلاؤں گا۔ اللہ تعالٰی میرے لئے دروازہ کھول کر مجھے اندر داخل کرے گا، اور میرے ساتھ فقرائے مومنین ہوں گے، اور یہ ناز کی راہ سے نہیں کہتا۔ اور میں سب اگلے پچھلوں سے اللہ تعالٰی کے حضور زیادہ عزت والا ہوں، اور یہ بڑائی کے طور پر نہیں فرماتا۔

ارشادِ دہم ۱۰: دارمی اور ترمذی عـــہ بافادہ تحسین اور بویعلٰی وبیہقی وابونعیم انس رضی اللہ

عـــہ: ھو عند الترمذی مختصرًا ۱۲ منہ۔	وہ ترمذی کے نزدیک مختصر ہے۔ ۱۲ منہ (ت)

[1] سنن الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۳۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵ /۳۵۴، ۳۵۵، سنن الدارمی باب مااعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۱/ ۳۰

تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول الناس خروجًا اذا بعثوا، وانا قائدھم اذا وفدوا، وانا خطیبھم اذا نصتوا، وانا مستشفعھم اذا حبسوا، وانا مبشرھم اذا یئسوا الکرامۃ، والمفاتیح یومئذ بیدی، ولواء الحمد یومئذ بیدی، انا اکرم ولد اٰدم علی ربی یطوف علی الف خادم کانھم بیض مکنون ولؤلؤ منثور[1]۔	میں سب سے پہلے باہر تشریف لاؤں گا جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے۔ اور میں سب کا پیشوا ہوں گا جب اللہ تعالٰی کے حضور چلیں گے۔ اور میں ان کا خطیب ہوگا جب وہ دم بخود رہ جائیں گے۔ اور میں ان کا شفیع ہونگا جب عرصہ محشر میں روکے جائیں گے۔ اور میں انہیں بشارت دوں گا جب وہ ناامید ہوجائیں گے۔ عزت اور خزائن رحمت کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی۔ اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ میں تمام آدمیوں سے زیادہ اپنے رب کے نزدیک اعزاز رکھتا ہوں۔ میرے گرد و پیش ہزار خادم عــہ دوڑتے ہوں گے، گویا وہ انڈے ہیں حفاظت سے رکھے ہوئے یا موتی ہیں بکھرے ہوئے۔

عــہ: ظاہر حدیث یہ ہے کہ یہ خدام حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گرد و پیش عرصاتِ محشر میں ہوں گے، اور وہاں دوسروں کے لئے خدام ہونا معلوم نہیں۔

فلاحاجۃ الی ماقال الزرقانی ان ھذہ الف من جملۃ ما اعدّ	چنانچہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، جو زرقانی نے کہا کہ یہ ہزار ان میں سے ہوں گے جو آپ کیلئے (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ دار الکتب العلمیہ بیروت ۵ /۴۸۴ ودلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الرابع عالم الکتب بیروت الجزء الاول ۱ /۱۳ وسنن الدارمی باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۱ /۳۰ وسنن الترمذی ابواب المناقب حدیث ۳۶۳۰ دار الفکر بیروت ۵ /۳۵۲

ارشادِ یازدہم ": بخاری تاریخ میں، اور دارمی بسند ثقات، اور طبرانی اوسط میں، اور بیہقی وابو نعیم جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا قائد المرسلین ولافخر، وانا خاتم النبیین ولا فخر [1]۔	میں پیشوائے مرسلین ہوں، اور کچھ تفاخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور کچھ افتخار نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

له فقد روی ابن ابی الدنیا عن انس رفعه ان اسفل اهل الجنة اجمعین درجة من یقوم علی رأسه عشرة اٰلاف خادم وعنده ایضًا عن ابی هریرة ایضًا قال ان ادنی اهل الجنة منزلة ولیس فیهم دنی من یغدو ویروح علیه خمسة عشر الف خادمًا لیس منهم خادم الامعه طرفة لیست مع صاحبه [2] اھ فان هذا فی الجنة والذی له صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیها لایعلم الا ربه تبارك وتعالٰی، والله تعالٰی اعلم ۱۲ منه۔

تیار کیے گئے۔ ابن ابی الدنیا نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا روایت کیا کہ تمام اہل جنت سے نیچے درجے والے کے لیے دس ہزار خادم ہوں گے اور ان کے نزدیک ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ تمام اہل جنت سے ادنٰی منزل والے کے لیے کہ ان میں کوئی گھٹیا نہیں، صبح و شام پندرہ ہزار خادم ہوں گے، ان میں سے ہر خادم میں کوئی نئی خوبی ہوگی جو دوسرے میں نہیں ہوگی اھ کیونکہ یہ خدّام جنت میں ہوں گے اور جنت میں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے کتنے خادم ہوں گے، سوائے آپ کے کوئی نہیں جانتا۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] سنن الدارمی ماأعطی النبی صلی الله علیه وسلم من الفضل دار المحاسن للطباعة القاهرة ۱/ ۳۱، دلائل النبوة للبیهقی باب ماجاء فی تحدث رسول الله صلی الله علیه وسلم الخ دار الکتب العلمیة بیروت ۵/ ۴۸۰، التاریخ الکبیر حدیث ۲۸۳۷ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۴/ ۳۸۶

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد العاشر دار المعرفة بیروت ۸/ ۴۰۰

ارشاد دوازدہم [۱۲]: ترمذی بافادۂ تحسین حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللّٰه تعالٰی خلق الخلق فجعلنی فی خیرھم ،ثم جعلھم فرقتین فجعلنی فی خیرھم فرقۃ،ثم جعلھم قبائل فجعلنی فی خیرھم قبیلۃ،ثم جعلھم بیوتا فجعلنی فی خیرھم بیوتا.فانا خیرھم نفسا وخیرھم بیتا[1]۔	اللہ تعالٰی نے مخلوق پیدا کی تو مجھے بہترین مخلوقات میں رکھا۔ پھر ان کے دو گروہ کئے تو مجھے بہتر گروہ میں رکھا۔ پھر ان کے خاندان بنائے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا۔ پس میں تمام مخلوق الٰہی سے خود بھی بہتر اور میرا خاندان بھی سب خاندانوں سے افضل۔

ارشاد سیزدہم [۱۳]: طبرانی معجم اور بیہقی دلائل اور امام علامہ قاضی عیاض بسند خود شفاء شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللّٰه قسم الخلق قسمین فجعلنی من خیرھم قسما فذٰلك قوله تعالٰی اصحاب الیمین واصحاب الشمال فانا من اصحاب الیمین وانا خیر اصحاب الیمین،ثم جعل القسمین اثلاثا فجعلنی فی خیرھا ثلثا وذٰلك قوله تعالٰی اصحابه المیمنة واصحاب المشئمة والسابقون فانا من السابقین وانا خیر السابقین،ثم جعل الاثلاث قبائل فجعلنی من خیرھا قبیلة وذٰلك قولهٖ تعالٰی وجعلنٰکم شعوبًا و قبائل فانا اتقٰی ولد اٰدم واکرمھم	اللہ تعالٰی نے خلق کی دو قسمیں کیں تو مجھے بہتر قسم میں رکھا۔اور یہ وہ بات ہے جو خدا تعالٰی نے فرمائی۔ دہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے، تو میں دہنے ہاتھ والوں سے ہوں، اور میں سب دہنے ہاتھ والوں سے بہتر ہوں۔اور یہ خدائے تعالٰی کا وہ ارشاد ہے کہ دہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے۔ اور سابقین، تو میں سابقین میں سے ہوں، اور میں سب سابقین سے بہتر ہوں۔ پھر ان حصوں کے قبیلے بنائے تو مجھے بہتر قبیلے میں رکھا۔اور یہ خدائے تعالٰی کا وہ فرمان ہے کہ ہم نے کیا تمہیں شاخیں اور قبیلے۔(یعنی الی قوله تعالٰی ان اکرمکم

[1] سنن الترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۴۳ دار الفکر بیروت ۵/ ۳۱۴

علی اللہ ولا فخر ، ثم جعل القبائل بیوتا فجعلنی من خیرھا بیتا وذٰلک قولہ تعالٰی " اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿۳۳﴾ "[1]۔	عنداللہ اتقٰکم بیشک تم سب میں زیادہ عزت والا خدا کے یہاں وہ ہے جو تم سب میں زیادہ پرہیزگار ہے) تو میں سب آدمیوں سے زیادہ پرہیزگار ہوں، اور سب سے زیادہ اللہ کے یہاں عزت والا، اور کچھ فخر مراد نہیں۔ پھر ان قبیلوں کے خاندان کئے تو مجھے بہتر خاندان میں رکھا۔ اور یہ اللہ تعالٰی کا وہ کلام ہے کہ خدائے تعالٰی یہی چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کرے اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کر دے ستھرا کر کے۔

ارشاد چہاردہم ۱۴: ابن عساکر و بزار بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

خیار ولد اٰدم خمسة نوح و ابراھیم وموسٰی وعیسٰی ومحمد وخیرھم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	بہترین اولاد آدم پانچ ہیں: نوح وابراہیم وموسٰی وعیسٰی ومحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اور ان سب بہتروں میں بہتر محمد ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تنبیہ: ان کے سوا اور نصوص واضحہ ان شاء اللہ تعالٰی جلوہ سوم و تابش چہارم میں آئیں گے وباللہ التوفیق۔

جلوہ دوم جلائل متعلقہ بآخرت

تابش اول میں بہت حدیثیں اس مطلب کی گزریں ان سے غفلت نہ چاہیے

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۷۰، ۱۷۱، المعجم الکبیر حدیث ۱۲۶۰۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۱۰۴، الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثالث الفصل الاول المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۱۳۰، ۱۳۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر عن ابی ہریرۃ حدیث ۳۱۹۰۵ و ۳۲۲۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۸۳ و ۴۰۷

واللہ الہادی

ارشاد پانزدہم ۱۵: صحیح بخاری و صحیح مسلم شریف میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

نحن الاخرون السابقون یوم القیامۃ[1] (زاد مسلم) ونحن اول من یدخل الجنۃ[2]۔	ہم (زمانے میں) پچھلے، اور قیامت کے دن (ہر فضل میں عـــہ آگے ہیں۔ (مسلم میں یہ زیادہ ہے) اور ہم سب سے پہلے داخل جنت ہوں گے۔

ارشاد شانزدہم ۱۶: اسی میں حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امم سابقہ کی نسبت فرماتے ہیں:

ھم تبع لنا یوم القیامۃ نحن الاخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیامۃ المقضی لھم قبل الخلائق[3]۔	وہ قیامت میں ہمارے توابع ہوں گے، ہم دنیا میں پیچھے آئے اور قیامت میں پیشی رکھیں گے تمام جہان سے پہلے ہمارے ہی لئے اللہ تعالٰی حکم فرمائے گا۔

ارشاد ہفدہم ۱۷: دارمی عمرو بن قیس ابن مکتوم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالٰی ادرك بی الاجل المرحوم واختصر لی اختصارا فنحن الاخرون ونحن السابقون یوم القیامۃ وانی قائل قولا غیر فخر ابراھیم خلیل اللہ و موسی صفی اللہ	یعنی جب رحمت خاص کا زمانہ آیا اللہ تعالٰی نے مجھے پیدا فرمایا اور میرے لئے کمال اختصار کیا۔ ہم ظہور میں پچھلے اور روز قیامت رتبے میں اگلے ہیں اور میں ایک بات فرماتا ہوں جس میں فخر وناز کو دخل نہیں۔ ابراہیم اللہ کے خلیل اور موسی اللہ کے

عـــہ: قال الزرقانی فی کل شیئ ۱۲ منہ۔	زرقانی نے کہا کہ ہر شے میں۔ (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجمعہ باب ھل علی من لا یشھد الجمعۃ غسل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲۳

[2] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۲۸۲

[3] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۲۸۲

وانا حبیب اللہ ومعی لواء الحمد یوم القیامة[1] الحدیث۔	صفی اور میں اللہ کا حبیب ہوں، اور میرے ساتھ روز قیامت لواء الحمد ہوگا۔

قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اختصر لی اختصارا (نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد مذکور اختصر لی اختصارا کے بارے میں علماء فرماتے ہیں۔ت): یعنی امجھے اختصار کلام بخشا کہ تھوڑے لفظ ہوں اور معنی کثیر ــــ یا ۲ میرے لئے زمانہ مختصر کیا کہ میری امت کو قبروں میں کم دن رہنا پڑے۔

اقول: وباللہ توفیق (میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) ــــ یا ۳ یہ کہ میرے لئے امت کی عمریں کہ کہیں کہ مکارہ دنیا سے جلد خلاص پائیں، گناہ کم ہوں۔ نعمت باقی تک جلد پہنچیں ــــ یا ۴ یہ کہ میری امت کے لیے طول حساب کو اتنا مختصر فرمادیا کہ اے امت محمد! میں نے تمھیں اپنے حقوق معاف کیے۔ آپس میں ایک دوسرے کے حق معاف کرو اور جنت کو چلے جاؤ ــــ یا ۵ یہ کہ میرے غلاموں کے لئے پل صراط کی راہ کہ پندرہ ہزار برس کی ہے اتنی مختصر کردے گا کہ چشم زدن میں گزر جائیں گے یا جیسے بجلی کوند گئی۔ کما فی الصحیحین[2] عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ت) ــــ یا ۶ یہ کہ قیامت کا دن کہ پچاس ہزار برس کا ہے میرے غلاموں کے لیے اس سے کم دیر میں گزر جائے گا جتنی دیر میں دو رکعت فرض پڑھتے ہیں کما فی حدیث احمد[3] وابی یعلی وابن جریر وابن حبان وابن عدی والبغوی والبیہقی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہم (جیسا کہ احمد، ابویعلی، ابن جریر، ابن حبان، ابن عدی، بغوی اور بیہقی کی حدیث میں ہے۔ت) ــــ یا ۷ یہ کہ علوم ومعارف جو ہزار سال کی محنت وریاضت میں نہ حاصل ہوسکیں میری چند روزہ خدمت گاری میں میرے اصحاب پر منکشف فرمادے ــــ یا ۸ یہ کہ زمین سے عرش تک لاکھوں برس کی راہ میرے لئے ایسی مختصر کردی کہ آنا اور جانا اور تمام مقامات کو تفصیلا ملاحظہ فرمانا سب تین ساعت میں ہولیا ــــ یا ۹ یہ کہ مجھ پر کتاب اتاری جس کے معدود ورقوں میں تمام اشیاء گزشتہ وآئندہ کا روشن مفصل بیان جس کی ہر آیت کے

---

[1] سنن الدارمی باب ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل دار المحاسن للطباعة القاہرة ۱/ ۳۲

[2] المواہب اللدنیہ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۶۶۶ ـ ۶۶۷

[3] الدر المنثور بحوالہ احمد وابی یعلی وابن جریر وابن حبان والبیہقی تحت الآیة ۷۰/ ۴ بیروت ۸/ ۲۶۰

نیچے ساٹھ ساٹھ ہزار علم جس کی ایک آیت کی تفسیر سے ستر ستر اونٹ بھر جائیں۔ اس زیادہ اور کیا اختصار متصور ــــ یا۱ یہ کہ شرق تا غرب اتنی وسیع دنیا کو میرے سامنے ایسا مختصر فرمادیا کہ میں اسے اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسے دیکھ رہا ہوں کانما انظر الی کفی ہذہ جیسا کہ میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، کمافی حدیث ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما عند الطبرانی[1] وغیرہ (جیسا کہ طبرانی وغیرہ کے نزدیک ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما کی حدیث میں ہے۔ت) ــــ یا۲ یہ کہ میری امت کے تھوڑے عمل پر اجر زیادہ دیا، کمافی حدیث الاجراء فی الصحیحن قال ذلك اوتیہ من اشاء[2] (جیسا کہ صحیحین میں اجیرون کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا یہ میرا فضل ہے جسے چاہے عطا کرتا ہوں ت) ــــ یا۳ اگلی امتوں پر جو اعمال شاقہ طویلہ تھے ان سے اٹھالئے، پچاس عــــہ نمازوں کی پانچ رہیں اور حساب کرم

عــــہ: ہذہ یدور علی الالسن ووقع فی التفسیر فمنھم من ینسبہ لبنی اسرائیل کالبیضاوی ومنھم من یعینہ الیھود کاخرین لکن رد علیھم الامام العلامۃ الجلال السیوطی قائلا انہ لم یفرض علی بنی اسرائیل خمسون صلوۃ قط ولا خمس صلوات ولم تجتمع الخمس الا لھذہ الامۃ وانما فرض علی بنی اسرائیل صلاتان فقط کما فی الحدیث[3] اھ وقام شیخ الاسلام

یہ لوگوں کی زبانوں پر دائر ہے، اور تفسیر میں واقع ہے، بعض نے اس کو بنی اسرائیل کی طرف منسوب کیا ہے جیسے بیضاوی۔ اور بعض نے یہود کو معین کیا ہے جیسے متاخرین۔ لیکن ان سب کا رد امام سیوطی نے یہ کہہ کر کیا کہ بنی اسرائیل پر کبھی پچاس نمازیں فرض نہیں ہوئیں اور نہ ہی اس امت کے علاوہ کسی پر پانچ نمازیں مجتمع ہوئیں۔ بنی اسرائیل پر فقط دو نمازیں فرض ہوئیں تھیں جیسا کہ حدیث میں ہے شیخ السلام ان پر غالب آنے کیلئے اٹھ کھڑے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[1] کنز العمال حدیث ۳۱۸۱۰ ۳۱۹۸۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۳۷۸ ۴۲۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب الاجارہ الی نصف النہار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۲، صحیح البخاری کتاب الاجارہ باب الاجارہ الی صلوۃ العصر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۲

3

میں پوری پچاس۔ زکوۃ میں چہارم مال کا چالیسواں حصہ رہا اور کتاب فضل میں وہی ربع کا ربع، وعلی ھذا القیاس، والحمد للہ رب العلمین۔ یہ بھی حضور کے اختصار کلام سے ہے کہ ایک لفظ کے اتنے کثیر معنی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشاد ہیجد ہم [۱۸]: امام احمد وابن ماجہ [عہ] وابوداؤد وطیالسی وابویعلی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انہ لم یکن نبی الالہ دعوۃ قد تخیر ھا فی الدنیا وانی قد اختبات دعوتی شفاعۃ لامتی وانا سید ولد ادم یوم القیامۃ ولا فخر، وان اول من تنشق عنہ الارض ولا فخر، وبیدی لواء الحمد ولا فخر، ادم فمن دونہ تحت لوائی ولافخر	یعنی ہر نبی کے واسطے ایک دیا تھی کہ وہ دنیا میں کر چکا اور میں نے اپنی دعا روز قیامت کے لئے چھپا رکھی ہے، وہ شفاعت ہے میری امت کے لئے۔ اور میں قیامت میں اولاد آدم کا سردار ہوں، اور کچھ فخر مقصود نہیں۔ اور اول میں مرقد اطہر سے اٹھوں گا، اور کچھ فخر منظور نہیں اور میرے ہی ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا، اور کچھ افتخار نہیں۔ آدم اور ان کے بعد جتنے ہیں سب

ینتصر لھم بما ردہ علیہ الشمس الزرقانی وقد اخرج النسائی عن یزید ابن مالك عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حدیث المعراج قول موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام انہ تعالٰی فرض علی بنی اسرائیل صلاتین فما قاموبھما [1] واللہ تعالٰی اعلم

(ہوئے اس کے سبب جو ان پر شمس الزرقانی نے رد کیا ہے، اور تحقیق نسائی نے یزید بن ابی مالک سے انھوں نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حدیث معراج میں موسی علیہ السلام کا یہ قول روایت کیا کہ اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض کی تھیں تو وہ ان دو پر قائم نہ رہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے)

عــہ: ھو عند ابن ماجۃ مختصرا ۱۲ منہ

وہ ابن ماجہ کے نزدیک مختصر ہے ۱۲ (ت)

[1] سنن النسائی کتاب الصلوۃ فرض الصلوۃ نور محمد کارخانہ کتب کراچی ۱/ ۷۸

(ثم ساق حدیث الشفاعۃ الی ان قال) فاذا اراد اللہ ان یصدع بین خلقہ نادی مناد این احمد وامتہ فنحن الاخرون الاولون نحن اخر الامم واول من یحاسب فتفرج لنا الامم عن طریقنا فنمضی غرا محجلین من اثر الطہور فیقول الامم کادت ھذہ الامۃ ان تکون انبیاء کلھا[1] الحدیث۔	میرے زیر نشان ہوں گے، اور کچھ تفاخر نہیں۔ جب اللہ تعالٰی خلق میں فیصلہ کرنا چاہے گا ایک منادی پکارے گا: کہاں ہیں احمد اور ان کی امت؟ تو ہمیں آخر ہیں اور ہمیں اول ہیں، ہم سب امتوں سے زمانے میں پیچھے اور حساب میں پہلے۔ تمام امتیں ہمارے لئے راستہ دیں گی۔ ہم چلیں گے اثر وضو سے رخشندہ رخ وتابندہ اعضاء، سب امتیں کہیں گی: قریب تھا کہ یہ امت توساری کی ساری انبیاء ہوجائے الحدیث

؎ جمال پر توش درمن اثر کرد   وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم[2]

(اس کے پر تو نے مجھ میں اثر کیا ہے ورنہ میں خاک ہوں جو کہ ہوں۔ ت)

ارشاد نوزدہم ۱۹: مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمی[3]۔	میں ہی حاشر ہوں کہ تمام لوگ میرے قدموں پر اٹھائیں جائیں گے۔

یعنی روز محشر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آگے ہوں گے اور تمام اولین وآخرین حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیچھے۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۸۱ و ۲۸۲، مسند ابی یعلی عن عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۲۳۲۴ مؤسسۃ علوم القران بیروت ۳/ ۵ تا ۷

[2] گلستان سعدی دیباچہ کتاب مکتبہ اویسیہ بہاول پور ص ۳

[3] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الصف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۲۷، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائہ صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۱، سنن الترمذی ابواب الادب باب جاء فی اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۲۸۴۹ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۸۲ و ۳۸۳

ارشادِ بستم (۲۰): ابن زنجویہ فضائل الاعمال میں کثیر بن مرہ حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

تبعث ناقة ثمود لصالح فيركبها من عند قبره حتى توافى به المحشر قال معاذ اذن تركب العضباء يا رسول الله ! قال لا تركبها ابنتى وانا على البراق اختصصت به من دون الانبياء يومئذ ويبعث بلال على ناقة من نوق الجنة ينادى على ظهرها بالاذان فاذا سمعت الانبياء واممها اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله قالوا ونحن نشهد على ذٰلک[1]۔	یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: صالح علیہ الصلوۃ والسلام کیلئے ناقہ ثمود اٹھایا جائے گا وہ اپنی قبر سے اس پر سوار ہو کر میدان محشر میں آئیں گے (فقیر کہتاہے غفراللہ تعالیٰ لہ عشاق کی عادت ہے کہ جب کسی جمیل باعزت کی کوئی خوبی سنتے ہیں فورًا ان کی نظر اپنے محبوب کی طرف جاتی ہے کہ اس کے مقابل اس کے لیے کیا ہے۔) اسی بناء پر معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کی: اور یارسول اللہ! حضور اپنے ناقہ مقدسہ عضباء پر سوار ہوں گے۔ فرمایا: نہ، اس پر تو میری صاحبزادی سوار ہوگی اور میں براق پر تشریف رکھوں گا کہ اس روز سب انبیاء سے الگ خاص مجھی کو عطا ہوگا، اور ایک جنتی اونٹنی پر بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا حشر ہوگا کہ عرصاتِ محشر میں اس کی پشت پر اذان دے گا۔ جب انبیاء اور ان کی امتیں اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدا رسول اللہ سنیں گے سب بول اٹھیں گے کہ ہم بھی اس پر گواہی دیتے ہیں۔

سبحان اللہ! جب تمام مخلوق الٰہی اولین وآخرین یکجا ہوں گے اس وقت بھی ہمارے آقائے نامدار والا سرکار کے نام پاک کی دُہائی پھرے گی۔ الحمدللہ! اس دن کھل جائے گا کہ ہمارے حضور نبی الانبیاء ہیں۔ المنۃ للہ تعالیٰ، اس دن موافق ومخالف پر روشن ہوجائے گا کہ مالک یوم الدین ایک اللہ ہے اور اس کی نیابت سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ارشاد بست ویکم ۲۱: ترمذی بافادۂ تحسین وتصحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] تہذیب تاریخ دمشق الکبیر بحوالہ ابن زنجویہ ترجمہ بلال بن رباح دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۱۲

انا اول من تنشق عنه الارض فاکسی حلة من حلل الجنة اقوم عن یمین العرش لیس احدمن الخلائق یقوم ذٰلك المقام غیری[1]۔	میں سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لے جاؤں گا، پھر مجھے جنت کے جوڑوں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا، میں عرش کی داہنی طرف ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں تمام مخلوقِ الٰہی میں کسی کو بار نہ ہوگا۔

ارشاد بست ودوم ۲۲: احمد، دارمی، ابو نعیم واللفظ لہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اول من یکسی ابراہیم ثم یقعد مستقبل العرش ثم اوتی بکسوتی فالبسها فاقوم عن یمینه مقامًا لا یقوم احد غیری یغبطنی فیه الاولون والاٰخرون[2]۔	سب سے پہلے ابراہیم (علیہ الصلٰوۃ والسلام) کو جوڑا پہنایا جائے گا، وہ عرش کے نیچے بیٹھ جائیں گے۔ پھر میری پوشاک حاضر کی جائے گی میں پہن کر عرش کی دائیں طرف ایسی جگہ کھڑا ہوں گا جہاں میرے سوا دوسرے کو بار نہ ہوگا، اگلے پچھلے مجھ پر رشک لے جائیں گے۔

ارشاد بست وسوم ۲۳: بیہقی کتاب الاسماء والصفات میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اُکسیٰ حلة من الجنة لایقوم لها البشر[3]۔	مجھے وہ بہشتی لباس پہنایا جائے گا کہ تمام بشر جس کی قدر و عظمت کے لائق نہ ہوں گے۔

ارشاد بست وچہارم ۲۴: طبری تفسیر میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے موقوفًا واللفظ لہٗ اور مثل احمد کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرفوعًا راوی:

یرقی ھو صلی اللہ تعالٰی علیه	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضور

[1] سنن الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۳۱ دار الفکر بیروت ۵ /۳۵۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۳۹۸ و ۳۹۹، الخصائص الکبری بحوالہ ابی نعیم باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲ /۲۱۷

[3] الاسماء والصفات للبیہقی باب ماجاء فی العرش والکرسی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ۲ /۱۳۸

وسلم وامته علی کوم فوق الناس[1]۔	کی امت روز قیامت بُلندی پر تشریف رکھیں گے سب سے اونچے۔

ارشاد بست وپنجم ۲۵: ابن جریر وابن مردویہ جابر عــــہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

عــــہ: **تنبیه**: اصل الحدیث عند مسلم فی باب اثبات الشفاعة من کتاب الایمان موقوفا علی جابر لکنه وقع فیه من الناسخین خبط وغلط فی جمیع الاصول حتی خرج اللفظ عن حد المعقول ولفظه ھکذا قال نحن نجیئ یوم القیٰمة عن کذا کذا انظر ای ذٰلك فوق الناس[2] الحدیث، وانما صوابه کما افاد الامام القاضی عیاض واتبعته جماعة من العلماء واقر النووی فی المنهاج نجیئ یوم القیٰمة علی کوم[3]، والراوی اظلم علیه ھذا الحرف فعبر عنه بکذا وکذا وفسره بقوله ای فوق الناس وکتب علیه انظر تنبیها فجمیع النقلة

تنبیہ: اصل حدیث امام مسلم علیہ الرحمہ کے نزدیک سیدنا حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر موقوف ہے جیسا کہ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات الشفاعۃ میں ہے۔ لیکن اس میں کاتبوں سے بے احتیاطی واقع ہوئی، یہاں تک کہ لفظ حدیث حد معقول سے خارج ہوگئے، اس کے لفظ یوں ہیں کہ ہم قیامت کے دن ایسے ایسے آئیں گے یعنی تمام لوگوں سے بُلندی پر ہوں گے الحدیث۔ درست حدیث یوں ہے جیسا کہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے افادہ فرمایا اور علماء کی ایک جماعت نے ان کی پیری کی اور منہاج میں امام نووی نے اس کو برقرار رکھا کہ ''ہم قیامت کے دن بُلندیوں پر تشریف فرماہوں گے۔'' راوی پر یہ حرف ''کوم'' مخفی ہوگیا تو اس نے اس کو کذا کذا کے ساتھ تعبیر کردیا پھر اپنے قول ''فوق الناس'' کے ساتھ اس کی تفسیر کردی اور

[1] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت الآیۃ ۱۷/ ۷۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۱۶۹

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۶

[3] شرح صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۶

حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا وامتی یوم القیامۃ علی کوم مشرفین علی الخلائق ما من الناس احد الا ودّ انہ منا[1]۔	میں اور میری امت روز قیامت بُلندیوں پر ہونگے سب سے اونچے، کوئی ایسا نہ ہوگا جو تمنا نہ کرے کہ کاش وہ ہم میں سے ہوتا۔

ارشاد بست وششم ۲۶: صحیح مسلم شریف میں ابن بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مجھے تین سوال دیئے، میں نے دوبار عرض کی: اللھم اغفر لامتی، اللھم اغفر لامتی۔ الٰہی! میری امت بخش دے، الٰہی! میری امت بخش دے۔ واخرت الثالث لیوم یرغب الیّ فیہ الخلق کلھم حتی ابراھیم[2] اور تیسرا اس دن کے لیے اٹھا رکھا ہے جس میں تمام خلق میری طرف نیاز مند ہوگی یہاں تک کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اتفقوا ونسقوہ علی انہ من متن الحدیث ثم استوضح ذٰلك القاضی لحدیث ابن عمر وحدیث کعب المذکورین **قلت** والعجب انہ ذھل عن حدیث جابر نفسہ وقد کان ایضا عند الطبری کما رأیت ۱۲ منہ۔	بطور تنبیہ اس پر ''انظر'' لکھ دیا پھر تمام ناقلین اس پر مجتمع ہوگئے اور انہوں نے اس کو اس طور پر بیان کیا کہ گویا یہ متن حدیث سے ہے۔ پھر قاضی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن عمر اور ابن کعب کی حدیث سے اس میں کمی کرنا چاہی۔ **میں کہتا ہوں** حیرت ہے قاضی علیہ الرحمۃ خود حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی حدیث کو بھول گئے حالانکہ طبری کے نزدیک وہ بھی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ۱۲ منہ (ت)

[1] جامع البیان (تفسیر الطبری) تحت الآیۃ ۲ /۱۴۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۳، الدالمنثور بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم و ابن مردویہ تحت الآیۃ ۲ /۱۴۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۳۱۸

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل القرآن باب بیان ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۷۳

فائدہ: حدیث ان لکل نبی دعوۃ الحدیث [1] کہ مسند احمد و صحیحین میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، امام حکیم ترمذی نے بھی روایت کی، اور اس کے اخیر میں یہ زیادت فرمائی:

وان ابراھیم لیرغب فی دعائی ذٰلك الیوم [2]۔	یعنی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام بھی میری دعا کے خواہش مند ہوں گے۔

احادیث الشفاعة

شفاعت کی حدیثیں خود متواتر ہیں اور یہ بھی ہر مسلمان صحیح الایمان کو معلوم کہ یہ قبائے کرامت اس مبارک اقامت شیان امامت سزاوارِ زعامت کے سوا کسی قدو بالا پر راست نہ آئی، نہ کسی نے بارگاہ الٰہی میں ان کے سوا یہ وجاہت عظمٰی و محبوبیت کبرٰی و اذن سفارش واختیار گزارش کی دولت پائی۔ تو وہ سب حدیثیں تفضیل جمیل محبوب جلیل صلوات اللہ وسلامہ علیہ پر دلیل۔ مگر میں صرف وہ چند احادیث نقل کرتا ہوں جن میں تصریحًا سب انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام عـــہ کا عجز اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدرت بیان فرمائی:

عـــہ: شیخ محقق مولٰنا عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالٰی شرح مشکوٰۃ میں زیر حدیث اولین شفاعت فرماتے ہیں:

صواب است کہ ہمہ انبیاء و مرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین از در آمدن دریں مقام و	درست بات یہ ہے تمام نبی اور رسول صلوات اللہ علیہم اجمعین اس مقام پر (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب لکل نبی دعوۃ مستجابۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۳۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ ۱/ ۱۱۳، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۲۹۲

[2] نوادر الاصول الاصل الثالث والسبعون ص ۱۱۰ والاصل الثانی عشر والمائۃ ص ۱۴۸

ارشاد بست و ہفتم ۲۷: حدیث موقف مفصل مطوّل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ [1] اور بخاری و مسلم وابن ماجہ نے انس [2] اور ترمذی وابن خزیمہ نے ابو سعید خدری [3] اور احمد و بزار وابن حبان وابو یعلی نے صدیق اکبر [4] (رضی اللہ تعالٰی عنہ) اور احمد و

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اقدام بریں کار عاجز و قاصر اند بجز سید المرسلین وامام النبیین کہ بنہایت قرب وعزت ومکانت مخصوص است و محمود و محبوب حضرت اوست [5]۔

جلوہ افروز ہو کر اقدام شفاعت سے عاجز و قاصر ہیں سوائے رسولوں کے سردار اور نبیوں کے امام کے جو کہ انتہائی قرب، عزت اور رفعتِ مکانی کے ساتھ مختص ہیں اور بارگاہ الٰہی میں محبوب و محمود ہیں ۱۲منہ (ت)

[1] صحیح البخاری عن ابی ہریرۃ کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل باب قولہ تعالٰی ذریۃ من حملنا ۲ /۶۸۴و۶۸۵، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۴۳۵و ۴۳۶، سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ باب ماجاء فی الشفاعۃ حدیث ۲۴۴۲ دارالفکر بیروت ۴ /۱۹۶و۱۹۷، المواھب اللدنیۃ المقصد العاشر الفصل الثالث المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۴۴۶تا۴۴۸

[2] صحیح البخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالٰی لما خلقت بیدی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۰۱و۱۱۰۲، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۰۸تا۱۱۰، سنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۲۹

[3] سنن الترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل حدیث ۳۱۵۹ دارالفکر بیروت ۵/۹۹ ۱۰۰، سنن الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۳۵ دارالفکر بیروت ۵ /۱۵۴، الخصائص الکبری باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمقام المحمود مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲ /۲۱۸تا۲۲۴

[4] مسند احمد بن حنبل عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۵، موارد الظمآن باب ماجاء فی البعث والشفاعۃ حدیث ۲۵۸۹ المطبعۃ السلفیۃ ص۶۴۲و۶۴۳، مسند ابی یعلٰی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱ /۵۹، کنز العمال بحوالہ البزار حدیث ۳۹۷۵۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴ /۶۲۸و۶۲۹

[5] اشعۃ اللمعات کتاب الفتن باب الحوض والشفاعۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴ /۳۸۶

ابویعلٰی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم [1] سے مرفوعًا الی سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور عبداللہ بن مبارک وابن ابی شیبہ وابن ابی عاصم وطبرانی نے بسند صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ [2] سے موقوفًا روایت کی۔ ان سب عـــہ۱ کے الفاظ جدا جدا نقل کرنے میں طول کثیر ہے۔ لہٰذا میں ان کے متفرق لفظوں کو ایک منتظم سلسلہ میں یکجا کرکے اس جانفزا قصہ کی تلخیص کرتا ہوں، وباللہ التوفیق، ارشاد ہوتا ہے روز قیامت عـــہ۲ **ا** اللہ تعالٰی اولین وآخرین کو ایک میدان وسیع وہموار میں جمع کرے گا کہ سب دیکھنے والے کے پیش نظر ہوں اور پکارنے والے کی آواز سنیں۔ **ہ** دن طویل ہوگا۔ **و** اور آفتاب کو اس روز دس ۱۰ برس کی گرمی دیں گے۔ پھر لوگوں کے سروں سے نزدیک کرینگے یہاں تک کہ بقدر دو کمانوں کے فرق رہ جائے گا، پسینے آنے شروع ہوں گے۔ قد آدم پسینہ تو زمین جذب ہوجائے گا پھر اوپر چڑھنا شروع ہوگا یہاں تک کہ آدمی غوطے کھانے لگیں گے اور

عـــہ۱: ہرچند یہ صحابہ سے چھ حدیثیں ہیں مگر صرف دو ہی شمار میں آئیں کہ حدیث ابوہریرہ اسی کا تتمہ ہے جو ارشاد اول میں گزری، اور حدیث ابوسعید اگرچہ ترمذی نے اسی قدر مختصر اروایت کی جتنی ارشاد سوم میں گزری، مگر تفسیر میں بعین سند مطولا لائے جس کی وجہ سے یہ حدیث اس کا تتمہ ہے، اور حدیث صدیق اکبر بعینہٖ حدیث ارشاد ھفتم ہے، اور حدیث ابن عباس حدیث ارشاد ھیجدہم۔ لہٰذا ان چار کا مکرر شمار نہ ہوا۔ اور صرف حدیث انس وحدیث سلمان تعداد میں آئیں، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

عـــہ۲: یہ حروف بحساب ابجد الف سے واو تک انھیں چھ حدیثوں کی طرف اشارہ ہیں کہ میں نے احدیث اول کو کہ میرے مطلب میں زیادہ مفصل ہے، اصل کیا، اور باقی پانچ میں جو زیادتیاں ہیں باشارہ حروف انھیں متمیز کردیا ۱۲ منہ۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۸۱و۲۸۲، مسند ابی یعلٰی عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حدیث ۲۳۲۴ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۳/ ۵تا۷

[2] المعجم الکبیر عن سلمان رضی اللہ عنہ حدیث ۶۱۱۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۶/ ۲۴۸، السنۃ لابن ابی عاصم حدیث ۸۳۴ دار ابن حزم بیروت ص۱۹۰تا۱۹۲، المصنف لابن ابی شیبۃ حدیث ۳۱۶۶۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۳۱۲

غڑپ غڑپ کرینگے جیسے کوئی ڈبکیاں لیتا ہے۔ا قرب آفتاب سے غم وکرب اس درجہ کو پہنچے گا کہ طاقت طاق کو گی تاب تحمل نہ رہے گی۔ج رہ رہ کر تین گھبرائیں لوگوں کو اٹھیں گی۔ا آپس میں کہیں گے دیکھتے نہیں تم کس آفت میں ہو، کس حال کو پہنچے، کوئی ایسا کیوں نہیں ڈھونڈتے جو رب کے پاس شفاعت کرے۔ب کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے۔ا پھر خود ہی تجویز کریں گے کہ آدم علیہ الصلواۃ والسلام ہمارے باپ ہیں، ان کے پاس چلا جائے، پس آدم علیہ الصلواۃ والسلام کے پاس جائینگے۔د اور پسینے کی وہی حالت ہے کہ منہ میں لگام کی طرح ہوا چاہتا ہے۔ا عرض کریں گے و اے باپ ہمارے ا اے آدم! آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالٰی نے آپ کو دست قدرت سے بنایا اور اپنی روح آپ میں ڈالی اور اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا ب اور سب چیزوں کے نام سکھائے د اور آپ کو اپنا صفی کیا۔ا آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے ب کہ ہمیں اس مکان سے نجات دے ا آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس آفت میں ہیں اور کس حال کو پہنچے۔آدم علیہ الصلواۃ والسلام فرمائیں گے ب لست ھنا کم ہ انہ لم یھمنی الیوم الا ا ان ربی قد غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری میں اس قابل نہیں مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں، آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ نہ ایسا پہلے کبھی کیا نہ آئندہ کبھی کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، مجھے اپنی جان کا خوف ہے، تم اور کسی کے پاس جاؤ۔ و عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے۔د اپنے پدر ثانی انوح کے پاس جاؤ ب کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے زمین پر بھیجا و وہ خدا کے شاکر بندے ہیں۔ا لوگ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے اے نوح و اے نبی اللہ ا آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں اللہ نے عبد شکور آپ کا نام رکھا، د اور آپ کو برگزیدہ کیا اور آپ کی دعا قبول فرمائی کہ زمین پر کسی کافر کا نشان نہ رکھا۔ا آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے، آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیوں نہیں کرتے ہ کہ ہمارا فیصلہ کردے۔ا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے ب لست ھنا کم د لیس ذا کم عندی ہ انہ لایھمنی الیوم الا نفسی ا ان ربی غضب الیوم غضبا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبوا الی غیری میں اس قابل نہیں یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا، آج مجھے اپنی جان کے سوا کسی کی فکر نہیں۔ میرے رب نے آج وہ غضب

فرمایا جو نہ اس سے پہلے کیا اور نہ اس کے بعد کرے، مجھے اپنی جان کی فکر ہے مجھے اپنی جان کا کھٹکا ہے، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، تم کسی اور کے پاس جاؤ۔و عرض کرینگے پھر پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائیں گےب خلیل الرحمٰن ا ابراہیم کے پاس جاؤد کہ اللہ نے انہیں اپنا دوست کیا ہے۔ا لوگ ابراہیم علیہ اصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہوں گے عرض کرینگے وا ے خلیل الرحمٰن،اے ابراہیم ! آپ اللہ کے نبی اور اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں آپ اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے ہ کہ ہمارا کردے۔اآپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں۔آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے۔ابراہیم علیہ الصلٰوۃ و السلام فرمائیں گےب لست ھنا کم د لیس ذاکم عندی ہ لایھمنی الیوم الا نفسی ا ان ربی قد غضب الیوم غضبًا لم یغضب قبلہ مثلہ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبو ا الی غیری میں اس قابل نہیں،یہ کام میرے کرنے کا نہیں،آج مجھے اپنی جان کا تردّد ہے تم کسی اور کے پاس جاء و۔و عرض کرینگے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائینگے اتم موسٰی کے پاس جاؤب وہ بندہ جسے خدا نے توریت دی اور اس سے کلام فرمایا،اور اپنا راز دار بنا کر قرب بخشاہ اور اپنی رسالت دے کر برگزیدہ کیا۔ا لوگ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کرینگے اے موسٰی !آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ تعالٰی نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے لوگوں پر فضیلت بخشی،اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کیجئے،آپ دیکھتے نہیں ہم کس حال کو پہنچے،آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس صدمہ میں ہیں۔ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام فرمائیں گےب لست ھاکم د لیس ذاکم عندی ہ انہ لایھمنی الیوم الا نفسی ا ان ربی قد غضب الیوم غضبًا لم یغضب قبلہ مثلہ۔ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی اذھبوا الی غیری میں اس لائق نہیں یہ کام مجھ سے نہی ہوگا،مجھے آج اپنے سوا دوسرے کی فکر نہیں،میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا نہ کبھی کیا تھا اور نہ کبھی کرے،مجھے اپنی جان کی فکر ہے،مجھے اپنی جان کا خیال ہے،مجھے اپنا جان کا خطرہ ہے،تم کسی اور کے پاس جاؤ۔و عرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔فرمائیں گے ا تم عیسٰی کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے رسول اور اس کے کلمہ اور اس کی روح د کہ مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتے اور مُردے جِلاتے تھے۔ا لوگ مسیح علیہ الصلوۃ کے پاس حاضر ہو کر عرض کرینگے اے عیسٰی !آپ اللہ کے رسول

اوراس کے وہ کلمہ ہیں کہ اس نے مریم کی طرف القاء فرمایا، اوراس کی طرف کی روح ہیں، آپ نے گہوارے میں کلام کیا، اپنے رب کے حضور ہماری شفاعت کیجئے کہ وہ ہمارا فیصلہ فرمادے۔ آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کس اندوہ میں ہیں، آپ دیکھتے ہیں کہ ہم کس حال کو پہنچے۔ مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے **لست ہناکم لیس ذاکم عندی انہ لایھمنی الیوم الانفسی ان ربی قد غضب الیوم غضبًا لم یغضب قبلہ مثلہ۔ ولن یغضب بعدہ مثلہ نفسی نفسی نفسی اذھبوا الٰی غیری** میں اس لائق نہیں یہ کام مجھ سے نہ نکلے گا، مجھے آج اپنی جان کے سوا کسی کا غم نہیں، میرے رب نے آج وہ غضب فرمایا ہے نہ کبھی ایسا کیا نہ کرے، مجھے اپنی جان کا ڈر ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، مجھے اپنی جان کا سوچ ہے، تم اور کسی کے پاس جاؤ۔ وعرض کریں گے پھر آپ ہمیں کس کے پاس بھیجتے ہیں۔ فرمائیں گے **ایتوا عبدا فتح اللہ علی یدیہ ویجیئ فی ھذا الیوم اٰمنا انطلقوا الی سید ولد آدم فانہ اول من تنشق عنہ الارض یوم القیٰمۃ ایتوا محمدا ان کل متاع فی وعاء مختوم علیہ اکان یقدر علی مافی جوفہ حتی یفض الخاتم** تم اس بندے کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ پر اللہ نے فتح رکھی ہے، اور آج کے دن بے خوف ومطمئن ہے، اس کی طرف چلو جو تمام بنی آدم کا سردار اور سب سے پہلے زمین سے باہر تشریف لانے والا ہے، تم محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ بھلا کسی سربمہر ظرف میں کوئی متاع ہو، اس کے اندر کی چیز بے مہر اٹھائے مل سکتی ہے، لوگ عرض کرینگے، نہ۔ فرمائیں گے: **ان محمدًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خاتم النبیین وقد حضر الیوم اذھبوا الی محمد فلیشفع لکم الی ربك** یعنی اسی طرح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انبیاء کے خاتم ہیں (تو جب تک وہ باب فتح نہ فرمائیں کوئی نبی کچھ نہیں کرسکتا۔) اور آج وہ یہاں تشریف فرماہیں تم انہیں کے پاس جاؤ، چاہئے کہ وہ تمہارے رب کے حضور تمہاری شفاعت کریں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اب وہ وقت آیا کہ لوگ تھکے ہارے، مصیبت کے مارے، ہاتھ پاؤں چھوڑے، چار طرف سے امیدیں توڑے، بارگاہ عرش جاہ، بیکس پناہ، خاتم دورہ رسالت، فاتح باب شفاعت، محبوب باوجاہت[عہ]، مطلوب بُلند عزت،

عـــہ: یہ لفظ اس سفیہ کے ردّ میں ہیں جو شفاعت بالوجاہت وشفاعت بالمحبۃ کو (باقی برصفحہ آئندہ)

ملجاء عاجزان، ماوٰی بیکساں، مولائے دوجہان، حضور پر نور محمد رسول اللہ شفیع یوم النشور افضل صلوات اللہ واکمل تسلیمات اللہ واز کی تحیات واللہ وانمی برکات اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعیالہٖ میں حاضر آئی، اور بہزاراں ہزار نالہائے زار ودل بیقرار وچشم اشکبار یوں عرض کرتے ہیں ایا محمد ویانبی اللہ انت الذی فتح اللہ بك وجئت فی ھذا الیوم اٰمنًا انت رسول اللہ وخاتم الانبیاء اشفع لنا الی ربك ہ فلیقض بیننا الا ترٰی الی مانحن فیہ الا ترٰی ما قد بلغنا اے محمد، اے اللہ کے نبی! آپ وہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے فتح باب کیا، اور آج آپ آمن ومطمئن تشریف لائے۔ حضور اللہ کے رسول اور انبیاء کے خاتم ہیں، اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے کہ ہمارا فیصلہ فرمادے، حضور نگاہ تو کریں ہم کس درد میں ہیں، حضور ملاحظہ تو فرمائیں ہم کس حال کو پہنچے ہیں۔ ب حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے انا لھا وان اصاحبکم میں شفاعت کے لے ہوں، میں تمہارا وہ مطلوب ہوں جسے تمام موقف میں ڈھونڈ پھرے، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وبارک وشرف ومجد وکرم (اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام، برکت وکرم وشرف اور بزرگی نازل فرمائے۔ت) اس کے بعد حضور نے اپنی شفاعت کی کیفیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

نہیں مانتا، حالانکہ حقیقۃً اسباب شفاعت یہی ہیں، اور ان کے جو معنی اس نے تراشے وہ اس کی نری زبان درازیاں ہیں، پھر شفاعت بالاذن کا جو مطلب گھڑا محض باطل۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب میں بے ادبی پر مشتمل۔ جیسا کہ حضرت والد قدس سرہ الماجد نے تزکیۃ الایقان اور دیگر علمائے اہل سنت نے اپنی تصانیف میں تحقیق فرمایا۔ پھر احادیث کثیرہ گواہ ہیں کہ اس کے گھڑے ہوئے معنی ہر گز واقع نہ ہوں گے، تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں، اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں وجودِ انسان کا منکر نہیں، مگر لوگ جسے انسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے۔ موجود یہ ہے کہ اس کے پانچ ہاتھ ہوں اور بائیس کان ہوں، اور ستائیس ناکیں، اور سینتالیس منہ، اور پہاڑ پر چڑھ کر پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ احمق سرے سے انسان ہی کا منکر ہے اگرچہ براہ عیاری لفظ انسان کا مقرّ ہے ۱۲منہ)

ارشاد فرمائی۔ یہ نصف حدیث کا خلاصہ ہے۔ مسلمان اسی قدر کو بنگاہ ایمان دیکھے۔ اور اولاً حق جل وعلاکی یہ حکمتِ جلیلہ خیال کرے کہ کیونکر اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیائے عظام علیہم الصلٰوۃ والسلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا۔ اور دفعۃً بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقینا شفیع مشفع ہیں۔ ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے۔ مگر اولین وآخرین وموافقین ومخالفین خلق اللہ اجمعین پر کیونکر کھلتا کہ یہ منصب افخم اسی سید اکرم مولائے اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامن رفیع جلیل ومنیع تمام انبیاء ومرسلین کے دست ہمت سے بُلند وبالا ہے۔ پھر خیال کیجئے کہ دنیا میں لاکھوں کروڑوں کان اس حدیث سے آشنا اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا عرصات محشر میں صحابہ و تابعین وائمۂ محدثین واولیائے کاملین وعلمائے عاملین سبھی موجود ہوں گے۔ پھر کیونکر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلادی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اصلاً یاد نہ آئے گی۔ پھر نوبت بنوبت حضرات انبیاء سے جواب سنتے جائیں گے۔ جب مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتایا ہے۔ پھر حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ و الثناء کو دیکھئے۔ وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیائے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے۔ یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بیکار ہلاک ہوتے ہو۔ تمہارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ہے۔ یہ سارے سامان اسی اظہار عظمت واشتہار وجاہتِ محبوب باشوکت کی خاطر ہیں۔ لیقضی اللہ امرًا کان مفعولًا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (تاکہ اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے، اور درود وسلام نازل فرمائے اپنے محبوب پر۔ت)۔

ثانیًا: سوال شفاعت پر حضرات انبیاء کے جواب اور ہمارے حضور کا مبارک ارشاد ملا، دیکھئے یہیں مقام محمود کا مزہ آتا۔ اور ابھی کالشّمس کھلا جاتا ہے کہ سب نجوم رسالت ومصابیح نبوت میں افضل واعلٰی واجلی واعظم واولٰی وبُلند وبالا ہوی عرب کا سورج حرم کا چاند ہے جس کے نور کے حضور ہر روشنی ماند ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك وشرف ومجد وکرم (اللہ تعالٰی آپ پر درود وسلام وبرکت وکرم وشروف وبزرگی نازل فرمائے۔ت) اور انبیائے خمسہ کی وجہ تخصیص ظاہر کہ حضرت آدم اوّل انبیاء وپدرِ انبیاء ہیں، اور مرسلین اربعہ اولوالعزم مرسل اور وسب انبیائے سابقین سے اعلٰی وافضل، توان پر تفضیل والحمدللہ الملك الجلیل۔

ارشاد بست وہشتم[۲۸]: احمد وترمذی بافادہ تحسین و تصحیح اور ابن ماجہ واحاکم وابن ابی شیبہ بسند صحیح ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا کان یوم القیٰمۃ کنت امام البنبیین وخطیبھم و صاحب شفاعتھم غیر فخر۔[1]	جب قیام کا دن ہوگا تمام انبیاء کا امام اوران کا خطیب اوران کا شفاعت والا ہوں گااور کچھ فخر نہیں (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم)

ارشاد بست ونہم[۲۹]: امام احمد بسند صحیح انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی لقائم انتظر امتی تعبر الصراط اذا جاء عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام فقال ھٰذہ الانبیاء قدجاء تك یامحمد یسألون اوقال یجتمعون الیك یدعوا اللہ ان یفرق بین جمیع الامم الی حیث یشاء اللہ لعظم ما ھم فیہ فالخلق ملجمون فی العرق فاما المؤمن فھو علیہ کالزکمۃ واما الکافر فیتغشاہ الموت قال قال یا عیسٰی انتظر حتی	میں کھڑا ہوا اپنی امت کا انتظار کرتا ہوں گا کہ صراط پر گزر جائے، اتنے میں عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام آکر عرض کرینگے کہ اے محمد! یہ انبیاء اللہ حضور کے پاس التماس لے کر آئے ہیں کہ حضور اللہ تعالٰی سے عرض کردیں وہ امتوں کی اس جماعت کو جہاں چاہے تفریق کردے کہ لوگ بڑی سختی میں ہیں، پسینہ لگا کی مانند ہوگیا ہے (حدیث میں فرمایا) مسلمان پر تو مثل زکام کے ہوگا، اور کافروں کو اس سے موت گھیر لے گی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی بن کعب المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۱۳۷، سنن الترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیث ۳۶۳۳ ۵ /۳۵۳، سنن ابن ماجہ ابواب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۳۳۰، المستدرك للحاکم کتاب الایمان دارالفکر بیروت ۱/ ۷۱، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الفضائل حدیث ۳۱۶۳۱ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۳۰۷

ارجع الیك قال فذھب نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فقام تحت العرش فلقی مالم یلق ملك مصطفی ولانبی مرسل [1] الحدیث۔	علیہ وسلم فرمائیں گے: اے عیسٰی! آپ انتظار کریں یہاں تک کہ میں واپس آؤں۔ پھر حضور زیر عرش جا کر کھڑے ہوں گے وہاں وہ پائیں گے جو نہ کسی مقرب فرشتہ کو ملا نہ کسی نبی مرسل نے پایا۔الحدیث۔

ارشاد سیم ۳۰: مسند احمد و صحیح مسلم میں انہیں سے مروی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اٰتی باب الجنة یوم القیامة فاستفتح فیقول الخازن من انت؟فاقول محمد، فیقول بك امرت ان لا افتح لاحد من قبلك [2]۔	میں روز قیامت درجنت پر تشریف لاکر کھلواؤں گا، داروغہ عرض کرے گا: کون ہے؟ میں فرماؤں گا: محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ عرض کرے گا: مجھے حضور ہی کے واسطے حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لیے نہ کھولوں۔

طبرانی کی روایت میں ہے داروغہ قیام کرکے عرض کرے گا:

لاافتح لاحد قبلك ولا اقوم لاحدٍ بعدک [3]۔	نہ میں حضور سے پہلے کسی کے لیے کھولوں، نہ حضور کے بعد کسی کے لیے قیام کروں۔

اور یہ دوسری خصوصیت ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے۔

ارشاد سی ویکم ۳۱: ابونعیم ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول من یدخل الجنة	میں سب سے پہلے جنت میں رونق افروز

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۷۸، الترغیب والترہیب بحوالہ احمد فصل فی الشفاعۃ وغیرھا مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۳۶

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۳۶

[3] انسان العیون المعروف بالسیرۃ حلبیۃ باب حین المبعث الخ المکتبۃ الاسلامیۃ بیروت ۱/ ۲۳۱

ولافخر [1]۔	ہوں گا۔اور کچھ فخر نہیں۔

ارشاد سی ودوم ۳۲: صحیح مسلم میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اکثر الانبیاء تبعا وانا اول من یقرع باب الجنۃ [2]۔	روز قیامت میں سب انبیاء سے کثرت امت میں زائد ہوں گا، سب سے پہلے میں ہی جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔

مسلم کی دوسری روایت یوں ہے:

انا اول الناس یشفع فی الجنۃ وانا اکثر الانبیاء تبعا [3]۔	میں جنت میں سب سے پہلا شفیع ہوں،اور میرے پیرو سب انبیاء کی امتوں سے افزوں۔

ابن النجار نے ان لفظوں سے روایت کی:

انا اول من یدق باب الجنۃ فلم تسمع الاذان احسن من طنین الحلق علی تلك المصاریع [4]۔	میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کوٹوں گا زنجیروں کی جھنکار جوان کواڑوں پر ہو گی اس سے بہتر آواز کسی کان نے نہ سنی۔

ارشاد سی وسوم ۳۳: صحیح ابن حبان میں انھیں سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لکل نبی یوم القیامۃ منبر من نور وانی لعلی اطولھا وانورھا فیجیئ منا ینادی این النبی الامی ؟قال فیقول الانبیاء کلنا	قیامت میں ہر نبی کے لئے ایک منبر نور کا ہوگا،اور میں سب سے زیادہ بُلند ونورانی منبر پر ہوں گا، منادی آکر ندا کرے گا کہاں ہیں نبی امی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔انبیاء کہیں گے ہم

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الرابع عالم الکتب بیروت الجز الاول ص ۱۳

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲

[4] کنز العمال بحوالہ ابن النجار عن انس حدیث ۳۱۸۸۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱/ ۴۰۴

نبی امی فالی اینا ارسل فیرجع الثانیة فیقول این النبی الامی العربی قال فینزل محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یاتی باب الجنة فیقرعه (و ساق الحدیث الی ان قال) فیفتح له فیدخل فیتجلی له الرب تبارك وتعالٰی ولا یتجلی لشیئ قبله فیخرله ساجدا[1] الحدیث	سب نبی امی ہیں کسے یاد فرمایا ہے، منادی واپس جائے گا، دوبارہ آکر یوں ندا کرے گا: کہاں ہیں نبی امی عربی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنے منبر اطہر سے اتر کر جنت کو تشریف لے جائیں گے، دروازہ کھلوا کر اندر جائیں گے، رب عزجلالہ ان کے لئے تجلی فرمائے گا اور ان سے پہلے کسی پر تجلی نہ کرے گا۔ حضور اپنے رب کے لئے سجدہ میں گریں گے۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشاد سی وچہارم ۳۴: صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یضرب الصراط بین ظهر انی جهنم فاکون اول من یجوز من الرسل بامته[2]۔	جب پشت جہنم پر صراط رکھیں گے میں سب رسولوں سے پہلے اپنی امت کو لے کر گزر فرماؤں گا۔

ارشاد سی وپنجم ۳۵: صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ وحضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور تصانیف طبرانی وابن ابی حاتم وابن مردویہ میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یقوم المؤمنون حتی تزلف لهم الجنة فیأتون اٰدم فیقولون یا ابانا استفتح لنا	یعنی جب مسلمانوں کا حساب کتاب اوران کا فیصلہ ہو چکے گا، جنت ان سے نزدیک کی جائیگی۔ مسلمان آدم علیہ الصلٰوۃ و السلام کے پاس

---

[1] موارد الظمان باب جامع فی البعث والشفاعة حدیث ۲۵۹۱ المطبعة السلفیه ص ۶۴۳و۶۴۴، الرغیب والترهیب بحواله صحیح ابن حبان فصل فی الشفاعة وغیرها مصطفی البابی مصر ۴/ ۴۴۰

[2] صحیح البخاری کتاب الاذان باب فضل السجود قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۱، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات رؤیة المومنین الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰۰

الجنة فیقول وھل اخرجکم من الجنة الا خطیئة ابیکم لست بصاحب ذٰلك ولٰکن اذھبوا الی بنی ابراھیم خلیل اللہ قال فیقول ابراھیم لست بصاحب ذٰلك انما کنت خلیلا من وراء وراء اعمدوا الی موسٰی الذی کلمه اللہ تکلیما قال فیأتون موسٰی فیقول لست بصاحب ذٰلك اذھبوا الی عیسی کلمة اللہ و روحه فیقول عیسٰی لست بصاحب ذٰلك فیأتون محمدا فیقوم فیؤذن له الحدیث، ھذا حدیث مسلم [1] و عند الباقین اذا جمع اللہ الاولین والاٰخرین و قضٰی بینھم وفرغ من القضاء یقول المؤمنون قد قضٰی بیننا ربنا وفرغ من القضاء یقول المومنون فمن یشفع لنا الٰی ربنا فیقولون قد قجی ربنا وفرغ من القضاء قم انت فاشفع لنا الٰی ربنا ائتوا نوحا(وساق الحدیث الی ان قال)فیاعیسٰی فیقول ادلکم علی العربی الامّی فیأتونی فیأذن اللہ لی ان اقوم الیه فیثور	حاضر ہوں گے کہ ہمارا حساب ہوچکا آپ حق سبحانہ، سے عرض کرکے ہمارے لئے جنت کا دروازہ کھلوادیجئے۔آدم علیہ السلام عذر کرینگے اور فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں تم نوح کے پاس جاؤ۔وہ بھی انکار کرکے ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے پاس بھیجیں گے۔وہ فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں تم موسٰی کلیم اللہ کے پاس جاؤ۔وہ فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں مگر تم عیسٰی روح اللہ وکلمۃ اللہ کے پاس جاؤ وہ فرمائیں گے میں اس کام کا نہیں مگر تمہیں عرب والے نبی امّی کی طرف راہ بتاتا ہوں۔لوگ میری خدمت میں حاضر آئیں گے،اللہ تعالٰی مجھے اذن دے گا،میرے کھڑے ہوتے ہی وہ خوشبو مہکے گی جو آج تک کسی دماغ نے نہ سونگھی ہوگی، یہاں تک کہ میں اپنے رب کے پاس حاضر ہوں گا،وہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور میرے سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک نور کردے گا۔

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۲

مجلسی من اطیب ریح شمّھا احد قط حتی اُتی ربی فیشفعنی ویجعل لی نورا من شعر رأسی الٰی ظفر قدمی [1] ۔	

ارشاد سی وششم (۳۶) : طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن اور دار قطنی وابن النجار امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجنۃ حرِّمَت علی الانبیاء حتی ادخلھا وحرمت علی الامم حتی تدخلھا امتی [2] ۔	جنت پیغمبروں پر حرام ہے جب تک میں اس میں داخل نہ ہوں، اورامتوں پر حرام ہے جب تک میری امت نہ داخل ہو۔

اسی طرح طبرانی نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔

ارشاد سی وہفتم ۳۷: اسحٰق بن راہویہ اپنی مسند اورابن ابی شیبۃ مصنف میں امام مکحول تابعی سے راوی، امیر المومنین عمر کا ایک یہودی پر کچھ آتا تھا اس سے فرمایا: قسم اس کی جس نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام بشر پر فضیلت بخشی، میں تجھے نہ چھوڑوں گا۔ یہودی نے قسم کھا کر حضور کی افضیلت مطلقہ کا انکار کیا۔ امیر المومنین نے اس کے طپانچہ مارا۔ یہودی نے بارگاہ رسالت میں نالشی آیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین کو تو حکم دیا تم نے اس کو تھپڑ مارا ہے راضی کرلو، اور یہودی کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا:

---

[1] الخصائص الکبری باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمقام المحمود مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲ /۲۲۲، الدرالمنثور بحوالہ الطبرانی و ابن ابی حاتم وابن مردویہ تحت الآیۃ ۱۷/۷۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۲۲۱، کنزالعمال بحوالہ الطبرانی وابن ابی حاتم وابن مردویہ حدیث ۲۹۹۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲ /۲۶ و ۲۷

[2] المعجم الاوسط حدیث ۹۴۶ مکتبۃ المعارف ریاض ۱ /۵۱۳ و ۵۱۲

بل یا یھودی اٰدم مصفی اللّٰہ ابراھیم خلیل اللّٰہ وموسٰی نجی اللّٰہ وعیسٰی روح اللّٰہ وانا حبیب اللّٰہ بل یا یھودی تسمّی اللّٰہ باسمین سمی بھما امتی ھو السلام وسمی بھا امتی المسلمین وھو المؤمن وسمی بھا امتی المؤمنین بل یایھودی ان الجنۃ محرمۃ علی الانبیاء حتی ادخلھا وھی محرمۃ علی الامم حتی تدخلھا امتی[1]۔	بلکہ او یہودی! آدم صفی اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ اور موسٰی نجی اللہ اور عیسٰی روح اللہ ہیں، اور میں حبیب اللہ ہوں۔ بلکہ او یہودی! اللہ تعالٰی نے اپنے دو ناموں پر میری امت کے نام رکھے۔ اللہ تعالٰی سلام ہے اور میری امت کا نام مسلمین رکھا، اللہ تعالٰی مومن ہے اور میری امت کا نام مومنین رکھا۔ بلکہ او یہودی! بہشت سب نبیوں پر حرام ہے یہاں تک کہ میں سب نبیوں پر حرام ہے یہاں تک کہ میں تشریف لے جاؤں۔ اور سب امتوں پر حرام ہے یہاں تک کہ میری امت داخل ہو۔

ارشاد سی وہشتم ۳۸: احمد، مسلم، ابو داود، ترمذی، نسائی عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

سلوا اللّٰہ تعالٰی لی الوسیلۃ فانھا منزلۃ فی الجنۃ لاتبع الا لعبد من عباداللّٰہ وارجوا ان اکون انا ھو، فمن سأل لی الوسیلۃ حلت علیہ الشفاعۃ[2]۔	اللہ تعالٰی سے میرے لئے وسیلہ مانگو، وہ جنت کی ایک منزل ہے کہ ایک بندے کے سوا کسی کے شایانِ شان نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، تو جو میرے لئے وسیلہ مانگے گا اس پر میری شفاعت اترے گی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث مختصر میں ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! وسیلہ

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الفضائل حدیث ۳۱۷۹۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۳۳۱و۳۳۲

[2] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب استحباب القول مثل قول المؤذن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶۶، سنن الترمذی ابواب المناقب حدیث ۳۶۳۴ دار الفکر بیروت ۵ /۳۵۳و۳۵۴، سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب ما یقول اذا سمع المؤذن آفتاب عالم پریس لاہور ۱ /۷۷، سنن النسائی کتاب الاذان باب الصلٰوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ /۱۱۰، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن عاص المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۱۶۸

کیا ہے؟ فرمایا:

اعلٰی درجة فی الجنة لاینالھا الا واحد ارجوا ان اکون ھو[1]۔	بُلند ترین درجات جنت ہے جسے نہ پائے گا مگر ایک مرد۔ امید کرتا ہوں کہ وہ مرد میں ہوں۔

علماء فرماتے ہیں خدا اور سول جس بات کو بکلمہ امید وترجّی بیان فرمائیں وہ یقینی الوقع ہے۔ بلکہ بعض علماء نے فرمایا: کلامِ اولیاء میں بھی رجاء تحقیق ہی کے لیے ہے۔

ذکرہ الزرقانی[2] عن صاحب النور بعض شیوخه فی اقسام شفاعة صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	زرقانی نے صاحب نور سے انہوں نے اپنے بعض شیوخ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شفاعت کی اقسام کے بارے میں ذکر کیا۔ (ت)

ارشاد سی ونہم ۳۹: عثمان بن سعید دارمی کتاب الرد علی الجہمیۃ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان اللہ رفعنی یوم القیامة فی اعلٰی غرفة من جنات النعیم لیس فوقی الاحملة العرش[3]۔	اللہ تعالٰی نے مجھے روز قیامت جنۃ النعیم کے سب غرفوں سے اعلٰی غرفوں میں بُلند فرمائے گا کہ مجھ سے اوپر بس خدا کا عرش ہوگا۔ والحمد للہ رب العالمین۔

جلوہ سوم ارشادات انبیائے عظام وملائکہ کرام علٰی سیدہم وعلیہم الصلٰوۃ والسلام

ارشاد چہلم ۴۰: ابن جریر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم، بزار، ابویعلٰی، بیہقی بطریق ابوالعالیہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے معراج کی حدیث طویل میں راوی، انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام نے اپنے رب کی حمد وثناء کی اور اپنے فضائل جلیلہ کے خطبے پڑھے۔ سب کے بعد حضور پر نور خاتم النبیین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] سنن الترمذی ابواب المناقب حدیث ۳۶۳۲ دار الفکر بیروت ۵ /۳۵۳

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة تفضیله صلی اللہ علیه وسلم بالشفاعة الخ دار المعرفه بیروت ۸ /۳۸۰

[3] الخصائص الکبرٰی بحواله کتاب الرد علی الجھمیة باب اختصاصه صلی اللہ علیه وسلم بالکوثر الخ مرکز اہلسنت ۲ /۲۲۶

کلھم اثنی علی ربہ وانی مثن علی ربی الحمد للہ الذی ارسلنی رحمۃ للعالمین وکافۃ للناس بشیرا و نذیرا وانزل علی الفرقان فیہ تبیان لکل شیئ وجعل امتی خیر امۃ اخرجت للناس وجعل امتی امۃ وسطا وجعل امتی ھم الاولون والاخرون وشرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا وخاتما۔	تم سب نے اپنے رب کی ثناء کی اور اب میں اپنے رب کی ثنا کرتا ہوں۔ حمد اس خدا کو جس نے مجھے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا اور کافہ ناس کا رسول بنایا خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، اور مجھ پر قرآن اتارا اور اس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے، اور میری امت سب امتوں سے بہتر اور امت عادل، اور زمانہ میں مؤخر اور مرتبہ میں مقدم کی۔ اور میرے لئے میرا سینہ کھول دیا۔ اور مجھ سے میرا بوجھ اتار لیا۔ اور میرے لئے میرا ذکر بُلند فرمایا۔ اور مجھے فاتح باب رسالت وخاتم دور نبوت کیا۔

جب حضور اقدس خطبہ جلیلہ سے فارغ ہوئے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے حضرات انبیاء سے فرمایا: بھٰذا افضلکم محمدا اسی لئے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تم سے افضل ہوئے (پھر جب حضور اپنے رب سے ملے رب تبارک وتعالٰی نے فرمایا: سل مانگ کیا مانگتا ہے؟) حضور نے انبیاء کے فضائل عرض کئے کہ تو نے انہیں یہ کرامتیں دیں، حق جل وعلا نے حضور کے فضائل اعلٰی واشرف ارشاد فرمائے کہ تمہیں یہ کچھ بخشا۔ حضور نے یہ واقعہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا: فضلنی ربی[1] مجھے میرے رب نے افضل کیا۔ اور اپنے فضائل وخصائص عظیمہ بیان فرمائے۔ یہ حدیث دو ورق طویل میں ہے۔

ارشاد چہل ویکم (۴۱): حاکم کتاب الکنٰی اور طبرانی اوسط اور بیہقی وابو نعیم دلائل النبوۃ میں، اور ابن عساکر ودیلمی وابن بلال ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ ۱/۱۷ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۵/ ۱۳تا۱۵، دلائل النبوۃ للبیہقی باب الدلیل علی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عرج بہ الی السماء الخ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۴۰۰تا۴۰۳، الدرالمنثور بحوالہ ابن مردویہ وابن ابی حاتم وغیرہما تحت الآیۃ ۱۷ /۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۶تا۱۷۹، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وابو یعلٰی والبیہقی باب خصوصیتہ باسراء الخ ۱/ ۱۷۳تا۱۷۵

قال لی جبریل قلبت الارض مشارقها ومغاربها فلم اجد رجلا افضل من محمد ولم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم[1]۔	جبریل نے مجھ سے عرض کی: میں نے پورب پچھم ساری زمین الٹ پُلٹ کر دیکھی کوئی شخص محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے افضل نہ پایا، نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر نظر آیا۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: صحت کے انوار اس متن کے گوشوں پر جھلک رہے ہیں، **نقله فی المواهب**[2]۔ (اس کو مواہب میں نقل کیا ہے۔ت)

ارشاد چہل ودوم ۴۲: ابو نعیم کتاب المعرفہ میں، اور ابن عساکر عبداللہ بن غنم سے راوی، ہم خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر تھے، ناگاہ ایک ابر آیا، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سلّم علی ملك ثم قال لی، لم ازل استأذن ربی فی لقائك حتی کان هٰذا او ان اذن لی وانی ابشرك انه لیس احد اکرم علی الله منك[3]۔	مجھ سے ایک فرشتہ نے سلام کے بعد عرض کی: مدت سے میں اپنے رب سے قدمبوسی حضور کی اجازت مانگتا تھا یہاں تک کہ اب اس نے اذن دیا، میں حضور کو مژدہ دیتاہوں کہ اللہ تعالٰی کو حضور سے زیادہ کوئی عزیز نہیں۔

ارشاد چہل وسوم ۴۳: امام ابوزکریا یحیٰی بن عائذ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا قصہ ولادت اقدس میں فرماتی ہیں: مجھے تین شخص نظر آئے

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۶۲۸۱ مکتبۃ المعارف ریاض ۷ /۱۵۵، المواهب اللدنیة بحواله ابی نعیم طهارة نسبه من السفاح المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۸۷و۸۸، دلائل النبوة باب ذکر شرف رسول الله صلی الله علیه وسلم ونسبه دارالکتب العلمیة بیروت ۱ /۱۷۶، الخصائص الکبری بحواله البیهقی والطبرانی وابن عساکر باب اختصاصه صلی الله علیه وسلم بطهارة نسبه الخ مرکز اہلسنت ۲ /۳۸، الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۴۵۱۶ دارالکتب العلمیة بیروت ۳ /۱۸۷، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث ۶۰۷۴ دارالکتب العلمیة بیروت ۴ /۶۵۴و۶۵۵

[2] المواهب اللدنیة طهارة نسبه من السفاح المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۸۸

[3] الجامع الصغیر بحواله ابن عساکر حدیث ۴۶۹۸ دارالکتب العلمیة بیروت ۲ /۲۸۹

گویا آفتاب ان کے چہروں سے طلوع کرتا ہے، ان میں ایک نے حضور کو اٹھا کر ایک ساعت تک اپنے پروں میں چھپایا اور گوش اقدس میں کچھ کہا کہ میری سمجھ میں نہ آیا اتنی بات میں نے بھی سنی کہ عرض کرتا ہے:

ابشر یا محمد ! فما بقی لنبی علم الا وقد اعطیتہ فانت اکثرھم علمًا واشجعھم قلبًا معك مفاتیح النصرۃ قد البست الخوف والرعب لایسمع احد بذکرك الا وجل فؤادہ وخاف قلبہ وان لم یرك یا خلیفۃ اللہ۔	اے محمد ! مژدہ ہو کہ کسی نبی کا کوئی علم باقی نہ رہا جو حضور کو نہ ملا ہو، تو حضور ان سب سے علم میں زائد اور شجاعت میں فائق ہیں جو نصرت کی کنجیاں حضور کے ساتھ ہیں، حضور کو رعب دبدبہ کا جامہ پہنایا ہے، جو حضور کا نام پاک سنے گا اس کا جی ڈر جائے گا اور دل سہم جائے گا اگرچہ حضور کو دیکھا نہ ہو اے اللہ کے نائب !۔

ابن عباس فرماتے ہیں:

کان ذٰلك رضوان خازن الجنان [1]۔	یہ رضوان داروغہ جنت تھے، علیہ الصلٰوۃ والسلام۔

ارشاد چہل وچہارم ۴۴: احمد، ترمذی، عبد بن حمید، ابن مردویہ، بیہقی، ابو نعیم حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ اور بزار حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے بصورت موقوف اور ابن سعد عبداللہ بن عباس وام المومنین صدیقہ وام المومنین ام سلمہ وام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہن سے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف مرفوعًا راوی شب اسرٰی جب حضو اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے براق پر سوار ہونا چاہا وہ چمکا، جبریل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا: أبمحمد تفعل ھذا [2] (وفی المرفوع)

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی زکریا یحیی بن عائذ باب ما ظھر فی لیلۃ مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من المعجزات والخصائص مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۴۹

[2] سنن الترمذی ابواب التفسیر باب سورۃ بنی اسرائیل حدیث ۳۱۴۲ دار الفکر بیروت ۵ /۹۰، الدر المنثور بحوالہ احمد وعبدبن حمید والترمذی وابن مردویہ وابی نعیم والبیہقی تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۸۴، الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۱۵۶

الا تستحیین یا براق [1]، (وعند البزار) اسکنی [2] (ثم اتفقوا فی المعنی واللفظ لانس) فواللہ مارکبك خلق قط اکرم علی اللہ منه۔ کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ یہ گستاخی، اے براق! تجھے شرم نہیں آتی۔ ٹھہر کہ خدا کی قسم تجھ پر کبھی کوئی ایسا شخص نہ سوار ہوا جو اللہ کے نزدیک ان سے زیادہ عزت والا ہو۔ فارفض عرقا اس کہنے سے براق کو پسینہ چھوٹ پڑا۔ یہ روایت بطریق قتادہ عن انس تھی۔ اور بیہقی وابن جریر وابن مردویہ نے بطریق عبدالرحمٰن بن ہاشم بن عتبہ عن یونس یوں روایت کی کہ روح القدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مه یا براق فواللہ مارکب مثله [3] ہیں اے براق! اللہ کی قسم! تجھ پر کوئی ان کا ہمرتبہ سوار نہ ہوا۔ اور یہی تینوں محدث ابن ابی حاتم وابن عساکر ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کانت الانبیاء ترکبھا قبلی [4] مجھ سے پہلے انبیاء اس پر سوار ہوا کرتے تھے۔

ارشاد چہل و پنجم ۴۵: آدم علیہ الصلوۃ والسلام کا قول وحی اول میں گزرا کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام مخلوقات سے زیادہ اللہ کو پیارے اور اس کی درگاہ میں سب سے قدرت وعزت میں بُلند ہیں [5]۔

ارشاد چہل و ششم ۴۶: مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ارشاد ہفتم میں گزرا کہ

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن سعد وام سلمہ وام ھانی وعائشہ وابن عباس تحت الآیۃ ۱۷/۱ بیروت ۵/ ۱۸۳، الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۶۹

[2] الدر المنثور بحوالہ البزار عن علی تحت الآیۃ ۱۷/۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۲، البحر الزخار (البزار) حدیث ۵۰۸ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورہ ۲/ ۱۴۶

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن جریر وابن مردویہ والبیہقی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء ۱/ ۱۵۵، الدر المنثور بحوالہ ابن جریر وابن مردویہ والبیہقی تحت الآیۃ ۱۷/۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۶۴

[4] الدر المنثور عن ابی سعید الخدری تحت الآیۃ ۱۷/۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۷۰، الخصائص الکبرٰی بحوالہ عن ابی سعید الخدری باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء مرکز اہلسنت ۱/ ۱۶۷

[5] دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحت رسول اللہ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۴۸۹، الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۱۳۸

محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سردار جملہ بنی آدم ہیں[1]۔

احادیث امامۃ الانبیاء

ان حدیثوں کو میں نے یہاں تک تاخیر کردی کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب معراج اپنا امام الانبیاء ہونا خود بیان فرمایا، اور جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حضور کو امام کیا، اور جمیع انبیاء ومرسلین علیہم الصلٰوۃ والتسلیم نے اسے پسند رکھا، توان حدیثوں کو ارشاد حضور والا اور ارشاد ملائکہ وارشاد انبیاء سب سے نسبت ہے۔ لہذا سب جلووں کے بعد ان کی تجلی مناسب ہوئی۔

ارشاد چہل وہفتم ۴۷: شب اسرٰی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا انبیائے کرام علیہ الصلٰوۃ والسلام کی امامت فرمانا، حدیث ابوہریرہ وحدیث انس وحدیث ابن عباس وحدیث ابن مسعود وحدیث ابی لیلٰی وحدیث ابوسعید وحدیث ام ہانی وحدیث ام المومنین صدیقہ وحدیث ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم واثر کعب احبار رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے مروی ہوا۔ (ابو ہریرہ) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح مسلم میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیاء میں دیکھا، موسٰی وعیسٰی وابراہیم علیہم الصلٰوۃ والتسلیم کو نماز پڑھتے پایا **فحانت** عــــہ **الصلوۃ فاممتھم**[2] پھر نماز کا وقت آیا میں نے امامت فرمائی۔ (انس) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نسائی کی روایت میں ہے:

عــــہ: عز ھذا المتن فی المواھب تصحیح مسلم من روایۃ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ ولم ارہ فیہ عنہ انما ھو عندہ من ابی ھریرۃ وعجب ان الزرقانی ایضًا اقرہ فاللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ۔	اس متن کو مواہب میں بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ صحیح مسلم کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ میں نے اس کو مسلم بروایت ابن مسعود نہیں دیکھا مسلم کے نزدیک تو یہ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے حیرت ہے کہ زرقانی نے بھی اس کو مقرر رکھا ہے۔ اللہ تعالٰی بہتر جانتا ہے ۱۲ منہ (ت)۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی بکر الصدیق ۱/ ۵ و مسند ابی یعلٰی عن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ۱/ ۵۹، موارد الظمآن حدیث ۲۵۸۹ ص ۶۴۲ و ۶۴۳ و کنز العمال حدیث ۳۹۷۵۰ ۱۴/ ۶۲۸ و ۶۲۹

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۹۶

جمع لی الانبیاء فقدمنی جبریل حین امتھم [1]۔	میرے لئے انبیاء جمع کئے گئے، جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے امامت فرمائی۔

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے:

فلم البث الا یسیرا حتی اجتمع ناس کثیر ثم اذن مؤذن واقیمت الصلٰوۃ فقمنا صفوفا ننتظر من یؤمنا فاخذ بیدی جبریل فقدمنی فصلیت بھم فلما انصرفت قال جبریل یا محمد ! اتدری من صلی خلفك؟ قلت لا. قال صلّٰی خلفك کل نبی بعثہ اللہ [2]۔	مجھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ بہت لوگ جمع ہوگئے، موذن نے اذان کہی اور نماز برپا ہوئی، ہم سب صف باندھے منتظر تھے کہ کون امام ہوتا ہے۔ جبریل نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے کیا، میں نے نماز پڑھائی، سلام پھیرا، تو جبریل نے عرض کی: حضور نے جانا یہ کس کس نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی؟ فرمایا: نہ۔ عرض کی: ہر نبی کہ خدا نے بھیجا حضور کے پیچھے نماز میں تھا۔

طبرانی وبیہقی وابن جریر وابن مردویہ کی روایت موقوفہ میں ہے:

ثم بعث لہ اٰدم فمن دونہ من الانبیاء فامھم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [3]۔	حضور کے لیے آدم اور ان کے بعد جتنے نبی ہوئے سب اٹھائے گئے، حضور نے ان کی امامت فرمائی، صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

(ابن عباس) رضی اللہ تعالٰی عنہما سے احمد وابونعیم وابن مردویہ بسند صحیح راوی، جب حضور مسجد اقصی میں تشریف لائے نماز کو کھڑے ہوئے **فاذا النبیون اجمعون یصلون معہ** [4] کیا دیکھتے ہیں کہ سارے انبیاء حضور کے ساتھ نماز میں ہیں۔

---

[1] سنن النسائی کتاب الصلٰوۃ فرض الصلوۃ الخ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷۸

[2] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۶۳، الخصائص الکبری باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۵۴

[3] الخصائص الکبری باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۵۶، الدر المنثور بحوالہ ابن جریر وابن مردویہ والبیہقی تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۶۵

[4] الدر المنثور بحوالہ احمد وابی نعیم وابن مردویہ تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۸۸، الخصائص الکبرٰی احمد و ابی نعیم وابن مردویہ باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء مرکز اہلسنت ۱/ ۱۵۹

(ابن مسعود) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حسن بن عرفہ ابونعیم وابن عساکر نے روایت کی: میں مسجد میں تشریف لے گیا، انبیاء کو پہچانا، کوئی قیام میں ہے کوئی رکوع میں، کوئی سجود میں، ثم اقیمت الصلٰوۃ فامتھم[1] پھر نماز برپا ہوئی میں ان سب کا امام ہوا۔

(ابولیلٰی) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے طبرانی وابن مردویہ راوی، حضور پرنور وجبریل امین صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم بیت المقدس پہنچے، وہاں کچھ لوگ بیٹھے دیکھے، انہوں نے کہا: مرحبا بالنبی الامی (نبی امی کو خوش آمدید۔ت)

اوران میں ایک پیر تشریف فرماتھے، حضور نے پوچھا: جبریل! یہ کون ہیں؟ عرض کی: یہ حضور کے باپ ابراہیم اور یہ موسٰی و عیسٰی ہیں، ثم اقیمت الصلٰوۃ فتدافعوا حتی قدموا محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2] پھر نماز قائم ہوئی، امامت ایک نے دوسرے پر ڈالی، یہاں تک کہ سب نے مل کر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو امام کیا۔

(ابوسعید) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ابن اسحاق راوی، ملاقات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام ذکر کرکے کہتے ہیں: فصلی بھم ثم اتی باناء فیہ لبن حضور نے انہیں نماز پڑھائی، پھر ایک برتن میں دودھ حاضر کیا گیا، الحدیث[3]۔

(ام ہانی) رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ابویعلٰی وابن عساکر راوی، نشر لی رھط من الانبیاء فیھم ابراہیم وموسٰی وعیسٰی فصلیت بھم[4]۔ ایک جماعت انبیاء جس میں ابراہیم وموسٰی وعیسٰی تھے میرے لئے اٹھائی گئی، میں نے انہیں نماز پڑھائی۔

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ عرفہ وابی نعیم وابن مردویہ وابن عساکر تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ بیروت ۵ /۱۸۰، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن عرفہ وابی نعیم باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱ /۱۶۲

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ الطبرانی وابن مردویہ باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱ /۱۷۱، الدرالمنثور الطبرانی وابن مردویہ تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۷۹

[3] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام ذکر الاسراء والمعراج دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲۸۷

[4] الدرالمنثور بحوالہ ابی یعلٰی وابن عساکر تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۸۲، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابی یعلٰی و ابن عساکر باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۷۸

امہات المومنین عـــہ۱ وام اہانی وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ابن سعد نے عـــہ۲ نے

عـــہ۱: یہ حدیث وہی ہے کہ زیر ارشاد چہل وچہارم گزری۔

عـــہ۲: وقع فی الدرالمنثور للامام الجلیل الجلال السیوطی مانصہ اخرج ابن سعد وابن عساکر عن عبد اللہ بن عمر وام سلمۃ وعائشہ وام ھانی وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم[1] الخ

اقول: نقل ابن عمر من خطاء النساخ وصوابہ ابن عمرو فان الامام قال فی الخصائص الکبرٰی قال ابن سعد انا الواقدی حدثنی اسامۃ بن زید اللیثی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ عن ام سلمۃ الخ وقال فی اٰخرہ اخرجہ ابن عساکر[2] اھ ظھرت معہ فائدۃ اخرٰی وھو ان ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما انما یرویہ عن ام المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا فلایعد مفرزًا عنھا و فائدۃ اخرٰی عن ابن عساکر

امام جلال الدین سیوطی کی در منثور میں واقع ہے جس کی نص یہ ہے کہ اس کو روایت کیا ہے ابن سعد اور ابن عساکر نے عبداللہ بن عمر، ام سلمہ، عائشہ، ام ہانی اور ابن عباس سے رضی اللہ تعالٰی عنہم الخ۔

میں کہتا ہوں کہ ابن عمر کو نقل کرنا کاتبوں کی غلطی ہے، درست یہ ہے کہ وہ ابن عمرو ہیں کیونکہ امام نے خصائص کبرٰی میں فرمایا ابن سعد نے کہا ہمیں واقدی نے خبر دی ہے مجھے حدیث بیان کی اسامہ بن زید لیثی نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے انہوں نے ام سلمہ سے الخ اس کے آخر میں کہا کہ ابن عساکر نے اس کی تخریج کی اھ۔ اس سے ایک اور فائدہ ظاہر ہوا، وہ یہ کہ ابن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اس کو ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کرتے ہیں لہٰذا اس کو ام سلمہ سے الگ حدیث شمار نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور فائدہ یہ کہ ابن عساکر (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۱۷/ ۱ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۸۳

[2] الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۷۹

روایت کی:

رأیت الانبیاء جمعوا لی فرأیت ابراہیم وموسٰی و عیسٰی فظننت انہ لابدلھم ان یکون لھم امام فقدمنی جبریل حتی صلیت بین ایدیھم[1]۔	میں نے ملاحظہ فرمایا کہ انبیاء میرے لئے جمع کئے گئے، میں نے ان میں خلیل وکلیم ومسیح کو بھی دیکھا، میں سمجھا اس جماعت کا کوئی امام ضرور چاہیے، جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے ان کی امامت فرمائی۔

(کعب احبار) رحمۃ اللہ علیہ سے امام واسطی راوی:

فاذن جبریل ونزلت الملئکۃ من السماء وحشر اللہ لہ المرسلین فصلی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالملئکۃ والمرسلین[2]۔	جبریل نے اذان کہی، اور آسمان سے فرشتے اترے اور اللہ تعالٰی نے حضور کے لیے مرسلین جمع فرما کر بھیجے۔ حضور نے ملائکہ ومرسلین کی امامت فرمائی۔

فائدہ: امامت ملائکہ کی دوسری حدیث ان شاء اللہ تعالٰی تابش چہارم میں آئے گی۔ اور حدیث طویل ابی ہریرہ مذکورہ ارشاد چہلم میں ہے:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انما اخرجہ بسندہ عن ابن سعد فلا ظھر ان یقال اخرج ابن سعد من طریقہ ابن عساکر۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ۔	نے اپنی سند کے ساتھ ابن سعد سے اس کی تخریج کی۔ چنانچہ زیادہ ظاہر یوں کہنا ہے کہ اس کی تخریج کی ابن سعد نے، ان کے طریق سے ابن عساکر نے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

[1] الدرالمنثوربحوالہ ابن سعد تحت الآیۃ ۱۷ /۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۸۳، الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن سعد باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱ /۱۷۹

[2] الدرالمنثور بحوالہ الواسطی تحت الآیۃ ۱۷ /۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۱۹۹

دخل فصلی مع الملئکۃ [1]۔	داخل ہوئے اور فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی۔(ت)
اور ابن مردویہ راوی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما اسری بی الی السماء اذن جبریل فظننت الملئکۃ انہ یصلی بھم فقدمنی فصلیت بالملئکۃ [2]۔	ابن مردویہ نے ہشام بن عروہ سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شب معراج جب میں آسمان پر تشریف لے گیا، جبریل نے اذان دی، ملائکہ سمجھے ہمیں جبریل نماز پڑھائیں گے۔ جبریل نے مجھے آگے کیا، میں نے ملائکہ کی امامت فرمائی۔

تذییل

ارشاد چہل وہشتم ۴۸: اسی میں منقول شفا شریف میں حدیث نقل فرمائی:

اطمع ان اکون اعظم الانبیاء اجرًا یوم القیامۃ [3]۔	میں طمع کرتاہوں کہ قیامت میں میرا ثواب سب انبیاء سے زیادہ ہو۔

ارشاد چہل ونہم ۴۹: اسی میں منقول:

اماترضون ان یکون ابراھیم وعیسٰی کلمۃ اللہ فیکم یوم القیامۃ ثم قال انھما فی امتی یوم القیمۃ [4]۔	کیا تم راضی نہیں کہ ابراہیم خلیل اللہ وعیسٰی کلمۃ اللہ روز قیامت تم میں شمار کئے جائیں۔ پھر فرمایا: وہ دونوں روز قیامت میری امت ہوں گے۔

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ عن ابی ھریرۃ تحت الآیۃ ۱۷/۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۷۵، الخصائص الکبرٰی باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/۱۷۲

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن مردویہ باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۱/ ۱۷۶، الدرالمنثور بحوالہ ابن مردویہ تحت الآیۃ ۱۷/۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القیمۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/۱۶۹

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی تفضیلہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القیمۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/۱۶۹

ارشاد پنجاہم ^۵۰^: افضل القرٰی میں فتاوٰی امام شیخ الاسلام سراج بلقینی سے ہے جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام نے حضور سے عرض کی:

ابشر فانك خیر خلقه وصفوته من البشر حباك الله بما لم یحب به احد من خلقه لاملکا مقربا ولانبیا مرسلا الحدیث[1]۔	مژدہ ہو کہ حضور بہترین خلق خدا ہیں، اس نے تمام آدمیوں میں سے حضور کو چن لیا، اور وہ دیا کہ سارے جہان میں سے کسی کو نہ دیا، نہ کسی مقرب فرشتہ کو، نہ کسی مرسل نبی کو۔

ارشاد پنجاہ ویکم ^۵۱^: علامہ شمس الدین ابن الجوزی اپنے رسالہ میلاد میں ناقل، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت جناب مولی المسلمین علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے فرمایا:

یا ابا الحسن ان محمدًا رسول رب العٰلمین وخاتم النبیین وقائد الغر المحجلین سید جمیع الانبیاء والمرسلین الذی تنبأ وادم بین الماء والطین رؤف بالمؤمنین شفیع المذنبین ارسله الله الی کافّة الخلق اجمعین[2]۔	اے ابوالحسن! بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رب العالمین کے رسول ہیں، اور پیغمبروں کے خاتم، اور روشن رو، اور روشن دست وپاوالوں کے پیشوا، تمام انبیاء ومرسلین کے سردار نبی ہوئے جبکہ آدم (علیہ الصلٰوۃ والسلام) آب وگِل میں تھے۔ مسلمانوں پر نہایت مہربان، گنہگاروں کے شفیع، اللہ تعالٰی نے انہیں تمام عالم کی طرف بھیجا۔

ارشاد پنجاہ ودوم ^۵۲^: بعض احادیث میں مذکور ہے:

لی مع الله وقت لایسعنی فیه ملك ولا نبی مرسل۔ ذکره الشیخ فی مدارج النبوة[3]۔	میرے لئے خدا کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں کسی مقرب فرشتے یا مرسل نبی کی گنجائش نہیں (اس کو شیخ نے مدارج النبوۃ میں ذکر فرمایا ہے۔ت)

[1] افضل القری لقراء ام القرٰی تحت الشعر ا المجمع الثقافی ابو ظبی ۱/ ۱۲۱

[2] بیان المیلاد النبوی (اردو) ادارہ معارف نعمانیہ لاہور ص ۱۰ و ۱۱

[3] الاسرار الموضوعة حدیث ۷۶۴ دار الکتب العلمیة بیروت ص ۱۹۷، کشف الخفاء حدیث ۲۱۵۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۱۵۶

ارشاد پنجاہ وسوم [۵۳]: مولانا فاضل علی قاری شرح شفامیں علامہ تلمسانی سے ناقل، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل نے آکر مجھے یوں سلام کیا:

السلام علیك یا اول، السلام علیك یاآخر، السلام علیك یاظاھر، السلام علیك یاباطن۔	اے اول آپ پر سلام، اے آخر آپ پر سلام، اے ظاہر آپ پر سلام، اے باطن آپ پر سلام۔ (ت)

میں نے کہا: اے جبریل! یہ تو خالق کی صفتیں ہیں مخلوق کو کیونکر مل سکتی ہیں؟ عرض کی: میں نے خدا کے حکم سے حضور کو کیوں سلام کیا ہے اس نے حضور کو ان صفتوں سے فضیلت اور تمام انبیاء و مرسلین پر خصوصیت بخشی ہے، اپنے نام وصفت سے حضور کے لئے نام وصفت مشتق فرمائے ہیں۔ حضور **اول** نام رکھا ہے کہ حضور سب انبیاء سے آفرینش میں مقدم ہیں۔ اور **آخر** اس لئے کہ ظہور میں سب سے مؤخر۔ اور آخر امم کی طرف خاتم الانبیاء ہیں اور **باطن** اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے باپ آدم (علیہ الصلوۃ والسلام) کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے ساق عرش پر سرخ نور سے اپنے نام کے ساتھ حضور کا نام لکھا اور مجھے حضور پر درود بھیجنے کا حکم دیا۔ میں نے ہزار سال حضور پر درود بھیجا یہاں تک کہ حق جل وعلانے حضور کو مبعوث کیا۔ خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حکم سے بلاتے اور چراغ تاباں۔ اور **ظاہر** اس لئے حضور کا نام رکھا کہ اس نے اس زمانہ میں حضور کو تمام ادیان پر غلبہ دیا اور حضور کا شرف و فضل سب آسمان وزمین پر آشکارا کیا، تو ان میں کوئی ایسا نہیں جس نے حضور پر درود نہ بھیجا، اللہ تعالیٰ حضور پر درود بھیجے، حضور کا رب محمود ہے اور حضور محمد۔ اور حضور کا رب اول وآخر وظاہر وباطن ہے اور حضور اول وآخر وظاہر وباطن ہیں۔ یہ عظیم بشارت سن کر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

الحمدللہ الذی فضلنی علی جمیع النبیین حتی فی اسمی وصفتی [1] ھکذا نقل وقال روی التلمسانی عن ابن عباس وظاہرہ انہ	حمد اس خدا کو جس نے مجھے تمام انبیاء پر فضیلت دی یہاں تک کہ میرے نام اور صفت ہیں۔ یوں ہی نقل کیا ہے اور کہا کہ تلمسانی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے اور اس کا

[1] شرح الشفاء للملاعلی القاری فصل فی تشریف اللہ تعالٰی بما سماہ الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۵۱۵

خرجه بسنده الی ابن عباس فان ذٰلك هو الذی یدل علیه روی کما فی الزرقانی، واللّٰه سبحانه تعالٰی اعلم۔	ظاہر یہ ہے کہ تلمسانی نے ابن عباس تک اپنی سند کے ساتھ اس کی تخریج کی کیونکہ اس پر لفظ ''روی'' دلالت کرتا ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے، اور اللہ سبحانہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

تابش سوم طرق وروایات وحدیث خصائص

حدیث خصائص وہ حدیث ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے خصائص جمیلہ ارشاد فرمائے جو کسی نبی و رسول نے نہ پائے۔ اور انکی وجہ سے اپنا تمام انبیاء اللہ پر تفضیل فرمانا ذکر فرمایا۔ یہ روایت متواتر المعنٰی ہے۔ امام قاضی عیاض نے شفا شریف میں اسے پانچ صحابہ کی روایت سے آنا بیان فرمایا: ابوذر، ابن عمر، ابن عباس، ابوہریرہ، جابر رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ پھر حدیث کے چار پانچ متفرق جملے نقل کئے۔ علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں فتح الباری شرح صحیح بخاری امام علامہ ابن حجر عسقلانی سے اخذ کرکے اس پر کلام لکھا جس میں احادیث حذیفہ وعلی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی طرف بھی اشارہ واقع ہوا، مگر سوا حدیث جابر وابوہریرہ کے کہ صحیحین میں وارد ہے کوئی روایت پوری نقل نہ کی۔ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے کتب کثیرہ کے مواضع متفرقہ قریبہ وبعیدہ سے اس کے طرق وروایات وشواہد ومتابعات کو جمع کیا۔ تو اس وقت کی نظر میں اسے چودہ ۱۴ صحابی کی روایت سے پایا: ابوہریرہ، حذیفہ، ابودرداء، ابوامامہ، سائب بن یزید، جابر بن عبد اللہ، عبد اللہ بن عمرو، ابوذر، ابن عباس، ابوموسٰی اشعری، ابوسعید خدری، مولا علی، عوف بن مالک، عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ ان میں ہر ایک کی حدیث اس وقت کاملاً میرے پیش نظر ہے۔ امام خاتم الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی پھر امام علامہ احمد قسطلانی نے چھ طرق مختلفہ کی تطبیق سے ان خصائص ونفائس کا عدد جو ان حدیثوں میں متفرقاً وارد ہوئے سولہ [عہ] سترہ تک

عہ: وجه التردد ان الامام نص علی انه ینتظم بها ای بهٰذه الاحادیث سبع عشرة	تردد کی وجہ یہ ہے کہ امام قسطلانی نے نص فرمائی ہے کہ ان احادیث سے سترہ خصلتیں حاصل ہوتی ہیں۔ الخ لیکن ان کی حدیث بزار (باقی برصفحہ آئندہ)

پہنچایا۔ فقیر غفراللہ لہ نے ان کے کلام پر اطلاع سے پہلے مبلغ شمار تیس ۳۰ تک پایا والحمدللہ ربّ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

خصلة[1] اھ لکن فیھا حدیث البزار عن ابن عباس فضلت علی الانبیاء بخصلتین کان شیطانی کافرا فاعاننی اللہ علیه فاسلم وقال ونسیت الاخری[2] وقد کان العدد قبل ذٰلك خمسة عشر فالحافظ ضم الخصلتین وجعلھا سبع عشرة وعندی فی عد المنسیة خصلة بحیالھا تامل ظاھر لجواز ان تکون بعض ماعدت وقول الزرقانی ھی مبنیة فی روایة البیھقی فی الدلائل عن ابن عمر مرفوعًا فضلت علی اٰدم بخصلتین کان شیطانی کافرا فاعاننی اللہ علیه حتی اسلم وکان ازواجی عونًا لی کان شیطان

بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما میں ہے کہ مجھے انبیاء پر دو خصلتوں سے فضیلت دی گئی۔ میرا شیطان کافر تھا اللہ تعالٰی نے اس پر میری مدد فرمائی تو وہ مسلمان ہوگیا، اور کہا کہ دوسری کو میں بھول گیا ہوں۔ اس سے پہلے تعداد پندرہ تھی پھر حافظ نے دو خصلتیں انکے ساتھ ملا کر انہیں سترہ بنادیا۔ میرے نزدیک بھولی ہوئی خصلت کو الگ خصلت شمار کرنے میں تامل ظاہر ہے، اس لئے کہ ممکن ہے وہ انہی خصلتوں میں سے ایک ہو جن کا پہلے شمار کیا جاچکا ہے۔ اور زرقانی کا قول کہ وہ خصلتیں دلائل النبوۃ میں بیہقی کی اس روایت میں بیان ہوئی ہیں جو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مرفوعًا مروی ہے کہ مجھے آدم پر دو خصلتوں سے فضیلت دی گئی۔ میرا شیطان کافر تھا تو اللہ تعالٰی نے میری اس پر مدد فرمائی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہوگیا اور میری بیویاں (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] المواھب اللدنیة المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۹۶

[2] المواھب اللدنیة المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۹۶

العٰلمین۔ یہ بھی انہی دو اماموں کے اس فرمانے کی تصدیق ہے کہ بغور کامل تتبع احادیث کرے۔ ممکن ہے کہ اس سے زائد پائے۔ حالانکہ فقیر کو نہ اس وقت کمال تفحص کی فرصت، نہ مجھ جیسے کوتاہ دست قاصر النظر کی ناقص تلاش میں داخل۔ اگر کوئی عالم وسیع الاطلاع استقرار پر آئے تو عجب نہیں کہ عدد طرق وشمار خصائص اس سے بھی بڑھ جائے۔ قصد کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ العزیز اس رسالہ اور اس کے بعد ان مسائل کثیرہ عـــہ۱ کے جواب سے جو حیدر آباد عـــہ۲ وبنگلور عـــہ۳ و

(بقیہ صفحہ حاشیہ گزشتہ)

اٰدم کافرًا وکانت زوجته عونا علیه[1]۔

میری معاون ہیں جبکہ آدم علیہ السلام کا شیطان کافر تھا اور ان کی بیوی ان کے مخالف تھی۔

اقول: لایعری عن بحث لان الکلام ھٰھنا فی التفضیل علی اٰدم وثم فی التفضیل علی الانبیاء طرًّا واختصاصه صلی الله تعالٰی علیه وسلم باعانة الازواج من بین الانبیاء قاطبةً یحتاج الی ثبوت، وبالجملة لایلزم من ھذا ان نکون المنسیة ھو ھذه واذا لم یتبین الامر جاز ان تکون احدی مامرت فلا یحسن عدھا مفرزة۔ والله تعالٰی اعلم۔

میں کہتا ہوں یہ بحث سے خالی نہیں کہ یہاں کلام آدم علیہ السلام پر افضیلت کے بارے میں ہے جبکہ وہاں تمام انبیاء پر افضیلت کے بارے میں۔ اور نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعانت ازواج کے ساتھ تمام انبیاء کے درمیان اختصاص محتاج ثبوت ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بھول جانے والی خصلت یہی ہے۔ اور جب معاملہ ظاہر نہ ہوا تو ممکن ہے کہ وہ خصلت گزشتہ خصلتوں میں سے ہی ایک ہو، چنانچہ اس کو الگ خصلت شمار کرنا مستحسن نہیں ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ۱۲منہ (ت)

عـــہ۱: یعنی بست وہفتم مسئلہ چاردہ از حیدرآباد وچار از خیر آباد وپنج ازیں شہر ویک از بدایوں وباقی از باقی ۱۲منہ۔

یعنی ستائیس مسئلے چودہ حیدر آباد، چار خیر آباد، پانچ اسی شہر اور ایک بدایوں سے جبکہ باقی باقی شہروں سے ۱۲منہ (ت)

عـــہ۲: مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب قادری از پر بھنے ضلع حیدر آباد۔

عـــہ۳: مرسلہ مولوی سید فخر الدین صاحب واعظ صوفی از ڈاکمنڈ نیلگری ۱۲منہ۔

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة المقصد الرابع الفصل الثانی دار المعرفة بیروت ۵ /۲۰۶

پنجاب وسلطان پور وخیر آباد وغیرہا بلاد اور خاص شہر کے آئے ہوئے ہیں، اوراس مسئلہ مونگیری کیوجہ سے برعایت الاقدام فالاقدام ان کے جواب تعویق میں پڑے ہیں بحول اللہ تعالٰی فراغ پاکر اس حدیث کے جمع طُرق میں ایک رسالہ بنامِ البحث الفاحص عن طرق حدیث الخصائص لکھوں، اوراس میں ہر طریق وروایت کو مفصل جداگانہ نقل کرکے خصائص حاصلہ پر قدرے کلام کروں، وباللہ التوفیق لارب غیرہ (اور اللہ کی توفیق ہے اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں۔ ت)۔

یہاں بخوف تطویل صرف صدر احادیث کی طرف اشارہ کرتاہوں جن میں ارشاد ہوا کہ مجھے سب انبیاء پر ان وجوہ پر تفضیل ملی، مجھے وہ خوبیاں عطا ہوئیں جو کسی نے نہ پائیں۔ کہ اس رسالہ کا مقصود اتنے ہی پارہ سے حاصل۔ وللہ الحمد۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسلم اور اس کے قریب بزار نے بسند جید، اورابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ وبزار وابویعلٰی وبیہقی نے حدیث معراج میں روایت کی، طریق اول میں ہے: فضلت علی الانبیاء بست [1]۔ میں چھ وجہ سے سب انبیاء پر تفضیل دیا گیا۔

دوم میں اس قدر اور زائد: لم یعطھا کان قبلی [2]۔ مجھ سے پہلے وہ فضائل کسی کو نہ ملے۔

سوم میں ہے: فضلنی ربی بستٍ [3]۔ مجھے میرے رب نے چھ ۶ باتوں سے تفضیل دی۔

حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے احمد، مسلم، نسائی، ابن ابی شیبہ، ابن خزیمہ، بیہقی، ابو نعیم راوی: فضلنا علی الناس بثلث [4]۔ ہمیں تین ۳ وجہ سے تمام لوگوں پر فضیلت ہوئی۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹، الخصائص الکبرٰی بحوالہ البزار عن ابی ھریرۃ باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرح الصدر مرکز اہلسنت ۲/ ۱۹۶

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ البزار عن ابی ھریرۃ باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرح الصدر مرکز اہلسنت ۲/ ۱۹۶

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ البزار عن ابی ھریرۃ باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرح الصدر مرکز اہلسنت ۲/ ۱۹۶

[4] صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹، کنزالعمال بحوالہ ط وحم ون وابن خزیمۃ حدیث ۳۱۹۱۲ و ۳۲۰۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۹ و۴۴۱، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الفضائل حدیث ۳۱۶۴۰ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۳۰۸، صحیح ابن خزیمۃ جماع ابواب التیمم حدیث ۲۶۴ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ماجاء فی تحدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنعمۃ ربہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۵/ ۴۷۵

ابو درداء سے طبرانی کبیر میں راوی: فضلت باربع [1] میں نے چار وجہ سے فضیلت پائی۔ ابو امامہ کی حدیث بھی انہیں لفظوں سے شروع ہے: اخرجه احمد والبیهقی [2] احمد و بیہقی نے اس کی تخریج کی ہے۔ ت) سائب بن یزید:

فضلت علی الانبیاء بخمس۔ رواہ الطبرانی [3]۔	میں پانچ وجہ سے انبیاء پر فضیلت دیا گیا۔ (اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ ت)

جابر بن عبداللہ:

اعطیت خمسًا لم یعطهن احد قبلی۔ رواہ البخاری و مسلم والنسائی [4]۔	میں پانچ چیزیں دیا گیا کہ مجھ سے پہلے کسی کو نہ ملیں (اس کو بخاری، مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ ت)

عبداللہ بن عمرو بن العاص:

عند احمد والبزار والبیهقی باسناد صحیح۔	احمد، بزار اور بیہقی کے نزدیک صحیح اسناد کے ساتھ۔ (ت)

ابو ذر، احمد، دارمی، ابن ابی شیبہ، ابو یعلٰی، ابو نعیم، بیہقی، بزار باسناد جید، ابن عباس احمد والبخاری فی التاریخ والطبرانی والثلثة الاخری فی حدیث بسند حسن (احمد اور بخاری نے تاریخ میں اور طبرانی اور تین دوسرے ایک حدیث میں سند حسن کے ساتھ۔ ت)

---

[1] کنزالعمال بحوالہ طب عن ابی الدرداء حدیث ۳۱۹۴۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۱۴

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی امامۃ الباھلی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۵۶، کنزالعمال بحوالہ ھق عن ابی امامۃ الباھلی حدیث ۳۱۹۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۱۳

[3] المعجم الکبیر عن سائب بن یزید عن ابی امامۃ الباھلی حدیث ۷۶۷۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/ ۱۵۵

[4] صحیح البخاری کتاب التیمم وقولہ تعالٰی فلم تجدوا ماءً الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸، صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۹، سنن النسائی کتاب الغسل والتیمم باب التیمم بالصعید نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/ ۷۳

ابو موسٰی احمد وابن ابی شیبۃ والطبرانی باسناد حسن (احمد، ابن ابی شیبہ اور طبرانی سند حسن کے ساتھ۔ت)

ابو سعید الطبرانی فی الاوسط بسند حسن (طبرانی اوسط میں سند حسن کے ساتھ۔ت)

مولٰی علی عند البزار وابی نعیم (بزار اور ابو نعیم کے نزدیک۔ت) ان چھ۶ روایات میں بھی پانچ ہی چیزیں ذکر فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی نے نہ پائیں۔ اول[1] وثانی[2] میں احد قبلی ہے۔ ثالث[3] میں الانبیاء۔ اور زائد باقیوں میں نبی قبلی ہے۔ اور حاصل سب عبارتوں کا واحد۔ اور مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے **طریق دوم** میں بے تعین عدد ہے:

اعطیت مالم یعط احد من الانبیاء	مجھے وہ ملا جو کسی نبی نے نہ پایا۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ذر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵ /۱۶۱، الترغیب والترہیب فصل فی الشفاعۃ وغیرہا مصطفی البابی مصر ۴ /۴۳۳، کنز العمال بحوالہ الدارمی وغیرہ حدیث ۳۲۰۶۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۱ /۴۳۸، اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابی یعلی وغیرہ صفۃ الشفاعۃ دار الفکر بیروت ۱۰ /۴۸۸، المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث ۳۱۶۴۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۳۰۸

[3] التاریخ الکبیر ترجمہ ۲۱۵۲ سالم ابو حماد دار البازمکہ المکرمہ ۴ /۱۱۴، الخصائص الکبری عن ابی ذر باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالمقام المحمود مرکز اہلسنت ہند ۲ /۲۲۳

اخرجه ابن ابی شیبة [1]۔	(ابن ابی شیبہ نے اس کی تخریج کی۔ت)۔

طریق سوم میں ہے:

اعطیت اربعا لم یعطهن احد من انبیاء الله تعالٰی قبلی اخرجه احمد [2] والبیهقی بسند حسن۔	مجھے چار چیزیں عطا ہوئیں کہ مجھ سے پہلے کسی نبی اللہ کو نہ ملیں۔(احمد و بیہقی نے سند حسن کے ساتھ اس کی تخریج کی ہے۔ت)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے طریق دوم میں ہے:

فضلت علی الانبیاء بخصلتین۔اخرجه البزار [3]۔	میں دو باتوں سے تمام انبیاء پر فضیلت دیا گیا۔(بزار نے اس کی تخریج کی ہے۔ت)

عوف بن مالک کی حدیث میں بھی پانچ ہیں۔مگر یوں کہ:

اعطینا اربعالم یعطهن احدکان قبلنا وسألت ربی الخامسة فاعطانیها [4] (وهی ماهی)۔	ہمیں چار فضیلتیں ملیں کہ ہم سے پہلے کسی کو نہ دی گئیں۔اور میں نے اپنے رب سے پانچویں مانگی اس نے وہ بھی مجھے عطافرمائی،اور وہ تو وہی ہے،یعنی اس پانچویں خوبی کا کہنا ہی کیا ہے۔

پھر چار بیان فرما کر وہ نفیس پانچویں یوں ارشاد فرمائی:

سألت ربی ان لایلقاه عبد من امتی یوحده الا ادخله الجنة۔اخرجه ابو یعلٰی [5]۔	میں نے اپنے رب سے مانگا میری امت کا کوئی بندہ اس کی توحید کرتا ہوا اس سے نہ ملے مگر یہ کہ اس کو داخل بہشت فرمائے ابویعلی نے اس کی تخریج کی ہے۔ت)

[1] المصنف لابن ابی شیبة کتاب الفضائل حدیث ۳۱۶۳۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۶/ ۳۰۸

[2] مسند احمد حنبل عن علی رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۵۸

[3] المواہب اللدنیة بحواله البزار عن ابن عباس المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۹۶

[4] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان عن عوف بن مالك حدیث ۶۳۶۵ مؤسسة الرساله بیروت ۹/ ۱۰۴

[5] الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان عن عوف بن مالك بحواله ابی یعلی حدیث ۶۳۶۵ مؤسسة الرساله بیروت ۹/ ۱۰۴

عبادہ بن صامت کی روایت میں ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم خرج فقال ان جبریل اتانی فقال اخرج فحدث بنعمة اللہ التی انعم بها علیك فبشرنی بعشرلم یؤتها نبی قبلی۔ اخرجه ابن ابی حاتم[1] وعثمان بن سعید الدارمی فی کتاب الرد علی الجهمیة وابو نعیم۔	جبریل نے میرے پاس حاضر ہو کر عرض کی: باہر جلوہ فرما کر اللہ تعالٰی کے وہ احسان جو حضور پر کئے ہیں بیان فرمائیے۔ پھر مجھے دس فضیلتوں کا مژدہ دیا کہ مجھ سے پہلے کسی نے نہ پائیں۔ (ابن ابی حاتم اور عثمان بن سعید دارمی نے کتاب الرد علی الجهمیه میں اور ابو نعیم نے اس کی تخریج کی ہے۔ت)

ان روایات ہی سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اعداد مذکورہ میں حصر مراد نہیں، کہیں دو فرماتے ہیں، کہیں تین، کہیں چار، کہیں پانچ، کہیں چھ، کہیں دس عــہ۱، اور حقیقۃً سو اور دو سو پر بھی انتہا نہیں۔امام علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ عــہ۲ نے خصائص کبرٰی میں اڑھائی سو کے قریب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص جمع کئے۔اور یہ صرف ان کا علم تھا،ان سے زیادہ علم والے زیادہ جانتے تھے۔اور علمائے ظاہر سے علمائے باطن کو زیادہ معلوم ہے۔پھر تمام علوم عالم اعظم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہزاروں منزل ادھر منقطع ہیں۔جس قدر حضور اپنے فضائل وخصائص جانتے ہیں دوسرا کیا جانے گا،اور حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ان کا مالک و مولٰی جل وعلا، "اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ "[2] (بیشک تمہارے رب ہی کی طرف منتہی ہے۔ت)

عــہ۱: عجائب لطائف سے ہے کہ فقیر کے پاس ان احادیث سے تیس ۳۰ خاصے جمع ہوئے کما مر (جیسا کہ گزرا۔ت) اور دو سے دس تک جو اعداد حدیثوں میں آئے انہیں جمع کئے تو تیس ۳۰ ہی آتے ہیں ۱۲ منہ۔

عــہ۲: حضرت والا قدس سرہ الماجد نے بھی النقاوۃ النقویة فی الخصائص النبویة میں ایک جملہ صالحہ ذکر فرمایا۔جزا اللہ علماء الامة خیر جزاء اٰمین ۱۲ منہ (اللہ تعالٰی علمائے امت کو بہترین جزاء عطا فرمائے۔آمین۔ت)

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الخ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲/ ۱۸۸

[2] القرآن الکریم ۵۳/ ۴۲

جس نے انہیں ہزاروں فضائل عالیہ وجلائل غالیہ دیئے، اور بے حد وبے شمار ابدالآباد کے لیے رکھے، "وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی ؕ" [1] (اور بیشک پچھلی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے بہتر ہے۔ت)۔ اسی لئے حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

یا ابابکر لم یعلمنی حقیقۃ غیر ربی۔ ذکرہ العلامۃ الفاسی فی مطالع المسرات [2]۔	اے ابوبکر! مجھے ٹھیک ٹھاک جیسا میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ پہچانا (اس کو علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں ذکر فرمایا ہے۔ت)

تراچناں کہ توئی دیدہ کجا بیند ۔۔۔ بقدر بینش خود ہر کسے کند ادراک

(تجھے جیسا کہ تو ہے کوئی آنکھ کیسے دیکھ سکتی ہے، ہر کوئی اپنی بینائی کے مطابق ادراک کرتا ہے۔ت)

صلی اللہ تعالٰی علیك وعلٰی اٰلك واصحابك اجمعین۔

تابش چہارم آثار صحابہ وبقیہ موعوداتِ خطبہ

روایت اولٰی [۱]: بیہقی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکرم الخلق علی اللہ یوم القیامۃ [3]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قیامت میں اللہ تعالٰی کے حضور تمام مخلوق الٰہی سے عزت وکرامت میں زائد ہیں۔

روایت دوم [۲]: احمد، بزار، طبرانی بسند ثقات اسی جناب سے راوی:

ان اللہ تعالٰی نظر الی قلوب العباد فاختار منھا قلب محمد صلی اللہ	اللہ تعالٰی نے اپنے بندوں کے دلوں پر نظر فرمائی، توان میں سے محمد صلی اللہ تعالٰی

[1] القرآن الکریم ۹۳/ ۴

[2] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص۱۲۹

[3] الخصائص الکبرٰی بحوالہ البیہقی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرح الصدر مرکز اہلسنت ۲/ ۱۹۸

تعالٰی علیہ وسلم فاصطفاہ لنفسہ[1]۔	علیہ وسلم کے دل کو پسند فرمایا، اسے اپنی ذات کریم کے لیے چن لیا۔

روایت سوم[۳]: دارمی و بیہقی عبداللہ بن سلام عــہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان اکرم خلیقۃ اللہ علی اللہ ابو القاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	بیشک اللہ تعالٰی کے نزدیک تمام مخلوق سے زیادہ مرتبہ و وجاہت والے ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔

روایت چہارم[۴]: ابن سعد بطریق مجالد شعبی عن عبدالرحمٰن بن زید بن الخطاب سے راوی، زید بن عمرو بن نفیل کہتے تھے: میں شام میں تھا، ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے کہا مجھے بت پرستی و یہودیت و نصرانیت سب سے نفرت ہے۔ کہا: تو تم دین ابراہیم چاہتے ہو، اے اہل مکہ کے بھائی! ء تم وہ دین مانگتے ہو جو آج کہیں نہیں ملے گا، اپنے شہر کو چلے جاؤ،

فان نبیا یبعث من قومك فی بلدك یأتی بدین ابراھیم بالحنیفۃ وھو اکرم الخلق علی اللہ[3]۔	کہ تمہاری قوم سے تمہارے شہر میں ایک نبی مبعوث ہوگا وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا دین حنیف لائے گا، وہ تمام جہان سے زیادہ اللہ تعالٰی کو عزیز ہے۔

یہ زید بن عمرو موحدان جاہلیت سے ہیں، اور ان کے صاحبزادے سعید بن زید اجلہ صحابہ و عشرہ مبشرہ سے۔ رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

روایت پنجم[۵]: ابن ابی شیبہ و ترمذی بافادہ تحسین اور حاکم بہ تصریح تصحیح اور ابو نعیم

عــہ: حجۃ ابن حجر فی شرح الھمزیۃ۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۷۹، البحر الزخار (مسند البزار) مسند عبداللہ بن مسعود حدیث ۱۷۰۲ مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورہ ۵/ ۱۱۹، المعجم الکبیر حدیث ۸۵۹۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۹/ ۱۲۱

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ البیہقی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بشرح الصدر مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲/ ۱۹۸

[3] الطبقات الکبرٰی ذکر علامات النبوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۱۶۲

وخرائطی ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، ابوطالب چند سردارانِ قریش کے ساتھ ملک شام کو گئے، حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہمراہ تشریف فرما تھے، جب صومعہ راہب یعنی بحیرا کے پاس اترے، راہب صومعہ سے نکل کران کے پاس آیا، اور اس سے پہلے جو قافلہ جاتا تھا راہب نہ آتا، نہ اصلاً ملتفت ہوتا، اب کی بار خود آیا اور لوگوں کے بیچ گزرتا ہوا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچا۔ حضور اقدس کا دست مبارک تھام کر بولا: **ھذا سید العٰلمین ھذا رسول رب العٰلمین یبعثه اللہ رحمة للعٰلمین** یہ تمام جہان کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے رسول ہیں، اللہ تعالٰی انہیں تمام عالم کے لئے رحمت بھیجے گا۔ سرداران قریش نے کہا: تجھے کیا معلوم ہے؟ کہا: جب تم اس گھاٹی سے بڑھے کوئی درخت و سنگ نہ تھا جو سجدے میں نہ گرے، اور وہ نبی کے سوا دوسروں کو سجدہ نہیں کرتے، اور میں انہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں، ان کے استخوانِ شانہ کے نیچے سیب کے مانند ہے۔ پھر راہب واپس گیا اور قافلہ کے لیے کھانا لایا، حضور تشریف نہ رکھتے تھے، آدمی طلب کو گیا، تشریف لائے، ابر سر پر سایہ گستر تھا۔ راہب بولا: **انظروا الیه غمامة تظله**، وہ دیکھو ابر ان پر سایہ کئے ہے۔ قوم نے پہلے سے درخت کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جگہ نہ پائی دھوپ میں تشریف فرما ہوئے، فوراً پیڑ کا سایہ حضور پر جھک آیا۔ راہب نے کہا: **انظروا الی فیئ الشجرة مال الیه**[1]۔ وہ دیکھو پیڑ کا سایہ انکی طرف جھکتا ہے۔

شیخ محقق نے لمعات[2] میں فرمایا: امام ابن حجر عسقلانی اصابہ میں فرماتے ہیں: رجال ثقات اس حدیث کے راوی سب ثقہ ہیں۔

روایت ششم[۶]: ابو نعیم حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، یہ ایک شب

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرکز اہلسنت برکات رضا ہند ۱/ ۸۳، سنن جامع الترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۶۴۰ دار الفکر بیروت ۳/ ۳۵۶و۳۵۷، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب المغازی حدیث ۳۶۵۳۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۳۲۸، المستدرك علی الصحیحین کتاب التاریخ استغناء آدم علیہ السلام دار الفکر بیروت ۲/ ۶۱۵، دلائل النبوۃ (لابی نعیم) ذکر خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الشام عالم الکتب بیروت ۱/ ۵۳

[2] الخصائص الکبرٰی باب سفر النبی صلی اللہ علیہ وسلم مع ابی طالب الی الشام مرکز اہلسنت ہند ۱/ ۸۴

صحرائے شام میں تھے، ہاتف جن نے انہیں بعثت حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر دی۔ صبح راہب کے پاس جاکر قصہ بیان کیا، کہا:

قد صدقوك یخرج من الحرم ومهاجرہ الحرم وهو خیر الانبیاء [1]۔	جِنوں نے تجھ سے سچ کہا، حرم سے ظاہر ہونگے اور حرم کو ہجرت فرمائیں گے، اور وہ تمام انبیاء سے بہتر ہیں۔

روایت ہفتم: ابن عساکر ابو نعیم خرائطی بعض صحابہ خثعمیین سے راوی: ہم ایک شب اپنے بت کے پاس تھے اور اسے ایک مقدمہ میں پنچ کیا تھا ناگاہ ہاتف نے پکارا:۔

یا ایها الناس ذووا الاجسام — ما انتم وطائش الاحکام
ومسند الحکم الی الاصنام — هذا نبی سید الانام
اعدل ذی حکم من الاحکام — یصدع بالنور وبالاسلام
ویزجر الناس عن الآثام — مستعلن فی البلد الحرام [2]

(اے بت پرست لوگو! تم احکام کو بیان کرنے والے نہیں ہو، اپنا مقدمہ بتوں کے پاس لے جانے والے ہو۔ یہ نبی ہے جو کائنات کا سردار ہے، احکام کے فیصلے کرنے میں سب سے بڑا عادل ہے، نور اسلام کو کھول کر بیان کرتا ہے، لوگوں کو گناہوں سے روکتا ہے، بلد حرام (مکہ مکرمہ) میں ظاہر ہونے والا ہے۔ت)

ہم سب ڈر کر بت کو چھوڑ گئے اور اس شعر کے چرچے رہے یہاں تک کہ ہمیں خبر ملی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مکہ میں ظہور فرماکر مدینہ تشریف لائے، میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوا۔

روایت ہشتم۸: خرائطی وابن عساکر مرداس بن قیس دوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، میں خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم میں حاضر ہوا حضور

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابو نعیم باب ماسمع من الکہان الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۱۰۷

[2] تاریخ دمشق الکبیر اخبار الاحبار بنبوته الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۵۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم ذکر ما سمع من الجن الخ عالم الکتب بیروت ۱/ ۳۳ و ۳۴، الخصائص الکبرٰی باب ماسمع من الکہان والاصوات الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۱۰۷

کے پاس کہانت کا ذکر تھا کہ بعثت اقدس سے کیونکر متغیر ہو گئی۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارے یہاں اس کا ایک واقعہ گزرا ہے میں حضور میں عرض کروں۔ ہماری ایک کنیز تھی خاصہ نام، کہ ہمارے علم میں ہر طرح نیک تھی، ایک دن آکر بولی: ایک گروہ دوس! تم مجھ میں کوئی بدی جانتے ہو؟ ہم نے کہا: بات کیا ہے؟ کہا: میں بکریاں چراتی تھی، دفعۃً ایک اندھیرے نے مجھے گھیرا اور وہ حالت پائی جو عورت مرد سے پاتی ہے مجھے حمل کا گمان ہے، جب ولادت کے دن قریب آئے ایک عجیب الخلق لڑکا جنی جس کے کتے کے سے کان تھے وہ ہمیں غیب کی خبریں دیتا اور جو کچھ کہتا اس میں فرق نہ آتا، ایک دن لڑکوں میں کھیلتے کھیلتے کودنے لگا اور تہبند پھینک دیا اور بُلند آواز سے چلّایا! اے خرابی! خدا کی قسم اس پہاڑ کے پیچھے گھوڑے ہیں ان میں خوبصورت خوبصورت نو عمر۔ یہ سن کر ہم سوار ہوئے، ویسا ہی پایا۔ سواروں کو بھگایا، غنیمت لوٹی۔ جب حضور کی بعثت ہوئی اس دن سے جو خبریں دیتا جھوٹ ہوتیں۔ ہم نے کہا تیرا برا ہو یہ کیا حال ہے؟ بولا مجھے خبر نہیں کہ جو مجھ سے سچ کہتا تھا اب کیوں جھوٹ بولتا ہے، مجھے اس گھر میں تین دن بند کردو۔ ہم نے ایسا ہی کیا، تین دن پیچھے کھولا، دیکھیں تو وہ ایک آگ کی چنگاری ہو رہا ہے۔ بولا: اے قوم دوس! حرست السماء وخرج خیرا لانبیاء آسمان پر پہرہ مقرر ہوا اور بہترین انبیاء نے ظہور فرمایا۔ ہم نے کہا: کہاں؟ کہا: مکہ میں، اور میں مرنے کو ہوں، مجھے پہاڑ کی چوٹی پر دفن کردینا، مجھ میں آگ بھڑک اٹھے گی، جب ایسا دیکھو **باسمك اللھم**[1] (تیرے نام سے اے اللہ!) کہہ کر مجھے تین پتھر مارنا میں بجھ جاؤں گا۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ چند روز بعد حاجی لوگ آئے اور ظہور حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی خبر لائے۔

اگرچہ یہ قول اس جنی اور حقیقۃً اس جن کا تھا جس نے اسے خبر دی، مگر ممکن تھا کہ اسے احادیث مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں گنا جاتا، کہ حضور نے سنا اور انکار نہ فرمایا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

روایت نہم ۹: ابو نعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے حدیث طویل میلاد جمیل میں راوی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں: جب حمل اقدس میں چھ مہینے گزرے ایک

[1] تاریخ دمشق الکبیر اخبار الاخبار بنبوتہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۶، الخصائص الکبرٰی بحوالہ الخرائطی وابن عساکر باب حراسۃ السماء الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۱۱۱ و ۱۱۲

شخص نے سوتے میں مجھے ٹھوکر ماری اور کہا:

یا امنة انك قد حملت بخیر العالمین طرا فاذا ولدته فسمیه محمدا[1]۔	اے آمنہ! تمھارے حمل میں وہ ہے جو تمام جہان سے بہتر ہے۔جب وہ پیدا ہوں ان کا نام محمد رکھنا صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وسلم۔

روایت دہم ۱۰:ابو نعیم حضرت بریدہ وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے ایام حمل مقدس میں خواب دیکھا کوئی کہنے والا کہتا ہے:

انك قد حملت بخیر البریة وسید العالمین فاذا ولدته فسمیه احمدا ومحمدا[2]	تمھارے حمل میں بہترین عالم وسردار عالمیاں ہیں، جب پیدا ہوں ان کا نام احمد ومحمد رکھنا صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ واصحابہ وسلم۔

روایت یازدہم ۱۱:ابن سعد وحسن بن جراح زید بن اسلم سے راوی، حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے جناب حلیمہ رضوان اللہ تعالٰی علیہا سے فرمایا: مجھ سے خواب میں کہا گیا:

انك ستلدین غلاما فسمیه احمدا وھو سید العالمین[3]۔	عنقریب تمھارے لڑکا ہوگا ان کا نام احمد رکھنا، وہ تمام عالم کے سردار ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم۔

روایت دوازدہم ۱۲: بزار عہ حضرت امیر المومنین مولی المسلمین علی مرتضی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی:

لما اراد اللہ ان یعلم رسوله	جب حق جل وعلانے اپنے رسول کو اذان

عہ: یہ حدیث اس حدیث مرتضوی کا تتمہ جو زیر ارشاد چہل وچہارم گزری لہذا جدا شمار نہ ہوئی ۱۲منہ۔

---

[1] الخصائص الکبری بحوالہ ابی نعیم باب ما ظہر فی لیلۃ مولدہ الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۴۸

[2] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الحادی عشر عالم الکتب بیروت ۱/ ۴۰

[3] الطبقات الکبری ذکر علامات النبوۃ الخ دار صادر بیروت ۱/ ۱۵۱

الاذان اتاہ جبریل بدابۃ یقال لہ البراق(او ذکر جماحھا وتسکین جبریل ایاھا)قال فرکبھا حتی انتھی الی الحجاب الذی یلی الرحمان وساق الحدیث فیہ ذکر تاذین الملك وتصدیق اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقدمہ قام اھل السموات فیھم ادم ونوح عــہ۱ فیومئذ اکمل اللہ لمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الشرف علی اھل السموات والارض[1]۔	سکھانی چاہی۔جبریل براق لے کر حاضر ہوئے حضور سوار ہو کر اس حجاب عــہ۲ عظمت تک پہنچے جو رحمٰن عــہ۳ جل مجدہ کے نزدیک ہے پردے سے ایک فرشتہ نکلا اور اذان کہی، حق اللہ عزوجلالہ نے ہر کلمہ پر موذن کی تصدیق فرمائی، پھر فرشتے نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دست اقدس تھام کر حضور کو آگے کیا۔حضور نے تمام اہل سموات کی امامت فرمائی جن میں آدم ونوح علیہما الصلوۃ والسلام بھی شامل تھے۔اس روز حق تبارک وتعالٰی نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شرف عام اہل آسمان وزمین پر کامل کردیا۔

عــہ۱: انت تعلم ان ھذا من تمام حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کما تری وھو کذلك عند ابی نعیم فی طریق اتی فلا ادری کیف جعلہ الامام القاضی فی الشفاء من قول راوی الحدیث سیدنا جعفر الصادق رضی اللہ تعالٰی عنہ و اقرہ علیہ الشھاب فی النسیم۔	تو جانتا ہے کہ یہ حدیث علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ جیسا کہ دیکھ رہا ہے اور وہ ابونعیم کے نزدیک بھی ایسے ہی ہے اس طریق میں جس کو وہ لائے میں نہیں جانتا کہ امام قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے اس کو راوی حدیث سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول کیسے قرار دیا اور شہاب نے بھی نسیم میں اس کو برقرار رکھا۔ ۱۲منہ)

عــہ۲: حجاب مخلوق پر ہے، خالق جل وعلا حجاب سے پاک ہے وہ اپنی غایت ظہور سے غایت بطون میں ہے تبارک وتعالٰی ۱۲منہ

عــہ۳: شاید یہ معنی ہیں کہ عرش رحمٰن سے قریب ہے۔واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ۔

[1] البحر الزخار(مسند البزار)حدیث ۵۰۸ مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورۃ ۲/ ۱۴۶تا۱۴۷، کشف الاستار عن زوائد الطزار بدء الاذان حدیث ۵۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۷۸و۱۷۹، الخصائص الکبری باب ذکرہ فی الاذان فی عہد آدم مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۱۶۴

اسی کی مثل ابو نعیم نے بطریق امام محمد ابن حنفیہّ ابن علی المرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہما روایت کی۔ اس کے اخیر میں ہے:

ثم قیل لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تقدم فام اھل السماء فتم لہ الشرف علی سائر الخلق [1]	پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہا گیا آگے بڑھئے، حضور نے تمام اہل آسمان کی امامت فرمائی اور جمیع مخلوقات الٰہی پر حضور کا شرف کامل ہوا۔

والحمد للہ رب العالمین (اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پروردگار ہے کل جہانوں کا۔ت)

نور الختام

رزقنا اللہ تعالٰی حسنہ (اللہ تعالٰی ہمیں حسن خاتمہ عطا فرمائے۔ت)

الحمد للہ کہ کلام اپنے منتہی کو پہنچا، اور دس آیتوں سو حدیثوں کا وعدہ بہ نہایت آسانی بہت زیادہ ہو کر پورا ہوا۔ اس رسالہ میں قصداً استیعاب نہ ہونے پر خود یہی رسالہ گواہی دے گا کہ تیس سے زائد حدیثیں مفید مقصد ایسی ملیں گی جن کا شمار ان سو میں نہ کیا۔ زتعلیقات تو اصلاً تعداد میں نہ آئیں۔ اور ہیکل اول میں بھی زیر آیات بہت حدیثیں مثبت مراد گزریں، انہیں بھی حساب سے زیادہ رکھا، خصوصاً حدیث ۱ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ یہ امت اللہ تعالٰی کے نزدیک سب امتوں سے بہتر اور افضل ہے (زیر آیت خامسہ) حدیث ۲ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ حضور کی امت سب امتوں سے بہتر اور حضور کا زمانہ سب زمانوں سے بہتر، اور حضور کے صحابہ سب اصحاب سے بہتر، اور حضور کا شہر سب شہروں سے بہتر، وانما شرف المکان بالمکین (مکان کا شرف تو مکین کی وجہ سے ہوتا ہے۔ت) (زیر آیت اُولی) حدیث ۳ علی مرتضٰی، حدیث ۴ حبر الامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ صفی سے مسیح تک تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حضور کے بارے میں عہد لیا گیا (ہر دو زیر آیت نخستین) حدیث ۵ سلطان المفسرین رضی اللہ تعالٰی

---

[1] الخصائص الکبری بحوالہ ابی نعیم عن محمد بن الحنفیۃ باب خصوصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بالاسراء مرکز اہلسنت ۱/ ۱۶۴، الدر المنثور تحت الآیۃ ۱/۱۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۱۹۳

عنہ نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ قدر وعزت والا کسی کو نہ بنایا۔(زیر آیت سابعہ) حدیث[۶] عالم القرآن رضی اللہ تعالٰی عنہ اللہ تعالٰی نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام انبیاء وملائکہ سے افضل کیا۔(زیر آیت ثالثہ) کہ چھ حدیثیں تو نصوص جلیلہ اور قابل ادخال جلوہ اول تابش دوم تھیں۔ان چھ کے یاد دلانے میں میری ایک غرض یہ بھی ہے کہ تابش چہارم میں روایت ہفتم سے روایت یازدہم تک جو چھ حدیثیں قول ہاتف وکاہن ومنامات صادقہ کی گزریں۔اگر بعض حضرات ان پر راضی نہ ہوں توان چھ تصریحات جلیلہ کوان چھ کانعم البدل سمجھیں۔اور سواحادیث مسندہ معتمدہ کاعدد ہر طرح کامل جانیں۔وللہ الحمد۔

تنبیہ: فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ نے اس عجالہ میں کہ نہایت جاوزت پر مبنی تھا۔اکثر حدیثوں کی نقل میں اختصار بلکہ بہت جگہ صرف محل استدلال پر اقتصار کیا۔مواقع کثیرہ میں موضع احتجاج کے سوا باقی حدیث کا فقط ترجمہ لایا۔طرق ومتابعات بلکہ کبھی شواہد مقاربۃ المعنٰی میں بھی ایک کا متن لکھا،بقیہ کا محض حوالہ دیا،اگرچہ وہ سب متون جداجدا بالاستیعاب بحمداللہ میرے پیش نظر ہوئے جہاں اتفاق سے کلمات علماء کی حاجت دیکھی وہاں تو غالبًا مجرد اشارہ یا نقل بالمعنی یا التقاط ہی پر قناعت کی،ہاں تخریج احادیث میں اکثر استکثار پر نظر رکھی۔ناظر متفحص بہت حدیثوں میں دیکھے گا کہ کتب علماء میں انہیں صرف ایک یا دو مخرجین کی طرف نسبت فرمایا۔اور فقیر نے چھ چھ سات سات نام جمع کئے۔متون اسانید کی تصحیح وتحسین کی طرف جو تلویح ہے اس کا ماخذ بھی ائمہ شان کی تنصیص وتصریح ہے۔لہٰذا مناسب کہ طالب سند وجویائے تفصیل کے لئے ان بحار اسفار مواج زخّار کے اسماء شمار ہوں جو ہنگام تحریری رسالہ میرے پیش نظر موجزن رہے،اور اپنے صدف خیز قعروں گہر ریز لہروں سے ان فرائد آبدار ولآلی شاہوار کے ماخذ ہوئے۔الصحاح الستۃ لاسیما الصحیحین وجامع الترمذی وموطا مالك وسنن الدارمی ومشکوٰۃ المصابیح،الترغیب والترھیب للامام الحافظ عبدالعظیم زکی الدین المنذری،الخصائص الکبرٰی لخاتم الحفاظ ابی الفضل السیوطی وھو کتاب لم یصنف فی بابہ مثلہ واکثر التقطت سنہ مع زیادات فی التخاریج وغیرھا من تلقاء نظری اوکتب اخری فاللہ یجزیہ الجزاء الاوفی،کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للامام الفھام شیخ الاسلام عیاض الیحصبی،نسیم الریاض للعلامۃ الشھاب الخفاجی،الجامع الصغیر للامام السیوطی،التیسیر جامع الصغیر للعلامۃ الرؤف المناوی،المواھب اللدنیہ والمنح المحمدیہ للامام العلامۃ احمد بن محمد المصری القسطلانی،شرح المواھب للعلامۃ الشمس محمد بن الباقی الزرقانی،افضل القری لقراء ام القرٰے

المعروف بشرح الهمزیة للامام ابن حجر المکی، مفاتیح الغیب للامام الفخر محمد الرازی تکملتها لتلمیذہ الفاضل عـــہ۱ العلامة الخوبی، معالم التنزیل للامام محی السنة البغوی، مدارك التنزیل للامام العلامة النسفی وربما اخذت شیئًا اواشیاء عن المنهاج للامام العلام ابی زکریا النووی وارشاد الساری للامام احمد القسطلانی والبیضاوی والجلالین والاحیاء والمدخل لمحمد العبدری والمدارج واشعة اللمعات للمولی الدهلوی ومطالع المسرات للعلامة الفاسی وشفاء السقام للامام المحقق الاجل السبکی والعلل المتناهیة للعلامة الشمس ابی الفرج ابن الجوزی ولم آخذ عنها الا تخریجًا واحدا لحدیث ورسالة المولدله والحلیة شرح المنیة للامام محمد بن محمد بن محمد ابن امیر الحاج الحلبی وشرح الشفاء للفاضل علی القاری رحمة الله تعالٰی علیهم اجمعین الی غیر ذالك مما منح المولی سبحٰنه وتعالٰی۔

پھر ان کتابوں سے بھی بعض باتیں ان کے غیر مظنّہ سے اخذ کیں کہ اگر ناظر مجرد واستقرائے مظان پر قناعت کرے ہرگز نہ پائے، لہٰذا متجسس کو تثبت وامعان درکار واللہ العزیز الغفار۔

یہ رسالہ ششم شوال کو آغاز اور نوزدہم کو ختم۔ اور آج پنجم ذی القعدہ روز جان افروز دوشنبہ کو وقت چاشت مسودہ سے مبیضہ ہوا۔ والحمدللہ رب العالمین۔ ان اوراق میں پہلی حدیث حضرت امیر المومنین مولی المسلمین مولٰی علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی سے ماثور، اور سب میں پچھلی حدیث بھی اسی جناب ولایت مآب سے مذکور۔ امید ہے کہ اس خاتم خلافت نبوت فاتح سلاسل ولایت رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صدقہ میں حضور پر نور، عفو غفور، عـــہ۲ جواد،

عـــہ۱: علی مافی النسیم والکشف ولی فیه تامل ۱۲منه۔ | اس بنیاد پر جو نسیم وکشف میں ہے اور مجھے اس میں تامل ہے۔ ۱۲منہ۔ (ت)

عـــہ۲: عفو وغفور حضور کے اسماء طیبہ سے ہیں، کما فی المواھب [1] واستشهد له الزرقانی [2] مافی التوراة ولکن یعفو ویغفر، رواہ البخاری ۱۲منہ غفرلہ عفی عنہ (جیسا کہ مواہب میں ہے اس کے لیے زرقانی نے تورات کی اس عبارت سے استشہاد کیا "لیکن وہ معاف فرماتا اور درگزر فرماتا ہے۔" اس کو بخاری نے روایت کیا۔ ت)

---

[1] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۱۹

[2] المواھب اللدنیہ المقصد الثانی الفصل الاول المکتب دار المعرفة بیروت ۳ /۱۳۹

کریم، رؤف، رحیم، صفوح زلّات، مقیل عثرات، مصحح حسنات، عظیم الھبات، سید المرسلین، خاتم النبیین، شفیع المذنبین محمد رسول رب العالمین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلٰی آلہ وصحبہٖ اجمعین کی بارگاہ بیکس پناہ میں شرف قبول پائے۔ اور حق تبارک وتعالٰی کاتب و سائل وواسطہ سوال وعامہ مومنین کو دارین میں اس سے اور فقیر کی تصانیف سے نفع پہنچائے۔

انہ ولی ذٰلك والقدیر علیہ والخیر کلہ لہ وبیدیہ و اٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین، والصلٰوۃ و السلام علٰی سید المرسلین محمد واٰلہٖ واصحابہ اجمعین، سبحٰنك اللھم وبحمدك اشھد ان لاالٰہ الا انت استغفرك واتوب الیك والحمدللہ رب العٰلمین۔	بے شک وہ اس کا مالک اور اس پر قادر، بھلائی سب اس کے لئے ہے اور اس کے دست قدرت میں ہے، اور ہماری دعا کا اختتام اس پر ہے کہ سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے سب جہانوں کا۔ درود وسلام نازل ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰی پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام اصحاب پر۔ تجھے پاکی ہے اے اللہ ! میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو پروردگار ہے تمام جہانوں کا۔ (ت)

رسالہ

تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین

ختم ہوا

الحمد للہ

بشارت جلیلہ

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لم یبق من النبوة الا مبشرات الرؤیا الصالحة۔ رواہ البخاری[1] عن ابی ھریرة و زاد مالك یراھا الرجل الصالح او تری له[2] والاحمد وابن ماجة وابن خزیمة و ابن حبان وصححاہ عن ام کرز ذھبت النبوة و بقیت المبشرات[3] وللطبرانی فی الکبیر عن حذیفة بسند صحیح ذھبت النبوة فلانبوة بعدی الا المبشرات الرؤیا الصالحة یراھا الرجل او تری له[4]۔	یعنی "نبوت گئی اب میرے بعد نبوت نہیں، ہاں بشارتیں باقی ہیں، اچھے خواب"۔ اسے بخاری نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ اور مالک نے زیادہ کیا کہ نیک آدمی دیکھے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔ احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی ام کرز سے کہ نبوت چلی گئی اور مبشرات باقی رہ گئے۔ اور طبرانی نے کبیر میں حذیفہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا کہ میرے بعد نبوت نہیں مگر بشارتیں باقی ہیں اچھا خواب کہ نیک آدمی دیکھے یا اس کیلئے دیکھا جائے۔ (ت)

الحمد للہ اس رسالہ کے زمانہ تصنیف میں مصنف نے خواب دیکھا کہ میں اپنی مسجد میں ہوں، چند وہابی آئے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کی فضیلت مطلقہ میں بحث

---

[1] صحیح البخاری کتاب التعبیر باب مبشرات قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۰۳۵

[2] مؤطا الامام مالك ماجاء فی الرؤیا میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۴۲

[3] سنن ابن ماجه ابواب التعبیر الرؤیا باب الرؤیا الصالحة یراھا المسلم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۸۶، مسند احمد بن حنبل حدیث ام کرز رضی اللہ عنھا المکتب الاسلامی بیروت ۶ /۳۸۱

[4] معجم الکبیر حدیث ۳۰۵۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۳ /۱۷۹

کرنے لگے۔ مصنف نے دلائل صریحہ سے انہیں ساکت کر دیا کہ خائب وخاسر چلے گئے۔ پھر مصنف نے اپنے مکان کا قصد کیا (یہ مسجد شارع عام پر واقع ہے، دروازہ سے نکل کر چند سیڑھیاں ہیں کہ ان سے اتر کر سڑک ملتی ہے، اس کے جنوب کی طرف ہندوؤں کے مندر اور ان کا کنواں ہے) مصنف ابھی اس زینہ سے نہ اترا تھا کہ بائیں ہاتھ کی طرف سے ایک مادہ خُوک (خنزیر) اور اس کے ساتھ اس کا بچہ سڑک پر آتے دیکھا، جب زینہ مذکورہ کے قریب آئے اس بچہ نے مصنف پر حملہ کرنا چاہا، اس کی ماں نے اسے دوڑ کر روکا، اور غالبًا اس کے منہ پر تپانچہ مارا۔ بہر حال اسے سختی کے ساتھ جھڑکا۔ اور ان وہابیہ کی طرف اشارہ کر کے بولی: دیکھتا نہیں کہ یہ تیرے بڑے تو اس شخص سے جیتے نہیں تو اس پر کیا حملہ کرے گا۔ یہ کہہ کر وہ سوئر یا اس کا بچہ دونوں اس ہندو کنویں کی طرف بھاگتے چلے گئے **والحمدﷲ رب العٰلمین**۔ اس خواب سے مصنف نے بعونہٖ تعالٰی قبول رسالہ پر استدلال کیا، **والحمدﷲ**۔

الحمدﷲ

بشارتِ عظمٰی

اس سے کچھ پہلے مصنف نے خواب دیکھا کہ اپنے مکان کے پھاٹک کے آگے شارع عام پر کھڑا ہوں، اور بہت دبیر بِلور کا ایک فانوس ہاتھ میں ہے، میں اسے روشن کرنا چاہتا ہوں، دو شخص داہنے بائیں کھڑے ہیں وہ پھونک مار کر بجھا دیتے ہیں، اتنے میں مسجد کی طرف سے حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، واللہ العظیم۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھتے ہی وہ دونوں مخالف ایسے غائب ہوگئے کہ معلوم نہیں آسمان کھا گیا یا زمین میں سماگئے۔ حضور پر نور ملجائے بیکساں مولائے دل وجاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اس سگ بارگاہ کے پاس تشریف لائے، اور اتنے قریب رونق افروز ہوئے کہ شاید ایک بالشت یا کم کا فاصلہ ہو، اور بکمال رحمت ارشاد فرمایا: پھونک مار، اللہ روشن کردے گا۔ مصنف نے پھونکا، وہ نور عظیم پیدا ہوا کہ سارا فانوس اس سے بھر گیا۔ **والحمدﷲ رب العالمین**۔

رسالہ
شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام ۱۳۱۵ھ
(رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کا مسلمان ہونا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۴: از معسکر بنگلور، مسجد جامع مدرسہ جامع العلوم مرسلہ حضرت مولانا مولوی شاہ محمد عبدالغفار صاحب قادری نسبًا و طریقۃً، اعلٰی مدرس مدرسہ مذکور ۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ سرور کائنات فخر موجودات رسول خدا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم کے ماں باپ آدم علٰی نبینا وعلیہ السلام تک مومن تھے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ عـــہ (بیان کرو اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللھم لك الحمد الدائم الباطن الظاھر	اے اللہ! تیرے لئے ظاہری و باطنی طور پر دائمی

عـــہ: اس سوال کے جواب میں "ھدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی" مصنفہ مولوی صاحب موصوف تھا، یہ اسی کی تصدیق میں لکھا گیا۔

صل وسلم علی المصطفی الکریم نورك الطیب الطاھر الزاھر الذی نزھته من کل رجس اودعته فی کل مستودع طاھر ونقلته من طیبٍ الی طیبٍ فله الطیب الاول و الاٰخر و علی اٰله و صحبه الا طائب الا طاھر اٰمین۔	حمد ہے۔درود وسلام نازل فرما مصطفٰی کریم پر جو تیرا طیب و طاہر اورروشن نور ہیں جن کو تونے ہر نجاست سے منزہ کیا ہے اور پاک محل میں ودیعت فرمایا ہے۔اور ستھرے سے ستھرے کی طرف منتقل فرمایا ہے۔اول وآخر اس کے لئے پاکیزگی ہے،اوران کی طیب،طاہر آل اور اصحاب پر۔آمین ! (ت)

اولاً(پہلی دلیل): اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ"[1]۔	بیشک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بعثت من خیر قرون بنی اٰدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منه۔رواہ البخاری[2] فی صحیحه عن ابی ھریرۃ رضی الله تعالٰی عنه۔	ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہتر سے بھیجاگیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔(اس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حضرت امیر المومنین مولی المسلمین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کی حدیث صحیح میں ہے۔

لم یزل علی وجه الدھر(الارض)سبعة مسلمون فصاعداً فلولاذٰلك ھلکت الارض ومن علیھا۔اخرجه عبد الرزاق[3] وابن المنذر بسند صحیح علی شرط الشیخین۔	روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں،ایسا نہ ہوتا تو زمین واہل زمین سب ہلاک ہو جاتے۔(اس کو عبدالرزاق اورابن المنذر نے شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

حضرت عالم القرآن حبر الامۃ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی

[1] القرآن الکریم ۲ /۲۲۱

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۵۰۳

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة بحوالہ عبدالرزاق وابن المنذر المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱ /۱۷۴

حدیث میں ہے:

ماخلت الارض من بعد نوح من سبعة یرفع الله بهم عن اهل الارض[1]۔	نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد زمین کبھی سات بندگانِ خدا سے خالی نہ ہوئی جن کی وجہ سے اللہ تعالٰی اہل زمین سے عذاب دفع فرماتا ہے۔

جب صحیح حدیثوں سے ثابت کہ ہر قرن و طبقے میں روئے زمین پر لااقل سات مسلمان بندگان مقبول ضرور رہے ہیں،اور خود صحیح بخاری شریف کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن سے پیدا ہوئے وہ لوگ ہر زمانے میں،ہر قرن میں خیارقرن سے،اور آیت قرآنیہ ناطق کہ کوئی کافر اگرچہ کیسا ہی شریف القوم بالانسب ہو،کسی غلام مسلمان سے بھی خیر وبہتر نہیں ہوسکتا تو واجب ہوا کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آباء وامہات ہر قرن اور طبقہ میں انہیں بندگان صالح ومقبول سے ہوں ورنہ معاذاللہ صحیح بخاری میں ارشاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقرآن عظیم میں ارشاد حق جل وعلاکے مخالف ہوگا۔

اقول:والمعنی ان الکافر لا یستاهل شرعًا ان یطلق علیه انه من خیار القرن لاسیما وهناك مسلمون صالحون وان لم یرد الخیریة الا بحسب النسب، فافهم۔	**اقول:**(میں کہتا ہوں۔ت) کہ مراد یہ ہے کہ کافر شرعًا اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کو خیر القرن کہا جاسکے بالخصوص جبکہ مسلمان صالح موجود ہوں اگرچہ خیریت نسب ہی کے لحاظ سے کیوں نہ ہو۔چنانچہ تو سمجھ ۱۲۔(ت)

یہ دلیل امام جلیل خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ نے افادہ فرمائی فالله یجزیه الجزاء الجمیل (اللہ تعالٰی ان کو اجر جمیل عطافرمائے۔ت)

ثانیًا:قال الله عزوجل "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ"[2]۔	**دوسری دلیل:**اللہ تعالٰی نے فرمایا،کافر تو ناپاک ہی ہیں۔(ت)

اور حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بحواله احمد فی الزهد الخ المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۷۴،الحاوی للفتاوٰی بحواله احمد فی الزهد والخلال فی کرامات الاولیاء الخ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۲۱۲

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۸

لم یزل اللہ عزوجل ینقلنی من اصلاب الطیبۃ الی الارحام الطاھرۃ مصفی مھذبا لاتنشعب شعبتان الا کنت فی خیرھما۔ رواہ ابو نعیم فی دلائل النبوۃ[1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ہمیشہ اللہ تعالٰی مجھے پاک ستھری پشتوں میں نقل فرماتا رہا صاف ستھرا آراستہ جب دو شاخیں پیدا ہوئیں، میں ان میں بہتر شاخ میں تھا۔ (اس کو نعیم نے دلائل النبوۃ میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اور ایک حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام الطاھرات[2]۔	میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاک بیبیوں کے پیٹوں میں منتقل ہوتا رہا۔

دوسری حدیث میں ہے، فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمۃ والارحام الطاھرۃ حتی اخرجنی من بین ابوی۔ رواہ ابن ابی عمرو العدنی[3] فی مسندہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہمیشہ اللہ عزوجل مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں نقل فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ اس کو ابن ابی عمرو العدنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی مسند میں روایت کیا۔ ت)

تو ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آبائے کرام طاہرین وامہات کرام طاہرات سب اہل ایمان وتوحید ہوں کہ بنص قرآن عظیم کسی کافر وکافرہ کے لیے کرم وطہارت سے حصہ نہیں۔

یہ دلیل امام اجل فخر المتکلمین علامۃ الوری فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے افادہ فرمائی اور امام جلال الدین سیوطی اور علامہ محقق سنوسی اور علامہ تلمسانی شارح شفاء وامام ابن حجر مکی وعلامہ محمد زرقانی

[1] الحاوی للفتاوی بحوالہ ابی نعیم مسالک الحنفاء فی والدی المصطفٰی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۱۱، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص۱۱و۱۲

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس المقصد الاول دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۶۷، الحاوی للفتاوی مسالک الحنفاء فی والدی المصطفٰی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۲۱۰

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل واما شرف نسبہ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۱ /۶۳، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض بحوالہ ابن ابی عمرو العدنی مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱ /۳۳۵

شارح مواہب وغیر ہم اکابر نے اس کی تائید وتصویب کی۔

ثالثًا: قال اللہ تبارك وتعالٰی: "وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ "[1]۔	**تیسری دلیل:** اللہ تبارک وتعالٰی نے فرمایا: بھروسا کرزبردست مہربان پر جو تجھے دیکھتا ہے جب تو کھڑا ہو اور تیرا کروٹیں بدلنا سجدہ کرنیوالوں میں۔

امام رازی فرماتے ہیں: معنی آیت یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور پاک ساجدوں سے ساجدوں کی طرف منتقل ہوتا رہا [2] تو آیت اس پر دلیل ہے کہ سب آبائے کرام مسلمین تھے۔امام سیوطی وامام ابن حجر وعلامہ زرقانی [3] وغیرہم اکابر نے اس کی تقریر وتائید وتاکید وتشیید فرمائی۔اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کے موید روایت ابو نعیم [4] کے یہاں آئی:

وقد صرحوا ان القرآن محتج به علی جمیع وجوهه و لا ینفی تاویل تاویلا ویشهد له عمل العلماء فی الاحتجاج بالایات علی احد التاویلا تقدیما وحدیثا۔ **رابعًا:** قال المولٰی سبحنه وتعالٰی "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿۵﴾ "[5]	علماء نے تصریح کی ہے کہ قرآن پاک کی ہر وجہ سے استدلال کیا جائے گا اور کوئی ایک تاویل دوسری تاویل کی نفی نہیں کرتی،اس کے لیے علماء کا عمل گواہ ہے کہ وہ پرانے اور نئے زمانے میں آیات مبارکہ کی کئی تاویلات میں سے ایک سے استدلال کرتے رہے ہیں۔(ت) **چوتھی دلیل:** اللہ تعالٰی نے فرمایا: البتہ عنقریب تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

اللہ اکبر! بارگاہ عزت میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت ووجاہت ومحبوبیت کہ امت کے حق میں تو رب العزت جل وعلانے فرمایا ہی تھا:

---

[1] القرآن الکریم ۲۶ /۲۱۷ تا ۲۱۹

[2] مفاتیح الغیب تحت آیۃ ۲۶ / ۲۱۹۔ ۲۴/ ۱۴۹

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم دار المعرفہ بیروت ۱ /۱۷۴

[4] شرح الزرقانی بحوالہ ابی نعیم المقصد الاول باب وفات امہ صلی اللہ علیہ وسلم دار المعرفہ بیروت ۱ /۱۷۴،دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص ۱۱و۱۲

[5] القرآن الکریم ۹۳/ ۵

سنرضیك فی امتك ولا نسؤك رواہ مسلم[1] فی صحیحہ۔	قریب ہے کہ ہم تجھے تیری امت کے باب میں راضی کردینگے اور تیرا دل برا نہ کریں گے۔(اسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ت)

مگر اس عطاورضا کا مرتبہ یہاں تک پہنچا کہ صحیح حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ابوطالب کی نسبت فرمایا:

وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاح رواہ البخاری ومسلم عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما[2]۔	میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کردیا(اس کو امام بخاری وامام مسلم نے ابن عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

دوسری روایت صحیح میں فرمایا:

ولو لا انا لکان فی الدرك الاسفل من النار۔رواہ ایضا رضی اللہ تعالٰی عنہ[3]،	اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں ہوتا(اس کو بخاری نے انہی سے روایت کیا ہے)

دوسری حدیث صحیح میں فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب دعا النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لامتہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۳

[2] صحیح البخاری کتاب المناقب قصہ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح البخاری کتاب الادب کنیۃ المشرك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷، صحیح مسلم باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵، مسند احمد بن حنبل عن العباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۶

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۵، صحیح البخاری کتاب المناقب باب قصۃ ابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۴۸، صحیح البخاری کتاب الادب باب کنیۃ المشرك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۱۷

اھون اھل النار عذابا۔ رویاہ[1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	دوزخیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے(امام بخاری و مسلم نے یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی۔ت)

اور یہ ظاہر ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جو قرب والدین کریمین کو ہے، ابو طالب کو اس سے کیا نسبت ؟ پھر ان کا عذر بھی واضح کہ نہ انھیں دعوت پہنچی نہ انھوں نے زمانہ اسلام پایا، تو اگر معاذ اللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ ان پر ابو طالب سے بھی کم عذاب ہوتا اور وہی سب سے ہلکے عذاب میں ہوتے۔ یہ حدیث صحیح کے خلاف ہے تو واجب ہوا کہ والدین کریمین اہل جنت ہیں، وللہ الحمد، اس دلیل کی طرف بھی امام خاتم الحفاظ (جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالٰی) نے اشارہ فرمایا:

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تبارک تعالٰی کی طرف سے ہے۔ت) تقریر دلیل یہ ہے کہ صادق و مصدوق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی کہ اہل نار میں سب سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ابو طالب پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے ؟ آیا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاری و غمخواری و پاسداری و خدمت گزاری کے باعث یا اس لئے کہ سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سے محبت طبعی تھی، حضور کو ان کی رعایت منظور تھی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عم الرجل صِنوُ اَبِیہِ رواہ الترمذی[2] بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه وعن علی والطبرانی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	آدمی کا چچا اس کے باپ کے بجائے ہوتا ہے اس کو امام ترمذی نے سند حسن کے ساتھ حضرت ابوہریرہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے جبکہ طبرانی کبیر نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔(ت)

شق اول باطل ہے، قال اللہ عزوجل (اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا):

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اھون اھل النار عذابا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۵

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب مناقب ابی الفضل عم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۱۷، المعجم الکبیر حدیث ۱۰۶۹۸ المکتبہ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۳۵۳

"وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا ﴿۲۳﴾ "[1]۔	اور جو کچھ انھوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انھیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کردیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں۔(ت)

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں، لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد، ابوطالب کے عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سراپا آگ میں غرق پایا، عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا، پھر حضور کا ارشاد کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا، میں نہ ہوتا تو جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتا"[2]۔

لاجرم یہ تخفیف صرف محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا پاس خاطر اور حضور کا اکرام ظاہر وباہر ہے اور بالبداہت واضح کہ محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاطر اقدس پر ابوطالب کا عذاب ہرگز اتنا گراں نہیں ہوسکتا جس قدر معاذ اللہ والدین کریمین کا کاملہ، نہ ان سے تخفیف میں حضور کی آنکھوں کی وہ ٹھنڈک جو حضرات والدین کے بارے میں، نہ ان کی رعایت میں حضور کا وہ اعزاز واکرام جو حضرت والدین کے چھٹکارے میں، تو اگر عیاذًا باللہ وہ اہل جنت نہ ہوتے تو ہر طرح سے وہی اس رعایت وعنایت کے زیادہ مستحق تھے، وبوجہ آخر فرض کیجئے کہ یہ ابوطالب کے حق پرورش وخدمت ہی کا معاوضہ ہے تو پھر کون سی پرورش جزئیت کے برابر ہوسکتی ہے، کون سی خدمت حمل ووضع کا مقابلہ کرسکتی ہے؟ کیا کبھی کسی پرورش کنندہ یا خدمت گزار کا حق، حق والدین کے برابر ہوسکتا ہے جسے رب العزت نے اپنے حق عظیم کے ساتھ شمار فرمایا:

"اَنِ اشۡکُرۡ لِیۡ وَ لِوَالِدَیۡکَ ؕ "[3]۔	حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

پھر ابوطالب نے جہاں برسوں خدمت کی، چلتے وقت رنج بھی وہ دیا جس کا جواب نہیں، ہرچند حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کلمہ پڑھنے کو فرمایا، نہ پڑھنا تھا نہ پڑھا، جرم وہ کیا جس کی مغفرت نہیں۔ عمر بھر معجزات دیکھنا، احوال پر علم تام رکھنا اور زیادہ حجۃ اللہ قائم ہونے کا موجب ہوا، بخلاف ابوین کریمین کہ نہ انھیں دعوت دی گئی نہ انکار کیا، تو ہر وجہ، ہر لحاظ، ہر حیثیت سے یقینًا انھیں کا پلہ بڑھا ہوا ہے، تو ابوطالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یونہی متصور کہ ابوین کریمین اہل نار ہی سے نہ ہوں۔ وھو المقصود والحمدللّٰہ العلی الودود اور وہی مقصود ہے، (اور تمام تعریفیں بُلندی ومحبت

---

[1] القرآن الکریم ۲۵ /۲۳

[2] صحیح البخاری کتاب مناقب انصار قصہ ابی طالب ۱ /۵۴۸ و صحیح مسلم کتاب الایمان ۱ /۱۱۵، مسند احمد بن حنبل عن العباس المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۲۰۷ و ۲۱۰

[3] القرآن الکریم ۳۱ /۱۴

والے اللہ کے لئے ہیں۔ت)

خامسًا: اقول: قال المولٰی عزوعلا: "لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ۝۲۰ "[1]۔	**پانچویں دلیل: اقول:** (میں کہتاہوں کہ) مولٰی عزوجل نے فرمایا: برابر نہیں دوزخ والے اور جنت والے، اور جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔

حدیث میں ہے حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اولادِ امجادِ حضرت عبدالمطلب سے ایک پاک طیبہ خاتون رضی اللہ تعالٰی عنہا کو آتے دیکھا، جب پاس آئیں، فرمایا:

مااخرجك من بيتك؟	اپنے گھر سے کہاں گئی تھیں؟

عرض کی:

آتیت اهل هذا المیت فترحمت الیهم وعزیتهم بمیتهم۔	یہ جو ایک میت ہوگئی تھی میں ان کے یہاں دعائے رحمت اور تعزیت کرنے گئی تھی۔

فرمایا:

لعلك بلغت معهم الكدٰی۔	شاید تو ان کے ساتھ قبرستان تک گئی۔

عرض کی:

معاذالله ان اكون بلغتها وقد سمعتك تذكر فی ذٰلك ماتذكر۔	خدا کی پناہ میں وہاں جاتی حالانکہ حضور سے سن چکی تھی جو کچھ اس بات میں ارشاد کیا۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لو بلغتها معهم ما رایت الجنة حتی یراها جد ابیك۔ رواه ابوداؤد[2] والنسائی۔ واللفظ له عن عبدالله بن عمر و بن العاص رضی الله تعالٰی عنهما، اما ابو داؤد	اگر تو ان کے ساتھ وہاں جاتی تو جنت نہ دیکھتی جب تک عبدالمطلب نہ دیکھیں۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے، اور لفظ نسائی کے ہیں سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، امام ابوداؤد

[1] القرآن الکریم ۵۹ /۲۰

[2] سنن النسائی کتاب الجنائز باب النعی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱ /۲۶۵و۲۶۶ وسنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب التعزیۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۸۹

فتادب وکنّٰی وقال فذکر تشدیدافی ذٰلك واما ابو عبدالرحمن فادّٰی لتبلیغ العلم واداء الحدیث علٰی وجھہٖ لکل وجھۃ ھو مولیھا۔	نے ازراہ ادب بطور کنایہ اس میں تشدید کا ذکر کیا لیکن امام ابو عبدالرحمٰن نے کھل کر علم کو پہنچایا اور حدیث کا حق ادا کیا۔ ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے۔(ت)

یہ تو حدیث کا ارشاد ہے، اب ذرا عقائد اہلسنت پیش نظر رکھتے ہوئے نگاہ انصاف درکار، عورتوں کا قبرستان جانا غایت درجہ اگر ہے تو معصیت ہے، اور ہرگز کوئی معصیت مسلمان کو جنت سے محروم اور کافر کے برابر نہیں کرسکتی، اہلسنت کے نزدیک مسلمان کا جنت میں جانا واجب شرعی ہے اگرچہ معاذاللہ مواخذے کے بعد، اور کافر کا جنت میں جانا محال شرعی کہ ابدالآباد تک کبھی ممکن ہی نہیں، اور نصوص کو حتی الامکان ظاہر پر محمول کرنا واجب، اور بے ضرورت تاویل ناجائز، اور عصمت نوع بشر میں خاصہ حضرات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والثناء ہے، ان کے غیر سے اگرچہ کیسا ہی عظیم الدرجات ہو، وقوع گناہ ممکن ومتصور۔ یہ چاروں باتیں عقائد اہل سنت میں ثابت ومقرر، اب اگر بحکم مقدمہ رابعہ مقابر تک بُلوغ فرض کیجئے تو بحکم مقدمہ ثالثہ جزاء کا ترتب واجب، اور اس تقدیر پر کہ حضرت عبدالمطلب کو معاذاللہ غیر مسلم کہئے بحکم مقدمتین اولین ونیز بحکم آیت کریمہ محال وباطل، تو واجب ہوا کہ حضرت عبدالمطلب مسلمان واہل جنت ہوں اگرچہ مثل صدیق وفاروق وعثمان وعلی وزہرا وصدیقہ وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم سابقین اولین میں نہ ہوں۔ اب معنی حدیث بلا تکلف اور بے حاجت تاویل وتصرف عقائد اہلسنت سے مطابق ہے یعنی اگر یہ امر تم سے واقع ہوتا تو سابقین اولین کے ساتھ جنت میں جانا نہ ملتا بلکہ اس وقت جبکہ عبدالمطلب داخل بہشت ہوں گے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (یونہی تحقیق چاہئے اور اللہ تعالٰی ہی توفیق کا مالک ہے۔ت)

سادسًا، اقول: قال ربنا الاعز الاعلٰی عزوعلا: "وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠(۸)" [1]۔ **وقال تعالٰی:** "یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا	**چھٹی دلیل: اقول:** (میں کہتا ہوں کہ) ہمارے پروردگار اعز واعلٰی عزوعلا نے فرمایا، عزت تو اللہ ورسول اور مسلمان ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو علم نہیں۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے لوگو!

[1] القرآن الکریم ۶۳/ ۸

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۱۳﴾ "[1]۔	ہم نے بنایا تمہیں ایک نر ومادہ سے اور کیا تمہیں قومیں اور قبیلے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو بے شک اللہ کے نزدیک تمہارا زیاد عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہے۔

ان آیات کریمہ میں رب العزت جل وعلانے عزت وکرم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا اور کافر کو کتنا ہی قوم دار ہو، لئیم وذلیل ٹھہرایا اور کسی لئیم وذلیل کی اولاد سے ہونا کسی عزیز وکریم کے لیے باعث مدح نہیں ولہذا کافر باپ دادوں کے انتساب سے فخر کرنا حرام ہوا۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من انتسب الٰی تسعۃ اٰباء کفار یرید بھم عزّا وکرمًا کان عاشرھم فی النار۔رواہ احمد [2]عن ابی ریحانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	جو شخص عزت وکرامت چاہنے کو اپنی نو پشت کافر کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ شخص ہو۔(اس کو امام احمد نے ابو ریحانہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا۔ت)

اور احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے فضائل کریمہ کے بیان اور مقام رجز ومدح میں بارہا اپنے آبائے کرام وامہات کرائم کا ذکر فرمایا۔

روزِ حنین جب ارادہ الٰہیہ سے تھوڑی دیر کے لئے کفار نے غلبہ پایا معدود بندے رکاب رسالت میں باقی رہے، اللہ غالب کے رسول غالب پر شان جلال طاری تھی:

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب۔رواہ احمد والبخاری ومسلم [3] والنسائی عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں بیٹا عبدالمطلب کا۔ (اس کو احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۳

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی ریحانہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۳۴

[3] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من قاد دابۃ غیرہ فی الحرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۰۱، صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۃ حنین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰

حضور قصد فرمارہے ہیں کہ تنہا ان ہزاروں کے مجمع پر حملہ فرمائیں۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب وحضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما بغلہ شریف کی لگام مضبوط کھینچے ہوئے ہیں کہ بڑھ نہ جائے اور حضور فرمارہے ہیں:

انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ[1] (وابونعیم عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ)	میں سچا نبی ہوں، اللہ کا پیارا، عبدالمطلب کی آنکھ کا تارا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (اس کو ابوبکر بن ابی شیبہ اور ابونعیم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

امیر المومنین عمر لگام روکے ہیں اور حضرت عباس دُمچی تھامے، اور حضور فرمارہے ہیں،

قدما ھا، انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب، رواہ ابن عساکر[2] عن مصعب بن شیبۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اسے بڑھنے دو، میں ہوں نبی صریح حق پر، میں ہوں عبدالمطلب کا پسر، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (اس کو ابن عساکر نے مصعب بن شیبہ سے ان کے باپ کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جب کافر نہایت قریب آگئے، بغلہ طیبہ نے نزول اجلال فرمایا، اس وقت بھی یہی فرماتے تھے،

انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب، اللھم انزل نصرک۔ رواہ ابن ابی شیبۃ[3] وابن ابی جریر عن البراء رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں ہوں نبی برحق سچا، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، الٰہی! اپنی مدد نازل فرما۔ (اس کو ابن ابی شیبہ اور ابن جریر نے سیدنا حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

---

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب السیر حدیث ۳۳۵۷۳ دارالعلمیۃ بیروت ۶ /۵۳۵، کنزالعمال بحوالہ ش وابی نعیم حدیث ۳۰۲۰۷ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۰/ ۵۴۰

[2] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۲۸۵۸ شیبۃ بن عثمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۵ /۱۷۲

[3] کنزالعمال بحوالہ ش وابن جریر حدیث ۳۰۲۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰/ ۵۴۱

پھر ایک مشت خاک دستِ پاک میں لے کر کافروں کی طرف پھینکی اور فرمایا:

شاھت الوجوہ[1]۔　　　　چہرے بگڑ گئے۔

وہ خاک ان ہزاروں کافروں پر ایک ایک کی آنکھ میں پہنچی اور سب کے منہ پھر گئے، ان میں جو مشرف باسلام ہوئے وہ بیان فرماتے ہیں جس وقت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ کنکریاں ہماری طرف پھینکیں ہمیں یہ نظر آیا کہ زمین سے آسمان تک تانبے کی دیوار قائم کردی گئی اور اس پر سے پہاڑ ہم پر لڑھکائے گئے، سوائے بھاگنے کے کچھ بن نہ آئی،

وصلی اللہ تعالٰی علی الحق المبین سید المنصورین وآلہٖ وبارك وسلم۔	اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکت نازل فرمائے حق مبین پر جو مدد کئے ہوؤں کے سردار ہیں اور آپ کی آل پر۔(ت)

اسی غزوہ کے رجز میں ارشاد فرمایا:

انا ابن العواتك من بنی سلیم۔رواہ سعید بن منصور[2] فی سننہٖ والطبرانی فی الکبیر عن سبابۃ بن عاصم رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں بنی سلیم سے ان چند خاتونوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔(اس کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں اور طبرانی معجم کبیر میں سبابہ بن عاصم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

ایک حدیث میں ہے، بعض غزوات میں فرمایا:

انا النبی لاکذب، انا ابن عبدالمطلب، انا بن العواتك۔ رواہ ابن عساکر[3] عن قتادہ۔	میں نبی ہوں کچھ جھوٹ نہیں، میں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا، میں ہوں ان بیبیوں کا بیٹا جن کا نام عاتکہ تھا(اس کو ابن عساکر نے حضرت قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔(ت)

---

[1] کنزالعمال حدیث ۳۰۲۱۳ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۵۴۱/۱۰، جامع البیان(تفسیر ابن جریر) تحت الآیۃ لقد نصرکم اللہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۱۸/۱۰

[2] کنزالعمال بحوالہ ص وطب حدیث ۳۱۸۷۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۴۰۲/۱۱، المعجم الکبیر بحوالہ ص و طب حدیث ۶۷۲۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۶۹/۷

[3] تاریخ دمشق الکبیر باب معرفۃ امہ وجداتہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۰/۳

علامہ مناوی صاحب تیسیر وامام مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس وجوہری صاحب صحاح وصنعانی وغیرہم نے کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جدات میں نو بیبیوں کا نام عاتکہ تھا[1]۔ابن بری نے کہا: وہ بارہ بیبیاں عاتکہ نام کی تھیں، تین ۳ سلمیات یعنی قبیلہ بنی سلیم سے، اور دو ۲ قرشیات، دو عدوانیات اور ایک ایک کنانیہ، اسدیہ، ہذلیہ، قضاعیہ، ازدیہ، ذکرہ فی تاج العروس[2] (اسے تاج العروس میں ذکر کیا گیا۔ت)

ابو عبداللہ عدوسی نے کہا: وہ بیبیاں چودہ ۱۴ تھیں، تین قرشیات، چار سلمیات، دو عدوانیات اور ایک ایک ہذلیہ، قحطانیہ، قضاعیہ، ثقفیہ، اسدیہ بنی اسد خزیمہ سے۔رواہ الامام الجلال السیوطی فی الجامع الکبیر (اس کو امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے جامع کبیر میں روایت کیا ہے۔ت) اور ظاہر ہے کہ قلیل نافی کثیر نہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے مقام مدح وبیان فضائل کریمہ میں اکیس ۲۱ پشت تک اپنا نسب نامہ ارشاد کرکے فرمایا: میں سب سے نسب میں افضل، باپ میں افضل، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔تو بحکم نصوص مذکورہ ضرور ہے کہ حضور کے آباء وامہات مسلمین ومسلمات ہوں۔وللہ الحمد (اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے۔ت)

سابعًا: قال اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ: "اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ"[3]۔	**ساتویں دلیل:** اللہ سبحٰنہ وتعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔(ت)

آیہ کریمہ نے مسلم وکافر کا نسب قطع فرمادیا ولہذا ایک کا ترکہ دوسرے کو نہیں پہنچتا۔اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

نحن بنو النضر بن کنانۃ لاننتفی من ابینا۔رواہ	ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے (اسکو

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث انا ابن العواتك مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۷۵، الصحاح باب الکاف فصل العین تحت لفظ عاتکہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۱۳۱۱

[2] تاج العروس باب الکاف فصل العین دار احیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۱۵۹

[3] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

ابوداؤد الطیالسی وابن سعد والامام احمد [1] وابن ماجة والحارث والماوردی سمویہ وابن قانع والطبرانی فی الکبیر وابو نعیم والضیاء المقدسی فی صحیح المختارۃ عن الاشعث بن قیس الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابو داؤد طیالسی، ابن سعد، امام احمد، ابن ماجہ، حارث، ماوردی، سمویہ، ابن قانع، طبرانی کبیر، ابو نعیم اور ضیاء مقدسی نے صحیح مختارہ میں اشعث بن قیس الکندی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

کفار سے نسب بحکم احکم الحاکمین منقطع ہے، پھر معاذاللہ جدانہ کرنے کا کیا محل ہوتا۔

ثامنًا وتاسعًا، اقول: قال العلی الاعلی تبارك وتعالٰی "اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ" [2]۔	**آٹھویں اور نویں دلیل:** میں کہتا ہوں علی اعلٰی تبارک وتعالٰی نے فرمایا: بیشک سب کافر کتابی اور مشرک جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے، وہ سارے جہان سے بدتر ہیں، بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ سارے جہان سے بہتر ہیں۔

اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

غفر اللہ عزوجل لزید بن عمرو ورحمہ فانہ مات علی دین ابراھیم۔	اللہ عزوجل نے زید بن عمرو کو بخش دیا اور ان پر رحم فرمایا کہ وہ دین ابراہیم علیہ الصلوۃ و

[1] کنزالعمال بحوالہ الحارث والباوردی وسمویہ وغیرہ حدیث ۳۵۵۱۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۴۴۲، سنن ابن ماجۃ ابواب الحدود باب من نفی رجلا من قبیلۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۹۱، مسند احمد بن حنبل حدیث الاشعث بن قیس الکندی المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۲۱۱و۲۱۲، المعجم الکبیر حدیث ۲۱۹۰و۲۱۹۱ المکتب الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۲۸۶، مسند ابی داؤد الطیالسی احادیث الاشعث بن قیس حدیث ۱۰۴۹ دارالمعرفۃ بیروت الجز الرابع ص۱۴۱، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من انتھٰی الیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارصادر بیروت ۱۰/ ۲۳، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ذکر شرف اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷۳

[2] القرآن الکریم ۹۸/ ۶، ۷

رواہ البزار والطبرانی [1] عن سعید بن زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	السلام پر تھے۔(اس کو بزار اور طبرانی نے سیدنا سعید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

اور ایک اور حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکی نسبت فرمایا:

رأیتہ فی الجنۃ یسحب ذیولا۔رواہ ابن سعد [2] و الفاکھی عن عامر بن ربیعۃ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میں نے اسے جنت میں ناز کے ساتھ دامن کشاں دیکھا(اس کو ابن سعد اور فاکہی نے حضرت عامر بن ربیع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور بیہقی وابن عساکر کی حدیث میں بطریق مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں وھذہ روایۃ البیہقی (اور یہ بیہقی کی روایت ہے۔):

انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب بن فھر بن مالك بن النضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ماافترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ فی خیر ھما فاخرجت من بین ابوین فلم یصبنی شیئ من عھد الجاھلیۃ وخرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن اٰدم حتی انتھیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا [3] وفی لفظ فانا خیرکم	میں ہوں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔ کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر مجھے اللہ تعالٰی نے بہتر گروہ میں کیا تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں خالص نکاح صحیح سے پیدا ہوا آدم سے لے کر اپنے والدین تک، تو میرا نفس کریم تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ سعید بن زید دار صادر بیروت ۳/ ۳۸۱

[2] فتح الباری بحوالہ ابن سعد والفاکھی کتاب المناقب حدیث زید بن عمرو بن نفیل مصطفی البابی مصر ۸/ ۱۴۷

[3] دلائل النبوۃ باب ذکر اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۱۷۴ تا ۱۷۹،تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر معرفۃ نسبہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹و۳۸

نسبًا وخیر کم ابًا[1]۔	

اس حدیث میں **اول** تو نفی عام فرمائی کہ عہد جاہلیت کی کسی بات نے نسب اقدس میں کبھی کوئی راہ نہ پائی، یہ خود دلیل کافی ہے اور امر جاہلیت کو خصوص زنا پر حمل کرنا ایک تو تخصیص بلا مخصص، دوسرے لغو کہ نفی زنا صراحۃً اس کے متصل مذکور۔

ثانیًا ارشاد ہوتا ہے کہ میرے باپ تم سب کے آباء سے بہتر۔ ان سب میں حضرت سعید بن زید بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی قطعًا داخل تو لازم کہ حضرت والد ماجد حضرت زید سے افضل ہوں اور یہ بحکم آیت بے اسلام ناممکن۔

عاشرًا، اقول: قال اللہ عزوجل: "اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ط"[2]۔	**دسویں دلیل: میں کہتا ہوں،** اللہ عزوجل نے فرمایا: خدا خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔

آیہ کریمہ شاہد کہ رب العزۃ عزّوعلا سب سے زیادہ معزز و محترم موضع، وضع رسالت کے لیے انتخاب فرماتا ہے ولہٰذا کبھی کم قوموں رذیلوں میں رسالت نہ رکھی، پھر کفر وشرک سے زیادہ رذیل کیا شے ہوگی؟ وہ کیونکر اس قابل کہ اللہ عزوجل نور رسالت اس میں ودیعت رکھے۔ کفار محل غضب ولعنت ہیں اور نور رسالت کے وضع کو محل رضا و رحمت درکار۔

حضرت ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا پر ایک بار خوف و خشیت کا غلبہ تھا، گریہ وزاری فرمارہی تھیں، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عرض کی: یا ام المومنین! کیا آپ یہ گمان رکھتی ہیں کہ رب العزت جل وعلا نے جہنم کی ایک چنگاری کو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جوڑا بنایا؟ ام المومنین نے فرمایا:

فرّجت عنی فرّج اللہ عنك[3]۔	تم نے میرا غم دور کیا اللہ تعالٰی تمہارا غم دور کرے۔

خود حدیث میں ہے، حضور سید یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر معرفۃ نسبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۳۰

[2] القرآن الکریم ۶ /۱۲۴

3

ان اللہ ابی لی ان اتزوج أوازوج الا اھل الجنة۔ رواہ ابن عساکر [1] عن ھند بن ابی ھالة رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بے شک اللہ عزوجل نے میرے لئے نہ مانا کہ میں نکاح میں لانے یا نکاح میں دینے کا معاملہ کروں مگر اہل جنت سے۔(اس کو ابن عساکر نے ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

جب اللہ عزوجل نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لے پسند نہ فرمایا (کہ غیر مسلم عورت آپ کے نکاح میں آئے) خود حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور پاک معاذاللہ محل کفر میں رکھنے یا حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جسم پاک عیاذًا باللہ خون کفار سے بنانے کو پسند فرمانا کیونکر متوقع ہو۔

یہ بحمداللہ دس ۱۰ دلیل جلیل ہیں، پہلی چار ارشاد ائمہ کبار اور چھ اخیر فیض قدیر حصہ فقیر، تلك عشرة کاملة، والحمدللہ فی الاولی والاٰخرة (یہ دس کامل ہوئیں، اور پہلی اور پچھلی میں سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)

تنبیہات باہرہ: حدیث ان ابی واباك [2]۔(بے شک میرا اور تیرا باپ۔ت) میں باپ سے ابوطالب مراد لینا طریق واضح ہے۔

قال تعالٰی:

"قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَ اِسۡمٰعِيۡلَ وَ اِسۡحٰقَ" [3]۔	بولے ہم پوجیں گے اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق کا۔(ت)

علماء نے اسی پر لابیہ ازر کو حمل فرمایا۔ اہل تواریخ واہل کتابین (یہود ونصارٰی) کا اجماع ہے کہ آزر باپ نہ تھا سید خلیل علیہ السلام الجلیل کا چچا تھا۔ استغفار سے نہی معاذ اللہ عدم توحید پر دال نہیں، صدر اسلام میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مدیون (مقروض) کے جنازے پر نماز نہ پڑھتے جس کا حاصل اس کے لیے استغفار ہی ہے۔

اقول: حدیث میں ہے: جب حضور سید الشافعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بار بار

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر رملة بنت ابی سفیان صخر بن حرب الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷۳ /۱۱۰

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان ان من مات علی الکفر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۱۴

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۳

شفاعت فرمائیں گے اور اہل ایمان کو اپنے کرم سے داخل جناں فرماتے جائیں گے، اخیر میں صرف وہ لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس سوائے توحید کے کوئی حسنہ نہیں۔ شفیع مشفع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر سجدے میں گریں گے، حکم ہوگا:

یامحمد ارفع راسك وقل یسمع لك وسل تعط واشفع تشفع۔	اے حبیب ! اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو کہ تمہاری عرض سنی جائے گی اور مانگو کہ تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔ (ت)

سید الشافعین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرض کریں گے:

یارب ائذن لی فیمن قال لا الٰہ الا اللہ۔	اے میرے رب ! مجھے ان کی بھی پروانگی دے دے جنہوں نے صرف لاالٰہ الا اللہ کہا ہے۔

رب العزت عزّجلالہ ارشاد فرمائے گا:

لیس ذاك الیك لکن وعزتی وکبریائی وعظمتی و جبریائی لاخرجن منھا من قال لاالٰہ الا اللہ۔ رواہ الشیخان [1] عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ والحمدللہ وصلی اللہ تعالٰی علی الشفیع الرفیع واٰلہ وبارك وسلم۔	یہ تمہارے لئے نہیں مگر مجھے اپنی عزت وجلال وکبریائی کی قسم میں ضرور ان سب کو نار سے نکال لوں گا جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے (اس کو بخاری ومسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اللہ تعالٰی کے بغیر کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالٰی کے سچے رسول ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکت نازل فرمائے بُلند شان والے شفیع پر اور ان کی آل پر۔ (ت)

حضرات ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کا انتقال عہد اسلام سے پہلے تھا تو اس وقت تک صرف اہل توحید واہل لا الٰہ الا اللہ تھے تو نہی از قبیلِ لیس ذٰلك لك ہے۔ بعدہ رب العزت

[1] صحیح البخاری کتاب التوحید باب کلام الرب یوم القیٰمۃ مع الانبیاء وغیرھم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۱۱۸و۱۱۱۹، صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ واخراج الموحدین من النار قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۱۰

جل جلالہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقے میں ان پر تمام نعمت کے لئے اصحاب کہف رضی اللہ تعالٰی عنہم کی طرح انہیں زندہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ایمان لاکر، شرف صحابیت پاکر آرام فرمایا لہٰذا حکمت الٰہیہ کہ یہ زندہ کرنا حجۃ الوداع میں واقع ہوا جبکہ قرآن کریم پورا اتر لیا اور "اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ"[1] (آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔ت) نے نزول فرما کر دین الٰہی کو تام وکامل کردیا تاکہ ان کا ایمان پورے دین کامل شرائع پر واقع ہو۔

حدیث احیاء کی غایت ضعف ہے کما حققه خاتم الحفاظ الجلال السیوطی ولاعطر بعد العروس (جیسا کہ خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اس کی تحقیق فرمادی ہے اور عروس کے بعد کوئی عطر نہیں۔ت) اور حدیث ضعیف دربارہ فضائل مقبول کما حققناہ بما لا مزید علیه فی رسالتنا الهاد الکاف فی حکم الضعاف (جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق اپنے رسالہ الهاد الکاف فی حکم الضعاف میں کردی ہے۔ت بلکہ امام ابن حجر مکی نے فرمایا متعدد حفاظ نے اس کی تصحیح کی۔ افضل القری لقراء ام القری میں فرماتے ہیں:

ان اباء النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم غیر الانبیاء وامهاته الی ادم وحواء لیس فیهم کافر لان الکافر لا یقال فی حقه انه مختار ولا کریم، ولا طاهر، بل نجس، وقد صرحت الاحادیث بانهم مختارون وان الاباء کرام، والامهات طاهرات، وایضا قال تعالٰی وتقلبك فی السجدین علی احد التفاسیر فیه	یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سلسلہ نسب میں جتنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں وہ تو انبیاء ہی ہیں، ان کے سوا حضور کے جس قدر اباء وامہات آدم وحواء علیہما الصلوٰۃ والسلام تک ہیں ان میں کوئی کافر نہ تھا کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک نہیں کہا جاسکتا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء وامہات کی نسبت حدیثوں میں تصریح فرمائی گئی کہ وہ سب پسندیدہ بارگاہ الٰہی ہیں، آباء سب کرام، مائیں سب پاکیزہ ہیں اور آیہ کریمہ وتقلبك فی السجدین (اور نمازیوں میں تمہارے دورے کو) کی بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ

[1] القرآن الکریم ۵/ ۳

ان المراد تنقل نورہ من ساجد الی ساجد وحینئذ فھذہ صریح فی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اٰمنۃ وعبد اللہ من اھل الجنۃ لانھما اقرب المختارین لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھذاھو الحق، بل فی حدیث صححہ غیر واحد من الحفاظ ولم یلتفتوا لمن طعن فیہ۔ان اللہ تعالٰی احیاھما فامنابہ الخ مختصرا وفیہ طول۔[1]	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور ایک ساجد سے دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا آیا تو اب اس سے صاف ثابت ہے کہ حضور کے والدین حضرت آمنہ وحضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما اہل جنت ہیں کہ وہ تو ان بندوں میں جنھیں اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے چنا تھا سب سے قریب تر ہیں، یہی قول حق ہے بلکہ ایک حدیث میں جسے متعدد حافظان حدیث نے صحیح کہا اور اس میں طعن کرنے والے کی بات کو قابل التفات نہ جانا، تصریح ہے کہ اللہ عزوجل نے والدین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ حضور پر ایمان لائے، مختصر حالانکہ اس حدیث میں طول ہے، ھکذا قال واللہ تعالٰی اعلم
اقول: وبماء قرأت امر الاحیاء اندفع مازعم الحافظ ابن دحیہ من مخالفۃ الایات عدم انتفاع الکافر بعد موتہ کیف وانا لانقول ان الاحیاء لاحداث ایمان بعد کفرہ بل لاعطاء الایمان بمحمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وتفاصیل دینہ الاکرام بعد المضی علی محض التوحید	**اقول:** (میں کہتا ہوں) یہ زندہ کرنے کا معاملہ جو تو نے پڑھا ہے اس سے حافظ ابن دحیہ کا وہ قول مندفع ہوگیا کہ والدین کریمین کا ایمان ماننے سے ان آیات کریمہ کی مخالفت لازم آتی ہے جن میں کافر کے مرنے کے بعد عدم انتفاع کا ذکر ہے، یہ مخالفت کیسے لازم آسکتی ہے حالانکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ والدین کریمین رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کفر کے بعد ایمان دینے کیلئے زندہ کیا گیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ توحید پر انتقال فرمانے کے بعد محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اور آپ کے

[1] افضل القری لقراء ام القری شعر ۲ المجمع الثقافی ابو ظھبی ۱/ ۱۵۱

وحینئذ لاحاجة بنا الی ادعاء التخصیص فی الایات کما فعل العلماء المجیبون۔	دین کریم کی تفاصیل پر ایمان کی دولت سے مشرف فرمانے کے لئے زندہ کیا گیا، اس صورت میں ہمیں آیات کریمہ تخصیص کا دعوی کرنے کی ضرورت نہیں جیسا کہ جواب دینے والے علماء نے کیا ہے۔ (ت)

اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے: ۔

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها   وللناس فیما یعشقون مذاهب

(میرا مذہب تو شہر والوں کی وجہ سے شہر سے محبت کرنا ہے اور لوگوں کے لئے ان کی پسندیدہ چیزوں میں مختلف طریقے ہیں۔ت)

جسے یہ پسند ہو فبہا، ونعمت ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان روکے، دل صاف رکھے، "اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ"[1] (بیشک یہ بات نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتی ہے۔ت) سے ڈرے۔ امام ابن حجر مکی شرح میں فرماتے ہیں:

مااحسن قول بعض المتوقفین فی هذه المسئلة الحذر الحذر من ذکر هما بنقص فان ذلك قد یؤذیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لخبر الطبرانی لاتؤذوا الاحیاء بسبب الاموات[2]۔	یعنی کیا خوب فرمایا بعض علماء نے جنہیں اس مسئلے میں توقف تھا کہ دیکھ بچ والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ایذاء ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذاء نہ دو۔ (ت)

یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال واقوال پر مطلع ہیں اور اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾"[3]۔	جو لوگ رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۳

[2] افضل القرٰی لقراء ام القرٰی شعر ۶ المجمع الثقافی ابو ظبی ۱/ ۱۵۴

[3] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

عاقل کو چاہئے ایسی جگہ سخت احتیاط سے کام لے ع

ہشدار کہ رہ بر سر دم تیغ است قدم را

(ہوش کر کہ لوگوں پر چڑھائی کرنا قدم کے لیے تلوار ہے۔ت)

یہ مانا کہ مسئلہ قطعی نہیں، اجماعی نہیں، پھر ادھر کون سا قاطع کون سا اجماع ہے؟ آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذاللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے، جس طرح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فان الامام ان یخطیئ فی العفو خیرلہ من ان یخطیئ فی العقوبۃ، رواہ ابن ابی شیبۃ[1] والترمذی والحاکم وصححہ والبیہقی عن ام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہا۔	جہاں تک بن پڑے حدود کو ٹالو کہ بیشک امام کا معافی میں خطا کرنا عقوبت میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ (اس کو ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم اور بیہقی نے روایت کیا، اور حاکم نے اس کی تصحیح فرمائی۔ت)

حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم شریف میں فرماتے ہیں: ''کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ ہو''[2]۔ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف معاذاللہ اولاد چنین وچناں سے ہونا کیونکر بے تواتر و قطع نسبت کردیا جائے، یقین برہانی کا انتفا حکم وجدانی کا نافی نہیں ہوتا، کیا تمہارا وجدان ایمان گوارا کرتا ہے کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سرکار نور بار کے ادنٰی ادنٰی غلاموں کے سگان بارگاہ جنّات النعیم میں "سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ﴿۱۳﴾"[3] (بُلند تختوں) پر تکیے لگائے چین کریں اور جن کی نعلین پاک کے تصدق میں جنت بنی ان کے ماں باپ دوسری جگہ معاذ اللہ غضب وعذاب کی مصیبتیں بھریں، ہاں یہ سچ ہے کہ ہم غنی حمید

[1] المستدرک للحاکم کتاب الحدود دارالفکر بیروت ۴/ ۳۸۴، جامع الترمذی ابواب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۱، السنن الکبرٰی کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات دارصادر بیروت ۸/ ۲۳۸، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب الحدود باب ماجاء فی درء الحدود بالشبہات حدیث ۲۸۴۹۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۵۰۸

[2] احیاء العلوم کتاب آفات اللسان الآفۃ مطبعۃ المشہد الحسینی القاہرۃ ۳/ ۱۲۵

[3] القرآن الکریم ۸۸/ ۱۳

عزّجلالہ پر حکم نہیں کرسکتے پھر دوسرے حکم کی کس نے گنجائش دی؟ ادھر کونسی دلیل قاطع پائی؟ حاش اللہ! ایک حدیث بھی صحیح وصریح نہیں، جو صریح ہے ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے ہرگز صریح نہیں جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کردئے تو اقل درجہ وہی سکوت وحفظ ادب رہا، آئندہ اختیارات بدست مختار۔

نکتہ الٰہیہ اوّل: ظاہر عنوان باطن ہے اور اسم آئینہ مسمّٰی الاسماء تنزل من السماء (اسماء آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ت) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا بعثتم الی رجلا فابعثوہ حسن الوجہ حسن الاسم۔ رواہ البزار فی مسندہ والطبرانی [1] فی الاوسط عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن علی الاصح۔	جب میری بارگاہ میں کوئی قاصد بھیجو تو اچھی صورت اچھے نام کا بھیجو (اس کو بزار نے اپنی مسند میں اور طبرانی نے اوسط میں سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے قول اصح کے مطابق سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اعتبروا الارض باسمائھا۔ رواہ ابن عدی [2] عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو حسن لشواھدہ۔	زمین کو اس کے نام پر قیاس کرو۔ (اس کو ابن عدی نے سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور وہ شواہد کے لیے حسن ہے۔ت)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یتفاءل ولا یتطیر وکان یعجبہ الاسم الحسن۔ رواہ الامام احمد [3] و	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نیک فال لیتے، بدشگونی نہ مانتے اور اچھے نام کو دوست رکھتے۔ (اس کو امام احمد، طبرانی اور بغوی نے شرح السنۃ

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۷۷۴۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۸ /۳۶۵، کنزالعمال بحوالہ البزار وطس عن ابی ہریرۃ حدیث ۱۴۷۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۴۵

[2] الجامع الصغیر بحوالہ عدی عن ابن مسعود حدیث ۱۱۳۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱ /۷۴

[3] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۲۵۷ و ۳۱۹، ۳۰۴، شرح السنۃ للبغوی حدیث ۳۲۵۴ المکتب الاسلامی بیروت ۱۲ /۱۷۵، مجمع الزوائد بحوالہ احمد وطبرانی کتاب الادب باب ماجاء فی الاسماء الحسنۃ دار الکتاب بیروت ۸ /۴۷

الطبرانی والبغوی فی شرح السنة۔	میں روایت کیا ہے۔ت)

ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان یغیر الاسم القبیح۔رواہ الترمذی[1]۔	مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے تھے (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ت)

وفی اخرٰی عنہا (اورام المومنین سے ہی دوسری روایت میں ہے۔ت):

کان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اذا سمع بالاسم القبیح حوّله الی ماھو احسن منه۔رواہ الطبرانی[2] بسندہ وھو عند ابن سعد عن عروة مرسلاً۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب کسی کا برا نام سنتے تو اس سے بہتر بدل دیتے (اس کو طبرانی نے اپنی سند کے ساتھ متصلاً روایت کیا ہے اور وہ ابن سعد کے نزدیک عروہ سے مرسلاً مروی ہے۔ت)

بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان لایتطیر من شیئ وکان اذا بعث عاملا سأل عن اسمه فاذا اعجبه اسمه فرح به وروئی بشر ذٰلك فی وجهه وان کرہ اسمه روئی کراھیة ذٰلك فی وجهه واذا دخل قریة سأل عن اسمها فاذا اعجبه اسمها فرح بها وروئی بشر ذٰلك فی وجهه وان کرہ اسمها روئی کراھة ذٰلك فی وجهه۔رواہ ابو داؤد[3]۔	مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کسی چیز سے بدشگونی نہ لیتے جب کسی عہدے پر کسی کو مقرر فرماتے اس کا نام پوچھتے اگر پسند آتا خوش ہوتے اور اس کی خوشی چہرہ انور میں نظر آتی اور اگر ناپسند آتا ناگواری کا اثر چہرہ اقدس پر ظاہر ہوتا، اور جب کسی شہر میں تشریف لے جاتے اس کا نام دریافت فرماتے، اگر خوش آتا مسرور ہو جاتے اور اس کا سرور روئے پُرنُور میں دکھائی دیتا، اور اگر ناخوش آتا ناخوشی کا اثر روئے اطہر میں نظر آتا۔(رواہ ابو داؤد)

[1] جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء فی تغیر الاسماء امین کمپنی دہلی ۲ /۱۰۷

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن سعد عن عروۃ مرسلاً حدیث ۱۸۵۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷ /۱۵۷

[3] سنن ابو داؤد کتاب الکہانۃ والتطیر باب فی الطیرۃ والخط آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۱۹۱

اب ذرا چشمِ حق بین سے حبیب صلی اللہ تعالٰی کے ساتھ مراعاتِ الٰہیہ کے الطاف خَفِیّہ دیکھئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والد ماجد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا نام پاک عبداللہ کہ افضل اسمائے امت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

احب اسمائك الی الله عبد الله و عبد الرحمن۔ رواه مسلم [1] وابو داؤد والترمذی وابن ماجة عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما۔	تمہارے ناموں میں سب سے زیادہ پیارے نام اللہ تعالٰی کو عبداللہ و عبدالرحمٰن ہیں (اس کو امام مسلم، ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ نے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

والدہ ماجدہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا نام آمنہ کہ امن وامان سے مشتق اور ایمان سے ہم اشتقاق ہے۔ جد امجد حضرت عبدالمطلب شیبۃ الحمد کہ اس پاک ستودہ مصدر سے اطیب واطہر مشتق محمد واحمد وحامد و محمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پیدا ہونے کا اشارہ تھا۔ جدہ ماجدہ فاطمہ بنت عمرو بن عائذ، اس نام پاک کی خوبی اظہر من الشمس ہے۔ حدیث میں حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنھا کی وجہ تسمیہ یوں آئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انما سمیت فاطمة لان الله تعالٰی فطمها ومحبیها من النار، رواه الخطیب [2] عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهما۔	اللہ عزوجل نے اس کا نام فاطمہ اس لئے رکھا کہ اسے اور اس سے عقیدت رکھنے والوں کو ناز دوزخ سے آزاد فرمایا۔ (اس کو خطیب نے سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ت)

حضور کے جدِّ مادری یعنی نانا وہب جس کے معنٰی عطا و بخشش، ان کا قبیلہ بنی زہراء جس کا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغیر الاسماء آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۰، جامع الترمذی ابواب الادب باب ماجاء ما یستحب من الاسماء امین کمپنی دہلی ۲ /۱۰۶، سنن ابن ماجہ ابواب الادب باب ماجاء ما یستحب من الاسماء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۷۳

[2] تاریخ بغداد بحوالہ خط عن ابن عباس ترجمہ ۶۷۷۲ عالم بن حمید الشمیری دارالکتاب العربی بیروت ۱۲ /۳۳۱، کنز العمال حدیث ۳۴۲۲۶ و ۳۴۲۲۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۰۹

حاصل چمک وتابش۔ جدہ مادری یعنی نانی صاحبہ بَرّہ یعنی نیکوکار، کماذکرہ ابن ھشام فی سیرتہ[1] (جیسا کہ ابن ہشام نے اس کو اپنی سیرت میں ذکر کیا ہے۔ت)

بھلا یہ توخاص اصول ہیں، دودھ پلانے والیوں کو دیکھئے، پہلی مرضعِ ثُوَیبَۂ کہ ثواب سے ہم اشتقاق، اوراس فضل الٰہی سے پوری طرح بہرور حضرت حلیمہ بنت عبداللہ بن حارث۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اشج عبدالقیس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

ان فیك خصلتین یحبھما اللہ الحلم والاناۃ[2]۔	تجھ میں دو خصلتیں ہیں خدا اوررسول کو پیاری درنگ اور بُردباری۔

ان کا قبیلہ بنی سعد کہ سعادت ونیک طالعی ہے، شرف اسلام وصحابیت سے مشرف ہوئیں،

کما بینہ الامام مغلطائی فی جزء حافل سماہ التحفۃ الجسمیۃ فی اثبات اسلام حلیمۃ[3]۔	جیسا کہ امام مغلطائی نے اسکو ایک بڑی جُزء میں بیان فرمایا ہے جس کا نام انہوں نے ''التحفۃ الجسمیۃ فی اثبات اسلام حلیمۃ'' رکھا ہے۔(ت)

جب روز حنین حاضر بارگاہ ہوئیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لیے قیام فرمایا اوراپنی چادر انور بچھا کر بٹھایا کمافی الاستیعاب[4] عن عطاء بن یسار (جیسا کہ استیعاب میں عطا بن یسار سے مروی ہے۔ت) ان کے شوہر جن کا شیر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نوش فرمایا حارث سعدی، یہ بھی شرف اسلام وصحبت سے مشرف ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدم بوسی کو حاضر ہوئے تھے، راہ میں قریش نے کہا: اے حارث! تم اپنے بیٹے کی سنو، وہ کہتے ہیں مردے جئیں گے، اوراللہ نے دو گھر جنت ونار بنا رکھے ہیں۔ انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ: اے میرے بیٹے! حضور کی قوم حضور کی شاکی ہے۔ فرمایا: ہاں میں ایسا فرماتا ہوں، اوراے میرے باپ! جب وہ دن آئے گا تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر بتا دوں گا کہ دیکھو یہ وہ دن ہے یا نہیں جس کی میں خبر دیتا تھا یعنی روز قیامت۔

---

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام زواج عبداللہ من آمنہ بنت وھب دار ابن کثیر بیروت ۱/ ۱۵۶

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الامر بالایمان باللہ ولرسولہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الرابع دار المعرفہ بیروت ۳/ ۲۹۴

[4] الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ترجمہ ۳۳۳۶ حلیمۃ السعدیۃ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۳۷۴

حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ بعد اسلام اس ارشاد کو یاد کرکے کہا کرتے: اگر میرے بیٹے میرا ہاتھ پکڑیں گے توان شاء اللہ نہ چھوڑیں گے جب تک مجھے جنت میں داخل نہ فرمالیں۔ **رواہ یونس بن بکیر**[1]۔ (اس کو یونس بن بکیر نے روایت کیا ہے۔ ت) حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اصدقھا حارث وھمام۔ رواہ البخاری فی الادب المفرد وابوداؤد والنسائی عن ابی الھیثمی رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]	سب ناموں میں زیادہ سچے نام حارث وہمام ہیں۔ (اس کو امام بخاری نے ادب مفرد میں اور ابوداؤد ونسائی نے ابو الہیثمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

حضور کے رضاعی بھائی جو پستان شریک تھے، جن کے لیے حضور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پستان چپ چھوڑ دیتے تھے عبداللہ سعدی، یہ بھی مشرف بہ اسلام وصحبت ہوئے **کما عند ابن سعد**[3] **فی مرسل صحیح الاسناد** (جیسا کہ ابن سعد کے نزدیک صحیح الاسناد مرسل میں ہے۔ ت)

حضور کی رضاعی بڑی بہن کہ حضور کو گود میں کھلاتیں، سینے پر لٹا کر دعائیہ اشعار عرض کرتیں، سلاتیں، اس لئے وہ بھی حضور کی ماں کہلاتیں سیما سعدیہ یعنی نشان والی، علامت والی، جو دُور سے چمکے، یہ بھی مشرف بہ اسلام ہوئیں رضی اللہ تعالٰی عنہا[4]۔

---

[1] الروض الانف بحوالہ یونس بن بکیر ابوہ من الرضاعۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۱۰۰، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ یونس بن بکیر المقصد الاول ذکر رضاعہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۱۴۳، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ یونس بن بکیر المقصد الثانی الفصل الرابع ذکر رضاعہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۳ / ۲۹۴

[2] سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی تغیر الاسماء آفتاب عالم پریس لاہور ۲ /۳۲۰، الادب المفرد باب ۳۵۶ حدیث ۸۱۴ المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ص ۲۱۱

[3] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من ارضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ دارصادر بیروت ۱ /۱۱۳، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۱۴۲ و ۱۴۳

[4] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الرابع ذکر رضاعہ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۹۵، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر رضاعہ صلی اللہ علیہ وسلم دارالمعرفۃ بیروت ۱ /۱۴۶

حضرت حلیمہ حضور پُر نُور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گود میں لئے راہ میں جاتی تھیں تین نوجوان کنواری لڑکیوں نے وہ خدا بھائی صورت دیکھی جوشِ محبت سے اپنی پستانیں دہن اقدس میں رکھیں، تینوں کے دودھ اتر آیا، تینوں پاکیزہ بیبیوں کا نام عاتکہ تھا۔ عاتکہ کے معنٰی زن شریفہ، رئیسہ، کریمہ، سراپا عطر آلود، تینوں قبیلہ بنی سلیم سے تھیں کہ سلامت سے مشتق اور اسلام سے ہم اشتقاق ہے، **ذکرہ ابن عبدالبر**[1] (اس کو ابن عبدالبر نے استیعاب میں ذکر کیا ہے۔ت)

بعض علماء نے حدیث "**انا ابن العواتك من سليم**" (میں بنی سلیم کی عاتکہ عورتوں کا بیٹا ہوں۔ت) کو اسی معنٰی پر محمول کیا۔ **نقله السهيلی**[2] (اس کو سُہیلی نے نقل کیا ہے۔ت)

اقول: الحق کسی نبی نے کوئی آیت وکرامت ایسی نہ پائی کہ ہمارے نبی اکرم الانبیاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم کو اس کی مثل اور اس سے امثل عطانہ ہوئی، یہ اس مرتبے کی تکمیل تھی کہ مسیح کلمۃ اللہ صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو بے باپ کے کنواری بتول کے پیٹ سے پیدا کیا حبیب اشرف بریۃ اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لیے تین عفیفہ لڑکیوں کے پستان میں دودھ پیدا فرمادیا

ع

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(جو کمالات سب رکھتے ہیں تُو تنہار کھتا ہے۔ت)

وصلى الله تعالٰى عليك وعليهم وبارك وسلم۔	اللہ تعالٰی آپ پر اور ان (انبیاء سابقہ) پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔(ت)

امام ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں:

لم ترضعه مرضعة الا اسلمت۔ ذكره فی كتابه سراج المريدين[3]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو جتنی بیبیوں نے دودھ پلایا سب اسلام لائیں۔(اس کو امام ابو بکر ابن العربی نے اپنی کتاب سراج المریدین میں ذکر کیا ہے۔ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ الاستیعاب المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۷

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ الاستیعاب المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۷

[3]

بھلایہ تو دودھ پلانا تھا کہ اس میں جزئیت ہے، مرضعہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام برکت اور ام ایمن کنیت کہ یہ بھی یُمن وبرکت و راستی وقوت، یہ اجلہ صحابیات سے ہوئیں رضی اللہ تعالٰی عنہن، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہیں فرماتے: **انت امی بعد امی**[1]۔ تم میری ماں کے بعد میری ماں ہو۔

راہ ہجرت میں انہیں پیاس لگی، آسمان سے نورانی رسی میں ایک ڈول اترا، پی کر سیراب ہوئیں، پھر کبھی پیاس نہ معلوم ہوئی، سخت گرمی میں روزے رکھتیں اور پیاس نہ ہوتی۔ **رواہ ابن سعد**[2] **عن عثمان بن ابی القاسم** (اس کو ابن سعد نے عثمان بن ابو القاسم سے روایت کیا ہے۔ت)

پیدا ہوتے وقت جنہوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں پر لیا ان کا نام تو دیکھئے شفاء، **رواہ ابو نعیم عنہا**[3] (اس کو ابو نعیم نے سیدہ شفاء رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت) یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ کی والدہ ماجدہ وصحابیہ جلیلہ ہیں۔ اور ایک بی بی کہ وقت ولادت اقدس حاضر تھیں فاطمہ بنت عبداللہ ثقفیہ، یہ بھی صحابیہ ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہا۔

اے چشم انصاف! کیا ہر تعلق ہر علاقہ میں ان پاک مبارک ناموں کا اجتماع محض اتفاقی بطور جزاف تھا؟ کلا واللہ بلکہ عنایت ازلی نے جان جان کر یہ نام رکھے، دیکھ دیکھ کر یہ لوگ چُنے۔ پھر محل غور ہے جو اس نور پاک کو برے نام والوں سے بچائے وہ اسے بُرے کام والوں میں رکھے گا، اور بُرا کام بھی کون سا، معاذاللہ شرک وکفر، حاشا ثم حاشا، اللہ اللہ! دائیاں مسلمان، کھلائیاں مسلمان، مگر خاص جن مبارک پیٹوں میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پاؤں پھیلائے، جن طیب مطیب خونوں سے اس نورانی جسم میں ٹکڑے آئے وہ معاذاللہ چنین وچناں حاش للہ کیونکر گوارا ہو ع

خدا دیکھا نہیں قدرت سے جانا

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول حیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل البعثۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۶۷، المواہب اللدنیۃ المقصد الثانی الفصل الرابع المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۱۷

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ام ایمن واسمہا برکۃ دارصادر بیروت ۸/ ۲۲۴، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المصد الثانی الفصل الرابع دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۲۹۵

[3] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الحادی عشر عالم الکتب بیروت الجزء الاول ص ۴۰

ع ما بندہ عشقیم ودِ گر ہیچ ندانیم

(ہم عشق کے بندے ہیں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ت)

فائدہ ظاہرہ: در بارہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما یہی طریقہ انیقہ اعنی نجات نجات نجات کہ ہم نے بتوفیقہٖ تعالٰی اختیار کیا، تنوع مسالک پر مختارِ اجلہ ائمہ کبار اعاظم علمائے نامدار ہے، ازاں جملہ:

(۱) امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین جن کی علوم دینیہ میں تین سو تیس تصانیف ہیں، ازانجملہ تفسیر ایک ہزار جزء میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزء میں۔

(۲) شیخ المحدثین احمد خطیب علی البغدادی۔

(۳) حافظ الشان محدث ماہر امام ابوالقاسم علی بن حسن ابن عساکر۔

(۴) امام اجل ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی صاحب الروض۔

(۵) حافظ الحدیث امام محب الدین طبری کہ علماء فرماتے ہیں، بعد امام نووی کے ان کا مثل علم حدیث میں کوئی نہ ہوا۔

(۶) امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر صاحب شرف المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۷) امام حافظ الحدیث ابوالفتح محمد بن محمد ابن سید الناس صاحب عیون الاثر۔

(۸) علامہ صلاح الدین صفدی۔

(۹) حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی۔

(۱۰) شیخ الاسلام حافظ الشان امام شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی۔

(۱۱) امام حافظ الحدیث ابوبکر محمد بن عبداللہ اشبیلی ابن العربی مالکی۔

(۱۲) امام ابوالحسن علی بن محمد ماوردی بصری صاحب الحاوی الکبیر۔

(۱۳) امام ابوعبداللہ محمد بن خلف شارح صحیح مسلم۔

(۱۴) امام عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی صاحب تذکرہ۔

(۱۵) امام المتکلمین فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی۔

(۱۶) امام علامہ زین الدین مناوی۔

(۱۷) خاتم الحفاظ مجدد القران امام العاشر امام جلال الملۃ والدین عبدالرحمٰن ابن ابی بکر۔

(۱۸) امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی صاحب افضل القری وغیرہ۔

(۱۹) شیخ نورالدین علی الجزار مصری صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بفضل اللہ تعالٰی فی الدارین من الناجین۔

(۲۰) علامہ ابو عبداللہ محمد ابن ابی شریف حسنی تلمسانی شارح شفاء شریف۔

(۲۱) علامہ محقق سنوسی۔

(۲۲) امام اجل عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی صاحب الیواقیت والجواہر۔

(۲۳) علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات۔

(۲۴) خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارح المواہب۔

(۲۵) امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی صاحب المناقب۔

(۲۶) زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابن نجیم مصری صاحب الاشباہ والنظائر۔

(۲۷) علامہ سید احمد حموی صاحب غمز العیون والبصائر۔

(۲۸) علامہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری صاحب الخمیس فی انفس نفیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

(۲۹) علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری صاحب نسیم الریاض۔

(۳۰) علامہ طاہر فتنی صاحب مجمع بحار الانوار۔

(۳۱) شیخ شیوخ علماء الہند مولانا عبدالحق محدث دہلوی۔

(۳۲) علامہ ۔۔۔۔۔۔ صاحب کنز الفوائد۔

(۳۳) مولانا بحر العلوم ملک العلماء عبدالعلی صاحب فواتح الرحموت۔

(۳۴) علامہ سید احمد مصری طحطاوی محشی در مختار۔

(۳۵) علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی صاحب ردالمحتار وغیرہم من العلماء الکبار والمحققین الاخیار علیہم رحمۃ الملک العزیز الغفار (ان کے علاوہ دیگر علماء کبار اور پسندیدہ محققین ان پر عزت والے، بخشنے والے بادشاہ کی رحمت ہو۔ت)

ان سب حضرات کے اقوال طیبہ اس وقت فقیر کے پیش نظر ہیں مگر فقیر نے یہ سطور نہ مجرد نقل اقوال کے لئے لکھیں نہ مباحث طے کردہ علماء عظام خصوصًا امام جلیل جلال سیوطی کے ایراد بلکہ مقصود اس مسئلہ جلیلہ پر چند دلائل جمیلہ کا سنانا اور بہ تصدق کفش برداری علماء جو فیض تازہ قلب فقیر پر فائض ہوئے، انتفاع برادران دینی کے لئے ان کا ضبط تحریر میں لانا کہ شائد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ تمام جہاں سے اکرم وارحم وابرّ واوفی ہیں، محض اپنے کرم سے نظر قبول فرمائیں اور نہ کسی

صلے میں بلکہ اپنے خاص فضل کے صدقے میں اس عاجز بے چارہ، بیکس، بے یار کا ایمان حفظ فرماکر دارین میں عذاب وعقاب سے بچائیں۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

(کریموں پر بڑے بڑے کام دشوار نہیں ہوتے۔ت)

پھر یہ بھی ان اکابر کا ذکر ہے جن کی تصریحات، خاص اس مسئلہ جزئیہ میں موجود، ورنہ بنظر کلیت نگاہ کیجئے تو امام حجۃ الاسلام محمد محمد غزالی وامام الحرمین وامام ابن السمعانی وامام کیاہراسی وامام اجل قاضی ابوبکر باقلانی حتی کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے تمام آباء وامہات اقدس کا ناجی ہونا کالشّمس والامس روشن وثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمہ اشاعرہ اور ائمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا تک سب کا یہی مقتضائے مذہب ہے کمالایخفٰی علی من لہ اجالۃ نظر فی علمی الاصولین۔ (جیساکہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں جس کی اصولی علموں پر نظر ہے۔ت) امام سیوطی سُبُل النجاۃ میں فرماتے ہیں:

مال الی ان اللہ تعالٰی احیاھما حتی اٰمنا بہ طائفۃ من الائمۃ وحفاظ الحدیث [1]۔	ائمہ اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت اس طرف مائل ہے کہ بیشک اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ابوین کریمین کو زندہ فرمایا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے۔ (ت)

کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب الدرج المنیف فی الآباء الشریفہ سے نقل کرتے ہیں:

ذھب جمع کثیر من الائمۃ الاعلام الی ان ابوی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ناجیان محکوم لھما بالنجاۃ فی الاخرۃ وھم اعلم الناس باقوال من خالفھم وقال بغیر ذٰلک و	(خلاصہ یہ کہ) یہ جمع کثیر اکابر ائمہ واجلہ حفاظ حدیث، جامعان انواع علوم وناقدان روایات ومفہوم کا مذہب یہی ہے کہ ابوین کریمین ناجی ہیں اور آخرت میں ان کی نجات کا فیصلہ ہو چکاہے ان اعاظم ائمہ کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ ان احادیث سے غافل تھے جن سے اس

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ بحوالہ سبل النجاۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۶۸

لایقصرون عنهم فی الدرجة ومن احفظ الناس للاحادیث والاٰثار وانقد الناس بالادله التی استدل بها اولٰئك فانهم جامعون لانواع العلوم ومتضلوعون من الفنون خصوصًا الاربعة التی استمد منها فی هٰذه المسألة فلایظن بهم انهم لم یقفوا علی الاحادیث التی استدل بها اولٰئك معاذ الله بل وقفوا علیها وخاضوا غمرتها واجابوا عنها بالاجوبة المرضیة التی لایردها منصف واقاموا لما ذهبوا الیه ادلة قاطعة کالجبال الرواسی[1] اھ مختصرًا۔	مسئلے میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے، معاذاللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور اس پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان سے وہ پسندیدہ جواب دئے جنھیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور نجات والدین شریفین پر دلائل قاطعہ قائم کئے جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے نہیں ہل سکتے۔

بلکہ علامہ زرقانی شرح مواہب میں ائمہ قائلین نجات کے اقوال وکلمات ذکر کرکے فرماتے ہیں:

هذا ماوقفنا علیه من نصوص علمائنا ولم نر لغیرهم مایخالفه الا مایشم من نفس ابن دحیة وقد تکفل بردّه القرطبیؒ[2]۔	یہ ہمارے علماء کے وہ نصوص ہیں جن پر میں واقف ہوا اور ان کے غیر سے کہیں اس کا خلاف نظر نہ آیا سوائے ایک بوئے خلاف کے جو ابن دحیہ کے کلام سے پائی گئی اور امام قرطبی نے بروجہ کافی اس کا رد کردیا۔

تاہم بات وہی ہے جو امام سیوطی نے فرمائی:

ثم انی لم ادّع ان المسألة اجماعیة بل هی مسألة ذات خلافٍ	پھر میں نے یہ دعوی نہیں کیا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے (اور اس کا حکم

[1] کتاب الخمیس القسم الثانی النوع الرابع مؤسسة شعبان بیروت ۱/ ۲۳۰

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة باب وفاة امه صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۸۶

فحکمها کحکم سائر المسائل المختلف فیها غیر انی اخترت له اقوال القائلین بالنجاة لانه انسب بهذا المقام اھ [1] وقال فی الدرج بعد مادرج فی الدرج الفریقان ائمة اکابر اجلاء [2]۔	بھی اختلافی مسائل جیسا ہوگا) مگر میں نے نجات کے قائلین کے اقوال کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہی اس مقام کے زیادہ لائق ہے۔اھ اور درج المنیفہ میں اس بحث کو درج کرنے کے بعد کہا دونوں فریق جلیل القدر اکابر ائمہ ہیں۔(ت)

اقول: تحقیق یہ کہ طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے،ابتداءً ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر تھا کہ ان جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم ومستقیم چارہ کار قبول وتسلیم بالا قل سکوت وتعظیم،اللہ الھادی الی صراط مستقیم۔

عائدہ زاہرہ: امام ابو نعیم دلائل النبوۃ میں بطریق محمد بن شہاب الزہری ام سماعہ اسماء بنت ابی رھم،وہ اپنی والدہ سے راوی ہیں،حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے انتقال کے وقت حاضر تھی،محمد صلی اللہ تعالٰی کم سن بچے کوئی پانچ برس کی عمر شریف،ان کے سرہانے تشریف فرما تھے۔حضرت خاتون نے اپنے ابن کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نظر کی،پھر کہا:

بارك فیك الله من غلام　　　یا ابن الذی من حومة الحمام
نجا بعون الملك المنعام　　　فودی غداة الضرب بالسهام
بمائة من ابل سوام　　　ان صحّ ما ابصرت فی المنام
فانت مبعوث الی الانام　　　من عند ذی الجلال والاکرام
تبعث فی الحل وفی الحرام　　　تبعث فی التحقیق والاسلام
دین ابیك البرّ ابراهام　　　فالله انهاك عن الاصنام
ان لا توالیها مع الاقوام [3]

"اے ستھرے لڑکے!اللہ تجھ میں برکت رکھے۔اے بیٹے ان کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے سے نجات پائی بڑے انعام والے بادشاہ اللہ عزوجل کی مدد سے،جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربان کئے گئے،اگر وہ ٹھیک

[1] الدرج المنیفة فی الاباء الشریفة
[2] کتاب الخمیس بحواله الدرجة المنیفة القسم الثانی النوع الرابع مؤسسة شعبان ۱/۲۳۰
[3] المواھب اللدنیة بحواله دلائل النبوة المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۶۹

اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو تُو سارے جہان کی طرف پیغمبر بنایا جائے گا جو تیرے نکوکار باپ ابراہیم کا دین ہے، میں اللہ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ قوموں کے ساتھ ان کی دوستی نہ کرنا۔''

حضرت خاتون آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی اس پاک وصیت میں جو فراقِ دنیا کے وقت اپنے ابن کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کو کی بحمد اللہ توحید ورد شرک تو آفتاب کی طرح روشن ہے اور اس کے ساتھ دین اسلام ملت پاک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی پورا اقرار، اور ایمان کامل کسے کہتے ہیں، پھر اس سے بالاتر حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رسالت کا بھی اعتراف موجود اور وہ بھی بیان بعث عامہ کے ساتھ، وللہ الحمد۔

اقول: وکلمۃ ان ان کانت للشك فھو غایۃ المنتھٰی اذ ذاك ولا تکلیف فوقه والا فقد علم مجیئھا ایضا للتحقیق لیکون کالدلیل علی ثبوت الجزاء وتحققه کقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لام المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنھا رأیتك فی المنام ثلث لیال یجیء بك الملك فی سرقة من حریری فقال لی ھذہ امرأتك فکشفت عن وجهك الثوب فاذا ھی انت فقلت ان یکن ھذا من عنداللہ یمضه۔ رواہ الشیخان[1] عنھا رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کلمہ ان اگر شک کے لئے ہے تو وہ غایت منتٰی ہے اور اس سے اوپر کوئی تکلیف نہیں، ورنہ اس کا تحقیق کیلئے آنا بھی معلوم ہے تاکہ یہ جزاء کے ثبوت و تحقیق پر دلیل کی طرح ہو جائے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے فرمانا کہ میں نے تجھے تین راتیں دیکھا فرشتہ (جبرائیل علیہ السلام) تجھے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر لایا اور مجھے کہا یہ آپ کی بیوی ہے۔ میں نے تیرے چہرے سے کپڑا ہٹایا تو وہ تو تھی۔ میں نے کہا اگر یہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے تو وہ ضرور اس کو جاری فرمائے گا۔ اس کو شیخین نے ام المومنین سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اس کے بعد فرمایا:

[1] صحیح البخاری کتاب النکاح باب النظر الی المرأۃ قبل التزویج قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۶۸، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل عائشہ رضی اللہ عنہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۸۵

کل حی میت وکل جدید بال وکل کبیر یفنی وانا میتة وذکری باق وقد ترکت خیرا وولدت طھرًا[1]۔	ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا، اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن فنا ہونا ہے۔ میں مرتی ہوں اور میرا ذکر ہمیشہ خیر سے رہے گا، میں کیسی خیر عظیم چھوڑ چلی ہوں اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ کہا اور انتقال فرمایا، رضی اللہ تعالٰی عنہا وصلی اللہ تعالٰی علی ابنہا الکریم وذویہ وبارك وسلم (اللہ تعالٰی ان سے راضی ہوا اور درود وسلام اور برکت نازل فرمائے ان کے کریم بیٹے اور اس کے پیروکاروں پر۔ت)

اور ان کی یہ فراست ایمان اور پیشن گوئی نورانی قابل غور ہے کہ میں انتقال کرتی ہوں اور میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا۔ عرب وعجم کی ہزاروں شاہزادیاں، بڑی بڑی تاج والیاں خاک کا پیوند ہوئیں جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، مگر اس طیبہ خاتون کے ذکر خیر سے مشارق مغارب ارض میں محافل مجالس انس وقدس میں زمین وآسمان گونج رہے ہیں اور ابدالآباد تک گونجیں گے وللہ الحمد۔

عبرت قاہرہ: سید احمد مصری حواشی در میں ناقل کہ ایک عالم رات بھر مسئلہ ابوین کریمین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں متفکر رہے کہ کیونکر تطبیق اقوال ہو۔ اسی فکر میں چراغ پر جھک گئے کہ بدن جل گیا۔ صبح ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ راہ میں ایک ترہ فروش ملے کہ اپنی دکان کے آگے باٹ ترازو لئے بیٹھے ہیں، انہوں نے اٹھ کر ان عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور یہ اشعار پڑھے:

امنت ان ابا النبی وامّہ — احیاھما الحی القدیر الباری

حتی لقد شھدالہ برسالة — صدق فتلك کرامة المختار

وبہ الحدیث ومن یقول بضعفہ — فھو الضعیف عن الحقیقة عاری[2]

"یعنی میں ایمان لایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ماں باپ کو اس زندہ ابدی قادر مطلق خالق عالم جل جلالہ نے زندہ کیا یہاں تک کہ ان دونوں نے

[1] المواھب اللدنیة المقصد الاول ذکر وفاة آمنة رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۶۹۔۱۷۰

[2] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبة العربیہ کوئٹہ ۲/ ۸۱

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیغمبری کی گواہی دی، اے شخص اس کی تصدیق کر کہ یہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اعزاز کے واسطے ہے اور اس باب میں حدیث وارد ہوئی جو اسے ضعیف بتائے وہ آپ ہی ضعیف اور علم حقیقت سے خالی ہے۔''

یہ اشعار سنا کر ان عالم سے فرمایا: اے شیخ! انہیں لے اور نہ رات کو جاگ نہ اپنی جان کو فکر میں ڈال کہ تجھے چراغ جلادے، ہاں جہاں جارہا ہے وہاں نہ جاکہ لقمہ حرام کھانے میں نہ آئے۔

ان کے اس فرمانے سے وہ عالم بیخود ہو کر رہ گئے، پھر انہیں تلاش کیا پتانہ پایا اور دکانداروں سے پوچھا، کسی نے نہ پہچانا، سب بازار والے بولے: یہاں تو کوئی شخص بیٹھتا ہی نہیں۔ وہ عالم اس ربانی ہادی، غیب کی ہدایت سن کر مکان کو واپس آئے، لشکری کے یہاں تشریف نہ لے گئے۔[1] انتہٰی۔

اے شخص! یہ عالم بہ برکت علم، نظر عنایت سے ملحوظ تھے کہ غیب سے کسی ولی کو بھیج کر ہدایت فرمادی خوف کر کہ تو اس ورطہ میں پڑ کر معاذاللہ کہیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باعث ایذاء نہ ہو جس کا نتیجہ معاذاللہ بڑی آگ دیکھنا ہو۔ اللہ عزوجل ظاہر و باطن میں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی محبت سچا ادب روزی فرمائے اور اسباب مقت (ناراضگی) وحجاب وبیزاری وعتاب سے بچائے آمین آمین آمین!

یا ارحم الراحمین ارحم فاقتنا یا ارحم الراحمین ارحم ضعفنا تبرأنا من حولنا الباطل وقوتنا العاطلة والتجانا الی حولك العظیم وطولك القدیم وشھدنا بان لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد	اے بہترین رحم فرمانے والے! ہمارے فاقہ اور ضعف پر رحم فرما، ہم اپنی باطل طاقت اور بیکاری قوت سے براءت کرتے ہیں اور تیری عظیم طاقت اور قدیم قوت کی پناہ چاہتے ہیں اور اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ عزت وعظمت والے خدا کے سوانہ تو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی، اور ہماری گفتگو کا خاتمہ اس پر ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا

[1] حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر المکتبة العربیه کوئٹہ ۲/ ۸۱

واٰلہٖ وصحبہٖ وذریتہٖ اجمعین اٰمین۔	ومولیٰ محمد مصطفیٰ پر، آپ کی تمام آل پر، آپ کے تمام صحابہ پر اور آپ کی تمام اولاد پر۔ آمین۔ (ت)

الحمدللہ یہ موجز رسالہ اواخر شوال المکرم ۱۳۱۵ھ کے چند جلسوں میں تمام اور بلحاظ تاریخ "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" عـــہ نام ہوا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

رسالہ

شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام

ختم ہوا۔

عـــہ: وبضم الکاف بمعنی الریم صفۃ الرسول اوبکسرھا جمع الکرام نعت الاصول ۱۲

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ
تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علٰی سید المرسلین خاتم النبیین محمد واٰلہٖ واصحٰبہٖ اجمعین الٰی یوم الدین بالتبجیل وحسبنا اللہ ونعم الوکیل۔	تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں اور عظمت کے ساتھ تا قیامت درود وسلام ہو سید المرسلین وخاتم النبیین پر اور آپ کی آل اور تمام اصحاب پر۔ ہمارے لئے اللہ تعالٰی کافی ہے۔ کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ (ت)

مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ عرض

پیارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالٰی آپ سب حضرات کو اور آپ کے صدقے میں اس ناچیز، کثیر السیئات کو دین حق پر قائم رکھے اور اپنے حبیب محمد رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی محبت، دل میں عظمت دے اور اسی پر ہم سب کا خاتمہ کرے۔ اٰمین یا ارحم الراحمین۔

تمہارارب عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ(۸) لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا (۹)"[1]۔	اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے، کا مقصود ہی تمہارا مولٰی تبارک وتعالٰی تین باتیں بتاتا ہے:

اول یہ کہ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔

دوئم یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔

سوئم یہ کہ اللہ تبارک وتعالٰی کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کو، اس لئے کہ بغیر ایمان، تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصارٰی ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافران لئیم میں تصنیفیں کرچکے، لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں گزرے، سب بے کار ومردود ہے۔ بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کرکے، اپنے طور پر ذکر عبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں، زکہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر از آنجا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ اصلًا قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں، اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

"وَ قَدِمْنَاۤ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا (۲۳)"[2]۔	جو کچھ اعمال انہوں نے کئے تھے، ہم نے سب برباد کردیئے۔

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۸و۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۲۳

ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

"عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ﴿۳﴾ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۙ﴿۴﴾ "[1]۔	عمل کریں، مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا؟ یہ کہ بھڑکتی آگ میں پیٹھیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، مدار ایمان و مدار نجات ومدار قبول اعمال ہوئی یا نہیں؟۔ کہو ہوئے اور ضرور ہوئے! تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۴﴾ "[2]	اے نبی تم فرمادو، کہ اے لوگو! اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیبیاں، تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے پسند کے مکان، ان میں کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اسکی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے، تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہان میں کوئی معزز، کوئی عزیز کوئی مال، کوئی چیز، اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہو، وہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہے، اللہ اسے اپنی طرف راہ نہ دے گا، اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہیے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

تمہارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"لایؤمن احدکم حتّٰی اکون احب الیہ من والدہٖ و ولدہٖ والناس اجمعین"[3]۔	تم میں کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں''۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

[1] القرآن الکریم ۸۸/ ۳و۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۲۴

[3] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۹

یہ حدیث بخاری و صحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔اس نے تو یہ بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے، ہرگز مسلمان نہیں۔

مسلمانو کہو! محمد، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تمام جہانوں سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان و مدار نجات ہوا یا نہیں؟ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔ یہاں تک تو سارے کلمہ گو خوشی خوشی قبول کرلیں گے کہ ہاں ہمارے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عظیم عظمت ہے۔ہاں ہاں ماں باپ اولاد سارے جہان سے زیادہ ہمیں حضور کی محبت ہے۔ بھائیو! خدا ایسا ہی کرے، مگر ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"الٓمّٓ ﴿۱﴾ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ ہُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۲﴾ "[1]۔	کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں، کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کررہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے مسلمانی پر تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ہاں ہاں سنتے ہو! آزمائے جاؤگے، آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہروگے۔ہر شے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے کہ جو باتیں اس کے حقیقی و واقعی ہونے کو درکار ہیں، وہ اس میں ہیں یا نہیں؟ ابھی قرآن و حدیث ارشاد فرماچکے کہ ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں۔

(۱) محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم

(۲) اور محمد رسول اللہ کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم

تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو۔ جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت ان کی محبت کا نام و نشان نہ رہے فوراً ان سے

[1] القرآن الکریم ۲۹/ ۱و۲

الگ ہو جاؤ، دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ پھر نہ تم اپنے رشتے، علاقے، دوستی، الفت کا پاس کرو نہ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت، کو خطرے میں لاؤ آخر یہ جو کچھ تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کی بناء پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا؟ اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہتیرے یہودی جبے، نہیں پہنتے؟ کیا عمامے نہیں باندھتے؟ اس کے نام و علم وظاہری فضل کو لے کر کیا کریں؟ کیا بہتیرے پادری، بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی، تو للہ اب تم ہی انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے، قرآن وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنے دور نکل گئے۔ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو وقعت کرسکے گا اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو، کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہان سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا اگرچہ اسکا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو، للہ اپنے حال پر رحم کرو اپنے رب کی بات سنو، دیکھو وہ کیوں کر تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے، دیکھو رب عزوجل فرماتا ہے:

"لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ	تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ان کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی، چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کردیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہی لوگ اللہ والے ہیں۔ سنتا ہے

اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ "[1]۔	اللہ والے ہی مراد کو پہنچے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا کہ جو اللہ یارسول اللہ کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا، جس کا صریح مفاد ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا۔ پھر اس حکم کا قطعًا عام ہونا بالتصریح ارشاد فرمایا کہ باپ، بیٹے، بھائی، عزیز سب کو گنایا، یعنی کوئی کیسا ہی تمہارے زعم میں معظم یا کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو، ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے، اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ رہوگے۔ مولٰی سبحانہ و تعالٰی کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کے لئے بس تھامگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا، اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلاتا ہے کہ اگر اللہ ورسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا کسی سے علاقہ نہ رکھا تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

(۱) اللہ تعالٰی تمہارے دلوں میں ایمان نقش کردے گا جس میں ان شاء اللہ تعالٰی حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا۔

(۲) اللہ تعالٰی روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

(۳) تمہیں ہمیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

(۴) تم خدا کے گروہ کہلاؤگے، خدا والے ہو جاؤگے۔

(۵) منہ مانگی مرادیں پاؤگے بلکہ امید و خیال و گمان سے کروڑوں درجے افزوں۔

(۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔

(۷) یہ کہ فرماتا ہے ''میں تم سے راضی تم مجھ سے راضی'' بندے کیلئے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوتی کہ اس کا رب اس سے راضی ہو مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی۔

مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر آدمی کروڑ جانیں رکھتا ہو اور سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کردے تو واللہ مفت پائیں، پھر زید و عمرو سے علاقہ تعظیم و محبت، یک لخت قطع کردینا کتنی بڑی بات ہے؟ جس پر اللہ تعالٰی ان بے بہا نعمتوں کا وعدہ فرمارہا ہے اور اس کا وعدہ یقینًا سچا ہے۔ قرآن کریم کی عادت کریمہ ہے کہ جو حکم فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں کی بشارت دیتا ہے، نہ ماننے والوں پر اپنے عذابوں کا تازیانہ بھی رکھتا ہے کہ جو پست ہمت نعمتوں کی لالچ میں نہ آئیں،

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۲۲

سزاؤں کے ڈر سے، راہ پائیں۔ وہ عذاب بھی سن لیجئے:

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ(۲۳)"[1]۔	اے ایمان والو! اپنے باپ، اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے رفاقت پسند کرے وہی لوگ ستمگار ہیں۔

اور فرماتا ہے کہ:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ﳓ وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَاۤ اَخْفَیْتُمْ وَ مَاۤ اَعْلَنْتُمْؕ وَ مَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ(۱) لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ(۳)"[2]۔	اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم چھپ کر ان سے دوستی کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں جو تم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہو اور تم میں جو ایسا کرے گا وہ ضرور سیدھی راہ سے بہکا۔ تمہارے رشتے اور تمہارے بچے تمہیں کچھ نفع نہ دیں گے۔ قیامت کے دن۔ اللہ تم میں اور تمہارے پیاروں میں جدائی ڈال دیگا کہ تم میں ایک، دوسرے کے کچھ کام نہ آسکے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ(۵۱)"[3]۔	تم میں جو ان سے دوستی کریگا تو بے شک وہ انہیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالموں کو۔

پہلی دو آیتوں میں تو ان سے دوستی کرنے والوں کو ظالم و گمراہ ہی فرمایا تھا، اس آیت کریمہ نے

[1] القرآن الکریم ۹/ ۲۳

[2] القرآن الکریم ۶۰/ ۱تا۳

[3] القرآن الکریم ۵/ ۵۱

بالکل تصفیہ فرمادیا کہ جوان سے دوستی رکھے وہ بھی ان میں سے ہے، ان ہی کی طرح کافر ہے، ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا اور وہ کوڑا بھی یاد رکھیے کہ '' تم چھپ چھپ کر ان سے میل رکھتے ہو اور میں تمہارے چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہوں ''۔ اب وہ رسی بھی سن لیجئے جس میں رسول اللہ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے باندھے جائیں گے۔

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱ "[1]۔	جو رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے۔

اور فرماتا ہے:

" اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۵۷ "[2]۔	بے شک جو اللہ و رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا و آخرت میں، اور اللہ نے ان کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اللہ عزوجل ایذاء سے پاک ہے اسے کون ایذاء دے سکتا ہے۔ مگر حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو اپنی ایذاء فرمایا۔ ان آیتوں سے اس شخص پر جو رسول اللہ کے بدگویوں سے محبت کا برتاؤ کرے، سات کوڑے ثابت ہوئے:

(۱) وہ ظالم ہے۔

(۲) گمراہ ہے۔

(۳) کافر ہے۔

(۴) اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۵) وہ آخرت میں ذلیل و خوار ہوگا۔

(۶) اس نے اللہ واحد قہار کو ایذاء دی۔

(۷) اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۷

اے مسلمان! اے مسلمان! اے امتی سید الانس والجان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! خدارا، ذرا انصاف کر، وہ سات بہتر ہیں جو ان لوگوں سے یک لخت علاقہ ترک کر دینے پر ملتے ہیں کہ دل میں ایمان جم جائے اللہ مددگار ہو، جنت مقام ہو، اللہ والوں میں شمار ہو، مرادیں ملیں، خدا تجھ سے راضی ہو، تو خدا سے راضی ہو یا یہ سات بھلے ہیں جو ان لوگوں سے تعلق لگا رہنے پر پڑیں گے کہ ظالم، گمراہ، کافر، جہنمی ہو، آخرت میں خوار ہو، خدا کو ایذا دے، خدا دونوں جہان میں لعنت کرے۔ ہیھات، ہیھات کون کہہ سکتا ہے۔ کہ یہ سات اچھے ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ سات چھوڑنے کے ہیں، مگر جان برادر! خالی یہ کہہ دینا تو کام نہیں دیتا، وہاں تو امتحان کی ٹھہری ہے ابھی آیت سن چکے الم احسب الناس، کیا اس بھلاوے میں ہو کہ بس زبان سے کہہ کر چھوٹ جاؤگے امتحان نہ ہوگا۔ ہاں یہی امتحان کا وقت ہے! دیکھو یہ اللہ واحد قہار کی طرف سے تمہاری جانچ ہے۔ دیکھو! وہ فرمارہا ہے کہ تمہارے رشتے، علاقے قیامت میں کام نہ آئیں گے، مجھ سے توڑ کر کس سے جوڑتے ہو۔ دیکھو! وہ فرمارہا ہے کہ میں غافل نہیں، میں بے خبر نہیں، تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں، تمہارے اقوال سن رہا ہوں تمہارے دلوں کی حالت سے خبردار ہوں، دیکھو! بے پروائی نہ کرو، پرائے پیچھے، اپنی عاقبت نہ بگاڑو، اللہ ورسول کے مقابل ضد سے کام نہ لو، دیکھو وہ تمہیں اپنے سخت عذاب سے ڈراتا ہے۔ اس کے عذاب سے کہیں پناہ نہیں، دیکھو! وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے، بے اس کی رحمت کے کہیں نباہ نہیں دیکھو اور گناہ، تو نرے گناہ ہوتے ہیں جن پر عذاب کا استحقاق ہو، مگر ایمان نہیں جاتا، عذاب ہو کر خواہ رب کی رحمت، حبیب کی شفاعت سے، بے عذاب ہی چھٹکارا ہو جائے گا یا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کا مقام ہے انکی عظمت، ان کی محبت، مدار ایمان ہے، قرآن مجید کی آیتیں سن چکے کہ جو اس معاملہ میں کمی کرے اس پر دونوں جہان میں خدا کی لعنت ہے۔ دیکھو جب ایمان گیا، پھر اصلاً، ابداً آباد تک کبھی، کسی طرح ہرگز، اصلاً، عذاب شدید سے رہائی نہ ہوگی۔ گستاخی کرنے والے، جن کا تم یہاں کچھ پاس لحاظ کرو، وہاں اپنی بھگت رہے ہونگے تمہیں بچانے نہ آئیں گے اور آئیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ پھر ایسوں کا لحاظ کرکے، اپنی جان کو ہمیشہ ہمیشہ غضب جبار و عذاب نار میں پھنسا دینا، کیا عقل کی بات ہے؟۔ للہ للہ ذرا دیر کو اللہ ورسول کے سوا سب ایں وآں سے نظر اٹھا کر آنکھیں بند کرو اور گردن جھکا کر اپنے آپ کو اللہ واحد قہار کے سامنے حاضر سمجھو اور نرے خالص سچے اسلامی دل کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم عظمت، بُلند عزت، رفیع وجاهت، جو ان کے رب نے انہیں بخشی اور ان کی تعظیم، ان کی توقیر پر ایمان واسلام کی بناء رکھی اسے دل میں جما کر

انصاف وایمان سے کہو، کیا جس نے کہا کہ شیطان کو یہ وسعت، نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے[1]۔اس نے محمد رسول اللہ کی شان میں گستاخی نہ کی؟کیا اس نے ابلیس لعین کے علم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اقدس پر نہ بڑھایا؟کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علم سے کافر ہو کر شیطان کی وسعت علم پر ایمان نہ لایا؟

مسلمانو! خود اس بد گو سے اتنا ہی کہہ دیکھو کہ او علم میں شیطان کے ہمسر دیکھو! تو وہ برا مانتا ہے یا نہیں حالانکہ اسے تو علم میں شیطان سے کم بھی نہ کہا بلکہ شیطان کے برابر ہی بتایا، پھر کم کہنا کیا توہین نہ ہوگی؟ اور اگر وہ اپنی بات پالنے کو اس پر ناگواری ظاہر نہ کرے اگرچہ دل میں قطعًا ناگوار مانے گا، تو اسے چھوڑیئے اور کسی معظم سے کہہ دیکھئے اور پورا ہی امتحان مقصود ہو تو کیا کچہری میں جاکر آپ کسی حاکم کو ان ہی لفظوں سے تعبیر کرسکتے ہیں؟دیکھئے! ابھی ابھی کھلا جاتا ہے کہ توہین ہوئی اور بے شک ہوئی پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنا کفر نہیں؟ ضرور ہے اور بالیقین ہے۔کیا جس نے شیطان کی وسعت علم کو نص سے ثابت مان کر حضور اقدس کے لئے وسعت علم ماننے والے کو کہا" تمام نصوص کو رد کرکے ایک شرک ثابت کرتا ہے"[2]۔اور کہا" شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے"[3]۔اس نے ابلیس لعین کو خدا کا شریک مانا یا نہیں؟ ضرور مانا، کہ جو بات مخلوق میں ایک کے لئے ثابت کرنا شرک ہوگی، وہ جس کسی کے لئے ثابت کی جائے، قطعًا شرک ہی رہے گی کہ خدا کا شریک کوئی نہیں ہوسکتا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ وسعت علم ماننی شرک ٹھہرائی، جس میں کوئی حصہ ایمان کا نہیں تو ضرور اتنی وسعت خدا کی وہ خاص صفت ہوئی جس کو خدائی لازم ہے جب تو نبی کے لئے اس کا ماننے والا کافر مشرک ہوا اور اس نے وہی وسعت، وہی صفت خود اپنے منہ ابلیس کے لئے ثابت مانی تو صاف صاف شیطان کو خدا کا شریک ٹھہرایا۔

مسلمانو! کیا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دونوں کی توہین نہ ہوئی؟ ضرور ہوئی، اللہ کی توہین تو ظاہر ہے کہ اس کا شریک بنایا اور وہ بھی کسے؟ابلیس لعین کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین یوں، کہ ابلیس کا مرتبہ اتنا بڑھا دیا، کہ وہ تو خدا کی خاص صفت

---

[1] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور ص۵۱

[2] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور ص۵۱

[3] البراھین القاطعۃ بحث علم غیب مطبع لے بلاساڈھور ص۵۱

میں حصہ دار ہے، اور یہ اس سے ایسے محروم، کہ ان کے لئے ثابت مانو، تو مشرک ہو جاؤ۔ مسلمانو! کیا خدا اور رسول اللہ کی توہین کرنے والا کافر نہیں؟ ضرور ہے۔ کیا جس نے کہا کہ ''بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور (یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے''[1]۔ کیا اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صریح گالی نہ دی؟ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا ہی علم غیب دیا گیا تھا، جتنا ہر پاگل اور ہر چوپائے کو حاصل ہے؟

مسلمان! مسلمان! اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی! تجھے اپنے دین وایمان کا واسطہ، کیا اس ناپاک وملعون گالی کے صریح ہونے میں تجھے کچھ شبہ گزر سکتا ہے؟ معاذاللہ! کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت تیرے دل سے ایسی نکل گئی ہو کہ اس شدید گالی میں بھی ان کی توہین نہ جانے اور اگر اب بھی تجھے اعتبار نہ آئے، تو خود ان ہی بدگویوں سے پوچھ دیکھ، کہ آیا تمہیں اور تمہارے استادوں، پیرجیون کو کہہ سکتے ہیں کہ اے فلاں! تجھے اتنا ہی علم ہے جتنا سور کو ہے تیرے استاد کو ایسا ہی علم تھا جیسا کتے کو ہے تیرے پیر کو اسی قدر علم تھا جیسا گدھے کو ہے، یا مختصر طور پر اتنا ہی ہو کہ او علم میں الو، گدھے، کتے، سور کے ہمسرو! دیکھو تو وہ اس میں اپنی اور اپنے استاد، پیر کی توہین سمجھتے ہیں یا نہیں؟ قطعًا سمجھیں گے اور قابو پائیں تو سر ہو جائیں، پھر کیا سبب کہ جو کلمہ ان کے حق میں توہین وکسر شان ہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین نہ ہو، کیا معاذاللہ ان کی عظمت ان سے بھی گئی گزری ہے، کیا اسی کا نام ایمان ہے؟ حاش للہ حاش للہ! کیا جس نے کہا کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جاوے، پھر اگر زید اسکا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟ اور اگر التزام نہ کیا جاوے تو نبی وغیر نبی، میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے[2]، انتہٰی۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جانوروں، پاگلوں میں فرق

---

[1] حفظ الایمان جواب سوال سوم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہارنپور بھارت ص۸، حفظ الایمان مع تغییر العنوان جواب سوال سوم محمد عثمان تاجر الکتب فی دریبہ کلاں دہلی ص۷و۱۷

[2] حفظ الایمان جواب سوال سوم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہارنپور بھارت ص۸، حفظ الایمان مع تغییر العنوان جواب سوال سوم محمد عثمان تاجر الکتب فی دریبہ کلاں دہلی ص۷و۱۷

نہ جاننے والا حضور کو گالی نہیں دیتا؟ کیا اس نے اللہ کے کلام کا صراحۃً ردو ابطال نہ کر دیا۔ دیکھو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ "[1]۔	اے نبی! اللہ نے تم کو سکھایا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا فضل تم پر بڑا ہے۔

یہاں نامعلوم باتوں کا علم عطا فرمانے کو اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کمالات و مدائح میں شمار فرمایا۔ اور فرماتا ہے:

"وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ "[2]۔	اور بے شک یعقوب ہمارے سکھائے سے علم والا ہے۔

اور فرماتا ہے:

"وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۸﴾ "[3]۔	ملائکہ نے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کو ایک علم والے لڑکے اسحٰق علیہ الصلٰوۃ والسلام کی بشارت دی۔

اور فرماتا ہے:

"وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ "[4]۔	اور ہم نے خضر کو اپنے پاس سے ایک علم سکھایا۔

وغیرہا آیات، جن میں اللہ تعالٰی نے علم کو کمالات انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام والثناء میں گنا۔ اب زید کی جگہ اللہ عزوجل کا نام پاک لیجئے اور علم غیب کی جگہ مطلق علم جس کا ہر چوپائے کو ملنا اور بھی ظاہر ہے اور دیکھئے کہ اس بدگوئے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تقریر کس طرح کلام اللہ عزوجل کا رد کر رہی ہے یعنی یہ بدگو خدا کے مقابل کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے کہ آپ (یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم الصلٰوۃ السلام) کی ذات مقدسہ پر علم کا اطلاق کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۶۸

[3] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۸

[4] القرآن الکریم ۱۸/ ۶۵

امر ہے کہ اس علم سے مراد بعض علم ہے یا کل علوم، اگر بعض علوم مراد ہیں تو اس میں حضور اور دیگر انبیاء علیہم اسلام کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی بات کا علم ہوتا ہے تو چاہیے کہ سب کو عالم کہا جائے، پھر اگر زید اس کا التزام کرلے کہ ہاں میں سب کو عالم کہوں گا تو پھر علم کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہوسکتا ہے اور اگر التزام نہ کیا جائے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے، اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں، اس طرح کہ اس کا ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے [1]۔ انتہی۔ پس ثابت ہوا کہ خدا کے وہ سب اقوال اسکی دلیل سے باطل ہیں۔

مسلمانو دیکھو! کہ اس بدگو نے فقط محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کو گالی نہ دی بلکہ ان کے رب (جل وعلا) کے کلاموں کو بھی باطل ومردود کردیا۔

مسلمانو! جس کی جرات یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم غیب کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے ملا دے اور ایمان واسلام وانسانیت سے آنکھیں بند کرکے صاف کہہ دے کہ نبی اور جانور میں کیا فرق ہے، اس سے کیا تعجب کہ خدا کے کلاموں کو رد کرے باطل بتائے پس پشت ڈالے زیر پا ملے بلکہ جو یہ سب کچھ کلام اللہ کے ساتھ کرچکا وہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اس گالی پر جرات کرسکے گا مگر ہاں اس سے دریافت کرو کہ آپ کی یہ تقریر خود آپ اور آپ کے اساتذہ میں جاری ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر ہے تو کیا جواب ہے؟ ہاں ان بدگویوں سے کہو! کیا آپ حضرات اپنی تقریر کے طور پر جو آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں جاری کی، خود اپنے آپ سے اسے دریافت کی اجازت دے سکتے ہیں کہ آپ صاحبوں کو عالم، فاضل، مولوی، ملا، چنیں، چناں فلاں فلاں کیوں کہا جاتا ہے اور حیوانات وبہائم مثلاً کتے سور کو کوئی ان الفاظ سے تعبیر نہیں کرتا۔ ان مناصب کے باعث آپ کے اتباع واذناب آپ کی تعظیم، تکریم، توقیر کیوں کرتے، دست و پا پر بوسہ دیتے ہیں اور جانوروں مثلاً الو، گدھے کے ساتھ کوئی یہ برتاؤ نہیں برتتا اس کی وجہ کیا ہے؟ کل علم تو قطعاً آپ صاحبوں کو بھی نہیں اور بعض میں آپ کی کیا تخصیص؟ ایسا علم تو الو، گدھے، کتے، سور سب کو حاصل ہے تو چاہیے کہ ان سب کو عالم وفاضل وچنیں وچناں کہا جائے پھر اگر آپ اس کا التزام کریں کہ ہاں ہم سب کو

[1] حفظ الایمان جواب سوال سوم کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سہارنپور بھارت ص ۸، فظ الایمان مع تغییر العنوان محمد عثمان تاجر الکتب فی دریبہ کلاں دہلی ص ۷ و ۱۷

علماء کہیں گے تو۔۔۔۔۔ پھر علم کو آپ کے کمالات میں کیوں شمار کیا جاتا ہے جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو، گدھے، کتے، سور سب کو حاصل ہو وہ آپ کے کمالات سے کیوں ہوا ؟ اور اگر التزام نہ کیا جائے تو آپ ہی کے بیان سے آپ میں اور گدھے، کتے، سور میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے۔ فقط۔

مسلمانو ! یوں دریافت کرتے ہی بعونہ تعالیٰ صاف کھل جائے گا کہ ان بدگویوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسی صریح شدید گالی دی اور ان کے ربّ عزوجل کے قرآن مجید کو جابجا کیسا رد و باطل کردیا۔ مسلمانو ! خاص اس بدگو اور اس کے ساتھیوں سے پوچھو، ان پر خود ان کے اقرار سے قرآن عظیم کی یہ آیات چسپاں ہوئیں یا نہیں۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾"[1]۔	اور بے شک ضرور ہم نے جہنم کیلئے پھیلا رکھے ہیں بہت سے جن اور آدمی ان کے وہ دل ہیں جن سے حق کو نہیں سمجھتے اور وہ آنکھیں جن سے حق کا راستہ نہیں سوجھتے اور وہ کان جن سے حق بات نہیں سنتے۔ وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بڑھ کر بہکے ہوئے۔ وہی گمراہ وہی لوگ غفلت میں پڑے ہیں۔

اور فرماتا ہے:

"اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۴۴﴾"[2]۔	بھلا دیکھ تو، جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا تو کیا تو اس کا ذمہ لے گا، یا تجھے گمان ہے ان میں بہت کچھ سنتے یا عقل رکھتے ہیں سو وہ نہیں مگر جیسے چوپائے بلکہ وہ تو ان سے بھی بڑھ کر گمراہ ہیں۔

[1] القرآن الکریم ۷/۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/۴۳و۴۴

ان بدگویوں نے چوپایوں کا علم تو انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام کے علم کے برابر مانا۔اب ان سے پوچھئے کیا تمہارا علم انبیاء یا خود حضور سید الانبیاء علیہ و علیہم الصلٰوۃ والثناء کے برابر ہے،ظاہراً اسکا دعوی نہ کریں گے اور اگر کہہ بھی دیں کہ جب چوپایوں سے برابری کردی،آپ تو دوپائے ہیں برابری ماننے کیا مشکل ہے؟ تو یوں پوچھئے تمہارے استادوں،پیروں،ملاؤں میں کوئی بھی ایسا گزرا جو تم سے علم میں زیادہ ہو یا سب ایک برابر ہو۔آخر کہیں تو فرق نکالیں گے تو ان کے وہ استاد وغیرہ تو ان کے اقرار سے علم میں چوپایوں کے برابر ہوئے اور یہ ان سے علم میں کم ہیں،جب تو انکی شاگردی کی،اور جو ایک مساوی سے کم ہو دوسرے سے بھی ضرور کم ہوگا تو یہ حضرات خود اپنی تقریر کی روسے چوپایوں سے بڑھ کر گمراہ ہوئے اور ان آیتوں کے مصداق ٹھہرے۔

" كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۳ "[1]۔	مار ایسی ہوتی ہے اور بے شک آخرت کی مار سب سے بڑی،کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔

مسلمانو ! یہ حالتیں تو ان کلمات کی تھیں جن میں انبیائے کرام و حضور پر نور سید الانام علیہ الصلٰوۃ والسلام پر ہاتھ صاف کئے گئے پھر ان عبارات کا کیا پوچھنا جن میں اصالۃً بالقصد رب العزت عزجلالہ کی عزت پر حملہ کیا گیا ہو۔خدارا انصاف ! کیا جس نے کہا "میں نے کب کہا ہے کہ میں وقوع کذب باری کا قائل نہیں ہوں [2]"یعنی وہ شخص اس کا قائل ہے کہ خدا بالفعل جھوٹا ہے جھوٹ بولا،جھوٹ بولتا ہے۔اس کی نسبت یہ فتوی دینے والا کہ "اگرچہ اس نے تاویل آیات میں خطا کی مگر تاہم اس کو کافر یا بدعتی خیال کہنا نہیں چاہئے،جس نے کہا کہ "اس کو کوئی سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے [3]"جس نے کہا کہ "اس میں تکفیر علمائے سلف کی لازم آتی ہے۔حنفی،شافعی پر طعن و تضلیل نہیں کرسکتا"[4]۔یعنی خدا کو معاذاللہ جھوٹا کہنا بہت سے علمائے سلف کا بھی مذہب تھا۔یہ اختلاف حنفی شافعی کا سا ہے۔کسی نے ہاتھ ناف سے اوپر باندھے،کسی نے نیچے،ایسا ہی اسے بھی سمجھو کہ کسی نے خدا کو سچا کہا کسی نے جھوٹا،لہٰذا "ایسے کو تضلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیے"[5]۔یعنی جو خدا کو جھوٹا کہے اسے گمراہ کیا معنی؟ گنہگار نہ کہو۔

[1] القرآن الکریم ۶۸ / ۳۳
2
3
4
5

کیا جس نے یہ سب تو اس مکذب خدا کی نسبت بتایا اور یہیں خود اپنی طرف سے باوصف اس بے معنٰی اقرار کہ "قدرۃ علی الکذب مع امتناع الوقوع مسئلہ اتفاقیہ ہے"[1]۔ صاف صریح کہہ دیا کہ وقوع کذب کے معنٰی درست ہوگئے[2]۔ یعنی یہ بات ٹھیک ہوگئی کہ خدا سے کذب واقع ہوا، کیا یہ شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ کیا جو ایسے کو مسلمان سمجھے خود مسلمان ہوسکتا ہے؟

مسلمانو! خدارا انصاف، ایمان نام کاہے کا تھا تصدیق الٰہی کا، تصدیق کا صریح مخالف کیا ہے، تکذیب، تکذیب کے کیا معنی ہیں کسی کی طرف کذب منسوب کرنا۔ جب صراحۃً خدا کو کاذب کہہ کر بھی ایمان باقی رہے تو خدا جانے ایمان کس جانور کا نام ہے؟ خدا جانے مجوس وہنود و نصارٰی و یہود کیوں کافر ہوئے؟ ان میں تو کوئی صاف اپنے معبود کو جھوٹا بھی نہیں بتاتا۔ ہاں معبود برحق کی باتوں کو یوں نہیں مانتے کہ انہیں اسکی باتیں ہی نہیں جانتے یا تسلیم نہیں کرتے۔ ایسا تو دنیا کے پردے پر کوئی کافر سا کافر بھی شاید نہ نکلے کہ خدا کو خدا مانتا، اسکے کلام کو اسکا کلام جانتا اور پھر بے دھڑک کہتا ہو کہ اس نے جھوٹ کہا، اس سے وقوع کذب کی معنی درست ہوگئے۔ غرض کوئی ذی انصاف شک نہیں کرسکتا کہ ان تمام بدگویوں نے منہ بھر کر اللہ ورسول کو گالیاں دی ہیں، اب یہی وقت امتحان الٰہی ہے، واحد قہار جبار عزجلالہ سے ڈرو اور وہ آیتیں کہ اوپر گزریں، پیش نظر رکھ کر عمل کرو۔ آپ تمہارا ایمان تمہارے دلوں میں تمام بدگویوں سے نفرت بھردے گا۔ ہرگز اللہ ورسول اللہ جل وعلاکے مقابل تمہیں انکی حمایت نہ کرنے دے گا۔ تم کو ان سے گھن آئے گی نہ کہ ان کی پچ کرو، اللہ ورسول کے مقابل انکی گالیوں میں مہمل و بیہودہ تاویل گھڑو۔

للہ انصاف! اگر کوئی شخص تمہارے ماں، باپ، استاد، پیر کو گالیاں دے اور نہ صرف زبانی بلکہ لکھ لکھ کر چھاپے، شائع کرے۔ کیا تم اس کا ساتھ دوگے یا اس کی بات بنانے کو تاویلیں گھڑوگے یا اس کے بکنے سے بے پرواہی کرکے اس سے بدستور صاف رہوگے؟ نہیں نہیں! اگر تم میں انسانی غیرت، انسانی حمیت، ماں باپ کی عزت حرمت عظمت محبت کا نام نشان بھی لگا رہ گیا ہے تو اس بدگو دشنامی کی صورت سے نفرت کروگے، اسکے سائے سے دور بھاگوگے، اس کا نام سن کر غیظ لاؤگے جو اس کے لئے بناوٹیں گڑھے، اسکے بھی دشمن ہوجاؤگے، پھر خدا کے لئے ماں باپ کو ایک پلہ میں رکھو

[1]

[2] امطار الحق رشید احمد گنگوہی کا عقیدہ وقوع کذب باری تعالٰی مطبع دت پرشاد بمبئی انڈیا ص ۳۱

اللہ واحد قہار و محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت وعظمت پر ایمان کو دوسرے پلے میں، اگر مسلمان ہو تو ماں باپ کی عزت کو اللہ ورسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی عزت سے کچھ نسبت نہ مانوگے، ماں باپ کی محبت وحمایت کو اللہ و رسول کی محبت وخدمت کے آگے ناچیز جانوگے۔ تو واجب واجب واجب، لاکھ لاکھ واجب سے بڑھ کر واجب کہ ان بدگو سے وہ نفرت ودوری وغیظ وجدائی ہو کہ ماں باپ کے دشنام دہندہ کے ساتھ اس کا ہزارواں حصہ نہ ہو۔ یہ ہیں وہ لوگ جن کیلئے ان سات نعمتوں کی بشارت ہے۔ مسلمانو! تمہارا یہ ذلیل خیر خواہ امید کرتا ہے۔ کہ اللہ واحد قہار کی ان آیات اور اس بیان شافی واضح البینات کے بعد اس بارے میں آپ سے زیادہ عرض کی حاجت نہ ہو تمہارے ایمان خود ہی ان بدگویوں سے وہی پاک مبارک الفاظ بول اٹھیں گے جو تمہارے رب نے قرآن عظیم میں تمہارے سکھانے کو قوم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے نقل فرمائے۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ (الی قولہ تعالٰی) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۠ "[1]۔	بے شک تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھ والے مسلمانوں میں اچھی ریس ہے جب وہ اپنی قوم سے بولے بے شک ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سب سے جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ ہم تمہارے منکر ہوئے اور ہم میں اور تم میں دشمنی اور عداوت ہمیشہ کو ظاہر ہوگئی جب تک تم ایک اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔ بے شک ضرور ان میں تمہارے لیے عمدہ ریس تھی۔ اس کیلئے جو اللہ اور قیامت کے دن کی امید رکھتا ہو اور جو منہ پھیرے تو بے شک اللہ ہی بے پرواہ سراہا گیا ہے۔

یعنی وہ جو تم سے یہ فرمارہا ہے کہ جس طرح میرے خلیل اور ان کے ساتھ والوں نے کیا کہ میرے لئے اپنی قوم کے صاف دشمن ہوگئے اور تنکا توڑ کر ان سے جدائی کرلی اور کہہ دیا کہ ہم سے تمہارا کچھ علاقہ نہیں، ہم تم سے قطعی بیزار ہیں، تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیے یہ تمہارے بھلے کو تم سے فرمارہا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۶۰ /۴تا ۶

مانو تو تمہاری خیر ہے نہ مانو تو اللہ کو تمہاری کچھ پرواہ نہیں جہاں وہ میرے دشمن ہوئے انکے ساتھ تم بھی سہی، میں تمام جہان سے غنی ہوں اور تمام خوبیوں سے موصوف، جل وعلاو تبارک وتعالیٰ۔ یہ قرآن حکیم کے احکام تھے اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی چاہے گا ان پر عمل کی توفیق دے گا مگر یہاں دو فرقے ہیں جن کو ان احکام میں عذر پیش آتے ہیں:

فرقہ اول: بے علم نادان، ان کے عذر دو قسم کے ہیں۔

عذر اول: فلاں تو ہمارا استاد یا بزرگ یا دوست ہے، اس کا جواب تو قرآن عظیم کی متعدد آیات سے سن چکے کہ رب عزوجل نے بار بار بتا کر صراحۃً فرما دیا کہ غضب الٰہی سے بچنا چاہتے ہو تو اس باب میں اپنے باپ کی بھی رعایت نہ کرو۔

عذر دوم: صاحب یہ بدگو لوگ بھی تو مولوی ہیں، بھلا مولویوں کو کیوں کر کافر یا برا مانیں، اس کا جواب تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةًؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ﴿۲۳﴾ "[1]۔	بھلا دیکھو تو جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا بنالیا اور اللہ نے علم ہوتے ساتے اسے گمراہ کیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھوں پر پٹی چڑھادی تو کون اسے راہ پر لائے اللہ کے بعد تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

اور فرماتا ہے:

"مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًاؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ﴿۵﴾ "[2]۔	وہ جن پر توریت کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا ان کا حال اس گدھے کا سا ہے جس پر کتابیں لدی ہوں، کیا بری مثال ہے ان کی جنہوں نے خدا کی آیتیں جھٹلائیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا''۔

اور فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴۵ /۲۳

[2] القرآن الکریم ۶۲ /۵

وَ اتۡلُ عَلَیۡہِمۡ نَبَاَ الَّذِیۡۤ اٰتَیۡنٰہُ اٰیٰتِنَا فَانۡسَلَخَ مِنۡہَا فَاَتۡبَعَہُ الشَّیۡطٰنُ فَکَانَ مِنَ الۡغٰوِیۡنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوۡ شِئۡنَا لَرَفَعۡنٰہُ بِہَا وَ لٰکِنَّہٗۤ اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ ۚ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الۡکَلۡبِ ۚ اِنۡ تَحۡمِلۡ عَلَیۡہِ یَلۡہَثۡ اَوۡ تَتۡرُکۡہُ یَلۡہَثۡ ؕ ذٰلِکَ مَثَلُ الۡقَوۡمِ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقۡصُصِ الۡقَصَصَ لَعَلَّہُمۡ یَتَفَکَّرُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨالۡقَوۡمُ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنۡفُسَہُمۡ کَانُوۡا یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِیۡ ۚ وَ مَنۡ یُّضۡلِلۡ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿۱۷۸﴾ "[1]۔	انہیں پڑھ کر سنا اس کی خبر جسے ہم نے اپنی آیتوں کا علم دیا تھا وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا کہ گمراہ ہو گیا اور ہم چاہتے تو اس علم کے باعث اسے گرے سے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا پیرو ہو گیا تو اس کا حال کتے کی طرح ہے تو اس پر بوجھ لادے تو زبان نکال کر ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے یہ انکا حال ہے جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں۔ تو ہمارا یہ ارشاد بیان کرو شاید یہ لوگ سوچیں۔ کیا برا حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ اپنی ہی جانوں پر ستم ڈھاتے تھے۔ جسے خدا ہدایت کرے وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو وہی سراسر نقصان میں ہیں۔

یعنی ہدایت کچھ علم پر نہیں، خدا کے اختیار میں ہے۔ یہ آیتیں ہیں اور حدیثیں جو گمراہ عالموں کی مذمت میں ہیں انکا شمار ہی نہیں یہاں تک کہ ایک حدیث میں ہے۔ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں سے پہلے انہیں پکڑیں گے، یہ کہیں گے کیا ہمیں بت پوجنے والوں سے بھی پہلے لیتے ہو؟ جواب ملے گا **لیس من یعلم کمن لایعلم**[2]۔ جاننے[عہ] والے اور انجان برابر نہیں۔ بھائیو! عالم کی عزت تو اس بنا پر تھی کہ وہ نبی کا وارث ہے، نبی کا وارث وہ جو ہدایت پر ہو

عـــہ: یہ حدیث طبرانی نے معجم کبیر اور ابو نعیم نے حلیہ میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ۱۲ منہ

---

[1] القرآن الکریم ۷ / ۱۷۵ تا ۱۷۸

[2] شعب الایمان حدیث ۱۹۰۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۳۰۹

اور جب گمراہی پر ہے تو نبی کا وارث ہوا یا شیطان کا؟ اس وقت اس کی تعظیم نبی کی تعظیم ہوتی۔ اب اس کی تعظیم شیطان کی تعظیم ہوگی۔ یہ اس صورت میں ہے کہ عالم، کفر سے نیچے کسی گمراہی میں ہو جیسے بدمذہبوں کے علماء پھر اس کو کیا پوچھنا جو خود کفر شدید میں ہو اسے عالم دین جاننا ہی کفر ہے نہ کہ عالم دین جان کر اس کی تعظیم۔

بھائیو! علم اس وقت نفع دیتا ہے کہ دین کے ساتھ ہو ورنہ پنڈت یا پادری کیا اپنے یہاں کے عالم نہیں۔ ابلیس کتنا بڑا عالم تھا پھر کیا کوئی مسلمان اس کی تعظیم کرے گا؟ اسے تو معلم الملکوت کہتے ہیں یعنی فرشتوں کو علم سکھاتا۔ جب سے اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم سے منہ موڑا۔ حضور عــہ کا نور کہ پیشانی آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام میں رکھا گیا، اسے سجدہ نہ کیا، اس وقت سے لعنت ابدی کا طوق اس کے گلے میں پڑا، دیکھو جب سے اس کے شاگردان رشید اس کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں، ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ ہر رمضان میں مہینہ بھر اسے زنجیروں میں جکڑتے ہیں، قیامت کے دن کھینچ کر جہنم میں دھکیلیں گے۔ یہاں سے علم کا جواب بھی واضح ہوگیا اور استاذی کا بھی۔

بھائیو! کروڑ افسوس ہے اس ادعائے مسلمانی پر کہ اللہ واحد قہار اور محمد رسول اللہ سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ استاد کی وقعت ہو، اللہ و رسول سے بڑھ کر بھائی یا دوست، یا دنیا میں کسی کی محبت ہو۔ اے رب! ہمیں سچا ایمان دے صدقہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سچی رحمت کا، آمین۔

فرقہ دوم: معاندین و دشمنان دین کہ خود انکار ضروریات دین رکھتے ہیں اور صریح کفر کرکے اپنے اوپر سے نام کفر کو مٹانے کو اسلام و قرآن و خدا اور رسول و ایمان کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں اور براہ اغواء و تلبیس و

عــہ: تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ج ۲ ص ۴۵۵ پر زیر قولہ تعالٰی تلك الرسل فضلنا: ان الملٰئکۃ امروا بالسجود لاٰدم لاجل ان نور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی جبھۃ اٰدم[1]۔

تفسیر نیشاپوری ج ۲ ص ۷: سجود الملٰئکۃ لاٰدم انما کان لاجل نور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذی کان فی جبھتہ[2]۔

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کا آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کو سجدہ کرنا اس لئے تھا کہ ان کی پیشانی میں نور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تھا۔ ۱۲ منہ

---

[1] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۶۹

[2] غرائب القرآن ورغائب الفرقان تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۳ مصطفی البابی مصر ۳/ ۷

شیوہ ابلیس وہ باتیں بناتے ہیں کہ کسی طرح ضروریات دین ماننے کی قید اٹھ جائے اسلام فقط طوطے کی طرح زبان سے کلمہ رٹ لینے کا نام رہ جائے، بس کلمہ کا نام لیتا ہو پھر چاہے خدا کو جھوٹا کذاب کہے، چاہے رسول کو سڑی سڑی گالیاں دے، اسلام کسی طرح نہ جائے۔

"بَلۡ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيۡلًا مَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۸۸" [1]۔	بلکہ اللہ نے ان پر لعنت فرمادی انکے کفر کے سبب تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔ (ت)

یہ مسلمانوں کے دشمن، اسلام کے عدو، عوام کو چھلنے اور خدائے واحد قہار کا دین بدلنے کے لئے چند شیطانی مکر پیش کرتے ہیں۔

مکر اول: اسلام نام کلمہ گوئی کا ہے۔ حدیث میں فرمایا:

من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ [2]۔	جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا جنت میں جائے گا۔

پھر کسی قول یا فعل کی وجہ سے کافر کیسے ہو سکتا ہے؟۔ مسلمانو! ذرا ہوشیار خبردار، اس مکر ملعون کا حاصل یہ ہے کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا گویا خدا کا بیٹا بن جانا ہے، آدمی کا بیٹا اگر اسے گالیاں دے، جوتیاں مارے، کچھ کرے اس کے بیٹے ہونے سے نہیں نکل سکتا، یونہی جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا اب وہ چاہے خدا کو جھوٹا کذاب کہے، چاہے رسول کو سڑی سڑی گالیاں دے، اس کا اسلام نہیں بدل سکتا۔ اس مکر کا جواب اسی آیت کریمہ "الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ" [3] میں گزرا، کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ نرے ادعائے اسلام پر چھوڑ دیئے جائیں گے اور امتحان نہ ہوگا۔ اسلام [عـــہ] اگر فقط

عـــہ: حضرت شیخ مجدد الف ثانی مکتوبات میں فرماتے ہیں:

مجرد تفوہ بکلمہ شہادت در اسلام کافی نیست تصدیق جمیع ما علم بالضرورۃ مجیئہ من الدین باید و تبری از کفر و کافر نیز باید تا اسلام صورت بندد [4] ۱۲	محض زبانی کلمہ شہادت کہنا اسلام میں کافی نہیں بلکہ ان تمام امور کی تصدیق ضروری ہے جن کا ضروریات دین سے ہونا بداہتًا معلوم ہے۔ کفر اور کافر سے براءت بھی لازمی ہے تاکہ اسلام کی صحیح صورت تشکیل پائے (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۸۸

[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/ ۴۸ والمستدرك للحاکم کتاب التوبۃ والانابۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۲۹/ ۱ و ۲

[4] مکتوبات مجدد الف ثانی مکتوب دوصد و شصت و ششم نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۲۳

کلمہ گوئی کا نام تھا تو وہ بے شک حاصل تھی پھر لوگوں کا گھمنڈ کیوں غلط تھا جسے قرآن عظیم رد فرمارہا ہے، نیز تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ"[1]۔	یہ گنوار کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ تم فرمادو ایمان تو تم نہ لائے ہاں یوں کہو کہ ہم مطیع الاسلام ہوئے اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔

اور فرماتا ہے:

"اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ۝۱" [2]۔	منافقین جب تمہارے حضور ہوتے ہیں، کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک حضور یقیناً خدا کے رسول ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم ضرور اس کے رسول ہو اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ منافق ضرور جھوٹے ہیں۔

دیکھو کیسی لمبی چوڑی کلمہ گوئی، کیسی کیسی تاکیدوں سے مؤکد، کیسی کیسی قسموں سے مؤید ہرگز موجب اسلام نہ ہوئی اور اللہ واحد قہار نے ان کے جھوٹے کذاب ہونے کی گواہی دی تو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کا یہ مطلب گڑھنا صراحۃً قرآن عظیم کا رد کرنا ہے۔ ہاں جو کلمہ پڑھتا، اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہو اسے مسلمان جانیں گے جب تک اس سے کوئی کلمہ، کوئی حرکت، کوئی فعل منافی اسلام صادر نہ ہو، بعد صدور منافی ہرگز کلمہ گوئی کام نہ دے گی۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ"[3]۔	خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نبی کی شان میں گستاخی نہ کی اور البتہ، بے شک وہ یہ کفر کا بول، بولے اور مسلمان ہو کر کافر ہوگئے۔

ابن جریر و طبرانی و ابوالشیخ و ابن مردویہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۱۴

[2] القرآن الکریم ۶۳/ ۱

[3] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک پیڑ کے سایہ میں تشریف فرما تھے ارشاد فرمایا عنقریب ایک شخص آئے گا تمہیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا وہ آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔ کچھ دیر نہ ہوئی تھی کہ ایک کرنجی آنکھوں والا سامنے سے گزرا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا ''تو اور تیرے رفیق کس بات پر میری شان میں گستاخی کے لفظ بولتے ہیں؟'' وہ گیا اور اپنے رفیقوں کو بلالایا۔ سب نے آکر قسمیں کھائیں کہ ہم نے کوئی کلمہ حضور کی شان میں بے ادبی کا نہ کہا، اس پر اللہ وعزجل نے یہ آیت اتاری کہ خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے گستاخی نہ کی اور بے شک ضرور، یہ کفر کا کلمہ بولے اور تیری شان میں بے ادبی کرکے اسلام کے بعد کافر ہوگئے [1]۔ دیکھو اللہ گواہی دیتا ہے کہ نبی کی شان میں بے ادبی کا لفظ، کلمہ کفر ہے اور اس کا کہنے والا اگرچہ لاکھ مسلمانی کا مدعی کروڑ بار کا کلمہ گو ہو، کافر ہو جاتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔

"وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ" [2]۔	اور اگر تم ان سے پوچھو تو بے شک ضرور کہیں گے کہ ہم تو یونہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرمادو کیا اللہ اور اسکی آیتوں اور اسکے رسول سے ٹھٹھا کرتے تھے؟ بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے اپنے ایمان کے بعد۔

ابن ابی شیبہ وابن ابی جریر وابن المنذر وابن حاتم الشیخ امام مجاہد تلمیذ خاص سید نا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں:

انه قال فی قوله تعالٰی "وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ" قال رجل من المنافقین یحد ثنا محمد ان ناقة فلان بوادی کذا وکذا ومایدریه	یعنی کسی کی اونٹنی گم ہو گئی، اس کی تلاش تھی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اونٹنی فلاں جنگل میں فلاں جگہ ہے اس پر ایک منافق بولا '' محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) بتاتے ہیں کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے، محمد غیب کیا

[1] الدرالمنثور بحوالہ ابن جریر والطبرانی وابن مردویہ تحت آیۃ ۹/ ۷۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۹

[2] القرآن الکریم ۹/ ۶۵و۶۶

بالغیب۔	جانیں،

اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ اتاری کہ کیا اللہ ورسول سے ٹھٹھا کرتے ہو، بہانے نہ بناؤ، تم مسلمان کہلا کر اس لفظ کے کہنے سے کافر ہوگئے۔

(دیکھو تفسیر امام ابن جریر مطبع مصر جلد دہم صفحہ ۱۰۵ و تفسیر در منثور[1] امام جلال الدین سیوطی جلد سوم صفحہ ۲۵۴)

مسلمانو! دیکھو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کرنے سے کہ وہ غیب کیا جانیں، کلمہ گوئی کام نہ آئی اور اللہ تعالٰی (عزوجل) نے صاف فرمادیا کہ بہانے نہ بناؤ، تم اسلام کے بعد کافر ہوگئے۔ یہاں سے وہ حضرات بھی سبق لیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علوم غیب سے مطلقاً منکر ہیں۔

دیکھو یہ قول منافق کا ہے اور اس کے قائل کو اللہ تعالٰی نے اللہ وقرآن ورسول سے ٹھٹھا کرنے والا بتایا اور صاف صاف کافر مرتد ٹھہرایا اور کیوں نہ ہو، غیب کی بات جاننی شان نبوت ہے جیسا کہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی و احمد قسطلانی و مولانا علی قاری و علامہ محمد زرقانی وغیرہم اکابر نے تصریح فرمائی جس کی تفصیل رسائل علم غیب میں بفضلہٖ تعالٰی بروجہ اعلٰی مذکور ہوئی پھر اس کی سخت شامت کمال ضلالت کا کیا پوچھنا جو غیب کی ایک بات بھی، خدا کے بتائے سے بھی، نبی کو معلوم عـــہ۱ ہونا محال و ناممکن بتاتا ہے، اس کے نزدیک اللہ سے سب چیزیں غائب ہیں اور اللہ کو اتنی قدرت نہیں کہ کسی کو ایک غیب کا علم دے سکے، اللہ تعالٰی شیطان کے دھوکوں سے پناہ دے۔ آمین۔ ہاں بے خدا کے بتائے، کسی کو ذرہ بھر کا علم ماننا، ضرور کفر ہے اور جمیع معلومات الٰہیہ کو علم مخلوق کا محیط ہونا بھی باطل اور اکثر علماء عـــہ۲ کے خلاف ہے، لیکن روز اول سے روز آخر تک کا ماکان وما یکون، اللہ تعالٰی کے معلومات سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو ایک ذرے کے لاکھویں، کروڑویں حصے برابر، تری کو، کروڑہا کروڑ سمندروں سے ہو بلکہ یہ خود علوم محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا ہے، ان تمام امور کی تفصیل ''الدولۃ المکیہ'' وغیرہا میں ہے۔ خیر تو یہ جملہ معترضہ تھا اور ان شاء اللہ العظیم بہت مفید تھا، اب بحث سابق

عـــہ۱: اس نئے شاخسانے کے رد میں بفضلہٖ تعالٰی چار رسالے ہیں: اراحۃ جوانح الغیب، الجلاء الکامل، ابرار المجنون، میل الھداۃ، جن میں پہلا ان شاء اللہ مع ترجمہ عنقریب شائع ہوگا اور باقی تین بھی بعونہٖ تعالٰی اس کے بعد، وباللہ التوفیق ۱۲ کاتب عفی عنہ۔

عـــہ۲: اکثر کی قید کا فائدہ رسالہ ''الفیوض المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ'' میں ملاحظہ ہوگا ان شاء اللہ تعالٰی ۱۲ کاتب عفی عنہ۔

[1] الدر المنثور بحوالہ ابن ابی شیبہ وابن منذر وابن ابی حاتم وابی الشیخ عن مجاہد تحت آیۃ ۹/ ۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۱۰، جامع البیان (تفسیر ابن جریر تحت آیۃ ۹/ ۶۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۱۹۶

کی طرف عود کیجئے۔

اس فرقہ باطلہ کا مکر دوم یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مذہب ہے کہ **لا نکفر احدًا من اھل القبلۃ**[1]۔ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہیں کہتے۔

اور حدیث میں ہے: ''جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان[2] ہے۔''

مسلمانو! اس مکر خبیث میں ان لوگوں نے نری کلمہ گوئی سے عدول کرکے صرف قبلہ روئی کا نام ایمان رکھ دیا یعنی جو قبلہ رو ہو کر نماز پڑھ لے، مسلمان ہے اگرچہ اللہ عزوجل کو جھوٹا کہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو گالیاں دے، کسی صورت کسی طرح ایمان نہیں ٹلتاع

چوں وضوئے محکم بی بی تمیز

(بی بی تمیز کے مضبوط وضو کی طرح۔ت)

اولًا: اس مکر کا جواب:

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"لَیۡسَ الۡبِرَّ اَنۡ تُوَلُّوۡا وُجُوۡہَکُمۡ قِبَلَ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ وَ لٰکِنَّ الۡبِرَّ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ وَ الۡکِتٰبِ وَ النَّبِیّٖنَ"[3]۔	اصل نیکی یہ نہیں کہ اپنا منہ نماز میں پورب یا پچھاں کو کرو بلکہ اصل نیکی یہ ہے کہ آدمی ایمان لائے اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور قرآن اور تمام انبیاء پر۔

دیکھو صاف فرمادیا کہ ضروریات دین پر ایمان لانا ہی اصل کار ہے بغیر اس کے نماز میں قبلہ کو منہ کرنا کوئی چیز نہیں،

اور فرماتا ہے:

"وَ مَا مَنَعَہُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡہُمۡ نَفَقٰتُہُمۡ	اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اس کا قبول ہونا بند نہ ہوا

[1] منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر عدم جواز تکفیر اھل القبلۃ دار البشائر الاسلامیۃ بیروت ص ۴۲۹

[2] صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل استقبال القبلۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۶، کنز العمال حدیث ۳۹۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۹۲

[3] القرآن الکریم ۲/۱۷۷

"اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ۝۵۴ "[1]۔	مگر اس لئے کہ انہوں نے اللہ ورسول کے ساتھ کفر کیا اور نماز کو نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر برے دل سے۔

دیکھو ان کا نماز پڑھنا بیان کیا اور پھر انہیں کافر فرمایا، کیا وہ قبلہ کو نماز نہیں پڑھتے تھے؟ فقط قبلہ کیسا، قبلہ دل وجاں، کعبہ دین وایمان، سرور عالمیان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے جانب قبلہ نماز پڑھتے تھے۔اور فرماتا ہے:

"فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِؕ وَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ۝۱۱ وَ اِنْ نَّكَثُوْۤا اَیْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَ طَعَنُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ فَقَاتِلُوْۤا اَىٕمَّةَ الْكُفْرِۙ اِنَّهُمْ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَنْتَهُوْنَ۝۱۲ "[2]۔	پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور ہم پتے کی باتیں صاف بیان کرتے ہیں علم والوں کیلئے اور اگر قول وقرار کرکے پھر اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر طعن کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو، بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں شاید وہ باز آئیں۔

دیکھو نماز، زکوٰۃ والے اگر دین پر طعنہ کریں تو انہیں کفر کا پیشوا، کافروں کا سرغنہ فرمایا۔کیا خدا اور رسول کی شان میں وہ گستاخیاں دین پر طعنہ نہیں، اس کا بیان بھی سنئے: تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَیْنَا وَ اسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَیًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِی الدِّیْنِؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ	کچھ یہودی بات کو اس کی جگہ سے بدلتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنئے آپ سنائے نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبان پھیر کر اور دین میں طعنہ کرنے کو اور اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور مانا اور سنئے اور مہلت دیجئے تو انکے لئے بہتر اور بہت ٹھیک ہوتا لیکن ان کے کفر کے سبب

[1] القرآن الکریم ۹/ ۵۴

[2] القرآن الکریم ۹/ ۱۱ ،۱۲

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا "[1]۔	اللہ نے ان پر لعنت کی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر کم۔

کچھ یہودی جب دربار نبوت میں حاضر آتے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کچھ عرض کرنا چاہتے تو یوں کہتے سنئے، آپ سنائے نہ جائیں، جس سے ظاہر تو دعا ہوتی یعنی حضور کو کوئی ناگوار بات نہ سنائے اور دل میں بددعا کا ارادہ کرتے کہ سنائی نہ دے اور جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے اور یہ بات سمجھ لینے کے لئے مہلت چاہتے تو راعنا کہتے جس کا ایک پہلوئے ظاہر یہ کہ ہماری رعایت فرمائیں اور مراد خفی رکھتے، یعنی رعونت والا، اور بعض زبان دبا کر راعینا کہتے یعنی ہمارا چرواہا۔ جب پہلودار بات دین میں طعنہ ہوئی، تو صریح وصاف کتنا سخت طعنہ ہوگی بلکہ انصاف کیجئے تو ان باتوں کا صریح بھی ان کلمات کی شناعت کو نہ پہنچتا۔ بہرا ہونے کی دعا یا رعونت یا بکریاں چرانے کی طرف نسبت کو ان الفاظ سے کیا نسبت کہ شیطان سے علم میں کمتر یا پاگلوں چوپایوں سے علم میں ہمسر اور خدا کی نسبت وہ کہ جھوٹا ہے، جھوٹ بولتا ہے جو اسے جھوٹا بتائے مسلمان سنی صالح ہے، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

ثانیًا: اس وہم شنیع کو مذہب سیدنا امام رضی اللہ تعالٰی عنہ بتانا حضرت امام پر سخت افترا و اتہام جبکہ امام رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے عقائد کریمہ کی کتاب مطہر فقہ اکبر میں فرماتے ہیں:

صفاته تعالٰی فی الازل غیر محدثة ولا مخلوقة فمن قال انها مخلوقة او محدثة او وقف فیها او شك فیها فهو کافر بالله تعالٰی[2]۔	اللہ تعالٰی کی صفتیں قدیم ہیں نہ نو پیدا ہیں نہ کسی کی بنائی ہوئی تو جو انہیں مخلوق یا حادث کہے یا اس باب میں توقف کرے یا شک لائے وہ کافر ہے اور خدا کا منکر۔

نیز امام ہمام رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب الوصیۃ میں فرماتے ہیں:

من قال بان کلام الله تعالٰی مخلوق فهو کافر بالله العظیم[3]۔	جو شخص کلام اللہ کو مخلوق کہے اس نے عظمت والے خدا کے ساتھ کفر کیا۔

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۶

[2] الفقه الاکبر ملک سراج الدین اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور ص ۵

[3] کتاب الوصیة (وصیت نامہ) فصل تقر بان اللہ تعالٰی علی العرش استوی الخ کشمیری بازار لاہور ص ۲۸

شرح فقہ اکبر میں ہے:

قال فخر الاسلام قد صح عن ابی یوسف انه قال ناظرت ابا حنیفة فی مسئلة خلق القرآن فاتفق رأیی ورأیه علی ان من قال بخلق القرآن فهو کافر وصح هٰذا القول ایضًا عن محمد رحمه الله تعالٰی[1]۔	امام فخر الاسلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں امام یوسف رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ انھوں نے فرمایا میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مسئلہ خلق قرآن میں مناظرہ کیا، میری اور ان کی رائے اس پر متفق ہوئی کہ جو قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اور یہ قول امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے بھی بصحت ثبوت کو پہنچا۔

یعنی ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع و اتفاق ہے کہ قرآن عظیم کو مخلوق کہنے والا کافر ہے۔ کیا معتزلہ و کرامیہ و روافض کہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں اس قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتے، نفس مسئلہ کا جزئیہ لیجئے۔ امام مذہب حنفی سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ "کتاب الخراج" میں فرماتے ہیں:

ایما رجل مسلم سب رسول الله اوکذبه اوعابه او تنقصه فقد کفر بالله تعالٰی وبانت منه زوجته[2]۔	جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے وہ یقینا کافر اور خدا کا منکر ہوگیا اور اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے، اسکی جورو نکاح سے نکل جاتی ہے۔ کیا مسلمان اہل قبلہ نہیں ہوتا یا اہل کلمہ نہیں ہوتا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول نہ کلمہ مقبول، والعیاذ باللہ رب العالمین۔

ثالثًا: اصل بات یہ ہے کہ اصطلاح ائمہ میں اہل قبلہ وہ ہے کہ تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو،

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق دار البشائر الاسلامیہ بیروت ص ۹۵

[2] کتاب الخراج للامام ابی یوسف فصل فی الحکم فی المرتد عن الاسلام دار المعرفۃ بیروت ص ۱۸۲

ان میں سے ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعًا یقینًا اجماعًا کافر مرتد ہے ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے خود کافر ہے۔ شفاء شریف و بزازیہ و درر و غرر و فتاوٰی خیریہ وغیرہا میں ہے:

اجمع المسلمون ان شاتمه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کافر ومن شك فی عذابه و کفره کفر[1]۔	تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان پاک میں گستاخی کرے وہ کافر ہے اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔

مجمع الانہر و در مختار میں ہے:

واللفظ له الکافر بسب نبی من الانبیاء لاتقبل توبته مطلقًا ومن شك فی عذابه و کفره کفر[2]۔	جو کسی نبی کی شان میں گستاخی کے سبب کافر ہوا اس کی توبہ کسی طرح قبول نہیں اور جو اسکے عذاب یا کفر میں شک کرے خود کافر ہے۔

الحمدللہ! یہ نفیس مسئلہ کا وہ گراں بہا جزئیہ ہے جس میں ان بدگویوں کے کفر پر اجماع تمام امت کی تصریح ہے اور یہ بھی کہ جو انہیں کافر نہ جانے خود کافر ہے۔ شرح فقہ اکبر میں ہے:

فی المواقف لا یکفر اهل القبلة الا فیما فیه انکار ما علم مجیئه بالضرورة اوالمجمع علیه کاستحلال المحرمات اھ ولا یخفٰی ان المراد بقول علمائنا لا یجوز تکفیر اهل القبلة بذنب لیس مجرد التوجه الی القبلة فان الغلاة من الروافض الذین یدعون ان جبریل علیه الصلٰوۃ والسلام غلط فی	یعنی مواقف میں ہے کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جاوے گا مگر جب ضروریات دین یا اجماعی باتوں سے کسی بات کا انکار کریں جیسے حرام کو حلال جاننا اور مخفی نہیں کہ ہمارے علماء جو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کے باعث اہل قبلہ کی تکفیر روا نہیں اس سے نرا قبلہ کو منہ کرنا مراد نہیں کہ غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کو وحی میں دھوکا ہوا۔ اللہ تعالٰی نے انہیں مولٰی علی کرم اللہ وجہہ کی طرف بھیجا تھا

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الرابع الباب الاول المطبعة الشرکة الصحافیة ۲ /۲۰۸، الفتاوی الخیریة باب المرتدین دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۰۳

[2] الدر المختار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۳۵۶، مجمع الانهر کتاب فصل فی احکام الجزیة دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۷۷

الوحی فان اللہ تعالٰی ارسلہ الی علی رضی اللہ تعالٰی عنہ و بعضھم قالوا انہ الہ وان صلوا الی القبلۃ لیسوا بمؤمنین وھٰذاھو المراد بقولہ من صلی صلٰوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذٰلک مسلم [1] اھ مختصرًا۔	اور بعض تو مولٰی علی کو خدا کہتے ہیں یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، مسلمان نہیں اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے جس میں فرمایا کہ جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔

یعنی جب کہ تمام ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو اور کوئی بات منافی ایمان نہ کرے۔ اسی میں ہے:

اعلم ان المراد باھل القبلۃ الذین اتفقوا علٰی ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد وعلم اللہ تعالٰی بالکلیات والجزئیات وما اشبہ ذٰلک من المسائل المھمات فمن واظب طول عمرہٖ علی الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم اونفی الحشر اونفی علمہٖ سبحٰنہ بالجزئیات لایکون من اھل القبلۃ وان المراد بعدم تکفیر احد من اھل القبلۃ عند اھل السنۃ انہ لایکفر مالم یوجد شیئ من امارات الکفر وعلاماتہٖ ولم یصدر عنہ شیئ من موجباتہٖ [2]۔	یعنی جان لو کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین میں موافق ہیں جیسے عالم کا حادث ہونا، اجسام کا حشر ہونا، اللہ تعالٰی کا علم تمام کلیات وجزئیات کو محیط ہونا اور جو مہم مسئلے ان کی مانند ہیں، توجو تمام عمر طاعتوں اور عبادتوں میں رہے اسکے ساتھ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ عالم قدیم ہے یا حشر نہ ہوگا یا اللہ تعالٰی جزئیات کو نہیں جانتا وہ اہل قبلہ سے نہیں اور اہل سنت کے نزدیک اہل قبلہ سے کسی کو کافر نہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ اسے کافر نہ کہیں گے جب تک اس میں کفر کی کوئی علامت ونشانی نہ پائی جائے اور کوئی بات موجب کفر اس سے صادر نہ ہو۔

امام اجل سیدی عبدالعزیز بن احمد بن محمد بخاری حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحقیق شرح

---

[1] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر مطلب فی ایراد الالفاظ المکفرۃ الخ دارالبشائر اسلامیہ بیروت ص ۴۴۶۔ ۴۴۷

[2] منح الروض الازہر شرح الفقہ الاکبر عدم جواز تکفیر اہل القبلۃ دارالبشائر اسلامیہ بیروت ص ۴۲۹

اصول حسامی میں فرماتے ہیں:

ان غلافیہ(ای فی ھواہ)حتّٰی وجب اکفارہ بہٖ لایعتبر خلافہ ووفاقہ ایضًالعدم دخولہٖ فی مسمّٰی الامۃ المشھودلھا بالعصمۃ وان صلّٰی الی القبلۃ واعتقد نفسہ مسلمًالان الامۃ لیست عبارۃً من المصلین الی القبلۃ بل عن المؤمنین وھو کافر وان کان لا یدری انہ کافر[1]۔	یعنی بدمذہب اگر اپنی بدمذہبی میں غالی ہو جس کے سبب اسے کافر کہنا واجب ہو تو اجماع میں اس کی مخالفت، موافقت کا کچھ اعتبار نہ ہوگا کہ خطا سے معصوم ہونے کی شہادت تو امت کے لئے آئی ہے اور وہ امت ہی سے نہیں اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور اپنے آپ کو مسلمان اعتقاد کرتا ہو اس لئے کہ امت قبلہ کیطرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں بلکہ مسلمان کا نام ہے اور یہ شخص کافر ہے اگرچہ اپنی جان کو کافر نہ جانے۔

ردالمحتار میں ہے:

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہٖ علی الطاعات کمافی شرح التحریر[2]۔	یعنی ضروریات اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے اگرچہ اہل قبلہ سے ہو اور عمر بھر طاعات میں بسر کرے جیسا کہ شرح تحریر میں امام ابن الہمام نے فرمایا۔

کتب عقائد وفقہ واصول ان تصریحات سے مالامال ہیں۔

رابعًا: خود مسئلہ بدیہی ہے کیا جو شخص پانچ وقت قبلہ کی طرف نماز پڑھتا اور ایک وقت مہادیو کو سجدہ کرلیتا ہو، کسی عاقل کے نزدیک مسلمان ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ کو جھوٹا کہنا یا محمد رسول اللہ کی شان اقدس میں گستاخی کرنا، مہادیو کے سجدے سے کہیں بدتر ہے اگرچہ کفر ہونے میں برابر ہے وذٰلك ان الکفر بعضہ اخبث من بعضٍ (اور یہ اس لئے کہ بعض کفر بعض سے خبیث تر ہے) وجہ یہ کہ بت کو سجدہ علامت تکذیب خدا ہے اور علامت تکذیب میں تکذیب کے برابر نہیں ہوسکتی اور سجدہ میں یہ احتمال بھی نکل سکتا ہے کہ محض تحیت و مجرا مقصود ہو نہ عبادت۔

[1] التحقیق شرح السامی باب الاجماع نولکشور لکھنؤ ص ۲۰۸

[2] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۷۷

اور محض (عہ) تحیت فی نفسہٖ کفر نہیں ولہٰذا اگر مثلاً کسی عالم یا عارف کو تحیۃً سجدہ کرے، گنہگار ہوگا، کافر نہ ہوگا امثال بت میں شرع نے مطلقاً حکم کفر بربنائے شعار خاص کفر رکھا ہے. بخلاف بدگوئی حضور پر نور سید عالم، کہ فی نفسہٖ کفر ہے جس میں کوئی احتمال اسلام نہیں۔

اور میں یہاں اس فرق پر بناء نہیں رکھتا کہ ساجد صنم کی توبہ باجماع امت مقبول ہے مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ ہزارہا ائمہ دین کے نزدیک اصلاً قبول نہیں اور اسی کو ہمارے علماء حنفیہّ سے امام بزازی و امام محقق علی الاطلاق ابن الہمام وعلامہ مولیٰ خسرو صاحب درر و غرر وعلامہ زین بن نجیم صاحب بحر الرائق و اشباہ و النظائر وعلامہ عمر بن نجیم صاحب نہر الفائق وعلامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی صاحب تنویر الابصار وعلامہ خیر الدین رملی صاحب فتاوٰی خیریہ وعلامہ شیخی زادہ صاحب مجمع الانہر وعلامہ مدقق محمد بن علی حصکفی صاحب

عــــہ: شرح مواقف میں ہے:

سجودہ لها یدل بظاهرہ انه لیس بمصدق ونحن نحکم بالظاهر فلذا حکمنا بعدم ایمانه لالان عدم السجود لغیر الله دخل فی حقیقة الایمان حتی لو علم انه لم یسجد لها علی سبیل التعظیم واعتقاد الالٰهیة بل سجد لها وقلبه مطمئن بالتصدیق لم یحکم بکفرہ فیمابینه وبین الله وان اجری علیه حکم الکفر فی الظاهر[1] ۱۲منه۔

اس کا سورج کو سجدہ کرنا بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی تصدیق نہیں کرتا ہے اور ہم ظاہر پر حکم لگاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کے عدم ایمان کا حکم لگایا ہے۔ یہ حکم اس وجہ سے نہیں لگایا کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کرنا ایمان کی حقیقت میں داخل ہے یہاں تک کہ اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے سورج کو سجدہ بطور تعظیم اور اس کو معبود سمجھ کر نہیں کیا بلکہ اس کو سجدہ کیا درآنحالیکہ اس کا دل تصدیق وایمان کے ساتھ مطمئن تھا تو عند اللہ اس کے کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا اگرچہ بظاہر اس پر کفر کا حکم جاری کیا جائیگا۔ (ت)

---

[1] شرح المواقف المرصد الثالث المقصد الاول منشورات الشریف الرضی قم ایران ۸/ ۳۲۹

در مختار وغیرھم عمائد کبار علیہم رحمۃ اللہ العزیز الغفار نے اختیار فرمایا: بیدان تحقیق المسئلۃ فی الفتاوٰی الرضویہ (علاوہ ازیں مسئلہ کی تحقیق فتاوٰی رضویہ میں ہے۔ت) اس لئے کہ عدم قبول توبہ صرف حاکم اسلام کے یہاں ہے کہ وہ اس معاملہ میں بعد توبہ بھی سزائے موت دے ورنہ اگر توبہ صدق دل سے ہے تو عنداللہ مقبول ہے، کہیں یہ بد گو، اس مسئلہ کو دستاویز نہ بنالیں کہ آخر توبہ قبول نہیں پھر کیوں تائب ہوں، نہیں نہیں توبہ سے کفر مٹ جائے گا، مسلمان ہو جاؤ گے، جہنم ابدی سے نجات پاؤ گے، اس قدر پر اجماع ہے۔ کمافی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ت) **واللہ تعالٰی اعلم۔**

اس فرقہ بے دین کا **مکر سوم** یہ ہے کہ فقہ میں لکھا ہے جس میں ننانوے باتیں کفر کی ہوں اور ایک بات اسلام کی تو اس کو کافر نہ کہنا چاہیے۔

اولًا: یہ مکر خبیث سب مکروں سے بدتر وضعیف جس کا حاصل یہ کہ جو شخص دن میں ایک بار اذان دے یا دو رکعت نماز پڑھ لے اور ننانوے ۹۹ بار بت پوجے، سنکھ پھونکے، گھنٹی بجائے وہ مسلمان ہے کہ اس میں ننانوے باتیں کفر کی ہیں تو ایک اسلام کی بھی ہے۔ یہی کافی ہے حالانکہ مومن تو مومن کوئی عاقل اسے مسلمان نہیں کہہ سکتا۔

ثانیًا: اس کی رو سے سوا دہریے کے کہ سرے سے خدا کے وجود ہی کا منکر ہو، تمام کافر، مشرک مجوس، ہنود و نصارٰی یہود وغیرہم دنیا بھر کے کفار سب کے سب مسلمان ٹھہر جاتے ہیں کہ اور باتوں کے منکر سہی آخر وجود خدا کے تو قائل ہیں۔ ایک یہی بات سب سے بڑھ کر اسلام کی بات بلکہ تمام اسلامی باتوں کی اصل الاصول ہے خصوصًا کفار فلاسفہ و آریہ وغیرہم کہ بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں اور یہود و نصارٰی تو بڑے بھاری مسلمان ٹھہریں گے کہ توحید کے ساتھ اللہ تعالٰی کے بہت سے کلاموں اور ہزاروں نبیوں اور قیامت و حشر و حساب و ثواب و عذاب و جنت و نار وغیرہ بکثرت اسلامی باتوں کے قائل ہیں۔

ثالثًا: اس کے رد میں قرآن عظیم کی وہ آیتیں کہ اوپر گزریں کافی وافی ہیں جن میں باوصف کلمہ گوئی و نماز خوانی صرف ایک ایک بات پر حکم تکفیر فرمادیا کہیں ارشاد ہوا:

"کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِسۡلَامِہِمۡ" [1]۔	وہ مسلمان ہو کر اس کلمے کے سبب کافر ہو گئے۔

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

کہیں فرمایا:

"لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ" [1]۔	بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے ایمان کے بعد۔

حالانکہ اس مکر خبیث کی بناء پر جب تک ۹۹ سے زیادہ کفر کی باتیں جمع نہ ہو جاتیں، صرف ایک کلمہ پر حکم کفر صحیح نہ تھا۔ہاں شاید اس کا یہ جواب دیں کہ خدا کی غلطی یا جلد بازی تھی کہ اس نے دائرہ اسلام کو تنگ کر دیا، کلمہ گویوں،اہل قبلہ کو دھکے دے دے کر، صرف ایک ایک لفظ پر،اسلام سے نکالا اور پھر زبردستی یہ کہ لاتعتذروا عذر بھی نہ کرنے دیا نہ عذر سننے کا قصد کیا۔ افسوس کہ خدا نے پیر نیچر یا ندویہ لکچر یا ان کے ہم خیال کسی وسیع الاسلام ریفارمر سے مشورہ نہ لیا "اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾" [2]۔ (ارے ظالموں پر خدا کی لعنت۔ت)

رابعًا: اس مکر کا جواب: تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾" [3]۔	تو کیا اللہ کے کلام کا کچھ حصہ مانتے ہو اور کچھ حصے سے منکر ہو تو جو کوئی تم میں سے ایسا کرے اسکا بدلہ نہیں مگر دنیا کی زندگی میں رسوائی اور قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کی طرف پلٹے جائیں گے اور اللہ تمہارے کوتکوں سے غافل نہیں یہی لوگ ہیں جنہوں نے عقبٰی بیچ کر دنیا خریدی تو ان پر سے کبھی عذاب ہلکا ہو نہ انکو مدد پہنچے۔

کلام الٰہی میں فرض کیجئے اگر ہزار باتیں ہوں تو ان میں سے ہر ایک بات کا ماننا ایک اسلامی عقیدہ ہے۔اب اگر کوئی شخص ۹۹۹ مانے اور صرف ایک نہ مانے تو قرآن عظیم فرمارہا ہے کہ وہ ان ۹۹۹ کے ماننے سے مسلمان نہیں بلکہ صرف اس ایک کے نہ ماننے سے کافر ہے،دنیا میں اس کی رسوائی ہوگی اور آخرت میں اس پر سخت تر عذاب جو ابدالآباد تک کبھی موقوف ہونا کیا معنٰی؟ ایک آن

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۶۶

[2] القرآن الکریم ۱۱/ ۱۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۸۵و۸۶

کو ہلکا بھی نہ کیا جائے گا نہ کہ ۹۹۹ کا انکار کرے اور ایک کو مان لے تو مسلمان ٹھہرے، یہ مسلمانوں کا عقیدہ نہیں بلکہ بشہادت قرآن عظیم خود صریح کفر ہے۔

خامسًا: اصل بات یہ ہے کہ فقہائے کرام پر ان لوگوں نے جتنا افتراء اٹھایا، انہوں نے ہر گز کہیں ایسا نہیں فرمایا بلکہ انہوں نے بہ خصلت یہود "یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ"[1] یہودی بات کو اس کے ٹھکانوں سے پھیرتے ہیں۔ تحریف تبدیل کرکے کچھ کا کچھ بنالیا، فقہاء نے یہ نہیں فرمایا کہ جس شخص میں ننانوے باتیں کفر کی اور ایک اسلام کی ہو وہ مسلمان ہے۔ حاشاللہ! بلکہ امت کا اجماع ہے کہ جس میں ننانوے ہزار باتیں اسلام کی اور ایک کفر کی ہو وہ یقینًا قطعًا کافر ہے۔ ۹۹ قطرے گلاب میں ایک بوند پیشاب کا پڑ جائے، سب پیشاب ہو جائے گا مگر یہ جاہل کہتے ہیں ننانوے قطرے پیشاب میں ایک بوند گلاب کا ڈال دو، سب طیب و طاہر ہو جائے گا۔ حاشا کہ فقہاء تو فقہاء کوئی ادنٰی تمیز والا بھی ایسی جہالت بکے۔ بلکہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا ہے کہ "جس مسلمان سے کوئی لفظ ایسا صادر ہو جس میں سو پہلو نکل سکیں، ان میں ۹۹ پہلو کفر کی طرف جاتے ہوں اور ایک اسلام کی طرف توجب تک ثابت نہ ہو جائے کہ اس نے خاص کوئی پہلو کفر کا مراد رکھا ہے ہم اسے کافر نہ کہیں گے کہ آخر ایک پہلو اسلام بھی تو ہے، کیا معلوم شاید اس نے یہی پہلو مراد رکھا ہو" اور ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ "اگر واقع میں اس کی مراد کوئی پہلوئے کفر ہے تو ہماری تاویل سے اسے فائدہ نہ ہوگا۔ وہ عنداللہ کافر ہی ہوگا۔" اس کی مثال یہ ہے کہ مثلًا زید کہے "عمرو کو علم قطعی یقینی غیب کا ہے"۔ اس کلام میں اتنے پہلو ہیں:

(۱) عمرو اپنی ذات سے غیب دان ہے یہ صریح کفر و شرک ہے۔

"قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ"[2]۔	تم فرماؤ غیب نہیں جانتے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں مگر اللہ۔ (ت)

(۲) عمرو آپ تو غیب دان نہیں مگر جو علم غیب رکھتے ہیں۔ ان کے بتائے سے اسے غیب کا علم یقینی ہو جاتا ہے، یہ بھی کفر ہے۔

"تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ؁"[3]۔	جنوں کی حقیقت کھل گئی، اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں نہ ہوتے۔ (ت)

[1] القرآن الکریم ۴/ ۴۶

[2] القرآن الکریم ۲۷/ ۶۵

[3] القرآن الکریم ۳۴/ ۱۴

(۳) عمرو نجومی ہے۔
(۴) رمال ہے۔
(۵) سامندرک جانتا، ہاتھ دیکھتا ہے۔
(۶) کوے وغیرہ کی آواز۔
(۷) حشرات الارض کے بدن پر گرنے۔
(۸) کسی پرندے یا وحشی چرندے کے داہنے یا بائیں نکل کر جانے،
(۹) آنکھ یا دیگر اعضاء کے پھڑکنے سے شگون لیتا ہے۔
(۱۰) پانسہ پھینکتا ہے۔
(۱۱) فال دیکھتا ہے۔
(۱۲) حاضرات سے کسی کو معمول بنا کر اس سے احوال پوچھتا ہے۔
(۱۳) مسمریزم جانتا ہے۔
(۱۴) جادو کی میز،
(۱۵) روحوں کی تختی سے حال دریافت کرتا ہے۔
(۱۶) قیافہ دان ہے۔
(۱۷) علم زایرجہ سے واقف ہے ان ذرائع سے اسے غیب کا علم یقینی قطعی ملتا ہے، یہ سب بھی کفر ہیں عـــہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من اتٰی عرافًا اوکاھنًا فصدقه بمایقول فقد کفر بما انزل علٰی محمد صلی اللہ علیه وسلم رواہ، احمد[1] و الحاکم بسندٍ صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه	جو شخص نجومی اور کاہن کے پاس جائے اور اس کے بیان کو سچا جانے تو اس نے اس کا انکار کیا جو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ امام احمد وحاکم نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

عـــہ: یعنی جبکہ ان کی وجہ سے غیب کے علم قطعی یقینی کا ادعا کیا جائے جیسا کہ نفس کلام میں مذکور ہے ۱۲ منہ۔

[1] المستدرک علی الصحیحین کتاب الایمان التشدید فی اتیان الکاھن مکتب المطبوعات الاسلامیہ ۸/۱، مسند احمد بن حنبل مسند ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۲۹

ولا حمدوابی داؤد عنه رضی اللہ تعالٰی عنه فقد برئ مما نزل علٰی محمد صلی اللہ علیه وسلم[1]۔	امام احمد وابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا: تو وہ قرآن اور دین اسلام سے الگ ہوگیا۔ (ت)

(۱۸) عمرو پر وحی رسالت آتی ہے اس کے سبب غیب کا علم یقینی پاتا ہے جس طرح رسولوں کو ملتا تھا، یہ اشد کفر ہے۔

"وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا۠ "[2]۔	ہاں (محمد) اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے، اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (ت)

(۱۹) وحی تو نہیں آتی مگر بذریعہ الہام جمیع غیوب اس پر منکشف ہوگئے ہیں، اس کا علم تمام معلومات الٰہی کو محیط ہوگیا۔ یہ یوں کفر ہے اس نے عمرو کو علم میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر ترجیح دے دی کہ حضور کا علم بھی جمیع معلومات الٰہی کو محیط نہیں۔

"قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ "[3]۔ من قال فلان اعلم منه فقد عابه فحکمه حکم الساب نسیم الریاض[4]۔	تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔ (ت) جس نے کہا کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے، اس نے آپ پر عیب لگایا، لہٰذا اس کا حکم شاتم جیسا ہے۔ نسیم الریاض (ت)

(۲۰) جمیع کا احاطہ نہ سہی مگر جو علوم غیب اسے الہام سے ملے ان میں ظاہرًا باطنًا کسی طرح کسی رسول انس و ملک کی وساطت وتبعیت نہیں اللہ تعالٰی نے بلاواسطہ رسول اصالۃً اسے غیوب پر مطلع کیا، یہ بھی کفر ہے:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ	اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا

[1] سنن ابی داود کتاب الکھانت والتطیر باب النھی عن اتیان الکھان آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۸۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[3] القرآن الکریم ۳۹/ ۹

[4] نسیم الریاض فی شرح الشفاء الباب الاول مرکز اہلسنت گجرات الہند ۴/ ۳۳۵

اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ "[1]۔ "عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًاۙ(۲۶) اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ"[2]۔	علم دیدے ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔(ت) غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(۲۱) عمرو کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطہ سے سمعًا یا عینًا یا الہامًا بعض غیوب کا علم قطعی اللہ عزوجل نے دیا یا دیتا ہے، یہ احتمال خالص اسلام ہے تو محققین فقہاء اس قائل کو کافر نہ کہیں گے اگرچہ اس کی بات کے اکیس پہلوؤں میں بیس کفر ہیں مگر ایک اسلام کا بھی ہے احتیاط و تحسین ظن کے سبب اس کا کلام اسی پہلو پر حمل کریں گے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے کوئی پہلوئے کفر ہی مراد لیا، نہ کہ ایک ملعون کلام، تکذیب خدا یا تنقیص شان سید انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والثناء میں صاف، صریح، ناقابل تاویل و توجیہ ہو، اور پھر بھی حکم کفر نہ ہو، اب تو اسے کفر نہ کہنا، کفر کو اسلام ماننا ہوگا، اور جو کفر کو اسلام مانے خود کافر ہے۔ اسی شفاء و بزازیہ درر و بحر و نہر و فتاوٰی خیریہ و مجمع الانہر و در مختار و در مختار وغیرہ کتب معتمدہ سے سن چکے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تنقیص شان کرے، کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے مگر یہود منش لوگ فقہائے کرام پر افترائے سخیف اور ان کے کلام میں تبدیل و تحریف کرتے ہیں۔

"وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠(۲۲۷)"[3]۔	اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔(ت)

شرح فقہ اکبر میں ہے:

قد ذکروا ان المسالة المتعلقة بالکفر اذا کان لها تسع و تسعون احتمالًا للکفر و احتمال واحد فی نفیه فالاولٰی للمفتی والقاضی	تحقیق مشائخ نے مسئلہ تکفیر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ اگر اس میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال نفی کفر کا ہو تو اولٰی یہ ہے مفتی اور قاضی اس کو نفی کفر کے احتمال

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۷۲/ ۲۵،۲۶

[3] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

ان یعمل بالاحتمال النافی[1]۔	پر محمول کرے۔(ت)

فتاوٰی خلاصہ وجامع الفصولین ومحیط وفتاوٰی عالمگیر وغیرہا میں ہے:

اذا کانت فی المسالۃ وجوہ توجب التکفیر ووجہ واحد یمنع التکفیر فعلی المفتی والقاضی ان یمیل الی ذٰلک الوجہ ولا یفتی بکفرہٖ تحسینًا للظن بالمسلم ثم ان کانت نیۃ القائل الوجہ الذی یمنع التکفیر فھو مسلم وان لم یکن لاینفعہ حمل المفتی کلامہ علٰی وجہٍ لایوجب التکفیر[2]۔	اگر مسئلہ میں متعدد وجوہ موجب کفر ہوں اور فقط ایک تکفیر سے مانع ہو تو مفتی وقاضی پر لازم ہے کہ اسی وجہ کی طرف میلان کرے اور مسلمان کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے اس کے کفر کا فتوٰی نہ دے۔ پھر اگر درحقیقت قائل کی نیت میں وہی وجہ ہے جو تکفیر سے مانع ہے تو وہ مسلمان ہے ورنہ مفتی وقاضی کا کلام کو اس وجہ پر محمول کرنا جو موجب تکفیر نہیں ہے، قائل کو کچھ نفع نہ دے گا۔(ت)

اسی طرح فتاوٰی بزازیہ وبحر الرائق ومجمع الانہر وحدیقہ ندیہ وغیرہا میں ہے:
تاتارخانیہ وبحر وسل الحسام وتنبیہ الولاۃ وغیرہا میں ہے:

---

[1] منح الروض الازہر فی شرح فقہ الاکبر مطلب یجب معرفۃ المکفرات الخ دار البشائر الاسلامیہ ص ۴۴۵

[2] خلاصۃ الفتاوی کتاب الالفاظ الکفر الفصل الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴ /۳۸۲، جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون فی مسائل کلمات الکفر اسلامی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۹۸، المحیط البرہانی فصل فی مسائل المرتدین واحکامھم داراحیاء التراث العربی بیروت ۵ /۵۵۰، الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲ /۳۰۱، ردالمحتار کتاب الجہاد باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۸۵، الفتاوی البزازیۃ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الفاظ تکون اسلامًا اوکفرًا نورانی کتب خانہ پشاور ۶ /۳۲۱، بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵ /۱۲۵، مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب السیر باب المرتد داراحیاء التراث العربی بیروت ۱ /۶۸۸، الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ والاستخفاف بالشریعۃ کفر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۲، الفتاوی التاتارخانیہ کتاب احکام المرتدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۵ /۴۵۸

لایکفر بالمحتمل لان الکفر نھایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نھایۃً فی الجنایۃ ومع الاحتمال لانھایۃ[1]۔	احتمال کے ہوتے ہوئے تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ کفر انتہائی سزا ہے جو انتہائی جرم کا مقتضی ہے اور احتمال کی موجودگی میں انتہائی جرم نہ ہوا۔(ت)

بحر الرائق وتنویر الابصار وحدیقہ ندیہ وتنبیہ الولاۃ وسل الحسام وغیرہا میں ہے:

والذی تحرر انہ لایفتی بکفر مسلمٍ امکن حمل کلامہ علٰی محملٍ حسنٍ[2] الخ۔	جس نے ایسے مسلمان کی تکفیر کا فتوی دینے سے اجتناب کیا جس کے کلام کی تاویل ممکن ہے، اس نے اچھا کہا۔(ت)

دیکھو ایک لفظ کے چند احتمال میں کلام ہے نہ کہ ایک شخص کے چند اقوال میں، مگر یہودی بات کو تحریف کر دیتے ہیں۔

فائدہ جلیلہ: اس تحقیق سے یہ بھی روشن ہوگیا کہ بعض فتاوے مثل فتاوی قاضی خان وغیرہ میں جو اس شخص پر کہ اللہ ورسول کی گواہی سے نکاح کرے یا کہے ارواح مشائخ حاضر وواقف ہیں یا کہے ملائکہ غیب جانتے ہیں بلکہ کہے مجھے غیب معلوم ہے، حکم کفر دیا، اس سے مراد وہی صورت کفریہ مثل ادعائے علم ذاتی وغیرہ ہے۔ ورنہ ان اقوال میں تو ایک چھوڑ متعدد احتمال اسلام کے ہیں کہ یہاں علم غیب قطعی، یقینی کی تصریح نہیں اور علم کا اطلاق ظن پر شائع وذائع ہے تو علم ظنی کی شق بھی پیدا ہو کر اکیس۲۱ کی جگہ بیالیس احتمال نکلیں گے

[1] الفتاوی التاتارخانیہ کتاب احکام المرتدین ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۵/ ۴۵۹، سل الحسام الهندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۳۱۶، تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۴۲، بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کراچی ۵/ ۱۲۵

[2] الدر المختار تنویر الابصار کتاب الجهاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶، بحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ایچ ایم سعید کراچی ۵/ ۱۲۵، تنبیہ الولاۃ والحکام علی احکام شاتم خیر الانام رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۱/ ۳۴۲، سل الحسام الهندی لنصرۃ مولانا خالد النقشبندی رسالہ من رسائل ابن عابدین سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۳۱۶، الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ والاستخفاف بالشریعۃ کفر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۲

اور ان میں بہت سے کفر سے جدا ہوں گے کہ غیب کے علم ظنی کا ادعاء کفر نہیں۔ بحر الرائق و ردالمحتار میں ہے:

علم من مسائلهم هنا ان من استحل ما حرمه الله تعالٰی علی وجه الظن لا یکفر و انما یکفر اذا اعتقد الحرام حلالًا و نظیره ما ذکره القرطبی فی شرح مسلمٍ ان ظن الغیب جائز کظن المنجم و الرمال بوقوع شیءٍ فی المستقبل بتجربة امرٍ عادی فهو ظن صادق والممنوع ادعاء علم الغیب والظاهر ان ادعاء ظن الغیب حرام لا کفر بخلاف ادعاء العلم [1] اھ۔ زاد فی البحر الا تری انهم قالوا فی نکاح المحرم لو ظن الحل لا یحد بالاجماع و یعزر کما فی الظهیریة و غیرها ولم یقل احد انه یکفر و کذا فی نظائره [2] اھ	ان مسائل سے معلوم ہوگیا کہ جس نے اللہ تعالٰی کے حرام کردہ کو حلال گمان کیا وہ کافر نہ ہوگا کافر تو حرام کو حلال اعتقاد کرنے سے ہوگا۔ اس کی نظیر وہ ہے جو قرطبی نے شرح مسلم میں ذکر کیا کہ ظن غیب جائز ہے جیسا نجومی اور رملی کا کسی امر عادی کے تجربہ کی بنیاد پر مستقبل میں کسی امر کے واقع ہونے کا ظن۔ یہ ظن صادق ہے۔ اور جو ممنوع ہے وہ علم غیب کا ادعاء ہے، اور ظاہر ہے کہ ظن غیب کا ادعاء حرام ہے کفر نہیں بخلاف علم غیب کے ادعاء کے اھ۔ بحر میں زائد ہے کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ نکاح محرم کے بارے میں مشائخ نے کہا ہے کہ اگر اس کو حلال کا ظن تھا تو بالاجماع حد نہیں لگائی جائیگی بلکہ تعزیر لگائی جائے گی، جیسا کہ ظہیریہ وغیرہ میں ہے۔ اس کی تکفیر کا قول کسی نے نہیں کیا، یونہی اس کی نظائر میں ہے۔ (ت)

تو کیونکر ممکن ہے کہ علماء باوصف ان تصریحات کے کہ ایک احتمال اسلام بھی نافی کفر ہے جہاں بکثرت احتمالات اسلام موجود ہیں۔ حکم کفر لگائیں لاجرم اس سے مراد ہی خاص احتمال کفر ہے مثل ادعائے علم ذاتی وغیرہ ورنہ یہ اقوال آپ ہی باطل اور ائمہ کرام کی اپنی ہی تحقیقات عالیہ کے مخالف ہو کر خود ذاہب وزائل ہوں گے، اس کی تحقیق جامع الفصولین و ردالمحتار و حاشیہ علامہ نوح و ملتقط و فتاوٰی حجۃ و تاتار خانیہ مجمع الانھر و حدیقہ ندیہ و سل الحسام وغیرہا کتب میں ہے۔ نصوص عبارات رسائل علم غیب مثل اللؤلؤ المکنون

---

[1] ردالمحتار کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحدود الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳ /۱۵۴

[2] البحر الرائق کتاب الحدود باب الوطء الذی یوجب الحدود الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۱۶

وغیرہا میں ملاحظہ ہوں، وباللہ التوفیق، یہاں صرف حدیقہ ندیہ شریف کے یہ کلمات شریفہ بس ہیں:

جمیع ما وقع فی کتب الفتاوٰی من کلماتٍ الکفر التی صرح المصنفون فیھا بالجزم بالکفر یکون الکفر فیھا محمولًا علٰی ارادۃ قائلھا معنًی علّلوا بہٖ الکفر و اذا لم تکن ارادۃ قائلھا ذٰلک فلا کفر [1] اھ مختصرًا۔	یعنی کتب فتاوٰی میں جتنے الفاظ پر حکم کفر کا جزم کیا ہے ان سے مراد وہ صورت ہے کہ قائل نے ان سے پہلوئے کفر مراد لیا ہو ورنہ ہرگز کفر نہیں۔

ضروری تنبیہ: احتمال وہ معتبر ہے جس کی گنجائش ہو صریح بات میں تاویل نہیں سنی جاتی ورنہ کوئی بات بھی کفر نہ رہے۔ مثلًا زید نے کہا خدا دو ہیں، اس میں یہ تأویل ہوجائے کہ لفظ خدا سے بحذف مضاف حکم خدا مراد ہے یعنی قضاء دو ہیں، مبرم و معلق۔ جیسے قرآن عظیم میں فرمایا:

"اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ" [2] ای امر اللہ۔	مگر یہ کہ انکے پاس آئے اللہ تعالٰی یعنی اللہ تعالٰی کا امر۔ (ت)

عمرو کہے میں رسول اللہ ہوں، اس میں یہ تاویل گڑھ لی جائے کہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی خدا ہی نے اس کی روح بدن میں بھیجی، ایسی تاویلیں زنہار مسموع نہیں۔ شفاء شریف میں ہے:

ادعاؤہ التاویل فی لفظٍ صراحٍ لایقبل [3]۔	صریح لفظ میں تاویل کا دعوٰی نہیں سنا جاتا۔

شرح شفاء قاری میں ہے:

ھو مردود عند القواعد الشرعیۃ [4]۔	ایسا دعوٰی شریعت میں مردود ہے۔

نسیم الریاض میں ہے:

لایلتفت لمثلہٖ ویعد ھذیانًا [5]۔	ایسی تاویل کی طرف التفات نہ ہوگا اور ہذیان سمجھی جائے گی۔

فتاوٰی خلاصہ وفصول عمادیہ جامع الفصولین وفتاوٰی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

---

[1] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ والاستخفاف بالشریعۃ کفر الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۰۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۱۰

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفی القسم الرابع الباب الاول المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۲۰۹و۲۱۰

[4] شرح الشفاء لمنلا علی القاری القسم الرابع الباب الاول دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۹۶

[5] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ۴/ ۳۴۳

واللفظ للعمادی قال انا رسول الله او قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر[1]۔	عمادی کے الفاظ ہیں کوئی شخص کہے "میں اللہ کارسول ہوں" یافارسی میں کہے "میں پیغمبر ہوں" اور مراد یہ لے کہ میں پیغام لے جاتا ہوں قاصد ہوں تووہ کافر ہو جائے گا۔ (ت)

یہ تاویل نہ سنی جائے گی فاحفظ (تواسے حفظ کرلیجئے۔)

مکرچہارم: انکار، یعنی جس نے ان بدگویوں کی کتابیں نہ دیکھیں اس کے سامنے صاف مکر جاتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہ کلمات کہیں نہ کہے اور جوان کی چھپی ہوئی کتابیں، تحریریں دکھادیتا ہے۔اگر ذی علم ہوا توناک چڑھاکر منہ بناکر چل دئے یاآنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بکمال بے حیائی صاف کہہ دیا کہ آپ معقول بھی کردیجئے تومیں وہی کہے جاؤں گااور بیچارہ بے علم ہوا تو اس سے کہہ دیاان عبارتوں کا یہ مطلب نہیں اور آخر میں ہے کیا یہ دربطن قائل اس کے جواب کو وہی آیت کریمہ کافی ہے کہ:

"یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَ لَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ"[2]۔	خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا حالانکہ بے شک ضرور وہ یہ کفر کے بول بولے اور مسلمان ہوئے پیچھے،کافر ہوگئے۔

ع ہوتی آئی ہے کہ انکار کیا کرتے ہیں

ان لوگوں کی وہ کتابیں [عہ ۱] جن میں کلمات کفریہ ہیں مدتوں سے انہوں نے خود اپنی زندگی میں چھاپ کر شائع کیں اور ان میں بعض دو دوبار [عہ ۲] چھپیں مدتہامدت سے علمائے اہلسنت نے ان کے رد چھاپے، مواخذے کئے وہ فتوے [عہ ۳] جس میں اللہ تعالٰی کو صاف صاف کاذب جھوٹا مانا ہے اور جس کی اصل مہری و دستخطی اس وقت تک محفوظ ہے اور اس کے فوٹو بھی لئے گئے جن میں سے ایک فوٹو کہ علمائے

عہ ۱: یعنی براہین قاطعہ وحفظ الایمان وتحذیر الناس وکتب قادیانی وغیرہ ۱۲کاتب عفی عنہ

عہ ۲: جیسے براہین قاطعہ وحفظ الایمان ۱۲کاتب عفی عنہ

عہ ۳: یعنی فتوائے گنگوہی صاحب ۱۲کاتب عفی عنہ

---

[1] الفتاوی الهندیة بحوالة الفصول العمادیة کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲ /۲۶۳

[2] القرآن الکریم ۹ /۷۴

حرمین شریفین کو دکھانے کے لئے مع دیگر کتب دشنامیاں گیا تھا سرکار مدینہ طیبہ میں بھی موجود ہے۔ یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتوی اٹھارہ برس ہوئے ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں رسالہ صیانۃ الناس کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں مع رد کے شائع ہوچکا پھر ۱۳۱۸ھ مطبع گلزار حسنی بمبئی میں اس کا اور مفصل رد چھپا، پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیّہ میں اس کا اور قاہر رد چھپا اور فتوے دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا، اور مرتے دم تک ساکت رہا نہ یہ کہا کہ وہ فتوی میرا نہیں حالانکہ خود چھاپی ہوئی کتابوں سے فتوی کا انکار کردینا سہل تھا نہ یہی بتایا کہ مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سنت بتارہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے، نہ کفر صریح کی نسبت، کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔ زید سے اس کا ایک مہری فتوی اس کی زندگی و تندرستی میں علانیہ نقل کیا جائے اور وہ قطعًا یقینا صریح کفر ہو اور سالہا سال اس کی اشاعت ہوتی رہے، لوگ اس کا رد، چھاپا کریں، زید کو اس کی بناء پر کافر بتایا کریں، زید اس کے بعد پندرہ برس جئے اور یہ سب کچھ دیکھے سنے اور اس فتوی کی اپنی طرف نسبت سے انکار اصلاً شائع نہ کرے بلکہ دم سادھے رہے یہاں تک کہ دم نکل جائے، کیا کوئی عاقل گمان کرسکتا ہے کہ اس نسبت سے اسے انکار تھا یا اس کا مطلب کچھ اور تھا اور ان میں کے جو زندہ ہیں آج کے دم تک ساکت ہیں، نہ اپنی چھاپی کتابوں سے منکر ہوسکتے ہیں نہ اپنی دشناموں کا اور مطلب گھڑ سکتے ہیں۔ ۱۳۲۰ھ میں ان کے تمام کفریات کا مجموع یکجائی رد شائع ہوا۔ پھر ان دشنامیوں کے متعلق، کچھ عمائد مسلمین علمی سوالات ان میں عـــہ کے سرغنہ کے پاس لے گئے، سوالوں پر جو حالت سراسیمگی بے حد پیدا ہوئی، دیکھنے والوں سے اس کی کیفیت پوچھیئے مگر اس وقت بھی نہ ان تحریرات سے انکار ہوسکا نہ کوئی مطلب گڑھنے پر قدرت پائی بلکہ کہا تو یہ کہ "میں مباحثہ کے واسطے نہیں آیا، نہ مباحثہ چاہتا ہوں، میں اس فن میں جاہل ہوں اور میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں معقول بھی کردیجئے میں تو وہی کہے جاؤں گا۔" وہ سوالات اور اس واقعہ کا مفصل ذکر بھی جبھی ۱۵ جمادی الآخرۃ ۱۳۲۳ھ کو چھاپ کر سرغنہ واتباع سب کے ہاتھ میں دے دیا گیا، اسے بھی چوتھا سال ہے صدائے برنخاست۔ ان تمام حالات کے بعد وہ انکاری مکر ایسا ہی ہے کہ سرے سے یہی کہہ دیجئے کہ اللہ و رسول کو یہ دشنام دہندہ لوگ دنیا میں پیدا ہی نہ ہوئے، یہ سب بناوٹ ہے۔ اس کا علاج کیا ہوسکتا ہے، اللہ تعالٰی حیا دے۔

مکر پنجم: جب حضرات کو کچھ بن نہیں پڑتی، کسی طرف مفر نظر نہیں آتی اور یہ توفیق اللہ واحد قہار

عـــہ: یعنی تھانوی صاحب ۱۲ کاتب عفی عنہ۔

نہیں دیتا کہ توبہ کریں اللہ تعالٰی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخیاں بکیں، جو گالیاں دیں، ان سے باز آئیں جیسے گالیاں چھاپیں ان سے رجوع کا بھی اعلان دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا عملت سیئۃً فاحدث عندھا توبۃ السر بالسر و العلانیۃ بالعلانیۃ۔ رواہ الامام احمد فی الزھد[1] و الطبرانی فی الکبیر والبیھقی فی الشعب عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن جید۔	جب تو بدی کرے تو فوراً توبہ کر، خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ (اس کو امام احمد نے زہد میں، طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے شعب میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن جید روایت کیا۔ ت)

اور بفحوائے کریمہ "یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا"[2] (اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس سے کجی چاہتے ہیں۔ ت) راہ خدا سے روکنا ضرور۔ ناچار عوام مسلمین کو بھڑکانے اور دن دہاڑے ان پر اندھیری ڈالنے کو یہ چال چلتے ہیں کہ علمائے اہل سنت کے فتوائے تکفیر کا کیا اعتبار؟ یہ لوگ ذرہ ذرہ سی بات پر کافر کہہ دیتے ہیں، ان کی مشین میں ہمیشہ کفر ہی کے فتوے چھپا کرتے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی کو کافر کہہ دیا، مولوی اسحٰق صاحب کو کہہ دیا، مولوی عبدالحی صاحب کو کہہ دیا، پھر جن کی حیا اور بڑھی ہوئی ہے وہ اتنا اور ملاتے ہیں کہ معاذ اللہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کو کہہ دیا، شاہ ولی اللہ صاحب کو کہہ دیا، حاجی امداد اللہ صاحب کو کہہ دیا، مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب کو کہہ دیا، پھر جو پورے ہی حد حیا سے اونچا گزر گئے وہ یہاں تک بڑھتے ہیں کہ عیاذًا اللہ عیاذًا باللہ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو کہہ دیا۔ غرض جسے جس کا زیادہ معتقد پایا اس کے سامنے اسی کا نام لے دیا کہ انہوں نے اسے کافر کہہ دیا یہاں تک کہ ان میں کے بعض بزرگواروں نے مولانا مولوی شاہ محمد حسین صاحب الٰہ آبادی مرحوم و مغفور سے جاکر جڑدی کہ معاذ اللہ معاذ اللہ حضرت سیدنا شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہ کو کافر کہہ دیا۔ مولانا کو اللہ تعالٰی جنت عالیہ عطا فرمائے۔ انہوں نے آیت کریمہ

---

[1] الزھد لاحمد بن حنبل حدیث ۱۴۱ دار الکتب العربی بیروت ص ۴۹، لمعجم الکبیر حدیث ۳۳۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۱۵۹

[2] القرآن الکریم ۷/ ۴۵

"اِنۡ جَآءَكُمۡ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوۡۤا"[1]۔ (اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔ت) پر عمل فرمایا۔ خط لکھ کر دریافت کیا جس پر یہاں سے رسالہ انجاء البری عن وسواس المفتری لکھ کر ارسال ہوا اور مولانا نے مفتری کذاب پر لاحول شریف کا تحفہ بھیجا غرض ہمیشہ ایسے ہی افتراء اٹھایا کرتے ہیں جس کا جواب وہ ہے جو تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡكَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ"[2]۔	جھوٹے افتراء وہی باندھتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

اور فرماتا ہے:

"فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَی الۡكٰذِبِیۡنَ ۝۶۱"[3]۔	ہم اللہ کی لعنت ڈالیں جھوٹوں پر۔

مسلمانو! اس مکر سخیف وکید ضعیف کا فیصلہ کچھ دشوار نہیں، ان صاحبوں سے ثبوت مانگو کہ کہہ دیا کہہ دیا فرماتے ہو، کچھ ثبوت بھی رکھتے ہو، کہاں کہہ دیا؟ کس کتاب، کس رسالے، کس فتوے، کس پرچے میں کہہ دیا؟ ہاں ہاں ثبوت رکھتے ہو تو کس دن کے لئے اٹھا رکھا ہے دکھاؤ اور نہیں دکھا سکتے اور اللہ جانتا ہے کہ نہیں دکھا سکتے تو دیکھو قرآن عظیم تمہارے کذاب ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ مسلمانو! تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"فَاِذۡ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓىِٕكَ عِنۡدَ اللّٰهِ هُمُ الۡكٰذِبُوۡنَ ۝۱۳"[4]۔	جب ثبوت نہ لاسکیں تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

مسلمانو! آزمائے کو کیا آزمانا، بارہا ہوچکا ان حضرات نے بڑے زور و شور سے یہ دعوے کئے اور جب کسی مسلمان نے ثبوت مانگا، فوراً پیٹھ پھیر گئے اور پھر منہ نہ دکھاسکے مگر حیا اتنی ہے کہ وہ رٹ، جو منہ کو لگ گئی ہے، نہیں چھوڑتے، اور چھوڑیں کیونکر کہ مرتا کیا نہ کرتا، اب خدا اور رسول کو گالیاں دینے والوں کے کفر پر پردہ ڈالنے کا آخری حیلہ یہی رہ گیا ہے کہ کسی طرح عوام بھائیوں کے ذہن میں جم جائے کہ علمائے اہل سنت یونہی بلاوجہ لوگوں کو کافر کہہ دیا کرتے ہیں ایسا ہی ان دشنامیوں کو بھی کہہ دیا ہوگا۔ مسلمانو! ان مفتریوں کے پاس ثبوت کہاں سے آیا؟ کہ من گھڑت کا ثبوت ہی کیا۔ "وَاَنَّ اللّٰهَ

---

[1] القرآن الکریم ۴۹/ ۶
[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۰۵
[3] القرآن الکریم ۳/ ۶۱
[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۳

لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىٕنِیْنَ ﴿۵۲﴾ "[1] اور اللہ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔ (ت) ان کا ادعائے باطل تو اسی قدر سے باطل ہوگیا۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

" قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ "[2]۔	(فرماؤ) لاؤ اپنی برھان اگر سچے ہو۔

اس سے زیادہ کی ہمیں حاجت نہ تھی مگر بفضلہ تعالٰی ہم ان کی کذابی کا وہ روشن ثبوت دیں کہ ہر مسلمان پر ان کا مفتری ہونا آفتاب سے زیادہ ظاہر ہوجائے۔ ثبوت بھی بحمدہ تعالٰی تحریری، وہ بھی چھپا ہوا، وہ بھی نہ آج کا، بلکہ سالہا سال کا، جن جن کی تکفیر کا اتہام علمائے اہل سنت پر رکھا ان میں سب سے زیادہ گنجائش اگر ان صاحبوں کو ملتی تو اسمٰعیل دہلوی میں کہ بیشک علمائے اہلسنت نے اس کے کلام میں بکثرت کلمات کفریہ ثابت کئے اور شائع فرمائے بایں ہمہ اولًا سبحان السبوح عن عیب کذبٍ مقبوحٍ (۱۳۰۷ھ) دیکھئے کہ بار اول (۱۳۰۹ھ) میں لکھنؤ مطبع انوار محمدی میں چھپا جس میں بدلائل قاہرہ دہلوی مذکور اور اس کے اتباع پر پچھتّر ۷۵ وجہ سے لزوم کفر ثابت کرکے صفحہ ۹۰ پر حکم اخیر یہی لکھا کہ علمائے محتاطین انہیں کافر نہ کہیں یہی صواب ہے وھو الجواب وبہٖ یفتٰی وعلیہ الفتوٰی وھو المذھب وعلیہ الاعتماد وفیہ السلامۃ وفیہ السداد[3]۔ یعنی یہی جواب ہے اور اسی پر فتوٰی ہوا اور اسی پر فتوٰی ہے اور یہی ہمارا مذہب اور اسی پر اعتماد اور اسی میں سلامتی اور اسی میں استقامت۔

ثانیًا: "الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ)" دیکھئے جو خاص اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین ہی کے رد میں تصنیف ہوا اور بار اول شعبان ۱۳۱۶ھ میں عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا۔ جس میں نصوص جلیلہ قرآن مجید واحادیث صحیحہ وتصریحات ائمہ سے بحوالہ صفحات کتب معتمدہ اس پر ستر ۷۰ وجہ بلکہ زائد سے لزوم کفر ثابت کیا اور بالآخر یہی لکھا (ص ۶۲) ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومناسب واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم[4]۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۲

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۱۱

[3] سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح دار الاشاعت جامعہ گنج بخش داتا دربار لاہور ص ۱۰۳

[4] الکوکبۃ الشہابیۃ فی کفریات ابی الوھابیۃ رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ص ۶۲

ثالثًا "سل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة (۱۳۱۱ھ)" دیکھئے کہ صفر ۱۳۱۶ھ کو عظیم آباد میں چھپا، اس میں اسمٰعیل دہلوی اور اس کے متبعین پر بوجوہ قاہرہ لزوم کفر کا ثبوت دے کر صفحہ ۲۱، ۲۲ پر لکھا یہ حکم فقہی متعلق بہ کلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں، بے حد برکتیں، ہمارے علمائے کرام پر کہ یہ کچھ دیکھتے۔ اس طائفہ کے پیر سے ناروا بات پر سچے مسلمانوں کی نسبت حکم کفر و شرک سنتے ہیں، بایں ہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی ہے، نہ قوت انتقام حرکت میں آتی، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے اھ مختصرا۔[1]

رابعًا: ازالة العار بحجر الکرائم عن کلاب النار ۱۳۱۶ھ دیکھئے کہ بار اول ۱۳۱۷ھ کو عظیم آباد میں چھپا، اس میں صفحہ ۱۰ پر لکھا ہم اس باب میں قول متکلمین اختیار کرتے ہیں ان میں جو کسی ضروری دین کا منکر نہیں نہ ضروری دین کے کسی منکر کو مسلمان کہتا ہے اسے کافر نہیں کہتے[2]۔

خامسًا: اسمٰعیل دہلوی کو بھی جانے دیجئے، یہی دشنامی لوگ جن کے کفر پر اب فتوٰی دیا ہے جب تک ان کی صریح دشنامیوں پر اطلاع نہ تھی، مسئلہ امکان کذب کے باعث ان پر اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر ثابت کرکے "سبحان السبوح" میں بالآخر صفحہ ۸۰ طبع اول پر یہی لکھا کہ حاشاللہ حاشاللہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہر گز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید ؏ کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسمٰعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہل لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف سا ضعیف محمل بھی باقی نہ رہے۔ فان الاسلام یعلو ولا یعلٰی علیه[3]۔ (اس لئے کہ اسلام غالب ہے مغلوب نہیں ہے۔ ت)

؏: گنگوہی و انبھٹی اور انکے اذناب دیوبندی ۱۲ کاتب عفی عنہ

---

[1] سل السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة رضا اکیڈمی انڈیا ص ۲۱ و ۲۲

[2] ازالة العار بحجر الکرائم من کلاب النار رضا اکیڈمی بمبئی انڈیا ص ۱۸

[3] سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح دار الاشاعت جامعہ گنج بخش لاہور ص ۹۰ و ۹۱

مسلمانو! تمہیں اپنا دین وایمان اور روز قیامت وحضور بارگاہ رحمٰن یاد دلا کر استفسار ہے کہ جس بندہ خدا کی دربارہ تکفیر یہ شدید احتیاط یہ جلیل تصریحات اس پر تکفیر تکفیر کا افتراء کتنی بے حیائی، کیسا ظلم، کتنی گھنونی، ناپاک بات، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں اور وہ جو کچھ فرماتے ہیں قطعًا حق فرماتے ہیں **اذا لم تستحی فاصنع ما شئت**[1]۔ جب تجھے حیا نہ رہے تو جو چاہے کر:

ع بے حیا باش وآنچہ خواہی کن

(بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر۔ت)

مسلمانو یہ روشن ظاہر واضح قاہر عبارات تمہارے پیش نظر ہیں جنہیں چھپے ہوئے دس ۱۰ اور بعض کو سترہ ۱۷ اور تصنیف کو انیس ۱۹ سال ہوئے (اور ان دشنامیوں کی تکفیر تو اب چھ سال یعنی ۱۳۲۰ھ سے ہوئی ہے (جب سے المعتمد المستند چھپی) ان عبارات کو بغور نظر فرماؤ اور اللہ ورسول کے خوف کو سامنے رکھ کر انصاف کرو یہ عبارتیں فقط ان مفتریوں کا افتراء ہی رد نہیں کرتیں بلکہ صراحةً صاف صاف شہادت دے رہی ہیں کہ ایسی عظیم احتیاط والے نے ہر گز ان دشنامیوں کو کافر نہ کہا جب تک یقینی، قطعی، واضح، روشن، جلی طور سے ان کا صریح کفر آفتاب سے زیادہ ظاہر نہ ہولیا جس میں اصلًا، اصلًا، ہر گز، ہر گز کوئی گنجائش، کوئی تاویل نہ نکل سکی کہ آخر یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو انکے اکابر پر ستر ۷۰، ستر ۷۰ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی کہتا ہے کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہل لاالٰہ الااللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لئے اصلًا کوئی ضعیف سا ضعیف محمل باقی نہ رہے[2]۔ یہ بندہ خدا وہی تو ہے جو خود ان دشنامیوں کی نسبت (جب تک ان کی دشنامیوں پر اطلاع یقینی نہ ہوئی تھی) اٹھتر ۷۸ وجہ سے بحکم فقہائے کرام لزوم کفر کا ثبوت دے کر یہی لکھ چکا تھا کہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہر گز انکی تکفیر پسند نہیں کرتا[3]، جب کیا ان سے کوئی ملاپ تھا اب رنجش ہو گئی؟ جب ان سے جائداد کی کوئی شرکت نہ تھی اب پیدا ہوئی؟ حاشاللہ مسلمانوں کا علاقہ محبت وعداوت،

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۲۳۷

[2] سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح دار الاشاعت جامعہ گنج بخش لاہور ص ۹۱

[3] سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح دار الاشاعت جامعہ گنج بخش لاہور ص ۹۰و۹۱

صرف محبت وعداوت خدا اور سول ہے، جب تک ان دشنام دہوں سے دشنام صادر عہ۱ نہ ہوئی یا اللہ ورسول کی جناب میں ان کی دشنام عہ۲ نہ دیکھی سنی تھی، اس وقت تک کلمہ گوئی کا پاس لازم تھا، غایت احتیاط سے کام لیا حتی کہ فقہائے کرام کے حکم سے طرح طرح ان پر کفر لازم تھا مگر احتیاطًا ان کا ساتھ نہ دیا اور متکلمین عظام کا مسلک اختیار کیا۔ جب صاف صریح انکار ضروریات دین ودشنام دہی رب العلمین وسید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین آنکھ سے دیکھی تو اب بے تکفیر چارہ نہ تھا کہ اکابر ائمہ دین کی تصریحیں سن چکے کہ **من شك فی عذابه وکفره فقد کفر**[1]۔ جو ایسے کے

عہ۱: جیسے تھانوی صاحب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب میں ان کی سخت گالی ۱۳۱۹ھ میں چھپی اس سے پہلے اپنے آپ کو سنی ظاہر کرتے بلکہ ایک وقت وہ تھا کہ مجلس میلاد مبارک وقیام میں شریک اہل اسلام ہوتے ۱۲ کاتب عفی عنہ۔

عہ۲: جیسے گنگوہی صاحب وانبیٹھی صاحب کہ ان کے اتنے قول کی نسبت میرٹھ سے سوال آیا تھا کہ خدا جھوٹا ہو سکتا ہے اس کے بعد معلوم ہوا کہ شیطان کا علم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علم سے زیادہ بتاتے ہیں۔ پھر گنگوہی صاحب کا وہ فتوی کہ خدا جھوٹا ہے جو اسے جھوٹا کہے مسلمان سنی صالح ہے۔ جب چھپا ہوا نظر سے گزرا کمال احتیاط یہ کہ دوسروں کا چھپوایا ہوا تھا اس پر وہ تیقن نہ کیا جس کی بنا پر تکفیر ہو جب وہ اصلی فتوی گنگوہی صاحب کا مہری دستخطی خود آنکھ سے دیکھا اور بار بار چھپنے پر بھی گنگوہی صاحب نے سکوت کیا تو اس کے صدق پر اعتبار کافی ہوا۔ یونہی قادیانی دجال کی کتابیں جب تک آپ نہ دیکھیں اس کی تکفیر پر جزم نہ کیا جب تک صرف مہدی یا مثیل مسیح بننے کی خبر سنی تھی جس نے دریافت کیا اتنا ہی کہا کہ کوئی مجنون معلوم ہوتا ہے، پھر جب امرتسر سے ایک فتوی اس کی تکفیر کا آیا جس میں اس کی کفریہ عبارتیں بحوالہ صفحات منقول تھیں اس پر بھی اتنا لکھا کہ "اگر یہ اقوال مرزا کی تحریروں میں اسی طرح ہیں تو وہ یقینا کافر۔" دیکھو رسالہ **السوء والعقاب علی المسیح الکذاب**" صفحہ ۱۸، ہاں اب جب اس کی کتابیں بچشم خود دیکھیں اس کے کافر مرتد ہونے کا قطعی حکم دیا ۱۲ کاتب عفی عنہ

---

[1] درمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۶

معذب وکافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے۔ اپنا اور اپنے دینی بھائیوں عوام اہل اسلام کا ایمان بچانا ضروری تھا لاجرم حکم کفر دیا اور شائع کیا وذٰلك جزاء الظلمین۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ " [1]۔	کہدو کہ آیا حق اور مٹا باطل، بے شک باطل کو ضرور مٹنا ہی تھا۔

اور فرماتا ہے:

"لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ۫ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ " [2]۔	دین میں کچھ جبر نہیں، حق راہ صاف جدا ہو گئی ہے گمراہی سے۔

یہاں چار ۴ مرحلے تھے:

(۱) جو کچھ ان دشنامیوں نے لکھا، چھاپا ضرور وہ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین ودشنام تھا۔

(۲) اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی توہین کرنے والا کافر ہے۔

(۳) جو انہیں کافر نہ کہے، جو ان کا پاس لحاظ رکھے جو ان کی استادی یا رشتے یا دوستی کا خیال کرے وہ بھی ان میں سے ہے، ان ہی کی طرح کافر ہے، قیامت میں ان کے ساتھ ایک رسی میں باندھا جائے گا۔

(۴) جو عذر ومکر، جہال وضلال یہاں بیان کرتے ہیں سب باطل ونارو اور پا در ہوا ہیں۔

یہ چاروں بحمد اللہ تعالٰی بروجہ اعلٰی واضح روشن ہو گئے جن کے ثبوت قرآن عظیم ہی کی آیات کریمہ نے دیئے۔ اب ایک پہلو پر جنت وسعادت سرمدی، دوسری طرف شقاوت وجہنم ابدی ہے، جسے جو پسند آئے اختیار کرے مگر اتنا سمجھ لو کہ محمد رسول اللہ کا دامن چھوڑ کر زید وعمرو کا ساتھ دینے والا کبھی فلاح نہ پائے گا، باقی ہدایت رب العزت کے اختیار میں ہے۔

بات بحمد اللہ تعالٰی ہر ذی علم مسلمان کے نزدیک اعلٰی بدیہیات سے تھی مگر ہمارے عوام

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۶

بھائیوں کو مہریں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، مہریں علمائے کرام حرمین طیبین سے زائد کہاں کی ہوں گی جہاں سے دین کا آغاز ہوا اور بحکم احادیث صحیحہ کبھی وہاں شیطان کا دور دورہ نہ ہوگا لہٰذا اپنے عام بھائیوں کی زیادت اطمینان کو مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ کے علمائے کرام و مفتیان عظام کے حضور فتوٰی پیش ہوا جس خوبی وخوش اسلوبی وجوش دینی سے ان عمائد اسلام نے تصدیقیں فرمائیں بحمد اللہ تعالٰی کتاب مستطاب "**حسام الحرمین علٰی منحر الکفر والمین** ۱۳۲۴ھ" میں گرامی بھائیوں کے پیش نظر اور ہر صفحہ کے مقابل سلیس اردو میں اس کا ترجمہ "**مبین احکام وتصدیقات اعلام** (۱۳۲۵ھ)" جلوہ گر۔

الٰہی! اسلامی بھائیوں کو قبول حق کی توفیق عطا فرما اور ضد و نفسانیت یا تیرے اور تیرے حبیب کے مقابل، زید وعمرو کی حمایت سے بچا صدقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وجاہت کا، آمین، آمین، آمین۔

والحمد للہ رب العٰلمین وافضل الصلاۃ واکمل السلام علٰی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وحزبہ اجمعین اٰمین

رسالہ

تمہید ایمان بآیاتِ قرآن

ختم ہوا

رسالہ
الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء

کلمہ دافع البلاکے ساتھ مصطفٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعت بیان کرنے والوں کے لئے بلاؤں سے امن اور انکے مرتبے کی بُلندی ہے

مسمّٰی بہ نام تاریخی

اکمال الطامۃ علی شرک سُوی بالامُور العامۃ ۱۳۱۱ھ

پوری قیامت ڈھانا (وہابیوں کے اس) شرک پر جو امور عامہ کی طرح (موجود کی ہر قسم پر صادق) ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۵: از دہلی باڑہ ہندو رائے مرسلہ مولوی محمد کرامت اللہ خان صاحب عــہ ۲۱ جمادی الآخرۃ ۱۳۱۱ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں زید کہتا ہے کہ پڑھنا درود تاج اور دلائل الخیرات کا

عــہ: مولانا کرامت اللہ خاں صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہما

شرک محض اور بدعت سیئہ ہے اور تعلیم اس کی سم قاتل شرک اس لئے کہ درود تاج میں دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان میں مذکور ہے، اور بدعت سیئہ اس لئے کہ یہ درود بعد صدہا سال کے تصنیف ہوئے ہیں۔ عمرو جواب میں کہتا کہ ورد اس درود مقبول کا موجب خیر وبرکت اور باعث ازدیاد محبت ہے۔ زید عربیت سے جاہل ہے وہ نہیں سمجھتا کہ حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سبب ہیں دفع بلا کے، اگرچہ دافع البلاء حقیقتًا خدائے تعالٰی ہے۔ مختصر المعانی میں انبت الربیع البقل [1]۔ (بہار نے سبزہ اگایا۔ت) کہ بقول مومن مجاز اور بقول کافر حقیقت فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں "وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ" [2] (اللہ تعالٰی ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب تو ان میں تشریف فرما ہے۔ت) اور "وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾" [3] (ہم نے نہ بھیجا تمھیں مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ت) ہمارے دعوے پر دو بزرگ گواہ ہیں، اور کیا سال ولادت حضرت رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قحط عام کی وبا دفع نہیں ہوئی، اس کے سوا جبرائیل خلیل کا مقولہ قرآن کریم میں اس طرح درج ہے: "لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾" [4] (میں عطا کروں تجھے ستھرا بیٹا۔ت) یہاں بقول زید حضرت جبرائیل بھی معاذ اللہ مشرک ہوگئے کیونکہ وہ اپنے آپ کو وہاب فرمارہے ہیں۔ پس جو جواب زید کی طرف سے ہوگا وہی ہماری طرف سے۔ پھر چونکہ یہ درود معمول بہ اکثر علماء ومشائخ عظام ہے پس وہ سب بھی زید کے نزدیک مشرک ہوئے اور طرہ یہ کہ خود زید بھی اس خواہ مخواہ کے شرک سے بچ نہیں سکتا کیونکہ وہ بھی سم عـــہ کو قاتل اور ادویہ کو دافع درد رافع عشیاں کہتا ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قصیدہ اطیب النغم میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دافع فرمارہے ہیں۔ سندیں تو اور بھی ہیں مگر اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ رہا صدہا سال کے بعد تصنیف ہونے سے بدعت سیئہ ہونا، یہ بھی زید کی حماقت پر دال ہے۔ خود زید جو

عـــہ: سم یعنی زہر

---

[1] مختصر المعانی, احوال اسناد الخبر, المکتبہ الفاروقیہ ملتان، ص ۸۵

[2] القران الکریم ۸/ ۳۳

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

[4] القرآن الکریم ۱۹/۱۹

مولوی اسمٰعیل صاحب کے خطبے جمعہ میں بر سر منبر پڑھتا ہے اس کے لئے اس کے پاس کوئی حدیث ہے یا وہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ سلم کی تصنیف ہیں۔سبحان اللہ ان خطبوں کا پڑھنا (جو صد ہا سال بعد کی تصنیف ہیں) تو زید کے لئے سنت ہو اور خاصان حق کی تصنیف درود کا پڑھنا بدعت سیئہ ٹھہرے،ہاں جو صیغے درود کے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے منقول ہیں ان کا پڑھنا ہمارے نزدیک بھی افضل و بہتر ہے مگر علمائے راسخین و فقرائے کاملین نے حالت ذوق و شوق میں جو درود شریف بالفاظ بدیعہ تصنیف فرمائے ہیں جن میں جناب غوث الثقلین محبوب سبحانی بھی شامل ہیں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جذب القلوب میں درج فرمائے ہیں،اور خود حضرت شیخ نے ایک مستقل رسالہ اس بارہ میں تالیف فرمایا ہے،اور جتنے درود مشائخ عظام نے تصنیف فرمائے ہیں سب اس میں درج ہیں،اور شرح سفر السعادۃ میں ۳۶ صیغے رسول خدا سے منقول ہیں باقی صحابہ و تابعین نے زیادہ کئے ہیں۔زید جاہل نے ان سب حضرات کو معاذ اللہ مشرک بنایا ہے۔اب علمائے اعلام سے استفسار ہے کہ قول زید کا صحیح اور موافق عقائد سلف صالح کے ہے یا عمرو کا؟یہ تشریح و تفصیل ارشاد ہو،اللہ آپ کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ علی ما علم وھدانا للذی اقوم وسلك بنا السبیل الاسلم وصلی ربنا وبارك وسلم علی دافع البلاء والقحط والمرض والالم سیدنا ومولنا ومالکنا وماونا محمد مالك الارض ورقاب الامم وعلی اله وصحبه اولی الفضل والفیض والعطاء والجود والکرم امین قال الفقیر المستدفع البلاء من	سلامتی والے راستے پر چلایا۔ہمارا پروردگار درود وسلام اور برکت نازل فرمائے بلا،وبا،قحط،بیماری اور دکھوں کو دور کرنیوالے ہمارے آقا و مولی ومالک وماوی محمد پر،جو زمین اور امتوں کی گردنوں کے مالک ہیں،اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر جو فضل،فیض،عطا اور جود و کرم والے ہیں،آمین۔کہتا ہے فقیر عبد المصطفٰی احمد رضا سنی حنفی قادری

فضل نبیه العلی الاعلی صلی علیه الله تعالٰی عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی دفع نبیه عنه البلاء ومنح قلبه النور والجلاء۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا فرمایا اور سب سے سیدھی راہ کی ہدایت فرمائی اور ہمیں برکاتی بریلوی جو نبی اعلی کے بُلند فضل کے بطفیل مصیبت سے بچنے کا طلب گار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم اس مصیبت کو دور فرمائیں اور اس کے دل کو روشنی اور چمک عطا فرمائیں (ت)

یہ مختصر جواب موضع صواب متضمن مقدمہ ودو باب وخاتمہ۔

مقدمہ اتمام الزام وتمہید مرام میں عائدہ قاہرہ وفائدہ زاہرہ پر مشتمل۔

عائدہ قاہرہ

ایھا المسلمون دفع نبیکم عنکم بلاء المجنون وفتنة المفتون۔ اے مسلمانو تمھارے نبی نے تم سے مجنون کی بلاء اور فتنہ انگیز کا فتنہ دور کردیا ہے۔ت) زید بیقید کے ایسے کلمات کچھ محل تعجب نہیں مذہب وہابیہ کی بنا ہی حتی الامکان حضور سید الانس والجان علیہ وعلی الہ افضل الصلوۃ والسلام کے ذکر شریف مٹانے اور محبوبان خدا جل وعلا وعلیہم الصلوۃ والثناء کی تعظیم قلوب مسلمین سے گھٹانے پر ہے "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1] (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت) مگر تعجب ان مسلمانان اہلسنت سے کہ ایسے ناپاک اقوال پر کان دھریں، بہت کان کھانے والے دنیا میں ہوئے اور ہوتے رہیں گے، مسلمان صحیح العقیدہ ان کی طرف التفات ہی کیوں کریں، ایسوں کا علاج حضور میں خاموشی اور غیبت میں فراموشی، اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حال اپنے محبوب بے مثال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر پاک کی زیادہ گرمجوشی کہ مخالف خود ہی اپنی آگ میں جل بجھیں گے "قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَیۡظِکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ "[2] (تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں، اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ت) اس تالفہ کے رد میں اقوال ائمہ وعلماء پیش کرنے کا کوئی محل ہی نہیں کہ یہ تم اپنے اعتقاد سے ائمہ وعلماء کہتے ہو ان کے

[1] القران الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القران الکریم ۳/ ۱۱۹

نزدیک وہ بھی تمھاری طرح معاذ اللہ مشرک بدعتی تھے، درود محمود میں کتب وصیغ کثیرہ کی تصنیف واشاعت انھیں نے کی تمھارے پیارے نبی محمد مصطفی دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا خلیفہ اکبر ومدد بخش ہر خشک وتر وواسطہ ایصال ہر خیر وبرکت ووسیلہ فیضان ہر جود ورحمت وشافی وکافی وقاسم نعمت وکاشف کرب ودافع زحمت وہی لکھ گئے جس کی تصریحات قاہرہ سے ان کی تصنیفات باہرہ کے آسمان گونج رہے ہیں۔ فقیر غفر اللہ لہ نے کتاب مستطاب سلطنۃ المصطفی فی ملکوت کل الوری ۱۲۹۷ھ میں بکثرت ارشادات جلیلہ ونصوص جزیلہ جمع کئے جن کے دیکھنے سے بحمد اللہ ایمان تازہ ہو اور روئے ایقان پر احسان کا غازہ تو ان کے نزدیک حقیقۃً یہ شرک وبدعت تمھیں وہی سکھا گئے آخر ان کا بانی مذہب شیخ نجدی علیہ ما علیہ ڈنکے کی چوٹ کہتا تھا کہ ۶۰۰ برس سے جتنے علماء گزرے سب کافر تھے کما ذکرہ المحدث العلامۃ الفقیہ الفہامہ شیخ الاسلام زینت المسجد الحرام سیدی احمد بن زین ابن دحلان المکی قدس سرہ الملکی فی الدرر السنیۃ [1]۔ (جیسا کہ حضرت محدث العلامہ الفقیہ الفہامہ شیخ الاسلام زینت المسجد الحرام سیدی احمد بن زین ابن دحلان المکی قدس سرہ الملکی نے اس کو الدرر السنیۃ میں ذکر کیا۔ت) احادیث دکھانے کا کیا موقع کہ آخر سب کتب حدیث صحاح وسنن ومسانید ومعاجیم وغیرہ حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ کے بعد تصنیف ہوئیں تو ان کے طور پر معاذ اللہ وہ سب بدعت اور مصنف بدعتی۔ رہی آیت کہ رب العزۃ جل وعلا نے بلا تخصیص لفظ وصیغہ ووقت وعدد مطلقًا اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام کی طرف بلاتا ہے

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا(۵۶)" [2]۔ اللھم صل وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ وصحبہ اجمعین کلما ولع بذکرہ الفائزون ومنع من اکثارہ الھالکون۔	اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ اے اللہ! درود وسلام اور برکت نازل فرما آپ پر اور آپ کی آل اور آپ کے تمام صحابہ پر، جب بھی آپ کے ذکر پر شیفتہ ہوں کامیاب ہونیوالے اور اس کی کثرت سے انکار کریں ہلاک ہونیوالے (ت)

[1] الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ مکتبہ حقیقۃ دار الشفعۃ استانبول ترکی۔ ص ۵۲

[2] القران الکریم ۳۳/ ۵۶

تو دلائل الخیرات و درود تاج وغیرہما سب اس حکم جانفزا کے دائرہ میں داخل، یہ بھی انہیں مقبول ہوتی نظر نہیں آتی کہ ان کتب وصیغ میں حضور والا دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اوصاف عظیمہ جلیلہ ونعوت کثیرہ جزیلہ ہیں۔

اور انکے امام الطائفہ کا حکم ہے کہ ''جو بشر کی سی تعریف ہو اس میں بھی اختصار کرو"[1]۔

علاوہ ازیں وظیفہ درود میں صدہا بار نام اقدس لینا ہوگا اور ان کا امام لکھ چکا کہ نام جپنا شرک ہے۔اب وہ اپنے امام کی تصریح مانیں یا تمہارے خدا کا اطلاق۔ہاں اگر انہیں کے امام الطائفہ اور اس کے آباؤ اجداد واکابر کی تصانیف دکھاؤ تو شاید کچھ کام چلے کہ امام الطائفہ کو کچھ کہیں تو ایمان کی گت بری بنے اور اس کے اکابر سے مکابر رہیں تو اس سے کیونکر گاڑھی چھنے،ایسی ہی جگہ پر بدلگامی کا قافیہ تنگ ہوتا ہے کہ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن (نہ رہنے کا یارا،نہ چلنے کی تاب۔ت) مثلاً:

اولاً: یوں پوچھئے کہ حیادارو! صرف اس جرم پر کہ حضرات علمائے دین مصنفین کتب رحمہم اللہ تعالٰی زمانہ اقدس حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں نہ تھے انہیں کی کتابیں بدعت اور وہ معاذاللہ اہل بدعت قرار پائیں گے یا یہ حکم امام الطائفہ اور اس کے عم نسب و پدر شریعت جد طریقت جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور اس کے جد نسب وجد شریعت وفرجد طریقت شاہ ولی اللہ صاحب اور فرجد نسب و تلمذ وجد الجد بیعت شاہ عبدالرحیم صاحب وغیرہم اکابر وعمائد خاندان دہلی کو بھی شامل ہوگا۔ کیا یہ حضرات زمانہ اقدس میں تھے،کیا ان کی کتابیں جبھی تصنیف ہوئی تھیں،کیا انہوں نے اپنی تصانیف کے خطبوں میں بیسیوں مختلف صیغوں سے جو درود لکھے ہیں سب بعینہٖ حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں،اگر ہیں تو بتاد و اور نہیں تو کیا ہٹ دھرمی سینہ زوری ہے کہ انکی تصانیف بدعت اور یہ بدعتی نہ ٹھہریں،کیا وحی باطنی اسمٰعیلی ہمیں یہ حکم تشریعی بھی آچکا ہے کہ یجوز لاٰبائك مالا یجوز لغیرھم (تیرے آباء کے لیے جائز ہے جو ان کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ت) ان کا امام صاف صاف لکھ چکا کہ بعض غیر انبیاء پر بھی (جن میں اس نے اپنے پیر اور پر دادا کو بھی داخل کیا ہے۔) بے وساطت انبیاء وحی باطنی آتی ہے جس میں احکام تشریعی اترتے ہیں وہ ایک جہت سے انبیاء کے پیرو اور ایک جہت سے خود محقق

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس فی رد الاشراك الخ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۴

ہوتے وہ شاگرد انبیاء بھی ہیں اور ہم استاد انبیاء بھی، وہ مثل انبیاء معصوم ہیں[1]۔ (دیکھو صراط المستقیم مطبع ضیاء میرٹھ ص ۳۸ دو سطر اخیر تا ص ۳۹ سطر ۱۱، ۱۰ دو سطر اخیر ص ۴۱ سطر ۶، ۵ تا ص ۴۲ سطر ۲ و ۴، ۳) گمراہی بد دینی کا منہ کالا، پھر نبوت کیا کسی پیڑ کا نام ہے، اللہ کی شان یہ کھلم کھلا اپنے استادوں پیروں کو نبی بنانے والے تو امام اور ائمہ شریعت، اور علمائے سنت اس جرم پر کہ صیغہائے درود مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی کیوں کثرت کی معاذاللہ بدعتی بدنام۔

ثانیًا: یہ قہرمانی حکم صرف حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود میں ہے یا خاندان امام الطائفہ کے ایجادات میں بھی کہ شاہ صاحب کی قول الجمیل جن کے لیے ضامن و کفیل۔ اسی قول الجمیل میں اپنے اور اپنے پیران و مشائخ کے آداب طریقت واشغال ریاضت کی نسبت صاف لکھا کہ ہماری صحبت وسلوک آمیزی تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہے۔ **وان لم یثبت تعین الاٰداب ولا تلك الاشغال**[2] اگرچہ نہ ان خاص آداب کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثبوت ہے نہ ان اشغال کا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب حاشیہ میں فرماتے ہیں:

"اسی طرح پیشوایان طریقت نے جلسات اور ہیأت واسطے اذکار مخصوصہ کے ایجاد کئے"[3]۔

مولوی خرم علی مصنف نصیحۃ المسلمین نے اسکے ترجمہ شفاء العلیل میں شاہ صاحب کا یہ قول نقل کرکے لکھا ہے: "یعنی ایسے امور کو مخالف شرع یا داخل بدعات سیئہ نہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ بعض کم فہم سمجھتے ہیں"[4]۔

اور سنئے اسی قول الجمیل میں اشغال مشائخ نقشبندیہ قدست اسرارہم تصور شیخ کی ترکیب لکھی ہے کہ:

---

[1] صراط مستقیم حب ایمانی کا دوسرا ثمرہ کلام کمپنی تیرتھ داس روڈ کراچی ص ۶۵، صراط مستقیم (فارسی) حب ایمان کا دوسرا ثمرہ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور ص ۳۴

[2] القول الجمیل گیارہویں فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۷۳

[3] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۱

[4] شفاء العلیل مع القول الجمیل چوتھی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۲

اذا غاب الشیخ عنه یخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته[1]۔	شیخ غائب ہو تو اس کی صورت اپنے پیش نظر محبت و تعظیم کے ساتھ تصور کرے جو فائدے اس کی صحبت دیتی تھی اب یہ صورت دے گی۔

شفاء العلیل میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے نقل کیا: ''حق یہ ہے کہ سب راہوں سے یہ راہ زیادہ تر قریب ہے"[2]۔

مکتوبات مرزا صاحب جانجاناں میں ہے(جنہیں شاہ ولی اللہ صاحب اپنے مکتوبات میں نفس ذکیہ قیم طریقہ احمدیہ داعی سنت نبویہ لکھتے ہیں):

دعائے حزب البحر وظیفہ صبح وشام وختم حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم ہر روز بجہت حل مشکلات باید خواند[3]۔	دعائے حزب البحر صبح وشام کا وظیفہ اور حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم کا ختم شریف مشکلات کے حل کے لیے ہر روز پڑھنا چاہیے۔(ت)

ذرا اس صبح وشام وہر روز کے الفاظ پر بھی نظر رہے کہ وہی التزام ومداومت ہے جسے ارباب طائفہ وجہ ممانعت قرار دیتے ہیں یہ ان داعی سنت نے بدعت اور بدعت کا حکم دیا بلکہ اس ختم اور ختم مجددی کی نسبت انہیں مکتوبات میں ہے:

بعد حلقہ صبح لازم گیرد[4]۔	اس کے بعد صبح کے حلقے کو لازم قرار دے لیں۔(ت)

انہیں میں ہے:

بعد از حلقہ صبح براں مواظبت نمایند[5]۔	اس کے بعد صبح کے حلقے کی پابندی کرنی چاہیے۔(ت)

سب جانے دو خود امام الطائفہ صراط مستقیم میں لکھتا ہے:

اشغال مناسبہ ہر وقت و ریاضات ملائمہ ہر قرن جدا جدا می باشد ولہذا محققان	ہر وقت کے مناسب اعمال اور ہر زمانے کے مطابق ریاضتیں مختلف ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ

[1] القول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۲ و ۸۱
[2] شفاء العلیل مع قول الجمیل چھٹی فصل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۸۰
[3] کلمات طیبات ملفوظات مظہر جان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۴
[4] کلمات طیبات ملفوظات مظہر جانان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲
[5] کلمات طیبات ملفوظات مظہر جانان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۲

ہر وقت از اکابر ہر طریق در تجدید اشغال کوششا کہ دہ اند بناء علیہ مصلحت دید وقت چناں اقتضاء کرد کہ یک باب ازیں کتاب برائے بیان اشغال جدیدہ کہ مناسب ایں وقت ست تعیین کردشود[1] الخ۔	اکابر میں سے ہر طریقے کے محققین نے اشغال واعمال میں تبدیلی کرنے کی کوشش کی بایں وجہ جو مصلحت دیکھی یا حالات کا تقاضا ہوا اسی لئے اس کتاب کا ایک باب ایسے جدید اشغال کے لیے جو اپنے اپنے وقت کی مناسبت سے شروع کئے گئے متعین کیا گیا ہے۔(ت)

للہ انصاف! یہ لوگ کیوں نہ بدعتی ہوئے۔اور ذرا تصور شیخ کی تو خبریں کہئے جسے جناب شاہ صاحب مرحوم سب راہوں سے قریب تر راہ بتارہے ہیں، یہ ایمان تقویۃ الایمان پر ٹھیٹ بت پرستی تو نہیں یا یہ حضرات شریعت باطنہ اسمٰعیلی سے مستثنٰی ہیں۔

ثالثًا: بھلا حضور اقدس دافع البلاء مانح العطا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا تو معاذاللہ شرک ہوا اب جناب شاہ ولی اللہ صاحب کی خبر لیجئے وہ اپنے قصیدہ نعتیہ اطیب النغم اور اس کے ترجمہ میں کیا بول بول رہے ہیں:

بنظر نمی آید مرا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ جائے دست اندوہگین است در ہر شدتے[2]۔	ہمیں نظر نہیں آتا مگر آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مصیبت کے وقت غمخواری فرماتے ہیں۔(ت)

پھر کہا:

جائے پناہ گرفتن بندگان وگریزگاہ ایشاں دروقت خوف روز قیامت[3]۔	حضور قیامت کے دن خوفزدوں اور خوف سے بھاگنے والوں کی جائے پناہ ہیں۔(ت)

پھر کہا:

نافع تیرن ایشانست مردماں را نزدیک ہجوم حوادث زماں[4]۔	زمانہ کے ہجوم کے وقت لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہیں۔(ت)

[1] صراط مستقیم مقدمۃ الکتاب المکتبۃ السلفیہ لاہور ص۸،۷

[2] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل اول تحت شعر معتصم المکروب فی کل غمرۃ مطبع مجتبائی دہلی ص ۴

[3] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل دوم تحت شعر ملاذ عباداللہ ملجاء خوفھم مطبع مجتبائی دہلی ص ۴

[4] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل چہارم تحت شعر واحسن خلق اللہ خلقًا وخلقہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۶

پھر کہا:

اے بہترین خلق خدا واے بہترین عطا کنندہ واے بہترین کسیکہ امید اوداشتہ شود برائے ازالہ مصیبتے[1]۔	اے خلق خدا میں بہترین ! اے بہترین عطا والے اور اے بہترین شخصیت، اور مصیبت کے وقت امیدوار کی مصیبت کو ٹالنے والے۔(ت)

پھر کہا:

تو پناہ دہندہ از ہجوم کردن مصیبتے[2]۔	آپ مصیبتوں کے ہجوم سے پناہ دینے والے ہیں۔(ت)

اپنے دوسرے قصیدہ نعتیہ ہمزیہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

آخر حالت مادح آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راوقتیکہ احساس کند نارسائی خود راز حقیقت ثنا آنست کہ ندا کند خوار وزار شدہ باخلاص در مناجات وبہ پناہ گرفتن بایں طریق اے رسول خدا عطائے ترامیخواہم روز حشر (الٰی قولہ) توئی پناہ از ہر بلا بسوئے تست روآوردن من وبہ تست پناہ گرفتن من ودر تست امید داشتن من[3] اھ ملخصًا۔	حضور کی تعریف کرنے والا جب اپنی نارسائی کا احساس کرے تو حضور کو نہایت عاجزی اور اخلاص سے پکارے اور فریاد کرے اور حضور کی پناہ اس طرح چاہے کہ اے خدا کے رسول قیامت کے دن تیری عطا چاہتا ہوں تو ہی میری ہر بلا کی پناہ ہے۔ جبھی تو میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور تجھ سے پناہ کا طلب گار ہوں اور میری امیدیں تجھ سے ہی وابستہ ہیں اھ ملخصًا۔(ت)

یہی شاہ صاحب ہمعات میں زیر بیان نسبت اویسیہ لکھتے ہیں:

از ثمرات ایں نسبت رویت آں جماعت ست در منام وفائدہا ایشاں یافتن ودر مہالک ومضائق سورت آں جماعت پدید آمدن و	اس نسبت کے ثمرات یہ ہیں کہ اس جماعت (اویسیہ) کی زیارت خواب میں ہوجاتی ہے اور ہلاکت وتنگی کے اوقات میں وہ جماعت

[1] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل یازدہم تحت شعر وصلی علیک اللہ یا خیر خلقہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

[2] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل یازدہم تحت شعر وانت مجیری من ھجوم ملمۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۲۲

[3] اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم فصل ششم تحت اشعار وآخر ما لما دحہ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۳ و ۳۴

حل مشکلات وے بآں صورت منسوب شدن[1]۔	ظاہر ہو کر مشکلیں حل فرماتی ہے۔(ت)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی ان کے شاگرد رشید اور مرزا صاحب موصوف کے مرید تذکرۃ الموتی میں ارواح اولیائے کرام قدس اسرارہم کی نسبت لکھتے ہیں:

ارواح ایشاں از زمین وآسمان وبہشت ہر جاکہ خواہند ومیروند ودوستاں ومعتقداں را دردنیا وآخرت مددگاری میفرمایند ودشمناں راہلاک می سازند[2]۔	ان کی ارواح زمین وآسمان اور بہشت سے ہر جگہ جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں اپنے دوستوں اور معتقدوں کی دنیا اور آخرت میں مدد فرماتی ہیں اور دشمنوں کو ہلاک کرتی ہیں۔(ت)

اور دافع البلاء کس چیز کا نام ہے۔مرزا صاحب کے ملفوظات میں ہے:

نسبت ما بجناب امیر المومنین علی مرتضی کرم اللہ وجہہ میرسند وفقیر رانیاز خاص بآنجناب ثابت ست دروقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بآنحضرت واقع می شود وسبب حصول شفامیگردد[3]۔	امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے میری نسبت خاص وجہ سے ہے کہ فقیر کو آنجناب سے خاص نیاز حاصل ہے اور جس وقت کوئی عارضہ بیماری جسمانی پیش ہوتی ہے میں آنجناب کی طرف توجہ دیتا ہوں جو باعث شفا ہو جاتی ہے۔(ت)

ذرا اس ''نیاز خاص'' پر بھی نظر رہے۔یہی داعی سنت نبویہ فرماتے ہیں:

التفات غوث الثقلین بحال متوسلان طریقہ علیہ ایشاں بسیار معلوم شد باہیچکس از اہل ایں طریقہ ملاقات نشدہ کہ توجہ مبارک بآنحضرت بحالش مبذول نیست[4]۔	حضور غوث الثقلین اپنے تمام متوسلین کے حالات کی طرف توجہ رکھتے ہیں کوئی ان کا مرید ایسا نہیں کہ اس کی طرف آنجناب کی توجہ نہ ہو۔(ت)

ذرا اس عبارت کے تیور دیکھئے اور لفظ مبارک ''غوث الثقلین'' بھی ملحوظ خاطر رہے

---

[1] ہمعات ہمعہ ۱۱ اکادیمیۃ الشاہ ولی اللہ الدہلوی حیدر آباد باکستان ص ۵۹

[2] تذکرۃ الموتٰی مطبع مجتبائی دہلی ص ۴۱

[3] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۷۸

[4] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳

اس کے یہی معنی ہے نا کہ انس و جن سب کی فریاد کو پہنچنے والے۔
اور سنئے یہی نفس ذکیہ فرماتے ہیں:

ہمچنیں عنایت حضرت خواجہ نقشبند بحال معتقدان خود مصروف است مغلاں درصحرا یاوقت خواب اسباب واسپان خود بحمایت حضرت خواجہ می سپارند وتائیدات از غیب ہمراہ ایشاں می شود[1]۔	ایسا ہی حضرت خواجہ نقشبند اپنے معتقدین کے حالات میں ہمیشہ مصروف رہتے ہیں چرواہے اور مسافر جنگل میں یا نیند کے وقت اپنے اسباب اور چوپائے گھوڑے وغیرہ حضور خواجہ نقشبند کے سپرد کر دیتے غیبی تائید ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ (ت)

اب تو شرک کا پانی سر سے اوپر ہوگیا، ایمان سے کہیو تمہارے ایمان پر کتنا بڑا بھاری شرک ہے جس پر مدد غیبی نازل ہوتی اور یہ بات حضرت خواجہ قدس سرہ العزیز کے مدائح میں گنی جاتی ہے، خدا کرے اس وقت کہیں تمہیں حدیث **اعوذ بعظیم ھٰذا الوادی**[2]۔ (میں اس وادی کے حکمران کی پناہ چاہتا ہوں۔ت) یا آیہ کریمہ "**کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ**"[3]۔ (آدمیوں میں کچھ مرد جنوں کے کچھ مردوں کے پناہ لیتے تھے۔ت) یاد آجائے، پھر جناب مرزا صاحب اور ان کے مداح جناب شاہ صاحب کا مزہ دیکھئے، آخر تمہارا امام بھوت پریت جن پری اور اولیاء شہداء سب کو ایک ہی درجہ میں مان رہا ہے، مولانا شاہ عبد العزیز صاحب تفسیر عزیزی میں اکابر اولیاء کا حال بعد انتقال لکھتے ہیں:

دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت مدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد واویسیاں تحصیل مطلب کمالات باطنی از انہامی نمایند وارباب	اولیاء اللہ بعد انتقال دنیا میں تصرف فرماتے ہیں اور ان کے استغراق کا کمال اور مدارج کے رفعت ان کو اس سمت توجہ دینے کی مانع نہیں ہے اویسی اپنے کمالات باطنی کا اظہار فرماتے

[1] کلمات طیبات ملفوظات مرزا مظہر جان جاناں مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۳
[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۱۶۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۴/ ۲۲۱، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ ذکر تحریم بن فائك دار الفکر بیروت ۳/ ۶۲۱
[3] القرآن الکریم ۷۲/ ۶

حاجات و مطالب حل مشکلات خود از انہامی طلبند و می یابند[1]۔	ہیں اور حاجت مند لوگ اپنی مشکلات کا حل اور حاجت روائی انہیں سے طلب کرتے ہیں اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔(ت)

ذرا یہ ''دنیا میں اولیاء کا تصرف بعد انتقال'' ملحوظ رہے اور حل مشکل و دفع بلا میں کتنا فرق ہے۔(یا علی مشکل کشا مشکلکشا)
اور تحفہ اثناعشریہ میں تو اس سے بھی بڑھ کر جان نجدیت پر قیامت توڑ گئے، فرماتے ہیں:

حضرت امیر و ذریۂ طاہرہ او در تمام امت بر مثال پیران و مرشد ان می پرستند و امور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند و فاتحہ و درود و صدقات و نذر بنام ایشاں رائج و معمول گردیدہ چنانچہ جمیع اولیاء اللہ ہمیں معاملہ است[2]۔ (تحفہ مطبوعہ کلکتہ ۱۲۴۳ھ آخر ص ۳۹۶ و اول ۳۹۷)	حضرت امیر یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور ان کی اولاد طاہرہ کو تمام افراد امت پیروں مرشدوں کی طرح مانتے ہیں اور تکوینی امور کو ان حضرات کے ساتھ وابستہ جانتے ہیں اور فاتحہ اور درود و صدقات اور نذر و نیاز انکے نام ہمیشہ کرتے ہیں، چنانچہ تمام اولیاء اللہ کا یہی حال ہے۔(ت)

کیوں صاحبو! یہ کتنے بڑے شرکہائے اکبر و اعظم ہیں کہ شاہ صاحب جن پر اجماع امت بتارہے ہیں، اب تو عجب نہیں کہ روافض کی طرح امت مرحومہ کو معاذاللہ امت ملعونہ لقب دیجئے بھلا دفع بلا بھی امور تکوینیہ میں ہے یا نہیں جو دامن پاک حضرت مولی علی واہلبیت کرام سے وابستہ ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ سیدھم و مولاھم و علیھم وبارك وسلم۔

طرفہ تر سنئے، شاہ ولی اللہ صاحب کے انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ سے روشن کہ شاہ صاحب والا مناقب اور انکے بارہ[۱۲] اساتذہ علم حدیث و مشائخ طریقت جن میں مولانا ابوطاہر مدنی او ان کے والد واستاذ پیر مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاد مولانا احمد قشاشی اور ان کے استاد مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی وغیرہم اکابر داخل ہیں کہ شاہ صاحب کے اکثر سلاسل حدیث انہیں علماء سے ہیں جواہر خمسہ حضرت شاہ محمد غوث

[1] تفسیر فتح العزیز تحت آیۃ ۸۴/۱۸ مطبع مسلم بکڈپو لال کنواں دہلی پارہ عم ص ۲۰۶
[2] تحفہ اثناء عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

گوالیاری علیہ الرحمۃ الباری وخاص دعائے سیفی کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو اجازت دیتے۔ اعمال جواہر خمسہ ودعائے سیفی کا زمانہ اقدس حضور دافع البلاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تصنیف ہونے سے بدعت، اور اس وجہ سے ان صاحبوں کا بدعتی ومروج بدعت قرار پانا درکنار، اسی جواہر خمسہ کی سیفی میں وہ جوہر دار سیف خونخوار، جسے دیکھ کر وہابیت بیچاری اپنا جوہر کرنے کو تیار، وہ کیا کہ ناد علی کہ ایمان طائفہ پر شرک جلی۔ جواہر خمسہ میں ترکیب دعائے سیفی میں فرمایا:

ناد علی ہفت بار یاسہ بار یا یک بار بخواند وآن ایں ست ناد علیاً مظہر العجائب، تجدہ عوناً لك فی النوائب، کل ھم وغم سینجلی بولایتك یاعلی یاعلی یاعلی[1]۔	ناد علی سات بار یا تین بار یا ایک بار پڑھنا چاہئے، اور وہ یہ ہے: علی (رضی اللہ عنہ) کو پکار جن کی ذات پاک مظہر عجائب ہے، جب تو انہیں پکارے گا انہیں مصائب وافکار میں اپنا مددگار پائے گا ہر پریشانی وغم فورًا دور ہوجاتا ہے آپ کی مدد سے یاعلی یاعلی یاعلی۔ (ت)

یعنی پکار علی مرتضی (کرم اللہ وجہہ) کو کہ مظہر عجائب ہیں تو انہیں اپنا مددگار پائے گا۔ مصیبتوں میں، سب پریشانی وغم اب دور ہوتے جاتے ہیں حضور کی ولایت سے یاعلی یاعلی یاعلی۔

ذرا اب شرک طائفہ کا مول تول کیجئے، اس نفیس سند کی قدرے تفصیل درکار ہو تو فقیر کے رسائل "انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار" ف۱ و"حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات" ف۲ و"انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ" ف۳ ملاحظہ ہوں۔ ہے یہ کہ ان خاندانی اماموں نے طائفہ کی مٹی اور بھی خراب کی ہے وللہ الحمد۔

ف۱: رسالہ انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور جلد ہفتم میں ص ۵۶۹ پر موجود ہے۔

ف۲: رسالہ حیاۃ الموات فی بیان سماع الاموات فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، جلد نہم میں ص ۶۷۵ پر موجود ہے۔

ف۳: رسالہ انوار الانتباہ فی حل نداء یارسول اللہ فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور جلد ۲۹ میں ص ۵۴۹ پر موجود ہے۔

---

[1] جواہر خمسہ مترجم اردو مرزا محمد بیگ نقشبندی دار الاشاعت کراچی ص ۲۸۲ و ۴۵۳

کیوں صاحبو! یہ سب حضرات بھی ایمان طائفہ پر مشرک، بے ایمان، واجب العذاب، مستحیل الغفران تھے یا تقویۃ الایمان کی آیتیں حدیثیں امام الطائفہ کا کنبہ چھوڑ کر باقی علمائے اہلسنت ہی کو مشرک بدعت بنانے کے لئے اتری ہیں۔ اللہ ایمان وحیا بخشے۔ آمین۔ غرض ان حضرات کے مقابل شاید ایسے ہی گرم دودھوں سے کچھ کام چلے جنہیں نہ نگلتے بنے نہ اگلتے۔ وللہ الحجۃ الساطعۃ۔

فائدہ زاہرہ

خیر، یہ تو اجمالاً ان حضرات کی خدمت گزاری تھی، اور بدعت کی بحث تو علمائے سنت بہت کتب میں غایت قصوٰی تک پہنچا چکے و من احسن من فصلہ وحققہ خاتم المحققین سیدنا الوالد رضی اللہ عنہ المولی الماجد فی کتابہ الجلیل المفاد "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" (خاتم المحققین سیدنا والد ماجد رضی اللہ عنہ نے اپنی جلیل ومفید کتاب "اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد" میں اس کی تحسین وتفصیل وتحقیق کی ہے۔ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی نے بھی اپنے رسالہ ''اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ'' وغیرہا رسائل میں بقدر کافی نکات چیدہ گزارش کئے اور اپنے رسالہ ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین '' ف وغیرہا میں خاندان مذکور کے بکثرت ایجاد و احداث لکھے کہ اس نو تصنیفی کی صفرا شکنی کو بس ہیں اور حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وبا وبلا وقحط ومرض والم کو دفع فرمانے کے جزئیات ووقائع جو احادیث میں مروی ان کے جمع کرنے کی ضرورت نہ حصر کی قدرت، ان میں سے بہت سے بحمد اللہ تعالٰی کتب وخطب علماء میں مسلمانوں کے کانوں تک پہنچ چکے اور اب جو چاہے کتب سیر وخصائص ومعجزات مطالعہ کرے۔

نکتہ جلیلہ کُلیہ

مگر فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ ایک نکتہ جلیلہ کلیہ بغایت مفید القا کرے کہ ان شاء اللہ تعالٰی تمام شرکیات وہابیہ کی بیخ کنی میں کافی و وافی کام دے، مسلمانو! کچھ خبر بھی ہے ان حضرات کا لفظ دافع البلاء اور اس کے مثال کو شرک

ف: رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" فتاوی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور جلد پنجم صفحہ ۴۲۹ پر موجود ہے۔ رسالہ "اقامۃ القیامۃ" جلد ۲۶ ص ۴۹۵ پر موجود ہے۔

بتانے بلکہ یہ بات بات پر شرک پھیلانے سے اصل مدعا کیا ہے وہ ایک دائے باطنی و مرض خفی ہے کہ اکثر عوام بیچاروں کی نگاہ سے مخفی ہے ان نئے فلسفوں پرانے فیلسوفوں کے نزدیک شرک امور عامہ سے ہے کہ عالم میں کوئی موجود اس سے خالی نہیں یہاں تک کہ معاذاللہ حضرات علیہ انبیائے کرام وملٰئکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام تاآنکہ عیاذًا باللہ خود حضرت رب العزۃ و حضور پر نور سلطان رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ، ولہٰذا امام الطائفہ نے جابجا و بیجا مسائل جی سے گھڑے کہ یہ ناپاک چھینٹا وہاں تک بڑھے، جس کی بعض مثالیں مجموعہ فتاوٰی فقیر ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ ''کی جلد ششم ''البارقۃ الشارقہ علی مارقۃ المشارقہ''میں ملیں گی، ان کی تفصیل سے تطویل کی حاجت نہیں، یہ حضرات کہ اس امام کے مقلد ہیں "اِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ۝۲۳ "[1] (ہم ان کی لکیر کے پیچھے ہیں۔ت) پڑھتے ہوئے اسی ڈگر ہوئے، یہ حکم شرک بھی اسی دبی آگ کا دھواں دے رہا ہے، اجمال سے نہ سمجھو تو مجھ سے مفصل سنو۔

اقول: وباللہ التوفیق، نسبت واسناد دو قسم ہے: حقیقی کہ مسند الیہ حقیقت سے متصف ہو۔

اور مجازی کہ کسی علاقہ سے غیر متصف کی طرف نسبت کردیں جیسے نہر کو جاری یا حابس سفینہ کو متحرک کہتے ہیں، حالانکہ حقیقۃً آب و کشتی جاری متحرک ہیں۔

پھر حقیقی بھی دو۲ قسم ہے: ذاتی کہ خود اپنی ذات سے بے عطائے غیر ہو، اور عطائی کہ دوسرے نے اسے حقیقۃً متصف کردیا ہو خواہ وہ دوسرا خود بھی اس وصف سے متصف ہو جیسے واسطہ فی الثبوت میں، یا نہیں جیسے واسطہ فی الاثبات میں۔ ان سب صورتوں کی اسنادیں تمام محاورات عقلائے جہاں واہل ہر مذہب وملت وخود قرآن وحدیث میں شائع وذائع، مثلاً انسان عالم کو عالم کہتے ہیں، قرآن مجید میں جابجا اولوا العلم وعلمٰؤا بنی اسرائیل اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی نسبت لفظ علیم وارد، یہ حقیقت عطائیہ ہے یعنی بعطائے الٰہی وہ حقیقۃً متصف بعلم ہیں، اور مولٰی عزوجل نے اپنے نفس کریم کو علیم فرمایا یہ حقیقت ذاتیہ ہے کہ وہ بے کسی کی عطا کے اپنی ذات سے عالم ہے۔ سخت احمق وہ کہ ان اطلاقات میں فرق نہ کرے۔ وہابیہ کے مسائل شرکیہ استعانت وامداد و علم غیب و

---

[1] القرآن الکریم ۴۳/ ۲۳

تصرفات وندا وسماع فریاد وغیرہا ایسے فرق نہ کرنے پر مبنی ہیں۔ فقیر غفراللہ تعالٰی لہ نے اس بحث شریف میں ایک نفیس رسالہ کی طرح ڈالی ہے اس میں متعلق نزاعات وہابیہ صدہا اطلاقات کو آیات واحادیث سے ثابت اوراحکام اسنادات کو مفصل بیان کرنے کا قصد ہے ان شاء اللہ تبارک وتعالٰی حضور پر نور، معطی البہار والسرور، دافع البلاء والشرور، شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا بھی بمعنی حقیقی عطائی ہے مخالف متعسف کو یوں توفیق تصدیق نہ ہو تو فقیر کا رسالہ ''سلطنۃ المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی'' مطالعہ کرے کہ بعونہ تعالٰی تحقیق وتوثیق کے باغ لہکتے نظر آئیں اورایمان وایقان کے پھول مہکتے، خیر یہاں اس بحث کی تکمیل کا وقت نہیں تنزیلاً یہی سہی کہ احد الامرین سے خالی نہیں نسبت حقیقی عطائی ہے یا ازانجاکہ حضور سبب ووسیلہ وواسطہ دفع البلاء ہیں لہذا نسبت مجازی، رہی حقیقی ذاتی حاشا کہ کسی مسلمان کے قلب میں کسی غیر خدا کی نسبت اس کا خطرہ گزرے۔

امام علامہ سیدی تقی الملۃ والدین علی بن عبدالکافی سبکی قدس سرہ الملکی (جن کی امامت وجلالت محل خلاف وشبہت نہیں، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری مصدق فتوی میں انہیں بالاتفاق امام مجتہد مانتے ہیں) کتاب مستطاب شفاء السقام شریف میں ارشاد فرماتے ہیں:

لیس المراد نسبۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی الخلق والاستقلال بالافعال ھذا لایقصدہ مسلم فصرف الکلام الیہ ومنعہ من باب التلبیس فی الدین والتشویش علی عوام المؤحدین[1]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مدد مانگنے کا یہ مطلب نہیں کہ حضور خالق وفاعل مستقل ہیں یہ تو کوئی مسلمان ارادہ نہیں کرتا، تواس معنی پر کلام کو ڈھالنااور حضور سے مدد مانگنے کو منع کرنا دین میں مغالطہ دینا اور عوام مسلمانوں کو پریشانی میں ڈالنا ہے۔

صدقت یاسیدی جزاك اللہ عن الاسلام والمسلمین خیرًا،اٰمین (اے میرے آقا!آپ نے سچ فرمایا،اللہ تعالٰی آپ کو اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزاء خیر عطافرمائے۔ت)

فقیر کہتا ہے ایک دفع بلاء وامداد وعطاہی پر کیا موقوف مخلوق کی طرف اصل وجود ہی کی اسناد

---

[1] شفاء السقام الباب الثامن فی التوسل والاستغاثہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۱۷۵

بمعنی حقیقی ذاتی نہیں پھر عالم کو موجود کہنے میں وہابیہ بھی ہمارے شریک ہیں کیاان کے نزدیک عالم بذاتہ موجود ہے یا جو فسطائیہ کی طرح عقیدہ حقائق الاشیاء ثابتۃ (اشیاء کی حقیقت ثابت ہے۔ت) سے منکر ہیں اور جب کچھ نہیں تو کیا ظلم ہے کہ جو محاورے صبح وشام خود بولتے رہیں مسلمانوں کے مشرک بنانے کو ان کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں، کیا مسلمان پر بدگمانی حرام قطعی نہیں، کیا اس کی مذمت پر آیات قرآنیہ واحادیث صحیحہ ناطق نہیں بلکہ انصاف کی آنکھ کھلی ہو تو اس ادعائے خبیث کا درجہ تو بدگمان سے بھی گزرا ہوا ہے، سوئے ظن کے لئے اس گمان کی گنجائش تو چاہیے، مسلمان کے بارہ میں ایسے خیال کا احتمال ہی کیا ہے اس کا موحد ہونا ہی اس کی مراد پر گواہ کافی ہے کما لایخفی عند کل من لہ عقل ودین (جیسا کہ کسی صاحب عقل ودین پر پوشیدہ نہیں۔ت) فتاوٰی خیریہ کتاب الایمان میں ہے:

سئل فی رجل حلف انہ لایدخل ھذہ الدار الا ان یحکم علیہ الدھر فدخل ھل یحنث اجاب لاوھذا مجاز لصدورہ من الموحد واذا دخل فقد حکم ای قضی علیہ رب الدھر بدخولھا وھو مستثنی فلا حنث اھ بتلخیص۔[1]	ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ جب تک مجھے دہر حکم نہیں دے گا میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا، اور وہ داخل ہوگیا، کیا وہ قسم توڑنے والا ہے یا نہیں، اس کا جواب یہ تحریر ہے کہ حانث نہیں ہوا، یہ کلمہ مجازی ہے، موحد جو خدا کو ایک مانتا ہے اس سے شرک کا صدور ناممکن ہے۔ جب داخل ہوا تو رب الدہر یعنی خدا کے حکم سے داخل ہوا، اس لئے وہ حانث نہیں ہوا اھ ملخصًا (ت)

تو ایسا ناپاک ادعا بدگمانی نہیں صریح افترا ہے، وہ بھی مسلمان پر وہ بھی کفر کا، مگر قیامت تو نہ آئیگی، حساب تو نہ ہوگا، ان خبائث کے دعووں سے سوال تو نہ کیا جائے گا، مسلمان کی طرف سے لاالٰہ الا اللہ جھگڑتا ہوا نہ آئے گا۔ ستمگر! جواب تیار رکھ اس سختی کے دن کا، "وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۲۲۷" [2]۔ (اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الایمان دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۸۱

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

بالجملہ اس احتمال کو یہاں راہ ہی نہیں بلکہ انہیں دو سے ایک مراد بالیقین یعنی اسناد غیر ذاتی کسی قسم کی ہو اب جو اسے شرک کہا جاتا ہے تو اس کی دو ہی صورتیں متصور بنظر مصداق عـــہ نسبت یا بنفس حکایت۔

اول یہ کہ غیر خدا کے لیے ایسا اتصاف ماننا ہی مطلقاً شرک اگرچہ مجازی ہو، جس کا حاصل اس مسئلہ میں یہ کہ حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دفع بلا کے سبب و وسیلہ و واسطہ بھی نہیں کہ مصداق نسبت کسی طرح متحقق جو غیر خدا کو ایسے امور میں سبب ہی مانے وہ بھی مشرک۔

دوم یہ کہ ایسی نسبت وحکایت خاص بذاتہ حدیث جل وعلا ہے غیر کے لئے مطلقاً شرک اگرچہ اسناد غیر ذاتی مانے، آدمی اگر عقل وہوش سے کچھ بہرار کھتا ہو تو غیر ذاتی کا لفظ آتے ہی شرک کا خاتمہ ہوگیا کہ جب بعطائے الٰہی مانا تو شرک کے کیا معنی برخلاف اس طاغی سرکش کے جو عقل کی آنکھ پر مکابرہ کی پٹی باندھ کر صاف کہتا ہے پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے [1]۔ کسی سفیہ مجنوں سے

عـــہ: فرق یہ کہ اول میں حکم منع حکایت بنظر بطلان وعدم مطابقت ہوگا یعنی واقعہ میں موضوع ایسے صفت سے متصف ہی نہیں جو اس حکایت کا مصحح ہو، اور دوم میں حکایت خود ہی محذور ہوگی اگر صادق ہو کہ صدق وصحت اطلاق الزام نہیں،

الاتری انانؤمن بان محمدًا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعز عزیز واجل جلیل من خلق اللہ عزوجل ولکن لایقال محمد عزوجل بل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمارا اعتقاد ہے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مخلوق الٰہی میں ہر عزیز سے بڑھ کر عزیز اور ہر جلالت والے سے بڑھ کر جلیل ہیں مگر محمد عزوجل نہیں کہا جاتا بلکہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہا جاتا ہے۔ (ت)

تو درجہ اول میں ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ اسناد غیر ذاتی کا مطلقاً متحقق، اور دوم میں یہ کہ یہ اطلاق یقینا جائز۔ پر ظاہر کہ دلائل وجہ دوم سب دلائل وجہ اول بھی ہیں کہ حکایات الٰہیہ ونبویہ قطعاً صادق۔ لہٰذا ہم انہیں جانب کثرت بقلت توجہ کریں گے نصوص وجہ ثانی بکثرت لائیں گے وباللہ التوفیق ۱۲ منہ دامت فیوضہ۔

[1] تقویۃ الایمان، پہلا باب، مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷

کیا کہا جائے گا کہ صفت الٰہی بعطائے الٰہی نہیں تو جو بعطائے الٰہی ہے صفت الٰہی نہیں، تو اس کا اثبات اصلا کسی صفت الٰہی کا اثبات بھی نہ ہوا نہ کہ خاص صفت ملزومہ الوہیت کا کہ شرک ثابت ہو بلکہ یہ تو بالبداہۃ صفت ملزومہ عبدیت ہوئی کہ بعطائے غیر کسی صفت کا حصول تو بندہ ہی کے لئے معقول تو اس کا اثبات صراحتا عبدیت کا اثبات ہوا نہ کہ معاذ اللہ الوہیت کا، ایک یہی حرف تمام شرکیات وہابیہ کو کیفر چشانی کے لئے بس ہے، مگر مجھے تو یہاں وہ بات ثابت کرنی ہے جس پر میں نے یہ تمہید اٹھائی ہے یعنی ان صاحبوں کا حکم شرک اللہ و رسول تک متعدی ہونا، ہاں اس کا ثبوت لیجئے ابھی بیان کرچکا ہوں کہ اس حکم ناپاک کے لئے دو ہی وجہیں متصور، ان میں سے جو وجہ لیجئے ہر طرح یہ حکم معاذ اللہ و رسول تک منجر جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

باب اوّل:

وجہ اول پر نصوص سنئے اس میں چھ ۶ آیتیں اور ساٹھ حدیثیں، جملہ چھیاسٹھ نص ہیں۔

فصل اوّل آیات کریمہ میں

آیت ۱: قال اللہ عزوجل

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ "[1]۔	اللہ ان کافروں پر عذاب نہ فرمائے گا جب تک اے محبوب! تو ان میں تشریف فرماہے۔

سبحان اللہ! ہمارے حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کفار پر سے بھی سبب دفع بلاء ہیں کہ مسلمانوں پر تو خاص رؤف ورحیم ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آیت ۲:

"وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷ "[2]۔	ہم نے نہ بھیجا تمھیں مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

پر ظاہر کہ رحمت سبب دفع بلا وزحمت (جو خوب ظاہر ہے کہ رحمت سبب ہے مصیبت وزحمت کی دوری کا۔ت)

آیت ۳:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۶۴ "[3]۔	اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تیرے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے بخشش چاہیں اور معافی مانگیں ان کے لئے رسول، تو بیشک اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

آیۃ کریمہ صاف ارشاد فرماتی ہے کہ حضور پر نور عفو غفور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

---

[1] القران الکریم ۸/ ۳۳

[2] القران الکریم ۲۱/ ۱۰۷

[3] القران الکریم ۴/ ۶۴

بارگاہ میں حاضری سبب قبول توبہ ودفع بلائے عذاب ہے، بلکہ آیت بیمار دلوں پر اور بھی بلا وعذاب کہ رب العزت قادر تھا یونہی گناہ بخش دے مگر ارشاد ہوتا ہے کہ قبول ہونا چاہو تو ہمارے پیارے کی سرکار میں حاضر ہو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم والحمدللہ رب العالمین۔

آیت ۴:

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ"[1]،	اگر اللہ تعالٰی آدمیوں کو آدمیوں سے دفع نہ فرمائے تو ہر ملت ومذہب کی عبادت گاہ ڈھادی جائے۔

معلوم ہوا کہ مجاہدین آلہ وواسطہ دفعِ بلا ہیں۔

آیت ۵:

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾"[2]۔	اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ عزوجل کا لوگوں کو ایک دوسرے سے تو بیشک تباہ ہوجاتی زمین مگر اللہ فضل والا ہے سارے جہان پر۔

ائمہ مفسرین فرماتے ہیں: اللہ تعالٰی مسلمان کے سبب کافروں اور نیکوں کے باعث بدوں سے بلا دفع کرتا ہے۔

آیت ۶:

"وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾"[3]۔	اور اگر نہ ہوتے ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں جن کی تمہیں خبر نہیں کہیں تم انہیں روند ڈالو تو ان سے تمہیں انجانی میں مشقت پہنچے تاکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت میں لے لے وہ اگر الگ ہوجاتے تو ہم ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب دیتے۔

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۱

[3] القرآن الکریم ۴۸/ ۲۵

یہ فتح مکہ سے پہلے کا ذکر ہے جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عمرے کے لئے مکہ معظّمہ تشریف لائے ہیں اور کافروں نے مقام حدیبیہ میں روکا شہر میں نہ جانے دیا صلح پر فیصلہ ہوا ظاہر کی نظر میں اسلام کے لیے ایک دبتی ہوئی بات تھی اور حقیقت میں ایک بڑی فتح نمایاں تھی جسے اللہ عزوجل نے "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًاۙ(۱)"[1]۔ (بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرما دی۔ ت) فرمایا اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کی تسکین کو یہ آیت نازل فرمائی کہ اس سال تمہیں داخل مکہ نہ ہونے دینے میں کئی حکمتیں تھیں مکہ معظّمہ میں بہت مرد وعورت مغلوبی کے سبب خفیہ مسلمان ہیں جن کی تمہیں خبر نہیں تم قہرًا جاتے تو وہ بھی تیغ وبند کے روندنے میں آجاتے اور ان کے سوا بھی وہ لوگ ہیں جو ہنوز کافر ہیں اور عنقریب اللہ تعالٰی انہیں اپنی رحمت میں لے گا اسلام دے گا ان کا قتل منظور نہیں ان وجوہ سے کفار مکہ پر سے عذاب قتل وقہر موقوف رکھا گیا یہ سب لوگ الگ ہوجاتے تو ہم ان کافروں پر عذاب فرماتے۔ کیسا صریح روشن نص ہے کہ اہل اسلام کے سبب کافروں پر سے بھی بلادفع ہوتی ہے وللہ الحمد۔

فصل دوم احادیث عظیمہ میں

حدیث ۱: کہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے:

انی لاھم باھل الارض عذابا فاذا نظرت الی عمار بیوتی والمتحابین فیّ والمستغفرین بالاسحار صرفت عنھم۔ البیھقی فی الشعب عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال ان اللہ تعالٰی یقول الحدیث[2]۔	میں زمین والوں پر عذاب اتارنا چاہتا ہوں جب میرے گھر آباد کرنے والے اور میرے لئے باہم محبت رکھنے والے اور پچھلی رات کو استغفار کرنے والے دیکھتا ہوں اپنا غضب ان سے پھیر دیتا ہوں۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کہ فرمایا اللہ تعالٰی یہ حدیث بیان فرماتا ہے۔ ت)

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱

[2] شعب الایمان حدیث ۹۰۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۵۰۰، کنز العمال حدیث ۲۰۳۴۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۵۷۹

حدیث ۲: کہ حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لولاعباد للہ رکع وصبیة رضع وبھائم رتع تصب علیکم العذاب صبا ثم رض رضّا۔ الطبرانی [1] فی الکبیر والبیھقی فی السنن عن مسافع ن الدیلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اگر نہ ہوتے اللہ تعالٰی کے نمازی بندے اور دودھ پیتے بچے اور گھاس چرتے چوپائے تو بیشک عذاب تم پر بسختی ڈالا جاتا پھر مضبوط ومحکم کردیا جاتا (طبرانی نے کبیر میں اور بیہقی نے سنن میں مسافع الدیلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی لیدفع بالمسلم الصالح عن مائة اھل بیت من جیرانہ البلاء۔	بیشک اللہ عزوجل نیک مسلمان کے سبب اس کے ہمسائے میں سو گھروں سے بلادفع فرماتا ہے۔

ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے یہ حدیث روایت فرما کر آیہ کریمہ **ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض** تلاوت کی۔

رواہ عنہ الطبرانی فی الکبیر [2] وعبداللہ بن احمد ثم البغوی فی المعالم۔	طبرانی نے کبیر میں ابن عمر سے اور عبداللہ بن احمد پھر بغوی نے معالم میں اس کو روایت کیا۔ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من استغفر للمؤمنین والمؤمنات کل یوم سبعًا و عشرین مرة کان من الذین یستجاب	جو ہر روز ستائیس بار سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لئے استغفار کرے وہ ان لوگوں میں ہو جن کی دعا قبول ہوتی ہے

[1] السنن الکبرٰی للبیھقی کتاب صلٰوۃ الاستسقاء باب استحباب الخروج الخ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ دکن ۳/ ۳۴۵، المعجم الکبیر حدیث ۷۸۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲/ ۳۰۹

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۷۷، الترغیب والترہیب بحوالہ الطبرانی الترہیب من اذی الجار حدیث ۳۹ مصطفی البابی المصر ۳/ ۳۶۳، الدر المنثور تحت الآیۃ ۲/ ۲۵۱ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۷۲۶

لھم ویرزق بھم اھل الارض۔الطبرانی فی الکبیر[1] عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند جید۔	اور ان کی برکت سے تمام اہل زمین کو رزق ملتا ہے(طبرانی نے کبیر میں ابو درداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند جید کے ساتھ روایت کیا۔ت)

حدیث۵: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ھل تنصرون وترزقون الا بضعفائکم۔البخاری[2] عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا تمہیں مدد ورزق کسی اور کے سبب بھی ملتا ہے سوائے اپنے ضعیفوں کے۔(بخاری نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ ینصر القوم باضعفھم۔الحارث فی مسندہ[3] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بیشک اللہ تعالٰی قوم کی مدد فرماتا ہے ان کے ضعیف تر کے سبب۔حارث نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث۷: زمانہ اقدس میں دو بھائی تھے ایک کسب کرتے، دوسرے خدمت والائے حضور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوتے۔کمانے والے ان کے شاکی ہوئے، فرمایا:

لعلك ترزق بہ۔الترمذی[4] وصححہ والحاکم عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کیا عجب کہ تجھے اس کی برکت سے رزق ملے۔(اسے ترمذی نے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی، اور حاکم نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۲۰۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۴۷۶

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من استعان بالضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ ۱/ ۴۰۵

[3] کنز العمال حدیث ۱۰۸۸۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۳۵۷، الجامع الصغیر حدیث ۵۱۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷

[4] سنن الترمذی کتاب الزھد حدیث ۲۳۵۲ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۵۴، المستدرك للحاکم کتاب العلم خطبۃ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی حجۃ الوداع دار الفکر بیروت ۱/ ۹۴

حدیث ۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

الابدال فی امتی ثلثون بهم تقوم الارض وبهم تمطرون وبهم تنصرون۔ الطبرانی[1] فی الکبیر عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنه بسندٍ صحیحٍ۔	ابدال میری امت میں تیس ہیں انہیں سے زمین قائم ہے انہیں کے سبب تم پر مینہ اترتا ہے۔ انہیں کے باعث تمہیں مدد ملتی ہے۔ (طبرانی نے کبیر میں عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔ ت)

حدیث ۹: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: ابدال شام میں ہیں اور وہ چالیس ہیں جب ایک مرتا ہے اللہ تعالٰی اس کے بدلے دوسرا قائم کرتا ہے۔

یسقٰی بهم الغیث وینتصر بهم علی الاعداء و یصرف عن اهل الشام بهم العذاب۔ احمد[2] عن علی کرم اللہ تعالٰی وجهه بسند حسن۔	انہی کے سبب مینہ دیا جاتا ہے، انہیں سے دشمنوں پر مدد ملتی ہے، انہیں کے باعث شام والوں سے عذاب پھیرا جاتا ہے۔ (امام احمد نے حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت یوں ہے:

یصرف عن اهل الارض البلاء والغرق۔ ابن عساکر[3] رضی اللہ تعالٰی عنه۔	انہیں کے سبب اہل زمین سے بلاء اور غرق دفع ہوتا ہے۔ (ابن عساکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۰: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

---

[1] کنزالعمال بحوالہ عبادۃ ابن الصامت حدیث ۳۴۵۹۳ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۸۶، مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الابدال الخ دارالکتب بیروت ۱۰ /۶۳، الجامع الصغیر بحوالہ الطبرانی عن عبادۃ بن الصامت حدیث ۳۰۳۳ دارالکتب العلمیة بیروت ۱ /۱۸۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۱۱۲

[3] تاریخ دمشق الکبیر باب ماجاء ان بالشام یکون الابدال دار احیاء التراث العربی بیروت ۱ /۲۱۳

ابدال شام میں ہیں،

بھم ینصرون وبھم یرزقون۔الطبرانی فی الکبیر عن عوف بن مالك[1] وفی الاوسط عن علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنھما کلاھما بسند حسن۔	وہ انہیں کی برکت سے مدد پاتے ہیں اور انہیں کی وسیلہ سے رزق۔(طبرانی نے کبیر میں عوف بن مالک سے اور اوسط میں علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دونوں میں بسند حسن روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۱: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لن تخلو الارض من اربعین رجلا مثل ابراھیم خلیل الرحمن فیھم تسقون وبھم تنصرون۔ الطبرانی فی الاوسط[2] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔	زمین ہرگز خالی نہ ہوگی چالیس اولیاء سے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پرتو پر ہوں گے،انہیں کے سبب تمہیں مینہ ملے گا اور انہیں کے سبب مدد پاؤ گے(طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لن یخلو الارض من ثلثین مثل ابراھیم بھم تغاثون وبھم ترزقون وبھم تمطرون۔ابن حبان فی تاریخہ[3] عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلٰوۃ والثناء سے خُوبُو میں مشابہت رکھنے والے تیس شخص زمین پر ضرور رہیں گے،انہیں کی بدولت تمہاری فریاد سنی جائے گی اور انہیں کے سبب رزق پاؤ گے اور انہیں کی برکت سے مینہ دئے جاؤ گے(ابن حبان نے اپنی تاریخ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

---

[1] المعجم الکبیر عن عوف بن مالك حدیث ۱۲۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۸ /۶۵

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۱۱۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۵ /۶۵،کنز العمال حدیث ۳۴۶۰۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۸۸

[3] کنز العمال بحوالہ حب فی تاریخہ عن ابی ھریرۃ حدیث ۳۴۶۰۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۸۷

حدیث ۱۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایزال اربعون رجلًا من امتی قلوبھم علی قلب ابراھیم یدفع اللہ بھم عن اھل الارض یقال لھم الابدال۔ ابو نعیم فی الحلیۃ[1] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میری امت میں چالیس مرد ہمشیہ رہیں گے کہ ان کے دل ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے دل پر ہوں گے اللہ تعالٰی ان کے سبب زمین والوں سے بلا دفع کرے گا ان کا لقب ابدال ہوگا۔ (ابو نعیم نے حلیہ میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لایزال اربعون رجلا یحفظ اللہ بھم الارض کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ اٰخر وھم فی الارض کلھا۔ الخلّال[2] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	چالیس مرد قیامت تک ہوا کریں گے جن سے اللہ تعالٰی زمین کی حفاظت لے گا جب ان میں کا ایک انتقال کرے گا اللہ تعالٰی اسکے بدلے دوسرا قائم فرمائیگا، اور وہ ساری زمین میں ہیں۔ (خلّال نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بیشک اللہ تعالٰی کے لیے خلق میں تین سو اولیاء ہیں کہ ان کے دل قلب آدم پر ہیں، اور چالیس کے دل قلب موسٰی اور سات کے قلب ابراہیم، اور پانچ کے قلب جبریل، اور تین کے قلب میکائیل، اور ایک کا دل قلب اسرافیل پر ہے علیہم الصلٰوۃ والتسلیم۔ جب وہ ایک مرتا ہے تین میں سے کوئی ایک اس کا قائم مقام ہوتا ہے، اور جب ان میں سے کوئی انتقال کرتا ہے تو پانچ میں سے اس کا بدل کیا جاتا ہے اور پانچ والے کا عوض سات اور سات کا چالیس اور چالیس کا تین سو اور تین سو کا عام مسلمین سے،

---

[1] حلیۃ الاولیاء ترجمہ زید بن وہب ۲۶۳ دارالکتاب العربی بیروت ۴ /۱۷۳، کنزالعمال بحوالہ طب عن ابن مسعود حدیث ۳۴۶۱۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۹۰

[2] کنز العمال بحوالہ الخلال عن ابن عمر حدیث ۳۴۶۱۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۹۱

فیھم یحیی ویمیت ویمطر وینبت ویدفع البلاء۔ ابو نعیم فی الحلیۃ[1] وابن عساکر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	انہیں تین سو چھپن اولیاء کے ذریعہ سے خلق کی حیات موت، مینہ کا برسنا، نباتات کا اُگنا، بلاؤں کا دفع ہونا ہوا کرتا ہے۔(ابو نعیم نے حلیہ میں اورابن عساکر نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قرء القراٰن ثلثۃ(فذکر الحدیث الی ان قال)ورجل قرأ القراٰن فوضع دواء القراٰن علی داء قلبہ فاسھر بہ لیلہ واظمأبہ نھارہ وقاموا فی مساجدھم واحبوابہ تحت برانسھم فھٰؤلاء یدفع اللہ بھم البلاء و یزیل من الاعداء وینزل غیث السماء فواللہ ھؤلاء من قراء القراٰن اعز من الکبریت الاحمر۔ابن حبان[2] فی الضعفاء وابو نصر السجزی فی الابانۃ و الدیلمی عن بریدہ رضی اللہ	تین قسم کے آدمیوں نے قرآن پڑھا(دو قسمیں دنیا طلب و قاری بے عمل بیان کر کے فرمایا)ایک وہ شخص جس نے قرآن عظیم پڑھااور دواکو اپنے دل کی بیماری کاعلاج بنایا تواس نے اپنی رات جاگ کر اوراپنا دن پیاس یعنی روزے میں کاٹا اور اپنی مسجدوں میں قرآن کے ساتھ نماز میں قیام کیااور اپنی زاہدانہ ٹوپیاں پہنے نرم آواز سے اس کے پڑھنے میں روئے، تو یہ لوگ وہ ہیں جن کے طفیل میں اللہ تعالٰی بلا کو دفع فرماتا اور دشمنوں سے مال ودولت وغنیمت دلاتا اورآسمان سے مینہ برساتا ہے خدا کی قسم قاریان قرآن میں ایسے لوگ گوگرد سرخ سے بھی کمیاب تر ہیں۔(ابن حبان نے الضعفاء میں اور ابو نصر سجزی نے ابانۃ میں اور دیلمی نے حضرت بریدہ رضی اللہ

[1] حلیۃ الاولیاء مقدمۃ الکتاب دارالکتاب العربی بیروت ۱/ ۹،تاریخ دمشق الکبیر باب ماجاء ان بالشام یکون الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۲۳

[2] شعب الایمان حدیث ۲۶۲۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۵۳۱و۵۳۲،کنز العمال بحوالہ حب فی الضعفاء وابی نصر السجزی الخ حدیث ۲۸۸۲مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۶۲۳

تعالٰی عنه و رواه البیهقی فی الشعب عن الحسن البصری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	تعالٰی عنہ سے اور بیہقی نے شعب میں حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۷: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

النجوم امنة للسماء فاذا ذهبت النجوم اتی السماء ما توعد، وانا امنة لاصحابی فاذا ذهبت اتی اصحابی ما یوعدون، واصحابی امنة لامتی فاذا ذهب اصحابی اتی امتی مایوعدون۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔ احمد ومسلم [1] عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ستارے امان ہیں آسمان کے لئے، جب ستارے جاتے رہیں گے آسمان پر وہ آئے گا جس کا اس سے وعدہ ہے یعنی شق ہونا فنا ہو جانا۔ اور میں امان ہوں اپنے اصحاب کے لئے جب میں تشریف لے جاؤں گا میرے اصحاب پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہے یعنی مشاجرات۔ اور میرے صحابہ امان ہیں میری امت کے لیے، جب میرے صحابہ نہ رہیں گے میری امت پر وہ آئے گا جس کا ان سے وعدہ ہے یعنی ظہور کذب ومذاہب فاسدہ وتسلط کفار۔ سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے۔(ت) امام احمد ومسلم نے حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۱۸، ۱۹: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

النجوم امان لاهل السماء واهل بیتی امان لامتی [2]۔	ستارے آسمان والوں کے لیے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لیے پناہ۔

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب بیان ان بقاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امان لاصحابہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۰۸/۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی موسٰی الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۳۹۹/۴

[2] الصواعق المحرقۃ باب الامان ببقائھم دار الکتب العلمیۃ بیروت ص ۳۵۱

اقول: اگر اہلبیت میں تعمیم ہو جیسا کہ ظاہر حدیث ہے تو غالبًا یہاں ہلاک مطلق وارتفاع قرآن عظیم وہدم کعبہ معظّمہ وویرانی مدینہ طیبہ سے پناہ مراد ہو کہ جب تک اہل بیت اطہار رہیں گے یہ جانگزا بلائیں پیش نہ آئیں گی۔ واللہ ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اور بر تقدیر خصوص ظہور طوائف ضالہ مراد ہو،

کما فی روایۃ ابی یعلی فی مسندہ عن سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن والحاکم فی المستدرک وصحح وتعقب عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ولفظہ النجوم امان لاھل الارض من الغرق واھل بیتی امان لامتی من الاختلاف[1] الحدیث۔	جیسا کہ مسند ابو یعلٰی کی روایت میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن ہے۔ اور حاکم نے مستدرک میں اسے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کی پیروی کی، ان کے الفاظ یہ ہیں: ستارے زمین والوں کے لئے غرق ہونے سے امان ہیں اور میرے اہل بیت میری امت کے لیے اختلاف سے امان ہیں، الحدیث۔ (ت)

حدیث ۲۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اھل بیتی امان لامتی فاذ اذھب اھل ابیتی اتاھم ما یوعدون۔ الحاکم[2] وتعقب عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میرے اہلبیت میری امت کے لے امان ہیں جب اہل بیت نہ رہیں گے امت پر وہ آئیگا جو ان سے وعدہ ہے (حاکم نے روایت کی اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی پیروی کی۔ ت)

حدیث ۲۱: عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے کہ انہوں نے فرمایا:

کان من دلالات حمل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان کل دابۃ کانت لقریش نطقت تلك	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حمل مبارک کی نشانیوں سے تھا کہ قریش کے جتنے چوپائے تھے سب نے اس رات کلام کیا اور کہا رب کعبہ کی

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ اھل بیتی امان لامتی دار الفکر بیروت ۳ /۱۴۹

[2] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ اھل بیتی امان لامتی دار الفکر بیروت ۳ /۱۴۹

اللیلة وقالت حمل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورب الکعبة وھو امان الدنیا وسراج اھلھا[1]۔	قسم! رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حمل میں تشریف فرما ہوئے وہ تمام دنیا کی پناہ اور اہل عالم کے سورج ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۲۲و۲۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا الحوائج الی ذوی الرحمة من امتی ترزقوا وفی لفظ اطلبوا الفضل عند الرحماء من امتی تعیشوا فی اکنافھم فان فیھم رحمتی وفی لفظ اطلبوا الفضل من الرحماء وفی روایة اخرٰی اطلبوا المعروف من رحماء امتی تعیشوا فی اکنافھم۔ العقیلی[2] والطبرانی فی الاوسط باللفظ الاول وابن حبان والخرائطی و القضاعی وابوالحسن الموصلی والحاکم فی التاریخ[3] بالثانی والعقیلی بالثالث کلھم عن سعیدؓ الخدری و الاخری للحاکم فی المستدرک[4] عن علیؓ المرتضی رضی اللہ	میرے رحم دل امتیوں سے حاجتیں مانگو رزق پاؤ گے اور ایک روایت میں ہے ان سے فضل طلب کرو ان کے دامن میں آرام سے رہوگے کہ ان میں میری رحمت ہے۔ اور ایک اور روایت میں ہے میری رحمدل امتیوں سے بھلائی چاہو ان کی پناہ میں چین سے رہوگے۔ عقیلی اور طبرانی نے اوسط میں بلفظ اول اور ابن حبان، خرائطی، قضاعی، ابوالحسن موصلی اور حاکم نے تاریخ میں بلفظ دوم جبکہ عقیلی نے بلفظ سوم روایت کیا ہے۔ ان سب نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور مستدرک حاکم میں دوسری روایت میں بروایت علی رضی اللہ تعالٰی

I.T. Majlis of DawateIslami

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابو نعیم عن ابن عباس باب مظہر فی لیلة مولدہ الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۴۷

[2] کنزالعمال بحوالہ عق، طس عن ابی سعید حدیث ۱۶۸۰۱ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۸، الجامع الصغیر بحوالہ عق، طس عن ابی سعید حدیث ۱۱۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۷۲

[3] الجامع الصغیر بحوالہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق حدیث ۱۱۱۴ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۷۲، کنزالعمال بحوالہ الخرائطی فی مکارم الاخلاق حدیث ۱۶۸۰۹ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۹

[4] المستدرک للحاکم کتاب الرقاق اھل المعروف فی الدنیا الخ دارالفکر بیروت ۴/ ۳۲۱، کنزالعمال حدیث ۱۶۸۰۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۵۱۹

تعالٰی عنہ۔	عنہ ہے۔(ت)

حدیث ۲۴تا ۳۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا الخیر والحوائج من حسان الوجوہ[1]۔	بھلائی اور اپنی حاجتیں خُوشرُویوں سے مانگو۔

ع کہ معنی بود وصورت خوب را

کہ یہ خوش رو حضرات اولیائے کرام ہیں کہ حسن ازلی جن سے محبت فرماتا ہے۔

من کثرت صلٰوتہ باللیل حسن وجھہ بالنھار[2]۔	(جو رات کو کثرت سے نماز پڑھتا ہے اللہ تعالٰی اس کے چہرے کو دن کی روشنی جیسا حسن عطا کردیتا ہے۔ت)

اور جود کامل وسخائے شامل بھی انہیں کا حصہ کہ وقت عطا شگفتہ روئی جس کا اد نٰی ثمرہ۔

الطبرانی فی الکبیر عن ابن عباس بھٰذا اللفظ و العقیلی والخطیب وتمام الرازی فی فوائدہٖ والطبرانی فی الکبیر والبیہقی فی شعب الایمان عنہ وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج والعقیلی والدارقطنی فی الافراد والطبرانی فی الاوسط وتمام والخطیب فی رواۃ مالك عن ابی ھریرۃ،وابن عساکر والخطیب فی تاریخھما عن انس بن مالك،والطبرانی فی الاوسط و العقیلی والخرائطی فی اعتلال القلوب و تمّام وابو سھل وعبدالصمد بن	طبرانی نے کبیر میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ان ہی لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عقیلی، خطیب، تمام رازی اپنی فوائد میں، طبرانی کبیر میں اور بیہقی شعب الایمان میں ان ہی سے راوی ہیں۔ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں، عقیلی ودارقطنی نے افراد میں، طبرانی نے اوسط میں، تمام اور خطیب نے بواسطہ مالک حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ابن عساکر اور خطیب نے اپنی تاریخ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔طبرانی نے اوسط میں، عقیلی وخرائطی نے اعتلال القلوب میں، تمام وابو سہل اور عبدالصمد بن

[1] المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۱۱۱۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۱/ ۸۱

[2] کنزالعمال حدیث ۲۱۳۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۷۸۳

عبد الرحمن البزار فی جزئه وصاحب المهر انیات فیها عن جابر بن عبدالله ،وعبدبن حمید فی مسنده وابن حبان فی الضعفاء وابن عدی فی الکامل والسلفی فی الطیوریات عن ابن عمر ،وابن النجار فی تاریخه عن امیرالمومنین علی،والطبرانی فی الکبیر عن ابی خصیفة وتمام عن ابی بکرة،والبخاری فی التاریخ وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج،وابو یعلیٰ فی مسنده،والطبرانی فی الکبیر والعقیلی والبیهقی فی شعب الایمان وابن عساکر عن ام المؤمنین الصدیقة کلهم بلفظ اطلبوا الخیر عند حسان الوجوه[1]،کما	عبدالرحمٰن بزار نے اس کو اپنی جزء میں اور صاحب مہرانیات نے مہرانیات میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ جبکہ عبد بن حمید نے اپنی مسند میں، ابن حبان نے ضعفاء میں، ابن عدی نے کامل میں اور سلفی نے طیوریات میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ابن نجار نے اپنی تاریخ میں امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ طبرانی نے کبیر میں ابو خصیفہ سے اور تمام نے ابو بکرہ سے روایت کیا۔ بخاری نے تاریخ میں، ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں، ابو یعلٰی نے اپنے مسند میں، طبرانی نے کبیر میں، عقیلی و بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ ان سب نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ ''خوشرویوں سے بھلائی طلب کرو'' جیساکہ

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب الصبر والشکر بیان حقیقة النعمة واقسامها دارالفکر بیروت ۹ /۹۱، کشف الخفاء تحت الحدیث ۳۹۴ دارالکتب العلمیة بیروت ۱ /۱۲۲و۱۲۳، تاریخ بغداد ذکر مثانی الاسماء دارالکتاب بیروت ۴ /۱۸۵، تاریخ بغداد ترجمه ایوب بن الولید ۳۴۸۳ دارالکتاب بیروت ۷ /۱۱، تاریخ بغداد ترجمہ عبدالصمد بن احمد ۵۷۲۲ دارلکتاب بیروت ۱۱ /۴۳، تاریخ بغداد عصمۃ بن محمد الانصاری ۱۴۱۷ دار الکتاب بیروت ۱۳ /۱۵۸، الضعفاء الکبیر حدیث ۱۳۶۶ دارالکتب العلمیة بیروت ۳ /۳۴۰، شعب الایمان تحت الحدیث ۳۵۴۳ دارالکتب العلمیة بیروت ۳/۲۷۹، (باقی برصفحہ آئندہ)

عند الاکثر اوالتمسوا [1] کما التمام عن ابن عباس و الخطیب عن انس۔والطبرانی عن ابی خصیفۃ۔او ابتغوا [2] کما للدارقطنی عن ابی ھریرۃ ولفظہ عندابن عدی عن ام المؤمنین اطلبوا الحاجات وھو فی کاملہ [3] والبیھقی فی شعب	اکثر کے نزدیک ہے۔یا اطلبوا کی جگہ التمسوا ہے جیسا کہ تمام نے ابن عباس،خطیب نے حضرت انس اور طبرانی نے ابو خصیفہ سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔یا لفظ ابتغوا ہے جیسا کہ دارقطنی نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے۔ابن عدی کی کامل میں بروایت ام المومنین حدیث کے الفاظ یوں ہیں کہ "اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۳ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۲ /۵۱،کنزالعمال بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۱۶۷۹۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۵۱۶،الجامع الصغیر بحوالہ قط فی الافراد حدیث ۴۴ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۹،الجامع الصغیر بحوالہ تخ حدیث ۱۱۰۷ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۷۲،المعجم الاوسط عن ابی ھریرۃ حدیث ۳۷۹۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۴ /۴۲۲،کنز العمال حدیث ۱۶۷۹۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۵۱۶،المعجم الاوسط عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ حدیث ۶۱۱۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۷ /۱۷،مجمع الزوائد باب مایفعل طالب الحاجۃ وممن یطلبھا دارالکتاب بیروت ۸ /۱۹۴ و۱۹۵،الکامل لابن عدی ترجمہ سلیم بن مسلم۔دارالفکر بیروت ۳ /۱۱۶۷،المنتخب من مسند عبد بن حمید حدیث ۷۵۱ عالم الکتب بیروت ص ۲۴۳،اعتلال القلوب للخرائطی حدیث ۳۴۲ و۳۴۳ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۱ /۱۶۶ و۱۶۷،موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۵۲ و۵۱ مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت ص ۵۰ و۵۱،الضعفاء الکبیر ترجمہ سلیمان بن راقم ۵۹۹ ۲ /۱۲۱ وترجمہ سلیمان بن کراز ۶۲۸ ۲ /۱۳۹،شعب الایمان حدیث ۳۵۴۱ و۳۵۴۲ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳ /۲۷۸

[1] المعجم الکبیر عن ابی خصیفۃ حدیث ۹۸۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲ /۳۹۶،تاریخ بغداد ترجمہ محمد بن محمد ۱۲۸۷ دارالکتاب العربی بیروت ۳ /۲۲۶

[2] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد عن ابی ھریرۃ حدیث ۱۶۷۹۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶ /۵۱۶

[3] الکامل لابن عدی ترجمہ الحکم بن عبداللہ دارالفکر بیروت ۲ /۶۲۲

عن عبداللہ بن جراد بلفظ اذا ابتغیتم المعروف فاطلبوہ عند حسان الوجوہ [1] واحمد بن منیع فی مسندہ عن یزید القسملی بلفظ اذا طلبتم الحاجات فاطلبوھا [2] وابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن ابن مصعب الانصاری وعن عطاء وعن ابن شہاب الثلثۃ مراسیل رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	حاجات طلب کرو''۔ بیہقی نے شعب الایمان میں عبداللہ بن جراد سے بایں الفاظ روایت کیا ہے کہ ''جب بھلائی طلب کرو تو خوشرویوں کے پاس طلب کرو۔'' احمد بن منیع نے اپنی مسند میں یزید القسملی سے ان لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ''جب حاجات طلب کرو تو خوشرویوں کے ہاں طلب کرو۔'' ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابن مصعب انصاری، عطاء اور ابن شہاب سے روایت کیا، یہ تینوں حدیثیں مرسل ہیں، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔(ت)

حدیث ۳۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اطلبوا الایادی عند فقراء المسلمین فان لھم دولۃ یوم القیٰمۃ [3]۔ابو نعیم فی الحلیۃ عن ابی الربیع السائح معضل۔	نعمتیں مسلمان فقیروں کے پاس طلب کرو کہ روز قیامت ان کی دولت ہے۔(ابو نعیم نے حلیہ میں ابو الربیع السائح سے معضل (سخت مشکل) روایت کی۔ت)

حدیث ۳۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان اللہ تعالٰی عبادا اختصھم لحوائج الناس یفزع الناس الیھم فی حوائجھم اولٰئك الاٰمنون من عذاب اللہ۔الطبرانی	اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے انہیں حاجت روائی خلق کے لیے خاص فرمایا ہے لوگ گھبرائے ہوئے اپنی حاجتیں اپنے پاس لاتے ہیں، یہ بندے عذاب الٰہی سے امان

[1] شعب الایمان حدیث ۱۰۸۷۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/ ۴۳۵

[2] اتحاف السادۃ المتقین کتاب الصبر والشکر بیان حقیقۃ النعمۃ واقسامھا دار الفکر بیروت ۹/ ۹۱، کشف الخفاء تحت الحدیث ۳۹۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۳، المصنف لابن ابی شیبۃ حدیث ۲۶۲۶۹، ۲۶۲۶۸، ۲۶۲۶۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۴۳۵

[3] حلیۃ الاولیاء ترجمہ ابی الربیع السائح ۴۱۸ دار الکتاب العربی بیروت ۸/ ۲۹۷

فی الکبیر [1] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند حسن۔	میں ہیں۔ (طبرانی نے کبیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

حدیث ۴۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا اراد اللہ بعبد خیرا استعملہ علی قضاء حوائج الناس۔ البیہقی فی الشعب [2] عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جب اللہ تعالٰی کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اس سے مخلوق کی حاجت روائی کا کام لیتا ہے (بیہقی نے شعب میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۴۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا اراد اللہ بعبد خیرًا صیر حوائج الناس الیہ۔ مسند الفردوس [3] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اللہ تعالٰی جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے لوگوں کا مرجع حاجات بناتا ہے (مسند فردوس میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا۔ ت)

حدیث ۴۲و۴۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: میری تمہاری کہاوت ایسی ہے جیسے کسی نے آگ روشن کی، پنکھیاں اور جھینگر اس میں گرنا شروع ہوئے وہ انہیں آگ سے ہٹا رہا ہے،

وانا اٰخذ بحجزکم عن النار وانتم تفلتون من یدی۔ احمد ومسلم عن جابر واحمد [4]	اور میں تمہاری کمریں پکڑے تمہیں آگ سے بچا رہا ہوں اور تم میرے ہاتھ سے نکلنا چاہتے ہو۔ (احمد اور مسلم نے حضرت جابر سے اور احمد نے

[1] کنزالعمال بحوالہ طب عن ابن عمر حدیث ۱۶۰۰۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۳۵۰

[2] شعب الایمان حدیث ۷۶۵۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۱۱۷

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۹۳۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۲۴۳

[4] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب شفقتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی اُمتہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۴۸، مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۹۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۴۰

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	حضرت ابوہریرۃ سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ت)

حدیث ۴۴: کہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لیس منکم رجل الا انا ممسك بحجزتہ ان یقع فی النار۔الطبرانی فی الکبیر[1] عن سمرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	تم میں ایسا کوئی نہیں کہ میں اس کا کمر بند پکڑے روک نہ رہا ہوں کہ کہیں آگ میں نہ گر پڑے۔(طبرانی نے کبیر میں سمرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۴۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: اللہ عزوجل نے جو حرمت حرام کی اس کے ساتھ یہ بھی جانا کہ تم میں کوئی جھانکنے والا اسے ضرور جھانکے گا۔

الاو انی ممسك بحجز کم ان تھافتوا فی النار کما تھافت الفراش والذباب۔احمد والطبرانی[2] فی الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	سن لو اور میں تمہارے کمر بند پکڑے ہوں کہ کہیں پے در پے آگ میں پھاند نہ پڑو جیسے پروانے اور مکھیاں۔(احمد اور طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اللہ اکبر! اس سے زیادہ اور کیا دفع بلا ہوگا، ولٰکن الوھابیۃ لایعلمون (لیکن وہابی نہیں جانتے۔ت)

تنبیہ: بائیس ۲۲ سے چوالیس ۴۴ تک چوبیس حدیثیں قابل اندراج وجہ دو تھیں کہ قطعًا للشغف یہیں درج ہوئیں۔

حدیث ۴۶ تا ۵۲: سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی:

---

[1] المعجم الکبیر عن سمرۃ رضی اللہ عنہ حدیث ۱۰۰۷ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۷/ ۲۶۹

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۴۲۴، المعجم الکبیر عن ابن مسعود حدیث ۱۰۵۱۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۶۵

اللھم اعز الاسلام باحب ھٰذین الرجلین الیك بعمر بن الخطاب او بابی جھل بن ھشام [1]۔ احمد و عبد بن حمید والترمذی وحسنہ وصححہ وابن سعد وابو یعلٰی والحسن	الٰہی ! اسلام کو عزت دے ان دونوں مردوں میں جو تجھے زیادہ پیارا ہو اس کے ذریعہ سے یا تو عمر بن الخطاب یا ابوجہل بن ہشام۔(روایت کیا اس کو احمد وعبد بن حمید وترمذی نے اور اسے حسن

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۹۵، المنتخب من مسند عبد بن حمید حدیث ۷۵۹ عالم الکتب بیروت ص ۲۴۵، سنن الترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب عمر بن خطاب حدیث ۳۷۰۱ دارالفکر بیروت ۵ /۳۸۳، سنن الترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب عمر بن خطاب حدیث ۳۷۰۳ دارالفکر بیروت ۵ /۳۸۴، کنزالعمال بحوالہ البغوی عن ربیع السعدی حدیث ۳۲۷۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱ /۵۸۳، کنزالعمال حدیث ۷۲، ۷۳، ۷۴۔۳۲۷۷۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۵۸۲، کنز العمال بحوالہ خیثمۃ فی فضائل الصحابۃ حدیث ۳۵۸۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۶۰۲، کنزالعمال بحوالہ یعقوب بن سفیان حدیث ۳۵۸۴۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۵۹۲، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ عمر بن الخطاب ۵۳۰۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷ /۵۰تا ۶۸، کشف الخفاء تحت حدیث ۵۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱ /۱۶۶، دلائل النبوۃ للبیہقی باب ذکر اسلام عمر بن الخطاب دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۲۱۶و۲۲۰، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ترجمہ ارقم بن ابی الارقم دارصادر بیروت ۳/ ۲۴۲ و ۲۶۷ و ۲۶۹، المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دارصادر بیروت ۳/ ۸۳و۵۰۲، السنن الکبرٰی کتاب قسم الفئی والغنیمۃ دارصادر بیروت ۶ /۳۷۰، المعجم الکبیر عن ثوبان رضی اللہ عنہ حدیث ۱۴۲۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲ /۹۷، المعجم الکبیر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث ۱۰۳۱۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۰ /۱۹۷، تاریخ بغداد ترجمہ احمد بن بشر ۱۶۶۱ دارالکتاب العربی بیروت ۴ /۵۴، المعجم الاوسط حدیث ۴۷۴۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۵ /۳۷۸، المعجم الاوسط حدیث ۱۸۸۱ مکتبۃ المعارف ریاض ۲ /۵۱۲

بن سفٰین فی فوائدہٖ والبزار وابن مردویة وخیثمة بن سلیمان فی فضائل الصحابة وابو نعیم والبیھقی فی دلائلھما وابن عساکر کلھم عن امیر المومنین عمر۔ والترمذی عن انس والنسائی عن ابن عمر واحمد وابن حمید وابن عساکر عن خباب بن الارت والطبرانی فی الکبیر والحاکم عن عبداللہ ابن مسعود والترمذی والطبرانی وابن عساکر عن ابن عباس والبغوی فی الجعدیات عن ربیعة السعدی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین. ورواہ ابن عساکر عن ابن عمر بلفظ اللھم اشدد[1] وکابن النجار عنه بلفظ الحدیث الثانی وابو داؤد الطیالسی والشاشی فی فوائدہ والخطیب عن ابن مسعود بلفظ الصدیق الآتی۔	اور صحیح کہا۔ اورابن سعد وابویعلٰی وحسن بن سفیان نے اپنی فوائد میں۔ اور بزار، ابن مردویہ، خیثمہ بن سلیمان فضائل صحابہ میں، ابو نعیم و بیہقی دلائل النبوۃ میں اور ابن عساکر، یہ تمام امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی ہیں۔ ترمذی نے اس سے، نسائی نے ابن عمر سے، احمد بن حمید وابن عساکر نے خباب بن الارت سے، طبرانی نے کبیر میں اور حاکم نے عبداللہ بن مسعود سے۔ ترمذی، طبرانی اور ابن عساکر نے ابن عباس سے اور بغوی نے جعدیات میں ربیعہ بن سعدی سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اور ابن عساکر نے اس کو ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے "اللھم اشدد" کے لفظ سے روایت کیا اور ابن نجار کی طرح اس کو بلفظ حدیث دوم روایت کیا۔ ابو داود طیالسی اور شاشی نے اپنی فوائد میں اور خطیب نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بلفظ صدیق روایت کیا جو آگے آرہا ہے، رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ (ت)

حدیث ۵۳تا۸۷: کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا فرمائی:

اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب	الٰہی! خاص عمر بن الخطاب کے ذریعے سے

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ عمر بن الخطاب ۵۳۰۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۷ /۵۱

خاصة[1]۔ابن ماجة وابن عدی والحاکم والبیھقی عن ام المومنین الصدیقة وبلالفظ خاصة ابو القاسم الطبرانی عن ثوبان والحاکم عن الزبیر و ابن سعد من طریق الحسن المجتبٰی وخیثمة بن سلیمان فی الصحابة واللالکائی فی السنة وابو طالب ن العشاری فی فضائل الصدیق وابن عساکر جمیعًا من طریق النزال بن سبرة عن امیر المومنین علی و ابن عساکر عنھما اعنی الزبیر والامیر معًا کالطبرانی فی الاوسط عن ابی بکر ن الصدیق بلفظ اید الاسلام رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین۔	اسلام کو عزت دے۔(ابن ماجہ، ابن عدی، حاکم اور بیہقی نے اس کو ام المومنین صدیقہ سے روایت کیا اور لفظ خاصّہ کے بغیر اس کو ابوالقاسم طبرانی نے ثوبان سے، حاکم نے زبیر سے، ابن سعد نے بطریق حسن مجتبی وخیثمہ بن سلیمان نے صحابہ میں اور لالکائی نے سنّہ میں اور ابوطالب عشاری نے فضائل صدیق میں اور ابن عساکر نے، ان سب نے بطریق نزال بن سبرہ امیر المومنین سیدنا حضرت علی سے اور ابن عساکر نے حضرت زبیر اور حضرت علی دونوں سے، جیساکہ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابوبکر صدیق سے "اید الاسلام" کے لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ت)

اس دعائے کریم کے باعث عمر فاروق اعظم کے ذریعہ سے جو عزتیں اسلام کو ملیں جو بلائیں اسلام و مسلمین پر سے دفع ہوئیں مخالف وموافق سب پر روشن ومبین۔ واللہ اعبد اللہ

[1] سنن ابن ماجة فضل عمر رضی اللہ عنہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷، الکامل لابن عدی ترجمہ مسلم بن خالد دارالفکر بیروت ۶/۲۳۱۰، المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۸۳، السنن الکبرٰی کتاب قسم الفئی والغنیمة دارصادر بیروت ۶/ ۳۷۰، المعجم الکبیر عن ثوبان حدیث ۱۴۲۸ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲/ ۹۷، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ عمر بن الخطاب ۵۳۰۲ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷/ ۵۲، کنزالعمال بحوالہ خیثمہ واللالکائی والعشاری حدیث ۳۶۶۹۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۳۲، المعجم الاوسط حدیث ۸۲۴۹ مکتبۃ المعارف ریاض ۹/ ۱۱۹و۱۲۰

بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

مازلنا اعزة منذ اسلم عمر [1]۔البخاری فی صحیحہ و ابو حاتم الرازی فی مسندہ وابن حبان عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ہم ہمیشہ معزز رہے جب سے عمر اسلام لائے۔(امام بخاری علیہ الرحمہ نے اپنی بخاری میں اور ابو حاتم رازی نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

نیز فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

کان اسلام عمر فتحا وھجرته نصرًا وامارته رحمة لقد رأیتنا وما نستطیع ان نصلی بالبیت حتی اسلم عمر [2]۔رواہ ابو ظاھر السلفی واٰخرہ لابن اسحٰق فی سیرته بمعناہ۔	عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کا اسلام فتح تھا اور ان کی ہجرت نصرت اور ان کی خلافت رحمت، بیشک میں نے اپنے گروہ صحابہ کو دیکھا کہ جب تک عمر مسلمان نہ ہوئے ہمیں کعبہ معظّمہ میں نماز پر قدرت نہ ملی۔(اس کو روایت کیا ابو ظاہر سلفی نے اور اس کے بعد سیرۃ ابن اسحٰق میں انہیں معنوں میں۔ت)

نیز فرماتے ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہ:

ماصلینا ظاھرین حتی اسلم عمر	جب تک عمر مسلمان نہ ہوئے ہم نے آشکار نماز

[1] صحیح البخاری کتاب المناقب مناقب عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۵۲۰، المستدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابة دارالفکر بیروت ۳/ ۸۴، الطبقات الکبری لابن سعد اسلام عمر رضی اللہ عنہ دارصادر بیروت ۳/ ۲۷۰، صفة الصفوة ذکر اسلام عمر رضی اللہ عنہ دارالمعرفة بیروت ۱/ ۲۷۴

[2] السیرة النبویة لابن ھشام اسلام ابن عمر رضی اللہ عنہ دار ابن کثیر بیروت الجزئین الاولین ص ۳۴۲، اسدالغابة ترجمہ ۳۸۲۴ عمر بن الخطاب دارالفکر بیروت ۳/ ۶۴۸، لریاض النضرة الباب الثانی فی مناقب عمر بن الخطاب حدیث ۵۸۶ دارالمعرفة بیروت الجزء الثانی ص ۲۴۴

ظھر الاسلام ودعا الی اللہ علانیۃً۔ اخرجہ الدولابی فی الفضائل [1]۔	نہ پڑھی جس دن سے وہ اسلام لائے دین نے غلبہ پایا اور انہوں نے علانیہ اللہ عزوجل کی طرف بلایا(دولابی نے فضائل میں اسے بیان کیا۔ت)

صہیب رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

لما اسلم عمر جلسنا حول البیت حلقًا وطفنابہ و انتصفنا ممن غلظ علینا۔ خرجہ ابو الفرج فی صفۃ الصفوۃ [2]۔	جب عمر مسلمان ہوئے ہم گردخانہ کعبہ حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے اور طواف کیا اور ہم پر جو سختی کرتے تھے ان سے اپنا انصاف لیا۔(ابوالفرج نے اسے صفۃ الصفوۃ میں بیان کیا۔ت)

حدیث ۵۸: عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اسلام لاتے ہی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

انی لاجد صفتك فی کتاب اللہ یا یھاالنبی انا ارسلنٰك شاھداً ومبشرًا ونذیرًا الی قولہ لن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العوجاء حتی یقولوا لا الہ الا اللہ و یفتح بہ اعینا عمیًا واٰذانًا صمًا وقلوبًا غلفًا [3]۔	زید بن اسلم عن عبداللہ بن سلام، والدارمی والبیہقی من طریق عطاء بن یسار عنہ نحوہ ولہ طریق ثانی فی الباب الاٰتی ان شاء اللہ تعالٰی۔ بیشک میں حضور(صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی صفت توراۃ میں پاتا ہوں، اے نبی! یقینا ہم نے تجھے بھیجا گواہ اور اپنی امت کے تمام احوال و افعال پر مطلع اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ اللہ عزوجل اس نبی کو نہ اٹھائے گا یہاں تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کہہ دیں اور اس نبی کے ذریعے

[1] الریاض النضرۃ الباب الثانی فی مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث ۵۸۶ دار المعرفۃ بیروت، الجزء الثانی ص ۲۴۴

[2] صفۃ الصفوۃ ذکر اسلام عمر رضی اللہ عنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۲۷۴

[3] دلائل النبوۃ للبیہقی باب صفۃ رسول اللہ فی التوراۃ والانجیل دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۸۶، سنن الدارمی باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتب قبل مبعثہ دار المحاسن للطباعۃ لقاھرۃ ۱/ ۱۴، الخصائص الکبری بحوالہ ابن عساکر والدارمی والبیہقی باب ذکرہ فی التوراۃ الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۱۰، الطبقات الکبرٰی ذکر صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل دار صادر بیروت ۱/ ۳۶۰، تاریخ دمشق الکبیر باب ماجاء فی الکتب من نعتہ وصفاتہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۱۸و۲۱۹

الطبرانی و ابو نعیم فی الدلائل وابن عساکر عن محمد بن حمزۃ بن یوسف بن عبداللہ بن سلام عن ابیہ عن جدہٖ وابن عساکر ایضًا من طریق زید بن اسلم عن عبد اللہ بن سلام، والدارمی والبیھقی من طریق عطاء بن یسار عنہ نحوہ ولہ طریق ثانی فی الباب الاٰتی ان شاء اللہ تعالٰی۔	سے اندھی آنکھیں اور بہرے کان اور غلاف چڑھے دل کھل جائیں گے۔(روایت کیا طبرانی اورابو نعیم نے دلائل میں، اورابن عساکر محمد بن حمزہ بن یوسف بن عبداللہ بن سلام سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا سے، نیز ابن عساکر نے بطریق زید بن اسلم عبداللہ بن سلام سے، اور دارمی اور بیہقی نے بطریق عطاء بن یسار انہیں سے ایسے ہی اور طریق دیگر آئندہ باب میں آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ت)

حدیث ۵۹: کہ اللہ عزوجل نے شعیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی:

انی باعث نبیا امیًّا افتح بہ اٰذانًا صمًّا وقلوبًا غلفًا واعینًا عمیًّا الی ان قال اھدی بہ من بعد الضلالۃ و اعلم بہ بعد الجھالۃ وارفع بہ بعد الخمالۃ واسمی بہ بعد النکرۃ واکثر بہ بعد القلۃ واغنی بہ بعد العیلۃ واجمع بہ بعد الفرقۃ واؤلف بہ بین قلوب و اھواء متشتتۃ وامم مختلفۃ ابن ابی حاتم عن وھب بن منبّہ[1]۔	بیشک میں ایک نبی امی کو بھیجنے والا ہوں جس کے ذریعے سے بہرے کان اور غلاف چڑھے دل اور اندھی آنکھیں کھول دوں گا اور اس کے سبب گمراہی کے بعد ہدایت دوں گا، اس کے ذریعے سے جہل کے بعد علم دوں گا، اس کے وسیلے سے گمنامی کے بعد بُلند نامی دوں گا، اس کے ذریعے سے ناشناسی کے بعد شناخت دوں گا، اس کے واسطے سے کمی کے بعد کثرت دوں گا، اس کے سبب سے محتاجی کے بعد غنی کردوں گا، اس کے وسیلے سے پھوٹ کے بعد یکدلی دوں گا، اس کے وسیلے سے پریشان دلوں، مختلف خواہشوں، متفرق امتوں میں میل کردوں گا۔(ابن حاتم نے وہب بن منبہ سے روایت کیا۔ت)

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن ابی حاتم عن وھب بن منبہ مرکز اہل سنت گجرات الہند ۱/ ۱۳

للہ انصاف ! یہ کس قدر بلاؤں کا حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے وسیلے سے دفع ہونا ہے وللہ الحمد۔

حدیث ۶۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لما خلق اللہ العرش کتب علیہ بقلم من نورٍ طول القلم مابین المشرق والمغرب لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، بہ اٰخذ وبہ اعطی وامتہ افضل الامم و افضلھا ابوبکرن الصدیق۔ الرافعی[1] عن سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب اللہ تعالٰی نے عرش بنایا اس پر نور کے قلم سے جس کا طول مشرق سے مغرب تک تھا لکھا اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں، میں انہیں کے واسطے سے لُوں گا اور انہیں کے وسیلے سے دوں گا، ان کی امت سب امتوں سے افضل ہے اور ان کی امت میں سب سے افضل ابو بکر صدیق (رضی اللہ تعالٰی عنہ) (رافعی نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

بحمد اللہ تعالٰی اسی حدیث جلیل جامع پر ختم کیجئے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ کا تمام لینا دینا اخذ وعطا سب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھوں ان کے واسطے سے ان کے وسیلے سے ہے، اسی کو خلافت عظمٰی کہتے ہیں۔ وللہ الحمد حمدًا کثیرًا۔

دیکھو! بشہادت خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رزق پانا، مدد ملنا، مینہ برسنا، بلا دور ہونا، دشمنوں کی مغلوبی، عذاب کی موقوفی، یہاں تک کہ زمین کا قیام، زمین کی نگہبانی، خلق کی موت، خلق کی زندگی، دین کی عزت، امت کی پناہ، بندوں کی حاجت روائی، راحت رسانی سب اولیاء کے وسیلے اولیاء کی برکت اولیاء کے ہاتھوں اولیاء کی وساطت سے ہے مگر مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دفع بلا کا واسطہ مانا اور شرک پسندوں نے مشرک جانا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور بحمد اللہ تعالٰی تین حدیث اخیر نے روشن ومستنیر کردیا کہ جو نعمت ملی جو بلا ٹلی سب مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے باعث حاصل وزائل ہوئی، بارگاہ الٰہی کا لینا دینا سارا کارخانہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھوں پر ہے ہاں ہاں لا واللہ

[1] کنز العمال بحوالہ الرافعی عن سلمان حدیث ۳۲۵۸۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۵۴۹ و ۵۵۰

ثم باللہ ایک دفع بلاو حصول عطا کیا تمام جہان اوراس کا قیام سب انہیں کے دم قدم سے ہے عالم جس طرح ابتدائے آفرینش میں ان کا محتاج تھا کہ لولاك لما خلقت الدنیا [1] (اگرآپ نہ ہوتے میں دنیا کو پیدا ہی نہ کرتا۔ت)
یونہی بقامیں بھی ان کا محتاج ہے، آج اگران کا قدم درمیان سے نکال لیں ابھی ابھی فنائے مطلق ہوجائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا، وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہاں ہے [2]

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ وبارك وکرم۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۷

[2] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ۱/ ۷۹

باب دوم:

وجہ دوم پر نصوص لیجئے اور بحمد اللہ تعالٰی کیسے نصوص نجدیت شکن، جان وہابیت پر برق افگن، اس میں چوالیس ۴۴ آیتیں اور دو سو چالیس ۲۴۰ حدیثیں ہیں۔

فصل اوّل آیات شریفہ میں

آیت ۷: قال ربنا تبارك وتعالٰی:

"وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ"[1]۔	اور انہیں کیا برا لگا یہی نا کہ انہیں دولتمند کردیا اللہ اور اللہ کے رسول نے اپنے فضل سے۔

ہاں یہ جگہ ہے کہ غیظ میں کٹ جائیں بیمار دل۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے دولتمند کردیا اپنے فضل سے۔ اے اللہ کے رسول! مجھے اور سب اہلسنت کو دین و دنیا کا دولتمند فرما اور اپنے فضل سے۔ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم۔

میں گدا تو بادشاہ بھر دے پیالہ نور کا
نور دن دونا ترا دے ڈال صدقہ نور کا[2]

آیت ۸:

"وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۠ ۵۹"[3]۔	اور کیا خوب تھا اگر وہ راضی ہوتے خدا اور رسول کے دیئے پر، اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دے گا اللہ ہمیں اپنے فضل سے اور اس کا رسول، بیشک ہم اللہ کی طرف راغبت والے ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[2] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ۲/ ۳

[3] القرآن الکریم ۹/ ۵۹

یہاں رب العزت جل وعلانے اپنے ساتھ اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی دینے والا فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی کہ اللہ ورسول سے امید لگی رکھو کہ اب ہمیں اپنے فضل سے دیتے ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

آیت ۹:

"اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِ"[1]۔	اللہ نے اسے نعمت بخشی، اور اے نبی! تو نے اسے نعمت دی۔

آیت ۱۰:

"لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ"[2]۔	آدمی کے لیے بدلی والے ہیں اس کے آگے اور اس کے پیچھے کہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم سے۔

بدلی والے یہ کہ صبح کے محافظ عصر کو بدل جاتے ہیں اور عصر کے صبح کو، وللہ الحمد۔

آیت ۱۱:

"وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ"[3]۔	اللہ بھیجتا ہے تم پر نگہبانوں کو۔

ان آیات میں مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ فرشتوں کو ہمارا حافظ ونگہبان فرماتا ہے۔

آیت ۱۲:

"يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۴﴾"[4]۔	اے نبی! کافی ہے تجھے اللہ اور جو مسلمان تیرے پیرو ہوئے۔

یہاں رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے نام پاک کے ساتھ صحابہ کرام کو ملا کر فرماتا ہے: اے نبی! اب کہ عمر اسلام لے آیا تجھے اللہ اور یہ چالیس مسلمان کفایت کرتے ہیں۔

فی الجلالین حسبک اللہ وحسبک	جلالین میں ہے کافی ہے تجھے اللہ اور

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۳۷

[2] القرآن الکریم ۱۳/ ۱۱

[3] القرآن الکریم ۶/ ۶۱

[4] القرآن الکریم ۸/ ۶۴

من اتبعك [1]۔	کافی ہے تجھے وہ جس نے تیری پیروی کی۔(ت)

ترجمہ شاہ ولی اللہ میں ہے:

اے پیغامبر کفایت ست ترا خدا وآنا کہ پیروی تو کردہ انداز مسلمانان [2]۔	اے پیغمبر !کافی ہے تجھے خدا اور وہ مسلمان جنہوں نے تیری پیروی کی۔(ت)

آیت ۱۳: یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ" [3]۔ فی الجلالین انہ ای الذی اشترانی ربی سیدی [4]۔	بیشک عزیز مصر میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ تفسیر جلالین میں ہے بیشک وہ جس نے مجھے خریدا وہ میرا رب یعنی میرا آقا ہے۔(ت)

آیت ۱۴:

"اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا" [5]۔	اے زندان کے ساتھیو! تم میں ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا۔

آیت ۱۵:

"وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ" [6]۔	اور یوسف نے کہا اس سے جسے ان دونوں میں چھٹکارا پاتا سمجھا کہ اپنے رب کے پاس میرا چرچا کیجیو۔ یعنی بادشاہ مصر کے سامنے۔

آیت ۱۶: اس پر مولٰی تبارک وتعالٰی فرماتا ہے:

[1] جلالین کلاں تحت الآیۃ ۸ /۶۴ اصح المطابع دہلی ص ۱۵۳
[2] فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن (ترجمہ شاہ ولی اللہ) مطبع ہاشمی دہلی ص ۱۸۷
[3] القرآن الکریم ۱۲ /۲۳
[4] جلالین کلاں تحت الآیۃ ۱۲ /۲۳ اصح المطابع دہلی ص ۱۹۱
[5] القرآن الکریم ۱۲ /۴۱
[6] القرآن الکریم ۱۲ /۴۲

"فَاَنۡسٰىهُ الشَّيۡطٰنُ ذِكۡرَ رَبِّهٖ"[1]،	تو اسے بھلادیا شیطان نے اپنے رب بادشاہ مصر کے آگے یوسف کا ذکر کرنا۔
فی الجلالین ای الساقی الشیطن ذکر یوسف عند ربه[2]۔	جلالین میں ہے یعنی ساقی کو شیطان نے یوسف علیہ السلام کا ذکر اس کے رب کے آگے کرنا بھلادیا۔(ت)

آیت ۱۷:

"قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰى رَبِّكَ فَسۡــَٔلۡهُ مَا بَالُ النِّسۡوَةِ الّٰتِىۡ قَطَّعۡنَ اَيۡدِيَهُنَّ ؕ"[3]۔	یوسف نے کہا پلٹ جا اپنے رب کے پاس سو اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔

سبحان اللہ! بادشاہ وغیرہ کو تو مجازی پرورش کے باعث اس کا رب، تیرا رب، میرا رب کہنا صحیح ہو، اللہ فرمائے اللہ کا رسول فرمائے اور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہنا شرک۔

آیت ۱۸: رب جل وعلا اپنے مبارک بندے عیسٰی ابن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام سے فرماتا ہے:

"وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـــَٔةِ الطَّيۡرِ بِاِذۡنِىۡ فَتَـنۡفُخُ فِيۡهَا فَتَكُوۡنُ طَيۡرًۢا بِاِذۡنِىۡ وَ تُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِىۡ ۚ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِىۡ ۚ"[4]۔	اور جب تو بناتا مٹی سے پرند کی شکل میری پروانگی سے، پھر پھونک مارتا اس میں تو وہ ہوجاتی پرند میری پروانگی سے، اور تو اچھا کرتا مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میری پروانگی سے، اور جب تو قبروں سے مُردے نکالتا میری پروانگی سے۔

دفعِ بلائے مرض وابرائے اکمہ وابرص میں کتنا فرق ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۲

[2] جلالین کلاں تحت الآیۃ ۱۲/ ۴۲ اصح المطابع دہلی ص ۱۹۳

[3] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۰

[4] القرآن الکریم ۵/ ۱۱۰

آیت ۱۹: حضرت مسیح علیہ الصلٰوۃ والتسلیم فرماتے ہیں:

"اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْــٴَـةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْؕ (الی قولہ) وَ لِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حُرِّمَ عَلَیْكُمْ "[1]۔	میں بناتا ہوں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت پھر پھونکتا ہوں اسمیں تو وہ ہو جاتی ہے پرند اللہ کی پروانگی سے، اور میں شفاء دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور بدن بگڑے کو، اور میں زندہ کرتا ہوں مردے اللہ کی پروانگی سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے اور جو گھروں میں بھر رکھتے ہو تاکہ میں حلال کردوں تمہارے لئے بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں۔

سبحان اللہ! عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام جو فرمارہے ہیں میں خلق کرتا ہوں، شفا دیتا ہوں، مردے جِلاتا ہوں، بعض حراموں کو حلال کئے دیتا ہوں۔ ان اسنادوں کی نسبت کیا حکم ہوگا!

آیت ۲۰:

"وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْؕ "[2]۔	نکاح کردو اپنی بے شوہر عورتوں اوراپنے نیک بندوں اور کنیزوں کا۔

یہاں مولا عزوجل ہمارے غلاموں کو "ہمارا بندہ" فرمارہا ہے۔ اللہ کی شان زید کا بندہ، عمرو کا بندہ، اس کا بندہ، اس کا بندہ اللہ فرمائے رسول فرمائے صحابہ فرمائیں ائمہ فرمائیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ کہا اور شرک فروشوں نے حکم شرک جڑا، شائد ان کے نزدیک زید وعمرو خدا کے شریک ہو سکتے ہوں گے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

آیت ۲۱:

"اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ	وہ لوگ کہ پیروی کریں گے اس بھیجے ہوئے غیب کی باتیں بتانے والے بے پڑھے کی جسے لکھا پائیں گے اپنے پاس توریت وانجیل میں، وہ انہیں حکم

[1] القرآن الکریم ۳/ ۴۹و۵۰

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۲

بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىِٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ؕ "[1]۔	دے گا بھلائی کا اور روکے گا برائی سے، اور حلال کرے گا ان کے لیے ستھری چیزیں اور حرام کرے گا ان پر گندی چیزیں، اور اتارے گا ان پر سے ان کا بھاری بوجھ اور سخت تکلیفوں کے طوق جو ان پر تھے۔ (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

جان جہان وجہان جان اس جان جان وجان ایمان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاک مبارک ہاتھوں پر قربان جس نے ہماری پیٹھوں سے بھاری بوجھ اتار لئے ہماری گردنوں سے تکلیفوں کے طوق کاٹ دئے۔ للہ انصاف! اور دافع بلا کسے کہتے ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

آیت ۲۲: سیدنا ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی:

"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۲۹﴾ "[2]۔	اے رب ہمارے! اور ان میں انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیج کہ ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انہیں کتاب وحکمت سکھائے اور وہ پیمبر انہیں گناہوں سے پاک کردے، بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔

یہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے کہ:

انا دعوۃ ابی ابراھیم[3]۔	میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں (صلی اللہ تعالٰی علیہما وسلم)

آیت ۲۳: خود رب العزۃ جل وعلاء فرماتا ہے:

" كَمَاۤ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ یَتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِنَا وَ یُزَكِّیْكُمْ وَ یُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُعَلِّمُكُمْ	جس طرح بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تمہیں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتا اور تمہیں پاکیزہ بناتا اور تمہیں قرآن وعلم سکھاتا اور ان باتوں کا

[1] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۹

[3] دلائل النبوۃ باب ذکر مولد المصطفٰی الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۸۱، الدر المنثور تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۹ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۰۳ و ۳۰۴

مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۱۵۱﴾ "[1]۔	تم کو علم دیتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

آیت ۲۴:

" لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۶۴﴾ "[2]۔	بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا ایمان والوں پر جبکہ بھیجا ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھتا ہے ان پر آیتیں اللہ کی اور پاک کرتا ہے انہیں گناہوں سے اور علم دیتا ہے انہیں قرآن و حکمت کا اگرچہ تھے اس سے پہلے بیشک کھلی گمراہی میں۔

آیت ۲۵:

" هُوَ الَّذِىۡ بَعَثَ فِى الۡاُمِّيّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ۙ﴿۲﴾ وَّاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ ﴿۴﴾ "[3]۔	اللہ ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے یہ ان پر آیات الٰہیہ پڑھتا اور انہیں ستھرا کرتا اور انہیں کتاب وحقائق کا علم بخشتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے نیز پاک کرے گا اور علم عطا فرمائے گا ان کی جنس کے لوگوں کو جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہی غالب حکمت والا ہے، یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

الحمدللہ! اس آیہ کریمہ نے بیان فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا عطا فرمانا، گناہوں سے پاک کرنا، ستھرا بنانا صرف صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے خاص نہیں بلکہ قیام قیامت تک تمام امت مرحومہ حضور کی ان نعمتوں سے محظوظ اور حضور کی نظر رحمت سے ملحوظ رہے۔ والحمد

[1] القرآن الکریم ۲ /۱۵۱

[2] القرآن الکریم ۳ /۱۶۴

[3] القرآن الکریم ۶۲ / ۲تا۴

للہ رب العٰلمین۔

بیضاوی شریف میں ہے:

ھم الذین جاءوا بعد الصحابۃ الی یوم الدین[1]۔	یعنی یہ دوسرے جنہیں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علم دیتے اور خرابیوں سے پاک کرتے ہیں تمام مسلمان ہیں کہ صحابہ کرام کے بعد قیامت تک ہوں گے۔

معالم شریف میں ہے:

قال ابن زید ھم جمیع من دخل فی الاسلام بعد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (الی یوم القیٰمۃ) وھی روایۃ ابن ابی نجیح عن مجاھد[2]۔	ابن زید نے فرمایا: یہ دوسرے لوگ تمام اہل اسلام ہیں کہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد قیامت تک اسلام میں داخل ہوں گے۔ اور یہی معنی امام مجاہد شاگرد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابن ابی نجیح نے روایت کئے۔

الحمد للہ! قرآن عظیم میں حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ان تعریفوں کا اس قدر اہتمام ہے کہ چار جگہ یہ اوصاف بیان فرمائے دو جگہ سورہ بقرہ، تیسرے آل عمران، چوتھے سورہ جمعہ، اور اسکے آخر میں تو وہ جانفزا کلمے ارشاد ہوئے جنہوں نے ہم خفتہ بختوں کی تقدیر جگادی بیمار دلوں پر بجلی گرادی۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔

آیت ۲۶: جب ابولبابہ وغیرہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم نے غزوہ تبوک میں ہمراہ رکاب سعادت حاضر نہ ہوئے تھے اپنے آپ کو مسجد اقدس کے ستونوں سے باندھ دیا کہ جب تک حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نہ کھولیں گے نہ کھلیں گے، آیت اُتری:

"خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّیْهِمْ بِهَا	اے نبی! لے لو ان توبہ کرنے والوں کے مالوں سے صدقہ کہ تم پاک کرو انہیں اور تم ستھرا کردو

---

[1] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۶۲ /۳ دار الفکر بیروت ۵ /۳۳۷

[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۶۲ /۳ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴ /۳۱۱

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ "[1]۔	انہیں گناہوں سے اس صدقے کے سبب، اور دعائے رحمت کرو ان کے حق میں کہ تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

دیکھو حضور دافع البلا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں گناہوں سے پاک کیا اور حضور نے بلائے گناہ ان کے سروں سے ٹالی، اور جب حضور کی دعا ان کے دلوں کا چین ہوا تو یہی دفع الم ہے صلی اللہ تعالٰی علی دافع البلاء والالم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وسلم۔

آیت ۲۷:

"لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۞ "[2]۔	اللہ عزوجل کے یہاں شفاعت کے مالک وہی ہیں جنہوں نے رحمٰن کے ساتھ عہد وپیمان کر رکھا ہے۔

آیت ۲۸:

"وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ "[3]۔	جنہیں مشرکین اللہ کے سوا پوجتے ہیں ان میں شفاعت کے مالک صرف وہی ہیں جنہوں نے حق کی گواہی دی اور وہ علم رکھتے ہیں (یعنی عیسٰی وعزیز وملائکہ علیہم الصلٰوۃ والسلام)

ان آیات میں مولٰی تعالٰی اپنے محبوبوں کو شفاعت کا مالک بتاتا ہے اور عہد وپیمان مقرر ہو جانے سے تقویۃ الایمان کی اس بدلگامی کا منہ بھی سی دیا کہ شفاعت میں کسی کی خصوصیت نہیں جسے چاہے گا کھڑا کردے گا۔

آیت ۲۹:

"وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَ	نادانوں کو اپنے مال کہ خدا نے تمہاری ٹیک بنائے ہیں نہ دو اور انہیں ان میں سے رزق

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۰۳

[2] القرآن الکریم ۱۹/ ۸۷

[3] القرآن الکریم ۴۳/ ۸۶

اکْسُوْهُمْ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ "[1]۔	دو اور کپڑے پہناؤ اور ان سے اچھی بات کہو۔

آیت ۳۰:

" وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ "[2]۔	جب ترکہ بانٹتے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین آئیں تو انہیں ان میں سے رزق دو اور ان سے اچھی بات کہو۔ ان آیات میں بندوں کو حکم فرماتا ہے کہ تم رزق دو۔

آیت ۳۱:

" اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ "[3]۔	جب وحی بھیجی تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ثابت قدمی دو ایمان والوں کو۔

آیت ۳۲:

" فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝ "[4]:	قسم ہے ان فرشتوں کی کہ تمام کاروبارِ دنیا ان کی تدبیر سے ہے۔

یہ صفت بھی بالذات ذاتِ الٰہی جل وعلا کی ہے۔ قال اللہ تعالٰی: " یُدَبِّرُ الْاَمْرَ "[5] کام کی تدبیر فرماتا ہے۔ (ت)

خازن ومعالم التنزیل میں ہے:

قال ابن عباس هم الملئكة وكلوا باموعرفهم الله تعالٰى العمل بها قال عبدالرحمن	یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: یہ مدبرات الامر ملائکہ ہیں کہ ان کاموں پر مقرر کئے گئے جن کی کارروائی اللہ عزوجل

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵

[2] القرآن الکریم ۴/ ۸

[3] القرآن الکریم ۸/ ۱۲

[4] القرآن الکریم ۷۹/ ۵

[5] القرآن الکریم ۳۲/ ۵

بن سابط یدبر الامر فی الدنیا اربعة جبریل و میکائیل وملك الموت واسرافیل علیهم السلام . اما جبریل فموکل بالریاح والجنود واما میکائیل فموکل بالقطر والنبات واما ملك الموت فموکل بقبض الانفس واما اسرافیل فهو ینزل علیهم بالامر [1]۔	نے انہیں تعلیم فرمائی، عبدالرحمٰن بن سابط نے فرمایا: دنیا میں چار فرشتے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں جبریل، میکائیل، عزرائیل، اسرافیل علیہم السلام۔ جبریل تو ہواؤں اور لشکروں پر مؤکل ہیں (کہ ہوائیں چلانا، لشکروں کو فتح وشکست دینا ان کا تعلق ہے) اور میکائیل باراں وروئیدگی پر مقرر ہیں۔ (کہ مینہ برساتے اور درخت اور گھاس اور کھیتی اگاتے ہیں) اور عزرائیل قبض ارواح پر مسلط ہیں۔ اسرافیل ان سب پر حکم لے کر اترتے ہیں علیہم السلام اجمعین۔

اللہ اکبر! قرآن عظیم وہابیہ پر ایک سے ایک سخت تر آفت ڈالتا ہے۔ حدیث میں فرمایا:

القرآن ذووجوہ۔ رواہ ابو نعیم [2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	قرآن متعدد معانی رکھتا ہے۔ (اس کو ابونعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ت)

علماء فرماتے ہیں قرآن عظیم اپنے ہر معنی پر حجت ہے۔

ولم یزل الائمة یحتجون بہ علی وجوھه وذٰلك من اعظم وجوہ اعجازہ وقد فصلنا ھذا المرام فی رسالتنا	ائمہ کرام ہمیشہ قرآن کے تمام معنی سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اور یہ بات قرآن مجید کے وجوہ اعجاز میں سے عظیم ترین وجہ ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنے رسالہ "الزلال الانقٰی

[1] لباب التأویل (تفسیر الخازن) تحت الآیة ۷۹/ ۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۳۹۱، معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیة ۷۹/ ۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۴/ ۴۱۱

[2] کنز العمال بحوالہ ابی نعیم عن ابن عباس حدیث ۲۴۶۹ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/ ۵۵۱

الزلال الانقٰی من بحر سبقة الاتقٰی۔	من بحر سبقة الاتقٰی "میں بیان کردی ہے۔(ت)

اب آیہ کریمہ کے دوسرے معنی لیجئے، تفسیر بیضاوی شریف میں ہے:

اوصفات النفوس الفاضلة حال المفارقة فانها تنزع عن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا من اغراق النازع فی القوس وتنشط الی عالم الملکوت وتسبح فیه فتسبق الی حظائر القدس فتصیر لشرفها وقوتها من المدبرات[1]۔	یعنی یا ان آیات کریمہ میں اللہ عزوجل ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے جب وہ اپنے پاک مبارک بدنوں سے انتقال فرماتی ہیں کہ جسم سے بقوت تمام جدا ہو کر عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی حظیرہائے حضرت قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں پس اپنی بزرگی وطاقت کے باعث کاروبار عالم کے تدبیر کرنے والوں سے ہو جاتی ہیں۔

اب توبحمد اللہ تعالٰی اولیائے کرام بعد وصال عالم میں تصرف کرتے اور اس کے کاموں کی تدبیر فرماتے ہیں فللّٰہ الحجة البالغة۔

علامہ احمد بن محمد شہاب خفاجی عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی میں امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ العالی وامام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ سے اس معنی کی تائید میں نقل فرماتے ہیں:

ولذا قیل اذا تحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور الا انه لیس بحدیث کما توھّم ولذا اتفق الناس علی زیارة مشاھد السلف والتوسل بھم الی اللہ وان انکرہ بعض الملاحدة فی عصرنا و المشتکٰی الیه ھو اللہ[2]۔ لاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔	یعنی اس لئے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہو تو مزارات اولیاء سے مدد مانگو۔ مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض کو وہم ہوا۔ اور اسی لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ عزوجل کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے۔

[1] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) تحت الآیۃ ۷۹/ ۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۴۵

[2] عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی (حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی) تحت الآیۃ ۷۹/ ۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۹/ ۳۹۹

ہاں میں نے کہا تھا کہ یہ صفت حضرت عزت کی ہے، نہیں نہیں یہ خاص صفت اسی کی ہے۔ رب عزوجل فرماتا ہے:

"قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ مَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ(۳۱)"[1]۔	اے نبی! ان کافروں سے فرما وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے یا کون مالک ہے کان اور آنکھوں کا، اور کون نکالتا ہے زندہ کو مردے اور نکالتا ہے مردے کو زندہ سے، اور کون تدبیر کرتا ہے کام کی، اب کہہ دیں گے کہ اللہ، تو فرما پھر ڈرتے کیوں نہیں۔

قرآن عظیم خود ہی فرماتا ہے کہ یہ صفت اللہ عزوجل کے لئے ایسی خاص ہے کہ کافر مشرک تک اس کا اختصاص جانتے ہیں ان سے بھی پوچھو کہ کام کی تدبیر کرنے والا کون ہے، تواللہ ہی کو بتائیں گے دوسرے کا نام نہ لیں گے اور خود ہی اس صفت کو اپنے مقبول بندوں کیلئے ثابت فرماتا ہے کہ: قسم ان محبوبان خدا کی جو عالم میں تدبیر وتصرف کرتے ہیں۔'' ایمان سے کہنا وہابیت کے دھرم پر قرآن عظیم شرک سے کیونکر بچا۔ اے ناپاک طائفے کی سنگت والو! جب تک ذاتی وعطائی کے فرق پر ایمان نہ لاؤ گے کبھی قرآن وحدیث کے قہروں سے پناہ نہ پاؤ گے، اور اس پر ایمان لاتے ہی یہ تمہاری شرکیات کے راگ متعلقہ تدبیر وتصرف و استمداد واستعانت ودافع البلاء وحاجت روا ومشکلکشا وعلم غیب وندا وغیرہا سب کافور ہو جائیں گے اور اللہ تعالٰی کے مبارک منصور (نصرت دئے گئے، مدد دئے گئے) بندے آنکھوں دیکھے منصور نظر آئیں گے۔

"اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ(۲۲)ع"[2]۔	تو بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ (ت)

آیت ۳۳:

"قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ"[3]۔	تو فرما تمہیں موت دیتا ہے وہ مرگ کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۰/ ۳۱

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲۲

[3] القرآن الکریم ۳۲/ ۱۱

آیت ۳۴:

"تَوَفَّتۡهُ رُسُلُنَا"[1]۔	موت دی اسے ہمارے رسولوں نے۔

حالانکہ خود فرماتا ہے:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ"[2]۔	اللہ ہے کہ موت دیتا ہے جانوں کو۔

آیت ۳۵:

"لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾"[3]۔	(جبریل نے مریم سے کہا) کہ میں عطا کروں تجھے ستھرا بیٹا، صلی اللہ تعالٰی علیہم وسلم۔

اللہ اللہ! اب تو جبریل بیٹا دے رہے ہیں۔ بھلا نجدیہ کے یہاں اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ وہابیہ تو اسی کو روتے تھے کہ محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک ہے یہاں قرآن عظیم سیدنا عیسٰی علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کو جبریل بخش بتارہا ہے۔ **وللہ الحجۃ السامیۃ**۔ **آیت ۳۶:**

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَ جِبۡرِيۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ﴿۴﴾"[4]۔	بیشک اللہ اپنے نبی کا مددگار ہے اور جبرائیل اور نیک مسلمان اور اس کے بعد سب فرشتے مددپر ہیں۔

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

صالح المومنین ابوبکر وعمر رواہ الطبرانی فی الکبیر[5] و ابن مردویہ والخطیب عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یہ نیک مسلمان ابوبکر صدیق وعمر فاروق ہیں رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ (طبرانی نے کبیر میں اور ابن مردویہ اور خطیب نے ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۱

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۴۲

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

[4] القران الکریم ۶۶/ ۴

[5] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۷۷ المکتب الفیصلیۃ بیروت ۱۰/ ۲۵۳، الدر المنثور بحوالہ ابن مردویہ وابی نعیم تحت الآیۃ ۶۶/ ۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۰۸

بَلکہ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قراءت میں یوں ہی تھا:

وصالح المومنین ابوبکر وعمر والملائکۃ بعد ذلک ظھیر [1]۔	نیک مسلمان ابوبکر وعمر اور اس کے بعد فرشتے مدد پر ہیں۔ (ت)

یہاں اللہ عزوجل اپنے نام مبارک کے ساتھ اپنے محبوبوں کو فرماتا ہے اللہ اور جبرائیل اور ابوبکر وعمر مددگار ہیں

آیت ۳۷:

"اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ(۲۳)" [2]۔	ہدہد نے ملک سبا سے آکر سیدنا سلیمن علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کی میں نے ایک عورت پائی کہ وہ ان کی مالک ہے اور اسے سب کچھ دیا گیا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے۔

یہاں بادشاہ کو رعایا کا مالک فرمایا تو رعایا کہ آزاد وغلام سب اس کے مملوک ہوئے مگر کوئی اگر محبوبان خدا کو اپنا مالک اور اپنے آپ کو ان کا بندہ مملوک کہے وہابیہ کے دین میں شرک ٹھہرے۔

آیت ۳۸:

"وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًاؕ" [3]۔	جس نے ایک جان کو زندہ کیا اس نے گویا سب آدمیوں کو جلالیا۔

یہ آیت اس کے بارے میں ہے جس نے کسی کے قتل ناحق سے احتراز کیا یا قاتل سے قصاص نہ لیا چھوڑ دیا اسے فرماتا ہے کہ اس نے اس شخص کو زندہ کیا اور ایک اسی کو کیا گویا تمام آدمیوں کو جلالیا۔ معالم شریف میں ہے:

ومن احیاھا وتورع عن قتلھا [4]۔	اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا اور اس کے قتل سے اجتناب کیا۔ (ت)

[1]

[2] القران الکریم ۲۷/ ۲۳

[3] القران االکریم ۵/ ۳۲

[4] معالم التنزیل(تفسیر بغوی)تحت الآیۃ ۵/ ۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۵

اس میں ہے:

ومن احیاھا ای عفا عمن وجب علیہ القصاص لہ فلم یقتلہ[1]۔	اور جس نے اسے زندہ کیا یعنی جو قصاص اس پر واجب ہو چکا تھا وہ معاف کر دیا اور قصاص میں اس نے قتل نہیں کیا۔ت)

وہابی صاحب بتائیں کہ دفع بلا زیادہ ہے یا زندہ کرنا، جلا لینا، حیات دینا۔

آیت ۳۹:

"اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۵۹﴾ "[2]۔	یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا پیمانہ عطا فرماتا ہوں اور میں سب سے بہتر اتارنے والا ہوں کہ جو میرے سایہ رحمت میں اترتا ہے اسے وہ راحت بخشتا ہوں کہ کہیں نہیں ملتی۔

یوسف علیہ الصلوۃ والسلام نے تو یہ فرمایا، اور رب عزوجل نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے فرماتا ہے:

"وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ "[3]۔	اے نوح جب تو اور تیرے ساتھ والے کشتی پر ٹھیک بیٹھ لیں تو میری حمد بجالانا اور یوں عرض کرنا کہ اے رب میرے مجھے برکت والا اتارنا اتار اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔

یہ اللہ عزوجل کی خاص صفت نبی صدیق علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے لئے کیسی ثابت فرمائی اور جب نبی صدیق صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب سے بہتر اتارنے والے راحت ونعمت بخشنے والے ہوئے تو دافع البلاء سے بھی بڑھ کر ہوئے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

آیت ۴۰:

"اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ	یعنی اے مسلمانو! تمہارا مددگار نہیں مگر اللہ اور

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۵

[2] القرآن الکریم ۱۲/ ۵۹

[3] القرآن الکریم ۲۳/ ۲۹

اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ(۵۵) "[1]	اس کا رسول اور وہ ایمان والے جو نماز قائم رکھتے اور زکوۃ دیتے اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یہاں اللہ و رسول اور نیک بندوں میں مدد کو منحصر فرمادیا کہ بس یہی مددگار ہیں تو ضرور یہ مدد خاص ہے جس پر نیک بندوں کے سوا اور لوگ قادر نہیں عام مددگاری کا علاقہ تو ہر مسلمان کے ساتھ ہے۔ قال تعالیٰ:

"وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" [2]۔	مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔

حالانکہ خود ہی دوسری جگہ فرماتا ہے:

"مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ" [3]۔	اللہ کے سوا کسی کا کوئی مددگار نہیں۔

معالم میں ہے:

(مالھم)ای ما لاھل السمٰوٰت والارض (من دونہ) ای من دون اللہ (من ولیٍّ) ناصر [4]۔	نہیں ہے ان کے لیے یعنی آسمان اور زمین والوں کیلئے اس کے، یعنی سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی ولی یعنی مددگار۔(ت)

وہابی صاحبو! تمہارے طور پر معاذاللہ کیسا کھلا شرک ہوا کہ قرآن نے خدا کی خاص صفت امداد کو رسول و صلحاء کے لیے ثابت کیا جسے قرآن ہی جابجا فرماچکا تھا کہ یہ اللہ کے سوا دوسرے کی صفت نہیں، مگر بحمد اللہ اہل سنت دونوں آیتوں پر ایمان لاتے اور ذاتی اور عطائی کا فرق سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ بالذات مددگار ہے، یہ صفت دوسرے کی نہیں، اور رسول و اولیاء اللہ کے قدرت دینے سے مددگار ہیں، وللہ الحمد، اب اتنا اور سمجھ لیجئے مدد کاہے کے لیے ہوتی ہے؟ دفع بلاء کے واسطے۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ کے مقبول بندے بنص قرآن مسلمانوں کے مددگار ہیں تو قطعًا دافع البلاء بھی ہیں، اور فرق وہی ہے کہ اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۵۵

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۱

[3] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۶

[4] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت الآیۃ ۱۸/ ۲۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۱۳۲

سبحانہ بالذات دافع البلاء ہے اور انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء بعطائے خدا۔ والحمدللہ العلی الاعلی۔

پنج آیت از تورات وانجیل وزبور مقدسہ

آیت ۴۱، تورات شریف: امام بخاری حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور دارمی وطبرانی ویعقوب بن سفیٰن حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی کہ تورات مقدس میں حضور پرنور دافع البلاء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی صفت یوں ہے:

یٰایھاالنبی انا ارسلنٰك شاھدًاومبشرًا ونذیرا حرزًا للامیین (الٰی قولہٖ تعالٰی) یعفوویغفر۔[1]	اے نبی ! ہم نے تجھے بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور بے پڑھوں کے لیے پناہ (الی قولہ تعالٰی) معاف کرتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے۔

حرز بھی رب العزت جل وعلا کی صفات سے ہے۔ حدیث میں ہے:

یاحرز الضعفاء یاکنزالفقراء[2]۔	اے ضعیفوں کی پناہ ! اے غریبوں کے خزانے !

علامہ زرقانی شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

جعلہ نفسہ حرزًامبالغۃ لحفظہ لھم فی الدارین[3]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پناہ دینے والے ہیں مگر رب تبارک وتعالٰی نے حضور کو بطور مبالغہ

---

[1] سنن الدارمی باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الکتب قبل مبعثہ دارالمحاسن للطباعۃ قاھرۃ ۱/ ۱۴، دلائل النبوۃ للبیھقی باب صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التورات والانجیل دارالکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۷۶، صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/ ۲۸۵ و کتاب التفسیر سورۃ الفتح ۲/ ۷۱۷ قدیمی کتب خانہ کراچی، الخصائص الکبرٰی باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل الخ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۱۰، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل دارصادر بیروت ۱/ ۳۶۰و۳۶۲

[2]

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ

خود پناہ کہا (جیسے عادل کو عدل یا علم کو علم کہتے اور اس وصف کی وجہ یہ ہے کہ) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دنیا و آخرت میں اپنی امت کے محافظ و نگہبان ہیں۔ والحمدللہ رب العٰلمین۔

آیت ۴۲، از تورات: ہاں ہاں خبردار وہوشیار، اے نجدیان نابکار، ذرا کم سن نوپیدا عیارہ خام پارہ وہابیت نکارہ کے ننھے سے کلیجے پر ہاتھ دھر لینا تورات و زبور کی دو آیتیں تلاوت کی جائیں گے نوخیز وہابیت کی نادان جان پر قہر الٰہی کی بجلیاں گرائیں گے افسوس تمہیں تورات و زبور کی تکذیب کرتے کیا لگتا تھا جب تم قرآن کی نہ سنو اللہ کا کذب تم ممکن گنو مگر جان کی آفت گلے کی غل تو یہ ہے کہ آیات جناب شاہ عبدالعزیز صاحب نے نقل فرمائیں کلام الٰہی بتائیں، یہ امام الطائفہ کے نسب کے چچا، شریعت کے باپ، طریق کے دادا۔ اب انہیں نہ مشرک کہے بنتی ہے نہ کلام الٰہی پر ایمان لانے کو روٹھی وہابیت ملتی ہے، نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن (نہ رہنے کا یارا، نہ چلنے کی تاب۔ت)ے

دو گونہ رنج و عذاب است جان لیلٰی را　　　بلائے صحبت مجنوں و فرقت مجنوں[1]

(لیلٰی کی جان کو دو قسم کا دکھ اور عذاب ہے، مجنوں کی صحبت اور اس کی جدائی کی مصیبت۔ت)

ہاں اب ذرا گھبرائے دلوں، شرمائی چتونوں سے لجائی انکھڑیاں اوپر اٹھایئے اور بحمد اللہ وہ سنئے کہ ایمان نصیب ہو تو سنی ہو جایئے، جناب شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں لکھتے ہیں تورات کے سفر چہارم میں ہے:

قال اللہ تعالٰی لابراھیم ان ھاجرۃ تلد ویکون من ولدھا من یدہ فوق الجمیع وید الجمیع مبسوطۃ الیہ بالخشوع[2]۔	اللہ تعالٰی نے ابراہیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم سے فرمایا بیشک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی اور گڑ گڑانے میں۔

وہ کون؟ محمد رسول اللہ سید الکون معطی العون صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ قربان تیرے اے بُلند ہاتھ والے، اے دو جہان کے اجالے۔ حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے ہماری عاجزی و

1

2 تحفہ اثنا عشریہ باب ششم در بحث نبوت و ایمان انبیاء علیہم الصلٰوت والسلام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

محتاجی کے ہاتھ ہر لئیم بے قدرت سے بچائے اور تجھ جیسے کریم رؤف ورحیم کے سامنے پھیلائے، والحمدللہ رب العٰلمین۔

اسے حمد جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا [1]

آیت ۴۳، از زبور مقدس: نیز تحفہ میں زبور شریف سے منقول:

یا احمد فاضت الرحمۃ علی شفتیك من اجل ذٰلك ابارك علیك فتقلد السیف فان بھائك وحمدك الغالب (الٰی قولہ) والامم یخرون تحتك کتاب حق جاء اللہ بہ من الیمن والتقدیس من جبل فاران وامتلاء ت الارض من تحمید احمد وتقدیسہ وملك الارض و رقاب الامم [2]۔	اے احمد! رحمت نے جوش مارا تیرے لبوں پر، میں اس لئے تجھے برکت دیتا ہوں، تو اپنی تلوار حمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف غالب ہے، سب امتیں تیرے قدموں میں گریں گی، سچی کتاب لایا اللہ برکت وپاکی کے ساتھ مکہ کے پہاڑ سے بھر گئی زمین احمد کی حمد اور اس کی پاکی بولنے سے، احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

اے احمد پیارے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مملو کو خوشی وشادمانی ہے، تمہارے لئے تمہارا مالک پیارا سراپا کرم سراپا رحمت ہے، والحمدللہ رب العالمین۔

عہد ما بالب شیریں دہناں بست خدائے ماہمہ بندہ وایں قوم خداوندانند [3]

(ہمارا عہد وپیمان اللہ تعالٰی نے میٹھے منہ والوں کے لبوں کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ ہم سب غلام ہیں اور یہ قوم مالکوں کی ہے۔ت)

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب ومحب میں نہیں میرا تیرا [4]۔

ولہٰذا حضرت امام اجل عارف باللہ سیدی سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالٰی عنہ،

---

[1] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ کراچی حصہ دوم ص ۵۳

[2] تحفہ اثنا عشریہ باب ششم در بحث نبوت وایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

[3]

[4] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی ص ۲

پھر امام اجل قاضی عیاض شفاء شریف، پھر امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں نقلاً وتذکیراً، پھر علامہ شہاب الدین خفاجی مصری نسیم الریاض، پھر علامہ محمد عبدالباقی زرقانی شرح مواہب میں شرحاً وتفسیراً فرماتے ہیں:

من لم یرولایۃ الرسول علیہ فی جمیع احوالہ ویر نفسہ فی ملکہ لایذوق حلاوۃ سنتہ [1]۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔	جوہر حال میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنا ولی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے وہ سنت نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حلاوت سے اصلاً خبر دار نہ ہوگا۔

فائدہ عظیمہ: الحمدللہ سنیوں کی اقبالی ڈگری۔ ان آیات تورات وزبور پر فقیر غفراللہ تعالٰی لہ کو دو[۲] **آیت تورات وانجیل مبارک** مع چند احادیث کے یاد آئیں مگران کے ذکر سے پہلے امام الطائفہ کے ایک انجان پنے کا اقرار سن لیجئے۔ تقویۃ الایمان فصل ثانی اشراک فی العلم کے شروع میں لکھا ہے:

''جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے تو کھولے جب چاہے نہ کھولے۔" انتہٰی[2]۔

بھولا نادان لکھتے تو لکھ گیا مگر ؎

کیا خبر تھی انقلاب آسماں ہوجائیگا دین نجدی پائمال سنیاں ہوجائیگا

غریب مسکین کیا جانتا تھا کہ وہ تو چند ورق بعد یہ کہنے کو ہے کہ ''جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں''[3]۔

یہاں اس کے قول سے تمام عالم پر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اختیار تام ثابت ہوجائیگا بیچارے مسکین عزیز کے دھیان میں اس وقت یہی لوہے پیتل کی کنجیاں تھیں

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثانی لزوم مجتہ صلی اللہ علیہ وسلم المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲ /۱۶،نسیم الریاض فی شرح القاضی عیاض الباب الثانی لزوم مجتہ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز اہلسنت گجرات ہند ۳ /۳۴۶ و ۳۴۷، المواھب اللدنیۃ المقصد السابع المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۲۹۹و ۳۰۰، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ الفصل الاول دارالمعرفۃ بیروت ۶ /۳۱۳

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۸

جو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بساطی ف پیسے پیسے بیچتے اس کی خواب میں بھی خیال نہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رب جل وعلا نے اس بادشاہ جبار جلیل الاقتدار عظیم الاختیار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا کیا کنجیاں عطا فرمائی ہیں ہاں ہم سے سن اور وہ سن کہ سن ہو جا۔

آیات واحادیث عطائے مفاتیح عالم بحضور پر نور مولائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم

آیت ۴۴، از تورات شریف: بیہقی وابو نعیم دلائل النبوۃ میں حضرت ام الدرداء سے راوی میں نے کعب احبار سے پوچھا: تم تورات میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت کیا پاتے ہو؟ کہا: حضور کا وصف تورات مقدس میں یوں ہے:

محمد رسول اللہ اسمہ المتوکل لیس بفظٍ ولا غلیظ و لا سخاب فی الاسواق واعطی المفاتیح لیبصر اللہ بہ اعینا عورًا ویسمع بہ اٰذانًا صما ویقیم بہ السنۃ معوجۃ حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ یعین المظلوم ویمنعہ من ان یستضعف[1]۔	محمد اللہ کے رسول ہیں ان کا نام متوکل ہے، نہ درشت خو ہیں نہ سخت گو، نہ بازاروں میں چلّانے والے، وہ کنجیاں دیے گئے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے پھوٹی آنکھیں بینا اور بہرے کان شنوا اور ٹیڑھی زبانیں سیدھی کردے یہاں تک کہ لوگ گواہی دیں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اس کا ساجھی نہیں وہ نبی کریم ہر مظلوم کی مدد فرمائیں گے اور اسے کمزور سمجھے جانے سے بچائیں گے۔

آیت ۴۵، از انجیل جلیل: حاکم بافادہ تصحیح اور ابن سعد و بیہقی وابو نعیم روایت کرتے ہیں ام المومنین ومحبوبہ محبوب رب العالمین حضرت عائشہ صدیقہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ بعلہا وابیہا وعلیہا وسلم فرماتی ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علہ وسلم کی صفت وثنا انجیل پاک میں مکتوب ہے:

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۱۱، دلائل النبوۃ للبیھقی باب صفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۳۷۷

ف: بساطی: خردہ فروش۔ ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں بیچنے والا۔

لافظ ولا غلیظ ولا سخاب فی الاسواق واعطی المفاتیح الخ مثل مامرّ سواءً بسواء۔[1]	نہ سخت دل ہیں نہ درشت خُو، نہ بازاروں میں شور کرتے، انہیں کنجیاں عطا ہوئی ہیں۔ باقی عبارت مثل تورات مبارک ہے۔

حدیث ۶۱: بخاری ومسلم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور مالک المفاتیح صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بینا انا نائم اتیت بمفاتیح خزائن الارض فوضعت فی یدی[2]۔	میں سورہا تھا کہ تمام خزائن زمین کی کنجیاں لائی گئیں اور میرے دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔

حدیث ۶۲: امام احمد وابوبکر بن ابی شیبہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے راوی حضور مالک ومختار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطیت مالم یعط احدمن الانبیاء قبلی نصرت بالرعب واعطیت مفاتیح الارض الحدیث[3]۔	مجھے وہ عطا ہوا جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملا، رعب سے میری مدد فرمائی گئی (کہ مہینہ بھر کی راہ پر دشمن میرا نام پاک سن کر کانپے) اور مجھے ساری زمین کی کنجیاں عطا ہوئیں، الحدیث۔

امام جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کی تصحیح کی۔

حدیث ۶۳: امام احمد اپنی مسند اور ابن حبان اپنی صحیح اور ضیاء مقدسی صحیح مختارہ، ابونعیم دلائل النبوۃ

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب ذکرہ فی التوراۃ والانجیل الخ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱ /۱۱، المستدرک للحاکم کتاب التاریخ کان اجود الناس بالخیر دارالفکر بیروت ۲ /۶۱۴، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی التوراۃ والانجیل دارصادر بیروت ۱ /۳۶۳

[2] صحیح البخاری کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۱۰۸۰، صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۹۹

[3] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۹۸، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب المناقب حدیث ۳۱۶۳۸ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶ /۳۰۸، الخصائص الکبری باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بالنصر بالرعب مرکز اہل سنت گجرات الہند ۲ /۱۹۳

میں بسند صحیح حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور مالک تمام دنیا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتیت بمقالید الدنیا علی فرس ابلق جاء نی بہ جبریل علیہ قطیفۃ من سندس [1]۔	دنیا کی کنجیاں ابلق گھوڑے پر رکھ کر میری خدمت میں حاضر کی گئیں جبریل لے کر آئے اس پر نازک ریشم کازین پوش بانقش ونگار پڑا تھا۔

حدیث ۶۴: امام احمد مسند اور طبرانی معجم کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پرنور ابوالقاسم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اوتیت مفاتیح کل شیئ الا الخمس [2]۔	مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں سوا ان پانچ کے۔ یعنی غیوب خمسہ۔

علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

ثم اعلم بھا بعد ذٰلك [3]۔	پھر یہ پانچ بھی عطا ہوئیں ان کا علم بھی دے دیا گیا۔

اسی طرح علامہ سیوطی نے بھی خصائص کبرٰی [4] میں نقل فرمایا: علامہ مدابغی شرح فتح المبین امام ابن حجر مکی میں فرماتے ہیں یہی حق ہے۔ وللہ الحمد۔

حدیث ۶۵: بعینہٖ یہی مضمون احمد وابویعلٰی [5] نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

حدیث آخر ابونعیم حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور مالک غیور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی تھیں:

---

[1] مسند احمد بن حنبل، عن جابر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۳۲۸، الخصائص الکبرٰی بحوالہ احمد وابن حبان وابی نعیم باب اختصاصہ بالنصر مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲ /۱۹۵

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۸۵، المعجم الکبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۲ /۳۶۱

[3] حواشی الحفنی علی الجامع الصغیر علی ہامش السراج المنیر الحدیث اوتیت مفاتیح الخ المطبعۃ الازھریۃ المصریہ مصر ۲ /۷۳

[4] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالنصر بالرعب مرکز اہل سنت گجرات الہند ۲ /۱۹۵

[5] مسند احمد بن حنبل عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱ /۳۸۶

لما خرج من بطنی فنظرت الیه فاذا انا به ساجد ثم رایت سحابة بیضاء قد اقبلت من السماء حتی غشیته فغیب عن وجهی، ثم تجلت فاذا انا به مدرج فی ثوب صوف ابیض وتحته حریرة خضراء و قد قبض علی ثلثة مفاتیح من اللؤلوء الرطب واذا قائل یقول قبض محمد علی مفاتیح النصرة و مفاتیح الربح ومفاتیح النبوة ثم اقبلت سحابة اخرٰی حتی غشیته فغیب عن عینی ثم تجلت فاذا انا به قد قبض علی حریرة خضراء مطویة واذقائل یقول بخٍ بخٍ قبض محمد علی الدنیا کلها لم یبق خلق من اهلها الادخل فی قبضته[1]۔ ھذا مختصر۔ والحمدﷲ رب العالمین	جب حضور میرے شکم سے پیدا ہوئے میں نے دیکھا سجدے میں پڑے ہیں، پھر ایک سفید ابر نے آسمان سے آکر حضور کو ڈھانپ لیا کہ میرے سامنے سے غائب ہوگئے، پھر وہ پردہ ہٹا تو میں کیا دیکھتی ہوں کہ حضور ایک اونی سفید کپڑے میں لپٹے ہیں اور سبز ریشمیں بچھونا بچھا ہے اور گوہر شاداب کی تین کنجیاں حضور کی مٹھی میں ہیں اور ایک کہنے والا کہہ رہا ہے کہ نصرت کی کنجیاں، نفع کی کنجیاں، نبوت کی کنجیاں، سب پر محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبضہ فرمایا۔ پھر اور ابر نے آکر حضور کو ڈھانپا کہ میری نظر سے چھپ گئے۔ پھر روشن ہوا تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک سبز ریشم کا لپٹا ہوا کپڑا حضور کی مٹھی میں ہے اور کوئی منادی پکار رہا ہے واہ واہ ساری دنیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مٹھی میں آئی زمین وآسمان میں کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے قبضہ میں نہ آئی۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۶۶: حافظ ابوزکریا یحیٰی بن عائذ اپنی مولد میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حضرت آمنہ زہریہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی، رضوان خازن جنت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد ولادت حضور سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے پروں کے اندر لے کر گوش اقدس میں عرض کی:

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابو نعیم عن ابن عباس باب ماظھر فی لیلۃ مولدہ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۴۸

معك مفاتيح النصرة قد البست الخوف والرعب لايسمع احد بذكرك الا وجل فؤاده وخاف قلبه وان لم يرك يا خليفة الله [1]۔	حضور کے ساتھ نصرت کی کنیاں ہیں رعب و دبدبہ کا جامہ حضور کو پہنایا گیا ہے جو حضور کا چرچا سنے گا اس کا دل ڈر جائے گا اور جگر کانپ اٹھے گا اگرچہ حضور کو نہ دیکھا ہو اے اللہ کے نائب! صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ایمان کی آنکھ میں نور ہو تو ایک اللہ کا نائب ہی کہنے میں سب کچھ آگیا، اللہ کا نائب ایسا ہی تو چاہئے کہ جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔ ایک دنیا کے کتے کا نائب کہیں کا صوبہ اسکی طرف سے وہاں کے سیاہ وسپید کا مختار ہوتا ہے مگر اللہ کا نائب کسی پتھر کا نائب ہے "وَمَاقَدَرُوااللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ" [2]۔ (اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہئے تھی۔ت) بے دولتوں نے اللہ ہی کی قدرت نہ جانی لا واللہ اللہ کا نائب اللہ کی طرف سے اللہ کے ملک میں تصرف تام کا اختیار رکھتا ہے جب تو اللہ کا نائب کہلایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۶۷: امام دارمی اپنی سنن میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، حضور مالک جنت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا قائدهم اذا وفدوا وانا خطيبهم اذا انصتوا وانا شفيعهم اذا حبسوا وانا مبشرهم اذا يئسوا الكرامة والمفاتيح يومئذ بيدی ولواء الحمد يومئذ بيدی [3]۔	میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا جب لوگ اٹھائے جائیں گے، اور میں ان کا پیشوا ہوں جب وہ حاضر بارگاہ ہوں گے، اور میں ان کا خطیب ہوں جب وہ دم بخود ہوں گے، اور میں ان کا شفیع ہوں جب وہ محبوس ہوں گے، اور میں خوشخبری دینے والا ہوں جب وہ ناامید

[1] الخصائص الکبرٰی باب ماظھر فی لیلۃ مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/ ۴۹

[2] القرآن الکریم ۶/ ۹۱ و ۳۹/ ۶۷

[3] مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ الترمذی والدارمی باب فضائل سید المرسلین قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۱۴، سنن الدارمی باب ما اعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الفضل حدیث ۴۹ دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ ص ۳۰، الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ اول من تنشق الارض منہ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲/ ۲۱۸

الحدیث۔	ہوں گے، عزت اور کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی اور لواء الحمد اس دن میرے ہاتھ ہوگا۔

والحمدللہ رب العالمین، شکر اس کریم کا جس نے عزت دینا اس دن کے کاموں کا اختیار پیارے رؤف ورحیم کے ہاتھ میں رکھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس لئے شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ مدارج شریف میں فرماتے ہیں:

دراں روز ظاہر گردد کہ وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نائب مٰلك یوم الدین ست روز روز اوست وحکم حکمِ او بحکم رب العالمین[1]۔	اس دن ظاہر ہو جائے گا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مالک یوم دین کے نائب ہیں۔ وہ دن آپ کا ہوگا اور اس میں رب العالمین کے حکم سے آپ کا حکم چلے گا۔ (ت)

حدیث ۶۸: ابن عبد ربہ کتاب بہجۃ المجالس میں راوی کہ حضور پر نور افضل صلوات اللہ تسلیماتہ علیہ فرماتے ہیں:

ینصب الی یوم القیٰمۃ منبر علی الصراط وذکر الحدیث (الٰی ان قال) ثم یأتی ملك فیقف علی اول مرقاۃٍ من منبری فینادی معاشر المسلمین من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مٰلك خازن النار ان اللہ امرنی ان ادفع مفاتیح جھنم الی محمد وان محمدًا امرنی ان ادفع الی ابی بکرٍ ھاہ۔ اشھدوا اھاہ اشھدوا ثم یقف ملك اٰخر علی ثانی مرقاۃٍ من منبری فینادی معاشر المسلمین من عرفنی	روز قیامت صراط کے پاس ایک منبر بچھایا جائیگا پھر ایک فرشتہ آکر اس کے پہلے زینہ پر کھڑا ہوگا اور ندا کرے گا اے گروہ مسلمانان! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا میں مالک داروغہ دوزخ ہوں اللہ تعالٰی نے مجھے حکم دیا ہے کہ جہنم کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دے دوں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کردوں، ہاں ہاں گواہ ہوجاؤ ہاں ہاں گواہ ہوجاؤ۔ پھر ایک اور فرشتہ دوسرے زینہ پر کھڑا ہو کر پکارے گا: اے گروہ مسلمین! جس نے مجھے جانا

[1] مدارج النبوۃ

فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا رضوان خازن الجنان ان اللہ امرنی ان ادفع مفاتیح الجنۃ الی محمد وان محمدا امرنی ان ادفعھا الی ابی بکرٍ ھاہ اشھدوا ھاہ اشھدوا الحدیث۔(اوردہ العلامۃ ابراہیم بن عبد اللہ المدنی الشافعی فی الباب السابع من کتاب التحقیق فی فضل الصدیق من کتابہ الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء [1] ۔	اس نے جانا اور جس نے نہ جانا تو میں رضوان داروغہ جنت ہوں مجھے اللہ تعالٰی نے حکم فرمایا ہے کہ جنت کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دے دوں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا حکم ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے سپرد کر دوں۔ہاں ہاں گواہ ہو جاؤ ہاں ہاں گواہ ہو جاؤ۔(علامہ ابراہیم بن عبداللہ المدنی الشافعی نے اپنی تحقیقی کتاب الاکتفاء فی فضل الاربعۃ الخلفاء کے ساتویں باب میں فضائل صدیق میں بیان کیا ہے۔ت)

حدیث ۷۹: حافظ ابو سعید عبدالملک بن عثمان کتاب شرف النبوۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذاکان یوم القیٰمۃ وجمع اللہ الاولین والاٰخرین یؤتی بمنبرین من نور فینصب احدھما عن یمین العرش والاٰخر عن یسارہٖ ویعلوھما شخصان فینادی الذی عن یمین العرش معاشر الخلائق من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا رضوان خازن الجنۃ ان اللہ امرنی ان اسلم مفاتیح الجنۃ الی محمد وان محمدا امرنی ان اسلّمھا الی ابی بکر وعمر لیدخلا محبیھما الجنۃ الافاشھدوا	روز قیامت اللہ تعالٰی سب اگلوں پچھلوں کو جمع فرمائے گا دو منبر نور کے لاکر عرش کے داہنے بائیں بچھائے جائیں گے ان پر دو شخص چڑھیں گے،داہنے والا پکارے گا:اے جماعات مخلوق!جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا تو میں رضوان داروغہ بہشت ہوں مجھے اللہ عزوجل نے حکم دیا کہ جنت کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سپرد کروں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو دوں کہ وہ اپنے دوستوں کو جنت میں داخل کریں۔سنتے ہو گواہ ہو جاؤ۔

1

ثم ینادی الذی عن یسار العرش معشر الخلائق من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا مالك خازن النار ان الله امرنی ان اسلم مفاتیح النار الی محمد ومحمد امرنی ان اسلمها الی ابی بکر وعمر لیدخلا مبغضیهما النار الا فاشهدوا[1]۔ اوردہ ایضًا فی الباب السابع من کتاب الاحادیث الغرر فی فضل الشیخین ابی بکرٍ وعمر من کتاب الاکتفاء۔	پھر بائیں والا پکارے گا: اے جماعات مخلوق! جس نے مجھے پہچانا اس نے پہچانا اور جس نے نہ پہچانا تو میں مالک داروغہ دوزخ ہوں مجھے اللہ عزوجل نے حکم دیا کہ دوزخ کی کنجیاں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سپرد کروں اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ابوبکر وعمر (رضی اللہ تعالٰی عنہما) کو دوں کہ وہ اپنے دشمنوں کو جہنم میں داخل کریں، سنتے ہو گواہ ہوجاؤ۔ (اس کو بھی کتاب الاکتفاء میں کتاب الاحادیث الغرر فی فضل الشیخین ابی بکر وعمر میں باب ہفتم میں بیان کیا۔ ت)

یہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ ابوبکر شافعی نے غیلانیات میں روایت کی:

ینادی یوم القیٰمۃ این اصحاب محمدٍ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، فیؤتی بالخلفاء رضی اللہ تعالٰی عنهم فیقول الله لهم ادخلوا من شئتم الجنة ودعوا من شئتم اوماهو بمعناہ ذکرہ العلامة الشهاب الخفّاجی فی نسیم الریاض[2] شرح شفاء الامام القاضی عیاض فی فصل ما اطلع علیه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من الغیوب، وقال اوماهو بمعناہ۔	روز قیامت ندا کی جائے گی کہاں ہیں اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ پس خلفاء رضی اللہ تعالٰی عنہم لائے جائیں گے اللہ عزوجل ان سے فرمائے گا تم جسے چاہو جنت میں داخل کرو اور جسے چاہو چھوڑدو۔ (علامہ شہاب خفاجی نے نسیم الریاض شرح شفاء امام قاضی عیاض میں فصل "نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کن کن غیوب پر مطلع کیا گیا" میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا یا جو اس کے ہم معنٰی ہے۔ (ت)

[1] مناحل الشفاء ومناهل الصفاء بتحقیق شرف المصطفٰی حدیث ۲۳۸۸ دار البشائر الاسلامیه بیروت ۵/ ۴۱۹ و ۴۲۰

[2] نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض بحواله الغیلانیات فصل ومن ذٰلك ما اطلع علیه من الغیوب مرکز اہلسنت گجرات الہند ۳/ ۱۶۴

حدیث ۷۰: والہذا سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا: انا قسیم النار میں قسیم دوزخ ہوں۔ یعنی وہ اپنے دوستوں کو جنت اور اعداء کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔

رواہ شاذان الفضیلی[1] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی جزء ردّالشمس جعلنا اللہ ممن والاہ کما یحبّہ ویرضاہ بجاہ جمال محبّاہ اٰمین۔	اس کو شاذان نے جزء ردالشّمس میں روایت کیا ہے۔اللہ تعالٰی ہمیں اس کے محبوں میں رکھے جیسا کہ وہ خود اس سے محبت فرماتا ہے اور اس پر راضی ہے اس کے محبوں کے جمال کے صدقے۔آمین۔(ت)

بَلکہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے اسے احادیث حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ میں داخل کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت مولٰی علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کو قسیم النار فرمایا۔شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

قدخرج اھل الصحیح ولائمۃ ما اعلم بہٖ اصحابہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مما وعدھم بہ من الظھور علی اعدائہ(الٰی قولہ)وقتل علیٍ وان اشقاھا الذی یخضب ھٰذہ من ھٰذہٖ ای لحیتہ من رّاسہ وانہ قسیم النار یدخل اولیاء ہ الجنۃ واعداء ہ النار[2]۔رضی اللہ تعالٰی عنہ وعنابہ اٰمین!	بیشک اصحاب صحاح وائمہ حدیث نے وہ حدیثیں روایت کیں جن میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو غیب کی خبریں دیں مثلًا یہ وعدہ کہ وہ دشمنوں پر غالب آئیں گے اور مولٰی علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) کی شہادت اور یہ کہ بد بخت ترین امت ان کے سر مبارک کے خون سے ریش مطہر کو رنگے گا،اور یہ کہ مولا علی (رضی اللہ تعالٰی عنہ) قسیم دوزخ ہیں اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔اللہ تعالٰی اس سے راضی ہو اور اس کے صدقے ہم سے راضی ہو۔آمین۔(ت)

[1] کنزالعمال بحوالہ شاذان الفضیلی فی ردالشمس حدیث ۳۶۴۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۱۵۲

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن ذالک مااطلع علیہ من الغیوب المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/ ۲۸۳و۲۸۴

نسیم میں عبارت نہایہ:

ان علیًّا رضی اللہ تعالٰی عنہ قال انا قسیم النار۔	حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: میں قسیم دوزخ ہوں۔ (ت)

ذکر کرکے فرمایا:

ابن الاثیر ثقة وما ذکرہ علی لایقال من قبل الرای فھو فی حکم المرفوع اذ لا مجال فیہ للاجتھاد [1] اھ اقول: کلام النسیم انہ لم یرہ مرویًّا عن علی فاحال علی وثاقة ابن الاثیر وقد ذکرنا تخریجہ وللہ الحمد۔	ابن اثیر ثقہ ہے اور جو کچھ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ذکر فرمایا وہ اپنے رائے سے نہیں کہا جاسکتا ہے، لہٰذا وہ مرفوع کے حکم میں ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی مجال نہیں اھ۔ **میں کہتا ہوں** نسیم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کو حضرت علی سے مروی نہیں جانتے چنانچہ انہوں نے اسے ابن اثیر کے ثقہ ہونے کی طرف پھیر دیا ہے اور ہم نے اس کی تخریج کردی ہے۔ وللہ الحمد۔ (ت)

مدارج شریف میں ہے:

آمدہ است کہ ایستادہ میکنداو را پروردگار وے بیمین عرش و در روایتے بر عرش و در روایتے بر کرسی وے سپارد بوے کلید جنت [2]۔	مروی ہے کہ اللہ تعالٰی آپ کو عرش کی دائیں جانب کھڑا کرے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ عرش کے اوپر، اور ایک روایت میں ہے کہ کرسی پر کھڑا کریگا اور جنت کی چابی آپ کے سپرد فرمائے گا۔ (ت)

ملاجی! ذرا انصاف کی کنجی سے دیدہ عقل کے کواڑ کھول کر یہ کنجیاں دیکھئے جو مالک الملک شہنشاہ قدیر جل جلالہ نے اپنے نائب اکبر خلیفہ اعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں خزانوں کی کنجیاں، زمین کی کنجیاں، دنیا کی کنجیاں، جنت کی کنجیاں، نار کی کنجیاں۔ اور اب اپنا وہ بلائے جان اقرار یاد کیجئے "جس کے ہاتھ کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے جب چاہے کھولے جب چاہے نہ کھولے" [3]۔ دیکھ حجت الٰہی یوں قائم ہوتی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] نسیم الریاض فصل ومن ذالک ما اطلع علیہ من الغیوب مرکز اہلسنت گجرات الہند ۳/ ۱۶۳

[2] مدارج النبوة باب ہشتم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۲۷۴

[3] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

فصل دوم احادیثِ منیفہ میں

تین وصل پر مشتمل:

وصل اوّل: اعظم واجل محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف جانفزا اسناد میں جن سے ایمان کی جان میں جان آئے ایمان کی آنکھ نور وایقان پائے، وباللہ التوفیق۔

حدیث ۷۱: بخاری شریف میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے جب ابن جمیل نے زکوۃ دینے میں کمی کی سید عالم مغنی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ماینقم ابن جمیلٍ الا انّہ کان فقیرًا فاغناہ اللہ ورسولہ[1]۔	ابن جمیل کو کیا بُرا لگا یہی نا کہ وہ محتاج تھا اللہ ورسول نے اسے غنی کردیا، جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۷۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ۔ الترمذی وحسنہ و ابن ماجۃ عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔	جس کا کوئی نگہبان نہ ہو اللہ ورسول اس کے نگہبان ہیں (اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن کہا، اور ابن ماجہ نے امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

علامہ مناوی تیسیر میں اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای حافظ من لاحافظ لہ[3]۔	یعنی ارشاد حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس کا کوئی حافظ نہیں اللہ ورسول اس کے حافظ ہیں۔

حدیث ۷۳: کہ جب سیدنا حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ہوئی حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انکے یہاں تشریف لے گئے اور ان کے یتیم بچوں کو خدمت اقدس میں

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوۃ باب قول اللہ تعالٰی وفی الرقاب والغارمین قدیمی کتب خانہ پشاور ۱/ ۱۹۸

[2] سنن الترمذی باب ماجاء فی میراث الخال حدیث ۲۱۱۰ دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳، سنن ابن ماجۃ ابواب الزکوۃ باب ذوی الارحام ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۱

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۱/ ۲۰۶

یاد فرمایا وہ حاضر ہوئے حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہما اسے بیان کرکے فرماتے ہیں:

فجاءت امنا فذکرت یتیمنا فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم العیلة تخافین علیھم وانا ولیھم فی الدنیا والاٰخرة۔ احمد والطبرانی [1] وابن عساکرٍ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میری ماں نے حاضر ہو کر حضور پناہ بیکساں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہماری یتیمی کی شکایت عرض کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کیا ان پر محتاجی کا اندیشہ کرتی ہے حالانکہ میں ان کا ولی وکارساز ہوں دنیا وآخرت میں۔ (امام احمد اور طبرانی اور ابن عساکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا۔ت)

؎ غم نخورد آنکہ حفیظش توئی والی و مولٰی و ولیش توئی

(وہ غم نہیں کھاتا جس کا محافظ، والی، آقا اور ولی تو ہے۔ت)

حدیث ۷۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

حب ابی بکرٍ وعمر من الایمان وبغضھما کفر وحب الانصار من الایمان وبغضھم کفر وحب العرب من الایمان وبغضھم کفر، ومن سب اصحابی فعلیہ لعنة اللہ، ومن حفظنی فیھم فانا احفظہ یوم القیٰمة۔ ابن عساکر [2] عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ وللہ الحمد	محبت ابوبکر وعمر کی ایمان سے ہے اور ان کا بُغض کُفر، اور محبت انصار کی ایمان سے ہے اور ان کا بُغض کفر، اور محبت عرب کی ایمان سے ہے اور ان کا بُغض کفر، اور میرے اصحاب کو جو برا کہے اس پر اللہ کی لعنت، اور جو ان کے معاملہ میں میرا لحاظ رکھے میں روز قیامت اس کا حافظ ونگہبان ہوں گا (ابن عساکر نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۷۵و۷۶: دنیا کی ظاہری زینت وحلاوت اور مال حلال کما کر اچھی جگہ خرچ کرنے

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن جعفر المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۰۴و۲۰۵، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۳۳۰۳ عبداللہ بن جعفر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۹/ ۷۳ او۱۷۴

[2] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۳۰۲ عمر بن الخطاب داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۷/ ۱۸۱

کی خوبی اور حرام کما کر بری جگہ اٹھانے کی برائی بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ورب متخوضٍ فیما شاءت نفسه من مال الله ورسوله لیس له یوم القیٰمة الا النار۔ احمد[1] والترمذی وقال حسن صحیح عن خولة بنت قیس والبیهقی فی الشعب عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهم۔	اور بہت اللہ اور رسول کے مال سے اپنے نفس کی خواہشوں میں ڈوبنے والے ہیں جن کے لیے قیامت میں نہیں مگر آگ۔ (احمد اور ترمذی نے خولہ بنت قیس سے روایت کیا اور اس کو حسن صحیح کہا اور بیہقی نے شعب میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۷۷: جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مانفعنی مال قطّ مانفعنی مال ابی بکر مجھے کسی مال نے وہ نفع نہ دیا جو ابوبکر کے مال نے دیا۔ صدیق اکبر روئے اور عرض کی: هل انا ومالی الالك یارسول الله میری جان ومال کا مالک حضور کے سوا کون ہے یارسول اللہ۔

احمد[2] فی مسنده بسند صحیح عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه۔	احمد نے اپنی مسند میں بسند صحیح ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۷۸: آیہ کریمہ:

"قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی ؕ"[3]۔	تم فرماؤمیں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔(ت)

کے اسباب نزول میں مروی انصار کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور عاجزی کرتے ہوئے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوئے اور عرض کی:

اموالنا ومافی ایدینا لله و	ہمارے مال اور ہمارے ہاتھوں میں جو کچھ

[1] مسند احمد بن حنبل عن خولہ بنت قیس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۷۸، سنن الترمذی کتاب الزھد باب ماجاء فی اخذ المال حدیث ۲۳۸۱ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۶۶، شعب الایمان حدیث ۵۵۲۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۳۹۶ و ۳۹۷

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۵۳

[3] القرآن الکریم ۴۲/ ۲۳

رسولہ۔ ابناء جریر[1] وابی حاتم ومردویۃ عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	ہے سب اللہ ورسول کا ہے۔ (جریر کے بیٹوں اور ابی حاتم اور مردویہ نے مقسم سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۷۹: کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے روز حنین زنان وصبیان بنی ہوازن کو اسیر فرمایا اور اموال وغلام وکنیز مجاہدین پر تقسیم فرمادئے اب سرداران قبیلہ اپنے اہل وعیال واموال حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) سے مانگنے کو حاضر ہوئے زُہیر بن صرد جشمی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: ؎

(۱) امنن علینا رسول اللہ فی کرم — فانك المرء نرجوہ ونذخر

(۲) امنن علٰی بیضۃٍ قد عاقہا قدر — فشتت شملہا فی دہرہا غیر

(۳) ابقت لنا الدہر ہنافاعلی حزَنٍ — علی قلوبہم الغماء والغمر

(۴) ان لم تدارکہم نعماء تنشرہا — یا ارجح الناس حلمًا حین یختبر

(۱) یارسول اللہ! ہم پر احسان فرمایئے اپنے کرم سے، حضور ہی وہ مرد کامل وجامع فواضل ومحاسن وشمائل ہیں جس سے ہم امید کریں اور جسے وقت مصیبت کے لئے ذخیرہ بنائیں۔

(۲) احسان فرمایئے اس خاندان پر کہ تقدیر جس کے آڑے آئی اس کی جماعت تتّر بتّر ہوگئی اس کے وقت کی حالتیں بدل گئیں۔

(۳) یہ بدحالیاں ہمیشہ کے لئے ہم میں غم کے وہ مرثیہ خواں باقی رکھیں گی جن کے دلوں پر رنج وغیظ مستولی ہوگا۔

(۴) اور حضور کی نعمتیں جنہیں حضور نے عام فرمادیا ہے ان کی مدد کو نہ پہنچیں تو ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں اے تمام جہان سے زیادہ عقل والے! (صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ واصحابہ وسلم)

---

[1] جامع البیان (تفسیر طبری) تحت الآیۃ ۴۲/ ۲۳ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۵/ ۳۲، تفسیر ابن ابی حاتم تحت الآیۃ ۴۲/ ۲۳ مکتبہ نزار مصطفی البازمکۃ المکرمۃ ۱۰/ ۳۲۷۶، الدرالمنثور بحوالہ ابن جریروابن ابی حاتم وابن مردویہ ۴۲/ ۲۳ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/ ۲۹۹

قال فلما سمع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھذا الشعر قال ماکان لی ولبنی عبدالمطلب فھو لکم و قالت قریش ماکان لنا فھوللہ ولرسولہ وقالت الانصار ماکان لنا فھو للہ ورسولہ۔ الطبرانی فی ثلاثیات معجمہ الصغیر حدثنا عبید اللہ ابن رما حس القیسیّ برمادۃ الرمالۃ سنۃ اربع وسبعین ومائتین ثنا ابو عمرو زیاد بن طارق وکان قداتت علیہ عشرون ومائۃ سنۃ قال سمعت ابا جرولٍ زھیر بن صرد ن الجشمی [1] یقول فذکرہ۔	یہ اشعار سن کر سید ارحم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ میرے اور بنی عبدالمطلب کے حصے میں آیا وہ میں نے تمہیں بخش دیا۔ قریش نے عرض کی جو کچھ ہمارا ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے۔ انصار نے عرض کی جو کچھ ہمارا ہے وہ سب اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا ہے جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ طبرانی نے معجم صغیر کی ثلاثیات میں کہا کہ ہمیں ۲۷۴ھ میں رمادہ رملہ پر عبید اللہ بن رماحس قیسی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو عمرو زیاد بن طارق نے جن کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی انہوں نے کہا کہ میں نے ابو جرول زہیر بن صُرد جشمی کو کہتے ہوئے سنا، پھر انہوں نے اس کو ذکر کیا۔ (ت)

حدیث ۸۰: کہ اسود بن مسعود ثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

انت الرسول الذی ترجیٰ فواضلُہ　　عندالقحوط اذا ما اخطاء المطرُ

حضور وہ رسول ہیں کہ حضور کے فضل کی امید کی جاتی ہے قحط کے وقت جب مینہ خطا کرے

عمر بن شیبۃ من طریق عامر الشعبی ذکرہ الحافظ فی الاصابۃ وقال ذکرہ ابن فتحون فی الذیل [2]۔	(عمر بن شیبہ نے بطریق عامر الشعبی سے روایت کیا، حافظ نے الاصابہ میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا اس کا ذکر ابن فتحون نے ذیل میں کیا۔ ت)

[1] المعجم الکبیر عن زہیر بن صرد الجشمی حدیث ۵۳۰۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/ ۷۰ و ۲۶۹، المعجم الصغیر من اسمہ عبید اللہ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۳۷-۲۳۶، المعجم الاوسط حدیث ۴۶۶۷ مکتبۃ المعارف ریاض ۵/ ۱۹-۳۱۸

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۱۶۸ اسود بن مسعود ثقفی دار الفکر بیروت ۱/ ۷۵

حدیث۸۱: ایک اعرابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی:

(۱) اتیناك والعذراء یدمی لبابها　　　وقد شغلت امّ الصبی عن الطفل

(۲) والقت بکفیها الفتیٰ لاستکانةٍ　　　من الجوع ضعفا لایمر ولا یحلی

(۳) ولیس لنا الا الیك فرارُنا　　　واین قرار الخلق الا الی الرسل

(۱) ہم در دولت پر شدت قحط کی ایسی حالت میں حاضر ہوئے کہ جو کنواری لڑکیاں ہیں (جنہیں ان کے والدین بہت عزیز رکھتے ہیں ناداری کے باعث خادمہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے کام کاج کرتے کرتے ان کے سینے شق ہوگئے) ان کی چھاتیوں سے خون بہہ رہا ہے مائیں بچوں کو بھول گئی ہیں۔

(۲) جوان قوی کو اگر کوئی لڑکی دونوں ہاتھوں سے دھکا دے تو ضعف گرسنگی سے عاجزانہ زمین پر ایسا گر پڑتا ہے کہ منہ سے کڑوی میٹھی بات نہیں نکلتی۔

(۳) اور ہمارا حضور کے سوا کون ہے جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں، اور خود مخلوق کو جائے پناہ ہے ہی کہاں مگر رسولوں کی بارگاہ میں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہم وبارك وسلم۔

یہ فریاد سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہنایت عجلت منبر اطہر پر جلوہ فرما ہوئے اور دونوں دست مبارک بُلند فرما کر اپنے رب عزوجل سے پانی مانگا، ابھی وہ پاک مبارک ہاتھ جھک کر گلوئے پرنور تک نہ آئے تھے کہ آسمان اپنی بجلیوں کے ساتھ اُمڈ ااور بیرون شہر کے لوگ فریاد کرتے آئے کہ یارسول اللہ! ہم ڈوبے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: حوالینا لاعلینا ہمارے گرد برس ہم پر نہ برس۔ فوراً ابر مدینے پر سے کھل گیا، آس پاس گھرا تھا اور مدینہ طیبہ سے کھلا ہوا۔ یہ ملاحظہ فرما کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خندہ دنداں نما کیا اور فرمایا: اللہ کے لیے ہے خوبی ابو طالب کی، اس وقت وہ زندہ ہوتا تو اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں، کون ہے جو ہمیں اس کے اشعار سنائے۔

مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے عرض کی: یارسول اللہ! شاید حضور یہ اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابو طالب نے نعت اقدس میں عرض کئے تھے:

(۱) وابیض یستسقی الغمام بوجهه　　　ثمال الیتامی عصمة للارامل

(۲) تلوذبه الهلاك من ال هاشم　　　فهم عنده فی نعمة وفواضل

(۱) وہ گورے رنگ والے کہ ان کے منہ کے صدقے میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے۔ یتیموں کے جائے پناہ، بیواؤں کے نگہبان۔

(۲) بنی ہاشم (جیسے غیور لوگ) تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں انکے پاس ان کی نعمت وفضل میں بسر کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اجل ذلك اردتُّ۔ ہاں یہی نظم ہمیں مقصود تھی۔

صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وسقانا بجاهه عنده الغیث النافع الاتم الاعم امین! البیهقی[1] فی الدلائل بسند صالح کما افاده حافظ الشان العسقلانی والدیلمی فی مسند الفردوس کلاهما عن انس رضی اللّٰه تعالٰی عنه۔	اللہ تعالٰی آپ پر درود وسلام نازل فرمائے اور ہمیں آپ کے طفیل باران رحمت عطا فرمائے جو نافع کامل ترین اور سب کو شامل ہو آمین (ت) بیہقی نے دلائل میں بسند صالح روایت کیا جیسا کہ حافظ الشان عسقلانی نے اور دیلمی نے مسند الفردوس میں اس کا افادہ فرمایا ان دونوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

یہ حدیث نفیس بحمد اللہ تعالٰی اول تا آخر شفائے مومنین وشقائے منافقین ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پسندیدہ فرمودہ اشعار میں یہ الفاظ خاص ہمارے مقصود رسالہ ہیں کہ حضور کے سوا ہمارا کوئی نہیں جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں۔ خلق کیلئے جائے پناہ نہیں سوا بارگاہ انبیاء علیہم الصلوۃ والثناء کے، وہ گورے رنگ والا پیارا جس کے چاند سے منہ کے صدقے میں مینہ اترتا ہے، وہ یتیموں کا حافظ، وہ بیواؤں کا نگہبان، وہ ملجاو ماوا کہ بڑے بڑے تباہی کے وقت اسکی پناہ میں آکر اس کی نعمت اس کے فضل سے چین کرتے ہیں صلی اللّٰه تعالٰی علیه واله وبارك وسلم۔

حدیث ۸۲: کہ جب جعرانہ کے اموال غنیمت حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسم نے قریش و

---

[1] دلائل النبوة للبیهقی باب استسقاء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم الخ دار الکتب العلمیه بیروت ۶ /۱۴۱، فتح الباری شرح صحیح البخاری باب سوال الناس الامام الاستسقاء ۴۲۹/۳

دیگر اقوام عرب کو عطا فرمائے اور انصار کرام نے اس میں سے کوئی شے نہ پائی انھی (اس خیال سے کہ شاید حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ہم پر اب وہ نظر توجہ وکرم نہ رہی شاید اب اپنی قوم قریش کی طرف زیادہ التفات فرمائیں بمقتضائے سنت عشاق کہ دوسروں پر لطف محبوب زائد دیکھ کر رنجیدہ وکبیدہ ہوتے ہیں) ملال گزرا یہاں تک بعض کی زبان پر بعض کلمات شکایت آمیز آئے حضور اقدس نے سنا، خاطر انور پر ناگوار گزرا، انھیں جمع کرکے ارشاد فرمایا:

الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ الم اجدکم عالۃ فاغناکم اللہ[1]۔	کیا میں نے تمھیں نہ پایا گمراہ پس اللہ عزوجل نے تمھیں راہ دکھائی، کیا میں نے تمھیں نہ پایا محتاج پس اللہ عزوجل نے تمھیں تونگری دی۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد میں یوں ہے:

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم اللہ بی، وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی، وکنتم عالۃ فاغناکم اللہ تعالٰی بی۔ رواہ عن عبد اللہ بن زید بن عاصم[2] و نحوہ لاحمد عن انس[3] ولہ ولعبد بن حمید والضیاء عن ابی سعید[4] رضی اللہ تعالٰی۔	اے گروہ انصار! کیا میں نے نہ پایا تمہیں گمراہ پس اللہ عزوجل نے تمہیں میرے ذریعے سے ہدایت کی، اور تمہارے آپس میں پھوٹ تھی اللہ تعالٰی نے میرے وسیلے سے تم میں موافقت کردی، اور تم محتاج تھے اللہ عزوجل نے میرے واسطے سے تمہیں تونگری بخشی (عبداللہ بن زید بن عاصم سے اسے روایت کیا گیا اور اسی طرح احمد نے حضرت انس سے نیز احمد، عبد بن حمید اور ضیاء نے ابو سعید خدری سے روایت کیا

[1] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب المغازی غزوہ حنین الخ حدیث ۳۶۹۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۷ /۴۱۹

[2] صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الطائف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۶۲۰، صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب اعطاء المؤلفۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۳۳۹، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴ /۴۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳ /۱۰۴ و ۲۵۳

[4] کنز العمال بحوالہ حم وعبد بن حمید عن ابی سعید الخدری حدیث ۳۳۷۶۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲ /۱۷

عنہم۔	رضی اللہ تعالٰی عنہم۔(ت)

انصار کرام ہر کلمے پر عرض کرتے جاتے تھے:

نعوذ باللہ من غضب اللہ ومن غضب رسولہ۔	ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اللہ کے غضب اور رسول اللہ کے غضب سے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: الاتجیبون جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کی:

اللہ ورسولہ امن وافضل۔	اللہ ورسول کا احسان زائد ہے اور اللہ ورسول کا فضل بڑا ہے۔

حضور نے فرمایا: تم چاہو تو جواب دے سکتے ہو۔ انصار کرام روئے اور بار بار عرض کرنے لگے:

اللہ ورسولہ امن وافضل۔ ابوبکر بن ابی شیبہ[1] فی مصنفه عن ابی سعید ن الخدری رضی اللہ تعالٰی عنه۔	اللہ ورسول کا احسان زائد ہے اور اللہ ورسول کا فضل بڑا ہے۔ ابو بکر بن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۸۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

موتان الارض للہ ورسوله البیہقی[2] فی الشعب عن ا بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما موصولاً۔	جو زمین کسی کی ملک نہیں وہ اللہ اور اللہ کے رسول کی ہے بیہقی نے شعب میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مو صولا روایت کیا۔(ت)

[1] المصنف لابن ابی شیبة کتاب المغازی حدیث ۳۶۹۸۶ دار الکتب العلمیة بیروت ۷ /۴۱۹

[2] السنن الکبری للبیہقی کتاب احیاء الموات باب لایترك ذمی یحییه الخ دار صادر بیروت ۶ /۱۴۳

حدیث ۸۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

عادی الارض من اللہ ورسولہ هو فیها عن طاؤس مرسلاً۔[1]	قدیم زمینیں اللہ ورسول کی ملک ہیں۔اسی میں طاؤس سے مرسلاً مروی ہے۔(ت)

اقول: بن، جنگل، پہاڑوں اور شہروں کی ملک افتادہ زمینوں کی تخصیص اس لئے فرمائی کہ ان پر ظاہری ملک بھی کسی کی نہیں یہ ہر طرح خالص ملک خدا اور رسول ہیں جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ورنہ محلوں، احاطوں، گھروں، مکانوں کی زمینیں بھی سب اللہ ورسول کی ملک ہیں اگرچہ ظاہری نام من وتو کا لگا ہوا ہے۔زبور شریف سے رب العزت کا نام سن ہی چکے کہ احمد مالک ہوا ساری زمین اور تمام امتوں کی گردنوں کا[2]، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔تو یہ تخصیص مکانی ایسی ہے جیسے آیہ کریمہ "وَالْاَمْرُ یَوْمَىٕذٍ لِّلّٰهِ ۟" [3] میں تخصیص زمانی کہ حکم اس دن اللہ کے لئے ہے، حالانکہ ہمیشہ اللہ ہی کا ہے۔مگر وہ دن روز ظہور حقیقت وانقطاع ادعا ہے۔لاجرم صحیح بخاری شریف کی حدیث نے ساری زمین بلا تخصیص اللہ ورسول کی ملک بتائی وہ کہاں؟ وہ اس حدیث آئندہ میں:

حدیث ۸۵: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اعلموا ان الارض للہ ولرسولہ البخاری[4] فی الجهاد من الجامع الصحیح باب اخراج الیهود من جزیرۃ العرب عن ابی هریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	یقین جان لو کہ زمین کے مالک اللہ ورسول ہیں جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔امام بخاری نے الجامع الصحیح میں کتاب الجہاد باب یہود کا جزیرۃ العرب سے اخراج میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

حدیث ۸۶: اعشی مازنی رضی اللہ تعالٰی عنہ خدمت اقدس میں اپنے بعض اقارب کی ایک

---

[1] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب احیاء الموات باب لا یترک ذمی یحییہ الخ دار صادر بیروت ۶/ ۱۴۳

[2] تحفہ اثنا عشریہ باب ششم در بحث نبوت وایمان انبیاء سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

[3] القرآن الکریم ۸۲/ ۱۹

[4] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۹، صحیح مسلم باب اجلاء الیہود من جزیرۃ العرب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۴

فریاد لے کر حاضر ہوئے اور اپنی منظوم عرضی مسامع قدسیہ پر عرض کی جس کی ابتدا اس مصرع سے تھی ع

یامالك الناس ودیان العرب

(اے تمام آدمیوں کے مالک اور اے عرب کے جزاو سزا دینے والے)

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر شکایت رفع فرمادی۔

الامام احمد حدثنا محمد بن ابی بکر ن المقدمی ثنا ابو معشرن البرّاء ثنی صدقة بن طیسلة ثنی معن بن ثعلبة المازنی والحی بعد ثنی الاعشی المازنی رضی اللہ تعالٰی عنه قال اتیت النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فانشدته یا مالك الناس ودیان العرب الحدیث[1] ورواہ الامام الاجل ابو جعفرن الطحاوی فی معانی الآثار حدثنا ابن ابی داود ثنا المقدمی ثنا ابو معشر الی اخرہ نحوہ سندا[2] و متنًا ورواہ ابن عبداللہ ابن الامام فی زوائد مسندہٖ من طریق عوف بن کھمس بن الحسن عن صدقة بن طیسلة حدثنی معن بن ثعلبة المازنی والحی بعدہ قالو ا ثنا الاعشیٰ رضی اللہ تعالٰی عنه فذکرہ[3] قلت والیه اعنی عبداللہ عزاہ حافظ الشان فی الاصابة[4]۔ انه رواہ فی الزوائد والعبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی له قدرواہ فی المسند نفسه ایضا کما سمعت وللہ الحمد ورواہ البغوی وابن السکن وابن ابی عاصم کلھم من طریق الجنید بن امین بن عروة بن نضلة بن طریق بن بھصل الحرمازی عن ابیه عن جدہٖ نضلة ولفظ البغوی عنه حدثنی ابی امین حدثنی ابی ذروة عن ابی نضلة عن رجل منھم یقال له الاعشی واسمه عبداللہ بن الاعور رضی اللہ تعالٰی عنه فذکر القصة وفیه فخرج حتی اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فعاذبه وانشأیقول یا مالك الناس ودیان العرب الحدیث[5]۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲ /۲۰۱، مجمع الزوائد کتاب النکاح باب النشوز دار الکتاب بیروت ۴ /۲۳۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب الکراھیة باب روایة الشعر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲ /۴۱۰

[3] زوائد عبداللہ بن احمد کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر حدیث ۱۲۸ دار البشائر الاسلامیة بیروت ص ۳۲۳

[4] الاصابة فی تمییز الصحابة ترجمہ ۴۵۳۳ عبداللہ بن الاعور دار الفکر بیروت ۳ /۱۵۲

[5] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ البغوی ترجمہ ۸۷۱۴ نضلة بن طریف دار الفکر بیروت ۵ /۳۳۷

یہ حدیث جلیل اتنے ائمہ کبار نے باسانید متعددہ روایت کی اور طریق اخیر میں یہ لفظ ہیں کہ:
اعشی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پناہ لی اور عرض کی کہ: اے مالک آدمیاں، وائے جزاوسزا دہ عرب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك وسلم۔

حدیث ۸۷: حارث بن عوف مزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی:

ابعث معی من یدعوا الی دینك فانا له جار۔	میرے ساتھ کسی شخص کو حضور ارسال فرمائیں جو میری قوم کو حضور کے دین کی طرف دعوت کرے اور وہ میری پناہ میں ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ساتھ کر دیا حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کنبے والوں نے عہد شکنی کرکے انہیں شہید کر دیا۔ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس بارے میں اشعار کہے از انجملہ یہ شعر۔

یاحارث من یغدر بذمة جاره منکم فان محمدًا لا یغدر

اے حارث! جو کوئی تم میں اپنے پناہ دیئے ہوئے کے عہد سے بے وفائی کرے تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جسے پناہ دیتے ہیں وہ سچی پناہ ہوتی ہے۔

فجاء الحارث فاعتذر و ودی الانصاری وقال یا محمد انی عائذبك من لسان حسانٍ۔ الزبیر بن بکارٍ حدثنی عمی مصعب ان الحارث بن عوف اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فذکره[1]۔	حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حاضر ہو کر عذر کیا اور انصاری شہید کی دیت دی اور حضور سے عرض کی یارسول اللہ! میں حضور کی پناہ مانگتا ہوں حسان کی زبان سے۔ زبیر بن بکار نے کہا مجھے میرے چچا مصعب نے حدیث بیان کی کہ حارث بن عوف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر پھر پوری حدیث بیان کی۔ (ت)

حدیث ۸۸: صحیح مسلم شریف میں حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

انه کان یضرب غلامه فجعل یقول اعوذ باللہ قال	یعنی وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے کہنا شروع کیا، اللہ کی دہائی، اللہ کی دُہائی۔

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة بحوالہ الزبیر ترجمہ ۱۴۵۷ الحارث بن عوف دار الفکر بیروت ۱/ ۴۳۰

فجعل یضربه فقال اعوذبرسول الله ،فترکه فقال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم والله اقدر علیك منك علیه قال فاعتقه[1]۔	انہوں نے ہاتھ نہ روکا۔غلام نے کہا: رسول اللہ کی دہائی۔ فوڑا چھوڑ دیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم! بے شک اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تو اس غلام پر۔انہوں نے غلام کو آزاد کردیا۔

الحمدللہ! اس حدیث صحیح کے تیور دیکھئے، حیا ہو تو وہابیت کو ڈوب مرنے کی بھی جگہ نہیں، یہ حدیث تو خدا جانے بیمار دلوں پر کیا کیا قیامتیں توڑے گی۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دُہائی دینا ہی ان کے دہائی مچانے کو بہت تھی نہ کہ وہ بھی یوں کہ سیدنا ابو مسعود بدری رضی اللہ تعالٰی عنہ خود فرماتے ہیں وہ اللہ عزوجل کی دہائی دیتا رہا میں نے نہ چھوڑا جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دہائی دی فوڑا چھوڑ دیا۔

علماء فرماتے ہیں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دہائی سن کر حضور کی عظمت دل پر چھائی ہاتھ روک لیا۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) یعنی پہلی بات ایک معمول ہو جانے سے ایسی موثر نہ ہوئی، انسان کا قاعدہ ہے کہ جس بات کا محاورہ کم ہوتا ہے اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اللہ عزوجل کی عظمت سے ناشی ہے۔بحمد اللہ حدیث کے یہ معنی ہیں اگرچہ وہابیہ کے طور پر تو اس کا درجہ شرک سے بھی کچھ آگے بڑھا ہوا ہے۔

حدیث ۸۹: یہی مضمون عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں امام حسن بصری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا:

قال بینا رجل یضرب غلاماله ،وهو یقول اعوذبالله اذ بصر برسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال اعوذ برسول الله فالقی	یعنی ایک صاحب اپنے غلام کو مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ کی دُہائی۔ اتنے میں غلام نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو تشریف لاتے دیکھا اب کہا رسول اللہ کی دہائی۔ فوڑا اس

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب صحبة الممالیك قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۲

ماکان فی یدہٖ وخلّٰی عن العبد فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما واللہ انہ احق ان یعاذ من استعاذ بہ منی فقال الرجل یارسول اللہ فھو حر لوجہ اللہ۔[1]	صاحب نے کوڑا ہاتھ سے ڈال دیا اور غلام کو چھوڑدیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سنتا ہے خدا کی قسم بیشک اللہ عزوجل مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی دُہائی دینے والے کو پناہ دی جائے۔ ان صاحب نے عرض کی: یارسول الہ! تو وہ اللہ کے لیے آزاد ہے۔

اقول: الحمد للہ اس حدیث نے تو اور بھی پانی سر سے تیر کردیا، صاف تصریح فرمادی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غلام کی دونوں دُہائیاں بھی سنیں اور پہلی دہائی پر ان کا نہ رکنا اور دوسری پر فورا باز رہنا بھی ملاحظہ فرمایا مگر افسوس کہ وہابیت کی ذلت ومردودیت کو نہ تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس غلام سے فرماتے ہیں کہ تو مشرک ہوگیا اللہ کے سو امیری دہائی دیتا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ اللہ عزوجل کی دہائی چھوڑ کر نہ آقا سے ارشاد کرتے ہیں کہ یہ کیسا شرک اکبر، خدا کی دہائی کی وہ بے پرواہی اور میری دہائی پر یہ نظر، ایک تو میری دہائی مانی اور وہ بھی یوں کہ خدا کی دہائی نہ مان کر افسوس آقا وغلام کو مشرک بنانا درکنار خود جو اس پر نصیحت فرماتے ہیں وہ کس مزے کی بات ہے کہ اللہ مجھ سے زیادہ اس کا مستحق ہے، دہائی تو اپنی بھی قائم رکھی اور اپنی دہائی دینے پر نہ دینی بھی ثابت رکھی، صرف اتنا ارشاد ہوا کہ خدا کی دہائی زیادہ ماننے کے قابل تھی۔ الحمدللہ کہ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دینوہابیہ کے جھوٹے قرآن تقویۃ الایمان کی کچھ قدر نہ فرمائی اسے سخت ذلت پہنچائی جس میں اس کا امام لکھتا ہے:

"اول معنی شرک وتوحید کے سمجھنا چاہیے اکثر لوگ پیروں پیغمبروں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں، ان سے مادیں مانگتے ہیں، کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالنبی رکھتا ہے کوئی علی بخش کوئی غلام محی الدین، کوئی مشکل کے وقت کسی کی دہائی دیتا ہے، غرض کہ جو کچھ ہندو اپنے بتوں سے کرتے ہیں وہ سب کچھ یہ جھوٹے مسلمان اولیاء وانبیاء سے کرگزرتے ہیں اور دعوٰی مسلمانی کا کئے جاتے ہیں۔ سچ فرمایا اللہ صاحب نے

---

[1] الدرالمنثور بحوالہ عبدالرزاق عن الحسن تحت الآیۃ ۴ /۳۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲ /۵۰۲، کنز العمال بحوالہ عب عن الحسن حدیث ۲۵۶۷۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹ /۲۰۳

کہ نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ مگر کہ شرک کرتے ہیں[1]۔" اھ مختصرًا

ان دافع البلاء کے منکروں سے بھی اتنا پوچھ لیجئے کہ کسی کی پناہ یعنی اس کی دہائی دینی دفع بلا ہی کے لیے ہوتی ہے یا کچھ اور۔و لکن الوھابیۃ قوم یعتدون۔ (اور قوم وہابیہ حد سے بڑھنے والی ہے۔ت)

حدیث ۹۰: ابن ماجہ حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذ اقبل بعیر تعدوا حتی وقف علی ھامۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایھا البیعر اسکن فان تك صادقًا فلك صدقك وان تك کاذبًا فعلیك کذبك مع ان اللہ تعالٰی قد امن عائذنا ولیس بخائب لائذنا فقلنا یارسول اللہ مایقول ھذا البعیر، فقال ھذا بعیر ھم اھلہ بنحرہ واکل لحمہ فھرب منھم و استغاث بنبیکم بینا نحن کذٰلك اذ اقبل صاحبہ او قال اصحابہ یتعادون فلما نظر الیھم البعیر عاد الی ھامّۃ رسول اللہ صلی اللہ	یعنی ہم خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئے ناگاہ ایك اونٹ دوڑتا آیا یہاں تك کہ حضور کے سر مبارک کے قریب آکر کھڑا ہوا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے اونٹ! ٹھہر اگر تو سچا ہے تو تیرے سچ کا پھل تیرے لیے ہے اور جھوٹا ہے تو تیرے جھوٹ کا وبال تجھ پر ہے،اس کے ساتھ یہ بات بیشك کہ جو ہماری پناہ میں آئے اللہ تعالٰی نے اس کے لیے امان رکھی ہے اور جو ہمارے حضور التجالائے وہ نامرادی سے بری ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ اونٹ کیا عرض کرتا ہے؟ فرمایا: اس کے مالکوں نے اسے حلال کرکے کھالینا چاہا تھا یہ ان کے پاس سے بھاگ آیا اور تمہارے نبی کے حضور فریاد لایا۔ ہم یوں ہی بیٹھے تھے کہ اتنے میں اس کا مالك یا کہا اس کے مالك دوڑتے آئے، اونٹ نے جب انہیں دیکھا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴

علیه وسلم فلاذبها فقالوا یا رسول اللّٰه هذا بعیرنا هرب منذ ثلاثة ایام فلم نلقه الا بین یدیک۔ فقال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم اما انه یشکوا لی فبئست الشکایة۔ فقالو یارسول اللّٰه مایقول؟ قال یقول انه ربی فی امنکم احوالا وکنتم تحملون علیه فی الصیف الی مواجع الکلاء فاذا کان الشتاء رحلتم الی موضع الدفاء فلما کبر استفحلتم فرزقکم اللّٰه ابلاً سائمًا فلما ادرکته هذه السنة الخصبة هممتم بذبحه واکل لحمه۔ فقالوا واللّٰه کان ذٰلك یارسول اللّٰه۔ فقال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم ماهذا جزاء المملوك الصالح من موالیه۔ فقالوا یارسول اللّٰه فانا لانبیعه ولا ننحره۔ فقال صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم کذبتم قد استغاث بکم فلم تغیثوه وانا اولی بالرحمة منکم فان اللّٰه نزع الرحمة من قلوب المنافقین واسکنها فی قلوب المؤمنین۔ فاشتراه صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم منهم بمائة درهم وقال یٰایها البعیر!

سرانور کے پاس آگیا اور حضور کی پناہ پکڑی، اس کے مالکوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہمارا اونٹ تین دن سے بھاگا ہوا ہے آج حضور کے پاس ملا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: سنتے ہو اس نے میرے حضور نالش کی ہے اور بہت ہی بری نالش ہے۔ وہ بولے: یارسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے؟ فرمایا: یہ کہتا ہے کہ وہ برسوں تمہاری امان میں پلا گرمی میں اس پر اسباب لاد کر سبزہ ملنے کی جگہ تک جاتے اور جاڑے میں گرم مقام تک کوچ کرتے، جب وہ بڑا ہوا تو تم نے اسے سانڈ بنالیا اللہ تعالٰی نے اس کے نطفے سے تمہارے بہت اونٹ کردیے جو چرتے پھرتے ہیں، اب جو اسے یہ شاداب برس آیا تم نے اسے ذبح کرکے کھا لینا چاہا۔ وہ بولے: یارسول اللہ! خدا کی قسم! یونہی ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا نیک مملوک کا بدلہ اس کے مالکوں کی طرف سے یہ نہیں ہے۔ وہ بولے: یارسول اللہ! تو ہم اسے نہ بیچیں گے نہ ذبح کریں گے۔ فرمایا: غلط کہتے ہو اس نے تم سے فریاد کی تو تم اس کی فریاد کو نہ پہنچے اور میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ولائق ہوں کہ فریادی پر رحم فرماؤں اللہ عزوجل نے منافقوں کے دلوں سے رحمت نکال لی اور ایمان والوں کے دلوں میں رکھی ہے، پس حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ اونٹ ان سے سو روپے کو خرید لیا اور اس سے ارشاد فرمایا: اے اونٹ!

انطلق فانت حر لوجه الله تعالٰی۔فرغیٰ علی هامة رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال صلی الله تعالٰی علیه وسلم اٰمین۔ثم رغیٰ فقال اٰمین۔ثم رغیٰ الرابعة فبکی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔فقلنا یارسول الله ما یقول هذا البعیر؟قال قال جزاك الله ایها النبی عن الاسلام والقراٰن خیرًا۔فقلت اٰمین۔ثم قال سکن الله رعب امتك یوم القیٰمة کما سکنت رعبی فقلت اٰمین۔ثم قال حقن الله دماء امتك من اعدائها کما حقنت دمی فقلت اٰمین۔ثم قال لاجعل الله باس امتك بینها فبکیت فان هذه الخصال سألت ربی فاعطانیها ومنعنی هذهٖ واخبرنی جبریل علیه السلام عن الله عزوجل ان فناء امتی بالسیف جری القلم بما هو کائن۔کذا اوردہ عازیا	چلاجا کہ تو اللہ عزوجل کے لئے آزاد ہے۔یہ سن کر اس نے سر اقدس پر اپنی بولی میں کچھ آواز کی۔حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آمین کہی۔اس نے دوبارہ آواز کی حضور نے پھر آمین کہی۔اس نے سہ بارہ عرض کی حضور نے پھر آمین کہی اس نے چوتھی بار کچھ آواز کی اس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے گریہ فرمایا۔صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ کیا کہتا ہے؟فرمایا:اس نے کہا اے نبی اللہ! اللہ عزوجل حضور کو اسلام وقرآن کی طرف سے بہتر جزا عطافرمائے میں نے کہا آمین،پھر اس نے کہا اللہ تعالٰی قیامت کے دن حضور کی امت سے خوف دور کرے جس طرح حضور نے میر خوف دور کیا میں نے کہا آمین۔پھر اس نے کہا اللہ جل وعلا حضور کی امت کے خون ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے محفوظ رکھے(کہ کفار کبھی انہیں استیصال نہ کرسکیں) جیسا حضور نے میرا خون بچایا،میں نے کہا آمین پھر اس نے کہا اللہ سبحانہ امت والا کی سختی انکے آپس میں نہ رکھے(باہمی خونریزی سے دور رہیں)، اس پر میں نے گریہ فرمایا کہ یہ سب مرادیں میں اپنے رب عزوجل سے مانگ چکا اور اس نے مجھے عطا فرمادیں مگر یہ پچھلی منع فرمائی اور مجھے جبرائیل امین علیہ الصلوۃ والتسلیم نے اللہ عزوجل کی طرف سے خبر کردی کہ میری امت کی فنا تلوار سے ہے۔قلم چل چکا شدنی پر۔

له الامام الحافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری رحمة الله تعالٰی علیه فی کتاب الترغیب والترهیب [1]۔	یوں ہی کتاب الترغیب والترھیب میں امام حافظ ذکی الدین عبدالعظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے وارد ہے۔(ت)

فقیر نے اس رسالہ میں بنظر اختصار اکثر احادیث کا خلاصہ لکھا یا صرف محل استدلال پر اقتصار کیا۔ یہ حدیث نفیس کہ ایک اعلی اعلام نبوت و معجزات جلیل حضرت رسالت علیہ وعلی الہ افضل الصلوۃ والتحیہ سے تھی بتمامہ ذکر کرنی مناسب سمجھی، یہاں موضع استناد وہ پیاری پیاری اسناد ہے کہ جو ہماری پناہ لے اللہ عزوجل اسے پناہ دیتا ہے اور جو ہم سے التجا کرے نامراد نہیں رہتا۔ الحمد للہ رب العالمین اور خدا جانے دافع البلا کس شے کا نام ہے۔

حدیث ۹۱: عبداللہ بن سلامہ بن عمیر اسلمی صحابی ابن صحابی رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں:

تزوجت ابنة سراقة ابن حارثة النجاری وقتل ببدر فلم اصب شیاء من الدنیا کان احب الی من نکاحها و اصدقتها مائتی درهم فلم اجد شیئ اسوقه الیها فقلت علی الله ورسوله المعوّل فجئت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فاخبرته الحدیث۔	میں نے سراقہ بن حارثہ نجاری شہید غزوہ بدر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی صاحبزادی سے نکاح کیا دنیا کی کوئی چیز میں نے ایسی نہ پائی جو انکے ساتھ شادی ہونے سے مجھے زیادہ پیاری ہو میں نے دو سو روپے ان کا مہر کیا تھا اور پاس کچھ نہ تھا جو انہیں بھیجوں، میں نے کہا اللہ اور اللہ کے رسول ہی پر بھروسہ ہے، پس میں خدمت انور حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور حال عرض کیا۔

حضور نے ایک جہاد پر انہیں بھیجا اور فرمایا:

ارجوا ان یغنیك الله مهر زوجتك۔	میں امید کرتا ہوں کہ اللہ عزوجل تمہیں اتنی غنیمت دلادے گا کہ اپنی بیوی کا مہر ادا کردو۔

ایسا ہی ہوا، وللہ الحمد۔

الامام الثقة محمد بن [2] عمر واقد	امام ثقہ محمد بن عمر واقد نے ابی حدرد

[1] الترغیب والترهیب الترغیب فی الشفقة علی خلق الله تعالٰی مصطفی البابی مصر ۳/ ۲۰۷۔۲۰۸

[2] کتاب المغازی سریة خضرة امیرها ابو قتادة مؤسسة الاعلمی للمطبوعات بیروت ۲/ ۷۷۷۔۷۷۸

عن ابی حدرد وھو ابن سلامۃ المذکور رضی اللہ تعالٰی عنھما بسندہٖ الیہ وقد علی توثیقہ الامام المحقق علی الاطلاق فی الفتح وذکرنا فی منیر العین۔	جو سلامہ مذکور رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس پر انکی سند سے روایت کیا، اور امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں اس کی توثیق فرمائی اور ہم نے اسے (اپنے رسالے) منیر العین میں بیان کیا۔(ت)

حدیث ۹۲و۹۳: غزوہ خیبر شریف میں خیبر کو جاتے وقت حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور میں رجز پڑھتے چلے۔

(۱) اللھم لولا انت ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا

(۲) فاغفر فداءً لك ما ابقینا والقین سکینۃ علینا

(۳) وثبت الاقدام ان لاقینا ونحن عن فضلك ما استغنینا

(۱) خدا گواہ ہے یا رسول اللہ! اگر حضور نہ ہوتے تو ہم ہدایت نہ پاتے، نہ زکوۃ دیتے نہ نماز پڑھتے۔

(۲) تو بخش دیجئے ہم حضور پر قربان جو گناہ ہمارے رہ گئے ہیں اور ہم پر حضور سکینہ اتاریں۔

(۳) اور جب ہم دشمنوں سے مقابل ہوں تو حضور ہمیں ثابت قدم رکھیں ہم حضور کے فضل سے بے نیاز نہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ حدیث صحیح بخاری[1] و صحیح مسلم و سنن ابی داود و سنن نسائی و مسند احمد وغیرہا میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بطرق عدیدہ ہے اور پچھلا مصرعہ زیادات صحیح مسلم وامام احمد سے ہے۔

رواہ من طریق ایاس بن سلمۃ عن ابیہ سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ایاس بن سلمہ کے طریق پر ان کے والد سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ خیبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۰۳، صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر باب غزوہ خیبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۱۱، سنن النسائی کتاب الجہاد والسیر باب من قاتل فی سبیل اللہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۶۰، مسند احمد بن حنبل عن سلمۃ بن الاکوع المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۵۰

ہم حدیث صحیح بخاری مع شرح امام احمد قسطلانی مسمّٰی بہ ارشاد الساری کے الفاظ کریمہ مختصر ذکر کریں:

(عن یزید بن ابی عبید عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ قال خرجنا مع النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی خیبر فسرنا لیلًا فقال رجل من القوم)ھو اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ(لعامر یاعامر الاتسمعنا من ھنیھاتک)وعند ابن اسحٰق من حدیث نصر بن دھر ن الاسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فی مسیرہٖ الی خیبر لعامر بن الاکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ انزل یاابن الاکوع فاحد لنا من ھنیھاتك ففیہ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھو الذی امرہ بذٰلك وکان عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ رجلا شاعرًا فنزل یحدو بالقوم یقول۔ اللھم لولا انت ما اھتدینا ولاتصدقنا ولاصلینا فاغفر فداء لك. المخاطب بذٰلك النبی صلی اللہ تعالٰی	یعنی یزید بن ابو عبید اپنے مولٰی سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہمراہ رکاب اقدس خیبر کو چلے، رات کا سفر تھا، حاضرین سے ایک صاحب حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ کے چچا حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا: اے عامر! ہمیں کچھ اشعار اپنے نہیں سناتے، اور ابن اسحٰق نے نصر بن دہر اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کیا کہ میں نے سفر خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عامر بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرماتے سنا ''اے ابن اکوع! ''اتر کر کچھ اپنے اشعار ہمارے لئے شروع کرو۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں اس امر کا امر فرمایا۔ عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ شاعر تھے اترے اور قوم کے سامنے یوں حدی خوانی کرتے چلے کہ: یارب! اگر حضور نہ ہوتے ہم راہ نہ پاتے نہ زکوٰۃ ونماز بجالاتے۔ ہم حضور پر بلا گرداں ف ہوں ہمارے جو گناہ باقی رہے ہیں بخش دیجئے۔ ان اشعار میں مخاطب

ف: قربان ہونے والا، دوسرے کی بلا اپنے اوپر لینے والا۔

علیہ وسلم ای اغفرلنا تقصیرنا فی حقك ونصرك اذ لایتصور ان یقال مثل ھٰذا الکلام للباری تعالٰی و قوله اللھم لم یقصد بھا الدعاء وانما افتتح بھا الکلام (ما بقینا) ای ماخلّفنا وراءنا من الاٰثام (و القین) ای او سل ربك ان یلقین (سکینة علینا* و ثبت الاقدام) ای وان یثبت الاقدام (ان لاقینا) العدو (فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من ھذا السائق قالوا عامر بن الاکوع قال یرحمه الله) وعند احمد من روایة ایاس بن سلمة فقال غفرلك ربك قال وما استغفر رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لانسان یخصه الا استشھد قال رجل من القوم ھو عمر بن الخطاب رضی الله تعالٰی عنه کما فی مسلم (وجبت) له الشھادة بدعائك له	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں یعنی حضور کے حقوق حضور کی مدد میں جو قصور ہم سے ہوئے حضور معاف فرمادیں۔ حضور کے لئے خطاب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل سے ایسا خطاب کرنا معقول نہیں (ائمہ فرماتے ہیں کہ کسی پر فدا ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس پر اگر کوئی بلاء یا تکلیف آتی تو وہ اپنے اوپر لے لی جائے اس کی محافظت میں اپنی جان دے دی جائے تو اللہ عزوجل کو اس کلام کا مخاطب کیونکر بناسکتے ہیں) رہا یہ کہ ابتداء میں اللھم ہے اس سے مقصود حضرت عزت جل جلالہ کو پکارنا نہیں (کہ یہ اللہ عزوجل سے عرض قرار پائے) بلکہ اس کے نام سے ابتدائے کلام ہے اور حضور ہم پر سکینہ اتاریں مقابلہ دشمن کے وقت اور ہمیں ثابت قدم رکھیں یعنی اپنے رب جل وعلا سے ان مراعات کی دعا فرمادیں۔ یہ اشعار سن کر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کون اونٹوں کو رواں کرتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: عامر بن اکوع۔ حضور نے فرمایا: اللہ اس پر رحمت کرے۔ اور مسند احمد (و صحیح مسلم) میں بروایت ایاس بن سلمہ (اپنے والد ماجد سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے) ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے) فرمایا: تیرا رب تیری مغفرت فرمائے اور حضور (ایسی جگہ) جب کسی خاص شخص کا

(یانبی اللہ لولا امتعتنابہ) ابقیتہ لنا لنتمتع بہ[1]۔	نام لے کر دعائے مغفرت فرماتے تھے وہ شہید ہو جاتا تھا (لہٰذا) حاضرین میں سے ایک صاحب یعنی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ جیساکہ صحیح مسلم میں تصریح ہے عرض کی: یارسول! حضور کی دعا سے عامر کے لئے شہادت واجب ہو گئی حضور نے ہمیں ان سے نفع کیوں نہ لینے دیا یعنی حضور انہیں ابھی زندہ رکھتے کہ ہم ان سے بہرہ مند ہوتے۔ انتہی۔

یہ پچھلے لفظ بھی یاد رکھنے کے قابل ہیں کہ "حضور انہیں زندہ رکھتے"۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یہ حدیث ابن اسحٰق نے اس سند سے روایت کی:

حدثنی محمد بن ابراھیم بن الحارث عن ابی الھیشم بن نصر بن دھر ن الاسلمی ان اباہ حدثہ انہ سمع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول فی مسیرہ الی خیبر لعامر بن الاکوع فذکرہ[2]۔	بیان کیا مجھ سے محمد بن ابراہیم بن الحارث نے انہوں نے ابی الہیثم بن نصر بن دہر اسلمی سے کہ انکے والد نے سفر خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو عامر بن اکوع کو یہ فرماتے ہوئے سنا تو اس کا ذکر کردیا۔ (ت)

اسی میں ہے:

فقال عمر بن الخطّاب رضی اللہ تعالٰی عنہ وجبت واللہ یارسول اللہ لوامتعتنابہ، فقتل یوم خیبر شھیدًا[3]۔	امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی خدا کی قسم شہادت واجب ہوگئی، یارسول اللہ! کاش حضور ہمیں ان کی زندگی سے بہرہ یاب رکھتے۔ وہ روز خیبر شہید ہوئے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

نیز امام احمد نے مسند میں بطریق ابن اسحٰق روایت فرمائی:

حدثنا یعقوب ثنا ابی عن ابن اسحٰق ثنا محمد بن ابراھیم بن الحارث التیمی الحدیث[4] سندًا ومتنًا بید انہ اقتصر	ہمیں حدیث بیان کی یعقوب نے کہ ہمیں میرے باپ نے بحوالہ ابن اسحاق حدیث بیان کی کہ ہمیں محمد بن ابراہیم بن حارث تیمی نے سند و متن مذکور کے ساتھ

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب المغازی حدیث ۴۱۹۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۹/ ۲۱۴تا۲۱۶

[2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر المسیر الٰی خیبر دار ابن کثیر بیروت الجزئین الثالث والرابع ص ۳۲۸و۳۲۹

[3] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ذکر المسیر الٰی خیبر دار ابن کثیر بیروت الجزئین الثالث والرابع ص ۳۲۹

[4] مسند احمد بن حنبل حدیث نصر بن دھر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۱

علی الاشعار ولم یذکر دعاء النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا قول عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ وفیہ فاحد لنا مکان قولہ فخذلنا ولعل ھذا ھو الاصوب واللہ تعالٰی اعلم۔	حدیث بیان کی سوائے اس کے کہ انہوں نے صرف اشعار پر اکتفاء کیا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی دعا مبارک اور حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول مبارک ذکر نہیں کیا۔ اور اس روایت میں "فخذلنا" کی جگہ لفظ "فاحد لنا" ہے۔ شاید یہی زیادہ درست ہے واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

حدیث ۹۴: صحیحین میں ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے کہ انہوں نے ایک تصویر دار قالین خریدا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے دروازے پر رونق افروز رہے اندر قدم کرم نہ رکھا، ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے چہرہ انور میں اثر ناراضی پایا (اللہ انہیں ناراض نہ کرے دونوں جہان میں) عرض کرنے لگیں:

یارسول اللہ اتوب الی اللہ والی رسولہ ماذا اذنبت[1]۔	یارسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا خطا ہوئی۔

حدیث ۹۵: چالیس ۴۰ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم باہم بیٹھے مسئلہ قدر وجبر میں بحث کرنے لگے ان میں صدیق وفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی تھے روح امین جبریل علیہ السلام نے خدمت اقدس حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! حضور اپنی امت کے پاس تشریف لے جائیں کہ انہوں نے نئی راہ نکالی۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے وقت باہر تشریف لائے کہ وہ وقت حضور کی تشریف آوری کا نہ تھا صحابہ سمجھے کوئی نئی بات ہے۔ آگے حدیث کے پیارے پیارے الفاظ دلکش ودلنوازیوں ہیں:

وخرج علیھم ملتمعاً لونہ متوردۃ وجنتاہ کانما تفقأ	یعنی حضور پر نور صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ ان پر اس حالت میں برآمد ہوئے کہ رنگ

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب من کرہ القعود علی الصور قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۸۸۱، صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۲۰۱، مسند امام احمد عن عائشہ صدیقۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۲۴۶، مصنف عبدالرزاق باب التماثیل وماجاء فیہ حدیث ۱۹۴۸۴ المجلس العلمی بیروت ۱۰/۳۹۸

بحب الرمان الخامض فنهضوا الی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حاسرین اذرعهم ترعد اکفهم و اذرعهم فقالوا تبنا الی الله ورسوله الحدیث۔[1] الطبرانی فی الکبیر عن ثوبان رضی الله تعالٰی عنه مولٰی رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم۔	چہرہ اقدس کا (شدت جلال سے) دہک رہا ہے، دونوں رخسارہ مبارک گلاب کی طرح سرخ ہیں گویا انار ترش کے دانے پھوٹ نکلے ہیں، صحابہ کرام یہ دیکھتے ہی حضور کی طرف (عاجزی کے ساتھ) کلائیاں کھولے ہاتھ تھرتھراتے کانپتے کھڑے ہوئے اور عرض کی کہ ہم اللہ ورسول کی طرف توبہ کرتے ہیں۔ (طبرانی نے کبیر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

ان احادیث سے ثابت کہ صدیقہ وصدیق وفاروق وغیرہم اکتالیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے توبہ کرنے میں اللہ قابل التوب جل جلالہ کے نام پاک کے ساتھ اس کے نائب اکبر نبی التوبہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک بھی ملایا اور حضور پر نور خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمایا حالانکہ توبہ بھی اصل حق حضرت عزت عزجلالہ کا ہے۔ولہذا حدیث میں ہے ایک قیدی گرفتار کرکے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں لایا گیا وہ بولا:

اللهم انی اتوب الیك ولا اتوب الی محمد۔	الٰہی! میری توبہ تیری طرف ہے، نہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

عرف الحق لاهله۔ احمد[2] والحاکم وصححه وروی عن الاسود بن سریع رضی الله تعالٰی عنه۔	حق کو حق والے کے لئے پہچان لیا۔ احمد وحاکم نے اسے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی اور اس کو اسود بن سریع سے روایت کیا۔(ت)

[1] المعجم الکبیر عن ثوبان رضی الله عنه المکتبة الفیصلیة بیروت ۲/ ۹۵و۹۶

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث اسود بن سریع رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۳۵، کنزالعمال حدیث ۸۷۲۵ مؤسسة الرساله بیروت ۳/ ۷۷۶، کنزالعمال حدیث ۱۱۶۱۲ مؤسسة الرساله بیروت ۴/ ۵۴۶، کشف الخفاء حدیث ۱۷۲۵ دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۵۵

حدیث ۹۶: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے جب ان کی توبہ قبول ہوئی انہوں نے مولائے دوجہاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی:

یارسول اللہ ان من توبتی ان انخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ[1] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	یارسول اللہ میری توبہ کی تمامی یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے نکل جاؤں اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے صدقہ کرکے۔ جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ارشادالساری شرح صحیح بخاری میں ہے:

ای صدقۃ خالصۃ للہ ولرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالی بمعنی اللام[2]۔	یعنی اس حدیث میں اللہ ورسول کی طرف صدقہ کرنے کے معنی اللہ ورسول کے لیے تصدق ہیں، تو حاصل یہ کہ اپنا سارا مال خاص خدا اور رسول کے نام پر تصدق کردوں تبارک و تعالٰی و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ چنانچہ اس میں الی بمعنی لام ہے۔ (ت)

حدیث ۹۷: یمن کی ایک بی بی اور ان کی بیٹی بارگاہ بیکس پناہ محبوب الہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں، دختر کے ہاتھ میں بھاری بھاری کنگن سونے کے تھے، مولی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تعطین زکوٰۃ ھذا اس کی زکوٰۃ دے گی۔ عرض کی: نہ فرمایا: ایسرّکِ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/۱۹۲ وکتاب الوصایا ۱/۳۸۶ وکتاب المغازی ۲/۶۳۶، صحیح مسلم کتاب التوبۃ باب حدیث توبہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۳۶۰، سنن ابی داود کتاب الایمان والنذر باب من نذران یتصدق بمالہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۱۴، سنن النسائی کتاب الایمان باب اذا ھدی مالہ علی وجہ النذر نور محمد کارخانہ کراچی ۲/۱۴۷، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الزکوٰۃ ۴/۱۸۱ وکتاب السیر ۹/۳۵ و کتاب الایمان ۱۰/۶۸ دار صادر بیروت، مسند امام احمد حدیث کعب بن مالک رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۵۴، ۴۵۹، ۴۵۶، المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب المغازی حدیث ۳۶۹۹۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۷/۴۲۵

[2] ارشادالساری شرح صحیح البخاری کتاب المغازی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۹/۳۹۲

ان یسورك اللہ بھما یوم القیٰمۃ سوارین من نارٍ۔ کیا تجھے یہ بھاتا ہے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن انکے بدلے تجھے آگ کے دو کنگن پہنائے؟ ان بی بی نے فوراً وہ کنگن اتار کر ڈال دئے اور عرض کی:

ھما للہ ورسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ احمد[1] و ابو داؤد والنسائی عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما بسند لامقالہ فیہ۔	یا رسول اللہ! یہ دونوں اللہ اور اللہ کے رسول کے لیے ہیں جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (احمد وابوداود ونسائی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند ''اس میں کلام نہیں'' روایت کیا۔ت)

حدیث ۹۸: کہ جب حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی توبہ قبول ہوئی انہوں نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی:

یارسول اللہ انی اھجر دار قومی التی اصبت بھا الذنب وانخلع من مالی صدقۃ الی اللہ والی رسولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	یارسول اللہ! میں اپنی قوم کا محلّہ جس میں مجھ سے خطا سرزد ہوئی چھوڑتا ہوں اور اپنے مال سے اللہ ورسول کے نام پر تصدق کرکے باہر آتا ہوں جل جلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابولبابہ! تہائی مال کافی ہے۔ انہوں نے ثلث مال اللہ ورسول کے لئے صدقہ کردیا عزجلالہ و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

الطبرانی فی الکبیر وابو نعیم عن ابن شھاب الزھری عن الحسین بن السائب بن ابی لبابۃ عن ابیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما تاب اللہ علی جئت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی	طبرانی نے کبیر میں اور ابو نعیم نے ابن شہاب زہری سے انہوں نے حسین بن سائب بن ابولبابہ سے بحوالہ اپنے باپ کے روایت کیا وہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالٰی نے میری توبہ قبول فرمائی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

[1] سنن ابی داود کتاب الزکوٰۃ باب الکنز ما ھو وزکوٰۃ الحلی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۱۸، سنن النسائی کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ الحلی نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۳۴۳، مسند امام احمد عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲/۱۷۸ و ۲۰۴ و ۲۰۸، مسند امام احمد عن اسماء بنت یزید المکتب الاسلامی بیروت ۶/۴۶۱

علیہ وسلم فقلت فذکرہ[1]۔	پھر پوری حدیث ذکر کی۔(ت)

یہ حدیثیں جان وہابیت پر صریح آفت ہیں کہ تصدق کرنے میں اللہ عزوجل کے ساتھ اللہ کے محبوب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک ملایا جاتا اور حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مقبول رکھتے ہیں، وللہ الحجة البالغة۔

اسی قبیل سے ہے افضل الاولیاء المحمدیین سیدنا صدیق اکبر امام المشاہدین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عرض کہ حضرت مولانا العارف باللہ القوی، مولوی قدس سرہ المعنوی نے مثنوی شریف میں نقل کی کہ جب حضرت صدیق عتیق سیدنا بلال رضی اللہ تعالٰی عنہ کو آزاد کرکے حاضر بارگاہ عالم پناہ ہوئے۔

گفت مادو بندگان کوئے تو　　کردمش آزاد ہم بررُوئے تو[2]

(صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے غلام ہیں میں نے آپ کی خاطر اسکو آزاد کردیا ہے۔)

اور پہلے مصرع میں جو کچھ حضرت صدیق اکبر اپنے مالک ومولٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کررہے ہیں اس پر تو دیکھا چاہئے، وہابیت کا جن کتنا مچلے، نجدیت کی آگ کہاں تک اچھلے، مگرہاں امیر المومنین غیظ المنافقین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا درہ سیاست دکھایا چاہئے کہ بھوت بھاگے، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے پانی کا چھینٹا دیجئے کہ آگ دبے، وہ کہاں؟ وہ اس حدیث آئندہ میں، وباللہ التوفیق۔

حدیث ۹۹: شاہ صاحب ازالۃ الخفاء میں بحوالہ روایت ابو حذیفہ اسحٰق بن بشر وکتاب مستطاب الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ ناقل کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک خطبے میں برسرمنبر فرمایا:

کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فکنت عبدہ	میں حضور پر نور آقا ومولائے عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھا پس میں حضور کا بندہ

[1] المعجم الکبیر عن ابی لبابۃ حدیث ۴۵۰۹ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/۳۳، کنزالعمال بحوالہ طب وابی نعیم عن الزہری حدیث ۱۷۰۳۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۵۹۱، کنزالعمال بحوالہ طب وابی نعیم عن الزہری حدیث ۴۶۱۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۶۲۴

[2] مثنوی معنوی معاتبہ کردن حضرت رسول باصدیق الخ دفتر ششم نورانی کتب خانہ پشاور ص ۲۹

وخادمہ[1]۔	اور حضور کا خدمتی تھا۔

اقول: یہ حدیث ابوحذیفہ مذکور نے فتوح الشام اور حسن بن بشران نے اپنی فوائد میں ابن شہاب زہری وغیرہ ائمہ تابعین سے نیز ابن بشران نے امالی، ابو احمد دہقان نے حرز حدیثی، ابن عساکر نے تاریخ، لالکائی نے کتاب السنۃ میں افضل التابعین سیدنا سعید بن المسیب بن حزن رضی اللہ عنہم سے روایت کی جب امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ ہوئے لوگوں پر ان کے شدت جلال سے عجب ہیبت چھائی یہاں تک کہ لوگوں نے باہر بیٹھنا چھوڑ دیا کہ جب تک امیر المومنین کا برتاؤ نہ معلوم ہو متفرق رہو، لوگ بولے صدیق اکبر کی نرمی اس درجہ تھی کہ مسلمانوں کے بچے جب انہیں دیکھتے دوڑتے ہوئے باپ باپ کہتے انکے پاس جاتے وہ ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے، اور ان کی ہیبت کی یہ حالت ہے کہ مردوں نے اپنی مجالس چھوڑ دیں۔ جب امیر المومنین کو یہ خبر پہنچی حکم دیا کہ جماعت نماز کے لئے پکار دیں۔ لوگ حاضر ہوئے امیر المومنین منبر پر وہاں بیٹھے جہاں صدیق اکبر اپنے قدم رکھتے تھے اور فرمایا کہ مجھے کافی ہے صدیق کے قدموں کی جگہ بیٹھوں، جب سب جمع ہولئے امیر المومنین نے منبر اطہر سید ازہر صلی اللہ تعالٰی علیہ پر کھڑے ہو کر خطبہ فرمایا حمد وثنائے الٰہی ودرود رسالت پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کہا:

یا یھا الناس انی قد علمت انکم کنتم تؤنسون منی شدۃ وغلظۃ وذلك انی کنت مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکنت عبدہ وخادمہ۔	لوگو! میں جانتا ہوں کہ تم مجھ میں سختی ودرشتی پاتے تھے اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور میں حضور کا بندہ اور خدمتگار تھا۔

حضور کی نرمی ورحمت وہ ہے جس کی نظیر نہیں، اللہ عزوجل نے خود اپنے اسمائے کریمہ سے دو نام حضور کو عطا فرمائے رؤف رحیم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، تو میں حضور کے سامنے شمشیر برہنہ تھا وہ چاہتے مجھے نیام میں فرماتے چاہتے چلنے دیتے، میں اسی حال پر رہا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مجھ سے راضی تشریف لے گئے، اور خدا کا شکر ہے اور میری سعادت، پھر صدیق مسلمانوں کے کام کے والی ہوئے، ان کی نرمی ورحمت وکرم کی حالت تم سب پر روشن ہے

[1] کنزالعمال حدیث ۱۴۱۸۴ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶۸۱/۵، الریاض النضرہ فی مناقب العشرہ الفصل التاسع دار المعرفۃ بیروت ۲۷۱/۲

فکنت خادمه وعونه میں ان کا خادم اور ان کا سپاہی تھا۔اپنی شدت ان کی نرمی کے ساتھ لاتا،ان کے سامنے تیغ عریاں تھا وہ چاہتے نیام میں کرتے خواہ رواں فرماتے،میں اسی حال پر رہا یہاں تک کہ وہ مجھ سے راضی ہوگئے،اور خدا کا شکر ہے اور میری سعادت،اب کہ میں تمھارا والی ہوا،جان لو کہ وہ شدت دونی ہوگئی درجوں بڑھ گئی،مگر کس پر ہوگی۔ان پر جو مسلمانوں پر ظلم وتعدی کریں،اور دینداروں کے لئے تو میں خود ان کے آپس سے بھی زیادہ نرم ومہربان ہوں،جسے ظلم وزیادتی کرتے پاؤں گا اسے نہ چھوڑوں گا اس کا ایک گال زمین پر رکھ کر دوسرے گال پر اپنا پاؤں رکھوں گا یہاں تک کہ حق کو قبول کرلے۔سعید بن مسیب وابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے فرمایا:

فوفی عمر واللّٰه بما قال وکان ابا العیال[1]۔	خدا کی قسم عمر نے جو فرمایا پورا کر دکھایا،وہ رعیت کے لئے مہربان باپ تھے رضی اللہ تعالٰی عنہ۔یہ مختصر ہے۔اور بعض کی حدیث بعض میں داخل ہوگئی ہے۔(ت)

دیکھو امیر المومنین فاروق اعظم کا سا اشد الناس فی امر اللہ برملا بر سر منبر اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ بتا رہا ہے اور مجمع عام صحابہ کرام سنتا اور برقرار رکھتا ہے۔وللّٰه الحمد وله الحجة السامية (تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے اور اسی کی حجت بُلند ہے۔ت) امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بجرم ترویج تراویح جسے اس جناب فاروقیت مآب نے بدعت مان کر اچھا بتایا اور فرمایا:

نعم البدعة هذه[2]۔	یہ بدعت بہت خوب وحسن ہے۔

وہابی بیڑے کے بعض احیوٹ بہادر مثل نواب بھوپالی قنوجی وغیرہ صراحةً معاذ اللہ گمراہ بدعتی لکھ ہی چکے اب اپنے آپ کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بندہ ماننے پر شرک کا اطلاق کرتے انھیں کیا

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۳۰۲ عمر بن الخطاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۱۱/۴۷،۲۱۰،کنز العمال بحوالہ ابن بشیر ان وابی احمد دھقان واللالکائی حدیث ۱۴۱۸۴مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۶۸۱/۵تا۶۸۳

[2] صحیح البخاری کتاب الصوم باب فضل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶۹/۱

لگتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذالم تستحی فاصنع ماشئت [1]۔	جب تو بیحیا ہو جائے تو پھر جو چاہے کر۔(ت)

ع بیحیا باش ہرچہ خواہی کن

بیحیا ہو جا پھر جو چاہے کر۔(ت)

مگر صاحبو! ذرا سوچ کر کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا دامن زیر سنگ خارا دبا ہے۔

یوں نظر دوڑے نہ ترچھی تان کر

اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

اے عبید الہوا، اے عبید الدراہم وعبید الدنیا! اب بھی عبدالنبی، عبدالرسول۔ عبدالمصطفٰی کو شرک کہنا۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حدیث۱۰۰: بحمد اللہ ایک سے ایک زائد سنتے جائیے: ایک دن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ حضرت شہزادہ گلگوں قبا امام حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالٰی عنہ کو بر سر منبر گود میں لے کر فرمایا:

ھل انبت الشعر علی رؤسنا الا ابوك۔	ہمارے سروں پر بال کس نے اگائے ہوئے ہیں۔ تمھارے ہی باپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اگائے ہوئے ہیں۔

یعنی جو کچھ عزت، نعمت ودولت ہے سب حضور ہی کی عطا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ابن سعد فی الطبقات [2] عن السید الحسین صلی اللہ تعالٰی علی جدہ وابیہ وامہ واخیہ وعلیہ وبنیہ وبارك وسلم۔	ابن سعد نے طبقات میں سید امام حسین، اللہ تعالٰی ان کے جد کریم، ان کے والد ماجد، ان کی والدہ ماجدہ، ان کے بھائی اوران کے بیٹوں پر برکات وسلامتی نازل فرمائے، سے روایت کیا۔(ت)

حدیث۱۰۱: کہ ایک بار امیر المومنین حسن مجتبٰی صلی اللہ تعالٰی علی جدہ الکریم وعلیہ وسلم نے کاشانہ

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۵۸، ۶۵۳، المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/ ۲۳۶،۲۳۷

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد

خلافت فاروقی پر اذن طلب کیا ابھی اجازت نہ آئی تھی کہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دروازے پر حاضر ہو کر اذن مانگا، امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اجازت نہ دی، یہ حال دیکھ کر سیدنا امام مجتبیٰ رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی واپس آگئے، امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں بلا بھیجا، انھوں نے آکر کہا: یا امیر المومنین! میں نے خیال کیا کہ اپنے صاحبزادے کو تو اذن دیا نہیں مجھے کیوں دیں گے، فرمایا:

انت احق بالاذن منہ وھل انبت الشعر فی الراس بعد اللہ الا انتم۔ رواہ الدارقطنی [1]۔	آپ ان سے زیادہ مستحق اذن ہیں اور یہ بال سر پر اللہ عزوجل کے بعد کس نے اگائے ہیں سوا تمھارے (اس کو دارقطنی نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۰۲: سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھ سے کہا:

ای بنی لوجعلت تاتینا تغشانا۔	اے میرے بیٹے! میری تمنا ہے کہ آپ ہمارے پاس آیا کریں۔

ایک دن میں گیا تو معلوم ہوا کہ تنہائی میں معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے باتیں کر رہے ہیں اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما دروازے پر رکے ہیں عبداللہ پلٹے ان کے ساتھ میں بھی واپس آیا، اس کے بعد امیر المومنین مجھے ملے، فرمایا: لم ارك جب سے پھر میں نے آپ کو نہ دیکھا یعنی تشریف نہ لائے میں نے کہا: یا امیر المومنین! میں آیا تھا آپ معاویہ کے ساتھ خلوت میں تھے آپ کے صاحبزادے کے ساتھ واپس چلا گیا۔ امیر المومنین نے فرمایا:

انت احق من ابن عمر فانما انبت ماتری فی رء وسنا اللہ ثم انتم [2]۔	آپ ابن عمر سے مستحق تر ہیں یہ جو آپ ہمارے سروں پر دیکھتے ہیں یہ اللہ ہی نے تو اگائے ہیں۔

[1] الدارقطنی

[2] کنز العمال بحوالہ ابن سعد وابن راویہ حدیث ۳۷۶۶۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۶۵۵، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ الباب الثانی دارالکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۳۴۱

پھر آپ سے ایک اور روایت میں ہے:

هل انبت الشعر غیرکم۔ الخطیب من طریق یحیی بن سعید ن الانصاری عن عبید بن حنین ثنی الحسین ابن علی رضی الله تعالٰی عنهما وکذا ابنا سعد وراهو یه والاخرٰی رواها الحافظ محب الدین الطبری فی الریاض النضرة من طریق عبید بن حنین لاحد الریحانتین رضی الله تعالٰی عنهما۔	کیا سر پر بال کسی اور نے اگائے ہیں سوائے تمہارے؟ (خطیب نے یحیٰی بن سعید انصاری کے طریق سے عبید بن حنین سے روایت کی کہ مجھے حسین بن علی نے حدیث بیان کی۔ یونہی سعد اور راہویہ کے بیٹوں نے روایت کی۔ اور ایک اور حدیث جس کو محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں بطریق عبید بن حنین دونوں شہزادوں یعنی حسنین کریمین میں سے ایک کے بارے میں روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ (ت)

حافظ الشان امام عسقلانی الاصابۃ فی تمییز الصحابہ میں اسے بروایت خطیب ذکر کرکے فرماتے ہیں: سندہ صحیح[1]۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ان حدیثوں کا سنانا کہیں وہابی صاحبوں کو رافضی بھی نہ کردے۔

"قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾ "[2]۔	تم فرمادو کہ مر جاؤ اپنی گھٹن میں، اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات۔ (ت)

شاہزادوں سے امیر المومنین کے اس فرمانے کا مطلب بھی وہی ہے جو لفظ اول میں تھا کہ یہ بال تمہارے مہربان باپ ہی نے اگائے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ جس طرح ارا کین سلطنت اپنے آقازادوں سے کہتے ہیں کہ جو نعمت ہے تمہاری ہی دی ہوئی ہے یعنی تمہارے ہی گھر سے ملی ہے۔

حدیث ۱۰۳: کہ حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علٰی ابیہا وعلیہا وعلٰی بعلہا وابنیہا وبارک وسلم اپنے دونوں شاہزادوں کو لے کر خدمت انور سید اطہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور عرض کی: **یارسول الله انحلهما** یارسول اللہ! ان دونوں کو کچھ عطا فرمائیے۔ **قال نعم**

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۱۷۲۰ حسین بن علی رضی اللہ تعالٰی عنہما دارالفکر بیروت ۴۹۸/۱

[2] القرآن الکریم ۱۱۹/۳

قاسم خزائن الٰہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں منظور۔ **اما الحسن فقد نحلته حلمی وھیبتی واما الحسین فقد نحلته نجدتی وجودی** حسن کو تو میں نے اپنا حلم اور ہیبت عطا کی اور حسین کو اپنی شجاعت اور اپنا کرم بخشا۔

ابن عساکر [1] عن محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع عن ابیه وعمه عن جدہ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ابن عساکر نے محمد بن عبید اللہ بن ابو رافع سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث ۱۰۴: کہ جب حضرت خاتون فردوس رضی اللہ تعالٰی عنہا نے عرض کی: **یانبی اللہ انحلهما** یانبی اللہ! ان دونوں کو کچھ عطا ہو۔ فرمایا:

نحلت هذا الکبیر المهابة والحلم ونحلت هذا الصغیر المحبة والرضا۔ العسکری [2] فی الامثال عن جابر بن سمرة عن ام ایمن برکة رضی اللہ عنهم۔	میں نے اس بڑے کو ہیبت وبردباری عطا کی اور اس چھوٹے کو محبت ورضا کی نعمت دی۔ (عسکری نے امثال میں جابر بن سمرہ سے انہوں نے ام ایمن برکۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۰۵: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جس مرض میں وصال مبارک ہوا ہے اس میں دو جہان کی شاہزادی اپنے دونوں شہزادوں کو لئے اپنے پدر کریم علیہ وعلیہم الصلٰوۃ والتسلیم کے پاس حاضر ہوئیں اور عرض کی:

یارسول اللہ هذان ابنای فورثهما شیئا۔	یارسول اللہ! یہ میرے دونوں بیٹے ہیں انہیں اپنی میراث کریم سے کچھ عطا فرمائیے۔

ارشاد ہوا:

اما حسن فله هیبتی وسؤددی واما حسین	حسن کے لیے تو میری ہیبت اور سرداری ہے

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۵۵۹ حسین بن علی رضی اللہ عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴/۱۴۱

[2] کنز العمال بحوالہ العسکری فی الامثال حدیث ۳۷۷۱۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/۶۷۰

فله جرأتی وجودی۔ الطبرانی [1] فی الکبیر و ابن مندہ و ابن عساکر عن البتول الزھراء رضی اللہ عنہا۔	اور حسین کے لیے میری جرأت اور میرا کرم (طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ اور ابن عساکر نے بتول الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا۔ت)

اقول: وباللہ التوفیق حلم ومحبت وجود وشجاعت ورضا ومحبت کچھ اشیائے محسوسہ واجسام ظاہرہ تو نہیں کہ ہاتھ میں اٹھا کر دے دیے جائیں اور بتول زہرا کا سوال بصیغہ عرض ودرخواست تھا کہ حضور انھیں کچھ عطا فرمائیں جسے عرف نحاۃ میں صیغہ امر کہتے ہیں اور وہ زمان استقبال کے لیے خاص کہ جب تک یہ صیغہ زبان سے ادا ہوگا زمانہ حال منقضی ہوجائے گا اس کے بعد قبول و وقوع جو کچھ ہوگا زمانہ تکلم سے زمانہ مستقبل میں آئے گا اگرچہ بحالت فور واتصال اسے عرفاً زمانہ حال کہیں بہرحال درخواست وقبول کو زمانہ ماضی سے اصلًا تعلق نہیں، اب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کیا فرمایا **نعم** ہاں دوں گا۔ لاجرم یہ قبول زمانہ استقبال کا وعدہ ہوا **فان السؤال معاد فی الجواب ای نعم انحلهما** اس کے متصل ہی حضور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ میں نے اپنے اس شاہزادے کو یہ نعمتیں دیں اور اس شہزادے کو یہ دولتیں بخشیں۔ یہ صیغے بظاہر ماضی کے ہیں اور اس سے زمان وعدہ تھا اور زمان وعدہ عطا نہیں کہ وعدہ عطا پر مقدم ہوتا ہے۔ لاجرم یہ صیغے اخبار کے نہیں بلکہ انشا ہیں جس طرح بائع ومشتری کہتے ہیں **بعت اشتریت** میں نے بیچی میں نے خریدی۔ یہ صیغے کسی گزشتہ خرید وفروخت کی خبر دینے کے نہیں ہوتے بلکہ انہیں سے بیع وشرا پیدا ہوتی ہے انشا کی جاتی ہے یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمانے ہی میں کہ میں نے اسے یہ دیا اسے یہ دیا حلم وہیبت وجود وشجاعت ورضا ومحبت کی دولتیں شاہزادوں کو بخش دیں یہ نعمتیں خاص **خزائن ملك السمٰوٰت والارض جل جلالہ** کی ہیں۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۵۵۹ حسین بن علی رضی اللہ عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴/۱۴۰، المعجم الکبیر حدیث ۱۰۴۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۲/۴۲۳، کنز العمال بحوالہ ابن مندہ کر حدیث ۱۸۸۳۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/۲۶۸، کنز العمال بحوالہ طب و ابن مندہ کر حدیث ۳۴۲۷۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۱۱۷، کنز العمال بحوالہ ابن مندہ طب، ابی نعیم، کر حدیث ۳۷۷۰۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/۶۷۰

ع ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ[1]

(یہ سعادت اپنی طاقت سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عطا فرمانے والا اللہ تعالٰی عطانہ فرمائے۔ت)

تو وہ جو زبان سے فرمادے کہ میں نے دیں اور اس فرمانے ہی سے وہ نعمتیں حاصل ہو جائیں قطعاً یقیناً وہی کر سکتا ہے جس کا ہاتھ اللہ وہاب رب الارباب جل جلالہ کے خزانوں پر پہنچتا ہے جسے اس کے رب جل وعلا نے عطا و منع کا اختیار دیا ہے، ہاں وہ کون، ہاں واللہ وہ محمد رسول اللہ ماذون و مختار حضرۃ اللہ قاسم و متصرف خزائن اللہ جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، **والحمد للہ رب العالمین**، لاجرم امام اجل احمد بن حجر مکی رحمہ اللہ تعالٰی کتاب مستطاب جوہر منظّم میں فرماتے ہیں:

هو صلى الله تعالٰى عليه وسلم خليفة الله الاعظم الذی جعل خزائن كرمه وموائد نعمه طوع يديه وتحت ارادته يعطی من يشاء[2]۔	وہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ عزوجل کے وہ خلیفہ اعظم ہیں کہ حق جل وعلانے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع انکے ارادے کے زیر فرمان کردیئے جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ان مباحث قدسیہ کے جانفزا بیان فقیر کے رسالہ **سلطنت المصطفٰی فی ملکوت کل الورٰی** میں بکثرت ہیں **وللہ الحمد**۔

حدیث ۱۰۶: صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان لی اسماء انا محمد وانا احمد وانا الماحی الذی يمحوا الله بی الكفر وانا الحاشر الذی يحشر علی قدمی (صلى الله تعالٰى عليه وسلم)	بیشک میرے متعدد نام ہیں، میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی یعنی کفر و شرک کا مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے ذریعے سے کفر مٹاتا ہے، میں حاشر یعنی مخلوق کو حشر دینے والا ہوں کہ میرے قدموں پر تمام لوگوں کا حشر ہوگا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1]

[2] الجوہر المنظم الفصل السادس المکتبۃ القادریۃ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۲

مالك واحمد وابو داود الطیالسی وابن سعد و البخاری[1] ومسلم والترمذی والنسائی والطبرانی و الحاکم والبیهقی وابونعیم واٰخرون عن جبیر بن مطعم رضی الله تعالٰی عنه۔	اس کو مالک، احمد، ابو داود طیالسی، ابن سعد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، حاکم، بیہقی، ابونعیم اور دیگر محدثین نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا۔ (ت)

حدیث ۱۰۷ تا ۱۱۱: صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا محمد واحمد والمقفی والحاشر ونبی التوبة ونبی الرحمة (صلی الله تعالٰی علیه وسلم)۔ احمد ومسلم[2] والطبرانی فی الکبیر	میں محمد ہوں اور احمد اور سب انبیاء کے بعد آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور توبہ کا نبی اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اس کو روایت کیا احمد، مسلم اور طبرانی نے کبیر میں

[1] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الصف قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۲۷، صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۱، الشمائل مع سنن الترمذی باب ماجاء فی اسماء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم حدیث ۳۶۵ دار الفکر بیروت ۵/ ۵۷۲، مسند احمد بن حنبل عن جبیر بن مطعم المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۸۴، مؤطا لامام مالك ماجاء فی اسماء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۷۳۲، الطبقات الکبرٰی ذکر اسماء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار صادر بیروت ۱/ ۱۰۵، المستدرك للحاکم کتاب التاریخ ذکر اسماء النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار الفکر بیروت ۲/ ۶۰۴، دلائل النبوۃ للبیهقی باب ذکر اسماء رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم دار الکتب العلمیة بیروت ۱/ ۱۵۲ تا ۱۵۵، مسند ابی داود طیالسی احادیث جبیر بن مطعم رضی الله عنه الجزء الرابع ص ۱۲۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثالث ذکر فضیلته صلی الله تعالٰی علیه وسلم باسمائه عالم الکتب بیروت ۱/ ۱۲

[2] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فی اسمائه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی موسٰی الاشعری المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۳۹۵ (باقی برصفحہ آئندہ)

عن ابی موسٰی الاشعری ونحوہ احمد وابنا سعدٍ وابی شیبة والبخاری فی التاریخ والترمذی فی الشمائل عن حذیفه وابن مردویه فی التفسیر وابو نعیم فی الدلائل وابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی تاریخ دمشق والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی الطفیل وابن عدی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم وابن سعد عن مجاھدٍ مرسلاً یزیدون و ینقصون وکلھم علی الحاشر متفقون۔	ابو موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔اوراس کی مثل احمد،ابن مسعود،ابن ابی شیبہ اور بخاری نے تاریخ میں اور ترمذی نے شمائل میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔اور ابن مردویہ نے تفسیر میں،ابو نعیم نے دلائل میں، ابن عدی نے کامل میں،ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو الطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ سے۔اور ابن عدی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے۔اور ابن سعد نے مجاہد سے مرسلًا روایت کیا۔اس میں راوی کمی بیشی کرتے رہے مگر حاشر پر سب متفق ہیں۔(ت)

حدیث ۱۱۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک کنیسہ یہود میں تشریف لے جاکر دعوت اسلام فرمائی، کسی نے جواب نہ دیا،دوبارہ فرمائی، کوئی نہ بولا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ابیتم فواللہ انا الحاشر وانا	تم نے نہ مانا توسن لو خدا کی قسم میں ہی حشر دینے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شمائل الترمذی مع سنن الترمذی باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۵۷۲/۵،الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر اسماء الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داراصادر بیروت ۱۰۴/۱،المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الفضائل حدیث ۳۱۶۸۳ دارالکتب العلمیه بیروت ۳۵۱/۶،دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثالث ذکر فضیلته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عالم الکتب العلمیه بیروت ۱۲/۱،کنز العمال بحواله عد،وابن عساکر عن ابی الطفیل حدیث ۳۳۱۶۹ مؤسسة الرساله بیروت ۴۶۲/۱۱و۴۶۳،الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۹۷ دارالکتب العلمیة بیروت ۴۲/۱،الطبقات الکبرٰی ذکر اسماء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دارصادر بیروت ۱۰۵/۱

العاقب وانا النبی المصطفٰی اٰمنتم اوکذبتم۔ الحاکم[1] وصححه عن عوف بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنه۔	والا ہوں، میں ہی خاتم الانبیاء ہوں، میں ہی نبی مصطفٰی ہوں، چاہے تم مانو یا نہ مانو (حاکم نے عوف بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بیان کیااور اس کی تصحیح کی۔ت)

حدیث ۱۱۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا احمد وانا محمد وانا الحاشر الذی احشر الناس علی قدمی وانا الماحی الذی یمحوا اللہ بی الکفر[2]۔	میں احمد ہوں، میں محمد ہوں، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو اپنے قدموں پر حشر دوں گا، میں ماحی ہوں کہ اللہ تعالٰی میرے ذریعے سے کفر کی بلا محو فرماتا ہے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

یہ اسم ماحی بھی ہمارے مقصود رسالہ سے ہے نیز بجہت اسناد اور نیزیوں کہ معاذاللہ کفر سے بدتر اور کیا بلا ہے، توجو پیارا ماحی کفر ہے اس سے بڑھ کر کون دافع البلاء ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ مگر اس نام پاک حاشر کی اسناد کو وہابی صاحب بتائیں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ کیا فرمارہے ہیں کہ میں حشر دینے والا ہوں میں اپنے قدموں پر خلائق کو حشر دوں گا۔ تم نے تو قرآن مجید سے یہ سنا ہوگا کہ نشر کرنا حشر دینا خدا کی شان ہے، یہاں بھی تمہارا امام الطائفہ یہی کہے گا کہ نبی نے اپنے آپ کو خدا کی شان میں ملادیا، خدا کی شان تم مدعیان علم وایمان ابھی خدا کی شان ہی کے معنی نہ سمجھے، نبی کی سب شانیں خدا کی شان ہیں، تو خدا کی بعض شانیں ضرور نبی کی شان ہیں کہ موجبہ کلیہ کو اس کا عکس موجبہ جزئیہ لازم ہے، ہاں وہ شان جس سے خدائی لازم آئے نبی کے لیے نہیں ہوسکتی، دفع بلا یا سماع ندا یا فریاد کو پہنچنا یا مراد کا دینا وغیرہ امور نزاعیہ کہ بعطائے رحمانی ووساطت فیض ربانی سے مانے جاتے ہیں لزوم الوہیت سے کیا تعلق رکھتے ہیں **ولکن من لم یجعل اللہ له نورًا فماله من نور** (لیکن جسے اللہ تعالٰی نور عطا نہ فرمائے اس کے لیے کوئی نور نہیں۔ت)

حدیث ۱۱۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: میرا نام قرآن میں **محمّد** اور انجیل میں

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة قصه ذکر رؤیا عبداللہ بن سلام دارالفکر بیروت ۳/۴۱۵

[2] المعجم الکبیر عن جابر رضی اللہ عنه حدیث ۱۷۵ المکتبة الفیصلیة بیروت ۲/ ۱۸۴، الکامل لابن عدی وھب بن وھب الخ دارالفکر بیروت ۷/ ۲۵۲۷

احمد اور توریت میں احید ہے وانما سمیت احید لانی احید عن امتی نار جھنم اور میرا نام احید اس لئے ہوا کہ میں اپنی امت سے آتش دوزخ کو دفع فرماتا ہوں۔

فلوجه ربك الحمد وعليك الصلوٰة والسلام یا احید یا نبی الحمد۔ ابنا عدی وعساکر[1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	آپ کے رب کے لیے حمد اور آپ پر درود وسلام ہوا ے احید، اے نبی حمد۔ اس کو ابن عدی اور ابن عساکر نے سید نا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ (ت)

وہابی صاحبو! تمہارے نزدیک احید پیارا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دافع البلاء تو ہے ہی نہیں، کہہ دو کہ وہ تم سے نار جہنم بھی دفع نہ فرمائیں اور بظاہر امید تو ایسی ہی ہے کہ جو جس نعمت الٰہی کا منکر ہوتا ہے اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

انا عند ظن عبدی بی[2]۔	میں اپنے بندے سے اس کے گمان کے موافق معاملہ فرماتا ہوں۔

جب تمہارا گمان یہ ہے کہ محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دافع بلا نہیں تو تم اسی کے مستحق ہو کہ وہ تمہارے لئے دافع البلاء نہ ہوں۔ ایک بار فقیر کے یہاں اس مسئلہ کا ذکر تھا کہ رافضی دیدار الٰہی کے منکر ہیں اور وہابی شفاعت نبوی کے۔ فقیر نے کہا ایک یہی مسئلہ نزاعیہ ہے جس میں ہم اور وہ دونوں راست گو ہیں ہم کہتے ہیں دیدار الٰہی ہوگا اور ہم حق کہتے ہیں ان شاء اللہ الغفار ہمیں ہوگا، رافضی کہتے ہیں نہ ہوگا وہ سچ کہتے ہیں ان شاء اللہ القہار انہیں نہ ہوگا، ہم کہتے ہیں شفاعت مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حق ہے اور ہم قطعاً حق پر ہیں ان کے کرم سے ہمارے لئے ہوگی، وہابی کہتے ہیں کہ شفاعت محال مطلق ہے، اور وہ ٹھیک کہتے ہیں امید ہے کہ انکے لئے نہ ہوگی۔ ع

گر بر تو حرام ست حرامت بادا

(اگر تجھ پر حرام ہے تو حرام رہے۔ ت)

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب معرفۃ اسمائہ الخ داراحیاء التراث العربی ۳/۲۱، الکامل لابن عدی ترجمہ اسحٰق بن بشر دارالفکر بیروت ۱/۳۳۱

[2] مسند احمد بن حنبل المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۱۵، الترغیب والترہیب الترغیب فی الاکثار من ذکر اللہ حدیث ۱ مصطفی البابی مصر ۲/۳۹۳

حاضران گفتند کاے صدر الورٰی　　راست گو گفتی دو ضد گو راجرا

گفت من آئینہ ام مصقول دوست　　ترک وہندو در من آں بیند کہ اوست[1]

(حاضرین نے عرض کی کہ اے سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! آپ نے دو متضاد بات کرنے والوں کو کیسے درست قرار دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں دوست کا قلعی کیا ہوا آئینہ ہوں، ترک اور ہندو مجھ میں وہی دیکھتا ہے جیسا وہ خود ہے۔ ت)

حضور پر نور شافع یوم النشور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

شفاعتی یوم القیٰمۃ حق فمن لم یؤمن بھا لم یکن من اھلھا۔ ابن منیع فی معجمہ[2] عن زید بن ارقم وبضعۃ عشر من الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	روز قیامت میری شفاعت حق ہے تو جو اس پر یقین نہ لائے وہ اس کے لائق نہیں (ابن منیع نے اپنی معجم میں زید بن ارقم اور دس سے چند زائد صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ ت)

علامہ مناوی تیسیر میں لکھتے ہیں: اطلق علیہ التواتر[3]۔ اس حدیث کو متواتر کہا گیا۔

بالجملہ وہ تمہارے لئے دافع البلاء نہ سہی مگر لا واللہ ہمارا ٹھکانا توان کی بارگاہ بیکس پناہ کے سوا نہیں ؎

منکر اپنا اور حامی ڈھونڈلیں　　آپ ہی ہم پر تو رحمت کیجئے

بلکہ لا واللہ اگر بفرض غلط بفرض باطل عالم میں ان سے جدا کوئی دوسرا حامی بن کر آئے بھی تو ہمیں اس کا احسان لینا منظور نہیں وہ اپنی حمایت اٹھا کر رکھے ہمیں ہمارے مولائے کریم جل جلالہ نے بے ہمارے استحقاق بے ہماری لیاقت کے اپنے محبوب کا کرلیا اور اسی کی وجہ کریم کو حمد قدیم ہے اب ہم دوسرے کا بننا نہیں چاہتے جس کا کھایئے اسی کا گایئے۔

1

[2] کنز العمال بحوالہ ابن منیع حدیث ۳۹۰۵۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۳۹۹

[3] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث شفاعتی یوم القیٰمۃ حق مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۷۸

؎ چو دل با دلبرے آرام گیرد　　ز وصل دیگرے کے کام گیرد

(جب ایک محبوب سے دل آرام پاتا ہے تو دوسرے کے وصل سے اسے کیا کام۔ت)

یا تو یوں ہی تڑپ کے جائیں یا وہی دام سے چھڑائیں　　منت غیر کوئی اٹھائی کوئی ترس جتائے کیوں

رباعی: اے واہ دہ حبیب راکلید ہمہ کار　　باران درود بر رُخ پاکش بار

دستے کہ بدامان کریمش زدہ ایم　　زنہار بدست دیگرانش مسپار

(اے اللہ! اس حبیب کو ہر معاملے کی چابی عطا فرما اس کے رخ زیبا پر درود کی بارش برسا، جس ہاتھ سے ہم نے اس کا دامن کرم تھاما ہے ہرگز ہم کو دوسروں کا دست نگر نہ بنا۔ت)

؎ تیرے ٹکڑوں پہ پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال

جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم وعلٰی اٰلک وصحبک وبارک وکرم۔ والحمدللہ رب العالمین۔

خیر، ان اہل شر کے منہ کیا لگئے، مسلمان نظر فرمالیں کہ عیاذاً باللہ نار جہنم سے سخت تر کون سی بلا ہوگی مگر اس کا دافع دافع البلا نہیں ہے یہ کہ وہابیہ کے پاس نہ عقل ہے نہ دین، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

حدیث ۱۱۵: صحیح بخاری و صحیح مسلم و مسند امام احمد میں سیدنا عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے انہوں نے حضور اقدس رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا خدا کی قسم وہ حضور کی حمایت کرتا حضور کیلئے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا، فرمایا:

وجدتہ فی غمرات من النار فاخرجتہ الی ضحضاحٍ[1]۔	میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو اسے میں نے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کردیا۔ صلی اللہ تعالٰی علیک وسلم۔

[1] صحیح البخاری باب بنیان الکعبہ قصہ ابی طالب ۱/۵۴۸ وکتاب الادب المشرک ۲/۹۱۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب شفاعۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لابی طالب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۵، مسند احمد بن حنبل عن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۰۶و۲۰۷

حدیث ۱۱۶: کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی گئی: **ھل نفعت ابا طالبٍ**۔ حضور نے ابوطالب کو کچھ نفع دیا؟ فرمایا:

اخرجتہ من غمرۃ جھنم الی ضحضاح منھا۔ البزار[1] وابویعلی وابن عدی وتمام عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میں اسے دوزخ کے غرق سے پاؤں تک کی آگ میں نکال لایا۔ (اس کو بزار، ابویعلٰی، ابن عدی اور تمام نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

وہابی صاحبو! مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو ایک کافر کے باب میں فرمارہے ہیں کہ اسے میں نے غرق آتش سے کھینچ لیا اسے میں نکال لایا۔ اور تم حضور کو مسلمانوں کے لیے بھی دافع البلاء نہیں مانتے، یہ تمہارا ایمان ہے۔ مسلمان اپنے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تصرف، قدرتیں، اختیار دیکھیں، دنیا کیا بلا ہے آخرت کے کارخانوں کی باگیں انکے ہاتھ میں سپرد ہوئی ہیں اور نہ بغیر اللہ عزوجل کے ماذون ومختار کئے کس کی مجال ہے کہ اللہ کے قیدی کی سزا بدل دے جس عذاب میں اسے رکھا ہو وہاں سے اسے نکال لے یہ وہی پیارا ہے جس کی عزت وجاہت جس کی محبوبیت نے دوجہاں کے اختیارات اسے دلا دئے۔ آخر حدیث سن چکے:

الکرامۃ والمفاتیح یومئذٍ بیدی[2]۔	عزت دینا اور تمام کاروبار کی کنجیاں اس دن میرے ہاتھ ہوں گی۔

توارت شریف کا ارشاد سن چکے:

یدہ فوق الجمیع وید الجمیع مبسوطۃ الیہ	اس کا ہاتھ سب ہاتھوں پر بُلند ہے سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں عاجزی

[1] مسند ابی یعلی عن جابر رضی اللہ عنہ حدیث ۲۰۴۳ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۲/۳۹۹، الکامل لابن عدی ترجمہ اسمٰعیل بن مجاہد دارالفکر بیروت ۱/۳۱۳، مجمع الزوائد کتاب صفۃ النار تفاوت اھل فی العذاب دارالکتاب العربی بیروت ۱۰/۳۹۵

[2] سنن الدارمی باب ما اعطی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من الفضل حدیث ۴۹ دارالمحاسن للطباعۃ القاہرہ ۱/۳۰، مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۵۱۴، الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بانہ اول من تنشق عنہ الارض مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲/۲۱۸

بالخشوع[1]۔	اور گڑگڑانے میں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۱۱۷: صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ھذہ القبور مملوۃ علی اھلھا ظلمۃ وانی انورھا بصلاتی علیھم۔ صلی اللہ تعالٰی وبارك وسلم قدر نورہ وجمالہ وجودہ ونوالہ علیہ وعلٰی اٰلہ اٰمین۔ھو وابن حبان[2] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک یہ قبریں ان کے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بے شک میں اپنی نماز سے انہیں روشن کردیتا ہوں۔ اللہ تعالٰی آپ پر اور آپ کی آل پر آپ کے نور وجمال اور جود وعطاء کے مطابق درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔اس نے اور ابن حبان نے بحوالہ ابوہریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ اس کو روایت کیا ہے۔(ت)

حدیث ۱۱۸: ام المومنین سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ پہلے حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نکاح میں تھیں جب انکی وفات ہوئی اور انکی عدت گزری سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں پیام نکاح دیا، انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ! مجھ میں تین باتیں ہیں: انا امرأۃ کبیرۃ۔ میری عمر زائد ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: انا اکبر منك میں تم سے بڑا ہوں۔ عرض کی: وانا امرأۃ غیّور میں رشکناک عورت ہوں۔(یعنی ازواج مطہرات کے ساتھ شکر رنجی کا اندیشہ ہے۔) فرمایا: ادعوا اللہ عزوجل فیذھب عنك غیرتك میں اللہ عزوجل سے دعا کروں گا وہ تمہارا رشک دور فرمائے گا۔ عرض کی: یارسول اللہ! وانا امرۃ مصیبۃ یارسول اللہ اور میرے بچے ہیں (یعنی ان کی پرورش کا خیال ہے۔) فرمایا: ھم الی اللہ والی رسولہ۔ بچے اللہ اور اس کے رسول کے سپرد ہیں۔

احمد فی المسند[3] حدثنا وکیع ثنا اسمٰعیل	احمد نے مسند میں کہا ہمیں حدیث بیان کی وکیع نے

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ششم در بحث نبوت وایمان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۱۶۹

[2] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی الصلٰوۃ علی القبر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۱۰، السنن الکبرٰی کتاب الجنائز باب الصلٰوۃ علی القبر الخ دار صادر بیروت ۴/ ۴۷

[3] مسند احمد بن حنبل عن ام سلمہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۲۱، المعجم الکبیر عن ام سلمہ حدیث ۴۹۹و۵۸۵و۹۷۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/ ۲۴۸و۲۷۳و۴۰۶

بن عبدالملك بن ابی الصغیراء ثنی عبدالعزیز ابن بنت ام سلمة عن ام سلمة رضی اللہ تعالٰی عنهما والحدیث فی السنن النسائی[1] وغیرہ۔	ہمیں حدیث بیان کی اسمٰعیل بن عبدالملک بن ابوالصغیراء نے، مجھے حدیث بیان کی عبدالعزیز بن بنت ام سلمہ نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے۔اور یہ حدیث سنن نسائی وغیرہ میں مذکور ہے۔(ت)

حدیث ۱۱۹: کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ذکر مسیح کذاب میں فرمایا:

ابشروافان یخرج وانا بین اظهرکم فاللہ کافیکم و رسوله۔ الطبرانی فی الکبیر[2] عن اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالٰی عنهما۔	خوش ہوکہ اگر وہ نکلا اور میں تم میں تشریف فرما ہوا تو اللہ تمہیں کافی ہے اور اللہ کا رسول، جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ طبرانی نے کبیر میں اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔(ت)

یہاں سخت ترین اعداء کے مقابلے میں اللہ ورسول کو کفایت فرمانے والا بتایا کہ خوش ہو بے خوف رہو اللہ ورسول کے ہوتے تمہیں کچھ اندیشہ نہیں۔اللہ اللہ ایسی جلیل حاجت روائیوں مشکلشائیوں میں اللہ عزوجل کے نام اقدس کے ساتھ حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک ملناوہابیہ کے زخمی کلیجوں پر خدا جانے کہاں تک نمک چھڑکے گا۔وللہ الحمد۔

حدیث ۱۲۰: امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم فرمایا،اتفاق سے ان دنوں میں کافی مالدار تھامیں نے اپنے جی میں کہا اگر کبھی میں ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا تو وہ دن آج ہی ہے، میں اپنا آدھامال حاضر لایا،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ما ابقیت لاھلك** تم نے اپنے گھروالوں کے لئے کیا باقی رکھا؟ میں نے عرض کیا: **ابقیت لھم** ان کے لئے بھی باقی چھوڑآیاہوں۔فرمایا: **ما ابقیت لھم** آخر ان کے لیے کتنا چھوڑآئے ہو؟ عرض کی: **مثله** اتنا ہی۔اور صدیق اکبر اپنا سارامال تمام وکمال لے کر حاضر ہوئے۔سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **یا ابا بکر**

---

[1] الاصابۃ بحوالہ النسائی ترجمہ ۱۲۰۵ ام سلمہ بنت ابی امیہ دارالفکر بیروت ۷/ ۳۲۷،۳۲۶

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۳۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۱۷۰

ما ابقیت لاھلك۔اے ابو بکر! گھر والوں کے لئے کیا باقی رکھا؟ عرض کی: ابقیت لھم اللہ ورسولہ۔ میں نے گھر والوں کے لئے اللہ ورسول کو باقی رکھا ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ میں نے کہا: میں ابو بکر سے کبھی سبقت نہ لے جاؤں گا۔

الدارمی[1] وابوداود والترمذی وقال حسن صحیح والشاشی وابن ابی عاصم وابن شاھین فی السنۃ والحاکم فی المستدرك وابو نعیم فی الحلیۃ والبیھقی فی السنن والضیاء فی المختارۃ کلھم عن امیر المؤمنین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	دارمی، ابوداود، ترمذی، شاشی، ابن ابی عاصم اور ابن شاہین نے سنۃ میں اور حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم نے حلیۃ میں اور بیہقی نے سنن میں اور ضیاء نے مختارہ میں سب نے امیر المومنین (عمر فاروق) رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ دارمی، ابوداود اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا۔ (ت)

حدیث ۱۲۱: کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدنا وابن سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما کے حق میں فرمایا:

احب اھلی من قد انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ۔ الترمذی[2] عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے پیارا وہ ہے جسے اللہ عزوجل نے نعمت دی اور میں نے نعمت دی۔ (ترمذی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

مولانا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

لم یکن احد من الصحابۃ الا وقد انعم اللہ علیہ رسولہ صلی اللہ تعالٰی	یعنی سب صحابہ ایسے ہی تھے جنہیں اللہ نے نعمت بخشی اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] سنن الترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما دار الفکر بیروت ۳۸۰/۵، سنن ابی داود کتاب الزکوٰۃ باب الرخصۃ فی ذالك آفتاب عالم پریس لاہور ۲۳۶/۱، سنن الدارمی باب الرجل یتصدق بجمیع ما عندہ حدیث ۱۶۶۷ دار المحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۳۲۹/۱، کنز العمال حدیث ۳۵۶۱۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴۹۱/۱۲

[2] سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب اسامہ بن زید حدیث ۳۸۴۵ دار الفکر بیروت ۴۴۷/۵

علیه وسلم الا ان المراد المنصوص علیه فی الکتاب و هو قوله تعالٰی واذتقول للذی انعم الله علیه وانعمت علیه وهو زید لاخلاف فی ذٰلك ولا شك[1] الخ۔	نے نعمت بخشی، مگر یہاں مراد وہ ہے کہ جس کی تصریح قرآن عظیم میں ارشاد ہوئی ہے کہ جب فرماتا تھا تو اس سے جسے اللہ تعالٰی نے نعمت دی اور اے نبی! تو نے اسے نعمت دی، اور وہ زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں، اس میں کسی کا خلاف نہ اصلاً شک، اور آیت اگرچہ زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں اتری مگر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کا مصداق اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ٹھہرایا کہ پسر تابع پدر رہے، افادہ فی المرقاۃ۔

اقول: نہ صرف صحابہ بلکہ تمام اہل اسلام اولین وآخرین سب ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے نعمت دی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نعمت دی۔ پاک کردینے سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوگی جس کا ذکر آیات کریمہ میں سن چکے کہ "وَيُزَكِّيهِمْ"[2]۔ یہ نبی پاک اور ستھرا کردیتا ہے بلکہ لاواللہ تمام جہان میں کوئی شے ایسی نہیں جس پر اللہ کا احسان نہ ہو اللہ کے رسول کا احسان نہ ہو۔ فرماتا ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾"[3]۔	ہم نے نہ بھیجا تمہیں مگر رحمت سارے جہان کیلئے۔

جب وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں تو قطعاً سارے جہان پر ان کی نعمت ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اہل کفر واہل کفران اگر نہ مانیں تو کیا نقصان ؎

راست خواہی ہزار چشم چناں　　　کور بہر کہ آفتاب سیاہ

(اگر سچ چاہے تو ایسی ہزار آنکھوں کا اندھا ہونا بہتر ہے نہ کہ آفتاب کا سیاہ ہونا۔ ت)

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب المناقب والفضائل باب اهل بیت النبی تحت الحدیث ۶۱۷۷ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱۰/ ۵۴۶

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۹

[3] القرآن الکریم ۲۱/ ۱۰۷

حدیث ۱۲۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من استعملناہ علی عمل فرزقناہ رزقًا الحدیث۔ ابو داود والحاکم [1] بسند صحیح عن بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جسے ہم نے کسی کام پر مقرر کیا پس ہم نے اسے رزق دیا۔ (ابوداود اور حاکم نے بسند صحیح بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

پہلی حدیث میں حضور نے فرمایا تھا: "ہم نے غنی کردیا۔" احادیث عطیہ حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما میں تھا کہ فرمایا: "حسن کو مہابت ہم نے دی، علم ہم نے دیا۔ حسین کو شجاعت ہم نے دی، کرم ہم نے دیا، محبت کا مرتبہ، رضا کا مقام ہم نے عطا کیا۔" حدیث اسامہ میں تھا: "اسے نعمت ہم نے بخشی۔" یہاں ارشاد ہوتا ہے: "رزق ہم نے دیا۔" صلی اللہ تعالٰی علیك وعلٰی اٰلك قدر جودك ونوالك وبارك وسلم۔

حدیث ۱۲۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لقد جاء کم رسول الیکم لیس بوھن ولا کسل لیحی قلوبًا غلفًا ویفتح اعینًا عمیًا ویسمع اٰذانًا صمًا ویقیم السنۃ عوجًا حتی یقال لاالٰہ الا اللہ وحدہ۔ الدارمی فی سننہ [2] عن جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	بیشک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول تمہاری طرف بھیجا ہوا جو ضعف وکاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ رسول زندہ فرمادے غلاف چڑھے دل، اور وہ رسول کھول دے اندھی آنکھیں، اور وہ رسول شنوا کردے بہرے کانوں کو، اور وہ رسول سیدھی کردے ٹیڑھی زبانوں کو، یہاں تک کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہیں۔ (دارمی نے اپنی سنن میں جبیر بن نفیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

اقول: صحیح اذقال اخبرنا حیوۃ بن شریح ثقۃ شیخ البخاری

---

[1] سنن ابی داود کتاب الخراج والفیئی باب فی ارزاق العمال آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۵۲، المستدرك للحاکم کتاب الزکوٰۃ دارالفکر بیروت ۱/ ۴۰۶، کنز العمال حدیث ۱۱۰۸۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴/ ۳۹۴

[2] سنن الدارمی باب ماکان علیہ الناس قبل مبعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حدیث ۹ دارالمحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۱/ ۱۵

فی صحیحہ وابو داود والترمذی بل واحمد وابن معین وھما من اقرانہ ثنا بقیۃ بن الولید ثقۃ من الاعلام من رجال مسلم وقد زال مایخشی من لیسہ بقولہ ثنا بحیر بن سعد ثقۃ ثبت عن خالد بن معدان ثقۃ عابد من رجال الستۃ عن جبیر بن نفیر ن الحضرمی رضی اللہ تعالٰی عنھما ثقۃ جلیل مخضرم من الثانیۃ وقد روی ابن السکن والباوردی وابن شاھین مطولا عن عبدالرحمن عن جبیر بن نفیر عن ابیہ قال ادرکت الجاھلیۃ واتانا رسول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالیمن فاسلمنا فمرسلہ کمراسیل سعید بن المسیب اوفوق علا ان المرسل حجۃ عندنا وعند الجمھور والحدیث مسلسل بالحمصیین حیوۃ الی جبیر کلھم اھل حمص۔

حدیث ۱۲۴: کہ دو اونٹ مست ہو کر بگڑ گئے تھے، کسی کو پاس نہ آنے دیتے، مالکوں نے باغ میں بند کردئے تھے، باغ اجاڑتے تھے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حضور شکایت آئی حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے، دروازہ کھولنے کا حکم دیا، مامور نے اندیشہ کیا مبادا حضور کو ایذا دیں۔ فرمایا خوف نہ کر، کھول دے۔ کھول دیا۔ ایک دروازے ہی کے پاس کھڑا تھا حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھتے ہی سجدے میں گرپڑا۔ حضور نے مہار ڈال کر حوالے کیا۔ دوسرا منتہائے باغ پر تھا، جب وہاں تشریف لے گئے اس نے بھی حضور کو دیکھتے ہی سجدہ کیا، حضور نے اسے بھی باندھ کر سپرد فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے یہ حال دیکھ کر عرض کی:

یا نبی اللہ تسجد لك البھائم فما للہ عندنا بك احسن من ھذا اجرتنا من الضلالۃ واستنقذتنا من الھلکۃ افلا تأذن لنا بالسجود۔ ابن قانع وابو نعیم[1] عن غیلان بن اسامۃ الثقفی رضی اللہ	یارسول اللہ! چوپائے تک حضور کو سجدہ کرتے ہیں تو اللہ کے لیے حضور کے ذریعے سے ہمارے پاس جو کچھ ہے تو تو اس سے بہت بہتر ہے، حضور نے ہمیں گمراہی سے پناہ دی، حضور نے ہمیں ہلاکت سے نجات بخشی تو کیا حضور ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم حضور کو سجدہ کریں۔ (ابن قانع وابو نعیم نے غیلان بن اسامۃ الثقفی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے

[1] دلائل النبوۃ لابی نعیم الفصل الثانی والعشرون ذکر سجود البھائم عالم الکتب بیروت الجزء الثانی ص ۳۷۔ ۱۳۶

تعالٰی عنہ ولہ طرق وقد دخل بعضھا فی بعض۔	روایت کیا۔اس کے متعدد طرق ہیں جو کہ بعض بعض میں داخل ہیں۔ت)

وہابیہ کہ گمراہی پسند وہلاکت دوست ہیں،ان سخت ترین بلیات کو بلا کیوں سمجھیں گے کہ ان سے پناہ دینے والے نجات بخشنے والے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دافع البلاء جانیں۔

حدیث ۱۲۵: جب وفد ہوازن خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور اپنے اموال واہل وعیال کہ مسلمان غنیمت میں لائے تھے حضور سے مانگے اور طالب احسان والا ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتم الظھر فقولوا انا نستعین برسول اللہ علی المؤمنین او المسلمین فی نسائنا وابنائنا۔النسائی [1] عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہٖ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	جب ظہر کی نماز پڑھ چکو تو کھڑے ہونا اور یوں کہنا ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استعانت کرتے ہیں مومنین پر اپنی عورتوں اور بچوں کے باب میں (نسائی نے عمرو بن شعیب سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث فرماتی ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بنفس نفیس تعلیم فرمائی کہ ہم سے مدد چاہنا نماز کے بعد یوں کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استعانت کرتے ہیں۔

وہابی صاحبو! "اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ" [2]۔کے معنی کہئے استعانت تو خدا ہی کے ساتھ خاص تھی،یہ ارشاد کیسا ہے کہ ہم سے استعانت کرنا۔اور زمان حیات دنیاوی اور اس کے بعد کا تفرقہ وہابیہ کی جہالت ہی نہیں بلکہ سراسر ضلالت ہے قطع نظر اس بات سے کہ انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام سب بحیات حقیقی دنیاوی جسمانی زندہ ہیں،جو بات خدا کے لیے

---

[1] سنن النسائی کتاب الھبۃ ھبۃ المشاع نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱۳۶

[2] القرآن الکریم ۱/ ۴

خاص ہوچکی غیر خدا کے ساتھ شرک ٹھہر چکی، اس میں حیات وموت، قرب وبعد، ملکیت وبشریت خواہ کسی وجہ کا تفرقہ کیسا کیا بعد موت ہی شرکت خدا کی صلاحیت نہیں رہتی بحال حیات شریک ہوسکتے ہیں یہ جنون وہابیہ کو ہر جگہ جاگا ہے جس نے انہیں حمایت توحید کے زعم میں الٹا مشرک بنادیا ہے ایک بات کو کہیں گے شرک ہے پھر کبھی موت حیات کا فرق کرینگے کبھی قرب و بُعد کا کبھی کسی اور وجہ کا، جس کا صاف حاصل یہ نکلے گا کہ یہ انوکھے موحد بعض قسم مخلوق خدا کا شریک جانتے ہیں جب تو وہ بات کہ غیر کے لیے اس کا اثبات شرک تھا ان کے لئے ثابت مانتے ہیں۔ اب کھلا کہ انکے امام نے تقویۃ الایمان میں ان وہابی صاحبوں ہی کی نسبت کہا تھا کہ:

"اکثر لوگ شرک میں گرفتار ہیں اور دعوی مسلمانی کا کئے جاتے ہیں، سبحان اللہ یہ منہ اور یہ دعوی، سچ فرمایا اللہ صاحب نے کہ نہیں مسلمان ہیں اکثر لوگ، مگر شرک کرتے ہیں"[1]۔

یہ نکتہ یاد رکھنے کا ہے کہ انکی بہت فاحشہ جہالتوں کی پردہ دری کرتا ہے **وباللہ التوفیق**۔

حدیث ۱۲۶: طبرانی معجم اوسط میں بسند حسن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم **امر الشمس فتاخّرت ساعۃ من نہار**[2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر چلنے سے باز رہ۔ وہ فورًا ٹھہر گیا۔

اقول: اس حدیث حسن کا واقعہ اس حدیث صحیح کے واقعہ عظیمہ سے جدا ہے جس میں ڈوبا ہوا سورج حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کے لیے پلٹا ہے یہاں تک کہ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے نماز عصر کی خدمت گزاری محبوب باری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قضا ہوئی تھی ادا فرمائی۔ امام اجل طحاوی وغیرہ اکابر نے اس حدیث کی تصحیح کی۔ **الحمد للہ** اسے خلافت رب العزت کہتے ہیں کہ ملکوت السمٰوٰت والارض میں ان کا حکم جاری ہے تمام مخلوق الٰہی کو

---

[1] تقویۃ الایمان پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴

[2] المعجم الاوسط حدیث ۴۰۵۱ مکتبۃ المعارف ریاض ۳۳/۵، مجمع الزوائد کتاب علامات نبوت باب حبس الشمس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم دار الکتاب بیروت ۲۹۶/۸

ان کے لئے حکم اطاعت وفرمانبرداری ہے۔ وہ خدا کے ہیں اور جو کچھ خدا کا ہے سب ان کا ہے، وہ محبوب اجل واکرم وخلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جب دودھ پیتے تھے گہوارہ میں چاند ان کی غلامی بجالاتا، جدھر اشارہ فرماتے اسی طرف جھک جاتا۔ حدیث میں ہے سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما عم مکرم سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضور سے عرض کی: مجھے اسلام پر باعث حضور کے ایک معجزے کا دیکھنا ہوا،

رایتك فی المهد تناغی القمر والیه باصبعك فحیث اشرت الیه مال۔	میں نے حضور کو دیکھا کہ حضور گہوارے میں چاند سے باتیں فرماتے جس طرح انگشت مبارک سے اشارہ کرتے چاند اسی طرف جھک جاتا۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

انی کنت احدثه ویحدثنی ویلهینی عن البکاء واسمع وجبته حین یسجد تحت العرش۔ البیهقی فی الدلائل [1] والامام شیخ الاسلام ابوعثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمن الصابونی فی المائتین و الخطیب وابن عساکر فی تاریخ بغداد ودمشق رضی اللہ تعالٰی عنه۔	ہاں میں اس سے باتیں کرتا تھا وہ مجھ سے باتیں کرتا اور مجھے رونے سے بہلاتا، میں اس کے گرنے کا دھماکہ سنتا تھا جب وہ زیر عرش سجدے میں گرتا۔ بیہقی نے دلائل میں اور امام شیخ الاسلام ابوعثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابونی نے مائتین میں اور خطیب وابن عساکر نے تاریخ بغداد ودمشق میں بیان کیا رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ (ت)

امام شیخ الاسلام صابونی فرماتے ہیں: فی المعجزات حسن یہ حدیث معجزات میں حسن ہے۔

جب دودھ پیتوں کی یہ حکومت قاہرہ ہے تو اب کہ خلافۃ الکبرٰی کا ظہور عین شباب پر ہے آفتاب کی کیا جان کہ ان کے حکم سے سرتابی کرے آفتاب وماہتاب درکنار، واللہ العظیم، ملئکه

---

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالة البیهقی والصابونی وغیرہ باب مناغاۃ للقمر الخ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱/۵۳، کنز العمال بحوالہ ہق فی الدلائل وغیرہ حدیث ۳۱۸۲۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱/۸۳

مدبرات الامر کہ تمام نظم ونسق عالم جن کے ہاتھوں پر ہے محمد رسول اللہ خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دائرہ حکم سے باہر نہیں نکل سکتے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ارسلت الی الخلق کافۃ۔رواہ مسلم[1] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں تمام مخلوق الٰہی کی طرف رسول بھیجا گیا۔(اس کو مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

قرآن فرماتا ہے:

"تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَاۙ۝۱ "[2]۔	برکت والا ہے وہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ تمام اہل عالم کو ڈر سنانے والا ہو۔

اہل عالم میں جمیع ملائکہ بھی داخل ہیں علیہم الصلٰوۃ والسلام۔

سیدنا سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام کی نماز عصر گھوڑوں کے ملاحظہ میں قضا ہوئی "حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ۝۳۲ "[3]۔یہاں تک کہ سورج پردے میں جا چھپا۔فرمایا:"رُدُّوْهَا عَلَیَّؕ "[4]۔پلٹا لاؤ میری طرف۔امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مروی کہ سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے اس قول میں ضمیر آفتاب کی طرف ہے اور خطاب ان ملائکہ سے ہے جو آفتاب پر متعین ہیں یعنی نبی اللہ سلمان نے ان فرشتوں کو حکم دیا کہ ڈوبے ہوئے آفتاب کو واپس لے آؤ،وہ حسب الحکم واپس لائے یہاں تک کہ مغرب ہو کر پھر عصر کا وقت ہو گیا اور سیدنا سلیمٰن علیہ الصلٰوۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی۔ معالم التنزیل شریف میں ہے:حکی عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال معنٰی قولہ ردوھا علی یقول سلیمٰن علیہ الصلٰوۃ والسلام بامر اللہ عزوجل للملئکۃ المؤکلین بالشمس ردوھا علی یعنی الشمس فردوھا علیہ حتی صلی العصر فی وقتہا[5]۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب المساجد وموضع الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۹۹

[2] القرآن الکریم ۲۵/۱

[3] القرآن الکریم ۳۸/۳۲

[4] القرآن الکریم ۳۸/۳۳

[5] معالم التنزیل(تفسیر البغوی)تحت الآیۃ ۳۸/۳۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۴/۵۲

سیدنا لقمٰن علیہ الصلٰوۃ والسلام نوابان بارگاہ رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے ایک جلیل القدر نائب ہیں پھر حضور کا حکم تو حضور کا حکم ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی کی بے شمار رحمتیں امام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی پر کہ مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں فرماتے ہیں:

ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خزانۃ السر وموضع نفوذ الامر فلاینفذ امر الامنہ ولا ینقل خیر الاعنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ الابابی من کان ملکا وسیدًا وادم بین الماء والطین واقف اذا رام امرًا لایکون خلافہ ولیس لذاك الامر فی الکون صارف [1]	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خزانہ راز الٰہی و جائے نفاذ امر ہیں، کوئی حکم نافذ نہیں ہوتا مگر حضور کے دربار سے، اور کوئی نعمت کسی کو نہیں ملتی مگر حضور کی سرکار سے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ یعنی خبردار ہو میرے ماں باپ قربان ان پر جو بادشاہ وسردار ہیں اس وقت سے کہ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام ابھی آب وگِل کے اندر ٹھہرے ہوئے تھے وہ جس بات کا ارادہ فرمائیں اس کا خلاف نہیں ہوتا، تمام جہان میں کوئی ان کا حکم پھیرنے والا نہیں۔

اقول: اور ہاں کیونکر کوئی ان کا حکم پھیر سکے کہ حکم الٰہی کسی کے پھیرے نہیں پھرتا۔

لارادلقضائہ ولامعقب لحکمہ۔	اس کی قضاء کو رد کرنے والا اور اس کے حکم کو پھیرنے والا کوئی نہیں۔ (ت)

یہ جو کچھ چاہتے ہیں خدا وہی چاہتا ہے کہ یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے۔ صحیحین بخاری و مسلم ونسائی وغیرہا میں حدیث صحیح جلیل ہے کہ ام المومنین صدیقہ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتی ہیں:

ما اری ربك الایسارع ھواك [2]۔	یارسول اللہ! میں حضور کے رب کو نہیں دیکھتی مگر حضور کی خواہش میں جلدی وشتابی کرتا ہوا۔

مسلمانو! ذرا دیکھنا کوئی وہابی ناپاک ادھر ادھر ہو تو اسے باہر کردو اور کوئی جھوٹا متصوف

---

[1] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول توطئۃ المکتب الاسلامی بیروت ۵۶/۱

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ ترجی من تشاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۷۰۲/۲

(باقی برصفحہ آئندہ)

نصارٰی کی طرح غلو وافراط والا دبا چھپا ہوتو اسے بھی دور کردو اور تم عبدہ ورسولہ کی سچی معیار پر کانٹے کی تول مستقیم ہو کر یہ حدیث سنو کہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

مرض ابوطالب فعادہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا ابن اخی ادع ربك والذی بعثك یعافینی فقال اللھم اشف عمی فقام کانما نشط من عقال فقال یا بن اخی ان ربك الذی تعبدہ لیطیعك فقال وانت یا عماہ لو اطعتہ لیطیعنك۔ ابن عدی [1] من طریق الھیثم البکاء عن ثابت ن البنانی عن انس ابن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یعنی ابو طالب بیمار پڑے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے ابو طالب نے عرض کی: اے بھتیجے میرے! اپنے رب سے جس نے حضور کو بھیجا ہے میری تندرستی کی دعا کیجئے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دعا کی: الٰہی! میرے چچا کو شفا دے۔ یہ دعا فرماتے ہی ابو طالب اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کسی نے بندش کھول دی، حضور سے عرض کی: اے میرے بھتیجے! بیشك حضور کا رب جس کی تم عبادت کرتے ہو حضور کی اطاعت [عہ] کرتا ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے (اس کلمہ پر انکار نہ فرمایا بلکہ اور تاکیداً وتائیداً) ارشاد کیا کہ اے چچا! اگر تو اس کی اطاعت کرے تو وہ تیرے ساتھ بھی یونہی معاملہ فرمائے گا۔ (ابن عدی)

عـــہ: یہاں اطاعت کے معنی ہر مراد محبوب حسب مراد محبوب فوراً موجود فرمادے ۱۲منہ۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صحیح البخاری کتاب النکاح باب الشغار قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۶، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۳، سنن النسائی ذکر امر رسول اللہ فی النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۶۷، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنہا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۱۳۴

[1] الکامل لابن عدی ترجمہ الھیثم بن جماز دارالفکر بیروت ۷/۲۵۶۱

	نے بطریق ہیثم البکاء انہوں نے ثابت بنانی سے انہوں نے انس ابن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اور حدیث سنئے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں بیشک بالیقین میں روز قیامت تمام جہان کا سید ہوں، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا، کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو میرے نشان کے نیچے نہ ہو کشائش کا انتظار کرتا ہوا۔ میں چلوں گا اور لوگ میرے ساتھ ہوں گے یہاں تک کہ دروازہ جنت پر تشریف فرما ہو کر دروازہ کھلواؤں گا سوال ہوگا کون ہیں؟ میں فرماؤں گا محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)۔ کہا جائے گا مرحبا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو۔ پھر جب میں اپنے رب عزوجل کو دیکھوں گا اس کے لئے سجدہ شکر میں گروں گا اس پر کہا جائے گا:

ارفع راسك وقل تطاع واشفع تشفع۔	اپنا سر اٹھاؤ اور جو کہنا ہو کہو تمہاری اطاعت کی جائے گی اور شفاعت کرو کہ تمہاری شفاعت قبول ہوگی۔

پس جو لوگ جل چکے تھے وہ اللہ کی رحمت اور میری شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے۔

الحاکم فی المستدرك[1] وابن عساکر عن عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنه۔	حاکم نے مستدرک میں اور ابن عساکر نے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا۔(ت)

اسی باب سے ہے حدیث کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: **ان ربی استشارنی فی امتی ماذا افعل بھم** بیشک میرے رب نے میری امت کے باب میں مجھ سے مشورہ طلب فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں۔ **فقلت ماشئت یارب ھم خلقك وعبادك** میں نے عرض کیا کہ اے رب میرے! جو تو چاہے کہ وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ **فاستشارنی الثانیة** اس نے دوبارہ مجھ سے مشورہ پوچھا۔ **فقلت له کذٰلك** میں نے اب بھی وہی عرض کی۔ **فاستشارنی الثالثة** اس نے سہ بارہ مجھ سے مشورہ لیا۔ **فقلت له کذٰلك** میں نے پھر وہی عرض کی۔ **فقال تعالٰی انی لن اخزیك فی امتك**

---

[1] اتحاف السادة المتقین بحوالہ الحاکم وابن عساکر صفة الشفاعة دار الفکر بیروت ۱/۳۰، کنز العمال بحوالہ ك وابن عساکر حدیث ۳۲۰۳۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱/۴۳۴

یا احمد تو رب عزوجل نے فرمایا: اے احمد! بیشک میں ہرگز تجھے تیری امت کے معاملہ میں رسوانہ کروں گا۔ وبشرنی انّ اول من یدخل الجنۃ معی من امتی سبعون الفا مع کل الفٍ سبعون الفًا لیس علیھم حساب اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر ہزار امتی سب سے پہلے میرے ساتھ داخل بہشت ہونگے ان میں ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہونگے جن سے حساب تک نہ لیا جائیگا۔ آگے حدیث اور طویل و جلیل ہے جس میں اپنے اور اپنی امت مرحومہ کے فضائل جلیل ارشاد فرمائے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وبارک وسلم آمین!

الامام احمد [1] وابن عساکر عن حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	امام احمد اور ابن عساکر نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

بحمد اللہ یہی معنی ہیں اس حدیث کے کہ رب العزۃ روز قیامت حضرت رسالت علیہ افضل الصلٰوۃ والتحیۃ سے مجمع اولین وآخرین میں فرمائے گا:

کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضاك یا محمد [2]۔	یہ سب میری رضا چاہتے ہیں اور میں تیری رضا چاہتا ہوں اے محمد!۔

میں نے اپنا ملک عرش سے فرش تک تجھ پر قربان کر دیا صلی اللہ علیك وعلٰی اٰلك وبارك وسلم۔

اے مسلمانو، اسے سنی بھائی، اے مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شان ارفع کے فدائی! آفتاب وماہتاب پر ان کا حکم جاری ہونا کیا بات ہے آفتاب طلوع نہیں کرتا جب تک ان کے نائب ان کے وارث، ان کے فرزند، انکے دلبند، غوث الثقلین، غوث الکونین، حضور پر نور سیدنا و مولانا امام ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ پر سلام عرض نہ کرلے۔ امام اجل سیدی نور الدین ابو الحسن علی شطنوفی قدس سرہ الروفی (جنھیں امام جلیل

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن حذیفہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۹۳، کنزالعمال بحوالہ حم وابن عساکر حدیث ۳۲۱۰۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۴۸، الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بان امتہ وضع عنھم الامر مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲/ ۲۱۰

[2] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) تحت الآیۃ ۲/ ۱۴۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/ ۸۷

عارف باللہ سیدی عبداللہ بن اسعد مکی یافعی شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے مرآۃ الجنان میں الشیخ الامام الفقیہ المقرادی[1]) سے وصف کیا۔ کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں خود روایت فرماتے ہیں:

اخبرنا ابو محمد عبدالسلام بن ابی عبداللہ محمد بن عبدالسلام بن ابراھیم بن عبدالسلام البصری الاصل البغدادی المؤلد والدار بالقاھرۃ سنۃ احدٰی وسبعین وستمائۃ قال اخبرنا الشیخ ابو الحسن علی بن سلیمان البغدادی الخباز ببغداد سنۃ ثلث و ثلثین وستّمائۃ قال اخبرنا الشیخان الشیخ ابو حفص عمر الکیماتی ببغداد وسنۃ احدٰی وتسعین و خسمائۃ قالا کان شیخنا الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ یمشی فی الھواء علی رؤوس الاشھاد فی مجلسہ ویقول ماتطلع الشمس حتی تسلم علی و تجئی السنۃ الی وتسلم علی وتخبرنی مایجری فیھا و یجیء الشھر ویسلم علی ویخبرنی بما یجری فیہ، و یجیئ الاسبوع ویسلم علی ویخبرنی بما یجری فیہ و یجیئ الیوم ویسلم علی	یعنی امام اجل حضرت ابوالقاسم عمر بن مسعود وبزار اور حضرت ابوحفص عمر کیماتی رحمہم اللہ تعالٰی فرماتے ہیں ہمارے شیخ حضور سیدنا عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی مجلس میں برملا زمین سے بُلند کرہ ہواپر مشی فرماتے اور ارشاد کرتے آفتاب طلوع نہیں کرتا یہاں تک کہ مجھ پر سلام کرلے نیا سال جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے نیا ہفتہ جب آتا ہے مجھ پر سلام کرتا اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، نیا دن جو آتا ہے مجھ پر سلام کرتا ہے اور مجھے خبر دیتا ہے جو کچھ اس میں ہونے والا ہے، مجھے اپنے رب کی عزت کی قسم! کہ تمام سعید وشقی مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں میری آنکھ لوح محفوظ پر لگی ہے یعنی لوح محفوظ میرے پیش نظر ہے، میں اللہ عزوجل کے علم ومشاہدہ کے دریاؤں میں غوطہ زن ہوں، میں تم سب پر حجت الٰہی ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب اور زمین میں حضور (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)

[1] مرآۃ الجنان

ویخبرنی بما یجری فیه وعزة ربی ان السعداء و الاشقیاء لیعرضون علی عینی فی اللوح المحفوظ انا غائص فی بحار علم الله ومشاهد ته انا حجة الله علیکم جمیعکم انا نائب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ووارثه فی الارض[1]۔صدقت یا سید ی والله فانما انت کلمت عن یقین لاشك فیه ولاوهم یعتریه انما تنطق فتنطق وتعطی فتفرق وتؤمر فتفعل والحمدلله رب العالمین۔	کا وارث ہوں۔سچ فرمایا ہے آپ نے اے میرے آقا،بخدا آپ یقین پر مبنی کلام فرماتے ہیں جس میں کوئی شک اور وہم راہ نہیں پاتا۔بے شک آپ سے کوئی بات کہی جاتی ہے تو آپ کہتے ہیں اور آپ کو عطا ہوتا ہے توآپ تقسیم فرماتے ہیں۔ زآپ کو امر کیا جاتاہے توآپ عمل کرتے ہیں۔اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے۔(ت)

اس حدیث کے متعلق کلام نے قدرے طول پایا مگر الحمدللہ کہ مقصود رسالہ سے باہر نہ آیا وباللّٰه التوفیق۔

حدیث ۱۲۷: صحیح مسلم شریف وسنن ابی داود وسنن ابن ماجہ ومعجم کبیر طبرانی میں سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

قال کنت ابیت مع رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم فاتیته بوضوئه وحاجته فقال لی سل(ولفظ الطبرانی فقال یومًا یا ربیعة سلنی فاعطیك رجعنا الی لفظ مسلم)قال فقلت اسألك مرافقتك فی الجنة	میں حضور پرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رات کو حاضر رہتا ایک شب حضور کے لیے آب وضو وغیرہ ضروریات لایا(رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بحر رحمت جوش میں آیا)ارشاد فرمایا: مانگ کیا مانگتا ہے کہ ہم تجھے عطا فرمائیں۔میں نے عرض کی: میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں

---

[1] بهجه الاسرار ذکر کلما اخبر بها عن نفسه الخ دار الکتب العلمیة بیروت ص ۵۰

فقال اوغیر ذٰلك قلت ھو ذاك قال فاعنی علی نفسك بكثرۃ السجود[1]۔	اپنی رفاقت عطا فرمائیں۔فرمایا:کچھ اور؟میں نے عرض کی:میری مراد تو صرف یہی ہے۔فرمایا:تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔

ع کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

(حیف ہے اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا۔ت)

ے سائل ہوں ترا مانگتا ہوں تجھ سے تجھی کو

معلوم ہے اقرار کی عادت تری مجھ کو

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:"تو میری اعانت کر اپنے نفس پر کثرت سجود سے۔"

الحمدللہ یہ جلیل ونفیس حدیث صحیح اپنے ہر ہر جملے سے وہابیت کش ہے۔حضور اقدس خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مطلقًا بلا قید وبلا تخصیص ارشاد فرمانا سل مانگ کیا مانگتا ہے،جان وہابیت پر کیسا پہاڑ ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ہر قسم کی حاجت روا فرماسکتے ہیں دنیا وآخرت کی سب مرادیں حضور کے اختیار میں ہیں جب تو بلا تقیید ارشاد ہوا:مانگ کیا مانگتا ہے یعنی جو جی میں آئے مانگو کہ ہماری سرکار میں سب کچھ ہے ۔

گر خیریت دنیا و عقبٰی آرزو داری بدر گاہش بیا وہرچہ میخواہی تمنا کن

(اگر تو دنیا وآخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اس کی بارگاہ میں آ اور جو چاہتا ہے مانگ لے۔ت)

شیخ شیوخ علماء الہند عارف باللہ عاشق رسول اللہ برکۃ المصطفٰی فی ہذہ الدیار سیدی شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی شرح مشکوٰۃ شریف میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

از اطلاق سوال کہ فرمودش بخواہ تخصیص	مطلق سوال سے کہ آپ نے فرمایا(اے ربیعہ)

[1] صحیح مسلم کتاب الصلٰوۃ باب فضل السجود والحث علیہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۹۳،سنن ابی داود کتاب الصلٰوۃ باب وقت قیام النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من اللیل آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۸۷،کنز العمال حدیث ۱۹۰۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۳۰۶،المعجم الکبیر عن ربیعہ حدیث ۴۵۷۶ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۵/ ۵۷و۵۸

نکرد بمطلوبے خاص معلوم میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہرچہ خواہد وکراخواہد باذن پروردگار خود دہد[1]۔	مانگ۔اور کسی خاص شے کو مانگنے کی تخصیص نہیں فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمام معاملہ آپ کے دست اقدس میں ہے، جو چاہیں جسے چاہیں اللہ تعالٰی کے اذن سے عطافرما دیں۔ (ت)

فان من جودك الدنيا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم[2]

یہ شعر قصیدہ بردہ شریف کا ہے جس میں سیدی امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں: ''یارسول اللہ! دنیا وآخرت دونوں حضور کے خوان جود وکرم سے ایک حصہ ہیں اور لوح وقلم کے تمام علوم جن میں ماکان ومایکون جو کچھ ہوا اور جو کچھ قیام قیامت تک ہونے والا ہے ذرہ ذرہ بالتفصیل مندرج ہے حضور کے علوم سے ایک پارہ ہیں۔''

اور پہلا شعر کہ ''اگر خیریت دنیا وعقبٰی الخ'' حضرت شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی کا ہے کہ قصیدہ نعتیہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں عرض کیا ہے: الحمدللہ یہ عقیدے ہیں ائمہ دین کے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جناب عالم تاب میں، برخلاف اس سرکش طاغی شیطان لعین کے بندہ داغی جو کہ ایمان کی آنکھ پر کفران کی ٹھیکری رکھ کر کہتا ہے: "جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں"[3]۔

الا صلّی رب محمد علی محمدواٰله وسلم واخزی منتقصیه واعاذنا من حالهم وشرهم وسلم اٰمین۔	درود وسلام نازل فرمائے رب محمد محمد مصطفٰی پر اور آپ کی آل پر، اور دوسرا گروہ آپ کی شان میں تنقیص کرنے والا ہے، اللہ تعالٰی ہمیں انکے حال اور ان کے شر سے بچائے اور سلامت رکھے، آمین (ت)

علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

یؤخذ من اطلاقه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الامر بسؤال انّ	یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مانگنے کا حکم مطلق دیا اس سے مستفاد ہوتا ہے

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الصلٰوۃ باب السجود وفضلہ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۹۶

[2] الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ (قصیدہ بردہ) الفصل العاشر مرکز اہلسنت گجرات الہند ص ۵۹

[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع فی ذکر رد الاشراک فی العبادۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۸

الله تعالٰی مکنه من اعطاء کل ما ارادمن خزائن الحق[1]۔	کہ اللہ عزوجل نے حضور کو عام قدرت بخشی ہے کہ خدا کے خزانوں سے جو چاہیں عطا فرمادیں۔

والحمدللہ رب العالمین۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں[2]

پھر اس حدیث جلیل میں سب سے بڑھ کر جان وہابیت پر یہ کیسی آفت کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد پر حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ خود حضور سے جنت مانگتے ہیں کہ اسئلک مرافقتک فی الجنۃ یارسول اللہ! میں حضور سے سوال کرتا ہوں کہ جنت میں رفاقت والا عطا ہو۔

وہابی صاحبو! یہ کیسا کھلا شرک وہابیت ہے جسے حضور مالک جنت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ قبول فرمارہے ہیں، وللہ الحجۃ السامیۃ۔

حدیث ۱۲۸: حدیث صحیح وجلیل وعظیم سخت وہابیت کش جسے نسائی وترمذی وابن ماجہ وابن خزیمہ وطبرانی وحاکم وبیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور امام ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری ومسلم صحیح کہا اور امام حافظ الحدیث زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلم وبرقرار رکھا جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نماز کہئے:

اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بك الی ربی فی حاجتی ھذه لیقضٰی لی اللھم	الٰہی! میں تجھ سے مدد مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وسیلے سے جو مہربانی کے نبی ہیں، یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تاکہ میری حاجت روائی

[1] مرقاۃ المفاتیح کتب الصلوٰۃ باب السجود وفضلہ الفصل الاول تحت حدیث ۸۹۶ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶۱۵/۲
[2]

فشفعه فی [1]۔	ہو، الٰہی! انہیں میرا شفیع کر ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

یہ حدیث خود ہی بیمار دلوں پر زخم کاری تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو حاجت کے وقت ندا بھی ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے استعانت والتجا بھی، مگر حصن حصین شریف کی بعض روایات نے سر سے پانی تیری دیا۔ اس میں لتقضی لی [2] بصیغہ معروف ہے یعنی یارسول اللہ! حضور میری حاجت روا فرمادیں۔ مولانا فاضل علی قاری علیہ رحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں:

وفی نسخةٍ بصیغة الفاعل ای لتقضی الحاجة لی المعنی تکون سببًا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالاسناد مجازی [3]۔	اور ایک نسخہ میں بصیغہ فاعل (فعل معروف) ہے، یعنی آپ میری حاجت روائی فرمائیں۔ مطلب یہ ہے کہ آپ میری حاجت روائی و مقصد برآری میں سبب ووسیلہ بن جائیں۔ چنانچہ اسناد مجازی ہوگا۔ (ت)

اب دافع البلاء کو شرک ماننے کا مول تول کہئے۔

---

[1] سنن الترمذی کتاب الدعوات حدیث ۳۵۸۹ دار الفکر بیروت ۳۳۶/۵، سنن ابن ماجۃ ابواب اقامۃ الصلوۃ باب ماجاء فی صلٰوۃ الحاجۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰، صحیح ابن خزیمۃ باب صلٰوۃ الترغیب والترھیب حدیث ۱۲۱۹ المکتب الاسلامی بیروت ۲۲۶/۲، المعجم الکبیر عثمان بن حنیف حدیث ۸۳۱۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸/۹، المستدرک للحاکم کتاب صلٰوۃ التطوع دعاء ردالبصر دار الفکر بیروت ۳۱۳/۱، دلائل النبوۃ للبیہقی باب فی تعلیمہ الضریر ماکان فیہ شفاء الخ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۶۶/۶ تا ۱۶۸، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی حدیث ۶۵۷ دار ابن حزم بیروت ص ۱۵۹ و ۱۶۰، الترغیب والترھیب الترغیب فی صلٰوۃ الحاجۃ مصطفی البابی مصر ۴۷۳/۱ تا ۴۷۵

[2] الحصن الحصین منزل یوم الاثنین صلٰوۃ الحاجۃ افضل المطابع ص ۱۲۵

[3] حرز ثمین شرح الحصن الحصین مع الحصن الحصین منزل یوم الاثنین صلٰوۃ الحاجۃ افضل المطابع ص ۱۲۵

ثم اقول: (پھر میں کہتاہوں۔ت) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے زمانہ اقدس میں نابینا کو دعا تعلیم فرمائی کہ بعد نمازیوں عرض کرو ہمارا نام پاک لے کر ندا کرو ہم سے استمداد والتجا کرو، شرک وہابیت کو قعر جہنم میں پہنچانے کو بس یہی تھا کہ:

اولاً: جو شرک ہے اس میں تفرقہ زمانہ حیات وبعد وفات یا تفرقہ قرب وبُعد یا غیبت وحضور سب مردود ومقہور، جس کا بیان اوپر مذکور۔

ثانیاً: حاصل تعلیم یہ نہ تھا کہ دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کا بالائی ٹکڑا تو اللہ عزوجل سے عرض کرنا پھر ہمارے پاس حاضر ہو کر یا محمد سے اخیر تک عرض کرنا، اور دعا میں سنت اخفا ہے اور آہستہ کہنے میں وہابیت کی عقل ناقص پر غیبت وحضور یکساں ہے، عادی طور پر دونوں ندا بالغیب ہوں گی، مگر قیامت تو سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پوری کردی کہ زمانہ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہی دعا ایک صاحب حاجتمند کو تعلیم فرمائی اور ندا بعد الوصال سے جان وہابیت پر آفت عظمٰی ڈھائی۔ معجم کبیر امام طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے کہ ایک شخص امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بارگاہ میں اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوا کرتے امیر المومنین ان کی طرف التفات نہ فرماتے نہ ان کی حاجت پر غور کرتے، ایک دن عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ ان سے ملے ان سے شکایت کی، عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

ائت المیضأة فتوضأ ثم اٰت المسجد فصل فیه رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبینا محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم نبی الرحمة یامحمد انی اتوجه بك الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر حاجتك ورح الی حتی اروح معك۔	وضو کی جگہ جاکر وضو کرو پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو پھر یوں دعا کرو کہ الٰہی! میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نبی رحمت کے ذریعے سے متوجہ ہوتا ہوں، یارسول اللہ! میں حضور کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتاہوں کہ میری حاجت روافرمایئے۔ اور اپنی حاجت کا ذکر کرو، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں۔

صاحبِ حاجت نے جاکر ایسا ہی کیا، پھر امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دروازے پر حاضر ہوئے، دربان آیا ہاتھ پکڑ کر امیر المومنین کے حضور لے گیا، امیر المومنین (عثمان غنی) نے

اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا اور فرمایا کیسے آئے ہو؟ انہوں نے اپنی حاجت عرض کی، امیر المومنین نے فوراً روا فرمائی، پھر ارشاد کیا: اتنے دنوں میں تم نے اس وقت اپنی حاجت کہی۔ اور فرمایا: جب کبھی تمہیں کوئی حاجت پیش آئے ہمارے پاس آنا۔ اب یہ صاحب امیر المومنین کے پاس سے نکل کر حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے ان سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے امیر المومنین نہ میری حاجت میں غور فرماتے تھے نہ میری طرف التفات لاتے، یہاں تک کہ آپ نے میری سفارش ان سے کی۔ عثمان بن حنیف نے فرمایا:

واللہ ماکلمتہ ولٰکن شھدت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واتاہ رجل ضریر تشکی الیہ ذھاب بصرہ فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسلم ایت المیضأۃ فتوضأ ثم صل رکعتین ثم ادع بھٰذہ الدعوات فقال عثمان بن حنیف فواللہ ماتفرقنا وطال بنا الحدیث [1] حتی دخل علینا الرجل کانہ لم یکن بہ ضرقط۔	خدا کی قسم! میں نے تو تمہارے بارے میں امیر المومنین سے کچھ بھی نہ کہا مگر ہے یہ کہ میں نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اپنی نابینائی کی شکایت حضور سے عرض کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: موضع وضو پر جاکر وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھ پھر یہ دعائیں پڑھ۔ عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں خدا کی قسم! ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے باتیں ہی کررہے تھے کہ وہ نابینا ہمارے پاس انکھیارے ہوکر آئے گویا کبھی انکی آنکھوں میں کچھ نقصان نہ تھا۔

امام طبرانی اس حدیث کی متعدد اسنادیں ذکر کرکے فرماتے ہیں: **والحدیث صحیح** [2]۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ **والحمدللہ رب العالمین۔**

حدیث ۱۲۹: کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل مدینہ طیبہ سے ارشاد فرمایا:

اصبروا وابشروا فانی قد بارکت	صبر کرو اور شاد ہو کہ بیشک میں نے تمہارے

---

[1] المعجم الکبیر عن عثمان بن حنیف حدیث ۸۳۱۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۸/۹

[2] الترغیب والترھیب بحوالۃ الطبرانی الترغیب فی صلوٰۃ الحاجۃ مصطفی البابی مصر ۱/۴۷۶

علی صاعکم ومدکم۔ البزار فی مسندہٖ[1] عن امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رزق کی پیمانوں پر برکت کردی ہے۔(بزار نے اپنی مسند میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اس حدیث نے بتایا کہ اہل مدینہ کے رزق میں برکت رکھنے کو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

(رسالہ ضمنی) منیۃ اللبیب ان التشریح بید الحبیب ۱۳۱۱ھ

(عقلمند کا مقصد کہ بے شک احکام شرع حبیب اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اختیار میں ہیں)

احادیثِ تحریم حرم مدینہ بحکم احکم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

حدیث ۱۳۰: صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی:

اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم مابین لابتیھا۔ ھما واحمد[2] والطحاوی فی شرح معانی الاٰثار عن انس رضی اللہ عنہ۔	الٰہی! بیشک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکہ معظّمہ کو حرم کردیا اور میں دونوں سنگستان مدینہ طیبہ کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔(بخاری، مسلم اور احمد اور طحاوی نے شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳۱: نیز صحیحین میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انّ ابرھیم حرم مکۃ ودعا لاھلھا وانی حرمت المدینۃ کما حرم ابراھیم مکۃ وانی	بیشک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مکہ معظّمہ کو حرم بنادیا اور اس کے ساکنوں کے لیے دعا فرمائی، اور بیشک میں نے مدینہ طیبہ کو حرم

[1] کنز العمال بحوالۃ البزار حدیث ۳۸۱۲۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۱۲۵

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۷، صحیح البخاری، کتاب المغازی غزوہ احد قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۵ صحیح البخاری، کتاب الاعتصام باب ماذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۹۰، صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۱، مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۱۴۹، شرح المعانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲

دعوت فی صاعها ومدها بمثلی ما دعا ابراهیم لاهل مکة۔هم [1] جمیعا عن عبدالله بن زید بن عاصم رضی الله تعالٰی عنه۔	کردیا جس طرح انہوں نے مکے کو حرم کیا اور میں نے اس کے پیانوں میں اس سے دونی برکت کی دعا کی جو دعا انہوں نے اہل مکہ کے لیے کی تھی (ان سب نے عبداللہ ابن زید بن عاصم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳۲: نیز صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عرض کی: الٰہی! بیشک ابراہیم تیرے خلیل اور تیرے نبی ہیں اور تو نے ان کی زبان پر مکہ معظّمہ کو حرام کیا اللھم وانا عبدك ونبیك وانی احرم مابین لابتیها [2]۔ الٰہی! اور میں تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں میں مدینہ طیبہ کی دونوں حدوں کے اندر ساری زمین کو حرم بناتا ہوں۔ امام طحاوی نے اس کے قریب روایت کی اور یہ زائد کیا:

ونهی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان یعضد شجرها اویخبط اویؤخذ طیرها [3]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ اس کا پیڑ کاٹیں یا پتے جھاڑیں یا اس کے پرندوں کو پکڑیں۔

حدیث ۱۳۳: صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انی احرم مابین لابتی المدینة ان یقطع عضاهها او یقتل	بیشک میں حرم بناتا ہوں دوسنگلاخ مدینہ کے درمیان کو کہ اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب برکة صاع النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۶، صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینة ودعا النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۰، مسندا حمد بن حنبل عن عبدالله بن زید رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۴/۴۰، شرح المعانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۲

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینة ودعا النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۲، سنن ابن ماجة ابواب المناسك باب فضل المدینة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۲، کنز العمال حدیث ۳۴۸۸۲ مؤسسة الرساله بیروت ۱۲/۲۴۵

[3] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۳

صیدھا۔ھو و احمد [1] والطحاوی عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	اور اس کا شکار نہ مارا جائے (مسلم اور احمد اور طحاوی نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳۴: نیز صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابراھیم حرم مکۃ وانی احرم مابین لابتیھا۔ھو والطحاوی [2] عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک ابراہیم نے مکہ معظّمہ کو حرم کردیا اور میں مدینہ کے دونوں سنگلاخ کے درمیان کو حرم کرتا ہوں (مسلم اور طحاوی نے رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۳۵: نیز صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

اللھم ان ابراھیم حرم مکۃ فجعلھا حرمًا وانی حرمت المدینۃ حرامًا مابین مازمیھا ان لایھراق فیھا دم ولا یحمل سلاح لقتال ولا یخبط فیھا شجرۃ الا بعلف [3]۔	الٰہی! بیشک ابراہیم نے مکہ معظّمہ کو حرام کرکے حرم بنادیا اور بیشک میں نے مدینہ کے دونوں کناروں میں جو کچھ ہے اسے حرم بناکر حرام کردیا کہ اس میں کوئی خون نہ گرایا جائے نہ لڑائی کے لیے اسلحہ اٹھایا جائے نہ کسی پیڑ کے پتے جھاڑیں مگر جانور کو چارہ دینے کیلئے۔

حدیث ۱۳۶: نیز صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرض کرتے ہیں:

اللھم انی قد حرمت مابین لابتیھا	الٰہی! بیشک میں نے تمام مدنیہ کو حرم کردیا

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۰، مسند احمد بن حنبل عن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۸۱، شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۱

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۰، شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۲

[3] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۳

کما حرمت علی لسان ابراھیم الحرم ھو واحمد[1] و الرویانی عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جس طرح تو نے زبان ابراہیم پر حرم محترم کر حرم بنایا (مسلم، احمد اور رویانی نے ابی قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۳۷: نیز صحیح مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان ابراھیم حرم بیت اللہ وامنہ وانی حرمت المدینۃ مابین لابتیھا لایقطع عضاھا ولا یصاد صیدھا۔ ھو والطحاوی[2] عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	بیشک ابراہیم نے بیت اللہ کو حرم بنادیا اور امن والا کردیا اور میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کیا کہ اس کے خار دار درخت بھی نہ کاٹے جائیں اور اس کے جانور شکار نہ کئے جائیں (مسلم اور طحاوی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۳۸: صحیحین میں ہے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مابین لابتی المدینۃ وجعل اثنا عشر میلًا حول المدینۃ حمٰی۔ ھما واحمد[3] وعبدالرزاق فی مصنفہ۔	تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرم کر دیا اور اس کے آس پاس بارہ بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔ بخاری اور مسلم اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں روایت کیا۔ ت)

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۰ تا ۴۴۳، مسند احمد بن حنبل عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۰۹، کنز العمال بحوالہ حم والرویانی عن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ حدیث ۳۴۸۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۴۴

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲، کنز العمال بحوالہ مسلم حدیث ۳۴۸۱۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۳۲

[3] صحیح البخاری فضائل المدینۃ باب حرم المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۱، صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۲، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۸۷، المصنف لعبد الرزاق کتاب حرمۃ المدینۃ حدیث ۱۷۱۴۵ المجلس العلمی بیروت ۹/ ۲۶۰ و ۲۶۱

ابن جریر کی روایت یوں ہے:

حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شجرھا ان یعضد اویخبط۔رواہ عن خبیب الھذلی[1] رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے پیڑ کاٹنا یا ان کے پتے جھاڑنا حرام فرمایا۔(اس کو خبیب ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ت)

حدیث۱۳۹: صحیح مسلم شریف میں ہے رافع بن خدیج رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم مابین لابتی المدینۃ۔ھو والطحاوی[2] فی معانی الاٰثار۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تمام مدینہ طیبہ کو حرم بنادیا۔(مسلم اور طحاوی نے معانی الآثار میں روایت کیا۔ت)

حدیث۱۴۰: نیز صحیح مسلم ومعانی الآثار میں عاصم احول سے ہے:

قلت لانس من مالک أحرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم المدینۃ قال نعم الحدیث[3]۔زاد ابو جعفر فی روایۃ لایعضد شجرھا[4] ولمسلم فی اخرٰی نعم ھی حرام لایختلٰی خلاھا فمن فعل ذٰلک فعلیہ لعنۃ اللہ و الملٰئکۃ والناس اجمعین[5]۔	یعنی میں نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا، کیا مدینہ کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرم بنادیا؟ فرمایا: ہاں، اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے اس کی گھاس نہ چھیلی جائے، جو ایسا کرے اس پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔والعیاذ باللہ تعالٰی۔

حدیث۱۴۱: سنن ابی داود میں ہے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

---

[1]

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۰، شرح معانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲

[3] صحیح مسلم کتاب الحج فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۱

[4] شرح معانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۳

[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۴۱

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم ھذا الحرم[1]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حرم محترم کو حرم بنادیا۔

حدیث ۱۴۲: شرحبیل کہتے ہیں ہم مدینہ طیبہ میں کچھ جال لگارہے تھے زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ تشریف لائے جال پھینک دیے اور فرمایا:

تعلموا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم صیدھا۔الامام ابوجعفر[2] فی شرح الطحاوی۔	تمہیں خبر نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کا شکار حرام قرار دیا ہے۔(امام ابوجعفر نے شرح طحاوی میں اس کو بیان کیا ہے۔ت)

ابوبکر بن ابی شیبہ نے زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے یوں روایت کی:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم مابین لابتیھا[3]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینے کے دونوں سنگلاخ کے مابین کو حرم کردیا۔

حدیث ۱۴۳: ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم مابین لابتی المدینۃ ان یعضد شجرھا او یخبط[4]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تمام مدینے کو حرم بنادیا ہے کہ اس کے پیڑ نہ کاٹے جائیں نہ پتے جھاڑیں۔

حدیث ۱۴۴: ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف فرماتے ہیں میں نے ایک چڑیا پکڑی تھی اسے لئے ہوئے باہر گیا میرے والد ماجد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ ملے شدت سے میرا کان مل کر چڑیا کو چھوڑدیا اور فرمایا:

حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صید ما بین لابتیھا[5]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینے کا شکار حرام فرمادیا ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی تحریم المدینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۷۸

[2] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲

[3]

[4] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲

[5] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۴۲

حدیث ۱۴۵: صعب بن جثامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حرم البقیع وقال لاحمٰی الااللہ ورسوله[1]۔	بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بقیع کو حرم بنادیا اور فرمایا: چراگاہ کو کوئی اپنی حمایت میں نہیں لے سکتا سوا اللہ ورسول کے جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

روی الثلثة الامام الطحاوی (تینوں احادیث امام طحاوی نے روایت کیں۔ت)

یہ **سولہ**[۱۶] حدیثیں ہیں، پہلی آٹھ میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے مدینہ طیبہ کو حرم کردیا، اور پچھلی آٹھ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کہا کہ حضور کے حرم کردینے سے مدینہ طیبہ حرم ہوگیا، حالانکہ یہ صفت خاص اللہ عزوجل کی ہے۔ پہلی آٹھ سے پانچ میں اپنے پدر کریم سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف بھی یہی نسبت ارشاد ہوئی کہ مکہ معظّمہ کی حرم محترم انہوں نے حرم کردی انہوں نے امن والی بنادی، حالانکہ خود ارشاد فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان مکة حرمها اللہ تعالٰی ولم یحرمها الناس۔ البخاری والترمذی[2] عن ابی شریح ن البغدادی رضی اللہ تعالٰی عنه۔	بیشک مکہ معظّمہ کو اللہ تعالٰی نے حرم کیا ہے کسی آدمی نے نہ نہیں کیا۔ (بخاری اور ترمذی نے ابی شریح بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

یہ اسنادیں خاص ہمارے رسالے کی مقصود ہیں مگر یہاں جان وہابیت پر ایک آفت اور سخت وشدید تر ہے، مدینہ طیبہ کے جنگل کا حرم ہونا نہ فقط انہیں سولہ بلکہ انکے سوا اور بہت احادیث کثیرہ وارد ہیں۔

حدیث[۱۷] **صحیحین**: انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المدینة حرم من کذا الی کذا	مدینہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے اس کا

[1] شرح معانی الآثار باب احیاء الارض المیتة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۷۵/۲

[2] صحیح البخاری ابواب العمرة باب لایعضد شجر الحرم قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۴۷/۱، سنن الترمذی کتاب الحج حدیث ۸۰۹ دارالفکر بیروت ۲۱۷/۲

لایقطع شجرھا۔ھما واحمد[1] والطحاوی واللفظ للجامع الصحیح۔	پیڑ نہ کاٹا جائے۔امام بخاری اور مسلم اوراحمد اور طحاوی نے روایت کیااور لفظ جامع الصحیح کے ہیں۔ت)

حدیث ۱۸صحیحین: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المدینۃ حرم الحدیث ھما[2] والطحاوی وابن جریر واللفظ للمسلم۔	مدینہ حرم ہے(بخاری ومسلم اور طحاوی اورابن جریر نے روایت کیااور لفظ مسلم کے ہیں۔ت)

حدیث ۱۹صحیحین: مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے،رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المدینۃ حرم مابین عیر الی کذا ولمسلم والطحاوی مابین عیر الی ثور الحدیث[3] زاد احمد وابو داود فی روایۃ لایختلی خلاھا ولاینفر صیدھا[4]۔	مدینہ کوہ عیر سے جبل ثور تک حرم ہے۔احمد اور ابو داود نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیاکہ اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اور اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے۔

---

[1] صحیح البخاری فضائل مدینہ باب حرمۃ المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۱،صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۱،کنز العمال بحوالہ حم وغیرہ حدیث ۳۴۸۰۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۲۳۱،مسند احمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/۲۴۲

[2] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۲

[3] صحیح البخاری فضائل مدینہ باب حرمۃ المدینۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۵۱،صحیح مسلم کتاب الحج باب فضائل مدینہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۲،سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب فی تحریم المدینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۷۸،مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۸۱،شرح معانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۱

[4] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۱۹،سنن ابی داود،کتاب المناسك باب فی تحریم المدینۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۷۸

حدیث ۲۰ صحیح مسلم: سہل بن حنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دست مبارک سے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:

انہا حرم اٰمن، ھو واحمد[1] والطحاوی وابو عوانۃ۔	بیشک یہ امن والی حرم ہے۔ (مسلم، احمد، طحاوی اور ابوعوانہ نے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۲۱: امام احمد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لکل نبی حرم وحرمی المدینۃ[2]۔	ہر نبی کے لیے ایک حرم ہوتی ہے اور میری حرم مدینہ ہے۔

حدیث ۲۲: عبدالرزاق حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرم کل دافۃ اقبلت علی المدینۃ من العضۃ الحدیث[3]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہر گروہ مردم کو کہ حاضر مدینہ ہو اس کے خاردار درختوں کو ممنوع فرمادیا۔

حدیث ۲۳: امام طحاوی بطریق مالک عن یونس بن یوسف عن عطا بن یسار کہ لڑکوں نے ایک روباہ کو گھیر کر ایک گوشے میں کردیا تھا، ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ نے لڑکوں کو دور کردیا، امام مالک فرماتے ہیں اور مجھے اپنے یقین سے یہ یاد ہے کہ فرمایا:

انی حرم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یُصنع ھذا[4]۔	کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حرم میں ایسا کیا جاتا ہے؟

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فضل المدینۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۴۳ ومسند احمد بن حنبل عن سہل بن حنیف المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۸۶ وکنز العمال بحوالہ ابی عوانہ حدیث ۳۴۸۰۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۲۳۰ وشرح معانی الآثار کتاب الصید باب صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۳۱۸

[3] المصنف لعبدالرزاق باب حرمۃ المدینۃ حدیث ۱۷۱۴۷ المجلس العلمی بیروت ۹/۲۶۱

[4] شرح معانی الآثار کتاب الصید صید المدینۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۳۴۲

حدیث ۲۴: مسند الفردوس میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

یبعث اللہ عزوجل من ھٰذہ البقعۃ ومن ھذا الحرم سبعین الفا یدخلون الجنۃ بغیر حساب یشفع کل واحد منھم فی سبعین الفا وجوھھم کالقمر لیلۃ البدر [1]۔	اللہ تعالٰی روز قیامت اس بقیع اوراس حرم سے ستر ہزار شخص ایسے اٹھائے گا کہ بےحساب جنت میں جائیں گے اوران میں ہر ایک ستر ہزار کی شفاعت کرے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔

اوراگروہ حدیثیں گنی جائیں جن میں مکہ معظّمہ ومدینہ طیبہ کو حرمین فرمایا تو عدد کثیر ہیں، بالجملہ حدیثیں اس باب میں حدتواتر پر ہیں، تو بالیقین ثابت کہ مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے جنگل کا بتاکید تام واہتمام تمام وہی ادب مقرر فرمادیا جومکہ معظّمہ کے جنگل کا ہے،

بایں ہمہ طائفہ تالفہ وہابیہ کاامام بدفرجام بکمال دریدہ دہنی صاف صاف لکھ گیا: "گردوپیش کے جنگل کاادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں پھر جوکوئی کسی پیر، پیغمبر یا بھوت وپری کے مکانوں کے گردوپیش کے جنگل کاادب کرے تواس پر شرک ثابت ہے" [2]

کیوں، ہم نہ کہتے تھے کہ یہ ناپاک مذہب ملعون مشرب اسی لئے نکلا ہے کہ اللہ ورسول تک شرک کا حکم پہنچائے پھراور کسی کی کیا گنتی۔ تف ہزار تف بر روئے بددینی۔ اب دیکھنا ہے کہ اس امام بےلگام کے مقلد کہ بڑے موحّد بنے پھرتے ہیں اپنے امام کا ساتھ دیتے ہیں یامحمد رسول اللہ پڑھنے کی کچھ لاج رکھتے ہیں۔ اللہ کے بے شمار درودیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اوران کے ادب داں غلاموں پر۔

تنبیہ نبیہ: مسلمانو! صرف یہی نہ سمجھنا کہ اس گمراہ امام الطائفہ کے نزدیک حرم محترم حضور پرنور مالک الامم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کاادب ہی شرک ہے، نہیں نہیں بلکہ اس کے مذہب

---

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۸۱۲۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۲۶۰ وکنز العمال حدیث ۳۴۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۲۶۲

[2] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۸

میں جو شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی زیارت سراپا طہارت کے لیے مدینہ طیبہ کو چلے اگرچہ چار پانچ ہی کوس کے فاصلے سے (کہ کہیں وہابیت کے شرک شدالرحال کا ماتھا نہ ٹھمکے) اس پر راستے میں بے ادبیاں بیہودگیاں کرتے چلنا فرض عین وجز ایمان ہے یہاں تک کہ اگر اپنے مالک وآقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عظمت وجلال کے خیال سے باادب مہذب بن کر چلے گا اس کے نزدیک مشرک ہو جائے گا۔ اسی کتاب ضلالت مآب کے اسی مقام میں "رستے میں نامعقول باتیں کرنے سے"[1]۔ بچنا بھی انہیں امور میں گنادیا جنہیں خدا پر افترا کہتا ہے "یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں جو کوئی کسی پیر وپیغمبر کے لیے کرے اس پر شرک ثابت ہے"[2]

سبحان اللہ! نامعقول باتیں کرنا بھی جزو ایمان نجدیہ ہے بلکہ سچ پوچھو تو ان کا تمام ایمان اسی قدر ہے وہ تو خیر یہ ہو گئی کہ مجتہد الطائفہ کو یہ عبارت لکھتے وقت آیہ کریمہ "فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ"[3] (تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو نہ کوئی گناہ نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت۔ ت) پوری یاد نہ آئی ورنہ راہ مدینہ طیبہ میں فسق وفجور کرتے چلنا بھی فرض کہہ دیتا وہ بھی ایسا کہ جو وہاں فسق سے باز آئے مشرک ہو جائے، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

لطیفہ حقّہ: حضرات نجدیہ! خدارا انصاف، کیا افعال عبادت سے بچنا انبیاء واولیاء ہی کے معاملے سے خاص ہے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ شرک کے کام جائز، نہیں نہیں جو شرک ہے ہر غیر خدا کے ساتھ شرک ہے، تو آپ حضرات جب اپنے کسی نذیر بشیر یا پیر فقیر یا مرید رشید یا دوست عزیز کے یہاں جایا کیجئے تو راستے میں لڑتے جھگڑتے ایک دوسرے کا سر پھوڑتے ماتھا رگڑتے چلا کیجئے ورنہ دیکھو کھلم کھلا مشرک ہو جاؤ گے ہر گز مغفرت کی بو نہ پاؤ گے کہ تم نے غیر حج کی راہ میں ان باتوں سے بچ کر وہ کام کیا جو اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتایا تھا اور اس جوتی پیزار میں یہ نفع کیسا ہے کہ ایک کام میں تین مزے، جدال ہونا تو خود ظاہر اور جب بلاوجہ ہے تو فسوق بھی حاضر اور رفث کے معنی ہر معقول بات کے ٹھہرے تو وہ بھی حاصل۔ ایک ہی بات میں ایمان نجدیت کے تینوں رکن کامل۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی

[1] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷ و ۸

[2] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷ و ۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۷

العظیم۔ الحمدللہ خامہ برق بار رضا خرم سوزی نجدیت میں سب سے نرالا رنگ رکھتا ہے، والحمدللہ رب العالمین۔

تذییل وتکمیل

اقول: وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہے۔ ت)

احکام الٰہی کی دو قسمیں ہیں: تکوینیہ مثل احیاء واماتت وقضائے حاجت ودفع مصیبت وعطائے دولت ورزق ونعمت وفتح وشکست وغیرہا عالم کے بندوبست۔

دوسرے تشریعیہ کہ کسی فعل کو فرض یا حرام یا واجب یا مکروہ یا مستحب یا مباح کردینا مسلمانوں کے سچے دین میں ان دونوں حکموں کی ایک ہی حالت ہے کہ غیر خدا کی طرف بروجہ ذاتی احکام تشریعی کی اسناد بھی شرک۔

قال اللہ تعالٰی "اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ"[1]۔	اللہ تعالٰی نے فرمایا: کیا ان کے لیے خدا کی الوہیت میں کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے واسطے دین میں اور راہیں نکال دی ہیں جن کا خدا نے انہیں حکم نہ دیا۔

اور بروجہ عطائی امور تکوین کی اسناد بھی شرک نہیں۔

قال اللہ تعالٰی: "فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۟"[2]۔	قسم ان مقبول بندوں کی جو کاروبار عالم کی تدبیر کرتے ہیں۔

مقدمہ رسالہ میں شاہ عبدالعزیز کی شہادت سن چکے کہ:

حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اوراتمام امت برمثال پیران و مرشدان می پرستند وامور تکوینیہ رابایشاں وابستہ میدانند[3]۔	حضرت امیر (مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم) اور ان کی اولاد کو تمام امت اپنے مرشد جیسا سمجھتی ہے اور امور تکوینیہ کو ان سے وابستہ جانتی ہے۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۲/۲۱

[2] القرآن الکریم ۷۹/۵

[3] تحفہ اثناعشریہ باب ہفتم درامامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

مگر کچے وہابی ان دو قسموں میں فرق کرتے ہیں، اگر کہئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ بات فرض کی یا فلاں کام حرام کردیا تو شرک کا سودا نہیں اچھلتا، اور اگر کہئے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نعمت دی یا غنی کردیا تو شرک سوجھتا ہے۔ یہ انکا نرا تحکم ہی نہیں خود اپنے مذہب نامہذب میں کچا پن ہے۔ جب ذاتی اور عطائی کا تفرقہ اٹھا دیا پھر احکام میں فرق کیسا، سب کا یکساں شرک ہونا لازم، آخر ان کا امام مطلق وعام کہہ گیا کہ:

''کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے اور نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں''[1]۔ نیز کہا: ''کسی کام کو روا یا ناروا کردینا اللہ ہی کی شان ہے''[2]۔

صاف تر کہا: ''کسی کی راہ ورسم کو ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا یہ بھی انہیں باتوں میں سے ہے کہ خاص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں تو جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی شرک ثابت ہے''[3]۔ اور آگے اس کا قول:

''سو اللہ کے حکم پہنچنے کی راہ بندوں تک رسول ہی کا خبر دینا ہے''[4]۔

اس میں وہ رسول کو حاکم نہیں مانتا صرف مخبر وپیغام رساں مانتا ہے اور اس سے پہلے حصہ کے ساتھ تصریح کرچکا ہے کہ:

''پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ برے کام پر ڈرا دیوے اور بھلے کام پر خوشخبری سنا دیوے''[5]

نیز کہا کہ:

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۲۰

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۲۰

[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۲۸

[4] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۲۸

[5] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص۲۸

''انبیاء اولیاء کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا سو ان میں بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں اور برے بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں[1]"۔ صرف بتانے جاننے پہچاننے پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ حکم ان کے ہیں فرائض کو انہوں نے فرض کیا محرمات کو انہوں نے حرام کردیا۔

آخر ہمیں جو احکام معلوم ہوئے اپنے بزرگوں سے آئے انہیں ان کے اگلوں نے بتائے، یونہی طبقہ بطبقہ تبع کو تابعین، تابعین کو صحابہ، صحابہ کو سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے، تو کیا کوئی یوں کہے گا کہ نماز میرے باپ نے فرض کی ہے یا زنا کو میرے استاد نے حرام کردیا۔ نبی کی نسبت اگر یوں کہیے گا تو وہی ذاتی عطائی کا فرق مان کر، اور کسی کی راہ ماننے اور اس کا حکم سند جاننے کو ان افعال سے گن چکا جو اللہ تعالٰی نے اپنی تعظیم کے لیے خاص کئے ہیں اور انہیں غیر کے لیے کرنے کا نام اشراک فی العبادۃ رکھا، اور اس قسم میں بھی مثل دیگر اقسام تصریح کی کہ:

''پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں یا یوں سمجھے کہ انکی اس طرح کی تعظیم سے اللہ خوش ہوتا ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے''[2]۔ تو ذاتی وعطائی کا تفرقہ دین نجدی میں قیامت کا تفرقہ ڈال دے گا۔ وہ صاف کہہ چکا: ''نہیں حکم کسی کا سوائے اللہ کے اس نے تو یہی حکم کیا ہے کہ کسی کو اس کے سوا مت مانو''[3]۔

جب رسول کو ماننے ہی کی نہ ٹھہری تو رسول کو حاکم ماننا اور فرائض و محرمات کو رسول کے فرض وحرام کردینے سے جاننا کیونکر شرک نہ ہوگا، غرض وہ اپنی دھن کا پکا ہے، ولہٰذا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کس قدر تاکید شدید سے مدینہ طیبہ کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب فرض کیا اور اس میں شکار وغیرہ منع فرمایا، مگر یہ جو ارشاد ہوا کہ ''مدینے کو حرم میں کرتا ہوں۔ "اس چوٹی کے موحد نے کہ جابجا کہتا ہے کہ "خدا کے سوا کسی کو نہ مانو'' صاف صاف حکم شرک جڑ دیا اور اللہ واحد قہار کے غضب کا کچھ خیال نہ کیا" وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی رد الاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لاہاری دروازہ لاہور ص ۱۷

[2] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لاہاری دروازہ لاہور ص ۸

[3] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لاہاری دروازہ لاہور ص ۲۸

يَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾" [1] (اور اب جان جائیں گے ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) تو مناسب ہوا کہ بعض احادیث وہ بھی ذکر کرجائیں جن میں احکام تشریعیہ کی اسناد صریح ہے، اور اب اس قسم کی خاص دو آیتوں کا ذکر بھی محمود، اگرچہ آیات گزشتہ سے بھی دو آیتوں میں یہ مطلب موجود، اور ان کے ذکر سے جب عدد آیات انصاف عقود سے متجاوز ہوگا تو تکمیل عقد کے لیے تین آیتوں کا اور بھی اضافہ ہو کہ پچاس کا عدد پورا ہو جس طرح احادیث میں بعونہٖ تعالٰی پانچ خمسین یعنی ڈھائی سو کا عدد کامل ہوگا، ورنہ استیعاب آیات عــہ میں منظور، نہ احادیث میں مقدور، واللہ الھادی الی منائر النور،

عــہ: مثلاً یہی احکام تشریعیہ کی آیات بکثرت ہیں جن سے دو ہی یہاں مذکور، یونہی اس مضمون میں کہ خلائق کو موت فرشتے دیتے ہیں، صرف دو آیتیں اوپر گزریں، قرآن پاک میں پانچ آیتیں اس مضمون کی اور ہیں، ہم ان پانچ کو یہاں ذکر کردیں کہ اول پانچ آیتیں کتب سابقہ سے مذکور ہوئی ہیں ان کے سبب پچاس پوری صرف قرآن عظیم سے ہوجائیں۔

آیت ۱: "اِنَّ الَّذِيۡنَ تَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ" [2]۔	بیشک وہ لوگ جنہیں موت دی فرشتوں نے۔
آیت ۲: "جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوۡنَهُمۡ ۙ" [3]۔	ہمارے رسول ان کے پاس آئے انہیں موت دینے کو۔
آیت ۳: "وَلَوۡ تَرٰۤى اِذۡ يَتَوَفَّى الَّذِيۡنَ كَفَرُوا ۙ الۡمَلٰۤـئِكَةُ" [4]۔	کاش تم دیکھو جب کافروں کو موت دیتے ہیں فرشتے۔
آیت ۴: "اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَالسُّوۡٓءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ ظَالِمِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۖ" [5]۔	بیشک آج کے دن رسوائی اور مصیبت کافروں پر ہے جنہیں موت فرشتے دیتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ستم ڈھائے ہوئے ہیں۔
آیت ۵: "كَذٰلِكَ يَجۡزِى اللّٰهُ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِيۡنَ تَتَوَفّٰٮهُمُ الۡمَلٰۤـئِكَةُ طَيِّبِيۡنَ ۙ" [6]	ایسا ہی بدلہ دیتا ہے اللہ پرہیزگاروں کو جنہیں موت فرشتے دیتے ہیں پاکیزہ حالت میں۔

جعلنا منھم بفضل رحمتہٖ اٰمین (اللہ تعالٰی ہمیں اپنے فضل ورحمت سے انہیں میں سے کردے۔ آمین۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[2] القرآن الکریم ۴/ ۹۷

[3] القرآن الکریم ۷/ ۳۷

[4] القرآن الکریم ۸/ ۵۰

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۲۸،۲۷

[6] القرآن الکریم ۱۶/ ۳۱و۳۲

ہم پہلے وہ تین آیتیں تلاوت کریں کہ پھر احکام تشریعیہ کا بیان آیات واحادیث سے مسلسل رہے وباللہ التوفیق۔

آیت ۴۶: "اِنۡ کُلُّ نَفۡسٍ لَّمَّا عَلَیۡہَا حَافِظٌ ؕ"[1]۔	کوئی جان نہیں جس پر ایک نگہبان متعین نہ ہو۔
آیت ۴۷: "الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ"[2]۔	یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف اتاری تاکہ تم اے نبی! لوگوں کو اندھیروں سے نکال لو روشنی کی طرف انکے رب کی پروانگی سے غالب سراہے گئے کی راہ کی طرف۔
آیت ۴۸: "وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ"[3]۔	اور بیشک بالیقین ہم نے موسٰی کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اے موسٰی! تو نکال لے اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔

اقول: اندھیریاں کفر وضلالت ہیں اور روشنی ایمان وہدایت جسے غالب سراہے گئے کی راہ فرمایا۔ اور ایمان وکفر میں واسطہ نہیں، ایک سے نکالنا قطعًا دوسرے میں داخل کرنا ہے۔ تو آیات کریمہ صاف ارشاد فرمارہی ہیں کہ بنی اسرائیل کو موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفر سے نکالا اور ایمان کی روشنی دے دی اس امت کو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کفر سے چھڑاتے ایمان عطافرماتے ہیں، اگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ کام نہ ہوتا انہیں اس کی طاقت نہ ہوتی تو رب عزوجل کا انہیں یہ حکم فرمانا کہ کفر سے نکال لو معاذ اللہ تکلیف مالایطاق تھا۔

الحمدللہ! قرآن عظیم نے کیسی تکذیب فرمائی امام وہابیہ کے اس حصر کی کہ:

"پیغمبر خدا نے بیان کردیا کہ مجھ کو نہ قدرت ہے نہ کچھ غیب دانی، میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا تو کیا کرسکوں۔ غرض کہ کچھ قدرت مجھ میں نہیں، فقط پیغمبری کا مجھ کو دعوی ہے اور پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے

[1] القرآن الکریم ۸۶/۴

[2] القرآن الکریم ۱۴/۱

[3] القرآن الکریم ۱۴/۵

کہ برے کام پر ڈرادیوے اور بھلے کام پر خوشخبری سنادیوے دل میں یقین ڈال دینا میرا کام نہیں انبیاء میں اس بات کی کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے عالم میں تصرف کی کچھ قدرت دی ہو کہ مرادیں پوری کردیویں یا فتح وشکست دے دیویں یا غنی کردیویں یا کسی کے دل میں ایمان ڈال دیویں ان باتوں میں سب بندے بڑے اور چھوٹے برابر ہیں عاجز اور بے اختیار[1] اھ'' ملخصًا۔

مسلمانو! اس گمراہ کے ان الفاظ کو دیکھو اور ان آیتوں اور حدیثوں سے کہ اب تک گزریں ملاؤ دیکھو یہ کس قدر شدت سے خدا و رسول کو جھٹلا رہا ہے، خیر اسے اس کی عاقبت کے حوالے کیجئے، شکر اس اکرم الاکرمین کا بجالایئے جس نے ہمیں ایسے کریم اکرم دائم الکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھ سے ایمان دلوایا ان کے کرم سے امید واثق ہے کہ بعونہٖ تعالٰی محفوظ بھی رہے۔

تونے اسلام دیا تونے جماعت میں لیا

تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا[2]

ہاں یہ ضرور ہے کہ عطائے ذاتی خاصہ خدا ہے "اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ"[3] (بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کردو۔ت) وغیرہا میں اسی کا تذکرہ ہے کچھ ایمان کے ساتھ خاص نہیں پیسہ کوڑی بھی بے عطائے خدا کوئی بھی اپنی ذات سے نہیں دے سکتا۔ع

تا خدا ندہد سلیماں کے دہد

(جب تک خدا نہ دے سلیمان کیسے دے سکتا ہے۔ت)

یہی فرق ہے جسے گم کرکے تم ہر جگہ بہکے اور "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ"[4]۔ (اور خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو۔ت) میں داخل ہوئے۔

نسأل اللہ العافیة وتمام العافیة ودوام العافیه و الحمدللہ رب العٰلمین۔	ہم اللہ تعالٰی سے کامل دائمی عافیت کا سوال کرتے ہیں، اور تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔(ت)

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی فی ردالاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۵

[2] حدائق بخشش وصل اول مکتبہ رضویہ کراچی ص ۳

[3] القرآن الکریم ۲۸/۵۶

[4] القرآن الکریم ۲/۸۵

آیت ۴۹: "قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ"[1]۔	لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ پچھلے دن پر، اور حرام نہیں مانتے اس چیز کو جسے حرام کردیا ہے اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے۔
آیت ۵۰: "مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًاؕ(۳۶)"[2]۔	نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کریں اللہ و رسول کسی بات کا کہ انہیں کچھ اختیار ہے اپنی جانوں کا اور جو حکم نہ مانے اللہ و رسول کا وہ صریح گمراہی میں بہکا۔

یہاں سے ائمہ مفسرین فرماتے ہیں حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبل طلوع آفتاب اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مول لے کر آزاد فرمایا اور متبنّٰی بنایا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پھوپھی امیہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں حضرت زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نکاح کا پیغام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لئے خواستگاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہا کہ زید رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے طلب ہے انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یارسول اللہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی، اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی اسی بناپر انکار کیا، اس پر یہ آیہ کریمہ اتری، اسے سن کر دونوں بہن بھائی رضی اللہ تعالٰی عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہوگیا[3]"۔

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزوجل کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہوجائے خصوصًا جبکہ وہ اس کا کفو نہ ہو خصوصًا جبکہ عورت کی شرافت خاندان کواکب ثریا سے بھی بُلند و بالاتر ہو، بایں ہمہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دیا ہوا پیام نہ ماننے پر رب العزۃ جل جلالہ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرض الٰہ کے ترک پر فرمائے جاتے

---

[1] القرآن الکریم ۹/۲۹

[2] القرآن الکریم ۳۳/۳۶

[3] الجامع لاحکام القرآن (امام قرطبی) تحت الآیۃ ۳۳/۳۶ دارالکتاب العربی بیروت ۱۴/۱۶۵ والدر المنثور تحت الآیۃ ۳۳/۳۶ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶/۵۳۷ و ۵۳۸

اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا یعنی رسول جو بات تمہیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہوگئی مسلمانوں کو اس کے نہ ماننے کا اصلاً اختیار نہ رہا جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہوجائے گا دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہوجاتا ہے اگرچہ فی نفسہ خدا کا فرض نہ تھا ایک مباح و جائز امر تھا، ولہذا ائمہ دین خدا و رسول کے فرض میں فرق فرماتے ہیں کہ خدا کا کیا ہوا فرض اس فرض سے اقوی ہے جسے رسول نے فرض کیا ہے۔ اور ائمہ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سپرد ہیں جو بات چاہیں واجب کردیں جو چاہیں ناجائز فرمادیں، جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنٰی فرمادیں۔ امام عارف باللہ سید عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی میزان الشریعۃ الکبرٰی باب الوضو میں حضرت سیدی علی خواص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے نقل فرماتے ہیں:

کان الامام ابو حنیفة رضی اللہ تعالٰی عنه من اکثر الائمة ادبًا مع اللہ تعالٰی ولذٰلك لم یجعل النیة فرضا وسمی الوتر واجبًا لکونهما ثبتا بالسنة لابالکتاب فقصد بذٰلك تمییز مافرضه اللہ تعالٰی وتمییز ما اوجبه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فان مافرضه اللہ تعالٰی اشد مما فرضه رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من ذات نفسه حین خیّره اللہ تعالٰی ان یوجب ماشاء اولایوجب[1]۔	یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ عزوجل کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے اسی واسطے انہوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کیا اور وتر کا نام واجب رکھا، یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں نہ کہ قرآن عظیم سے، تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ تعالٰی کے فرض اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فرض میں فرق و تمیز کردیں اس لئے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اس سے زیادہ مؤکد ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے فرض کردیا جبکہ اللہ عزوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کردیں جسے نہ چاہیں نہ کریں۔

اس میں بارگاہ وحی و تفرع احکام کی تصویر دکھا کر فرمایا:

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی باب الوضو دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۱۴۷

کان الحق تعالٰی جعل له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یشرع من قبل نفسه ماشاء کما فی حدیث تحریم شجر مکة فان عمّه العباس رضی اللہ تعالٰی عنه لما قال له یارسول اللہ الا الاذخر فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا الاذخر ولو ان اللہ تعالٰی لم یجعل له ان یشرع من قبل نفسه لم یتجرّأ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یستثنی شیئامما حرمه اللہ تعالٰی[1]۔	یعنی حضرت عزت جل جلالہ نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ منصب دیا تھا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی طرف سے مقرر فرمادیں جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! گیاہ اذخر کو اس حکم سے نکال دیجئے۔ فرمایا: اچھا نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کردیا۔ اگر اللہ سبحانہ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہو تاکہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور ہر گز جراءت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنٰی فرمادیں۔

اقول: یہ مضمون متعدد احادیث صحیحہ میں ہے:

حدیث ۱: ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما صحیحین میں:

فقال العباس رضی اللہ تعالٰی عنه الا الاذخر لساغتنا وقبورنا، فقال الا الاذخر[2]۔	یعنی عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مگر اذخر کہ وہ ہمارے سناروں اور قبروں کے کام آتی ہے۔ فرمایا: مگر اذخر۔

حدیث ۲: ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نیز صحیحین میں:

قال رجل من قریش الا الاذخر	ایک مرد قریش نے عرض کی: مگر اذخر

---

[1] میزان الشریعة الکبرٰی فصل فی بیان جملة من الامثلة المحسوسة الخ دارالکتب العلمیة بیروت ۱/ ۶۰

[2] صحیح بخاری، کتاب العمرة، باب باب لاینفر صیدالحرم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴۷، صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم مکة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۸و۴۳۹

یارسول اللہ فانا نجعله فی بیوتنا وقبورنا۔فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا الاذخر الا الا ذخر[1]۔	یارسول اللہ کہ ہم اسے اپنے گھروں اور قبروں میں صَرف کرتے ہیں۔نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مگر اذخر مگر اذخر۔

حدیث ۳: صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سنن ابن ماجہ میں:

فقال العباس رضی اللہ تعالٰی عنه الا الا ذخر فانه للبیوت والقبور فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا الا ذخر[2]۔	عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: مگر اذخر کہ وہ گھروں اور قبروں کے لیے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا مگر اذخر۔

نیز میزان مبارک میں شریعت کی کئی قسمیں کیں، ایک وہ جس پر وحی وارد ہوئی،

الثانی ما اباح الحق تعالٰی لنبیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یسنه علی رایه هو کتحریم لبس الحریر علی الرجال وقوله فی حدیث تحریم مکة الا الا ذخر ولو لا ان اللہ تعالٰی کان یحرم جمیع نبات الحرم لم یستثن صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الاذخر ونحو حدیث لو لا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الی ثلث الیل و نحو حدیث لو قلت نعم لوجبت ولم تستطیعوا فی جواب من	یعنی شریعت کی دوسری قسم وہ ہے جو مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان کے رب عزوجل نے ماذون فرمادیا کہ خود اپنی رائے سے جو راہ چاہیں قائم فرمادیں، مردوں پر ریشم کا پہننا حضور نے اسی طور پر حرام فرمایا اور اسی حرمت مکہ سے گیاہِ اذخر کو استثناء فرمادیا۔اگر اللہ عزوجل نے مکہ معظّمہ کی ہر جڑی بوٹی کو حرام نہ کیا ہوتا تو حضور کو اذخر کے مستثنٰی فرمانے کی کیا حاجت ہوتی۔اور اسی قبیل سے ہے حضور کا ارشاد کہ اگر امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں عشاء کو تہائی رات تک ہٹا دیتا۔اور اسی باب سے ہے کہ جب حضور نے فرض حج بیان فرمایا کسی نے عرض کی: یارسول اللہ!

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کتابة العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲، صحیح مسلم کتاب الحج باب تحریم مکة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۳۹

[2] سنن ابن ماجه ابواب المناسك فضل المدینة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۱

قال له فی فریضة الحج اکل عام یارسول الله قال لا و لو قلت نعم لو جبت وقد کان صلی الله تعالٰی علیه و سلم یخفف علی امته وینهاهم عن کثرة السؤال و یقول اترکونی ماترکتم [1] اھ باختصار۔	کیا حج ہر سال فرض ہے؟ فرمایا: نہ، اور اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال فرض ہو جائے اور پھر تم سے نہ ہوسکے اور یہی وجہ ہے کہ حضور اپنی امت پر تخفیف وآسانی فرماتے اور مسائل زیادہ پوچھنے سے منع کرتے اور فرماتے ہیں مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں۔

اقول: یہ مضمون بھی کہ ''میں نماز عشا کو مؤخر فرمادیتا'' متعدد احادیث صحیحہ میں ہے۔

حدیث ۴: ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما معجم کبیر طبرانی میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لاخرت صلٰوة العتمة [2]۔	اگر ضعیف کے ضعف اور مریض کے مرض کا پاس نہ ہوتا تو میں نماز عشا کو پیچھے ہٹادیتا۔

حدیث ۵: ابی سعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ مسند احمد وسنن ابی داؤد وابن ماجہ وغیرہا میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لولا ضعف الضعیف وسقم السقیم وحاجة ذی الحاجة لاخرت هذه الصلٰوة الی شطر اللیل [3]۔ و رواه ابن ابی حاتم بلفظ لولا ان یثقل علی امتی لاخرت صلٰوة العشاء الی ثلث اللیل [4]۔	اگر کمزور کی ناتوانی اور بیمار کے مرض اور کامی کے کام کا خیال نہ ہوتا تو میں اس نماز کو آدھی رات تک موخر فرمادیتا۔ ابن ابی حاتم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا: اگر میں اپنی امت پر بوجھ محسوس نہ کرتا تو میں عشاء کو تہائی رات تک ہٹا دیتا۔ (ت)

[1] میزان الشریعة الکبرٰی فصل شریف فی بیان الذم من الائمة الخ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۶۷

[2] المعجم الکبیر عن عباس حدیث ۱۲۱۶۱ المکتبة الفیصلیة بیروت ۱۱/۴۰۹

[3] سنن ابی داود کتاب الصلٰوة باب وقت العشاء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۶۱، سنن ابن ماجة کتاب الصلٰوة باب وقت العشاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵۰، مسند احمد بن حنبل عن ابی سعید الخدری المکتب الاسلامی بیروت ۳/۵

[4]

حدیث ٦: ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ احمد وابن ماجہ ومحمد بن نصر کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لاخرت العشاء الٰی ثلث اللیل او نصف اللیل [1]۔	اگر اپنی امت کو مشقت میں ڈالنے کا لحاظ نہ ہوتا تو میں عشاء کو تہائی یا آدھی رات تک ہٹادیتا۔

واخرجه ابن جریر فقال الی نصف اللیل [2]۔ (ابن جریر نے روایت کیا، فرمایا: آدھی رات تک۔ت)

اور ان کے سوا احادیث صحیحہ عنقریب اسی معنٰی میں آتی ہیں ان شاء اللہ تعالٰی۔ نیز یہ مضمون کہ "میں ہاں فرمادوں تو حج ہر سال فرض ہوجائے" متعدد احادیث صحاح میں ہے۔

حدیث ۷: ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ **عند احمد ومسلم** [3] **والنسائی** (امام احمد، مسلم اور نسائی کے نزدیک۔ت)

حدیث ۸: امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاولو قلت نعم لوجبت۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجة [4]۔	ہر سال فرض نہیں اور میں ہاں کہہ دوں تو فرض ہوجائے۔ (اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ت)

---

[1] سنن ابن ماجة، کتاب الصلٰوۃ وقت العشاء آفتاب عالم پریس لاہور ص ۵۰، کنز العمال بحوالہ حم ومحمد بن نصر حدیث ۱۹۴۸۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۷/ ۳۹۹

[2]

[3] صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۳۲، سنن النسائی کتاب مناسك الحج باب وجوب الحج نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۱، مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۵۰۸

[4] سنن الترمذی کتاب الحج باب ماجاء کم فرض الحج حدیث ۸۱۴ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۰، سنن الترمذی کتاب التفسیر باب ومن سورۃ المائدۃ حدیث ۳۰۶۶ دار الفکر بیروت ۵/ ۴۰، سنن ابن ماجۃ ابواب المناسك باب فرض الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۳، مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۱۳

حدیث۹: ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

لوقلت نعم لو جبت ثم اذًا لاتسمعون ولا تطیعون۔ رواہ احمد[1] والدارمی والنسائی۔	میں ہاں فرمادوں تو فرض ہوجائے پھر تم نہ سنو نہ بجالاؤ۔ (اس کو احمد، دارمی اور نسائی نے روایت کیا۔ت)

حدیث۱۰: انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرمایا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے:

لو قلت نعم لوجبت ولو وجبت لم تقوموا بھاولولم تقوموا بھاعذبتم۔ رواہ ابن ماجۃ[2]۔	اگر میں ہاں فرمادوں تو واجب ہوجائے اور اگر واجب ہوجائے تو بجانہ لاؤ اور اگر بجانہ لاؤ تو عذاب کئے جاؤ (اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا۔ت)

اور مضمون اخیر کہ ''مجھے چھوڑے رہو'' یہ بھی صحیح مسلم وسنن نسائی میں اسی حدیث ابی ہریرہ کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم۔	اگر میں فرماتا ہاں، تو ہر سال واجب ہوجاتا اور بیشک تم نہ کرسکتے۔

پھر فرمایا:

ذرونی ماترکتم فانما ھلك من کان قبلکم بکثرۃ سؤالھم واختلافھم علی انبیآئھم فاذا امرتکم بشیئ فاتوا منہ مااستطعتم واذا نھیتکم	مجھے چھوڑے رہو جب تک میں تمہیں چھوڑوں کہ اگلی امتیں اسی کثرت سوال اور اپنے انبیاء کے خلاف مراد چلنے سے ہلاک ہوئیں تو جب میں تمہیں کسی بات کا حکم فرماؤں تو جتنی ہوسکے

[1] سنن النسائی کتاب مناسك الحج باب وجوب الحج نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۱، سنن الدارمی کتاب مناسك الحج باب کیف وجوب الحج دارالمحاسن للطباعۃ القاھرۃ ۲/ ۶۱، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۵

[2] سنن ابن ماجۃ ابواب المناسك باب فرض الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۳

عن شیئ فدعوہ۔رواہ ابن ماجہ [1] مفرداً۔	بجالاؤ اور جب بات سے منع فرماؤں تو اسے چھوڑدو۔(اس کو تنہا ابن ماجہ نے ہی روایت کیا۔ت)

یعنی جس بات میں میں تم پر وجوب یا حرمت کا حکم نہ کروں اسے کھود کھود کر نہ پوچھو کہ پھر واجب حرام کا حکم فرمادوں تو تم پر تنگی ہوجائے۔

یہاں سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جس بات کانہ حکم دیا نہ منع فرمایا وہ مباح وبلاحرج ہے۔وہابی اسی اصل اصیل سے جاہل ہوکر ہر جگہ پوچھتے ہیں خدا ورسول نے اس کا کہاں حکم دیا ہے۔ان احمقوں کو اتنا ہی جواب کافی ہے کہ خدا ورسول نے کہاں منع کیا ہے،جب حکم نہ دیا نہ منع کیا تو جواز رہا،تم جو ایسے کاموں کو منع کرتے ہو اللہ ورسول پر افترا کرتے بلکہ خود شارع بنتے ہو کہ شارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے منع کیا نہیں اور تم منع کررہے ہو۔مجلس میلاد مبارک وقیام وفاتحہ وسوم وغیرہا مسائل بدعت وہابیہ سب اسی اصل سے طے ہوجاتے ہیں۔اعلٰی حضرت حجۃ الخلف بقیۃ السلف خاتمۃ المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں اس کا بیان اعلٰی درجہ کا روشن فرمایا ہے۔فنور اللہ منزلہ واکرم عندہ نزلہ اٰمین۔امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

من خصائصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یخص من شاء بما شاء من الاحکام [2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے مستثنٰی فرمادیتے۔

علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا: علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا:من الاحکام وغیرھا۔کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں حضور جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں [3] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب فرض الحج مرۃ فی العمر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۳۲، سنن النسائی کتاب مناسك الحج باب وجوب الحج نور محمد کارخانہ کراچی ۲/۱، سنن ابن ماجۃ باب اتباع سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲

[2] المواہب اللدنیۃ المقصد الرابع الفصل الثانی المکتب الاسلامی بیروت ۲/۶۸۹

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الرابع دار المعرفۃ بیروت ۵/۳۲۲

امام جلیل جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے خصائص الکبرٰی شریف میں ایک باب وضع فرمایا:

باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بانہ یخص من شاء بما شاء من الاحکام [1]۔	باب اس بیان کا کہ خاص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

امام قسطلانی نے اس کی نظیر میں پانچ واقعے ذکر کئے اور امام سیوطی نے دس، پانچ وہ اور پانچ اور۔ فقیر نے ان زیادات سے تین واقعے ترک کردئے اور پندرہ اور بڑھائے، اور ان کی احادیث بتوفیق اللہ تعالٰی جمع کیں کہ جملہ بائیس ۲۲ واقعے ہوئے وللہ الحمد ان کی تفصیل اور ہر واقعے پر حدیث سے دلیل سنئے:

حدیث صحیحین ۱ میں براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ان کے ماموں ابو بردہ بن نیاز رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی تھی جب معلوم ہوا یہ کافی نہیں عرض کی: یارسول اللہ وہ تو میں کرچکا اب میرے پاس چھ ۶ مہینے کا بکری کا بچہ ہے مگر سال بھر والے سے اچھا ہے۔ فرمایا:

اجعلها مکانها ولن تجزی عن احد بعدك [2]۔	اس کی جگہ اسے کردو اور ہرگز اتنی عمر کی بکری تمھارے بعد دوسروں کی قربانی میں کافی نہ ہوگی۔

ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث کے نیچے ہے:

خصوصیۃ له لاتکون لغیرہ اذکان له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان یخص من شاء بما شاء من الاحکام [3]۔	یعنی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک خصوصیت ابوبردہ کو بخشی جس میں دوسرے کا حصہ نہیں اس لئے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب اختصاصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بانہ یخص من شاء الخ مرکز اہلسنت گجرات الہند ۲/ ۲۶۲

[2] صحیح البخاری کتاب العیدین باب الخطبۃ بعد العید قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۳۲، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب وقتہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۴

[3] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب العیدین حدیث ۹۶۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲/ ۶۵۷

نیز **حدیث**" صحیحین میں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو قربانی کے لئے جانور عطافرمائے ان کے حصے میں ششماہہ بکری آئی حضور سے حال عرض کیا۔ فرمایا: **ضَحِّ بِها**[1]۔ تم اسی کی قربانی کردو۔ سنن بیہقی میں بسند صحیح اتنااور زائد ہے:

ولارخصة فیھا لاحد بعدك[2]۔	تمہارے بعد اور کسی کے لیے اس میں رخصت نہیں۔

شیخ محقق اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں:

احکام مفوض بود بوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بر قول صحیح[3]۔	قول صحیح کے مطابق احکام حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سپرد تھے۔ (ت)

حدیث" صحیح مسلم میں ام عطیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے جب بیعت زنان کی آیت اتری اوراس میں ہرگناہ سے بچنے کی شرط تھی کہ **لایعصینك فی معروف**، اور مردے پر بین کرکے رونا چیخنا بھی گناہ تھا میں نے عرض کی:

یارسول اللہ الا اٰل فلان فانھم کانوا اسعدونی فی الجاھلیة فلابدلی من ان اسعدھم۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا اٰل فلان[4]۔	یارسول اللہ! فلاں گھروالوں کو استثناء فرمادیجئے کہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں میرے ساتھ ہو کر میری ایک میت پر نوحہ کیا تھا تو مجھے ان کی میت پر نوحے میں ان کا ساتھ دیناضروری ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اچھاوہ مستثنٰی کردئے۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب قسمۃ الاضاحی بین الناس قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۲، صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب سن الاضحیۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۵

[2] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الضحایا باب لایجزی الجذع الخ دار صادر بیروت ۹/ ۲۷۰، کنز العمال حدیث ۱۲۲۵۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۱۰۵

[3] اشعۃ اللمعات شرح المشکوٰۃ باب الاضحیۃ الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/ ۶۰۹

[4] صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی نہی النساء عن النیاحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۴

اور سنن نسائی میں ارشاد فرمایا: اذھبی فاسعدیھا۔ جا ان کا ساتھ دے آ۔
یہ گئیں اور وہاں نوحہ کرکے پھر واپس آکر بیعت کی[1]۔
ترمذی کی روایت میں ہے: فاذن لھا[2]۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں نوحہ کی اجازت دے دی۔
مسند احمد میں ہے، فرمایا: اذھبی فکافیھم[3]۔ جاؤ ان کا بدلہ اتار آؤ۔
امام نووی اس حدیث کے نیچے فرماتے ہیں یہ حضور نے خاص رخصت ام عطیہ کو دے دی تھی خاص آل فلاں کے بارے میں وللشارع ان یخص من العموم ماشاء[4]۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اختیار ہے کہ عام حکموں سے جو چاہے خاص فرمادیں۔
یہی مضمون **حدیث ۱۲** ابن مردویہ میں عبداللہ ابن عباس سے خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہما سے ہے:

انھا قالت یارسول اللہ کان ابی واخی ماتافی الجاھلیۃ و ان فلانۃ اسعدتنی وقدمات اخوھا الحدیث[5]۔	اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، زمانہ جاہلیت میں میرا باپ اور بھائی فوت ہوئے تو فلاں عورت نے میرا ساتھ دیا تھا اور اب اس کا بھائی فوت ہوا ہے۔(ت)

حدیث ۱۳: ترمذی میں اسماء بنت یزید انصاری رضی اللہ عنہا سے ہے انہوں نے بھی ایک نوحے کا بدلہ اتارنے کی اجازت مانگی حضور نے انکار فرمایا،

قالت فراجعتہ مرارا فاذن لی ثم لم انح بعد ذلك[6]۔	میں نے کئی بار حضور سے عرض کی، آخر حضور نے اجازت دے دی۔ پھر میں نے کہیں نوحہ نہ کیا۔

---

[1] سنن النسائی کتاب البیعۃ باب بیعۃ النساء نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۱۸۳
[2] سنن الترمذی کتاب التفسیر تحت الآیۃ ۶۰/ ۱۲ حدیث ۳۳۱۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۰۲
[3] مسند احمد بن حنبل ۶/ ۴۰۷ و ۴۰۸ والدر المنثور تحت الآیۃ ۶۰/ ۱۲ بیروت ۸/ ۱۳۳
[4] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الجنائز فصل فی نھی النساء عن النیاحۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۰۴
[5]
[6] سنن الترمذی کتاب التفسیر سورۃ الممتحنۃ حدیث ۳۳۱۸ دار الفکر بیروت ۵/ ۲۰۲

حدیث ۱۴: احمد طبرانی میں مصعب بن نوح سے ہے ایک بڑی بی عــــہ نے وقت بیعت نوحے کا بدلہ اتارے کا اذن چاہا، فرمایا:
اذھبی فکافیھم [1]۔ جاؤ عوض کر آؤ۔

اقول: فظاھر ان کلا رخصة تختص بصاحبتھا لا شرکة فیھا لغیرھا فلا ینکر بما ذکرنا علی قول النووی ان ھذا محمول علی الترخیص لام عطیة فی اٰل فلان خاصة وبمثلہ یندفع ما استشکلوا من التعارض فی حدیثی التضحیة لابی بردة وعقبة لاسیما مع زیادة البیھقی المذکورة فانہ حکم لاخبر ولاشك ان الشارع اذا خص ابابردة کان کل من سواہ داخلًا فی عموم عدم الاجزاء وکذا حین خص عقبة فصدق فی کل مرة لن تجزی احدًا بعد فافھم فقد خفی علی کثیر من الاعلام۔	میں کہتا ہوں ظاہر ہے کہ ہر رخصت صاحت رخصت کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ اس میں کسی غیر کی شرکت نہیں ہوتی۔ چنانچہ جو ہم نے ذکر کیا اس کی وجہ سے امام نووی کے قول کا انکار نہیں ہوتا کہ بیشک یہ بطور خاص آل فلاں کے بارے میں ام عطیہ کو رخصت دینے پر محمول ہے۔ اور اسکی مثل سے قربانی کے بارے میں ابوبردہ اور عقبہ کی حدیثوں میں واقع تعارض کا اشکال بھی مندفع ہو جاتا ہے خصوصًا اس زیادتی کے ساتھ جو بیہقی میں مذکور ہے کہ بیشک یہ حکم ہے خبر نہیں ہے اور اس میں شک نہیں کہ شارع علیہ السلام نے جب ابوبردہ کو مختص فرمایا تو ان کے ماسوا ہر ایک عدم اجزاء کے عموم میں داخل ہوگیا۔ اسی طرح جب عقبہ کو خاص فرما دیا تو ہر مرتبہ یہ بات صادق آئی کہ تیرے بعد ہر گز یہ کسی کے لیے کفایت نہیں کرے گا، تو سمجھ لے، تحقیق بہت سے علماء پر یہ بات مخفی رہی۔ (ت)

حدیث ۱۵: طبقات ابن سعد میں اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے جب ان کے

عــــہ: محتمل ہے کہ یہ بی بی ام عطیہ ہوں لہٰذا واقعہ جداگانہ نہ شمار ہوا ۱۲ منہ

[1] الدر المنثور بحوالہ احمد وغیرہ الآیة ۱۲/۶۰ دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۱۳۳

شوہر اول جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہ شہید ہوئے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

تسلبنی ثلثًا ثم اصنعی ماشئت [1]۔	تین دن سنگار سے الگ رہو پھر جو چاہو کرو۔

یہاں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو اس حکم عام سے استثناء فرمادیا کہ عورت کو شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ واجب ہے۔

حدیث ۱۶: ابن السکن میں ابو نعمان ازدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے، ایک شخص نے ایک عورت کو پیام نکاح دیا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: مہر دو۔ عرض کی: میرے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا:

اما تحسن سورۃ من القراٰن فاصدقھا السورۃ ولا یکون لاحدٍ بعدك مھرًا [2]۔ رواہ سعید بن منصور مختصرًا۔	کیا تجھے قرآن عظیم کی کوئی سورت نہیں آتی، وہ سورۃ سکھانا ہی اس کا مہر کر، اور تیرے بعد یہ مہر کسی اور کو کافی نہیں۔ (اس کو سعید بن منصور نے مختصراً روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۷: ابی داؤد ونسائی وطحاوی وابن ماجہ وخزیمہ میں عم عمارہ بن خزیمہ بن ثابت انصاری اور **حدیث** [۱۸] مصنف ابن ابی شیبہ وتاریخ بخاری ومسند ابی یعلٰی وصحیح ابن خزیمہ ومعجم کبیر طبرانی میں حضرت خزیمہ اور **حدیث** [۱۹] حارث بن اسامہ بن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا وہ بیچ کر مکر گیا اور گواہ مانگا، جو مسلمان آتا اعرابی کو جھڑکتا کہ خرابی ہو تیرے لئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حق کے سوا کیا فرمائیں گے (مگر گواہی نہیں دیتا کہ کسی کے سامنے کا واقعہ نہ تھا) اتنے میں خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ حاضر بارگاہ ہوئے گفتگو سن کر بولے: انا اشھد انك قد بایعتہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو نے حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہاتھ بیچا ہے۔

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر جعفر بن ابی طالب دار صادر بیروت ۴/ ۴۱، کنز العمال حدیث ۲۷۸۲۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۶۵۰

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۱۰۶۳۹ ابو النعمان الازدی دار الفکر بیروت ۶/ ۲۶۷

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: تم موجود تو تھے ہی نہیں تم نے گواہی کیسے دی؟ عرض کی:

بتصدیقك یارسول اللہ [1] (وفی الثانی) صدقتك بما جئت بہ وعلمت انك لاتقول الا حقا [2] (وفی الثالث) انا اصدقك علی خبر السماء والارض الا اصدقك علی الاعرابی [3]۔	یارسول اللہ! میں حضور کی تصدیق سے گواہی دے رہا ہوں میں حضور کے لائے ہوئے دین پر ایمان لایا ہوں اور یقین جانا کہ حضور حق ہی فرمائیں گے میں آسمان وزمین کی خبروں پر حضور کی تصدیق کرتا ہوں کیا اس اعرابی کے مقابلے میں تصدیق نہ کروں۔

اس کے انعام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیشہ ان کی گواہی دو مرد کی شہادت کے برابر فرمادی اور ارشاد فرمایا:

من شھد لہ خزیمۃ او شھد علیہ فحسبہ [4]۔	خزیمہ جس کسی کے نفع خواہ ضرر کی گواہی دیں ایک انہیں کی شہادت بس ہے۔

ان احادیث سے ثابت کہ حضور نے قرآن عظیم کے حکم عام "وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ" [5]۔ (اور اپنے میں دو ثقہ کو گواہ کرلو۔ ت) سے خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مستثنٰی فرمادیا۔

حدیث ۲۰: صحاح ستہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہ ایک شخص نے بارگاہ اقدس میں

[1] سنن ابی داؤد کتاب القضاء باب اذا علم الحاکم صدق الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۵۲ و شرح معانی الآثار کتاب القضاء والشہادات حدیث کفایۃ شہادۃ خزیمہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۳۱۰

[2] کنزالعمال بحوالہ ع حدیث ۳۷۰۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۳۷۹ والمعجم الکبیر حدیث ۳۷۳۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۸۷ واسد الغابۃ ترجمہ ۱۴۴۶ خزیمۃ بن ثابت دارالفکر بیروت ۱/ ۶۹۷

[3] کنزالعمال حدیث ۳۷۰۳۹ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/ ۳۸۰

[4] المعجم الکبیر عن خزیمہ حدیث ۳۷۳۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۴/ ۸۷ و کنزالعمال بحوالہ مسند ابی یعلٰی وغیرہ حدیث ۳۷۰۳۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۳۸۰، التاریخ الکبیر حدیث ۲۳۸ دار الباز للنشر والتوزیع مکۃ المکرمۃ ۱/ ۸۷

[5] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔فرمایا: کیا ہے؟عرض کی: میں نے رمضان میں اپنی عورت سے نزدیکی کی۔فرمایا:غلام آزاد کرسکتا ہے؟ عرض کی:نہ فرمایا:لگاتار دو مہینے کے روزے رکھ سکتا ہے؟عرض کی:نہ۔فرمایا:ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاسکتا ہے؟عرض کی:نہ۔اتنے میں خرمے خدمت اقدس میں لائے گئے حضور نے فرمایا:انہیں خیرات کر دے۔عرض کی:اپنے سے زیادہ کسی محتاج پر؟ مدینے بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں۔

فضحك النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حتی بدت نواجذہ وقال اذهب فاطعمه اهلک [1]۔	رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ سن کر ہنسے یہاں تک کہ دندان مبارک ظاہر ہوئے،اور فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

مسلمانو!گناہ کا ایسا کفارہ کسی نے بھی نہ سنا ہوگا سوا دو من خرمے سرکار سے عطا ہوتے ہیں کہ آپ کھالو، کفارہ ہوگیا۔واللہ!یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ رحمت ہے کہ سزا کو انعام سے بدل دے،ہاں ہاں یہ بارگاہ بیکس پناہ" فَاُولٰٓىِٕكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍؕ " [2] (تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ بھلائیوں سے بدل دے گا۔ت) کی

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم باب اذا جامع فی رمضان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۵۹،صحیح البخاری کتاب الهبة باب اذا وهب هبة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۴،صحیح مسلم کتاب الصیام باب تغلیظ تحریم الجماع فی نهار الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۴،سنن الترمذی کتاب الصوم باب ماجاء فی کفارۃ الفطر الخ حدیث ۷۲۴ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۷۵،سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب کفارة من اتی اهله فی رمضان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲۵،سنن ابن ماجة ابواب ماجاء فی الصیام باب ماجاء فی کفارة من افطر الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۱،مسند احمد بن حنبل عن ابی هریرة رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۴۱و۲۸۱،مسند الدارمی کتاب الصیام باب الذی یقع علی امرأته فی شهر رمضان دار المحاسن للطباعة قاہرہ ۱/ ۳۴۳و۳۴۴،سنن الدارقطنی کتاب الصیام باب القبلة للصائم حدیث ۲۲/ ۴۹تا ۲۷ دار المعرفة بیروت ۲/ ۴۱۰و ۴۰۹،سنن الدارقطنی کتاب الصیام باب القبلة للصائم حدیث ۲۲/ ۲۳۶۳تا ۲۷/ ۲۳۶۸ دار المعرفة بیروت ۲/ ۴۳۶تا ۴۴۱،السنن الکبرٰی کتاب الصیام باب کفارة من اتی اهله فی نهار رمضان دار صادر بیروت ۴/ ۲۲۱و ۲۲۲

[2] القرآن الکریم ۲۵/ ۷۰

خلافت کبرٰی ہے، ان کی ایک نگاہ کرم کبائر کو حسنات کردیتی ہے جب تو ارحم الراحمین جل جلالہ نے گناہگاروں، خطاواروں، تباہ کاروں کو ان کا دروازہ بتایا کہ:

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ" الاٰیة[1]۔	گناہگار تیرے دربار میں حاضر ہو کر معافی چاہیں اور تو شفاعت فرمائے تو خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

والحمدللّٰہ رب العٰلمین۔

یہی مضمون **حدیث ۲۱** مسلم میں ام المومنین صدیقہ[2] رضی اللہ تعالٰی عنہا اور **حدیث ۲۲** مسند بزار و معجم اوسط طبرانی میں عبداللہ بن عمر[3] رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے۔

حدیث ۲۳: دارقطنی میں مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے ہے، ارشاد فرمایا:

کل انت وعیالك فقد کفر اللّٰه عنك[4]۔	تو اور تیرے اہل وعیال یہ خُرمے کھالیں کہ اللہ تعالٰی نے تیری طرف سے کفارہ ادا کردیا۔

ہدایہ میں ہے، فرمایا:

کل انت و یالك تجزئك ولا تجزئی احدا بعدك[5]۔	تو اور تیرے بچے کھالیں تجھے کفارے سے کفایت کرے گا اور تیرے بعد اور کسی کو کافی نہ ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں امام شہاب زہری تابعی سے ہے:

انما کان ھٰذہ رخصة له خاصة ولو ان رجلا فعل ذٰلك الیوم لم یکن له بد من التکفیر[6]۔	یہ خاص اسی شخص کے لئے رحمت تھی آج کوئی ایسا کرے تو کفارہ سے چارہ نہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۴

[2] صحیح مسلم کتاب الصیام باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۵

[3] مجمع الزوائد بحوالہ ابو یعلٰی کتاب الصیام باب فی من افطر الخ دار الکتاب بیروت ۳/ ۱۶۷ و ۱۶۸

[4] سنن الدار قطنی کتاب الصیام باب السواك للصائم حدیث ۲۳۶۱/ ۲۱ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۴۳۸

[5] الہدایۃ کتاب الصوم باب مایوجب القضاء والکفارۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/ ۲۰۰

[6] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب من اتی اہلہ فی رمضان آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۲۵

امام جلال الدین سیوطی وغیرہ علماء نے بھی اسے خصائص مذکورہ سے گنا وفی الحدیث وجوہ اخر۔

حدیث ۲۴: صحیح مسلم وسنن نسائی وابن ماجہ ومسند امام احمد میں زینت بنت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا ابوحذیفہ کی بی بی رضی اللہ تعالٰی عنہما نے عرض کی: یارسول اللہ! سالم (غلام آزاد کردہ ابو حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہما) میرے سامنے آتا جاتا ہے اووہ جوان ہے ابوحذیفہ کو یہ ناگوار ہے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: **ارضعیہ حتی یدخل علیك** تم اسے دودھ پلادو کہ بے پردہ تمہارے پاس آنا جائز ہوجائے۔ ام المومنین ام سلمہ وغیرہا باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن نے فرمایا:

مانری هٰذہ الا رخصة ارخصها رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لسالم خاصة[1]۔	ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ یہ رخصت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خاص سالم کے لیے فرمادی تھی۔

حدیث ۲۵: ابن سعد وحاکم میں بطریق عمرہ بنت عبدالرحمٰن خود سہلہ زوجہ ابی حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مضمون مذکور، مروی کہ انہوں نے جب حال سالم عرض کیا **فامرھا ان ترضعیه**[2] حضور نے دودھ پلادینے کا حکم فرمایا، انہوں نے دودھ پلا دیا اور سالم اس وقت مرد جوان تھے جنگ بدر میں شریک ہوچکے تھے۔ جوان آدمی کو اول تو عورت کا دودھ پینا ہی کب حلال ہے پیئے تو اس سے پسر رضاعی نہیں ہوسکتا مگر حضور نے ان حکموں سے سالم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو مستثنٰی فرمادیا۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع فصل رضاعة الکبیر قدیمی کتب خانہ کراچی ۴۶۹/۱، سنن النسائی کتاب النکاح باب رضاع الکبیر نور محمد کارخانہ کراچی ۸۳/۲، سنن ابن ماجه ابواب النکاح باب رضاع الکبیر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۴۱، مسند احمد بن حنبل عن عائشه رضی اللہ عنها المکتب الاسلامی بیروت ۳۹/۶و۲۴۹و۲۷۴، مسند احمد بن حنبل حدیث سهلة امرأة حذیفه رضی اللہ عنها المکتب الاسلامی بیروت ۳۵۶/۶

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر سالم مولٰی ابی حذیفه دارصادر بیروت ۸۶/۳و۸۷، المستدرك للحاکم کتاب معرفة الصحابة الرضاع فی الکبیر الخ دارالفکر بیروت ۶۱/۴

حدیث ۲۶: صحاح ستہ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رخص لعبد الرحمن بن عوفٍ والزبیر فی لبس الحریر لحکمۃ کانت بھما[1]۔	یعنی عبدالرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام رضی اللہ تعالٰی عنہما کے بدن میں خشک خارش تھی حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ریشمی کپڑے پہننے کی اجازت دے دی۔

حدیث ۲۷: ترمذی وابو یعلٰی وبیہقی میں ابو سعید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے فرمایا:

یا علی لایحل لاحد ان یجنب فی ھٰذا المسجد غیری وغیرك[2]۔	اے علی! میرے اور تمہارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں بحال جنابت داخل ہو۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے[3]۔

حدیث ۲۸: مستدرک حاکم میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: علی کو تین باتیں وہ دی گئیں کہ ان میں سے میرے لئے ایک ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیاری تھی۔ (سرخ اونٹ عزیز ترین اموال عرب ہیں) کسی نے کہا: امیر الومنین! وہ کیا ہیں؟ فرمایا: دختر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے

---

[1] صحیح البخاری کتاب اللباس باب مایرخص للرجال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۸۶۸/۲، صحیح مسلم کتاب اللباس باب اباحۃ لبس الحریر للرجال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۳/۲، سنن ابی داؤد کتاب اللباس باب لبس الحریر لعذر آفتاب عالم پریس لاہور ۲۰۵/۲، سنن ابن ماجۃ کتاب اللباس باب من رخص لہ فی لبس الحریر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۶۵، سنن النسائی کتاب الزینۃ باب الرخصۃ فی لبس الحریر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲۹۷/۲، مسند احمد بن حنبل عن انس المکتب الاسلامی بیروت ۱۲۲، ۱۲۷، ۱۹۲، ۲۱۵، ۲۵۲، ۲۵۵

[2] سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علی ابن ابی طالب دارالفکر بیروت ۴۰۸/۵، مسند ابن یعلٰی عن ابی سعید الخدری حدیث ۱۰۳۸ مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱۳/۲، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب النکاح باب دخولہ المسجد جنباً دار صادر بیروت ۶۶/۷

[3] سنن الترمذی کتاب المناقب حدیث ۳۷۴۸ دارالفکر بیروت ۴۰۹/۵

شادی وسکناہ المسجد مع رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یحل لہ مایحل لہ اوران کامسجد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ رہنا کہ انہیں مسجد میں روا تھا جو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو روا تھا (یعنی بحالت جنابت رہنا) اور روز خیبر کا نشان[1]۔

حدیث ۲۹: معجم کبیر طبرانی وسنن بیہقی وتاریخ ابن عساکر میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا ان ھذا المسجد لایحل لجنب ولالحائض الا للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وازواجہ وفاطمۃ بنت محمد وعلی الا بینت لکم ان تضلوا۔ھذا روایۃ الطبرانی[2]۔	سن لو یہ مسجد کسی جنب کو حلال نہیں ہے نہ کسی حائض کو، مگر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور حضور کی ازواج مطہرات وحضرت بتول زہرا اور مولا علی کو، صلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیہم وسلم۔ سن لو میں نے تم سے صاف بیان فرمادیا کہ کہیں بہک نہ جاؤ (یہ طبرانی کی روایت ہے۔ت)

حدیث ۳۰: صحیحین میں براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

نھانا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن خاتم الذھب[3]۔	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

بایں ہمہ خود براء رضی اللہ تعالٰی عنہ انگشتری طلائی پہنتے۔ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح ابواسحٰق اسفرائنی سے روایت کی:

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ سدوا ھذہ الابواب الاباب علی دارالفکر بیروت ۳/ ۱۲۵

[2] المعجم الکبیر عن ام سلمۃ رضی اللہ عنہا حدیث ۸۸۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۳/ ۳۷۴،السنن الکبیر کتاب النکاح باب دخولہ المسجد جنبا دارصادر بیروت ۷/ ۶۵،تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۰۲۹علی ابن ابی طالب داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۵/ ۱۰۸

[3] صحیح مسلم کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذھب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۸۸،صحیح البخاری کتاب اللباس باب خواتیم الذھب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۷۱

قال رأیت علی البراء خاتما من ذھب [1]۔وروی نحوہ البغوی فی الجعدیات عن شعبۃ عن ابی اسحٰق۔	فرمایا: میں نے براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا۔(ایسے ہی بغوی نے جعدیات میں شعبہ سے انہوں نے ابی اسحٰق سے روایت کیا۔ت)

امام احمد مسند میں فرماتے ہیں:

حدثنا ابو عبدالرحمٰن ثنا ابورجاء ثنا محمد بن مالك قال رأیت علی البراء خاتمًا من ذھبٍ وکان الناس یقولون لہ لم تختم بالذھب وقد نھٰی عنہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبین یدیہ غنیمۃ یقسمھا سبی وخرثی قال فقسمھا حتی بقی ھذا الخاتم فرفع طرفہ فنظر الی اصحابہ ثم خفض ثم رفع طرفہ،ثم خفض ثم طرفہ،فنظر الیھم قال ای براء فجئتہ حتی قعدت بین یدیہ فاخذ الخاتم فقبض علی کرسوعی ثم قال خذ البس ما کساك اللہ ورسولہ [2]۔	یعنی محمد بن مالک نے کہا میں نے براء رضی اللہ تعالٰی عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا لوگ ان سے کہتے تھے آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں حالانکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے۔براء رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے حضور کے سامنے اموال غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے حضور تقسیم فرمارہے تھے سب اونٹ بانٹ چکے یہ انگوٹھی باقی رہ گئی حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کرام کو دیکھا پھر نگاہ نیچی کرلی پھر نظر اٹھا کر ملاحظہ فرمایا پھر نگاہ نیچی کرلی پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا اے براء! میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی،پھر فرمایا پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

براء رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے: تم لوگ کیونکر مجھے کہتے ہو کہ میں وہ چیز اتار ڈالوں جسے مصطفٰی صلی اللہ

[1] المصنف لابن ابی شیبۃ کتاب اللباس الخ نمبر ۶۲ حدیث ۲۵۱۴۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۵/ ۱۹۵

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث البراء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۹۴

تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ لے پہن لے جو کچھ اللہ ورسول نے پہنایا، جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم۔

حدیث۳۱: دلائل النبوۃ بیہقی میں بطریق الحسن مروی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

کیف بك اذا لبست سواری کسرٰی۔	وہ وقت تیرا کیسا وقت ہوگا جب تجھے کسرٰی بادشاہ ایران کے کنگن پہنائے جائیں گے۔

جب ایران زمانہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فتح ہوا اور کسرٰی کے کنگن، کمر بند، تاج خدمت وفاروقی میں حاضر کئے گئے امیر المومنین نے انہیں پہنائے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا:

اللہ اکبر الحمدللہ الذی سلبھما کسرٰی بن ھرمز و البسھما سراقۃ الاعرابی[1]۔ قال العلامۃ الزرقانی لیس فی ھذا استعمال الذھب و ھو حرام لانہ انما فعلہ تحقیقا لمعجزۃ الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من غیر ان یقرھما فانہ روی انہ امرہ فنزعھما وجعلھما فی الغنیمۃ ومثل ھذا لایعد استعمالا[2]۔ **اقول:** رحمك اللہ من فاضل کبیر الشان انما المعجزۃ	اللہ بہت بڑا ہے سب خوبیاں اللہ کو جس نے یہ کنگن کسرٰی بن ہرمز سے چھینے اور سراقہ دہقانی کو پہنائے۔ علامہ زرقانی نے فرمایا اس سے سونے کو استعمال کرنا لازم نہیں آیا حالانکہ وہ حرام ہے، کیونکہ امیر المومنین کا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزہ کی تحقیق کے لئے تھا، اس فعل کو برقرار نہیں رکھا۔ مروی ہے کہ آپ نے سراقہ کو حکم دیا انہوں نے وہ کنگن اتار دیئے اور آپ نے انہیں مال غنیمت میں شامل فرمادیا اور اس کو استعمال شمار نہیں کیا جاتا۔ **میں کہتا ہوں** اے فاضل کبیر الشان، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے، معجزہ تو رسول اللہ صلی اللہ

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی باب قول اللہ عزوجل وعداللہ الذین اٰمنوا الخ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/۳۲۵و۳۲۶

[2] شرح الزرقانی علی المواہب المقصد الثامن الفصل الثالث دارالمعرفۃ بیروت ۷/۲۰۸

اخبارہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بانہ سواری کسرٰی فانما تحقیقا بلبسہ وانما حرام اللبس ومن شرط الحرمۃ اللبث فالو اضح ماجنحت الیہ من ان ھذا ترخیص وتخصیص من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لسراقۃ ولم یکن فی الحدیث مایدل علی التملیك ففعل امیر المومنین ما ارشد الیہ الحدیث ثم ردھما مردّھما۔	تعالٰی علیہ وسلم کا اس بات کی خبر دینا ہے کہ سراقہ کسرٰی کے کنگن پہنے گا۔ چنانچہ اس کا تحقق توان کے کنگن پہننے سے ہوگیا، اور بے شک حرام پہننا ہے اور حرمت کی شرط لبث ہے۔ پس واضح ہے کہ یہ سراقہ کے لئے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف رخصت و تخصیص ہے۔ اور حدیث میں تملیک پر دلالت نہیں چنانچہ امیر المومنین نے وہ کام کای جس کی طرف حدیث نے راہنمائی فرمائی، پھر ان کنگنوں کو ان کی جگہ کی طرف لوٹادیا۔ (ت)

حدیث ۳۲: طبقات ابن سعد میں منذر ثوری سے ہے امیر المومنین علی وحضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہما میں کچھ گفتگو ہوئی طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کہا آپ نے (اپنے بیٹے محمد بن حنفیہّ ابوالقاسم) کا نام بھی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پر رکھا اور کنیت عـــہ بھی حضور کی، حالانکہ سید عالم صلی اللہ

عـــہ: شیخ محقق اشعۃ للمعات میں فرماتے ہیں:

علماء رادریں مسئلہ اقوال ست وقول صواب ازیں مقالات آنست کہ تسمیہ بنام شریف وے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جائز بلکہ مستحب ست وتکنی بکنیت وے اگرچہ بعد از زمان قوی تر وسخت تر بود و ہمچنیں جمع کردن میان نام وکنیت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ممنوع بطریق اولٰی وآنکہ علی مرتضٰی کرد مخصوص بود بوے رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیر او را جائز نبود [1] اھ لکن فی	اس مسئلہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، درست قول اس سلسلہ میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نام پر نام رکھنا جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور آپ کی کنیت کے ساتھ کنیت رکھنا اگرچہ آپ کے وصال کے بعد ہو سخت منع ہے اور اسی طرح آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرنا بطریق اولٰی ممنوع ہے۔ اور وہ جو حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا ہے وہ انکی خصوصیت ہے، انکے غیر کو ایسا کرنا جائز نہیں اھ۔ (باقی برصفحہ آیندہ)

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب الاسامی الفصل الاول مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۵-۴۴

تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے جمع کرنے سے منع فرمایا ہے امیر المومنین کرم اللہ تعالٰی وجہہ نے ایک جماعت قریش کو بلا کر گواہی دلوائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین سے ارشاد فرمایا تھا:

سیولد لك بعدی غلام فقد نحلته اسمی و کنیتی ولا نحل لاحدٍ من امتی بعدہ۔	عنقریب میرے بعد تمہارے ہاں ایک لڑکا ہوگا میں نے اسے اپنے نام و کنیت دونوں عطافرمادئے اور اس کے بعد میرے کسی اور امتی کو حلال نہیں۔

مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ فرماتے ہیں:

قلت یارسول اللہ ان ولد لی	میں نے عرض کی: یارسول اللہ! حضور کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

التنویر من کان اسمه محمد لاباس بان یکنی اباالقاسم اھ[1]۔وعلله فی الدر[2]۔بنسخ النهی محتجا بفعل علی رضی الله تعالٰی عنه۔

لیکن تنویر میں ہے کہ جس کا نام محمد ہو اس کے لیے ابوالقاسم کنیت رکھنے میں کوئی حرج نہیں اھ اور در میں نسخ نہی کے ساتھ اسکی علت بیان کی گئی حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فعل سے استدلال کرتے ہوئے۔

اقول: وکیف یفید النسخ مع نص الحدیث نفسه ان ذٰلك کان رخصة من النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم لعلی کرم الله تعالٰی وجهه کما سیأتی والمرام یحتاج الی زیادة تحری لایرخص فیه غرابة المقام والله تعالٰی اعلم ۱۲منه۔

میں کہتا ہوں کہ کیسے مفید ہے نسخ خود نص حدیث کے ہوتے ہوئے کہ بیشک یہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لیے رخصت ہے جیسا کہ عنقریب آئیگا۔ اگرچہ مقصود زیادہ تفصیل کا مقتضی ہے مگر غرابت اس مقام کی اجازت نہیں دیتی۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۵۲

ولد بعد اُسَمِّیه باسم واکنیه بکنتك فقل نعم۔ فکانت رخصة من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه و سلم لعلی [1]۔ احمد و ابو داود [2] والترمذی وصحح و ابو یعلی والحاکم فی الکنٰی والطحاوی والحاکم فی المستدرك والبیهقی فی السنن والضیاء فی المختارة عنه رضی الله تعالٰی عنه۔	بعد اگر میرے کوئی لڑکا پیدا ہوا تو میں حضور کا نام پاک اس کا نام رکھوں اور حضور کی کنیت اس کی کنیت۔ فرمایا: ہاں۔ یہ مولٰی علی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رخصت تھی۔ (امام احمد وابوداؤد وترمذی نے اسے روایت کیا اور اس کی تصحیح کی۔ اور ابویعلٰی وحاکم نے کنٰی میں اور طحاوی اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن میں اور ضیاء نے مختارہ میں مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۳۳: صحیح بخاری وترمذی ومسند احمد بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے غزوہ بدر میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم زوجہ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما بیمار تھیں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ میں شاہزادی کی تیمارداری کے لیے ٹھہرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

ان لك اجر رجل من شهد	بیشک تمہارے لئے حاضران بدر کے برابر ثواب

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ومن هذه الطبقة ممن روی عن عثمان وعلی الخ دار صادر بیروت ۹۱/۵و۹۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن علی رضی الله عنه المکتب الاسلامی بیروت ۹۵/۱، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الرخصة فی الجمع بینهما آفتاب عالم پریس ۳۲۳/۲، سنن الترمذی کتاب الادب باب ماجاء فی کراهیة الجمع بین الاسم النبی وکنیه حدیث ۲۸۵۲ دار الفکر بیروت ۳۸۴/۴، المستدرك للحاکم کتاب الادب قول النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم تسموا باسمی ولاتکنوا بکنیتی دار الفکر بیروت ۲۷۸/۴، السنن الکبرٰی کتاب الضحایا باب ماجاء من الرخصة الخ دار اصادر بیروت ۳۰۹/۹، شرح معانی الآثار کتاب الکراهیة باب التکنی بابی القاسم الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳۳۲/۲، مسند ابو یعلٰی عن علی رضی الله عنه حدیث ۲۹۸ مؤسسة علوم القرآن بیروت ۱۸۴/۱، الضیاء المختارة ۳۴۳/۲

بدرًا او سهمه[1]،	اور حاضری کے مثل غنیمت کا حصہ ہے۔

یہ خصوصیت حضرت عثمان کو عطا فرمادی حالانکہ جو حاضر جہاد نہ ہو غنیمت میں اس کا حصہ نہیں۔ سنن ابوداؤد میں انہیں سے ہے:

فضرب له، رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بسهم ولم یضرب لاحدٍ غاب غیره[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لیے حصہ مقرر فرمایا اور ان کے سوا کسی غیر حاضر کو حصہ نہ دیا۔

حدیث آئندہ کتاب الفتوح میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یمن پر صوبہ دار کرکے بھیجا ان سے ارشاد فرمایا: میں نے تمہارے لئے رعایا کے ہدایا طیب کردئے اگر کوئی چیز تمہیں ہدیہ دی جائے قبول کر لو۔ عبید بن صخر کہتے ہیں جب معاذ رضی اللہ تعالٰی عنہ واپس آئے تیس غلام لائے کہ انہیں ہدیہ دیے گئے، حالانکہ عاملوں کو رعایا سے ہدیہ لینا حرام ہے[3]۔

مسند ابویعلٰی میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

هدایا العمال حرام کلها[4]۔	عاملوں کے سب ہدئے حرام ہیں۔

مسند احمد وسنن بیہقی میں اب وحمدی ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مناقب عثمان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۲۳، سنن الترمذی کتاب المناقب باب عثمان بن عفان حدیث ۳۷۲۶ دار الفکر بیروت ۵/۳۹۵، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۱۰۱

[2] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی من جاء بعد الغنیمۃ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۱۸

[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ سیف فی الفتوح ترجمہ ۸۰۳۷ معاذ بن جبل دار الفکر بیروت ۵/۱۵۴

[4] کنز العمال بحوالہ عن عن حذیفہ حدیث ۱۵۰۶۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۱۱۲

ھدایا العمال غلول [1]۔	عاملوں کے ہدیے خیانت ہیں۔

حدیث ۳۴: صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے کہ ایک شخص (یعنی حبان بن منقذ بن عمرو انصاری یا ان کے والد منقذ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے) سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ میں فریب کھا جاتا ہوں (یعنی لوگ مجھ سے زیادہ قیمت لے لیتے ہیں) فرمایا:

من بایعت فقل لاخلابة [2]۔ زاد الحمیدی فی مسندہ ثم انت بالخیار ثلثا [3]۔	جس سے خریداری کرو کہہ دیا کرو فریب کی نہیں سہی۔ حمیدی نے اپنی مسند میں اتنا اضافہ کیا: پھر تمہیں تین دن تک اختیار ہے (اگر ناموافق پاؤ بیع رد کردو)

یہی مضمون **حدیث ۳۵** سنن اربعہ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے وذکر قصةً ولم یذکر الزیادة (قصے کا ذکر کیا گیا اور زیادتی کا ذکر نہ کیا گیا۔ت)

امام نووی شرح مسلم شریف میں فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ وامام شافعی اور روایت اصح میں امام مالک وغیرہم ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کے نزدیک غبن باعث خیار نہیں کتنا ہی غبن کھائے بیع کو رد نہیں کرسکتا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس حکم سے خاص انہیں کو نوازا تھا اوروں کے لیے نہیں، یہی قول صحیح ہے [4]۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ابی حمید الساعدی المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۴/۵، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب آداب القاضی باب لایقبل منه هدية دار صادر بیروت ۱۳۸/۱۰، کنز العمال حدیث ۱۵۰۶۷ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۱۱/۶

[2] صحیح البخاری کتاب البیوع باب مایکرہ الخداع فی البیع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۸۴/۱، صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض باب ماینھی عن اضاعة المال قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲۴/۱، صحیح البخاری فی الخصومات باب من رد امر السفیہ والضعیف العقل قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۲۵/۱، صحیح مسلم کتاب البیوع باب من یخدع فی البیع قدیمی کتب خانہ کراچی ۷/۲، کنز العمال عن عبداللہ بن عمر حدیث ۹۹۶۲ مؤسسة الرسالہ بیروت ۱۵۵/۴

[3] المصنف لابن ابی شیبہ کتاب الرد علی ابی حنیفہ حدیث ۳۷۳۱۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳۰۵/۷، مسندی حمیدی ۴۷/۲

[4] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب البیوع باب من یخدع فی البیع قدیمی کتب خانہ کراچی ۷/۲

حدیث ۳۶: مشہور میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نماز عصر کے بعد نماز سے ممانعت فرمائی۔

فیہ عن عمر وعن ابی ھریرۃ وعن ابی سعید ن الخدری کلھا فی الصحیحین[1] وعن معاویۃ فی صحیح البخاری[2] وعن عمرو بن عنبسۃ فی صحیح مسلم[3] رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	اس بارے میں حضرت عمر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری سے صحیحین میں مروی ہے اور حضرت معاویہ سے صحیح بخاری میں اور حضرت عمرو بن عنبسہ سے صحیح مسلم میں مروی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ت)۔

خود ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بھی اس ممانعت کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں رواہ ابو داؤد فی سننہ[4] (ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس کو روایت کیا۔ت) باینہمہ ام المومنین عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتیں:

رواہ الشیخان عن کریب عن ابن عباس وعبد الرحمن بن ازھر والمسور بن مخرمۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم انھم ارسلوہ الی عائشۃ زوج النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالوا اقرء علیھا السلام منا جمیعا وسلھا عن الرکعتین بعد العصر وقل لھا بلغنا انک تصلینھما وان رسول اللہ صلی اللہ	اس کو بخاری و مسلم نے بحوالہ کریب حضرت ابن عباس بن عبدالرحمٰن بن ازھر اور مسور بن مخرمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا،ان تینوں نے کریب کو ام المومنین زوجہ رسول سیدہ عائشہ صدیقہ کے پاس بھیجا کہ انہیں ہمارا سلام کہیں اوران سے نماز عصر کے بعد والی دو رکعتوں کے بارے میں پوچھو اوران سے عرض کرو کہ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ وہ پڑھتی ہیں حالانکہ رسول اللہ

[1] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ بعد الفجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲، صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب لا تتحری الصلٰوۃ قبل غروب الشمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۲، صحیح البخاری، کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب من یکرہ الصلٰوۃ الا بعد العصر والفجر قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۳، صحیح مسلم کتاب صلٰوۃ المسافرین باب الاوقات التی نھی عن الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۵

[2] صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب لا تتحری الصلٰوۃ بعد غروب الشمس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۳

[3] صحیح مسلم کتاب المسافرین باب الاوقات التی نھی عن الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۶

[4] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ باب الصلٰوۃ بعد العصر آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۸۱

تعالٰی علیہ وسلم نھٰی عنھما[1]۔	صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے۔(ت)

علماء فرماتے ہیں یہ ام المومنین کی خصوصیت تھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے لئے جائز کر دیا تھا۔

قالہ الامام الجلیل خاتم الحفاظ السیوطی فی انموزج اللبیب ثم الزرقانی فی شرح المواھب[2]۔	امام جلیل خاتم الحفاظ سیوطی علیہ الرحمۃ نے انموذج اللبیب میں پھر زرقانی نے شرح المواھب میں بیان کیا۔(ت)

حدیث ۳۷: صحیحین ومسند احمد وسنن نسائی وصحیح ابن حبان میں ام المومنین صدیقہ[3] اور **حدیث ۳۸** احمد ومسلم وابو داؤد و ترمذی ونسائی وابن ماجہ وابن حبان میں حضرت عبداللہ بن عباس[4] اور **حدیث ۳۹**

www.dawateislami.net
Majlis of Dawateislami

---

[1] صحیح البخاری کتاب التہجد باب اذا کلم وھو یصلی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۶۴و۱۶۵، صحیح مسلم کتاب صلٰوۃ المسافرین باب الاوقات ان نھی عن الصلٰوۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۷، مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ متفق علیہ کتاب الصلٰوۃ باب اوقات النھی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۹۴

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب الاکفاء فی الدین قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۶۲، صحیح مسلم کتاب الحج باب اشتراط المحرم التحلل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۵، مسند احمد بن حنبل عن عائشہ رضی اللہ عنھا المکتب الاسلامی بیروت ۶/۲۰۲، سنن النسائی کتاب مناسك الحج الاشتراط فی الحج نور محمد کارخانہ کراچی ۲/۱۹، موارد الظمآن کتاب الحج باب الاشتراط فی الاحرام حدیث ۹۷۳ المطبعۃ السلفیہ ص ۲۴۲

[4] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۳۳۷، صحیح سملم کتاب الحج باب اشتراط المحرم التحلل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۸۵، سنن الترمذی کتاب الحج حدیث ۹۴۹ دار الفکر بیروت ۲/۲۷۸، سنن ابی داؤد کتاب المناسك باب الاشتراط فی الحج آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۴۷، سنن النسائی کتاب مناسك الحج الاشتراط فی الحج نور محمد کارخانہ کراچی ۲/۱۹، سنن ابن ماجۃ ابواب المناسك باب الشرط فی الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۷

احمد وابن ماجہ وابن خزیمہ وابونعیم وبیہقی میں ضباعہ [1] بنت زبیر اور حدیث ۴۰ بیہقی وابن مندہ میں بطریق ہشام عن ابی الزبیر حضرت جابر بن عبداللہ [2] اور حدیث ۴۱ احمد وابن ماجہ وطبرانی میں جدہ [3] ابی بکر بن عبداللہ بن زبیر یعنی اسماء بنت صدیق یا سعدی بنت عوف اور حدیث طبرانی میں حضرت عبداللہ [4] بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی چچازاد بہن ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا: حج کا ارادہ ہے؟ عرض کی: یارسول اللہ! واللہ میں تو اپنے آپ کو بیمار پاتی ہوں (یعنی گمان ہے کہ مرض کے باعث ارکان ادانہ کرسکوں پھر احرام سے کیونکر باہر آؤں گی)۔ فرمایا:

اھلّی واشترطی ان محلی حیث جستنی۔	احرام باندھ اور نیت میں یہ شرط لگالے کہ جہاں تو مجھے روکے گا وہیں میں احرام سے باہر ہوں۔

نسائی نے زائد کیا:

فان لك علی ربك ماستثنیت [5]۔	تمہارا یہ استثناء تمہارے رب کے یہاں مقبول رہے گا۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ضباعۃ بنت الزبیر المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۶۰و۴۲۰، سنن ابن ماجہ ابواب المناسك باب الشرط فی الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۷، صحیح ابن خزیمہ کتاب المناسك باب اشتراط من بہ علۃ الخ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۶۴، السنن الکبرٰی کتاب الحج باب استثناء فی الحج دارصادر بیروت ۵/ ۲۲۱و۲۲۲، کنز العمال بحوالہ م .د .ت .ن ہ ھب حدیث ۱۲۳۲۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵/ ۱۲۲

[2] السنن الکبرٰی کتاب الحج باب الاستثناء فی الحج دارصادر بیروت ۵/ ۲۲۲

[3] مسند احمد بن حنبل عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۴۹، سنن ابن ماجۃ ابواب المناسك باب الشرط فی الحج ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۱۷، المعجم الکبیر عن اسماء بنت ابی بکر حدیث ۲۳۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۸۷

[4] المعجم الکبیر عن صباعۃ بنت الزبیر المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۴/ ۳۳۲تا ۳۳۷، مجمع الزوائد بحوالہ ابن عمر کتاب الحج باب الاشتراط فی الحج دارالکتاب بیروت ۳/ ۲۱۸

[5] سنن النسائی کتاب مناسك الحج باب الاشتراط فی الحج نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۱۹

ضباعہ نے زائد کیا کہ فرمایا:

فان حبست او مرضت فقد حللت من ذٰلك بشرطك علی ربك عزوجل[1]۔	اب اگر تم حج سے روکی گئیں یا بیمار پڑیں تو اس شرط کے سبب جو تم نے اپنے رب عزوجل پر لگائی ہے احرام سے باہر ہو جاؤ گی۔

ہمارے آئمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں: یہ ایک اجازت تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمادی ورنہ نیت میں ایسی شرط اصلاً مقبول و معتبر نہیں۔

بل وافقنا علی اختصاصه بها بعض الشافعیة کالخطابی ثم الرویانی کما فی عمدة القاری[2] للامام العینی من باب الاحصار۔	بلکہ اس حکم کے اس صحابیہ کے ساتھ مختص ہونے پر بعض شوافع بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں، مثلاً خطابی پھر رویانی جیسا کہ عمدۃ القاری نے باب الاحصار میں امام عینی نے ذکر فرمایا۔ (ت)

حتی کہ **حدیث ۴۳** مسند امام احمد میں بسند ثقات رجال صحیح مسلم ہے:

حدثنا محمد بن جعفر ثنا شعبة عن قتادة عن نصر بن عاصم عن رجل منهم رضی اللہ تعالٰی عنه انه اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فاسلم علی انه لایصلی الا صلوٰتین فقبل ذٰلك منه[3]۔	یعنی ایک صاحب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کروں گا، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔

ان کے سوا امام جلیل جلال سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب مستطاب انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب[4] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، میں ایک مجمل فہرست میں نو واقعوں کے اور پتے دئے ہیں کہ فقیر نے ان تین کی طرح یہ بھی ترک کردئے لوجوہ یطول ایرادھا وللہ الحمد علی تواتر اٰلائه۔ (بعض ایسی وجوہ کی بنا پر کہ انکا ذکر طوالت کا باعث ہے اور اللہ ہی کیلئے تمام تعریفیں اسکی متواتر نعمتوں پر) ۴۳ حدیثیں یہ اور ۸ حدیثیں دربارہ تحریم مدینہ طیبہ جملہ اکاون ۵۱ احادیث ہیں جن میں بہت از روئے

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث ضباعة بنت الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنها المکتب الاسلامی بیروت ۴۲۰/۶

[2] عمدة القاری شرح صحیح البخاری باب الاحصار فی الحج تحت الحدیث ۱۸۰/۳ ۸۶ دار الکتب العلمیة بیروت ۲۰۸/۱۰

[3] مسند احمد بن حنبل حدیث رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم المکتب الاسلامی بیروت ۲۵/۵ و ۳۶۳

[4] انموذج للبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم

اسناد بھی خاص مقصود رسالہ کے مناسب تھیں اور بحیثیت تذلیل وہابیہ و تضلیل و تجہیل امام الوہابیہ تو سب ہی مقصود عالم رسالہ کے ملائم ہیں انہیں بھی گنئے تو شمار احادیث یہاں تک ایک سو چھیانوے ہو۔ مگر ہمارے نبی کریم رؤف ورحیم علیہ وعلٰی آلہٖ افضل الصلٰوۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا ہے:

ان اللّٰہ کتب الاحسان علی کل شیئ فاذا قتلتم فاحسنوا القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنوا الذبحۃ۔ احمد [1] والستۃ الا البخاری عن شداد بن اوس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔	بیشک اللہ تعالٰی نے ہر چیز پر احسان کرنا مقرر فرمادیا ہے توجب تم کسی کو قتل کرو تو قتل میں بھی احسان برتو اور ذبح کرو تو ذبح میں بھی احسان برتو۔ (احمد اور صحاح ستہ نے (علاوہ بخاری کے) شداد بن اوس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

ولہٰذا میرا خامہ تیغبار نجدی شکار اپنے مقتولین مخذولین مذبوحین مقبوحین حضرات وہابیہ پر احسان کے لیے یہ پچپا سا شمار سے الگ رکھتا اور بتوفیق اللہ تعالٰی آگے صرف وہ بعض احادیث کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف جلائل احکام تشریعیہ کی صریح اسنادوں پر مشتمل اور وہ کہ ان دلائل تفویض احکام بحضور سید الانام علیہ افضل الصلٰوۃ والسلام کی مؤید و مکمل ہیں لکھتا ہے ان میں مؤیدات تفویض کی تقویم کیجئے کہ اس مبحث کا سلسلہ مسلسل رہے وباللّٰہ التوفیق۔

حدیث ۱۴۶: حدیث صحیح جلیل سنن ابی داؤد و سنن ابن ماجہ و مسند امام طحاوی و معجم طبرانی و معرفت بیہقی کلھم بطریق منصور بن المعمر عن ابراھیم التیمی عن عمرو بن میمون عن ابی عبداللّٰہ الجدلی عن خزیمۃ بن ثابت الا ابن ماجۃ فعن سفیان عن ابیہ عن ابراھیم التیمی عن عمرو بن میمونٍ عن خزیمۃ کہ حضرت ذوالشہادتین خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصید باب الامر باحسان الذبح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۲، سنن النسائی کتاب الضحایا باب حسن الذبح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/ ۲۰۹، سنن الترمذی کتاب الدیات حدیث ۱۴۱۴ دار الفکر بیروت ۳/ ۱۰۵، سنن ابن ماجۃ ابواب الذبائح باب اذا ذبحتم فاحسنوا الذبح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۳۶، سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب فی الدفق بالذبیحۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۳، مسند احمد بن حنبل حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۲۳ تا ۱۲۵

جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم للمسافر ثلثًا ولو مضی السائل علی مسألتہٖ لجعلھا خمسًا[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسافر کے لئے مسح موزہ کی مدت تین رات مقرر فرمائی، اور اگر مانگنے والا مانگتا رہتا تو ضرور حضور پانچ راتیں کردیتے۔ یہ ابن ماجہ کی روایت ہے۔

اور روایت ابی داؤد اور ایک روایت معانی الآثار ابی جعفر اور ایک روایت بیہقی میں ہے: فرمایا:

ولو استزدناہ لزادنا[2]۔	اور اگر ہم حضور سے زیادہ مانگتے تو حضور مدت اور بڑھادیتے۔

دوسری روایت طحاوی میں ہے:

عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ جعل المسح علی الخفین للمسافر ثلثۃ ایام ولیا لیھن وللمقیم یومًا ولیلۃً ولو اطنب لہ السائل فی مسألتہ لزادہ[3]۔	بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مسح موزہ کی مدت مسافر کے لیے تین رات دن اور مقیم کے لیے ایک رات دن کردی، اور اگر مانگنے والا مانگے جاتا تو حضور افور زیادہ مدت عطا فرماتے۔

بیہقی کی روایت اخری یوں ہے:

وایم اللہ لو مضی السائل فی مسألتہٖ لجعلھا خمسًا[4]۔	اگر سائل عرض کئے جاتا تو حضور مدت کے پانچ دن کردیتے۔

یہ حدیث بلاشبہہ صحیح السند ہے اس کے سب رواۃ اجلّہ ثقات ہیں۔ لاجرم امام ترمذی نے اسے روایت کرکے فرمایا:

---

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی التوفقیت فی المسح للمقیم والمسافر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۲

[2] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب التوقیت فی المسح آفتاب عالم پریس لاہور ص ۲۱، شرح معانی الآثار کتاب الطہار باب المسح علی الخفین الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۱، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الطہارۃ باب ماورد فی ترک التوقیت دار صادر بیروت ۱/۲۷۷

[3] شرح معانی الآثار کتاب الطہار باب المسح علی الخفین الخ ایچ یم سعید کمپنی کراچی ۱/۶۱

[4] السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الطہارۃ باب ماورد فی ترک التوقیت دار صادر بیروت ۱/۲۷۷

هذا حديث حسن صحيح[1]۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

نیز امام الشان یحیٰی بن معین سے نقل کیا کہ حدیث صحیح ہے۔

وهو ان لم يذكر الزيادة فانما المخرج المخرج و الطريق الطريق حيث قال حدثنا قتيبة نا ابو عوانة عن سعيد بن مسروق عن ابراهيم التيمى عن عمرو بن ميمون عن ابى عبدالله الجدلى عن خزيمة بن ثابت رضى الله تعالٰى عنه عن النبى صلى الله تعالٰى عليه وسلم[2]۔ وقد اطال الامام ابن دقيق العيد الكلام فى تقوية هذا الحديث والذات عـــه عنه فى كتابه الامام	امام ترمذی نے اگرچہ زیادت کو ذکر نہیں کیا مگر مخرج بھی وہی ہے اور طریق بھی وہی ہے، اس لئے کہ فرمایا ہمیں حدیث بیان کی قتیبہ نے انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی ابو عوانہ سے انہوں نے سعید بن مسروق سے انہوں نے ابراہیم تیمی سے انہوں نے عمرو بن میمون سے انہوں نے ابو عبداللہ جدلی سے انہوں نے خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے۔ امام ابن دقیق العید نے اس حدیث کی تقویت میں اپنی کتاب الامام میں خوب

عـــه: اعظم ما يرتاب به فيه رواية البيهقى عن الترمذى عن البخارى لا يصح عندى لانه لا يعرف لابى عبدالله الجدلى سماع من خزيمة[3] ع وتلك شكاة ظاهر عنك عارها فان مبناه على ماذهب اليه هو رحمة الله من اشتراط ثبوت	اس میں سب سے بڑا شبہ اس رواتی سے کیا جاتا ہے جو بیہقی نے امام ترمذی سے اور انہوں نے امام بخاری سے کی ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث نہیں کیونکر ابو عبداللہ جدلی کا خزیمہ سے سماع ثابت نہیں۔ یہ وہ شکوی ہے جس کا عار تجھ سے دور ہے، کیونکہ امام بخاری علیہ الرحمہ کے مؤقف کے مطابق اس بات پر ہے کہ (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المسح علی الخفین حدیث ۹۵ دار الفکر بیروت ۱/۱۵۲

[2] سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی المسح علی الخفین حدیث ۹۵ دار الفکر بیروت ۱/۱۵۲

[3] الجوهر النقی حوشی علی السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الطہار باب ماورد فی ترک التوقیت دار صادر بیروت ۱/۲۷۸ و۲۷۹

واثرہ الامام الزیلعی فی نصب الرایۃ[1]۔	لمبی گفتگو فرمائی ہے، اور امام زیلعی نے نصب الرایہ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

السماع ولو مرۃ للاتصال والصحیح الاجتزاء بالمعاصرۃ ھو المنصور علیہ الجمھور کما افادہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر وقد اطال مسلم فی مقدمۃ صحیحہ فی الرد علی ھذا المذھب لاجرم ان لم یکثر بہ تلمیذہ الترمذی وحکم بانہ حسن صحیح وکذا حکم بصحتہ شیخ البخاری بامام الناقدین یحیی بن معین۔

راوی کا مروی عنہ سے سماع شرط ہے اگرچہ ایک مرتبہ وہ اتصال کے لیے۔ صحیح یہ ہے کہ معاصرت ہی کافی ہے۔ جمہور کا موقف یہی ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس مذہب کے رد پر طویل بحث کی ہے۔ امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی نے بھی امام بخاری کی تائید نہیں کی اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے۔ یونہی امام بخاری کے استاذ امام الناقدین یحیٰی بن معین نے اس کی صحت کا حکم لگایا ہے۔

اقول: علا انہ لو سلم فقصواہ الا نقطاع ولیس بقادح عندنا وعند سائر قابلی المراسیل وھم الجھور ثم علك من دندنۃ ابن حزم ان الجدلی لایعتمد علی روایتہ فان الرجل فی الجرح والوقعیۃ کالا عمیین السیل الھوجم و البیعر الصؤل حتی عند الترمذی من المجاھیل والجدلی فقد وثقہ الامامان المرجوع الیھما احمد بن

میں کہتا ہوں اگر امام بخاری کی بات تسلیم بھی کر لی جائے تو اس سے زیادہ سے زیادہ انقطاع لازم آتا ہے اور وہ ہمارے نزدیک اور مراسیل کو قبول کرنیوالے دیگر حضرات جو کہ جمہور ہیں کے نزدیک قادح نہیں ہے پھر تم پر ابن حزم کی گنگناہٹ کا سننا لازم ہے کہ جدلی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا، کیونکہ آدمی جرح و تصادم میں دو اندھوں کی مثل ہوتا ہے یعنی بڑھتا ہوا سیلاب اور حملہ کرنیوالا مست اونٹ۔ یہاں تک کہ ترمذی کے ہاں مجاہیل میں سے ہے، اور جدلی کی توثیق ان دو[2] اماموں نے کی ہے

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] نصب الرأیۃ کتاب الطھارۃ باب المسح علی الخفین المکتبۃ النوریۃ رضویہ پبلشنگ لاہور ۱/۲۳۲تا۲۳۵

فراجعه ان شئت۔	ان کی پیروی کی ہے۔(ت)

اقول: یہ حدیث صحیح حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفویض واختیار میں نص صریح ہے ورنہ یہ کہنا اور کہنا بھی کیسا مؤکد بقسم کہ واللہ سائل مانگے جاتا تو حضور پانچ دن کر دیتے اصلاً گنجائش نہ رکھتا تھا کما لایخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت) اور یہاں جزم خصوص بے جزم عموم نہ ہوگا کہ اس خاص کی نسبت کوئی خبر خاص تخییر ارشاد نہ ہوئی تھی تو جزم کا منشاء وہی کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا کہ احکام سپرد اختیار حضور سید الانام ہیں علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوۃ والسلام۔

حدیث ۱۴۷: مالک واحمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواك عند كل	اگر مشقت امت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرمادیتا کہ ہر نماز کے وقت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حنبل وابن معین فما ھو ابن حزم وائش ابن ھزم بعد ھٰذین وھو متفرد فیه لم یسبقه احد بھٰذا القول الا تری ان البخاری انما اعله اذا علله بانه لم یعرف سماع الجدلی لابانها روایه الجدلی وقد صحح له الترمذی وقال فی التقریب [1] ثقه۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منه۔	جن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، اور وہ امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین ہیں۔ ان دواماموں کے مقابلہ میں ابن حزن وابن ھزم کیا شے ہے درانحالیکہ وہ اس میں تنہا ہے۔ اس سے پہلے کسی نے یہ قول نہیں کیا۔ کیا تو دیکھتا نہیں کہ امام بخاری نے اس کو اس وجہ سے معلل قرار دیا کہ جدلی کا سماع معروف نہیں، نہ اس وجہ سے کہ یہ جدلی کی روایت ہے۔ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا اور تقریب میں کہا کہ وہ ثقہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔(ت)

[1] تقریب التهذیب ترجمه ابی عبداللہ الجدلی ۸۲۴۳ دار الکتب العلمیة بیروت ۴۲۸/۲

صلٰوۃ[1]۔	مسواک کریں۔

علماء فرماتے ہیں یہ حدیث متواتر ہے قالہ فی التیسیر وغیرہ (تیسیر[2] وغیرہ میں اسے بیان کیا گیا۔ت) احمد ونسائی نے انہیں سے بسند صحیح یوں روایت کی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم عند کل صلٰوۃ بوضوء او مع کل وضوء بسواک[3]۔	امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہو تو میں ان پر فرض کردوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔

اقول: امر دو قسم ہے حتمی جس کا حاصل ایجاب اور اس کی مخالفت معصیت،

وذٰلك قوله تعالٰی "فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ"[4]۔	اور وہ اللہ تعالٰی کا ارشاد کہ اللہ تعالٰی کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے۔(ت)

دوسرا ندبی جس کا حاصل ترغیب اور اس کے ترک میں وسعت،

وذٰلك قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم امرت بالسواك حتی خشیت ان یکتب علی احمد[5] بن واثلة بن	اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد کہ مجھے مسواک کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ ہوجائے۔اس کو امام احمد

[1] صحیح البخاری، کتاب الجمعة باب السواك یوم الجمعة قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۲و۲۵۹، صحیح مسلم کتاب الطھارۃ باب السواك قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۲۸، سنن النسائی کتاب الطھارۃ الرخصة فی السواك نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۶، سنن ابن ماجه ابواب الطھارۃ باب السواك ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۲۵، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۹۹، ۲۸۷، ۲۵۹، ۲۵۰، ۲۴۵، ۴۰۰، مؤطا امام مالك کتاب الطھارۃ ماجاء فی السواك میر محمد کتب خانہ کراچی ص۵۰

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث لولا ان اشق علی امتی الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/۳۱۴

[3] سنن النسائی کتاب الطھارۃ الرخصة فی السواك نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۱/۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲/۲۵۹

[4] القرآن الکریم ۲۴/۶۳

[5] مسند احمد بن حنبل حدیث واثله بن الاسقع المکتب الاسلامی بیروت ۳/۴۹۰

الاسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسنٍ۔	نے واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔(ت)

امر ندبی تو یہاں قطعًا حاصل ہے تو ضروری نفی حتمی کی ہے، امر حتمی بھی دو قسم ہے ظنی جس کا مفاد وجوب اور قطعی جس کا مقتضٰی فرضیت، ظنیت خواہ من جہۃ الرؤیۃ یا من جہۃ الدلالۃ ہمارے حق میں ہوتی ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علوم سب قطعی یقینی ہیں جن کے سراپردہ عزت کے گرد ظنوں کو اصلًا بار نہیں تو قسم واجب اصطلاحی حضور کے حق میں متحقق نہیں وہاں یا فرض ہے یا مندوب، نص علیہ الامام المحقق حیث اطلق فی الفتح (اس پر محقق امام علیہ الرحمہ نے فتح میں نص فرمائی ہے۔ت)

اب واضح ہوگیا کہ ان ارشادات کریمہ کے قطعًا یہی معنی ہے کہ میں چاہتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے لیے تازہ وضو اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا فرض فرمادیتا مگر ان کی مشقت کے لحاظ سے میں نے فرض نہ کئے اور اختیار احکام کے کیا معنی ہیں۔ وللہ الحمد۔

حدیث ۱۴۸: مالک وشافعی وبیہقی ان سے اور طبرانی اوسط میں امیر المومنین مولی علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے بسند حسن راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک مع کل وضوءٍ[1]۔	مشقت امت کا پاس ہے ورنہ میں ہر وضو کے ساتھ مسواک ان پر فرض کردوں۔

حدیث ۱۴۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ مسواک کرو مسواک منہ کو پاکیزہ اور رب عزوجل کو راضی کرتی ہے، جبریل جب میرے پاس حاضر ہوئے مجھے مسواک کی وصیت کی۔

حتی لقد خشیت ان یفرضہ علی وعلی امتی ولولا انی اخاف ان اشق علی امتی لفرضتہ علیھم	یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ جبریل مجھ پر اور میری امت پر فرض کردیں گے اور اگر مشقت امت کا خوف نہ ہوتا تو ان پر فرض کردیں گے۔

[1] مؤطا لامام مالک کتاب الطہارۃ ماجاء فی السواک میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۵۰، السنن الکبرٰی کتاب الطہارۃ باب الدلیل علی ان السواک سنۃ دار صادر بیروت ۱/۳۵، کنز العمال بحوالہ والشافعی حدیث ۲۶۱۹۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/۳۱۵، المعجم الاوسط، حدیث ۱۲۶۰ مکتبۃ المعارف ریاض ۲/۱۳۸

ابن ماجه [1] عن ابی امامة رضی الله تعالٰی عنه۔	(ابن ماجہ نے ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

یہاں جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کی طرف بھی فرض کر دینے کی اسناد ہے۔

حدیث ۴۸ ۱۵۰: طبرانی وبزار ودارقطنی وحاکم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لولا ان اشق علی امتی لفرضت علیهم السواك عند كل صلٰوة [2] (زاد غیر الدارقطنی) کما فرضت علیهم الوضوء [3]۔	مشقتِ امت کا لحاظ نہ ہوتو میں ہر نماز کے وقت مسواک ان پر فرض کردوں جس طرح میں نے وضو ان پر فرض کردیا ہے۔

یہاں وضو کو بھی فرمایا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی امت پر فرض کردیا۔

حدیث ۴۹، ۵۰ ۱۵۱، ۱۵۲: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك واطیب عند كل صلٰوة۔ ابو نعیم فی کتاب السواك [4] عن عبدالله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما بسند حسنٍ وسعید بن منصور فی سننه عن مکحول مرسلًا۔	مشقت امت کا خیال نہ ہوتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے وقت مسواک کرنا اور خوشبو لگانا فرض کردوں۔(ابو نعیم نے کتاب السواک میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے بسند حسن اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں مکحول سے مرسلًا روایت کیا۔ت)

یہاں خوشبو کی فرصت بھی زائد فرمادی۔

[1] سنن ابن ماجة ابواب الطهارة باب السواک ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۵

[2] کنز العمال بحواله قط عن ابن عباس حدیث ۲۶۱۷۰ مؤسسة الرساله بیروت ۹/ ۳۱۲

[3] المستدرك للحاکم کتاب الطهارة لولا ان اشق علی امتی دار الفکر بیروت ۱/ ۱۴۶، البحر الزخار عن ابن عباس حدیث ۱۳۰۲ مکتبة العلوم والحکم مدینة المنورة ۴/ ۱۳۰، مجمع الزوائد بحواله العباس کتاب الطهارة باب فی السواك دار الکتاب بیروت ۱/ ۲۲۱، مجمع الزوائد کتاب الصلٰوة باب ماجاء فی السواك دار الکتاب بیروت ۲/ ۹۷

[4] کنز العمال بحواله صعن مکحول مرسلًا حدیث ۲۶۱۹۵ مؤسسة الرساله بیروت ۹/ ۳۱۶

حدیث[51] ۱۵۳: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولاان اشق علی امتی لامرتھم ان یستاکوا بالاسحار۔ ابو نعیم فی السواک[1] عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	مشقتِ امت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرمادیتا کہ ہر سحر پچھلے پہر اٹھ کر مسواک کریں(ابو نعیم نے کتاب السواک میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث[52،53] ۱۵۴ و ۱۵۵: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولا ان اشق علی امتی لامرتھم بالسواک عن دکل صلٰوۃ ولاخرت العشاء الی ثلث اللیل۔	مشقت امت کا خیال نہ ہوتو میں ہر نماز کے وقت ان پر مسواک فرض کردوں اور نماز عشاء کو تہائی رات تک ہٹادوں۔

احمد[2] والترمذی والضیاء عن زید بن خالد الجھنی رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندٍ صحیح والبزار عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ، وروٰی عن زید احمد وابو داؤد والنسائی کحدیث ابی ھریرۃ الاول بالاقتصار علی السطر الاول و الحاکم والبیھقی بسندٍ صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کحدیث زیدٍ ھذا وفیہ لفرضت علیھم السواک مع الوضوء ولاخرت صلٰوۃ العشاء الاٰخرۃ الی نصف اللیل[3]۔ یعنی میں وضو میں مسواک کرنا فرض کردیتا اور نماز عشاء آدھی رات تک ہٹادیتا۔

---

[1] کنزالعمال بحوالہ ابی نعیم فی کتاب السواک حدیث ۲۶۱۹۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۶،الدرالمنثور بحوالہ ابی نعیم تحت الآیۃ ۲/ ۱۲۴ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۲۵۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن زید بن خالد رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۱۴،سنن الترمذی ابواب الطہارۃ باب ماجاء فی السواک حدیث ۲۳ دارالفکر بیروت ۱/ ۱۰۰،کنزالعمال بحوالہ حم،ت والضیاء حدیث ۲۶۱۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۵،البحرالزخار عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۴۷۸ مکتبۃ العلوم والحکم مدینۃ المنورۃ ۲/ ۱۲۱،مسند احمد بن حنبل عن زید بن خالد المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۱۱۶،سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب السواک آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۷

[3] المستدرک للحاکم کتاب الطہارۃ فضیلۃ السواک دارالفکر بیروت ۱/ ۱۴۶،السنن الکبری کتاب الطہارۃ باب الدلیل علی ان السواک السنۃ الخ دارصادر بیروت ۱/ ۳۶،کنزالعمال بحوالہ ک وھق عن ابی ھریرۃ حدیث ۲۶۱۹۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹/ ۳۱۶

وللنسائی عن ابی ھریرۃ بلفظ الامر تھم تاخیر العشاء بالسواك عند كل صلٰوۃ[1]۔	نسائی نے ابوہریرہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا: میں ان پر فرض کردیتا کہ عشاء دیر کرکے پڑھیں اور نماز کے وقت مسواک کریں۔

حدیث[۵۴] ۱۵۶: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولاان اشق علی امتی لامر تھم ان یصلوھا ھٰکذا یعنی العشاء نصف اللیل۔ احمد[2] والبخاری ومسلم والنسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	امت پر مشقت نہ ہوتی تو میں ان پر فرض کردیتا کہ عشاء آدھی رات کو پڑھیں۔ (احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث[۵۵] ۱۵۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولا ضعف الضعیف وسقم السقیم لامرت بھٰذہ الصلٰوۃ ان توخر الی شطر اللیل۔ النسائی[3] عن ابی سعیدن الخدری رضی اللہ تعالٰی ومرت روایۃ احمد و ابی داؤد وابن ماجۃ وابی حاتم بلالفظ الامر۔	اگر ناتواں اور بیماروں کا لحاظ نہ ہوتا تو میں فرض کردیتا کہ یہ نماز آدھی رات تک مؤخر کریں (اس کو نسائی نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ احمد، ابوداود، ابن ماجہ اور ابوحاتم کی روایت گزرچکی ہے جو لفظ امر کے بغیر ہے۔ (ت)

حدیث[۵۶] ۱۵۸: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لولاان اشق علی امتی	مشقت امت کا اندیشہ نہ ہو تو میں ان پر

---

[1] سنن النسائی کتاب المواقیت باب مایستحب من تاخیر العشاء نور محمد کتب خانہ کراچی ۱/۹۲و۹۳

[2] مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۳۶۶، صحیح البخاری کتاب مواقیت الصلٰوۃ باب النوم قبل العشاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۸۱، صحیح مسلم کتاب المساجد باب وقت العشاء وتاخیرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۲۹، سنن النسائی کتاب المواقیت باب یستحب من تاخیر العشاء نور محمد کارخانہ کراچی ۱/۹۲

[3] سنن النسائی کتاب المواقیت باب یستحب من تاخیر العشاء نور محمد کارخانہ کراچی ۱/۹۳

لامرتھم ان یؤخروا عــــہ العشاء الی	فرض کردوں کہ عشاء میں تہائی

عــــہ:سبب ھٰذا انه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اخر ذات لیلة صلٰوة العشاء حتی ابھا رالليل او ذھب عامة الليل ونام النساء والصبیان فجاء فصلی وذکرہ کماورد مبینا فی احادیث ابن عباس وابی سعید وابن عمر وانس وغیرھم رضی اللہ تعالٰی عنھم،وسبب حدیث السواك ایتان ناس عندہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قلحا فقال استاکوا استاکوا لاتأتونی قلحا لولا ان اشق علی امتی لفرضت علیھم السواك عند کل صلٰوة کما بینه الدارقطنی [1] من حدیث العباس رضی اللہ تعالٰی عنه فھما حدیثان ربما افرزھما ابو ھریرۃ وربما جمع وکذٰلك غیرہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وان اتفق ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ھو الذی قال مرۃ ھٰکذا اواخرٰی ھٰکذا و

اس کا سبب یہ ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے عشاء کی نماز مؤخر فرمادی یہاں تک کہ آدھی رات یا زیدہ گزر گئی۔ عورتیں اور بچے سوگئے تو آپ تشریف لائے اور نماز پڑھائی، جیسا کہ ابن عباس،ابوسعید،ابن عمر اور انس وغیرہ کی احادیث میں واضح طور پر وارد ہوا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔حدیث سواک کا سبب یہ ہے کہ لوگ میلے کچیلے دانتوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آئے توآپ نے فرمایا مسواک کیا کرو اور میرے پاس میلے کچیلے دانتوں کے ساتھ مت آیا کرو،اگر مجھے امت کی مشقت کا لحاظ نہ ہوتا تو میں ان پر ہر ناز کے وقت فرض کردیتا۔جیسا کہ اس کو دارقطنی نے بحوالہ حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بیان کیا ہے۔ان دونوں حدیثوں کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کبھی الگ الگ بیان فرمایا ہے اور کبھی دونوں کو جمع کیا ہے،یونہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے غیر نے کیا ہے، اگرچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کبھی اس طرح بیان فرمایا ہے اور کبھی اس طرح اور کبھی

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] کنز العمال بحوالہ قط عن ابن عباس حدیث ۲۶۱۷۰ مؤسسة الرسالہ بیروت ۳۱۲/۹

ثلث اللیل اونصفہ۔احمد[1] والترمذی وصححہ، و ابن ماجة عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ومرت اخری لابن ماجة کاحمد وابی داؤد ومحمد بن نصر خالیة عن الامر۔	یا آدھی رات تک تاخیر کریں(اس کو امام احمد وترمذی نے اسکو صحیح قرار دیا۔اور ابن ماجہ نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔اور دوسری روایت ابن ماجہ کی احمد وابوداؤد ومحمد بن نسر کی طرح گزرچکی ہے جو امر سے خالی ہے۔(ت)

حدیث۵۷ ۱۵۹: صحیح بخاری میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک آیت سورہ احزاب کی نسبت ہے:

وجدتھا مع خزیمة الذی جعل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شھادتہ بشھادتین[2]۔	وہ میں نے لکھی ہوئی خزیمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس پائی جن کی گواہی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو گواہوں کے برابر فرمائی۔

حدیث۵۸ ۱۶۰: کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کو یمن پر صوبیدار بنا کر بھیجتے وقت ان سے ارشاد فرمایا:

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تارۃ جمع فالتعدداظھر واکثر،واللہ تعالٰی اعلم ۱۲منہ دامت فیوضہ۔	دونوں کو جمع فرمایا۔چنانچہ تعدد اظہر واکثر ہے۔اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔۱۲منہ (ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۴۳۳و۵۰۹، سنن الترمذی ابواب الصلٰوۃ باب ماجاء فی تاخیر صلٰوۃ العشاء الخ حدیث ۱۶۷دار الفکر بیروت ۱/ ۲۱۴، سنن ابن ماجة کتاب الصلٰوۃ باب وقت صلٰوۃ العشاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۵، کنز العمال عن ابی ھریرۃ حدیث ۱۹۴۶۴ مؤسسة الرسالہ بیروت ۷/ ۳۹۵

[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب قول اللہ تعالٰی من المومنین رجال الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۹۴، صحیح کتاب التفسیر سورۃ احزاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۵

قد عرفت بلاء ك فی الدین والذی قدر کبك من الدین وقد طیبت لك الهدیة فان اهدی لك شئی فاقبل۔سیف فی کتاب الفتوح[1] عن عبید بن صخر رضی اللہ تعالٰی عنه۔	مجھے معلوم ہے جو تمہاری آزمائشیں دین متین میں ہوچکیں اور جو کچھ دیون تم پر ہوگئے ہیں رعیت کے تحفے میں نے تمہارے لئے حلال طیب کردئے جو تمہیں کچھ تحفہ دے لے لو۔(سیف نے کتاب الفتوح نے عبید بن صخر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۶۱ عـــہ: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

قد عفوت عن الخیل والرقیق فھا توا صدقت الرقة من کل اربعین درھما درھم۔احمد[2] وابوداؤد و الترمذی عن امیر المؤمنین المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنه بسند صحیح۔	گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ تومیں نے معاف کردی روپوں کی زکوٰۃ دو ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم۔(احمد اور ابوداؤد اور ترمذی نے امیر المومنین علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

سواری کے گھوڑوں، خدمت کے غلاموں میں زکوٰۃ جو واجب نہ ہوئی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''یہ میں نے معاف فرمادی ہے۔''ہاں کیوں نہ ہو کہ حکم ایک روف ورحیم کے ہاتھ میں ہے بحکم رب العالمین جل جلالہ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۱۶۲: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے فرمایا:

ماتقولون فی الزنا.قالو احرام حرّمه اللہ ورسوله فھو حرام الی یوم القیٰمة۔	زنا کو کیسا سمجھتے ہو؟ عرض کی: حرام ہے اسے اللہ ورسول نے حرام کردیا تو وہ قیامت تک

عـــہ: یہاں تک اٹھاون حدیثیں تفویض امر کی مفیدات ومؤیدات مذکور ہوئیں آگے صرف اسنادات جلیلہ ہیں ۱۲۔

---

[1] کنز العمال بحوالہ طب عن عبید بن صخر المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۱۱۵

[2] سنن ابی داؤد کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ السائمۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۲۱، سنن الترمذی کتاب الزکوٰۃ باب ماجاء فی زکوٰۃ الذھب الخ حدیث ۶۲۰ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۲۳، مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۹۲

احمد[1] بسند صحیح والطبرانی فی الاوسط والکبیر عن المقداد بن الاسود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	حرام ہے۔ (احمد نے بسند صحیح اور طبرانی نے اوسط اور کبیر میں مقداد بن اسود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۱۶۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انی احرم علیکم حق الضعیفین الیتیم والمرأۃ۔ الحاکم[2] علی شرط مسلم والبیھقی فی الشعب و اللفظ لہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	میں تم پر حرام کرتاہوں دو کمزوروں کی حق تلفی، یتیم اور عورت۔ (حاکم شرط مسلم پر اور بیہقی نے بحوالہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ شعب الایمان میں اس کو روایت کیا ہے، اور لفظ بیہقی کے ہیں۔ (ت)

حدیث ۱۶۴: صحیحین میں جابر بن عبداللہ تعالٰی عنہما سے ہے انہوں نے سال فتح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا:

ان اللہ ورسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[3]۔	بیشک اللہ اور اس کے رسول نے حرام کردیا شراب اور مردار اور سوئر اور بتوں کا بیچنا۔

حدیث ۱۶۵: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لاتشرب مسکرًا فانی حرمت کل مسکرٍ۔ النسائی[4] بسند حسن	نشہ کی کوئی چیز نہ پی کہ بیشک نشہ کی ہر شیئ میں حرام عـــہ نسائی نے بسند حسن

عـــہ: **فائدہ:** ابوالشیخ ابن حبان نے کتاب الثواب میں روایت کی حدثنا ابن ابی عاصم ثنا عمر بن حفص ن الوصائی ثنا سعید بن موسٰی ثنا رباح بن زید عن معمر (باقی برصفحہ آئندہ)

---

[1] مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث مقداد بن اسود المکتب الاسلامی بیروت ۸/۶، المعجم الکبیر عن مقداد بن اسود حدیث ۶۰۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۵۶/۲۰

[2] المستدرک للحاکم کتاب الایمان انی احرج علیکم حق الضعیفین دارالفکر بیروت ۶۳/۱، کنزالعمال بحوالہ کہ. ھب عن ابی ھریرۃ حدیث ۶۰۰۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۷۱/۳

[3] صحیح البخاری کتاب البیوع باب بیع المیتۃ والاصنام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۹۸/۱، صحیح مسلم کتاب البیوع باب تحریم الخمر و المیتۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۳/۲

[4] سنن النسائی کتاب الاشربۃ تفسیر نور محمد کارخانہ کراچی ۳۲۵/۲

عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	ابی موسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔(ت)

عن ازھری عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی فرضت علی امتی قرأۃ یٰس کل لیلۃ فمن داوم علی قرأتھا کل لیلۃ ثم مات شھیدا[1]. یعنی اس سند سے آیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنی امت پر یٰس شریف کی ہر رات تلاوت فرض کی جو ہمیشہ ہر شب اسے پڑھے پھر مرے شہید مرے۔

اقول: وسعید وان اتھم فالمحقق عند المحققین ان الوضع لایثبت بمجرد تفرد کذاب فضلًا عن متھم مالم ینضم الیہ شیئ من القرائن الحاکمۃ بہ کمخالفۃ نصٍ اواجماع قطعیین اوالحس اواقرار الواضع بوضعہٖ الی غیر ذٰلک کما نص علیہ السخاوی فی فتح المغیث واثبتنا علیہ عرش التحقیق فی "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" ف۱ "واجمع العلماء ان اضعیف غیر الموضوع یعمل بہ فی الفضائل وقد بیناہ فی "الھاد" ف۲ فی حکم الضعاف"

میں کہتاہوں سعید اگرچہ متہم ہے مگر محققین کے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ بیشک وضع حدیث محض ایک کذاب کے تفرد سے ثابت نہیں ہوتا چہ جائیکہ متہم سے ثابت ہو جب تک اس کے ساتھ قرائن وضع منضم نہ ہوں، جیسے نص قطعی کی مخالفت اور اجماع قطعی کی مخالفت اور حس کی مخالفت اور خود واضع کا اقرار وغیرہ، جیسا کہ امام سخاوی نے فتح المغیث میں اس پر نص فرمائی ہے، اور ہم نے ''منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین'' میں اس کی تحقیق کو حد کمال تک پہنچایا ہے۔ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ جو حدیث ضعیف موضوع نہ ہو وہ فضائل میں قابل عمل ہے اور ہم اس کو ''الھاد الکاف فی حکم الضعاف'' میں بیان کیا ہے۔(ت) (باقی برصفحہ آئندہ)

ف۱: رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" فتاوٰی رضویہ جلد پنجم مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور کے صفحہ ۴۲۹ پر مرقوم ہے۔

ف۲: اعلٰی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" میں افادہ شانزدہم ۱۶ سے افادہ بست وسوم ۲۳ تک آٹھ افادات کا نام "الھاد الکاف فی حکم الضعاف ۱۳۱۳ھ" رکھا ہے۔ ملاحظہ ہو فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور جلد پنجم صفحہ ۴۷۷ تا ۵۳۷ "الکاف فی حکم الضعاف"۔

[1] تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ بحوالہ ابی الشیخ فی الثواب حدیث ۳۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۹۷

حدیث ۱۶۶: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

سن لو مجھے قرآن کے ساتھ اس کا مثل ملا یعنی حدیث دیکھو کوئی پیٹ بھرا اپنے تخت پر بیٹھا یہ نہ کہے کہ یہی قرآن لئے رہو جو اس میں حلال ہے اسے حلال جانو جو اس میں حرام ہے اسے حرام مانو۔

وان ماحرم رسول اللہ مثل ما حرم اللہ۔ احمد[1] و الدارمی وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسندٍ حسن۔	جو کچھ اللہ کے رسول نے حرام کیا وہ بھی اسی کی مثل ہے جسے اللہ عزوجل نے حرام کیا، جل جلالہ، و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ (احمد اور دارمی اور ابو داؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے مقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بسند حسن روایت کیا۔ ت)

یہاں صراحۃً حرام کی دو ۲ قسمیں فرمائیں: ایک وہ جسے اللہ عزوجل نے حرام فرمایا اور دوسرا وہ جسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حرام کیا۔ اور فرمادیا کہ وہ دونوں برابر و یکساں ہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس حدیث اور اس کی فرضیت کے متعلق فقیر کے پاس سوال آیا تھا جس کا جواب فتاوی فقیر العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ کے مجلد پنجم کتاب مسائل شتّٰی میں مذکور واللہ الہادی الی معالی الامور ۱۲ منہ۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۷۶

اقول: مراد واللہ اعلم نفسِ رحمت میں برابری ہے تو اس ارشاد کے منافی نہیں کہ خدا کا فرض رسول کے فرض سے اشد واقوی ہے۔

حدیث ۱۶۷: جہیش بن اویس نخعی رضی اللہ تعالٰی عنہ مع اپنے چند اہل قبیلہ کے باریاب خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے قصیدہ عرض کیا ازاں جملہ یہ اشعار ہیں۔

الا یارسول اللہ انت مصدق فبورکت مھدیا وبورکت ھادیًا

شرعت لنا دین الحنیفة بعدما عبدنا کامثال الحمیر طواغیًا

یارسول اللہ! حضور تصدیق لئے گئے ہیں حضور اللہ عزوجل سے ہدایت پانے میں بھی مبارک اور خلق کو ہدایت عطا فرمانے میں بھی مبارک حضور ہمارے لئے دین اسلام کے شارع ہوئے بعد اس کے کہ ہم گدھوں کی طرح بتوں کو پوج رہے تھے۔

مندة [1] من طریق عمار بن عبدالجبار عن عبداللہ بن المبارك عن الازواعی عن یحیی بن ابی سلمة عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه حدیث طویل۔	مندہ نے عمار بن عبدالجبار کے طریقے سے عبداللہ بن مبارک سے انہوں نے اوزاعی سے انہوں نے یحیٰی بن ابی سلمہ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، حدیث لمبی ہے۔(ت)

یہاں صراحۃً تشریع کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف ہے کہ شریعت اسلامی حضور کی مقرر کی ہوئی ہے ولہٰذا قدیم سے عرف علمائے کرام میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شارع کہتے ہیں۔علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

قد اشتھر اطلاقه علیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لانه شرع الدین والاحکام [2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شارع کہنا مشہور ومعروف ہے اس لئے کہ حضور نے دین متین واحکام دین کی شریعت نکالی۔

اسی قدر پر بس کیجئے کہ اس میں سب کچھ آگیا ایک لفظ شارع تمام احکام تشریعیہ کو جامع ہوا، میں نے یہاں وہ احادیث نقل نہ کیں جن میں حضور کی طرف امر و نہی وقضاو

---

[1] الاصابه فی تمییز الصحابة بحواله ابن مندة ترجمہ ۱۲۵۱ جھیش بن اویس دارالفکر بیروت ۱/۳۵۸

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیه المقصد الثانی الفصل الاول دارالمعرفة بیروت ۳/۱۳۴

امثالہا کی اسناد ہے کہ:

امر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قضی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا۔ (ت)

اتنی حدیثوں میں وارد جن کے جمع کو ایک مجلد کبیر بھی کافی نہ ہو، اور خود قرآن عظیم ہی نے جو ارشاد فرمایا:

"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْاۚ "[1]۔	جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لو اور جس سے منع فرمائے اس سے باز رہو،

کہ امر ونہی وقضا اوروں کی طرف بھی اسناد کرتے ہیں۔ قال اللہ تعالٰی:

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ "[2]۔	حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ (ت)

مجھے تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور اقدس کو احکام شرعیہ سے فقط آگاہی وواقفیت کی نسبت نہیں جس طرح وہ سرکشی طاغی آخر تقویۃ الایمان میں سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر صریح افتراء کرکے کہتا: "انہوں نے فرمایا کہ سب لوگوں سے امتیاز مجھ کو یہی ہے کہ اللہ کے احکام سے میں واقف ہوں اور لوگ غافل"[3]۔

مسلمانو! للہ انصاف، یہ اس کس وناکس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل جلیلہ وخصائص جمیلہ وکمالات رفیعہ ودرجات منیعہ جن میں زید وعمر کی کیا گنتی انبیاء ومرسلین وملائکہ مقربین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کا بھی حصہ نہیں سب یک لخت اڑادئے سب لوگوں سے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا امتیاز صرف دربارہ احکام رکھا اور وہ بھی اتنا کہ حضور

[1] القرآن الکریم ۵۹/۷

[2] القرآن الکریم ۴/۵۹

[3] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۶

واقف ہیں اور لوگ غافل، تو انبیاء سے تو کچھ امتیاز رہا ہی نہیں کہ وہ بھی واقف ہیں غافل نہیں اور امتیوں سے بھی امتیاز اتنی ہی دیر تک ہے کہ وہ غافل رہیں واقف ہو جائیں تو کچھ امتیاز نہیں کہ اب وقوف وغفلت کا تفاوت نہ رہا اور امتیاز اس میں منحصر تھا انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مسلمانو! دیکھا یہ حاصل ہے اس شخص کے دین کا، یہ پچھلا کلمہ ہے محمد رسول اللہ پر اس کے ایمان کا جس پر اس نے خاتمہ کیا، حالانکہ واللہ دربارہ احکام بی صرف اتنا ہی امتیاز نہیں بلکہ حضور حاکم ہیں، صاحب فرمان ہیں، مالک افتراض ہیں، والی تحریم ہیں۔ سن او سرکش! احکام سے اپنے نزدیک واقف تو تُو بھی ہے پھر تجھے کوئی مسلمان کہے گا کہ شریعت کے فرائض تیرے فرض کئے ہوئے ہیں شرع کے محرمات تُو نے حرام کردئے ہیں جن پر زکوٰۃ نہیں انہیں تُو نے معاف کردیا ہے شریعت کا راستہ تیرا مقرر کیا ہے شرائع میں تیرے احکام بھی ہیں اور وہ احکام احکام خدا کے مثل ماوی ہیں مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بارے میں یہ سب باتیں کہی جاتی ہیں خود محمد رسول اللہ نے ارشاد فرمائی ہیں لہٰذا فقیر نے صرف اسی قسم احادیث پر اقتصار کیا اور بفضلہٖ تعالٰی اپنا نیزہ خارا گزار وآہن گزاران گستاخان چشم بند ودہن باز کے دل وجگر کے پار کردیا وللہ الحمد۔ اللہ تعالٰی کی بے شمار رحمتیں علامہ شہاب خفاجی پر کہ نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں قصیدہ بردہ شریف کے اس شعر نے

نبینا الاٰمر الناھی فلا احد ابر فی قول لا منہ ولا نعم[1]

ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم صاحب امر ونہی، تو ان سے زیادہ ہاں اور نہ کے فرمانے میں کوئی سچا نہیں

کی شرح میں فرماتے ہیں:

معنی نبینا الاٰمر الخ انہ لاحاکم سواہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو حاکم غیر محکوم[2] الخ	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صاحب امر ونہی ہونے کے یہ معنٰی ہیں کہ حضور حاکم ہیں حضور کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں، نہ وہ کسی کے محکوم، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ذکرہ فی فصل جودہٖ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کو صاحب نسیم نے فصل فی وجودہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ذکر فرمایا ہے۔ت)

[1] الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ الفصل الثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات الہند ص ۲۱

[2] نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فصل واما الجود والکرم مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲/ ۳۵

الحمدللہ یہ تذییل جلیل اپنے باب میں فرد کامل ہوئی احادیث تحریم مدینہ طیبہ بھی اسی باب سے تھیں کہ امام الوہابیہ کے اس خاص حکم شرک کے سبب جدا شمار میں رہیں اگر کوئی چاہے انہیں اور اس بیان تذلیل کو ملا کر احکام تشریعیہ کے بارے میں سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اقتدار واختیار کا ظاہر کرنے والا ایک مستقل رسالہ بنائے اور بنام "**منیۃ اللبیب ان التشریع بید الحبیب ۱۳۱۱ھ**" موسوم ٹھہرائے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمدٍ واٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین، اٰمین۔

مسک الختام: اب فقیر غفرلہ المولی القدیر سات حدیثیں اس وصل مبارک میں اور ذکر کرے جن سے امام الوہابیہ کا سخت کور وکر ہونا شمس وامس کی طرح ظاہر ہو کہ جن احادیث سے جن باتوں کو شرک بتانا چاہا تھا خود وہی اور ان کے نظائر صاف گواہی ہیں کہ وہ ہرگز شرک نہیں مگر بیچارے معذور کی داد نہ فریاد، "وَمَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ﴿۳۳﴾ "[1]۔ (اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ت)

حدیث ۱۶۸: صحیح بخاری ومسند احمد وسنن ابی داؤد وترمذی وابن ماجہ رُبیّع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میری شادی میں تشریف لائے چھوکریاں دف بجا کر میرے باپ چچا جو بدر میں شہید ہوئے تھے ان کے اوصاف گاتی تھیں اس میں کوئی بولی ع

وفینا نبی یعلم ما فی غدٍ

ہم میں وہ نبی ہیں جنہیں آئندہ کا حال معلوم ہے

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اس پر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

دعی ھٰذا وقولی بالذی کنت تقولین[2]۔	اسے رہنے دے اور جو کچھ پہلے کہہ رہی تھی وہی کہے جا۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/۴۰

[2] صحیح البخاری کتاب النکاح باب ضرب الدف فی النکاح والولیمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۷۳، سنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی الغناء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۱۸ (باقی برصفحہ آئندہ)

اقول: وباللّٰہ التوفیق امام الوہابیہ اس حدیث کو شرک فی العلم کی فصل میں لایا جسے کہا: ''اس فصل میں ان آیتوں حدیثوں کا ذکر ہے جس سے اشراک فی العلم کی برائی ثابت ہوتی ہے[1]۔''

تو وہ اس حدیث سے ثابت کرنا چاہتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف آئندہ بات جاننے کی اسناد مطلقاً شرک ہے اگرچہ بعطائے الٰہی جانے کہ اس نے صاف کہہ دیا: ''پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے خواہ اللہ کے دینے سے ہر طرح شرک ہے[2]۔''

اور خود مصرع مذکور کا مطلب ہی یوں بتایا کہ: ''چھوکریاں گانے لگیں اور اس میں پیغمبر خدا کی تعریف یہ کہی ان کو اللہ نے ایسا مرتبہ دیا ہے کہ آئندہ کی باتیں جانتے ہیں[3]۔''

بایں ہمہ حدیث کو شرک فی العلم کی فصل میں لایا مگر جب حدیث میں حکم شرک کی بُو اصلًا نہ پائی تو خود ہی اپنے دعوے سے تنزل پر آیا اور صرف اتنا لکھنے پر بس کی: ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی جناب میں یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں، پیغمبر خدا نے اس قسم کا شعر اپنی تعریف کا انصار کی چھوکریوں کو گانے بھی نہ دیا چہ جائیکہ عاقل مرد اس کو کہے یا سن کر پسند کرے[4]۔''

اللہ اللہ، اللہ دیئے سے بھی ایسا مرتبہ ماننا اس کے نزدیک شرک ہو تو شکایت نہیں کہ اس کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سنن الترمذی کتاب النکاح حدیث ۱۰۹۲ دار الفکر بیروت ۲/ ۳۴۷ وسنن ابن ماجۃ ابواب النکاح باب الغناء والدف ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۸ ومسند احمد بن حنبل حدیث الربیع بنت معوذ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۵۹

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۸

[2] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۷

[3] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۸

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۸

دھرم میں اس کا معبود خود ہی کسی کو آئندہ باتیں جاننے کا مرتبہ دینے پر قادر نہیں کیا اپنا شریک کسی کو بناسکے گا، یونہی یہ امر بھی اسے مضر نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو بعطائے الٰہی بھی اطلاع علی الغیب کا مرتبہ ملنا صریح مخالف قرآن ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ" [1]۔	اللہ اس لئے نہیں کہ تمہیں غیب پر اطلاع کا منصب دے ہاں اپنے رسولوں سے چن لیتا ہے جسے چاہے۔

وقال تعالٰی:

"عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" [2]۔	غیب کا جاننے والا تو کسی کو اپنے غیب پر غالب و مسلط نہیں کرتا مگر اپنے پسندیدہ رسولوں کو۔

یہاں لایظھر غیبہ علی احدٍ نہ فرمایا کہ اللہ تعالٰی اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا کہ اظہار غیب تو اولیائے کرام قدست اسرارھم پر بھی ہوتا ہے اور بذریعہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہم پر بھی، بلکہ فرمایا: لایظھر علی غیبہ احدًا اپنے غیب خاص پر کسی کو ظاہر و غالب و مسلط نہیں فرمایا مگر رسولوں کو۔ ان دونوں مرتبوں میں کیسا فرق عظیم ہے اور یہ اعلٰی مرتبہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کو عطا ہونا قرآن عظیم سے کیسا ظاہر ہے مگر اسے کیا مضر کہ جب اس کے نزدیک اللہ عزوجل کا کذب ممکن جیسا کہ اس کے رسالہ "یکروزی" سے ظاہر، اور فقیر کے رسالہ "سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح" ف میں اس کا رد ظاہر و باہر، تو قرآن کی مخالفت اس پر کیا موثر، واللہ المستعان علی کل غویٍ فاجرٍ (ہر گمراہ فاجر کے خلاف اللہ تعالٰی ہی سے مدد مانگی جاتی ہے) اس سب سے گزر کر ہوشیار عیّار سے اتنا پوچھئے کہ بالفرض اگر حدیث سے ثابت ہے بھی تو صرف ممانعت کہ انبیاء کی جناب میں ایسا عقیدہ نہ رکھے وہ شرک کا جبروتی حکم جس کے لیے اس فصل اور ساری

ف: رسالہ "سبحان السبوح عن عیب کذب مفتوح" فتاوٰی رضویہ جلد ۱۵ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور کے صفحہ ۳۱۱ پر مرقوم ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/۱۷۹

[2] القرآن الکریم ۷۲/۲۶و۲۷

کتاب کی وضع ہے کہاں سے نکلا کیا اسی کو اتمام تقریب کہتے ہیں اور یہ اس کا قدیم داب ہے کہ دعوی کرتے وقت آسمان سے بھی اونچا اڑے گا اور دلیل لاتے وقت تحت الثرٰی میں جاچھپے گا اور پیچھا کیجئے تو وہاں سے بھی بھاگ جائے گا، ایسے ہی ناتمام اٹکل بازیوں سے عوام کو چھلا اور کاغذ کا چہرہ اپنے دل کی طرح سیاہ کیا۔

ثم اقول: اور انصاف کی نگاہ سے دیکھئے تو بحمد للہ تعالٰی حدیث نے شرک کا تسمہ بھی لگانہ رکھا، اور شرک پسند، او شرک کی حقیقت و شناخت سے غافل! کیا شرک کوئی ایسی ہلکی چیز ہے کہ اللہ کا رسول اور رسولوں کا سردار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی مجلس میں اپنے حضور اپنی امت کو شرک بکتے کفر بولتے سنے اور یونہی سہل دو حرفوں میں گزار دے کہ اسے رہنے دو وہی پہلی بات کہے جاؤ۔ اب یاد کر وحدیث ابی داؤد **ویحك انه لایستشفع باللّٰه علی احدٍ**[1]۔ (تجھ پر افسوس ہے مخلوق میں سے کسی کے پاس اللہ تعالٰی سے سفارش نہیں کرائی جاتی) کے متعلق اپنی بدلگامی کی۔

تقریر کہ: "عرب میں قحط پڑا تھا ایک گنوار نے آکر پیغمبر کے روبرو اس کی سخت بیان کی اور دعا طلب کی اور کہا تمہاری سفارش ہم اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی تمہارے پاس، یہ بات سن کر پیغمبر خدا بہت خوف اور دہشت میں آگئے اور اللہ کی بڑائی ان کے منہ سے نکلنے لگی او ساری مجلس کے چہرے اللہ کی عظمت سے متغیر ہوگئے پھر اس کو سمجھایا کہ اللہ کی شان بہت بڑی ہے سب انبیاء و اولیاء اس کے روبرو ذرہ ناچیز سے کمتر ہیں وہ کس کے روبرو سفارش کرے[2]۔"

سبحان اللہ! اشرف المخلوقات محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اس کے دربار میں یہ حالت ہے کہ ایک گنوار کے منہ سے اتنی بات سنتے ہی مارے دہشت کے بے حواس ہوگئے اور عرش سے فرش تک جو اللہ کی عظمت بھری ہوی ہے بیان کرنے لگے۔

اقول: انبیاء و اولیاء کو ذرہ ناچیز سے کمتر کہنے کی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا کہ حضور نے اسے یوں سمجھایا یا تیرا افترا ہے حدیث میں اس کا وجود نہیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے حواس کہنا یہ تیری بے دینی کا ادنی کرشمہ اور افترا پر افترا ہے حدیث میں اس کا

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب السنة باب فی الجهمية آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۹۴

[2] تقویة الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۳۸

بھی نشان نہیں اور اللہ عزوجل کی عظمت اس کی صفت پاک اس کی ذات اقدس سے قائم ہے مکان و محل سے منزہ ہے، کیا جانئے تو کس چیز کو خدا سمجھا ہے جس کی عظمت مکانوں میں بھری ہوئی ہے، خیر یہ تو تیرے بائیں ہاتھ کے کھیل ہیں۔

تیر بر جاہ انبیاء اندازہ طعن در حضرت الٰہی کن

بے ادب باش وانچہ دانی گو بیحیا باش وہرچہ خواہی کن [1]

(انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام کے مقام و مرتبہ پر تیر اندازی کر اور بارگاہ الٰہی میں طعن کر، بے ادب بن جا اور جو کچھ چاہتا ہے کہتا جا، بے حیان بن جا اور جو چاہتا ہے کرتا جا۔ت)

مگر آنکھوں کی پٹی اترواکر ذرا یہ سوچ کہ جو بات عظمت شان الٰہی کے خلاف ہو اسے سن کر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ برتاؤ ہوتا ہے حالانکہ سفارشی ٹھہرانے کو یہ بات کہ اس کا مرتبہ اس سے کم ہے جس کے پاس اس کی سفارش لائی گئ ایسی سریح لازم نہیں جسے عام لوگ سمجھ لیں ولہذا وہ صحابی اعرابی رضی اللہ تعالٰی عنہ بآنکہ اہل زبان تھے اس نکتے سے غافل رہے تو کیا ممکن ہے کہ صریح شرک و کفر کے کلمے حضور سنیں اور اصلاً کوئی اثر غضب وجلال چہرہ اقدس پر نمایاں نہ ہو،ہ حضور دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ کہیں، نہ اہل مجلس کی حالت بدلے، نہ ان کے کہنے والیوں پر کوئی مواخذہ ہو، ایک آسان سی بات پر قناعت فرمائیں کہ اسے رہنے دو، کویں نہیں فرماتے کہ اری! تم کفر بک رہی ہو، اری! تقویۃ الایمان کے حکم سے تم مشرکہ ہوگئیں تمہارا دین جاتا رہا تم مرتد ہوئیں از سرانو ایمان لاؤ کلمہ پڑھو نکاح ہوگیا ہے تو تجدید نکاح کرو۔ گرض ایک حرف بھی ایسا نہ فرمایا جس سے شرک ہونا ثابت ہو، کہنے والیوں کو اپنا حال اور اہل مجلس کو اس لفظ کا حکم معلوم ہو حالانکہ وقت حاجت بیان حکم فرض ہے اور تاخیر اصلاً روا نہیں، تو خود اس حدیث سے صاف ظاہر ہوا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف اطلاع علی الغیب کی نسبت ہرگز شرک نہیں۔ رہا ممانعت فرمانا، وہ بھی یہ بتائے کہ انبیائے کرام وخود سید الانام علیہ وعلیہم افضل الصلٰوۃ والسلام کی جانب میں اس کا اعتقاد فی نفسہٖ باطل ہے، یہ منہ دھو رکھئے منع لفظ بطلان معنٰی ہی میں منحصر نہیں بلکہ اس کے لیے وجوہ ہیں اور عقل ونقل کا قاعدہ مسلمہ ہے کہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال (جب احتمال آجائے تو استدلال باطل

1

ہو جاتا ہے۔ت) **اولًا:** ممکن ہے کہ لہو ولعب کے وقت اپنی نعت اور وہ بھی زنانے گانے اور وہ بھی دف بجانے میں پسند نہ فرمائی، لہٰذا ارشاد ہوا: اسے رہنے دو اور وہی پہلے گیت گاؤ۔ ارشاد الساری، لمعات ومرقات وغیرہ میں اس احتمال کی تصریح ہے۔

ثانیًا اقول: ممکن کہ مجلس عورتوں، کنیزوں، کم فہم لوگوں کی تھی ان میں منع فرمایا کہ توہّم ذاتیت کا سد باب ہو، شرح حکیم ہے اور امام الوہابیہ کی مت اوندھی جو محتمل ذو وجوہ بات جس میں برے پہلو کی طرف لے جانے کا احتمال ہو چھوکریوں کو منع کی جائے دانشمند مردوں کے لیے اس کی ممانعت بدرجہ اولٰی جانتا ہے حالانکہ معاملہ صاف الٹا ہے ایسی بات سے کم علموں کم فہموں کو روکتے ہیں کہ غلط نہ سمجھ بیٹھیں، عاقلوں دانشمندوں کو منع کیا ضرور کہ ان سے اندیشہ نہیں۔ صحیح مسلم ومسند احمد وسنن ابی داؤد وسنن نسائی میں عدی بن حاتم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے خطبہ پڑھا اور اس میں یہ لفظ کہے:

ومن یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصھما فقد غوٰی۔	جس نے اللہ ورسول کی اطاعت کی اس نے راہ پائی اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بئس الخطیب انت، قل ومن یعص اللہ ورسولہ فقد غوٰی[1]۔	کیا براہ خطیب ہے تُو، یوں کہہ کہ جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہوا۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے:

قال قم او قال اذھب فبئس الخطیب انت[2]۔	سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھ، یا فرمایا: چلا جا کہ تو برا خطیب ہے۔

امام قاضی عیاض وغیرہ ایک جماعت علماء کا ارشاد ہے:

[1] صحیح مسلم کتاب الجمعۃ فصل فی ایجاز الخطبۃ واطالۃ الصلوٰۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۶، سنن الکبرٰی للبیہقی کتاب الطہارۃ ۱/۸۶ وکتاب الجمعۃ ۳/۲۱۶ دار صادر بیروت، مسند احمد بن حنبل حدیث عدی بن حاتم المکتب الاسلامی بیروت ۴/۲۵۶

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یخطب علی قوس آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۱۵۶

انما انکر علیه تشریکه فی الضمیر المقتضی للتسویة وامرہ بالعطف تعظیما لله	یعنی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس خطیب کا اللہ و رسول کو ایک ضمیر تثنیہ عــہ میں جمع کرنا

عــہ: **اقول**: ھذا ھو الصحیح علة ومنافاته حدیث ابی داؤد الاتی مندفعة بما ذکر العبد الضعیف غفر الله تعالٰی له اما ما استصوب الامام الاجل النووی رحمه الله تعالٰی فی المنهاج ان سبب النهی ان الخطب شانها البسط والایضاح واجتناب الاشارات والرموز ومثل ھذا الضمیر قد تکرر فی الاحادیث الصحیحة من کلام رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم کقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواھما وانما ثنی الضمیر ھٰھنا لانه لیس خطبة وعظ وانما ھو تعلیم حکم فکلما قل لفظ کان اقرب الٰی حفظه بخلاف خطبة الوعظ فانه لیس المراد حفظها وانما یراد الاتعاظ بها[1] اھ

فاقول: انما حداہ رحمه الله

اقول: (میں کہتاہوں) یہی علت درست ہے، اور اسکی منافات حدیث ابو داؤد کے ساتھ جو کہ عنقریب آرہی ہے، عبد ضعیف (اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے) کے بیان مذکور کے ساتھ مندفع ہے۔ امام اجل نوری علیہ الرحمہ نے منہاج میں جو خیال ظاہر فرمایا ہے کہ انہی کا سبب یہ ہے کہ خطبات کی شان یہ ہے کہ ان میں تفصیل وتوضیح سے کام لیاجائے اور ارشادات ورموز سے اجتناب کیا جائے حالانکہ اس قسم کی ضمیر کا استعمال کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں متعدد احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "اللہ ورسول کی محبت اس کے دل میں ان دونوں کے ماسوا سے زیادہ ہو۔" یہاں ضمیر تثنیہ اس لئے آپ نے استعمال فرمائی کہ یہ خطبہ و وعظ نہیں بلکہ حکم شرعی کی تعلیم ہے، چنانچہ لفظوں کی قلّت انہیں حفظ کرنے کے زیادہ قریب ہے، بخلاف خطبہ کے کہ اس میں حفظ الفاظ مقصد نہیں ہوتا بلکہ ان سے نصیحت حاصل کرنا مقصود ہوتاہے۔ اھ

فاقول: (تومیں کہتاہوں) امام نووی علیہ الرحمہ کو

(باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم کتاب الجمعة فصل فی ایجاز الخطبة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۶

تعالٰی بتقدیمه اسمه [1]۔	کہ جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی کو پسند نہ فرمایا اس میں برابری کا وہم نہ ہو جائے اور حکم دیا کہ یوں کہے کہ جس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی جس میں اللہ عزوجل کا نام اقدس نام پاک رسول سے تعظیماً مقدم رہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

تعالٰی علی ھذا التکلف السعید ما رأی من التنافی بین نھیه الخطیب وثبوته عن نفسه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وقد علمت ان لا تنافی ولیس من واجبات الخطبة ترك الاضمار لامن شریطة الایضاح وضع المظھر موضع المضمر وانما کان الاضمار یخل بالاظھار حیث یخشی الالتباس وھٰھنا لا لیس فکیف یکون ھٰذا مقتضیا لان یواجھه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بالذم ویقول له اذھب اوقم وقد کان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یحب الایجاز فی الکلام بحیث لایخل بالافھام وکان یقول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم: ان طول

اس تکلف سعید پر اس بات نے برانگیختہ کیا ہے کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خطیب کو ضمیر تثنیہ کے استعمال سے منع کرنے اور خود اس کو استعمال فرمانے میں منافات سمجھی، حالانکہ تُو جان چکا ہے کہ کوئی منافات نہیں۔ اور ضمائر کو ترک کرنا خطبہ کے واجبات میں سے نہیں اور نہ ہی ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھنا شرط توضیح ہے۔ ضمیر کو استعمال کرنا وہاں مخلِّ اظہار ہوتا ہے جہاں التباس کا ڈر ہو جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے۔ پھر یہ بات اس امر کی مقتضی کیسے ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس خطیب کو مذمت فرمائیں اور حکم دیں کہ یہاں سے چلا جا یا اٹھ جا، حالانکہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کلام میں ایسے اختصار کو پسند فرماتے تھے جو مخلِّ فہم نہ ہو۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مرد کا نماز کو لمبا کرنا (باقی برصفحہ آئندہ)

[1] شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض کتاب الجمعۃ حدیث ۸۷۰ دار الوفاء ۳/۲۷۵، شرح صحیح مسلم مع صحیح مسلم للنووی کتاب الجمعۃ فصل فی ایجاز الخطبۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۸۶

حالانکہ حدیث شریف میں ہے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خطبے میں یوں فرمایا کرتے:

من یطع اللہ ورسولہ فقد رشد ومن یعصہما فانہ لایضر الا نفسہ۔ ابو داؤد [1] عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	جس نے اللہ ورسول کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہوا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ (ابو داؤد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔ ت)

نیز ابن شہاب زہری نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خطبہ جمعہ روایت کیا اس میں بعینہٖ وہی الفاظ ہیں کہ:

ومن یعصہما فقد غوٰی۔ رواہ ایضًا [2] عنہ مرسلًا۔	جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی گمراہ ہوا۔ (نیز اس کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مرسلًا روایت کیا گیا۔ ت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

صلٰوۃ الرجل وقصر خطبتہ مئنۃ من فقہہ فاطیلو ا الصلٰوۃ واقصروا الخطبۃ وان من البیان لسحرا ثم ثبوت مثلہ عنہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی الخطبۃ کما ستسمع من حدیثی ابی داؤد لایذر لھذا الوجہ وجہ قبول اصلًا فانما المحیص الی ماذکر العبد الضعیف والحمدللہ علی التوقیف ۱۲ منہ۔

اور خطبہ کو مختصر کرنا اس کی فقاہت کی دلیل ہے لہٰذا نماز لمبی اور خطبہ مختصر کیا کرو۔ اور بعض بیان جادو ہوتے ہیں۔ پھر خود رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس جیسے کلام کا خطبہ میں ثبوت جیسا کہ ابو داؤد کی دو حدیثوں سے تُو سنے گا اس وجہ کو قابل قبول نہیں رہنے دیتا لہٰذا مخلص اسی وجہ میں ہے جس کو عبد ضعیف (مصنف علیہ الرحمہ) نے ذکر کیا ہے۔ اس سوجھ بوجھ کی عطا پر تمام تعریف اللہ تعالٰی کیلئے ہے۔ (ت)

[1] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ (ابواب الجمعۃ) باب الرجل یخطب علی قوس آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۷

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصلٰوۃ (ابواب الجمعۃ) باب الرجل یخطب علی قوس آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۱۵۷

حدیث آئندہ سے بتوفیق اللہ تعالٰی اس فقیر کی عمدہ تائید و تقریر ہوتی ہے فانتظر۔

ثالثًا: وجہ ممانعت علم غیب کی اسناد مطلق بے ذکر تعلیم الٰہی عزوجل ہے۔ شیخ محقق رحمہ اللہ تعالٰی نے لمعات میں اس طرف ایما فرمایا۔

اقول: اور وہ بے شک وجیہ ہے جس طرح بغیر اللہ عزوجل کی مشیت کو ملائے یوں کہنا کہ میں یوں کروں گا، مکروہ ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

"وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾"[1]۔	ہر گز نہ کہنا کسی چیز کو کہ میں کل بایسا کرنے والا ہوں مگر یہ کہ خدا چاہے۔

علم غیب بالذات اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے کفار اپنے معبودان باطل وغیرہم کے لئے مانتے تھے لہٰذا مخلوق کو "عالم الغیب" کہنا مکروہ، اور یوں کوئی حرج نہیں کہ اللہ تعالٰی کے بتائے سے امور غیب پر انہیں اطلاع ہے، یہ دوسرا احتمال ہے کہ علماء نے اس حدیث میں ذکر فرمایا اس تقدیر پر بھی ممانعت ادب کالم کی طرف ناظر ہے نہ یہ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بتعلیم الٰہی غیب پر اطلاع کا عقیدہ ممنوع ہی ہو شرک تو درکنا جو اس طاغی کا مقصود ہے هکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالٰی ولی التوفیق (تحقیق یونہی مناسب ہے اور اللہ تعالٰی توفیق دینے والا ہے۔ت)

حدیث ۱۶۹: محمد بن اسحٰق تابعی ثقہ امام السیر والمغازی نے ابو وجزہ یزید بن عبید سعدی سے روایت کی، جب (غزوۂ حنین میں) مشرکین بھاگ گئے مالک بن عوف (کہ اس لڑائی میں سردار کفار ہوازن تھے) بھاگ کر طائف میں پناہ گزیں ہوئے رحمت عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ایمان لاکر حاضر ہو تو ہم اس کے اہل ومال اسے واپس دیں۔ یہ خبر مالک بن عوف کو پہنچی، خدمت اقدس میں حاضر ہوئے جبکہ کہ حضور مقام جعرانہ سے نہضت فرماچکے گے، سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے اہل ومال واپس دئے اور سو اونٹ اپنے خزانہ کرم سے عطا کئے، فقال مالك بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنه یخاطب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من قصیدۃ (تو مالک بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اپنے قصیدہ سے مخاطب ہوئےت): ۔

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۲۳

ماان رایت ولا سمعت بواحدٍ فی الناس کلھم کمثل محمد

اوفٰی واعطٰی للجزیل لمجتدٍ ومتٰی تشاء یخبرك عما فی غدٍ

میں نے تمام جہان کے لوگوں میں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مثل نہ کوئی دیکھا نہ سنا، سب سے زیادہ وفا فرمانے والے اور سب سے فزوں تر سائل نفع کو کثیر عطا بخشنے والے اور جب تو چاہے تجھے کل کی خبر بتادیں۔ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انہیں ان کی قوم ہوازن اور قبائل ثمالہ وسلمہ وفہم پر سردار فرمایا[1]۔

حدیث ۱۷۰: معافی نے کتاب الجلیس والانیس میں بطریق حرمازی ابوعبیدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی، مالک بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ رئیس ہواز اسلام لاکر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنا وہ قصیدہ نعتیہ سنایا (جس میں اسی مضمون کے شعر ذکر کئے) **فقال لہ خیرًا وکساہ حلّۃ** حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے حق میں کلمہ خیر فرمایا اور انہیں خلعت پہنایا۔ **ذکرھما الحافظ فی الاصابۃ**[2] (ان دونوں روایتوں کو حافظ نے اصابہ میں بیان کیا۔ ت)

اقول: رضوان الٰہی کے بے شمار اباران یاران مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر برسیں یوں نہ کہا کہ **متی یشاء** جب وہ چاہیں تجھے غیب کی خبر دے دیں۔ اس میں اس صورت پر بھی صادق آسکنے کا احتمال رہتا، جب بتانے والے کو کوئی اختیار نہ دیا جائے بلکہ سال دو سال میں ایک آدھ بات پر اطلاع عطا ہوا ایسا جاننے والا بھی توریہ وایہام کے طور پر کہہ سکتا ہے کہ جب چاہوں گا تمہیں غیب کی خبر دے دوں کہ وہ اس وقت چاہے گا جب اسے اتفاق سے کوئی خبر ملے گی تو شرطیہ سچا ہے بلکہ یوں فرمایا کہ جب تُو چاہے وہ تجھے غیب کی کبر دے دیں گے، یہاں سائل مطلق مخاطب ہے کسے باشد نہ وہ معین نہ اسکے پوچھنے کا وقت محدود نہ غدٍ معرفہ بلکہ نکرہ غیر مخصوص، تو حاصل یہ ٹھہرے گا کہ جو شخص چاہے جس وقت چاہے جس آئندہ بات کو چاہے

[1] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ ابن اسحق ترجمہ ۷۶۷۲ مالك بن عوف دار الفکر بیروت ۵/ ۴۴ و ۴۵

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ الجلیس والانیس للمعافی ترجمہ ۷۶۷۲ مالك بن عوف دار الفکر بیروت ۵/ ۴۵

حضور بتادیں گے، یہ اسی کی شان ہوسکتی ہے جو بالفعل تمام آئندہ باتوں کو جانتا ہو یا اطلاع غیب اس کے ارادہ وخواہش پر کردی گئی ہو کہ جب چاہے معلوم کرلے ورنہ یہ اطلاق ہرگز صادق نہیں آسکتا، اسے ایک نظیر محسوس میں دیکھئے۔ زید فقیر ہے نہ پاس کچھ رکھتا ہے نہ بادشاہی خوانوں پر اس کا ہاتھ پہنچتا ہے مگر بادشاہ کبھی کبھی اسے دو چار توڑے بخش دیتا ہے وہ شخص پہلو رکھ کر یہ کہے تو کہہ لے کہ میں جب چاہوں ایک توڑا خیرات کردوں کہ وہ آپ ہی اسی وقت چاہے گا جب پائے گا مگر عام فقیروں کو اشتہار دے کر تم جس وقت چاہو میں توڑا عطا کردوں، تو ضرور غلط کہا، اور دم بھر میں اس کا دروغ کھل سکتا ہے، فقیر مانگیں اور نہ مال ہے نہ خزانے پر اختیار، تو کہاں سے دے گا، ہاں اگر بادشاہ نے بالفعل ایسے خزانے دے دئے کہ جب کوئی کچھ مانگے یہ دے اور کمی نہ ہو، یا بالفعل نہ سہی تو خزانوں پر اختیار ہی دیا ہو کہ جس وقت جو چاہے لے لے تو وہ بیشک ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ اب یہ حدیثیں فرمارہی ہیں کہ صحابی یہ سفت کریم حضور کی نعت اقدس میں عرض کرتے ہیں اور حضور انکار نہیں فرماتے بلکہ خلعت وانعام بخشتے ہیں، تو صراحۃً یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالٰی نے اطلاع غیب حضور کے ارادہ واختیار پر رکھ دی ہے، اور واقعی انبیاء کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام کی شان ایسی ہی ہے، امام حجۃ الاسلام محمد محمد محمد غزالی قدس سرہ العالی فرماتے ہیں:

النبوۃ عبارۃ عما یختص بہ النبی ویفارق بہ غیرہ وھو یختص بانواع من الخواص، **احدھا** انہ یعرف حقائق الامور المتعلقۃ باللہ تعالٰی وصفاتہ وملئکتہ والدار الاٰخرۃ علما مخالفا لعلم غیرہ بکثرۃ المعلومات وزیادۃ الکشف والتحقیق، **ثانیھا** ان لہ فی نفسہ صفۃ بھا تتم الافعال الکارقۃ للعادۃ کما ان لنا صفۃ تتم بھا الحرکات المقرونۃ بارادتنا	یعنی نبوت وہ چیز ہے جو نبی کے ساتھ خاص ہے اور نبی اس کے سبب اوروں سے ممتاز ہے اور وہ کئی قسم کے خاصے ہیں جنسے نبی مختص ہوتا ہے، **ایک** یہ کہ جو امور اللہ عزوجل کے ذات وصفات اور ملائکہ وآخرت سے متعلق ہیں نبی انکے حقائق کا ایسا علم رکھتا ہے کہ اوروں کے علم زیادت معلومات وفزونی تحقیق وانکشاف میں ان سے نسبت نہیں رکھتے۔ **دوم** یہ کہ نبی کے لیے اس کی زات میں ایک وصف ہوتا ہے جس سے افعال خلاف عادت (جنہیں معجزہ کہتے ہیں) انصرام پاتے ہیں جس طرح ہمارے لئے ایک صفت ہے کہ اس سے ہماری حرکات ارادیہ

وهى القدرة. **ثالثها** ان له صفة بها يبصر الملئكة ويشاهدهم كما ان للبصير صفة بها يفارق الاعلى، **رابعها** ان له صفة بها يدرك ماسيكون فى الغيب. نقله عنه العلامة الزرقانى فى صدر شرح المواهب[1]۔	پوری ہوتی ہیں جسے قدرت کہتے ہیں۔ **سوم** یہ کہ نبی کے لیے ایک صفت ہوتی ہے جس سے وہ ملائکہ کو دیکھتا ہے جس طرح انکھیارے کے پاس ایک صفت ہوتی ہے جس کے باعث وہ اندھے سے ممتاز ہے۔ **چہارم** یہ کہ نبی کے لیے ایک صفت ہوتی ہے جس سے وہ آئندہ غیب کی باتیں جان لیتا ہے۔ (علامہ زرقانی علیہ الرحمۃ نے شرح المواہب کے آغاز میں اسے امام غزالی علیہ الرحمۃ نے نقل کیا۔ت)

اقول: مسلمانو! اس حدیث شریف اوران امام باعظمت ان حکیم امت قدس سرہ المنیف کے ارشاد لطیف کوامام الوہابیہ کے قول کثیف سے ملا کر دیکھو کہ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اہل حق واہل باطل کے عقائد کافرق ظاہر ہو یہ فرماتے ہیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں رب عزوجل نے ایک صفت ایسی رکھی ہے جس سے وہ خرقِ عادت کرتے ہیں جس طرح ہم اپنے ارادے سے چلتے پھرتے، حرکت کرتے ہیں، ایک صفت رکھی ہے جس سے وہ ملائکہ کو دیکھتے ہیں، ایک صفت دی ہے جس سے وہ غیب کی آئندہ باتیں جانتے ہیں۔ یہ کہتا ہے: ''ان کو کسی نوع کی قدرت نہیں، کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ ایضًا کچھ اس بات میں بھی ان کو بڑائی نہیں کہ اللہ صاحب نے غیب دانی ان کے اختیار میں دی ہو کہ جس آئندہ بات کو جب ارادہ کریں تو دریافت کرلیں کہ فلانے کی اولاد ہوگی یانہ ہوگی، یااس سوداگری میں اس کو فائدہ ہوگا یانہ ہوگا، یااس لڑائی میں فتح پاوے گا یاشکست کہ ان باتوں میں بھی سب بندے بڑے ہوں یا چھوٹے یکساں بے خبر ہیں اور نادان۔ ایضًا جو کچھ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا دنیا خواہ قبر خواہ آخرت میں اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں نہ نبی کو نہ ولی کو، نہ اپنا حال نہ دوسرے کا، اوراگر کچھ بات اللہ نے کسی مقبول بندے کو وحی یا الہام سے بتائی کہ فلانے کام کاانجام بخیر ہے یابرا، سووہ مجمل ہے اوراس سے زیادہ معلوم کرلینا اوراس کی تفصیل دریافت کرنی ان کے اختیار سے باہر ہے[2]۔''

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بحوالة الغزالی مقدمة الكتاب دار المعرفة بيروت ۱/ ۲۰، ۱۹

[2] تقوية الايمان الفصل الثانی فی ردالاشراك فی العلم مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۷

اقول: اتنا لفظ سچ ہے کہ اللہ عزوجل کے بتانے سے زیادہ کوئی معلوم نہیں کرسکتا۔ ہمارے اختیاری افعل کب عطائے الٰہی وارادہ الٰہیہ سے بڑھ کر ہوسکتے ہیں مگر کلمۃ حق ارید بھا باطل (کلمہ حق ہے جس سے باطل کا ارادہ کیا گیا ہے۔ت) خوارج کی طرح یہ سچا لفظ اس نے باطل ارادے سے کہا ہے وہ اس سے ان کے اختیار عطائی کا بھی سلب چاہتا ہے یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کو خدا کا دیا ہوا اختیار بھی نہیں بلکہ عاجز و مجبور محض ہیں۔ اس نے صاف تصریح کی ہے کہ: ''ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے جب چاہیں کریں جب چاہیں نہ کریں، سو اس طرح غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے دریافت کرلیجئے یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے، کسی نبی و ولی کو بھوت وپری کو اللہ صاحب نے یہ طاقت نہیں بخشی، اللہ صاحب اپنے ارادے سے کبھی کسی کو جتنی بات چاہتا ہے خبر دیتا ہے، سو یہ اپنے ارادے کے موافق نہ ان کی خواہش پر[1]۔''

اسی کے اس اعتقاد باطل کا حدیث مذکور و قول مسطور امام مشہور میں ردّ صریح ہے۔

بالجملہ فرق یہ ہے کہ حدیث کے ارشاد اور ان کے مطابق اہل حق کے اعتقاد میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اظہار خوارق وادراک غیب میں انسان مختار بعطائے قادر جلیل الاقتدار ہیں کہ جس طرح عام آدمیوں کو ظاہری حرکات وظاہری ادراکات کے اختیارات حضرت واہب العطیات نے بخشے ہیں کہ جب چاہیں دست وپاک و جنبش دیں چاہیں نہ دیں، جب چاہیں آنکھ کھول کر چیز دیکھ لیں چاہیں نہ دیکھیں، اگرچہ بے خدا کے چاہے وہ کچھ نہیں چاہ سکتے، اور وہ چاہیں خدا نہ چاہے تو ان کا چاہا کچھ نہیں ہوسکتا اور وہ عطائی اختیارات اس کے حقیقی ذاتی اختیار کے حضور کچھ نہیں چل سکتے بعینہٖ یہی حالت حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی درباہ معجزات وادراک معیبات ہے کہ رب عزوجل نے انہیں ظاہری جوارح و مسع وبصر کی طرح باطنی سفات وہ عطا فرمائی ہیں کہ جب چاہیں خرق عادات فرمادیں مغیبات کو معلوم فرمالیں چاہیں نہ فرمائیں اگرچہ بے خدا کے چاہے نہ وہ چاہ سکتے ہیں نہ بے ارادہ الٰہیہ ان کا ارادہ کام دے سکتا ہے، اور امام الوہابیہ کے نزدیک ایسا نہیں بلکہ انبیاے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پتھر کی طرح عاجز محض و مجبور مطلق ہیں کہ ہلانے والا محض اپنے قسری ارادے سے بے ان کے توسط اختیار عطائی کے اپنے ارادے کے موافق نہ ان کی خواہش پر، ہلادے تو ہل

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

جائیں ورنہ مجبور پڑے رہیں یہ کس ناکس اپنے اس خیال پر دلیل لایا کہ: ''چنانچہ پیغمبر کو بارہا ایسا اتفاق ہوا کہ بعض بات دریافت کرنے کی خواہش ہوئی اور وہ بات نہ معلوم ہوئی پھر جب اللہ صاحب کا ارادہ ہوا تو ایک آن میں بتادی چنانچہ منافقوں نے حضرت عائشہ پر تہمت کی اور حضرت کو بڑا رنج ہوا اور کئی دن تک بہت تحقیق کیا کچھ حقیقت معلوم نہ ہوئی، جب اللہ صاحب کا ارادہ ہوا تو بتادیا کہ منافق جھوٹے ہیں اور عائشہ پاک [1]۔''

اقول: اگر اختیار ذاتی وعطائی میں فرق کی تمیز ہوتی تو جان لیتا کہ ایسے اتفاقات اختیار عطائی کے اصلاً منافی نہیں، مراد کا اکتیار سے متخلف نہ ہوسکنا ن قدرت ذاتیہ الٰہیہ کا خاصہ ہے، قدرت عطائیہ انسانیہ میں لاکھ بار ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک کام کیا چاہتا ہے اور اللہ نہیں چاہتا نہیں بن پڑتا، اس سے نہ انسان پتھر ہوگیا نہ اس کا اختیار عطائی مسلوب، عطائی کی شان ہی یہ ہے کہ جب تک ارادہ ذاتیہ حقیقیہ الٰہیہ مساعدت نہ فرمائے کام نہیں دیتا۔ طرفہ قہر بر قہر یہ ہے کہ ادھر تو تُو نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عیاذًا باللہ پتھر بنایا تھا ادھر اپنے معبود کو ایک آدمی کے برابر کر چھوڑا کہ: ''غیب کی بات دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو کہ جب چاہے کرلیجئے یہ اللہ صاحب کی شان ہے [2]۔''

او اللہ عزوجل کو سخت عیب لگانے والے بے ادب گستاخ! یہ ہرگز ہرگز اللہ تعالٰی کی شان نہیں، وہ اس بیہودہ مہمل شان سے پاک ومنزہ ہے اس کا علم اس کی صفت ذاتیہ ہے اس کے اختیار سے نہیں اس کا علم مخلوق نہیں ازلی ابدی ہے حادث نہیں۔ او بد عقل بدزبان! غیب کا دریافت کرنا اختیار میں ہونے کے یہی معنٰی یا کچھ اور کہ بالفعل تو معلوم نہیں مگر چاہے تو معلوم کرسکتا ہے، تُف بر رُوئے بے دینی، یہ تیرا موہوم خدا جاہل بالفعل محل حوادث ہوگا سچا خدا تیری یہ صریح گالی ہے بے نہایت متعالی ہے **تعالٰی اللہ عما یقول الظٰلمون علوًا کبیرا** (اللہ تعالٰی بہت بُلند وبرتر ہے۔ ان باتوں سے جو ظالم کہتے ہیں۔ ت)

مسلمانو! دیکھا تم نے، یہ ایمان ہے اس گمراہ کا انبیاء اور خود حضرت عزت کی جناب میں،

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۴

انا للہ وانا الیہ راجعون، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خیر اس کی ضلالتیں کہاں تک لکھئے ما علی مثلہ یعد الخطاء (اس جیسے کی خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ ت) حدیث دکھا کر اتنا پوچھئے کہ کیوں صاحب! وہاں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غضب فرمایا نہ حکم شرک لگایا مگر انسار کی چھوکریوں کو اتنا ارشاد ہوا کہ اسے رہنے دو۔ یہاں جو یہ مرد عاقل یہ صحابی فاضل نعت حضور میں اس سے بھی زیادہ عظیم بات کررہے ہیں اور حدیث فرماتی ہے کہ حضور منع نہیں کرتے بلکہ اور انعام واکرام بخشتے ہیں۔ یہ شرک وہابیت پر کیسی آفت ہے، اب یاد کر وہ اپنی اوندھی مت الٹی کھوپڑی ''چہ جائیکہ عاقل مرد کہے یا سن کر پسند کرے[1]''۔ کچھ یہ بھی سُوجھا کہ کہنے والے کون تھے اور سن کر پسند کرنیوالے کون۔

"بَلۡ نَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ عَلَى الۡبَاطِلِ فَيَدۡمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ الۡوَيۡلُ مِمَّا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۸﴾ "[2]۔	بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجہ نکال دیتا ہے تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے، اور تمہاری خرابی ہے ان باتوں سے جو بناتے ہو۔ (ت)

حدیث ۱۷۱: اور بڑھ کر سنئے، شرک فی العادۃ کے بیان میں لکھا: ''اللہ صاحب نے اپنے بندوں کو سکھایا ہے کہ دنیا کے کاموں میں اللہ کو یاد رکھیں اور اس کو کچھ تعظیم کرتے رہیں جیسے اولاد کا نام عبداللہ، خدا بخش رکھنا جس چیز کو فرمایا اس کو برتنا جو منع کیا اس سے دور رہنا اور یوں کہنا کہ اللہ چاہے تو ہم فلانا کام کرینگے اور اس کے نام کی قسم کھانی اس قسم کی چیزیں اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے بتائی ہیں پھر کوئی کسی انبیاء اولیاء بھوت پری کی اس قسم کی تعظیم کرے جیسے اولاد کا نام عبدالنبی امام بخش رکھنے کھانے پینے پہننے میں رسموں کی سند پکڑے یا یوں کہے کہ اللہ ورسول چاہے گا تو میں آؤں گا یا پیغمبر کی قسم کھاوے سو ان سب باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے اس کو اشراک فی العادۃ کہتے ہیں[3]۔''

پھر اس شرک کی فصل میں اس مدعا کے ثبوت کو مشکوٰۃ کے باب الاسامی سے شرح السنہ کی

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۸

[2] القرآن الکریم ۲۱/۱۸

[3] تقویۃ الایمان مقدمۃ الکتاب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۸،۹

حدیث بروایت حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایا کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء محمد وقولوا ما شاء اللہ وحدہ[1]۔	نہ کہو جو چاہے اللہ اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوں کہو کہ جو چاہے ایک اللہ۔

اور اس پر یہ فائدہ چڑھایا: ''یعنی جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملادے گو کیسا ہی بڑا ہو مثلاً یوں نہ بولو کہ اللہ و رسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا[2]۔''

اقول: وباللہ التوفیق اولاً: وہی قدیملت وہی پرانی علت کو دعوے کے وقت آسمان نشین اور دلیل لانے میں اسفل السافلین۔ حدیث میں تو اتنا ہے کہ ''یوں نہ کہو'' وہ شرک کا حکم کدھر گیا۔

ثانیاً: سخت عیاری ومکاری کی چال چلا، مشکوٰۃ شریف کے باب مذکور میں حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ یوں مذکور تھی کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان ولٰکن قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان[3]۔	نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں بلکہ یوں کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔

مشکوٰۃ میں اسے مسند امام احمد و سنن ابی داؤد کی طرف نسبت کرکے فرمایا: **وفی روایۃٍ[4] منقطعًا** اور ایک روایت منقطع یعنی جس کی سند نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل نہیں یوں آئی ہے یہاں وہ روایت شرح السنہ ذکر کی ہوشیار عیار نے دیکھا کہ اصل حدیث تو اس کے دعوٰی شرک کو داخل جہنم کئے دیتی ہے اسے صاف الگ اڑا گیا اور فقط یہ منقطع روایت

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۰

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۰

[3] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسلامی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۰۸

[4] مشکوٰۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسلامی قدیمی کتب خانہ کراچی ص ۴۰۹، ۴۰۸

نقل کرلیا۔ کیا یہ سمجھتا تھا کہ مشکوٰۃ اہل علم کی نظر سے نہاں ہے، نہیں نہیں، خوب جانتا تھا کہ مبتدی طالب علم حدیث میں پہلے اسی کو پڑھتا ہے مگر اسے توان بیچارے عوام کو چھلنا مقصود تھا جنہیں علم کی ہوا نہ لگی سمجھ لیا کہ ان پر اندھیری ڈال ہی لوں گا، اہل علم نے اور کون سی مانی ہے کہ اسی پر معترض ہونگے۔

ع اس آنکھ سے ڈریے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

ثالثاً: امام الوہابیہ کا تو مبلغ علم یہی مشکوٰۃ ہے، ہم اس مطلب کی احادیث اول ذکر کریں پھر بتوفیقہٖ تعالٰی ثابت کر دکھائیں کہ یہی حدیثیں اس کے شرک کا کیسا سر توڑتی ہیں۔ اول تو یہی حدیث حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی (حدیث ۱۷۱) احمد وابی داؤد نے یوں مختصراً اور ابن ماجہ نے بسند حسن اس طرح مطولاً روایت کی:

حدثنا هشام بن عمار ثنا سفٰین بن عیینه عن عبد الملك بن عمیر عن ربعی بن حراش عن حذیفة بن الیمان رضی الله تعالٰی عنهما ان رجلًا من المسلمین راٰی فی النوم انه لقی رجلًا من اهل الکتاب فقال نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون تقولون ما شاء الله وشاء محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم وذکر ذٰلك للنبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم فقال اما والله ان کنت لاعرفها لکم قولوا ما شاء الله ثم ماشاء محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم[1]۔	یعنی اہل اسلام سے کسی صاحب کو خواب میں ایک کتابی ملا وہ بولا: تم بہت خوب لوگ ہو اگر شرک نہ کرتے تم کہتے ہو جو چاہے اللہ اور چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ ان مسلم نے یہ خواب حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی، فرمایا: سنتے ہو خدا کی قسم تمہاری اس بات پر مجھے بھی خیال گزرتا تھا یوں کہا کرو جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفة بن الیمان المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۳۹۳، سنن ابی داود، کتاب الادب باب منہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۲۴، سنن ابن ماجة ابواب الکفارات باب النھی ان یقال ماشاء اللہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۴

یہ حدیث ابن ابی شیبہ[1] وطبرانی وبیہقی وغیرہم نے بھی روایت کی۔

حدیث ۱۷۲: ابن ماجہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا حلف احدکم فلا یقل ماشاء الله وشئت ولٰکن لیقل ماشاء الله ثم شئت[2]۔	جب تم میں سے کوئی شخص قسم کھائے تو یوں نہ کہے کہ جو چاہے اللہ اور میں چاہوں، ہاں یوں کہے کہ جو چاہے اللہ پھر میں چاہوں۔

حدیث ۱۷۳: نیز ابن ماجہ واحمد وبغوی وابن قانع وغیرہم نے یہی مضمون طفیل بن سخبرۃ برادر مادری ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا:

بیدانہ اعنی ابن ماجہ[3] احالہ علی حدیث حذیفۃ فقال نحوہ ولم یسق لفظہ۔	سوائے اس کے کہ ابن ماجہ نے اسکو حدیث حذیفہ کی طرف پھیرتے ہوئے نحوہ، کہاہے اس کے الفاظ ذکر نہیں کئے۔ (ت)

اور مسند امام احمد بسند حسن صحیح کہ حدثنا بھز وعفان ثنا حماد بن سلمۃ عن عبدالملک بن عمیر عن ربعی بن حراش عن طفیل بن سخبرۃ اخی عائشۃ لامھا رضی اللہ تعالٰی عنہما یوں ہے کہ انہیں خواب میں کچھ یہودی ملے انہوں نے ابنیت عزیر علیہ الصلٰوۃ والسلام ماننے کا ان پر اعتراض کیاانہوں نے کہا تم خاص کامل لوگ ہوا گر ویں نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، پھر کچھ نصارٰی ملے ان سے بھی ابنیت مسیح کے جواب میں یہی سنا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے خواب عرض کیا، حضور نے خطبے میں بعد حمد وثناء الٰہی فرمایا:

انکم کنتم تقولون کلمۃ کان یمنعنی	تم لوگ ایک بات کہا کرتے تھے مجھے تمہارا

---

[1] اتحاف السادۃ بحوالہ ابن ابی شیبۃ الآفۃ التاسعۃ عشر دارالفکر بیروت ۷/ ۵۷۴، اتحاف السادۃ بحوالہ المعجم الکبیر الآفۃ التاسعۃ عشر دارالفکر بیروت ۷/ ۵۷۴، الاسماء والصفات باب قول اللہ عزوجل وما تشاؤن الخ المکتبۃ الاثریہ سانگلہ ہل ۱/ ۲۳۷و ۲۳۸

[2] سنن ابن ماجۃ ابواب الکفارات باب النھی ان یقال ما شاء اللہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۴

[3] سنن ابن ماجۃ ابواب الکفارات باب النھی ان یقال ما شاء اللہ الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۴

الحیاء منکن ان انھٰکم عنھا لاتقولوا ماشاء اللہ وما شاء محمد[1]۔	لحاظ روکتا تھا کہ تمہیں اس سے منع کردوں یوں نہ کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

حدیث ۱۷۴: سنن نسائی میں بسند صحیح بطریق مسعر عن معبد بن خالد عن عبداللہ بن یسارٍ قتیلہ بنت صیفی جہنیہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے:

ان یھودیا اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال انکم تنددون وانکم تشرکون تقولون ماشاء اللہ وشئت وتقولون والکعبۃ فامرھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اراد وان یحلفوا ان یقولوا ورب الکعبۃ ویقول احد ماشاء اللہ ثم شئت[2]۔	یعنی ایک یہودی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حاضر ہو کر عرض کی: بیشک تم لوگ اللہ کا برابر والا ٹھہراتے ہو بیشک تم لوگ شرک کرتے ہو یوں کہتے ہو جو چاہے اللہ چاہو تم، اور کعبے کی قسم کھاتے ہو۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو فرمایا کہ قسم کھانا چاہیں تو یوں کہیں ''رب کعبہ کی قسم'' اور کہنے والا یوں کہے ''جو چاہے اللہ اور پھر جو چاہو تم۔''

یہ حدیث سنن بیہقی[3] میں بھی ہے، نیز ابن سعد نے طبقات اور طبرانی معجم کبیر میں میں بطریق مذکور مسعر اور ابن مندہ نے بطریق المسعودی عن معبد الجدلی عن ابن یسارن الجھنی عن قتیلۃ الجھنیۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا روایت کی اور امام احمد نے مسند میں اس طریق مسعودی سے بسند صحیح یوں روایت فرمائی: حدثنا یحیی بن سعید ثنا یحیی المسعودی ثنی معبد بن خالد عن عبداللہ بن یسار

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث طفیل بن سخبرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۵/ ۷۲

[2] سنن النسائی کتاب الایمان والنذور الحلف بالکعبۃ نور محمد کارخانہ کراچی ۲/ ۱۴۳

[3] السنن الکبرٰی کتاب الجمعۃ باب مایکرہ من الکلام فی الخطبۃ دار صادر بیروت ۳/ ۲۱۶، الطبقات الکبرٰی لابن سعد تسمیۃ غرائب نساء العرب دار صادر بیروت ۸/ ۳۰۹، المعجم الکبیر عن قتیلۃ بنت صیفی الجھنیہ حدیث ۵ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۵/ ۱۴ و ۱۵

عن قتیلۃ بنت صیفی ن الجھنیۃ،

قالت اتٰی خبر من الاخبار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال یا محمد نعم القوم انتم لولا انکم تشرکون قال سبحان اللہ وما ذاك قال تقولون اذا حلفتم ولکعبۃ قالت فامھل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شیأا ثم قال انہ قد قال فمن حلف فلیحلف برب الکعبۃ قال یا محمد نعم القوم انتم لولا انکم تجعلون للہ ندًّا قال سبحان اللہ وما ذاك قال تقولون ما شاء اللہ وشئت قالت فامھل رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شیئا قال انہ قد قال ماشاء اللہ فلیفصل بینھما ثم شئت[1]۔	یعنی یہود کے ایک عالم نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی، اے محمد! آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر شرک نہ کیجئے۔ فرمایا: سبحان اللہ! یہ کیا۔ کہا: آپ کعبہ کی قسم کھاتے ہیں۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے کچھ مہلت دی یعنی ایک مدت تک کچھ ممانعت نہ فرمائی، پھر فرمایا: یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو قسم کھائے وہ رب کعبہ کی قسم کھائے۔ یہودی نے عرض کی: اے محمد! آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر اللہ کا برابر نہ ٹھہرائیے۔ فرمایا: سبحان اللہ! یہ کیا۔ کہا: آپ کہتے ہیں جو چاہے اللہ اور چاہو تم۔ اس پر بھی سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک مہلت تک کچھ نہ فرمایا، بعدہ، فرمادیا: اس یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو کہے کہ جو چاہے للہ تعالٰی تو دوسرے کے چاہنے کو جدا کرکے کہے کپ پھر چاہو تم۔

بحمد اللہ یہ احادیث کثیرہ صحیحہ جلیلہ متصلہ کتب صحاح سے ہیں، امام الوہابیہ نے ان سب کو بالائے طاق رکھ کر شرح السنہ کی ایک روایت منقطع دکھائی اور بحمد اللہ اس میں بھی کہیں اپنے حکم شرک کی بو نہ پائی۔

اقول: وباللہ التوفیق اب بفضلہٖ تعالٰی ملاحظہ کیجئے کہ یہی حدیثیں اسکے دعوی شرک کو کس کس طرح جہنم رسید فرماتی ہیں:

اولاً: ان احادیث سے ثابت کہ صحابہ کرام میں قول کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہو جائیگا

[1] مسند احمد بن حنبل عن قتیلہ بنت صیفی حدیث قتیلہ المکتب الاسلامی بیروت ۶/ ۳۷۱و۳۷۲

یااللہ اور تم چاہو تو یوں ہوگا شائع وذائع تھا اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس پر مطلع تھے اور انکار نہ فرماتے تھے بلکہ اس عالم یہود کے ظاہر الفاظ تو یہ ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خود بھی ایسا فرمایا کرتے تھے، امام الوہابیہ اسے شرک کہتا ہے، تو ثابت ہوا کہ اس کے نزدیک صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم شرک کرتے تھے اور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم منع نہ فرماتے تھے۔

ثانیًا: حدیث طفیل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لفظ دیکھو کہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس لفظ کا خیال مجھے بھی گزرتا تھا مگر تمہارے لحاظ سے منع نہ کرتا تھا۔'' جب یہ لفظ امام الوہابیہ کے نزدیک شرک ٹھہرا تو معاذاللہ نبی نے دانستہ شرک کو گوارا کیا اور اس سے ممانعت پر اپنے یاروں کے لحاظ پاس کو غلبہ دیا اور امام الوہابیہ کے یہاں یہ نبوت کی شان ہے، **والعیاذ باللہ باللہ رب العالمین۔**

ثالثًا: ایک یہودی نے آکر اعتراض کیا اس کے بعد حکم ممانعت ہوا، تو امام الوہابیہ کے نزدیک صحابہ کرام بلکہ سید انام علیہ الصلوٰۃ و السلام کو سچی توحید اور اس پر استقامت کی تاکید ایک یہودی نے سکھائی **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

رابعًا: قتیلہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کہ حدیث صحیح دیکھو، اس یہودی کی عرض پر بھی فورًا حضور نے ممانعت نہ فرمائی بلکہ ایک زمانہ کے بعد خیال آیا او فرمایا: وہ یہودی اعتراض کرگیا ہے اچھا یوں نہ کہا کرو۔ تو امام الوہابیہ کے نزدیک اللہ کے رسول نے آپ تو شرک سے نہ روکا یا شرک کو شرک نہ جانا جب ایک کافر نے بتایا اس پر بھی ایک مدت تک شرک کو روا رکھا پھر ممانعت بھی کی تو یوں نہیں کی شرک کی برائی سے، بلکہ یوں کہ ایک مخالف اعتراض کرتا ہے لہذا چھوڑ دو۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خامسًا: ان سب دقتوں کے بعد جو تعلیم فرمائی وہ بھی ہماں آس درکاسہ لائی ارشاد ہوا کہ یوں کہا کرو ''جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد'' صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ تو یہ کام ہوگا، امام الوہابیہ کے لفظ یاد کیجئے:

"یہ خاص اللہ کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا[1]۔"

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۴۰

مسلمانو! ﷲ انصاف، جو بات خاص شانِ الٰہی عزوجل ہے جس میں کسی مخلوق کو کچھ دخل نہیں اس میں دوسرے کو خدا کے ساتھ ''اور'' کہہ کر ملایات تو کیا، شرک سے کیونکر نجات ہو جائے گی۔ مثلاً آسمان وزمین کا خالق ہونا، اپنی ذاتی قدرت سے تمام اولین وآخرین کا رازق ہونا خاص خدا کی شانیں ہیں۔ کیا اگر کوئی یوں کہے کہ ﷲ ورسول خالق السمٰوٰت والارض ہیں، ﷲ ورسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق عالم ہیں جبھی شرک ہوگا۔ اور اگر کہے کہ ﷲ پھر رسول خالق السمٰوٰت والارض ہیں، ﷲ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق جہاں ہیں تو شرک نہ ہوگا۔

مسلمانو! گمراہوں کے امتحان کے لیے ان کے سامنے یونہی کہہ دیکھو کہ ﷲ پھر رسول عالم الغیب ہیں، ﷲ پھر رسول ہماری مشکلیں کھول دیں، دیکھو تو یہ حکم شرک جڑتے ہیں یا نہیں۔ اسی لئے تو یہ عیار مشکوٰۃ کی اس حدیث متصل صحیح ابوداؤد کی میر بحری بجا گیا تھا جس میں لفظ ''پھر'' کے ساتھ اجازت ارشاد ہوئی تو ثابت ہوا کہ اس مرد ک کے نزدیک رسول ﷲ صلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم نے یہودی کا اعتراض پا کر بھی جو تبدیلی کی وہ خود شرک کی شرک ہی رہی۔

مسلمانو! یہ حاصل ہے رسولوں کی جناب میں اس گستاخ کے اعتقاد کا۔ "وَسَیَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَیَّ مُنۡقَلَبٍ یَّنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۲۲۷﴾ "[1]۔ (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پلٹا کھائیں گے۔ت) یہ تو انکے طور پر نتیجہ احادیث تھا ہم اہل حق کے طور پر پوچھو تو **اقول: وباللہ التوفیق** (تو میں ﷲ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ت) بحمد ﷲ تعالٰی نے صحابہ نہ شرک کیا نہ معاذ ﷲ نبی صلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم نے شرک سن کر گوارا فرمایا، کسی کے لحاظ وپاس کو کام میں لانا ممکن نہ تھا، نہ یہودی مرد ک تعلیم توحید کر سکتا تھا، بلکہ حقیقت امری یہ ہے کہ مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ ﷲ عزوجل کے لیے خاص ہے اور مشیت عطائیہ تابعہ لمشیۃ ﷲ تعالٰی ﷲ تعالٰی نے اپنے عباد کو عطا کی ہے، مشیت محمد رسول ﷲ صلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم کو کائنات میں جیسا کچھ دخل عظیم بعطائے رب کریم جل جلالہ، ہے وہ ان تقریرات جلیلہ سے کہ ہم نے زیر حدیث ذکر کیں واضح وآشکار ہے، محمد رسول ﷲ صلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم محمد رسول ﷲ صلی ﷲ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک نائب وخادم سیدنا علی مرتضٰی مشکل کشا کرم ﷲ تعالٰی وجہہ الاسنٰی کی نسبت امت مرحومہ کا جو اعتقاد ہے وہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی عبارت مذکورہ مقدمہ سے اظہار ہے کہ:

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

حضرت امیر وذریۂ طاہرہ اوراتمام امت برمثال پیران می پر ستند وامور تکوینیہ را بایشاں وابستہ میدانند[1]۔	حضرت امیر یعنی حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ اوران کی اولاد کو تمام امت اپنے مرشد جیسا سمجھتی ہے اور تکوینی امور کوان حضرات کے ساتھ وابستہ جانتی ہے۔(ت)

اور خود امام الوہابیہ اس تقویۃ الایمان کے کفری ایمان سے پہلے جو ایمان صراط مستقیم میں رکھتا تھا وہ بھی یہی تھا جہاں کہتا تھا:

مقامات ولایت بل سائر خدمات مثل قطبیت وغوثیت و ابدالیت وغیرہا ہمہ از عہد کرامت مہد حضرت مرتضٰی تا انقراض دنیا ہمہ بواسطہ ایشان ست ودر سلطنت سلاطین و امارتِ امرا ہمت ایشاں رادخلے ست کہ برسیاحین عالم ملکوت مخفی نیست[2]۔	مقامات ولایت بلکہ تمام خدمات مثل قطبیت، غوثیت و ابدالیت وغیرہ سب رہتی دنیا تک حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے واسطے سے ملتے ہیں اور بادشاہوں کی سلطنت اور امیروں کی امارت میں بھی آنجناب کی ہمت کا دخل ہے، یہ سیاحان عالم ملکوت پر پوشیدہ نہیں۔(ت)

اب کہ تقویۃ الایمان نے بحکم:

"قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِیْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۹۳﴾"[3]۔	تم فرمادو کیا برا حکم دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔

اسے تمام امت مرحومہ کے خلاف ایک نیا ایمان سخت برا ایمان نام کا ایمان اور حقیقت میں پرلے سرے کا کفران سکھایا یا اسفل السافلین پہنچا، اب وہ بات کہ سیاحان عالم پر ظاہر تھی اسے کیونکر سُجھائی دے،

"وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿۴۰﴾"[4]۔	اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لئے کہیں نور نہیں۔(ت)

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب ہفتم در امامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

[2] صراط مستقیم باب دوم فصل اول المکتبۃ السلفیہ لاہور ص ۵۸

[3] القرآن الکریم ۲/ ۹۳

[4] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۰

اس مشیت مبارکہ عطائیہ کے باعث صحابہ کرام نام الٰہی عزوجل کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام پاک ملا کر کہا کرتے تھے کہ اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہوجائے گا مگر ازانجاکہ طریق ادب سے اقرب وانسب یہ ہے کہ مشیت ذاتیہ ومشیت عطائیہ میں فرق مراتب نفس کلام سے واضح ہو کہ کسی احمق کو توہّم مساوات نہ گزرے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کلمے پر خیال گزرتا تھا پھر ملاحظہ فرماتے کہ یہ اہل توحید ہیں معنی حق وصدق انہیں ملحوظ ہیں محبت خدا اور رسول اور نام پاک خلیفۃ اللہ الاعظم جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تبرک وتوسل انہیں اس قول پر باعث ہے اور بات فی نفسہٖ شرعاً ممنوع نہیں کہ واؤ مطلق جمع کے لیے ہے نہ مساوات عـــہ نہ معیت کے واسطے، لہٰذا

عـــہ: **اقول:** وھذا نکتۃ غفل عنھا بعض الجلۃ فجوز ماشاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وزعم ان لواتی بالواو لکان شرکا جلیا فانما یتم ان کانت الواو المستویۃ وھو باطل قطعا قال تعالٰی "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" [1] قال تعالٰی "اَغْنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" [2] الی غیر ذٰلک مما لایحصی ومع ذٰلک بحمدلالہ لیس ملحظہ ملحظ ھٰؤلاء الاخباس الجاعلۃ اثبات المشیئۃ للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

اقول: (میں کہتا ہوں) اس نکتہ کی طرف بعض بزرگوں کی توجہ نہ ہوئی، چنانچہ انہوں نے یوں کہنے کو تو جائز قرار دیا کہ ''جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' مگر گمان کیا کہ اگر ثم کی جگہ واو ہو تو شرک جلی ہوگا۔ لیکن یہ استدلال تو تب تام ہوتا اگر واو مقتضی مساوات ہوتی، حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم پر درود بھیجتے ہیں۔ اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے غنی کردیا۔ اس کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر ایسا ہی ہے مگر باوجود اس عدم توجہ کے ان بزرگوں کا مطمع نظر بحمد للہ وہ نہیں جو ان کمینے وہابیوں کا ہے جو نبی کریم صلی اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵۶

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

منع نہ فرماتے تھے۔

حکمت: جب اس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے، اعتراض کیااور معاذاللہ شرک کاالزام دیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی رائے کریم کازیادہ رجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بد عقل مخالف جائے طعن جانے دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک وتوسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے مگر یہ بات طرز عبارت کے ایک گونہ آداب سے تھی معنًا توقطعًا صحیح تھی لہٰذا اس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا یہاں تک کہ طفیل بن سنجرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ خواب دیکھا اور رؤیائے صادقہ القائے ملک ہوتا ہے اب اس خیال کی زیادہ تقویت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے پناہ ٹھہرا ہے بدل دیا جائے جس طرح رب العزۃ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شرکا بنفسہ کما سمعت من امامھم السحیق ان ذاشان یختص باللہ عزوجل وان لامدخل فی لمخلوق ومشیتہ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا یأتی بشیئ فلوکان یذھب مذھب ھٰؤلاء والعیاذباللہ لجعل ذکر مشیتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شرکا مطلقا سواء فیہ الواو وثم کما علمت وھو قد سرح بجواز ماشاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتثبت ولا تزل ۱۲منہ۔

تعالٰی علیہ وسلم کے لئے مشیت کے محض اثبات کو ہی شرک قرار دیتے ہیں جیسا تو ان کے ذلیل امام کی بات سن چکا ہے کہ یہ خاص اللہ تعالٰی کی شان ہے اس میں کسی مخلوق کا کوئی دخل نہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ان بزرگوں کا نظریہ وہی ہوتا جو ان وہابیوں کا ہے تو العیاذ باللہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مشیت کے ذکر کو مطلقًا شرک قرار دیتے چاہے اس میں واؤمذکور ہو یا ثم، جیسا کہ تو جان چکا ہے، حالانکہ انہوں نے تصریح فرمائی ہے کہ یوں کہنا جائز ہے "جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم" ثابت قدم رہ مت ڈگمگا۔ ۱۲منہ (ت)

جل جلالہ، نے راعنا کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود عنود اسے اپنے مقصد مردود کا ذریعہ کرتے ہیں اور اس کی جگہ انظرنا کہنے کا ارشاد ہوا تھا ولہذا خواب میں کسی بندہ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہٖ محل اعتراض نہ ٹھہرتی بلکہ خواب بھی دیکھا تو انہیں یہود ونصارٰی اس امام الوہابیہ کے خیالوں کو معترض دیکھا تاکہ ظاہر وکہ صرف دہن دوزی مخالفان کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے۔اب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ ورسول چاہیں تو کام ہوگا بلکہ یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا۔ ''پھر''کا لفظ کہنے سے وہ توہّم مساوات کہ ان وہابی خیال کے یہود ونصارٰی یا یوں کہئے کہ ان یہودی خیال کے وہابیوں کو گزرتا ہے باقی نہ رہے گا الحمدللہ علی تواتر اٰلائہ والصلٰوۃ والسلام علی انبیائہ (تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے ہیں اسکی مسلسل نعمتوں پر، اور درود وسلام ہو اسکے نبیوں پر۔)

اہل انصاف ودین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تقریر منیر کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر القاء ہوئی کیسی واضح ومستنیر ہے ان احادیث کو ایک مسلسل سلک گوہریں میں منظوم کیا اور تمام مدارج مراتب مرتبہ حمداللہ تعالٰی نورانی نقشہ کھینچ دیا۔الحمدللہ کہ یہ حدیث فہمی ہم اہلسنت ہی کا حصہ ہے، وہابیہ وغیرہم بدمذہبوں کو اس کیا علاقہ ہے، ذٰلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم، والحمدللہ رب العٰلمین (یہ اللہ تعالٰی کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں۔ت) غرض احادیث صحیحہ ثابتہ تو اس دروغ گو کو تابخانہ پہنچارہی ہیں۔رہی وہ روایت مقطعہ کہ اس نے ذکر کی اور یونہی روایت عہ اعتبار ام المومنین صدیقہ سے کہ یہود کے اعتراض پر فرمایا یوں کہ کہو بلکہ کہو ما شاء اللہ وحدہ۔اقول اگر صحیح بھی ہو تو نہ ہمٰں مضر نہ اسے مفید کہ واو سے احتراز کی دو صورتیں ہیں: تبدیل حرف جس کی طرف وہ احادیث صحیحہ ارشاد فرمارہی ہیں، اور رأسًا ترک عطف جس کا اس روایت میں ذکر آیا۔ایک صورت دوسری کی نافی و منافی نہیں، نہ ذاتی میں حصر عطائی کی نفی کرے،قال اللہ تعالٰی:

"فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ۚ"[1]۔	تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب! وہ خاک تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔(ت)

عہ: ای کتاب الاعتبار للحاوی ۱۲

[1] القرآن الکریم ۸/ ۱۷

اور جب بحمدہٖ تعالیٰ ہم خود حدیث سے **ماشاء اللہ ثم شاء فلان** کی طرح **ماشاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم** کی بھی اجازت دکھاچکے تو اب اصلاً ہمیں ان نکات وتوجیہات کی حاجت نہ رہی جو شراح نے اس روایت منقطعہ اور اس حدیث مستقل میں بظاہر ایک نوع تغایر کے لحاظ سے ذکر کئے ہیں۔ شیخ محقق قدس سرہ، نے یہاں یہ نکتہ ذکر فرمایا:

دریں جا غایت بندگی وتواضع وتوحید ست زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اسناد مشیت اگرچہ بطریق تاخر وتبعیت باشد تجویز کرد امادر حق خود باآں نیز راضی نہ شد بلکہ امر کرد باسناد مشیت بہ پروردگار تعالٰی تنہا بے توہم شرکت[1]۔	یہاں انتہائی بندگی، انکساری اور توحید ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے غیر کی طرف اسناد مشیت کو جائز قرار دیا اگرچہ بطور تاخر وتبعیت، لیکن اپنے لئے اس کی بھی اجازت دینے پر راضی نہ ہوئے بلکہ فقط پروردگار عالم کی طرف بے توہم شرکت مشیت کا اسناد کرنے کا حکم دیا۔(ت)

اقول: یہ توجیہ بھی شرک امام الوہابیہ کی کیفر چشانی کو بس ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تواضعًا اپنی مشیت کا ذکر کرنے کو نہ فرمایا اوروں کے ذکر مشیت کی اجازت دی، اگر شرک ہو تو معاذاللہ یہ ٹھہرے گی کہ حضور انے اپنی ذات کریم کو شریک خدا کرنے سے منع فرمایا اور زید عمر کو شریک کردینا جائز رکھا۔ علامہ طیّبی نے ایک اور توجیہ لطیف ودقیق کی طرف اشارہ کیا کہ:

انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأس الموحدین ومشیئتہ معمورۃ فی مشیئۃ اللہ تعالٰی ومضمحلۃ فیہا[2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سردار موحّدین ہیں اور حضور کی مشیئت اللہ عزوجل کی مشیئت میں مستغرق وگم ہے۔

اقول: تقریر اس اشارہ لطیفہ کی یہ ہے کہ عطف واؤ سے ہو خواہ ثم خواہ کسی حرف سے، معطوف ومعطوف علیہ میں مغایرت چاہتا ہے بلکہ ثم بوجہ افادۂ فصل وتراخی زیادہ مفید مغایرت ہے اور سید الموحدین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے لئے کوئی مشیئت جداگانہ اپنے رب عزوجل کی مشیئت سے رکھی ہی نہیں انکی مشیئت بعینہٖ خدا کی مشیئت ہے اور مشیئت خدا بعینہٖ ان کی مشیئت،

---

[1] اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۵۳

[2] الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی علی المشکوٰۃ کتاب الادب حدیث ۴۷۷۹ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۷۹

اور عطف کرکے کہئے تو دوئی سمجھی جائے گی کہ اللہ کی مشیئت اور ہے اور رسول کی مشیئت اور، لہٰذا یہاں عطف کے لیے ارشاد نہ فرمایا فقط مشیت اللہ وحدہ کا ذکر بتایا کہ اس میں خود ہی مشیۃ الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر آجائے گا جل جلالہ، وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ھٰکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام وبہ یندفع ما اوردعلیہ القاری من النقض بان مشیئۃ غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایضًا مضمحلۃ فی مشیئۃ اللہ تعالٰی سبحانہ[1] اھ	اس مقام پر اسی طرح سمجھنا چاہیے اور اس سے ملا علی قاری علیہ الرحمہ کا وارد کردہ اعتراض بھی مندفع ہوگیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے غیر کی مشیت بھی تو اللہ تعالٰی سبحانہ کی مشیت میں گم ہے اھ۔
اقول: فلم یفرق بین الاضمحلال الاضطر اری الحاصل لکل الخلق والاختیاری المختص بخلص عباداللہ الممتاز فیہ وفی کل صفۃ الٰھیّہ من بینھم سید ھم نبیھم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واعترض علیہ ایضًا بانہ لایفید جواز الاتیان بالواؤ[2] اھ	**اقول:** (میں کہتا ہوں) کہ اضمحلال (مستغرق اور گم ہونا) دو قسم ہے (۱) اضطراری، یہ تمام مخلوق کے لئے ثابت ہے۔ **(۲)** اختیاری، یہ اللہ تعالٰی کے لیے مخصوص بندوں کے ساتھ ہے جو صفت مشیت اور اللہ تعالٰی کی ہر صفت میں امتیاز رکھتے ہیں، ان کے سردار ان کے نبی ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، ملا علی قاری نے علامہ طیبی کی تقریر پر یہ بھی اعتراض کیا ہے کہ ان کے جواب سے ''واو'' کے استعمال کا جواب ثابت نہیں ہوتا اھ۔
اقول: ماکان مساق کلام الطیبہ لاثبات جواز الاتیان بالواوحتی یکون عدم افادتہ نقصًا فی مرامہ انما اراد بداء نکتۃ الفرق	**اقول:** علامہ طیبہ نے اپنا کلام ''واؤ'' کے استعمال کو جائز ثابت کرنے کے لیے نہیں چلایا تھا، یہاں تک کہ اگر ان کا کلام اس مقصد کا فائدہ نہ دے سکے تو انکے مقصد میں نقص لازم آئے، بلکہ ان کا

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵۳۳/۸

[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۵۳۳/۸

بین مشیئته ومشیئة غیرہٖ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم حیث ذکر الاولٰی بثم وطوی ذکر ھذہٖ رأسًا وھذا مستفاد من کلامہٖ مابین وجہٍ کما سمعت منا تقریرہ، فلا ادری مالمراد بذالایراد ثم افادہ وجه اٰکر للفرق فقال ماسبق مر قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ولٰکن قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان لمجرد الرخصة ولوقال ھنا قولوا ماشاء اللہ ثم شاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لکان امر وجوب اوندب ولیس الامر کذٰلك[1] اھ۔	مقصد تو یہ تھا کہ وہی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور دوسروں کی مشیت میں فرق ظاہر کریں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فلاں کی مشیت کا ذکر لفظ "ثم" کے ساتھ کر دیا لیکن اپنی مشیت کا ذکر نہیں فرمایا۔ یہ فرق ان کے ایک وجہ کے بیان سے مستفاد ہے جیسا کہ آپ ہم سے اس کی تقریر سن چکے ہیں، مجھے معلوم نہیں ہو سکا کہ اس اعتراض سے انکا مقصد کیا ہے۔ پھر فرق کی ایک اور وجہ بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جو فرمان گزر چکا ہے ''لیکن کہو جو چاہے اللہ تعالٰی پھر چاہے فلاں'' یہ محض رخصت کیلئے ہے اور اگر اس جگہ یوں فرماتے ''کہو جو چاہے اللہ پھر چاہیں محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم'' تو یہ امر وجوب یا استحباب کے لئے ہوتا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔اھ۔
اقول: کانه یستنبط من ترك لفظة لٰکن ھٰھنا فانه، یکون حینئذٍ امرًا مقصودًا واقله الندب بخلاف الاول فانه استدراك علی النھی فیفید مجرد الرخسة ھٰذا ماظھر لی فی تقریر مرامه وانت تعلم انه یرجع الفرق علی ھذا الی جھة العبارة فلو ذکر ھٰھنا لٰکن لساغ ان یذکر العطف بثم	**اقول:** دوسرے ارشاد میں لفظ "لکن" مذکور نہیں ہے۔ گویا کہ ملا علی قاری اس سے اس بات کا استنباط کرتے ہیں کہ اس صورت میں امر مقصودی ہوگا جو کم از کم استحباب کے لیے ہوتا ہے برخلاف پہلے ارشاد کے کہ وہاں نہی کے بعد لفظ "لکن" استدراک کیلئے ہے اس لئے محض رخصت کا فائدہ دے گا۔ یہ وہ بات ہے جو انکے مقصد کی وضاحت کیلئے مجھے ظاہر ہوئی ہے۔ قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ اس تقریر کے مطابق فرق عبارت

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۸/ ۵۳۳

ولو ترکھا ثمہ لقال قولوا ماشاء اللہ وحدہ، ثم قال مع المشیئۃ المسندۃ الی فلان انما ھی مشیئۃ جزئیۃ لا یجوز حملھا علی المشیئۃ الکلیۃ کما رمزنا الیہ فیما سبق من الکلام [1] اھ۔

ذکر کیا جاتا تو "ثم" کے ساتھ عطف جائز ہوتا اور اگر اس جگہ لفظ "لکن" ترک کردیا جاتا تو فرماتے کہ کہو "ماشاء اللہ وحدہ" پھر علامہ قاری نے فرمایا کہ فلاں کی طرف جس مشیت کی نسبت کی گئی ہے وہ مشیت جزئیہ ہے اسے مشیت کلیہ پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ ہم کلام سابق اسکی طرف اشارہ کرچکے ہیں۔اھ

اقول: ھذا شیئ متحاز عن البحث ومشیئۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایضًا لاتحیط بجمیع مرادات اللہ تعالٰی سبحٰنہ ھذا قد کان افادۃ العلامۃ الطیبی وجھارابعًا وھو انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ھذا ای قولوا ماشاء اللہ وحدہ دفعا لمظنۃ التھمۃ قولھم ما شاء اللہ وشاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تعظما لہ ورباء لسمعتہ [2] اھ۔

اقول: (میں کہتاہوں) یہ بحث سے علیحدہ چیز ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مشیت بھی اللہ تعالٰی کی تمام مرادوں کا احاطہ نہیں کرتی۔اسکو یاد کرلو۔علامہ طیبی نے ایک چوتھی وجہ بھی بیان کی تھی اور وہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''کہو ماشاء اللہ وحدہ،''اس لئے کہ اگر صحابہ کرام یوں کہتے ''ماشاء اللہ وشاء محمد''تو اس میں آپ کی عظمت کے بطور ریاء وسمعہ اظہار کے وہم کا گمان ہوتا،اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا کہ کہو''ماشاء اللہ وحدہ۔''

اقول: ای والمظنۃ بحالھا فی ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولو بثم فعدل الٰی ذکر اللہ تعالٰی وحدہ ولیس یرید ان المظنۃ نشأت

اقول: نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک لفظ "ثم" کے ساتھ بھی ذکر کیا جاتا ہے تب بھی وہ وہم برقرار رہتا،اس لئے وہاں بھی صرف اللہ تعالٰی کا ذکر ہونا چاہیے تھا،ان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہم لفظ ''واؤ'' کی وجہ سے

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۳۳

[2] الکاشف عن حقائق السنن (شرح الطیبی علی المشکوٰۃ)الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ ادارۃ القرآن کراچی ۹/ ۷۹

من عـــہ الواو اذلو ارادہ لہ یصلح ماذکرہ وجھا للفرق بذکر مشیئۃ غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بثم لامشیئۃ ھو فان المحذور علی ھذا ان کان ففی الواؤلا فی ثم وفیھا الکلام فارادۃ ھذا خروج عن اصل المرام ھٰذا تقریر کلامہ علی ماظھر لی۔

اقول: وھو ارؤوا الوجوہ عندی وکیف یظن ان یظن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بصحابتہ فی ذکر نفسہ السمعۃ والریاء وحاشاہ وحاشاھم عن ذٰلك واحسن الوجوہ ما ذکرنا سابقا عن الطیبی وما قدمنا عن الشیخ المحقق مع ان کل ذٰلك مستغنی عنہ کما علمت وقد اشار الیہ القاری ایضًا اذ قال اصل السؤال مدفوع لانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

پیدا ہوا ہے، اگر یہ ان کا مقصد ہوتا تو جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ وجہ فرق نہیں بن سکتا یعنی "ثم" کے بعد غیر مشیت کا ذکر کیا جاسکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مشیت کا ذکر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس تقریر کے مطابق اگر خرابی لازم آتی ہے تو "واؤ" میں ہے نہ کہ "ثم" میں، حالانکہ گفتگو "ثم" ہی میں ہے۔ لہٰذا یہ مطلب مراد لینے سے اصل مقصد سے خارج ہونا لازم آئے گا، یہ انکے کلام کی تقریر ہے جو میری سمجھ میں آئی ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں) میرے نزدیک یہ سب سے کمزور وجہ ہے۔ اس گمان کا کیا جواز ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنا ذکر فرمادیں تو آپ کو اپنے صحابہ کے بارے میں یہ گمان ہو کہ انہیں ریاء اور سُمعہ کا وہم ہوگا۔ یہ گمان نہ تو نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لائق ہے اور نہ ہی صحابہ کرام کے۔ سب سے بہتر وجہ وہ ہے جو ہم علامہ طیبہ اور شیخ محقق کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں، اگرچہ ان توجیہات کی ضرورت نہیں ہے، جیسا کہ آپ جان چکے ہیں، اور ملا علی قاری نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ اصل سوال

عـــہ: کما توھم الفاضل الراد ففاہ بما قد علمت بطلانہ بدلائل قاھرۃ لاقبل لاحدبھا زعما منہ ان الواؤنص فی التسویۃ لامجرد مظنۃ تھمۃ وباللہ العصمۃ ۱۲ منہ۔

جیسا کہ رد کرنیوالے فاضل (ملا علی قاری) نے وہم کیا ہے کہ واؤ میں محض تہمت کا گمان نہیں ہے بلکہ وہ برابری میں نص ہے۔ اور آپ ان کے وہم کا ناقابل تردید وجوہ سے باطل ہونا جان چکے ہیں، اور عصمت اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے۔ (ت)

داخل فی عموم فلان فیجوز ان یقال ماشاء اللہ ثم ماشاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا یجوز ان یقال ماشاء اللہ وشاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [1] اھ **اقول:** ولو استحضر حدیث ابن ماجة لم یحتاج الی عموم فلان کما ان السائل لو استظھر لما سائل کما ان المحبیبین لو تذکروہ لما ذھبوا الی ھنا وھنا فسبحان من لایعزب عنہ شیئ۔	مندفع ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلان کے عموم میں داخل ہیں، اس لئے ماشاء اللہ ثم ماشاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا جائز ہے اور ماشاء اللہ وشاء محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہنا جائز نہیں ہے۔ **اقول:** (میں کہتاہوں) اگر ملا علی قاری کو ابن ماجہ کی حدیث مستحضر ہوتی تو انہیں فلان کے عموم کی حاجت نہ ہوتی اور یہ حدیث سائل کے پیش نظر ہوتی تو وہ سوال ہی نہ کرتا اور جواب دینے والے حضرات کو یاد ہوتی تو انہیں طرح طرح کی توجیہوں کی ضرورت نہ پڑتی۔ پاک ہے وہ ذات جس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ (ت)

الحمدللہ! یہ وصل مبارک کہ اعظم مقصد کتاب تھا بروجہ احسن واجمل اختتام کو پہنچا اور ہنوز اس کی ابحاث میں ردّ وہابیت کا بہت کلام باقی جس کا بعض ان شاء اللہ العزیز خاتمہ کتاب میں مذکور ہوگا، یہاں تک اس باب میں وجہ دوم پر بعد اسم پاک جامع ایک سو چودہ حدیثیں متعلق بذات اقدس حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مذکور ہوئیں اور بعض آئندہ آتی ہیں اور پچاس حدیثیں کہ ہم نے شمار کرکے شمار نہ کیں علاوہ ہم ابنائے زماں میں کسل وتقاعد ہے، لہذا بخوف ملالت زیادہ اطالت نہ کیجئے اور بتوفیقہ تعالٰی بقیہ وصلوں کے وصل سے راحت وبرکت لیجئے وباللہ التوفیق۔

وصل دوم

احادیث متعلقہ بحضرات انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء

حدیث ۱۷۵: طبرانی معجم اوسط اور خرائطی مکارم الاخلاق میں امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جب کوئی شخص سوال کرتا اگر حضور کو منظور ہوتا **نعم** فرماتے یعنی اچھا، اور نہ منظور ہوتا تو خاموش رہتے، کسی چیز کو لا یعنی نہ فرماتے۔

[1] مرقاۃ المفاتیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الثانی تحت الحدیث ۴۷۷۹ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۳۳

ایک روز ایک اعرابی نے حاضر ہو کر سوال کیا حضور خاموش رہے، پھر سوال کیا سکوت فرمایا، پھر سوال کیا اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جھڑکنے کے انداز سے فرمایا: سل ماشئت یا اعرابی! اے اعرابی! جو تیرا جی چاہے ہم سے مانگ۔ مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ، فرماتے ہیں: **فغبطناہ فقلنا الاٰن یسأل الجنۃ** یہ حال دیکھ کر (کہ حضور خلیفۃ اللہ الاعظم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمادیا ہے جو دل میں آئے مانگ لے) ہمیں اس اعرابی پر رشک آیا ہم نے اپنے جی میں کہا اب یہ حضور سے جنت مانگے گا، اعرابی نے کہا تو کیا کہا کہ میں حضور سے سواری کا اونٹ مانگتا ہوں۔ فرمایا: عطا ہوا۔ عرض کی: حضو سے زادراہ مانگتا ہوں۔ فرمایا: عطا ہوا۔ ہمیں اس کے ان سوالوں پر تعجب آیا۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کتنا فرق ہے اس اعربی کی مانگ اور بنی اسرائیل کی ایک پیرزن کے سوال میں۔ پھر حضور نے اس کا ذکر ارشاد فرمایا کہ جب موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دریا میں اترنے کا حکم ہوا کنار دریا تک پہنچے سواری کے جانوروں کے منہ اللہ عزوجل نے پھیر دیے کہ خود واپس پلٹ آئے، موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عرض کی: الٰہی! یہ کیا حال ہے؟ ارشاد ہوا: تم قبر یوسف (علیہ الصلٰوۃ والسلام) کے پاس ہو ان کا جسم مبارک اپنے ساتھ لے لو۔ حضرت موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو قبر کا پتہ معلوم نہ تھا فرمایا: اگر تم میں کوئی جانتا ہو تو شاید بنی اسرائیل کی پیرزن کو معلوم ہو، اس کے پاس آدمی بھیجا کہ تجھے یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کی قبر معلوم ہے؟ کہا: ہاں۔ فرمایا: تو مجھے بتادے۔ عرض کی: **لا واللہ حتی تعطینی ما اسئلك** خدا کی قسم میں نہ بتاؤں گی یہاں تک کہ میں جو کچھ آپ سے مانگوں آپ مجھے عطا فرمادیں۔ فرمایا: **ذٰلك لك** تیری عرض قبول ہے۔ **قالت فانی اسئلك ان اکون معك فی الدرجۃ التی تکون فیھا فی الجنۃ** پیرزن نے عرض کی: تو میں حضور سے یہ مانگتی ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ ہوں اس درجے میں جس درجے میں آپ ہوں گے۔ **قال سلی الجنۃ** موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا: جنت مانگ لے، یعنی تجھے یہی کافی ہے اتنا بڑا سوال نہ کر۔ **قالت لا واللہ الا ان اکون معك** پیرزن نے کہا: خدا کی قسم میں نہ مانوں گی مگر یہی کہ آپ کے ساتھ ہوں۔ **فجعل موسٰی یردد ھا فاوحی اللہ ان اعطھا ذٰلك فانہ لن ینقصك شیئا فاعطاھا** موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام اس سے یہی ردوبدل کرتے رہے۔ اللہ عزوجل نے وحی بھیجی موسٰی! وہ جو مانگ رہی ہے تم اسے وہی عطا کردو کہ اس میں تمھارا کچھ نقصان نہیں، موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے جنت میں اسے اپنی رفاقت عطا فرمادی، اس نے یوسف علیہ الصلٰوۃ والسلام کی قبر بتادی،

موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نعش مبارک کو ساتھ لے کر دریا سے عبور فرما گئے[1]۔

اقول: وباللہ التوفیق، بحمدہٖ تعالٰی اس حدیث نفیس کا ایک ایک حرف جان وہابیت پر کوکب شہابی ہے۔

اولًا: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اعرابی سے ارشاد کہ ''جو جی میں آئے مانگ لے۔'' حدیث ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ میں تو اطلاق ہی تھا جس سے علمائے کرام نے عموم مستفاد کیا یہاں صراحۃً خود ارشاد اقدس میں عموم موجود کہ جو دل میں آئے مانگ لے ہم سب کچھ عطا فرمانے کا اختیار رکھتے ہیں **صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہ قدر جودہٖ ونوالہ ونعمہ وافضالہ**(اللہ تعالٰی درود وسلام اور برکت نازل فرمائے آپ پر اور آپ کی آل پر آپ کے جود وسخا اور انعام واکرام کے مطابق۔ت)

ثانیًا: یہ ارشاد سن کر مولی علی وغیرہ صحابہ حاضرین رضی اللہ تعالٰی عنہم کا غبطہ کہ کاش یہ عام انعام کا ارشاد اکرام ہمیں نصیب ہوتا حضور تو اسے اختیار عطا فرماہی چکے اب یہ حضور سے جنت مانگے گا۔ معلوم ہوا کہ بحمد اللہ تعالٰی صحابہ کرام کا یہی اعتقاد تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ہاتھ اللہ عزوجل کے تمام خزائن رحمت دنیا وآخرت کی ہر نعمت پر پہنچتا ہے یہاں تک کہ سب سے اعلٰی نعمت یعنی جنت جسے چاہیں بخش دیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ثالثًا: خود حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اس وقت اس اعرابی کے قصور ہمت پر تعجب کہ ہم نے اختیار عام دیا اور ہم سے حطام دنیا مانگنے بیٹھا پیرزن اسرائیلیہ کی طرح جنت نہ صرف جنت بلکہ جنت میں اعلٰی سے اعلٰی درجہ مانگتا تو ہم زبان دے ہی چکے تھے اور سب کچھ ہمارے ہاتھ میں ہے وہی اسے عطا فرمادیتے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

رابعًا: ان بڑی بی پر اللہ عزوجل کے بے شمار رحمتیں بھلا انہوں نے موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو خدائی کارخانہ کا مختار جان کر جنت اور جنت میں بھی ایسے اعلٰی درجے عطا کردینے پر قادر مان کر شرک کیا تو موسٰی کلیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم کو کیا ہوا کہ یہ باآں شان غضب وجلا اس شرک پر انکار نہیں فرماتے اس کے سوال پر کیوں نہیں کہتے کہ میں نے جو اقرار کیا تھا تو ان چیزوں کا جو

[1] کنز العمال بحوالہ طس والخرائطی الخ حدیث ۳۴۸۹۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۶۱۶۔۱۷، المعجم الاوسط عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ۷۷۶۳ مکتبۃ المعارف ریاض ۸/ ۶۷۷ و۷۷۳

اپنے اختیار کی ہوں بھلا جنت اور جنت کا بھی ایسا درجہ یہ خدا کے گھر کے معاملے میں ان میں میرا کیا اختیار تو نے نہیں سنا کہ وہابیہ کے امام شہید اپنے قرآن جدید نام کے تقویۃ الایمان اور حقیقت کے کلمات کفر و کفران میں فرمائیں گے کہ:

''انبیاء میں اس بات کی کچھ بڑائی نہیں کہ اللہ نے انہیں عالم میں تصرف کی کچھ قدرت دی ہو۔[1]''

میں تو میں مجھ سے اور تمام جہان سے افضل محمد رسول اللہ خاتم المرسلمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نسبت ان کی وحی باطنی میں اترے گا کہ: ''جس کا نام محمد ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں[2]۔''

خود انہیں کے نام سے بیان کیا جائے گا کہ: ''میری قدرت کا حال تو یہ ہے کہ اپنی جان تک کے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں تو دوسرے کا کیا کرسکوں[3]۔''

نیز کہا جائے گا: ''پیغمبر نے سب کو اپنی بیٹی تک کو کھول کر سنا دیا کہ قرابت کا حق ادا کرنا اسی چیز میں ہوسکتا ہے کہ اپنے اختیار میں ہو سو یہ میرا مال موجود ہے اس میں مجھ کو کچھ بخل نہیں اور اللہ کے یہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں میں کسی کی حمایت نہیں کرسکتا اور کسی کا وکیل نہیں بن سکتا سو وہاں کا معاملہ ہر کوئی اپنا اپنا درست کرلے اور دوزخ سے بچنے کی ہر کوئی تدبیر کرے[4]۔''

بڑی بی! کیا تم سَٹھ گئی ہو، دیکھو تقویۃ الایمان کیا کہہ رہی ہے کہ رسول بھی کون، محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ اور معاملہ بی کس کا، خود ان کے جگر پارے کا۔ اور وہ بھی کتنا کہ دوزخ سے بچالینا اس کا تو انہیں خود اپنی صاحبزادی کے لئے کچھ اختیار نہیں وہ اللہ کے یہاں کچھ کام نہیں آسکتے تو کہاں وہ

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۷

[2] تقویۃ الایمان الفصل الرابع مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۸

[3] تقویۃ الایمان الفصل الثانی مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۷

[4] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۵

اور کہاں میں، کہاں ان کی صاحبزادی اور کہاں تم، کہاں صرف دوزخ سے نجات اور کہاں جنت، اور جنت کا بھی ایسا اعلیٰ درجہ بخش دینا۔ بھلا بڑی بی! تم مجھے خدا بنارہی ہو، پہلے تمہارے لئے کچھ امید ہو بھی سکتی تو اب تو شرک کرکے تم نے جنت اپنے اوپر حرام کرلی۔ افسوس کہ موسٰی کلیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے کچھ نہ فرمایا، اس بھاری شرک پر اصلًا انکار نہ کیا۔

خامسًا: درکنار اور رجسٹری کہ سلی الجنۃ اپنی لیاقت سے بڑھ کر تمنا نہ کرو ہم سے جنت مانگ لو ہم وعدہ فرماچکے ہیں عطا کردیں گے تمہیں یہی بہت ہے۔ افسوس موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام سے کیا شکایت کہ امام الوہابیہ اگرچہ یہودی خیالات کا آدمی ہے جیسا کہ ابھی آخر وصل اول میں ثابت ہوچکا ہے مگر اپنے آپ کو کہتا تو محمدی ہے، خود محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے جدید قرآن تقویۃ الایمن کو جہنم پہنچایا۔ ربیعہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور سے جنت کا سب سے اعلٰی درجہ مانگا، اس عظیم سوال کے صریح شرک پر انکار نہ فرمایا بلکہ صراحۃً عطا فرمادینے کو متوقع کردیا اب اگر وہ جل جل کر ان کی توہین نہ کرے ان کا نام سَو سَو گستاخیوں سے نہ لے تو اور کیا کرے بیچارہ کلیم کا مردود حبیب کا مارا اپنے جلے دل کے پھپھولے بھی نہ پھوڑے، مثل مشہور ہے کسی کا ہاتھ چلے کسی کی زبان۔

"وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ۠ ﴿۸﴾ "[1]۔	اور عزت اللہ کے لیے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنین کے لیے، لیکن منافقین نہیں جانتے۔ (ت)

سادسًا: سب فیصلوں کی انتہا خدا پر ہوتی ہے، کلیم علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے امام الوہابیہ سے یہ رکھائی برتی تو اسے جائے عزر تھی کہ موسٰی بدین خود مابدین خود حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تقویۃ الایمان کی یہ صریح تذلیل وتضلیل فرمائی تو اسے آنسو پوچھنے کو جگہ تھی کہ وہ نبی امی ہیں پڑھے لکھے نہیں کہ تقویۃ الایمان پڑھ لیتے ان احکام جدیدہ سے آگاہ ہوتے مگر پورا قہر تو خدا نے توڑا کہ بڑی بی کے شرک اور موسٰی کے اقرار کو خوب مسجّل ومکمل فرمادیا۔ وحی آئی تو کیا آئی کہ اعطھا ذٰلک موسٰی! یہ جو مانگ رہی ہے تم اسے عطا کر بھی دو اس بخشش فرمانے میں تمہارا کیا نقصان ہے۔ واہ ری قسمت یہ اوپر کا حکم تو سب سے تیز رہا، یہ نہیں فرمایا جاتا کہ موسٰی! تم ہو کون بڑھ بڑھ کر باتیں مارنے والے، ہمارے یہاں کے معاملے کا ہمارے حبیب کو تو ذرہ بھر اختیار ہے ہی نہیں یہاں تک کہ خود اپنی صاحبزادی کو دوزخ

---

[1] القرآن الکریم ۸/۶۳

سے نہیں بچاسکتے تم ایک بڑھیا کو جنت پھنٹائے دیتے ہو، اپنی گرمجوشی اٹھا رکھو، تقویۃ الایمان میں آچکا ہے کہ "ہمارے یہاں کا معاملہ ہر شخص اپنادرست کرلے[1]" بلکہ علی الرغم الثانیہ حکم آتا ہے کہ موسٰی! تم اسے جنت کا یہ عالی درجہ عطا کردو۔ اب کہئے یہ بیچارہ کس کا ہو کر رہے جس کے لئے توحید بڑھانے کو تمام انبیاء سے بگاڑی، دین وایمان پر دولتّی جھاڑی، صاف کہہ دیا کہ: ''خدا کے سوا کسی کو نہ مان اوروں کو ماننا محض خبط ہے[2]۔''

اسی خدانے یہ سلوک کیا اب وہ بیچارہ ازیں سوماندہ وزآں سو راندہ (نہ ادھر کا رہانہ ادھر کا۔ دھوبی کا کتانہ گھر کانہ گھاٹ کا۔ت) سوا اس کے کیا کرے کہ اپنی اکلوتی چمر توحید کا ہاتھ پکڑ کر جنگل کو نکل جائے اور سر پر ہاتھ رکھ کر چلّائے۔

ما زیاراں چشم یاری داشتیم   خود غلط بود انچہ ما پنداشتیم

(ہم نے دوستوں سے مدد کی امید رکھی، جو ہمارا گمان تھاوہ خود غلط تھا۔ت)

مجھے امام الوہابیہ کے حال پر ایک حکایت یاد آئی اگرچہ میں ذکر احادیث میں ہوں مگر بمناسبت محل ایک آدھ لیطف بات کا ذکر خالی از لطف نہیں ہوتا جسے تمحیض کہتے ہیں اور یہ بھی سنت سے ثابت ہے کمافی حدیث خرافۃ وام زرع (جیساکہ خرافہ اورام زرع کی حدیث میں ہے۔ت) میں نے ایک عالم سنت رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو فرماتے سنا کہ رافضیوں کے کسی محلے میں چند غریب سنی رہتے تھے، روافض کا زور تھا ان کا مجتہد پچھلے پہر سے اذان دیتا اور اس میں کلمات ملعونہ بکتا، ان غریبوں کے قلب پر آرے چلتے، آخر مرتا کیانہ کرتا، چار شخص مستعد ہو کر پہلے سے مسجد میں جا چھپے، وہ اپنے وقت پر آیا جبھی تبرا شروع کیا، ان میں سے ایک صاحب برآمد ہوئے اور اس بڈھے کو گرا کر دست ولکد ونعل سے خوب خدمت کی کہ ہیں میں ابوبکر ہوں تو مجھے برا کہتا ہے۔ آخر اس نے گھبرا کر کہا حضرت! میں آپ کو نہیں کہتا تھا میں نے تو عمر کو کہا تھا۔ دوسرے صاحب تشریف لائے اور مارتے مارتے بیدم کردیا کہ ہیں مجھے کہتا تھا، یا حضرت! توبہ ہے میں تو عثمان کو کہتا تھا۔ تیسرے صاحب آئے اور ایسی ہی تواضع فرمائی کہ ہیں مجھے کہے گا۔ اب سخت گھبرایا بیتاب ہو کر چلّایا کہ مولٰی دوڑیئے دشمن مجھے مارے ڈالتے ہیں۔ اس پر چوتھے حضرت ہاتھ

---

[1] تقویۃ الایمان الفصل الاول مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۲

[2] تقویۃ الایمان پہلا باب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵

میں استرا لئے نمودار ہوئے او ناک جڑ سے اڑالی کہ مردک توخدا کے محبوبوں اور ہمارے دین کے پیشواؤں کو برا کہے گا اور ہم سے مدد چاہے گا، اب مؤذن صاحب درد کے مارے شرم وذلت سے گور کنارے کسی کونے میں سرک رہے۔ مومنین آئے نمازیں پڑھتے اور کہتے جاتے ہیں آج قبلہ وکعبہ تشریف نہ لائے۔ جناب قبلہ بولیں تو کیا بولیں، جب اجالا ہوا ارے حضرت قبلہ تو یہ پڑے ہیں، قبلہ! خیر ہے؟ (رو کر) خیر کیا ہے آج وہ تینوں دشمن آپڑے تھے مارتے مارتے کچومر نکال گئے تمہارا دیکھنا مقدر میں تھا کہ سانس باقی ہے۔ قبلہ! پھر آپ نے حضرت مولٰی کو کیوں نہ یاد فرمایا؟ جب کئی بار یہی کہے گئے تو آخر جھنجھلا کر ناک پر سے رومال پھینک دیا کہ یہ کوتک توانہیں کے ہیں دشمن تو مار ہی کر چھوڑ گئے تھے انہوں نے توجڑ سے پونچھ لی۔

مازیاراں چشم یاری داشتیم خود غلط بود انچہ ماپنداشتیم [1]

(ہم نے دوستوں سے مدد کی امید رکھی، جو ہم نے گمان کیا وہ خود غلط تھا۔ت)

واستغفروا اللہ العظیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العزیز الحکیم۔

سابعًا: پچھلا فقرہ تو قیامت کا پہلا صور ہے فاعطاھا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام نے پیرزن کو وہ جنت عالیہ عطا فرمادی۔ **والحمدللہ رب العالمین۔**

مسلمانو! دیکھا تم نے کہ اللہ اور اس کے مرسلین کرام علیہم الصلٰوۃ والسلام وہابیت کے شرک کا کیا کی۔ برادن لگاتے ہیں کہ بیچارے کو اسفل السافلین میں بھی پناہ نہیں ملتی "کَذٰلِكَ الْعَذَابُ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۧ۳۳" [2]۔ (مار ایسی ہوتی ہے اور بیشک آخرت کی مار سب سے بڑی، کیا اچھا تھا اگر وہ جانتے۔ت)

حدیث ۱۷۶: کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوازن کی غنیمتیں حنین میں تقسیم فرمارہے تھے ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! حضور نے مجھ سے کچھ وعدہ فرمایا تھا۔ ارشاد ہوا: **صدقت فاحتکم ماشئت** تو نے سچ کہا اچھا جو جی میں آئے گا حکم لگا دے۔ عرض کی: اسی دنبے اوران کا چرانے والا غلام عطا ہو۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تجھے عطا ہوا اور تونے بہت تھوڑی چیز مانگی **ولصاحبۃ موسی التی دلتہ علی**

1

[2] القرآن الکریم ۶۸/۳۳

عظام یوسف کانت افھم منك حین حکمھا موسٰی فقالت حکمی ان تردنی شابّة وادخل معك الجنة اور بیشک موسٰی جس نے انہیں یوسف علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تابوت بتایا تھا تجھ سے زیادہ دانشمند تھی جبکہ اسے موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اختیار دیا تھا کہ جو چاہے مانگ لے،اس نے کہا: میں قطعی طور پر یہی مانگتی ہوں کہ آپ میری جوانی واپس کردیں اور میں آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں۔یونہی ہوا کہ وہ ضعیفہ فوراً نوجوان ہوگئی اس کا حسن وجمال واپس آیا اور جنت میں بھی معیت کا وعدہ کلیم کریم نے عطا فرمایا۔ابن حبان[1] والحاکم فی المستدرك مع اختلاف عن ابی موسٰی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنه۔حاکم نے کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔یہاں جوانی بھی موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھیردی۔

حدیث ۱۷۷: کہ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رب عزوجل نے وحی بھیجی:

یا موسٰی کن للفقراء کنزًا وللضعیف حصنًا و للمستجیر غیثًا۔ابن النجار عن انس رضی اللہ تعالٰی عنه عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال اوحی اللہ تعالٰی الی موسٰی علیه الصلوٰۃ والسلام فذکرہ فی حدیث طویل[2]۔	اے موسٰی! فقیروں کے لئے خزانہ ہوجا اور کمزور کے لیے قلعہ اور پناہ مانگنے والے کے لیے فریاد رس۔(ابن النجار نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرمایا: اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ الصلوٰۃ و السلام کو وحی فرمائی پھر طویل حدیث میں اس کا ذکر کیا۔ت)

وہابیہ کے طور پر اس حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ اے موسٰی! تو خدا ہوجا کہ جب یہ خاص شان الوہیت ہیں اور ان باتوں میں بڑے چھوٹے سب برابر ہیں اور یکساں عاجز تو موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کو ان باتوں کا حکم ضرور خدا بن جانے کا حکم ہے۔ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

[1] المستدرك للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الشعراء دارالفکر بیروت ۲/ ۴۰۴،اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ ابن حبان والحاکم کتاب آفات اللسان الخ دارالفکر بیروت ۷/ ۵۰۹

[2] کنزالعمال بحوالہ ابن النجار عن انس حدیث ۱۶۶۶۴ مؤسسة الرسالہ بیروت ۶/ ۴۸۷

حدیث ۱۷۸و۱۷۹: ترمذی وحاکم حضرت ابوہریرہ اور امام احمد وابوداود طیالسی وابن سعد وطبرانی وبیہقی حضرت **عبداللہ بن عباس** رضی اللہ تعالٰی عنہم سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب حضرت عزت جل وعلانے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیاان کی پیٹھ کو مسح فرمایا جس قدر لوگ ان کی نسل سے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے سب ظاہر ہوگئے۔ رب عزوجل نے ہرایک کی دونوں آنکھوں کے بیچ میں ایک نور چمکایا پھرانہیں آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام پر پیش فرمایا۔ عرض کی: الٰہی ! یہ کون ہیں؟ فرمایا: تیری اولاد ہیں۔ آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان میں ایک مرد کو دیکھا ان کی پیشانی کا نور انہیں بہت بھایا، عرض کی: الٰہی ! یہ کون ہے؟ فرمایا: یہ تیری اولاد سے پچھلی امتوں میں ایک شخص داود نام ہے۔ عرض کی: الٰہی ! اس کی عمر کتنی ہے؟ فرمایا: ساٹھ برس۔ عرض کی: الٰہی ! اس کی عرم زیادہ فرما۔ رب جل وعلانے فرمایا: **لا الا ان تزید انت من عمرك** میں زیادہ نہ فرماؤں گا مگر یہ کہ تو اپنی عمر سے اس کی عمر میں زیادت کردے۔ (آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عمر کے ہزار برس تھے۔) عرض کی: تو میری عمر سے چالیس سال اس کی عمر میں بڑھادے۔ فرمایا: ایسا ہے تو لکھ لیا جائے گا اور مہر کرلیجائیگی اور پرھ بدلے گا نہیں (نوشتہ لکھ کر ملائکہ کی گواہیاں کرای گئیں) **فلما انقضی عمر اٰدم الا اربعین جاء ہ ملك الموت فقال اٰدم اولم یبق من عمری اربعون سنة قال اولم تعطها ابنك۔** داؤدجب آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کی عرم سے صرف چالیس برس باقی رہے یعنی نو سو ساٹھ برس گزر گئے ملک الموت علیہ الصلوۃ والسلام ان کے پاس آئے۔ فرمایا: کیا میری عمر سے ابھی چالیس سال باقی نہیں ؟ کہا: کیاآپ اپنے بیٹے داود علیہ الصلٰوۃ والسلام کو نہ دے چکے (پھر اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لیے ہزار اور داود علیہ الصلٰوۃ والسلام کے لئے سوبرس پورے کردیے) **ھذا حدیث ابی ھریرۃ**[1] **الا ما بین الخطین**

[1] سنن الترمذی کتاب التفسیر سورۃ الاعراف حدیث ۳۰۸۷ دار الفکر بیروت ۵ /۵۳، المستدرك للحاکم کتاب الایمان قصه خلق آدم علیه السلام دار الفکر بیروت ۱/ ۶۴، السنن الکبرٰی للبیهقی کتاب الشهادات باب الاختیار فی الاشهاد دار صادر بیروت ۱۰/ ۱۴۶، مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۵۱و۲۵۲ (باقی برصفحہ آئندہ)

فمن حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم (یہ حدیث ابوہریرۃ ہے مگر قوسین کے درمیان حدیث ابن عباس ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ت)

ان حدیثوں کا ارشاد ہے کہ داود علیہ الصلوۃ والسلام کو آدم علیہ الصلوۃ والسلام نے عمر عطا فرمائی۔

حدیث ۱۸۰: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا ضل احکم شیئًا واراد عونًا وھو بارضٍ لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی، فان للہ عبادًا لایراھم۔ الطبرانی [1] عن عتبۃ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب تم میں کسی کی کوئی چیز گم جائے اور مدد مانگنی چاہے اور ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اسے چاہئے یوں پکارے: اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اللہ تعالٰی کے کچھ بندے ہیں جنھیں یہ نہیں دیکھتا۔ وہ اس کی مدد کرینگے۔ والحمدللہ رب العالمین۔ (طبرانی نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۸۱: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جب جنگل میں جانور چھوٹ جائے فلیناد یا عباد اللہ احبسوا تو یوں ندا کرے: اے اللہ کے بندو! روک دو۔ عباد اللہ اسے روک دیں گے۔ ابن السنی [2] عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ (ابن السنی نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

المعجم الکبیر عن ابن عباس حدیث ۱۲۹۲۸ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/ ۲۱۴، مسند ابی داود الطیالسی حدیث ۲۶۹۲ دار المعرفۃ بیروت الجزء الحادی عشر ص ۳۵۰، کنز العمال عن ابن عباس حدیث ۱۵۱۵۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۱۳۴ و ۱۳۵، الدر المنثور بحوالہ الطیالسی الخ تحت الآیۃ ۲/ ۲۸۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۱۱۶، الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر من ولد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الخ دار صادر بیروت ۱/ ۲۸ و ۲۹

[1] المعجم الاکبیر عن عتبہ بن غزوان حدیث ۲۹۰ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۷/ ۱۱۷ و ۱۱۸

[2] عمل الیوم واللیلۃ حدیث ۵۰۸ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن ص ۱۳۶

ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۸۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: یوں ندا کرے:

اعینونی یا عباد اللہ۔ابن ابی شیبة [1] والبزار عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	میری مدد کرو اے اللہ کے بندو! (ابن ابی شیبہ اور بزار نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

یہ تین حدیثیں وہابیت کش کہ تین صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کی روایت سے آئیں، قدیم سے اکابر علماء دین رحمہم اللہ تعالٰی کی مقبول و مجرب رہیں، اس مطلب جلیل کی قدرے تفصیل فقیر کا رسالہ انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار ف کہ نماز غوثیہ شریف کے فضل رفیع اور بغداد شریف کی طرف گیارہ قدم چلنے وغیرہ ایک ایک فعل کے سرِّ بدیع مین تصنیف کیا، ملاحظہ ہو۔ ان حدیثوں اور حدیث اجل و اعظم یا محمد انی توجہت بک الی ربی کی شوکت قاہرہ کے حضور وہابیہ کی حرکت مذبوحی کا حال تخاتمہ رسالہ میں عنقریب آتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالٰی۔

حدیث ۱۸۳: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من کنت ولیہ فعلی ولیہ۔احمد [2] والنسائی والحاکم عن بریدة رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند صحیح۔	جس کا میں مددگار وکارساز ہوں علی اس کا مددگار وکارساز ہے کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم۔(احمد ونسائی وحاکم نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند صحیح روایت کیا۔ت)

[1] المصنف لابن ابی شبة کتاب الدعاء حدیث ۲۹۷۱۷ دار الکتب العلمیة بیروت ۹۲/۶، البحر الزخار (مسند البزار) حدیث ۴۹۲۲ ۱۸۱/۱۱ والمعجم الکبیر حدیث ۲۹۰ ۱۱۸/۱۷، کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب الاذکار حدیث ۳۱۲۸ مؤسسة الرسالہ بیروت ۳۴/۴

[2] مسند احمد بن حنبل عن بریدة رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳۵۸/۵ و ۳۶۱، المستدرك للحاکم کتاب قسم الفئی من کنت ولیہ فان علیاً ولیہ دار الفکر بیروت ۱۳۰/۲، الجامع الصغیر عن بریدة حدیث ۹۰۰۱ دار الکتب العلمیة بیروت ۵۴۲/۲

ف: رسالہ "انہار الانوار من یم صلٰوۃ الاسرار (۱۳۰۵ھ)" فتاوی رضویہ جلد ہفتم مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور کے صفحہ ۵۶۹ پر مرقوم ہے۔

علامہ مناوی نے شرح میں فرمایا: یدفع عنه مایکرہ[1] علی۔ اس کے مددگار ہیں اس سے مکروہات وبلیات دفع فرماتے ہیں۔

اور شک نہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مسلمان کے ولی ووالی ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"[2]۔	نبی مسلمانوں کا زیادہ والی ہے ان کی جانوں سے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ"۔ احمد[3] و البخاری ومسلم والنسائی وابن ماجة عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه۔	میں مسلمانوں کا ان کی جانوں سے زیادہ والی ہوں۔ (احمد و بخاری و مسلم ونسائی وابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

علامہ مناوی شرح میں فرماتے ہیں:

لانی الخلیفة الاکبر الممد لکل موجود[4]۔	اس لئے کہ میں اللہ عزوجل کا نائب اعظم اور تمام مخلوق الٰہی کا مددرساں ہوں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث من کنت ولیه الخ مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۴۴۲/۲

[2] القرآن الکریم ۶/۳۳

[3] صحیح البخاری کتاب الکفالة باب جوار ابی بکر الصدیق فی عھد النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۰۸/۱، صحیح البخاری کتاب النفقات ۸۰۹/۲ وکتاب الفرائض ۹۹۷/۲ وباب ابنی عم احدھما الخ ۹۹۸/۲، صحیح مسلم کتاب الفرائض فصل فی اداء الدین قبل الوصیة الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵/۲، سنن النسائی کتاب لاجنائز الصلوۃ علی من علیه دین نور محمد کارخانہ کراچی ۲۷۹/۱، سنن ابن ماجة ابواب الصدقات التشدید فی الدین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۱۷۶، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالٰی عنه المکتب الاسلامی بیروت ۲۹۰/۲و۴۵۳

[4] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت الحدیث انا اولی بالمومنین الخ مکتبۃ الاما الشافعی ریاض ۳۷۷/۱

مامن مؤمن الا وانا اولی بہ فی الدنیا والاٰخرۃ اقرء وا ان شئتم النبی اولی بالمؤمنین من انفسھم فایما مؤمن مات وترك مالا فلیرثہ عصبتہ من کانو ومن ترك دینًا اوضیاعًا فلیاتنی فانا مولاہ۔ البخاری [1] و مسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ وابو داود والترمذی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔	کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ میں دنیا اور آخرت میں سب سے زیادہ اس کا والی نہ ہوں، تمہارے جی میں آئے تو یہ آیہ کریمہ پڑھو کہ ''نبی زیادہ والی ہے مسلمانوں کا ان کی جانوں سے'' تو جو مسلمان مرے اور ترکہ چھوڑے اس کے وارث اس کے عصبہ ہوں اور جو اپنے اوپر کوئی دَین بیکس بے زر بچے چھوڑے وہ میری پناہ میں آئے کہ اس کا مولٰی میں ہوں صلی اللہ تعالٰی علیك وعلٰی آلك وبارك وسلم۔ (بخاری و مسلم وترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابوداود وترمذی نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ت)

امام عینی عمدۃ القاری میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں: المولی الناصر [2]۔ یہاں مولٰی بمعنٰی مددگار ہے۔

تو لاجرم بحکم حدیث مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ بھی ہر مسلمان کے ولی ومددگار ودافع بلاومکروہات ہین، والحمدللہ رب العٰلمین، اسی لئے شاہ ساحب نے فرمایا: حضرت

[1] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض واداء الدین باب الصلوٰۃ علی من ترك دَینا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۲۳، صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۰۵، صحیح مسلم کتاب الفرائض فصل فی اداء الدین قبل الوصیۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۶، سنن الترمی، سنن ابی داود کتاب الامارۃ باب فی ارزاق الذریۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۵۴، مسند احمد بن حنبل عن ابی ھریرۃ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۳۴و۳۳۵، شرح السنۃ کتاب الفرائض حدیث ۲۲۴۱ المتکب الاسلامی بیروت ۸/ ۳۲۴، سنن الکبرٰی للبیہقی باب العصبۃ ۶/ ۲۳۸ و کتاب النکاح ۷/ ۵۸ دار صادر بیروت

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب تحت حدیث ۴۷۸۱/ ۳۰۲ بیروت ۱۹/ ۱۶۴

امیر وذریّہ طاہرہ اورا[1] الخ۔

اقول: عموم حدیث میں حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی داخل اور تخصیص کی اصلًا حاجت نہیں کہ ناصر کا منصور سے افضل ہونا کچھ ضرور نہیں، قال اللہ تعالٰی:

"یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ"[2]۔	مہاجرین اللہ ورسول کی مدد کرتے ہیں۔

وقال اللہ تعالٰی:

"فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ"[3]۔ (الاٰیۃ)	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا مددگار اللہ ہے اور جبریل وابوبکر وعمر وملائکہ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث ۱۸۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ابنتی فاطمۃ حوراء اٰدمیۃ لم تحض ولم تطمث وانما سماھا فاطمۃ لان اللہ تعالٰی فطمھا ومحبیھا من النار۔ الخطیب[4] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	میری صاحبزادی فاطمہ آدمیوں میں حور ہے کہ نجاستوں کے عارضے جو عورت کو ہوتے ہیں ان سے پاک ومنزہ ہے۔ اللہ عزوجل اس نے کا فاطمہ اس لئے نام رکھا کہ اسے اور اس سے محبت رکھنے والوں کو آتش دوزخ سے آزاد فرمادیا۔ (خطیب نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

غلامانِ زہرا کو نار سے چھڑایا تو اللہ عزوجل نے مگر نام حضرت زہرا کا ہے فاطمہ چھڑانے والی آتش جہنم سے، نجات دینے والی۔

صلی اللہ تعالٰی علی ابیھا وعلیھا وبعلھا وابنیھا وبارك وسلم۔

---

[1] تحفہ اثناء عشریۃ باب ہفتم درامامت سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۱۴

[2] القرآن الکریم ۸/۵۹

[3] القرآن الکریم ۶۶/۴

[4] تاریخ بغداد ترجمہ غانم بن حمید ۶۷۷۲ دارالکتب العربی بیروت ۳۳۱/۱۲، کنز العمال عن ابن عباس حدیث ۳۴۲۲۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۰۹/۱۲

حدیث ۱۸۵:

ان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ دعا ام کلثوم بنت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہما وکانت تحتہ، فوجدھا تبکی فقال مایبکیک، فقال یا امیر المومنین ھذا الیھودی یعنی کعب الاحبار یقول انک علی باب من ابواب جھنم فقال عمر ماشاء اللہ واللہ انی لارجو ان یکون ربی خلقنی سعیدا ثم ارسل الی کعب فدعاہ فلما جاءہ کعب قال یا امیر المومنین لاتعجل علی والذی نفسی بیدہٖ لاینشلخ ذوالحجۃ حتی تدخل الجنۃ فقال عمر ای شیئ ھذا مرۃ فی الجنۃ مرۃً فی النار فقال یا امیر المومنین والذی نفسی بیدہ انا لنجدك فی کتاب اللہ عزوجل علی باب من ابواب جھنم تمنع الناس ان یقعوا فیھا فاذامت	یعنی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی زوجہ مقدسہ حضرت ام کلثوم دختر امیر المومنین مولٰی علی وبتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہم کو بلایا انہیں روتے پایا سبب پوچھا، کہا یا امیر المومنین یہ یہودی کعب احبار (رضی اللہ تعالٰی عنہ کو اجلہ ائمہ تابعین وعلمائے کتابین واعلم علمائے توراۃ سے ہیں پہلے یہودی تھے خلافت فاروقی میں مشرف باسلام ہوئے، شاہزادی کا اس وقت حالت غضب میں انہیں اس لفظ سے تعبیر فرمانا بربنائے نازک مزاجی تھا کہ لازمہ شاہزادگی ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین) یہ کہتا ہے کہ آپ جہنم کے دروازوں سے ایک دروازے پر ہیں، امیر المومنین نے فرمایا جو خدا چاہے خدا کی قسم بیشک مجھے امید ہے کہ میرے رب نے مجھے سعید پیدا کیا ہو، پھر حضرت کعب کو بلا بھیجا، انہوں نے حاضر ہو کر عرض کی: امیر المومنین! مجھ پر جلدی نہ فرمائیں قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ذی الحجۃ کا مہینہ ختم نہ ہونے پائے گا کہ آپ جنت میں تشریف لے جائیں گے۔ فرمایا: یہ کیا بات ہے کبھی جنت میں کبھی نار میں؟ عرض کی: یا امیر المومنین! قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آپ کو کتاب اللہ میں جہنم کے دروازوں سے ایک دروازے پر پاتے ہیں

لم یزالوا یقتحمون فیھا الی یوم القیٰمۃ۔ ابن اسعد[1] فی طبقاتہ وابوالقاسم بن بشر ان فی مالیہ عن البخاری مولٰی عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کہ آپ لوگوں کو جہنم میں گرنے سے روکے ہوئے ہیں جب آپ انتقال فرمائیں گے قیامت تک لوگ نار میں گرا کریں گے (وحسبنا اللہ ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ رب عمر الجلیل) (ابن سعد نے اپنی طبقات میں اور ابوالقاسم بن بشران نے اپنی امالی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے آزاد کردہ غلام سے روایت کیا ہے۔ت)

بھلا دوزخ میں گرنے سے بچانا دفع بلا کاہے کو ہوا۔

حدیث ۱۸۶: معانی الآثار امام طحاوی میں ہے: حدثنا ابن مرزوق ثنا ازھر السمان عن ابن عون محمد قال قال عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ: لنارقاب الارض[2]۔ یعنی امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: زمین کے مالک ہم ہیں۔

حدیث ۱۸۷:

بعث النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی عثمان یستعینہ فی جیش العسرۃ فبعث الیہ عثمٰن بعشرۃ اٰلاف دینارٍ۔ یعنی جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے لشکر اسلام کو تیاری کا حکم دیا مسلمانوں پر بہت حالت تنگی و عُسرت تھی اس باب میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے استعانت فرمائی ان سے مدد چاہی، ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دس ہزار اشرفیاں حاضر کیں حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اے عثمٰن! اللہ تیری چھپی اور ظاہر خطائیں اور آج سے قیامت تک جو کچھ تجھ سے واقع ہو سب کی مغفرت فرمائے، اس کے بعد عثمٰن کو کچھ پرواہ نہیں کوئی عمل کرے۔ ابن عدی[3] والدارقطنی و

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد زکر استخلاف عمر رضی اللہ عنہ دارصادر بیروت ۳/ ۳۳۲، کنز العمال بحوالہ ابن سعد وابی القاسم بن بشران حدیث ۳۵۷۸۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۵۷۰و۵۷۱

[2] شرح معانی الآثار کتاب السیر باب احیاء الارض المیتۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۷۶

[3] کنز العمال بحوالہ عد، قط حدیث ۳۶۱۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۳۸

ابو نعیم فی فضائل الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما (ابن عدی ودار قطنی وابو نعیم نے فضائل صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

کیوں وہابی صاحبو! غیر خدا سے استعانت شرک تو نہیں، ایاک نستعین کے کیا معنی کہتے ہو۔

حدیث ۱۸۸: ایک مصری نے امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی:

یا امیر المومنین عائذبك من الظلم۔	امیر المومنین! میں حضور کی پناہ لیتا ہوں ظلم سے۔

امیر المومنین نے فرمایا: عذت معاذًا، تو نے سچی جائے پناہ کی پناہ لی۔ ہمارا مطلب تو حدیث کے اتنے ہی لفظوں سے ہوگیا، پناہ لینے والوں نے امیر المومنین کی دہائی دی اور امیر المومنین نے اپنی بارگاہ کو سچی جائے پناہ فرمایا، مگر تتمہ حدیث بھی ذکر کریں کہ اس میں امیر المومنین کے کمال عدل کا ذکر ہے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ مصر پر امیر المومنین کے صوبیدار تھے، یہ فریادی مصری عرض کرتا ہے کہ میں نے ان کے صاحبزادے کے ساتھ دوڑ لگائی میں آگے نکل گیا صاحبزادے نے مجھے کوڑے مارے اور کہا: میں دو معزز وکریم والدین کا بیٹا ہوں۔ اس کی فریاد پر امیر المومنین نے فرمان نافذ فرمایا کہ عمرو بن عاص مع اپنے بیٹے کے حاضر ہوں، حاضر ہوئے۔ امیر المومنین نے مصری کو حکم دیا: کوڑا لے اور مار۔ اس نے بدلہ لینا شروع کیا۔ اور امیر المومنین فرماتے جاتے ہیں: مار دو لئیموں کے بیٹے کو۔ انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم! جب اس فریاد نے مارنا شروع کیا ہمارا جی یہ چاہتا تھا کہ یہ مارے اور اپنا عوض لے۔ اس نے یہاں تک مارا کہ ہم تمنا کرنے لگے کاش! اپنا ہاتھ اٹھالے۔ جب مصری فارغ ہوا امیر المومنین نے فرمایا: اب یہ کوڑا عمرو بن عاص کی چندیا پر رکھ (یعنی وہاں کے حاکم تھے انہوں نے کیوں نہ داد رسی کی، بیٹے کا کیوں لحاظ پاس کیا) مصری نے عرض کی: یا امیر المومنین! ان کے بیٹے ہی نے مجھے مارا تھا اس سے میں عوض لے چکا۔ امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

مذ کم تعبدتم الناس وولدتهم امهاتهم احرارا۔	تم لوگوں نے بندگان خدا کو کب سے اپنا غلام بنالیا حالانکہ وہ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔

عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہ نے عرض کی: یا امیر المومنین! نہ مجھے کوئی خبر ہوئی نہ یہ شخص میرے پاس فریادی آیا۔ابن عبد الحکم [1] عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ (ابن عبدالحکم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۸۹: خلافت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایک سال مدینہ میں قحط عظیم پڑا اس سال کا "عام الرمادہ" نام رکھا گیا یعنی ہلاک وتباہی جان ومال کا سال۔امیر المومنین نے عمرو بن العاص کو مصر میں فرمان بھیجا:

یہ شقہ ہے بندۂ خدا عمر امیر المومنین کی طرف سے ابن عاص کے نام

سلم امابعد فلعمری یاعمرو ماتبالی اذا شبعت انت ومن معك ان اهلك انا ومن معی فیاغوثاه ثم یا غوثاه یرددقوله۔	سلام کے بعد واضح ہو مجھے اپنی جان کی قسم! اے عمرو! جب تم اور تمہارے ملک والے سیر ہوں تو تمہیں کچھ پرواہ نہیں کہ میں اور میرے ملک والے ہلاک ہوجائیں ارے فریاد کو پہنچ ارے فریاد کو پہنچ۔اوراس کلمے کو بار بار تحریر فرمایا۔

عمرو بن عاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جواب حاضر کیا:

یہ عرضی بندہ خدا امیر المومنین عمر کو عمرو بن عاص کی طرف سے

امابعد فیالبیك ثم یالبیك وقد بعثت الیك بعیرا اولها عندك واٰخرها عندی والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته۔	بعد سلام معروض حضور میں بار بار خدمت کو حاضر ہوں پھر بار بار خدمت کو حاضر ہوں میں نے حضور میں وہ کارواں روانہ کیا ہے جس کا اول حضور کے پاس ہوگا اورآخر میرے پاس اور حضور پر سلام اور اللہ عزوجل کی رحمت اور برکتیں۔

عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایسا ہی کارواں حاضر کیا کہ مدینہ طیبہ سے مصر تک یہ

[1] کنز العمال بحوالہ ابن عبدالحکم حدیث ۳۶۰۱۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۶۶۰ و ۶۶۱

تمام منزلہائے دوار دراز اونٹوں سے بھری ہوئی تھیں یہاں سے وہاں تک ایک قطار تھی جس کا پہلا اونٹ مدینہ طیبہ میں تھا اور پچھلا مصر میں، سب پر اناج تھا، امیر المومنین نے وہ تمام اونٹ تقسیم فرمادیے ہر گھر کو ایک ایک اونٹ مع اپنے بار کے عطا ہوا کہ اناج کھاؤ اور اونٹ ذبح کرکے اس کا گوشت کھاؤ، چربی کھاؤ، کھال کے جوتے بناؤ، جس کپڑے میں اناج بھرا تھا اسکا لحاف وغیرہ بناؤ۔ یوں اللہ عزوجل نے لوگوں کی مشکل دفع کی، امیر المومنین حمد بجالائے۔

ابن خزیمۃ فی صحیحہ [1] والحاکم فی المستدرک و البیھقی فی السنن عن اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وابن عبدالحکم واللفظ لہ، عن اللیث بن سعد۔	ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے سنن میں عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اذاد کردہ غلام اسلم سے، اور ابن عبدالحکم نے لیث بن سعد سے روایت کیا ہے، لفظ ابن عبدالحکم کے ہیں۔ (ت)

حدیث ۱۹۰: حضور سید عالم تو سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور کے نائب کریم علی مرتضٰی امیر المومنین کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

انی لاستحی من اللہ ان یکون ذنب اعظم من غفری او جھل اعظم من حلمی او عورۃ لایواریھا ستری اوخلۃ لایسدھا جودی۔ ابن عساکر عن جبیر عن الشعبی عن علی کرم اللہ تعالیٰ	بے شک اللہ عزوجل سے شرم آتی ہے کہ کسی کا گناہ میری صفت مغفرت سے بڑھ جائے وہ گناہ کرے اور میری مغفرت اس کی بخشش میں تنگی کرے کہ میں نہ بخش سکوں یا کسی کی جہالت میرے علم سے زائد ہوجائے کہ وہ جہل سے پیش آئے اور میں حلم سے کام نہ لے سکوں یا کسی عیب کسی شرم کی بات کو میرا پردہ نہ چھپائے یا

[1] المستدرک للحاکم کتاب الزکوٰۃ دارالفکر بیروت ۱/۴۰۵، السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب قسم الفیئ والغنیمۃ باب یکون للولی الخ دار صادر بیروت ۶/۳۵۵، صحیح ابن خزیمہ باب ذکر الدلیل علی ان العامل الخ حدیث ۲۳۶۸ المکتب الاسلامی بیروت ۴/۶۸، کنز العمال بحوالہ ابن خزیمہ حدیث ۳۵۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۶۰۹ و ۶۱۰، کنز العمال بحوالہ ابن عبدالحکم حدیث ۳۵۹۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/۶۱۴ و ۶۱۷

وجهه۔	کسی حاجتمندی کو میرا کرم بندہ نہ فرمائے۔(ابن عساکر[1] نے جبیر سے انہوں نے شعبی سے انہوں نے حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ سے روایت کیا۔ت)

وہابیو! دیکھا تم نے محبوبانِ خدا کا احسان، ان کی غفران، ان کی حاجت برآری، ان کی شان ستّاری۔

اللّٰھم انفعنا بفضلھم وعفوھم وحلمھم وجودھم وکرمھم فی الدنیا والاٰخرۃ اٰمین۔	یااللہ! ہمیں ان کے فضل، ان کے عفو، ان کے حلم، ان کے جود اور ان کے کرم سے دنیا و آخرت میں نفع عطافرما آمین۔(ت)

حدیث ۱۹۱: فرماتے ہیں کرم اللہ تعالٰی وجہہ:

لاادری ای النعمتین اعظم علی منة من رجل بذل مصاص وجهه الی فراٰنی موضعًا لحاجته واجری الله قضاء ھا اویسرہ علی یدی ولان اقضی لامرئ مسلم حاجة احب الی من ملا الارض ذھبا وفضة۔ابو الغنائم النرسی فی کتاب قضاء الحوائج عنه رضی الله تعالٰی عنه[2]۔	بے شک میں نہیں جانتا کہ ان دو نعمتوں میں کون سے مجھ پر زیادہ احسان ہے کہ ایک شخص میری سرکار کو اپنی حاجت روائی کا محل جان کر اپنا معززمنہ میرے سامنے لائے اور اللہ تعالٰی اسکی حاجت کاروا ہونا اسکی آسانی میرے ہاتھ پر واں فرمائے، یہ تمام روئے زمین بھر کر سونا چاندی ملنے سے مجھے زیادہ محبوب ہے کہ میں کسی مسلمان کی حاجت روافرماؤں۔(ابو الغنائم النرسی نے کتاب قضاء الحوائج میں مولا علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۹۲: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: **ھجاھم حسان فشفٰی واشتفٰی**۔ حسان نے کافروں کی ہجو کہی تو

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ علی بن ابی طالب ۵۰۲۹ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۵/۳۹۹، کنزالعمال بحوالہ کر عن علی رضی اللہ عنہ حدیث ۳۶۳۶۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/۱۱۱

[2]

شفادی شفالی۔مسلم [1] عن ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنھا۔(مسلم نے ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی۔ت)

حدیث ۱۹۳: جب کفار قریش نے شان اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں اشعار گستاخی بکے، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو حکم جواب ہوا، انہوں نے جواب دیا، حضور نے ناکافی پایا، پھر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد ہوا، ان کا جواب بھی پسند خاطر اقدس نہ آیا۔ پھر حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد ہوا۔انہوں نے کفار کی ہجو کہی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

لقد شفیت یا حسان واشتفیت۔ابن عساکر [2] عن ابی سلمۃ بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	حسان! تم نے شفادی اور شفالی۔(ابن عساکر نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۹۴: حسان رضی اللہ تعالٰی عنہ ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ام المومنین نے ان کے لئے مسند بچھوائی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما نے گزارش کی: آپ انہیں مسند پر بٹھاتی ہیں۔وقد قال ماقال ام المومنین نے فرمایا:

انہ کان یجیب عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویشفی صدرہ من اعدائہ۔ابن عساکر [3] عن عطاء ابن ابی رباح۔	یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے جواب دیا کرتے اور رنج اعداء سے سینہ اقدس کو شفاء دیتے(ابن عساکر نے عطاء ابن ابی رباح سے روایت کیا۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل حسان بن ثابت قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۰۱/۲،تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۵۴۶حسان بن ثابت داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۸۵/۱۳

[2] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۵۴۶حسان بن ثابت داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷۸/۱۳،کنزالعمال بحوالہ کر حدیث ۳۶۹۵۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳۴۱/۱۳و۳۴۲

[3] کنز العمال بحوالہ کر حدیث ۳۶۸۵۵مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳۳۹/۱۳،تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۱۵۴۶ حسان بن ثابت داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷۷/۱۳

حدیث ۱۹۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اکرموا الانصار فانھم ربوا الاسلام کما یربی الفرخ فی وکرہ۔ الدارقطنی[1] فی الافراد والدیلمی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	انصار کی عزت کرو کہ انہوں نے اسلام کو پالا ہے جس طرح پرند کا پٹھا آشیانے میں پالا جاتا ہے۔ (دارقطنی نے افراد میں اور دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

وصل سوم

احادیث متعلقہ بملائکہ کرام علیہم الصلوۃ والسلام

حدیث ۱۹۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان العبد المؤمن لیدعوا اللہ تعالٰی فیقول اللہ تعالٰی لجبریل لاتجبہ فانی احب ان اسمع صوتہ، واذا دعاہ الفاجر قال یا جبیریل اقض حجتہ فانی لااحب ان اسمع صوتہ۔ ابن النجار[2] عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	بیشک بندہ مومن اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہے تو رب جل وعلا جبریل علیہ الصلوۃ والسلام سے فرماتا ہے: اس کی دعا قبول نہ کر کہ میں اس کی آواز سننے کو دوست رکھتا ہوں۔ اور جب فاجر دعا کرتا ہے رب جل جلالہ، فرماتا ہے: اے جبریل! اس کی حاجت روا کردے کہ میں اس کی آواز سننا نہیں چاہتا (ابن النجار نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

اس حدیث سے واضح کہ جبریل علیہ الصلوۃ والسلام دعائیں قبول کرتے حاجتیں روافرماتے ہیں۔ دین وہابیت میں اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا۔

حدیث ۱۹۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

[1] کنز العمال بحوالہ قط فی الافراد والدیلمی حدیث ۳۳۷۲۴ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۲/ ۹، الفردوس بما ثور الخطاب حدیث ۲۲۳ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۷۵

[2] کنز العمال بحوالہ ابن النجار حدیث ۳۲۶۱ و ۴۹۰۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۸۵ و ۶۲۰

ان اللہ ملئکۃ مؤکلین بارزاق بنی اٰدم قال لھم ایما عبدٍ وجد تموہ جعل الھم ھمّاواحد فضمنوا رزقہ السمٰوٰت والارض وبنی اٰدم ایما عبدٍ وجد تموہ طلب فان تحری الصدق فطیبوا لہ، ویسروا ومن تعدی ذٰلک فخلوا بینہ، وبیان مایرید ثم لاینا ل فوق الدرجۃ التی کتبتھا لہ۔الترمذی[1] الاکبر الامام فی النوادر۔	اللہ تعالٰی کے کچھ فرشتے بنی آدم کے رزقوں پر مؤکل ہیں انہیں اللہ عزوجل کا حکم ہے کہ جس بندے کو ایسا پاؤ کہ سب فکریں چھوڑ کر آخرت کا ہو رہا ہے آسمان وزمین وانسان سب کو اس کے رزق کا ضامن کردو یعنی بے طلب ہر طرف سے اسے رزق پہنچاؤ اور جسے روزی کی تلاش میں دیکھو وہ اگر راستی کا قصد کرے تو اس کے لیے اس کا رزق پاک وآسان کردو اور جو حد سے بڑھے اسے اس کی خواہش پر چھوڑ دو پھر ملے گا تو اتنا ہی جو میں نے اس کے لئے لکھ دیا ہے (اس کو حکیم ترمذی نے نوادر میں روایت کیا۔ت)

حدیث ۱۹۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ملك قابض علی ناصیتك فاذا تواضعت للہ رفعك واذا لجبرت علی اللہ قصمك وملك قائم علی فیك لایدع الحیۃ آن تدخل فی فیک۔ابن جریر عن کنانۃ العدوی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ھذا مختصر[2]۔	ایک فرشتہ تیری پیشانی کے بال تھامے ہوئے ہے جب تو اللہ عزوجل جل شانہ، کے لئے تواضع کرے تجھے بُلندی بخشتا ہے اور جب تو اس پر معاذاللہ تکبر کرے تجھے توڑ ڈالتا ہلاک کر دیتا ہے، اور ایک فرشتہ تیرے منہ پر کھڑا ہے کہ سانپ کو تیری منہ میں نہیں جانے دیتا۔(ابن جریر نے کنانہ عدوی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔یہ مختصر ہے۔ت)

دیکھو متواضعوں کو فرشتہ بُلند قدری دیتا ہے، متکبروں کو فرشتہ ہلاک کرتا ہے، اور

---

[1] نوادر الاصول للترمذی الاصل الحادی والسبعون والمائتان فی جمع الھموم دار صادر بیروت ص ۳۹۵

[2]

کیوں صاحبو! یہ فرشتہ جو منہ کی حفاظت کررہا ہے دافع البلا تو نہ ہوا شاید دفع بلال اس کا نام ہوگا کہ وہ چھوڑدے کہ سانپ تمہارے منہ میں گھس جائے۔

حدیث۱۹۹: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان ابن اٰدم لفی غفلة عما خلق له ویبعث اللّٰه ملکاً فیحفظه حتی یدرک۔ ابنا ابوی[1] حاتم والدنیا وابو نعیم عن جابر رضی اللّٰه تعالٰی عنهم هذا مختصر۔	آدم زاد اس کام سے غافل ہے جس کے لیے پیدا کیا گیا اور اللہ تعالٰی فرشتہ بھیجتا ہے کہ وقت پہنچنے تک اس کا نگہبان رہتا ہے۔ (اسکو ابو حاتم وابوالدنیا کے بیٹوں اور ابو نعیم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، یہ مختصر ہے۔ت)

حدیث۲۰۰: صحیح مسلم شریف میں حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اذا مر بالنطفة اثنتان واربعون لیلة بعث اللّٰه الیها ملکاً فصورها وخلق سمعها وبصرها وجلدها ولحمها وعظامها[2]۔ الحدیث	جب نطفے پر بیالیس راتیں گزرتی ہیں اللہ تعالٰی اس کی طرف فرشتہ بھیجتا ہے وہ آکر اس کی صورت بناتا ہے، کان، آنکھ، کھال، گوشت، ہڈیاں خلق کرتا ہے۔

انہیں کی دوسری روایت میں ہے:

یتسور علیها الملک۔ قال زهیر حسبته قال الذی یخلقها[3]۔	فرشتہ آکر اس پر گرتا ہے، زہیر نے کہا میرے خیال میں حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ وہ فرشتہ جو اسے خلق کرتا ہے۔

---

[1] حلیة الاولیاء ترجمہ ۲۳۵ محمد بن علی الباقر دارالکتاب العربی بیروت ۳/ ۱۹۰، الدر المنثور بحوالہ ابن ابی الدنیا وابن ابی حاتم الخ تحت الآیة ۲۱/۵۰ داراحیاء التراث بیروت ۷/ ۵۲۴

[2] صحیح مسلم، کتاب القدر باب کیفیت خلق الآدمی فی بطن امه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۳

[3] صحیح مسلم، کتاب القدر باب کیفیت خلق الآدمی فی بطن امه قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۳

انہیں کی تیسری روایت میں ہے:

ان ملکًا مؤکلًا بالرحم اذا اراد اللہ ان یخلق شیئا باذن اللہ الحدیث [1]۔	بیشک عورتوں کے رحم پر ایک فرشتہ متعین ہے جب اللہ تعالٰی چاہتا ہے کہ وہ فرشتہ باذن الٰہی کچھ خلق کرے۔

طبرانی کی روایت میں ہے:

ان النطفۃ اذا استقرت فی الرحم فمضٰی لھا اربعون یومًا جاء ملك الرحم فصور عظمہ ولحمہ ودمہ وبشرہ [2]۔	نطفے کو جب رحم میں ٹھہرے چلہ گزر جاتا ہے فرشتہ کہ رحم پر مؤکل ہے آکر اس کی ہڈیوں، گوشت، خون اور بال کھال کی تصویر کرتا ہے۔

حدیث ۲۰۱: صحیحین بخاری ومسلم وغیرہما میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

بچے کامادہ آفرینش چالیس دن تک ماں کے پیٹ میں جمع ہوتا ہے پھر اتنے ہی دن جما ہوا خون رہتا ہے، پھر اتنے ہی دن خون کی بوتی، ثم یرسل اللہ الیہ الملك فینفخ فیہ الروح جب تین چلے گزر لیتے ہیں اللہ تعالٰی اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ وہ اس میں جان ڈالتا ہے، ھذا لفظ مسلم [3]۔ (یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ت) اللہ عزوجل فرماتا ہے:

"ھُوَ الَّذِیۡ یُصَوِّرُکُمۡ فِی الۡاَرۡحَامِ کَیۡفَ یَشَآءُ ؕ" [4]۔	اللہ ہے کہ تمہاری تصویر فرماتا ہے ماؤں کے پیٹوں میں جیسے چاہے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۳

[2] المعجم الکبیر عن حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ حدیث ۳۰۴۱ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۳/ ۱۷۷، کنز العمال حدیث ۵۷۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۱۲۱

[3] صحیح البخاری کتاب بدء الخلق ۱/ ۴۵۶ وکتاب الانبیاء ۲/ ۴۶۹ قدیمی کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۲

[4] القرآن الکریم ۳/ ۶

اور فرماتا ہے جل وعلا:

"هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ"[1]۔	کیا کوئی اور بھی خلق کرنے والا ہے اللہ کے سوا۔

یہاں مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جن کا نام پاک ماحی ہے یعنی کفر وشرک کے مٹانے والے، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، وہ خود صحیح حدیثوں میں فرما رہے ہیں کہ فرشتہ تصویر کرتاہے، فرشتہ صورت بناتا ہے۔ فرشتہ آنکھ، کان، گوشت، استخواں، بال، کھال، خون خلق کرتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ سب کچھ فرشتے کے ہاتھ سے ہو کر جان بھی فرشتہ ڈالتا ہے۔ شرک پسند گمراہوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا شرک ہوگا والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم تو اتنا ہی فرما کر چپ ہو رہے تھے:

"لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾"[2]۔	میں تجھے ستھرا بیٹا دوں۔

یہاں تو ان سے کم درجہ شخص کے ہاتھوں پر دنیا بھر کے بیٹی بیٹوں کی خلق وتصویر ہو رہی ہے۔ احمق جاہلو! اپنے سسکتے ایمان کی جان پر رحم کرو، یہ فرق نسبت اٹھانا اقسام اسناد مٹانا خدا جانے تمہیں کن برے حالوں پر پہنچائے گا۔ مسلمانوں کو مشرک بنانا ہنسی کھیل سمجھا ہے۔

حدیث ۲۰۲: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لو لم ابعث فیکم لبعث عمر اید اللہ عمر بملکین یوفقانہ ویسددانہ فاذا اخطأصرفاہ حتی یکون صوابًا۔ الدیلمی[3] عن ابی بکرن الصدیق وابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما۔	اگر نبی میں تم میں مبعوث نہ ہوتا تو بیشک عمر نبی کرکے بھیجا جاتا۔ اللہ عزوجل نے دو فرشتوں سے عمر کی تائید فرمائی ہے کہ وہ دونوں عمر کو توفیق دیتے اور ہر امر مین اسے ٹھیک راہ پر رکھتے ہین اگر عمر کی رائے لغزش کرتی ہے تو فرشتے عمر کو ادھر سے پھیر دیتے ہیں تاکہ عمر سے حق ہی صادر ہو (دیلمی نے ابو بکر صدیق اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

[1] القرآن الکریم ۳/۳۵

[2] القرآن الکریم ۱۹/۱۹

[3] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۵۱۲۷ دار الکتب العلمیہ بیروت ۳/ ۲۷۳، کنز العمال حدیث ۳۲۷۶۱ مؤسسۃ بیروت ۱۱/ ۵۸۱

حدیث ۲۰۳: سید نا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں: بیشک عمر (رضی اللہ تعالٰی عنہ) کااسلام عزت تھااور ان کی ہجرت فتح ونصرت اوران کی خلافت میں رحمت۔خدا کی قسم گرد کعبہ علانیہ نماز نہ پڑھنے پائے جب تک عمر اسلام نہ لائے۔جب وہ مسلمان ہوئے کافروں سے قتال کیا یہاں تک کہ ہم نے علانیہ گرد کعبہ نماز ادا کی۔وانی لاحسب بین عینی عمر ملگا یسددہ اور بیشک میں سمجھتا ہوں کہ عمر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک فرشتہ ہے کہ انہیں راستی ودرستی دیتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ عمر سے شیطان ڈرتا ہے اورجب نیک بندوں کاذکر ہوتو عمر کاذکر لاؤ۔

ابن عساکر [1] رضی اللہ تعالٰی عنہ وقدمر بعضہ، اواخر الباب الاول بتخریج اٰخر غیر محدود۔	(اس کو ابن عساکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا، اوراس کا بعض حصہ دوسری تخریج کے ساتھ باب اول کے آخر میں گزر گیا ہے۔ت)

حدیث ۲۰۴: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

اذا جلس القاضی فی مجلسہ ھبط علیہ ملکان یسددانہ ویوفقانہ ویرشدانہ مالم یجرفاذا جار عرجا وترکاہ۔البیہقی [2] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	جب قاضی مجلس حکم میں بیٹھتا ہے اس پر دو فرشتے اترتے ہیں کہ وہ اسے راستی دیتے توفیق بخشتے سیدھی راہ چلاتے ہیں جب تک حق سے میل نہ کرلے جہاں اس نے میل کیا فرشتوں نے اسے چھوڑا اوراڑ گئے۔(بیہقی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰۵: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: جو مسلمان کسی مسلمان کا دل خوش کرتا ہے اللہ عزوجل اس خوشی سے ایک فرشتہ پیدا

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۵۳۰۲عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۶۷/۴۷، کنزالعمال حدیث ۳۵۸۶۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۵۹۹/۱۲

[2] کنز العمال عن ابن عباس حدیث ۱۵۰۱۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۹۹/۶، السنن الکبرٰی للبیہقی آداب القاضی باب فضل من ابتلی بشیئ الخ دارصادر بیروت ۸۸/۱۰

کرتا ہے کہ اللہ تعالٰی کی تمجید وتوحید کرتا ہے جب وہ مسلمان اپنی قبر میں جاتا ہے اس کے پاس آکر کہتا ہے کیا مجھے نہیں پہچانتا؟ وہ مسلمان پوچھتا ہے تو کون ہے؟ کہتا ہے میں وہ خوشی ہوں جو تو نے فلاں مسلمان کے دل میں داخل کی تھی انا الیوم اونس وحشتك والقنك حجتك وا ثبتك بالقول الثالث واشھدك مشاھدك یوم القیٰمۃ واریك منزلك من الجنۃ۔ آج میں تیرا جی بہلا کر تیری وحشت دور کروں گا، میں تجھے تیری حجت سکھاؤں گا، میں تجھے نکیرین کے جواب میں حق بات پر ثبات دوں گا، میں تجھے محشر کی بارگاہ میں لے جاؤں گا، میں تیرے رب کے حضور تیری شفاعت کروں گا، میں تجھے جنت میں تیرا مکان دکھاؤں گا۔

ابن ابی الدنیا [1] فی قضاء الحوائج وابو الشیخ فی الثواب عن الامام جعفر ن الصادق عن ابیہ عن جدہٖ رضی اللہ تعالٰی عنھم وکرم وجوھھم۔	اس کو ابن ابی الدنیا نے قضاء الحوائج میں اور ابوالشیخ نے ثواب میں امام جعفر صادق سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے، اللہ تعالٰی ان سے راضی ہوا اور ان کے چہروں کو مکرم بنایا۔ (ت)

حدیث ۲۰۶: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم: بیشک میں کتاب اللہ میں ایک سورت تیس آیتوں کی پاتا ہوں جو اسے سوتے وقت پڑھے اللہ عزوجل اس کے لئے تیس نیکیاں لکھے اور اس کے تیس گناہ محو فرمائے اور اس کے تیس درجے بُلند کرے،

وبعث اللہ الیہ ملکا من الملئکۃ لیبسط علیہ جناحہ و یحفظہ من کل سوء حتی یستیقظ وھی المجادلۃ تجادل عن صاحبھا فی القبر وھی تبارك الذی سورۃ الملك	اللہ عزوجل اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجے کہ اپنا بازو اس پر کشادہ رکھے جب تک سو کر اٹھے وہ فرشتہ اسے ہر برائی سے محفوظ رکھے وہ سورت مجادلہ ہے اپنے قاری کی طرف سے اس کی قبر میں جھگڑے گی وہ تبارک الذہ سورہ ملک ہے۔

[1] موسوعۃ رسائل ابن ابی الدنیا قضاء الحوائج حدیث ۱۱۵ مؤسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت ۸۶/۲، کنزالعمال بحوالہ ابن ابی الدنیا حدیث ۱۶۴۰۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴۳۱/۶

الدیلمی[1] عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔	(دیلمی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من حمٰی مؤمنا منافق یغتابہ بعث اللہ لہ ملکًا یحمی لحمہ من نار جھنم۔ احمد[2] وابوداود عن معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جب کوئی منافق کسی مسلمان کو پیٹھ پیچھے برا کہہ رہا ہو تو جو شخص اس منافق سے اس مسلمان کی حمایت کرے اللہ عزوجل اس کے لئے ایک فرشتہ بھیجے کہ آتش دوزخ سے اس کے گوشت کو بچائے (احمد وابو داود نے معاذ بن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰۸: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

رأیت جعفرا یطیر ملکًا فی الجنۃ تدمی تادمتاہ ورأیت زیدا دون ذٰلک فقلت ما کنت اظن ان زیادا دون جعفر فقال جبریل (علیہ الصلٰوۃ والتسلیم) ان زیدا بدون جعفر ولٰکنا فضلنا جعفر بقرابتہ منک	میں نے جعفر طیار رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ملاحظہ فرمایا کہ فرشتہ بن کر جنت میں اڑ رہے ہیں اور ان کے بازوؤں کے اگلے دونوں شہپروں سے خون رواں ہے اور زید بن حارثہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کو میں نے ان سے کم مرتبہ پایا۔ میں نے فرمایا مجھے گمان نہ تھا کہ زید کا مرتبہ جعفر سے کم ہوگا۔ جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم نے عرض کی: زید جعفر سے کم نہیں مگر ہم نے جعفر کا مرتبہ زید سے بڑھا دیا ہے اس لئے کہ وہ حضور سے قرابت رکھتے ہیں۔

[1] الفردوس بمأثور الخطاب حدیث ۱۷۹ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۶۲ و ۶۳، کنز العمال حدیث ۲۷۰۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/ ۵۹۴

[2] مسند احمد بن حنبل حدیث معاذ بن انس الجھنی المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۴۴۱، سنن ابی داود کتاب الادب باب الرجل یذب عن عرض اخیہ آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۳۱۳

ابن سعد[1] عن محمد بن عمرو بن علی مرسلاً۔	(ابن سعد نے محمد بن عمرو بن علی سے مرسلاً روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۰۹: طلحہ بن عبید اللہ احد العشرۃ المبشرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں: روز احد میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو کندھیاں لے کر ایک چٹان پر بٹھادیا کہ مشرکین سے آڑ ہو گئی، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے پس پشت دست مبارک سے ارشاد فرمایا:

ھذا جبریل یخبرنی انہ لایراك یوم القیٰمۃ فی ھولٍ الا انقذك منہ۔ ابن عساکر[2] رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	یہ جبریل مجھے خبر دے رہے ہیں کہ اے طلحہ! وہ روز قیامت تمہیں جس کسی دہشت میں دیکھیں گے اس سے تمہیں چھڑا دیں گے۔ (ابن عساکر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۱۰: جب امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابو لولو مجوسی خبیث نے خنجر مارا اور امیر المؤمنین نے مشورے کا حکم دیا (کہ میرے بعد عثمان غنی و علی مرتضٰی وطلحہ وزبیر وعبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالٰی عنہم چھ صاحبوں سے مسلمان جسے مناسب تر جانیں خلیفہ بنائیں) حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا خدمت امیر المومنین میں آئیں اور کہا: اے باپ میرے! بعض لوگ کہتے ہیں یہ چھ شخص پسندیدہ نہیں۔ امیر المومنین نے فرمایا: مجھے تکیہ لگا کر بٹھادو۔ بٹھائے گئے، ارشاد فرمایا: ''علی اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں لا تُو روز قیامت میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا۔ بھلا عثمان کی شان میں کیا کہہ سکتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا جس دن عثمان انتقال کرے گا آسمان کے فرشتے اس پر نماز پڑھیں گے۔ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ فضیلت خاص عثمان کے لئے ہے یا ہر مسلمان

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد ذکر جعفر بن ابی طالب دار صادر بیروت ۴/ ۳۸، کنز العمال حدیث ۳۳۲۱۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۶۵

[2] کنز العمال حدیث ۳۶۶۰۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۰۲، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۳۰۶۴ طلحہ بن عبیداللہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۷/ ۵۰

کے لئے۔ فرمایا: خاص عثمان کے لئے۔ طلحہ بن عبید اللہ کو کیا کہیں گے، ایک رات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کجاوا پشت مرکب سے گرگیا تھا میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا کون ہے کہ میرا کجاوا ٹھیک کردے اور جنت لے لے۔ یہ سنتے ہی طلحہ دوڑے اور کجاوا درست کر دیا، حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوئے اور ان سے ارشاد فرمایا: یاطلحۃ ھذا جبریل یقرئك السلام ویقول انا معك فی اھوال یوم القیٰمۃ حتی انجیك منھا۔ اے طلحہ! یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے اور بیان کرتے ہیں کہ میں قیامت کے ہولوں میں تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ ان سے تمہیں نجات دوں گا۔ زبیر بن عوام کو کیا کہیں گے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور آرام فرماتے تھے زبیر بیٹھے پنکھا جھلتے رہے یہاں تک کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدار ہوئے، فرمایا: اے ابو عبداللہ! (زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کنیت ہے) کیا جب سے تو جھل رہا ہے؟ عرض کی: میرے ماں باپ حضور پر نثار جب سے۔ برابر جُھل رہا ہوں۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ھذا جبریل یقرئك السلام ویقول انا معك یوم القیٰمۃ حتی ادب عن وجھك شرر جھنم۔ یہ جبریل ہیں تجھے سلام کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ میں روز قیامت تمہارے ساتھ رہوں گا یہاں تک کہ تمہارے چہرے سے جہنم کی اڑتی ہوئی چنگاریاں دور کروں گا۔ سعد بن ابی وقاص کو کیا کہیں گے، میں نے روز بدر دیکھا سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے چودہ بار ان کی کمان چلہ باندھ کر انہیں عطا کی اور فرمایا تیر مار، تیرے قربان میرے ماں باپ۔ عبدالرحمٰن بن عوف کو کیا کہیں گے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو دیکھا حضور حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہا کے یہاں تشریف فرما تھے دونوں صاحبزادے رضی اللہ تعالٰی عنہما بھوکے روتے بلکتے تھے، سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ کون ہے کہ کچھ ہماری خدمت میں حاضر کرے، اس پر عبدالرحمٰن بن عوف حیس (کہ خرمائے خستہ برآوردہ، اور پنیر کو باریک کوٹ کر گھی میں گوندھتے ہیں) اور دو روٹیاں کہ ان کے بیچ میں روغن رکھا تھا لے کر حاضر ہوئے، رحمت دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: کفاك اللہ امر دنیاك واما امر اٰخرتك فانا لھا ضامن۔ اللہ تعالٰی تیرے دنیا کے کام درست کردے اور تیری آخرت کے معاملہ کا تو میں ذمہ دار ہوں۔" معاذ[1] بن المثنّٰی فی زیادات مسند مسددٍ والطبرانی فی

---

[1] کنز العمال بحوالہ معاذ بن المثنّٰی حدیث ۳۶۷۳۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۴۶ـ۲۴۷

الاوسط وابو نعیم فی فضائل الصحابۃ وابو بکر ان الشافعی فی الغیلانیات وابو الحسن بن بشران فی فوائدہٖ والخطیب فی التلخیص المتشابہ وابن عساکر فی تاریخ دمشق والدیلمی فی مسند الفردوس عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما۔ امام جلیل جلال الدین سیوطی جمع الجوامع میں فرماتے ہیں: سندہٗ صحیح[1]۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

تکملہ کاملہ: وصل اول کی طرف پھر عود کرنا والعود احمد ؎

اعد ذکر والینا لنا ان ذکرہٗ هو المسك ما کررته یتضوع

(ہمارے والی کا ذکر ہمارے لئے پھر لوٹاؤ کہ بیشک ان کا ذکر ایسی کستوری ہے جسے جتنا رگڑو وہ خوشبو دیتی ہے۔ت)

؎ باز ہوائے چمنم آرزوست جلوہ سرود سمنم آرزوست

(پھر مجھے چمن کی ہوا کی خواہش ہے جنبیلی کے نغمے کے جلوے کی خواہش ہے۔ت)

؎ پھر اٹھا ولولۂ یاد بیابان حرم پھر کھنچا دامن دل سوئے مغیلان حرم

اللہ اس حدیث صحیح کے پچھلے جملے نے پھر وصل اول احادیث متعلقہ محبوب اجمل صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی آتش شوق سینے میں بھڑکا دی، کتا اپنے پیارے آقا مہربان مولٰی کا دروازہ چھوڑ کر کہاں جائے، ہر پھر کر وہیں کا وہیں رہا چاہے بلکہ واللہ یہ کتا اپنے پیارے کریم کا در اطہر سے ہٹا ہی نہیں، انبیاء کے دروازے پر جائے تو انہیں کا گھر ہے، اولیاء کے یہاں آئے تو انہین کا در ہے، ملائکہ کی منزلوں پر گزرے تو انہیں کا نگر ہے ع

کوئی اور ان کے سوا کہاں وہ اگر نہیں تو جہاں نہیں

؎ یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پر تو آں ہر کجا در نگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھرے میں ایک چراغ ہے جس کی روشنی سے جہاں دیکھو ایک انجمن بنائے ہوئے ہیں۔ت)

؎ آسمان کواں زمیں خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا

؎ بندہ ات غیرت. بردکے. بردر غیرت رود دررود چوں بنگرد ہم شاہ آں ایواں توئی

(تیرا غیر تمند غلام در غیر پر کیسے جاسکتا ہے، اور اگر جائے تو دیکھے گا کہ اس ایوان کا بادشاہ بھی تو ہی ہے۔ت)

حدیث ۲۱۱: نزال بن سبرہ فرماتے ہیں ایک دن ہم نے امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم

---

[1] کنز العمال تحت حدیث ۳۶۷۳۶ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۴۶ و ۲۴۷

کو خوش دل پایا، عرض کی: یاامیر المومنین! اپنے یاروں کا حال ہم سے بیان کیجئے۔ فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سب صحابہ میرے یار ہیں۔ ہم نے عرض کی: اپنے خاص یاروں کا تذکرہ کیجئے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی صحابی نہیں کہ میرا یار نہ ہو۔ ہم نے عرض کی: ابو بکر صدیق کا حال بیان کیجئے۔ فرمایا: یہ وہ صاحب ہیں کہ اللہ عزوجل نے جبریل امین ومحمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہما وسلم کی زبان پر ان کا نام صدیق رکھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں ہمارے دین کی امامت کو پسند فرمایا تو ہم نے اپنی دنیا میں بھی انہیں کو پسند کیا۔ ہم نے عرض کی: عمر بن خطاب کا حال بیان فرمائیے۔ فرمایا: یہ وہ صاحب ہیں جن کا نام اللہ عزوجل کے فاروق رکھا، انہوں نے حق کو باطل سے جدا کردیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عرض کرتے سنا کہ الٰہی! عمر بن خطاب کے سبب اسلام کی عزت دے۔ ہم نے عرض کی: عثمان کا حال کہئے۔ فرمایا ذٰلک امرء تدعٰی فی الملاء الاعلٰی ذالنورین کان ختن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ابنتیہ ضمن لہ فی الجنتہ یہ وہ صاحب ہیں کہ ملاء اعلٰی و بزم بالا میں ذی النورین پکارے جاتے ہیں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دو شاہزادیوں کے شوہر ہوئے، سرور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے لئے جنت میں ایک مکان کی ضمانت فرمائی ہے۔

خیثمۃ [1] واللالکائی والعشاری فی فضائل الصدیق وابن عساکر عنہ عن علی کرم اللہ تعالٰی وجھہ وراہ عنہ ابو نعیم قال سألنا علیا عن عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنھما قال ذاك امرو فذکرہ [2]۔	خیثمہ، لالکائی اور عشاری نے فضائل صدیق میں اور ابن عساکر نے انہی سے بحوالہ حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے اسکو روایت کی اکہ ہم نے حضرت علی سے حضرت عثمان کے بارے میں پوچھا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ وہ ایسے عظیم شخص ہیں، پھر پوری حدیث ذکر کی۔ (ت)

حدیث ۲۱۲: کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکہ معظّمہ میں کسی سے فرمایا کہ اپنا گھرے میرے ہاتھ بیچ ڈال کہ مسجد حرام میں زیادت فرماؤں اور تیرے لئے جنت میں مکان کا ضامن ہوں۔ اس نے

---

[1] کنز العمال بحوالہ خیثمہ واللالکائی والعشاری حدیث ۳۶۶۹۸ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۳۱۔ ۲۳۲

[2] معرفۃ الصحابہ لابی نعیم حدیث ۲۳۹ مکتبۃ الحرمین ریاض ۱/ ۲۴۶

عذر کیا۔ پھر فرمایا۔ انکار کیا۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر ہوئی، یہ شخص زمانہ جاہلیت میں ان کا دوست تھا اس سے باصرار تمام دس ہزار اشرفی دے کر خرید لیا، پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی کہ حضور! اب وہ گھر میرا ہے **فهل انت اٰخذها ببيت تضمن لى فى الجنة** کیا حضور مجھ سے ایک مکان بہشت کے عوض لیتے ہیں جس کے حضور میرے لئے ضامن ہو جائیں۔ **قال نعم** فرمایا: ہاں۔ **فاخذها منه وضمن له بيتًا فى الجنة واشهد له على ذٰلك المومنين** حضور نے ان سے وہ مکان لے کر جنت میں ان کے لئے ایک مکان کی ضمانت فرمائی اور مسلمانوں کو اس معاملہ پر گواہ کرلیا۔

احمد الحاكمى [1] **فى فضائل عثمان عن سالم بن عبد الله بن عمر رضى الله تعالٰى عنهم۔**	احمد حاکمی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فضائل میں سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث ۲۱۳: کہ جب مہاجرین مکہ معظّمہ سے ہجرت فرماکر مدینہ طیبہ میں آئے یہاں کا پانی پسند نہ آیا شور تھا، بنی غفار سے ایک شخص کی مِلک میں ایک شیریں چشمہ مسمّٰی بہ رومہ تھا وہ اس کی ایک مشک نیم صاع کو بیچتے، سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: **بعنيها بعين فى الجنة** یہ چشمہ میرے ہاتھ ایک چشمہ بہشت کے عوض بیچ ڈال۔ عرض کی: یارسول اللہ! میری اور میرے بچوں کی معاش اسی میں ہے مجھ میں طاقت نہیں۔ یہ خبر عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو پہنچی وہ چشمہ مالک سے پینتیس ۳۵ ہزار روپے کو خرید لیا، پھر خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: **يارسول الله اتجعل لى مثل الذى جعلت له عينا فى الجنة اشتريتها يارسول الله!** کیا جس طرح حضور اس شخص کو چشمہ بہشتی عطا فرماتے تھے اگر میں یہ چشمہ اس سے خرید لوں تو حضور مجھے عطا فرمائیں گے؟ **قال نعم** فرمایا: ہاں۔ عرض کی: میں نے بِئر رومہ خرید لیا اور مسلمانوں پر وقف کر دیا۔ **الطبرانى** [2] **فى الكبير وابن عساكر عن بشير رضى الله تعالٰى**

---

[1] الریاض النضرۃ بحوالہ الحاکمی الباب الثالث دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۰و۲۱

[2] المعجم الکبیر عن بشیر اسلمی حدیث ۱۲۲۶ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲/ ۴۱و۴۲، تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۴۷۱۵ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴۱/ ۴۹، کنز العمال بحوالہ طب کر حدیث ۳۶۱۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۳۵و۳۶

عنہ(طبرانی نے کبیر میں اورابن عساکر نے بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۱۴: ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

اشترٰی عثمان بن عفان من رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجنۃ مرتین یوم رومۃ ویوم جیش العسرۃ۔الحاکم [1] وابن عدی وعساکر عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دوبار نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے جنت خرید لی بئر رومہ کے دن اور لشکر کی تنگدستی کے روز۔(حاکم اورابن عدی اورابن عساکر نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۱۵: کہ حضور مالک جنت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا:

لك الجنۃ علی یا طلحۃ غدًا۔ابو نعیم [2] فی فضائل الصحابۃ عن امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	کل تمہارے لئے جنت میرے ذمہ ہے(ابو نعیم نے فضائل صحابہ میں امیر المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲۱۶: صحیح بخاری شریف میں سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من یضمن لی مابین لحییہ ومابین رجلیہ اضمن لہ الجنۃ [3]۔	جو میرے لئے اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہوجائے(کہ ان سے میری نافرمانی نہ کرے) میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

---

[1] المستدرك للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ اشترٰی عثمان الجنۃ مرتین دارالفکر بیروت ۳/ ۱۰۷،تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۴۷۱۵ عثمان بن عفان داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۱/ ۴۹،الکامل لابن عدی ترجمہ بکر بن بکار دارالفکر بیروت ۲/ ۴۶۴

[2] کنزالعمال بحوالہ ابی نعیم حدیث ۳۳۳۶۵ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۶۵۹

[3] صحیح البخاری کتاب الرقاق باب حفظ اللسان قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۵۸و۹۵۹،السنن الکبرٰی للبیہقی کتاب قتال اہل البغی باب ماعلی الرجل من حفظ اللسان الخ دارصادر بیروت ۸/ ۱۶۶

امام الوہابیہ علیہ ماعلیہ اپنے مقر کو پہنچا، اب یہ حدیثیں کسے دکھائیں کہ او بے بصر بدزبان! تیرے نزدیک تو "وہ کسی چیز کے مختار نہیں، ان کو کسی نوع کی قدرت نہیں، کسی کام میں نہ بالفعل ان کو دخل ہے نہ اس کی طاقت رکھتے ہیں اپنی جان تک کے نفع و نقصان کے مالک نہیں دوسرے کا تو کیا کر سکیں، اللہ کے یہاں کا معاملہ انکے اختیار سے باہر ہے، وہاں کسی کی حمایت نہیں کر سکتے کسی کے وکیل نہیں بن سکتے[1]۔"

ان حدیثوں کو سوجھ کو وہ بتملیک الٰہی عزوجل جنت کے مالک، کارخانہ الٰہی کے مختار ہیں، ضمانتیں فرماتے ہیں، اپنے ذمے لیتے ہیں، عطا فرماتے ہیں، بیع کر دیتے ہیں، ہر عاقل جانتا ہے کہ بیع وہی کرے گا جو خود مالک ہو یا مالک کی طرف سے ماذون و مختار، ورنہ فضولی ہے جس کا قصد فضول اور عقد بیکار۔

الحمدللہ اہل حق کے نزدیک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نفاذ تصرف کی دونوں وجہیں حاصل، حقیقت عطائیہ لیجئے تو وہ ضرور مالک جنان، بلکہ مالک جہان ہیں۔ اور ذاتیہ لیجئے تو مالک حقیقی کے ماذون مطلق و نائب کامل ہاں گمراہ بددین وہ جو دونوں شقیں باطل جانے اور اللہ کے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذاللہ فضولی محض مانے۔ "وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠ (۲۲۷)" [2]۔ (اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ت)

حدیث ۲۱۷: کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

من بکر یوم السبت فی طلب حاجۃ فانا ضامن بقضائھا۔ ابو نعیم[3] عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔	جو شنبے کے دن تڑکے کسی حاجت کی تلاش کو جائے میں اسکی حاجت روائی کا ذمہ دار ہوں۔ (ابو نعیم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حضرت سید نظام الحق والدین محبوب الٰہی سلطان الاولیاء قدست اسرارہم کی نسبت لوگ کہتے ہیں:

"بعد جمعہ جو کیجئے کام اس کے ضامن شیخ نظام"۔

[1] تقویۃ الایمان الفصل الثالث مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۱۹ تا ۲۵

[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

[3] کنزالعمال بحوالہ ابو نعیم عن جابر حدیث ۱۶۸۱۲ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۶/ ۵۲۰

وہابی اسے شرک کہتے ہیں، وہی حکم اس حدیث پر لازم۔

حدیث ۲۱۸: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل بعثت حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمن کو تاجرانہ جاتے تھے ایک پیر مرد عسکلان بن عواکر کے یہاں قیام فرماتے، وہ ان سے مکہ معظّمہ کا حال پوچھتے تم میں کوئی مشہور بُلند چرچے والا پیدا ہوا؟ کسی نے تم پر تمہارے دین میں خلاف کیا؟ یہ انکار کرتے، جب بعد بعثت اقدس گئے پیر مرد نے کہا: میں تمہیں وہ بشارت دیتا ہوں کہ کہ تمارے لئے تجارت سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہاری قوم سے نبی برگزیدہ مبعوث فرمایا، ان پر اپنی کتاب اتاری، وہ اصنام سے روکتے اور اسلام کی طرف بلاتے ہیں، حق کا حکم دیتے اور اس کے فاعل ہیں، باطل سے منع کرتے اور اس کے مبطل ہیں، وہ ہاشمی ہیں۔ اور تم اے عبدالرحمٰن ان کے ماموں! جلد پلٹو اور ان کی خدمت و تصدیق کرو، اور یہ اشعار میری طرف سے انکی بارگاہ والا میں پہنچاؤ، چند اشعار در بارہ تصدیق رسالت واظہار شوق وعذر پیرانہ سالی واستعانت سرکار عالی صلوات اللہ وسلامہ علیہ کہے ازاں جملہ یہ دو شعر۔

اذا نای بالدّیار بعد | فانت حرزی ومستراجی

فکن شفیعی الٰی ملیك | یدعوا البرایا الی الفلاحی

جبکہ شہروں کو دوری فاصلہ نے بعید کردیا، تو حضور میری پناہ اور میری راحت ملنے کی جگہ ہیں۔ تو حضور میری شفیع ہوں اس بادشاہ کے یہاں جو مخلوق کو نجات کی طرف بلاتا ہے۔

عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واپس آکر یہ حال صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گزارش کیا، انہوں نے فرمایا؛ یہ محمد بن عبداللہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے اپنی تمام مخلوق کی طرف رسول کیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، تم ان کے حضور حاضر ہو، یہ حاضر ہوئے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور ارشاد ہوا: مین ایک سزاوار چہرہ دیکھتا ہوں جس کے لئے خیر کی امدی ہے کہو کیا خبر ہے؟ انہوں نے عرض کی: کیسی؟ فرمایا: پیام بھیجنے والے نے جو پیام ہمارے حضور بھیجا ہے وہ امانت ادا کرو، سنتے ہو اولاد حمیر خواص مومنین سے ہیں۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے ہی مسلمان ہوئے، پھر وہ اشعار حضور میں عرض کئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

رب مومن بی ولم یرنی ومصدق	یعنی مجھ پر بعض ایمان لانے والے (ایسے ہیں)

بی وماشھدنی اولئك اخوانی [1]۔	جنہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں اور بعض لوگ میری تصدیق کرنے والے (ایسے ہیں) جن کو میرے پاس حضوری حاصل نہ ہوسکی، یہ لوگ میرے بھائی ہیں۔ (کلمہ اخوت کو ان کے اعزاز کے لئے تواضعًا فرمایا)

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین!

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

الامن والعلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء

ختم ہوا

---

[1] کنز العمال بحوالہ کر حدیث ۳۶۶۹۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۳/ ۲۲۷ تا ۲۲۹

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of Dawateislami

رسالہ
منبہ المنیۃ بوصول الحبیب الی العرش والرّؤیۃ ۱۳۲۰ھ

(محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عرش تک رسائی اور دیدار الٰہی کے بارے میں مطلوب سے خبردار کرنیوالا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۶: کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شب معراج نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کااپنے رب کو دیکھنا کس حدیث سے ثابت ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمائے اوراجر دیے جاؤگے۔ت)

الجواب:

الاحادیث المرفوعہ (مرفوع حدیثیں)

امام احمد اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأیت ربی عزوجل[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

[1] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/۲۸۵

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی اور علامہ عبدالرؤف مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: یہ حدیث بسند صحیح ہے[1]۔
ابن عساکر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لان اللہ اعطی موسی الکلام واعطانی الرؤیۃ لوجھہ و فضلنی بالمقام المحمود والحوض المورود[2]۔	بیشک اللہ تعالٰی نے موسٰی کو دولت کلام بخشی اور مجھے اپنا دیدار عطافرمایا مجھ کو شفاعت کبرٰی وحوض کوثر سے فضیلت بخشی۔

وہی محدث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لی ربی نخلت ابرٰھیم خلتی وکلمت موسٰی تکلیما واعطیتك یامحمد کفاحا[3]۔ فی مجمع البحار کفاحا ای مواجھۃً لیس بینھما حجاب ولارسول[4]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے میرے رب عزوجل نے فرمایا میں نے ابراہیم کو اپنی دوستی دی اور موسٰی سے کلام فرمایا اور تمہیں اے محمد! مواجہ بخشا کہ بے پردہ وحجاب تم نے میرا جمال پاک دیکھا۔ مجمع البحار میں ہے کہ کفاح کا معنٰی بالمشافہ دیدار ہے جبکہ درمیان میں کوئی پردہ اور قاصد نہ ہو۔ (ت)

ابن مردویہ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی:

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو یصف سدرۃ المنتھٰی (وذکر الحدیث الی ان قالت) قلت یارسول اللہ	یعنی میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہٰی کا وصف بیان فرماتے تھے میں نے عرض کی یارسول اللہ! حضور نے اس کے

[1] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث رأیت ربی مکتبۃ الامام الشافعی ریاض ۲/ ۲۵،الخصائص الکبرٰی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۱۶۱
[2] کنزالعمال بحوالہ ابن عساکر عن جابر حدیث ۳۹۲۰۶ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴/ ۴۴۷
[3] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء واجتماعہ بجماعۃ من الانبیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۹۶
[4] مجمع بحار الانوار باب کف ع تحت اللفظ کفح مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ ۴/ ۴۲۴

مارأیت عندھا؟قال رأیته عندھا یعنی ربه [1]۔	پاس کیا دیکھا؟فرمایا: مجھے اس کے پاس دیدار ہوا یعنی رب کا۔

آثار الصحابه

ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

اما نحن بنوھا شام فنقول ان محمدا رای ربه مرتین [2]۔	ہم بنی ہاشم اہلبیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دو بار دیکھا۔

ابن اسحٰق عبداللہ بن ابی سلمہ سے راوی:

ان ابن عمر ارسل الی ابن عباس یسأله ھل رای محمد صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ربه. فقال نعم [3]۔	یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے دریافت کرا بھیجا: کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟انہوں نے جواب دیا: ہاں۔

جامع ترمذی و معجم طبرانی میں عکرمہ سے مروی:

واللفظ للطبرانی عن ابن عباس قال نظر محمد الی ربه قال عکرمة فقلت لابن عباس نظر محمد الی ربه قال نعم جعل الکلام لموسٰی والخلة لابرٰھیم والنظر لمحمد صلی اللہ	یعنی طبرانی کے الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فرمایا: محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ عکرمہ ان کے شاگرد کہتے ہیں: میں نے عرض کی: کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں اللہ تعالٰی نے موسٰی کے لئے

---

[1] الدر المنثور فی التفسیر بالماثور بحوالہ ابن مردویہ تحت آیۃ ۱/۱۷ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۹۴/۵

[2] جامع الترمذی ابو اب التفسیر سورہ نجم امین کمپنی اردو بازار دہلی ۱۶۱/۲،الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل وامارؤیة لربه المطبعة الشرکة الصحافیة فی البلاد العثمانیه ۱۵۹/۱

[3] الدر المنثور بحوالہ ابن اسحٰق تحت آیۃ ۱۸/۵۳ دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۷۰/۷

تعالٰی علیه وسلم [1] (زاد الترمذی)فقد رای ربه مرتین [2]۔	کلام رکھا اور ابراہیم کے لئے دوستی اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دیدار۔ (اور امام ترمذی نے یہ زیادہ کیا کہ) بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ تعالٰی کو دو بار دیکھا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن ہے۔ امام نسائی اور امام خزیمہ وحاکم و بیہقی کی روایت میں ہے:

واللفظ للبیہقی أتعجبون ان تکون الخلة لابراهیم و الکلام لموسٰی والرؤیة لمحمد صلی الله تعالٰی علیه و سلم۔	کیا ابراہیم کے لئے دوستی اور موسٰی کے لئے کلام اور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے دیدار ہونے میں تمہیں کچھ اچنبا ہے۔ یہ الفاظ بیہقی کے ہیں۔

حاکم [3] نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔ امام قسطلانی وزرقانی نے فرمایا: اس کی سند جید ہے [4]۔ طبرانی معجم اوسط میں راوی:

عن عبدالله بن عباس انه کان یقول ان محمدا صلی الله تعالٰی علیه وسلم رأی ربه مرتین مرة ببصره و مرة بفواده [5]۔	یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرمایا کرتے بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دو بار اپنے رب کو دیکھا ایک بار اس آنکھ سے اور ایک بار دل کی آنکھ سے۔

---

[1] المعجم الاوسط حدیث ۹۳۹۲ مکتبۃ المعارف ریاض ۱۰/۱۸۱

[2] جامع الترمذی ابواب التفسیر سورۃ نجم امین کمپنی اردو بازار دہلی ۲/۱۶۰

[3] المواهب اللدنیة بحواله النسائی والحاکم المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۰۴، الدر المنثور بحواله النسائی والحاکم تحت الآیة ۵۳/۱۸ داراحیاء التراث العربی بیروت ۷/۵۶۹، المستدرک علی الصحیحین کتاب الایمان رأی محمد صلی الله تعالٰی علیه وسلم ربه دار الفکر بیروت ۱/۶۵، السنن الکبری للنسائی حدیث ۱۱۵۳۹ دار الکتب العلمیة بیروت ۶/۴۷۲

[4] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیه المقصد الخامس دار المعرفة بیروت ۶/۱۱۷

[5] المواهب اللدنیة بحواله الطبرانی فی الاوسط المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۰۵، المعجم الاوسط حدیث ۵۷۵۷ مکتبة المعارف ریاض ۶/۳۵۶

امام سیوطی وامام قسطلانی وعلامہ شامی علامہ زرقانی فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند صحیح ہے [1]۔

امام الائمہ ابن خزیمہ وامام بزار حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

ان محمدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأی ربہ عزوجل [2]۔	بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

امام احمد قسطلانی وعبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں: اس کی سند قوی ہے [3]۔ محمد بن اسحٰق کی حدیث میں ہے:

ان مروان سأل ابا ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ھل رأی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ربہ فقال نعم [4]۔	یعنی مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے پوچھا: کیا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں

اخبار التابعین

مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن معمر عن الحسن البصری انہ کان یحلف باللہ لقد رأی محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم [5]۔	یعنی امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قسم کھاکر فرمایا کرتے بیشک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔

اسی طرح امام ابن خزیمہ حضرت عروہ بن زبیر سے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پھوپھی زاد

---

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۱۰۵/۳، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد الخامس دارالمعرفہ بیروت ۱۱۷/۶

[2] المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابن خزیمہ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۱۰۵/۳

[3] المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابن خزیمہ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۱۰۵/۳، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد الخامس دارالمعرفہ بیروت ۱۱۸/۶

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ بحوالہ ابن اسحٰق دارالمعرفہ بیروت ۱۱۶/۶، الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی بحوالہ ابن اسحٰق فصل وما رؤیۃ لربہ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۱۵۹/۱

[5] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی بحوالہ عبدالرزاق عن معمر عن الحسن البصری فصل واما رویۃ لربہ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ فی البلاد العثمانیہ ۱۵۹/۱

بھائی کے بیٹے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نواسے ہیں راوی کہ وہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی ہونا مانتے: وانہ یشتد علیہ انکارھا[1] اھ ملتقطا۔ اور ان پر اس کا انکار سخت گراں گزرتا۔

یوں ہی کعب احبار عالم کتب سابقہ وامام ابن شہاب زہری قرشی وامام مجاہد مخزومی مکی وامام عکرمہ بن عبداللہ مدنہ ہاشمی وامام عطا بن رباح قرشی مکی۔ استاد امام ابو حنیفہ وامام مسلم بن صبیح ابوالضحی کوفی وغیرہم جمیع تلامذہ عالم قرآن حبر الامہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔ امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

اخرج ابن خزیمۃ عن عروہ بن الزبیر اثباتھا وبہ قال سائر اصحاب ابن عباس وجزم بہ کعب الاحبار والزھری[2] الخ۔	ابن خزیمہ نے عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اس کا اثبات روایت کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کے تمام شاگردوں کا یہی قول ہے۔ کعب احبار اور زہری نے اس پر جزم فرمایا ہے۔ الخ۔ (ت)

اقوال من بعدھم من ائمّۃ الدین

امام خلّال کتاب السنۃ میں اسحٰق بن مروزی سے راوی، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالٰی رؤیت کو ثابت مانتے اور اس کی دلیل فرماتے:

قول النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رأیت ربی[3] اھ مختصرًا۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں نے اپنے رب کو دیکھا۔

نقاش اپنی تفسیر میں اس امام سند الانام رحمہ اللہ تعالٰی سے راوی:

انہ قال اقول بحدیث ابن عباس بعینہ رای ربہ راٰہ راٰہ راٰہ حتی انقطع نفسہ[4]۔	یعنی انہوں نے فرمایا میں حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کا معتقد ہوں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کو اسی آنکھ سے دیکھا دیکھا دیکھا، یہاں تک فرماتے رہے کہ سانس ٹوٹ گئی۔

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بحوالہ ابن خزیمہ المقصد الخامس دارالمعرفۃ بیروت ۱/۱۱۶

[2] المواہب اللدنیۃ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۳/۱۰۴

[3] المواہب اللدنیۃ بحوالہ الخلال فی کتاب السنۃ المقصد الخامس المتکب الاسلامی بیروت ۳/۱۰۷

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی بحوالہ النقاش عن احمد وامام رؤیۃ لربہ المکتبۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۱/۱۵۹

امام ابن الخطیب مصری مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

جزم به معمر واٰخرون وهوقول الاشعری وغالب اتباعه[1]۔	یعنی امام معمر بن راشد بصری اوران کے سوااور علماء نے اس پر جزم کیا، اوریہی مذہب ہے امام اہلسنت امام ابوالحسن اشعری اوران کے غالب پیروؤں کا۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے امام قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

الاصح الراجح انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم رای ربه بعین راسه حین اسری به کما ذهب الیه اکثر الصحابة[2]۔	مذہب اصح وراجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب اسرا اپنے رب کو بچشم سر دیکھا جیسا کہ جمہور صحابۂ کرام کا یہی مذہب ہے۔

امام نووی شرح صحیح مسلم میں پھر علامہ محمد بن عبدالباقی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

الراجح عند اکثر العلماء انه طرای ربه بعین راسه لیلة المعراج[3]۔	جمہور علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے شب معراج اپنے رب کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔

ائمہ متاخرین کے جداجدا اقوال کی حاجت نہیں کہ وہ حد شمار سے خارج ہیں اور لفظ اکثر العلماء کہ منہاج میں فرمایا کافی ومغنی۔ **واللہ تعالٰی اعلم۔**

مسئلہ ۳۷: از کانپور محلّہ بنگالی محل مرسلہ حدم علی خاں وکاظم حسین ۱۱ محرم الحرام ۱۳۲۰ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا شب معراج مبارک عرش عظیم تک تشریف لے جانا علمائے کرام وائمہ اعلام نے تحریر فرمایا ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے یہ محض جھوٹ ہے، اس کا یہ کہنا کیسا ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان فرماؤ اجر دئے جاؤگے۔ت)

الجواب:

بیشک علمائے کرام ائمہ دین عدول ثقات معتمدین نے اپنی تصانیف جلیلہ میں اس کی اور اس سے

---

[1] المواہب اللدنیہ المقصد الخامس المکتب الاسلامی بیروت ۱۰۴/۳

[2] نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فصل واما رؤیة لربه مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۳۰۳/۲

[3] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیة المقصد الخامس دار المعرفة بیروت ۱۱۶/۶

زائد کی تصریحات جلیلہ فرمائی ہیں، اور یہ سب احادیث ہیں، اگرچہ احادیث مرسل یا ایک اصطلاح پر معضل ہیں، اور حدیث مرسل و معضل باب فضائل میں بالاجماع مقبول ہے خصوصًا جبکہ ناقلین ثقات عدول ہیں اور یہ امر ایسا نہیں جس میں رائے کو دخل ہو تو ضرور ثبوت سند پر محمول، اور مثبت نافی پر مقدم، اور عدم اطلاع اطلاع عدم نہیں تو جھوٹ کہنے والا محض جھوٹا مجازف فی الدین ہے۔

امام اجل سیدی محمد بوصیری قدس سرہ، قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں: ع

سریت من حرم لیلا الی حرم   کما سری البدر فی داج من الظلم

وبت ترقی الی ان نلت منزلۃ   من قاب قوسین لم تدرك ولم ترم

خفضت کل مقام بالاضافۃ اذ   نودیت بالرفع مثل المفرد العلم

فخرت کل فخار غیر مشترك   وجزت کل مقام غیر مزدحم [1]

یعنی یارسول اللہ! حضور رات کے ایک تھوڑے سے حصے میں حرم مکہ معظّمہ سے بیت الاقصٰی کی طرف تشریف فرما ہوئے جیسے اندھیری رات میں چودھویں کا چاند چلے، اور حضور اس شب میں ترقی فرماتے رہے یہاں تک کہ قاب قوسین کی منزل پہنچے جو نہ کسی نے پائی نہ کسی کو اس کی ہمت ہوئی۔ حضور نے اپنی نسبت سے تمام مقامات کو پست فرمادیا، جب حضور رفع کے لئے مفرد علم کی طرح ندا فرمائے گئے حضور نے ہر ایسا فخر جمع فرمالیا جو قابل شرکت نہ تھا اور حضور ہر اس مقام سے گزر گئے جس میں اوروں کا ہجوم نہ تھا یا یہ کہ حضور نے سب فخر بلا شرکت جمع فرمالئے اور حضور تمام مقامات سے بے مزاحم گزر گئے۔ یعنی عالم امکان میں جتنے مقام ہیں حضور سب سے تنہا گزر گئے کہ دوسرے کو یہ امر نصیب نہ ہوا۔

علامہ علی قاری اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

ای انت دخلت الباب وقطعت الحجاب الی ان لم تترك غایۃ للساع الی السبق من کمال القرب المطلق الی جناب الحق ولا ترکت موضع رقی وصعود وقیام وقعود لطالب رفعۃ فی عالم الوجود	یعنی حجور دروازہ میں داخل ہوئے اور آپنے یہاں تک حجاب طے فرمائے کہ حضرت عزت کی جناب میں قرب مطلق کامل کے سبب کسی ایسے کے لئے جو سبقت کی طرف دوڑے کوئی نہایت نہ چھوڑی اور تمام عالم وجود میں کسی طالب بندلی کے لئے کوئی جگہ عروج وترقی یا اٹھنے بیٹھنے

[1] الکواکب الدریۃ فی مدح خیر البریۃ (قصیدہ بردہ) الفصل السابع مرکز اہلسنت گجرات ہند ص ۴۴ تا ۴۶

بل تجاوزت ذٰلك الٰی مقام قاب قوسین اوادنٰی فاوحٰی الیك ربك ما اوحٰی[1]۔	کی باقی نہ رکھی بلکہ حضور عالم مکان سے تجاوز فرما کر مقام قاب و قوسین اوادنٰی تک پہنچے تو حضور کے رب نے حضور کو وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔

نیز امام ہمام ابو عبداللہ شرف الدین محمد قدس سرہ، ام القری میں فرماتے ہیں:

وترقی به الٰی قاب قوسین   وتلك السیادۃ القعسا

رتب تسقط الامانی حسرٰی   دونها ماوراهن وراء[2]

حضور کو قاب قوسین تک ترقی ہوئی اور یہ سرداری لازوال ہے یہ وہ مقامات ہیں کہ آرزوئیں ان سے تھک کر گرجاتی ہیں ان کے اس طرف کوئی مقام ہی نہیں۔

امام ابن حجر مکی قدس سرہ الملکی اس کی شرح افضل القری میں فرماتے ہیں:

قال بعض الائمۃ والمعاریج لیلۃ الاسراء عشرۃ، سبعۃ فی السمٰوٰت والثامن الی سدرۃ المنتھٰی والتاسع الی المستوی والعاشر الی العرش[3] الخ۔	بعض ائمہ نے فرمایا شب اسراء دس معراجیں تھیں، سات ساتوں آسمانوں میں، اور آٹھویں سدرۃ المنتہٰی، نویں مستوی، دسویں عرش تک۔

سید علامہ عارف باللہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں اسے نقل فرما کر مقرر رکھا:

قال الشھاب المکی فی شرح ھمزیۃ لامام بوصیری عن بعض الائمۃ ان المعاریج عشرۃ الٰی قوله والعاشر الی العرش والرؤیۃ[4]۔	فرمایا، امام شہاب مکی نے شرح ہمزیہ امام بوصیرہ میں کہا بعض آئمہ سے منقول ہے کہ معراجین دس ہیں، دسویں عرش و دیدار تک۔

نیز شرح ہمزیہ امام مکی میں ہے:

لما اعطی سلیمٰن علیه الصلٰوۃ والسلام	جب سلیمان علیہ الصلٰوۃ والسلام کو ہوا دی گئی

[1] الزبدۃ العمدۃ فی شرح القصیدۃ البردۃ الفصل السابع جمعیت علماء سکندریہ خیرپور سندھ ص ۹۶

[2] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل الرابع حزب القادریۃ لاہور ص ۱۳

[3] افضل القرٰی لقراء ام القری تحت شعر ۴۳ المجمع الثقافی ابو ظبی ۱/ ۴۰۴

[4] الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ بحوالہ شرح قصیدہ ہمزیہ المکتبۃ النوریۃ الرضویہ لائلپور ۱/ ۲۷۲

الریح التی غدوھا شھر ورواحھا شھر اعطی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم البراق فحملہ من الفرش الی العرش فی لحظۃ واحدۃ واقل مسافۃ فی ذٰلک سبعۃ اٰلاف سنۃ۔وما فوق العرش الی المستوی والرفرف لایعلمہ الا اللہ تعالٰی[1]۔	کہ صبح شام ایک ایک مہینے کی راہ پر لے جاتی۔ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو براق عطا ہوا کہ حضور کو فرش سے عرش تک ایک لحظہ میں لے گیا اور اس مین ادنٰی مسافت (یعنی آسمان ہفتم سے زمین تک) سات ہزار برس کی راہ ہے۔اور وہ جو فوق العرش سے مستوی اور فرف تک رہی اسے تو خدا ہی جانے۔

اسی میں ہے:

لما اعطی موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام الکلام اعطی نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مثلہ لیلۃ الاسراء وزیادۃ الدنو والرویۃ بعین البصر وشتان مابین جبل الطور الذی نوجی بہ موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام وما فوق العرش الذی نوجی بہ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[2]۔	جب موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کو دولت کلام عطا ہوئی ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ویسی ہی شب اسرا ملی اور زیادت قرب اور چشم سر سے دیدار الٰہی اس کے علاوہ۔اور بھلا کہاں کوہ طور جس پر موسٰی علیہ الصلوۃ والسلام سے مناجات ہوئی اور کہاں مافوق العرش جہاں ہمارے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کلام ہوا۔

اسی میں ہے:

رقیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ببدنہ یقظۃ بمکۃ لیلۃ ولاسراء الی السماء ثم الی سدرۃ المنتھٰی ثم الی المستوی الی العرش والرفرف والرویۃ[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے جسم پاک کے ساتھ بیداری میں شب اسرا آسمانوں تک ترقی فرمائی، پھر سدرۃ المنتہٰی، پھر مقام مستوٰی، پھر عرش ورفرف ودیدار تک۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلویت رحمۃ اللہ تعالٰی تعلیقات افضل القرٰی میں فرماتے ہیں:

الاسراء بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معراج بیداری

[1] افضل القرٰی لقرء ام القرٰی

[2] افضل القرٰی لقرء ام القرٰی

[3] افضل القرٰی لقراء ام القرٰی تحت شعر ۱۱ المجمع الثقافی ابوظبی ۱/۱۱۶و۱۱۷

علی یقظة بالجسد والروح من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی ثم عرج به الی السمٰوٰت العلی ثم الی سدرة المنتھٰی ثم الی المستوی ثم الی العرش والرفرف[1]۔	میں بدن وروح کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصٰی تک ہوئی، پھر آسمانوں، پھر سدرہ، پھر مستوی، پھر عرش ورفرف تک۔

فتوحات احمدیہ شرح الہمزیہ للشیخ سلیمان الجمل میں ہے:

رقیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لیلة الاسراء من بیت المقدس الی السمٰوٰت السبع الی حیث شاء اللہ تعالٰی لکنه لم یجاوز العرش علی الراجح[2]۔	حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ترقی شب اسراء بیت المقدس سے ساتوں آسمانوں اور وہاں سے اس مقام تک ہے جہاں تک اللہ عزوجل نے چاہا مگر راجح یہ ہے کہ عرش سے آگے تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

المعاریج لیلة الاسراء عشرة سبعة فی السمٰوٰت و الثامن الی سدرة المنتھٰی والتاسع الی المستوٰی و العاشر الی العرش لکن لم یجاوز العرش کما ھو التحقیق عند اھل المعاریج[3]۔	معراجیں شب اسراء دس ہوئیں، سات آسمانوں میں، اور آٹھویں سدرہ، نویں مستوی، دسویں عرش تک۔ مگر راویان معراج کے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمایا۔

اسی میں ہے:

بعد ان جاوز السماء السابعة رفعت له سدرة المنتھٰی ثم جاوزھا الی مستوٰی ثم زج به فی النور فخرق سبعین الف حجاب من نور مسیرة	جب حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم آسمان ہفتم سے گزرے سدرہ حضور کے سامنے بُلند کی گئی اس سے گزر کر مقام مستوی پر پہنچے، پھر حضور عالم نور میں ڈالے گئے وہاں ستر ہزار پردے نور کے

[1] تعلیقات علی ام القرٰی للعلامة احمد بن محمد الصاوی علی ھامش الفتوحات الاحمدیة المکتبة التجاریة الکبرٰی مصر ص ۳

[2] الفتوحات الاحمدیة بالمنح المحمدیة شرح الھمزیة المکتبة التجاریة الکبرٰی قاہرہ مصر ص ۳

[3] الفتوحات الاحمدیة بالمنح المحدیة شرح الھمزیة المکتبة التجاریة الکبرٰی قاہرہ مصر ص ۳۰

کل حجاب خمسائة عام ثم دلی له رفرف اخضر فارتقی به حتی وصل الی العرش ولم یجاوزه فکان من ربه قاب قوسین او ادنٰی [1]۔	طے فرمائے، ہر پردے کی مسافت پانسو برس کی راہ۔ پھر ایک سبز بچھونا حضور کے لئے لٹکایا گیا، حضور اقدس اس پر ترقی فرماکر عرش تک پہنچے، اور عرش سے ادھر گزر نہ فرمایا وہاں اپنے رب سے قاب قوسین اوادنی پایا۔

اقول: (میں کہتاہوں۔ت) شیخ سلیمٰن نے عرش سے اوپر تجاوز نہ فرمانے کوترجیح دی، اور امام ابن حجر مکی وغیرہ کی عبارت ماضیہ وآتیہ وغیرہا میں فوق العرش ولامکان کی تصریح ہے، لامکان یقینا فوق العرش ہے اور حقیقۃً دونوں قولوں میں کچھ اختلاف نہیں، عرش تک منتہائے مکان ہے، اس سے آگے لامکان ہے، اور جسم نہ ہوگا مگر مکان میں، تو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جسم مبارک سے منتہائے عرش تک تشریف لے گئے اور روح اقدس نے وراء الوراء تک ترقی فرمائی جسے ان کا رب جانے جو لے گیا، پھر وہ جانیں جو تشریف لے گئے، اسی طرف کلام امام شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں اشارہ عنقریب آتاہے کہ ان پاؤں سے سیر کا منتہٰی عرش ہے، تو سیر قدم عرش پر ختم ہوئی، نہ اس لئے کہ سیر اقدس میں معاذاللہ کوئی کمی رہی، بلکہ اس لئے کہ تمام اماکن کا احاطہ فرمالیا، اوپر کوئی مکان ہی نہیں جسے کہیئے کہ قدم پاک وہاں نہ پہنچا اور سیر قلب انور کی انتہاء قاب قوسین، اگر وسوسہ گزرے کہ عرش سے وراء کیا ہوگا کہ حضور نے اس سے تجاوز فرمایا تو امام اجل سید علی وفا رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد سنئے جسے امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں نقل فرمایا کہ فرماتے ہیں:

لیس الرجل من یقیده العرش وما حواه من الافلاك والجنة والنار وانما الرجل من نفذ بصره الی خارج هٰذا الوجود کله وهناك یعرف قدر عظمة موجده سبحٰنه وتعالٰی [2]۔	مَرد وہ نہیں جسے عرش اور جوکچھ اس کے احاطہ میں ہے افلاک وجنت ونار یہی چیزیں محدود ومقید کرلیں، مرد وہ ہے جس کی نگاہ اس تمام عالم کے پار گزر جائے وہاں اسے موجد عالم جل جلالہ کی عظمت کی قدر کھلے گی۔

امام علامہ احمد قسطلانی مواہب لدنیہ ومنح محمدیہ میں اور علامہ محمد زرقانی اس کی شرح میں

---

[1] الفتوحات الاحمدیة بالمنح المحمدیة شرح الهمزیة المکتبة التجاریة الکبرٰی قاہرہ مصر ص ۳۱

[2] الیواقیت والجواہر المبحث الرابع والثلاثون داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۷۰

فرماتے ہیں:

(ومنها انه رأى الله تعالٰى بعينيه) يقظة على الراجح (وكلمه الله تعالٰى فى الرفيع الاعلى) على سائر الامكنة و قدروى ابن عساكر عن انس رضى الله تعالٰى عنه مرفوعا لما اسرى لى قربنى ربى حتى كان بينى وبينه قاب قوسين اوادنى[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خصائص سے ہے کہ حضور نے اللہ عزوجل کو اپنی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا، یہی مذہب راجح ہے، اور اللہ عزوجل نے حضور سے اس بُلند و بالاتر مقام میں کلام فرمایا جو تمام امکنہ سے اعلٰی تھا اور بیشک ابن عساکر نے انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: شب اسراء مجھے میرے رب نے اتنا نزدیک کیا کہ مجھ میں اور اس میں دو کمانوں بلکہ اس سے کم کا فاصلہ رہ گیا۔

اسی میں ہے:

قد اختلف العلماء فى الاسراء هل هوا اسراء واحد او اثنين مرة بروحه وبدنه يقظة ومرة مناما او يقظة بروحه وجسده من المسجدالحرام الى المسجد الاقصى ثم مناما من المسجدالاقصٰى الى العرش[2]۔ فالحق انه اسراء واحد بروحه وجسده يقظة فى القصة كلها والى هذا ذهب الجمهور من علماء المحدثين و الفقهاء والمتكلمين[3]۔	علماء کو اختلاف ہوا کہ معراج ایک ہے یا دو، ایک بار روح و بدن اقدس کے ساتھ بیداری میں اور ایک بار خواب میں یا بیداری میں روح وبدن مبارک کے ساتھ مسجد الحرام سے مسجد اقصٰی تک، پھر خواب میں وہاں سے عرش تک۔ اور حق یہ ہے کہ وہ ایک اسراء ہے اور سارے قصے میں یعنی مسجد الحرام سے عرش اعلٰی تک بیداری میں روح وبدن اطہر ہی کے ساتھ ہے۔ جمہور علماء و محدثین وفقہاء و متکلمین سب کا یہی مذہب ہے۔

[1] المواهب اللدنية المقصد الرابع الفصل الثانى المكتب الاسلامى بيروت ۲/ ۶۳۴، شرح الزرقانى على المواهب اللدنيه المقصد الرابع الفصل الثانى دار المعرفة بيروت ۵/ ۲۵۱و۲۵۲

[2] المواهب اللدنية المقصد الخامس المكتب الاسلامى بيروت ۳/ ۷

[3] المواهب اللدنية المقصد الخامس المكتب الاسلامى بيروت ۳/ ۷، المواهب اللدنية المقصد الخامس المكتب الاسلامى بيروت ۳/ ۱۲

اسی میں ہے:

المعاریج عشرۃ (الٰی قولہ) العاشر الی العرش[1]۔	معراجیں دس ہوئیں، دسویں عرش تک۔

اسی میں ہے:

قدورد فی الصحیح عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال لما عرج بی جبریل الی سدرۃ المنتھٰی ودنا الجبار رب العزۃ فتدلی فکان قاب قوسین او ادنٰی[2] وتدلیہ علی ما فی حدیث شریك کان فوق العرش[3]۔	صحیح بخاری شریف میں انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میرے ساتھ جبریل نے سدرۃ المنتہی تک عروج کیا اور جبار رب العزۃ جل وعلانے دنو وتدلیّ فرمائی تو فاصلہ دو کمانوں بلکہ ان سے کم کارہا، یہ تدلی بالائے عرش تھی، جیساکہ حدیث شریک ہے۔

علامہ شہاب خفاجی نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض میں فرماتے ہیں:

وردفی المعراج انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لما بلغ سدرۃ المنتھٰی جاء ہ بالرفرف جبریل علیہ الصلٰوۃ والسلام فتناولہ فطاربہ الی العرش[4]۔	حدیث معراج میں وارد ہوا کہ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سدرۃ المنتہی پہنچے جبریل امین علیہ الصلٰوۃ والتسلیم رفرف حاضر لائے وہ حضور کرلے کر عرش تک اڑ گیا۔

اسی میں ہے:

علیہ یدل صحیح الاحادیث الاحاد الدالۃ علی دخولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الجنۃ ووصولہ الی العرش او طرف	صحیح احادیثیں دلالت کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم شب اسراء جنت میں تشریف لے گئے اور عرش تک پہنچے یا علم کے

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس مراحل المعراج المکتب الاسلامی بیروت ۱۷/۳

[2] المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس ثم دنٰی فتدلٰی المتکب الاسلامی بیروت ۸۸/۳

[3] المواھب اللدنیۃ المقصد الخامس ثم دنٰی فتدلٰی المتکب الاسلامی بیروت ۹۰/۳

[4] نسیم الریاض شرح شفاء القاضی عیاض فصل واماما ورد فی حدیث الاسراء مرکز اہلسنت گجرات ہند ۳۱۰/۲

العالم کما سیأتی کل ذٰلك بجسدہ یقظه [1]۔	اس کنارے تک کہ آگے لامکان ہے اور یہ سب بیداری میں مع جسم مبارک تھا۔

حضرت سید شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالٰی عنہ فتوحات مکیہ شریف باب ۳۱۶ میں فرماتے ہیں:

اعلم ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لما کان خلقه القراٰن وتخلق بالاسماء وکان اللہ سبحٰنه وتعالٰی ذکر فی کتاب العزیز انه تعالٰی استوی علی العرش علی طریق التمدح والثناء علی نفسه اذ کان العرش اعظم الاجسام فجعل لنبیه علیه الصلٰوۃ والسلام من ھذا الاستواء نسبة علی طریق التمدح والثناء علیه به حیث کان اعلی مقام ینتھی الیه من اسری به من الرسل علیھم الصلٰوۃ والسلام وذٰلك یدل علی انه اسری به صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم بجسمه ولو کان الاسراء به رؤیا لما کان الاسراء ولا الوصلو الی ھذا المقام تمدحا ولا وقع من الاعراب فی حقه انکار علی ذٰلك [2]۔	تو جان لے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا خلق عظیم قرآن تھا اور حضور اسماء الٰہیہ کی خو وخصلت رکھتے تھے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی قرآن کریم میں اپنی صفات مدح سے عرش پر استواء بیان فرمایا تو اس نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بھی اس سفت استوا علی العرش کے پر تو سے مدح و منقبت بخشی کہ عرش وہ اعلٰی مقام ہے جس تک رسولوں کا اسراء منتہی ہو، اور اس سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اسراء مع جسم مبارک تھا کہ اگر خواب ہوتا تو اسرا اور اس مقام استواء علی العرش تک پہنچنا مدح نہ ہوتا نہ گنوار اس پر انکار کرتے۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب الیواقیت والجواہر میں حضرت موصوف سے ناقل:

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ثم اختلف السلف والعلماء مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲/ ۲۷۰، ۲۶۹

[2] الفتوحات المکیة الباب السادس دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۶۱

انما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی سبیل التمدح حتی ظھرت لمستوی اشارۃ لما قلنا من ان منتھی السیر بالقدم المحسوس للعرش[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بطور مدح ارشاد فرمانا کہ یہاں تک کہ میں مستوی پر بُلند ہوا اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ قدم جسم سے سیر کا منتہٰی عرش ہے۔

مدارج النبوۃ شریف میں ہے:

فرمود صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پس گسترانیدہ شد برائے من رفرف سبز کہ غالب بود نور او بر نور نور آفتاب پس درخشید بآن نور بصر من ونہادہ شدم من برآں رفرف وبرداشتہ شدم تابرسید بعرش[2]۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میرے لئے سبز بچھونا بچھایا گیا جس کا نور آفتاب کے نور پر غالب تھا چنانچہ اس نور کے سبب میری آنکھوں کا نور چمک اٹھا، پھر مجھے رفرف پر سوار کرکے بُلندی کی طرف اٹھایا گیا یہاں تک کہ میں عرش پر پہنچا۔ (ت)

اسی میں ہے:

آوردہ اند کہ چوں رسید آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعرش دست زد بدامان اجلال وے[3]۔	منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عرش پر پہنچے تو عرش آپ کا دامن اجلال تھام لیا۔ (ت)

اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

جز حضرت پیغمبر ما صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالاتر ازاں ہیچ کس نہ رفتہ وآنحضرت بجائے رفت کہ آنجا جانیست۔ برداشت از طبیعت امکاں قدم کہ آں اسرٰی بعبدہٖ است من المسجد الحرام	ہمارے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے علاوہ عرش سے اوپر کوئی نہیں گیا، آپ اس جگہ پہنچے جہاں جگہ نہیں۔ طبیعت امکان سے قدم مبارک اٹھالئے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے خاص بندے کو سیر کرائی مسجد حرام سے

[1] الیواقیت والجواھر المبحث الرابع والثلاثون داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۷۰/۲

[2] مدارج النبوۃ باب پنجم وصل دررؤیت الٰہی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۶۹/۱

[3] مدارج النبوۃ باب پنجم وصل دررؤیت الٰہی مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱۷۰/۱

تا عرصہ وجوب کہ اقتضائے عالم ست کا بخانہ جاست ونے جہت ونے نشاں نہ نام[1]	صحرائے وجوب تک جو عالم کا آخری کنارہ ہے کہ وہاں نہ مکان ہے نہ جہت، نہ نشان اور نہ نام۔(ت)

نیز اسی کے باب رؤیۃ اللہ تعالٰی فصل سوم زیر حدیث قد رأی ربہ مرتین (تحقیق آپ نے اپنے رب کو دوبارہ دیکھا۔ت) ارشاد فرمایا:

بتحقیق دید آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پروردگار خود را جل وعلا دوبار، یکے چوں نزدیک سدرۃ المنتہٰی بود، دوم چوں بالائے عرش برآمد[2]۔	تحقیق آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے پروردگار جل وعلا کو دوبار دیکھا، ایک بار جب آپ سدرہ کے قریب تھے، اور دوسری بار جب آپ عرش پر جلوہ گر ہوئے۔(ت)

مکتوبات حضرت شیخ مجدد الف ثانی جلد اول، مکتوب ۲۸۳ میں ہے:

آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام دراں شب چوں از دائرہ مکان و زمان بریون جست واز تنگی امکان برآمد ازل وابدراں آں واحد یافت وبدایت ونہایت رادریک نطقہ متحد دید[3]۔	اس رات سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مکان وزمان کے دائرہ سے باہر ہوگئے، اور تنگی امکان سے نکل کر آپ نے ازل وابد کو ایک پایا اور ابتداء کو انتہا کو ایک نقطہ میں متحد دیکھا۔(ت)

نیز مکتوب ۲۷۲ میں ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ محبوب رب العالمین ست وبہترین موجودات اولین وآخرین باوجود آنکہ بدولت معراج بدنی مشرف شدواز عرش وکرسی درگزشت وازامکان و زمان بالارفت[4]۔	محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو کہ رب العالمین کے محبوب ہیں اور تمام موجودات اولین وآخرین سے افضل ہیں، جسمانی معراج سے مشرف ہوئے اور عرش وکرسی سے آگے گزر گئے اور مکان وزمان سے اوپر چلے گئے۔(ت)

---

[1] اشعۃ اللمعات باب المعراج مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۵۳۸

[2] اشعۃ اللمعات کتاب الفتن باب رؤیۃ اللہ تعالٰی الفصل الثالث مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/ ۴۲۴تا۴۲۹

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۸۳ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۶۶

[4] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۲۷۲ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۳۴۸

امام ابن الصلاح کتاب معرفۃ انواع علم الحدیث میں فرماتے ہیں:

قول المصنفین من الفقہاء وغیرھم "قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کذا وکذا" ونحو ذٰلك کله من قبیل المعضل وسماہ الخطیب ابوبکر الحافظ فی بعض وکلامه مرسلا وذٰلك علی مذھب من یسمی کل مالا یتصل مرسلًا[1]۔	فقہاء وغیرہ و مصنفین کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسا ایسا فرمایا ہے یا اس کی مثل کوئی کلمہ یہ سب معضل کے قبیل سے ہے۔ خطیب ابوبکر حافظ نے اس کا نام مرسل رکھا ہے اور یہ اس کے مذہب کے مطابق ہے جو ہر غیر متصل کا نام مرسل رکھتا ہے۔ (ت)

تلویح وغیرہ میں ہے:

ان لم یذکر الواسطة اصلا فمرسل[2]۔	اگر واسطہ بالکل مذکور نہ ہو تو وہ مرسل ہے۔ (ت)

مسلم الثبوت میں ہے:

المرسل قول العدل قال علیه الصلٰوۃ والسلام کذا[3]۔	مرسل یہ ہے عادل کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ (ت)

فواتح الرحموت میں ہے:

الکل داخل فی المرسل عند اھل الاصول[4]۔	اصولیوں کے نزدیک سب مرسل میں داخل ہیں۔ (ت)

انہیں میں ہے:

المرسل ان کان من صحابی یقبل مطلقا اتفاقا وان کان من غیرہ فالاکثر ومنھم الامام ابوحنیفة والامام مالك والامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنھم قالوا یقبل مطلقا اذا کان الراوی ثقة[5] الخ۔	مرسل اگر صحابی سے ہو مطلقًا مقبول ہے اور اگر غیر صحابی سے ہو تو اکثر ائمہ بشمول امام اعظم، امام مالک اور امام احمد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ مطلقًا مقبول ہے بشرطیکہ راوی ثقہ ہو الخ۔ (ت)

---

[1] معرفۃ انواع علم الحدیث النوع الحادی عشر دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۳۸

[2] التوضیح والتلویح الرکن الثانی فی السنۃ فصل فی الانقطاع نورانی کتب خانہ پشاور ص ۴۷۴

[3] مسلم الثبوت مسئلہ تعریف المرسل مطبع انصاری دہلی ص ۲۰۱

[4] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل منشورات الشریف الرضی قم ۲/۱۷۴

[5] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی مسئلہ فی الکلام علی المرسل منشورات الشریف الرضی قم ۲/۱۷۴

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

لایضر ذٰلك فی الاستدلال به ھٰھنا لان المقطع یعمل به فی الفضائل اجماعا[1]۔	اس سے استدلال کرنا یہاں مضر نہیں کیونکہ فضائل میں منقطع بالاجماع قابل عمل ہے۔(ت)

شفائے امام قاضی عیاض میں ہے:

اخبر صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لقتل علی وانه قسیم النار[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قتل کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ بیشک وہ قسیم النار ہیں۔(ت)

نسیم الریاض میں فرمایا:

ظاھر ھذان ھذا مما اخبربه النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم الا انھم قالوا لم یروہ احد من المحدثین الا ان ابن الاثیر قال فی النھایة الا ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنه قال انا قسیم النار **قلت** ابن الاثیر ثقة وما ذکرہ علی لایقال من قبل الرائ فھو فی حکم المرفوع[3] اھ ملخصًا۔	ظاہر اس کا یہ ہے کہ بیشک یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے خبر دی مگر انہوں نے کہا کہ اس کو محدثین میں سے کسی نے روایت نہیں کیا مگر ابن اثیر نے نہایہ میں کہا: بیشک حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ میں قسیم نار ہوں۔ **میں کہتاہوں** کہ ابن اثیر ثقہ ہے اور جو کچھ سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ذکر فرمایا وہ قیاس سے نہیں کہا جاسکتا لہٰذا وہ مرفوع کے حکم میں ہے اھ تلخیص(ت)

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الرکوع الفصل الثانی تحت الحدیث ۸۸۰ المکتبة الحبیبیه کوئٹہ ۶۰۲/۲

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن ذلك مااطلع علیه من الغیوب المطبعة الشرکة الصحافیة ۲۸۴/۱

[3] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ومن ذلك ما اطلع علیه من الغیوب مرکز اہلسنت گجرات الہند ۱۶۳/۳

عدم النقل لاینفی الوجود[1]۔	عدم نقل وجود کی نفی نہیں کرتا۔(ت)

والله تعالٰی اعلم

رسالہ

منبه المنية بوصول الحبيب الى العرش والرؤية

ختم ہوا۔

---

[1] فتح القدیر کتاب الطہارت مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۰

رساله
صلات الصفاء فی نور المصطفٰی ۱۳۲۹ھ
(نور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان میں صفائی باطن کے انعامات)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۳۸: از لشکر گوالیار محکمہ ڈاک دربار مرسلہ مولوی نور الدین احمد صاحب ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہ مضمون کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئے اور ان کے نور سے باقی مخلوقات، کس حدیث سے ثابت ہے اور وہ حدیث کس قسم کی ہے؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللھم لك الحمد یانوریانور النوریانور اقبل کل نور و نورا بعد کل نوریامن له النور وبه النور ومنه النور	اے اللہ! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں، اے نور کے نور، اے نور ہر نور سے پہلے اور، اے نور ہر نور کے بعد۔ اے وہ ذات جس کے لئے نور ہے، جس کے سبب سے نور ہے، جس سے نور،

والیہ النور وھو النور صل وسلم وبارك علی نورك المنیر الذی خلقتہ من نورك و خلقت من نورہ الخلق جمیعاً وعلٰی اشعۃ انوارہٖ واٰلہٖ واصحابہٖ نجومہٖ واقمارہٖ اجمعین(اٰمین)	جس کی طرف نور ہے اور وہی نور ہے۔ درود وسلام اور برکت نازل فرما اپنے نور پر جو روشن کرنے والا ہے۔ جس کو تو نے اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ اور تمام مخلوق کو اس کے نور سے پیدا فرمایا۔ اور اس کے انوار کی شعاعوں پر اور اس کے آل واصحاب پر جو اس کے ستارے اور چاند ہیں۔ سب پر۔ اے اللہ ! ہماری دعا کو قبول فرما۔ (ت)

امام اجل سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے شاگرد اور امام اجل سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کے استاذ اور امام بخاری وامام مسلم کے استاذ الاستاذ حافظ الحدیث احد الاعلام عبدالرزاق ابو بکر بن ہمام نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا وابن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کی:

قال قلت یارسول اللہ بابی انت وامی اخبرنی عن اول شیئ خلقہ اللہ تعالٰی قبل الاشیاء قال یاجابر ان اللہ تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نورہٖ فجعل ذٰلك النور یدور بالقدرۃ حیث شاء اللہ تعالٰی ولم یکن فی ذٰلك الوقت لوح ولا قلم ولاجنۃ ولا نار ولا ملك ولاسماء ولاارض ولا شمس ولا قمر ولا جنی ولا انسی، فلما اراد اللہ تعالٰی ان یخلق الخلق قسم ذٰلك النور اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول القلم، و من الثانی اللوح، ومن الثالث العرش، ثم قسم الجزء الرابع اربعۃ اجزاء فخلق من الجزء الاول حملۃ العرش ومن الثانی الکرسی	یعنی وہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی: یارسول اللہ ! میرے ماں باپ حضور پر قربان، مجھے بتادیجئے کہ سب سے پہلے اللہ عزوجل نے کیا چیز بنائی، فرمایا: اے جابر ! بیشک بالیقین اللہ تعالٰی نے تمام مخلوقات سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، وہ نور قدرت الٰہی سے جہاں خدا نے چاہا دورہ کرتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان، زمین، سورج، چاند، جن، آدمی کچھ نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالٰی نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا اس نور کے چار حصے فرمائے، پہلے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے، پہلے سے فرشتگان حامل عرش، دوسرے سے کرسی، تیسرے سے باقی ملائکہ پیدا کئے۔ پھر

ومن الثالث باقی الملائکة، ثم قسم الرابع اربعة اجزاء، فخلق من الاول السمٰوٰت، ومن الثانی الارضین ومن الثالث الجنة والنار، ثم قسم الرابع اربعة اجزاء الحدیث[1] بطوله۔	چوتھے کے چار حصے فرمائے، پہلے سے آسمان، دوسرے سے زمینیں، تیسرے سے بہشت دوزخ بنائے، پھر چوتھے کے چار حصے کئے، الٰی آخر الحدیث۔

یہ حدیث امام بیہقی نے بھی دلائل النبوۃ میں بنحوہٖ روایت کی، اجلہ ائمہ دین مثل امام قسطلانی مواہب لدنیہ اور امام ابن حجر مکی افضل القری اور علامہ فاسی مطالع المسرات اور علامہ زرقانی شرح مواہب اور علامہ دیار بکری خمیس اور شیخ محقق دہلوی مدارج وغیرہا میں اس حدیث سے استناد اور اس پر تعویل و اعتماد فرماتے ہیں، بالجملہ وہ تلقی امت بالقبول کا منصب جلیل پائے ہوئے ہے تو بلا شبہ حدیث حسن صالح مقبول معتمد ہے۔ تلقی علماء بالقبول وہ شے عظیم ہے جس کے بعد ملاحظہ سند کی حاجت نہیں رہتی بلکہ سند ضعیف بھی ہو تو حرج نہیں کرتی، کما بیناہ فی "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" (جیسا کہ ہم نے اپنے رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین" میں اس کو بیان کیا ہے۔ ت)

لاجرم علامہ محقق عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں:

قد خلق کل شیئ من نورہٖ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کما ورد بہ الحدیث الصحیح[2]۔	بے شک ہر چیز نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے بنی، جیسا کہ حدیث صحیح اس معنی میں وارد ہوئی۔

[1] المواھب اللدنیة المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۱ و ۷۲، شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ المقصد الاول دارالمعرفة بیروت ۱/۴۶ و ۴۷، تاریخ الخمیس مطلب اللوح والقلم مؤسسة شعبان ۱/۱۹ و ۲۰، مطالع المسرات الحزب الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۲۱، مدارج النبوۃ قسم دوم باب اول مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۲

[2] الحدیقة الندیة المبحث الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/۳۷۵

ذکرہ فی المبحث الثانی بعد النوع الستین من اٰفات اللسان فی مسئلہ ذم الطعام۔	اس کو علامہ نابلسی نے نوع نمبر ساٹھ جو کہ زبان کی آفتوں کے بیان میں ہے کہ بعد، کھانے کی برائی بیان کرنے کے مسئلہ کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے۔(ت)

مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات میں ہے:

قد قال الاشعری انہ تعالٰی نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ لمعۃ من نورہ والملائکۃ شرر تلك الانوار وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول ماخلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شیئ وغیرہ مما فی معناہ[1]۔	یعنی امام اجل امام اہلسنت سیدنا ابوالحسن اشعری قدس سرہ (جن کی طرف نسبت کرکے اہل سنت کو اشاعرہ کہا جاتا ہے) ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نور ہے نہ اور نوروں کی مانند اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح پاک اسی نور کی تابش ہے اور ملائکہ ان نوروں کے ایک پھول ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میرا نور بنایا اور میری ہی نور سے ہر چیز پیدا فرمائی۔ اور اس کے سوا اور حدیثیں ہیں جو اسی مضمون میں وارد ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۹: از ٹانڈہ ضلع مرادآباد مرسلہ مولوی الطاف الرحمٰن صاحب پیپسانوی ۱۴ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض مولود شریف میں جو نور محمدی کو نور خدا سے پیدا ہوا لکھا ہے اس میں زید کہتا ہے بشرط سحت یہ تشابہ کے حکم میں ہے اور عمرو کہتا ہے یہ انفکاک ذات سے ہوا ہے۔

بکر کہتا ہے کہ یہ مثل شمع سے شمع روشن کرلینے کے ہوا ہے۔

اور خالد کہتا ہے متشابہات میں مذہب اسلم رکھتا ہوں اور سالم کو برا نہیں جانتا، اس میں چون وچرا بیجا ہے۔ بینوا توجروا (بیان کرو اور اجر پاؤ گے۔ت)

---

[1] مطالع المسرات الحزب الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۶۵

الجواب:

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

یاجابر ان الله خلق قبل الاشیاء نور نبیك من نوره۔ ذکره الامام القسطلانی فی المواھب[1] وغیره من العلماء الکرام۔	اے جابر! بیشک اللہ تعالٰی نے تمام عالم سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔ (امام قسطلانی نے اس کو مواہب لدنیہ میں اور دیگر علماء کرام نے ذکر کیا ہے۔ت)

عمرو کا قول سخت باطل و شنیع و گمراہی قطیع بلکہ سخت ترامر کی طرف منجرّ ہے، اللہ عزوجل اس سے پاک ہے کہ کوئی چیز اس کی ذات سے جدا ہوکر مخلوق بنے، اور قول زید میں لفظ "بشرط صحت" بوئے انکار دیتا ہے، یہ جہالت ہے، باجماع علماء دربارۂ فضائل صحت مصطلحہ محدثین کی حاجت نہیں، مع ہذا علامہ عارف باللہ سید عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی نے اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔ علاوہ بریں یہ معنٰی قدیماً وحدیثاً تصانیف وکلمات ائمہ وعلماء واولیاء وعرفاء میں مذکور ومشہور وملقّی بالقبول رہنے پر خود صحت حدیث کی دلیل کافی ہے،

فان الحدیث یتقوی بتلقی الائمة بالقبول کما اشار الیه الامام الترمذی فی جامعه وصرح به علماؤنا فی الاصول۔	اس لئے کہ حدیث علماء کی طرف سے تلقی بالقبول پاکر قوی ہوجاتی ہے جیسا کہ امام ترمذی نے اپنی جامع میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ہمارے علماء نے اصول میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ت)

ہاں اسے باعتبار کنہ کیفیت متشابہات سے کہنا وجہ صحت رکھتا ہے، واقعہ نہ رب العزت جل وعلی نہ اسکے رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمیں بتایا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے نور سے نور مطہر سید انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیونکر بنایا، نہ بے بتائے اس کی پوری حقیقت ہمیں خود معلوم ہوسکتی ہے، اور یہی معنٰی متشابہات ہیں۔

بکر نے جو کہا وہ دفع خیال ضلال عمرو کے لئے کافی ہے، شمع سے شمع روشن ہوجاتی ہے بے اس کے کہ اس شمع سے کوئی حصہ جدا ہوکر یہ شمع بنے اس سے بہتر آفتاب اور دھوپ کی مثال ہے کہ نور شمس نے

---

[1] المواهب اللدنیة المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷

جس پر تجلّی کہ وہ روشن ہوگیااور ذات شمس سے کچھ جدا نہ ہوامگر ٹھیک مثال کی وہاں مجال نہیں، جو کہا جائے گاہزاراں ہزار وجوہ پر ناقص وناتمام ہوگا، بلاشبہ طریق اسلم قول خالد ہے اور وہی مذہب ائمہ سلف رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔**واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم**

مسئلہ ۴۰: پیش نظر رہے یہ بات کہ میں کوئی عالم وفاضل نہیں ہوں کہ بحث ومباحثہ کا خیال درمیان میں آئے، فقط دریافت کرنے کی غرض سے فدویانہ لکھتاہوں تاکہ میری عقیدے میں جو کچھ غلطی ہو وہ صحیح ہوجائے، مجھ کو ایسا معلوم ہے کہ تمام مخلوقات انسان کا یہ حال ہے کہ غلاظت آلودہ پیدا ہوتے ہیں مگر خدا نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ان سب باتوں سے محفوظ رکھااور تمام مخلوقات پر ان کو بزرگی عنایت فرمائی ہے۔ اگر یہ بات سچی ہے تو حدیث شریف کے معنٰی مجھ کو یوں معلوم ہیں، ملاحظہ فرمائے گا:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یا جابر ان اللہ خلق نور نبیك من نورہ[1]۔	فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اے جابر! تحقیق اللہ تعالٰی نے پیدا کیا ذات نبی تیرے کو اپنے نور سے۔

مثال چراغ کی جو جناب نے فرمائی ہے اس میں مجھ کو شک ہے، چاہتاہوں کہ شک دور ہوجائے، مثلاً ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیااور دوسرے چراغ سے اور بہت سے چراغ روشن کئے گئے، پہلے اور دوسرے میں کچھ کمی نہیں آئی، یہ آپ کا فرمانا صحیح اور بجاہے لیکن یہ سب چراغ نام اور ذات اور روشنی میں ہم جنس ہیں یا نہیں اور یہ سب مرتبہ برابر ہونے کا رکھتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب:

نجاست سے آلودہ پیدا ہونے میں سب مخلوق شریک نہیں، تمام انبیاء علیہم السلام پاک ومنزہ پیدا ہوئے بلکہ حدیث سے ثابت ہے کہ حضرات حسنین رضی اللہ تعالٰی عنہما بھی صاف ستھرے پیدا ہوئے۔ نور کے معنی فضل کے نہیں۔ مثال سمجھانے کو ہوتی ہے نہ کہ ہر طرح برابری بتانے کو۔ قرآن عظیم میں نور الٰہی کی مثال دی "کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ"[2] (جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ت) کہاں چراغ اور قندیل اور کہاں نور رب جلیل، یہ مثال وہابیہ کے اس اعتراض کے دفع کو تھی کہ نور الٰہی سے نور نبوی پیدا ہوا تو نور الٰہی کا ٹکڑا جدا ہونا لازم آیا، اسے بتایا گیا کہ چراغ سے چراغ روشن ہونے

---

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول اول المخلوقات المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۱ و۷۲

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

میں اس کا ٹکڑا کٹ کر اس میں نہیں آجاتا۔ جب یہ فانی مجازی نور اپنے نور سے دوسرا نور روشن کردیتا ہے تو اس نورالٰہی کا کیا کہنا، نور سے نور پیدا ہونے کا نام وروشنی میں مساوات بھی ضرور نہیں، چاند کا نور آفتاب کی ضیاء سے ہے، پھر کہاں وہ اور کہاں یہ، علم ہیئت میں بتایا گیا ہے کہ اگر چودھویں رات کے کامل چاند کے برابر نوے ہزار چاند ہوں تو روشنی آفتاب تک پہنچیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۱: از کلکتہ ۹ گوونڈ چند دھرسن لیس مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بنارسی ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے نور سے پیدا ہیں یا نہیں؟ اگر اللہ کے نور سے پیدا ہوئے نور ذاتی سے یا نور صفاتی سے یا دونوں سے؟ اور نور کیا چیز ہے؟ بینوا توجروا (بیان کرو اجر پاؤگے۔ت)

الجواب:

جواب مسئلہ سے پہلے ایک اور مسئلہ گزارش کرلوں،

لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من رأی منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ[1] ۔ الحدیث۔	نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مطابق: "تم میں سے کوئی آدمی برائی دیکھے تو اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر ایسا نہ کرسکے تو اپنی زبان سے بدل دے۔ الحدیث (ت)

حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ذکر کریم کے ساتھ جس طرح زبان سے درود شریف پڑھنے کا حکم ہے اللھم صل وسلم وبارك علیہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ ابدا (اے اللہ! آپ پر اور آپ کی آل اور آپ کے صحابہ پر ہمیشہ ہمیشہ درود وسلام اور برکت نازل فرما۔ت) درود شریف کی جگہ فقط صاد یا عم یا صلعم یا صللم کہنا ہرگز کافی نہیں بلکہ وہ الفاظ بے معنٰی ہیں اور "فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ"[2] میں داخل، کہ ظالموں نے وہ بات جس کا انہیں حکم تھا ایک اور لفظ سے بدل ڈالی "فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾"[3] تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا بدلہ ان کی بے حکمی کا۔ یونہی تحریر میں القلم احد اللسانین (قلم دو زبانوں میں سے ایک ہے۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النھی عن المنکر من الایمان الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۵۱

[2] القرآن الکریم ۲/۵۹

[3] القرآن الکریم ۲/۵۹

بَلکہ فتاوٰی تاتارخانیہ سے منقول کہ اس میں اس پر نہایت سخت حکم فرمایا اور اسے معاذاللہ تخفیف شان نبوت بتایا۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

یحافظ علی کتب الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ ولا یسأم من تکرارہ وان لم یکن فی الاصل ویصلی بلسانہ ایضا، ویکرہ الرمز بالصلاۃ والترضی بالکتابۃ بل یکتب ذٰلک کلہ بکمالہ، وفی بعض المواضع عن التتارخانیۃ من کتب علیہ السلام بالھمزۃ والمیم یکفر لانہ تخفیف و تخفیف الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کفر بلاشك، و لعلہ ان صح النقل فھو مقید بقصدہ والا فالظاھر انہ لیس بکفر، نعم الاحتیاط فی الاحتراز عن الایھام و الشبھۃ[1] اھ مختصرًا۔	حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود وسلام لکھنے کی محافظت کی جائے اور اس کی تکرار سے تنگ دل نہ ہو اگرچہ اصل میں نہ ہو اور اپنی زبان سے بھی درود پڑھے۔ درود یا رضی اللہ عنہ کی طرف لکھنے میں اشارہ کرنا مکروہ ہے بلکہ پورا لکھنا چاہیے۔ تاتارخانیہ کے بعض مقامات پر ہے کہ جس نے علیہ السلام ہمزہ اور میم سے لکھا، کافر ہوگیا کیونکہ یہ تخفیف ہے اور انبیاء کی تخفیف بغیر کسی شک کے کفر ہے، اور یہ نقل صحیح ہے تو اس میں قصد کی قید ضرور ہوگی ورنہ بظاہر یہ کفر نہیں ہے، ہاں احتیاط ایہام اور شبہ سے بچنے میں ہے۔ (ت)

اس کے بعد اصل مسئلہ کا جواب بعون الملک الوھاب لیجئے۔ نور عرف عامہ میں ایک کیفیت ہے کہ نگاہ پہلے اسے ادراک کرتی ہے اور اس کے واسطے سے دوسری اشیائے دیدنی کو۔

قال السید فی تعریفاتہ النور کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ اولا وبواسطتھا سائر المبصرات[2]۔	علامہ سید شریف جرجانی نے فرمایا: نور ایک ایسی کیفیت ہے جس کا ادراک قوت باصرہ پہلے کرتی ہے پھر اس کے واسطے سے تمام مبصرات کا ادراک کرتی ہے۔ (ت)

اور حق یہ کہ نور اس سے اجلٰی ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔

یہ جو بیان ہوا تعریف الجلی بالخفی ہے کمانبہ علیہ فی المواقف وشرحھا (جیساکہ مواقف اور

[1] حاشیہ الطحطاوی علی الدرالمختار خطبۃ الکتاب المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۶/۱

[2] التعریفات للجرجانی تحت اللفظ "النور" ۱۵۷۷ دارالکتاب العربی بیروت ص ۱۹۵

اس کی شرح میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔ت) نور بایں معنٰی ایک عرض وحادث ہے اور رب عزوجل اس سے منزہ۔ محققین کے نزدیک نور وہ کہ خود ظاہر ہو اور دوسروں کا مظہر، کما ذکرہ الامام حجۃ الاسلام الغزالی ثم العلامۃ الزرقانی فی شرح المواھب الشریفۃ (جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی نے پھر شرح مواہب شریف میں علامہ زرقانی نے ذکر فرمایا ہے۔ت) بایں معنی اللہ عزوجل نور حقیقی ہے بلکہ حقیقۃً وہی نور ہے اور آیہ کریمہ "اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ" [1] (اللہ تعالٰی نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ت) بلا تکلف وبلا دلیل اپنے معنی حقیقی پر ہے۔

فان اللہ عزوجل ھو الظاھر بنفسہ المظھر لغیرہ من السمٰوٰت والارض ومن فیھن وسائر المخلوقات۔	کیونکہ اللہ عزوجل بلاشبہ خود ظاہر ہے اور اپنے غیر یعنی آسمانوں، زمینوں، ان کے اندر پائی جانے والی تمام اشیاء اور دیگر مخلوقات کو ظاہر کرنے والا ہے۔(ت)

حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی سے پیدا ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے:

ان اللہ تعالٰی قد خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ۔ رواہ عبدالرزاق [2] ونحوہ عند البیہقی۔	اے جابر! بیشک اللہ تعالٰی نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔(اس کو عبدالرزاق نے روایت کیا اور بیہقی کے نزدیک اس کے ہم معنٰی ہے۔ت)

حدیث میں "نورہ" فرمایا جس کی ضمیر اللہ کی طرف ہے کہ اسم ذات ہے من نور جمالہ یا نور علمہ یا نور رحمتہ (اپنے جمال کے نور سے یا اپنے علم کے نور سے یا اپنی رحمت کے نور سے۔ت) وغیرہ نہ فرمایا کہ نور صفات سے تخلیق ہو۔ علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی اسی حدیث کے تحت میں فرماتے ہیں: (من نورہ) ای من نور ھو ذاتہ [3] یعنی اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جو اس نور سے پیدا کیا جو عین ذات الٰہی ہے، یعنی اپنی ذات سے بلاواسطہ پیدا فرمایا، کما سیأتی تقریرہ (جیسا کہ اس کی

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

[2] المواھب اللدنیۃ بحوالہ عبدالرزاق المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۷۱

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول دار المعرفہ بیروت ۱/ ۴۶

تقریر عنقریب آرہی ہے۔ت) امام احمد قسطلانی مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

لما تعلقت ارادۃ الحق تعالٰی بایجاد خلقه ابرز الحقیقة المحمدیة من الانوار الصمدیة فی الحضرۃ الاحدیة ثم سلخ منها العوالم کلها علوها وسفلها[1]۔	یعنی جب اللہ عزوجل نے مخلوقات کو پیدا کرنا چاہا صمدی نوروں سے مرتبہ ذات صرف میں حقیقت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو ظاہر فرمایا، پھر اس سے تمام علوی و سفلی نکالے۔

شرح علامہ میں ہے:

والحضرۃ الاحدیة هی اول تعینات الذات واول رتبها الذی لااعتبار فیه لغیر الذات کما هو المشار الیه بقوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کان اللہ ولا شیئ معه ذکرہ الکاشی[2]۔	یعنی مرتبہ احدیت ذات کا پہلا تعین اور پہلا مرتبہ ہے جس میں غیر ذات کا اصلاً لحاظ نہیں جس کی طرف نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالٰی تھا اور اس کے ساتھ کچھ نہ تھا، اسے سیدی کاشی قدس سرہ نے ذکر فرمایا۔

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

انبیاء مخلوق اند از اسمائے ذاتیہ حق و اولیاء از اسمائے صفاتیہ وبقیہ کائنات از صفات فعلیہ و سید رسل مخلوق است از ذات حق و ظہور حق در وے بالذات است[3]۔	انبیاء اللہ کے اسماء ذاتیہ سے پیدا ہوئے اور اولیاء اسمائے صفاتیہ سے، بقیہ کائنات صفات فعلیہ سے، اور سید رسل ذات حق سے، اور حق کا ظہور آپ میں بالذات ہے۔(ت)

ہاں عین ذات الٰہی سے پیدا ہونے کے یہ معنی نہیں کہ معاذاللہ ذات الٰہی ذات رسالت کیلئے مادہ ہے جیسے مٹی سے انسان پیدا ہو، یا عیاذًا باللہ ذات الٰہی کا کوئی حصہ یا کل، ذات نبی ہوگیا۔ اللہ عزوجل حصے اور ٹکڑے اور کسی کے ساتھ متحد ہوجانے یا کسی شیئ میں حلول فرمانے سے پاک و منزہ ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خواہ کسی شے جزء ذات الٰہی خواہ کسی مخلوق کو عین و نفس ذات الٰہی ماننا کفر ہے۔

[1] المواھب اللدنیة المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/۵۵

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیة المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱/۲۷

[3] مدارج النبوۃ تکملہ در صفات کاملہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۶۰۹

اس تخلیق کے اصل معنی تو اللہ و رسول جانیں، جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عالم میں ذات رسول کو تو کوئی پہچانتا نہیں۔ حدیث میں ہے:

یا ابابکر لم یعرفنی حقیقۃ غیر ربی [1]۔	اے ابوبکر! مجھ جیسا میں حقیقت میں ہوں میرے رب کے سوا کسی نے نہ جانا۔

ذات الٰہی سے اس کے پیدا ہونے کے حقیقت کسے مفہوم ہو مگر اس میں فہم ظاہر بیں کا جتنا حصہ ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حق عزجلالہ، نے تمام جہان کو حضور پر نور محبوب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے واسطے پیدا فرمایا، حضور نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا۔

لولاک لما خلقت الدنیا [2]۔	اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو نہ بناتا۔ (ت)

آدم علیہ الصلٰوۃ والسلام سے ارشاد ہوا:

لولا محمد ما خلقتك ولا ارضا ولا سماء [3]۔	اگر محمد نہ ہوتے تو میں نہ تمہیں بناتا نہ زمین وآسمان کو۔ (ت)

تو سارا جہان ذات الٰہی سے بواسطہ حضور صاحب لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیدا ہوا یعنی حضور کے واسطے حضور کے صدقے حضور کے طفیل میں۔

لا انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم استفاض الوجود من حضرۃ العزۃ ثم ھو افاض الوجود علی سائر البریۃ کما تزعم کفرۃ الفلاسفۃ من توسیط العقول، تعالٰی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا، ھل من خلاق غیر اللہ۔	یہ بات نہیں کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اللہ سے جود حاصل کیا پھر باقی مخلوق کو آپ نے وجود دیا جیسے فلاسفہ کافر گمان کرتے ہیں کہ عقول کے واسطے دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالٰی ان ظالموں کے اس قول سے بُلند وبالا ہے، کیا اللہ تعالٰی کے علاوہ بھی کوئی خالق ہوسکتا ہے۔ (ت)

---

[1] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص۱۲۹

[2] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر عروجہ الی السماء الخ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲۹۷/۳

[3] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۷۰/۱، مطالع المسرات الحزب الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۶۴

بخلاف ہمارے حضور عین النور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کہ وہ کسی کے طفیل میں نہیں، اپنے رب کے سوا کسی کے واسطے نہیں تو وہ ذات الٰہی سے بلاواسطہ پیدا ہیں۔ زرقانی شریف میں ہے:

ای من نورھو ذاتہ لابمعنی انھا مادۃ خلق نورہ منھا بل بمعنی تعلق الارادۃ بہ بلاواسطۃ شیئ فی وجودہ[1]۔	یعنی اس نور سے جو اللہ کی ذات ہے، یہ مقصد نہیں کہ وہ کوئی مادہ ہے جس سے آپ کا نور پیدا ہوا بلکہ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کا ارادہ آپ کے نور سے بلا کسی واسطہ فی الوجود کے متعلق ہوا۔ (ت)

یا زیادہ سے زیادہ بغرض توضیح ایک کمال ناقص مثال یوں خیال کیجئے کہ آفتاب نے ایک عظیم و جمیل و جلیل آئینہ پر تجلی کی، آئینہ چمک اٹھا اور اس کے نور سے اور آئینے اور پانیوں کے چشمے اور ہوائیں اور سائے روشن ہوئے آئینوں اور چشموں میں صرف ظہور نہیں بلکہ اپنی اپنی استعداد کے لائق شعاع بھی پیدا ہوئی کہ اور چیز کو روشن کرسکے کچھ دیواروں پر دھوپ پڑی، یہ کیفیتی نور سے متکیف ہیں اگرچہ اور کو روشن نہ کریں جن تک دھوپ بھی نہ پہنچی، وہ ہوائے متوسط نے ظاہر کیں جیسے دن میں مسقّف دالان کی اندرونی دیواریں ان کا حصہ صرف اسی قدر ہوا کہ، کیفیت نور سے بہرنہ پایا، پہلا آئینہ خود ذات آفتاب سے بلاواسطہ روشن ہے اور باقی آئینے چشمے اس کے واسطے سے اور دیواریں وغیرہا واسطہ درواسطہ پھر جس طرح وہ نور کہ آئینہ اول پر پڑا بعینہٖ آفتاب کا نور ہے بغیر اس کے آفتاب خود یا اس کا کوئی حصہ آئینہ ہوگیا ہو، یونہی باقی آئینے اور چشمے کہ اس آئینے سے روشن ہوئے اور دیوار وغیرہ اشیاء پر ان کی دھوپ پڑی یا صرف ظاہر ہوئیں، ان سب پر بھی یقیناً آفتاب ہی کا نور اور اسی سے ظہور ہے، آئینے اور چشمے فقط واسطہ وصول ہیں، ان کی حدذات میں دیکھو تو یہ خود نور تو نور، ظہور سے بھی حصہ نہیں رکھتے۔

یک چراغ ست دریں خانہ کہ از پرتوآں — ہر کجامی نگری انجمنے ساختہ اند

(اس گھر میں ایک چراغ ہے جس کی تابش سے تو جہاں دیکھتا ہے انجمن بنائے ہوئے ہیں)

یہ نظر محض ایک طرح کی تقریب فہم کے لئے ہے جس طرح ارشاد ہوا: "مَثَلُ نُوْرِہٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ"[2]۔ (اس کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ت) ورنہ کجا چراغ اور کجا وہ نور حقیقی، "وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى"[3] (اور اللہ کی شان سب سے بُلند ہے۔ت)

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفت بیروت ۱/۴۶

[2] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۵

[3] القرآن الکریم ۱۶/۶۰

توضیح صرف ان دو باتوں کی منظور ہے ایک یہ کہ دیکھو آفتاب سے تمام اشیاء منور ہوئیں بے اسکے آفتاب خود آئینہ ہوگیا یا اس میں سے کچھ جدا ہو کر آئینہ بنا، دوسرے یہ کہ ایک آئینہ نفس ذات آفتاب سے بلاواسطہ روشن ہے باقی بوسائط، ورنہ حاشا کہاں مثال اور کہاں وہ بارگاہ جلال۔ باقی اشیاء سے کہ مثال میں بالواسطہ منور مانیں آفتاب حجاب میں ہے اور اللہ عزوجل ظاہر فوق کل ظاہر ہے، آفتاب ان اشیاء تک اپنے وصول نور میں وسائط کا محتاج ہے اور اللہ عزوجل احتیاج سے پاک، غرض کسی بات میں نہ تطبیق مراد نہ ہرگز ممکن، حتی کہ نفس وساطت بھی یکساں نہیں، **کما لایخفٰی وقد اشرنا الیه** (جیسا کہ پوشیدہ نہیں اور ہم نے اس کی طرف اشارہ کردیا ہے۔ت)

سیدی ابو سالم عبداللہ عیاشی، ہم استاذ علامہ محمد زرقانی تلمیذ علامہ ابوالحسن شبراملسی اپنی کتاب "الرحلہ" پھر سیدی علامہ عشماوی رحمہم اللہ تعالٰی جمیعًا "شرح صلاۃ" حضرت سیدی احمد بدوی کبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتے ہیں:

انما یدرکه علی حقیقته من عرف معنی قول تعالٰی: الله نور السمٰوٰت والارض وتحقیق ذٰلك علی ماینبغی لیس مما یدرك ببضاعة العقول ولا مما تسلط علیه الاوهام وانما یدرك بکشف الٰهی واشراق حقه من اشعة ذٰلك النور فی قلب العبد فیدرك نورالله بنوره و اقرب تقریر یعطی القرب من فهم۔ معنی الحدیث انه لما کان النور المحمدی اول الانوار الحادثة التی تجلی بها النور القدیم الازلی وهو اول التعینات للوجود المطلق الحقانی وهو مدد کل نور کائن اویکون وکما اشرق النور الاول فی حقیقته فتنورت بحیث صارت هو نورا اشرق نوره المحمدی علی حقائق الموجودات شیئا	اس کا ادراک حقیقۃً وہی شخص کرسکتا ہے جو اللہ تعالٰی کے ارشاد اللہ نور السمٰوٰت والارض کا معنی جانتا ہے کیونکہ وہم اور عقل کے ذرائع اس کا حقیقی ادراک نہیں کرسکتے، اس کو تو صرف بندے کے دل میں اس نور کو اللہ تعالٰی کی عطا کردہ شعاؤں سے ہی سمجھا جاسکتا ہے، پس "نوراللہ" کو اس نور ہی کے ذریعے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ حدیث کے معنٰی کو سمجھنے کے لئے قریب ترین یہ ہے کہ نور محمدی جب قدیم اورازلی نور کی پہلی تجلی ہے تو کائنات میں بھی اللہ تعالٰی کے وجود کا وہی سب سے پہلا مظہر ہے اور وجود میں آنے والے تمام نوروں کی اصل قوت ہے۔ جب یہ نور اول چمکا اور منور ہوا تو اس نور محمدی نے تمام موجودات پر درجہ بدرجہ اپنی چمک ڈالی تو بلا واسطہ یا واسطوں کی کمی بیشی کے اعتبار سے ہر چیز اپنی استعداد کے

فشیئا فھی تستمد منه علی قدر تنورھا بحسب کثرۃ الوسائط وقلتھا وعدمھا وکلما اشرق نورہ علی نوع من انواع الحقائق ظھر النور فی مظھر الاقسام فقد کان النور الحادث اولا شیئا واحدا ثم اشرق فی حقیقة اخری فاستنارت بنورہ تنورا کاملا بحسب ما تققتضیه حقیقتھا فحصل فی الوجود الحادث نوران مفیض ومفاض وفی نفس الامر لیس ھناك الا نورا و احدا اشرق فی قابل الاستنارۃ یتنوربتعددات المظاھر والظاھر واحد ثم کذٰلك کلما اشرق فی محل ظھر بصورۃ الانقسام وقد یشرق نور المفاض علیه ایضا بحسب قوته علی قوابل اخر فتنوربنورہ فیحصل انقسام اخر بحسب المظاھر وکلھا راجعة الی النور الاول الھادث اما بواسطة او بدونھا۔

قال وھذا غایة ما اتصل الیه العبارۃ فی ھذا التقریر ومثل فی قصر باعه وعدم تضلعه من العلوم الالٰھیة ان زاد فی التقریر خشی علی واقرب مثال یضرب لذٰلك نور المصباح تصبح منه مصابیح کثیرۃ وھو فی نفسه باق علی ما ھوا علیه لم ینقص منه شیئ واقرب من ھذا المثال الی التحقیق و ابعد عن الافھام نور الشمس المشرق فی الاھلة والکواکب علی

مطابق چمک اٹھی اور تمام حقائق واقسام اس نور کی چمک سے اس کے مظہر بن گئے، یوں وجود میں آنے والا پہلا نور ایک تھا لیکن اسکی چمک سے دوسرے حقائق بھی اپنی حقیقت کے مطابق اس نور سے منور ہوتے چلے گئے اور کائنات میں نور در نور بن گئے جبکہ وجود میں نور کی سرف دو ہی قسمیں، ایک فیض دینے والا اور دوسرا فیض پانے والا، حالانکہ نفس الامری حقیقت میں یہ دونوں نور ایک ہی ہیں، یہ ایک حقیقی نور ہی قابل اشیاء مین چمک پیدا کرکے متعدد مظاہر ہیں ہوتا ہے اور تمام اقسام میں ہر قسم کی صورت میں چمکتا ہے اسی طرح فیض یافتہ نور بھی اپنی استعداد کے مطابق دوسری قابل اشیاء میں چمک پیدا کرکے ان کو منور کرتا ہے جس سے مزید مظاہرات کی اقسام حاصل ہوتی ہیں جبکہ یہ تمام انوار بالواسطہ یا بلاواسطہ سب سے پہلے نور سے ہی مستفیض ہیں۔

اس تقریر کے لئے یہ انتہائی محتاط عبارت ہے جو علوم الٰہیہ کے موافق ہے، اس سے زائد عبارت خطرناک ہو سکتی ہے۔ اس تقریر کی مناسب مثال وہ چراغ ہے جس سے بے شمار چراغ روشن ہوئے، اس کے باوجود وہ اپنی اصل حالت پر باقی ہے اور اس کے نور میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی، مزید واضح مثال سورج ہے جس سے تمام سیارے روشن ہیں جن کا اپنا کوئی نور نہیں ہے۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ سورج کا نوران سیاروں میں منقسم ہو گیا ہے

القول بان الکل مستنیر بنورہ ولیس لھا نور من ذاتھا فقد یقال بحسب النظر الاول ان نور الشمس منقسم فی ھذہ الاجرام العولیة وفی الحقیقة لیس ھذا الا نورھا وھو قائم بھا لم ینقص منه شیئ ولم یزایلھا منه شیئ ولکنه اشرق فی اجرام قابلة الاستنارۃ فاستنارت۔	جبکہ فی الواقع ان سیاروں میں سورج ہی کا نور ہے جو سورج سے نہ تو جدا ہوا اور نہ ہی کم ہوا، سیارے تو صرف اپنی قابلیت کی بناپر چمکتے ہیں اور سورج کی روشنی سے منور ہوئے۔
واقرب من ھذا الالفھم مایحصل فی الاجرام السفلیة من اشراق اشعة الشمس علی الماء اوقوار الزجاج فیستنیر مایقابلھا من الجدران بحیث یلمح فیھا نور کنور الشمس مشرق باشراقه ولم ینفصل شیئ من نور المشس عن محله الی ذلک المحل ومن کشف اللہ حجاب الغفلة عن قلبه و اشرقت الانوار المحمدیة علی قلبه یصدق اتباعه له ادرک الامر ادراکا اخر لایحتمل شکا ولا وھما۔	مزید سمجھ کے لئے پانی اور شیشے پر پڑنے والی سورج کی شعاعوں کو دیکھا جائے جن کا عکس پانی یا شیشے کے بالمقابل دیوار پر پڑتا ہے جس سے دیوار روشن ہوجاتی ہے، دیوار پر یہ روشنی سورج ہی کا نور ہے جو بالواسطہ دیوار پر پڑا کیونکہ براہ راست دیوار پر سورج کا نہیں پڑا اور نہ ہی یہ نور سورج سے جدا ہوا، اس کے باوجود یہ نور سورج کا ہی ہے، جب اللہ تعالٰی کسی کے قلب کو حجاب غفلت سے پاک کرتا ہے اور وہ دل انوار محمدیہ سے منور ہوتا ہے تو پھر اس کا ادراک ایسا کامل ہوتا ہے کہ اس میں شک اور وہم کا احتمال نہیں ہوتا۔
نسأل اللہ تعالٰی ان ینور بنور العلم الالٰھی بصائرنا و یحجب عن ظلمات الجل سرائرنا ویغفرلنا ما اجترأنا علیه من الخوض فیما لسنا له باھل ونسأله ان لایؤاخذنا بما تقتضیه	اللہ تعالٰی سے دعا ہے کہ وہ ہماری بصیرت کو اپنے علم کے نور سے منور فرمائے اور ہمارے باطن کو جہالت کے اندھیروں سے محفوظ فرمائے، اور جن امور میں ہم غور کرنے کے اہل نہیں ان پر ہماری جسارت کو معاف فرمائے اور اس جناب

العبارۃ من تقصیر فی حق ذٰلك الجناب[1] اھ مختصرًا۔	میں ہماری کی کوتاہیوں پر مواخذہ نہ فرمائے آمین !اھ مختصرًا(ت)۔

اس تقریر منیر سے مقاصد مذکورہ کے سوا چند فائدے اور حاصل ہوئے:

اولاً: یہ بھی روشن ہوگیا کہ تمام عالم نور محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیونکر بنا۔ بے اس کے کہ نور حضور تقسیم ہوا یا اس کا کوئی حصہ این وآں بنا ہو۔ اور یہ کہ وہ جو حدیث میں ارشاد ہوا کہ پھر اس نور کے چار حصے کیے، تین سے قلم ولوح وعرش بنائے، چوتھے کے پھر چار حصے کیے الٰی آخرہٖ، یہ اس کی شعاؤں کا انقسام جیسے ہزار آئینوں میں آفتاب کا نور چمکے تو وہ ہزار حصوں پر منقسم نظر آئے گا، حالانکہ آفتاب منقسم نہ ہوا نہ اس کا کوئی حصہ آئینوں میں آیا۔

واندفع ما استشکله العلامة الشبراملسی ان الحقیقة الواحدة لاتنقسم ولیست الحقیقة المحمدیه الا واحدة من تلك الاقسام والباقی ان کان منها ایضا فقد اقسمت وان کان غیرها فما معنی الاقسام وحاول الجواب وتبعه فیه تلمیذه العلامة الزرقانی بان المعنی انه زادفیه "لا انه قسم ذٰلك النور الذی هو نور المصطفٰی صلی الله تعالٰی علیه وسلم اذا الظاهر انه حیث صوره بصورة مماثلة لصورة التی سیصیر علیهما لایقسمه الیه والٰی غیره[2] اھ۔ وحاصل جوابه کما قررة تلمیذه	اس (مذکورہ بالا تقریر سے) علامہ شبر املسی کا اعتراض ختم ہوا (اعتراض) حقیقۃ واحدہ تقسیم نہیں ہوتی کیونکہ حقیقت محمدیہ ان اقسام میں ایک قسم ہے، اور اگر باقی اقسام اسی (حقیقت) سے ہیں تو یہ حقیقت تقسیم ہوگئی اور اگر باقی چیزیں اس حقیقت کی غیر ہیں تو انقسام کا کیا مطلب، پھر انہوں نے (علامہ شبر املسی) نے خود ہی جواب دیا اور علامہ زرقانی شاگرد رشید علامہ شبر املسی نے ان کی اتباع کی۔ (جواب) حقیقت یہ ہے کہ الہ نے اس میں اضافہ کیا نہ کہ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور کو تقسیم کیا کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ اللہ نے ان کو ایک ایسی صورت مثالی عطا کی جس پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تخلیق ہونی تھی تو اسے تقسیم نہیں کیا جائے گا۔ ان کے جواب کا خلاصہ جسے ان کے شاگرد

[1] الرحلة لعلی بن علی الشبراملسی

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱/۴۶

العیاشی وان معنی الانقسام زیادۃ نور علی ذٰلك النور المحمدی فیؤخذ ذٰلك الزائد ثم یزادعلیه نوراٰخر ثم کذٰلك الی اٰخر الاقسام .قال العیاشی وھذا جواب مقنع بحسب الظاھر والمتحقیق واللّٰه تعالٰی اعلم وراء ذٰلك اھ [1] ثم ذکر مانقلنا عنه اٰنفاوراًیتنی کتبت علی ھامش الزرقانی مانصه۔	علامہ عیاشی نے بیان کیا ہے کہ انقسام کا معنٰی نور محمدی اپر اضافے کے ہیں، پھر اس زائد کو لے لیا اس پر ایک دوسرے نور کا اضافہ کیا۔اسی طرح آخری تقسیم تک سلسلہ جاری رہا۔ عیاشی نے کہا کہ ظاہر کے لحاظ سے یہ جواب کافی ہے اور تحقیق اس کے علاوہ اللہ جانتا ہے اھ۔ پھر اس نے وہی ذکر کیا جو ابھی ہم نے اس سے نقل کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے زرقانی پر حاشیہ لکھا جس کی نص یہ ہے۔
اقول: تبع فیه شیخه الشبرملسی الحق انه لا معنی له فانه اذن لایکون التخلیق من نورہ صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم وھو خلاف المنصوص والمراد [2] اھ۔	**اقول:** (میں (احمد رضا خاں) کہتاہوں) کہ اس (عیاشی) نے اس مسئلہ میں اپنے شیخ شبر املسی کی پیروی کی لیکن حق یہ ہے کہ یہ ایک بے معنٰی بات ہے کیونکہ اس صورت میں حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے تخلیق نہ ہوگی، یہ نص اور مراد کے خلاف ہے۔
اقول: ویمکن الجواب بان المراد انه تعالٰی کساہ شعاعا اکثر مماکان ثم فصل من شعاعه شیئا فقسمه کما تأخذہ الملئکة شیئا من الا شعة المحیطة بالکواکب فترمی به مسترق السمع ویقال بذٰلك ان النجوم لھا رجوم ولٰکن منح المولٰی تعالٰی من ذٰلك	**اقول:** (میں کہتاہوں) اس کا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ نے آپ کے نور کو پہلی شعاع سے زائد شعاع عطا کی پھر اس سے کچھ جدا کیا، پھر اس کی تقسیم کی جیسے فرشتے ان شعاعوں میں سے جو ستاروں کو محیط ہیں، لے کر چھپ کر سننے والے شیطانوں کو مارتے ہیں اس لئے کہا جاتاہے کہ نجوم کے لئے رجوم ہے۔اس روشن تقریر سے مولٰی تعالٰی

1

2 حاشیۃ امام احمد رضا علی شرح الزرقانی

التقریر المنیر ما اغنی عن کل تکلف وللہ الحمد وقد کان منح للعبد الضعیف ثم رأیت فی شرح العشماوی جزاہ اللہ تعالٰی عنی وعن المسلمین خیرًا کثیرًا اٰمین!	نے ہر تکلیف سے بے نیازی عطافرمائی۔اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔اللہ تعالٰی نے یہ تقریر اس عبد ضعیف کو القاء فرمائی پھر میں نے اس کو عشماوی کی شرح میں دیکھا۔اللہ تعالٰی میری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے انکو بہت زیادہ جزاء خیر عطافرمائے۔آمین۔(ت)

ثانیًا اقول: یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ خلق میں کفار ومشرکین بھی ہیں،وہ محض ظلمت ہیں تو نور مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کیونکر بنے اور نرے نجس ہیں تو اس نور پاک سے کیونکر مخلوق مانے گئے۔وجہ اندفاع ہماری تقریر سے روشن،ظلمت ہو یا نور،جس نے خلعت وجود پایا ہے اس کے لئے تجلی آفتاب وجود سے ضرور حصہ ہے اگرچہ نور نہ ہو صرف ظہور ہو **کما تقدم** (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) اور شعاع شمس ہر پاک وناپاک جگہ پڑتی ہے وہ جگہ فی نفسہ پاک ہے اس سے دھوپ ناپاک نہیں ہوسکتی۔

ثالثًا اقول: یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ جس طرح مرتبہ وجود میں سرف ایک ذات حق ہے باقی سب اسی کے پر تو وجود سے موجود، یونہی مرتبہ ایجاد میں صرف ایک ذات مصطفٰی ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیضان وجود،مرتبہ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب ہے اور سارا جہان اس کے آبگینے،وفی ھذا اقول (اور اسی سلسلہ میں میں کہتا ہوں):ـ

خالق کل الورٰی ربك لاغیرہ　　نورك کل الورٰی غیرك لم لیس لن

ای لم یوجد ولیس موجود ولن یوجد ابدا[1]۔

(کل مخلوق کا پیدا کرنے والا آپ کا رب ہی ہے،آپ ہی کا نور کل مخلوق ہے اور آپ کا غیر کچھ بھی نہ تھا،نہ ہے،نہ ہوگا۔ت)

رابعًا اقول: نور اَحدی تو نور احدی،نور احمدی پر بھی یہ مثال منیر مثال چراغ سے احسن واکمل ہے،ایک چراغ سے بھی اگرچہ ہزاروں چراغ روشن ہوسکتے ہیں بے اس کے کہ ان چراغوں میں اس کا کوئی حصہ آئے مگر دوسرے چراغ صرف حصول نور میں اسی چراغ کے محتاج ہوئے،بقاء میں

---

[1] بستان الغفران مجمع بحوث الامام احمد رضا کراچی ص ۲۲۳

اس سے مستغنی ہیں، اگر انہیں روشن کرکے پہلے چراغ کو ٹھنڈا کر دیجئے ان کی روشنی میں فرق نہ آئے گا نہ روشن ہونے کے بعد ان کو اس سے کوئی مدد پہنچ رہی ہے مع ہذا کسب نور کے بعد ان میں اور اس چراغ اول میں کچھ فرق نہیں رہتا سب یکساں معلوم ہوتے ہیں بخلاف نور محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ عالم جس طرح اپنی ابتدائے وجود میں اس کا محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا یونہی ہر شے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے، آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہوجائے۔

وہ جو نہ تھے کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے [1]

نیز جس طرح ابتدائے وجود میں تمام جہان اس سے مستفیض ہوا بعد وجود بھی ہر آن اسی کی مدد سے بہرہ یاب ہے، پھر تمام جہان میں کوئی اس کے مساوی نہیں ہوسکتا۔ یہ تینوں باتیں مثال آفتاب سے روشن ہیں، آئینے اس سے روشن ہوئے اور جب تک روشن ہیں اسی کی مدد پہنچ رہی ہے اور آفتاب سے علاقہ چھوٹتے ہیں فوراً اندھیرے ہیں پھر کتنے ہی چمکیں سورج کی برابری نہیں پاتے۔ یہی حال ایک ذرہ عالم عرش و فرش اور جو کچھ ان میں ہے اور دنیا و آخرت اور ان کے اہل اور انس و جن و ملک و شمس و قمر و جملہ انوار ظاہر و باطن حتی کہ شموس رسالت علیہم الصلٰوۃ والتحیۃ کا ہمارے آفتاب جہاں تاب بعالم مآب علیہ الصلٰوۃ والسلام من الملک الوہاب کے ساتھ ہے کہ ہر ایک ایجاد امداد و ابتداء و بقاء میں ہر حال، ہر آن ان کا دست نگر، ان کا محتاج ہے وللہ الحمد (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)۔

امام اجل محمد بوصیری قدس سرہ، ام القرٰی میں عرض کرتے ہیں:۔

کیف ترقٰی رقیك الانبیاء   یاسماء ماطاولتها سماء

لم یساووك فی علاك وقدحا   ل سنامنك دونهم وسناء

انما مثلوا صفاتك للنا   س کما مثل النجوم الماء [2]

(یعنی انبیاء حضور کی سی ترقی کیونکر کریں، اے وہ آسمان رفعت جس سے کسی آسمان نے بُلندی میں مقابلہ نہ کیا، انبیاء حضور کے کمالات عالیہ میں حضور کے ہمسر نہ ہوئے، حضور کی جھلک اور بُلندی نے ان کو حضور تک پہنچنے سے روک دیا، وہ تو حضور کے صفتوں کی

---

[1] حدائق بخشش مکتبہ رضویہ کراچی حصہ دوم ص ۷۹

[2] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل الاول حزب القادریۃ لاہور ص ٦

ایک شبیہ لوگوں کو دکھاتے ہیں جیسے ستاروں کا عکس پانی دکھاتا ہے۔)

یہ وہی تشبیہ و تقریر ہے جو ہم نے ذکر کی، وہاں ذات کریم وافاضہ انوار کا ذکر تھا لہٰذا آفتاب سے تمثیل دی، یہاں صفات کریمہ کا بیان ہے لہٰذا ستاروں سے تشبیہ مناسب ہوئی۔ مطالع المسرات میں ہے:

اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم محی حیٰوۃ جمیع الکون بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فھو روحہ وحیوتہ وسبب وجودہٖ وبقائہٖ[1]۔	حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام پاک محی ہے، زندہ فرماتے والے، اس لئے کہ سارے جہان کی زندگی حضور سے ہے تو حضور تمام عالم کی جان وزندگی اور اس کے وجود وبقاء کے سبب ہیں۔

اسی میں ہے:

ھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم روح الاکوان وحیاتھا وسر وجودھا ولولاہ لذھبت وتلاشت کما قال سید عبد السلام رضی اللہ تعالٰی عنہ ونفعنا بہ ولا شیئ الا ھو بہ منوط اذلولا الواسطۃ لذھب کما قیل الموسوط[2]۔	رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام عالم کی جان وحیات و سبب وجود ہیں حضور نہ ہوں تو عالم نیست ونابود ہو جائے کہ حضرت سیدی عبدالسلام رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ عالم میں کوئی ایسا نہیں جو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ نہ ہو، اس لئے کہ واسطہ نہ رہے تو جو اس کے واسطہ سے تھا آپ ہی فنا ہو جائے۔

ہمزیہ شریف میں ارشاد فرمایا: ؎

کل فضل فی العٰلمین فمن فضل   النبی استعارۃ الفضلاءِ[3]

(جہان والوں میں جو خوبی جس کسی میں ہے وہ اس نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضل سے مانگے کرلی ہے۔)

---

[1] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۹۹

[2] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۶۳

[3] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل السادس حزب القادریۃ لاہور ص ۱۹

امام ابن حجر مکی افضل القری میں فرماتے ہیں:

لانه المدلهم اذهو الوارث للحضرة الالٰهية و المستمد منها بلا واسطة دون غيره فانه لايستمد منها الا بواسطته فلا يصل لكامل منها شيئ الا وهو من بعض مدده وعلى يديه[1]۔	تمام جہان کی امداد کرنے والے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ حضور ہی بارگاہ الٰہی کے وارث ہیں بلاواسطہ خدا سے حضور ہی مدد لیتے ہیں اور تمام عالم مدد الٰہی حضور کی وساطت سے لیتا ہے تو جس کامل کو خوبی ملی وہ حضور ہی کی مدد اور حضور ہی کے ہاتھ سے ملی۔

شرح سیدی عشماوی میں ہے:

نعمتان ماخلا موجود عنهما نعمة الا يجاد ونعمة الامداد وهو صلى الله تعالٰى عليه وسلم الواسطة فيهما اذلو لاسبقة وجوده ماوجد موجود ولو لا وجود نوره فى ضمائر الكون لتهدمت دعائم الوجود فهو الذى وجد اولا وله تبع الوجود وصار مرتبطابه لااستغناء له عنه[2]۔	کوئی موجود، دو نعمتوں سے خالی نہیں، نعمت ایجاد ونعمت امداد۔ اور ان دونوں میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی واسطہ ہیں کہ حضور پہلے موجود نہ ہولیتے تو کوئی چیز وجود نہ پاتی اور عالم کے اندر حضور کا نور موجود نہ ہو تو وجود کے ستون ڈھے جائیں تو حضور ہی پہلے موجود ہوئے اور تمام جہان حضور کا طفیلی اور حضور سے وابستہ ہوا جسے کسی طرح حضور سے بے نیازی نہیں۔

ان مضامین جمیلہ پر بکثرت ائمہ وعلماء کے نصوص جلیلہ فقیر کے رسالہ "سلطنة المصطفٰى فى ملكوت كل الورٰى" میں ہیں، وللہ الحمد۔

خامسًا: ہماری تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ حضور خود نور ہیں تو حدیث مذکور میں **نور بنیك** کی اضافت بھی **من نورہٖ** کی طرح بیانیہ ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اظہار نعمت الٰہیہ کے لئے عرض کی **واجعلنی نورًا**[3] (اور اے اللہ! مجھے نور بنا دے۔ ت) اور خود رب العزة

---

[1] افضل القرٰی لقراء ام القرى (شرح ام القرٰی)

[2] شرح مقدمة العشماوی

[3] الخصائص الکبرٰی باب الآیة فی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۶۸

عزجلالہ نے قرآن عظیم میں ان کو نور فرمایا:

"قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ‏" [1]۔	بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (ت)

پھر حضور کے نور ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اقول: اگر نور نبیك میں اضافت بیانیہ نہ لو بلکہ نور سے وہی معنی مشہور یعنی روشنی کہ عرض وکیفیت ہے مراد لو تو سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول مخلوق نہ ہوئے بلکہ ایک عرض وصفت، پھر وجود موصوف سے پہلے صفت کا وجود کیونکر ممکن؟ لاجرم حضور ہی خود وہ نور ہیں کہ سب سے پہلے مخلوق ہوا۔

فلاحاجة الی ماقال العلامة الزرقانی رحمه الله من انه لایشکل بان النور عرض لایقوم بذاته لان هذا من خرق العوائد [2] اھ ورأیتنی کتبت یلیه لم لایقال فیه کماستقولون فی قرینه من نورہٖ ان الاضافة بیانیة [3] اھ۔ **اقول:** خرق العوائد لاکلام فیه والقدرة متسعة و لکن وجود الصفة بدون الموصوف مما لا یعقل لانها ان قامت بغیرہ لم تکن صفة له بل لغیرہ او بنفسها لم تکن صفة اصلا اذ لا صفة الا المعنی القائم بغیرہ فاذا	تو اب علامہ زرقانی کے اس قول کی حاجت نہ رہی اور یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نور عرض ہے، قائم بذاتہٖ نہیں ہے کیونکہ یہ خرق عادت ہے۔ میں نے اس پر لکھا کہ یہ اعتراض کیوں نہ کیا جائے کہ آپ من نورہٖ میں اضافت بیانیہ نہیں مانتے۔ **اقول:** (میں (احمد رضا خاں) کہتا ہوں) کہ خرق عادت میں تو کوئی کلام نہیں اور خدا کی قدرت بہت وسیع ہے لیکن صفت کا وجود بغیر موصوف کے سمجھ میں نہیں آسکتا (کیونکہ ایسی صفت کی دو ہی صورتیں ہیں) موصوف کے غیر کے ساتھ قائم ہوت و موصوف کی صفت نہ ہوگی بلکہ غیر کی ہوگی اور اگر قائم بنفسہا ہو تو صفت ہی نہ ہوئی

[1] القرآن الکریم ۵/۱۵

[2] شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة المقصد الاول دار المعرفة بیروت ۱/۴۶

[3]

قام بنفسه لم يكن صفة وعرضا بل جوهرا وكونه عرضا مع قيامه بنفسه جمع للضدين والقدرة تعالية عن التعلق بالمحالات العقلية ووزن الاعمال بمعنى وزن الصحف والبطاقات كما فی حديث احمد و الترمذی وابن ماجة وابن حبان والحاكم وصححه وابن مردوية واللالكائی والبيهقی فی البعث عن عبدالله بن عمرو بان عاص رضی الله تعالٰی عنهما قال قال رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم: "ان الله سيخلص رجلًا من امتی علی رأس الخلائق يوم القيٰمة فينشر عليه تسعة وتسعين سجلا كل سجل مثل مد البصر ثم يقول اتنكر من هذا شيئا اظلمك كتبتی الحافظون فيقول لا يارب، فيقول افلك عذر، قال لا يارب۔ فيقول بلٰی ان لك عندنا حسنة وانه لا ظلم عليك اليوم فتخرج بطاقة فيها اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله فيقول احضر وزنك۔ فيقول يارب ماهٰذه البطاقة مع هذه السجلات، فيقول انك لا تظلم۔ قال فتوضع السجلات فی

کیونکہ صفت کہتے اسے ہیں جو غیر کے ساتھ قائم ہو، جب وہ قائم بنفسہا ہو تو وہ نہ صفت ہوئی اور نہ ہی عرض بلکہ جوہر ہوئی اور یہ (کہنا) کہ عرض اور قائم بنفسہٖ بھی ہے تو یہ اجتماع ضدّین لازم آتا ہے (اور اجتماع ضدین باطل ہے) اور قدرت الٰہیہ محالات عقلیہ سے متعلق نہیں ہوتی وزن اعمال (جو کہا جاتا ہے) بایں معنٰی ہے کہ کاغذ اور صحیفے تو لے جائینگے جیسے کہ حدیث میں آیا ہے جسے احمد، ترمذی، ابن حبان، حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن مردویہ، امام لالکائی اور بیہقی نے قیامت کی بحث میں عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی میری امت میں سے ایک شخص کو چن لے گا، پھر اس کے سامنے ننانوے رجسٹر کھولے جائیں گے اور ہر رجسٹر حد نگاہ تک ہوگا، پھر اسے کہا جائے گا تو اس سے انکار کرتا ہے یا میرے فرشتوں (کراماً کاتبین) نے تم پر ظلم کیا ہے؟ وہ کہے گا: اے میرے رب! نہیں۔ اللہ فرمائے گا: کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے؟ بندہ کہے گا: نہیں۔ اللہ فرمائے گا: ہمارے پاس تیری ایک نیکی ہے، آج تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ پھر ایک کاغذ نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا۔ اللہ فرمائے گا: جا اس کا وزن کرا۔ بندہ عرض کرے گا کہ ان رجسٹروں کے سامنے اس کاغذ کی کیا حیثیت ہے۔ اللہ فرمائے گا تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

کفة والبطاقة فی کفة فطاشت السجلات وثقلت البطاقة فلا یثقل مع اسم اللہ شیئ [1]۔	فرماتے ہیں کہ پھر ایک پلڑے میں ننانوے رجسٹر رکھے جائیں گے اور دوسرے میں وہ کاغذ (جس پر کلمہ شریف لکھا ہوگا) چنانچہ رجسٹروں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور کاغذ کا بھاری، اور اللہ کے نام کے مقابلے میں کوئی چیز وزنی نہ ہوگی۔(ت)

بالجملہ حاصل حدیث شریف یہ ٹھہرا کہ اللہ تعالٰی نے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ذات پاک کو اپنی ذات کریم سے پیدا کیا یعنی عین ذات کی تجلی بلاواسطہ ہمارے حضور ہیں باقی سب ہمارے حضور کے نور وظہور ہیں، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی اٰلہ وصحبہ وبارك وکرم۔ واللہ سبحانہ، وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۴۲: از کلکتہ، مچھوا بازار، اسٹریٹ نمبر ۲۱، متصل چولیا مسجد، مرسلہ حکیم اظہر علی صاحب ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

بحضور اقدس جناب مولانا مدظلہ العالی! یہ اشتہار ترسیل خدمت ہے، اگر صحیح ہو تو اس پر صادر کردیا جائے۔ والا جواب مفصل ترقیم فرمائیں والادب۔ اظہر علی عفی عنہ

نقل اشتہار

ربِّ زدنی علماً (اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرما۔ت) نور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اللہ تعالٰی کا ذاتی نور جزء ذات یا عین ذات کا ٹکڑا نہیں بلکہ پیدا کیا ہوا، نور مخلوق ہے جیساکہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

---

[1] جامع الترمذی ابواب الایمان باب ماجاء فی من یموت وھو یشھد الخ امین کمپنی دہلی ۸۸/۲، المستدرك للحاکم کتاب الایمان فضیلۃ الشھادۃ لاالٰہ الا اللہ دارالفکر بیروت ۶/۱، مواردالظمأن الی زوائد ابن حبان حدیث ۲۵۲۳ المطبعة السلفیة ص ۶۲۵، کنزالعمال حدیث ۱۰۹ و ۱۴۲۱ مؤسسة الرسالة بیروت ۴۴/۱ و ۲۹۶، سنن ابن ماجة ابواب الزھد باب مایرجٰی من رحمة اللہ یوم القیٰمة ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۳۲۸، مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو المکتب الاسلامی بیروت ۲۱۳/۲

اول ما خلق اللہ نوری، اول ما خلق اللہ القلم، اول ما خلق اللہ العقل۔ کذا فی تاریخ الخمیس[1] وسر الاسرار۔	سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میرے نور کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے قلم کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے عقل کو پیدا فرمایا، تاریخ خمیس اور سر الاسرار میں یونہی ہے۔(ت)

اور ذاتی نور کہنے سے نور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو جزء ذات یا عین ذات یا ٹکڑا ذات خدائے تعالٰی کا کہنا لازم آتا ہے، یہ کلام کفر ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا قدیم ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ذاتی کے معنی اگر اصطلاحی لئے جائیں تو جز خدا یا عین خدا یا ٹکڑا ذات خدا کا ہونا لازم آتا ہے، یہی کلام کفر ہے اور عقائد بعض جہّال کے یہی ہیں، اس سبب سے نور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نور ذاتی یا ذاتی نور یا اللہ تعالٰی کی ذات کا ٹکڑا نہ کہنا چاہیے، اگر نور رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نور خدا یا نور مخلوق خدا یا نور ذات خدا یا نور جمال خدا کہے تو کہنا جائز ہے جیسا کہ حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پنی کتاب سر الاسرار میں فرمایا ہے:

لما خلق اللہ تعالٰی روح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اولا من نور جمالہ[2]۔	سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے روح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے نور جمال سے پیدا فرمایا۔(ت)

اور حدیث قدسی میں آیا ہے:

خلقت روح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من نور وجھی[3] کما قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اول ماخلق اللہ روحی اول ماخلق اللہ نوری[4]۔	میں نے روح محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنی ذات کے نور سے پیدا فرمایا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میری روح کو پیدا فرمایا، سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔(ت)

کیونکہ ایک چیز کو دوسرے کی طرف اضافت کرنے سے جزء اس کا یا عین اس کا لازم نہیں آتا ہے کیونکہ

[1] تاریخ الخمیس مطلب اول المخلوقات مؤسسۃ شعبان بیروت ۱/۱۹، مرقاۃ المفاتیح کتاب الایمان تحت الحدیث ۹۴ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۱/۲۹۱

2

3

[4] تاریخ الخمیس مطلب اول المخلوقات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱/۱۹

مضاف ومضاف الیہ کے درمیان مغائرت شرط ہے۔ چنانچہ بیت اللہ وناقۃ اللہ ونور اللہ وروح اللہ، پس ثابت ہوا کہ نور رسول خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور مخلوق خدا یا نور ذات خدا یا نور جمال خدا ہے، نور ذاتی یعنی اللہ تعالٰی کی ذات کا ٹکڑا او جزو عین نہیں ہے، واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

المشتہر: عبدالمہیمن قاضی علاقہ تھانہ بہو بازار وغیرہ کلکتہ

الجواب:

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور بلاشبہ اللہ عزوجل کے نور ذاتی یعنی عین ذات الٰہی سے پیدا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے فتوے میں تصریحات علمائے کرام سے محقق کیا اور اس کے معنی بھی وہیں مشرّح کردیے۔ حاش للہ! یہ کسی مسلمان کا عقیدہ کیا گمان بھی نہیں ہوسکتا کہ نور رسالت یا کوئی چیز معاذاللہ ذات الٰہی کا جز یا اس کا عین ونفس ہے، ایسا اعتقاد ضرور کفر وارتداد۔

ای ادعاء الجزئیۃ مطلقًا والعینیۃ بمعنی الاتحاد ای ھو ھو فی مرتبۃ الفرق اما ان الوجود واحد والموجود واحد فی مرتبۃ الجمع والکل ظلالہ وکعوسہ فی مرتبۃ الفرق فلاموجود الا ھو فی مرتبۃ الحقیقۃ الذاتیۃ اذلاحظ لغیرہ فی حد ذاتہ من الجود اصلاجملۃ واحدۃ من دونہ ثنیا فحق واضح لاشك فیہ۔	یعنی جزئیت کا دعوٰی کرنا مطلقًا اور عینیت بمعنی اتحاد کا دعوٰی کرنا یعنی مربہ فرق میں نور محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عین ذات خدا ہے (کفر ہے) لیکن یہ اعتقاد کہ بے شک وجود ایک ہے اور موجود ایک ہے مرتبہ جمع میں اور تمام موجودات مربہ فرق میں اسی کے ظل اور عکس ہیں۔ چنانچہ مرتبہ حقیقت ذاتیہ میں اس کے سوا کوئی موجود نہیں کیونکہ حد ذات میں اس کے ماسوا کسی کے لئے بغیر کسی استثناء کے بالکل وجود سے کوئی حصہ نہیں، (یہ اعتقاد) خالص حق ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ (ت)

مگر نور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اللہ عزوجل کا نور ذاتی کہنے سے نہ عین ذات یا جزء ذات ہونا لازم، نہ مسلمانوں پر بدگمانی جائز، نہ عرف عام علماء وعوام میں اس سے یہ معنی مفہوم، نہ نور ذات کہنے کو نور ذاتی کہنے پر کچھ ترجیح جس سے وہ جائز اور یہ ناجائز ہو۔

اولًا: ذاتی کی یہ اصطلاح کہ عین ذات یا جزء ماہیت ہو، خاص ایساغوجی کی اصطلاح ہے، علماء عامہ کے عرف عام میں نہ یہ معنے مراد ہوتے ہیں نہ ہرگز مفہوم، عام محاورہ میں کہتے ہیں یہ میں اپنے

ذاتی علم سے کہتا ہوں یعنی کسی کی سنی سنائی نہیں۔ یہ مسجد میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے بنائی ہے یعنی چندہ وغیرہ مال غیر سے نہیں۔ ائمہ اہل سنت جن کا عقیدہ ہے کہ صفات الٰہیہ عین ذات نہیں، اللہ عزوجل کے علم وقدرت وسمع وبصر وارادہ وکلام وحیات کو اس کی صفت ذاتی کہتے ہیں۔ حدیقہ ندیہ میں ہے:

اعلم بان الصفات التی ھی لاعین الذات ولا غیرھا انماھی الصفات الذاتیة[1] الخ۔	بیشک وہ صفات جو اللہ تعالٰی کے نہ عین اور نہ غیر ہیں، صرف وہ ذاتی صفات ہیں۔ (ت)

علامہ سید شریف قدس سرہ الشریف رسالہ "تعریفات" میں فرماتے ہیں:

الصفات الذاتیة ھی مایوصف اللہ تعالٰی بھا ولا یوصف بضدھا نحو القدرة والعزة والعظمة وغیرھا[2]۔	ذاتی صفات وہ ہیں جن سے اللہ تعالٰی موصوف ہے اور ان کی ضد سے موصوف نہیں جیسے قدرت، عزت، عظمت وغیرہا۔ (ت)

وجوب ذاتی وامتناع ذاتی وامکان ذاتی کا نام حکمت وکلام وفلسفہ وغیرہا میں سنا ہوگا یعنی **ان الذات تقتضی لذاتھا الوجود او العدم** (یعنی بلاشبہ ذات اپنی ذات کے اعتبار سے وجود یا عدم کا تقاضا کرتی ہے۔ ت) **اولًا** ان میں کوئی بھی اپنے موصوف کا نہ عین ذات ہے نہ جزء بلکہ مفہومات اعتباریہ ہیں جن کے لئے خارج میں وجود نہیں **کما حقق فی محلہ** (جیسا کہ اس کے محل میں اس کی تحقیق کردی گئی ہے۔ ت) یونہی اصلیین اعنی علم کلام وعلم اصول فقہ میں افعل کے حسن ذاتی وقبح ذاتی کا مسئلہ اور اس میں ہمارے آئمہ ماتریدیہ کا مذہب سنا ہوگا حالانکہ بداہۃً حسن وقبح نہ عین فعل ہیں نہ جزء فعل۔ محقق علی الاطلاق تحریر الاصول میں فرماتے ہیں:

مما اتفقت فیه العراض والعادات واستحق به المدح والذم فی نظر العقول جمیعا لتعلق مصالح الکل به لایفید بل ھو المراد بالذاتی للقطع بان مجرد حرکة الید قتلا ظلما لاتزید حقیقتھا علی حقیقتھا	جس میں اغراض وعادات متفق ہوں اور اس کے سبب سے مدح وذم کا استحقاق ہو کیونکہ سب کے مصالح اس سے متعلق ہیں یہ قول غیر مفید ہے بلکہ ذاتی سے مراد وہی ہے، اس لئے کہ یہ بات قطعی ہے کہ قتل کے لئے بطور ظلم محض حرکت ید کی حقیقت بطور عدل اس کی حرکت

[1] الحدیقة الندیة الباب الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۵۴

[2] التعریفات للجرجانی ۸۷۰ (الصفات الذاتیہ) دار الکتاب العربی بیروت ص ۱۱۱

عدلا۔فلو کان الذاتی مقتضی الذات اتحد لازمھما حسنا وقبحا۔فانما یراد(ای بالذاتی)ما یجزم بہ العقل لفعل من الصفة بمجرد تعقلہ کائناعن صفة نفس من قام بہ فباعتبارھا یوصف بانہ عدل حسن اوضدہ[1] اھ	کی حقیقت سے زائد نہیں۔اگر ذاتی مقتضائے ذات ہوتا تو ان دونوں کا لازم حسن وقبح کے اعتبار سے متحد ہو جاتا کیونکہ ذاتی سے مراد وہ ہے کہ عقل اس کے ساتھ جزم کرے کسی فعل کے لئے صفت سے، محض اس کے متعقل ہونے کی وجہ سے اس ذات کی صفت سے جس کے ساتھ وہ قائم ہے اسی کے اعتبار سے اس کو عدل وحسن یا اس کی ضد کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے اھ (ت)

ثانیًا: ذاتی میں یائے نسبت ہے،ذاتی منسوب بہ ذات اور متغائرین میں ہر اضافت مصحح نسبت جو چیز دوسرے کی طرف مضاف ہوگی وہ ضرور اس کی طرف منسوب ہوگی کہ اضافت بھی ایک نسبت ہی ہے،تو جب نور ذات کہنا صحیح ہے تو نور ذاتی کہنا بھی قطعًا صحیح ہوگا ورنہ نسبت ممتنع ہوگی تو نور ذات کہنا بھی باطل ہو جائے گا ھذا خلف۔

ثالثًا: نور ذات کہنا جس کا جواز مانع کو بھی تسلیم ہے اس میں اضافت بیانیہ ہو یعنی وہ نور کہ عین ذات الٰہی ہے تو معاذاللہ نور رسالت کا عین ذات الوہیت ہونا لازم آتا ہے پھر یہ کیوں نہ منع ہوا،اگر کہئے کہ یہ معنے مراد نہیں بلکہ اضافت لامیہ ہے اور اس کی وجہ تشریف جیسے بیت اللہ وناقة اللہ وروح اللہ ،تو اسی معنٰی پر نور ذاتی میں کیا حرج ہے یعنی وہ نور کہ ذات الٰہی سے نسبت خاصہ ممتازہ رکھتا ہے۔شرح المواہب للعلامۃ الزرقانی میں ہے:

اضافة تشریف واشعار بانہ خلق عجیب وان لہ شانا لہ مناسبة ما الی الحضرة الربوبیة علی حد قولہ تعالٰی ونفخ فیہ من روحہ[2]۔	اضافت تشریفیہ ہے اور یہ بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عجیب مخلوق ہیں اور بارگاہ ربوبیت میں آپ کو خاص نسبت ہے جیسے "وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ"[3] (اور میں اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں۔(ت)

[1] تحریر الاصول المقالۃ الثانیہ الباب الاول الفصل الثانی مصطفی البابی مصر ص ۲۲۵و۲۲۶

[2] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/۴۶

[3] القرآن الکریم ۱۵/۲۹ و ۳۸/۷۲

رابعًا: نور ذاتی میں اگر ایک معنٰی معاذاللہ کفر ہیں کہ ذاتی کو اصطلاح فن ایسا غوجی پر حمل کریں جو ہر گز قائلوں کی مراد نہیں بلکہ غالبًا ان کو معلوم بھی نہ ہو گی تو نور ذات یا نور اللہ کہنے میں جن کا جواز از خود مانع کو مسلّم ہے عیاذًا باللہ متعدد وجہ پر معانی کفر ہیں۔ ہم نے فتوٰی دیگر میں بیان کیا کہ نور کے دو۲ معنی ہیں: ایک ظاہر بنفسہٖ مظہر لغیرہٖ، بایں معنٰی اگر اضافت بیانیہ لو تو نور رسالت عین ذات الٰہی ٹھہرے اور یہ کفر ہے۔ اور اگر لامیہ لو تو یہ معنی ہوں گے کہ وہ نور کہ آپ بذاب خود ظاہر اور ذات الٰہی کا ظاہر کرنے والا ہے، یہ بھی کفر ہے۔ دوسرے معنی یہ کیفیت وعرض جسے چمک، جھلک، اجالا، روشنی کہتے ہیں اس معنٰی پر اضافت بیانیہ لو تو کفر عینیت کے علاوہ ایک اور کفر عرضیت عارض ہو گا کہ ذات الٰہی معاذاللہ ایک عرض وکیفیت قرار پائی، اور اگر لامیہ لو تو کسی کی روشنی کہنے سے غالبًا یہ مفہوم کہ یہ کیفیت اس کو عارض ہے جیسے نور شمس ونور قمر ونور چراغ، یوں معاذاللہ اللہ عزوجل محل حوادث ٹھہرے گا، یہ بھی صریح ضلالت وگمراہی ومنجر بہ کفر لزومی ہے، ایسے خیالات سے اگر نور ذاتی کہنا ایک درجہ ناجائز ہو گا تو نور ذات ونور اللہ کہنا چار درجے، حالانکہ ان کا جواز مانع کو مسلّم ہونے کے علاوہ نور اللہ تو خود قرآن عظیم میں وارد ہے:

"یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـٴُـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸ "[1]۔ "یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـٴُـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ یَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۳۲ "[2]۔	اللہ تعالٰی کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالٰی اپنے نور کو تام فرمانے والا ہے اگرچہ کافر ناپسند کریں۔ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا پورا کرنا، پڑے برا مانیں کافر۔ (ت)

حدیث میں ہے:

اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ[3]۔	مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ نور اللہ سے دیکھتا ہے۔ (ت)

خامسًا: مضاف ومضاف الیہ میں اگر معائرت شرط ہے تو منسوب ومنسوب الیہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۸/۶۱

[2] القرآن الکریم ۹/۳۲

[3] سنن الترمذی کتاب التفسیر حدیث ۳۱۳۸ دار الفکر بیروت ۵/۸۸، کنز العمال حدیث ۳۰۷۳۰ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/۸۸

کیا شرط نہیں۔

سادسًا بلکہ اس طور پر جو مانع نے اختیار کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سب سے پہلے مخلوق الٰہی نہ رہیں گے، دو چیزیں حضور سے پہلے مخلوق قرار پائیں گی اور یہ خلاف حدیث وخلافت نصوص ائمہ قدیم وحدیث۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

یاجابر ان اللہ خلق قبل الاشیاء نورنبیك من نورہٖ[1]۔	اے جابر! اللہ تعالٰی نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا۔

یہاں دو اضافتیں ہیں: نور نبی ونور خدا۔ اور مشتہر کے نزدیک اضافت میں مغائرت شرط ہے تو نور نبی غیر ہو اور نور خدا غیر خدا، اور غیر خدا جو کچھ ہے مخلوق ہے تو نور خدا مخلوق ہوا اور اس نور سے نور نبی بنا، تو ضرر نور خدا نور نبی سے پہلے مخلوق تھا اور نو نبی باقی سب اشیاء سے پہلے بنا، اور اشیاء میں خود نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی ہیں، تو نور نبی نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے پہلے بنا اور اس سے پہلے نور خدا بنا، تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے دو مخلوق پہلے ہوئے، یہ محض باطل ہے۔

سابعًا: حل یہ ہے کہ ایسا غوجی میں ذاتی مقابل عرضی ہے بایں معنی اللہ عزوجل نور ذاتی ونور عرضی، دونوں سے پاک ومنزہ ہے مگروہ یہاں نہ مراد نہ مفہوم اور عام محاورہ میں ذاتی مقابل صفاتی واسمائی ہے اور یہاں یہی مقصود، بایں معنٰی اللہ عزوجل کے لئے نور ذاتی ونور صفاتی ونور اسمائی سب ہیں کہ اس کی ذات وصفات واسماء کی تجلیاں ہیں، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تجلی ذات اور انبیاء واولیاء وسائر خلق اللہ تجلی اسماء وصفات ہیں جیسا کہ ہم نے فتوائے دیگر میں شیخ محقق سے نقل کیا، رحمہ اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا محمد واٰلہٖ وسلم۔

---

[1] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/۷۱

تقریظ عــــہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

اللھم لك الحمد فقیر غفرلہ المولی القدیر نے فاضلِ فاضل، عالم عامل، حامی السنۃ، ماحی الفتنۃ، مولٰنا مولوی حبیب علی صاحب علوی ایدہ اللہ تعالٰی بالنور العلوی کی یہ تحریر منیر مطالعہ کی فجزاہ اللہ عنہ نبیہ المصطفٰی الجزاء الاوفٰی۔

مسئلہ بحمد اللہ تعالٰی واضح ومکشوف اور مسلمانوں میں مشہور ومعروف ہے، فقیر کے اس میں تین رسائل ہیں۔

(۱) قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام علیہ وعلٰی اٰلہ الصلٰوۃ والسلام۔

عــــہ: یہ تقریظ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز نے مولانا حبیب علی علوی کے رسالہ پر لکھی تھی۔ بریلی کے ذخیرہ مسودات سے مولانا محمد ابراہیم شاہدی پونپوری نے ۸ رجب المرجب ۱۳۶۳ھ کو نقل کی۔ یہ نقل محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمہ اللہ تعالٰی کے ذخیرہ کتب سے راقم کو ۲۲ ربیع الاول ۱۴۰۴ھ کو دستیاب ہوئی جو پیش نظر مجموعہ رسائل میں شامل کی جارہی ہے۔

اس مجموعہ میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی نورانیت کے موضوع پر ایک اور سایہ نہ ہونے کے موضوع پر تین رسائل شامل ہیں۔

محمد عبدالقیوم قادری۔

(۲) نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیء صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) ھدی الحیران فی نفی الفیئی عن سید الاکوان علیہ الصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان۔

یہاں جناب مجیب مصیب سلمہ القریب کی تائید میں بعض کلام ائمہ کرام علمائے اعلام کا اضافہ کروں۔امام جلیل جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ خصائص الکبرٰی شریف میں فرماتے ہیں:

باب الاٰیۃ فی انہ لم یکن یری لہ ظل، اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل فی شمس ولا قمر، قال ابن سبع من خصائصہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان ظلہ کان لایقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذ مشٰی فی الشمس اوالقمر لاینظر لہ ظل قال بعضھم و یشھد لہ حدیث، قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نورًا [1]۔	اس نشانی کا بیان کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں دیکھا گیا۔ حکیم ترمذی نے حضرت ذکوان سے روایت کی کہ سورج اور چاند کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ابن سبع نے کہا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص میں سے یہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا کیونکہ آپ نور ہیں، آپ جب سورج اور چاندنی کی روشنی میں چلتے تو سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا۔بعض نے کہا کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے جس میں آپ نے دعا فرماتے ہوئے کہا: اے اللہ! مجھے نور بنادے۔(ت)

موذج اللبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں فرماتے ہیں:

لم یقع ظلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولارئی لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع لانہ کان نورا، وقال رزین لغلبۃ انوارہ [2]۔	حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔ نہ ہی سورج اور چاند کی روشنی میں آپ کا سایہ دکھائی دیتا تھا۔ ابن سبع نے کہا آپ کے نور ہونے کی وجہ سے اور رزین نے کہا آپ کے انوار کے غلبہ کی وجہ سے۔(ت)

امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ افضل القرٰی لقراء ام القرٰی زیر قول ماتن رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

---

[1] الخصائص الکبرٰی باب الآیۃ فی انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/۶۸

[2] انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب

لم یساووك فی علاك وقد حا ل سنا منك دونهم سنا[1]

(انبیاء علیہم الصلوات والسلام فضیلت میں آپ کے برابر نہ ہوئے آپ کی چمک اور رفعت آپ تک ان کے پہنچنے سے مانع ہوئی۔ت)

فرماتے ہیں:

هذا مقتبس من تسمیته تعالٰی لنبیه نورا فی نحو قوله تعالٰی "قدجاء کم من الله نور و کتاب مبین"، وکان صلی الله تعالٰی علیه وسلم یکثر الدعاء بان الله یجعل کلا من حواسه واعضائه وبدنه نورًا اظهار الوقوع ذٰلک، وتفضل الله تعالٰی علیه به لیزداد شکره وشکر امته علی ذٰلک، کما امرنا بالدعاء الذی فی اٰکر سورة البقرة مع وقوعه، وتفضل الله تعالٰی به لذٰلك ومما یؤید انه صلی الله تعالٰی علیه وسلم صار نورا انه کان اذا مشٰی فی الشمس والقمر لم یظهر له ظل لانه لایظهر الا لکثیف وهو صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد خلصه	یہ ماخوذ ہے ان آیات کریمہ سے جن میں اللہ تعالٰی نے اپنے نبی کا نام نور رکھا ہے، جیسے آیت کریمہ قد جاء کم من الله نور وکتاب مبین (تحقیق آیا تمھارے پاس اللہ تعالٰی کی طرف سے نور اور روشن کتاب) نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اللہ تعالٰی آپ کے تمام حواس، اعضا اور بدن کو نور بنادے۔آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہ دعا اس بات کو ظاہر کرنے کے لئے فرماتے کہ اس کا وقوع ہو چکا ہے اور اللہ تعالٰی نے اپنے فضل سے آپ کو مجسم نور بنادیا ہے تاکہ آپ اور آپ کی امت اس پر اللہ تعالٰی کا بکثرت شکریہ ادا کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے ہمیں سورہ بقرہ کی آخری آیات میں واقع دعا مانگنے کا حکم دیا ہے باوجودیکہ اللہ تعالٰی کے فضل سے اس کا وقوع ہو چکا ہے۔آپ کی نورانیت کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جب آپ سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا کیونکہ سایہ تو کثیف چیز کا ظاہر نہ ہوتا کیونکہ سایہ تو کثیف چیز کا ظاہر ہوتا ہے جبکہ آپ کو اللہ نے تمام

[1] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل الاول حزب القادریۃ لاہور ص ۶

الله سائر الكثائف الجسمانية وصيره نورا صرفالا يظهر له ظل اصلا[1]۔	جسمانی کثافتوں سے پاک فرمادیا ہے اور آپ کو خالص نور بنا دیا ہے، چنانچہ آپ کا سایہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا۔

علامہ سلیمان جمل ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن له صلی الله تعالٰی علیه وسلم ظل یظهر فی الشمس ولاقمر[2]۔	سورج اور چاند کی روشنی میں حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ (ت)

علامہ حسین بن محمد دیار بکری کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس میں لکھتے ہیں:

لم یقع ظله صلی الله تعالٰی علیه وسلم علی الارض و لارئی له ظل فی شمس ولاقمر[3]۔	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اور نہ ہی سورج وچاند کی روشنی میں نظر آتا تھا (ت)

بعینہٖ اسی طرح نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطہار میں ہے۔ علامہ سیدی محمد زرقانی شرح مواہب شریف میں فرماتے ہیں:

لم یکن له صلی الله تعالٰی علیه وسلم ظل فی شمس ولاقمر لانه کان نورا کما قال ابن سبع وقال رزین لغلبة انواره وقیل حکمة ذلك صیانته عن یطاء کافر علی ظله رواه الترمذی الحکیم عن ذکوان ابی صالح السمان الزیات المدنی او ابی عمر والمدنی مولی عائشة رضی الله تعالٰی عنها وکل منها ثقة من التابعین	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ شمس وقمر کی روشنی میں نمودار نہ ہوتا تھا بقول ابن سبع آپ کی نورانیت کی وجہ سے۔ اور کہا گیا ہے کہ عدم سایہ کی حکمت یہ ہے کہ کوئی کافر آپ کے سایہ پر پاؤں نہ رکھے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے ذکوان ابو صالح السمان زیات مدنی سے یا ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے آزاد کردہ غلام ابو عمرو مدنی سے، اور وہ دونوں ثقہ تابعین

[1] افضل القرٰی لقراء ام القرٰی (شرح ام القرٰی) شرح شعر ۲ المجمع الثقافی ابوظبی ۱/۱۲۸ و ۱۲۹

[2] الفتوحات الاحمدیه علی متن الهمزیة لسلیمان جمل، المکتبه التجاریه الکبرٰی مصر، ص ۵

[3] تاریخ الخمیس، القسم الثانی النوع الرابع۔ مؤسسة شعبان۔ بیروت، ص ۱/۲۱۹

فھو مرسل لکن روی ابن المبارك وابن الجوزی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظل ولم یقم مع الشمس قط الا غلب ضوء ضوء السراج[1]۔	میں سے ہیں، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے۔ لیکن ابن مبارک اورابن جوزی نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ آپ کا سایہ نہ تھاآپ جب سورج کی روشنی یا چراغ کی روشنی میں قیام فرماتے تو آپ کی چمک سورج اور چراغ کی روشنی پر غالب آجاتی تھی۔(ت)

فاضل محمد بن صبان اسعاف الراغبین میں ذکر خصائص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں لکھتے ہیں:

وانہ لافیئ لہ[2]۔(بے شک آپ کا سایہ نہ تھا۔ت)

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ الشریف فرماتے ہیں: ؎

چوں فنائش از فقر پیرایہ شود　　　او محمد دار بے سایہ شود[3]

(جب اس کی فنا فقر سے آراستہ ہوجاتی ہے تو وہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرح بغیر سایہ کے ہوجاتا ہے۔ت)

ملک العلماء بحر العلوم مولانا عبدالعلی قدس سرہ، اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

در مصرع ثانی اشارہ بہ معجزہ آن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم است کہ آں سرور راسایہ نمی افتاد[4]۔	دوسرے مصرع میں سرورعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا۔

یہاں اس مسئلہ مسلمہ کے منکر وہابیہ ہیں اور اسمٰعیل دہلوی کے غلام اور اسمٰعیل کو غلامی حضرت مجدد کا ادعاء اور حضرت شیخ مجدد جلد ثالث مکتوبات، مکتوب صدم میں فرماتے ہیں:

اور را صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سایہ نبود ودر عالم	رسول انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ، المقصد الثالث، الفصل الاول، دار المعرفۃ بیروت ۲۲۰/۴

[2] اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی واھل بیتہ الطاھرین الباب الاول مصطفی البابی مصر ص۷۷

[3] مثنوی معنوی در صفت آں بیجود کہ دربقائی حق فانی شدہ است الخ نورانی کتب خانہ پشاور ص۱۹

[4]

شہادت سایہ ہر شخص لطیف ترست وچوں لطیف ترازوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نباشد اوراسایہ چہ صورت دارد علیہ وعلٰی آلہ الصلوات والتسلیمات [1]۔	عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔چونکہ آپ سے بڑھ کر کوئی شئے لطیف نہیں ہے لہٰذا آپ کے سایہ کی کوئی صورت نہیں بنتی۔آپ پر اور آپ کی آل پر درود وسلام ہو۔(ت)

اسی کے مکتوب ۱۲۲ میں فرمایا:

واجب راتعالٰی چرا ظل بود کہ ظل موہم تولید بہ مثل ست و منبی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل، ہرگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم را از لطافت ظل نبود خدائے محمد را چگونہ ظل باشد [2] اھ۔جل وعلاو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔	واجب تعالٰی کا سایہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سایہ تو مثل کے پیدا ہونے کا وہم پیدا کرتا ہے اور عدم کمال لطافت کے شائبہ کی خبر دیتا ہے۔جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ بوجہ آپ کی لطافت کے نہ تھا آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے خدا جل وعلا کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے۔(ت)

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) مطالع المسرات شریف میں امام اہلسنت سیدنا ابوالحسن اشعری رحمہ الہ تعالٰی سے:

انہ تعالٰی نور لیس کالانوار والروح النبویۃ القدسیۃ لمعۃ من نورہ والملئکۃ شرر تلک الانوار [3]۔	اللہ تعالٰی نور ہے مگر انوار کی مثل نہیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی روح اقدس اللہ تعالٰی کے نور کا جلوہ ہے اور ملائکہ ان انوار کی جھلک ہیں۔(ت)

پھر اس کی تائید میں حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

اول ماخلق اللہ نوری ومن نوری خلق کل شیئ [4]۔	اللہ تعالٰی نے سب سے پہلے میرا نور بنایا اور میرے نور سے تمام اشیاء کو پیدا فرمایا(ت)

---

[1] مکتوبات امام ربانی مکتوب صدم نولکشور لکھنؤ جلد سوم ص ۱۸۷
[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۱۲۲ نولکشور لکھنؤ جلد سوم ص ۲۳۷
[3] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۶۵
[4] مطالع المسرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۲۶۵

جب ملائکہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے بنے، سایہ نہیں رکھتے تو حضور کہ اصل نور ہیں جن کی ایک جھلک سے سب ملک بنے کیونکر سایہ سے منزہ نہ ہوں گے۔ جب کہ ملائکہ مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے بنے، بے سایہ ہوں، زاور مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ نور الٰہی سے بنے، سایہ رکھیں۔

حدیث میں ہے کہ آسمانوں میں چار انگل جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ اپنی پیشانی رکھے سجدہ میں نہ ہو، ملائکہ کے سایہ ہوتا تو آفتاب کی روشنی ہم تک کیونکر پہنچتی یا شاید پہنچتی تو ایسی جیسے گھنے پیڑ میں سے چھن کر خال خال بندکیاں نور کے سائے کے اندر نظر آتی ہیں، ملائکہ تو لطیف تر ہیں، نار کے لئے سایہ نہین بلکہ ہوا کے لئے سایہ نہیں بلکہ عالم نسیم کی ہوا کہ ہوائے بالا سے کثیف تر ہے اس کا بھی سایہ نہیں ورنہ روشنی کبھی نہ ہوتی بلکہ ہوامیں ہزاروں لاکھوں ذرے اور قسم قسم کے جانور بھرے پڑے ہیں کہ خوردبین سے نظر آتے ہیں اور بعض بے خوردبین بھی، جبکہ دھوپ کسی بند مکان میں روزن سے داخل ہو ان میں کسی کے سایہ نہیں۔ یہ سب تو قبول کرلیں گے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تن اقدس کی ایسی لطافت کس دل سے گوارا ہو کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا۔ جانے دو، یہاں ان ذروں کی باریکی جسم کا حیلہ لوگے، آسمان میں کیا کہوگے؟ اتنا بڑا جسم عظیم کہ تمام زمین کو محیط اور اس کا ایک ذرا سا ٹکڑا جس میں آفتاب ہے سارے کرہ زمین سے تین سو چھبیس حصے بڑا ہے، اسی کا سایہ دکھا دیجئے، اس کا سایہ پڑتا تو قیامت تک تمہیں دن کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا، ہاں ہاں یہی جو نیلگوں چھت ہمیں نظر آتی ہے، یہی پہلا آسمان ہے، قرآن عظیم یہی بتاتا ہے:

قال تعالیٰ "اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶" [1]۔	(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) کیا نہیں دیکھتے اپنے اوپر آسمان کو، ہم نے اسے کیسے بنایا اور آراستہ کیا اور اس میں کہیں شگاف نہیں۔

اور فرماتا ہے: "وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝۱۶" [2]۔ ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے آراستہ کیا۔

اور اگر فلاسفہ یونانی کی فضلہ خوری سے یہی مانئے کہ جو نظر آتا ہے فلک نہیں، کرہ بخار ہے۔

---

[1] القرآن الکریم ۵۰/۶

[2] القرآن الکریم ۱۵/۱۶

جب ہمارا مطلب حاصل کہ اتنا بڑا جسم عظیم عنصری سایہ نہیں رکھتا، اسے آسمان کہو یا کرہ بخار، ہیئات جدیدہ کا کفر اوڑھو کہ آسمان کچھ ہے ہی نہیں، یہ جو نظر آتا ہے محض موہوم و بے حقیقت حد نگاہ ہے، تو ایک بات ہے مگر آسمانی کتاب پر ایمان لا کر آسمان سے انکار کرنا ناممکن۔

غرض جب دلیل قاہر سے ثابت کہ جسم عنصری کے لئے سایہ ضروری نہیں، تو نیچریوں کی طرح خلاف نیچر ہونے کا جو ہمیانہ استبعاد تھا وہ اوڑھ لیا، پھر کیا وجہ کہ ائمہ کرام طبقۃً فطبقۃً جو فضیلت ہمارے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے نقل فرماتے ہیں اور مقبول و مقرر رکھتے آئے اور عقل و نقل سے کوئی اس کا واقع نہیں، تسلیم نہ کیا جائے یا اس میں چون وچرا برتی جائے اسے سوائے مرض قلب کے کیا کہئے، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے فضائل کو بیمار دل گوارا نہیں کرتا "یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ"[1]۔ (اللہ تعالٰی اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے) کی دولت نہ ملی کہ اللہ تعالٰی اس کا سینہ قبول و تسلیم کے لیے کھول دیتا، ناچار "یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ ؕ"[2] (اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ت) کے آڑے آتی۔ دل تنگ ہو کر گور کافر کے مثل ہو جاتا اور فضیلت کا منکر کلیجہ چار چار اچھلتا گویا آسمان کو چڑھا جاتا ہے "كَذٰلِكَ یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾"[3] والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم (اللہ یوں ہی عذاب میں ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو۔ اور اللہ رب العالمین کی پناہ۔ اور اللہ سبحٰنہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ت)

رسالہ

صلات الصفاء فی نور المصطفٰی

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۱۲۵/۶

[2] القرآن الکریم ۱۲۵/۶

[3] القرآن الکریم ۱۲۵/۶

رسالہ
نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیئ [۱۲۹۶ھ]
(اس ذات اقدس کے سائے کی نفی جس کے نور سے ہر مخلوق منور ہوئی)

مسئلہ ۴۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والہ وسلم کے لئے سایہ تھا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ۔ت)

الجواب:

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ط الحمدللّٰہ الذی خلق قبل الاشیاء نور نبینا من نورہ وفلق الانوار جمیعا من لمعات ظہورہ فھو صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور الانوار وممد جمیع الشموس والاقمار سماہ ربہ فی کتابہ الکریم	ہم اللہ کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس کے رسول کریم پر درود بھیجتے ہیں۔ تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کیلئے ہیں جس نے تمام اشیاء سے قبل ہمارے نبی کے نور کو اپنے نور سے بنایا، اور تمام نوروں کے آپ کے ظہور کے جلووں سے بنایا۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام نوروں کے نور اور ہر شمس و قمر کے ممد ہیں۔ آپ کے رب نے اپنی کتاب کریم میں آپ کا

نورا وسراجا منیرا فلولا انارته لما استنارت شمس و لا تبین یوم من امس ولا تعین وقت للخمیس صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلی المستنیرین بنورہ المحفوظین عن الطمس جعلنا اللہ تعالٰی منھم فی الدنیا ویوم لا یسمع الا ھمس۔	نام نور اور سراج منیر رکھا ہے۔اگر آپ جلوہ فگن نہ ہوتے تو سورج روشن نہ ہوتا،نہ آج کل سے ممتاز ہوتا اور نہ ہی خمس کے لئے وقت کا تعین ہوتا۔اللہ تعالٰی آپ پر درود نازل فرمائے اور آپ کے نور سے مستنیر ہونے والوں پر جو مٹ جانے سے محفوظ ہیں۔اللہ تعالٰی ہمیں ان سے بنائے دنیا میں اور اس دن جس میں نہیں سنائی دے گی مگر بہت آہستہ آواز۔(ت)

بیشک اس مہر سپہر اصطفاء ماہ منیر اجتباء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا،اور یہ امر احادیث واقوال علماء کرام سے ثابت اور اکابر ائمہ وجہابذ فضلاء مثل حافظ رزین محدث وعلامہ ابن سبع صاحب شفاء الصدور وامام علامہ قاضی عیاض صاحب کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی وامام عارف باللہ سیدی جلال الملۃ والدین محمد بلخی رومی قدس سرہ،وعلامہ حسین بن دیار بکری واصحاب سیرت شامی وسیرت حلبی وامام علامہ جلال الملّۃ والدین سیوطی وامام شمس الدین ابوالفرج ابن جوزی محدث صاحب کتاب الوفاء وعلامہ شہاب الحق والدین خفاجی صاحب نسیم الریاض وامام احمد بن محمد خطیب قسطلانی صاحب مواہب لدنیہ و منح محمدیہ وفاضل اجل محمد زرقانی مالکی شارح مواہب وشیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی وجناب شیخ مجدد الف ثانی فاروقی سرہندی وبحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی وشیخ الحدیث مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی وغیر ہم اجلہ فاضلین ومقتدایان کہ آج کل کے مدعیان خام کار کوان کی شاگردی بلکہ کلام سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں،خلفًا عن سلف دائمًا اپنی تصنیف میں اس کی تصریح کرتے آئے اور مفتی عقل وقاضی نقل نے باہم اتفاق کرکے اس کی تاسیس وتشیید کی۔

فقد اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل فی شمس ولا قمر[1]۔	حکیم ترمذی نے ذکوان سے روایت کی کہ سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

سیدنا عبداللہ بن مبارک اور حافظ علامہ ابن جوزی محدث رحمہما اللہ تعالٰی حضرت سیدنا و

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ الحکیم الترمذی باب الآیۃ فی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/۶۸

ابن سید نا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرتے ہیں:

قال لم یکن لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظل، ولم یقم مع شمس قط الاغلب ضؤوہ ضوء الشمس، ولم یقم مع سراج قط الاغلب ضوؤہ علی ضوء السراج[1]۔	یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ ان کا نور عالم افروز خورشید کی روشنی پر غالب آگیا، اور نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ حضور کے تابش نور نے اس کی چمک کو دبالیا۔

امام علام حافظ جلال الملۃ والدین سیوطی رحمہ اللہ تعالٰی نے کتاب خصائص کبرٰی میں اس معنی کے لئے ایک باب وضع فرمایا اور اس میں حدیث ذکوان ذکر کرکے نقل کیا:

قال ابن سبع من خصائصہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان ظلہ کان لایقع علی الارض وانہ کان نورا فکان اذا مشٰی فی الشمس اوالقمر لاینظر لہ ظل قال بعضھم ویشھد لہ حدیث قول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نورا[2]۔	یعنی ابن سبع نے کہا حضور کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا اور آپ نور محض تھے، تو جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے آپ کا سایہ نظر نہ آتا۔ بعض علماء نے فرمایا اس کی شاہد ہے وہ حدیث کہ حضور نے اپنی دعا میں عرض کیا کہ مجھے نور کردے۔

نیز انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم باب ثانی فصل رابع میں فرماتے ہیں:

لم یقع ظلہ علی الارض ولارئی لہ ظل فی شمس ولا قمر قال ابن سبع لانہ کان نوراقال رزین لغلبۃ انوارہ[3]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہ پڑا، حضور کا سایہ نظر نہ آیا نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ ابن سبع نے فرمایا اس لئے کہ حضور نور ہیں۔ امام رزین نے فرمایا اس لئے کہ حضور کے انوار سب پر غالب ہیں۔

[1] الوفاء باحوال المصطفٰی الباب التاسع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۰۷

[2] الخصائص الکبرٰی باب الآیۃ انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یرٰی لہ ظل مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۶۸

[3] انموذج اللبیب

امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفاء شریف میں فرماتے ہیں:

وما ذکر من انہ کان لاظل لشخصہ فی شمس ولا قمر لانہ کان نورًا[1]۔	یعنی حضور کے دلائل نبوت وآیات رسالت سے ہے وہ بات جو مذکور ہوئی کہ آپ کے جسم انور کا سایہ نہ دھوپ میں ہوتا نہ چاندنی میں اس لئے کہ حضور نور ہیں۔

علامہ شہاب الدین خفاجی رحمہ اللہ تعالٰی اس کی شرح نسیم الریاض میں فرماتے ہیں: دھوپ اور چاندنی اور جو روشنیاں کہ ان میں بسبب اس کے کہ اجسام، انوار کے حاجب ہوتے ہیں لہٰذا ان کا سایہ نہیں پڑتا جیسا کہ انوار حقیقت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کتاب الوفاء ذکر کرکے اپنی ایک رباعی انشاد کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سایہ احمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا دامن بسبب حضور کی کرامت وفضیلت کے زمین پر نہ کھینچا گیا اور تعجب ہے کہ باوجود اس کے تمام آدمی ان کے سایہ میں آرام کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں: بہ تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں اور آپ کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا، اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔

وھذا ما نصّہ الخفاجی (خفاجی کی عبارت یہ ہے):

(و)ومن دلائل نبوتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (ما ذکر)بالبناء للمجھول والذی ذکرہ ابن سبع(من انہ)بیان لما الموصولۃ(لاظل لشخصہ)ای لجسدہ الشریف اللطیف اذا کان(فی شمس ولاقمر)مما ترٰی فیہ الظلال لحجب الاجسام ضوء النیرایِن ونحوھما وعلل ذٰلك ابن سبع بقولہ(لانہ)صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم(کان نورا)والانوار شفافۃ لطیفۃ لاتحجب غیرھا من الانوار فلاظل لھا	حضور پر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دلائل نبوت سے ہے وہ جو کہ مذکور ہوا، اور وہ جو ابن سبع نے ذکر فرمایا کہ آپ کے تشخص یعنی جسم اطہر ولطیف کا سایہ نہ ہوتا جب آپ دھوپ اور چاندنی میں تشریف فرما ہوتے یعنی وہ روشنیاں جن میں سائے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ اجسام، شمس وقمر وغیرہ کی روشنی کے لئے حاجب ہوتے ہیں۔ ابن سبع نے اس کی علت یہ بیان کی کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور ہیں اور انوار شفاف ولطیف ہوتے ہیں وہ غیر کے لئے حاجت نہیں ہوتے اور ان کا سایہ

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن ذٰلك ماظھر من الآیات دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۲۲۵

كما هو مشاهد فی الانوار الحقیقة وهذا رواه صاحب الوفاء عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه قال لم یکن لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ظل ولم یقم مع شمس الا غلب ضوؤه ضوئها ولا مع سراج الا غلب ضوؤه ضوؤه وقد تقدم هٰذا والکلام علیه و رباعیتها فیه وهی: ماجر لظل احمد اذیال فی الارض کرامة کما قد قالوا هذا عجب وکم به من عجب والناس بظله جمیعا قالوا" وقالوا هذا من القیلولة وقد نطق القراٰن بانه النور المبین وکونه بشرا لا ینافیه کما توهم فان فهمت فهو نور علی نور فان النور هو الظاهر بنفسه المظهر لغیره وتفصیله فی مشکوٰة الانوار[1] انتهٰی۔	نہیں ہوتا جیسا کہ انوار حقیقت میں دیکھا جاتا ہے۔اس کو صاحب وفاء نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا،نہ کھڑے ہوئے آپ کبھی سورج کے سامنے مگر آپ کا نور سورج پر غالب آگیا،اورنہ قیام فرمایا آپ نے چراغ کے سامنے مگر آپ کا نور چراغ کی روشنی پر غالب آگیا۔یہ اوراس پر کلام پہلے گزر چکا ہے اوراس سلسلہ میں رباعی جو کہ یہ ہے: حضرت امام الانبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ اقدس نے آپ کی کرامت وفضیلت کی وجہ سے دامن زمین پر نہیں کھینچا جیسا کہ لوگوں نے کہا۔یہ کتنی عجیب بات ہے کہ عدم سایہ کے باوجود سب لوگ آپ کے سایہ رحمت میں آرام کرتے ہیں۔'' یہاں قالوا،قیلولہ سے مشتق ہے(نہ کہ قول سے) تحقیق قرآن عظیم ناطق ہے کہ آپ نور روشن ہیں اورآپ کا بشر ہونا اس کے منافی نہیں جیسا کہ وہم کیا گیا۔اگر تو سمجھے تو آپ نور علی نور ہیں،کیونکہ نور وہ ہے جو خود ظاہر ہوں اوردوسروں کو ظاہر کرنے والا ہو۔اس کی تفصیل مشکوۃ الانوار میں ہے۔(ت)

حضرت مولوی معنوی قدس سرہ القوی دفتر پنجم مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:ے

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۳/۲۸۲

چوں فنائش از فقر پیرایہ شود　　　او محمد وار بے سایہ شود[1]

(جب اس کی فنا فقر سے آراستہ ہو جاتی ہے تو وہ محمد مصطفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرح بغیر سایہ کے ہو جاتا ہے۔ت)

مولانا بحر العلوم نے شرح میں فرمایا:

در مصرع ثانی اشارہ بمعجزۂ آن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ آن سرور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم راسایہ نمی افتاد[2]۔	دوسرے مصرعے میں سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزے کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔(ت)

امام علامہ احمد بن محمد خطیب قسطلانی رحمہ اللہ تعالٰی مواہب لدنیہ و منح محمدیہ میں فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔ اسے حکیم ترمذی نے ذکوان سے پھر ابن سبع کا حضور کے نور سے استدلال اور حدیث **اجعلنی نورًا** (مجھے نور بنادے۔ت) سے استشہاد ذکر کیا۔ **حیث قال** (امام قسطلانی نے فرمایا۔ت):

لم یکن لہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شمس ولا قمر رواہ الترمذی عن ذکوان، وقال ابن سبع کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورًا فکان اذا مشٰی فی الشمس اوالقمر لایظہر لہ ظل قال غیرہ ویشھد لہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ واجعلنی نورا[3]۔	دھوپ اور چاندنی میں آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ ہوتا۔ اس کو ترمذی نے ذکوان سے روایت کیا۔ ابن سبع نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور تھے، جب آپ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ ظاہر نہ ہوتا۔ اس کے غیر نے کہا اس کا شاہد نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وہ قول ہے جو آپ دعا میں کہتے کہ اے اللہ! مجھے نور بنادے۔(ت)

اسی طرح سیرت شامی میں ہے:

وزاد عن الامام الحکیم قال معناہ لئلا یطأعلیہ کافر فیکون	یعنی امام ترمذی نے یہ اضافہ کیا: اس میں حکمت یہ تھی کہ کوئی کافر سایہ اقدس پر پاؤں نہ رکھے

[1] مثنوی معنوی در صفت آں بیخود کہ دربقای حق فانی شدہ است دفتر پنجم نورانی کتب خانہ پشاور ص ۱۹

[2]

[3] المواھب اللدنیۃ المقصد الثالث الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۰۷

مذلة له[1]۔	کیونکہ اس میں آپ کی توہین ہے۔

اقول: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما تشریف لئے جاتے تھے، ایک یہودی حضرت کے گرد عجب حرکات اپنے پاؤں سے کرتا جاتا تھا اس سے دریافت فرمایا، بولا: بات یہ ہے کہ اور تو کچھ قابو ہم تم پر نہیں پاتے جہاں جہاں تمہارا سایہ پڑتا ہے اسے اپنے پاؤں سے روندتا چلتا ہوں۔ ایسے خبیثوں کی شرارتوں سے حضرت حق عزجلالہ، نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو محفوظ فرمایا۔ نیز اسی طرح سیرت حلبیہ میں **قدر مافی شفاء الصدور**۔

محمد زرقانی رحمہ اللہ تعالٰی شرح میں فرماتے ہیں: حضور کے لئے سایہ نہ تھا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ حضور نور ہیں، جیسا کہ ابن سبع نے کہا اور حافظ رزین محدث فرماتے ہیں: سبب اس کا یہ تھا کہ حضور کا نور ساطع تمام انوار عالم پر غالب تھا، اور بعض علماء نے کہا کہ حکمت اس کی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بچانا ہے اس سے کہ کسی کافر کا پاؤں ان کے سایہ پر نہ پڑے۔ **وھذا کلامه برمه** (زرقانی کی اصل عبارت):

(ولم یکن له صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ظل فی شمس ولاقمر لانه کان نورا کما قال ابن سبع وقال رزین لغلبة انوارہ قیل وحکمة ذالك صیانته عن ان یطأ کافر علی ظله (رواہ الترمذی الحکم عن ذکوان) ابی صالح السمان الزیات المدنی اوابی عمرو المدنی مولی عائشه رضی اللہ تعالٰی عنها وکل منهما ثقة من التابعین فهو مرسل لکن روی ابن المبارك و	حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا نہ دھوپ میں اور نہ ہی چاندنی میں، کیونکہ آپ نور ہیں جیسا کہ ابن سبع نے فرمایا۔ رزین نے فرمایا عدم سایہ کا سبب آپ کے انوار کا غلبہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت آپ کو بچانا ہے اس بات سے کہ کوئی کافر آپ کے سایہ پر اپنا پاؤں رکھے۔ اس کو حکیم ترمذی نے روایت کیا ہے زکوان ابوصالح السمان زیات المدنی سے یا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے آزاد کردہ غلام ابو عمرو المدنی سے اور وہ دونوں ثقہ تابعین میں سے ہیں، چنانچہ یہ حدیث مرسل ہوئی، مگر ابن مبارک اور ابن جوزی نے

[1] سبل الہدٰی والرشاد الباب العشرون فی مشیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم دار الکتب العلمیة بیروت ۲/ ۹۰

ابن الجوزی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما لم یکن للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ظل و لم یقم مع الشمس قط الاغلب ضوؤہ ضوء الشمس و لم یقم مع سراج قط الا غلب ضوؤہ ضوء السراج (وقال ابن سبع کان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نورا فکان اذا مشٰی فی الشمس والقمر لایظھر لہ ظل) لان النور لا ظل لہ (قال غیرہ ویشھد لہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی دعائہ) لما سئل اللہ تعالٰی ان یجعل فی جمیع اعضائہ وجھاتہ نورًا ختم بقولہ (واجعلنی نورا) و النور لاظل لہ وبہ یتم الاستشھاد[1] انتھٰی۔	سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا، آپ کبھی بھی سورج کے سامنے جلوہ افروز نہ ہوئے مگر آپ کا نور سوج کے نور پر غالب آگیا اور نہ ہی کبھی آپ چراغ کے سامنے کھڑے ہوئے مگر آپ کی روشنی چراغ کی روشنی پر غالب آ گئی۔ ابن سبع نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نور تھے۔ آپ جب دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نمودار نہ ہوتا کیونکہ نور کا سایہ نہیں ہوتا، اس کے غیر نے کہا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات اس کے شاہد ہیں جب آپ نے اللہ تعالٰی سے سوال کیا کہ وہ آپ کے تمام اعضاء اور جہات کو نور بنادے، اور آخر میں یوں کہا اے اللہ! مجھے نور بنادے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسی کے ساتھ استدلال تام ہوا۔ (ت)

علامہ حسین بن محمد دیار بکری کتاب الخمیس فی احوال انفس نفیس (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) النوع الرابع مااختص صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ من الکرامات میں فرماتے ہیں:

لم یقع ظلہ علی الارض ولارئی لہ ظل فی شمس ولا قمر[2]۔	حضور کا سایہ زمین پر نہ پڑتا، نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں نظر آتا۔

بعینہٖ اسی طرح کتاب "نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی الاطھار" میں ہے۔

امام نسفی تفسیر مدارک شریف میں زیر قولہ تعالٰی: "لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ"[3]۔ (کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے اپنوں پر

---

[1] شرح الزرقانی المواھب اللدنیۃ المقصد الثالث الفصل الاول دار المعرفۃ بیروت ۴/ ۲۲۰

[2] تاریخ الخمیس القسم الثانی النوع الرابع مؤسسۃ الشعبان بیروت ۱/ ۲۱۹

[3] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۲

نیک گمان کیا ہوتا۔ت) فرماتے ہیں:

قال عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ ان اللہ ماأوقع ظلك علی الارض لئلا یضع انسان قدمه علی ذٰلك الظل [1]۔	امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے عرض کی بے شک اللہ تعالٰی نے حضور کا سایہ زمین پر نہ ڈالا کہ کوئی شخص اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔''

امام ابن حجر مکی افضل القری میں زیر قول ماتن قدس سرہ:

لم یساووك فی علاك وقد حا ل سنامنك دونھم وسناء [2]

انبیاء علیہم الصلٰوۃ والسلام فضائل میں حضور کے برابر نہ ہوئے حضور کی چمک اور رفعت حضور تک ان کے پہنچنے سے مانع ہوئی۔

فرماتے ہیں:

ھذا مقتبس من تسمیته تعالٰی لنبیه نورا فی نحو "قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین "وکان صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یکثر الدعا بان اللہ تعالٰی یجعل کلا من حواسه واعضائه وبدنه نورًا اظهار الوقوع ذٰلك وتفضل اللہ تعالٰی علیه به لیز داد شکرہ وشکر امته علی ذٰلك کما امرنا بالدعاء الذی فی اٰخر سورۃ البقرۃ مع وقوعه وتفضل اللہ تعالٰی به لذٰلك ومما یؤید انه صلی اللہ تعالٰی	یعنی یہ معنٰی اس سے لئے گئے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نام نور رکھا مثلًا اس آیت میں کہ بیشک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور تشریف لائے اور روشن کتاب۔اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بکثرت یہ دعا فرماتے کہ الٰہی! میرے تمام حواس واعضاء سارے بدن کو نور کردے۔اور اس دعا سے یہ مقصود نہ تھا کہ نور ہونا ابھی حاصل نہ تھا اس کا حصول مانگتے تھے بلکہ یہ دعا اس امر کے ظاہر فرمانے کے لئے تھی کہ واقع میں حضور کا تمام جسم پاک نور ہے اور یہ فضل اللہ عزوجل نے حضور پر کردیا تاکہ آپ اور آپ کی امت اس پر اللہ تعالٰی کا زیادہ شکر ادا کریں۔

[1] مدارك التنزیل(تفسیر النسفی)تحت الآیۃ ۲۴/۱۲ دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۵/۳

[2] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل الاول حزب القادریۃ لاہور ص۶

علیه وسلم صارنورا انه کان اذا مشٰی فی الشمس اوالقمر لم یظهر له ظل لانه لایظهر الاالکثیف وهو صلی الله تعالٰی علیه وسلم قد خلصه الله من سائر الکثائف الجسمانیة وصیره نورا صرفا لایظهر له ظل اصلا [1]۔	جیسے ہمیں حکم ہوا کہ سورہ بقر شریف کے آخر کی دعا عرض کریں وہ بھی اسی اظہار وقوع وحصول فضل الٰہی کے لئے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور محض ہو جانے کی تائید اس سے ہے کہ دھوپ یا چاندنی میں حضور کا سایہ نہ پیدا ہوتا اس لئے کہ سایہ تو کثیف کا ہوتا ہے اور حضور اللہ تعالٰی نے تمام جسمانی کثافتوں سے خالص کرکے نرا نور کردیا لہٰذا حضور کے لئے سایہ اصلًا نہ تھا۔

علامہ سلیمان جمل فتوحات احمدیہ شرح ہمزیہ میں فرماتے ہیں:

لم یکن له صلی الله تعالٰی علیه وسلم ظل یظهر فی شمس ولاقمر [2]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں ظاہر ہوتا نہ چاندنی میں۔

فاضل محمد بن فہمیہ کی "اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی واھل بیتہ الطاھرین" میں ذکر خصائص نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں ہے:

وانه لافیئ له [3]۔	حضور کا ایک خاصہ یہ ہے کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا۔

مجمع البحار میں برمزش یعنی زبدہ شرح شفاء شریف میں ہے:

من اسمائه صلی الله تعالٰی علیه وسلم قیل من خصائصه صلی الله تعالٰی علیه وسلم انه اذا مشٰی فی الشمس والقمر لایظهر له ظل [4]۔	حضور کا ایک نام مبارک "نور" ہے، حضور کے خصائص سے شمار کیا گیا کہ دھوپ اور چاندنی میں چلتے تو سایہ نہ پیدا ہوتا۔

[1] افضل القرٰی لقراء ام القرٰی (شرح ام القرٰی) شرح شعر ۲ المجمع الثقافی ابوظبی ۱/۱۲۸ و ۱۲۹

[2] الفتوحات الاحمدیۃ علی متن الھمزیۃ سلیمان جم المکتبۃ التجاریۃ الکبرٰی مصر ص ۵

[3] اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفٰی والہ بیتہ الطاھرین علی ھامش الابصار دار الفکر بیروت ص ۷۹

[4] مجمع بحار الانوار باب نون تحت لفظ "النور" مکتبہ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۴/۸۲۰

شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں:

ونبود مرآنحضرت راصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سایہ نہ درآفتاب ونہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول وعجب است ایں بزرگان کہ کہ ذکر نکردند چراغ راونور یکے از اسمائے آنحضرت است صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ونور راسایہ نمی باشد انتہی[1]۔	سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ سورج اور چاند کی روشنی میں نہ تھا۔بروایت حکیم ترمذی از ذکوان،اور تعجب یہ ہے ان بزرگوں نے اس ضمن میں چراغ کا ذکر نہیں کیا اور "نور" حضور کے اسماء مبارکہ میں سے ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔(ت)

جناب شیخ مجدد جلد سوم مکتوبات،مکتوبات صدم میں فرماتے ہیں:

اورا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سایہ نبود درعالم شہادت سایہ ہر شخص از شخص لطیف تراست وچوں لطیف ترے ازوے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم درعالم نباشد اورا سایہ چہ صورت دارد[2]۔	آں حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا،عالم شہادت میں ہر شخص کا سایہ اس سے بہت لطیف ہوتا ہے،اورچونکہ جہان بھر میں آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے کوئی چیز لطیف نہیں ہے لہٰذا آپ کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے!(ت)

نیز اسی کے آخر مکتوب ۱۲۲ میں فرماتے ہیں:

واجب راتعالٰی چراظل بود کہ ظل موہم تولید بہ مثل است ومنبی از شائبہ عدم کمال لطافت اصل،ہرگاہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم را از لطافت ظل نبود خدائے محمد راچگونہ ظل باشد[3]۔	اللہ تعالٰی کا سایہ کیونکر ہو،سایہ تو وہم پیدا کرتا ہے کہ اس کی کوئی مثل ہے اور یہ کہ اللہ تعالٰی میں کمال لطافت نہیں ہے،دیکھئے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا لطافت کی وجہ سے سایہ نہ تھا تو محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ کیونکر ممکن ہے۔(ت)

[1] مدارج النبوۃ باب اول بیان سایہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۲۱

[2] مکتوبات امام ربانی مکتوب صدم نولکشور لکھنؤ ۳/۱۸۷

[3] مکتوبات امام ربانی مکتوب ۱۲۲ نولکشور لکھنؤ ۳/۲۳۷

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی سورہ والضحیٰ میں لکھتے ہیں: سایہ ایشاں برزمیں نمی افتاد[1]۔آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑا۔ فقیر کہتا ہے غفراللہ لہ، استدلال ابن سبع کا حضور کے سراپا نور ہونے سے جس پر بعض علماء نے حدیث **واجعلنی نورا** (مجھے نور بنادے۔ت) سے استشہاد اور علمائے لاحقین نے اسے اپنے کلمات میں بنظر احتجاج یاد کیا۔

ہمارے مدعا پر دلالت واضحہ یہ ہے، دلیل شکل اول بدیہی الانتاج دو مقدموں سے مرکب، صغریٰ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور ہیں،اور کبریٰ یہ کہ نور کے لئے سایہ نہیں، جوان دونوں مقدموں کو تسلیم کرے گا نتیجہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا، آپ ہی پائے گا: مگر دونوں مقدموں میں کوئی مقدمہ ایسا نہیں جس میں مسلمان ذی عقل کو گنجائش گفتگو ہو، کبریٰ تو ہر عاقل کے نزدیک بدیہی اور مشاہدہ بصر وشہادت بصیرت سے ثابت، سایہ اس جس کا پڑے گا جو کثیف ہو اور انوار کو اپنے ماوراء سے حاجب، نور کا سایہ پڑے تو تنویر کون کرے۔اس لئے دیکھو آفتاب کے لئے سایہ نہیں، اور صغریٰ یعنی حضور والا کا نور ہونا مسلمان کا تو ایمان ہے، حاجت بیان حجت نہیں مگر تبکیت معاندین کے لئے اس قدر اشارہ ضرور کہ حضرت حق سبحانہ، وتعالیٰ فرماتا ہے:

"یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۝ وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا ۝" [2]۔	اے نبی ! ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ چمکتا۔

یہاں سراج سے مراد چراغ ہے یا ماہ یا مہر، سب صورتیں ممکن ہیں، اور خود قرآن عظیم میں آفتاب کو سراج فرمایا:

"وَّ جَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝" [3]۔	اور بنایا پروردگار نے چاند کو نور آسمانوں میں اور بنایا سورج کو چراغ۔(ت)

اور فرماتا ہے:

[1] فتح القدیر (تفسیر عزیزی) پ عم سورۃ الضحیٰ مسلم بک ڈپو، لال کنواں، دہلی ص ۳۱۲

[2] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۵

[3] القرآن الکریم ۷۱/ ۱۶

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۙ" [1]۔	بتحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے ایک نور اور کتاب روشن۔

علماء فرماتے ہیں: نور سے مراد محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں۔اسی طرح آیہ کریمہ "وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ" [2]۔(اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔ت) میں امام جعفر صادق اور آیہ کریمہ "وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ" [3]۔ (اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے، چمکتا تارا۔ت) میں بعض مفسرین نجم اور النَّجْمُ الثَّاقِبُ سے ذات پاک سید لولاک مراد لیتے ہیں [4] صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔بخاری ومسلم وغیرہما کی احادیث میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک دعا منقول جس کا خلاصہ یہ ہے:

اللھم اجعل فی قلبی نورا وفی بصری نورًا وفی سمعی نورًا وفی عصبی نورا وفی لحمی نورًا وفی دمی نورا وفی شعری نورا وفی بشری نورا وعن یمینی نورا وعن شمالی نورا وامامی نورا وخلفی نورا وفوقی نورا وتحتی نورا واجعلنی نورًا [5]۔	الٰہی! میرے دل اور میری جان اور میری آنکھ اور میرے کان اور میرے گوشت وپوست وخون واستخوان اور میرے زیر وبالا وپس وپیش وچپ وراست اور ہر عضو میں نور اور خود مجھے نور کردے۔

جب وہ یہ دعا فرماتے اوران کے سننے والے نے انہیں ضیائے تابندہ ومہر درخشندہ ونور الٰہی کہا پھر اس جناب کے نور ہونے میں مسلمان کو کیا شبہ رہا، حدیث ابن عباس میں ہے کہ ان کا نور چراغ وخوشید پر غالب آتا۔اب خدا جانے غالب آنے سے یہ مراد کہ

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/۵

[2] القرآن الکریم ۱/۵۳

[3] القرآن الکریم ۸۶/۲و۳

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الفصل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۰

[5] صحیح البخاری کتاب الدعوات باب الدعاء قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۳۵،صحیح مسلم کتاب صلٰوۃ المسافرین باب صلٰوۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۱، جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منہ امین کمپنی دہلی ۲/۱۷۸

ان کی روشنیاں اس کے حضور پھیکی پڑ جائیں جیسے چراغ پیش مہتاب یا یکسر ناپدید و کالعدم ہو جاتیں جیسے ستارے حضور آفتاب۔

ابن عباس کی حدیث میں ہے:

واذاتکلم رئی کالنور یخرج من بین ثنایاہ[1]۔	جب کلام فرماتے دانتوں سے نور چھنتا نظر آتا۔

وصاف کی حدیث میں وارد ہے:

یتلألؤ وجھہ تلألؤالقمر لیلا البدراقنی العرنین لہ نوریعلوہ یحسبہ من لم یتأملہ اشم انور المتجرد[2]۔	یعنی حضور کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا، بُلند بینی تھی اور اس پر ایک نور کا بُقّا متجلی رہتا کہ آدمی خیال نہ کرے تو ناک ماس روشن نور کے سبب بہت اونچی معلوم ہو، کپڑوں سے باہر جو بدن تھا یعنی چہرہ اور ہتھیلیاں وغیرہ، نہایت روشن و تابندہ تھا۔ صلی اللہ تعالٰی علٰی کل عضو من جسمہ الانوار الاعطر وبارك وسلم (اللہ تعالٰی آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم انور معطر کے ہر عضو پر درود وسلام اور برکت نازل فرمائے۔ت)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

کان الشمس تجری فی وجھہ[3]۔	گویا آفتاب ان کے چہرے میں رواں تھا۔

اور فرماتے ہیں:

واذاضحك یتلألؤفی الجدر[4]۔	جب حضور ہنستے دیواریں روشن ہو جاتیں۔

---

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ماروی فی فصاحۃ لسانہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۸، ۹، الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثانی فصل وان قلت اکرمك اللہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۶، شمائل الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ص ۳

[2] شمائل الترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ص ۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثانی فصل ان قلت اکرمك اللہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۶

[4] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الثانی فصل ان قلت اکرمك اللہ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۶

ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں:

لو رأیت لقلت الشمس طالعة[1]۔	اگر تو انہیں دیکھتا، کہتا آفتاب طلوع کر رہا ہے۔

ابو قرصافہ کی ماں اور خالہ فرماتی ہیں:

رأینا کان النور یخرج من فیہ[2]۔	ہم نے نور سا نکلے دیکھا ان کے دہان پاک سے۔

احادیث کثیرہ مشہورہ میں وارد، جب حضور پیدا ہوئے ان کی روشنی سے بصرہ اور روم وشام کے محل روشن ہو گئے۔ چند روایتوں میں ہے:

اضاء له ما بین المشرق والمغرب[3]۔	آپ کے لئے شرق سے غرب تک منور ہو گیا۔

اور بعض میں ہے:

امتلأت الدنیا کلها نورًا[4]۔	تمام دنیا نور سے بھر گئی۔

آمنہ حضور کی والدہ فرماتی ہیں:

رأیت نور اساطعا من رأسه قد بلغ السماء[5]۔	میں نے ان کے سر سے ایک نور بُلند ہوتا دیکھا کہ آسمان تک پہنچا۔

ابن عساکر نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کی: "میں سیتی تھی، سوئی گر پڑی، تلاش کی، نہ ملی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تشریف لائے، حضور کے نور رُخ کی شعاع سے سوئی ظاہر ہو گئی[6]۔"

---

[1] المواھب اللدنیة عن ربیع بنت معوذ المقصد الثالث الفصل الاول المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۲۳

[2] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی کتاب علامات النبوۃ باب صفۃ صلی اللہ علیہ وسلم دار الکتاب بیروت ۸/ ۲۸۰

[3] المواھب اللدنیة المقصد الاول احادیث اخری فی المولد المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۱۳۰

[4] الخصائص الکبرٰی باب ماظھر فی لیلة مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من المعجزات الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۴۷

[5] الخصائص الکبرٰی باب ماظھر فی لیلة مولدہ صلی اللہ علیہ وسلم من المعجزات الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۴۹

[6] الخصائص الکبرٰی بحوالہ ابن عساکر باب الآیة فی وجھہ الشریف صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مرکز اہلسنت گجرات ہند ۱/ ۶۲ و ۶۳

علامہ فاسی مطالع المسرات میں ابن سبع سے نقل کرتے ہیں:

کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یضیئ البیت المظلم من نورہ[1]۔	نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے نور سے خانۂ تاریک روشن ہو جاتا۔

اب نہیں معلوم کہ حجور کے لئے سایہ ثابت نہ ہونے میں کلام کرنے والا آپ کے نور ہونے سے انکار کرے گا یا انوار کے لئے بھی سایہ مانے گا یا مختصر طور پر یوں کہئے کہ یہ تو بالیقین معلوم کہ سایہ جسم کثیف کا پڑتا ہے نہ جسم لطیف کا، اب مخالف سے پوچھنا چاہئے تیرا ایمان گواہی دیتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا جسم اقدس لطیف نہ تھا عیاذًا باللہ، کثیف تھا اور جو اس سے تحاشی کرے تو پھر عدم سایہ کا کیوں انکار کرتا ہے؟

بالجملہ جبکہ حدیثیں اور اتنے اکابر ائمہ کی تصریحیں موجود کہ اگر مخالف اپنے کسی دعوے میں ان میں سے ایک کا قول پائے، کس خوشی سے معرض استدعلال میں لائے، جاہلانہ انکار، مکابرہ وکج بحثی ہے، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات، آخر کار مخالف جو سایہ ثابت کرتا ہے اس کے پاس بھی کوئی دلیل ہے یا فقط اپنے منہ سے کہہ دیا جیسے ہم حدیثیں پیش کرتے ہیں اس کے پاس ہوں وہ بھی دکھائے، ہم ارشادات علماء سند میں لاتے ہیں وہ بھی ایسے ہی ائمہ کے اقوال سنائے، یا نہ کوئی دلیل ہے نہ کوئی سند، گھر بیٹھے اسے الہام ہوا کہ حضور کا سایہ تھا۔

مجرد ماوشما پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

(مٹی کو عالم پاک سے کیا نسبت۔ت)

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف اور جسم انسانی رکھتے ہیں مگر ارواح وملائکہ سے ہزار جگہ الطف۔ وہ خود فرماتے ہیں: لست کمثلکم[2] میں تم جیسا نہیں۔ ویروٰی لست کھیئتکم[3] میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔

---

[1] مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ص ۳۹۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الصیام باب الوصال حدیث ۷۷۵۲ المکتب الاسلامی بیروت ۴/ ۲۶۷، صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۳، صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱ و ۳۵۲

[3] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۵۱ و ۳۵۲، صحیح بخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۶۳ و ۲۶۴

ویروٰی ایکم مثلی[1] تم میں کون ہے مجھ جیسا۔

آخر علامہ خفاجی کا ارشاد نہ سنا کہ: "حضور کا بشر ہونا نور رخشندہ ہونے کے منافی نہیں کہ اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں[2]۔

پھر صرف اس قیاس فاسد پر کہ ہم سب کا سایہ ہوتا ہے ان کے بھی ہوگا، ثبوت سایہ ماننا یا اس کی نفی میں کلام کرنا عقل وادب سے کس قدر دور پڑتا ہے۔

الا ان محمدا بشر لاکالبشر   بل ھو یاقوت بین الحجر[3]

(خبردار! محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشر ہیں مگر کسی بشر کی مثل نہیں، بلکہ وہ ایسے ہیں جیسے پتھروں کے درمیان یاقوت۔ت)

(صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین وبارك وسلم)

فقیر کو حیرت ہے ان بزرگواروں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے معجزات ثابتہ وخصائص صحیحہ کے انکار میں اپنا کیا فائدہ دینی ودنیاوی تصور کیا ہے، ایمان بے محبت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہوتا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین[4]۔	تم میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوگا جب تک میں اسے اس کے ماں باپ، اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل وتکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام وسحر نفی محاسن کی فکر میں ہونا کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جان برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ تیرا محب تیرے مٹانے کی فکر میں رہے، اور پھر محبوب بھی کیسا،

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۵۱، صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۳

[2] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ومن ذالك ماظھر من الآیات الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۳/۲۸۲

[3] افضل الصلوٰۃ علی سید السادات فضائل درود مکتبہ نبویہ، لاہور ص ۱۵۰

[4] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹

جان ایمان وکان احسان، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا اور اس نے تمام عالم کا بار تن نازک پر اٹھالیا۔ تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کردیا۔ تم رات دن لہو ولعب اور ان کی نافرمانیوں میں مشغول، اور وہ شب وروز تمہاری بخشش کے لئے گریاں وملول۔

جب وہ جان رحمت وکان رافت پیدا ہوا بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور **رب ھب لی امتی**[1] ۔ (یااللہ ! میری امت کو بخش دے۔ت) جب قبر شریف میں اتار الب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا، آہستہ آہستہ **اُمّتی**[2] ۔ (میری امت۔ت) فرماتے تھے، قیامت میں بھی انہیں کے دامن میں پناہ ملے گی، تمام انبیاء علیہم السلام سے **نفسی نفسی اذھبوا الی غیری**[3] (آج مجھے اپنی فکر ہے کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ت) سنوگے اور اس غمخوار امت کے لب پر **یارب امتی**[4] (اے رب ! میری امت کو بخش دے۔ت) کا شور ہوگا۔

بعض روایات میں ہے کہ حضور ارشاد فرماتے ہیں: جب انتقال کروں گا صور پھونکنے تک قبر میں امتی امتی پکاروں گا۔ کان بجنے کا یہی سبب ہے کہ وہ آواز جانگداز اس معصوم عاصی نواز کی جو ہر وقت بُلند ہے، گاہے ہم سے کسی غافل ومدہوش کے گوش تک پہنچتی ہے، روح اسے ادراک کرتی ہے، اسی باعث اس وقت درود پڑھنا مستحب ہوا کہ جو محبوب ہر آن ہماری یاد میں ہے، کچھ دیر ہم ہجراں نصیب بھی اس کی یاد میں صَرف کریں۔

وائے بے انصافی ! ایسے غمخوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور اس کی مدح وستائش ونشر فضائل سے آنکھوں کی روشنی، دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور بے سبب ان کی روشن خوبیوں میں انکار نکالے۔

اے عزیز ! چشم خرد بین میں سرمہ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنبہ اعتساف نکال، پھر یہ تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھنا، پھر اگر ایک منصف ذی عقل بھی تجھ سے کہہ دے کہ نشر محاسن وتکثیر مدائح نہ دوستی کا مقتضٰی نہ رد فضائل ونفی کمالات غلامی کے خلاف، تو تجھے اختیار ہے ورنہ

1

2

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۱

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۱

خدا ورسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے نہ مٹیں گی۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، سمجھ، دیکھ کر خدا سے کسی کا کیا بس چلے گا، اور جس کی شان وہ بڑھائے اسے کوئی گھٹا سکتا ہے، آئندہ تجھے اختیار ہے، ہدایت کا فضل الٰہی پر مدار ہے۔

ہم پر بلاغ مبین تھا، اس سے بحمد اللہ فراغت پائی، اور جواب بھی تیرے دل میں کوئی شک وشبہ یا ہمارے کسی دعوے پر دلیل یا کسی اجمال کی تفصیل درکار ہو تو فقیر کا رسالہ مسمّٰی بہ "قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام" علیہ وعلٰی اٰلہ الصلوٰۃ والسلام، جسے فقیر نے بعد ورود اس سوال کے تالیف کیا، مطالعہ کرے، ان شاء اللہ تعالٰی بیان شافی پائے گا اور مرشد کافی، ہم نے اس رسالہ میں اس مسئلہ کی غایت تحقیق ذکر کی ہے اور نہایت نفیس دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ حضور سراپا نور تابندہ درخشندہ ذی شعاع واضاءت بلکہ معدن انوار وافضل مضیئات بلکہ درحقیقت بعد جناب الٰہی نام ''نور'' انہیں کو زیبا، اور ان کے ماوراء کو اگر نور کہہ سکتے ہیں تو انہیں کی جناب سے ایک علاقہ وانتساب کے سبب، اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ثبوت معجزات صرف اسی پر موقوف نہیں کہ حدیث یا قرآن میں بالتصریح ان کا ذکر ہو بلکہ ان کے لئے تین طریقے ہیں، اور یہ بھی بیان کردیا ہے پیشوایان دین کا داب ان معاملات میں ہمیشہ قبول وتسلیم رہا ہے۔ اگر کہیں قرآن وحدیث سے ثبوت نہ ملا تو اپنی نظر کا قصور سمجھا، نہ یہ کہ باوجود ایسے ثبوت کافی کے کہ حدیثیں اور ائمہ کی تصریحیں اور کافی دلیلیں، سب کچھ موجود، پھر بھی اپنی ہی کہے جاؤ، انکار کے سوا کچھ زبان پر نہ لاؤ، اور اس کے سوا اور فوائد شریفہ وابحاث لطیفہ ہیں، جو دیکھے گا ان شاء اللہ تعالٰی لطف جانفزا پائے گا، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولٰنا محمد واٰلہ واصحابہ واصھارہ وانصارہ واتباعہ اجمعین الٰی یوم الدین اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین۔

رسالہ

نفی الفیئ عمن استنار بنورہ کل شیئ

ختم ہوا۔

---

www.dawateislami.net
I.T. Majlis of DawateIslami

رسالہ

قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ۱۲۹۶ھ

(سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سایہ کی نفی میں کامل چاند)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

مسئلہ ۴۴: کیافرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ تھا یا نہیں؟ **بینوا توجروا** (بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب:

ومن اللہ توفیق الصدق والصواب ولا حول قوۃ الا باللہ العزیز الوھاب، اللھم صل وسلم وبارك علی السراج المنیر الشارق والقمر الزاھر البارق وعلٰی اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔	اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی سچائی اور درستگی کی توفیق ہے۔نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر عزت والے بہت عطافرمانے والے اللہ کی توفیق سے۔اے اللہ! درود وسلام اور برکت نازل فرما روشن چمکدار چراغ اور خوشنما تابناک چاند پر اور آپ کی آل پر اور تمام صحابہ پر۔(ت)

بیشک اس مہر سپہر اصطفاء، ماہ منیر اجتباء صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے سایہ نہ تھا اور یہ امر احادیث واقوال ائمہ کرام سے ثابت، اکابر ائمہ وعلماء فضلاء کہ آج کل کے مدعیان خام کار کو ان کی شاگردی بلکہ انکے کلام کے سمجھنے کی لیاقت نہیں، خلفاً، سلفاً، دائماً اپنی تصانیف میں اس معنٰی کی تصریح فرماتے آئے اور اس پر دلائل باہرہ وحجج قاہرہ قائم، جن پر مفتی عقل وقاضی نقل نے باہم اتفاق کرکے ان کی تاسیس وتشیید کی۔ آج تک کسی عالم دین اسے اس کا انکار منقول نہ ہوا یہاں تک کہ وہ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے دین میں ابتداع اور نیا مذہب اختراع اور ہوائے نفس کا اتباع کیا اور بہ سبب اس سوء رنجش کے جو انکے دلوں میں اس رؤف ورحیم نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے تھی، انکے محو فضائل ورد معجزات کی فکر میں پڑے حتی کہ معجزہ شق القمر جو بخاری ومسلم کی احادیث صحیحہ بلکہ خود قرآن عظیم ووحی حکیم کی شہادت حقہ اور اہل سنت وجماعت کے اجماع سے ثابت، ان صاحبوں میں سے بعض جری بہادروں نے اسے بھی غلط ٹھہرایا اور اسلام کی پیشانی پر کلف کا دھبہ لگایا۔ فقیر کو حیرت ہے کہ ان بزرگواروں نے اس میں اپنا کیا فائدہ دینی یا دنیاوی سمجھا ہے۔

اے عزیز! ایمان، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی محبت سے مربوط ہے اور آتش جاں سوز جہنم سے نجات انکی الفت پر منوط (منحصر ہے۔ت) جو ان سے محبت نہیں رکھتا، واللہ کہ ایمان کی بو اس کے مشام (ناک) تک نہ آئی، وہ خود فرماتے ہیں:

لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین[1]۔	تم میں سے کسی کو ایمان حاصل نہیں ہوتا جب تک میں اس کے ماں باپ اور اولاد، سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں۔

اور آفتاب نیم روز کی طرح روشن کہ آدمی ہمہ تن اپنے محبوب کے نشر فضائل وتکثیر مدائح میں مشغول رہتا ہے اور جو بات اس کی خوبی اور تعریف کی سنتا ہے کیسی خوشی اور طیب خاطر سے اظہار کرتا ہے، سچی فضیلتوں کا مٹانا اور شام وسحر نفی اوصاف کی فکر میں رہنا کام دشمن کا ہے نہ کہ دوست کا۔

جان برادر! تو نے کبھی سنا ہے کہ جس کو تجھ سے الفت صادقہ ہے وہ تیری اچھی بات سن کر چیں بہ جبیں ہو اور اس کی محو کی فکر میں رہے اور پھر محبوب بھی کیسا، جان ایمان وکان احسان، جس کے جمال

[1] صحیح البخاری کتاب الایمان باب حب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۷، صحیح مسلم کتاب الایمان باب وجوب محبۃ الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۹

جہاں آراء کا نظیر کہیں نہ ملے گا اور خامہ قدرت نے اس کی تصویر بنا کر ہاتھ کھینچ لیا کہ پھر کبھی ایسا نہ لکھے گا، کیسا محبوب، جسے اس کے مالک نے تمام جہان کے لئے رحمت بھیجا۔ کیسا محبوب، جس نے اپنے تن پر ایک عالم کا بار اٹھالیا۔ کیسا محبوب، جس نے تمہارے غم میں دن کا کھانا، رات کا سونا ترک کر دیا، تم رات دن اس کی نافرمانیوں میں منہمک اور لہو ولعب میں مشغول ہو اور زوہ تمہاری بخشش کے لئے شب و روز گریاں وملول۔

شب، کہ اللہ جل جلالہ، نے آسائش کے لئے بنائی، اپنے تسکین بخش پردے چھوڑے ہوئے موقوف ہے، صبح قریب ہے، ٹھنڈی نسیموں کا پنکھا ہو رہا ہے، ہر ایک کا جی اس وقت آرام کی طرف جھکتا ہے، بادشاہ اپنے گرم بستروں، نرم تکیوں میں مست خواب ناز ہے اور جو محتاج بے نوا ہے اس کے بھی پاؤں دو گز کی کملی میں دراز، ایسے سہانے وقت، ٹھنڈے زمانہ میں، وہ معصوم، بے گناہ، پاک داماں، عصمت پناہ اپنی راحت وآسائش کو چھوڑ، خواب وآرام سے منہ موڑ، جبین نیاز آستانہ عزت پر رکھے ہے کہ الٰہی ! میری امت سیاہ کار ہے، در گزر فرما، اور انکے تمام جسموں کو آتش دوزخ سے بچا۔

جب وہ جان راحت کان رافت پیدا ہوا بارگاہ الٰہی میں سجدہ کیا اور **رب ھب لی امتی**[1] فرمایا، جب قبر شریف میں اتارا لب جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سنا آہستہ آہستہ **امتی امتی**[2] فرماتے تھے۔ قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے، تانبے کی زمین، ننگے پاؤں، زبانیں پیاس سے، باہر، آفتاب سروں پر، سائے کا پتہ نہیں، حساب کا دغدغہ، ملک قہار کا سامنا، عالم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا، مجرمان بے یار دام آفت کے گرفتار، جدھر جائیں گے سوا **نفسی نفسی اذھبوا الی غیری**[3] کچھ جواب نہ پائیں گے، اس وقت یہی محبوب غمگسار کام آئے گا، قفل شفاعت اس کے زور بازو سے کھل جائے گا، عمامہ سراقدس سے اتاریں گے اور سربسجود ہو کر "**یارب امتی**[4]"۔ فرمائینگے۔

وائے بے انصافی ! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جان نثار کرنا اور مدح وستائش ونشر فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب یا یہ کی حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور ان روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے۔

[1]

[2]

[3] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۱

[4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات الشفاعۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۱۱۱

مانا کہ ہمیں احسان شناسی سے حصہ نہ ملا، نہ قلب عشق آشنا ہے کہ حسن پسند یا احسان دوست، مگر یہ تو وہاں چل سکے جس کا احسان اگر نہ مانئے، اس کی مخالفت کیجئے تو کوئی مضرت نہ پہنچے اور یہ محبوب تو ایسا ہے کہ بے اس کی کفش بوسی کے جہنم سے نجات میسر، نہ دنیا و عقبٰی میں کہیں ٹھکانا متصور، پھر اگر اس کے حسن واحسان پر والہ وشیدانہ ہو تو اپنے نفع وضرر کے لحاظ سے عقیدت رکھو۔

اے عزیز! چشم خرد میں سرمۂ انصاف لگا اور گوش قبول سے پنبہ انکار نکال، پھر تمام اہل اسلام بلکہ ہر مذہب وملت کے عقلاء سے پوچھتا پھر عشاق کا اپنے محبوب کے ساتھ کیا طریقہ ہوتا ہے اور غلاموں کو مولیٰ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے، آیا نشر فضائل و تکثیر مدائح اور ان کی خوبی حسن سن کر باغ باغ ہو جانا، جامے میں پھولا نہ سمانا یا رد محاسن، نفی کمالات اور ان کے اوصاف حمیدہ سے بہ انکار وتکذیب پیش آنا، اگر ایک عاقل منصف بھی تجھ سے کہہ دے کہ نہ وہ دوستی کا مقتضی نہ یہ غلامی کے خلاف ہے تو تجھے اختیار ہے ورنہ خدا اور رسول سے شرما اور اس حرکت بے جا سے باز آ، یقین جان لے کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خوبیاں تیرے مٹائے سے نہ مٹیں گی۔

جان برادر! اپنے ایمان پر رحم کر، خدائے قہار وجبار جل جلالہ، سے لڑائی نہ باندھ، وہ تیرے اور تمام جہان کی پیدائش سے پہلے ازل میں لکھ چکا تھا "وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝"[1] یعنی ارشاد ہوتا ہے اے محبوب ہمارے! ہم نے تمہارے لئے تمہارا ذکر بلند کیا کہ جہاں ہماری یاد ہو گی تمہارا بھی چرچا ہو گا اور ایمان بے تمہاری یاد کے ہرگز پورا نہ ہو گا، آسمانوں کے طبقے اور زمینوں کے پردے تمہارے نام نامی سے گونجیں گے، مؤذن اذانوں اور خطیب خطبوں اور ذاکرین اپنی مجالس اور واعظین اپنے منابر پر ہمارے ذکر کے ساتھ تمہاری یاد کریں گے۔ اشجار واحجار، آہو وسوسمار ودیگر جاندار واطفال شیر خوار و معبودان کفار جس طرح ہماری توحید بتائیں گے ویسا ہی بہ زبان فصیح وبیان صحیح تمہارا منشور رسالت پڑھ کر سنائیں گے، چار اکناف عالم میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا غلغلہ ہو گا، جز اشقیائے ازل ہر ذرہ کلمہ شہادت پڑھتا ہو گا، مسبحانِ ملاء اعلیٰ کو ادھر اپنی تسبیح وتقدیس میں مصروف کروں گا اُدھر تمہارے محمود درودِ مسعود کا حکم دوں گا۔ عرش وکرسی، ہفت اوراق سدرہ، قصور جناں، جہاں پر اللہ لکھوں گا۔ محمد رسول اللہ بھی تحریر فرماؤں گا، اپنے پیغمبروں اور اولوالعزم رسولوں کو ارشاد کروں گا کہ ہر وقت تمہارا دم بھریں اور تمہاری یاد سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور جگر کو ٹھنڈک اور قلب کو تسکین اور بزم کو تزئین دیں۔ جو کتاب نازل کروں گا اس میں

---

[1] القرآن الکریم ۹۴/ ۴

تمہاری مدح وستائش اور جمال صورت وکمال سیرت ایسی تشریح وتوضیح سے بیان کروں گا کہ سننے والوں کے دل بے اختیار تمہاری طرف جھک جائیں اور نادیدہ تمہارے عشق کی شمع ان کے کانوں، سینوں میں بھڑک اٹھے گی۔ایک عالم اگر تمہارادشمن ہوکر تمہاری تنقیص شان اور محوفضال میں مشغول ہوتو میں قادر مطلق ہوں، میرے ساتھ کسی کا کای بس چلے گا۔آخر اسی وعدے کا اثر تھا کہ یہود صدہابرس سے اپنی کتابوں سے ان کا ذکر نکالتے اور چاند پر خاک ڈالتے ہیں تو اہل ایمان اس بُلند آواز سے ان کی نعت سناتے ہیں کہ سامع اگر انصاف کرے بے ساختہ پکار اٹھے۔لاکھوں بے دینوں نے ان کے محو فضائل پر کمر باندھی، مگر مٹانے والے خود مٹ گئے اور ان کی خوبی روز بروز مترقی رہی، پھر اپنے مقصود سے تو یاس ونا امیدی کرلینا مناسب ہے ورنہ برب کعبہ ان کا کچھ نقصان نہیں، بالآخر ایک دن تو نہیں، تیرا ایمان نہیں۔

اے عزز! سلف صالح کی روش اختیار کر اور ان کے قدم پر قدم رکھ، ائمہ دین کا وطیرہ ایسے معاملات میں دائمًا تسلیم وقبول رہا ہے، جب کسی ثقہ معتمد علیہ نے کوئی معجزہ یا خاصہ ذکر کردیا اسے مرحبا کہہ لیا اور حبیب جان میں بہ طیب خاطر جگہ دی، یہاں تک کہ اگر اپنے آپ احادیث میں اس کی اصل نہ پائی، قصور اپنی نظر کا جانا، یہ نہ کہا کہ غلط ہے، باطل ہے، کسی حدیث میں وارد نہیں، نہ یہی ہوا کہ جب حدیث سے ثبوت نہ ملا تھا اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس کے ذکر سے باز رہتے بلکہ اسی طرح اپنی تصانیف میں اس ثقہ کے اعتماد پر اسے لکھتے آئے، اور کیوں نہ ہو، مقتضٰی عقل سلیم کا یہی ہے کہ:

فائدہ جلیلہ: جب ہم اسے ثقہ معتمد عیہ مان چکے اور وقوع ایسے معجزے کا یا اختصاص ایسے خاصہ کا ذات پاک سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بعید نہیں کہ اس سے عجیب تر معجزات بہ تواتر حضور حضور سے ثابت، اور ان کا رب اس سے زیادہ پر قادر، اور ان کے لئے اس سے بہتر خصائص بالقطع مہیا اور ان کی شان اس سے بھی ارفع واعلٰی، پھر انکار کی وجہ کیا ہے، تکذیب میں تو اس راوی سے ثقہ معتمد علیہ ہونا ثابت ہوچکا اور وثوق واعتماد اس کا بتاتا ہے کہ اگر من عند نفسہٖ کہہ دیتا خدا اور رسول پر مفتری ہوتا،

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا" [1]۔	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔(ت)

ان وجوہ پر نظر کرکے سمجھ لیجئے کہ بالضرور اس نے حدیث پائی، گو ہماری نظر میں نہ آئی۔ہر چند کہ فقیر کا یہ دعوی اس شخص کے نزدیک بالکل بدیہی ہے جو خدمت حدیث وسِیَر میں رہا اور اس راہ میں روشِ علماء

[1] القرآن الکریم ۱۸/۱۱

کو مشاہدہ کیا مگر ناواقفوں کے افہام اور منکروں پر الزام کے لئے چند مثالیں بیان کرتا ہوں:

اولاً: جسم اقدس ولباس انفس پر مکھی نہ بیٹھنا۔علامہ ابن سبع نے خصائص میں ذکر فرمایا علماء نے تصریح کی اس کا راوی معلوم نہ ہوا،اور باوجود اس کے بلانکیر اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرماتے آئے۔شفاءِ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:

وان الذباب کان لایقع علی جسدہٖ ولاثیابہ[1]۔	مکھی آپ کے جسم اقدس اور لباس اطہر پر نہ بیٹھی تھی۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص کبرٰی میں فرماتے ہیں:

باب ذکر القاضی عیاض فی الشفاء والعراقی فی مولدہٖ ان من خصائصہٖ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان لا ینزل علیہ الزباب،وذکرہ ابن سبع فی الخصائص بلفظ انہ لم یقع علی ثیابہ ذباب قط و زاد ان من خصائصہ ان القمل لم تکن یؤذیہ[2]۔	قاضی عیاض نے شفاء میں اور عراقی نے اپنی مولد میں ذکر کیا کہ حضور کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ پر نہ بیٹھتی تھی۔ابن سبع میں ان لفظوں سے ذکر کیا کہ مکھی آپ کے کپڑوں پر کبھی نہ بیٹھی۔اور یہ بھی زیادہ کیا کہ جوئیں آپ کو نہیں ستاتی تھیں۔

شیخ ملا علی قاری شرح شمائل ترمذی میں فرماتے ہیں:

ونقل الفخر الرازی ان الذباب کان لایقع علی ثیابہ وان البعوض لایمتص دمہ[3]۔	رازی نے نقل کیا کہ مکھیاں آپ کے کپڑوں پر نہیں بیٹھتی تھیں اور مچھر آپ کا خون نہیں چوستے تھے۔

علامہ خفاجی نے "نسیم الریاض" میں علماء کا وہ قول کہ اس کا راوی نہ معلوم ہوا،نقل کیا،اور اس خاصہ کی نسبت لکھا کہ ایک کرامت ہے کہ حق سبحانہ وتعالٰی نے اپنے حبیب کو عطا کی اور اپنے نتائج افکار سے ایک رباعی لکھی کہ اس اس میں بھی اس خاصہ کی تصریح ہے اور بعض علماء عجم نے اسی بناء پر کلمہ محمد رسول اللہ کے سب حروف بے نقطہ ہوتے ہیں،ایک لطیفہ لکھا کہ آپ کے جسم پر مکھی نہ بیٹھتی تھی،لہذا یہ کلمہ پاک کلی نقطوں سے محفوظ رہا کہ وہ شبیہ مکھیوں کے ہیں۔پھر اسی مضمون پر دوسری

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل ومن ذالك ماظهر من الآیات عند مولدہ دار الکتب العلمیه بیروت ۱/۲۲۵

[2] الخصائص الکبرٰی باب ذکر القاضی عیاض فی الشفاء والعراقی فی مولدہ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/۶۸

[3] شمائل ترمذی

عبارت:

عبارته برمته: ومن دلائل نبوته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان الذباب کان لایقع علی ثیابه هذا مما قاله ابن سبع الا انهم قالوا لایعلم من روی هذه و الذباب واحده ذبابة قیل انه سمی به لانه کلما اذب آب ای کلما طرد رجع وهذا مما اکرمه اللہ به لانه طهره اللہ من جمیع الاقذار وهو مع استقذاره قدی یجیئ من مستقذر قیل وقد نقل مثلها عن ولی اللہ العارف به الشیخ عبدالقادر الکیلانی ولابعد فیه لان معجزات الانبیاء قد تکون کرامة لاولیاء امته وفی رباعیة لی ۔

من اکرم مرسل عظیم حلا
لم تدن ذبابة اذ ماحلا
هذا عجب ولم یذق ذونظر
فی الموجودات من حلاه احلا

وتظرف بعض علماء العجم فقال محمد رسول اللہ لیس فیه حرف منقوط لان الموجود ان النقط تشبه الذباب فصین اسمه ونعمته کما قلت فی مدحه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ۔

لقد ذب الذباب فلیس یعلو
رسول اللہ محمودا محمد

ان کی مکمل عبارت یہ ہے: آپ کے دلائل نبوت سے یہ بھی ہے کہ مکھی آپ کے نہ تو ظاہری جسم پر بیٹھتی تھی اور نہ لباس پر، یہ ابن سبع نے کہا۔ محدثین نے کہا کہ اس کا راوی معلوم نہیں۔ ذباب کا واحد ذبابۃ ہے۔ کہتے ہیں اس کا یہ نام اس لئے ہے کہ اس کو جب بھی بھگا یا جاتا ہے واپس آجاتی ہے۔ یہ کرامت آپکو اس لئے عطا ہوئی کہ اللہ نے آپ کو پاک رکھا تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بارے میں یہی کہا جاتا ہے اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو چیز نبی کا معجزہ ہوتی ہے وہ بطور کرامت ولی کے ہاتھ سے سرزد ہو جاتی ہے اور میں (خفاجی) نے ایک رباعی کہی ہے:

''آپ بزرگ ترین، عظیم، مٹھاس والے رسول ہیں، یہ عجیب بات ہے کہ آپ کی مٹھاس کے باوجود مکھی آپ کے قریب نہ جاتی تھی اور کسی بھی صاحب نظر نے موجودات میں آپ کی مٹھاس سے زیادہ مٹھاس نہ چکھی۔''

اور بعض علماء عجم نے کہا کہ محمد رسول اللہ میں کوئی نقطہ نہیں ہے اس لئے کہ نقطہ مکھی کے مشابہ ہوتا ہے، عیب سے بچانے کے لئے اور آپ کی تعریف کے لئے میں نے آپ کی مدح میں کہا ہے:

" بلاشبہ اللہ نے مکھیوں کو آپ سے دور کردیا تو

ونقط الحرف یحکیه بشکل لذاك الخط عنه قد تجرد[1]۔	آپ پر مکھی نہیں بیٹھتی ہے، اللہ کے رسول محمود ومحمد ہیں اور حروف کے نقطے جو شکل میں مکھی کی طرح ہیں ان سے بھی اللہ نے اس لئے آپ کو محفوظ رکھا۔"

ثانیًا: ابن سبع نے حضور کے خصائص میں کہا جوں آپ کو ایذانہ دیتی۔ علامہ سیوطی نے خصائص کبرٰی میں اس طرح ابن سبع سے نقل کیا اور برقرار رکھا کما مرّ (جیسا کہ گزرچکا ہے۔ت) اور ملا علی قاری شرح شمائل میں فرماتے ہیں:

ومن خواصه ان ثوبه لم یقمل[2]۔	آپ کے مبارک کپڑوں میں جوئیں نہیں ہوتی تھیں۔(ت)

ثالثًا: ابن سبع نے فرمایا جس جانور پر حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سوار ہوتے عمر بھر ویسا ہی رہتا اور حضور کی برکت سے بوڑھا نہ ہوتا۔ علامہ سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں:

باب: قال ابن سبع من خصائصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ان کال دابة رکبها بقیت علی القدر الزی کانت علیه ولم تهرم ببرکته[3] صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم۔	ابن سبع نے کہا کہ آپ کے خصائص میں سے یہ تھا کہ آپ جس جانور پر سوار ہوتے تو وہ عمر بھر ویسا ہی رہتا اور آپ کی برکت کے باعث بوڑھا نہ ہوتا، صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

رابعًا: ابوعبدالرحمٰن بقی بن مخلد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے، جو اکابر اعیان مائۃ ثالثہ سے ہیں حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے حکایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جیسا روشنی میں دیکھتے تھے ویسا ہی تاریکی میں۔ اس حدیث کو بیہقی نے موصولًا مسندًا روایت کیا اور علامہ خفاجی نے اکابر علماء مثل ابن بشکوال وعقیلی وابن جوزی وسہیلی سے اس کی تضعیف نقل کی، یہاں تک کہ ذہبی نے تو میزان الاعتدال میں موضوع ہی کہہ دیا۔ بہ ایں ہمہ خود علامہ خفاجی فرماتے ہیں جیسا بقی بن مخلد وغیرہ ثقات نے اسے ذکر کیا اور حضور والا کی شان سے بعید نہیں تو اس کا انکار کس وجہ سے کیا جائے۔

وهذا نصه ملتقطا وحکی بقی ابن مخلد ابوعبد الرحمن مولده فی رمضان	اس کی عبارت بالاختصار یہ ہے: بقی بن مخلد ابوعبدالرحمٰن قرطبی جن کی ولادت رمضان المبارک

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ومن ذٰلك ماظهر من الآیات الخ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲۸۲/۳

[2]

[3] الخصائص الکبرٰی قال ابن سبع من خصائصه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲۴/۲

سنة احدٰی ومائتین وتوفی سنة ست وسبعین مائتین عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا قالت کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یری فی الظلمة کمایرٰی فی الضوء وفی روایة کمایرٰی فی النور ولا شك انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان کامل الخلقة قوی الحواس فوقوع مثل ھذا منہ غیر بعید وقد رواہ الثقات کابن مخلد ھذا فلاوجہ لانکارہ[1]۔	۲۰۱ھ اور وصال ۲۷۶ھ میں ہے، نے کہا کہ عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تاریکی میں دیکھا کرتے تھے۔اور ایک روایت میں جس طرح کہ روشنی مین دیکھتے تھے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، کامل الخلقۃ، قوی الحواس تھے توآپ سے اس کیفیت کا وقوع بعید نہیں، پھر اس کو ابن مخلد جیسے ثقات نے روایت کیا ہے لہذا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

خامسًا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، اس سب سے زیادہ یہ ہے کہ باوجود حدیث کے شدید الضعف وغیر متمسک ہونے کے احیاء والدین، وسعت قدرت وعظمت شان رسالت پناہی پر نظر کرکے گردن تسلیم جھکائی اور سوا سلمنا وصدقنا کچھ بن نہ آئی۔
ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہوا، حجۃ الوداع میں ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب عقبہ جحون پر گزر ہوا حضور اشکبار ورنجیدہ ومغموم ہوئے، پھر تشریف لے گئے، جب لوٹ کر آئے چہر بشاش تھ اورلب تبسم ریز، میں نے سبب پوچھا، فرمایا، میں اپنی ماں کی قبر پر گیا اور خدا سے عرض کیا کہ انہیں زندہ کردے، وہ قبول ہوئی، اور وہ زندہ ہو کر ایمان لائیں اور پھر قبر میں آرام کیا۔

اخرج الخطیب عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا قالت حج بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فمر بی علی عقبة الجحون وھو باك حزین مغتم ثم ذھب وعاد وھو فرح متبسم فسألتہ فقال ذھبت الی قبر امی	حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ہمارے ہمراہ حج کیا، جب عقبہ جحون پر پہنچے تو رو رہے تھے اور غمگین تھے، پھر آپ کہیں تشریف لے گئے، جب واپس آئے تو مسرور تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔فرماتی ہیں میں نے سبب دریافت

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل اما وفور عقلہ الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۷۳ و ۲۷۴

فسألت اللہ ان یحییھا فاٰمنت بی وردّھا اللہ[1]۔	کیا تو آپ نے فرمایا: میں اپنی ماں کی قبر پر گیا تھا، میں نے اپنے اللہ سے سوال کیا، اس نے ان کو زندہ کیا، وہ ایمان لائیں اور پھر انتقال فرماگئیں۔

امام جلال الدین سیوطی خصائص میں فرماتے ہیں: اس کی سند میں مجاہیل ہیں، اور سہیلی نے ام المومنین سے احیائے والدین ذکر کرکے کہا: اس کے اسناد میں مجہولین ہیں اور حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض۔

ففی مجمع بحار الانوار روح احیاء ابوی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی امنا بہ. قال فی اسنادہ مجاھیل وانہ ح منکر جدا یعارضہ ماثبت فی الصحیح[2]۔	مجمع بحار الانوار میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والدین کو زندہ فرمایا وہ آپ پر ایمان لائے۔ اس کے اسناد میں مجاہیل ہیں اور یہ حدیث سخت منکر اور صحیح کے معارض ہے۔

بایں ہمہ اسی مجمع بحار الانوار میں لکھتے ہیں:

فی المقاصد الحسنۃ واما احسن ماقال۔ حبا اللہ النبی مزید فضل علی فضل وکان بہ رؤوفا فاحیٰی امہ وکذا اباہ لایمان بہ فضلا لطیفا نسلم فالقدیم بذا قدیر وان کان الحدیث بہ ضعیفا[3]	حاصل یہ مقاصد میں ہے اور کیا خوب کہا، خدا نے نبی کو فضل پر فضل زیادہ عطا فرمائے اور ان پر نہایت مہربان تھا، پس ان کے والدین کو ان پر ایمان لانے کے لئے زندہ کیا اور اپنے فضل لطیف سے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم تو اس پر قدرت رکھتا ہے اگرچہ جو حدیث اس معنٰی میں وارد ہوئی، ضعیف ہے۔

اے عزیز! سنا تو نے، یہ ہے طریقہ ارا کین دین متین واساطین شرح متین، رسول اللہ

[1] الخصائص الکبرٰی بحوالہ الخطیب باب ماوقع فی حجۃ الوداع الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۲/ ۴۰

[2] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتھرۃ الخ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۶

[3] مجمع بحار الانوار فصل فی تعیین بعض الاحادیث المشتھرۃ الخ دار الایمان مدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۳۶

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم و محبت میں، نہ یہ کہ جو معجزہ وخاصہ حضور کا احادیث صحیحہ سے ثابت اور اکابر علماء برابر اپنی تصانیف معتبرہ مستندہ میں، جن کا اعتبار واستناد آفتاب نیمروز سے روشن تر ہے، بلانکیر ومنکر اس کی تصریح کرتے آئے ہوں اور اس کے ساتھ عقل سلیم نے ان پر وہ دلائل ساطعہ قائم کئے ہوں جن پر کوئی حرف نہ رکھ سکے، بایں ہمہ اس سے انکار کیجئے اور حق ثابت کے ردپر اصرار، حالانکہ نہ ان حدیثوں میں کوئی سقم مقبول وجرح معقول مے دارو، نہ ان ائمہ کے مستند بادلائل معتمد ہونے میں کلام کرسکو، پھر اس مکابرہ کج بحثی اور تحکم وزبردستی کا کیا علاج، زبان ہر ایک کی اس کے اختیار میں ہے چاہے دن کو رات کہہ دے یا شمس کو ظلمات۔

آخر تم جو انکار کرتے ہو تو تمہارے پاس بھی کوئی دلیل ہے یا فقط اپنے منہ سے کہہ دینا، اگر بفرض محال جو حدیثیں اس باب میں وارد ہوئیں نامعتبر ہوں اور جن جن علماء نے اس کی تصریح فرمائی انہیں بھی قابل اعتماد نہ مانو اور جو دلائل قاطعہ اس پر قائم ہوئے وہ بھی صالح التفات نہ کہے جائیں، تاہم انکار کا کیا ثبوت اور وجود سایہ کا کس بناء پر، اگر کوئی حدیث اس بارے میں آئی ہو تو دکھاؤ یا گھر بیٹھے تمہیں الہام ہوا ہو تو بتاؤ، مجرد ماو من پر قیاس تو ایمان کے خلاف ہے ع

چہ نسبت خاک را عالم پاک

(مٹی کو عالم پاک سے کیا نسبت۔ت)

وہ بشر ہیں مگر عالم علوی سے لاکھ درجہ اشرف واحسن، وہ انسان ہیں مگر ارواح وملائکہ سے ہزار درجہ الطف، وہ خود فرماتے ہیں: **لست کمثلکم** "میں تم جیسا نہیں" **رواہ الشیخان**[1] (اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا۔ت) **ویروی لست کھیئتکم**[2]۔ "میں تمہاری ہیئت پر نہیں۔" **ویروی ایکم مثلی**[3] "تم میں کون مجھ جیسا ہے۔"

---

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶۳/۱، صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱ و ۳۵۲،

[2] صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶۳/۱ و ۲۶۴، صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱ و ۳۵۲

[3] صحیح البخاری کتاب الصوم باب الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۲۶۳/۱، صحیح مسلم کتاب الصیام باب النہی عن الوصال قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۵۱/۱

آخر علامہ خفاجی کو فرماتے سنا: آپ کا بشر ہونا اور نور ودرخشندہ ہونا منافی نہیں کہ اگر مجھے تو وہ نور علی نور ہیں، پھر اس خیال فاسد پر رکہ ہم سب کا سایہ ہوتا ہے ان کا بھی ہوگا تو ثبوت سایہ کا قائل ہونا عقل وایمان سے کس درجہ دور پڑتا ہے۔

محمد بشر لا کالبشر بل ھو یاقوب بین الحجر [1]

(محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے بشر ہیں جن جیسا کوئی بشر نہیں، بلکہ وہ پتھروں کے درمیان یاقوت ہیں۔ت)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی اٰلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔

القائے جواب: ایقاظ دفع بعض اوہام وامراض میں، اس مقام پر باوجودیکہ قلب بحمد اللہ غایت اطمینان وتسلیم پر تھا مگر مرتبہ کاوش وتنقیح میں بوسوسہ ایک خدشہ ذہن ناقص میں گزرا تھا یہاں تک کہ حق جل وعلانے اپنے کرم عمیم سے فقیر کو اس کا جواب القاء فرمایا جس سے تصور کو نور اور دل منتظر کو سرور حاصل ہوا۔

الحمد للہ علی ما اولٰی والصلوٰۃ والسلام علی ھذا المولٰی۔	سب تعریفیں اللہ کے لئے جو تعریفوں کے لائق ہے اور درود وسلام آقائے دوجہاں پر۔

فاقول: وباللہ التوفیق (چنانچہ میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ت)

مقدمہ اولٰی: حادیث صحیحہ سے ثبت کہ صحابہ کرام رجوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین حضور رسالت میں نہایت ادب ووقار سے سر جھکائے آنکھیں نیچی کئے بیٹھے، رعب جلال سلطانی ان کے قلوب صافیہ پر ایسا مستولی ہوتا کہ اوپر نگاہ اٹھانا ممکن نہ تھا۔

خ عن مستور بن مخرمۃ ومروان ابن الحکم فی حدیث طویل فی قصۃ الحدیبیۃ ثم ان عروۃ جعل یرمق اصحاب النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بعینیہ قال فواللہ ما تنخم رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منھم فدلك بھا وجھہ وجلدہ واذا امرھم	مسور بن مخرمہ اور مروان بن الحکم حدیبیہ کے طویل قصے میں ذکر کرتے ہیں کہ عروہ اصحاب نبی کو گھور رہا تھا، اس نے کہا کہ بخدا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے جب بھی ناک سُنکی تو کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں پڑی اور اس نے اپنے چہرے پر ملی اور اپنے جسم پر لگائی، جب آپ نے حکم دیا تو انہوں نے ماننے میں جلدی کی، جب آپ وضو

---

[1] افضل الصلاۃ علی سید السادات فضائل درود مکتبہ نبویہ لاہور ۱۵۰

ابتدروا امرہ واذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہٖ و اذا تکلم خفضوا اصواتھم عندہ وما یحدون النظر الیہ تعظیما لہ فرجع عروۃ الی اصحابہ فقال ای قوم واللہ لقد وفدت علی الملوك قیصر و کسرٰی و النجاشی واللہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]۔	فرماتے تو وہ وضو کا پانی لینے پر لڑنے کے قریب ہو جاتے، اور جب گفتگو فرماتے تو صحابہ اپنی آوازیں پست کر لیتے اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نگاہ نہ کر پاتے تھے، تو وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہا میں قیصر و کسرٰی و نجاشی کے درباروں میں آیا مگر ایسا کوئی بادشاہ نہ دیکھا جس کی تعظیم اس کے ساتھی ایسے کرتے ہوں جیسی محمد کی ان کے صحابی کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے حلیہ شریف میں اکثر اکابر صحابہ سے حدیثیں وارد ہیں کہ وہ نگاہ بھر کر نہ دیکھ سکتے بلکہ نظر اوپر نہ اٹھاتے کما سیأتی (جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ت) بلکہ اس معنٰی میں کسی حدیث کے ورود کی بھی حاجت کیا تھی، عقل سلیم خود گواہی دیتی ہے کہ ادنٰی ادنٰی نوابوں اور والیوں کے حاضرین دربار ان کے ساتھ کس ادب سے پیش آتے ہیں، اگر کھڑے ہیں تو نگاہ قدموں سے تجاوز نہیں کرتی، بیٹھے ہیں تو زانو سے آگے قدم نہیں رکھتے، خود اس حاکم سے نگاہ چار نہیں کرتے، پس وپیش یا دائیں بائیں دیکھنا تو بڑی بات ہے حالانکہ اس ادب کو صحابہ کرام کے ادب سے کیا نسبت، ایمان ان کے دلوں میں پہاڑ سے زیادہ گراں تھا اور دربار اقدس کی حاضری ان کے نزدیک ملک السمٰوٰت والارض کا سامنا اور کیوں نہ ہوتا کہ خود قرآن عزیز نے انہیں صدہا جگہ کان کھول کر سنا دیا کہ ہمارا اور ہمارے محبوب کا معاملہ واحد ہے، اس کا مطیع ہمارا فرمانبردار اور اس کا عاصی ہمارا گنہگار، ان سے الفت ہمارے ساتھ محبت اور ان سے رنجش ہم سے عداوت، ان کی تکریم ہماری تعظیم اور ان کے ساتھ گستاخی ہماری بے ادبی، لہٰذا جب ملازمت والا حاصل ہوئی قلب ان کے خوف خدا سے ممتلی اور گردنیں خم اور آنکھیں نیچی اور آوازیں پست اور اعضاء ساکن ہو جاتے۔ ایسی حالت میں نظر این وآں کی طرف کب ہو سکتی ہے جو سیاہ کے عدم یا وجود کی طرف خیال جائے اور بالضرور ایسے سراپا ادب، ہمہ تن تعظیم لوگوں کی نگاہ اپنے عرش پائے گاہ کی طرف بے غرض مہم نہ ہوگی، اس حالت میں نفس کو اس مقصود کی طرف توجہ ہوگی، مثلاً نظارہ جمال

[1] صحیح البخاری باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۷۹، الخصائص الکبرٰی باب ما وقع عام الحدیبیۃ من الآیات مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۰ و ۲۴۱

باکمال یا حضور کا مطالعہ افعال واعمال، تاکہ خود ان کا اتباع کریں اور غائبین تک روایت پہنچائیں کہ وہ حاملان شریعت تھے اور راویان ملت اور حاضری دربار اقدس سے ان کی غرض اعظم یہی تھی، جب نگاہ اس رعب وہیبت اور اس ضرورت وحاجت کے ساتھ اٹھے تو عقل گواہ ہے کہ ایسی حالت میں ادھر ادھر دھیان نہیں جائے گا کہ قامت اقدس کا سایہ ہمیں نظر نہ آیا، آخر نہ سنا کہ ایک ان کا نماز میں مصروف ہوتا، تکبیر کے ساتھ دونوں جہاں سے ہاتھ اٹھاتا، کوئی چیز سامنے گزرے اطلاع نہ ہوتی، اور کیسا ہی شور وغوغا ہو کان تک آواز نہ جاتی یہاں تک کہ مسلم [1] بن یسار کہ تابعین میں ہیں نماز پڑھتے تھے، مسجد کا ستون گر پڑا، لوگ جمع ہوئے، شور وغوغا ہوا، انہیں مطلق خبر نہ ہوئی، یہی حالت صحابہ کی حضور رسالت میں تھی اور دربار نبوت میں بارگاہ عزت باری۔

اے عزیز! زیادہ خوض بیکار ہے، تو اپنے ہی نفس کی طرف رجوع کر، اگر کسی مقام پر عالم رعب وہیبت میں تیرا گزر ہوا ہو، وہاں جو کچھ پیش نظر آتا ہے اسے بھی اچھے طور پر ادراک کامل نہیں کر سکتا، نہ امر معدوم کی طرف خیال کیا جائے کہ مثلاً اگر تجھے کسی والی ملک سے ایسی ضرورت پیش آئے جس کی فکر تجھے دنیا ومافیہا پر مقدم ہوا اور اس کے دربار تک رسائی کرکے اپنا عرض حال کرے تو تجھے اول تو رعب سلطانی، دوسرے اپنی اس ضرورت کی طرف قلب کو نگرانی ہر چیز کی طرف توجہ سے مانع ہوں گے۔ پھر اگر تو واپس آئے اور تجھ سے سوال ہو وہاں دیواروں میں سنگ موسٰی تھا یا سنگ مرمر اور تخت کے پائے سیمیں تھے یا زریں اور مسند کا رنگ سبز تھا یا سرخ؟ ہرگز ایک بات کا جواب نہ دے سکے گا بلکہ خود اسی بات کو پوچھا جائے کہ بادشاہ کا سایہ تھا یا نہ تھا، تو اگرچہ اس قیاس پر کہ سب آدمیوں کے لئے ظل ہے، ہاں کہہ دے مگر اپنے معائنے سے جواب نہ دے سکے گا۔

صحابہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر تو اول روز ملامت سے تا آخر حیات جو کیفیت رعب وہیبت کی طاری رہی، ہماری عقول ناقصہ اس کی مقدار کے ادراک سے بھی عاجز ہیں، پھر ان کی نظر اوپر اٹھ سکتی اور چپ وراست دیکھ سکتی کہ سائے کے عدم یا وجود پر اطلاع ہوتی۔

ثمّ اقول: (پھر میں کہتا ہوں۔ت) اپنے نفس پر قیاس کرکے گمان نہ کرنا چاہیے کہ بعد مرور زمان وتکرر حضور کے، ان کی اس حالت میں کمی ہو جاتی بلکہ بالیقین روز بہ روز زیادہ ہوتی کہ باعث اس پر دو [۲] امر ہیں: ایک خوف کہ اس عظمت کے تصور سے پیدا ہوا جو اس سلطان دو عالم کو بارگاہ ملک

1

السمٰوٰت والارض جل جلالہ میں حاصل ہے۔ دوسری محبت ایمانی کہ مستلزم خشوع کو اور منافی جرأت وبیباکی، اور یہ ظاہر کہ جس قدر دربار والا میں حضوری زائد ہوتی۔

یہ دونوں امر جو اس پر باعث ہیں بڑھتے جاتے، حضور کے اخلاق وعادات اور رحمت والطاف معائنے میں آتے، حسن واحسان کے جلوے ہر دم لطف تازہ دکھاتے، قرآن آنکھوں کے سامنے نازل ہوتا اور طرح طرح سے اس بارگاہ کے آداب سکھاتا اور ظاہر فرماتا کہ:

آداب بارگاہ: ہمارا ان کا معاملہ واحد ہے، جو ان کا کلام ہے ہمارا قائد ہے، انکے حضور آواز بُلند کرنے سے عمل حبط ہو جاتے ہیں، انہیں نام لے کر پکارنے والے سخت سزائیں پاتے ہیں، اپنے جان ودل کا انہیں مالک جانو، ان کے حضور زندہ بدست مردہ ہو جاؤ، ہمارا ذکر انکی یاد کے ساتھ ہے، ان کا ہاتھ بعینہٖ ہمارا ہاتھ ہے، ان کی رحمت ہماری مہر، ان کا غضب ہمارا قہر، جس قدر ملازمت زیادہ ہوتی حضور کی عظمت ومحبت ترقی پاتی اور وہ حال مذکور یعنی خشوع وخضوع ورعب ہیبت روز افزوں کرتی قال تعالٰی "فَزَادَتْهُمْ اِیْمَانًا"[1]۔ (اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ آیات ان کے ایمان کو زیادہ کرتی ہیں۔ت) اور ایمان حضور کی تعظیم ومحبت کا نام ہے، کما لا یخفٰی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ت)

مقدّمہ ثانیہ: بسم اللہ الرحمن الرحیم ط پر ظاہر کہ آدمی بلا وجہ کسی بات کے درپے تفتیش نہیں ہوتا اور جو بات عام وشامل ہوتی ہے اور تمام آدمی اس میں یکساں کسی شخص خاص میں بالقصد اس کی طرف غور نہیں کرتا، مثلاً ہر ہاتھ کی پانچ انگلیاں ہونا ایک امر عام ہے لہٰذا بلا سبب کسی آدمی کی انگلیوں کو کوئی شخص اس مقصد خاص سے نہیں دیکھتا کہ اس کی انگلیاں پانچ ہیں یا کم، ہاں اگر پہلے سے سن رکھا ہو کہ زید کی انگلیاں چار ہیں یا چھ تو اس صورت میں البتہ بقصد مذکور نظر کی جائے گی۔ اسی طرح سایہ ایک امر عام شامل ہے، اگر بعض آدمیوں کا سایہ پڑتا اور بعض کا نہیں تو البتہ بے شک خیال جانے کی بات تھی کہ دیکھیں حضور کے بھی سایہ ہے یا نہیں، نہ اس سے کوئی امر دینی مثل اتباع واقتداء کے متعلق تھا کہ اس کے خیال سے بالقصد اس طرف لحاظ کیا جاتا، ہاں ایسی صورت میں ادراک کا طریقہ یہ ہے کہ بے قصد وتوجہ خاص نظر پڑ جائے اور وہ صورت بعد تکرر مشاہدہ ذہن میں منقش اور مثل مرئیات قصدیہ کے خزانہ خیال میں مخزون ہو جائے، مثلاً زید کہ ہمارا دوست ہے، ہم اپنے مشاہدے کی رو سے بتا سکتے ہیں کہ اس کے ہر ہاتھ کی انگلیاں پانچ ہیں اگرچہ ہم نے کبھی اس قصد سے اس کے ہاتھوں کو نہیں دیکھا ہے مگر ہم نے اس کے

---

[1] القرآن الکریم ۹/۱۲۴

ہاتھوں کو بارہا دیکھا ہے، وہ صورت خزانہ میں محفوظ ہے، نفس اسے اپنے حضور حاضر کرکے بتاسکتا ہے لیکن ہم مقدمہ اولیٰ میں ثابت کرآئے ہیں کہ یہ طریقہ ادراک وہاں معدوم تھا کہ رعب وہیبت اور امور مہمہ کی طرف توجہ اور حضور کے استماع اقوال و مطالعہ افعال ہمہ تن صرف ہمت اور نگاہ کا بسبب غایت ادب وخوف الٰہی کے اپنے زانو وپشت پا سے تجاوز نہ کرنا اس ادراک بلا قصہ سے مانع قوی تھا علی الخصوص کسی شے کا عدم کہ وہ تو کوئی امر محسوس نہیں جس پر بے ارادہ بھی نگاہ پڑجائے اور نفس اسے یاد رکھے، یہاں تو جب تک خیال نہ کیا جائے علم عدم حاصل نہ ہوگا، آدمی جب ایسے مقام رعب وہیبت اور قلب کی مشغولی و مشغوفی میں ہوتا ہے تو کسی چیز کا عدم رؤیت سے اس کے عدم پر استدلال نہیں کرتا اور جب اذہان میں بناء بر عادت اس کا عموم وشمول متمکن ہوتا ہے تو برخلاف عادت اس کے معدوم ہونے کی طرف خیال نہیں جاتا بلکہ اس سے اگر تفتیش کی جائے اور اس امر کی طرف خیال دلایا جائے تو خواہ مخواہ اس کا گمان اس طرف مسارعت کرتا ہے کہ جب یہ امر عام ہے تو ظاہرًا یہاں بھی ہوگا۔ میرا نہ دیکھنا کچھ نہ ہونے پر دلیل نہیں، میری نظر میں نہ آنا اس وجہ سے تھا کہ اول میری نگاہ ادھر ادھر نہ اٹھتی تھی اور جو اٹھی بھی تو ہزار رعب، ہیبت اور نفس کے امور دیگر کی طرف صرف ہمت کے ساتھ ایسی حالت میں کیسے کہہ سکوں گا کہ تھا یا نہ تھا۔

ثم اقول: یہ کیفیت تو اس وقت کی تھی جب صحابہ کرام حضور سے ملاقی ہوتے اور جو ہر ماہ رکاب سعادت انتساب ہوتے تو وہاں باوجود ان وجوہ کے ایک وجہ اور بھی تھی کہ غالب اوقات صحابہ کرام کو آگے چلنے کا حکم ہوتا اور حضور ان کے پیچھے چلتے۔

ترمذی نے شمائل کی حدیث طویل میں حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا: **یسوق اصحابہ**[1]

یعنی حضور والا اصحابہ کرام کو اپنے آگے چلاتے۔ امام احمد نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما سے رایت کیا:

مارأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یطأعقبہ رجلان[2]۔	حاصل یہ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو نہ دیکھا کہ دو آدمی بھی حضور کے پیچھے چلے ہوں۔

---

[1] شمائل ترمذی باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امین کمپنی دہلی ص ۲

[2] مسند احمد بن حنبل عن عبداللہ بن عمرو بن العاص المکتب الاسلامی بیروت ۱۶۵/۲، سنن ابن ماجہ باب من کرہ ان یوطأعقباہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲

جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا:

کان اصحابه رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم یمشون امامه ویکون ظهره للملئكة [1]۔	اصحاب، نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے آگے چلتے اور پشت اقدس فرشتوں کے لئے چھوڑتے۔

دارمی نے بہ اسناد صحیح مرفوعًا روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: خلوا ظهری للملئكة [2]۔ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے چھوڑ دو۔

بالجملہ ہمارا اس تقریر سے جو بالکل وجدانیات پر مشتمل ہے، کوئی شخص اگر مکابرہ نہ کرے، بالیقین اس کا دل ان سب کیفیات کے صدق پر گواہی دے، بخوبی ظاہر ہوگیا کہ ظاہرًا اکثر صحابہ کرام کا خیال اس طرف نہ گیا اور اس معجزے کی انہیں اطلاع نہ ہوئی اور اگر یہ برسبیل تنزل ثابت ومبرہن ہوجانا نہ مانئے تو ان تقریروں کی بناء پر یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ عدم اطلاع کا احتمال قوی ہے، قوت بھی جانے دو اتنا ہی سہی کہ شک واقع ہوگیا، پھر یہی استدلال سن کر کہ اگر ایسا ہوتا تو مثل حدیث ستون حنانہ مشہور و مستفیض ہوتا، کب باقی رہا، خصم کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے عدم شہرت بسبب عدم اطلاع کے ہو کما ذکرنا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہا۔ ت)

مقدمہ ثالثہ: ہماری تنقیح سابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ بالکل کسی کو اس معجزے پر اطلاع نہ ہو اور کوئی اسے روایت نہ کرے، صغیر السن بچوں کو بعض اوقات اس قسم کی جرأتیں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اسی طریقہ سے جو ہم نے مقدمہ ثانیہ میں ذکر کیا ادراک کرسکتے ہیں، اسی سبب سے اکثر احادیث حلیہ شریفہ ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مشتہر ہوئیں نہ کہ اکابر صحابہ سے۔ ترجمہ ابن ابی ہالہ میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

وکان ربیب رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم اخا لفاطمة (رضی اللہ تعالٰی عنہا) وخال	ہند ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش پانے والے تھے۔ آپ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا

[1] سنن ابن ماجه باب من کرہ ان یوطا عقباہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۲، مسند احمد بن حنبل عن جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۳/ ۳۰۲، موارد الظلمان کتاب علامات نبوۃ نبینا صلی اللہ تعالٰی علیہ حدیث ۲۰۹۹ المطبعۃ السلفیۃ ص ۵۱۵

[2] سنن الدارمی تحت الحدیث ۴۶ دار المحاسن للطباعۃ قاہرہ ۱/ ۲۹

الحسنین رضی اللہ تعالٰی عنھم فکان لصغرۃ یتشبع من النظر لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و یدیم النظر لو جھہ الکریم لکونہ عندہ داخل بیتہ فلذا اشتھر وصف النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عنہ دون غیرہ من کبار الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فانھم لکبرھم کانوا یھابون اطالۃ النظر الیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فاحاط بہ نظرہ احاطۃ الھالۃ بالبدر و الاکمام بالثمر ھنیئا لہ مع ان ماقالہ قطرۃ من بحر[1]۔	کے بھائی (اخیافی) اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالٰی تعالٰی عنہما کے ماموں تھے۔آپ صغر سنی میں نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو سیر ہو کر دیکھتے اور چہرہ اقدس پر ہمیشہ نگاہ ٹکائے رکھتے کیونکہ آپ حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس آپ کے گھر میں رہتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ حلیہ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصف ہند بن ابی ہالہ سے مشتہر ہوا نہ کہ اکابر صحابہ سے، رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ کیونکہ صحابہ کبار شان وعظمت رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہیبت کے باعث آپ پر نظریں نہیں ٹکا سکتے تھے۔ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نظر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یوں احاطہ کرتی تھی جیسا کہ ہالہ چودھویں کے چاند کا اور کلیاں کھجوروں کا احاطہ کرتی ہیں۔آپ کو یہ سعادت مبارک ہو۔مگر اس کے باوجود جو کچھ ابن ابی ہالہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان فرمایا وہ ایسے ہی ہے جیسے سمندر سے ایک قطرہ۔(ت)

اور ہم ذی علم جانتا ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما زمانہ نبوت میں صغیر السن تھے اور ان کا شمار بہ اعتبار عمر اصاغر صحابہ میں ہے اگرچہ بہ برکت سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علم وفقاہت میں اکثر شیوخ پر مقدم تھے۔

وعلی تفنن عاشقیہ بوصفہ　　　　یفنی الزمان وفیہ مالم یوصف[2]

قسم قسم کی تعریفیں کرتے ہوئے اس کے عاشقوں کو زمانے ختم ہوگئے مگر اس میں وہ خوبیاں ہیں جن کو بیان نہیں کیا جاسکا۔ ت)

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۳۲۷

[2] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل ثالث مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۳۲۷

مقدمہ رابعہ: صحابہ کرام میں ہزاروں ایسے ہیں جنہیں طول صحبت نصیب نہ ہوا اور بہت ایسے ہیں جنہوں نے سوئے مجامع عظیم کے شرف زیارت نہ پایا۔ غیر مدینہ کے گروہ کے گروہ حاضر ہوتے اور عرصہ قلیلہ میں واپس جاتے، ایسی صورت اور مجمع کی کثرت میں موقع سایہ پر نظر اور اس کے ساتھ عدم سایہ کی طرف خیال جانا کیا ضرور۔ ظاہر ہے کہ مجمع میں سایہ ایک کا دوسرے سے ممتاز نہیں ہوتا اور کسی شخص خاص کی طرف نسبت امتیاز کرنا کہ اس کے لئے ظل ہے یا نہیں، دشوار ہوتا ہے۔ علاوہ بریں یہ کس نے واجب کیا کہ ان اوقات پر حضور والا دھوپ یا چاندنی میں جلوہ فرما ہوں، کیا مدینہ طیبہ میں سایہ دار مکان نہ تھے یا مسجد شریف کہ اکثر وہیں تشریف رکھتے بے سقف تھی۔

احادیث سے ثابت کہ سفر میں صحابہ کرام حضور کے لئے سایہ دار پیڑ چھوڑ دیتے اور جو کہیں سایہ نہ ملا تو کپڑے وغیرہ کا سایہ کرلیا جیسا کہ روز قدوم مدینہ طیبہ سیدنا ابی بکر صدیق اور حجۃ الوداع میں واقع ہوا اور قبل از بعثت تو ابر سایہ کے لئے متعین تھا ہی، جب چلتے ساتھ چلتا اور جب ٹھہرتے ٹھہر جاتا، اور ام المومنین خدیجہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور ان کے غلام میسرہ نے فرشتوں کو سر اقدس پر سایہ کرتے دیکھا اور سفر شام میں آپ کسی حاجت کو تشریف لے گئے تھے، لوگوں نے پیڑ کا سایہ گھیر لیا تھا، حضور دھوپ میں بیٹھ گئے سایہ حضور پر جھک گیا۔ بحیرا عالم نصاری نے کہا دیکھو سایہ ان کی طرف جھکتا ہے۔ اور بعض اسفار میں ایک درخت خشک وبے برگ کے نیچے جلوس فرمایا، فوراً زمین حضور کے گرد کی سبزہ زار ہوگئی اور پیڑ ہرا ہوگیا، شاخیں اسی ساعت بڑھ گئیں اور اپنی کمال بُلندی کو پہنچ کر سائے کہ کئے حضور پر لٹک آئیں۔ چنانچہ یہ سب حدیثیں کتب سیر میں تفصیلاً مذکور ہیں۔

اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنہیں طول صحبت روزی ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہتاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہمسائیگی سایہ سے دور ہے، اور ظاہر ہے کہ ان سب کا احساس وانکشاف جن لوگوں کے لئے ہوا ہے وہ بہت کم ہیں، جن کے واسطے نہ ہوا پھر اس طائفہ قلیلہ سے یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص یا اکثر اس معجزے کو روایت کرے، ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مجرد خرق عادت باعث توفر دواعی ونقل جمیع اکثر حاضرین ہے۔ خادم حدیث پر کالشمس فی نصف النہار روشن کو صدہا معجزات قاہرہ حضور سے غزوات واسفار ومجامع عامہ میں واقع ہوئے کہ سیکڑوں ہزاروں آدمیوں نے ان پر اطلاع پائی مگر ان کی ہم تک نقل صرف احاد سے پہنچی۔

واقعہ حدیبیہ میں انگشتان اقدس سے پانی کا دریا کی طرف جوش مارنا اور چودہ پندرہ سو آدمی کا

علی اختلاف الروایات اسے پینا اور وضو کرنا اور بقیہ توشہ کو جمع کرکے دعا فرمانا اور اس سے لشکر کے سب برتن بھر دینا اور اسی قدر باقی بچ رہنا، ایسے معجزات میں ہیں اور بالضرور چودہ پندرہ سو آدمی سب کے سامنے اس کا وقوع ہوا اور سب نے اس پر اطلاع پائی مگر ان میں سے چودہ نے بھی اسے روایت نہ فرمایا۔

فقیر نے کتب حاضرہ احادیث خصوصا وہ کتابیں سیر وفضائل کی جن کا موضوع ہی اس قسم کی باتوں کا تذکرہ ہے مانند شفائے قاضی عیاض وشرح خفاجی ومواہب لدنیہ وشرح زرقانی ومدارج النبوۃ وخصائص کبری علامہ جلال الدین سیوطی وغیرہا مطالعہ کیں، پانچ سے زیادہ راوی اس واقعے کے نہ پائے۔اسی طرح رد شمس یعنی غروب ہو کر سورج کا لوٹ آنا اور مغرب سے عصر کا وقت ہو جانا جو غزوہ خیبر میں مولی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کے لئے واقع ہوا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ عدم ظل کو اس سے اصلا نسبت نہیں اور اس کا وقوع بھی ایک غزوہ میں ہوا کما ذکرنا (جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ت) اور تعداد لشکر خیبر کی سولہ سو[۱۶۰۰]، بالضرور یہ سب حضرات اس پر گواہ ہونگے کہ ہر نمازی مسلمان خصوصا صحابہ کرام کو بغرض نماز آفتاب کے طلوع وغروب زوال کی طرف لاجرم نظر ہوتی ہے۔

توریت میں وصف اس امت مرحوم کا رعاۃ الشمّس کے ساتھ وادد ہوا کما رواہ ابو نعیم عن کعب الاحبار عن سیدنا موسی علیہ الصلوۃ والسلام (جیسا کہ اس کو ابونعیم نے بحوالہ کعب الاحبار عن سیدنا موسی علیہ الصلوۃ والسلام سے روایت کیا ہے۔ت) یعنی آفتاب کے نگہبان کہ اس کے تبدل احوال اور شروق وافول زوال کے جویاں وخبر گیران رہتے تھے، جب آفتاب نے غروب کیا ہوگا بالضرور تمام لشکر نے نماز کا تہیہ کیا ہوگا، دفعۃ شام سے دن ہوگیا اور خورشید الٹے پاؤں آیا، کیا ایسے عجیب واقعہ کو دریافت نہ کیا اور نہ معلوم ہوا ہوگا کہ اس کے حکم سے لوٹا ہے جسے قادر مطلق کی نیابت مطلقہ اور عالم علوی میں دست بالا حاصل ہے (صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم) لیکن اس کے سوا اگر کسی صاحب کو معلوم ہو کہ اتنی بڑی جماعت سے دو چار آدمیوں نے اور بھی اس معجزے کو روایت کیا تو نشان دیں۔

بالجملہ یہ حدیث واہبہ ہے جس کی بناء پر ہم عقل ونقل واتباع حدیث وعلماء کو ترک نہیں کرسکتے، کیا یہ اکابر اس قدر نہ سمجھتے تھے یا انہیں نے دیدہ ودانستہ خدا اور رسول پر افتراء گوارا کیا، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، بلکہ جب ایک راوی اس حدیث عدن ظل کے ذکوان ہیں اور وہ خود ابو صالح سمان زیات ہوں یا ابو عمر ومدنی مولائے صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہما تردد فیہ الزرقانی (اس میں زرقانی نے تردد کیا۔ت) بہر تقدیر تابعی ثقہ معتمد علیہ ہیں کما ذکر ایضا و ۰۰۰۰۰۰ اور تابعین وعلماء ثقات

اہل ورع واحتیاط سے مظنون یہی ہے کہ غالب حدیث کو مرسلا اسی وقت ذکر کریں گے جب انہیں شیوخ وصحابہ کثرین سے اسے سن کر مرتبہ قرب ویقین حاصل کرلیا ہو۔ابراہیم نخعی فرماتے ہیں اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ در صورت اسناد صدق و کذب سے اپنے آپ کو غرض نہ رہی۔جب ہم نے کلام کو اس کی طرف نسبت کردیا جس سے سنا ہے تو ہم بری الذمہ ہوگئے بخلاف اس کے کہ اس کا ذکر ترک کریں اور خود لکھیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کیا،ایسا فرمایا،اس صورت میں بار اپنے سر پر رہا تو عالم ثقہ،متورع،محتاط،بے کثرت سماع واطمینان کلی قلب کے ایسی بات سے دور رہے گا۔اس طور پر ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سایہ نہ ہونا بہت صحابہ نے دیکھا اور ان سب سے ذکوان کو سماع حاصل ہوا اگرچہ ان کی روایات ہم تک نہ پہنچیں۔

ھکذا اینبغی ان یفھم المقام وینقح المرام،واللہ ولی الفضل والتوفیق والانعام،ھذاوقد بقی بعد خبایا فی زوایا الکلام لعلھا یفوز بھا فکر و ھذا کلہ وقد وجد مما الھمنی ربی بفضل منہ ونعمۃ لایجد من قلبی ان ربی لذو فضل عظیم انہ ھو الروف الرحیم ولا حول و لا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم وظنی انی بحمد ربی الجلیل قد اثبت فی المسئلۃ مایشفی العلیل بالکثیر ولا بالقلیل،واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل انہ حسبی ونعم الوکیل اسالہ ان یجنبنی بھاو	اسی طرح طرح چاہیے مقام کی تفہیم اور مقصد کی تنقیح اللہ تعالٰی ہی فضل وتوفیق اور انعام کا ملک ہے۔ تحقیق ابھی کچھ پوشیدگیاں کلام کے گوشوں میں باقی ہیں۔امید ہے کہ فکر صائب ان تک رسائی حاصل کرلے گی۔یہ جو کچھ مذکور ہو امیرے رب نے اپنے فضل ونعمت سے میرے دل میں ڈالا ہے یہ میرے دل کی تخلیق نہیں ہے۔بے شک میرا رب بڑے فضل والا ہے اور وہ روف ورحیم ہے۔عزت وحکمت والے اللہ کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے نہ نیکی کرنے کی قوت۔میرا گمان ہے کہ میں نے اپنے رب جلیل کی حمد سے مسئلہ مذکورہ میں وہ کچھ ثابت کردیا ہے جو بیمار کو شفادے گا اور پیاسے کو سیراب کرے گا اور قلّت وکثرت کے ساتھ مخل نہ ہوگا۔اللہ تعالٰی حق فرماتا ہے اور راہ راست کی ہدایت فرماتا ہے بے شک وہ میرے لئے کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے،میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے اور

کل من زل زلة ویجعلها ظلا ظلیلا علی روسنا یوم لا ظل الا ظله وان یصلی علی ابھی اقمار الرسالة وابھرھا واسنی شموش الکرامة وانوارھا الذی لم یکن له ظل فی شمس ولا قمر وفدیات وصله ولی صحبه واله متظلین باذیاله الداعین الی نعم اظلاله وعلینا معھم اجمعین برحمة انه رؤف رحیم واخر دعونا ان الحمد ﷲ رب العلمین۔	ہر لغزش کرنے والے کو اس کی برکت سے لغزش سے بچائے اور اسے ہمارے سروں پر گہرا سایہ بنائے جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے روشن ترین ماہتاب رسالت پر اور سب سے زیادہ چمکدار آفتاب کرامت اور اس کے انوار پر جس کا سایہ نہ تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں، اور آپ کے صحابہ وآل پر جو آپ کے دامن رحمت کے سایہ میں ہیں اور آپ کے سایہ رحمت کے سایہ میں ہیں اور ز آپ کے سایہ رحمت کی نعمتوں کی طرف دعوت دینے والے ہیں، اور ان کے ساتھ ہم سب پر روف وحیم کی رحمت سے۔ (ت)

رسالہ

قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم

ختم ہوا

رسالہ

هدی الحیران فی نفی الفیئ عن سید الاکوان ۱۲۹۹ھ

(سرورکائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے سایہ کی نفی کے بارے میں حیرت زدہ کے لئے راہنمائی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمد للہ حمدا تنجلی بھا ظلمات الاٰلام والصلوہ و السلام علی سیدنا محمد قمر التمام وعلی الہ و اصحابہ مصابیح الظلام وعلی المھتدین بانوار ھم الی یوم القیام وبعد فقال العبد الملتجی الی ربہ القوی عن شر کل غوی وغبی عبدہ المذنب احمد رضا المحمدی ملۃ والسنی عقیدۃ والحنفی عملا و القادری البرکاتی الاحمدی طریقۃ وانتسابا و	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جن سے دکھوں کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔ درود وسلام ہو ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر جو ماہ کامل ہیں اور آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ پر جو اندھیروں میں چراغ ہیں اور پر جو قیامت آل واصحاب کے انوار سے سے ہدایت حاصل کرتے ہیں گے۔ بعد ازیں ہر گمراہ اور کند ذہن کے سر سے رب قوی کی پناہ کا طلبگار اس کا خطاکار بندہ احمد رضا کہتا ہے جو ملت کے اعتبار سے محمدی، عقیدہ کے اعتبار سے سنی، عمل کے اعتبار سے حنفی، طریقت وانتساب کے اعتبار سے قادری برکاتی احمدی، مولد و وطن

البریلوی مولدا وموطنا والمدنی والبقیعی ان شاء الله مدفنا ومحشرا فالعدنی الفردوسی رحمة الله منزلا و مدخلا مستنیرا بانوار الهدایة والیقین حاسما الخدشات الظن و التخمین بك یا ربنا فی کل باب نستعین ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔	کے اعتبار سے بریلوی اور الله نے چاہا تو مدفن و محشر کے اعتبار سے مدنی وبقیعی، پھر الله تعالٰی کی رحمت سے منزل ومدخل کے اعتبار سے عدنی وفردوسی ہے درانحالیکہ وہ ہدایت ویقین کے انوار سے مستنیر ہونے والا اور ظن و تخمین کے خدشات کو مٹانے والا ہے، تیری توفیق سے اے ہمارے رب! ہم ہر بات میں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔اور الله بُلندی وعظمت والے کی توفیق کے بغیر نہ تو کسی کے لئے گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کو قوت۔ (ت)

فصل اوّل

ہم حول وقوت ربانی پر اتکاء واتکال کی عروہ وثقی دست التجاء میں مضبوط تھام کر پیش از جواب مفصل چند مقدمات ایسے تمہید کرتے ہیں جن سے بعون الله تعالٰی ارتفاع نزاع بہ آسانی بن پڑے۔

عزیزان حق طلب! اگر عقل سلیم کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دینگے توان شاء الله انہی شمعوں کی روشنی میں ٹھیک ٹھیک شاہراہ صواب پر ہولیں گے اور کلفت خارزار اور آفت یمین ویسار سے بچتے ہوئے تجلائے ہدایت میں نور کے تڑکے ٹھنڈے ٹھنڈے منزل تحقیق پر خیمہ زن ہوں گے اور جو تعصب اور سخن پروری کاساتھ دے تو ہم پر کیا الزام ہے کہ جلتے ریت پر چلانا، بلاکے کانٹوں میں پھنسانا، اندھے کو دن میں گرانا، ان دو آفت جان، دشمن دین وایمان کا قدیمی کام ہے وبالله التوفیق وبه الوصول الی ذروة التحقیق (الله ہی سے توفیق ہے اور اسی کی بدولت تحقیق کی بُلندی تک پہنچا جاسکتا ہے۔ت)

مقدّمہ اولٰی: جب دو چیزوں میں عقل یا نقل ملازمت ثابت کرے تو بحکم قضیہ لزوم، بعد ثبوت ملزوم، تحقیق لازم خود محقق و معلوم، اور تجشم دلیل کی حاجت معدوم، اسی طرح بعد انتفائے لازم انعدام ملزوم آپ ہی مفہوم، کما ہو غیر خاف ولا مکتوم، اور اسی ملازمت واقعہ کے باعث مرتبہ ادراک میں بھی بعد علم باللزوم، وجود لازم وانتفائے ملزوم، تحقیق ملزوم وعدم لازم کا شک و وہم وظن ویقین وتکذیب میں تابع رہتا ہے، مثلاً جسے وجود ملزوم پر تیقن کامل ہوگا اس کے نزدیک ثبوت لازم

بھی قطعی یقینی ہوگا اور ظان و شاک و واہم کے نزدیک مظنون و مشکوک و موہوم ہوگا اور یہ معنی بدیہیات باہرہ سے ہیں۔

مقدمہ ثانیہ: دعاوی و مقاصد خواہش ثبوت میں متساویۃ الاقدام نہیں بعض ایسے درجہ اہتمام و رفعت مقام پر ہیں کہ جب تک نص صحیح، صریح، متواتر قطعی الدلالۃ ہر طرح کے شکوک و اوہام سے منزہ و مبرہ نہ پایا جائے ہر گز پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے، احادیث احاد اگرچہ بخاری و مسلم کی ہوں ان کے لئے کافی نہ ہوں گی۔

اسی قبیل سے ہے اطلاق الفاظ متشابہات کہ حضرت عزت میں اصح الکتب سے ثابت مگر عدم تواتر مانع قبول اور حلال و حرام کی جب بحث آئے تو احادیث ضعیفہ سے کام لیں گے اور فضائل اعمال و مناقب رجال میں دائرہ کو خوب توسیع دیں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ثابت الاصل کے مؤیدات و ملائمات میں چنداں اہتمام منظور نہیں، مثلاً ہمیں یقینیات سے معلوم ہو چکا کہ ذکر الٰہی و تکبیر و تہلیل و نماز و درود وغیرہا اعمال صالحہ محمودہ ہیں، اب خاص صلوۃ التسبیح کی حدیث درجہ صحت تک پہنچنا ضرور نہیں، یا نصوص قرآنیہ و احادیث متواترۃ المعنی ہمیں ارشاد فرما چکیں کہ صحابہ سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم اجمعین سب ارباب فضائل و علوشان و رفعت مکان اور اللہ تبارک و تعالٰی کے بندگان مقبول و بہترین امتیاں ہیں۔

اب خاص حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مناقب بخاری و مسلم ہے پر مقصور نہیں، اسی قبیل سے ہے باب معجزات و خوارق عادات کو حضور اقدس خلیفہ اعظم بارگاہ قدرت سے صدور آیات و معجزات اور ملکوت السموۃ والارض میں حضور کے ظاہر و باہر تصرفات، قاطعات یقینیہ سے ثابت، تو اب شہادت ظبی یا عدم ظل کا ثبوت صحاح ستہ پر محصور نہیں علماء نے تو باب خوارق میں غرابت متین پر بھی خیال نہ کیا اور حدیث کو باوجود ایسے خدشہ کے حسن و مقبول رکھا۔

امام اجل ابو عثمٰن اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن صابانی کتاب المائتین میں حدیث حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہ حضور پر نور سے مہد اقدس میں چاند باتیں کرتا اور جدھر اشارہ فرماتے ہیں جھک دیتا، ذکر کرکے فرماتے ہیں:

ھذا حدیث غریب الاسناد والمتن و ھو فی المعجزات حسن[1] اھ اثرہ الامام العلامۃ	یہ حدیث اسناد و متن کے اعتبار سے غریب ہے اور وہ معجزات میں حسن ہے اھ اس کو امام قسطلانی

[1] المواھب اللدنیۃ بحوالہ الصابونی فی المائتین المقصد الاول المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۵۴

القسطلانی فی المواھب۔	نے مواہب میں ترجیح دی۔(ت)

علامہ زرقانی شرح لکھتے ہیں:

لان عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام و العقائد مالم یکن موضوعا[1]۔	کیونکہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ احکام وعقائد کے غیر میں چشم پوشی سے کام لیتے ہیں جب تک حدیث موضوع نہ ہو۔(ت)

مقدمہ ثالثہ: علماء کی تلقی بالقبول کو ایراث قوت میں اثر عجیب ہے کہ وہ ہر طرح ہم سے اعرف واعلم تھے، ہماری ان کی کوزہ و محیط کی بھی نسبت ٹھیک نہیں، وہ سمائے علوم کے بدر منیر اور ہم عامی انہیں کی روشنیوں سے مستنیر، جب وہی ایک امر کو سلفاو خلفا مقبول رکھیں اور اپنی تصانیف اس کے ذکر سے موشح کریں تو ہمیں کیا جائے انکار ہے،

وفی مثل ذالک یقول الامام العلامۃ العارف ربانی سیدی عبد الوھاب الشعرانی فی المیزان "ان ھولاء الائمۃ الذین توقفت عن العمل بکلامھم کانوا اعلم منك واورع بیقین فی جمیع ما دونہ فی کتبھم لاتباعھم، وان ادعیت انك اعلم منھم نسبك الناس الی الجنون اوالکذب جحدا و عنادا وقد افتی علماء سلفك بتلك الاقوال التی تراھا انت ضعیفۃ و دانوا اللہ تعالٰی بھا حتی ماتوا فلا یقدح فی علمھم و و رعھم جھل مثلك بمنازعھم وخفاء مدارکھم و معلوم بل مشاھد ان کل عالم لایضع فی	اور اسی کی مثل میں امام علامہ عارف ربانی سیدی عبدالوہاب شعرانی میزان میں فرماتے ہیں اور یہ تمام امام جن کے کلام پر عمل کرنے میں تو توقف کرتا ہے تجھ سے علم ہمیں زیادہ ہیں اور دینی ذخیرہ انہوں نے اپنے مقلدین کے لئے جمع کیا ہے اس میں یقینا تجھ سے زیادہ متقی اور محتاط ہیں اور اگر تو اپنی علمیت کا دعوی کرتا ہے تو لوگ قصدا تجھے مجنون اور دروغ گو کہیں گے اور یہ اقوال جن کو تو ضعیف جانتا ہے وہی ہیں جن کے ساتھ علماء متقدمین نے فتوی دیا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ اللہ کے قریب ہوئے حتی کہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے اور اگر تجھے جیسا ان کے مراتب ومدارک سے ناواقف ہو تو ان کے مراتب و تقوی میں کچھ نقصان نہیں آسکتا اور یہ بات معلوم بلکہ مشاہد ہے کہ ہر عالم

[1] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۷۴

مؤلفه عادة الاما تعب فی تحریره و زنه بمیزان الادلة والقواعد الشرعیة وحرره تحریر الذهب والجوهر، فایاك ان تنقبض نفسك من العمل بقول من اقوالهم اذا لم تعرف منزعه فانك عامی بالنسبة الیهم والعامی لیس من مرتبة الانکار علی العلماء لانه جاهل[1] اھ۔	اپنی اپنی کتب میں وہ امور لائے جن کے لکھنے میں مشقت بر داشت کرنی پڑی اور جن کو ادلہ اور قواعد شرعیہ کے ترازو پر تول لیا ہے اور ان کو سونے اور چاندی کی طرف مزین کیا ہے، پس تو اپنے آپ کو اس سے بچا کہ ان کے اقوال میں سے کسی ایسے قول پر عمل کرنے سے تمہارا دل تنگ ہو جس کا ماخذ تمہاری سمجھ میں نہ آیا ہو کیونکہ تو بہ نسبت ان کے عامی ہے اور عامی کا یہ مذہب نہیں کہ وہ علماء کا انکار کرے کیونکہ وہ عامی جاہل ہوتا ہے۔ (ت)

فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کا فتوی سابق کہ اسی بارے میں لکھ چکا ہوں پیش نگاہ رکھ کر ان مقدمات میں امعان نظر کیجئے تو **بحمد اللہ** تمام شکوک واوہام ہباء منثور ہو جاتے ہیں، ہاں میں بھولا، ایک شرط اور بھی درکار ہے، وہ کیا، عقل کا اتباع اور تعصب سے امتناع، مگر یہ دولت کسے ملے؟ جسے خدا دے۔

یہاں تو اجمال کی غنچہ بندیاں تھیں اور تفصیل کی بہار گلفشانی پسند آئے تو لیجئے بگوش ہوش وقلب شہید وانصاف کوش، استماع کیجئے۔ رب ارحم من انصف واھد عنیدا خالفا (اے میرے پروردگار انصاف کرنے والے! رحم فرما اور مخالف کرنے والے ہٹ دھرم کو ہدایت عطا فرما۔ ت)

قولہ صرف حکیم ترمذی نے کہ غیر صاحب صحیح اور شخص ہیں، اپنی کتاب نوادر الاصول میں روایۃ کہا ہے:

ولم یکن له ظل لا فی الشمس ولا فی القمر۔	آپ کا سایہ نہ تھا، نہ دھوپ میں نہ چاندی میں (ت)

اقول: صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اللہ تعالٰی نبی کریم پر درود وسلام نازل فرمائے۔ ت)

مجیب کے اس سارے جواب کا بننے صرف اسی زعم فاسد پر ہے جو قصور نظر سے ناشی۔ حکیم ترمذی نے تو اس حدیث کو ذکوان تابعی سے مرسلا روایت کیا اور اسے موصولا مع زیادت مفیدہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کرنے کرنے والے امام جلیل، حبر نبیل، حجة الله فی الارضین، **معجزة من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم**، حضرت امام ہمام عبد اللہ بن مبارک قدس سرہ المتبرک جن کی جلالت شان و

---

[1] میزان الشریعة الکبری فصل فی بیان ذکر بعض من اطنب فی الثناء الخ دار الکتب العلمیة بیروت ۱/۹۰

غزارت علوم آفتاب نیم روز سے اظہر وازہر، امام اجل احمد بن حنبل وامام سفین ثوری وامام یحیٰی ابن معین وابو بکر بن ابی شیبہ و حسن بن عرفہ وغیرہم اکابر محدثین، فن حدیث میں اس جناب رفعت قباب کے شاگردان مستفیض ہیں اور کتابوں پر اگر نظر نہ ہو تو شاہ صاحب کی بستان ہی دیکھئے، کیا کچھ مدائح اس جانب سے لکھ کر مستوجب رحمت الٰہی ہوئے ہیں۔

ان کے بعد اس حدیث کے راوی امام علامہ شمس الدین ابو الفرج ابن الجوزی ہیں، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ، کہ کتاب الوفاء میں اسے روایت فرمایا[1]۔ فن حدیث میں ان کی دستگاہ کامل کسے معلوم نہیں خصوصا بر عکس امام ابو عبداللہ حاکم جرح وتضعیف پر حرص شدید رکھتے ہیں، پھر جس حدیث حدیث پر یہ اعتماد کریں ظاہر ہے کہ کس درجہ قوت میں ہوگی، پس باوجود تعدد طرق و کثرت مخرجین، حدیث کو صرف روایت حکیم کہنا محض باطل، اور باطل پر جو کچھ مبنی، سب حلیہ صواب سے عاطل، اور معلوم نہیں لفظ "روایۃً" کس غرض سے بڑھایا، ظاہرا اعضال یا تعلیق کی طرف اشارہ فرمایا کقول القائل روی کذا وذکر عن زید عن عمرو کذا (جیسے قول قائل کہ یوں روایت کیا گیا ہے اور زید سے بحوالہ عمرو یوں ذکر کیا گیا ہے۔ت) کہ مقصود مجیب حدیث کو بے اعتبار ٹھہرانا ہے تو بہ شہادت سوق وہی الفاظ لائے جائیں گے جو مقصود کے ملائم وموید ہوں نہ وہ کہ ایک قسم کی بے اعتباری کو دفع کریں اور اعتبار سے اصلا منافات نہ رکھیں، حالانکہ محدثین کے نزدیک تخریج وروایت کا ایک ہی مفاد اور ذکر اسناد دونوں جگہ مراد کما تفصح عن کلمات العلماء الامجاد (جیسا کہ بزرگ علماء کی عبارات نے اس کو خوب واضح کردیا ہے۔ت) پس اگر اس اصطلاح محدثین پر اطلاع تھی تو مقصود سے بیگانہ لفظ کی زیادت کیوں ہوئی اور ایسے مواخذے تو ہم ضروری بھی نہیں سمجھتے کہ روایت حکیم کی نقل میں کمی بیشی واقع، ان کے پاس لفظ حدیث یوں ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یری لہ ظل فی شمس ولا قمر[2]۔	سورج اور چند کی روشنی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ (ت)

قولہ مگر محدثان اعلام نے اس حدیث کو معتبر نہیں مانا ہے۔

اقول: جب اس کتاب کے سوا اور ائمہ اعلام نے بھی حدیث کو روایت فرمایا تو اس کتاب کا

[1] الوفاء باحوال المصطفٰی الباب التاسع والعشرون مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۲/ ۴۰۷

[2] الخصائص الکبرٰی بحوالہ الحکیم الترمذی باب الایۃ فی انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لم یکن یری الخ مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ۱/ ۶۸

غیر معتبر ہونا کیا مضرت رکھتا ہے، معہذا غیر معتبر ماننے کے یہ معنی کہ اس کی ہر روایت کو باطل سمجھا، جب تو محض غلط، نہ کوئی محدث اس کا قائل، خود اکابر محدثین اسی نوادر الاصول بلکہ فردوس دیلمی سے جس کا حال نہایت ہی ردی ہے، تو وہ روایتیں اپنی کتب میں لاتے اور ان سے احتجاج واستناد فرماتے ہیں کما لا یخفی علی من طالع کتب القوم (جیسا کہ کتب قوم کا مطالعہ کرنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے۔ت) اور جو یہ مقصود کہ اس میں روایات منکرہ وباطلہ بھی موجود ہیں تو بے شک مسلم، مگر اس قدر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساری کتاب مطروح ومجروح ٹھہرے اور اس کی کسی حدیث سے استناد جائز نہ رہے آخر علمائے سلف احادیث نوادر وروایات فردوس سے کیوں تمسک کرتے ہیں اور جب وہ اس سے باز نہ رہے تو ہم کیوں ممنوع رہیں گے، خود یہی شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے والد واساتذہ ومشائخ شریعت وطریقت اپنی تصانیف میں احادیث کتب مذکورہ ذکر اور ان سے استدلال کرتے ہیں۔

قولہ اب یہ کہئے گا کہ جب تکاب مخدوش ومخلوط ہوچکی تو ہر حدیث پر احتمال ضعف قائم، تو اس سے احتجاج اسی کو روا ہوگا جو بصیر وعارف اور نشیب وفراز فن سے واقف ہے۔

اقول: اب ہمارے مطلب پر آگئے، حدیث عدم ظل سے بھی ہم عامیوں نے استدلال نہ کیا بلکہ یہی ائمہ شان، اور ارباب تمیز وعرفان اسے بلانکیر منکر مقبول رکھتے آئے اور ہم نے ان کی تقلید سے قبول کیا۔ اگر ان بصیرت والوں کے نزدیک متنازع فیہ قابل قبول نہ ہوتی تو حسب عادت اس رپ ردوانکار کیوں نہ فرماتے اور تلقی بالقبول سے باز آتے۔

قولہ اور مصنف نے بھی بھی التزام تصحیح مافیہ نہیں کیا ہے صرح بذلك خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث الدھلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی بستان المحدثین (خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے بستان المحدثین میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ت)

اقول: نہ التزام تصیح صحت کو مستلزم، نہ عدم التزام اس کا مزاحم۔ اہل التزام کی تصانیف میں بہت روایات باطلہ ہوتی ہیں اور التزام نہ کرنے والوں کی تصنیفوں میں اکثر احادیث صحیحہ، آخر مستدرک حاکم کا حال نہ سنا جنہوں نے صحت کیا معنی، التزام شرط شیخین کا ادعاء کیا اور بقدر چہارم احادیث ضعفیہ ومنکرہ وباطلہ وموضوعہ بھر دیں۔

اسی طرح ابن حبان کا یہ دعوی کتاب التقاسیم والانواع میں ٹھیک نہ اترا اور سنن ابی داؤد جس میں التزام صحاح ہر گز نہیں، صحاح ستہ میں معدود اور ان کا مسکوت عنہ مقبول ومحمود، یہ سب امور خادم حدیث پر جلی وروشن ہیں۔

عزیزا! مدار کار اسناد پر ہے، التزام وعدم التزام کوئی چیز نہیں، یہ دولت تو روز اوّل

بخاری کے حصہ میں تھی کہ احادیث مسندہ میں حق سبحانہ، نے ان کا قصد پورا کیا، پھر ایسی فضول بات کے ذکر سے کیا حاصل! کیا جس کتاب میں التزام صحاح نہیں اس سے احتجاج مطلقاً مباح نہیں؟ ایسا ہو تو بخاری و مسلم وچند کتب دیگر کے سوا سنن ابی داود وابن ماجہ ودارمی وتصانیف ابی بکر بن ابی شیبہ وعبدالرزاق ودارقطنی وطبرانی وبیہقی وبزار وابی یعلٰی وغیرہا معظم کتب حدیث جن پر گویا مدار شرع وسنت ہے محض بیکار ہو جائیں۔**لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم** (نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی قوت مگر بلندی وعظمت والے خدا کی طرف سے۔ت)

قولہ اور کسی حدیث کی معتبر کتاب یں اس مسئلہ سے وجوداً وعدماً بحث نہیں۔

اقول: کاش ہمیں بھی معلوم ہوتا حدیث کی کتابیں جناب مجیب عفااللہ تعالٰی عنا وعنہ کے کتب خانہ میں ہیں یا کتنی حضرت کی نظر سے گزری ہیں کہ بے دھڑک ایسا عام دعوی کرتے ہوئے آنکھ نہ جھپکی، ہم نے تاا کابر ائمہ کو یوں سنا کہ جس حدیث پر اطلاع نہ پائی **لم اجد** (میں نے یہ پایا۔ت) یا **لم ار** (میں نے نہیں دیکھا۔ت) یا **لم اقف علیہ** (میں اس پر آگاہ نہ ہوا۔ت) پر اقتصار فرمایا، یہ **لیس** (نہیں ہے۔ت) اور **لم یکن** (نہیں ہوا۔ت) کی جرائتیں، حق تو یہ ہے کہ بڑے شخص کا کام ہے۔

علامہ سیوطی سا محدث ان جیسی نظر واسع جنہوں نے دامن ہمت، کمر عزیمت پر چست باند کر جمع الجوامع میں تمام احادیث واردہ کے جمع واستیعاب کا قصد فرمایا، دیکھو حدیث **اختلاف امتی رحمۃ** (میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ت) کی تخریج پر واقف نہ ہوئے اور جامع صغیر میں اسی قدر فرمایا کر خاموش رہے کہ شاید یہ حدیث کسی ایسی کتاب میں مروی ہوئی کہ ہم تک نہ پہنچی[1]۔ پھر علامہ مناوی تیسیر میں اس کی تخریض، مدخل بیہقی وفردوس دیلمی سے تلاش ہی کرلائے[2]۔ پھر ہم کو باایں بضاعت مزجاۃ، چھوٹا منہ بڑی بات، یہ دعوی کب زیب دیتا ہے مگر [۱] تصنیف امام عبداللہ بن مبارک و [۲] تالیفات حافظ رزین محدث و [۳] کتاب الوفاء علامہ جوزی وشفاء [۴] الصدور علامہ ابن سبع و [۵] کتاب الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تصنیف علامہ قاضی عیاض و [۶] نسیم الریاض علامہ خفاجی و [۷] خصائص کبری علامہ جلال الدین سیوطی ومواہب لدنیہ [۸] منح محمدیہ امام علامہ قسطلانی و

---

[1] الجامع الصغیر تحت حدیث ۲۸۸ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱/ ۲۴

[2] التیسیر شرح الجامع الصغیر تحت حدیث اختلاف امتی رحمۃ مکتبۃ امام الشافعی ریاض ۱/ ۴۹

۹شرح مواہب علامہ زرقانی و۱۰مدارج النبوت شیخ محقق وغیرہا اسفار ائمہ دین وعلماء محققین،آپ کے نزدیک معتبر نہیں یا جب تک بخاری مسلم میں ذکر مسئلہ نہ ہو قابل اعتبار متصور نہیں۔

فقیر حیران ہے جب حدیث کئی طریق سے مروی ہوئی اور چند ائمہ نے اسے تخریج کیااور وہ مقتدایان ملت نے اس سے احتجاج فرمایااور سلفا خلفا بے اعتراض معترض مقبول رکھا،پھر نہ تسلیم کرنے کی وجہ کیا ہے؟اگر بالفرض حدیث میں ضعف ہی مانا جائے،تاہم مرتبہ مقام چاہے کہ یہاں تضییق مطلوب ہے یا توسیع محبوب،صحت نہ سہی،کیا حسن سے احتجاج نہیں ہوتا؟حسن بھی نہ مانو،کیاضعف متماسک ایسی جگہ کام نہیں دیتا؟آخر اقسام حدیث میں ایک قسم کا نام صالح بھی سنا ہوگا،اگر ماورائے صحاح سب بیکار ہیں تو حسن میں حسن اور صالح میں صلاحیت کس بات کی ہے **انا ﷲ وانا الیہ راجعون** (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف ہم کو لوٹنا ہے۔ت)

قولہ مسلمان کو ایک جانب پر اصرار نہ چاہیے۔

اقول: اگرچہ حق واضح ہے؟یہ کلمہ عجیب وضح کیا،مسلمان کی شان وہ ہے جس سے رب تبارک وتعالٰی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے:

"یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَہٗ" [1]۔	جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔(ت)

دامن ائمہ ہاتھ سے دے کر شاہراہ یقین سے دور پڑیئے اور شکوک وترددات کے کانٹوں میں الجھے۔

اے عزیز!جب مسلمان نقی الایمان ادھر تو یہ سنے لگا کہ اس بات میں احادیث وارد اور ارکین دین متین واساطین شرع مبین کی تصانیف اس سے مملو ومشحون اور ادھر اس کے قلب کی حالت ایمانی جو تکثیر فضائل سید المحبوبین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جان سے پیاری ہے،بہ شوق تمام سر وقد استادہ ہو کر مرحبا گویاں اسے مسند آمنا وصدقنا پر جگہ دے گی اور ادھر داعیہ عقل سلیم انبعاث تازہ پاکر حکم قطعی لگائے گا کہ میرا محبوب سراپا نور ہے اور نورک اسایہ خرد سے دور،توان انوار پے در پے کی متواتر ریزشوں کے حضور شکوک واوہام کی ظلمت کیونکہ ٹھہر سکے گی اور تیقن کامل کی روشنی چار جانب سے سراپا کو محیط ہو کر کس طرح اصرار واذعان کے رنگ میں نہ رنگ دے گی۔

ہم چھوٹی سی دو۲ باتیں پوچھتے ہیں،شک کرنے والے کو حضور سرور عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/۱۸

نور بحت ہونے میں امل ہے یا سایہ کو کثافت لازم ہونے میں تردد۔ اگر امر اول میں شک رکھتا ہے تو مین اپنی زبان سے کیا کہوں، صرف اپنے ایمان صرف غیر مشوب بالاوہام اور قضیہ **اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالٰی کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ت) کے لازمی احکام سے حکم اپنا دریافت کرلے، اور امر دوم میں تردد ہے تو مفتی عقل کی بارگاہ سے جنون ودیوانگی کا فتوی مبارک، اسی لئے ہم دعوی حتمی کرتے ہیں کہ اگر اس بات میں کوئی حدیث نہ آئی ہوتی، نہ کسی عالم نے اس کی تصریح فرمائی ہوتی، تاہم بملاحظہ ان آیات واحادیث متکاثرہ متوافرہ متظافرہ کے جن سے بالقطع والیقین سراپائے سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کا نور صرف کان لطافت وجان اضاءت ہونا ثابت، ہم حکم کرسکتے کہ حضور کے لئے سایہ نہ تھا، نہ کہ باوجود توافق عقل ونقل تسلیم میں **لیت ولعل** ہو (والھفاہ)۔

شک کرنے والا ہمیں نہیں بتاتا کہ اسے رد احادیث وطرح اقوال علماء پر کون سی بات حامل ہوئی، کیا ایسے ہی اکابر کے اقوال، ان ارشادات کے صاف برخلاف، کہیں دیکھ پائے یا عقل نے نور محض کے سایہ ہونے کی بھی کوئی راہ نکالی، جو اس نے دلائل میں تعارض جان کر شک وتردد کی بناء ڈالی اور جب ایسا نہیں تو شاید عظمت قدرت الٰہی میں تامل یا وہی بد مذہبوں کا قیاس مقلوع الاساس کہ "**مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا**" [1] (نہیں ہو تم مگر ہماری طرح بشر۔ت) اس پر باعث ہوا، جب تو آفت بہت ہی سخت ہے، اللہ تعالٰی رحم فرمائے۔

"**رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ هَدَيۡتَنَا وَهَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ رَحۡمَةً ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ⑧**" [2]۔	اے رب، ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کو تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر، بے شک تو ہے بڑا دینے والا۔ت)

قولہ ادعائے وجود ظل میں ایہام سوء ادب ہے۔

اقول: "**اَلۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ**" [3] (اب حق واضح ہوگیا۔ت) اللہ تعالٰی نے حق بات کو علو وغلبہ میں کچھ ایسی شان عجیب عطا فرمائی ہے کہ تشکیک وحیرت بلکہ تکذیب معاندت کی تاریکیوں

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/۳۶

[2] القرآن الکریم ۸/۳

[3] القرآن الکریم ۵۱/۱۲

میں بھی من حیث لایدری اپنا جلوی دکھاجاتی ہے، مجیب کو منع اصرار پر اصرار تھا،اب اقرار کرتے ہیں کہ وجود ظل ماننے میں ایہام سوء ادب ہے،اور پر ظاہر کہ ایہام گستاخی تو وہیں ہوگا جہاں عیب ومنقصت کا پہلو نکلتا ہو،اب شرع مطہر سے پوچھ دیکھئے کہ ایسی بات کا جزماو قطعاً رد وانکار وانکار واجب یا سکوت وحیرت کی کشمکش میں مہمل چھوڑ دینا مناسب نہیں۔اب تو آپ کے اقرار سے فرض قطعی ٹھہرا کہ سایہ ہونے کا اقرار بلیغ کیا جائے ار اس پر حددرجہ کا اصرار تام رکھا جائے کہ ہر اس خس وخاشاک سے جو ایہاماً واحتمالاً بھی ہوئے تنقیص دیتا ہو،ساحت نبوت کی تبریت اصول ایمان سے ہے اور بات بھی یہی ہے کہ جب سایہ کو کثافت لازم اور لطافت کاملہ عدم ظل کو مستلزم،تو بحکم مقدمہ اولی جسے عدم سایہ میں شک ہوگا وہ درخقیقت سراپائے اقدس حضرت رسالت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی لطافت متردد ہے اور سایہ ماننے والا کثافت اور نہ ماننے ولا اکمال لطافت کا معتقد ہے پھر مسلمانوں کی نفی سایہ اصرار سے منع کرنا بعینہٖ یہ کہنا ہے کہ لطافت جرچ ولا کو یقینی نہ جانو اور عیاذاً باللہ کثافت بھی محتمل مانو۔اب اس شک وابدائے احتمال کا حکم بغایت شدید ہونا چاہیے تھا مگر خیر گزری کہ لازم مذہب،مذہب نہیں قرار پاتا۔

قولہ اور اصرار بر عدم میں احتمال دعوی غیر واقع ہے۔

اقول: احادیث صحاح بخاری ومسلم یکسر اڑ گئیں؟ کہیں نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا یا ایسا کیا یا وہاں یہ واقعہ ہوا کہ جب تک تواتر نہ ہوا احتمال دعوی غیر واقعہ سب جگہ قائم کچھ دنوں خدمت شرح نصیب رہے تو خوب واضح ہوجائے کہ احتمالات مجردجو مناشی صحیحہ سے ناشی نہ ہوں تک لخت پائے اعتبار سے ساقط ہیں اور ان پر کسی طرح بنائے کار نہیں ہوسکتی ورنہ واجبات سے تو یکسر ہاتھ دھو بیٹھے کہ قطع ویقین منافی وجوب اور بے تیقن اصرار معیوب،تمیم کے طریقے بالکل مسدود کہ ہر خاک وسنگ میں احتمال نجاست موجود نص قرآنی یا احادیث متواتر میں تو ان مٹیوں کی پاکی مذکور نہیں،نہ یہ زمینیں ابتدائے خلقت سے ہر وقت ہمارے پیش نظر رہیں کہ عدم تنجس پر یقین حاصل ہو،ہر نماز کے وقت ہر بار کپڑے پاک کرنا ضرور ہو کہ ممکن ہے کوئی ناپاکی پہنچی ہو اور ہمیں اطلاع نہ ہوئی ہو،وضو وغسل وغسل ثیاب آپ غیر جاری سے روانہ ہو کہ یہاں بھی وہی آتش کاسہ میں ہے،اکثر عورتوں خصوصا زنان ہمسایہ وقرابت دار میں احتمال ہے کہ انہوں نے یا ان کی ماں یا باپ نے ناکح کی ماں کا دودھ پیا ہو یا ناکح نے جس عورت کا دودھ پیا ہو اس نے انہیں دودھ پلایا ہو یا وہ عورتیں ناکح کے باپ یا دادا یا نانا کی ممسوسہ یا منظورہ بصور معہودہ ہوں،پھر نکاح کیونکہ ہوسکے،اور جنہوں نے اس قاعدہ جدیدہ سے ناواقفی میں کرلیا ہے ان پر متارکہ لازم ہو،قاضی شہادت شہود پر حکم نہیں کرسکتا،ممکن کہ گواہ جھوٹ

بولتے ہوں یا نہیں ورت واقعہ یاد نہ رہی ہو الی غیر ذلك من المفاسد التی لاتحصی (اس کے علاوہ بے شمار فساد لازم آئیں گے۔ت) غرض اس دو حرفی قاعدہ نے ایک عالم تہ وبالا کر ڈالا، دین و دنیا کا عیش تلخ کر دیا۔

عزیزا! یہ کہنا تو اس وقت روا تھا جب کوئی حدیث اس بارہ میں وارد نہ ہوتی، نہ کلمات علماء میں اس کا پتا چلتا، نہ وجود سایہ لطافت ثابتہ کسی طرف ترجیح نہ دیتی تو کہہ سکتے تھے کہ دلیل سے کچھ ثابت نہیں ہوتا اور ایک بات پر حکم حتمی میں احتمال نسبت غیر واقعی ہے اور مسئلہ اصول دین سے نہیں، نہ ہمارا کوئی عمل یا عقیدہ اس پر موقوف، پھر خواہ مخواہ خوض بیکار سے فائدہ؟ **من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه**[1] (کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ بے مقصد باتوں کو چھوڑ دے۔ت)

ایسے ہی مقامات پر علماء محتاط سکوت و توقف کرتے اور تعارج دلائل ذکر کرکے اسی قسم کے کلمات لکھ دیتے ہیں، امثال مسائل تفاضل نساء و اثبات جنہ و حال اطفال اصحاب ضلال سے مجیب نے وہ لفظ سیکھ کر دیئے اور فرق مبحثین پر نظر نہ کی، ہم زیادہ نہیں مانگتے ایک ہی جگہ دکھا دیں کہ کوئی مسئلہ احادیث سے ثابت اور اقوال علماء سے نقل خلاف اس پر متظافر اور ایک حکم یقینی ایمانی مثل لطافت جسم نورانی صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم اسے مستلزم اور اس کے سبب عقل نورانی و حب ایمانی حقیقت مسئلہ پر حاکم ہو، پھر کسی عالم معتبر نے وہاں توقف اختیار کیا ہو اور اصول دین سے نہ ہونے یا مخالفت واقع کے احتمال کو مانع تسلیم قرار دیا ہو ورنہ یہ نو تراشیدہ مضمون قابل توبہ و استغفار ہے **ربنا اغفرلنا وللمومنین جمیعا** (اے ہمارے پروردگار! ہمیں اور تمام مومنوں کو بخش دے۔ت)

قولہ مسئلہ اصولہ عقائد سے نہیں جس کے بات میں ہر شخص کو اہتما ضرور ہو۔

اقول: مجیب صاحب (**سامحنا اللہ وایاہ بالعفو والمغفرۃ**، اللہ تعالٰی عفو و مغفرت کے ساتھ ہم سے اور اس سے درگزر فرمائے۔ت) نے اس چار سطر کے جواب میں عجب تماشا کیا ہے کہ اکثر دلیلیں جو قائم کیں ان کے صغری کہ ظاہر التسلیم تھے لکھتے گئے اور کبری کہ بدیہی البطلان تھے، مطوی فرما دیئے، مثلاً لکھا:

"محدثین اعلام نے اس کتاب کو معتبر نہیں مانا ہے۔"

---

[1] جامع الترمذی ابواب الزهد باب منہ امین کمپنی دہلی ۵۵/۲

اور کبرے کہ جس کتاب کو محدثان اعلام نے معتبر نہ مانا ہو اس کی کوئی حدیث قابل احتجاج نہیں، ترک کردیا، پھر لکھا: "مصنف نے التزام تصحیح مافیہ نہیں کیا"

اور کبری کہ جس مصنف نے یہ التزام نہ کیا اس کی حدیثیں مستند نہیں، ذکر نہ فرمایا، پھر لکھا:

" کسی حدیث کی معتبر کتاب میں الخ۔"

اور کبرے کہ جو مسئلہ کتب معتبرہ حدیث میں نہ ہو، قابل تسلیم نہیں، چھوڑ دیا۔ پھر لکھا:

"اصرار بر عدم میں احتمال الخ"

اور کبری کہ جہاں یہ احتمال ہو اس میں توقف ضرور اور تسلیم بے جا، تحریر نہ کیا۔ اب اخیر درجہ یہ لکھا کہ:

"مسئلہ اصول عقائد سے نہیں۔"

اکبری کی طرف ان لفظوں سے اشارہ کیا: "جس کے باب میں ہر شخص کو اہتمام ضرور ہو۔"

صاف کہا ہوتا کہ جو مسئلہ اصول عقائد سے نہیں، اس میں اہتمام کی کچھ حاجت نہیں۔ سبحان اللہ! ایک ذرا سے فقرہ میں تمام سائلہ فقہیہ کی بیخ کنی کردی کہ وہ بداہۃً فروع ہیں نہ اصول، پھر ان کا اتباع محل اہتمام سے معزول اور واجبات وسنن کا تو پتا نہ رہا کہ انہیں عقد قلب سے کب بہرہ ملا، اب شاید بعد ورود اعتراض یہ تخصیص یاد آئے کہ ہمارے کلام مسائل غیر متعلقہ بجوارح میں ہے

اقول: اب بھی غلط، متکلمین تصریح کرتے ہیں، مسائل خلافت اصول دینیہ سے نہیں، مواقف وشرح مواقف میں ہے:

(ولما توفاه) اشارة الی مباحث الامامة فانها وان کانت من فروع الدین الا انها الحقت باصوله دفعا للخرافات اهل البدع والاهواء وصونا للائمة المهتدین عن مطاعنهم (وفق اصحابه لنصب اکرمهم واتقهم) یعنی ابا بکر رضی الله تعالٰی عنه[1] اھ ملخصًا۔ وفیه من المصدر	(شارح فرماتے ہیں) لما توفاہ امامت کی بحث کی طرف اشارہ ہے، اگرچہ مسئلہ فروع دین سے ہے مگر اہل ہوا اور بدعتیوں کے خرافات کو دفع کرنے کے لئے اور ائمہ دین کو ان کے طعن سے بچانے کے لئے اصول دین سے ملحق کردیا (کہ تمام صحابہ کرام اپنے سے اتقی واکرم یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت پر متفق ہوگئے۔) موقف خامس میں ہے

[1] شرح المواقف خطبۃ الکتاب منشورات الشرف الرضی قم ایران ۱/۲۱و۲۲

الرابع مو الموقف الخامس فی الامامة و مباحثها لیست من اصول الدیانات والعقائد خلافاللشیعة [1] اھ	مصدر رابع امامت میں ہے امامت کی بحث اصول عقائد دین میں سے نہیں ہے بخلاف شیعوں کے (کہ ان کے نزدیک اصول دین سے ہے) اھ ت)

کیا یہ قاعدہ مخترعہ یہاں بھی اہتمام ضروی نہ رکھے گا اور اقرار وانکار امامت ائمہ کو یکساں کردے گا، ایران ومسقط کو مژدہ تہنیت، اب چین سے اپناکام کیجئے، خلافت راشدہ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں شوق سے کلام کیجئے، تیرہ صدی کی برکت سنیوں کی ہمت، اب انہیں ان مباحث سے کام ہی نہ رہا۔ حقیقت خلافت کا اہتمام ہی نہ رہا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ تعالٰی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

فقیر کو حیرت ہے باوجود توافق عقول ونقل وورود احادیث وشہادت ائمہ عدل وتقضائے خرد یمانی بحکم لطافت جرم نورانی وتاکید محبت سید اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قبول سے کیا چارہ اور ترک اصرار واہتمام کس کا یارا، اور یہ یہ بھی نہیں کھلتا کہ لفظ "ہر شخص" فرما کر عموم سلب سے سلب عموم کی طرف کیوں ہوا؟ کیا بعض کو اہتمام ضروی بھی ہے؟ اور ایسا ہو تو وہ بعض معین ہیں یا غیر معین؟ بر تقدیر ثانی کلام، مقصود پر منعکس ومنقلب ہوجائے گا اور تحرزا عن الوقوع فی المحذور ہر شخص کو اہتمام قرار پائے گا اور پہلی شق پر حکم احکم "لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ" [2] (کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کردینا۔ت) کا انقیاد ہو، اس تعین کی تبیین، پھر اس پر دلیل مبین ارشاد ہو۔

وصلی اللہ تعالٰی علیہ سیدنا محمد البدر وآلہ و اصحابہ النجوم والعلم بالحق عند اللہ ربنا تبارك و تعالٰی واھب العلوم استراح القلم من ھذا التنمیق الانیق فی العشرۃ الوسطی من ذی الحجۃ المحرم سنة ۱۲۹۷(سبع وتسعین بعد الالف و	اللہ تعالٰی درود نازل فرمائے ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر جو چودھویں کے چاند ہیں او رآپ کے آل و اصحاب پر جو روشن ستارے ہیں۔ حق کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے جو ہمارا پروردگار ہے اور علوم عطا فرمانے والا ہے۔ اس عمدہ تحریر کی تنزیین سے قلم نے حرمت والے مہینے ذوالحجہ کے درمیان عشرے کے اندر ۱۲۹۷ھ کو ایک ہی

[1] شرح المواقف المرصد الرابع منشورات الشریف الرضی قم ایران ۳۴۴/۸

[2] القرآن الکریم ۱۸۷/۳

المائتین)فی جلسة واحدة فی البلاة المطهرة مارهرة المنور ة بجنب مزار ات الکرام البررة ساداتنا و مشائخنا العرفا الخیرہ افاض اللّٰه علینا من نفحات فیوضهم العطرة امین بر حمتك یا ارحم الراحمین۔	نشست میں راحت حاصل کی۔ شہر پاک مارہرہ منورہ میں آرام فرمانے والے ان اولیائے کرام کے مزارات مقدس کے پہلو میں یہ تحریر لکھی گئی جو ہمارے سردار و مشائخ عارفین گرامی قدر ہیں۔اللہ تعالٰی ان کے فیوض معطرہ کی خوشبوئیں ہمیں عطافرمائے۔آمین ! تیری رحمت کے ساتھ اے بہترین رحم فرمانے والے۔(ت)

فصل دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

نقل تحریر کہ الحال از ریاست محمد آباد، عمرالله بالرشد والسداد وصانھا عن الشر والفساد سلسلہ سخن را جنبش تازہ داد۔	نقل تحریر از ریاست محمد آباد جس نے سلسلہ سخن کو تازہ جنبش دی،اللہ تعالٰی اس ریاست کو ہدایت و درستگی کے ساتھ آباد رکھے اور اس کو شر وفساد سے بچائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی رسوله محمد واٰله واصحابه اجمعین، امابعد مردم میگویند کہ برائے شخص مبارک عالی حضرت رسالت پناہی، نبوت دستگاہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سایہ ظل چنانچہ جملہ اجسام واجرام کثیفہ ولطیفہ رامی باشد نبود وگاہے از ابتدائے خلقت حضرت رسالت پناہی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تاآخر لقائے رب العٰلمین تعالٰی شانہ، ہمچناں بود بے سایہ وبے ظل گزرانیدہ اند۔	تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔درود وسلام نازل ہو اس کے رسول محمد مصطفٰی پر، آپ کی آل پر اور آپ کے تمام صحابہ پر۔بعدازاں لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح تمام اجسام کثیفہ ولطیفہ کے لئے سایہ ہوتا ہے، ایسا سایہ حضرت عالی مرتبہ، رسالت پناہ، نبوت دستاہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم مبارک کے لئے نہیں تھا، اور یوں بھی کہتے ہیں کہ پیدائش سے آخر عمر تک ہمیشہ سایہ نہ تھا۔

فقیر میگوید کہ ایں معجزہ درکتابیکہ لائق اعتماد باشد واہل سند واسناد آنرا بسند صحیح بیان کردہ باشند، ندیدہ ام درکتاب صحاح وسنن کہ مروج انداز کسے نشنیدہ ام کہ ثبوت کردہ اند و آنچہ اہل سیر ومغازی بیان میکنند اعتماد آں چنانچہ اہل حدیث راہست، معلوم پس ہر کرا از اہل علم ثبوت آں از روئے سند صحیح از کتاب وسنن، بیان فرمایند، اجرآں از فقیر از خدا وند تعالٰی ماموں دارند فقط۔	فقیر کہتا ہے کہ یہ معجزہ کسی ایسی کتاب میں جو لائق اعتماد ہو اور اہل سند واسناد نے اسے بسند صحیح بیان کیا ہو، میں نے نہیں دیکھا، کتب صحاح وسنن میں کسی سے نہیں سنا کہ ثابت کیا ہو۔ اہل سیر ومغازی جو بیان کرتے ہیں اس پر، جیسے کہ محدث کو اعتماد ہے، معلوم ہے، لہٰذا تمام اہل علم کو چاہیے کہ اس کا ثبوت از روئے سند صحیح کتاب وسنت سے بیان فرمائیں، اس کا اجر فقیر سے خداوند تعالٰی سے امید رکھیں۔ فقط۔ کتبہ ابو عبداللہ محمد عفی عنہ

بازاہتزاز نسیم ایمانی بپامال	فصل خزانی فصل خزانی کی پامالی کیلئے نسیم ایمان کی پھر روانی
بسم اللہ الرحمن الرحیم ط الحمدللہ خالق الظل والحرور جاعل الظلمٰت والنور، ثم الذین کفروا بربھم یعدلون والصلوٰۃ والسلام علی السراج المنیر فی نادی القلوب، القمر المنزہ عن کل کلف وخسوف ومحاق وغروب، ثم الذین فجروا عن نورہ یعمھون وعلٰی اٰلہ النجوم واصحابہ مصابیح العلوم مالم یکن للارمد عند ضوء العین سکون، سایہ پروردہ دامن ناسزائی، روئے نادیدہ نیر دانائی، فقیر ناسزا، رونق بازار معاصی فزا، سربگریبان فکر جزا،	بسم اللہ الرحمن الرحیم ط تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو سائے اور دھوپ کا خالق اور ظلمت ونور کو پیدا فرمانے والا ہے۔ پھر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ اور درود وسلام نازل ہو دلوں کی مجلس کو چمکانے والے آفتاب پر اور اس ماہتاب پر جو چھاؤں، گرہن، مٹ جانے اور غروب ہونے سے پاک ہے۔ پھر نافرمان لوگ اس کے نور سے بے بہرہ ہیں، اور ان کی آل پر جو ستارے ہیں اور اصحاب پر جو علوم کے چراغ ہیں۔ آشوب چشم والے کو سورج کی روشنی کے وقت سکون نہیں ہوتا۔ دامن نالائق کے سایہ میں پرورش پانے والا، خورشید دانائی کا چہرہ نہ دیکھنے والا، گناہ افزا بازار کی رونق، فکر جزاء میں

عبدالمصطفٰی معروف بہ احمد رضا غفراللہ لہ ما یجری منہ وما مضٰی، خدائے خود رابہ یکتائی ومصطفائے وے رابہ بے ہتمائی ستودہ مہر بہشتی چہر تحقیق وآفتاب جہاں تاب تدقیق را، چنانچہ بریزش امطار انوار، وبارش اضواء نصف النہار مے آرد کہ پیشتر از ورود ایں جواب سوال نماز وعرض اعراض فزا ووفاق شقاق آمود، ولطف عتاب آلود، فقیر حقیر درہمیں مسئلہ پیش آیندہ دوستارہ تابندہ، از آفاق سخن سرائے، باشراق جلوہ نمائے، آوردہ ام یکے کالشّمس وضحٰہا ودگر کالقمر اذا تلٰہا ہر کہ چشمے دارد از رمد پاک، وولی پذیرائے نور ادراک، بصر وبصیرتش را از تجلیہائے ظلمت روالش نیکوترین بہرہ وریہا مہیا ومہنا باد، عزیزان نوکہ طرحی تازہ افگندہ اند وراہے جدید پیش گرفتہ، اگر باینہا نیز برسم چاشگیر دے چند آویزشی کنیم، یارب برخاطر خردہ بینان خردپرور ووقت گزینان بالغ نظر، بے گوارش مرداد، اٰمین، وباللہ ثم برسولہ نستعین، **ولا وحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

قولہ مردم میگویند الخ۔

اقول: ائمہ دین یا عوام مقلدین علی الاول

پریشان، عبدالمصطفٰی معروف بہ احمد رضا (اللہ تعالٰی اسکی آئندہ وگزشتہ کوتاہیوں کو معاف فرمائے) اپنے خدا کو یکتا ولاشریک ہونے اوراس کے مصطفٰی کو بمثل ہونے کی توصیف کے بعد بہشتی چہرہ والے آفتاب تحقیق اورجہان کو روش کردینے والے خورشید کواس طرح انوار واضواء کی برسات کے ساتھ لاتا ہے کہ تمہارے سوال کے جواب اور روگردانی بڑھانے والی عرض اورخلاف پر موافقت اورعتاب آلود نرمی سے کچھ پہلے فقیر حقیر نے اس زیر نظر مسئلہ کے متعلق سرائے سخن کے کناروں سے دوچمکتے ہوئے ستارے لائے ہیں، ایک **کالشمس وضحٰہا** اوردوسرا **کالقمر اذا تلٰہا**، جو شخص صحت مند آنکھ اور قابل نور علم دل رکھتا ہے اس کی بصارت و بصیرت کو ان ستاروں کی کاشف ظلمات تجلیات سے اچھی طرح کامیابیاں مہیا ومبارک ہوں۔ نئے پیاروں نے جو تازہ طرح ڈالی اور نیا راستہ اختیار کیا، اگر ہم بھی ان کے ساتھ بطور جیسے کو تیسا (ترکی بہ ترکی) مقابلہ کریں تو اے خدا! نکتہ داں عقلمندوں اور باریک بیں بالغ نظروں کے دل پر احساس تلخی، انصاف! آمین! اللہ تعالٰی سے پھر اس کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ہم مدد چاہتے ہیں، بُلندی وعظمت والے خدا کی توفیق کے بغیر نہ گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اورنہ ہی نیکی کرنے کی قوت۔

قولہ لوگ کہتے ہیں الخ

اقول: لوگوں سے مراد ائمہ دین ہیں یا عوام

بخانہ مقصود از در نقیض آمدن ست، واستیناس نقد، بہ لباس اسد، خواستن، مگر ارشاد ائمہ بسند نیست، کہ دلیلے دیگر جوائی، یا ایں رابمنزل حضرت سلمٰی نمیر ود کہ بہ شعبے جداگانہ پوئی۔ من فقیر گمان برم وناراست نمی برم کہ ان شاء اللہ تعالٰی روئے توجہ بسوئے مقدمہ ثالثہ تحریر ثانی تافتن ہماں باشد، وایں وسوسہ را جواب شافی وعلاج کافی یافتن، ہماں، آخر نہ خدائکہ حضرات عالیہ ایشاں را بر سر امامت وارائک زعامت جائے داد وبحکم الخراج بالضمان [1] ثقل تحمل اعبائے گرانبار "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲" [2] برذمت ہمت ایشاں نہاد و ضعف وناتوانی ماعامیان نادیدہ رودبدست کم دانشی گرودید و بفحوائے "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶" [3] و "وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" [4] خوان نعمت "فَسْـٴَـلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۴۳" [5]	مقلدین؟ اگر ائمہ دین مراد ہیں تو پھر یہ خلاف مقصود کی طرف آنا اور لباس شیر میں انس نقد طلب کرنا ہے، کیا ائمہ کرام کا ارشاد ناکافی ہے کہ دوسری دلیل طلب کرتے ہو یا ائمہ دین کا یہ راستہ مطلوب تک نہیں پہنچتا، اس لئے علیحدہ پگڈنڈیوں پر بھٹکتے پھرتے ہو؟ میں گمان کرتا ہوں اور درست گمان کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی توجہ کا رخ تحریر ثانی کے مقدمہ ثالثہ کی طرف ہی پھیرنا ہوگا اور تمہارے اس وسوسہ کا وہی جواب شافی وعلاج کافی ہوگا۔ آخر خداوند تعالٰی نے حضرات عالی شان کو امامت کے تختوں اور سرداری کی سندوں پر مقام عطا نہ فرمایا اور الخراج بالضمان (خراج ضمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ت) کے فیصلہ کے مطابق "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ۝۲" (تو عبرت لو اے نگاہ والو۔ت) کے چراغوں کا بوجھ برداشت کرنا اور ان کے ذمہ ہمت پر نہ رکھا؟ اور ہم نادیدہ رو کی کمزور کو اور کم علمی کے ہاتھ گروی شدگان کو نہ دیکھا اور بہ مقتضائے "اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶" (بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔ت) اور "وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ" (اور تم پر دین میں کچھ تنگی نہ رکھی۔ت)

[1] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء من یشتری العبد ویغسلہ الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۴۵

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۲

[3] القرآن الکریم ۹۴/ ۶

[4] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[5] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و ۲۱/ ۷

چید۔ اے خوشاکسیکہ بحکم ان اللہ تصدق علیکم فاقبلوا صدقتہ[1] فرمان ایں صلائے جانفزا پذیر فت،وازکشاکش لم وکیف پاک رست وبداکسیکہ بہ ناکامی،اما ھذا فقد اعرض فاعرض اللہ عنہ[2]۔کاربرخود دشوار کردو پائے ازاندازہ گلیم بیروں کشیدن جست ع آفتاب اندرمیان آنگہ کہ میجوید سُہا	نعمت "فَسْــَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (تو اے لوگو!علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔ت) کاخانچہ نہ چنا؟ دوستو! بہت ہی خوش نصیب ہے وہ جس نے یہ تقاضائے "ان اللہ تصدق علیکم فاقبلوا صدقتہ" (بے شک اللہ نے تم پر صدقہ کیا تو اللہ تعالٰی کے صدقہ کو قبول کرو۔ت) اس روح فزافرمان کو قبول کیااور چون وچرا کے چکر سے خلاص ہوا؟اور بہت بدبخت ہے ہو جس نے "اما ھذا فقد اعرض فاعرض اللہ عنہ" (لیکن اس نے اعراض کیا تو اللہ تعالٰی نے اس سے اعراض فرمایا۔ت) کی ناکامی کے سبب اپنے اوپر کام مشکل کرلیااور اوراندازہ گودڑی سے پاؤں باہر کھینچ لئے ع آفتاب اندرمیاں آنگہ کہ میجوید سُہا (آفتاب موجود ہوتوسُہا کو کون تلاش کرتا ہے)

فائدہ: بنات النعش میں ایک باریک ستارہ ہے جس کو سہا کہتے ہیں۔

وعلی الثانی یارب مگر سیدنا وابن سیدنا حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما وحضرت ذکوان تابعی و امام ہمام حجۃ اللہ فی الانام	اور دوسری شق پر (بصورت عوام مقلدین) پناہ بخدا!کیا سیدنا عبداللہ بن عباس،حضرت ذکوان تابعی،عبداللہ بن مبارک،امام ابن الجوزی،ابن سبع

[1] صحیح مسلم کتاب صلٰوۃ المسافرین وقصرھا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۲۴۱،سنن ابی داود،باب صلٰوۃ المسافر آفتاب عالم پریس لاہور ۱ /۱۷۰،جامع الترمذی ابواب التفسیر تحت آیۃ ۴ /۱۰۱ امین کمپنی دہلی ۲ /۱۲۸،سنن ابن ماجۃ باب تقصیر الصلٰوۃ فی السفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص۷۶

[2] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتھی بہ المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱ /۱۶،صحیح مسلم کتاب السلام باب من اتی مجلسا فوجد فرجۃ الیخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲ /۲۱۷

عبداللہ بن مبارک وامام حافظ شمس الملۃ والدین ابوالفرج ابن الجوزی وامام علامہ ابن سبع وحافظ رزین محدث وامام الامہ حافظ الشرق والغرب مولانا جلال الملۃ والحق والدین ابو بکر سیوطی وامام علامہ عاشق المصطفٰی سید الحفاظ جبل الشرع والدین حبل الاللہ المتین قاضی عیاض یحصبی وامام ربانی احمد بن محمد خطیب قسطلانی وفاضل اجل محمد بن عبدالباقی زرقانی و علامہ فہامہ شہاب الملۃ والدین خفاجی وشیخ محقق سیدنا عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم ائمہ دین وجہابذ قادہ ناقدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین ونفعنا ببرکاتہم فی الدنیا والدین رامعاذ اللہ درسلک عوما منخرط شمارند، یافصوص نصوص ایناں راز زنگ غلط منزہ نہ پندارند، ان ھذا لشئی عجاب۔

حافظ رزین محدث، علامہ جلال الدین سیوطی، قاضی عیاض، امام احمد قسطلانی، علامہ زرقانی، علامہ خفاجی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرھم کو معاذ اللہ عوام میں شمار کرتے ہیں، یاان ان کے نگینہ ہائے نصوص کو زنگ اغلاط سے مصفّٰی ومبرا گمان نہیں کرتے ان ھذا لشئی عجاب (بے شک یہ عجیب بات ہے۔)

قولہ چنانچہ جملہ اجسام واجرام کثیفہ ولطیفہ رامے باشد۔

قولہ جیساکہ تمام اجسام کثیفہ ولطیفہ کے لئے ہوتا ہے۔

اقول: نازم ایں کلیت مطلقہ واحاطت مستغرقہ راکہ ہجوم عموم واغراق اطلاقش برسنگلاخ کثافت بس نکردہ خیمہ تابسرحد لطافت کشید، ماناہ عزیزاں از حقیقت ظل آگاہی ندارند۔ اے مخاطب! سایہ پروردگار مگر دانی کہ سایہ چیست؟ نیرے تافتن آغاز کرد وبہ ہر جابساط نور گستر، واجسامے ازمیان خاستہ ونفوذ اشعہ رامانع آمدہ اینہا پردہ فروہشت، وپردگی از نور مہجور گشت، ہوائے متوسط کہ حکم مقابلت وشدت قابلیت، از تنور و استضاءت بہرہ

کافی ربود، آں محروم رانیز پارہ از انجلاء ارزانی نمود۔

اقول: اس کلیّت مطلقہ اوراحاطہ مستغرقہ پر ناز کہ اس اطلاق کو سنگ کثافت پر ہی بند نہ رکھا، حد لطافت تک کھینچ ڈالا، شاید وہ دوست سایہ کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں۔ اے نازونعمت میں پلے ہوئے مخاطب! شائد تمہیں معلوم ہے سایہ کیا شے ہے؟ سورج چمکنے لگا، ہر جگہ نور کی چادر بچھا دی، درمیانی اجسام رکاوٹ بنے اور روشنی کے آگے پردہ لٹکا دیا، پردگی نور سے مہجور ہوگئی، ہوائے متوسط نے بسبب مقابلہ وشدت قابلیت روشنی سے کافی حصہ لیااور اس

کافی ربود، آں محروم رانیز پارہ از انجلاء ارزانی نمود۔ ایں ضوء ثانی را ظل نامند و نیکو روشن کہ ایں معنٰی بے حجب، وحجب بے منع نفوذ، ومنع نفوذ بے کثافت صورت نہ بندد، واوفراہ اگرایں اطلاق راست باشد اشراق ارض محال گردد کہ میان فاعل و قابل جرم آسمان حائل، بلکہ ہم از مدعا نقیض مدعا لازم آید کہ چوں جسمے ہمچو فلک درمیان سنت، استنارہ ہواکہ مضیئ ثانی ست خود چہ امکان ست، پس از روئے زمین تا سطح آسمان ہیچ جسمے راسایہ نباشد، والسالبۃ الجزئیۃ تناقض الموجبۃ الکلیۃ وتقیید مرئی بودن کہ حاجب نباشد مگر از مبصرات باآنکہ تخصیص بعدالاعتراض ست درامثال ہوا ونار جاری۔	محروم کو بھی روشنی کا کچھ حصہ عطاکیا۔ اس دوسری روشنی کو ظل کہتے ہیں اور خوب ظاہر کہ یہ معنٰی بے پردہ اور پردہ بلا منع نفوذ اور منع نفوذ کثافت کے سوا ناممکن ہے۔ہائے زیادتی! اگر یہ اطلاق درست ہو تو زمین کا روشن ہونا محال ہوجائے، اس لئے کہ سورج اور زمین کے درمیان جسم آسمان حائل ہے بلکہ تمہارے دعوی سے ہی تمہارے مدعی کی نقیض لازم آتی ہے کہ جب آسمان جیسا جسم درمیان ہے تو ہوا جو ثانوی درجہ میں روشن ہے، کیسے ممکن کہ روشن ہو، لہٰذا روئے زمین سے آسمان جیسا جسم درمیان ہے تو ہوا جو ثانوی درجہ میں روشن ہے، کیسے ممکن کہ روشن ہو، لہٰذا روئے زمین سے آسمان تک کسی جسم کا سایہ نہ ہو والسالبۃ الجزئیۃ تناقض الموجبۃ الکلیۃ (اور سالبہ جزئیہ موجبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ت) اور چونکہ جو چیزیں نظر آتی ہیں وہی پردہ بنتی ہیں اس لئے مرئی ہونے کی قید لگانا، باوجودیکہ بعد از اعتراض ہے صرف ہوا اور آگ جیسی اشیاء میں جاری ہے۔
امّا نامرئی بودن آسمان مسلم نداریم، واز شہادت بصر و ظواہر نصوص چراروئے برتابیم، مااسلامیاں راباخرافات فلاسفہ ناہنجار وافسانہ عالم نسیم وکرہ بخار چکار، وہمچو ادعاہائے نامنتظمہ راپیش ظواہر قرآن وحدیث چہ قیمت وکدام وقعت؟ قال اللہ تبارك وتعالٰی "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ"[1] و	بہر حال آسمان کا غیر مرئی ہونا ہم نہیں مانتے، ہم کیونکر عینی شہادت اور ظاہر نصوص سے روگردانی کریں، ہم اہل اسلام کو بے راہ فلسفہ کی خرافات اور کرۂ ہوا و بخار سے کیاکام؟ اور ایسے بے سرپا دعاوی کی قرآن وحدیث کے ظاہر مفہومات کے سامنے کیا قیمت اور کیسی وقعت؟ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور بیشک ہم نے نیچے کے آسمان کو چراغوں سے آراستہ کیا۔اور

[1] القرآن الکریم ۶۷/ ۵

معلوم است کہ ازیں قسم زین وشین جز در مبصرات راست نیاید، بادرانہ از پوشاک مہوشاں زریں کمر زینتے، نہ از خرقہ گدایاں دلق دربروصمتے، بلکہ اگر نیکو بنگری دراجسام کثیفہ نیز عموم بجائے خود نیست، کہ میان حجب وکثافت عموم وخصوص مطلق ست، جسم مثلث اگرچند کثیف باشد سایہ ندارد، نہ درآفتاب، نہ در ماہتاب، کہ بہ ہمیں معنے ایمائے لطیف فرمودہ اندر در کریمہ "اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍۙ(۳۰) لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِؕ(۳۱)"[1] کما استنبطہ الامام العلامۃ السیوطی فی تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل[2]	معلوم ہے کہ اس قسم کی زینت وعیب مبصرات کے سوا کسی چیز پر صادق نہیں، مثلاً کوئی کیسا ہی مہ رو زرق برق لباس پہن کر سنہری کمر بند باندھے ہوا میں کھڑا ہوجائے تو ہوا کے لئے وہ زینت نہیں کہلاتا اور اگر کوئی منگتا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہو تو وہ ہوا کیلئے عیب نہیں کہلاتا (کیونکہ ہوا مبصر نہیں) بلکہ اگر بغور دیکھیں تو اجسام کثیفہ میں بھی عموم نہیں کیونکہ حاجب بننے اور کثیف ہونے میں عموم وخصوص مطلق ہے، چنانچہ جسم مثلث کا سایہ نہیں ہوتا خواہ کتنا ہی کثیف ہو نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں، آیہ کریمہ "اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍۙ(۳۰) لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِؕ(۳۱)" (چلو اس دھوئیں کے سائے کی طرف جس کی تین شاخیں ہیں نہ سایہ دے نہ لپٹ سے بچائے) میں مفسرین کرام نے اسی معنی کی طرف لطیف اشارہ بیان فرمایا ہے کما استنبطہ الامام العلامۃ السیوطی فی تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل (جیسا کہ امام علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر الاکلیل فی استنباط التنزیل میں اس کو مستنبط فرمایا ہے۔
اللھم! مگر شبہا دیدہ باشند کہ از شعلہ شمع باآنکہ نار جرمے لطیف ست سایہ سربرمے زند وبحکم عدم فارق دست بدامن اطلاق زدند، وپے باصل کار نبردہ کہ آنچہ مے بینند	یا اللہ! شاید انہوں نے رات کو دیکھا ہوگا کہ شعلۂ شمع سے سایہ پیدا ہوتا ہے باوجودیکہ آگ جسم لطیف ہے اور اس سایہ کو آگ کا سایہ سمجھ کر بحکم عدم فارق (بین الاجسام اللطیفہ) دامن اطلاق پر ہاتھ مارا اور حکم کلی لگادیا اور

[1] القرآن الکریم ۷۷/ ۳۰ و۳۱

[2] الاکلیل فی استنباط التنزیل تحت الآیۃ ۷۷/ ۳۰ و۳۱ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ص ۲۱۹

ظل دخان ست، نہ سایہ نیّراں۔	اصل حقیقت نہ سمجھ سکے کہ یہ نظر آنے والا سایہ سایہ دخان ہے، آگ کا سایہ نہیں۔
قولہ وگاہے از ابتدائے خلقت الخ۔	**قولہ** کبھی ابتدائے آفرینش سے الخ
اقول: ہمچنیں ست واطلاق دلائل مارا بسند، ہر کہ ابدائے تخصیص کند مدعی اوست وبار ثبوت بر گردن او، شاید بر عکس نفس الامر از دستیاری قوت واہمہ در آئنہ تخیل عزیز اں مرتسم شدہ باشد کہ بایں تنصیص عویص نافیان ظل رادر اثبات نفی گونہ صعوبتے روئے خواہد نمود کہ تبیین دائمہ از تقریر مطلقہ عامہ مشکل تراست، اما ندانستہ کہ ذہن سامع در ہمچو مقام از سلب ناموقت جز بادامت سلب تبادر کند، وخلافش کہ خلاف ظاہر ست محتاج بہ دلیل باشد، واظلال سحب راکہ علماء غیر دائم گفتہ اندازیں ہت ست کہ احادیث صحیحہ بہ سایہ کردن صحابہ کرام باردیہ خود شان ومیل اشجار بہ عضون آنہا برسر حضور سید الانس والجان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ناطق شدہ، اینجا نیز اگر حدیثے معتمد بر ثبوت سایہ گواہی دہد آنگاہ از دوام سلب بہ سلب دوام نقل وعدول، متصور ومعقول، ورنہ از معرض قبول بمر احل معزول، معہذا نورانیت جسم انور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بحمد اللہ قاطع وساوس وقامع ہوا جس آمدہ ست،	**اقول:** یہی صحیح ہے اور ہمارے لئے اطلاق دلائل دلیل کافی ہے، جو شخص تخصیص کرتا ہے وہ مدعی ہے اور بار ثبوت اس کی گردن پر، شاید نفس الامر کے خلاف قوت وہمیہ کی مدد سے ان کے آئینہ تخیل میں یہ بات آئی ہوگی کہ اس مطالبہ تنصیص سے نافیان ظل کے لئے اثبات نفی میں بہت مشکلات پیش آئیں گی کیونکہ دائمہ کا اثبات مطلقہ عامہ کے اثبات سے بہت زیادہ مشکل ہے مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ سامع کا ذہن ایسے مقامات میں سلب غیر موقت سے سلب دوامی چھوڑ کر کسی بھی اور شے کی طرف متوجہ نیں ہوا اور اس کا خلاف جو خلاف ظاہر ہے وہی محتاج دلیل ہے۔ اور (آپ پر) بادلوں کے سایہ کو علماء نے اس لئے غیر دائمی فرمایا کہ صحابہ کرام کا چادروں سے اور درختوں کا اپنی شاخین جھکا کر سایہ کرنا سرکار دوعالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سر انور پر، احادیث صحیحہ سے ثابت ہوچکا ہے، اگر اس مسئلہ میں بھی کوئی معتمد حدیث گواہی دے تو اس وقت دوام سلب سے سلب دوام کی طرف عدول متصو ومعقول ہوگا ورنہ معرض قبول سے کوسوں دور، اور اس کے ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے جسم انور کی نورانیت بحمد اللہ قاطع وساوس وقامع ہوا جس آئی ہے،

وباللہ التوفیق۔	وباللہ التوفیق۔
قولہ ایں معجزہ درکا بیکہ لائق اعتماد باشد الخ۔	**قولہ** یہ معجزہ کسی ایسی کتاب میں جو لائق اعتماد ہو الخ۔
اقول: اے کاش آنکہ آفتاب نہ بیند بارے از انکار خامشی گزیند، نہ آنکہ بر بینندگان خرد شد، یا در بزم آناں نکتہ فروشد کہ سلامت در سکوت ست، ومجازف درانجام مبہوت، مگر تصانیف ائمہ ممدوحین اعتماد رانشاید، یا در جلوہ گاہ مہر وماہ شمع وچراغے دگر باید۔	**اقول:** افسوس! جس کو سورج نظر نہیں آتا وہ انکار سے صبر وخاموشی اختیار کرتا، نہ یہ کہ الٹا دیکھنے والوں پر شور وغل مچاتا یا ان کی بزم میں آکر نکتہ فروشی کرتا کیونکہ خاموشی میں سلامتی ہے اور جھوٹا آخر پریشان وناکام ہوتا ہے، کیا ائمہ کرام کی تصانیف قابل اعتماد نہیں یا پھر چاند سورج کی جلوہ گاہ میں کوئی اور دیے جلانا چاہتے ہو؟
قولہ اہل سند واسناد آنرا بسند صحیح۔	**قولہ** اہل سند واسناد نے اس کو بسند صحیح الخ۔
اقول: ساعتے باش کہ از حال مطالبہ صحت سخن گفتن داریم، وایں کہ ہم بر صحت سند پائے خامہ شکستہ است، مگر بر شذوذ وعلت راہ جرح وقدح بستہ است، ورنہ قید اسناد، علی خلاف المراد، ازچہ رو گوارا افتاد۔	**اقول:** کچھ دیر ٹھہریں کہ مطالبۂ صحت کے بارے اور صحت سند پر جو قلم کی ٹانگ توڑ دی، کے متعلق ہم بات کریں۔ شاید شذوذ وعلت پر جرح وقدح کا راستہ بند ہو چکا ہے ورنہ برخلاف مراد قید اسناد کیسے گوارا ہوئی؟
قولہ در کتب صحاح وسنن کہ مروج است۔	**قولہ** کتب صحاح وسنن میں جو مروجہ ہیں الخ
اقول: کاش روزے چند خدمت علماء ومطالعہ کلمات طیبات ایشاں روزی شدے، کہ درمجاری کلام بہ مدارج مرام تمیز مقام بدست آمدے، مقدمہ ثانیہ تحریر ثانی از دیاد دادہ وبرباد رفتہ مباداوازاں ہم صریح تر بشنو جلالت شان، ورفعت مکان، حضرت امام خاتم الحفاظ سیدنا	**اقول:** کاش تمہیں چند روز خدمت علماء کا موقع اور ان کے کلمات کا مطالعہ نصیب ہوتا اور ان کے کلام ومقاصد کے موارد ودرجات میں تمیز مقام حاصل ہوتی۔ تحریر ثانی کا دوسرا مقدمہ بڑھا دیا، برباد نہ ہو بلکہ اس اسے بھی بہت زیادہ صریح سنئے۔ حضرت امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ و

جلال الملۃ والدین سیوطی قدس سرہ العزیز علی الخصوص در فن شریف حدیث تابہ حدے واضح وجلی ست کہ معلوم ہر صبی، و مفہوم ہر غبی ست۔	الدین قدس سرہ العزیز کی جلالت شان اور رفعت مقام، خصوصًا فن حدیث میں ایسی واضح ہے کہ ہر صبی وغبی کی بھی جانی پہچانی ہے۔
امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ در شفاء شریف حدیثے نقل فرمود کہ سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بر حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چناں وچناں مے گریست، واز فضائل پاکش کذا وکذا یاد مے کرد[1]۔	امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی نے شفاء شریف میں ایک حدیث نقل کی کہ سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر اس طرح روتے اور فضائل وخصائص بیان کرتے۔
امام ممدوح المقام، اعلی اللہ درجاتہ فی دارالسلام، در تخریج احادیثش فرماید، در کتب حدیث ازیں اثر ہیچ اثرے نیست، اما اور اصاحب اقتباس الانوار وامام ابن الحاج در مدخل مفصل و مطول آوردہ اند ودر ہمچو مقام ایں قدر بہ سند ست کہ اینجا سخن از حلال وحرام نمیرود۔	امام ممدوح المقام (جلال الدین سیوطی) اعلی اللہ درجاتہ فی دار السلام) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: کتب حدیث میں اس حدیث کے بارے میں کوئی نشان نہیں ہے، البتہ صاحب اقتباس نے اور مدخل میں امام ابن الحاج نے اس کو مفصل ذکر فرمایا ہے اور اس قسم کے مقامات میں اس قدر سند کے ساتھ حدیث کافی ہے کہ یہاں حلال وحرام کا مسئلہ نہیں۔
علامہ خفاجی ایں معنٰی را از جناب رفعت قبابش نقل کردہ بمسند قبول وتقریر جائے مے دہد، حیث قال، قال السیوطی فی تخریجہ:	خفاجی اس کو حضرت امام سیوطی سے نقل کرکے مسند قبول و تقریر پر جگہ دیتے ہیں، حیث قال، قال السیوطی فی تخریجہ (جہاں کہ امام سیوطی نے اپنی تخریج میں فرمایا۔ ت):
لم اجدہ فی شیئ من کتب الاثر لکن صاحب الاقتباس الانوار وابن الحاج	میں نے اس کو کتب حدیث میں سے کسی میں نہ پایا لیکن صاحب اقتباس انوار اور مدخل میں ابن الحاج

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الاول الباب الاول الفصل الرابع دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/۳۶

فی مدخلہ ذکراہ فی ضمن حدیث طویل وکفٰی بذٰلك سند المثلہ فانہ لیس ممایتعلق بالاحکام [1]۔	نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور ایسے مسائل کے لئے اتنی ہی سند کافی ہے کیونکہ اس کا تعلق احکام سے ہے۔
عزیزا! چشم انصاف از رمد تعصب صاف بکشا، وشیوہ ائمہ دین، پس از تصحیح عقیدت بین کہ دریں چنیں مسالک چگونہ راہ رفتہ اند، وکدامیں سیر پیش گرفتہ، سپید میگویند کہ ازیں خبر در کتب الاثر لاخبر ولا اثر، باز بر مجرد ذکر بعض اعتماد واستناد روامے دارند، وحدیث راز پایہ تکمیل ساقط نمی پندارند، مگر پایہ نکتہ دانی، وترک توانی، ودروغ فلانی، بر تدقیق وتحقیق، واحتیاط انیق، ایں سادہ کرام، وقادۂ عظام، نیز چربیدہ است، کہ سخن از کتب فن دامن برچیدہ، بردائرہ تنگ صحاح وسنن مروجہ محصور ومقصور گرویدہ است **فالی اللہ المشتکٰی من یسمع فلا یسمع ویرٰی فلا یرٰی**۔	عزیزا! مرض تعصب سے تندرست چشم انصاف کھول اور عقیدہ درست کرکے ائمہ دین کا پاکیزہ شیوہ دیکھ کر ایسے مسالک میں کس طرح چلتے ہیں اور کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں، واضح طور پر کہتے کہ اس حدیث کے متعلق کتب حدیث میں نہ کوئی خبر ہے نہ نشان، پھر صرف بعض کے ذکر کرنے پر اعتماد و استناد جائز رکھتے ہیں اور حدیث کو پایہ تکمیل سے ساقط گمان نہیں کرتے، شاید اپنی نکتہ دانی، ہوشیاری وپرہیزگاری کا مقام ان سادات کرام، قائدین عظام کی تدقیق و تحقیق اور بہترین احتیاط پر بڑھا دیا کہ گفتگو نے اپنا دامن تمام کتب فن سے لپیٹ کر صحاح وسنن مروجہ کے دائرہ تنگ میں بند کردیا فالی اللہ المشتکٰی (تو اللہ تعالٰی ہی کی بارگاہ میں فریاد ہے۔ت)
قولہ وآنچہ اہل سیر ومغازی بیان میکنند۔	**قولہ** اور جو اہل سیر ومغازی بیان کرتے ہیں الخ
اقول: ہمانا گوش عزیزاں گاہے بہ امثال ایں سخناں از کلمات ائمہ والاشان آشنا شدہ است واز محال محاورہ ومجال مناظرہ	**اقول:** غالبًا عزیزوں کے کان ایسی باتوں سے تو آشنا ہوئے مگر ائمہ عالیشان کے مکالمات اور جوابی کلمات سے کچھ نہ سنا اور بے راہ گھوڑا دوڑایا،

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض الباب الاول الفصل السابع، مرکز اہلسنت برکات رضا گجرات ہند ۱/ ۲۴۸

آناں بوئے نشنیدہ بے راہہ اسپ دوانیدن گرفت، از خبیر بصیر پرس، محل ایں کلام آنست کہ قصاص واعظین، و جہال مورخین، تودہ تو دہ حکایات بے سروپا، وافسانہائے فتنہ را تکثیرًا للسواد، یاترویجًا للفساد، ورکتب خودشان مے آرند، واز مناقضہ اصول، ومعارضہ نقول، باکے ندارند، گاہے افسانہ اور یاوداستان زلیخاوصہ زہرہ وتذکرہ شجرہ، بہ نہجے تقریر کنندو ساحت عصمت حضرات رسالت، وجنود صمدیت، عیاذًا باللہ آلودہ عیبے کند، وگاہے حادثہ جمل وواقعہ صفین، ومشاجرات صحابہ، ومحاورات امہات المومنین بہ نوعے وانمایند کہ معاذاللہ بہ تنقیص مقام واجب الاعظام یکے ازاناں پہلوزند، آنجا ائمہ دین کہ خدائے ایشاں راہبر حمایت سنن ونکایت فتن برپا ساختہ است، در مقام تفصیل زبان بہ تضعیف وتزییف آں اقوال سخیف میکشایند، ودر محل اجمالی باعتماد اصول، وصحاح نقول، پیوستن وازخوض خائفاں وکشاکش ایں وآں پاک برجستن مے فرمایند، کہ دع مایریبك الی مالا یریبك[1] وایںہاکہ میگویم ہمبر سبیلِ مدارتِ	کسی دانا بینا سے پوچھ، دراصل بات یہ ہے کہ قصہ گوواعظوں اور جاہل مورخوں نے مجمع بڑھانے اور فساد پھیلانے کے لئے اپنی کتابوں میں بے سروپا حکایات اور فتنہ انگیز افسانے درج کردئے، اصول شکنی اور منقولات کی خلاف ورزی سے کچھ خوف نہ کیا، کبھی اوریا کا افسانہ، زلیخا کی داستان، زہرہ کا قصہ اور شجرہ کا تذکرہ اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ معاذاللہ عصمت انبیاء کرام ودیگر معصومین کو عیب آلود کرتے ہیں اور کبھی جنگ جمل کا حادثہ، صفین کا واقعہ، صحابہ کرام کا اختلاف اورامہات المومنین کا باہمی مکالمہ ایسے طریقہ سے نمایاں کرتے ہیں کہ معاذاللہ ان نفوس قدسیہ کے مقام واجب الاحترام کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہوتاہے، اسی وجہ سے ائمہ دین، جن کو اللہ تعالٰی نے سنن کی حمایت ونگرانی اور فساد وفتن کے محودسرکوبی کا عظیم منصب عطافرمایا ہے، مقام تفصیل میں ان ناشائستہ اقوال کا ضعف وعیب ثابت کرتے ہیں اور محل اجمال میں اصول اور منقولات صحیحہ کو مضبوط پکڑنے اور غیر ذمہ دار نکتہ چینوں کی من گھڑت حکایات حکایات سے اجتناب کا حکم فرماتے ہیں کہ دع مایریبك الی ما یریبك (جو تیرے کھٹکے اس کو چھوڑ دے اور جو نہ کھٹکے اس کو اختیار کرلے۔) اور یہ جو ہم کہتے ہیں بطورِ نرم روی وارخائے

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب تفسیر المشبھات قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۷۵

عزیزاں وارخائے عنانِ کلٗ میکند ورنہ خودچہ میگوئی ازمسئلہ کہ تن تنہاہمیں قسم مردماں بہ ذکرش انفرادوارندبہ طرقِ عدیدہ مروی آمدہ،وچندائمہ آنراہ تخریج کردہ،ناقدانِ فن سلفًاوخلفًانہ کنارِسلّمناوآغوشِ صدقنا گرفتہ،ودلیلے باہزار نصوصِ متکاثرہ براں قیام پذیرفتہ۔

مع ہذاحاشاکہ امثال مواہب،وکتاب الشفاء،ودلائل النبوہ، وتحقیق النضرہ،وخصائص خیفری،وروض سہیلی،وخلاصۃ الوفاء،وخصائصِ کبرٰی،وسیرت شامی،وسیرت حلبی وغیرہا کتبِ ائمہ دین رحمۃاللہ تعالٰے علیہم اجمعین کہ درخصائص وفضائل وسِیَروشمائل حضورپُرنورصلوات اللہ تعالٰی وسلامہ، علیہ تصنیف کردہ اند،درسلک ایں چُنیں کتب منخرط،ونزدِ محدثین ازپایہ اعتبارساقط باشد۔

ایناں کہ خداسعیِ ایںہامشکور وجزاءِ آناں موفور گرداند،چہ عمرہاکہ درتنقیح وتنقید،وتصحیح وتسوید،برسَربردہ اند،وچہ شبہاکہ درتنظیف وترصیف،تالیف وتصنیف،دُودِچراغ وخون جگر نخوردہ،وہم ایشانندکہ بہ قضیّہ لاعبرۃبماقال المؤرخون لب کشادہ اند۔

اگر مقصوداطلاق است،چنانکہ خاطرِ

عنان،خاموش کرانے کے لئے کافی ہے۔ورنہ تم اس مسئلہ کے متعلق کیاکہوگے جس کو نہ صرف ایسے لوگ ہی اکیلے بیان کررہے ہیں بلکہ بہت سے طُرق واَسانید سے مروی ہے،کئی اماموں نے تخریج فرمایاہے اورسلفًاوخلفًاناقدینِ فن نے تسلیم کیاہے اورتصدیق فرمائی ہے اوراس پرنصوصِ کثیرہ سے واضح اورمضبوط دلیل قائم ہوئی۔

پھرمع ہذاخداکی پناہ!کہ کتاب مواہب،شفاء،دلائل النبوہ، تحقیق النضرہ،خصائص خیفری،روض سہیلی،خلاصۃ الوفاء، خصائص کبرٰی،سیرتِ شامی،سیرتِ حلبی ایسی کتابیں و دیگر تصانیفِ ائمہ دین رحمہم اللہ تعالٰے،اس قسم کی غیر معتبر کتابوں میں شمارہوں اورمحدثین کے نزدیک بے اعتمادوبے اعتبارہوں۔

ان حضرات(اللہ ان کی کوشش کوسعیِ مشکوراورجزاء کو جزائے کامل بنائے)نے کیسی عمریں تنقیح وتنقیداورتصحیح وتسویدمیں گزار دیں اور کتنی بے شمارراتیں کتبِ سیرتِ طیّبہ کی تنظیف وترصیف اورتالیف وتصنیف میں دُودِچراغ اورخونِ جگرنہ پیا،یہی حضرات گرامی شان ہیں جنہوں نے لاعبرۃبماقال المؤرخون(مؤرخون کے قول کاکوئی اعتبار نہیں)کاحکم صادرفرمایاہے۔

اگر مقصوداطلاق ہے جیساکہ عزیزوں کا

عزیزاں بداں مشتاق ست، یارب، مگر محنت ایناں یکدست بر باد رفته باشد، وایں همه کاوکاوجانکاه رنگے ندادہ آبے نه گرفته، علٰی هذا ایشاں راچه روئے نمود که باوجود نابهبودوانعدام سودایں همه وقت رائیگاں کردند، وآں حاصل بیحاصل وطائل لاطائل راثمرہ اوقات، ونخبه حسنات شمردند۔ مگر سخن آنست کوچوں روئے سلمے ندیده، وبوئے سلمے نشنیده، آخر در حسن سلمی چانه بے جا مزن **واللّٰه الهادی لقمع الفساد و قلع الفتن**۔	دل اسی کا مشتاق ہے، یارب! پھر تو شائد ان کی ساری محبت بر باد وضائع ہوگئی اور یہ تمام جانگداز کوششیں کوئی رنگ لائیں نہ کوئی عزت پاسکیں۔ پھر ان ائمہ کرام کو کیا نظر آیا کہ یہ سارا وقت بے سود ضائع کردیا اور اس بے فائدہ چیز کو اپنے اوقات کا ثمرہ اور حسنات کا نتیجہ شمار کر بیٹھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ جب تو نے رخ محبوب دیکھا ہی نہیں، خوشبوئے حبیب پائی ہی نہیں تو تو حسن محبوب کے متعلق بیہودہ گوئی مت کر **واللّٰه الهادی لقمع الفساد و قلع الفتن** (اور اللہ تعالٰی ہی ہدایت دینے والا ہے فتنوں اور فساد کے خاتمہ کی)
قوله پس ہر کرا از اہل علم ثبوت آں از روئے سند صحیح الخ۔	**قوله** پس اہل علم کے لئے چاہے کہ اس کا ثبوت از روئے سند صحیح الخ۔
اقول: پیش از جواب سوال شما چند بجناب شما ارم ہر کہ داند خود بگوید "لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ"[1] ورنہ از دانندگان پر سد کہ "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ"[2]۔	**اقول:** تمہارے سوال کے جواب سے پہلے ہم چند سوال پیش کرتے ہیں، صاحب علم خود جواب دیں۔ "لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ" (کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کردینا اور نہ چھپانا) اور بے علم اہل علم سے استفادہ کریں "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (تو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو)
(۱) زید ہندہ را بشہادت دو مرد فاسق	**سوال (۱)** دو گواہوں کے سامنے زید نے ہندہ

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۷

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳ و۲۱/ ۷

بزنی گرفت، صباح نکاح خلوت ناکردہ، ترک زن میگوید، ونیمہ مہر دادن نمے خواہد، کہ نکاح مرا شہود عدول مے بایست۔	کے ساتھ نکاح کیا اور صبح خلوت سے پہلے ہی اسکو چھوڑ دیا اور نصف مہر بھی نہیں دینا چاہتا، کہتا ہے کہ میرے نکاح کے لئے گواہ عادل چاہئے۔
(۲) یوم غیم مردے بہ رویت ہلال صوم گواہی داد، صبحدم زید قلیان بدست و پان در ودہان بر آمد، کہ مرا لا اقل شہادت دو مرد باید۔	**(۲)** مطلع ابر آلود تھا ایک مرد نے روزہ کے چاند دیکھنے کی گواہی دی، صبح کے وقت زید ہاتھ میں حقہ، منہ میں پان ڈال کر باہر آیا کہ مجھے ایک مرد کی گواہی کافی نہیں دو مردوں کی شہادت چاہیے۔
(۳) عمرو زید دعوے مالے کرد، وبشہادت دو عدل اثبات نمود، زید گوید نپذیرم تا چار گواہ نباشند۔	**(۳)** عمرو نے زید پر کچھ مال کا دعوی کردیا اور دو عادل گواہوں کی شہادت سے ثابت بھی کردیا مگر زید کہتا ہے جب تک چار گواہ نہ ہوں میں قبول نہیں کرتا۔
(۴) گواہاں در امثال ونکاح شہادت بر تسامع دادند، زید گفت مرا شہود معائنہ درکارست۔	**(۴)** گواہوں نے وقف اور نکاح ایسے امور کے متعلق شنید پر گواہی دی، زید کہتا ہے مجھے عینی گواہ چاہیے۔
(۵) بکر برادرِ زید مرد، زنش نازنین از و دخترے دارد شیریں، زید مے خواہد کہ شیریں را عروس خانہ خود نماید، نازنیں گفت ستمگارا آخر از خدا شرمے کہ برادر زادہ تست، زید مے گوید مرا چہ داناند کہ قالب شیریں ہم از نطفہ بکر تخمیر یافتہ ست، آخر ہر دعوی را بینہ لازم، اینجا گواہ کہ بینہ کدام؟ نازنین گفت بر بستر برادرت زائید	**(۵)** زید کا بھائی بکر فوت ہوگیا، اس کی زوجہ مسماۃ نازنین کے بطن سے اس کی ایک لڑکی مسماۃ شیریں تھی، زید شیریں کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے۔ نازنین نے کہا ظالم! خدا سے شرم کر یہ تیری بھتیجی ہے۔ زید کہتا ہے مجھے کیا علم کہ شیریں کا بدن میرے بھائی بکر کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، آخر دعوی کے لئے گواہ لازم ہیں اور یہاں کوئی گواہ نہیں، نازنین نے کہا تیرے بھائی کے بستر پر پیدا ہوئی

الولد للفراش [1] گفت آحادم نمے شاید، حدیثے متواتر باید۔	ہے الولد للفراش (بچہ فراش کے لئے ہے) اس نے کہا یہ خبر واحد ہے مجھے خبر متواتر چاہے۔
(۶) سعید بامردماں نماز میکرد، زید اقتداء ناکردہ برمے گردد، کہ اوہمیں تنہا وضو کردہ است، ومن امامے خواہم کہ از ہر حدیث غسل آرد۔	(۶) سعید نے باجماعت نماز ادا کی مگر زید نے اقتداء نہ کی اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا کہ اس امام نے صرف وضو کیا ہے، مجھے وہ امام چاہیے جو ہر حدث سے غسل کرے۔
(۷) بر زید از خواص آیات معینہ وفضائل صور مخصوصہ احادیث صحاح خواندند کہ ببیں چناں چمنے ست شاداب وگلشنے باآب وتاب گفت بخارے نیرزد تا بخاری نیارد یا مسلم ندانم تادر مسلم نخوانم۔	(۷) مخصوص آیات کے خواص اور خاص سورتوں کے فضائل زید کو احادیث صحیحہ سے سنائے گئے کہ دیکھ یہ کیسا تر وتازہ چمنستان اور خوبصورت گلستان ہے۔ اس نے کہا ایک کانٹے برابر نہیں جب تک بخاری نہ لائے یا میں نہیں مانتا جب تک میں مسلم میں نہ پڑھ لوں۔
(۸) زید را گفتند مالک عن نافع عن ابن عمر گفت بہ ہیچ نخرم کہ معنعن ست نہ متصل بسماع۔	(۸) بطور حوالہ زید کو سند مالک عن نافع عن ابن عمر سنائی گئی، اس نے کہا میں سند معنعن پر اعتماد نہیں کرتا سند متصل بہ سماع ہونی چاہیے۔
(۹) زید گوید مفتی اطراف ریاست فلانی را اجازت مداخلت درمعارک شریعت کہ داد، گفتہ شد علمے دارند وخیلے بزرگو ارند، گفت مردماں چنیں وچناں گویند، اما فقیر ایں سخن رادر کتابے کہ لائق اعتماد باشد واہل اسناد	(۹) زید کہتا ہے کہ فلاں ریاست کے مفتی کو مسائل شرعیہ میں فتوی دینے کی کس نے اجازت دی ہے؟ کہا گیا کہ بہت بڑے عالم میں۔ اس نے کہا لوگ ایسی ویسی باتیں کرتے ہیں مگر فقیر نے اس بات کو کسی کتاب میں جو لائق اعتماد ہو اور اہل اسناد نے

[1] صحیح البخاری کتاب الخصومات باب دعوی الوصی للمیت قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۶، صحیح مسلم کتاب الرضاع باب الولد للفراش قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۰، جامع الترمذی ابواب الرضاع باب الولد للفراش امین کمپنی دہلی ۱/۱۳۸، سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب الولد للفراش آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۳۱۰

آں رابہ سند صحیح بیان کردہ باشند، ندیدہ ونہ در صحاح وسنن مروجہ از کسے شنیدہ، وآنچہ اہل صدی سیز دہم بمجرد دعوے بر زبان آرند اعتماد آں چنانچہ اہل حدیث راست معلوم۔	اس کو بہ سند صحیح بیان کیا ہو، نہیں دیکھا اور نہ صحاح وسنن مروجہ میں کسی سے سنا اور جو کچھ تیرھویں صدی کے لوگ صرف زبانی دعوی کرتے ہیں، اس کا اعتماد جس طرح اہل حدیث کو ہے معلوم ہی ہے۔
(۱۰) از مناقب رجال وفضائلِ اعمال ہزار درہزار احادیث حِسان وصوالح برزید خوانند شوخ چشم گوید بے صحت اسناد خرط القتاد۔	**(۱۰)** مناقب وفضائل کے متعلق ہزاروں حدیثیں حسن وصالح زید کو سنائی گئیں، وہ شوخ چشم کہتا ہے کہ صحت اسناد کے سوا خرط القتاد ہے (یعنی بے سود اور نقصان دہ ہے)
دریں صُوَرِ دہ گانہ از حضراتِ علماءِ ایدھم اللہ تعالٰی بالفوز المبین، استفتاء میرود کہ دریں ہر ہمہ صور زید نزد شرعِ مطہّر برخطا وایں چنیں مطالبہ ومواخذہ اش محض فضول وبیجاست یانہ؟ بَیِّنُوا تُوجَروا۔	ان دس۱۰ صورتوں کے بارے میں علمائے کرام (اللہ تعالٰی ان کی روشن کامیابی سے مدد فرمائے) سے فتوٰی مطلوب کہ ان تمام صورتوں میں زید شرعِ مطہّر کے نزدیک غلطی پر ہے یا نہیں اور اس کے مطالبات ومواخذات بے جا وفضول ہیں یا نہیں؟ بیان فرماؤ اجر پاؤ گے۔
حالیا اگر از خدمتِ علماء فرمان رسد کہ زید فضولی میکند، وبر شرع مے افزاید، نہ جوازِ نکاح را عدالت شہود درکار، نہ دریوم غیم تعدّد نظار، نہ درمعاملہ مال بیش از دو گواہ، نہ در وقف و نکاح شہادت نگاہ، فراش مثبت نسب فرزند، ودر حلال حرام آحاد بسند، واز ہر حدث غسل چہ ضرور، وقبول در صحیحین غیر محصور، مالک ونافع از تدلیس بری، پس عنعنہ ایشاں چوں سماع جلی، حدیث در علم	فی الحال اگر علمائے کرام کی طرف سے حکم ملے کہ زید زیادتی کرتا ہے، شریعت پر تجاوز کرتا ہے، جوازِ نکاح کے لئے عدالتِ شہود ضروری نہیں۔ بادل ہوں تو ایک سے زیادہ گواہ لازم نہیں۔ مالی معاملہ میں دو۲ سے زیادہ گواہوں کا مطالبہ درست نہیں۔ وقف ونکاح میں شہادتِ عینی کا لزوم بھی نہیں۔ فراش ثبوتِ نسب کے لئے کافی ہیں، اور حلال وحرام کے لئے آحاد کافی ہیں۔ ہر حدث سے غسل کیوں ضروری ہے؟ صرف صحیحین کی احادیث میں قبول بند نہیں۔ مالک ونافع تدلیس سے بَری ہیں لہذا

فلانی نیاید ومناقب وفضائل راصحت نیاید یازیداہ ایں چہ ہرچہ زہ چانگی وجوشِ دیوانگی ست کہ ہرجاخواستنی مے خواہی، وبرقدرِ مطلوب افزائی ایں مطالبہ ہائے ازپیشِ خود تراشیدہات، زنہار ناپذیر فتنی، وبے چارہ مطالبان از تجشم اتباعِ ہوایت غنی۔

تم الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

عزیزا ! آنگاہ ازیں جواب، جوابِ سوال خودت دریاب، کہ ایں طلب عزیزاں نیزبہ ہمیں طلبہا ماندہ وایں ناگفتنی گفتن، وناجستنی جستن، روزے، بروز زیدت نشاند۔

سخنے پرسمت راست گووبہانہ مگیرتو وخدائے تودرکتب دیدہ یا از علماء شنیدہ کہ درہچو محال وسیع المجال حسن وصلاح بکار نیاید، وغیرازصحت چیزے نشاید، ونقولِ علماء پائے ندارد، وقبول ائمہ بارے نیارد، ورنہ الزام غیرلازم، ورديقين جازم، چہ قیامت ذوق یافتہ کہ سرازہمہ تافتہ ع

فان کنت لاتدری فتلك مصیبة
وان کنت تدری فالمصیبة اعظم[1]

اُن کا اسنادِ معنعن سماعِ جلی کا حکم رکھتا ہے۔ فلاں کے علم ثابت کرنے کے لئے حدیث نہیں آتی۔ مناقب وفضائل کے لئے حدیثِ صحیح کا موجود ہو ناضروری نہیں، پس اومُردہ دل زید! یہ کیامفت کا بکواس اور جوشِ جنونی کہ تو ہرجگہ بے ضرورت دلیل مانگتاہے یاقدرِ مطلوب سے زیادہ طلب کرتاہے۔ تیرے یہ تمام مطالبات اپنے ہی مَن گھڑت اور نامقبول ہیں اور مجیبِ مطالب تیری خواہشات کے مطابق جواب کی مشقّت برداشت کرنے سے بے نیاز ہے۔ تم الجواب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب

اے عزیز! اب اس جواب سے اپنے سوالوں کا جواب دریافت کرکہ ہی مطالبات انہی مطالبات کی مثل ہیں اور ہی ناگفتنی باتیں اور نالائق طلب مطالبہ ایک دن تجھے زید کی جگہ بٹھائے گا۔

میں تم سے ایک بات پُوچھتاہوں، سچ کہنااور بہانہ نہ بنانا، کیا تم نے کتابوں میں دیکھایا علماء سے سُنا کہ ایسے وسیع تر مقامات میں حسن وصالح حدیث بیکار ہے اور صحت کے سوا کوئی چیز درکار نہیں اور علمائے کرام کے منقولات کا کوئی درجہ و مقام نہیں؟ اور قبولِ ائمہ کچھ وزن نہیں رکھتا؟ ورنہ غیر لازم کا الزام اور یقینِ جازم کارَد، کیامطلب؟ عجیب ذوق ہے کہ سب کو ٹھکرادیا۔

(ترجمہ شعر) "اگرتُو نہیں جانتاتو یہ ایک مصیبت ہے
اور اگرتُو جانتاہے تومصیبت بہت بھاری ہے۔"

[1] نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض فصل فی تفضیلہ بالمحبۃ والخلۃ مرکز اہلسنت گجرات ہند ۲/ ۳۲۸

وزنہار رندانی کہ ایں بال وپرے کہ مے فشانم از انت کہ حدیث راضعیف میدانم بلکہ بر تصانیف امامِ حجت سیدنا عبداللہ بن مبارک وقوف نیافتہ ام ورنہ گمان نہ آنچناں ست کہ مخالف راجائے شادی باشد۔	اور یہ ہر گز نہ سمجھیں کہ میں نے اتنی تفصیلی گفتگو اس لئے کی ہے کہ حدیث کو ضعیف جانتاہوں بلکہ امامِ حجت سیّدنا عبداللہ بن مبارک کی تصانیف سے واقف نہیں ہوں ورنہ اس طرح گمان نہیں کہ مخالف خوش ہو۔
سیدی عبداللہ از اعاظم ائمہ وتبع تابعین است، غالب مشائخ ورجالش ہمیں تابعین وصحابہ باشند، یا تبع کہ باایشاں درخور وآزمودن احوال شاں کرد، ودراں زماں چنانکہ دانی غالب عدالت بود، ولہٰذا استاذش سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ بہ اصالت عدالت قائل شدہ است، وخود ایں ناقدین کہ تلقی بالقبول کردہ اند مگر بدمی بری کہ نادیدہ راہ رفتہ اند۔	سیدی حضرت عبداللہ بن مبارک عظیم ترین اماموں اور تبع تابعین سے ہیں، ان کے اکثر مشائخ یہی تابعین وصحابہ ہیں یا تبع اور ان کے کوائف وحالات کی اچھی طرح جانچ پڑتال کی، اور جس طرح کہ تم خود جانتے ہو اس زمانہ میں عدالت غالب تھی، اسی وجہ سے ان کے استاد سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اصل عدالت کے قائل ہیں اور خود ناقدین نے تلقی بالقبول کی ہے اور ان کا یہ تلقی بالقبول کا اقدام پوری دیانتداری اور کامل انشراح صدر کے ساتھ ہے، اندھی تقلید نہیں ہے۔
جان برادر! تو وایمان تو ایں ہمہ ائمہ اولی الایدی والابصار کہ یک زبان بر نفی ظل گواہی دہند، پناہم بخدائے اگر سخن یکے از ایناں یا امثال ایناں بر طبق مزعوم خودت یابی چہ غلغلہا کہ نکنی وکلہ بر آسماں افگنی وبر خویشتن بالی وپیش ہر کسے نالی کہ ہے انچہ ستم ست، امامے چناں از نفی ظل بر کراں وفلانے تن نمی دہد، وگوش نمی نہد، حالیا کہ ستم از تست خدارا دمے نصاف دہ وکلاہ غرور را از سر بنہ،	جان برادر! یہ جو تمام ائمہ کرام بیک زبان نفی ظل کی گواہی دیتے ہیں، اگر ان میں یا ان کے ہمسر ائمہ سے کوئی بات تو اپنے مزعومہ کے مطابق پاتا تو وہ کون سا شور جو برپا نہ کرتا، کلہ آسمان پر چڑھاتا اور پھولا نہ سماتا، ہر ایک کے آگے آہ وزاری کرتا کہ ہائے یہ کیا ظلم ہے، ایسا امام نفی ظل کا قائل نہیں، نہ اس کو قبول کرتا ہے نہ اس کی طرف کان لگاتا ہے لہٰذا اس وقت ظلم تیری طرف سے ہے، خدارا انصاف کر اور تکبر

کہ چرا راہ ایشاں نمی سپری، واز اتفاق دامن کشاں میگذری، حدیث خواہی ؟ حدیث حاضر، نقول جوئی ؟ نقول ظاہر، دلیل طلبی؟ دلیل موجود، نقیض جوئی؟ نقیض مفقود، باز کدامیں سنگ در رہ، وکبک در موزہ است کہ جائے تسلیم سبزے بینم، وروئے خلاف سرخ، وچہرہ انصاف زرد، وجبین قرطاس زنا گفتنیہا سیاہ، عیاذم بخدائے مگر آنکہ مصطفٰے را صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم از نور خود ش آفرید، ومہر نیم روز و ماہ نیم ماہ را کینہ گدائے سرکارش گردانید، نتواند کہ سرو جانفزائے مارا بے سایہ پرورد، وشاخ گلے کہ ہزار چمنستان جاں فدائے ہر رگ و برگ او باد، از گل زمین لطافت، بر جوئبار نظافت، پاک از ہمہ کثافت سر براورد۔	کی ٹوپی سر سے اتار، کیوں ان ائمہ کرام کی راہ پر نہیں چلتا اور اتفاق سے دور کیوں بھاگتا ہے حدیث مطلوب ہے تو حاضر، اگر نقول چاہئیں تو نقول واضح ہیں، دلیل کی طلب ہے تو دلیل موجود، لیکن اگر نقیض کی خواہش ہے تو وہ معدوم ہے۔ تو اب کون سا پتھر راستہ میں پڑا ہے، کیوں تسلیم کا مقام خالی دیکھتا ہوں، خلاف کا چہرہ خوش، انصاف کا چہرہ شرم وحیاء سے زرد، اور کاغذ کی پیشانی شرمناک باتوں سے سیاہ، خدا کی پناہ! لیکن قادر مطلق جل وعلا جس نے مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اپنے نور خاص سے پیدا فرمایا اور خورشید درخشانندہ وبدر درخشندہ کو ان کی سرکار کا ادنی گداگر بنایا، کیا وہ یہ نہیں کر سکتا کہ ہمارے سرو جانفزا کو بغیر سایہ کے پرورش فرمائے اور وہ شاخ گل جس کے ہر رگ وبرگ پر ہزاروں چمنستان قربان ہوں، پاکیزگی کہ نہر پر گل زمین لطافت سے، ہر قسم کی کثافت سے پاک پیدا ہو۔
وصلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ قدر حسنہ وجمالہ وجاھہ وجلالہ وجودہ ونوالہ وعزہ و کمالہ ونعمہ و افضالہ ورشدہ فی افعالہ وجھدہ فی اعمالہ وصدقہ فی اقوالہ وحسن جمیع خصالہ ومحمودیۃ فعالہ وعلینا معشر الملتثمین لنعالہ والمتعلقین باذیالہ	اور درود نازل فرمائے اللہ تعالٰی آپ پر اور آپ کی آل پر جس قدر آپ کا حسن، جمال، مرتبہ، بزرگی، فیاضی، عطا، عزت، کمال، نعمتیں، نوازش، افعال میں رشد، اعمال میں محنت، اقوال میں سچائی، تمام خصلتوں میں حسن اور عادات میں پسندیدگی ہے، اور ہم پر بھی جو آپ کے نعلین مبارک کو بوسہ دینے والے اور آپ کے دامن کو تھامنے والے ہیں۔ اے معبود برحق

امین الله الحق امین! این ست سطرے چند کہ با عموم غموم، وہجوم ہموم، وتراکم امراض وتلاطم اعراض، برنہجے کہ خدائے خواست، دردو جلسہ گیسوآراست، من فقیرمی خواستم کہ زلف سخن راشانہ دگر کشم، اما چہ کنم کہ دریں کوردہ از وطن دور، واز کتب مہجور افتادہ ام، ایں جاجزء شفاء ونسیم الریاض، مطالع المسرت وبعض کتب فقہ ہیچک بدستم نیست، ورنہ اولی الانظار دیدندے آنچہ دیدندے۔ ولکن من یرد الله خیرہ یشرح بھذا القدر صدرہ وما ذلك علی الله بعزیز ان ذلك علی الله یسیر. ان الله علی کل شی قدیر. وکان ذلك لمنتصف جمادی الاخری عام تسع وتسعین بعد الالف والمائتین۔	ہماری دعا کو قبول فرما۔ یہ چند سطر تیح جس طرح خدانے چاہا، غم واندوہ کے اجتماع اور امراض وعوارض کے ازدحام کے باوجود دو جلسوں میں تحریر کی گئیں، دل چاہتا ہے کہ زلف سخن دوسری کنگھی سے سنواروں، مگر کیا کروں اس اندھی بستی میں وطن سے دور ہوں، کتابیں پاس نہیں، یہاں سوائے شفاء نسیم الریاض، مطالع المسرات اور بعض کتب فقہ کے کوئی کتاب موجود نہیں، ورنہ آنکھ والے دیکھتے جو دیکھتے۔ لیکن الله تعالٰی جس کی بھلائی کا ارادہ فرمائے اسی قدر سے اس کا سینہ کھول دے، اور الله تعالٰی پر یہ کوئی مشکل نہیں، بے شک الله تعالٰی کے لئے یہ آسان ہے، بے شک الله تعالٰی ہر شے پر قادر ہے۔ یہ نصف جمادی الاخری ۱۲۹۹ھ کو مکمل ہوا۔ (ت)

رسالہ

هدی الحیران فی نفی الفی عن سید الاکوان

ختم ہوا